اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کوڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے' آئزک بیل' راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان' ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک خبر کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"ڈینی یا کرمانی؟" اس اخبار کی کئی انچ چوڑی اور پورے صفحے پر پھیلی ہوئی وہ سہ لفظی سرخی ایک سوالیہ نشان کے ساتھ بہت نمایاں اور دہشت انگیز نظر آرہی تھی۔

ان تین الفاظ کے نیچے جمی ہوئی ذیلی سرخی میں ارب پتی یہودی سرمایہ دار آئزک بیل کی سی آئی اے کے ہاتھوں گرفتاری کا ذکر تھا۔ دوسرے اخبار کی سرخیاں اتنی سنسنی خیز نہیں تھیں۔ وہ میں نے ویرا کے حوالے کردیا اور خود پوری خبر کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

گیپ امریکی حکومت اور اس کے سازشی شرکا کے درمیان کیا ہوا ایک ایسا سیاہ اور شرمناک معاہدہ تھا کہ سرکاری طور پر کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیا جاسکتا تھا۔ وہ اسی وقت تک اہم اور موثر تھا جب تک اس کا راز متعلقہ فریقوں کے درمیان محدود تھا۔ آئزک بیل کے ہاتھوں سے گیپ کے پانچوں اصل کاغذات نکل جانے کے بعد خبر میں اس کی طرف خفیف ترین اشارہ تک نہیں کیا گیا تھا لیکن اخباری نامہ نگار نے اس بات پر کھلی کھلی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ واشنگٹن اور نیویارک میں بہت زیادہ معتبر اور بارسوخ تصور کیے جانے والے ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ کے سر پر اچانک ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر اسے ایک عام اور بے یار و مددگار امریکی کی طرح کسی نے گولی مار کر بری طرح زخمی کردیا۔ اس سے پہلے کہ نیویارک کی انتظامیہ اس کو وی وی آئی پی علاج معالجے اور دیکھ بھال کی خصوصی سہولتیں فراہم کرتی' اس کی گاڑی میں رکھا ہوا سوٹ کیس ایک ہولناک دھماکے سے پھٹ گیا۔

اس دھماکے میں ایک اہل کار کی موت اور متعدد افراد کے زخمی ہونے کے بعد بھی مقامی انتظامیہ اس کے لیے فکر و تشویش کا اظہار کرتی رہی مگر آدھی رات کو حالات نے نہ جانے کیا پلٹا کھایا کہ فیر فیکس اور ورجینیا کے دوسرے مرکزی مقامات سے سی آئی اے والوں کا ایک لشکر گاڑیوں اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے نیویارک پہنچا اور نہایت سرعت سے آئزک بیل کو اپنی تحویل میں لے کر فوری طور پر ورجینیا واپس لوٹ گیا۔

سی آئی اے کے ذمے داروں نے اس پورے گوریلا ایکشن پر سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی لیکن آئزک بیل نے اسٹریچر پر اسپتال سے جاتے ہوئے اخباری نمائندوں کو دیکھ کر غصیلی مگر نقاہت آلود آواز میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے ڈینی نے اس حال کو پہنچایا تھا۔

آئزک بیل کے اسی الزام سے اخبار نے اپنی سرخی نکالی تھی جب کہ دوسری طرف کی خبریں یہ تھیں کہ سی آئی اے والے نیویارک پولیس کی مدد سے پورے شہر میں عباس کرمانی نامی کسی ایرانی نژاد شخص کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

آئزک بیل پر حملہ آور ہونے والوں کی سیاہ بیوک کا نمبر جعلی ثابت ہونے کے بعد یہ بات کھل گئی تھی کہ اس پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حملہ کیا گیا تھا۔ اخبار کی دلیل یہ تھی کہ جب آئزک بیل خود ڈینی نامی اشتہاری مجرم کو ناکام قاتلانہ حملے کا ملزم نامزد کررہا تھا تو سی آئی اے اسے بھول کر عباس کرمانی کو کیوں تلاش کررہی تھی؟ وہ کون تھا؟ یکایک وہ اس قدر اہم کیسے ہوگیا تھا کہ آئزک بیل کی گرفتاری کے ساتھ پورے نیویارک میں سرگرمی سے اس کی تلاش کی ہمہ گیر مہم شروع کردی گئی تھی؟

سرکاری اداروں سے کوئی اشارہ نہ ملنے کی وجہ سے اخبار نے اپنی ایک کہانی گھڑلی تھی جس میں ذرا بھی جان نہیں تھی۔ اس کی اہمیت بس اتنی ہی تھی کہ اس میں میرا نام شہ سرخی کی زینت بنادیا گیا تھا۔

وہ واقعہ بہت غیر معمولی تھا۔ پورا اخبار اسی واقعے کے بارے میں چھوٹی بڑی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان خبروں سے آئزک بیل کا کردار پوری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آگیا تھا۔

وہ کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر ٹریفک کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرکے گاڑی پارک کیے کیوں کھڑا تھا؟ وہ گاڑی سے اتر کر کس کا انتظار کررہا تھا؟ اس کے بڑے بریف کیس یا چھوٹے سوٹ کیس میں ڈالروں کے نیچے سادے کاغذوں کی گڈیاں کیوں بھری ہوئی تھیں؟ رقم اور سادہ کاغذوں سے بھرے ہوئے اس سوٹ کیس میں ٹائم بم کیوں نصب کیا گیا تھا؟ وہ ڈینی سے کیوں خوف زدہ تھا؟ کیا ڈینی امریکا میں موجود ہے؟

سوالات کی ایک بھرمار تھی جو اس واردات کے حوالے سے

منطقی طور پر جنم لے چکی تھی اور آئزک بیل کے لیے ان میں سے کسی سوال کا جواب دینا آسان نہیں تھا۔

یہ سب سامنے کی کہانیاں اور ظاہری سوالات تھے۔

آئزک بیل کی طرف سے سی آئی اے کے بڑوں کی برہمی کے بارے میں بدری ناتھ مجھے بتا چکا تھا۔ وہ لوگ امریکی سی ون تھرٹی کے ذریعے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر سلطان شاہ کے ہاتھوں اس جہاز کے یرغمال بنائے جانے کے قصوں میں آئزک بیل کے کردار پر ناخوش تھے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ بدری ناتھ نے گیپ کا مسودہ اس کی تحویل سے نکل کر عباس کرمانی کے قبضے میں پہنچنے کی خبر دے کر انہیں وہ سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

آئزک بیل کو نیویارک کے اسپتال سے اٹھالے جانے کے لیے سی آئی اے والے اتنی رازداری اور سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے تھے کہ ان کی کارروائی مکمل ہونے تک کسی کو کانوں کان ان کے عزائم کی خبر نہیں ہوسکی تھی مگر آئزک بیل کی گرفتاری کی تصدیق ہوتے ہی ایف بی آئی والے بھی اسے اپنا مطلوب مجرم قرار دے رہے تھے۔

نیویارک کی ایک ایکسپریس وے پر ہونے والے مہلک دھماکے کی ذمے داری آئزک بیل پر عائد ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک پولیس افسر ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے وہ دہشت گردی کی ایک ناکام کارروائی تھی جس کے نتیجے میں مطلوبہ شخص کے بجائے بے گناہ سرکاری ملازمین ہلاک اور زخمی ہوئے تھے اور وہ ایف بی آئی کا کیس بن گیا تھا۔

جب تک آئزک بیل کے ستارے اس کی یاوری کررہے تھے' وہ امریکا میں بہت طاقتور اور ناقابلِ شکست نظر آرہا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے امریکا کے صدر سے لے کر بیورو کریسی تک سب اس کے حامی اور مددگار ہیں لیکن وقت کی ذرا سی کروٹ سے سب کچھ یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سی آئی اے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے کے ساتھ ساتھ نیویارک کے ریاستی حکام بھی اس کے خلاف اپنی فردِ جرم تیار کرچکے ہوں گے۔

ٹائم بم کے مہلک دھماکے کا واقعہ ان کی ریاست میں پیش آیا تھا اور اس کے متاثرین امکانی طور پر اسی ریاست کے باشندے تھے۔ وہ اپنے مجرم کو وفاق کے حوالے کرکے چین کی بنسری نہیں بجاسکتے تھے۔ اپنے لوگوں کے تحفظ کے لیے قانونی کارروائی کی پہلی اور بنیادی ذمے داری ان ہی پر عائد ہوتی تھی۔

اپنے سر سے گیپ نامی معاہدے کا سایہ ہٹتے ہی آئزک بیل ہر طرف سے اس بری طرح عتاب میں آیا تھا کہ مجھے اس کے مصائب پر یقین کرنا دشوار ہورہا تھا۔

وہ معاہدہ آئزک بیل کے لیے ایک سرحدی لکیر کی طرح ثابت ہوا تھا۔ اس لکیر کے ایک طرف طاقت' اختیار' اثرورسوخ اور مطلق العنانی کے ساتھ بے لگام زندگی گزارنے کی آزادیاں اس کا مقدر تھیں اور اس لکیر کے اس پار ذلت ورسوائی کے کئی طوق اس کے منتظر تھے۔

میرے چہرے پر ابھرنے والے تجسّس اور اضطراب نے ویرا کو بھی ان سنسنی خیز اخباری شہ سرخیوں کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ اس نے میرے عقب میں آکر میرے ساتھ ساتھ ہی وہ سب کچھ پڑھ ڈالا تھا۔ ساتھ ہی وہ بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں میں اپنے ردِعمل کا مظاہرہ بھی کرتی جارہی تھی۔

میں نے خبریں چاٹ لینے کے بعد وہ دونوں اخبار ایک طرف ڈالے تو ویرا کا مطالعہ تشنہ تھا۔ اس نے لپک کر ان اوراق کو اٹھالیا۔

"یہ بہت برا ہوا..... بہت برا" وہ اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے ہیجان انگیز سرگوشیانہ آواز میں بولی "اس بڑی سرخی میں تو تمہارا نام کھل کر آیا ہے..."

"اپنی آواز دھیمی رکھو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کے کان میں بہت دھیمی آواز میں غرا کر کہا "بیکسٹر گونگا ہے' بہرا نہیں ہے۔"

"تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کررہے؟" اس بار ویرا کی آواز واقعی بہت نیچی ہوگئی تھی "ہوسکتا ہے کہ وہ عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما رچا کر دراصل تم کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں۔ تمہیں دھوکا دینے کے لیے انہوں نے خود ہی اخبارات کو یہ کور اسٹوری فراہم کی ہو۔"

"بعض اوقات تم بالکل کند ذہن ہوکر رہ جاتی ہو.... فی الحال یہ بھولی رہو کہ خبر میں میرا نام آیا ہے۔ وہ ڈینی نام کا کوئی اور بھی تیسرا شخص ہوسکتا ہے..."

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرح ہم کھل کر بات کرسکیں گے اور اس گونگے کو کسی بات پر شبہ تک نہیں ہوسکے گا" اس نے خوش ہوکر جلدی سے کہا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "اس وقت شاید ہم دونوں ہی اخبار دیکھ کر اعصاب زدہ ہوگئے ہیں اور بے سروپا باتیں کررہے ہیں۔"

ویرا کا منہ بن گیا "اس وقت میں نے کون سی بے سروپا بات کہی ہے؟"

"میں نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ تمہارے ساتھ شاید میری عقل بھی چرنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔ بیکسٹر گونگا ہو یا بہرا' ایک بات یقینی ہے کہ وہ اردو سے اسی طرح نابلد ہے جیسے میں ہسپانوی زبان میں پیدل ہوں۔ ہم اپنے جوش اور جذبات پر قابو رکھیں تو اس کے فرشتوں کو بھی ہماری گفتگو میں دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ اب آرام سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر بات کرو۔"

ویرا کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کرسی سنبھال لی۔

غیر متوقع طور پر پیش آنے والے پُرخطر یا ہنگامی حالات میں یوں ہی ہوتا ہے کہ ہجوم میں سے کوئی آواز لگادے کہ کوّا کان لے

گیا تو کوئی اپنے اور دوسروں کے کانوں کا جائزہ لینے کی زحمت نہیں کرتا، پوری بھیڑ اس خیالی کوّے کے پیچھے دوڑ لگا دیتی ہے جو کسی کا کان نہیں لے گیا ہوتا۔

اس وقت ہم دونوں ہی ذہنی دباؤ اور عدم تحفظ کے احساسات میں مبتلا تھے۔ میرے ذہن میں ایک دور از کار اندیشے نے سر ابھارا اور ویرا نے سوچے سمجھے بغیر اس اندیشے کو جوں کا توں تسلیم کر لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ میری وہ غیر منطقی ذہنی حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔

"تم اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے میرے ذہن کو یوں ہی بھٹکاتے رہتے ہو" ویرا نے اپنی خفّت مٹانے کے لیے ترشی سے کہا۔ "تم نے خبروں کے ذریعے دھوکا دینے والی بات کا جواب نہیں دیا۔"

"یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب انہیں بدری پر شبہ ہوتا کہ وہ انہیں کسی فرضی ایرانی سائے کے پیچھے دوڑانے کی سازش کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ لمبی دوڑ لگا کر اسحاق گھنٹی کو یہاں سے اٹھا کر نہ لے جاتے۔"

"کیا گھنٹی کی گرفتاری کے لیے یہ جواز کافی نہیں تھا کہ اس کے بریف کیس میں ہونے والے دھماکے سے ایک پولیس افسر ہلاک ہو گیا تھا؟" ویرا نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل ابھی تک چرنے گئی ہوئی ہے۔ وہ مہلک دھماکا شام ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ ہوا تھا۔ انہوں نے اس کی گرفتاری کے لیے آدھی رات کا وقت کیوں منتخب کیا؟ دراصل یہ کھیل میری اور بدری کی گفتگو کے بعد شروع ہوا۔ اوقات کا تعین یہ بتا رہا ہے کہ بدری نے ان لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اسحاق گھنٹی سبز فائل کے پانچوں کاغذ ایرانی ایجنٹ کو سونپ کر یا اس کے ہاتھوں ان سے محروم ہو کر بالکل یتیم ہو چکا تھا۔ اس کے لامحدود دفاعی ہتھیار کے ناکارہ ہونے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے اسپتال پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ کر سکے..."

"وہ پکڑا گیا مگر تمہارا نام بھی جھنڈے پر چڑھ گیا" ویرا نے بات کا رخ بدل دیا۔

یہ اس کا خاص انداز تھا۔ وہ کسی بھی نکتے پر کبھی کھل کر اپنی ہار نہیں مانتی تھی۔ جوں ہی اس کی گرفت کا امکان قوی ہونا شروع ہوتا، وہ جھٹ گفتگو کا موضوع بدل دیتی تھی۔

"سرخی نے مجھے بھی دہلا دیا تھا" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "متن پڑھنے کے بعد مجھے اس شوشے کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اسحاق گھنٹی اب ہارا ہوا جواری ہے۔ اس کی کسی بات کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ ساری مہم عباس کی تلاش پر مرکوز رہے گی۔"

"یہ کہانی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ ورجینیا میں امریکا کے بہترین سازشی دماغ موجود ہیں۔ ایران میں امریکا دشمن انقلاب آجانے کے باوجود وہاں ان کے گماشتوں کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہے۔ وہ جلد ہی یہ کھوج نکال لیں گے کہ ایرانی خفیہ سروس میں عباس کرمانی کا کوئی وجود نہیں ہے اور تہران والے گیپ کے معاملے میں بے خبر ہیں۔"

"ان نتائج پر پہنچنے کے لیے انہیں کافی وقت درکار ہوگا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے ہزاروں میل دور جا چکے ہوں گے۔ جہاں حالات خطرناک ہوں، وہاں تجربے کار ایجنٹ خود خطرہ مول لینے کے بجائے کرائے کے آدمیوں سے کام چلاتے ہیں۔ کرمانی ان میں سے بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے فارسی میں ذرا بھی استعداد ہوتی تو میں دیکھتا کہ وہ کرمانی کے وجود پر کیسے شبہ کرتے ہیں۔"

"فارسی میں تم امریکا والوں کو صرف تیل کے دام ہی بتا سکتے ہو۔ میں فارسی کے بس چند الفاظ جانتی ہوں لیکن ایرانیوں کے سے لب و لہجے میں انگریزی ضرور بول سکتی ہوں۔ اگر تم ڈھنگ کی کوئی بات سوچ رہے ہو تو میں تمہاری معاونت کر سکتی ہوں۔"

ویرا کی اس پیش کش نے چند ثانیوں کے لیے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ کام اس سے بھی لیا جا سکتا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس طرح ایک مرتبہ پھر سوچنے والوں کو یہ اشارہ مل جاتا کہ ان کے خلاف میدان میں ایک جوڑا اترا ہوا ہے۔

امریکا دشمن جوڑے کا ذکر آتے ہی ان دنوں ہر باخبر شخص کے ذہن میں میرا اور ویرا کا نام ابھرتا تھا۔ ہم دونوں کے خلاف تشہیر کی بھرپور انعامی مہم اتنے زور شور سے چلائی گئی تھی کہ اس کے بد اثرات ہمیں کسی بھی وقت اپنی گرفت میں لے سکتے تھے۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ سامنے کوئی متبادل راہ نہیں

تھی۔ اسی اثنا میں مجھے مرعوب کرنے کے لیے ویرا نے ایرانی لب و لہجے میں انگریزی کے چند فقرے ادا کیے تو میں چونک پڑا۔

بے جگر اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کامیاب اداکارہ اور صداکارہ بھی تھی۔ میں اپنی آنکھیں بند کرلیتا تو تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میرے سامنے کسی ایرانی خانم کے بجائے ویرا لائیڈ بیٹھی ہوئی انگریزی جھاڑ رہی ہوگی۔

کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا ہی بہتر تھا۔ میں نے بہت سرعت کے ساتھ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد ویرا کو بریف کرنا شروع کردیا۔

میری بریفنگ سن کر ویرا قائل ہوگئی کہ عباس کرمانی کے خود ساختہ کردار میں جان ڈالنے کے لیے اپنے مخالفین کو گم راہ کرنا ضروری تھا۔

ویرا اشاروں کے استعمال میں جھنجلا دینے والی ناکامی کے بعد لکھ کر بیکسٹر کو کچھ سمجھانے کا ارادہ کررہی تھی کہ اس گونگے کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ادب اور نرمی سے ویرا کے ہاتھ سے بال پین لیا اور تیزی سے پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔

میں سگریٹ کے گہرے کش لے کر خاموشی سے اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

بیکسٹر کی تحریر مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا بھنّا کر پھٹ پڑی۔ ”ہاں، ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم صرف گونگے ہو، بہرے نہیں ہو۔ میری ہر بات سن اور سمجھ سکتے ہو۔ اشاروں کے ذریعے میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ تمہارے جواب سمجھنا میرے لیے کتنا دشوار ہوتا ہے۔ پتا نہیں تمہارے جیسے دلیر جنگ جو شخص کو تمہارا آقا ہماری خدمت میں کیوں ضائع کررہا ہے۔ تم سے بہتر...“

میں نے بڑھ کر سختی سے ویرا کے دہانے پر ہاتھ جما کر اسے خاموش کردیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ بے خیالی میں سرزد ہونے والی اپنی حماقت پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ بے رحمی کے ساتھ بیکسٹر کی دل آزاری پر تل چکی تھی۔

بیکسٹر کی کدورت ہمارے لیے کسی بھی وقت سنگین مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔

”سوری، بیکسٹر!“ میں نے ویرا کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”نفسیات میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد اس لڑکی کا دماغ پھر گیا ہے۔ ابھی اس نے تمہارے اشاروں کی نقل کرکے تمہارے نرم ردِعمل کا مشاہدہ کیا۔ اب یہ تمہیں اشتعال دلا کر دوسرا تجربہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ بہت نامناسب بات ہے۔ تم انسان ہو، کوئی تجرباتی مشین نہیں ہو۔“

میری بات پوری ہونے سے پہلے بیکسٹر نے کاغذ پر بال پین گھسیٹنا شروع کردیا۔ لکھنے سے فارغ ہوکر اس نے پیڈ اٹھا کر میرے سامنے کردیا۔ اس کا چہرہ فخر اور خوشی کے احساسات سے تمتما رہا تھا۔

اس کی تحریر پڑھ کر میں حیران رہ گیا، اس نے لکھا تھا ”اتنی اچھی مسی پریوں ظلم نہ کرو۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ جو کچھ بھی کرتی ہے، اچھی لگتی ہے۔“

”بیکسٹر، یو گٹ آؤٹ!“ میں نے غرّا کر درشت لہجے میں اسے حکم دیا ”میرے طلب کئے بغیر تم اپنے کمرے سے نکل کر اس چھت کے نیچے نہیں آؤگے۔“

اس گونگے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھکا، کندھے اچکائے اور مڑ کر مغموم انداز میں نکاس کے راستے کی طرف چل دیا۔ میری پھٹکار سن کر اس کا چہرہ یک بہ یک بجھ گیا تھا۔

ٹیلی فون لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی میں مقامی رابطے کسی خوف یا خطرے کے بغیر کئے جاسکتے تھے لیکن شہر یا ملک سے باہر فون کرنے کی صورت میں بلنگ ریکارڈ کے لیے کچھ کوائف سی ایس ڈی پر اثر انداز ہوئے بغیر خودکار طریقے سے ریکارڈ ہونے یقینی تھے۔

ان کوائف میں دوسرے نمبر اور گفتگو کے دورانیے کا ریکارڈ ہونا ہر شک و شبے سے بالا تھا۔ اس کا تجربہ میں پاکستان جیسے ملک میں برسوں سے کرتا چلا آرہا تھا۔ محض اسی خوف کی بنا پر میں نے ہوٹل پین پلازا چھوڑا تھا۔ امریکا میں جہاں اس وقت تک کمپیوٹر زندگی کے ہر شعبے میں دخیل ہوچکا تھا، سی آئی اے والوں کے لیے فون کے بلنگ ریکارڈ سے یہ سراغ لگانا مشکل نہیں تھا کہ رچمنڈ کے جیفرسن ہوٹل میں مقیم بدری ناتھ کو نیویارک کے کس نمبر سے فون کیا جاتا رہا تھا۔

وہ الجھنیں میرے ذہن کے کسی عقبی حصے میں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود تھیں مگر میں ویرا اور بیکسٹر کی تازہ ترین جھڑپ سے غافل نہیں تھا۔ میں نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا ”اس وقت تم نے بیکسٹر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ وہ ایسے سلوک کا مستحق نہیں تھا۔“

”تم دخل نہ دیتے تو میں شاید اسے جوتے مار کر یہاں سے نکال دیتی“ ویرا نے برہمی کے عالم میں کہا ”حرام زادہ ایسی مرمٹنے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ غصے میں، میں یہ تک بھول بیٹھی کہ وہ صرف گونگا ہے، بہرا نہیں ہے۔ ندیدے مردوں کو میں ہمیشہ سے اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی آئی ہوں۔“

”اس میں بیکسٹر زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ قدرت نے تمہیں اتنی فیاضی سے حسن و جمال کی رعنائیوں سے نوازا ہے کہ لوگ بے اختیار تمہاری طرف جھکنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ وہ بے چارہ تمہاری جھاڑ سن کر بھی تمہارے ہی گن گا رہا تھا۔ یقین نہ ہو تو پیڈ کی آخری تحریر پڑھ لو۔“

بیکسٹر کے گھسیٹے ہوئے آخری فقرے ویرا کی نظروں سے محفوظ رہے تھے۔ انہیں پڑھتے ہی ایک مرتبہ پھر اس کا پارہ چڑھنے لگا۔

میں نے خاصی مشکل سے اس کا دماغ ٹھنڈا کیا اور اسے یاد دلایا کہ وہ ایک اہم ذمے داری اپنے سر لے بیٹھی ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی فون ڈائریکٹری کی طرف متوجہ ہوگئی۔
معاً میرے کانوں میں ایک دبی دبی اور کریہہ سی چیخ کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کرنے کی کوشش کی جارہی ہو۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ ویرا اپنی جھلاّہٹ کی وجہ سے شاید اس غیر معمولی آواز پر دھیان نہیں دے سکی تھی۔
میں اسے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی میں مصروف چھوڑ کر خاموشی سے کچن سے نکل گیا۔
باہر چمکیلی دھوپ اور صاف ستھری فضا میں مختصر سا سرسبز لان نکھرا نکھرا سا نظر آرہا تھا۔ میرے لیے ان خوب صورت منظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میرے کان مکان کے کسی بھی حصے سے ابھرنے والی کسی غیر معمولی آواز پر جمے ہوئے تھے اور میں چوکنّے انداز میں اِدھراُدھر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ گھٹی گھٹی اور ڈراؤنی آواز دوبارہ میرے کان کے پردوں سے ٹکرائی اور اس بار میں نے اندازہ لگالیا کہ آواز کا مخرج مکان کے عقب میں واقع تھا۔
وہ مکان مختصر تھا پھر بھی اس کی کوئی دیوار احاطے یا پڑوس کی دیوار سے ملی ہوئی نہیں تھی۔ اندر قدم رکھے بغیر احاطے میں سے ہی پورے گھر کا طواف کیا جاسکتا تھا۔
مکان کے پچھواڑے بند گیراج اور اسی سے ملحق سرونٹ کوارٹر تھا۔ پیش قدمی کے ساتھ میرے کانوں میں دبی دبی سسکیوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ ان کے درمیان میں تیسری بار ابھرنے والی ہلکی سی چیخ نے آخر کار مجھے سرونٹ کوارٹر کے دروازے پر پہنچادیا۔
بیکسٹر مجھ سے زیادہ دراز قامت اور توانا نظر آتا تھا۔ اس وقت یہی شبہ ہوسکتا تھا کہ کوئی پہلے سے اس کمرے میں موجود تھا جس نے گونگے بیکسٹر کو بے خبری میں جکڑ لیا تھا اور اب فائر کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر، گلا گھونٹ کر اسے مارنے کے درپے تھا۔
دروازہ بند تھا، کھڑکی پر پردہ کھنچا ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ تھا۔ میں دبے قدموں کھڑکی سے جالگا۔
ذرا سی جستجو کے بعد دوہرے پردے کی درمیانی جھری سے اندر کا منظر دیکھتے ہی میری کھوپڑی خلا میں معلق ہوگئی۔
وہ بہت صاف ستھرا اور قرینے سے آراستہ کمرا تھا۔ وہاں کسی قسم کی مزاحمت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس بڑی سی مسہری پر شکن آلود بستر پر بیکسٹر خود بائیں پہلو کے بل کئی تکیوں کے درمیان سمٹا شاید بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس کے ہلتے ہوئے جسم کے ساتھ اس کی سسکیاں اور پھر گھٹی گھٹی ایک دلدوز چیخ سن کر میں ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکا کہ وہ گونگا ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر قدرے کھسکا ہوا بھی تھا۔

ہماری رفاقت کو پہلا دن بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ وہ بلیک ڈیڈ کی طرف سے ہماری خدمت پر مامور کیا گیا ایک عام سا ملازم تھا۔ ویرا کی برہمی یا میری سرزنش پر اس کا وہ انتہائی جذباتی ردِ عمل دیکھ کر میں مداخلت کیے بغیر خاموشی سے لوٹ گیا۔
ویرا بیٹھک میں ٹیلی وژن کے سامنے جمی سگریٹ نوشی میں مصروف تھی "کیا اس لعنتی کالیے کو منانے گئے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔
"میں یہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں محصور ہوچکا ہے یا باہر چوکھٹ سے لگا بیٹھا ہے" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "جب تک وہ منہ لپیٹے اپنے بستر میں پڑا ہوا ہے، ہم آزادی کے ساتھ بات چیت کرسکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنا کام پورا کرلیا یا میرے انتظار میں ہو؟"
"میں کسی کا انتظار نہیں کرتی" اس نے اپنی گردن اکڑا کے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ٹائمز کے دفتر میں اس وقت طوفان مچا ہوا ہوگا۔ میں نے اس کے سینئر نیوز ایڈیٹر کو دھمکی دی ہے کہ نیویارک میں عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما ختم نہ ہوا تو ورلڈ ٹریڈ سینٹر سمیت، مین ہٹن کی کوئی بھی مصروف اور فلک بوس عمارت بموں سے اڑادی جائے گی۔"
"تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا؟" میں نے خوش ہوکر متجسس لہجے میں پوچھا۔
"کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عباس کرمانی کا نام اور لہجہ ہی میرے تعارف کے لیے کافی تھا۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر میں نے غیر ضروری باتوں میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اپنا پیغام پہنچا کر فوراً ہی فون بند کردیا۔"
حریف کی صفوں میں انتشار اور خوف وہراس پھیلانے کے لیے ایسی کارروائیاں ناگزیر تھیں۔ میں نے وہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "سب کچھ ٹھیک جارہا ہے۔ بس ہم بدری سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔"
"مجھے تم سے اختلاف ہے۔ مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہم ایک جگہ تھم کر رہ گئے ہیں" ویرا نے فضا میں سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے کہا۔
"اگر تمہاری مراد ٹھکانے سے ہے تو ہم نیویارک میں ضرور رکے ہوئے ہیں لیکن ہم نے پرنسٹن میں بھی ایک اہم کام سرانجام دیا ہے۔"
"نیویارک میں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" وہ قدرے تنک کر بولی "واقعات میں پیش رفت نہیں ہورہی۔ اب شاید اگلے چند روز بالکل ہی جمود رہے گا۔"
"کراچی کے ایٹمی بجلی گھر میں تخریب کاری کا سرا یہاں دریافت ہوا۔ وہاں بھیجے جانے والے پرزوں میں تخریب کاری کی سازش پرنسٹن میں ناکام بنائی گئی۔ گیپ کا اہم ترین مسودہ حاصل

کیا گیا اور سب سے بڑھ کر، اسحاق گھنٹی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے خاتمے کو تم نے اپنی زندگی کا انتقامی مشن بنایا ہوا تھا..."

"میں مانتی ہوں کہ میرا مشن پورا ہو گیا۔ اس کا جو انجام ہوا ہے اس میں کوئی مزہ نہیں آیا۔ اسے ہم کسی پیاسے کتے کی طرح بھگا بھگا کر اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرتے تو میرے دل میں واقعی ٹھنڈک پڑ جاتی" ویرا کے لہجے سے اس کی دلی خلش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"دراصل سب کچھ آسانی اور سبک روی سے حاصل ہوتا چلا گیا اس لیے تمہیں محرومی ستا رہی ہے۔ یہی نتائج زبردست کشت و خون کے بعد حاصل ہوئے ہوتے تو تمہاری خوں ریز انا کو تسکین مل جاتی۔ جینی نہ ملی ہوتی تو ہم اب تک بھٹک رہے ہوتے۔"

"ہاں..... تم کہہ سکتے ہو۔ جینی نے بڑی معصومانہ بے خبری میں اسحاق گھنٹی کے پیروں کے نیچے سے تختہ کھینچ لیا ورنہ ابھی لڑائی جاری ہوتی" وہ مسکرا کے بولی۔

"تم بھول رہی ہو کہ یہاں ہماری حیثیت کتنی مخدوش ہے۔ ہمارا شمار بدترین اشتہاری مجرموں میں کیا جا رہا ہے پھر بھی ہم زندہ اور محفوظ ہیں۔ تمہارا بدترین دشمن دھیرے دھیرے موت کی بھیانک دلدل میں اترتا جا رہا ہے۔"

"کاش وہ برقی کرسی کا ایندھن بن سکے!" ویرا نے حسرت آمیز لہجے میں کہا "میں مانتی ہوں کہ وہ بہت بری طرح پھنسا ہے لیکن تم نیویارک کے یہودی فتنہ گروں سے واقف نہیں ہو۔ اسے بچانے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ وہ عدالتوں میں اپنی بقا کی قانونی جنگ لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور ہم اپنی بقا کے لیے کمزور غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے قانون کے محافظوں کو عباس کرمانی نامی مفروضے کے پیچھے دوڑا رہے ہیں۔"

"تم دیکھنا کہ ٹائمز کے سینئر نیوز ایڈیٹر سے تمہاری گفتگو کیا رنگ دکھاتی ہے" میں نے پُریقین لہجے میں کہا "کھلی جنگ میں ان ہتھکنڈوں کو مصلحت اور حکمتِ عملی کا نام دیا جاتا ہے۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میری دھمکی پر وہ تلاش کی مہم ترک کر دیں گے۔ صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ برسرِعام کر رہے ہیں 'اب چوری چھپے کرتے رہیں گے۔"

"تم خود اس بات کا اعتراف کرتی رہی ہو کہ امریکی عام طور پر بزدل ہوتے ہیں..."

"یہ میں نے کہا؟" اس نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر پوچھا۔

"امریکی بہت نڈر اور بے جگر ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا میں سفید فاموں کی آبادکاری کا آغاز بدنام مجرموں اور ہولناک قاتلوں نے کیا تھا۔ ان کی نسلوں میں جرم اور دیدہ دلیری کا خمیر آج بھی باقی ہے۔"

"تم بہک رہی ہو۔ میں تاریخ کی نہیں' آج کے امریکا کی بات کر رہا ہوں۔ ان جنگوں کی بات کر رہا ہوں جنہیں امریکی عوام کی تائید حاصل رہی ہے..."

ویرا کو اپنی بھولی ہوئی بات فوراً یاد آ گئی۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا "ہاں' یہ درست ہے۔ امریکیوں نے آج تک اپنی سرزمین پر کسی جنگ کا مزہ نہیں چکھا۔ وہ دوسروں کے علاقوں میں لڑ کر ہارتے اور جیتتے رہے ہیں۔"

"تمہاری آج کی دھمکی یہاں کی رائے عامہ کو ہلا کر رکھ دے گی" میں نے کہا "کیا تم تصور کر سکتی ہو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر' راک فیلر سینٹر یا کسی اور ہائی رائز میں ہونے والے دھماکے یہاں کیسی بھیانک جانی اور مالی تباہی لا سکتے ہیں؟"

"رائے عامہ کے دباؤ کا احترام ضرور کیا جاتا ہے لیکن سی آئی اے والے جونک بن کر اپنے دشمنوں کا پیچھا جاری رکھتے ہیں۔ وہ عباس کرمانی کی تلاش ترک نہیں کریں گے۔"

"یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ بس ذرا ان کا زور ٹوٹ جائے گا اور ہمیں اس مکان سے باہر گھومنے پھرنے کی تھوڑی سی آزادی میسر آ جائے گی۔"

"تم باہر کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے آنکھیں نکال کے پوچھا۔

"دو کام بہت اہم ہیں۔ بدری ناتھ کا کزن شیام ناتھ اور دوسرا ڈاک خانہ!"

ویرا کے بشرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی "میں سمجھی تمہارا کہیں اور جانے کا ارادہ ہے۔"

میں نے اس کا مدعا بھانپ کر کہا "اب تم چاہو تو ہم دونوں ہی جینی سے ملنے جا سکتے ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ اسحاق گھنٹی نے سی آئی اے کی حوالات سے ہدایات جاری کر کے وہاں سے اپنے آدمی ہٹا لیے ہوں گے؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"اب اس کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں رہی۔ مات ہوتی ہے تو ہر مہرہ اپنی جگہ پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے انجام سے باخبر ہوتے ہی ہر محاذ سے اس کے آدمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہوں گے۔ کل رات وہ بہت خوف زدہ تھی۔ اسے تمہارے

سہارے کی ضرورت تھی۔"
"مجھے معلوم ہے۔ اس کے لیے ہم اپنی گردنیں نہیں کٹوا سکتے تھے۔ وہ کتنی بھی خوف زدہ رہی ہو، مجھے یقین ہے کہ مری نہیں ہوگی۔ میں اسے ابھی فون کیے لیتی ہوں۔"
ویرا فوراً ہی اسپیکر فون پر جینی کا نمبر ملانے لگی۔ اس کے کہے بغیر مجھے معلوم تھا کہ مجھے گفتگو سننے کی مگر اس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔
نمبر ملتے ہی جینی نے پہلی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ ویرا کی آواز پہچانتے ہی اس نے شکوے شروع کردیے "پچھلی رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ مجھے مان تھا کہ مجھے سہارا دینے کے لیے تم ہر رکاوٹ کو عبور کرکے میرے پاس پہنچو گی۔ میں نے پوری رات آہٹوں پر چونک چونک کر سہمتے ہوئے گزاری۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ صبح تک میں زندہ بچوں گی۔"
ویرا خاموشی سے اس کی شکایات سنتی رہی پھر بولی "اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ آج کی خبروں سے تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ پچھلی رات ہمارے لیے بھی کم کٹھن نہیں تھی۔ شکاری کتے ہمارے خون کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ نہ پکڑا جاتا تو ہم مار دیے گئے ہوتے۔" ویرا نے اپنے لہجے میں شدت پیدا کرکے جینی کی طبیعت کا ابال وہیں ختم کردیا۔
"خدا کا شکر ہے کہ رات گزر گئی۔ تم بھی زندہ ہو اور میں بھی تم سے باتیں کررہی ہوں۔"
"کیا رات سے تم اپنے گھر میں ہی محصور ہو؟" ویرا نے تجسس سے پوچھا۔
"نہیں، تم نے مجھے ڈرا دیا تھا کہ میں دفتر نہ گئی تو میری ذات شبہات کی زد میں آجائے گی۔ بے خوابی کے اثرات کو میک اپ کی تہوں میں چھپا کے دفتر گئی تو وہاں الّو بول رہے تھے۔ گیارہواں فلور سیل پڑا ہوا تھا۔ دونوں خاص لفٹیں بند تھیں اور ایک فیڈرل ایجنسی کے دو افسر رنگس کے ملازموں کے کوائف نوٹ کرکے انہیں لوٹا رہے تھے۔ ان مرحلوں سے گزر کر میں گھر لوٹ آئی۔"
"خطرات چھٹ چکے ہیں۔ اب تم بے فکری سے گھوم پھر سکتی ہو۔"
"مجھے یہ سب ایک بھیانک خواب معلوم ہورہا ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ زخمی کیسے ہوا اور پھر رات گئے کیسے دھر لیا گیا...." جینی مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"تم پُرکشش اور ذہین لڑکی ہو۔ ان فضول باتوں پر اپنا سر نہ کھپاؤ۔ یک سو ہوکر کوئی نئی نوکری تلاش کرو۔ رنگس کے دن اب گنے جاچکے ہیں۔"
"مجھے نوکری کی اتنی جلدی نہیں۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد ہی سوچوں گی۔ کہیں یہ سب میری دی ہوئی اسی فائل کی وجہ سے تو نہیں ہوا جس کی تلاش میں وہ پاگل ہوا جارہا تھا؟"
"وہ اہم ضرور تھی لیکن ان واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" ویرا کا لہجہ اچانک سرد ہوگیا "تمہیں منع کیا تھا کہ آئندہ اس کا نام نہ لینا۔ وہ فائل مصیبت کا پیغام ہے۔ جس کے پاس جائے گی اس کو اسی انجام کو پہنچا دے گی جس سے تمہارا باس دوچار ہوا ہے۔"
"پھر تم میرے پاس کب آرہی ہو؟" جینی اس سے مل کر اپنے سوالوں کے جوابات پانے کی خواہاں تھی۔
"پُرخطر اور دہشت انگیز رات گزر گئی۔ اب کسی وقت بھی تمہاری طرف آجائیں گے۔ اسلم نے تمہارا گھر دیکھا ہی ہوا ہے۔ کسی وقت اچانک پہنچیں گے۔"
"تم نے رات کو اسلم سے میری بات بھی نہیں کرائی۔" جینی نے ویرا کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔
"وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کہیں نکل گیا تھا اور اب تک غائب ہے۔" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر جینی کو جواب دیا "وہ بہت... خودسر بلکہ سرپھرا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا گزارا ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ عام آدمی مجھے بے ہودہ لگتے ہیں۔"
"اوہ خدا! تو کیا رات سے تم اسی نائٹ کلب کے تہ خانے میں قید ہو؟" جینی بے چاری کی تحیر زدہ آواز ویرا کے لیے ہمدردی کے جذبات سے لبریز تھی۔
"تمہارا کیا خیال تھا؟ میں کسی آرام دہ کمرے میں عیش کررہی ہوں؟"
"اوہ، ڈارلنگ، سوری! آئی ایم ویری سوری۔" جینی کی آواز مزید جذباتی ہوگئی "کاش میں اس آڑے وقت میں تمہارے کام آسکتی۔ میرا گھر کافی بڑا ہے۔ تم دونوں بہت آرام سے یہاں رہ سکتے ہو۔ کاش! میں تمہارے کسی کام آسکتی۔"
ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "رات میں تمہارے کام نہیں آسکی۔ اب تم بے بس ہو۔ ہمارا آپس کا حساب مفت میں برابر ہوگیا۔"
مزید چند نجی مکالموں کے تبادلے کے بعد ویرا نے فون بند کردیا۔
"تمہارے دماغ پر جینی اس بری طرح سوار ہے کہ تم نے اب تک یہ نہیں پوچھا کہ مجھے ڈاک خانے میں کیا کام ہے۔" میں نے ویرا کو چھیڑا۔ دراصل میں اس موضوع پر ویرا سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ براہِ راست ایسی کوئی بات چھیڑتا تو وہ بقراط بننے کی کوشش کرنے لگتی۔
"بلکہ یہ بھی بتادو کہ شیام ناتھ کے پاس تمہیں کیا کام ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔
"ہوسکتا ہے کہ وہاں سے بدری کا کوئی پیغام مل سکے۔ راستے میں کہیں سے اول خان کو فون کروں گا۔ اب تک سلطان شاہ کو

امریکی ائر ایمبولینس کے ذریعے انقرہ سے کراچی پہنچ جانا چاہیے۔ میں اس پرواز کی سلامتی کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔"

"اس پروگرام میں ڈاک خانے کا کوئی تذکرہ نہیں آیا۔ کیا سلطان شاہ کو مبارک باد کا ٹیلی گرام بھیجنے کا ارادہ ہے؟" ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ خیال بھی برا نہیں ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں رہ کر بھی ہم ہر وقت اس کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں اسی کے ساتھ گیپ کے پانچوں اصل کاغذ اول خان کو پوسٹ کردوں گا۔" میں نے غیر محسوس انداز میں وہ سنگین مسئلہ پیش کردیا۔

"پہلے تمہارا خیال تھا کہ وہ پانچوں کاغذات امریکا میں تمہارے لیے سلامتی کے ضامن ثابت ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے تیوریاں چڑھا کر ناقدانہ انداز میں کہا۔

"یہ خیال اس وقت درست ہوتا جب ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہوتا۔ یہاں آدم خوروں سے پالا پڑا ہوا ہے۔ انہیں شبہ بھی ہوگیا کہ وہ پانچوں کاغذ میری تحویل میں ہیں تو وہ کسی قیمت پر مجھے یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ معاہدے کے کاغذ حاصل کرنے کے لیے میرا ذرخرا چیر کر رکھ دیں گے۔ ایسی صورت میں وہ کاغذ موت کا پروانہ ثابت ہوسکتے ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑگئی۔ میں نے بھی سگریٹ سلگا کر اسے سوچنے کا موقع فراہم کردیا۔ چند ثانیوں بعد وہ خود ہی بولنے لگی "پاکستان کے خیرخواہوں کو وائٹ ہاؤس میں بیٹھنے والوں کی مکروہ صورتیں دکھانے کے لیے گیپ کے پانچوں اصل کاغذوں کا امریکا سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ نقل کی تصدیق کے لیے اصل کا ہمارے قبضے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ اسٹیشنری کے صدارتی واٹر مارک فوٹو کاپی میں نہیں آسکتے۔ اس گندے معاہدے پر لوگ اسی وقت یقین کریں گے جب وہ اپنی آنکھوں سے اصل دیکھیں گے لیکن پھر ہم یہاں بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔"

میرے لیے اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ویرا نے میری تجویز کی تائید کی تھی ورنہ اس کے فوائد اور نقصانات پر میں پہلے ہی ہر پہلو سے بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

اپنے کسی برے وقت میں گیپ کے ان اصل کاغذوں کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بنانا ہمارے لیے خودکشی کے مترادف ہوتا۔ بظاہر ہماری ہر شرط کو منظور کرکے اسی پوزیشن میں پہنچا دیا جاتا جس میں آئزک بیل بلیک ڈیڈ کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوا تھا۔

ہمارے حریف اتنے شقی القلب اور خوں خوار تھے کہ وہ ہماری جانیں لینے سے کم کسی منصوبے پر غور تک نہ کرتے اور کاغذات سے محرومی کے ساتھ ہی ہمیں بادلِ ناخواستہ داعیِ اجل کو لبیک کہنا پڑجاتا جو اس راستے کا کوئی بہتر انجام نہ ہوتا۔

گیپ کے اصل کاغذات کو امریکا سے باہر بھیج دینے کے بعد ہم اس کی نقل سے ہر کام لے سکتے تھے۔ کسی سودے بازی کے لیے یہ شرط بھی رکھی جاسکتی تھی کہ ہمیں حفاظت کے ساتھ امریکا سے باہر پہنچا کر معاہدے کے اصل کاغذ حاصل کیے جاسکتے ہیں اور وہ پانچ اصل کاغذوں تک رسائی سے پہلے ہمیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوجاتے۔

"مجھے اول خان کو ہدایت دینی ہوگی کہ امریکا سے ہماری واپسی تک گیپ کا راز فاش نہ کیا جائے ورنہ ہمارا کھیل خراب ہوسکتا ہے۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"یہ ضروری ہوگا.... میری رائے میں وہ کاغذ ڈاک سے بھیج کر تم بڑا خطرہ مول لوگے۔" ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر پُرتشویش لہجے میں کہا "کاغذ گم بھی ہوسکتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں کہ امریکی اپنے ملک سے روزانہ باہر جانے والے لاکھوں خطوط کو سنسر کرکے یہ کاغذ اڑانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے کراچی کے اخباروں میں کئی بار غیر ملکی ڈاک کے کھلے ہوئے لفافوں اور ڈاک کے اَدھ جلے بنڈلوں کی دریافت کی شکایات پڑھی ہیں۔ بدقسمتی سے تمہارا لفافہ کسی کام چور ڈاکیے کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ کبھی اول خان تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

عام ڈاک کے بارے میں ویرا کے اس مشورے پر حرف گیری کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ ویرا خبروں کی بات کررہی تھی' میں ذاتی طور پر بارہا ایسے تجربوں سے گزر چکا تھا کہ خط غائب ہوگیا یا کوئی بھاری لفافہ ملا تو اسے پھاڑ کر یا کھول کر تلاشی لینے کی تمام تر نشانیاں موجود تھیں۔

ایسی شکایات کی ذمے داری ڈاک لانے والے مظلوم اہل کار کے سر نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ ڈاک کی تقسیم کے آخری مرحلے پر لفافہ اس کے ہاتھ آنے سے پہلے متعدد منازل' مراحل اور ہاتھوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔ ان میں اصل مجرم کی صحیح نشان دہی ناممکن ہوکر رہ جاتی ہے۔

ان مذموم شکایات کا ازالہ ذمے داری کے انفرادی احساس سے ہی ہوسکتا تھا۔ یہ بدقسمتی ہے کہ ہم اجتماعی اور انفرادی طور پر اس اثاثے سے محروم ہیں۔

رجسٹری کی صورت میں وہ لفافہ نیویارک کے پوسٹ آفس سے ہی اہمیت اختیار کرلیتا جب کہ میں کسی امریکی کو یہ شائبہ تک نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ میرے لفافے میں کوئی اہم چیز پاکستان بھیجی جارہی ہے۔ ملی جلی بھاری عام ڈاک کے مقابلے میں مختلف ممالک کے لیے انفرادی طور پر وصول کیے ہوئے پیکٹ اور لفافے بہت آسانی سے سنسر یا تلاشی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ میں خود ہی اول خان کو گیپ کے کاغذ پہنچا کر واپس لوٹ آؤں؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"واشنگٹن اور نیویارک میں تمہارے بہت سے سفارتی اور دوسرے سرکاری محکمے ہوں گے۔ تم ان سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟"

ویرا اس وقت واقعی بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس سے کسی موضوع پر تبادلۂ خیال رائگاں جاتا ہو۔ ہمیشہ وہ سرسری انداز میں کوئی ایسی سامنے کی بات کہہ جاتی تھی جو مشکل حالات میں بھول کر بھی ذہن میں نہیں آتی۔

نیویارک کی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تمام غیر ملکی مشن یکجا کردیے گئے تھے۔ ان میں پاکستان کے حوالے سے دو نام مجھے فوراً ہی نظر آگئے۔

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے سفیر اور مستقل مندوب کا دفتر مین ہٹن کی پینسٹھویں اسٹریٹ پر مشرقی سمت کی عمارت نمبر آٹھ میں واقع تھا جسے مین ہٹن کی اصطلاح میں ایٹ ایسٹ، سکسٹی ففتھ اسٹریٹ لکھا گیا تھا۔

دوسرا پتا قونصل جنرل کا تھا۔ اسی اسٹریٹ پر بارہ ایسٹ کی عمارت پاکستان ہاؤس کے نام سے موسوم تھی گویا میرے مسئلے کا حل برونکس سے ذرا سی مسافت پر مل سکتا تھا۔ کسی ذمے دار پاکستانی اہل کار کی تلاش میں مجھے واشنگٹن کا سفر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ویرا اپنی جگہ بیٹھی پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بول پڑی "اب تم نعرہ لگاؤ گے کہ میں نے پالیا۔"

"میں کوئی فلاسفر ہوں اور نہ اس وقت پانی کے ٹب میں براجمان ہوں۔ ویسے نیویارک کی ایک ہی سڑک کے مختصر سے حصے میں دو عمارتیں میری منزل ہوسکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے کہ تمہیں آج تک نیویارک میں پاکستانی سفارتی دفاتر کا دیدار کرنے کا خیال نہیں آیا۔" میرے اقرار پر ویرا نے ہلکے سے پُرغرور لہجے میں کہا۔

"میں مان چکا ہوں کہ تم پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی بن چکی ہو۔" میں نے جواب دیا "بیرونِ ملک پاکستانی سفارتی دفاتر سے میں اب تک دور ہی رہا ہوں۔ کسی اجنبی کو یہ جتانے کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان یا پاکستانی سفارت خانے سے میرا کوئی تعلق ہے۔"

میں نے ڈائریکٹری سے قونصل خانے کے فون نمبر ایک کاغذ پر نوٹ کیے اور فوراً ہی فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ پاکستان سے باہر کسی بھی سرکاری اہلکار سے میرا پہلا براہِ راست رابطہ ثابت ہونے والا تھا۔

"اسپیکر فون استعمال کرنا۔" ویرا کی ہدایت سن کر میرا ریسیور کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ مشینی انداز میں رک کر بٹن کی طرف مڑگیا۔

ویرا کہہ رہی تھی "تمہارے سفارتی افسروں سے لوگ شاکی رہتے ہیں۔ ذرا میں بھی سنوں کہ تم جیسے تیس مار خان کے ساتھ کیا

سلوک کیا جاتا ہے۔"

میں نے اسپیکر فون آن کردیا لیکن نمبر ملانے سے پہلے کہا "میں فون پر اپنا تعارف نہیں کرا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ میری باتیں اس کے لیے بے سروپا ہوں....."

"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں ان باتوں کی پوری پوری رعایت ملے گی۔" ویرا ہنس پڑی۔

ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے امریکی انداز میں ہائے کہہ کر گفتگو کا آغاز کیا گیا مگر بولنے والے کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ اس کی وہ مشق زیادہ پختہ نہیں ہو سکی تھی۔

"جی میرا نام اسلم خان ہے۔ میں ایک اہم کام کے سلسلے میں آپ کو زحمت دینی چاہتا ہوں۔" میں نے نرم اور شائستہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا اور خاموش ہو گیا۔

"بولتے رہیں' میں سن رہا ہوں۔" میری اردو کے جواب میں دوسری طرف سے اردو ہی میں ٹوکا گیا۔ اس شخص کی آواز پختہ اور لہجہ مربیانہ تھا۔

"دراصل میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے بے دھڑک کہہ دیا۔

"مگر کس سلسلے میں؟ پاسپورٹ کھو گیا ہے' کوئی کیس ہو گیا ہے یا وطن واپسی کے لیے کسی مدد کی ضرورت ہے؟" اس بار آواز میں ہلکی سی بے زاری اتر آئی۔

"ان میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے مگر بہت اہم ہے۔" اس بار مجھے ناپ تول کر الفاظ کا انتخاب کرنا پڑا "مجھ سے زیادہ شاید میرے ملک کا مسئلہ ہے۔"

اسپیکر پر ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد تلخ آواز ابھری "سر! یہ ہمارے لیے نئی بات نہیں ہے۔ ہر پاکستانی کو یہ عادت سی ہو گئی ہے کہ وہ اپنے ذاتی مسئلے کو پاکستان کی بقا کا مسئلہ قرار دے کر ہم سے رعایتیں لینا چاہتا ہے۔ مسئلہ جانے بغیر آپ کو ملاقات کے لیے وقت نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی حفاظتی وجوہ بھی ہیں۔ آئی ایم سوری....."

اس سے پہلے کہ وہ اپنا فقرہ مکمل کر کے فون بند کرتا' میں نے جلدی سے کہا "کیا میں آپ کا اسم گرامی جان سکتا ہوں؟"

"ضرور! آپ کے اس خادم کو میجر جنجوعہ کہتے ہیں۔" آواز کی تلخی گہری ہو گئی "مجھے معلوم ہے کہ اب آپ پاکستان جا کر اخباروں میں میرے خلاف لکھیں گے مگر میں طریقۂ کار سے مجبور ہوں۔ ویسے بھی میں کمرشل قونصلر ہوں۔ آپ متعلقہ افسر کو فون کریں یا پھر واشنگٹن میں سفارت خانے سے بات کریں۔ میں یہاں صرف تجارتی اور درآمدی و برآمدی معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا مسئلہ آپ ہی حل کر سکتے ہیں۔" میں نے ویرا سے نظریں چار کیے بغیر شرمساری کے ساتھ کہا "میں فون پر واشنگٹن والوں کو بھی کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

میرے اصرار سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کے دل میں کچھ تجسس بیدار ہوا اور اس نے فون بند کرنے کے بجائے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا "آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر ہم آپ کے کوائف اور مسائل جانے بغیر آپ کو ملاقات کا وقت نہیں دے سکتے۔ اگر آپ کوئی تاجر یا صنعت کار ہیں تو مجھے اپنے بارے میں ہی بتایئے۔ میں ایک اجنبی کو کیسے وقت دے سکتا ہوں؟"

"آپ اول خان کے نام سے واقف ہیں؟" وہ میجر تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس سے وہ نازک سوال کر ڈالا۔ دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔

"اگر میں کہوں کہ نام شناسا معلوم ہوتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟" اس مرتبہ میجر جنجوعہ کی آواز سے تلخی کافور ہو چکی تھی۔

"بہت فرق پڑتا ہے میجر صاحب!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ اور اس کے آدمی بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اب میں اپنا کیا تعارف کرا سکتا ہوں؟"

"آپ..... آپ کا مطلب ہے کہ..... آپ اس کے آدمی ہیں؟" اس کے ایک ایک لفظ سے تجسس کا سمندر پھوٹا پڑ رہا تھا۔

"آدمی نہیں' میں اس کا ساتھی ہوں۔ میرا....." میری بات ادھوری رہ گئی۔

"اوہ خدا! آپ کیوں نہیں کہتے کہ آپ وہ ہیں جس کا نام آج پھر یہاں سننے میں آیا ہے..... مسٹر ڈ..... اسلم' مجھے بتایئے کہ آپ کب آنا چاہتے ہیں۔ میں دروازے پر آپ کا استقبال کروں گا۔ میں اپنی ترش کلامی پر شرمندہ ہوں۔ آپ کے....."

"انجانے میں نہ جانے کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ آپ اس کی پروا نہ کریں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے مزید ندامت سے بچاتے ہوئے کہا "مجھے آپ کی یہ بات پسند آئی کہ ہر پاکستانی اپنے ذاتی مسئلے کو ملک کی بقا کا مسئلہ قرار دینے کا عادی ہو گیا ہے۔ آپ قواعد و ضوابط سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتے۔ مجھے پہچان لینے کے بعد بھی آپ کی سرد مہری برقرار رہتی تو میں پاکستان واپس جا کر واقعی ڈان میں ایک شکایتی مراسلہ ضرور چھپواتا۔"

میرے چبھتے ہوئے مذاق نے اسے مضطرب کر دیا اور وہ بوکھلا کر بولا "سر! وہ بات آپ کے لیے نہیں تھی۔ آپ یقین کریں کہ لوگ ہمارے پاس جعل سازیوں کے لیے آتے ہیں۔ انہیں کورا سا جواب دے دیا جاتا ہے تو وہ اخباروں میں لکھتے ہیں۔ بیشتر شکایتوں میں بس ذاتی عناد بھرا ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم سب فرشتے ہیں۔ بعض جگہ ہماری غلطی بھی ہوتی ہے جس پر ہمیں اپنے دفترِ خارجہ کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ بتائیں کہ کب آ رہے ہیں۔ باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔"

"کیا میرا وہاں آنا مناسب ہو گا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا کام یہاں آئے بغیر نہ ہو سکے۔" اس کا لہجہ متذبذب تھا۔

"ایک بہت اہم لفافہ اول خان تک پہنچانا ہے۔ وہ کاغذات میں اب زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔ ڈاک میں لفافہ گم ہو سکتا ہے۔ میری کوشش تھی کہ کوئی برا وقت آنے سے پہلے میں وہ کاغذ کسی فرض شناس اور ذمے دار افسر تک پہنچا دوں۔"

"پھر آپ کا آنا مناسب نہیں ہوگا۔ وقت اور مقام بتا دیں۔ میں خود قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ میں آپ کے مقام اور مرتبے سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"مجھے شرمندہ نہ کریں۔ ملاقات کا پروگرام طے کرنے کے لیے میں دوبارہ کب تک فون کرلوں؟"

"میں تین بجے تک ہوتا ہوں مگر آج پانچ بجے تک انتظار کروں گا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ رابطے کے لیے آپ نے میرے نمبر کا انتخاب کیا۔"

وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری عزت افزائی کے دو بول بول رہا تھا۔ میں ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ کرسی میں یوں اکڑی بیٹھی تھی جیسے میجر جنجوعہ کی وہ ساری تعریفیں بالواسطہ اسی کے لیے ہوں۔

بات بن گئی تھی۔ ویرا کے سامنے میری عزت رہ گئی اور سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔

"تم شروع میں بلاوجہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ اس شریف آدمی کی جگہ تم ہوتے تو دو ہی جملے سننے کے بعد فون بند کر دیتے۔" بعد میں ویرا خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی کیونکہ اسی کی تجویز پر عمل کرکے میں نے ایک مشکل کا آسان حل تلاش کیا تھا۔

"مجھے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ پاکستانیوں کا کچا چٹھا تمہیں بھی سنا رہا تھا۔"

"شرمندگی کی کیا ضرورت تھی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پشاور میں بدکاری کے اڈوں کا ایندھن بننے والے امریکی لڑکے اور لڑکیاں آئے دن اپنے قونصل خانے سے امدادی رقوم حاصل کرکے نشے بازی پر اڑانے کے عادی ہیں۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارے سفارت خانے مفلس ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں، مالدار ملکوں کے سفارت خانے اپنے باشندوں کی کچھ نہ کچھ اعانت کر دیتے ہیں اور کوئی شور نہیں مچاتا۔"

"پیشہ ور لوگوں کی بات اور ہے۔ کچھ لوگوں کو جائز شکایات ہوتی ہیں۔"

"جائز شکایات کسے اور کہاں نہیں ہوتیں۔ ان سے منہ چھپانا بے کار سی بات ہے۔" ویرا اس وقت خوشگوار موڈ میں تھی اور مسلسل میجر جنجوعہ کی باتوں کی حمایت کر رہی تھی "اس نے تم سے بہت مناسب رویّہ اختیار کیا۔ یہ لوگ بھی روزانہ ایک جیسے حیلے بہانے سن سن کر تنگ آ جاتے ہیں۔ تعارف کے بعد تم نے دیکھ ہی لیا کہ تمہارا نام سنتے بغیر وہ کیسا موم ہو گیا تھا۔"

"اس وقت تم اس موم کی موم بتی بنی ہوئی ہو۔ اب ذرا مجھے کام کر لینے دو۔"

ویرا کا منہ بند کرا کے میں نے سادہ کاغذ پر اول خان کے لیے چند سطور لکھیں جن میں صورتِ حال کی مختصر سی تصویر بھی پیش کر دی۔ گیپ کے پانچوں کاغذوں کے ساتھ اول خان کے لیے وہ تحریر یقیناً مسرت کا ذریعہ ثابت ہوتی۔

"خط لکھ ہی رہے ہو تو ایک ایک لفافہ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے بھی لکھ ڈالو۔" ویرا نے سنجیدگی سے مشورہ دیا "جب سے تم نے پاکستان چھوڑا ہے، کسی کو دو سطریں تک نہیں لکھیں۔ ہر ایک کو بس فون پر ہی ٹرخا رہے ہو۔"

"وہ میں تخلیے میں لکھوں گا۔ ایسا اہم کام تمہارے سامنے نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اپنی بھول کا اعتراف کرنے کے بجائے جلدی سے بات بنا دی۔

"یہ تمہارا حق ہے، میں اس سے انکار نہیں کر سکتی۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بے چاری غزالہ پھر بھی یہ ضرور سوچے گی کہ اسے تمہارا خط مل رہا ہے اور مجھے تمہارا ساتھ میسر ہے۔ میرے لیے یہی اعزاز بہت کافی ہے۔"

میں اسے گھورتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا "ذرا عمدہ سی چائے تیار کرو۔ میں تمہارے گونگے عاشق کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ وہ تمہارے فراق میں منہ لپیٹے بھونڈی آوازوں سے رو رہا تھا۔"

ویرا غرا کر میری طرف لپکی اور میں تیزی سے وہاں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

سرونٹ کوارٹر بدستور بند تھا۔ میں نے کھڑکی کے پردوں کے درمیان میں سے جھانکا تو بستر پر بیکسٹر کی پوزیشن میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اسی طرح روتے روتے پہلو کے بل سکڑ کر سو گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں بدستور پیٹ سے لگی ہوئی تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

یہ بہت اچھا تھا کہ اپنی خوراک مل جانے کے بعد وہ خود ہی سو گیا تھا اور ہمیں دیر تک اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں مکان کے اگلے نکڑ تک پہنچا تو لان کے درمیان بنی ہوئی پختہ روش پر ایک نئی اور چمک دار کرسلر سے بلیک ڈیڈ اتر رہا تھا۔ اس کے تین حواری اس سے پہلے ہی اپنی نشستیں چھوڑ کر نیچے آ چکے تھے۔ وہ تینوں چہرے میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔

بلیک ڈیڈ کے ساتھ آنے والوں میں اس کے ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ میک بھی شامل تھا۔ اس وقت وہ چاروں شریفانہ

لباس میں تھے اور کسی کے پاس اسلحے کی جھلک نظر نہیں آرہی تھی۔

پڑوس کے لان پر چست نیکر اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جواں سال امریکی خاتون برقی مشین سے گھاس کاٹنے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے پڑوس کے مکان میں اس چہل پہل کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک بلند آہنگ ہائے اچھالی۔ تین فٹ اونچی دیوار پر سے وہ ہمیں اور ہم اسے پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ سب نے جوابی ہاتھ لہرا کر اس کے استقبال کا جواب دیا۔ اس اثنا میں، میں بلیک ڈیڈ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی متجسس نظریں میرے پیچھے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر وہ مجھ سے بیکسٹر کے بارے میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس وقت مناسب خبر یہ ہوتی کہ میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے۔" برابر کے لان پر ایک کھوجی پڑوسن کی موجودگی کی وجہ سے میں نے نیچی آواز میں جواب دیا "مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ پیچھے اپنے کمرے میں بے فکری کی نیند سو رہا ہے۔ میں اسی کو دیکھ کر آرہا ہوں۔"

میں نے دروازے کی طرف اس کی پیشوائی کی۔ صرف میک ہمارے پیچھے آیا' باقی دونوں افراد باہر ہی رکے رہے۔

ویرا کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھی۔ اس کی ہائے کا جواب دیتا ہوا' بلیک ڈیڈ وہیں گھس گیا اور حیرت سے بولا "کمال ہے۔ دھوپ میں اسلم ہمیں باہر سے لا رہا ہے اور تم کچن میں مصروف ہو پھر یہاں اس حرام زادے بیکسٹر کی کیا ضرورت ہے۔"

"اسلم نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ اس کی جگہ ہمیں کوئی بولنے والا حلال زادہ دے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "مگر تم اسی کے گن گا رہے تھے۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔ بہرحال میں میک کو لے آیا ہوں۔ یہ بھی تمہارے لیے کام کرے گا۔ تم دونوں اس سے بڑی حد تک واقف بھی ہو چکے ہو۔"

"وہ گونگا ہے اور یہ بولتا بہت ہے۔" ویرا نے مسکرا کر بے دھڑک کہہ ڈالا "اس کی موجودگی میں ہمیں بس رات کو ٹیلی وژن کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی۔"

بلیک ڈیڈ نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر بے تکلفی سے ویرا کی پشت پر ہاتھ مارا "خوب چہک رہی ہو۔ تم بس ایسے ہی موڈ میں اچھی لگتی ہو۔ آؤ' اندر چل کر باتیں کریں گے۔ چائے میک بنائے گا۔"

یہ کہہ کر بلیک ڈیڈ نے مڑ کر میک کو ہدایت کی کہ وہ جا کر بیکسٹر سے رپورٹ لے کر آئے اور پھر کچن سنبھالے۔ اسے ہدایت دے کر وہ ہمارے ساتھ ہو لیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آتے ہی گفتگو کی ابتدا بیکسٹر کے ناخوشگوار موضوع سے ہوئی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اطلاع دیے بغیر اتنے سویرے آپہنچو گے۔"

"یہاں کے حالات دیکھ کر میں الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔" اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکر مندانہ انداز میں کہا۔ "دوسری گفتگو سے پہلے ہمیں یہ مسئلہ نمٹا لینا چاہیے۔ ہوا کیا ہے؟"

میں نے تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعات اختصار کے ساتھ دہرا کر کہا "ہو سکتا ہے کہ اس کی بدنگاہی کے بارے میں روزی کو غلط فہمی ہوئی ہو لیکن اس نے میرے لیے جو کچھ لکھا' وہ بدتمیزی اور گستاخی کے زمرے میں آتا ہے۔"

بلیک ڈیڈ نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور آگے جھک کر دھیمی آواز میں کہنے لگا "وہ دن رات کام کرنے والی ایک انتھک انسانی مشین ہے۔ وہ بہت ہی بے ضرر جمال پرست ہے۔ یہ برداشت نہ کر سکا ہو گا کہ تم اس کی وجہ سے روزی پر کسی بھی قسم کا تشدد کرو۔"

"تم اس کی طرف داری کر رہے ہو۔" ویرا نے بھڑک کر کہا۔ "ہم اپنے ذاتی معاملات میں کسی خدمت گار کو اس حد تک دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"خوب صورت عورتوں کے معاملے میں وہ بہت حساس طبیعت کا مالک ہے۔ انہیں پریشان دیکھ کر دکھی ہو جاتا ہے۔ تم نے ذرا سے تحمل سے کام لیا ہوتا تو تم دیکھتیں کہ وہ کسی وفادار کتے کی طرح سر جھکائے تمہارے پیر دبا رہا ہوتا۔"

"اوہ چارلی! ایسی کراہت انگیز باتیں مت کرو۔" ویرا نے اس کا اصل نام لیے بغیر احتجاج کیا "اس سے پیر دبوانے سے بہتر ہوتا کہ میں اپنے پیروں پر نیم مُردہ کیچوے چھوڑ دیتی....."

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔" وہ شانے اچکا کر بولا "میری دانست میں وہ میرا ایک بہترین آدمی ہے۔ وہ تم دونوں کو اتنا ناپسند ہے تو میں اسے واپسی پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ قصہ ختم۔"

"تھینک یو چارلی! یو آر گریٹ۔" ویرا نے فراخ دلی سے اپنی ممنونیت کا اظہار کیا۔

"اس کی جمال پرستی کا اندازہ تم دونوں اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ کئی بار مجھ سے کہہ چکا تھا کہ جس دن اس نے اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ لی' وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔ خوشی سے نہ مرسکا تو وہ خودکشی کر لے گا۔" بلیک ڈیڈ نے اضافہ کیا۔

"وہ یقیناً کسی ذہنی کج روی کا شکار ہے۔ اب اس کے بارے میں سر کھپانا بے سود ہے۔" میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں میک کو دیکھنا ہو گا۔"

"تم نے یہ سب دیکھ لیے ہوں گے۔" بلیک ڈیڈ نے میز پر پڑے ہوئے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان میں تمہارا نام آنا قابلِ فہم ہے۔ یہ عباس کرمانی کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اس کی وجہ سے میری ساکھ پر اثر پڑا ہے۔"

"میرے لیے بھی یہ نام نیا ہے۔" میں نے اپنی بے خبری کا

اظہار کرتے ہوئے کہا "پتا نہیں سی آئی اے والوں کو یہ کہاں سے مل گیا۔"

"خبروں میں تمہارے سوا کسی اور کا نام نہ آتا تو میرا کام بہت آسان ہو جاتا۔ اب بہت سے ذہن عباس کرمانی میں الجھ گئے ہیں۔ میرے بارے میں سوچنے کے مواقع محدود ہو گئے ہیں۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "یہ عجیب بات ہے کہ آئزک بیل ان کے سامنے سچ بول رہا ہے لیکن وہ اسے جھوٹا قرار دے کر سارا کریڈٹ اس ایرانی کو دینے پر تل گئے ہیں۔ یہ گورکھ دھندا میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"میں نے اس ایرانی کا نام کل رات پہلی بار تمہاری زبان سے سنا تھا یا اب اخباروں میں دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا تم نے خود بتایا تھا کہ وہ رات ہی سے شہر بھر میں اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اسے ان کا ڈراما بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

"ایرانی ڈفر ہوتے ہیں۔" وہ صوفے پر ہاتھ مار کے بولا "ایسا ایرانی کہاں پیدا ہو گیا جو آئزک بیل جیسے عفریت سے ٹکر لینے کی ہمت کر سکے۔"

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے دخل دیتے ہوئے کہا "ایرانی عورت کی آنکھ سے کاجل اور مرغی کے پیٹ سے انڈا اس طرح چراتے ہیں کہ انہیں چوری کا پتا تک نہیں چل پاتا۔"

"ویرا!" بلیک ڈیڈ نے اسے گھورا "کیا تم مجھے گھسنا چاہ رہی ہو؟"

"اب میں ایسی کوشش نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں ایک ایرانی کہاوت کا انگریزی ترجمہ سنا رہی تھی۔" ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا "دوسری بات یہ کہ تم نے روانی میں میرا اصل نام لے ڈالا ہے۔"

"اس چھت کے نیچے ہمیں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔" بلیک ڈیڈ نے ویرا کی وضاحت قبول کر کے بے پروائی سے کہا "ہم بے تکلفی سے بات کر سکتے ہیں۔"

میں ویرا کی دیدہ دلیری پر حیران رہ گیا۔ مرغی کے پیٹ سے انڈا چُرانے کی بات کر کے اس نے یقیناً بلیک ڈیڈ کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ محاورہ میں نے کہیں نہیں سنا تھا۔ بلیک ڈیڈ کے چونکنے پر ویرا نے اسے مطمئن بھی کر دیا تھا۔

"عباس کرمانی فراڈ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میری اور آئزک بیل کی لڑائی تھی جو میں نے جیت لی۔" اس نے میرے منہ در منہ ڈھٹائی سے کہا "اگر عباس کرمانی رنگ میں بھنگ کر رہا ہے تو اسے بر سرِ زمین ہونے کے بجائے زیرِ زمین پہنچانا ہو گا۔ میں یہ کام بھی تمہارے ساتھ مل کر کرنا چاہتا ہوں۔"

بلیک ڈیڈ کی وہ تجویز سن کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ میرے تخلیق کیے ہوئے سائے کی تلاش کا کام میرے ہی ذمے لگانا چاہ رہا تھا مگر میرے لیے انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے پیشانی پر کوئی بَل لائے بغیر کہا "میری مجبوریاں تمہارے علم میں ہیں۔ ان کے ساتھ میں ہر تعاون کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ان مجبوریوں کے باوجود تم نے آئزک بیل کو میرے قدموں میں لا ڈالا تھا۔"

"وہ ویرا کا مشن تھا۔ وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے۔"

"پھر اب بھی یہی سمجھو۔ عباس کرمانی کو ٹھکانے لگانا میرا مشن ہے۔"

"اس معاملے میں سی آئی اے والے کسی سنگین غلط فہمی کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔" معاملے کی نزاکت بھانپ کر ویرا بھی گفتگو میں شریک ہو گئی۔

"تم کیسی غلط فہمی کا امکان محسوس کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

مشکل یہ آن پڑی تھی کہ بلیک ڈیڈ کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک ہمارے سر پر مسلط ہوگیا تھا اور اس سے گفتگو کے بارے میں ہمیں اپنی حکمتِ عملی بنانے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ بلیک ڈیڈ سے ہم دونوں بیک وقت گفتگو کرتے رہے تو مختلف سمتوں میں بھٹک کر بلیک ڈیڈ کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کردیں گے جن کا ازالہ کرنا دشوار ہوجائے گا۔

"سی آئی اے والے بہت گھاگ ہوتے ہیں۔ آئزک بیل ان کے سامنے بہت جلد سچ اگلنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تم امریکا میں موجود ہو۔ انہوں نے آئزک بیل کے روابط کا کھوج لگایا تو عباس کرمانی کا مشتبہ نام سامنے آیا۔ وہ دل و جان سے اس کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔" ویرا بولی۔

"میں تمہاری بات پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔" بلیک ڈیڈ نے کھوپڑی ہلا کر کہا "اب ایف بی آئی والے بھی میدان میں اتر چکے ہیں۔ ان دونوں اداروں کی تھیوری یہ ہوسکتی ہے کہ عباس کرمانی ایک طرف آئزک بیل سے مل رہا تھا دوسری طرف ڈیڈی کے نام کی آڑ لے کر اسے کوئی بڑا نقصان پہنچانے کے درپے تھا۔ اس نے وہ فائل اُڑائی اور پھر اسی کے ذریعے بلیک میل کرکے آئزک بیل کو ایکسپریس وے پہنچنے پر مجبور کیا اور ناکام قاتلانہ حملے میں اسے زخمی کرکے بھاگ گیا؟"

تائید طلب لہجے میں اپنی بات مکمل کرکے وہ خاموش ہوا تو میں دل ہی دل میں اس کے احمقانہ تعاون کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید ویرا خود بھی اپنی بات اس جامع انداز میں مکمل نہیں کرسکتی تھی جو بلیک ڈیڈ نے اختیار کیا تھا۔

"بالکل!" ویرا نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی "میں یہی سوچ رہی تھی۔"

"اگر میں پورے حالات سے باخبر نہ ہوتا تو خود بھی یہی سوچ رہا ہوتا۔" بلیک ڈیڈ نے قدرے جھنجلا کر کہا "پورے شہر میں لوگ یہی سوچ رہے ہیں۔"

مجھے دھیان آیا کہ مائیک کو بیکسٹر کی طرف گئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ وہ وہاں سے کوئی خبر نہیں لایا تھا مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔

بلیک ڈیڈ قدرے توقف کے بعد براہِ راست میری طرف متوجہ ہوگیا "غور کیا جائے تو یہ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ میری مشکل کے ذمے دار تم ہو!"

"الزام تراشی کے معاملے میں بعض اوقات تم بالکل بے دھڑک زبان کھولتے ہو۔" میں نے لہجے میں ہلکی سی تلخی گھولتے ہوئے کہا "کیا عباس کرمانی کا شوشہ میں نے چھوڑا ہے؟"

"وہ جائے جہنم میں۔ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ تم نے آئزک بیل کی فائل کو بے سروپا سمجھ کر تلف کردیا۔ اس وقت وہ ہمارے پاس محفوظ ہوتی تو میں وہ لوٹا کر سی آئی اے والوں کو قائل کرسکتا تھا کہ وہ عباس کرمانی کے پیچھے جھک مار رہے ہیں۔"

"یہ بات بالکل درست ہے۔ اس سے اتفاق کرنے کی صورت میں بھی سارا الزام تمہارے سر آتا ہے۔ فائل اس وقت تلف کی گئی جب تم ہمیں گھاس ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے اور ہمیں امریکا سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔"

"ان ناخوشگوار باتوں کو بھول جاؤ" اس نے منہ بنا کر تیزی سے کہا۔

"پھر یہ بھی بھول جاؤ کہ وہ فائل میں نے تلف کردی تھی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "عباس کرمانی کی تلاش میں کافی وقت لگے گا۔ تم چاہو تو دوسری راہ اختیار کرکے پورے نیویارک کو اپنی قوت کا احساس دلا سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟" طاقت، قوت اور برتری کے تذکرے اس کی سدا بہار کمزوری تھے۔

اسی وقت مائیک مختصر سی راہداری سے منہ لٹکائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے اور دیگر لوازم سے سجی ہوئی ٹرے موجود تھی۔

مائیک کی صورت دیکھتے ہی بلیک ڈیڈ کو بیکسٹر یاد آگیا "میں نے چائے لانے سے پہلے تمہیں کوئی اور کام کرنے کی ہدایت دی تھی۔" وہ مائیک پر برس پڑا۔

"سوری سر! اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔" مائیک کا چہرہ کچھ اور لٹک گیا۔

میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ بلیک ڈیڈ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے مائیک کا چہرہ تک رہی تھی۔

بلیک ڈیڈ مزید کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ باہر چل دیا۔ وہ خبر اتنی غیر متوقع اور صدماتی تھی کہ ہم بھی چائے کو بھول بھال کر اسی کے پیچھے ہولیے۔

سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر کا بولٹ توڑ کر زبردستی کھولا گیا تھا اور قبضوں پر ایک طرف جھول رہا تھا۔ اندر مسہری پر بیکسٹر بالکل اسی حالت میں پڑا ہوا تھا جس میں میں نے اسے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا۔ ڈرائیور اور گن مین سوگوار چہروں کے ساتھ مسہری کے پہلو میں کھڑے تھے۔

بلیک ڈیڈ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیدھا مسہری تک پہنچا اور بیکسٹر پر جھک کر زور زور سے اس کے رخسار پر طمانچے مار کر مضطربانہ لہجے میں اسے آوازیں دینے لگا۔

"بے سُود ہے باس!" مائیک نے تقریباً رو دینے والی آواز میں کہا "ہم پوری طرح یقین کرچکے ہیں۔ نبض کے ساتھ دل کی دھڑکنیں مفقود ہیں۔ بند پپوٹوں کے نیچے پتلیاں پھر چکی ہیں۔ ابھی بدن گرم ہے۔ شاید یہ تھوڑی دیر پہلے ہی مرا ہے۔"

"اجازت ہو تو اسے سیدھا کردیں!" ڈرائیور نے مُسمسی آواز میں پوچھا "بدن ٹھنڈا ہوگیا تو یہ اسی حالت میں اکڑا رہ جائے گا۔"

"اس کے ہاتھ پیر سیدھے کردو۔" بلیک ڈیڈ نے بے رخی سے

کہا اور دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔
"یہ ہوا کیسے؟" وہ ٹہلتے ٹہلتے خود کلامی کرنے لگا "وہ ذرا سی ڈانٹ پھٹکار سے یوں مرجانے والا دیوزاد نہیں تھا...."
"باس!" مائیک نے چھوٹی سی دیوار گیر ڈریسنگ ٹیبل قریب پہنچ کر اسے متوجہ کیا "بیکسٹر نے شاید پانی سے یہ سب ایک ساتھ نگل لیں۔"
ہم تینوں تیر کی طرح اس میز کی طرف گئے۔ وہاں تیز خواب آور گولیوں کی ایک خالی شیشی کھلی ہوئی رکھی تھی، ڈھکن ایک طرف لڑھکا ہوا تھا، وہیں پانی کا گلاس بھی تھا جس میں بس چند قطرے باقی تھے۔ بیکسٹر کی زندگی کے خاتمے کے تمام تر اسباب وہی تھے۔
اس گونگے سیاہ فام کی ناگہانی خودکشی پر یک بہ یک میرا دل بھاری ہونے لگا۔
"سوری ڈیڈ!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں نے اسے گھر سے نہ نکالا ہوتا تو شاید یہ سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا.... بیکسٹر میری توقع سے زیادہ حساس اور خوددار ثابت ہوا۔"
بلیک ڈیڈ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کی بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں نمی سے دُھندلائی ہوئی تھیں۔
"بیکسٹر خوددار اور حساس نہیں، بہت ڈھیٹ آدمی تھا۔ میرے مہمانوں کی جھڑکیاں وہ سر جھکا کر سہنے کا عادی تھا۔ اتنا سخت جان نہ ہوتا تو برسوں پہلے مرچکا ہوتا۔" بلیک ڈیڈ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں کہنے لگا "اس کے دشمن اُس سے گھبراتے تھے، وہ ایک ہی مکے میں کسی کا بھی جبڑا توڑ دیتا تھا۔ لڑنے مرنے والے آدمی حساس ہوجائیں تو خون ریزی نہیں کرسکتے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے نکال دیا ورنہ اس وقت اُس کی لاش گھر میں پڑی ہوتی۔ اس نے خودکشی کرکے ویرا کے حسن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔"
آخر میں اس کے ہونٹ جڑ گئے۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہم لوگ دوبارہ مسہری کی طرف گئے تو بیکسٹر کی لاش کو چت لٹا دیا گیا تھا۔ اس کی بند آنکھوں اور مرجھاتے ہوئے چہرے سے ایک ابدی سکون جھلک رہا تھا۔
میرے سوا سب نے لاش کے گرد کھڑے ہوکر انگلیوں سے اپنے سینوں پر صلیب کے نشان بنائے، مرنے والے کے احترام میں سر کو خم دیا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ آئے۔
"مائیک! آج تم چھٹی پر ہو۔" بلیک ڈیڈ کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "بیکسٹر کی تدفین کا انتظام کرو اور شام کو ہارلم کے مفلوک الحال لوگوں میں دس ہزار ڈالر کی خیرات بانٹ دو۔ ربِ یسوع مسیح بیکسٹر کی مغفرت کرے۔ اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔"
وہ مجھے اور ویرا کو ساتھ لے کر سرونٹ کوارٹر سے باہر نکل گیا۔
"اس کی موت کے بارے میں تمہارے کہے ہوئے آخری فقرے میرے پلّے نہیں پڑسکے۔" کمرے میں کافی دیر کے سکوت کے بعد آخر مجھے ہی زبان کھولنی پڑی۔
"ہوسکتا ہے کہ اسے اس بات سے اذیت پہنچی ہو کہ اس کی وجہ سے ویرا کو تمہاری زیادتی کا نشانہ بننا پڑا لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی تمہیں اس کی جمال پرستی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بس وہ ویرا کو دیکھنے کے لیے زندہ تھا۔ اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ کر اُس نے اپنے وعدے کے مطابق خودکشی کرلی۔"
"اس کے ساتھ اپنے آخری سلوک پر میں زندگی بھر پچھتاتی رہوں گی۔" ویرا کی آواز بھی دل گرفتہ ہوگئی تھی "ہم یہاں بیٹھے اس کے بارے میں بحث کررہے تھے اور وہ نہ جانے کتنی دیر پہلے اپنے بند کمرے میں اس دنیا سے ہر رشتہ توڑ چکا تھا۔"
"تمہیں پچھتانے کی ضرورت نہیں، تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی جان دے کر تمہیں اپنی زندگی کی حسین ترین عورت کا اعزاز بخشا ہے۔ ایسی خوشی مس یونیورس بن کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بے ضرر جمال پرست ہے۔ تمہاری دلکشی اور خوبروئی پر اپنے لہو کا نذرانہ دے کر اُس نے میری بات درست ثابت کردی ہے۔"
کچھ دیر تک اسی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں پھر اچانک بلیک ڈیڈ کو خیال آیا۔ "وہ بہت اچھا آدمی تھا، مجھے اس کی خودکشی پر صدمہ ہے لیکن اب عمر بھر اسے نہیں رویا جاسکتا۔ مائیک اس کی تدفین کے بعد رات میں کسی وقت تمہارے پاس آجائے گا۔ چاہو تو اس دوران میں تمہارے لیے کسی اور کو بلالیا جائے۔"
"نہیں مائیک کے آنے تک گزارہ ہوجائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے آدمی بیکسٹر کی موت کی ذمے داری ہم دونوں کے سر نہیں سمجھیں گے۔"
"وہ میرے سامنے بہت کم کھلتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ضرور ہوگا کہ اب ہر شخص اس حسین لڑکی کو دیکھنا چاہے گا جسے دیکھ لینے کے بعد بیکسٹر کے دل میں مزید زندہ رہنے کی آرزو باقی نہیں رہی مگر اسے میں دیکھ لوں گا" یہ کہہ کر اس نے لحہ بھر توقف کیا پھر بولا "تم میرے لیے کوئی متبادل راہِ عمل تجویز کررہے تھے۔"
"ہاں، وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اسے یہ تاثر دینا چاہا جیسے وہ تجویز میرے بجائے صرف اسی کے مفاد میں ہو۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا "تم آئزک بیل کے قریبی ساتھیوں کو اپنا نشانہ بنا کر ہر شخص پر یہ واضح کرسکتے ہو کہ تم آئزک بیل اور اس کے ساتھیوں کے دشمن ہو اور نیویارک میں ان ہی کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔"
"میں نے رنگس کی دو لڑکیوں کو اٹھوالیا تھا، انہیں تم نے رہا کرادیا۔"

"تم بات کی روح کو ذرا دیر سے سمجھتے ہو۔" میں نے برا سامنہ بنا کر کہا "میں اس کے ساتھیوں کی بات کر رہا ہوں، ملازموں کی نہیں۔"

"ساتھی؟" اس نے حیرت سے کہا "اس کے ساتھیوں کو میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔"

میں اپنی زبان سے نام لیے بغیر واضح اشارے اس کے ذہن میں انڈیل رہا تھا مگر وہ بوجھ بجھکڑ بنا ہوا تھا۔ اس کی ذہنی سطح ایک علاقائی دادا گیر سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"رنگس میں اس کے پارٹنرز تمہارا نشانہ بن سکتے ہیں۔" میں نے دانستہ کہا۔

"وہ بلا شرکتِ غیرے رنگس کا مالک ہے۔" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "اس کے بعد وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔"

"ہاں.... آں۔" میں نے نجوم داؤدی کے بارے میں سرسری لہجہ اپناتے ہوئے جواب دیا "اگر وہ وہاں زیادہ سرگرم ہے تو تم ان کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہو۔"

"ویسے تو ہر یہودی اس کی مالی مدد کرتا ہے لیکن اس کے ارب پتی ارکان ہی ڈیوڈ اسٹارز کہلاتے ہیں۔ وہی اس کے عہدے دار ہوتے ہیں اور فیصلے بھی وہی کرتے ہیں۔"

"بس تو پھر ان ہی میں سے دو چار کو اُڑا دو۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"ان کی تعداد درجنوں میں ہے۔ زیادہ تر بڑے بڑے چندے دے کر گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس قسم کی دوسری جماعتوں کی طرح اصل دماغ دو چار ہی ہوتے ہیں۔ ان کی گردنیں دبوچی جائیں گی تو سارے یہودی بلبلا اٹھیں گے۔"

"یہودیوں سے ڈرتے ہو تو کوئی اور راہ سوچو!" میں نے فوراً اس کی رگ دبا دی۔

"میں یہودیوں یا عربوں سے نہیں ڈرتا۔" وہ بھنّا کر بولا۔ "آئزک بیل بھی یہودی تھا۔ تمہاری مخالفت کے باوجود اس پر اکلوتی گولی میں نے چلائی تھی۔"

"تم چاہو گے تو دوسرے ڈیوڈ اسٹارز سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے کہا۔

"شوق سے نمٹو۔ میں کل تک تمہیں دو چار اہم ڈیوڈ اسٹارز کے نام پتے فراہم کردوں گا۔" اس نے بلا تامّل پیشکش کی "مگر یہ تمہارا شوق ہوگا۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ نیویارک کے یہودیوں کی مخالفت سے میں گھبرا رہا ہوں۔"

"بچوں جیسی وضاحتیں مت کرو۔ ہم سامنے نہیں آسکتے۔ ہمارے مارے ہوئے شکار بھی تمہارے کھاتے میں لکھے جائیں گے۔ ہماری بھی ہلکی پھلکی ورزش ہو جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مزید کچھ عرصے تک نیویارک میں رکو گے؟"

"آئزک بیل پر تمہارا فائر خطا نہ ہوا ہوتا تو اب تک ہم واپس جاچکے ہوتے۔" میرے بولنے سے پہلے ویرا جواب دینے لگی۔ "اب اس کے انجام کے انتظار میں رکنا پڑے گا۔ اسے کوئی رعایت دی گئی تو میں دوسری کوشش کروں گی۔ اسے ہر حال میں مرنا پڑے گا۔"

ویرا کا وہ عذر لنگ تھا۔ راس المیڈا سے وہ پاکستان میں بھرپور انتقام لے چکی تھی۔ آئزک بیل اس بری طرح کچلا گیا تھا کہ وہ

زندگی بھرا بھر کر پرانی سطح پر واپس نہیں آسکتا تھا۔ ہمیں مزید چند موثر کارروائیوں کے لیے وہاں رکنا تھا۔ اس کے لیے وہی بہانہ مناسب تھا۔

"اور یہ وقت تم میرے ساتھ رہ کر گزارو گی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا انحصار تمہاری مرضی پر ہے۔ ویسے بھی میں نیویارک میں نہیں بیٹھی رہوں گی۔ ایک مدت کے بعد یہاں آئی ہوں تو ذرا دوسری ریاستوں کی سیر بھی کروں گی۔"

"پورے امریکا میں میرے قابلِ اعتماد دوست پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ سب نیویارک آتے ہیں تو میں ہی ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ میرے پاس سیاحت کے لیے اتنا وقت نہیں ہے۔ وہ بہت شوق سے تمہاری مدد کریں گے۔"

اِدھر اُدھر کی باتوں میں اس نے ایک مرتبہ پھر بیکسٹر کا ذکر چھیڑا تو میں نے فوراً ہی اس سے کھانے کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

اس نے گھبرا کے اپنی رِسٹ واچ پر نظر ڈالی اور اٹھ گیا۔ "تمہارا شکریہ۔ آج مجھے ایک بزنس لنچ پر جانا ہے لیکن تم دونوں کے کھانے کا کیا ہوگا؟"

"تم کو رخصت کرکے ہم بھی مین ہٹن جائیں گے۔" میں نے بتایا "وہیں کسی اچھے ریستوران میں کھانا کھالیا جائے گا۔"

اس نے ہمیں مین ہٹن چھوڑنے کی رسمی پیشکش کی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔

امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ لوگ کسی بھی دوست یا مہمان پر اپنی پسند مسلط نہیں کرتے۔ اپنی رائے کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ قبول کرلی جائے تو فبہا ورنہ اصرار نہیں کرتے۔

بیکسٹر کی لاش لے کر مائیک کافی دیر پہلے سینٹ جانز کی میّت گاڑی میں جاچکا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس انتظام کے لیے اس نے گھر کا اکلوتا فون سرے سے نہیں چھوا تھا۔ شاید وہ لوگ باہمی رابطوں کے لیے ٹرانسمٹرز استعمال کرتے تھے۔

ایمبولینس، اسپتال، ڈاکٹر اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی مردے کے لیے براہِ راست میت گاڑی کا بندوبست ہوجانا بھی حیرت ناک تھا۔ میرے استفسار پر بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ ایسے مواقع پر سیاہ رنگ کی ماتمی گاڑی کے بجائے اس کے آدمی سفید شیشوں والی بند وین طلب کرتے تھے تاکہ پڑوسیوں کو کسی قتل، خودکشی یا ناگہانی موت کا شبہ نہ ہوسکے۔

ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ بلیک ڈیڈ رخصت ہوگیا اور میں اطمینان کا سانس لے کر اندر آگیا۔ بلیک ڈیڈ کی بروقت آمد نے ہمیں ایک بڑی اذیت سے بچالیا تھا۔ بیکسٹر کی لاش ہم دونوں میں سے کوئی دریافت کرتا تو بوکھلاہٹ میں رازداری کا برقرار رکھنا ناممکن ہوجاتا۔

"اے حسن کی دیوی! ایک انسانی جان کی بھینٹ لے کر تم اب تو خوش ہو؟" خواب گاہ میں بستر پر گر کر میں نے شوخ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

ویرا نے مُنہ پھیرلیا "اس بارے میں مذاق کرو گے تو میں اسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

میری توقع کے برعکس اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر دیکھا تو وہ رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کررہی تھی۔

"اب تم میری زبان سے اس بے زبان مظلوم کا ذکر نہیں سنو گی۔" میں نے اسے پچکار کر کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی موت نے تمہیں اتنا متاثر کیا ہوگا۔"

اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور زبان سے کچھ کہے بغیر باتھ روم میں چلی گئی۔

اس وقت ڈیڑھ کا عمل تھا۔ میں نے فرصت کو غنیمت جان کر میجر جنجوعہ کا نمبر ملایا۔

میری آواز سن کر وہ خوش ہوگیا "میں بہت باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ کب اور کہاں آجاؤں؟"

"یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ چار بجے کے بعد آپ کوئی جگہ تجویز کردیں۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے محفوظ مقام کے تعین کی ذمے داری اسی پر ڈال دی۔

"آپ کہاں سے آئیں گے؟"

"برونکس یا پھر ڈاؤن ٹاؤن کے کسی بھی حصے سے۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"برونکس سے پاکستان ہاؤس بہت قریب ہے۔ آپ کا وہاں آنا مناسب نہیں، ہم لوگ عام تفریح گاہوں سے ذرا پرہیز کرتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چار بجے آپ مجھے میٹروپولیٹن میوزیم آف آرٹ کے پاس مل جائیں۔ وہاں سے میں آپ کو لے لوں گا۔"

باہمی شناخت کے ساتھ پروگرام طے ہوگیا اور میں نے فون بند کردیا۔

باتھ روم میں شاور سے پانی گرنے کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ویرا غسل میں مصروف تھی۔ غزالہ، سلطان شاہ اور راول خان کے نام الگ الگ خطوط کے لفافے گیپ کے پانچوں کاغذوں کے ساتھ بڑے لفافے میں بند کرکے میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

اس وقت میرا اور ویرا کا بنیادی مسئلہ بھوک کا تھا۔ گھر سے مین ہٹن کے اوپری مشرقی علاقے میں ہم نے ٹیکسی دانستہ اس سڑک سے گزاری جس پر پاکستان کے دو اہم سفارتی دفاتر واقع تھے۔ وہاں سے نکل کر ہم نے آرٹ میوزیم کو پیچھے چھوڑا اور ایک بارونق علاقے میں ٹیکسی چھوڑ دی۔

ویرا صبح سے صرف چائے پر گزارہ کرتی آرہی تھی۔ اسے بیئر کی شدید طلب محسوس ہورہی تھی۔ ہم نے ایک ریستوران میں بیٹھ کر بیئر اور سینڈوچز سے شکم پُری کی پھر کسی بوتھ کی تلاش میں

نکل کھڑے ہوئے۔ وقت بہت نامناسب تھا لیکن میں میجر جنجوعہ سے ملنے سے پہلے اول خان سے مختصر سی بات ضرور کرنی چاہ رہا تھا۔

پہلا خالی فون بوتھ نظر آتے ہی ہم دونوں اندر گھس گئے۔ اول خان نے نیند سے بوجھل آواز میں کال ریسیو کی مگر پھر فوراً ہی اعتدال پر آگیا۔ اس سے میری بات ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا اور وہ خود بھی حالات جاننے کے لیے مضطرب تھا۔

"سب سے پہلے یہ سن لو کہ آج میں اپنے قونصل خانے کے میجر جنجوعہ کو تمہارے نام ایک سربمہر لفافہ دے رہا ہوں۔ اس میں معاہدے کے پانچوں اصل کاغذ موجود ہیں۔ تمہارے مشورے کے مطابق میں نے اس بوجھ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"آنکھ بند کرکے دے دو۔" اس کی مسرت آمیز آواز آئی "تم بالکل صحیح آدمی سے ٹکرائے ہو۔ اس لفافے کے لیے اس سے بہتر امین نہیں مل سکتا تھا۔"

"گھنٹی پر کل شام ناکام قاتلانہ حملہ ہوا' وہ بری طرح زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ آدھی رات کے بعد اسے گرفتار کرلیا گیا۔ یہاں واقعات میں اچانک بہت تیزی آگئی ہے۔"

"خدا تم دونوں کو وہاں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ تم بہت بڑے بڑے کام دکھا رہے ہو۔ بڑے ایک آدھ دن میں پہنچنے والے ہیں۔ ساری تیاریاں مکمل ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں کینوپ کو دوبارہ گرڈ سے ملا دیا جائے گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"ان باتوں سے پہلے یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس وقت میرے لیے سلطان شاہ کینوپ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"

"وہ واپس آگیا ہے۔ اسے اسپتال میں رکھنا ضروری تھا مگر وہ زبردستی کلفٹن والے فلیٹ میں گیا ہے۔ مجبوراً اسی کے کمرے میں ساری طبّی سہولتیں میسر کی گئی ہیں۔ دو نرسیں اس کی دیکھ بھال پر مامور ہیں۔"

"اس کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے؟" میرے ذہن میں فلم چل پڑی تھی۔

"چوبیس گھنٹے ایک کمانڈو اندر رہے گا۔ دو دور رہ کر نگرانی کریں گے۔" اول خان کے پاس میرے ہر سوال کا تسلی بخش جواب موجود تھا۔

"غزالہ اس وقت کیا کر رہی ہے؟" میری دانست میں وہ سلطان شاہ کی زیادہ بہتر خبر گیری کرسکتی تھی۔ اول خان نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا کہ غزالہ اس کے ساتھ ہی فلیٹ پر منتقل ہوگئی تھی۔

مجھے یہ سن کر اطمینان ہوا کہ سلطان شاہ کے ساتھ ہر وقت فلیٹ کے اندر چار نفوس اور باہر دو کمانڈوز موجود رہیں گے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ زخم خوردہ دشمن اس کی مکمل صحت یابی سے پہلے اس پر قاتلانہ حملے کی کوشش ضرور کریں گے۔ نک موڈلے کا پاکستان سے ورجینیا پہنچنا اس امر کا غماز تھا کہ وہ نئے تخریبی منصوبے لینے

کے لیے اپنے وطن لوٹا تھا۔

"وہ مُصر ہے کہ مدن موہن کے چکر میں پکڑے جانے والوں میں سے دو تین آدمیوں کو ذبح کرکے کہیں پھینک دیا جائے۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح دشمنوں کو یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ تم پاکستان میں موجود ہو۔"

"ایسی لاشیں شہریوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا دیں گی۔ وہ صحیح سمت میں سوچ رہا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے جذباتی ہو رہا ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ وہاں کوئی بڑا چکر چلتا رہے۔ میرا نام چھپنے کے باوجود یہاں کوئی یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ میں امریکا میں موجود ہوں۔ اس سے مجھے زبردست فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔"

"تم مطمئن رہو۔ یہاں ہم غافل نہیں ہیں۔ دشمن کو سر اٹھاتے ہی بے رحمی سے کچل دیا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی ناکامیوں کے بعد سب ہی زیرِ زمین چلے گئے ہیں۔"

"اس بھول میں نہ رہنا۔ را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ وہ اچانک کسی بھی سمت سے وار کرسکتے ہیں۔ انہیں سکون سے پنپنے نہ دو۔ ان کے بلوں کو کریدتے رہو۔ کوئی نہ کوئی موذی تمہارے ہاتھ آتا ہی رہے گا۔"

"تمہاری جیسی چھیڑ چھاڑ کرکے اس کو نبھانا میرے بس سے باہر ہے۔ گڑبڑ ہوگئی تو الٹی آنتیں بھی گلے پڑ سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنی مجبوری بیان کرڈالی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ذرا سلطان شاہ کی حفاظت کے ساتھ نگرانی بھی کراتے رہنا۔ مکمل صحت یابی تک میں اس پر بھروسا نہیں کرسکتا۔"

"کیا؟" مجھے اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ حیرت سے اس کا مُنہ کھل گیا ہوگا۔ وہ پوچھ رہا تھا "کیا انقرہ میں اس کی برین واشنگ کا شبہ کر رہے ہو؟"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ایسی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی صحت مندی کے زعم میں سب کو دھوکا دے کر باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس وقت اس پر ایسی ہی ضد سوار ہے۔"

"بس' اب میجر سے ملاقات کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ خیال رہے کہ میرے بھیجے ہوئے اصل کاغذ تمہارے پاس میری امانت ہوں گے۔ ہماری واپسی سے پہلے ان کا راز فاش ہوا تو ہماری جانیں ہر وقت سولی پر لٹکی رہیں گی۔"

"لیکن نقل کے سلسلے میں' میں کچھ لوگوں سے بات کرچکا ہوں۔ تم نے اس متن کی ڈی کوڈنگ کے لیے خود ہی مجھے ہدایت کی تھی۔"

"تو کیا ڈاک سے بھیجا ہوا وہ لفافہ تمہیں اتنی جلدی مل گیا؟"

"لفافہ نہیں ملا مگر میں اس معاہدے کا ذکر کر بیٹھا ہوں۔ اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا؟" اول خان نے مضطربانہ انداز میں

پوچھا۔

"نقل سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بس اصل دبائے رکھنا۔ ہمارے دفترِ خارجہ میں جو افسران ہمیشہ سے پاک امریکا دوستی کے حامی چلے آرہے ہیں‘ اس معاہدے کا ایک ایک لفظ ان کے ہوش اڑادے گا۔ وہ کبھی بھی ہمارے دوست رہے ہیں اور نہ رہیں گے۔"

"یہ تو روزِ اول ہی سے ظاہر ہوتا چلا آرہا ہے کہ وہ ہمارے دشمنوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔"

"راجن اور وکرم کی تربیت کا قصہ تازہ ترین ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ان زخموں کو نہ کریدا کرو۔ جو کرسکتے ہو‘ خاموشی سے کرتے چلے جاؤ۔ بھلائی ایک دن غالب آکر رہتی ہے۔ تمہیں اس خدمت کا صلہ کوئی نہیں دے گا۔"

"یہ دیکھ کر خون کھولتا ہے کہ ہمارے ایک ایٹمی بجلی گھر کی کارکردگی کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں۔ اس کے آپریشن میں روڑے اٹکائے جارہے ہیں۔ ہر حیلہ اور بہانہ پابندیوں کے لیے استعمال ہورہا ہے۔ دوسری طرف ٹرامبے‘ تاراپور‘ چندی گڑھ اور دوسرے مقامات پر ایٹمی بجلی گھر مدتوں سے کسی رکاوٹ اور رخنہ اندازی کے بغیر چل رہے ہیں۔"

"یہ امتیازی سلوک بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے مگر ہمیشہ مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔"

"میں کوئی نجومی یا غیب داں نہیں ہوں لیکن امریکا میں بیٹھ کر میں جو تیور دیکھ رہا ہوں انہوں نے مجھے تلخ تر کردیا ہے۔ میری بات کہیں لکھ لو کہ یہ مستقبل میں ہمیں بالکل تہی دست رکھ کر ہمارے دشمنوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کرنے کا آخری ہدف حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ جس دن ایسا ہوگیا‘ ہم ہر طرف سے بدترین دباؤ میں آجائیں گے اور دم تک نہ مارسکیں گے۔"

"ایسی مایوس کن باتیں نہ سوچو۔ یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم صرف دشمن کی سرگرمیاں دیکھتے رہتے ہو۔ یہاں کیا ہورہا ہے‘ اس سے بے خبر ہو۔ کہونہ کو تم کیوں بھول جاتے ہو..."

"یہ دل کا غبار تھا جو میں نے نکال لیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اب میں میجر جنجوعہ سے ذرا اچھے موڈ میں ملاقات کرسکوں گا۔ لفافہ ملے تو اس میں سے اپنے خط ضرور نکال لینا۔"

فون بند کرکے ہم دونوں بوتھ سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔

"بعض اوقات تم اس قدر قنوطی ہوجاتے ہو کہ تمہاری مایوسی میرے اوپر بھی اثرانداز ہونے لگتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہماری فراہم کی ہوئی اطلاعات ردی کی ٹوکری کی نذر کردی جاتی ہوں گی؟" ویرا نے میری بے زاری دیکھ کر استہزائیہ انداز میں کہا۔

[illegible] خود سے کچھ نہیں ہوتا۔ [illegible] خیالات خود [illegible]

ہیں" میں نے رکھائی سے کہا "اب میرے کان نہ کھاؤ۔ ساڑھے پانچ اور چھ بجے کے درمیان میں پورٹ اتھارٹی بس ٹرمینل پر پہنچ جاؤں گا۔ وہاں رک کر میرا انتظار کرنا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اس سے نہیں ملواؤ گے؟" ویرا نے شکوہ کیا۔

"یہی سمجھ لو!" یہ کہہ کر میں نے قریبی موڑ سے اپنا راستہ بدل لیا۔

آرٹ میوزیم کی سمت کا مجھے اندازہ تھا۔ لنچ کے لیے ہم نے اس کے ایک قریبی علاقے کا انتخاب کیا تھا۔ چند منٹ بعد میں آرٹ میوزیم کے قریب موجود تھا۔

مین ہٹن کی ففتھ ایونیو پر یہ میوزیم اس دریائی جزیرے کے اکلوتے سینٹرل پارک کے کنارے واقع ہے۔ اس وقت بھی وہاں رنگارنگ سیاحوں کی کافی بھیڑ موجود تھی۔ متعدد سیاح میوزیم کی عمارت اور سیڑھیوں کو پس منظر میں لے کر فوٹوگرافی میں مصروف تھے۔

میری سیاہ جیکٹ کی اوپری جیب میں اڑسے ہوئے سرخ رومال کی وجہ سے میجر جنجوعہ کو مجھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں نے بھی سفید کرولا کو اس کی نمبر پلیٹ سے پہچان لیا۔ کار بس لمحہ بھر کے لیے رکی اور پھر مجھے لے کر آگے بڑھ گئی۔

"شاندار!" میرے سوار ہوتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے جوان اور صحت مند شخص نے تعریفی لہجے میں کہا "جیسا سوچا کرتا تھا‘ میں نے آپ کو اس سے بڑھ کر پایا ہے۔"

"برا نہ مانیں تو آپ جناب کا تکلف ختم کردیا جائے!" میں نے زبان کھولی۔

میجر جنجوعہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "یہ میرے دل کی بات کہہ دی تم نے۔ ہم لاہوری بندوں کو تو اس آپ جناب سے الجھن ہوتی ہے۔ جو مزہ تُو تڑاخ میں ہے وہ آپ جناب میں کہاں۔"

"میں ایسی گستاخی نہیں کروں گا۔ تم جس طرح چاہو‘ مخاطب کرو۔ میں برا نہیں مانوں گا" یہ کہتے ہوئے میں نے کیپ والا بند لفافہ اس کی گود میں ڈال دیا۔

میجر جنجوعہ نے لفافے پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے اپنی نشست کے نیچے ڈال لیا "تمہیں یقین ہے کہ تم نے یہ اہم لفافہ کسی غلط آدمی کو نہیں دیا ہے؟"

میں بے اختیار مسکرادیا "تمہیں یقین ہے کہ یہ لیٹر بم نہیں‘ کوئی خط ہی ہے؟"

"بس اپنے لوگوں میں یہ بات ہوتی ہے" میجر جنجوعہ میرے جوابی سوال پر کھل اٹھا "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ تعارف کی ضرورت‘ نہ شناخت کی۔ دو بول بولے اور ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تم یقین کرو کہ میرے دل میں ایک مدت سے تم سے ملنے کی آرزو مچل رہی تھی۔"

"مگر ملے آج تک نہیں" میں نے بے تکلفی سے اسے یاد

دلایا۔
"ارے واہ۔ مل تو رہے ہیں۔ اب میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وہاں...."
میں نے اس کی بات کاٹ دی "ملنا اسے کہاں کہتے ہیں۔ ہاتھ ملائے بغیر ملاقات ادھوری ہوتی ہے۔"
وہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ کی وجہ سے میں اس کی داہنی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ ٹریفک سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی گرم جوشی سے میرا بازو جھنجنا اٹھا۔
"یہ اچھی بات ہے کہ چوک ہوتے ہی ٹوک دیتے ہو۔ بس میں ذرا ٹریفک کی بھیڑ سے نکل جاؤں پھر ہم گلے بھی ملیں گے۔"
"میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی پسلیاں عزیز ہیں۔ مصافحے کے بعد اب اتنی سکت نہیں رہی۔ ویسے بھی میرے پاس وقت کم ہے۔"
وہ دل کھول کر ہنستا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے سنجیدگی سے کہا "مجھے تمہارے وقت کی اہمیت کا احساس ہے۔ پچھلی رات یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد تمہارا یوں بے دھڑک ہو کر مین ہٹن میں نکل آنا دل گردے کی بات ہے۔ پھر بھی کچھ وقت تو دو مجھے۔ کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے پیتے ہیں۔"
"چلتی ہوئی گاڑی کے سوا میں خود کو کہیں محفوظ تصور نہیں کروں گا۔ اس وقت معافی چاہتا ہوں۔ میں پانچ بجے تک تمہارے ساتھ ہوں۔ شہر گھماتے اور باتیں کرتے رہو۔ پانچ بجے مجھے کہیں بھی بلکہ ڈاؤن ٹاؤن میں کہیں بھی اتار دینا۔"
"اخبارات میں آئزک بیل کے حوالے سے تمہارا نام آنے کے بعد ہمارے قونصل جنرل اور سفیر کو الگ الگ سمری بھیجنی ہوگی۔ اگر تم اس واقعے پر کوئی روشنی ڈال سکو تو یہ مجھ پر ذاتی احسان ہوگا" میجر جنجوعہ یکایک یوں سنجیدہ ہوگیا جیسے بھولے سے بھی ہنسنا نہ جانتا ہو۔
"فی الوقت صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آئزک بیل سچا ہے' سی آئی اے والے بھٹک رہے ہیں" میں نے جوابی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔
"انہیں بھٹکایا گیا ہے یا وہ خود بھٹک رہے ہیں؟" اگلا سوال ذہانت آمیز تھا۔
"میں یہاں اکیلا ہوں۔ تم لوگوں سے بھی مدد نہیں لے سکتا۔ تم مدد کرنا چاہو تو تمہارا پروٹوکول آڑے آجائے گا۔ ایسے میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے مدافعانہ حکمتِ عملی بنانی پڑتی ہے۔ اس کے لیے عباس کرمانی کا نام انہیں پہنچایا گیا تھا۔ اب وہ اسی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"
"کل رات تک اس کا نام نیویارک کے معزز ترین شہریوں کی فہرست میں تھا۔ اس کے بارے میں ہونے والی سرگوشیوں کے باوجود اسے وائٹ ہاؤس میں رسائی حاصل تھی۔ چند گھنٹوں میں یہ کیا کایا پلٹ ہوئی کہ وہ ایک قیدی بنالیا گیا۔"
"کیس کی تفصیلات پر نظر رکھو۔ گیپ آتے ہی سب کچھ واضح ہوجائے گا۔"
"گیپ؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں دہرایا "کیس میں کیسا گیپ آسکتا ہے؟"
"وہی جو جی اے پی سے بنتا ہے۔ اسی گیپ نے اسے مروایا ہے۔"
"ہوسکتا ہے کہ پاکستان والے تمہاری ان باتوں کو سمجھ لیں مگر میں معذور ہوں۔ خرابی یہ ہے کہ سرکاری چینل سے ہونے والی سرگرمیوں سے ہم پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ پس پردہ کیا ہورہا ہے' ہمیں اس کے بارے میں بریف نہیں کیا جاتا۔ تم سے ملنے کے لیے یہ دوڑ میں نے اپنی ذاتی حیثیت میں لگائی ہے۔ سرکاری طور پر ہمیں تمہاری امریکا میں موجودگی کا علم نہیں ہے۔"
"آج اگر اخبارات میں میرا نام نہ آیا ہوتا تو شاید تم یقین بھی نہ کرتے کہ میں ڈینی ہوں۔"
"مجھے شبہ تھا کہ یہاں کچھ پراسرار سی گڑبڑ ہورہی ہے۔ ہارلم کی خوں ریزی میں آئزک بیل کا نام لیا جارہا تھا۔ پھر پرنسٹن سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا انسپکٹر اے جے ولسن غائب ہوگیا جو پاکستان بھیجے جانے والے پرزوں کا معائنہ کرکے لوٹ رہا تھا۔"
"ولسن بدمعاش تھا۔ معائنہ کرکے اس نے جو کچھ نصب کیا تھا' وہ نکال کر پرزے پاکستان بھیجے گئے ہیں ورنہ وہاں بہت کچھ تباہ ہوجاتا۔ ولسن کی لاش اس ڈیوائس سمیت ایک اندھے کنوئیں میں پڑی سڑ رہی ہے اور آئزک بیل سی آئی اے کی قید میں ہے۔"
"تم بہت بے خوفی سے کام کرتے ہو" میجر جنجوعہ جھرجھری لے کر بولا "تمہیں معلوم ہے کہ خدانخواستہ کبھی برا وقت آگیا تو کیا ہوگا؟"
"یہ شاید تمہارا پیشہ ورانہ فلسفہ ہے کہ اس برے وقت کے بارے میں سوچنے والے بے جگری سے نہیں لڑسکتے۔ موت ایک بار آنی ہے۔ وہ آئے گی' نیویارک یا پرنسٹن میں نہیں تو بستر پر ہی آدبوچے گی۔ اس کے بارے میں سوچ کر وقت کیوں برباد کیا جائے؟"
"لوگ بے شمار اچھی باتیں پڑھتے ہیں لیکن ان پر سچے دل سے عمل کرنے والے چند ہی ہوتے ہیں جو واقعی نئی تاریخ لکھتے ہیں۔ تم ان ہی میں سے ہو۔ امریکیوں نے تمہاری گرفتاری پر بلاوجہ ایک بڑے انعام کا اعلان نہیں کیا ہوا ہے۔"
"بس یہ تم جیسے مہربانوں کا تعاون ہے کہ میرا سفر جاری ہے ورنہ بہت سے لوگ اس سے کہیں کم انعام کے لالچ میں ہر ایک کی مخبری کرسکتے ہیں۔"
"وطن کی مٹی سے محبت کے کوئی دام نہیں ہوتے" میجر جنجوعہ نے سخت لہجے میں کہا "تمہارا نام اس وقت سے میرے ذہن سے چپکا ہوا ہے جب کراچی کے نواح میں امریکی میرین کمانڈوز کو لے جانے والا ایک ہیلی کاپٹر مہلک حادثے میں تباہ ہوا تھا اور وہیں

راس المیڈا بھی مارا گیا تھا۔ اسے تم لوگوں نے اس بری طرح گھیر کر مارا تھا کہ آخر کار امریکی اس کی لاش پر اپنے دعوے سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تم اور ایس ٹی ایف کے سارے اہل کار جنگل کے وہ مور ہیں جن کے دل ربا رقص کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

میں اس سے باتوں میں منہمک تھا۔ میں نے بس یہ دیکھا کہ اس کی گاڑی مین ہٹن کی پُرہجوم شاہراہوں سے کٹتی ہوئی ایک پُل پر سے گزری اور شہر کے کسی پُرسکون رہائشی علاقے میں داخل ہو گئی۔

"تم ذاتی حیثیت میں مجھ سے ملنے آئے ہو پھر میرا خط سفارتی ڈاک کے تھیلے میں کیسے شامل ہو سکے گا؟" میں نے دیر سے اپنے ذہن میں چبھتا ہوا سوال اس سے پوچھ ڈالا۔

"اس میں ہماری اہم ذاتی ڈاک بھی بھیج دی جاتی ہے۔ اسلام آباد والے اسے پوری احتیاط سے منزل تک پہنچاتے ہیں۔ تم اس فکر میں نہ پڑو، تمہارا خط اب مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ کل یہاں سے ہر قیمت پر نکل جائے گا۔"

"آج کل یہاں سفارتی سطح پر مراسم کی نوعیت کیا چل رہی ہے؟" اس کی تشفی ہونے کے بعد میں نے اس سے اپنا پہلا نازک سوال کر ڈالا۔

"ہونٹوں پر مسکراہٹ، عملاً سرد مہری بلکہ کبھی کبھی تلخی۔ یہی ہماری سطح کے افسروں کا بیرومیٹر ہوتا ہے۔ آج کل پاکستان کی سرزمین پر امریکی خاصے جانی خسارے میں جا رہے ہیں۔ اس پر ان کی برہمی قابلِ فہم ہے۔"

"یہی نہیں، کھسیانی بلی کھمبا بھی نوچ رہی ہے۔ یہاں تم نے کسی امریکی سی ون تھرٹی کے اغوا کی کوئی بازگشت سنی ہے؟" میں نے اسے انعام میں ایک مکمل اور تازہ خبر سنانے کے خیال سے پوچھا۔

"نہیں" اس نے وثوق سے اپنا سر ہلایا "شاید پچھلے پندرہ بیس برسوں سے یہاں ایسا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا۔ سی ون تھرٹی ان کا بہت محفوظ مال بردار طیارہ ہے۔ اس میں عملے کے گنے چنے افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس کا اغوا ناممکنات میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر کے حادثے میں مرنے والے امریکی کمانڈوز کی منجمد لاشیں لانے والے سی ون تھرٹی کے ساتھ یہ واردات ہو چکی ہے اور آئزک بیل اسی کے نتیجے میں سی آئی اے والوں کے عتاب کا نشانہ بنا ہے" میرے اس انکشاف پر میجر جنجوعہ حیرت سے بھونچکا رہ گیا۔

"یہاں اس کی کوئی اڑتی اڑتی خبر بھی نہیں سنی گئی" اس نے بے یقینی سے کہا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے سلطان شاہ کے اغوا سے انقرہ میں اس کی بازیابی تک کی پوری کہانی سنا ڈالی۔

اس وقت میجر جنجوعہ کی محویت قابلِ دید تھی۔ اگر وہ نیویارک کے کسی رہائشی علاقے کی سڑکوں پر گاڑی نہ چلا رہا ہوتا تو مین ہٹن میں کئی بار حادثوں سے دوچار ہو چکا ہوتا۔

"یہ میری سفارتی معلومات میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ واشنگٹن ایئرپورٹ پر پورے فوجی اعزاز کے ساتھ تابوت ورثا کے حوالے کیے گئے تھے اور صدر نے خود وہاں ہیلی کاپٹر کا استقبال کیا تھا۔ اپنے مرنے والوں کو یہ امریکی ضرورت سے زیادہ عزت و تکریم دیتے ہیں تاکہ دوسروں کے دلوں میں ملک و قوم کے لیے مرمٹنے کا جذبہ پیدا کیا جا سکے۔ اندر کی ساری کہانیاں بلیک آؤٹ کر دی جاتی ہیں۔"

وقت کے بارے میں میجر جنجوعہ کو میری مجبوری یاد تھی۔ وہ ایک نئے پُل کے راستے دوبارہ مین ہٹن کے سیلِ رواں میں شامل ہو گیا۔ ہماری باتیں بدستور جاری تھیں۔

"اب تم سے کب ملاقات ہو گی؟" مڈ ٹاؤن میں داخل ہوتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جب موقع مل گیا۔ ہمارے شب و روز حالات کے غلام ہوتے ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ کبھی کبھی فون پر ضرور بات ہوتی رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدھ روز کے لیے مجھے نیویارک سے باہر بھی جانا پڑ جائے۔ تم میری کال کا انتظار نہیں کرو گے۔"

"انتظار تو تمہیں اتارنے کے بعد سے شروع ہو جائے گا" اس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسے مخلص دوست زندگی میں کبھی کبھار ہی ملتے ہیں۔"

نیویارک میں ٹیکسی ڈرائیور پارکنگ سے لے کر ڈرائیونگ تک کے معاملات میں اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ شہریوں کی سہولت کی خاطر پولیس بھی ان کے چھوٹے موٹے جرائم سے چشم پوشی کرتی ہے۔ پرائیویٹ گاڑیوں کے لیے یہ قوانین بہت سختی سے نافذ کیے جاتے ہیں۔

ٹائمز اسکوائر کی علامات نظر آتے ہی میجر جنجوعہ نے قبل از وقت ہاتھ ملا کر الوداعی رسم ادا کی۔ ٹائمز اسکوائر پر ایک جگہ اس نے گاڑی روکی اور مجھے اتار کر ہاتھ لہراتا ہوا آگے چلا گیا۔

راستے میں اس نے اپنا سرکاری وزیٹنگ کارڈ مجھے دے دیا تھا۔ اس پر میجر جنجوعہ کے گھر کا فون نمبر بھی موجود تھا۔

ویرا سے ملنے کے لیے میرے پاس آدھے گھنٹے کا وقت باقی تھا۔ میں چوک سے آگے نکل کر ایک بھڑکیلے بار میں داخل ہو گیا جہاں بھیڑ ہونے کے باوجود بعض میزیں خالی تھیں۔ بار سے امریکن بیئر کا ایک جھاگوں بھرا بڑا مگ لے کر میں ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

نیویارک میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بعد میں شدت سے بدری ناتھ سے ملاقات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اسے نیویارک سے فون کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میجر جنجوعہ کی گاڑی میں شہر نوردی کرتے ہوئے میں نے سنجیدگی سے ارادہ کیا تھا کہ گھر سے سی ایس ڈی ساتھ لے کر اسی رات کی کسی پرواز سے ورجینیا کی طرف نکل جاؤں۔ رچمنڈ کے کسی ہوٹل میں

فون سے سی ایس ڈی منسلک کر کے میں لوکل کال پر بہت بے فکری سے اس سے تبادلۂ خیال کر سکتا تھا۔
بدری ناتھ کے پاس وقت اور موقع ہوتا تو اس سفر کے نتیجے میں اس سے ملاقات بھی ہو سکتی تھی جس میں مجھے اپنے ہر تشنہ سوال کا جواب مل جاتا۔
اس وقت بھی میں سگریٹ پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس سفر کے بارے میں ویرا مجھے صحیح رہنمائی فراہم کر سکتی تھی۔ مجھے ان خیالوں میں ڈوبے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک نسوانی ہاتھ نے بے تکلفی سے اپنا بیئر کا مگ چوبی میز پر تقریباً پٹخا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تو ویرا اپنے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ لیے خالی کرسی سنبھال رہی تھی۔
"حد ہو گئی۔ اس وقت میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا" میں نے بے ساختہ کہا۔
"ٹالنے کی کوشش مت کرو، سچ سچ بتاؤ کہ مجھے ساڑھے پانچ کا وقت دے کر یہاں کس کے انتظار میں جھک مار رہے تھے؟" سوال کرتے ہوئے ویرا کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو چکی تھی۔
وہ وقفے کے بغیر بولتی ہی چلی گئی "میں نے تمہیں اسی وقت دیکھ لیا تھا جب تم سفید کرولا سے اترے تھے۔ تمہاری جیکٹ کی جیب میں گز بھر کا یہ سرخ رومال ابھی تک لہرا رہا ہے۔ اس سے ملنے کے بعد تمہیں یہ جھنڈا اپنی جیب سے نکال لینا چاہیے تھا۔ ٹائمز اسکوائر اور اس کے گرد و نواح میں شامیں گزارنے والے قدامت پرست انگریز بھی یوں اپنی جیبوں میں رومال ٹھونس کر نہیں آتے۔"
اسے بولنے کے لیے ہر وقت کسی نہ کسی موضوع کی تلاش رہتی تھی۔ میری ذرا سی غفلت نے اسے موضوع فراہم کر دیا تھا۔ وہ خاصی دیر تک بولتی رہی۔ میں اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی رومال جیکٹ کی جیب سے نکال کر پتلون کی جیب میں اڑس چکا تھا۔
"اب یہ رومال کا پہاڑہ ختم کر دو اور سنجیدہ ہو جاؤ" اس کی خاموشی کے بڑھتے ہوئے انتظار سے اکتا کر میں نے درمیان میں کہا۔ "ہم زیادہ دیر تک یوں سر عام نہیں گھوم سکتے۔"
"بتاؤ، تمہیں کیا تکلیف ہے؟" یخ بیئر کا ایک بڑا گھونٹ لے کر اس نے پوچھا۔
"میں سوچ رہا ہوں کہ اِدھر اُدھر وقت برباد کرنے کے بجائے اسی وقت رچمنڈ کے لیے روانہ ہو جاؤں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"
"نیک خیال ہے۔ ملاقات نہ بھی ہو سکی تو لوکل فون پر بے فکری سے بات ہو جائے گی۔ روانگی کا ارادہ ہے تو وقت برباد نہ کرو۔ یہاں کے بیشتر ہوائی اڈے رات کو نو یا دس بجے کے بعد اگلی صبح تک کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں۔"
وہ نکتہ میں بھول ہی گیا تھا۔ میں نے کہا "وہاں جانے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ ابھی تک رچمنڈ ہی میں ہے یا کہیں اور منتقل ہو گیا ہے۔"
"کل رات ہی تو پین پلازا سے تمہاری اور اس کی بات ہوئی تھی۔"
"اس وقت تک اس نے گیپ کا راز فاش کر کے اسحاق گھنٹی کو نہیں پکڑوایا تھا۔ اب وہ وی آئی پی بن چکا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کسی بڑے ہوٹل میں پہنچا دیا گیا ہو۔"
"تمہارا فون کرنا مناسب نہیں ہوگا" ویرا پُر تشویش لہجے میں بولی "اگر رچمنڈ میں بدری کا فون نگرانی میں ہے تو تمہاری آواز کا ریکارڈ ہونا بھی کسی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہاں ایسے آلات پائے جاتے ہیں جو آواز بدلنے کی کوششوں کے باوجود موازنہ کر کے بتا دیتے ہیں کہ وہ ایک ہی شخص کی بدلی ہوئی آوازیں ہیں۔"
میرا ذہن فوراً میجر جنجوعہ کی طرف گیا۔ اسی وقت ویرا دوبارہ بول پڑی "میں معلوم کیے لیتی ہوں۔"
"تم رحم ہی کرو۔ یہاں تمہاری آواز کے سوا اور بھی بہت سی چیزیں پہچانی جاتی ہیں۔ سرکاری اہل کاروں کو شبہ بھی ہو گیا کہ تم امریکا میں ہو تو یہاں بھونچال آ جائے گا۔ سب کو بھول کر ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔"
ویرا برا سا منہ بنائے میری بات سنتی رہی۔ میرے خاموش ہونے پر وہ برہم ہو کر بولی "کسی کسی وقت تم کس قسم کی بازاری باتیں کرنے لگتے ہو؟ یہاں میری کون سی چیزیں پہچانی جاتی ہیں؟"
"فنگر پرنٹس اور ایک دھندلائی ہوئی تصویر کا ذکر تو پاکستان کے اخبارات میں آ چکا ہے۔ ویسے بھی بازار میں بیٹھ کر بازاری زبان بولنی پڑتی ہے۔ میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟"
"وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اب کب تک یہاں جے بیٹھے رہو گے؟"
"میں نے تم سے ملاقات کا وقت طے کیا تھا، شیام کے پاس ہم کسی بھی وقت جا سکتے ہیں۔ اس کا بھنگڑ خانہ رات بھر کھلا رہتا ہے۔ یہاں کے کھلے ماحول میں سوچنا ذرا آسان معلوم ہو رہا ہے" میں نے اپنا مگ خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔
ویرا نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر وہ بھی غٹاغٹ اپنا مگ پی گئی "یہ لو اور ان دونوں کو دوبارہ بھروا لاؤ تاکہ مجھے بھی سوچنے میں کچھ آسانی ہو سکے۔"
بارٹینڈر نے جھوٹے مگ ٹرے میں ڈال کر مجھے دو نئے مگ بھر دیے۔
میں میز پر واپس لوٹا تو ویرا نے مسرت بھرے لہجے میں آگاہ کیا کہ وہ بدری کے بارے میں ایک حل سوچ چکی تھی۔ اس کی دانست میں وہ کام شیام سے لیا جا سکتا تھا۔
"شیام اسے فون نہیں کرے گا۔ اسحاق گھنٹی نے رچمنڈ جانے سے پہلے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنا فون نمبر یا ٹھکانا کسی کو نہیں بتائے گا۔ بدری نے معذرت کے ساتھ یہ بات شیام کو بھی بتا دی تھی اسی لیے شیام بھی اسے فون نہیں کر سکا۔"
"وہ پابندی اس وقت تک تھی جب تک اسحاق گھنٹی کا ستارہ

عروج پر تھا۔ اب اس کے ساتھ اس کی ہدایات بھی ختم ہو چکی ہیں۔ تم اسے نمبر بتاؤ گے تو وہ ضرور رابطہ کرے گا۔"

"ابھی چلو گی تو دیکھ لیا جائے گا۔ تم اپنے رسک پر اس سے ملنے جا رہی ہو۔ وہ بہت منہ پھٹ اور اوباش آدمی ہے۔ کوئی بدتمیزی کر بیٹھے تو مجھ سے کوئی شکوہ نہ کرنا۔"

"میں نے اس کے سامنے اردو بولی تو وہ مجھ سے ضرور بے تکلف ہونا چاہے گا۔ تم اسے یہ نہ بتانا پھر میں اسے خود سنبھال لوں گی۔"

شیام ناتھ سے ملاقات کا ایک مبہم سا خاکہ وجود میں آنے کے بعد ہم اس بار سے اٹھ گئے۔ چند منٹ کی چہل قدمی کے بعد ہم شیام کے نام نہاد ہوٹل میں پہنچے تو بس ایک میز آباد تھی۔ وہ خود سورج غروب ہونے کے انتظار میں صاف ستھرے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ جی گرنام جی! آج کئی دن بعد ادھر آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھائی کی بدبو مل جاتی ہے۔" اس نے گہری نظروں سے ویرا کا جائزہ لے کر گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور کاؤنٹر سے نکل کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"یہ مس بُل ہے، میری دوست" میں نے انگریزی میں ویرا کا تعارف کرایا۔

"بھائی جی! اسے بتاؤ نا کہ ملاقات پر مرد اور عورت سب ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ یہ تو سوکھا ہاتھ ملا کر ٹرخا رہی ہے" شیام نے اردو میں مجھ سے شکوہ کیا۔

"مس بُل صرف اپنے دوستوں سے گلے ملتی ہے" میں نے انگریزی میں کہا اور قریبی میز پر بیٹھ گیا۔

"بس مس بُل! آج سے تم مجھے بھی اپنا دوست بلکہ خادم ہی سمجھو" شیام مسکرا مسکرا کر ویرا کے سامنے بچھا جا رہا تھا "تم کیا پینا پسند کرو گی؟"

"شکریہ۔ میں گھر سے باہر نہیں پیتی۔ گرنام کے گھر جا کر پیوں گی۔"

"اس کا نام بُل کے بجائے بُلبل ہونا چاہیے تھا۔ لونڈیا زوردار ہے۔ کہاں سے اٹھا کے لائے ہو؟" شیام نے کھڑے کھڑے میری طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں اردو میں کہا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ ویرا دور ہوتی تب بھی آسانی سے سن سکتی تھی۔

"اس سے فری ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ بڑی ہاتھ چھوڑ واقع ہوئی ہے۔" میں نے اسے مشورہ دیا پھر پوچھا "تم بھائی کی بدبو کا کیا ذکر کر رہے تھے؟"

"وہ جب بھی آتا ہے یا فون کرتا ہے، تم ضرور رابطہ کر لیتے ہو۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی وہ یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ پہلے آجاتے تو وہ بھی تمہاری اس بُلبل کو دیکھ کر اپنی آنکھیں سینک لیتا۔"

اس کی زبان سے وہ خوش خبری سن کر میرا دل زور سے دھڑکا۔

اٹھا۔ ویرا نے مسکرا کر مجھے آنکھ ماری۔ شیام اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنی رسٹ واچ دیکھ رہی تھی۔

"مس! اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں بُلبل کہہ لوں۔ یہ ہماری طرف بُل سے ملتا جلتا بہت خوب صورت نام ہوتا ہے" شیام نے کھیسیں پھیلا کر انگریزی میں پوچھا۔

ویرا نے سحر طراز مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر کہا "تمہیں اچھا لگتا ہے تو ضرور کہو۔"

"کیا وہ آج کل نیویارک ہی آیا ہوا ہے؟" میں نے شیام کے شانے پر ہاتھ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے پوچھا "ایک بار مجھے فارغ کر دو پھر دل بھر کر اس سے باتیں کر لینا۔"

"آج صبح آیا تھا۔ وہ ہوٹل گورہام کے کمرا نمبر تین سو دو میں ٹھہرا ہوا ہے۔ شاید وہ کئی دن یہیں رکا رہے گا۔ اس کا کوئی سرکاری کام نکل آیا ہے" شیام نے ایک ہی سانس میں میرے تقریباً تمام سوالوں کے جواب دے ڈالے اور فوراً ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بلبل.... واہ! اب نام بھی تمہاری ہی طرح حسین ہو گیا ورنہ بُل کہتے ہوئے تو خوف آتا تھا۔" وہ ویرا کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں الجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کھسکنے کا اشارہ کیا اور وہ فوراً ہی اپنے نتھنے پُھلا کر زور زور سے کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا ہوا، چھینک رک رہی ہے؟ میں تمہاری ناک میں تیلی گھما دوں؟" شیام نے مضطرب ہو کر سوال کیا، خود ہی تکلیف دریافت کی اور جھٹ اپنی خدمت پیش کر دی۔

"چھینک وینک نہیں رکی۔ ذرا غور سے سونگھو، کیا تمہیں بدبو نہیں آ رہی؟" ویرا نے یہ کہتے ہوئے باقاعدہ اپنا رومال نکال کر اپنی ناک پر رکھ لیا۔

شیام کی عقل اس وقت شاید اس کے ٹخنوں میں اتر گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی گہرے گہرے سانس لینے لگا پھر بوکھلا کر بولا "مجھے تو کوئی خاص بدبو نہیں آرہی۔"

"بدبو نہیں، یہ تعفن ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ ان صاف ستھری میزوں کے نیچے کہیں کوئی مردہ چوہا سڑ رہا ہے۔ اسے تلاش نہ کیا گیا تو یہاں طاعون پھیل جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے کرسی چھوڑ دی۔

اس وقت تک شیام مجھے بھولا ہوا تھا، میں آرام سے کرسی میں بیٹھا وہ ڈراما دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے اٹھتے ہی شیام کو میرا دھیان آگیا "گرنام! کیا یہاں کوئی بدبو ہے؟"

ویرا کو میری رائے سے آگاہ کرنے کے لیے اس نے وہ سوال انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے صاف جواب دے دیا "سوری یار! میری ناک بند ہے۔"

"تم ہوٹل کی صفائی کرالو۔ ہم پھر کسی وقت یہاں آئیں گے۔" شیام سے یہ کہہ کر ویرا نے میرا ہاتھ تھاما اور چلتے ہوئے بولی۔ "آؤ گرنام ڈارلنگ۔ یہاں سے جلدی نکل چلو۔"

میں نے بے بسی سے شیام کی طرف دیکھا، اس سے سرسری سا ہاتھ ملایا اور ویرا کے ساتھ تقریباً گھسٹتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ بدری ناتھ کی نیویارک میں موجودگی کا سراغ ملنے کے بعد خود میرے لیے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا۔

"گورہام سینٹرل پارک سے ذرا آگے واقع ہے۔" وہاں سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ویرا نے بتایا "مگر وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے گھر سے اسے فون کرلو۔"

"ایک کال تو یہیں کہیں سے کی جاسکتی ہے۔ جب وہ کھل کر شیام سے مل سکتا ہے تو پھر یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں سے بھی میل جول رکھتا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"یہ بہتر رہے گا۔ اگر وہ ملاقات کے لیے آمادہ ہوا تو یہیں کام بن جائے گا ورنہ گھر پہنچ کر اس سے فون پر تفصیلی بات کرلی جائے گی۔"

ایک بوتھ میں موجود ڈائریکٹری سے گورہام کا نمبر تلاش کر کے میں نے ملایا تو فوراً ہی بدری سے بات ہوگئی۔ میں نے چھوٹتے ہی اسے بتا دیا کہ میں شیام سے ملاقات کے بعد اسے شہر کے کسی بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ اس کے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔

"میں آج ہی یہاں آیا ہوں اور بہت مصروف ہوں۔ تم ٹھکانے پر پہنچ کر بات کرو۔" وہ مختصر سا معنی خیز پیغام دے کر اس نے فون بند کر دیا۔

"مقدر حیران کن حد تک ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔" میں نے بوتھ سے باہر نکل کر کہا "میں اس سے ذرا سی دیر کی گفتگو کے لیے رچمنڈ تک دوڑ لگانے پر تلا بیٹھا تھا مگر کنواں خود ہی چل کر پیاسے کے پاس آگیا۔ اب رفتہ رفتہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

"ہم نے غور نہیں کیا ورنہ اس کی یہاں آمد ہمارے لیے متوقع ہوتی۔" ویرا بولی۔

"کیوں؟ کیا تم نے اسے کوئی دعوت نامہ بھیجا ہوا تھا؟" میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"اس وقت انہیں نیویارک میں عباس کرمانی کی تلاش ہے۔ اپنی کہانی کے مطابق بدری ناتھ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رہ کر وہ اس مہم کی بہتر رہنمائی کر سکے گا۔"

"وہ ایک سزایاب سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر یہاں بھیجا گیا تھا اور یہاں آمد سے ناخوش تھا۔ اب وقت کا پانسا اس کے حق میں پلٹ چکا ہے۔ دعا کرو کہ اس تبدیلی نے اسے دوبارہ متکبر نہ بنا دیا ہو۔ رمیش اگروال اور نک موڈلے کے درمیان پس کر وہ نرم پڑا تھا۔ اب وہ ان تمام بندشوں سے پوری طرح آزاد ہو چکا ہے۔"

ویرا میری اس تشویش میں برابر کی شریک تھی۔ گورہام سے ہونے والی گفتگو سے احتیاط کے علاوہ تکبر کا پہلو بھی جھلک رہا تھا۔ اصل پوزیشن گھر سے ہی معلوم کی جاسکتی تھی۔

وہاں ٹیکسیاں قدم قدم پر موجود تھیں۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں گھر واپس پہنچ گئے جہاں مائیک ہم سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ اپنے سرونٹ کوارٹر میں محدود تھا۔ اس کے پاس گھر میں داخلے کے لیے کوئی فاضل چابی موجود نہیں تھی۔

وہ گھر میں گھسنے میں کامیاب ہو جاتا تو ٹیلی فون لائن سے منسلک سی ایل ڈی کو دیکھ کر تشبیہ میں پڑ جاتا اور یقینی طور پر بلیک ڈیڈ کو ایک مشتبہ آلے کی موجودگی سے باخبر کر دیتا۔

ویرا سے کچن کی ضروریات وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مائیک گاڑی سے بازار چلا گیا۔ اسے بھگانے کے لیے ویرا نے جان بوجھ کر اپنی فہرست میں ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا تھا جو کچن اور فرج میں موجود نہیں تھیں۔

بدری ناتھ سے میری گفتگو طویل ہونے کا امکان تھا۔ میں نے مائیک کے جاتے ہی اسپیکر فون پر اس سے رابطہ کرلیا۔

"سوری باب۔ میرے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ پانچ منٹ بعد فون کرنا۔" میری آواز پہچانتے ہی بدری نے وہ روکھا پھیکا پیغام دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا "معلوم ہوتا ہے کہ بدری کا دماغ دوبارہ خراب ہو گیا ہے۔" ویرا نے میرے اندیشے کو تقویت دینے کے لیے زہر فشانی کی۔

"اس کی بات بری لگنے والی ہے لیکن اس کی بھی کچھ مجبوریاں ہوسکتی ہیں۔" میں نے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اب اس نے میرے ساتھ آنکھیں بدلنے کی کوشش کی تو میں اس کو بری طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دوں گا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہے۔"

"ایک بار اپنی ساکھ بنا لینے کے بعد وہ اپنی جگہ بہت مستحکم

ہو چکا ہے۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ تم نے اس کے خلاف پر پرزے نکالنے کی کوشش کی تو امریکا میں ہی تم کو رگڑ کر رکھ دے گا۔ تم یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے۔"

"میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ یہاں رہ کر اس سے بدلہ لینے کی کوشش کروں۔ جو کچھ ہوگا' یہاں سے نکل جانے کے بعد ہی ہوگا۔ جس لمحے پرنسٹن کے مضافاتی کنوئیں سے ولسن کی لاش برآمد ہوئی' بدری کا حشر بھی اسحاق گھنٹی جیسا ہوگا۔"

"تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ اپنے حلیفوں کی کمزوریوں پر ہر وقت نظر رکھتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میرے بارے میں تم نہ جانے اپنے دل میں کیا کچھ مواد لیے بیٹھے ہو گے۔"

"خود کو بدری سے نہ ملاؤ۔ اس کے بارے میں تم خود ہی زہر اُگل رہی تھیں۔ وہ آنکھیں دکھانے پر اتر آیا تو ہم کیا کریں گے؟"

"تو کیا تم شروع ہی سے جان بوجھ کر اسے جرائم میں ملوث کرتے چلے آ رہے ہو؟"

"میں اسے اکسا رہا تھا' ترغیب دے رہا تھا اور وہ جال میں پھنستا رہا۔ جرم کے ارتکاب کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اپنے ہر حلیف کو بدترین کارروائیوں اور سازشوں میں ملوث کرتے ہوئے چلو۔ کوئی زندگی بھر غداری کا تصور نہیں کر سکے گا۔ منظم جرائم کا یہ بنیادی سبق تمہیں زبانی یاد ہونا چاہیے۔ جب اسے نظرانداز کرو گی' مشکلات میں گھر جاؤ گی۔"

بقیہ چند منٹ اسی تذبذب اور بے چینی کی اذیت میں گزرے۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو بدری ناتھ نے سب سے پہلے سی ایس ڈی کے بارے میں سوال کیا۔

میرا جواب اثبات میں سنتے ہی اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ "شیر علی! تم واقعی عظیم ہو۔ تم نے وہ کام کر دکھایا ہے جو شاید ڈینی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گرفتاری کے وقت گیپ کی دُہائی دینے کے باوجود وہ سبز فائل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تمہارے دوست کرمانی کا دعویٰ سچ نکلا مگر اسحاق گھنٹی کے سر پر ڈینی کا بھوت سوار ہے۔ اسے جوتے پڑ رہے ہیں۔ جلد ہی وہ کرمانی سے اپنی ڈیل کا اعتراف بھی کرلے گا۔ سی آئی اے کا ڈائریکٹر میری کارکردگی سے بہت خوش ہے۔ ہر طرف میری دھوم ہو گئی ہے اور یہ سب تمہاری محنت کا انعام ہے جو مجھے مل رہا ہے۔"

وہ بولتا رہا اور اس کے ہر لفظ سے میری انا کو تسکین ملتی رہی۔ اپنے عارضی وسوسوں کی تردید ہو جانے پر میں خود کو بہت پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اپنی محنت کا ذکر سن کر میں نے آہستگی سے پوچھا۔ "کیا تم ملاقات کے لیے کچھ وقت نکال سکتے ہو؟"

"میں ہر پابندی سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جہاں چاہوں' جا سکتا ہوں مگر پچھلی رات سے میں اچانک اس قدر مصروف ہو گیا ہوں کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی مصروفیت کا تصور نہیں کیا تھا۔ کل تک جو افسر مجھے پنج اور ٹرینی کے طور پر ساتھ لے جاتے تھے' آج مجھ سے بات کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آج صبح سویرے نک موڈلے ورجینیا پہنچا تو اسے مجھ سے ملاقات کے لیے پورے پونے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ میرے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ وہ ہر ایک سے کہہ رہا تھا کہ اعلیٰ تربیت کے لیے میرا انتخاب اسی نے کیا تھا۔ کاش میں اس عزت کا ایک بڑا حصہ تم کو منتقل کر سکتا۔"

بدری ناتھ کے ذہن پر اپنی بڑائی کے اظہار اور میری شکر مندی کا خمار چڑھا ہوا تھا۔ جو کچھ ہوا' وہ اس کے سان دگمان میں بھی نہیں تھا۔

"یہ عزت تمہارے لیے ہے اور تم ہی کو مبارک ہو۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم میری خدمات کو نہیں بھولے۔ یہ بتاؤ کہ تم وہاں سے نیویارک کیوں آئے ہو؟"

"عباس کرمانی کی تلاش کی مہم میرے سپرد کر دی گئی ہے۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں ورنہ تم سے کہتا کہ مجھے اس کا پتا بتا دو۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تمہارے اس دوست پر کبھی ہاتھ نہیں ڈال سکوں گا مگر مغرور کر دینے والی ان سرگرمیوں کے جوش و خروش میں بہہ کر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں کسی بھی وقت اسے ہتھکڑیاں لگا دوں گا۔"

"اسحاق گھنٹی ابھی تک وہیں ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"وہیں ہے۔ قسمیں کھا رہا ہے کہ وہ ویرا اور ڈینی کی سازش کا شکار ہوا ہے۔ اس کے بیان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس نے دونوں سے فون پر باتیں کی ہیں مگر اپنی آنکھوں سے انہیں نیویارک میں کہیں نہیں دیکھ سکا۔"

"سبز فائل یا گیپ کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟" میرے لیے وہ باتیں زیادہ اہم تھیں۔

"سب کچھ حرف بہ حرف وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ بس اس میں عباس کرمانی کی جگہ ڈینی کا نام آ گیا ہے۔ شاید ایک آدھ روز میں اس کا نفسیاتی تجزیہ بھی ہوگا کہ ڈینی کا فرضی خوف اس کے ذہن پر کیوں سوار ہے۔"

"نک موڈلے کراچی سے یہاں کیوں آیا ہے؟" میں نے پُراعتماد لہجے میں پوچھا۔

"اسے سن گن مل گئی تھی کہ سی آئی اے اس پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے آنے تک اسحاق گھنٹی واقعی پکڑا جا چکا تھا۔ تم گیپ کی گمشدگی کا بھانڈا پھوڑ چکے تھے۔"

"وہ اسحاق گھنٹی کا اتنا بڑا مخالف ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اسحاق سے اتنا سلگا ہوا ہے کہ اس نے ٹھوکروں اور

تھپڑوں سے اسے مارا ہے۔"
"اسے تمہارے قیدی سے اتنی پرخاش کیوں ہے؟"
"ٹنک کراچی میں سی آئی اے کا چیف ہے لیکن اسے سی ون تھرٹی کے معاملے سے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا تھا۔ گھنٹی نے وائٹ ہاؤس میں اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کی اور منصوبے کی منظوری لے کر اس پر عمل کر ڈالا۔ وہ کراچی سے ڈینی کے کسی قریبی ساتھی کو اغوا کر کے لاشوں کے ساتھ امریکا لانا چاہ رہا تھا۔ قبرص میں مغوی نے عملے کو یرغمال بنا کر جہاز پر قبضہ کر لیا۔
"وہ امریکیوں کے لیے قومی عزت اور وقار کا معاملہ تھا۔ سب نے سر جوڑ کر فیصلہ کیا کہ قیدی یا مغوی کو کسی صورت میں رہا نہ کیا جائے۔ جہاز کو انسانی جانوں کی پروا کیے بغیر کمانڈو ایکشن میں تباہ کر دیا جائے۔ اس کا سارا الزام ڈینی کے ساتھی کے سر تھوپ دیا جائے۔ اسحاق گھنٹی اس فیصلے میں شریک تھا۔ کمانڈو ایکشن کے لیے وقت اور عملے کا انتخاب ہو چکا تھا کہ اسحاق گھنٹی نے ایک مرتبہ پھر سب لوگوں سے غداری کی اور پیٹھ دکھا دی۔
"ڈینی سے اس کی نہ جانے کون سی رگ دبتی ہے کہ آپریشن سے چند گھنٹے پہلے اس جہاز کو قیدی سمیت قبرص سے انقرہ پرواز کرنے کا حکم مل گیا۔ وائٹ ہاؤس کے براہِ راست حکم پر اعلیٰ فوجی قیادت وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ انقرہ میں قیدی کو آزاد کر دیا گیا اور وہ ابھی تک زندہ ہے۔"
میرے لیے وہ کہانی نئی نہیں تھی مگر میں خاموشی سے بدری ناتھ کی کتھا سنتا رہا۔ اس میں پورے واقعے کے وہ پہلو بھی شامل تھے جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آسکے تھے۔
آئزک بیل کے خلاف مقتدر امریکی حلقوں میں نفرت کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی جب اس نے سلطان شاہ کو اغوا کرنے کا غلط فیصلہ کیا تھا۔ اس نفرت کے ساتھ گیپ سے محرومی نے آخر کار اسے اس کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔
"اس جوش و خروش میں تم اپنا اصل مقصد شاید بھول چکے ہو گے۔"
"کچھ روز میں دل کھول کر طاقت، عزت اور اختیار کے اس نئے نشے سے لطف اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد پھر وہی شب و روز چل پڑیں گے۔"
اپنے دل کا احوال بتاتے ہوئے اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ شیر علی کے روپ میں ڈینی سے ہی مخاطب تھا۔ میرے دل میں بدری ناتھ کے لیے وقعت کم ہو گئی۔
"تم ٹنک موڈلے کے ہاتھوں ہونے والی اپنی تذلیل کو بھول چکے ہو۔"
"اس نے ایک اجنبی سرزمین پر میری تحقیر کی تھی، میں نے اس کے گھر میں پونے تین گھنٹے تک اسے ذلیل کر کے بدلہ لے لیا۔
اب وہ میرے گُن گاتا پھر رہا ہے۔"
"یہ نہ بھولو کہ اسحاق گھنٹی بھی اسی طرح عزت، طاقت اور اختیار کے نشے میں دُھت تھا۔ آج اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"مجھے یوں نہ ڈراؤ۔ میں اس کی طرح بہکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اصل معاملات میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے ہیں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہاں پاکستان کے ہمدردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے دیش کے خیر خواہ بہت ہیں۔ میں تمہیں پاکستانی نہیں، اپنا محسن سمجھ کر یہ راز بتا رہا ہوں۔"
"یہ ایک کھلا راز ہے جس سے ہر شخص باخبر ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میں ان ذخیروں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جو خلائی پروازوں کے لیے ٹھوس ایندھن کے طور پر کام آتے ہیں۔ ان کو نشانہ بنا کر تم انہیں بڑا نقصان پہنچا سکتے ہو۔"
"بھارت کی سازشوں کو ناکام بنانا بھی تمہارے مشن کا حصہ تھا۔"
"ضرور تھا مگر یہاں رہ کر میں ان سے بالکل بے خبر ہوں۔ واپسی پر ہم ہر تخریب کاری کے خلاف کام کریں گے، خواہ وہ کسی کی بھی طرف سے ہو۔"
اپنی انا کی بھرپور خوراک میسر آجانے پر بدری ناتھ اندر سے نرم پڑتا جا رہا تھا۔ میں نے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر کہا "تم نیویارک میں ہو تو اب میں کبھی کبھار تمہیں فون کرتا رہوں گا۔"
"بالکل کرتے رہنا۔ چاہو تو اپنا فون نمبر مجھے دے دو۔ میرے حالات بدل چکے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو میں بھی تم سے رابطہ کر سکوں گا۔ میرے پاس تمہارا نمبر بالکل محفوظ رہے گا۔"
"تمہارے حالات بہتر ہو چکے ہیں مگر اسحاق گھنٹی کی گرفتاری کے بعد میرے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ میں ہوٹل چھوڑ کر ایک شناسا کے گھر پر رہ رہا ہوں۔ یہاں کا نمبر میں کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ میری کوشش ہو گی کہ روز ہی تم سے رابطہ ہو سکے۔"
"میں تمہیں ایک مرتبہ پھر بتا دوں کہ میرے مشن اور خیالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ زیرِ عتاب اہل کار سے مراعات یافتہ افسر کا درجہ ملنے کی خوشی نے غلبہ کیا ہوا ہے۔ اس کا اظہار میں صرف تم سے ہی کر سکتا ہوں۔ میرے لیے کوئی خاص کام تمہارے ذہن میں آتا ہے تو مجھے ضرور بتاؤ۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ اسے مکمل کر سکوں۔"
"ٹھوس ایندھن کے ذخائر پر تم کام کر ہی رہے ہو۔ کسی ایسے ایٹمی یا فوجی مرکز کا بھی سراغ لگاؤ جہاں داخلہ ناممکن نہ ہو۔ اس فہرست میں تم وائٹ ہاؤس کو بھی شامل کر سکتے ہو۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد اسے اپنی ترجیحات سے آگاہ کر دیا۔
"میرا خیال ہے کہ ان میں سے وائٹ ہاؤس میں داخلہ بہت

آسان ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مخصوص ایّام اور اوقات میں امریکی اور غیر ملکی سیاحوں کو اس عمارت کے بعض حصوں کی سیر کرنے کی کھلی اجازت ہوتی ہے لیکن آج تک وہاں کوئی تخریبی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"ہوسکے تو وہاں کے حفاظتی انتظامات پر بھی کام کرو۔ اسحاق گھنٹی کی سرپرستی کرنے والے کے ٹھکانے پر کوئی اوچھا سا علامتی وار بھی سب کو ہلا کر رکھ دے گا۔"

"فکر مت کرو۔ تمہارے ایک اشارے سے مجھے نئی لائن مل گئی ہے۔ میں آج ہی سے اس پر بھرپور انداز میں کام شروع کردیتا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو میں خود بھی وہاں کا ایک چکر لگالوں گا۔ وہاں سی آئی اے کا کوئی نہ کوئی دفتر ضرور کام کررہا ہوگا۔"

بدری ناتھ سے میری گفتگو طویل ہوگئی تھی۔ میں نے اس کی نئی مصروفیات کے حوالے سے سلسلۂ کلام وہیں ختم کرکے فون بند کردیا۔

"اسے کرسی کا نشہ چڑھا ہے مگر بری طرح نہیں چڑھا۔" ویرا نے طمانیت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "آدمی اندر سے ذرا بھی کمزور ہو تو کرسی آخر کار اسے لے ڈوبتی ہے۔"

"ہم نے آئزک بیل کی تباہی کے تمہارے مشن کو اس کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا ہے۔ اب نئی راہ کے تعین میں ذرا وقت لگے گا۔ اس وقت تک بدری کا خمار بھی ہلکا ہوچکا ہوگا۔ دیکھو کہ اب ہمارا کون سا نیا ٹارگٹ سامنے آتا ہے۔"

"تمہارے سامنے امریکا کی وسیع و عریض سلطنت پھیلی ہوئی ہے اور تم یہاں ٹارگٹ ڈھونڈنے کی بات کررہے ہو۔" ویرا استہزائیہ انداز میں بولی "وہ تمہارے چھوٹے سے فلیٹ میں گھس کر سلطان شاہ کو اٹھا لے جاسکتے ہیں تو تم بھی جہاں چاہو وار کرسکتے ہو۔ یہاں کے پُل، عمارتیں، سرنگیں، یہ سب تمہارے آسان نشانے بن سکتے ہیں۔"

"ہم دہشت گرد نہیں ہیں، اپنی بقا کی ایک محدود سی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ایسی ننگی اور سفاکانہ کارروائیاں ہونے لگیں تو انسان دنیا کے کسی خطے میں سکھی نہیں رہ سکے گا۔"

"محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ جنگ کبھی محدود نہیں ہوتی۔ یہ اردو کا نہیں، انگریزی کا محاورہ ہے۔ وہ اس پر عمل کررہے ہیں۔ تم منطقوں کے بگل بجاتے رہو۔" یہ کہہ کر ویرا اٹھی اور کچن میں سے مے نوشی کے لوازم لے آئی۔

سورج ڈھلے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اندھیرا ویرا کے لیے عموماً ایسی ہی سرگرمیوں کا سندیسہ لے کر اترتا تھا اور وہ ڈھلان پر رکھی ہوئی گولی کی طرح خود بہ خود اسی نشیب میں لڑھکنے لگتی تھی۔

○☆○

آئزک بیل کے جرائم کے بارے میں کڑی سرکاری رازداری کے باوجود اگلے دن کے اخبارات میں کافی مواد موجود تھا۔ ٹیلی وژن پر مذاکرات اور تبصرے شروع ہوگئے تھے۔ ان میں سب کچھ تھا لیکن گیپ اور ایوانِ صدر کے کردار کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

امریکی مبصروں کو اپنی معاشرتی اقدار کے حوالے سے بحث کے لیے ایک نیا نکتہ ہاتھ آگیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان دنیا کا ہر اچھا یا برا کام صرف پیسہ کمانے کے لیے کرتا ہے کیونکہ پیسہ ہی زندگی کی تمام ضروریات کی اکلوتی کلید ہے۔ پھر وہ لوگ جن کے پاس پیسے کے انبار لگے ہوئے ہیں، کیوں جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں؟

وہ کوئی پیچیدہ پہیلی نہیں تھی۔ نسلی تعصب، ایذا رسانی اور توسیع پسندی اس سوال کے تین جواب تھے۔ آئزک بیل کے قصے میں ان تینوں حوالوں سے صیہونی برادری مذمت کا نشانہ بنتی تھی اس لیے کوئی بھی کھل کر اس سوال کا جواب دینے کی ہمت نہیں کرسکا۔ ہر بحث پیچ در پیچ سوالوں اور وضاحتوں میں الجھا کر سمیٹ دی گئی۔

میں ٹیلی وژن پر دن بھر یہی کھیل دیکھتا رہا۔ ایک بار بھی ڈیوڈ اسٹارز کو ہدفِ ملامت نہیں بنایا گیا حالانکہ اسی پلیٹ فارم نے آئزک بیل کو تباہی کے دہانے پر پہنچایا تھا۔

پانچ بجے بلیک ڈیڈ اپنے دو نفری عملے کے ساتھ ہمارے پاس آپہنچا۔

"ہر شخص تمہیں دیکھنے کے لیے مرا جارہا ہے۔" مزاج پُرسی کے بعد اس نے ویرا کو آگاہ کیا "امریکی ایسی پاگل قوم ہے کہ بیکسٹر کی موت کی پوری تفصیل جاری کرنے کے بعد تمہیں دیکھنے پر پانچ ڈالر کا ٹکٹ لگادیا جائے تو دو چار روز میں تم لاکھوں ڈالر بٹور سکتی ہو۔"

"یہ مذاق ہے یا مشورہ؟" ویرا نے گمبھیر سنجیدگی سے سوال کیا۔

"مذاق نہ مشورہ، بس ایک اطلاع تھی جو تم کو دے دی.... اور اب کام کی بات۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جیبوں میں کوئی کاغذ تلاش کرنے لگا۔

وہ اس وقت ترنگ میں تھا۔ تھوڑی سی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے کے بعد مطلوبہ کاغذ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے میری طرف بڑھادیا۔

"یہ چار افراد کے نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نجم داؤدی ہے۔ یہ سب مل کر ڈیوڈ اسٹارز کہلاتے ہیں۔ اب یہی چاروں اس جماعت کے دماغ ہوں گے۔" اس نے بتایا۔

"ان کا نمبر آئزک بیل کے بعد آتا ہے یا یہ منصوبہ بندی میں اس سے اوپر تھے؟" میں نے بلیک ڈیڈ سے پوچھتے ہوئے وہ چاروں نام پڑھ ڈالے۔

"چھ افراد نے اس جماعت کی بنیاد رکھی تھی۔" بلیک ڈیڈ

سگریٹ سلگا کر کہنے لگا "راس المیڈا پاکستان میں مارا گیا یا لاپتا ہوگیا' آئزک بیل پکڑا جاچکا ہے۔ ان کی اندر کی خبریں بہت مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اس وجہ سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کون کیا ہے۔"

"یہ چاروں نیویارک ہی میں رہتے ہیں؟" ناموں کے ساتھ پتے موجود نہیں تھے اس لیے مجھے وہ سوال کرنا پڑا۔

"یہ ہفتے میں ایک بار ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ کہاں رہتے ہیں' یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکا کے کئی بڑے شہروں میں ان کی جائیدادیں ہیں اور یہ بہت باحیثیت افراد میں شمار ہوتے ہیں۔"

"اگر تمہارے آدمی آج دن بھر میں صرف یہ چار نام حاصل کرسکے ہیں تو ان کی کارکردگی بہت تشویش ناک ہے۔ تم ان میں سے کسی کو اٹھوانا چاہو تو یہ کام ہفتوں بھی نہیں ہوسکے گا۔"

"یوں سمجھ لو کہ پہلے مرحلے میں صرف یہ نام ملے ہیں۔ دوسری معلومات حاصل ہوتے ہی میں تمہیں مطلع کردوں گا۔ اس دوران میں تم اپنے طور پر کچھ کرنا چاہو تو ان ناموں کے سہارے کام کا آغاز کرسکتے ہو۔"

"میرا طریقۂ کار تم آئزک بیل کے سلسلے میں دیکھ چکے ہو۔ شکار کو بلا کر ایکسپریس وے پر ایک جگہ کھڑا کیا اور تم نے اس پر گولی چلا دی۔ نشانہ لگنا یا خطا ہونا ایک الگ بات تھی۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ ان کے خلاف کسی بھی کارروائی کا سارا فائدہ تم کو پہنچے گا۔"

"شاید میں نے تم سے رابطہ کرنے میں عجلت کی ہے۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔

"تم ڈینی سے ایسا سلوک کررہے ہو جیسے یہ معاوضہ لے کر لوگوں کو مارنے والا پیشہ ور ہو۔" ویرا نے کہا "تم نے اسے نام دے دیے۔ اب انہیں ڈھونڈ کر مارنا ڈینی کا کام ہے۔ کام پورا ہوجائے گا تو تم اسے طے شدہ معاوضے کی رقم ادا کردو گے۔"

"اگلی بار میں اس بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات لے کر آؤں گا۔ تم نے آئزک بیل کو گھیر کر مجھے اپنی صلاحیتوں سے اتنا زیادہ متاثر کیا ہے کہ میرا خیال تھا کہ باقی کام تم خود کرلو گے۔"

میں نے بلیک ڈیڈ کو مزید شرمندہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ آئزک بیل کے سلسلے میں قسمت نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو اس کے بارے میں بھی ہم کچھ معلوم نہیں کرسکے تھے۔ وہ نیویارک ہی میں رہتا تھا لیکن ہمیں اس کے گھر کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

اس کے دفتر کی نشان دہی بدری ناتھ نے اپنی یادداشت کے سہارے کی تھی۔ بعد میں بیشتر کام جینی نے سرانجام دیا تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کا نمبر ہمیں ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ضرور ملا تھا ورنہ آئزک بیل نے خود بتایا تھا کہ اس کے پاس خفیہ نان ڈائریکٹری نمبر تھے۔

شاید احتیاط اور رازداری ان لوگوں کے معمولات میں شامل تھی۔ وہ اپنی نجی زندگی میں بھی ان امور پر کوئی سمجھوتا کرنے کے عادی نہیں تھے۔ معزز اور باحیثیت ہونے کے باوجود ان کے طور طریقے کسی مافیا یا سنڈیکیٹ کے سربراہوں جیسے تھے۔

"تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔" میں نے بلیک ڈیڈ کی اشک شوئی کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کام ہم لوگوں کو مل جل کر ہی انجام دینا ہوگا۔ اس میں جتنی زیادہ تاخیر ہوگی' اس میں تمہاری پوزیشن کو اسی قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مائیک نے تمہیں اپنی فضول گوئی سے پریشان تو نہیں کیا؟"

"اول تو اسے اپنی چرب زبانی کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات اس کو بہت کم وقت ملا تھا' دوم یہ کہ وہ خود بھی بیکسٹر کی خودکشی کی وجہ سے ذہنی پراگندگی کا شکار ہے۔ تیسری اور ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہ واقعی محتاط نظر آرہا ہے۔ اس نے ہمیں بیکسٹر کی تدفین کے بارے میں ایک لفظ بھی بتانے کی کوشش نہیں کی۔" میں نے بتایا۔

"وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔ میں نے اسے ہر بات اس کی زبان میں سمجھا دی ہے۔"

"ہارلم کے فساد کا الزام اب براہِ راست تمہارے دشمن پر عائد کیا جارہا ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "اس کا کچھ نہ کچھ ثمر تو تم کو بھی مل رہا ہوگا۔"

"فرق پڑا ہے۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھنا شروع کردیا ہے کہ اس سے میرا کیا تنازع تھا۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ اس نے اچانک میرے خلاف ہتھیار کیوں اٹھائے تھے۔ کوئی شکایت تھی تو وہ مجھ سے بات کرسکتا تھا۔"

"وہ ہمارے جال میں پھنس کر بری طرح پریشان ہوگیا تھا۔ شاید اس نے فرض کرلیا تھا کہ نیویارک میں صرف تم ہی ویرا کی مدد کرسکتے ہو۔" میں نے کہا "وہ اب بھی جس تسلسل اور تواتر سے ہمارے نام لے رہا ہے اس سے یہی ایک صورت سمجھ میں آتی ہے۔"

"حیرت اس بات پر ہے کہ ورجینیا اور واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے اور ایف بی آئی کے افسران مسلسل اس کے سچ کو جھوٹ قرار دے رہے ہیں۔ کل کسی عورت نے ٹائمز کے ایڈیٹر کو دھمکی دی تھی کہ عباس کرمانی کی تلاش ختم نہ کی گئی تو نیویارک کی کوئی بڑی عمارت بموں سے اڑا دی جائے گی۔ اس پر لوگوں میں خاصی ہلچل مچی ہے۔ ظاہری سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی ہیں مگر پس پردہ تلاش اسی طرح جاری ہے۔"

"میں نے بھی پڑھا ہے کہ وہ عورت اپنی آواز اور لہجے سے ایرانی معلوم ہورہی تھی" ویرا نے پوری فکرمندی سے کہا "عباس

کرمانی کے مقابلے میں ایک مشتبہ ایرانی جوڑے کو آسانی سے پکڑا جاسکتا ہے۔ اس کی گرفتاری تک یہ معاملہ یوں ہی الجھا رہے گا۔ ڈینی کو دکھ ہورہا ہے کہ سی آئی اے والوں نے اس کے کارنامے کا سہرا کسی اور کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔"

"ساری گڑبڑ کی وجہ یہ ہے کہ تم امریکا میں روپوش رہنے پر مجبور ہو۔"

تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد بلیک ڈیڈ واپس چلا گیا۔ حالات کے رخ سے وہ زیادہ خوش نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ اس کا نیویارک پر حکمرانی کا خواب جلد ہی پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔

اسے الوداع کہنے کے بعد ویرا نے کچن میں جھانکا تو وہاں تازہ پھلوں کی ایک بڑی ٹوکری اور بلیک لیبل اسکاچ کا پورا کارٹن موجود تھا۔ شاید وہ چیزیں بلیک ڈیڈ خود اپنے ساتھ لایا تھا۔

"کیا ان چار ناموں پر تم کوئی روشنی ڈال سکتی ہو؟" کمرے میں لوٹنے کے بعد میں نے ویرا سے پوچھا۔

ویرا نے کاغذ پر نظر ڈال کر مایوسی سے سر کو جنبش دی اور کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ ہٹلر سے جوتے کھانے کے بعد یہ لوگ مجرمانہ سی گمنامی اور تنہائی کی زندگی گزارنے کے عادی چلے آرہے ہیں۔ صرف اپنے ہم مذہب لوگوں میں گھلتے ملتے ہیں۔ دوسروں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بلیک ڈیڈ نے یہ نام حاصل کرکے بھی تیر مارا ہے۔"

"میں نے اس کے سامنے زبان نہیں کھولی ورنہ اتنی قلیل سی مدت میں ڈیوڈ اسٹارز کے چار بڑے نام یک جا کرلینا آسان کام نہیں تھا۔"

"حیرت ہے کہ باحیثیت ہونے کے باوجود یہ لوگ اتنے گمنام ہیں" میں نے تعجب سے کہا۔

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ان کے کاروبار ان کے پیشہ ور ملازمین چلاتے ہیں اس لیے ان کا ہر وقت کہیں بھی موجود رہنا ضروری نہیں ہوتا۔ آئزک بیل رنگس جیسی بڑی کمپنی کا سربراہ تھا لیکن کمپنی کے بیشتر ملازمین نے اسے دیکھا تک نہ ہوگا۔"

سوچتے سوچتے اچانک مجھے بدری ناتھ کا خیال آیا۔ وہ سی آئی اے میں فعال حیثیت میں آچکا تھا۔ اپنے ذرائع سے اس بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اس کا نمبر ملالیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت بدری کو بات کرنے کی فرصت تھی۔ میں اس کی مزاج پرسی کے بعد فوراً ہی اصل مقصد پر آگیا۔

اس نے میرے دیے ہوئے نام صحیح تلفظ کے ساتھ اپنے پاس نوٹ کرنے کے بعد پوچھا "کیا یہ چاروں امریکی ہی ہیں؟"

"امریکی ہی ہیں" میں نے لمحہ بھر سوچ کر جواب دیا۔ امریکی نہ ہوتے تو ان چاروں کا ہر ہفتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر میں یک جا ہونا آسان نہ ہوتا۔

"ان کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو؟" بدری ناتھ کے لہجے میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے عجیب سا ٹھہراؤ اور وقار پیدا ہوگیا تھا جو کانوں کو بھلا معلوم ہورہا تھا۔

"پتے اور فون نمبر کے ساتھ جو کچھ بھی معلوم ہوسکے، کارآمد رہے گا" میں نے کہا۔

"سات بجے فون کرلینا۔ میں ابھی کسی کو اس کام پر لگادیتا ہوں۔"

"بدری سے پہلے تم ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر بھی فون کرسکتے تھے" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے کہا "اس کا نمبر تمہارے پاس لکھا ہوا ہے۔"

"مجھے اس کا خیال نہیں آیا لیکن یہ کوشش سودمند نہیں رہے گی۔ بلیک ڈیڈ نے سب سے پہلے وہیں ہاتھ مارنا چاہا ہوگا" میں نے یہ کہہ کر اپنی نوٹ بک نکال لی۔

ڈیوڈ اسٹارز کے نمبر پر دوسری گھنٹی کے ساتھ ہی جواب دینے والی خودکار مشین چل پڑی۔ اس پر نسوانی آواز میں پیغام موجود تھا کہ ناگزیر وجوہ کی بنا پر وہ دفتر غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا تھا، مشین باہر کے پیغامات ریکارڈ کرنے سے قاصر تھی۔

اسپیکر فون پر وہ جواب سن کر ویرا بولی "حرکت میں ہمیشہ برکت ہی ہوتی ہے۔ یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ آئزک بیل کے گرفتار ہوتے ہی ڈیوڈ اسٹارز اپنا دفتر بند کرکے بھاگ گئے۔"

ڈیوڈ اسٹارز انتہائی چالاک اور مکار یہودی دہشت گردوں کی عالمی تنظیم تھی۔ انہوں نے شاید آئزک بیل پر نازل ہونے والے مصائب کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگالیا تھا کہ کسی وقت وہ بھی زیر عتاب آسکتے ہیں۔ خطرہ بھانپ کر انہوں نے فوراً ہی اپنا ٹھکانا بند کردیا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں فضا میں اونچی جست لگاتے لگاتے اچانک درمیان میں معلق ہوکر رہ گیا ہوں، پیروں کے نیچے زمین برقرار رہی ہو نہ بلندی دسترس میں ہو۔

"شطرنج کا کھیل شاید فرصت اور صبر آزما انتظار کے ایسے ہی لمحات کے لیے ایجاد کیا گیا ہے" ویرا نے سکوت توڑنے کے لیے دوبارہ لب کشائی کی۔

"اعصابی تناؤ کے عالم میں شطرنج بھی پورے دھیان سے نہیں کھیلی جاسکتی۔"

"وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا ورنہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اکتا جائیں گے۔ آپس میں کوئی فساد بھی شروع ہوسکتا ہے" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

"تم اکتا جاؤ تو اور بات ہے۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر نہیں اکتا سکتا۔ جب سے بیکسٹر نے خودکشی کرکے تمہاری خوب صورتی کا اعلان کیا ہے، مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ تم واقعی دلکش خاتون ہو

جس کو اپنانے والا ہر وقت محلے والوں سے سر پھٹول میں مبتلا رہے گا۔"

ویرا کا کھلا ہوا چہرہ میرے آخری فقرے پر بگڑ گیا "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اب میرے سامنے بیکسٹر کا نام نہ لینا۔ کیا تم اسے بھول نہیں سکتے؟"

"وقتی طور پر مجھے بھی اس کی موت پر صدمہ ہوا تھا مگر وقت دھیرے دھیرے ہر صدمے کا نشان مٹا دیتا ہے۔ بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو۔ خود ہی دیکھ لو کہ اس وقت بیکسٹر کے ذکر پر تمہاری آنکھوں میں نمی کا ذرا سا بھی نشان نہیں آیا۔"

"یہ میرے دل گیر ہونے کی بات نہیں ہے۔ میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میری وجہ سے کسی نے خود کو زندگی کی ساری نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"اس میں تمہاری رضامندی کا دور تک دخل نہیں تھا" میں نے کہا۔

"نہ ہو۔ پھر بھی ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ میں سنجیدگی سے تم سے التجا کر رہی ہوں کہ اس واقعے کا مذاق میں بھی ذکر نہ کیا کرو۔ اس سے آخری ملاقات میری نظروں میں گھوم جاتی ہے۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی معصومانہ چمک کو شیطانی جذبوں کا عکاس سمجھ کر اسے بری طرح لتاڑ دیا تھا۔ شاید وہ خودکشی سے پہلے اس کرب میں مبتلا ہو کر روتا رہا تھا کہ ہم دونوں نے اسے اور اس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی زندگی کی ایک حسرت پوری ہوئی تو اسے بے عزتی کے صدمے سے بھی دوچار ہونا پڑا۔"

"وہ نازک انسانی جذبوں کا ایک پیچیدہ کیس تھا" میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اپنے کمرے میں بند ہو کر وہ کسی معصوم بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس وقت بھی میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ اسے منہ لگانے کے بجائے اس کے حال پر چھوڑ آیا۔"

"سبب کچھ بھی رہا ہو، وہ ایک المناک سانحہ تھا جس کے ذکر پر دل اداس ہونے لگتا ہے۔"

"مجھے بھی اس کے ذکر سے خوشی نہیں ہوتی۔ تم نے دیکھا کہ بلیک ڈیڈ اس کے نام پر دس ہزار ڈالر خیرات کرا کے کتنی جلدی اسے بھول گیا۔"

"ان لوگوں کی بات نہ کرو۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اندر سے یہ سب درندے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھی جب تک غول میں رہ کر لڑنے بھڑنے کے قابل ہوں، انہیں ساتھ لے کر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ کوئی زخم کھا کر گر جائے تو اسے روند کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔"

بدقسمتی سے ہم حالات کے ایسے جنگل میں آ پھنسے ہیں کہ دن رات ہمارا واسطہ ان ہی درندوں سے رہتا ہے" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "دیکھو، ان چکروں سے کب گلو خلاصی ہوتی ہے۔"

"سات بج رہے ہیں۔ دیکھ لو، شاید بدری نے کچھ معلوم کر لیا ہو۔"

خوش قسمتی سے بدری اس وقت بھی ہوٹل کے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے لائن ملتے ہی اس سے پوچھا "عزت اور احترام میں اتنے اضافے کے بعد بھی تمہیں ہلٹن یا شیرٹن کے بجائے نیویارک کے ایک غیر معروف ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟"

"مین ہٹن میں قدم قدم پر فور اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تفریح اور عیاشی تو کی جا سکتی ہے، کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت گارہام کے پانچ کمرے ہمارے تصرف میں ہیں اور درمیانے درجے کا یہ ہوٹل ایک عارضی سی آئی اے یونٹ بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کسی میزبان نے گارہام کے خلاف تمہارے کان بھرے ہیں۔"

آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ معنی خیز انداز میں ہنسا تھا۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یوں ہی کہہ ڈالا "ہاں، یہاں گارہام کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔"

"گارہام کیا، یہاں کے کسی بھی ہوٹل کی شہرت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ سیاحوں میں وہی ہوٹل زیادہ مقبول ہوتے ہیں جہاں زندگی کے گزرتے ہوئے لمحوں کو رنگین بنانے کے لیے آزادیاں اور آسانیاں ہوں۔ ویسے تم فکر مت کرو۔ گارہام ایک معقول ہوٹل ہے۔"

"شاید میں بہک گیا۔ سات بج چکے ہیں۔ میرے کام کا کیا رہا؟" ویرا کے اشارے پر میں چونک کر فوراً ہی مطلب کی بات پر آگیا۔

"وہ چاروں نیویارک کے معززین کی فہرست میں ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان چاروں کے پتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کی معرفت ہیں۔ سرکاری تقریبات کے دعوت نامے وغیرہ بھی اسی پتے پر ارسال کیے جاتے ہیں۔ ان کے رہائشی پتے ابھی تک نہیں مل سکے۔"

"کیا یہ بات تمہیں حیران کن معلوم نہیں ہوتی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے ذریعے آنے والی ہر بات میرے لیے شدید ترین حیرانی کا سبب بنتی ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے مجھے چار نام دیے اور وہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز سے متعلق ہیں۔ شاید اسحاق گھنٹی کے بعد اب تم ان پر مہربان ہونے کا ارادہ کر رہے ہو۔"

"یہ چاروں خود بھی سرگرم ڈیوڈ اسٹارز ہیں۔ اسحاق گھنٹی کا جانشین ان ہی میں سے کسی کو چنا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ سر سے پیر تک سازشوں میں غرق ہیں۔"

"میری کوششیں جاری ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کل تک کوئی کام کی بات سامنے آ جائے۔"

"اپنے شکار کی تلاش کی دھن میں اس کام کو بھول نہ جانا۔

اس وقت لوہا گرم ہے، چوٹ پڑے گی تو ایک ہی وار میں کچھ کام بن جائے گا۔"

"وہ تلاش چلتی رہے گی" وہ ہنستے ہوئے بولا "پورے نیویارک سے اب تک مشتبہ ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد سے کڑی باز پرس کی گئی ہے۔ ان میں متعدد جوڑے بھی شامل ہیں۔ نتیجہ صفر ہے۔ بیشتر بے گناہ ایرانیوں کو پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ دو جوڑے اب بھی زیر تفتیش ہیں۔"

"اب تم اس مہم کے سربراہ بنا دیے گئے ہو تو یہ خیال رکھنا کہ کسی ایرانی کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے۔ تمہاری سرخ روئی ایک ایرانی کی ہی محنت کا نتیجہ ہے۔"

"میں یہ بات کبھی نہیں بھولوں گا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اپنے ان پڑوسیوں کے لیے تم برادرانہ جذبات رکھتے ہو۔ خوش حالی کے شاہی دور میں ایران نے آڑے وقتوں میں تمہارا بہت ساتھ دیا ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تمہارا وہ کرمانی دوست اب بھی نیویارک میں ہے یا کہیں اور نکل چکا ہے۔"

"آخری اہم ترین اطلاع دینے کے بعد سے وہ لاپتا ہے۔ اس سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ وہ اپنے پرانے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل ہو چکا ہے، میں نے بھی ہوٹل چھوڑ دیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے نئے ٹھکانے سے بے خبر ہیں۔ چاہیں تو بھی رابطہ نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے بیشتر اندازے درست نکلتے ہیں۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"وہ بہت ذہین اور موقع شناس ہے۔ اسحاق گھنٹی کے خلاف آپریشن شروع ہونے سے پہلے ہی خاموشی سے کسی دوسرے بڑے شہر کی طرف کوچ کر گیا ہوگا۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اس نظریے کی آڑ لے کر اس کی تلاش کی مہم شکاگو یا لاس اینجلیز کی طرف منتقل کرا دوں۔ یہاں کی سرگرمیوں سے مجھے کچھ خوف آرہا ہے۔"

"کیسا خوف؟ بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ اس بہانے تم نیویارک میں آکر بیٹھ گئے ہو تو ہمارا قریبی رابطہ استوار ہو گیا ہے۔ تلاش کا مرکز تبدیل کیا تو تمہیں بھی وہیں جانا ہوگا اور ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ شاید تمہیں یہ علم نہیں کہ انٹرسٹی اور انٹرنیشنل کالز کی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے۔"

"نہیں" اس کی پُر وثوق آواز ابھری "اس پر مقامی سے انٹرنیشنل تک، ہر کال سو فیصد محفوظ ہوتی ہے۔ میں رچمنڈ سے بلاوجہ ہی ساری باتیں نہیں کرتا تھا۔ یہ ڈیوائس ہر طرح سے محفوظ اور آزمودہ ہے۔ تم اسے بے خوفی سے ہر کال پر استعمال کر سکتے ہو۔"

"گفتگو یقیناً محفوظ رہتی ہوگی مگر تم بلنگ سے وابستہ لوازم کو شاید بھول رہے ہو۔"

"بلنگ!" اسپیکر فون پر اس کی پُر خیال بڑبڑاہٹ ابھری۔ چند ثانیوں کے بعد وہ چونک کر پُر جوش لہجے میں بولا "اوہ! تو تم نے ہوٹل اس لیے چھوڑا تھا۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ ڈیوائس گفتگو کو دخل اندازی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ بلنگ کے مقاصد کے لیے نمبروں اور دورانیئے کی خود کار ریکارڈنگ اس کے دائرۂ عمل سے یقیناً خارج ہوتی ہوگی ورنہ اس پر شہر سے باہر بات کرنی ممکن نہ رہتی۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ جب تک ممکن ہو، نیویارک میں جمے رہو۔ کسی خوف اور اندیشے کو اپنے دل میں جگہ نہ دو۔ اپنے آدمیوں کو یہاں الجھا کر عباس کو کہیں اور عیش کرنے دو۔"

"میرا یہ خوف تمہارے لیے ہے" جھجکتی ہوئی آواز آئی۔ "اچھی شہرت رکھنے والے سارے اہل کار زیادہ دیر تک یہاں مرکوز رہے تو ان کا ہاتھ تم تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔ تم کو اس اندیشے میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ داؤدی ستاروں کی تباہی کے لیے تمہارا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔"

"تم اتنے ہی پُر اعتماد ہو تو میرے لیے بھی نیویارک بہتر جگہ ہے۔ یہاں میں اوپر والوں کے چوبیس گھنٹوں کے تسلط سے بالکل آزاد ہوں اور یہ شہر بھی زیادہ اجنبی نہیں لگتا۔"

"فون پر ہم نے بہت باتیں کر لیں۔ اب مل بیٹھنے کی کوئی راہ نکالو..."

"ایک دو روز میں کچھ سوچتا ہوں" اس نے میری بات کاٹ کر جواب دیا پھر چونک کر بولا "ہاں، وہ قصرِ صدارت کا خیال دل سے نکال دو۔ کچھ عرصے تک وہاں کے سیکیورٹی اسٹاف میں رہنے والا ایک افسر میرے ساتھ کام کر رہا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے بتایا ہے کہ وہاں داخل ہونے والوں کے دستی سامان کو چھیڑے بغیر اسکیننگ کے خود کار آلات اور خفیہ ایکسرے کیمروں کے ذریعے مسلسل نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔ وہاں داخل ہونا جتنا آسان ہے، کسی برے ارادے سے وہاں ٹھہرنا اسی قدر دشوار ہے۔ وہاں پکڑے جانے والوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں کسی اخبار میں کوئی خبر نہیں چھپتی۔"

"یہ ابتدائی اطلاعات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کل تم ہی کوئی حوصلہ افزا راہ سجھا دو۔ اسے اپنی فہرست میں شامل رکھو اور کام کرتے رہو۔ میں تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

"ڈیوڈ اسٹارز کی ایسی پُر اسرار رازداریوں سے میں بھی لاعلم تھی" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے تحیر زدہ آواز میں کہا "یہ لوگ نیویارک کے قلب میں مافیا کے گاڈ فادر کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"جہاں عزائم نیک نیتی پر مبنی نہ ہوں وہاں رازداری ناگزیر

ہو جاتی ہے۔ یہاں صیہونی نسل پرستوں کا غلبہ ضرور ہو سکتا ہے مگر ان کے غیر منظم مخالفین بھی بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ وہ اپنی سرگرمیوں کو رازداری سے خفیہ نہ رکھیں تو کوئی بھی سرپھرا ان کو بارود سے اڑا سکتا ہے۔"

"بارود سے نہ سہی، وہ کسی نہ کسی طرح ضرور اڑائے جائیں گے" ویرا تلخی سے بولی۔

ہمیں گفتگو کی وہ ساری آزادی دو وجوہ سے میسر تھی۔ ہم بیشتر باتیں اردو میں کرتے تھے جو مائیک کے لیے قابل فہم نہیں تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مائیک کو غیر ضروری طور پر منڈلاتے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے بتادیا گیا تھا کہ گھر کے ضروری کاموں کو نمٹا کر اسے اپنے سرونٹ کوارٹر میں آرام کرنا چاہیے جہاں اس کو بلانے کے لیے گھنٹی موجود تھی۔ گھنٹی کے بٹن دونوں خواب گاہوں کے ساتھ کچن میں بھی موجود تھے۔

نیویارک کے چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں پائے جانے والے مکمل بلیک آؤٹ نے میری طبیعت بالکل ہی بے مزہ کردی تھی۔ طبیعت کی بحالی کے لیے میں نے میجر جنجوعہ کے گھر کا نمبر ملالیا۔

اسے توقع نہیں تھی کہ میں اتنی جلد دوبارہ اس سے رابطہ کروں گا۔ وہ میری بے تکلفانہ آواز سنتے ہی مجھے پہچان گیا۔ اسے میں بتا چکا تھا کہ میری سفری دستاویزات اسلم خان کے نام سے تھیں۔ اس نے آواز پہچاننے کے بعد مجھے اسی نام سے مخاطب کیا تھا۔

"میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تمہاری مصروفیات کے کھاتے میں کہیں میرا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ میں نے آج کی ڈاک سے تمہارا لفافہ پاکستان روانہ کردیا ہے۔ کل تک وہ منزل پر پہنچ جائے گا۔"

"میں تمہارے اس تعاون کو یاد رکھوں گا۔ میرے لیے وہ خط بہت زیادہ اہم تھا۔"

"تم سے ملاقات کے بعد اب مجھے ٹیلی وژن اور اخبارات کی خبروں میں زیادہ لطف آنے لگا ہے۔ آدمی سچ جاننے کے بعد جب ہر طرف سے جھوٹ کا طوفان سنتا ہے تو قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک تم یہاں موجود ہو، ایسے لطیفے رونما ہوتے رہیں گے" اس کی گفتگو بہت محتاط تھی۔ اس نے بھول کر بھی کہیں کوئی قابلِ گرفت لفظ یا نام استعمال نہیں کیا تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے....." میں نے اسے اپنی سرگرمیوں کی نئی جہت سے آگاہ کرنا چاہا مگر اس نے بوکھلا کر میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔

"خدا کے لیے فون پر محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے فون پر آبزرویشن موجود ہو۔ تم میری مجبوری سمجھ رہے ہو نا۔ ہم لوگ ویسے بھی یہاں دوستانہ نظروں سے نہیں دیکھے جاتے۔"

اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ ان نزاکتوں کو بالائے طاق رکھ کر تمہیں مشکلات میں ڈال دوں۔ میری لائن پر ایک ایسا آلہ موجود ہے جو مداخلت کی صورت میں فوراً فون بند کردیتا ہے۔ تمہارے فون پر کوئی آبزرویشن نہیں ہے۔"

میجر جنجوعہ کے لیے وہ ایک دلچسپ اور کارآمد اطلاع تھی۔ سی ایس ڈی کے بارے میں اس نے پے در پے کئی سوالات کر ڈالے۔ مکمل معلومات حاصل کرلینے تک مجھے اپنے موضوع کی طرف لوٹنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ جب وہ اس آلے کی کارکردگی سے پوری طرح واقف ہوگیا تو اس نے خوش دلی سے کہا "ہاں! اب ہم ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں بھی بات کرسکتے ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ اس نام پر تم خائف کیوں ہوگئے تھے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"صیہونی لابی پاکستان کی کٹر دشمن ہے۔ اسے ڈیوڈ اسٹارز ہی سے سرمائے کے ساتھ گائیڈ لائن ملتی ہے۔ ہم ان کی سرگرمیوں سے باخبر رہنے کی کوششیں ضرور کرتے ہیں مگر ان کے بارے میں آزادانہ گفتگو سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی لفظ ناپسندیدہ سفارتی سرگرمیوں کے زمرے میں شمار کر کے ہمارے لیے مشکلات کھڑی کی جاسکتی ہیں۔"

"تمہیں علم ہے کہ اس تنظیم کو کون کون چلا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اب شاید صرف چار رہ گئے ہیں" اس کے جواب سے میرے دل میں امید کی ایک نئی کرن نمودار ہوگئی۔ وہ قونصل خانے کے تجارتی شعبے کا سربراہ ہونے کے باوجود ان معاملات سے بالکل بے خبر نہیں تھا۔

"تم ان کے فون نمبر یا ٹھکانوں کی نشان دہی کر سکتے ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"یہ میرا شعبہ نہیں ہے۔ میں متعلقہ لوگوں سے بات کر کے بتا سکتا ہوں..... میرے پاس شاید کسی ایک کے گھر کا نمبر پڑا ہوا ہے جو میں دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔"

ایک پاکستانی سفارت کار کے پاس کسی اہم ترین ڈیوڈ اسٹار کے گھر کا پتا موجود ہونے کی خبر سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ لمحہ بھر میں ذہن میں متعدد خیالات آندھی کی طرح آ کر گزر گئے۔ میرے لیے وہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز یک بہ یک اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔ اہم ترین سوال یہ بن گیا تھا کہ میجر جنجوعہ کے پاس وہ نمبر کیوں اور کیسے آیا تھا؟

میں نے خود کو پُرسکون رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے سوال کیا "یہ نمبر تمہیں کیسے مل گیا؟"

"ایک کاک ٹیل پارٹی میں بنجمن فورٹ میرے قریب موجود تھا۔" اس نے میرے سوال کی اہمیت کو سمجھے بغیر روا روی میں کہنا شروع کیا "وہ بی بی سی کی ایک نامہ نگار کو وہ نمبر بتا رہا تھا تاکہ وہ اس سے براہِ راست بات کر کے انٹرویو کا وقت طے کر سکے۔ میں نے وہ نمبر سن کر اپنی پاکٹ ڈائری پر لکھ لیا۔ بعد میں وہ نمبر متعلقہ افسر کو دے دیا مگر میری نوٹ بک پر وہ ابھی تک محفوظ ہوگا۔"

سوال کا اطمینان بخش جواب ملتے ہی میری اعصابی کشیدگی دور ہو گئی، سارے اندیشے برسات کی گرد کی طرح بیٹھ گئے، میں نے کہا۔ "میں ہولڈ کر رہا ہوں، نمبر تلاش کر کے بتاؤ۔"

"میں ڈائری لاتا ہوں" اس کے بعد ایک منٹ سے بھی کم وقفے کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر میجر جنجوعہ دوبارہ لائن پر آ گیا۔

"یہ نمبر مل جانے کے بعد مجھے اس پر کام کرنا ہے۔ تم بقیہ تین کے بارے میں معلومات ضرور حاصل کرنا۔ میں کل شام تم سے بات کروں گا۔"

"یہاں کے بجائے مجھے دفتر ہی فون کرنا تاکہ مجھے پتا چل سکے کہ میرا فون کسی بگ کی زد میں نہیں ہے" اس نے فوراً ہی فرمائش کر دی "ہو سکے تو تم ہمارے دفتر کے سارے نمبر چیک کر ڈالو۔ اس خوف کی وجہ سے ہم فون پر کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، کل تین بجے سے پہلے بات ہوگی" میں نے فون بند کر دیا۔

بنجمن فورٹ کا نام بلیک ڈیڈ کی دی ہوئی فہرست میں دوسرے نمبر پر موجود تھا۔

"حرکت میں برکت والی تمہاری تھیوری اس بار بھی درست نکلی۔ کاک ٹیل پارٹی میں بہکے ہوئے بنجمن کی ایک غلطی اس کا سراغ بن کر ہمارے ہاتھ لگ چکی ہے۔ اب اس سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں گے۔"

وہ گھر کا فون نمبر تھا۔ دوسری گھنٹی پر ایک خاتون نے فون اٹھایا اور غیر امریکی لہجے میں ہیلو کہا اور میرا نام جاننا چاہا۔ میں نے اپنا نام بتائے بغیر بنجمن فورٹ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"سوری سر! میں نے آپ کا نام جاننا چاہا تھا؟" نہایت اخلاق اور شائستگی سے کہا گیا۔

لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا اور پھر کہہ ڈالا "گیپ۔ بنجمن کو بتا دینا کہ یہ ضروری کال ہے۔"

"سر! آپ نے گیپ ہی کہا نا؟" نسوانی آواز اس عجیب نام پر قدرے تحیر زدہ تھی۔

"یس..... جی اے پی 'گیپ'" میں نے زور دے کر سخت لہجے میں کہا۔

لمحہ بھر کے لیے سکوت رہا پھر اچانک ہی سی ایل ڈی کا بزر بول اٹھا۔ لائن بند ہو گئی۔

میں نے اسپیکر فون کو بند کر کے دوبارہ آن کیا۔ ری ڈائل بٹن دبایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر وہی خاتون لائن پر آ گئی۔

"سنو خاتون، کسی ایکس ٹینشن کو اٹھاتے ہی لائن دوبارہ کٹ جائے گی۔ وہ بات کرنی چاہتا ہے تو اسے یہیں بلا دو۔ میں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ یہ ایک اہم کال ہے۔"

"سوری سر! وہ لائبریری میں ہیں۔ میں انہیں وہاں ڈسٹرب نہیں کر سکتی" نسوانی آواز سے بے بسی مترشح تھی "پچھلی بار شاید انہوں نے اوپر سے فون اٹھایا تھا اور لائن کٹ گئی تھی۔"

"کیا تم اس کی ملازمہ ہو؟" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یس سر! میں ہاؤس میڈ ہوں۔ وہ نو بجے کھانے کے لیے نیچے آئیں گے تو میں انہیں آپ کا پیغام دے دوں گی" وہ اپنی جانب سے ہر ممکن تعاون کرنا چاہ رہی تھی۔

"میں تیسری مرتبہ فون ملاتا ہوں۔ تم گھنٹی بجنے دینا تاکہ وہ خود اٹھائے اور میری بات ہو سکے" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں نو بجے تک انتظار نہیں کر سکتا۔"

"مسلسل گھنٹی بجتی رہی تو میرے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔ وہ اسے میری غفلت قرار دیں گے" اس کی آواز روہانسی ہو گئی۔ وہ بے چاری واقعی مشکل میں پڑ گئی تھی۔

میں نے بٹن دبا کر فون بند کر دیا۔

لڑکی اپنی جگہ مجبور تھی لیکن یہ پتا چل چکا تھا کہ وہ رات کے نو بجے نچلی منزل پر فون کے آس پاس موجود ہوگا اور اسے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ کوئی اس سے گیپ کے حوالے سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رباہیے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رباہیے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے منطقے میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کرکے چپ برآمد کرکے تباہ کردیا۔ نیلو رباہیے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک نیل نے ایک فون کال کرکے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں باز پرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے ایرفس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بختل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بختل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بختل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ بختل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بختل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک نیل کی دھمکی کے مطابق لوٹ اڈّو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کرکے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیپرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک نیل کا ہے۔ آئزک نیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک نیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک نیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک نیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک نیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک نیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی' اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک نیل رنکس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک نیل نے بلیک ڈیڈ کے

خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائرایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"تم فون پر اس سے کیا بات کرنی چاہ رہے ہو؟" کال کا سلسلہ منقطع ہونے پر ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "بعض اوقات تم مشورے کے بغیر اچانک ہی من مانیاں کرنے لگتے ہو۔"

"بنجمن فورٹ کا نام اور فون نمبر مل جانے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا جاسکتا۔ اسے رگیدنے کے لیے اس پر کوئی جال ڈالنا پڑے گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تم نے فون پر گیپ کا حوالہ دے کر کوئی عقل مندی نہیں کی۔" ویرا برا سا منہ بنا کے بولی "یہ لفظ اسے قبل از وقت ہوشیار کردے گا۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ گیپ کا نام اسے خوف زدہ کردے گا۔ یہ بھی اسی وقت ممکن ہوگا جب وہ گیپ کے وجود اور اس کی اہمیت سے پوری طرح باخبر ہو۔"

"کیا تمہاری دانست میں یہ امکان بھی ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز گیپ سے لاعلم ہوں؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ لوگ اس معاہدے میں ایک فریق کے طور پر شامل ہیں۔"

"یہ سامنے کی بات ہے کہ گیپ کا ایک ایک لفظ ان لوگوں کے مذموم ارادوں کی تکمیل کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن امریکا کے ایوانِ صدارت سے لامحدود اختیارات کا وہ پروانہ ڈیوڈ اسٹارز کے ہر رکن کو جاری نہیں کیا گیا تھا۔ ان کی طرف سے صرف راس المیڈا کو وہ رعایتیں دی گئی تھیں جو بہت پہلے جہنم واصل ہوچکا ہے۔"

ویرا تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ آئزک بیل رنگس کے سربراہ کے طور پر اس معاہدے کا دوسرا فریق ہے اور اسی حیثیت میں گیپ کو استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ راس المیڈا کے بعد ڈیوڈ اسٹارز کی سربراہی بھی اسے مل گئی ہے۔"

"گیپ کے متن میں بہت واضح الفاظ میں یہ شق موجود ہے کہ ہر فریق پوری ذمے داری سے اس کی رازداری کی حفاظت کرے گا اور کسی پانچویں فرد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اس سے آگاہ نہیں کرے گا۔ ویسے بھی آئزک بیل نے اپنی کرشماتی کامیابیوں سے دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے گیپ کا وجود خفیہ رکھا ہوگا لیکن اس کی گرفتاری کے بعد شاید صورتِ حال بدل چکی ہے۔"

"گرفتاری کے بعد تو وہ بالکل ہی بے بس اور مجبور ہوکر رہ گیا ہے۔"

"اس کی اسی بے بسی اور مجبوری کی وجہ سے گیپ کا ذکر نکل سکتا ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر پُرخیال لہجے میں کہا "پہلے بدری ناتھ اس لفظ سے لاعلم تھا۔ میں نے اسے بریف کیا، اس نے دوسروں کو بتایا اور بات پھیل گئی۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سبز فائل ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آئزک بیل نے اپنے بعض ساتھیوں کو اعتماد میں لیا ہو۔"

"یہ ہوسکتا ہے۔ گیپ کا نام بعض لوگوں کے علم میں

آسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا بھیانک متن کسی کے بھی علم میں نہ آیا ہو۔"

"بس' میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا۔" میں نے جلدی سے کہا "کچھ لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ گیپ نامی ایک پراسرار دستاویز کے ذریعے آئزک بیل کو بہت سے تحفظات حاصل تھے اور وہ اپنی بدقسمتی سے وہ دستاویز کھو کر ہر رعایت سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب گیپ نیویارک کے باخبر حلقوں میں ایک خون آشام پہیلی کا روپ دھار چکا ہے۔ بہت سے لوگ اس لرزہ خیز دستاویز کے وجود سے واقف ہو چکے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کے اوراق پر کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔" ویرا نے میری کہی ہوئی باتوں کو چند فقروں میں سمیٹ کر ان کا اعادہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب تک گیپ کے کئی متلاشی میدان میں آ چکے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"جب کسی کو اس کے متن کا علم ہی نہیں ہے تو اس کے متلاشی میدان میں کیسے اتر سکتے ہیں؟" ویرا نے میرے بیان پر فوراً ہی ایک اعتراض جڑ دیا۔

"اس کا متن خفیہ ہے لیکن یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ پچھلی رات سے سی آئی اے والے نیویارک کے ہوٹلوں میں عباس کرمانی کو دیوانہ وار تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ عباس کرمانی کی تلاش میں ہیں' آئزک بیل نے کہا ہے کہ اسے ڈینی نے اس حال کو پہنچایا ہے۔ سمجھنے والے سمجھ چکے ہوں گے کہ وہ ڈینی ہو یا عباس کرمانی' گیپ اسی کے قبضے میں ہے۔"

"یہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے معاملات ہیں۔" ویرا نے حسب عادت میری بات کو کوئی اہمیت دیئے بغیر کہا۔ "گیپ کے لیے ایرے غیرے کیوں میدان میں اتریں گے؟"

"بعض اوقات تمہاری سوختہ کھوپڑی پر برف جم کر رہ جاتی ہے اور تم....."

اس نے میرا فقرہ درمیان سے ہی کاٹ دیا اور تنک کر بولی "اوختہ سوختہ جیسے فرسودہ فارسی الفاظ استعمال کر کے مجھے اشتعال دلانے کی کوشش مت کرو۔ اتنی فارسی میں بھی جانتی ہوں۔ اگر تم عباس کرمانی کا کردار ایجاد کر سکتے ہو تو میں بھی آدھی فارسی بول سکتی ہوں۔"

اس کی آدھی فارسی دانی کے دعوے پر میں بے اختیار ہنس پڑا "دوسروں کے لیے وہ آدھی فارسی اہم ہو گی جو تم بولنے سے قاصر ہو۔"

"مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ غیر متعلقہ لوگوں کو گیپ جیسے مسودے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" ویرا کے لہجے کی ترشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"سیکرٹ ایجنٹ اور ایک تخریب کار کے درمیان بال سے زیادہ باریک فرق ہوتا ہے۔ اپنے ملک کے لیے جو شخص ہیرو قرار پاتا ہے' دشمن کے لیے وہی گردن زدنی ہوتا ہے...."

ویرا نے میری بات کاٹ کر پُرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ "تم پھر فارسی کی آڑ لے رہے ہو۔"

"ویرا خانم! یہ فارسی نہیں' اردو ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ایران میں مروّج فارسی سن کر تم اپنی ساری کتابی زبان دانی کو آگ لگا دو گی۔ میری بات سننی ہے تو تسلی سے سنو ورنہ خاموش رہ کر کچھ دیر کے لیے مجھے سوچنے دو۔"

"تم بولتے ہوئے بھی سوچ سکتے ہو۔" وہ غرا کر بولی "اس وقت تم نے چپ سادھی تو میں کوئی چیز مار کر تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے ویرا نے میز پر سے ماربل کی وزنی ایش ٹرے اٹھالی اور میری زبان از خود چل پڑی "بات دراصل یہ ہے کہ پہلے بات ہمارے اور آئزک بیل کے درمیان تھی۔ وہ نیویارک کا ایک معزز بدمعاش ہے تو ہم بھی اس سے کم نہیں ہیں مگر اب بات ذرا زیادہ پھیل چکی ہے۔ نیویارک میں جرائم کی دنیا سے رابطہ رکھنے والے بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو چکی ہو گی کہ گیپ سے محرومی کی وجہ سے آئزک بیل برے احوال سے دوچار ہوا ہے۔ ان سب کے لیے گیپ کے نام میں ایک کشش پیدا ہو گئی ہے اور اب وہ سب اس کی کھوج میں ہوں گے۔"

"میں یہی تو پوچھنا چاہ رہی ہوں۔" ویرا ماربل کی وزنی ایش ٹرے کو چوبی میز کی سطح پر بجا کر بولی "ان لچوں لفنگوں کے لیے گیپ کے نام میں کیا کشش ہو سکتی ہے۔"

"دنیا کے ہر خطے میں مجرموں اور سیکرٹ ایجنٹوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک کے نام ور جاسوس ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مقامی سطح پر یہ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ اب تم خود تصور کرو کہ سی آئی اے کے منظم ایجنٹ جس دستاویز کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوں' وہ بلیک ڈیڈ سنہری تھالی میں سجا کر سی آئی اے کے ڈائریکٹر کو پیش کر دے تو اس کی کیا پوزیشن ہو گی۔"

"اوہ....!" ویرا کے دہانے سے ایک بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "یہ شکوہ تو شاید بلیک ڈیڈ تم سے کر ہی چکا ہے کہ تم نے گیپ کی نقل تک اپنے پاس نہیں رکھی ورنہ وہ اسی کو سی آئی اے والوں کے حوالے کر کے سرخ رو ہو جاتا۔"

"اب تمہاری سوختہ کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنے کے بعد تمہاری خفتہ صلاحیتیں اونگھ سے باہر نکلی ہیں۔" میں نے ویرا کو چڑانے کے لیے دانستہ فارسی الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا "سی آئی اے والوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس وقت نیویارک کا ہر نتھو خیرا گیپ کو حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہوگا۔"

"ایسی ہولناک باتیں نہ کرو۔" ویرا غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں بولی "یہاں کے بدمعاشوں میں یہ وبا پھیل گئی تو وہ لوگ نیویارک میں بے گناہ ایرانی باشندوں کا قتلِ عام شروع کردیں گے اور اس کا کوئی اختتام نہیں ہوگا۔"

"ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس وقت بلیک ڈیڈ ہمارے ساتھ ہے۔ اسے عباس کرمانی کی اصل حقیقت معلوم ہے۔ جس کسی نے اس فرضی کردار کے تعاقب میں کسی بے گناہ ایرانی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کی کوشش کی 'بلیک ڈیڈ بڑھ کر اس کی گردن توڑ دے گا۔"

"نیویارک کے بدمعاشوں میں اس کی یہ برتری ابھی مشتبہ ہے۔" ویرا نے کہا۔

"آئزک بیل کے قید ہوجانے کے بعد وہ اپنی یہ برتری منوانے کی پوزیشن میں آچکا ہے۔ ریاستی اور وفاقی ادارے اس کے مقام کو تسلیم کریں یا نہ کریں' مقامی شورہ پشتوں کو وہ دھونس اور دھاندلی سے بری طرح کچل دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ نیویارک میں اب مقامی بدمعاشوں کے تنازعے سر اٹھائیں گے۔ روز دو چار آدمی موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے!" ویرا کی آواز میں گہری تشویش امڈ آئی۔

"خوشی کی بات یہ ہے کہ اس آویزش میں مرنے اور مارنے والے' سب میڈ اِن امریکا ہوں گے۔ ان کے لہو کی ارزانی پر تم کو آزردہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ڈینی!" وہ قدرے سخت اور جذباتی لہجے میں بولی۔

"میں نے امریکا کی شہریت کو رضا کارانہ طور پر خیرباد کہا ہے' میں امریکی حکومت سے بددل اور بے زار ہوں جس کا اثر ورسوخ وائٹ ہاؤس' پینٹاگون اور فیر فیکس کے جاہ و جلال سے جھلکتا ہے۔ میں ان سب کے خون کی پیاسی ہوں

مگر عام امریکی مجھے ڈیرہ غازی خان کے مظلوم دہقانوں کی طرح قابلِ رحم محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی گردنیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں تو میں ایک پل بھی چین سے نہ رہ سکوں گی۔"

"تم زیادتی کر رہی ہو۔" میں نے اس سے زیادہ سخت لہجے میں احتجاج کیا "تم نیویارک کے غنڈوں، بدمعاشوں اور قاتلوں کو ڈیرہ غازی خان کے مظلوم دہقانوں سے ملا رہی ہو۔"

"نہیں، میں نے یہ تو نہیں کہا۔" ویرا نے پورے وثوق سے میرے احتجاج کی تردید کی۔

"بدقسمتی سے تم نے یہی کچھ کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری کہہ مکرنی رہی ہو۔ اب بھی تم یہ مان لو کہ موجودہ لہر میں نیویارک کے دس بیس معروف مجرم موت کے گھاٹ اتر جائیں تو ہمیں ہماری محنت کا صلہ مل جائے گا پھر میں بحث ترک کردوں گا۔"

"اب اس موضوع پر بحث نہیں ہوگی۔" ویرا نے اپنی عادت کے مطابق ہار ماننے کے بجائے تحکمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "بدمعاش امریکی ہو یا پاکستانی، قاتل، دہشت گرد یا کم از کم سماج دشمن تو ہوتا ہی ہے۔ اس کی موت میں سب کا نہیں تو بہت سوں کا فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔"

"نکتے کی یہ بات بہت دیر سے تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔ یہاں اب جو کچھ ہوگا، اسے مکافاتِ عمل کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکے گا۔"

ویرا گفتگو کی گرم جوشی میں کافی دیر سے اسکاچ کے گلاس کو فراموش کیے بیٹھی تھی، میرے تلخ جواب پر اسے اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے گلاس اپنے گلابی لبوں سے لگا کر غٹاغٹ خالی کردیا۔

میں کسی ہونق کی طرح اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ مجھے اتنی مہلت تک نہ مل سکی کہ میں اس کی بے لگام مے نوشی پر کوئی قدغن عاید کرسکتا۔

گلاس خالی کرکے اس نے کسی عادی شرابی کی طرح زور سے میز پر گلاس پٹکا اور پُرغرور لہجے میں کہا "تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ میں نے ایک ہی سانس میں کافی چڑھالی ہے اور اب بہکنے لگوں گی مگر میرے پیارے لٹل ڈینی ڈارلنگ! ذرا اپنے اس دوست کا تصور تو کرو جو ایک بڑی بالٹی میں بیئر کی بوتلیں خالی کرکے ان میں وہسکی انڈیلتا تھا اور نہانے کے ڈونگے بھر بھر کے یہ کاک ٹیل پیتا تھا اور پھر موٹر سائیکل پر سوار ہو کر چل دیتا تھا۔ موٹر سائیکل جہاں تک سیدھی چلتی تھی، چلتی تھی۔ جہاں وہ گرجاتی، وہیں وہ جواں مرد لیٹ کر سوجاتا تھا۔

ایسے لوگوں میں بیٹھ کر پینے کے بعد یہ ننھا سا ایک آدھ گلاس میرا کیا بگاڑ لے گا؟ تم کو جو کہنا ہے، کہتے رہو۔ میں پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔"

میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "تم اب اپنی دھن میں مگن رہو۔ میرے اور تمہارے مذاکرات منقطع ہو چکے ہیں۔ یہ گلاس معدے سے پہلے تمہارے دماغ میں چڑھ چکا ہے۔ اب میری کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔"

"آئے گی۔" وہ ترشی سے بولی "یہ دوسری بات ہے کہ اب میں بحث کرنے کا ارادہ ترک کرچکی ہوں۔ تم جو کچھ کہو گے، وہ میں مان لوں گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میری وجہ سے تم اپنا سرور غارت مت کرو۔ جو کچھ کرنا چاہتی ہو، کرتی رہو۔ میں نو بجنے کا منتظر ہوں۔ اس وقت بنجمن فورٹ اپنے فون پر میری دسترس میں آچکا ہوگا۔"

"ہُوں.... اوں!" اس نے سر جھٹک کر ایک ادا سے کہا۔ "تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس سے تم کس حیثیت میں بات کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

ویرا کے اس باہوش سوال نے مجھے بھونچکا کردیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی مے نوشی کے اس سنگین مرحلے پر ایسا باریک سا نکتہ اٹھا سکے گی۔ میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "ڈینی ان سب کے لیے ایک آسیب بنا ہوا ہے۔ اس کے سوا میں اسے اور کس نام سے دہشت زدہ کرسکوں گا؟"

"تو مائی ڈارلنگ۔" ویرا نے فضا میں انگلی لہرا کر کہا "جو کچھ چولی اور چلمن کے پیچھے ہے، اسے دشمن پر آشکارا کیوں کرتے ہو۔ ابھی تک کسی کو امریکا میں تمہاری موجودگی کی سند نہیں مل سکی ہے تو تم کیوں اپنی زبان سے اس راز کا اقرار کرنے پر تلے ہوئے ہو؟"

ویرا تھوڑی سی بہکی ہوئی تھی مگر بالکل ہی چوپٹ نہیں ہوئی تھی۔ چولی اور چلمن کے حوالے کے سوا اس نے اپنے ہر فقرے سے ہوش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس سے گفتگو کرنے کے لیے میں نے اپنا بھرپور تعارف نہ کرایا تو شاید گیپ جیسے اہم مسودے کا حوالہ بھی رائگاں جائے گا اور وہ مردود فون بند کردے گا۔"

وہ عارفانہ انداز میں ہنس دی "اس وقت تم اپنے روپ پر اتنے نازاں ہو کہ اپنے بہروپ کو بھلا بیٹھے ہو۔ ڈینی کو پردے میں رہنے دو۔ عباس کرمانی سے کام چلاؤ۔ اس وقت یہ

نام بھی تمہارے بدخواہوں کے لیے ہوّا بنا ہوا ہے۔"

ویرا کی وہ بات فوراً ہی میری عقل سے معدے تک میں اتر گئی۔ وہ کتنی ہی ترنگ میں رہی ہو' اس کی تجویز کی معقولیت پر ذرا سے بھی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔

"تم کہتی ہو تو میں یوں ہی کرلوں گا۔" میں نے اس کی تجویز کو بظاہر کوئی اہمیت دیے بغیر سرسری لہجے میں کہا "گیپ کے حوالے سے یہ نام ذرا زیادہ زوردار رہے گا۔"

"یہ نہ بھولنا کہ تمہاری طرف سے میں نے ٹائمز والوں کو فون پر ایک ہوش ربا دھمکی دی تھی۔ تم چاہو تو میرے لیے نادرہ بروجردی کا نام استعمال کرسکتے ہو۔"

"بروجردی؟" میں نے حیرت سے دہرایا "تمہیں معلوم ہے کہ تم کس شہر کا حوالہ دے رہی ہو؟ بروجردی کا رہنے والا علی اصغر رسوائے زمانہ اذیت رساں تھا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "بروجرد کی جگہ تم کرمان یا ہمدان کا نام لے سکتے ہو مگر نادرہ میرا پسندیدہ نام ہوگا۔ میں کراچی میں ٹکرانے والی اس عورت کو آج بھی نہیں بھولی ہوں جسے سی آئی اے کے ایجنٹوں نے تم پر ڈورے ڈالنے کے لیے پھانسا تھا مگر وہ تم سے ملاقات کے بعد خود تمہارے جال میں پھنس گئی تھی۔"

"سچ پوچھو تو کبھی کبھی مجھے بھی اس کا خیال آتا ہے۔ میرے ساتھ اپنی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں ضرور آخر تک اس کی خبرگیری کرتا۔ وہ کوئی خراب عورت نہیں تھی۔ بے یارو مددگار ہونے کے بعد کسی ہلکے سے سہارے کی تلاش میں سرگرداں تھی۔"

"تمہاری یہی دلیلیں مجھے زہر لگتی ہیں۔" ویرا بھنا کر بولی۔ "نادرہ اُلّو کی پٹھی اور حرام زادی تھی۔ وہ تم پر ڈورے ڈال رہی تھی۔ اس کی مظلومیت اپنی جگہ مسلمہ تھی مگر وہ اس کی آڑ لے کر کسی جونک کی طرح تمہارے گرد لپٹ جانے کے چکر میں پڑ گئی تھی۔"

میں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے "وہ جو بھی اور جیسی بھی تھی' میں نے اسے مسترد کردیا تھا۔ اب تم اس کے بارے میں باتیں کرکے اپنا قیمتی وقت کیوں برباد کررہی ہو؟"

"میرا وقت ہرگز قیمتی نہیں ہے۔" ویرا نے بے اعتنائی سے کہا "اگر میں اس سے بھی زیادہ وقت صرف کرکے تمہیں گھٹیا اور چھچھوری عورتوں سے دور رکھ سکوں تو یہ میری کامیابی ہوگی۔"

"نادرہ پاکستان بلکہ شاید سکھر میں ہے اور میں نیویارک میں ہوں۔ تم اس فاصلے کو اور کہاں تک بڑھانے کی خواہاں ہو؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"بات زمینی فاصلوں کی نہیں ہوتی' ذہنی قربت کی ہوتی ہے......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "میں نادرہ کو یکسر فراموش کرچکا تھا۔ تم نے اس کا نام لے کر خود ہی میرے ذہن میں اس کا خیال جگایا ہے اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ شاید وہ اتنی بری نہیں ہے جتنا برا تم اسے سمجھتی ہو۔"

میرے اس جواب کا ردّعمل وہی تھا جو میں چاہ رہا تھا۔ میری ذرا سی تعریف پر ویرا یوں پھٹ پڑی جیسے میں نے نادرہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرکے اس کی بدترین توہین کرڈالی ہو۔ اس نے براہ راست میرے خلاف تو کچھ نہیں کہا لیکن نادرہ کے خلاف دل کھول کر زہر اگلتی رہی۔ میرے لیے نادرہ کی حیثیت ایک کتاب کے گزرے ہوئے باب سے زیادہ نہیں تھی۔ جب تک وہ میرے سامنے موجود تھی' میری تمام ہمدردیاں اور کچھ دلچسپیاں اس کی ذات سے وابستہ تھیں۔ اس کے بعد میں اسے تقریباً بھول چکا تھا۔ ہمارا اور اس کا رسمی سا تعلق مالک مکان اور کرائے دار کا رہ گیا تھا کیونکہ وہ کانسٹن کے اس فلیٹ کی مالکہ تھی جس میں غزالہ' سلطان شاہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔

ویرا اس کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میری وہ لاتعلقی ویرا کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوئی اور اس کی نیم ہذیانی تقریر کا دورانیہ خود بہ خود طویل ہوتا چلا گیا۔

میں یوں ہی ویرا کو چڑا کر وقت گزارتا رہا۔ مے نوشی کا خمار گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلسل بولنے پر تلی ہوئی تھی پھر جب نو بجے کا وقت قریب آیا تو میں نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ ترک کردیا۔

"تم بلاوجہ مجھ سے الجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ آخر کار تمہیں ہار ماننی پڑے گی۔" میری مصلحت آمیز خاموشی کو میری پسپائی سمجھ کر ویرا نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

بنجمن فورٹ کو فون کرنے کا وقت نہ ہوگیا ہوتا تو میں اب بھی بہت کچھ بول سکتا تھا "تھوڑی دیر کے لیے تم بھی خاموشی اختیار کرلو ورنہ مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے کے بجائے ریسیور اٹھا کر بات کرنی پڑے گی۔"

"ریسیور کو تم نے ہاتھ بھی لگایا تو میں انسٹرومنٹ توڑ دوں گی۔ سیدھی طرح اسپیکر فون پر بات کرو۔ میں درمیان میں دخل نہیں دوں گی۔"

میں نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور بٹن دبا کر اسپیکر

فون آن کر دیا۔

بنجمن کے گھر کا نمبر مل جانے پر دوسری طرف سے وہی سہمی ہوئی اور معصومانہ نسوانی آواز سنائی دی جس سے پہلے بھی میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میری زبان سے بنجمن کا نام سنتے ہی وہ بھی میری آواز پہچان گئی اور جلدی سے بولی "سر! ہولڈ کریں۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔"

میرے لیے انتظار کے وہ چند لمحے سنسنی اور اضطراب سے بھرپور تھے پھر ایک باوقار مردانہ آواز نے انتظار کے وہ لمحات ختم کر دیے "میں بنجمن بول رہا ہوں۔" امریکی روایت کے مطابق اس نے صرف اپنا پہلا نام بتانے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کی آواز باوقار ضرور تھی لیکن لہجہ سخت بلکہ کھردرا تھا۔

"شاید تمہیں بتا دیا گیا ہوگا کہ میں تم سے گیپ کے بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا۔"

"کسی بھی بارے میں بات کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میرا مخاطب کون ہے۔" بظاہر وہ گیپ کے حوالے سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

"آئزک بیل کے بارے میں سب کچھ منظرِ عام پر آنے کے بعد تمہارا یہ سوال غیر ضروری معلوم ہو رہا ہے۔ میرے بتائے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میں کون بول رہا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ڈینی؟ مگر تم نے میرا فون نمبر کہاں سے حاصل کیا؟" اس کی آواز کی خشکی برقرار رہی۔

"ڈینی نہیں، عباس کرمانی!" میں نے سختی سے اس کی تصحیح کی "جو شخص رنگس کے دفتر میں آئزک بیل کی اہم ترین فائل اڑا سکتا ہے اس کے لیے چوروں کی طرح چھپے ہوئے ڈیوڈ اسٹارز کے فون نمبر معلوم کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"آئزک کی پریشانیوں سے میں بے خبر نہیں ہوں۔ وہ ڈینی سے خائف تھا۔ گیپ کی فائل بھی اسی نے چرائی تھی اور اس بارے میں ان دونوں کی بات بھی ہوتی رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اچانک یہ عباس کرمانی کہاں سے نکل آیا۔ تم اپنی آواز بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہے ہو مگر میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم ایرانی نہیں ہو۔"

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ خود بھی مجھ سے یہ اقرار کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ میں ڈینی ہوں پھر وہ تمہیں کیسے بتا سکتا تھا کہ وہ عباس کرمانی سے نہیں، ڈینی سے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔"

"تم مجھے الجھانے اور یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہو کہ ڈینی کے بارے میں وہ کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا تھا اور اسی وجہ سے اسے برے دن دیکھنے پڑے ہیں۔"

"اس کی بربادی کا تعلق اس کے نفسیاتی عارضے سے نہیں، اس کی بدنیتی سے تھا۔ وہ ٹائم بم کے بغیر پوری رقم لے آتا تو خاموشی سے گیپ کی فائل حاصل کر لیتا۔ اس نے رقم بچانے کے ساتھ ہی مجھے مارنے کی منصوبہ بندی کی اور خود اپنے بنائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔"

"یہ کہانی کمزور ہے۔" بنجمن کی آواز استہزائیہ ہوگئی "تمہاری نیت اسے ہلاک کرنے کی تھی۔ وہ پوری رقم لے آتا تب بھی اسی انجام سے دوچار ہوتا۔ اس سے ملے اور رقم کا بریف کیس کھولے بغیر تم کو چلتی کار سے کیسے معلوم ہوگیا کہ نوٹوں کی ایک تہ کے نیچے سادے کاغذوں کی گڈیوں میں ٹائم بم لگا ہوا ہے جو تمہارے لیے موت کا پیغام بن جائے گا۔"

"شاید تم کو معلوم ہو کہ آئزک بیل نے رنگس کی ہیلن رائے نامی ایک ملازمہ کو غداری کے جرم میں بدترین جنسی تشدد کا نشانہ بنوا کر پاگل کرا دیا تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی جو اس کے ہاتھ لگ گئی مگر رنگس میں آخر تک میرے مخبر موجود تھے......"

"بکواس۔ یہ سراسر لغو بات ہے۔" بنجمن نے برہمی سے میری بات کاٹ دی۔

"امریکا میں ہر شخص کے سر پر ڈالر کمانے کی دُھن سوار رہتی ہے۔ میں نے خطیر معاوضہ دے کر ان لوگوں کی خدمات حاصل کی تھیں اور ان ہی سے مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ آئزک بیل میرے لیے حقیری رقم کے ساتھ موت کا پھندا لے کر ایکسپریس وے پر پہنچے گا۔"

"یہ سب تمہاری من گھڑت کہانیاں ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

میری گفتگو نے اسے اس بری طرح الجھایا تھا کہ وہ میرے نام اور وطنیت کے بارے میں اپنے تمام ابتدائی سوال بھول بیٹھا تھا۔

"گیپ کے بارے میں آئزک کو کی جانے والی میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔"

"میرے لیے ان کاغذوں کی اہمیت حقیر چیتھڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔" اسپیکر پر بنجمن کی آواز واقعی تحقیر آمیز ہو گئی "وہ کاغذ آئزک کے لیے سب کچھ تھے۔ اس کے کسی ذاتی کام کے لیے میں اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"پھر شاید تم واقعی گیپ کی اصلیت سے بے خبر ہو۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ میں اس کی تفصیل سے لاعلم ہوں۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے گیپ آئزک کے لیے کوئی اہم ترین فائل تھی....."

"وہ اسی فائل کے سہارے ملے ہوئے اختیارات کے تحت تم لوگوں کے مقاصد حاصل کر رہا تھا۔ وہ محض اسی وجہ سے عتاب میں آیا ہے کہ وہ اس فائل سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اگر تمہاری یہ بات درست مان لی جائے تو پھر میں یہی کہوں گا کہ اس نے تمہاری صلاحیتوں کا غلط اندازہ لگایا ورنہ وہ منہ مانگی رقم تمہارے منہ پر مار کر تم سے وہ کاغذ واپس لے سکتا تھا۔ اسے رقم کے ساتھ کوئی ہیر پھیر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"گڈ۔ میں بھی تم کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تم آئزک سے زیادہ ذہین ہو۔ بعض چیزیں زندگی میں اتنی اہم ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے پیسے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد تم بھی ایک غلطی کر رہے ہو۔"

"میں ہر بات سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔ میری کسی غلطی کی نشان دہی کر کے بقراط بننے کی کوشش مت کرو۔" اس کی آواز میں بدمزگی عود کر آئی۔

"وہ خود ڈیوڈ اسٹار ہے بلکہ تم جیسے تمام ڈیوڈ اسٹارز کا سربراہ ہے۔ تم اس کی خاطر گیپ کی قیمت ادا کرنے سے اپنی جان چھڑا رہے ہو۔"

اسپیکر پر اس کا ایک مختصر اور زہریلا قہقہہ ابھرا پھر اس کی آواز گونجی "ہم میں سے کوئی بھی اتنا احمق نہیں ہے کہ تمہاری باتوں میں آ کر گیپ یا کسی بھی چیز کی قیمت دو مرتبہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔"

"دو مرتبہ!" میں نے حیرت سے کہا "تم سے بات کرنے سے پہلے میں نے کسی سے ان کاغذوں کے لیے ایک پیسہ تک وصول نہیں کیا۔"

"یہاں غلطی تم سے ہو رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی چیز کی قیمت صرف ڈالروں میں ہی ادا کی جائے۔ آئزک قیدوبند کی صعوبت اٹھا کر ان کاغذوں سے محرومی کی بھاری ترین قیمت ادا کر رہا ہے پھر میں دو کوڑی کے ان کاغذوں کے لیے اپنا وقت اور سرمایہ کیوں برباد کروں؟"

اس کے جوابی سوال نے لمحہ بھر کے لیے مجھے چکرا کے رکھ دیا۔ مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے ایسے برجستہ اظہار کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ میں نے سنبھالا لے کر پوچھا "تم وہ کاغذ حاصل کر کے اپنے دوست اور سربراہ کو اس مصیبت سے نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے؟"

وہ میرے سوال میں پوشیدہ مفہوم کو فوراً بھانپ گیا اور کسی توقف کے بغیر بولا "یہ نہ سمجھنا کہ میں اسے مشکل میں گھرا ہوا چھوڑ کر اس کی جگہ پر فائز ہونے کا کوئی احمقانہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہم سب ایک دوسرے کے لیے ایک جان ہزار قالب ہیں مگر ہمارے فیصلے عقل سے عاری یا جذباتی نہیں ہوتے۔ تم ڈینی ہو یا عباس کرمانی، مجھے قائل کر دو کہ وہ کاغذ اب بھی آئزک کے کسی کام آ سکتے ہیں تو میں تم سے تمہاری شرائط پر ان کا سودا کر لوں گا۔"

"ان کاغذوں سے محروم ہو کر وہ اس حال کو پہنچا ہے، کاغذ مل جانے کے بعد اپنی پرانی پوزیشن میں لوٹ آئے گا۔ یہ سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی؟"

"میرے نادان دوست! مجھے نیچا دینے کی کوشش مت کرو۔ خفیہ کاغذوں کا اعتبار اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ متعلقہ ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ ایک بار وہ کسی حریف یا دشمن کے ہاتھ لگ جائیں تو ردی ہو جاتے ہیں۔ آئزک کو ساری سزا اسی بات کی مل رہی ہے کہ وہ ان خفیہ اور اہم ترین کاغذوں کی حفاظت نہیں کر سکا۔"

"وہ کاغذ ردی ہی ہو چکے ہیں تو کچھ لوگ میری تلاش میں سر دھڑ کی بازی کیوں لگائے ہوئے ہیں؟" وہ اپنی نکتہ آفرینی سے مجھے مسلسل مدافعت پر مجبور کر رہا تھا۔

"یہ وہی بتا سکتے ہیں۔ میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ گیپ کی بازیابی سے اب آئزک کو کوئی فیض نہیں پہنچے گا۔ اب ان کاغذوں کی فکر ان لوگوں کو ہو گی جنھوں نے آئزک کو آزادیاں دی ہوئی تھیں۔ وہ یہ پسند نہیں کریں گے کہ ایسے

اہم کاغذ ملک سے باہر جائیں۔"
آئزک بیل کے برعکس بنجمن فورٹ بہت صاف ذہن کا مالک تھا۔ اس گفتگو میں اس نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ ہر مسئلے کو اس کے صحیح تناظر میں پرکھنے کا عادی تھا۔ گیپ کے مندرجات سے لاعلم ہونے کے باوجود اس نے صحیح صورتِ حال کا ادراک کرلیا تھا اور مجھے اس کو اپنے جال میں پھانسنے میں کھلی ناکامی ہوتی نظر آرہی تھی۔
"وہ مرکر بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھے ان ہی سے سودا کرنا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم پر میں بلاوجہ اپنا وقت برباد کررہا ہوں۔"
"اگر تمہارا عباس کرمانی ہونا تسلیم کرلوں تو اخبارات اس حوالے سے تمہیں ایرانی سیکرٹ ایجنٹ قرار دے رہے ہیں۔ کیا تم نے یہ کاغذات اپنے ملک کے بجائے صرف رقم کے لیے اڑائے تھے؟"
"ساواک والے کچا کھیل نہیں کھیلتے۔ میرے ملک کے لیے ان کاغذوں کی نقلیں بھی بہت کافی ہوں گی۔ تمہاری یا کسی اور کی ضرورت اصل کاغذوں تک محدود ہے۔ میں صرف ان ہی کا سودا کروں گا۔ گیپ کا متن جانے بغیر یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔"
"تو تم ساواک کے آدمی ہو۔ شاہ کے زمانے میں تم لوگ دشمنوں سے زیادہ اپنے ہم وطنوں کے لیے ہوّا بنے ہوئے تھے۔" بنجمن نے متجسس لہجے میں کہا "تمہاری مادری زبان میں اس لفظ کے کیا معنے ہوتے ہیں؟"
"یہ لفظ نہیں کئی اچھے الفاظ کا مخفف ہے۔ سازمانِ امنیت و اطلاعاتِ کشور۔ اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ ایران میں اداروں کی شناخت بدل چکی ہے۔ شاہ کا دور اس کے ساتھ دفن ہوچکا ہے۔ اس کے اقتدار کے زمانے میں ایران کا کوئی سرکاری اہلکار امریکا کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔" میں نے محض کوئی راہ ملنے کی امید میں اس سے گفتگو جاری رکھی "آج میں سی آئی اے کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا ہوں۔ وہ شاید میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔"
"اور تمہارے فون پر کوئی ایسا آلہ بھی لگا ہوا ہے جو گفتگو میں کسی بھی مداخلت کی صورت میں فون بند کردیتا ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔
"میدان میں اترنے سے پہلے اپنے دفاع کا بندوبست نہ کرنے والے عام طور پر برے انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہاں حالات اس قدر خوف ناک ہیں کہ تم جیسے بارسوخ سورما بھی اپنے دفتر میں تالا ڈال کر اپنے حصاروں میں جا چھپے ہیں۔ میں کس گنتی میں ہوں۔"
"ہم بھاگے نہیں ہیں۔" اس نے فوراً ہی میرے الزام کی تردید کی "موجودہ لہر کی گرد بیٹھ جانے کا انتظار کیا جارہا ہے۔ پھر تم دیکھو گے کہ زمین تمہارے لیے کتنی تنگ ہوچکی ہے۔ آئزک کی اپنی غلطیاں جو بھی رہی ہوں اس کی ذلت کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔"
"چاہو تو میں اسی وقت تمہاری پسند کی جگہ پر تم سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"تاکہ تم آئزک کی طرح مجھے بھی دور سے گولیاں مار کر بھاگ جاؤ۔" اس کی آواز میں طنز کی تلخی پیدا ہوگئی "میرے لیے تمہارے یہ ہتھکنڈے ناکارہ ثابت ہوں گے اور میں یہ بھی بتا دوں کہ تم نے میرے گھر کے فون نمبر کا سراغ لگالیا ہے ادھر کا رخ کرنے کی کوشش کی تو تمہارے چیتھڑے بھی مشکل سے ملیں گے۔"
"بزدل لوگ ہمیشہ ایسے ہی حصاروں میں رہتے ہیں اور خود کو محفوظ سمجھتے ہیں لیکن آخرکار بہت بے بسی کی موت سے دوچار ہوتے ہیں۔"
وہ ایک دم ہی بپھر گیا "موت ان لوگوں اور زمینوں پر نازل ہوگی جنہوں نے ہمیں امان دی اور نہ ہمارا وجود گوارا کیا۔ تم ڈینی ہو تو پاکستان کی اور عباس ہو تو ایران کی خیر مناؤ۔ ہم لوگ جس ہدف پر کام کرتے ہیں اسے ہر قیمت پر حاصل کرکے رہتے ہیں۔"
اس کی وہ ہرزہ سرائی میرے لیے قابل برداشت نہیں تھی۔ میں نے جل کر کہا "اسی طرح جیسے آئزک آج کل اپنے سارے ہدف حاصل کررہا ہے۔"
"شٹ اپ!" وہ اپنی نفاست اور معاملہ فہمی کو خیرباد کہہ کر بدکلامی پر اتر آیا اور میں نے فون بند کردیا۔
"یہ کچھ زیادہ ہی مشکل شکار معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تم اسے گھیر گھار کر کہیں ملنے پر آمادہ کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ تمہاری چال سمجھ رہا تھا۔"
"یہ ناکامی ہوئی ہے لیکن گیپ کے بارے میں اب میرا ذہن صاف ہوگیا۔ وہ کاغذ اب آئزک کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ وہ حالات اور شہادتوں کی بے رحم چکی میں پستا ہی چلا جائے گا۔ گیپ کی تلاش اب صرف سی آئی اے یا دوسری ایجنسیوں کے ذمے ہوگی۔"
"اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کے پاس سوچنے اور کام کرنے والے دماغوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ آئزک کا ایک بہتر متبادل ثابت ہوگا۔" ویرا بولی۔

”اس سے ہونے والی گفتگو نے میرے ذہن میں آگ سی بھردی ہے اور دل چاہ رہا ہے کہ اس کی شیخیوں کا اسی وقت منہ توڑ جواب دیا جائے۔“ میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ ”میجر جنجوعہ سے اس کا فون نمبر مل گیا مگر پتا ہاتھ نہیں لگ سکا۔“

میرا آخری فقرہ سنتے ہی ویرا یوں چونکی جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ پُرخیال انداز میں زیرِ لب کچھ بڑبڑانے کے بعد وہ بولی ”ابتدائی ہندسوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بنجمن کے فون کا تعلق کوئنز کے علاقے سے ہے جہاں جینی رہتی ہے۔ ٹھہرو، میں نمبروں والی ڈائریکٹری دیکھتی ہوں۔“

اس کی زبان سے جینی کا نام سن کر میرے ذہن میں بھی ایک دریچہ کھل گیا ”ڈائریکٹری دیکھ لو۔ کام بن جائے تو اچھا ہے ورنہ ہم ابھی جینی کی طرف چلتے ہیں۔ اس بے چاری کو تم نے بری طرح نظرانداز کیا ہوا ہے۔ خطرات ٹل جانے کے بعد تمہیں پہلی فرصت میں اس سے ملنا چاہیے تھا۔“

ڈائریکٹری تلاش کرتے کرتے اس نے نظریں اٹھا کر مجھے گھورا اور تیکھے لہجے میں بولی ”وہ یکایک اس موقع پر کیسے یاد آگئی۔ کیا ایک بار پھر اسے استعمال کرنے کا ارادہ ہے؟“

”میں نے ایک مرتبہ بھی اسے استعمال نہیں کیا۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا، اس کی تجویز تمہاری طرف سے آتی رہی تھی۔ میری حیثیت تمہارے پیغام رساں سے زیادہ نہیں تھی۔“

ڈائریکٹری کی تلاش میں ناکامی پر ویرا نے کال بیل کا بٹن دبایا اور بولی ”تھوڑی دیر بعد ہم تینوں یک جا ہوں گے تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ فون پر وہ مجھے چکر دے سکتی ہے لیکن روبہ رو اپنے دل کا چور مجھ سے نہیں چھپا سکے گی۔“

اسی لمحے مائیک اپنے لباس کے اگلے حصے پر ایپرن باندھے کمرے میں گھس آیا۔ خلافِ توقع اس کی آمد پر میرا منہ بن گیا اور میں نے تلخی سے پوچھا ”تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔ اس وقت تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”میں اپنے کمرے میں ہی تھا۔ جب تم اسپیکر فون پر کسی سے بات کر رہے تھے، میں تم دونوں کے ڈنر کی تیاری کے لیے کچن میں آیا تھا اور وہیں مصروف تھا۔“

اس کی زبان سے اسپیکر فون کا حوالہ سن کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی ”ڈنر گیا بھاڑ میں۔ جب تمہیں ایک بار بتا دیا گیا ہے کہ تم اجازت کے بغیر اندر نہیں آؤ گے تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تم ہماری سن گن لینے کے چکر میں لگے ہوئے ہو؟“

”یہ تمہارا وہم ہے۔“ اس نے نہایت سنجیدہ اور مدافعانہ لہجے میں کہا ”میں تمہاری خلوت اور ہدایت کا پورا پورا احترام کرتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کھانا تیار کرنے، ناشتا بنانے اور کمروں کی صفائی کرنے کے لیے بھی مجھے کسی اجازت کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب کام تو میرے فرائض کا لازمی حصہ ہیں۔ میں ہر وقت اجازت لینے کے چکر میں پڑا رہا تو تمہیں کوئی چیز وقت پر نہیں مل سکے گی۔“

اس کی دلیل معقول تھی۔ اس کے باوجود میرا غصہ رفع نہ ہو سکا۔ میں نے اسی لہجے میں سوال کیا ”تم کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے تھا۔ تمہیں اس تجسّس میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں اسپیکر فون پر کس سے کیا بات کر رہا ہوں؟“

”میں نے کسی تجسّس سے کام نہیں لیا۔“ اس نے حیرانگی سے کہا ”میں بہرا نہیں ہوں۔ وہ آوازیں کچن تک آرہی تھیں پھر بھی میں نے پوری باتیں نہیں سنیں۔ میرا دھیان اپنے کام کی طرف تھا۔ میں یہاں تمہارا خدمت گار ہی نہیں، معاون اور خیرخواہ بھی ہوں۔ میرے ساتھ اتنی بے اعتمادی روا رکھو گے تو تلخیاں ہی تلخیاں پھیلتی چلی جائیں گی۔“

میری بے ساختہ جھلاہٹ کا اندازہ لگا کر ویرا نے گفتگو کی ذمے داری خود سنبھال لی اور مفاہمانہ لہجے میں بولی ”دیکھو مائیک! یہ بے اعتمادی کی بات نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کب ہم گھر میں اکیلے ہیں اور کب تم بھی اندر موجود ہو۔ آخر ہم جوان ہیں اور ایک دوسرے کے بے تکلف دوست ہیں۔ تم اندر آبھی گئے تھے تو تمہیں کسی آواز یا اشارے سے ہمیں اپنی آمد سے باخبر کر دینا چاہیے تھا۔ بے اعتمادی سے زیادہ یہ اخلاقیات کا معاملہ ہے۔“

ویرا کے اٹھائے ہوئے سوال نے اسے نادم کر دیا ”یہ میری اخلاقی غلطی تھی اور میں اس پر شرمندہ ہوں۔ آئندہ تمہیں یہ شکایت بھی نہیں ہوگی۔ میرے بارے میں جب بھی ذہن میں کوئی بدگمانی آئے تو یہ ضرور یاد رکھنا کہ باس نے تم دونوں کے بارے میں صرف تین آدمیوں کو اعتماد میں لیا ہے اور میں ان میں سب سے پہلا تھا۔“

”اب ذرا نیومیریکل ڈائریکٹری دو۔ وہ کہیں نہیں مل رہی۔“ ویرا نے مسکرا کر وہ قصہ ختم کر دیا۔

”وہ دوسرے کمرے میں ہے۔“ مائیک نے کہا اور فرماں بردارانہ انداز میں سر جھکا کر تیزی سے ہماری خواب گاہ سے نکل گیا۔

"اس وقت تم نے بلاوجہ ہی اسے لتاڑا ہے۔ بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کے ساتھ اتنا جارحانہ رویہ ٹھیک نہیں ہے۔" اس کے چلے جانے پر ویرا نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کی زبان سے اسپیکر فون کا ذکر سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے جتانے کی کوشش کر رہا ہو۔" میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اچھا ہوا کہ تم نے بات سنبھال لی۔"

مائیک ڈائریکٹری کی کئی موٹی موٹی اور وزنی جلدیں لے کر آیا اور اس نے میز پر رکھ دیں۔

"اب میں رات کے کھانے اور باورچی خانے کی صفائی تک یہیں موجود رہوں گا۔ اس دوران میں زیادہ جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرنا۔" مائیک نے واپس لوٹتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور چلا گیا۔ اس کا وہ مفاہمانہ رویہ قابل تعریف تھا۔

ویرا ڈائریکٹری کی مطلوبہ جلد سنبھال کر تیزی سے اس کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ مختلف علاقوں کے ترتیب وار چھپے ہوئے فون نمبروں کا کئی مرتبہ جائزہ لینے کے بعد اس نے مایوسانہ لہجے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تحفظ اور رازداری کے رسیا ڈیوڈ اسٹارز نے اپنے سراغ کے اس ذریعے کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہوگا مگر میں نے قبل ازوقت اس خیال کا اظہار کر کے ویرا کی دل شکنی نہیں کی تھی۔ وہ عام طور پر شاکی رہتی تھی کہ میں تاریک امکانات پر پہلے غور کرتا ہوں اور بیشتر اوقات وہی واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

ناکامی پر ویرا نے ڈائریکٹری بے پروائی سے ایک طرف ڈال دی اور مجھ سے گویا ہوئی "اب اس خوب صورت فتنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اسے معلوم ہے کہ تم کسی تکلیف دہ اور سیلن زدہ تہ خانے میں مقیم ہو۔ اسے بتادو کہ تم اس مخدوش ماحول سے نجات پاچکی ہو اور اس سے ملنے جاسکتی ہو۔"

"فون کرنے کے بجائے کیوں نہ سیدھے اس کے گھر پہنچ جائیں۔ گاڑی موجود ہے اور تم نے اس کا گھر دیکھا ہوا ہے۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"مائیک ہمارے لیے ڈنر تیار کر رہا ہے۔ فی الحال جینی کو فون کر دو۔ کھانے کے بعد سوچیں گے کہ اس سے ملنا کس حد تک سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے انگڑائی لے کر کہا۔

"کھانا بھی اس کے ساتھ کھایا تو وہ بندریا خوش ہو جائے گی۔" جینی سے میرے معاملے میں حسد و رقابت کے ساتھ ویرا کو اس کی دل جوئی بھی عزیز تھی "مائیک کا بنایا ہوا کھانا پھر کسی وقت کام آجائے گا۔ یہاں ویسے بھی گھروں میں ہر وقت تازہ کھانا تیار کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ہر ڈش تھوک کے حساب سے تیار کر کے ڈیپ فریز کر دی جاتی ہے اور پھر مائیکرو ویو اوون کے ذریعے تازہ کر کے ہفتوں کھائی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بینکسٹر کے جمائے ہوئے کھانے گرم کر رہا ہو۔"

"دیکھ لو کہ وہ گھر پر ہی ہے یا کہیں آوارہ گردی کے لیے نکلی ہوئی ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔

فون پر گفتگو کا آغاز ہوتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ جینی گھر پر موجود تھی۔ ویرا کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر میں کچن کی طرف ہولیا۔ میری دانست میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ جینی اپنی کسی مصروفیت کی بنا پر ویرا جیسی پرانی سہیلی سے ملاقات کا وہ موقع گنوا دیتی۔

"ہماری طرف سے تمہیں آزادی ہے۔" میں نے باورچی خانے میں پہنچ کر مائیک کو خوش خبری سنائی "ہم آج کا کھانا باہر کھائیں گے۔ چاہو تو تم بھی دو تین گھنٹوں کے لیے آوارہ گردی کے لیے نکل سکتے ہو۔"

اس اطلاع پر مائیک نے فوراً ہی چولھے کا برنر بند کر دیا۔

"شاید تم دلوں میں بھی جھانک سکتے ہو۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنی گرل فرینڈ یاد آرہی تھی۔" مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تیزی سے سامان سمیٹنے میں مصروف تھے "مجھے واپسی میں دیر سویر ہو جائے تو فکر مت کرنا۔ دروازہ اندر سے بولٹ کر کے سو جانا۔ بس صبح تمہیں میرے لیے بولٹ گرانے ہوں گے۔"

میں نے بھی مائیک کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ میرے لیے یہ اچھی خبر تھی کہ ہمارے ساتھ وہ بھی گھر سے باہر جا رہا تھا اور مجھے ٹیلی فون لائن سے سی ایس ڈی الگ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تھوڑی دیر پہلے کی تلخ کلامی کے بعد میرے معاون رویے نے مائیک کے دل سے رہی سہی کدورت بھی ختم کر دی۔ وہ کچن سے فارغ ہو کر سیدھا اپنے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

میں واپس لوٹا تو ویرا کے مذاکرات بدستور جاری تھے۔ وہ جینی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا "تمہارا وہ من موہنا بھی منڈلاتا ہوا آگیا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ اسے بھی اپنے ساتھ لے کر آؤں۔ اس کی وجہ سے مجھے تمہارے گھر پہنچنے میں آسانی رہے گی۔ وہ آجائے تو اس سے باقی باتیں تم خود کر لینا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر اپنا سر جھٹکتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت ویرا کی وہ منافقت مجھے زہر محسوس ہوئی تھی۔

وہ جینی کو ایک مرتبہ پھر میرے سر پر سوار ہونے کی ڈھیل دے رہی تھی جب کہ وہ میرے اور جینی کے میل جول میں کسی بھی قسم کی گرم جوشی پر کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی۔ اسے علم نہیں تھا کہ پاکستان بھیجے جانے والے پرزوں کی نقل و حمل کی تفصیل حاصل کرتے ہوئے، جینی کے گھر میں میرے اور اس کے مراسم کن حدوں کو چھو چکے تھے۔

ویرا اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ جینی کو میرے ذریعے اس کے تنگ دلانہ خیالات سے پہلے ہی واقفیت ہو چکی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس سہ فریقی ملاقات کے نتیجے میں ہم تینوں کے درمیان کوئی کشیدگی پیدا نہیں ہوگی۔

مائیک کو اپنی گرل فرینڈ سے ملنے کی ایسی عجلت تھی کہ وہ گیراج سے گاڑی باہر نکال کر ہم سے پہلے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سی ایس ڈی کو میں نے پہلے ہی اس طرح نصب کیا تھا کہ اسے آسانی سے دیکھنا یا تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ چلنے سے پہلے اس پر ایک نگاہ ڈال کر میں نے کمرے کی روشنیاں گل کیں اور باہر آ گیا۔ گاڑی کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ احاطے کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ وہاں یہ دھڑکا نہیں تھا کہ مکینوں کی کسی غفلت کی وجہ سے کوئی گاڑی اڑا لے جائے گا۔

مجھے مین ہیٹن سے زیر آب سرنگ کے ذریعے کوئنز میں داخل ہونے کے بعد جینی کے گھر کا راستہ یاد تھا جو میں نے ایک ٹیکسی میں طے کیا تھا لیکن اپنی قیام گاہ سے وہاں تک کے راستے اور فاصلے کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میرے جانے بوجھے مقام تک رہنمائی کی ذمے داری ویرا نے اپنے سر لے لی تھی۔ میں اس کے بتائے ہوئے خوب صورت اور کشادہ راستوں پر نیویارک کی متمول اور اوسط درجے کی آبادیوں کے درمیان کافی دیر تک ڈرائیونگ کرتا رہا۔

طویل اور پُر پیچ راستوں سے گزارنے کے بعد ویرا نے آخر کار مجھے اس جانی بوجھی شاہراہ پر پہنچا دیا جہاں بلیک ڈیڈ نے آئزک بیل پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

اس وقت ہم کوئنز ٹاؤن ایکسپریس وے پر مین ہیٹن کی طرف سفر کر رہے تھے۔ مقررہ جنکشن آتے ہی میں نے گاڑی داہنی طرف لی اور ذرا سی دیر بعد ہم جینی کے گھر پہنچ گئے۔

وہ ویرا سے جینی کی پہلی ملاقات تھی۔ جینی گرم جوشی سے اس سے بغل گیر ہو گئی۔ میں ویرا کے پیچھے تھا۔ جینی اس سے گلے ملتے ہوئے مجھے آنکھوں سے عجیب و غریب اشارے کرتی رہی۔ میرے پاس ایک دل فریب مسکراہٹ کے سوا اس کے اشاروں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ویرا سے فارغ ہو کر جینی میری طرف لپکی تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے بھی ویرا جیسا سلوک ہی کرے گی مگر غنیمت ہوا اس نے مجھ سے ایک طویل مصافحے پر ہی اکتفا کیا اور پھر ہمیں ساتھ لے کر گھر میں داخل ہو گئی۔

ویرا اور جینی میں بظاہر زیادہ فرق نہیں تھا۔ دونوں جوان، خوب صورت، لاابالی اور غیر شادی شدہ تھیں مگر ویرا کی زندگی کا ڈھب کچھ عجیب ہی تھا۔ وہ گھرداری اور گھر سے ہمیشہ دور بلکہ نالاں سی رہی تھی۔ جینی کے پُر تعیش اور آراستہ مکان کو دیکھ کر وہ بے ساختہ تعریفیں کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"اتنا بھرا پرا اور آراستہ مکان بنایا ہے تم نے۔ کسی چیز پر گرد و غبار کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

"یہ میرا نہیں، میری ہاؤس کیپر کا کمال ہے۔ نفاست اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" جینی نے فخریہ ہنسی کے ساتھ بتایا۔

"تو کیا وہ تمہارے ساتھ ہی رہتی ہے؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں، اس کے پاس گھر کی چابی رہتی ہے۔ میرے دفتر جانے کے بعد آتی تھی اور اپنا کام کر کے چلی جاتی تھی۔ اب دو روز سے میں گھر میں ہی ہوں تو اس سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"اس چھوٹے سے خوابوں کے جزیرے میں وہ اپنے بوائے فرینڈ کو ضرور لاتی رہی ہوگی؟"

"لاتی رہے۔" جینی شانے اچکا کر مترنم آواز میں ہنسی۔ "اگر وہ چور نہیں ہے اور ان دونوں کی وجہ سے میرے گھر کی کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچتا تو میرا کیا حرج ہے۔ اچھا ہے ان کا ہوٹل کا خرچ بچ جاتا ہے۔ اس گھر میں پچھلی ایک رات میں نے جس خوف اور کرب میں گزاری ہے، اس وقت

تمہارے ساتھ مجھے وہ بھی یاد آ رہی تھی۔ خوف کے عالم میں تنہائی انسان کو ڈسنے لگتی ہے۔" وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہو گئی۔

"سوری جینی!" ویرا مربیانہ انداز میں اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "میری اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ رات ہم سب کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کا انجام اچھا ثابت ہوا۔ نتائج مختلف ہوتے تو اس وقت بھی ہم اسی عذاب سے دوچار ہوتے۔"

ویرا نے مکان کی تعریف کر کے جینی کا دل بڑھا دیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر گھر کا ایک ایک کونا دکھاتی پھر رہی تھی۔ اس دوران میں ان کی باتیں بھی جاری تھیں۔

میرے لیے وہ مکان اور اس کی مکین اچھی طرح دیکھی بھالی تھی۔ اس سیر میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس آتے ہی جینی والہانہ انداز میں براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوگئی "تم نے روزی کو بہت پریشان کیا ہوا ہے۔ کبھی اسے مشکل حالات میں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہو اور کبھی کئی کئی دن اس کی خبر نہیں لیتے۔"

ہم تینوں کے درمیان ناموں کا بھی ایک عجیب گورکھ دھندا چلا ہوا تھا۔ وہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی پرانا شناسا اور مزاج آشنا تھیں لیکن ویرا نے مجھے اسلم خان عرف رمضان بنا کر اس سے ملاقات کے لیے بھیجا تھا اور جینی کے سامنے میری زبان سے روزی ہی کہلوانا پسند کرتی تھی۔ اس پیچ در پیچ جھوٹ سے ویرا کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ نیویارک میں میرے ساتھ اپنی موجودگی کو خفیہ رکھنا چاہتی تھی مگر جینی اس کے اندازوں سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔

رنگسن کے دفتر میں اس سے ہونے والی میری پہلی ملاقات خاصی مختصر تھی لیکن وہ اسی لمحے سے مجھ پر مائل بہ کرم ہونے لگی تھی پھر اس نے رنگسن کے ذریعے پاکستان بھیجے جانے والے ایٹمی پلانٹ کے پرزوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات دینے کے بہانے مجھے اپنے گھر بلایا تو بے تکلفانہ خلوت میں اس نے پورے وثوق سے دعویٰ کر دیا کہ میں ڈینی ہی تھا۔

جینی نے میرے لیے انکار کی گنجائش چھوڑی تھی نہ وہ اقرار کا موقع تھا۔ ہمارے درمیان یہ مفاہمت ضرور ہو گئی تھی کہ ویرا کے سامنے جینی مجھے وہی سمجھتی رہے گی جو ویرا اسے سمجھانا چاہتی تھی۔

"تم روزی کی پرانی سہیلی ہو۔ یہ بات مجھ سے زیادہ جانتی ہو گی کہ روزی مردوں کو اپنے پاس بلانے اور پھر بھگانے کے فن میں یگانۂ روزگار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب آدمی کی جان پر بن جائے تو اس کے عشق و محبت کے سارے دعوے پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔"

میرے جواب پر جینی نے دل کھول کر قہقہہ لگایا "تم عجیب مرد ہو کہ اتنی ڈھٹائی سے اپنی بزدلی کا اعتراف کر رہے ہو۔ اس تہ خانے میں ویرا نے بھی وہ پوری رات گزاری ہی تھی۔"

"میں ایسی مردانگی کو دور ہی سے سات سلام کرتا ہوں جس میں ناحق موت کا خطرہ ہو۔ روزی کے پیچھے لگے ہوئے قاتلوں اور خونیوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ میں ایک عورت کو مارتے ہیں یا اس کے دوست کو بھی پیوندِ زمین کر دیتے ہیں۔"

"تم جو کچھ بھی ہو، آدمی دلچسپ ہو۔" مجھ سے کہتے کہتے وہ اچانک ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولی "مجھے اس کی ان ہی باتوں پر پیار آتا ہے لیکن یہ بات بات پر بھڑکنے لگتا ہے۔"

ویرا نے جینی سے نظریں بچا کر مجھے گھورا پھر بے چینی سے پہلو بدل کر بولی "یہ اتنا بونگا بھی نہیں ہے۔ تم نے بلاوجہ اس کی تعریفیں کر کر کے اسے سر چڑھالیا ہے اس لیے یہ اس وقت کچھ زیادہ ہی بن رہا ہے۔ پچھلی بار تو یہ بہت دیر تک تمہارے ساتھ رہا تھا اور رات گئے جھومتا جھامتا واپس پہنچا تھا۔"

"یہ راستے میں کسی شراب خانے میں گھس گیا ہوگا۔ یہاں سے تو بالکل ٹھیک ٹھاک نکلا تھا۔" جینی نے مسکرا کر کہا "اچھا ہوا کہ تم اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں بند کر کے پوچھ گچھ کروں گی تو اس کی ساری قلعی کھل جائے گی۔"

مجھے نظر آ رہا تھا کہ گفتگو کا وہ رخ ویرا کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی کھوپڑی پر قابو پانے کے بجائے فوراً ہی موضوع بدل دیا "جینی! اب کھانے کا بندوبست کرو۔ یہ فضول باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ بھوک سے میرا دم نکل رہا ہے۔"

جینی نے ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگایا۔ ہم لوگوں سے مل کر وہ بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔ ہنسی تھمنے پر اس نے ویرا سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت تک امریکا سے باہر رہنے کے بعد تم یہاں کے سارے ادب آداب بھول گئی ہو۔ یہاں ہر مہمان خود ہی اپنا میزبان ہوتا ہے۔ میں کیا بندوبست کروں گی۔ دونوں میرے ساتھ کچن میں آجاؤ اور اپنی پسند کی چیزیں نکال کر خود ہی گرم کر لو۔ زبردست ڈنر کا مزہ آجائے گا۔ میرا فرج اور ڈیپ فریزر بھانت بھانت کی ڈشوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"تم برف جھاڑ پونچھ کر دو چار ڈشیں پہچان کے قابل بناؤ۔ ہم آتے ہیں۔"

"یوں کہو کہ اپنے دوست کے ساتھ تخلیہ چاہتی ہو۔" جینی نے ویرا کے فقروں میں چھپا ہوا مفہوم خوش دلی سے دہرایا اور اپنی بھری بھری کمر کو لچکیلے بل دیتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اس کے سامنے اس قدر احمق اور بودے بننے کی کوشش مت کرو کہ وہ تمہیں تل کر کھانے کا پروگرام بنانے پر مجبور ہو جائے۔" جینی کے جاتے ہی ویرا دانت پیس کر سرگوشیانہ لہجے میں غرائی "اوباش لڑکیاں ایسے نکمے اور ڈرپوک مردوں پر جان دیتی

ہیں۔

"اب تبدیلی مشکل ہے ڈارلنگ!" میں نے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "پچھلی دو ملاقاتوں میں مَیں نے اسی تدبیر سے خود کو اس کی زد سے بچایا تھا۔ اب میں نے پٹڑی بدلنے کی کوشش کی تو وہ بدگمانی میں مبتلا ہو جائے گی کہ تم نے تخلیے میں مجھے کوئی پٹی پڑھائی ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتی!" یہ کہتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھ گئی "بس تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ یہاں میری مرضی کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوا تو میں تمہارا حشر خراب کر دوں گی۔"

"تمہارے ساتھ رہ کر میرا حشر ویسے بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔" میں ایک گہرا سانس لے کر اُس کے پیچھے کچن کی طرف چل پڑا۔

تن آسان اور قدرے فربہی مائل جینی نے کچن میں اشیائے خورونوش کی واقعی کافی ذخیرہ اندوزی کی ہوئی تھی۔ ہم تینوں نے مل جل کر دوستانہ فضا میں ڈشیں گرم کیں۔ عمدہ قسم کی وائن کے ساتھ روکھے پھیکے مغربی کھانوں سے اچھی طرح شکم سیر کیا پھر سیاہ کافی کا مگ تیار ہوتے ہی ہم کچن سے باہر نکل آئے۔ اس بار ویرا کا رخ جینی کی اسٹڈی کی طرف تھا۔

"تمہاری اسٹڈی میں کمپیوٹر کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ڈبے وغیرہ نظر آ رہے ہیں۔" ویرا نے وہاں رک کر کچھ سوچتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ میرا پیشہ' شوق اور وقت گزاری کا بہترین مشغلہ ہے۔ بازار میں آنے والی ہر نئی چیز میں اس میں شامل کر لیتی ہوں۔ اس سسٹم کی قدر کمپیوٹر کا کوئی شوقین ہی کر سکتا ہے۔"

"اور یہ رنگس والوں کے کمپیوٹر سے بھی ملا ہوا ہے۔" میں نے بات بڑھانے کے لیے ٹکڑا لگایا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں روزی کی طرف اٹھیں اور وہ فخریہ لہجے میں بتانے لگی "یہاں بیٹھ کر میں ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو اپنی کمپنی کے دفتر میں کرتی تھی۔"

ویرا کمپیوٹر کی کارکردگی کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی۔ اس نے حیرت سے پوچھا "رنگس کا سارا ریکارڈ تم یہاں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتی ہو؟"

"اسی کی مدد سے میں نے پرنسٹن کے خفیہ گودام کی نشان دہی کی تھی۔ بس آئزک کا انتہائی نجی نوعیت کا وہ ریکارڈ جس کے لیے خاص پاس ورڈ ضروری ہوتا ہے' میری رسائی سے باہر ہے۔"

وہاں آنے سے پہلے ہم نے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ بس ایک اخلاقی ذمے داری تھی جسے نبھانے کے لیے ہم جینی کے پاس چلے آئے تھے لیکن ان باتوں کے درمیان ہی مجھے بلیک ڈیڈ کے دیئے ہوئے وہ چار نام یاد آئے جن کا مزید سراغ ملنا دشوار ہو رہا تھا۔

میں نے جیب سے وہ رقعہ نکال کر جینی کی طرف بڑھا دیا "ان میں سے کوئی نام تمہارے ریکارڈ پر ہوگا؟"

جینی نے ناک بھوں پر زور دے کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا "مجھے سے کمپیوٹر پر ہزاروں فائلوں کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ میرے لیے ان سب کا یاد رکھنا ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نام کہیں مل جائیں۔ یہ پرچہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ ناموں سے تو یہ چاروں ہی یہودی معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہ آئزک بیل کے چار قریب ترین ساتھی ہیں۔" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "تمہارا باس مجرم ثابت ہوا تو اس کے یہ چاروں ساتھی بھی مجرم ہو سکتے ہیں۔"

اس کی شوخ اور زندگی سے بھرپور آنکھوں میں یکایک بے رونقی سی اتر آئی اور وہ ویرا کو گھورنے لگی۔

"کیا بات ہے؟ مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو؟" ویرا نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ جواب دو گی؟" جینی نے سرد اور سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

"پوری کوشش کروں گی۔ تمہارے چہرے کی بدلی ہوئی کیفیت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کوئی بہت اہم سوال کرنا چاہ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے پاس اس کا جواب موجود نہ ہو۔"

"تم سے اچانک ملاقات کی خوشی میں وہ سوال میرے ذہن سے پھسل گیا تھا۔ کیا میں اسلم کی موجودگی میں تم سے کھل کر بات کر سکتی ہوں؟" جینی نے مجھ پر نگاہ ڈال کر ویرا سے پوچھا "مجھے یقین ہے کہ میرے اس سوال کا جواب تمہارے سوا کوئی نہیں دے سکے گا۔"

"برے بھلے وقت میں میرے ساتھ دوڑ لگا کر اسلم بہت کچھ جان چکا ہے اور میں اس پر اعتماد کرنے لگی ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو اسے اپنا نمائندہ بنا کر تمہارے پاس نہ بھیجتی۔"

"پرنسٹن سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا ایک انسپکٹر ابھی تک لاپتا ہے۔ وہ تمہاری دلچسپی کے پرزوں کا معائنہ کرنے وہاں گیا تھا۔ پھر کہیں نہیں دیکھا گیا۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ انسپکٹر نہیں' تخریب کار تھا۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "رنگے ہاتھوں پکڑا اور پھر مارا گیا۔ اس کی لاش ایک متروک کنوئیں کی تہ میں محفوظ ہے۔"

"میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ ولسن کی پُراسرار گمشدگی میں میرا کوئی نہ کوئی کردار ضرور ہے۔ وہ جس گودام کے چکر میں غائب ہوا' اس کا پتا میں نے ہی اسلم کو فراہم کیا تھا۔"

"کیا تمہیں اس کی موت پر افسوس ہے؟" ویرا نے ذرا تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میرے لیے وہ ایک اجنبی ہے۔ روز اخبارات میں بہت سے لوگوں کے مرنے اور گم ہونے کی خبریں آتی ہیں۔ ان پر میں دھیان بھی نہیں دیتی۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک قتل میں شریک ہو چکی ہوں۔ اس پر مجھے ندامت ہے نہ افسوس مگر احساس پیدا ہو چکا ہے۔"

"کسی بھی انسان کی اچھائی یا برائی سے قطع نظر' اس کا قتل محسوس کیا جانا چاہیے.... بالکل اسی طرح جیسے میں آج بھی رہ رہ کر اپنے باپ کے قتل کے کچوکے محسوس کرتی ہوں...."

"میں یہی پوچھنا چاہ رہی تھی۔" جینی اس کی بات کاٹ کر بول پڑی "تم اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لیے امریکا واپس آئی تھیں۔ کم از کم مجھ سے تم نے یہی کہا تھا۔ آئزک قید ہوگیا۔ اب تم دوسرے بکھیڑوں میں الجھ کر اپنا مستقبل کیوں داؤ پر لگا رہی ہو۔"

"میرے باپ کا لہو وائٹ ہاؤس کی ایک روش پر بہا تھا۔ جب تک اس کے قاتل کا خون کسی گندی نالی میں نہیں بہتا' میں اس کے حلیفوں اور مددگاروں کو ذبح کرتی رہوں گی؟؟"

"یہ چار نام بھی تم اسی لیے اپنے ساتھ لیے پھر رہی ہو؟" جینی نے میرا دیا ہوا رقعہ چٹکی میں دبا کر ویرا کے چہرے کے سامنے لہرایا۔

"ان کے کردار کا تعین ہونے پر ہی میں کوئی فیصلہ کرسکوں گی۔" جینی کے موڈ کا اندازہ لگا کر ویرا نے بہت خوب صورتی سے بات گھما دی۔ میں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ ناگزیر ضرورت سے زیادہ خوں ریزی جینی کے سلجھے ہوئے مزاج سے ذرا بھی ہم آہنگ نہیں تھی۔ گمشدہ ولسن کا خیال آتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"کردار کا تعین تو تم کر ہی چکی ہو۔" جینی نے اپنی کمپیوٹر ڈیسک کے سامنے پڑی ہوئی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا "تم نے تھوڑی دیر پہلے ان چاروں کو آئزک کے قریب ترین ساتھی قرار دیا تھا۔"

ہلکے پھلکے تفریحی انداز میں شروع ہونے والی اس ملاقات نے یک بہ یک سنجیدہ بلکہ خطرناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ ہم دونوں نے بھی اسٹڈی میں پڑی ہوئی کرسیاں سنبھال لیں۔

"قریب ترین ساتھی ہونا کوئی جرم نہیں ہوگا۔ دیکھا جائے تو رنگس کے سارے ملازمین اصولی طور پر آئزک کے جرائم میں شریک تھے۔ بڑے عہدے پر ہونے کی وجہ سے تمہاری شراکت کو زیادہ سنگین کہا جاسکتا ہے مگر میں نے رنگس کے ملازمین کا قتل عام نہیں کیا۔ تم بدستور میری دوست ہو اور میں اس وقت تمہاری مہمان ہوں۔ کسی کے کردار کا تعین اس کی حیثیت سے نہیں' اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ ان چاروں کا سراغ لگا کر اور چھان بین کرکے ہی کوئی رائے قائم کی جاسکے گی۔"

"تم ان چاروں کو اندھا دھند اپنے انتقام کا نشانہ نہیں بناؤ گی؟" للی برنارڈ عرف جینی نے سخت اور تائید طلب لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔ اس کی سنجیدگی اس وقت بھی برقرار تھی۔

ویرا فراخ دلی سے مسکرائی۔ اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں کے پیچھے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے دانتوں کی قطاریں اس وقت مجھے غراتے ہوئے کسی مکار بھیڑیے کی یاد دلا رہی تھیں۔ اس نے اپنی کرسی جینی کے قریب کھسکا کر اپنائیت سے لبریز لہجے میں کہا "ہرگز نہیں.... تم بلاوجہ وسوسوں میں پڑ رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں نام تمہارے لیے نئے نہیں ہیں۔"

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان میں سے جارج شلز کا نام میں نے کہیں سنا یا پڑھا ہوا ہے۔" وہ ویرا کی بات پر یقین کرکے پُرخیال آواز میں بولی "باقی تین نام نئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کمپیوٹر ریکارڈ میں چاروں ہی نام مل جائیں۔"

"تمہیں پتا ہے کہ آئزک نے ہارلم میں دیدہ و دانستہ خوں ریز نسلی فسادات کی آگ بھڑکائی تھی۔ اس کا حریف ان چاروں کی تلاش میں ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ یہ نام ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کون ہیں اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

"نام سے چاروں یہودی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ڈیوڈ اسٹارز ہیں تو ان کے بارے میں تفصیل آئزک کے خفیہ ریکارڈ پر ہوگی۔ وہ میری پہنچ سے باہر ہے۔" اس نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ضروری نہیں کہ ہر یہودی ڈیوڈ اسٹار ہو یا ہر ڈیوڈ اسٹار اتنا اہم ہو کہ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی معلومات نہ مل سکیں۔" ویرا نے اضطراری انداز میں کہا "تم کوشش کرکے دیکھ لو۔ جارج شلز کا نام تمہیں جانا پہچانا معلوم ہوا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ شاید کام بن جائے۔"

جینی نے کافی کا مگ خالی کرکے ڈیسک کے سرے پر رکھا اور ایک ڈبے پر لگا ہوا بٹن دبا کر مانیٹر کی رنگین اسکرین روشن کردی جس پر تیزی سے حروف' ہندسے اور عبارتیں نمودار اور غائب ہونے لگیں۔ وہ ایک مختصر مگر صبر آزما مرحلہ تھا۔

اپنے کی بورڈ کے کمانڈ سسٹم کے ذریعے وہ ذرا سی دیر میں رنگس انکارپوریٹڈ کے ریکارڈ میں گھس چکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی پُرکشش آنکھیں اسکرین پر مرکوز تھیں۔ انگلیاں رک رک کر بہت تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔ عبارات اتنی تیزی سے تبدیل

ہو رہی تھیں کہ میرے لیے انہیں پڑھنا دشوار تھا لیکن جینی پیشہ ورانہ انداز میں سب کچھ دیکھ اور سمجھ کر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ سب اتنا سحر انگیز تھا کہ میں نے بھی اپنی کرسی جینی کے قریب کرلی۔ بہت کچھ نہ سمجھنے کے باوجود وہ کھیل دیکھنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔

معلومات کا ایک جنگل تھا جو جینی کے سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی مشین میں خود کار طریقے سے ایک ترتیب اور تسلسل کے ساتھ موجود تھا۔ شاید ہزاروں کاغذ اور سیکڑوں فائلیں کھنگال کر گھنٹوں یا دنوں کی مدت میں اتنی زیادہ تفصیلات کا مشاہدہ کرنا ناممکن تھا۔

آخر وہ رنگس کے سالانہ ڈنر کی تقریب کے مدعوئین کی فہرست پر پہنچ گئی۔ اے سے شروع ہونے والے ناموں کی طویل فہرست اوپر سرکنے لگی پھر بی شروع ہوگیا۔ بنجمن فورٹ کا نام کہیں نہیں تھا لیکن جارج شلز کا نام آتے ہی جینی نے فہرست اسکرین پر منجمد کردی۔

بے اختیار خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جینی نے تعارف کی ابتدا سے اس لمحے تک ہمیں کسی مرحلے پر مایوس نہیں کیا تھا۔

"یہ ہے وہ نام جو میں نے چند ہفتوں پہلے دیکھا ہوگا۔" جینی پنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئی "یہ بروکلین میں رہتا ہے۔ میں جس حد تک اس اقے سے واقف ہوں' اس کا پتا کسی ممتاز رہائشی علاقے کا نہیں ہے۔ یہ شاید بروکلین کے چھوٹے مکان ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں صرف نام کی مماثلت نہ ہو۔ تمہارا مطلوبہ آدمی کوئی اور ہو۔"

"فہرست میں دوسرے دو نام بھی دیکھ ڈالو۔ شاید وہ بھی مل ئیں۔ تین نام رنگس کے ریکارڈ میں یکجا ہوں تو یہ شبہ نہیں رہے کہ ہم غلطی کر رہے ہیں۔" میں نے مشورہ دیا۔

اسکرین پر نام دوبارہ پھسلنے شروع ہوگئے۔ وہ دو سو اسّی ناموں فہرست تھی مگر اس میں جارج شلز کے سوا ہمارا کوئی اور مطلوبہ م نہیں تھا۔

جینی فہرست کو الٹا چلا کر دوبارہ جارج شلز کا نام اسکرین پر لے ی۔ وہ چاہتی تو اس پوری فہرست کا پرنٹ نکال سکتی تھی مگر وہ خود ر طریقے پر ریکارڈ ہو جاتا۔ رنگس کو سیل کردیا گیا تھا پھر بھی یہ ڈر کہ کسی وقت حکام اس کے کمپیوٹر ریکارڈر کی چھان بین کرکے یہ اغ لگالیتے کہ جینی نے کمپنی بند ہونے کے بعد پھر اس کی کوئی ست نکالی تھی تو وہ غیر ضروری باز پرس کا شکار ہو سکتی تھی۔

امید و بیم کے عالم میں' میں نے جارج شلز کا پتا نوٹ کرلیا۔ دعوئین کے برعکس ریکارڈ میں جارج کا کوئی فون نمبر درج نہیں گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ مشقت اب ختم ہو جانی چاہیے۔" جینی زبردستی مسکرانے کی کوشش کی "تیزی دکھانے کے چکر میں ی آنکھیں تھک گئی ہیں۔"

جینی نے اپنا کمپیوٹر بند کیا اور ہم تینوں ڈرائنگ روم میں اٹھ آئے۔

میں نے برونکس سے روانہ ہوتے ہوئے یہ فرض کرلیا تھا کہ ملاقات کی ابتدا مے نوشی کی محفل میں بے تکلفانہ گپ شپ سے ہوگی جس کے بعد کھانے کا نمبر آئے گا لیکن جینی کی میری ذات میں بڑھتی ہوئی دلچسپی نے ویرا کو فوراً کھانے کا مطالبہ کرنے پر مجبور کردیا۔ یوں جینی کے گھر میں ہونے والی کھانے کی دعوت روایتی ڈنر میں تبدیل نہیں ہو سکی۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ جینی نے بھی ویرا کی نام نہاد بھوک کے احترام میں مے نوشی کی دعوت نہیں دی۔ معدے سیراب ہوتے تو ہم میں سے کسی کے مزاج میں وہ سنجیدگی باقی نہیں رہ سکتی تھی جو ولسن کے بارے میں جینی کے پہلے سوال کے بعد سے ہی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دوستانہ محفل کا مزہ کھلے دل کے ساتھ مل بیٹھنے میں ہی آتا ہے۔ بوجھل بوجھل سی فضا میں کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جارج شلز کے سراغ کے بارے میں ہم میں سے کوئی زیادہ پُر امید نہیں تھا اس لیے ہم ڈھنگ سے جینی کا شکریہ تک ادا نہیں کرسکے۔ ویرا نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو جینی نے اسے رسماً بھی رکنے کے لیے نہیں کہا اور بیرونی دروازے تک ہماری رہنمائی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس رات کا پروگرام جس امنگ اور جوش کے ساتھ بنایا گیا تھا' وہ کافور ہو چکی تھی۔ ہم قدرے سرد مہری کے انداز میں وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

"تم نے اپنی حماقتوں سے آج کی شام تباہ کر ڈالی۔" ویرا چند منٹ سے زیادہ خاموش نہ رہ سکی اور مجھ پر برس پڑی "اگر تم اسے اپنی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتے تو میرا موڈ خوشگوار رہتا۔"

"تمہیں اکیلا آنا چاہیے تھا' مجھے ساتھ لے آئی تھیں تو تھوڑی سی برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ اس بربادی کی پوری ذمے داری تم پر آتی ہے۔ تم اسے ناراض کرکے آئی ہو۔"

"میں خود ہی اسے منالوں گی۔ تم اس کی دل جوئی کی کوشش شروع نہ کردینا۔" ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا "بی جمالو کی طرح بھس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ تم نے اس کے روٹھنے کا اندازہ لگالیا تھا تو وہیں برف پگھلانے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ویرا خانم! میرے سر پر اتنے بال نہیں ہیں۔ میں اسے منانے کی کوشش کرتا تو وہ تمہاری بدتمیزی کا جواب دینے کے لیے مجھ پر پہلے سے زیادہ مہربان ہو جاتی اور تم اسے بھول کر میرے خون کی پیاسی ہو جاتیں۔ جو ہوا' ٹھیک ہی ہوا ہے۔ تم کو تمہاری سہیلی مبارک ہو۔ مجھے موٹی لڑکیاں ویسے بھی ناپسند ہیں۔"

"وہ موٹی ہرگز نہیں ہے۔ قد کے لحاظ سے اس کا جسم بہت مناسب اور متناسب ہے۔"

"تم جیسی دو چار خوشامدی سہیلیوں کی آرا نے ہی اسے برے دنوں میں سان فرانسسکو کی راہ دکھائی ہوگی۔ مردوں کے مقابلے میں وہ عورتوں کے لیے ضرور مناسب ہو سکتی ہے۔"

"ڈیئی! اس کے بارے میں زیادہ بدتمیزی کی تو میں ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی۔ وہ اس وقت روٹھ گئی ہے تو کیا ہوا؟ وہ اب بھی میری بہترین سہیلی ہے۔"

"وہ تمہاری دوست ہے اس لیے اُس کی غیبتیں کرنا صرف تمہارا حق ہے۔ میں اس پر کوئی جائز تنقید بھی نہیں کر سکتا، خوب منطق ہے تمہاری۔"

ویرا غصے یا حسد میں وہاں جو کچھ کر آئی تھی، اس پر اندر ہی اندر پشیمان تھی۔ میں کچھ دیر تک اسے سلگا کر لطف اندوز کرتا رہا پھر نہ جانے کس طرح جینی کے کمپیوٹر کی بات نکل آئی اور یوں موضوع سخن جارج شلز کی طرف منتقل ہو گیا۔

"میں اس نام اور پتے سے بالکل ہی ناامید نہیں ہوں۔" میں نے کہا "یہ صرف نام کی مشابہت نہیں ہے۔ اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ پتا ہمیں رنگس کے کمپیوٹر ریکارڈ سے ملا ہے۔"

"صرف جارج ہی کیوں؟ فہرست میں دوسرے تین داؤدی ستاروں کے نام بھی موجود ہونے چاہییں تھے۔ یہ ایک خوش فہمی ہے جو صرف ایک فون کال سے رفع ہو جائے گی۔"

"تم کسے فون کرو گی؟ کون اسے پہچاننے کا دعوے دار ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا نام پتا موجود ہے۔ انکوائری سے نمبر مل جائے گا۔ خود اسی سے بات کی جائے گی۔"

"وہ تمہارے پہلے ہی سوال کے جواب میں اعتراف کر لے گا کہ وہ نجم داؤدی ہے؟"

"میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش مت کرو۔ نام، پتا اور فون نمبر مل جانے کے بعد تحقیقات کا کوئی نہ کوئی راستہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ دور سے اس کی نگرانی کر کے بھی بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم نے آئزک نیل کے کسی سراغ کے بغیر ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"بنجمن سے میں فون پر چھیڑ چھاڑ کر چکا ہوں۔ اب ان میں سے کسی اور کے ساتھ یہ حرکت دہرائی گئی تو وہ چاروں خوف زدہ ہو کر روپوشی اختیار کر سکتے ہیں۔ بنجمن فون پر بہادری جتانے کے باوجود اعصاب زدہ ہو گیا تھا۔ آئزک کے انجام نے انہیں اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔"

"ہم یوں اگر مگر میں الجھے نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا اور کچھ نہیں تو اتنا ہی معلوم ہو جانا چاہیے کہ بروکلین میں رہنے والا جارج شلز ہمارا مطلوبہ آدمی ہے یا نہیں۔"

مجھے جارج شلز کے بارے میں صرف ایک بات کھٹک رہی تھی۔ کوئی مال دار ڈیوڈ اسٹار اپنی حفاظت اور سرگرمیوں کی رازداری کے پیش نظر کسی چھوٹے مکان میں کیسے رہ سکتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ ان میں سے کوئی اپنی ذات کے مکمل تحفظ کے لیے اپنے ان وسائل سے بھرپور استفادہ نہ کرے۔

ہم میں سے کسی نے بنجمن فورٹ کا گھر بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے جس انداز میں اپنے گھر پر میرے چیتھڑے اڑانے کی بات کی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یقیناً کسی قلعے نما مکان میں رہتا ہوگا جہاں اس کے متعدد مسلح ملازم کسی ناپسندیدہ شخص کی بے جا مداخلت روکنے کے لیے تیار رہتے ہوں گے۔ ویرا نے میرا یہ نظریہ سنتے ہی میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اس کی دلیل تھی کہ بنجمن کے نام کے ساتھ لگے ہوئے فورٹ نے مجھے اتنا مرعوب کر دیا تھا کہ میں اس کے مکان کو قلعہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں نے ویرا کے اس جاہلانہ طرز استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا اور چپ سادھ لی۔ چاروں داؤدی ستاروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ پیش رفت ضرور ہوئی تھی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ضرورت واضح تھی۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہو۔

گھر کے برائے نام احاطے کا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا۔ مائیک اپنی گرل فرینڈ سے مل کر اس وقت تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ ویرا مُصر تھی کہ چابی گاڑی ہی میں چھوڑ دی جائے تاکہ مائیک واپس آکر خاموشی سے کار گیراج میں کھڑی کر دے مگر میں پاکستان بلکہ کراچی کے حالات کا شاہد تھا۔ وہاں گھروں میں کھڑی ہوئی مقفل گاڑیاں بھی محفوظ نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ میں نے چابی اگنیشن میں چھوڑ کر کسی مقامی آوارہ گرد کے صبر کو آزمانے کے بجائے چابی ساتھ ہی لے لی۔

ویرا نے اس شام خاصی الکحل استعمال کی تھی۔ جینی کی دعوت میں پیدا ہونے والی بدمزگی کو بھلانے کے لیے اس نے واپسی پر دوبارہ وہی سلسلہ شروع کر دیا۔ ویسے بھی فرصت اور بے کاری کے اوقات میں وہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا تھا جس سے کسی کسی وقت مجھے اکتاہٹ بھی ہونے لگتی تھی۔ میں نے اس کی دعوت کو نرمی سے مسترد کر دیا۔

میں بستر پر دراز، سگریٹیں پھونک پھونک کر اس عملی جمود کو توڑنے کی تدابیر سوچتا رہا جس سے ہم دوچار ہو چکے تھے۔ وقت گزرتا جا رہا تھا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ویرا کے بارے میں، میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ نشے سے بے سدھ ہونے سے پہلے بستر کا رخ نہیں کرے گی۔

ڈیڑھ بجے بیرونی دروازے پر دستک کی دھیمی سی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ ڈھلتی رات کے گہرے سکوت میں وہ ہلکی سی آواز بھی بہت تیز محسوس ہوئی تھی۔

"بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے نشے سے بوجھل آواز میں زبان کھول کر مجھے باور کرانا چاہا کہ اپنی مصروفیت کے باوجود وہ اپنے گرد و پیش سے غافل نہیں تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مائیک شبِ وصال گزار کر آیا ہوگا۔ اندر روشنی دیکھ کر شاید دروازے پر دستک

دے بیٹھا ہے۔"

"کیا اسے ڈور بیل کا بٹن دبانا یاد نہیں رہا؟" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نشے کی جھونک میں جب آدمی زیادہ مہذب اور شائستہ بننے کی کوشش کرتا ہے تو یہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے گھنٹی بجانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ ذرا تم دیکھ لو۔"

میں اس کی ہدایت سے پہلے ہی بستر چھوڑ چکا تھا۔ داخلے کے دروازے کے قریب رک کر میں نے قدرے بلند آواز میں سوال کیا۔ جواب میں مائیک کی لکنت آمیز آواز آئی "اگر تم سو نہیں رہے ہو تو میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں واپس لوٹ آیا ہوں۔ اگر چابی دے دو تو میں گاڑی گیراج میں بند کردوں۔ رات بھر کی اوس میں بھیگی ہوئی گاڑی کو صاف کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔"

میں نے بولٹ گرا کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ مائیک ہلکی برسات میں بھیگے ہوئے کسی الو کی طرح اپنے شانے ڈھلکائے، پلکیں جھپکا رہا تھا۔ میں قہربار نظروں سے اسے گھورنے لگا "اس حالت میں گاڑی کو حرکت میں لانے کے بعد تمہیں دیوار اور دروازے کا فرق نظر آجائے گا؟"

"تم ناراض ہو رہے ہو تو گاڑی کو باہر ہی رہنے دو، صبح ذرا سی محنت کرلوں گا۔"

"اندر آؤ اور تیز کافی کی پیالیاں تیار کرو۔" غصیلی آواز میں اسے حکم دے کر میں اندر لوٹ گیا۔

"برہمی دکھا کر کیوں اس بے چارے کا سارا لطف غارت کر رہے ہو۔" کمرے میں پہنچتے ہی ویرا نے نیچی آواز میں ملامت کا پٹارا کھول لیا "وہ بھی ہماری طرح ایک جیتا جاگتا انسان ہے اور پھر وہ تم سے اجازت لے کر گیا تھا۔ ذرا سی بے اعتدالی کرلی تو کون سا آسمان گر پڑا؟"

"وہ بھی انسان ہے، تم بھی انسان ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں تم لوگوں میں غلط پھنس گیا ہوں۔ پتا نہیں تم جیسوں کی رگوں میں شراب اس طرح کیوں سرایت کرجاتی ہے۔"

ویرا نے مخمور انداز میں ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا "مچھلی مجھے پانی سے پرہیز کا مشورہ دے رہی ہے۔ خود پیتے ہو تو ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیتے ہو۔ مجھ پر اعتراض کر رہے ہو۔"

"ہر کام کا کوئی ایک وقت اور موقع ہوتا ہے۔ اس طرح تم خود کو برباد کر رہی ہو۔"

"یہ کام نہیں، میری تفریح ہے اور تفریح ہر وقت کی جاسکتی ہے۔"

"تم جو چاہو، کرتی رہو۔ میں نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ کب کی خبر ہے؟" اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہا "ابھی تو میں نے سنا ہے کہ تم مائیک کو کافی کی دو پیالیاں تیار کرنے کی ہدایت دے رہے تھے۔ دونوں پیالیاں تم ہی کو پینی ہوں گی۔ اس وقت میں کافی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"دوسری پیالی تمہارے لیے نہیں ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "وہ مائیک پیئے گا۔ اس کے اوسان درست ہوں تو مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ یہ رات کالی کرنی پڑ جائے۔ میں تمہارے معمول میں ذرا بھی دخل نہیں دوں گا۔"

"کیا تم کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں مائیک ایک ٹرے میں کافی کی دو پیالیاں لے کر آگیا۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نشہ بھگانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ اتنی رات گئے واپسی پر بھی اسے کچن میں جھک مارنی پڑے گی۔

"بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ کافی پیو!" میں نے ایک پیالی اٹھا کر مائیک کو حکم دیا۔

"مم.... میں.... میرا مطلب ہے کہ میں اتنی رات کو کافی نہیں پیتا۔" اس نے بوکھلا کر بے چارگی سے کہا۔

"بکری کی طرح ممیانے کی ضرورت نہیں۔ جو میں کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

اس نے منہ لٹکا کر یوں پیالی تھام لی جیسے اس میں زہر بھرا ہو اور اسے پینا ہو۔

"اس وقت بلیک ڈیڈ کہاں مل سکے گا۔" کافی کے چند گھونٹ لینے کے بعد میں نے مائیک سے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بھی پوچھ سکتے تھے۔" ویرا نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دی "دو چار کوششوں میں وہ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا۔ اُس سے بات کرنے کے لیے مائیک کے انتظار کی کیا ضرورت تھی؟"

مائیک نے دیوار گیر کلاک کو نظرانداز کرکے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا "اس وقت دیر ہو چکی ہے۔ وہ خواب گاہ میں چلا جاتا ہے تو پھر کوئی فون نہیں سنتا۔"

"مجھے ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "آج کی رات گزر گئی تو ہمیں اگلی رات تک انتظار کرنا ہوگا۔ تم نمبر ملا کر اس تک پیغام پہنچاؤ کہ میں اس سے بات کرنی چاہ رہا ہوں۔"

"اگر اس نے کسی جھونک میں انکار کردیا تو بلاوجہ تمہیں قلق ہوگا۔" مائیک نے جھجکتے ہوئے، رک رک کر کہا "میری بات مانو تو اس سے صبح ہی بات کرلینا، یہ وقت مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب نہیں ہے؟" میں نے تنک کر پوچھا "کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ امریکا میں اتنی رات گئے ہر شخص شراب کے نشے میں تمہاری طرح دھت ہو کر سو رہا ہوتا ہے؟"

"اوہ نو چیف!" میری برہمی پر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور پیالی سے تھوڑی سی کافی چھلک کر اس کے کپڑوں پر آرہی۔ وہ کہہ رہا تھا "امریکا میں لاکھوں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جنھوں نے

ساری عمر الکحل کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ یہ کوئی فارمولا نہیں ہے لیکن ہمارا باس شاہی مزاج کا آدمی ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ وہ سارا دن اور پھر رات گئے تک اس لیے سخت محنت کرتا ہے کہ رات اپنی مرضی کے مطابق گزار سکے۔"

"تم سے جو کہا جارہا ہے' اس پر عمل کرو۔ اس کا بات کرنے کا موڈ نہ ہوا تو پھر کچھ اور سوچا جائے گا۔" میں نے اس کا مشورہ مسترد کرکے سختی سے کہا اور وہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ویرا اسے کئی کوششوں کے بعد کسی ٹھکانے پر تلاش کرپاتی' مائیک نے براہِ راست اسی ٹھکانے کا نمبر ملایا جہاں بلیک ڈیڈ اس وقت موجود تھا۔

"اتنی رات گئے تمہیں فون کرنے کی کیا تکلیف لاحق ہوگئی؟" تعارف ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک پختہ اور بھاری نسوانی آواز میں سوال کیا گیا "کیا زیادہ پی لینے کے بعد تمہارا فطری حرامی پن دوبارہ عود کر آیا؟"

"جوڈی!" مائیک نے احتجاج کیا "میں بزرگی کی وجہ سے تمہارا احترام کرتا ہوں جس دن میں نے تمہاری گالیوں کا جواب دینے کا فیصلہ کرلیا' تم منہ چھپاتی پھروگی۔"

"میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے اپنے جن نومولود بچوں کو اِدھر اُدھر ٹھکانے لگایا تھا' اگر وہ زندہ ہیں تو آج عمر میں تم سے بڑے ہوں گے۔ مقابلہ کرکے دیکھ لو۔ میں تمہیں ہر طرف سے چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی۔ تم جیسے لونڈوں کو میں اپنی بغل میں ہلا ہلا کر نڈھال کرسکتی ہوں۔"

مائیک نے خفت آمیز کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ شاید اسی متوقع اور بے ہودہ گفتگو کے ڈر سے وہ اسپیکر فون استعمال کرنے سے ہچکچا رہا تھا مگر میری سختی نے اسے مجبور کردیا تھا۔ بہرحال اب وہ گالیاں اس کا مقدر تھیں۔ اس نے کھسیائی ہوئی آواز میں کہا "اس عمر میں تم بس اپنے منہ اور بغلوں سے ہی کام لے سکتی ہو۔ ان باتوں کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ باس کو بتاؤ کہ اس کا مہمان اُس سے بات کرنی چاہتا ہے۔"

"مہمان کو اس وقت کیوں خارش اٹھی ہے؟ کیا اسے نہیں معلوم کہ کیا بجا ہے؟"

مائیک نے شرمندہ اور معذرت خواہانہ نظریں میری طرف اٹھائیں۔ میں نے اس کی تسلی کے لیے سر ہلا دیا۔ وہ بولا "جوڈی! تمہارے یہ الفاظ مہمانوں تک پہنچ گئے تو ان کی شکایت پر باس تمہاری کھال اُتروا دے گا۔ تم اپنے کام سے کام رکھو اور مجھے باس کے جواب سے مطلع کرو۔"

جوڈی شاید ہمارے اور بلیک ڈیڈ کے مراسم کی نوعیت سے یکسر لاعلم تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں مہمان کو کئی گندی گندی گالیاں دیتے ہوئے مائیک کو لائن ہولڈ کرادی۔

"میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ مجھے ریسیور سے بات کرنے دو۔" لائن پر سکوت ہوتے ہی مائیک نے دھیمی آواز میں بے بسی سے کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ فون یہی اٹھائے گی۔"

میں نے ہونٹ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کردیا۔ پتا نہیں کس وقت دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا جاتا اور ہماری گفتگو سن لی جاتی۔ سکوت کا وہ وقفہ قدرے طویل ثابت ہوا۔ آخر کار بلیک ڈیڈ خود لائن پر آگیا۔ اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"ہائے! کون بول رہا ہے؟ روزی یا اسلم خان؟" اس نے ریسیور اٹھاتے ہی پوچھا تھا۔

"اسلم۔" میں نے جھٹ ریسیور اٹھا کر جواب دیا۔ اسپیکر فون خود بہ خود ناکارہ ہوگیا۔

"تم لوگ کہاں غائب تھے؟" میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے شکوہ کرنا شروع کردیا "میں نے کئی بار تمہارا نمبر ملایا لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ کیا تم لوگ باہر گئے ہوئے تھے؟"

"ہاں' روزی مجھے سیر کرانے لے گئی تھی۔ ہم تھوڑی دیر پہلے ہی واپس آئے ہیں۔"

"روزی کو بتا دینا کہ میں نے اس کے لیے ایک تحفے کا بندوبست کیا ہے۔ وہ دیکھے گی تو اس کی طبیعت خوش ہوجائے گی۔ میں اسے یہی اطلاع دینی چاہ رہا تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں فون کیا ہے۔"

"نجم داؤدی کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے قدرے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا وہ لوگ اس قدر پُراسرار انداز میں زندگی گزارنے کے عادی ہوں گے۔ میرے آدمی اسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔ جوں ہی کوئی کام کی بات معلوم ہوگی' میں تم کو اطلاع دے دوں گا۔ فی الحال صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"ہمارے پاس کچھ اطلاعات موجود ہیں....." میری بات مکمل ہونے سے پہلے اس نے بولنا شروع کردیا۔

"ٹھہرو۔ اگر کوئی قابلِ ذکر بات معلوم ہوئی ہے تو فون پر یہ باتیں مناسب نہیں ہیں۔ میں اسی وقت تمہارے پاس آجاتا ہوں۔ میں ان کو جلد از جلد نیچا دکھانے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ مل بیٹھ کر ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکالیں گے۔ ان پر آج ہی پہلا وار ہوسکے تو مزہ آجائے گا۔"

میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ ہمارے فون پر بدری ناتھ کا دیا ہوا سی ایس ڈی موجود تھا جس کے ہوتے ہوئے ہماری گفتگو بالکل محفوظ تھی۔ ویسے بھی میری یہی خواہش تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کو آرام دہ بستر سے اٹھا کر وہاں بلانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ وہ خود ہی اس پر تل گیا تھا۔ یہ ایک اچھی بات تھی۔

"تم آجاؤ۔ یہاں بیٹھ کر کچھ طے کرتے ہیں۔ اس وقت ان میں دو کی گردنیں....."

اس نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "بس بس! تم نے میرا دورانِ خون تیز کردیا ہے۔ میں ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ مائیک کو بھی اٹھالو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی ضرورت پیش آجائے۔"

"وہ میرے پاس ہی موجود ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ اس دوران میں مائیک اپنے سینے پر شہادت کی انگلی مار کر بار بار مجھے متوجہ کرتا رہا تھا کہ وہ خود بھی بلیک ڈیڈ سے بات کرنی چاہتا تھا۔ اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے میں نے بات جاری رکھی "چاہو تو تم اس سے بھی بات کرسکتے ہو۔"

"ریسیور اسے دے دو۔" بلیک ڈیڈ نے کہا "اسے ایک آدھ ضروری بات بتانی ہے۔"

مائیک نے ریسیور لے کر ہائے باس کہا اور کچھ دیر تک بلیک ڈیڈ کی تقریر خاموشی سے سنتا رہا۔ شاید بلیک ڈیڈ کا پیغام مکمل ہونے پر ہی وہ بولا تھا "باس! ذرا جوڈی سے میری بات کرادو۔"

بس چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر اس کی زبان چل پڑی۔

"جوڈی! اب کان کھول کر سنو کہ تم پکی حرّافہ' الو کی پٹھی اور کمینی ہو۔ تمہارے سارے ناجائز بچے مل کر بھی مجھ اکیلے کی برابری نہیں کرسکتے۔ ہمت ہے تو اب باس کے سامنے جواب دو! بولتی بند کیوں ہوگئی تمہاری؟"

میں بے اختیار مسکرانے پر مجبور ہوگیا۔ اپنے باس کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اس نے جوڈی سے ایک ہی وار میں ساری بدزبانیوں کا بدلہ لے لیا تھا۔

جوڈی بے بس تھی اور بلیک ڈیڈ کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ اس کے پاس فون بند کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ مائیک نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"اس وقت تم نے جوڈی کے ساتھ بہت چھچھوری اور گھٹیا حرکت کی ہے۔" میں نے مائیک سے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "اس وقت وہ مجبور تھی۔ بعد میں تم سے دل کھول کر بدلہ لے گی۔ تم جیسے بردبار آدمی کو بچوں جیسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔"

وہ بے پروائی سے ہنسنے لگا "ہم سب مل جل کر ایک خاندان کی طرح رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہزار ہا بدلہ لے لے پھر بھی اس خلش کو نہیں بھول سکے گی کہ وہ میری گالیوں پر زبان تک نہیں ہلا سکتی تھی۔ یہ موقع قسمت سے ملا تھا جس سے میں نے فائدہ اٹھالیا۔ یہ قصہ سن کر ہر ایک کا دل باغ باغ ہوجائے گا۔"

بلیک ڈیڈ سے میری گفتگو ریسیور کے ذریعے ہوئی تھی۔ ویرا نے میرے جواب سے اندازہ لگالیا تھا کہ مائیک وہاں آرہا تھا۔ اس نے منہ بنا کر پوچھا "رات کے دو بجے اسے یہاں بلانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"وہ تمہارے لیے ایک تحفہ لے کر آرہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔"

"اپنی چنڈال چوکڑی ڈرائنگ روم یا دوسرے بیڈ روم میں جمانا' مجھے نیند آرہی ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گی۔"

ویرا نے تحفے والی بات کو مذاق سمجھ کر بے پروائی سے کہا "بہتر ہوگا کہ تم دونوں اسی وقت یہ کمرا چھوڑ دو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے آنے تک مجھے نیند آجائے۔"

"نیند نہیں' یہ نشے کی مدہوشی ہے جو اب تمہارے اعصاب کو چٹخا رہی ہے۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا۔ "اسے میں نے نہیں بلایا' وہ خود یہاں آنے پر تل گیا تھا۔" میرے بولنے سے پہلے ہی مائیک خواب گاہ سے جاچکا تھا۔ میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیر رہے تھے' سرخ و سفید چہرہ مزید تمتمایا ہوا تھا اور گھنیری پلکیں اس کی آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔

وہ اپنی نیم وا آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر مسکرائی اور میں اس کمرے سے نکل گیا۔

مائیک کچن میں مصروف تھا اور ایک کارٹن کھول کر بیئر کے کین فریزر میں رکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی زبان چل پڑی۔

"روزی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کے آنے کے بعد تمہاری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جائے گی۔ اس نے مجھے بیئر کا پورا کارٹن فریزر میں ڈالنے اور دوسرا بیڈ روم تیار کرنے کے لیے کہا ہے۔ شاید اب وہ یہیں ڈیرا ڈالے گا۔"

"یہ سب تمہاری ڈیٹ کا عذاب ہے جو تم پر نازل ہورہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جاتے نہ رات گئے یہ کام تمہارے ذمے پڑتے۔"

"باس کے لیے ہر وقت ہماری جان بھی حاضر رہتی ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا "وہ اپنے بچوں کی طرح ہر ایک کا خیال رکھتا ہے۔ اسے بلاوجہ بلیک ڈیڈ نہیں کہا جاتا۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' میں مذاق کررہا تھا۔ دل لگا کر جلدی سے اپنا کام ختم کرو۔"

"باس آئے گا تو اسے ذرا ذرا سی دیر میں فون کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ اجازت دو تو روزی کے کمرے سے فون نکال کر ڈرائنگ روم میں لگادوں؟" مائیک کی تجویز پر میں چونک پڑا۔

”بیکسٹر کی لاش کی یہاں سے منتقلی کا سارا بندوبست تم نے فون کو ہاتھ لگائے بغیر کیا تھا۔ اب فون کیوں یاد آرہا ہے۔“ اس کے سوال پر مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس نے سی ایس ڈی نہ دیکھ لیا ہو۔

”ہم لوگ ٹرانسیٹرز استعمال کرتے ہیں۔ باس کو اس سے الجھن ہوتی ہے۔ کوئی بات کر رہا ہو تو اسے مجبوراً اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فون پر جب وہ چاہتا ہے‘ کسی کی بھی بات کاٹ کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لیتا ہے۔“

اس کی بات قابل قبول تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا ”تم اجازت کے بغیر اندر نہ جانا۔ میں وہاں سے فون نکال لاتا ہوں۔ اس وقت روزی اچھے موڈ میں نہیں ہے۔ تمہیں دیکھ کر بھڑک جائے گی۔“

میں ٹہلتا ہوا دوبارہ اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اندر ویرا کی کرسی خالی تھی۔ وہ بستر پر بھی نہیں تھی۔ میں نے باتھ روم میں نگاہ ڈالی تو جھریوں میں روشنی موجود تھی اور اندر سے شاور کی تیز دھاریں بہنے کی آوازیں آرہی تھی۔ میں فون کی تاروں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

سی ایس ڈی کو لائن سے الگ کرکے میں نے سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں چھپایا پھر پلگ نکال کر فون لائن سے جدا کرلیا۔ ویرا غالباً نشے کی جھونک سے نجات حاصل کرنے اور پھر بلیک ڈیڈ کی بے وقت آمد کا سبب جاننے کے لیے لمبے غسل میں مصروف تھی۔ میں اسے چھیڑے بغیر کمرے سے نکل آیا۔

دو بجے کے بعد تقریباً بے آواز انجن والی ایک لمبی سی سیاہ کار ہمارے مکان کے سامنے رکی۔ میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مائیک اپنے باس کا استقبال کرنے کے لیے باہر ٹہل رہا تھا۔

کار رکتے ہی اس کے تین دروازے کھلے اور بلیک ڈیڈ سمیت پانچ آدمی پھرتی سے سڑک پر آگئے۔ کار فوراً ہی تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ پانچوں کھلا ہوا پھاٹک عبور کرکے ہمارے احاطے میں آگئے۔ چند لمحوں بعد مکان میں داخل ہونے والے تعداد میں صرف دو تھے۔

بلیک ڈیڈ اپنے متورم پپوٹوں کے ساتھ آگے تھا۔ مائیک کسی خاندانی غلام کی طرح اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

”تمہارے باقی آدمی کہاں غائب ہوگئے؟“ گرم جوشی سے بلیک ڈیڈ کا استقبال کرنے کے بعد میں نے حیرت سے پوچھا ”کار سے تو تم پانچ افراد اترے تھے۔“

”وہ سب سرونٹ کوارٹر میں گھسے ہوئے ہیں۔“ بلیک ڈیڈ صوفے پر بیٹھ کر بولا ”میں نے گاڑی بھی دور پارک کروائی ہے تاکہ تمہارے پڑوسیوں کو یہاں کسی غیر معمولی سرگرمی کی کوئی سن گن نہ مل سکے۔ یہاں لوگ ذرا ذرا سی بات پر خاموشی سے پولیس کو فون کھڑکا دیتے ہیں۔ سیکڑوں تلخ بلکہ بے مقصد تجربات کے باوجود وہ احمق وردی پوش فوراً ہی دوڑ لگا دیتے ہیں۔“

”یہ کوئی اچھی روایت نہیں ہے۔ اس طرح تو دہشت گرد انہیں دھوکے سے کہیں بھی بلا کر گولیوں سے بھون سکتے ہیں۔“ میں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بے مروتی سے کہا۔

”یہاں ایسی دہشت گردی کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہاں خلافِ قانون کام کرنے والے اتنے دیدہ دلیر نہیں ہیں کہ قانون کے محافظوں کا مقابلہ کریں۔ بیشتر مجرم پولیس کے نرغے میں آکر ہتھیار ڈال دیتے ہیں جو قانون سے لڑتا ہے‘ اسے پوری قوت سے پیس کر رکھ دیا جاتا ہے۔“

”تمہارا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟“ تم قانون پسند ہو‘ نہ اس کے محافظ۔“

”پتا نہیں تم ایسے کڑوے سوال کیوں کرتے ہو؟ پولیس کی ملی بھگت سے دنیا بھر میں جرائم ہوتے ہیں۔ ہم بھی ان ہی کے سہارے چل رہے ہیں۔ ان ہی کی چشم پوشیوں نے ہمیں دلیر بنایا ہے۔ جواب میں ہم بھی ان کے لیے امن و امان کے مسئلے کھڑے نہیں کرتے۔“ وضاحت کرتے کرتے وہ اچانک جھلا کر بولا ”یہ تم نے مجھے کن خرافات میں الجھالیا.... مجھے وہ باتیں بتاؤ جن کے لیے میں یہاں آیا ہوں.... اور ہاں‘ وہ ویرا کہاں ہے؟ کہیں نظر نہیں آرہی۔“

”آج کل وہ ایک نئے خبط میں مبتلا ہوگئی ہے۔“ میں نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا ”خوب پیتی ہے اور جب نشہ گہرا ہو جاتا ہے تو نہانے گھس جاتی ہے تاکہ نشہ بھگا سکے۔“

”اس سے اسے کیا فائدہ ہوتا ہے؟“ بلیک ڈیڈ نے متحیر ہو کر پوچھا ”شراب ضائع ہوتی ہے اور اعضائے رئیسہ پر بھی بلاوجہ بوجھ پڑتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ پینا کم کردے۔“

”اسے اپنے اعضائے رئیسہ وخبیثہ کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ وہ ریسرچ کر رہی ہے۔“ میں نے بے نیازی سے کہا ”تم اس کے لیے کوئی تحفہ لانے کی بات کر رہے تھے۔“

”میں اس کے لیے بیم گن لایا ہوں۔ اسے یہ ہمیشہ سے پسند ہے۔ اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔“ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک وزنی چرمی ہولسٹر جیب سے نکال کر مجھے تھما دیا۔

اس نادر روزگار ہتھیار کی موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ سفری تلاشیوں میں اس کی محرومی کے خوف سے ہم نے اپنی بیم گن پاکستان میں ہی چھوڑ دی تھی۔ اس کا متبادل یوں ہاتھ آنا ایک نیک شگون سے کم نہیں تھا۔ میں نے ہولسٹر سے نکال کر اس سیاہ اور وزنی بیم گن کا جائزہ لیا۔ وہ ہو بہو ہماری بیم گن جیسی تھی۔ بلیک ڈیڈ کی ایما پر میں نے گن ہولسٹر میں رکھ کر اسے لوٹا دی۔

”میں ابھی تک تم دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکا۔“ بلیک ڈیڈ کی آواز سے ممنونیت جھلک رہی تھی ”شی کے ایک پرانے آئی مین سے یہ گن ادھار لی ہے۔ وہ جاتے ہوئے اسے لوٹا دے گی۔ ویسے بھی اسے ائرپورٹ پر لے جانا ناممکن ہوگا۔ سیکیورٹی والے

ضبط کرلیں گے۔"

"تحفے کی واپسی کا مطالبہ تم ہی کر سکتے ہو۔ میرے لیے یہ نئی بات ہے۔" میں نے کہا۔

اسی وقت مائیک ایک ٹرے میں بیئر کے ڈبے، دو مگ اور مونگ پھلی کے نمکین دانے وہاں لے آیا۔

وہ بلیک ڈیڈ کا فرمائشی اہتمام تھا۔ میں نے مروت میں انکار نہیں کیا۔ مائیک دونوں مگ لبریز کر کے چلا گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ خوں خوار اور تند خو بلیک ڈیڈ نے مفاہمت کے بعد ہمارے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل لیا تھا۔ ہماری طرف سے اسے اس کا جواب ملنا ضروری تھا۔

"ان چاروں میں سے دو کا سراغ ملا ہے۔" میں نے اس کے دوبارہ ٹوکنے سے پہلے بات شروع کر دی "بنجمن فورٹ اور جارج شلز۔ ایک سے میں فون پر بات کر چکا ہوں، دوسرے کا صرف پتا ملا ہے۔ ابھی اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔ اس پر میں بے خبری میں وار کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ موضوع چھڑتے ہی بلیک ڈیڈ کی طرف سے سوالات کی یلغار ہوگئی۔ میں نے کسی ہیر پھیر کے بغیر اپنی معلومات کا تفصیلی اظہار شروع کر دیا۔

وہ میری اس رائے سے پوری طرح متفق تھا کہ بنجمن نے گیپ کی افادیت کے بارے میں صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ اس حوالے سے اسے کوئی فریب نہیں دیا جا سکتا تھا "گیپ اب چلا ہوا کارتوس ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"تم اسے پوری مہارت سے آئزک کے خلاف استعمال کر چکے ہو۔ اس کے ذریعے کسی دوسرے ڈیوڈ اسٹار کو نہیں پھانسا جا سکے گا۔ میں اس کا پتا معلوم کرتا ہوں۔ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح ہمارے چھیتھڑے اڑاتا ہے۔"

اس نے بیئر کے دو گھونٹ لے کر فون اپنے سامنے سرکایا اور اس پر انکوائری کا نمبر ملا کر جارج شلز کا فون نمبر دریافت کیا۔ دوسرے ناموں کی طرح اس مخصوص جارج کی شناخت کے لیے آپریٹر نے اس کا پتا دریافت کیا۔ اگلے ہی لمحے اس کا فون نمبر کاغذ پر منتقل ہو چکا تھا۔

"تم اسے فون نہیں کرو گے۔" میں نے اصرار کیا "وہ ابھی تک بے خبر تھا۔ وہ بھی ہوشیار ہو گیا تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ہم ان میں سے کسی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

بلیک ڈیڈ کی نگاہوں کے تعاقب میں، میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو ویرا تازہ دم ہو کر نکھرے ہوئے لباس میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے اپنی عادت کے مطابق بزرگانہ انداز میں، نپے تلے فقروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ وہ ویرا کو اپنے تحفظ میں آئی ہوئی ایک ننھی سی بچی تصور کرتا تھا جو وقت کی ٹھوکریں کھا کر ضرورت سے زیادہ سمجھ دار اور چالاک ہو گئی تھی۔

ویرا کے آتے ہی اس نے بیم گن اسے تھما دی "میری طرف سے یہ حقیر سا عارضی تحفہ!"

ویرا نے ہولسٹر کھول کر دیکھا اور اس کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔ اس نے بیم گن کو دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "کاش! یہ ہتھیار چند روز پہلے مل گیا ہوتا۔"

"چلو، اب اسے باقی چار داؤدی ستاروں پر آزمالیں گے۔ ابھی تو کھیل چل ہی رہا ہے۔" میں نے کہا "یہ دیکھو کہ بلیک ڈیڈ تمہاری کتنی قدر کرتا ہے۔ میں ابھی تک اس تحفے سے محروم ہوں۔"

"میں نے امریکا کی بیٹی کا نعرہ لگا کر ویرا کو تم سے چھیننے کی کوشش نہیں کی۔" بلیک ڈیڈ نے دانت چمکاتے ہوئے کہا "میری طرف سے اس رواداری کو ایک تحفہ سمجھ لو کہ میں نے ویرا پر تمہارا تصرف تسلیم کر لیا ہے۔ ان بزدل چوہوں کو للکارنے میں ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔" بلیک ڈیڈ دوبارہ اصل موضوع کی طرف آگیا "میرا خیال ہے کہ براہ راست بنجمن کے گھر پر دھاوا بولا جائے۔ یہ کام اس کا پتا ملتے ہی ہونا چاہیے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج کی رات کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے مایوسی سے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔" اس نے لائحۂ عمل طے کرنے کی ذمّے داری میرے شانوں پر ڈال دی۔

"جارج شلز کے بارے میں ابھی شبہ ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ آدمی ہے یا نہیں۔ اس کی فوری طور پر نگرانی شروع ہو جانی چاہیے۔" ویرا نے زبان کھولی "آخر میں یہ قصہ کھودا پہاڑ، نکلا چوہا کا مصداق بھی بن سکتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ آخر میں پتا چلے کہ ہم کسی غلط جارج شلز کے پیچھے اپنا وقت برباد کرتے پھر رہے تھے۔"

"نگرانی کے ساتھ ہی اس کے گھر کو کسی طرح بگ کیا جا سکے تو ہم جلدی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن کیسے! اسے شبہ ہو گیا کہ کچھ غیر متعلق لوگ اس کی ذات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو وہ بدک جائے گا۔" یہ رائے بلیک ڈیڈ کی تھی۔

"اور یہ کام اس کے گھر میں گھسے بغیر انجام دینا کسی طرح ممکن نہیں۔" ویرا نے تبصرہ کیا۔

ایک نئی بحث شروع ہو گئی۔ بلیک ڈیڈ میری تجویز کے بارے میں بہت پُرجوش تھا۔ ویرا بھی متفق تھی مگر مسئلہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا تھا۔

"میرے پاس ایسے متعدد ایرئیس اور ساؤنڈ اسکینرز پڑے ہیں جن پر میلوں دور کی آوازیں بہت صاف اور واضح طور پر سنی جا سکتی ہیں۔" کچھ دیر بعد بلیک ڈیڈ نے کہا "مگر پھر وہی مسئلہ ہے کہ ان سے منسلک مائیکرو فون اس کے گھر میں موجود ہونے چاہئیں۔"

"ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت اپنے گھر میں گھسا رہتا ہو۔ اس کی فیملی اور معمولات کے بارے میں نگرانی کے ذریعے ہی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" ویرا نے کہا "اس کے بعد اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہاں چوری کی کوئی واردات بھی کرائی جا سکتی ہے۔"

چوری میں الجھ کر اسے خیال تک نہیں آسکے گا کہ چور نے اس کے گھر میں لاسلکی مائیکروفون لگائے ہوں گے۔ سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"یہ کام ہوتا رہے۔ اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ کوئی خوب صورت سا تحفہ جعلی پوسٹ پارسل کے ذریعے اس تک پہنچا دیا جائے۔ اس تحفے میں کوئی طاقت ور مائیکروفون چھپایا جاسکتا ہے۔"

"اسے تحفہ بھیجنے والے کا نام پتا کیا ہوگا؟" بلیک ڈیڈ نے تجویز میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بھی نام اور پتا ہوسکتا ہے۔ اگر وہ ڈیوڈ اسٹار ہے تو امریکا میں بسے ہوئے بے شمار یہودی اس کے پرستار یا مداح ہوسکتے ہیں۔ کوئی بھی چند جذباتی سطور کے ساتھ اسے تحفہ بھیج سکتا ہے۔"

"اس کے لیے تحفہ بھی خاص ہونا چاہیے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے سے پیندے میں ایک نوک کے سہارے ٹھہرا ہوا نجم داؤدی اس کے لیے بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم یا خواب گاہ میں ہی سجائے گا۔"

میری وہ بات سن کر بلیک ڈیڈ اچھل پڑا "خشک موم' پلاسٹک اور دھات کے بنے ہوئے ایسے ماڈل یہاں بڑی دکانوں میں عام طور پر ملتے ہیں۔ پارسل میں ایک کے بجائے چار چھ ماڈل رکھ دیے جائیں تو اس کے پورے گھر سے سانس کی آوازیں تک ہم کو سنائی دیتی رہیں گی۔"

"اتنے جوش کی ضرورت نہیں۔ ایک یا دو سے زیادہ ماڈل گڑبڑ کردیں گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

بلیک ڈیڈ نے مائیک کے ذریعے سرونٹ کوارٹر سے اپنے گن مین کو بلایا اور تیزی کے ساتھ اسے ہدایات دینے لگا جن میں پہلی ترجیح داؤدی ستارے کے ماڈلوں کی تھی۔

گن مین نے معاملے کی نوعیت کو سمجھے بغیر اسے بتانا چاہا کہ بازار میں اس قسم کے کرسٹل اور زرقون کے بنے ہوئے تحائف بھی مل جائیں گے۔ بلیک ڈیڈ نے اسے بری طرح جھاڑ دیا۔ ہمارے مقاصد کے لیے شفاف اور ٹھوس ماڈل بیکار تھے۔ کھوکھلے ستاروں میں چھوٹے مگر طاقت ور مائیکروفون آسانی سے چھپائے جاسکتے تھے۔

بروکلین میں جارج شلز کے مکان کی محتاط ترین نگرانی اسی وقت شروع ہوجانی تھی۔ بنجمن فورٹ کے فون نمبر کے ذریعے کوئنز میں اس کے مکان کا کھوج نکالنے والے کو ٹیلی فون کے محکمے سے ہر قیمت پر اگلے دن وہ پتا معلوم کرنا تھا۔ تحفے کا پارسل اگلی صبح دس بجے تک جارج شلز کے پتے پر پہنچ جانا تھا۔ اس کے لیے بلیک ڈیڈ کا کوئی بھی آدمی جعلی ڈاکیے کا روپ دھار سکتا تھا۔

گن مین کو ان میں سے کوئی کام خود نہیں کرنا تھا۔ اس کی ذمے داری بس اتنی تھی کہ گروہ کے مخصوص ٹرانسمیٹرز پر متعلقہ آدمیوں کو ان کی نئی ذمے داریوں سے آگاہ کردے اور پھر بلیک ڈیڈ کے لیے ان کی رپورٹوں کا انتظار کرے۔

صبح چھ بجے خواب گاہ میں داخل ہونے کے بعد جب میں گیارہ بجے ناشتے کے لیے تیار ہوکر کمرے سے باہر نکلا تو میرا خیال تھا کہ ڈیڈ دوسرے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا ہوگا لیکن وہ ناشتے سے فارغ ہوکر ڈرائنگ روم میں اپنے تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

میں دور ہی سے اسے صبح بخیر کہہ کر کچن میں گھس گیا جہاں مائیک کسی پیشہ ور باورچی کی طرح بہت سے کاموں میں مصروف تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے برقی کیتلی کا بٹن آن کردیا۔

میز پر ناشتے کے بہت سے لوازم پہلے سے موجود تھے۔ مائیک نے ابلے ہوئے گرم گرم انڈے میرے سامنے سجاتے ہوئے کہا "باس بہت خوش ہے۔ وہ نو بجے اپنے کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اس کے پاس کچھ اچھی خبریں آئی ہیں۔ اسے بس ایک بات کا غصہ ہے کہ ڈینی اور کرمانی کے چکر میں پکڑ کر کوئی بھی آئزک کے معاملے میں اس کا نام نہیں لے رہا۔ ہم لوگ جس کو بتاتے ہیں کہ آئزک پر گولی باس نے چلائی تھی تو وہ یقین نہیں کرتا۔"

میں خاموشی سے ناشتے سے انصاف کرنے میں مصروف رہا۔ مجھے امید تھی کہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز سے نمٹنے کے دوران میں کچھ ایسا دھوم دھڑکا ضرور ہوگا کہ سب کی توجہ افراد سے ہٹ کر گروہوں کی طرف مبذول ہوجائے گی اور ہارلم کے ہنگاموں کے بعد اس فہرست میں بلیک ڈیڈ کا نام سب سے اوپر تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہوکر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو بلیک ڈیڈ اکیلا بیٹھا ہوا میرا منتظر تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو فارغ کردیا تھا۔

"بروکلین سے ابھی تک کوئی خاص خبر نہیں ملی۔" اس نے بتایا "وہ چار سو گز کے قریب رقبے پر بنا ہوا چھوٹا سا کاٹیج ہے جس میں وہ اپنے کتے کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ آدمی ہے۔ ایسا ہوا تو اسے اٹھانا یا مارنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا۔"

"تمہارے اس یقین کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں' پہلے وہ دفتری معمولات پر عمل کرتا تھا۔ کتے کو ساتھ لے کر صبح نو دس بجے گھر سے روانہ ہوکر شام کے تین' چار بجے گھر لوٹتا تھا۔ دو دن سے وہ مسلسل گھر میں ہے۔"

"یعنی ڈیوڈ اسٹارز کا دفتر بند ہونے کے بعد سے وہ گوشہ نشین ہوگیا ہے؟"

"یہی معلوم ہو رہا ہے۔ وہ صرف چند بار دروازے سے باہر آیا ہے پھر فوراً ہی اندر لوٹ گیا۔"

"تمہارا تحفہ کب تک اسے پہنچا دیا جائے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ پیکٹ راستے میں ہے۔ مانیٹر پر بھانت بھانت کی آوازیں آرہی ہیں۔ پیکٹ پہنچتے ہی مجھے اطلاع مل جائے گی۔ وہ دونوں مائیکروفون بہت زبردست ہیں۔ راستے کی ہر آواز پکڑ رہے ہیں۔ سب سے اچھی اطلاع یہ ہے کہ بنجمن کے گھر کا پتا مل گیا۔ وہ کوئنز

کے علاقے میں ایک عالی شان گھر میں رہ رہا ہے جہاں ملازموں اور محافظوں کی ایک اچھی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"یہی ایک نکتہ مجھے شبہے میں ڈال رہا ہے۔ بروکلین والا جارج شلز اگر ڈیوڈ اسٹار ہے تو اسے بھی مال دار ہونا چاہیے۔ وہ ایسی تنہائی کے عالم میں کیوں رہ رہا ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ یہودی کنجوس بھی ہوتے ہیں۔ مال خرچ کرتے ہوئے اس کا دل دُکھتا ہوگا۔"

"اگر ایک کتے کے سوا اس کا کوئی نہیں ہے تو وہ اتنی کفایت کس کے لیے کر رہا ہے؟"

"یہ وہ سوال ہے جس کا جواب مرتے دم تک آدمی کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح جیتا رہے گا' موت ابھی اس سے بہت دور ہے۔ جب فرشتۂ اجل اچانک اس کے سر پر سوار ہوجاتا ہے تو وہ بھونچکا رہ جاتا ہے۔"

"ایک پہلو تم نے بتایا۔ دوسرا امکان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے سارے اثاثے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے وقف کردیے ہوں۔ وہ بلاوجہ تو اس تنظیم کے بڑوں میں شامل نہیں ہوا۔"

"اس کی ظاہری حالت کا سبب کچھ بھی ہو' وہ ڈیوڈ اسٹار ہی ہے۔ کاغذ پر وہ لوگ خود کو ایک سماجی اور فلاحی تنظیم کہتے ہیں۔ اخباروں میں بھی یہی کچھ چھپتا ہے۔ کوئی ان پر شبہ نہیں کرتا اور وہ بے خوف و خطر عام امریکیوں کی طرح رہتے ہیں۔"

"پھر بنجمن کی شان و شوکت کو تم کیا کہو گے۔ وہ بھی اسی منصب کا آدمی ہے۔"

"یہ اپنے اپنے مزاج کی بات ہوتی ہے۔ بنجمن اس کی طرح درویش صفت یہودی نہیں ہے۔ بعض لوگ نمود و نمائش کے بغیر زندہ رہنے کا تصور تک نہیں کرسکتے۔ وہ ان ہی میں معلوم ہوتا ہے۔"

پچھلی رات میں نے بلیک ڈیڈ کی آمد پر خوشی محسوس کی تھی۔ اس کے آنے کا یہ فائدہ ہوا کہ بعض باتیں طے کرکے انہیں عملی جامہ پہنانے کا بندوبست کرلیا گیا تھا لیکن اس وقت بلیک ڈیڈ کے تیور دیکھ کر مجھے بے نام سی الجھن ہونے لگی تھی۔

فون ڈرائنگ روم میں آگیا تھا۔ اس پر سی ایس ڈی موجود نہیں تھی۔ میں بلیک ڈیڈ کی موجودگی میں کسی سے بھی آزادانہ بات چیت نہیں کرسکتا تھا جب کہ ایک طرف بدری ناتھ میرے لیے اہم تھا۔ دوسری طرف میں نے میجر جنجوعہ سے تین بجے سے پہلے بات کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا' تیسری طرف اول خان یا سلطان شاہ سے کراچی کے بارے میں خبریں لینی تھیں۔ بلیک ڈیڈ کے تیوروں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کسی فیصلہ کن اقدام سے پہلے وہاں سے نہ اٹھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"جارج شلز کی باتیں سنانے والا مانیٹر تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے یا یہیں چھوڑ دو گے؟" کئی سیکنڈ تک سوچنے کے بعد میں نے اس سے ایسا سوال کیا کہ جواب کی صورت میں اس کے عزائم واضح ہوکر سامنے آسکیں۔ میرے لیے اس کے جواب کی ابتدا ہی مایوس کن تھی۔

وہ کہہ رہا تھا "ابھی تو میں کہیں نہیں جارہا۔ اکٹھے ہی سب کچھ سنیں گے۔ دوپہر تک مجھے کل کی آمدنی کا حساب لینے کے لیے جانا ہوگا۔ ضرورت ہوئی تو وہ پروگرام منسوخ کردیا جائے گا۔"

"نہیں' تم اپنا حرج مت کرو۔" میں نے اسے پٹی پڑھانے کی کوشش کی "فی الحال تو صرف اطلاعات جمع کرنی ہیں۔ کارروائی کی نوبت آئی تو اس کے لیے رات کا اندھیرا ہی مناسب رہے گا۔ اس وقت تک تم اپنے سارے کام نمٹا کر واپس آجاؤ گے۔ تمہاری چند گھنٹوں کی غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ابھی تو دیکھو کہ کیا ہورہا ہے۔" اس نے میز پر پڑے ہوئے ایک مستطیل سے آلے کی آواز بڑھا دی "وہ مانیٹر آج کل کے موبائل فون سے بڑی حد تک مشابہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کے ہر بٹن پر نمبر کے بجائے علامات بنی ہوئی تھیں۔

"آلے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ بلیک ڈیڈ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"شاید تحفہ اپنی جگہ پر پہنچ چکا ہے۔" میں نے محتاط رہ کر اپنی رائے ظاہر کی۔

مانیٹر پر ایک گہرے سانس کی آواز کے ساتھ بڑبڑاہٹ ابھری "شاندار... دونوں ستارے بہت شاندار ہیں مگر یہ بھیجے کس نے ہیں..... کیلے فورنیا میں' میں کس ڈیوڈ ایس گوریان کو نہیں جانتا ہوں؟"

وہ یقیناً جارج شلز کی آواز تھی۔ وہ پارسل سے ملنے والے ستاروں کا جائزہ لیتے ہوئے خود کلامی کررہا تھا۔ اس سے یہ پتا نہیں چل پارہا تھا کہ وہ کون ہے۔ ہمارا مطلوبہ جارج یا کوئی اجنبی!

"تمہاری شیطانی کھوپڑی کا جواب نہیں۔" بلیک ڈیڈ نے مسرت آمیز لہجے میں کہا "دو ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں اور دونوں کے مدار ہماری نظروں میں ہیں۔"

"راکٹ فائر کرو اور نہیں گرادو۔" میں نے مسکرا کر تجویز پیش کی۔

"بس' اب راکٹ چلانے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے۔ الٹی گنتی شروع ہوچکی ہے۔ کسی بھی وقت ان معصوم دہشت گردوں کے سروں پر دھماکا ہوجائے گا۔"

ویرا بھی ناشتا کرکے آگئی۔ بلیک ڈیڈ اسے تبدیلیوں سے آگاہ کرنے لگا مگر میرے کان مانیٹر کی طرف لگے رہے۔ میں نے میز پر رکھے ہوئے دوسرے مانیٹر کی آواز بھی کھول دی۔

ان آلات پر چھائے ہوئے مکمل اور طویل سکوت سے مجھے اندازہ ہوا کہ کسی کا بالکل یکہ و تنہا رہنا کس قدر دردناک معمول ہوتا ہے۔ کسی سے بولے چالے بغیر گھنٹوں اپنے بُرے یا بھلے خیالوں میں ڈوبے رہو۔ کھاؤ' پیو اور پھر سو جاؤ۔ کارخانے میں لگی

ہوئی، احساسات سے عاری کسی مشین کی طرح جو دن بھر پیداوار میں مصروف رہنے کے بعد رات کو بٹن دبا کر روک دی جاتی ہے۔

چیخ پکار کی آوازوں کے بعد جارج کی آواز پھر سنائی دی۔ "ڈارلنگ! تم بھی نہیں جانتیں کہ مجھے یہ پارسل کس جذباتی دوست نے بھیجا ہے؟" یوں معلوم ہوا تھا جیسے جارج نے کسی خاتون کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر محبت سے وہ سوال پوچھا ہو۔

کتیا کے حلق سے نکلنے والی باریک سی محبت بھری آواز نے وہ خوش فہمی فوراً ہی دور کر دی۔ وہ اپنی ڈارلنگ نامی کتیا سے باتیں کر رہا تھا پھر کچھ ایسی آوازیں آتی رہیں جیسے وہ کتیا اچھل اچھل کر اپنے مالک سے کھیل رہی ہو۔ آخر جارج نے پچکارنے کے بعد اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ پھر سکوت گہرا ہونے لگا۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد مانیٹر پر ایک بہت دھیمی اور سمجھ میں نہ آنے والی آواز ابھری پھر جارج بولا "میں جارج بول رہا ہوں۔ بنجمن سے میری بات کراؤ۔"

بلیک ڈیڈ مکا تان کر صوفے سے فضا میں اچھل پڑا۔ ہمیں اپنے اہم ترین سوال کا جواب مل چکا تھا۔

"یہی ملعون ہمارا نشانہ ہے۔" بلیک ڈیڈ کی آواز خوشی سے مرتعش تھی "میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس حرام زادے کی تنہائی، مسکینی اور مفلوک الحالی پر مت جاؤ۔ یہ ڈیوڈ اسٹار ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی ضرورت کے لیے یہ سوانگ رچایا ہوا ہو۔" وہ باتیں کرتے ہوئے بلیک ڈیڈ بہت تیزی کے ساتھ مانیٹر کے مختلف بٹنوں اور سوئچوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تھا جس کے نتیجے میں آوازیں بہت زیادہ گڑبڑ ہو رہی تھیں مگر میں اپنے مانیٹر پر پوری بات سُن رہا تھا۔

جارج شلنز کو لائن ہولڈ کرائی گئی تھی۔

جوں ہی جارج کی فون کے ریسیور پر موہوم سی منمناتی ہوئی آواز بلند ہوئی، بلیک ڈیڈ نے لمحہ بھر میں اپنے مانیٹر پر سب کچھ درست کر لیا۔ جارج شلنز کی آواز کافی دھیمی ہو چکی تھی لیکن اس سے فون پر بات کرنے والے کی آواز اتنی واضح ہو گئی تھی کہ اسے دھیان سے سنا اور سمجھا جا سکتا تھا۔

"...... کی تشویش نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔" وہ آواز میں نے پہچان لی۔ وہ بنجمن فورٹ ہی تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تمہاری طرف تو خیریت ہے نا۔ میں فون کی ہر گھنٹی پر چونک پڑتا ہوں۔"

"خوش گوار خیریت ہے۔ میں ذہنی طور پر کسی بھی جھٹکے کے لیے پوری طرح تیار ہوں لیکن تھوڑی دیر پہلے مجھے کسی پرستار کی طرف سے دو بہت خوب صورت داؤدی ستارے ملے ہیں...."

"جارج! ہوشیار رہنا۔ یہ پارسل بم بھی ہو سکتے ہیں۔" بنجمن نے گھبرا کے اس کی بات کاٹ دی "آدمی کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہوں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں نے اپنا اطمینان کر لیا ہے۔ ان میں بارود نہیں ہے نہ ٹائم بم کی ٹِک ٹِک۔ مجھے ابلات کا وہ ربّی آج تک یاد ہے جسے کسی نے عقیدت سے ایک گلدستہ دیا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد ان پھولوں میں سے نکلنے والے زہریلے بچھو نے ربی کو ڈنک مار کر موت کی ابدی نیند سلا دیا تھا۔"

"یہ ستارے تمہیں کس پرستار نے بھیجے ہیں؟" بنجمن کی طرف سے پوچھا گیا۔

"پارسل میں کمپیوٹر پر چھپی ہوئی صرف ایک تحریر ہے۔ پیارے جارج شلنز کے لیے عقیدت کے ساتھ۔ پارسل پر کسی ڈیوڈ ایس گوریان کا کیلے فورنیا کا پتا ہے۔ یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"

"اجنبی بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ موجودہ حالات میں ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔ فوراً اسے شکریے کا ٹیلی گرام دے کر شکایت کرو کہ اس نے خط میں کچھ اور کیوں نہیں لکھا؟ وہ تمہارا مداح کیوں ہے؟ کل تک تمہیں اس کی طرف سے جواب مل جائے گا اور ہر بات سامنے آ جائے گی۔"

بنجمن کی وہ مکارانہ تجویز سن کر بلیک ڈیڈ کے چہرے پر بدحواسی کی لہر دوڑ گئی۔

"میں ٹیلی گرام بھیج دوں گا۔ ویسے وہ نام سے ہمارا ہم مذہب معلوم ہوتا ہے۔"

"تمہیں تحفہ ملا ہے اس لیے تم مطمئن اور پُرسکون ہو۔ میری طرح تمہارے پاس کسی موذی کا فون آیا ہوتا تو تم دہشت سے بے ہوش ہو گئے ہوتے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم ایک بُرے دور سے گزر رہے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ یہاں رہ کر اب میں خود کو بہت غیر محفوظ تصور کر رہا ہوں۔"

"سب سے پہلے اس تحفے کو تباہ کر کے دریا میں پھینک دو پھر میرے پاس چلے آؤ۔"

"نہیں بنجمن! تحفے میں داؤدی ستارے کی جگہ کچھ اور ملا ہوتا تو میں ضرور تمہارے مشورے پر عمل کر لیتا۔ اس ستارے سے گہری عقیدت ہی نے تو ہمیں ایک بھائی چارے کی کڑی میں پرویا ہوا ہے۔"

"میں ان ستاروں کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہوں گا۔ آتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے آنا۔"

"کیا تم یہاں نہیں آ سکتے؟" جارج کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے بنجمن کے اصرار سے رنج پہنچا تھا۔

"ہمیشہ میں ہی تمہارے پاس آتا ہوں۔ ابھی تم نے خود کہا تھا کہ اپنے گھر میں تم خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہو۔ میرے گھر میں تم محفوظ رہو گے۔ میں نے آج رات جیکب اور سولومن کو بھی کھانے پر بلایا ہے۔ ہم چاروں مل کر سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ عباس کرمانی نے میرا فون نمبر کہاں سے حاصل کیا اور مجھے کیوں فون کیا تھا؟"

"تمہاری پاگل بیوی پر جب ہذیانی دورے پڑتے ہیں تو وہ مجھے دہشت زدہ کردیتی ہے..."

"اس کا ذکر مت کرو۔ وہ تمہیں کھا نہیں جائے گی۔ میں شب و روز اسی کے ساتھ گزارا کررہا ہوں۔"

"اب پتی باپ کی بیٹی کے ساتھ گزارا کرنا تمہاری مجبوری ہے بنجمن!" جارج کی نرم آواز طنز سے بالکل عاری تھی۔ "یہ بات تم بار بار ہمارے سامنے کہتے رہے ہو.... اگر وہ دونوں تمہارے گھر آرہے ہیں تو میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ یہ ڈینی اور عباس کا مسئلہ اب طے ہونا چاہیے کہ ہم ان دونوں میں سے کس سے لڑ رہے ہیں۔"

"آئزک ہمیشہ صرف ڈینی کا ذکر کرتا رہا لیکن اس سے بات کرنے کے بعد مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ڈینی کے ساتھ کوئی لالچی ایرانی بھی بیچ میں کودا ہوا ہے۔"

"یہ صرف تمہارا نہیں، ہم سب کا اور ہماری مقدس قوم کا مسئلہ ہے۔ میں تمہاری پریشانی سمجھ رہا ہوں۔ میں شام کو آؤں گا۔ ممکن ہو تو اپنی بیوی کو خواب آور دوائیں دے دینا۔ اس جیسی حسین عورت کو بال کھول کر چنگھاڑتے دیکھ کر دہشت اور عبرت سے دل دہل اٹھتا ہے۔"

"میں بندوبست کردوں گا کہ دروازے پر تمہیں پریشانی نہ ہو لیکن عباس کرمانی کے فون کے بعد گھر کے چوکیدار بہت سخت ہوگئے ہیں۔ دروازہ کھلنے میں دیر سویر ہو جائے تو مجھے معاف کردینا۔"

"بنجمن! تم میرے بھائی ہو اور ہم سب بھائی ایک طویل مدت تک ایک دوسرے کے لیے دنیا بھر میں خاک چھانتے اور جوتے کھاتے پھرتے رہے ہیں۔ آج کے بھلے دنوں میں بھی ہمیں ایک دوسرے کے لیے یہ سبق یاد رکھنا چاہیے۔ بھائی کو بھائی سے شکوہ ہونے لگا تو یہ دن پلٹ جائیں گے۔"

"میں تمہارا منتظر رہوں گا۔" ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"گولڈا سے اچھی تو میری ڈارلنگ ہے" مانیٹر پر جارج کی آواز ابھری۔ شاید اس نے فون بند کرکے اپنی کتیا سے باتیں شروع کردی تھیں۔

میرا ذہن سوچ میں ڈوب گیا۔ ڈیوڈ اسٹارز عالمی صیہونی برادری کے لیے کام کر رہی تھی اور اسرائیل اسی پالیسی کا عملی دعوے دار تھا۔ وہ سرزمین دنیا کے ہر صیہونی کے لیے اس کے بنیادی وطن کے طور پر کھلی ہوئی تھی۔ پڑھے لکھے اور ذہین یہودی یہ جانتے تھے کہ انہوں نے مل کر اپنے وطن کی طرف ہجرت کی تو وہ ننھی سی ریاست اپنے سارے وسائل جھونک کر بھی ان کی معاشی ضروریات کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں رہ رہے تھے اور اپنی مادی آسودگیوں کے ساتھ اپنے وطن کی خوش حالی کے لیے بھی انتھک جدوجہد کررہے تھے۔ حد یہ ہے کہ امریکا جیسے ملک میں وہ شی کے ذریعے ہیروئن کا کالا دھن سمیٹ کر ڈیوڈ اسٹارز میں لگا رہے تھے جس کا فلسفہ جارج شلز نے دو سطروں میں بیان کردیا تھا۔

وہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ گمنام تحفے کے ذریعے جارج کو بھیجے گئے مائیکروفونز وہاں بروقت پہنچے تھے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ میں نے روا روی میں داؤدی ستارے کے غونلوں کی تجویز دی تھی اور جارج نے ان تحفوں کو مقدس قرار دے کر تباہ کرنے سے انکار کردیا تھا۔

ہمیں ان دونوں کی اہم ترین گفتگو سننے کا موقع مل چکا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بنجمن فورٹ ایک دنیا دار اور خود غرض آدمی تھا جو جذبات کو پس پشت ڈال کر ہر فیصلہ عقلی دلیل سے کرتا تھا جبکہ چھوٹے سے گھر میں تنہا رہنے والا جارج شلز غور و فکر کرنے والا، ایک سلجھا ہوا انسان محسوس ہوا تھا۔ اپنے صیہونی تعصبات اور مجرمانہ مقاصد کی وجہ سے اس نے خود کو بگاڑ لیا تھا۔

"ہماری بھاگ دوڑ بہت بار آور ثابت ہوئی ہے" بلیک ڈیڈ کہہ رہا تھا "ہم چاہتے تب بھی ان چاروں بدمعاشوں کو کبھی یک جا نہیں کرسکتے تھے۔ ہر ایک کو الگ الگ گھیرنا پڑتا۔ بنجمن فورٹ نے تینوں کو کھانے پر بلا کر ہمارا کام آسان کردیا ہے۔"

"جو کچھ کرنا ہے، آج رات ہی کرنا پڑے گا۔" ویرا بولی "شیطان کے چار چیلوں کو ایک ساتھ ٹھکانے لگانے کا ایسا سنہرا موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"تمہیں آئزک کے پھسپھسے انجام میں مزہ نہیں آیا تھا۔ اب بنجمن کے گھر پر دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال لینا۔" میں نے ہنس کر ویرا سے کہا "وہاں کی تیاریوں کے بارے میں تم سن ہی چکی ہو کہ جارج شلز جیسے جانے بوجھے آدمی کو بھی اندر جانے میں دشواری ہوگی۔"

"یہ تشویش کی بات ہے۔ اتنے کڑے حفاظتی انتظامات کی موجودگی میں ہم بنجمن کے مکان میں کیسے داخل ہوسکیں گے؟" ویرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہمارے پاس زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے" بلیک ڈیڈ نے اعلان کیا "ان کی طاقت کو بھرپور طاقت سے کچلنا ہوگا۔ براہِ راست حملے کے سوا مجھے کوئی راہ نظر نہیں آرہی۔"

"یہ ایک احمقانہ قدم بھی ثابت ہوسکتا ہے" میں نے بے خوفی سے کہہ ڈالا "ہم دروازے پر ان کے محافظوں سے لڑتے رہ جائیں گے اور وہ چاروں کسی طرف سے فرار ہوجائیں گے۔"

"یہ نہیں ہوگا" بلیک ڈیڈ نے یقین دلایا "میرے آدمی اسی وقت اس مکان کی ریکی پر نکل جائیں گے۔ فرار کی ہر راہ کا جائزہ لیا جائے گا۔ باہر سے حملے کا آغاز ہونے سے پہلے اس مکان کے گرد نادیدہ مسلح حصار قائم ہوچکا ہوگا جسے توڑ کر چوہے کا بچہ بھی باہر نہیں جاسکے گا۔"

"اس کارروائی کے لیے بہت بھاری نفری درکار ہوگی۔" میں نے اس سے کہا۔

"نفری کی تم پروا مت کرو" بلیک ڈیڈ کے لہجے سے بے نیازی

جھلک رہی تھی "میرے ایک اشارے پر پالرم کے سارے نوجوان ہتھیار سنبھال کر وہاں صف آرا ہو جائیں گے۔ اصل مسئلہ احاطے میں گھسنے کا ہوگا۔ ایک بار ہم اندر پہنچ گئے تو حالات ہمارے قابو میں آجائیں گے۔"

"تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے پینٹاگون والوں نے تمہیں اپنے کسی لڑاکا ڈویژن کی کمان سونپ دی ہو۔" میں نے اس کا دماغ آسمان سے زمین پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید وہ متمول لوگوں کا علاقہ ہے۔ تم زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹک سکوگے۔ پولیس کی پہلی گاڑی نمودار ہوتے ہی ہر شخص اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوگا۔"

بلیک ڈیڈ سہلانے لگا۔ میری بات پر اس کے شانے ڈھلک گئے تھے۔

اس نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر لگا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فائر کھلتے ہی کوئی نہ کوئی مقامی، پولیس کو فون ضرور کرے گا۔ میں یہ بندوبست تو کرسکتا ہوں کہ پولیس پہلے فون پر ہی ادھر دوڑ نہ لگائے۔ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ کی ہوسکتی ہے پھر وہ آجائیں گے۔"

"تم مصر ہو کہ تمہارے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں اچھی طرح سوچ سمجھ کر اُدھر کا رخ کرنا چاہیے۔ یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ ہے۔ ہم کوئی معقول منصوبہ بندی کرسکیں تو ان چاروں کو ٹھکانے لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"تو پھر سوچو۔ میں نے کب روکا ہے" بلیک ڈیڈ نے پیر پسار کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالیا۔

"سب سے پہلے اپنے آدمیوں کو ریکی پر روانہ کردو۔ یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ اس کے بعد ہم تینوں مل کر سوچ بچار کرتے ہیں کہ کون سی راہ بہترین ثابت ہوگی۔"

"سوچ بچار تم دونوں ہی کرو۔ میرے دماغ میں جو تجویز آئی تھی، وہ میں نے بے دھڑک بتادی۔ اس کا کوئی بہتر متبادل بتاؤ اور میری تجویز کو رد کردو" یہ کہتے ہوئے وہ صوفہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھے رہو۔ تم جا کہاں رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی تیزی سے کہا۔

"کہیں نہیں جا رہا۔ سرونٹ کوارٹر میں اپنے آدمیوں کو اس علاقے کی دیکھ بھال کے بارے میں سمجھا کر واپس آتا ہوں" بات ختم کرکے بلیک ڈیڈ وہاں سے چلا گیا۔

"تم کیا کہتی ہو؟" میں نے ویرا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"امریکا میں جتھے بند ہوکر کسی کے گھر پر یوں چڑھائی کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لڑائی بھڑائی کے معاملوں میں بلیک ڈیڈ کی عقل شاید ٹخنوں میں اتر جاتی ہے" ویرا نے جواب دیا۔

"خرافات نہ بکو۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ شام سر پر آجائے گی اور ہمیں ناچار بلیک ڈیڈ کے احمقانہ منصوبے پر عمل کرکے منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"جارج شلز اکیلا ہوگا۔ اسے راستے ہی میں ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ باقی تین کے لیے وہی کرو جو بلیک ڈیڈ کہہ رہا ہے۔ ناکامی ہوئی تو بعد میں کچھ سوچا جائے گا۔"

میں نے خاموش ہوکر سگریٹ سلگالی۔ میرے ذہن میں گھر سے بیکسٹر کی لاش کی روانگی کا وہ منظر گھوم رہا تھا جو میں نے خود نہیں دیکھا تھا۔

"ان لوگوں کی نحوست کے بارے میں تم نے غور کیا کہ ان کی ذاتی زندگیاں کس قدر نا آسودہ ہیں۔" کچھ دیر بعد ویرا نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"کس نحوست کی بات کر رہی ہو؟" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"جارج شلز ایک کتیا کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے، بنجمن فورٹ کی خوب صورت بیوی پاگل ہے۔ پتا نہیں سولومن اور جیکب کے گھروں کا کیا حال ہوگا۔" ویرا نے وضاحت کی۔

"یہ ان کی نیتوں کا زہر ہے جو ان کے گھروں میں پھیلا ہوا ہے۔ اب کچھ دیر اپنی چونچ بند رکھو۔ میں واقعات کی کچھ کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم بے مقصد چاندماری سے بچ کر آج زیادہ بڑی کامیاب حاصل کرلیں۔"

"یہ ذہن میں رکھنا کہ اب بیم گن بھی ہمارے قبضے میں ہے۔ فائر کے دھماکے کا خطرہ مول لیے بغیر ہم خاموشی سے کسی کو بھی ختم کرسکتے ہیں۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

بلیک ڈیڈ اپنے آدمیوں کو کام سونپ کر واپس آیا تو اس کے منہ سے بخ بستہ بیئر کا کین لگا ہوا تھا۔ پچھلی رات سے وہ پانی کی طرح مسلسل بیئر پیے جا رہا تھا۔

"تم کہیں سے ایک بڑی ایمبولینس حاصل کرسکتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"صرف ایک فون کرکے تم بھی ایمبولینس منگوا سکتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"فون کرکے منگوائی جانے والی ایمبولینس میں ہتھیار نہیں لے جائے جاسکتے" میں نے تلخی سے کہا "اسی لیے میں نے تم سے سوال کیا تھا۔"

"ایمبولینس میں ہتھیار" وہ خوش ہوکر بولا "اس کا مطلب ہے کہ تمہاری کھوپڑی چل پڑی ہے اور تم کوئی قابل عمل تدبیر سوچ رہے ہو۔ ایک کیا، تم چاہو تو میرے آدمی اس سے زیادہ ایمبولینسیں اٹھا سکتے ہیں۔ ان سے اپنا کام نکالو اور شہر میں کہیں بھی چھوڑ کر غائب ہوجاؤ۔"

"میں یہی چاہ رہا تھا۔ ایمبولینس لے جاکر ہم آسانی سے بنجمن

فورٹ کے گھر کا دروازہ کھلوا سکتے ہیں۔ اندر پہنچتے ہی ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح آدمی باہر نکلیں گے اور تیزی سے سب کو زیر کرتے چلے جائیں گے۔" میں نے اسے بتایا "ہوسکتا ہے کہ کسی دھواں دھار مقابلے کے بغیر ہی ہم حالات پر قابو پالیں۔"

"لیکن وہ کسی بن بلائی ایمبولینس کے لیے دروازہ کیوں کھولیں گے؟" ویرا کے چہرے پر الجھن تھی۔

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرکے بلیک ڈیڈ سے بات جاری رکھی "ریکی سے محاصرے تک، سب کچھ اسی طرح کا ہوگا جیسے تم نے سوچا تھا۔ بس حملہ آور ہونے کا طریقہ بدل جائے گا۔ ہم لوگوں کے ساتھ تمہارے ہتھیار بند آدمی ایمبولینس میں چھپ کر اندر گھسیں گے، ان کے پیچھے دوسری گاڑیاں بھی اندر داخل ہوسکتی ہیں۔ اس کا انحصار مزاحمت کی شدت پر ہوگا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم نے ویرا کے سوال کا جواب نہیں دیا" بلیک ڈیڈ نے ٹوکا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ جارج شلز آج شام بنجمن کی طرف جائے گا۔ اس کی نگرانی ہورہی ہے۔ ہم اسے راستے سے اغوا کرلیں گے اور بے ہوش کرکے کسی محفوظ مقام...."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میز پر رکھے ہوئے مانیٹر پر یکایک فون کی گھنٹی کی ہلکی سی آواز اُبھری تھی۔ بلیک ڈیڈ نے فوراً ہی اس مانیٹر کی آواز بڑھادی۔

مانیٹر اپنی کارکردگی کی ابتدا سے ہی مسلسل آن تھا۔ جارج اور بنجمن کی اہم ترین گفتگو کے بعد اس پر کوئی قابلِ ذکر آواز نہیں سنائی دی تھی اس لیے اسے نظرانداز کردیا گیا تھا۔ اس پر فون کی گھنٹی کی آواز کا آنا اس بات کا غماز تھا کہ کسی نے جارج کو فون کیا تھا۔

فون کی گھنٹی کے فوراً بعد جارج کی پالتو کتیا کی ایک دبی ہوئی آواز آئی۔ شاید اس نے اپنے مالک کو فون کی طرف متوجہ کیا تھا۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی جارج فون پر پہنچ چکا تھا اور مانیٹر پر اس کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔

دوسری طرف سے بولنے والا، تیسرا ڈیوڈ اسٹار جیکب تھا۔ ہم تیسرے ڈیوڈ اسٹار کی آواز سن رہے تھے۔ صورت صرف ایک کی شناسا تھی جسے بلیک ڈیڈ کے آدمیوں نے اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا اور وہی جارج کو پہچان سکتے تھے۔ بقیہ تینوں داؤدی ستارے ہمارے لیے ناقابلِ شناخت تھے۔

"بنجمن کو آنے والے فون کا قصہ تمہارے علم میں ہوگا؟" جارج کے فون کے ریسیور اور خفیہ مائیکروفون کے ذریعے جیکب کی آواز مانیٹر تک پہنچ رہی تھی "اس واقعے نے سب کو خوف اور تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔"

"آئزک کے اچانک بے دست وپا ہوجانے سے پریشانی ہورہی ہے۔ سب رابطے اور انتظامات اسی کے ہوتے تھے۔ اب کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا کرنا ہے۔ دفتر کھلے گا تو ریکارڈ سے کچھ معلوم ہوگا" جارج اسے سمجھا رہا تھا "اس وقت تک ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں اپنے بھائی پر الزام نہیں لگا رہا۔ برادرہڈ میں ایسا نہیں ہوتا مگر یہ حقیقت ہے کہ بلیک ڈیڈ کو چھیڑنا آئزک کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اسی کے بعد سے سب کچھ بدلتا چلا گیا۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو اس سے رابطہ کرو، اسے سمجھاؤ، نہ مانے تو اسے اپنے خدا کی رضا کے حوالے کردو۔ شاید اس کے خون کی بھینٹ یہ مشکل وقت ٹال دے" جارج کی آواز نرم مگر الفاظ سفاکانہ تھے۔

"آج شام کچھ طے کرنے کے بعد ہی کچھ کریں گے۔ تم وہاں آرہے ہو؟" جیکب نے پوچھا۔

"کیا نہ آنے کی کوئی وجہ موجود ہے؟" جارج نے جوابی سوال کرڈالا۔

"تم بے جگر آدمی ہو۔ چھوٹے سے گھر میں بے فکری سے اکیلے رہتے ہو..."

جارج نے اس کی بات کاٹ دی "اکیلا نہیں، میں ڈارلنگ کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"اس خوفناک کتیا سے تمہیں بہت پیار ہے۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا تم میرے ساتھ وہاں جانا چاہوگے؟" جیکب نے وہ سوال کرکے میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر دوڑادی۔

اگر وہ دونوں ایک ساتھ سفر کرتے تو جارج کے ذریعے جیکب کی بھی نشاندہی ہوسکتی تھی۔ ہم بنجمن کے گھر سے باہر ہی دو ڈیوڈ اسٹارز کو اغوا کرکے اپنے منصوبے کو بہتر طور پر عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ میری وہ مسرت آمیز سنسنی بس چند لمحوں کے لیے قائم رہی۔ جارج کے سپاٹ جواب نے میری نئی امیدوں پر ایک دم اُوس سی ڈال دی۔

وہ کہہ رہا تھا "تمہاری گاڑی محافظوں سے بھری ہوتی ہے۔ میں ڈارلنگ کے ساتھ سفر کرنے کا عادی ہوں۔ تم کو زحمت ہوگی۔ ویسے بھی کسی عام مقام پر ہم چاروں میں سے کسی بھی دو کا یک جا ہوجانا فی الحال مناسب نہیں ہے۔ پتا نہیں کون کس کی نظروں میں چھپ رہا ہو۔ ایک کی وجہ سے دوسرا بھی مشکل میں پڑسکتا ہے۔ میں تمہاری پیش کش کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔"

وہ فقرے ادا کرتے ہوئے جارج شلز کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے تینوں ساتھی اپنے دشمنوں کی نظروں سے پوری طرح اوجھل تھے۔ وہ اکیلا ہی ہماری نگاہوں میں آیا ہوا تھا۔

"سب پریشان ہیں اور ٹیلی فون پر ایک دوسرے کا سہارا تلاش کررہے ہیں" جیکب کہہ رہا تھا "ہمارے دل اچاٹ ہیں۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس انسان دوست سرزمین پر ہم یوں اچانک بے یارومددگار رہ جائیں گے۔ سارے افسر اور اہل کار ہم

سے نظریں پھیر لیں گے۔"

"اگر بنجمن کو فون کرنے والا سچا ہے تو آئزک نے گیپ کے معاملے میں چال بازی کر کے آگ سے کھیلنے کی کوشش کی اور ہم سب کے دامن داغ دار کر دیے۔ یہ ہمارے خلاف کوئی بہت بڑی سازش تھی جس کا توڑ دھیرے دھیرے ہی ہو سکے گا۔ اس اچھے وقت کے لیے ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا۔ میں آج آگے کی منصوبہ بندی کا کوئی خاکہ لے کر آؤں گا۔ تم بھی سوچو کہ ہم کس ترکیب سے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر کے اپنے لوگوں کے لیے کام کر سکتے ہیں۔"

"اس وقت تم ہی یہ سب سوچنے کا حوصلہ کر سکتے ہو۔ میں بہت ہراساں ہوں۔ بنجمن نے کہا ہے کہ ہم تینوں چاہیں تو کچھ روز اسی کے گھر پر رہ سکتے ہیں۔ سر جوڑ کر ہم بہت کچھ سوچ سکیں گے اور ہمیں ایک دوسرے سے ڈھارس بھی رہے گی۔ میں تھوڑی سی تیاری کے ساتھ پہنچوں گا اور فیصلہ وہیں پہنچ کر کروں گا۔ سولومن تو شاید اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر آ رہا ہے۔"

"خدا ہم سب پر مہربان ہو۔ اب شام کو ملاقات ہوگی" دوسری اہم ترین گفتگو کا وہ سلسلہ بھی آخر کار وہاں ختم ہوگیا۔ بلیک ڈیڈ نے مانیٹر کی آواز گھٹا دی۔

"اب شاید سولومن اسے فون کرے گا۔ وہ اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہے' دوسرے بلاوجہ اسے پریشان کر رہے ہیں" ویرا نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

"سب سے زیادہ خطرہ اسی کو ہے" بلیک ڈیڈ دانت پیس کر بولا "سؤر کا بچہ' جیکب کو میری بھینٹ دینے کی ترغیب دے رہا تھا..... جی چاہ رہا ہے کہ اسی وقت کسی کو بھیج کر اسے اور اس کی کتیا کو مروا دوں۔ ان چاروں میں مجھے یہی سب سے زیادہ سفاک اور سنگ دل معلوم ہو رہا ہے۔"

"فون کی آواز پر تمہاری بات ادھوری رہ گئی تھی" بات بڑھنے سے پہلے ویرا نے مجھے یاد دلایا "تم اسی مردود کے اغوا کے بارے میں کوئی منصوبہ بتا رہے تھے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم پہلے ہی اس سے خار کھائے بیٹھے تھے اور اسی کو چارا بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے" بلیک ڈیڈ نے زور دے کر کہا "وہ اس قابل ہے کہ اسے ایمبولینس کے پیچھے باندھ کر سڑکوں پر دور تک گھسیٹا جائے۔ تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "مجھے اس سے کوئی خار نہیں تھا۔ اس وقت وہی ہماری پہچان اور دسترس میں ہے۔ اسے بے ہوش کر کے ہم ایمبولینس میں بنجمن کے گھر لے جائیں گے اور بتائیں گے کہ ایک دورے کے نتیجے میں بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے بنجمن کے گھر پہنچائے جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ دیکھ بھال ہوگی۔ وہ بنجمن کے محافظوں کا جانا پہچانا چہرہ ہے۔ ایمبولینس کے لیے دروازہ کھل جائے گا..."

"اندر پہنچتے ہی کیبن میں چھپے ہوئے آدمی باہر نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے" اگلا فقرہ بلیک ڈیڈ نے مکمل کر دیا "بہت شاندار' بے داغ اور قابلِ عمل طریقہ ہے۔ بس صرف ایمبولینس کی ضرورت ہے۔"

"یہ سب ہو جائے گا مگر اندر کی بھیڑ میں بنجمن اور اس کے ساتھیوں کو کون پہچانے گا؟" ویرا نے اپنی دانست میں ایک ٹیڑھا سوال دریافت کیا۔

"جارج شلز کو اسی آخری کام کے لیے زندہ رکھا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ملازمین کے رویے سے پہچان لیے جائیں۔ ایسا نہ ہوا تو جارج ہماری رہنمائی کرے گا۔"

"سب طے ہوگیا" بلیک ڈیڈ اپنے کیبن کو خالی کر کے اٹھ گیا "اب مجھے راستوں کا جائزہ لے کر یہ طے کرنا ہوگا کہ جارج کو کہاں اغوا کیا جائے' ایمبولینس کہاں اس کا انتظار کرے گی اور اس میں مسلح آدمیوں کو چھپانے کا کیا بندوبست ہوگا۔"

"جب تم ان چاروں کو مار لو تو بنجمن کے گھر سے فون کر کے ہمیں نتائج سے باخبر کر دینا" ویرا نے اس کی تیکھیوں سے جل کر تلخی سے کہا۔

"مم.... میرا یہ مطلب نہیں تھا بے بی!" وہ سٹپٹا کر بولا "تم دونوں شروع سے آخر تک میرے ساتھ رہو گے۔ بعد میں ہم ایمبولینس میں ہوں گے۔ میں آدمیوں وغیرہ کا تعین کر کے چھ بجے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔ یہاں سے ہم ایک ساتھ جارج شلز کی طرف روانہ ہوں گے۔"

"ایک خالی وین بھی واپسی کے لیے درکار ہوگی۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد ہم مسروقہ ایمبولینس وہیں چھوڑ دیں گے۔ وہ ہمارے فرار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔"

بلیک ڈیڈ وہاں سے جاتے جاتے رک گیا "تمہاری نظر ہر بات پر رہتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم وہاں سے ایمبولینس پر ہی نکلیں گے۔ ہمیں کہیں کسی روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ سائرن بجاتی ہوئی ایسی گاڑیوں کو پولیس والے کم ہی روکتے ہیں۔"

"اس وقت تک پولیس کو اطلاع مل چکی ہوگی کہ بنجمن کے گھر میں ایمبولینس پہنچنے کے بعد تصادم کا آغاز ہوا ہے۔ ہم پکڑے جائیں گے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں تم سے بحث نہیں کر رہا' صرف اپنے خیال سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں نے تمہارے مشورے کی افادیت تسلیم کر لی ہے۔ ایسی ہی کوئی اور اہم بات رہ گئی ہو تو وہ بھی بتا دو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہو جائے اور تم ساری ذمّے داری میرے سر ڈال دو۔"

"ان باتوں کو ذہن نشین کر کے تم اطمینان سے جا سکتے ہو۔ باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔"

شاید مائیک کے ذریعے ڈرائیور کو بلیک ڈیڈ کی روانگی کی اطلاع

مل گئی تھی۔ کالی گاڑی دروازے کے سامنے آگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ باوقار انداز میں گاڑی میں سوار ہوا تو اس بار اس کے دو آدمی کم ہو چکے تھے جنہیں وہ پہلے ہی بھاگ دوڑ کے لیے روانہ کر چکا تھا۔

"رات سے تم بہت تھک گئے ہو' اپنے کمرے میں جاکر تھوڑی دیر آرام کرلو۔ ہوسکتا ہے کہ شام کو بھی تمہاری ضرورت پیش آجائے" میں نے مائیک کو پھسلا کر لان سے ہی اس کے کوارٹر کی طرف بھیج دیا۔

بلیک ڈیڈ عجیب بے پروا اور لاابالی طبیعت کا مالک تھا۔ اس کی موجودگی میں مائیک اپنی پوری پھرتی دکھانے کے باوجود ڈرائنگ روم کو سمیٹنے میں ناکام رہا تھا۔ ہمیں بھی ڈرائنگ روم کی صفائی کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ بس میں وہاں سے فون نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

فون کو اپنی خواب گاہ میں سی ایس ڈی کے ذریعے لائن سے منسلک کرکے سب سے پہلے میں نے بدری کے ہوٹل فون کیا تو وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ دو بجنے والے تھے' میں نے میجر جنجوعہ کا نمبر ملایا۔

میری کال اس نے بہت خوشی کے ساتھ وصول کی۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میرے آلے کی تحقیق کے مطابق اس کے فون پر کوئی آبزرویشن نہیں تھی۔

ڈیوڈ اسٹارز کے معاملات کو چلانے والوں کے بارے میں وہ بنیادی باتیں پہلے سے جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سفارت خانے کے متعلقہ عملے سے بات کرکے مجھے ان چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں بتائے گا جو راس المیڈا اور آئزک بیل کے بعد اس صیہونی تنظیم کو چلانے کے ذمّے دار ہوسکتے تھے۔ ان میں سے بنجمن فورٹ کا نمبر وہ مجھے پہلے ہی دے چکا تھا۔

اس نے حسبِ وعدہ مجھے ان چاروں کے نام' پتے اور فون نمبر لکھوا دیے۔ نام میرے پاس پہلے سے موجود تھے۔ دو پتوں کی لفظ بہ لفظ درستگی کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ اس نے جیکب اور سولومن کے پتے بھی درست ہی لکھوائے ہوں گے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ پاکستان کے پس پردہ کام کرنے والے سفارتی اہل کاروں کی کارکردگی بہت شاندار تھی۔ پرائی سرزمین پر بیٹھ کر وہ ایسی معلومات بھی حاصل کر رہے تھے جن تک ہر کس وناکس کی رسائی نہیں تھی۔ کھلی آنکھوں کے ساتھ ہر محاذ پر اسی طرح سرگرم رہ کر سرخروئی حاصل کی جاسکتی تھی۔

میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی لیکن ایک اہم معرکہ سامنے آجانے کی وجہ سے میں فطری اعصابی دباؤ میں مبتلا ہو رہا تھا۔ میجر جنجوعہ مجھ سے مزید گفتگو کرنے کا خواہاں تھا مگر میں نے مصروفیت کا عذر کرکے بات وہیں ختم کردی۔ اس کے پُرزور اصرار پر میں نے تین مرتبہ قونصل جنرل کا نمبر ملا کر بات کرنے کی کوشش کی۔ ہر بار لائن ملتے ہی سی ایس ڈی فعال ہوا' سرخ روشنی جلی' بزر بولا اور لائن کٹ گئی۔

وہ اہم خبر دینے کے لیے مجھے دوبارہ میجر جنجوعہ کا نمبر ملانا پڑا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم نے تین بار قونصل جنرل صاحب کا نمبر ملانے کی ناکام کوشش کی ہے" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "تمہاری لائن بار بار ڈراپ کیوں ہو رہی تھی؟"

"وہ میرے آلے کی کارکردگی تھی۔ وہ نمبر آبزرویشن میں ہے اسی لیے اس پر بات نہیں ہوسکی۔ دوسرے نمبر میں پھر کسی وقت چیک کرلوں گا۔ اس وقت میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کل تم کچھ اچھی خبریں سن سکو۔"

وہ خود ایک فرض شناس اور ذمّے دار افسر تھا' دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے خود ہی مجھے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

"ہوسکتا ہے کہ ہمیں رات گئے تک باہر کسی فون بوتھ تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکے" مجھے تذبذب میں دیکھ کر ویرا نے لقمہ دیا۔

"اول خان یا سلطان شاہ کو یہیں سے فون کرلو۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ بل کے ذریعے پاکستان کا ایک اہم فون نمبر بلیک ڈیڈ کے قبضے میں چلا جائے گا۔ میں ایسی بے احتیاطیوں سے گریز ہی کرتا ہوں۔"

"حیرت ہے کہ تم ابھی تک اس پر اعتبار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔"

"یہ اعتبار کا نہیں' اس کے مزاج کا مسئلہ ہے۔ اس کی بے پروائی سے یہ نمبر کہیں بھی پہنچ سکتا ہے۔ جب تک ہم یہاں ہیں' ہمارے تمام رابطوں کو راز ہی رہنا چاہیے۔ ہمارے جانے کے بعد جو ہوتا ہے' ہوتا رہے' مجھے رتی برابر فکر نہ ہوگی" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پھر تم بے غم ہوکر نمبر ملاؤ۔ اس کال کا بل دو تین ہفتوں سے پہلے نہیں آئے گا۔ اس وقت تک ہم یہاں نہیں بیٹھے رہیں گے" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

میرے نزدیک فرد کے مقابلے میں ایک اہم ادارے کی سالمیت کو ترجیح حاصل تھی۔ میں نے اول خان کے گھر یا دفتر رابطہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے فلیٹ کا نمبر پہلے ہی آئزک کے علم میں تھا۔ وہ کئی بار امریکا سے اس نمبر پر فون کرکے مجھے دھمکیاں دیتا رہا تھا۔ وہ نمبر کسی اور تک پہنچ جاتا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑسکتا تھا۔ میں نے اسپیکر فون آن کردیا۔

ادھر ویرا میرے ساتھ موجود تھی' وہاں غزالہ' سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ صورتِ حال نازک تھی مگر میں نے اس سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کرکے نمبر ملانا شروع کردیا۔

بین الاقوامی کال بیپ کے ساتھ سلطان شاہ کی مسرت آمیز آواز فوراً سنائی دی "ہیلو! کیا تم امریکا سے بول رہے ہو؟"

"ہاں! کیا بات ہے۔ تم اتنے سویرے کیسے جاگ رہے ہو؟

حال چال کیسے ہیں؟" اس سے بات کرتے ہوئے فرطِ جذبات سے میرے حلق میں ایک گولا سا پھنسنے لگا۔

"میں مزے میں ہوں۔ یہاں فجر کا وقت ہونے والا ہے۔ غزالہ نماز کی تیاری کر رہی ہے۔ تمہاری آواز اس کے کانوں تک ضرور جا رہی ہوگی۔ وہ وضو مکمل کر کے آتی ہی ہوگی" سلطان شاہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم کب واپس آ رہے ہو.....؟"

"واپسی جلد ہوگی۔ یہاں کام پر کام نکلا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت میں بھی اسپیکر فون استعمال کر رہا ہوں اور روزی میرے ساتھ موجود ہے۔ یہ تمہیں بہت یاد کرتی رہتی ہے۔"

"اللہ تم پر رحم کرے..... اس کو بتا دو کہ کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ یہ مجھے کتنا بھی یاد کرے میں پٹھان کا بچہ ہوں، ذرا بھی نہیں بدل سکتا" روزی کے نام پر سلطان شاہ کی آواز قدرے کراری ہو گئی تھی اور وہ ویرا پر طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"میں تم پر ترس کھا کر تمہیں یاد کرتی ہوں" ویرا لڑاکا لہجے میں بول پڑی "سنا ہے کہ انفرہ سے ہڈیوں کی مالا بن کر اسٹریچر پر پہنچے ہو۔ جس دن تمہاری مکمل صحت یابی کی اطلاع مل گئی' بھول کر بھی تمہیں یاد نہیں کروں گی۔ میں ڈھورڈنگروں سے ذرا دور ہی رہتی ہوں۔"

"میری ہڈیاں نہیں نکلیں، بس ذرا فالتو چربی پگھلی ہے۔ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ترس کا اصلی حق دار اس وقت بھی تمہارے ساتھ موجود ہے۔ یہ یاد...."

"بس! زیادہ لڑنے کی ضرورت نہیں" غزالہ کی غصیلی آواز کے ساتھ ہی سلطان شاہ کی زبان تھم گئی۔ اسے ڈانٹ کر وہ ہم سے مخاطب ہو گئی "اتنے دنوں بعد آپ کی آواز سن کر دل خوش ہو گیا۔ آپ خیریت سے تو ہیں نا؟ میں دن رات آپ دونوں کے لیے فکر مند رہتی ہوں۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ الگ الگ رہ کر بھی ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کی خبر گیری کرتے رہتے ہیں" ویرا نے کہا "دعا کرو کہ یہاں سے جلد فارغ ہوں تو واپس لوٹیں۔"

"بس اب یہی وظیفہ رہ گیا ہے۔ تم دونوں کے بغیر زندگی روکھی پھیکی ہو کر رہ گئی ہے.... آپ ذرا اسے سمجھا دیں" ویرا سے بات کر کے وہ مجھ سے مخاطب ہو گئی "ابھی تک اس پر آرام کی پابندی ہے مگر یہ رات ہی کو گاڑی میں نکل گیا تھا اور دو کو زخمی کر کے آیا ہے۔"

"سلطان شاہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"شاید یہی ہوا تھا" سلطان شاہ کی آواز خفت آلود تھی "اول خان کے کیس کے سات ملزم پولیس کے حوالے کیے گئے ہیں۔ ان میں سے دو بارسوخ آدمی چند گھنٹوں میں ضمانت پر چھوڑ دیے گئے۔ اول خان کو اپنی محنت برباد ہونے کا بہت قلق تھا۔ میں نے دونوں کو ادھیڑ ڈالا۔"

"اس وقت تم نے احتیاط نہیں کی تو اپنی زندگی برباد کر لوگے۔ یہ حرکتیں اچھی نہیں ہیں۔ تم نے ان سے کوئی زور آزمائی تو نہیں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"قسم لے لو جو انہیں ہاتھ بھی لگایا ہو۔ دونوں کے ایک ایک گھٹنے پر فائر کر کے زندگی بھر کے لیے معذور کیا ہے۔ اب دنیا کا کوئی آپریشن ان کے گھٹنوں کے جوڑوں کو اصل حالت میں نہیں لا سکے گا۔ میں مجبور ہو کر نکلا تھا۔ اب وعدہ کرتا ہوں کہ آرام کروں گا۔"

"آپ کبھی کبھی فون کرتے رہیں تو یہ سیدھا رہے گا۔ آپ کی خاموشی اسے شیر کر دیتی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب یہ شرافت سے رہے گا۔ میں جلد ہی واپس آنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔"

"اب بہت لمبی غیر حاضری ہو گئی۔ آپ کو آجانا چاہیے"

اسپیکر فون پر وہ بے چاری اس سے زیادہ کچھ کہنے سے معذور تھی۔ میں اسے دلاسا دیتا رہا۔ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی تنہائی اور بے بسی کا شکوہ کرتی رہی۔ چھ سات منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ سلطان شاہ تو بالکل ہی جنگلی ہے۔ دو ملزم رہا ہو گئے تھے تو کون سی قیامت آ گئی تھی۔ پاکستان میں اثر و رسوخ رکھنے والوں کو ایسی رعایتیں ملتی ہی رہتی ہیں۔ اسے ان کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت تھی" ویرا نے اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"اصل بات پر تم نے غور نہیں کیا۔ اسے اول خان کے ملال سے دکھ پہنچا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے بہت محنت کے بعد ان دونوں پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔ پولیس کی تحویل میں جاتے ہی وہ چند گھنٹوں میں ضمانت پر چھوٹ گئے۔ محنت یوں ضائع ہو تو قلق ہوتا ہی ہے۔"

"وہ اپنی قسم کا اکلوتا عجوبہ ہے۔ صحت مند تھا تو اغوا ہو گیا۔ لبِ گور تھا تو جہاز اغوا کر لیا۔ اب بسترِ علالت سے اٹھ کر دو آدمیوں کو معذور کر آیا۔ یقیناً اس کی کھوپڑی کی کوئی رگ اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی ہے۔ کہیں بھی اس کا رویہ نارمل آدمیوں جیسا نہیں ہوتا۔"

"سچ بتانا کہ کیا تم واقعی صرف ترس کھا کر اس کا ذکر کرتی رہتی ہو؟"

"وہ جیسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے، ان کا جواب یہی ہو سکتا تھا" وہ منہ بنا کے بولی "اتنی مدت تک آدمی کسی جانور کو بھی اپنے گھر میں باندھے تو اس سے انس ہو جاتا ہے۔"

میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ وہ دونوں ہی پکے منافق تھے۔ کبھی بھی اپنے حقیقی جذبات کی ہوا نہیں لگنے دیتے تھے یا شاید ان کے اظہار کو کسرِ شان سمجھتے تھے۔

پچھلی رات کی کم خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں نے بستر

پر دراز ہو کر آنکھیں موندلیں اور غزالہ کا سحر انگیز سراپا میری چشمِ تصور کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے شگفتہ اور حسین ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے شکوہ کررہی ہو کہ میں نے اس سے اسپیکر فون پر کیوں بات کی تھی۔ میرے اوپر اس کا اس سے کہیں زیادہ حق تھا۔

اس نے لب کھولے' نہ میں نے اس کے خاموش شکوے کا جواب دینا ضروری سمجھا اور یوں تصور ہی تصور میں میری آنکھ لگ گئی۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹیوں پر ہڑبڑا کر بیدار ہوا تو ویرا بھی اپنی آنکھیں مسل رہی تھی۔

"تیاریاں مکمل ہوچکی ہیں" ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے بلیک ڈیڈ کی تروتازہ آواز آئی "اس آپریشن میں ہم تینوں کے ساتھ دس آدمی ایمبولینس میں اندر گھسیں گے۔ گیارہواں آدمی خالی وین تیار رکھے گا۔ اس کے پیچھے ایک گاڑی میں پانچ آدمیوں کی کمک ہوگی جو ضرورت پڑنے پر اندر آئیں گے ورنہ باہر ہی رکے رہیں گے۔"

"آپس میں رابطے کا کیا بندوبست رہے گا؟" میں نے بستر چھوڑ کر پوچھا۔

"ہر شخص کے پاس ٹرانسمیٹر ہوگا۔ ہر شخص کا مقررہ کوڈ نمبر ہوگا۔ میرا ایک' تمہارا دو اور روزی کا تین مقرر کیا ہے۔ سات نمبر اس وقت جارج کے گھر کی نگرانی کررہا ہے۔"

"اسے راستے میں گھیرنے کی ذمے داری کس کی ہوگی؟" میرے ذہن میں تصویر بننے لگی تھی۔

"سات نمبر کی اطلاع پر ہم تینوں اسے روکیں گے۔ میں بے ہوش کرنے والی گیس کا اسپرے کین اور دوسرے لوازم لے کر تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔ تم اپنی تیاری کرلو۔ کپڑے سفید پہننا تاکہ پہلی نظر میں یہ معلوم ہو کہ ہم لوگ ایمبولینس کے نرسنگ اسٹاف میں سے ہیں۔"

"بس تم آجاؤ۔ ہم تیار رہیں گے" یہ کہہ کر میں فون بند کرتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔

میں تیاری کے آخری مراحل میں تھا کہ ویرا باتھ روم سے تیار ہو کر آگئی۔ سفید بلاؤز اور اسکرٹ میں وہ کوئی نرس ہی نظر آرہی تھی۔

ہتھیاروں کی فراہمی کی ذمے داری بلیک ڈیڈ کی تھی لیکن ہمیں اپنے ہتھیاروں کو بھی استعمال کرنا تھا۔ ویرا بیم گن سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے چیمبر لوڈ کرکے ریوالور بھی اسے دے دیا۔ بھرا ہوا پستول میرے کام آسکتا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے بلیک ڈیڈ آپہنچا۔ سر سے پیر تک سفید لباس میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں یہاں سے سفید کپڑوں میں ایک ساتھ نکلے تو ہر ایک کی نظر میں آجائیں گے۔ فی الحال کوئی رنگین کوٹ ڈال لو۔ اسے گاڑی میں چھوڑدیں گے۔"

"یہ بات پہلے بتادی ہوتی تو میں بھی کوئی بلیزر پہن لیتا" بلیک ڈیڈ نے آئینے کے سامنے اپنی تیاری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "کپڑوں کی بے داغ سفید رنگت واقعی نظروں میں چبھ رہی ہے۔"

"یہ تمہیں خود سوچنا چاہیے تھا۔ قدم قدم پر میں ہر بات تو نہیں بتاتا رہوں گا۔"

"میں ہمیشہ سے لڑبھڑ کر اپنی راہ بنانے کا عادی رہا ہوں۔ جوڑ توڑ والی ایسی سازشوں سے کبھی پالا نہیں پڑا لیکن اب میں تم سے یہ سب کچھ سیکھ رہا ہوں۔ اپنی پختگی کی وجہ سے تم کوئی پیشہ ور منصوبہ ساز معلوم ہوتے ہو۔ کوئی بات تمہاری عقابی نظروں سے نہیں بچتی۔"

اسی وقت مائیک منہ لٹکائے دروازے پر آکھڑا ہوا "میرے لیے کیا حکم ہے باس؟"

"تم آرام کرو۔ یہ میری غلطی ہے۔ ٹیم بناتے ہوئے صرف وہ لوگ لیے جو سامنے موجود تھے۔ تمہارا دھیان نہیں آیا۔ اب کسی تبدیلی کا وقت نہیں ہے۔"

"اجازت ہو تو تمہاری غیر حاضری میں گھر اور کچن کی صفائی کرلوں؟" مائیک نے اداس لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ضرور!" اس کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے میں نے دل پر جبر کرکے سی ایس ڈی کے تحفظ کو فراموش کردیا۔ شاید وہ اسے دیکھ کر بھی اس کی اصلیت کا اندازہ نہیں لگاسکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ بلیک ڈیڈ کو لائن پر کسی مشکوک ڈبیا کی موجودگی کی اطلاع دیتا تو میں کوئی بھی الٹی سیدھی کہانی سنا کر اسے مطمئن کرسکتا تھا۔ اس آلے سے محرومی کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

ٹھیک چھ بجے ہم گھر سے نکل گئے۔ اس وقت بلیک ڈیڈ کی گاڑی میں خلافِ معمول صرف ڈرائیور تھا۔ تینوں کے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔

راستے میں بلیک ڈیڈ نے مختلف کارروائیوں کے مقامات کے بارے میں بتانا شروع کیا تو میں قطعی لاتعلق بنا رہا۔ میں نیویارک کے پُرپیچ رہائشی علاقوں سے ناواقف تھا۔ وہ رموز ویرا کے ہی پلے پڑسکتے تھے۔ نقشہ دیکھ کر میں یہ اندازہ ضرور لگاچکا تھا کہ ہم نیویارک کے ایک سرے پر رہ رہے تھے' جارج شلز دوسرے سرے پر تھا جبکہ بنجمن فورٹ کا مکان درمیان میں واقع تھا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا' ایک وقت میں چار ڈیوڈ اسٹارز سے مقابلہ کرنے کے تصور سے میرے خون کی گردش تیز ہوتی جارہی تھی۔ اپنے اعصاب کو اعتدال پر رکھنے کے لیے میں نے سگریٹ سلگالی۔

شہر کے بعض حصوں میں ٹریفک خاصا بھاری تھا مگر مجموعی طور پر صورتِ حال مین ہٹن سے بہت بہتر تھی جہاں بے شمار سیاحوں

کے ارتکاز کی وجہ سے ہر وقت ٹریفک کی کثرت رہتی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے دو مرتبہ اپنے سات نمبر سے جارج کے بارے میں دریافت کیا۔ اس وقت تک وہ اپنے گھر میں ہی تھا۔

پونے سات بجے سے ذرا پہلے ہم ایک ایسی سڑک پر جا نکلے جہاں دونوں طرف میدان پھیلے ہوئے تھے اور سڑک کے کناروں پر گھنے درختوں کا سایہ تھا۔

ڈرائیور نہ جانے کن سمتوں سے وہاں تک پہنچا تھا کہ اس نے رخ گھمائے بغیر گاڑی کو سڑک سے اتار کر درختوں کے درمیان کھڑا کردیا اور اپنی سیٹ سے اتر آیا۔

بلیک ڈیڈ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، ویرا اس کے برابر میں چلی گئی۔ ڈرائیور میرے ساتھ آبیٹھا۔ یہ تبدیلیاں طے شدہ پروگرام کے مطابق تھیں۔ ویرا مصر تھی کہ جارج کے اغوا میں پہل وہ کرے گی اس لیے اگلی نشست مجبوراً اسے دینی پڑی ورنہ وہاں مجھے بیٹھنا تھا۔

مریض اور ایمبولینس والا مرحلہ دور تھا اس لیے ہم نے اپنے کوٹ بدستور پہنے ہوئے تھے۔ گاڑی کا رخ ترچھا ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے آنے والا ٹریفک ہمیں صاف نظر آرہا تھا۔

ٹھیک سات بجے ہر ٹرانسمیٹر پر آواز آنے لگی "نمبر سیون رپورٹنگ ٹو نمبر ون۔ کتیا کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ کالی کرائسلر میں گھر سے نکل رہا ہے۔ تین چار منٹ میں وہ ٹارگٹ ایریا میں پہنچ جائے گا۔"

رپورٹ کا ابتدائی حصہ سن کر میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ جارج کے لیے انگریزی میں کہے گئے وہ الفاظ ذرا بھی ناموزوں نہیں معلوم ہوئے تھے۔ گفتگو میں گالیوں کا فراخ دلانہ استعمال نچلے درجے کے امریکیوں کا وتیرہ تھا۔ ایسی ہی ایک گالی سن آف اے بچ بھی تھی۔

بلیک ڈیڈ نے صرف او کے کہنے پر اکتفا کیا۔

اس سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ وقفے وقفے سے آنے جانے والی گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ جوں ہی بلیک ڈیڈ کو کرائسلر کی پہلی جھلک نظر آئی، اس نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کردیا اور نہایت سست رفتاری سے اسے سڑک کے کنارے کنارے چلانے لگا۔

"نمبر ون! ہم کسی بھی وقت تمہارے قریب سے گزرنے والے ہیں!" پیغام آیا۔

بلیک ڈیڈ کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جم گئیں۔ اس کی گاڑی بدستور رینگتی رہی۔ جوں ہی سیاہ کرائسلر برابر سے گزری، اس نے ہارن بجا کر اپنی رفتار یک لخت بڑھادی۔ لمحہ بھر میں وہ کرائسلر کے برابر میں جا پہنچا۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود معمر، باریش اور نیم گنجے شخص نے ہراساں نظروں سے اس گاڑی کی طرف دیکھا جو آگے نکلنے کے بجائے اس کی کار کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔

ویرا نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر درشت آواز میں کہا۔ "پولیس۔ گاڑی روکو!"

بلیک ڈیڈ نے اپنی گاڑی آگے بڑھائی اور بتدریج اسے سڑک سے داہنی طرف اتار کر روک لیا۔ کرائسلر اس کے پیچھے رک گئی۔ ویرا رومال میں لپٹا ہوا اسپرے کین ہاتھ میں دبا کر نیچے اتری اور کرائسلر کی طرف بڑھی۔ چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر میں بھی اتر گیا۔

"کتے کا لائسنس دکھائیں سر!" ویرا کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ہلکی سی اسپرے کی آواز آئی اور میں نے ونڈ شیلڈ کے پیچھے بڈھے جارج کو اپنی نشست میں ڈھلک کر بے جان ہوتے دیکھا۔

جارج شلز کی ڈارلنگ کے لیے وہ صورتِ حال تشویش ناک تھی۔ وہ غرا کر اپنے مالک پر سے ہوتی ہوئی کھڑکی پر لپکی جس کے باہر ویرا موجود تھی۔ غراتی اور جھپٹتی ہوئی ایک جسیم جرمن شیفرڈ کتیا کے مقابلے میں اپنی جگہ پر جمے رہنا دل گردے کا کام تھا۔ ویرا نے زمین چھوڑے بغیر انتظار کیا، جوں ہی کتیا کا چہرہ کھڑکی کے قریب پہنچا، ویرا نے اس پر تیز اسپرے کی دھار ماری۔ کتیا کی غراہٹ کسی چوہیا کی آواز میں معدوم ہوگئی اور وہ اپنے مالک کی گود میں گر گئی۔

بلیک ڈیڈ کا ڈرائیور مجھ سے پہلے ویرا تک پہنچا تھا۔ ویرا کین اسے تھما کر لوٹ آئی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر کتیا کی ناک پر مزید اسپرے کیا پھر اسے بے رحمی سے گھسیٹ کر عقبی پائیدان میں ڈال دیا۔ وہ چند ثانیوں تک سڑک صاف ہونے کا انتظار کرتا رہا پھر پھرتی کے ساتھ چار میں سے ایک ڈیوڈ اسٹار کو اپنے کندھے پر لاد کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

میں تیزی سے گھوم کر بائیں طرف کے عقبی دروازے سے گاڑی میں گھسا، ڈرائیور نے اپنی طرف سے جارج شلز کو اندر پھینکا اور خود بھی نشست پر بیٹھ گیا۔ بلیک ڈیڈ نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھادی۔ جھٹکے سے داہنا دروازہ خود بہ خود بند ہوگیا۔

گاڑی حرکت میں آتے ہی ہم دونوں نے جارج کو اپنے درمیان سہار کر یوں سیدھا بٹھادیا جیسے وہ دورانِ سفر اونگھ رہا ہو۔

"شاندار!" بلیک ڈیڈ نے بھرائی ہوئی پُرجوش آواز میں کہا "ہم نے اپنے منصوبے کے پہلے حصے میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ اب باقی مرحلے بھی اسی طرح کامیابی سے طے ہوتے چلے جائیں گے۔"

"اس کی کتیا بہت خوں خوار اور قد آور تھی۔" ویرا ایک گہری سانس لے کر بولی "جب وہ غراتی ہوئی میری طرف لپکی تو بے اختیار میرا دل چاہا کہ سب کچھ وہیں پھینک کر ایک طرف دوڑ لگا دوں۔ پتا نہیں کیا ہوا کہ میرے پیر زمین پر جم کر رہ گئے اور میں ہل بھی نہ سکی۔ اس کے قریب آتے ہی مشینی انداز میں میرا ہاتھ چلا اور وہ کتیا بھی بے سدھ ہو کر گر گئی۔"

میں نے چاہا کہ ویرا کو بتاؤں کہ اس کی اُن غیر ارادی بلکہ اضطراری حرکات کو میں اس کی حوصلہ مندی سمجھ کر دل ہی دل میں داد دے رہا تھا لیکن گاڑی میں ڈرائیور کی موجودگی کے باعث میں

نے کام کی سنجیدہ فضا میں کوئی شوشا چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

سڑک کا وہ ویران حصہ گاڑی نے پلک جھپکتے میں طے کر لیا۔ آبادیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم بے خوف و خطر اپنی اگلی منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ فضا میں دھندلکا گہرا ہونے سے پہلے بلیک ڈیڈ نے ایک کئی منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر اونچے شٹرز کے سامنے گاڑی روکی۔ کسی نادیدہ نگراں نے بلیک ڈیڈ کی گاڑی پہچان کر وہ مشینی شٹرز بے آواز اور خود کار طریقے سے اوپر اٹھا دیے۔

مناسب خلا پیدا ہوتے ہی بلیک ڈیڈ گاڑی کو اندر لے گیا اور شٹرز دوبارہ نیچے آ گئے۔

وہ تقریباً پندرہ فٹ اونچا اور تقریباً سو فٹ گہرا وسیع ہال تھا جس میں راستے کے دونوں طرف جا بجا مختلف اقسام کے سامان کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان میں کاغذی ریلیں، چھوٹے بڑے ڈرم، تختوں پر کسے ہوئے پیکٹ اور چوبی کریٹ تک شامل تھے۔

اس ہال کی بند فضا میں گاڑیوں کے دھوئیں اور جلے ہوئے تیل کی ناگوار بُو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ غالباً کوئی گودام تھا جسے بلیک ڈیڈ اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔

دونوں طرف جمے ہوئے سامان کے انباروں کے وسطی راستے پر سب سے آگے ایک بند وین اور آخر میں ہماری دو گاڑیاں موجود تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹے ٹرک کے سائز کی اونچی، سفید ایمبولینس کھڑی ہوئی تھی۔ ایمبولینس واقعی کافی بڑی تھی۔ اس میں ایک چھوٹا موٹا مسلح دستہ آسانی سے پناہ لے سکتا تھا۔

گودام میں موجود ناکافی روشنی میں بھی بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ کل نفری کی تعداد شاید بیس سے متجاوز تھی لیکن ان میں افراتفری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

بلیک ڈیڈ کے ڈرائیور نے جارج شلز کو اپنے کندھے پر لاد کر ایمبولینس کے عقبی کیبن کے فرش پر ڈال دیا۔ وہاں موجود دو افراد نے اسے گھسیٹ کر اسٹریچر پر ڈالا۔ ہاتھ پیر اسٹریچر پر مہیا کیے ہوئے ان چرمی تسموں سے باندھ دیے جو ذہنی مریضوں کو قابو میں رکھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

بے ہوش جارج کو اسٹریچر پر تیار کرنے کے بعد پورا اسٹریچر سفید چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ صرف جارج کا چہرہ چادر سے باہر نظر آ رہا تھا۔

چھت میں لگی ہوئی ریلنگ کے سہارے اسٹریچر کے گرد بھاری پردے لٹکے ہوئے تھے جن کے پیچھے بینچیں، طبی سہولیات اور دیگر چیزیں پوشیدہ تھیں۔ اسٹریچر سے نمٹنے کے بعد مسلح آدمی ایک ایک کر کے ان پردوں کے پیچھے غائب ہونے لگے۔ جب دسواں آدمی بھی اندر پہنچ گیا تو بلیک ڈیڈ نے باہر کھڑے کھڑے انہیں آخری بریفنگ دی "میرے آؤٹ کہنے سے پہلے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا اور سگنل ملنے کے بعد لمحہ بھر اندر نہیں رکے گا۔ جو شخص حکم کی تعمیل نہ کرے، اُسے بے دریغ شوٹ کرتا ہے۔"

جارج کو مناسب مدت تک بے ہوش رکھنے کے لیے میری دانست میں مزید گیس اسپرے کی ضرورت تھی مگر میں اس وقت اپنی زبان کھول کر بلیک ڈیڈ کی قائدانہ پوزیشن کو مشکوک نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اپنی ان ضروریات کا اسے پہلے سے ادراک ہونا چاہیے تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس گیس اسپرے کے اثرات کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل کرنے کے بعد مطمئن ہو چکا ہو۔

دس آدمیوں کے ایمبولینس میں سمانے کے بعد بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ عقبی دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ لوگ پیچھے کھڑی ہوئی گاڑیوں کی طرف بڑھے۔ بلیک ڈیڈ ایمبولینس کی ڈرائیونگ سیٹ پر چڑھ گیا۔ میں نے اپنا اور ویرا کا کوٹ اتار کر ڈرائیور کے حوالے کیا اور ہم دونوں بھی ایمبولینس کے ڈرائیونگ کیبن میں بیٹھ گئے۔ پائیدان میں دو ہلکی خود کار رائفلیں پورے میگزین سمیت موجود تھیں۔

بلیک ڈیڈ شاید پہلے ہی پوری طرح اس ایمبولینس کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس نے کسی دقت کے بغیر انجن اسٹارٹ کیا اور دروازوں پر لگے ہوئے بڑے بڑے عقب نما آئینوں کی مدد سے ایمبولینس کو ریورس کر کے گودام سے باہر نکالنے لگا۔ پیچھے والی دو گاڑیاں پہلے ہی باہر جا چکی تھیں۔

ایمبولینس باہر نکالنے کے بعد بلیک ڈیڈ سائرن یا چھت پر لگی ہوئی تیز گردشی روشنی آن کیے بغیر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کام بانٹے جا چکے تھے۔ ہر شخص کا کردار متعین تھا۔ مزید باتوں میں وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے جھک کر پائیدان سے دونوں رائفلیں اٹھا لیں۔

دورانِ سفر کئی مرتبہ ٹریفک کی رکاوٹوں کا سامنا بھی ہوا لیکن اگلی گاڑیاں محض ایمبولینس کو پہچان کر خود ہی ہمیں راستہ دیتی رہیں اور سفر جاری رہا۔

بلیک ڈیڈ کے لیے ٹرانسمیٹر پر پیغامات آنے لگے تھے۔ کمک فراہم کرنے والی نفری ایمبولینس سے کچھ پیچھے تھی۔ خالی وین روانہ ہو چکی تھی۔ سات نمبر نے جارج شلز کی کریسلر کا بانٹ کھول کر گاڑی مقفل کر دی تھی اور چابی کے علاوہ ڈیوڈ اسٹار کے دو نمونے بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا ڈرائیور خالی گاڑی لے کر پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا جس طرح طے کیا گیا تھا مگر بلیک ڈیڈ کے بشرے سے تناؤ اور فکرمندی کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ خلافِ عادت وہ ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔

"تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو" میں نے اسے چھیڑا "کیا کہیں کوئی چوک ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔ آج سارے راستے کچھ لمبے ہو گئے ہیں۔ انتظار سے میرے اعصاب کشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ جو ہونا ہے، جھٹ پٹ

ہو جانا چاہیے۔ پتا نہیں بنجمن کا گھر کتنی دیر میں آئے گا۔" وہ بولا۔

"تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اس گھر کے محاصرے کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کا مکان بہت اچھی جگہ واقع ہے۔ اس کی پشت پر ایک پارک ہے جو میرے آدمیوں کے لیے بہترین کمین گاہ ثابت ہوگا۔ اب سے کافی دیر پہلے سات آدمی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ وہ الگ فری کوئنسی پر کام کر رہے ہیں۔ ایک سسٹم پر زیادہ بھیڑ بھاڑ ہونے سے شدید غلط فہمیاں بھی ہو سکتی تھیں۔"

"آج کے آپریشن کے بارے میں تمہارا دل کیا کہتا ہے؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

اس نے فوراً جواب نہیں دیا، قدرے توقف کے بعد بولا "بظاہر کامیابی یقینی ہے لیکن دشمن کو دفن کرنے سے پہلے فتح پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ شی کو یہ لوگ اپنی سازشوں سے تباہ کر چکے ہیں۔ آج ان کے بہترین دماغ جہنم واصل ہو گئے تو ڈیوڈ اسٹارز کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

"اور نیویارک میں تمہارا طوطی بولنے لگے گا" میں نے اس کی دیرینہ آرزو کا ذکر کیا۔

"یہ آپریشن میرا ضرور کہا جا سکتا ہے لیکن منصوبہ تمہارا ہے۔ آج کامیابی حاصل ہو گئی تو میں تم دونوں کا یہ احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گا۔"

پھر ہم تینوں ہی خاموش ہو گئے۔ ایمبولینس نیویارک کی سڑکوں پر رواں تھی۔

"بس، اگلے موڑ پر دوسرا مکان بنجمن کا ہے" کچھ دیر بعد بلیک ڈیڈ نے بتایا۔ میں اپنی نشست میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ رائفل میرے ہاتھوں میں تیار تھی۔

بنجمن کے مکان کے سرے پر بھی ایک سڑک تھی اور اس کا داخلی پھاٹک وہیں واقع تھا۔ بلیک ڈیڈ نے ہونٹ بھینچ کر ایمبولینس کا اسٹیئرنگ کاٹا اور رفتار کم کرتے ہوئے اسے پھاٹک پر روک دیا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑتے ہی مضبوط چوبی پھاٹک کے پیچھے کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی، پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا اور ایک تنومند محافظ ہاتھ میں رائفل لیے باہر آگیا۔

اس نے چندھیائی ہوئی تحیر زدہ نظروں سے ایمبولینس کو دیکھا اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اسی دوران میں اندر سے اس کا ایک اور مسلح ساتھی اس سے آملا۔

"ہے.... گیٹ کھولو" بلیک ڈیڈ نے جھلائی ہوئی آواز میں ہانک لگائی۔

دونوں محافظوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا پھر وہ بڑھ کر بلیک ڈیڈ کے قریب آگئے "تم کس لیے آئے ہو۔ یہاں ایمبولینس کی کوئی ضرورت نہیں ہے" بعد میں آنے والے نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"میں مریض لایا ہوں۔ جارج شلز اسٹریچر پر پڑا ہوا ہے" بلیک ڈیڈ نے جھلا کر کہا۔

"جارج شلز!" دونوں کے منہ سے بیک وقت تحیر زدہ آوازیں نکلیں "کیا ہوا اسے؟"

بلیک ڈیڈ مشتعل ہو کر نیچے اترا، میں نے بھی خالی ہاتھ اس کا ساتھ دیا۔

پیچھے جا کر اس نے بولٹ ہٹا کر ایمبولینس کا دروازہ کھول دیا "ایک دورے میں بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ اسے یہاں پہنچا دیا جائے۔ اس کی رپورٹیں بھی موجود ہیں۔ دروازہ کھولو اور اپنے مریض کی وصولی کی رسید پر دستخط کر کے ہمیں فارغ کرو۔"

ان دونوں نے جھک کر جارج شلز کو دیکھا۔ نتھنوں پر ہاتھ لگا کر سانس کی آمد و رفت کا اندازہ لگایا، اس کے دل کی دھڑکن دیکھی پھر بوکھلا کر تقریباً دوڑتے ہوئے اندر لوٹ گئے۔

ایمبولینس کا عقبی دروازہ بند تھا۔ ہم دونوں دوبارہ اپنی جگہ پر آگئے۔ اس بار دانستہ بولٹ نہیں لگایا گیا تھا۔ جارج شلز کی بے

ہوشی کی خبر نے اندر کھلبلی مچادی تھی۔ وہ لوگ اس کی آمد کے منتظر تھے مگر اس حالت میں نہیں۔ فوراً ہی شہتیروں سے بنا ہوا چوبی پھاٹک کھول دیا گیا۔ پھاٹک سے ایک پختہ روش کافی فاصلے پر واقع عمارت تک چلی گئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس آگے بڑھادی۔

اس غیر متوقع صورتِ حال پر وہاں کے محافظوں کے ہتھیار شانوں پر لوٹ چکے تھے۔ وہ سب فکرمند اور پریشان نظر آرہے تھے۔ بلیک ڈیڈ نے عمارت کا رخ کرنے کے بجائے ایمبولینس گیٹ کے اندر لاکر روک دی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے عقب نما آئینے میں پیچھے کا منظر دیکھا۔ سب محافظ ایمبولینس کے پیچھے جمع ہو چکے تھے۔

"آؤٹ!" دونوں کیبنوں کے درمیان موجود جالی دار خلا کی طرف منہ کرکے بلیک ڈیڈ دبی دبی آواز میں غرایا اور ہم تینوں اپنی اپنی رائفلیں لے کر نیچے اتر پڑے۔

"حرکت مت کرنا۔" بلیک ڈیڈ ایک ہوائی فائر کرکے غرایا "جو ہلا' مارا جائے گا۔"

اس کی ہدایت پر عمل نہیں ہوسکا۔ عقبی دروازہ کھول کر ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح افراد ایک غول کی صورت میں بنجمن کے محافظوں پر وحشیانہ انداز میں ٹوٹ پڑے تھے۔ فائرنگ کرنے کے بجائے وہ اپنی رائفلوں سے دشمنوں کو مار رہے تھے۔

میری نگاہ ایک محافظ پر پڑی جو ایک گملے کی اوٹ سے کسی کا نشانہ لے رہا تھا۔ میں نے شست لے کر پہلا مہلک فائر کیا اور وہ ایک بھیانک چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔

وہ مرنے والے کی آخری دلدوز چیخ تھی۔ اس کے ساتھ عمارت کی طرف سے وحشیانہ نسوانی چیخوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ رونگٹے کھڑے کردینے والی ان آوازوں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کچھ لوگ زبردستی اس عورت کو ذبح کرنے کی کوشش کررہے ہوں۔ اگر ہمیں جارج اور بنجمن کی گفتگو سے اس عمارت میں ایک پاگل عورت کی موجودگی کا علم نہ ہوچکا ہوتا تو وہ چیخیں ہمیں بری طرح گمراہ کردیتیں۔

اس مکان کے سارے محافظ غالباً اسی داخلی راستے پر مرکوز تھے کیونکہ وہاں ہونے والی گڑبڑ کے نتیجے میں دوسرے حصوں سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

وہ سب بالکل بے خبری میں مارے گئے تھے اس لیے وہاں آتشیں اسلحے کے استعمال کی نوبت نہیں آسکی۔ وہ سب خوں خوار درندوں کی طرح دست بدست ایک دوسرے سے لڑرہے تھے۔ میرے اور بلیک ڈیڈ کے دو فائروں کے سوا وہاں تیسرا فائر نہیں ہوا تھا۔

"گاڑی میں چلو۔" اچانک بلیک ڈیڈ نے ہذیانی سرگوشی میں کہا۔ اور ہم دوڑ پڑے۔

ایمبولینس حرکت میں آتے ہی اس کے کھلے ہوئے عقبی پٹ پُرشور آوازوں کے ساتھ اپنے آہنی قبضوں پر جھولنے لگے لیکن بلیک ڈیڈ کی اس حرکت کا سبب نظر آتے ہی میری توجہ صرف اس طرف مرکوز ہوگئی۔

چند افراد کا جلوس پُرشکوہ عمارت سے برآمد ہوکر پھاٹک کی طرف آرہا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں دیکھ لیا کہ ان میں تین باریش افراد آگے تھے۔ بقیہ چار مؤدب انداز میں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

ہمیں اس مکان کے احاطے میں پہنچے مشکل سے ڈیڑھ منٹ ہوئے ہوں گے مگر وہاں واقعات اتنے تواتر اور تیزی کے ساتھ رونما ہورہے تھے کہ وہ وقفہ بہت طویل محسوس ہورہا تھا۔

ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں' میں نے دیکھ لیا کہ آگے آنے والے تینوں افراد مسلح تھے۔ ان کے ہتھیاروں کا رخ زمین کی طرف جھکا ہوا تھا مگر وہ نالیں کسی بھی لمحے ہماری طرف اٹھ سکتی تھیں۔

مجھے فوری طور پر یہ اندازہ ہوگیا کہ جارج شلز کی ایمبولینس کے ذریعے آمد کی خبر انٹرکام پر پہنچا دی گئی تھی اور اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تینوں ڈیوڈ اسٹارز اسے دیکھنے کے لیے گھر سے نکل آئے تھے۔ وہ بُرے دنوں سے گزر رہے تھے' اس لیے انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ بنجمن کے غیر مسلح گھریلو ملازم ان کے پیچھے تھے۔

"ان تینوں کو روند ڈالو۔" میں نے بلیک ڈیڈ کو جھنجوڑ کر کہا۔ "ان کی حلق تک بڑھی ہوئی داڑھیاں بتارہی ہیں کہ یہی ڈیوڈ اسٹارز ہیں۔"

بلیک ڈیڈ نے رفتار بڑھا کر اسٹیئرنگ کاٹا مگر اس سے ذرا سی لغزش ہوگئی۔ وہ سب اچھل کر بچ گئے اور ایمبولینس آگے نکل گئی۔ اس نے ایمبولینس خوب صورت لان پر چڑھا کر واپس گھمائی۔ وہ سب افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر دوڑرہے تھے۔

"وہ تینوں۔" ویرا انگلی اٹھا کر چیخی "وہ اب بھی ایک ساتھ ہیں۔"

بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس ان ہی کے پیچھے لگادی۔

غراتے ہوئے انجن کی آوازوں کو اپنے قریب آتا محسوس کرکے یکایک وہ تینوں ہی پلٹ کر اپنے قدموں پر جم گئے اور انہوں نے ایمبولینس پر بیک وقت فائر کرڈالے۔

اسی لمحے فضا میں سائرن کی دل اڑانے والی آواز گونج اٹھی اور میرا دماغ اچانک سن ہونے لگا۔ وہ آواز بہت قریب کی تھی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی تو ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

...م افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری کستانی سارجنٹ کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر لکھ دے دیا جو اسے انفاق آل کیا تھا۔ میں نے بجمن فورث نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے کیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ... ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو ... تجویز پر جارج شلز کو دو دلاوری ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بجمن فورث کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ... بھیس میں ڈال کر بجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز ... ساتھیوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں ... نہیں نکل سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اپنے تینوں حریفوں کو ایمبولینس کے نیچے کچل کر ہلاک کرنے کی کوشش میں بلیک ڈیڈ نے پختہ روش چھوڑ کر ایمبولینس ... کے وسیع قطعات میں اتار دی تھی۔ وہ قطعات نہ صرف ... نیچے تھے بلکہ ان میں خوب صورت پھولوں کے لیے جابجا ... مستطیل اور گول کیاریاں بھی کھدی ہوئی تھیں جن میں ... ہی ایمبولینس بری طرح اچھلتی تھی۔

بلیک ڈیڈ نے ان تمام نامساعد دشواریوں پر قابو پاتے ہوئے ... حریفوں کو تقریباً جا ہی لیا تھا کہ انہوں نے دردناک موت کو ... کر پلٹ پڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

... کی طرف سے بیک وقت چلنے والی تین میں سے دو گولیاں ... کی ونڈ شیلڈ سے گزرتی ہوئی ڈرائیونگ کیبن کی چھت ... پیوست ہوگئی تھیں۔ ... چور نہیں ہوا تھا۔ اپنی خصوصی ساخت کی وجہ سے ونڈ شیلڈ ... لیکن اس پر مکڑی کے مہین جالے کی طرح چٹخنے کی بے شمار لکیریں اس طرح نمودار ہوگئی تھیں کہ شیشہ دھندلا کر رہ گیا تھا۔ ایسی حالت میں ونڈ شیلڈ سے آگے دیکھنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ بالکل غیر متوقع صورتِ حال تھی۔ بلیک ڈیڈ نے اچھلتی ہوئی ایمبولینس کو اچانک ہی بریک لگا دیے تھے اور پھر ساتھ ہی فضا میں ایک روح فرسا سائرن کی آواز گونجنے لگی تھی۔ سائرن کی دل اڑا دینے والی آسیبی آواز نے میرے اوسان خطا کردیے تھے۔

بلیک ڈیڈ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کئی وزنی گالیاں دیتے ہوئے اسٹیئرنگ پر دونوں ہتھیلیاں مار کر کسی لیور کو چھیڑا اور سائرن کی آواز جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھی، اسی طرح یک لخت معدوم ہوگئی اور فضا پر چند لمحوں کے لیے سکوت چھاگیا۔

اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ وہ سائرن باہر سے آنے والی کسی پولیس کار کا نہیں تھا۔ ایمبولینس کو اچانک روکنے اور ونڈ شیلڈ

دھندلانے کے نتیجے میں جو نمٹنے لگے تھے ان کے سبب بدحواسی میں بلیک ڈیڈ کا ہاتھ ایمبولینس کے سائرن پر پڑ گیا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی اس نے وقت ضائع کیے بغیر سوئچ آف کر دیا تھا۔

میں نے خودکار رائفل کا آہنی دستہ دیوانہ وار ونڈ اسکرین پر برسانا شروع کر دیا۔ چٹخنے کر اپنی جگہ پر قائم ٹکڑے پھسلاؤں کی آواز سے باہر کی طرف گرنے لگے۔

ونڈ شیلڈ کے اس بڑھتے ہوئے خلا میں سے وہ تینوں اس بار الگ الگ سمتوں میں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ بلیک ڈیڈ نے جوں ہی ایمبولینس کو دوبارہ حرکت میں لانا چاہا، میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر رائفل سمیت باہر کود گیا۔ ویرا نے بھی میری تقلید کی۔

گھاس کے گہرے سبز اور مخملیں قالین پر ہمارے سنبھلنے سے پہلے ہی ایمبولینس کسی خون آشام مشینی درندے کی طرح غراتی اور اچھلتی ہوئی اس حریف کی طرف ہولی جو ان تینوں میں زیادہ پھرتیلا تھا اور شاید سب سے زیادہ دور جا چکا تھا۔

میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں۔ ہم دونوں نے بقیہ دو ڈیوڈ اسٹارز کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی نوجوان نہیں تھا۔ وہ تینوں پختہ عمروں والے باریش نجومِ داؤدی تھے اور آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

"رکو! ورنہ گولی مار دوں گا۔" میں نے چیخ کر کہا۔ کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

ویرا نے بھاگتے بھاگتے رک کر ان میں سے ایک کی پشت پر نال سیدھی کی، لمحہ بھر کے لیے زاویہ درست کیا اور فائر کر دیا۔ ایک ہولناک بارودی دھماکے کے ساتھ اس کا دوڑتا ہوا شکار فضا میں قلابازی کھا کر گھاس پر گرا مگر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی فرار کی کوشش بدستور جاری تھی لیکن وہ بری طرح لنگڑا رہا تھا۔

پھر فضا ایک اور لرزہ خیز انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس بار بلیک ڈیڈ نے ایک شکار کو ایمبولینس کے پہیوں تلے روند دیا تھا۔

بلیک ڈیڈ کے سر پر خون سوار تھا۔ اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کو کچلنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے بھی رکنے یا یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس کا کیا حشر ہوا تھا۔ وہ گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا اور پھر احاطے کی دیوار کے قریب سے رخ گھما کر میری طرف آنے لگا۔

ایمبولینس کے روپ میں بھیانک آہنی عفریت کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میرا شکار حواس باختہ ہو کر پلٹا۔ اس طرف سے میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خود کو موت کے حصار میں گھرا دیکھ کر اس نے بائیں طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے رک کر اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

وہ فضا میں کئی فٹ تک اچھل کر ایسا گرا کہ اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ وہ گھاس پر پڑا بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ایمبولینس بدستور اس کی طرف اچھلتی چلی آرہی تھی۔ ایمبولینس کے اگلے پہیے کو اس کے بدن پر ایک جھٹکے کے ساتھ گزرتے دیکھ کر میں نے سختی سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس میرے قریب روک دی۔ ونڈ شیلڈ کے فریم میں پھنسے ہوئے ریزہ ریزہ ٹکڑوں کے درمیان اس کا چہرہ اس وقت بھیانک نظر آرہا تھا۔

"جلدی اوپر آجاؤ... کھیل ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔" انجن کے شور میں اس کی وحشت زدہ آواز میرے کانوں میں آئی۔

میں نے سر گھما کر دیکھا تو ویرا اپنے زخمی شکار کے قریب کھڑی ہوئی تھی اور تیسرا ڈیوڈ اسٹار زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ویرا کی طرف سے مزید کسی فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا نے اپنے لنگڑے حریف کو مارنے کے لیے ہیم گن استعمال کی ہو گی۔

"تین مارے گئے ہیں۔ اب جارج شلز باقی ہے..." میں نے بلیک ڈیڈ کو جواب دیا۔

"اس کی کھوپڑی میں گولی مار کر جلدی آؤ۔ پولیس کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر ہیجانی انداز میں کہا اور میں ایمبولینس کے عقبی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

ایمبولینس کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے تھے لیکن وہاں جارج شلز یا اسٹریچر کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ چند ثانیوں کے لیے میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کا مسیحائی کے پیشے سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے سفید کپڑے پہن کر ایمبولینس پر قبضہ ضرور کر لیا تھا مگر اس کے استعمال کے صحیح طریقوں سے بالکل بے خبر تھے۔ انہوں نے اپنے قیدی کو چرمی تسموں کے ذریعے اسٹریچر سے ضرور باندھ دیا تھا لیکن اسٹریچر کو ایمبولینس کے فرش میں لگے ہوئے کلپس میں نہیں پھنسایا گیا تھا۔ دورانِ سفر میں جب تک ایمبولینس کے دروازے بولٹ رہے، وہ اسٹریچر اندر ہی ہلتا جلتا رہا۔ دشمن فورٹ کے مکان میں گھسنے اور مسلح افراد کے ایمبولینس سے نکلنے کے بعد دروازوں کو دوبارہ بولٹ کرنے کی نوبت نہیں آسکی تھی اور بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس کو وحشیانہ انداز میں لان پر، کیاریوں میں اور جھاڑیوں میں دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ شاید اسی افراتفری میں بے ہوش جارج شلز اسٹریچر سمیت کہیں گر گیا تھا۔

اس معرکے میں ہماری طرف سے شامل ہر فرد کو وقت کی اہمیت کا پورا احساس دلا دیا گیا تھا۔ پھاٹک کے قریب دست بدست لڑائی میں حصہ لینے والوں کی طرف سے حوصلہ افزا پیغام آچکا تھا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے عمارت کے محافظوں کا مکمل صفایا کرنے والے تھے۔

ویرا اپنے حریف کو ختم کر کے دوڑتی ہوئی واپس آئی تھی۔ میری زبان سے جارج شلز کی گمشدگی کی خبر سن کر وہ بھی پریشان

ہوئی اور اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگی۔
"کیا بات ہے؟ تم کہاں رکے ہوئے ہو؟" میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر بلیک ڈیڈ نے چلا کر پوچھا "کیا ایک بے ہوش بوڑھی بھی تمہارے قابو میں نہیں آرہا؟"
"وہ لاپتا ہے۔ بدحواسی میں تم اسے کہیں پھینک آئے ہو۔" میں نے اس کی سمت میں چیخ کر اسے تاخیر کے سبب سے آگاہ کیا تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔
"جلدی بیٹھو۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ ایمبولینس ہی میں وہ کہیں پڑا ہوا نظر آجائے گا۔" وہ الفاظ کے انتخاب میں غلطی کر گیا تھا لیکن اس کی بات قابلِ فہم تھی۔ ایمبولینس میں سوار ہو کر ہم چند منٹ میں پورا احاطہ چھان سکتے تھے۔
ایک مرتبہ پھر ہم تینوں ایمبولینس کے ڈرائیونگ کیبن میں یکجا ہو گئے۔
تینوں ڈیوڈ اسٹارز کے ساتھ عمارت سے نمودار ہونے والے چار مودب ملازمین اپنی جانوں کو لاحق خطرات بھانپ کر ایسے غائب ہوئے تھے کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ پھاٹک سے مار دھاڑ کی آوازوں کے درمیان اِکا دُکا فائروں کی آواز آرہی تھی۔ پتا نہیں وہ ان حالات کا ردِعمل تھا یا بنجمن فورٹ کی بیوی گولڈا پر معمول کا کوئی دورہ پڑا ہوا تھا۔ پُرشکوہ عمارت کے در و دیوار سے وقفے وقفے سے اس کی خوفناک ہذیانی چیخوں اور قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔
بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس اسی طرف موڑلی جہاں سے اس نے اپنے حریفوں کے تعاقب کا آغاز کیا تھا۔ ایمبولینس کے ٹائروں سے کچلی ہوئی ایک باڑھ کے قریب اسٹریچر الٹا پڑا ہوا نظر آگیا۔ جارج گلز اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی باڑھ کی پتھریلی منڈیر سے ٹکرا کر زخمی ہو چکی تھی۔ زخم سے بہنے والا خون گھاس کے کافی بڑے حصے میں پھیلا ہوا تھا۔
بلیک ڈیڈ اسے بھی ایمبولینس سے ہی روند ڈالنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ بے ہوش جارج کا جائزہ لینے کے بعد ویرا نے ہیرگن کی نال اس کی کھوپڑی پر ٹکا کر ٹریگر دبا دیا۔ بس لمحہ بھر کے لیے اس نے آخری جھرجھری لی، اس کے جسم سے بندھا ہوا اسٹریچر بھی معمولی کانپا اور پھر نیویارک کا چوتھا نامور داؤدی ستارہ بھی ہمیشہ کے لیے موت کی اتھاہ اور بے رحم وادیوں میں غروب ہو گیا۔
ہمارے دوبارہ سوار ہوتے ہی ایمبولینس پھاٹک کی طرف دوڑ پڑی۔
اس وقت تک پھاٹک پر مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ بلیک ڈیڈ کے آدمی وہاں قابض تھے۔ ان میں سے کئی ایک بوکھلاہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے جیسے کسی کی تلاش ہو۔
"سب کچھ قابو میں ہے، باس!" بلیک ڈیڈ کی گود میں پڑے ٹرانسمیٹر پر اس کے نمبر پانچ کا پیغام آرہا تھا "دشمن کے سات آدمی مارے جا چکے ہیں۔ ہمارے تین آدمی ختم ہو گئے ہیں۔ گیارہ نمبر کا پتا نہیں چل رہا۔ اس کی تلاش جاری ہے۔ نو نمبر بہت بری طرح زخمی ہے۔ اوور۔"
"کھیل ختم ہو چکا۔ پولیس کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتی ہے۔ ہر شخص یہاں سے نکل کر فوراً وین میں پہنچے۔ نو نمبر کی دیکھ بھال وین میں کرتے رہنا۔" بلیک ڈیڈ نے اختتامی ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں اور ایمبولینس پھاٹک سے ذرا دور رک گئی۔
ہمارے اترنے تک بلیک ڈیڈ کے مسلح آدمی پھاٹک سے باہر نکلنے لگے۔ وین وہیں آگئی تھی۔ اس کے پیچھے بلیک ڈیڈ کا ڈرائیور اس کی گاڑی لیے موجود تھا۔
کمک کے طور پر ساتھ آنے والی پانچ نفری پارٹی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مہم میں شمولیت کی ضرورت پیش نہ آنے کے بعد شاید وہ واپس روانہ ہو چکے تھے۔
ہمارے باہر نکلتے تک وین حرکت میں آچکی تھی۔ بنجمن فورٹ کے گھریلو محافظ اِدھر اُدھر بے جان لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ ان پر بے خبری میں شب خون مارا گیا تھا اس لیے وہ اپنی مدافعت کے لیے کوئی بھرپور یا منظم کارروائی نہیں کر سکے تھے۔
پھاٹک سے نکلتے ہوئے مجھے بلیک ڈیڈ کے گیارہ نمبر آدمی کے بارے میں ملال محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ہم اسے کس حال میں وہاں چھوڑ کر واپس جا رہے تھے۔
واپسی کے سفر میں ہر گاڑی کا راستہ مختلف تھا۔ بلیک ڈیڈ کے ڈرائیور کی تیز رفتاری کے باوجود ہمیں دور دور تک وین کا نام و نشان تک نظر نہیں آسکا۔
"یہ مہم تو ہماری توقع سے کچھ زیادہ ہی آسان ثابت ہوئی۔" راستے میں ویرا نے سکوت توڑا۔
"سارا کمال صرف ایمبولینس کا تھا۔ اگر جارج کو ایمبولینس میں ڈال کر نہ لے جایا گیا ہوتا تو ابھی تک ہم وہیں کھڑے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے ہوتے۔" بلیک ڈیڈ نے کسی توقف کے بغیر کہا۔
"اندر گھسنے کے بعد تم نے ایمبولینس کو ٹینک بلکہ بکتر بند گاڑی بنا لیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"ان تینوں کے جلوس کو دیکھتے ہی میرے دماغ میں اس ترکیب نے سر ابھارا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ایک جلوس کی

صورت میں یک جا کر ہو کر باہر آنے کی کیا ضرورت تھی!"

"یہ نہ بھولو کہ جارج شلز ان کا قریبی ساتھی اور مجرم دادری تھا۔ اس کے ایمبولینس کے ذریعے پہنچنے کی خبر نے انہیں مضطرب کردیا ہوگا۔" ویرا نے جواب دیا "وہ تمہارا مقابلہ کرنے نہیں، اپنی نظروں سے جارج شلز کی حالت دیکھنے کے لیے آئے تھے۔"

"اور اب خود وہاں تماشائے عبرت بنے پڑے ہیں۔" بلیک ڈیڈ کی آواز استہزائیہ تھی۔

"مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اس مقابلے میں تمہارا ایک توبی غائب ہوگیا۔ اگر سارے محافظ زیر کرلیے گئے تھے تو پھر وہ کہاں ہوسکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"اس ایک آدمی کی وجہ سے میں بارہ زندگیوں کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کونے کھدرے میں جاکر بے ہوش ہوگیا ہو۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں ہر قیمت پر اسے رہا کرالوں گا۔ وہ اس مقابلے میں کام آچکا ہے تو میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔"

"ایسے واقعات سے تمہارے دوسرے کارکنوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا نہیں ہوتا؟"

"یہ واقعات ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ ہر شخص اس بات کا اعتراف کرے گا کہ میں نے گیارہ نمبر کے لیے اسے زیادہ مہلک خطرات میں نہیں جھونکا۔۔۔ ویسے بھی گیارہ نمبر کے وہاں رہ جانے سے مجھے اور میرے آدمیوں کو بھاری فائدہ پہنچے گا۔" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر کہا۔

"ایک آدمی سے ہاتھ دھو کر تم کس فائدے کی توقع کررہے ہو؟"

"یہ میرا پروگرام یا ارادہ نہیں تھا۔" ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے اس نے مدافعانہ انداز میں بات شروع کی "میں ہمیشہ خوش فہمیل میں مگن رہنے والا آدمی ہوں۔ گیارہ نمبر جس حالت میں بھی پولیس وغیرہ کو ملا، یہ بات سامنے آجائے گی کہ وہ میرا آدمی ہے۔ اس بار مجھے کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ واؤڈی ستاروں کو میں نے جہنم واصل کیا ہے۔"

"اور اس بارے میں پولیس تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کرتی رہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ میرے خلاف ثبوت کہاں سے لائیں گے؟ اخباروں میں الزام تراشی کرنا بہت آسان ہے۔ ان الزامات کو عدالت میں ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ نیویارک کے دو بہترین وکیل میرے مشیر ہیں۔ یہاں کی عدالتوں میں وکیلوں کی شہرت اور نیک نامی بھی عدالتی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جب معاملہ صرف شک وشبے کا ہو تو امریکی قانون اس کا سارا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ مدعی منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔"

"جائے واردات سے تمہارے توبی کی گرفتاری بھی تمہارے لیے مسئلہ نہیں بنے گی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید اپنی خوش فہمی کے بارے میں تمہارا قول درست ہی ہے۔"

"اس کی شناخت اور شہرت میری نشان دہی کرے گی۔ اخبارات اس نکتے کو اچھالیں گے لیکن وہ ایک جیتا جاگتا توبی ہے، روبوٹ نہیں ہے جو صرف میرا تابع ہو۔ میں کسی دوسرے کے قابل فعل کا ذمے دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ اپنی وہاں موجودگی کا کیا جواز پیش کرے گا؟" میں نے حیرت سے احتجاج کیا۔

"وہ اپنے وکیل سے مشورہ کرکے بیان دے گا۔ وہ جو کچھ بھی کہے، میرے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانتا ہے کہ آخر کار اسے رہا کرانا میرا فرض ہوگا۔"

"اگر گیارہ نمبر وہاں نہ رہا ہوتا تو تم اس واقعے میں اپنی شمولیت کی خبریں یا افواہیں کیسے پھیلاتے؟" اس کی کج بحثی پر چڑ کر میں نے ایک ناخوش گوار سوال کرڈالا۔

بلیک ڈیڈ نے پلٹ کر مجھے گھورا اور سخت لہجے میں کہا "نہیں ایمبولینس کے ڈیش بورڈ میں ایک لفافہ ملے گا جس میں ایک کمپیوٹر سلپ موجود ہے۔ "ہارلم کے خون کا حساب" اس پر لکھی ہوئی یہ سطر بہت کافی ثابت ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ ہارلم کس کا علاقہ ہے۔ میری اور آئزک بیل کی آویزش کے قصے ابھی بھی گردش میں ہیں۔"

"تمہاری ان باتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے جیسے نیویارک بھی کولمبیا کا کوئی شہر ہے جہاں قانون کی عمل داری بہت کمزور ہے۔ سارا اختیار تمہارے اور تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" بلیک ڈیڈ نے سنجیدگی سے کہا "میں اپنے معاملات کو نمٹانا جانتا ہوں۔ تمہارے لیے فخر اور خوشی کی بات یہ ہے کہ تمہارا بتایا ہوا منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا ہے۔ اس کامیابی کے ذریعے میرے ساتھ تم دونوں نے بھی اپنے مقاصد حاصل کرلیے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "آج دو ڈیوڈ اسٹارز کو اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرکے میرے دل میں ٹھنڈک پڑی ہے کہ میں نے آخر کار جمی لائیڈ کا بدلہ لے لیا۔ آئزک بیل کے انجام سے مجھے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ خون کا بدلہ صرف اور صرف خون ہوتا ہے جب کہ وہ مکار اپنی ساری ذلتوں کے باوجود اب تک زندہ ہے۔"

"یہ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ کس نے کس کو مارا ہے۔ جارج شلز کے سوا ہمارے لیے وہ تینوں ہی اجنبی تھے" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ریڈیو اور ٹیلی وژن سے سب کچھ معلوم

ہو جائے گا۔ بنیادی خبر ان ہی ذرائع سے ملتی ہے۔ اخبارات کی ضرورت تفصیل اور کہانیوں کے لیے پیش آتی ہے۔"

گاڑی میں بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا۔ ہم تینوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ ہم تینوں کو اتارتے ہی ڈرائیور گاڑی کو فوراً آگے بڑھا لے گیا۔

مائیک شاید اندر کسی کھڑکی سے لگا اپنے آقا کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ڈور بیل بجانے یا دستک دینے کی نوبت آنے سے پہلے، اس نے ہمارے استقبال کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"ہم لوگ مکمل اور شاندار کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔" اندر پہنچنے کے بعد بلیک ڈیڈ نے مائیک کو اپنی خوشی میں شریک کرتے ہوئے کہا "ٹونی ہمارے ساتھ نہیں لوٹ سکا۔"

"اوہ!" مائیک کے ہونٹوں سے بے ساختہ متاسفانہ آواز نکلی۔ "کیا وہ مارا گیا؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" بلیک ڈیڈ نے مبہم سا جواب دیا "وہ واپسی پر ہمارے ساتھ نہیں تھا۔"

مائیک اس کی پشت پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی زبان سے اپنے ساتھی کے بارے میں بری خبر سن کر اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے انگلیوں سے اپنے سینے پر کراس بنایا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

ہماری غیر حاضری میں مائیک نے کچن سے کمروں تک صفائی کر دی تھی۔ بکھرا ہوا ڈرائنگ روم سمٹنے کے بعد دوبارہ نکھر آیا تھا۔ بلیک ڈیڈ سیدھا وہیں جا بیٹھا۔

"میں کپڑے بدل کر ابھی آتا ہوں۔" میں نے اس سے معذرت کی "کام مکمل ہو جانے کے بعد یہ سفید کپڑے مجھے کفن کی طرح ناگوار محسوس ہو رہے ہیں۔"

بلیک ڈیڈ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا "مجھے بھی سفید لباس بدل لینا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ دوسری خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں اس کی ضرورت کا کچھ سامان شاید موجود تھا۔

ویرا کے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ وہ میرے ساتھ ہو لی۔

کچھ دیر بعد ہم دونوں ڈرائنگ روم میں واپس پہنچے تو میں یہ اطمینان کر چکا تھا کہ ہماری غیر حاضری میں سی ایس ڈی کو نہیں چھیڑا گیا تھا۔ وہ ڈیوائس اسی طرح موجود تھی جس طرح میں نے اسے چھوڑا تھا۔

بلیک ڈیڈ اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ ویرا سرگوشیانہ لہجے میں بولی "معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج بھی ہمارے سروں پر مسلط رہے گا۔ اس کا جانے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر میں چلا ہی جائے۔ بات کر کے ہی کچھ اندازہ ہو سکے گا۔"

بلیک ڈیڈ واپس آیا تو اس کے بدن پر لباس سے جوتوں تک، کہیں بھی سفید رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "تم نے تو ہر سفید چیز بدل ڈالی۔۔۔"

"تمہاری باتیں گہری اور دل کو لگنے والی ہوتی ہیں۔" اپنے معمول کے مطابق اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم نے اس انداز میں کفن کا ذکر کیا تھا کہ مجھے خواہ مخواہ اپنے کپڑوں سے کافور کی بو آنے لگی تھی۔ یہ بو آدمی تابوت میں پہنچنے کے بعد ہی برداشت کر سکتا ہے۔"

"اب پتا چلا کہ تم ضعیف الاعتقاد بھی ہو۔" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا۔

"یہ ضعیف الاعتقادی نہیں، فطرت ہے۔ ہر جواری ٹونے ٹوٹکوں اور شگون پر یقین رکھتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری آمدنی کے بیشتر ذرائع ایسے ہی ہیں۔ میرے تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ ان باتوں میں وزن ہوتا ہے۔ سیاہ بلیاں اور سنہرے بالوں والی لڑکیاں میرے لیے ہمیشہ خوش نصیبی اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔"

"ویرا کے بال سنہرے ہیں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "اس سے دوستانہ مراسم ہونے کے بعد تم اپنے پانچ حریفوں یا ڈیڈز اسٹارز سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کر چکے ہو۔"

"یہ باتیں تمہیں لے ڈوبیں گی۔" ویرا نے میری بات پوری ہوتے ہی بے اعتنائی سے کہا "بازار میں ملنے والے خضابوں کی مدد سے ستر سالہ بوڑھیاں بھی اپنے سفید بالوں کو سنہرا کیے پھرتی ہیں۔"

بلیک ڈیڈ اپنے ایک مشن میں بڑی کامیابی حاصل کر کے آیا تھا۔ اس موقع کی مناسبت سے مائیک ایک ٹرے میں شیمپین کی تین یخ بوتلیں گلاسوں کے ساتھ لے آیا۔

"یہ تین کیوں ہیں؟" بلیک ڈیڈ نے خشک لہجے میں غرا کر مائیک سے پوچھا۔

مائیک سٹپٹا گیا "کیا۔۔۔ کیا تم اس موقع پر شیمپین نہیں پیو گے؟"

"تم۔۔۔ سن آف اے گن۔۔۔! جاؤ اور اپنے لیے چوتھی بوتل بھی لے آؤ۔" بلیک ڈیڈ نے اسے پھٹکارا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اپنے باس کے شکریے کی تکرار کرتا ہوا کچن کی طرف دوڑ گیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے آدمیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہو۔ تمہاری ان ہمدردیوں اور خوش کلامیوں کے نتیجے میں یہ سب تمہارے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لیے تیار رہتے ہوں گے۔" مائیک کے چلے جانے کے بعد میں نے قدرے دھیمی آواز میں بلیک ڈیڈ کی تعریف کی۔

"اکیلا آدمی تیس مار خاں بھی ہو تو حقیر مکھی سے زیادہ بساط کا مالک نہیں ہوتا۔ کوئی بھی بڑا حریف آسانی سے اس کی گردن مروڑ دیتا ہے۔ یہی سب میرے دست و بازو ہیں، میری ساری شہرت اور بالادستی ان ہی کے دم قدم سے ہے پھر میں ان کی عزت کیوں نہ کروں؟"

اسی وقت مائیک اپنے حصے کی شمپین لے آیا۔ اس شام کی کامیابی کے نام پر بوتلوں کے کاگ اڑائے گئے۔ پہلے گھونٹ کے بعد بوتلیں گلاسوں میں انڈیل لی گئیں۔

"آج رات تم ہمارے ساتھ ہی بسر کرو گے؟" مختصر سے جشن کے بعد میں نے سگریٹ سلگا کر بلیک ڈیڈ سے پوچھا۔ میز کے نیچے ویرا نے پیر دبا کر احساس دلایا کہ میرا سوال بہت زیادہ براہِ راست ہو گیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں اپنی خلوت میں میری مداخلت پسند نہیں کرو گے مگر..... " بلیک ڈیڈ نے میرے فقروں میں پنہاں مفہوم کو بھانپ کر کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ یہاں ایک ساتھ رہ کر ہم بہتر طور پر نئے مسائل کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر سکیں گے۔ میں تم سے اس تجویز کی تائید چاہ رہا تھا۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ شاید وہ میری آنکھوں میں جھانک کر میرے الفاظ کا وزن پرکھنا چاہ رہا تھا۔ مطمئن ہونے کے بعد وہ بولا "تھوڑی دیر میں ٹیلی وژن سے خبریں آنی شروع ہو جائیں گی۔ میں بھی یہیں رکنا چاہ رہا ہوں۔ تمہارے مشورے مجھے بہت کارآمد محسوس ہوتے ہیں۔ وقت یہ ہے کہ مجھے اب جائے واردات سے اپنی غیر حاضری کے چند معزز گواہ بھی پیدا کرنے ہوں گے اس کے لیے مجھے جانا ہی ہو گا۔"

وہ اپنے معتبر وکیلوں کے ذریعے قانون کی کمزوریوں سے کھیلنے کا عادی تھا لیکن اس کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ہوم ورک کرنا اور بنیادیں فراہم کرنا ضروری تھا۔ میں نے کہا "اگر یہ درست ہے تو تم یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کر رہے ہو۔ وقت کا فرق بڑھنے سے تمہارے لیے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

وہ شمپین کا گلاس پانی کی طرف غٹاغٹ خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا "بس میں جا رہا ہوں۔ کوئی نئی بات ذہن میں آئی تو فون پر تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ وہاں سے رخصت ہونے پر آمادہ تھا۔

مائیک اس کا پروگرام سنتے ہی گلاس سمیت ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ بلیک ڈیڈ کو اسے کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

چند منٹ بعد مائیک نے آکر اطلاع دی کہ اس کا ڈرائیور اسے لینے آیا تھا۔ ہم نے بھی مختصر سے ڈرائیو وے پر سیاہ گاڑی کی جھلک دیکھی تھی۔ بلیک ڈیڈ فوراً ہی دروازے کی طرف چل پڑا۔ اس بار گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ بلیک ڈیڈ کا گن مین بھی موجود تھا۔ اس کے آدمیوں کی اس پُراسرار آمد اور روپوشی بظاہر وائرلیس کے مستقل لاسلکی روابط کی مرہونِ منت معلوم ہوتی

"تم نے بہت محنت سے پورے گھر کو چمکایا ہے۔" بلیک ڈیڈ کی روانگی کے بعد میں نے مائیک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ لہجے میں کہا "اب تم کچن سے اپنی ضرورت کی اشیا لے کر اپنے کمرے میں آرام کر سکتے ہو۔ ہم تمہاری مصروفیات میں مخل نہیں ہوں گے۔"

"اور تم دونوں کا ڈنر؟" مائیک ضرورت سے زیادہ فرض شناس ثابت ہو رہا تھا۔

"ابھی گپ شپ کا موڈ ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔ "ضرورت ہوئی تو ہم خود ہی بندوبست کر لیں گے۔"

اتنی وضاحت کے بعد مائیک لمحہ بھر کے لیے بھی وہاں نہیں رکا۔ سیدھا کچن میں چلا گیا۔

"مائیک کو تم نے کہاں بھگا دیا؟ اب کھانا کون لگائے گا؟" میرے ڈرائنگ روم میں پہنچنے پر ویرا نے خفگی سے پوچھا۔ وہ میرے اور مائیک کے مذاکرات کو دور سے دیکھتی رہی تھی۔

"آج تمہارے ہاتھ کا کھانا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "تم انکار کرو گی تو آج پھر جینی کے گھر کا رخ کرنا پڑے گا۔ وہ خاصے لذیذ کھانے بناتی ہے۔"

"خاک بناتی ہے۔" ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر حقارت سے کہا۔ "چٹ پٹے پاکستانی کھانوں کی عادت پڑ جانے کے بعد روکھے پھیکے امریکی کھانے مجھے صابن کا شوربہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"بیکسٹر کے بعد مائیک بھی صابن کے شور بے کھلا رہا ہے۔ آج تم ہی کچھ بنا ڈالو۔"

"شہر میں سیکڑوں ریستوران کھلے ہیں' جہاں چاہو جاسکتے ہو۔ مجھے چولہا جھونکنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان بے تکی باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔"

"ارادے نیک ہیں' آؤ بیڈ روم میں چلتے ہیں۔" میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

وہ مچل کر مجھ سے دور جا کھڑی ہوئی "تمہارے ایک ایک لفظ سے منافقت کی بو آرہی ہے۔"

"آج کا دن ہی کچھ خراب ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "بلیک ڈیڈ کو کافور کی بو آرہی تھی' تم کو منافقت کی بو آرہی ہے۔ آج شاید میری ناک بند ہوگئی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ کمر پر باندھے مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتی رہی۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنا سر جھٹک کر خواب گاہ کی طرف چل دیا۔

نیویارک میں رات ڈھل رہی تھی' پاکستان میں دن نکل چکا تھا۔ میں اول خان سے کچھ دیر بعد بھی بات کرسکتا تھا۔ مقامیوں سے فوری مذاکرات ضروری تھے۔

پہلے میں نے مین ہٹن کے گورہام ہوٹل کا نمبر ملایا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عباس کرمانی کی تلاش میں آیا ہوا بدری ناتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ آپریٹر نے فوراً لائن اسے منتقل کردی۔

"تم اس وقت بھی سی ایس ڈی استعمال کررہے ہو نا؟" میری آواز پہچانتے ہی بدری ناتھ نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ شاید وہ اس وقت کوئی اہم بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

"اس کے بغیر میں تم سے رابطے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم کہاں تھے؟" بدری ناتھ کی آواز میں تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

"میں یہیں بیٹھا آرام کررہا تھا۔ آج تم اتنے زیادہ سوالات کیوں کررہے ہو؟"

"برا مان گئے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری "میں حیران ہوں کہ تم جس کسی کا نام لیتے ہو' وہ بہت جلد کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے یا مارا جاتا ہے۔"

"کیا پھر کوئی مارا گیا؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

"میں اس وقت خود کو بالکل چغد محسوس کررہا ہوں۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ....."

میں نے اس کی بات کاٹ کر مزاحیہ انداز میں کہا "اپنے بارے میں اس قدر کسرِ نفسی سے کام نہ لو۔ سی آئی اے کی ایک بڑی مہم کا سربراہ خود کو چغد محسوس کرنے لگے تو اس کی کرسی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"تم نے چار ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور میں کچھ نہیں کرسکا تھا۔ ذرا ہی پہلے خبر ملی ہے کہ ان میں سے بنجمن فورٹ نامی داؤدی ستارے کے گھر میں خاصا کشت و خون ہوا ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ اس واقعے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا؟"

"تو کیا بنجمن فورٹ مارا گیا؟" اس بار میرا سوال بے ساختہ تھا۔ ہم لوگ صرف جارج شلز کی موت کے بارے میں پُریقین تھے۔ دوسرے داؤدی ستاروں کو اندازے سے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔ جب تک کسی اور ذریعے سے اس اندازے کی تصدیق نہ ہوجاتی' یقین مشکل تھا۔

"ابھی صرف ابتدائی اطلاعات ملی ہیں۔ وہاں متعدد لاشیں ملی ہیں۔ مرنے والوں کے نام ابھی آنے باقی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مرنے والوں میں وہ بھی شامل ہو۔"

"یہ میرے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ پتا نہیں وہ کون محسن ہے جو میرے کام کا بوجھ ہلکا کررہا ہے۔"

"وہ کوئی اور کیسے ہوسکتا ہے؟ تم مجھے کیوں ستا رہے ہو؟ بتا کیوں نہیں دیتے کہ اس کے گھر پر تم ہی نے کوئی انتقامی کارروائی کی ہے؟ میں تمہارا دشمن نہیں گہرا دوست ہوں۔"

"تمہیں یہ سب باتیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے کچھ کیا ہوتا تو میں فخر کے ساتھ تمہیں اپنے کارنامے کی خبر دیتا۔ تم سے کوئی بات چھپا کر مجھے کوئی فیض حاصل ہوسکتا ہے؟"

"یہی بات مجھے حیران کررہی ہے۔ کیا یہ ایک عجیب اتفاق نہیں کہ تمہارے چار مطلوبہ آدمیوں میں سے ایک کے گھر پر کسی اور نے حملہ کرکے تباہی مچادی۔"

"یہ اتفاق ضرور ہے لیکن تم اسے عجیب نہیں کہہ سکتے۔ ایسے لوگوں کے بے شمار دشمن ہوتے ہیں اور ان پر برا وقت آتے ہی وہ سب ان کے خلاف میدانِ عمل میں اتر آتے ہیں۔ پتا نہیں وہاں کن دل جلوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ تم بلاوجہ مجھ پر شبہ مت کرو۔"

"ذرا ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں دوسری لائن پر بات کرلوں۔" اس نے جلدی سے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں اپنے ریسیور میں پہلے ہی فون کی گھنٹی کی آواز سن چکا تھا۔

مجھے کئی منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ وہ فون پر واپس آیا تو ہیجان میں مبتلا ہوچکا تھا۔ اس نے تقریباً چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "بنجمن فورٹ' جارج شلز' ایان جیکب اور سولومن ویل.... یہ چاروں وہی نام ہیں جن کے بارے میں تم کو معلومات مطلوب تھیں۔ مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ بنجمن فورٹ کے مکان کے احاطے میں ان چاروں کو بڑی بے رحمی سے مار ڈالا گیا ہے۔"

"چاروں؟ بقیہ تین اس کے گھر میں کیا کررہے تھے؟" میں نے

بچھے سے پوچھا۔

"جانج شلز کی لاش اسٹریچر سے بندھی ہوئی ہے' دو کو کسی اڑی کے پہیوں تلے کچل کر مارا گیا ہے۔ ایان جیکب کی ٹانگ اور پیٹوں میں زخم ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کو زبردستی وہاں جمع کر کے نشانے لگایا گیا ہو۔ یہ بہت منظم اور سفاکانہ واردات معلوم ہوتی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ مجھ جیسا تنہا اور بے سروسامان آدمی اتنا بڑا اہتمام کرسکتا ہے؟ نہیں بدری' میری طرف سے اپنا دل صاف رکھو۔ میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔"

"ہر مہم کی ابتدا تم کرتے ہو لیکن کارروائی کوئی اور کرجاتا ہے۔ یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے؟ آئزک بیل کا پیچھا تم نے لیا ہوا تھا لیکن اس کا تباہ کن تصادم عباس کرمانی سے ہوگیا۔ اب ان چاروں داؤدی ستاروں کی ناقابلِ فہم کہانی سامنے آئی ہے۔"

"وہ یقیناً وہاں کسی سازشی منصوبے کی تیاری کے لیے جمع ہوئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں یہاں کی کسی ایجنسی نے ہی اڑادیا ہو۔" میں اپنے مدافعانہ موقف پر اڑا رہا۔

"ناممکن۔۔۔ یہاں ایجنسیوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ قانون کی سخت عمل داری اور مسلسل مواخذے کی وجہ سے ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ اگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو زیرِ زمین دنیا کے کچھ لوگوں نے اپنی مخاصمت کا کوئی حساب چکایا ہوگا۔ میرے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ تمہارے ایما پر میں نے اپنے ایک آدمی کو ان چاروں کے بارے میں معلومات جمع کرنے پر لگایا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" پوری بات سمجھتے ہوئے بھی میں انجان بن گیا۔

"دوسرے فون پر اسی شخص نے مجھے اطلاع دی ہے۔ جانتے ہو اس کے کیا الفاظ تھے؟"

میں خاموش رہا۔ لائن پر ایک طویل سکوت کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگا "وہ کہہ رہا تھا کہ میں جن چار داؤدی ستاروں کے بارے میں متجسس تھا' وہ سب ہی فورٹ ہاؤس کے سبزہ زار پر مارے جاچکے ہیں۔ دوسری لاشوں کی شناخت ابھی باقی ہے۔ یہ بات چھپنے والی نہیں ہے' پھیلے گی تو میری پوزیشن بہت مخدوش ہوجائے گی۔ پیشہ ورانہ حسد اور رقابت میں جتلا لوگ چاروں مقتولین میں میری دلچسپی کو خوب ہوا دیں گے۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکوں گا۔"

"یہ ابتدائی خبریں ہیں۔ ان پر یوں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تفصیلات ملنے پر یہ بات خودی صاف ہوجائے کہ قاتل کون تھے۔ ان میں تمہاری پیشگی دلچسپی بھی کوئی ناقابلِ معافی جرم نہیں ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں ان چاروں کے خوف کارروائی کا خدشہ تھا۔"

"یہ خدشہ کیوں تھا؟ ان چاروں کے نام مجھے کس نے دیے؟" "کاغذوں تو ایسی محتاط زندگی بسر کررہے تھے کہ معززین شہر ہونے کے باوجود کہیں ان کا پتا یا فون نمبر تک موجود نہیں تھا۔"

"تم اپنے شعبے کے ایک سینئر اور ذہین افسر ہو۔ خود بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرو۔ تم شیام ناتھ کے ہوٹل جاتے رہے ہو۔ وہاں کوئی تمہیں کچھ بتا سکتا ہے' کچھ اجنبیوں کی باہمی گفتگو کے ذریعے وہ نام تمہارے کانوں میں پڑسکتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"یعنی میں یہ یقین کرلوں کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں؟" بدری کی آواز سے بے اعتباری حرشح تھی۔

"مت یقین کرو اور مجھے سزائے موت دلوا دو۔" میں نے برہمی سے جواب دے کر فون بند کردیا۔ اس کی تکرار نے واقعی میرا پارہ چڑھادیا تھا۔

"تم نے برا کیا۔" ویرا نے فوراً ہی تنقید کا سلسلہ شروع کردیا۔ "وہ دودھ پیتا بچہ نہیں ہے جو تمہاری ہر من گھڑت کہانی کو درست مان لے۔ اس کی چھٹی حس اس کی صحیح رہنمائی کرری ہے تو تم کو اس طرح مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس حرکت سے شاید تم نے اسے کھودیا ہے۔"

"اس کے دماغ سے شکوک و شبہات کا خنّاس نکالنے کے لیے سخت جواب دینا ناگزیر ہوگیا تھا۔ اگر وہ میرے جواب پر ناراض ہوا ہے تو صبح تک اس کا دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ جائے واردات سے ایک زخمی یا مردہ حملہ آور کی گرفتاری اور ایمبولینس سے ملنے والی تحریر کے بعد میرا دامن خود بہ خود صاف ہوجائے گا اور وہ اپنے اصرار پر خودہی شرمندگی محسوس کرنے لگے گا۔"

"اس کے پاس تمہارا فون نمبر نہیں ہے جو وہ رابطہ کرکے اپنے رویّے پر معذرت کرسکے۔"

"نہ ہو۔ صبح کے اخبارات آنے کے بعد میں فون کرکے خودہی اس کا دماغ درست کردوں گا۔ میں لوگوں سے لڑنا جانتا ہوں تو ان سے دوستی استوار کرنے کے گروں سے بھی واقف ہوں۔"

"کمال ہے کہ فورٹ ہاؤس میں اتنی بڑی واردات ہوگئی اور وہ ہوٹل ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"بعض اوقات تمہاری عقل پر پتھر پڑجاتے ہیں۔" میں نے چڑ کر کہا "وہ نیویارک کا پولیس چیف یا سی آئی اے کا ڈائریکٹر نہیں ہے جو ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اسے عباس کرمانی کی تلاش کی ٹاسک دے کر یہاں بھیجا گیا ہے اور بس۔ وہ ان لوگوں میں رہ رہا ہے اس لیے اسے اِدھر اُدھر سے خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس کو یہ اہمیت بھی ہماری وجہ سے ملی ہے ورنہ وہ فیر لیکس میں ایک معمولی ٹرینی کی طرح پڑا ہوا تھا۔"

"خودہی اسے عزت دلوائی اور اب اس سے جل رہے ہو۔" ویرا نے اپنے مکارانہ معمول کے مطابق اصل موضوع کو چھوڑ کر میرے آخری فقرے پکڑلیے "وہ چاہے تو اب بھی تمہیں بند کراسکتا ہے۔"

"تم اس سے کوئی ناپاک گٹھ جوڑ کر لو تو دوسری بات ہے۔ وہ مر کر بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ جس لمحے بھی اس نے مجھے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی' اس کی جان وبال میں آجائے گی۔"

"وہ بے چارہ آنکھیں دکھانے کے بجائے تمہیں اس منحوس خلائی ایندھن کے ذخیرے کی راہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے جس کی تباہی پر یہاں والوں پر وقت پڑ جائے گا۔"

"اس وقت میں اس سے اسی بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا لیکن اس نے میرا موڈ تباہ کر دیا۔ اب اس سے کل صبح ہی کوئی بات ہو سکے گی۔" میں نے کہا۔

"اصولی طور پر یہاں ہمارا کام پورا ہو چکا ہے۔ جمی لائیڈ کے قتل کا انتقام پورا ہو گیا۔ رنگس تباہ ہو گئی اور ڈیوڈ اسٹارز بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ کسی نئے چکر میں پھنسنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آئزک بیل اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود امریکی حکومت کو یہ باور نہیں کرا سکا کہ ہم دونوں امریکا میں موجود ہیں۔۔۔"

میں نے ویرا کی بات کاٹ دی "یہ انتقامی کارروائیاں تھیں۔ ہمارے نشانوں میں سے ایک' نک موڈلے جو یہاں آگیا ہے' ابھی تک بچا ہوا ہے۔ اس کے بعد کچھ جوابی حملے بھی ضروری ہیں۔ انہیں پتا چلنا چاہیے کہ ان کی سرزمین بھی دوسروں کی سازشوں کا نشانہ بن سکتی ہے۔"

"پہلے دن سے تم جوابی کارروائیاں ہی کر رہے ہو۔ یہاں انسانی جانوں کا بھاری اتلاف معمول میں شامل نہیں ہے۔ ہمارے آنے کے بعد یہاں بہت خون بہا ہے۔"

"وہ سب دوسروں کے کھاتوں میں گیا ہے۔ ایک ولسن ہی ایسا ہے جو اپنی کہانی سمیت نیو جرسی کے ایک کنوئیں میں مدفون ہے۔ انہیں پتا چلنا چاہیے کہ یہ سب ڈیڈی اور ویرا نے ان کے سینے پر مونگ دل کر کیا ہے۔ انتقام اسی وقت پورا ہوتا ہے جب انتقام لینے والوں اور ان کا نشانہ بننے والوں کی کھلی کھلی شناخت ہو چکی ہو۔ اس کے بغیر سب کچھ محض ایک حادثہ' اتفاقی واقعہ یا واردات بن کر رہ جاتا ہے۔"

"یہاں رہتے ہوئے یہ سب نہیں کیا جا سکتا۔ جس راز کو ہم ہفتوں سے چھپاتے چلے آرہے ہیں' اسے اپنی زبان سے فاش کر کے ہم مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہماری واپسی کے بعد جس دن پاکستان کے دفتر خارجہ نے امریکی سفیر کو طلب کر کے کیپ کے کاغذات اس کے سامنے رکھے' اسی لمحے یہ کام ہو جائے گا۔ سب کو پتا چل جائے گا کہ عباس کرمانی وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا' وہ ہماری اختراع تھی۔"

"جب تک ہم یہاں ہیں' کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

"دن میں نیویارک کی جدید عمارات' عجائب خانے اور لائبریریاں دیکھو' رات کو میٹرو ڈسٹرکٹ اور ٹائمز اسکوائر میں آوارہ گردی کرو۔ تمہارا وقت بہت اچھا گزر جائے گا۔"

"مجھے امریکا جیسے موذی ملک کی تاریخ اور ترقی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔" میں نے حقارت سے کہا "میرے لیے موہن جو داڑو' ہڑپا اور ٹیکسلا کی سیر زیادہ آسودگی کا باعث ہوگی۔"

"میں تمہیں یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ پھر جلد پاکستان واپسی کی فکر کرو۔"

"میرا دماغ مت چاٹو!" میں نے بےزاری کے عالم میں کہا "مجھے کچھ کام کرنے دو۔"

میں اس کے ردعمل پر دھیان دیے بغیر دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نمبر ملنے پر میری آواز پہچان کر میجر جنجوعہ کی آواز میں والہانہ گرمجوشی عود کر آئی "میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ نیویارک میں تمہارے پاس ایک ایسا محفوظ فون ہے جس پر میں کھل کر بات کر سکتا ہوں۔ فون پر ہم ہمیشہ بہت زیادہ محتاط رہتے ہیں۔۔۔"

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "ابھی تک تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کے لیے ایک محفوظ فون نمبر کی ضرورت ثابت ہوتی ہو۔"

"میں نے کل دوپہر میں تمہیں ان چاروں کے نام پتے بتائے تھے اور ابھی چند منٹ پہلے ٹیلی فون پر بتایا گیا ہے کہ ان چاروں کو فورٹ ہاؤس میں قتل کر دیا گیا۔" وہ پرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اس بارے میں میجر جنجوعہ کی تحیر زدہ باتیں من و عن وہی تھیں جو میں کچھ دیر پہلے بدری کی زبان سے سن چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بدری پر مجھے سو فیصد اعتماد نہیں تھا۔ میں نے ان واقعات میں اپنے کسی بھی کردار سے صاف انکار کر دیا تھا۔ میجر جنجوعہ نے اکلوتی ملاقات میں میرا دل جیت لیا تھا۔ اسے میں نے حقیقت سے مطلع کر دیا اور فخر سے اس کی آواز بھرانے لگی۔

اس منصوبہ بندی میں' میں نے کسی ایک فرد یا ذریعے پر انحصار نہیں کیا تھا۔ معلومات کے جلد از جلد حصول کے لیے ہر اس فرد سے رابطہ کیا تھا جو میرا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

بلیک ڈیڈی نے کسی پتے یا نشان کے بغیر وہ چار نام میرے حوالے کیے تھے' بدری ناتھ نے صرف یہ بتایا تھا کہ وہ چاروں معززین شہر میں شامل تھے لیکن ریکارڈ میں ان چاروں کے پتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کی معرفت تھے اور وہ دفتر ان دنوں مقفل تھا' للی برنارڈ عرف جینی نے رنگس کے کمپیوٹر ریکارڈز کی چھان بین کر کے جارج شلز کے گھر کا پتا بتایا تھا اور میجر جنجوعہ نے سب سے پہلے بیمن فورٹ کا نمبر دے کر مجھے ان چاروں میں خوف و ہراس پھیلانے کا اولین موقع دیا تھا اور پھر چاروں کے پتے بھی فراہم کر دیے تھے۔

وہ چاروں اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔ ان کے انجام کے بارے میں خبریں سامنے آنے کے بعد میری معلومات کا ذریعہ

میں اس واقعے میں اپنے کردار پر قدرے ندامت محسوس
کر رہا تھا
زیادہ ... اضافہ ندامت میں ہوتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان
والی ... بھی رہ جاتا ہوگا۔ وہ محبت کرنے اور بانٹنے والی
نرم دل لڑکی تھی جو کشت و خون سے نفرت کرتی تھی لیکن
میجر جنجوعہ کا معاملہ مختلف تھا۔
ایک ایجنٹ کو بیمارک کی زیر زمین دنیا میں اپنے اقتدار اور
ورثی کی فکر تھی۔ اسے یقین تھا کہ ان چاروں کی موت کے بعد
خاموشی کے ساتھ بیمارک کا جرائم معاشرہ سرنگوں تسلیم کر لیا
جائے گا۔ میجر جنجوعہ کی خوشی کے اسباب ایک سے زائد تھے۔

اسے چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے پتے فراہم کرنے والے پاکستانی
ایجنٹوں نے جنجوعہ کو بتایا تھا کہ امریکا میں دہشت گرد اور متعصب
یہودیوں کی سازشی بالادستی کا خاتمہ کرنے کے لیے وہ لوگ برسوں
سے ڈیوڈ اسٹارز کی گھات میں تھے لیکن اپنی ساری معلومات کے
باوجود ان میں سے کسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے مگر
جنجوعہ کے ایک گمنام دوست نے ایک ہی وار میں چار کا صفایا کر دیا
تھا۔ آئزک بیل اس سے پہلے ہی ذلیل و خوار ہو کر قیدی بن چکا
تھا اس کا پیش رو اور داؤدی ستاروں کا بانی، راس الیزڈا پہلے ہی
اسرائیل میں پاکستانی سرزمین پر موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

"چھ نمایاں اور ممتاز یہودی دہشت گرد ضرور مارے گئے ہیں
مگر ان کی جگہ لینے والے جلد ہی سامنے آجائیں گے۔" میں نے
میجر جنجوعہ کی باتیں سن کر کہا "میرے لیے یہ ایک عارضی کامیابی
ہے۔"

"تم یہاں کی کہانیوں سے باخبر نہیں ہو اس لیے ایسا سمجھ رہے
ہو۔ یہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی سپریم کونسل کے چھ
اہم ترین داؤدی ستارے کم و بیش ایک ساتھ مارے جائیں گے۔
اس قیادت کا متبادل دس بیس برس میں بھی پیدا نہیں ہو سکے گا۔"

"امریکا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں یہودی آباد
ہیں۔" میں نے کہا "ان میں سے کوئی بھی ساتواں داؤدی ستارہ
ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یہ سسٹم کی بات ہے۔ اس برادر ہڈ پر صرف چھ افراد کی
گرفت تھی۔ وہی اس کے تمام اندرونی اور بیرونی رازوں سے
واقف تھے۔ ساتواں آدمی باہر کا ہوگا۔ اس کے لیے ہر چیز مشکل
اور نئی ثابت ہوگی۔ اپنی کوششوں سے وہ کچھ بھی بنا سکتا ہے لیکن
اس برادر ہڈ کو زندہ نہیں کر سکتا۔"

"کیا پورے امریکا میں آباد یہودیوں کی صرف یہی ایک تنظیم
تھی؟" میں نے ہلکے سے استہزائیہ انداز میں سوال کر کے اپنی
معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

"امریکا کے ہر شہر اور قصبے میں معاشی اور معاشرتی بہبود کے
نام پر یہودیوں کی مقامی یا علاقائی تنظیمیں ہیں جو مقامی معاملات اپنی

مرضی سے کے لیے میں لکھی تھی ارادہ ہی تھی، جو بچے ہیں تمہیں
دل سے اپنا اقدام سے خیال لگ رہی تھی ... کچھ لوگ
اقدامات ... سب کو ایک حکم جس میں پڑا ہوا تھا ... تھم
لڑکی لوٹ گئی تو ساری تھوڑی تھوڑی خفگی ختم ہو جائے گی۔"
اس مرتبہ میجر جنجوعہ ان لڑکوں کے بارے میں پہلی دفعہ سے زیادہ
پُراعتماد ہو رہا تھا۔

"اس سے انہیں کیا نقصان پہنچے گا؟ امریکا میں وہ اب بھی
مکمل مذہبی اقلیت ہیں۔"

"ان کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا۔ کوئی سچ بول کر ان
کے مفادات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ صدارتی انتخاب کے
امیدواروں سے خفیہ مراعات کے معاہدے کون کرے گا؟"

"ان کے نمائندے کانگریس اور سینیٹ میں بھی ہوتے ہیں
اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔"

"وہ سب ظاہری تماشا ہوتا ہے۔ ان کو تنظیموں کو گائیڈ لائن
ڈیوڈ اسٹارز دیتے تھے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہاں کوئی ایسی سیاسی مافیا بھی
وجود رکھتی ہے۔"

"اسے یوں سمجھ لو کہ صدارتی انتخاب میں مدمقابل آنے
والے امیدوار ہر یہودی یا ہر یہودی تنظیم کو اعتماد میں نہیں لے
سکتے لیکن ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ سے مذاکرات میں یہودیوں کے
لیے خفیہ مراعات سمیت ہر موضوع پر کھل کر بات کرتے ہیں۔
جس امیدوار سے بات بن جاتی ہے، ڈیوڈ اسٹارز کا سربراہ اس کی
حمایت میں بیان جاری کر دیتا ہے۔ سب اسی پر عمل کرتے ہیں۔"

بدمعاش، دہشت گرد، جرائم پیشہ اور نسل پرست یہودیوں کی
ڈیوڈ اسٹارز نامی وہ تنظیم ان کی یک جہتی میں واقعی ایک مرکزی مافیا
کا کردار ادا کر رہی تھی۔ ان کی صفوں میں ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی دوسرا
متبادل نہیں تھا۔ اسی وجہ سے آئزک بیل کو قانون کے بے رحم
شکنجے سے نکالنے کے لیے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ وہی واقعہ
امریکا میں آباد کسی اور یہودی کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو آئزک بیل
گیپ کے سارے خم ٹھونک کر اس کی مدد کے لیے میدان میں اتر
آیا ہوتا۔

"یہ امریکا میں بسے ہوئے نسل پرستوں کے لیے شاید سب
سے بڑا صدمہ ہے۔ ڈیوڈ اسٹارز کی مکمل ترین تباہی کے بعد وہ خود کو
یتیم محسوس کر رہے ہوں گے۔" میجر جنجوعہ کہہ رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب شی کو بھی عملی طور پر ختم ہی سمجھنا
چاہیے؟"

"وہ امریکا کے سرکاری مقاصد کے لیے بنائی ہوئی این جی او یا
غیر سرکاری تنظیم تھی جس کی باگ ڈور سازشوں کے تحت ڈیوڈ
اسٹارز کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ اگر پیداواری علاقوں میں
ہیروئن کی کھپت کے سرکاری ہدف پورے ہو چکے ہیں تو شاید اب

اسے زندہ نہیں کیا جائے گا۔"

میجر جنجوعہ کی وہ بات حرف بہ حرف درست تھی۔ شی اور اس کے مقامی مددگاروں کے ذریعے اس وقت تک لاگت سے بھی کم داموں پر ہیروئن فروخت کرکے پاکستان میں اکتیس لاکھ افراد کو اس کا عادی بنایا جا چکا تھا۔ شی کی وہ کامیابی بہت مہیب اور لرزہ خیز تھی۔

"پھر جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ سیاسی اور سفارتی کھیل ہے۔ اس میں ہونے والی دھاندلیوں اور بدمعاشیوں کا اسی زبان میں جواب دینا ہوگا۔" میں نے میجر جنجوعہ کی پُرخیال باتوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہوتا.... میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہم لوگ یہاں ہر قدم پر محتاط رہتے ہیں۔ فون پر مذاق میں بھی کوئی نامناسب لفظ استعمال نہیں کرتے لیکن ان کے سفارت کار ہمارے ملک میں من مانیاں کرتے ہیں، رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں پھر بھی بات خفیہ احتجاجی مراسلوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ ہمارے ساتھ ہی نہیں، ساری دنیا میں یہ ہو رہا ہے۔ کمزور کو پیس دیا جاتا ہے، شہ زور کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔"

"فکر مت کرو۔ آج کل نک موڈلے نامی ایک سفارت کار کراچی سے یہاں آیا ہوا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ہوسکتا ہے کہ نیویارک کے کسی تابوت پر اس کا نام لکھا ہوا ہو۔"

"تم عظیم ہو، میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ وہ زمانے لد گئے جب برائی کو نیکی کی قوت سے تباہ و برباد کرکے ختم کیا جاتا تھا۔ اب بدی کو بدی ہی سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تم ان کو ان ہی کی زبان میں جواب دے رہے ہو۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"بس میں ان ہی دعاؤں کے سہارے چل رہا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا "ورنہ موت کے جبڑوں سے بار بار بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔"

وہ میجر جنجوعہ سے میری اختتامی گفتگو کی ابتدا تھی جو کئی منٹ تک چلتی رہی اور پھر ختم ہوگئی۔

"اب سمجھ میں آیا کہ آج کیا ہوا ہے۔" اسپیکر فون بند ہوتے ہی ویرا بول پڑی "ایک ہی وار میں ڈیوڈ اسٹارز کی صفِ اوّل کی پوری قیادت فنا ہوگئی ہے۔ یہ خلا برسوں پُر نہیں ہوسکے گا۔"

"اب ان کی نوحہ گری بے سود ہے۔ سب مردود مر گئے۔ جانے سے پہلے نک موڈلے بھی ہاتھ آجائے تو مزہ آجائے گا۔" میں نے دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

ویرا نے جھٹ ٹیلی وژن آن کردیا "یہ سلسلہ ختم کرو۔ ذرا دیکھا جائے کہ ٹیلی وژن والے کیا خبریں سنا رہے ہیں۔ ہم ابھی تک تازہ ترین خبریں نہیں سن سکے ہیں۔"

ٹیلی وژن کے خبروں کے چینل پر اشتہارات چل رہے تھے۔ نیویارک میں رہتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہاں خبروں کے چینل پر عام طور سے سب سے کم اشتہارات دکھائے جاتے تھے لیکن کوئی اہم خبر آتے ہی ان اشتہارات کا تناسب یک بیک بڑھ جاتا تھا۔

کوئنز ڈسٹرکٹ کے فورٹ ہاؤس میں متعدد داؤدی ستاروں کے قتل کی اہمیت کا اندازہ مجھے یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے اشتہاروں سے ہو رہا تھا۔ وہ دورانیہ معمول سے زیادہ طویل تھا۔ خبروں کی سرخیاں شاید اس اشتہاری وقفے سے پہلے سنا کر ناظرین کو تجسس میں مبتلا کردیا گیا تھا اور ان کے صبر کا امتحان لینے کے لیے سکون سے اشتہار دکھائے جارہے تھے۔ وقفہ ختم ہوتے ہی خبر شروع ہوگئی۔

نیوز کاسٹر نے سب سے پہلے اس روز کی افسوس ناک خوں ریزی کی خبر شروع کی اور کیمرا فوراً ہی اس کے چہرے سے فورٹ ہاؤس کے اجڑے ہوئے احاطے میں منتقل ہوگیا۔

وہ خبر بہت تفصیلی اور طویل تھی جس میں وقفے وقفے سے زندہ بچ جانے والے محافظوں، پولیس افسران اور بنجمن فورٹ کے پڑوسیوں کے مختصر انٹرویو دکھائے جارہے تھے۔ شاید نیویارک کے مقامی باشندوں کے لئے وہ سب اہم اور ضروری رہا ہو، ہم دونوں کے لیے وہ ڈرامائی منظر کشی بے مقصد تھی۔

یہ طے ہوچکا تھا کہ کچلی ہوئی باڑھ میں اسٹریچر کے نیچے دبے ہوئے جارج شلز کو ویرا نے بیم گن کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کے سر کے جھلسے ہوئے ننھے سے زخم کی نوعیت کا تعین نہیں کیا جاسکا تھا لیکن گولی کے زخم سے یکسر مختلف ہونے کی وجہ سے اسے کسی پراسرار اور نامعلوم ہتھیار کا شکار قرار دیا گیا تھا۔

ویرا کا دوسرا شکار ایان جیکب تھا۔ اس کی داہنی ران گولی سے زخمی ہوئی تھی۔ بائیں جانب کی پسلیوں میں اسی پراسرار ہتھیار کا جھلسا ہوا قدرے بڑا سوراخ تھا۔ دونوں لاشوں میں پائے جانے والے سوراخوں کا یہ فرق بیم گن کے قریب اور قدرے دور سے استعمال کا فطری نتیجہ تھا۔

کسی مہلک زخم کے بغیر ایمبولینس کے نیچے کچل کر مرنے والا سولومن ویل واضح طور پر بلیک ڈیڈ کا براہِ راست شکار تھا۔ بنجمن فورٹ کی پشت میں لگنے والی گولی اس کے دل کو چیرتی ہوئی سینے کے پار نکل گئی تھی۔ وہ لاش بھی پہیوں کے نیچے کچل دی گئی تھی۔ یقینی طور پر۔ بنجمن فورٹ ہی میری گولی کا نشانہ بنا تھا۔ بلیک ڈیڈ نے محض انتقاماً اسے ایمبولینس کے نیچے روند ڈالا تھا۔

ان چار داؤدی ستاروں کے علاوہ تین محافظ بھی مارے گئے تھے۔ بقیہ چار بری طرح زخمی اور بے ہوش پائے گئے تھے۔ انہیں قریبی اسپتال میں طبی امداد دی جارہی تھی۔ ان چار میں سے دو کے انٹرویو اسپتال میں ہی ریکارڈ کیے گئے تھے۔

خبریں سننے کے ساتھ ساتھ میں دشمن کے جانی نقصان کا

حساب بھی رکھا جا رہا تھا۔ ان سات لاشوں کے عوض بلیک ڈیڈ کو اپنے اس تونی سے محروم ہونا پڑا تھا جسے اس کے تونی میں تلاش نہیں کرپائے تھے۔ ٹونی نامی اس شخص کی لاش گارڈ روم کے پیچھے واقع تالاب میں سے برآمد ہوئی تھی۔ اس تالاب کا پانی موٹر کے ذریعے لان اور پودوں کی آبیاری کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اس کی شناخت نہیں ہوسکی تھی۔ خبر میں اسے نامعلوم قاتلوں کا ساتھی قرار دیا گیا تھا۔ اس کے سر کے عقبی حصے پر کسی کند ہتھیار کا گہرا اور کاری زخم تھا۔ شاید وہ دست بدست مقابلے میں سر پر ضرب پڑتے ہی تالاب میں جا گرا تھا اور پھر اسی کی تہ میں دم توڑ گیا۔

فورٹ ہاؤس کے اونچے چوبی دروازوں کے قریب کھڑی ہوئی ایمبولینس اسکرین پر ایک آسیب کی طرح نظر آرہی تھی۔ پولیس افسران نے کیبن کی تلاشی لے کر وہ تحریر برآمد کرلی تھی جو بلیک ڈیڈ نے دانستہ چھوڑی تھی۔ کمپیوٹر پر بڑے حروف میں چھاپی گئی ان دو سطروں کی ٹیلی وژن پر نمائش کے ساتھ نیوز کاسٹر بتا رہا تھا کہ بعض ماہرین کے اندازوں کے مطابق ہارلم کے فسادات بظاہر دم توڑ گئے تھے لیکن متعدد انسانی جانوں اور لاکھوں ڈالر کے مالی نقصانات کی بھینٹ لینے والے ان ہنگاموں کی تلخیاں زیرِ زمین دنیا میں پروان چڑھتی رہی تھیں جنہوں نے فورٹ ہاؤس کے المیے کی صورت میں رنگ دکھایا تھا۔

بنجمن فورٹ اپنے گھر میں تین معزز مہمانوں اور تین محافظوں کے ساتھ مارا گیا تھا۔ خبر میں ان مقتولین کے ساتھ ہمدردانہ رویے کی موجودگی فطری تھی۔ بلیک ڈیڈ کی تحریر کے باوجود ٹیلی وژن پر اس واردات کی ذمے داری کسی پر نہیں ڈالی گئی۔ بس نامعلوم اور شقی القلب قاتلوں کے خلاف غم و غصے کے اظہار پر اکتفا کیا گیا اور پھر مبصرین کی رائے زنی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

"ون' سیون' بہت قابلِ رشک اسکور ہے۔" ویرا نے مسکرا کر کہا "ہوسکتا ہے بلیک ڈیڈ کا شدید زخمی ہونے والا دوسرا آدمی بھی نہ بچ سکے۔ ان دو عام کارکنوں کی قربانی دے کر چار داودی ستاروں کو مار لینا بہت بڑی کامیابی ہے۔ ان کے محافظ مفت میں مارے گئے۔"

"یہ بس مقدر کی یاوری تھی۔ گھیر لیے جاتے تو وہاں سے ہم بھی زندہ نہیں لوٹ سکتے تھے۔"

"اب یوں چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ وہاں دور دور تک ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جنگی اصطلاح میں اسے شاید بلف کرنے کا فائدہ کہتے ہیں جو ہم نے اٹھالیا۔ وہ بالکل بے خبری میں مارے گئے۔ یہ محض اتفاق تھا یا ان چاروں کی بدنصیبی کہ تمہارا بنایا ہوا منصوبہ بے داغ ثابت ہوا۔"

"سٹنے میں' میں بھی شریک تھا لیکن میرے جذبات تم سے مختلف ہیں۔ تم دشمنوں کو مار کر اس طرح خوش ہوتی ہو جیسے وہ انسان نہیں' کتے بلے رہے ہوں۔"

"بس بس' اپنی یہ اخلاقیات اپنے ہی پاس رکھو۔" ویرا نے کر میری بات کاٹ دی "دشمن کو مار کر روئے سے بہتر ہے کہ اس پر ہتھیار ہی نہ اٹھایا جائے۔ جنگ جیت کر خوش ہونا انسان کا [illegible] حق ہے۔ دشمن کی کھوپڑی کو نیزے پر اچھالنے اور [illegible] لڑھکانے کی روایت تہذیب سے بھی زیادہ پرانی ہے اور آج [illegible] جگہ دہرائی جاتی ہے۔"

"تم جیسی خوب صورت عورت کی ایسی شقی القلبی [illegible] اچھی نہیں لگتی۔"

"یہ عورت تم نے مجھے کیسے بنادیا؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ میں ابھی تک مس ہوں اور مس مسز ہونے سے پہلے تک صرف [illegible] کہلاتی ہے؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"تم جو کچھ بھی ہو' تمہیں قدرت نے اپنے دستِ خاص سے بنایا ہے۔ میں تمہیں مزید بنانے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔" میں نے اس بحث کے تلخ پہلو سے گریز کرتے ہوئے کہا "تم نے تازہ ترین خبریں سن لی ہیں۔ اب مجھے اول خان سے بات کرلینے دو۔"

"ضرور بات کرو۔ اب تم اس کی زبان سے اپنی تعریفیں سننے کے لیے بے چین ہو رہے ہوگے۔" اس نے محض مجھے چڑانے کے لیے بے پروائی سے کہا "اسے بتا دینا کہ آج کا منصوبہ تم نے بنایا تھا۔"

میں بے بسی سے اس پر دانت پیس کر رہ گیا۔ اس کے منہ لگنا بے سود تھا۔

پچھلی بار میں نے کراچی والوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے دانستہ اول خان کے بجائے اپنے فلیٹ فون کیا تھا۔ میں اول خان کے نمبر کو بلیک ڈیڈ کے فون بل پر ریکارڈ ہونے سے بچانا چاہتا تھا مگر اس بار مجبوری تھی۔ امریکا میں ہمارا کام نمٹ رہا تھا۔ مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں۔

"تمہارا ڈاک سے بھیجا ہوا لفافہ مجھے اب تک نہیں ملا لیکن سفارتی تھیلے والا لفافہ مل چکا ہے۔ اگر تم نے مجھے طریقہ نہ بتایا ہوتا تو کوئی بھی یہ تحریر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ گیپ کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے بغض و عناد سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ امریکی ہمارے اتنے بدخواہ ہوں گے۔"

"وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ برسوں پہلے بحران میں پھنسے ہوئے ایک رہنما نے پنڈی کے راجا بازار میں چند کاغذ دکھا کر مجمع کو بتایا تھا کہ خون آشام کتے میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں تو بہت سے لوگوں نے اس پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس فقرے کو سیاسی ڈرامے بازی قرار دیا تھا۔ آج گیپ کے پانچ کاغذ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ہمارے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ وہ ہماری آزادی اور ایٹمی ترقی کو ہر قیمت پر غصب کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

ہماری آزادی خداداد نعمت ہے۔ جب تک ہم اپنے پاؤں پر
کلہاڑی نہیں ماریں گے کوئی اسے غصب نہیں کر سکے گا۔ رہا ایٹمی
پروگرام تو اب تم اس کی فکر مت کرو۔ مجھے کل ہی کچھ حیرت
انگیز تحقیق کا علم ہوا ہے۔ یہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔“
”لیکن کینوپ کو بھیجے جانے والے پرزوں میں تخریب کاری کا
خدشہ بہت سنگین ہو سکتا تھا۔“

”تم نے بہت بڑا کام کیا کہ جوابی کارروائی کر کے وہیں معاملہ
صاف کر دیا۔ یہاں کوئی ان پر اعتبار نہیں کرتا۔ ان سے حاصل
ہونے والی ایک کیل کو بھی پوری جانچ پڑتال کے بعد استعمال کیا
جاتا ہے۔ یہ سارے کام خاموشی اور مکمل راز داری سے ہوتے
ہیں اس لیے ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہمارے
ماہرین عالمی فتنہ انگیزیوں سے بے خبر ہیں۔“

”آئے دن ہمارے اس پروگرام کے خلاف غلغلہ کیوں اٹھتا
رہتا ہے؟“

میرے سوال پر اول خان خوش ہو گیا ”یہی ساری کامیابی کی
کلید ہے۔ ہر سال چھ مہینے میں ہمارے ماہرین پورے ہوم ورک
کے بعد حکومت کے ایما سے کوئی گمراہ کن خبر لیک کر دیتے ہیں۔
ہمارے دشمن اس راہ پر سر کھپاتے رہتے ہیں جب کہ اصل کام
کہیں اور ہی ہو رہا ہوتا ہے۔ آج تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک اور
پروگرام کے مطابق چل رہا ہے۔“

”یعنی گمراہ کن خبر ہم خود لیک کرتے ہیں، دشمن یہ سمجھتے ہیں
کہ انہوں نے اپنی کاوشوں سے ہمارا کوئی قیمتی راز حاصل کر لیا ہے
اور وہ اس کے خلاف جت جاتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”بالکل.... بالکل یہی ہو رہا ہے۔ ہم جدھر سرخ کپڑا لہراتے
ہیں، بھڑکا ہوا سانڈ اسی طرف دوڑ پڑتا ہے، ہم اسی لمحے کہیں اور جا
کھڑے ہوتے ہیں۔“

”میرے لیے یہ بہت بڑی خبر ہے۔ میرے سر سے ایک بہت
بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ میں ایٹم اور ایٹمی توانائی کے بارے میں کچھ
بھی نہیں جانتا لیکن میرا رواں رواں ان کامیابیوں کے لیے دعا گو
رہتا ہے۔“

”میرا اور کروڑوں پاکستانیوں کا یہی حال ہے۔ بس چند لوگ
ہیں جو اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ سنا ہے کہ پچھلے
دنوں تجربہ گاہ میں ایٹمی تجربے کیے جا چکے ہیں۔ وہاں سب کچھ تھا،
بس ایٹم بم نہیں تھا۔ یہ تجربے کامیاب ترین رہے ہیں۔ اتنے
کامیاب کہ پاکستان پورے اعتماد کے ساتھ کہیں بھی اصلی ایٹمی
دھماکا کر سکتا ہے۔ وقت آئے گا تو دنیا دیکھ لے گی کہ اول خان کا یہ
دعویٰ غلط نہیں تھا۔“

اول خان ایک سچا اور درد مند پاکستانی تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی
آنکھوں میں اپنے ملک کے لیے سنہرے خواب اور دل میں نیک
تمنائیں سجائے رہتا تھا۔ اپنی خوش فہمیوں کے اظہار میں وہ کبھی
کبھی حد سے تجاوز بھی کر جاتا تھا۔ ایسے مواقع پر میں عموماً خاموش
ہو جاتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اس وقت بھی پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں
کے بارے میں خارا شگاف خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ یہ ممکن ہی
نہیں تھا کہ پاکستان اس میدان میں اتنا آگے بڑھ چکا ہو اور خلا میں
شب و روز گردش کرنے والے سیکڑوں سراغ رساں سیاروں کی
آنکھوں سے کرۂ ارض کے چپے چپے کی نگرانی کرنے والے ان
تبدیلیوں سے بے خبر ہیں۔

ریگستانوں کی دھول، سمندر کی گہرائیوں اور زمینی سرنگوں میں
ہونے والی سرگرمیوں کی کڑی جانچ پڑتال کرنے والے ایسے جامع
نظام کی موجودگی میں اگر پاکستان نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جس کے
اشارے اول خان دے رہا تھا تو یہ واقعات میرے لیے حیرت انگیز
تھے۔

”آج تم بہت اچھی اور امید افزا باتیں کر رہے ہو۔ معلوم
ہوتا ہے کہ وہاں سب ٹھیک ہے۔“

”سب ٹھیک ہے.... تم نے کیپ کے اصلی کاغذوں کی صورت
میں بارود میرے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ بس تم دونوں اس جہنم سے
نکل آؤ تو میں اس بارود کو دیا سلائی دکھاؤں گا۔ یہ پانچ کاغذ ہمارے
بعض مصلحت گزیدہ اور کمزور دوستوں کی حمایت میں انقلابی
تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔“

”تم چاہو تو ہم کل ہی یہاں سے نکل سکتے ہیں۔“ میں نے کن
انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ میرے قریب بیٹھی
انتظار کر رہی تھی کہ میں اول خان کو کب وادی ستاروں کی کہانی
سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

محفوظ ترین گاڑی

نئی اور برق رفتار گاڑیوں میں ماڈل کے
ایروڈائنامک ڈیزائن کے ساتھ ٹیکنالوجی کے کچھ اور
شاہکار بھی یکجا کیے جا رہے ہیں۔ ان میں نہ ٹوٹنے
والی ونڈ اسکرین اور ائربیگ سسٹم کی خوب تشہیر کی
جاتی ہے۔ ونڈ اسکرین بدترین تصادم میں بھی چکناچور
نہیں ہوتی اور ائربیگ کے سہارے گاڑی کو
دوڑتے دوڑتے کہیں بھی منجمد کیا جا سکتا ہے۔ یہی
بگ مین نے فرمایا کہ آپ بے خطر ہو کر ڈیڑھ سو
میل فی گھنٹا کی رفتار سے جدید گاڑی دوڑائیں اور
پھر ائربیگ لگا کر اچانک گاڑی روک ... ونڈ اسکرین
مضبوط ہے، نتیجہ....؟ ظاہر ہے کہ آپ نے سیٹ
بیلٹ استعمال نہ کی تو ونڈ اسکرین کی اندرونی سطح پر آپ
لئی کی ایک گندی پرت کی طرح چپک کر رہ جائیں
گے جسے کسی اسکریپر سے ہی ہٹایا جا سکے گا۔

اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی "میرے خیال میں یہ کیا ہوتا ہے..... کام پورا ہو گیا ہے تو آتش فشاں کے اس دہانے میں رکھا تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یہ فون محفوظ ہے۔ ذرا کھل کر کام کی نشان دہی کرو۔ ہم دونوں یہاں دن رات ہی کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"روزی کا انتقام۔ اس کے بعد ٹی اور وادی ستاروں کی تباہی۔" اس نے بے ساختہ کہا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ان کی تباہی شاید تم دونوں کے لیے ممکن نہ ہو' ان کو اتنا نقصان ضرور پہنچنا چاہیے کہ وہ چند برسوں تک پاکستان کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔ انھیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ یہاں ان کی قبریں کھودی جائیں گی۔"

"خود ہماری بھی یہی کوششیں ہیں۔ ابھی تک ہم اپنے ہدف حاصل کر رہے ہیں۔ قسمت یوں ہی ساتھ دیتی رہی تو آخری اہداف بھی ضرور پورے ہو جائیں گے.... یہ....."

اس بار ویرا خاموش نہ رہ سکی اور میری بات کاٹ کر برس پڑی "تم اسے چکر میں کیوں ڈال رہے ہو؟ کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے کیا تیر مارا ہے؟"

"اوہو..... یہ کیا ہو رہا ہے؟ بین الاقوامی کال پر تم دونوں کیوں لڑ رہے ہو؟" اسپیکر فون پر اول خان کی پُرتشویش آواز ابھری۔

میں نے مسکرا کر ویرا کو چڑانے کے لیے آنکھ ماری اور کہا "تم نے دو مارے تھے۔ یہ تمہارا ہی کارنامہ ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم اپنی زبان سے وہ سب دہرا دو۔"

اسپیکر فون بہت عمدہ اور حساس تھا جو قدرے دور کی آوازیں بھی دوسری طرف پہنچا دیتا تھا مگر ویرا غیر ارادی طور پر اس کی طرف جھک کر اضطراری آواز میں بولی "تمہارے سوچے ہوئے دونوں مقاصد اب سے تھوڑی دیر پہلے حاصل کیے جا چکے ہیں۔ پتا نہیں اسلم یہ بات تم سے کیوں چھپا رہا ہے۔"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اول خان کی بے ساختہ آواز تشکر کے جذبات سے لبریز تھی "مجھے امید تھی کہ تم دونوں کا ہزاروں میل کا سفر رائگاں نہیں جائے گا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم دونوں نے اتنی مختصر سی مدت میں وادی ستاروں کو نیست و نابود کر دیا ہو گا۔"

"وہ کل چھ تھے جو اپنی تنظیم کے روحِ رواں تھے۔ موجودہ صورت یہ ہے کہ ان میں سے پانچ جہنم واصل ہو چکے ہیں' چھٹا قید کی ذلتیں اور صعوبتیں سہہ رہا ہے۔"

"تم دونوں کمالات دکھانے کی صلاحیتیں رکھتے ہو۔ دشمن کے جبڑوں میں گھس کر اس کی آنتیں باہر کھینچ نکالتے ہو۔ تم دونوں وہ گمنام سپاہی ہو جن کی ناقابلِ فراموش کارکردگی اور قربانیاں یاد رکھی جاتی ہیں لیکن ان کا نام کسی کو معلوم نہیں ہوتا....."

"مسٹر اسلم تم سے یہی سب سننا چاہ رہا تھا۔" ویرا نے درمیان میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "میں نے اسے ٹوک دیا اور اس نے اپنی زبان پر تالا ڈال لیا۔"

"تم دونوں کی اس نوک جھونک سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے حوصلے ابھی تک تازہ ہیں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز آئی "یہ اسلم اچانک کہاں غائب ہو گیا؟"

"میں یہیں ہوں اور تمہاری ہر بات سن رہا ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اب مجھے اپنی ایک بڑی غلطی کا احساس ہوا ہے اور میں مسلسل اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔"

"تمہاری غلطی؟" اول خان کی آواز متحیرانہ تھی "روزی کامیابیوں کی کہانی سنا رہی ہے اور تم اپنی کسی غلطی کا ذکر کر رہے ہو۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"غلطی یہ ہے کہ میں روزی کو اپنے ساتھ لے آیا۔ میں بولتا ہوں تو یہ مجھے زبان بندی کے مشورے دیتی ہے۔ چپ رہتا ہوں تو بولنے پر مجبور کرتی ہے..... فلیٹ والوں کو میری طرف سے دعا پیار پہنچا دینا۔ انہیں بھی بتا دینا کہ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔"

"آپس کے ان جھگڑوں کو تم خود ہی نمٹاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ ان میں دخل دینے والا آخر میں تم دونوں کا مشترکہ نشانہ بن جاتا ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ہم کڑے وقت سے بچ کر ان خرافات میں صرف اس وجہ سے الجھ جاتے ہیں کہ ابھی تک کسی کو یقین نہیں آسکا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ جس لمحے یہ راز فاش ہو گیا' ہمارے لیے سکھ چین حرام ہو جائے گا۔" اس بار ویرا نے سنجیدگی سے دخل اندازی کی "آپس کی یہ لڑائیاں نہ ہوں تو تم یقین کرو کہ یہاں کی زندگی بہت پھیکی اور بے کیف ہے۔"

"اب تم لوگ واپسی کی راہ لو۔ کسی بھی فیصلے کے لیے وقت بہت اہم عنصر ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد کیا جانے والا بہترین فیصلہ بھی بدترین نتائج کا سبب بن جاتا ہے۔"

"کل ہم کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آسکیں گے۔ فی الحال کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔ گڈ لک اور اللہ حافظ۔"

"کل کون سی تبدیلی آجائے گی کہ تم فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آجاؤ گے؟" فون بند ہوتے ہی ویرا نے چیخ کر سوال کیا۔

"دھیرج سے کام لو۔" میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ آج فون پر بدری ناتھ سے ذرا سی تلخ کلامی ہو گئی تھی۔ صبح اخبارات آجانے کے بعد اسے میرے دعوے کی صداقت کا یقین آجانا چاہیے۔ اگر اس نے ڈھنگ سے بات کی تو ایندھن کے ذخیرے کے ساتھ ہی اس سے بم موڑے کے بارے میں کچھ کریدنے کی کوشش کروں گا۔ حیرت ہے کہ یہاں

ذرا سی عزت افزائی ہوتے ہی نک کے خلاف ان ساری تلخیوں کو بھلا دیا ہے جن کے نتیجے میں اس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔"

"داؤدی ستاروں کے دلوں میں چور تھا۔ وہ تم سے اور ہر ایک سے چھپتے پھر رہے تھے۔ تم نے انہیں آسانی سے مار لیا اور ان کا خون بلیک ڈیڈ کے سر منڈھ دیا۔ وہ لوگ سرکاری ہمدردیاں کھو کر اس وقت معتوب بنے ہوئے تھے کیونکہ ان کا بڑا گیپ کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہ ہو مگر نک کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔"

"کیا تم اس سے کسی قسم کا خوف محسوس کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"خوف میں کسی سے محسوس نہیں کرتی۔ وہ ایک پرانا سفارت کار ہے، پاکستان سے کسی اہم مشن پر آیا ہے۔ اس کا صفایا ہوتے ہی واقعات کی بہت سی کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"

"تم کن کڑیوں کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"ابھی تک قصۂ زمین بر سرِ زمین ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے مقامی حالات کے تناظر میں دیکھا اور نمٹایا جا رہا ہے۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ آئزک بیل اور دوسرے چار داؤدی ستاروں پر پاکستان کے واقعات کا سایہ پڑ رہا ہے۔ سی آئی اے والے یہ سوچ کر نہال ہو رہے ہیں کہ انہوں نے آئزک بیل کو بے دست و پا کر کے اس سے سی ون تھرٹی والی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے۔ نک موڈلے کو نقصان پہنچا تو یہاں سب چونک پڑیں گے۔ اس کے لیے ہم بلیک ڈیڈ، عباس کرمانی یا ہارلم کا نام استعمال نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والا ہر امریکی کیوں مارا جا رہا ہے۔"

"تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "اب بے ولسن کے علاوہ یہ سب نیویارک میں گھیرے جائیں گے۔ یہ شہر ان کی بھرپور توجہ کا مرکز بن جائے گا۔"

"بس تم میری بات سمجھ گئے۔ اس مرحلے پر ہم کو ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

"بڈی سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔ میں خود بھی خودکشی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف بلیک ڈیڈ موجود تھا۔

"تم نے خبریں تو سن ہی لی ہوں گی!" میری آواز پہچانتے ہی اس نے سوال داغ دیا۔

"گیارہ نمبر کے بارے میں بری خبر سن کر دلی افسوس ہوا۔ وہ زخم سے نہیں شاید تالاب میں ڈوبنے کی وجہ سے ضائع ہوا ہے۔ تمہارے دوسرے زخمی کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی گزر گیا۔ مزید کسی اور کے مرنے کا امکان نہیں۔" اس کی سپاٹ اور مشینی آواز آئی "سب دو چار روز میں لوٹ پوٹ کر تندرست ہو جائیں گے۔ سات جنگاری ڈکاروں کے مقابلے میں یہ ذرا سا نقصان کچھ بھی نہیں ہے۔ ذرا مائیک کو ان دونوں کے بارے میں بتا دینا۔"

"بے فکر رہو۔ یہ کام فون بند کرتے ہی پورا کر دوں گا۔ اب تم کو ہوشیار رہنا ہوگا۔ تمہاری خواہش کے مطابق یہ واقعہ تمہارے ہی کھاتے میں جاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"میری عمر اسی شہر میں خطرات سے کھیلتے ہوئے گزری ہے۔ پانی میں رہنے والے مگرمچھوں کے ساتھ گزارہ کرنا جانتے ہیں۔ بس روزی سے یہ کہہ دینا کہ وہ میرے دیے ہوئے تحفے کو احتیاط سے رکھے۔ اس کا راز کسی بھی قیمت پر فاش نہیں ہونا چاہیے۔"

بلیک ڈیڈ کو سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ اشاروں کنایوں میں بات کر رہا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ اس وقت تک بلیک ڈیڈ کے فون کی نگرانی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا کیونکہ اس پوری گفتگو کے دوران میری ایس ڈی فعال نہیں ہوئی تھی۔

O☆O

نیویارک جیسے گنجان آباد اور بین الاقوامی شہر میں بیک وقت آٹھ لاشوں کا ملنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ سونے پہ سہاگا یہ تھا کہ مرنے والوں میں سے چار کا شمار معززینِ شہر میں ہوتا تھا اور وہ اپنے مذہبی گروہ کے ممتاز قائدین میں شمار کیے جاتے تھے۔

شہر کے ہر اخبار نے اس واقعے پر اپنے انداز میں شہ سرخیاں اور ذیلی خبریں جمائی تھیں۔ ایک بات سب اخباروں میں مشترک تھی کہ کسی نے بھی اس واقعے میں غیر ملکی ہاتھ کے ملوث ہونے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک نامہ نگار کو آئزک بیل کے بارے میں سی آئی اے کے سربراہ کے معاندانہ رویے کی بھنک مل گئی تھی اور اس نے دل کھول کر اسے رگید ڈالا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ آئزک بیل کو رگیدنے کے چکر میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے ایسی بھونڈی کارروائیاں کی تھیں جن سے یہ تاثر پیدا ہوا تھا کہ امریکی انتظامیہ نے یہودیوں کی حفاظت سے بالکل ہی ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں شہر کے چھوٹے بڑے بدمعاش ڈیوڈ اسٹارز سے اپنے پرانے حساب چکانے کے لیے میدان میں کود پڑے تھے۔ فورٹ ہاؤس کا المیہ اسی غلط پالیسی کا منطقی نتیجہ تھا۔

ہر خبر میں اس بات کو اچھالا گیا تھا کہ فورٹ ہاؤس کی واردات اگر ہارلم کے فسادات کا شاخسانہ تھی تو ہارلم کا سب سے بڑا غیر سرکاری سرپرست بلیک ڈیڈ تھا جو اس منظم خوں ریزی کے پس منظر پر روشنی ڈال سکتا تھا۔ کسی نے اسے براہِ راست موردِ الزام نہیں ٹھہرایا تھا۔

ان ساری چونکانے والی اور سنسنی خیز خبروں سے ہٹ کر میرے لیے وہ چھوٹی سی خبر زیادہ اہم تھی جو آتشیں ہتھیاروں کے ایک ماہر کے بیان کے حوالے سے شائع ہوئی تھی۔

اس نے جارج شلز اور ایان ڈیکب کے جسموں پر پائے جانے والے دو زخموں کو لیزر گن کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ وہ بیم گن کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی نہیں کر سکا تھا لیکن اس نے فورٹ ہاؤس کی خوں ریزی میں غیر روایتی ہتھیاروں کے استعمال کی نشاندہی کر دی تھی۔

وہ خبر شاید بلیک ڈیڈ اپنے ذرائع سے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ صرف ایک اخباری نمائندہ اس سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ اس نے اس واقعے پر ہارلم کے دادا کی رائے جاننی چاہی تو اس نے کہہ دیا کہ ہارلم کے مظلوم لڑکے ابھی اتنے وسائل کے مالک نہیں ہوئے کہ لڑائی جھگڑوں میں اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے لیزر گنوں جیسے بیش قیمت ہتھیار خرید سکیں۔ واردات سے گھنٹوں پہلے اور اس کے بعد تک اس نے ڈریم لینڈ میں اپنی موجودگی کے متعدد گواہ پیدا کر لیے تھے۔

اس کا صرف ایک ہی کمزور نکتہ تھا کہ فورٹ ہاؤس کے بھرے ہوئے حوض سے اس کے ایک زخمی آدمی کی لاش برآمد ہوئی تھی۔ ٹونی برسوں سے ڈریم لینڈ میں محافظ کی ڈیوٹی پر مامور تھا لیکن بلیک ڈیڈ کے بیان کے مطابق چار دن پہلے اسے ملازمت سے جواب دیا جا چکا تھا۔

متوفی ٹونی کے کسی بھی غیر قانونی فعل سے خود کو بری الذمہ قرار دینے کے ساتھ بلیک ڈیڈ نے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان بھی کر دیا تھا کہ ٹونی نے برسوں اس کے لئے کام کیا تھا۔ ان خدمات کے اعتراف میں وہ اس کی تدفین اور اس کے پس ماندگان کی کفالت کے جملہ اخراجات اٹھائے گا۔

مجموعی طور پر اخباروں نے وہی تاثر پیدا کیا جو بلیک ڈیڈ چاہتا تھا۔ اس پر براہِ راست الزام تراشی کئے بغیر ہر نامہ نگار نے یہ رائے دی تھی کہ فورٹ ہاؤس پر بھرپور اور کامیاب ترین منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جانے والا خوں ریز حملہ ہارلم کے کسی بڑے ہمدرد کی حمایت اور اعانت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کے حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ عام حالات میں وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

سات لاشوں اور چار زخمیوں کے نوحوں میں یہ ذکر بھی موجود تھا کہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے ساتھ فورٹ ہاؤس کا سارا عملہ بھی یہودی ملازمین پر مشتمل تھا۔ ٹونی کے سوا اس حملے کے تمام متاثرین مذہبی اعتبار سے یہودی تھے لیکن نیویارک میں ان کے مقابل کوئی بھی ایسی تنظیم نہیں تھی جس کے بارے میں یہ سوچا جا سکے کہ اس نے یہودیوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا ہوگا۔

ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں وہ نکتہ خیال انگیز تھا۔ نجمن فورٹ نے اپنے گھر میں خدمات انجام دینے کے لیے صرف یہودیوں کا تقرر کیا تھا۔ اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ بنیادی طور پر وہ انتہائی متعصب اور نسل پرست تھا۔ شاید دوسرے داؤدی ستارے بھی اسی ذہنیت کے مالک رہے ہوں گے۔

پورے اخبار چاٹ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان خبروں کے مطالعے کے بعد میری طرف سے بدری ناتھ کا ذہن صاف ہو جانا چاہیے تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے اسے فون کیا تو وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے وہ شرمندگی کا اظہار کرے گا لیکن اس نے پچھلی رات کی گفتگو کا کوئی ذکر کئے بغیر خشک لہجے میں مزاج پرسی کی تو میں چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"فورٹ ہاؤس کے واقعات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں ساری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر تمہارا ہی خیال آتا رہا۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔

"تم ابھی تک ان ہی بدگمانیوں میں پھنسے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی تک اخباروں پر نظر نہیں ڈالی ورنہ تمہارے سارے وسوسے جھاگ کی طرح بیٹھ چکے ہوتے۔"

"میں اخبار بلکہ کئی اخبار دیکھ چکا ہوں۔ خبریں اپنی جگہ ہیں لیکن میرے دل میں جو احساسِ جرم جاگ چکا ہے' اسے لوری دے کر سلانا میرے بس سے باہر ہو رہا ہے۔"

"اس وقت تم کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ اس کی گفتگو سن کر دیرا کی آنکھیں فرطِ حیرت سے کشادہ ہو گئی تھیں۔

"شیر علی! تم بہت اچھے دوست ہو۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ خوش گوار وقت گزارا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہماری دوستی کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ سی ایس ڈی لوٹا دو اور جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ اب میں تمہارا مزید ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

"مگر کیوں؟ ہم برے اور بھلے وقت کے ساتھی رہے ہیں۔ مجھے تمہارے خیالات میں تبدیلی کا سبب جاننے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔" میں نے احتجاج کیا "میں نے تمہارے ایما پر اپنا ملک چھوڑ کر یہاں کا سفر کیا تھا۔"

"اسے تم میری چھٹی حس بھی کہہ سکتے ہو۔ پچھلی رات سے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے کہیں کوئی سنگین غلطی کی ہے۔ جتنا سوچتا ہوں' تمہارا ہی نام میرے ذہن میں گھومتا رہتا ہے۔"

"کیا تم مجھ پر بے وفائی کا الزام لگا رہے ہو؟" میں نے تندی سے پوچھا۔

"الہام تراشی نہیں ہے۔ مجھے اپنے ہر سوال کا جواب مل رہا ہے لیکن تمہارے بارے میں میرے ذہن کے سارے دریچے بند ہیں۔ ابھی تک میں تمہاری کہی ہوئی ہر بات پر اعتبار کرتا چلا آیا ہوں۔ میں نے اپنے طور پر اس میں سے کسی بات کی تصدیق نہیں کی۔"

"میں بھی تمہارے بارے میں یہی سب شبہات ظاہر کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی مگر تم برا نہ مانو۔ احتیاط میرے پیشے کا تقاضا ہے۔ میرے بارے میں شروع سے ہر بات کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ کراچی میں تم خود میرے اور تلک کے درمیان پیغام رساں کا کردار ادا کرتے رہے۔ یہاں میں سی آئی اے میں زیر تربیت ہوں......"

"ابھی کل کی سی بات ہے۔" میں نے اس کا فقرہ اچک لیا "تم اپنے دل کی گہرائیوں سے میرے احسان مند تھے کہ میری وجہ سے عباس کرمانی کی کمائی تمہارے ہاتھ لگی اور اپنے محکمے میں تم کو یکایک عزت اور احترام کا وہ رتبہ مل گیا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔"

"یہی باتیں شبے میں ڈالنے والی ہیں۔ تم معاوضے پر چھوٹے موٹے کام کرنے والے جرائم پیشہ کے طور پر مجھ سے ٹکرائے تھے۔ وہاں سے نکلتے ہی اچانک تمہارے جوہر کھلنے لگے۔ تم نے مجھے اکسا کر رمیش اگروال کا پتا صاف کروایا۔ میں اکیلا رہ گیا تو یہاں تم نے مکڑی کی طرح میرے گرد اپنی صلاحیتوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ آخر یہ سب کیا ہے، کیا ہو رہا ہے؟ رات سے میں یہی سب سوچ رہا ہوں۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میری کارکردگی تم کو کھلنے لگی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں شیر علی!" اس کی آواز دھیمی اور مصالحانہ ہو گئی "تم جو کہتے ہو، وہ ہو جاتا ہے۔ جس کا نام لیتے ہو، وہ مارا جاتا ہے یا مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تمہاری کارگزاریوں کے سحر میں گرفتار ہو کر میں نے پہلے ان باتوں پر غور کیوں نہیں کیا۔"

"اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اب تمہارا دھیان اس طرف کیوں گیا ہے؟"

وہ گفتگو بہت سنگین اور اعصاب شکن تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بدری ناتھ مجھے یوں بیچ منجدھار میں دھکیل کر خود الگ ہو جائے گا۔

اسپیکر پر بدری کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ "کل شام مجھے نئی دہلی سے ایک جنرل بریفنگ ملی ہے۔ اسے پڑھ کر میرا دل بجھ گیا۔ پچھلے ہفتے پاکستانی فوجیوں نے کشمیری باغیوں کا روپ دھار کر پونچھ، راجوڑی، پلواما اور بڈگرام میں ہماری چھاؤنیوں اور آبادیوں پر شب خون مارے۔ اس ایک [illegible] کارروائی میں چھ شہری اور [illegible] فوجی افسر اور جوان [illegible] تخریب کارانہ [illegible] میں [illegible] بھارتی سرگرمیاں ہو گئے۔ [illegible] تھا۔ کرنل حسین مجھ سے بڑے بھائی کی طرح محبت کرتا تھا۔ وہیں سے میرا ذہن بھٹکنے لگا۔ [illegible] آئی۔ جب میں تم سے بات کر رہا تھا تو میرا ذہن صاف ہو رہا تھا۔ میں بھارتی ہوں، تم پاکستانی ہو۔ ہماری دنیا میں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ مگر ہماری مٹی بھی ایک نہیں ہوتی تو ہم [illegible] ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"اپنے بہنوئی کی موت کی خبر پر تم نے محبت، امن اور بھائی چارے کی ہر سوچ کو آگ لگا دی؟"

"آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے۔ برسوں سے سلگ اور جل رہی ہے۔ یہ میری بھول تھی کہ میں نے اپنی زندگی کے بدترین چاہ سے نکلنے کے لیے تمہارا سہارا لیا...... پتا نہیں تم کون ہو، یہاں کس لیے آئے ہو اور مجھے اپنے کن مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو؟"

"بدری ناتھ! تم اتنے بھولے نہیں ہو کہ میں تمہیں استنجے کے ڈھیلے کی طرح بار بار استعمال کرتا رہوں اور تم کو میری نیت کا اندازہ نہ ہو سکے۔ آج تک جو کچھ ہوا ہے، اس میں تمہاری مرضی بھی شامل تھی۔"

"تمہارے الفاظ سے نفرت کی بو آ رہی ہے۔" بدری ناتھ کی آواز میں ذرا بھی ترشی یا تیزی نہیں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا میں کسی لاٹ صاحب کے استنجے کا ڈھیلا نہیں بن سکتا، تم تو بے چارے شیر علی ہو۔ مجھے کھلے دل سے اور سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں پھر شاید میں کچھ سوچ سکوں۔"

"میں شیر علی ہوں اور تمہاری طرح یہاں بالکل اکیلا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری سی ایس ڈی لوٹا دو اور خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہاری مخبری کروں گا نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔" اس نے پیش کش کی۔

"یہ یاد رکھنا کہ شیر علی نفع نقصان کی پروا کیے بغیر قدم آگے بڑھاتا ہے۔ تم نے کوئی اوچھی حرکت کی تو میں اس کا پورا پورا بدلہ لوں گا۔ سی آئی اے میں ملی ہوئی عزت و عظمت والی کرسی تمہارے لیے بجلی کی کرسی میں بدل جائے گی۔ ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ ہم دونوں کی گردنیں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہیں۔ میں نے تمہیں رنگس کے دفتر اور بروننن کے گودام کے بارے میں اندر کی خبریں دیں تو یہ نہ بھولو کہ تمہارے پاسپورٹ کا نمبر اور اس پر لکھا ہوا نام مجھے یاد ہے۔ میری زبان کھل گئی تو

نہیں نکل سکو گے۔"

...ندہ اور غیر جذباتی لہجے میں سنگین دھمکیوں کے تبادلے کی ... چیز تھی۔ بخش کی محبوبہ ریشم جان کے چھوٹے سے گھر میں ... شناسائی نے گہری دوستی سے گزر کر اس وقت خون آشام ... کا روپ دھار لیا تھا۔ موسم خوش گوار ہونے کے باوجود میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔

"بدری! تم واپسی کے سب راستے بند کر رہے ہو۔" میں نے ... تنبیہ کی۔

"حقیقت ہے کہ بروقت میری آنکھیں کھل گئیں۔ مجھ سے ... تم یہ سب باتیں سوچنے لگتے تو نہ جانے مجھے کہاں لے جا کر ... تمہاری سفاکی اور سنگ دلی کی جھلک فورٹ ہاؤس کی ... میں نقش ہو چکی ہے۔ میں ایسے کسی انجام سے دوچار نہیں ہونا چاہتا۔"

"بدری! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اس معاملے میں میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"تم کہہ رہے ہو پر میں اپنے اندر کی آواز کو کہاں دفن کروں؟" اس نے پوچھا۔

"اب تم سے بات کرنی بے سود ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اپنی سی ایس ڈی لینے کے لیے تم کہاں مل رہے ہو؟ اس وقت ہم آخری اور دو ٹوک باتیں بھی کر لیں گے۔"

اس بار وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا "کیا تم مجھے عقل سے بالکل ہی کورا سمجھتے ہو؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب مجھے تمہارے تصور ہی سے خوف آ رہا ہے۔ میں باہر تم سے کہیں نہیں مل سکتا۔ چاہو تو گارہام میں میرے پاس آ جاؤ۔ یہاں میں خود کو محفوظ تصور کرتا ہوں۔"

"اور میں یقین کر لوں کہ تم گارہام سے مجھے صحیح سلامت جانے دو گے؟ تمہارے اشارے پر پی آئی اے کے کارندے مجھے قربانی کا بکرا نہیں بنائیں گے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"یہ میرا وعدہ ہے۔ تم نے اتنے دنوں میں یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

"وعدہ خلافی ہوئی تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا؟ تم میری بے بسی سے لطف اٹھاؤ گے۔"

"پھر سی ایس ڈی کو لوٹا دو جس سے تم نے لی تھی۔ شیام سندر مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

"تمہیں کالین دین ہمیں مل بیٹھ کر طے کرنا ہو گا۔ میں کسی ... کو نہیں جانتا۔ بھیڑیے کا رشتہ دار بھی بھیڑیا ہی ہوتا ہے۔ وہ ... ہمدرد نہیں ہو سکتا۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ اس پر تمہاری نیت خراب ہو چلی ہے ..."

"میری نیت صاف ہے۔ میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنے عزیز بہنوئی کی موت کی خبر سن کر تم پر قنوطیت اور مایوسی کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ کل تک تم مجھے خوش خلائی ایندھن کے ذخیرے اور [illegible] موڑنے کی خبریں سنا رہے تھے، آج مجھ سے یکایک بالکل منحرف ہو گئے ہو۔ مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے مگر لڑائیوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ تمہارے بہنوئی کی موت میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔ چاہو تو میں تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے ایک دو دن کا وقت دے سکتا ہوں۔ شاید تمہارے ذہن سے صدمے کے اثرات زائل ہو جائیں۔"

"مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے۔ جو لوگ فوج میں جاتے ہیں، ملک کے لیے گردن کٹانے کا عہد کر کے ہی جاتے ہیں۔ وہ زندہ رہ کر مدت پوری کر لیں تو یہ ان کی خوش قسمتی ہوتی ہے۔ میرے دماغ پر تم نے اپنے کرتوتوں سے ایک دبیز پردہ ڈالا ہوا تھا جو کل رات اچانک سرک گیا۔ اب میں اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں میری اصلیت پر شک ہے تو تم کراچی میں اپنے ایجنٹوں سے تصدیق کرا سکتے ہو؟"

"یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تمہارے لندن پہنچنے کے بعد سے ہی کراچی میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑی اور ہمارے بیشتر آدمی پکڑے گئے۔ جو بچ سکے وہ روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں.... مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے دو بااثر پاکستانی مخبروں نے اپنی ضمانتیں کرالی تھیں۔ دوسرے ہی دن کسی سفاک جنونی نے ان دونوں کے گھٹنوں پر فائر کر کے انہیں زندگی بھر کے لیے معذور کر دیا۔ ایسے خونی ماحول میں کون تمہاری انکوائری کرے گا؟"

"تمہارے پاس میرے ہر سوال کا جواب ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اپنا راستہ بدلنے کا آخری فیصلہ کر چکے ہو۔ اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شاید تمہارے مخبروں کے گھٹنے بھی میں نے تڑوائے ہیں۔"

دھیمی سی ہنسی کے بعد اس کی آواز آئی "میں تمہاری بے چینی کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ بھارتیوں کی طرح تم امریکیوں کے خون کے بھی پیاسے ہو۔ میرے ذریعے تم انہیں بھاری نقصان پہنچانے کے جو خواب دیکھ رہے تھے، اب انہیں بھول جاؤ۔ امریکا ایک عظیم ملک ہے۔ تم ایک ذخیرہ اڑا کر بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔ چیونٹی پوری قوت سے ہاتھی کی کھال پر کاٹ لے تو اس مشقت سے نقاہت سے نڈھال رہتی ہے، ہاتھی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنے دیش کے لیے کام کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔" وہ بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تم سے میری مفاہمت بس ایک شرط پر ہو سکتی ہے۔"

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔

"تمہاری وہ شرط بھی اچھوتی ہی ہو گی۔"

"تم بہت احمق اور [illegible] ہو۔" اچانک بدری ناتھ کا لہجہ حیرت ناک حد تک خوش گوار ہو گیا "کان کھول کر سن لو کہ میں جب تک

تمہاری عقل سے سوچتا رہا، تمہاری بنائی ہوئی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔ اب میں اپنا کھیل خود کھیل رہا ہوں۔ تمہیں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ اب تک تم جو مخاصمانہ باتیں کر رہے تھے وہ بے سروپا تھیں۔"

"ان میں ایک لفظ بھی حقیقت سے دور نہیں تھا۔ میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا کہ تم کون ہو۔ تمہارا ایک اعتراف سارے گلے شکوے دور کر سکتا تھا مگر تم بہت پکے ہو۔ ان باتوں سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہم نے ایک دوسرے کو اچھی طرح پرکھ لیا۔ مجھے تمہاری مار کا اندازہ ہے، تم میری حیثیت کو سمجھ چکے ہو۔ ہم میں سے جس کو پہل کرنے کا موقع مل گیا وہ دوسرے کو فنا کر کے رکھ دے گا۔"

"یہ پہیلی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی نئی قلابازی نے مجھے شدید حیرت اور بے یقینی میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ آئزک بیل بالکل سچ بول رہا ہے۔"

اس کے الفاظ مجھے دور کسی گہرے کنوئیں سے آتے ہوئے محسوس ہوئے۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے مضبوط آواز میں پوچھا "وہ جب سے عتاب میں آیا ہے، مسلسل بول رہا ہے۔ تم اس کی کس سچائی کی توثیق کرنی چاہ رہے ہو؟"

"اس کے دفتر سے کیپ کی فائل عباس کرمانی نے نہیں، ڈینی نے اڑائی تھی۔" بدری ناتھ کے ان پرسکون فقروں نے بھک سے میرا دماغ اڑا دیا۔ وہ خبیث آخر کار حقیقت کی تہ تک پہنچ ہی گیا تھا۔

"میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے۔ اس کی تصدیق ڈینی ہی کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اسی لیے میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ عباس کرمانی کا روئے زمین پر کوئی وجود نہیں۔ وہ تمہارے دماغ کی پیداوار ہے۔ آئزک بیل بلاوجہ تشدد کا نشانہ بن رہا ہے۔"

"اس مردود سے ہمدردی مت جتاؤ۔ وہ اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔"

"کیا تم یہ تسلیم کر رہے ہو کہ تمہارے بارے میں میرا اندازہ درست ہے؟" اس نے اصرار کیا۔

"تم ایک فیصلہ کر چکے ہو تو میری تصدیق یا تردید سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اپنے رگ و پے میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا "اپنے ڈائریکٹر کو بتاؤ کہ تمہاری پہلی اطلاع غلط تھی، آئزک بیل سچا ہے۔ وہ اپنی ساری فورس کو میری تلاش پر مامور کر دے گا۔"

"تم بہت مکار ہو۔ تم نے عباس کرمانی کی کہانی میرے ذریعے ان لوگوں تک پہنچائی تھی اور انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر اس کی تلاش کی مہم شروع کر دی۔ اب تم اپنی اس چالاکی کو اپنا کر کے طنز و تضحیک کا نشانہ بناؤ، میں نہیں کروں گا۔ بات کو اور بھی بنانا مشکل ہے، ذرا سی غلطی اس پر پانی پھیر دیتی ہے۔"

"پھر تم مجھ سے اعتراف کرا کے کیا حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" میں مزید الجھ گیا "کیا یہ بھی نئی بلیک میلنگ کا ایک ذریعہ ثابت ہونے والا ہے۔"

"ان کے لیے کیپ زندگی اور موت کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ وہ ہر قیمت پر اس کی واپسی چاہتے ہیں۔"

"تم میری لاش پر سے گزر کر بھی اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔" میں نے حقارت سے کہا۔

"کیا تم ان کاغذوں کو امریکا سے باہر بھیج چکے ہو؟" بدری کی آواز مزید نرم اور دوستانہ ہو گئی۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور چبے تلے الفاظ میں جواب دیا "نہیں لیکن وہ کاغذ میرے پاس بھی نہیں ہیں۔ اب امریکا میں وہی پانچ کاغذ میری سلامتی کے محافظ ہیں۔ میرا بال بھی بیکا ہوا تو میرے دوست اس کی ہزاروں نقلیں بانٹ کر دنیا بھر میں امریکا کو رسوا کر دیں گے۔"

"مجھ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" میرے لب و لہجے میں پوشیدہ جارحیت کو محسوس کر کے بدری نے اسی نرم آواز میں کہا "تم شروع سے اتنے محتاط رہے ہو کہ تم نے کبھی مجھے اپنے ٹھکانے سے آگاہ نہیں کیا۔ چین یا زا کے بارے میں تم نے مجھے اس وقت بتایا جب تم وہاں سے منتقل ہو چکے تھے۔ آج کل تم کہاں ہو؟"

میں ہنس پڑا "کیا تم ڈینی کو اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"میں پہلی فرصت میں تم سے مل کر کچھ اہم ترین باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ اب ملاقات ہونی ممکن نہیں ہے۔"

"شروع میں ہونے والی پیچ دار بلکہ زہریلی باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ وہ کمند ناگ میں نے تم سے ایک اعتراف کروانے کے لیے پھیلایا تھا ورنہ اب میرے دل میں تمہاری زیادہ عزت ہے۔ میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ میں اتنے دنوں سے شیرلی کے بجائے ڈینی کا ساتھی تھا۔"

"میں کوئی نیا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا "کل کلاں کو تمہارا کوئی دوسرا بہنوئی مارا گیا تو تم پر کوئی نیا دورہ پڑ جائے گا۔ تم نے سنا ہی ہو گا کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ تم نے میرے ذہنی تحفظات میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔"

"میرے رشتے داروں کو بددعائیں نہ دو۔ میں بھی تمہارا

...نہیں رہا۔ تمہیں شیر دل سمجھ کر تمہارے سامنے بارہا تمہاری ...ف کرتا رہا ہوں۔ تم میرے روبرو ہوتے تھے اور میں تمہاری ...ت کی آرزو میں کر رہا ہوتا تھا۔ یہ سب زیادہ دور کی باتیں ...

...تم نے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ ابھی تم خود کہہ چکے ہو ...کا بنانا بہت دشوار ہوتا ہے، اس کی تباہی لمحہ بھر میں ہو جاتی ...اعتماد کا ہوتا ہے جو تم کھو چکے ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ان باتوں کو اتنی سنجیدگی سے لوگے۔" ...کی آواز متاسفانہ ہوگئی "اس دور کے ایک عظیم قومی سے ...بوا ہے تو میں اس کے اعتماد سے محروم ہو چکا ہوں۔"

"تمہاری ...فہمی پر میں کوئی رائے زنی نہیں کروں گا۔ تم نے ...تم فون پر بہت کچھ کہہ لیا ہے۔ مزید کوئی بات رہ گئی ہے تو وہ ...ڈالو۔ میں تحمل سے سن لوں گا۔"

چند لمحوں کے لیے سکوت چھایا رہا پھر اس کی قدرے کمزور ...آواز سنائی دی "ٹیپ ان کے لیے ضروری ہے۔ تم نے بہت مشکل ...سے حاصل کیا ہے لیکن تم اس کی نقل تو مجھے دے سکتے ہو۔"

"اس کے لیے تمہیں میری چند شرائط ماننی پڑیں گی۔" میں ...سے کہا۔

"تم بہت کینہ پرور ہو۔ میری ہر بات لوٹانے کی کوشش کر رہے ...ہو" وہ بولا۔

"کیوں نہ کروں؟ بات تم ہی نے بڑھائی ہے۔ کشمیر میں مجاہدین ...امداد یا کراچی میں مخبروں کے گھٹنے توڑنے سے میرا کیا تعلق ...تو تم یہ ساری باتیں مجھے سنا رہے تھے۔"

"یہ سب حقائق ہیں۔ تم اپنے ملک کے ایک اہم آدمی ہو۔ تم ...سب خبریں تو ملتی ہی رہتی ہوں گی۔ میں نے یہ باتیں بلاوجہ ...دہرائی تھیں۔ ہر واقعے کا کوئی نہ کوئی حوالہ موجود تھا۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی ...نہیں لوٹتے۔ وضاحتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے کام ...بات کرو۔ تمہاری بغاوت کے بعد میرا کام بڑھ گیا ہے۔"

"میں باغی نہیں ہوا، اب بھی تمہارا دوست ہوں۔ بس ...اصلیت کا کھوج لگانے میں ذرا دور نکل گیا ہوں۔ میری یہ ...آنے والا وقت ثابت کر دے گا۔ تم اپنی شرائط بتاؤ۔"

"موسیٰ اینڈ حسن اور ٹیپ موڑ لے۔" میں نے مختصر ترین الفاظ ...مقصد بیان کر ڈالا۔

"...اینڈ حسن کے وسیع ذخائر جارجیا کے کسی مقام پر ہیں۔ میں ...ان کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ...نیویارک بسٹن اینڈ ٹاورز کے کمرا نمبر تین ہزار دس میں مقیم ...ہیں۔" ...ناتھ کے بولنے کے ساتھ ساتھ ویرا نے وہ پتا خاموشی ...ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا۔

...کہاں واقع ہے؟" میں ...ذرا ...سے دانستہ ایک غیر

ضروری سوال کرا ااا۔ تم کہو تو
"مجھے اس کا پتا نہیں۔ وہ بہت بڑا ہوٹل ہے۔ ملا دوں۔" "اس
آسانی سے مل جائے گا۔ چاہو تو میں فون نمبر سے
کی دبی دبی آواز آئی "پانچ سو چھیاسی باسٹھ ہزار"
ویرا نے مستعدی سے وہ فون نمبر بھی لکھ لیا۔ اس طرح وہ
ڈائریکٹری کی ورق گردانی کی زحمت سے بچ گئی۔
"میرے دونوں کام مکمل ہوتے ہی کیپ کی نقل تمہارے
ہوٹل پہنچ جائے گی۔"
"اس تاخیر سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نقل مل گئی تو
میرے ایک دو ساتھی یہ بات بھول جائیں گے کہ میں نے فورٹ
ہاؤس کے واقعے سے پہلے ان سے داؤدی ستاروں کے بارے میں
بات کی تھی۔" اس بار بدری نے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی تھی۔
"میں کوشش کروں گا لیکن وعدہ نہیں کرتا۔" صورت حال
بدل جانے کے بعد میرا رویہ سخت ہو چکا تھا۔
"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تمہیں کسی سے مشورے کی
ضرورت ہے؟"
"عباس کرمانی سے مشورے کے بغیر میں کچھ بھی نہیں کہہ
سکتا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
اس کی ہنسی کی آواز سے نفرت اور بے بسی جھلک رہی تھی "یہ
مجھ پر تمہارا احسان ہوگا۔"
"مجھے صرف یہ سوچنا ہوگا کہ کیپ کی اس نقل سے تم مجھے کیا
نقصان پہنچا سکتے ہو۔ یہ بات صاف ہوتے ہی میں پانچ کاغذوں کا
لفافہ گارہام کے پتے پر پوسٹ کردوں گا۔"
"تم یقین کرو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا' میرا مقام بلند
ہو جائے گا۔"
"اتنی زیادہ عزت اور بلندی شاید تمہیں راس نہیں آسکے
گی۔ تم جھٹ تک کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دے بیٹھو گے۔" میں
نے زہریلی آواز میں کہا۔
"میں اسے معاف کرچکا ہوں لیکن مجھے اس سے کوئی ہمدردی
بھی نہیں ہے۔ میں تمہارے اور اس کے درمیان دخل نہیں دوں
گا۔"
"ہماری بنیادیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ مر کر بھی
ہماری مٹی ایک نہیں ہوتی تو جیتے جی ہم دونوں ایک کیسے ہوسکتے
ہیں؟" موقع ملتے ہی میں نے اس کے کہے ہوئے الفاظ اس کے منہ
پر دے مارے "تک کے بٹنے سے تمہارے پیارے دیش کا کیا فائدہ
ہوگا؟"
"جس طرح تم اپنے وطن سے محبت کرتے ہو' اسی طرح میں
اپنی دھرتی سے پیار کرتا ہوں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جو کہا تھا وہ
تمہیں اشتعال دلانے اور غصے میں سچ بولنے پر آمادہ کرنے کے لیے
کہا تھا۔ میں نہ جانے کتنے کام ایسے کرتا ہوں جن سے میرے ملک
کا فائدہ ہے نہ ہمارا نقصان ہوتا ہے۔ ابھی فل ٹن میں ملنے
سے ملنے والی رقم میں سے چار ہزار ڈالر بندی سے اپنے گھر بھیجے
ہیں۔ میرے ملک کو ڈالر ملیں یا نہ ملیں' میرے گھر والوں کو زیادہ
روپے ضرور ملیں گے۔"
"کاش میں جلد ہی تمہاری ان باتوں پر اعتبار کرنے لگوں۔ آج
تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔"
"یہ دیکھو کہ میں نے شیر علی میں چھپے ہوئے اپنی کا پتا لگانے کی
کتنی بڑی قیمت ادا کی ہے۔ میں نے یہ سب نہ کیا ہوتا تو پہلے کی
طرح آج بھی اندھیرے میں ہوتا۔"
"لیکن اب تم بھول جاؤ گے کہ تم نے یہ نام سنا تھا۔ تمہیں
معلوم ہے کہ میں جس کی ذات میں دلچسپی لینے لگتا ہوں وہ سفاکانہ
موت کا شکار ہو جاتا ہے یا مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"
"تمہیں امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی کہی ہوئی ہر بات
اچھی طرح یاد ہے۔ تم سے بس اتنی التجا ہے کہ جب تک مجھے
دوبارہ اپنا دوست نہیں سمجھتے' دشمن نہ سمجھنے لگنا۔"
طویل اور اعصاب شکن گفتگو کے اس آخری مرحلے پر پہلی
بار میں مسکرا دیا "میں سوچوں گا۔"
"خدا کی پناہ!" وہ گفتگو منقطع ہوتے ہی ویرا اپنے کانوں کو
ہاتھ لگا کے بولی "اس حرام زادے نے میرے پیروں تلے سے زمین
نکال دی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب ہمیں پہلی پرواز سے
یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ وہ گھر کا بھیدی ہے' تمہارے ساتھ
مجھے بھی مروا دیتا۔"
میں نے سگریٹ سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہوتے ہوئے
پوچھا "سارے نشیب و فراز کے بعد تمہاری آخری رائے کیا
ہے؟"
"مصالحت ہوگئی ہے اور تمہیں اس پر واضح برتری حاصل
ہے۔" ویرا نے اطمینان سے کہا۔
"یہ ابتدائی پنجہ آزمائی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کا دم
خم دیکھ لیا۔ آخری فیصلہ صرف اس لیے ٹل گیا کہ وہ ہماری نظروں
میں ہے لیکن ہمارے ٹھکانے سے بالکل بے خبر ہے۔"
"نہیں۔" ویرا نے بے اختیاری سے کہا "یہ تمہاری بدگمانی
ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس نے تمہیں پہچاننے میں اتنا وقت کیوں
لیا؟ اس جیسے گھاگ آدمی کو بہت پہلے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ کسی
معمولی بدمعاش کے ساتھ کام نہیں کر رہا۔ اس کا حلیف کوئی بڑی
چیز ہے۔"
"اس کی آڑ لے کر تم بھی طعن و تشنیع کرلو۔" میں نے ویرا
کے تبصرے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا "خرابی یہ ہے
کہ شروع سے آخر تک اس کی کوئی بات بے ربط نہیں تھی۔ یہ
فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ پہلے جھوٹ بول رہا تھا یا اس نے بعد میں
جھوٹ کا سہارا لیا۔"

"یہ تجزیے میرے بس سے باہر ہیں۔ میں حیران ہوں کہ دنیا کتنی سمٹ کر رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہونے والے پاکستانیوں کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر تھا۔"

"وہ اپنے ملک سے کنٹ کرشی یا ڈیوڈ اسٹار زوالوں کے لیے کام کرنے آیا تھا۔ وہاں سے تربیت کے لیے امریکا آگیا۔ نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ اس کے بڑوں نے اسے فراموش نہیں کیا۔ اس خطے کی صورتِ حال سے باخبر رکھ رہے ہیں تاکہ وہ اس سے کہیں بھی فائدہ اٹھا سکے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ بریفنگ اس کے بہنوئی کی موت کی وجہ سے اسے بھیجی گئی ہو۔"

"اس کے بہنوئی کی موت کا کراچی کے زخمیوں سے کیا تعلق تھا؟ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو میں اس نے ہر ہر نکتے سے بھرپور نفسیاتی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔"

"تمہیں پسینے چھوٹ گئے تھے۔" ویرا نے نظریں گھما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی میرے سر پر لٹھ بھی رسید کر دیتا تو مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی اس کی باتوں سے ہو رہی تھی۔ خود تمہارے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ شاید وہ واقعی رات بھر سوچتا رہا تھا۔"

"اب تم نے اسے کس شمار میں رکھا ہے؟" ویرا نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"ہم تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہیں۔ امریکی قانون ہمارا بدترین دشمن ہے۔ یہاں ہم بہت صاف ذہن کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ذہن ذرا بھی دھندلایا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔ اپنی تمام یقین دہانیوں کے باوجود وہ اب ناقابلِ اعتبار ہے۔"

"تو کیا اس کی باری بھی آنے والی ہے؟" ویرا کی آواز معنی خیز تھی۔

"اس کا انحصار خود اس کے رویّے پر ہو گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ اس سرزمین پر ہمارا آخری شکار ثابت ہو۔"

"نک موڈلے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا ہر بات اسی وقت جان لینا چاہتی تھی۔

"سب سے پہلے میں واپسی کی بکنگ کرانی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہی کچھ دیکھا جائے گا۔"

"واپسی؟" ویرا کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی "اے تم نے تھوس خلائی ایندھن کے ذخائر کی تلاش میں لگایا ہوا ہے۔ اس کا کیا بنے گا۔"

"اسے سمجھنے دو کہ ہم اس سے معلومات حاصل کرنے کی امید میں یہاں دھرنا دیے بیٹھے رہیں گے۔ اس ذخیرے کی تباہی کے لیے ہم اپنی جان جوکھوں میں ڈالیں گے۔ امریکا کو شاید زیادہ فرق نہیں

ویٹریات

"ویٹر! میرے پیٹ میں چوہا ہے۔"

"سر! پانچ روپے کی پلیٹ میں ہم چوہا ہی پیش کر سکتے ہیں، بلی نہیں۔"

"ویٹر! دو گھنٹے ہو گئے ہیں، آخر کھانا کب آئے گا؟"

"سر! بس باورچی لکڑیاں لینے گیا ہے۔ آجائے تو فوراً تازہ کھانا پکا کر پیش کر دیا جائے گا۔"

"ویٹر! ایک چمچ لاؤ میں سوپ پینا چاہتا ہوں۔"

"سر! کل کے بنے اس سوپ کو پینے کے لیے آپ کو چمچ کی نہیں، چھری کانٹے کی ضرورت پڑے گی۔"

"ویٹر! تمہارے ہوٹل میں ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ ساتھ لانا کیوں ضروری ہوتا ہے؟"

"سر! ہمارے مناسب بل اور غیر مناسب ٹپ کی وجہ سے۔"

"ویٹر! تمہارے ہوٹل کی سب سے بہترین ڈش کون سی ہوتی ہے؟"

"سر! دھلی ہوئی۔"

"ویٹر! مجھے کھانے کے بعد کیا کرنا چاہیے؟"

"سر! کھانے کے فوراً بعد آپ کو ڈاکٹر سے ٹائم لینا چاہیے۔"

"ویٹر! بل لاؤ۔"

"سر! ٹپ ملا کر یا ٹپ علیحدہ دیں گے۔"

"ویٹر! کھانا کھانے کے بعد مجھے چکر کیوں آرہے ہیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر! بل تو ابھی میں نہیں لایا۔"

پرنس کشمیری کی بہاولپور سے عنایت

پڑے گا۔ اس نے ہاتھی اور چیونٹی کی مثال ٹھیک ہی دی تھی۔"

"تم اسے دھوکا دے کر یا اس سے بچ کر یہاں سے نکلنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ ابھی میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ امریکا میں ہمارا آخری شکار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ را والوں کو اسے کھونے پر بہت صدمہ پہنچے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی تمہارا ذہن صاف نہیں ہے۔ آگے جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔"

میں نے ویرا کی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بدری ناتھ سے بات کرنے کے بعد میرا ذہن بری طرح الجھا تھا اور میں خطرات کو دبے پاؤں اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

ابتدائی باتوں میں بدری ناتھ نے یہ جاننا چاہا تھا کہ امریکا میں میرے معاونوں کی تعداد کیا تھی۔ وہ ایک نازک اور حساس سوال تھا جس کی اہمیت ویرا کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

فورٹ ہاؤس پر چاروں داؤدی ستاروں اور ان کے حواریوں کے خلاف کارروائی میں ہم سے سب سے بڑی اور سنگین غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس میں ویرا بیم گن استعمال کر بیٹھی تھی۔

جدید ہتھیاروں کا کوئی بھی ماہر اس کا شکار ہونے والے کا زخم دیکھ کر ہی بیم گن کے استعمال کی نشان دہی کر سکتا تھا اور یہ خبر بیم گن کے نام کے بغیر اخبارات میں آچکی تھی۔ بیم گن بازاروں میں ملنے والی کوئی عام گن نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ٹی کے ہر آئی مین کو یہ گن دی جاتی تھی اور ویرا نے بھی ایک آئی مین سے ہی وہ گن حاصل کی تھی۔

ٹی امریکا کی سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھنے والی تنظیم تھی۔ اس کے ہر آئی مین کو وہ بیم گن پینٹاگون سے حاصل کر کے دی جاتی تھی جس کا کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہونا ضروری تھا۔ بلیک ڈیڈ ویرا اور جمی لائیڈ کے ہمدردوں میں سے تھا۔ یہ یقینی بات تھی کہ اس نے ٹی کے کسی آئی مین سے وہ گن لے کر عارضی طور پر ویرا کے حوالے کی تھی۔ امریکا سے واپسی سے پہلے ویرا وہ گن بلیک ڈیڈ کو لوٹانے کی پابند تھی۔

فورٹ ہاؤس میں دو داؤدی ستاروں کے جسموں پر بیم گن کے جھلسے ہوئے سوراخ امریکی حکام کو چونکانے کے لیے کافی تھے۔ بیم گن کے استعمال کا یقین ہوتے ہی وہ یہ اندازہ لگاتے کہ فورٹ ہاؤس پر حملہ آور ہونے والوں میں ٹی کا کوئی نہ کوئی آئی مین ضرور شامل تھا۔ بیم گنز کے اجرا کا ریکارڈ موجود ہونے کی بنا پر پینٹاگون کے حکام کسی بھی لمحے امریکا میں موجود ہر آئی مین سے رابطہ کر سکتے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ شخص فوراً گرفت میں آجاتا جس نے اپنی بیم گن بلیک ڈیڈ کو مستعار دی ہوئی تھی۔ ٹی والے حکومت سے ہمیشہ بہت قریب رہے تھے' بلیک ڈیڈ کی نشان دہی ہوتی اور ہمارے لیے اس ملک کی زمین تنگ ہونی شروع ہو جاتی۔

شاید بدری ناتھ نے بھی ٹی کا نام لیے بغیر یہ پوچھنا چاہا ہو کہ ٹی کے کتنے منحرفین میری مدد کر رہے تھے۔ میرے اور ویرا کے قریبی مراسم زیرِ زمین عالمی حلقوں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ ہر باخبر شخص جانتا تھا کہ ویرا نے محض میری وجہ سے اپنے باپ سے ٹکر لے کر اس کے اور امریکا کے مفادات کے خلاف کام کرنا شروع کیا تھا۔ شاید بدری یہ سمجھ رہا تھا کہ ٹی میں ویرا کے ہمدرد چوری چھپے میرا ساتھ دے رہے تھے۔

وہ دو اور دو' چار جیسی سیدھی سادی مساوات تھی۔ ہم سے ہر شخص کے گرد گھیرا تنگ ہونے سے پہلے ہمارا امریکا سے نکل جانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ وقت کی دوسری اہم ضرورت یہ تھی کہ بیم گن بلیک ڈیڈ کو لوٹا دی جائے تاکہ اسے اس کے اصل مالک کی تحویل میں پہنچایا جا سکے۔

"تم اس وقت بوجھ بجھکڑ بنے کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" کچن کا چکر لگانے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"تلوار کی دھار مزید باریک اور تیز ہوتی نظر آرہی ہے۔ ہمیں پہلی فرصت میں بیم گن سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے ورنہ یہ کسی کے بھی گلے پڑ سکتی ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کے بولی "بلیک ڈیڈ کا یہ تحفہ عارضی اور قابلِ واپسی ہے۔ اسے پھینکنے کی حماقت بھی نہ کرنا۔ اس نے یہ کسی آئی مین سے ادھار لی ہوگی۔"

"چھٹکارے سے میرا یہی مطلب تھا کہ اسے بلیک ڈیڈ کو لوٹا دیا جائے۔"

"شاید تمہارا معدہ خراب ہو گیا ہے اسی لیے تمہیں بیداری کی حالت میں برے برے خواب نظر آرہے ہیں۔ یہ خاموش اور مہلک ہتھیار ہر قدم پر ہماری ضرورت ثابت ہوگا۔"

اس کی بات بھی غلط نہیں تھی۔ میں پُرتشویش نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

"ذرا بلیک ڈیڈ کو تلاش کرو۔ اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" کچھ دیر بعد میں نے ویرا سے کہا۔

ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر ناگواری کے انداز میں فون کی طرف بڑھی ہی تھی کہ گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے منہ بنا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

"روزی بے بی! آئی ایم سوری مگر کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ کیا تم میرا دیا ہوا تحفہ مائیک کے ہاتھ اسی وقت مجھے بھجوا سکتی ہو؟" ویرا کی ہیلو کے جواب میں بلیک ڈیڈ کی معذرت خواہانہ آواز ابھری۔

"چاہو تو میں اس کے ساتھ چند روز کا کرایہ بھی تمہیں بھجوا دوں۔" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے' بھنائے ہوئے لہجے میں بلیک ڈیڈ کو جواب دیا۔

"اوہ بے بی! مجھے معلوم تھا کہ تم ناراض ہو جاؤ گی مگر بہت

مجبوری ہے۔"

"اور میں مائیک کے ہاتھ . . . ایک لفافہ بھی بھیج رہا ہوں۔"

سلسلہ منقطع ہونے سے پہلے اونچی آواز میں کہا "یورپ کی کسی بھی ایرلائن پر ہماری واپسی کی نشستیں بک کرا دو۔"

"تم آن ایز لمپ۔" اس نے اسلم کو امریکی لہجے میں بگاڑ کر کہا۔ "اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ تم فوراً ہی واپسی پر تل جاؤ۔ میں ملوں گا تو تمہیں پوری تفصیل بتاؤں گا۔ تم خود میری مجبوری کے قائل ہو جاؤ گے۔"

"یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ تمہاری بے بی ایلی فنٹ کے روٹھنے سے پہلے میں واپسی کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے اسباب بھی ملاقات پر سن لوگے۔ یہ کام بہت ضروری...."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ بلیک ڈیڈ سے بات کرتے ہوئے پہلی بار سی ایس ڈی پر سرخ بلب روشن ہوا' ہلکا سا بزر چیخا اور رابطہ بے جان ہو گئی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ بلیک ڈیڈ کے فون پر نامعلوم وجوہ کی بنا پر آبزرویشن لگا دیا گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے' تم کھل کر مجھے کوئی بات کیوں نہیں بتاتے؟" ویرا اعصاب زدہ آواز میں غرائی' سی ایس ڈی کی غیر متوقع مداخلت نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔

"پُرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ شاید ہمارا کھیل کسی خطرناک مرحلے میں داخل ہونے والا ہے۔ بدری ناتھ پکا حرام زادہ ہے۔ اتنی باتیں کرنے کے باوجود اس نے مجھ سے بعض باتیں چھپائی تھیں۔"

ویرا کے لیے خود کو پُرسکون بنانے کی ایک ہی راہ تھی۔ وہ کسی الم زدہ گھریلو خاتون کی طرح بکتی جھکتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔ مجھے معلوم تھا اس کی واپسی اسکاچ کی بوتل یا کم از کم لبریز گلاس کے ساتھ ہو گی۔ میں نے فوراً ہی مائیک کے لیے کال بیل بجا دی۔

مائیک کسی جن کی طرح فوراً ہی آموجود ہوا۔ اس کے پیچھے ویرا اسکاچ کے گلاس کے ساتھ آ گئی۔

ویرا نے اپنے بیگ میں سے چرمی ہولسٹر میں لپٹی ہوئی بیم گن نکال کر ہتک آمیز انداز میں مائیک کے سامنے ڈال دی۔ میں نے بریف کیس سے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "یہ دونوں چیزیں اسی وقت بلیک ڈیڈ کو پہنچا دو۔ ہمیں کسی بھی نان امریکن ایر لائن سے کراچی کے لیے بکنگ کرانا ہے۔ کل کی کوئی پرواز مل سکے تو بہت اچھا ہو گا۔"

مائیک کا دہانہ احمقانہ انداز میں کھلا اور پھر اچانک بند ہو گیا۔ اپنی طرف سے حیرت کے اس بے ساختہ اور خاموش اظہار کے بعد اس نے لفافے میں سے پاسپورٹ نکالے جن کے ساتھ ہمارے ٹکٹ بھی موجود تھے۔

"نان امریکن ایرلائن ناممکن ہے۔" اس نے ایک ٹکٹ کا جائزہ لیتے ہی اعلان کر دیا۔

مجھے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ میں میں یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ ہمارے پاس امارات کے ٹکٹ تھے جن کے ذریعے نیویارک لندن سیکٹر پر امریکن ایرلائن سے ہی سفر کرنا تھا۔ لندن سے دبئی کے راستے امارات کی پرواز مل سکتی تھی۔

میں نے اپنی غلطی کو نبھانے کے لیے جلدی سے کہا "دیکھ لینا۔ ہمارے ٹکٹ پورے کرائے کے ہیں۔ ان پر کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں ہے۔ ایسے مسافروں کو شاید ہر ایرلائن قبول کر لیتی ہے۔"

مائیک کو غیر ضروری مداخلت پر ایک مرتبہ بھرپور خوراک مل چکی تھی۔ اس نے میری ہدایات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا اور دونوں چیزیں لے کر خاموشی سے چلا گیا۔ اس نے ہم سے یہ پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی کہ اس وقت بلیک ڈیڈ کہاں ہو گا۔

ویرا خاموش بیٹھی وہ تماشا دیکھتی رہی۔ مائیک کے جانے کے بعد ایک دم پھٹ پڑی "تم ایک بات کہتے ہو' تھوڑی دیر بعد کالا کتا بھی وہی بات کہتا ہے۔ تم دونوں مجھے زچ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟"

"دھیرج' دھیرج.... ! یہی بات تم نے انگریزی میں کہی ہوتی تو کالا کتا برا مان کر تمہیں کاٹ بھی سکتا تھا۔ ہماری کوئی ملی بھگت نہیں ہے۔ یہ وہی بات ہے جو بدری ناتھ کہہ رہا تھا۔"

"وہ صحیح کہہ رہا تھا۔" ویرا جل کر بولی "تم کالی زبان ہو۔ جو منحوس بات منہ سے نکالتے ہو' ہو کر رہتی ہے۔ اس وقت بیم گن کی وجہ سے کون سی قیامت آنے والی تھی؟"

"میرا صرف قیاس تھا۔ اصل وجوہ پر وہی روشنی ڈال سکتا ہے جس نے اپنا تحفہ واپس منگوایا ہے۔" میں نے مسمسی صورت بنا کر بے چارگی سے کہا۔

"ہم کل تک یہاں کیا کریں گے؟ تم نے آج کی بکنگ کیوں نہیں کروائی؟"

"بکنگ تو اب اللہ کی رضا اور ایرلائن والوں کی رضامندی سے ہو گی۔ سنا ہے کہ یہاں سے بحرِ اوقیانوس کے پار جانے والی پروازیں شام تک نکل جاتی ہیں تاکہ وقت کے فرق کے ساتھ صبح تک یورپ پہنچ سکیں۔ رات کو وہ اپنے ہوائی اڈے بند کر دیتے ہیں۔"

ویرا پھاڑ کھانے والی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میں اسے نظر انداز کر کے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ میرے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر آ بیٹھی اور میرا شانہ ہلاتے ہوئے درشت لہجے میں بولی "بننے کی کوشش مت کرو اور میری بات کا جواب دو!"

"میں نے بتایا نا کہ آج کے لیے دیر ہو چکی ہے۔ کل کا پروگرام ہی بہتر رہے گا۔"

"پروگرام نہیں ہیم گن۔ میں اس کی بات کر رہی ہوں۔ اس سے کیا معیبت آرہی تھی۔"

"اپنے اسباب پر بلیک ڈیڈ ہی روشنی ڈال سکے گا۔ میری دانست میں کل رات ہیم گن غلط بلکہ غیر ضروری طور پر استعمال کی گئی تھی۔" اس کی بھلاہٹ کو دیکھتے ہوئے میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"کیسے؟ میں اس کا سبب جاننا چاہتی ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"امریکا میں ہیم گن شاید مخصوص فوجیوں اور ٹی کے آئی مین کے ہی پاس ہوتی ہے۔"

ویرا کے چہرے پر چھائی ہوئی بھلاہٹ کافور ہوگئی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی "تمہیں معلوم تھا کہ میں ہیم گن استعمال کروں گی۔ تم نے کل رات ہی مجھے کیوں نہیں روکا؟"

وہ ذہین تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرا ایک فقرہ سن کر ہی وہ پوری بات سمجھ گئی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "کل رات مجھے بھی اس خطرے کا ادراک نہیں تھا۔ بدری کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن پر یہ خطرہ منکشف ہوا تھا۔"

"پھر بلیک ڈیڈ کی پریشانی اور عجلت قابل فہم ہے۔ اگر کوئی جانچ پڑتال شروع ہو چکی ہے تو ہیم گن کو جلد از جلد اس کے اصل مالک تک پہنچ جانا چاہیے۔"

"روانگی کی تیاری شروع ہو چکی ہے تو اب نک موڈلے کی بھی خبر لینی چاہیے۔"

"ہیم گن سے محرومی کے بعد یہ کام خاصا دشوار ثابت ہوگا۔" ویرا نے تبصرہ کیا۔

"کسی پُرشور ہتھیار کے مقابلے میں وہ بہت بہتر تھی۔ یہی کام ہاتھوں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اگر بلیک ڈیڈ نے عجلت سے کام نہ لیا ہوتا تو میں اپنا منصوبہ بنا چکی تھی۔"

"اب وہ متروک ہو چکا ہے۔ پھر بھی میں جاننا ضرور چاہوں گا۔" میں نے دلچسپی ظاہر کی۔

"یہاں زندگی کا محور صرف اور صرف بجلی ہے۔ عمارت جتنی بڑی ہوگی، بجلی پر انحصار بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ نیویارک ہلٹن اینڈ ٹاورز میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں بجلی کے موٹے زیرِ زمین تار کہیں نہ کہیں فرش سے برآمد ہو کر عمارت میں پھیلتے ہوں گے۔ ہیم گن کی پتلی سی دھار سے ان تاروں کو کاٹ کر پورے ہوٹل میں بدترین افراتفری پھیلائی جا سکتی تھی۔ یہ کام میرے ذمے ہوتا، تم مقررہ وقت پر اس کے فلور پر ہوتے۔ اندھیرا اور افراتفری پھیلتے ہی اسے ٹھکانے لگا دیتے۔"

میں نے اتنے بڑے ہوٹل میں ہنگامی روشنیوں وغیرہ کا ذکر کر کے بات کو طول نہیں دیا۔ ویرا کا جواب یہی ہوتا کہ نیویارک جیسے شہر میں بجلی فیل ہونے کا تصور ہی نہیں تھا تو ہنگامی بندوبست کی کیا ضرورت تھی۔

ویرا اپنے سکون آور مشروب سے شغل کرتی اور میرے ساتھ نک کے مسئلے پر سر کھپاتی رہی۔ ہم نے بہت دیر تک کئی متبادل طریقوں پر تبادلۂ خیال کیا لیکن اسے راہ سے ہٹانے کے کسی محفوظ طریقے پر متفق نہیں ہو سکے۔ اس دوران میں ویرا مجھے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کر چکی تھی۔

مجھے یہ فکر بھی پریشان کر رہی تھی کہ بلیک ڈیڈ سے بات کرتے ہوئے یکایک کیا مداخلت ہوئی تھی۔ گفتگو کے دوران میں لائن کٹ ہی گئی تھی تو بلیک ڈیڈ کو اخلاقاً دوبارہ نمبر ملا کر بات کرنی چاہیے تھی۔ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہوگا اور ویرا فون پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

دوپہر کے بعد ڈور بیل بجی تو مجھے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آگیا تھا۔ مائیک کے پاس چابی موجود رہتی تھی۔ وہ گھنٹی بجائے بغیر دروازہ کھول کر اندر آسکتا تھا۔ میں قدرے تشویش کے عالم میں دروازے پر پہنچا تو ڈور لینس کے ذریعے بلیک ڈیڈ کا چہرہ نظر آیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ بلیک ڈیڈ جھپاک سے اندر آگیا "یہ بتاؤ کہ روزی کہاں ہے؟"

"بیڈ روم میں بیٹھی تحفے سے محرومی کا غم غلط کر رہی ہے۔" میں نے مسکرا کے بتایا۔

وہ سیدھا اسی طرف چل دیا اور ویرا کا سامنا ہوتے ہی سراپا انکسار بن کر اس سے معافی تلافی کرنے لگا۔ اپنی ان کوششوں میں وہ ویرا کے سر پر سوار ہوا جا رہا تھا۔

"آرام سے کرسی پر بیٹھ کر بات کرو۔" ویرا نے اسے بے اعتنائی سے پرے دھکیلتے ہوئے کہا "تم نے بات کرتے کرتے اچانک فون بند کیوں کر دیا تھا؟"

"میں کیوں بند کرتا؟ میں سمجھا کہ مداخلت محسوس کر کے ڈیزی نے فون بند کیا ہے۔" اس نے جلدی سے صفائی پیش کی "وہ غلطی جوڈی کی تھی۔ اُلو کی پٹھی بالکل سٹھیا گئی ہے۔ میں بات کر رہا تھا اور اس نے دوسرے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا لیا۔ میں نے اس کی خاصی ٹھکائی کی ہے۔ آج کے تھپڑ وہ برسوں نہیں بھلا سکے گی۔ اسے گھمنڈ ہو گیا تھا کہ وہ جو چاہے، کرتی پھرے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کی آمد نے ہماری ایک تشویش رفع کر دی۔ ویرا نے فوراً اگلا سوال داغ دیا "تمہیں ہیم گن کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اس سے بہتر تھا کہ وہ تم نے مجھے نہ دی ہوتی۔"

"اس معاملے میں مَیں خود کو تمہارا مجرم محسوس کر رہا ہوں اسی لیے اپنی اہم ترین مصروفیات کو پس پشت ڈال کر یہاں دوڑا چلا آیا۔ دراصل غلطی میری تھی۔ تم پیری کاویل کو جانتی ہوگی۔ اس

کی یہ ہیم گن پچھلے کئی مہینوں سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھے بغیر تمہیں دے دی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم خوش ہو جاؤ گی...."

"تم دیکھ سکتے ہو کہ میں ابھی تک بہت خوش ہوں۔" ویرا نے درمیان میں لقمہ دے کر زبردستی دانت نکال دیے۔ بلیک ڈیڈ سر جھٹک کر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"آج صبح بوسٹن سے پیری کا فون آیا۔ پینٹاگون کے کسی انسپکٹر نے اسے فوری طور پر ہیم گن واپس لوٹانے کی ہدایت کی تھی۔ میں نے اس سے امانت میں خیانت کا اعتراف کرنے کے بجائے تم سے شرمندگی مول لینے کو ترجیح دی۔ اب میرا ایک آدمی ہیم گن لے کر بوسٹن گیا ہوا ہے۔ میں نے پیری کو ہدایت کی ہے کہ وہ میرے آدمی کے سامنے ہی گن چلا کر چیک کر لے کہ وہ ٹھیک کام کر رہی ہے۔"

"تاکہ اس کے کل رات چلائے جانے کا ثبوت باقی نہ رہے۔" میں نے کہا۔

"ایک غلط کام کو چھپانے کے لیے دس غلط کام کرنے پڑتے ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا "میں نے اس پر سے سارے نشان وغیرہ بھی بالکل صاف کر دیے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ پینٹاگون والے اپنی تجربہ گاہوں میں ان کی جانچ پڑتال کرنے بیٹھ جائیں۔ ایسے اسپیشل ہتھیاروں سے پرہیز ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"غلطی تمہاری تھی۔ تم نے ویرا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو اس نے بھی اسے استعمال نہ کیا ہوتا۔ ہم میں سے کسی کے صرف دو راؤنڈ زیادہ خرچ ہوتے۔"

"ویرا نے مجھے معاف کر دیا۔ وہ قصہ ختم ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کا کیا چکر ہے؟"

"فورٹ ہاؤس میں ویرا کا انتقام پورا ہو چکا ہے۔ پریس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔ یہ معاملہ خوب اچھالا جائے گا۔ یہاں رکے رہے تو ہم دونوں بھی زد میں آ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"میرے سامنے پریس والوں کی رگ دبتی ہے۔ میں انہیں خوب کھلاتا پلاتا ہوں۔ کئی رپورٹروں کو میرے ٹھکانوں سے بھتے ملتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ کوئی کھل کر میرے خلاف لکھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔"

"حالانکہ تم یہی چاہتے تھے۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا "سزایابی کا خوف نہ ہوتا تو تم پورے نیویارک میں بینر لگوا دیتے کہ ڈیوڈ اسٹارز تم سے ٹکرا کر فنا ہوئے ہیں۔"

"میں جو کچھ چاہتا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ لوگ سطروں کے درمیان ان لکھی تحریر کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔"

"تم سے ابھی تک باز پرس یا تفتیش کا سلسلہ شروع نہیں ہوا؟" ویرا نے پوچھا۔

"کیسی باز پرس؟ کس بات کی تفتیش؟" بلیک ڈیڈ نے فضا میں ہاتھ اچھال کر کہا۔

"وہاں سے تمہارے ایک آدمی کی لاش ملی ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میرا رسمی مؤقف تم نے اخبار میں پڑھ لیا ہوگا۔ باقی باتیں میرے وکیلوں کے علم میں ہیں۔ میں نے انہیں اور انہوں نے مجھے ہر بات سمجھا دی ہے۔ پولیس کچھ جاننا چاہتی ہے تو میرا وقت برباد کرنے کے بجائے میرے وکیلوں سے رجوع کرے۔ کوئی قانونی مجبوری لاحق ہوئی تو وہ مجھے مناسب مشورہ دیں گے۔"

"کیا امریکا میں جرم کر کے بچ نکلنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"اس کے لیے صرف دو باتیں ضروری ہیں۔" ویرا سے پہلے بلیک ڈیڈ بول پڑا "تم کو اپنے قانونی حقوق کا پورا علم ہونا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ اچھے وکیلوں کے بڑے بڑے پیٹ بھرنے کے لیے مالی وسائل کی موجودگی ضروری ہے.... جرم کی شہادتیں سامنے ہوں تو پھر کوئی گئی گزری جیوری بھی مجرم کو معاف نہیں کرتی، ہر وسیلہ دھرا رہ جاتا ہے۔"

"تمہاری دانست میں وہاں آٹھ لاشوں اور چار زخمیوں کی موجودگی کو شہادت نہیں مانا جائے گا؟" میں نے متعجب ہو کر سوال کیا۔

"وہ واقعہ ہے۔ وہاں میری موجودگی کی کوئی شہادت نہیں مل سکے گی۔" وہ فخر سے بولا۔

"میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اپنے دفاع کی طرف سے اتنے مطمئن ہو۔"

"مطمئن نہ ہوتا تو ویرا سے معذرت کے لیے یہاں تک دوڑا نہ چلا آتا۔" اس نے کہا۔

"مجھے مائیک کی واپسی کی توقع تھی۔ اسے تم کہاں چھوڑ آئے؟" ویرا نے پوچھا۔

"وہ تم دونوں کی بکنگ کے لیے گیا ہوا ہے۔ یہاں سے آئے دن پروازوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن رش کم ہونے میں نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا سال پورا یورپ اور امریکا اِدھر سے اُدھر سفر کرتا رہتا ہے۔ دیکھو کب کی نشستیں ملتی ہیں۔"

"ہم جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ کیا تم اپنا اثر رسوخ استعمال نہیں کر سکتے؟"

"مائیک ان کاموں میں ماہر ہے۔ تم اس پر اعتماد کر سکتی ہو۔"

"جانے سے پہلے ایک کام میں تمہاری مدد کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" سفر کا موضوع ختم ہوتے ہی میں نے بلیک ڈیڈ سے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"تم دونوں نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد میں تمہارے لیے دنیا کے آخری سرے تک دوڑ لگا سکتا ہوں۔ تم کام بتاؤ۔ ممکن ہوا تو وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔"

...میں شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں مقیم ایک امریکی کو اغوا
کرنے کا مسئلہ درپیش ہے۔"

"اچھا!" میری بات سنتے ہی بلیک ڈیذ نے تمسخرانہ انداز میں
کہا "یہ بداخلاقی ہے۔ خود پی رہی ہو۔ مجھ سے پوچھا تک
نہیں۔ ذرا ہم دونوں کے لیے بھی ڈرنک بنا لاؤ۔"

دیا کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اسے بلیک ڈیذ کا
یہ انداز پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ کوئی تعرض کیے بغیر کچن کی
طرف چل دی اور بلیک ڈیذ میری طرف جھک آیا۔

"وہ امریکی کون ہے؟ اپنی برادری کا کوئی آدمی؟" اس نے
دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ ایک ٹورسٹ نہیں بلکہ سفارت کار ہے۔ پاکستان میں خاصا
گند پھیلا کر آج کل یہاں آیا ہوا ہے۔ اس کے اعمال کے اعتبار
سے اپنی برادری کا فرد ہی سمجھ سکتے ہو۔"

"صرف اغوا اور پوچھ گچھ کا ارادہ ہے یا آگے بھی کچھ ہونے
کا امکان ہے؟" اس نے پورے خلوص سے سوال کیا۔

"شاید بات آگے تک جائے گی۔ یہ کام نہ ہو سکا تو مجھے ہمیشہ
حسرت رہے گی۔"

"اس کا نام پتا بتا دو۔ میں دیکھوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔" وہ
سوچتے ہوئے بولا۔

"تمہارے انداز سے کچھ غیر معمولی سی جھلک رہی ہے۔" میں نے
[illegible]ی سے [illegible]۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ اگر وہ عام ٹورسٹ کی طرح رہ رہا ہے تو
اسے یہاں پہنچانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا۔ اس پر کوئی گارڈ مامور ہوئے
تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ میں کسی بھی کام میں ادھورا ہاتھ ڈالنے کا
عادی نہیں ہوں۔ ہونے والا کام ہو تو بس ہو کر ہی رہتا ہے۔"

"وہ اپنے ملک میں ہے۔ مجھے امید نہیں کہ اس کو کوئی غیر
معمولی پروٹوکول دیا جا رہا ہو گا۔" میں نے کہا "اسے لانے کے لیے
یہ جگہ شاید مناسب نہیں رہے گی۔ اس نے غل غپاڑا مچایا تو لوگ
متوجہ ہو جائیں گے اور کام بگڑ جائے گا۔"

"اسے منہ باندھ کر بے ہوشی کی حالت میں لایا جائے گا۔
پوچھ گچھ تحریر کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ بھی یہاں کوئی
گڑبڑ نہیں کر سکے گا۔ دوسری جگہ تم بے آرامی محسوس کرو گے۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔
اس وقت دیا اندر سے ڈرنکس کے لوازم لے آئی۔ اس نے بلیک

ڈیڈ کے حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کرنے کے بجائے گلاسوں کی تیاری کا کام اس کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

بلیک ڈیڈ نے جب ویرا کو نکا سا جواب دے کر امریکا سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا تو میں نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی تھی۔ میں نے اسے خود غرض اور احسان فراموش تصور کرلیا تھا لیکن اس سے مراسم استوار ہونے کے بعد میں اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ صاف گو تھا اور اسی وجہ سے کبھی کبھی بددماغ نظر آنے لگتا تھا۔

اس نے جس اطمینان کے ساتھ نک موڈلے کو اٹھالانے کا ارادہ کیا تھا اس پر میرا حیران ہونا قدرتی امر تھا۔ میں نے اس کا نام اور ہوٹل کی تفصیل بتانے کے بعد اس سے پوچھا کہ وہ اسے بھرے پرے ہوٹل یا بازار سے کیسے اٹھالائے گا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"لوگوں کو اٹھانا اور مناسب گوشمالی کے بعد کسی ویرانے میں ڈال دینا ہمارا روزمرّہ کا کام ہے۔ اپنے علاقے کے سرکش اور منہ زور لوگوں کو لگام نہ دی جائے تو ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔ شاید تم نے گن سے فائر کی جانے والی ان سرنجوں کے بارے میں سنا ہوگا جو درندوں کے شکاری کھالیں بچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لمبی سوئی جسم میں پیوست ہوتے ہی سرنج کا سارا سیّال اپنے زور میں جسم میں اتر کر شکار کو بے ہوش کردیتا ہے۔ وہی دوا' راہ چلتے ہوئے ہاتھ سے بھی انجکٹ کی جاسکتی ہے۔ شکار کے لڑکھڑاتے ہی شکاری مددگار بن کر اسے سنبھال لیتا ہے اور شکار میرے جال میں آجاتا ہے۔"

"خاصا سہل اور آرام دہ طریقہ ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی ضروری سمجھی "شکار ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔"

نک موڈلے کے بارے میں جلد از جلد اطلاع دینے کا وعدہ کرکے بلیک ڈیڈ ہم سے رخصت ہوگیا۔ اس کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد مائیک واپس آیا۔ اسے دوسرے دن کی آخری پرواز پر چانس پر نشستیں مل رہی تھیں۔ اس نے وہ خطرہ مول لینے کے بجائے تیسرے دن کی نشستیں محفوظ کرالی تھیں۔

"تم نے اپنی مشقت میں خود ہی ایک دن کا اضافہ کرلیا۔ اب جلدی سے کھانا تیار کرلو۔" ویرا نے دوستانہ انداز میں مائیک سے فرمائش کی۔ واپسی کا پروگرام طے ہوتے ہی اس کے موڈ میں خوش گوار تبدیلی آچکی تھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ خود بھی امریکا میں رہ کر پاکستان کو مس کررہی ہو۔

کچن میں ویرا نے اسی جذبے کے ساتھ مائیک کو ڈائننگ ٹیبل پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

ویرا کھانے کے درمیان مسلسل باتیں کرتی بلکہ چہکتی رہی۔ اسی دوران میں اس نے کسی طرح جوڈی کا ذکر نکال کر مائیک کو یہ بھی بتادیا کہ اس روز وہ بڑھیا مار کھاچکی تھی۔ مائیک کے لیے اطلاع ناقابلِ یقین تھی۔ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر فون کی طرف بھاگا اور کسی سے اس خبر کی تصدیق کرنے لگا۔ واپسی پر خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

جوڈی کے بارے میں بلیک ڈیڈ کی سنائی ہوئی کہانی حرف بہ حرف درست تھی۔

"جی چاہ رہا ہے کہ جوڈی کو فون کرکے اُس سے اسی وقت مزاج پُرسی کی جائے۔" اس نے دوبارہ کھانے میں شریک ہوتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا "اظہارِ ہمدردی کی دو چار فون کالز ملنے کے بعد وہ ان سے گالیوں کی طرح بدکنے لگے گی۔ اس وقت اس کی حالت قابلِ دید ہوگی۔"

"کھانا کھانے کے بعد اپنی یہ اخلاقی ذمے داری بھی پوری کرلینا۔ برے بھلے وقت میں اپنے ساتھیوں کے جذبات میں شرکت سے تعلقات میں گرمجوشی پیدا ہوتی ہے۔" ویرا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے اکسانے والے انداز میں کہا "اسے بدکنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم اسے نہیں جانتیں۔ بلیک ڈیڈ آدمیوں کا جیتا جاگتا عجائب گھر پالنے کا عادی ہے۔ بیکسٹر اور جوڈی کے علاوہ اس کے پاس بڑے مشاہروں پر کئی عجوبے ملازم ہیں جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکے۔ بھینگا ڈک بھی ان میں شامل ہے۔" وہ از خود ہنستے ہوئے بتارہا تھا "اس کے پستول یا ریوالور کی نال اس کی نگاہوں کی طرح ہمیشہ ٹیڑھی اٹھتی ہے لیکن اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ وہ کھڑے کھڑے کسی بھی شخص کے جبڑے پر گدھے کی طرح لات رسید کرسکتا ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود وہ بینگن کے نام تک سے چڑتا ہے۔ مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔"

"تم جوڈی کو فون کرتے ہوئے ڈر رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ باس وہاں موجود ہوا تو سمجھ جائے گا کہ جوڈی کے ساتھ شرارت کی جارہی ہے۔"

"تو کیا وہ اپنا بیشتر وقت وہیں گزارتا ہے؟" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیونکہ وہ کبھی بھی پہلی کال میں بلیک ڈیڈ کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔

"نہیں' وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔" مائیک نے گول مول سا جواب دیا "وہ شہر میں موجود ہو تو دن میں ایک آدھ مرتبہ وہاں ضرور جاتا ہے۔"

کھانے کے بعد مائیک برتن وغیرہ سمیٹنے لگا۔ ویرا اٹھ کر چلی گئی مگر میں نے کچن ٹیبل چھوڑے بغیر سگریٹ سلگالی۔ چند ثانیوں کے بعد میں نے مائیک سے پوچھا "کیا یہ مکان کسی قیدی کو رکھنے کے لیے محفوظ ہے؟"

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بولا "قیدی کو رکھنے کے

سا نہ ذبح بھی کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں یہ جاننے کی ضرورت کیوں
ابن آ گئی؟"

"شاید کوئی مہمان یہاں آ ہی جائے۔" میں نے مبہم سا جواب
"یہ مکان مختصر، ہوا دار اور چاروں طرف سے باہر کھلنے والا
کھڑکیوں سے ہر غیر معمولی آواز پڑوسیوں تک پہنچ سکتی ہے۔"
"تم بھول رہے ہو کہ یہ مکان بلیک ڈیڈ کا ہے۔" اس نے
آنکھ ماری "یہاں ان چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔
دنیا کو آسمان تو کیا، زمین تک نظر نہیں آ سکتی۔"
"کیا یہاں کوئی تہ خانہ بھی ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے
سوال کیا۔

"تم بہت عقل مند ہو۔ اس علاقے کے متوسط گھروں میں
اسٹور روم کے طور پر چھوٹے تہ خانے ضرور موجود ہیں جہاں ڈیپ
فریزر، واشنگ مشین اور دوسرا کاٹھ کباڑ رکھا جاتا ہے۔ نوکروں کا
رواج نہیں ہے لیکن مائیک نے یہاں گیراج کے ساتھ سرونٹ
کوارٹر صرف اس لیے بنوایا ہے کہ ادھر بنے ہوئے تہ خانے کی دیکھ
بھال ہوتی رہے۔ مکان کے بجائے گیراج اور سرونٹ کوارٹر کے
نیچے تہ خانہ بنوانے کا مقصد یہی تھا کہ پڑوسیوں کی نظروں سے محفوظ
ایک ٹھکانا دستیاب رہے۔"

میری ایک بڑی الجھن دور ہو گئی۔ مختصر سی اصل عمارت مجھے
ایسے کسی بھی کام کے لیے مخدوش نظر آ رہی تھی۔ عقبی تہ خانے
میں نک موڈلے سے ذرا کھل کر بات چیت ہو سکتی تھی۔

مائیک کچن سمیٹ کر فارغ ہوا تو میں بھی اپنے کمرے میں لوٹ
آیا۔ ویرا بستر پر دراز ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس پر
کورٹ ہاؤس کے بارے میں کچھ بتایا جا رہا تھا۔

میں نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر چینل بدل دیا۔ یکے بعد
دیگرے میں نے متعدد چینل دیکھے، ہر جگہ سے اسی واقعے کے
بارے میں کوئی نہ کوئی پروگرام دکھایا جا رہا تھا۔ مرنے والے داؤدی
ہمارے بدروحوں کی طرح ہر چینل سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔ میں
نے اکتا کر ٹیلی وژن بند کر دیا۔

"ٹیلی وژن کھلا رہے تو تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔" ویرا بستر پر
پڑے پڑے انگڑائی لے کر بولی "سارے کردار اپنے اردگرد گھومتے
ہوئے اور بولتے چالتے محسوس ہوتے ہیں۔"

"اس لعنت نے لوگوں کو ان کے گھروں میں محصور کر کے رکھ
دیا ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "جو وقت دوستوں اور رشتے
داروں سے میل جول میں بسر ہوتا تھا، وہ اب تنہائی کے باوجود اس
ڈبے کے گرد گزر جاتا ہے۔ ہر شخص کو شکایت ہے کہ اسے
فرصت نہیں ملتا....."

"بس بس.... اب بوڑھی عورتوں کی طرح کلکلا کر کوسنے پیٹنے پر
نہ آؤ۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹ دی۔ "آج کی دنیا
ایک کوزے میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ گھر میں پڑے پڑے بھی
آدمی دنیا بھر کی خبروں سے واقف ہوتا رہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم
پرسوں روانگی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو؟"

چوڑے بستر پر ویرا سے قدرے دور نیم دراز ہوتے ہوئے میں
نے دھیرے سے کہا "شاید نہیں۔ میں یہاں کے لیے ذہن میں ایک
طویل پروگرام لے کر آیا تھا۔ اب اسے ادھورا چھوڑ کر بھاگنا پڑ رہا
ہے۔ بدری ناتھ کی قلابازی نے خطرات کا امکان یکایک بہت زیادہ
بڑھا دیا ہے۔"

"اپنے طویل پروگرام کے بارے میں تم نے آج تک مجھے کچھ
نہیں بتایا۔" اس نے میری طرف کروٹ لے لی۔

"تباہیوں اور تخریب کاری کے بوکھلا دینے والے سلسلے کے
علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس طویل و عریض ملک میں ایسی
کارروائیوں کے بے شمار مواقع بکھرے ہوئے ہیں۔ بیم گن ہوتی تو
اس کے سہارے نیویارک کے چند کلیدی کیبل کاٹ کر پورے شہر کو
تاریک کیا جا سکتا تھا۔"

"میں تمہیں ہرگز ایسا نہ کرنے دیتی۔" ویرا بوکھلا کر بولی "بجلی
کا بریک ڈاؤن اس شہر کے لیے قیامتِ صغریٰ بن جاتا ہے۔ تاریخ
میں چند بار ہی ایسا ہوا ہے....."

"نک موڈلے کے ہوٹل کے لیے یہ تجویز تم ہی نے دی
تھی۔" میں نے درمیان میں اسے یاد دلایا "اور پھر انہوں نے تو
کراچی میں کینوپ کے بجلی گھر کو کئی ہفتوں کے لیے بند کر دیا تھا۔
اس شہر میں بھی امریکیوں جیسے بلکہ شاید ان سے بہتر انسان رہتے
ہیں۔"

"جس شہر میں برقی اور مشینی نظام پر انحصار جتنا زیادہ ہوتا ہے،
وہاں اتنی ہی بڑی بربادی آتی ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانے کی
کوشش کی "کراچی میں بجلی فیل ہوتی ہے تو صابر و شاکر شہری
اندھیرے گھروں کی گرمی میں نل کے پانی پر گزارہ کر لیتے ہیں۔ یہاں
کا سماں ہی بدل جاتا ہے۔ لفٹوں اور سب وے میں پھنسی ہوئی

عورتوں پر درندے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ چوری' ڈاکوں' لوٹ مار' زنا' اغوا اور قتل کی اس قدر وارداتیں ہوتی ہیں کہ اگلے پچھلے سب ریکارڈ ٹوٹ جاتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بربادی سے دوچار ہونے والوں میں اکثریت شریف اور بے گناہ شہریوں کی ہوتی ہے۔ نتیجہ سامنے آنے پر تم خود اپنے اقدام پر شرمسار ہو جاتے۔"

"یہ محض ایک مثال تھی۔ بدری ناتھ شرافت سے چھتار رہتا تو انسانوں کو نشانہ بنائے بغیر انہیں بھاری مالی اور فنی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا لیکن اب یہ کام ادھورا رہ جائے گا۔"

"بلیک ڈیڈ ہمارے بعد بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن اس کی تنگ کھوپڑی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں سے محروم ہے۔" ویرا نے مایوسی سے کہا "یہی کافی ہے کہ اس کے جیتے جی ڈیوڈ اسٹارز دوبارہ سر نہیں اٹھا سکیں گے۔"

ہم دیر تک ان امکانات پر گفتگو کرتے رہے۔ صبح تک ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیویارک بلکہ امریکا میں ہمارا ہر کام ختم ہو گیا ہو اور ہم جمود کا شکار ہونے والے ہوں۔ روانگی کا پروگرام طے ہوتے ہی ہمیں بے شمار کام نظر آنے لگے تھے جنہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وقت درکار تھا۔

اسی دوران میں تھوڑی دیر کے لیے غنودگی چھا گئی۔ نیند کا غلبہ ہونے سے پہلے میں نے اپنے بدن پر ویرا کے گداز اور حرارت انگیز وجود کا لوچ محسوس کیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور ویرا کو خطرناک حد تک اپنے قریب دیکھ کر بستر چھوڑ دیا۔

میری بوکھلاہٹ پر ویرا نے قہقہہ لگایا "بس' ڈر گئے؟ ترغیب پر نفس کو مارنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ تمہاری جگہ گاندھی ہوتا تو میری ذرا بھی پروا کیے بغیر گہری نیند سوتا رہتا۔"

"میں گاندھی کی طرح دالیں اور سبزیاں کھا کر بکری کا دودھ نہیں پیتا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا اور دوسرے بیڈ روم کی طرف چل دیا۔ ویرا نے میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

چار بجے ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر مجھے دوبارہ اسی کمرے میں آنا پڑا۔ ویرا فون پر بلیک ڈیڈ سے بات کر رہی تھی۔ عادت کے مطابق اس نے اسپیکر فون ہی آن کیا ہوا تھا۔

"ہاں' بالکل ہو جائے گا۔" وہاں پہنچنے پر میرے کانوں میں بلیک ڈیڈ کی آواز آئی۔

"اندازاً کتنے پاؤنڈ کا ہوگا؟" ویرا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"پاؤنڈ؟ میں سمجھا نہیں کہ تم کیا پوچھ رہے ہو۔" بلیک ڈیڈ کی آواز متحیرانہ تھی۔

"ہونے والے بچے کا وزن پوچھ رہا تھا۔ کیا تم کسی زچگی کی اطلاع نہیں دے رہے تھے؟"

بلیک ڈیڈ ہنس پڑا "میں ہوٹل والے مہمان کی بات کر رہا تھا۔ میں نے تین آدمی لگا دیے ہیں۔ کام زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ غروب آفتاب کے بعد ڈک اسے لے کر تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ڈک؟ یہ وہی تو نہیں جو بھینگا ہے؟ دیکھتا کسی کو ہے اور مارتا کسی اور کو؟"

"تمہارے چونکنے سے پتا چل رہا ہے کہ تم اس سے واقف ہو۔" وہ بولا۔

"تمہارے انسانی میوزیم کے خاص خاص نمونوں سے واقف ہونا ہی چاہیے۔"

وہ دوبارہ ہنسنے لگا "میں سمجھ گیا۔ یہ مائیک کی بدمعاشی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی کی صلاحیتوں سے زیادہ اس کی شکل وصورت پر دھیان دیتے ہیں۔ اس کی موجودگی میں تمہیں اپنے شکار پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ وہی اس کو سنبھال لے گا۔"

"اور اگر وہ آن جہانی ہو گیا تو کیا صورت رہے گی....؟ کیا تم ادھر آ رہے ہو؟"

"میں نہیں آسکوں گا۔ اس کے بارے میں ڈک اور مائیک تمہاری ہدایات پر عمل کریں گے۔ تمہارے تہ خانے میں وہ کئی دن تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ وِش یو گڈ لک اینڈ بائے۔"

فون بند کرتے ہی میں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مجھے مائیک پر بلاوجہ غصہ آرہا تھا۔

"یہ بھینگا ڈک کیا بلا ہے؟" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"ایک چوپایہ۔" میں نے بھنا کر جواب دیا۔ اسی وقت مائیک وہاں آموجود ہوا۔

"تم نے بھینگے ڈک کا نام لیا تھا اور اب وہ یہاں نازل ہونے والا ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "وہ مردود تمہیں یاد ہی کیوں آیا تھا؟"

"بات بر سبیل تذکرہ نکلی تھی۔ میں نے دانستہ اس کا نام نہیں لیا تھا۔ اپنے پیدائشی عیب کے باوجود وہ بہت بے خوف اور کارآمد آدمی ہے۔ نگرانی کے کاموں پر باس عام طور پر اسی کو لگاتا ہے۔ حریف کو پتا تک نہیں چل پاتا کہ ڈک مسلسل اسی کو گھور رہا ہے۔"

میں بے بسی سے ہنس پڑا "جاؤ اور جا کر تہ خانہ صاف کرو۔ وہاں ایک مہمان آنے والا ہے۔"

مائیک کا چہرہ کھل اٹھا۔ فورٹ ہاؤس سے اس کی غیر حاضری کے ازالے کا ایک امکان پیدا ہو چلا تھا۔

"لان پر دو کرسیاں ڈال دو اور میز لگا دو۔ ہم کچھ دیر تازہ ہوا میں بیٹھیں گے۔" ویرا نے اسے ہدایت کی اور وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہلکی ہلکی خوش گوار ہوا میں مختصر لان پر کرسیاں ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ مطلع صاف تھا۔ فضا میں حبس یا گرمی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ مغرب کی طرف ڈھلتے ہوئے سورج کی تھکی تھکی کرنوں نے پورے لان کو اپنی زد میں لیا ہوا تھا۔

اس وقت ہم گھر سے باہر کھلی فضا میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں پڑوسیوں سے سامنا بھی ہو سکتا تھا۔ ان رموز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مائیک نے بلور کے گلاسوں کے بجائے نازک بلوریں جام میز پر سجائے تھے۔ ٹرے میں آئس پاٹ، سائفن اور سوڈے کے ساتھ مختلف اقسام کی کئی رنگارنگ بوتلیں بھی تھیں۔

"باہر بیٹھ کر شریفوں کی طرح سے مے نوشی کرنی ہے تو پھر ایونگ کاک ٹیل ہی بہتر رہے گی۔" ویرا نے مائیک کے کیے ہوئے انتظام پر تعریفی نظریں دوڑاتے ہوئے کہا "میرے نسخے سے تمہیں مزہ آجائے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویرا میز کی طرف متوجہ ہو گئی اور مختلف شرابوں کی مقدار ناپ ناپ کر دونوں دھکتے ہوئے پیانوں میں ڈالنے لگی۔ اس کی پوری توجہ اپنے کام پر مرکوز تھی۔ میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ مجھے پڑوس والے مکان کے بند دروازے کے پیچھے کسی کی موجودگی کا بے نام سا احساس ہوا۔ کوئی دروازے کی اوٹ سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

چند ثانیوں بعد ایک سڈول اور دراز قامت امریکی عورت اس دروازے سے باہر نکل آئی۔ اس کے جسم پر اس وقت بھی ایک چست ٹی شرٹ اور اونچی نیکر موجود تھی۔ خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ رچی ہوئی تھی اور ترشے ہوئے سنہرے بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے۔

میں اسی طرف متوجہ تھا۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں۔ اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا تو اس کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی۔ میں نے جواب میں ہاتھ ہلایا تو ویرا چونکی اور پھر میری نظروں کے تعاقب میں اس نے بھی اپنی اس پڑوسن کو دیکھ لیا جو چند روز پہلے لان پر گھاس کاٹتی ہوئی نظر آئی تھی۔ ویرا کا منہ بن گیا مگر اسے اخلاقاً پڑوسن کو ہاتھ لہرانا پڑ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ الو کی پٹھی ہر وقت ہماری تاک میں لگی رہتی ہے۔" ویرا دوبارہ کاک ٹیل کی تیاری میں مصروف ہوتے ہوئے بڑبڑائی "ایسی متجسس عورتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اسے نظر انداز کرو ورنہ وہ ہمارے سر پر سوار ہو کر گلے پڑ جائے گی۔"

متناسب بدن والی اس پُرکشش خاتون نے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ میں اسے نظرانداز کر سکوں۔ وہ میری طرف دیکھتی ہوئی سیدھی چلی آ رہی تھی۔ دونوں احاطوں کو الگ کرنے والی ڈھائی تین فٹ اونچی رسمی سی دیوار کے پاس آ کر وہ رک گئی۔

"ہائے.... اگر میری مداخلت ناگوار نہ ہو تو کیا میں تمہاری طرف آ سکتی ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے دلکش آواز میں پوچھا اور میں دل ہی دل میں یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا کہ کسی عورت کو ایک عورت ہی صحیح پہچان سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مرد ان کی دل فریبی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

ویرا کو شاید یہ پسند نہیں تھا کہ میں اس سے بات کروں۔ وہ فوراً ہی اس کی طرف پلٹ کے بولی "ضرور آؤ لیکن اس وقت لان پر صرف دو ہی کرسیاں ہیں۔"

درمیانی دیوار کی بساط ہی کیا تھی۔ یکے بعد دیگرے اس کی دونوں لمبی ٹانگیں ہمارے لان پر تھیں "نیور مائنڈ.... میں اندر سے تیسری کرسی خود اٹھا لاؤں گی۔" اس نے ویرا کے خشک جواب کو اپنی فراخ دلانہ مسکراہٹ میں گھول کر بالکل بے اثر کر دیا اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پاس آ گئی۔

ہم دونوں اٹھے "میں میڈیلین ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا نرم ہاتھ ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

"روزی!" ویرا نے کسی گرمجوشی کے بغیر اپنا تعارف کرا کے اس سے ہاتھ ملایا۔

"اسلم!" میں نے نرمی سے اس کی گداز ہتھیلی اپنی گرفت میں لے لی۔ اس کی مخروطی انگلیاں سختی سے میرے ہاتھ کے گرد لپٹ گئیں۔ میں نے ایک طرف سرک کر اپنی کرسی اسے پیش کر دی۔

"تم بیٹھو!" اس نے بے تکلفی سے میرے بازو تھام کر مجھے کرسی پر بٹھانا چاہا "میں اپنے لیے اندر سے تیسری کرسی لے آتی ہوں.... ویسے بھی میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ آج یقیناً تم دونوں میں سے کسی کا برتھ ڈے ہے جو یہ دو نفری کاک ٹیل پارٹی ہو رہی ہے۔"

مائیک ایک اچھے خدمت گار کی طرح نہ جانے کہاں چھپا یہ صورتِ حال دیکھ رہا تھا۔ ہماری تکرار کا کوئی نتیجہ برآمد ہونے سے پہلے ہی وہ ایک کرسی اور ایک پیگ لیے چلا آیا۔

"یہ کسی کی برتھ ڈے پارٹی نہیں ہے۔ تم کاک ٹیل لو گی؟" ویرا نے خشک مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسمی لہجے میں میڈیلین سے پوچھا۔

میڈیلین کا جواب اثبات میں پا کر ویرا نے تیسرا پیانہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

اس کے نیکر کے نیچے اور ٹی شرٹ سے اوپر اس کی جلد کی چمک چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ وہ عنفوانِ شباب کے رنگین دور سے گزر رہی تھی۔ اس کی بے چین سبز آنکھوں میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنی فطری خوش دلی کے ساتھ وہ باتیں کرنے کی بھی بہت شوقین تھی۔

وہ ہمارے بارے میں رسمی تعارف سے کچھ زیادہ جاننے کی خواہش مند تھی۔ ویرا نے چند فقروں میں جواب نمٹا دیا۔ ہم لندن میں رہتے تھے اور وہاں سے مختصر چھٹیاں گزارنے کے لیے نیویارک آئے ہوئے تھے۔ چند روز میں لندن واپسی کا ارادہ تھا۔

فورٹ ہاؤس اس دن کا سلگتا ہوا موضوع تھا۔ کاک ٹیل کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد میڈیلین نے اس کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا نے فوراً ہی اسے خاموش کر دیا "میڈیلین پلیز۔ اس واقعے کا ذکر کر کے ہماری شام برباد نہ کرو۔ دن بھر ٹیلی وژن اسی کے بارے میں بھونکتا

ہا ہے۔" اس نے شرمندہ ہو کر معذرت کی اور میں نے اس کے سوالات سے محفوظ رہنے کے لیے اس پر جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا "کیا تم ہمارے پڑوس میں اکیلی ہی رہتی ہو؟"

"فی الحال کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" میرے تخاطب پر اس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوگیا "اکیلی نہ ہوتی تو تم دونوں کے درمیان مخل نہ ہوتی۔ جارج کی واپسی تک یہی صورت رہے گی۔"

"جارج تمہارا بوائے فرینڈ ہے؟" ویرا کا وہ سوال تضحیک آمیز تھا۔

"پہلے ہوا کرتا تھا۔ دو سال سے میرا شوہر ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ کہاں گیا ہوا ہے؟ کیا کسی کمپنی میں سیلزمین کے طور پر کام کرتا ہے؟"

"دو ہفتے کے کورس پر فیر فیکس گیا ہوا ہے۔ سی آئی اے میں ملازمت کرتا ہے۔"

اس کا وہ جواب سن کر میں سنبھل گیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے پڑوس میں سی آئی اے کا ایک ہرکارہ رہ رہا تھا اور بلیک ڈیڈ اس کے وجود سے بے خبر تھا۔ اسے علم ہوتا تو وہ ہمیں یقینی طور پر اس پڑوس سے محتاط رہنے کا مشورہ دیتا۔

میرے ذہن میں سر ابھارنے والا دوسرا شبہ زیادہ سنگین تھا۔ وہ اتفاقاً ہمارے ساتھ مل بیٹھی تھی یا کسی خاص مقصد کے لیے ہم سے قریب ہونے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے غور سے اس کی سرخ و سفید رنگت اور تیکھے خدوخال کی معصومیت پر غور کیا اور اس شبے کو کمزور قرار دے کر مسترد کردیا۔ میڈیلین ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے دل کی بات کو زبان یا بشرے پر ظاہر ہونے سے نہیں روک سکتیں۔

"سی آئی اے!" میں نے ازراہِ مذاق دہرایا "پھر تو وہ تم جیسی خوب صورت عورت کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہوگا۔" امریکا سے باہر سی آئی اے کو ایک پُراسرار بلکہ افسانوی تنظیم تصور کیا جاتا ہے جو اپنے مقصد حاصل کرنے کے لیے محیر العقول طریقے اختیار کرتی ہے۔

"اس کے دفتر میں لڑکیاں بھی کام کرتی ہیں۔" اس کی خوش دلی بدستور برقرار تھی "وہ ان سے کام لیتا ہوگا۔ میں فلرٹ کی قائل نہیں ہوں اسی لیے کوئی نوکری نہیں کرتی۔"

"تو کیا نوکری کرنے والی تمام لڑکیاں فلرٹ کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔" میں نے اسے الجھالیا۔

"سب نہیں، بہت سے باوقار ادارے بھی ہیں جن سے وابستگی میں لڑکیاں فخر محسوس کرتی ہوں گی لیکن بیشتر اداروں میں لڑکیوں کو اپنے باس کو خوش رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں باس ناخوش ہو تو ملازمت سے کھڑے کھڑے جواب دے سکتا ہے۔"

ویرا کی بنائی ہوئی کاک ٹیل بہت لذیذ اور سرور انگیز تھی۔ میڈیلین مزے لے لے کر پیالے سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔ ویرا اس بن بلائی مہمان کے مسلط ہوجانے سے سخت کوفت میں مبتلا تھی۔ جب اس سے نہ رہا گیا تو وہ میڈیلین سے معذرت کا ایک لفظ بھی کہے بغیر کرسی چھوڑ کر اٹھ گئی۔

"تت.... تم کہاں جارہی ہو؟" میں نے بوکھلا کر ویرا سے سوال کیا۔

"مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ تم میڈیلین کے ساتھ پیگ ختم کرلو۔ فون کے بارے میں بعد میں بتاؤں گی۔"

ویرا کے وہ روکھے پھیکے فقرے اس کی ناپسندیدگی کا کھلا اظہار تھے۔ ان میں واضح پیغام موجود تھا کہ میڈیلین ہمارے لان سے جلد از جلد دفع ہوجائے تاکہ وہ مجھ سے کچھ نجی باتیں کرسکے۔

"تمہاری بیوی کی خوب صورتی سے میں مرعوب ہوتی رہی ہوں۔" ویرا کے چلے جانے کے بعد میڈیلین نے میری طرف جھک کر کہا "آج اس کی بددماغی نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے۔ تم اس کے ساتھ کیسے گزارہ کررہے ہو۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "بیوی کے روپ میں دنیا کی ہر عورت کم و بیش ایسی ہی ہوتی ہے۔ تم سے مل کر جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے، جارج کو اس کی عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ جارج کے لیے تم بیوی ہو اور میرے لیے ایک حسین عورت۔"

"تم بہت شریر ہو۔" اس نے اچانک میری ران پر زور سے چٹکی لی "بیوی کے سامنے بھی تم میرے قصیدے پڑھ رہے تھے اور اب مجھے ورغلا رہے ہو۔"

"میں جوابی چٹکی لے کر تمہاری نازک جلد کو داغ دار نہیں کروں گا۔" میں نے اسے چھو کر جتایا "سچ سچ بتاؤ کہ اس وقت تم ادھر کیوں آئی تھیں؟"

معترض ہوئے بغیر اس نے اپنی کرسی میری طرف کھسکائی اور رازدارانہ لہجے میں بولی "تم ایک عارضی مہمان ہو، چند روز میں یہاں سے چلے جاؤ گے مگر جارج کو اس گھر کے مالکوں پر شبہ ہے۔ ہفتوں یہاں سناٹا چھایا رہتا ہے، چند روز کے لیے لوگوں کی آمد و رفت ہوتی ہے اور پھر وہی ویرانی۔"

اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جلد پر دبالیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔ "تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو؟"

"تم مجھے اچھے اور معصوم لگے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ان لوگوں کی وجہ سے تم کسی مشکل میں پڑو۔ بہتر ہوگا کہ یہ چند روز کسی ہوٹل میں گزار لو۔" اس کی آواز میں عجیب اپنائیت سی عود کر آئی۔

"ہوٹل میں تمہارا پڑوس نہیں مل سکے گا۔" اپنے کام کی

بات اگلوانے کے لیے میں نے اسے شہ دی۔
"پڑوس!" وہ ہلکی سی مترنم آواز میں ہنس پڑی "تمہاری بیوی نے مجھے مایوس کیا ہے۔ میں تمہارے گھر آئی تو وہ بددماغ عورت مجھ سے لڑ پڑے گی۔ تمہیں موقع ملے تو کسی بھی وقت دو فٹ کی یہ دیوار عبور کرکے میرے گھر آجاؤ۔ آج کل میں اکیلی ہی ہوتی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں جارج سے بے وفائی کا ارتکاب نہیں کروں گی۔"
اس کا آخری فقرہ نہایت مہمل تھا۔ اس طرح اس نے خود ہی ایک امکان کی نشان دہی کی تھی۔ میں نے پوچھا "آج کل تم یہاں ہونے والی آمدورفت کے بارے میں کیا نوٹ کررہی ہو؟"
"بس کل رات گاڑیاں رکنے اور روانہ ہونے کی کئی آوازیں آئیں، میں نے دو تین مرتبہ جھانکا مگر باہر کچھ نہیں تھا۔ تمہارے اکاّ دکاّ ملنے والوں پر میں دھیان نہیں دیتی۔"
سورج اس وقت آسمان کے آخری کناروں سے نیچے جھکا جارہا تھا پھر بھی لان پر خاصی روشنی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ کو پوری قوت سے بھینچ کر ایک ہلکی سی جھرجھری لی اور ہاتھ چھوڑ دیا۔
اپنا پیگ خالی کرکے وہ اٹھ گئی "تمہاری بیوی کی مداخلت سے پہلے مجھے چلا جانا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ کل کس وقت آؤ گے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔"
"میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ روزی کہیں نکل گئی تو میں ضرور آؤں گا۔ تم سے ایک بار پھر ملاقات کی خواہش میرے دل میں ارمان بن کر جاگ چکی ہے۔" میں نے مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"شش!" اس نے پلکیں جھپکا کر مجھے تادیب کی "غلط باتیں مت سوچو۔ ہم دونوں شادی شدہ ہیں۔ بیٹھ کر بہترین کاک ٹیل پئیں گے، باتیں کریں گے اور پھر وقت ہوا تو سو جائیں گے۔"
میں نے بوکھلا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے پہلے اور آخری فقرے کے نمایاں تضاد نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔
مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے چونکی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا تو میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ میدان صاف پاکر میرا ہاتھ چومنے کے چکر میں تھی۔
دیوار عبور کرکے اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا۔ اپنے دروازے پر رک کر اس نے یہی حرکت دہرائی۔ میں ایک سحرزدہ معمول کی طرح میڈیلین کی ان حرکتوں کا جواب دیتا رہا۔ وہ اندر چلی گئی تو میں بھی تھکے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف ہولیا۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے لان پر نہ بیٹھ کر اپنے ساتھ زیادتی کی تھی۔ میڈیلین سے پہلے ہی دوستی ہوگئی ہوتی تو مجھے اس سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہوسکتی تھیں۔
اندر پہنچتے ہی ویرا نے میری توقع کے برعکس ایک جان دار قہقہے سے میرا استقبال کیا "آخر کار تم نے اپنی دل ربا محبوبہ کو رخصت کر ہی دیا۔ اس نے کب بلایا ہے تمہیں؟"
میں ویرا کی قیاس آرائی پر حیران رہ گیا "تم کیا جانو کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔"
"وہ راستے کی بیری ہے۔ جو چاہتا ہے، پتھر مار کر بیر بھی کھا لیتا ہے۔" کمرے میں موجود مائیک نے وضاحت کی "وہ الجھی ہوئی ذہنی مریضہ ہے۔ کم سے کم لباس استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ بدنامی کے ڈر سے کھلے بندوں محلے کا کوئی مرد اس سے نہیں ملتا مگر چوری چھپے کئی افراد اس کے گھر آتے جاتے ہیں۔ عورتیں سرے سے اسے پسند ہی نہیں کرتیں۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ اس کا شوہر جارج سی آئی اے میں ملازم ہے؟" میں نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔
"وہ ہر ایک سے یہی کہتی ہے۔ سی آئی اے اس کے دماغ میں بسی ہوئی ہے۔ جارج بے چارہ ایک بیمہ ایجنٹ ہے۔ وہ چند روز کے لیے گھر آتا ہے تو یہ دروازے پر بھی نظر نہیں آتی۔"
"لاحول ولا قوۃ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا پھر میں نے خفت سے ان دونوں کو اپنی کہانی سنا دی۔ اس کی چٹکی اور اپنی جوابی رعایت کا تذکرہ میں نے گول کردیا۔
اس پاگل لڑکی نے مربوط انداز میں سی آئی اے کا ذکر کرکے مجھے خاصا بے وقوف بنا ڈالا تھا۔ مائیک نے اس کی پول کھول کر اس کے کئی متضاد فقروں کا جواز بھی فراہم کردیا تھا۔
اگر ویرا، مائیک کو اپنے ساتھ ملالیتی اور مجھے میڈیلین کے بارے میں اصلیت کا علم نہ ہوتا تو میں بے خبری کے عالم میں کسی ایسی مضحکہ خیز چویشن سے دوچار ہوسکتا تھا جہاں میرے لیے ندامت، ملامت اور شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا۔
"سچ سچ بتانا کہ اپنی پاگل مگر چالاک پڑوسن سے تمہارے مراسم کیسے ہیں؟" اپنے دل ہی دل میں امڈتی ہوئی خود ملامتی کی لہر کو دبانے کے لیے میں نے ویرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مائیک سے سوال کرڈالا۔
"میں فرشتہ نہیں ہوں اور وہ اپنی نفسیاتی الجھنوں کے باوجود خاصی پُرکشش ہے۔ میں تو خیر کبھی کبھار یہاں رہتا ہوں۔ بیکسٹر جیسا شریف النفس آدمی اس کے گھر آتا جاتا رہتا تھا۔"
بیکسٹر کا نام آتے ہی ویرا کی تیوریاں چڑھ گئیں اور میں نے کسی بڑے فساد سے بچنے کے لیے مائیک کو فوراً ہی کمرے سے رخصت کردیا۔
باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں اور ہمارے کان باہر سے آنے والی آوازوں پر جمے ہوئے تھے۔ بلیک ڈیڈ کا آدمی کسی بھی وقت تک موڈلے کو وہاں لاسکتا تھا۔
وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا، ہمارے انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئیں۔ معمول کے مطابق نو بجے مائیک

نے زور لگا دیا۔ کچن میں کھانا کھاتے ہوئے بھی ہمارے کان اپنے احاطے میں کسی کار کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

کھڑکیوں کے راستے پورے گھر میں چند ثانیوں کے لیے پڑنے والی روشنی کے سیلاب سے میں اچھل پڑا۔ کوئی کار ہمارے پھاٹک میں مڑی تھی اور ڈرائیور نے مڑتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیے تھے۔ پختہ روش پر انجن کی غراہٹ اور ٹائروں کی رگڑ سنائی دی جو گھر کے بغلی حصے میں جا کر معدوم ہو گئی۔

مائیک اپنی جگہ مستعد تھا۔ شاید وہ کار براہِ راست گیراج میں بند کر دی گئی تھی۔

"تم یہیں رکو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔" ویرا نے میرا مشورہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیا اور میں تیزی سے گھر سے نکل کر عقبی احاطے کی طرف ہو لیا۔

گیراج کا دروازہ بند تھا۔ اس کی جھریوں سے روشنی نظر آ رہی تھی لیکن اندر گہرا سکوت تھا۔ مائیک نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سرونٹ کوارٹر ملحق باتھ روم کے دوسرے دروازے کے ذریعے گیراج سے ملا ہوا تھا۔ نک موڈلے کی آمد کے بعد آمد و رفت کے لیے وہی راستہ استعمال کیا جاتا تھا۔

سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر سے بولٹ یا مقفل تھا۔ میری مخصوص دستک پر مائیک کو گیراج سے اپنے کمرے تک پہنچنے میں ذرا سا وقت صرف ہوا پھر دروازہ کھل گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی مائیک نے دروازہ دوبارہ بولٹ کر دیا۔

صاف ستھرے سرونٹ کوارٹر کے باتھ روم سے ہو کر ہم گیراج میں پہنچے تو وہاں ایک قوی الجثہ اور پستہ قامت شخص ہمارا منتظر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت زیادہ بھینگی تھیں۔

نووارد نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا سا سہارا دو تاکہ میں اسے اپنی پشت پر لاد کر نیچے پہنچا دوں۔ یہ کسی بھی وقت ہوش میں آسکتا ہے۔"

"ضرور ضرور!" خوش دلی سے یہ کہہ کر میں نے مائیک سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔

"ڈک تم سے نہیں، مجھ سے مخاطب تھا۔" مائیک یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

بھینگے ڈک کی موجودگی کی وہ پہلی برکت تھی جو مجھ پر نازل ہوئی تھی۔

اندر سے وہ گیراج میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اتنا کشادہ تھا کہ اس وقت وہاں دو گاڑیاں ایک دوسرے کے برابر میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان دروازے کھولنے اور نقل و حرکت کے لیے خاصی جگہ موجود تھی۔ وہ دونوں اپنے بے ہوش شکار کو کالی گاڑی کے عقبی پائیدان سے اٹھا کر ڈک کی پشت پر منتقل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

ذرا سی دیر میں ڈک نے کسی گینڈے کی طرح، دبلے پتلے اور دراز قامت نک کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ نک کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دہانے پر بھی کوئی ٹیپ وغیرہ نہیں چپکایا گیا تھا۔

مائیک نے لپک کر گیراج کی پچھلی دیوار میں نظر آنے والا دروازہ کھول دیا۔

میں نے ان دونوں کے بعد اندر قدم رکھا تو اندازہ ہوا کہ دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر ایک اور سپاٹ دیوار موجود تھی۔ ان دہری دیواروں کے درمیان چند فٹ کے مسطح فرش کے بعد پختہ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آ رہی تھیں۔

ان سیڑھیوں کے ایک سرے پر سپاٹ دیوار تھی دوسری طرف کوئی دیوار یا ریلنگ نہیں تھی۔ چند زینے اترنے کے بعد اس سمت میں تہ خانے کا منظر صاف نظر آنے لگا۔

کاٹھ کباڑ اور کبھی کبھار استعمال میں آنے والا سامان طویل تہ خانے کے ابتدائی حصے میں قرینے سے سجا ہوا تھا۔ تہ خانہ غالباً پورے گیراج اور سرونٹ کوارٹر کی زیرِ زمین منزل کے طور پر بنایا گیا تھا اور بہت لمبا تھا۔ اس کے آخری سرے پر ایک مسہری اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

ڈک نے نک موڈلے کو بے رحمی سے مسہری پر ڈال دیا۔ وہ شاید پہلے بھی ایسی مہمات پر وہاں آتا رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی ایک الماری میں سے نائیلون کی ڈوری کا لچھا، روئی کا بنڈل اور دوسرے لوازم نکالے اور نک موڈلے پر اپنا کام کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہائے چیف!" نک کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھتے ہوئے ڈک دیوار کی طرف دیکھ کر مسکرایا "میں اسے بے بس کر کے تم سے ہاتھ ملاؤں گا۔ ٹریفک جام میں میرا کافی وقت برباد ہو گیا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے کہا "فکر مت کرو۔ ہمارا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔ اب صرف کام ہونا چاہیے۔ دیکھو، اس کے پپوٹوں میں ہلکی سی جنبش ہونے لگی ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ بڈھا ہوش میں آجائے گا۔"

اس کے ہاتھ باندھ کر ڈک نے پپوٹوں کا جائزہ لیا اور پیر باندھنے کا ارادہ ترک کر کے اس کے دہانے میں روئی ٹھونسنے لگا۔ مائیک اس کی مدد کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ دونوں روئی کا آدھے سے زیادہ بنڈل بے رحمی سے اس کے حلق تک ٹھونس چکے تھے۔

کچھ بے ہوشی کے اثرات مندمل ہو رہے تھے، کچھ دہانے میں روئی اترنے کا اعصابی دباؤ تھا کہ اسی دوران میں نک موڈلے نے کئی بار پلکیں جھپکا کر وحشت زدہ آنکھیں کھول دیں۔

وہ گہری اور طویل بے ہوشی سے ہوش میں آیا تھا۔ اصولاً اس کے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگنا چاہیے تھا لیکن بولنے میں ناکامی ہوتے ہی وہ اپنا پورا زور صرف کر کے مسہری سے اٹھتا چلا گیا۔ اس کے منہ میں روئی ٹھنسی ہوئی تھی، ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے مگر پیر آزاد تھے۔ وہ دونوں کوشش کے باوجود اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے سے نہ روک سکے۔

نک موڈلے کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاید غصے میں وہ بہت کچھ بکنا چاہ رہا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے طیش کے عالم میں سامنے رکھی ہوئی تپائی کو زور سے ٹھوکر ماری۔

اگر میں تیزی سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو وہ تپائی ہوا میں اڑتی ہوئی میرے سینے سے ٹکرائی ہوتی۔ ڈک نے غلیظ گالیاں دیتے ہوئے ریوالور نکال کر نک پر تان لیا۔

نک کو پتا بھی نہیں چل سکا ہوگا کہ ڈک اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پستول کی نال نک کی بائیں کنپٹی پر رکھ دی اور غرا کر کہا "تیزی دکھانے کی کوشش کی تو ابھی ٹھنڈا کردوں گا۔ یہ مت بھولو کہ اس وقت تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔"

نک زور زور سے اپنا سر اوپر نیچے ہلانے لگا۔ اس کا وہ انداز سوالیہ تھا۔ سوال بہت سے ہو سکتے تھے۔ وہ کن لوگوں کا قیدی تھا؟ کہاں تھا؟ کیوں اغوا کیا گیا تھا؟ ہم اس سے کیا چاہتے تھے؟

ڈک نے اپنا ریوالور مائیک کی طرف اچھال دیا اور بھڑکے ہوئے نک کے روبہ رو جا کھڑا ہوا۔ وہ صورتِ حال بس چند لمحوں کے لیے برقرار رہی پھر ڈک نے کھڑے کھڑے فضا میں ایک حیرت ناک قلابازی کھائی، اس کے بائیں جوتے کی ایڑی پوری قوت اور زوردار ٹھوس آواز کے ساتھ نک کے جبڑے پر پڑی۔ وہ مسہری سے ٹکرا کر فرش پر گر گیا۔ اس اثنا میں ڈک دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر دوبارہ نک کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

"اٹھو، دوبارہ اٹھو اور سورما بننے کی کوشش کرو۔" وہ ہاتھ سے اشارے کر کر کے نک پر غرانے لگا۔ اس بار نک فرش سے اٹھنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

بھینگے ڈک کی فضا میں گھومتی ہوئی لات نے یقینی طور پر نک کا جبڑا بری طرح مجروح کردیا تھا۔ دانتوں کی ٹوٹ پھوٹ اس کے علاوہ ہو سکتی تھی۔

جب نک نے کافی دیر تک فرش نہیں چھوڑا تو ڈک نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اسے زبردستی اٹھنے پر مجبور کردیا۔ "اٹھو..... بزدل کی اولاد! ایسے ہی دلیر ہو تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔ میں تمہاری پوری بتیسی تمہارے حلق میں اتار دوں گا۔"

ایک لات کھا کر نک کی تیزی و طراری رخصت ہوگئی تھی۔ وہ ساکت و صامت کھڑا اپنے حریفوں کے ساتھ تہ خانے کا جائزہ لیتا رہا۔

دہانے میں روئی ٹھنسی ہوئی ہونے کی وجہ سے اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ سفید دانت الگ چمک رہے تھے۔ تبدیلی یہ آئی تھی کہ روئی کے داہنے کناروں پر خون کی بڑھتی ہوئی سرخی نمودار ہونے لگی تھی۔ ڈک کی لات نے اس کے جبڑے اور دانتوں کو اندر سے ادھیڑ ڈالا تھا۔

"تم ایسے مقام پر موجود ہو جہاں دور دور تک کوئی تمہاری چیخیں نہیں سن سکے گا۔" چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں نے زبان کھولی "تم سر ہلا کر ہاں یا نہ میں جواب دو کہ ہمارے سوالات کے جواب دوگے؟" اس کا سر اثبات پھر نفی میں ہلا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مرنے کے لیے تیار ہو چکے ہو!" میں نے درشت لہجے میں کہا اور اس کا سر زور زور سے نفی میں ہلنے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں سے پڑھ لیا کہ وہ موت سے بہت زیادہ ڈرنے والے لوگوں میں سے تھا۔

"تم اوپر جاؤ۔ روزی کو یہاں بھیج دو!" میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر مائیک کو ہدایت دی اور بے پروایانہ انداز میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ ڈک اپنا ریوالور سنبھالے نک کی کسی بھی حرکت کا سدِباب کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

"چاہو تو تم بھی مسہری پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے چرے ہوئے ہونٹوں کو مزید پھیلا پھیلا کر منہ آگے بڑھایا۔ وہ یقینی طور پر زبان بندی کے عذاب سے نجات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔ اس سفید روئی میں نظر آنے والی سرخی دھیرے دھیرے مزید پھیلتی جا رہی تھی۔

"ابھی بیٹھے رہو۔ روزی کے آنے تک کچھ نہیں ہوسکتا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت تم کن لوگوں کی تحویل میں ہو اور وہ تم سے کیا چاہ سکتے ہیں۔" میں نے اس کی التجا مسترد کردی۔

نک مسہری کے سرے پر ٹک چکا تھا۔ ڈک میرے قریب آگیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا "چیف! یہاں ونچ موجود ہے۔ اس کے ساتھ پھانسی کا پھندا بھی ہے۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر گلے میں وہ پھندا لگا دو اور منہ سے روئی نکال دو۔ یہ ذرا بھی گڑبڑ کرے گا تو بٹن دبا کر اسے سولی پر ٹانگ دیں گے۔"

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ پتا نہیں کدھر دیکھ رہا تھا۔

"یس چیف! تم بتاؤ۔ میں تمہاری ہی طرف متوجہ ہوں۔" میرے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر وہ میری پریشانی بھانپ گیا اور خود ہی بول پڑا۔

"سولی سسٹم تیار کر کے دکھاؤ پھر کوئی فیصلہ ہوگا۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

اپنا ریوالور میرے حوالے کر کے وہ دیوار کی جڑ میں نصب ایک مشین کی طرف گیا۔ چند منٹ بعد وہ وہاں سے لوٹا تو اس کے ایک ہاتھ میں نائیلون کی مضبوط ڈوری کا پھندا تھا جس کا دوسرا سرا مشین میں سے نکلتا چلا آ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک ڈبا تھا۔

"یہ ونچ کا ریموٹ کنٹرول ہے۔ بس تین بٹن ہیں۔ اسٹارٹ،

نی اسٹاپ پر معلق اور ریورس پر لاش زمین پر آجاتی ہے۔“
نچے دے کر اس نے کہا۔
ہم دونوں کی ساری گفتگو دھیمی آواز میں ہو رہی تھی لیکن تہ
نے کی محدود فضا میں گونج کے باعث آوازیں ٹک موڈلے کے
وں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ سخت اضطراب کے عالم میں
ں کے سرے پر بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا۔
ک مشین سے آئے ہوئے پھندے کو سیڑھی پر چڑھ کر چھت
گے ہوئے آہنی ہک میں سے گزار رہا تھا کہ ویرا کھٹ کھٹ
کرتی تہ خانے میں آپہنچی۔ اس پر نظر پڑتے ہی ٹک موڈلے
سراسیمہ ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں
میں عجیب سی دہشت سمٹ آئی تھی۔

”ہائے ٹک!“ ویرا نے تلخ اور استہزائیہ لہجے میں کہا ”آج تم
کسی ماؤس کی طرح پنجرے میں آہی گئے ہو۔ افسوس کہ تمہارے سر
کی کوئی قیمت مقرر کی گئی ہے نہ تمہاری گرفتاری پر کوئی انعام مقرر
ہے۔ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم مارے گئے تو تمہاری لاش
دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک ہی بنے گی۔“

زندگی زدگاں کے لیے ایک زمانہ گزیدہ کی خوں رنگ سرگزشت

"ممکن! یہ ہمارا تعارف ہے!" میں نے اسے پہلی مرتبہ اردو میں مخاطب کیا۔ سلطان شاہ مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اردو بہت اچھی طرح سمجھ لیتا ہے مگر اردو اپنے ہی لب ولہجے میں بولتا ہے۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ تم کن لوگوں کے قیدی ہو۔ اب تم تیزی اور آسانی سے اپنے فیصلے کر سکو گے۔"

"تم پاکستان میں ہمارے سایوں تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ یہاں ہم نے تمہاری گردن میں پھندا ڈال دیا ہے۔" ویرا اردو میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگی "جواب دو یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ڈک مشینی سولی کا پھندا آہنی کنڈے میں سے گزار کر کافی رسی فرش پر ڈھیر کیے ویرا کی بات مکمل ہونے کا منتظر تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا "چیف! ٹرائی کرلو!"

اس کی آواز سن کر ویرا نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔

"گڈ ایوننگ مس!" ڈک نے خلیقانہ آواز میں ویرا کو انگریزی سلام کیا۔

ویرا نے ہڑبڑا کر اسے یوں جواب دیا جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ ڈک نے مس کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو وہ یہی سمجھتی کہ ڈک کسی اور سے مخاطب تھا۔

میں نے ڈبیا کا اسٹارٹ کا بٹن دبایا۔ رسی شڑاشڑ کی تیز آوازوں کے ساتھ برقی چرخی میں لپٹنے لگی۔ پھندا فضا میں بلند ہونے سے پہلے میں نے اسٹاپ کا بٹن دبایا۔ رسی تھم گئی۔ میں نے دوبارہ اسٹارٹ کا بٹن دبایا اور پھندے سمیت پوری رسی کنڈے سے گزر کر چرخی میں غائب ہوگئی۔

تنک موڈلے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وہ روح فرسا کھیل دیکھ رہا تھا۔

ڈک نے دوبارہ پھندا نکال کر سقف گیر آہنی کنڈے میں سے گزارا اور سولی کو زمین سے چند فٹ اوپر لہراتا چھوڑ دیا۔ رسی کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ نئی نہیں تھی۔ اس قسم کے خون آشام معاملات میں بارہا استعمال ہو چکی تھی۔ ڈک نے کام پورا ہونے کے بعد سیڑھی ہٹا دی۔

ویرا پر نگاہ پڑنے کے ساتھ ہی تنک موڈلے کی حالت حقیر ہونے لگی تھی۔ اس کی اکڑفوں رخصت ہو چکی تھی اور چہرے کی سرخ و سفید رنگت میں زردی سی حلول کر چکی تھی۔ ڈک مجھ سے اپنا ریوالور واپس لے کر اس کے قریب پہنچا تو وہ سہما ہوا تھا۔

ڈک نے یکایک نیچے جھک کر بائیں ہاتھ سے اس کی ٹانگیں پکڑ کر اسے بستر پر الٹا اور فوراً ہی ریوالور تان کر غرایا "اٹھو... بے دست و پا ہونے کے بعد تمہارا دہانہ آزاد ہو سکے گا۔" اس نے جھک کر ریوالور کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر ٹکا دی "یہ یاد رکھنا کہ زبان کو غلط استعمال کیا تو اسی لمحے تم سولی پر لٹک جاؤ گے۔ سولی کی موت بہت دردناک ہوتی ہے۔"

تنک کے پاس کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ اس نے اپنے پیر مسہری پر اٹھا کر ٹیک جا کر دیے اور ڈک اس کے دونوں پیروں کو ایسی ڈھیلی بندشوں میں باندھنے میں مصروف ہوگیا کہ وہ بھاگنے یا تیز چلنے کے قابل نہ رہے لیکن اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے۔

اس کام سے فارغ ہو کر ڈک نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا اور پھر کشاں کشاں اسے چھت میں لگے ہوئے آہنی کنڈے کے نیچے لے آیا۔

تہ خانے کی چھت بارہ فٹ کے لگ بھگ اونچی تھی۔ تنک موڈلے کا قد ساڑھے چھ فٹ کے قریب تھا۔ ڈک نے پھندا اس کے گلے میں ڈالا تو رسی خاصی دراز تھی۔ میں نے اسٹارٹ اور اسٹاپ کے بٹن بہت احتیاط سے استعمال کر کے فاضل رسی برقی چرخی میں لپیٹ دی۔ پھندا تنک کی گردن پر قدرے تنگ ہوگیا۔ رسی پر بھی ہلکا سا تناؤ آگیا تھا۔

سب کچھ تیار تھا۔ میرے ایما پر ڈک نے تنک موڈلے کے دہانے سے روئی کے ٹکڑے کھینچنے شروع کردیے۔ ان میں سے بیشتر خون میں تر تھے۔

روئی کے آخری ٹکڑے تنک موڈلے نے خود ہی تھوک دیے۔ وہ کافی دیر تک منہ میں زبان گھما گھما کر اپنا دہانہ صاف کرتا اور خون تھوکتا رہا۔ وہ اپنی کشیدہ قامت کے ساتھ بالکل سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ گردن میں پڑی ہوئی رسی بائیں رخسار سے چھوتی ہوئی اوپر جارہی تھی۔

میں نے ڈک کو واپس بلا لیا اور خود تنک موڈلے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا داہنا جبڑا سوجا ہوا تھا۔ وہ اس وقت تک کوشش کے باوجود بولنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے حلق کی ساری رطوبتیں روئی نے چوس لی تھیں۔ رہا سہا لعاب اس نے خود تھوک دیا تھا۔

تنک نے اپنے منہ میں جمع ہونے والے کچھ پھوسڑے فرش پر تھوکے۔

"حرام زادے! میں گولی مار دوں گا۔" اچانک تہ خانے کی فضا ڈک کی غضب ناک آواز سے دہل اٹھی۔

میں تیزی سے پلٹا اور اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ وہ ریوالور کی نال میری طرف اٹھائے قہربار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

ویرا نے میرے بشرے کی کیفیت سے فوراً ہی غیر متوقع خطرے کی سنگینی بھانپ لی۔ اس نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور ڈک کو گرا کر تہ خانے کے فرش پر دور تک رگیدتی چلی گئی۔ اس ناگہانی حملے میں ریوالور ڈک کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمّت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلا دھڑک مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

وہ سب اس قدر تیزی کے ساتھ رونما ہوا کہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہم میں سے کسی کو لمحہ بھر کے لیے بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں مل سکی۔

ویرا نے اپنی عقابی جست کے نتیجے میں ڈک کو غیر مسلح کردیا تھا اور وہ ویرا کے سُبک وجود کے نیچے ننگے فرش پر گھسٹتے ہوئے اپنی بے ساختہ غراہٹوں پر قابو نہیں پاسکا تھا۔ ہماری اس باہمی آویزش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نک موڈلے نے چیخنے کی کوشش کی لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت تک اس کے دہانے میں قدرتی رطوبتوں کا نظام نارمل نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے اس کی پھیلتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا دہانہ کھلتا دیکھا مگر اس کے خشک حلق سے کوئی قابلِ ذکر آواز برآمد نہیں ہوسکی۔

آواز نکلی یا نہیں نکلی، وہ ایک ضمنی مسئلہ تھا۔ میرے نزدیک اہمیت اس بات کی تھی کہ نک موڈلے نے ہدایت کی خلاف ورزی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ میں نے بے ساختہ اس کے منہ پر

الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا۔ تہ خانے کی محدود فضا چٹاخ کی پُر زور آواز سے گونج اٹھی اور اس بار نک موڈلے کے دہانے کے ایک سرے سے خون کی پتلی سی دھار بہہ نکلی۔

اس غیر متوقع ضرب کی شدت سے اس کی آنکھوں میں نمی اُبھر آئی تھی۔ شاید اسے امید تھی کہ میں بھی ویرا اور ڈک کی دھینگا مشتی میں شامل ہو کر اسے فراموش کر بیٹھوں گا۔ اپنے سر پر میرے تسلط کا ایک واضح ثبوت مل جانے کے بعد اس نے دوبارہ گلا پھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔

دوسری طرف میں ویرا کے نیچے دبے ہوئے ڈک کی جھلائی ہوئی آواز سن چکا تھا ”مس! یہ تم کیا حماقت کر رہی ہو؟ میرا سر توڑنے کی کوشش مت کرو۔“

ڈک کی آواز میں کچھ ایسا سحر آمیز اعتماد تھا کہ ویرا نے اس کا چہرہ فرش پر دے مارنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس وقت ڈک فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ ویرا نے اس کی پشت پر سوار ہو کر بالوں کے سہارے اس کا چہرہ فرش سے کئی انچ اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

”تم.... تم نے اسلم کو گالی دی.... اسے گولی مارنے کی دھمکی دے رہے تھے؟“ ویرا نے ہانپتے ہوئے غصیلی آواز میں غرا کر پوچھا۔

”اگر تمہاری عقل اتنی ہی موٹی ہے تو پھر میرا چہرہ ضرور مسخ کر دو تاکہ میری آنکھوں کا بھینگا پن بھی مسخ ہو جائے۔ میں اپنے چیف سے اس لب و لہجے میں بات کر سکتا تھا؟“ وہ بھنا کر بولا۔

مجھے اس کی بات پر یقین کرنا پڑا۔ شاید وہ کسی اور سمت میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھینگے پن کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے مخاطب تھا اور ویرا میری نظروں میں تشویش کی لہر دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑی۔ وہ سب کچھ بجا تھا لیکن اس کے ریوالور کی نال بھی میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ خیال ایک برق کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپک کر گزر گیا۔ مجھے مائیک کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے بلیک ڈیڈ کے جمع کیے ہوئے انسانی عجائبات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ڈک کے پستول یا ریوالور کی نال اس کی نگاہوں کی طرح ہمیشہ ٹیڑھی اٹھتی ہے لیکن اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔

ڈک کا جواب سن کر ویرا کی متذبذب نگاہیں میری طرف اٹھیں اور میں نے کسی توقف کے بغیر اسے ڈک کو چھوڑنے کا حکم دے ڈالا۔ ویرا فوراً اس کی پشت سے اتر گئی۔

”مجھے خوشی ہے کہ مس لڑنے مرنے والی ایک بے خوف لڑکی ہے۔“ ڈک فرش سے اٹھتے ہوئے، بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں بولا ”مگر اس بات کا دکھ ہے کہ اس نے اپنے عملی تعارف کے لیے دشمن کے بجائے میرا انتخاب کیا۔“ خود کلامی کے انداز میں بولتے بولتے وہ گھوما۔ اس بار بھی واضح نہیں ہو سکا کہ وہ مجھے دیکھ رہا تھا یا میرے برابر میں سولی میں پھنسے ہوئے نک موڈلے کی طرف متوجہ تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ”اس حرام زادے نے تمہارے اوپر تھوکا تھا۔ اس پر مجھے اچانک غصہ آ گیا تھا اور اس دلیر مس نے بلاوجہ مجھے رگید ڈالا۔“

فرش سے اپنا ریوالور اٹھاتے ہوئے وہ غیر ارادی سے انداز میں اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

”سوری ڈک!“ ویرا نے فراخ دلی سے معذرت کی ”میں اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔“

”دشمن سولی کے پھندے میں بالکل محفوظ ہے۔ ایسی کسی دوسری غلط فہمی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے سے دور اور الگ الگ رہیں تاکہ ہر ایک کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ میں کس سے مخاطب ہوں اور کون میرے نشانے پر ہے۔“ ڈک نے بدمزگی سے کہا۔

اس کی وہ شرط معقول تھی۔ میں نک موڈلے سے کئی قدم دور ہٹ گیا۔

”تت.... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ نک موڈلے نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کی آواز پھنسی پھنسی اور خوف زدہ سی تھی۔

”یہ لڑکی تمہارے لیے اجنبی نہیں ہونی چاہیے۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا ”اسے پہچان لینے کے بعد تمہیں ہمارے عزائم اور مقاصد کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے۔“ اسے میں نے اردو میں جواب دیا تھا۔ اپنی بات پوری کر کے میں نے اسے تاکید کی ”اب تم اردو ہی بولو گے“ سنا ہے کہ تم نے ہماری زبان بولنے اور سمجھنے میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔“

پھانسی کی قدرے تنی ہوئی رسی کی وجہ سے اس کی گردن بالکل سیدھی تھی اور چہرہ کچھ اوپر اٹھا ہوا تھا۔ اس نے نظریں گھما کر خوف زدہ انداز میں ہم تینوں کا جائزہ لیا پھر توقف کے بعد بولا۔ ”مجھے کئی بار تم دونوں کا خیال آیا تھا۔ نیویارک میں کھون کھرابے کا سبب اب سمجھ میں آ رہا ہے۔“

اپنے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ اس نے شستہ اردو بول کر اپنی ذہنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ میں نے پوچھا ”تم نے اپنے اس خیال سے یہاں اور کس کس کو آگاہ کیا ہوا ہے۔“

”امریکا میں تمہاری موجودگی کا کوئی ثبوت میرے سامنے نہیں تھا۔“ اس نے اپنے خراب اردو تلفظ میں جواب دیا ”میں کسی ثبوت کے بغیر زبان نہیں کھول سکتا تھا کیونکہ سرکاری حلقوں میں کچھ دوسری ہی کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ شاید عباس کرمانی بھی تمہارے ہی کسی بہروپ کا نام رہا ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے مار دو گے مگر جب تک میں زندہ ہوں، مجھے ذرا سی سہولت فراہم کر دو۔ یہ رسی بہت تنگ ہے، اسے ذرا سا ڈھیلا کر دو۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ تم لمحہ بھر میں مجھے پھانسی پر ٹانگ سکتے ہو۔“

برقی چرخی کا کنٹرول اس وقت ویرا کے ہاتھ میں تھا۔ میرے اشارے پر اس نے رسی کو ڈھیلا کر دیا۔ نک موڈلے اپنے قدموں پر

سیدھا کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا۔

تہ خانے کی فضا میں اس کے گہرے گہرے سانسوں کی آواز گونجنے لگی۔ میں نے اس پر اعصابی دباؤ برقرار رکھنے کے لیے سکون سے سگریٹ سلگائی پھر کہا ”ہمیں تم کو مارنا ہوتا تو تمہیں لاد کر یہاں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تمہارے جسم میں اترنے والا سیال زہریلا بھی ہوسکتا تھا۔ تم جہاں بھی تھے‘ وہیں گرتے اور ایک لاوارث کتے کی طرح مرجاتے۔ ہمیں کسی اٹھا پٹخ کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میرے لیے یہ اطلاع حیران کن بلکہ ناقابلِ یقین ہے کہ تم مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہو۔“ اس نے کسی طنز کے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا ”ابھی تک صرف آئزک بیل تمہارے قاتلانہ وار سے بچ سکا ہے ورنہ تم نے پورے نیویارک کو خون میں نہلایا ہوا ہے پھر مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہورہے ہو۔“

”ہم بھیڑیوں اور درندوں کو چن چن کر مار رہے ہیں۔ ہمیں نیویارک کو خون کا غسل دینا ہوتا تو تمہارے ساتھ تمہارے ہوٹل کی پُرشکوہ عمارت راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کی جاسکتی تھی۔ ہمیں نیویارک والوں یا عام امریکیوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ ہمارے لیے تم بھی ایک عام امریکی ہو‘ اپنے فرائض اور منصب کی ذمّے داریوں کی وجہ سے ہمارے خلاف سازشیں کررہے تھے۔“

”سودے بازی!“ ان الفاظ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں پہلی بار ایک ہلکی سی چمک لہرا گئی۔

میں اپنی جگہ منجمد کھڑا رہا۔ میری خواہش تھی کہ وہ اپنے اس قیاس کی خود ہی کوئی وضاحت کرے تاکہ میں اس کے ذہن کو پڑھ کر اپنی راہ کا تعین کرسکوں۔

”تم مجھے واپس بھیج دو گے تاکہ میں اپنی جگہ رہ کر تمہارے لیے کام کروں اور اپنے لوگوں کو ڈبل کراس کروں؟“ میری خاموشی پر وہ مضطرب ہوکر بولنے پر مجبور ہوگیا۔ بولنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ ہمارے سامنے بے دست و پا ہونے کے بعد وہ بہت کمزور پوزیشن میں تھا۔

”ایسا کرسکو تو یہ میرے لیے سب سے بہتر ہوگا ورنہ چند سوالات کے جواب دے کر بھی تم اپنی جان بچاسکتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک سفارتی اہل کار کو ختم کرکے میں یہاں سے اپنی واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرلوں۔“ میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لگا کر کہا۔

اس بار وہ دہشت زدہ اور ہذیانی انداز میں شاید ہنسا اور پھر بولا۔ ”دریا آتے ہی مجھے میرے انجام کے بارے میں بتا چکی ہے۔ دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک بنانے سے پہلے تم میرا ذہن نچوڑ لینا چاہتے ہو۔ اب تک کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکی ہے کہ تم دونوں امریکا میں موجود ہو۔ آئزک بیل مسلسل تمہارا نام لے رہا ہے مگر سی آئی اے اور ایف بی آئی کے بڑے دماغ اسے جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ میں شاید پہلا سرکاری آدمی ہوں جو تم سے مل رہا ہوں۔ اپنی یہاں موجودگی کے ایسے اکلوتے گواہ کو تم زندہ لوٹنے دو گے۔ یہ بات احمقانہ ہے۔ میں تمہارے اس فریب میں نہیں آسکتا۔“

”تم پہلے نہیں‘ دوسرے سرکاری آدمی ہو۔“ میں نے بھرپور سنجیدگی سے کہا ”ہم بدری ناتھ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے تھے اور آخر کار اسے چھاپ لیا تھا۔ اب وہ ہمارے لیے کام کررہا ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس نے اپنے افسرانِ بالا کو اپنی صلاحیتوں سے اس قدر متحیر کردیا ہے کہ وہ راتوں رات ایک معمولی غیرملکی ٹرینی سے سی آئی اے کا اہم افسر بن چکا ہے....“

”اوہ!“ اس کے ہونٹ تحیر زدہ انداز میں پھیل گئے ”وہ خنزیر کا بچہ تمہارا انفارمر بن چکا ہے اور تمہاری من گھڑت کہانیاں اعلیٰ حلقوں میں پھیلا کر سب کو گمراہ کررہا ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہاں کیا ہورہا ہے.... مجھے اس پر پہلے ہی شبہ تھا۔ کراچی میں‘ میں نے اسے بہت بُری طرح رگیدا ہوا تھا۔ وہاں اس نے اپنی حماقتوں سے بہت کچھ برباد کرا دیا تھا۔ شاید اسی کینہ پرور شخص نے اپنا بدلہ لینے کے لیے تمہیں میری راہ پر ڈالا ہے۔ اب میں اپنے انجام کو زیادہ بہتر طور پر دیکھ رہا ہوں۔ تم مجھے کوئی فریب نہیں دے سکو گے۔“

”ہمارے لیے بدری ناتھ کی خواہشات کی تکمیل سے زیادہ اہمیت ہماری رازدارانہ واپسی کی ہے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ تم چند سوالات کے جواب دے دو۔ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔“

”تمہیں یہ یقین رہے گا کہ میں تمہاری قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد تمہاری واپسی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا؟“ اس بار اس کے خون آلود دہانے سے برآمد ہونے والے فقرے سراسر استہزائیہ تھے۔ بہترین صورتِ حال

سے دوچار ہونے کے باوجود اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔
"ہماری واپسی تک تمہیں ہماری یا ہمارے ساتھیوں کی تحویل میں رہنا ہوگا۔"
"کیا تم دریائے ہڈسن میں پائی جانے والی مچھلیوں کو اپنا ساتھی قرار دے رہے ہو؟"
"تم احمق ہو۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ مقامی بھینگا تمہارے سامنے ہے۔"
نک موڈلے کی نگاہیں ڈک کے چہرے پر جم گئیں اور پھر اس کی ذہنی رو اسی کی طرف بھٹک گئی "یہ تمہارا بہت خطرناک اور مہلک ہتھیار ہے۔ اس کی آنکھوں کے غیر معمولی عیب کی وجہ سے میں نے ہوٹل میں اپنے قریب اس کی موجودگی محسوس کی تھی۔ مجھے شبہ تک نہیں ہو سکا تھا کہ یہ باسٹرڈ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ یقیناً یہاں کے کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔"
"تم دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کو بھول جاؤ۔ سرکشی کی صورت میں وہ تمہارا انجام ضرور ثابت ہو سکتی ہیں مگر میں تمہیں اس صورتِ حال سے بچا کر ایک انسان کی طرح انسانوں ہی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"
"مجھے تمہارے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں ہے پھر بھی تم سوال کرو۔ میں نے مناسب سمجھا تو جواب دے دوں گا۔ تم جیسے لوگوں کے فیصلے اٹل اور سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔ مشروط فیصلوں پر انحصار کرنے والے زیادہ دیر تک اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔"
"کراچی کے قونصل خانے میں تم اپنی ذمے داریاں کس کو سونپ کر آئے ہو؟"
"کسی کو نہیں۔" اس نے کسی تذبذب کے بغیر جواب دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں تھی۔"
"تم کراچی سے کس مشن پر امریکا آئے ہو؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔
"مجھے نظر انداز کر کے سازشیں کرنے والے آئزک نیل کی تحقیر کا نظارہ کرنے!"
"اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کے لیے تمہیں چھٹی پر آنا چاہیے تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"پاکستان میں کام کرنے والے بیشتر سفارت کاروں کو جلد ہی طویل چھٹی پر واپس امریکا لایا جا رہا ہے۔ مجھے اس بارے میں یہاں کچھ بات چیت کرنی تھی۔۔۔۔"
"پاکستان سے امریکی سفارت کاروں کی واپسی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ابھی تک ایسی کوئی اطلاع منظرِ عام پر نہیں آئی۔ کیا تم لوگ وہاں کوئی نیا کھیل شروع کرنے کا ارادہ کر چکے ہو؟"
"کھیل ہر وقت جاری رہتے ہیں، مہرے بدلتے رہتے ہیں۔ تمہارا ملک ویسے بھی امریکیوں کے لیے سخت غیر محفوظ تصور کیا جانے لگا ہے۔ ہر بڑے سیاسی نعرے کی بنیاد امریکا سے نفرت پر رکھی جاتی ہے۔ کشمیر اور افغانستان میں لڑنے والے انتہا پسند مسلمانوں کے عالمی جتھے بھی امریکیوں کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے ان خطرات کی وجہ سے سفارتی عملے کی تعداد خاموشی سے گھٹانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"
بظاہر میرا وہ سوال سیدھا سادہ اور بے ضرر تھا۔ نک موڈلے نے بھی کسی تردّد کے بغیر اس کا جواب دے ڈالا تھا مگر میں اس کے الفاظ میں جان و مال سے ٹوٹ کر پیار کرنے والے امریکیوں کی ہزیمت اور پسپائی کی کہانی چھپی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔
"پاکستان میں تمہارے لیے کتنے مقامی انفار مر کام کر رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔
زخم خوردہ اور بے دست و پا ہونے کے باوجود اس کے خون آلود ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی "یہ اعداد و شمار تمہیں اپنی آئینی اور غیر آئینی ایجنسیوں کے ریکارڈ سے مل سکتے ہیں۔ تمہارے بااثر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ہمارے کام آنے کی خواہش مند رہنے لگی ہے کہ ہم نے انفرادی حوصلہ افزائی کی پالیسی ترک کر دی ہے۔ ایسے ہر شخص کو اپنی اولادوں یا رشتے داروں کے لیے امریکا میں تعلیم اور ملازمت کے لیے ویزا اور گرین کارڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہاں ہم این جی اوز سے کام لے رہے ہیں۔ کوئی ماحولیاتی تحفظ کے لیے بکری کی مینگنیوں پر ریسرچ کی تجویز لے کر آتا ہے تو ہم دل کھول کر اسے فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری اپنا رنگ جما رہی ہے۔ حیرت ہے کہ تم ایسے معمولی سوال کر کے اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ باتیں پاکستان میں سب کو معلوم ہیں۔ پتا نہیں تم کیوں اتنے بے خبر ہو۔"
نک موڈلے درست ہی کہہ رہا تھا۔ پاکستان میں وہ ساری باتیں ایک کھلے راز کی طرح سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہتی تھیں۔ مالی وسائل میں سے ہر حق دار کو باقاعدگی سے اس کا حصہ ملنے کی وجہ سے اندر کی کہانیاں منظرِ عام پر نہیں آتی تھیں۔ اسی کے ساتھ ملک سے ذہن اور سرمائے کے فرار کا رجحان بھی تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا جسے لوگ سیاسی حکمرانوں کی ناکامی قرار دیتے تھے۔
سیاست سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ حکومت چلانے کے لیے بہر طور کسی نہ کسی کو برسرِ اقتدار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس حمام میں کم و بیش سب ہی ایک جیسے تھے۔ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے، اس مسئلے سے مجھے کبھی کوئی غرض نہیں رہی تھی۔ نہ میں نے کبھی اول خان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سنی تھیں۔ ہم سب کے لیے صرف ملک ہی سب کچھ تھا۔ ملک پھلتا پھولتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے تو ہم بھی خوش حال اور پُر وقار ہوتے چلے جاتے ہیں ورنہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔
نک موڈلے اس وقت جو کچھ کہہ رہا تھا، اس کے ڈانڈے ت سے ہی ملتے تھے۔ یہ ایک المناک حقیقت تھی کہ جدید دور

میں ریاست اپنے طور پر ایک اکائی کی حیثیت سے کہیں بھی اپنا وجود منوانے میں کامیاب نہیں رہی تھی۔ اس کی شناخت کا سارا دارومدار وہاں کی سیاست پر رہ گیا تھا۔

"پاکستان چھوڑ کر آنے والوں میں تم بھی شامل ہو؟" ویرا کے سوال نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"فی الحال مجھے واپس جانا ہے۔ اگر آج ڈینی نے اپنا وعدہ پورا کردیا تو پاکستان سے آنے والے آخری دستے میں میرا نام بھی شامل ہوگا ورنہ ہڈسن کی مچھلیاں...." تک نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم دریائی مچھلیوں کا ذکر کرکے بار بار ہمیں اپنے قتل پر اکسا رہے ہو۔" ویرا نے اس کے جواب پر تلخی سے کہا۔

"اور مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم دونوں میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہو۔" اس نے بے چینی سے اپنے ایک پیر کا بوجھ دوسرے پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کھیل اب ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا۔

"تمہاری کیا رائے ہے ڈک؟" میں نے انگریزی میں بھنگے ڈک سے سوال کیا۔

"پتا نہیں تم تینوں کس سیارے کی زبان میں باتیں کرتے رہے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "میں کسی ہونق کی طرح سب کچھ سننے کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر دوبارہ کہنے لگا "یہ آدمی سمجھ دار نظر آتا ہے۔ شاید ابھی تک تمہاری ہدایات پر عمل کرتا رہا ہے۔ اسے اعتماد میں لے کر تم کوئی بڑی کامیابی بھی حاصل کرسکتے ہو۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا۔" تک موڈلے نے پوری بے خوفی سے دخل اندازی کی "ابھی تک میں نے صرف اس لیے تم لوگوں سے تعاون کیا کہ تم نے مجھ سے کوئی ٹیڑھا سوال نہیں کیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے لیکن میں امریکا کے مفاد کے سامنے ہیچ تصور کرتا ہوں۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ان کی کوئی بڑی کامیابی امریکا کے مفاد کے خلاف ہوگی؟" ڈک نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ دونوں امریکا کے مانے ہوئے دشمن ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ بھول کر بھی امریکا کے لیے کوئی بھلی بات سوچیں گے۔" تک موڈلے نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

"پھر مجبوری ہے۔" ڈک نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا "تم دونوں اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں نے شکار کو پھندا لگا دیا ہے۔ اس کے ساتھ جو چاہو کرسکتے ہو۔"

میں نے ویرا کو آنکھ مار کر اشارہ کیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود ننھے سے کنٹرول یونٹ کا ایک بٹن دبا دیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ برقی چرخی حرکت میں آئی اور ایک جھٹکے سے تک موڈلے کے قدم زمین سے اٹھ گئے۔

اس کے حلق سے خرخراہٹ کی بھیانک آوازیں بلند ہوئیں اور پھانسی کے پھندے سے لٹکا ہوا معلق جسم فضا میں بُری طرح تڑپنے لگا۔

اس بار رسی کا سرا خالی نہیں تھا لہٰذا چرخی پر رسی دھیرے دھیرے لپٹ رہی تھی پھر بھی ہمارے سنبھلنے سے پہلے سولی سے لٹکے ہوئے تک موڈلے کے بدن نے چھت تک کا فاصلہ طے کرلیا۔ اس کا سر اس آہنی کنڈے سے جا لگا جس میں سے گزر کر رسی چرخی تک گئی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے برقی چرخی کی شہ زوری نے اپنا کام دکھایا' رسی تک موڈلے کی گردن کی جلد میں پیوست ہونے لگی۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی لرزہ خیز آوازوں کے ساتھ مضبوط آہنی کنڈا تک موڈلے کی کھوپڑی میں پیوست ہوگیا۔

اس کا سر چھت سے جا لگا تھا اور جسم بے جان ہوگیا تھا۔

"روکو' ونچ کو روکو۔" ڈک ایک دم چونک کر غرایا "اس کی گردن الگ ہو جائے گی۔"

ویرا کو بھی ہوش آگیا۔ اس نے بوکھلا کر ایک بٹن دبایا لیکن گھبراہٹ میں وہ شاید غلط بٹن دبا بیٹھی۔ چرخی اپنی جگہ رکنے کے بجائے تیزی سے الٹی گھومنے لگی اور تک موڈلے کی بگڑی ہوئی خون آلود لاش اپنے ہی وزن سے پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر آگری۔

بے ساختہ میری نظریں چھت میں لگے ہوئے آہنی کنڈے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ نہ صرف خون میں لتھڑا ہوا تھا بلکہ اس پر تک موڈلے کے کاسۂ سر سے برآمد ہونے والی کچھ آلائشیں بھی چپکی ہوئی تھیں۔

رسی ڈھیلی ہوتے ہی سب سے پہلے تک موڈلے کا پورا وجود قدموں کے بل فرش سے ٹکرایا تھا پھر لاش پشت کے بل فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کا چہرہ بہت بری طرح مسخ ہو چکا تھا۔ سب کیفیات وہی تھیں جو پھانسی کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ بس ویرا کی نادانستہ غلطی کی وجہ سے لاش کی گردن اور سر پر غیر ضروری زخم آئے تھے جن سے خون جاری تھا۔

"مس! تم نے اپنے اناڑی پن سے ایک نفیس شخص کی لاش کو اتنا بگاڑ دیا ہے کہ اب اسے اٹھاتے ہوئے بھی گھن آئے گی۔" ڈک نے لاش کا جائزہ لینے کے بعد بلا تردد کہہ ڈالا۔

"بک بک مت کرو۔" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غرائی "میں تمہارا بھی یہی حشر کرسکتی ہوں۔"

"جب عورتیں یوں سرِعام مردوں کو مارنے کی دھمکیاں دیتی پھریں تو سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کا خاتمہ قریب آچکا ہے۔" وہ تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بڑبڑایا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"آؤ! اوپر چل کر کچھ پیتے ہیں۔" میں نے ڈک کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا اور ہم تینوں تک موڈلے کی لاش وہیں چھوڑ کر زینوں کی

طرف چل دیے۔

مائیک کو تنک موڈلے کی آمد کی خبر سن کر خوشی ہوئی تھی کہ اسے بنجمن فورٹ پر حملے میں شرکت سے محرومی کے ازالے کا موقع مل جائے گا۔ جب اسے تہ خانے میں کہانی کے اختتام کا علم ہوا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ اس نے نیم دلی سے ڈرائنگ روم میں ہمارے لیے مے نوشی کے لوازم لگا دیے۔

میں غسل خانے سے ہاتھ منہ دھو کر نکلا تو راستے ہی میں ویرا کی غصیلی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہی تھی ”تم بدمعاش اور ندیدے ہو۔ عورتوں کی بے خبری میں انہیں تاڑنا بہت بُری عادت ہے۔ شاید اسی وجہ سے تم اپنی آنکھوں کا یہ معمولی سا عیب دور نہیں کراتے۔“

میں اپنی رفتار بڑھا کر فوراً ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ معاملہ کچھ سنگین معلوم ہو رہا تھا۔

”مم.... میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ بھینگا ڈک مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا ”میں نے دانستہ کچھ نہیں دیکھا جھکتے ہوئے تمہارے شانے کا تِل بلاوز کے نیچے خود بہ خود نمایاں ہو جاتا ہے۔“

بات فوراً واضح ہو گئی۔ ڈک نے یقیناً ویرا کے اس حسین تل کے بارے میں کوئی تبصرہ کر ڈالا تھا اور وہ بلاوز کے نیچے پوشیدہ اس تل کے بارے میں ایک بھینگے مرد کی زبان سے تعریفی کلمات سن کر سیخ پا ہو گئی۔ اسے شبہ ہوا ہو گا کہ ڈک چپکے چپکے اسے دیکھتا رہتا ہے۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس جھگڑے کو نمٹانے کی نیت سے کہا ”مگر مس روزی بھی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ایک معمولی سے آپریشن کے ذریعے تم اپنی آنکھوں کے نقص سے نجات حاصل کر کے شاندار شخصیت کے مالک بن سکتے ہو۔ اس کے بعد غلط فہمیاں پیدا ہوں گی‘ نہ کوئی تم پر الزام تراشی کر سکے گا۔“

ڈک ایک گہرا سانس لے کر بولا ”میں بھی یہی سب سوچتا ہوں مگر باس راضی نہیں ہوتا۔ اسے اہم ترین مواقع پر میری ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایسی انوکھی باتیں صرف وہی سوچ سکتا ہے۔ وہ مجھے ایک ایسی توپ قرار دیتا ہے جس کے نشانے کا آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکتا۔“

”یہ تمہارا خالص ذاتی معاملہ ہے۔ بلیک ڈیڈ تمہیں کیسے روک سکتا ہے؟“ میں نے اپنے لیے بنائے ہوئے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

”بلیک ڈیڈ ہم سب کا زمینی باپ ہے۔“ مائیک نے وضاحت کی۔ ”وہ چاہے تو دن میں ہمارے سانسوں کی تعداد بھی مقرر کر سکتا ہے۔ ہم اس کے حکم کی تعمیل کریں گے۔“

”مگر کیوں؟“ میں نے جھلا کر ڈک سے پوچھا ”تم اس کے ملازم ہو‘ غلام تو نہیں ہو۔“

”بس چیف‘ ہمیں اس کا بے دام غلام ہی سمجھ لو۔“ ڈک سر جھکا کے بولا ”اس نے مجھے اس وقت ایک معقول ملازمت دی تھی جب میرے ماں باپ اپنی اپنی دوسری شادیاں کر کے مجھے بالکل فراموش کر چکے تھے اور میں بارہ برس کی عمر میں کوڑے دانوں کو کرید کر اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے پر مجبور تھا۔ باس نے مجھے نوکری ہی نہیں‘ رہنے کا ٹھکانا بھی دیا۔ میں اس کی بات کیسے ٹال سکتا ہوں؟ میرا رُواں رُواں مرتے دم تک اس کا احسان مند رہے گا۔ تم میری بھینگی آنکھوں کی بات کر رہے ہو‘ وہ حکم دے تو میں اس کے لیے اپنی ایک آنکھ نکلوا بھی سکتا ہوں۔ یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس کے گرد آج بیشتر لوگ ایسے ہی ہیں جو بچپن میں ٹوٹ پھوٹ کر بُری طرح بکھر رہے تھے‘ بھوکے تھے‘ آوارہ تھے اور بے گھر تھے۔ باس نے ان سب کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ ہارلم کے رہنے والے اس پر بلا وجہ ہی جان نہیں دیتے۔“

”ٹھیک ہے۔ تم بلیک ڈیڈ کے لیے اندھی توپ بنے رہو لیکن محتاط رہا کرو۔ عورتوں سے ان کی ان ہی خوبیوں کے بارے میں بات کیا کرو جو وہ جان بوجھ کر تمہیں دکھاتی ہیں۔ ان کی بے خبری میں دیکھی جانے والی خوبیوں پر تم نے سختی سے اپنی زبان بند نہ رکھی تو کسی دن کوئی مس تمہاری دونوں آنکھیں پھوڑ دے گی۔ تم تل والی مس کی مار دھاڑ کا تجربہ تہ خانے میں کر ہی چکے ہو۔“

”میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔“ اس نے سعادت مندی سے کہا ”کبھی کبھی میں بالکل بے محل باتیں کر جاتا ہوں۔ دوسروں کا ردِ عمل دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مجھ سے کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ بعد کے پچھتاوے سے احتیاط ہی زیادہ بہتر ہے۔“

”مہمان کا کیا بنے گا؟“ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے پوچھا۔

”رات گہری ہو رہی ہے۔“ ڈک نے ہم دونوں میں سے کسی سے کہا ”ویسے بھی شکم سیر ہونے کے بعد اسکاچ مزہ نہیں دیتی۔ ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ صبح تمہیں ہر چیز صاف ستھری ملے گی۔ مہمان کو پوری احتیاط کے ساتھ اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا۔“

”مائیک تمہارے ساتھ جائے گا؟“ ویرا کا رویہ اس کے ساتھ مسلسل جارحانہ تھا۔

”سرونٹ کوارٹر تک تو ساتھ ہی جائے گا۔ اسے کار میں ڈالنے تک مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اس سے آگے میں اکیلا ہی سب کچھ سنبھال لوں گا۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ نیوارک ہلٹن اینڈ ٹاورز کا ایک مکین اچانک کہاں غائب ہو گیا۔“

”پھر تم دونوں اپنے گلاسوں سمیت چلے جاؤ۔ وقت ضائع مت کرو۔“ میں نے کہا۔

”گلاس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟“ یہ کہہ کر مائیک نے

دو لمبے لمبے گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کر دیا۔ ڈک نے اس کی تقلید کی۔

وہ ہماری اور ڈک کی الوداعی ملاقات تھی۔ وہ مصافحے کے لیے بڑھا تو پھر گڑبڑ ہو گئی۔ میں سمجھا کہ وہ میری طرف آرہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا مگر وہ لیڈیز فرسٹ کے اصول کا قائل تھا۔ میرا ہاتھ فضا میں پھیلا رہ گیا۔ اس نے "شب بخیر مس" کہہ کر ویرا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ قطعی تیار نہیں تھی۔ اس نے عجلت میں ڈک سے ہاتھ ملایا پھر میری باری آئی اور وہ مائیک کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

"اُلّو کا پٹھا!" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا بڑبڑائی "تنہائی میں سامنے بیٹھ کر مسلسل مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ میری طرف متوجہ تھا۔ بہت ہی ذلیل اور گھٹیا انسان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سے جلد ہی جان چھوٹ گئی۔"

"ذلیل اور گھٹیا ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہے۔" میں نے کہا "اب بھی فلموں کا رخ کرلے تو اپنی فطری حرکتوں کی وجہ سے ایک کامیاب کامیڈین ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بھاڑ میں جائے۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" ویرا نے بھنا کر کہا اور میں نے اس موضوع کو فوری طور پر وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ڈک کی یہ بات درست تھی کہ شکم سیر ہونے کے بعد اسکاچ ذرا بھی مزہ نہیں دیتی لیکن ویرا پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ اس نے خواب گاہ کا رخ کرنے سے پہلے میرے اور اپنے لیے اسکاچ اور یخ بستہ پانی سے دو لمبے گلاس لبریز کیے اور اٹھ گئی۔

عام آدمی کے لیے بھرے پیٹ پر اتنی الکحل کا ہضم کرنا آسان نہیں تھا۔ کھایا پیا تک الٹ کر رہ جاتا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی اور ہم خواب گاہ میں آ گئے۔

"اجازت ہو تو میں جینی کو فون کر لوں؟" خواب گاہ میں کرسی سنبھالنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" ویرا نے سختی سے کہا "وہ اتنی شدت سے تمہارے سر پر کیوں سوار ہے؟"

"اسے خلش ہو گی۔ ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم نے اسے یکسر بھلا دیا ہے۔ امریکا چھوڑنے سے پہلے اس سے بات ہونی چاہیے۔"

"اپنی اخلاقیات اپنے پاس رکھو۔" وہ برہمی سے بولی "تم مجھ سے اسی قدر بیزار ہو گئے ہو تو جینی کو فون کرنے کے بجائے اپنی پڑوسن سے مل آؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ویسے بھی وہ شام کو تمہیں خود گھر آنے کی دعوت دے کر گئی ہے۔"

"میڈیلین نیم پاگل عورت ہے۔ ایسی عورتوں سے مجھے خوف آتا ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"صحیح الدماغ ہوتی تو تمہاری تجویز پر غور کیا جا سکتا تھا۔"

"شاید تم فورٹ ہاؤس کی بند دیواروں میں سے آنے والی دہشت ناک نسوانی چیخوں کو بھول گئے۔ مرد اس قدر لالچی ہوتے ہیں کہ دولت کی خاطر ساری عمر کے لیے پاگل عورتوں کی غلامی کر لیتے ہیں۔"

"میں بنجمن فورٹ نہیں ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ اسی کا ایک دوست کسی بے وفا عورت کے بجائے اپنی وفادار کتیا کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔" میں نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

ویرا میرے جواب پر تلملا اٹھی "تمہاری دانست میں ہر عورت پاگل یا پھر بے وفا ہوتی ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ یہ تمہارے اندر کا کوئی چور بول رہا ہے۔ میں تو وجودِ زن سے کائنات میں رنگوں کی بہار کا قائل ہوں۔ عورت کو نکال دیا جائے تو سب کچھ دھرا اور بے کیف ہو کر رہ جائے گا۔"

"پھر میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"میری رائے جاننے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں ایک مدت سے تمہیں برداشت کرتا چلا آرہا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

ویرا نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرا تاریک کیا اور اچھل کر میرے اوپر آ رہی۔ بے خبری کی وجہ سے اسکاچ سے بھرا ہوا گلاس میرے ہاتھ سے نکل کر قالین پر گر گیا۔ گلاس ٹوٹنے کے ہلکے سے چھناکے کے ساتھ ہی ویرا مجھے کرسی سے اٹھا کر بستر پر گرا چکی تھی۔

○☆○

اگلی صبح بلیک ڈیڈ صبح سویرے ہی ہمارے پاس آ دھمکا۔ خلافِ معمول وہ بہت خوش و خرم نظر آرہا تھا۔ اس کے استقبال کا فرض مجھے پورا کرنا پڑا کیونکہ پچھلی رات کی خرمستیوں کے بعد ویرا اس وقت بھی گہری نیند سو رہی تھی۔ میرا گلاس ٹوٹنے کی وجہ سے میری قدرتی نیند مدہوشی میں تبدیل نہیں ہو سکی تھی۔

بلیک ڈیڈ کی آمد سے پہلے ہی مائیک نے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈک صبح تین بجے تک موڈلے کی لاش سمیت گھر سے رخصت ہو چکا تھا۔

"شاید تمہیں خوشی ہے کہ کل ہم سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔" میں نے بلیک ڈیڈ کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد شائستگی سے کہا۔

"اپنی روانگی کا ذکر کر کے مجھے اداس کرنے کی کوشش مت کرو۔" اس نے مشفقانہ لہجے میں کہا "کل کے لیے تمہاری بکنگ ہو گئی ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کل تم چلے ہی جاؤ۔ یہ بکنگ تمہارے اصرار پر ہوئی ہے۔ اگلی کسی تاریخ کے لیے بھی نشستیں مل سکتی ہیں۔"

"کیا تم ہمیں روکنے کے ارادے سے یہاں نازل ہوئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ بے وقت ذکر تم نے ہی چھیڑا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے ذہن کو کھلا رکھو۔ جب موقع ہو' یہاں سے نکل جانا۔ کوئی تاریخ اپنے سر پر مسلط مت کرو۔"

"تاریخوں کا چکر عورتوں کے سر پر سوار رہتا ہے۔ میں اس سے آزاد ہوں۔ میرا مسئلہ صرف اتنا ہے کہ یہاں میرا کام ختم ہوچکا ہے۔ غیر ضروری طور پر یہاں رک کر میں ناگہانی خطرات کو دعوت دوں گا۔ ہم دونوں کو پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم نے بلاوجہ ہی مجھے اس موضوع میں الجھالیا۔" اس نے صوفے پر پہلو بدل کر کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دن یہاں رک کر میری لڑائی بھی دیکھو۔"

"یہاں میں نے تمہارے ساتھ یادگار وقت گزارا ہے۔ اب میں دنیا کے کسی خطے میں بھی رہوں' تم سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی نئی سرخ روئی حاصل کی ہے۔"

"سب کو شبہ بلکہ یقین ہے کہ فورٹ ہاؤس کے واقعے میں میرا ہاتھ تھا مگر نیویارک کی انتظامیہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر پارہی۔"

"یہ تمہارے مخبروں کی پیدا کی ہوئی کوئی خوش فہمی بھی ہوسکتی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔ پولیس کمشنر کو ڈر ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالتے ہی ہارلم میں دوبارہ فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ میں ہر مسئلے میں انہیں اپنے وکیلوں کی طرف دھکیل رہا ہوں۔ شہر کے کم از کم سات معززین اس بات کے گواہ ہیں کہ وقوعے کی شب میں واردات سے پہلے اور بعد میں گھنٹوں ڈریم لینڈ کے ریہرسل ہال میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا ہوں۔"

"اور یہی تمہارے دفاع کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔" میں نے رائے دی۔

"اب لطف کی بات یہ ہے کہ وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ ایف بی آئی نے ان سات میں سے تین معزز ترین گواہوں کو اٹھالیا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ قانون ملزم کو چھوڑ کر اس کے دفاعی گواہوں کو اپنی تحویل میں لیتا پھر رہا ہے۔"

"مجھے اس طریقۂ کار پر زیادہ تعجب نہیں ہے۔ وہ ان گواہوں پر جرح کرکے ان کے بیانات میں تضاد تلاش کرنے کی سر توڑ کوششیں کریں گے۔ پاکستان میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔"

"تفتیش الگ بات ہے۔ باقاعدہ اٹھالے جانا ایک بالکل مختلف عمل ہے۔"

"ملزم بااثر ہو تو یہی سب ہوتا ہے۔ قانون کے محافظوں کو جرم ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔"

"یہاں کی ایجنسیوں کو دانتوں پسینہ ضرور آجائے گا مگر وہ کچھ بھی ثابت نہیں کرسکیں گی۔ اس وقت سب کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں اور میں ان کے سینے پر مونگ دلتا پھر رہا ہوں۔"

"میں تمہاری آزادی اور سربلندی کے لیے دعاگو ہوں۔ امریکا میں اب تم ہی داؤدی ستاروں کی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ بن سکو گے۔ وہ تمہارے اور میرے مشترکہ حریف ہیں۔"

"رات تم نے نک موڈلے کو ختم کرکے ایک بڑا موقع گنوا دیا۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ اس کے بارے میں میرے ارادے نیک نہیں ہیں۔ اس وقت تم نے مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا تھا۔ اب اچانک تمہیں کون سا موقع یاد آگیا؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایک ذمے دار سفارتی افسر تھا اور محض اپنی شناخت کے سہارے وائٹ ہاؤس سے پینٹاگون تک کہیں بھی آسانی سے داخل ہوسکتا تھا۔ تم اس کے ذریعے ان میں سے کسی بھی اہم عمارت میں ہولناک تباہی پھیلا کر ان امریکیوں کو بدحواس کرسکتے تھے۔"

"تو کیا تم خود امریکی نہیں ہو؟" میں نے اس کی تجویز کے دوسرے پہلوؤں کو بھول کر پہلا بے ساختہ سوال کیا۔ اس نے امریکیوں کا تذکرہ بہت تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا۔

"میں ایک عام امریکی ہوں۔ عام امریکی بہت سادہ لوح' بے تکلف' ملنسار اور زندہ دل ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کی خوشیوں میں خوش ہوتے ہیں لیکن ان پر حکمرانی کرنے والوں کا ایک مخصوص ٹولہ بہت سفاک اور سنگ دل ہے۔ دنیا میں سازشوں اور خوں ریزیوں کو پروان چڑھانے والے یہی چند لوگ ہیں۔ ان کی حرکتوں کی وجہ سے باہر کی دنیا میں ہر امریکی کو ان ہی کی طرح مکار' سازشی اور شقی القلب سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ زبردستی امریکا کی شناخت بن بیٹھے ہیں۔ ان سے مجھے نفرت ہے۔"

"تم بہت فراخ دل امریکی ہو.... نک موڈلے امریکا کی ان طاقتوں کا نمائندہ تھا جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ میری فرمائش پر وہ کسی بھی اہم امریکی ادارے میں بم کا دھماکا کرنے پر آسانی سے رضامند ہوجاتا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوپاتا کہ اس سے کیا کام لینے والے ہو۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی ٹرائی نائٹروٹولین بیلٹ ہولناک دھماکے سے پھٹتی تو اس کے چیتھڑوں کا بھی سراغ نہ ملتا۔ اس کے اردگرد کا وسیع علاقہ تباہی کی زد میں آجاتا۔"

اس کی باتوں میں مجھے یک بہ یک دلچسپی کا عنصر محسوس ہونے لگا۔ میں نے کہا "مجھے اس بیلٹ کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کہیں اور کام آسکے۔"

"یہ ٹی این ٹی بیلٹ ایک ناقابلِ گرفت بارودی بم ہے۔ فائبر کے ہک اور بکل کے ساتھ منسلک چرمی بیلٹ کے درمیان خالص ترین بارود کی ایک تباہ کن تہ جمی ہوئی ہوتی ہے۔ اس میں دھات

کے صرف دو مختصر ترین آلے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک ننھا سا حساس مائیکروفون جو بیلٹ استعمال کرنے والے کے آس پاس ہونے والی ساری گفتگو کو مخصوص ریسیور پر تم تک پہنچاتا رہے گا اور دوسرا ریموٹ کنٹرول سرکٹ جو تمہارے ایک اشارے پر فعال ہوکر بظاہر بے ضرر نظر آنے والی چرمی بیلٹ کو ہولناک دھماکے کے ساتھ اڑا دیتا ہے۔ تم نک کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیے بغیر اسے بیلٹ پہن کر کہیں جانے پر آمادہ کرتے اور پھر اس کے ذریعے اپنا ہدف اڑا دیتے۔"

"نک موڈلے بہت چالاک آدمی تھا۔ وہ میری یا ویرا کی دی ہوئی کسی چیز پر بھروسا نہ کرتا۔ ہماری رسائی سے باہر نکلتے ہی بیلٹ کو ادھیڑ ڈالتا....."

"اور تم اسے ادھیڑ ڈالتے۔ مائیکروفون کے ذریعے تمہیں جوں ہی اس کے انحراف کا علم ہوتا' تم ریموٹ کے ذریعے اسے اڑا دیتے۔ ہدف پورا ہوتا یا نہ ہوتا۔ وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔"

"کیا تم نے ایسی ٹی این ٹی بیلٹ کبھی استعمال کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' کبھی اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔" اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا "پیری کاویل نے کچھ عرصے پہلے ایک بیلٹ مجھے تحفے میں دی تھی۔ وہ میں نے شاید تمہارے لیے ہی محفوظ رکھی ہوئی ہے۔"

"ایک بیلٹ!" میں نے قدرے مایوسی سے پوچھا "یہ پیری کاویل تو وہی ہے نا جس نے اپنی بیم گن تمہارے پاس رکھوائی ہوئی تھی؟"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" اس نے برجستہ کہا "وہ ٹی کا آئی مین اور میرا گہرا دوست ہے' بوسٹن میں رہتا ہے۔ بہت یار باش اور کھلے دل کا آدمی ہے۔"

"اگر ہم اپنی اکلوتی بارودی بیلٹ نک موڈلے پر ضائع کردیتے تو اب ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ گولی چلائے بغیر مرگیا۔ اب دیکھنا ہوگا کہ یہ بیلٹ کہاں کام آتی ہے۔"

"تمہارے کام آسکے تو وہ بیلٹ حاضر ہے۔ بیلٹ کا مائیکروفون اور ریسیور میرا آزمایا ہوا ہے۔ باقی تجربہ تمہیں اپنے طور پر کرنا ہوگا۔"

"پیری کاویل سے پتا چل سکتا ہے کہ ایسی دوسری بیلٹ کہاں سے مل سکے گی؟"

"میں اس سے بات کروں گا لیکن کچھ معلوم ہونے کی امید نہیں ہے۔ جب ٹی اپنے عروج پر تھی تو ہر تباہ کن شعبدہ ان لوگوں کی دسترس میں رہتا تھا۔ جمی لائیڈ کے بعد سے ٹی فنڈز کھانے کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔"

"ویسے بھی اس سے رابطہ ضروری ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بیم گن واپس مل جانے کے بعد پینٹاگون کے انسپکٹر کا ردِعمل کیا تھا۔ جارج شلز اور ایان جیکب کے جسموں پر بیم گن کے زخم کسی بھی وقت اپنا رنگ دکھا سکتے ہیں۔"

"تم مطمئن رہو۔ کوئی بری خبر ہوتی تو پیری خود ہی مجھ سے رابطہ کرتا۔ کبھی کبھی کسی خبر کا نہ ہونا ہی سب سے اچھی خبر ہوتی ہے۔"

"بیلٹ کے ریسیور کی رینج کتنی ہے؟" میں نے فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"صحیح یاد نہیں۔ شاید دو ڈھائی سو کلومیٹر ہے۔ ریسیور پر اس کی رینج لکھی ہوئی ہے۔"

"میں اس کا کوئی نہ کوئی استعمال سوچ لوں گا۔ تم وہ بیلٹ مجھے ضرور بھجوادو۔"

"میں واپس جاتے ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کروں گا۔ تم کوئی ایسا نام سوچو جو تمہارے چارے کے طور پر ہمارے کام آسکے۔ نیویارک سے باہر واشنگٹن یا اس کے آس پاس کوئی بڑی تباہی آئی تو نیچے سے اوپر تک سب ہل کر رہ جائیں گے۔"

وہ مجھے تجویز دے رہا تھا۔ ادھر میرے ذہن میں خود بہ خود ایک نام ابھر کر نمایاں ہوتا چلا جارہا تھا۔

کشمیر کے محاذ پر اپنے بڑے بہنوئی کی ہلاکت پر میرے خلاف جذباتی ردِعمل ظاہر کرکے بدری ناتھ نے میری نظروں میں اپنا مقام گرالیا تھا۔ اس نے جذباتی انداز میں بہت سی ایسی سخت باتیں کہی تھیں جو میرے دل پر نقش ہوچکی تھیں۔

تلخ کلامی کی انتہا اور پھر میرے ڈبل ہونے پر اصرار کرنے کے بعد اس نے یکایک دوستانہ قلابازی کھا کر میرے قصیدے پڑھنے شروع کردیے تھے اور یہ تاویل پیش کی تھی کہ اس نے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کے لیے معاندانہ رویّہ اختیار کیا تھا ورنہ وہ حقیقت میں میرا بہت بڑا مداح اور گہرا دوست تھا۔

وہ اس کی سوچ کے دو رخ تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ان میں سے کون سا رخ اس کی اصل نیت کی عکاسی کررہا تھا۔ میرے لیے احتیاط اور تحفظ کا تقاضا یہی تھا کہ اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ اس کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ را کا ایک تجربے کار ایجنٹ تھا۔ محض شبے میں اسے ہلاک کرتے ہوئے بھی مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ میں اپنے دشمن سے جو کام لے سکتا تھا' لے چکا تھا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے عضوِ معطل تھا۔ رہتا یا نہ رہتا' میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ چند دنوں کی مدت میں پے در پے کئی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے نتیجے میں میرا اتنا گرویدہ ہوچکا تھا کہ اپنی برتری کے قصے سنانے کے لیے خود میرے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کی آمد کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے بارودی بیلٹ اور اس کی تباہ کاری کا علم ہوگیا۔ ایک طرف وہ ہتھیار میرے قبضے میں آنے والا تھا اور دوسری طرف بدری ناتھ جیسا خفیہ دشمن میری نگاہوں میں تھا۔ ان دونوں کو کسی تدبیر سے یکجا کرکے میں امریکا میں ایک نیا دھماکا کرسکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ کافی دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اس نے تک موڈلے کی لاش کے بارے میں ڈک کی رپورٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ پاکستان میں ہر وقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے والے اس سخت گیر افسر کا پتا ایسے سرسری انداز میں صاف ہوا تھا کہ خود مجھے بھی اس کی باقیات کے بارے میں کچھ پوچھنے کا دھیان نہیں رہا تھا۔

میں اخبار بینی سے ناشتے کے دوران میں فارغ ہو چکا تھا۔ بلیک ڈیڈ کے چلے جانے کے بعد میں نے تلخ کافی کا دوسرا کپ پیتے ہوئے چیدہ چیدہ خبروں پر دوبارہ نگاہ ڈالی اور پھر اپنی خواب گاہ کی طرف ہولیا۔ وہاں شکن آلود بستر خالی تھا۔ قالین پر سے ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے سمیٹے جا چکے تھے اور ویرا باتھ روم میں بند تھی۔

میں نے گارہام ہوٹل کا نمبر ملایا تو بدری ناتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ مجھے خود بھی یہی توقع تھی کیونکہ عباس کرمانی کی تلاش کی مہم میں وہی کمرا بدری ناتھ کا گھر تھا اور وہی دفتر۔

"تھینک گاڈ!" میری آواز پر اس کی تشکر آمیز آواز ابھری۔ "مجھے ڈر تھا کہ کہیں اب تم غائب ہی نہ ہو جاؤ۔ تمہارے فون سے مجھے تسلی ہوئی ہے کہ تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو چکا ہے۔"

"جب تک کشمیر سے تمہیں کوئی دوسری بری خبر نہیں ملتی، میرا دل صاف رہے گا۔"

"پلیز! ان باتوں کا حوالہ مت دو۔" اس کی آواز ملتجیانہ ہو گئی "وہ باتیں میں نے تم سے کچھ اگلوانے کے لیے کی تھیں۔ ان باتوں کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ میرے کام کا کیا رہا؟"

"اچھا ہوا کہ جارجیا کے بارے میں میرے کسی سوال سے پہلے تم نے اپنے کام کے بارے میں پوچھ لیا۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ اس نقل سے تم اپنے نمبر تو بڑھا سکتے ہو، میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے...."

"بالکل!" اس نے مضطربانہ لہجے میں میری بات درمیان سے ہی اچک لی "میں کل تم کو یہی سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میری وقعت بڑھ جائے گی اور عباس کرمانی کے بارے میں تمہاری سلجھائی ہوئی کہانی میں بھی مزید جان پڑ جائے گی۔ فورٹ ہاؤس کے واقعے کے بعد حالات نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور ہر طرف نئی چہ میگوئیاں شروع ہو گئی ہیں۔"

"کیا فورٹ ہاؤس کا کرمانی سے کوئی تعلق نکل آیا ہے؟" میں نے اپنے اضطراب پر قابو پا کر اس سے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"دو داؤدی ستارے لیزر گن سے مارے گئے تھے۔ لاشوں کے طبی معائنے کی رپورٹیں سامنے آنے کے بعد نت نئے نظریے قائم اور رد کیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ اسحاق گھنٹی کے اصرار کو بھی اہمیت دے رہے ہیں اور فورٹ ہاؤس کے واقعے کو گھنٹی کی گرفتاری کا تسلسل قرار دے کر عباس کرمانی کے وجود کو مسترد کر رہے ہیں۔ انہیں تقویت ملی تو یہاں کی ساری توپوں کا رخ تمہاری طرف ہو جائے گا۔"

"اس طرح کہیں تم مجھ سے کچھ اور تو نہیں اگلوانا چاہ رہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"پھر وہی بدگمانی۔" بدری ناتھ کراہا "میں کہہ رہا ہوں کہ میرے اس ہذیان کو بھول جاؤ۔ میں آج کی سنگین ترین حقیقت تم کو بتا رہا ہوں۔ انہیں تک کی سلامتی کی طرف سے بھی گہری تشویش ہے۔ وہ کل شام اپنے ہوٹل سے نکلا تھا اور اب تک لاپتا ہے۔ اس کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہوگے...."

"میں اس مردود کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "پتا نہیں وہ شراب پی کر کس کال گرل کے اپارٹمنٹ میں اوندھا پڑا ہوا ہوگا۔ یہاں کے ہزاروں شہری اپنی کئی کئی راتیں گھروں سے باہر گزارنے کے عادی ہیں۔ اسے تو غائب ہوئے ایک رات ہی گزری ہے۔"

"پھر بھی وہ پریشان ہیں۔ اس کے ہر ممکنہ ٹھکانے سے رجوع کیا جا رہا ہے۔ میرا قائم کیا ہوا سحر آہستہ آہستہ اپنا اثر کھو رہا ہے۔ وہ اپنی عقلوں سے بھی سوچنے لگے ہیں۔ اس وقت ان پانچ کاغذوں کی نقلیں میری دم توڑتی ہوئی کہانی میں دوبارہ جان ڈال سکتی ہیں۔ تم چاہو تو اس دوران میں خاموشی سے یہاں سے نکل سکتے ہو۔ آنے والا وقت زیادہ برا نظر آ رہا ہے۔"

"وہ نقلیں آج کسی بھی وقت میرے پاس آ جائیں گی۔ میں فوراً ہی تمہیں پوسٹ کر دوں گا۔ کل کسی وقت وہ لفافہ تمہیں مل جائے گا۔" میں نے اصل خواہش کو دباتے ہوئے کہا۔

"کل تک دیر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر آج وہ کاغذ مل رہے ہیں تو مجھے وقت اور جگہ بتاؤ، میں خود آ کر تم سے وہ لفافہ لے لوں گا۔ جو کام آج ہو سکتا ہے اسے کل پر مت ٹالو۔"

"اس کے لیے تمہیں میری اگلی کال کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھنا ہوگا کہ قاصد کب پہنچتا ہے۔"

"میں جم کر انتظار کروں گا۔ اس وقت میرے لیے یہ کام سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"اگر رات ہو گئی تو تم ان کاغذوں کا کیا کرو گے؟" میں نے سکون سے سوال کیا۔

"میں اسی وقت دوڑ لگا دوں گا اور وہ لفافہ ذاتی طور پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر تک پہنچاؤں گا۔ اس وقت وہ سب گیپ کے لیے مرے جا رہے ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم یہ لفافہ براہِ راست صدر تک پہنچاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"گیپ کا نام سنتے ہی میرے لیے وائٹ ہاؤس کے دروازے کھل جائیں گے مگر میری یہ حرکت چیچوری اور پروٹوکول کے خلاف

سمجھی جائے گی۔ بعد میں میری بہت جگ ہنسائی ہوگی۔"
وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے اپنی بساط سے زیادہ لمبی اڑان لینے پر مجبور کرنا مناسب نہیں تھا۔ امریکا میں سی آئی اے کے سربراہ کا منصب بہت بڑا ہوتا ہے' اسے صدر کا دستِ راست اور قریبی آدمی تصور کیا جاتا ہے۔ اگر بدری ناتھ وہاں تک پہنچ سکتا تھا تو بہت کافی تھا۔
"اپنے کام کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم وہ کاغذ کسی ذمے دار آدمی تک پہنچاؤ۔ وہ کون ہو سکتا ہے' یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"
"میں اپنے ادارے کے سربراہ سے آگے جانے کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہ کہاں جاتا ہے' یہ اس کا اپنا فیصلہ ہوگا' جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔"
"میں چاہوں گا کہ تمہارے سربراہ کا ردِ عمل اپنے کانوں سے سن سکوں۔" میں نے زیادہ زور دیے بغیر ایک معصوم اور فطری سی خواہش کا اظہار کیا۔
"تم فکر مت کرو۔ میں وہیں سے تم کو رپورٹ دوں گا۔" بدری ناتھ نے روانی میں کہا۔
"وہ تمہارے الفاظ ہوں گے۔ میں اس کے الفاظ' اسی کی زبان سے براہِ راست سننا چاہتا ہوں۔" میری آواز میں ہلکی سی حسرت اُمڈ آئی۔
"میں کوئی جیبی ریکارڈر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" اس نے میری دلجوئی کے لیے فوراً پیش کش کی "میں نے سنا ہے کہ وہ ایک شیطانی کارخانہ ہے۔ وہاں جا بہ جا بگ اور اینٹی بگ ڈیوائسز نصب ہیں۔ اگر ان کی موجودگی میں بھی ریکارڈر کام کرتا رہا تو ساری آوازیں اور تبصرے میرے ٹیپ میں محفوظ ہو جائیں گے۔ وہ میں تمہیں پیش کردوں گا۔"
"جیبی ریکارڈر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ پکڑا گیا تو تم تحت الثریٰ میں جا گرو گے۔" میں چند ثانیوں کے لیے دانستہ خاموش ہوا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں کہ ایک بیلٹ مجھے مل جائے۔ اس کے چمڑے میں کہیں ایک ننھا سا مائیکروفون پوشیدہ ہے۔ وہ بیلٹ مل گئی تو میں ہر آواز اپنے کانوں سے سن سکوں گا۔"
"یہ ترکیب بہت آسان رہے گی۔" بدری ناتھ خوش ہو گیا۔
"میں اپنی بیلٹ کی جگہ تمہاری دی ہوئی بیلٹ استعمال کروں گا۔ مل جائے تو وہ بیلٹ بھی ساتھ لیتے آنا۔ تم سے لفافہ لینے کے بعد میں ہوٹل کے بجائے سیدھا سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کی طرف نکل جاؤں گا۔"
پنچھی زیرِ دام آ رہا تھا۔ میں نے پُرسکون ہو کر کہا "امید کم ہے مگر میں کوشش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہ خواہش پوری ہو جائے۔ میں سننا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ تمہاری کتنی عزت کرتے ہیں۔"
"بھگوان کا شکر اور تمہارا شکریہ کہ ابھی تک بات بنی ہوئی ہے۔ نقل کے بجائے گیپ کے اصل کاغذ مل جاتے تو یہ لوگ مجھے اپنے سروں پر بٹھا لیتے۔"
"اگر حالات نے اجازت دی تو میں اس بارے میں بھی سوچوں گا۔" میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ مکاری سے کہا۔ "فی الحال نقل پر ہی اکتفا کرو۔ زیادہ لمبی چھلانگ لگاتے ہوئے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو آدمی اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا بیٹھتا ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں خود بھی زمین پر ٹک کر چلنے کا عادی ہوں۔ میرے لیے اتنی یقین دہانی ہی کافی ہے کہ تم کسی بھلے وقت پر اصل کاغذوں کے بارے میں سوچنے کا وعدہ کر رہے ہو۔"
"جارجیا کے بارے میں تم نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"میں کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ فی الحال میرے پاس بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہاری جیسی تیزی سے نتائج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔"
میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر سر گھمایا تو ویرا اپنے گیلے بالوں پر تولیہ لپیٹے میرے قریب کھڑی مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
"تمہاری نظروں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ غسل کے باوجود تمہارے من کا میل نہیں دھل سکا۔" میں نے مسکرا کر [illegible] مارتے ہوئے کہا "کیا اب نشتر مکرر کا ارادہ باندھ رہی ہو؟"
"فضول باتیں مت کرو۔ میں بہت دیر سے اپنا غصہ ضبط کئے کھڑی ہوں۔"
"تھک گئی تھیں تو بیٹھ جاتیں۔ اس میں غصے کی کیا بات ہے؟" میں نے اس کا فقرہ اچک کر کہا۔
"تم اسپیکر فون کے بجائے ریسیور کیوں استعمال کر رہے تھے؟" ویرا نے رکھائی سے پوچھا۔
"کیا اس کے استعمال پر کوئی پابندی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم کمرے میں موجود ہوتیں تو میں ضرور اسپیکر فون ہی استعمال کرتا۔ تم نے یہ اندازہ تو لگا ہی لیا ہوگا کہ میں جینی سے نہیں' بدری ناتھ سے بات کر رہا تھا۔"
"یہ کون سی بیلٹ کا چکر تھا؟ تم اسے کہاں بھیج رہے ہو؟" ویرا نے کرسی سنبھال کر اپنے کھلے ہوئے الجھے ہوئے بالوں کو تولیے سے خشک کرنا شروع کر دیا۔
معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے اس روز کی ہر پیش رفت سے بے خبر تھی۔ میں نے کہا "بلیک ڈیڈ آیا تھا۔ شام تک وہ میرا بیلٹ بدل بھائی بننے والا ہے۔"

"سیدھی طرح بات کرو ورنہ میں دوسرا طریقہ استعمال کروں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔
"اس کی ضرورت نہیں۔ رات والے طریقے کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا اور پھر اسے بریف کرنا شروع کردیا۔
"تم نے بدری ناتھ کی جو باتیں بتائیں، ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اب بھی تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ پچھلی گفتگو میں اس نے تمہیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔"
"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے مگر اس کے دل میں اپنی ناموری کی آرزو بہت توانا ہے۔ شہرت حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی وقت کوئی گندی حرکت کر سکتا ہے۔"
"یہ تم اپنے فیصلے کے جواز میں کہہ رہے ہو ورنہ ایسا اندیشہ بہت موہوم ہے۔"
"کتنا بھی موہوم ہو مگر اس کی طرف سے خطرہ ضرور ہے۔ اسی لیے میں نے اسے گیپ کے اصل کاغذوں کے بارے میں امید دلائی ہے۔"
"اس لالچ میں وہ تمہارے ایک اشارے پر دوڑا چلا آئے گا اور تم اس کی کمر میں بارودی پٹا ڈال کر اسے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف ہانک دو گے۔"
"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "اس وقت وہی ایک ایسا آدمی ہے جو اس عمارت میں کسی روک ٹوک کے بغیر گھس سکتا ہے۔ تم کوئی دوسرا نام بتادو تو اسے کسی اگلے موقع کے لیے پالا جاسکتا ہے۔"
"آج شام تک تم اسے بارودی بیلٹ سے اڑانے کا فیصلہ کر چکے ہو؟"
"ارادہ یہی ہے کہ یہ کارِ خیر سورج ڈھلنے سے پہلے انجام دیا جائے۔ وقت کا سارا انحصار بلیک ڈیڈ کی طرف سے بیلٹ ملنے پر ہے۔ کاغذوں کی فاضل نقل بریف کیس میں محفوظ ہے۔"
"تم یہاں بیٹھ کر اس کی نقل و حرکت کو پوری طرح مانیٹر کر سکو گے؟" اس نے پوچھا۔
"یہ خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔ ریسیور کی رینج کم ہے۔ ہمیں اس کے پیچھے جانا ہوگا۔"
"ہوسکتا ہے کہ تم سے ملنے کے لیے وہ اکیلا نہ آئے۔ کوئی اس کی حفاظت کر رہا ہو؟"
"یہ خطرہ میرے ذہن میں موجود ہے۔ اس کا تدارک بلیک ڈیڈ کو کرنا ہوگا۔"
"تم نے سب کچھ سوچ لیا ہے تو پھر یہ بھی طے کر چکے ہو گے کہ کل ہمیں ہر حال میں یہاں سے نکل جانا ہے۔ بدری ناتھ کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم نازک صورتِ حال میں گھر جائیں گے۔"
"مجھے ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ ضروری ہوا تو ہم کل بھی جاسکتے ہیں۔"
"فورٹ ہاؤس میں تم نے بروقت مجھے نہیں روکا تھا مگر میں تمہیں وقت سے پہلے خطرے سے ضرور خبردار کر رہی ہوں۔ بیم گن کی طرح ٹی این ٹی بیلٹ بھی پیری کا ویل کی طرف سے بلیک ڈیڈ کو ملی ہے۔ بیم گن کے بعد بارودی بیلٹ کا استعمال اس بات پر تصدیق کی مہر ثبت کردے گا کہ شی کا کوئی منحرف آئی مین چوری چھپے ان کارروائیوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ امریکا میں ایسی حمایت صرف ہم دونوں کو مل سکتی ہے۔ ہمارے خلاف آئزک بیل کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ ساری کڑیاں آسانی سی ملتی چلی جائیں گی۔"
میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بہت سامنے کی بات تھی جو میری نظروں سے اوجھل تھی۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے۔
"بدری کا راہ سے ہٹایا جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ وہ را کا واحد ایجنٹ ہے جو مجھ سے واقف ہو چکا ہے۔ یہ سمجھو کہ کل ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہی ہے۔"
ویرا گیلا تولیہ ایک طرف ڈال کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی "اگر ڈک نے نک موڈلے کی لاش کو غرقاب کرنے میں بے پروائی سے کام لیا ہے تو وہ کسی بھی وقت پھول کر دریا کے کسی کنارے پر لگ سکتی ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے تم مسلسل آگ سے کھیل رہے ہو۔ ایک مرتبہ ہمارا نام منظرِ عام پر آگیا تو پولیس بلیک ڈیڈ کو بھی نہیں بخشے گی۔ قانون ذرا دیر سے ہی حرکت میں آتا ہے لیکن جب اس کا عمل شروع ہوتا ہے تو یہ کسی مست سانڈ کی طرح اپنی راہ میں آنے والے ہر وجود کو روند کر رکھ دیتا ہے۔"
"آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر فلمی ڈائیلاگ بولنے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ آج رات خطرات اپنی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔ ہمیں فرار کی راہ اختیار کرلینی چاہیے۔"
میں نے اسپیکر فون آن کر کے وہی نمبر ملالیا جس پر مائیک اکثر جوڈی یا بلیک ڈیڈ سے بات کرتا رہتا تھا۔ لائن ملتے ہی اسپیکر پر ایک کرخت اور جھٹکے دار نسوانی آواز گونجی۔ اس نے صرف ہیلو پر اکتفا نہ کرتے ہوئے یہ بھی جاننا چاہا کہ کون اس سے ہم کلام ہونے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔
میں نے بلیک ڈیڈ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ دوسری طرف سے تحقیر آمیز انکار کے ساتھ فون بند کردیا گیا۔ وہ واضح طور پر جوڈی کی آواز تھی مگر اس کا رویّہ ناقابلِ فہم تھا۔
"وہ صرف بلیک ڈیڈ سے پٹتی ہے ورنہ دوسروں کو اسی طرح اپنی زبان سے ادھیڑ ڈالتی ہے۔ شرافت سے مائیک کو بلالو۔ وہ تمہاری مشکل آسان کردے گا۔" ویرا نے اس صورتِ حال سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔
مائیک، ویرا کو ناشتا دینے کے انتظار میں کچن میں موجود تھا۔ گھنٹی بجاتے ہی کمرے میں آگیا۔

"تمہاری کٹکھنی بڑھیا میرے بس سے باہر ہے۔ ذرا اپنے باس سے بات کراؤ۔" میں نے کہا۔

مائیک ذہین تھا۔ صورتِ حال سمجھ گیا۔ اسپیکرفون آن کر کے اس نے پورا نمبر ملانے کے بجائے صرف ری ڈائیل بٹن دبانے پر اکتفا کیا۔ گھنٹی بجنے پر وہی نمبر ملا۔ جوڈی کی وہی سخت آواز ابھری اور مائیک نے فوراً کہا "جوڈی ڈارلنگ! ذرا باس سے بات کرادو۔"

"تم..... اٹھائی گیرے! تمہیں ہر وقت باس سے ہم کلام ہونے کا زیادہ ہی شوق ہو گیا ہے؟"

"یہ شوق مجھے نہیں، باس کے ان مہمانوں کو ہے جو آج کل میرے چیف ہیں۔"

مائیک کی وضاحت سنتے ہی بڑھیا سنبھل گئی "ہولڈ کرو۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ میں کانفرنس لائن پر اس سے بات کراتی ہوں۔" اسپیکر پر سناٹا سا چھا گیا۔

"اب باس ہی لائن پر آئے گا۔" یہ اطلاع دے کر مائیک کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

چند ثانیوں بعد ہی بلیک ڈیڈ فون پر موجود تھا مگر اس کے بولتے ہی سی ایس ڈی حرکت میں آئی اور لائن کٹ گئی۔ میں لمحے بھر کے لیے چکرا گیا مگر پھر بات سمجھ میں آ گئی۔

جوڈی نے کانفرنس لائن پر بات کرانے کی کوشش کی تھی یعنی ہمارا فون جوڈی کے فون کے ذریعے بلیک ڈیڈ کے نمبر سے ملایا گیا تھا۔ بیک وقت تین لائنیں فعال ہوتے ہی سی ایس ڈی نے لائن بند کر دی۔

میں مائیک کو دوبارہ بلانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا اپنے بال سنوار کر ناشتے کے لیے جا چکی تھی، میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"جب بھی جوڈی درمیان میں ہوتی ہے، تمہارا فون بند کیوں ہو جاتا ہے۔" دوسری طرف سے بلیک ڈیڈ اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اس وقت میں نے خود فون بند کیا تھا۔" سی ایس ڈی کا راز پوشیدہ رکھنے کے لیے وہ ذمے داری میں نے اپنے سر لے لی "مجھے شبہ ہوا تھا کہ درمیان میں کوئی ہماری بات سننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"تمہارا شبہ صحیح تھا۔ وہ کانفرنس لائن تھی۔ جوڈی لائن پر تھی مگر وہ ہماری بات سننے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ یہ بتاؤ کہ اتنی سی دیر میں تمہیں دوبارہ میری ضرورت کیوں پڑ گئی؟"

"پتلون ڈھیلی ہو گئی ہے۔ بیلٹ کب بھجوا رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"اوہ! تم نے اتنی جلدی کوئی دوسرا شکار تلاش کر لیا" اس کی آواز سے حیرت عیاں تھی۔

"اگلے روز کی نشستیں کنفرم ہوں تو تیزی دکھانی ہی پڑ جاتی ہے۔"

"میرا سمجھانا بے سود رہا۔ تم کل یہاں سے جانے کا پکا ارادہ کر ہی چکے ہو۔"

"یہ میرا نہیں، تمہاری چہیتی بے بی کا اصرار ہے۔ وہ یہاں پڑے پڑے اکتا گئی ہے۔"

"یہ تمہارا قصور ہے۔ اس سے دوستی کی ہے تو اس کی دل جوئی کا بھی خیال رکھو۔ تم اسے بھول کر ہر وقت کام کی دھن میں لگے رہتے ہو۔ اس کا اکتا جانا میرے لیے قابلِ فہم ہے۔"

"اب واپس جا کر ہی تمہارے مشورے پر عمل کیا جا سکے گا، وہ اڑ گئی ہے۔"

"پھر تم بیلٹ کا کیا کرو گے۔ کیا اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گارہام ہوٹل میں آج کل سی آئی اے والوں کا کیمپ آفس قائم ہے۔ اس کا سربراہ بدری ناتھ نامی ایک انڈین سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بیلٹ مل جائے تو میں اسے بلانا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ دوڑا چلا آئے گا؟" بلیک ڈیڈ کو میری بات پر یقین نہیں آ سکا تھا۔

"ہاں، اسے شدت سے میری تلاش ہے۔ میں اس بارے میں اسے ٹپ دینے کے لیے بلاؤں گا اور وہ مجھ سے ملاقات کے بعد سیدھا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف دوڑ لگا دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام جلد از جلد نمٹا لیا جائے۔"

"بیلٹ ایک گھنٹے میں تم کو مل جائے گی۔ یہ سمجھ لینا کہ فاصلہ کافی زیادہ ہے۔ تم کو اس کے پیچھے جانا پڑے گا ورنہ تمہارا ریموٹ ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی رینج ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے مگر عمارتوں اور دوسری رکاوٹوں کی وجہ سے اس پر صرف سو کلومیٹر تک بھروسا کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس سے کسی بھی وقت پانچ دس کلومیٹر سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔"

"مائیک تمہارے لیے بہترین ڈرائیور ثابت ہو گا۔ وہ ان علاقوں کا کیڑا ہے۔"

"اس کی رہنمائی ناگزیر ہے مگر تمہیں ایک آدمی اور دینا ہو گا۔ وہ اسی وقت گارہام کی نگرانی شروع کر دے گا۔ اسے یہ دیکھنا ہو گا کہ بدری ناتھ ہوٹل سے اکیلا ہی نکلتا ہے یا کوئی اور گاڑی بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہارا آدمی ایرپیس پر مجھے کلیرنس دے گا تب میں اس سے ملوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ بیلٹ کے ساتھ ایرپیس بھی تمہیں مل جائے گا۔ نگرانی کے لیے ڈک کو بھیجے دیتا ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں رہے ہو۔ ایرپیس پر تمہارا مسلسل رابطہ رہے گا۔ تمہارا کوڈ ہیری ہو گا۔ وہ چارلی کے نام سے تمہیں رجوع کرے گا۔"

"ویری گڈ۔" میں نے حقیقی مسرت کے ساتھ کہا "تمہارے اس مردانہ تعاون سے دل شیر ہو جاتا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ چارلی کی کلیرنس کے بعد میں بدری سے مل کر فرضی ٹپ کے ساتھ بیلٹ کا تحفہ اسے پیش کروں گا۔ وہ نیویارک سے روانہ ہو جائے گا۔ میں اس کے پیچھے نکلوں گا۔ چارلی کو ہمارے پیچھے رہ کر یہ دیکھنا ہے کہ کوئی اور ہمارا تعاقب نہ کرنے پائے۔"

"سب کچھ تمہاری مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس انڈین سیکرٹ ایجنٹ کو شہر میں کہاں بلا رہے ہو؟" بلیک ڈیڈ نے میرے پروگرام پر صاد کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہ اسے ڈریم لینڈ ہی بلالوں؟" میں نے سنجیدگی سے تجویز پیش کی۔

"ہرگز نہیں۔ میری وجہ سے ڈریم لینڈ آج کل ہر ایجنسی کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کا نام سنتے ہی تمہارا شکار بھڑک جائے گا۔ اسے پین اسٹیشن پر بلالو۔ تمہارے پین پلازا ہوٹل کے قریب وہ جگہ ایسے کاموں کے لیے بہت موزوں ہے۔" بلیک ڈیڈ کی وضاحت اور تجویز بہت مناسب تھی۔

وہ نیویارک سے باہر کی ایک خطرناک مہم تھی۔ بلیک ڈیڈ کو میرے اور بدری ناتھ کے گٹھ جوڑ کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بس اتنا جانتا تھا کہ سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے گدھے بھی ہاتھیوں کو تل کر کھا جانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ وہ ضروری نکات پر مجھے بریفنگ دیتا رہا۔ آخر کار گفتگو کا وہ فیصلہ کن سلسلہ موقوف ہو گیا۔ میں اس کام سے فارغ ہو کر کچن میں پہنچ گیا۔

ویرا میز پر اخبار پھیلائے ناشتے میں مصروف تھی۔ مائیک نے میرے لیے بھی ایک خالی پیالی میز پر رکھ دی۔

"روانگی کی تیاری پکڑلو۔" میں نے ویرا کو سنانے کے لیے مائیک سے کہا "دوپہر تک ہمیں شہر سے باہر جانا ہے۔ واپسی میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔"

ویرا نے فوراً ہی اخبار ایک طرف سمیٹ دیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی روانگی کا کوئی پروگرام طے ہو سکے گا۔ اس کے ساتھ مائیک نے بھی سوالات داغنے شروع کر دیے۔

اپنے پروگرام کے بارے میں میرا ذہن صاف تھا۔ بلیک ڈیڈ سے تفصیلی گفتگو ہونے کے بعد رہا سہا ہر ابہام دور ہو گیا تھا۔ میں بلا تکان ان دونوں کے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔

"اس کے لیے روٹ پچانوے سب سے بہتر رہے گا۔" سب کچھ سمجھ لینے کے بعد مائیک نے اپنی مہارت کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا "اس راستے پر ہم واشنگٹن سے گزرتے ہوئے رچمنڈ اور پھر مطلوبہ مقام تک پہنچ جائیں گے۔ سی آئی اے کا مرکز ان ہی اطراف میں کہیں واقع ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ہم وہاں تک جائیں۔ ہم رچمنڈ میں رک کر بھی اپنا کام کر سکتے ہیں۔" مجھے یاد تھا کہ ورجینیا میں اپنی تربیت کے دنوں میں بدری ناتھ رچمنڈ ہی کے ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔

مائیک ہم سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ویرا مسکراتے ہوئے بولی "آج کے لیے مجھے بھی خاصی تیاری کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ امریکا میں ہمارا آخری مشن ثابت ہو اور ہمیں دوبارہ ادھر آنے کا موقع نہ مل سکے۔ اب تک ہم نے انہیں تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے۔"

"جو تیاری چاہو کرو لیکن اپنے شانے کا تل ذرا احتیاط سے چھپالینا۔ آج پھر ڈک ہمارے ساتھ ہوگا۔"

"ہوا کرے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دوسری گاڑی میں ہم سے دور رہ کر وہ میری جوتی بھی نہیں دیکھ سکے گا۔" ویرا دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں تمہاری موجودگی کا لحاظ کرتی ہوں ورنہ میں ایسے بدنظر مردوں کو بہت ڈھٹائی کے ساتھ سسکا سسکا کر ذلیل کرنا جانتی ہوں۔"

"وہ بدنظر نہیں ہے۔ تم بلاوجہ اس کی طرف سے اپنے دل میں کدورت لیے بیٹھی ہو۔ وہ اتنے ادب اور احترام سے تمہیں مس کہہ کر مخاطب کر رہا تھا کہ میں اس پر کسی الزام تراشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈک کسی جن کی طرح مسکراتا ہوا آموجود ہوا۔ مائیک اس کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی ایک لفافہ میرے حوالے کر دیا۔

لفافے میں ٹرانسمٹر تھا اور گتے کے پتلے سے ڈبے میں خوفناک بارودی بیلٹ موجود تھی۔ دیکھنے میں وہ عام سی سیاہ چرمی

بیلٹ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھی لیکن بناوٹ کے اعتبار سے بیش قیمت نظر آرہی تھی۔ میں نے اسے دوبارہ اسی ڈبے میں رکھ دیا جس میں بیلٹ کا ریموٹ اور ریسیور رکھا ہوا تھا۔

"اس بیلٹ کو تیز گرمی سے ذرا دور ہی رکھنا ورنہ یہ ریموٹ کے بغیر بھی چل پڑے گی" ڈک نے واپس جانے سے پہلے میری معلومات میں اضافہ کیا "یہاں سے میں سیدھا گارہام جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تمہیں ایریس پر اپنی رپورٹ دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کی بھیجی ہوئی وہ بیلٹ ویرا اور مائیک کے لیے بھی دلچسپی کا سبب بن گئی تھی۔ ان دونوں کو اس میں اُلجھا چھوڑ کر میں دوبارہ اپنے کمرے میں جا پہنچا۔

"تم ٹھیک ایک بجے پین اسٹیشن پہنچ جاؤ" فون پر بدری ناتھ کو وقت دیتے ہوئے میں نے یہ گنجائش رکھی تھی کہ ڈک کو اس کے ہوٹل کے قرب وجوار میں اپنے قدم جمانے کے لیے وقت مل سکے۔

"پین اسٹیشن؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی "کیا ہماری یہ ملاقات تمہارے گھر یا کسی اور بہتر مقام پر نہیں ہو سکتی؟"

میرا ماتھا ٹھنکا۔" وہاں آنے میں تم کوئی سبکی محسوس کر رہے ہو؟"

"میرے لیے کہیں بھی پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایسے معروف اور مصروف مقامات اس وقت بھی میرے آدمیوں کی نگرانی میں ہیں۔ وہ سب مجھے جانتے ہیں مگر میں ان سب کو نہیں پہچانتا۔ کسی نے ہم دونوں کو ملتے دیکھ لیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ دو اور دو چار کی طرح وہ بعد میں یہ سمجھ لے گا کہ گیپ کے کاغذوں کی نقل میں نے تم سے حاصل کی تھی۔"

اس نے ایک سنگین خطرے کی نشان دہی کی تھی۔ میں نے سوچنے کے لیے وقت لیتے ہوئے کہا "پھر تم ہی کوئی مناسب مقام تجویز کرو۔ میں تمہیں پرائے گھر میں بلانے سے قاصر ہوں۔"

"پورٹ اتھارٹی ٹرمینل کے پاس والے پرانے ٹھکانے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اب تک وہ بستر چھوڑ چکا ہوگا۔ اس کے بھنگر خانے میں ہم اطمینان سے کچھ دیر بیٹھ سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے بتائے ہوئے خطرے کی سنگینی سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس ملاقات کا کوئی گواہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اجنبیوں کے درمیان ہی ملنا چاہیے۔ شیام ناتھ کا ہوٹل اس کام کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں اپنے تحفظ سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب تم ہی کوئی مقام تجویز کرو۔" وہ بولا۔

میں مشکل میں پڑ گیا۔ اس کے اعتراض کی معقولیت سے متفق ہونے کے باوجود میں آنکھیں بند کر کے اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف میں خود نیویارک سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا۔ اگر مجھے اس شہر کے کسی بڑے اسپتال کا نام اور محلِ وقوع معلوم ہوتا تو اس کی پارکنگ لاٹ ہمارے مقصد کے لیے بہترین

ثابت ہو سکتی تھی۔ چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میں نے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے ایک میکڈانلڈز ریستوران کا نام لیا اور وہ وہاں ملاقات پر آمادہ ہو گیا۔

تھیٹر ڈسٹرکٹ نیویارک میں رات کی رونقوں کا علاقہ تھا۔ وہاں زندگی اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی جوبن پر آتی تھی ورنہ دن میں وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ ہر جگہ معمول کی کاروباری سرگرمیوں میں مصروف لوگوں میں ملے جلے تھوڑے بہت سیاح نظر آتے تھے جبکہ سورج ڈھلتے ہی وہاں کے راستوں پر کھوے سے کھوا چھلنے لگتا تھا۔

بدری ناتھ سے وقت طے کر لینے کے بعد مجھے بے چینی سے ڈک کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ اس طے شدہ ملاقات کے ہونے یا نہ ہونے کا تمام تر دارومدار اسی کی رپورٹوں پر تھا۔

بارہ بج کر دس منٹ پر بے جان ٹرانسسٹر بیدار ہو گیا۔ ڈک عرف چارلی کو معلوم تھا کہ میں اس کے پیغام کا منتظر رہوں گا۔ اس نے مجھ سے رابطے کی تصدیق چاہے بغیر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ اس نے گارہام ہوٹل کی خاصی ڈراؤنی منظر کشی کی تھی جس کی وجہ سے مجھے مجوزہ ملاقات اسی لمحے کھٹائی میں پڑتی نظر آنے لگی۔

گورہام ہوٹل پر سخت پہرا تھا۔ عملی طور پر وہ ایک عام سے ہوٹل کے بجائے کسی اہم دفتری عمارت میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ ہوٹل میں مشتبہ قسم کے سادہ پوش افراد کی سرگرم آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسی حالت میں وہ ہوٹل میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ بدری ناتھ ہوٹل ہی میں تھا یا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ابھی وہ اندر ہی ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ اسے ایک بجے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے میکڈانلڈز میں مجھ سے ملنا ہے۔ وہ گندمی رنگت کا ایک صحت مند ایشیائی ہے۔ تنگ پیشانی اور سفاک نگاہیں اس کی واضح پہچان ہیں۔ اسے دیکھتے ہی میرے یہ الفاظ تمہیں اچانک یاد آ جائیں گے.... اوور۔" میں نے اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔

"اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے میں اپنی ساری توجہ ہوٹل کی پارکنگ سے نکاس کے راستے پر مرکوز کر رہا ہوں۔ وہ اہم آدمی ہے تو گاڑی ہی میں ہوٹل سے نکلے گا.... اوور۔"

"اسے لمبا سفر درپیش ہے۔ وہ گاڑی ہی میں ہوگا' اوور اینڈ آل۔"

ہم مین ہٹن کے مرکزی علاقے سے کافی دور تھے مجھے بدری سے تنہائی میں ملنا تھا جب کہ ویرا اور مائیک کو گاڑی میں رکنا تھا۔ اپنی ان ضروریات کے تحت ہمارا بدری ناتھ سے پہلے اس علاقے میں موجود ہونا ضروری تھا۔ میں نے فوری طور پر روانگی کی تیاری کا بگل بجا دیا۔

... زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن وہ

تیار ہو کر نکلی تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بغیر آستین کے ڈھیلے ڈھالے سرخ بلاؤز اور کالی جینز میں اس کا شباب پھٹا پڑ رہا تھا۔ ہونٹوں پر بلاؤز سے ملتی ہوئی تیز سرخ لپ اسٹک کی تہ جمی ہوئی تھی جس میں کہیں کہیں شبنم کے قطروں جیسی نمی کے مقید ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ غنڈوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی کوئی معصوم سی اسکول گرل ہو جسے ضرورت سے زیادہ تیاری پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

"بدری ناتھ تمہیں اس حال میں دیکھ لے تو پٹ سے مر جائے گا اور بارودی بیلٹ صاف بچ جائے گی" اس پر نگاہ پڑتے ہی میں نے نکیلے لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ جا رہی ہوں اور مشرقی روایات کے مطابق تمہاری ذمے داری ہوں۔ مجھ سے جو کام چاہو' لے سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" اس نے مجھے لاجواب کر دیا۔

باہر مائیک گاڑی تیار کر چکا تھا۔ ہم دروازہ مقفل کر کے باہر نکل آئے۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ برابر کے لان پر میڈیلین مختصر لباس میں دھوپ تاپ رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے اٹھ کر ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی مگر میں انجان بنا رہا۔ ہم دونوں کار کی عقبی نشست پر بیٹھے اور گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

میں نے بارودی بیلٹ کا ڈبا کھول کر اس میں سے ریموٹ اور ریسیور نکال کر ویرا کے حوالے کر دیا۔ ٹرانسمٹر میری گود میں پڑا رہا۔ کوئنز ڈسٹرکٹ کی صاف ستھری اور کشادہ سڑکوں سے گزر کر دریا عبور کرتے ہوئے ہم تھوڑی ہی دیر میں مین ہٹن میں داخل ہو گئے۔

اچانک ٹرانسمٹر پر آواز آنے لگی "چارلی کالنگ ہیری.....وہ بالکل وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ سیاہ رنگ کی فورڈ مستانگ میں وہ ابھی اکیلا باہر نکلا ہے.... اس کے پیچھے ابھی تک کوئی گاڑی نہیں نکلی۔ میں بس چند لمحے اور دیکھوں گا' پھر اس کے پیچھے چل پڑوں گا....اوور!"

"گڈ چارلی!" کام شروع ہوتے ہی ہماری لاسلکی گفتگو نے باقاعدہ رخ اختیار کر لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم مستانگ کے پیچھے لگے رہو۔ وہ بہت چالاک حریف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں سے کوئی گاڑی اس کے ساتھ ہو لے۔ تمہیں یہ یقین کرنا ہے کہ وہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہیں کر رہا' اوور۔"

"وہ اسٹریٹ پچپن پر مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ براڈوے پر مڑتا ہے یا آگے نویں ایونیو پکڑتا ہے۔ ابھی تک کہیں سے کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں لگی ہے.....اوور۔"

ہمارے مقابلے میں بدری ناتھ مقررہ مقام سے قریب تر تھا۔ ایک بجنے میں کافی دیر تھی لیکن مائیک نے ڈک کی رپورٹ سنتے ہی رفتار بڑھا دی اور نیویارک کے

ترچھی ڈرائیونگ کر کے ٹریفک کی بھیڑ میں تیزی سے اپنا راستہ بنانے لگا۔

اس کی بے ہودہ ڈرائیونگ پر احتجاج کرتے ہوئے نیویارک کے کسی باسی نے گالی کے طور پر اپنا تیز ہارن بجایا تو مجھے بولنا پڑ گیا۔ "عجلت کی ضرورت نہیں' ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ اسے ایک بجے تک میرے انتظار میں وہاں رکنا ہی پڑے گا۔"

ڈک نے لائن مجھے اوور کر دی تھی مگر میں نے اسے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چند ثانیوں بعد اس نے اطلاع دی کہ بدری ناتھ براڈوے پر بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس وقت تک ہم بھی ٹائمز اسکوائر کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔

بدری ناتھ ہم سے پہلے اپنی گاڑی ایک جگہ پارک کر چکا تھا اور وہاں سے پیدل چل دیا تھا۔ اس موقع پر ڈک نے مجھ سے ہدایت لینی چاہی تو میں نے اسے گاڑی ہی میں رہنے کی ہدایت دے ڈالی۔ اس مقام پر گاڑی کھڑی کر کے بدری ناتھ میکڈانلڈ کے سوا کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

ایک موزوں مقام پر گاڑی روک کر مائیک نے مجھے اتارا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔ پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اسے دس پندرہ منٹ بعد وہیں موجود رہنا تھا۔

میں ریستوران میں داخل ہوا تو ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہال میں خال خال ہی میزیں آباد تھیں۔ ایک کونے میں بدری کی مشروب کا گلاس لیے اپنے گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

میں اسے دیکھ چکا تھا' اس نے بھی ہاتھ لہرا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں اس کی میز پر پہنچ گیا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ پچھلی تلخ کلامیوں کے بعد اس نے غیر معمولی گرم جوشی کا اظہار ضروری سمجھا تھا۔

میرے بیٹھتے ہی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کاؤنٹر پر گیا اور میرے لیے بھی پیپسی کا گلاس لے آیا۔ اس قسم کے فاسٹ فوڈ ریستورانوں میں عام طور پر کسی کو یہ پروا نہیں ہوتی کہ کس نے کیا کھایا پیا ہے لیکن کسی بھی میز پر قبضے کے اخلاقی جواز کے طور پر مہمانوں کے سامنے استعمال شدہ یا زیر استعمال کاغذی پیکنگ وغیرہ کی موجودگی بہتر تصور کی جاتی ہے۔ ہم دونوں کے سامنے ایک ایک گلاس کی موجودگی میں ریستوران کا کوئی باوردی ملازم ہمیں وہاں سیلف سروس کے نظام کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ خریدے بغیر کرسی پر قبضہ کرنے والے ریستوران کے عملے کی نظروں میں آجائیں تو عملے کا کوئی رکن نہایت اخلاق سے انہیں یاد دلاتا ہے کہ ریستوران میں سیلف سروس کا دستور ہے۔ جو کھانا ہے' کاؤنٹر پر پیسے دے کر خریدو اور پھر مزے سے دن بھر کرسی توڑتے رہو۔ اگر بالکل ہی کنگال ہو تو کرسی خالی کر کے باہر نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

بدری ناتھ کے لیے گیپ سب سے اہم مسئلہ تھا۔ اس کے واپس آتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں سے گیپ کی نقل پر مشتمل لفافہ نکال کر خاموشی سے اس کے حوالے کر دیا۔

"پانچوں کاغذ ہیں؟" اس نے وہ لفافہ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں اُڑستے ہوئے مسرت آمیز بے یقینی سے سوال کیا۔

"بیت الخلا میں جا کر اپنی تسلی کر لو اور وہیں یہ بیلٹ بھی لگا لینا" یہ کہتے ہوئے میں نے بارودی بیلٹ والا ڈبا بھی دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کی پتلون میں لگی ہوئی سیاہ بیلٹ کی چوڑائی بارودی بیلٹ سے کم نہیں تھی۔

اس نے سر کو تشکر آمیز انداز میں خم دے کر وہ ڈبا میرے ہاتھوں سے لے لیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ میری دی ہوئی بارودی بیلٹ جلد از جلد اپنی کمر پر کس لے جب کہ وہ گیپ کے نایاب کاغذوں کی نقل دیکھنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ ان دونوں کاموں کے بارے میں میری تجویز اس کے لیے اس قدر تحریص انگیز ثابت ہوئی کہ وہ' وہ بیلٹ کا ڈبا لے کر فوراً ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

"اپنی بیلٹ اسی ڈبے میں ڈال لینا۔ یہ بعد میں تمہارے کام آئے گی۔"

وہ ریستوران میں آویزاں رہنما علامات کو دیکھ کر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔

اس وقت تک ہر کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق ہوتا جا رہا تھا۔ میری آرزو تھی کہ اگلے چوبیس گھنٹے تک ستارے یوں ہی یاوری کرتے رہیں تو ہم پوری بے فکری کے ساتھ امریکا سے نکل سکیں گے۔

چند منٹ بعد بدری ناتھ نئی بیلٹ باندھ کر ڈبے سمیت واپس آ گیا۔

"شاندار.... مجھے اب بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا...." خود پر قابو پانے کے باوجود وہ اپنی خوشی کے بے ساختہ اظہار کو پوشیدہ نہ رکھ سکا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو میری دی ہوئی بیلٹ بہت زیادہ پسند آئی ہے؟"

"وہ بھی بہت نفیس اور عمدہ ہے۔ میں اس کی بے داغ دستی بناوٹ میں کہیں بھی کسی آلے کی موجودگی کا اندازہ نہیں کر سکا۔" اس نے پورے خلوص سے اعتراف کیا۔

"وہ بھی سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تمہاری خوشی کسی اور چیز کے بارے میں تھی؟"

وہ احمقانہ انداز میں ہنس پڑا "یوں انجان نہ بنو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ضرورت کیا ہے۔ پوری تحریر ناقابل فہم ہے مگر میں اس لیٹر ہیڈ کو پہچانتا ہوں۔ آج کل ایسے کاغذ ہر روز میری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ تم نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔"

"فکر مت کرو' میں جلد ہی تم سے اس احسان کی بھرپور قیمت وصول کر لوں گا" میں نے آنے والی ہلاکت کے بارے میں اسے مبہم سا اشارہ دیا۔

"میں اپنی پوری جان کے ساتھ حاضر ہوں" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں مسکرا کر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں اس کی پیشکش کو پہلے ہی شرفِ قبولیت بخش چکا تھا جس کی سند بارودی بیلٹ کی صورت میں اس کی کمر کے گرد کس چکی تھی۔ وہ چاہتا تب بھی اپنی پیشکش واپس نہیں لے سکتا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے مگر آج میں پہلی بار تم سے' تمہیں جانتے ہوئے مل رہا ہوں" اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "آج سے پہلے میں نے ہمیشہ تمہیں وہی سمجھا جو تم مجھے سمجھاتے رہے تھے۔ یہ میری کورچشمی تھی کہ میں شیر علی کے روپ میں چھپے ہوئے اصل شیر کو کل تک نہیں پہچان سکا۔ تم اجازت دو تو میں تم سے ایک اہم بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"تمہاری اس لمبی تمہید نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ جو کچھ کہنا ہے' جلدی سے کہہ ڈالو۔"

"پانچوں اصل کاغذوں سے دست بردار ہو کر تم ان کی منہ مانگی قیمت حاصل کر سکتے ہو...." ہماری باتیں اردو میں ہو رہی تھیں لیکن اس بار بدری ناتھ کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا "رقم' یہاں یا کہیں کی بھی مکمل شہریت اور غیر مشروط معافی۔ وہ تمہاری ہر شرط ماننے

کے لیے تیار رہیں۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ایک شعلہ سا لپک اٹھا' میری تیوریاں تن گئیں اور میں نے پھنکارتی ہوئی دھیمی آواز میں اس سے پوچھا "کیا تم نے انہیں بتادیا کہ وہ کاغذ میرے پاس ہیں؟"

"ن..... نہیں" میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر بدری ناتھ کے اوسان خطا ہوگئے "تمہارے بارے میں ان کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکی ہے۔ ان کی طرف سے مجھے ان کاغذات کے لیے کھلی سودے بازی کا مکمل اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ کاغذ جس کسی کے پاس موجود ہوں وہ مجھ سے اپنی شرائط پر سودا کرسکتا ہے۔ یہ ایک سودا میری آنے والی نسلوں کی زندگی سدھار دے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں پنہاں حسرت کا اندازہ کرکے میں نے ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم ابھی تک ان امریکی درندوں کو نہیں سمجھ پائے۔ وہ جانتے ہیں کہ عباس کرمانی سے تمہارا کوئی نہ کوئی رابطہ ضرور ہوگا۔ اس وقت کے لیے وہ تمہیں قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں۔ سودا تم کروگے' ضمانتیں تمہاری ہوں گی' پانچوں اصل کاغذ ہاتھ میں آتے ہی وہ بے رحمی سے تمہیں کاٹ ڈالیں گے اور سودے کے دوسرے فریق کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہاں کی کہانی یہیں کی مٹی میں دفن ہوجائے گی۔ کسی کو کوئی ڈالر ملے گا اور نہ معافی۔ میں تمہارے گرد پھیلائے جانے والے اس جال میں نہیں پھنسوں گا۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ....." اس نے مجھے میری بات یاد دلانی چاہی مگر میں نے ہاتھ اٹھا کر اُس کا فقرہ درمیان سے ہی کاٹ دیا۔

"مجھے اپنی کہی ہوئی ہر بات یاد رہتی ہے۔ تمہیں اس کی نشان دہی کی ضرورت نہیں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو میں وہ کاغذات تمہیں مفت دے دوں گا' ان کے پھیلائے ہوئے لالچ کے پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ یہی بات میں تمہیں بھی سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"تمہاری باتیں چشم کشا ہوتی ہیں۔ میرا تجربہ یہی بتاتا ہے۔ میں پھر سوچوں گا کہ مجھ سے کہاں بھول ہو رہی ہے۔ میں عزت اور دولت کے حصول کا خواہش مند ضرور ہوں لیکن ان دونوں چیزوں کے لیے اپنی جان کا سودا نہیں کرسکتا۔ زندگی بس ایک بار ملتی ہے' باقی ہر چیز کے لیے مواقع پیدا ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔"

میں اس احمق بھارتی کی نادانی پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اسے رائیں اپنے تجربے پر ناز تھا مگر وہ جب سے مجھ سے ٹکرایا تھا' قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے گیپ کی ایک بے وقعت نقل کے عوض مجھ سے اپنی جان کا سودا کرلیا تھا۔ اس نے جتنے شوق سے وہ کاغذ سنبھالے تھے' کم وبیش اسی شوق سے بارودی بیلٹ اپنی کمر پر باندھی تھی۔ اس کی ننھی سی کھوپڑی میں گیپ کی نقل پالینے کا ایسا گہرا سرور طاری ہوا تھا کہ وہ ہولناک دھماکا ہونے تک اس پُراسرار بیلٹ کے بارے میں کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"تمہارا سفر لمبا ہے۔ اب تم جاؤ" میں نے کہا "میری آواز تم نہیں سن سکوگے مگر تمہاری آواز میرے کانوں تک پہنچتی رہے گی۔ راستے میں مجھے کچھ نہ کچھ بتاتے رہنا۔ زندگی رہی تو واپسی پر باقی باتیں ہوں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے درمیان پیدا ہونے والا بغض اب ختم ہوچکا ہے۔"

"مجھے اجازت دو کہ میں ایک بار تمہیں تمہارے اصل نام سے مخاطب کرسکوں؟"

اس کی طفلانہ خواہش پر میں بردباری سے مسکرا کر رہ گیا "اپنی یہ آرزو بھی پوری کرلو۔ پتا نہیں فیئر فیکس سے تمہاری واپسی کب ہوتی ہے۔"

"ڈینی! میرے باپ' میرے بھائی!" وہ فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا "آج تم نے لفافہ دے کر میرا ایک بڑا ارمان پورا کیا ہے۔ ان کاغذوں کے لیے میں نے کئی دنوں سے منتیں مانی ہوئی تھیں۔ واپسی پر میں بنارس جاکر مندروں میں پنڈتوں اور پجاریوں کو دان دوں گا' دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بھینٹ دوں گا' وہی منش کی آشاؤں کو پورا کرنے والے ہیں اور وہی اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ میں ان....." اس کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ خاموش ہوگیا۔

جذبات میں مذہب کی اندھی عقیدت شامل ہوتے ہی بدری ناتھ نے دھڑا دھڑ ہندی الفاظ کا استعمال شروع کردیا تھا۔ جس طرح ڈیوڈ اسٹارز باہر سے نرم و مہربان نظر آنے کے باوجود اندر سے متعصب اور نسل پرست یہودی تھے' اسی طرح بدری ناتھ بھی جذبات کی دھار پر چھلنے کے بعد اندر سے کٹر ہندو نکلا تھا۔ اس کی خود غرضیوں اور تعصب پرستی کے قصے میں پہلے ہی سن چکا تھا۔

"پہلے میں جاتا ہوں' تم بعد میں نکلنا" مجھ سے ہاتھ ملا کر بدری ناتھ نے دونوں خالی گلاس اٹھا لیے اور انہیں ڈسٹ بن میں ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں خود بھی اس وقت بدری ناتھ کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں چند ثانیوں تک وہاں بدری ناتھ کی ان تشنہ آرزوؤں اور امیدوں کے بارے میں سوچتا رہا جنہیں دل میں لے کر اسے دنیا سے رخصت ہوجانا تھا۔

انسان جوانی میں اس دنیا سے کوچ کرے یا بڑھاپے میں داعیِ اجل کو لبیک کہے' ہوتا یہی ہے کہ ہمیشہ اور ہر انسان کی منصوبہ بندی اپنی طبعی عمر سے بس چند برس زیادہ کی ہوتی ہے اور یوں ہر مرنے والے کے بہت سے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے کہ بسترِ مرگ پر انسان اپنی حسرتوں کی نوحہ گری کرنے کے بجائے پورے صبر وسکون سے اپنی زندگی کا محاسبہ کرے

ہر کمزور لمحے کے لیے اپنے پروردگار سے معافی طلب کرتے ہوئے اپنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کردے۔

میں اپنے خیالوں کی دنیا کے ساتھ ہی میکڈانلڈ سے باہر نکل آیا۔ بدری کی بیلٹ جو بارودی بیلٹ کے ڈبے میں بند تھی' اب میری تحویل میں تھی کیونکہ رقت زدہ بدری ناتھ اسے اپنے ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ وہ وہاں خالی ہاتھ آیا تھا اور بے دھیانی میں خالی ہاتھ ہی واپس چل دیا تھا۔

اس سے میری گفتگو توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوئی تھی۔ مجھے مقررہ مقام پر چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مائیک گاڑی لے کر دوبارہ وہاں آیا اور میں پھرتی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے میرے ہاتھ میں موجود ڈبا لے کر لحہ بھر کے لیے تولا پھر تحیر زدہ آواز میں بولی "تم یہ بیلٹ واپس کیوں لے آئے؟ کیا پروگرام میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے؟"

"ہاں!" میں نے بے پروائی سے کہا "اسے شبہ ہوگیا تھا۔ اب راستے میں ہی اس کا کام تمام کرنا ہوگا۔"

"اس کے باوجود تم نے گیپ کی نقل اسے دے دی ہوگی؟" ویرا نے تلخی سے پوچھا۔

"یہ غلطی مجھ سے پہلے ہی سرزد ہو چکی تھی' معافی چاہتا ہوں۔"

"سارا موڈ غارت ہوگیا۔ چلے تھے سی آئی اے کے مرکز میں دھماکا کرنے اور اب بے وقوفوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھریں گے۔ مجھے تو امید تھی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بیلٹ اس کی کمر پر باندھ کر آؤ گے۔"

"اس کی جگہ کوئی خوب رولڑکی ہوتی تب بھی ایسی حرکت گھریا ہوٹل کے کمرے میں ہی کی جاسکتی تھی۔ میکڈانلڈ جیسے ریستوران میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔"

معاً سیٹ پر رکھے ہوئے ریسیور پر ایک پرانے بھارتی فلمی گانے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ویرا بھڑک کر مجھے گھورنے لگی۔ میں اسے نظرانداز کرکے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی کہ بارودی بیلٹ اپنی اصل جگہ پہنچ چکی تھی اور بدری ناتھ نے تنہائی کے احساس کو دور کرنے کے لیے گاڑی میں پرانے فلمی نغموں کا کوئی کیسٹ چلادیا تھا جس کی آواز بیلٹ میں پوشیدہ مائیکروفون کے ذریعے ریسیور تک پہنچ رہی تھی۔

اس نے جھلّا کر ڈبا کھولنے کے بجائے' بری طرح نوچ کر پھاڑ ڈالا اور اس میں سے برآمد ہونے والی بدری ناتھ کی بیلٹ کو پائیدان میں پھینک کر سینڈلوں سے مسلنے لگی۔

وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میں اس سے الگ تھلگ بیٹھا رہا۔ اسی اثنا میں ڈک کا پیغام آگیا۔

"وہ مسلسل مین ہٹن کے جنوبی حصے کی طرف جارہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہالینڈ ٹنل سے نیوجرسی میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ میری نظروں میں ہے' تم لوگ کہاں ہو؟ اوور!"

"گنجان ٹریفک میں اس پر نظر رکھو اور ہماری فکر مت کرو۔ آبادی سے نکلنے کے بعد اس سے فاصلہ بڑھالینا۔ کسی موقع پر ہم تمہیں اوورٹیک کرکے درمیان میں آجائیں گے' اوور اینڈ آل۔"

اس دوران میں میری نظر پسنجر سیٹ کے اگلے پائیدان میں رکھے ہوئے تھیلوں پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ گھر سے چلتے ہوئے وہ پائیدان بالکل خالی تھا۔

"یہ اگلے پائیدان میں کس چیز کے تھیلے رکھے ہوئے ہیں؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر دانستہ انگریزی میں سوال کیا۔

حسبِ توقع ویرا نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ فرض مائیک نے پورا کردیا۔ "راستہ طویل ہے' مس نے راستے میں کھانے پینے کے لیے کچھ سامان خریدا ہے۔"

"تو یہ تھیلے آگے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ ذرا بیئر کا ایک ڈبا مجھے دے دو۔"

گاڑی کی رفتار کم تھی اور بیئر کے ڈبوں کا تھیلا شاید سامنے ہی تھا۔ مائیک نے پیچھے مڑے بغیر بیئر کا ایک یخ بستہ کین میری طرف بڑھادیا۔

میں نے وہ کین ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ٹھنڈی ہے اس کی تاثیر بھی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ دو گھونٹ لیتے ہی تمہارا غصہ اس کے جھاگوں کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"میرے مقابلے میں تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ فیڈر میں بھر کر اسے چسنی سے پینا شروع کردو تاکہ تمہیں اپنے بچپن کا پورا یقین ہوسکے۔ اس پختہ عمر میں لاابالی لڑکوں جیسا مذاق تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

"میں بچپن میں ہوں نہ پچپن میں۔ واجبی سی عمر ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس مذاق سے محظوظ ہونے کے بجائے برا مان جاؤ گی۔ اب غصہ تھوک دو ورنہ سفر کے دوران میں ہی ہم دونوں آپس میں لڑلڑ کر فنا ہوجائیں گے۔ بدری ناتھ کی بیلٹ کا بٹن تم ہی کو دبانا ہے۔"

ویرا نے میرے ہاتھ سے کین لے کر بات ختم کردی۔ مائیک ہماری گفتگو سے بے خبر تھا لیکن طور طریقوں سے سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود اس نے درمیان میں کوئی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ اس نے شاید عقب نما آئینے میں ویرا کو کین لیتے دیکھا اور خاموشی سے میرے لیے دوسرا کین نکال دیا۔

کین کی سیل توڑتے ہی اندر سے جھاگوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ میں نے فوراً ہی ایک بڑا گھونٹ لے کر اس مسئلے کو وہیں ختم کردیا۔ چلتی گاڑی میں ایک گھونٹ لے کر لطف آگیا تھا۔

ہم ٹریفک کی رفتار کا ساتھ دیتے ہوئے نیویارک بلکہ مین ہٹن

سے نکل کر نیو جرسی کے علاقے میں داخل ہوئے جو بارونق ہونے کے باوجود مین ہٹن کی طرح پُر ہجوم نہیں تھا۔

اس وقت تک بارودی بیلٹ سے منسلک ریسیور پر مسلسل پرانے اور دل کی گہرائیوں کو چھو لینے والے منتخب نغمے سنائی دے رہے تھے۔ اچانک وہ آواز تھم گئی۔ شاید بدری ناتھ نے کیسٹ روک دیا تھا۔

"عجلت میں یہ پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا کہ تم کتنی دیر میں گھر پہنچو گے؟" ریسیور پر بدری ناتھ کی آواز سنائی دی "اگر تم پہنچ گئے ہو تو سن لو کہ میں تمہاری امانت کے ساتھ اب کسی بھی لمحے نیو جرسی کی حدود کو خیرباد کہہ دوں گا۔ کھلی ہوئی فری وے میرے سامنے ہے۔ بس دعا کرتے رہنا۔"

ریسیور پر دوبارہ فلمی نغمے گونجنے لگے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے کانٹے میں پھنسنے ہوئے شکار کو میری ہدایات یاد تھیں اور وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر ہر خطرے کو بھولا ہوا تھا۔

ہم بدری ناتھ کے راستے پر چلتے ہوئے نیو آرک کو پیچھے چھوڑ آئے مگر اس وقت بھی ہم ریاست نیو جرسی کی حدود میں سفر کر رہے تھے۔ ہم سے چند منٹ قبل روانہ ہونے والے بدری ناتھ نے ہمیں ریاست کی حدود سے نکلنے کی اطلاع دی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بہت تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا۔

"چارلی! اس وقت تمہاری رفتار اور پوزیشن کیا ہے.... اوور!" میں نے ٹرانسیٹر پر پوچھا۔

"ہم نیو جرسی اسٹیٹ کی حدود سے نکل کر روٹ پچانوے پر آچکے ہیں۔ اس کا دماغ خراب معلوم ہو رہا ہے۔ وہ گاڑی کو سو میل کی رفتار سے اڑائے لیے جا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کسی حادثے سے دوچار نہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہوا تب بھی کہیں نہ کہیں اس کا چالان ضرور ہوگا اور اسے ٹکٹ تھما دیا جائے گا.... اوور۔"

"تم سنبھل کر سفر کرو۔ چالیس پچاس میل کے فاصلے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی آخری منزل ہمیں معلوم ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

فری وے سے دور نظر آنے والی آبادیاں یکے بعد دیگرے تیزی سے گزرتی رہیں۔ بدری ناتھ کی رفتار کا ذکر سن کر مائیک نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ فلاڈلفیا اور میری لینڈ کے درمیان ہم اک سے آگے نکل گئے۔ اس کے برابر سے گزرتے ہوئے ہم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی لیکن آگے فورڈ مستانگ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

ریسیور پر سنائی دینے والے گانوں سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت تک بدری ناتھ کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر محو سفر تھا اور ہماری دسترس میں تھا۔

فری وے پر راستے میں کئی جگہ مسافروں کی سہولت کے لیے سروس ایریاز نظر آئے جہاں گیسولین اور ڈیزل سے لے کر کھانے پینے کی ہر سہولت موجود تھی لیکن ہمارے پاس اشیائے خورونوش کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے تقریباً ۵ گھنٹے بعد واشنگٹن ڈی سی تک پہنچ گئے۔

یہاں مائیک نے اپنی معلومات کے اظہار کو ناگزیر تصور کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ نول ووڈ سے ذرا آگے ایک جنکشن پر پچانوے نمبر فری وے ایک رنگ روڈ میں مدغم ہو گئی تھی۔ یہ سڑک تقریباً دائرے کی صورت میں امریکی دارالخلافہ کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔

مائیک نے سفر جاری رکھنے کے لیے گاڑی بائیں سمت میں ڈال دی اور ہم واشنگٹن کے مشرقی مضافات سے گزرنے لگے۔ سرسبز اور آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے ہم اسپرنگ فیلڈ کے مقام پر ایک جنکشن سے دوبارہ فری وے پر آگئے۔

"چارلی کالنگ.... مستانگ کی طرح تم لوگ بھی بہت تیزی کے ساتھ میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہو۔ میں اتنی تیز رفتاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتا مگر میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں.... اوور۔"

"اسے احتیاط کے طور پر بلایا گیا تھا۔" مائیک نے پہلی مرتبہ مشورہ دینے کے لیے زبان کھولی "اب تک سب کچھ ٹھیک ہے۔ پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ہدف ہر وقت ہماری زد میں ہے۔ اس کی پوزیشن لے کر اسے راستے میں ہی کہیں روک دو۔ اسے بلاوجہ آخر تک دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"مائیک ٹھیک کہہ رہا ہے۔ واپسی پر ہم اسے اپنے ساتھ لے لیں گے۔" ویرا نے اس کی تائید کی۔

"اس وقت تم کہاں ہو؟" "اوور!" میں نے اپریٹس پر ڈک سے سوال کیا۔

"میں پینٹسورس جنکشن پر پہنچنے والا ہوں۔ وہاں سے ہائی رچ بہت قریب ہے۔ اوور۔"

"تم فری وے سے اتر کر وہیں کہیں رک جاؤ۔ واپسی پر ہم تمہیں ساتھ لے لیں گے۔ اوور۔"

"اوہ نو۔" ڈک کی احتجاجی آواز ابھری "میں سست روی سے کام نہیں لے رہا۔ بس رفتار کی حد کی پابندی کر رہا ہوں۔ مجھے ایسی سزا نہ سناؤ.... اوور۔"

"یہ سزا نہیں ہے چارلی!" میں نے کہا "ایک آدمی کے لیے صرف ہم ہی کافی ہیں۔ تمہیں جس مقصد کے لیے لائے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔ وہ اکیلا ہے اس نے ہمارے ساتھ کوئی چال بازی نہیں کی۔ تمہاری اس تصدیق کے بعد تمہارا کام پورا ہو چکا ہے۔ اوور!"

"او کے ہیری۔" اس کی پژمردہ آواز سنائی دی "جو تمہاری مرضی۔ گڈ لک! اوور اینڈ آل۔"

نیو یارک سے بدری ناتھ کے تعاقب میں روانہ ہوتے ہوئے

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا وہ سفر اتنا طویل اور اکتا دینے والا ثابت ہوگا۔ ہم آپس میں باتیں کرتے کرتے اکتا گئے تھے لیکن وہ سفر ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

آخر کار ریسیور پر بدری ناتھ کا پیغام آیا۔ وہ اپنی منزل سے بس چند منٹ کی مسافت پر تھا۔ میں نے وہ خبر سن کر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔

"ہم اس سے بہت قریب ہیں۔ میری رائے میں مزید آگے بڑھنا بے سود بلکہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے وہ پیغام سنتے ہی مشورہ دیا "جو کچھ کرنا ہے، ہمیں دور ہی سے کرنا ہے۔ اس کے لیے ہم یہیں کہیں ڈیرا ڈال سکتے ہیں۔"

"گاڑی کی رفتار کم کرلو اور کسی ایگزٹ کا خیال رکھو۔" میں نے ویرا کی تجویز پر غور کرتے ہوئے مائیک کو ہدایت کی۔ اس نے فوراً ہی رفتار بتدریج کم کرنی شروع کردی۔

"آگے ایک ایگزٹ آنے والا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، اس پر فری وے کے بائیں جانب لیڈی اسمتھ نامی ایک قصبہ ہے۔ ہم وہیں کسی چھوٹے موٹے موٹل میں رک سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

ہمارے اس طویل سفر کا مقصد بدری ناتھ اور اس کے چند آقاؤں کے خاتمے کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ یہ کام بھی دور رہ کر کرنا تھا۔ اگر واپسی کے سفر میں پولیس کی کوئی گشتی پارٹی ہمیں راستے میں روک کر ذرا بھی باز پرس کرتی تو ہم یہ بتانے سے قاصر ہوتے کہ ہم کہاں سے واپس لوٹ رہے تھے۔

ایسی ہی صورتِ حال کسی چھوٹے قصبے میں داخل ہونے پر رونما ہو سکتی تھی۔ قصبات میں آنے والوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ ہر نیا آنے والا غیر ضروری طور پر مقامیوں کی نظروں میں آجاتا ہے اور پھر وہاں کی پولیس بھی مستعدی دکھانے پر تل جاتی ہے۔ میں اس موقع پر کہیں بھی قانون کے محافظوں سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کا آخری پیغام بہت واضح آواز کے ساتھ موصول ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جس رینج کے لیے ریسیور کارآمد تھا اسی فاصلے تک ریموٹ کو بھی کام کرنا چاہیے تھا۔ ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا کہ ہمیں غیر ضروری طور پر جائے واردات سے قریب تر ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے مگر لیڈی اسمتھ کے بارے میں مائیک کی تجویز خطرناک تھی۔

"ہمیں کسی آبادی میں جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے سروس ایریا میں رکنا چاہیے۔" میں نے سوچتے ہوئے فیصلہ صادر کیا "وہاں ہم کسی کی غیر معمولی توجہ کا مرکز نہیں بن سکیں گے۔"

"سروس ایریا بھی قریب ہی ہونا چاہیے۔ میں نے ابھی ابھی اس کا پہلا سائن دیکھا تھا۔"

"ادھر نہیں ... [illegible]

ہی ہم تیزی سے نیویارک کی طرف واپس روانہ ہو سکیں۔" میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا کر کہا۔

اس وقت ریسیور پر گہرا سکوت طاری تھا۔ اس پر سنائی دینے والے گانوں کا سلسلہ کافی دیر پہلے ختم ہو چکا تھا۔ ہر اچھی چیز کی طرح اچھے گانے کی بھی ایک حد تھی جو بدری ناتھ کے لیے شاید پوری ہو چکی تھی اور اس نے کیسٹ بند کردیا تھا۔

فری وے کے کنارے کھمبوں پر لگی ہوئی علامات کے مطابق ایک سو سواں جنکشن بہت قریب آچکا تھا۔ مائیک نے رفتار کم کر کے گاڑی کو انتہائی بائیں ٹریک پر لے لیا تھا۔

فری وے کے چھٹتے ہی مائیک نے گاڑی نیچے اتارلی اور پھر آٹھ کے انگریزی ہندسے کی صورت میں ایک طویل چکر کاٹ کر اسی جنکشن کے دوسرے حصے سے دوبارہ فری وے پر آگیا۔ اس بار کار کا رخ رچمنڈ کے بجائے نیویارک کی طرف ہو چکا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ میں نے آواز بڑھا دی۔ الفاظ واضح ہونے پر اندازہ ہوا کہ وہ ٹھیٹ ہندی میں اپنے کچھ اشلوک یا منتر جنتر پڑھ رہا تھا۔ غالباً وہ کسی بھی لمحے سی آئی اے کے مرکز میں داخل ہونے والا تھا۔

"آپ کی شناخت سر!" امریکی لب و لہجے میں ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

خاموشی کے وقفے کے بعد اسی آواز نے او کے کہا۔ بدری ناتھ ابتدائی شناخت کے مرحلے سے گزر کر اپنے مطلوب احاطے میں داخل ہو چکا تھا۔

خاموشی کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ اس سے پہلے گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ بدری ناتھ ہمارے ہدف کی طرف چل پڑا تھا۔

"ہائے بدری!" اچانک ریسیور پر ایک پُرجوش آواز سنائی دی "تم چور کی طرح اطلاع دیے بغیر یہاں کیسے آگئے؟" وہ اس کا کوئی شناسا سا تھا۔ پھر مزید کئی آوازیں شامل ہو گئیں۔ عمارت میں بدری کی آمد کی خبر بہت تیزی سے پھیلی تھی۔

وہ سب اس سے خیر خیریت معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ نیویارک سے اچانک یہاں کیوں آپہنچا تھا۔ بدری نے انہیں صرف اتنا بتایا کہ ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے ڈائریکٹر سے ملنے کے لیے وہاں پہنچا تھا۔

اس وقت تک عباس کرمانی سی آئی اے والوں کے لیے ایک سلگتا ہوا موضوع تھا۔ ایک آدمی بدری ناتھ سے اس بارے میں کریدتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ ان دونوں کی آوازیں پورے تسلسل کے ساتھ سنائی دے رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے سروس ایریا کا پہلا نشان نظر آتے ہی ویرا نے ٹی این ٹی بیلٹ کا ریموٹ اپنے ہاتھ میں اٹھالیا۔ اس کی ... آوازوں میں الجھ رہی تھیں۔

بدری ناتھ کے ساتھی کی آواز غائب ہو گئی۔ چند لمحوں تک بدری ناتھ کے قدموں کی آواز آتی رہی پھر وہ بھی معدوم ہو گئی۔ ریسیور پر اعصاب شکن خاموشی طاری ہو گئی۔

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ شاید بدری قالین سے آراستہ کسی راہداری میں بے آواز قدموں سے چلتا رہا تھا۔ دستک کے جواب میں دور سے یا شاید کسی بند کمرے سے کم اِن کی نرم مگر باوقار آواز آئی۔

اگلے لمحات میں کم از کم تین ملی جلی، تحیر زدہ مردانہ آوازوں نے بڑے تپاک سے بدری ناتھ کا استقبال کیا تھا۔ اس سے پھر وہی سوال دہرائے گئے جنہیں وہ باہر ٹالتا رہا تھا۔

مجھے بدری ناتھ کے جواب سے ہی اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس وقت کن لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ ویرا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی، مائیک کے کان بھی ہماری طرف لگے ہوئے تھے۔

"سر! میں اصل کاغذوں تک نہیں پہنچ سکا لیکن آپ کے لیے گیپ کی نقل لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" بدری ناتھ نے شاید اپنی جیب سے لفافہ نکال کر اپنے ڈائریکٹر کو جواب دیا تھا۔

"اوہ! بدری، یو آر گریٹ۔ تم واقعی ہمارے لیے ونڈر بوائے ثابت ہو رہے ہو۔ تمہاری کامیابیاں ہم سب کے لیے قابلِ رشک ہیں۔" وہ تین مختلف آوازوں میں بیک وقت کیے جانے والے تحیر زدہ تبصرے تھے جو بدری ناتھ کا جواب سن کر یا میرا بھیجا ہوا لفافہ دیکھ کر ادا کیے گئے تھے۔

بدری ناتھ دُھن کا پکا تھا۔ وہ اپنی صحیح منزل پر پہنچ چکا تھا۔ ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی ایک انگلی ریموٹ کے آپریٹنگ بٹن پر نرمی سے ٹک چکی تھی۔

"فائر!" میں نے سرد اور گمبھیر آواز میں ویرا کو حکم دیا۔

ویرا نے بٹن دبا دیا۔ ریسیور پر دھماکے کی بہت مختصر اور ادھوری آواز آئی پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ ویرا نے ریموٹ نیچے پھینک کر میری طرف ہاتھ بڑھا دیا جسے میں نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ ہماری بے مثال کامیابی تھی۔

"براوو!" مائیک خوشی سے بے قابو ہو کر چلّا اٹھا "چیف، تم واقعی کرتبی آدمی ہو۔"

"دھیان سے گاڑی چلاؤ۔" میں نے سروس ایریا کے اشارے کے آثار دیکھ کر اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا "کام ہو چکا ہے۔ اب ہم یہاں نہیں رکیں گے۔ واشنگٹن سے آگے کہیں تھوڑا سا آرام کریں گے۔ اس وقت تک لینگلے روڈ کی خبریں بھی ٹیلی وژن پر آنے لگیں گی۔"

میں نے ٹرانسمٹر پر رابطہ کر کے ڈک کو اس کامیابی کی اطلاع دینے کی کوشش کی مگر کئی بار کی ناکامی کے بعد ارادہ ترک کر دیا۔ ہمارے درمیان اس اپریٹس کی رینج سے زیادہ فاصلہ حائل تھا۔

"اسے چورا چورا کر دو۔" میں نے ویرا کے پائیدان میں پڑے ہوئے ریموٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا اور خود ریسیور کو نیچے ڈال کر جوتے کی ایڑی سے کچلنا شروع کر دیا۔

کام پورا ہو جانے کے بعد وہ دونوں آلات ہمارے لیے بالکل بے کار ہو چکے تھے۔ میں نے ان کے ٹکڑے پلاسٹک کے ایک تھیلے میں سمیٹ کر جمع کر لیے۔ ویرا نے پائیدان پر سے اس کارروائی کی ہر نشانی صاف کرنے کی پوری کوششوں میں میرا ساتھ دیا تھا۔

وہ امریکا کی مشرقی ریاستوں کی ایک اہم اور مصروف شاہراہ تھی۔ ہلکی اور بھاری گاڑیوں کے تیز رفتار مگر منظم ہجوم میں ہماری واپسی کا سفر جاری رہا۔ مائیک نے دھیمی آواز میں گاڑی کا ریڈیو کھول دیا تھا تاکہ ہم اس ذریعے سے آنے والی خبروں سے آگاہ رہ سکیں۔

"چیف!" مہم کے تمام مراحل میں خاموش رہنے کے بعد مائیک کی زبان کی خارش اسے دوبارہ ستانے لگی "آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں بدری کے ساتھ کم از کم تین آدمی اور بھی تھے۔"

"کم از کم وہ چاروں تو مارے ہی گئے ہیں۔" میرے بجائے ویرا بول پڑی "دیکھنا ہوگا کہ ان کے ساتھ زخمی ہونے والوں کی کیا تعداد ہے۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" مائیک پھر بولا۔ "ہمارے ریسیور پر دھماکے کی آواز اتنی ہلکی اور مختصر کیوں سنائی دی تھی؟"

"ضروری نہیں کہ ہر بات ہر آدمی کی سمجھ میں آسکے۔" میں نے اس سے کہا "پھر بھی میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ ایک ننھا سا ریسیور تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دھماکے کے طاقت ور سگنل سے اس کا اسپیکر ہی پھٹ گیا ہو۔ دھماکے کی ادھوری آواز کا دوسرا سبب یہ تھا کہ دھماکا ہوتے وقت مائیکروفون ٹھیک تھا۔ اس نے ابتدائی آواز نشر کی مگر دھماکے کے اثر سے وہ بھی برباد ہو گیا اور ریسیور خاموش ہو گیا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ فوری طور پر وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔" مائیک نے فخریہ لہجے میں کہا "وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ بدری اپنی مرضی سے ایک تباہ کن بارودی بیلٹ ان تک لایا ہوگا جسے ریموٹ کنٹرول سے اُڑایا گیا ہے۔ چند روز کے لیے سب چکرا کر رہ جائیں گے۔"

"فی الحال زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعا کرو کہ ہم خیریت سے نیویارک پہنچ جائیں۔ بعض اتفاقی واقعات بھی کبھی کبھی انسان کی بدقسمتی کا سبب بن جاتے ہیں۔"

"خدا نے چاہا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" وہ ہڑبڑا کر بول

پڑا "انسان کو مشکل حالات میں بھی اچھی امیدیں رکھنی چاہئیں۔ ہم تو بہت بہتر پوزیشن میں ہیں۔"

واشنگٹن کے رنگ روڈ پر مائیک اس بار مغربی سمت سے اس شہر کا طواف مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اسے سختی سے منع کردیا۔ اس وقت میں نئے راستے پر سفر کر کے کوئی بھی غیر متوقع خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ ویسے بھی امریکا کا صدارتی شہر اور دارالخلافہ تھا۔ سی آئی اے کے مرکز میں ہونے والے تباہ کن دھماکے کی خبر کہیں اور پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو' اس شہر میں ضرور پہنچ جانی چاہیے تھی۔ اس کے نتیجے میں پولیس کے گشت اور سختیوں میں اضافے کا ہر امکان بہت واضح تھا۔

رنگ روڈ کے وسطی حصے میں میرے اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔ سڑک کے وسیع حصے پر مسلح پولیس والوں کا راج تھا۔ انہوں نے رکاوٹیں کھڑی کر کے سڑک کی چوڑائی اس طرح بلاک کر دی تھی کہ تمام گاڑیاں ایک قطار میں آگے بڑھ رہی تھیں۔

تیز رفتار ٹریفک میں ڈالی جانے والی اس رکاوٹ کی وجہ سے رنگ روڈ پر گاڑیوں کی قطار تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ سڑک پر موجود ہر پولیس والا تلاشی کے فرائض انجام نہیں دے رہا تھا۔ وہ صرف ٹریفک کی متعدد قطاروں کو ترتیب کے ساتھ ایک لائن میں لارہے تھے۔ تلاشی لینے یا نہ لینے کا فیصلہ ایک مخصوص مقام پر کھڑے ہوئے دو تجربے کار افسران کر رہے تھے۔ انہوں نے رکاوٹوں سے آگے متعدد گاڑیوں کو تفصیلی جانچ پڑتال اور تلاشی کے لیے روکا ہوا تھا۔

وہ شاید ہماری مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔ مجھے عقابی نظروں والے وہ دونوں پولیس افسران دور ہی سے خطرناک نظر آرہے تھے۔ اگر وہ ہمیں روک لیتے تو ہمارے پاس تین ایسی مشتبہ چیزیں موجود تھیں جن کے بارے میں جواب دہی تقریباً ناممکن تھی۔

پگھلے ہوئے ریسیور اور ریموٹ کے جملہ لوازم ایک تھیلی میں پڑے ہوئے تھے۔ ٹرانسمٹر کو میں نے نشست اور پشت گاہ کے نچلے جوڑ میں گھسا دیا تھا۔ تلاشی کی صورت میں ٹرانسمٹر کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس وقت ڈک بھی وہاں سے دور نہیں تھا اور وہ بھی ایسے ٹرانسمٹر سے لیس تھا۔

خطرے کو بھانپ کر میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں اور وہ اپنا سر پیچھے ٹکا کر یوں پھیل گئی جیسے تھکن یا علالت کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہو رہی ہو۔ اس مشکل وقت میں مائیک کی چرب زبانی رخصت ہو چکی تھی۔ وہ زبان ہلائے بغیر گاڑی کو قطار میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہا تھا۔

گاڑیاں ان دونوں کے سامنے سے رینگتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ خدا خدا کر کے ہماری باری آئی۔ دونوں طرف سے جھکے ہوئے پتھریلے چہروں اور بے رحم آنکھوں نے اندر کا جائزہ لیا۔ ویرا نے آنکھیں موند کر ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا تھا۔

جتنی دیر ہم ان دونوں کی عقابی نگاہوں کی زد میں رہے' میرا خون خشک ہوتا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک ایشیائی مرد اور امریکی لڑکی یا ڈینی اور ویرا کی مساوات چکرا رہی تھی لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم ان کی نگاہوں کے سامنے سے سرخرو ہو کر گزر گئے۔

ٹریفک کی روانی میں شامل ہوتے ہوئے مائیک بول پڑا "بیمار عورت پولیس والوں سمیت ہر امریکی کی کمزوری ہوتی ہے۔ ہمیں اسی حربے نے موذیوں سے بچایا ہے۔"

"تم واقعی بیمار لگ رہی تھیں۔ خوف کی وجہ سے تمہارا چہرہ تک زرد پڑ گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں واقعی پریشان تھی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کے ذہن میں لمحہ بھر کے لیے بھی ویرا یا ڈینی کا نام آجاتا تو ہماری گاڑی روک لی جاتی۔ پتا نہیں تم ٹوٹے ہوئے پرزوں کی تھیلی اب تک کیوں لیے بیٹھے ہو۔ اسے کہیں بھی پھینک کر قصہ پاک کرو۔"

"ہم یہاں سے نکل جائیں پھر اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیں گے۔ ایسی چیزوں کا بے احتیاطی سے تلف کرنا بعض اوقات گلے پڑ جاتا ہے۔"

میں نے ٹرانسمٹر اٹھا کر ایک مرتبہ پھر ڈک کے لیے پیغام نشر کیا۔ اس کی طرف سے فوراً ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ کسی شہر کے بجائے اس وقت ہائی رج سے آگے نیویارک جانے والے ٹریک کے ریسٹ ایریا میں رکا ہوا ہے۔

ہمارے لیے بھی وہ مقام بہتر تھا۔ اسے وہیں رکنے کی ہدایت کر کے میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

بدری ناتھ کے بارے میں اس نے کچھ پوچھا نہ میں نے بتایا۔

ڈک والے ریسٹ ایریا میں' میں نے خالی ڈبوں اور تھیلیوں کے ساتھ پگھلے ہوئے پرزوں کی تھیلی بھی ڈسٹ بن میں ڈال دی۔ کچھ دیر تک وہاں قیام کے بعد ہم نے تھوڑے سے فاصلے سے واپسی کا بقیہ سفر طے کرنا شروع کردیا۔ اس بار ڈک کی گاڑی ہم سے آگے تھی۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ کافی وقت گزر جانے کے باوجود ریڈیو سے اس واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔

○☆○

سات بجے سے ہمارے کمرے میں ریڈیو بھی آن تھا اور ٹیلی وژن بھی چل رہا تھا مگر کہیں سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ ویرا نے گھر پہنچتے ہی معلومات کے ان دونوں ذرائع کو بیک وقت فعال کرنے کے بعد غسل خانے کا رخ اختیار کیا تھا اور اب منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

امریکا جیسے ملک میں کسی بڑی خبر کو تین چار گھنٹوں تک یوں چھپائے رکھنا میرے لیے حیران کن تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے تھے۔

آخر کار سوا آٹھ بجے بلیک ڈیڈ کا فون آگیا "ڈک سے مجھے معلوم ہوگیا کہ تم میری طرف سے ایک اور مبارک باد کے حق دار بن چکے ہو لیکن فیئر فیکس والے خاموش کیوں ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ میں خود اس بارے میں فکر مند ہوں۔"

"ریسیور پر دھماکے کی ہلکی سی آواز تم نے اپنے کانوں سے سنی تھی؟"

"اس وقت روزی سمیت مائیک بھی میرے ساتھ گاڑی میں موجود تھا۔"

ٹیلی وژن اسکرین پر معمول کی نشریات چل رہی تھیں۔ بلیک ڈیڈ کی اشتباہ آمیز تفتیش کا سامنا کرتے ہوئے بھی میری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔ اچانک وہ سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسکرین پر اسپیشل نیوز بلیٹن کی سلائیڈ چھاگئی۔

"سنو ڈیڈ... ٹیلی وژن اسکرین پر کوئی خاص خبر آنے والی ہے۔" میں نے وہ خبر فوراً ہی اس تک پہنچا دی تاکہ ہماری کامیابی کے بارے میں اس کے شبہات دور ہوسکیں۔

"میرے کمرے میں ٹیلی وژن نہیں ہے۔ ذرا آواز بڑھا دو۔ میں فون پر ہی خبر سن لوں گا۔"

میں نے ویرا کو آواز بڑھانے کا اشارہ کیا اور اپنا رخ بدل لیا تاکہ ٹیلی وژن کی آواز براہِ راست ماؤتھ پیس میں پہنچ سکے۔ اسکرین پر اناؤنسر کا چہرہ نمودار ہوچکا تھا۔

اناؤنسر کے سیاہ لباس اور ستے ہوئے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے پاس اپنے ناظرین کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

خبر وہی تھی جس کا ہم سب کو شدت سے انتظار تھا۔ فیئر فیکس میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے دفتر میں ہونے والے ایک طاقت در... بارودی دھماکے میں ڈائریکٹر سمیت تین امریکن اور ایک بھارتی کی ہلاکت ہوئی تھی۔ مرنے والوں میں بقیہ دو سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھے۔ بدری ناتھ نامی چوتھا شخص انڈین ٹرینی تھا جو خاص مہم پر کام کر رہا تھا۔

خبر میں دھماکے کی نوعیت اور دوسری تفصیلات سے گریز کیا گیا تھا۔ امریکی قوم کو صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ امریکا کے مشرقی معیاری وقت کے مطابق تین بج کر چالیس منٹ پر وہ تباہی نازل ہوئی تھی۔ اس خبر میں عمارت کو پہنچنے والے نقصان یا زخمیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ خبرنامہ جائے واردات کی فلم رپورٹ سے یکسر عاری تھا۔

"مبارک ہو۔ خبر آہی گئی۔ فلم میں وہ منظر کیسا لگ رہا تھا؟" بلیک ڈیڈ نے پوچھا۔

"فلم نہیں دکھائی گئی۔ یہاں بھی ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چینل بدلتے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے تفصیلی خبر آہی جائے گی۔ معاملہ سی آئی اے کا ہے اس لیے ہر ایک محتاط رہ کر زبان کھولے گا۔"

"اس کامیابی کے بعد میں امریکا میں رکنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ یہ یاد رکھنا کہ کل میں ہر صورت میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"میری دلی خواہش ہے کہ تم کچھ دن اور یہاں رہو۔ اب تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ خاموشی سے روپوش رہو اور اپنے دشمنوں کو دنیا بھر کی خاک چھاننے دو۔ یہ گرد دب جائے تو اطمینان سے اپنے وطن روانہ ہو جانا۔ تم کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ خالی بیٹھنا میری فطرت کے خلاف ہے۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ کہ ابھی سی آئی اے والے بدحواس ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان کے گڑھ میں یہ سب کیسے ہوگیا۔ ایک دو روز میں بارودی ماہرین کی رپورٹیں آئیں گی تو بہت کچھ کھل جائے گا۔ میں ان لوگوں کے ہوش میں آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نگاہیں مجھ سے کہیں دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ اپنے فیصلے تم خود ہی کرسکتے ہو۔"

بلیک ڈیڈ اپنی عام زندگی میں جس قدر تند خو اور منہ پھٹ مشہور تھا، ہمارے ساتھ دوستی کے بعد اسی قدر لحاظ و مرّوت سے پیش آتا رہا تھا۔ میری زبان سے روانگی کا پختہ پروگرام سن کر وہ بجھ سا گیا اور پھر جذباتی ہونے لگا۔

اس جیسے شخص کا کسی کے لیے یوں آزردہ ہونا بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں اسے دلاسے دیتا رہا۔ وہ اس وقت تک اپنی کامیابیوں کے خمار میں مبتلا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میری مدد سے اس نے نیویارک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنی عظیم الشان سلطنت کی داغ بیل ڈال دی ہے جس پر کوئی ٹیڑھی نگاہ نہیں ڈال سکے گا۔

وہ آنے والے دنوں کے ان خطرات سے بالکل بے خبر تھا جو مجھے اس وقت بھی صاف نظر آرہے تھے۔ وہ قانون کی زد سے اسی وقت تک محفوظ تھا جب تک میرا یا ویرا کا نام سامنے نہیں آتا تھا۔ جس دن یہ بات ثابت ہوجاتی کہ اس نے ہمیں نیویارک میں پناہ دی ہوئی تھی، اس کے سارے سنہرے خواب چکنا چور ہونے شروع ہوجاتے۔ اس انجام کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

فورٹ ہاؤس کی دو لاشوں پر لیزر گن کے استعمال کی بات ثابت ہوچکی تھی۔ جب فیئر فیکس میں ٹی این ٹی بیلٹ کے استعمال کا انکشاف ہوتا تو بلیک ڈیڈ کے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہوجاتیں۔ وہ مستقبل کے اندیشے تھے۔ میں نے ان کا ذکر چھیڑ کر اس کی خوش فہمیوں پر اوس ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے ویرا سے بھی بات

کی۔ اپنے شہر بلکہ ملک سے ہمیں الوداع کہنے کے لیے اس نے صبح اپنی آمد کا ارادہ ظاہر کیا تو ویرا نے اسے خوب صورتی سے ٹال دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی آمد ہمارے لیے کسی آسانی کے بجائے مسائل کا سبب بن جائے گی۔

مائیک کو بھی کسی طرح ہماری روانگی کی بھنک مل چکی تھی۔ بلیک ڈیڈ سے گفتگو ختم ہوتے ہی وہ ہمارے لیے اسکاچ کی نئی بوتل دوسری چیزوں کے ساتھ لے آیا۔

میری ہدایت پر دو کے بجائے تین گلاس بناتے ہوئے مائیک کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”کیا تم واقعی کل یہاں سے جا رہے ہو؟“

”حیرت ہے۔ ہماری نشستیں تو تم ہی کنفرم کرا کے لائے تھے۔“ میں نے کہا۔

”میں نے سنا تھا کہ باس تم دونوں کو روک لے گا۔“ وہ اداس ہو کر بولا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں دلدل میں بھاگ رہے ہیں۔ ابھی تک قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ ہم یہاں رکے رہے تو ایک دن اچانک گردن تک دلدل میں غرق ہو جائیں گے اور کہیں نہیں بھاگ سکیں گے۔ بہتر ہے کہ وہ برا وقت آنے سے پہلے ہم خاموشی سے نکل جائیں۔ یہ بات تمہارے باس کی سمجھ میں بھی آگئی ہے۔ ہم سب کی بہتری اسی فیصلے میں مضمر ہے۔“

”یہ شہر ویران ہو جائے گا۔ باس تنہا رہ جائے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں اسے کسی کے ساتھ اتنا بے تکلف اور مہربان نہیں دیکھا جتنا وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

”بے کار باتیں ہیں.... یہ دیکھو کہ دنیا میں کیسے کیسے لوگ مرجاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ان کے بغیر زندگی کا پہیا چل سکے گا۔ وہ مرجاتے ہیں، چند روز کے رونے پیٹنے کے بعد زندگی اپنی ساری رونقوں کے ساتھ رواں دواں ہو جاتی ہے۔“

مرنے والوں کی مثال پر وہ لاجواب ہو گیا ”تمہاری بات ٹھیک ہے مگر بہت سے مرنے والوں کو لوگ زندگی بھر نہیں بھول پاتے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر دیکھ لیا ہے۔ تم دونوں جیسے بامروّت لوگ میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔“

وہ ہمارے ساتھ بیٹھا مے نوشی کرتا اور ہمارے گن گاتا رہا۔ دوالارج پیگ معدے میں اترنے کے بعد یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہماری روانگی کے غم میں کسی بھی لمحے رونا شروع کر دے گا۔ میں نے فوراً ہی اسے کھانا لگانے کی ہدایت کے ساتھ کمرے سے اٹھا دیا۔

”سب سے روانگی کے موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں تو جینی سے بھی بات کر لو۔“ میں نے ایک مرتبہ پھر اسے یاد دلایا ”اس نے ہر مرحلے پر تمہارا بہت ساتھ دیا ہے۔“

”تمہاری زبان سے اس کا ذکر سن کر مجھے چڑ سی ہونے لگی ہے۔“ ویرا منہ بنا کے بولی۔

”اس وقت میں پوری طرح سنجیدہ ہوں۔ میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ بس تم اپنا اخلاقی فرض پورا کر لو۔ دنیا بہت مختصر ہو کر رہ گئی ہے۔ پتا نہیں تمہیں پھر کہاں اس کی ضرورت پڑ جائے۔“

”اگر تم دخل اندازی نہیں کرو گے تو میں یہ نیک کام ابھی کیے لیتی ہوں۔“

یہ کہہ کر ویرا نے اسپیکر فون آن کیا اور جینی کا نمبر ملا ڈالا۔ وہ رنگس کا دفتر بند ہونے کے بعد مسلسل اپنے گھر پر آرام کر رہی تھی اور اس کی بیشتر شامیں کمپیوٹر پر مے نوشی کرتے ہوئے گزرتی تھیں۔ اس وقت بھی اس کی آواز خمار سے قدرے بوجھل ہو رہی تھی۔

”اوہ، روزی! تم بہت بے وفا ہو۔“ ویرا کی آواز سنتے ہی اس کی متاسفانہ آواز ابھری ”معلوم ہے کہ تم کتنے دن بعد مجھے فون کر رہی ہو؟“

”مجھے سب معلوم ہے۔ میں اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہوں۔ اسلم مجھے چھوڑ کر اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں نے اس کی تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے۔“

”وہ ایسا ہرجائی نہیں تھا۔ تم نے ہی اپنی زیادتیوں سے اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا ہو گا۔“ جینی کے لہجے سے بھرپور بے اعتباری مترشح تھی۔ پھر اس نے چونکی ہوئی آواز میں کہا ”ایسا تو نہیں کہ مجھے اس سے دور رکھنے کے لیے تم یہ کہانی سنا رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی تھی۔“

”بکواس مت کرو۔“ ویرا نے مصنوعی غصے سے اسے ڈانٹا۔ ”میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ تم جیسی عزیز ہستی کو ایسے فریب دیتی پھروں۔ وہ واقعی کہیں بھاگ گیا ہے اور اب میں بھی کسی وقت یہاں سے روانگی کے پروگرام پر غور کر رہی ہوں۔“

جینی کو گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ”مجھ سے یہ سب نہ کہو۔ اس مرتبہ تم نے میرے ساتھ خود غرضی کی انتہا کر دی ہے۔ مجھے ایسی بے رحمی سے استعمال کیا ہے کہ کسی کسی وقت مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے۔ میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔“

”یہ تم کن باتوں کا ذکر کر رہی ہو؟“ ویرا نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔

”اتنی بھولی نہ بنو۔“ جینی کا طنزیہ جواب آیا ”ہر مرتبہ تم نے جو چاہا، میں تم کو فراہم کرتی رہی لیکن تم ہر بار مجھے دھوکا دیتی رہیں۔ میں اپنے سابق باس کا کوئی شکوہ نہیں کرتی لیکن ولسن کا آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ تم نے مجھ سے چار پتے مانگے تھے۔ میں نے رنگس کے ریکارڈ سے جارج شلز کا پتا دیتے ہوئے التجا کی تھی کہ میری فراہم کی ہوئی معلومات کو کسی خوں ریزی کا ذریعہ نہ بنانا مگر چند

روز پہلے شلز ہی نہیں، تمہارے چاروں مطلوب افراد فورٹ ہاؤس میں مار ڈالے گئے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہاری اس وعدہ خلافی سے مجھے کیسی شدید ذہنی اذیت پہنچی ہے۔"

"وہ میرا کام نہیں تھا۔ تم جانتی ہو کہ ایسے کاموں میں ایک ٹیم چلتی ہے۔ میں دوسروں کو اعتماد میں لینے کے بعد قطعی بے بس ہوگئی تھی۔ انہوں نے وہی کیا جو وہ چاہتے تھے۔" ویرا نے ضرورت کے مطابق اپنی آواز میں بے چارگی کے تاثرات پیدا کرلیے تھے۔ "تم بتاؤ کہ میں کیا کرتی؟"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم پہلے جیسی نہیں رہی ہو۔ وقت اور تجربوں نے تمہیں اندر سے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ آئندہ مجھے ان باتوں کا دھیان رکھنا پڑے گا۔"

"آئندہ کے لیے تم آزاد اور خود مختار ہو۔ اس بار جو کچھ ہوا، اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ میں اپنی انا کے خول میں سمٹ کر تم جیسی دوست کو کھونا نہیں چاہتی۔"

جینی کی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی "میں تمہاری معذرت قبول کیے لیتی ہوں مگر سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا وہ بوائے فرینڈ کہاں ہے۔ میں حلفیہ بتا رہی ہوں کہ آج بھی میں گھنٹوں تمہارے اور اس کے بارے میں سوچتی ہوں۔ اس وقت تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو میں صبح ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس سے تمہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

ویرا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا پھر جینی سے پوچھا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے کون سا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا؟"

"میں خود کو فورٹ ہاؤس میں مرنے والوں کا قاتل محسوس کرتی رہی ہوں۔ میرے لیے یہ احساس ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ دوسری جھلاہٹ تمہاری دھوکے بازی کی تھی۔ مجھ سے جارج شلز کا پتا لے کر تم اچانک غائب ہوگئیں.... تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پیسے کا کبھی لالچ نہیں رہا۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ میرے لیے کافی ہے۔ میں نے تم پر مقرر کیے گئے انعام کے کسی لالچ کے بغیر نیویارک کے پولیس چیف کو تمہاری یہاں موجودگی سے آگاہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسی طرح اپنے بڑھتے ہوئے احساسِ جرم سے نجات حاصل کرسکتی ہوں۔"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا تھا۔" ویرا دہشت زدہ آواز میں بولی۔

"نہیں ڈارلنگ! میں بہت سنجیدہ تھی۔ سچ پوچھو تو میں اس وقت کمپیوٹر پر پولیس چیف کے نام اپنا فیکس ہی تیار کررہی تھی۔ صبح یہ فیکس اس کی میز پر موجود ہوتا۔ اس میں تمہارا ہی نہیں، تمہارے بوائے فرینڈ کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔"

جینی کے اس انکشاف پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ویرا کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا "میں نے جان بوجھ کر کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں اپنی دشواریوں میں گھری ہوئی تھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تجرد کی زندگی گزار کر تم اتنی حساس اور خطرناک ہوگئی ہو۔ فوراً وہ خط ضائع کردو، اسے کمپیوٹر کی میموری سے بھی نکال دو۔"

"تم مجھ سے بات کررہی ہو، میں تمہاری معذرت قبول کرچکی ہوں۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو طلوع ہونے والا سورج تمہارے لیے مصائب کے پیغام لاتا۔ اب میں ہر چیز ضائع کردوں گی۔ میں تجرد کی زندگی گزار... رہی ہوتی تو شاید خطرناک بھی ہوگئی ہوتی۔ تم جانتی ہو کہ ہم جیسی لڑکیاں اس کرب سے نہیں گزرتیں۔ ایک اشارے پر کئی دوست پیدا ہوجاتے ہیں جو ماضی کو کریدتے ہیں نہ مستقبل کے سنہرے خواب دکھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو وقت گزار لیا جائے، وہی غنیمت ہوتا ہے۔"

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم میرے خلاف مخبری کرنے کا ارادہ کرچکی تھیں۔"

"ڈارلنگ! جرم کرنا شاید دنیا کا آسان ترین کام ہے لیکن احساسِ جرم کو اپنے دل سے نکال پھینکنا اور ضمیر کے کچوکوں کو سہنا بہت مشکل بلکہ ناممکن کام ہے۔ فورٹ ہاؤس کی خبریں پڑھنے کے بعد میں مسلسل اس کیفیت سے گزر رہی تھی، میری نیندیں اڑ گئی تھیں۔ مخبری کرکے میں نے اس روگ کا ازالہ کرنے کی ایک کوشش کرنی چاہی تھی۔ تمہاری اس فون کال سے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔ اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"تمہیں دوبارہ یہ دورہ پڑ سکتا ہے۔" ویرا اس سے خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

جینی کی ہنسی بہت گہری اور جان دار تھی "میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ میں جھوٹ بولتی ہوں نہ جھوٹے وعدے کرتی ہوں۔ تمہیں مجھ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"غنیمت ہے کہ میں نے تمہیں فون کرلیا۔" ویرا گہرا سانس لے کر بولی "اور بات رفع دفع ہوگئی ورنہ میں بے خبری میں کہیں بھی ماری جاسکتی تھی۔"

"اب سچ سچ بتادو کہ تمہارا بوائے فرینڈ کہاں ہے؟" جینی نے تیسری بار سوال دہرایا۔

"تم پرسوں تک انتظار کرو۔" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر اسے دلاسا دیا "میں اسے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالوں گی اور وہ دُم ہلاتا ہوا تمہارے پاس پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی مفاہمت کی خوشی میں، میں دستبردار ہوکر اسے تمہارے حوالے کردوں۔"

"مجھے بہلانے کے لیے تم بہت بڑی پیش کش کررہی ہو۔"

جینی اپنے نپے تلے الفاظ سے ویرا کے زخموں کو کرید رہی تھی۔ وہ ویرا کے سامنے انجان بنی ہوئی تھی مگر میری اصلیت سے واقف تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ویرا کا دعویٰ کھوکھلا تھا۔ وہ اسے پورا نہیں کرسکتی تھی۔

"ایک دو روز میں تم دیکھ لوگی کہ میرا دل کتنا بڑا ہے۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی ڈینی نہیں ہے۔" جینی نے کھل کر میرا نام لے ڈالا۔

"تم سے کس نے کہا کہ وہ ڈینی ہے؟" ویرا نے بھڑک کر سوال کیا۔

"کون کہتا؟ بس دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ابھی تک مجھے شبہ تھا کہ وہ تمہارا پرانا دوست ہے جو نام بدل کر یہاں آیا ہوا ہے۔ وہ وہی ہوتا تو تم اس سے اتنی آسانی سے الگ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کے لیے تم نے اپنے باپ اور ملک سے ٹکر مول لی تھی۔"

"جینی! خدا کے لیے بس کرو۔ تم نشے کی جھونک میں ہو اور بولے چلی جارہی ہو۔ تم نے ذرا سی دیر میں میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں۔ میں جلد ہی تم سے ملوں گی اور تمہارے دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دوں گی۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"گڈ نائٹ ڈارلنگ!" جینی کی مخمور آواز ابھری "میں نے تمہیں سوچنے کے لیے بہت سا مواد دے دیا ہے۔ اگر اگلے چند دنوں میں ہماری کوئی ملاقات ہوئی تو ان نکات پر ضرور بات ہوگی۔"

جینی نے اگلی ملاقات کے بارے میں سبھی کا اظہار کرکے ایک اور چٹکی لے ڈالی تھی۔ ویرا اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے اسے خاموشی سے پی گئی اور گڈ نائٹ کہہ کر فون بند کردیا۔

"آج گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔ تم اسے فون نہ کرتیں تو کل ہماری روانگی کا خواب ادھورا ہی رہ جاتا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ ہم ائرپورٹ پر ہی دھر لیے جاتے۔"

"وہ تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی اور تم اس کی دل جوئی کے لیے بے چین تھے۔ اسی کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا "کل روانگی کے بارے میں اندیشوں کی داغ بیل پڑ گئی ہے۔ وہ نشے میں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ جھونک میں اپنا خط فیکس کرکے بھول گئی ہو اور مجھ کو بلاوجہ دلاسے دے رہی ہو۔"

"وہ زیادہ نشے میں نہیں تھی۔ ہر بات صحیح اور برمحل کررہی تھی۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اس نے ایسی فاش غلطی نہیں کی ہوگی۔ ہماری روانگی کا پروگرام ذرا بھی تبدیل نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو۔ ہم نے بڑے بڑے دشمنوں کو نمٹالیا ہے لیکن جینی مارِ آستین ثابت ہورہی ہے۔ وقت ہوتا تو میں اس کا دماغ بھی درست کردیتی۔ پڑھ لکھ کر خود کو افلاطون سمجھنے لگی ہے۔"

مائیک شاید فون پر گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اس نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم دونوں کچن کی طرف چل دیے۔ مائیک ہمارے پیچھے ہولیا۔

"خدا کرے کہ یہ نیویارک میں ہمارا آخری ڈنر ثابت ہو۔" ویرا نے کرسی سنبھالتے ہوئے اردو میں کہا "اُلّو کی پٹھی نے بیٹھے بٹھائے ایک پریشانی میں مبتلا کردیا۔"

"اس کا مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ تم نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے بعد اسے بری طرح نظرانداز کیا ہوا تھا۔ میری یاددہانی کو تم نے مذاق میں نہ اڑایا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اب بار بار اس کا ذکر مت کرو۔ اگر تقدیر میں کوئی گردش لکھ ہی دی گئی ہے تو ہم رو پیٹ کر اسے نہیں ٹال سکتے۔"

میز کے لوازم پورے ہونے کے بعد ہم نے مائیک کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا۔ میری آخری تنبیہہ کے بعد ویرا نے جینی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خاموشی سے کھانا ختم کرکے ہم نے یکے بعد دیگرے میز چھوڑ دی۔

اگلے روز امریکا روانگی سے پہلے میری نظریں ورجینیا سے آنے والی خبروں پر لگی ہوئی تھیں۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد میں نے خبروں کا ایک چینل چلتا رہنے دیا۔

ویرا طویل سفر کی تکان اور مے نوشی کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں نیند کی پُرکیف وادیوں میں اتر گئی۔ میں سگریٹیں پھونک پھونک کر ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔

وقفوں کے ساتھ ہربار وہی ابتدائی خبر نشر کی جارہی تھی۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ عمارت کے گرد سخت پہرے اور احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے داخلے پر پابندی کی وجہ سے تفصیلات کا حصول تقریباً ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔

سوا بارہ بجے اسپتال کے ذرائع کے حوالے سے یہ اضافہ کیا گیا کہ چاروں لاشوں میں سخت فائبر کے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے دھار دار ٹکڑے کافی گہرائی تک پیوست تھے اور وہی موت کا سبب بنے تھے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چاروں کسی طاقت ور کلسٹر بم کی زد میں آکر مارے گئے ہوں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بم کا کوئی ٹکڑا لاشوں میں نہیں مل سکا۔

میں نے ٹیلی وژن بند کرکے دوسرے پہلو پر کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔

اگلی صبح نیویارک ٹائمز اس واقعے کی تفصیلات سے بھرا ہوا تھا۔ اخبار نے اپنی شہ سرخی میں اس خونین واقعے کو سی آئی اے کے مرکز میں پراسرار دہشت گردی قرار دیا تھا۔

اس واقعے کی پراسراریت یہ تھی کہ سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے کوئی مشکوک شخص اس عمارت میں نہیں پھٹک سکتا تھا پھر دھماکا خیز مادہ وہاں کیسے اور کس کے ذریعے پہنچا۔ اگر بدری ناتھ وہ ہلاکت انگیز مادہ اپنے ساتھ لایا تھا تو کیا اسے اپنے انجام کا اندازہ نہیں تھا؟

خبروں میں جائے واردات سے گیپ کی نقل ملنے کا کوئی ذکر

نہیں تھا۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ نیویارک میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مامور بدری ناتھ کسی اطلاع کے بغیر اچانک فیئرفیکس کیوں آن پہنچا تھا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ واردات ہر ایک کے لیے معما بن کر رہ گئی تھی۔

اس دھماکے سے ڈائریکٹر کے دفتر سے ملحق مزید دو کمرے اور بہت سی کھڑکیوں کے شیشے تباہ ہوئے تھے۔ اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں پانچ افراد کو شدید اور تین کو معمولی زخم آئے تھے۔ اس طرح حادثے کے جملہ متاثرین کی تعداد ایک درجن ہوگئی تھی۔

وہ دھماکا بدری ناتھ کے پہنچنے کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ پھر فائبر کے سب سے زیادہ ٹکڑے اسی کے جسم کے درمیانی حصے میں پیوست پائے گئے تھے اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسی کے خلاف شبہات کا اظہار کیا گیا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی کارکردگی کے حوالے سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ ادارے میں ہر فرد کی خوشنودی حاصل ہونے کے باوجود بدری کو ایسی مجرمانہ کارروائی میں شمولیت کی کیا مجبوری پیش آسکتی تھی۔

اس واقعے کے بارے میں پایا جانے والا وقتی ابہام ہمارے لیے سود مند تھا۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ساری کڑیاں مل بھی جاتیں تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔

"ماہرین آج نہیں تو کل تک ہر بات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔" ویرا کی غیر ضروری مسرت پر میں نے اسے آگاہ کیا "چرمی بیلٹ کا کوئی بھی ٹکڑا ہاتھ آنے کے بعد بات صاف ہوجائے گی۔ مائیکروفون کا مصرف معلوم ہوتے ہی دھماکے کا طریقہ واضح ہوجائے گا اور تفتیش کا رخ بہت تیزی سے ٹی این ٹی بیلٹ پر مرکوز ہوجائے گا۔"

"ایسا ہونے تک ہم پاکستان میں بیٹھے ہوں گے۔ لندن ائرپورٹ پر ہمارا صرف چند گھنٹوں کا ٹرانزٹ ہے۔ طیارہ بدل کر ہم وہاں سے پرواز کر جائیں گے۔" ویرا نے کہا۔

ہمارے پاس زیادہ سازوسامان نہیں تھا۔ میرے پاس ہلکے پھلکے سوٹ کیس کے علاوہ ایک بریف کیس تھا۔ ویرا صرف سوٹ کیس کے ساتھ آئی تھی۔

ناشتے کے بعد میں نے نیویارک میں ویرا کا خریدا ہوا پستول اور ریوالور راؤنڈز سمیت مائیک کے حوالے کردیا کیونکہ ان ہتھیاروں کو پرواز پر ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بعد ہمارا کل سامان وہی رہ گیا جو ہم لندن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس میں بس ایک اہم اضافہ ہونا تھا جو بدری ناتھ سے حاصل ہونے والی سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔

ہماری پرواز کا وقت دو بجے تھا۔ ہمیں بارہ بجے نیو آرک ائرپورٹ پر پہنچنا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ہم جلد از جلد شہر چھوڑ کر ائرپورٹ پہنچ جائیں۔ سر پر سفر سوار ہونے کے بعد مجھے گھر میں بیٹھے رہنا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

ہماری تیاریوں کے درمیان ساڑھے دس بجے بلیک ڈیڈ کا الوداعی فون آیا "تم سفر کی ابتدا ایک بڑی کامیابی سے کر رہے ہو۔" اس نے کہا "اس مرتبہ کل ایک درجن شکار ہوئے ہیں۔"

"اب یہ حساب کتاب تم کو سنبھالنا ہے۔ ہم تو بنجارے ہیں۔ آج یہاں ہیں، کل کہیں اور ہوں گے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بنجاروں کا کوئی دیس نہیں ہوتا۔ تم اپنے گھر جا رہے ہو اور میں خود کو اندر سے خالی خالی محسوس کر رہا ہوں۔ تم نے بہت کم وقت میں مجھے اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ پاکستان جا کر مجھے بھول نہ جانا۔"

"جوڈی کو بتا دینا کہ میری کال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس بدمعاش بڑھیا کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کو وقت کی تنگی کا اندازہ تھا۔ اس نے میرے بعد ویرا سے آخری گفتگو کرکے فون بند کردیا اور میں نے اسی وقت سی ایس ڈی کو فون کے تاروں سے جدا کرکے اس کے سیل نکالے اور ڈبیا کو اپنے بریف کیس میں ڈال لیا۔

مائیک ہم دونوں کو ایک ساتھ نیو آرک پہنچانے پر مصر تھا۔ میں نے اسے اپنے حفاظتی مسائل سے آگاہ کیا تو اس نے مجھے میرے سامان سمیت ایک چوراہے پر لے جا کر ٹیکسی دلوادی۔ ویرا کو میرے بعد اسی کے ساتھ ائرپورٹ پہنچنا تھا۔

میں ٹیکسی میں کوئنز، مین ہٹن اور دریاؤں کے پانی پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا بارہ بجے سے پہلے ہی نیو آرک ائرپورٹ پہنچ گیا۔ وہاں کانٹی نینٹل ائرلائنز کا کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ ہر کمپیوٹر کے سامنے چند افراد اپنے سامان سمیت موجود تھے۔

جلد ہی میری باری آگئی۔ ٹکٹ اور پاسپورٹ دے کر میں نے بورڈنگ کارڈ لیا۔ بیگیج ٹیگ ٹکٹ سے منسلک کردیا گیا تھا۔ سوٹ کیس سے نجات حاصل کرکے میں امیگریشن کے سرسری مرحلے سے گزرا۔ متعلقہ افسر نے میرے پاسپورٹ سے لگا ہوا ڈس امبارکیشن کارڈ کا نصف حصہ الگ کیا اور کوئی مہر لگائے بغیر پاسپورٹ لوٹا دیا۔ میں سیڑھیاں طے کرکے لاؤنج کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں بار اور ریستوران کے ساتھ ہی ڈیوٹی فری شاپس بھی موجود تھیں۔ سیکیورٹی کے مرحلے پر مجھے کسی نے نہیں روکا تھا۔

ان دکانوں پر نظر پڑتے ہی مجھے یاد آیا کہ میں نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کر ڈالا تھا مگر کراچی والوں اور خاص طور پر غزالہ کے لیے کوئی تنکا تک نہیں خریدا تھا۔ ویرا کی آمد کے بعد خریداری کا ارادہ کرکے میں ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں سے نئے آنے والے مسافروں پر آسانی سے نگاہ رکھ سکوں۔

دنیا بھر میں ترقی یافتہ ملکوں کے چمکتے دمکتے ہوئے ہوائی اڈے

کچھ الگ ہی مزاج اور ماحول رکھتے ہیں۔ رنگا رنگ مسافروں اور چاق وچوبند عملے سے آباد ان روشن عمارتوں میں قدم رکھتے ہی انسان کا موڈ خود بخود خوش گوار ہونے لگتا ہے۔ روشنی، صحت، صفائی اور سہولتوں کی فراہمی کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ دیکھ کر رشک آتا ہے۔

مجھے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے قرب وجوار میں دو ایسے باوردی افراد کو دیکھا جو اپنی دھیمی چال اور چبھتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کی وجہ سے حفاظتی عملے کے ارکان معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے گشت کا مقصد مسافروں کو ہراساں کرنے کے بجائے انہیں مکمل تحفظ کا بھرپور یقین دلانا تھا۔ وہ اپنی حدود میں مشتبہ افراد اور اشیا کی تلاش میں مسلسل ٹہل رہے تھے۔

میں ایک اسٹال سے کافی کا پیپر کپ خرید کر دوبارہ اسی جگہ آبیٹھا اور سگریٹ نوشی میں مصروف ہوگیا۔ سگریٹ ختم ہوئی، دھیرے دھیرے کافی کا کپ بھی خالی ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا، ساڑھے بارہ بج گئے لیکن ویرا کی آمد کے آثار نظر نہ آئے تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

اپنی بے چینی پر قابو پانے کے لیے میں نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا بریف کیس صوفے نما کرسی کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔

میں اپنی فکر میں غلطاں اس مشق میں مصروف تھا کہ نہ جانے کہاں سے سیکیورٹی کا ایک ترش رو آدمی میری نشست کے قریب پہنچ کر میرے بریف کیس کو پُرتشویش نظروں سے گھورنے لگا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میں لپک کر وہاں پہنچا تو اس نے میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پوچھا "یہ بریف کیس تمہارا ہی ہے؟"

"بالکل.... میرا ہی ہے۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"بورڈنگ کارڈ؟" اس نے میری طرف ہاتھ پھیلایا۔

میں نے اندر کی جیب سے بورڈنگ کارڈ نکالا ہی تھا کہ اس نے اسے چھوئے بغیر، آنکھیں موند کر اثبات میں سرہلایا اور بولا "بریف کیس کے ٹیگ پر اپنا نام لکھو اور اسے یوں لاوارث نہ چھوڑو۔ کوئی بھی اٹھا کر لے جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے چل دیا۔

میں دوبارہ وہیں بیٹھ گیا۔ اس بار برقی زینے پر فوراً ہی ویرا طلوع ہوتی نظر آئی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ کسی اجنبی کی طرح فرش پر ایڑیوں سے کھٹ کھٹ کرتی میرے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ میں بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کافی مسافروں کی آمد کے بعد میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسکرین پر اس وقت تک ہماری پرواز کی بورڈنگ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن سے گزر کر میں نے ڈیوٹی فری شاپس کا جائزہ لینا شروع کیا اور قیمتیں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہاں ہر چیز بہت مہنگی تھی۔

نیو آرک سے مہنگی چیزیں لاد کر کراچی تک لے جانا حماقت ہی ہوتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اپنی خریداری دبئی ائرپورٹ سے کروں گا۔ البتہ نیو آرک سے چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں۔

میں مصنوعی زیورات اور انگوٹھیوں کی ایک دکان میں داخل ہوا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں گھسی ہوئی تھی اور آئینے کے سامنے ایک نیکلس پہن کر دیکھ رہی تھی۔

"ہائے مسٹر!" مجھے دیکھتے ہی اس نے کسی اجنبی کی طرح مخاطب کیا "ذرا دیکھنا یہ ہار میرے گلے میں کیسا لگ رہا ہے؟"

دکان دار دلچسپی سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے انگریزی ہی میں جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہار صرف تمہاری خوب صورت گردن کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے اس سے بہتر جگہ مشکل سے ہی ملے گی۔"

اس نے خوش ہو کر میرا شکریہ ادا کیا اور نیکلس اتار کر پیکنگ کے لیے دکان دار کو دے دیا۔

"میں نے تمہارا مسئلہ حل کردیا۔ اب ذرا میری مدد بھی کرو۔" میں نے دکان دار کو سنانے کے لیے کہا۔

ویرا لپک کر میرے قریب آگئی اور شوکیس پر جھکتے ہوئے اردو میں بڑبڑائی "گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا تھا ویسے سب خیریت تھی۔"

"چند مردانہ اور زنانہ انگوٹھیوں کا انتخاب کردو۔" میں نے ویرا سے فرمائش کی۔

ویرا نے چند منٹ میں میرا مسئلہ حل کردیا اور دکان دار سے اپنا نیکلس لے کر چلی گئی۔ میں نے بورڈنگ کارڈ دے کر اپنی خریدی ہوئی مزید چند اشیا کا بل بنوایا۔ رقم کی ادائیگی کی اور اس دکان سے باہر نکل آیا۔ ویرا سے مختصر سی بات ہوجانے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا تھا۔

غزالہ اور دوسرے دوستوں کے لیے میری وہ مختصر سی خریداری محض علامتی تھی۔ ان تحفوں کے ذریعے میں ان لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ پاکستان سے ہزاروں میل دور ایک دوسرے براعظم میں ہوتے ہوئے بھی میں ان کے خیال سے غافل نہیں تھا۔

ایک بجے لاؤنج میں جا بجا نصب کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرینوں اور بڑے بڑے اطلاعی بورڈز پر ہماری پرواز کی بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان آگیا۔

گھر سے نیو آرک ائرپورٹ پہنچنے کے بعد میں خود کو بڑی حد تک امریکا سے باہر اور محفوظ تصور کر رہا تھا لیکن دل میں ایک خوف یہ بھی تھا کہ اس وقت میں اسی سرزمین پر تھا۔ بے شمار لوگ مختلف کاموں اور ضرورتوں کے تحت لاؤنج میں اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے یا ویرا کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

لاؤنج کے مقابلے میں طیارہ ہمارے لیے زیادہ بہتر اور محفوظ تھا۔ وہاں ہم غیر متعلقہ افراد کی نظروں سے بچ سکتے تھے۔ مسافروں

اور جہاز کے عملے سے مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس گیٹ کی طرف چل دیا جس سے گزر کر میں اپنی پرواز تک پہنچ سکتا تھا۔

وہاں کوئی بھیڑ بھاڑ یا ہنگامہ آرائی نہیں تھی۔ ہال سے گینگ وے میں داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے داہنے کونے پر ایک دراز قامت اور خوب رو امریکی لڑکی فضائی میزبان کی وردی پہنے مسافروں کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔ بورڈنگ کارڈ کا ایک حصہ پھاڑ کر اپنے پاس محفوظ کیا اور دوسرا حصہ مجھے لوٹا دیا۔ میں دروازہ عبور کر کے چوکور اور ڈھلوان سرنگ میں داخل ہو گیا جو خاصی روشن اور ہوادار تھی۔

لاؤنج کو براہِ راست طیارے سے منسلک کرنے والے اس گینگ وے میں مجھ سے آگے صرف تین مسافر نظر آرہے تھے جو میری ہی طرح اپنی سلامتی کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھے یا پھر نو آموز مسافر تھے۔ میں نے ملکی اور غیر ملکی پروازوں میں ہمیشہ یہ دیکھا تھا کہ تجربے کار مسافر سفر کے آغاز سے پہلے زمین کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر آخری لمحات میں ایک ہجوم کی صورت میں طیارے کا رخ کرتے ہیں۔ بورڈنگ کے اس آفاقی اصول کا لحاظ میری اس پرواز پر بھی ہوتا تھا جو تھوڑی دیر بعد زمین سے رشتہ توڑ کر فضا کی وسعتوں میں بلند ہونے والی تھی۔

میری توقع کے عین مطابق وسیع و عریض جہاز تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔ اس دیو قامت کیبن میں اِکّا دُکّا مسافروں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ راہداریوں میں جہاز کے عملے کے اراکین نشستوں اور ان کے اوپر بنے ہوئے خانوں میں رکھی ہوئی اشیا کی دیکھ بھال کرتے پھر رہے تھے۔

میں سگریٹ نوشوں کے لیے مخصوص کی جانے والی نشستوں میں اپنی جگہ تلاش کر کے کھڑکی کے ساتھ جا بیٹھا۔ لاؤنج سے طیارے میں آکر میں نے عجیب سا اطمینان محسوس کیا تھا۔

طیارے میں رفتہ رفتہ مسافروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اندر چھائے ہوئے سکون یا سناٹے میں متعدد ملی جلی اور خوش گوار آوازیں گونجنے لگیں۔

آخر کار بورڈنگ مکمل ہو گئی۔ بظاہر پورا طیارہ بھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ امریکی سامان سے لدے پھندے مسافر مشکل سے اپنے اپنے دستی سامان کو اِدھر اُدھر کھپا سکے تھے۔ میں وہ سارے تماشے دیکھ رہا تھا لیکن پوری کوشش کے باوجود یہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کو جہاز میں کہاں جگہ ملی تھی۔

عملہ خوش اخلاقی سے مسافروں کو اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھنے کی تلقین کرنے میں مصروف ہو گیا۔ آغازِ سفر کی ہدایات پورے کیبن میں روشن تھیں۔ بحرِ اوقیانوس پر مسلسل گھنٹوں تک اڑنے والی پرواز کے مسافروں میں خاصا جوش و خروش موجود تھا۔

آخر کار جہاز سے ٹیلی اسکوپک گینگ وے الگ کر کے دروازے بند کر دیے گئے۔ انجن چلائے گئے اور مسافر کھٹ کھٹ کی آوازوں کے ساتھ حفاظتی بیلٹیں باندھنے لگے۔

اپنی کمر کے گرد سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے مجھے اچانک بدری ناتھ کا خیال آگیا اور میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ پچھلے دن وہ بھی ایک بیلٹ کا شکار ہوا تھا۔ اس نے میرے دیے ہوئے جس تحفے کو خوشی سے قبول کیا تھا' آخر کار وہی اس کی عبرت ناک موت کا سبب بنا تھا۔

بارودی بیلٹ اور جہاز کی حفاظتی بیلٹ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

جہاز رن وے پر حرکت میں آگیا۔ وہ گھوم کر دھیرے دھیرے اپنا رخ تبدیل کر رہا تھا۔ سمت درست ہوتے ہی جہاز کسی مست خرام پرندے کی طرح آگے رینگنے لگا۔ گزرنے والا ہر لمحہ امریکا کی سرزمین سے میرے تعلق کو کمزور تر کرتا جا رہا تھا۔

اپنے طے شدہ رن وے کے ایک سرے پر پہنچ کر طیارہ رک گیا۔ قرب و جوار کی دوسری پٹیوں سے کئی جہاز اڑان لینے کے مختلف مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ ہمارے جہاز کے کپتان کو کنٹرول ٹاور کی طرف سے پرواز کی اجازت کا انتظار تھا۔

اجازت ملتے ہی طیارہ تیزی سے بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ کنکریٹ کی پٹی پر دوڑنے لگا اور پٹی ختم ہونے سے پہلے ہی ترچھا ہو کر فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

ٹیک آف کے بعد فضا میں بڑے طیاروں کی مست خرامیاں ایک انوکھا تجربہ ہوتی ہیں۔ ہواباز اگر مشاق اور تجربے کار ہو تو جہاز کے نرم ہچکولے اور دائیں بائیں طرف کے جھکاؤ مزہ دے جاتے ہیں۔ ابھی جہاز ان مراحل سے گزر ہی رہا تھا کہ مخصوص نشستوں پر سے تمبا کو نوشی کی ممانعت کی ہدایات تاریک ہو گئیں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اسکرین پر ہنگامی صورتِ حال میں اختیار کی جانے والی تدابیر کی فلم اپنے آخری مراحل میں تھی۔ جہاز کا عملہ اپنے عملی مظاہرے شاید ٹیک آف سے پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں گم ہونے کی وجہ سے ادھر دھیان نہیں دے سکا تھا۔

جہاز کے بلند ہونے کا زاویہ کم ہو چکا تھا مگر وہ بادلوں کے پرے چیرنے کے بعد اس وقت بھی مسلسل بلند ہو رہا تھا۔ بحرِ اوقیانوس کے پانی میں بکھرے ہوئے جزیرے ننھے ننھے نکتوں میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ کشتیاں کھلونوں کے مانند نظر آرہی تھیں۔ سورج کی نکھری ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر نگاہوں کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت میری توجہ دو اطراف میں بٹی ہوئی تھی۔ مجھے جہاز کی راہداریوں میں ویرا کی تلاش تھی اور میں باہر کے حسین مناظر

سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تک چڑھے اور معنک انگریز نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال کر پورے انہماک سے چاٹنی شروع کر دی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کتاب کے مطالعے کے لیے ہی جہاز پر سوار ہوا ہو۔

میں نے اسی لمحے اپنے اس خشک مزاج ہم سفر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا اور ویرا کی تلاش کی نیت سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

معمر انگریز نے مجھے یوں چونک کر دیکھا جیسے میں نے اسے نیند سے جھنجوڑ ڈالا ہو۔ اس کی نگاہیں مجسم سوال بنی ہوئی تھیں۔ میرے اٹھ جانے کے باوجود وہ کوڑھ مغز یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" کہتے ہوئے میں نے اگلی نشست کی پشت گاہ اور اس کے گھٹنے کے درمیان اپنی پنڈلی اڑا دی۔ اس وقت وہ سمجھا کہ میں کیا چاہ رہا تھا۔ میری کسی زبردستی سے اپنے بچاؤ کے لیے اس نے کسی کچھوے کی طرح نشست میں سمٹ کر میرے گزرنے کے لیے راستہ دے دیا۔

میں آس پاس کی قطاروں کا جائزہ لیتا ہوا، راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔

دوسری سمت میں کچن کے قریب ہی ویرا مجھے ایک کھڑکی سے لگی ہوئی نظر آ گئی۔ اس کے برابر میں قدرے زیادہ عمر کی ایک امریکی عورت ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ویرا اتنے اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔

میں کچن سے گزر کر اس کے قریب پہنچا تو مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی پڑوسن نے اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر میری طرف گردن گھمائی اور نظریں چار ہوتے ہی اخلاقاً مسکرا دی۔ اس اثنا میں ویرا اپنی جگہ سے باہر آ چکی تھی۔

"بہت مزے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔" میں نے اردو میں اسے ملامت کی "مجھے فکر ہونے لگی تھی کہ کہیں تم نے یہ پرواز مس نہ کر دی ہو۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو۔" وہ منہ بنا کے بولی "بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے والا مسافر جہاز پر سوار نہ ہو تو ہر طرف افراتفری پھیل جاتی ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں بم طیارے پر چڑھا کر فرار نہ ہو گیا ہو۔ اس کا سامان اتارے بغیر جہاز حرکت تک نہیں کرتا۔"

"پھر بھی تمہیں دیکھنا چاہیے تھا کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ تم نے تو بالکل ہی لاتعلقی اختیار کر لی ہے۔"

"ایک دفعہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد تم چاہو بھی تو کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔ ہر جہاز ائرٹائٹ ہوتا ہے۔ نیچے اتھاہ سمندر اور اوپر بے کراں آسمان ہو تو کوئی بھی جہاز سے کودنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ابھی نہ سہی، تھوڑی دیر میں ہماری ملاقات ہو جاتی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں فکرمندی کے سائے لہراتے ہوئے نظر آئے اور میں اس سے ہمدردی کے اظہار پر مجبور ہو گیا "کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو۔"

"شکر ہے کہ اپنی شکایتوں کے ساتھ تمہیں کبھی کبھی میری پریشانی بھی نظر آ جاتی ہے۔ میں واقعی تشویش میں مبتلا ہو گئی ہوں اسی لیے اپنی سیٹ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکی سرزمین کو خیرباد کہہ دینے کے بعد بھی تم اتنی پریشان ہو۔ تمہیں پہلی فرصت میں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا.... یہ بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ طیارے کے ٹیک آف کرتے ہی خطرات کے سارے بادل چھٹ جائیں گے مگر خطرات اب بڑھ چکے ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس وقت ہم کیسی نازک صورتِ حال میں گھر چکے ہیں۔" اس نے میرے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

"کچھ بتاؤ گی بھی یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتی رہو گی۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"یہ امریکی ائرلائن ہے اور اس پرواز کا چیف پائلٹ مجھ سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ پرواز نارمل ہونے کے بعد وہ روایتی طریقوں کے مطابق مسافروں کی دیکھ بھال کے لیے کاک پٹ سے کیبن میں نکل آیا تو سامنا ہوتے ہی پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ یہی جہاز اڑا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جہاز کا عملہ بھی اسی راستے سے جہاز پر سوار ہوتا ہے جدھر سے مسافر آتے ہیں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے پوری وردی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

"تم نے اسی وقت مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ ہم بورڈنگ کارڈ واپس کر سکتے تھے، یہ ممکن نہ ہوتا تو لاؤنج سے غائب ہو سکتے تھے۔"

"دونوں صورتوں میں ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ امریکی سرزمین ہمارے لیے ویسے ہی خطرناک ہو چکی تھی۔ اس غیر معمولی حرکت کے بعد ہم سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتے تھے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پرواز طویل اور خطرہ سنگین تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ طیارے کی اگلی منزل لندن تھی جہاں کے حالات ہمارے لیے سازگار نہیں ہو سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

میں بند کر کے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورت حال بتادی مگروہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کر کے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائرایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کر کے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کر رہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کر رہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کر کے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ذہنی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کر رہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"تم بہت زیادہ پریشان نظر آرہے ہو۔" ویرا میری فکرمندی کا اندازہ کر کے بولی "یہ مسئلہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے۔ وہ کیبن میں نکل آیا تو میں فیصلہ کرچکی ہوں کہ خود کو باتھ روم میں بند کرلوں گی۔ اس کی نظروں سے محفوظ رہنے کا یہ ریڈی میڈ طریقہ کامیاب رہے گا۔"

وہ آخری حل میرے ذہن میں بھی موجود تھا لیکن اس سے کچھ پریشانیاں بھی پیدا ہوسکتی تھیں۔ میں نے ویرا پر ان خدشات کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے سوچتا رہا۔

طویل پروازوں پر استعمال ہونے والے بڑے جہازوں میں مسافروں کی ضروریات کے پیش نظر باتھ رومز کی تعداد خاصی معقول ہوتی ہے مگر پھر بھی ہر مسافر کو ضرورت کے وقت باتھ رومز خالی ملنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی جگہ کئی کئی مسافر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں ویرا کا زیادہ دیر تک کسی باتھ روم پر قابض ہو کر اندر محصور ہونا جہاز کے عملے کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔

جہاز کے عملے کے کسی فرض شناس رکن کو محض یہ شبہ بھی

ہوجاتا کہ اس باتھ روم میں موجود مسافر کسی بیماری یا اچانک دورے کی وجہ سے اندر پھنس گیا ہے تو چیف پائلٹ سمیت پورے عملے کی توجہ وہیں مرکوز ہو کر رہ جاتی۔ یوں ویرا اپنے شناسا سے روپوش ہونے کے بجائے بطور خاص اس کی نظر میں آجاتی۔ اس مرحلے پر یہ فرض کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ چیف پائلٹ کیبن کی ایک راہ داری میں نمودار ہو کر چند منٹ میں دوسری راہ داری کے ذریعے اپنے کاک پٹ میں چلا جائے گا۔

"تم یوں ہی چلتی پھرتی رہو۔ میں کوئی راہ نکال لیتا ہوں۔" اسے تسلی دے کر میں اپنی نشست کی طرف ہولیا۔ میں نے اس کی تجویز کو براہِ راست مسترد کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس وقت تک میرا ہم سفر، ادھیڑ عمر انگریز کتاب کے مطالعے میں پوری طرح مستغرق ہوچکا تھا اور اپنے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی ناک پر جما کر ہمہ تن کتاب کی طرف متوجہ تھا۔

میرے رکنے کے باوجود اس نے میری موجودگی محسوس نہ کی تو مجھے کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ موٹے عدسوں کے عقب سے اس کی چمک دار، نیلی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ ان آنکھوں میں ناگواری کے ساتھ اجنبیت بھی تھی۔

"میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟" مجھے حرکت پر آمادہ نہ پاکر اس نے ترشی سے پوچھا۔

"یہ نشست میری ہے۔" میں نے کھڑکی کے ساتھ والی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جتایا "ہوسکے تو مجھے وہاں تک پہنچنے کا راستہ دے دو۔"

"اوہ، یقیناً!" وہ روایات پرست انگریز تھا۔ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہی بوکھلا کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور پوری جگہ چھوڑ کر راہ داری میں نکل آیا۔

میں نے زبردستی باچھیں پھیلا کر اسے ایک طنزیہ مسکراہٹ کا تاثر دیا اور اپنی نشست پر پہنچ گیا۔

"شاید تم بھی لندن ہی جارہے ہو۔" اس نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد خفت مٹانے کے لیے مجھ سے پہلی مرتبہ تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا۔ "لندن سے پہلے یہ پرواز کہیں نہیں رکے گی۔"

"تم اچھا مذاق کرلیتے ہو۔" اس نے میرے بے رحمانہ تبصرے کا برا مانے بغیر سنجیدگی سے کہا اور پھر ضخیم کتاب پر ہاتھ مارتے ہوئے بات جاری رکھی "اگر میرے پاس یہ دلچسپ کتاب نہ ہوتی تو میں دورانِ سفر تم سے ضرور باتیں کرتا۔ مطالعہ کسی بھی شخص کے لیے فاضل وقت کا بہترین مصرف ہوتا ہے۔"

"اپنے گردوپیش موجود لوگوں کا مشاہدہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اثبات میں سرہلا کر بولا "کتابوں میں ہم جو کچھ پڑھتے ہیں، وہ سیکنڈ ہینڈ ہوتا ہے یعنی کسی اور کا مشاہدہ جو مصنف کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر لندن پہنچنے سے پہلے یہ کتاب ختم ہوگئی تو میں اس دلچسپ موضوع پر تم سے ضرور بات کروں گا....."

"مجھے ڈر ہے کہ یہ کتاب اتنی جلدی ختم نہیں ہوسکے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر فوراً ہی اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "میری وجہ سے تم بار بار ڈسٹرب ہوتے رہو گے؟"

"کیوں؟" عدسوں کے پیچھے اس کی آنکھیں اشتباہ آمیز انداز میں پھیل گئیں "اس بارے میں تم اتنے پُریقین کیوں ہو؟"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا "میں گردوں کا مریض ہوں۔ مجھے بار بار ٹوائلٹ جانا ہوگا پھر میں کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ہوائی جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مجھے ہول آتا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بول اٹھا "یہ ایکروفوبیا کی کوئی قسم بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بار بار کی خلل اندازی میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ مجھے کسی اور سے اپنی جگہ بدلنی ہوگی۔"

"اسی جہاز میں میری ایک دوست بھی سفر کررہی ہے۔ دوسری راہداری میں وہ تمہاری پسند کی جگہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آؤ، میں تمہیں وہاں بٹھائے دیتا ہوں۔" میں نے موقع میسر آتے ہی اسے پیش کش کر ڈالی اور وہ بادلِ ناخواستہ اپنا دستی سامان سمیٹنے میں مصروف ہوگیا۔

ویرا سے اپنی جگہ بدلنے سے قبل اس نے مجھ سے نئی سیٹ کے بارے میں متعدد سوال کیے۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ویرا کے ساتھ والی بھی میری طرح گردوں وغیرہ کی مریضہ نہ ہو۔ میں نے پورے وثوق سے اس کے اندیشوں کی تردید کر ڈالی۔

وہ معمر تھا۔ اس کا دستی بیگ میں نے اٹھالیا اور چکر کاٹ کر دوسری راہ داری میں ویرا تک جا پہنچا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ میں کسی کو پھانس کر اپنے ساتھ لا رہا ہوں۔

میرے ہم سفر کو ویرا سے جگہ بدلنے میں کوئی تعرض نہیں ہوا کیونکہ اس کی نئی ہم سفر امریکی اور کم و بیش اسی کی عمر کی تھی۔ اس نے گرم جوشی سے معمر انگریز کو خوش آمدید کہا تھا۔

"مجھے اس ایشیائی کے گردوں کی خرابی کی وجہ سے جگہ بدلنی پڑی۔" انگریز نے بے تکلفی کے ساتھ اس خاتون سے کہہ ڈالا۔ "امید ہے کہ تم کو بار بار نکلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔" خوش وضع امریکی بڑھیا نے مجھے آنکھ مار کر اسے جواب دیا "مغرب میں بیماریاں ذرا دیر سے ہی شروع ہوتی ہیں۔"

بوڑھے نے میرا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر میں ویرا کے ساتھ چل پڑا۔

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ جگہ بدلنے سے کون سا فرق

پڑ جائے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھتی رہو...... اب تم بیمار پڑنے والی ہو۔" میں نے خوش دلی سے کہا "فی الحال ٹانگوں پر کمبل ڈالے رہو گی۔ ضرورت پیش آئی تو وہی کمبل سر تک اوڑھ کر سو جاؤ گی۔"

"یہ اداکاری جگہ بدلے بغیر بھی کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا میری ہر تجویز پر اعتراض کرنے کا موقع فوراً ڈھونڈ نکالتی تھی۔

"تم وہاں ایسی بے تکی حرکتیں کرتیں تو امریکی بڑھیا تم پر ترس کھا کر پورے عملے کو وہیں جمع کرلیتی۔ پرواز کے دوران بیمار پڑنے والوں کو فضائی عملہ بہت اہمیت دیتا ہے۔"

"بیمار پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہت سے لوگ لمبی پروازوں پر سو کر وقت گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے کون روک سکتا تھا؟"

"تمہارے دماغ میں خشکی ہوگئی ہے یا پھر بھس بھر گیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا "منہ ڈھانک کر سونے والوں کو صحیح الدماغ نہیں سمجھا جاتا۔"

"نہ سمجھا جائے۔ اس سے میری صحت پر کیا فرق پڑتا؟ ان چند سو مسافروں میں کوئی بھی میرا رشتے دار نہیں ہے۔ مجھے ان کی رائے برابر پروا نہیں ہے۔ وہ دلوں میں جو چاہتے' سوچتے رہتے۔ کوئی مجھے روکنے یا ٹوکنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم خود ہی چیف پائلٹ کو اپنا قدیم اور خاندانی دوست قرار دے رہی تھیں۔"

"پرواز کی روانگی سے پہلے اسے مسافروں کی جو فہرست دی گئی ہوگی اس میں میرا نام سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ میں تمہارے آؤل کان کی دی ہوئی سفری دستاویزات اور شناختوں کے مطابق سفر کررہی ہوں۔ وہ مجھے صرف دیکھ کر ہی پہچان سکتا ہے۔ میرا چہرہ چھپنے کے بعد یہ خطرہ بالکل ٹل جاتا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے میں کسی کی بھی رائے کا احترام کرنے کی پابند نہیں ہوں۔"

مجبور ہو کر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ایسے مواقع پر مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بے تکی باتوں کا جواب دینا پڑتا تھا۔ میں جب بھی کسی مصلحت کی وجہ سے خاموشی اختیار کرتا تھا' وہ جھٹ یہ نتیجہ اخذ کرلیتی تھی کہ اس نے مجھے لاجواب کرکے فتح حاصل کرلی ہے۔

وہ فاتحانہ انداز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر نیم دراز ہوگئی۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے اوپر کے خانے سے پلاسٹک کی تھیلی میں سیل کیا ہوا ایک صاف ستھرا کمبل نکالا اور اس کی گود میں ڈال دیا۔ احتیاطاً میں نے دوسرا کمبل اپنے ساتھ رکھ لیا۔

ویرا کی مسکراہٹ اس وقت مجھے زہر لگ رہی تھی۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے مجھے میری ہار پر چڑا رہی ہو۔ میں نے اشتعال کی بے ساختہ رو میں دوبارہ بحث شروع کردی "یہ کام اسی قدر آسان تھا تو تم اتنی متفکر اور بدحواس کیوں نظر آرہی تھیں؟"

وہ ہنس پڑی "اس وقت غصے سے تمہارا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہورہا ہے۔ میں تم سے دور ہوتی ہوں تو ہر لمحے تمہارے لیے فکر مند رہتی ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر خاموشی اختیار کرلی۔ میرا دل چاہا کہ کاش اس وقت میرے پاس بھی معمر انگریز کی طرح کوئی دلچسپ کتاب موجود ہوتی تو میں اس کے مطالعے میں محو ہو کر آسانی سے اپنے ابال کو ٹھنڈا کرسکتا تھا۔

ویرا نے تھیلی پھاڑ کر کمبل نکالا اور اپنے نچلے دھڑ پر اس طرح ڈال لیا کہ ضرورت پیش آنے پر باقی کمبل اپنے شانوں سے اوپر تک کھینچ سکے۔ میرے طلب کرنے پر ایک ائر ہوسٹس آئی تو مجھ سے پہلے ویرا اس سے مخاطب ہوگئی۔

وہ سردی اور بخار کی شکایت کے اظہار کے ساتھ اس سے درد دور کرنے والی کوئی گولیاں منگوانی چاہ رہی تھی۔ ائر ہوسٹس نے فوراً ہی پیش کش کی کہ ویرا چاہے تو طیارے کے پیجنگ سسٹم پر کسی ڈاکٹر کی ضرورت کا اعلان کیا جاسکتا تھا۔ مسافروں میں موجود کوئی ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ یہ سنتے ہی ویرا بوکھلا گئی۔ اس نے کہا کہ وہ یوں تماشا بننا پسند نہیں کرے گی۔

ائر ہوسٹس جہاز کی ایمرجنسی میڈیکل کٹ کا جائزہ لینے کا وعدہ کرکے جانے لگی تو ویرا نے اسے یاد دلایا کہ گولیاں کھانے کے لیے اسے بیئر بھی درکار ہوگی۔ اس انوکھی فرمائش پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

مصروف بین الاقوامی راستوں پر فضا میں میزبانی کرنے والوں کو دن رات نت نئی فرمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھانت بھانت کے لوگوں کو مطمئن کرنے کا وسیع تجربہ رکھنے والے یہ لوگ ڈھیلی ڈھالی اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے' حتی الامکان اپنے ہر مسافر کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں کو نہ صرف دوران سفر تحقیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے بلکہ اگلی منزل پر انہیں سخت بین الاقوامی سفری قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں پولیس کے حوالے بھی کردیا جاتا ہے۔

ایسے اکا دکا واقعات کبھی کبھار ہوتے ہی رہتے ہیں جس میں دنیا کی چھوٹی اور بڑی قوموں کے افراد ملوث ہوتے ہیں لیکن ہر تھوڑے عرصے بعد کسی نہ کسی پاکستانی کھلاڑی' فن کار یا لیڈر کا نشے میں دھت ہو کر مسائل پیدا کرنا خبروں کا عنوان بننے لگا ہے جو کوئی اچھی ریت نہیں ہے۔

ویرا کی فرمائش اس حد سے بہرحال متجاوز نہیں تھی۔ چند منٹ بعد ائر ہوسٹس دو گولیوں کے ساتھ ہمارے لیے بیئر کے دو ٹھنڈے کین بھی لے آئی۔

ائر ہوسٹس کے جانے کے بعد ویرا نے گولیاں اپنے وینٹی

میں ڈالیں اور کمبل سینے تک سرکا کر بیئر کے کین سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اسی وقت فلائٹ کچن سے مشروبات کی لدی پھندی ٹرالیاں راہداریوں میں نکل آئیں اور کیبن کی فضا کا ٹھہراؤ خوش گوار ہلچل میں تبدیل ہوگیا۔

اس وقت طیارہ مشرق سے مغرب کی طرف سفر کررہا تھا۔ سورج ہمارے جہاز سے بھی بہت اوپر آسمان کی بے کراں وسعتوں میں اپنا لگا بندھا سفر طے کررہا تھا۔ طیارے سے باہر دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا مگر اس روشنی میں اضمحلال نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وقت کی طنابیں تیزی سے سمٹ رہی تھیں۔ لندن پہنچنے تک ہمیں پانچ گھنٹوں کا خسارہ ہونے والا تھا۔

جہاز سے بہت آگے ہمیں رخ کی تبدیلی ہونے پر کبھی کبھی وہ اندھیری لکیر نظر آجاتی تھی جو کہیں رات ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ پیچھے روشن اور توانا دن پھیلا ہوا تھا۔ ہم شام کے دھند لکوں سے گزر رہے تھے اور دور کہیں رات اپنے ڈیرے جمائے ہماری منتظر تھی۔ وقت کے ایسے حسین سنگم کا نظارہ زمین سے تیس پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر کسی تیز رفتار طیارے سے ہی کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ان سب نظاروں کے ساتھ میں کپتان کی آمد کا خطرہ نہیں بھولا تھا۔ جہاز کے عملے میں اس وقت تک چیف پائلٹ کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔

روشنی سے اندھیرے کا سفر تیزی سے جاری رہا۔ ہمارے جہاز کے نیچے بادلوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بحر اوقیانوس کے گہرے پانیوں میں تیرتے بڑے بڑے جہاز ہمیں حقیر کشتیوں کی طرح نظر آرہے تھے اور پھر ہمیں سمندر کے سینے پر بے شمار رنگین جگنو سے چمکتے نظر آنے لگے۔ زمین پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سفینوں کے ناخداؤں نے روشنیاں جلا دی تھیں مگر میری رسٹ واچ کے مطابق اس وقت نیویارک میں شام کے صرف ساڑھے پانچ ہی بجے تھے۔

ناؤ و نوش کا دور اختتام کو پہنچا تو اشتہا انگیز خوشبوؤں والے بے ذائقہ مغربی کھانوں کا دور شروع ہوگیا۔ میری اور ویرا کی نشستوں کی بکنگ پاکستانی پاسپورٹوں پر کراچی تک کے لیے ہوئی تھی اور اسی بنا پر میں نے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے حلال کھانے کی فرمائش کی تھی۔

اسی وقت مجھے بتا دیا گیا تھا کہ اس پرواز پر اسلامی کھانے کے بجائے کوشر فوڈ فراہم کیا جاسکے گا۔ میری سنی سنائی معلومات کے مطابق یہودیوں کا ذبیحہ جو کوشر کہلاتا ہے' اسلامی طریقے سے بہت قریب ہوتا ہے۔ میں نے اسی کو قبول کرلیا تھا۔

ویرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر پاکستانی کھانوں کی عادی ضرور ہوگئی تھی لیکن حرام و حلال کے مسائل سے وہ یکسر آزاد تھی۔ ٹرالی آنے پر اس نے اپنی پسندیدہ ٹرے لے لی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اپنی سیٹ نہ بدل کر میں نے خود کو ایک بڑی دقت سے بچایا تھا۔ امریکی کو بھگانے کے بجائے مجھے کہیں اور بیٹھنا پڑتا تو ائر ہوسٹس کے لیے کوشر فوڈ مجھ تک پہنچانا ممکن نہ رہتا۔ وہ فلائٹ کچن سے بورڈنگ کارڈ پر مندرج نشست کے لیے مخصوص کھانا لے کر آئی تھی جو متعلقہ مسافر کی غیر موجودگی میں کسی بھی خواہش مند مسافر کے حوالے کیا جاسکتا تھا۔

"تم کھانے کے ساتھ وائن یعنی الکحل پی رہے ہو مگر کھانے کے لیے کوشر فوڈ لیا ہے۔" چند منٹ بعد ویرا کی زبان میں دوبارہ خارش ہونے لگی "یہ کس قسم کی منافقت ہے؟"

"تمہارے پاس جب کہنے کے لیے کچھ نہیں رہتا تو تم پرانی باتوں کو دہرانا شروع کردیتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر ہم کافی پہلے سیر حاصل بحث کرچکے ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"اگر میرا حافظہ کمزور ہوگیا ہے تو ذرا اپنے دلائل دوبارہ دہرا دو۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس وقت کیا کچھ کہا تھا۔ اب میرا دماغ مت چاٹو۔"

"تمہارے بلکہ شاید ہر مذہب میں جھوٹ اسی لیے منع ہے کہ دروغ گو اپنی کہی ہوئی بات بھول جاتا ہے۔ تم نے کوئی اصولی بات کی ہوتی تو وہ تمہیں یاد بھی رہتی۔"

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو' وہ درست ہے۔ اس کے جواب میں کوئی دلیل دی جاسکتی ہے نہ اصولی بات کی جاسکتی ہے۔ یہ خرابیاں ایک مدت سے یوں ہی چلی آرہی ہیں اور بس۔" میں نے مفاہمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "میں عذر گناہ کو اصل گناہ سے زیادہ بڑا سمجھتا ہوں۔"

"اب تم سیاسی بولی بول رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولی "میں تمہیں بتا دوں کہ کوشر فوڈ کے دھوکے میں نہ رہنا۔ یہ سب کھانے ایک ہی جگہ پکائے جاتے ہیں۔ برتن بھی ادل بدل جاتے ہوں گے۔ پھر ان کی پیکنگ ایک ہی جگہ ہوتی ہے۔ انہیں گرم رکھنے کے لیے ایک ساتھ رکھا جاتا ہے۔ بھاپ اور خوشبوئیں ایک ٹرے سے دوسری میں جذب ہوتی ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں سمجھ دار لوگوں کو بھی ان ڈھکوسلوں میں مبتلا دیکھتی ہوں۔ یہ سامنے کی باتیں انہیں نہیں معلوم ہوتی ہوں گی۔"

"پھر تو آدمی جہاز میں کیا' امریکا میں بھی کچھ کھا پی نہیں سکتا۔" میں نے احتجاج کیا۔

"جسے اپنا دین عزیز ہے وہ یہاں آئے ہی کیوں؟ ہر شخص کو منہ اٹھا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آؤ تو پھر اپنے ہاتھ سے مرغی ذبح کرکے پکانے کا حوصلہ رکھو یا مچھلیاں کھاتے رہو۔ امریکا بلکہ مغرب میں آکر بال کی کھال نکالنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دریا میں اترنے والوں کے دامن بھی خشک نہیں رہ سکتے۔ دریا میں اترو' خوب نہاؤ۔ پانی کو گیلا کہو اور نہ دامن کو نچوڑ کر خشک

کرنے کی کوشش کرو.....‘‘
’’کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں کھانے سے ہاتھ روک لوں؟‘‘ میں نے غصے سے پوچھا۔
’’شوق سے کھانا کھاتے رہو مگر یہ سمجھ کر کھاؤ کہ کیا کھا رہے ہو۔‘‘ یہ مشورہ دے کر وہ ہنسنے لگی۔
ویرا کی وہ باتیں غلط نہیں تھیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ عاداتِ بد میں مبتلا ہر شخص کو اپنی کمزوریوں کا پوری طرح احساس ہوتا ہے' ویرا کی باتوں سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے کوئی فائدہ پہنچانے کی نیت کیے بغیر محض ایذا رسانی کے لیے میرے زخموں کو کرید رہی ہو۔ میں خود کو اس کے ہاتھوں میں ایک کھلونا نہیں بنا سکتا تھا۔ یہ بات وہ خود بھی بہت اچھی طرح جانتی تھی۔
تمام مسافروں کو ان کی ضرورت کی اشیائے خورو نوش پہنچانے کے بعد ٹرالیاں کچن ایریاز میں پہنچا دی گئی تھیں۔ دونوں راہداریوں میں موجود خوش اخلاق فضائی میزبان دوڑ دوڑ کر مسافروں کی انفرادی فرمائشیں پوری کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پرواز ہموار تھی۔
اچانک ویرا نے نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے وائن کا گلاس خالی کیا اور سیٹ میں دبک کر کمبل سر تک اوڑھ لیا۔ اس کی وہ حرکت اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے نظریں اٹھائیں اور پھر مجھے وہ دراز قامت اور خوش رو شخص بھی نظر آگیا جو اپنی پُرشکوہ وردی سے جہاز کا چیف پائلٹ ہی معلوم ہو رہا تھا۔
وہ ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجائے' مسافروں کی مزاج پرسی کرتا ہوا' راہ داری میں بہت دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہا تھا۔ راستے میں کوئی اس سے مخاطب ہو رہا تھا تو وہ ذرا سی دیر کے لیے وہاں رک کر گپ شپ بھی کر رہا تھا۔
ویرا پر نظر پڑتے ہی' اس کے لیے گولیاں لانے والی ائر ہوسٹس تیر کی طرح میرے پاس آگئی۔
’’کیا بات ہے؟ مادام کی طبیعت کیسی ہے؟‘‘ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔
’’شکم پری کے بعد ذرا غنودگی کا حملہ ہوا ہے۔‘‘ میں نے اسے تسلی دی ’’تھوڑی دیر اونگھ لے گی تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔‘‘ یہ کہتے ہوئے میں نے برتن سمیٹ کر ویرا کی ٹرے ائر ہوسٹس کے حوالے کر دی۔ پیچھے والے کے کھانے کی وجہ سے ویرا اپنی نشست کی پشت گاہ نہیں ڈھلکا سکتی تھی۔ میں اگلی میز بند کر کے اسے سونے میں ذرا سی سہولت فراہم کر سکتا تھا۔
’’بس چند منٹ بعد روشنیاں کم کر دی جائیں گی۔ مادام کو آرام سے نیند آجائے گی۔‘‘
وہ چلی گئی۔ جہاز کے کپتان کا سفر بہت سست اور طویل ثابت ہو رہا تھا۔ میزوں سے کھانے کے خالی برتن اٹھائے جا رہے تھے۔
جہاز کے مخصوص حصے میں سگریٹوں کا بل کھاتا ہوا سرمئی دھواں گندی اور گرم ہوا کھینچنے والی سقف گیر لائنوں میں معدوم ہو رہا تھا کہ کیبن میں روشنیوں کی تعداد میں کمی کر دی گئی۔ متعدد نشستوں پر مطالعے کے لیے مخصوص اسپاٹ لائٹس جل اٹھیں۔
چیف پائلٹ کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ جارح بھی تھا۔ باتوں میں موزوں فقرے بھی چست کرتا جا رہا تھا۔
اس نے سر سے پیر تک کمبل میں سمٹی ہوئی ویرا کو قدرے حیرت سے دیکھا اور رک کر مجھ سے پوچھا ’’یہ تمہاری ساتھی ہے؟‘‘
’’صرف ساتھی نہیں' میری گرل فرینڈ ہے۔‘‘ میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔
’’خوش قسمت ہو۔‘‘ وہ مسکرایا ’’میں شادی کر کے اپنی گرل فرینڈ کو کھو چکا ہوں....‘‘
اس کی بات پوری ہونے سے پہلے میں نے حیرت سے پوچھا۔ ’’کیوں؟ کیا کسی اور سے شادی کرا دی گئی؟‘‘
’’اسی سے شادی ہوئی ہے۔ بیوی بننے کے بعد وہ بالکل بدل چکی ہے۔‘‘ اس نے باقاعدہ ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی پھر پوچھا ’’تم نے اسے سر سے پیر تک چھپایا ہوا کیوں ہے؟‘‘
’’نیویارک کی شب بیداریوں کا حساب پورا کر رہی ہے۔‘‘ میں نے برجستہ جواب دیا۔
’’میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔
میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی۔ اس کے چلے جانے پر مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر جانے کا احساس ہوا تھا مگر اس وقت تک خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔
’’یہ اُلّو کا پٹھا کاک پٹ میں کب واپس جائے گا؟‘‘ چیف پائلٹ کے کافی آگے نکل جانے کے بعد کمبل میں سے ویرا کی منمناتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔
’’سانس روکے یوں ہی بیٹھی رہو۔ جب تک وہ جہاز کی دُم سے گھوم کر دوسری راہ داری سے آگے نہیں بڑھ جاتا' خطرہ موجود رہے گا۔ وہ ادھر سے تم پر نظر ضرور مارے گا۔‘‘ میں نے سرگوشی کی۔
ویرا اسی طرح کمبل میں بیٹھی رہی۔ میں نے اپنی اور اس کی نشستوں کی پشت پیچھے جھکا دی۔
چیف پائلٹ کا چکر بہت طویل ثابت ہوا۔ اس کے دوسری راہ داری میں پہنچنے تک دباؤ کی شدت سے میرے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ بظاہر میں اس کی طرف سے بے پروا تھا لیکن کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ویرا کا کمبل اس کے ذہن سے چمٹا ہوا تھا۔ دوسری راہداری سے اس نے متجسسانہ نظروں سے ہماری

طرف دیکھا اور اسی لمحے جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

ہوا کے دباؤ کے فرق کی وجہ سے جہاز اچانک ہی نیچے گیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا' متعدد مسافروں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ کیبن میں بے خبری کی وجہ سے کئی چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ فوراً حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات روشن ہوگئیں۔

پیجنگ سسٹم پر معاون ہوا باز کے وضاحتی اعلان سے قبل چیف پائلٹ کو اپنا دورہ نامکمل چھوڑ کر کاک پٹ کی طرف دوڑنا پڑ گیا تھا۔

بات پہلے جھٹکے پر ختم نہیں ہوئی۔ بحراوقیانوس کی فضاؤں میں جنم لینے والے کسی خاموش طوفان نے طیارے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیوہیکل جہاز کسی حقیر سے ہنڈولے کی طرح شاید کئی کئی سو فٹ نیچے گر کر دوبارہ اٹھ رہا تھا۔ پُرکیف سفر یک بہ یک ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہوچکا تھا۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق بیشتر مسافروں نے یاد آنے والی دعائیں پڑھنی شروع کردی تھیں۔

ان حالات میں ویرا کا کمبل میں دبکے رہنا قطعی غیر فطری ہوتا۔ پہلا جھٹکا لگنے کے بعد اس نے کسل مندی کے ساتھ کمبل اتار کر متلاشی نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "وہ یقیناً اپنے کاک پٹ کی طرف دوڑا ہوگا۔ یہ غیبی بحران نمودار نہ ہوتا تو شاید وہ لندن تک یہیں کہیں منڈلاتا رہتا۔ خدا کی پناہ.....! کمبل میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔"

"دم گھٹ ہی جاتا تو بہتر ہوتا۔ تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہوجاتیں۔"

"میں اتنی نرم و نازک نہیں ہوں کہ آدھے گھنٹے کے اس پردے میں مرجاتی۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہاری طرف بہت سے لوگ سارا سارا دن عورتوں کو پردے میں قید رہنے پر کیسے آمادہ کرلیتے ہیں۔"

"خرافات مت بکو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "برقعے ہلکے اور ہوادار کپڑے سے بنائے جاتے ہیں۔ پردے کے لیے کمبلوں کا کہیں کوئی رواج نہیں ہے۔"

"برقع پھر برقع ہوتا ہے۔ میں تو اسے ذرا سی دیر بھی برداشت نہیں کرسکتی۔"

"تمہاری پروا کون کرتا ہے۔ جو لڑکی دوسری حدود وقیود کی پابندی نہ کرتی ہو' اسے کون پردے میں بٹھا سکتا ہے۔ ہر بات میں موقع بے موقع اپنی مثال مت دیا کرو۔"

فلائٹ ایمرجنسی کے دوران پورا عملہ اپنی اپنی جگہ مستعد رہا۔ کاک پٹ سے چیف پائلٹ مسلسل مسافروں سے مخاطب رہا۔ وہ مسافروں کی رہنمائی اور تسلی کے لیے ہدایات اور وضاحتیں پیش کررہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی وحشت ناک بے یقینی کے بعد طیارہ اس گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ پرواز ہموار ہونے کے کئی منٹ بعد چیف پائلٹ نے وہ خوش خبری مسافروں کو سنائی ورنہ ہر شخص سیٹ میں یوں اکڑا بیٹھا تھا جیسے اسے دوبارہ ہچکولے شروع ہونے کا اندیشہ ہو۔

لندن پہنچنے کا اعلان ہونے پر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو نیچے گہرے بادلوں سے آگے کچھ نظر نہیں آسکا۔ فضا میں ہر وقت منڈلانے والی ہلکی اور گہری بدلیاں ہی اس شہرِ خرابات کی پہلی پہچان تھیں۔ جہاز اپنے سفر کے ساتھ ساتھ نیچے ہوتا جارہا تھا۔

"اگر جہاز کے دروازے پر چیف پائلٹ موجود ہوا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کو فوراً الفاظ کا روپ دے دیا۔

"اس بارے میں تم بالکل کورے ہو۔" اس نے بے باکی سے کہا "لینڈنگ کے بعد مسافروں کو کیبن کریو الوداع کہتا ہے۔ کاک پٹ کے عملے کو اس وقت تک اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک سامان اور مسافروں کا انخلا مکمل نہ ہوجائے۔"

"تمہاری پائلٹوں سے شناسائی رہی ہے۔ ان باتوں سے تمہارے سوا اور کون واقف ہوسکتا ہے؟"

چھٹتے ہوئے بادلوں کے درمیان سے کہیں کہیں لندن کی خواب ناک سی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ جہاز فضا میں رخ اور زاویے بدل بدل کر لینڈنگ پوزیشن کے لیے چکر لگاتا رہا۔ پائلٹ نے چند لمحوں بعد گیٹ وک ائرپورٹ پر لینڈنگ کے اعلان کے ساتھ منزل کا موسم بتایا۔ اس وقت وہاں ہلکی سی برسات ہورہی تھی۔

شہر کی روشنیوں سے آگے نکل کر طیارہ تیزی سے نیچے آنے لگا۔ وہ بادلوں کو چیرتا ہوا نیچے اترا تو ائرپورٹ پر ہر چیز دھلی دھلی' نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔

جہاز کے پہیوں نے رن وے کو کب چھوا' اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ کھڑکیوں سے باہر دوڑتی ہوئی اشیا سے اندازہ ہورہا تھا کہ ہم فضاؤں سے دوبارہ زمین پر آچکے تھے۔ رن وے پر طیارے کے پہیوں کی گرفت مستحکم ہوتے ہی بریک لگے اور طیارہ پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح دھیما ہوگیا۔

مسافروں نے روشن ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حفاظتی بیلٹ کھولنی شروع کردیں اور خانوں سے اپنا دستی سامان نکالنے لگے۔

ایک طویل مسافت کے بعد دیوپیکر طیارہ برج سے جا لگا۔ مسافر اپنی نشستوں سے اٹھ کر راہ داریوں میں قطار بند ہوتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک زمینی تیاریوں کا انتظار ہوتا رہا پھر دونوں قطاریں آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگیں۔

وہ گیٹ وک ائرپورٹ پر شاید اس رات کی آخری پرواز تھی۔ باہر زیادہ سرگرمیاں نظر نہیں آرہی تھیں۔

کھڑکیوں سے باہر ٹارمک اور رن وے پر دور تک برسات کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ہوا باز کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق موسم خاصا خنک تھا مگر جہاز میں آرام دہ حرارت رچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے باہر کا بھیگا بھیگا موسم نظروں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کو جہاز سے ملانے والا گینگ وے فرسٹ کلاس کے دروازے سے منسلک کیا گیا تھا۔ ہم پیش قدمی کرتے ہوئے اکانومی اور فرسٹ کلاس کو الگ کرنے والی عارضی رکاوٹ تک پہنچے تو ویرا کے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔

دروازے کے قریب عملے کے کئی اراکین مسکرا مسکرا کر جانے والوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ ان میں تین خواتین کے ساتھ ایک مرد بھی تھا لیکن جہاز کے چیف پائلٹ یا اس کے معاون کا دور تک پتا نہیں تھا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میرا دل چاہا کہ آگے والے سارے مسافروں کو پھلانگ کر ویرا سمیت جلد از جلد طیارے سے باہر نکل جاؤں۔

فرسٹ کلاس سے نکاس کا کھلا ہوا دروازہ جہاز کے اگلے حصے میں تقریباً اس کی نوک پر واقع تھا اور اس سے کاک پٹ کا فاصلہ بہ مشکل چند فٹ رہا ہوگا۔ دور سے کاک پٹ کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ آگے پہنچتے پہنچتے کاک پٹ کے متعدد نازک آلات اور پھر اندر بیٹھے ہوئے افراد کی پشت بھی نظر آنے لگیں۔

مسلسل بڑھتے ہوئے ہم ذرا سی دیر کے لیے ایسی خطرناک پوزیشن سے گزرے کہ اگر چیف پائلٹ صرف گردن گھما کر پیچھے دیکھ لیتا تو وہ اپنی نشست سے ہی ویرا کو پہچان سکتا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے سے ایک لفظ تک نہیں کہا مگر ویرا کو خطرے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ نازک مرحلے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس طرح اٹھالیا کہ وہ اس کے چہرے اور کاک پٹ کے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان خود بخود ایک رکاوٹ بن کر حائل ہوگیا۔

ائرلائنز کے عملے کی الوداعی مسکراہٹوں پر ہم دونوں خوش خلقی سے سرہلاتے باہر نکل گئے۔

طویل گینگ وے میں قدم رکھتے ہی ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "ہر قدم پر میری روح فنا ہو رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں میلوں دور سے بھاگتی ہوئی یہاں پہنچی ہوں۔"

غنیمت یہ تھا کہ ہم جہاز سے اترنے والے مسافروں کی آخری کھیپ میں نہیں تھے۔ ہمارے بعد بھی جہاز کے پیٹ سے مسافروں کی ڈار کی ڈار نکلی چلی آرہی تھی۔

گینگ وے عبور کرکے ہم عمارت کی ایک وسیع، بلند اور دور تک پھیلی ہوئی راہداری میں آئے تو وہاں مسافروں کی رہنمائی کے لیے نمایاں سائن بورڈ موجود تھے مگر یہ بات فوراً ہی واضح ہوگئی کہ رات کے اس پہر گیٹ وک ائرپورٹ پر زندگی کی رعنائیاں دم توڑ چکی تھیں۔ اس روشن اور پرشکوہ راہداری میں ہماری پرواز سے آنے والے مسافروں کے سوا شاید ہی کوئی اور موجود رہا ہو۔

علامات کے سہارے مسافر خود بہ خود دو سمتوں میں بٹ گئے۔ اس مقام پر کانٹی نینٹل ائرلائنز کے زمینی عملے کی ایک رکن خاتون مسافروں کی مدد کے لیے موجود تھی اور مسافروں کی رضاکارانہ تقسیم کو بہت آسودہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نیویارک سے لندن پہنچنے والوں کی بڑی تعداد امیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے گزر کر لندن میں داخلے کے لیے ایک طرف چلی گئی تھی۔ اس پرواز سے آنے والوں میں ٹرانزٹ مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی۔ عمارت کی ایک دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہم نے محض اپنی مجبوری کی وجہ سے نیویارک سے ایک نامناسب پرواز پکڑی تھی۔ شاید دوسروں کے ساتھ بھی ایسی ہی کوئی مجبوری رہی ہوگی ورنہ اتنے لمبے سفر میں کون بلاوجہ اپنی ایک رات برباد کرتا ہے۔

زمینی عملے والی خاتون بہت تیز اور پھرتیلی تھی۔ اس نے ہمارے قریب سے گزر کر آگے نکلتے ہوئے کہا "جلدی آجائیں تاکہ آرام کرنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے کیونکہ اگلی پرواز صبح سات بجے یہاں سے روانہ ہوجائے گی۔"

ٹرانزٹ ہال کے دروازے پر اس نے مسافروں سے پاسپورٹ اور ٹکٹ جمع کرکے انہیں خالی ہال میں انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ ہم دونوں تھکے ہوئے انداز میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات ان ہی صوفوں پر کالی ہوگی۔" میں نے شیشے کی دیواروں سے باہر زرد روشنیوں میں نہائے ہوئے ائرپورٹ پر نگاہ ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا "نیویارک سے نکل بھاگنے کے چکر میں ہم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ٹرانزٹ میں کتنا وقت برباد ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔ کوئی مسافر اپنی مرضی سے بھائیں بھائیں کرتے ہوئے اس لاؤنج میں رات بسر کرنا چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ ائرلائن اتنے لمبے ٹرانزٹ کے لیے ہوٹل ضرور فراہم کرے گی۔ یہاں بین الاقوامی سفری ضابطے سختی سے لاگو کیے جاتے ہیں۔"

ٹرانزٹ ہال کے امیگریشن کاؤنٹر پر پختہ عمر کی ایک خاتون بیزاری کے عالم میں بال پین کا سرا دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی۔ ہماری زمینی میزبان نے اپنے جمع کیے ہوئے پاسپورٹ اس کے سامنے رکھ کر اسے کچھ بتانے کی کوشش کی مگر امیگریشن والی وردی پوش خاتون نے اس کی تقریر میں ذرا بھی دلچسپی لیے بغیر پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرکے ان پر مہر لگانی شروع کردی۔

وہ ہال میں نازل ہونے والے نئے مسافروں کو جلد از جلد بھگتا کر وہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں تھی۔ ویسے بھی ائرلائنز اور امیگریشن کے عملے میں ہر جگہ ایک خاموش سی پیشہ ورانہ مفاہمت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہتیرے کام پھرتی سے نمٹ جاتے

ہیں۔

ہماری توقع کے برعکس ہماری میزبان ساری سفری دستاویزات ایک ہینڈ بیگ میں بند کر کے بہت جلد لوٹ آئی اور ہماری راہ نوردی دوبارہ شروع ہو گئی۔

اس بار ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ برسات کی بھیگی ہوئی خنک ہواؤں میں ایک بڑی اور آرام دہ بس سائبان کے نیچے ہماری منتظر تھی۔ میزبان خاتون دروازے پر کھڑی اندر جانے والے مسافروں کو غیر محسوس انداز میں گنتی رہی۔ آخر میں وہ خود بھی اندر آ گئی۔ خود کار دروازہ بند ہوا اور بس نے لندن کے اس مضافاتی ہوائی اڈے کو چھوڑ دیا۔

باہر سے گیٹ وک ائرپورٹ کا منظر بہت حسین تھا۔ پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی مگر وہاں نقل و حرکت کا فقدان تھا۔ مختلف ٹرمینلز کو ملانے والی برقی شٹل اپنی اپنی جگہوں پر ساکت تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری پرواز کی کلیرنس کے بعد وہاں صبح تک کے لیے تالے ڈالے جانے والے ہوں۔

میزبان اپنی مخصوص نشست کے سامنے لگے ہوئے مائیکروفون کے ذریعے تاکید کر رہی تھی کہ صبح ہم سب کو پونے پانچ بجے ہوٹل کے ہال میں ناشتے کے لیے پہنچنا تھا تاکہ ہوٹل سے سوا پانچ بجے تک روانہ ہو کر وقت پر ائرپورٹ پہنچ سکیں۔ ہوٹل میں دو دو مسافروں کو ایک ساتھ ٹھہرایا جانا مقصود تھا جس کے لیے ساتھیوں کو فوری انتخاب کی تجویز دی گئی تھی۔ خواتین کو اس شرط سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔

لندن اور گیٹ وک ائرپورٹ کے درمیان اتنا فاصلہ حائل ہے کہ وہاں آنا جانا ہوتا تو ہوٹل کا بستر لگائے بغیر ٹرانزٹ کا وقت آرام سے گزر جاتا مگر اس ہوائی اڈے کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے مسافروں کی اس ضرورت کا پیشگی خیال رکھا تھا۔

ائرپورٹ ٹرمینل سے چند منٹ کی مسافت پر ایک خوب صورت کثیر المنزلہ ہوٹل کے برآمدے میں ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔ جدید مواصلاتی ذرائع سے قبل از وقت موصول ہونے والی تفصیلات کی روشنی میں میزبان خاتون اور ہوٹل کے عملے کو ٹرانزٹ میں رکنے والے مسافروں کی تعداد کا علم تھا، کمرے تیار تھے، پاسپورٹ وغیرہ پہلے ہی میزبان کی تحویل میں تھے۔ فارموں پر مختصر اندراجات کے بعد چابیاں مسافروں کے حوالے کی جانے لگیں۔

وہ ہوٹل فائیو اسٹار نہیں تھا لیکن کمرے میں تمام سہولتیں اسی معیار کی تھیں۔ ایک طویل وقفے کے بعد آرام دہ ڈبل بیڈ سامنے آتے ہی میں اس پر ڈھیر ہو گیا۔

ائرلائن نے نیویارک سے مسافروں کا سامان براہِ راست آخری منزل کے لیے بک کیا تھا۔ ہمارے کپڑے وغیرہ سوٹ کیسوں میں بند گیٹ وک کے کسی کارگو ہینگ میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم دونوں میں سے کسی کو خیال تک نہیں آیا تھا کہ راستے میں شب بسری کی نوبت آ جائے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم نے کاموں میں الجھ کر مائیکل پر اندھا۔۔۔۔ اعتماد کر لیا تھا، اپنے ٹکٹ تک دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی ورنہ لندن سے روانگی کا وقت سامنے آتے ہی وہ عقدہ کھل جاتا۔

شب خوابی کے لئے متبادل لباس نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان ہی کپڑوں میں بستر پر دراز ہونا پڑا۔ ویرا نے بستر سنبھال کر ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی وژن آن کر کے آواز دھیمی کی اور پھر چینل بدلنے شروع کر دیے۔

لندن میں رات بھر کے قیام نے میرے ذہن میں اندیشے پیدا کر دیے تھے۔ میرے دماغ میں نہ جانے یہ بات کیوں بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمیں گیٹ وک ائرپورٹ پر بس کچھ دیر انتظار کر کے دوسرے طیارے سے آگے روانہ ہو جانا تھا۔ ہمارے لیے برطانیہ کی سرزمین بھی اسی قدر ہولناک تھی، جتنی امریکا کی۔ ہمارے امریکی حریفوں کے ذرا سے اشارے پر برطانوی حکام ہمارے خلاف صف آرا ہو سکتے تھے۔ دشمنوں کی اس دوسری سرزمین سے نکلے بغیر ہم خطرات سے دوچار تھے۔

ٹیلی وژن پر ویرا کی محنت آخر کار بار آور ثابت ہوئی۔ ایک چینل پر سی این این سے اشتہاروں کے طومار کے بغیر خبروں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس وقت افریقہ کے کسی ملک میں غذائی بحران کی دستاویزی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ شاید اہم خبروں کا ابتدائی حصہ گزر چکا تھا جو ایک مقررہ وقفے کے بعد دوبارہ سنایا جا سکتا تھا۔

"نیویارک سے پرواز کرنے تک میرا دل ڈوب رہا تھا۔" ویرا نے میری طرف کروٹ لے کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے یقین تھا کہ جینی نے ہم دونوں کے خلاف اپنے کمپیوٹر پر لکھا ہوا خط نشے کی جھونک میں نیویارک کے پولیس چیف کو فیکس کر دیا ہو گا اور نیو آرک ائرپورٹ سے ہماری روانگی ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے تقریباً آدھی مسافت طے کر لی ہے۔"

"میں اس کے بارے میں کچھ کہوں گا تو پھر تمہارا منہ بن جائے گا۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "تمہیں جو کچھ کہنا ہے، دل کھول کر کہو۔ اب میں برا نہیں مانوں گی۔ ہم نیویارک سے ہزاروں میل دور ہیں۔ تم چاہو تو بھی اس جادوگرنی سے ملاقات کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"تم اس کی طرف سے بلاوجہ ہی حسد اور رقابت میں مبتلا ہو۔ وہ بہت کھلے اور صاف ستھرے ذہن کی مالک ہے۔ اس نے ہمیشہ تم سے وہی کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔"

"اپنے بارے میں اس کی گھٹیا باتیں یاد کرو۔ وہ آخر تک تمہیں مجھ سے چھین لینے کی کوشش کرتی رہی۔ ایسی باتیں صاف ستھرے نہیں، غلیظ ذہن میں آتی ہیں۔ بس تم اسے منہ پھٹ کہہ سکتے ہو۔ وہ اپنی کسی بات کو راز میں رکھنے پر قادر نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں تم نے خود اس کی حوصلہ افزائی کی۔ مجھے روک کر اسے اکساتی رہیں۔ اس کی بے مہار خواہشوں کو ہوا دینے

میں تمہارا کردار بہت نمایاں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس کے باوجود ہم نے اس سے اپنے کئی بڑے کام کروالیے۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں کھیلتی رہی ہے۔"

میں نے ویرا کا وہ مان برقرار رہنے دیا اور دھیرے سے کہا "وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آخر تک تم سے سچ بولتی رہی اور تم آخر میں بھی اس سے جھوٹ بول کر آئی ہو۔"

"مجھے اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم کس جھوٹ کی بات کر رہے ہو؟"

"اس سے اگلے چند روز میں ملاقات کا وعدہ کرتے وقت تمہیں معلوم تھا کہ تم نیویارک میں ایک دن سے زیادہ کی مہمان نہیں ہو۔ اب وہ پورے خلوص سے تمہارا انتظار کرے گی۔"

"جو ہوا' بہت بہتر ہوا ہے۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہوگئی "تم اس سے پہلی بار ملے تھے' میں اسے برسوں سے جانتی ہوں۔ پیشہ ورانہ زندگی میں آنے کے بعد اس کی سوچ میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے جرم اور برائی کے بارے میں وہ اتنی حساس نہیں تھی لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ جارج شلز اور دوسرے تین ڈیوڈ اسٹارز کی موت کے بارے میں اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ سے نجات حاصل نہیں کر سکے گی اور کسی بھی وقت کسی ذمے دار افسر کے سامنے اپنا اقبالی بیان درج کرادے گی۔"

"وہ تمہاری رازدار یا شریکِ کار نہیں تھی۔ ہم نے اسے نادانستگی میں اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔ اگر ہمارے نکل آنے کے بعد وہ اپنی حماقتوں کے ازالے کی کوئی کوشش کرتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ تم اس پر بددیانتی یا غداری کا الزام نہیں لگا سکتیں۔"

ویرا تلخی سے ہنسی "یہ ازالہ نہیں ہوگا' وہ ناقابلِ تصور پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے تجربہ کار افسروں کے سینے میں پتھر کا دل ہوتا ہے۔ وہ اسے ہمارا معاون قرار دے کر دھرلیں گے اور پھر اس پر ایسا نفسیاتی تشدد ہوگا کہ وہ اپنے سارے نئے نظریے بھول جائے گی۔ آج کی پُرپیچ دنیا میں ایمان دار بننے کی کوشش کرنے والے بے ایمانوں کو ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اس پر ایسے ایسے گھناؤنے الزام عائد کیے جائیں گے کہ وہ تھرا اٹھے گی۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ امریکا میں ہم دونوں کی موجودگی کا پہلا باضابطہ انکشاف اسی کی زبان سے ہوگا۔ بعد میں اس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جاتی ہے' اس کے بارے میں تو شاید کبھی کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔"

"اگر اس نے فورٹ ہاؤس کے واقعے کے بارے میں لب کشائی کی حماقت کی تو پھر وہ اس سے آئزک نیل کے بارے میں بھی ہر بات اگلوالیں گے کیونکہ جینی رنگس میں ایک ذمے دار عہدے پر ملازم تھی۔ اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہاں سے گیپ کی فائل اسی نے اڑا کر ہم تک پہنچائی تھی۔ اس کا یہ قصور اس کے مستقبل پر بدقسمتی کی مہر لگا سکتا ہے۔"

"مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے۔ اسے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے دکھ ہوگا۔ امریکا میں وہ ہماری پہلی اور سب سے بڑی حلیف تھی۔ اس نے ہمارا بھرپور ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہم آج بھی اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوتے۔"

"یہ حقیقت ہر شبے سے بالاتر ہے۔ امریکا میں ہمارے دو ہی مددگار تھے۔ جینی نے لب کشائی کر کے مصائب کو از خود دعوت نہ دی تو وہ بچ جائے گی مگر بلیک ڈیڈ کا بچنا محال ہے۔"

"میں اس کے لیے خود کو دل گرفتہ محسوس کر رہا ہوں۔ ہم نے دانستہ اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کی۔ ہم نے پوری نیک نیتی سے اس کے تعاون سے فائدہ اٹھایا۔ آثار و قرائن یہی ہیں کہ وہ جلد ہی مشکلات سے دوچار ہو جائے گا۔"

سی این این کی نشریات کے بارے میں مختصر سے اشتہاری وقفے کے بعد سی این این کی ہیڈ لائن نیوز کا آغاز ہوگیا۔ اس میں سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز میں ہونے والے مہلک دھماکے پر سنسنی خیز انکشاف سرِفہرست تھے۔

ہم دونوں خاموشی سے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

خبروں کا انداز حسبِ معمول ڈرامائی تھا۔ ناظرین کو تجسس میں الجھا کر سی این این کا مزید ایک اشتہار دکھایا گیا پھر نیوز کاسٹر نے ورجینیا میں فیئر فیکس کا ذکر کیا اور کیمرا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کے تباہ شدہ حصے پر مرکوز ہوگیا جہاں چار ہلاکتوں کے ساتھ آٹھ افراد زخمی ہوئے تھے۔

ماہرین نے جائے حادثہ کے معائنے اور وہاں سے ملنے والی شہادتوں کے تکنیکی تجزیے سے یہ سراغ لگا لیا تھا کہ اس واردات میں کوئی مسروقہ ٹی این ٹی بیلٹ استعمال کی گئی تھی۔ وہ لوگ بہت تیزی کے ساتھ صحیح نتیجے پر پہنچے تھے۔

اسکرین پر فیئر فیکس میں موجود سی این این کا نامہ نگار بتا رہا تھا کہ جدید لاسلکی ریموٹ کنٹرول سے پھٹنے والی وہ خوف ناک بارودی بیلٹ پینٹاگون کے دو یہودی محققین کی ایجاد تھی۔ وہ بیلٹ اپنی میعاد گزرنے کی وجہ سے محدود پیمانے پر تباہی پھیلا سکی تھی جس کے نتیجے میں صرف چار افراد ہلاک ہوئے تھے۔ اگر اس کی جگہ کوئی نئی بیلٹ استعمال کی جاتی تو تباہی سے ہونے والے نقصانات پانچ گنا سے بھی زیادہ ہو سکتے تھے اور شاید باقیات کا تجزیہ بھی اس قدر آسان نہ رہتا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بدری ناتھ اپنی کمر پر ٹی این ٹی بیلٹ باندھ کر نیویارک سے سیدھا فیئر فیکس پہنچا تھا۔ وہ ذاتی طور پر کچھ اہم ترین کاغذات کی نقول سی آئی اے کے سربراہ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ کاغذات کیا تھے' بدری ناتھ کے ہاتھ کیسے لگے' اس بارے میں سی آئی اے کے ذمے داروں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

بدری ناتھ کی پچھلی کارکردگی کی روشنی میں یہ نظریہ تقویت پکڑتا نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے محکمے کے خلاف کوئی سازش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنے پراسرار مخبریا زیادہ واضح طور پر عباس کرمانی کی کسی بے رحمانہ سازش کا نشانہ بنا تھا۔

عباس کرمانی نے دانستہ کچھ ایسے کاغذوں کی نقول بدری ناتھ کو فراہم کیں جن کے لیے فیئر فیکس سے وائٹ ہاؤس تک سب پریشان تھے۔ سرکاری طور پر اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا مگر واشنگٹن کے باخبر حلقوں کے لیے وہ ایک کھلا راز تھا۔

گیپ کا نام لیے بغیر نامہ نگار نے کہا کہ وہ نقل حاصل کرتے ہی بدری ناتھ نے نیویارک سے ورجینیا کی طرف دوڑ لگا دی۔ مجرم نقول دینے سے پہلے کسی طرح بدری کو ٹی این ٹی بیلٹ استعمال کرنے پر آمادہ کرچکا تھا۔ بدری اس چرمی بیلٹ کی تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ وہ سی آئی اے کے محافظوں کے سامنے سے گزر کر ایک بارودی انسان کے روپ میں اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو عباس کرمانی نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ہیڈ کوارٹرز میں خونین دہشت گردی کا ایک المناک باب رقم کرڈالا۔

نیویارک کے فورٹ ہاؤس میں دو مقتولین پر لیزر گن جیسے خفیہ ہتھیار کے استعمال کے محض دو روز بعد سی آئی اے سینٹر میں ٹی این ٹی بیلٹ کے استعمال نے قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں سمیت پینٹاگون والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہ سوال پوری شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا تھا کہ اہم ترین دفاعی اداروں کے اسلحہ خانوں میں رکھے ہوئے حساس ترین نوعیت کے آلات کی حفاظت کی کیا ضمانت رہ گئی تھی۔

اگر امریکی ساختہ لیزر گن اور ٹی این ٹی بیلٹ کسی مجرم اور دہشت گرد کے ہاتھ لگ سکتی تھی تو پھر جوہری ہتھیاروں کے ذخائر بھی ایسے مجرموں کی دسترس میں تھے۔ وہ امریکا کے کسی بھی حصے میں کسی وقت دہشت گردی کی تاریخ کا کوئی بدترین مظاہرہ کرسکتے تھے۔

یہ امریکی قوم کی بنیادی خوبی یا خرابی ہے کہ وہ لوگ جب کسی واقعے یا حادثے سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں تو پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں' اس کے ہر مثبت اور منفی پہلو کو پوری طرح کھنگال کر رکھ دیتے ہیں۔ الیکٹرونک ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلائے جانے والے مہلک ترین ہتھیاروں کے عدم تحفظ اور قومی سلامتی پر اس کے اثرات کے سوال پر ٹیلی وژن پر مختلف شخصیات کی آرا کا سلسلہ چل پڑا جو میرے لیے خشک اور غیر دلچسپ تھا۔ امریکیوں کی انفرادی اور قومی سلامتی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"مجھے بلیک ڈیڈ کی شامت کے نمایاں آثار نظر آنے لگے ہیں۔ وہ بے چارہ اپنی خفیہ حرکتوں اور ہرزہ سرائیوں کی بہت بھاری قیمت ادا کرے گا۔" میں نے ریموٹ سے ٹیلی وژن بند کرکے کہا۔

"ابھی تک اس کا نام نہیں آیا۔ سارا زور عباس کرمانی پر ہے۔" ویرا بولی "دعا کرو کہ ہم لوگوں کے پاکستان پہنچنے تک یہ صورتِ حال اسی طرح الجھی رہے۔"

"وہ لوگ بہت تیزی سے صحیح سمت میں پیش قدمی کررہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس کے واقعے کی بازگشت پھر سنائی دے رہی ہے۔ اس حوالے سے نیویارک کی زیرِ زمین دنیا میں بلیک ڈیڈ خود اپنے نام کو جھنڈے پر چڑھاتا رہا ہے۔ رشوت خور پولیس اہل کار عام حالات میں ان حقیقتوں سے چشم پوشی اختیار کرسکتے ہیں لیکن اب قومی سلامتی کے سنگین سوال اٹھائے جارہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس میں بیم گن کے استعمال کی بات کھل چکی ہے۔ سی آئی اے والے بلیک ڈیڈ کو تفصیلی مشوروں کے لیے کسی بھی وقت اٹھا کرلے جائیں گے۔ جسمانی اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس نے ہمارا یا پیری کا ویل کا نام لے ڈالا تو سی آئی اے والوں کا کام بہت آسان ہوجائے گا۔"

"موجودہ نقصانات کے بعد شاید آئزک بیل کی باتوں پر غور کیا جائے گا۔ ابھی تک وہ اکلوتا گواہ ہے جو عباس کرمانی کے بجائے ہم دونوں کو ملوث کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"بدری ناتھ کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد بہت کچھ بدل جائے گا۔ اب وہ اپنی کھوپڑیوں سے غور و خوض کریں گے' بھٹکانے والے کے ہٹ جانے کے بعد ان کے اخذ کیے ہوئے نتائج صحیح بھی ہوسکتے ہیں۔ شاید اگلے ایک دو روز میں معاملات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

"امریکی عام طور پر بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ذہانت اور مکاری کے سہارے ہی دنیا پر راج کررہے ہیں۔" ویرا نے میرے لہجے میں ابہام محسوس کرکے کہا "یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ پچھلے دنوں وہ کسی سدھائے ہوئے گدھے کی طرح ہماری بچھائی ہوئی راہوں پر چلتے رہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کو بھٹکانے میں بدری ناتھ کلیدی کردار ادا کررہا تھا۔"

"سی این این والے کاغذوں کی نقول کا حوالہ دے رہے تھے لیکن خبر میں ایک بار بھی گیپ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گیپ ایک سرکاری کمزوری کا نام ہے۔ وہ اسے ہر قیمت پر خفیہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ بات زیادہ اچھلے گی تو یہ نام بھی زبان زدِ عام ہوجائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "اب مجھے تھوڑی سی نیند لے لینے دو۔ میں پورے سفر میں اعصابی کشیدگی میں مبتلا رہی ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں ذرا کراچی کی خیر خبر لے لوں۔ اپنے چکروں میں ہم انہیں بھول ہی گئے ہیں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ انہیں اطلاع دے کر کراچی میں اپنے استقبال کا بندوبست کرانا چاہتے ہو۔ وہ تینوں جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچ جائیں گے۔"

"کسی وقت اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر ڈھنگ کی بات

بھی سوچ لیا کرو۔"
"یہ کام تمہارے ذمے ہے۔ بس اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔" اس نے کروٹ لے لی۔
میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اندازہ لگایا کہ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے وہ بہت سویرا تھا۔ وہ دونوں فلیٹ میں فرصت اور فراغت کے دن گزار رہے تھے۔ انہیں صبح سویرے بستر سے اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ اول خان کو اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ اسی سے کچھ کھلی کھلی باتیں کرکے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔
میں نے آپریٹر کو جوں ہی پاکستان کا نمبر بتایا' اس نے متذبذب مگر مہذب لہجے میں کہا "سر' آپ ٹرانزٹ میں اپنی ائرلائن کے مہمان ہیں مگر وہ اس فون کال کی ادائیگی نہیں کریں گے۔ ان کی ذمے داری کمرے اور ناشتے تک محدود ہے۔"
"مس! تم فکر نہ کرو۔ کال کی ادائیگی میں خود کروں گا۔ تم جلدی سے نمبر ملا دو۔"
چند ثانیوں میں کال مل گئی اور اول خان کی چہکتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی "تم کہاں غائب ہو؟ اتنے لمبے وقفے کے بعد کراچی کا خیال آیا ہے....."
"سچ پوچھو تو ہر وقت کراچی ہی کا خیال رہتا ہے۔ یہاں پڑے پڑے طبیعت اکتا چکی ہے۔"
"پڑے پڑے!" اس نے حیرت سے دہرایا "تو کیا تازہ خبروں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟ ان میں تمہارے دوست کا نام بھی اچھالا جا رہا ہے۔"
وہ یقینی طور پر فیئر فیکس کا حوالہ دے رہا تھا۔ میں نے متانت سے کہا "تعلق نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بات نہ کر رہا ہوتا۔ اس واقعے نے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔"
"خدا خیر کرے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میرے جواب پر اول خان دہل گیا "تمہارا واپسی کا کیا پروگرام بن رہا ہے؟"
میں ہنس پڑا "تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو۔ آستین کے سانپ کو مار لینے کے بعد وہاں سے نکلنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ اس وقت میں ٹرانزٹ پر لندن میں ہوں۔ شام کی پرواز سے ہم دونوں کراچی آ رہے ہیں۔ اب تم سے وہیں تفصیلی ملاقات ہوگی۔"
"اوہ! تو تم لندن آ چکے ہو۔ تم نے دل خوش کردیا میرا۔ تم جتنی تیزی دکھا رہے تھے اس کے بعد تمہیں وہاں سے نکل ہی آنا چاہیے تھا۔ کہو تو میں گاڑی ائرپورٹ بھیج دوں؟"
اس کے آخری سوال پر میرا دل بجھ گیا "کیوں؟ کیا تم نہیں آؤ گے؟"
"تم چاہو گے تو سر کے بل آؤں گا مگر میرا مشورہ ہے کہ مجھے نہ بلاؤ۔ تمہاری آمد خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ تم دونوں الگ الگ ہی آؤ۔"
"تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کردیا۔ وہاں خیریت تو ہے نا؟"
"بس خیریت ہی سمجھو۔ میں یہ مشورہ احتیاطاً دے رہا ہوں۔ کل تمہارے فلیٹ کے قریب دو مشتبہ آدمی منڈلاتے ہوئے نظر آئے تھے۔ میرے آدمیوں کی باز پرس سے پہلے ہی وہ خطرہ بھانپ کر کہیں روپوش ہوگئے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم واپس آتے ہی کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔"
"میں تمہارا مشکور ہوں۔ کسی کو ائرپورٹ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں الگ الگ ٹیکسیوں سے خود ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ وہیں ملاقات ہوگی۔"
"تمہارے دونوں ساتھی بے وقوف اور جذباتی ہیں۔ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر ائرپورٹ پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں تمہاری واپسی کی اطلاع نہیں دوں گا۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے مطلع کردیا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت فون پر ہماری کوئی بات نہیں ہوئی۔ اب رات کو ہی ملاقات ہوگی۔"
اول خان سے وہ مختصر سی گفتگو کرکے میں نے فون بند کردیا۔
میرے ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے چونک کر ریسیور اٹھالیا۔
دوسری طرف ہوٹل کی آپریٹر موجود تھی اور مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ ہوٹل کے سروس چارجز وغیرہ ملا کر اس کال کی مالیت سوا پانچ پاؤنڈ بنی تھی۔
"کیا وہاں کوئی گڑبڑ ہے؟" ویرا نے تھکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
میں نے اول خان سے جو کچھ سنا تھا' وہ اس کے گوش گزار کردیا۔
بستر میسر آنے پر مجھے بھی شدت سے نیند کی ضرورت کا احساس ہو رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا کرنے کے چند منٹ بعد ہی میری آنکھ لگ گئی۔
ساڑھے چار بجے آپریٹر نے کال کے ذریعے ہمیں بیدار کیا تو میرے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا مگر مجبوری تھی۔
ہم دونوں جلد ہی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوگئے۔ شکن آلود لباس کی تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ آئینے میں اپنا سراپا درست کرتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔
ہوٹل کے وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں مسافر تیزی کے ساتھ جمع ہوتے چلے گئے۔ ان کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ سب لوگ ہال کے ایک گوشے میں سما گئے۔ ہوٹل کی انتظامیہ نے ہمارے ناشتے کے لیے ہال میں سیلف سروس کی صرف ایک ہی میز سجائی تھی۔
مسلمانوں کے مذہبی گھرانوں کے سوا دنیا بھر میں کہیں بھی سحر خیزی کی روایت اب موجود نہیں رہی ہے۔ جو لوگ منہ اندھیرے اٹھتے ہیں' وہ کسی ذاتی' کاروباری یا ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے اٹھتے ہیں ورنہ دنیا کی بیشتر آبادی اپنی سہولت کے مطابق دیر سے

اٹھنے کی عادی ہوتی چلی جارہی ہے۔ لندن جیسے شہر میں صبح کے پونے پانچ بجے بیدار بلکہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچنا میرے لیے ایک خوش گوار تجربہ تھا۔

شیشے کی شفاف دیواروں سے باہر ہوٹل کے احاطے میں لگے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کے تختے مصنوعی روشنی میں عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت آسمان پر اندھیرے کا راج تھا اس لیے احاطے میں لگے ہوئے بلب اور اسٹریٹ لیمپ بدستور روشن تھے۔ رات کو ہونے والی بارش تھم چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ہوٹل کی آرام دہ فضا سے باہر نکلتے ہی صبح کی کاٹ دار ہوائیں ہمارا استقبال کریں گی۔

ناشتے کے درمیان میں ائرلائن کی طرف سے ہماری نئی زمینی میزبان وہاں آپہنچی۔ رات والی خاتون کے بدن پر یونائیٹڈ کی وردی تھی۔ اس بار آنے والی امارات کی پُروقار وردی میں ملبوس نظر آرہی تھی۔ وہ ایک جواں سال اور ہنس مکھ مقامی لڑکی تھی۔

اس وقت تک ہماری سفری دستاویزات کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ائرپورٹ کی حدود میں داخلے سے پہلے ان کی واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

بڑے طیاروں پر مقامی اور بین الاقوامی پروازوں سے سفر کے لیے ہر ائرلائن زور دیتی ہے کہ مسافر پرواز سے کم از کم دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پر رپورٹ کریں تاکہ آخری لمحات میں ہجوم اور بدنظمی نہ ہو' سارا کام خوش اسلوبی سے پورا ہوسکے مگر ہم لوگوں کے سلسلے میں کچھ رعایت سے کام لیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا سامان پہلے ہی ائرلائن کی تحویل میں تھا۔ سفری دستاویزات یک جا تھیں۔ گروپ کی صورت میں ہر کام تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا۔

ایک کوسٹر نے ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ہمیں ہوٹل سے گیٹ وک ائرپورٹ کے متعلقہ ٹرمینل پر اتار دیا۔ رات کو ویران اور خالی نظر آنے والی عمارتوں میں اس وقت زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ اتنے سویرے بھی وہاں مسافروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

دستاویزی کارروائیوں کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہم بورڈنگ کارڈ سمیت روانگی کے لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں روایتی رونق اور گہماگہمی ہماری منتظر تھی۔

"ابھی تک کچھ نہیں ہوا' اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل جائیں گے۔" ویرا نے مجھے ایک طرف دھکیلتے ہوئے سرگوشی کی۔

"صبح سویرے ایسے منحوس اندیشوں کے بارے میں نہ سوچو۔" میں نے اسے گھور کر کہا "فکرمندی سے شروع ہونے والا دن پریشانیوں میں ہی نہ گزر جائے۔"

"ہم نیویارک میں تھے تو واقعات کی گرمی اور روانی میں بہت کچھ کرتے چلے جارہے تھے۔ اب سوچتے ہوئے حیرت ہوتی ہے

کہ ہم نے مختصر سی مدت میں وہاں کیسی یادگار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ جب امریکیوں کو علم ہوگا کہ ہم ان کی ناک کے نیچے ان کے سینے پر مونگ دلتے رہے تھے تو وہ اپنی بے خبری پر بال نوچتے رہ جائیں گے۔ ان کے گھر میں شاید ہی کسی نے اتنی بے دردی سے جوتے لگائے ہوں۔"

"اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے آئزک بیل کو کچھ رعایتیں دینے کا فیصلہ کرلیا تو وہ زخمی ناگ دم توڑنے کے بجائے دوبارہ جان پکڑ لے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا "ہر بات معاف اور نظرانداز کی جاسکتی ہے لیکن امریکا پر راج کرنے والی ایجنسیاں یہ بات فراموش نہیں کرسکیں گی کہ وہ گیپ جیسی اہم دستاویز کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام ہوچکا تھا۔"

"وہ اندر کی کہانی ہے۔ اس پر ظاہری فردِ جرم بھی سنگین ہے۔"

"ہارلم کے فسادات اور کوئنز مڈٹاؤن ایکسپریس وے پر دہشت گردی کے ذریعے ایک پولیس افسر کے قتل کے الزامات سے وہ بری نہیں ہوسکے گا۔"

ویرا لاؤنج کے ایک بار کی طرف بڑھی تو میں چونک پڑا "یہاں کہاں جارہی ہو؟"

"شہری شراب خانوں پر وقت کی پابندی ہوتی ہے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر مسکرائی "میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس وقت پورے لندن میں کوئی شراب خانہ نہیں کھلا ہوگا مگر یہاں وقت کے ستائے ہوئے مسافروں کی سہولت کے لیے اس وقت بھی ساقی اپنے مے کدے میں موجود ہے۔"

گول محرابی کاؤنٹر کے پیچھے موجود بھرے بھرے بدن والی خاتون صبح کی اولین مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئی اور ویرا نے فرمان جاری کردیا۔

"دو لارج بلیک لیبل.... برف اور سوڈے کے ساتھ۔" یہ سنتے ہی خاتون اپنے عقب میں لٹکی ہوئی بوتلوں کی قطار کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ مے نوشی کا کون سا وقت ہے؟ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔" میں نے اردو میں شدت سے احتجاج کیا۔

"جہاز پر مفت کی ملتی ہے مگر تمہیں علم ہے کہ میں نے نیویارک سے یہاں تک بیئر کے ایک کین کے سوا کچھ نہیں لیا تھا۔ اب موڈ بحال رکھنے کے لیے یہ ٹانک ناگزیر ہوگیا ہے۔ یہ گلاس تمہارے معدے میں اترے گا تو تمہیں باہر کی فضا زیادہ رنگین اور پُرامید نظر آنے لگے گی۔"

میں نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔
"محض آرڈر دے کر تمہارا یہ حال ہے تو گلاس خالی کرنے کے بعد تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ایسا ہو تو کوئی رسک نہ لینا۔ مجھے یہیں چھوڑ کر تم نکل جانا۔ چند روز کے لیے غزالہ خوش ہو جائے گی کہ تم نے آخر کار مجھ سے اپنا پیچھا چھڑا ہی لیا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

ساقی گری کرنے والی خاتون نے شیشے کے دو چمکتے ہوئے پیمانوں میں جھلملاتا ہوا سیال ہمارے سامنے رکھ دیا۔ وہ برف کے ڈلے ڈال چکی تھی۔ ساقن سے دونوں پیمانوں میں سوڈے کی دھاریں مارتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی "علی الصباح کا یہ ڈرنک مبارک ہو۔ یہ میری آج کی پہلی سیل ہے۔"

"تم کو شرم آنی چاہیے۔" میں نے ویرا کو ملامت کی "یہاں بے شمار سفید فام نظر آرہے ہیں جن کی گھٹی میں شراب شامل ہوتی ہے لیکن انہوں نے بھی اتنے منہ اندھیرے بار کا رخ نہیں کیا....."

"تقریر مت کرو اور پیگ اٹھاؤ۔" ویرا غرائی "میں ہمیشہ تمہاری خواہشات کا احترام کرتی ہوں۔ اس وقت تم میری بات مان لوگے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ میں تمہیں زہر کا پیالہ تو نہیں پلا رہی۔"

اس کی بڑی بڑی اور چمک دار آنکھوں میں شرارت سے زیادہ سرکشی ناچ رہی تھی۔ ایسے موڈ میں وہ ہمیشہ جارح اور زبان دراز ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے خاموشی سے پیگ اٹھالیا۔

"تمہارے دشمنوں کے اڑے ہوئے چیتھڑوں کے نام۔" اس نے اپنا پیگ میری طرف لہرایا۔

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر اپنے لب تر کر لیے۔ اس وقت ویرا کے منہ لگ کر مجھے کوفت اور جھلاہٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

میں اس وقت اُکھڑے اُکھڑے رویّے کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید ویرا جہاز کا رخ کرنے تک وہیں جمی رہتی۔ میرے تیور دیکھ کر اس نے مزید فرمائش نہیں کی۔ ادائیگی کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔

ویرا نے ایک سہ نشستی صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگائی اور میں لاؤنج میں ٹہلتا ہوا آگے نکل گیا۔ دنیا کے سفر پر نکلے ہوئے دنیا جہان کے لوگوں کی ارادی اور اضطراری حرکات کا گہرا مشاہدہ میرے لیے ہمیشہ دلچسپی سے بھرپور ثابت ہوتا تھا۔

ویرا سے الگ رہ کر میں نے مٹرگشت میں اپنا وقت بہت آسانی سے گزار لیا۔ سوا چھ بجے ہماری فلائٹ کی بورڈنگ کے اعلانات ہر جگہ نظر آنے لگے۔ اسکرین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ اگلے ایک گھنٹے میں گیٹ وک سے کم از کم سات پروازیں روانہ ہونے والی تھیں۔ اس اعتبار سے ہماری صبح سات بجے کی پرواز انوکھی نہیں تھی۔ اپنی اگلی منزل پر زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کے خواہش مند مسافر صبح سویرے سفر کے آغاز کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لاؤنج بہت تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔

ہم وہاں پہنچے تو ایشیائی باشندوں کی ظاہری تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسافروں کی بھیڑ میں نہ صرف ایشیائی بلکہ بہت سے پاکستانی چہرے بھی نظر آنے لگے تھے۔ میں ان لوگوں کا دور دور سے محتاط جائزہ لیتا رہا تاکہ اپنے کسی ممکنہ شناسا سے دور رہ سکوں۔

کراچی میں میری سرگرمیاں اپنے کاموں تک محدود رہتی تھیں۔ میں نے کبھی بھی تقریبات وغیرہ میں شامل ہو کر لوگوں سے میل جول بڑھانے کی کوششیں نہیں کی تھیں' اسی وجہ سے میرے واقف کاروں کی تعداد کبھی بھی زیادہ نہیں رہی تھی۔ یہ خامی یا خوبی میرے کاموں میں ہمیشہ معاون ثابت ہوئی تھی۔

میں نے ٹہلتے ہوئے طائرانہ نظروں سے ہال کا جائزہ لیا تو ویرا کے صوفے پر جاپانیوں کی ایک ٹولی کو قابض پایا۔ ویرا کہیں نکل چکی تھی۔ میں بے پروائی سے اپنے گیٹ کی طرف چل دیا۔

جہاز کا سفر قدرے طویل وقفے کے بعد ہو تو اس میں سنسنی اور نئے پن کا احساس ہوتا ہے ورنہ سب کچھ ایک لگے بندھے معمول کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ میں راہداری سے گزر کر جہاز میں داخل ہوا اور ٹرالی سے تازہ اخبار لیتا ہوا اپنی نشست کی طرف چل دیا جس کی نشان دہی ایک ائرہوسٹس کر چکی تھی۔

جہاز... میں غیر ملکیوں کے ساتھ متعدد پاکستانی چہرے بھی نظر آرہے تھے۔ ان میں سے بعض اپنے بال بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر دو حصوں میں بانٹ لیا۔ اپنے ظاہری احوال اور بول چال سے ایک وہ طبقہ نظر آرہا تھا جو مستقل بنیادوں پر برطانیہ میں مقیم تھا۔ وہ لوگ رشتے داروں سے ملنے جلنے یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ دوسرے پاکستانی وہ تھے جو سیر و تفریح یا تجارتی کاموں کو نمٹانے کے بعد اپنے وطن لوٹ رہے تھے۔

میں ان دونوں طبقوں کی معاشرت' بود و باش' بول چال اور زندگیوں کا موازنہ کرتا ہوا اپنی نشست تک پہنچا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دانت نکال دیے۔

"اس وقت تم کوئی شوخ بندریا معلوم ہو رہی ہو۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"شکریہ!" اس نے برا مانے بغیر خوش دلی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ بہتیرے پاکستانی سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں کو پیار سے بندر کہتے ہیں۔ اس رعایت سے تم مجھے بندریا ہی کہہ سکتے ہو۔"

"یہ نام پیار سے نہیں' تحقیر کے لیے دیا جاتا ہے۔" اس کی ڈھٹائی پر مجھے غصہ آگیا۔

"جھوٹ مت بولو۔" وہ اٹھلا کر بولی "میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم کبھی میری تحقیر کا تصور بھی کر سکتے ہو۔ یہ مذاق مجھے پسند نہیں آیا۔"

وہ پوری سنجیدگی سے مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور میرا

پارہ چڑھ گیا۔

"ہم اپنے کمرے میں نہیں، جہاز میں بیٹھے ہیں۔ یہ پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہارا بایاں نتھنا یوں ہولے ہولے پھڑک رہا ہے۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی پانچویں انگلی ملا کر انہیں خفیف سی جنبش دیتے ہوئے کہا "جب تم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے ہوتے ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ بس یہی دیکھ کر میری ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ کیا مجھ پر غصہ آرہا ہے؟"

"بول چال میں احتیاط کرو اور خود پر قابو رکھو۔" میں نے اسے گھور کر سرزنش کی "ہمارے ساتھ پاکستانیوں کی خاصی تعداد سفر کررہی ہے۔ تمہاری بے لگام باتیں کسی کو بھی ہماری طرف متوجہ کرسکتی ہیں۔"

"خاصی تعداد کا ذکر غیر ضروری ہے۔ تمہارے ساتھ شاید سارے پاکستانی برسوں سے سفر کررہے ہیں۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

اس کی بات فوری طور پر میرے پلّے نہیں پڑ سکی "اب کہاں کی ہانک رہی ہو؟"

"حقیقت اتنی ہی کڑوی ہوتی ہے۔ تم اردو والے سفر کی بات کررہے تھے، مجھے انگریزی والا سفر یاد آگیا۔ تمہارا قومی ابتلا میرے لیے ہمیشہ تشویش ناک رہا ہے۔ پتا نہیں تمہاری قوم اپنی قیادت کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے یا پھر قوم کی بے راہ روی کی سزا میں اس پر خود غرض اور بدعنوان حکمراں مسلط کیے جاتے رہے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے ورنہ اول خان جیسے شخص کو معطلی اور پھر معزولی کا خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ وہ واقعہ میرے ذہن سے جونک کی طرح چمٹ کر رہ گیا ہے۔"

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی ذہنی رَو اسی طرح اچانک بدلتی تھی۔ کہاں وہ مجھے چڑا کر لطف اندوز ہورہی تھی اور کہاں یکایک پاکستان کا ایک سنگین ترین مسئلہ لے بیٹھی تھی۔

"یہ صرف ایک گناہ کی سزا ہے۔" اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے میں نے بھی غصہ تھوک دیا "ہر شخص ہوسِ زر میں مبتلا ہوچکا ہے اور اپنی توفیق کے مطابق لوٹ مار میں مصروف ہے۔ یہ ملک ان گنے چنے نیک لوگوں کی وجہ سے چل رہا ہے جو اس بھیڑ چال سے بچے ہوئے ہیں۔"

"میں تو یہ پڑھ پڑھ کر حیران ہوتی ہوں کہ تمہارے ملک میں رشوت، کمیشن اور بینک کے ساتھ ساتھ بھاری قرضوں کی معافی کا فیشن بھی برسوں سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ایسی ننگی لوٹ تو ترقی یافتہ ملک بھی نہیں سہہ سکتے۔ یہ ساری لوٹ مار وہ طبقہ کرتا ہے جو اقتدار اور اختیار پر قابض ہوتا ہے۔ عام لوگ حسرت اور محرومی سے یہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ اہل کار جو ان دونوں کے درمیان آتے ہیں، اپنی چاندی کررہے ہیں۔ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اربوں روپے ڈکار جانے والے تمہارے ملک میں معزز کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کسی کے گھر میں چوری کرنے والے کا ہاتھ قلم کردینے کے نکتے اٹھائے جاتے ہیں مگر ان معزز ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے اجازتوں کے عذر پیش کیے جاتے ہیں۔ جب قانون موجود ہے اور جرم کے سارے شواہد موجود ہیں تو پھر کس اجازت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ عام ڈاکوؤں، چوروں اور لٹیروں کو کس کی اجازت سے، کس قانون اور اختیار کے تحت اور کیوں گرفتار کرکے سزایاب کرایا جاتا ہے؟ حیرت ہے کہ آج تک تمہارے ملک میں کسی نے بھرپور انداز میں حکمرانوں سے ان سوالوں کے جواب دریافت نہیں کیے۔"

"ابھی تک تم ہمارے معاشی ناسور کی باتیں کررہی تھیں اور میں تمہیں جواب دے رہا تھا۔ اب تم سیاست کی طرف آگئی ہو۔ ساری اجازتیں سیاسی مصلحتوں اور سودے بازیوں کی پابند ہوتی ہیں۔ میں سیاست سے دور بھاگتا ہوں۔ میں نے جس دن یہ سب سوچنا شروع کردیا، میں اپنا اصل کام بھول جاؤں گا۔"

"یہ انفرادی لاتعلقی ہی تمہاری قوم کا اجتماعی مرض ہے۔" وہ یکایک جذباتی ہوگئی "سیاست کوئی غلاظت یا حرام کاری نہیں ہے جو تم اس سے یوں دور بھاگتے ہو۔ وہ تمہاری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے، تم پر ہر طرح اثرانداز ہوتی ہے۔ تم نے اپنے حق سے دست بردار ہوکر اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سیاست داں جو چاہیں، کرتے رہیں۔ تم نے اپنے اوپر ایک خود ساختہ مسکینی، مایوسی اور بے بسی طاری کی ہوئی ہے۔ اپنا ووٹ بدمعاشوں کو مسترد اور نیک نام لوگوں کو کامیاب بنانے کے لیے استعمال کیوں نہیں کرتے۔ رائے شماری کا وقت آتا ہے تو تم لاتعلقی اختیار کرکے ٹیلی وژن پر خاص پروگرام دیکھنے بیٹھ جاتے ہو یا پھر بستر میں پڑے اینڈتے رہتے ہو۔ تمہارا ووٹ بالا ہی بالا ان بدمعاشوں کے حق میں استعمال ہوجاتا ہے جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ ایسی مجرمانہ لاتعلقی کے بعد جب کوئی تیکھا سوال سامنے آتا ہے تو جنم جلی بوڑھیوں کی طرح سیاست کو کوسنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"ہمارے تجربے تم سے مختلف اور ذرا تلخ ہیں۔" میں نے سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا "یہ لاتعلقی خود بہ خود ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے اسباب بہت گہرے ہیں۔ لوگوں نے مخلص قیادت کو سامنے لانے کے لیے پورے جوش و خروش سے تپتی دھوپ میں قطاریں لگا کر ووٹ کی پرچیاں ڈالیں۔ نتائج آئے تو وہ دنگ رہ گئے۔ ان کا مخالفانہ ووٹ بھی قیادت بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا......"

"ایک دوبار ایسا ہوسکتا ہے لیکن ہمیشہ یہ سب یوں ہی نہیں رہے گا......"

"اسے بدلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بھی ایک پوری سنڈیکیٹ ہے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ پاکستان میں ہیروئن کی تجارت سے کالے دھن کی کتنی بڑی منڈی پیدا ہوچکی ہے؟ ہماری پوری قوم اس ہولناک معاشی ریلے کے حصار میں ہے۔ یہ رقم قانونی تجارت

اور لین دین میں نہیں کھپ سکتی۔ یہ اسمگلر اپنی پسند کے سیاسی گھوڑوں پر گڈیوں کے حساب سے نہیں، بوریوں کے حساب سے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ یہ گھوڑے جیت جاتے ہیں تو انہیں رعایتوں، مراعتوں اور اجازتوں کی صورت میں اپنا سرمایہ منافع سمیت واپس مل جاتا ہے۔ یہ کالا دھن خوف ناک رفتار سے روز بہ روز بڑھتا جارہا ہے۔ نودولیتوں کی ایک ایسی کھیپ وجود میں آچکی ہے جو اپنی پسند کی چیز منہ مانگے داموں پر خریدنے کی شوقین ہے۔ انہوں نے بازاروں میں آگ لگائی ہوئی ہے جس کی چنگاریاں عام آدمی کے دامن کو دھیرے دھیرے راکھ کررہی ہیں۔"

"خرابیاں اس قدر ہیں کہ بات کہیں سے بھی شروع کی جاسکتی ہے لیکن گہرائی میں جھانکا جائے تو تمہارے ملک کی بربادی میں ہیروئن کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کی ناجائز آمدنی نے تمہاری سرزمین پر ہتھیاروں کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دیا اور یہی سیاست کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔"

"ہمارے یہاں معاشرتی سطح پر بھی ہیروئن کے اسمگلروں کو بہت برا نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستانی ہیروئن برآمد کرکے دولت کماتا ہے تو کیا ہوا، پورا مغرب بھانت بھانت کی شرابیں بیچ کر دنیا کی دولت بٹور رہا ہے۔ مغرب کی منافقت کی وجہ سے اس کے بنائے ہوئے معیار بھی ہمارے یہاں نفرت اور تعصب کا نشانہ بننے لگے ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" اس نے تفہیمی انداز میں سرہلا کر اعتراف کیا "تمہارے مذہب میں ہر نشہ حرام ہے۔ اس میں شراب، ہیروئن اور بھنگ کا فرق نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ اس قسم کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ سمجھ میں آتا ہے۔ پھر جوہری قوت کا مسئلہ بھی تمہارے یہاں بہت حساس ہے۔ یہ طاقت جب تک مغرب کے پاس رہی، جائز تھی۔ جب چین نے دھماکے کیے تو مغرب میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ آج کئی ایشیائی ممالک اس صف میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں تو پابندیوں، معاہدوں اور سزاؤں کا شور بلند ہورہا ہے۔"

"یہ کھلے تعصبات ہیں جنہیں نام بدل کر کسی بھی طرح نہیں چھپایا جاسکتا۔"

"میں خود یہ تسلیم کررہی ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مغربی فلسفے سے بیزاری کے اظہار میں تم اپنا کیا نقصان کررہے ہو۔ یہ درست ہے کہ ہیروئن کی اسمگلنگ سے پاکستانیوں میں پیسہ آرہا ہے لیکن یہ کالا دھن بے فیض بلکہ خطرناک ہے۔ اس سے چند خاندان ضرور ارب پتی بن سکتے ہیں، ملک اور عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ ان کے مصائب بڑھتے چلے جائیں گے۔"

"ابھی تک ہم ہیروئن کے خلاف عالمی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ شاید اب مجھے اندر بھی توجہ دینی ہوگی۔ اس تجارت کے چند بڑے سرخیل بھی میرے قابو میں آگئے تو حالات میں نمایاں تبدیلی آئے گی۔"

"تم نے پاکستان سے مافیا کے پاؤں اکھاڑے، شی کو عملاً نیست ونابود کردیا، داؤدی ستارے موت کی سرد اور بے رحم کھائیوں کے اندھیروں میں کہیں غروب ہوچکے ہیں مگر عالمی منڈیوں میں ہیروئن کی طلب آج بھی موجود ہے۔ اسے پورا کرنے والے پاکستان یا اس کے آس پاس رہتے ہیں۔ انہیں مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے سرمائے کی غیر قانونی گردش کو روک کر ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری کریں۔"

"ہر حکومت نے کسی نہ کسی روپ میں کالے دھن کو جائز بنانے کے لیے مراعات کا اعلان کیا لیکن یہ لوگ اس جال میں نہیں آئے۔ لمبی مدت میں وہ بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے نہیں دبنا چاہتے۔ اس سے زیادہ رعایتیں دی گئیں تو ملک پر منی لانڈرنگ کا الزام آجائے گا۔"

جہاز میں اعلانات ہورہے تھے۔ ہماری بے خبری میں نہ جانے کب بورڈنگ مکمل ہوچکی تھی۔ اس وقت جہاز نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ ہم نے جلدی سے حفاظتی بند باندھ لیے۔

آدمی کتنا ہی صحت مند اور چاق وچوبند کیوں نہ ہو، جہاز کی لینڈنگ اور ٹیک آف کے دوران میں اس کے اندرونی جسمانی نظام میں لازماً چند اندرونی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ بعض لوگ انہیں آسانی سے برداشت کرلیتے ہیں، کچھ پریشان ہوجاتے ہیں۔

میرا اور ویرا کا شمار پہلی قسم کے مسافروں میں ہوتا ہے۔ ہم نے ہنستے بولتے وہ مرحلہ طے کرلیا اور آخر کار اپنے دشمنوں کی سرزمین سے ہمارا ہر رشتہ ٹوٹ گیا۔

طیارہ بادلوں کو چیرتا ہوا بلندی کی طرف محوِ پرواز تھا۔ میں نے لندن کا تازہ اخبار کھول لیا۔

مجھے اخبار میں صرف اور صرف فیٹریکس کے بارے میں کسی تفصیلی خبر کی تلاش تھی اور وہ مجھے پہلے ہی صفحے پر مل گئی۔ سی آئی اے کے خلاف خونیں دہشت گردی۔ سراغ ملنے لگے۔ وہ اخبار کی جلی سرخی تھی۔ اس کے نیچے وہی کچھ تفصیل سے دیا گیا تھا جو ہم رات گئے سی این این سے سن چکے تھے لیکن بین السطور میں یہ نشان دہی کردی گئی تھی کہ امریکا کی مالی اعانت سے چلنے والی ایک این جی او کے چند عہدے دار تفتیش کے لیے حراست میں لے لیے گئے تھے۔

این جی او ایک نئی اصطلاح تھی جب کہ شی اس اصطلاح کے متعارف ہونے سے بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ عملی طور پر شی، این جی او کا بہترین تصور پیش کرتی تھی۔ اس کی ساری مالیاتی ضروریات امریکی سرکار پوری کرتی تھی اور وہ ہیروئن کے انسداد کے لیے سرکاری امداد کے حصول کے لیے سرگرمی سے کام کرتی تھی۔

خبر پڑھ لینے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ سی آئی اے والوں نے لیزر یا بیم گن کے بعد ٹی این ٹی بیلٹ کا استعمال سامنے آنے کے بعد شی کے ان مشتبہ آئی مین پر ہاتھ ڈال دیا تھا جن کے رویے ناپسندیدہ لوگوں سے تھے۔ اس فہرست میں بلیک ڈیڈ

کے دوست پیری کاویل کے نام کی شمولیت ناگزیر تھی۔ کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھلنے کے بعد سی آئی اے والے تیزی سے پیش رفت کر رہے تھے۔

ادھر وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے اور ادھر ہمارا طیارہ ہمیں تیزی کے ساتھ پاکستان کی طرف اُڑائے لیے جارہا تھا۔ اگر ہم بلیک ڈیڈ کی فرمائش پر نیویارک سے اپنی روانگی کے پروگرام کو چند روز کے لیے ملتوی کردیتے تو امریکا ہی ہمارا مقتل ثابت ہو سکتا تھا۔

لندن سے دبئی تک کی پرواز چھ گھنٹوں کی تھی مگر وقت میں تین گھنٹوں کے فرق کی وجہ سے ہم شام کے وقت وہاں پہنچے۔ ہماری پرواز وہاں کافی دیر رکی رہی۔ مسافروں کی ایک بڑی تعداد دبئی میں اتر گئی۔ آگے جانے والوں کو ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی۔

دبئی کی ڈیوٹی فری شاپ سے ویرا نے میرے منع کرنے کے باوجود کچھ ایسی چیزیں خرید ڈالیں جو پاکستان میں ممنوعہ تھیں۔ لاؤنج میں ہماری پرواز کی آگے روانگی کا اعلان ہوا۔ مسافر سمٹ کر واپسی کی راہ ہو لیے۔ اس وقت تک جہاز میں دبئی سے مسافروں کی نئی کھیپ سوار ہو چکی تھی۔ ان میں سے بیشتر پاکستانی تھے جو اپنے روزگار کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے اور چھٹیوں پر یا معاہدہ ختم کر کے پاکستان جارہے تھے۔

دبئی سے کراچی تک کی پرواز بہت طویل نہیں تھی۔ کھانے پینے کا ایک بھرپور دور ختم ہونے کے کچھ دیر بعد ہی کراچی پہنچنے کا اعلان ہو گیا۔

میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ کراچی میں گزارا ہے۔ جوانی میں لاہور کو خیرباد کہنے کے بعد میں نے ایک بے سروسامان مہمان کی طرح اس شہر کی مٹی پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر کراچی کی زمین نے میرے قدم یوں پکڑے کہ میں یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

لاہور میں میرے سوتیلوں نے مجھ سے جو کچھ اور جتنا کچھ غصب کیا تھا، کراچی نے مختصری مدت میں اس سے کہیں زیادہ مجھے لوٹا دیا اور اتنا سیر چشم بنادیا کہ مجھے کبھی مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ضرورت تک پیش نہیں آئی۔ مجھے کراچی سے پیار تھا، اس پیار میں جہاں کراچی کی خوبیوں کا حصہ ہے وہیں اس کی خامیوں اور خرابیوں کا بھی کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔

شہر میں رہتے اور شب و روز اس کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے کہ چند حصوں کو چھوڑ کر پورا شہر بے ترتیبی اور بدنظمی کا شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی منظم منصوبہ بندی کے بجائے ہنگامی ضرورتوں کے تحت بڑے بڑے میدانوں کو آبادی میں بدل کر شہر کو وسعت دی گئی ہے مگر اس رات شہر پر جہاز کی پرواز کے دوران میں مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ دنیا کے دوسرے مشہور شہروں کی طرح رات کے اندھیرے میں کراچی کا فضائی منظر بھی بہت حسین ہوتا ہے۔

فضا سے شہر میں ہر طرف لمبی لمبی روشن اور اندھیری سڑکوں کا جال پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ روشن شاہراہوں کی پہچان ان کی روشنیاں تھیں اور جو سڑکیں تاریک تھیں، ان کی نشان دہی گاڑیوں کی روشنیوں کی قطاروں سے ہو رہی تھی۔ پارک، عمارتیں، کارخانے اور میدان، سب ایک دوسرے سے الگ اور خوش نما نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں خواہش ابھری کہ کاش امارات کا وہ جہاز کچھ دیر تک شہر کی فضاؤں میں یوں ہی منڈلاتا اور میری آرزوؤں کو تھپکیاں دیتا رہے لیکن کنٹرول ٹاور جہاز کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ چکر پورا کرتے ہوئے جہاز نے اپنی بلندی مزید کم کی اور لینڈنگ پوزیشن لیتا چلا گیا۔

رن وے اور ٹرمینل کی عمارت کے درمیان جہاز سے اتر کر بس میں سوار ہوتے ہوئے مجھے دل ہی دل میں بے نام سی ندامت ہو رہی تھی۔ نیو آرک، گیٹ وک اور پھر دبئی کے بعد کراچی ائرپورٹ کا تاثر کچھ بہتر نہیں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے مجھے زیب النساء اسٹریٹ کے بھرے پُرے بازار سے اٹھا کر پنڈی بھٹیاں کے گرد آلود چوک پر کھڑا کر دیا ہو۔

عمارت اور سہولتوں کی طرح کراچی ائرپورٹ خدمات کے میدان میں بھی پس ماندہ تھا۔ اہل کار اپنے فرائض تندہی سے انجام نہیں دے رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنی دانست میں مسافروں پر احسان کر رہے تھے۔ نیویارک سے کراچی تک کے سفر میں میرے متعدد تجربات کے درمیان اتنا کم وقفہ تھا کہ مجھے وہ فرق شدت سے محسوس ہو رہا تھا اور شاید ادھر آنے والا ہر مسافر ہی محسوس کرتا ہو۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق ویرا مجھ سے پہلے طیارے سے نکلی تھی۔ گو ہم دونوں ایک ہی بس میں سوار ہو کر ٹرمینل تک آئے تھے مگر وہاں میں نے پھر پسپائی اختیار کرلی اور ویرا آگے نکل گئی۔

میں کسٹم کے مرحلے پر پہنچا تو سوٹ کیس پر لگے ہوئے بیگیج ٹیگ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے اپنے سفر کی ابتدا نیویارک سے کی تھی۔ میرے حصے میں آنے والے افسر نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے سوٹ کیس کھولنے کی ہدایت دی۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ میں نے کسی ہچر مچر کے بغیر اس کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔

"سوٹ کیس ایک ہی ہے؟" آخر کار وہ مجھ سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اور یہ بھی بڑی حد تک خالی ہے" میں نے اسے مزید مایوس کر دیا۔ امریکا سے آنے والے مسافر سامان کے ضمن میں وزن کی قید کے بجائے مقررہ سائز کے اندر دو سوٹ کیسوں کی اجازت ہونے کی وجہ سے عام طور پر لدے پھندے آتے ہیں۔ وہ افسر اسی معیار کا عادی تھا۔ میرا ایک ہلکا پھلکا سوٹ کیس اس کی نگاہوں میں شاید چبھ رہا تھا۔

"اسکاچ وغیرہ تو ضرور ہوگی؟" اس نے بے تکلفی سے اگلا سوال کیا۔
"معدے میں موجود ہے۔ سوٹ کیس اور بریف کیس میں کچھ نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔
"بھائی، تو پھرا مریکا کیوں گئے تھے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں یہ کہتے ہوئے میرا کھلا ہوا سوٹ کیس بے اعتباری سے اپنی طرف گھمالیا۔
کپڑوں وغیرہ کو اچھی طرح زیروزبر کرنے اور سوٹ کیس کی دیواروں کو ٹٹولنے کے باوجود اسے کچھ نہ ملا تو اس نے میرا بریف کیس بھی کھلوالیا۔
اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو کر اس نے بددلی کے ساتھ مجھے جانے کی اجازت دے دی۔
خاصا وقت برباد کر کے میں باہر آیا تو ویرا کا دور تک پتا نہیں تھا۔ میں ایجنٹوں کی بھیڑ سے بچتا بچاتا خود ہی ایک باریش ٹیکسی ڈرائیور تک جا پہنچا۔
"صاب! میٹر سے پچاس روپیہ زیادہ دینا ہوگا" اس نے کسی مول تول کے بغیر اپنا فیصلہ سنا دیا۔
"جب میٹر موجود ہے تو پچاس روپے کس بات کے لوگے؟" رقم معمولی ہونے کے باوجود مجھے اس کا تحکمانہ لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔
"ام نئیں لے گی" اس نے اسی تیور سے جواب دیا "اِدر سے سواری اٹھانے والے ڈریور سے پولیس پچاس روپیہ لیتی ہے۔ ام اُس کو دے گی۔"
میں سہلا کر رہ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ واقعی شریف ڈرائیور تھا ورنہ سنا یہ تھا کہ کراچی کے بیشتر ٹیکسی ڈرائیور باہر سے آنے والوں سے ڈالروں اور ریالوں میں کرایہ طے کرتے ہیں۔
ڈرائیور نے میرا سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے سیلف لگایا۔ میں پہلے ہی اس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔
پارکنگ ایریا سے نکاس کے راستے پر سفید وردی میں ملبوس ٹریفک کا ایک سپاہی ٹریفک کنٹرول کرنے کے بہانے ٹیکسیوں کی نگرانی اور وصولی پر مامور تھا۔ میرے ڈرائیور نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اپنی مٹھی میں دبا ہوا پچاس روپے کا نوٹ سپاہی کے ہاتھ میں منتقل کیا اور زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔
"کیا لاحول پڑھ رہے تھے؟" میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو چھیڑنے کی نیت سے سوال کیا۔
وہ سر جھٹک کر غصے سے اپنے لب ولہجے میں بولا "ہم جانتی ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہوتے ہیں مگر کیا کرے؟ روزی کیسے کمائے؟ پٹرول منگا ہو چکا کرائے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بابو لوگ اب ٹیکسی کا رخ ہی نہیں کرتے۔ شہر میں خالی ٹیکسیاں ماری ماری پھرتی ہیں۔ ادھر سواری ملتی ہے تو رشوت دینی پڑتی ہے۔ ہم یہ برا کام کرتی ہے تو لاحول پڑھتی ہے۔"
وہ کراچی نہیں، شاید پاکستان کے ہر بڑے شہر کا المیہ تھا کہ وہاں خدا ترس اور سادہ لوح لوگوں کے لیے پیسہ کمانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا لیکن رزق حلال کمانا بہت مشکل ہوتا جارہا تھا۔ رشوت، ناپ تول کی چوری، معیار میں ملاوٹ اور جھوٹ کے بغیر کسی بھی چھوٹے یا بڑے دھندے میں چار پیسے کمانا روز بہ روز مشکل تر نظر آرہا تھا۔
ائرپورٹ سے فلیٹ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا لیکن راستہ سیدھا اور صاف ہونے کی وجہ سے میں ٹھیک نو بجے اپنے فلیٹ والی عمارت کے نیچے پہنچ چکا تھا۔
ٹیکسی رکتے ہی سلطان شاہ میرے قریب آپہنچا۔ ویرا سے خبر ملنے کے بعد شاید وہ میرے استقبال کے لیے پہلے سے نیچے آن موجود ہوا تھا۔
میرے نیچے اترتے ہی وہ دونوں بازو پھیلا کر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ خاصا کمزور ہو چکا تھا۔
میرے اصرار کے باوجود سوٹ کیس سلطان شاہ نے اٹھایا، اپنی مادری زبان میں ٹیکسی ڈرائیور سے چند دوستانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور پھر میرے ساتھ لفٹ کی طرف چل پڑا۔
"تمہیں دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا ہے مگر یہ شکوہ رہے گا کہ تم اطلاع دیے بغیر خاموشی سے یہاں پہنچ گئے۔ کہیں سے ایک فون ہی کردیا ہوتا تو ہم ائرپورٹ پر پہنچ گئے ہوتے۔"
"ہم خیریت سے آچکے ہیں۔ اب سارے گلے شکوے بھول جاؤ۔ وہاں کی کہانیاں سنو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ہم ان کے چنگل سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہوئے" میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا پھر پوچھا "ویرا تو آگئی ہے نا؟"
"وہ نہ آتی تو مجھے تمہارے آنے کی اطلاع کیسے ملتی؟ تھوڑی سی موٹی ہو کر آئی ہے۔ اوپر پہنچتے ہی غزالہ سے گلے مل کر یوں رو رہی تھی جیسے اسے برسوں کے بعد دیکھا ہو۔"
مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنی ساری فطری عیاریوں اور خود غرضیوں کے باوجود ہم لوگوں کے ساتھ بہت مخلص تھی۔ اس کے ساتھ امریکا تک کا دو طرفہ سفر کر کے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کے دعوے صرف زبانی نہیں تھے۔ اس نے عملی طور پر اپنے وطن کی مٹی سے اپنا ہر رشتہ توڑ کر اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کرلیا تھا۔ اس کی وہ قربانی بہرحال قابل قدر تھی۔
ڈور بیل کے جواب میں فلیٹ کا دروازہ غزالہ نے کھولا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرطِ جذبات سے اس کے یاقوتی لبوں کے گوشے کانپنے لگے۔ میرے وجود کے کسی حصے سے سرور و آسودگی کی ایک طاقت ور لہر ابھری اور مجھے اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی۔

سلطان شاہ سوٹ کیس لیے میرے پیچھے موجود تھا۔ ویرا، غزالہ کی پشت پر تھی۔ میں نے ویرا کی پروا کیے بغیر مغلوب ہو کر غزالہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لیتا چلا گیا کیونکہ اس وقت وہی دروازہ سب سے قریب نظر آ رہا تھا۔

غزالہ سسکیاں لیتی ہوئی میرے سینے سے لپٹ گئی اور میں نے پوری قوت سے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس سے دور رہ کر میں نے اس سے جن بے وفائیوں کا ارتکاب کیا تھا، ان کی یاد اس وقت میرے دل اور ضمیر پر ملامت کے کوڑے برسا رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اپنا سر وفا کی اس دیوی کے قدموں میں ڈال کر اس سے اپنے ان گناہوں کا اعتراف کروں اور پھر اس سے معافی کی التجا کروں مگر وہ بڑا فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ ان جذباتی لمحات میں کیا ہوا کوئی غلط فیصلہ مجھے ہمیشہ کے لیے غزالہ کی نظروں سے گرا سکتا تھا۔

دل اور وہ بھی ٹوٹ کر چاہنے والی ایک حسین اور نوجوان بیوی کا دل ایسے آئینے کے مانند ہوتا ہے جس پر آیا ہوا بال کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ میری سزا کے لیے میرے ضمیر کا بوجھ ہی کافی تھا۔ میں تلخ حقیقتوں کا اعتراف کر کے غزالہ کا دل نہیں دکھا سکتا تھا۔

کرنل زوار زیدی، شمع خاتون اور کامران جیسے قریب ترین رشتے داروں کی پدری، مادری اور برادرانہ محبتوں کو یکے بعد دیگرے کھو دینے کے بعد غزالہ نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے مجھے اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ اس کی خوشی، سربلندی اور پندار کی خاطر میں اس کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ میں بس اپنے عمل سے ہی اس کے ہر خاموش سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

میں نے لات مار کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

○☆○

اول خان مخلص، راست گو اور صلح جو آدمی ضرور تھا مگر اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ہم سے پہلے فلیٹ پہنچ کر اپنی پوزیشن مشکوک بنا لیتا۔ ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے، ویرا کی بنائی ہوئی گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اول خان آ پہنچا۔

وہ ایسے پُرتپاک اور بے ساختہ انداز میں ہم دونوں سے ملا جیسے وہ ہماری آمد کے پروگرام سے واقعی بے خبر رہا ہو۔ ویرا کو اس نے محض علیک سلیک کر کے ہی بخش دیا لیکن مجھ سے اس کی کسر پوری کر لی۔ بغل گیر ہو کر میرے رخسار اور پیشانی کے یوں بوسے لیے کہ میں شرمسار ہو کر رہ گیا۔

"تم نے کمال کر دیا۔ تم واقعی ذہین اور ناقابلِ شکست انسان ہو۔ مار کھا کر بھرپور بدلہ لینے کے فن سے واقف ہو۔" وہ مجھے لپٹائے پُرجوش لہجے میں کہے جا رہا تھا "مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ تم نے ان کے حلق میں ہاتھ ڈال کر ان سے حساب کتاب کیا ہے۔ میرا دل خوش ہو گیا۔"

"ضرور ہوا ہو گا مگر یہ قصور ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ہڈی پسلی ایک کر دو۔ اب چھوڑ بھی دو تاکہ میں چند پورے اور گہرے سانس لے کر اپنے اوسان بحال کر سکوں۔"

"اب وہ تمہارے نام سے کانپنے لگیں گے" اول خان نے ہنستے ہوئے مجھے آزاد کر دیا۔

"تمہاری باتیں تو سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن یہ چوما چاٹی کی کیا تُک تھی؟" میں نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی اور رخساروں کو رگڑتے ہوئے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے بھائیوں والی پٹھانی مبارک باد سمجھ لو۔ دل چاہ رہا تھا کہ تمہیں گود میں اٹھا کر ناچنا شروع کر دوں" اول خان کے ایک ایک لفظ سے اس کی دلی مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"وہ کارنامے میں نے انجام نہیں دیے۔ ان میں ویرا بھی میرے ساتھ شامل تھی۔ ایسی ہی تھوڑی سی مبارک باد اسے بھی دے دیتے۔" میں نے کہا "اسے کیوں بھول بیٹھے؟"

"ہاں، دیکھو، وہ بے چاری حسرت سے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا۔

"میرے منہ نہ لگنا" ویرا اس پر برس پڑی "میں تمہاری طرح گئی گزری نہیں ہوں کہ دوسروں کی ستائش کے لیے تڑپتی پھروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دماغی طور پر تمہاری صحت ابھی تک بحال نہیں ہو سکی ہے۔"

"بس!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے دونوں کو خاموش کر دیا "حیرت ہے کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہ کر بھی تمہارے دلوں کی کدورت کم نہیں ہوئی۔ ہمیں صرف وہی باتیں معلوم ہیں جو ڈینی نے فون پر بتا دیں یا امریکا کے اخباروں نے چھاپ دیں۔ ہمیں ان دونوں سے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ بے مقصد لڑائی جھگڑے میں وقت مت برباد کرو۔"

"وہ لمبی کہانیاں ہیں۔ چلتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا کیا حال چال ہے؟" میں نے صوفے پر پہلو بدل کر بے تکلفی سے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ بدری ناتھ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" سلطان شاہ نے ٹانگ اڑا دی "یہاں کے اخباروں نے فیئر فیکس میں سی آئی اے کے سربراہ کے ساتھ بدری ناتھ اور دو دوسرے افسروں کی موت کی خبر چھاپی تھی۔ ہم سب کا خیال تھا کہ وہ تمہارا ہی کام ہو سکتا ہے۔"

میں نے لندن سے فون کر کے اول خان کو اس بارے میں بتا دیا تھا مگر اول خان نے وہ گفتگو غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ رکھی تھی اس لیے اس کا وہ سوال حق بجانب تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے بعد بدری ناتھ ہمارا آخری نشانہ تھا۔ حالات کچھ ایسے سازگار ہوتے چلے گئے کہ ہم نے اس کے ساتھ سی آئی اے والوں کو بھی اڑا دیا۔ وہ لوگ تفتیش کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم وہاں سے فوراً نہ نکلے ہوتے تو اب تک پھنس چکے ہوتے۔"

"تم بھول رہے ہو" ویرا نے میری تصحیح کی "ڈیوڈ اسٹارز اور بدری ناتھ کے درمیان تک موڈلے کو بھی ٹھکانے لگایا گیا تھا۔ اب اس کی چھٹیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

"واہ..... وہ خبیث بھی مارا گیا" اول خان خوشی سے اچھل پڑا۔

"اس کے بارے میں ابھی تک کہیں سے کوئی سن گن نہیں ملی۔ بس یہ معلوم ہے کہ وہ باہر گیا ہوا ہے۔"

"اسے گم شدہ تصور کیا جارہا ہے جبکہ اس کی لاش اب تک دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک بن چکی ہوگی۔ اسے ویرا نے اپنے دستِ خاص سے مشینی سوئی پر ٹانگا تھا۔"

"تم ڈیڑھ آدمی وہاں اس قدر خوں ریزیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی روکنے والا نہیں تھا....."

سلطان شاہ نہ جانے مزید کیا کہنا چاہ رہا تھا' میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤ گے؟ یہ تم ڈیڑھ آدمی کی منطق کہاں سے نکال لائے؟"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ بوکھلا گیا "م..... میرا مطلب تھا کہ ویسے تو تم دو ہی تھے لیکن گواہی کا کوئی چکر ہوتا تو تم ڈیڑھ ہی رہ جاتے۔ وہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے نا۔"

"اگر تم اپنی زبان اور کھوپڑی پر قابو نہیں رکھ سکتے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔ کچھ اہم باتیں طے کرکے ہمیں آرام بھی کرنا ہے۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ہم بہت طویل اور مسلسل سفر سے آئے ہیں۔ اس وقت تمہاری چھیڑ چھاڑ کسی بدمزگی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔"

"میں محتاط رہوں گا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے وعدہ کرلیا۔

میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ کی زبان سے ڈیڑھ آدمی کا ذکر سنتے ہی ویرا کے تیور خراب ہوگئے تھے۔ اگر میں بروقت دخل اندازی نہ کرتا تو ویرا سلطان شاہ پر برس سکتی تھی۔ میری سرزنش کے نتیجے میں ویرا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میں یہاں کے حالات کے بارے میں پوچھ رہا تھا" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔ مجھے لندن ہی سے یہ فکر لاحق تھی کہ اول خان کے آدمیوں نے ہمارے فلیٹ کے پاس کن مشتبہ افراد کو منڈلاتے دیکھا تھا۔

"سلطان شاہ کی واپسی کے بعد سے میرے دو آدمی مسلسل اس فلیٹ کی نگرانی کررہے ہیں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان بتانے لگا "سلطان شاہ نے میری ہدایت کو نظرانداز کرکے را کے دو مقامی انفارمرز کو گھٹنے توڑ کر جب سے معذور کیا ہے' حالات نے نئی کروٹ لی ہے۔ وہ دونوں بارسوخ سرکاری اہل کار ہیں اور اسی وجہ سے ضمانت پر رہا ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان ہی کے کچھ آدمی بدلہ لینے کے لیے تمہارے فلیٹ کے قرب وجوار میں منڈلاتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"میں تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو روز پہلے میرے آدمیوں نے یہاں دو مشکوک آدمیوں کو منڈلاتے دیکھا تھا۔ وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔"

"اگر گھٹنوں سے معذور ہوجانے کے باوجود ان کا گھمنڈ خاک میں نہیں ملا ہے تو میں ان کا قصہ ہی پاک کردوں گا۔ مجھے صرف تمہاری اجازت درکار ہوگی" سلطان شاہ نے مجھ سے کہا۔

"تمہاری یہی خودسری نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ جب اول خان نے تمہیں کسی مہم جوئی سے روکا ہوا تھا تو تمہیں ان کا رخ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ وہ تمہارا کیا بگاڑ رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اول خان نے دن رات ایک کرکے نیچرل انفارمیشن سیل کو توڑا تھا۔ ان کے لیے کام کرنے والوں کی گرفتاری بھی آسان نہیں تھی۔ بعد میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر قیدیوں سمیت وہ کیس پولیس کو منتقل کرنا پڑا اور وہاں سے وہ دونوں رہا کردیے گئے۔ تم یہاں نہیں تھے مگر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے نے اول خان کو کس قدر مایوس اور بددل کیا تھا۔ میں صرف اول خان کی اشک شوئی کے لیے ان کے پیچھے گیا تھا۔"

"اگر ان کے دو آدمی یہاں تک پہنچے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے اوپر کیے جانے والے حملے میں تمہارے ملوث ہونے کا سراغ لگا چکے ہیں۔ تم پر کہیں بھی وار کیا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ میں ان حرام زادوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ ہیں کون لوگ؟" ویرا نے اس گفتگو میں پہلی مرتبہ حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"گریڈ سترہ اور اٹھارہ کے سرکاری افسر ہیں۔ انتہائی اوباش اور رنگین مزاج ہیں۔ ان ہی چکروں میں وہ انڈین ہائی کمیشن کی دعوتوں میں جاتے تھے جہاں وہ را والوں کے نیچرل انفارمیشن سیل کے چنگل میں پھنس گئے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔

"را والے ان کے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ اس گریڈ کے افسر بہت زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کیا "آخر ان کے اثرورسوخ کا وہ کون سا ذریعہ ہے جو ان کی رہائی میں مددگار ثابت ہوا۔"

میں ابتدا ہی میں ویرا کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا مگر میں نے اس کی جرح میں بالکل مداخلت نہیں کی۔ خاموش بیٹھا اس کی اور اول خان کی باتیں سنتا رہا۔

"اگر مجھے مزید دو دن مل جاتے تو میں ان سے سب کچھ اگلوالیتا۔ مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ دونوں مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والوں نے ہی ان کی

رہائی کا بندوبست کرایا ہوگا۔ ایسے لوگ اعلیٰ افسران اور طاقت ور مقامی وڈیروں، جاگیرداروں وغیرہ سے گہرا میل جول رکھتے ہیں۔"
اول خان نے مزید تفصیل میں جاتے ہوئے کہا "شاید ان ہی کے ایما پر یہ کیس پولیس کو دیا گیا تھا۔"
"مقامی ڈرگ مافیا!" ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ بات اسی نکتے پر آگئی جو جہاز میں ہماری گفتگو کا موضوع تھا۔ "یہ مافیا ہی اس ملک اور سسٹم کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ کسی کو اپنے مفاد کے خلاف نہیں چلنے دیتی۔"
اس نے خاموش ہو کر سگریٹ سلگائی پھر اول خان کی طرف متوجہ ہوگئی "تم کو کیسے شبہ ہوا کہ وہ کسی ڈرگ مافیا کے کارندے ہیں؟"
"وہ جن کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں وہاں بڑی رشوتیں لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دونوں متوسط بلکہ غریب دیہی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ٹھاٹ باٹ رئیس زادوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ انہیں یہ پیسہ ایسے ہی لوگ دے سکتے ہیں جن کی اندھی آمدنیاں ہوں۔"
"ان کے عہدے غیر اہم ہیں پھر کوئی ان پر پیسہ کیوں لٹا رہا ہے؟" ویرا بال کی کھال نکالے جا رہی تھی۔ سلطان شاہ خوش تھا کہ ویرا نے اس معاملے میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔
اول خان کو لاجواب پاکر میں نے زبان کھولی "بظاہر ان کے عہدے غیر اہم ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی اسمگلر ان کی بے خبری میں ان سے کوئی بڑا فائدہ اٹھا رہا ہو۔ یہ کسی اسمگلر کی سرمایہ کاری بھی ہوسکتی ہے۔ وہ دونوں عمر بھر اسی گریڈ اور عہدے پر نہیں رہیں گے۔ وہ ترقی پاکر کہیں بھی پہنچ جائیں، اپنے محسن یا محسنوں کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ایسے زر خرید افسر ہمیشہ بہت کام آتے ہیں۔"
"مجھے تمہاری کسی بات پر شبہ نہیں تھا۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں اگل کر اول خان سے کہا "جہاز میں ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ ہم دنیا بھر میں اپنے دشمنوں کو مارتے پھر رہے ہیں مگر اپنی آستین میں پلنے والے دشمنوں کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ میں یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھوں معذور ہونے والوں کے بارے میں تمہارے شبہات کس حد تک درست ہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ ہم جہاز میں بات کر رہے تھے اور یہاں ہمارے لیے وہی کام تیار تھا۔" میں نے ہنس کر کہا "اگر آج کی رات مجھے گہری نیند آگئی تو کل سے میں میدان میں آجاؤں گا۔"
"سلطان شاہ کے بعد اب تم خود ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرو گے؟" اول خان نے بوکھلا کر پوچھا "وہ چھچھورے لوگ ہیں۔ کسی طرح بھی اس قابل نہیں کہ تم ان پر اپنا وقت برباد کرو۔"
"وہ آئزک بیل سے زیادہ چھچھورے نہیں ہوسکتے۔ ہم یہاں تھے تو وہ نیویارک سے فون پر ہمیں گیدڑ بھبکیاں دیتا رہتا تھا۔ وہاں پہنچے تو وہ تیسرے درجے کے کسی چور کی طرح ہم سے چھپتا پھر رہا تھا۔"
"اس وقت سب سے اہم مسئلہ گیپ کا ہے۔" اسے اچانک ہی وہ معاہدہ یاد آگیا "میں نے تمہاری ڈی کوڈ کی ہوئی تحریر اپنے کمانڈر کو بھجوا دی تھی۔ اسے اب تک یقین نہیں ہے کہ امریکا جیسی جمہوری ریاست میں صدر کسی فرد یا تنظیم کے ساتھ ایسا مجرمانہ معاہدہ کر سکتا ہے۔"
"پھر تم بھی اسے بھول جاؤ۔ مشکل یہی ہے کہ امریکا کی ساکھ کی وجہ سے کسی کو اس کا اصل چہرہ نظر نہیں آتا۔ واٹرگیٹ اور اس جیسے کئی اسکینڈل آج امریکی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔
"تم برا مان گئے.... مجھے تمہارے جذبات کا پورا احساس ہے۔ تم نے اپنے ہر سکھ کو تج کر اور بھیانک خطرات مول لے کر ان کاغذوں تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ ان پر بے اعتباری سے تمہیں ضرور دکھ ہوا ہوگا مگر میں نے تمہیں صحیح صورتِ حال بتا دی۔ میجر جنجوعہ کے بھیجے ہوئے پانچوں اصل کاغذ میرے پاس محفوظ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں کوئی بھی جھٹلانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"
"مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہوا۔ تم چاہو تو اب ان تمام کاغذوں کو آگ لگا سکتے ہو۔"
اول خان اپنی جگہ چھوڑ کر میرے برابر میں آ بیٹھا "تم زندگی کی بدترین حقیقتوں سے روبہ رو لڑنے والے سپاہی ہو۔ تمہیں اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔"
"کسی کی طرف سے بے اعتباری کے اظہار سے ہمارے کام کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔" ویرا نے لقمہ دیا "ہم نے گیپ کا مسودہ کسی انعام یا عزت افزائی کے لالچ میں حاصل نہیں کیا تھا۔ اسے متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم ہوگیا۔ وہ جو چاہیں کریں۔"
"یہ وہ لاتعلقی ہے جو اجتماعی روپ دھار لے تو ایک ڈراؤنا روگ بن جاتی ہے۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے یاد دلایا "اسے تم نے ہمارا بنیادی مرض قرار دیا تھا اور اب خود اسی میں مبتلا ہو رہی ہو!"
"یہ ایک مختلف معاملہ ہے۔" ویرا نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "گیپ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے ملک کے بارے میں امریکا کے گندے عزائم سے شاید ساری دنیا واقف ہے۔"
"وہ زبانی باتیں ہیں۔ ایک ٹھوس دستاویزی ثبوت کے ساتھ امریکا کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرنے یا..... نہ کرنے کا معاملہ ایک آدمی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جا سکتا، خواہ وہ آدمی اسپیشل ٹاسک فورس کا نیک نام سربراہ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیپ صرف پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ نہیں ہے۔ اس میں ایران اور افغانستان کا بھی ذکر ہے جب کہ اس کی روح اسلامی دنیا

کی بدترین مخالفت ہے۔"
"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ایسی اہم دستاویز کو ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اجازت دو کہ میں وہ پانچوں اصل کاغذ اپنے سربراہ کو بھیج دوں۔ وہ مجھ سے زیادہ ایمان دار اور محبِ وطن ہے۔ وائٹ ہاؤس کے لیٹرہیڈ پر ٹائپ کیے ہوئے، اصل دستخطوں اور مہروں والے وہ کاغذ مسترد نہیں کیے جاسکتے۔"
"میرے لیے ان کاغذوں کی رازداری اسی وقت تک ضروری تھی جب تک ہم دونوں امریکا میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب تم جس طرح چاہو انہیں استعمال کرسکتے ہو مگر یہ یاد رہے کہ ان کاغذوں کا اتلاف میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کروں گا۔ وہ استعمال نہ ہوں تو واپس مجھے مل جانے چاہئیں۔"
"میں اس کی ضمانت لیتا ہوں۔" اول خان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کے یقین دلایا۔
"ایسا نہ ہو کہ گیپ کا اصل مسودہ نیچرل انفارمیشن سیل کے مجرموں کی طرح ایس ٹی ایف کی تحویل سے کسی اور کے پاس جائے اور وہاں سے غائب کردیا جائے۔" غزالہ نے اندیشہ ظاہر کیا۔
"سب سے بڑا خطرہ یہی ہوسکتا ہے۔" میں نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی۔
اول خان بے بسی سے شانے اچکا کے بولا "تم بھول رہے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس اپنی جگہ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہے۔ گیپ کی بنیاد پر کسی اجلاس یا احتجاج کی ضرورت پیش آئی تو یہ کام دفترِ خارجہ یا کوئی اور مرکزی محکمہ انجام دے گا۔ ہمارا سربراہ مسودہ متعلقہ لوگوں کو پہنچادے گا۔ آخری فیصلہ وہ اپنی مرضی سے کریں گے۔ بعد میں ہم ان سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکیں گے۔"
"یعنی بے بس ہوجائیں گے۔ غزالہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔" میں نے کہا۔
گیپ کے اصل مسودے اور میرے ڈی کوڈ کیے ہوئے متن کو اول خان نے غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ میری کارکردگی سے آگاہ کرنے اور اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لیے اس نے ان دونوں کو اعتماد میں لے لیا تھا۔
غزالہ کے سوال اور اول خان کے جواب پر ہمارے درمیان ایک طویل بحث شروع ہوگئی۔ مسئلے کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ گیپ کی بنیاد پر صرف اور صرف سرکاری سطح پر ہی کوئی احتجاجی کارروائی ہوسکتی تھی۔ انفرادی طور پر ہم اسے کہیں استعمال نہیں کرسکتے تھے۔ وہی فیصلہ ہوا جو ہونا تھا یعنی گیپ کے بارے میں اول خان کو پورا اختیار دے دیا گیا۔
اس بحث میں بعض ایسی باتیں بھی سامنے آئیں جو اس سے پہلے میرے ذہن میں نہیں تھیں۔ پہلا اور قوی امکان یہی تھا کہ امریکی حکومت گیپ کو اپنی سرکاری دستاویز تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیتی۔ اس طرح وہ بہت سی وضاحتوں اور تلخیوں سے اپنا دامن صاف بچاسکتے تھے۔ گیپ کے وجود اور گم شدگی کا قصہ نیویارک اور واشنگٹن کی فائلوں میں دفن ہوکر رہ جاتا۔
سرکاری رازوں کے قانون کے تحت مقررہ مدت گزرنے کے بعد وہ دستاویز کبھی منظرِ عام پر آتی تو قصۂ پارینہ ہونے کی وجہ سے اپنی اہمیت کھوچکی ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اتنا فرق پڑتا کہ امریکا پاکستان کے خلاف سرکاری سطح پر صیہونی مفادات کو بروئے کار لانے میں محتاط ہوجاتا۔
دوسرا اور موہوم سا امکان یہ تھا کہ وہ امریکا سے ایک اہم سرکاری راز کی چوری پر زبردست احتجاج کرکے پاکستان کے اعتراضات کو یکسر مسترد کردیتے اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کردیتے کہ گیپ کے ساتھ اسے چرانے والے مجرم کو فوری طور پر امریکا کے حوالے کیا جائے۔ یہ امکان کمزور اس وجہ سے نظر آرہا تھا کہ ایسی صورت میں وہ ایک بھڑکتا ہوا عالمی اسکینڈل بن جاتا جسے دنیا بھر کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں زبردست تشہیر ملتی۔ اس تشہیر کے نتیجے میں امریکا کو صرف رسوائیاں ہی مل سکتی تھیں۔ وہاں کی کوئی بھی حکومت ذلت کے اس طوق کو اپنے گلے کی زینت نہیں بناسکتی تھی۔
ہم دونوں امارات کی پرواز پر دبئی اور کراچی کے درمیان سفر کے دوران میں شکم سیر ہوکر آئے تھے۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا، وہ ان تینوں کے لیے کافی تھا۔ اول خان کے انکشاف کی روشنی میں غیر ضروری طور پر گھر سے نکل کر کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہیں تھا۔ کھانے کے مختصر سے دور کے بعد اول خان رخصت ہوگیا اور ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے۔
گھر پہنچتے ہی غزالہ سے تخلیے میں میری ملاقات ہوچکی تھی مگر وہ شدید جذباتی ابال کے نازک لمحات تھے۔ وہ اچانک مجھے اپنے روبرو دیکھ کر شادیِ مرگ کی سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اپنی گزشتہ تنہائی اور پھر میری رفاقت کے بھرپور یقین سے اس کے دل پر ایسی رقت طاری تھی کہ وہ میرے وجود کو چھوچھو کر اپنی آنکھوں سے مسرت آمیز موتیوں کی شفاف لڑیاں بہاتی رہی اور کوشش کے باوجود کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاسکی۔ دوسری طرف میں خود اپنی پشیمانیوں میں گھرا ہوا تھا اور اپنی شرمساری مٹانے کے لیے غزالہ کی دلجوئی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ ہمارے وہ لمحات خاموش مگر سرگرم وفاؤں کی تجدید میں بہت تیزی سے گزرے تھے اور ہم ذرا سی دیر بعد ہی ویرا اور سلطان شاہ کی محفل میں شریک ہوگئے تھے۔
کھانے کے بعد اپنی خواب گاہ کے تخلیے میں غزالہ پُرسکون تھی۔ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں بہت کچھ تھا جو میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر میں نے اسے چھیڑنے میں پہل نہیں کی۔ وہ کچھ کہتی تو اس کے جواب میں میرے پاس بہت کچھ مواد موجود تھا۔ مجھے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف ہے کہ میں نے اپنی عزیزازجان غزالہ کے اطمینان کے لیے امریکا کے سنگین تجربات میں مبالغہ

آمیزی سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
"مجھے اپنی آنکھوں پر ابھی تک یقین نہیں آرہا" وہ بستر پر میرے قریب بیٹھ کر سر جھکائے کہہ رہی تھی "بے کیف شب و روز یہی سوچتے گزر رہے تھے کہ آپ کا کام بڑا ہے اور سفر بہت طویل ..... شاید آپ کی واپسی مہینوں سے پہلے نہیں ہوسکے گی۔"
"آدمی ہر طرف سے خون آشام دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہو تو اسے اپنی ذات سے آگے کچھ سوچنے کی مہلت نہیں ملتی" میں نے پیار سے اس کے ریشمیں بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "مگر پھر بھی میں تمہارے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگتا تھا کہ کہیں مجھے تم سے ہزاروں میل دور اپنے کسی ناگہانی انجام سے دوچار نہ ہونا پڑے..."
اس نے گھبرا کے میرے ہونٹوں پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھ دیا۔
"وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا جو گزر گیا۔ اب اپنے منہ سے ایسی بدفال نہ نکالیے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ تھیں' سلطان شاہ جب سے آیا تھا' رو رو کر آپ کی سلامتی کے لیے گڑگڑاتا رہتا تھا..... اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ وہ اسٹریچر پر گھر آیا تو میں اسے دیکھ کر لرز اٹھی تھی..."
"اسے صرف میری ہی فکر تھی یا وہ ویرا کو بھی یاد کرتا رہتا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر درمیان میں سوال کیا۔
"امریکا میں آپ دونوں ایک جان' دو قالب تھے۔ میں خود بھی آپ کے بارے میں سوچتی تھی تو ویرا خود بہ خود میرے ذہن میں آموجود ہوتی تھی۔ اسے بھلایا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے اس سے حسد محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے آپ سے اتنے قریب تھی کہ میرے لیے بھی آپ دونوں کے لیے الگ الگ کچھ سوچنا ممکن نہیں تھا..... عورت محبت کے بارے میں بہت چھوٹے دل کی مالک ہوتی ہے' جسے اپنے دل میں بسالیتی ہے اس کے ساتھ کسی اور کا نام گوارا نہیں کرتی' وہ اس کے لیے گالی بن جاتا ہے۔"
"مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے دل کو ٹھیس لگتی ہوگی مگر تمہارا یہ حسد بے بنیاد تھا۔ میں اس کے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں' جان جوکھوں کا کام کرنے گیا تھا۔"
وہ دھیرے سے مسکرائی "اس کے رخساروں پر خفیف سے گڑھے نمایاں ہوگئے "مجھے سب معلوم تھا' میں یہاں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر میں دل کا کیا کرتی۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی' اپنے دل کی بے ایمانیاں بتارہی ہوں۔"
وہ کراچی میں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ان الفاظ کی چبھن نے مجھے مضطرب کردیا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم کیا دیکھ رہی تھیں۔"
"پاگل پن کی باتیں تھیں۔" اس نے ہنس کر مجھے ٹال دیا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی "مجھے معلوم تھا کہ آپ دونوں اپنی اپنی حفاظت کے خیال سے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ رہے ہیں مگر دل بہکاتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ آپ مجھے ٹوٹ کر چاہتے ہیں تو کیا ہوا' ویرا بہت تیز و طرار لڑکی ہے۔ میرے سامنے آپ کو ستانے سے باز نہیں آتی تو امریکا میں آپ کو آپ کے حال پر کیسے چھوڑ دے گی۔"
"یہاں اسے فرصت میسر ہوتی ہے۔ وہاں وہ بھی ہر وقت مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ پتا نہیں تمہارے ذہن میں ان خرافات کو جگہ کیسے مل رہی تھی۔" اس کی باتوں میں چھپی ہوئی میٹھی میٹھی سی کسک مجھے اندر سے بے چین کیے دے رہی تھی۔
"میرے دل کے کسی گوشے میں سب سے بڑا خوف یہی چھپا ہوا تھا کہ وہ آپ کو یہاں سے امریکا لے گئی ہے جہاں آپ کے لیے بہت زیادہ خطرات ہوسکتے ہیں۔ یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگتا تھا کہ آپ سے اپنے پرانے رشتے استوار کرنے کے لیے وہ آپ کے گرد مکڑی کی طرح ایسا خوف ناک جال بُن دے گی کہ آپ کے لیے امریکا سے نکلنا ناممکن ہوجائے گا اور آپ اس کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ میں عمر بھر یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ وہ رفتہ رفتہ آپ کے دل و دماغ پر ایسا جادو چلائے گی کہ میرا خیال تک آپ کے ذہن سے نکل جائے گا اور وہ آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔"
میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگالیا "غزالہ! ڈارلنگ! تم کیسی خوفناک باتیں سوچ رہی تھیں؟ تمہارا دماغ تو شیطان کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔"
"خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہی ہوتا ہے۔" وہ معصومیت سے بولی۔ اس نے میری گرفت میں جنبش کرنے کی کوئی کوشش تک نہیں کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی درندے سے پیچھا چھڑانے کے بعد میری پناہ میں آکر پُرسکون ہوگئی ہو۔
"دشمنوں کے دانت کھٹے کرکے آپ دونوں لوٹ آئے ہیں۔ اس وقت میرا سر غرور سے بلند ہے۔ مجھے خود شرم آرہی ہے کہ میں کیسی بری بری باتیں سوچتی رہی تھی لیکن میں کیا کروں۔ خیالوں پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ یہ آتے ہیں تو بس آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ رات کی اندھیری تنہائیوں میں یہ وسوسے آسیبی روپ دھار کر مجھے ستاتے تھے۔ میں یہ باتیں کسی کو نہیں بتاسکتی تھی۔ سلطان شاہ میرا بہت ہمدرد ہے مگر میں اس سے بھی یہ باتیں نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے آپ کو اپنی نادان سوچوں کے بارے میں بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کررہی ہوں۔"
غزالہ سادگی میں اپنا حال دل بیان کررہی تھی اور میں اس سے اپنی مدافعت کی نرم سی لفظی لڑائی لڑ رہا تھا مگر دل ہی دل میں' میں غزالہ کی ان باتوں سے ہلکا سا خوف محسوس کررہا تھا۔ اس نے ماں' باپ اور بھائی کے بعد روئے زمین پر صرف مجھے چاہا تھا' اپنی زندگی مجھے سونپ دی تھی' میری ذات کو اپنی ہر سوچ کا مرکز و محور بنا

لیا تھا۔ یہ اس چاہنے والی کا وجدان تھا جو اسے کراچی میں بیٹھے بیٹھے لندن اور نیویارک کی خبریں دے رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ خود غزالہ کو اپنی ان خام خیالیوں پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ اپنی سادگی اور معصومیت سے میرے لیے خود ہی نجات کی راہ تجویز کرتی جا رہی تھی۔

"مجھے تمہاری تنہائی کے کرب کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ وہ دن گزر گئے، ان برے اور ڈراؤنے خیالوں کو بھول جاؤ۔ اچھی باتیں سوچو تاکہ ایسے وسوسے بچھو کے ڈنک کی طرح ہمارے ذہنوں میں کسی بدگمانی کا زہر نہ پھیلا سکیں۔ چند روز میں تم خود ہی بہتر ہو جاؤ گی۔"

"آپ کو دیکھتے ہی میں بہتر ہو چکی ہوں۔ اب ان گزری ہوئی باتوں کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"میں تمہیں صاف بتا دوں کہ ویرا ہمارے لیے ایک دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل میں اس کی طرف سے اسی قدر بدگمانیاں پروان چڑھ رہی ہیں تو میں خوش اسلوبی کے ساتھ اسے یہاں سے رخصت کر سکتا ہوں۔ اس کی وجہ سے ہماری زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہونی چاہئیں۔"

"ارے نہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "آپ بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں تو خود ویرا کے سامنے نادم ہوں۔ اسے پتا چل جائے کہ میں اس کے بارے میں کیا کچھ سوچتی رہی ہوں تو وہ میری صورت بھی دیکھنی گوارا نہیں کرے گی۔ آپ اس سے ان باتوں کا کوئی ذکر نہ کیجئے گا۔"

"بند کمروں کی باتیں زبان پر لانے کے لیے نہیں سینے میں دفن کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس کی تم پروا نہ کرو لیکن میں ایک بات بتا دوں کہ آج مجھے تمہاری بے وقوفی کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی روشن خیال اور پڑھی لکھی لڑکی کی پرواز اتنی محدود ہو سکتی ہے۔"

"اچھا اب یہ جھگڑا ختم کریں اور یہ بتائیں کہ آزک بیل اور نک موڈلے کے ساتھ کیا ہوا اور بدری کو راستے سے ہٹانے کی ضرورت کیوں پیش آئی" اس نے سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے وجود میں عجیب سی ٹھنڈک اترتی محسوس کی۔ غزالہ کی نگاہوں میں دور دور تک کسی بے اعتمادی کا شائبہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت سراپا پیار و محبت بنی ہوئی تھی۔

میں نے پاکستان سے باہر پیش آنے والے واقعات دھیرے دھیرے بیان کرنے شروع کر دیے۔

میں گھر پہنچا تو سفر کی تکان کے باعث نیند کا غلبہ محسوس کر رہا تھا۔ کمرے کی بے تکلفانہ فضا میں غزالہ سے باتیں شروع ہوئیں تو آنکھوں سے نیند ہی کافور ہو گئی۔

ہم نہ جانے کب تک باتیں کرتے رہے۔ غزالہ ایک ایک بات کرید کرید کر بہت دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اس دوران میں باہر سے کئی مرتبہ ویرا اور سلطان شاہ کی بلند آوازیں سنائی دیں مگر میں نے انہیں نظرانداز کر دیا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ مجھ سے سفر کی کہانیاں سن رہی تھی، شاید سلطان شاہ نے ویرا کو گھیرا ہوا تھا۔

باہر سے ایک مرتبہ پھر تیز آوازیں آئیں اور پھر کسی نے زور سے ہماری خواب گاہ کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور میں بستر سے اچھل کر نیچے اتر گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ چوکیدار کی غفلت کی بنا پر کوئی مشتبہ شخص ہمارے فلیٹ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میں نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا تو باہر سلطان شاہ غصے کی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گریبان کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ شکن آلود ہو رہا تھا۔

"نکالو.... میں کہہ رہا ہوں کہ اسے میرے کمرے سے نکال دو" اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان غصے میں کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟" غزالہ نے پوچھا۔ میرے پیچھے وہ بھی دروازے پر آگئی تھی۔

"گھنٹوں سے کمرے میں گھسی میرے کان کھا رہی ہے۔ اب میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سے کہو کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر منہ کالا کرے" سلطان شاہ بھنا کر بولا۔

اسی وقت ویرا اٹھلاتی ہوئی لابی میں نکل آئی۔ اس کے ہونٹوں پر پُرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کس بات پر اتنے برہم ہو رہے ہو؟" اس نے باہر نکل کر پوچھا۔

"پورا شہر بے خبری کی نیند سو رہا ہے اور وہ میرے سر پر سوار ہے...."

ویرا سلطان شاہ کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی "میرا قصور صرف اتنا سا ہے کہ میں نے ہمدردی میں آکر اس کے زخم دیکھنے کی فرمائش کی تھی اور یہ آپے سے باہر ہو گیا۔"

"کیسے زخم؟" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

غزالہ نے سہلا کر کہا "اس کے بدن پر امریکیوں کے لگائے ہوئے کچھ زخم ابھی تک باقی ہیں۔"

"میں اتنے دن بعد آئی ہوں۔ اس کی تعزیت کر رہی تھی کہ ضرورت ہو تو مرہم پٹی کر دوں" ویرا نے بہت نرمی اور تحمل سے وضاحت کی۔ "پتا نہیں یہ کیوں اتنا بھڑک رہا ہے۔"

"ابھی میں مرا نہیں ہوں جو تم میری تعزیت کر رہی تھیں...." سلطان شاہ کو طرارہ آگیا۔

"چلو، معاف کر دو۔ میرا مطلب عیادت سے تھا۔ کبھی کبھی میری اردو میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔"

"یہ عیادت ہے" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ کی چٹکیوں سے قیص تھام کر اپنا گریبان آگے کرتے ہوئے احتجاج کیا۔ "اسے منع کر دیا کہ زخم نہیں دکھاؤں گا تو ہاتھا پائی پر اتر آئی' گریبان کے یہ بٹن اسی نے توڑے ہیں۔"

"بہت افسوس کی بات ہے" میں نے ویرا کو ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "تم نے آتے ہی اپنی پرانی فتنہ انگیزیاں پھر شروع کر دیں۔"

"اس میں کون سی فتنہ انگیزی ہوگئی؟" ویرا نے شرمندہ ہونے کے بجائے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ "مرنے سے بال بال بچا ہے' سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔ کیا ہوا جو میں نے ذرا اس کی مزاج پرسی کرلی؟ نخرے کرتا ہے تو میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔ اس کے زخموں میں کیڑے بھی پڑ جائیں گے تو اب نہیں پوچھوں گی۔ یہ کسی ہمدردی کے قابل ہی نہیں ہے۔ تم دونوں نے اسے بری طرح بگاڑ دیا ہے۔"

ویرا بکتی جھکتی اپنے کمرے میں آگئی اور زور سے دروازہ بند کرلیا۔

"لو' وہ چلی گئی۔ اب تم بھی جا کر اطمینان سے سو جاؤ۔ بلاوجہ دروازہ پیٹ کر بات کا بتنگڑ بنا دیا" میں نے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو اس کی حماقت کا احساس دلانا چاہا۔

ویرا کی رضاکارانہ واپسی پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ وہ بولا۔ "وہ ناراض ہو کر کیڑے پڑنے کی بددعائیں دیتی ہوئی گئی ہے۔ یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ میں اسے اپنے سارے زخم نہیں دکھا سکتا۔ اپنے بعض زخموں کی ڈریسنگ میں خود کرتا ہوں۔"

میں مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرسکا "چلو' اب اس سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ کم از کم چند روز تک وہ تمہاری مزاج پرسی نہیں کرے گی۔"

"ضرور کرے..... عیادت کسے بری لگتی ہے لیکن زبردستی میری نرس بننے کی کوشش نہ کرے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر سلطان شاہ سے پوچھا "یہ نرس کا کیا چکر ہے؟"

"اس کا یہی اصرار ہے۔ کہہ رہی تھی کہ مریض کو ڈاکٹر اور نرس سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے' اس کے بغیر صحیح تیمارداری ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اب جا کر سو جاؤ' صبح میں تمہارے زخم دیکھنے کے بعد فیصلہ کروں گا کہ اس کا اصرار درست ہے یا تمہاری ضد جائز ہے۔ دوبارہ ہمارا دروازہ توڑنے کی کوشش مت کرنا" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں" اس نے جاتے جاتے اڑیل پن کا مظاہرہ کیا۔ "سارے زخم تو میں تمہیں بھی نہیں دکھاؤں گا۔"

"مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے" میں نے سختی سے جواب دیا "ضرورت ہوئی تو معائنے سے پہلے تمہیں بے ہوش بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنا علاج خود کرتے رہے تو ویرا کی بددعا ضرور قبول ہو جائے گی۔"

وہ برا سا منہ بنا کر پلٹا اور بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ویرا سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا" غزالہ گہرا سانس لے کے بولی "ہر شخص کی دکھتی رگ اتنی پھرتی سے تلاش کرتی ہے کہ وہ خود ششدر رہ جاتا ہے۔"

"اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ وہ اس کا استعمال بھی جانتی ہے۔ تم سونے سے پہلے لاحول ضرور پڑھ لینا ورنہ وہ خواب میں دوبارہ تمہیں ڈراتی رہے گی۔"

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ غزالہ غائب تھی اور سائیڈ ٹیبل پر تازہ اخبار موجود تھا۔

طویل تعطل کے بعد میں نے اخبار پر نظر ڈالی تو وہ اجنبی سا محسوس ہوا۔ اہم خبروں کے روزانہ تسلسل کی وجہ سے بعض سرخیاں میرے پلے ہی نہیں پڑ سکیں۔ میں خبروں کا سرسری جائزہ لے کر باتھ روم میں جا گھسا۔

تیز شاور کے نیچے غسل کرتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کا خیال آیا۔ الیکٹرونکس کے میدان میں وہ چھوٹی سی کرشماتی ایجاد امریکا میں ہر قدم پر میرے لیے مددگار ثابت ہوئی تھی۔ جس روز میں نے سی ایس ڈی کو پہلی بار آزمایا تھا' اسی دن یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ آلہ بدری ناتھ کو واپس نہیں کروں گا۔ اس وقت دور دور تک یہ امکان نہیں تھا کہ امریکا چھوڑنے سے پہلے مجھے بدری ناتھ کو اپنے راستے سے ہٹانا پڑ جائے گا۔ موت کے بعد بدری ناتھ کے اس ورثے کا اصل حق دار میرے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے سی ایس ڈی کو اسپیکر فون لائن سے منسلک کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے بریف کیس کھولا تو غزالہ بھی کمرے میں آموجود ہوئی۔ میں نے نیو آرک' گیٹ وک اور دبئی کی ڈیوٹی فری شاپس سے خریدے ہوئے علامتی تحفوں کی تھیلیاں اس کے حوالے کیں تو مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ آپ آدھی دنیا کا چکر لگا آئے لیکن میرے لیے کچھ نہیں لائے" خوب صورت طلائی انگوٹھیوں کو اپنی انگلیوں میں پھنساتے ہوئے غزالہ کے اندر کی عورت بول پڑی۔

"خریداری کے لیے ذہنی سکون میسر تھا نہ فرصت" میں نے اسے بتایا "سرِراہ چلتے چلتے جو نظر آیا' لیتا چلا آیا۔ ان تھیلیوں میں چند مردانہ تحفے بھی ہیں۔ وہ سلطان شاہ اور راول خان کے لیے نکال لینا۔"

"ساری ہی تھیلیاں ڈیوٹی فری شاپس کی ہیں" وہ آویزے دیکھتے ہوئے بولی "اس خریداری سے ہی پتا چل رہا ہے کہ قیام کے دوران میں آپ کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ آپ کے ذاتی

سامان میں بھی مجھے کوئی قابلِ ذکر اضافہ نظر نہیں آرہا۔"

ایسا نہیں تھا کہ ہم ہر وقت کام میں جتے ہوئے تھے۔ فرصت بھی مل جاتی تھی لیکن لہو کے پیاسے ہماری تلاش میں ہر طرف سرگرداں رہتے تھے۔ ہم غیر ضروری مٹرگشت سے گریز ہی کرتے تھے۔

شاید ویرا کو تیاری کے دوران میں ہماری مصروفیات کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ ہاتھ میں کچھ لیے ہمارے کمرے میں آئی اور پھر اس نے ایک پیکٹ غزالہ کے حوالے کیا تو میں تعجب میں پڑ گیا۔

"یہ تو وہی نیکلس ہے جو تم نے نیو آرک سے اپنے لیے خریدا تھا۔" میں نے کہا۔

اس نے ہنسی کے ساتھ مجھے بتایا "اس نیکلس کے لیے وہاں گردن میری اور پسند تمہاری تھی مگر میں نے یہ تحفہ غزالہ کے لیے ہی خریدا تھا۔"

پھر ویرا اسے نیکلس کی خریداری کا قصہ سنانے لگی اور میرا دل خوش ہو گیا۔ نیکلس والی دکان میں ہم دونوں دو اجنبیوں کی طرح ملے تھے۔ اس تفصیل سے غزالہ کو یہ اطمینان ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں "ہر جگہ" ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔

"مخلوط مغربی معاشرے میں تم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں الگ تھلگ رہنا عجیب تو لگتا ہو گا؟" غزالہ نے یہ سوال ویرا سے کیا تھا۔

"الگ تھلگ کیا، بس ایک دوسرے پر نگاہ رکھتے تھے۔ ڈینی چاہتا تو اس کے لیے وہاں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ دراصل ہم دونوں میں سے کسی کے پاس ان خرافات کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک آدم خور لڑکی ڈینی کے پیچھے لگ ہی گئی تھی۔"

پتا نہیں ویرا کیا شگوفہ چھوڑنے والی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آدم خور لڑکی! امریکا جیسے ملک میں آدم خور لڑکی کہاں سے آ گئی؟"

"جو لڑکیاں خوبرو مردوں پر ڈورے ڈالتی پھرتی ہیں، میں انہیں آدم خور ہی سمجھتی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں ڈینی کو جینی سے بہت مشکل سے بچا کے لائی ہوں۔ میں نہ ہوتی تو وہ اس کی ممی تیار کر کے اپنے بیڈ روم میں سجا لیتی" جینی سے اپنے بغض کو ویرا، غزالہ سے پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ توڑ مروڑ کر اس کا نام غزالہ کے کانوں میں ڈال ہی دیا۔

میرا دل چاہا کہ اٹھ کر ویرا کا سر توڑ دوں۔ اس نے بالکل غیر ضروری طور پر جینی کے بارے میں ایسی پُرتجسس کہانی سنائی تھی کہ غزالہ اس کے بارے میں سوچے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

میں نے بالکل چپ سادھ لی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے زبان کھولی تو ویرا مزید کچھ ایسا زہر اگلے گی کہ بات بننے کے بجائے مزید بگڑ جائے گی۔

"جینی کا نام بھی ان کے نام سے ملتا جلتا تھا۔ کیا وہ کوئی آوارہ گرد لڑکی تھی؟" ویرا کا پیدا کیا ہوا تجسس فوری طور پر غزالہ کے ذہن پر سوار ہونے لگا تھا۔

"وہ بہت پڑھی لکھی، خوب صورت اور برسرِروزگار لڑکی تھی۔ ایمان داری کی بات ہے کہ ڈینی نے اسے زیادہ منہ نہیں لگایا۔ ایک آدھ مرتبہ ڈینی کو اس پر ترس آیا تو میں راستے کی دیوار بن گئی" ویرا اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے اس موقع کو پوری طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"وہاں یہ سب رائج ہے" غزالہ کے غیر متوقع جواب نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی "تم بلاوجہ ان کی کردار کشی کر رہی ہو۔ وہاں کا پانی ہی کچھ ایسا ہو گا کہ اچھے خاصے آدمی کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہوں گے۔ وہاں کے بارے میں، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وفادار بیوی یا شوہر کا تصور صرف اتنا رہ گیا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے بے وفائی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں نہ پکڑے جائیں۔"

"امریکا کو بھول کر اب خود کو یہاں کے ماحول میں واپس لانے کی کوشش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا "یہاں تمہیں دل بہلانے کے لیے سلطان شاہ کی نرسنگ کے سوا کچھ اور مشاغل بھی مل سکتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا نام آتے ہی ویرا اٹھ گئی "میں ناشتا بنانے جا رہی ہوں۔ اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔"

غزالہ ناشتا بنا چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے سی ایس ڈی فون سے منسلک کر دی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی۔ نیویارک کے وقت کا حساب لگایا اور ناشتا کرنے کا ارادہ کر کے ڈائننگ روم کی طرف چل دیا جہاں دونوں عورتیں ناشتے کا آغاز کر چکی تھیں۔

"کمرے میں بیٹھے تم کس جوڑ توڑ میں مصروف تھے؟" ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"فون پر سی ایس ڈی لگا رہا تھا۔ کسی وقت بلیک ڈیڈ کی خیریت معلوم کرنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔"

سی ایس ڈی غزالہ کے لیے ایک نیا نام تھا۔ اس نے سوال کر ڈالا اور مختصر سی وضاحت کے بعد ہی اس کارآمد آلے کی نوعیت کو سمجھ کر نہ صرف مطمئن بلکہ خوش ہو گئی۔

"میری مانو تو بلیک ڈیڈ کو اب اس کے مقدر پر چھوڑ دو" ویرا نے مشورہ دیا "اسے چھیڑو گے تو وہ واویلا ہی کرے گا۔ مجھے اس کا انجام اچھا نظر نہیں آرہا۔"

"ہمیں گیپ کا مسئلہ اٹھانے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں۔ جس لمحے انہوں نے ہر واقعے کی کڑی ملائی، بلیک ڈیڈ غائب ہو جائے گا۔"

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو، بس اسے یہ نہ بتانا کہ تم واپس

پاکستان پہنچ چکے ہو۔ اس کے ذریعے یہ خبر تمہارے دشمنوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ تم سے مار کھانے کے باوجود وہ اتنے طاقت ور ہیں کہ یہاں سے سلطان شاہ کو نکال کر لے ہی گئے تھے۔ کسی وقت تم پر بھی وار کر سکتے ہیں۔"

ویرا کا یہ مشورہ مفید تھا۔ میں نے اسے فوراً ہی پلے سے باندھ لیا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکل آیا اور ویرا کو نظرانداز کرتا ہوا میرے برابر میں آبیٹھا۔ میں پُرتشویش نظروں سے اس کی نقل و حرکت کا گہرا مشاہدہ کرتا رہا۔ غور کرنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے چلنے پھرنے میں زیادہ دشواری نہیں تھی مگر اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

جب سے غزالہ نے اس کے جسم پر زخموں کی موجودگی کی تصدیق کی تھی، میں اس کی طرف سے فکر مند تھا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہو گیا تو میں اشارے سے اسے اپنے ساتھ اسی کے کمرے میں لے گیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے بولٹ بھی کر لیا تاکہ ویرا کو کوئی شرارت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

سلطان شاہ کو میرے تیوروں سے میرے ارادے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے میرے کسی مطالبے سے پہلے ہی اپنے زخموں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ اسے اغوا کرنے والوں نے اس پر جو جسمانی تشدد کیا تھا اس کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ اصل مسائل دو تھے جن کی نشان دہی انقرہ کے ملٹری اسپتال میں خون وغیرہ کے مختلف تجزیوں کے بعد کی گئی تھی۔

اغوا کے بعد اس کی بے ہوشی کی مدت کو طول دینے کے لیے اسے انجکشن کے ذریعے ایسی موذی ادویہ دی گئی تھیں جنھوں نے اس کے اعصابی اور جسمانی نظام کو بہت تیزی سے کمزور کیا تھا۔ اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ بہت دیر تک ایک منجمد لاش کے ساتھ تابوت میں بند رہا تھا۔ لاش پر جمی ہوئی برف کی تہ نے اس کے جسم کے پچھلے حصے پر پشت سے پنڈلیوں تک متعدد بڑے بڑے زخم ڈال دیے تھے۔

وہ زخم کچھ ایسے ہی تھے جیسے برفانی علاقوں میں فرائض انجام دینے والے فوجیوں یا کوہ پیماؤں کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں آجاتے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اعضا کاٹنے پڑ جاتے ہیں۔ معالجوں نے سلطان شاہ کے زخموں کو بڑی حد تک سنوبائیٹ سے مشابہ قرار دیا تھا۔

اس نے قمیص اٹھا کر مجھے اپنی پشت دکھائی تو میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ سلطان شاہ نے بیدار ہونے کے بعد ان زخموں کی ڈریسنگ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے مجھے اس کی گلی ہوئی جلد، کھال اور چربی کی گلابی مائل سفید تہیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ تین خاصے بڑے زخم میرے سامنے تھے۔ دو شلوار کے نیچے کولھوں پر چھپے ہوئے تھے۔ چھٹا اور زیادہ بگڑا ہوا زخم داہنی پنڈلی پر تھا جو اپنی گہرائی میں شاید ہڈی تک پہنچا ہوا تھا۔

ترک ڈاکٹروں کے تجویز کردہ علاج کی توثیق کراچی کے فوجی ڈاکٹروں نے بھی کی تھی۔ وہ جب تک پی این ایس شفا میں زیر علاج رہا، وہاں اس کی ڈریسنگ ہوتی رہی۔ اس کے لیے ہر وقت بستر پر دراز رہنا مناسب نہیں تھا۔ جوں ہی اس کی جسمانی قوت کسی حد تک بحال ہوئی، اسے اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ زخموں کی ڈریسنگ صرف مرہم اور روئی کی ہلکی سی تہ سے کی جاتی تھی۔ یہ کام سلطان شاہ خود ہی کر لیتا تھا۔

اس کے زخم دیکھ کر میرے دل میں اس کے لیے ترحم کا جذبہ عود کر آیا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ برسوں پہلے شی والوں کی گن بوٹ پر بھی ایک آئس بکس میں ایسی ہی خطرناک قید سے دوچار ہو چکا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت اس پر سنوبائیٹ وغیرہ کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ انجماد سے بہت گرے ہوئے درجۂ حرارت کی وجہ سے اس کے بدن کے سارے جوڑ اور پٹھے وغیرہ اکڑ کے رہ گئے تھے جو کئی دن بعد نقل و حرکت کے قابل ہو سکتے تھے۔

میں نے دانستہ اس پرانے قصے کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے زخموں کی ڈریسنگ کرتے ہوئے میں نے نرمی سے کہا "تم ویرا کی ذرا ذرا سی باتوں پر بدک کر خود اسے چڑانے کے مواقع فراہم کرتے ہو۔ وہ واقعی نرسنگ کورس کر چکی ہے، کمر اور پنڈلی کے زخموں کی دیکھ بھال اچھی طرح کرے گی۔"

"وہ تمہارے سامنے مسکین بن جاتی ہے اور تم دھوکا کھا جاتے ہو" اس نے بے بسی سے احتجاج کیا "تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اکیلے میں کیسی زہریلی باتیں کر کے کچوکے لگاتی ہے۔ اسے میرے اوپر کوئی احسان کرنے کا موقع مل گیا تو وہ چند ہی روز میں میرا جینا حرام کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر یہ ڈریسنگ میں کیا کروں گا۔" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا اور کہا "اب تم آرام سے میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور مجھے ان دونوں کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے ہاتھوں معذور ہوئے ہیں۔"

"ولی جان جنگلات کے محکمے میں اٹھارھویں گریڈ کا افسر ہے۔ شنکر رائے سترھویں گریڈ کا ملازم ہے۔ شاید محکمۂ داخلہ میں کام کرتا ہے۔ دونوں کے بال بچے گاؤں میں رہتے ہیں اور وہ گلشن اقبال کے ایک بنگلے میں اکٹھے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس بنگلے کو اپنی عیاشیوں کا گڑھ بنایا ہوا تھا۔"

"تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے نرمی سے استفسار کیا۔

"یہ اول خان کا ریکارڈ بتاتا ہے۔ اس نے بہت محنت کے بعد سات آدمیوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ ان میں سے یہ دونوں صاف نکل گئے۔ اگر وہ ایک ساتھ نہ رہ رہے ہوتے تو شاید میں دوسرے کا

پیچھا نہ کرتا۔ وہ دونوں اپنے بنگلے کے ایک کمرے میں دو لڑکیوں کے ساتھ نشے میں دھت تھے۔ پہلی گولی چلتے ہی دونوں لڑکیاں خوف زدہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید ان میں سے کسی نے باہر کھڑی ہوئی گاڑی کا نمبر نوٹ کیا ہوگا ورنہ ان کے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں دونوں کا ایک ایک گھٹنا توڑ کر صاف نکل آیا تھا۔"

"دشمن کے گھٹنے توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم انہیں مار بھی سکتے تھے۔"

"مدن موہن کا ریکٹ یہاں بہت گھناؤنا کھیل، کھیل رہا تھا۔ تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ ولی جان مسلمان اور شنکر رائے ہندو ہے پھر بھی وہ ایک ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان غداروں کی ڈوریاں ایک ہی جگہ سے ہلائی جارہی تھیں۔ ان کے لیے موت بہت آسان سزا تھی۔ اب وہ زندگی بھر معذوری کے ساتھ سسک سسک کر زندہ رہیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔"

"ان دونوں کے ضامن کون تھے؟" میں نے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

"اول خان دل برداشتہ ہوگیا تھا۔ ان کی رہائی کی خبر پانے کے بعد اس نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے مقصد بھاگ دوڑ سے نفرت کرتا ہے۔"

"وہ باہر سے نہیں آیا، اسی ملک میں پلا بڑھا ہے۔ یہاں کی یہ ساری خرابیاں اس کی جانی بوجھی ہیں۔ اگر وہ ایک بار ضمانت پر باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے تو انہیں دوبارہ اندر ڈالا جاسکتا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس اتنی بے بس نہیں ہے کہ مصدقہ مجرموں سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوجائے۔"

"ان سوالوں کے جواب وہی دے سکے گا" میرے سامنے وہ مایوس ہوچکا تھا۔"

سلطان شاہ کا کوئی ہوم ورک نہیں تھا۔ اس نے اول خان کی ہمدردی میں، وقتی اشتعال کے تحت ان دونوں کو معذور کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں اس سے کہیں زیادہ توجہ کے مستحق تھے۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر اس کے کمرے سے نکل آیا۔

میں نے اول خان کو فون کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمی نے میری آواز پہچان کر بتایا کہ وہ چار بجے کے بعد ہی دفتر آسکے گا۔ میں نے پیغام چھوڑ کر فون بند کردیا۔

کام میرے سامنے تھا لیکن اس کا کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔ لے دے کر وہی دو زخمی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ کو زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اسے یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ شہر کے کسی اسپتال میں تھے یا کہیں اور منتقل کئے جاچکے تھے۔

مجھے اول خان کی اس دلیل میں زیادہ وزن نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ دونوں اپنے خاندانی پس منظر اور موجودہ عہدوں سے میسر ہونے والے وسائل سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر زندگی گزار رہے تھے اس لیے یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ کوئی جرائم پیشہ شخص ان کی مالی اعانت کررہا تھا یا پھر یہ کہ وہ مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے تھے۔ ان کے نامعلوم وسائل کی فراہمی کا ذریعہ مدن موہن بھی ہوسکتا تھا جو را والوں کی طرف سے کراچی میں نیچرل انفارمیشن سیل کی آڑ میں عیاشی کا اڈا چلارہا تھا۔ اسے معلومات کی ضرورت تھی۔ اہم معلومات کے لیے وہ آنکھیں بند کرکے بڑی بڑی رقوم بھی خرچ کرسکتا تھا مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ محکمۂ جنگلات کا ایک افسر را والوں کو کیا معلومات فراہم کرسکتا تھا۔ اس سے زیادہ اہم شنکر رائے تھا جو نچلے گریڈ میں اہم صوبائی محکمے کا ملازم تھا۔

میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ معاً مجھے یاد آیا کہ اول خان نے صرف مالی وسائل کی بات نہیں کی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اٹھایا تھا کہ پاکستان میں را والے اتنے طاقت ور نہیں ہوسکتے کہ اپنے حلیفوں کو اسپیشل ٹاسک فورس کی کڑی تحویل سے شہری پولیس کی حراست میں پہنچا کر ان کی ضمانت کراسکیں۔

وہ کام کسی مقامی قوت کا ہی ہوسکتا تھا، ایسی قوت جو ضرورت پڑنے پر اپنے کارندوں کے تحفظ کے لیے بے دریغ پیسہ لٹاسکے۔ ان باتوں سے ایک اور اہم بات سامنے آتی تھی کہ ولی جان اور شنکر رائے عام مجرم نہیں تھے۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں مشترک تھیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ مذہبی تضاد کے باوجود وہ ایک دوسرے کے گہرے دوست اور ہم ذوق تھے۔ دونوں ہی مدن موہن کے ریکٹ میں گھسے ہوئے تھے، انہیں کسی ایسی قوت کی پشت پناہی حاصل تھی جس نے تمام تر ناموافق حالات کے باوجود انہیں ضمانت پر رہا کرالیا تھا اور اب انہیں معذور کرنے والے سلطان شاہ سے انتقام لینے کے لیے اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگایا ہوا تھا۔

طویل اور گہری سوچ بچار کے نتیجے میں مرتب ہونے والے نتائج بہت واضح تھے۔ اگر فوری طور پر کوئی اور سرا ہمارے ہاتھ نہیں آتا تھا تو ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک سے مذاکرات کے ذریعے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

چار بجے میں نے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت نیویارک میں صبح کے سات بجے کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ کسی کو بستر سے اٹھانے کے لیے وہ وقت بہت زیادہ نامناسب نہیں تھا۔

نیویارک میں تین گھنٹیاں بجنے کے بعد میرے کانوں میں جوڈی کی سخت، کھردری اور گستاخانہ آواز آئی "اتنے سویرے کون بول رہا ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ بددماغ بڑھیا مزید کوئی اشتعال انگیز بات کہتی، میں نے جلدی سے کہا "میں اسلم ہوں کل تک تمہارے

باس کا مہمان تھا۔ اگر تمہارا سویرا نہیں ہوا تو بعد میں اسے فون کے بارے میں بتا دینا۔"

"اوہ نو سر! میں شرمندہ ہوں۔ وہ رات بھی بے چینی سے تمہاری کال کا منتظر تھا۔" میری دھمکی پر جوڈی کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ اس کی آواز سے نیند کا خمار کافور ہو چکا تھا "تم ہولڈ کرو۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔"

تقریباً آدھے منٹ بعد بلیک ڈیڈ کی نیند کے نشے میں ڈوبی ہوئی بوجھل آواز سنائی دی "ہائے ڈینی! کیا تم اپنے ملک واپس پہنچ چکے ہو؟ میں تمہارے پیغام کا منتظر تھا۔"

"نہیں ڈیڈ۔ ہم لندن میں رک گئے ہیں۔ ہمارے پاس ویزا موجود تھا۔ بس سامان آف لوڈ کروانے میں تھوڑی سی دشواری ہوئی ورنہ سب ٹھیک ہے۔ پاکستان میں ہمارے لیے خطرات پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! تم کو لندن میں بھی محتاط رہنا ہوگا۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں سے وقت پر نکل گئے۔ کل سے عباس کرمانی کے بجائے تم دونوں کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔ ہوٹل کھنگالے جا رہے ہیں۔ نیویارک کے تینوں ہوائی اڈوں اور زمینی راستوں پر مخبر پھیلا دیے گئے ہیں۔ بدترین خبر یہ ہے کہ پیری کاویل کو اٹھا لیا گیا ہے۔"

"کس نے اٹھایا؟ اس کا جرم کیا ہے؟" یہ خبریں میرے لیے متوقع تھیں پھر بھی بلیک ڈیڈ کی دل جوئی کے لیے مجھے خاصی بے ساختہ حیرت کا اظہار کرنا پڑ گیا۔

"یہ سؤر کے بچے 'سی آئی اے والے فرعون ہوتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔" اس کی برافروختہ آواز آئی "بیم گن کے بعد بیلٹ پھٹنے سے کئی آئی مین شبہات کی زد میں آئے ہیں لیکن کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پیری آہنی اعصاب کا مالک ہے! اپنی جان پر ہر ستم سہہ لے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔"

"میری دعا ہے کہ تمہاری یہ خوش گمانی حقیقت ثابت ہو۔ پیری بکھر گیا تو تمہاری باری بھی آ سکتی ہے۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ بہت دور کی بات ہے لیکن رونما ہو سکتی ہے۔ اس وقت تمہارا مشورہ کیا ہے؟"

"روپوشی اختیار کرلو۔ جب تک مطلع صاف نہ ہو' سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا۔"

"وہ میرے آدمیوں کا جینا حرام کر دیں گے۔ ایک ایک کو رگیدنا شروع کر دیں گے۔"

"خاص آدمیوں کو بھی انڈر گراؤنڈ کر دو۔ دوسروں کی طرف سے آنکھیں بند کرنی ہوں گی۔ یہ مجبوری ہے۔ تم نے جلد ہی فیصلہ نہ کیا تو پچھتانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔"

"میں نے یہ ٹھکانا چھوڑ دیا تو تم سے میرا رابطہ ختم ہو جائے گا۔ ایسا کرو کہ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔"

"ابھی تم نے مجھے چوکنا رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ میں بھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہوں گا۔ آج یہاں ہوں' کل پتا نہیں لندن کے کس ہوٹل میں ڈیرا ڈالنا پڑ جائے۔"

"بس' پھر ہم ایک دوسرے کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ ویسے جوڈی ایک بے ضرر سی بڑھیا ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ تم چاہو تو اس سے بات کرتے رہنا۔ حالات کے تحت میں بھی اس سے رابطے میں رہوں گا۔"

پیری کاویل کی گرفتاری پر بلیک ڈیڈ کی پریشانی بے جا نہیں تھی۔ اس واقعے کے مضمرات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی وہ خوش فہمیوں کے سہارے لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں خود بہ خود جینی کا نام ابھر آیا۔ ہماری نیویارک سے روانگی سے ایک رات پہلے ہی وہ ہم دونوں کی طرف سے بددل ہو کر نیویارک کے پولیس چیف کو ہمارے بارے میں خط فیکس کرنے کا ارادہ کر چکی تھی لیکن ویرا نے اگلے چند روز میں ملاقات کا جھوٹا وعدہ کر کے اسے منا لیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جینی بس چند روز ہی انتظار کرے گی۔ جب اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کے تشنہ سوالوں کے جواب دینے کے لیے ہم اس کے پاس نہیں پہنچیں گے تو وہ خاموشی کے ساتھ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دے گی۔ نیویارک میں ہماری اہم ترین سرگرمیوں کی وہ مضبوط گواہ تھی۔

جینی اور بلیک ڈیڈ میں سے کسی پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ دونوں ویرا کے پرانے واقف کار تھے۔ ہم نے امریکا میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان دونوں کو بدری ناتھ سے زیادہ استعمال کیا تھا۔ بدری ناتھ کو ہم اپنے ہاتھوں سے ختم کر آئے تھے' ان دونوں نے ہمیں سکون سے امریکا سے نکلنے کی مہلت دے دی تھی۔ ہمارے وہاں آ جانے کے بعد جینی جو کچھ بھی کر گزرتی اس پر اس سے کوئی شکوہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اب تم امریکا کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔" ویرا نے مجھے سوچ میں غلطاں دیکھ کر کہا "بھول جاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔ ان لوگوں کے ہاتھ کتنے بھی لمبے ہوں' پاکستان میں ہماری گردنوں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"امید تو یہی ہے لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنے مطلوبہ مجرموں کو دور دراز ملکوں سے اغوا کر کے امریکا میں سخت ترین سزائیں دی ہیں۔ یہاں سے انہیں ہمارے خلاف سرکاری تعاون نہ ملا تو وہ دوسرے حربے استعمال کریں گے۔"

"دوسرے حربے وہ ایک مدت سے استعمال کر رہے ہیں۔ اب ان سے کون سی قیامت آ جائے گی؟"

ساڑھے چار بجے ہم چائے نوشی میں مصروف تھے کہ اول خان فون کرنے کے بجائے خود ہی آ پہنچا "میں نے کافی یقین دہانیاں حاصل کرنے کے بعد گیپ کا اصل مسودہ اسلام آباد بھجوا دیا

ہے۔" اس نے آتے ہی اپنی دن بھر کی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔ "کل دوپہر تک اس بارے میں پوزیشن سامنے آجائے گی۔"

میں نے اس کے آتے ہی سوالات کی بھرمار کرنے کے بجائے اسے اطمینان سے چائے ختم کرنے کا موقع دیا اور پھر اس کے دونوں ملزموں کے ضامنوں کے بارے میں پہلا سوال کرڈالا۔

"میرا دل کھٹا ہوگیا تھا۔ میں نے ان کے معاملے میں دلچسپی نہیں لی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا "سنا ہے کہ ضمانتیں معمولی تھیں، کسی ایک ہی شخص نے گاڑی کے کاغذات پر انہیں چھڑالیا تھا۔"

"تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوتی کہ ضامن کون تھا اور اس نے کس کے ایما پر ان دونوں کی ضمانت لی تھی۔" میں نے محتاط انداز میں اپنی رائے دی "اس کارروائی سے چند چہرے ضرور بے نقاب ہوجاتے۔"

"اگر تم اس بارے میں اسی قدر سنجیدہ ہوچکے ہو تو میں ابھی فون پر معلوم کیے لیتا ہوں۔"

میری طرف سے اثبات میں جواب پاکر اول خان نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سے فون کیا۔ میں نے سی ایس ڈی مین لائن سے منسلک کی تھی اس وجہ سے مداخلت کے کسی خطرے کے بغیر ایک وقت میں تینوں میں سے کوئی ایک ایکس ٹینشن استعمال کی جاسکتی تھی۔

اس نے چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون بند کردیا۔ عدالتی اوقاتِ کار ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت کچھ معلوم ہونا ناممکن تھا البتہ اول خان سے اگلے روز معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کرلیا گیا تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتانا شروع کردیا تاکہ وہ اگلے روز زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکے۔ پوری بات ذہن نشین کرلینے کے بعد اس نے کہا "تم بلاوجہ ان کے ضامن کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ وہ جو بھی ہے، درمیان کا آدمی ہے۔ اگر ہمیں کچھ کرنا ہی ہے تو ان ہی دونوں کے لیے کرنا ہوگا۔ اصل آدمی تک رسائی کے لیے وہی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ان کے خلاف کہاں سر کھپایا جائے؟ تمہیں ان کے بارے میں سرے سے کچھ پتا نہیں ہے۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا جوش عود کر آیا "وہ کیس میرے ہاتھوں سے نکل کر پولیس کے ہاتھوں میں پہنچا تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ بعد میں دو کی ضمانت ہوئی تو میں بددل ہوکر انہیں بھول گیا.... پولیس کی تحویل میں پہنچنے کے بعد سے ان کے زخمی ہونے تک جو کچھ ہوا، میں اس سے واقعی بے خبر ہوں لیکن پھر سلطان شاہ اس چکر میں ملوث ہوگیا تو مجبوراً مجھے ان پر دھیان دینا پڑا۔ دو مشتبہ افراد کے دیکھے جانے کے بعد میری توجہ میں اضافہ ہوگیا۔"

"لاحول ولا قوۃ! اور یہ بات تم مجھے آج بتا رہے ہو۔ کہاں ہیں وہ دونوں؟"

"زخمی ہونے کے بعد انہیں اسپتال ہی لے جایا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے انہیں دیکھتے ہی جواب دے دیا۔ سلطان شاہ نے ان کے گھٹنوں کو بڑی سفاکی سے برباد کیا ہے۔ گولیاں پیچھے سے گھس کر گھٹنے کی پوری ہڈی کو چکنا چور کرتی ہوئی آگے سے نکل گئی تھیں۔ بچے ہوئے ریزوں کو کوئی مائیکرو سرجن یک جا نہیں کرسکتا تھا۔ اس رائے کے بعد کوئی ان دونوں کو گھر لے گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ماہر کی نگرانی میں وہیں زیر علاج ہیں۔ ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے نرسنگ اسٹاف کے علاوہ ہر وقت تین محافظ بھی وہاں موجود رہتے ہیں۔"

"تم ان کے بارے میں پوری طرح باخبر ہو پھر میں یہ کیوں سمجھتا رہا کہ تم اندھیرے میں ہو؟"

"تم نے کل کھل کر کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔" اس نے یاد دلایا "تم قسطوں میں سوال کرتے رہے، میں اسی طرح نپے تلے جواب دیتا رہا۔ کل تم نے امریکا سے یہاں قدم رکھا ہی تھا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا علم نہیں تھا اور میں تمہارے ذہن پر آتے ہی غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا۔"

"یہ بات تو مجھے بھی اب معلوم ہورہی ہے کہ وہ اسی گھر میں زیرِ علاج ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میں نے تم سے یہ تفصیل دانستہ پوشیدہ رکھی تھی۔ تم ان کے دوسرے گھٹنے توڑنے کا ارادہ کرلیتے تو میں تمہیں کیسے روک سکتا تھا؟ تمہیں دلیری اور خود سری کے فرق کا اندازہ نہیں ہے۔"

"وہ گھر میں ہیں تو ان کے بال بچے بھی وہیں آگئے ہوں گے؟" ویرا نے دریافت کیا۔

"بنگلا چھوٹا ہے۔ شاید ان کی بیویاں آگئی ہوں۔ بچے وہاں نہیں دیکھے گئے۔"

"ایسی مہلک چوٹوں کا گھر پر کیا علاج ہورہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت ظاہر کی "انہیں سرجری کی ضرورت تھی۔ گھر پر رہ کر وہ یقیناً معذور ہوجائیں گے۔"

"کیا ہورہا ہے، یہ مجھے نہیں معلوم۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر پر ہیں۔" اول خان بولا۔

سلطان شاہ کے حملے نے ان دونوں کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اسپتال میں انہوں نے خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہوئے گھر پر رہنے کو ترجیح دی ہوگی۔ ان کے گھٹنوں کے جوڑ اور چپنی ہڈی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان کی ضرورت یہ تھی کہ زخموں سے ہڈیوں کے ٹکڑے نکال کر زخموں کی بھرپور دیکھ بھال کی جائے۔ ایسی صفائی شاید کسی باقاعدہ آپریشن کے بعد ہی کرلی گئی ہو۔

"اگر ان پر نظر رکھی جارہی ہے تو تمہیں یہ اندازہ ضرور ہوگا کہ ان پر دوبارہ کیسے ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے؟" میں نے اس سے سوال

کیا۔

"آج تم ہاتھ ڈالو گے۔ کل پھر قیدی کو پولیس اسٹیشن چھوڑنا پڑ جائے گا۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا۔

"وہ باقاعدہ آپریشن تھا۔ بہت سے لوگوں کو علم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس مدن موہن کے این آئی سی کو تباہ کرنے کے لیے کارروائی کر رہی ہے۔ نئی گرفتاری ایس ٹی ایف کی خفیہ مہم ہوگی۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ زخمی کہاں غائب ہوگیا۔"

"میں پہلے بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ایس ٹی ایف کہیں اتنی مجبور نہیں ہو سکتی کہ ایک مسلمہ مجرم کو چھوڑنے کے بعد صرف تماشا دیکھتی رہے۔ یہ قدم پہلے بھی اٹھایا جا سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہم دروازے پر دستک دے کر اپنی نفری اور ہتھیاروں کے زور پر کسی کو لائے تو بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ یہ کام بالا ہی بالا ہونا چاہیے۔" اول خان نے میرے ایک اندیشے کی وضاحت کر ڈالی۔

"پھر تو ہم کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ایس ٹی ایف سے بالا ہی بالا کون قیدی کو اٹھائے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"شاید میں اپنی بات واضح نہیں کر سکا۔" اول خان نے پہلو بدل کر کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس معاملے میں اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی بات جاری رہی "کام میرے آدمی کریں گے۔ قیدی میرے لاک اپ میں جائے گا۔ ہمارے طریقوں کے مطابق اس کا اندراج ہوگا اور ہم ہی اس سے پوچھ گچھ کریں گے لیکن یہ کام اس طرح خاموشی سے کیا جائے گا کہ باہر کے کسی آدمی کو اس اغوا میں ایس ٹی ایف کے ملوث ہونے کا شبہ نہ ہو۔ یہ بات لیک آؤٹ ہوگئی تو دباؤ کے ساتھ ہی مجھ سے کڑی باز پُرس بھی ہو سکتی ہے۔"

سب کے چہروں پر اطمینان پھیل گیا۔ غزالہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔

"میں ولی جان کے بجائے شنکر رائے پر ہاتھ ڈالنے کو ترجیح دوں گا۔" میں نے رائے دی "اپنی مذہبی ہمدردیوں اور محکمے کی بنا پر وہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ سب ہو جائے گا۔" اول خان نے یقین دلایا "میں نے اپنا مدعا بیان کر دیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس تجویز پر عمل کیسے ہوگا۔ تین مسلح محافظوں کی موجودگی میں ادھر کا رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

اول خان کا وہ سوال سب سے اہم تھا کہ اس کی تجویز پر عمل کیسے کیا جائے۔

"تین محافظوں کی موجودگی میں اتنی خاموشی سے ایک زخمی کو نکال کر لانا آسان نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم اپنے ایک دو آدمی گنوا بیٹھو۔" ویرا نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شنکر رائے کی رہائش گاہ کا ایک چکر لگائے بغیر اس کارروائی کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔

"اس گھر کے کسی حصے میں بے ضرر سی آگ لگا دی جائے تو محافظوں کی توجہ ادھر مبذول ہو سکتی ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "اس دوران میں شنکر کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"دیر ہوگئی تو محافظ تمہارے آدمی کو باڑھ پر رکھ لیں گے۔" ویرا نے اعتراض کر دیا "اس سے بہتر ہے کہ تمہارے تجربے کار آدمیوں کی بھاری نفری سادہ کپڑوں میں وہاں دھاوا بول دے۔ تھوڑا سا شور شرابا ضرور ہوگا لیکن تمہارے کسی آدمی کے نقصان کا خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"

"دونوں طرف خودکار ہتھیار موجود ہوں تو یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ گولی اپنے اور پرائے میں تمیز نہیں کرتی۔ گھر جانے پر وہ اندھا دھند گولیاں برسا کر نہ جانے کتنے جسموں کو چھلنی کر دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام خون بہائے بغیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے....."

"تم خوں ریزی سے اس قدر خائف کیوں ہو؟" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اول خان سے نرم لہجے میں سوال کیا "ان تینوں کو بے خبری میں کیوں نہ مار دیا جائے۔"

"بے مقصد خوں ریزی سے کیا حاصل ہوگا؟" وہ بے بس نظر آنے لگا۔

"اس وقت ہمارا مقصد شنکر کو اٹھانا ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی خوں ریزی کو تم بے مقصد کیوں قرار دے رہے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ تینوں محافظ کسی جرائم پیشہ شخص کے پالے ہوئے غنڈے ہیں۔ ان ہی کے دو ساتھی ادھر بھی آ چکے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ طاقت استعمال کیے بغیر ہم اپنا مطلب پورا نہیں کر سکتے!"

"میرے ذہن میں طاقت کے محدود استعمال کی ایک صورت ابھر رہی ہے۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ان کے ٹھکانے کا جائزہ لینا ہوگا۔"

"چاہو تو ابھی ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے تک منصوبے پر عمل کر ڈالیں گے۔"

"جاؤ۔ تم سلطان شاہ سے بیم گن لے آؤ۔" میں نے ویرا کو ہدایت کی "اور ہاں، ذرا وہ کین بھی لیتی آنا جو تم نے جارج شلز اور اس کی کتیا پر استعمال کیا تھا۔ میں نے وہ کین تمہارے سوٹ کیس میں دیکھا تھا۔"

"اس کین میں کیا ہے؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد اول خان نے تجسس سے پوچھا۔

"کلورو فارم کی نسل کی کوئی گیس ہے۔ ناک پر پہلی پھوار

پڑتے ہی شکار کو بے ہوش کر دیتی ہے۔"

"بیم گن اور کلوروفارم اسپرے کا مطلب ہے کہ تم کافی دور تک سوچ چکے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا طے کیے بیٹھے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میرا کوئی آدمی تمہارے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اتر سکے۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔ ضروری ہوا تو میں خود تمہارے ساتھ اس مہم پر چلوں گا۔"

"تم خود!" میرے انکشاف پر وہ حیران رہ گیا "میں تمہیں یہ خطرناک مشورہ نہیں دوں گا۔"

"یہ کام بہت اہم ہے۔ تم اندازہ نہیں کر پا رہے ہو کہ ہم نے بڑھ کر ان لوگوں کی گردنیں نہ دبوچیں تو وہ ہماری بے خبری میں کسی بھی وقت ہمارے اوپر آ پڑیں گے۔ ہم روز روز گھر بدل سکتے ہیں نہ ان کے ڈر سے چوبیس گھنٹے گھر میں محصور رہ سکتے ہیں۔"

ویرا ذرا سی دیر میں دونوں چیزیں لے آئی۔ میں نے ہلا کر دیکھا تو کین میں سیال گیس کی خاصی مقدار موجود تھی۔ یہ ویرا کی عقل مندی تھی کہ اس نے جارج شلز کی بے ہوشی کے بعد وہ کین اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا جو بعد میں سوٹ کیس میں منتقل ہو گیا۔ اس نے احتیاط سے کام نہ لیا ہوتا تو فورٹ ہاؤس کی خوف ناک افراتفری میں وہ کین کہیں بھی ضائع ہو چکا ہوتا۔

"ابھی تم صرف جائزہ لینے جا رہے ہو تو ان دونوں چیزوں کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"ساتھ لے جانے میں حرج ہی کیا ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر سوال کر ڈالا۔

اس نے میرے ساتھ بحث نہیں چھیڑی لیکن ساتھ چلنے کا مطالبہ پیش کر ڈالا۔

"ہم جن حالات سے گزر کر واپس آئے ہیں وہ خوشگوار نہیں تھے۔ کل یہاں کیا رنگ رہتا ہے' اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فی الحال ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ منظرِ عام پر نہیں آنا چاہیے۔"

"میں ڈینی کے مشورے سے سو فیصد متفق ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "شاید ان ہی دور اندیشیوں نے تم کو ابھی تک دشمنوں سے بچایا ہوا ہے ورنہ وہ تم کو بہت پہلے ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔"

میری اور اول خان کی گلشن اقبال روانگی کی خبر غزالہ اور سلطان شاہ نے حیرت سے سنی اور سوالات کی بھرمار کر دی۔ ہم میں سے کسی کے پاس ان بے تکے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔

اول خان کی غیر سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تو شام کے چھ بج چکے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ راستے میں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ اور فاصلے کی وجہ سے ہمارے گلشن اقبال پہنچتے تک ہر طرف خاصا اندھیرا پھیل جائے گا۔ ایسا ہونے کی صورت میں ہمیں دوبارہ ادھر جانے کی ضرورت نہ رہتی۔

ہم ڈیفنس سے نکل کر کورنگی روڈ پر بائیں طرف مڑتے ہوئے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رک جانا پڑا۔ ہمارے آگے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں جو رینگ رینگ کر آگے سرک رہی تھیں۔ اول خان نے آگے کا جائزہ لے کر گاڑی واپس گھمانے کا قصد کیا لیکن وہاں گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ پیچھے جمع ہونے والی بسوں اور دوسری گاڑیوں نے واپسی کی راہ مسدود کر دی تھی۔

"پھنس گئے.... اب دیکھو کہ اس ٹریفک جام سے کتنی دیر میں نجات ملتی ہے۔"

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام کے سائے بہت تیزی کے ساتھ دراز تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہماری گاڑی جوں کی چال سے رینگتی ہوئی ریلوے لائنوں پر بنے ہوئے پل پر پہنچی تو اندھیرا پھیل چکا تھا' اسٹریٹ لائٹس روشن ہو گئی تھیں۔ منزل پر پہنچتے تک رات ہو ہی جانی تھی۔

پل پر سے گزرتے ہوئے ٹریفک جام کا سبب بھی نظر آ گیا۔ وہ سامان سے لدا ہوا کوئی ٹرک تھا جو سڑک کے بائیں کنارے پر بند تھا۔ سڑک کا کچھ حصہ ٹرک نے روکا ہوا تھا۔ تقریباً اتنا ہی حصہ اس کے گرد سڑک پر رکھے ہوئے پتھروں نے بند کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ پیچھے سے تین اور چار قطاروں میں آنے والا ٹریفک اس مقام پر صرف ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ قطاروں کے ایک قطار میں سمٹنے کی وجہ سے مزید بد نظمی پھیلی ہوئی تھی جسے سنبھالنے کے لیے دور دور تک کوئی سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پل پر ناگہانی طور پر پیدا ہونے والی رکاوٹ کی وجہ سے سڑک کا اگلا حصہ صاف تھا اور اس پر ٹریفک تیزی کے ساتھ رواں دواں تھا۔ ہم شہر کے قلب میں مزید ٹریفک جام میں پھنسنے کا خطرہ مول لیے بغیر سوسائٹیز اور پھر اسٹیڈیم روڈ سے گلشن اقبال کے چوراہے پر پہنچ گئے۔

میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے دونوں زخمی مجرموں کا ٹھکانا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے چند ثانیوں

کے لیے یونیورسٹی روڈ پر آکر اپنی گاڑی حسن اسکوائر کی عقبی سڑک پر موڑلی۔ اونچے فلیٹوں کے درمیان شکستہ سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک لیول کراسنگ تک پہنچ گئے جو شاید سرکلر ریلوے کی ٹرینوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

لیول کراسنگ کے بعد داہنی طرف بل کھاتی ہوئی سڑک ریلوے لائن کے متوازی دور تک چلی گئی ہے۔ سڑک کی داہنی جانب ریلوے کی بیش قیمت زمین قبضہ گروپوں کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی تھی۔ اول خان نے بتایا کہ بائیں طرف کا علاقہ بلاک نمبر تیرہ ڈی کہلاتا تھا۔

اس سڑک پر ہمیں زیادہ دور تک نہیں جانا پڑا۔ اول خان نے کھیل کے میدان کے ساتھ گاڑی گھماتے ہوئے رفتار کم کردی اور کہا "بائیں ہاتھ پر سبز رنگ کا پانچواں مکان انہی کا ہے۔"

اول خان کا وہ انکشاف سنتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ وہاں برقی کھمبے موجود تھے لیکن اسٹریٹ لائٹس کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ میدان کے کناروں پر بے ترتیبی سے اُگی ہوئی گنجان اور خودرَو جھاڑیوں کی وجہ سے اس سڑک پر سرِشام ہی ہُو کا عالم طاری تھا۔

پانچواں مکان درحقیقت پانچواں نہیں تھا کیونکہ درمیان میں کم از کم دو خالی پلاٹ تھے جن پر کوڑے کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ سبز رنگ کے پانچویں مکان سے متصل پلاٹ بھی خالی تھا۔ میں نے گہری نظروں سے جائزہ لے کر وہ پوزیشن ذہن نشین کرلی۔

اس مکان کے سامنے خودرَو جھاڑیوں سے اَٹا ہوا تاریک میدان ہونے کی وجہ سے مجھے کام خاصا سہل نظر آنے لگا تھا۔ میدان کے اختتام پر پتلی سی سڑک کے ساتھ دو رویہ مکانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ سب آباد اور بارونق نظر آرہے تھے۔ بیشتر مکانوں پر گیٹ لیمپ روشن تھے جو اسٹریٹ لائٹس کی کمی پوری کررہے تھے۔ اس تنگ سڑک سے نکل کر اول خان نے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔

"مکان دیکھ لیا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ارادہ نیک ہے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر وقت گزار لیں پھر گاڑی اسی طرف گھمالینا۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بات نگاہوں میں آنے سے رہ گئی ہے؟"

"میں نے سب دیکھ لیا ہے۔ اب تو کام کرنا ہے تاکہ ہاتھوں ہاتھ نمٹ جائیں۔"

"کیا مطلب؟ کسی تیاری کے بغیر ہی ان لوگوں سے ٹکرلوگے؟" وہ بوکھلا گیا۔

"بیم گن اور گیس اسپرے موجود ہے۔ تیاری تو پہلے ہی مکمل ہے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ جائزہ لینے کے بعد پروگرام طے کرو گے؟"

"جائزہ لے لیا۔ اسی کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ابھی نمٹ لیا جائے۔"

"سوچ لو۔ آس پاس گنجان آبادی ہے۔ اس سڑک پر ویرانی ضرور ہے مگر دونوں طرف سے گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ کہیں ہم رنگے ہاتھوں پکڑے نہ جائیں۔"

"میری خاطر آج یہ تجربہ بھی کر ڈالو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا آدمی کہاں چھپ کر اس مکان کی نگرانی کررہا ہوگا۔ اسے بتانا ہوگا کہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرے۔"

"نگرانی بس دن میں ہوتی ہے۔ مغرب کے بعد باہر اتنا سناٹا ہوجاتا ہے کہ خوف آنے لگتا ہے۔ میں رات کو کسی کو ادھر نہیں بھیجتا۔" اس نے مطلع کیا۔

"دس پندرہ منٹ گزارنے ہیں تاکہ میں اپنے ذہن میں کوئی خاکہ بنا سکوں۔ ہم اس سڑک پر آبادی کے اندر سے داخل ہوں گے تاکہ ہماری گاڑی کا رخ واپسی کے راستے کی طرف رہے۔ کام مکمل ہونے کے بعد ایک منٹ کے لیے بھی ہم نہیں رکیں گے۔"

"ابھی تک میں تمہاری ہر ہدایت پر لفظ بہ لفظ عمل کرتا آرہا ہوں لیکن تمہارے ارادوں سے بالکل بے خبر ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تم کیا کرنے جارہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر میرے اور تمہارے درمیان کوئی غلط فہمی رہ جانے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہوجائے۔"

"تم یقین کرو کہ ابھی تک میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ بس چند موٹی موٹی باتیں طے شدہ ہیں۔ اس گھر میں تین مسلح محافظوں کے علاوہ دو معذور مجرم اور ان کی بے گناہ بیویاں موجود ہیں۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نیت یہ ہے کہ کم سے کم خوں ریزی کرکے باقی لوگوں کو بے ہوش کروں اور شکر رائے کو اٹھا کر تمہاری گاڑی تک لے آؤں۔ وہاں سے ہم سیدھے تمہارے کیمپ آفس نکل جائیں گے۔"

"یہ کیسے ہوگا؟ وہ تمہیں اندر کیوں گھسنے دیں گے۔" اول خان اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

"دیکھنا ہوگا۔ ایک ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہم ان کے گھر کے سامنے گاڑی بند کرکے بونٹ اٹھادیں اور میں ریڈی ایٹر کے پانی کے لیے ان کے دروازے پر گھنٹی بجاؤں۔ اگر بات بن گئی تو کوئی محافظ پانی کی بالٹی اٹھانے کے لیے اندر بلا سکتا ہے۔"

"بہت موزوں تجویز ہے لیکن فرض کرو کہ وہ پانی نہیں دیتے پھر کیا کرو گے؟"

"یہ فیصلہ اسی وقت کرنا پڑے گا۔ پہلے سے کچھ طے نہیں کیا جاسکتا۔ شاید میں سامنے آنے والے کو مار ہی ڈالوں۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"وہ ایک سے زیادہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ دوسروں نے شدید ردِعمل کا مظاہرہ کیا تو تمہاری پوزیشن کیا ہوگی؟ مار دھاڑ سے دہشت زدہ ہوکر عورتوں نے ہذیانی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا تو

کیا بنے گا۔"

"سوالات بے شمار ہیں۔ میں بھی ان ہی میں الجھا ہوا ہوں مگر ایک بات طے ہے کہ میرا مار دھاڑ کا کوئی ارادہ نہیں۔ بیم گن اور گیس اسپرے کے سوا میں اور کچھ استعمال نہیں کروں گا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تم آگ میں کودنے جا رہے ہو۔" اس نے متنبہ کیا۔

"اس سے پہلے کہ یہ آگ میرے دامن تک پہنچے، مجھے اس میں کودنا ہوگا۔"

اول خان نے چپ سادھ لی۔ اس کے چہرے پر تناؤ سا آگیا تھا اور اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ساری توجہ سڑک پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ میری باتیں اسے مطمئن نہیں کر سکی تھیں۔

"بہت صاف اور دو ٹوک انداز میں ایک بات اور بتا دوں۔ اگر وہاں گڑبڑ ہو جائے اور تم ایمانداری سے یہ محسوس کرو کہ میرا لوٹ کر تم تک پہنچنا ناممکن ہو گیا تو خود کو کسی خطرے میں نہ ڈالنا۔ تیزی سے واپسی کی راہ لے لینا۔ میں کسی نہ کسی طرح اپنی راہ بنا لوں گا۔"

"یہ نہیں ہوگا۔ تمہارے پاس بیم گن ہے تو میری گاڑی میں بھری ہوئی گن ہے۔ دونوں ایک ساتھ ہی واپسی کا راستہ بنائیں گے یا پھر وہیں حالات کا مقابلہ کریں گے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا۔"

حالات قابو سے باہر ہو جانے کی صورت میں غزالہ کو کوئی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ گلشن اقبال میں کیا ہوا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں سمیت ان ہی خبروں پر یقین کرنا پڑتا جو دوسرے ذرائع سے ملتیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اول خان کو سمجھانے کی کوشش کی "میرا دامن ہلکا ہے۔ تم بال بچوں والے ہو۔ ضد مت کرو۔ تمہارا نکل جانا ہی بہتر رہے گا۔"

"یہ فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے سرد لہجے میں کہا "کوئی بری گھڑی آئی تو ہم دونوں اپنے اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہوں گے۔"

"گاڑی واپس لے لو۔ آٹھ بج رہے ہیں۔ اگر آج ٹیلی وژن پر کوئی اچھا ڈراما آرہا ہے تو لوگ گھروں میں محصور ہوں گے اور سڑک کی ویرانی ہمارا ساتھ دے گی۔"

اول خان نے یوٹرن لینے کے بجائے گاڑی اگلی سڑک پر موڑ لی۔

میں نے آخری بار اپنی جیبوں کو ہاتھ لگا کر بیم گن اور گیس اسپرے کین کی جگہوں کا تعین کیا اور اپنی سیٹ میں سیدھا ہو کر بیٹھ

گیا۔

ہم ان دونوں کی کمین گاہ سے بہت دور نہیں نکلے تھے۔ چند منٹ بعد ہم دوبارہ اسی سڑک پر تھے۔ گاڑی کی رفتار دھیمی تھی۔ سڑک دور تک صاف نظر آرہی تھی۔

دو رویہ مکانوں سے آگے ویران میدان اور سبز مکان کے درمیان اول خان نے گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کردیا۔ بونٹ لیور کے کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ وہاں دور تک کوئی ہمیں نہیں دیکھ رہا تھا پھر بھی ہم بونٹ اٹھا کر خاموشی سے اندر جھانکتے رہے۔

اندھیرے میں ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ اول خان کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "فی امان اللہ۔" میں جچے تلے قدموں سے سبز مکان کی طرف ہولیا۔

ڈور بیل بجاتے ہوئے میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز کے بعد سناٹا چھا گیا۔ ایک طویل انتظار کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی چاپ کے ساتھ کسی کی آواز گونجی "کون ہے؟"

بولنے والا اجڈ اور تندخو محسوس ہوا تھا۔ میں نے جواب دیا "بھائی پانی کی ضرورت ہے۔"

آہٹیں قریب آگئیں اور پھاٹک کی آہنی کھڑکی کھول دی گئی۔ خطرناک چہرے اور بڑی بڑی مونچھوں والا ایک جسیم شخص میرے سامنے آگیا۔ اس کے داہنے شانے پر کلاشن کوف لٹکی ہوئی تھی جس سے جڑا ہوا میگزین نمایاں نظر آرہا تھا۔

"گگ.... گا.... آڑی خراب ہوگئی ہے۔" میں نے لکنت کی اداکاری کرتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایک آدھ بالٹی پانی کی ضرورت ہے....."

"گاڑی میں پیٹرول بھی ہے یا اسے صرف پانی سے چلاتے ہو۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ اس کے چہرے اور وضع قطع کے ساتھ گفتگو سے بھی ظاہر ہورہا تھا کہ شرافت سے اس کی کوئی پرانی دشمنی تھی۔ میں نے اس کی بدتمیزی پر یوں دانت نکال دیے جیسے اس نے کوئی عمدہ مذاق کیا ہو۔

"ٹنکی میں پیٹرول بہت ہے۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا "بس ریڈی ایٹر خالی ہوگیا ہے۔ پانی مل جائے تو انجن ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

اس نے تولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور چند ثانیوں بعد پیچھے ہٹ کے مجھے راستہ دے دیا "جلدی سے پانی لو اور چلتے بنو۔ دوبارہ پریشان نہ کرنا۔"

میں اسی موقع کی گھات میں تھا۔ فوراً اندر گھس گیا۔ لمحوں ہی لمحوں میں، میں نے دیکھ لیا کہ مختصر سے پورچ میں وہ اکیلا تھا۔ پورچ سے ایک پتلا سا پختہ راستہ عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان پیچھے جارہا تھا۔ اسی راستے میں ایک جگہ نل نظر آرہا تھا جس کے نیچے بالٹی موجود تھی۔

وہ آہنی کھڑکی بند کررہا تھا کہ میں نے بیم گن نکال کر اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر بہت قریب سے فائر کردیا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار اس کی کھوپڑی میں اتری اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کو قمیص کے کالر سے فرش پر گھسیٹتے ہوئے گملوں کی اونچی سی دیوار کے پیچھے ڈال دیا۔

مکان کے سامنے والے حصے کے بند دروازوں کو دیکھ کر میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ عمارت کے بجائے پختہ بغلی راہداری سے گزر کر پھاٹک تک آیا تھا۔ اس کی واپسی میں تاخیر ہونے کی صورت میں اس کے کسی ساتھی کو اس طرف سے نمودار ہونا چاہیے تھا۔

میں نے چوکنے انداز میں دائیں بائیں کا جائزہ لینے کے بعد پنجوں کے بل نل کی طرف دوڑ لگادی۔ میرا ارادہ تھا کہ چند لمحوں کے لیے وہاں رک کر عمارت کے عقبی کونے تک پہنچ جاؤں گا تاکہ ادھر سے آنے والے کسی بھی حریف کو آمنا سامنا ہوتے ہی بیم گن کا نشانہ بنا سکوں۔

مکان کی کھڑکیوں سے آنے والی روشنی سے بچنے کے لیے میں تقریباً دہرا ہو کر نل کی طرف جا ہی رہا تھا کہ روشن کھڑکیوں کے درمیان اچانک کسی کھلتے ہوئے دروازے کا بڑھتا ہوا روشن مستطیل نمودار ہونے لگا اور میں وحشت زدہ انداز میں اپنی جگہ رک کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میرے پاس آگے نکلنے کا وقت تھا نہ پیچھے لوٹ جانے کی مہلت تھی۔

دروازہ کھل جانے پر پختہ راہ داری میں ایک انسانی سایہ متحرک ہوا۔ جوں ہی وہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر آیا، میں نے آگے بڑھنا شروع کردیا۔ اگلے ہی لمحے اندر سے دوسرا مسلح محافظ باہر آچکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے کندھے سے لٹکی ہوئی کلاشنکوف اتار کر میرے اوپر تان لی اور دبی دبی غراہٹ کے ساتھ پوچھا "تم کون ہو؟ یہاں کیا کررہے ہو؟ رشید کہاں ہے؟"

"تمہارے کسی ساتھی نے مجھے بالٹی میں پانی لینے کے لیے بھیجا ہے۔" میں نے مسمسی آواز میں کہا "وہ خود آگے ہی کھڑا ہوا ہے۔"

"پانی کس کے لیے چاہیے؟ جلدی بتاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

وہ اپنی مہلک رائفل کی نال ہلا کر اضطراری لہجے میں بولا اور اسی لمحے وہ مکان یا شاید پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

"خبردار! حرکت نہ کرنا ورنہ میں گولی ماردوں گا۔" اندھیرے میں اسی کی آواز ابھری۔ اس وقت تک میں دیوار کے ساتھ لگ چکا تھا۔ کے ای ایس سی کی کارکردگی نے میرے لیے ایک سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ٹھکانے لگا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنا لیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا نامی بدمعاش ہمارا زخمی قیدی تھا۔ وہ ایک اعصاب شکن مقابلہ تھا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ڈیرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کر لی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے باز پرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرا دیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رہامیے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوا لیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رہامیے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے متعلقہ میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کر کے چپ برآمد کر کے تباہ کر دیا۔ نیلو رہامیے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کر لیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کر لیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کر کے ہمیں اضطراب میں مبتلا کر دیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کر دیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کر لیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوا لیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں باز پرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے اپریس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کئے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بخشل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بخشل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بخشل اٹھوا لیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کر دے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کر دیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ بخشل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کر دیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بخشل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جا رہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیر لیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کر سکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کر لے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم ماٹک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کر کے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کر دیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کئے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اسے گھر لا کر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلا دی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کر دیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کر کے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کر لیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت

میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بد قسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگنس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگنس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ڈیڈی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفارمر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے ایک سنہرا موقع مل گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

تاریکی پھیلنے سے پہلے تک میں بالکل غیر مسلح نظر آرہا تھا، اسی کے ساتھ میرے خوف آمیز اور مدافعانہ رویّے نے بھی اندر سے برآمد ہونے والے مسلح شخص کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ یکایک پھیل جانے والی تاریکی میں وہ خود کو میرے مقابلے میں اتنا محفوظ تصور کررہا تھا کہ اندھیرا ہوجانے کے بعد اس نے اپنی جگہ چھوڑنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں نے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے پھرتی سے بیم گن جیب سے نکال لی تھی۔ اندھیرا ہونے پر بس چند لمحوں کے لیے میری بصارت مفلوج ہوئی پھر مجھے تاریکی میں اپنے

حریف کا تاریک تر ہیولا نظر آنے لگا۔ اس ہیولے کی آنکھوں کے چمکتے ہوئے دائروں کا فاصلہ مجھ سے بہت زیادہ نہیں تھا۔

وہ سب تیز ترین مشاہدے کی باتیں، تھیں ورنہ ان میں وقت صرف نہیں ہوا تھا۔

"جواب دو.....!" قدرے توقف کے بعد اندھیرے میں وہی غراہٹ ابھری۔

میں نے دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتے ہوئے بیم گن کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ کسی جھٹکے یا کھٹکے کے بغیر اندھیرے میں نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار بیم گن کے نوزل سے نکل کر اس کے چہرے پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا ڈراؤنا چہرہ ان نیلی شعاعوں کی روشنی میں نہا گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خوف سے زیادہ حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ پھر وہ مہلک شعاعیں اس کے چہرے میں سے گزرتی چلی گئیں۔ وہ بے جان ہو کر ایک دھاکے کے ساتھ پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پُرشور آواز کے ساتھ کہیں قریب ہی جا گری تھی۔

ان دو پُرشور مگر محدود آوازوں کے بعد وہاں پھر موت کا بھیانک سناٹا چھا گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں ابتدا سے ہی میرے سوا کوئی اور موجود نہ رہا ہو۔

میں اندھیرے میں دیوار کے ساتھ اسی طرح چپکا بیٹھا رہا۔ اول خان کے ذریعے ملنے والی اطلاعات سے ظاہر تھا کہ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد تیسرا مسلح محافظ اندر ہی کہیں موجود تھا اور وہ کسی بھی لمحے کہیں سے نمودار ہو سکتا تھا۔ اسے مار گرانے کے بعد میرے لیے دونوں معذور دشمنوں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ رہتا۔ اگر ان کی عورتیں بھی اندر موجود ہوتیں تو میں آسانی سے انہیں ڈرا دھمکا کر خاموش کر سکتا تھا۔

مکان کی بغلی دیوار والا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اور میری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرا قیاس تھا کہ مرنے والوں کا تیسرا ساتھی اسی دروازے سے باہر نکلے گا مگر فضا میں آہنی کھٹکوں کی آواز نے مجھے چوکنا کر دیا۔ وہ آوازیں قریب کی تھیں۔ یقینی طور پر کوئی اسی مکان کا پھاٹک کھول کر اندر آ رہا تھا۔

آہنی پھاٹک بند کیے جانے کی تیز آواز کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر میری کمین گاہ کے سرے پر روشنی کا ایک تیز اور بے چین دائرہ ناچنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، اپنی ٹارچ چمکاتا ہوا اسی راستے پر آ رہا تھا جس سے گزر کر میں وہاں تک آیا تھا۔

میرے وجود میں یک لخت سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ بظاہر امکان یہی تھا کہ نووارد مرنے والوں کا تیسرا ساتھی رہا ہو جو کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر گیا ہوا ہو اور اس وقت واپس آ رہا ہو۔ میرے پاس صرف اتنی مہلت تھی کہ میں اس کے کونے تک پہنچنے سے پہلے اس طویل گلیارے میں خود کو کہیں پوشیدہ کر لیتا۔ کونے پر پہنچ کر وہ جوں ہی اس طرف مڑتا، اسے اپنی طاقت ور... ٹارچ کی روشنی میں نہ صرف اپنے ساتھی کی لاش نظر آ جاتی بلکہ وہ مجھے بھی دیکھ لیتا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں اسے بیم گن کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا جب کہ وہ اپنے کسی بھی آتشیں ہتھیار کی مدد سے میرا قصہ تمام کر سکتا تھا۔

احاطے کے پختہ فرش پر اس کے قدموں کی دھمک تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں دوڑ کر مکان کے عقبی سرے تک پہنچ پاتا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے اس دروازے میں گھس گیا جس میں سے رشید کی خبر گیری کرنے والا دوسرا محافظ برآمد ہوا تھا۔

واقعات تیزی کے ساتھ پے در پے رونما ہوتے جا رہے تھے۔ بنگلے کے اصل مکینوں کو اس وقت تک باہر کی خطرناک صورتِ حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ میں اس راہ داری میں گھستے ہی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ تیسرے شکار کے نمودار ہوتے ہی اس کی گردن ناپ سکوں۔

میری نظریں باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں جمی ہوئی تھیں۔ مجھے انتظار تھا کہ کونے سے اس طرف گھومے تو مجھے اس کی ٹارچ کی روشنی نظر آ سکے۔ مجھے یقین تھا کہ سکون اور خاموشی سے نمٹتا ہوا وہ خونی کھیل غیر متوقع طور پر شور شرابے میں تبدیل ہونے والا تھا۔

میں نے وہ منصوبہ بناتے ہوئے اس امکان کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا کہ میری کارروائی کے دوران میں گھر کا کوئی فرد باہر سے لوٹ آیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ وہ جوں ہی ٹارچ کی روشنی میں اپنے ساتھی کی لاش دیکھتا، فوراً پیش قدمی ترک کر کے پوزیشن لے لیتا۔ اپنی آمد کے واشگاف اعلان کے لیے وہ بدحواسی کے عالم میں اندھا دھند فائرنگ بھی کر سکتا تھا۔

میری نگاہیں اندھیرے میں اور کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے زور سے ہچکی لی ہو پھر دھپ کی آواز کے ساتھ کوئی گرا۔ آنے والے کے قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی۔ میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں باہر نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لوں لیکن میں اپنی جگہ جما رہا۔

گرنے والا کوئی بھی ہو سکتا تھا، ہچکی کی آواز میرا واہمہ

ہو سکتی تھی' آنے والا محتاط انداز میں پنجوں کے بل چلنا شروع کردیتا تو کوئی آہٹ پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں اسی طرح دم سادھے' آنے والے کی ٹارچ کی روشنی کا انتظار کرتا رہا۔

وہ میرے لیے قیامت کے لمحات تھے۔ وقت گویا ایک جگہ تھم کر رہ گیا تھا۔ اعصاب شکن انتظار کے بعد بھی باہر روشنی کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی تو اچانک مجھے خیال آیا کہ میں باہر سے وقفے وقفے سے ابھرنے والی مینڈک کی آواز کو مسلسل فراموش کر رہا تھا۔ میری ساری توجہ ایک سمت میں مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اس لیے وہ آواز مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

مختلف مہمات پر اول خان کے ساتھ رہ کر میں نے انسانوں کے حلق سے برآمد ہونے والی متعدد حیوانی آوازوں کے ذریعے خفیہ پیغام رسانی کے بارے میں خاصا کچھ سیکھا ہوا تھا۔ مینڈک کی وہ آواز اندھیرے میں اچانک ہی شروع ہوئی تھی۔ اگر وہ مینڈک کی آواز نہیں تھی تو اول خان مجھ سے میری خیریت دریافت کر رہا تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ دروازے سے اپنا سر باہر نکالا اور اسی طرح کی ایک آواز میں جواب دے کر پھرتی سے اپنا سر دوبارہ اندر کرلیا۔

اس مرتبہ کسی توقف کے بغیر ہی آواز دوبارہ سنائی دی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ پیغام اول خان کی طرف تھا۔ اس صوتی اشارے کا مطلب تھا کہ باہر کے حالات اس کے قابو میں تھے۔ میں بے فکر ہو کر اپنی کارروائی آگے بڑھا سکتا تھا۔

وہ سگنل ملنے کے بعد مجھے اندر کی راہ اختیار کرنی تھی مگر اس اقدام سے پہلے میں دوبارہ بغلی راستے میں اتر گیا۔ اتنی دیر تک گھور اندھیرے میں رہنے کے بعد میری نظریں تاریکی میں بھی بہت کچھ دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میں نے قریب ہی پڑی ہوئی لاش کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اپنے مقتول دشمن کی کلاشنکوف اپنی تحویل میں لے لی۔

اول خان کے صوتی اشارے میں پنہاں پیغام یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے باہر سے لوٹنے والے تیسرے محافظ کو بے خبری میں جہنم واصل کردیا تھا۔ فضا میں ابھرنے والی تیز ہچکی میرے وہم کی پیداوار نہیں تھی۔ اول خان نے پیچھے سے اپنے شکار کی گردن پر کراٹے کا ایسا بھرپور ہاتھ رسید کیا ہوگا کہ گردن کا منکا ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی دلدوز چیخ محض ایک بلند آہنگ ہچکی میں سمٹ کر رہ گئی ہوگی۔

میں نے باہر کی کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لے کر واقعات کو اپنے ذہن میں یکجا کیا۔ تینوں مسلح محافظوں کی

بوقتِ داخلہ

صاحب زادی نے لڑکیوں کے ہاسٹل میں داخلے کے لیے فارم پُر کیا اور اسے میز پر چھوڑ کر کسی کام سے دوسرے کمرے میں گئی۔ باپ نے فارم اٹھا کر پڑھا۔ ایک سوال تھا "تم کس قسم کی لڑکی کی روم میٹ بننا پسند کروگی؟"

لڑکی نے جواب میں لکھا "جو لڑکوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی شوقین ہو۔"

اگلا سوال تھا "کیوں؟"

جواب تھا "تاکہ وہ زیادہ وقت روم سے باہر گزارے اور میں سکون سے پڑھ سکوں۔"

موت کے بعد ہمارے دونوں معذور شکار بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ اگر وہاں عورتیں بھی موجود تھیں تو وہ میری تیاریوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھیں۔

میں سر جھٹک کر کھلے ہوئے دروازے سے تاریک راہداری میں داخل ہو گیا۔

کھلے ہوئے آسمان کے نیچے تاروں کی چھاؤں میں ماحول اتنا گمبھیر نہیں تھا لیکن میرے آگے مہیب تاریکی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر مکان میں کوئی بھی صحت مند عورت موجود تھی تو اس نے روشنی کا متبادل بندوبست کیوں نہیں کیا تھا۔

میں چوکنّے انداز میں' پنجوں کے بل دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ پھر مکان کے کسی حصے سے ایک غصیلی مردانہ آواز سنائی دی "پتا نہیں یہ تینوں کہاں مرگئے.... ساجد سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ دفعان ہونے سے پہلے یہاں ایک موم بتی ہی جلا دیتا۔"

میرے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ وہ آواز راہداری کی داہنی سمت میں کہیں قریب سے ہی آئی تھی۔

اس کے جواب میں ایک ہلکی سی تلخ ہنسی سنائی دی پھر کوئی اور بولا "پیارے ولی جان! بلاوجہ اپنا خون مت جلاؤ۔ کسی کسی وقت یہ تینوں مجھے محافظ کے بجائے نگراں نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کا رویّہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے ہم ان کے قیدی ہوں۔ خدا ایسی معذوری کسی کو نہ دے...."

"معذوری!" آواز میں غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات موجود تھے "اگر ہمارے گھٹنے ہمیں واپس نہیں مل سکتے تو ہم چند گھٹنے توڑ ضرور سکتے ہیں۔ غضب خدا کا! سالوں

نے آج اسکاچ کے بجائے دیسی وہسکی کا صرف ایک ادّھا دیا ہے۔ شہر میں ایسی کون سی قیامت آگئی کہ اسکاچ تو در کنار' دیسی بھی ملنا مشکل ہو گئی؟"

"صبر کرو۔" ولی جان کے مقابلے میں شنکر رائے زیادہ سمجھ دار معلوم ہو رہا تھا "ہم کسی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی ہم ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ انہوں نے ہماری یہ باتیں سن لیں تو ہماری دشواریوں میں اضافہ ہو جائے گا۔"

"اب تو شاید ہم بیساکھیوں کے سہارے ہی چل سکیں گے۔" وہ ولی جان کی آواز تھی "لنگڑے گداگروں پر مجھے ہمیشہ ترس آجایا کرتا تھا۔ یہ پتا نہیں تھا کہ ایک روز میرا بھی یہی حشر ہو گا۔ ان تینوں کو دیکھو کیسے دندناتے پھرتے ہیں۔ دور ہی سے ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی ہے۔ ہمیں گرمی اور اندھیرے میں ڈال کر وہ تینوں باہر گپیں لڑا رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے میں اپنے دل کا غبار بھی نہیں نکال سکتا۔ جب تک ان کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دیتی' باتیں کرتے رہو۔ ہم دونوں کا دل بہلا رہے گا۔"

"ہائے!" شنکر رائے کے حسرت زدہ سانس کی آواز آئی۔ "کیا برا وقت آگیا ہے کہ اب ہم شہر کی خوب صورت لڑکیوں کے بجائے روکھی سوکھی باتوں سے دل بہلا رہے ہیں۔"

مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ آوارگی ان دونوں کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ شنکر کے یاد دلاتے ہی ولی جان کو بیک وقت کئی نام یاد آگئے اور ان کی گفتگو اپنے دکھوں سے کچھ مہ جبینوں کی رنگین مزاجیوں کی طرف چل پڑی۔ ان کی آوازیں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس راہداری سے داہنی طرف قدرے کشادہ لابی تھی جس میں کئی دروازے موجود تھے اور سب ہی کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے سے ان دونوں کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔

وہ معذوری کی حد تک زخمی ہونے کے باوجود جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے باتیں کر رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے اہل خانہ اس چھت کے نیچے موجود نہیں تھے۔ ان کی بیویوں کے بارے میں اول خان کا قائم کیا ہوا مفروضہ بالکل غلط تھا۔

پہلے میں نے دیوار کی اوٹ میں رہتے ہوئے ان کی آوازوں سے اندازہ لگایا اور پھر دیکھ بھی لیا کہ وہ دونوں اس کمرے میں الگ الگ مسہریوں پر دراز تھے۔ دروازوں کی تعداد سے ظاہر تھا کہ زخمی ہونے سے پہلے وہ دونوں الگ الگ کمروں میں اپنی خلوتیں سجاتے ہوں گے۔ زخمی ہونے کے بعد انہیں نظریۂ ضرورت کے تحت ایک ہی کمرے میں یکجا کر دیا گیا تھا۔

وہ دونوں آنے والے خطرے سے بالکل بے خبر اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ میں کلاشنکوف تان کر ان کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس بار بھی میں نے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہونے دی تھی مگر ان کی چھٹی حس نے انہیں دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس دلا دیا۔

"کون ہے؟" دونوں کے دہانوں سے بیک وقت اضطراری آوازیں برآمد ہوئیں۔

"زبانیں بند رکھو ورنہ بھون ڈالوں گا۔" میں نے اندھیرے میں میگزین نکال کر دوبارہ لوڈ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ میگزین لوڈ ہونے کی خوف ناک آواز نے انہیں دہشت زدہ کر دیا۔

"تت...۔ تم کون ہو؟" اس بار صرف شنکر رائے سوال کرنے کی ہمت کر سکا تھا۔

اس دوران میں' میں کلاشنکوف اپنے کندھے پر لٹکا چکا تھا اور گیس اسپرے میری جیب سے نکل کر میرے داہنے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ میں نے آواز سے اندازہ کرتے ہوئے تیزی سے شنکر رائے کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے چہرے پر گیس اسپرے کر دی۔

شنکر نے کوئی سوال کرنے کی کوشش کی اور یوں گیس کی زیادہ مقدار اپنے پھیپھڑوں میں کھینچ کر فوراً ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔ اسپرے کی آواز اور شنکر کی غیر فطری خاموشی نے ولی جان کو مضطرب کر دیا۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی استفہامیہ آواز برآمد ہوئی "تم کیا کر رہے ہو... کون ہو؟"

اس کے سوال کا عملی جواب دینے کے لیے میں فوراً ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میرے انگوٹھے کے ذرا سے دباؤ پر کین سے سرد گیس کی پھوار ولی جان کے چہرے پر پڑی اور وہ کچھ سوچنے یا سمجھنے سے پہلے ہی بے ہوشی کی اتھاہ دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

تین محافظوں کے ڈھیر ہونے کے بعد میں نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے دونوں دشمنوں کو زیر کر لیا تھا۔ ستارے بدستور میرا ساتھ دے رہے تھے' ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر شنکر رائے کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زیادہ قد آور یا صحت مند نہیں تھا۔ میں نے اس کے

وزن کا اندازہ لگانے کے بعد ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے کندھے پر لاد لیا۔ مقتول محافظ کی کلاشنکوف میرے دوسرے شانے سے جھول رہی تھی۔

میں اپنے شکار سمیت لابی اور راہداری طے کرکے باہر نکلا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف ہولیا۔ کونے سے گھومتے ہی مجھے تیسرا محافظ نظر آ گیا۔ وہ راستے میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے، آہنی پھاٹک کے قریب اول خان میری واپسی کا منتظر تھا۔

اس وقت تک حالات قابو میں تھے۔ اول خان نے مہلت سے فائدہ اٹھا کر گاڑی کو پھاٹک سے تقریباً ملا لیا تھا۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے پھاٹک اور پھر گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

باہر اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ اس علاقے کی وحشت ناک ویرانی کے باعث مکین اپنی چاردیواریوں میں محصور تھے۔ کسی نے اندھیرے کے اسباب جاننے کے لیے باہر نکلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ شاید وہ لوگ بجلی کی ایسی آنکھ مچولیوں کے عادی ہو چکے تھے۔

میں نے شنکر رائے کے بے ہوش وجود کو بے رحمی سے اول خان کی گاڑی کے عقبی پائیدان پر ڈالا، کھلا ہوا آہنی پھاٹک بند کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ اس وقت تک اول خان چابی گھما کر انجن کو حرکت میں لا چکا تھا۔

''دوسرے کا کیا حال ہے؟'' اول خان نے گاڑی چلانے سے پہلے متجسّانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ بھی اسی کی طرح دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑا ہوا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''کیوں نہ لگے ہاتھوں اسے بھی اٹھا لیا جائے؟'' اول خان کی آواز پُرجوش ہو گئی۔

''گاڑی چلاؤ۔'' میں نے سختی سے کہا۔ اول خان نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔

''موقع ضرور تھا لیکن دونوں کے اغوا سے تمہارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اپنے فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''میرے کیمپ میں دو کیا، دس قیدیوں کو بھی پوری رازداری کے ساتھ بند رکھا جا سکتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ دونوں تمہارے قیدی تھے، پولیس کی تحویل میں آنے کے بعد ایک ساتھ ضمانت پر رہا ہوئے، پھر ایک ساتھ معذور ہوئے۔ اب وہ دونوں اغوا کیے جاتے تو پہلا شبہ تم پر ہی کیا جاتا۔ ان کے بارسوخ پشت پناہ یہ سمجھ لیتے کہ تم نے بدلہ لینے کے لیے انہیں اٹھایا ہے۔''

''وہ اب بھی یہی سوچیں گے۔ تم انہیں سوچنے سے نہیں روک سکتے۔''

''ولی جان کی موجودگی ہر ایک کو چکر میں ڈال دے گی۔ ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جب وہ بھی بے ہوش کر دیا گیا تھا اور محافظ مارے جا چکے تھے تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا گیا؟ یہ قضیہ ان لوگوں کے لیے ایک نیا ہی رنگ اختیار کر لے گا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تم شنکر ہی کو لائے ہو؟'' اول خان نے نیا سوال کر ڈالا۔

''دونوں لنگڑے اندھیرے کمرے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ خاموش ہوتے تو مجھے اپنا شکار پہچاننے میں کچھ دشواری ہو سکتی تھی۔ انہوں نے خود میرا کام آسان کر دیا تھا۔''

''اور تم نے یہ بھی فرض کر لیا کہ تیسرا محافظ بے ہوش نہیں ہوا، مارا گیا ہے؟''

''سر پر خون سوار ہونے کے بعد تمہیں اتنا ہوش کہاں رہ سکتا تھا کہ اس کی گردن پر ہلکا ہاتھ رکھو؟'' میں نے کہا۔ ''اس کی ہچکی میں موت کا کرب میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔''

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم اس علاقے کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے اتنی آسانی سے اپنے تین حریفوں کو مار ڈالیں گے۔''

''یہ ہونا ہی تھا۔ تم ان پر ذرا بھی ترس کھاتے تو وہ تم کو گولیوں سے بھون ڈالتے۔''

''جب تک تم اندر نہیں گھسے تھے، میرا خون بالکل ٹھنڈا تھا۔ علاقے کی بجلی اڑنے کے بعد میں پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ بعد میں آنے والا بے خبری میں تمہارے سر پر پہنچ جائے گا۔''

''مجھے بھی یہی خوف تھا۔ تیسرے کا صفایا کیے بغیر میں اندر قدم بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔''

''ان کی بیویوں کا کیا بنا؟'' اول خان کو اچانک ہی مفروضہ بیویاں یاد آ گئیں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا ''اچھا ہی ہوا کہ اندر کوئی عورت نہیں تھی اور میں کسی عورت کے ساتھ سختی برتنے کی کوفت سہنے سے بچ گیا۔ عورتوں کا رونا پیٹنا دشمن کی گولہ باری سے زیادہ خوف ناک ہوتا ہے۔''

''یہ نہ بھولو کہ تم ویرا سے مدتوں لڑتے رہے ہو۔'' اس

نے مجھے یاد دلایا۔

"اس کا شمار رلانے والیوں میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اب بھی مردوں سے زیادہ مردانگی کا مظاہرہ کرتی ہے۔"

ویرا کے نام میں کچھ ایسا سحر تھا کہ پھر اول خان دیر تک اسی کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ وہ خاص طور پر امریکا میں اس کی کارکردگی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔

باتیں ہوتی رہیں اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اول خان نے اپنے کیمپ آفس تک پہنچنے کے لیے بہت مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔ اپنی شکار گاہ سے وہ سیدھا یونیورسٹی روڈ پر آیا تھا جو شہر کی ایک قدیم بستی سے گزر کر چھاؤنی کے علاقے میں پہنچا دیتی ہے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے افسروں اور کارندوں کے لیے اوقاتِ کار کا کبھی بھی کوئی تعین دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ کام سامنے آجانے پر ہر شخص، ہر وقت مستعد کھڑا نظر آتا تھا۔ عارضی رکاوٹ عبور کرتے ہی ہمیں ہر طرف ہلچل سی نظر آنے لگی۔ اول خان کی گاڑی پہچان کر اس کے آدمیوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اسٹیشن فور کے اس کیمپ آفس میں کوئی سرگرمی شروع ہونے والی تھی۔

اول خان نے اپنی بیرک کے سامنے گاڑی روکی تو اس کے بلائے بغیر متعدد افراد وہاں آموجود ہوئے۔ اول خان نے سرسری انداز میں انہیں بے ہوش قیدی کو جلد از جلد ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

اول خان کے دفتر کا تالا کھلنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ میں نے اندر پہنچتے ہی فون سنبھال لیا تاکہ غزالہ کو اپنی اس رات کی مصروفیات سے آگاہ کرسکوں۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی تو میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ہر وقت زیادہ سے زیادہ باخبر رہنے کے چکر میں فون کی گھنٹی کی آواز سنتے ہی چیل کی طرح اس کی طرف جھپٹتی تھی۔ اس کی موجودگی میں کال وصول کرنے کی سعادت کسی اور کو کم ہی حاصل ہوتی تھی۔

"ذرا فون غزالہ کو دے دو۔ اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ مصروف ہے۔ تم ضروری بات مجھ سے بھی کرسکتے ہو۔" ویرا نے اصرار کیا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں جہاں بھی ہوں، خوش ہوں اور اس وقت صرف غزالہ سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ اس سے بات کرنے کے لیے تمہاری خواب گاہ زیادہ بہتر جگہ ہے۔ اس وقت جو کچھ بتانا ہے، مجھے بتادو۔"

"اگر وہ اتنی ہی مصروف ہے تو میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"دوبارہ کیا، تم دس بار بھی فون کرو گے تو میری ہی آواز سنو گے۔ گھر واپس لوٹنے کے بجائے تم اب تک کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"

"کسی کو بھٹکانے کے لیے تمہاری شیطانی موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسے یہ بتادینا کہ مجھے واپس لوٹنے میں دیر ہوسکتی ہے۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"شکار آسانی سے ہاتھ آجائے تو ایسے فیصلے کرنے ہی پڑجاتے ہیں۔" میں نے اپنا خون سلگانے کے بجائے اسے چڑانے کے لیے گول مول الفاظ میں اشارہ دیا۔

"اگر تم نے شنکر رائے پر ہاتھ ڈال دیا ہے تو کھل کر بتاؤ، شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ ہمارے فون پر سی ایس ڈی موجود ہے۔ تم بے خوف ہوکر بات کرسکتے ہو۔"

"اب تم اندازے لگاتی رہو۔ واپسی پر بات ہوگی۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی۔ فون بند ہونے پر وہ نرمی سے بولا "یہ ایسی بات تو نہیں تھی کہ تم غزالہ سے بات کرنے پر اصرار کرتے۔ ویرا ہر بات دوسروں کو بتا دیتی ہے۔"

"کبھی کبھی وہ اس طرح خدائی فوج دار بننے لگتی ہے کہ اس کی آواز تک بری لگنے لگتی ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "اسے ہروقت آسانی سے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہی شکایات سلطان شاہ کرتا ہے تو تم اسے نصیحتیں کرنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"اس پر لعنت بھیجو اور عمدہ چائے کا بندوبست کرو۔ شنکر کو ہوش میں آنے میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکا جیسے ملک میں ایسے دہرے معیار رائج ہیں۔" اپنے آدمی کو چائے لانے کی ہدایت کرکے اول خان نے کہا "ایک طرف ڈاکٹری نسخے کے بغیر کوئی دوا خریدنی ممکن نہیں ہے اور دوسری طرف عام سہولتوں کے نام پر ایسی خطرناک گیس کے ڈبے کھلے بندوں بیچے جاتے ہیں۔"

"یہ گیس کھلاڑیوں کو کھیل کے دوران میں آنے والی

چوٹوں کو سُن کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ پھٹی ہوئی جلد اور کھلے ہوئے زخم پر اس کا استعمال منع ہے۔ جس دن امریکیوں کو یہ پتا چل گیا کہ جارج شلز کو یہی ڈبا سنگھایا گیا تھا' وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"اس کی زیادہ مقدار مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے؟" اول خان نے استفسار کیا۔

"یقیناً.... اسی لیے یہ دشمنوں پر استعمال کی گئی ہے۔ محفوظ ہوتی تو میں کسی وقت ویرا پر بھی اس کا تجربہ کر سکتا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

شنکر رائے کی بے ہوشی گہری اور طویل ثابت ہو سکتی تھی مگر اول خان کے آدمی اس کا توڑ جانتے تھے۔ ہماری چائے کی پیالیاں خالی ہونے تک اس کے ہوش میں آنے کی خبر مل گئی اور میں اول خان کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں شنکر رائے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس کے گھٹنے کے زخم کو اغوا اور منتقلی کی کارروائیوں کے دوران میں شدید نقصان پہنچا تھا جس کے نتیجے میں زخم کی پوری ڈریسنگ تازہ خون میں بھیگی ہوئی نظر آرہی تھی مگر وہ موت کے خوف سے اپنے زخم کی تکلیف کو کسی حد تک بھولا ہوا تھا۔

"تت.... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" ہمیں دیکھتے ہی وہ خوف زدہ اور نیم ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

میں نے فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی سرد نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ میں اس سے باز پرس کے لیے کوئی مؤثر اور موزوں ترین ابتدائی سوال سوچ رہا تھا۔

میری چبھتی ہوئی بے رحمانہ نگاہوں نے اسے بے چین کر دیا۔ چند ثانیوں کے سکوت پر ہی وہ بری طرح بلبلا اٹھا "تم بولتے کیوں نہیں.... یہاں سب گونگے کیوں بنے ہوئے ہیں؟"

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اول خان کو خاموش رہنا تھا۔ قیدی سے باز پرس کی ذمے داری صرف مجھے پوری کرنی تھی۔ میں نے پنے تلے انداز میں پوچھا۔ "تمہارے دماغ میں بغاوت کے جراثیم کیوں پرورش پا رہے تھے؟"

"بغاوت....؟ یہ تم کیسی بات کر رہے ہو؟ میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی.... آخر تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو.... مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میرے سوال کے بعد تمہیں ہر بات سمجھ لینی چاہیے۔ تین بے جگر اور مسلح آدمیوں کی موجودگی میں باہر کا کوئی آدمی تمہارے گھر میں پَر بھی نہیں مار سکتا تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

میری وہ بات ذو معنی تھی۔ اس نے میرے فقروں سے وہی نتیجہ اخذ کیا جو میں چاہتا تھا۔ دہشت سے اس کے سفید دیدے پھیل گئے اور وہ اضطراری انداز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا "میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی۔ تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ ولی جان سے تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"ولی جان بھی دوسرے کمرے میں موجود ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اس نے اپنی کھال بچانے کے لیے کئی باتوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس کے دماغ میں سارا زہر تم نے ہی گھولا تھا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔" شنکر رائے بے ساختہ بول پڑا "میرے ساتھ اسے بھی اپنے مستقبل کا خوف تھا۔ زندگی بھر کے لیے معذور ہونے کے بعد ہمیں آگے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔"

"گول مول باتیں کرنے کے بجائے صاف اور دوٹوک انداز میں سب کچھ بتاتے چلے جاؤ گے تو ولی جان کی طرح تمہارے بارے میں بھی ہمدردی سے سوچا جا سکے گا ورنہ تمہارے مستقبل کا فیصلہ اسی کمرے کی بند دیواروں میں صادر کر دیا جائے گا۔"

"تم.... تم دونوں اجنبی ہو۔" قدرے توقف کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز تھکی ہوئی تھی "کوئی شناسا چہرہ ساتھ لے آؤ تو میں تم سے کھل کر بات کر سکوں گا۔ تم مجھ سے زبردستی کچھ نہیں اگلوا سکتے۔"

شنکر رائے کی وہ شرط معقول اور چونکا دینے والی تھی۔ اپنی تمام تر ظاہری بدحواسی کے باوجود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ رینگ رہا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کا داہنا پنجہ پکڑ کر زور سے اس کے پیر کو جنبش دی اور اس کے حلق سے دردناک چیخیں نکل گئیں۔ میں نے حقارت سے اس کا پنجہ چھوڑ دیا "اس زخمی گھٹنے کی تکلیف تم بھگت رہے ہو۔ جب میں تمہارے جسم پر استرے سے لکیریں ڈال کر ان پر مرچیں چھڑکوں گا تو تم گھٹنے کی اذیت کو بھول جاؤ گے۔ اس قدر کمزور پوزیشن میں ہو کر شرطیں پیش مت کرو۔ ہمیں ہر حال میں وہی کچھ کرنا ہے جس

کے لیے ہمیں اوپر سے حکم ملا ہے۔ تمہاری خاموشی کو جرم کا اعتراف سمجھا جائے گا۔"

"ہو سکے تو تم مجھے تھوڑی دیر کے لیے کھٹو مل سے ملوا دو۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دھیرے سے بولا "میں اس سے اپنے معاملات خود صاف کرلوں گا۔ تم درمیان سے نکل جاؤ' وہ میری بات سمجھ لے گا۔"

کھٹو مل.... میرے ذہن میں اس نام کی بازگشت گونجی لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آسکا۔ وہ نام میرے لیے نیا تھا۔ مجھے متذبذب دیکھ کر اول خان نے میرے پہلو میں اپنی کہنی سے ٹھوکا دیا اور شنکر رائے سے بولا "کھٹو مل راجوانی کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہے جو تم اس کا نام ایسی بے تکلفی سے لے رہے ہو۔ تمہیں ہم کو جواب دہی کرنی ہے۔ زبان نہیں کھولو گے تو ہم تمہیں ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

"تم لوگ فراڈ ہو۔" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا پھر اس کی نظریں اول خان کے چہرے پر جم گئیں۔ "مجھ سے بہت بڑی چوک ہوئی ہے۔ مجھے پہلی بار اٹھایا گیا تو میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی مگر میں تمہاری ظالمانہ آواز کو نہیں بھول سکتا۔ تم ہی میرے اصل دشمن ہو۔ پولیس کے ذریعے میری رہائی کا انتقام لینے کے لیے پہلے تم نے مجھے معذور کرایا۔ اس پر بھی صبر نہیں آیا تو آج دوبارہ اٹھا لائے.... میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ میں نے کھٹو مل کا نام لے کر سنگین غلطی کی ہے مگر تم یاد رکھو کہ وہ بہت طاقت ور آدمی ہے۔ تم اس کا یا میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکو گے۔"

ایک غلطی کا اعتراف شنکر کر رہا تھا' دوسری غلطی اول خان نے زبان کھول کر کی تھی لیکن حساب برابر نہیں ہوا تھا۔ شنکر رائے کا جواب اشتعال انگیز تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اسے گریبان سے تھاما اور ایک ہی ہاتھ سے اسے بستر سے کافی اوپر اٹھا کر داہنے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر ایک زوردار مُکا رسید کر کے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ شنکر کے دہانے سے ایک تیز چیخ برآمد ہوئی۔ اول خان کی ایک ہی ضرب نے اس کا جبڑا ادھیڑ ڈالا تھا۔

"اس بار کھٹو مل یا تمہارے کسی اور ہمدرد کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ تم کہاں ہو۔" میں نے دھمکی دی "تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"تم مجھے مار لو گے مگر پھر بھی کچھ حاصل نہیں کرسکو گے۔" وہ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے حقارت سے بولا "ہمارے ہاتھ بہت لمبے اور جڑیں گہری ہیں۔ تم ایک شنکر مارو گے تو دس دلی جان اس کی جگہ لے لیں گے۔ تم کس کس کا خون بہاتے پھرو گے؟"

مدن موہن' شنکر رائے اور کھٹو مل راجوانی کی تکون میں پھنسا ہوا ولی جان کا نام واقعی خیال انگیز تھا۔ وہ بظاہر کوئی بھارتی سازش معلوم ہو رہی تھی جسے سماجی اور سرکاری سطح پر پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ اس میں ولی جان جیسے ذمے دار افسر کا ملوث ہونا اس امر کی نشان دہی کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اپنے کام کو بہت عرق ریزی سے دور تک پھیلایا ہوا تھا۔

ان لوگوں نے کافی دنوں پہلے ملّا سرکار کے ذریعے بھی ایک بھیانک سازش تیار کی تھی جس میں مسلح جتھوں کو تربیت دے کر بغاوت پر اکسانے کی آخری تیاریاں کی گئی تھیں مگر عین وقت پر ایس ٹی ایف کے تعاون سے ان طاقتوں کو کچل دیا گیا تھا۔ شاید اس بار پھر وہی کھیل دہرایا جا رہا تھا۔

مدن موہن کے این آئی سی سے شروع ہونے والی اس کہانی میں اول خان اپنی پوری کوشش کے باوجود چند اہم افراد کی گرفتاریوں سے آگے کوئی پیش رفت نہیں کرسکا تھا۔ اس کے سامنے صرف وہی نام تھے جو ان گرفتاریوں کی بنیاد بنے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قیدیوں کی زبان سے کچھ اگلواتا' اسے پورا کیس پولیس کے حوالے کرنا پڑ گیا اور معاملہ ٹھپ ہو گیا۔

اس مرتبہ شنکر نے کھٹو مل راجوانی کا نام اگلا تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی اہم آدمی تھا جب ہی اول خان اس نام سے واقف تھا۔ شنکر کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ ہمارا تعلق اس کے آقاؤں سے نہیں تھا۔ اول خان کی آواز پہچان کر اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے دشمنوں کے چنگل میں آ پھنسا تھا۔ میں نے ہیر پھیر چھوڑ کر اس بارے میں کھلی کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔

"اس سے پہلے کہ حجام کے استرے سے شنکر کا جسم ادھیڑا جائے' میں جاننا چاہوں گا کہ کھٹو مل راجوانی کون ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"یہ اقلیتوں کی سیاست کا ایک بڑا نام ہے۔" اول خان نے بتایا "خود سفارتوں اور وزارتوں سے دور رہتا ہے مگر اس کے نامزد کیے ہوئے لوگ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ بظاہر اسے اپنی وسیع زمینوں سے خطیر زرعی آمدنی ہوتی ہے مگر پھر بھی اس کا شاہانہ ٹھاٹ باٹ وسائل سے میل نہیں کھاتا۔"

"یوں کہو کہ وہ بادشاہ نہیں' بادشاہ گر ہے۔" میں نے شنکر کے چہرے پر نظر گاڑ کر کہا "اور شنکر اسی کا پرانا نمک خوار ہے۔ تنخواہ ہماری سرکار سے لیتا ہے مگر کام کھٹو مل کے

لیے کرتا ہے۔"

"یہ الزام تراشی ہے۔" شنکر نے احتجاج کیا "کھٹومل سے میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ یہاں ہمارے حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ میں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر اس سے فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے میرے مذہب کی بنا پر ظلم اور بربریت کا نشانہ بنا رہے ہو۔"

"مذہب!" میں نے دانت پیس کر کہا "تم اس کی آڑ لے کر بچ نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ یہاں تمہاری ڈرامے بازی کو دیکھنے اور سننے والا کوئی تیسرا فرد موجود نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے' اس کا دارومدار صرف ہم دونوں کے فیصلے پر ہوگا۔"

"میری بات لکھ لو کہ بہت جلد تمہاری نوکریاں جاتی رہیں گی۔ تمہاری حرکتوں کی خبر ملتے ہی کھٹومل پوری حکومت کو ہلا کر رکھ دے گا۔ میں ویسے بھی محکمۂ داخلہ کا ایک ذمے دار افسر ہوں....."

"محکمۂ داخلہ کا ذمے دار افسر' مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل میں اپنی کیا ایسی کی تیسی کراتا تھا۔" اول خان نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے درشتی سے سوال کیا۔

"میں ایسے کسی سیل سے واقف نہیں ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تم مجھے زبردستی کسی ناپاک سازش میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ شرافت سے راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہے۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا "اس پر تھرڈ ڈگری آزما کر ہی اس کی زبان کھلوا سکیں گے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" اول خان یہ کہہ کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

میں سیدھا اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو شنکر کے بارے میں نئی ہدایات دینے کے لیے بیرک کے برآمدے میں رک گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایس ٹی ایف والے جب تھرڈ ڈگری کی بات کرتے ہیں تو وہ واقعی تھرڈ ڈگری ہی ہوتی ہے جو بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔

اول خان اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو میں نے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے کھٹومل کے بارے میں جاننے کا خواہش مند تھا۔

میرا پہلا سوال سنتے ہی وہ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "کاش اس کا نام تمہارے لیے اتنا اجنبی نہ ہوتا اور مجھے زبان نہ کھولنی پڑتی۔ وہ تمہاری چال میں آ کر روانی میں بہت کچھ بتاتا چلا جاتا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ بھڑک گیا۔ اس امکان کو میں بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا....."

"تم نے بروقت زبان کھولی تھی۔" میں نے اس کے احساسِ ندامت کو ہلکا کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا "کھٹومل سے لاعلمی کی بنا پر میں شنکر کو زیادہ دیر تک چکر نہیں دے سکتا تھا۔"

"تمام بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح کھٹومل بھی اپنی زمینوں سے غیر حاضر رہتا ہے۔ جاگیر کے معاملات اس کے ملازم سنبھالتے ہیں۔ وہ اپنا زیادہ وقت بڑے شہروں میں گزارتا ہے۔"

"یہاں اس کی مصروفیات کیا رہتی ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"کبھی اس کی باقاعدہ نگرانی نہیں کی گئی لیکن سنا گیا ہے کہ سیاست دانوں کے ساتھ ہی وہ نامی گرامی بدمعاشوں سے بھی گہرا میل جول رکھتا ہے۔ کئی سفارت کاروں سے اس کے قریبی مراسم ہیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کام کے آدمیوں کو مدن موہن کے این آئی سی کی طرف ہانکتا رہا ہو۔ بھارتی ایجنٹ ہمیشہ یہاں کام کے آدمیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

"میرے پاس اس بارے میں کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا۔

"کیا اس کی سرگرمیاں ایس ٹی ایف کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی نہیں تھیں؟"

اول خان نے اپنے سر کو پُرزور انداز میں نفی میں جنبش دی اور کہا "ایس ٹی ایف صرف قومی سلامتی کے خطرناک دشمنوں کا تعاقب کرتی ہے۔ مذہب اور عقیدے کی بنا پر کسی کو مشتبہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی اس کے ہمہ جہتی مراسم کی بات تو یہ ہمارے یہاں کی ریت بن چکی ہے۔ بہت سے سیاست دانوں نے اپنے حاشیہ برداروں میں خطرناک غنڈے پالے ہوئے ہیں اور کوئی ان سے بازپرس نہیں کرتا۔ وہ عزت و احترام کے ساتھ غیر ملکی سفارتی تقریبات میں مدعو کیے جاتے ہیں۔"

"پھر کھٹومل کا نام تمہاری یادداشت کے خانے میں کیوں محفوظ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ملک کی ممتاز اور نمایاں شخصیات کے بارے میں ہمیں کچھ نہ کچھ یاد رکھنا ہی پڑتا ہے۔ شنکر کی زبان سے اس کا نام سننے تک مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔"

معاً فضا میں کرب میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی چیخ گونجی پھر پے در پے کئی چیخیں سنائی دیں جن کا سلسلہ یک لخت موقوف

ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے چیخنے والے کا منہ زبردستی بند کر کے اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا ہو۔

"یہ ہوتا رہے گا۔ شنکر کی آزمائش شروع ہوچکی ہے۔ تم اپنی باتیں جاری رکھو۔" میرے چونکنے پر اول خان نے بے پروائی سے ان چیخوں کے بارے میں تبصرہ کیا۔

"یہ کھٹومل اپنا بیشتر وقت کس شہر میں گزارتا ہے؟" وہ نام میرے ذہن میں چبھے جارہا تھا۔

"کراچی کے بعد اسلام آباد اور پشاور اس کے پسندیدہ شہر ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

"پشاور میں یہ ہندو بنیا کیا کرنے جاتا ہے؟" میں نے پہلو بدل کر اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"فکر مت کرو۔ چند روز میں تمہیں یہ ساری تفصیل مل جائے گی۔ اس کا نام میری لسٹ پر آگیا ہے تو میرے آدمی اس کا پورا شجرہ کھود نکالیں گے۔"

"تم نے اس کے پسندیدہ شہروں میں پشاور کا نام گنا کر میرے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ پشاور میں ایک ہندو بنیے کے لیے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"کیا تم اس پر ڈرگز کے لین دین میں ملوث ہونے کا شبہ کررہے ہو؟"

"یہ اندھیرے میں چھوڑا ہوا ایک بے جواز تیر ہے جو نشانے پر بھی لگ سکتا ہے۔"

"تمہاری بات بالکل ہی بے جواز نہیں ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان اور افغانستان کے سرحدی قبائل میں پوست کی کاشت پورے زور شور سے جاری ہے۔ اس افیم کی بھاری مقدار ہیروئن کی تیاری کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔ جس کی زبردست عالمی منڈی موجود ہے۔ یہاں سے شی اور مافیا کے قدم اکھڑے جانے کے بعد یہ ملٹی بلین بزنس مقامی طالع آزماؤں کے ہاتھ آگیا ہے۔ خفیہ اعداد و شمار کے مطابق ماضی قریب میں پاکستان میں بڑی تعداد میں بہت تیزی سے ایسے ارب پتی ابھرے ہیں جو حکومت کو ٹیکس کی مد میں ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔ ان سب کا ماضی بالکل بے نام و نشان ہے۔ یہ باور کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہیروئن کے ہیر پھیر میں بے اندازہ مال کمایا ہے لیکن سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔"

"اس کالے دھن میں سے سرکاری حصہ وصول کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ان کی سرگرمیاں اسی قدر واضح ہیں تو کسی مصلحت کو ٹیکسوں کی وصولی میں آڑے نہیں آنا چاہیے۔"

"سیاسی جماعتوں اور شخصیات کو چوری چھپے دیے جانے والے بھاری چندے ان کو تحفظ کی چھتری فراہم کرتے ہیں۔ جو حکمران ان سے باز پرس کرے گا' یہ اس کا کچا چٹھا اخباروں کو دے دیں گے۔"

"تم بہت خطرناک صورتِ حال کی نشان دہی کررہے ہو۔ خدا کرے کہ تمہارے اندیشے غلط ہوں۔"

"یہ میرے اندیشے نہیں' خفیہ اعداد و شمار ہیں۔" وہ تلخی سے بولا "تم اخباروں میں آئے دن بڑے مگرمچھوں کا ذکر پڑھتے ہوگے۔ ان کی گرفتاری کے لیے سرکاری اجازت کی دہائی دی جاتی ہے۔ اجازت کی دہائی دینے والے اہل کاروں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت کارروائی کیوں نہیں کی جاتی۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ایسا شوشہ چھوڑ کر دھمکیاں دی جاتی ہیں اور پانچ دس کروڑ کا چندہ یا بھتا ملتے ہی اجازت کے طلب گار گہری نیند سوجاتے ہیں۔ اگلی کوئی مالی ضرورت اٹکنے تک وہ گہری نیند سوتے رہتے ہیں۔ لوگوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ اس دوران میں سب کچھ بھول بھال جاتے ہیں۔"

"ملزموں کی گرفتاری کی اجازت لینے والی باتیں کبھی بھی میرے حلق سے نہیں اتر سکیں۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا "تمہاری باتیں دل کو لگنے والی ہیں۔"

"تم غلط موضوع میں الجھ گئے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم غیر سیاسی لوگ ہیں۔ ہمیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ پشاور میں کھٹومل کی مصروفیات پر سے پردہ اٹھنے کے بعد کچھ بھی سامنے آسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر اضافی مالی وسائل حاصل کررہا ہو۔"

"دیکھنا پڑے گا کہ کھٹومل' شنکر سے کیا کام لے رہا تھا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ان دونوں کے درمیان گہرے تعلق کی غمازی اسی ایک بات سے ہوتی ہے کہ کھٹومل نے اسے نہ صرف ضمانت پر رہا کرایا بلکہ اس کے زخمی ہوجانے کے بعد اس کی حفاظت پر تین گارڈ بھی مامور کیے ہوئے تھے۔"

"کچھ باتیں تو ذرا سی دیر میں ہی سامنے آجائیں گی۔ وہ ہماری تھرڈ ڈگری کو زیادہ دیر نہیں سہہ سکے گا۔ یہ ہم ان ہی پاپیوں پر آزماتے ہیں جن کے کالے کرتوت ہر شک و شبے سے بالاتر ہوں۔"

اول خان کی وہ خود اعتمادی بے جا نہیں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی نے اس کے دفتر میں آکر اطلاع دی کہ ملزم نے زبان کھولنے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

چند منٹ بعد ہم دونوں قیدی کے کمرے میں پہنچے تو وہ عبرت کا مرقع بنا چھت کی ایک کڑی سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اسے لٹکانے کے لیے اسی پیر میں رسی باندھی گئی تھی جس کا گھٹنا سلطان شاہ اڑا چکا تھا۔ شنکر کا دوسرا پیر آزاد تھا۔ اس طرح اس کے بدن کا سارا زور اس کے زخمی گھٹنے پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

شنکر کا سرزمین سے بہ مشکل تین فٹ بلند تھا۔ اس کے سر کے نیچے رکھا ہوا برقی ہیٹر گو اس وقت بند تھا مگر کمرے کی فضا میں رچی ہوئی حرارت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ہیٹر کی مدد سے شنکر کی کھوپڑی کو بہت اچھی طرح سینکا گیا تھا۔

اس کے منہ پر مضبوط پٹی بندھی ہوئی تھی' دونوں آزاد ہاتھ بے جان ہو کر یوں جھول رہے تھے کہ اس کی انگلیاں برقی چولھے سے بس چند انچ دور تھیں۔ تشدد کے نتیجے میں اس کے اعصاب اس بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے تھے کہ اس کی آزاد ٹانگ بھی غیر فطری انداز میں لٹکی ہوئی تھی۔ بس اس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی حرکت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی کی لڑی برقرار تھی ورنہ اس کا وجود چھت سے لٹکی ہوئی لاش کا سماں پیش کر رہا تھا۔

''اس کا دہانہ آزاد کردو۔'' اول خان نے وہاں پہنچتے ہی اپنے آدمی کو حکم دیا۔

ہدایت کی فوری تعمیل کی گئی۔ دہانہ آزاد ہوتے ہی وہ جگالی کرنے کے انداز میں یوں جلدی جلدی منہ چلانے لگا جیسے کچھ بولنے کے لیے اپنے جامد عضلات کو رواں کر رہا ہو۔

''مجھے اس الٹی سولی سے اتار دو' تم جو پوچھو گے' میں بتادوں گا۔'' اس نے ہانپتے اور کراہتے ہوئے نڈھال آواز میں التجا کی ''میرے لیے یہ جہنم ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔''

اول خان کے اشارے پر اس کے ایک آدمی نے دھیرے دھیرے اسے نیچے اتارنا شروع کردیا۔ اس عمل میں بوجھ سہارنے والے زخمی گھٹنے کے زاویے بدلنے کی وجہ سے شنکر کی پے درپے کئی چیخیں نکل گئیں۔ وہ زمین پر ڈالا گیا تو پسینوں میں بری طرح شرابور ہو رہا تھا اور اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

''ہم تم پر ساری رات برباد کرسکتے ہیں۔'' چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے درشت لہجے میں کہا ''اگر تم نے خود پر قابو نہ پایا تو ہم تمہیں اسی طرح لٹکا کر چلے جائیں گے اور تم سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔''

''تمہیں جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں جواب دوں گا۔'' وہ اذیت سے فرش پر بل کھاتے ہوئے کراہا ''تم لوگ بہت سفاک اور سنگ دل ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کسی پر ترس کھانا نہیں جانتے۔''

''کھٹول کے لیے تم کیا کام کرتے رہے ہو؟'' میں نے اس سے پہلا سوال کرڈالا۔

''میں اس کا احسان مند ہوں۔ وہ میری سرکاری تنخواہ سے دگنی رقم ہر مہینے مجھے دیتا ہے۔ اس کے عوض میں اس کے لیے ہر کام کرتا ہوں مگر اس نے آج تک مجھ سے کوئی غیر قانونی کام نہیں لیا۔ تم بلاوجہ مجھے اپنے جبر اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہو۔''

''اگر وہ کوئی غیر قانونی کام نہیں لیتا تو تمہیں رقم کیوں دیتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ہم جیسے متوسط طبقے کے لوگوں کو خوش حال اور بے فکر دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ میری ہی نہیں' مجھ جیسے بہت سے سفید پوشوں کی کفالت کرتا ہے۔ تم کس کس کو پکڑ کر مارو گے۔''

''مدن موہن کے پاس اسی نے تم کو بھیجا تھا؟'' میں نے سوالات کا رخ بدل دیا۔

''نہیں' اس نے بس تعارف کرایا تھا۔ مدن نے ایک پارٹی میں شرکت کی دعوت دی اور میں وہاں چلا گیا۔ وہاں ہونے والا ہلّا گلّا اتنا دل فریب اور رنگین تھا کہ پھر میں باقاعدگی سے وہاں جانے لگا۔ وہ ملنے جلنے' پینے پلانے اور دل بہلانے والی پارٹیاں ہوتی تھیں۔ وہاں بھی کوئی غلط کام نہیں ہوتا تھا۔''

''غلط کام!'' میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا ''اسے تم جیسے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ نشے میں دھت ہو کر تم جیسے افسر وہاں اپنا کھایا پیا تک اگل آتے تھے۔ اس سے بڑا غلط کام اور کیا ہوگا۔''

''مدن نے مجھ سے کبھی میرے کام کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں پوچھا۔ مجھے اس چکر میں بالکل بے گناہ پکڑا گیا تھا۔ تم لوگ بلاوجہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہو۔''

''بکواس بند کرو۔'' اول خان اس پر برس پڑا ''اس کی تحویل سے تمہارے محکمے کی خفیہ رپورٹوں کی کئی نقلیں برآمد ہوئی تھیں جو تمہارے سوا کوئی اور اسے نہیں دے سکتا تھا۔''

''میرے لیے وہ بے ضرر کاغذ تھے۔ ان سے کسی کو کوئی نقصان نہیں.....''

''شٹ اپ!'' میں نے درمیان ہی سے اس کی بات اڑا دی اور پوچھا ''کھٹول سے تم کو رقم کیسے پہنچتی تھی؟ وہ تم سے

کب اور کہاں ملا کرتا تھا؟"

"رقم کا بند لفافہ وہ خود مجھے دیتا تھا۔ کبھی میں اس کے گھر چلا جاتا تھا' کبھی وہ سکریٹریٹ کی طرف آتا تو خود گپ شپ کے لیے میرے دفتر میں آجاتا تھا۔ وہ بہت نفیس آدمی ہے۔ اس میں بڑائی یا تکبر نام کو بھی نہیں ہے۔ تم اس کے پیچھے بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

کھٹول اس کا ان داتا تھا۔ وہ اسی کے گن گا رہا تھا۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ اپنی ذمے دار سرکاری حیثیت میں وہ کس طرح مدن موہن کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور کھٹول اس سے کیا کام لے رہا تھا۔ اس سے دیر تک سوال و جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ ابتدا میں وہ یہی کہتا رہا کہ کھٹول کبھی کبھار اس سے چھوٹے موٹے کام لے لیتا تھا یا کسی کی سفارش کردیتا تھا۔ چند تھپڑ کھانے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے کھٹول کے لیے بس ایک ہی اہم کام کیا تھا جو غداری کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔

اس نے تھر اور راجستھان کے سرحدی علاقوں میں واقع پاکستان کی اہم غیر فوجی تنصیبات کی فہرست کھٹول کو دی تھی۔ وہ فہرست شہری دفاع کے حوالے سے بنائی گئی تھی۔ اس میں یہ تفصیل بھی موجود تھی کہ ہر مقام کے لیے کس قسم کے حفاظتی انتظامات موجود تھے اور کسی ہنگامی صورتِ حال میں اضافی تحفظ کے لیے کس قسم کے مالی اور افرادی وسائل درکار تھے۔

شنکر رائے کا اصرار تھا کہ وہ فہرستیں کسی بھی طرح راز داری کے زمرے میں نہیں آتی تھیں۔ علاقائی باشندے ان تنصیبات کے بارے میں پورا پورا علم رکھتے تھے اور کوئی بھی شخص ان دور افتادہ مقامات کی سیر کے دوران میں ان فہرستوں سے کہیں زیادہ معلومات یکجا کرسکتا تھا۔

وہ ایک قومی مجرم کا مدافعانہ نقطۂ نظر تھا جو اول خان کے لیے ذرا بھی قابلِ قبول نہیں تھا۔ ہر ملک میں ہر قسم کی تجارتی' فلاحی اور فوجی سرگرمیاں عوام کی آنکھوں کے سامنے ہی انجام دی جاتی ہیں اور ہر شخص کو ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہی معلومات کسی خاص قرینے سے کاغذوں پر جمع کرلی جاتی ہیں تو ان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

شنکر رائے کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کے دل و دماغ پر کھٹول کی حکمرانی تھی۔ اس کے دیے ہوئے ہر کام کو وہ معمولی اور بے ضرر سمجھ کر کر گزرتا تھا۔ اس نے بھارت اور مشرق وسطیٰ کی ریاستوں سے آئے ہوئے متعدد بھارتیوں کے قیام کی مدت میں توسیع کرائی اور اسے ہمیشہ انسانی ہمدردی کا ایک پہلو سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا۔ اسے بھول کر بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی مدد سے پاکستان میں اپنے قیام کو طول دینے والے ایسے لوگ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کے ایجنٹ بھی ہوسکتے تھے۔

کھٹول ایک معروف آدمی تھا۔ اول خان ذرا سی محنت کرکے اس کی مقامی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا تھا مگر شنکر رائے نے دو دانتوں سے محروم ہوئے بغیر اس کے مقامی ٹھکانے کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کردیا تھا۔ وہ ہمیں کوس رہا تھا کہ ہم کھٹول کے ساتھ بھی وہی سلوک کر گزریں گے جسے وہ بھگت رہا تھا۔

اپنے بے خبر مجرم کے ذہن کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے تو میرے ذہن میں شنکر کے مستقبل کے بارے میں ایک بڑا سوالیہ نشان جاگزیں ہوچکا تھا۔

"اس کے بارے میں کیا کرنا ہے؟" اول خان نے گویا میرا ذہن پڑھ کر سوال کیا۔

"اسے رہا کرنے میں اندیشہ ہے کہ اس کے سرپرست اس بار تمہارے خلاف زیادہ سرگرم ہوجائیں گے۔ تمہاری آواز پہچان کر اس نے اپنی تقدیر پر خود ہی ایک مہر سی لگالی ہے۔"

اول خان تفہیمی انداز میں سہلاتے ہوئے بولا "ویسے بھی اس کی حالت ابتر ہے۔ معذوری کے بعد وہ بُری طرح زخمی بھی ہوچکا ہے۔ تمہارے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کے بارے میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بتاسکا۔ اسے قید میں رکھ کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

اول خان کے آخری سوال پر میں حیران رہ گیا "کیا تم اسے رہا کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

اول خان مسکرا دیا "اسے قیدِ حیات سمیت ہر قید سے نجات مل جانی چاہیے۔ تمہارے اندیشے سے واقف ہونے کے بعد میں ایسی احمقانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ اول خان نے قیدی سے گلوخلاصی کے بارے میں اپنے ایک آدمی کو محض چند فقروں میں بریف کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

"سلطان شاہ نے ان دونوں کے گھٹنے نہ توڑے ہوتے تو ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔" میں نے راستے میں اول خان سے ذکر کیا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے ہمیں تین لاشیں عبور کرنے کے

بعد اس تک رسائی حاصل ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے اسے نہ چھیڑا ہوتا تو شاید مسلح محافظ درمیان میں نہ آتے اور ہم براہِ راست اسے گھیر لیتے۔"

"وہ بہت سخت جان ہے۔ صحت مندی کی حالت میں ہرگز زبان نہ کھولتا۔ زخمی گھٹنے کے بل وہ کافی دیر تک لٹکا رہا تھا۔ ایسے مجرموں سے کچھ اگلوانے میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔"

"تھرڈ ڈگری کا اصول ہی یہی ہوتا ہے۔ اپنے حریف کے بدن میں کوئی کمزوری تلاش یا پیدا کرو اور پھر مسلسل اسی کو نشانہ بناتے چلے جاؤ۔ بلبلا کر وہ خود ہتھیار ڈال دیتا ہے۔"

میرے لیے یہ خیال فرحت انگیز تھا کہ میں نے اپنے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے کر ان کے حوصلے پست کردیے تھے۔ فلیٹ کے چکر کاٹنے کی پاداش میں وہ تین آدمیوں سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ ان کے لیے چوتھی لاش کا تحفہ بھی تقریباً تیار تھا۔ اس بھاگ دوڑ کا نچوڑ یہ تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کھٹومل راجوانی کا مشکوک نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔

اول خان نے مجھے فلیٹ کے نیچے چھوڑا تو میری رسٹ واچ رات کے دس بجا رہی تھی۔ مجھے اتار کر وہ وہیں سے اپنے گھر لوٹ گیا۔

اول خان کسی زمانے میں فوج کا کوئی عہدے دار رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ ان دنوں وہ اس ادارے کا رکن نہ ہونے کے باوجود سخت ترین فوجی نظم و ضبط کا پابند نظر آتا تھا۔ اسی نے کسی موقع پر یہ بتایا تھا کہ ایس ٹی ایف کی تشکیل اور تربیت خالص عسکری بنیادوں پر کی گئی تھی۔ وہاں ہر شخص کے سوچنے کے لیے حدود متعین تھیں لیکن اوپر سے آئے ہوئے حکم کی تعمیل ہر ماتحت کے لیے ناگزیر تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اس حیثیت میں وہ چاہتا تو اپنا سارا وقت دفتر میں پاؤں پسار کر گزار سکتا تھا اور بھاگ دوڑ کے سارے کام اپنے ماتحتوں سے لے سکتا تھا لیکن یہ اس کی فرض شناسی کی انتہا تھی کہ ہر اہم موقع پر وہ مجھے خود میدانِ عمل میں نظر آیا تھا۔ مجموعی طور پر وہ اپنے ہر ماتحت سے زیادہ کام کرکے ان کے لیے ایک مثال بنا رہتا تھا۔ اس چکر میں شاید اس کی گھریلو زندگی بھی پس پشت چلی گئی تھی۔ گھر کی ضروریات پر وہ اپنے دفتری فرائض کو فوقیت دیتا تھا۔ اس کے نزدیک کسی ایک گھر کے مقابلے میں وطن کی سلامتی زیادہ اہم اور مقدس تھی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبار میں چاروں لاشوں کے بارے میں سہ کالمی خبر پہلے صفحے پر خاصی نمایاں تھی۔

گلشنِ اقبال کے بنگلے کے بارے میں تفصیلات خاصی سنسنی خیز تھیں۔ رات گئے ولی جان نے ہوش میں آنے کے بعد شنکر رائے کا بستر خالی پایا تو بری طرح بوکھلا گیا۔ اس نے مسہری چھوڑنے اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو گھٹنے کی معذوری آڑے آگئی۔

اس وقت تک بجلی بحال ہو چکی تھی مگر ہر طرف رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ولی جان نے دہشت زدہ ہو کر پوری قوت سے مدد کے لیے چلّانا شروع کردیا۔ لوگ جمع ہوئے تو مکان کے احاطے میں تین لاشیں دریافت ہوئیں۔ ولی جان اندر نڈھال پڑا ہوا تھا۔

ولی جان نے پولیس کو شنکر رائے کی گمشدگی کے بارے میں بتایا جب کہ اس سے کافی دیر پہلے یونیورسٹی سے کچھ فاصلے پر شنکر رائے کی لاش مل چکی تھی۔ ابتدا میں اسے نامعلوم

مقتول قرار دیا گیا تھا لیکن ٹوٹے ہوئے گھٹنے کی بنا پر اس کی شناخت کے مراحل تیزی سے طے ہوتے چلے گئے۔

شنکر نے اسٹیشن فور پر اول خان کی آواز پہچان کر اندازہ لگالیا تھا کہ وہ دوبارہ اپنے پرانے دشمنوں کی قید میں چلا گیا تھا لیکن ولی جان سے صرف میرا سامنا ہوا تھا۔ وہ ہمارے بارے میں کوئی بھی انکشاف نہیں کرسکا تھا اور پولیس کو تفتیش کے آغاز کے لیے کوئی نکتہ نہیں مل سکا تھا۔

چار لاشوں کا معاملہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ان سے متعلقہ متعدد چھوٹی بڑی خبروں میں کہیں بھی بیم گن کا نشانہ بننے والے دو مقتولین کے غیر معمولی زخموں کا ذکر نہیں تھا۔ اس کے دو ہی اسباب ہوسکتے تھے۔ خبر دیر میں ملنے کی وجہ سے اخباری نمائندے واردات کی پوری جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکے تھے یا پھر متعلقہ پولیس اہل کار اپنی ناتجربے کاری کی وجہ سے ان غیر معمولی زخموں پر توجہ نہیں دے سکے تھے۔

وہ کراچی کے امن و امان میں بگاڑ کا دور تھا۔ شہر میں آئے دن دو چار افراد نامعلوم دہشت گردوں کی بربریت کا نشانہ بنتے رہتے تھے اور ہر واردات کے بارے میں سرِعام یہ کہا جانے لگا تھا کہ دہشت گرد جدید ترین آتشیں ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے ہدف پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان افواہوں کی لہر میں اگر کسی مرحلے پر لیزر گن وغیرہ کا نام بھی آجاتا تو اس سے کسی تفتیشی افسر کو کوئی خاص نظریہ قائم کرنے میں مدد نہیں مل سکتی تھی۔ یہ فرض کرکے روایتی انداز میں صبر کرلیا جاتا کہ دہشت گردوں کو بڑے اور چھوٹے بور کے جدید ہتھیاروں اور دستی راکٹ لانچروں کے ساتھ لیزر سے چلنے والے مہلک ہتھیاروں تک رسائی حاصل ہوچکی ہے۔ یہ خطرناک رویہ اجتماعی طور پر شہریوں کے حوصلے پست کرنے کے ساتھ دہشت گردوں کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف تھا۔ اس رُو میں جو بھی کوئی خود کار ہتھیار لے کر کسی کو للکار بیٹھتا تھا، پوری آزادی اور بے فکری کے ساتھ اپنی من مانی کر گزرتا تھا۔

"آپ کے موڈ کے بارے میں کبھی کچھ پتا نہیں چلتا۔" غزالہ نے میز پر ناشتا لگاتے ہوئے ہنس کر کہا "یہاں سے صرف جائزہ لینے کے لیے نکلے اور ایک ہنگامہ کھڑا کر آئے۔"

"ہمارے اپنے تحفظ کے لیے یہ پیش قدمی ضروری تھی۔" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے میرے دل کی بات کہہ دی "اگر وہ ہمارے اوپر ہاتھ ڈالنے کا کوئی پروگرام بنا رہے تھے تو اب انہیں دس بار سوچنا پڑے گا۔ ایسی لڑائی میں پہل کو ہمیشہ بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔"

ویرا کا منہ بن گیا "گھر میں بیٹھ کر باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔ سب لوگ تمہاری طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جائیں تو حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہمارے دشمن ہمیں گھڑی کی چوتھائی میں روند ڈالیں۔"

"میں گھر میں اپنی مرضی سے نہیں بیٹھا، بٹھایا گیا ہوں۔" سلطان شاہ اکڑ کے بولا۔

"ہاں، اسی طرح جیسے کنواری لڑکیوں کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔" ویرا نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا "اب تم اپنے بڑوں سے پوچھے بغیر گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکال سکو گے۔"

"رات والی مہم کے لیے بنیادی کام سلطان شاہ نے ہی کیا تھا۔" میں نے ویرا کو سمجھانا چاہا "اس نے شنکر اور ولی جان کو زخمی نہ کیا ہوتا تو وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہتے اور مجھے ان کا خیال تک نہ آتا۔"

"اس کے زخمی کرنے سے ان میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے؟" ویرا ناراض ہوگئی۔

"زخمی نہ ہوئے ہوتے تو وہ اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ ہم ان پر شک و شبہ نہیں کرسکتے تھے۔ زخمی ہوتے ہی ان پر تین مسلح گارڈ مامور کردیے گئے اور اول خان کی تھوڑی بہت توجہ ادھر مبذول ہوگئی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہماری رات کی بھاگ دوڑ رائگاں نہیں گئی۔"

"شنکر تمہارے ہاتھ ضرور آگیا مگر اس کے لیے تمہیں تین آدمیوں کا خون بہانا پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بے گناہ رہے ہوں۔ ان کا داؤ چل جاتا تو وہ وہیں تمہارا تیا پانچا کردیتے۔"

"شاید تم نے یہ چھوٹی سی خبر نہیں پڑھی۔" غزالہ نے اخبار موڑ کر ایک خبر ویرا کے سامنے کردی "ان تینوں میں سے کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ دو اندرونِ سندھ کی پولیس کو مطلوب مفرور ملزم ہیں جو قتل کی وارداتوں میں ملوث بتائے گئے ہیں۔ تیسرا ایک بدنام منشیات فروش تھا۔"

ویرا نے ناگواری سے خبر پڑھ کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اور بولی "مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی تم تینوں میرے خلاف گٹھ جوڑ کرلیتے ہو۔ گھٹنے مڑتے ہیں تو ہمیشہ پیٹ ہی کی طرف جاتے ہیں۔"

"بالکل غلط... گھٹنے سے صرف پنڈلی مڑتی ہے۔ شنکر اور

ولی جان کی ایک ایک پنڈلی دونوں طرف مڑنے لگی تھی۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ مڑتی ہیں تو رانیں پیٹ کی طرف جاتی ہیں۔"
ساطان شاہ نے تصحیح کی۔

ناشتے کے دوران میں بھی وہ نوک جھوک جاری رہی۔
مجھے اس تکرار میں دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اس گفتگو میں تلخی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

ویرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر اس ماحول کی عادی ہو گئی تھی۔ لندن اور نیویارک کے مصروف شب و روز میں میرا ساتھ میسر ہونے کے باوجود وہ باقی لوگوں کی کمی محسوس کرتی رہی تھی۔ کراچی آنے کے بعد شاید وہ سب سے الجھ کر اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ناشتا ختم کرنے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ میرا ارادہ کھٹومل کو چھیڑنے کا تھا۔

میرے پاس شنکر کا دیا ہوا پتا اور فون نمبر موجود تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اول خان مجھ سے مشورہ کیے بغیر کھٹومل سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔ بس اس کی سرگرمیوں کی نگرانی وغیرہ پر اکتفا کرے گا۔ یہ سوچ کر میں نے اس سے فون پر بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

نمبر ملنے پر فون کھٹومل کے کسی ملازم نے اٹھایا تھا۔ میں نے کھٹومل سے بات کرنے کی خواہش کی تو اس نے اپنے مالک کی موجودگی یا غیر حاضری کے بارے میں کچھ بتائے بغیر میرا نام جاننا چاہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا نام جانے بغیر وہ کھٹومل تک پیغام نہیں پہنچائے گا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسے اپنا نام شنکر بتا دیا۔

نام بتا دینے کے بعد مجھے توقع تھی کہ وہ چونکے گا لیکن اس نے کسی ردِّعمل کا مظاہرہ کیے بغیر مجھے انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور غائب ہو گیا۔

قدرے طویل انتظار کے بعد لائن پر کچھ کھٹ پٹ ہوئی پھر میرے کانوں میں نرم اور شفیق سی آواز گونج اٹھی "جی بابا! میں کھٹومل بول رہا ہوں۔ آپ کون بول رہے ہو؟"

"کھٹومل! میں شنکر بول رہا ہوں، شنکر رائے!" میں نے اسے چونکانے کے لیے اپنے جھوٹ کا تسلسل برقرار رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے رات ہی کو اپنے آدمیوں کے قتل کی خبر مل گئی ہوگی۔ براہِ راست خبر نہ بھی ملی ہوتی تو اخبار کے ذریعے اسے واقعات سے باخبر ہو جانا چاہیے تھا۔

اس کا خاص آدمی، شنکر رائے پچھلی رات کا آخری مقتول تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری زبان سے اس کا نام سن کر کھٹومل گھبرا جائے گا یا پھر اسے غصہ آجائے گا لیکن اس کی آواز حیرت ناک طور پر نرم اور پُرسکون رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"بابا! میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ ذرا کچھ اور تعارف کرا دو۔ شاید مجھے یاد آجائے۔"

"نام شنکر رائے... ملازمت محکمۂ داخلہ... سترھویں گریڈ کا سرکاری ملازم ہوں۔" میں نے بھی اسی کی طرح پُرسکون رہتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"نہیں یاد آتا۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔ "صبح سے شام تک پچاس آدمیوں سے میل ملاقات ہوتی ہے۔ کسی کسی کا نام یاد سے نکل جاتا ہے۔ حکم کرو کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

میری طرف سے واضح ترین اشاروں کے باوجود کھٹومل کا رویّہ الجھن میں ڈالنے والا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے سائیں... بالکل دیکھا ہے۔" دوسری طرف سے برجستہ آواز آئی پھر اس نے چونک کر کہا "اب سمجھا۔ اخبار میں ہوم ڈپارٹمنٹ کے سترہ گریڈ والے کسی شنکر رائے کے خون کی خبر چھپی ہے۔ تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ خبر غلط ہے اور تم زندہ ہو؟"

"اگر میں یہ کہوں تو تم اس پر اعتبار کرلو گے؟" میں نے بھنّا کر پوچھا۔

"پھر میں مشورہ دوں گا کہ تم سیدھے عبدالستار ایدھی صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ تم مرے نہیں ہو تو زخمی ضرور ہو گے۔ ایدھی صاحب اچھا آدمی ہے۔ تمہیں اپنی گاڑی میں گھر بھجوا دے گا۔"

وہ بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ شاید اس نے اپنے ملازم سے میرا مفروضہ نام سنتے ہی فون پر کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا اور شروع سے ہی مجھ سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتا رہا۔ وہ ایک گندہ کھیل کھیل رہا تھا۔ پچھلی رات اس کے چار مہرے ایک ساتھ پِٹ گئے تھے۔ وہ ان سے اپنی مکمل لاتعلقی کا اظہار کر کے کسی بھی متوقع الجھن سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کھٹومل! زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "شنکر رائے سے اس طرح لاتعلقی جتا کر بھی تم اپنی گردن نہیں بچا سکو گے۔ اسے مروانے والے تم

ہی ہو۔"

"اب تم کھل کر بولے ہو۔" وہ اسی لب و لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم شنکر کے ابّے لگتے ہو یا دادے؟"

"اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو تمہارا انجام ان چاروں سے بھی خراب ہو سکتا ہے۔"

"دھمکیاں مت دو۔ میں دنگے فساد والا آدمی نہیں ہوں۔ سیدھا اور کھرا بنیا ہوں۔ یہ بولو کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ بات ڈھنگ کی ہوئی تو میں مان لوں گا ورنہ میرا وقت کھوٹا مت کرو۔"

"پھر تم تیار رہو۔ تم سے ملاقات پر ہی کچھ ڈھنگ کی باتیں ہوں گی۔ فی الحال ولی جان کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسے پتا چلے گا کہ تم اپنے مرنے والے ساتھیوں سے اس طرح نظریں پھیر لیتے ہو تو وہ خود ہی تمہاری گردن پر کوئی پھندا فٹ کروا دے گا۔ تمہارے اوپر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

"یہ سوچو کہ اس سے تم کو کیا ملے گا؟ کیا تم کوئی سرکاری آدمی ہو؟" بات آگے بڑھنے لگی۔

"میں ایسی سرکار پر لعنت بھیجتا ہوں جس کی ناک کے نیچے تم جیسے کیڑے پوری آزادی سے اپنا کھیل کھیلتے رہتے ہیں اور سرکار کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔"

"پھر تم کون ہو؟ شنکر سے تمہاری کیا دشمنی تھی؟" اس نے پہلی بار ڈھنگ کا ایک سوال کیا۔

"عورت۔ مدن موہن کی ایک پارٹی میں وہ میری گرل فرینڈ سے ملا تھا اور پھر اسے لے اڑا۔ اس نے میری گرل فرینڈ کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ واپس میرے پاس آنے پر آمادہ ہی نہیں تھی۔"

"اپنی کھوئی ہوئی عورت کو پانے کے لیے تم نے شنکر کو مار دیا۔" اس کی آواز متاسفانہ ہو گئی "کیا اب وہ تمہیں مل جائے گی؟ مایا، دھرتی اور ناری ہر فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے کسی پرائی ہانڈی پر منہ مارا ہے ورنہ میں خود اسے سمجھا دیتا۔ تم۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "عورت گئی، میں نے اسے چھیننے والے کو رخصت کر دیا۔ اس نے مجھے تمہارا نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم اس کی زندگی بچانے کے لیے مجھے منہ مانگی رقم دے سکتے ہو۔"

"اس نے سچ کہا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ مایا اور دھن مردذات کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ اسی طرح ناری مرد کے من کا میل ہوتی ہے۔ مل گئی تو برت لیا، پھسل کر ہاتھ سے نکل گئی تو بھول گیا۔ تم نے شنکر سے اپنی عورت کا بدلہ لے لیا ہے تو اب مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

"مجھے اچھی زندگی گزارنے کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔" میں نے مطالبہ کر دیا۔

"مگر میں تمہیں رقم کیوں دینے لگا۔" وہ شروع سے ہی غصے میں آئے بغیر نہایت صبر و تحمل سے بات کر رہا تھا "تم نے شنکر پر ہاتھ نہ اٹھایا ہوتا تو بات بن بھی سکتی تھی۔"

"رقم نہیں دو گے تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ میں کیسی بھیڑ میں سے اسے نکال لے گیا تھا۔" میں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں پھر بھی تم زبردستی مجھ سے ایک کوڑی نہیں لے سکتے۔ مجھے بس ایک بات بتا دو۔ شنکر سے تمہارا عورت کا جھگڑا تھا تو تم نے یہ کیوں کہا کہ تم نے ولی جان کو چھوڑ دیا ہے اور وہی میری گردن پر کوئی پھندا لگائے گا۔"

"تم سے کچھ ملنے کی امید میں میں کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے رقم کی بات کرو۔"

"مارنے سے پہلے تم نے شنکر کا ایک گھٹنا کیوں توڑ ڈالا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ پہلے ہی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" اس سے اپنا رابطہ برقرار رکھنے کی امید میں میں نے اپنی حکمتِ عملی یکسر تبدیل کر دی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ وہ پہلے سے معذور تھا۔ کیا تم نے اسے معذور نہیں کیا تھا؟" وہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ میرا تعلق شنکر کے کسی دیرینہ حریف سے نہیں تھا، جو کچھ ہوا وہ رقابت کے جذبے کے تحت ہو گیا۔

"مجھے اس کو دو قسطوں میں مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ پہلے ہاتھ آجاتا تو میں معذور کرنے کے بجائے ایک ہی وار میں اس کا جھٹکا کر دیتا۔"

"تمہیں اسے مارنا ہی تھا تو تم کو اس سے پوچھ گچھ کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"

"باہر لے جا کر میں نے اسے مارا، پیٹا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد مار دیا۔ مجھے اس سے پوچھ گچھ کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔"

"پھر تمہیں میرا فون نمبر، نام اور ولی جان کا نام کیسے

معلوم ہوا؟" کھٹومل نے سوال کیا۔
"یہ سب وہی بکے جا رہا تھا۔ بہت ڈرپوک آدمی تھا۔ پہلے اس نے مجھے ولی جان سے سودا کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں راضی نہیں ہوا تو اس نے تمہارا نام لیا تھا۔"
"تم نے صحیح چوکھٹ پر دستک دی ہے۔" اس کی آواز میں حلاوت عود کر آئی "مجھے اپنا نام پتا بتادو۔ میں تمہیں مفت میں کوئی رقم نہیں دے سکتا۔ میرا کوئی آدمی تم سے مل کر کام لے گا اور اس کا معاوضہ دے گا۔ جلد ہی تمہارے دن بدل جائیں گے۔"
اس بار میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "کھٹومل جی! میں عقل سے بالکل ہی چوپٹ نہیں ہوں جو تمہیں اپنا نام پتا دے دوں تاکہ تمہارا کوئی آدمی آرام سے ان چاروں کے بدلے میری جان لے لے۔ جو کہنا ہے ابھی اور اسی وقت فون پر بتاؤ ورنہ مجھ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
"میری بات پر شبہ کر کے تم نے۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش کی گئی تھی۔
فوراً ہی غزالہ خواب گاہ سے دوڑی ہوئی آئی اور بولی۔
"سی ایس ڈی کا سرخ بلب جلنے کے ساتھ بزر بول رہا ہے۔ اس کا کیا کروں؟"
میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا "جاؤ' وہ دونوں چیزیں نارمل ہو گئیں۔"
میرا خیال تھا کہ میں خود ہی کھٹومل سے گفتگو کو طول دے رہا تھا لیکن سی ایس ڈی کے حرکت میں آنے سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ خود بھی مجھے باتوں میں الجھا کر کسی دوسرے فون پر ایکسچینج سے میرا نمبر معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوں ہی ادھر سے مداخلت ہوئی' میرا فون بند ہو گیا۔
"تم کھٹومل سے بات کر کے کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔
"حرکت میں برکت ہے۔" میں نے آنکھیں موند کر جواب دیا "اس کے ذہن پر ہر وقت یہ خوف سوار رہے گا کہ شنکر کا قاتل اس کے بارے میں خاصا باخبر ہے۔ کہیں نہ کہیں تو ہمارا اور اس کا آمنا سامنا ہونا ہی ہے۔ اس وقت کی باتیں ملاقات پر میرے کام آئیں گی۔"
"ہر وقت اپنے فائدے کے پہلو پر نظر مت رکھا کرو۔ یہ خطرہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ تم نے اسے اپنے ایک دشمن کی موجودگی سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب وہ ہر وقت چوکنا رہے گا۔"
"رہا کرے۔ اسی اعصابی دباؤ میں اس سے غلطیاں سرزد ہوں گی جو میرے لیے سودمند ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔"
"ایسی ہی غلطیوں کا ارتکاب تم کر بیٹھے تو کیا بنے گا؟" ویرا پھر بحث کے موڈ میں تھی۔
"کچھ بھی بن سکتا ہے۔ تیر کمان سے اور بات زبان سے نکل جائے تو اسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا۔ تمہیں یہ قیمتی مشورے دینے ہی تھے تو فون کرنے سے پہلے دیے ہوتے۔ اب چپ چاپ بیٹھی رہو۔"
"تم تو یہاں آ کر فرعون بے سامان بن گئے ہو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب کیا کرنے والے ہو۔ ناشتے کی میز سے اٹھے اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر فون گھما دیا۔" وہ تنک کر بولی۔
"سیدھی بیٹھو۔ اس وقت پھر تمہارے شانے کا تل نظر آ رہا ہے۔ بھینگے ڈک کی طرح کہیں مجھ پر کوئی الزام نہ لگا دینا۔ غزالہ میری جان کو آ جائے گی۔"
"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کو غزالہ کی کتنی فکر رہتی ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں۔ جس دن اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہو گیا' وہ اپنی ساری نرم گفتاری کو بالائے طاق رکھ کر تمہارے حق میں خوں خوار ہو جائے گی۔ ایسی لڑکیاں اعتماد کا فریب برداشت نہیں کر پاتیں۔"
"اپنی ان منطقوں کو احتیاط سے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ درمیان میں تمہاری وکالت کی کوئی ضرورت نہیں۔"
اسے ٹالنے کے لیے میں نے اخبار اٹھا لیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مارے جانے والے تینوں محافظوں کے ماضی کے بارے میں چھپنے والی خبر میری نگاہوں سے چوک گئی تھی۔
ان کی خراب شہرت کے بارے میں میز پر بات ہو ہی چکی تھی۔ ان کے ناموں سے معلوم ہوا کہ بظاہر وہ تینوں مسلمان ہی تھے یعنی اس واقعے کو ہندو مسلم منافرت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا تھا۔
بارہ بجے اول خان آ موجود ہوا۔ اپنے معمول کے مطابق اس نے آتے ہی چائے کی فرمائش کی تھی۔

"آج ہر طرف سے خبریں ہی خبریں چلی آرہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔" سلام دعا کے بعد اول خان نے بات چھیڑی۔

"کوئی بری خبر ہو تو وہ پہلے سنادو تاکہ بعد میں موڈ خراب نہ ہو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"وہ بھی کئی ہیں۔ سب سے بڑی گڑبڑ یہ ہوئی کہ بیم گن کا نشانہ بننے والوں کی موت کے سبب کو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کسی جدید آتشیں ہتھیار کے استعمال کا نتیجہ قرار دے کر دبا دیا گیا ہے مگر اسپتال سے یہ اطلاع کسی طرح باہر آگئی ہے کہ دو لاشیں جسموں میں باریک سوراخوں کے ساتھ ملی تھیں۔"

"پاکستان میں بیم گن کا تصور اجنبی ہے۔ اگر کاغذات پر رپورٹ درست ہے تو ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وقت کے ساتھ یہ خوف خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

"میری دعا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ وقت کے فرق کی وجہ سے میں کل یا پرسوں کا تعین کرنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ نیویارک میں جینی نامی کسی لڑکی نے تمہاری اور ویرا کی بہت سی سرگرمیوں کے بارے میں پولیس چیف کو اپنا رضاکارانہ بیان دے کر سنسنی پھیلا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکا میں کشت و خون کرنے کے بعد تم اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہو چکے ہو۔"

"اس کی طرف سے مجھے شبہ تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔" میں نے اپنے دل میں جینی کے لیے ہمدردی کی ایک لہر محسوس کرتے ہوئے اعتراف کیا "ہم نے اس کے اعتماد کو دھوکا دے کر بہت بے رحمی سے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر بعض کڑیاں یک جا بھی کرلی تھیں۔ وہ اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے پولیس کے پاس گئی ہے۔ وہ لوگ اب لکیر پیٹنے کے سوا کچھ نہیں کرسکیں گے۔"

"نتائج اخذ کرنے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو۔ ان خبروں کی تیسری کڑی یہ ہے کہ دفترِ خارجہ میں اعلیٰ ترین سطح پر امریکی سفیر کو طلب کرکے پاکستان نے گیپ کے بارے میں شدید ترین احتجاج کیا ہے۔ سنا ہے کہ امریکی سفیر کو اس ناپاک سمجھوتے کے اصل کاغذات دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود اصل کاغذوں کے بجائے ان کی نقل اس کے حوالے کی گئی ہے۔"

"یہ بڑی بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم آج بھی ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے امریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ کڑوے کسیلے سوالات کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

"ان سوالوں کے دو جواب بھی آچکے ہیں۔ تمہیں امریکا کا قومی مجرم قرار دے کر پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں جلد از جلد گرفتار کرکے امریکا کے حوالے کیا جائے تاکہ تم پر وہاں کی عدالتوں میں وہیں کے قانون کے مطابق مقدمات چلائے جاسکیں۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دوسرا جواب کیا ہے؟" میں نے مضطربانہ تجسّس کے ساتھ سوال کیا۔

"گیپ کے بارے میں ہر الزام کو فوری طور پر مسترد کرکے مطالبہ کیا گیا ہے کہ پانچوں اصل کاغذ امریکا بھیجے جائیں تاکہ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان کی اصلیت یا کسی بین الاقوامی جعل سازی کا تعین کرسکیں۔ اس کے بعد ہی گیپ کے بارے میں کوئی بات ہوسکے گی۔"

"پاکستان اس بارے میں کیا کررہا ہے؟" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"سرکاری موقف سامنے آنے میں وقت لگتا ہے لیکن عام تاثر یہی ہے کہ گیپ کے اصل کاغذ نہیں دیے جائیں گے۔ وہ ایک بار ان کے قبضے میں چلے گئے تو انہیں تلف کرکے جعلی کاغذ لوٹا دیے جائیں گے۔"

"پھر تو یہ معاملہ یہیں ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"یہی قرینِ قیاس نظر آرہا ہے۔ ہم اصل کاغذ ان کے حوالے نہیں کریں گے، وہ الزام تسلیم نہیں کریں گے۔"

"کیا یہ معاملہ کسی بین الاقوامی فورم پر نہیں لے جایا جاسکتا؟"

"ہوسکتا ہے لیکن ہم اس پیمانے پر امریکا کے ساتھ محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ہمارے خلاف انتقامی پابندیوں کا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔"

"مجھے دکھ ہے کہ گیپ کے بارے میں ہماری ساری دوڑ دھوپ بے سود ثابت ہوگی۔"

"اس کا سوگ منانے کے بجائے اب اپنی خیر مناؤ۔ تمہارے بارے میں ایک مرتبہ پھر خطرات سر ابھار رہے

ہیں۔ امریکا کے مقامی ایجنٹوں کو بھنک بھی مل گئی کہ گلشن اقبال میں ہونے والی تہرے قتل کی واردات میں بیم گن استعمال ہوئی تھی تو انہیں تمہاری موجودگی کا یقین ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند روز میں امریکا سے آنے والے سراغ رساں یہیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائیں۔"

"ٹائمنگ غلط ہوگئی۔ سارے کام ایک ہی وقت میں چل پڑے ہیں۔"

"اتفاق کی بات ہے ورنہ گلشنِ اقبال والے معاملے کو التوا میں ڈالا جاسکتا تھا۔"

"ہم انہیں ڈھیل دیتے تو وہ کسی بھی وقت ہم پر ٹوٹ پڑتے۔ میرے لیے یہ معاملہ اہم ترین اور فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"بحث بے سود ہے۔ ہم اپنے کارڈز کھیل چکے۔ دیکھنا ہے کہ دوسری طرف سے کیا ہوتا ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو، ہمیں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ اگر کھٹومل اور مدن موہن ایک دوسرے کے قریب تھے تو کھٹومل کے امریکیوں سے بھی گہرے مراسم ہوں گے۔"

"میرے آدمی آج شام تک اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم کرلیں گے۔ اگر وہ خطرناک نظر آیا تو اس کو راستے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔"

"وہ بہت چالاک اور ٹھنڈے ماتھے والا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بہت گھنّے ہوتے ہیں۔ آخری لمحات تک کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میری رائے سن کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تھوڑی دیر پہلے فون پر اس سے مذاکرات ہوئے تھے۔ میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ شنکر کا قتل ایک رقابت کا شاخسانہ تھا۔"

"اچھا ہے کہ اس غلط فہمی میں وہ چند روز تک بھٹکتا رہے گا۔" اول خان خوش ہوکر بولا "مجھے پوری بات بتاؤ کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔"

میں نے اپنی اور کھٹومل کی گفتگو کا ذکر چھیڑا ہی تھا کہ ویرا بھی وہیں آکر قریب بیٹھ گئی۔ میں خاموشی سے اسے گھور کر رہ گیا کیونکہ اس کی سانسوں سے بیئر کی بو آرہی تھی۔

"تم نے اسے چھیڑ کر غلطی کی۔" پوری بات سن کر اول خان نے کہا "سوئے ہوئے دشمن کو جھنجوڑ کر جگانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"بالکل یہی رائے میری بھی تھی۔" ویرا نے موقع پاکر اسے شہ دی "مگر ڈینی پر ہر وقت افلاطون بننے کا خبط سوار رہتا ہے۔ اسے تم ہی سمجھا سکتے ہو۔"

"یہ فلیٹ اس کی نظروں میں ہے۔ اگر اس نے تمہاری رقابت والی کہانی پر یقین کرلیا ہے تب بھی وہ اپنی جھنجلاہٹ اتارنے کے لیے یہاں کوئی جوابی کارروائی کرسکتا ہے اور کچھ ہو یا نہ ہو، اسے اپنے آدمیوں کے سامنے سرخ روئی حاصل ہوجائے گی۔"

"برے لوگ دھونس اور بھرم قائم رکھنے پر جان دیتے ہیں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی منصوبے پر عمل کرنے کے لیے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کرے گا تو بات ہم تک پہنچ ہی جائے گی۔"

"تیرو تفنگ اور بھاگ دوڑ کے زمانے لد گئے۔" ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر تلخی سے کہا "اب بڑے بدمعاش اپنی پرُتعیش خواب گاہوں میں اینڈا اینڈ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریاں ہلاتے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ ٹیلیفون اور وائرلیس سیٹوں کے بعد اب پاکستان میں موبائل فون بھی آگئے ہیں۔ چند روز کی بات ہے پھر گدھا گاڑیوں والے بھی موبائل فون لیے اپنے اڈوں پر موجود رہا کریں گے۔"

"موبائل فون یہاں کب سے آگئے۔" میرے لیے وہ اطلاع نئی تھی اس لیے میں اصل موضوع کو بھول کر اسی کی طرف متوجہ ہوگیا "ہم لوگ اس سہولت سے کیوں محروم ہیں؟"

"یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔" اول خان نے مجھے آگاہ کیا "ابھی تجرباتی طور پر صرف ایک کمپنی محدود وسائل کے ساتھ میدان میں اتری ہے۔ دباؤ کم ہوجائے تو ہم بھی ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کے لیے یہ سہولت استعمال کرسکیں گے۔"

سلطان شاہ شاید لابی میں کھڑا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ وہ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں آگیا اور بولا "آگے کی منصوبہ بندی کرنے کے بجائے ہمیں آج کی فکر کرنی چاہیے۔ تم لوگ شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر طوفان کو ٹلا ہوا سمجھ رہے ہو یا پھر سب کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں۔"

"تم کون سے طوفان کی خبر لائے ہو؟" ویرا نے اس کا

مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

"تم دونوں امریکا گئے ہوئے تھے اس لیے بہت سی باتیں تمہارے ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ اسے نظر انداز کرکے پوری طرح سنجیدہ ہوگیا "بھول جاؤ کہ ہمارے دشمن اس فلیٹ کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ مجھے یہیں سے اغوا کرکے لے جایا گیا تھا۔"

سلطان شاہ کی اس یاد دہانی پر فرطِ حیرت سے ہم تینوں کے دہانے کھل گئے اور اول خان پُرجوش لہجے میں بولا "حیرت ہے کہ ہم یہ اہم ترین نکتہ فراموش کیے بیٹھے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زخموں کو خاصا افاقہ ہوا ہے کبھی یہ عقل کی بات کررہا ہے۔" ویرا نے بادلِ ناخواستہ سلطان شاہ کی تعریف کی "ہمارے ایک دشمن کے باخبر ہونے کا مطلب ہے کہ یہ بات ان سب کے علم میں ہے۔ یہاں کا چکر لگانے والے شاید یہی دیکھنے آئے ہوں گے کہ ہم میں سے کونسا کون یہاں موجود ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ خطرہ ٹلا نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔" اول خان پہلو بدل کر بولا "ہوسکتا ہے کہ اب تک ان کو تمہاری واپسی کی اطلاع مل چکی ہو......"

"اطلاع مل چکی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر اصرار کیا "گلشن والی لاشوں کی مبہم پوسٹ مارٹم رپورٹوں سے تمام لوگ دھوکا کھا جائیں گے مگر متعلقہ لوگوں کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوگی کہ اس خوں ریزی میں بیم گن کو استعمال کرنے والا ڈینی اینڈ کمپنی کا ہی کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ کھٹول نے خود یہ نتیجہ اخذ نہ کیا تو اسے یہ بات سمجھا دی جائے گی اور پھر طبل بجا دیا جائے گا۔"

"ہماری غیر حاضری میں یہاں بیم گن استعمال نہیں ہوئی؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سارے دشمن خاموش بیٹھے تمہاری واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ تم آئے اور یہاں گڑبڑ شروع ہوگئی۔"

وہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ جب نیویارک میں پیری کاویلس اور بلیک ڈیڈ کے ذریعے ملی ہوئی بیم گن استعمال ہورہی تھی تو کراچی میں ہماری بیم گن بند تھی۔ کراچی میں بیم گن کا استعمال شروع ہونے سے پہلے نیویارک والی بیم گن اس کے اصل مالک تک پہنچ چکی تھی۔ اس اتفاق کی روشنی میں صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ کراچی سے نیویارک تک صرف ایک ہی بیم گن استعمال کی جارہی تھی۔ اس نظریے کی تصدیق کے لیے جینی کا بیان پیش کیا جاسکتا تھا۔

"مان لو کہ نقشہ کچھ گمبھیر ہوچلا ہے۔" اول خان نے رسانیت سے کہا "ہمیں کسی برے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تیاری سے شاید کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" ویرا نے فیصلہ صادر کردیا "اس فلیٹ میں ہمارے قیام کی کہانی اتنی دور تک پھیل چکی ہے تو ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کسی کسی محاذ پر مصلحت انگیز پسپائی بھی فتح کے برابر شمار کی جاتی ہے۔"

"یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے؟" سلطان شاہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"عارضی طور پر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا ہوگا۔ ڈینی اپنے پرانے دوست جہانگیر کے گھر چلا جائے گا۔ میں، غزالہ کے ساتھ اول خان کے گھر میں رہ سکتی ہوں۔ تم چاہو تو ملیر چھاؤنی میں ایس ٹی ایف کے کسی مہمان خانے میں قیام کرسکتے ہو۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یہ تجویز بہت محفوظ اور مناسب ہے۔" اول خان اس کی تائید میں بولا "تم لوگوں کے نکلتے ہی میرے چند آدمی یہاں بیٹھ جائیں گے اور آنے والوں کے دانت کھٹے کردیں گے۔"

"ہم نے حالات کے منفی رخ پر بہت تیزی کے ساتھ سوچنا شروع کردیا ہے۔" میں نے اول خان کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا "ہمیں کب تک یہاں سے نکل جانا چاہیے؟"

"جلد از جلد۔" اول خان نے بلا توقف جواب دیا "اگر تم سوچنے کے لیے مہلت چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ آج کی رات اس چھت کے نیچے گزار لو۔ کل دوپہر سے پہلے تم سب کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ کل دوپہر سے پہلے فیصلہ ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے یک زبان ہوکر حالات کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ میرے لیے اختلافِ رائے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف کھٹول اور اس کے غنڈوں کا ہوّا نظر آرہا تھا تو دوسری طرف امریکیوں کی طرف سے کسی بھرپور انتقامی کارروائی کا اندیشہ تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہماری مخالف قوتیں اتنی تیزی کے ساتھ متحد اور متحرک نہیں ہوسکیں گی۔

اول خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک نمبر گھمایا اور

کوڈورڈز میں کسی سے بات کرنے لگا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اپنے دفتری فرائض کی ادائیگی کے لیے تخلیہ چاہ رہا تھا۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں کس قسم کی باتیں سن رہی ہوں؟ اب ایسی باتوں سے طبیعت ہراساں ہونے لگی ہے۔" میرے' کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ سر پر مسلط ہوگئی۔ وہ مسلسل گھر کے کام کاج میں مصروف تھی لیکن آتے جاتے ہوئے فلیٹ کی محدود فضا میں ابھرنے والی باتیں سن رہی تھی۔

"تم ان باتوں کا زیادہ اثر مت لو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیا "ان تینوں کے ذہنوں پر مایوسی سوار ہو چلی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کے مشورے پر آج ہی عمل کرلیا جائے اور ہم یہاں سے نکل کر اپنی اپنی راہ لیں؟ میرا اور آپ کا بندھن اٹوٹ ہے' ویرا ویسے ہی آزاد منش لڑکی ہے۔ جلد ہی کہیں نہ کہیں اپنا آشیانہ بسالے گی۔ سلطان شاہ مرد ذات ہے۔ اس کی جیب میں معقول رقم موجود ہو تو وہ کہیں بھی ٹک کر کوئی کاروبار جما سکتا ہے۔ آخر ہم ایک دوسرے کے ساتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں؟" غزالہ نے ایک ہی سانس میں تجاویز پیش کرنے کے ساتھ نازک سا ایک سوال بھی کرڈالا۔

"اپنے سوال کے جواب میں تمہیں ہر جواب مل جائے گا۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ لوگ سائے کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ کیوں لگے رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

غزالہ نے معصومانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی بے خبری کا اعتراف کرلیا۔

"دونوں مجھے اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تحفظ کے لیے ہمارے سائے میں پناہ لی ہوئی ہے کیونکہ ان کا اور ہمارا مشن ایک ہے۔ میں یک بہ یک انہیں الوداع کہہ کر اپنے مشن سے انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ میری سب سے بڑی مجبوری ہے۔"

"یہ مشن تو زندگی بھر پورا نہیں ہوسکتا۔" غزالہ نے مایوسی سے کہا "کائنات میں نیکی اور بدی کی قوتیں روزِ اول سے برسرِپیکار ہیں۔ کوئی پیغمبر بھی روئے زمین سے برائیوں کا مکمل خاتمہ نہیں کرسکا۔ ایک دن ہم لوگ بھی اسی مشن کا ایندھن بن جائیں گے۔ ہم نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا ہماری طرح یا شاید ہم سے زیادہ بہتر انداز میں ان برائیوں سے لڑ رہا ہوگا تو کیوں نہ ہم آج ہی پیچھے ہٹ کر تھوڑی سی زندگی آزادی اور اپنی مرضی سے گزار لیں؟ ہم انسان ہیں' ہمیں انسانوں ہی کی طرح رہنا اور سوچنا چاہیے۔"

میں نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ملائمت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ سب ہوسکتا ہے۔ ہم آج ایک بات دل پر رکھ لیں تو ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔ وہ تینوں اپنے دل مسوس کر رہ جائیں گے۔ دیوانوں کی اس ٹولی سے بچھڑ کر ہم صرف اپنے لیے زندہ رہیں گے۔ ان منشیات فروشوں کے خلاف ہمارا جہاد ختم ہوجائے گا جو ہر روز ہمارے گردوپیش میں نہ جانے کتنی غزالاؤں کے کامران ٹھنڈے کر رہے ہیں' ماؤں کے لال اور بہنوں کی عزتوں کے محافظ موت کے ان سوداگروں کی ہوسِ زر کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں "ممی اور کامران بھائی کی یاد دلا کر آپ نے میرے پرانے زخموں کو تازہ کردیا ہے۔ ان ظالموں کے خلاف میں آج بھی دنیا کے آخری سرے تک جانے کے لیے تیار ہوں لیکن اب آپ ان سے نہیں لڑ رہے' آپ روز بہ روز پُرپیچ سیاست میں الجھتے جارہے ہیں۔"

"تم بہت نادان ہو۔" میں نے اس کا رخسار تھپتھپا کر کہا۔ "یہ موت کے سوداگروں کے بہروپ ہیں۔ آج بھی ہماری لڑائی ان ہی سے ہو رہی ہے۔ ٹی اور مافیا کیا تھی؟ ڈیوڈ اسٹارز کس سرمائے سے پل رہے ہیں؟ را اور سی آئی اے والوں کو بے اندازہ وسائل کہاں سے دستیاب ہو رہے ہیں....؟"

"یہ سب درست ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر مصالحانہ انداز میں کہا "مگر آج یہ سارے محاذ ٹھنڈے ہوچکے ہیں۔ آپ کی لڑائی کھٹول راجوانی سے ہے جو نہ جانے کون ہے۔"

"تم اپنی جگہ درست ہو۔" میں نے اقرار کیا "میرے سوا ہر ایک کو اس سے خوف آرہا ہے۔ وہ بظاہر ایک جاگیردار ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ وہ بھی ہیروئن کے دھندے میں ملوث ہے۔ میرے اردگرد سلگتے ہوئے راکھ کے ہر ڈھیر میں تمہیں ہیروئن کی چنگاری ضرور نظر آئے گی.... موت کے

سوداگر اپنے اصل روپ میں ہوں یا بہروپ میں، میرے سامنے آئیں، میرے اندر کا وجدان انہیں پہچان لیتا ہے۔"

"تو کیا کھٹول را کا ایجنٹ نہیں ہے؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔ ماں اور بھائی کے ذکر پر طاری ہونے والی رقت اس کے دل سے دور ہو چکی تھی۔

"وہ نہ جانے کیا کیا بنا ہوا ہوگا۔ اس کے ایک ایک پرت کو اتار کر تم آخر میں دیکھو گی تو تمہیں ہیروئن کا ایک گھناؤنا سوداگر نظر آئے گا جو پیسوں کے مول موت بانٹتا پھرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" غزالہ نے مغموم مسکراہٹ کے ساتھ پُرجوش انداز میں میرا ہاتھ دبایا "آج کے بعد میں اس بارے میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

"شاباش! جب تک مجھ میں ہمت اور حوصلہ ہے، مجھے ان مکروہ چہروں سے لڑنے دو۔ لڑتے لڑتے جس دن میں تھک گیا، انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر دستبردار ہو جاؤں گا اور اسی دن یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔"

"میں پورے صبر و استقامت سے اس مبارک دن کا انتظار کروں گی جب آپ اپنے دشمنوں کو بھول کر صرف اور صرف میرے بارے میں سوچنا شروع کریں گے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

غزالہ کی وہ ادا اس قدر سادہ مگر سحر انگیز تھی کہ میرا دورانِ خون یک لخت تیز ہو گیا لیکن خواب گاہ کا کھلا ہوا دروازہ میرے کسی حرارت آفریں اور منہ زور جذبے کی زنجیر بن گیا۔ میں اپنا سر جھکا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈرائنگ روم کی فضا میں بیئر کی تازہ بُو ظاہر کر رہی تھی کہ ویرا موقع پا کر دوبارہ اپنے پسندیدہ مشغلے سے فارغ ہو چکی تھی۔ اول خان بھی فون پر گفتگو ختم کر چکا تھا اور اس وقت پورے انہماک سے ویرا کی کوئی سنجیدہ تقریر سننے میں مصروف تھا۔

میں نے دور ہی سے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا تو ویرا ہنس پڑی "بے فکر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی راز و نیاز نہیں ہو رہے۔ تمہارا ہی ذکرِ خیر ہو رہا تھا۔"

"تم کہتی ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ تمہارے ذکر میں خیر کا عنصر کم ہی ہوتا ہے۔"

"کسی دن تم نے مجبور کر دیا تو اپنی شرپسندی کا ایسا کمال دکھاؤں گی کہ تم بس تلملا کر رہ جاؤ گے۔"

"پتا نہیں سامنے آنے کے بعد تم دونوں ایک دوسرے سے کیوں الجھنے لگتے ہو۔" اول خان نے صوفہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا "ابھی ویرا تمہارے لیے تعریفوں کے پُل باندھ رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم نے امریکا میں رہتے ہوئے اپنے تمام حریفوں کو ناک چنے چبوا دیے ہوں۔"

میں نے اس کی وہ بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم ابھی کسی سے بات کر رہے تھے۔ کھٹول کے بارے میں، کوئی خیر خبر ملی یا ابھی تک سناٹا ہی سناٹا ہے؟"

"وہ لوگ فیلڈ میں ہیں۔ ان کی طرف سے دفتر میں پیغامات ضرور آئے ہوں گے۔ جاؤں گا تو ان کا جائزہ لوں گا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو فون پر بتا دوں گا ورنہ شام کو واپسی پر ملاقات ہوگی۔"

اسے لفٹ میں الوداع کہہ کر میں پلٹا تو ویرا فلیٹ کے دروازے پر میری منتظر تھی۔

"ٹھنڈی بیئر پینے کا موڈ ہو تو میرے کمرے میں آجاؤ.... مزہ آجائے گا۔"

"تم موج کرو۔ مجھے دو چار دن الکحل سے دور ہی رہنے دو تو اچھا ہوگا۔"

وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں ہی لوٹ آیا۔ ویرا کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میری طبیعت پر بے چینی اور ندامت سی طاری ہونے لگی تھی۔ امریکا سے میں نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جب کہ وہ بے چارہ محض میری دوستی کی وجہ سے کئی بار شدید مالی اور جسمانی پریشانیوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

دوسری طرف سے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ادھر سے سلمٰی کی آواز سن کر میری روح فنا ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کہے بغیر فون بند کر دوں مگر میں وہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکا۔

"اوہو.... تو تم زندہ ہو۔ ہم دونوں تو سمجھ رہے تھے کہ تم غزالہ کو چھوڑ کر بہانے سے ویرا کو بھگا لے گئے ہو۔ وہ حرافہ ہر وقت تمہارے ساتھ چپکی رہنے کی کوششوں میں لگی رہتی ہے۔"

سلمٰی کے شکوے نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ گھر میں کسی نے مجھے اس سے رابطے کے بارے میں اطلاع نہیں دی

تھی۔ دوسری طرف وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، حقیقت پر مبنی تھا۔ اسے میرے اور ویرا کے جانے کی کہانی غزالہ یا سلطان شاہ سے ہی معلوم ہو سکتی تھی۔

"مجھے تم جیسی مہربان ہستیوں کی سوچ کا اندازہ تھا۔ میں اس کے ساتھ لوٹ آیا ہوں۔"

"کہاں کہاں مزے اڑاتے رہے؟ مجھے حیرت ہے کہ غزالہ نے تمہیں ایسی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

"بیویاں اپنے شوہروں کا مزاج دیکھ کر ڈھیل دیتی ہیں۔" میں نے شوخی سے کہا "غزالہ مجھ پر پورا اعتماد کرتی ہے اور تم دیکھ سکتی ہو کہ ہم آج بھی خوش و خرم ہیں۔"

"تم نے میرے پہلے سوال کا جواب گول کر دیا۔ ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے اسے کہاں کہاں کی سیر کرائی ہے۔"

"تمہارا اندازہ کیا کہتا ہے؟" مجھے ڈر تھا کہ کہیں اسے میرے صحیح پروگرام کا علم نہ ہو۔

"اندازے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ غزالہ نے بس اتنا بتایا تھا کہ تم ویرا کے ساتھ چند روز کے لیے مشرقِ بعید کی طرف نکل گئے ہو۔ ملکوں کے بارے میں وہ خود بے خبر تھی۔"

"اصل منزل بنکاک تھی پھر ذرا ہانگ کانگ بھی چلے گئے تھے۔" میں نے اطمینان سے کہہ ڈالا۔

"اوئی اللہ... یہ ویرا کی بچی کیا کرنے گئی تھی؟ میں نے تو سنا ہے کہ دنیا بھر میں صرف مرد ہی تفریح کے لیے بنکاک جاتے ہیں۔"

"سنی سنائی پر یقین مت کیا کرو۔ یہ بے پر کی خبر تمہارے میاں نے اڑائی ہوگی۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے بغیر تفریح کے عادی ہوتے ہیں وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایسی ہی افواہیں تراش لیتے ہیں۔ وہاں آنے والوں میں عورتوں کی مجموعی تعداد مردوں سے بس ذرا ہی کم ہوتی ہوگی۔ گرمیوں میں وہاں کے ریتیلے ساحل گوری میموں سے پٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

میرا جواب سنتے ہی وہ ہنسنے لگی تھی "تم جہانگیر کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ بنکاک کے بارے میں یہ غلط سلط باتیں انہوں نے ہی بتائی تھیں۔ وہاں سے تم کب واپس لوٹے؟"

"کل رات آیا تھا۔ اس وقت تمہیں فون کر رہا ہوں۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"بس فون ہی کر رہے ہو!" اس نے شکوہ کیا "ادھر کیوں نہیں آجاتے؟"

اس کی آواز میں رونما ہونے والی تبدیلی محسوس کر کے میں جزبز ہو کر رہ گیا "کسی وقت غزالہ کے ساتھ ضرور آؤں گا۔ تم دونوں کو دیکھے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔"

"ان کو دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔ آج کل دکان میں بیٹھ کر ہلکی سی توند نکل آئی ہے۔"

"تو کیا اس نے کوئی دھندا شروع کر ہی لیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بتاتے ہیں کہ دوائیں بیچ رہے ہیں۔ دارو پینے والا دوائیں بیچنے لگے تو تم سمجھ لو کہ مریضوں کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ بس ان کی دن بھر کی نوک جھوک سے نجات مل گئی ہے۔"

"اس کی دکان کا بھی چکر لگانا پڑے گا۔ کیا وہ وہیں گیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تیار ہو کر روز دس بجے گھر سے نکل جاتے ہیں اور نو بجے سے پہلے ہی واپس آجاتے ہیں۔ دن بھر مصروف رہنے کی وجہ سے پینا پلانا بھی کم ہو گیا ہے۔"

"تمہاری قدر بھی کرنے لگا ہوگا؟" میں نے احتیاط سے سوال کیا۔

"یہ کام ان کے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی آگئی "رات کو پینا شروع کرتے ہیں تو روز کسی نہ کسی خوب صورت عورت کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو ان کی دکان پر دوا لینے آئی ہو۔"

"مجبوری ہے۔ پچھلے برسوں میں تم سے لڑلڑ کر یہ اس کا مزاج بن گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں جلانے کے لیے اپنے دل سے ایسی کہانیاں گھڑ لیتا ہو....."

"میں ہر بار کچھ سوچ کر خاموش ہو جاتی ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی "میں نے ایک دن بھی گھر پر دودھ پہنچانے والے کی تعریف میں چند لفظ کہہ دیے تو وہ ناچ اٹھیں گے۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر مشورہ دیا "وہ تمہیں زندگی بھر اسی گوالے کے طعنے دیتا رہے گا اور تمہاری زندگی عذاب ہو کر رہ جائے گی۔"

"میں خاموش ہی رہتی ہوں مگر کب تک؟ میں بھی ان کی طرح انسان ہوں۔ کسی دن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو نتیجے کی پروا کیے بغیر ان کی طبیعت صاف کر دوں گی۔ دنیا بھر میں وہ تمہارے سوا کسی مرد کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے۔ میں نے بارہا ان کے سامنے تمہاری تعریفیں کی ہیں لیکن وہ ا...

ذرا بھی برا نہیں مانتے۔ خود بھی کھل کر میرا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اس کا یہی اعتبار مجھے بھٹکنے سے روکتا ہے اور تم سمجھتی ہو کہ میں تم سے دور بھاگتا ہوں۔" میں نے وہ نکتہ فوراً اپنی صفائی میں استعمال کرڈالا۔

"ٹھیک ہے۔" سلمیٰ فون پر ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں تمہارے ان بہانوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ جب تک دل چاہے' بے نیازی دکھاتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم میری بات سمجھ ہی لو گے۔"

"اس کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں رات کو دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے اس کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی سے خائف ہو کر فون بند کردیا۔

میرے لیے یہ بات باعثِ اطمینان تھی کہ سلمیٰ نے کسی پریشانی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کچھ لوگ ہمارے فلیٹ کی طرف ضرور متوجہ تھے لیکن اس بار میری وجہ سے جہانگیر میرے دشمنوں کا نشانہ بننے سے محفوظ تھا۔ کوئی مسئلہ کھڑا ہونے کی صورت میں اس کے گھر میں پناہ لی جاسکتی تھی۔

وہ دن کسی خاص واقعے کے بغیر دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ شام کو چار بجے ویرا کو اچانک بلیک ڈیڈ کا خیال آگیا۔ وہ فون پر اس کی خیریت جاننے کی خواہاں تھی۔

"اسپیکر فون موجود ہے۔ اس سے سی ایس ڈی بھی منسلک ہے۔ نمبر ملاؤ اور بات کرلو۔" میں نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

"تو کیا تم اس سے بات کرنے کے خواہش مند نہیں ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے کہ میری یا تمہاری خواہش پوری ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"کیوں؟ تمہارے خیال میں وہ غائب ہوچکا ہوگا؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اسے روپوش ہونے کا موقع مل گیا تو وہ خوش نصیب ہوگا ورنہ تمہاری موٹی سہیلی کے پھیلائے ہوئے فتور کے بعد اس کا قانون کے شکنجے میں پھنسنا ناگزیر نظر آرہا ہے۔"

"جینی نے ہمیں پہلے ہی اپنے عزائم سے آگاہ کردیا تھا۔ اگر بلیک ڈیڈ اس کے بیان کی وجہ سے پھنستا ہے تو اس کی اخلاقی ذمے داری ہم دونوں پر آتی ہے۔ ہمیں بلیک ڈیڈ کو بھی ہوشیار کردینا چاہیے تھا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ جینی کی کہانی میں بلیک ڈیڈ کا نام کہیں بھی نہیں آیا ہوگا۔"

"پھر بھی اس کے دہرائے ہوئے واقعات اس کی نشان دہی کریں گے۔ ہمارے ہر جرم کا کریڈٹ اپنے سر لینے کے چکر میں وہ دلدل میں غرق ہوچکا ہوگا۔"

"یہ اس کے مقدر کا چکر ہے۔ تم فون پر دیکھ لو۔ وہ نہ ہوا تو جوڈی سے بات ہوجائے گی۔"

"ایک بار اس لعنتی بڑھیا سے بھی بات کرہی لی جائے۔" ویرا فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

نیویارک میں وہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ صبح کے چھ سوا چھ بجے وہاں وہی لوگ بیدار ہوتے ہیں جنہیں ڈیوٹی کی کوئی مجبوری درپیش ہوتی ہے۔ متعدد گھنٹیوں کے بعد اسپیکر فون پر جوڈی کی کرخت اور جھٹکے دار آواز کسی کٹ کھنی بلی کی غراہٹوں سے مشابہ تھی۔

ویرا نے روزی برڈ کے نام سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نیند کے گہرے خمار کے باوجود بڑھیا کی آواز نرم پڑگئی۔

"بے بی! وہ بے چارہ تیزی سے دوڑتے دوڑتے اچانک منہ کے بل گر پڑا ہے۔ اس سے تمہاری بات نہیں ہوسکے گی۔ ہم سب اس کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اسے کچھ ہوا تو نیویارک کے لاکھوں کالے اپنے حقیقی باپ کے سائے سے محروم ہوکر یتیم ہوجائیں گے۔"

جوڈی کے ان پیچ دار مکالموں پر ویرا کے دیدے پھیل گئے۔ الفاظ کے گورکھ دھندے میں بلیک ڈیڈ کے ساتھ پیش آنے والے اصل واقعے کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا۔

"جوڈی! سلیس انگریزی میں بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ اسے کیا حادثہ پیش آیا ہے؟"

فون پر جوڈی نے کسی نامعلوم عورت کو چند انتہائی غلیظ گالیاں دیں پھر کہا "یہ حادثہ ٹیلی وژن پر جینی کے بیان کے بعد پیش آیا تھا۔ وہ خود کو کسی ویرا لائیڈ کی سہیلی بتارہی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے وہ بیان بہت غور سے سنا تھا کیونکہ جینی نے اس کے کئی کارنامے ویرا اور اس کے بوائے فرینڈ ڈینی کے کھاتے میں ڈال دیے تھے۔ بلیک ڈیڈ نے روپوشی کی تیاری کرتے ہوئے پورا بیان سنا تھا۔"

"رک کیوں گئیں؟ بات پوری کرو!" لائن پر سکوت طاری ہوتے ہی ویرا نے اسے ٹوکا۔

''اس نے خطرہ بھانپ لیا تھا۔ وہ اپنے دو وفاداروں کے ساتھ نکلا لیکن ٹائمز اسکوائر کی بھیڑ سے نکلنے سے پہلے ہی پولیس کے ایک اسپیشل اسکواڈ نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ گولیاں چلیں، مقابلہ ہوا لیکن بلیک ڈیڈ نہیں بچ سکا۔ اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔''

''ملنے جاؤ تو اس دلیر شخص کو میرا سلام پہنچا دینا۔ میں اس کے لیے اداس اور دل گرفتہ ہوگئی ہوں۔''

''ہم سب کا ایک ہی حال ہے بے بی!'' جوڈی کی آواز رقّت کی وجہ سے ڈراؤنی ہوگئی۔ ویرا نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کردیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ جینی کی وجہ سے وہاں سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔'' ویرا کو میرے اندیشوں کی تائید کرتے ہوئے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

''دعا کرو کہ تبدیلیوں کا یہ سلسلہ زیادہ دراز نہ ہو ورنہ نئے مصائب اٹھ کھڑے ہوں گے۔''

''بلیک ڈیڈ کی گرفتاری شاید تبدیلیوں کی آخری کڑی تھی۔ اس سے آگے کیا ہوگا؟''

''آئزک بیل بھی ابھی تک قید میں ہے۔ وہ شروع سے وہی باتیں کہتا چلا آرہا ہے جو جینی نے اب بتائی ہیں۔ اسے دوبارہ اہمیت ملنے کا امکان ہے۔''

''ہا.... آں!'' ویرا نے سوچتے ہوئے کہا ''اہمیت اس کے بیانات کو ملے گی۔ اسے مر کر بھی اپنا کھویا ہوا مقام نہیں مل سکتا۔ سی آئی اے والے سی ون تھرٹی کا حساب بے باق کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اب یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ گیپ کے کاغذ اس کی تحویل سے نکل کر پاکستان پہنچ چکے ہیں۔ یہ دونوں جرائم اس کی زندگی تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ واشنگٹن والے رازداریوں کے معاملے میں بہت سفاکی سے فیصلے کرتے ہیں۔''

''امریکا میں جنم لینے والی تبدیلیوں کی یہ لہر جلد ہی پاکستان کا رخ کرے گی۔'' میں نے سگریٹ کا کش لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا ''آنے والے دن ہنگامہ خیز ثابت ہوسکتے ہیں۔''

''ساری اہمیت وقت کی ہے۔ صحیح فیصلہ وہی ہوتا ہے جو بروقت کیا جائے۔ بلیک ڈیڈ نے وقت گزر جانے کے بعد فیصلہ کیا اور اب وہ گردش میں ہے۔ ہمیں آنے والے دنوں کے لیے ابھی سے تیار رہو جانا چاہیے۔''

''آج رات ٹھنڈے دل سے ایک بار پھر ہر اونچ نیچ پر غور کرلو۔ تجویز میں کوئی خرابی سامنے نہ آئی تو ہم کل یہ فلیٹ ضرور چھوڑ دیں گے۔ یہ واقعی مخدوش ہوچکا ہے۔''

''مجھے تو اس وقت بھی یہ محسوس ہورہا ہے جیسے ہم کسی آتش فشاں کے دہانے میں بیٹھے ہوں۔ کھٹومل کا معاملہ میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔ پتا نہیں اول خان کے آدمی کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔''

سوا پانچ بجے تک اول خان کی طرف سے فون نہیں آیا لیکن وہ خود آپہنچا اور میرے اعصاب پر بڑھتا ہوا دباؤ بڑی حد تک کم ہوگیا۔ ہمیں اس سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس نے ہمارے چہروں سے اندازہ لگالیا کہ انتظار کی شدت سے ہمارے اعصاب چیخ رہے تھے۔

''کھٹومل کی طرف سے کسی قسم کا فوری خطرہ درپیش نہیں ہے۔'' اس نے بتایا ''وہ اپنے گھر میں موجود ہے اور اس کے مکان کے لان پر ایک پُرتکلف ضیافت کا اہتمام ہورہا ہے جس میں موسیقی کے پروگرام کے بعد یا شاید وقفے میں طعام کا بندوبست بھی شامل ہے۔''

میں نے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلکیاں نظر آئیں۔ اگر کھٹومل اس رات کسی بڑی محفلِ راگ ورنگ کی میزبانی میں مصروف تھا تو ہم چین کی نیند سو سکتے تھے۔

''یہ واقعی اہم اطلاع ہے۔'' ویرا اول خان سے کہہ رہی تھی ''اس کے گھر میں کوئی تقریب ہورہی ہے تو اس کی داغ بیل کئی دن پہلے ڈالی گئی ہوگی۔ ہمارے لیے وہ اپنی اس تقریب کو خراب نہیں کرے گا۔ اسے کچھ کرنا ہی ہے تو وہ آج کے بعد کسی بھی وقت سامنے آجائے گا۔''

''وہ کہیں دہشت گردی کرنے کے لیے اسے خود میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے پاس تجربے کار آدمیوں کی ایک ٹیم موجود ہے۔'' اول خان نے اسے یاد دلایا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

''سیدھی سی بات ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہے تو آج رات بھی کرسکتا ہے۔ وہ خود راگ ورنگ کی محفل سجائے بیٹھا رہے گا۔ اس کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے۔'' وہ بولا۔

''تمہارے آدمیوں نے سارا دن گزار کر یہی دو باتیں

معلوم نہیں کی ہوں گی۔“ میں نے ان کی گفتگو میں پہلی بار دخل انداز ہوتے ہوئے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

”بہت سی باتیں ہیں۔ میں نے ابھی صرف اہم ترین نکتہ بتایا ہے....“

”اس کی آج کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھنے کی کوشش کی گئی ہوگی؟“

”اس نے سارا دن اپنے گھر پر گزارا ہے۔ اس کے تینوں فون بھی مانیٹر کیے جاتے رہے ہیں۔ اس نے کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بنا پر اسے مشتبہ قرار دیا جاسکے۔“

”میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ اس کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ ہم آج کی رات سکون سے گزار سکیں گے۔ جو کچھ ہونا ہے‘ کل دن کے اجالے میں ہی ہوگا۔“

”سکون کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بالکل ہی غافل ہوجائیں۔ ہمیں چوکنّا رہنا ہوگا۔ میں نے اپنے چار بہترین آدمی اس عمارت کے آس پاس مامور کردیے ہیں۔ ان کی نظروں سے بچ کر کوئی بھی مشکوک آدمی تمہارے فلیٹ تک نہیں پہنچ سکے گا۔“

”ایسی نگرانی کسی مکان کے لئے مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔ ان کثیرالمنزلہ فلیٹوں میں آنے والے ہر شخص پر نظر رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ کوئی بھی کہیں سے اندر آسکتا ہے۔“ ویرا بولی۔

”آنے والے صرف اسی صورت میں چور راستہ اختیار کریں گے جب انہیں یہ معلوم ہو کہ یہاں نگرانی کا کوئی سخت بندوبست کیا گیا ہے۔ عام راستے سے آنے والے مکین کو چوکیدار پہچانتے ہیں۔ ملاقاتیوں کو اوپر آنے کی اجازت دینے سے پہلے متعلقہ مہمان سے چوکیدار انٹرکام پر تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی نیا آدمی لفٹ یا زینے کا رخ کرسکتا ہے۔“ اول خان نے اسے بتایا۔

”پھر روک تھام ہوسکتی ہے۔“ ویرا مطمئن ہوگئی ”شہر کی پرانی عمارتوں میں تو میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس کا دل چاہے وہ عمارت میں گھس جاتا ہے۔“

”شہر میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے بہت سے متمول لوگوں نے اپنے الگ تھلگ مکانوں کو چھوڑ کر نئے فلیٹوں میں سکونت اختیار کرنی شروع کردی ہے جہاں انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ بے فکری سے پاؤں پسار کر سو سکیں گے۔“ اول خان نے دردمندی سے کہا ”کیسے دکھ کی بات ہے کہ آج یہاں لوگ خود کو اپنے گھروں میں بھی محفوظ تصور نہیں کرتے۔“

”یہ مسائل ہر بڑے شہر میں تیزی سے ابھر رہے ہیں۔“ ویرا شاید کھٹومل اور اس کے غنڈوں کی طرف سے مطمئن ہوچکی تھی اس لیے پوری یکسوئی سے اس سنگین عمرانی مسئلے پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہوگئی ”جدید حفاظتی انتظامات کے باوجود فلیٹوں میں بھی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن ان کا تناسب خاصا کم ہے۔ شاید اسی لیے ہم یہاں موجود ہیں۔“

”یہ رموز و نکات ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو ان مسائل کے حل کے ذمے دار ہیں۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مشورہ دیا ”اس وقت یہ دیکھو کہ ہمارے مسائل کیا ہیں۔“

”کم از کم آج کی رات کوئی مسئلہ سامنے آنے کی امید نہیں ہے....“

میں اس کی بات کاٹ کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ”تم کھٹومل کے بارے میں مزید کچھ معلومات کا ذکر کررہے تھے۔ ذرا ان پر بھی بات ہوجائے۔“

”کھٹومل بھی بیشتر جاگیرداروں سے مختلف نہیں ہے۔ اس نے غنڈوں کی فوج پالی ہوئی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان غنڈوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منشیات فروشی کے حوالے سے بدنام ماضی رکھتے ہیں اور آج بھی مشتبہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔“

”اس کی پشاور آمدورفت کے بارے میں معلوم ہوتے ہی میں کھٹکا تھا۔ آزاد سرحدی پٹی میں ہیروئن کے چھوٹے بڑے سودے کرنے والوں کا پہلا پڑاؤ پشاور میں ہی ہوتا ہے۔“

”اس کے باوجود کھٹومل کا ریکارڈ بالکل بے داغ ہے۔“ اول خان نے زور دے کر کہا ”آج تک اس کا کوئی آدمی کسی چکر میں گرفتار نہیں ہوا۔ وہ ہر کام خاموشی سے کر گزرتا ہے۔“

”جب ولی جان اور شنکر رائے جیسے بے ضمیر افسر کسی مجرم کے زرخرید غلام بن جائیں تو کوئی اسے انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔“ ویرا نے تلخ لہجے میں تبصرہ کیا ”تیسری دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ جواب دہی کے تصور سے عاری افسر شاہی کو ہر ملک میں من مانی کرنے کی پوری آزادی ہے۔“

"اس کے باوجود ان کی صفوں میں اول خان جیسے ایمان دار اور بے لوث لوگ موجود ہیں۔"

"یہ ہر شخص کے اپنے ضمیر اور اپنے اصول کا معاملہ ہوتا ہے۔ اول خان چاہے تو اسے کون بد عنوانیوں سے روک سکے گا؟ ایس ٹی ایف کے نشانے پر آیا ہوا ہر شخص فراخ دلی سے اپنی تجوریوں کے منہ کھولنے کی پیشکش ضرور کرتا ہوگا۔"

"اول خان کی توہین نہ کرو۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے تادیب کی "وہ افسر ہے اور نہ افسر شاہی سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ ایس ٹی ایف والے تو مجھے کسی الگ تھلگ اور انوکھی برادری کے فرزند معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان بے اختیار ہنس پڑا۔ "ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہمارا کس کھاتے میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور وقت پر ہمیں تنخواہیں مل جاتی ہیں۔ کاغذوں کو دیکھو تو ان پر ہمارا کوئی سراغ نہیں ملتا۔"

"اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے پچھلے چند برسوں میں تمہاری فورس کی راز داری مجروح ہوئی ہے۔ پاکستان میں شاید کم لوگوں کو تمہارے بارے میں علم ہوگا لیکن ہر دشمن یہ جاننے لگا ہے کہ ادھر کا رخ کرتے ہی اسے سب سے پہلے تمہاری فورس سے تصادم مول لینا پڑے گا۔"

"ایک ادارے کے طور پر فورس کی یہی شہرت ہے۔" اس نے اعتراف کیا "مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ فورس کی کارکردگی کا شہرہ صرف میرے یونٹ کی کامیابیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ کامیابیاں میں نے اسی وقت حاصل کرنی شروع کیں جب ڈینی نے ہمارا رخ کیا۔ ہماری بیشتر مہمات میں سے ڈینی کی کامیابیاں حذف کر دی جائیں تو ہم بہت پیچھے نظر آئیں گے۔"

"میرا نہیں، سب کا نام لو۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "ان کامیابیوں میں ہم پانچوں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ رہے ہیں۔ غزالہ کا کردار محدود رہا ہے لیکن وقت پڑنے پر اس نے بھی کمال کی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ صرف میرا نام لے کر تم سب کی حق تلفی کر رہے ہو۔"

"دراصل تمہارا نام ہی اس پوری ٹیم کی شناخت بنا ہوا ہے۔ کوئی بھی جب تمہاری بات کرتا ہے تو اس کے ذہن میں تمہارا اور تمہارے گروہ کا تصور ہوتا ہے۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم دو عورتوں اور صرف ایک مرد کے ساتھ یہ کامیابیاں حاصل کرتے ہو۔"

"ہماری کامیابی کی بنیادی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ ہم گنتی کے چند افراد ہیں جو ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ یہ تعداد زیادہ ہوتی تو مسائل بڑھ سکتے تھے۔" اول خان کے جواب میں سلطان شاہ نے ہلکے سے فخر کے ساتھ کہا "ہم میں سے ہر ایک ڈینی کو اپنا بڑا تسلیم کرتا ہے۔"

"تم سب ڈینی کے ڈھول پیٹتے رہو، میں اسے نہیں مانتی۔" وہ گفتگو واقعی ستائش سے کچھ تجاوز کر گئی تھی اس پر ویرا کا بھڑکنا قدرتی امر تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "ڈینی بھی فاش غلطیاں کرتا رہا ہے اور ہم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کامیابی کا سبب صرف اتنا ہے کہ ڈینی انا کے چکر میں پڑے بغیر ہر معقول مشورہ مان لیتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ اپنی پیش بینی کی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود کئی بار مار کھا چکا ہوتا۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔" میں نے اسے یقین دلایا "اب یہ ذکر ختم ہو جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کھٹومل کے خلاف صف آرا ہونے تک ہمارے درمیان اختلافات کی دراڑیں پڑ چکی ہوں۔"

"کھلے دل سے بات کرنے کی اجازت اور سننے کا حوصلہ ہو تو کبھی اختلاف رونما نہیں ہوتے۔" اول خان نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا۔ "آج کا دن میں نے کافی مصروف گزارا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

اسی وقت غزالہ اس کے اور ہمارے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے آموجود ہوئی۔

"میں چائے نہیں پیوں گی۔" ویرا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی "میری پیالی تم لے لو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا پی رہی ہو۔" سلطان شاہ نے سر ہلا کر کہا "اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے تم اس بُو کو قید نہیں کر سکتیں جو پورے گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" ویرا آنکھیں نکال کر اس پر برس پڑی "تمہیں میرے کمرے کی ٹوہ میں لگے رہنے کے سوا کیا کوئی اور کام نہیں ہے؟"

"تمہارے کرتوتوں سے واقفیت کے لیے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اشتہاری بھبکے ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تینوں شریف آدمی خاموش رہتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ

انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔۔۔"
ویرا اس کی پوری بات سنے بغیر غصے میں ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔
"بری بات ہے۔" میں نے ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ کو ملامت کی "ہر ایک اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے لیکن بھری محفل میں نجی مشاغل پر یوں طعنہ زنی مناسب نہیں ہوتی۔ اب وہ تم سے کئی روز تک ناراض رہے گی۔"
"وہ امریکا میں گزارے ہوئے دنوں سے اس قدر بیزار ہے کہ اب ہم میں سے کسی سے ناراض نہیں ہوسکتی۔ تم دیکھ لینا کہ کھانے کی میز پر وہ ہر بات بھول چکی ہوگی۔"
"تھوڑی دیر بعد اول خان واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے ہمیں یہ بتا دیا تھا کہ فلیٹ کی بیرونی حفاظت پر مامور کیے ہوئے اس کے آدمی ہم چاروں کو انفرادی طور پر پہچانتے تھے اور کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر ببر کے حوالے سے ہم سے رجوع کرسکتے تھے۔
سلطان شاہ متوقع حالات کے پیشِ نظر سارے ہتھیار سمیٹ کر اپنے کمرے میں لے گیا تاکہ دیکھ بھال کے ساتھ ان کی صفائی کرسکے۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح برتن سمیٹنے میں مصروف تھی۔
"اجازت ہو تو کچھ دیر ویرا کے ساتھ بیٹھ لوں؟" میں نے خاموشی سے کچن میں داخل ہو کر غزالہ کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔
وہ تیزی سے پلٹی تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں شوخی تیر رہی تھی "خیریت تو ہے؟ کیا آج آپ کی طبیعت ناساز ہے؟"
"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"
"میں کبھی روک ٹوک کرتی ہوں نہ آپ کبھی مجھ سے اجازت لیتے ہیں پھر آج یہ خیال کیسے آگیا؟" اس نے مسکرا کر ایک ادا کے ساتھ سوال کیا۔
"تمہاری باتوں کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ مجھے تمہاری کسی دل آزاری کے اندیشے سے خوف آنے لگا ہے۔" میں نے پوری ایمان داری سے سچ بات کہہ ڈالی۔
"میری طرف سے ہر بدگمانی اپنے دل سے نکال دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا آپ کو جیسی کمپنی دیتی ہے وہ میرے بس سے باہر ہے۔ جس دن مجھ سے یہ باتیں برداشت نہ ہوئیں، میں خود پورے لوازم کے ساتھ آپ کے شوق کا ساتھ دوں گی۔"
میدان صاف تھا۔ میں نے اس کی نکھری ہوئی، سادہ سوچ پر بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔
میں دستک دے کر ویرا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں کے پردے کھینچے، دیوار گیر بلب کی مدھم اور خواب ناک روشنی میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ قالین پر بیئر کے کئی خالی کین لڑھکے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے دن کی ابتدا بیئر سے کی تھی لیکن غروبِ آفتاب کے استقبال کے لیے اپنے کمرے میں رات کا سماں پیدا کر کے وہ مشروب بدل چکی تھی۔ گلاس میں اس وقت اسکاچ موجود تھی۔
مجھے دیکھ کر اس نے اپنے قریب قالین پر رکھا ہوا کیسٹ ریکارڈر آن کردیا۔ کمرے میں بہت دھیمی آواز میں منی بیگم کے غزلیاتی سُر گونجے تو میں ویرا کے اس ذوق پر حیران رہ گیا۔
"تم ایلوس پریسلے اور مائیکل جیکسن کے بجائے منی بیگم کی غزلیں سن رہی ہو!"
"بول سمجھنے کی استطاعت ہو تو یہ شاعری نشے کو دو آتشہ کردیتی ہے۔ کہو تو تمہارے لیے بھی نکالوں؟" میری رضا مندی سے پہلے ہی اس نے بوتل اٹھالی۔
"یہ میرا پہلا اور آخری گلاس ہوگا۔" میں نے اسے آگاہ کیا "میں تمہیں یہ مشورہ دینے آیا تھا کہ تم بھی قناعت سے کام لو۔ آج کی رات ہم پر بھاری پڑسکتی ہے۔"
"کھل کر ہر بات کرلی گئی تھی۔" اس نے چونک کر کہا۔ "اب یہ کون سا نیا فتور تمہارے ذہن میں آرہا ہے؟"
"انسان کا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ رات سکون سے گزر جائے لیکن ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ آج کچھ ہو ہی جائے۔"
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہیں اول خان کی دی ہوئی اطلاعات پر بھروسا نہیں ہے۔"
"پورا بھروسا ہے۔ اس نے محدود وسائل پر انحصار کیا تھا۔ کھٹومل یہ جانتا ہے کہ بات چیت کے لیے عام فون محفوظ نہیں ہوتے۔ اگر اس نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دی ہوں تو کیا ہوگا۔"
"ہر اچھی سہولت اپنے ساتھ کچھ مشکلات بھی لے کر آتی ہے۔" وہ نیا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں بولی "سنا ہے کہ اس سسٹم پر ہونے والی گفتگو کہیں

نہیں پکڑی جاسکتی۔"
"میں اسی خطرے کی نشان دہی کر رہا ہوں۔ باہر اول خان کے آدمیوں کی موجودگی کے باوجود ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ یہ صرف ایک رات کی بات ہے۔ کل ہم کسی نئے ٹھکانے پر ہوں گے۔ تم وہاں دل کھول کر اپنے سارے شوق پورے کرلینا۔"
اس نے اپنے نیم لبریز گلاس میں مزید اسکاچ اور برف ڈالتے ہوئے کہا "پھر اسے میرا بھی آخری گلاس سمجھو۔ کبھی کبھی تم مجھے خوف زدہ کردیتے ہو۔"
ویرا اس وقت سرور کے عالم میں تھی۔ میں اسے متوقع خطرے کا احساس نہ دلاتا تو شاید اس کا ذہن ہلکے پھلکے رومان کی دھند میں ڈوبتا چلا جاتا۔ میری طرف سے لگام لگنے کے بعد اس کا ذہن کھٹولی کی طرف بھٹک گیا۔ وہ نیا نام سامنے آتے ہی ہمارے لیے مشکلات کا سبب بن گیا تھا۔
رات کے کھانے پر ہم چاروں خاموش اور پُرسکون تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے دعوے کے عین مطابق ویرا اس کی شام والی گستاخی کو بالکل بھول چکی تھی۔
"ہم سب اتنے خاموش کیوں ہیں۔" ویرا نے چٹپٹے کوفتوں کا ایک لقمہ لیتے ہوئے تعجب سے پوچھا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم کسی کی تدفین سے واپس آکر روٹی کھا رہے ہوں۔"
"تم بولتی رہو تو سب بولتے رہیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا "اس وقت تم ہی میرِ محفل ہو۔"
تشویش اور فکر مندی کا سب سے پہلا ایندھن انسان کی خوش مزاجی بنتی ہے۔ انفرادی کوششوں کے باوجود فلیٹ کی فضا میں چھایا ہوا بوجھل پن دور نہ ہوسکا۔
"سوگواری کے ساتھ ایک دوسرے کے منہ تکنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے اپنے بستروں میں آرام کریں۔" کھانے کے بعد میز پر اپنی پہلی سگریٹ ختم کرنے کے بعد ویرا نے تجویز پیش کی جسے سب نے قبول کرلیا۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اعصاب پر بے چینی سی طاری ہوئے چلی جارہی تھی۔ سلطان شاہ نے ہم چاروں میں ہتھیار تقسیم کردیے تاکہ ضرورت پیش آنے پر افراتفری پیدا نہ ہو۔ ویرا ہیم گن بھی اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھی مگر وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی پھر ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔
دس بجے فون کی گھنٹی بجی تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میں نے ریسیور اٹھالیا۔
دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "آج کی رات کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں.... پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے دو مشکوک گاڑیاں تمہارے قرب و جوار میں دیکھی جارہی ہیں۔"
"گڈ! یہ بات تسلی بخش ہے کہ تمہارے آدمی ان کی موجودگی سے باخبر ہیں۔ ہم بھی کسی بری گھڑی کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔"
"ابھی تک ان میں سے کوئی گاڑی سے نہیں اترا۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ چکر لگا کر جائزہ لے رہے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ رات گہری ہونے کے بعد ہی کوئی کارروائی کریں گے۔"
"ہمارا علاقہ خاصا بارونق ہے۔ یہاں رات کی ویرانی ذرا دیر ہی سے دکھائی دیتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ایسے موقع کی تلاش میں ہیں تو انہیں رات کے دو ڈھائی بجے تک انتظار کرنا ہوگا۔"
"اگر وہ پیشہ ور ہیں تو اتنا لمبا انتظار نہیں کریں گے۔ خوف و ہراس پھیلانے کے لیے کہیں بھی دو چار فائر کریں گے اور ذرا سی دیر میں ہر طرف سناٹا ہوجائے گا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چاروں آدمیوں کے پاس کوئی ٹرانسمٹر وغیرہ نہیں ہے جس پر ان سے مسلسل رابطہ رہ سکے۔ ان کی طرف سے ابھی ابھی فون پر یہ رپورٹ ملی ہے۔ میں بندوبست کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی کارروائی شروع ہوجائے۔ تم کو بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہے۔ میں خود بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"
اول خان کی طرف سے وہ اطلاع ملتے ہی میرے وجود پر چھایا ہوا بے نام اضطراب یکایک کہیں جا سویا تھا۔ ویرا نے اپنی عادت کے برعکس ایکسٹینشن اٹھا کر کال میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میری خواب گاہ کے دروازے پر دستک دے کر سلطان شاہ کے ساتھ وہیں آگئی تھی۔
میں نے باری باری ان کے گمبھیر چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے اول خان سے کہا "اگر تم ادھر آرہے ہو تو پھر ہم نیچے ہی تمہارا انتظار کریں گے۔ یہ رات...."
"نہیں!" اول خان فون پر بے ساختہ چیخ پڑا "تم میں سے کوئی بھی فلیٹ سے باہر قدم نہیں نکالے گا۔ دونوں

گاڑیوں میں دس بارہ بدمعاش بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں تم میں سے کسی کے بدن پر خراش بھی آئی تو میں اپنی ناقص منصوبہ بندی پر خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سکون سے کہا "میں بہت سوچ سمجھ کر بات کررہا ہوں۔ وہ لوگ آہی گئے ہیں تو تمہارے مسلح آدمی ان سے نمٹ لیں گے۔ وہ کسی طرح فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں میدان خالی ملے گا۔"

"اور تم چاروں کھلے آسمان تلے میرا انتظار کرتے رہو گے۔" وہ میری بات کاٹ کے بے صبری سے بول پڑا۔

"پوری بات سن لو۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ ہم اپنا گھر چھوڑ کر اسی وقت کھٹومل کے گھر پر دھاوا بولیں گے اور اس کی محفلِ عیش ونشاط کو تہس نہس کردیں گے۔"

اچانک فضا میں مسلسل تین فائروں کی بھیانک آواز گونج اٹھی۔

"لو! وہ شاید تمہارے اندیشوں سے باخبر ہوگئے ہیں۔ باہر تین فائر ہوئے ہیں۔" میں نے کہا۔

باہر ایک مرتبہ پھر وقفے وقفے سے گولیاں چلیں۔ وہ بھی تین فائر تھے۔ دور ہوتی ہوئی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس بار چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کیے گئے تھے۔

"فائرنگ کی آوازیں مسلسل آرہی ہیں۔" اول خان کی آواز پُر تشویش تھی "اب باہر مت نکلنا۔ خطرہ ٹل جانے کے بعد میں خود کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کروں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے بگڑ کر کہا "ہم میں سے کوئی بھی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ بڑھ کر انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوگیا ہے۔ ابھی وہ شاید صرف خوف و ہراس پھیلا رہے ہیں تاکہ ان کی کارروائی کے لیے میدان صاف ہوسکے۔ ہم ان کے لوٹنے سے پہلے کھٹومل کی طرف نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں افراتفری پھیلائیں گے۔ یہاں پھنس گئے تو تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر انہیں مزہ چکھادیں گے۔"

"تمہارے سر پر خون سوار ہوجاتا ہے تو تم کسی کی نہیں سنتے۔" اول خان کی آواز میں غصے اور بے بسی کا امتزاج تھا۔ "کھٹومل کے گھر ایک بڑا اجتماع ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی روندے جائیں گے۔ وہ خود تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

"اس غدار سے میل جول رکھنے اور اس کی محفلیں سجانے والے ایک مرتبہ روندے گئے تو دوبارہ اس کے گھر کا رخ نہیں کریں گے۔ مجھے ان سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے سر پر کسی قسم کا خون یا جنون سوار نہیں ہوا۔ میں بالکل نارمل ہوں۔ باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اب تم بھی نکل آؤ۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے دشمنوں نے باہر فائرنگ کرکے خود ہی اپنا کام دشوار بنالیا تھا۔ وہ شہر کا حساس اور اہم علاقہ تھا۔ وہاں فائرنگ ہوتے ہی پولیس کی بھاری نفری کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ پولیس کے گشت اور مستعدی میں اضافے کے بعد کوئی کارروائی آسان ثابت نہیں ہوسکتی تھی۔

ہمارے پاس ہتھیار تیار تھے۔ ان کے بغیر باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ گو باہر فائرنگ کا شور ہر ایک کے کانوں تک پہنچ چکا ہوگا لیکن پھر بھی ہم کھلے ہتھیاروں کے ساتھ باہر نکل کر خود کو تماشا نہیں بنا سکتے تھے۔ دیکھنے والے اجنبی خود ہم کو دہشت گرد یا تخریب کار سمجھ سکتے تھے۔

اپنے اپنے ہتھیاروں کو کپڑوں میں چھپانے اور جوتے وغیرہ پہننے میں ہمیں مشکل سے چند منٹ لگے۔ سونے کے لیے کپڑے کسی نے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہم چاروں ذرا سی دیر میں فلیٹ سے باہر تھے۔ انفرادی روشنیوں وغیرہ کو بند کرنے کے بجائے میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے مین سوئچ ہی آف کردیا۔

لفٹ نے اپنی جگہ سے ذرا سی جنبش کی ہی تھی کہ فضا اس بار کسی خودکار ہتھیار کے خوفناک برسٹ سے لرز اٹھی۔ اسی کے ساتھ دل کو دہلا دینے والا ایک دھماکا ہوا اور ہر سو تاریکی پھیلنے کے ساتھ ہی لفٹ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

ہمارے دشمنوں نے انتظار کا خطرہ مول لیے بغیر بہت تیزی دکھائی تھی اور برسٹ مار کر شاید اس ٹرانسفارمر کو اڑا دیا تھا جس سے ہماری بلڈنگ کو بجلی فراہم کی جاتی تھی۔

دشمن کھلی فضا میں آزادی سے دندناتے اور اپنی من مانیاں کرتے پھر رہے تھے، ہم بجلی کے تعطل کی وجہ سے درمیان میں پھنسی ہوئی لفٹ میں قید ہوگئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ٹھکانے لگا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنا لیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا نامی بدمعاش ہمارا زخمی قیدی تھا۔ وہ ایک اعصاب شکن مقابلہ تھا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان ' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ڈیرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کر لی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مر گیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہو گیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آ گیا۔ میری دانست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی ' راس المیڈا کا آدمی ہو گا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیر سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے باز پرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرا دیا جو دو مہمل الفاظ ' نیلو رہا میے پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوا لیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آ گیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رہا میے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتے ہیں ' اس کا قصہ جلد پاک ہو جانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر ' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو گئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہو گا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جا سکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے منطقے میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کر کے چپ برآمد کر کے تباہ کر دیا۔ نیلو رہا میے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کر لیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کر لیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہو گئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کر کے ہمیں اضطراب میں مبتلا کر دیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کر دیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کر لیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوا لیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں باز پرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے اپریس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بخشل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بخشل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بخشل اٹھوا لیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کر دے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غ۔ بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کر دیا جس پر ۔۔ کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ بخشل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کر دیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بخشل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہو گیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جا رہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہو گیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیر لیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کر سکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لیے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کر لے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی ' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کر کے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آ رہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کر دیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہو گیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لا کر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلا دی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کر دیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کر کے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہو گئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کر لیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہو گئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت

میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگمس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگمس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروارہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس الیمڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلا دھڑک مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفارمر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ شنکر رائے نامی انفارمر کو ہم اسٹیشن فور لے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کھنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بارسوخ جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا نے میری حوالگی کا مطالبہ کردیا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ میں نے کھنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے ٹرانسفارمر تباہ کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہو کر رہ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم نے کراچی میں حالات کے حد سے زیادہ بڑھتے ہوئے دباؤ اور مہلک خطرات کے پیشِ نظر اپنے پرانے ٹھکانے کو فوری طور پر خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُن دنوں شہر کے حالات اتنے خراب نہیں تھے لیکن ہم لوگوں کی سلامتی کو دشمنوں کی طرف سے بھیانک خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اس صورتِ حال میں ہمارے لیے پسند اور ناپسند کی بہت زیادہ آزادی میسر نہیں تھی۔ سارا زور صرف اپنے

تحفظ پر تھا۔

ایسی مجبوری کے عالم میں نادرہ غنی کا وہ سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ ہمیں ایک غیر مترقبہ نعمت سے کم نہیں نظر آیا تھا۔ نادرہ کھلے دل اور اچھے ذوق کی مالک، ایک پُرکشش خاتون تھی۔ اس سے معاملات طے کرتے ہوئے میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس عمارت میں بجلی کی فراہمی میں کوئی تعطل پیدا ہونے کی صورت میں کیا متبادل انتظام تھا۔

ٹرانسفارمر اُڑنے کے خوف ناک دھماکے کے بعد لفٹ رک گئی تھی۔ ہم چاروں اس تاریک اور ساکن لفٹ میں محبوس تھے۔ ہر طرف اندھیرا پھیل جانے کے باوجود فضا میں دھواں دھار فائرنگ کا زہرہ گداز شور گونج رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کلفٹن کے اس رہائشی اور تجارتی علاقے میں یکایک مسلح درندوں کا کوئی غول گھس آیا ہو۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ چند منٹ قبل آنے والی، اول خان کی فون کال نے یہ بات کسی شک و شبے کے بغیر ثابت کر دی تھی کہ آنے والے محض ہم لوگوں کے لہو کے پیاسے تھے اور اپنی راہ میں آجانے والی ہر رکاوٹ کو گرا کر اس رات ہم تک پہنچنے کا عزم لے کر آئے تھے۔

ان کی مسلسل اور بھاری فائرنگ کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ قتل عام کا ارادہ لے کر نہیں آئے تھے۔ ہر طرف اندھا دھند گولیاں برسا کر وہ خوف و ہراس کی ایسی فضا تیار کر رہے تھے کہ کوئی بھی اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق ان کی نفری خاصی زیادہ تھی۔ شاید کچھ لوگ باہر پھیل کر بارود کی حفاظتی چھتری فراہم کر رہے تھے اور چند افراد کی ٹولی اس بالادستی کا فائدہ اٹھا کر ہماری تلاش میں عمارت میں داخل ہونے والی تھی۔

میری یادداشت کے کسی خانے میں یہ گمان نہیں ابھر سکا کہ ہماری عمارت میں بجلی کی متبادل فراہمی کے لیے کسی ایمرجنسی جنریٹر کا انتظام تھا۔ وہ بجلی کی کوئی معمولی سی خرابی نہیں تھی۔ زبردست دھماکوں کے ساتھ برقی تنصیبات کی تباہی کے بعد ہمیں نہ جانے کتنی دیر تک اس اندھیری لفٹ میں بند رہنا تھا جہاں ہوا کا گزر بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ چھت میں لگا ہوا اکلوتا پنکھا بجلی سے چلتا تھا۔ اس کے بند ہونے کے نتیجے میں ہم زیادہ دیر تک پُرسکون نہیں رہ سکتے تھے۔

میں نے اول خان سے اس خوں ریز ماحول میں باہر ملنے کا ایک طرفہ وعدہ کر ڈالا تھا مگر حالات پاؤں کی زنجیر بن چکے تھے۔ اس چنگل سے نکلنے اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے لفٹ کا دروازہ توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کی جاتی۔

"آج یہ علاقہ خون میں نہا جائے گا۔" اندھیرے میں دیبا کی پُرتشویش بڑبڑاہٹ سنائی دی "بڑے بور کے خود کار ہتھیاروں سے اندھا دھند گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔"

"ہم بہت بری طرح پھنسے ہیں.... اس منحوس لفٹ میں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔" وہ آواز سلطان شاہ کی تھی۔

"خاموش رہو!" غزالہ نے سرگوشی کی "اوپر آنے کے لیے وہ لوگ زینے استعمال کریں گے۔ ہماری ذرا سی بھی آواز ان کے کانوں میں پڑ گئی تو وہ ہمیں یہیں بھون ڈالیں گے۔"

میں گھور اندھیرے میں سنبھلتا ہوا لفٹ کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ ذہن پر ذرا سا زور دینے پر مجھے یاد آگیا تھا کہ لفٹ کا دروازہ بائیں سے داہنی جانب سرک کر بند ہوتا تھا اور یقینی طور پر اسی طرف کسی مضبوط آہنی کنڈے میں پھنس کر اس برقی سوئچ کو فعال بناتا تھا جس کے بعد ہی لفٹ کو اوپر یا نیچے کی طرف لے جایا جا سکتا تھا۔

میں نے لفٹ کی دیوار اور دروازے کے دائیں طرف والے گوشے میں، چھت کے بالکل قریب بیم گن کی نال نکائی اور ٹریگر دبا کر اسے بہت تیزی کے ساتھ فرش کی طرف لیتا چلا آیا۔

لفٹ میں چھائی ہوئی گہری تاریکی میں ذرا سی دیر کے لیے بیم گن کے نوزل سے نکلنے والی مہلک نیلگوں شعاعوں کی بہت محدود سی روشنی پھیلی اور ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ ختم ہوتے ہی مدھم سا نیلا نیلا اجالا یک لخت معدوم ہو گیا۔

فلور سے نیچے اتری ہوئی بند آہنی لفٹ میں اس وقت اتنا گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا مگر بیم گن کے چلتے ہی ہر ایک نے اندازہ لگا لیا کہ میں نے اس سنگین صورتِ حال سے گلوخلاصی کے لیے کون سی راہ کا انتخاب کیا تھا۔

میرے فارغ ہونے سے پہلے ہی غزالہ نے لفٹ کے سرکنے والے دروازے پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ جوں ہی میرا ہاتھ چھت سے سرکتا ہوا لفٹ کے فرش تک آکر رکا، لفٹ کا دروازہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بائیں طرف سرکتا چلا گیا۔ غالباً اس کے برقی اور میکانی قفل کا نظام فرش کے قریب، لفٹ کے بالکل نچلے حصے میں پوشیدہ تھا۔ اس کے کٹتے ہی دروازہ غیر مقفل ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے ہاتھ بڑھایا اور سامنے کنکریٹ کی خنک دیوار کو موجود پایا۔ دروازہ کھلنے سے لفٹ میں غیر محسوس سی روشنی آنے لگی تھی۔

میں نے تیزی سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ہماری لفٹ کی چھت اور اوپر والے فلور کے درمیان ایک تنگ اور چوکور سی

کھڑکی نمودار ہو چکی تھی۔ کھلنے والے دروازے کا بقیہ راستہ نچلی منزل کی سنگین دیوار نے مسدود کیا ہوا تھا۔

"ٹھہرو۔" میں نے سلطان شاہ کو فرش پر ہاتھ جماتے دیکھ کر ٹوکا "پہلے میں باہر نکل کر تم لوگوں کو کور دوں گا۔ تم تینوں میرے بعد باہر آؤ گے۔"

وہ رک گیا۔ اسے قید سے رہائی کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر میرے دل میں ایک پُرہول خیال پیدا ہوا تھا جس کے زیرِ اثر میں نے اضطراری طور پر اسے روک دیا تھا۔

باہر جو کچھ بھی ہوا تھا، ہم میں سے کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا مگر اندازہ تھا کہ نامعلوم حملہ آوروں نے سب سے پہلے اس علاقے میں برقی ترسیل کے نظام کو اپنا نشانہ بنایا تھا تاکہ وہ اندھیرے کی آڑ میں پوری آزادی سے اپنی من مانی کر سکیں۔ بجلی کی فوری یا جلد بحالی کی دور دور تک کوئی امید نہیں تھی۔ جب تک بجلی نہ آجاتی، لفٹ کو اپنی مرضی سے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔

وہ میرے لیے ایک اطمینان بخش نکتہ تھا لیکن مجھے خوف اس بات سے تھا کہ لفٹ کے دروازے اور بغلی دیوار کے اتصال کے مقام پر میں نے پوری بے دردی سے بیم گن استعمال کر کے اس آہنی پنجرے سے نجات کا راستہ پیدا کیا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس عمل میں لفٹ کی کن برقی یا میکانی حفاظتی کڑیوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اگر اوپر پیدا ہونے والے خلا سے کسی کے باہر نکلتے ہوئے وہ لفٹ اپنے نظام میں پیدا ہو جانے والے کسی نقص کی بنا پر اچانک پستی کا سفر شروع کر دیتی تو اندر والوں کا جو حشر ہوتا سو ہوتا، خلا میں موجود شخص کا بدن فرش اور لفٹ کی آہنی چھت کے درمیان کٹ کر فوری طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ کٹا ہوا اوپری دھڑ ہمارے فلور پر تڑپتا رہ جاتا اور لفٹ میں گرنے والا نچلا دھڑ دوسروں کو دہشت زدہ کر دیتا۔

مروّجہ مشینی سہولتوں نے انسان کو جہاں آسائش اور سہل پسندی کے ناقابلِ تصور ذرائع مہیا کیے ہیں، وہیں کسی ہنگامی صورتِ حال میں بدترین خطرات بھی پیدا کیے ہیں جن سے آدمی صرف اسی وقت واقف ہوتا ہے جب وہ خود ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو۔ لفٹوں میں روزانہ سفر کرنے والے لاکھوں افراد میں سے شاید کسی نے اس امکان کے بارے میں سوچا تک نہ ہو جس سے ہم اس وقت دوچار تھے۔

اوپر کے فرش پر ہاتھ جما کر میں نے اپنے بدن کو اوپر اٹھایا اور سینے کے بل اوپر کے فرش پر رینگ کر لفٹ سے باہر نکل گیا۔ ان چند لمحوں کے لیے میرا سارا اعتماد رخصت ہو گیا تھا اور بدن کے بیشتر مسامات سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا تھا۔

باہر وہی دھواں دھار فائرنگ ہو رہی تھی۔ عمارت کے مکینوں میں سخت دہشت اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ فلیٹوں کے دروازے مضبوطی سے بند تھے۔ کوئی بھی متنفس باہر نظر نہیں آرہا تھا لیکن فضا خوف زدہ چیخوں اور بچوں کے رونے کی آوازوں سے لرز رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھتے ہی رائفل سیدھی کر لی کیونکہ عمارت کے زینوں پر کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

زینے لفٹ کے گرد طواف کرتے ہوئے منزل بہ منزل اوپر جاتے تھے لیکن میرے لیے بلکہ بیم گن کے لیے وہ رینج قدرے زیادہ ہو سکتی تھی۔ بات دشمنوں کے ساتھ آنکھ مچولی سے بڑھ کر کھلے کھلے خوں ریز تصادم تک پہنچ چکی تھی۔ ان حالات میں بیم گن جیسے خاموش ہتھیار کی توانائی کے مشکوک زیاں کے مقابلے میں بارودی گولیوں کا استعمال ہی زیادہ موثر ہو سکتا تھا۔

میرے بعد غزالہ بھی خیروعافیت سے اسی خلا سے گزر کر باہر آگئی اور اس نے بھی فوراً ہی پوزیشن سنبھال لی۔ سیڑھیوں پر سنائی دینے والی قدموں کی گونج بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

ویرا اس خلا سے فلور پر آنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سیڑھیوں پر ایک مسلح شخص تیزی سے ابھرتا ہوا نظر آیا، میں بس لمحہ بھر کے لیے جھجکا مگر اسی لمحے غزالہ نے اس پر اپنے ریوالور کے دہانے سے آگ اگل دی۔ اس اعصاب شکن ماحول میں غزالہ کے بے داغ نشانے پر میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ غزالہ کے ریوالور کی بے رحم نال سے نکلا ہوا مہلک شعلہ آنے والے کی پیشانی میں روپوش ہوا تھا۔ وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ سیڑھیوں پر پیچھے لڑھک کر میری نظروں سے معدوم ہو گیا۔

سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے ایک وزنی انسانی وجود کی خوفناک اور پُرشور دھمک خاصی پُرہیبت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے گرتے ہی زینوں کے خلا میں متعدد فائروں کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی اوپر آنے والے بہت تیزی سے نیچے کی محفوظ ترلینڈنگ پر اترتے چلے گئے۔

باہر ہونے والی فائرنگ کے مقابلے میں عمارت کے اندر ہونے والی فائرنگ کا ردِعمل زیادہ شدید تھا۔ دروازوں اور روشن دانوں کی جھریوں کے ذریعے فلیٹوں میں داخل ہونے والے بارودی دھوئیں نے عمارت میں رہنے والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ موت کے ہرکارے گولیوں کے سائے میں آخر کار ان کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے اور کسی بھی وقت دروازے توڑ کر کسی فلیٹ میں گھس سکتے تھے۔

غزالہ کے کیے ہوئے اکلوتے فائر نے ویرا اور سلطان شاہ کو خطرے کی سنگینی کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ دونوں ہم سے بھی کم وقت میں پھنسی ہوئی لفٹ سے باہر نکل آئے۔

زینوں پر دشمن قابض تھا اور اوپر کی طرف اندھا دھند گولیاں

برسا رہا تھا' لفٹ بجلی کے تعطل کی وجہ سے ناکارہ ہو چکی تھی۔ ہم اپنے فلیٹ کے چوہے دان میں لوٹنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے' نہ جانوں کا خطرہ مول لیے بغیر نیچے اترنے کی کوئی صورت نظر آرہی تھی۔ میں اسی تذبذب میں تھا کہ سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر فرش پر ایک لوٹ سی لگائی۔

مجھے اس کے عزائم کا اندازہ ہوا تو وقت کی ڈور میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ وہ فرش پر لڑھکتا ہوا تیزی سے سیڑھیوں کی طرف جارہا تھا۔ نیچے سے آنے والی گولیاں اس کے گرے ہوئے بدن سے محض ایک ڈیڑھ فٹ اوپر سے گزر رہی تھیں۔

وہ سی ون تھرٹی کے ذریعے اپنے اغوا کی واردات کے دوران میں آنے والے زخموں سے پوری طرح صحت یاب نہیں ہوپایا تھا۔ اس حالت میں سیڑھیوں پر لڑھک کر دشمن کے سر پر سوار ہونے کی وہ کوشش اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ اول تو دشمنوں میں سے کسی کی چلائی ہوئی اندھی گولی ہی اسے چاٹ جاتی' کسی معجزے کے تحت وہ ان گولیوں سے بچ جاتا تو سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے نچلی لینڈنگ تک کا فاصلہ طے کرنے میں شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوسکتا تھا۔

موقع ایسا تھا کہ میں سلطان شاہ کو اس احمقانہ جرات مندی سے روکنے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکا' بس اپنی جگہ مضطرب ہوکر رہ گیا اور وہ فرش پر متحرک ایک انسان نما دھبے کی صورت میں سیڑھیوں کے نشیب میں میری نظروں سے معدوم ہوگیا۔

وہ بے خوف سورما اپنی جان پر کھیل کر آگے بڑھا تھا' میرے کان کسی بھی لمحے اس کی آخری دردناک چیخ کے منتظر تھے لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ شاید آنے والے درندے اسے اپنا مارا ہوا شکار سمجھ کر پوری طرح مطمئن تھے۔

اچانک عمارت کے زینوں پر گونجتے ہوئے آتشیں نغموں میں ایک نیا اور جاندار سر جاگ اٹھا۔ وہ سلطان شاہ کی کلاشنکوف کی لرزہ خیز تڑتڑاہٹ تھی۔ اس کے ابھرتے ہی فضا میں دو دلدوز چیخیں گونجیں اور ساتھ ہی پہلے سے جاری فائرنگ کا آہنگ بگڑ گیا۔

سلطان شاہ کی معجزاتی کامیابی اور دشمن کے پاؤں اکھڑنے کا

پہلا احساس ہوتے ہی ہم تینوں نے بغلی دیوار سے چپک کر زینے اترنے شروع کر دیے۔

اس وقت تک ہمارے زینے فائرنگ سے محفوظ ہو چکے تھے۔ سلطان شاہ نے بلائے ناگہانی کی طرح ان کے سروں پر نازل ہو کر ان کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ اس کی فائرنگ سے بچ جانے والوں نے بہت تیزی کے ساتھ پسپائی اختیار کر کے خود کو بچایا تھا۔

اس وقت وہ چند لمحے میرے لیے گھنٹوں کی طرح طویل ہو گئے تھے، کان فائرنگ کے یوں عادی ہو گئے تھے جیسے وہ سلسلہ کئی دنوں سے چل رہا ہو۔ اسی بنا پر میں نے اندازہ لگالیا کہ ابتدا میں آنے والوں کی تعداد چار تھی جو سلطان شاہ کی مداخلت کے بعد گھٹ کر دو رہ گئی تھی۔ ان دو حریفوں کے لیے سلطان شاہ رک رک کر فائرنگ کر رہا تھا۔

پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے لینڈنگ تک پہنچنے پر مجھے یہ دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ عزم و حوصلے کی کسی چٹان کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا، دیوار کی اوٹ سے نیچے والوں پر فائرنگ کر رہا تھا۔

خوشی کے عالم میں ویرا اور غزالہ نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا۔ ہم تینوں نے سلطان شاہ کی حمایت میں نیچے کی طرف بے ساختہ گولیاں برسا دیں۔

ہمارے اس غیر ارادی ردعمل نے حریفوں کے قدم اکھاڑ دیے۔ نیچے سے فائرنگ کا سلسلہ یک لخت موقوف ہو گیا اور بہت تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دور ہونے لگی۔

مقابلے میں کھل کر شریک ہونے کے بعد ہم سب کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم نے باقی ماندہ تاریک زینے طے کرنے شروع کر دیے۔ زینے طے کر کے ہم گراؤنڈ فلور پر پہنچے تو چوکیدار کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ڈھیلی ڈھالی قمیص شلوار میں ملبوس دو افراد پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اس بلاک سے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں نے رکے بغیر اپنی گن سیدھی کر کے فرار ہونے والوں میں سے ایک کی کشادہ پشت پر فائر کیا اور آگ اگلتی ہوئی گولی اس کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گئی۔ تاریک ماحول میں تاریک تر نظر آنے والا وہ سایہ اپنے ہی زور میں اچھل کر منہ کے بل آگے پختہ فرش پر جا گرا۔

سر پر بھیانک خطرات سوار ہوتے ہی ہم چاروں کے درمیان ایک دوسرے کے ذہن کو پڑھنے کا کچھ ایسا سلسلہ چل پڑا تھا کہ تقریباً اسی لمحے ویرا نے دوسرے مفرور پر گولی چلائی اور وہ بھی نشانہ بن کر دل دوز آواز میں دہاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

عمارت کے اندر دشمن کی لاشیں گر رہی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار خاموش ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ ہمارے بارودی ہتھیار گنگنا رہے تھے لیکن عمارت سے باہر، کھلی فضا میں ہونے والی فائرنگ کے تواتر میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

ہم چاروں چوکنے انداز میں دوڑتے ہوئے فرش پر گری ہوئی دو تازہ لاشوں سے آگے نکل گئے۔ ہمارے سامنے ان فلیٹوں کی عمارات کے گرد پھیلا ہوا کشادہ احاطہ بھی اس تاریکی میں ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آگ و خون کی وہ برسات شروع ہوتے ہی ہر ذی روح خوف زدہ ہو کر کسی نہ کسی کونے کھدرے میں دبک گیا ہو۔

فائرنگ کی آوازوں پر دھیان دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہمارے احاطے سے باہر ہی ہو رہا تھا۔ حملہ آوروں نے باہر کا راستہ صاف رکھنے کے لیے بھی وہاں دہشت گردی پھیلائی ہوئی تھی، اندر کی تمام ذمے داری انہوں نے اپنے چاروں مسلح ساتھیوں کے سپرد کی ہوئی تھی جو دو مرحلوں میں ہمارے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔

"ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ شاید ٹل چکا ہے۔" احاطے کی دیوار کے سائے میں پناہ لینے کے بعد ویرا نے سرگوشیانہ آواز میں کہا "لیکن اب باہر نکلنا مشکل ہے۔"

"غور سے سنو!" میں نے اضطرابی لہجے میں ان تینوں کو متوجہ کیا "باہر بھی یک طرفہ فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے۔ شاید کوئی ان کے مقابلے پر اتر آیا ہے۔"

وہ ایک باریک نکتہ تھا جو توجہ مرکوز کرنے کے بعد ہی سمجھ میں آسکتا تھا ورنہ فائرنگ تو بس فائرنگ ہی ہوتی ہے۔ میں نے زینوں والی گمبھیر صورت حال سے نکلتے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ باہر کسی نے جوابی فائرنگ کا آغاز بھی کر دیا تھا۔

"تو کیا پولیس آچکی ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔

"پولیس نہیں ہو سکتی۔" میں نے پُر یقین لہجے میں اسے بتایا۔ "ایسے دھواں دھار ماحول میں وہ دور ہی سے سائرن بجاتے ہوئے آتے ہیں تاکہ ان کی آمد کے خوف سے متصادم حریفوں کے پاؤں اکھڑ سکیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر چل پڑا ہے۔"

"پھر یہ اول خان کے آدمی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے فیصلہ سنا دیا "انہیں ہماری حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے....."

"ہم چوہے دان سے نکل کر باہر کھلی فضا میں آچکے ہیں اور کہیں بھی جا سکتے ہیں۔" ویرا اس کی بات کاٹ کے بول پڑی "لیکن فائرنگ کا زور ٹوٹنے سے پہلے ہم احاطے سے باہر نہیں جائیں گے۔ اندھا دھند چلائی جانے والی گولیاں دوست اور دشمن میں کوئی تمیز نہیں کرتیں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کیونکہ اس اثنا میں مجھے یہ اندازہ بھی

ہو چکا تھا کہ باہر ہوائی فائرنگ کے بجائے اس وقت ٹارگٹ شوٹنگ کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ٹھکانوں کو تاک تاک کر گولیاں چلائی جارہی تھیں۔ فائرنگ کے شور کی سمت اور درمیانی وقفوں سے کوئی بھی لڑاکا آسانی سے اس رائے پر پہنچ سکتا تھا۔

"باہر نکلتے ہوئے خوف سے تمہارا دم نکل رہا ہے تو اسی چار دیواری میں دبکی رہو۔" میں نے ویرا سے کہا "لیکن یوں بت کی طرح یہیں نہ جمی رہو۔ میرے پیچھے آؤ۔"

میں دیوار کے سائے میں اس پھاٹک کی طرف چل پڑا جو احاطے سے باہر نکلنے کے لیے ہر وقت استعمال میں رہتا تھا۔

ذرا سی دیر کی پیش قدمی کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرا وہ فیصلہ خاصا درست تھا۔

مجھے پھاٹک سے فائروں کی آواز آرہی تھی۔ وہاں کچھ لوگ جمے ہوئے تھے جو باہر کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ صرف میں نے انہیں دیکھا تھا لیکن وہ لوگ مجھ سے زیادہ چالاک اور چوکنا تھے۔ ان میں سے کسی نے مجھے پہلے ہی نوٹ کرلیا تھا۔

"ہولڈ اِٹ.... ہینڈز اپ!" انسانی جذبوں سے عاری وہ سفاکانہ آواز سن کر میں نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر بلند کرلیے۔

وہ ہمارے لہو کا کوئی پیاسا ہوتا تو ہمیں اندھیرے میں محض ہاتھ اٹھانے کی ہدایت نہ کرتا' بے دریغ گولی چلا کر کم از کم میرا سینہ لہولہان کردیتا۔ اس نے جو حکم دیا تھا اس میں احتیاط پنہاں تھی۔ اسے توقع تھی کہ اندر سے دشمن کے ساتھ ساتھ کوئی دوست بھی نمودار ہوسکتا تھا اس لیے کسی آنے والے کو للکارے بغیر گولیوں سے ادھیڑ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔

"فرینڈز!" میرے دہانے سے بے ساختہ ایک تیز سرگوشی برآمد ہوئی "آئی ایم ڈی فارڈینی!"

"کم آن سر!" گیٹ کے قریبی سرے سے ایک دوستانہ آواز ابھری "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ آگے آجاؤ مگر پھاٹک کے سامنے ہرگز نہ آنا۔ دشمن سامنے ایک گاڑی کی اوٹ لے کر ڈائریکٹ اندر فائر کررہا ہے.... باس کسی بھی وقت پیچھے سے ان کی گردنیں دبوچنے والا ہے۔"

میرے وجود میں سکون و اطمینان کی ایک آسودہ سی لہر سرایت کرگئی۔ دشمنوں سے کشت و خون کے بعد ہم آخر کار اپنے دوستوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

ہماری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد' ہم سے مذاکرات کرنے والا دوبارہ دشمن پر گولیاں برسانے میں مصروف ہوچکا تھا۔ قریب پہنچنے کے بعد میں نے دیکھا کہ تاریکی کا جزبنے ہوئے وہ دونوں سائے گیٹ کے دونوں سروں پر جمے ہوئے تھے اور دوسری طرف سے آنے والی گولیوں کی سمت کا اندازہ لگا کر دشمن کے مورچوں پر نپے تلے فائر کررہے تھے۔

اچانک باہر ہونے والی فائرنگ میں وحشیانہ شدت پیدا ہوگئی۔ صرف فائرنگ میں اضافہ نہیں ہوا تھا بلکہ فضا میں گونجنے والی ہولناک آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس خون آشام مقابلے میں جدید' بھاری اور نئے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ شامل ہوچکی تھی۔

"کاش اول خان آپہنچا ہو!" اس تبدیلی پر میرے دل میں آرزو ابھری۔

نئے ہتھیار اس قدر شدت اور جارحیت کے ساتھ میدانِ کارزار میں اترے کہ باہر کی فضا میں لرزہ براندام کردینے والی کئی چیخیں بھی سنائی دیں اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں بس نئے ہتھیاروں کی گونج باقی رہ گئی۔

ہمارے احاطے کے پھاٹک پر جمے ہوئے دونوں جانباز خوشی سے اچھل پڑے۔ ان کے بہ مقابل بھاگ نکلے تھے اور انہوں نے اپنی دانست میں میدان مارلیا تھا۔

اچانک فائرنگ تھم گئی۔ گولیوں کی روح فرسا گھن گرج کے بعد وہ سناٹا بہت عجیب محسوس ہورہا تھا۔ اسے روتے ہوئے بچوں یا خوف زدہ عورتوں کی آوازیں ہی مجروح کررہی تھیں۔

سلطان شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پھاٹک سے باہر کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن ہماری طرف موجود مسلح آدمی نے سختی سے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کی دانست میں فائرنگ ضرور تھم گئی تھی مگر خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔ جب تک اسے اپنے ساتھیوں کی طرف سے میدان صاف ہونے کا اشارہ نہ مل جاتا' سامنے آنے کی کوشش مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔

اول خان نے تھوڑی دیر پہلے فون پر بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ ہمارے فلیٹ کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے چار آدمی مامور کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو اس وقت ہمارے ساتھ موجود تھے اور دو باہر کہیں اپنی کمین گاہوں میں موجود تھے۔ میرے ذہن میں جو نیا نقشہ بن رہا تھا اس کی روشنی میں باہر والوں کو اپنے باس یا کمانڈر سے کمک ضرور ملی تھی۔ اگر میرا یہ اندازہ درست تھا تو پھر ہماری نفری دو ہندسوں سے متجاوز ہوچکی تھی۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت سے نہیں گزرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اول خان کے استعمال میں رہنے والی بڑی جیپ احاطے کے دروازے کے قریب آکر رک گئی۔ جیپ روکنے سے قبل اس کے ڈرائیور نے تین مرتبہ روشنیاں دھیمی اور تیز کرکے اپنی شناخت کرائی تھی۔ ان حالات میں اپنوں کی مار سے بچنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

آنے والی جیپ سے صرف دو افراد برآمد ہوئے اور وہ دونوں میرے لیے اجنبی تھے۔
پہلے سے ہمارے ساتھ موجود ایس ٹی ایف کے آدمی اپنے ان ساتھیوں کو پہچان کر گیٹ سے باہر نکل گئے۔ ہم چاروں نے بھی ان کی تقلید کی۔
"باس کہاں ہے؟" میں نے آنے والوں سے بے ساختہ سوال کر ڈالا۔ مجھے توقع تھی کہ آنے والی جیپ سے اول خان ضرور برآمد ہوگا۔
"وہ پھیلی ہوئی نفری کو سمیٹ کر یہیں آئیں گے۔" ان میں سے ایک نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"اپنے بندے سب ٹھیک ہیں نا؟" ہمارے ساتھ موجود ایک شخص نے پوچھا۔
"ہم پانچ آدمی وائرلیس سیٹ لے کر آئے تھے اور پانچوں ہی بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے ہماری بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا "تمہارے دو ساتھی شاید باہر ہیں۔"
"ہاں! ہم چاروں ہی باہر تھے۔۔۔ گڑبڑ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں نے بہت مشکل سے یہاں پہنچ کر پوزیشن سنبھالی تھی۔ ہمارے آنے سے پہلے کچھ آدمی اندر گھس چکے تھے۔"
"ان کا کیا بنا؟ اندر والے تو خیریت سے ہیں؟" آنے والے کا لہجہ متجسسانہ ہو گیا۔
"اندر والے سب لوگ تمہارے سامنے موجود ہیں۔" کسی اور سے پہلے میں خود ہی بول پڑا "چار آدمی ہماری تلاش میں اندر گھسے تھے۔ وہ سب سیڑھیوں پر اور برآمدے میں پڑے ہیں۔"
"زندہ ہیں یا تم نے انہیں مار دیا؟" وہ ان کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہ رہا تھا۔
"کوشش یہی تھی کہ ان میں سے کوئی زندہ نہ بچنے پائے۔ کوئی زخمی ہو کر صرف بے ہوش ہوا ہو تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی۔" میں نے کہا۔
"ان ذلیلوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں بچنا چاہیے۔" اس نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا "میں انہیں دیکھ کر آتا ہوں۔ باس کے آنے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"
وہ یہ کہہ کر اندر چلا گیا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی ہی تھی کہ وہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے اچک لی۔ میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔
چند ثانیوں بعد سڑک پر ایک اور گاڑی نظر آئی۔ عام حالات میں وہ سڑک ہر وقت مصروف رہتی تھی لیکن تھوڑی دیر پہلے ہونے والی دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہاں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہو۔ ایسے میں وہ اکلوتی گاڑی الگ ہی نظر آرہی تھی۔
جب اس کے ہیڈ لیمپس بھی تین مرتبہ مدھم اور تیز ہوئے تو ہم سب نے سمجھ لیا کہ آنے والا اول خان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے ہی نہایت پُرتپاک انداز میں ہم سے ملا۔
"تم نے وہی کیا جس پر اڑے ہوئے تھے۔" اس نے مجھ سے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "گھر سے باہر نکل کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔"
"خطرہ مول نہیں لیا' یہ کہو کہ بروقت فلیٹ چھوڑ کر ہم موت کے منہ سے بال بال بچے ہیں۔" ویرا نے اسے لقمہ دیا "تمہارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے چار بھیڑیے اندر گھس چکے تھے۔"
اسی وقت اول خان کا آدمی اندر کا جائزہ لے کر واپس آگیا۔
"چاروں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔" اس نے فوجی انداز میں اول خان کو سیلوٹ کر کے اعلان کیا۔
"تو کیا تم لوگوں نے ان چاروں کو مار ڈالا؟" اول خان حیرت سے بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔
"انہیں نہ مارتے تو وہ ہم کو مار ڈالتے۔" میں نے کہا "ان کے پہنچنے سے ذرا سی دیر پہلے ہم لفٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔ قسمت تھی کہ دروازہ کاٹ کر بروقت باہر آگئے۔۔۔"
"آؤ! یہاں کب تک کھڑے رہو گے۔ اوپر ہی چلتے ہیں۔" ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے بولی۔
"اب بھول کر بھی فلیٹ کا رخ نہ کرنا۔ اس واقعے کے بعد وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے چار آدمی تم نے مارے ہیں۔ دو تین باہر بھی مرے یا زخمی ہوئے ہیں۔ وہ جلد از جلد اس کا جواب دینے کی کوشش کر سکتے ہیں۔" اول خان نے مربیانہ انداز میں کہا۔
"ہم صرف ہتھیار لے کر خالی ہاتھ وہاں سے نکلے ہیں۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ہمیں ضرورت کا کچھ نہ کچھ سامان تو لینا ہی ہوگا۔"
"وہ سب بعد میں آتا رہے گا۔ اس وقت یہاں سے نکل چلو۔" اول خان اپنی بات پر اڑا رہا۔
اول خان نے ہم میں سے کسی کا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر اپنے چار آدمیوں کو ہمارے فلیٹ کے بارے میں ہدایات دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہاں موجود سازو سامان کے بارے میں وہ غزالہ سے مشورہ کرتا جا رہا تھا۔
اس وقت ہماری کل نفری تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ چار افراد کو فلیٹ کی حفاظت یا دشمن کے مقابلے کے لیے چھوڑ دینے کے بعد یہ تعداد نو رہ جاتی۔ میری دانست میں وہ تعداد کہیں بھی بڑے پیمانے پر افرا تفری پھیلانے کے لیے بہت کافی تھی۔
اول خان عجلت میں ہدایات دیتے ہوئے بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی وہ ہم چاروں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہو گیا۔ بقیہ چار افراد دوسری گاڑی کی طرف ہو لیے۔
دو گاڑیوں پر مشتمل ہمارا کارواں وہاں سے روانہ ہوا تو پورا علاقہ بدستور گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور سڑکوں پر مکمل ویرانی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ فائرنگ کے بھیانک مقابلے کے باوجود

پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ علاقے کی پولیس اس واقعے سے بے خبر رہی ہوگی۔

"علاقے کی پولیس کہاں سوئی ہوئی ہے؟" کچھ دور نکل آنے کے بعد میں اول خان سے وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "اتنی فائرنگ سے تو قبر کے مردے بھی بیدار ہو سکتے تھے۔"

"آج میں نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔" اول خان نے مسکرا کر کہا۔ اس وقت تک ہماری گاڑیاں تاریک علاقے سے روشنیوں کے خطے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"یعنی پولیس کو اس معاملے سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"جب ملک میں عام قانون کی حکمرانی ہو تو پولیس کو دنیا کی کوئی طاقت اس کے علاقے میں ہونے والے جرائم سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتی۔ لاشیں ان ہی کی تحویل میں جائیں گی اور وہی اس تصادم کی تفتیش کریں گے۔ ان سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہونے کے تیس منٹ بعد علاقے میں اپنی کارروائی کا آغاز کریں۔ اسی لیے میں تیس منٹ پورے ہونے سے پہلے تمہیں وہاں سے نکال لایا ہوں۔"

"اور اب کہاں جا رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"جمشید روڈ۔" اس کے پاس جواب تیار تھا "دونوں عورتوں کو اپنے گھر کی چار دیواری میں پہنچانے کے بعد سوچوں گا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"تم ہمارے لیے کسی چار دیواری کی فکر مت کرو۔" ویرا نے برا مان کر کہا "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم عام قسم کی عورتیں نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں کے ہتھیار بھی آگ اُگل رہے تھے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ درمیان میں بول پڑا "اس کے پاس ہتھیار نہ ہو تب بھی یہ اپنی زبان سے آگ اگلنے لگتی ہے۔"

"تم پھر میرے منہ لگے؟" ویرا غرّائی "ابھی کچھ کہہ دوں گی تو منہ لٹکالو گے۔"

"ساری پریشانی یہی ہے کہ میں تمہارے منہ نہیں لگتا۔ کوئی شریف آدمی ایک آتش فشاں کا قرب پسند نہیں کرے گا۔ میں اول خان سے بات کر رہا تھا۔"

"تم جیسے بدمعاش خود کو شریف کہنے لگیں تو سمجھ لو کہ شرافت کا جنازہ نکل چکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ آج مارے جانے والوں میں سے کسی کا نام شرافت ہو۔ آج دیر ہو گئی ہے۔ کل اس کا جنازہ ضرور نکل جائے گا اور تم....."

"بس!" میں نے ترشی سے سلطان شاہ کو ڈانٹ دیا "خرافات میں وقت برباد مت کرو۔"

"بہت بہتر۔" سلطان شاہ نے برا مانے بغیر کہا "تم وقت کی بربادی کا کوئی دوسرا ذریعہ بتا دو۔"

میں اس کی بات سنی اَن سنی کر کے اول خان سے مخاطب ہو گیا "جمشید روڈ کے بجائے کھٹّومل راجوانی کے گھر کی طرف چلو۔ اس کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

اول خان نے میری بات سن کر تفہیمی انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے مگر ان دونوں کو وہاں لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مدہوشوں کی بھیڑ میں افراتفری پھیلانے کے لیے میرے صرف دو آدمی بھی کافی ہوں گے....."

"نہیں!" ویرا نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "اگر آج کی رات مزید کچھ کرنا ہے تو میں بھی ساتھ رہوں گی۔ تم مجھے عضوِ معطل بنا کر گھر نہیں بٹھا سکتے۔"

"بڑے سے بڑا سورما اور بادشاہ بھی جوان جہان بیٹیوں کو گھر نہیں بٹھا سکتا تو تم کیسے بیٹھی رہو گی۔ ایک نہ ایک دن تمہیں کسی کا گھر بسانا ہی ہوگا مگر اس کام کے لیے کھٹّومل....."

سلطان شاہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس کی دبی دبی غراہٹ اور فریاد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے جھلّا کر شاید اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

اول خان نے ڈرائیونگ پر سے توجہ ہٹائے بغیر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ویرا کا مشورہ مان لینے کا اشارہ دے دیا۔

"مجھے ان دونوں کو ساتھ لیے پھرنے میں ذرا بھی عذر نہیں ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "تمہیں معلوم ہے کہ وقت کا پہیّہ ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف چل پڑا ہے۔ گلشنِ اقبال میں مارے جانے والوں پر بیم گن کے استعمال کا راز پوری احتیاط کے باوجود باہر آ چکا ہے۔ دوسری طرف اب تم امریکا کے مطلوب ملزم بن چکے ہو۔ ویرا تمہاری شناخت کے لیے ایک اشتہار ثابت ہو سکتی ہے۔ اب تم دونوں کو حتی الامکان ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے۔ یہ کوئی مشکل یا ناممکن بات نہیں ہے۔"

"ان مشوروں پر غور و خوض کے بعد کل سے عمل کیا جائے گا۔ اس وقت جو ہو رہا ہے، ہونے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "رات کے وقت کوئی دوربین لے کر ہماری تلاش میں نہیں نکلے گا۔"

"تم بعض اوقات بہت کند ذہن ہو کر رہ جاتی ہو۔" اول خان نے بیزاری سے کہا "میں تم دونوں کو ہر مصیبت سے بچائے رکھنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کی سلامتی کو کسی قسم کے خطرات لاحق ہوتے ہیں تو تم ہی دونوں اس کا کوئی توڑ نکالتے ہو۔ تم دونوں گردش میں آ گئے تو کون تمہاری مدد کرے گا؟"

"یہ بودی اور فضول باتیں ہیں۔ وقت پڑنے پر تم سمیت ہر شخص نے بہترین کارکردگی دکھائی ہے۔ جب تک ہمارا وقت نہیں آ جاتا، ہمیں کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ فلسفہ میں نے تم لوگوں میں رہ کر

ہی سیکھا ہے۔ کمال ہے کہ تم اسے بھول رہے ہو۔"
اول خان لاجواب ہو گیا اور اپنا اپریٹس سنبھال کر پچھلی گاڑی والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
"حجت اور تکرار کے معاملے میں تم نے کسی سور کا دماغ پایا ہے۔" پچھلی نشستوں پر سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر ویرا سے الجھنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا۔
"اور تم نے ڈھٹائی کے معاملے میں کسی سورنی جیسا جسم پایا ہے۔ سی ون تھرٹی میں گھنٹوں منجمد لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند رہے مگر پھر بھی زندہ ہو' کسی طرح مرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔"
"زندہ رہ کر تمہارا غرور خاک میں ملا رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز فخریہ ہو گئی۔
"ماروں گھٹنا' پھوٹے آنکھ شاید اسی کو کہتے ہیں۔" ویرا نے طنز سے کہا۔
"حسن والوں کو سدا سے یہ غرور ہے کہ وہ جسے نظر بھر کر دیکھ لیں وہ گر کر پٹ سے مر جاتا ہے۔ تم مجھے گھور رہی ہو مگر میں زندہ ہوں۔ شاید اس لیے کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔"
"میں نے کبھی حسین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اب تم اُوٹ پٹانگ باتوں پر اتر آئے ہو۔"
"یہ دعویٰ تم کر بھی نہیں سکتیں۔ جس دن سے تمہاری صورت دیکھی ہے' ہر وقت موت سے لڑنا پڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ لو کہ ابھی ابھی ہم موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔"
"یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ بعض لوگ واقعی اتنے بدنصیب ہوتے ہیں کہ وہ اونٹ پر سفر کر رہے ہوں تب بھی کتا ان کی پنڈلی پر کاٹ لیتا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔
"تمہاری یہ مثال کچھ عجیب سی ہے۔" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرانے کے لیے مداخلت کی۔
"ویسے تو اونٹ ہی ایک عجیب جانور ہے۔ تصور کرو کہ اس کی پشت پر بیٹھا ہوا آدمی زمین سے کتنا بلند ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی حقیر کتا اس کی پنڈلی پر کاٹ لے تو اسے اس شخص کی بدنصیبی کی انتہا کے سوا اور کیا کہا جا سکے گا؟"
غزالہ ہنس پڑی "یہ بات تمہاری وضاحت کے بغیر بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔"
میں ان تینوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کی طرف سے اپنے کان بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں اول خان کی اپریٹس پر ہونے والی گفتگو سے غافل نہیں تھا۔
پچھلی گاڑی میں موجود چار افراد میں سے ایک نے کھٹومل راجوانی کا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ لان پر ہونے والی راگ رنگ اور خورونوش کی محفل کے لیے کیا انتظامات کیے گئے تھے۔ اول خان نے اسی کو نئی مہم کا سربراہ مقرر کیا تھا۔
طے یہ ہوا تھا کہ کھٹومل راجوانی کے ساتھ وہی کچھ دہرایا جائے گا جو اس رات ہمارے ساتھ ہو چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے دشمن ہمیں مارنے کا عزم لے کر آئے تھے جبکہ اول خان کے آدمیوں کو موقع پا کر کھٹومل راجوانی کو اس کے گھر سے اٹھا لانا تھا۔
مجوزہ منصوبے کی جزئیات کو نظر میں رکھتے ہوئے کھٹومل کے ہاتھ آنے کا امکان بہت موہوم تھا۔ اندھیرے میں ہونے والی بھگدڑ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی کھٹومل کو پہچان کر اس پر ہاتھ ڈال سکے۔ وہ پکڑا جاتا تو اسے اس کی بدنصیبی ہی قرار دیا جا سکتا تھا جس کی مثال ویرا نے اونٹ سوار کی پنڈلی پر کتے کے کاٹنے سے دی تھی۔
"کھٹومل!" اپریٹس پر اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "بڑا عجیب اور نامانوس سا نام ہے اس مردود کا۔"
"وہ ہندو ہے۔ یہ ہندی کا ہی کوئی نام ہو گا۔" پیچھے سے سلطان شاہ نے رائے دی۔
"یہ نام شروع ہی سے میرے کانوں میں بھی چبھ رہا ہے کیونکہ میں ہندی سے ناواقف ہوں۔" ویرا نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔
"تم کیوں چپ ہو؟" میں نے مڑ کر غزالہ سے کہا "اور یہ مسکراہٹ کیسی ہے۔"
"ویرا کی بات پر ہنس رہی ہوں۔ رام' مل' رائے اور ناتھ وغیرہ تو عام ناموں میں آتے رہتے ہیں۔ اسے شاید کھٹو پر اعتراض ہے حالانکہ وہ یہ لفظ روز ہی سنتی یا بولتی رہتی ہے۔"
"اگر تم یہ کہہ رہی ہو کہ کھٹے کو کھٹو بنا دیا گیا ہے تو میں مان سکتی ہوں۔"
"کھٹے میٹھے سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ نکھٹو' کام چور اور حرام خور کو کہتے ہیں۔ کھٹو کے معنی محنتی ہی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے جواب دیا۔
"اس دریافت پر تمہیں ہندی کا ایوارڈ دینا چاہیے۔" ویرا کی آواز تحسین آمیز تھی۔
اس وقت ہماری دونوں گاڑیاں کلفٹن کے پل سے گزر کر صدر کے علاقے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ رات کے گیارہ بجے سے اوپر کا عمل ہونے کی وجہ سے آنے اور جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی جس کی وجہ سے دونوں گاڑیوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل نہیں تھا۔
ہمارے فلیٹ سے روانگی کے وقت اول خان سب سے پہلے اپنے گھر جانے کا ارادہ کر چکا تھا اس لیے اس نے گاڑی اس سیدھے راستے پر ڈالی تھی ورنہ کھٹومل کے گھر پہنچنے کے لیے ڈیفنس سے براہِ راست گورا قبرستان کا راستہ زیادہ مختصر اور آسان ثابت ہوتا۔
"ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس عمارت کے کسی بند کمرے میں ہم لوگوں کے خلاف کوئی منصوبہ بندی ہو رہی ہو۔" امریکی قونصل خانے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے تحقیر آمیز لہجے میں

کہا۔

قونصل خانے کے وسیع احاطے میں مسلح محافظ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہے تھے۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا کہ ایک نہ ایک دن ہمیں اس عمارت میں رہنے اور کام کرنے والوں سے بھی دو دو ہاتھ کرنے ہی تھے۔

ہوٹل میٹروپول کی وسیع عمارت کا آدھا طواف کرنے کے بعد ہم اواری ٹاورز کے کونے سے شارع فیصل پر مڑ گئے۔ اس شاہراہ پر آتے ہی اول خان نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

ہوٹل مہران، عائشہ باوانی اکیڈمی اور فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کی معروف عمارتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم جلد ہی سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے سگنل پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک دوسری گاڑی آگے آچکی تھی۔ اول خان سکون سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔

اس ٹریفک سگنل سے داہنی طرف سوسائٹی کا بلاک بی تھا جبکہ بائیں طرف زیادہ بارونق اے بلاک واقع تھا۔ ہماری گاڑیاں سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر رکی تھیں اس لیے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ ہمارا ہدف بلاک بی میں واقع تھا۔

سبز اشارہ جلنے پر گاڑیاں داہنی طرف مڑ گئیں۔ مختصر سی مسافت کے بعد پھر داہنا موڑ لیا گیا۔ بائیں طرف کی ایک ذیلی سڑک پر گھومتے ہی ہدف کے واضح آثار نظر آنے لگے۔

گلی کے اختتام پر زمین سے قدرے بلندی پر ریلوے لائن چمک رہی تھی۔ مجھے بے اختیار نادرہ کا وہ مکان یاد آگیا جہاں میں نے رمیش اگروال اور بدری ناتھ کے ساتھ رہتے ہوئے ان کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ وہ مکان شارع فیصل کے اسی رخ پر وہاں سے تقریباً دو تین کلو میٹر دور واقع تھا۔

کھٹومل کا مکان وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا۔ اس کے احاطے میں لگے ہوئے شامیانے دور سے نظر آرہے تھے۔ اندر کے چراغاں کے انعکاس نے فضا کو خاصی دور تک منور کیا ہوا تھا۔ مکان والی سڑک پر دونوں طرف نت نئے ماڈلوں کی گاڑیاں پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کھٹومل کی کوئی مخصوص نجی دعوت تھی جس میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ افراد مدعو نہیں تھے۔

مکان پر حملہ آور ہونے والے اپنی گاڑی سیدھی لیتے چلے گئے۔ اول خان نے اپنی جیپ ایک گلی میں گھمالی۔ ہم پانچوں کو اس آپریشن میں کوئی عملی حصہ نہیں لینا تھا۔ بس دور رہ کر اگلی پارٹی کو پشت پناہی کا یقین دلانا تھا اس لیے جیپ کو گاڑیوں کی بھیڑ میں پھنسانا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

وہ آبادی وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں پر ہی مشتمل تھی۔ مکانوں کی بیرونی دیواروں اور ان کے ساتھ پھیلی ہوئی کچی مٹی کی خستہ حالی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مکین شاید برسوں تک باہر کی دیکھ بھال کے بعد تھک گئے تھے یا پھر انہیں باہر کی پروا ہی نہیں تھی۔ ان کی ساری دلچسپیاں اپنے گھروں کو اندر سے سجانے اور سنوارنے تک محدود تھیں۔

ایک چکر کاٹ کر اول خان نے کھٹومل والی سڑک کے ایک ویران حصے پر جیپ ایسے رخ سے کھڑی کی کہ ہمیں عقب نما آئینوں میں پیچھے کا منظر نظر آتا رہے۔

ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر بجلی کے شارٹ سرکٹ کی تیز بھڑبھڑ کے ساتھ عقبی فضا میں سرخ روشنی نمودار ہوئی اور پھر کھٹومل کے مکان کے اجالے گہری تاریکی نے نگل لیے۔ پروگرام کے مطابق اول خان کے آدمیوں کو کھٹومل کے مکان میں جانے والے بجلی کے تاروں پر دہرا آہنی لنگر اچھال کر تاروں کو آپس میں شارٹ کرنا تھا۔ اس کارروائی کے ذریعے پورے علاقے کی برقی رو بند کیے بغیر صرف کھٹومل کو آسانی سے اپنا نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔ پروگرام کا وہ پہلا مرحلہ طے ہونے کے چند منٹ بعد ہی فضا ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخوں سے گونجنے لگی۔ اس وقت تک ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔

اول خان نے بے گناہوں کے خون سے بچنے کے لیے یہ پروگرام طے کیا تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد اس کے دو آدمی کھٹومل کے گھر میں داخل ہوں اور ہتھیاروں کی دھمکی دے کر مہمانوں کے ساتھ مصنوعی لوٹ مار شروع کر دیں۔ کسی کو کچھ پتا نہ چلا کہ لوٹنے والے کون ہیں۔

وہاں بھگدڑ مچتی تو اول خان کے آدمی بھی بھیڑ میں شامل ہو کر اطمینان سے باہر آجاتے۔ انہیں اس پوری کارروائی کے لیے صرف دس منٹ کا وقت دیا گیا تھا۔ انہیں حتی الامکان گولی نہیں چلانی تھی لیکن کسی سنگین خطرے کی صورت میں ایسی کارروائی کی ممانعت بھی نہیں کی گئی تھی۔

کلفٹن میں درندگی اور بربریت کے مظاہرے کے پیچھے اگر کھٹومل کا ہاتھ کارفرما تھا تو اپنی محفلِ طرب و نشاط کی بربادی پر اسے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ دوسروں کے گھروں پر سنگ باری کر کے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے شیش محل میں محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

گاڑیوں کے انجن بیدار ہونے لگے، بہکے بہکے مہمان بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکل کر اپنی گاڑیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ باہر کے وہ مناظر دوسرے گھروں کے گیٹ لیمپس اور گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نظر آرہے تھے ورنہ کھٹومل کا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

بات صرف انتظار کی ہو تو وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا لیکن جب کوئی سرگرمی جاری ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ میں نے عقب میں رونما ہونے والی صورتِ حال کے ایک سرسری سے جائزے کے بعد رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وقت پورا ہوچکا تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو کسی بھی وقت واپس آجانا چاہیے تھا۔

وقت کی نزاکت اول خان کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنی جیپ کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس کی

نظریں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔

اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی کسی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی گاڑی کی ہر تفصیل کو چھپالیتی ہے۔ وہ خیال مجھے اس وقت آیا جب اول خان کی گود میں پڑے ہوئے ایریٹیں پر اس کے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

وہ لوگ کھٹومل کے گھر سے روانہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے اول خان کی جیپ دیکھ لی تھی۔

اول خان نے انہیں شاہراہِ قائدین کے چوراہے سے آگے نکل کر چند ثانیوں کے لیے رکنے کی ہدایت کی اور پھر جیپ آگے بڑھادی۔

"یہ چاروں یہاں سے سیدھے ملیر کینٹ جائیں گے۔" اول خان نے خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر اپنے ارادے کا اظہار کیا "سلطان شاہ ان کے ساتھ نکل جائے گا۔"

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے اس سے سوال کیا تاکہ میں اس کے جواب کی روشنی میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔

"میں گھر کے سوا اور کہاں جاسکتا ہوں؟ ان دونوں کا گھر پہنچنا ضروری ہے۔" اول خان نے کہا "ان کے بعد تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچادوں گا۔"

"تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں بیم گن اور ایک ریوالور کے ساتھ آگے اتر جاؤں گا۔ یہاں سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"سوچ لو.... آج کل اتنی رات گئے پولیس والے ہر آنے جانے والی ٹیکسی کو روک کر پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑجاؤ۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"دیکھا جائے گا۔ ہتھیار کے ساتھ جیب میں کوئی معقول رقم بھی موجود ہو تو ہتھیار صاف بچایا جاسکتا ہے۔ میں نے فلیٹ چھوڑنے سے پہلے نوٹوں کی ایک گڈی جیب میں ڈال لی تھی۔"

"اوہ! میں پیسوں والی الماری تو کھلی چھوڑ آئی ہوں۔" غزالہ کو اچانک یاد آیا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ کل تک تمہارا ایک ایک پیسہ تمہیں واپس مل جائے گا۔" اول خان نے اسے یقین دہانی کرائی "میرے آدمی سازوسامان کے ساتھ رقم بھی نکال لائیں گے۔"

"نادرہ کا سامان نہ اٹھوالینا۔" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔ "ہم نے وہ فلیٹ فرنشنگ کے ساتھ کرائے پر لیا تھا۔ کپڑوں اور ذاتی ضرورت کے سامان کے سوا ہر چیز فلیٹ والی کی ملکیت ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ ویسے تم نے وہاں سے کوئی چیز اٹھوا بھی لی تو نادرہ شکایت نہیں کرے گی۔"

اول خان کے تبصرے پر ویرا نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ "حیرت ہے کہ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ یہی بات میں کہہ دیتی تو ڈیٹی ابھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتا۔"

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوبارہ شارع فیصل پر آگئیں۔ اس بار جیپ آگے تھی۔

نرسری کے بس اسٹاپ سے ذرا پہلے اول خان نے پٹرول پمپ کے سامنے جیپ روکی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ فوراً ہی جیپ سے اتر گیا۔ پچھلی گاڑی رکی تو سلطان شاہ پھرتی سے اس کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ میں اسے ہاتھ ہلا کر سروس لین کی طرف بڑھ گیا جہاں ٹیکسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔

کراچی کے رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ مسافر کے بجائے اپنی مرضی سے چلتے ہیں۔ لانڈھی جانے والے کو نیو کراچی کا راستہ بتاتے ہیں، کوئی کیماڑی جانا چاہے تو یہ صرف گلشنِ اقبال جانا پسند کرتے ہیں۔ شاید ایسا ہوتا بھی ہو مگر اس دن میرے ستارے یاور تھے۔ میں نے سب سے پہلے جس ٹیکسی والے سے بات کی، وہ فوراً ہی میٹر گرا کر مجھے منزلِ مقصود تک پہنچانے پر رضامند ہوگیا۔

دورانِ سفر میں کالا پل کے علاقے میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک پولیس موبائل کے عملے نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا تو میری روح فنا ہوگئی۔ لین دین کرکے اس مصیبت کو ٹالا ضرور جاسکتا تھا لیکن مصیبت بہرحال مصیبت ہوتی ہے اور ٹل جانے کے باوجود اپنے اثراتِ بد چھوڑ جاتی ہے۔

ڈرائیور نے دو مسلح اور باوردی سپاہیوں کے قریب ٹیکسی روکتے ہی کیبن لائٹ آن کردی۔ سپاہیوں نے جھک کر اشتباہ آمیز عقابی نگاہوں سے میرا اور ڈرائیور کا گہرا جائزہ لیا پھر انہیں ہم میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ انہوں نے نال کے اشارے سے ٹیکسی کو جانے کی اجازت دے دی۔

میں نے سکون کا ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگالی۔ اس وقت ذرا سی کوئی بھی بات میرے سارے ذہنی سکون کو درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

"صاحب! تمہارے پاس کوئی مال ہو تو بتادو۔" اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے عاجزانہ لہجے میں گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے مجھے مشورہ دیا۔

"اول تو میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس پر پولیس والے اعتراض کرسکیں اور ہوتی بھی تو تمہیں اس کے بارے میں بتانے سے کیا فرق پڑسکتا تھا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا "پولیس والا جہاں بھی ہاتھ دکھائے گا، تمہیں رکنا پڑے گا ورنہ وہ پیچھا کرکے پکڑلیں گے۔"

وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا "ہر آدمی اپنے فن کا ماہر ہوتا ہے۔ پولیس سے بچا کر منزل پر پہنچانے کے لیے میں میٹر سے پچاس روپے فالتو لیتا ہوں۔ مجھے کراچی کی ایسی ایسی گلیاں یاد ہیں جن سے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتا ہوں اور راستے میں پولیس والوں کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔"

"کیا تم اپنے ہر مسافر سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہو؟" میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

"نہیں صاحب!" اس نے جلدی سے کہا "آدمی دیکھ بھال کر بات کرتا ہوں۔"

"مجھ میں تمہیں ایسی کون سی مشتبہ بات نظر آگئی جو یہ باتیں نکال بیٹھے؟"

"صاحب، برا نہ ماننا۔" وہ گھگیا کر بولا "تمہاری جیبیں ذرا بھاری نظر آئی تھیں۔ شراب وغیرہ لے جانے والے شریف آدمی عام طور سے پولیس کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ چار چھ سو روپے کی شراب اور عزت بچانے کے لیے مجھے خوشی سے پچاس روپے فالتو دے جاتے ہیں۔"

"تو یہ بات ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا "وہ شروع ہی سے میری جیبوں کے بھاری پن کو تاڑ چکا ہے۔"

اس وقت ٹیکسی فیز نمبر دو کے کمرشل ایریا میں داخل ہو چکی تھی۔ میری منزل زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں تک پہنچنے کے بہت زیادہ راستے نہیں تھے پھر بھی میں نے خود کو ٹیکسی ڈرائیور کی کسی غیر متوقع شرارت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہنس کر کہا "تم خطرناک آدمی ہو۔ جیبوں میں چھپی ہوئی بوتلیں تاڑ لیتے ہو۔ چلو پچاس روپے تمہارے ہوئے۔"

اپنی بھاری جیبوں کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے وہ پیشکش ناگزیر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈیفنس کے رہائشی علاقے سے سن سیٹ بلے وارڈ پر نکلنے کے بجائے یکایک ہی کسی کچی آبادی میں جا گھسا جہاں تنگ گلیوں میں خاصی گنجان آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

کچی آبادیوں کی طرز پر قائم ہو کر بعد میں باقاعدگی اختیار کرنے والی وہ کالونیاں ڈیفنس اور کلفٹن کے بیش قیمت رہائشی علاقوں کے درمیان مدتوں سے حدِ فاصل کے طور پر قائم تھیں لیکن میں نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ ڈرائیور مجھے اپنی مہارت سے مرعوب کرنے کے لیے زیادہ فاصلہ ایسی ہی غیر معروف گلیوں میں طے کرتا رہا۔ ایک دو جگہ وہ کسی سڑک پر بس لمحہ بھر کے لیے آیا اور عبور کرتے ہی کسی اور بھول بھلیاں میں گھس گیا۔

سپر مارکیٹ والے چوراہے پر اسے مجبوراً سڑک پر آنا پڑا۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس قسم کے روشن اور بارونق مقامات عام طور پر پولیس کی چیکنگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اختیارات کے فراخ دلانہ استعمال کے لیے نسبتاً ویران اور تاریک مقامات پر عارضی چوکیاں بناتے ہیں تاکہ وہاں ہونے والی کارروائیاں خلقِ خدا کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکیں۔

وہ مجھے گھر تک پہنچانے پر مُصر تھا مگر میں نے اسے مین روڈ پر ہی فارغ کر دیا۔ راستے میں میں دیکھ چکا تھا کہ ہمارے فلیٹ والی عمارت اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ بدستور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں متعدد ایسی گاڑیاں جمع تھیں جن کی چھتوں پر گردش کرنے والی زرد، نیلی اور سرخ روشنیاں دور سے دیکھی جا سکتی تھیں۔

ہمارے متروک فلیٹ سے جہانگیر کے گھر کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لیے واردات کے اثرات وہاں بھی پائے جا رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے آس پاس سے اپنی جملہ نفری سمیٹ کر جائے واردات پر مرکوز کر دی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے رونما ہونے والے واقعات پر اس وقت بھی اِکّا دُکّا ٹولیاں تبادلۂ خیال کر رہی تھیں۔ وہ سب اس علاقے کے فلیٹوں کے باسی معلوم ہو رہے تھے جو تازہ ترین صورتِ حال جاننے کے لیے شاید دیر سے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔

میں اپنی جیبوں کے وزن کی طرف سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ جو چیز ایک عام سے ٹیکسی ڈرائیور کو نظر آ سکتی تھی اسے کوئی ذہین شخص بھی دور سے بھانپ سکتا تھا۔

جہانگیر کے گھر میری زیادہ آمد و رفت نہیں رہی تھی پھر بھی چوکیدار کو میری صورت یاد تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس نے مجھ سے کوئی استفسار نہیں کیا بلکہ مجھے سر کی جنبش سے سلام بھی کیا اور میں لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

غیر متوقع طور پر اتنی رات گئے مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر سلمیٰ حیران رہ گئی۔

"تم؟ اس وقت یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟" اس نے میرا بازو تھام کر مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا "باہر کے حالات تو بہت زیادہ خراب معلوم ہوتے ہیں۔"

میرے ذہن نے فوراً ہی قلابازی کھائی۔ فائرنگ کی گھن گرج وہ بھی سن چکی تھی، واقعے کی دیگر تفصیلات اگلے دن کے اخبار سے اس کے علم میں آ جاتیں۔ وہ ہمارے نمبر پر فون کر کے معلوم کر سکتی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی وہاں مقیم نہیں تھا۔

یہ خدشات ایسے تھے کہ ان کے سدِباب کے لیے میں نے اس سے کسی حد تک سچ بولنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا "تم خراب حالات کی بات کر رہی ہو۔ وہاں تو ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ گولیاں کھڑکیاں توڑ کر ہمارے فلیٹ میں آنے لگیں گی..... مگر یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے؟"

"تم بروقت آئے ہو۔ اس وقت انہیں لگام نہ دی گئی تو وہ صبح تک مدہوش پڑے رہیں گے۔"

میں اندر پہنچ چکا تھا۔ میرا بازو بدستور سلمیٰ کی گرفت میں تھا جسے وہ شاید جان بوجھ کر بار بار دبا رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے دروازہ مقفل اور بولٹ کرتے ہوئے کہا "اب یہی دیکھ لو کہ حالات اتنے گڑبڑ ہیں اور انہیں ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ دروازے پر کون آیا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی چور ڈاکو ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا؟ انہیں کبھی بھی میری پروا نہیں رہی۔"

"تم تھوڑی سی احمق اور جذباتی عورت ہو۔" میں نے خوش

دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ پروا کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے تم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم خود اسے سنبھال لوگی۔ بات بڑھ گئی تو خود ہی اسے اپنی مدد کے لیے بلا لوگی۔"

اس نے ہنستے ہوئے میرے بازو میں اپنی انگلیاں تقریباً گاڑ دیں۔

"تم دونوں ایک جیسے ہو۔ ہر وقت ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے رہتے ہو۔ ان کے اعتماد کا حال میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ انہوں نے آج تک گھر کے کام کاج کے لیے کوئی لڑکا رکھنے کی اجازت نہیں دی۔؟"

"اسے ایسا الزام نہ دو۔ گارڈن ایسٹ میں جب تم ایک شاہانہ حویلی میں رہتی تھیں تو وہاں مرد ملازمین کی بھی ایک فوج پل رہی تھی۔"

"وہ اور بات تھی۔ وہ بڑا گھر تھا۔ وہاں ڈرائیور، خانساماں، مالی اور چوکی داروں کے ساتھ دو ماسیاں بھی ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی تھیں جو پیسوں کے لالچ میں انہیں میری پل پل کی خبریں دیتی تھیں۔ یہاں ہم زیادہ ملازم نہیں رکھ سکتے۔"

سلمیٰ وہ تمام باتیں نیچی آواز میں کر رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ کے دروازے سے ذرا پہلے اس نے میرا بازو چھوڑا تو مجھے یقین تھا کہ وہ وہاں نیل ڈال چکی تھی۔

"آخاہ....!" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی جہانگیر اپنی کرسی سے یوں اچھلا کہ اس کے ہاتھ میں موجود گلاس سے خاصی اسکاچ چھلک کر اس کے کپڑوں پر گر گئی۔ اس نے پروا کیے بغیر گلاس تپائی پر رکھا اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر میری طرف لپک آیا۔

"آخر تمہیں میرا خیال آ ہی گیا۔" وہ مجھ سے گلے ملتے ہوئے شکوہ کر رہا تھا "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے تمہیں دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔ سنا ہے کہ ویرا تمہیں لے کر بنکاک فرار ہو گئی تھی۔"

"تم اتنی عمر گنوا کر بھی احمق کے احمق ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا "وہ یہاں بھی میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہمیں یہاں سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ فرض کرو کہ فرار ہوئے بھی ہوتے تو کیا سب کو بتا کر جاتے کہ ہم اس ظالم سماج سے بھاگ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یار کبھی تو عقل کی بات کر لیا کرو!"

"یہ سب مجھ سے نہیں، ان بی جمالو سے پوچھو۔" جہانگیر نے مجھ سے الگ ہو کر اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بےزاری سے کہا "تمہارے خلاف یہی ہر وقت میرے کان بھرتی رہتی ہے۔ تم آ گئے ہو تو تمہارے سامنے تمہاری ایسی ہمدرد بن جائے گی جیسے دنیا میں اسے تم ہی سب سے عزیز ہو۔"

میں نے زبان سے کوئی شکایت کیے بغیر ملامت آمیز نظروں سے سلمیٰ کو گھورا اور وہ فوراً بول پڑی۔

"یہ شراب پی کر مجھ پر صرف الزام تراشیاں نہیں کرتے، جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ابھی فون ملا کر غزالہ سے پوچھو کہ اس سے کس نے بات کی تھی۔ اس سے سب کچھ اگلوا کر انہوں نے ہی بڑی حسرت سے مجھے بتایا تھا کہ ڈینی سالا اتنا خوش نصیب ہے کہ ایک حسین بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری حسینہ، عالم کو بھگا لے گیا...."

"چلو چلو.... یہ میں نے ہی کہا ہو گا۔" بیوی کی پھٹکار سن کر جہانگیر کا حافظہ فوراً بحال ہو گیا "اب یہ تو مان لو کہ تم نے تردید کرنے کے بجائے میری ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ یہ تک کہہ دیا تھا کہ ڈینی بہت ندیدا ہے اور غزالہ جیسی معصوم اور بے زبان بیوی پر ظلم کر رہا ہے۔"

وہ دونوں زبانی جنگ میں الجھ کر مجھے بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ میں نے اطمینان سے خود ہی کرسی سنبھال کر سگریٹ سلگائی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ان کی باتوں سے محظوظ ہونے لگا۔

"میں شادی سے پہلے ڈینی کو جانتی تک نہیں تھی۔ لاہور سے بالکل سیدھی سادی آئی تھی۔ تم ہی نے اپنے دوست کی غیبتیں کر کے میرا دماغ خراب کیا ہے ورنہ میں جانتی ہوں کہ ڈینی اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ تمہاری طرح ہر وقت پرائی عورتوں پر اپنی رال نہیں ٹپکاتا پھرتا۔"

آخری فقروں میں سلمیٰ نے میرے بارے میں اپنے ذاتی تجربات کا نچوڑ سمو کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ایک طرف میرے کردار کو جہانگیر کے لیے چیلنج بنا دیا تھا اور دوسری طرف مجھ سے دبی زبان میں شکوہ بھی کر ڈالا تھا کہ میں اس کی مہربانیوں کے جواب میں ہمیشہ برف کے تودے کی طرح منجمد اور سرد چلا آ رہا تھا۔

"میرے بارے میں تم دونوں کو لڑنے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ان کے فساد میں مداخلت کرتے ہوئے ہنس کر دونوں کو تادیب کی "تم دونوں میرے بارے میں جو بھی بری بھلی باتیں کہتے رہے ہو، میں جانتا ہوں کہ اس میں ہمیشہ تمہاری نیک نیتی اور خیر خواہی شامل رہی ہے۔"

"میں تمہاری اس فراخ دلی کو بھی ہمیشہ سراہتی ہوں۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بھول جانا اور معاف کر دینا ہی مردوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ میری ذرا ذرا سی لغزش کو مہینوں اپنے دل میں لیے بیٹھے رہتے ہیں اور ہر وقت اس کے بارے میں طعنے دیتے رہتے ہیں۔" سلمیٰ نے قدرے ناز سے شکوہ کیا۔

"تم ہوش و حواس میں رہتے ہوئے لغزش کرتی ہو مگر میری وہ باتیں بھی پکڑ لیتی ہو جو میں سُرور کی روانی میں ارادے کے بغیر کہہ جاتا ہوں...."

"بس!" میں نے جہانگیر کی بات کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے "میں تم دونوں کے جھگڑے نمٹانے کے لیے یہاں نہیں آیا۔ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا گیا تو میں اسی وقت واپس چلا جاؤں گا۔ یہ پروا نہیں کروں گا کہ اپنے فلیٹ میں میرا کیا حشر ہو گا۔"

"حشر؟" جہانگیر نے تحیرزدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "تو کیا تم

غزالہ سے لڑ کر یہاں آئے ہو؟"

"وہ نہیں' میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو تھوڑی دیر پہلے گولیاں برساتے پھر رہے تھے۔" میں نے جل کر کہا "انہیں میری واپسی پر خاصی خوشی ہوگی۔"

"دیکھ لیا!" جہانگیر نے سلمیٰ کی طرف متوجہ ہو کر فخریہ لہجے میں جتایا "میں نے فائرنگ کی آوازیں سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ہونہ ہو' یہ ڈیئی کی کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ یہ جہاں ہوتا ہے' وہاں سے سکھ چین سب سے پہلے رخصت ہوتا ہے۔"

"اتنا بڑھ چڑھ کر مت بولو۔" میں نے خفا ہو کر کہا "ابھی کچھ پتا نہیں کہ گولیاں کیوں چل رہی تھیں۔ میں نے صرف ایک خطرے کا اظہار کیا تھا اور تم اسی کو لے دوڑے۔"

سلمیٰ نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن جہانگیر نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا "کچن میں جا کر جلدی سے چکن اور مٹن کے کچھ پارچے بھون لو۔ ڈیئی اتنے دنوں بعد آیا ہے تو اس کی دعوت بھی ہو جانی چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرے سامنے تم اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ لو' میں دفع ہو رہی ہوں۔" سلمیٰ نے یہ کہا اور تنک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"اب سناؤ۔" جہانگیر نے مجھے آنکھ مار کر مونگ پھلی کے دانے چباتے ہوئے کہا "سالی شیطان کی خالہ بن کر سر پر سوار ہونے کے چکر میں تھی۔ تم دونوں بنکاک میں کیا کرنے گئے تھے؟"

"چند روز کے لیے دشمنوں کی نظروں سے دور رہ کر تفریح کرنے کا ارادہ تھا.... تم نے سلمیٰ کے دماغ میں یہ کیا گند گھولا ہوا ہے کہ بنکاک مردوں کی تفریح کی جگہ ہے' شریف عورتیں وہاں نہیں جاتیں۔"

"یار' سمجھا کرو۔" وہ دبی دبی آواز میں بولا "یہ ہر جگہ میری دُم چھلی بننے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ شاندار دعوت میں بھی آدمی گھر سے باندھ کر لائی ہوئی دال روٹی کھانے بیٹھ جائے تو لعنت ہے اس کی زندگی پر.... یہ خانم یہی چاہتی ہے۔"

"تمہاری رگ رگ سے واقف ہونے کے باوجود وہ تمہارے ہر جھوٹ پر یقین لے آتی ہے۔ وہ بڑے تجسس کے ساتھ یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ ویرا بنکاک میں کیا کرتی پھر رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا۔

جہانگیر نے اپنی دروغ گوئی کی کامیابی کی اس اطلاع پر ایک قہقہہ لگایا اور کہا "آخر کو بیوی ہے اور میں اس کا مزاجی خدا ہوں۔ میری بات کا یقین نہیں کرے گی تو کہاں جائے گی۔"

"اے عقل مند! مزاجی نہیں' مجازی خدا کہا جاتا ہے حقیقی شوہر کو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو یہی بولتے سنا ہے۔ تمہیں بلاوجہ میری ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت پڑ گئی ہے۔"

وہ برا مان کر اکڑ گیا اور فوراً گلاس منہ سے لگا لیا۔

"تم جیسے پڑھے لکھے لوگ تو مزاج شریف کو بھی مجاز شریف کہتے پھرتے ہیں۔"

"یہ دونوں طرح چلتا ہے۔" اس نے اعتراف کیا "کبھی کبھی سننے میں بھی فرق پڑ جاتا ہے.... لو' تم بھی جلدی سے اپنا گلاس بنا ڈالو تاکہ میری طرح سرور میں آ جاؤ۔ اس وقت تم بالکل خشک معلوم ہو رہے ہو۔"

"میں تمہارا مہمان ہوں اور یہ یاد رکھنا کہ اس مرتبہ بلائے جان بننے کے ارادے سے آیا ہوں۔" میں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

بات اس کے سر پر سے گزر گئی "تم واقعی میری جان ہو۔" یہ کہہ کر اس نے میز پر رکھے ہوئے خالی گلاسوں میں شیواز ریگل کی خوب صورت بوتل سے اسکاچ انڈیلنی شروع کر دی۔

"تمہاری میز پر یہ دوسرا خالی گلاس کیوں رکھا ہوا تھا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"گھر میں بیٹھ کر اکیلے شراب پینے کی یہ تکنیک میں نے ڈش کے ایک چینل سے سیکھی ہے۔" اس نے میرے لیے پیگ بناتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہائیں! تو کیا میز پر محض ایک خالی گلاس رکھنے میں بھی کوئی تکنیک پوشیدہ ہے؟"

"ہاں! یہ ایک نفسیاتی ترکیب ہے۔ آدمی کو اکیلے پن کا احساس نہیں ستاتا۔ شروع میں اسے امید رہتی ہے کہ جلد ہی کوئی نہ کوئی آ کر اس کا ساتھ دے گا۔ جب چراغوں میں روشنی نہیں رہتی تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی ساتھی گلاس خالی کر کے باتھ روم میں گئی ہوئی ہے' جلد لوٹ آئے گی۔"

"یہ نفسیاتی ترکیب نہیں' عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والی حرکت ہے۔"

"دیکھ لو.... دوسرا گلاس رکھا ہوا تھا تو تم آ ہی گئے اور میں اکیلا نہیں رہا۔ میں نے پچھلے ہفتے ہی اس ترکیب پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ چھ دنوں میں ایک کامیابی کا مطلب ہے یہ ترکیب اب تک سولہ فیصد سے زیادہ کامیاب ہے۔ آج کل تو کاروبار بھی محض دس فیصد پر چل رہا ہے۔"

"کس کاروبار کی بات کر رہے ہو؟ کیا کہیں سے کمیشن وصول کر رہے ہو؟"

"ایک ناکام ڈاکٹر سے فارمیسی کا لائسنس خریدا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دوائیں بیچ رہا ہوں۔ دکان پر دو ملازم بھی ہیں۔ کام چل نکلا تو دوائیں امپورٹ بھی ہوں گی۔ اس کام میں چاندی ہی چاندی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے لیے بنایا ہوا گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔

گلاس میں چھلکتے ہوئے سیّال کا رنگ چغلی کھا رہا تھا کہ جہانگیر نے میرے ساتھ بددیانتی کی تھی۔ گلاس میں برف اور پانی کے

مقابلے میں اسکاچ کی مقدار کافی زیادہ تھی۔ نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے چالاکی سے مجھے زیادہ پلانے کی کوشش کی تھی۔ میں بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"دواؤں کی درآمد میں چاندی کی کہانی تمہیں کس نے سنادی؟" کسی شکوے کے بغیر اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں نے بھبتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ویسے تو سب روتے ہوئے ہی نظر آئیں گے مگر یہ اندر کی باتیں ہیں۔" وہ مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "برسوں سے استعمال ہونے والی متعدد دوائیں نئی تحقیقات کے نتیجے میں آئے دن بند ہوتی رہتی ہیں۔ یورپ اور امریکا میں ان کی بندش کا قانون فوراً نافذ ہوجاتا ہے۔ کمپنیاں مارکیٹ سے اسٹاک اٹھانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ ہمارے یہاں اول تو کسی بندش یا پابندی کا قانون ہی نہیں ہے۔ ہو بھی تو لوگوں کو برسوں بعد ہوش آتا ہے۔ ایسے اسٹاک کوڑیوں کے مول مل جاتے ہیں۔ سال میں دو چار سودے بھی مل جائیں تو وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ بالکل صاف ستھرا اور قانونی کام ہے۔"

"یعنی اب تم ناقص بلکہ مضر دوائیں یہاں درآمد کرکے لوگوں کے جان ومال سے کھیلو گے۔ ایسی دولت لوٹتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"جس نے کی شرم' اس کے پھوٹے کرم۔" وہ بے حیائی سے مسکراتا رہا "اور دوسری مشہور کہاوت بھی سن لو کہ روم جاکر وہی کرو جو سب رومن کرتے ہیں۔ یہاں ہر ایک یہی کر رہا ہے تو میں کیوں نہ کروں۔ میں کوئی جرم کروں گا اور نہ قانون کی خلاف ورزی!"

"میری دعا ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے تمہارا ضمیر جاگ اٹھے!" میں نے تلخی سے کہا۔

"مرنے والے دوبارہ نہیں جاگا کرتے.... ضمیر جعفری کافی دن پہلے رحلت پاچکے ہیں۔" اس نے میرا مضحکہ اڑایا "حیرت ہے کہ تم اتنے بے خبر رہتے ہو۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی مگر تحمل سے پوچھا۔
"موجودہ کام کیسا جارہا ہے؟"

"ٹھیک ہے' خرچ نکل رہا ہے۔ بس گلشن کا کاروبار چلنے میں ذرا سی رکاوٹ آرہی ہے۔"

میں چونک پڑا "یہ گلشن کے کاروبار کا ذکر تم کہاں سے نکال بیٹھے؟"

"ذرا کرسی آگے کرلو۔" اس نے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی کی "بڑی خوب صورت عورت ہے۔ اس کی آنکھیں ایسی جان دار ہیں کہ بس بے خود کردیتی ہیں۔ اسی سے دوستی کے چکر میں ہوں۔"

"کیا اس کا نام گلشن ہے؟" اس کی بکواس کی روشنی میں میرا وہ سوال فطری تھا مگر وہ بھڑک گیا۔

"اس پر میرے دانت ہیں' تمہیں اس کے نام سے کیا لینا؟ کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی تم نے خود گلشن کا کاروبار چلنے کا ذکر کیا تھا۔ بس اسی لیے پوچھ بیٹھا۔"

"دیکھو گے تو اس پر ہزاروں گلشن قربان کردوگے" وہ اس نامعلوم خاتون کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا "میں نے دانہ ڈال دیا ہے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز آرہی ہے۔ دعا کرو کہ جلدی سے جال میں آجائے۔ میں تو فلیٹ پر لعنت بھیج کر دکان ہی کے پچھلے حصے میں بستر لگالوں گا۔"

مجھے حیرت تھی کہ وہ اسی قدر حسین وجمیل تھی تو جہانگیر جیسے اوباش اور غبی شخص کے جال میں کیسے پھنس رہی تھی۔ اس نے اپنے تازہ ترین معاشقے کا ذکر کرکے میرے دل میں تجسس پیدا کردیا تھا لیکن اس کے بارے میں مزید کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔

خاصی محنت اور وعدے وعید کے بعد اس نے زبان کھولی تو میں اس کی حماقت پر حیران رہ گیا۔

پہلی بار وہ اس سے کچھ مہنگی دوائیں لینے آئی تھی۔ جہانگیر اس کی نظروں کا گھائل ہوگیا اور بیک جنبشِ قلم پچاس فیصد رعایت پر وہ دوائیں اس کے حوالے کردیں۔ نسخے میں شامل مہنگا ترین انجکشن صرف ایک بار کے لیے تھا۔ دوسری دوائیں ہفتے بھر سے زیادہ مدت کے لیے کافی تھیں لیکن وہ چوتھے روز اسی نسخے کے ساتھ دوبارہ موجود تھی۔ جہانگیر نے اس بار بھی کوئی سوال کیے بغیر اس سے حاتم والا سلوک کیا۔ وہ مسکرائی اور اس کا شکریہ ادا کرکے چلی گئی۔

اس عورت کی مسکراہٹوں نے جہانگیر کی کھوپڑی پر کچھ ایسی برف جمائی تھی کہ وہ خوشی سے پھولا نہ سمارہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ عورت محض اسے دیکھنے کے لیے ہر دوسرے تیسرے روز مہنگی دواؤں کی خریداری کے بہانے دکان پر آرہی تھی اور آدھے داموں پر ہی سہی' خاصی غیر ضروری دوائیں خرید رہی تھی' وہ موقع پاکر کسی بھی وقت اس سے اظہارِ مدعا کے لیے تلا بیٹھا تھا۔

"تم سے خریدی ہوئی دواؤں کا وہ کیا کرتی ہوگی؟" پوری بات سن کر میں نے اس سے پوچھا۔

"پھینک دیتی ہوگی یا کسی خیراتی ادارے کو دے دیتی ہوگی؟" اس نے بے فکری سے کہا۔

"تم سے ملاقات کا بہانہ درکار ہے تو کچھ سستی دوائیں بھی خرید سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم ان دواؤں کے پیسے ہی نہ لو۔ آخر وہ اسی ایک نسخے کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے؟"

"بے چاری کو خیال نہیں آیا ہوگا" جہانگیر نے معصومیت سے کہا "عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں نا۔"

اس بار میں اپنا غصہ ضبط نہ کرسکا اور دانت پیس کر بولا "ابے گھامڑ! وہ تجھے لوٹ رہی ہے۔ اس نے روز آنا شروع کردیا تو چند ہی مہینوں میں تم کو کنگال کردے گی۔ وہ تم سے آدھی قیمت پر لی ہوئی

دوائیں دس پندرہ فیصد کم داموں پر بھی کسی اور اسٹور والے کو بیچتی ہوگی تو اسے معقول رقم مل جاتی ہوگی۔ یہ موٹی سی بات تمہاری بُھس بھری ہوئی کھوپڑی میں کیوں نہیں آئی۔"

"یہ نہیں ہوسکتا" وہ بے یقینی سے بڑبڑایا "صورت سے وہ ایسی دھوکا دینے والی نہیں لگتی۔ دوا بیچنے کے لیے اسے خوامخواہ کسی اور دکان دار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہوگا۔"

"آزما کر دیکھ لینا۔ جس دن تم نے اس سے پوری قیمت وصول کرنی چاہی' وہ اسی روز پیسوں کی کمی کا بہانہ کرکے یوں غائب ہوگی کہ تم اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔"

"مجھے پٹی مت پڑھاؤ" وہ خفا ہوگیا "مجھے ایسی حرکت کرنے کی کیا ضرورت ہے جس سے وہ ناراض ہوکر ہمیشہ کے لیے چلی جائے۔ رعایت اس نے تو نہیں مانگی تھی' میں نے خود ہی دی تھی۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے کیئے کا کچھ علاج نہیں ہوتا۔ خود کو دِوالیا کرلو مگر اسے ہرگز ناراض نہ کرنا۔ اسے تم جیسا بے وقوف دکاندار شہر بھر میں نہیں ملے گا۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں جانوں اور میرا کام۔ اب میں اس بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں گا' نہ تم سے کوئی مشورہ لوں گا۔ شراب پیو اور اچھی اچھی باتیں کرو بلکہ یہ بتاؤ کہ فائرنگ کا کیا چکر تھا۔"

میرا دل تو یہ چاہا کہ فائرنگ کو میں اپنا ذاتی معاملہ قرار دے کر اسے ترکی بہ ترکی جواب دوں مگر اس وقت میری غرض اٹکی ہوئی تھی۔ چند راتوں کے لیے مجھے شہر بھر میں اس کے گھر سے بہتر ٹھکانا میسر نہیں آسکتا تھا۔ میں نے دل پر جبر کرکے کہا "کچھ لوگ گولیاں برساتے ہوئے ہماری عمارت میں داخل ہوئے تھے پھر ان کا کسی سے ٹکراؤ ہوگیا۔ شاید کچھ خوں ریزی بھی ہوئی ہے۔"

"تم اس میں شامل نہیں تھے؟" اس نے اشتباہ آمیز انداز میں پوچھا۔

"شامل ہونے کا مرحلہ نہیں آیا۔ اس سے پہلے سب کچھ ختم ہوگیا۔ ہم لوگ خاموشی کے ساتھ فلیٹ چھوڑ چکے ہیں" میں نے دھیمی آواز میں اسے آگاہ کیا۔

"پھر ویرا کہاں ہے؟ اور لوگ کہاں ہیں؟" اس مردود کو سب سے پہلے ویرا یاد آئی تھی۔

"سب لوگوں کو میں نے اِدھر اُدھر بھیج دیا' خود یہاں چلا آیا۔ تمہارے فلیٹ میں اتنی بھیڑ بھاڑ کی گنجائش نہیں ہے۔ آج کے واقعے کے بعد تمہارے گھر میں زیادہ مہمانوں کی آمد کو چوکیدار سے لے کر پڑوسیوں تک سب لوگ شک وشبے کی نظر سے دیکھیں گے۔"

"بات تم دور کی سوچتے ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن آج میرا دل خوش ہوگیا۔ ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو چند روز کے لیے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے۔ اب دیکھنا کہ سلمیٰ خانم کیسی جل کر کباب ہوتی ہے۔ تمہارے سامنے وہ اپنی بدکلامی کے جوہر بھی نہیں دکھا سکے گی۔"

"تم کنوئیں کے مینڈک ہو۔ تمہاری ہر سوچ بس سلمیٰ کو اذیت پہنچانے پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہے۔ وہ اتنی بری نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ نباہ کررہی ہے اور تمہارے اکلوتے بیٹے کی ماں ہے۔"

"بیٹے کا ذکر مت کرو۔ بلاوجہ دل خراب ہونے لگتا ہے۔" اس کی آواز اچانک بھرّا گئی۔

میرا دل ہول اٹھا۔ پتا نہیں اس کے بیٹے کو کیا ہوا تھا۔ جب سے میں فلیٹ میں آیا تھا' میں نے کسی نومولود کے رونے یا قلقاریاں مارنے کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ میں نے ہمدردی سے پوچھا۔ "کیوں؟ وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اسے سلمیٰ کے سائے سے بچانے کے لیے ننھیال میں دے دیا ہے۔ لاہور میں میرا ایک سالا لاولد ہے اور سلمیٰ کا بڑا بھائی ہونے کے باوجود شریف آدمی ہے۔ وہ اس کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ بس وہ یاد بہت آتا ہے۔"

میرے دل پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ "تم نے تو مجھے دہلا دیا تھا۔ میں سمجھا کہ کہیں خدانخواستہ اسے ایک بار پھر اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ آستین سے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی خشک کرتے ہوئے بولا "سچ پوچھو تو مجھے ایک خوف یہ بھی تھا۔ میں کراچی چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی دوبارہ ایسی حرکت کرسکتا ہے۔ وہاں میرا بچہ ایسے ہر خطرے سے محفوظ رہے گا۔"

جہانگیر کا کوٹا پورا ہوچکا تھا۔ اس کی زبان پر لکنت طاری ہونے لگی تھی۔ رقتِ قلب کا مظاہرہ وہ اپنے بچے کے ذکر پر کرچکا تھا۔ میں نے تھوڑی سی اسکاچ لینے کے بہانے بوتل اس کے پہلو سے اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لی۔ وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیر تک میری طرف دیکھنے کے باوجود یہ نہ سمجھ سکا کہ میں نے کیا کارروائی کی تھی۔ اس کی خرابی یہی تھی کہ پیتے پیتے شراب کا کوئی ایک گھونٹ اچانک ہی اس کے حواس مختل کردیتا تھا۔ خود اسے بھی یہ اندازہ نہیں ہوپاتا تھا کہ وہ کب آؤٹ ہوگیا۔

"تم یہاں رہوگے' میرے پاس رہوگے' میرے کمرے میں رہوگے" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا "سالی سلمیٰ خانم دوسرے کمرے۔۔۔"

سلمیٰ اس کے فقرے کے ابتدائی الفاظ سن کر بپھرے ہوئے تیوروں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "میں اب تمہاری سالی ہوگئی؟ یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے" وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بولا "میں اپنے سالے کی بات کررہا تھا۔ وہ جو تمہارا بڑا سالا ہے۔ منا اسی کے پاس ہے نا؟"

سلمیٰ اپنے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر میری طرف مڑی اور بھنّا کر

بولی "کم وبیش روز یہی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کھانا کھاتے کھاتے ہی میز پر سرٹکا کر سو جائیں۔ میں اس آدمی کا کیا کروں؟"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ یہ اِدھر اُدھر منہ نہیں مارتا۔ جو کچھ کرتا ہے' گھر ہیں کرتا ہے۔" اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر میں نے فوراً پینترا بدل لیا "ویسے یہ بہت بری بات ہے۔ آدمی کو پینی ہی ہو تو اوقات میں رہ کر پیئے ورنہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔"

"جس دن میں سختی کرتی ہوں اور ساری بوتلیں الماری میں مقفل کر کے چابیاں چھپا دیتی ہوں تو یہ رات بھر کسی اداس الّو کی طرح چھت اور دیواروں کو تکتے رہتے ہیں' ہنسنا بولنا بھول جاتے ہیں اور ایش ٹرے میں جلی ہوئی سگریٹوں کا انبار لگا دیتے ہیں۔ میں اپنا یہ دُکھ کس سے کہوں؟"

"فکر مت کرو" میں نے اسے تسلی دی "اس بار میں دو چار روز اس کے ساتھ رہوں گا اور اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کل سے ایسا نہیں ہوگا۔"

میری زبان سے دو چار روز کا ذکر سنتے ہی سلمیٰ کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ پُرسکون ہو کر بولی "ٹھیک ہے۔ کل بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ تم نے انہیں راہِ راست پر ڈال دیا تو میں تمہارے پیر چوموں گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھانا تیار ہے' اس کا کیا کروں؟"

فضا میں واقعی بھُنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبوئیں تیرتی پھر رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ پہلے میرا دھیان اس طرف کیوں نہیں گیا۔ میں نے اسے مشورہ دیا "کھانا یہیں لے آؤ اور تم بھی آجاؤ۔"

جب تک سلمیٰ کمرے میں موجود رہی' جہانگیر آنکھیں موندے اپنی کرسی پر خاموش پڑا رہا۔ اس نے ہلنے جلنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ سلمیٰ کے جاتے ہی اس کے پپوٹوں میں حرکت پیدا ہوئی' شاید اس نے اپنی آنکھوں میں خفیف سی جھری بنا کر موقع کا جائزہ لیا پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بھی بس خوابیدہ اور نیم وا سی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے کی طرف جھکا اور پھر اپنے زور میں جھکتا ہی چلا گیا۔ میں نے لپک کر اسے روکا نہ ہوتا تو نشے کی جھونک میں اس کا سر خاصی شدت سے میز پر بکھرے ہوئے سامان سے جا ٹکرایا ہوتا۔

میں نے سختی سے اسے کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا ایک ہاتھ تھام لیا اور ہچکیوں کے درمیان اٹک اٹک کر کہنے لگا "دیکھو' ہم دونوں شرابی بھائی ہیں۔ میں اس کا مزاجی خدا ہوں' وہ میری مرضی کے بغیر تمہارے پیر کیسے چوم سکتی ہے؟"

مجھے حیرت تھی کہ نشے کی گہری جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے سلمیٰ کے خلاف غل غپاڑہ مچانے کی کوئی کوشش نہیں کی

تھی بلکہ نہایت مکاری کے ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

میں نے دیوانے کی اس بڑ کا کوئی جواب نہیں دیا تو چند ثانیوں کے انتظار کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگا "مجھے معلوم ہے کہ تم جواب نہیں دوگے۔ تم مجھے مزاجی خدا نہیں مانتے۔ ہر شوہر اپنی بیوی کا مزاجی خدا ہوتا ہے۔ جب تک دل چاہتا ہے' شوہر بنا رہتا ہے۔ اس کے مزاج میں آئے تو وہ اپنی بیوی کا خدا بن جاتا ہے۔ پتا نہیں یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔ جس دن بیوہ ہوئی تو دماغ آسمان سے زمین پر آجائے گا۔"

"بک بک مت کرو" میں نے اس کا شانہ دبا کر سختی سے کہا "وہ کھانا لے کر آرہی ہے۔"

بولتے بولتے اس کی آواز یکایک معدوم ہوگئی مگر اس کا منہ چلتا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی چیز چبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

سلمیٰ نے گرم گرم اور تازہ کھانوں کی ٹرے میز پر رکھ کر اپنی کرسی ایسی جگہ لگائی جہاں سے وہ میری بھی دیکھ بھال کر سکے لیکن جہانگیر کا ذہن کسی حد تک بیدار ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ پیر اس کے قابو میں نہیں تھے۔ میرے ایما پر سلمیٰ اسے برا بھلا کہتی' اپنی کرسی اسی کے پہلو میں لے گئی۔

"لو' اب ڈیڈی کو بھی اپنا تماشا دکھاؤ" سلمیٰ نے چکن کی ایک بوٹی اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں دیتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا "شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ہاتھی جیسے ڈیل ڈول والے آدمی نے اپنا ایسا ستیاناس مارا ہوا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بھی نہیں لے سکتا۔"

"ہائے سلمیٰ ڈارلنگ!" جہانگیر نے کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے سلمیٰ کا چہرہ اور بدن ٹٹولتے ہوئے لقمہ چبانے کی کریہہ آوازوں کے درمیان ہانک لگائی "میں اتنی نہ پیوں تو تم ہرگز مجھے اتنی محبت سے کھانا نہیں کھلاؤ گی۔ میں بہت برا ہوں تو کسی دن ان ہی ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو....."

سلمیٰ نے بے رحمی سے اس کے دہانے پر ہاتھ رکھ دیا "چپ رہو۔ اس حالت میں بھی مکاری سے باز نہیں آؤ گے۔ تمہیں تو مجھ سے زیادہ وہ عورتیں عزیز ہیں جو تمہاری دکان پر ٹکے ٹکے کی دوا لینے آتی ہیں۔"

"میں ان سب کو تمہاری بہنیں سمجھتا ہوں..." چپ چپ اور لکنت کے درمیان وہ بولا۔

سلمیٰ نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ دی "خدا کا شکر ہے کہ میری کوئی اور بہن نہیں ہے پھر بھی تم میری بہنوں کو دن رات گالیاں دیتے رہتے ہو۔ انہیں میری نہیں' اپنی بہنیں سمجھا کرو۔"

میں ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اور وہ سب دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے پہلے جہانگیر کو اس سے زیادہ ابتر حالت میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت میری ذہنی رو کہیں اور پہنچی ہوئی تھی۔ میرے لیے

وہ ایک دوست کا خانگی المیہ نہیں بلکہ ایک آئینہ تھا جس میں مجھے بہت کچھ نظر آرہا تھا۔

جہانگیر محض شرابی تھا۔ شراب ایک نشہ ہے اور بے شک ہر نشہ حرام ہے لیکن پھر بھی شراب ایک طویل مدت میں اور بہت دھیرے دھیرے انسان کو اپنا غلام بناتی ہے۔ جہانگیر پی کر بہکا ہوا تھا مگر اس کے لاشعور کے نامعلوم گوشوں میں کہیں سود و زیاں کا احساس زندہ تھا۔ اس نے بہکنے کے باوجود سلمیٰ کو اس عورت کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی جو اس سے بیش قیمت دوائیں آدھے دام پر لے جاتی رہتی تھی۔ وہ گاہے گاہے میرے سامنے سلمیٰ سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتا رہتا تھا لیکن نشے کی حالت میں مثبت منافقت سے کام لے کر اس کی خوشامدیں کرکے اپنی ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو مستحکم کر رہا تھا۔ اپنی دن بھر کی کاروباری مصروفیات سے نمٹ کر وہ اپنی چار دیواری میں موجود تھا جہاں اس کی خبر گیری کے لیے سلمیٰ موجود تھی۔

نشہ، نشہ ہی تھا مگر اس وقت تک نشوں میں بدترین نشہ ہیروئن کا تھا جو محض چند دنوں میں اپنے عادی کے ہر رگ و ریشے کو ہی نہیں، اس کی روح تک کو اپنا غلام بنالیتا ہے، انسان اپنے سود و زیاں، گھربار، روزگار اور رشتوں کے احترام سے بہت تیزی کے ساتھ بے نیاز ہوتا چلا جاتا ہے۔ وقت پر نشے کی طلب پوری کرنے کے لیے کسی کی چادر کی حرمت کی پروا کرتا ہے نہ کسی چار دیواری کا لحاظ کرتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی کرکے بھی اسے بروقت اپنا نشہ پورا کرنا ہوتا ہے اور کسی وقت یہ ممکن نہ ہو تو ہیروئن کا عادی معدے سے لے کر اعصاب تک کے ان گنت اور ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ گھربار اور اپنوں سے دور، غلاظتوں کے ڈھیر میں ایک غلیظ مگر زندہ لوتھڑے کی طرح اپنی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اس لیے وہاں اس کی خبر گیری کے لیے کوئی نہیں ہوتا اور پھر ایک روز وہ خود کسی گمنام فٹ پاتھ، نالے یا کوڑے دان میں سسک سسک کر، اپنی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔

شہر کے غلیظ ترین مقامات پر غول در غول گندی چادروں میں چھپ کر، سگریٹ کی پنی پر سگریٹ یا دیا سلائی کی تپش سے تحلیل ہوتی ہوئی ہیروئن کے تمام تر دھوئیں کو گہرے سانسوں کے ذریعے اپنے پھیپھڑوں میں کھینچنے والے نہ جانے کن کن ماؤں کے لختِ جگر، بہنوں کے مان اور سہاگنوں کے ارمان تھے جنہیں ہیروئن نگل رہی تھی۔ تپتی دھوپ، کڑکتے جاڑوں اور طوفانی بارشوں میں ان مفلوک الحال نشے بازوں کو کہیں کوئی پناہ میسر نہیں تھی، نہ ہیروئن پینے والے کسی جہانگیر کو اپنی سلمیٰ کی ملامت آمیز محبت کا کوئی عشر عشیر حاصل تھا۔ وہ اپنے حال میں بدحال رہنے اور پھر یوں ہی زندگی سے گزر جانے پر مجبور تھے۔

پیسے دے کر کوچے کوچے میں ہر روز روشن چہروں اور پُرنور پیشانیوں والے ان گنت نونہال ہیروئن کے فسوں خیز مگر ہلاکت انگیز سفوف کے ہاتھوں اپنی زندگیاں گروی رکھ رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ خبر گیروں کو جب تک اصل علت کا علم ہوتا تھا، پانی سر سے گزر چکا ہوتا تھا۔

میرے دل میں ہیروئن کے فروغ کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کے خلاف بے پناہ نفرت کا احساس مزید گہرا ہو گیا۔ جہانگیر اور سلمیٰ کی خواب گاہ میں نظر آنے اور سنائی دینے والے واقعات نے میرے اس عزم کو ایک مرتبہ پھر مستحکم کر دیا کہ موت کے سوداگروں سے میری جو جنگ جاری تھی، وہ جاری ہی رہے گی۔ میرے دشمنوں کی فہرست میں اس وقت جو نام سب سے اوپر تھا، وہ کھٹّومل راجوانی کا تھا۔

○☆○

گہری نیند میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھٹّومل کے آدمی میری تلاش میں بھٹکتے بھٹکتے جہانگیر کے گھر آپہنچے ہوں اور کمرے کا دروازہ توڑ کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ عالمِ خواب میں ہی دہشت کی ایک سرد سی لہر میرے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ میں جس کے خون کا پیاسا تھا وہ موقع ملنے پر میرے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہیں کرسکتا تھا!

عالمِ خواب میں حملہ آور ہونے والی، دہشت کی وہ لہر اس قدر شدید تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ذہن بدستور غنودگی کی گرفت میں تھا لیکن سماعت پوری طرح کام کر رہی تھی۔ یہ جان کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ میری خواب گاہ کا دروازہ گرانے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر سے چھلانگ لگادی۔ خطرے کو خود سے اتنے قریب پاکر میرے حواس بہت تیزی کے ساتھ بحال ہوتے چلے گئے اور پھر دریافت ہوا کہ فلیٹ میں دشمن آگھسا تھا نہ دروازہ توڑنے کی کوئی کوشش کی جارہی تھی بلکہ سلمیٰ دروازہ پیٹ پیٹ کر مجھے جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں نے ہلکی سی انگڑائی لے کر مسکراتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا تو وہاں دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرادیا اور سلمیٰ دروازہ کھول کر دندناتی ہوئی اندر آگئی۔

"اتنی دیر سے دروازہ پیٹ رہی ہوں مگر تم ایسے گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے کہ دنیا و مافیہا کا کچھ ہوش ہی نہیں تھا" اس نے تیوریاں چڑھا کر تیزی سے کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اسے کوئی شوخ جواب دینے کے بارے میں سوچا اور پھر خود ہی اپنا خیال مسترد کر دیا۔ مجھے چند روز تک اسی چھت کے نیچے رہنا تھا۔ میری طرف سے دی گئی ذرا سی بھی ڈھیل سلمیٰ کو بری طرح میرے سر پر مسلط کرسکتی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "رات دیر سے سویا تھا..... شاید ابھی تک میری نیند پوری نہیں ہوسکی ہے۔"

"کبھی کبھی ایسی ہی گہری نیند آتی ہے" وہ معنی خیز لہجے میں بولی

پھر شکوہ کیا "تمہیں اندر سے دروازہ بند کر کے سونے کی کیا ضرورت تھی؟ اس گھر میں تم دوستوں کے درمیان ہو۔"

"بہت عرصے سے عادت سی ہو گئی ہے۔ اسے تم میری کوئی نفسیاتی گرہ بھی کہہ سکتی ہو۔ جب تک دروازہ مقفل یا بولٹ نہ کرلوں' بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"

"جہانگیر ناشتے پر کافی دیر تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد دکان پر گئے ہیں۔ جلدی سے تازہ دم ہو کر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہی ہوں" وہ اپنا حکم سنا کر باہر چلی گئی۔

جہانگیر کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے شاید میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا کہ میں نے وہاں میسر تحفظ کے بارے میں ہی سوچا تھا' اس تحفظ کے ساتھ لاحق ہونے والے سلمٰی کے خطرے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ جب سے مجھ سے متعارف ہوئی تھی' مجھ پر مہربان چلی آرہی تھی۔ ابتدا میں اس نے عورتوں کے روایتی انداز میں میری حوصلہ افزائی کرنے بلکہ اکسانے کی کوششیں کی تھیں پھر ذاتی محرومیوں کے حوالے سے کھل کر میرا سہارا لینا چاہا تھا۔ میں ہر بار کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نکلتا رہا۔ اسے جب بھی موقع ملتا' وہ میرے رویّے کے بارے میں گلے شکوے لے بیٹھتی تھی۔ مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ اس بار جہانگیر کے گھر میں رہتے ہوئے مجھے ایک سخت ترین آزمائش سے گزرنا تھا۔ میں پورے خلوصِ دل سے اس آزمائش میں اپنی سرخ روئی کا خواہاں تھا لیکن آخری نتیجے کا انحصار سلمٰی کے رویّے پر بھی تھا۔

اس پیچ کے بارے میں سوچتے ہوئے میں شاور کے نیچے اپنے بدن پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہاتا رہا۔ میں غسل خانے میں ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری گھنٹی پر وہ سلسلہ معدوم ہو گیا۔ میں جلدی سے تیار ہو کر باہر نکلا تو سلمٰی نے بتایا کہ میرے لیے غزالہ کا فون آیا تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ پچھلی رات ہم لوگ اپنے فلیٹ سے نکلے تو ارادہ یہی تھا کہ باہر کی فضا صاف ہونے پر وہیں لوٹ جائیں گے۔ اس خیال سے ہم نے ہتھیاروں کے سوا وہاں سے کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لی تھی۔ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی بھی وہیں رہ گئی تھی۔ اس حساس آلے کی غیر موجودگی میں' میں فون پر کسی سے بھی کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اول خان کے گھر کا فون نمبر ملا ڈالا۔ اس طرف غزالہ شاید میرے فون کے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"میں آپ کے بارے میں فکر مند تھی" سلام کے بعد اس کی میٹھی اور مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی "آپ نے ٹیکسی میں آنے کا فیصلہ کر کے غیر ضروری خطرہ مول لیا تھا۔"

میں نے کن انکھیوں سے سلمٰی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں یہاں بہت مزے میں ہوں۔ بس ذرا کپڑوں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور سی ایس ڈی بھی نہیں ہے..."

اس نے میری بات کاٹ کر ہنسی کے درمیان کہا "مجھے معلوم تھا کہ آپ کو ہر وقت اس کی ضرورت پڑے گی۔ وہ سب چیزیں یہاں آگئی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آپ کا سامان لے کر نکل چکا ہے۔ سوٹ کیس کسی بھی وقت مل جائے گا..."

"ٹھیک ہے" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت زیادہ گفتگو نہیں ہوسکتی۔ سامان آجانے کے بعد میں دوبارہ فون کروں گا۔"

"حد ہو گئی!" فون بند ہونے پر سلمٰی نے سر جھٹک کر کہا "تم دونوں کی شادی کو اتنے دن ہو گئے مگر اب بھی تمہارا حال لیلیٰ مجنوں جیسا ہے۔ تم رات ہی کو یہاں آئے ہو اور وہ تمہاری آواز سننے کے لیے بے چین تھی۔ پتا نہیں اس نے تمہیں ویرا کے ساتھ بنکاک جانے کی اجازت کیسے دے دی تھی؟"

"میاں بیوی کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ہو تو وہ زندگی بھر ایک دوسرے کے لیے اسی طرح فکر مند رہتے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔"

"اپنی محبت جتا کر میرے اوپر طنز کر رہے ہو یا مجھے جلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"لاحول ولا قوۃ!" میں نے جلدی سے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کے کہا "میں ایسی جسارت نہیں کرسکتا۔ ویسے کل رات میں نے بہت سی خوشگوار باتیں نوٹ کی ہیں۔ تم دونوں بلاوجہ ہی ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو ورنہ دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔ رات کو وہ کس طرح تمہاری خوشامدیں کر رہا تھا۔"

"بس' بس۔ ان باتوں کو رہنے دو۔ میں برسوں سے یہ سب تماشے دیکھتی آرہی ہوں" وہ منہ بنا کے بے زاری کے عالم میں بولی۔ "یہ ان کے پرانے ڈھکوسلے ہیں۔"

"ڈھکوسلے؟" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے حیرت سے دہرایا "تم جہانگیر کے خلوص کی توہین کر رہی ہو۔ وہ واقعی تمہیں پسند کرتا ہے۔ نشے کی حالت میں انسان کی نفرت اور محبت' دونوں میں شدت آجاتی ہے۔ وہ تمہیں خود سے دور بھی دھکیل سکتا تھا۔"

"شراب پی لینے کے بعد عورت کی قربت ان کی ضرورت بن جاتی ہے" یہ کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھ رہی تھیں "اس وقت میرے بجائے کوئی چماری بھی ان کے پاس بیٹھی ہوتی تو وہ اسی طرح اُس کی بھی خوشامدیں کر رہے ہوتے۔ وہ پکے منافق ہیں۔ نشے کی حالت میں ان کی یہ منافقت اور زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔"

"ایسا مت کہو" میں نے احتجاج کیا "میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شرابی جب نشے میں ہوتے ہیں تو اپنا دل کھول کر سب کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ انہیں منافقت دکھانے کا ہوش کب رہتا ہے؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ تیر گئی "تم یہ

باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم خود اس بری عادت میں مبتلا ہو۔ میں ہر روز پورے ہوش و حواس میں جہانگیر کی حرکتوں کو تشویش سے دیکھتی ہوں۔"

"تم اس کے بارے میں جو چاہو کہتی یا سمجھتی رہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"شادی کے بعد میں نے اپنی غلط فہمیوں کی بنا پر خاصے دکھ اٹھائے ہیں۔ میں انہیں نشے میں سمجھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی حماقت کر گزرتی تھی اور پھر جوتے کھاتی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اندازہ ہوا کہ صبح انہیں گزری ہوئی رات کی ہر ضروری بات بہت اچھی طرح یاد ہوتی ہے۔"

وہ اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے بڑے وثوق سے بات کر رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی بات کو تولا' اپنے طویل ماضی پر تیزی سے ایک سرسری نظر دوڑائی اور اس حیران کن نتیجے پر پہنچا کہ جو بات مجھے برسوں سے معلوم نہیں تھی وہ سلمٰی نے صرف ایک فقرے میں بیان کر دی تھی۔

محض بہکنے کی حد تک پینے والے واقعی اونٹ کی سی یادداشت کے مالک ہوتے ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم سرور میں کب اور کس سے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ جو اس حد سے تجاوز کر کے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اول فول بکنے پر اتر آتے ہیں' انہیں واقعی کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا بک رہے ہیں۔

ہر وہ نشہ جس کی زیادتی انسان کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دے' اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ یہ دین و فطرت بلکہ دینِ فطرت کا ایک اٹل اصول ہے جو بنتِ عنب سے جو ہر افیم تک ہر نشے پر لاگو ہوتا ہے۔ نشہ کوئی بھی ہو' تباہ کن ہوتا ہے اور ہیروئن اس دوڑ میں سب سے آگے ہے۔ اس کے عادی کی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں وہ نشے میں ہوتا ہے تو بالکل اپنے آپے میں نہیں ہوتا۔ بند یا کھلی آنکھوں سے ایک عجیب ہی مخلوق کے روپ میں ان دنیاؤں کے لذت انگیز خواب دیکھتا رہتا ہے جو اسے کبھی میسر نہیں آسکیں' اپنی تشنہ و ناکام آرزوؤں کی پیاس وہ ان خوابوں میں بجھاتا ہے' خدا کی بنائی ہوئی زمین پر گھربار سے دور' کہیں بھی بے سدھ پڑ کر ہاتھ پیر ہلائے بغیر شہ زوری و مردانگی کے ایسے ایسے محیرالعقول کارنامے انجام دیتا ہے جو عام انسان کے حیطۂ خیال سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ ہیرو ئنچی کی دوسری کیفیت وہ ہوتی ہے جب اس کا نشہ ٹوٹ چکا ہوتا ہے' وہ اداسی' اضمحلال' بے عملی اور مایوسی کے عالم میں خود فراموش ہو کر بس ایک ہی دُھن میں ہوتا ہے کہ اسے کہیں سے اور کسی بھی طرح ہیروئن کی بس ایک پڑیا مل جائے تاکہ وہ حقائق کی اس سفاک اور بے رحم دنیا سے ایک بار پھر خوابوں کے ان ہی دھندلے دھندلے پراسرار' لاہوتی اور عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے جزیروں پر پہنچ جائے جہاں اس کے تصور کے عین مطابق کسی فرض یا ذمے داری کے بغیر ہر وقت خوشیاں ہی خوشیاں لٹائی جاتی ہیں۔

"انڈا ٹھنڈا ہو رہا ہے' تم خیالوں کی کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو؟" سلمٰی کی آواز نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میرے ہاتھ میں ٹوسٹ دبا ہوا تھا اور ہاف فرائیڈ انڈے کی ٹوٹی ہوئی زردی پھیل کر پلیٹ میں جمنی شروع ہو گئی تھی۔ میں خفت سے مسکرا کر دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

جہانگیر کے گھر میں پہنچنے کے صرف بارہ گھنٹوں میں میری ذہنی رو کسی ارادے کے بغیر دوسری بار ہیروئن کی طرف بہکی تھی۔ میں نے خاموشی سے اپنے ذہن کا تجزیہ کرنا چاہا تو بس ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکا کہ پچھلی رات کے حملہ آوروں کی دیدہ دلیری اور قانون شکنی نے میرے دل و دماغ میں سلگتی ہوئی نفرت کی اس آگ کو بھڑکا دیا تھا جو برسوں سے موت کے سوداگروں کے خلاف جل رہی تھی۔

سلمٰی بھی ناشتے میں دھیرے دھیرے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ شاید وہ ناشتے کی پہلی قسط اپنے شوہر کے ساتھ مکمل کر چکی تھی۔ میں اس بات سے مطمئن تھا کہ گھر میں مکمل خلوت میسر ہونے کے باوجود سلمٰی نے ایک بار بھی وقار و شائستگی کی حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی جامے میں رہتی تو میرے لئے اس گھر میں چند روز تو کیا' چند مہینے گزارنا بھی آسان تھا۔

"یہ امریکی تمہارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں؟" ناشتے کے اختتام پر سلمٰی کے اس غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"تمہارے اوپر پہلے بھی کوئی بڑا انعام رکھا گیا تھا؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس سے سوال کر ڈالنے کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"رات کو تم ہی نے اخبارات کی فرمائش کی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کی میز پر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے آج تک اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے پیمانے پر دشمنیاں مول لیتے پھر رہے ہو۔" اس کا جواب متوقع تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور وہاں کھڑے کھڑے اردو اور انگریزی اخبارات کے پہلے صفحے کا سرسری جائزہ لے ڈالا۔

وہ دونوں صبح کے اخبارات تھے اور اپنی پالیسی کے تحت سنسنی خیزی سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ کارِ خیر وہ اپنے شام کے اخبارات کے لئے چھوڑ دیتے تھے مگر ان کی ذیلی سرخیوں میں حقیقتوں کا دردناک اعتراف موجود تھا۔ اخبار والے وہی کچھ دیکھتے تھے جو ان کے سامنے آتا تھا' وہ میری یا اول خان کی طرح پسِ پردہ کہانیوں سے باخبر نہیں تھے۔ انہوں نے شہر میں یکایک ہونے والی دہشت گردی اور خوں ریزی پر احتجاج کرتے ہوئے کلفٹن کے علاقے میں پچھلی رات چھ نامعلوم مسلح افراد کی ہلاکت کا انکشاف کیا تھا۔

چار مسلح افراد کی لاشیں ان کے زیر استعمال ہتھیاروں سمیت ہماری بلڈنگ میں سے ملی تھیں۔ دو لاشیں اس عمارت کی قریبی گلیوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور ہمیں اس کی کوئی

ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ہمیں ملک و قوم کے ان کھلے دشمنوں کو کسی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واقعات کا تسلسل ان کے جرائم کا کھلا ثبوت تھا۔ میرا ضمیر مطمئن تھا کہ ہم نے بے گناہوں کو نہیں مارا تھا' اپنے گھر پر چڑھائی کرنے والے مسلح غنڈوں اور دہشت گردوں کا صفایا کیا تھا۔

بظاہر وہ سب کھٹومل راجوانی کی حرکتیں تھیں۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں پسِ پردہ بیٹھ کر اپنی کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چوبیس گھنٹوں کی مختصر سی مدت میں اپنے دس آدمیوں سے محروم ہونے کے بعد وہ سازشی بادشاہ گر دہل کر رہ گیا ہوگا۔

اس کی پر تکلف ضیافت پر ڈاکوؤں کے شب خون کی کہانی بھی پہلے صفحے کی زینت بنی تھی۔ وہ شہر کا ایک شریف اور معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مہمانوں سے ڈاکو لاکھوں روپے کے زیورات اور نقدی لے اڑے تھے۔ دہشت سے دل کا دورہ پڑنے کے باعث ایک معمر مہمان موقع پر ہلاک ہوگیا تھا۔ پندرہ افراد بھگدڑ اور اندھیرے کے باعث بھاری فرنیچر اور قدموں تلے روندے گئے تھے۔

اول خان کی سخت ہدایت میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ڈکیتی کا ڈراما رچانے کا حکم دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہ وہاں سے ایک کیل بھی نہ لائیں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی سے کچھ چھیننا پڑے تو واپسی پر اسے وہیں پھینک آئیں۔

اس کے باوجود لاکھوں روپے کے زیورات وغیرہ کی گمشدگی کی خبر خیال انگیز تھی۔ معززین اور شرفائے شہر کے اس اجتماع سے فرار ہونے والوں میں سے کچھ لوگ خود ہی پنڈال سے ہاتھ لگنے والی قیمتی اشیا مالِ غنیمت کے طور پر لے اڑے تھے اور وہ ڈکیتیاں نامعلوم افراد کے سر ڈال دی گئی تھیں۔

میری دلچسپی کی تیسری خبر خود میرے بارے میں تھی۔ وزارتِ داخلہ کے ایک افسر نے پاکستان میں ڈینی نام کے کسی مجرم کی موجودگی سے یکسر لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ وہ خبر میرے لئے حیران کن تھی۔ سرکاری سطح پر میرے ساتھ کبھی کوئی رابطہ نہیں کیا گیا تھا۔ چند ملاقاتیں اول خان کے ذریعے ضرور ہوئی تھیں لیکن وہ سرکاری تھیں اور نہ ہی کسی ریکارڈ کا حصہ۔ یوں مجھے علم ہی نہیں تھا کہ سرکاری طور پر اپنے وطن میں میری حیثیت کیا تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ماضی میں امریکیوں کے دباؤ پر یا شاید ان کی خوشنودی کے لئے شہر میں میری تلاش کی نیم دلانہ کوششیں کی گئی تھیں جن میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تازہ ترین خبر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امریکا کے مطالبے کے جواب میں میرے وجود سے لاعلمی ظاہر کر کے مجھے دانستہ ڈھیل دی گئی تھی۔

"قتل اور غارت گری کی خبریں پڑھ پڑھ کر جہانگیر کو اختلاج ہونے لگتا ہے۔" سلمیٰ میرے شانے سے شانہ ملائے کھڑی تھی۔ "اسی وجہ سے ہمارے گھر میں ہر اخبار کا داخلہ بند ہے۔ تم نے اخبار نہ منگوائے ہوتے تو مجھے پتا بھی نہیں چلتا کہ تم خطروں میں گھرے ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ بازار جا کر خریداری کرنے کا پروگرام بنا رہی تھی اب مجھے اکیلا ہی جانا ہوگا۔"

"تم بہت عقل مند عورت ہو۔" میں نے مسکرا کر اس کی تعریف کی اور اس کا منہ بن گیا۔

"تم مجھے ہمیشہ عورت ہی کہتے ہو مگر ویرا کو لڑکی کہتے ہو۔ کیا میں مجھ سے بڑی نہیں لگتی؟"

"لڑکی جب تک کسی نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتی' لڑکی رہتی ہے جس لمحے وہ دستخط ثبت کر دیتی ہے' عورت بن جاتی ہے اور تم تو خیر سے ایک عدد بیٹے کی ماں بھی بن چکی ہو۔ ویرا ابھی ان بکھیڑوں سے آزاد ہے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے یہ بتا دوں کہ دنیا جہاں کے قبل از وقت تجربات نے اسے ذرا سا عمر رسیدہ بنا دیا ہے ورنہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ خفیہ باتیں تم سے زیادہ کون جانتا ہے۔ بنکاک جا کر تمہاری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا ہوگا۔"

اسی وقت جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ اخبارات وغیرہ سے اس کی دلچسپی شاید بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ وہ رات کے واقعات کی تفصیل سے بے خبر تھا اور مجھ سے اسی بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

اسی دوران میں ڈور بیل بجی۔ سلمیٰ نے ڈور لینس سے دیکھنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔

وہ اول خان کا آدمی تھا جس کے بائیں ہاتھ میں ایک سوٹ کیس جھول رہا تھا۔ اس نے شناسا نظروں سے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔ سلمیٰ نے اسے اندر بلا لیا۔

وہ شخص شاید پچھلے دنوں ان کی حفاظت کے لئے ان کے گھر کے گیسٹ روم میں رہ چکا تھا اور سلمیٰ بھی اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میں جہانگیر سے گفتگو مختصر کر کے ان کے ساتھ شامل ہوا تو پتا چلا کہ ان کے درمیان رسمی شناسائی ہی نہیں' تھوڑی سی دوستی بھی تھی۔

اس کی زبانی معلوم ہوا کہ فلیٹ سے ہمارا بیشتر ذاتی سامان اول خان کے گھر منتقل کیا جا چکا تھا۔ میں نے اس کے لائے ہوئے سوٹ کیس کو کھولا تو اس میں کپڑوں کے اوپر ہی خاصی رقم کی کئی گڈیاں موجود تھیں۔ ساتھ میں سی ایس ڈی بھی رکھی ہوئی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس سے آنے والا بجل شاہ نامی وہ اہلکار کام کا عذر پیش کر کے جلد ہی واپس چلا گیا۔ ایس ٹی ایف اسٹیشن فور کے بیشتر اہلکاروں سے میرا ملنا جلنا رہتا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے برعکس اس عقابی تنظیم

پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ نسل اور زبان کے کسی امتیاز کے بغیر یکساں جذبے کے ساتھ دن رات ملک و قوم کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے۔

سامان کے ساتھ سی ایس ڈی مل جانے کے بعد مجھے سلمیٰ کی موجودگی سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس کے مسلسل تسلط سے عاجز آکر مجھے خود ہی اسے یاد دلانا پڑا کہ اسے بازار سے کچھ خریداری کرنی تھی۔

اس نے اپنے کمرے میں جاکر خود کو نوک پلک سے سنوارا اور شولڈر بیگ کے ساتھ واپس آکر مجھے دھمکایا۔ "میں چابی اپنے ساتھ نہیں لے جا رہی۔ فلیٹ بند کر کے کہیں غائب نہ ہو جانا۔"

"بے فکر رہو۔ فی الحال میں خود بھی کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اس نے دھوپ کا خوبصورت فریم والا چشمہ اپنی پیشانی پر چڑھا کر ایک ادا سے مجھے الوداع کہا اور فلیٹ سے نکل گئی۔ جاتے ہوئے اس نے خود ہی دروازہ بند کر دیا۔

میں نے فوراً ہی بگل شاہ کا لایا ہوا سوٹ کیس اپنے کمرے میں لے جا کر الٹ دیا۔ سی ایس ڈی میں نے پہلے ہی نکال لی تھی۔ اسے لابی میں موجود فون لائن سے منسلک کرنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ اس کی تنصیب مکمل ہوتے ہی میں نے اول خان کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

"میرا خیال تھا کہ تم فون کے بجائے اپریٹس پر مجھ سے رابطہ کرو گے۔" اول خان نے میری آواز پہچانتے ہی کہا۔ "میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں تم رازداری کے ساتھ فون استعمال نہیں کر سکو گے۔"

"اپریٹس کہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "تم سے رابطے کے لئے وہی بہتر ذریعہ رہے گا۔"

"اپنے سوٹ کیس میں کپڑوں کے درمیان تلاش کرو۔ اس پر تم میرے علاوہ مزید تین آدمیوں سے رابطے میں رہو گے۔ ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت فلیٹ سے بہت قریب رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ میں دیکھ لوں گا۔ اس وقت میں گھر میں اکیلا ہوں اور فون پر سی ایس ڈی لگا چکا ہوں۔"

"تمہارا ہنسوں کا جوڑا کہاں نکل گیا؟" اول خان نے ہنسی کے درمیان پوچھا۔

"جہانگیر آدھی قیمت پر دوائیں بیچنے گیا ہوا ہے۔ سلمیٰ دگنی قیمت پر سبزی لینے گئی ہے۔"

اول خان وہ فقرہ سن کر دیر تک ہنستا رہا۔ ہنسی تھمی تو اس نے بتایا۔ "پاکستان میں تمہارے خلاف پہلی ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ کھٹول نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ڈپٹی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے مہمانوں پر ڈاکا ڈالا ہے۔ مسروقہ زیورات اور نقدی کی مالیت ستائیس لاکھ سے زائد بتائی گئی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بھونڈے انداز میں اپنے چہرے پر سے خود ہی نقاب اتار پھینکے گا۔ وہ کھل کر سامنے آگیا ہے تو ہمیں بھی کھل کر جوابی وار کرنا ہوگا۔"

"تم بلاوجہ مشتعل ہو رہے ہو۔ ایف آئی آر درج ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمیں اپنا ہر قدم سوچ سمجھ کر اور احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔" میں نے کسی پریشانی کے بغیر کہا۔

"تم ایف آئی آر کی قانونی حیثیت سے ناواقف ہو اس لئے اتنے مطمئن ہو۔ یہ تمہارے خلاف پہلی اور واحد قانونی دستاویز ہے جسے ہر صورت میں ختم ہو جانا چاہئے۔" وہ اس بارے میں مضطرب تھا۔

"ایسا بھی ہے تو وہ اپنا کام کر گزرا ہے۔ تم اس کا کیا توڑ کر سکتے ہو؟"

"میں کام شروع کر چکا ہوں۔ کھٹول کی پارٹی کا انتظام کرنے والے کو اٹھایا جا چکا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ کھٹول کے آدمیوں نے ٹارچوں کی روشنی میں پنڈال سے ہر قیمتی چیز اٹھا کر اپنے مالک کے حوالے کر دی تھی۔ سب سے بڑا ڈاکو وہ خود ہے۔ میری کوشش ہے کہ اسے مال ہٹانے کی مہلت نہ ملے اور میں اس سے پہلے ہی اس کے گھر کے سرچ وارنٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"اوہ..... تم اس کے گھر سے مسروقہ مال برآمد کر کے بازی الٹنی چاہتے ہو۔"

"جھوٹی ایف آئی آر درج کرانا سنگین جرم ہے۔ اس کے گھر سے مال ہاتھ آگیا تو میں اسی وقت اسے ہتھکڑیاں لگوا دوں گا۔ باقی چھان بین بعد میں ہوتی رہے گی۔" اول خان کو غصہ آنے لگا۔

"دیکھ بھال کر کام کرنا۔ وہ بہت بارسوخ آدمی ہے۔ اسے قبل از وقت ذرا بھی بھنک مل گئی تو وہ نہ جانے کتنے افسروں کی وردیاں اتروا دے گا۔"

"یہ سب نکات میری نظروں میں ہیں اسی لئے میں نے مقامی سطح پر بالکل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہونا ہے 'اسلام آباد سے ہوگا۔"

"میں تشویش اور فکرمندی کے ساتھ تمہاری کامیابی کے لئے صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے میں درپیش رکاوٹوں کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔"

"یہ خرابیاں یہاں نہیں' دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔ بڑے مجرموں کے سامنے قانون کے محافظ اکثر خود کو بونا محسوس کرتے ہیں۔"

"امریکا میں آئزک بیل کا بھی یہی قصہ تھا۔ اپنے اصل جرائم پر وہ ہمیشہ سے نازاں چلا آ رہا تھا۔ اسے چال بازی کے ذریعے ایک ناکردہ جرم میں نہ پھنسایا گیا ہوتا تو وہ آج بھی آزاد ہوتا۔"

"ایک دفعہ کوئی بڑے سے بڑا سورما بھی قانون کے چنگل میں آجائے تو پھر اس کا بے رحمانہ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ وہ ہاتھ آجائے تو ہم اس کے سارے کس بل نکال دیں گے۔"

"تم نے آج کے اخبارات دیکھ ہی لئے ہوں گے؟" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے پوچھا۔

"شاید دس آدمیوں کے نقصان نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی درج کرائی ہوئی رپورٹ امریکیوں کی کسی ہدایت کا نتیجہ ہو۔"

"امریکیوں کو اس کے گھر میں ہونے والی لوٹ مار سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی تک تم ان کے لئے صرف ایک نام ہو۔ وہ ہر قیمت پر تمہارا مکمل ریکارڈ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم آج کے اخبار میں ہوم آفس کا بیان پڑھ لو۔ انہوں نے کل کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بیان کے ردِعمل میں کراچی کے قونصل خانے والوں نے کھٹول کو تمہارے خلاف پرچہ کٹوانے کی ہدایت دی ہو۔"

"بات کسی حد تک سمجھ میں آ رہی ہے۔ میرے خلاف ہر طرف سے تقریباً ایک ہی ساتھ دباؤ بڑھنا شروع ہوا ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میں خود میدان میں اتر کر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ یہ سارا بوجھ اب تم کو اکیلے ہی اٹھانا پڑے گا۔"

"ایف آئی آر آج صبح کٹوائی گئی ہے۔ اس کی اطلاع ملتے ہی میں نے ویرا سے مشورہ کیا تھا۔ وہ بھی ہماری طرف سے بھرپور جارحانہ جواب کے حق میں ہے۔"

"بس تو پھر بسم اللہ کرو۔ اس کال کے بعد میرا اپریٹس مسلسل آن رہے گا۔"

"یہاں ہیروئن اور سیاست کے تانے بانے ایک دوسرے میں بری طرح گتھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہارے خدشات سو فیصد درست ہیں۔ کل مارے جانے والوں میں سے دو مقامی منڈی کے بڑے نام ہیں۔ بقیہ چار ان ہی کے کارندے تھے۔"

"ولی جان اور شنکر رائے کا معاملہ صاف ہو چکا ہے۔ شنکر نے اپنی زبان سے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ کھٹول کے لئے کام کرتا ہے۔ رات کو آنے والے حملہ آوروں کے بارے میں ابھی تک واضح نہیں ہو سکا کہ وہ کس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ذرا اس کا بھی کھوج نکالنے کی کوشش کرو۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت شہر میں کھٹول ہی تمہارا اکلوتا دشمن ہے اور ایسی حرکت کی اسی سے توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اگر امریکی میرے بارے میں زیادہ جذباتی ہو گئے ہیں تو وہ بھی بالا ہی بالا مقامی بدمعاشوں کو خرید کر میری راہ پر لگا سکتے ہیں۔ وہ فلیٹ کافی عرصے سے ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔"

"ایک مرتبہ کھٹول کی گردن ہاتھ میں آ جائے تو یہ ساری باتیں خود بخود صاف ہوتی چلی جائیں گی۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام آباد سے کوئی اس نمبر پر بات کرنی چاہ رہا ہو۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

میں ریسیور رکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کپڑوں کے درمیان اول خان کا بھیجا ہوا اپریٹس موجود تھا۔ میں نے اسے آن کر کے بیٹری وغیرہ چیک کی اور ساتھ لے کر باہر آ گیا۔

میں کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے گہرے کشوں کے درمیان مسلسل سوچتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کھٹول سے براہِ راست بات کر کے ہی کچھ الجھنیں دور کی جا سکتی تھیں۔

میں نے کھٹول راجوانی کا فون ملایا تو اس بار بھی اس کے کسی ملازم سے بات ہوئی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے شنکر نام بتایا۔ اس بار تقریباً فوراً ہی کھٹول لائن پر آ گیا۔

"ہاں بابا! کیسے ہو۔ خیر خیریت ہے' مزے میں ہو؟" کھٹول کی نرم آواز مجھے زہریلی معلوم ہوئی۔

"تمہاری بددعاؤں کے باوجود خیریت سے ہوں۔" میں نے اس سے زیادہ نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "کل تمہاری گڑبڑ کی وجہ سے بات ادھوری رہ گئی تھی۔ آج میرا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"نہ بابا' میں نے کل بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم دوبارہ فون کرو گے۔"

"شاید نہ کرتا' مجھے ایسی شدید ضرورت نہیں تھی لیکن اخبار میں ڈکیتی کی خبر پڑھی تو مجھے بھی اپنا حصہ یاد آ گیا۔ ڈاکو ذرا سی دیر میں لاکھوں سمیٹ کر لے گئے۔"

"دکھ ہوتا ہے۔ لوگ کسی کو کھاتے پیتے نہیں دیکھ سکتے۔ میں تو ویسے بھی بہت دیالو ہوں۔ شاید شہر میں میرا کوئی دشمن پیدا ہو گیا ہے جو مجھے نقصان پہنچانے پر تلا ہوا ہے۔"

"ایک چھوٹا موٹا دشمن تو میں ہی ہوں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "بس لاکھ دو لاکھ کا سوال ہے۔ اپنی مرضی سے نہیں دو گے تو ڈاکا ڈالنا پڑے گا۔ رات والوں نے راستہ دکھا ہی دیا ہے۔"

"بھلی آؤ' سر آنکھوں پر آؤ' کام کا وعدہ کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر پیسے دوں گا۔ کچھ شراب پانی بھی پیتے ہو یا بس کنیاؤں کے شوقین ہو؟"

"ڈبل روٹی دودھ میں اور عورت شراب میں بھیگ کر ہی اچھی لگتی ہے مگر وہ میرا اپنا شوق ہے۔ تم بڑے آدمی ہو۔ آدمی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے۔ میری تم سے بس معاملے کی بات ہے۔"

"اپنا پتا نہیں دیتے' کسی بات سے ڈرتے ہو تو میرے پاس آ جاؤ۔ بیٹھ کر سب طے کر لیں گے۔ آج کل مجھے کام کے آدمیوں کی بڑی تلاش رہنے لگی ہے۔ شنکر بہت بے وقوف تھا کہ اس نے تمہاری عورت سے یاری کی۔ آج کل جیب میں پیسے ہوں تو عورت آرام سے مل جاتی ہے' یار کسی قیمت پر نہیں ملتا۔"

اس میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بہت ٹھنڈا اور دھیما آدمی تھا۔ اسے مشتعل کر کے اپنی راہ پر لانا بہت مشکل کام

تھا۔ اس سے اسی کے انداز میں میٹھی میٹھی باتیں کر کے کچھ اگلوایا جاسکتا تھا۔ میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ "حیرت ہے کہ تم جیسے سمجھ دار آدمی کے ساتھ رہ کر بھی اس نے اتنا نہیں سیکھا اور اپنے ساتھ تین اور آدمیوں کو لے ڈوبا۔"

"ہاں...... پر یہ بات سمجھ کی ہوتی ہے۔ وہ تو جو تھا' سو تھا۔ تم بھی عقل میں اس سے زیادہ نہیں ہو۔ ایک عورت کے لئے چار آدمیوں کو مار ڈالا۔ جس دن بھی تم پکڑے گئے تو یہ سمجھ لو کہ بات پھانسی کے پھندے پر ہی جاکر رکے گی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"تم تو اس طرح دکھی ہو رہے ہو جیسے وہ سب تمہارے آدمی تھے۔" مجھے وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"کسی کے بھی تھے مگر وہ جیتے جاگتے آدمی تھے۔ تم نے چار چیونٹے نہیں' آدمی مارے ہیں۔"

وہ نہایت مکاری سے میرے سوال کا جواب گول کر گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی دوسرے پہلو سے وار کر دیا۔ "آدمیوں کا کیا ہے۔ وہ تو روز مرتے ہی رہتے ہیں۔ کل چھ آدمی گولیوں سے بھون دیئے گئے۔ ساتواں تمہارے گھر میں کسی گولی کے بغیر نری دہشت سے مر گیا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ مجھ سے متفق ہونے پر مجبور تھا۔ "آدمی کتے بلّے سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ یہ پتا نہیں چلا کہ تم نے گلشن میں شنکر کے دو رکھوالوں کو کس چیز سے مارا تھا۔ فولاد کی دہکتی ہوئی میخ بھی کسی کے بدن میں اتنا صاف سوراخ نہیں کر سکتی۔"

"یہ میرا راز ہے جو میں ہر ایک کو نہیں بتا سکتا۔ تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔"

"یہ سب معاملے کی باتیں ہی ہو رہی ہیں۔ تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"جب تک ہمارے درمیان دوستی نہیں ہوتی' مجھے شنکر ہی کہتے اور سمجھتے رہو۔"

"تم خود کو چھپا رہے ہو۔ گلشن والی دونوں لاشیں بہت سی باتیں کھول گئی ہیں۔ شنکر کی ارتھی جل کر راکھ ہو چکی ہے' تم پھر بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"یہ سمجھتے ہو تو پانچ کوششوں میں خود ہی بوجھ لو کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔" میں نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میرا وعدہ ہے کہ تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"مجھے پانچ کوششوں کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے چوہے اور بلّی کا کھیل مت کھیلو۔ صاف صاف بتا دو کہ تم ڈیٹی ہو یا نہیں۔ میں تم سے اگلا سوال نہیں پوچھوں گا۔"

"چلو مان لیا کہ تم ٹھیک کہتے ہو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"کل رات تم ہی نے میرے گھر رنگ میں بھنگ ڈالا تھا؟" اس کی آواز میں پہلی بار ہلکی سی خفگی عود کر آئی۔

"نہیں!" میں نے صدقِ دل سے کہا کیونکہ وہ کارروائی ایس ٹی ایف والوں کی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ میرا راستہ مت کاٹو۔ یہ تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔ رات کی ڈکیتی میں نے تمہارے نام لکھوائی ہے۔ کوئی وعدہ کرو تو میں تمہارا نام واپس لے لوں گا ورنہ پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے گی۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں اتنے لمبے ہاتھ والوں سے دور ہی رہتا ہوں۔" میں نے اس کی دی ہوئی اطلاع پر کسی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر کہا۔ "لیکن وہ زیادتی کریں تو میں انہیں نہیں بخشتا۔ تم نے ڈکیتی میں میرا نام ڈالا ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہو گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" اس کی آواز میں پہلی بار برہمی عود کر آئی۔ "جانتے ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ میں ہر گستاخ زبان کو گدی سے کھینچ لیتا ہوں۔"

"نہیں میرے پیارے کھٹو! تم کچھ بھی نہیں کرتے۔ خود شراب و شباب کی محفلوں میں کھوئے رہتے ہو اور کام دوسروں سے لیتے ہو۔" میں نے اپنے سکون میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا تھا۔

"وہی سب میرے دست و بازو ہیں۔ وہ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔" میری محنت کے نتیجے میں اس کے اعصاب بے قابو ہونے لگے تھے اور پارہ چڑھ گیا تھا۔

"پچھلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارے دس دست و بازو توڑے مروڑے جا چکے ہیں۔ پتا نہیں تم جیسے کھٹو کی خودساختہ انا اور کتنی جانوں کی بھینٹ لے گی۔"

"کل رات تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم خود میدان میں اترے ہوئے ہو۔ تم مکار اور سازشی ہو۔ دیکھنا کہ اب تم ان ہی طریقوں سے جہنم واصل ہو گے۔ تمہیں للکار کر سنبھلنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ تم سے ان دسوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔"

اس نے الفاظ کے ہیر پھیر میں یہ مان لیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کے قرب و جوار میں مارے جانے والے چھ آدمی بھی اسی کے ٹولے سے تعلق رکھتے تھے اور اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق وہ سب ہی شہر میں ہیروئن کی فروخت میں پوری طرح سرگرم تھے۔

"چاہو تو تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ میں تمہارے بہت قریب موجود ہوں۔ اگر تم اس وقت اپنے کھلے لان پر آنے کی ہمت کر سکو تو تمہارے سینے یا دماغ میں ایک بہت نفیس اور باریک سا سوراخ نمودار ہو سکتا ہے۔ تم آنے والی مصیبتوں سے صاف بچ جاؤ گے۔"

"یہ تیسرے درجے کی چھچھوری حرکتیں ہیں۔ اس طرح تم مجھے مرعوب یا خوف زدہ نہیں کر سکتے۔" وہ اپنے غصے پر جلد ہی قابو پا کر ایک مرتبہ پھر پرسکون ہو گیا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ مجھ سے تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے پھر کل رات تمہارے آدمیوں نے میرے گھر کو روندنے

کی ناکام کوشش کیوں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔
"تمہارے دھرم میں خون کا بدلہ خون ہے۔ مجھے گلشن والے چار آدمیوں کا بدلہ لینا تھا۔ مجھے تمہاری کہانی پر شروع سے یقین نہیں تھا لیکن یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ خون تم نے کیے ہوں گے۔ اپنے آدمیوں کو اپنی طاقت کا یقین دلانے کے لئے مجھے کہیں چند جوابی لاشیں گرانی تھیں۔ غلطی صرف یہ ہوئی کہ انہیں تمہارے آدمیوں کی طرف بھیج دیا گیا۔"
"یہ غلطی آئندہ تمہارے لئے افاقے کا سبب بنے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں اپنی بے بسی اور میری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ ہمت ہے تو اپنے لان پر آکر دکھاؤ۔"
جواب میں اس نے فحش کلامی کا مظاہرہ کیا پھر بولا۔ "جلد ہی سدھائے ہوئے خوں خوار کتے تمہارا بدن ادھیڑ رہے ہوں گے۔ تمہارا انجام اب قریب آگیا ہے۔"
"اطلاع دینے کا شکریہ۔ اگر تم اپنے لان پر آنے سے ڈر رہے ہو تو پھاٹک پر بھی نہ آنا۔ میں کسی بھی وقت تمہارے گھر پہنچ رہا ہوں۔ تم سے روبہ رو بات کر کے ہی کچھ طے کیا جاسکے گا۔"
"میں ان گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آؤں گا۔ مرد کے بچے ہو تو یہاں آکر دکھاؤ۔ میں بہت شوق سے تمہاری کھال کے جوتے بنوا کر پہنوں گا۔"
میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ میں نے اس سے اپنی الجھنوں کے بارے میں بہت کچھ اگلوا لیا تھا لیکن اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ میں ہیروئن کے کاروبار سے اس کے تعلق کی کڑیاں ملانے میں خاصی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔
تھوڑی دیر بعد ایریئس جاگ اٹھا۔ میں نے اس کی آواز کھول دی۔ اس پر اول خان کے دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی وہ ساری گفتگو کوڈ ورڈز میں تھی جو میرے پلے نہیں پڑ سکی۔ ان کی باتیں ختم ہوتے ہی اول خان لائن پر آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں نے ایریئس پر اس کا مکمل پیغام سن لینے کے بعد نشری بٹن دبا کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا کہ کھٹول پچھلی رات کے حملے کی ذمے داری قبول کر چکا ہے۔
"ویری گڈ!" میری بات مکمل ہونے پر اول خان کی آواز ابھری۔ "یہ اس کے خلاف فردِ جرم میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ اسلام آباد سے اس کے گھر کا سرچ وارنٹ فیکس پر مل چکا ہے۔"
"یہ کام جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کرو۔ اس وقت میں نے اسے اتنا خوفزدہ کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ اسے وہیں چھاپ لو۔"
"پورے شہر میں آئی جی کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ میں اسی کے دفتر کی طرف جا رہا ہوں۔ علاقہ مجسٹریٹ کو بھی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں طلب کر لیا گیا ہے۔ اس کے پہنچتے ہی آئی جی کی نگرانی میں چھاپا مارا جائے گا۔ میں مبصر کے طور پر کارروائی میں شامل رہوں گا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ ہے۔"
"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔ مجھے نتیجے سے ضرور آگاہ کرنا۔"
"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے اپنا فرض پورا کر کے خاموشی اختیار کر لی۔
میرے پاس انتظار کے سوا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ نیویارک سے رابطے کے لئے وہ وقت ناموزوں تھا۔ منہ اندھیرے بار بار نیند خراب کیے جانے پر بددماغ جوڑی برہم بھی ہو سکتی تھی۔ معاً میرے ذہن میں جینی کا خیال آیا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔
ہم دونوں اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہوئے تھے۔ اس نے ہماری وعدہ خلافی کا انتقام لینے کے لئے اپنی زبانی بندی ختم کر کے بلیک ڈیڈ اور اس کے ہمدردوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ میرے یاد دلانے کے باوجود ویرا اس سے فون پر بات کر کے معذرت پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چند روز بعد جینی کا غصہ کم ہو جائے گا تو وہ رابطہ کر کے اسے منا لے گی۔
میری بات ذرا مختلف تھی۔ جینی نے ویرا کی لاعلمی میں مجھ سے قریبی مراسم استوار کر کے اپنی خواب گاہ کی خلوت میں یہ حقیقت جانی تھی کہ میں رمضان یا اسلم خان نہیں 'ڈینی' تھا۔ بھرے بھرے بدن والی خوب رو اور خوش مزاج جینی کے وہ مشاہدے اس قدر اٹل تھے کہ میرے لئے اس کے سامنے اعتراف کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔
میں نے وقت کی پروا کیے بغیر فون پر جینی کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھائے جانے کے بعد اس کی غنودہ آواز سن کر میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔
"جینی! مائی ڈارلنگ! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری گہری نیند....."
"ڈینی!" میری مدافعانہ تمہید مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز گونج اٹھی۔ "تم کہاں ہو؟ جھوٹے، مکار، فریبی کہیں کے..... تم میں اتنی مروت بھی نہیں تھی کہ یہاں سے جانے سے پہلے ائرپورٹ سے فون کر کے ہی مجھے الوداع کہہ دیتے۔"
"تم کہتی رہو..... مجھے گالیاں بھی دو گی تو میں سر جھکا کر سنتا رہوں گا۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ندامت سے کہا۔ "تمہاری برہمی بالکل جائز اور بجا ہے۔"
"میں جس کے ساتھ راحت کی گھڑیاں گزار چکی ہوں، اسے گالیاں نہیں دے سکتی۔ تم گونگے کیوں بن گئے ہو۔ منہ سے کچھ پھوٹو کہ تمہارے ساتھ کیا مجبوری تھی۔"
"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہیں امریکا سے ہماری روانگی کا علم کب اور کیسے ہوا؟"
"پچھلی شام۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ اس کی آواز

میں نیند کے خمار کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ وہ بتا رہی تھی۔
"نیویارک کے پولیس چیف کو بیان دینے تک مجھے یقین تھا کہ تم دونوں نیویارک میں ہی ہو اور میرے بیان کے بعد یہاں سے کبھی نہیں نکل سکو گے۔ تم دونوں کی تلاش کی مہم دور دور تک پھیلا دی گئی تھی۔ میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم دونوں کی سفری دستاویزات کن ناموں پر ہیں....."
"پھر یہ بات کیسے نکلی؟" جینی کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا۔
"کسی کو امیگریشن کا خیال آگیا۔ انہوں نے آج ہی ریکارڈ سے تم دونوں کے اخراج کی تصدیق کی ہے۔ اس کے بعد تلاش کا سلسلہ ختم کردیا گیا مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"پاکستان ہمارے لئے ممنوعہ ملک بن چکا ہے۔ وہاں بھی ہماری تلاش ہو رہی ہے۔"
"پھر تم اس وقت کس خطّے سے بول رہے ہو؟ ویرا کہاں ہے؟" ماضی کے تلخ تجربات اور اپنی رنگین مزاجی کے باوجود وہ ایک پرخلوص لڑکی تھی اور مسلسل اس کا اظہار کئے جا رہی تھی۔
"ہم دونوں بنکاک میں ہیں۔ یہاں شام ہونے والی ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "ویرا حسبِ معمول آوارہ گردی کے لئے باہر نکلی ہوئی ہے اسی وجہ سے میں نے تمہیں فون کرلیا ہے۔"
"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ خلش مجھے مارے ڈال رہی ہے۔ میری زندگی میں آنے والے کسی مرد نے آج تک مجھے اتنی بے رحمی سے نظرانداز نہیں کیا تھا۔"
"ویرا تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ اسے میرے اور تمہارے مراسم پر شبہ ہوگیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میں اسے بھول کر ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس رہ جاؤں گا۔ نیویارک سے پرواز کرنے تک وہ ہر وقت میری کڑی نگرانی کرتی رہی تھی۔ اس نے مجھے ذرا بھی موقع نہیں دیا ورنہ میں خود تم سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔"
"اوہ ڈیر!" جینی کی آواز ترحم آمیز ہوگئی۔ "مجھے شبہ تھا کہ اس کتیا نے تمہیں اپنا قیدی بنایا ہوا ہے۔ وہ کئی نوجوانوں کے ساتھ ایسا ہی مالکانہ سلوک کرتی رہی تھی۔ تم اس سے اپنی جان چھڑالو ورنہ وہ تمہاری زندگی تباہ کردے گی۔ نام بدل کر امریکا آسکو تو ضرور آؤ۔ میں تمہاری راہ میں پلکیں بچھا کر تمہارا استقبال کروں گی۔ تم ایک سحر بن کر اب تک میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہو۔"
"نہیں جینی۔" میں نے غم ناک آواز میں کہا۔ "میرا یہ فون اس بات کا گواہ ہے کہ میں بھی تم کو نہیں بھول سکا۔ تم سراپا شعر ہو جس کا ہر بار ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ تمہارے بیان نے امریکا میں میرے کئی دوستوں اور ہمدردوں کو پسِ زنداں پہنچا کر ان کی زندگیوں کو عذاب بنا دیا ہے۔ میں وہاں آیا تو اُن کے وارث میرا خون پی جائیں گے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
"صرف بلیک ڈیڈ پکڑا گیا ہے۔ اس نے دوسروں کی نشاندہی کی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ اس پر عاید فردِ جرم لمبی ہوتی جا رہی ہے۔"
"اور تمہارے باس کا کیا حال ہے؟" میں اسے میٹھی میٹھی باتوں میں الجھا کر کام کے سوالات کرتا جا رہا تھا۔
"پریس اس کا حامی ہوگیا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ وہ شروع سے سچ بول رہا تھا لیکن اس پر چند سنگین الزامات میں مجھے اس کی گردن بچتی نظر نہیں آتی۔ فیڈرل ایجنسیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ وہ اس سے مریخ کے اغوا کا اعتراف بھی کروا سکتی ہیں۔"
"آئزک بیل کے بعد ڈیوڈ اسٹارز میں قیادت کا ایک بھیانک خلا نظر آتا ہے۔"
"تم دونوں نے یہ کام بہت برا کیا۔" جینی کی پرکشش آواز افسردہ ہوگئی۔ "فورٹ ہاؤس میں مارے جانے والے داؤدی ستاروں کو نسل کشی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ یہودی تھے۔"
"یہودی بہت سے ہیں۔ وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز تھے۔ یہ سب مجرم تھے اور اپنے جرائم کی بنا پر ویرا کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اس معاملے میں میرا ضمیر صاف ہے۔"
"مگر میں مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ ان چاروں کی نشان دہی میں، میں نے تمہاری کافی مدد کی تھی۔"
"میں تم سے بحث کرکے تمہارے جذبات مجروح نہیں کروں گا۔ میں نے تمہاری نظروں میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ فون کیا تھا تاکہ اگلی ملاقات تک ہماری دوستی برقرار رہ سکے۔"
"ڈینی! مائی ڈارلنگ! میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اپنے لیے تم میرے دروازے ہمیشہ کھلے پاؤ گے۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ وہ کمینی تمہارے ساتھ نہ ہو۔"
"اس سے گلو خلاصی کے لیے میں پہلی فرصت میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گا۔"
"گڈ نائٹ" کے ساتھ ہی ریسیور پر جینی کے گداز ہونٹ جڑ کر آواز کے ساتھ کھلنے کا عمل سنائی دیا۔ میں نے اسی انداز میں جواب دے کر فون بند کردیا۔
بلیک ڈیڈ کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیویارک بلکہ پورے امریکا سے ہمارا رشتہ ہی ٹوٹ گیا ہو۔ وہاں گزارے ہوئے دنوں میں ہم نے ہر طرف اپنے دشمن ہی دشمن پیدا کیے تھے، دوستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے تھوڑی سی مصلحت اور خوش کلامی سے کام لے کر جینی جیسی روٹھی ہوئی دوست کو منا لیا تھا۔
غنیمت تھا کہ اس نے میری لچھے دار گفتگو کے سحر میں ڈوب کر میرا بنکاک کا فون نمبر دریافت کرنے کی ضرورت کو یکسر فراموش کردیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھتی تو میرے پاس بتانے کے لیے وہاں کے کسی ہوٹل کا نمبر نہیں تھا۔

میں نے سلمٰی کی موجودگی میں اخبارات کا سرسری سا مطالعہ کیا تھا۔ فرصت کو غنیمت جان کر میں نے ریفریجریٹر میں سے ٹھنڈی بیئر کا ایک ڈبا نکالا، شیلف سے گلاس اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔

اخباروں میں چشم دید گواہوں کے حوالے سے کلفٹن میں رونما ہونے والے واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ ہر شخص کی متفقہ رائے تھی کہ نامعلوم دہشت گردوں نے اکا دکا ہوائی فائروں سے علاقے میں خوف و ہراس پھیلانے کے بعد منظم منصوبہ بندی کے تحت بھاری فائرنگ سے کارروائی کا آغاز کیا تھا۔ ہمارے فلیٹوں کے دونوں چوکی دار بے ہوشی کی حالت میں زخمی پائے گئے تھے۔

ان دونوں کا بیان تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد چار آدمی گولیاں برساتے ہوئے اندر گھسے تھے اور اپنی راہ میں آنے پر ان دونوں کو آہنی ہتھیاروں کی ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا تھا۔

وہ چاروں وہی تھے جو اندر آنے کے بعد ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

سیڑھیوں پر موت کے گھاٹ اترنے والوں کے بارے میں یہ تعین کرنا مشکل تھا کہ اوپر جاتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنے تھے یا واپسی پر موت نے انہیں گھیر لیا تھا لیکن برآمدے میں ملنے والی دونوں لاشوں کی پوزیشن سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ باہر بھاگتے ہوئے موت کی زد میں آئے تھے۔

اس دوران میں پولیس سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ عمارت میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنے فلیٹ میں مداخلت کی شکایت نہیں کی تھی اس لیے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ چاروں کس کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ یہی سوال باہر سے ملنے والی دو لاشوں کے بارے میں اٹھایا گیا تھا۔

اخبار والے اپنی میزوں پر بیٹھ کر جائے واردات سے ملنے والے شواہد اور کوائف کا تجزیہ کر کے سنگین نوعیت کے سوال پیدا کرنے اور پھر ان کے جواب ایجاد کرنے میں بلا کے ماہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے مشترکہ طور پر یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ وہ واقعات دو مخالف گروہوں میں باہمی تصادم کا نتیجہ بھی ہو سکتے تھے۔ باہر سے آنے والوں میں خوں ریز لڑائی کی جزئیات حیران کن مہارت سے تیار کی گئی تھیں۔

وہ سب رائے عامہ کو گمراہ کرنے اور پولیس کی تفتیش کو غلط راہ پر ڈالنے کی نادانستہ کوششیں قرار دی جا سکتی تھیں لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس دور کے قاری کے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی وقت نہیں ہوتا۔ اپنے تجزیے کے لیے وہ ایک بنا بنایا نظریہ چاہتا ہے۔ اخبارات اپنے قارئین کی اس ضرورت کو تندہی سے پورا کرتے ہیں۔ لوگ مطمئن رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سلمٰی سامان سے لدی پھندی واپس آگئی۔ تھیلیاں کھانے کی میز پر ڈھیر کر کے وہ تھکے ہارے انداز میں وہیں بیٹھ گئی "آج آس پاس کے سارے بازار بند ہیں۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"چھ آدمیوں کے قتل کے اثرات کم از کم چھ دن تک تو باقی رہیں گے۔"

"مارنے والے اپنی من مانی کر کے چلے گئے۔ اس وقت دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ اب آنے جانے والوں کو روک کر تلاشی کے بہانے بلاوجہ تنگ کیا جا رہا ہے۔"

"عورتوں سے خاص رعایت کی جاتی ہے، تمہیں تو نہیں روکا گیا ہوگا؟"

"ہونہہ!" وہ پانی کے چند گھونٹ لینے کے بعد بولی "سبزی کے دو تھیلے دیکھنے کے بعد ہلنے کی اجازت دی گئی تھی۔ پولیس والے اب عورتوں کو بھی مردوں کے مساوی سمجھنے لگے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہے۔ حقوقِ نسواں کا تحفظ کرنے والوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کہیں سے تو مساوات کی ابتدا ہونی ہی تھی۔ یہ نیک کام پولیس والوں نے شروع کر دیا۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی اور میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

سلمٰی اپنے کمرے میں سے لباس تبدیل کر کے سیدھی میرے پاس آئی۔ وہ جہانگیر کی بیوی تھی اس لیے رنگ کی کافی مماثلت کے باوجود بیئر اور اسکاچ میں تمیز کر سکتی تھی پھر میز پر بیئر کا خالی ڈبا بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے میرے شغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ دیر بیٹھی آزادانہ انداز میں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر کچن میں غائب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ویرا کا فون آگیا۔ سلمٰی کچن میں تھی اس لیے کال مجھے ہی وصول کرنی پڑی۔

"سب سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ وہاں پڑے عیش کر رہے ہو گے۔" وہ چہکی۔

"عیش تمہارے ہیں کہ وہاں غزالہ کے علاوہ اول خان کی فیملی بھی موجود ہے۔"

"مگر وقت بہت بے کیف گزر رہا ہے۔ کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا۔"

"وہ تمہارا نہیں، اول خان کا گھر ہے۔" میں نے اسے تادیب کی "وہاں اپنی الٹی سیدھی حرکتیں شروع نہ کر دینا۔ اس کی قدامت پرست بیوی ناراض بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ پردے کی سختی سے پابندی ضرور کرتی ہے لیکن ذرا بھی قدامت پرست نہیں ہے۔ پڑھ لکھ کر ہر لڑکی اتنی ہی روشن خیال ہو جاتی ہے کہ عملی زندگی سے آسانی سے سمجھوتے کر لیتی ہے۔"

"کیا وہ بھی تمہاری ہم ذوق ہے؟" میں نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

"میری ہمسری نہیں کر سکتی۔ اول خان نے راستے ہی میں مجھے ہر بات سمجھا دی تھی۔ اسے بیوی کے بجائے بچوں کی فکر تھی۔ میں

اپنے کمرے میں جو چاہوں کر سکتی ہوں۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تو پھر عیش کرو۔ میرے کان کیوں کھا رہی ہو؟" میں نے ترشی سے کہا۔

"یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے۔ اول خان سے فرمائش نہیں کر سکتی۔ تم ہی جہانگیر کے ذخیرے میں سے دو چار بوتلیں بھجوا دو۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔"

"میں دیکھوں گا۔ ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے جینی کو منا لیا ہے۔"

"جینی! مجھے معلوم تھا کہ موقع ملتے ہی تم دوبارہ اس سے پینگیں بڑھاؤ گے۔"

"اس سے پینگیں بڑھا کر مجھے کیا حاصل ہوگا۔ وہ سات سمندر پار بیٹھی ہے۔"

"وہ اتنی ہی دور ہے تو اسے فون کیوں کیا تھا؟ وہ تمہارے دماغ سے کیوں چپکی ہوئی ہے؟"

"چپکی ہوئی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی "صرف اس لیے کہ ہم نے اس کے خلوص کو دھوکا دیا تھا۔ میں نے اپنی پوزیشن صاف کرلی ہے۔ اب مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔"

"تم نے میرے خلاف زہر اگلا ہے؟" اس نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ اس معاملے میں تم خود کفیل ہو۔ وہ تمہیں خوب سمجھتی ہے۔"

"دو چار دن گزر جانے دو۔ میں اس کے دماغ کے کیڑے اچھی طرح جھاڑ دوں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک جینی کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتی رہی۔ اس دوران میں مَیں نے اسے آئزک بیل اور بلیک ڈیڈ کے بارے میں جینی کی تازہ ترین رائے سے بھی آگاہ کر دیا۔

غزالہ نے دوسرے کمرے میں اول خان کی بیوی کو باتوں میں لگایا ہوا تھا۔ اس سے میری گفتگو نہیں ہو سکی۔ میں نے اسے کھٹومل کے بارے میں بتائے بغیر بات ختم کر دی۔

دن جیسے تیسے گزر ہی گیا۔ میں نے ایرئیں پر اول خان کے آدمی سے رابطہ کر کے اس کے ذریعے دو بوتلیں ویرا کو بھجوا دیں۔ اس کے بعد مجھے بس اول خان کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔ اس نے براہِ راست اس عفریت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر کے بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

آخر کار سوا سات بجے اس کا فون آ ہی گیا۔ معاملات ایسا رخ اختیار کر گئے تھے کہ وہ سلطان شاہ کے ساتھ تھوڑی دیر میں میرے پاس پہنچنے کی اطلاع دے رہا تھا۔

○☆○

کھٹومل نہ جانے کب سے وہاں رہتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا پرانی طرز کا مکان ایک منزلہ اور کافی وسیع تھا۔ آئی جی کی قیادت میں پولیس کی بھاری نفری متعدد گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں پہنچی تھی۔ دوسری گاڑیاں باہر رک گئیں۔ ان سے اترنے والے مسلح سپاہی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت بہت تیزی سے کھٹومل کے مکان کے احاطے کی دیواروں کے گرد پھیلتے چلے گئے۔

ذرا سے وقفے کے بعد آئی جی کے ڈرائیور نے سرکاری گاڑی آہنی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا' دربان نے ایک کھڑکی سے باہر جھانکا اور اگلی سیٹ پر موجود آئی جی کی وردی کو دیکھتے ہی سرعت سے پھاٹک کھول دیا۔

بہت بڑے سرسبز و شاداب لان اور عمارت کے درمیان ایک کشادہ ڈرائیو وے پورچ سے بھی آگے تک چلا گیا تھا جہاں ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوئے گیراجوں میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ انسپکٹر جنرل کے ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روک دی۔

اس گاڑی میں آئی جی کے ساتھ اول خان' سلطان شاہ اور مجسٹریٹ بھی سوار تھے۔ وہ چاروں برآمدے میں رک کر کافی دیر تک بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ کھٹومل خاصی دیر کے بعد اندر سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے رسمی انداز میں ان لوگوں کو ہیلو کہہ کر استفسار طلب نگاہیں آئی جی کے چہرے پر مرکوز کردیں جو میزبان کی آمد میں تاخیر پر پہلے ہی بھنایا ہوا تھا۔

"سر! کل کی ڈکیتی کے بارے میں مجھے سخت افسوس اور صدمہ ہے....." آئی جی نے اپنے غصے پر قابو پا کر خوش خلقی سے بات شروع کرنی چاہی مگر کھٹومل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہر ذمے دار اور فرض شناس افسر کو افسوس ہونا ہی چاہیے۔" اس کی آواز میں طنز کی تلخی ہر ایک نے محسوس کی تھی۔ "میری ساری رات پولیس والوں کے درمیان اور پھر فون پر اپنے دہشت زدہ مہمانوں سے معذرتیں کرتے گزری ہے۔ یہ فرمائیے کہ اب آپ نے کیسے زحمت کی ہے؟"

"واردات کی ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ اس معاملے میں آپ نے ایک ملزم بھی نامزد کیا ہے۔ ہماری تفتیش جاری ہے اور اس دوران میں....."

"میں آپ کے ماتحت عملے کو ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں۔ ریکارڈ میں آپ کو اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ مشکل یہی ہے کہ کسی وقوعے کی رپورٹ درج کرانے والے کا گھر پولیس والوں کی مستقل آماجگاہ بن جاتا ہے....."

خوش اخلاقی اور نرم گفتاری کی شہرت رکھنے والا کھٹومل اس وقت ضرورت سے زیادہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ آنے والے افسرِ اعلیٰ کا عہدہ پہچان لینے کے باوجود اس نے اسے ڈرائنگ روم میں چلنے یا پھر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔

اس بار آئی جی کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ اس نے درشت لہجے اور اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا "آپ اپنی بولے جا رہے ہیں۔ ذرا سی میری گزارش بھی سن لیں۔ ہم یہاں آپ سے

کسی باز پرس یا اظہارِ افسوس کے لیے نہیں‘ خانہ تلاشی کے لیے آئے ہیں۔"

آئی جی کی زبان سے وہ انکشاف سن کر کھٹومل بھونچکا رہ گیا۔ اس کے دیدے حیرت سے پھیل گئے "میرے گھر ڈکیتی ہوئی اور اب میری ہی خانہ تلاشی ہوگی! اس کا کوئی اختیار ہے تمہارے پاس؟"

حیرت‘ غصے اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں وہ اعصاب زدہ ہو کر آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

"یہ لو!" مجسٹریٹ نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "میں یہاں کا مجسٹریٹ ہوں اور تلاشی کی کارروائی میری نگرانی میں مکمل ہوگی۔"

کھٹومل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کاغذ کے مندرجات کو دیکھا اور احتجاج کیا "مگر کیوں.... میری خانہ تلاشی کا سبب کیا ہے؟ کیا میں نے اپنے مہمانوں کو خود لوٹ کر ان کا مال تجوری میں چھپا لیا ہے؟"

آئی جی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ گمان تو ہمارے ذہنوں میں دور دور تک نہیں تھا۔ تم کہتے ہو تو یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

"تلاشی کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایک معزز شہری ہوں۔ یہ میری کھلی توہین اور بے عزتی ہے۔ میں تم سب پر دعویٰ دائر کردوں گا۔"

"تمہارے ملازمین پر شبہ ہے۔" آئی جی نے کہا "اندھیرے میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ڈاکو مہمانوں کی ہر قیمتی چیز گھاس سے اٹھا کر لے گئے ہوں۔ ان سے بہت سی چیزیں رہ گئی ہوں گی جو تمہارے ملازموں نے پولیس کی آمد سے پہلے سمیٹ کر کہیں غائب کر دیں۔"

"پھر سرونٹ کوارٹرز کی تلاشی لو۔ میرے گھر میں کوئی قدم نہیں رکھے گا۔" کھٹومل پھیل گیا۔

"کھٹومل! تم ایک قانونی کارروائی میں روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے ہو۔" اول خان نے پہلی بار دخل اندازی کی "گھر کے ہر اس حصے کی تلاشی لی جائے گی جہاں تمہارے ملازموں کی رسائی ہے۔ وہ اتنے احمق نہیں ہیں کہ انہوں نے چوری کا مال اپنے بوسیدہ اور غیر محفوظ کوارٹروں میں چھپایا ہوگا۔ تمہارے گھر کے بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں تم برسوں ہاتھ نہیں ڈالتے ہوگے‘ تمہارے ملازم روزان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

"میں ابھی ایک فون کر کے آتا ہوں‘ پھر تم سے بات کروں گا۔" اس نے برہمی سے کہا اور مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اول خان نے سختی سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں‘ تلاشی مکمل ہونے تک تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہارے گھر کے تینوں فون اس وقت بے جان ہیں۔ تم تعاون کرو گے تو جاتے ہوئے ہم یہ لائنیں بحال کرا دیں گے۔"

کھٹومل کی آنکھوں میں پہلی بار سراسیمگی کے سائے لہرائے اور وہ نرم آواز میں بولا "ٹھیک ہے‘ تم پورے ہوم ورک کے ساتھ آئے ہو۔ میں اندر پردے وغیرہ کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔"

"نہیں!" اول خان کی سرد آواز گونجی "تماشا دیکھنے والے ملازموں کے ذریعے تم اپنا ہر پیغام اندر پہنچا سکتے ہو۔ تلاشی کے دوران میں تم مسلسل ہمارے ساتھ رہو گے۔"

"تم کون ہو؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں اول خان سے پوچھا "تمہارے جسم پر کوئی وردی نہیں ہے۔"

"تمہارے پھاٹک سے باہر متعدد وردی پوش موجود ہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ میں آئی جی صاحب کے ساتھ آیا ہوں۔" یہ کہہ کر اول خان نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"آؤ‘ ادھر آؤ بابا!" کھٹومل نے تھکی تھکی آواز میں ان چند ملازمین کو اشارہ کیا جو اِدھر اُدھر دبکے‘ حیرت اور خوف سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"تم نے کوئی غلط یا خفیہ پیغام دینے کی کوشش کی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"اندر جا کر بی بی لوگ کو بولو کہ بڑے افسر ہمارے گھر آئے ہیں۔ اندر سے کمرے دیکھیں گے۔ سب میرے کمرے میں جمع ہو جائیں۔ دروازہ بند کر کے پردے بھی گرا لیں۔"

نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ اول خان نے تحکمانہ آواز میں انہیں روک لیا اور کھٹومل سے کہا "ہم تلاشی کا آغاز تمہارے کمرے سے ہی کریں گے‘ عورتوں کو کسی اور کمرے میں بھیج دو۔"

کھٹومل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا "میرے کمرے کی تلاشی؟ کیا تم مجھے ڈاکو سمجھ رہے ہو؟"

"ہم بھول کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتے۔ یہ خیال تم نے خود پیش کیا تھا۔" اول خان نے زہر خند کے ساتھ جواب دیا "یہ شبہ دور کر لیں پھر اپنا دوسرا کام شروع کریں گے۔"

"تم لوگ زندگی بھر پچھتاؤ گے۔ میں تم سب کو معزول کروا دوں گا۔ میں کوئی للو پنجو نہیں' کھٹومل راجوانی ہوں۔ پتا نہیں کس نے تمہیں میرے خلاف بہکا دیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ تم میرے گھر میں اپنا وقت اور مستقبل برباد کر رہے ہو۔"

"تم سے جو ہو سکے وہ کر لینا مگر اس وقت تلاشی ہوگی اور اسی طرح ہوگی جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم جتنی تکرار کرو گے' تلاشی اسی قدر تفصیل اور باریک بینی سے لی جائے گی۔ ہر بڑے گھر میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہ ملا تو تم ولایتی شراب کی چند بوتلوں کا قانونی جواز بھی نہیں دے سکو گے..... ہم سے تعاون کرو' اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے ملازموں سے کہا "بی بی لوگ کو گول کمرے میں بھیج دو۔"

اول خان کی عقابی نظریں ملازمین کے چہروں کو گھور رہی تھیں۔ کھٹومل کی نئی ہدایت پر ان کی آنکھوں میں تذبذب کے آثار دیکھ کر اول خان فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

"کھٹومل!" وہ تیز آواز میں غرایا "چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ گول کمرا ہی تمہارا کمرا ہے۔ اپنے نوکروں کو امتحان میں مت ڈالو ورنہ ہم خود اونچی آواز میں تمہاری عورتوں کو پردے میں چلے جانے کا حکم دے کر اندر داخل ہو جائیں گے۔"

"اندر کچھ نہیں ہے مگر یہ میری عزت کا سوال ہے۔" اس بار وہ بکھر کر رہ گیا پھر نیچی آواز میں بولا "میرے گھر کی تلاشی لیے بغیر لوٹ جاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کر دوں گا۔"

"ہمارے شکوک و شبہات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" آئی جی نے اپنی چھڑی کو فضا میں ہلاتے ہوئے کہا "یہ سودے بازی تلاشی کے بعد ہی ہوگی۔"

کھٹومل کی مایوس آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے "ابھی سودا کر لو۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"نوٹوں کے بھکاری یوں تمہارے روبرو نہیں آسکتے تھے۔" آئی جی نے اسے پھٹکار دیا "اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ رشوت کی پیشکش کر کے تم پہلے جرم کے مرتکب ہو چکے ہو۔ دوسرا جرم قانون کی مزاحمت کا ہے اور یہ سب اس کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"جاؤ' عورتوں کو پوجا والے کمرے میں بھیج دو۔" اس بار کھٹومل کی بات پوری ہوتے ہی اس کے ملازم کسی تذبذب کے بغیر دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے۔

"ہمیں کتنی دیر تک انتظار کرنا ہوگا؟" کم و بیش پانچ منٹ گزر جانے کے بعد آئی جی نے پوچھا۔

"آجاؤ!" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"باہر سے دو انسپکٹرز کو اندر بھیج دو۔" آئی جی اپنے ڈرائیور کو ہدایت دے کر کھٹومل کے پیچھے چل دیا۔ بقیہ تینوں آدمی اس کے ساتھ تھے۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی عورتوں کے بین اور آہ و بکا کی دردناک آوازوں نے اس جماعت کا استقبال کیا۔ شاید باہر سے پیغام لے جانے والے ملازموں نے عورتوں کو باہر کی پوری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا اور وہاں رونا پیٹنا شروع ہو گیا تھا۔

اونچی چھتوں والی پُرپیچ کشادہ راہداریوں میں اندر سے آتا ہوا ایک ادھیڑ عمر شخص ملا جس نے موٹے عدسوں والی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ رک کر حیران نظروں سے اپنی طرف بڑھنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔

"منشی جی! یہ بڑے پولیس افسر ہیں۔" کھٹومل نے اونچی آواز میں کہا۔ منشی کا داہنا ہاتھ فوراً اپنے کان کے پیچھے جم گیا۔ سب کو اندازہ ہو گیا کہ منشی کی سماعت کمزور تھی۔

"گھر کی تلاشی کے لیے آئے ہیں۔ انہیں میرے کمرے میں لے جاؤ۔" کھٹومل کہہ رہا تھا "میں پیشاب کر کے ابھی پہنچتا ہوں۔"

"نہیں۔" اول خان نے اسے روک لیا "ہمارے ساتھ چلو۔ کمرے کے باتھ روم میں بھی تم پیشاب کر سکتے ہو۔"

"یہ پرانی وضع کا گھر ہے۔ یہاں کسی کمرے کے ساتھ باتھ روم نہیں ہے۔ میں....."

اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تلاشی ختم ہونے تک تمہیں ہمارے ساتھ ساتھ رہنا ہے۔"

کھٹومل نے مجروح اور متاسفانہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اتنی بے اعتباری نہ دکھاؤ۔ میں عزت اور حیثیت والا آدمی ہوں۔ تمہیں اپنے گھر میں لے آیا ہوں' باہر تمہارے سپاہی پھیلے ہوئے ہیں۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا اور کیوں جاؤں گا؟"

کھٹومل کا وہ داؤ چل گیا' مجسٹریٹ کا دل پسیج گیا۔ اس نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

"بس پانچ منٹ میں اپنے کمرے میں پہنچو۔" اول خان نے اسے تنبیہہ کی۔

"ابھی آیا۔" یہ کہہ کر کھٹومل تیزی سے ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

منشی کے ساتھ وہ چاروں کھٹومل کے گول کمرے میں داخل ہوئے تو اس کی آرائش دیکھ کر حیران رہ گئے۔ باہر سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس مکان میں کوئی اس قدر خوب صورت کمرا بھی ہوگا۔ کمرے کی سپاٹ دیواروں میں کہیں بھی ملحق باتھ روم کا دروازہ نہیں تھا۔

ان کے پیچھے پیچھے باہر سے دونوں انسپکٹرز بھی وہیں آ گئے۔ انہیں شروع سے منزلِ مقصود کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ وہاں پہنچ کر انہیں خانہ تلاشی کا کام سرانجام دینا ہے۔

اول خان کے ساتھ ان دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا۔ آئی جی کھٹول کی واپسی کے انتظار میں وزنی آہنی تجوری کے قریب جا کھڑا ہوا۔

اچانک ایک انسپکٹر نے مسہری کے نیچے سے پھول دار ریشمین کپڑے کی ایک وزنی اور بڑی سی پوٹلی کھینچ کر نکال لی۔

"یہ زیور معلوم ہوتے ہیں۔" انسپکٹر نے پوٹلی کے وزن سے اندازہ لگا کر رائے ظاہر کی اور پھر مسہری پر رکھ کر اس کی گانٹھیں کھول دیں۔

پوٹلی کھلتے ہی سب کے دہانوں سے بے ساختہ تحیر زدہ آوازیں آزاد ہوگئیں۔ ان کے سامنے بے ترتیبی سے جمع کیے ہوئے متعدد طلائی زیورات کا ڈھیر موجود تھا۔ اس میں بہت سی بیش قیمت مردانہ اور زنانہ گھڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ اپنی ہیئت اور ترکیب کے اعتبار سے وہ سب مالِ مسروقہ نظر آرہا تھا۔

اول خان نے اس ڈھیر کو ہاتھ لگائے بغیر پھول دار کپڑے کو بستر پر پھیلا کر اس کے کناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کردیا۔

"یہ چوری کا مال ہے۔ حیرت ہے کہ اسے اتنی بے پروائی سے رکھا گیا ہے۔" آئی جی نے جھک کر ان قیمتی زیورات کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ سو فیصد پچھلی رات کے جمع کیے ہوئے زیورات ہیں۔" اول خان نے اپنے معائنے سے فارغ ہو کر اعلان کیا "اس میز پوش کے ایک کنارے پر اس کمپنی کا نام چھپا ہوا ہے جس نے کل رات یہاں کی پارٹی میں کیٹرنگ کا کام کیا تھا۔"

"کھٹول اونچا ڈاکو ہے۔" مجسٹریٹ نے رائے زنی کی "یہ بات اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوگی کہ پولیس پارٹی اتنی جلدی اس کے سر پر سوار ہو جائے گی۔ اسے شک بھی ہوجاتا تو وہ یہ مال اتنی بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہ ڈالتا۔"

"اسی لیے وہ ہمیں اپنے کمرے سے دور رکھنے کی کوششیں کررہا تھا!" آئی جی خوش تھا۔ مال برآمد ہونے پر اسے اپنی سرخ روئی کا سامان نظر آنے لگا تھا ورنہ ہوم آفس کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسے پورا یقین تھا کہ تلاشی بے سود ثابت ہوگی اور پھر کھٹول اس کی نوکری کے ساتھ اس کی جان کا بھی دشمن ہو جائے گا۔ اس نے یہ باتیں واپسی پر خود اول خان کو بتائی تھیں۔

"او بڈھے!" ایک انسپکٹر نے منشی کا کالر کھینچ کر غصے سے پوچھا۔ "یہ تیرے سیٹھ نے کیا رکھا ہوا ہے؟"

"بھگوان جانے!" منشی نے چھت کی طرف انگلی اٹھا کے بے

قارئین متوجہ ہوں

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات و احادیث درج ہیں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیے۔

بسی سے کہا "میں رات کو جلدی سو جاتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ رات کو یہاں کیا ہوا تھا اور یہ زیور کہاں سے آئے ہیں۔"

"ان زیورات اور گھڑیوں کا مشیر نامہ بنالو۔" آئی جی نے کہا۔

"اس میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

"بہت دیر ہوگئی۔ کھٹول ابھی تک نہیں آیا۔" اول خان نے چونک کر سب کو یاد دلایا۔

افرا تفری پھیل گئی۔ ڈکیتی کے مال کی بازیابی کی ساری خوشی بدحواسی میں تبدیل ہوگئی۔ باہر سے بلا کر متعدد سپاہیوں کو کھٹول کی تلاش پر لگا دیا گیا لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔

اول خان نے ڈنکے کی چوٹ پر سب کے سامنے کہہ دیا کہ وہ کھٹول کو موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا مگر علاقہ مجسٹریٹ کے ایما پر اس نے ملزم کو مہلت دی تھی۔ مجسٹریٹ شرمسار ہو کر خاموشی سے زیورات وغیرہ کی فہرست بنانے میں مصروف تھا۔

طویل بھاگ دوڑ اور چھان بین کے بعد پتا چلا کہ کھٹول کے گیراجوں کی عقبی دیواروں کے ساتھ کچے پکے مکانات کے تسلسل کی وجہ سے گھر کا محاصرہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ کھٹول ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اسے علم رہا ہوگا کہ پولیس اس طرف نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ پیشاب کے بہانے گیراجوں کی چھت پر چڑھ کر اسی طرف سے فرار ہوچکا تھا۔

وہ نظریہ قائم کرنے کے بعد اس طرف واقع کچی آبادی کے مکینوں سے ذرا سختی سے پوچھ گچھ کی گئی تو کئی افراد نے بتایا کہ انہوں نے ایک معقول آدمی کو مکانوں کی چھت سے کود کر بدحواسی کے عالم میں ریلوے لائن کے پار بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ کھٹول کے نام سے واقف تھے لیکن اسے پہچانتے نہیں تھے۔

کھٹول کے فرار نے سب کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ سب سے زیادہ کوفت اول خان کو تھی کہ اس نے مجسٹریٹ کے اشارے پر اپنے شکار کو کیوں ڈھیل دی تھی۔

ضابطے کی کارروائی مکمل کرکے زیورات اور گھڑیوں کی پوٹلی تحویل میں لے لی گئی۔ کمرے میں موجود ولایتی شراب کی درجنوں بوتلوں کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔ تجوری کی تلاشی باقی تھی اس لیے کھٹول کی خواب گاہ کو باضابطہ سیل کرکے منشی کو اس کا ذمے دار مقرر کردیا گیا۔

اول خان اس بندوبست سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کی دانست میں منشی جیسا ادنیٰ ملازم کھٹومل کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر آکر اپنے کمرے کی سیل توڑ سکتا تھا۔ آئی جی نے علاقہ مجسٹریٹ کے مشورے سے ایک سپاہی کو گول کمرے کے دروازے پر عارضی طور پر مامور کردیا اور وہ کارواں وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے لیے روانہ ہوگیا۔

کھٹومل راجوانی جیسے نامی گرامی اور بارسوخ شخص کی خواب گاہ سے لوٹے ہوئے زیورات کی بازیابی کی خوشی اور سنسنی، مجرم کے ہاتھوں سے نکل جانے کی وجہ سے ہر ایک کے لیے بے کیف ہو کر رہ گئی تھی۔

اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز سے اپنی گاڑی میں واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اپنے بڑوں پر فون کے ذریعے واضح کردیا تھا کہ اس کھیل میں وہ مجسٹریٹ کے کردار سے مطمئن نہیں تھا۔ اسی بوتھ سے فون کرکے اس نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

○☆○

اس کی کہانی سن کر میں افسردہ ہوگیا "سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہوا۔ یوں سمجھو کہ کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کو نکال کر تم نے خود پانی میں اچھال دیا۔"

"حماقت آدمی سے ہی ہوتی ہے۔ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔"

"میں نے خود دیکھا تھا۔ مجسٹریٹ نے بہت وقار اور متانت سے اول خان کو نرمی برتنے کا اشارہ کیا تھا۔" سلطان شاہ نے اس کی وکالت کی "سب کی عقلوں پر پردے سے پڑ گئے تھے۔"

"وہ کوئی بے حیثیت شخص نہیں ہے۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی سی محسوس کرتے ہوئے کہا "کب تک بھاگے گا اور بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

"یہی کہہ کر اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی لیکن دیکھ لو کہ وہ بھاگ گیا اور ہم اس کے پیچھے کفِ افسوس مل رہے ہیں۔"

"اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ایس ڈی ایم اسی کا آدمی تھا اور اس نے کھٹومل کو بھاگ جانے کا موقع فراہم کیا ہے۔" سلطان شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "ان دونوں کی ملی بھگت ہوتی تو کھٹومل تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہوچکا ہوتا۔ تمہیں اس علاقے میں اس کا سایہ تک نہ ملتا۔"

"اس کی بات قابلِ غور ہے۔" اول خان نے مجھے متوجہ کیا۔ "ایس ڈی ایم اپنے علاقے میں خود مختار ہوتا ہے لیکن انتظامی طور پر آئی جی کا عہدہ زیادہ بڑا ہے۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ کارروائی اس کے علاقے میں ہوگی۔ کس کے گھر ہوگی؟ یہ بات اسے اس وقت بتائی گئی جب فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔"

"اسے رابطے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تم اس پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"وہ شروع سے آخر تک کھٹومل سے نظریں چرا رہا تھا۔ وارنٹ دیتے ہوئے بس ایک بار وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس نے وارنٹ بھی واپس نہیں لیا تھا۔"

"کھٹومل وارنٹ سمیت بھاگا ہے تو اب وہ اسلام آباد کا ہی رخ کرے گا۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "اس کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے کہ کس کے حکم پر یہ کارروائی ہوئی ہے۔"

"اسے اتنی جلدی پرواز نہیں مل سکے گی۔ ہمیں فوراً ائر پورٹ پہنچ جانا چاہیے۔"

"چور کے پاؤں نہیں ہوتے اور پھر وہ احمق بھی نہیں ہے۔ کراچی ائر پورٹ پر ائر لائنز کے عملے سمیت بہت سے لوگ اسے جانتے ہوں گے۔ اسے خوف ہوگا کہ وہ ادھر گیا تو دھر لیا جائے گا۔"

"آخری ٹرین بھی دیکھی جا سکتی ہے۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

"وہ کراچی میں بھیڑ بھاڑ سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ ہر جگہ اسے پہچانے جانے کا خوف لاحق رہے گا۔ اس کے لیے حیدر آباد سب سے بہتر اور کراچی سے قریب ترین ٹھکانا ہے۔"

"ہر ٹرین وہاں سے ہو کر جاتی ہے۔ بعض پروازیں بھی حیدر آباد میں رکتی ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ائر پورٹ سے معلوم کرو کہ اس وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کون سی پرواز جاتی ہے۔"

اول خان فوراً ہی ٹیلی فون کی طرف دوڑ گیا۔ اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہونے کی امید نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

چھوٹے شہروں میں میسر فضائی سفر کی سہولیات کے بارے میں میری معلومات بہت محدود تھیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایسی سہولتیں بہت کم تھیں۔ چند منٹ بعد اول خان نے اس کی تائید کردی۔ رات کے وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں تھی۔

"وہ انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے ٹرین میں سفر کو ترجیح دے گا۔" میں نے رائے دی "ہمیں ہر قیمت پر اسے پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک بار وہ اسلام آباد پہنچ گیا تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ واپس آکر ہمارے سینوں پر مونگ دلنا شروع کردے گا۔"

"اسلام آباد کو تم اتنی زیادہ اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" سلطان شاہ نے چڑ کر پوچھا۔

"تلاشی کا حکم وہیں سے آیا تھا، اس کی واپسی بھی وہیں سے ممکن ہوگی۔"

سلمیٰ نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہم تینوں کی گفتگو میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں محصور ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہمارے لیے چائے بھی بنا دی تھی۔ بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں شدت سے چائے کی ایک اور پیالی کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ میں نے سلمیٰ کے دروازے پر دستک دی تو اس نے مجھے اندر بلا لیا۔

دستک دینے سے پہلے شاید وہ اپنے بستر پر دراز تھی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اسے مسہری کے کنارے پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے پاس وقت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فکرمندانہ آواز میں کہا۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا "کیا ان دونوں کے آنے سے تمہیں ذہنی کوفت ہوئی ہے۔"

"تمہارے رہتے میں اتنی اکتا گئی ہوں کہ اب انسانوں سے مل کر عجیب سی راحت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ میں مردم بےزار نہیں ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے' جلدی سے بتا ڈالو۔ وہ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کن معاملات پر سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہو۔ میں نے آتے جاتے ہوئے جو کچھ سنا ہے' اس نے مجھے دہشت زدہ کیا ہوا ہے...."

میں نے ہنس کر اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "وہ سب معمول کی باتیں ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے ماضی کے واقعات بھیانک خوابوں کی طرح ایک ایک کر کے یاد آرہے ہیں۔ ان عذابوں سے خدا خدا کر کے اب پیچھا چھوٹا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ سلسلہ خدانخواستہ دوبارہ شروع ہو جائے۔ اس مرتبہ میں دہشت سے گھٹ کر مر جاؤں گی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی بات کا برا مانے بغیر آہستہ سے کہا "اب میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ تمہارے ذہن میں شبہات سر ابھار رہے ہیں تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔ مجھے تمہارا سکھ چین ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔"

"تو کیا تم ان معاملات سے اتنی آسانی سے علیحدگی اختیار کر لو گے؟"

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔ میرا بال بال اس دلدل میں ڈوبا ہوا ہے۔ تمہیں ان مسائل سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے میں

اسی وقت یہاں سے اپنا بستر بوریا سمیٹ لیتا ہوں....“
وہ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ”تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اپنے ساتھ تمہارے لیے بھی فکر مند ہوں۔ اپنے لیے نہ سہی تو غزالہ کی خاطر تم کو اب یہ مہم جویانہ زندگی ترک کر دینی چاہیے۔“ اس کی آواز روہانسی ہو گئی تھی۔
”فوری طور پر یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میں برا مانے بغیر پوری ایمان داری سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے یہاں کا رخ کر کے اول درجے کی خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچ گئی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔“ میں کرسی سے اٹھ گیا۔
وہ پھرتی سے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی ”کبھی کبھی تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو جاتے ہو۔ شاید میں نے ہی تمہارے سامنے زبان کھول کر غلطی کی ہے۔ اگر ان کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے تم سے ایسی کوئی بات کی ہے تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔“
میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”فکر نہ کرو۔ میں جہانگیر سے ملے اور اسے قائل کیے بغیر یہ گھر نہیں چھوڑوں گا۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔“
”تم ان سے بات کرو گے اور نہ یہاں سے جاؤ گے۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان تھام کر التجا کی۔ ”میں اپنے ساتھ تمہیں بھی محفوظ اور بے فکر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ شہر نہیں، موت کا جنگل ہے۔ یہاں ہر طرف موت کے سوداگروں کا راج ہے، وہ گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم ان سے کب تک لڑو گے؟ وہ تمہیں بھگا بھگا کے تھکا دیں گے اور جب تم بے حال ہو کر گر جاؤ گے تو وہ تمہاری گردن اتار کر تمہیں دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیں گے۔ ڈیئی کچھ سوچو۔ میں اسی برے دن سے ڈرتی ہوں اور تمہارے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔“ بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔
”میں سوچوں گا۔“ یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ نرمی سے اپنے گریبان سے الگ کر دیے۔
اس کے کمرے میں جا کر میں اپنی چائے کی فرمائش بھول بیٹھا تھا۔ واپسی پر میرے بوجھل ذہن پر بس ایک ہی سوال مسلط تھا کہ امید انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ زندگی کا آخری لمحہ آ جانے تک وہ امیدوں اور اچھی توقعات سے کنارہ کش نہیں ہوتا تو پھر یہ کیسی ناامیدی تھی جو چپکے چپکے ناسور بن کر دلوں میں اترتی جا رہی تھی؟
جو باتیں غزالہ مجھ سے کہہ چکی تھی وہی سب سلمٰی بھی کہہ رہی تھی۔ دونوں کے الفاظ مختلف تھے مگر مدعا ایک ہی تھا۔ بدی غالب ہے، اس کا مقابلہ کرنے سے باز آ جاؤ، تائب ہو جاؤ۔ موت کے سوداگروں کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے دو۔ تم ان کے آڑے آئے تو وہ تمہاری زندگی کا چراغ بھی گل کر دیں گے!
ڈرائنگ روم میں داخل ہونے تک میں ناامیدی کے اس غبار کو اپنے ذہن سے جھٹک چکا تھا۔ میرے سامنے کھٹول کی تازہ ترین مثال موجود تھی۔ وہ دہشت گردوں اور خون آشاموں کے ایک بڑے ٹولے کا سرخیل تھا، زرخیز فضا میں خوب پھل پھول رہا تھا لیکن ہم نے پیش قدمی کر کے آخر کار اسے چوروں کی طرح میدان سے بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔
ڈرائنگ روم میں وہ دونوں خاصے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔
”معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کھٹول کا سراغ لگا لیا ہے۔“ میں نے ان کی محفل میں شریک ہوتے ہوئے ہنس کر تبصرہ کیا۔
”تمہاری بجھائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہمارے جال سے نہیں نکل سکے گا۔“ اول خان نے جوابی خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا۔
”ذرا مجھے بھی بتا دو کہ میں نے تم کو کون سی راہ سجھائی ہے؟“
”وہ اسلام آباد اور وہاں ہوم آفس پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ بنیادی مفروضہ تم نے ہمیں فراہم کیا ہے۔ میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے اسلام آباد یونٹ کو اطلاع دے دی ہے۔ کھٹول وہاں بھی ایک معروف آدمی ہے۔ ان کے لیے اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ وہاں وہ لوگ اس کے استقبال کے لیے تیار رہیں گے، یہاں ہم ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔“
”کہاں؟ اس وقت تم لوگوں کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ سلمٰی اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو گئی۔ وہ کسی اوٹ میں کھڑی ہماری گفتگو سن رہی تھی۔
”حیدر آباد۔“ اول خان نے احتراماً اپنی جگہ چھوڑ کر جواب دیا۔
”ہرگز نہیں، کوئی کہیں نہیں جائے گا۔“ اس نے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا ”ڈیئی سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس نے آج کی رات اس چوکھٹ سے قدم بھی باہر نکالا تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔“
اس نے دوپٹے کی آڑ میں چھپا ہوا داہنا ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ننھا سا خوب صورت دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سننے سے پہلے اس بے وقوف عورت نے پھرتی سے ریوالور کی بے رحم آہنی نال اپنی داہنی کنپٹی پر رکھ لی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"وہ سلمیٰ!" میں نے سرد اور بے رحمانہ آواز میں اسے للکارا "حماقت مت کرو اور ریوالور نیچے کرلو۔ یہ دونوں اپنی روانگی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میرے ساتھ تم ان کو اپنا قیدی نہیں بنا سکتیں۔ یہ میرے مہمان ہیں اور میں ان کی توہین برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بے یقینی سی لہرائی۔ اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ دونوں تمہیں بھی ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ میں۔۔۔"

سلمیٰ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس وقت اس کی پوری توجہ میری طرف مرکوز تھی۔ وہ اول خان اور سلطان شاہ کی طرف سے غافل ہو چکی تھی۔ اول خان اس کی دھمکی سنتے ہی اصل صورتِ حال کا اندازہ کر چکا تھا۔ اس نے کسی عقاب کی سی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور سلمیٰ کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹتا ہوا دور نکل گیا۔

سلمیٰ کے دہانے سے ایک ہلکی سی بے ساختہ آواز نکل کر رہ گئی۔ وہ حیرت، خوف اور بے یقینی سے اپنے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو خالی ہو چکا تھا۔

"اوہ خدایا!" اول خان چھینے ہوئے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا "یہ نہ صرف بھرا ہوا ہے بلکہ اس کا سیفٹی کیچ بھی ہٹا ہوا ہے۔ یہ عورت شاید دیوانی ہو گئی ہے۔"

سلمیٰ نے اس وقت حیرت انگیز جذباتی ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ خوف اور بے اعتباری کے عالم میں اسے جو کچھ بھی سوجھا، وہ کر گزری تھی۔ اپنی کوشش کی ناکامی پر چند ثانیوں تک وہ حیران و پریشان نظر آئی پھر اس نے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اپنی جگہ پر کھڑا اسے ترحم آمیز نگاہوں سے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو کر پر شور آواز سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"جاؤ، جا کر اسے دیکھو۔" اول خان نے میرے قریب آ کر دبی دبی اضطراری آواز میں کہا "دروازہ بند کر کے وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"نہیں!" میں نے افسردگی سے سر ہلا کر کہا "وہ ایک جذباتی ابال تھا جو اپنے کلائمکس پر پہنچنے کے بعد بیٹھ گیا۔ ایک ناکامی کے بعد وہ دوسری کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ وہ اب شاید بستر پر گری رو رہی ہوگی۔ اسے تنہا رہ کر اپنے دل کا غبار نکال لینے دو۔"

"ڈینی کو ایسی عورتوں کی نفسیات کا زیادہ علم ہے۔" سلطان شاہ نے میری تائید کرتے ہوئے اول خان سے کہا۔ "اس وقت سلمیٰ کو اس کے حال پر چھوڑنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔"

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اول خان نے احتیاط سے ریوالور کا چیمبر خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کس بارے میں؟"۔۔۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں غیر ارادی طور پر پوچھ بیٹھا۔

اس کا منہ بن گیا۔ "سلمیٰ کی مداخلت سے پہلے ہم کیا بات کر رہے تھے؟"

"تم نے اسلام آباد میں اپنے آدمیوں کو الرٹ کر کے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا ہے مگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ حیدر آباد سے ہاتھ لگ جائے تو یہ معاملہ بالائی سطح پر جانے سے پہلے ہی اس کے گرد جال مضبوط ہو جائے گا۔"

"میں یہاں سے اسی وقت حیدر آباد تک دوڑ لگانے کے لیے تیار ہوں۔"

"چلو! میں بھی تیار ہوں۔" میں نے کسی پس و پیش کے بغیر رضامندی ظاہر کر دی۔ مجھے امید تھی کہ تھوڑی دیر میں جہانگیر کی واپسی پر سلمیٰ کا خوف خود بخود کم ہو جائے گا۔

"جانے سے پہلے ریوالور کو گولیوں سمیت کہیں چھپا دو۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لیا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے مشینی انداز میں فون کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا اور خود لپک کر فون کا ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف سے جہانگیر کی تشویش زدہ آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ذرا ریسیور جلدی سے ڈینی کو دے دو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ شاید اسے گمان ہوا تھا کہ اس وقت وہ سلمیٰ سے مخاطب تھا۔

"میں ڈینی ہی بول رہا ہوں۔" لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی کی وجہ سے میں نے پوری بے خوفی سے اعتراف کر لیا۔ "تم اس وقت گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"تمہارے قدم رکھتے ہی ہر جگہ ستاروں کی چال بگڑ جاتی ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ وہ دونوں باہر میرا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"تم کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پر سکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے وہ فقرے سنتے

ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"دونوں ہی اپنی صورتوں سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے ہیں اور اپنی کھٹارا گاڑی میں باہر بیٹھے ہوئے میری دکان بند ہونے کا انتظار کررہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ان میں سے ایک کالو مکرانی ہے جو موسیٰ لین کے کئی اڈوں سے ہیروئن سپلائی کرتا تھا۔"

"تم وقت برباد کررہے ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔ "وہ تم سے کیسے ٹکرا گئے؟ تم ان سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟ ہوسکتا ہے کہ وہ اتفاقاً وہاں آنکلے ہوں۔"

"یہ سب اسی مردود نسیم کا کیا دھرا ہے۔۔۔" اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ذرا ٹھہرو اور یہ بتاؤ کہ نسیم کون ہے۔۔۔ کیا میں اس شخص کو جانتا ہوں۔"

"شخص نہیں، یہ وہی آفت کی پرکالہ ہے جو کئی ہفتوں سے آدھی قیمت پر دوائیں لے جارہی ہے۔" اس نے زور دے کر نیچی آواز میں کہا۔ اس بار میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ بولتا رہا۔ "آج میری عقل پر پردہ پڑ گیا اور میں نے تمہارا دعویٰ آزمانے کے لئے اپنا دل کڑا کرکے اس سے دواؤں کی پوری قیمت مانگ لی۔ اس نے حیرت سے قیمت میں زیادتی کی شکایت کی تو میں نے اسے ڈبوں پر لکھے ہوئے دام دکھا دیئے۔ اس کے پاس پیسے کم تھے۔ وہ رقم پوری کرنے کا عذر کرکے دوائیں لئے بغیر چلی گئی۔ اب سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے وہ ان دونوں مسٹنڈوں کے ساتھ واپس آئی اور شور مچانے لگی کہ تھوڑی دیر پہلے وہ اکیلی دکان پر آئی تھی تو میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔۔۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "تم اسے اپنا حالِ دل سنانے کے لئے پہلے ہی مرے جارہے تھے۔"

"میں ہر قسم کھانے کے لئے تیار ہوں، مجھے اگلی گھڑی نصیب نہ ہو اگر میں جھوٹ بولوں۔ میں نے اس حرّافہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ میرے اوپر جھوٹا الزام لگا رہی تھی۔"

"چلو مان لیا۔۔۔ پھر کیا ہوا؟" میں نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے دونوں حمایتی غنڈے لڑنے مرنے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے دکان میں غل غپاڑہ مچانا شروع کردیا۔ میرے گاہک دم دبا کر بھاگ گئے۔۔۔

کرکے انہیں ٹھنڈا کیا۔ کالو مکرانی کو میں نے اسی وقت پہچان لیا تھا مگر میں اس سے انجان بنا رہا۔ وہ تینوں غنڈا گردی کرکے پیسے اینٹھنے آئے تھے۔ اپنی عورت کی بے عزتی کا سودا کرنے پر آگئے۔ میں نے پانچ ہزار دے کر اپنی جان چھڑائی۔ اس وقت نسیم کسی منحوس چڑیل جیسی نظر آرہی تھی۔"

"جب پیسے دے کر معاملہ رفع دفع ہوگیا تو اب وہ باہر کیا کررہے ہیں؟"

"مجھے یہی پریشانی ہے۔ اس وقت وہ تینوں چلے گئے تھے۔ اب آدھے گھنٹے سے گاڑی سڑک کے کنارے لگائے سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جارہے ہیں۔ اس مرتبہ نسیم ان کے ساتھ نہیں ہے۔"

"ایک زمانے میں موسیٰ لین اور لیاری کے دوسرے علاقوں میں تمہارا کافی آنا جانا رہتا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ کالو مکرانی نے بھی تمہیں پہچان لیا ہو؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کے تحت ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"شاید پہچان لیا ہو مگر اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ شی والے دنوں میں وہ مجھ سے بارہا مل چکا تھا۔ جب میں نے اسے پہچان لیا تو وہ بھی مجھے پہچان سکتا تھا۔"

"تم اپنی دکان میں ہی ٹھہرو۔" میں نے بلا تامّل اسے مشورہ دیا۔ "میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ میری جھلک دیکھتے ہی تم دکان بند کرکے چل دینا۔ انہوں نے تمہارا پیچھا کرنے یا تمہیں ہراساں کرنے کی کوئی کوشش کی تو میں ان کی گردنیں توڑ دوں گا۔ یہ خطرناک چکر معلوم ہورہا ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو بتا دو کہ یہ کیا چکر ہوسکتا ہے۔" اس نے مطالبہ کیا لیکن میں نے اس پر کان دھرے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

میں گفتگو سے فارغ ہوکر مڑا تو سلمیٰ بھی اپنے کمرے سے باہر کھڑی میری طرف متوجہ تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور نظروں سے خفگی جھلک رہی تھی۔

"تم دونوں فوراً حیدر آباد کے لئے روانہ ہوجاؤ۔" میں نے اول خان اور سلطان شاہ سے کہا۔ "میرے لئے یہاں ایک اہم کام نکل آیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔"

اس دوران میں سلمیٰ بھی میرے قریب آگئی تھی۔ اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟"

"جہانگیر ایک مشکل سے دوچار ہوگیا ہے۔ میں تمہاری ... کی دکان کی طرف جارہا ہوں۔ یہ مجبوری

ہے۔ اس وقت میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کرنا۔"
"کیا اس مشکل کا تعلق تمہاری یہاں آمد سے ہے؟"
سلمٰی جرح کے موڈ میں تھی۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے پرزور لہجے میں تردید کی۔ "یہ سو فیصد اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں نہ آتا تب بھی وہ اس مشکل میں گرفتار ہو جاتا۔ یہ غنیمت ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔"
"تم واقعی ان کی طرف جا رہے ہو یا مجھے چکر دے کر حیدر آباد کی طرف نکلنا چاہ رہے ہو؟"
میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "فون کی گھنٹی کے بعد اگر تم نے میرے چند فقرے بھی سنے ہوں تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ تم کس قدر احمقانہ سوال پوچھ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ بے چین ہو کر دوبارہ فون کر بیٹھے۔"

"اور وہ مشکل کیا ہے؟" اس بار سوال سلطان شاہ کی طرف سے آیا تھا۔
میں قہربار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا اور دانت پیس کر بتایا۔ "اسے شبہ ہے کہ دو آدمی ڈکیتی کی نیت سے اس کی دکان کے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔" اول خان نے دخل انداز ہو کر بات ختم کردی۔ "ہم حیدر آباد جا رہے ہیں۔ تم اسے دیکھو۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی نیچے موجود ہیں۔ چاہو تو اپریٹس پر رابطہ کرکے کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ دوسرا یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"
معاملے دونوں ہی اہم تھے اور فوری توجہ کے متقاضی بھی۔ اول خان، سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر فلیٹ سے نکل گیا۔ اس دوران میں سلمٰی مسلسل ہم تینوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتی رہی تھی۔
ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اپریٹس پر ایس ٹی ایف کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اس وقت میرے ذہن میں تکلیف دہ خیالات اور تصورات کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا جس کا تعلق جہانگیر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے تھا۔
جہانگیر سے میری دوستی بہت پرانی تھی۔ ہم جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے، وہ نہایت بے تکلفی سے دل کھول کر ساری اگلی پچھلی باتیں لے بیٹھتا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس کی خانگی زندگی کے بہت سے نجی پہلو بھی میرے علم میں تھے۔ اس پس منظر میں جب اس نے پچھلی رات اپنی دکان پر آنے والی خوبصورت عورت کا ذکر چھیڑا تو میں اسے جہانگیر کی معمول کی لاف و گزاف ہی سمجھا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے چوبیس گھنٹوں میں وہ مکار اور لالچی عورت کوئی اہم حیثیت حاصل کرلے گی۔
جہانگیر نے ذرا سی دیر پہلے فون پر جو کچھ بتایا تھا، اس کی روشنی میں یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ وہ عورت اسے ہوس پرست اسامی سمجھ کر پچھلے دنوں تسلسل کے ساتھ اس کی دکان پر آتی رہی تھی۔ میرے ایما پر جہانگیر نے جونہی اس سے قیمتی دواؤں کا پورا بل طلب کیا، وہ بھڑک گئی اور اس نے شاید اپنے معمول کے "طریقۂ واردات" کے مطابق اپنے دو ناپسندیدہ ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہانگیر سے یک مشت ایک قابلِ ذکر رقم اینٹھنے کی کامیاب کوشش کر ڈالی۔

یہ جہانگیر کی بدقسمتی تھی کہ نسیم نامی اس لفنگی کے ساتھیوں میں کالو مکرانی بھی شامل تھا۔ جس طرح جہانگیر نے اسے پہچان لیا تھا، اس طرح مجھے پورا یقین تھا کہ کالو نے بھی پہلی نظر میں اسے پہچان لیا ہوگا مگر اس نے شناسائی کا اظہار کرکے اپنے ڈرامے میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔
جب ہم لوگ شی کی پشت پناہی میں شہر کے گلی کوچوں میں ہیروئن کو فروغ دے رہے تھے تو جہانگیر ایک اہم اور ذمے دار آدمی ہوا کرتا تھا، جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کو پسینے چھوٹ جایا کرتے تھے۔ اس کے برعکس کالو مکرانی ایک ممتاز مگر عام سا کارندہ تھا جو نچلی سطح پر پرچون فروشوں کو ہیروئن پہنچا کر موٹی رقمیں بٹورا کرتا تھا۔
اگر کالو اس حوالے سے جہانگیر کو پہچان لینے کا اظہار کرتا تو اخلاقی طور پر اسے منکسرالمزاجی کا مظاہرہ کرنا پڑتا اور شاید ان تینوں کو جہانگیر کی دکان سے خالی ہاتھ ہی لوٹ جانا پڑتا۔ وہ مکاری کے ساتھ انجان بن کر اپنے پرانے باس پر الزام تراشی کرتا رہا اور آخرکار پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ اس واردات کا پہلا ایکٹ تھا۔ شاید دکان سے نکل جانے کے بعد کالو مکرانی نے فخر کے ساتھ اپنے دونوں ساتھیوں کو بتایا ہوگا اس واردات میں اس نے اپنے ایک پرانے مالک کو کامیابی سے ٹھگ لیا تھا۔ اسی ترنگ میں اس نے اپنے اور جہانگیر کے پرانے روابط پر بھی روشنی ڈالی ہوگی اور وہیں سے ایک سنگین بگاڑ کی صورت پیدا ہوتی چلی گئی۔
کراچی کی زیرِ زمین دنیا سے وابستہ لوگوں کے لئے یہ بات کبھی بھی راز نہیں رہی تھی کہ مقامی طور پر شی اور ہیروئن کے فروغ کے دھندے کی سربراہی کون لوگ کر رہے تھے۔

جب تک شی میدان میں رہی، شہر میں چار ناموں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سرفہرست میرا نام تھا، جہانگیر میرے دستِ راست کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ کالو مکرانی نے جوں ہی ان دنوں کے حوالے سے واقعات کا ذکر شروع کیا، نسیم یا دوسرے شخص کا ذہن تازہ ترین اخباری اشتہاروں کی طرف مبذول ہو گیا۔

امریکیوں نے میری گرفتاری میں مقامی شہریوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے کار آمد اطلاعات فراہم کرنے والے کے لئے خطیر رقم کے ساتھ متعدد تحفظات فراہم کرنے کی پیشکش کا ان ہی دنوں اخبارات میں اعادہ کیا تھا۔ یقیناً کسی کے ذہن میں یہ خیال سما چکا تھا کہ جہانگیر کے ذریعے میرا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دونوں کچھ مذموم عزائم کے ساتھ سڑک پر اپنی پرانی گاڑی میں بیٹھے، جہانگیر کی دکان بند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور تحفظ کی ضرورت تھی۔

جہانگیر کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ہونے والا تھا، اس کا میری آمد سے ذرا سا بھی تعلق نہیں تھا۔ خوبرو عورتوں کے بارے میں اس کے ذہن میں جو جراثیم ہر وقت کلبلاتے رہتے تھے، ان کی تحریک کے نتیجے میں اسے نسیم کے ہاتھوں جلد یا بدیر اسی انجام سے دوچار ہونا تھا۔ میری آمد سے فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ میرے اکسانے کی وجہ سے جہانگیر نے اس کھیل کو اس کے فطری انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی دواؤں کے پورے داموں کا مطالبہ کر کے اختتام کو پہنچا دیا تھا۔ شاید اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ نسیم کے حسین روپ میں الجھ کر وہ اپنے لئے کتنے بڑے خطرے کو دعوت دے بیٹھا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمی سے ایریئس پر میری مختصر سی گفتگو ختم ہوتے ہی سلمٰی میرے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔ "کیا تم مجھے بالکل ہی بے وقوف اور گاؤدی سمجھتے ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "مجھ سے الجھ کر وقت ضائع مت کرو۔ گاڑی کی چابی دو اور مجھے جانے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"اگر وہ ڈاکو ہی ہیں تو کیا وہ تمہارے پہنچنے کے انتظار میں اپنی کارروائی کو التوا میں رکھیں گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے سوال کیا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ کیا چکر ہے؟"

"یہ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ جہانگیر کو لوٹنے کے لئے دکان بند ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ روشنیاں گل کر کے وہ دروازہ بند کر رہا ہوگا تو ڈاکو اسے گھیر لیں گے۔ شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے اپنے پہنچنے سے پہلے اسے دکان بند نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میں نے یہی ایک بات پوری طرح سنی تھی۔" وہ بولی۔ "جب تک تم نہیں پہنچو گے، وہ دکان بند نہیں کریں گے اور جب تک دکان بند نہیں ہوگی، ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ وقت ضائع نہیں ہو رہا۔ تم میری بات کا جواب دو۔ مجھے مطمئن نہیں کرو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"زیادہ تفصیل جاننے کا شوق ہے تو میرا مغز چاٹنے کے بجائے اپنے چہیتے شوہر کو فون کر لو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں مطمئن کر سکتا ہوں، نہ ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"مجھے یہاں کے در و دیوار سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔" یکایک اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ فکرمند نظر آنے لگی۔ "لوٹ مار، قتل و غارت اور دہشت کے سائے میں، میں سہم سہم کر مر جاؤں گی۔"

"مایوسی کو اپنے اوپر مسلط نہ کرو۔" اس بار میں نے بھی ہمدردانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض اتفاقات ہیں۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں تم خیریت سے ہو۔ تھوڑی دیر میں جہانگیر بھی میرے ساتھ لوٹ آئے گا۔ شہر میں رہنے والے ہر وقت ایسے ناگہانی مسائل سے دوچار رہتے ہیں۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔"

سلمٰی کے دل میں دراصل خوف گھر کر چکا تھا جسے وہ برہمی اور غصے کے لبادے میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے چند منٹ کی ہمدردانہ گفتگو کے بعد اسے مطمئن کر دیا اور اس نے اپنی گاڑی کی چابی میرے حوالے کرتے ہوئے اپنے ریوالور کے بارے میں استفسار کیا۔

میں نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تمہیں دوبارہ کوئی دورہ پڑا تو تم پھر اسے اپنے اوپر استعمال کر بیٹھو گی۔"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں زندگی کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے ذرا کا سی بات پر ضائع نہیں کیا جا سکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے بہت خطرناک حرکت کی تھی۔" میں نے صوفے کے نیچے سے خالی ریوالور اور اس کی گولیاں

نکالتے ہوئے ملامت سے کہا۔
"وہ محض دھمکی تھی۔ مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ اس کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔"
"المناک حادثے ایسی ہی بے خبری میں ہوتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"
گولیاں چیمبر میں ڈال کر میں نے ریوالور کا سیفٹی کیچ لگایا اور اس کے حوالے کر کے فلیٹ سے نکل گیا۔
جہانگیر کی دواؤں کی دکان میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ اس نے اپنا وہ کاروبار لی مارکیٹ کے علاقے میں شروع کیا تھا۔
سلمیٰ کی سفید کرولا میں قدم رکھتے ہی اول خان کا آدمی کہیں سے نکل کر میرے پاس آگیا۔ نیم تاریکی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بچل شاہ تھا جو پچھلی شام اول خان کے گھر سے میرا سامان لایا تھا۔
ایس ٹی ایف کے اہلکار میدان میں ہوتے تھے تو ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ اس بارے میں مجھے بچل شاہ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چلنے سے قبل بھرا ہوا پستول اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ آخری ہتھیار کے طور پر بیم گن پہلے سے میری جیکٹ کی جیب میں موجود تھی۔
لی مارکیٹ کراچی کا ایک قدیم اور بارونق علاقہ ہے جہاں آبادی اور ٹریفک میں ہولناک اضافے کی وجہ سے آلودگی، شوروغل اور بھیڑ بھاڑ میں آج بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے مگر پھر بھی اس علاقے کے چیدہ چیدہ حصوں میں قدیم کراچی کی بودوباش کی کچھ کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔
کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں اس تنگ اور مصروف سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سڑک کی داہنی جانب واقع، سامان سے ابلتی ہوئی دکانوں کے درمیان گولڈن فارمیسی کا بورڈ دور سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے سست کر دی۔
دکان روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے جہانگیر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں سڑک کی طرف مرکوز تھیں۔ بادی النظر میں یہ گمان ہو رہا تھا کہ وہ فٹ پاتھ سے گزرنے والوں میں اپنے گاہکوں کو تلاش کر رہا ہے۔
اس کی دکان سے ذرا پہلے کھڑی ہوئی وہ پرانی اور بوسیدہ کار میری نظروں سے نہ بچ سکی جس کی اگلی نشستوں پر بھاری ڈیل ڈول والے دو افراد موجود تھے۔ گاڑی میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہی دونوں میرے حریف تھے۔ کالو مکرانی

سے میرا باقاعدہ تعارف نہیں تھا لیکن شہر میں ہیروئن فروشوں کی کارکردگی کا خفیہ جائزہ لیتے ہوئے ایک آدھ بار میں دور سے اسے دیکھ چکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ان دونوں سے سامنا ہونے کی نوبت آگئی تو میں کالو مکرانی کو ضرور پہچان لوں گا۔
وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے سگریٹوں کا دھواں اڑا رہے تھے اور عقب نما آئینے میں گولڈن فارمیسی کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان سے آگے نکلتے ہی ہم جہانگیر کی نظروں میں آگئے۔ سامنے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے ہماری شناخت میں اس کی مدد کی تھی۔
اس نے اضطراری انداز میں ہاتھ کو فضا میں قدرے بلند کر کے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے بھی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ہاتھ ہلایا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔
ابتدائی طور پر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں سلمیٰ کی گاڑی بچل شاہ کے حوالے کردوں اور خود جہانگیر سے جا ملوں۔ اگر ہم دونوں کا پیچھا کیا جائے تو بچل شاہ ہمارے تعاقب کرنے والوں کے پیچھے چل پڑے اور اپنی صوابدید کے مطابق انہیں جہانگیر کے گھر تک نہ پہنچنے دے۔
میں نے گولڈن فارمیسی سے آگے جا کر یوٹرن لینے تک اس تجویز کو اپنے ذہن میں کئی مرتبہ گھمایا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ میرے جہانگیر کے ساتھ مل جانے سے کالو مکرانی ہوشیار ہو سکتا تھا۔ دونوں طرف برابر کی نفری ہونے کی وجہ سے وہ شاید اس رات جہانگیر کے ساتھ کسی ٹکراؤ کا ارادہ ملتوی کر دیتا اور بعد میں زیادہ تیاری کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا۔
اس وقت وہ ہماری نظروں میں تھا۔ کوئی بھی حرکت کرتا تو رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔ اگر وہ اپنے عزائم کو کسی موزوں وقت کے لئے ملتوی کر دیتا تو بعد میں ہمیں اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہوتا اور وہ ہماری بے خبری میں کوئی کامیاب وار کر گزرتا۔
دوسری خرابی یہ تھی کہ مجھے جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر ہر حال میں ان لوگوں کے چنگل سے نکل جانا تھا۔ کالو مکرانی اور اس کے ساتھی سے نمٹنے کی ساری ذمے داری بچل شاہ کے کاندھوں پر آجاتی۔ وہ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ ان دونوں کے بارے میں عین وقت پر کوئی غلط فیصلہ کر کے نادانستہ طور پر کھیل بگاڑ سکتا تھا۔
سلمیٰ کی گاڑی بچل شاہ کو سونپ دینے میں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے خطرات تھے جو میرے ذہن میں کیے بعد

دیگرے ابھرتے چلے آئے اور میں نے اپنے اس ارادے پر بچل شاہ سے بات کرنے سے قبل ہی فیصلہ بدل دیا۔

رات گہری ہو چلی تھی۔ اس گنجان اور تنگ سڑک پر واقع بعض دفاتر اور دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ان کے مالکان کی گاڑیاں روانہ ہوجانے کی وجہ سے کہیں پارکنگ کی جگہ نظر آرہی تھی۔ میں نے جہانگیر کی دکان سے پہلے ہی ایک خالی جگہ میں اپنی گاڑی اس طرح پھنسا دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے نکالنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

سچویشن کچھ ایسی تھی کہ کالو مکرانی اپنے ہمراہی سمیت گولڈن فارمیسی سے ذرا آگے اپنی گاڑی میں بیٹھا شاید جہانگیر کی نگرانی کررہا تھا۔ ہم دونوں جہانگیر کے میڈیکل اسٹور سے پہلے براہِ راست دونوں حریفوں کو دیکھ رہے تھے۔ درمیان میں گولڈن فارمیسی کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

جہانگیر اس وقت اتنا زیادہ پریشان تھا کہ اس نے شاید میری ایک جھلک دیکھتے ہی اپنی دکان بند کرنے کی تیاری شروع کردی تھی۔

ذرا سی دیر میں تاریک دکان سے تین سائے باہر فٹ پاتھ پر نکل آئے۔ دوسری دکانوں اور اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں وہ تینوں دور سے ہی پہچانے جارہے تھے۔ جہانگیر اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے الگ کھڑا رہا۔ بقیہ دونوں ملازمین نے سرکنے والے آہنی جنگلے کھینچنے کے بعد پرشور آوازوں سے شٹر گرائے اور انہیں مقفل کرنے میں مصروف ہوگئے۔

اپنی ذمے داری پوری کرنے کے بعد انہوں نے چابیوں کا گچھا جہانگیر کے حوالے کیا اور اسے سلام کرکے آگے بس اسٹاپ کی طرف چل دیے۔ جہانگیر اپنی دکان کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ چند ثانیوں میں اس کی گاڑی پارکنگ سے نکل کر سڑک پر رینگ آئی۔

میں اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کرکے اعصابی کشیدگی کے عالم میں کالو مکرانی کے ردعمل کا منتظر رہا۔ جب جہانگیر کی گاڑی رفتار پکڑ کر ان سے آگے نکل گئی تو ان کی کار بھی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ جہانگیر کا شبہ غلط نہیں تھا۔ وہ دونوں خبیث واقعی اس کی روانگی کے منتظر تھے۔

میں نے ان کی سال خوردہ کار کے نمبر ذہن نشین کیے اور ان کے پیچھے چل پڑا۔

"تمہارا دوست سب سے اگلی کار میں اکیلا ہے جبکہ پیچھا کرنے والے دو ہیں۔" بچل شاہ نے ان الفاظ کے ذریعے مجھے اپنے مشاہدے سے آگاہ کیا۔

"بس اسی طرح آنکھیں کھلی رکھو۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "ویسے وہ اکیلا بھی ان دونوں پر بھاری رہے گا۔"

واپسی کے سفر میں مجھے پہلی بار یہ سوچنا پڑا کہ جہانگیر نے کلفٹن میں رہتے ہوئے اتنے دور افتادہ مقام پر نئے کاروبار کی داغ بیل کیوں ڈالی تھی؟ اس کا سہل ترین جواب یہی ہوسکتا تھا کہ اس نے ناکام ڈاکٹر سے صرف فارمیسی کا لائسنس ہی نہیں، اس کی دکان بھی خریدی ہوگی۔ اس لائن میں ضروری تجربہ حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی دکان شہر کے کسی اور حصے میں بھی منتقل کرسکتا تھا۔ اس وقت تک اسے بس ایک سہولت حاصل رہتی کہ سلمیٰ وقت بے وقت اس کی موجودہ دکان پر نازل نہیں ہوسکتی تھی۔

شہر کے قدیم بازاروں کے پرہجوم ٹریفک میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں نے یہ بات جلد ہی نوٹ کرلی تھی کہ کالو مکرانی جارحانہ انداز میں جہانگیر کا پیچھا کررہا تھا۔ اس نے کہیں بھی اپنی گاڑی کو جہانگیر کی نظروں سے اوجھل یا کسی مخصوص فاصلے پر رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بائیں طرف سے جہانگیر کی کار کو اوور ٹیک کرنا چاہ رہا ہو۔

لی مارکیٹ کو براہِ راست آئی آئی چندریگر روڈ سے ملانے والی سڑک کے تقریباً وسط میں داہنی طرف کراچی کا روایتی بازار حسن واقع ہے جہاں میں کچھ ہی دنوں پہلے عجیب و غریب تجربات سے گزر چکا تھا۔

رات بھیگ چکی تھی۔ اس بازار کے قریب سے گزرتے ہوئے ٹریفک کے تیز شور میں بھی جابجا سازوں کی پرشور آواز سنائی دے رہی تھی۔ گلیوں اور گلیاروں میں روشن چلمنوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے، بالا خانوں کے مجاور ہارمونیم اور طبلوں پر اونچی اونچی تانیں لگا کر تماش بینوں کو اپنی سجی سجائی دکانوں کی طرف متوجہ کررہے تھے۔

یہ دوڑ اسی طرح جاری رہی۔ ایم اے جناح روڈ اور نیو چالی کے چوراہوں سے گزر کر ہم آئی آئی چندریگر روڈ پر پہنچے تو ٹریفک کے دباؤ میں نمایاں کمی آچکی تھی۔

آئی آئی چندریگر روڈ کراچی میں بینکوں، تجارتی اور مالیاتی اداروں کے دفاتر کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دفاتر میں عام طور پر پانچ بجے چھٹی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے نتیجے میں کراچی کے اس سرے سے نکلنے والے ٹریفک کا دباؤ یکایک بڑھ جاتا ہے۔ مختلف چھوٹے بڑے دفاتر میں چھٹی کا یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے لیکن

آٹھ بجے کے بعد ٹریفک کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ نو بجے سڑک پر رواں گاڑیوں کی تعداد میں نمایاں کمی کی وجہ سے یہ سڑک بہت چوڑی نظر آنے لگتی ہے۔ اس وقت ہمارے لئے بھی میدان تقریباً صاف ہی تھا۔

بائیں موڑ پر ہی کالو مکرانی کی پرانی گاڑی، جہانگیر کی کار کے بائیں جانب گھستی چلی گئی۔ جہانگیر نے کسی نمایاں تقسیم سے عاری اس دو رویہ سڑک کے تقریباً وسط میں جاکر اپنے حریف کو آگے نکل جانے کا موقع فراہم کیا مگر وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

رفتار بڑھا کر آگے نکل جانے کے بجائے وہ مسلسل جہانگیر کو داہنی طرف دباتا رہا۔ اسی وقت مخالف سمت سے دو بسیں ریس لگاتی اور ایک دوسرے کے متوازی دوڑتی ہوئی سامنے آگئیں۔ جہانگیر مزید راستہ دینے کی کوشش کرتا تو ایک بس اسے بری طرح روند ڈالتی۔

کالو مکرانی کو شاید ایسے ہی کسی موقع کی تلاش تھی۔ اس کی گاڑی کا پچھلا حصہ پرشور آواز کے ساتھ جہانگیر کی کار کے بائیں فینڈر سے ٹکرایا۔ جہانگیر کی گاڑی لحہ بھر کے لئے لہرائی اور پھر اس نے پورے بریک لگا دیے۔

وہ رکنے پر مجبور تھا کیونکہ تصادم ہوتے ہی کھٹارا گاڑی اپنی جگہ رک گئی تھی۔ فوراً ہی اگلے دونوں دروازوں سے دو خطرناک افراد برآمد ہوکر تیزی سے جہانگیر کی کار کی طرف لپکے۔ جہانگیر کو اپنی نشست سے نکلنے کا موقع دیے بغیر ایک نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

میں محض احتیاط کے پیش نظر ان دونوں گاڑیوں سے قدرے فاصلے پر تھا۔ جنرل پوسٹ آفس کے سامنے کئے جانے والے اس دانستہ تصادم کے وقت میں ریلوے اسٹیڈیم کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بدلتی ہوئی صورتِ حال دیکھتے ہی میں نے رفتار بڑھائی اور لحہ بھر میں جائے واردات تک پہنچ گیا۔ میں انجن بند کرکے اترا تو بچل شاہ پہلے ہی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

"سالا شرابی..... اندھا ہوکر گاڑی چلاتا ہے۔ تیری..... " میرے کانوں میں مغلظات کے ساتھ ایک ہلکی سی کراہ کی آواز آئی۔ ان دونوں میں سے کسی نے اپنی شرارت جہانگیر کے سر تھوپ کر اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کردی تھی۔

بچل شاہ نے اپنے ماؤزر کے دستے سے مار پیٹ کرنے والے بدکلام شخص کی گردن پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ اس نے بلبلا کر جہانگیر کا گریبان چھوڑ دیا۔ وہ مکا تان کر پلٹا تو بچل شاہ اسے اپنے ماؤزر کی زد پر لے چکا تھا۔

وہ غنڈا گردی شہر کی ایک معروف شاہراہ پر ہورہی تھی۔ اتفاق سے اس وقت دور دور تک کوئی راہ گیر نظر نہیں آرہا تھا جو اس فیصلہ کن تصادم میں مداخلت کرتا۔ قریب سے گزرنے والی گاڑیوں کے ڈرائیور رفتار کم کرکے وہاں رونما ہونے والے واقعے کا مشاہدہ کرکے اپنی راہ پر بڑھتے رہے۔ کسی نے رک کر دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دہشت اور ناامیدی کے ساتھ ساتھ وہ تیسرا موذی مرض تھا جو تیزی سے کراچی کے باسیوں کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق ہوئے جارہے تھے۔ کوئی بھی دوسرے کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے پر آمادہ نہیں تھا۔ کہیں ظلم ہورہا ہو تو خاموشی سے تماشا دیکھتے رہو، دیکھنے کی تاب نہ لاسکو تو اپنی آنکھیں بند کرلو کہ اسی میں عافیت ہے۔ پتا نہیں ظالم کا ہاتھ کتنا دراز ہو۔ اس کی پہنچ کہاں تک ہو۔ وہ اپنے شکار کو بھول کر تمہارا ہی بھرتا نہ بنا دے۔

وہ کیفیت افسوس ناک تھی مگر اس وقت اس کا تمام تر فائدہ ہمیں پہنچنے کی امید تھی۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ جہانگیر کو تشدد کا نشانہ بنانے والا کالو مکرانی تھا۔ بچل شاہ کے ہاتھ میں دبے ہوئے ماؤزر کی دہشت ناک نال دیکھ کر ان دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھالئے تھے۔

"تم کون لوگ ہے.....؟ یہ ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا ہے۔ تم اس پھڈے میں کیوں پڑتا ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے اوسان پر قابو پاتے ہوئے احتجاج کیا۔

"جلدی سے گاڑی میں پیچھے بیٹھو۔" بچل شاہ نے حقارت سے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر مار کر ماؤزر کی نال سے جہانگیر کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

کالو کے حلق سے غراہٹ سے مشابہ چیخ برآمد ہوئی۔ اس نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن بچل شاہ نے سفاکانہ انداز میں ایک قدم اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "جو کہا جارہا ہے اس پر فوراً عمل کرو ورنہ تم دونوں کو ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

اس وقت تک جہانگیر بھی سنبھل کر کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے نکل آیا تھا۔ وقت اور حالات کے تحت اس نے شریفانہ چلن اپنا لیا تھا ورنہ ایک زمانے میں وہ خود بھی دادا گیر ہوا کرتا تھا۔ اس نے ہاتھ گھما کر پیچھے سے کالو کے داہنے جبڑے پر اتنا زوردار مکا رسید کیا کہ اس کے دانت بج کے رہ گئے۔ میں کالو کے ساتھی کے سر پر سوار تھا۔

ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں بھی مسلح رہے ہوں لیکن انہوں

نے ہتھیاروں کے بجائے محض اپنے زورِ بازو سے جہانگیر کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ وہ اس وقت بجل شاہ کے ماؤزر کی زد میں تھے' اس کے جارحانہ تیور دیکھ چکے تھے اس لئے دروازے کھول کر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے جہانگیر کی گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھ گئے۔

اس سے پہلے کہ کالو کا ساتھی دروازہ بند کرتا' میں نے اس کی کنپٹی پر ایک زوردار اور نپا تلا مکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اس نے کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے دونوں ہاتھ یوں لہرائے جیسے ڈوبنے سے بچنے کے لئے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو پھر کسی مُردے کی طرح گردن ڈال کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میرے اور بجل شاہ کے درمیان پہلے سے کچھ طے نہیں تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موقع کی نزاکت بھانپ کر اس نے مجھ سے کوئی ہدایت لئے بغیر کالو مکرانی کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کیا تھا۔

میں نے جہانگیر کی کار کا پچھلا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ "تم سلمٰی کی گاڑی لے کر فوراً گھر پہنچ جاؤ۔ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں تھوڑی دیر میں گھر واپس پہنچوں گا تو طے کیا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "آج برسوں بعد کسی پر ہاتھ اٹھایا ہے تو خون گرم ہو گیا ہے۔ میں تمہارا کام کافی آسان کر دوں گا۔"

"باسی کڑھی کے اس ابال کو بھول کر فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے نسیم یہاں پہنچ کر تمہارا گریبان تھام لے" میری وہ دھمکی کارگر رہی اور وہ مزید کچھ کہے بغیر فوراً سلمٰی کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جس کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔

اس تصادم میں پہل ہمارے حریفوں نے کی تھی لیکن وہ اپنی پہل کا کوئی فائدہ اٹھانے میں سرے سے ناکام رہے تھے۔ میری اور بجل شاہ کی بروقت مداخلت نے ان کا مذموم منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ بظاہر وہ تیز تر انداز میں پیش آنے والے واقعات کا ایک تسلسل تھا جو ذرا سی دیر میں نمٹ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ کسی غیر متعلقہ فریق کو رکنے اور مداخلت کرنے کا دھیان آتا' سب کچھ نارمل ہو چکا تھا۔ بس سڑک کے وسط میں دو آپس میں ٹکرائی ہوئی گاڑیاں کھڑی رہ گئی تھیں۔

ہم دو افراد تھے' گاڑیاں بھی دو ہی تھیں۔ کالو مکرانی کی کھٹارا اگر یوں ہی سڑک کے وسط میں چھوڑ دی جاتی تو بہت جلد ٹریفک پولیس وغیرہ کی نظروں میں آ جاتی۔ میں نے بجل شاہ کو وہ گاڑی وہاں سے لے جا کر صدر میں کسی جگہ پارک کرنے کی ہدایت کی اور پھر جہانگیر کی کار میں دو بے ہوش قیدیوں کو لے کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

بجل شاہ نے اخبارات کے دفاتر والے' شب و روز مصروف رہنے والے علاقے میں وہ کھٹارا ایک گلی میں پارک کر دی۔ میں مین روڈ پر اس کا منتظر رہا' گاڑی چھوڑ کر اور اس کی چابی پائیدان پر پھینک کر وہ چند لمحوں میں میرے پاس پہنچ گیا اور میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔ اس دوران میں جہانگیر ہم سے بہت دور نکل کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

"اب ان دونوں کا کیا کرنا ہے سر!" اسی سڑک پر شاہین کمپلیکس کے چوراہے سے گزرنے کے بعد بجل شاہ نے دھیمی اور پُرسکون آواز میں پوچھا۔

میرا ذہن بھی اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ ہم نے جہانگیر سے الجھنے والوں کو پکڑ کر بے ہوش ضرور کر لیا تھا مگر ان کا مصرف میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ان کا قصور اتنا سنگین نہیں تھا کہ انہیں بے رحمی سے ختم کر دیا جاتا۔ ان کے اصل عزائم کی نشاندہی باز پرس کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ انہیں کہیں قید کیا جاتا تو ان کی طویل غیر حاضری پر نسیم نامی خوبرو عورت جہانگیر کی گولڈن فارمیسی کے خلاف کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھی۔ ہم اس کے ٹھکانے سے باخبر ہوتے' تب بھی اس آزاد خیال یا شاید بے راہ رو عورت پر ہاتھ نہ ڈالتے اور وہ ہم سب کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی۔

میری طرف سے فوراً جواب نہ ملنے پر بجل شاہ نے اپنی بات جاری رکھی "فکرمندی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چھوٹی جگہ پر یہ ہوش میں آتے ہی اودھم مچائیں گے۔ ابھی ان کو سیدھے اسٹیشن فور لے چلتے ہیں وہاں ان کے دماغوں کے کیڑے جھڑ جائیں گے۔"

اس کی تجویز بہت مناسب تھی۔ میں نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "فاصلہ بہت طویل ہے۔ یہ دونوں مُردوں کی طرح بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ راستے میں کوئی پولیس پارٹی نہ روک لے۔"

اسٹریٹ لیمپس کے باربار گھٹتے بڑھتے انعکاس میں مجھے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی فاخرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ بولا "سر! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پولیس کی فکر ہی نہ کرو۔ ہماری فورس والوں کو ہر قدم پر پولیس کی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑے تو ہم ایک دن بھی کام نہیں کر سکتے۔"

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔ مزید تجسس بے سود تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی وجہ سے میں پہلے بھی پولیس والوں کی چھان بین سے بچ چکا تھا۔ ہماری گاڑی شارعِ فیصل پر جانے کے لیے فلیٹ کلب والی سڑک پر پہنچی تو وہاں پیٹرول پمپ کے قریب' اندھیرے میں پولیس کی ایک سوزوکی موبائل کھڑی ہوئی تھی۔ مسلح اہل کار کئی گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کو روک کے کاغذات کی دیکھ بھال اور تلاشی میں مصروف تھے۔

وہاں سے گزرنے والے ٹریفک میں سے مشتبہ گاڑیوں کو [illegible] کے جانے والی گاڑیوں

سے کوئی تعرض نہ کیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ شاید بجل شاہ کو اپنی شناخت کی اہمیت جتانے کا موقع نہ مل سکے مگر اس مسلح سپاہی نے گویا دور ہی سے میرے دل کی تحریر پڑھ کر مجھے رواں ٹریفک سے الگ ہو کر رکنے کا اشارہ کیا اور میں نے بادلِ ناخواستہ کار کی رفتار کم کر کے اسے بائیں طرف کاٹنا شروع کر دیا۔

گاڑی رکتے رکتے کئی مسلح سپاہیوں نے چبھتی ہوئی عقابی نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور عقبی نشست پر موجود بے حس و حرکت افراد کو دیکھ کر چوکنا ہو گئے۔ انہوں نے کسی امکانی مزاحمت سے نمٹنے کے لیے اپنے خود کار ہتھیار سیدھے کر لیے تھے۔

"اوئے! انجن بند کر کے نیچے اتر آؤ تم دونوں!" ایک ادھیڑ عمر پولیس افسر نے ہماری رینگتی ہوئی کار سے دور ہٹ کر ہمیں للکارا۔

"سر! تم اندر بیٹھے رہو۔ میں انہیں سمجھا لیتا ہوں" گاڑی رکتے ہی بجل شاہ یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔ اس نے پولیس کی مسلح نفری کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر قدرے اوپر اٹھا لیے تھے۔

"وہیں ٹھہر جا....." میرے کانوں میں ادھیڑ عمر افسر کی شناسا مگر اضطراری آواز آئی "تیرا ساتھی گاڑی میں کیوں مرا ہوا ہے اور اندر دو لاشیں کس کی ہیں؟"

اس کی زبان سے لاشوں کے ذکر نے سنسنی پھیلا دی۔ بیک وقت کئی رائفلوں میں میگزین چڑھائے جانے کی خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مفروضہ خطرے کے پیشِ نظر ان میں سے کوئی گولی نہ چلا دے۔

مجھے دروازے پر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں پیچھے کا منظر نظر آ رہا تھا۔ توہین آمیز للکار سنتے ہی بجل شاہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا پھر اس کی سپاٹ آواز ابھری "وہ لاشیں نہیں، دو مریض ہیں..... مجھے روک دیا ہے تو خود آگے آ کر میری جامہ تلاشی لے ڈالو۔ میری شناخت کے بعد تمہارے سارے اعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

"دیکھ لو..... شاہ جی! ذرا بڑھ کر دیکھ لو" وہ کسی افسر کی تحکمانہ آواز تھی "یہ اپنی ہی کسی ایجنسی کا بندہ معلوم ہو رہا ہے۔"

میں اس نامعلوم افسر کے مشاہدے پر حیران رہ گیا۔ شاید اس نے محض بجل شاہ کے لب و لہجے میں پوشیدہ اطمینان سے یہ اندازہ لگا لیا تھا۔

ایک باوردی سپاہی رائفل تانے، بجل شاہ کے قریب آیا اور چند لمحوں بعد ہی واپس لوٹ گیا۔ بجل شاہ اطمینان سے واپس میرے پہلو میں آ بیٹھا "سر! نکل چلو، بات ہو گئی۔"

وہ ایک دشوار مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے گزر گیا اور ہم دوبارہ اپنی راہ پر ہو لیے۔

شارعِ فیصل پر آنے کے بعد بجل شاہ نے نشست پر یوں پہلو بدل لیا کہ بے ہوش قیدی اس کی نظروں میں رہ سکیں۔ میرے اندازے کے برعکس وہ راستے بھر دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑے رہے اور ہم طویل راستہ طے کر کے ملیر چھاؤنی کے علاقے میں واقع اسپیشل ٹاسک فورس کے کیمپ آفس میں پہنچ گئے۔

جب سے سراب گوٹھ کے مضافات میں امریکی بحریہ کا ایک ہیلی کاپٹر کمانڈوز کی بھاری نفری کے ساتھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوا تھا اور پھر وہیں پر راس المیڈا ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا، ایس ٹی ایف والوں نے متروک بیرکوں میں واقع ٹھکانے کو خیرباد کہہ کر ملیر چھاؤنی میں ایسا پڑاؤ ڈالا تھا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد یہ وہیں مقیم تھے۔

اول خان مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ جب تک ملیر چھاؤنی میں بھیجی جانے والی کسی نئی رجمنٹ کو اس قطعۂ زمین کی ضرورت پیش نہیں آتی، اسٹیشن فور وہیں برقرار رہے گا۔

وہاں کے رنگ ڈھنگ میرے لیے نئے نہیں تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں کسی کے ساتھ سر نہیں کھپانا پڑا۔ ملک و قوم کے خفیہ اور معزز دشمنوں کی سرکوبی میں شب و روز مصروف رہنے والے جوانوں نے مشینی انداز میں دونوں قیدیوں کو لمبی بیرک کے ایک کمرے میں پہنچا دیا۔

اس ذمے داری سے نمٹنے کے بعد بجل شاہ کو اپنے ساتھی کا خیال آیا اور اس نے اپنا ایرپیس آن کر کے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو اس پر اول خان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ میری سمجھ میں نہ آنے والی کسی جناتی زبان میں کچھ بول رہا تھا۔

اول خان کے بیان کے مطابق اس فری کوئنسی پر کام کرنے والے صرف چار ایرپیس فیلڈ میں تھے۔ دو میرے اور بجل شاہ کے پاس تھے۔ تیسرا خود اول خان کے استعمال میں تھا۔ چوتھا اس محافظ کے پاس تھا جو جہانگیر کے گھر پر مامور تھا۔

صاف ظاہر تھا کہ اول خان چوتھے آدمی سے بات کر رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس وقت کراچی سے کافی دور نکل چکا ہوگا۔ اس کے باوجود وہ ہماری دسترس میں تھا۔

جوں ہی گاڑی کے انجن اور ریڈیائی لہروں کے ملے جلے شور میں اول خان کی آواز معدوم ہوئی، بجل شاہ نے اپنے ایرپیس کا ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر اسی جناتی زبان میں چند فقرے ادا کیے پھر بولا "ہم دو آدمی اپنے گھر لے آئے ہیں۔ یہاں پوری خیریت ہے..... جہانگیر اپنے گھر پہنچ چکا ہوگا..... اوور۔"

"شکر ہے کہ تمہیں اپنا ایرپیس آن کرنے کا ہوش آ گیا" اول خان کی تلخ آواز ابھری "میں نوری آباد سے آگے نکل چکا ہوں مگر تم دونوں کی طرف سے پریشان تھا۔ جہانگیر کے گھر پہنچنے کی رپورٹ مجھے مل چکی ہے، ڈینی سے میری بات کراؤ۔"

میرا ایرپیس اس وقت بھی آف تھا۔ بجل شاہ نے اپنا ٹرانسمیٹر میری طرف بڑھا دیا۔

"سوری خان!" میں نے فوراً کہا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ

تمہارے اس سسٹم کی رینج اتنی زیادہ ہے ورنہ میں اب تک دس بار تم سے بات کرچکا ہوتا۔ میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کررہا تھا۔ تمہاری آواز سن کر میرے آدھے تفکرات ختم ہوگئے ہیں۔"

"تفکرات سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کو کیا خطرہ درپیش تھا" اس نے مطالبہ کیا۔

مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اسے پورے واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے یہ بھی بتادیا کہ کالو مکرانی کو اس کے ساتھی سمیت بے دست وپا کرلینے کے بعد میں کن ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوچکا تھا۔

"تم بے فکر ہوکر ان کی زبانیں کھلواؤ۔ میں واپسی پر ان کا کوئی بندوبست کرلوں گا۔ اگر ان کے عزائم سنگین تھے تو انہیں پولیس کی تحویل میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ صبح تک نسیم بھی زبان نہیں کھولے گی۔ اس سے پہلے میں کراچی لوٹ آؤں گا۔ ان الزامات میں پولیس آسانی سے نسیم کو اٹھالے گی۔"

ان تینوں کو ان کے حلقوں سے کاٹ کر پولیس کی تحویل میں دینے کی بات بہت موزوں تھی۔ یہ امکان غالب تھا کہ انہوں نے اپنی مجرمانہ سازش میں رازداری کا پورا اہتمام رکھا ہوگا۔ جب تک نسیم کو ان دونوں کی واپسی کی طرف سے مایوسی نہ ہوجاتی، وہ دوسروں کو کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔ اس کا پہلا اور امکانی ردعمل یہ ہوتا کہ وہ اگلے دن گولڈن فارمیسی کھلنے کا بے تابی سے انتظار کرتی اور پھر جہانگیر کے سر پر مسلط ہوکر اس سے اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں حقائق اگلوانے کی کوشش کرتی۔ اس کے بعد ہی وہ پولیس یا زیرِزمین دنیا کے خطرناک افراد سے رجوع کرسکتی تھی۔

ان دونوں کے بارے میں مختصر سی گفتگو کے بعد اول خان نے کٹھول راجوانی کا ذکر چھیڑدیا۔ وہ اپنے سفر کا بڑا حصہ طے کرچکا تھا مگر پھر بھی خاصی مسافت باقی تھی۔ شیطان کی آنت کی طرح طویل سپرہائی وے پر وقت گزاری کے لیے یہ مشغلہ نہایت مناسب تھا۔ اس کی گفتگو کے درمیان کہیں کہیں سلطان شاہ بھی چہک کر اپنی موجودگی کا ثبوت دے رہا تھا۔

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد میں نے اپنا اپریٹس بھی آن کرلیا تاکہ میں بچل شاہ کی غیرموجودگی میں بھی دوسروں سے رابطے میں رہ سکوں۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ دونوں قیدی ہوش میں آرہے ہیں۔ ہم دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں فرش پر بستروں کے سوا کوئی سہولت موجود نہیں تھی۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے اور وہ پُرتشویش انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔

دروازہ کھلتے ہی ان کی ہراساں نظریں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں جن میں میرے لیے شناسائی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔

"تم لوگ کون ہے، ہم کدھر ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے مخصوص لب ولہجے میں زبان کھولی۔

میں نے پُرسکون انداز میں آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کردیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ اس کا منہ پھر گیا۔

"دونوں اپنے نام اور پتے بتاؤ" میں نے غرا کر حکم دیا "کوئی سوال کرنے کی کوشش کی تو ادھیڑ کر رکھ دیے جاؤ گے۔"

کالو مکرانی کے ساتھی کا نام قاسم تھا اور وہ دونوں میراں ناکا کے رہنے والے تھے۔ کالو مکرانی کہہ رہا تھا "نام پتا' سب لے لو مگر ئی باپ' یہ ظلم ہے۔ ہم لوگ نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آدمی نے ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا تھا۔۔۔"

اس بار کالو مکرانی کے لیے میرا مکا زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا۔ میں نے پوچھا "تم اس شریف آدمی کا پیچھا کیوں کررہے تھے؟ کیا اسے تاوان کے لیے اغوا کرنے کا ارادہ تھا؟"

"اڑے قاسو مردار! تم بھی بولو نی۔ وہ تمہارا عورت کو کیا بولتا تھا" کالو دوسری بار مار کھا کر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔

"وہ ہمارا بیوی کو چھیڑتا تھا۔ ہم لوگ اسی کا بات کرنے آیا تھا" قاسم نے بھاری آواز میں کہا۔

نسیم سے اس کا رشتہ معلوم ہوتے ہی میری ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی "تو وہ بدمعاش عورت تمہاری بیوی ہے! وہ روز وہاں سے دوائیں لینے کیوں جاتی تھی؟"

"گالی نہیں دو۔۔۔ ہمارا عورت کو گالی نہیں دو" قاسم نے تلخ لہجے میں احتجاج کیا "بیمار لوگ کا واسطے دوا لینا جرم نہیں ہے۔"

اس بار میں نے اسے مکوں پر رکھ لیا۔ میری نظروں میں وہ کالو سے زیادہ قابلِ نفرت تھا۔ خود پسِ پردہ رہ کر اپنی بیوی سے مجرمانہ مفادات کے حصول میں مدد لیتا تھا۔

ذرا سی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دونوں ہی ڈھیٹ اور ضدی تھے۔ ان سے آسانی سے کچھ نہیں اگلوایا جاسکتا تھا۔ اپنے سوالات سے میں نے انہیں یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی جیسے ہمارا تعلق امن وامان برقرار رکھنے والے کسی خفیہ ادارے سے ہو۔

بچل شاہ تابعدارانہ انداز میں میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کالو کا بتایا ہوا پتا ایک کاغذ پر نوٹ کرچکا تھا۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہوکر کہا "آدمی بلاؤ۔ یہ تھرڈ ڈگری چاہتے ہیں تو پھر یہی سہی۔"

دونوں نے میرے تیور بھانپ کر فوراً ہی شور مچانا شروع کردیا مگر بچل شاہ ان پر دھیان دیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اچانک تشدد سے ان دونوں کو تحیر زدہ کردینے کے بارے میں ہمارے درمیان پہلے ہی مشورہ ہوچکا تھا۔

چند منٹ بعد بچل شاہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چست لباس میں ملبوس، کسرتی جسم والا ایک قسد آور کمانڈو بھی موجود تھا۔ اس نے آتے ہی نیم فوجی انداز میں مجھے سلام کیا اور اگلے ہی لمحے پھرتی سے فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں پر جاپڑا۔ کمرا ان دونوں کی بے

ساختہ چیخوں سے گونج اٹھا۔ فضا میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی ایک لات ہی قاسم کا جبڑا ادھیڑ کر کالو کے سینے پر پڑی تھی اور وہ دونوں ننگے فرش پر ڈھیر ہو چکے تھے۔

ان دونوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑھک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نووارد کمانڈو کسی برق کوندے کی طرح دوبارہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ مارشل آرٹ میں نمایاں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اس بری طرح اپنی فلائنگ ککس اور کھڑی ہتھیلی کے واروں پر لیا کہ وہ بار بار سنبھلنے کے باوجود دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہو سکے۔ اونچی چھت والا وہ سیل یا قید خانہ ان کی درد آمیز چیخوں سے گونجتا رہا۔

کافی تشدد سہہ لینے کے بعد بھی ان کے کس بل برقرار نظر آرہے تھے۔ میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا مشاق کمانڈو پوری تن دہی سے انہیں تاک تاک کر نشانہ بناتا رہا۔ پہلے وہ چیخوں کے درمیان دنیا جہان کی قسمیں کھا کھا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتے رہے۔ حالت ابتر ہونے کے بعد انہیں اپنے اس دعوے کا ہوش نہیں رہا۔

میرے ساتھ بچل بھی ان کی سخت جانی پر حیران تھا۔ اچانک اور تیزی سے ہونے والا جسمانی تشدد اکثر بڑے بڑے سورماؤں کو چند لمحوں میں حواس باختہ کر دیتا ہے مگر وہ اپنے چہرے بگڑ جانے کے باوجود کسی اعتراف پر آمادہ نہیں تھے۔

یہ طویل سلسلہ تقریباً آٹھ دس منٹ تک جاری رہا۔ کالو پٹتے پٹتے بے ہوش ہو گیا تو قاسم کے اعصاب بھی جواب دینے لگے۔ آخر کار وہ رحم کے لیے چیخ ہی پڑا۔

قاسم کو اس کی فرمائش پر پانی پلایا گیا تو اس نے پہلا گھونٹ فرش پر الٹ دیا۔ اس کے دہانے سے برآمد ہونے والا پانی لہو رنگ تھا۔ گہرے گہرے سانسوں اور کراہوں کے درمیان اس نے پانی کا پورا گلاس خالی کر دیا پھر آنکھیں موند کر تھکے ہوئے انداز میں ہانپنے لگا۔

"اب تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو مار مار کر تمہاری ساری پسلیاں توڑ دی جائیں گی۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے وارننگ دی۔

اس نے دہشت زدہ ہو کر فوراً ہی آنکھیں کھول دیں اور رک رک کر التجا کی کہ اس کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اسے ذرا سی بھی رعایت دی جاتی تو وہ اپنی قوت یکجا کر کے دوبارہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

وہ شاید گفتگو بلکہ اعتراف کی ابتدا کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے کمانڈو کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس نے جھپٹ کر قاسم کو بے رحمی سے فرش پر گرا کر دوبارہ ادھیڑنا شروع کر دیا۔

"چھوڑ دو... چھوڑ دو... خدا کے لیے ہم کو چھوڑ دو..... میں سب بتاتا ہوں" وہ بلبلا اٹھا۔

میرے ایما پر کمانڈو نے اپنی کارروائی دوبارہ ملتوی کر دی مگر اس بار وہ جارحانہ انداز میں بازو پھیلا کر قاسم کے سر پر کھڑا رہا۔

اس نے سب سے پہلا اعتراف یہ کیا کہ وہ دونوں جہانگیر کو کسی ویرانے میں لے جا کر اس سے معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہاں سے سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا جس کے اختتام پر ایک واضح تصویر سامنے آچکی تھی۔

کالو اپنے علاقے کا ایک بدنام ہیروئن فروش تھا۔ اس کام میں چھوٹے موٹے لوگوں کے درمیان مسابقت اور پھر علاقہ پولیس کے بڑھتے ہوئے مطالبات کی وجہ سے وہ اس کام کو چھوڑ چکا تھا اور چھوٹی موٹی وارداتوں پر گزارہ کر رہا تھا۔ قاسم اس کا پرانا دوست اور ہم پیشہ تھا۔ نسیم اپنے شوہر اور کالو کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مال بنانے پر اکساتی رہتی تھی تاکہ وہ بھی علاقے کی امیر عورتوں کی طرح خوب بناؤ سنگھار کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔

پچھلے چند مہینوں سے وہ لوٹ مار میں ان کے ساتھ شریک ہو چکی تھی۔ وہ بڑی دکانوں کے مالکان سے تیزی سے اپنا ربط ضبط بڑھاتی تھی۔ اس کے تاڑے ہوئے مرد اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے نسیم کے حسن پر ریجھ کر اس کے جال میں پھنس جاتے تھے اور وہ ان سے مال حاصل کرتی رہتی تھی۔ جوں ہی دوسری طرف سے کوئی ناروا جوابی مطالبہ زور پکڑتا، نسیم منظر سے غائب ہو جاتی۔ کالو اور قاسم دکان دار کو ڈرا دھمکا کر ایک موٹی رقم اینٹھ لیتے تھے۔

جہانگیر بلکہ قاسم کے کہنے کے مطابق جہانگیر سیٹھ، نسیم کا پانچواں شکار تھا۔ وہ اپنی جھجک کی وجہ سے کبھی حرفِ مدعا زبان پر نہیں لا سکا۔ نہ نسیم نے اس سے کبھی رقم کا مطالبہ کیا۔ قیمتی دوائیں آدھی قیمت دے کر اس نے خود ہی اپنی نظربازی کا معاوضہ طے کر دیا تھا۔ جوں ہی اس نے نسیم سے دواؤں کی پوری قیمت طلب کی، نسیم نے سمجھ لیا کہ یہ سلسلہ مزید دراز نہیں ہو سکے گا۔

وہاں تک سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ خرابی کی ابتدا اس وقت ہوئی، جب نسیم کی نشان دہی پر وہ دونوں گولڈن فارمیسی پہنچے۔ کالو نے پہلی ہی نظر میں جہانگیر سیٹھ کو پہچان لیا جو ایک زمانے میں شی کی طرف سے اس کا باس ہوا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جہانگیر سیٹھ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ وہ بھی انجان بنا رہا اور یوں اس سے پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہاں سے واپسی پر کالو نے قاسم کو بتایا کہ جہانگیر شی کے دنوں میں ڈینی کا گہرا یار ہوا کرتا تھا اور ڈینی کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے بہت بڑا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں امریکیوں سمیت ہر گورا انگریز ہی ہوتا تھا۔

گھر لوٹ کر کالو نے چند روز پرانے اخبار میں اسے میرے بارے میں چھپنے والا انعامی اشتہار دکھایا۔ قاسم سے زیادہ نسیم کی

رال ٹپک پڑی۔ اگر وہ تینوں جہانگیر سیٹھ سے میرا پتا ٹھکانا معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو راتوں رات کروڑپتی بن سکتے تھے۔

انہوں نے جہانگیر سیٹھ کو کوئی مہلت دیے بغیر گھیرنے کا فیصلہ کیا اور رات ہوتے ہی اس کی دکان کی نگرانی کرنے پہنچ گئے۔

کالو کا خیال تھا کہ کراچی میں شی اور مافیا کے ٹوٹ جانے کے بعد شہر کی ہیروئن کی منڈی ہر ایرے غیرے کے لیے کھل گئی تھی۔ جس کا دل چاہتا' سرحدی علاقوں سے دو چار کلو مال لاکر کراچی میں پھینک دیتا تھا۔ اس خلا کو رفتہ رفتہ کھٹول راجوانی پُر کر رہا تھا۔ اس نے منڈی کے پرانے آدمیوں کو خرید کر زیرِ زمین لین دین پر اپنی گرفت مستحکم کرنی شروع کردی تھی۔ کالو کو حسرت تھی کہ اس وقت اسے کہیں سے کوئی بڑی رقم مل جاتی تو وہ اپنے پرانے تجربے کی بنا پر چند ہی روز میں کراچی کا ہیروئن کنگ بن سکتا تھا۔ جہانگیر سیٹھ کے ذریعے میرا سراغ ملنے کی صورت میں اسے اپنا وہ خواب پورا ہوتا نظر آرہا تھا۔

میرے لیے یہ بات نئی نہیں تھی کہ کالو کو کروڑوں روپے سے زیادہ دلچسپی ہیروئن کنگ بننے سے تھی۔ جرائم کی دنیا میں آئزک بیل جیسے طاقت ور مجرم سے لے کر کالو جیسے بے بساط مہرے تک' ہر شخص پیسے سے زیادہ اقتدار' جاہ و حشم اور دھاک کا متمنی ہوتا ہے۔ آئزک بیل تو گرہ کا مال خرچ کرکے شی اور ڈیوڈا اسٹارز پر قابض ہوا تھا۔

قاسم نے سرمائے کے حصول میں کالو کی گہری دلچسپی کے جواز کے طور پر کراچی کی ہیروئن مارکیٹ کے خلا اور اس پر کھٹول راجوانی کی قابض ہونے کی کوششوں کا ذکر کیا تھا جس پر میرا چونکنا فطری امر تھا۔ وہ زیرِ زمین دنیا کا کوئی معروف غنڈا یا دادا گیر نہیں تھا جس کی ہیبت سے کالو اور قاسم جیسے بدمعاش تھراتے ہوں۔ وہ ملک کا ایک معزز اور نامور جاگیردار تھا جو سیاست میں بھی اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ میرے لیے اس کا مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونا ایک مسلّمہ امر تھا لیکن وہ اس قدر کھلے بندوں جرائم پیشہ افراد سے میل جول قائم رکھنے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا کہ ہر کس و ناکس کی زبان پر اس کا چرچا عام ہوجائے۔

قاسم نے تشدد کی دہشت اور بدحواسی کے عالم میں اپنی جان بچانے کے لیے برسبیلِ تذکرہ کھٹول کا نام لے دیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت وہی ملعون بہروپیا میرا اکلوتا ہدف تھا۔ نسیم کے حسنِ بدباطن میں جہانگیر کی ذرا سی دلچسپی سے شروع ہونے والے اس قصے کا نیا موڑ میرے لیے دلچسپ ہی نہیں' سنسنی خیز بھی تھا۔

میرا کھٹول کے ذکر پر چونکنا ایک فطری فعل تھا لیکن میں نے قاسم کو کہیں نہیں ٹوکا۔ اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "کھٹول کے بارے میں تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اس سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"

اس نے اپنا لہولہان چہرہ اٹھا کر سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور ہکلا کر جواب دیا "یہ باتیں بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ ہم لوگ کا اس سے کوئی میل جول نہیں ہے۔"

"میں سچ سننا چاہتا ہوں" میں نے درشت لہجے میں اسے آگاہ کیا "تم نے اب تک جو اعتراف کیے ہیں' وہ تمہیں لمبی مدت کی سزا دلوانے کے لیے کافی ہیں۔ کھٹول کے بارے میں تم نے سچ بولا تو تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے۔"

"ہم کچھ نہیں جانتا" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا "مائی باپ' ہم پر رحم کرو۔ ہم ابھی نہیں مرنا چاہتا" یہ کہہ کر اسے کچھ اور نہ سوجھا تو وہ فرش پر سجدے میں گرگیا۔ اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو شاید وہ انہیں ہی میرے سامنے جوڑ دیتا۔

"تمہاری مرضی کے بغیر یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا" میں نے اسے یقین دلایا "تم نے سچ نہ بولا تو ہم تمہاری زندگی برباد کردیں گے۔"

اسی وقت کالو کے بدن میں جنبش ہوئی۔ اسے رفتہ رفتہ ہوش آرہا تھا۔

"یہ کالو کو معلوم ہوگا۔ اسی نے ہم کو بولا تھا۔ ہم اس کو اپنا باس مانتا ہے۔ جو وہ بولتا ہے' وہی کرتا ہے۔ اس سے لفڑا نہیں کرتا۔"

"یہ لفڑا کیا بلا ہے؟" بچل شاہ نے متجسس لہجے میں بے ساختہ سوال کیا۔

"پھڈا..... پھڈا!" قاسم نے جلدی سے وضاحت کی "ہم باس سے پھڈا نہیں کرتا۔"

"تم نے کھٹول کے بارے میں زبان کھولی تو تمہیں کون مار ڈالے گا؟" اس بار میں نے اس کا خوف کم کرنے کے لیے رسانیت سے پوچھا۔

"پتا نہیں..... کالو بولتا تھا کہ جو اس کا نام لے گا' مارا جائے گا" وہ خوف زدہ ہورہا تھا۔

"پھر تم نے اس کا نام کیوں لیا؟" اس بار میں نے غصے سے پوچھا۔

"غلطی ہوگیا۔ صاحب! معاف کردو" وہ ایک مرتبہ پھر گڑگڑانے لگا۔

مزید چند سوالوں میں' میں نے اندازہ لگالیا کہ اس کی معلومات کا اصل ذریعہ کالو تھا۔ اسے کھٹول کے نام اور اس کے اثر و رسوخ سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں کالو بتدریج ہوش میں آتا جارہا تھا۔ میں نے بچل شاہ کے ذریعے قاسم کو دوسرے کمرے میں بھجوادیا۔

میں ایک پرانی اور آزمودہ ترکیب کے ذریعے کالو سے تنہائی میں معلومات اگلوانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ قاسم کی غیر حاضری کالو کو اعصاب زدہ کردے گی۔

زخمی اور بدحال کالو فرش پر بدستور کسمسا رہا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ پر اس بری طرح زخم آیا تھا کہ وہ پوری طرح بند ہو کر رہ گئی تھی۔ بائیں آنکھ قدرے وا ہوئی تو میں نے کالو کے چہرے پر پانی سے بھرا ہوا جگ الٹ دیا۔ جلد سے پانی ٹکراتے ہی وہ اکھڑے اکھڑے سانس لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

چند منٹ بعد میں نے اس سے براہِ راست کھٹومل کے بارے میں پوچھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کھٹومل سے اپنی لاتعلقی پر خاصا اصرار کیا لیکن میں نے اسے یہ نوید سنائی کہ اس بارے میں قاسم بہت کچھ اگل چکا تھا اور اگر اس نے سچ نہ بولا تو اسے ایک مرتبہ پھر اذیت ناک تشدد سہنا ہوگا۔

کالو میں مزاحمت کا زیادہ دم خم باقی نہیں رہا تھا پھر بھی وہ آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ میں نے دروازے کے باہر موجود کمانڈو کو آواز دے کر اندر طلب کیا تو کالو اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”شروع ہو جاؤ“ میں نے ایس ٹی ایف کے کمانڈو کو ہدایت کی۔

اس نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ کالو کا سارا حوصلہ جواب دے گیا۔

کھٹومل سے ان دونوں کا براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن کالو کو یہ یقین تھا کہ بالم اور جانی نامی دو مقامی منشیات فروش اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اسے یہ بات کیماڑی کے اس شراب خانے کے مالک سے معلوم ہوئی تھی جس کے عقبی کمرے میں بالم چند ماہ پہلے کھٹومل سے ملا تھا۔ نصف گھنٹے طویل اس ملاقات کے بعد بالم بہت تیزی سے خوش حال ہوتا چلا گیا۔ اس نے شہر کے کئی بڑے ٹھکانوں پر ہیروئن کی ترسیل بھی شروع کر دی تھی اور جانی کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

بعض چھوٹے موٹے کاموں کے لیے بالم اور جانی باہر کے لوگوں کو بھی مناسب معاوضے پر استعمال کرتے تھے لیکن ہیروئن کی سپلائی اور رقوم کی وصولی کا کام ان کے خاص کارندے ہی سرانجام دیتے تھے۔ اس کام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

کالو کے مقابلے میں بالم اور جانی نوآموز تھے لیکن انہوں نے جتنی تیزی سے ترقی کی تھی، کالو اسے رشک کی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر پچھلے روز بالم نے ایک کام کے لیے اسے دس ہزار روپے کے خطیر معاوضے کی پیش کش کی تو وہ انکار نہیں کر سکا۔

کالو کو اس رقم کے عوض پچھلی رات صرف ایک گھنٹے کے لیے بالم اور جانی کو فائرنگ کور فراہم کرنا تھا تاکہ وہ دونوں ایک عمارت میں داخل ہو کر اپنا کوئی اہم کام کر سکیں۔ عمارت کے باہر سے تحفظ فراہم کرنے والوں میں کالو سمیت دس افراد شامل تھے۔

کالو نے اداسی سے بتایا کہ وہ پچھلی رات بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے فرار ہو سکا تھا۔ بالم اور جانی اپنے چار آدمیوں سمیت مارے گئے تھے۔

میں نے اس پر ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ پچھلی رات میرے قتل کی کوششوں میں معاونت کا مجرم تھا۔ اخبارات نے مرنے والوں کے بارے میں جو کچھ شائع کیا تھا، اس کے مطابق بالم اور جانی ہماری عمارت میں اپنے دو ساتھیوں سمیت موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔

کالو کی کہانی سننے کے بعد پچھلی رات کا نقشہ بہت واضح ہو گیا تھا۔ بالم نے اپنے تین قابلِ اعتماد ساتھیوں کی معیت میں ہمارے فلیٹ تک پہنچ کر مجھے ٹھکانے لگانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ باہر فائرنگ کر کے خوف و ہراس پھیلانے اور اس پارٹی کو تحفظ فراہم کرنے والے دس افراد کی خدمات کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ ان میں سے دو ایس ٹی ایف والوں کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔

اس وقت ہم اپنی دانست میں جہانگیر کی ناپسندیدہ حرکات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخدوش صورتِ حال میں اس کی مدد کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن نتیجے میں کھٹومل کے خلاف پہلا اور شاید اکلوتا گواہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس ضمن میں براہِ راست کسی کوشش کے بغیر یوں کامیابی مل جانا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔

میں کمانڈو کو کالو کی دیکھ بھال کی ہدایت کر کے اس کمرے سے نکل آیا۔ بجل شاہ الرٹ حالت میں میری واپسی کا منتظر تھا۔ اس سے میری ملاقات ہوئی تو وہ سادہ لباس میں تھا۔ مجھے فورس میں اس کے درجے یا عہدے کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ مجھے لے کر اپنے دفتر میں گیا تب معلوم ہوا کہ اول خان کے گھر سے میرا سامان جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچانے والا کوئی عام کارکن نہیں بلکہ ایک ذمے دار افسر تھا۔

اس کے استفسار پر میں نے اسے دونوں قیدیوں کو ایک ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے مطابق بندوبست کرنے کے لیے باہر چلا گیا۔ میں ایریٹس پر اول خان کو پکارنے لگا۔

تیسری کال پر اول خان کی طرف سے جواب آگیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ریلوے اسٹیشن جا رہا تھا۔ اشارہ ملنے پر بات کرنے کے لیے دوبارہ گاڑی میں آیا تھا۔

”یہ جہانگیر کا معاملہ نہیں، خالص ہمارا کیس تھا“ میں نے اسے آگاہ کیا ”کل رات کو ہمارے فلیٹ پر ہونے والے حملے میں کالو بھی شریک تھا۔“

”اسے تم سے کیا پرخاش تھی؟“ اول خان کے سوال میں بے ساختگی تھی۔

”اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔ وہ کرائے کے دہشت گرد کا کام انجام دے رہا تھا، محض دس ہزار روپے کے عوض۔“

”تو کیا کھٹومل کا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں تھا؟“ اول خان نے پوچھا۔

"سو فیصد اسی کی حرکت تھی۔ بالم اور جانی کے نام سے پہچانے جانے والے منشیات فروش کھٹول کے زر خرید ہیں۔ انہوں نے کالو مکرانی کو خریدا تھا۔ وہ باہر رہ کر گولیاں چلا رہا تھا۔"

"عجیب بات ہے کہ رات کو وہ اصل سازش سے بے خبر تھا اور تمہارے دوست کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کیا تم اس بات کو محض اتفاق مان لینے پر آمادہ ہو گئے ہو؟"

"وہ ایک الگ ہی چینل تھا۔ وہ جہانگیر کے ذریعے مجھے پکڑوا کر امریکیوں سے انعام کی رقم وصول کرنے کا سنہرا خواب دیکھ رہا تھا جو چکنا چور ہو گیا۔"

"پھر وہ جہانگیر والا قصہ کیا تھا؟" اول خان کے ذہن میں سوالات ابھرتے چلے آ رہے تھے۔

"وہ اتفاق تھا۔ اسی کے نتیجے میں ہم نے ایک کامیابی حاصل کی ہے۔"

"اب وہ دونوں پولیس والوں کی خوراک بنیں گے۔ ان کی ساتھی عورت بھی دھری جائے گی۔ فی الحال تم ان دونوں کو اسٹیشن فور پر ہی رکھو۔ میں آخری ٹرین میں اسے دیکھتے ہی واپس چل دوں گا اور سیدھا دفتر آؤں گا۔ تم چاہو تو بے فکر ہو کر واپس جا سکتے ہو۔"

"کچھ دیر میں یہیں ہوں۔ میری دعا ہے کہ کھٹول تمہارے ہاتھ آ جائے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا ہے۔ ہاتھ آ گیا تو راستے میں ہی مار مار کر میں اس کا حلیہ بگاڑ دوں گا۔" اول خان کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔

وہ کہانی اتنی سیدھی اور سادہ نہیں تھی کہ ان چند مکالموں سے اول خان کی سمجھ میں آ جاتی۔ حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر آخری ٹرین پہنچنے میں وقت باقی تھا۔ وہ اپنی تسلی کے لیے دل کھول کر سوال کرتا رہا اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بچل شاہ اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹا تو اسے میرے کھانے کا خیال آیا مگر میں نے چائے کی خواہش ظاہر کرنے پر اکتفا کیا۔ اپرٹیس کی کارکردگی سے مطمئن ہونے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان سر اٹھانے والے کسی فتنے کی سرکوبی کر سکوں۔

چائے نوشی کے دوران میں بچل شاہ کو قیدیوں کے بارے میں ہدایات دے کر میں نے وہاں سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے اپرٹیس سمیت اپنا ایک متبادل میرے ساتھ کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ فلیٹ کی حفاظت کے لیے وہاں ہر وقت دو آدمیوں کی موجودگی ناگزیر تھی تاکہ وہ فلیٹ کے ساتھ ایک دوسرے کا دھیان بھی رکھ سکیں۔ قیدیوں کی وجہ سے وہ خود وہیں رکنے کا خواہاں تھا۔

کالو مکرانی کے ساتھ جہانگیر کے تصادم میں دخل انداز ہونے کے بعد میں نے جہانگیر کو اس کے گھر پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد

ہمارے درمیان سرے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اسٹیشن فور پر بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اسے فون کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کر دیتا۔ ان دونوں کا میری طرف سے فکر مند ہونا فطری تھا۔

میں ان کے فلیٹ میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ویرا اور غزالہ بھی موجود ہیں۔ ان چاروں کے ستے ہوئے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری باضابطہ تدفین کے لیے ذہنی طور پر بڑی حد تک تیار ہو چکے تھے۔

میری آواز سنتے ہی سب کے چہرے کھل اٹھے۔ جہانگیر اپنا نیم لبریز گلاس تپائی پر رکھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ و سلامت لوٹ آئے اور میں ان تینوں کے سامنے سرخ رو ہو گیا۔ ان کے ظالمانہ تبصرے سن سن کر میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔"

"اس وقت تم زمین سے خاصی بلندی پر ہو" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "زمین میں گڑنے کے لیے زمین پر موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"کل رات یہاں موت کی جو ہولی کھیلی گئی، اس کے بعد آپ کی گمشدگی نے میری جان نکال دی تھی" غزالہ نے نرم لہجے میں شکوہ کیا "ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم دونوں یہاں کیسے موجود ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم لاوارث نہیں ہو جو یوں منہ اٹھا کر اچانک کہیں بھی غائب ہو جاتے ہو" ویرا بیئر کے گلاس سے گھونٹ لینے کے بعد تلخی سے بولی "اس شہر میں تمہارے لیے فکر مند ہونے والوں کی تعداد کافی ہے۔"

"تمہاری فکرمندی تو میں دیکھ ہی رہا ہوں" میں نے اس کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے طنز کیا "مجھے آنے میں مزید تاخیر ہو جاتی تو شاید تم دونوں آپے سے باہر ہو چکے ہوتے۔"

"ہم اسکاچ نہیں بیئر پی رہے ہیں.... محض وقت گزاری کے لیے شغل...." جہانگیر نے جلدی سے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کم ظرفوں کے لیے وہ بھی کافی ہوتی ہے۔ اب زیادہ بک بک مت کرو۔"

"آخر ہوا کیا تھا؟ ان پر کیا افتاد نازل ہوئی تھی جو تم کو اتنے لمبے بکھیڑے میں الجھنا پڑا؟" اس بار سلمٰی نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ اپنے میاں سے پوچھو" میں نے بے پروائی سے کہا "شکر ادا کرو کہ نوبت نسیم...."

نسیم کا نام آتے ہی جہانگیر نے ہڑبڑا کر قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "کیا اول فول بک رہے ہو؟ سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ ڈاکوؤں نے تمہیں کس طرح گھیر لیا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں کہ نسیم کا کیا قصہ ہے؟" سلمٰی کولھوں پر ہاتھ رکھ کر جہانگیر کے سامنے تن گئی۔

"نسیم کا کوئی قصہ نہیں ہے" میں نے سلمٰی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا "میں یہ کہہ رہا تھا کہ نوبت نسیم سحری کے جھونکوں تک نہیں پہنچی۔ تمہیں تو تہذیب' مسرت اور خوشبو کے ذکر پر بھی جہانگیر کے گرد اس نام کی عورتیں منڈلاتی نظر آتی ہوں گی۔ یہ اتنا اسمارٹ اور خوب رو نہیں ہے۔"

میرے وہ کاٹ دار فقرے اتنے مؤثر ثابت ہوئے کہ سلمٰی کھسیا کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا غرائی "پہلے تم نے صرف نسیم کہا تھا۔ اگر تمہاری بعد والی بات درست تھی تو تمہیں نسیمے کہنا چاہیے تھا' سحر اس کے بعد ہی آسکتی تھی۔"

"ڈینی کی اردو شروع سے بہت کمزور ہے" جہانگیر نے فوراً ہی میری صفائی پیش کی "اسے زیر زبر کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔ تم اس بحث میں نہ پڑو تو اچھا ہے۔"

"بات ٹالنے کی کوشش مت کرو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔

"اردو ڈینی کی جڑوں میں بیٹھی ہوئی ہے" جہانگیر سے یہ کہہ کر وہ میری طرف مخاطب ہو گئی "ہاں' تو تم کیا بتا رہے تھے؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہی نسیم سحر کا قصہ تھا۔"

"تم نے ہمیں نہ بتایا تو میں سلمٰی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دوں گی" ویرا نے نیچی آواز میں دھمکی دی "میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم ہمیں جو کچھ بتاؤ گے' سلمٰی کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"اگر ویرا خوش ہوتی ہے تو یوں ہی سہی" جہانگیر نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا "تم انہیں نسیم کے نام سے کوئی بھی واقعہ سنا دو۔ میں اعتراض کیے بغیر اسے من و عن تسلیم کر لوں گا۔"

"چلو' یوں ہی سہی۔ تم قصہ تو سناؤ۔ خود بخود پتا چل جائے گا کہ اس میں سچ کتنا ہے" ویرا نے کسی بحث میں الجھنے کے بجائے مصالحانہ رویہ اختیار کر لیا۔

"قصہ سنانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم دونوں یہاں کیسے نظر آ رہی ہو۔"

"میں نے یہاں فون کیا تو سلمٰی تمہاری طرف سے فکرمند تھی۔ اسی سے پتا چلا کہ اول خان اور سلطان شاہ حیدر آباد گئے ہوئے ہیں" ویرا بتانے لگی "مجھے گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا۔ غزالہ سے بات ہوئی تو اس نے فکرمند ہو کر رونا شروع کر دیا اور ہم دونوں یہاں آ گئیں۔"

"تم بالکل بے وقوف اور جذباتی ہو" میں نے غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا "میں ... پوری تفصیل

سامنے ہی ہم نے دونوں ڈاکوؤں کو زیر کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان کی مزاج پرسی میں ہی دیر سویر ہو سکتی تھی۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے کہ میں اول خان کے گھر جا کر خود کو کس قدر مجبور اور بے سہارا محسوس کر رہی ہوں۔ ویرا کے ساتھ اس کی بیوی بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے مگر میں اپنے دل کو نہیں سمجھا سکتی۔ اپنے گھر اور اپنی چھت کی عادت پڑ جانے کے بعد کہیں اور سکھ مل ہی نہیں سکتا۔ میری یہ بات سلمٰی سمجھ سکتی ہے۔ میں آپ کو...." بولتے بولتے اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ویرا ہنس پڑی اور بولی "سلمٰی کے ساتھ میں بھی تمہارے جذبات کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔ میں تمہارے گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہوں اور وہیں آرام ملتا ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی پھر بھی میں ایک بے شاخ آشیانے پر بسیرا کر رہی ہوں اور اسی سے مانوس ہوں۔"

"سنا تھا کہ تم سلطان شاہ سے شادی کرنے والی ہو" جہانگیر نے فوراً ہی ایک بونگا سوال کر ڈالا اور ویرا چراغ پا ہو گئی۔

"مجھے اس الو کے پٹھے کا نام بتاؤ جس نے تم سے یہ بات کہی ہے۔ میں اس کی گردن مروڑ دوں گی۔ وہ میرے پیر پکڑ کر التجائیں کرے تب بھی میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ جو مرد اپنے آپ کو اعلیٰ اور اچھوتا سمجھتا ہو' میں اسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"تم اپنا گھر بسا لوگی تو وہ بھی کہیں نہ کہیں شادی کر لے گا" میں نے بات رفع دفع کرنے کی نیت سے دخل دیا "تم دونوں لڑتے ہو تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہو' موڈ اچھا رہے تو شیر و شکر بنے رہتے ہو۔ محبت اور نفرت کی یہ انتہائیں غلط فہمی کا سبب بن ہی جاتی ہیں۔ جہانگیر ایک اچھی بات بھی چڑانے والے انداز میں پوچھنے میں ماہر ہے۔"

"جہانگیر کو بیئر میں جھونکو اور وہ نسیم والا قصہ سناؤ پھر میں سلمٰی کے سامنے اس سے پوچھوں گی کہ یہ نسیم سے کب دوسری شادی کر رہا ہے" ویرا غصے کی رو میں بولی۔

"تت.... تم وعدہ کر چکی ہو کہ سلمٰی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دو گی" جہانگیر نے بوکھلا کر احتجاج کیا "وعدہ خلافی سے بہتر ہے کہ یہ بات بھول جاؤ۔"

"تم سناؤ!" ویرا نے اس کی بات سنی اَن سنی کر کے مجھے حکم دیا۔

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا اور وہ قصہ شروع کر دیا۔

جہانگیر نے بیئر کا نیا کین اپنے اور ویرا کے گلاس میں خالی کیا اور بردباری کے ساتھ یوں لاتعلق ہو کر بیٹھ گیا جیسے نسیم والا واقعہ واقعی مفروضہ ہو۔

سن کر ویرا بولی "اس کا مطلب ہے کہ جہانگیر نے نسیم سے آنکھ لڑا کر اپنا نقصان ضرور کیا مگر تمہیں خاصا فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ کڑیاں اتنی آسانی سے نہیں مل سکتی تھیں۔"

"میرا کوئی نقصان نہیں ہوا" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا۔ "میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ نسیم والا قصہ من گھڑت ہے جو تمہیں خوش کرنے کے لیے سنایا گیا ہے۔"

"وہ جھوٹ ہے تو تم سچ بتا ڈالو۔ کالو اور قاسم تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے؟"

جہانگیر یوں ہنس پڑا جیسے ویرا نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہو پھر بولا "میں کوئی پردے دار خاتون نہیں ہوں۔ دن بھر کھلی دکان پر بیٹھتا ہوں۔ گاہکوں کے علاوہ ہزاروں راہ گیر بھی روز مجھے دیکھتے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے پہچان سکتا ہے۔ تم ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں تمہیں واقعی اتنا گھامڑ لگتا ہوں کہ کسی خوب صورت عورت کو بلاوجہ قیمتی دوائیں آدھی قیمت پر دیتا رہوں گا؟ یہ بات تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے؟"

جہانگیر نے میرے روبرو وہ آخری دو سوال اس قدر اعتماد اور ڈھٹائی سے کیے تھے کہ میں ششدر رہ گیا۔ اس کے سوالات میں یہ احساس بھی پنہاں تھا کہ نسیم کے معاملے میں اسے اپنے گھامڑ پن کا پورا ادراک ہو چکا تھا۔

جہانگیر کی دیدہ دلیری پر ویرا سٹپٹا گئی۔ لاجواب ہو کر اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے آنکھ مار کر کہا "کہانی تم نے سن لی۔ اب جہانگیر کی بات پر بھی اعتبار کر لو۔ یہ اس قدر کند ذہن اور گدھا نہیں ہے کہ ایک خوب صورت عورت پر بلاوجہ اپنا پیسہ لٹاتا رہے۔"

نئے القاب پر جہانگیر نے کھنکھار کر اپنی جگہ پر پہلو بدلا لیکن کوئی اعتراض نہ کر سکا۔ جب وہ خود کو بالواسطہ طور پر گھامڑ تسلیم کر سکتا تھا تو میں بھی اسے کند ذہن اور گدھا قرار دینے کا پورا حق رکھتا تھا۔ وہ بے بسی سے مجھے گھور کر رہ گیا۔

میری واپسی کے انتظار میں ان میں سے کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ سلمٰی نے مہمان داری کی تیاری مکمل کی ہوئی تھی۔ میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سلمٰی کو آواز دی۔ جہانگیر پہلے ہی فیصلہ صادر کر چکا تھا کہ وہ ان دونوں کو کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جانے دے گا۔

میرے ایما پر سلمٰی نے فوراً ہی میز لگا دی۔ ہم پانچوں نے میز پر باتوں کے درمیان کھانا ختم کیا اور پھر میں ان کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا اور غزالہ کا اصرار تھا کہ وہ ٹیکسی لے کر گھر چلی جائیں گی۔ مجھے بلاوجہ جمشید روڈ تک جا کر تنہا واپس لوٹنا ہو گا مگر میں اتنی رات گئے انہیں شہر کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

دراصل کراچی کی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کچھ ایسا تھا کہ دن میں اکیلی عورت کو بھی کہیں کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا لیکن رات گئے دو خوش شکل خواتین کو کسی مرد کی ہمراہی کے بغیر شہر کی سڑکوں پر دیکھ کر کوئی بھی ان کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے میں کوئی اوباش فطرت رئیس زادہ اپنی قیمتی گاڑی میں ان کی ٹیکسی کا پیچھا کرنا شروع کر دیتا تو وہ دونوں عورتیں مشکل صورت حال سے دوچار ہو سکتی تھیں۔

میں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی پولیس سے بچ نکلنے کی صلاحیت کا ایک تازہ ترین مشاہدہ کر چکا تھا اس لیے میں نے فلیٹ سے نکلنے سے پہلے اپریٹس پر نیچے والوں میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور پھر دونوں خواتین کے ہمراہ فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔ چلنے سے پہلے میں نے جہانگیر کو ہوش میں رہنے کی تاکید کر دی تھی۔

کھانے کی میز پر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ جہانگیر نے اپنا ہاتھ روکا ہوا تھا۔ محض دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے طویل وقفوں سے چند چھوٹے لقمے لے کر دیر تک چباتا رہا تھا۔ دکان اور دوسرے مسائل سے فارغ ہونے کے بعد اتنے اہتمام سے معدے کو خالی رکھنے کی کوششوں کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ تخلیہ میسر آجانے پر وہ مزید مے نوشی کا ارادہ رکھتا تھا۔ بیئر کی وافر مقدار پی لینے کے بعد اسکاچ کے ایک دو پیگ ہی اسے کھوپڑی سے باہر کر سکتے تھے۔

نیچے وہی مسلح شخص گاڑی کے پاس موجود تھا جو ملیر سے میرے ساتھ آیا تھا۔ میں نے چابی اسی کے حوالے کر دی اور خود غزالہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ویرا برا مانے بغیر بے تکلفی سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پچھلی نشست پر گنجائش ہونے کے باوجود اس نے کباب میں ہڈی بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی وہی ادا مجھے پسند تھی۔

"اپنے صاحب کے گھر چلو" انجن اسٹارٹ ہونے پر میں نے ہدایت دی اور گاڑی چل پڑی۔

اندھیرے میں غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھیں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں بے اختیار سرک کر اس کے قریب ہو گیا۔

"کیا کر رہے ہیں؟" اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ احتجاج کیا اور اپنے دروازے کی طرف سمٹ گئی۔ "گاڑی میں ہمارے علاوہ اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

میرا خیال تھا کہ اس کی مدھم آواز انجن کے ہلکے شور میں دب کر ویرا کے کانوں تک نہیں پہنچی ہو گی مگر وہ میری غلط فہمی ثابت ہوئی۔ ویرا فوراً ہی بول پڑی "تم دونوں چپکے چپکے کیا کانا پھوسی کر رہے ہو؟ اونچی آواز میں بات کرو تاکہ میں بھی شریک ہو سکوں۔"

"ہر بات اونچی آواز میں نہیں کی جاسکتی۔" میں نے غزالہ

سے اپنے فاصلے میں اضافہ کرتے ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
"میاں بیوی کے درمیان کچھ رازداری بھی رہنی چاہیے۔"
"ہم گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ ایسی ہی رازداری کے خواہاں ہو تو آج رات تم بھی اول خان کے گھر میں رہ سکتے ہو۔" ویرا کے پاس مسکت جواب تیار تھا۔
ویرا کی اس مداخلتِ بے جا کی وجہ سے راستے بھر ہم دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوسکی۔ بس میں غزالہ کا نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ میری غیر حاضری پر واقعی بہت زیادہ پریشان ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود اس نے جہانگیر کے گھر پر جس پُروقار رویّے کا مظاہرہ کیا تھا اس نے میرے دل میں اس کی عزت میں اضافہ کردیا تھا۔
راستے میں ٹریفک کی غیر معمولی کمی کی وجہ سے ہم جلد ہی اول خان کے گھر پہنچ گئے۔ اس کی ذمے داریوں کے حوالے سے پیدا ہونے والی شب و روز کی مصروفیات کی وجہ سے اس کے اہلِ خانہ اس کی اچانک غیر حاضریوں کے عادی ہوگئے تھے۔ گھر پر رات کا سکوت طاری تھا' وہ لوگ شاید اپنے بستروں میں جاچکے تھے۔
ان دونوں کو اتار کر میں نے پسنجر سیٹ سنبھالی اور ہم واپس روانہ ہوگئے۔
واپسی میں رات بہت گہری ہوچکی تھی۔ ہم سبیل والی مسجد سے آگے نکلے ہی تھے کہ ایرپیس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
اس کا پیغام ختم ہوتے ہی میں نے اپنی بات شروع کردی "میں سن رہا ہوں۔ تم کہاں ہو اور اول خان کیا کر رہا ہے؟"
"میں حیدر آباد ریلوے اسٹیشن کے ایک ویران گوشے سے بول رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی "اول خان ٹرین کے ساتھ جاچکا ہے۔"
"ٹرین کے ساتھ؟" میں نے چونک کر حیرت سے دہرایا "تو کیا وہ پنڈی چلا گیا ہے؟"
"ہم قبل از وقت یہاں پہنچ گئے تھے۔" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر بتایا "ہم نے پورا پلیٹ فارم چھان مارا مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر ہم داخلے کے راستے کی نگرانی کرنے لگے۔ ٹرین آنے کے بعد میں پیشاب کرنے کے لیے ویٹنگ روم کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران میں ٹرین نے روانگی کی وسل دینی شروع کردی۔ میں واپس آیا تو ٹرین نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اول خان نے اپنی جگہ سے اچانک دوڑ لگا دی۔ اس سے آگے ایک اور آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا ٹرین کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اوور۔"
"بات پوری کرو۔ درمیان میں خاموش کیوں ہوگئے؟" میں نے اسے ٹوکا۔
خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔
"کھلے پلیٹ فارم پر دو آدمی ادھر آنکلے تھے اس لیے خاموش ہونا پڑا۔ میں کھٹومل کو نہیں پہچانتا' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اول خان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے چلتی ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں لٹک گئے۔ میرے پہنچنے تک ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی۔ میں منہ دیکھتا رہ گیا۔ ٹرین نکل گئی۔"
"اگر اول خان نے اسے دیکھ لیا ہے اور ٹرین چل رہی تھی تو وہ یقیناً اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے گا۔" میں نے ہلکے سے جوش کے ساتھ کہا۔
"اس کا ایرپیس میرے پاس تھا اس لیے تم سے بات ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جھک ماروں۔"
"کہیں جھک مارنے کی ضرورت نہیں۔ گاڑی اسٹارٹ کرو اور خاموشی سے کراچی لوٹ آؤ۔"
"اول خان کے پاس ایرپیس ہوگا' نہ سواری۔ وہ پریشان ہوجائے گا۔"
"اگر وہ ٹرین میں اس کے پیچھے گیا ہے تو ان مسائل سے بھی نمٹ لے گا۔ تمہارا وہاں رکنا بے سود ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ اب کس شہر سے لوٹتا ہے۔"
"تمہارا یہ مشورہ ہے تو میں ابھی واپسی کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ گاڑی کی چابی اول خان کے ساتھ چلی گئی ہے لیکن اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"
"شراکت کے کاموں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور کچھ نہ ہوسکے تو تار استعمال کرلینا۔"
"آخری لمحوں پر پیش آنے والے اس واقعے نے میرے ذہن کو بوجھل کردیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھٹومل کہیں چھپا' میرے غائب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں موجود ہوتا تو شاید اسے لمبی دوڑ لگانے کا موقع نہ مل پاتا۔ ہم اسے دروازے پر ہی دبوچ لیتے۔"
"یہ غلط وقت پر پیشاب خطا ہونے کا خمیازہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ سپرہائی وے سے ہی سیدھے ملیر کینٹ کی طرف نکل کر گہری نیند لو۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"
"تمہارے قیدیوں کا کیا حال ہے؟" اس کی آواز میں پہلی بار تجسس پیدا ہوا۔
"ان سے تم اسٹیشن فور پر مل سکتے ہو۔ وہ وہاں بچل شاہ کی تحویل میں ہیں۔"
"میں اب نکلتا ہوں۔ راستے میں کوئی مسئلہ پیش آیا تو میں ایرپیس پر ہی تم سے رابطہ کرلوں گا۔ تم سونے کی تیاری تو نہیں کر رہے تھے؟"
"میں اس وقت سڑک پر ہوں۔" میں نے قدرے خفگی سے اسے آگاہ کیا "ان حالات میں شاید نیند آہی نہ سکے۔ راستے میں

ضرورت پیش نہ آئے تو اسٹیشن فور پر پہنچ کر مجھے اطلاع ضرور دے دینا۔ تمہاری واپسی سے پہلے میں بستر کا رخ نہیں کروں گا۔"

"بس میرے لیے دعا کرتے رہنا۔ گاڑی کی چابی کے بغیر سپرہائی وے کی کسی چیک پوسٹ پر مجھے مسئلہ پیش آسکتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ ملیر کینٹ پہنچنے سے پہلے تمہیں تنگ نہ کروں۔ اوور اینڈ آل۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

عام حالات میں ایس ٹی ایف کے اراکین مشینی آدمیوں کی طرح کام کرتے تھے۔ ہر لمحے اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ غیر متعلقہ معاملات سے یوں الگ تھلگ رہتے تھے جیسے انہوں نے کچھ دیکھا یا سنا ہی نہ ہو مگر اس وقت ساری گفتگو اول خان کے بارے میں ہوئی تھی۔ میرا ساتھی اپنے سربراہ کے بارے میں اپنی بے تعلقی برقرار نہ رکھ سکا۔

اسے سلطان شاہ کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ اول خان کسی مطلوبہ آدمی کا پیچھا کرتا ہوا حیدر آباد سے بھی آگے نکل چکا تھا۔

اس کے پاس اپریٹس موجود تھا۔ وہ اس لاسلکی نظام پر اول خان سے ہونے والی میری گفتگو سنتا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے اول خان کے بارے میں چند سوالات کیے اور گہری سوچ میں ڈوب کر دوبارہ خاموشی اختیار کرلی۔

فلیٹ میں قدم رکھتے ہی میں نے جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان کشیدگی کی بو محسوس کرلی۔ غنیمت یہ تھا کہ جہانگیر نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مے نوشی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں کیا تھا۔ پوری رغبت سے شکم سیر ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں صوفے پر پاؤں پسارے پڑا ہوا تھا۔

سلمٰی اپنے چہرے پر گہری سنجیدگی بکھیرے، میرے ساتھ بہت اہتمام ڈرائنگ روم تک آئی۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کسی سنگین موضوع پر بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے سر پر صرف اور صرف نسیم کا نام سوار تھا۔

جہانگیر اس پر نظر پڑتے ہی چہک اٹھا "اوہ! تو آخر کار تم نے غصہ تھوک ہی دیا۔ غنیمت ہے کہ یہاں نہ صرف تمہاری جوتیاں آئی ہیں بلکہ تم بھی ان میں موجود ہو۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ میرے منہ نہ لگو۔" سلمٰی غرائی "میں ڈیڈی سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"اس سے بات کرنی ہے تو اسے اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ۔ آج رات میں یہیں آرام کروں گا۔" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا "یہاں بیٹھوگی تو میں بولتا رہوں گا۔"

"تم دونوں کو لڑنے اور بدمزگی پھیلانے کی ضرورت نہیں۔" میں فیصلہ کن لہجے میں یہ کہہ کر سلمٰی کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم کو کوفت ہوئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعض اوقات ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خاصا بے رحمانہ مذاق کر گزرتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی قصہ تھا۔ جہانگیر جن لوگوں کو ڈکیت سمجھ رہا تھا، وہ کچھ اور تھے، اسے اغوا کرنے کے ارادے سے اس کی دکان کے باہر جمع ہوئے تھے۔"

"کوئی کسی کو بلاوجہ اغوا نہیں کرتا۔" سلمٰی فضا میں ہاتھ نچا کے بولی "انہوں نے کسی کی....."

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ پیسے کے لالچ میں اس کے پیچھے لگے تھے۔ بھاری تاوان اغوا کا سب سے بڑا محرک ہوتا ہے۔"

"تم بتاؤ یا نہ بتاؤ، میں جانتی ہوں کہ روانی میں تمہاری زبان سے سچ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ نسیم کا کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔"

"اگر یہ وہم تمہارے دماغ میں بیٹھ ہی گیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"اب میں ان کے ساتھ دکان جایا کروں گی۔ گھر میں پڑے پڑے کیا کرتی ہوں جو وہاں جانے سے حرج ہوگا؟ پھر دیکھوں گی کہ ان کے پاس کون کون حرافائیں آتی ہیں۔"

"خود بھی تماشا بنوگی اور اپنے ساتھ مجھے بھی تماشا بنا کر رکھ دو گی۔" سلمٰی کی دھمکی نے جہانگیر کو بولنے پر مجبور کردیا "اس بار وہ میرے بجائے تمہیں اٹھالے جائیں گے۔"

"لے جانے دو.... تم تاوان ادا نہ کرنا۔ مجھ سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوٹ جائے گی پھر جس کے ساتھ جی چاہے، گل چھرے اڑاتے پھرنا۔" سلمٰی اچانک روہانسی ہوگئی۔

"دیکھو! اب یہ رو کر ڈرائے گی۔" جہانگیر نے مجھ سے فریاد کی "دھونس دھمکی سے کام نہیں چلتا تو یہ اچانک مظلوم بن جاتی ہے۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"اب چند روز تک دکان بند رہے گی۔ تم دونوں میں سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔" میں نے جھلا کر کہا "اغوا کے لیے آنے والے پکڑے گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھی دوبارہ کوئی کوشش کریں۔ آرام سے گھر میں عیش کرو اور دن رات لڑتے رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"دکان تو اب ان کا ایمان بن گئی ہے۔ ایک دن بھی وہاں سے ناغہ نہیں کرتے کہ کہیں ان کی کسی چہیتی کو مایوس ہو کر نہ لوٹنا پڑے۔" قلیل سے وقفے کے بعد سلمٰی نے پھر سنبھالا لے لیا تھا۔

"تمہاری یہ بدگمانیاں اسے تباہ کردیں گی۔" میں نے سلمٰی کو سرزنش کی "دنیا کے سارے مرد کمانے کے لیے دکانوں اور دفتروں میں جاتے ہیں۔ خدا خدا کرکے اس نکھٹو نے کام شروع کیا ہے تو اب تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلانے لگے ہیں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"ہاں، اس کا جواب دو!" جہانگیر نے اچھل کر میری تائید کی۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی تو دو چار دن دکان بند ہی رہے گی۔

دیکھتی ہوں کہ گھر پر کس کس کا فون آتا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔"

جہانگیر زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میں اطمینان سے دوسرے صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

"تم نے اپنے مشکوک رویّے سے اسے ذہنی مریضہ بنا دیا ہے۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"یہ سب چلتا رہتا ہے۔" وہ بے فکری سے بولا "اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ۔ وہ تھوڑی دیر میں سب کچھ بھول بھال جاتی ہے۔ دو تین گلاس چڑھا کر جس وقت بھی اس کی تھوڑی سی چاپلوسی کروں گا' پھول کر کپّا ہوجائے گی۔"

"پھر یہ کارِ خیر اسی وقت کیوں نہیں کرلیتے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"شراب نوشی کے لیے تم منع کرگئے تھے۔ پیے بغیر میں ایسی گھٹیا خوشامدوں کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

وہ میرے سامنے جتنے خلوص سے سچ بولنے لگتا تھا' اس پر ہمیشہ مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اس کا تازہ ترین اعتراف میرے لیے خیال انگیز تھا۔ وہ ہوش میں رہ کر سلمیٰ کو جس قدر اشتعال دلاتا تھا' مدہوشی کے عالم میں اس کا مکمل ازالہ کرکے اپنی ازدواجی زندگی میں پیدا ہونے والی شکست وریخت سے چھٹکارا حاصل کرلیتا تھا۔

"مجھے ان باتوں کوفت ہوتی ہے۔ جب تک میں یہاں رہ رہا ہوں' کوشش کرو کہ تم اسے ناراض نہ کرو اور وقت سکون سے گزر جائے۔" میں نے اس سے گزارش کی۔

"اسے بھول جاؤ۔ اب تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔ آج تم نے اسے بھڑکایا تھا اور خود ہی سنبھال بھی لیا۔ آخری آنچ کی جو کسر رہ گئی ہے' وہ میں کسی وقت پوری کردوں گا۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے بولا "وہ دوبارہ خوش اور مگن نظر آنے لگے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اپنے کمرے میں جاسکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ضرور جاؤ مگر جانے سے پہلے اتنا ضرور بتادو کہ یہ کھٹومل کے گھر پر کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بارے میں تم کیا جانو؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اخبار پڑھ کر مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ یہ تم نے ہی منگوائے تھے۔" اس نے میز کی طرف اشارہ کرکے کہا "ان میں قتل' لوٹ مار اور دہشت گردی کی خبروں کے سوا ہوتا ہی کیا ہے.... ابھی ابھی تم نے مجھے کھٹو کہا تو مجھے بے اختیار کھٹومل یاد آگیا تھا۔"

"میں نے بھی وہ خبر اخبار میں ہی دیکھی ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"بہت بارسوخ اور امیر آدمی ہے۔ امریکی سفیر جوزف فارلینڈ اپنی تعیناتی کے زمانے میں باقاعدگی سے اس کے گھر کی تقریب میں شریک ہوا کرتا تھا۔ سنا ہے کہ وہ بہت متحمل مزاج اور نرم گفتار ہے لیکن شہر کے نامی گرامی بدمعاش اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"وہ بدمعاشی بھی کرتا ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ہنس پڑا "یار' یہاں کون بڑا آدمی بدمعاشی نہیں کرتا؟ پھر وہ تو سیاست داں بھی ہے۔ جس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے وہ اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں مال اور طاقت کے بغیر سیاست کم ہی کامیاب ہوتی ہے۔ پتا نہیں کس جی دار نے اس کے یہاں رنگ میں بھنگ ڈالنے کی ہمت کی۔"

"اس سے تمہاری کوئی جان پہچان بھی ہے یا سنی سنائی باتیں دہرا رہے ہو؟"

"جن دنوں میں گارمنٹس کا کاروبار کررہا تھا' اس سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ اس نے سرکار سے بھاری قرضہ لے کر ایک گارمنٹس فیکٹری لگائی تھی۔ آدھا قرضہ وہ کھا گیا۔ باقی رقم سے جو کچھ بنا وہ صرف دو سال چل سکا۔ پھر اس نے فیکٹری کی چابیاں بینک کے حوالے کردیں۔ اس کی مشینیں شاید آج بھی نیلامی کے انتظار میں زنگ کھا رہی ہوں گی۔"

"اس کے بارے میں ذہن پر زور دیتے رہو۔ کسی نہ کسی وقت اس سے میرا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ تم کو کوئی اہم نکتہ یاد آجائے۔"

اسے وہیں چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلمیٰ نے کمرا بہت محنت سے صاف کیا ہوا تھا۔

لباس تبدیل کرکے میں بستر پر دراز' اپنے خیالات کی رو میں غلطاں تھا کہ ایرپیس پر سوا دو بجے سلطان شاہ کا پیغام موصول ہوا۔ وہ راستے میں دو مقامات پر چیکنگ کے مراحل کی دشواریوں سے نمٹنے کے بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوچکا تھا اور کسی بھی وقت ایس ٹی ایف کے مرکز پہنچ سکتا تھا۔

میرے ذہن پر مسلط بوجھ میں کمی ضرور ہوگئی لیکن اس کا خاتمہ نہیں ہوا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر اول خان اور کھٹومل کی آویزش کے مختلف مناظر سر ابھار رہے تھے۔

حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹومل کا دیکھا جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ ہم اس کے بارے میں صحیح خطوط پر سوچ رہے تھے۔ اول خان نے چلتی ٹرین میں سوار ہوکر دشمن پر غلبہ پالینے کی شدید ترین آرزو کا اظہار کردیا تھا۔ اس کے نتائج کا انحصار دشمن کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر تھا۔

وہ دونوں ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں سوار ہوئے تھے۔ کوئی بھی آسانی سے دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ آنکھ مچولی طول پکڑ جاتی تو اول خان کا حیدر آباد سے شروع ہونے والا سفر پنڈی تک بھی طول پکڑ سکتا تھا۔

میں سگریٹیں پھونک پھونک کر اسی بارے میں سوچتا رہا۔ تکان کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں بستر پر پہلو بدلتا رہا۔

ساڑھے تین بجے فلیٹ کے گہرے سکوت میں فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی تو میں نے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا۔

میں لابی میں رکھے ہوئے فون تک پہنچا تو سلمٰی بکھرے ہوئے بالوں اور مخمور آنکھوں کے ساتھ اپنی خواب گاہ کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ اندر سے جہانگیر کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید اس نے مجھ سے نجات حاصل کرتے ہی صلح و صفائی کے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا۔

"اول خان! تم کہاں ہو؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔" فون پر آواز پہچانتے ہی میں بے ساختہ بول پڑا۔ میری زبان سے اول خان کا نام سن کر سلمٰی نے اندر غائب ہو کر خواب گاہ کا دروازہ بند کر لیا۔ وہ اس وقت جہانگیر کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

"وہ ایک دن میں دوسری بار میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔" اول خان کی متاسفانہ آواز سنائی دی "میرے اور اس کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔"

"چلتی ٹرین سے وہ کہاں غائب ہو گیا؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"نواب شاہ سے آگے کسی وجہ سے ٹرین کی رفتار کم ہوئی تھی۔ شاید وہاں ٹریک کی مرمت کا کام چل رہا ہے۔ میں اسی وقت کئی ڈبے عبور کر کے اس کی بوگی میں داخل ہوا۔ وہ میری طرف سے غافل نہیں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی دروازہ کھول کر پائیدان پر لٹک گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر پہنچا تو اس نے اندھیرے میں اندھا دھند باہر چھلانگ لگا دی۔"

"وہ مرا نہیں تو زخمی ضرور ہوا ہوگا.... اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں شہداد پور میں لیلیٰن ہوٹل سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی طرح اپنی جان پر نہ کھیل سکا۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے کے باوجود خطرناک تھی۔ ٹریک قریبی میدان سے کافی اونچا تھا اور پھر ٹرین کا پائیدان! تم جانتے ہی ہو کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ شہداد پور اسٹیشن پر ٹرین نے بس سانس لیا تھا اور میں یہیں اتر گیا۔"

"اچھا کیا کہ تم نے فون کر لیا۔ اب اس پر لعنت بھیجو۔ جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔"

"وہ ایک گٹھڑی کی طرح ڈھلان پر گرا تھا۔ میں اندھیرے میں اس کا انجام نہیں دیکھ سکا مگر میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ وہ زندہ بچ گیا تو ہاتھ پیر ضرور تڑوا بیٹھا ہوگا۔"

"کیا شہداد پور جیسے چھوٹے شہر میں بھی ہوٹل رات بھر کھلے رہتے ہیں؟"

وہ دھیرے سے ہنسا "اس زرعی قصبے میں تھوڑی دیر بعد لوگوں کے روزمرہ معمولات شروع ہو جائیں گے۔ بس تانگے والا مہربان تھا۔ یہاں پہنچا کر ہوٹل کے مالک کو اس کے گھر سے بلا لایا۔ اس وقت وہ شریف آدمی ہوٹل کی کسی پچھلی کوٹھری میں میرے لیے بستر اور چارپائی درست کروا رہا ہوگا۔ کچھ دیر یہاں کمر سیدھی کر کے واپسی کی فکر کروں گا۔"

"اس وقت تم چاہو تب بھی شاید وہاں سے نہیں نکل سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن۔ یہی غنیمت ہے کہ اسٹیشن کے باہر تانگا مل گیا ورنہ میں پیدل ہی بھٹک رہا ہوتا۔"

"ذرا ہوشیار رہنا۔ اندرونِ سندھ ہندوؤں کی خاصی بہتات ہے۔ پھر ہوٹل میں بھی تمہیں اجنبی پردیسی سمجھ کر لوٹا جا سکتا ہے۔"

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ لیلیٰن ایک شریف اور سادہ لوح انسان ہے۔ اس کے ہوٹل میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا.... یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے۔"

میں نے بتا دیا کہ وہ اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا۔ اول خان نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ سلطان شاہ کہیں فرطِ جوش میں گاڑی میں ٹرین کے پیچھے نہ چل دے۔

واپسی پر رابطے کا وعدہ کر کے اس نے فون کال کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

○☆○

کھٹومل راجوانی کے گھر پر اعلیٰ سطحی پولیس پارٹی کے ناکام چھاپے کے بعد اس کا ذاتی کمرا سیل کر دیا گیا تھا اور اس کی نگرانی پر ایک سپاہی مامور کر دیا گیا تھا۔ وہ سرکاری انتظام تھا۔ غیر سرکاری طور پر اول خان نے اپنے دو آدمی وہاں آنے جانے والوں پر نظر رکھنے کے لیے لگا دیے تھے۔ مجھے کچھ امید تھی تو بس ان ہی دونوں سے تھی ورنہ چھاپے میں اہم عہدے داروں کا کردار سامنے آ ہی چکا تھا۔

چھاپے میں علاقہ مجسٹریٹ کے کردار کے بارے میں اول خان نے کھل کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان عہدوں میں انتظامی اور عدالتی اختیارات یکجا ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو چکا تھا جس کا سدھار آسان نہیں تھا۔

پچھلے روز جہانگیر میرے بیدار ہونے سے پہلے تیار ہو کر دکان کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس دن گھر میں سب سے پہلے میری آنکھ کھلی تھی حالانکہ میں اول خان سے بات ہونے کے بعد بوجھل ذہن کے ساتھ سونے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

کمرے سے نکلنے پر مجھے دروازے کے قریب اخبار دیکھ کر [illegible] ہوئے گھر پر اخبار منگوا

کا بندوبست کرلیا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر میری گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے اس روز پھر ایک بڑا اشتہار دیا گیا تھا۔ میرے خلاف الزامات کی فہرست طویل ہوچکی تھی۔ اشتہار کی رو سے میں صرف عالمی دہشت گرد نہیں رہا تھا' مجھے قاتل' سازشی' ڈکیت اور کرائے کا مخبر بھی قرار دیا گیا تھا۔ انعام کی رقم پندرہ سے بڑھا کر بیس لاکھ امریکی ڈالر کردی گئی تھی۔

کارآمد اطلاع دینے والے شخص کے اہل خاندان کے لیے مکمل ترین تحفظ اور اس کے حصول کے لیے امریکی شہریت دینے کی ترغیبات بدستور موجود تھیں۔

وہ تشہیر میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ کالو مکرانی کا تلخ تجربہ میرے سامنے تھا۔ اس نے لالچ سے مغلوب ہوکر جہانگیر کے ذریعے میری گردن تک رسائی کی پہلی کوشش کرہی ڈالی تھی۔ شہر میں بہت سے لوگ اس انعام کی طرف راغب ہوسکتے تھے جو ان کی زندگی بدل سکتا تھا۔

پاکستانی کرنسی کے قدرے استحکام کے باوجود ان دنوں بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت خطیر تھی۔ امریکا کو مطلوب دوسرے ملزموں کے مقابلے میں مجھے یہ نقصان تھا کہ عوام میں سے کوئی میرے نام سے واقف تھا' نہ انہیں یہ معلوم تھا کہ امریکا کے مفادات پر کاری ضربیں لگا کر میں پس پردہ کن پاکستانی مفادات کا بھرپور تحفظ کررہا تھا۔ ان کے لیے وہ اشتہار ہی میرا تعارف تھا۔

دوسرے "مجرموں یا ملزموں" کو طاقتور زیر زمین تحریکوں کی حمایت حاصل تھی۔ امریکا کو نقصان پہنچانے پر ان کے کارناموں کے بارے میں ایسے محتاط الفاظ میں تشہیر کی جاتی تھی کہ امریکا کی خون آشام مخالفت کے باوجود دنیا کے بیشتر خطوں میں ان کے لیے رائے عامہ ایک نرم گوشہ ضرور رکھتی تھی۔ میں ابتدا سے ہی خود کو چھپاتا رہا تھا اور میری حمایت کرنے والی اسپیشل ٹاسک فورس کا یہ حال تھا کہ اپنی پوری طاقت اور کارکردگی کے ساتھ موجود ہونے کے باوجود وہ کاغذوں یا ریکارڈ پر سرے سے نہیں تھی۔

ہمارے بارے میں لوگ وہی زہر فشانیاں پڑھتے رہے تھے جو ابلاغ کے مغربی ذرائع سے چھن کر ہمارے پریس تک پہنچتا تھا۔ مجھے پہلی بار قلق ہوا کہ میں ناگزیر وجوہ کی بنا پر اپنے ہم وطنوں کی ہمدردیوں سے محروم تھا جس کے نتیجے میں کسی بھی لمحے کوئی دوسرا کالو میری راہ کا سنگ گراں بن سکتا تھا۔

امریکی مہنگے اشتہار دے کر اسی ایک نکتے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں تھے۔

اپنے ان دشمنوں سے لڑتے ہوئے مجھے ایک مدت گزر گئی تھی۔ ان کی بھیانک سازشوں کے باوجود میں صرف اس لیے بچا ہوا تھا کہ وہ صرف میرے نام سے آشنا تھے' میری کوئی تصویر ان کے ریکارڈ میں شامل نہیں تھی۔ میں امریکا گیا تو میرا [illegible] جعلی تھا۔ سفارت خانے یا قونصل خانے میں میری کوئی تصویر نہیں دی گئی تھی۔ جینی کے بیان کے بعد امیگریشن والوں کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں اسلم خان کے نام سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔ اس حوالے سے ان کے پاس جعلی کوائف پر مشتمل صرف ایک کارڈ تھا' تصویر وہاں بھی نہیں تھی۔ اگر میں نے کراچی سے فون کرکے جینی کا غصہ ٹھنڈا نہ کیا ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ امریکی ایجنسیاں اس کی مدد سے میرا خاکہ تیار کرواکے اشتہاروں کے ساتھ جاری کردیتیں۔

میرے اور گیپ کی اصل دستاویز کے بارے میں پاکستانی اور امریکی حکام کی سرد جنگ بدستور جاری تھی اور خبروں میں اس کی جھلکیاں موجود تھیں۔

پاکستان گیپ کے اصل مسودے کو امریکا کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ افواہیں تھیں کہ دارالحکومت میں غیرملکی سفیروں کے کئی منتخب اجتماعات میں ان اصل کاغذات کو پیش کیے جانے کا پروگرام بن رہا تھا تاکہ عالمی سطح پر ایک رائے منظم کی جاسکے۔

ان افواہوں کے پس منظر میں امریکی دفتر خارجہ نے اصل کاغذوں کے بارے میں اپنے مطالبے میں شدت پیدا کردی تھی۔ میرے لیے یہ بات ذرا بھی حیران کن نہیں تھی کہ امریکی کسی خفت یا شرمندگی کا اظہار کرنے کے بجائے چوری کے بعد سینہ زوری دکھا رہے تھے۔

ان کا استدلال تھا کہ گیپ جیسی سنگین الزام تراشی کے بعد پاکستان کو امریکی حکومت کے اطمینان کے مطابق اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ کسی مسلّمہ چور کی طرف سے اپنے خلاف ثبوت کی فراہمی کا دباؤ اور وہ بھی اپنی ہی خدمت میں' ایک انوکھا مطالبہ تھا جس کی نظیر ملنی مشکل تھی مگر وہ سنگین زمینی حقیقت تھی جو برسرِ زمین موجود تھی اور اس کے خلاف کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ پاکستان کو اپنا کیس تنہا لڑنا پڑ رہا تھا۔

میرے لیے وہ کاغذ دیکھے بھالے تھے۔ ان میں پاکستان کے ساتھ کئی اور ممالک کے نام شامل تھے۔ وہ ممالک بھی اس وقت تک مہربہ لب تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان نے گیپ کا اصل مسودہ حاصل کرکے ساری ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔

بظاہر وہ معاملہ الجھتا اور طول پکڑتا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ دوسرا فریق اس کے حل کے بارے میں اخلاص یا سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کررہا تھا۔

میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنی عوامی حمایت سے محروم' امریکا کا خطرناک ملزم قرار دیا جارہا تھا اور امریکی مجھے ہر قیمت پر اپنے چنگل میں جکڑ کر سزایاب کرانا چاہ رہے تھے لیکن پاکستان کے ذمے دار سرکاری اہل کار میرے وجود سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے پر مصر تھے۔

سرکاری دفاتر اور فائلوں میں میرے کسی جرم کا کوئی واضح ثبوت [illegible] ریکارڈ نہیں تھا۔ امریکا اس موقف کی تردید کرنے کی

پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ خود ان کے پاس میرا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں تھا۔ وہ صرف الزامات کی فہرست دہرا رہے تھے۔

میرے لیے وہ بہت بڑی رعایت تھی۔ مجھے یہ ذہنی سکون میسر تھا کہ اس بار مجھے اپنوں کے اختیار کا کوئی تشدد سے بغیر' ملک میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہے۔

میرے حق میں موجود اس فضا کو مسموم کرنے کے لیے واضح طور پر کھٹومل راجوانی کو آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ ایک مختصر سی خبر کے مطابق اس نے اپنے گھر پر ہونے والی مبینہ ڈکیتی کے الزام میں ڈینی اور اس کے نامعلوم ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تھی۔

اس وقت تک میرا اور کھٹومل کا براہِ راست آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے گھر پر حملہ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے۔ میں نے اس کی چار دیواری میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ اس سے فون پر گفتگو کے دوران میں' میں نے ہمیشہ شنکر کا نام استعمال کیا تھا مگر آخری بار اس نے خود ہی مجھے ڈینی قرار دینے پر اصرار کیا تھا۔

یہی نہیں اس نے ہمارے نادرہ والے فلیٹ میں گھسنے کے لیے بالم اور جانی جیسے جرائم پیشہ افراد کو مامور کیا تھا جس کی گواہی کالو مکرانی دے چکا تھا۔

یہ سب نکات اس امر کی غمازی کر رہے تھے کہ تیس مار خان بننے والا کھٹومل اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جا رہی تھیں۔ اس کے نامعلوم آقاؤں نے اس کی کھوپڑی میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اسے قانونی یا غیر قانونی ذرائع اختیار کر کے مجھے ختم کرنا تھا اسی وجہ سے اسے ہر جگہ میرا سایہ نظر آ رہا تھا۔

اس نے غیر قانونی ذریعے سے میرے خاتمے کے لیے بالم اور جانی کے ذریعے ناکام لشکر کشی کی تھی۔ قانونی مار مارنے کے لیے میرے خلاف جھوٹا پرچہ کٹوا دیا تھا۔

جو کام امریکی اپنے دباؤ اور اثر و رسوخ سے نہیں کروا سکے تھے وہ کھٹومل نے ذرا سی دیر میں کر دکھایا تھا۔ تھانے کی سطح کے اہل کاروں کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈینی کون ہے اور اسے کن خاموش قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔

وہ بس اپنے علاقے میں بسنے والے کھٹومل کی جاہ و حشمت سے مرعوب تھے۔ اس کے گھر ہونے والی ڈکیتی کا سراغ لگانا ان کا فرض تھا۔ انہوں نے بے چون و چرا ایف آئی آر درج کر کے میرا نام ریکارڈ میں شامل کر دیا تھا۔

میرے لیے وہ موذی اور بدمعاش سیاست داں' آئزک بیل سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ وہ آستین کا سانپ تھا جس کا پھن کچلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

میں اپنے کمرے سے تازہ دم ہو کر باہر نکلا تھا۔ سلمٰی کے بیدار ہونے تک میز پر بیٹھا اخبار چاٹتا رہا۔ وہ بن سنور کر کمرے سے نکلی تو والہانہ انداز میں میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور اخبار پر جھکتے ہوئے بولی "کیا خبریں پڑھ رہے ہو؟ جہانگیر کے بارے میں کچھ چھپا ہے؟"

وہ مجھ سے خطرناک حد تک قریب تھی۔ اس کے رچے بسے نسوانی وجود کی حیوانی مہکار سے بوکھلا کر میں اپنی کرسی میں سمٹ گیا اور دوسرے مرحلے میں میں نے تیزی سے کرسی چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟" سلمٰی نے معصومانہ انداز میں نظریں اٹھا کر سوال کیا "میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے کرسی سے کیوں اٹھ گئے؟"

"مجھے اپنی عزت عزیز ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "بے خبری میں تم کو کچھ ہوش نہیں رہتا۔ جہانگیر ہم دونوں کو اتنے قریب دیکھ لے تو اس کا ماتھا ٹھنک سکتا ہے۔ نیت صاف ہونے کے باوجود میں اس کی بدگمانی دور نہیں کر سکوں گا۔"

"ان کی بات چھوڑو۔" وہ بے پروائی سے بولی "وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ اب دوپہر کی خبر لائیں گے۔ وہ دیکھ بھی لیں تو تمہاری طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہو سکتے۔"

"اخبار میں اس معمولی واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ تم جا کر ناشتا تیار کر لو۔ مجھے انتظار کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا ہے۔"

"ڈرپوک کہیں کے۔" دھیمے سے یہ کہہ کر سلمٰی اٹھلاتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔

ناشتا ہم نے میز پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کیا۔ ناشتے کے بعد اسے یہ فکر سوار ہو گئی کہ میں نے جہانگیر کو بجا طور پر گھر میں نظر بند کر دیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں وہ بسیار نوشی میں مبتلا ہو سکتا تھا۔

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔ تم اس کی بیوی ہو۔" میں نے بے رخی سے کہا "میں صرف اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میری طرف سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی۔"

"کبھی کبھی وہ تمہیں بھی بہکا لیتے ہیں پھر بھی مجھے حسرت ہی ہے کہ کبھی تم نشے کی حالت میں میرا اور غزالہ کا فرق فراموش کر بیٹھو۔ وہ تو کل رات ہی بیئر پی کر ویرا پر لٹو ہوئے جا رہے تھے۔ تم اپنے اوپر اتنا قابو کیسے رکھتے ہو؟"

"ایک طلسم پڑھ ڈالو تو جہانگیر بھی نہیں بہکے گا۔ یہ تمہارے....." میرا وہ بے سروپا مشورہ ادھورا رہ گیا کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔ وہ بلیسن ہوٹل کے مالک کے تعاون کی وجہ سے شہداد پور سے صبح سویرے نکلنے والی پہلی بس کے ذریعے دس بجے کراچی پہنچ گیا تھا اور اس وقت اپنے گھر پر موجود تھا۔

"گھر پہنچنے کے بعد یہ میرا تیسرا فون ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں

ناشتا کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔" اپنی آمد کی پوری روداد سنانے کے بعد اس نے اطلاع دی۔

"تم یہاں آجاؤ گے تو کالو اور اس کے ساتھی کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جو کام اپنے سر لیا ہے' اس سے غافل نہیں ہوں۔ تم سے پہلے میں نے دو فون اسی بارے میں کیے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ نسیم کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔"

"پولیس انہیں کس الزام میں اپنی تحویل میں لے گی؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ ان پر بلیک میلنگ اور اغوا کے الزامات عائد کیے جائیں مگر اس طرح جہانگیر کا نام بھی ملوث ہو جاتا۔ اب انہیں صرف ایک جرم میں گرفتار کیا جائے گا جس کا اعتراف کالو اپنی زبان سے کر چکا ہے۔"

"میرے گھر پر حملے کا الزام؟ اس طرح میرا نام ملوث ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کسی کا نام نہیں آئے گا۔ وہ لوگ تمہارے فلیٹ میں داخل ہونے سے پہلے زینوں پر مارے گئے تھے۔ اصل پروگرام سے وہ چاروں واقف تھے۔ کالو سمیت باقی افراد کو کسی بات کا علم نہیں تھا۔ وہ پولیس کو اس خوں ریزی کے مقصد سے آگاہ نہیں کر سکیں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"اس طرح ان کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہو جائے گی؟" مجھے تشویش ہوئی۔

"یہ دیکھنا میرا کام ہے۔ وہ جرم کے مقاصد سے واقف نہیں تھا مگر وہاں فائرنگ کے نتیجے میں چھ لاشیں وجود میں آئی تھیں۔ یہ بھول جاؤ کہ مرنے والے سب ہی پیشہ ور مجرم تھے اور انہیں تم لوگوں نے یا میرے آدمیوں نے مارا تھا۔ پولیس کو ان کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ کالو کے اعتراف کی روشنی میں اسے قتل یا پھر قتل میں اعانت کا ملزم گردانا جائے گا۔ اس کی گردن نہیں بچ سکے گی۔"

"اگر تفتیش تمہارے بتائے ہوئے خطوط پر کی گئی تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"ہم انہیں ایک تیار کیس دے رہے ہیں۔ وہ ان خطوط سے ذرا بھی انحراف نہیں کریں گے۔"

"ظاہر ہے کہ تم نے یہ سارا بندوبست سرکاری سطح پر کیا ہوگا۔"

"مجبوری تھی۔ اعلیٰ حکام کی ہدایت کے بغیر تھانے والے ہم سے ڈکٹیشن نہ لیتے۔"

"پھر کھٹومل کی گردن بھی اس کیس میں پھنسائی جا سکتی ہے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"کھل کر بتاؤ تاکہ ملزموں کی منتقلی سے پہلے میں اس کی وضاحت بھی کر دوں۔"

"کالو ہی یہ نیک کام کرے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بالم اور جانی کے لیے کام کر رہا تھا۔ وہ دونوں کھٹومل کے تنخواہ دار تھے۔ ضرورت پیش آنے پر اس شراب خانے کے مالک کو بھی گھسیٹا جا سکتا ہے جس کے عقبی دفتر میں بالم اور کھٹومل کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

فون پر اول خان کی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "تمہاری یادداشت قابل رشک ہے۔ کام کا ہر نکتہ یاد رکھتے ہو۔ تم ہی کو اس کیس کا تفتیشی افسر ہونا چاہیے تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم نے ان تینوں کا بندوبست کر لیا ہے۔" میں نے دائیں بائیں دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا "یہاں آکر نسیم کا ذکر نہ کرنا۔ سلمیٰ بری طرح بھڑک جائے گی۔ میں اپنی موجودگی میں یہاں کسی قسم کی کشیدگی نہیں چاہتا۔"

"میں سمجھ گیا۔ اس کا ذکر کرنا ہی پڑا تو نام اور جنس بدلی جا سکتی ہے۔"

اس بار میں بے ساختہ ہنس پڑا "یہاں سارا جھگڑا ہی جنس کا ہے۔ وہ میرے دوست کو ضرورت سے زیادہ جنس زدہ سمجھتی ہے۔"

"بد اچھا' بدنام برا شاید اسی کے لیے کہا گیا ہے۔ میں دو تین فون کر کے آتا ہوں۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

میں فون رکھ کر واپس لوٹا تو سلمیٰ کچن میں ناشتے کے برتن دھو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سوال کر بیٹھی "کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ خوب قہقہے لگ رہے تھے۔"

"مشکلات کچھ آسان ہوئی ہیں تو ہنسنے کی خواہش پوری کر رہا تھا۔"

"ہنسنا چاہو تو تم ہر وقت مجھ پر بھی ہنس سکتے ہو۔" اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس نے ہاتھ دھوئے اور باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

سلمیٰ کی اس حرکت کے پیچھے اس کی یہ لاشعوری خواہش کارفرما تھی کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارے جب کہ میں تنہائی میں اس کے ساتھ خود کو بہت بے آرام محسوس کرتا تھا۔ ہر وقت اس کی طرف سے کسی ذہنی جھٹکے کا خطرہ رہتا تھا۔

"تم پر کون ہنس سکتا ہے؟ تمہارے پاس دنیا کی کس چیز کی کمی ہے؟"

"دیکھ لو۔" اس نے صوفے پر بیٹھ کر اپنا دامن پھیلا دیا۔ "ماں ہو کر بھی خالی گود لیے پھرتی ہوں۔"

"جوان رہنے اور نظر آنے کے لیے تمہارے طبقے کی بہت سی عورتیں بچوں کو آیاؤں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ انہیں شیر مادر کا ذائقہ تک نہیں چکھنے دیتیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم نے مہینوں اپنے [illegible]

"اکثر خیال آتا ہے کہ بھابی لاولد ہیں۔ پتا نہیں وہ بچے کی ضرورتوں کو سمجھتی بھی ہیں یا انہیں نظرانداز کر دیتی ہیں۔ میں گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔"

وہ اس کا اپنا پیدا کیا ہوا مسئلہ تھا جس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو اپنے بچے کی طرف بھٹکی ہوئی تھی۔ وہ مسلسل اسی کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ میں اس کا بن بلایا مہمان تھا۔ مروت میں اس کی باتیں سنتا اور جواب دیتا رہا۔

اول خان میرے اندازے سے کہیں زیادہ تاخیر سے آیا اور سلمٰی سے میری گلوخلاصی ہوگئی۔

"اب تم اپنے اس فلیٹ سے باہر نہ نکلنا۔" تخلیہ ہوتے ہی اول خان نے رازدارانہ لہجے میں ہدایت دے کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑا دیں۔

"کیوں؟ کیا یہ فلیٹ بھی ہمارے دشمنوں کی نظروں میں آگیا ہے؟"

"تمہارے خلاف ایف آئی آر درج ہونے کے بعد امریکی ذرا تیزی دکھا رہے ہیں۔ انہوں نے سرکاری سطح پر ہماری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد باضابطہ طور پر نادرہ کے فلیٹ کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ تم وہاں مقیم ہو۔"

"غنیمت ہے کہ یہ بات اب کہی جا رہی ہے۔ انہیں بروقت ہوش آجاتا تو مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ اس کے بعد ان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟" میرے لیے وہ اطلاع تشویشناک تھی۔

"وہ قانون کے محافظوں کو تمہاری راہ پر ڈالنے کی سرتوڑ کوششوں کا آغاز کر چکے ہیں۔ انہیں جواب دے دیا گیا کہ وہ فلیٹ خالی اور مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"کٹھ پتلی کے بھیجے ہوئے قاتلوں کی ناکامی کے بعد یہ بات انہیں پہلے ہی معلوم ہو چکی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ وہ اب کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ میرے لیے اصل اہمیت ان کے موجودہ عزائم کی ہے۔"

"ایف بی آئی کا ایک سراغرساں دو تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ کراچی میں موجود ہے۔"

"امریکی کتے میرے لیے نئے نہیں ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں انہیں پہلے بھی بھگت چکا ہوں۔"

"شاید تم امریکیوں پر طنز کر رہے ہو۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"امریکی دو ٹانگوں والے ہوتے ہیں۔ میں چوپایوں کی بات کر رہا ہوں۔ تمہارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے ورنہ تمہیں یاد آجاتا کہ سوسائٹی میں راس المیڈا سے میرے پہلے تصادم کے فوراً بعد پی ای سی ایچ ایس کی گلیوں میں ایک خونخوار کتا میری بو پر حملہ آور ہوا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ گرا ہوا ہوتا تو وہ میرا پورا شانہ ادھیڑ لے جاتا۔"

"یاد آگیا۔" اول خان بولا۔ "تم نے [illegible] تھا [illegible] روز سلطان شاہ تم سے بچھڑ گیا تھا اور تم اس کی تلاش میں گلیاں چھانتے پھر رہے تھے۔"

"گڈ... میں یہی حوالہ دے رہا تھا۔ اب شاید وہ سراغرساں اپنے کتوں سمیت نادرہ کے فلیٹ میں جانا چاہ رہا ہوگا؟"

"سو فیصد یہی قصہ ہے۔ بات ان کی خواہش سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اس خواہش کو مسترد کرنے کو یہ مفہوم دیا جاتا کہ مقامی حکام تمہیں تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ امریکیوں اور مقامیوں پر مشتمل ماہرین کی ایک ٹیم دونوں کتوں کے ساتھ آج تین بجے فلیٹ کا معائنہ کرے گی۔"

"انہیں پھر چوٹ ہوگی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "سارا سامان پہلے ہی وہاں سے نکالا جا چکا ہے۔ وہاں اتنے لوگوں کی آمدورفت رہی ہے کہ وہ مر کر بھی میری بو کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

"بیشتر سامان نکال لیا گیا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ چیزیں وہاں رہ گئی ہوں گی۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ نادرہ کا گھر ہمیشہ کے لیے خالی کرنا ہے تو ہر چیز منگوا لینا۔"

"اس سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ ذاتی استعمال کی چیزوں پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوا ہوتا۔"

"پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ آج تم بھول کر بھی باہر نہ نکلنا۔ وہ کتوں کو تمہاری بو پر سدھا کر اس علاقے میں آزاد چھوڑنا چاہ رہے تھے تاکہ کتے ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد کسی خاص مقام کی نشاندہی کر سکیں مگر تحفظِ عامہ کے تحت یہ تجویز سختی سے مسترد کر دی گئی۔ کتے لاکھ تربیت یافتہ ہوں لیکن کسی بھی چیز سے مشتعل ہو کر خونخوار ہو سکتے ہیں۔"

"بہتر ہوتا کہ ان کی تجویز قبول کر لی جاتی اور تمہارے نشانچی چھپ کر انہیں بھون ڈالتے۔"

"ان کی ہر بات مان لینے سے ان کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ پتا نہیں آگے وہ کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں بے لگام آزادیاں نہیں دی جائیں گی۔"

"تم امریکیوں کی توہین کر رہے ہو۔ لگام چوپایوں کی دی جاتی ہے!" میں نے یاد دلایا۔

"ایسی باتیں قوموں کے بارے میں نہیں' افراد کے بارے میں کی جاتی ہیں۔ ہر قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر چوپائے تو کیا' درندے بھی شرما جائیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ کچھ ہی روز پہلے میں نے ایک جاپانی کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ اپنی خوبصورت دوستوں کا گوشت ڈیپ فریزر میں منجمد کر کے مہینوں بہت رغبت سے استعمال کرتا تھا۔ یہ اس کی ذاتی کج روی تھی ورنہ جاپانی قوم منکسرالمزاج' خوش اخلاق اور امن پرور مشہور ہے۔"

"ایک اہم [illegible]" [illegible] کرتے اول خان کو کوئی

بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ "یہاں کے حفاظتی انتظامات میں میں نے ذرا سی تبدیلی کی ہے۔ آدمی دو ہی ہیں مگر اپریٹس ایک رہ گیا ہے۔ دوسرا اپریٹس اسٹیشن فور پر ہے تاکہ ہم سب کا وہاں سے بھی رابطہ رہ سکے۔"

"یہ بندوبست اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال دیر آید' درست آید۔"

سلمٰی ہم دونوں کے لیے چائے لے آئی۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملی کہ جہانگیر بیدار ہو کر غسل خانے میں گھسا ہوا تھا اور کسی بھی وقت برآمد ہو کر ہمارے ساتھ شامل ہو سکتا تھا۔

ہم چائے کی پیالیاں خالی بھی نہ کر پائے تھے کہ جہانگیر دونوں ہتھیلیاں رگڑتا اور چھکتا ہوا آ پہنچا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے غسل کے پانی کے ساتھ رات کی مے نوشی کے جملہ اثرات ڈرین پائپ میں بہا دیے ہوں۔

اس کے پیچھے پیچھے سلمٰی ناشتے کی ٹرے لیے وہاں آ گئی اور خود بھی بیٹھ گئی۔

جہانگیر کو معلوم تھا کہ اس سے ٹکرانے والے دونوں افراد ایس ٹی ایف کی تحویل میں دے دیے گئے۔ اس نے اول خان سے رسمی طور پر ان کے بارے میں پوچھا۔ اس کے حیدر آباد کے ہنگامی دورے کے بارے میں چند سوال کیے۔ اس دوران میں وہ ناشتے سے بھی انصاف کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد اول خان نے اپنے اپریٹس پر کال سگنل دیکھ کر آواز کھولی تو کوئی اس سے گفتگو کرنی چاہ رہا تھا۔ اول خان نے جونہی اپنی موجودگی کا پیغام دیا' دوسری طرف سے آواز آنے لگی "پولیس نے نسیم کو پکڑ لیا ہے..... یہ اطلاع ابھی ابھی....."

میں نے بوکھلا کر اپریٹس اس کے ہاتھ سے چھینا اور آف کر دیا۔

اول خان تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟ تم نے اسے کیوں بند کر دیا؟"

اسی وقت سلمٰی کچن سے دوڑی چلی آئی۔ وہ جہانگیر کے لیے چائے لینے گئی ہوئی تھی۔ "ابھی ابھی کوئی بھرائی ہوئی آواز میں نسیم کا ذکر کر رہا تھا..... تم لوگوں نے بھی آواز سنی ہوگی؟"

ہم تینوں احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کے چہرے تکنے لگے۔ ہماری خاموشی مشکوک ٹھہرتی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "ہم نے کچھ نہیں سنا' تمہارے کان بج رہے ہیں۔ رات کو بھی تمہیں اسی کے خواب نظر آتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں' ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔" اول خان نے سر ہلا کر میری تائید کی۔

سلمٰی کے لیے میرے جواب سے زیادہ معتبر اول خان کی تائید تھی۔ وہ مطمئن ہو کر لوٹ گئی۔

"تم ضرور اسے مروا دو گے۔" میں نے دبی زبان میں اول خان پر غصہ نکالا۔

وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں نے پوری احتیاط کی ہے۔ اپریٹس ذہن میں نہیں آیا تھا۔ یہ خبر بھی عین اسی وقت آنی تھی۔"

میں نے بازو پکڑ کر اسے صوفے سے اٹھایا اور تقریباً کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔

"اب یہاں سے بات کرو کہ کیا ہوا ہے۔" میں نے اسے باتھ روم کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور اپریٹس پر اپنے آدمی سے رابطہ کرنے لگا۔

اپریٹس کی آواز کم رکھ کر اس نے دھیمی آواز میں گفتگو شروع کی۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر کھڑا ہر لفظ سن رہا تھا۔

اصل خبر وہی تھی جو ہم سن چکے تھے۔ نسیم کو اس کے گھر سے اٹھا کر خواتین کے تھانے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اپنے مجرمانہ پس منظر کی وجہ سے وہ پولیس کو دیکھ کر خائف ہو گئی تھی اور کسی مزاحمت کے بغیر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

"اس کے بارے میں کوئی نئی خبر ملے تو نسیم کے بجائے مولا بخش کا نام استعمال کرنا۔ یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان آخر میں آئندہ کے لیے ہدایت دینی نہیں بھولا تھا۔

"تم نے اچھا کیا کہ اپریٹس چھین کر آف کر دیا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ہم تینوں یک زبان نہ ہوتے تو کوئی گڑبڑ شروع ہو سکتی تھی۔"

اول خان نے اپریٹس جیب میں رکھا اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

اول خان حیدر آباد سے شہداد پور ہو کر کراچی لوٹ آیا تھا لیکن اس نے کھٹول راجوانی کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس مکار آدمی کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی زک اسے مضطرب کیے دے رہی تھی۔ اس نے فون پر اپنے ذرائع سے رابطہ کر کے نواب شاہ اور اس کے قرب و جوار کا سارا علاقہ چیک کروا لیا تھا مگر کہیں بھی پچھلی رات کسی ایسے زخمی کی آمد کی اطلاع نہیں ملی تھی جس پر کھٹول ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ وہاں کو دکروہ خاموشی سے نکل گیا تھا۔

اسے حیرت تھی کہ وہ سخت جان مجرم چلتی ٹرین سے ایک خطرناک چھلانگ لگانے کے باوجود بری طرح زخمی ہونے سے کیسے محفوظ رہا تھا۔ اس کی دانست میں وہ واقعہ کھٹول کی مقدر کی یاوری کا کھلا ثبوت تھا۔ اس کے ستارے ساتھ نہ دے رہے ہوتے تو وہ اپنے گھر بلکہ کمرے میں مالِ مسروقہ کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوتا۔

اول خان اس کے دوسرے فرار کا بھی چشم دید گواہ تھا۔ میں اس کے تجزیے پر حرف گیری نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بجے کے بعد کھٹول کے اثر و رسوخ کے کمالات سامنے

آنے شروع ہو گئے۔ اسٹیشن فور پر صوبے کے اعلیٰ حکام کا دباؤ بڑھ گیا۔ وہ سب اول خان کو تلاش کر رہے تھے۔ ماتحت عملہ پیغامات نوٹ کر کے اول خان کی مصروفیات سے لاعلمی کا اظہار کرتا رہا۔ پیغامات کی تکرار شروع ہوئی تو ان میں سے کسی نے اپریٹس پر ڈیڑھ بجے اول خان کو ان پیغامات کی پہلی رپورٹ دی۔

"آئی جی اور صوبائی ہوم آفس کو میری تلاش ہے۔ اس کا مطلب ایک ہی ہو سکتا ہے کہ کھٹول اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔" اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ آج صبح سویرے حیدر آباد یا نواب شاہ سے جہاز کے ذریعے اسلام آباد گیا ہوگا۔ ٹرین سے اتنی جلد وہاں پہنچنا ممکن نہیں تھا۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اسلام آباد میں ہمارے آدمی سو رہے تھے۔" غصے اور بے بسی کے عالم میں اول خان نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ "انہیں پہلے سے ہوشیار کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ اس کی راہ روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہ عجیب سی بات ہے۔"

"انہیں الزام نہ دو۔ وہ تمہارے سامنے سے دو مرتبہ فرار ہو چکا ہے۔"

"وہ چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کے ہمدرد حرکت میں آ گئے تو اس بات کی تحقیقات ہو رہی ہوں گی کہ کھٹول کے گھر پر چھاپا کس کی ہدایت پر گیا تھا۔"

"تم نے اسلام آباد سے اس بارے میں کسی قسم کا حکم جاری کرایا تھا۔"

"میری رسائی اپنے فورس کمانڈر تک تھی۔ پتا نہیں اس نے کس اتھارٹی سے بات کی تھی۔"

"کہیں تم کسی جواب دہی کا خطرہ تو محسوس نہیں کر رہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جواب دہی کی مجھے پر کاہ کے برابر پروا نہیں۔ جھلاہٹ اس بات کی ہے کہ ہماری راہیں مسدود کر کے ایک خطرناک مجرم کے لیے آسانیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔"

"بڑے مگرمچھوں کی گرفتاری سے پہلے اجازت لینے کا فلسفہ اب سمجھ میں آ رہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "عام آدمی جرم نہ بھی کرے تو پولیس محض شبے میں اسے اٹھا کر حوالات میں بند کر دیتی ہے۔ بڑے آدمی کا جرم سامنے آنے پر بھی اس کی گرفتاری محال ہوتی ہے۔"

"یہی خرابیاں ہمیں تباہ کر رہی ہیں۔ مجرم کوئی بھی ہو، اسے بے رحمی سے کچل دینا چاہیے۔ پتا نہیں یہ سیدھی سی بات اوپر والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ الزام کی نوعیت جانے بغیر ہر مقتدر آدمی اپنے عزیزوں، دوستوں اور حلیفوں کو تحفظ فراہم کرنے پر تل جاتا ہے۔"

"اصل بات وہی ہے جو تم ایک بار کہہ چکے ہو۔ یہ سب ہمارے سسٹم کی خرابیاں ہیں جو چھوٹے موٹے اور نیم دلانہ اقدامات سے ختم نہیں ہو سکتیں۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اس سسٹم کے پابند ہیں۔ ہمیں اسی میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے۔"

"اسی وجہ سے ایس ٹی ایف غیر ملکی دشمنوں کو اپنا ہدف بنائے رکھتی ہے۔ مقامی گند میں جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے، نت نئے مسائل سر اٹھانے لگتے ہیں۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ پہلے یہ دیکھو کہ وہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"دیکھنا پڑے گا۔ یہ پروٹوکول کی مجبوری ہے۔ وہ لوگ مجھ سے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔" یہ کہہ کر اول خان نے بے دلی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

پہلے اس نے صوبے کے انسپکٹر جنرل کے دفتر کا نمبر ملایا۔ آئی جی کے پی اے نے اس کا نام سنتے ہی کال اپنے باس سے ملا دی۔ سلام دعا کے بعد اول خان بس یس سر، یس سر ہی کہتا رہا۔ دوسری طرف سے آنے والی ہدایات میں شاید اس کے بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔

"بالکل سر! میں وقت پر پہنچوں گا۔ میرے ساتھ ایک ماتحت بھی ہوگا۔" آخر میں اس نے کہا۔ جواب میں دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اول خان نے عاجزانہ لہجے میں آئی جی کا شکریہ ادا کیا اور غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"اب وقت کی بربادی کا دور چلے گا۔ سیکریٹری نے ہوم آفس میں آج شام چھ بجے ایک اجلاس طلب کیا ہے جہاں مجھے بھی طلب کیا گیا ہے۔" اول خان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے آئی جی سے ایک ماتحت کو اپنے ساتھ لانے کی اجازت لے لی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"آج تم نے مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ہدایت دی تھی...." میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں چلنا ہوگا تاکہ میں وہاں بہکنے نہ پاؤں۔ تم یقین کرو کہ اس وقت میرے خون کی گردش خود بخود تیز ہو چکی ہے۔"

"اگر امریکی بھی وہاں موجود ہوئے تو میں مارا جاؤں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"وہ نہیں ہوں گے۔ انہیں تین بجے تمہارے چھوڑے ہوئے فلیٹ میں جانا ہے۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ تم کسی فرضی نام سے وہاں جاؤ گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

"جذبات کی رو میں آ کر تم ایک انتہا پسندانہ فیصلہ کر رہے ہو۔"

"میں اپنے فیصلوں کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ تم پر ذرا بھی آنچ آنے سے پہلے میں ہر ایک سے ٹکرا

جاؤں گا۔" اول خان کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں تھا۔

"اگر تم ضد پر اتر آئے ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ ایک تجربہ یہ بھی سہی۔"

"تم دونوں برا نہ مانو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" جہانگیر نے طویل خاموشی کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں زبان کھولی۔

"معاف کرنا۔ اپنی باتوں میں الجھ کر ہم تمہیں بالکل فراموش کر بیٹھے۔" اول خان نے خفت سے کہا۔ "تم پوری آزادی سے کوئی بھی مشورہ دے سکتے ہو۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں لیکن یہ اندازہ ضرور ہو رہا ہے کہ تم نے میری وجہ سے کالو پر ہاتھ ڈالا اور اب اس کی وجہ سے کسی چکر میں پھنس گئے ہو۔ میری مانو تو اسے چھوڑ دو۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔" جہانگیر نے پورے خلوص سے کہا۔

"وہ ڈاکو تھے۔ انہیں پکڑنے سے کیا مشکل پیدا ہو گئی؟" سلمیٰ نے حیرت سے پوچھا۔ "اس کارنامے پر تو ڈیڈی کو انعام ملنا چاہیے تھا۔ یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"

"بی بی! تم اپنی ننھی سی عقل پر زور مت دو۔" جہانگیر نے اس پر طنز کیا۔ "کچن میں جاکر کھانے پینے کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ مردوں کی باتیں ہیں۔ ہم خود کچھ طے کرلیں گے۔"

"جہانگیر کی بک بک پر دھیان مت دو مگر لنچ بہت ضروری ہے۔ ہم خالی پیٹ میٹنگ میں گئے تو کسی نہ کسی سے لڑ بیٹھیں گے۔ اس کا گناہ تمہارے سر آئے گا۔"

"تم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے ہو۔" سلمیٰ نے اٹھتے ہوئے شکوہ کیا۔ "میں بلاوجہ تمہارے سر پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ ایک گھنٹے بعد جب چاہو' کھانا مانگ سکتے ہو۔"

"ہم مانگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ تین بجے میز پر لگا دینا۔" اس کے جاتے جاتے جہانگیر نے ہانک لگائی۔ "کھانا مقدار میں وافر اور ذائقے میں لذیذ ہونا چاہیے۔"

میں چند ثانیوں تک جہانگیر کو گھورتا رہا پھر آہستگی سے کہا۔ "میں نے اس کے سامنے تمہاری لاج رکھ لی۔ اب تم بھی جاکر اس کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے۔ ہم دونوں کو تخلیئے میں بیٹھ کر اس پر اپنا سر کھپانا ہوگا۔"

"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے آگے جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں خوشامد کی۔ "کیا یہ سارے خطرات صرف اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ میں نے نسیم سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی تھی؟ تم دونوں کی باتیں سننے کے بعد یہ احساس مجھے مارے ڈال رہا ہے۔"

"بنیاد وہی ہے۔ تم اس عورت کی حوصلہ افزائی کرتے نہ بعد کے واقعات رونما ہوتے۔ کالو کی گرفتاری کے بعد کچھ دوسرے عوامل نے پورے معاملے کو سنگین بنا دیا ہے۔"

"پھر تم غور و خوض کرو۔ میں تمہارا ایک لمحہ بھی برباد نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

اول خان نے نیچی آواز میں مجھے آئی جی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"ابھی تم نے صرف ایک فون کیا ہے' کچھ اور لوگ بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔" اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ بھی یہی سلسلہ ہوگا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے ہوم آفس والوں سے بھی بات کرلینی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔"

اس بار میں نے اول خان کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ گیا اور چند منٹ بعد لوٹ آیا۔ "وہی کہانی تھی۔ مجھ سے ریکارڈ ساتھ لانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میں نے صاف بتا دیا کہ ہم ریکارڈ کے بغیر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا ریکارڈ فائلوں کے بجائے ذہنوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ ویسے بھی وہ چھاپا ہم نے نہیں مارا تھا۔ میں مبصر کے طور پر اس کارروائی میں شریک ہوا تھا۔ اصل ذمے داری آئی جی کی تھی۔"

اول خان نے بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں اپنے انتظامات میں جو تبدیلیاں کی تھیں ان کے نتیجے میں کھانے کی میز پر اسے اپریٹس پر پیغام ملا کہ ٹھیک تین بجے چار امریکی' چھ پاکستانی اور دو قد آور کتے اس عمارت میں داخل ہوتے دیکھے گئے تھے جس کی اوپری منزل پر نادرہ غنی کا آراستہ فلیٹ واقع تھا۔ یہ اطلاع اس اعتبار سے تسلی بخش تھی کہ ان کے وہاں مصروف ہو جانے کے بعد چھ بجے والے اجلاس میں ان کی شرکت کا بہت کم امکان رہ جاتا تھا۔

چار بجے ایس ٹی ایف کے ایک اہلکار نے ڈور بیل بجا کر خاکی رنگ کا ایک لفافہ سلمیٰ کے حوالے کر دیا۔ اول خان نے لفافے میں موجود چند کاغذات کا جائزہ لینے کے بعد انہیں پھاڑ کر تلف کر دیا۔ باقی رہ جانے والی تین دستاویزات میری طرف بڑھا دیں۔

ان کاغذوں کی رو سے میرا نام ریٹائرڈ کرنل جمال دستی تھا اور میں کئی سال کی مدت سے اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستہ تھا۔ ایک طرف یہ انتہا تھی کہ امریکیوں کے پاس میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دوسری طرف تصاویر کی اتنی فراوانی تھی کہ میں شناختی کارڈ پر پلاسٹنگ کوٹنگ کے نیچے اپنی تازہ تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے سوال پر اول خان نے بتایا کہ وہ تصاویر امریکا کے سفر کے لیے پاسپورٹ پر لگانے کے لیے اتروائی گئی تھیں۔ اس کام میں ایک تصویر استعمال ہوئی' دوسری ضائع ہو گئی۔ دو اول خان کے پاس محفوظ تھیں۔ میرا ایس ٹی ایف کا کارڈ بننے کے بعد بھی ایک تصویر باقی رہ جاتی تھی۔

ساڑھے پانچ بجے دوبارہ اطلاع ملی کہ دس رکنی مشترکہ ٹیم بدستور عمارت میں مصروف تھی۔ ان کی حفاظت کے لیے عمارت

کے گرد پولیس اور امریکی میرین فورس کے کئی دستے پھیلے ہوئے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ساری حفاظتی نفری ٹیم کے بعد وہاں پہنچی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اپنی آمد سے پہلے مکمل رازداری برقرار رکھنے کے لیے وہ طریقۂ کار اپنایا تھا جو خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر اطلاع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ بہتر تھا۔

وہاں حالات کو بہتر ہونا ہی تھا۔ امریکیوں کی اصل پرخاش میری ذات سے تھی اور میں دوسری الجھنوں میں گرفتار تھا۔ اول خان میرا مضبوط ترین مددگار تھا۔ وہ خود ذہنی یکسوئی سے محروم ہو چکا تھا۔ یہ نکات امریکیوں کے لیے عافیت اور زندگی کی ضمانت فراہم کرتے تھے۔

دوسرا پیغام ملتے ہی ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں کے ساتھ فلیٹ چھوڑ دیا۔ اس موقع پر مجھے بیم گن کو چھوڑنا پڑا۔ کسی حفاظتی جامہ تلاشی کے نتیجے میں میں اس کا راز فاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی اس سرکاری اجلاس میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

نیچے اول خان کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ ہمارے سوار ہوتے ہی بظاہر سرکاری نظر آنے والی وہ غیر سرکاری جیپ سندھ اسمبلی کے قریب واقع دفاتر کی طرف روانہ ہو گئی۔

فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں وزارتِ داخلہ پہنچ گئے۔ اس وقت تمام صوبائی دفتروں میں چھٹی ہو چکی تھی۔ دن میں گاڑیوں اور انسانوں سے بھری ہوئی وہ سڑک بالکل خالی اور ویران نظر آ رہی تھی۔ اس کے دونوں سروں پر پولیس کی چند گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ صوبے کے آئی جی اور ہوم سیکریٹری کی آمد کی وجہ سے ان گاڑیوں کا موجود ہونا تعجب خیز نہیں تھا۔

پھاٹک پر شناخت اور رہنمائی کے بعد اندر بھی کچھ لوگ شرکا کے منتظر تھے۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہم کانفرنس روم میں پہنچے تو وہاں ایک لمبی میز کے گرد بیس بائیس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر صرف چھ افراد براجمان تھے۔ ان میں سے ایک پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا۔ عہدے کے نشانات سے وہ کراچی کا ڈی آئی جی معلوم ہو رہا تھا۔

ہوم آفس کے افسر مہمان داری نے تعارف کرایا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ایک آدمی ڈی آئی جی کے ساتھ آیا تھا‘ دو سی آئی اے کے اعلیٰ عہدیدار تھے۔ بقیہ دو آئی بی یا انٹیلی جنس بیورو کی نمائندگی کر رہے تھے۔ وہ دونوں اول خان کے پرانے واقف کار تھے۔

چھ بجنے سے چند منٹ پہلے آئی جی پوری وردی میں داخل ہوا۔ وہ بھی اکیلا نہیں تھا۔ سب نے نشستوں سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ یہ دور ختم ہونے نہ پایا تھا کہ سیکریٹری اپنے بھاگتے دوڑتے ہوئے عملے کے کئی ارکان کے ساتھ آ گیا۔

رسمی فقروں کے تبادلے اور ہلکے پھلکے کھوکھلے مذاق کے بعد سب نے اپنی مقررہ نشستیں سنبھال لیں۔ میز کے گرد رکھی ہوئی کرسیوں پر اس وقت صرف سولہ نفوس براجمان تھے۔

سیکریٹری نے سگار کا کش لے کر ناقدانہ نظروں سے شرکا کا سرسری جائزہ لیا پھر بولا۔ "سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ آج کا یہ اجلاس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں ایک ایسی ایجنسی کے دو نمائندے موجود ہیں جو سرکاری سطح پر اپنا کوئی وجود نہ رکھنے کے باوجود بہت فعال ہیں۔"

بہت سی نگاہیں میرے اور اول خان کے چہروں پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ سب صوبے کے اعلیٰ ترین افسران تھے اور سب ہی کسی نہ کسی فورس یا ایجنسی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی بھیڑ میں میں خود کو بونا اور اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ میری ہتھیلیاں دھیرے دھیرے پسینے میں بھیگنے لگیں۔

"آج کا ایجنڈا بہت مختصر ہے۔" سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ "کھٹوبل راجوانی کیس اور ڈینی!"

"ہمارا سرکاری موقف یہ ہے کہ ہم ڈینی کو نہیں جانتے۔" آئی بی کے ایک افسر نے مضبوط لہجے میں اعتراض کیا۔ "پھر اس کے نام کو ایجنڈے پر کیسے لایا جا سکتا ہے؟"

"اس کی وضاحت میں پہلے کر چکا ہوں کہ یہ اجلاس آف دی ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اس کی کارروائی کی کہیں رپورٹنگ نہیں ہو گی۔ یہ صرف اور صرف ایک بریفنگ ہے۔ دو طرفہ بریفنگ۔ آپ لوگ مجھے بریف کریں گے‘ میں صوبے کے بہتر مفاد میں آپ کو

بریف کروں گا۔ ہم عمدہ چائے پئیں گے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔"

"صوبائی سطح پر شاید یہ سب اسی طرح ممکن ہو جیسا آپ فرما رہے ہیں۔" آئی بی والے نے دوبارہ زبان کھولی۔ "مگر سر' ہم ایک فیڈرل ایجنسی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہونے والی ہر سرگرمی کی روزانہ رپورٹ اسلام آباد کو فراہم کرنی ہوتی ہے۔ ہمارے لیے کچھ بھی آف دی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ اسلام آباد کی ضرورت کے تحت ہم کہیں بھی جھانک لیتے ہیں۔ اس میٹنگ اور خاص طور پر اس ایجنڈے کے دوسرے نکتے کے بارے میں ہم کیا لکھ سکیں گے۔"

شاید اس کا اعتراض معقول تھا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "یہ ہماری پوزیشن تھی جو ہم نے بتادی۔ آپ وہ کریں جو آپ کا ڈسپلن کہتا ہے۔ بات ختم۔"

سیکریٹری بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر براہ راست آئی جی سے مخاطب ہوگیا۔ "کھٹومل راجوانی ہمارے معاشرے کا ایک ذمے دار اور باعزت فرد ہے۔ آپ نے کل اس کے خلاف کس کی رپورٹ پر ایکشن لیا تھا؟ میں اس شخص کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"مرکزی وزارت داخلہ کے ایک افسر کے فون پر وہ قدم اٹھایا گیا تھا اور صحیح اٹھایا گیا تھا۔ کھٹومل کی ذاتی خوابگاہ میں اس کی مسہری کے نیچے سے ایک دسترخوان میں بندھے ہوئے وہ سب زیورات برآمد ہوئے جن کی ڈکیتی کی ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی۔ تقریب کے کئی مہمانوں نے اپنی قیمتی اشیا پہچان لی ہیں۔ یہ کھٹومل کا نہیں تو اس کے کسی ملازم کا کام ہوسکتا ہے۔"

"نو سر!" سیکریٹری نے سر جھٹک کر کہا۔ "یہ دشمنی بھی ہوسکتی ہے۔ سوچنے والی بات ہے کہ اس جیسا باحیثیت آدمی ایسی حرکت کیوں کرے گا۔ وہ اسلام آباد میں بھرا بیٹھا ہے۔ میں فون سن سن کر تھک گیا ہوں۔ ہمیں یہ فائل دبانی ہوگی۔"

"آپ حکم کریں۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔" آئی جی نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"سنا ہے کہ ایس ٹی ایف بھی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔" سیکریٹری نے اول خان سے پوچھا۔

"سر! فورس ہر مجرم کا پیچھا کرتی ہے۔" اول خان نے ادب سے جواب دیا۔ "اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ اس کا پیچھا کرنا ہماری مجبوری ہے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے اس کے خلاف؟" سیکریٹری نے ترشی سے پوچھا۔

"آئی جی صاحب بتا چکے ہیں پھر وہ اپنے گھر سے کسی چور ہی کی طرح فرار ہوا اور سیدھا اسلام آباد پہنچ گیا۔" اول خان نے اس کے لہجے کی ترشی کو نظرانداز کر کے کہا۔

"اس بارے میں آپ کے سامنے آئی جی صاحب سے بات ہوچکی ہے۔ آپ اپنے ثبوت بتائیں۔"

"سر! مقامی معاملات میں ہم مقامی اتھارٹی کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر ہم الگ کام کرنا شروع کردیں تو بڑی افراتفری پھیل جائے گی۔ وہ ہمارے دست و بازو ہوتے ہیں۔"

"وہ تو صرف گھر سے بھاگا تھا' ہتھکڑی لگنے کے خوف سے اس کا ہارٹ فیل بھی ہوسکتا تھا۔" سیکریٹری کہنے لگا۔ "ہر شریف آدمی اپنی عزت سے ڈرتا ہے۔ اس کے فرار کو میں جرم نہیں مانتا۔ مال مسروقہ اس کے سر تھوپا گیا۔ اول تو اسے اپنے مہمانوں کو لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے لوٹ لیا تھا تو وہ کسی ڈفر کی طرح لوٹ کا مال بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس فائل کو آپ بند سمجھیں۔ اب مجاز صوبائی اتھارٹی کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی صوبائی اہلکار کھٹومل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ آئی جی صاحب اس اجلاس کے بعد اس کے کمرے کی سیل کھلوا دیں گے۔"

سیکریٹری نے کھٹومل کو وہی تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کیا تھا جو امریکی صدر نے گیپ کے ذریعے آئزک بیل کو دیا ہوا تھا۔ فرق یہ تھا کہ آئزک بیل کو ملکی اور بین الاقوامی غنڈا گردی کا تحریری پرمٹ ملا ہوا تھا' کھٹومل کو زبانی اور محض صوبائی سطح پر آوارہ سانڈ بنایا جارہا تھا۔

سیاست کا وہ روپ میرے لیے بہت گھناؤنا تھا۔ میرے معدے میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔

"عدالت میں الزامات ثابت ہونے تک وہ واقعی معزز شہری ہے۔" میں نے اندر کے ابال سے مجبور ہو کر زبان کھولی۔ "آئی بی کے معزز رکن ڈینی کے نام کو ایجنڈے میں شامل کرنے پر معترض تھے۔ کھٹومل نے ڈکیتی کی ایف آئی آر میں ڈینی کو ملزم نامزد کیا ہے۔ کیا یہ اس کی بدنیتی کا ثبوت نہیں ہے؟ آج کراچی کی ایک حوالات میں کالو نامی ملزم موجود ہے جس نے کھٹومل کے بارے میں ہوشربا اقبالی بیان دیا ہے۔ دو روز پہلے کلفٹن میں دہشت گردی مچانے والے کھٹومل کے آدمی تھے جو کسی غلط فہمی میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے چھ آدمی مارنے کے بعد وہاں سے بھاگ گئے۔ یہ اسی شام کا ذکر ہے جب کھٹومل اپنے گھر میں راگ و رنگ کی ایک محفل کی میزبانی کررہا تھا۔ یہ اس کی سفاکی اور چالاکی کی انتہا تھی کہ اپنے آدمیوں کو قتل و غارت گری کے مشن پر بھیج کر وہ گانے بجانے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔"

میرے خاموش ہوتے ہی شرکا میں بھنبھناہٹ ہونے لگی۔ میرے اٹھائے ہوئے دونوں نکتے مضبوط اور شاید نئے تھے۔ شرکا کی دبی دبی سرگوشیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نکات بہت سوں کے علم میں نہیں تھے۔

"یہ نئے الزامات ہیں۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے نوٹ بھجوا دیں۔ میں پورا معاملہ اپنے طور پر دیکھوں گا۔ ضرورت ہوئی تو اس کی پرانی فائل بھی کھل جائے گی مگر آج وہی ہوگا جو میں نے طے کردیا ہے۔" آخری فقرہ اس نے آئی جی کو

مخاطب کر کے کہا تھا۔

سب سمجھ رہے تھے کہ اس وقت سیکریٹری خود نہیں بول رہا تھا‘ وہ ہز ماسٹرز وائس بنا ہوا تھا۔ اسے اوپر سے جو حکم ملا تھا‘ وہ سنا رہا تھا۔ کوئی مقتدر اور بااثر شخصیت کھٹومل کی آزادی کی خواہاں تھی۔ سیکریٹری اس کا آلۂ کار تھا اور دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنا رہا تھا۔ آئی جی کے کمزور اور سعادت مند رویّے نے اس کا حوصلہ بڑھایا ہوا تھا ورنہ محض دو کاغذ طلب کر کے میرے بیان کی تصدیق یا تردید کی جا سکتی تھی۔

سیکریٹری نے اپنے سامنے پڑے ہوئے سادہ پیڈ پر کچھ لکھا اور کہا۔ ”کھٹومل کے بارے میں احکام کی تعمیل کی رپورٹ ہر قیمت پر آج جانی ہے۔ یہ مسئلہ یہاں ختم ہوا۔ اب آتے ہیں ڈینی کی طرف.....“

”سر! اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے۔“ آئی بی والے نے سیکریٹری کو سمجھانا چاہا۔ ”کرنل جمال دستی نے ابھی جو نئے انکشافات کئے ہیں‘ ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ دو الگ الگ مسائل نہیں ہیں۔ کھٹومل ڈینی کو نقصان پہنچانا چاہ رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ڈینی چور یا ڈاکو نہیں ہے۔“

”میں ڈینی کا نام کئی بار سن چکا ہوں۔ یہاں قانون نافذ کرنے والے تقریباً تمام اداروں کے ذمے دار افسر موجود ہیں۔“ سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ ”میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ ڈینی اس قدر باصلاحیت اور عظیم ہے تو ہم اسے اپنی کسی سروس میں کوئی شایانِ شان عہدہ کیوں نہیں دیتے؟“

سیکریٹری کے اس احمقانہ سوال پر کئی افراد زیرِ لب مسکرا دیئے۔

”سر! ہر قوم کے کچھ گمنام ہیرو ہوتے ہیں۔“ اس بار سیکریٹری کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک منحنی سا شخص کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور خوشامدانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ”دشمن انہیں غدار قرار دیتا ہے۔ شاید ڈینی بے چارے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج کل امریکا اس کا دشمن ہے۔ سروس میں کیا‘ وہ منظرِ عام پر بھی آیا تو امریکی اسے یہاں سے اغوا کر کے لے جائیں گے۔“

یہ ناممکن ہے..... ایسا نہیں ہو سکتا..... ہم لوگوں نے چوڑیاں نہیں پہنی ہوئی ہیں۔

بیک وقت کئی لوگوں نے اس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی اور وہ کھسیا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

اس مرحلے پر سیکریٹری نے ایک اور احمقانہ بات چھیڑ دی۔

”میری آپ سب سے گزارش ہے کہ ڈینی جس کسی کے رابطے میں ہو‘ وہ رازداری کے ساتھ مجھے آگاہ کرے۔ صوبے میں قانون سے ماورا قوتوں پر نظر رکھنا ہمارے منصب کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ یہ ہماری صوابدید ہوتی ہے کہ ہم اپنی مصلحتوں کی بنا پر کبھی کبھی یا اکثر ان سے چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میٹنگ کے شرکا کو دیکھ کر ..... کی تقلید کی مگر میرا

سیکریٹری میرے بارے میں کھل کر اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔ کالو مکرانی کے بعد وہ دوسرا باخبر آدمی تھا جسے میں نے اپنے بارے میں غیر جذباتی پایا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مجھے بیس لاکھ ڈالر کے نوٹ کی شکل میں دیکھ رہا ہو۔“ میں نے سوچا۔ اس وقت تک خون کی حدت سے میری ہتھیلیوں کا پسینہ بھاپ بن کر اڑ چکا تھا۔

سیکریٹری کے پاس کہنے کے لیے مزید کچھ نہیں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس اجلاس کا مقصد صرف یہ تھا کہ صوبے میں کام کرنے والی تمام ایجنسیوں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کھٹومل کے خلاف شہادتوں کی موجودگی کے باوجود‘ اسے چھوٹ دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا لہٰذا ہر ایک کو اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

اس سطح کے کسی انتظامی اجلاس میں میری شرکت کا وہ پہلا موقع تھا۔ اول خان نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے وہ موقع فراہم کیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں پسِ پردہ اور گمنام رہ کر بھی بہت سی نگاہوں میں تھا۔ اگر شہر کی فضاؤں میں میرے خون کے پیاسے گدھ منڈلا رہے تھے تو ان سے اوپر کچھ شاہین بھی ان کی گھات میں تھے۔ کسی کالی بھیڑ کے لیے مجھے نقصان پہنچانا آسان نہیں تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو مدت پہلے میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

اکثر انسان صرف اپنی ہی کامیابیوں پر رشک کرتا ہے۔ ذاتی کامیابی کی لذت اس کا سر غرور سے بلند کر دیتی ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کا سہارا اس کے مان میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔ اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں کی موجودگی اسے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ اس اجلاس کا ماحول دیکھ کر میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔

سیکریٹری کو میٹنگ کے شرکا کو کوئی ٹھوس قانونی حکم دینا ہوتا تو وہ اجلاس طلب کئے بغیر اپنے دستخط سے ایک خط جاری کر کے ان میں سے کسی کو بھی تعمیل کا پابند کر سکتا تھا۔ وہاں مسئلہ قانونی اختیار کا نہیں بلکہ قانون شکنی سے چشم پوشی کا تھا۔ وہ لکھ کر کسی کو حکم نہیں دے سکتا تھا کہ کھٹومل راجوانی کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے۔ اپنی اس مجبوری کی وجہ سے اس نے اس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ اجلاس کا بندوبست کیا تھا۔

اوپر سے آنے والی ہدایت درجہ بہ درجہ مراحل سے گزرتی ہوئی جس زبانی انداز میں اس تک پہنچی تھی‘ اس نے اسی انداز میں وہ ہدایت آگے بڑھا دی تھی۔ اس نے اپنی ذمے داری احسن طریقے سے پوری کر دی تھی۔ اوپر والے اس سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے تھے۔

اجلاس ختم ہو گیا۔ سیکریٹری کے ایک ماتحت کے اشارے پر سفید وردیوں میں ملبوس بیرے اندر آ گئے اور شرکا کے آگے پلیٹیں لگانے لگے۔ خورد و نوش کی ہلکی پھلکی اشیا میز پر پہلے سے موجود تھیں۔ ..... بعد .....

ذہن سنسنا رہا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے جو کچھ سنا تھا، اس کے بعد میرے ذہن میں بڑے بڑے سوالیہ نشان ابھر رہے تھے۔

چائے کا دور چلا اور ختم ہوگیا۔ میری پلیٹ خالی رہی۔ چائے کی پیالی سے میں صرف دو گھونٹ لے کر اپنا حلق تر کرسکا۔ بیشتر شرکا ماکولات سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر چند چہروں پر میں فکرمندی کے سائے لہراتے دیکھ رہا تھا۔

اجلاس کے شرکا میرِ محفل کے پیچھے کانفرنس روم سے نکلنے لگے۔ مودب اور باوردی ڈرائیوروں نے اپنے صاحبوں کے لیے رتبوں کے لحاظ سے آگے پیچھے گاڑیاں لگادی تھیں۔ کافی لوگوں کے بعد ہم دونوں بھی وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔

"یہ تو سب خاک میں ملتا نظر آرہا ہے۔" میں نے راستے میں اول خان کو اپنی مایوسی سے آگاہ کیا۔

"تمہارا آنا بہت اچھا ہوا۔ تمہارے اٹھائے ہوئے نکات نے سب کی آنکھیں کھول دیں۔ میں غصے میں وہ سب فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمیں اپنی راہ اب خود بنانی ہوگی۔"

"ایجنڈے میں دوسرا نام میرا تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میرے بارے میں سیکریٹری کی خواہش معنی خیز تھی۔ وہ تمہارے لیے پوشیدہ پیغام بھی ہوسکتا تھا۔ تم نے کچھ لوگوں کی خواہشات کے برعکس کھٹومل کا پیچھا جاری رکھا تو یہاں میرے لیے مسائل کھڑے کیے جاسکتے ہیں۔"

اول خان نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اسے چھیڑنے کا ارادہ ترک کردیا۔

گاڑی کلفٹن کے پل پر سے گزر رہی تھی کہ اول خان نے ڈرائیور کو جہانگیر کے بجائے اسٹیشن فور کی طرف چلنے کا حکم دیا۔

"تمہیں اپنے دفتر میں کوئی کام ہے تو مجھے گھر اتار دو یا میں یہیں سے ٹیکسی پکڑلوں گا۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے پیشکش کی۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ میں دفتر میں پوری آزادی سے بات کرسکوں گا۔ فلیٹ میں محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"آج جو کچھ ہوا، وہ ہمارے سسٹم میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "بہت سے لوگوں کے رویے سے کوئی غیر معمولی بات نہیں جھلک رہی تھی۔ تم بلاوجہ آزردہ ہو رہے ہو۔"

"آزردگی نہیں ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کھٹومل کو کس طرح شکنجے میں جکڑا جائے۔ اس بار وہ ہماری گرفت سے نکل گیا تو دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"تم اپنے دفتر جاکر کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ دفتر میں کام کا موڈ بنتا ہے، سوچنے اور بولنے کی آزادی ہوتی ہے۔ وہاں کے ماحول میں ہم دونوں مل کر شاید کوئی راہ نکال سکیں۔"

"دفتر جاکر تم اپنے ہیڈ کوارٹرز کے بجائے پنڈی یونٹ سے رابطہ کرو اور یہ معلوم کرو کہ تمہاری پیشگی اطلاع کے باوجود کھٹومل اپنے سرپرستوں تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا؟"

"یہ بات میرے ذہن میں کہیں چبھ رہی تھی لیکن میں اسے اتنے واضح الفاظ میں محسوس نہیں کرپا رہا تھا۔ یہ کام سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔" وہ خوش ہوگیا۔

اول خان نے راستے میں ہی ایرپیس پر رابطہ کرکے اپنے کسی آدمی کو اپنی آمد سے مطلع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم اسٹیشن فور پہنچے تو سلطان شاہ بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔

"سنا ہے کہ تم لوگ کسی اہم اجلاس میں گئے ہوئے تھے۔" سلام دعا ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔ "کیسی میٹنگ تھی؟ کہاں گئے تھے تم دونوں؟"

"تمہیں یہ اطلاع کس مخبر نے فراہم کی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"شک و شبے میں مت پڑو۔ تھوڑی دیر پہلے جہانگیر سے بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کسی وجہ سے تم دونوں فکرمند ہو....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے ساتھ چلے آؤ۔ تھوڑی دیر میں ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" سلطان شاہ نے بحث نہیں کی۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ ہولیا۔

کھٹومل کے اسلام آباد پہنچنے کی کہانی میں مجھے گہری دلچسپی تھی۔ اول خان نے گفتگو کے لیے ایک اسپیکر فون استعمال کرتے ہوئے اپنے پنڈی یونٹ کا نمبر ملا ڈالا۔

"میں ابھی تم سے رابطہ کرنے ہی والا تھا۔" اول خان سے سلام دعا کے تبادلے کے بعد پنڈی سے جواب دیا گیا۔ "آدمی اسلام آباد ایرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن وہ

یہ ا کا مطلب ہوگیا۔ یہ اطلاع مجھے ابھی ابھی ملی ہے۔ اتنی جلدی اسے کا مطلب ہے کہ وہ ائرپورٹ کے راستے شہر میں داخل ہوا تھا۔"

"وزارتِ داخلہ کے دفاتر پر بھی تمہارے آدمی اسے نہیں روک سکے!" اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

"وہ وہاں نہیں پہنچا۔ میرے آدمی ہر جگہ مستعد تھے لیکن اسے خطرات کا اندازہ تھا۔ وہ ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج سے کسی وی آئی پی کے ساتھ نکل گیا۔ بعض بڑے لوگوں کی گاڑیاں انہیں لینے کے لیے ٹارمک تک چلی جاتی ہیں۔ اس نے ایسی کوئی سہولت استعمال کی اور ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آئے بغیر وہ چلا گیا......"

"مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا۔" اول خان نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔ "میں ہوم آفس کے دفاتر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی آخری ممکنہ منزل وہی تھی۔"

"بدقسمتی سے اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ وہ خاصی زخمی حالت میں ہے اور اسلام آباد میں اپنے کسی دوست کے گھر پر آرام کررہا ہے۔ میں نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔"

"یہ سب کہانیاں ہیں۔ وہ ہم سب کو چکما دے کر اپنا کام کرگزرا ہے۔ اس کے اثرات کراچی میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔" اول خان قدرے برہم ہونے لگا۔

"یہ کہانیاں نہیں ہیں۔ دفاتر میں چھٹی کا وقت ہوجانے پر میرے آدمیوں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے خاصی بھاگ دوڑ کے بعد معلوم کیا کہ کھٹومل اسلام آباد پہنچنے کے بعد ان دفاتر میں اپنے کئی خیرخواہوں سے فون پر رابطہ کرچکا ہے۔ اس نے ہر ایک سے معذرت کی کہ وہ زخمی ہونے کی وجہ سے ان سے ملنے نہیں آسکا۔ یہ بات اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ آخرکار میرے آدمیوں کے علم میں بھی آگئی۔"

"اوہ!" اول خان کے حلق سے غراہٹ سی آزاد ہوگئی۔ "اب کڑیاں کسی حد تک مل رہی ہیں۔ وہ اپنی چوٹوں سے فائدہ اٹھا کر وہاں بھی چھپا بیٹھا ہے۔"

"کراچی کے بارے میں تم جو کچھ بتا رہے ہو اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کھٹومل فون پر ہی اپنے لیے رعایتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔"

"یہی ہوا ہے۔ کراچی میں اسے امان مل چکی ہے۔ اب وہ یہاں آگیا تو ہم اسے نہیں چھیڑ سکیں گے۔" اول خان کی آواز میں شکست کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے شروع ہی سے تمہارے اس کیس کی اہمیت کا اندازہ تھا" دوسری طرف سے کہا گیا "ہم نے اس کی پشاور کی مصروفیات پر تھوڑی بہت نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ اس کی خاطر میں نے آج کا کافی وقت فیلڈ میں گزارا تھا۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو کچھ ہوا، اس میں میرے آدمیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

کھٹومل کی مکاری پر میرے ذہن میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ٹرین سے کودنے کے نتیجے میں آنے والے زخموں سے بھی اس نے فائدہ اٹھالیا تھا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوا ہوتا تو اسلام آباد میں سیدھا دفاتر کا رخ کرتا اور دھرلیا جاتا۔ زخمی ہونے کے نتیجے میں اس نے وہاں بھی روپوشی اختیار کرلی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ اپنے کمرے کی سیل کھلنے کی اطلاع کو آزادی کا پروانہ سمجھ کر وہ فوری طور پر اسلام آباد سے کراچی پہنچ جاتا جہاں اس کے ہمدردوں کا اختیار ہماری طاقت پر غالب تھا۔

"اس پر وہیں ہاتھ ڈال دو" میں نے اضطراری لہجے میں اول خان کو مشورہ دیا۔

بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے استفسار کیا۔ میں نے اپنی بات دہرائی تو دوسری طرف سے جواب آیا "اس وقت یہی حربہ کارگر ہوسکتا ہے۔"

"تم خود ڈپٹی سے بات کرلو۔ یہ تمہیں بہتر رائے دے سکے گا۔" اول خان اسپیکر فون پر یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

"میں اپنے نادیدہ دوست سے بات کرکے خوشی محسوس کروں گا۔"

"وہ یہاں اپنی کلیرنس کا مکمل بندوبست کرچکا ہے اور کسی بھی پرواز سے کراچی پہنچنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس بار ائرپورٹ سیل کردو۔ وی آئی پی لاؤنج کا راستہ بھی نگاہوں میں رہنا چاہیے۔ وہ زخمی ہے۔ ہر ایک اس سے ہمدردی کا مظاہرہ کرے گا۔ ساتھ ساتھ اس کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے رہو۔ وہ جہاں اور جس حال میں ہے، تمہارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اس سے اپنی پسند کے میدان میں لڑنا چاہتے ہو۔ اب ایسا ہی ہوگا" اس کا لہجہ پُرعزم تھا۔ میں نے باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے فون بند کردیا۔

اول خان خالی خالی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے بولا "آج اسے اسلام آباد کی ہدایت پر ہی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ وہاں تم اس کا کیا بگاڑ سکو گے؟"

"دیکھتے جاؤ" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال انداز میں کہا "ہم صرف کوشش کرسکتے ہیں۔ نتائج پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہمیں ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی ہوگی کہ کہیں سے کمک ملنے سے پہلے ہم اس کے سارے بال و پر کاٹ سکیں۔"

اول خان سر ہلا کر رہ گیا۔ دفتر میں گہری خاموشی چھاگئی۔ اس سکوت میں سقف گیر پنکھے کی گھوں گھوں بہت واضح ہوگئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

لگالیا۔ اول خان نے سلطی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھٹول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کر کے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو کمرانی کی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فوراً لے آئے جہاں ان پر تشدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھٹول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھٹول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کر دی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کمرے کی بوجھل فضا میں کافی دیر تک ہم تینوں خاموش بیٹھے پُرخیال نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ میرا ذہن پیش آنے والے متوقع واقعات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا مگر میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان دونوں نے میری پیش کی ہوئی تجویز سن ضرور لی تھی مگر وہ اسے قبول نہیں کر سکے تھے۔ ان کی پُرتشویش نظروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری جانب سے کسی وضاحت کی توقع کر رہے تھے جب کہ اس وقت میں خود کوئی وضاحت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر غیر ارادی طور پر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ سلطان شاہ کے مقابلے میں اول خان کو صورتِ حال کا بہتر ادراک تھا۔ آخر کار اس سے نہ رہا گیا اور وہ بول ہی پڑا "میں تمہاری مشکل کو سمجھ رہا ہوں..."

"کیسی مشکل؟" سلطان شاہ نے تنک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "ڈپٹی نے ادھوری بات سنا کر ہمیں مشکل بلکہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔ جو شخص اسلام آباد والوں کا چہیتا ہو' اس پر ہم کہیں بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کچھ پتا تو چلے کہ پورا منصوبہ کیا ہے؟"

"کام کرنے میں یہی ہوتا ہے" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ حالات کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ڈپٹی نے اس کا ایک حل تجویز کر دیا ہے مگر اب خود پریشان ہے کہ اس پر عمل کیسے کیا جا سکے گا۔"

میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ "تم کھٹول کے بارے میں اندازے کی ایک بنیادی غلطی کر رہے ہو۔"

"تم چپ شاہ کا روزہ توڑ کر کچھ ارشاد فرماؤ تو میں بلا جھجک اپنی غلطی تسلیم کر لوں گا۔"

اس کے جلے کٹے لہجے پر میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ اسلام آباد والوں کا چہیتا نہیں ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے کسی ایک بارسوخ شخص کا منظورِ نظر ہے۔"

"کیا ان دونوں مفروضوں سے کوئی فرق پڑ سکتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اسلام آباد ملک کے دارالحکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کا نام ہے۔ مقتدر حلقے اتنے غافل نہیں ہیں کہ اس جیسے مسلمہ مجرم کی پشت پناہی کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی حماقت کر سکیں۔" مجھے اپنے نظریے کی وضاحت کے لیے موزوں الفاظ کا سہارا مل گیا۔

"کھٹول نے اپنے کسی دوست کی مدد حاصل کی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہی ہو۔ وہ بڑے لوگوں یا حکمرانوں کا کوئی خوشامدی بھی ہو سکتا ہے۔"

"چلو' یہ بھی مانے لیتا ہوں.... اگر وہ شخص اسلام آباد سے ڈوریاں ہلا کر کراچی والوں کو بے بسی کے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے تو اسلام آباد میں تمہیں کیسے برداشت کر سکے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس بار تم واقعی اول خان کو نوکری سے نکلوا دو گے؟"

"اس وقت اہم ترین بات یہ ہے کہ کھٹول کا کوئی سراغ مل جائے" اس بار میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا "خاموشی سے اسے اٹھاؤ اور قبائلی علاقے میں پہنچا دو۔ وہاں کھٹول کے کسی دوست کی سفارش بھی کام نہیں آ سکے گی۔"

"تم مجھے اس سسٹم سے بغاوت کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جسے بار بار میری مجبوری قرار دیتے رہے ہو۔ میرے اوپر والے بھی اس حرکت کو پسند نہیں کریں گے۔"

"یہ بغاوت نہیں' صرف وقت حاصل کرنے کی ایک بھرپور کوشش ہوگی۔ اسے منظرِ عام سے غائب کر کے تم اپنے بڑوں اور دوسروں کو یقین دلا سکو گے کہ اس کے ساتھ ہمدردی جتانے والا شیطان کا بھی والد بزرگوار ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم آزاد علاقے میں اسے ہلاک نہیں کرو گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جس سرزمین کا غدار ہے' اس کا آخری انجام اسی سرزمین پر ہونا چاہیے۔ وہ قبائلی علاقے میں اس وقت تک یرغمال میں رہے گا جب تک تم ہر ایک کو اس کے بارے میں حقائق باور نہیں کرا دیتے۔"

"قبائلی علاقے میں بھی اس کے دوست ہیں" سلطان شاہ نے شوشہ چھوڑا "وہ پشاور کے راستے ان سے میل جول اور منشیات کا لین دین رکھتا ہے۔"

"انہیں بھول جاؤ" اس بار اول خان نے پورے اعتماد سے کہا "ہم اسے اسلام آباد سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ آدم خان کے آدمیوں کی تحویل میں رہے گا۔ وہ منشیات فروشی سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے ٹھکانے بھی ایسے پہاڑی دَرّوں میں ہیں جہاں پرندے تک باہر نکلنے کا راستہ بھول جاتے ہیں۔"

"وہ ضرور بے جگر اور بہترین منصوبہ ساز ہوں گے مگر ان کے بارے میں اتنا مبالغہ نہ کرو۔ پرندے تو روشنی کی ذرا سی کرن سے

آسمان کی راہ پالیتے ہیں" میں نے کہا۔

"ان پہاڑی قلعوں کا یہی کمال ہے کہ ہر روشنی کا اختتام کسی اور غار یا بند گھاٹی پر ہوتا ہے۔ خوراک کی تلاش میں اندر گھس آنے والے پرندوں کو وہ لوگ تنگ آکر اپنے ہتھیاروں سے مار گراتے ہیں۔ آدم خان نے بڑی منصوبہ بندی سے پہاڑوں کے سینے خالی کرائے ہیں۔"

"خیر' میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا" میں نے بحث کو طول دینے کے بجائے کہا "ہماری ضرورت صرف اتنی ہے کہ کھٹول کو چند روز کے لیے پوری رازداری کے ساتھ کہیں قید رکھا جاسکے۔"

"کیا یہ کام پاکستان کی حدود میں ایس ٹی ایف سرانجام نہیں دے سکتی؟" سلطان شاہ آزاد علاقے کے بارے میں نہ جانے کیوں مطمئن نہیں تھا۔

میں نے گہری نظروں سے اسے گھورا پھر تلخی سے کہا "غیر ملکی ایجنٹوں اور دشمنوں کے خلاف ایس ٹی ایف بہت فعال اور موثر ہے۔ دشمن کے گریبان پر ہاتھ ڈالا' اس سے سب کچھ اگلوایا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آستین کے سانپوں کے سامنے یہ بھی بے بس ہیں..."

"کیسی بے بسی؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کے کہا۔

"جن کے جرم ثابت ہوچکے ہوں' ان کو خاموشی سے جہنم واصل کردینا چاہیے۔ انہیں لے کر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔ وہ ہمارے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔"

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے" اول خان نے ناصحانہ انداز میں کہا "ڈپٹی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کھٹول کے بارے میں دو تازہ ترین واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں مالِ مسروقہ سمیت رنگے ہاتھوں پکڑا جاسکتا تھا' میں اس مہم میں خود بھی شریک تھا لیکن ایک سرکاری اہل کار کی ملی بھگت کی وجہ سے میں کچھ بھی نہیں کرسکا' منہ دیکھتا رہ گیا اور کھٹول پیشاب کرنے کے بہانے سب کو جل دے کر اسلام آباد کی طرف فرار ہوگیا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا ہی تھا کہ سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

"اور اب صوبائی ہوم سیکریٹری نے اوپر والوں کی ہدایت پر تم سب کے ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں اس لیے اس زہریلے ناگ کو پیار و محبت کے ساتھ دودھ پلانا ضروری ہوگیا ہے۔"

"ہاں' کچھ ایسی ہی بات ہے" میں نے سختی سے کہا "کہیں نہ کہیں اس کے ہمدرد موجود ہیں' میرے خلاف اس کی ایف آئی آر کٹی ہوئی ہے' سب کو معلوم ہے کہ اس کے خلاف کون کون سی قوتیں میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہیں۔ ہدایات اور ضابطوں کے برعکس اس کا بال بھی بیکا ہوا تو ہم سب اپنوں کے عتاب میں آجائیں گے۔ ایس ٹی ایف جو کچھ بھی ہے لیکن کسی نہ کسی سرے پر کوئی اہم ترین شخصیت اس کے سربراہ سے جواب طلب کرسکتی ہے۔"

"ان اعتراضات میں الجھنے کے بجائے تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے" اول خان نے اس کا ذہن پڑھ کر دوٹوک لہجے میں کہا۔

"آزاد علاقوں میں مسلمان کی زبان اور عمل پر اعتبار کیا جاتا ہے' نیتوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ پتا نہیں کیسے کیسے بدکار اور سازشی اپنی مظلومیت کی جھوٹی کہانیاں سنا کر وہاں پناہ لیے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کھٹول کا ہمدرد ہوا تو تم کیا کروگے؟"

"اول خان کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تیر گئی "تم ذرا دور کے رہنے والے ہو' میں ان ہی پہاڑوں کی گود میں پلا بڑھا ہوں اور وہاں رہنے والوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے پناہ گزینوں پر ہمیشہ کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ اتنی ڈھیل نہیں دیتے کہ وہ ان کی زمین پر من مانے انداز میں فتنہ وفساد پھیلا سکیں۔"

"تمہارے خدشات بس اتنے ہی ہیں تو انہیں بھول جاؤ" میں نے لقمہ دیا "اول خان تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پٹھان ہے' کھٹول ایک سازشی بنیا ہے۔ وہ اول خان کو چکما نہیں دے سکے گا اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچادیا جائے گا۔"

"میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں" سلطان شاہ نے بے رخی سے کہا "وہ ہمیں دوبار تو چکر دے ہی چکا ہے۔ حیرت ہے کہ تم اب بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"اس کے دل میں چور ہے' اسے اپنا انجام بہت اچھی طرح معلوم ہے اسی لیے وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر چلتی ٹرین سے کود گیا؟" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ صرف زخمی ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے میری گرفت میں آنے پر ٹرین سے کود کر مرجانے کو ترجیح دی تھی۔ میں اس کے پیچھے کودنے کا حوصلہ نہیں کرسکا۔ اسے چکر نہیں' مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے نرغے میں آرہا ہے۔"

"جلد ہی نتیجہ سامنے آجائے گا" اس نے بے رخی سے کہا۔ "ڈپٹی نے تمہیں بھی بگاڑ دیا ہے۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے اس سے آخری فقرے کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ عارضی ناکامیوں پر قنوطیت کا شکار ہوچلا تھا۔ اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی سب سے بہتر ردِعمل ہوسکتا تھا۔

کھٹول جیسے بارسوخ سیاست داں کی مجرمانہ سرگرمیوں کے کھلے کھلے ثبوت ہمارے سامنے تھے۔ شاید ان سب الزامات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا اتنا آسان نہ ہوتا مگر ہم سب ہی اپنے مقصد کے حصول... کی سرتوڑ جدوجہد کے باوجود اپنے اپنے ضمیر کو جواب دہ تھے۔ کسی کو ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ فطری انصاف کی کسی بھی بھٹی سے گزر کر کھٹول خود کو بے گناہ ثابت کرسکے گا۔

اسے عارضی طور پر جو حمایت مل گئی تھی' وہ بظاہر حوصلہ شکن

تھی مگر مجھے ان حالات میں امید کا ایک بہت زیادہ روشن مینار نظر آیا تھا جو مجھے سب کچھ کر گزرنے پر اکسا رہا تھا۔

ہوم سیکریٹری کی طلب کی ہوئی آف دی ریکارڈ میٹنگ میں شریک ہونے والے بیشتر صوبائی اہل کار اس کے ماتحت یا خوشامدی تھے لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ایک اعلیٰ افسر نے ایجنڈے میں میرے نام کی موجودگی پر جس طرح کھل کر اعتراض کیا تھا' اس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ چند مفاد پرستوں کے سوا بہت سی محبِ وطن قوتیں میری حامی تھیں۔

آئی بی جیسے کلیدی ادارے کا میرے بارے میں باخبر ہونا ہی میرے لیے اعزاز کا باعث تھا جبکہ وہ میری مدد پر بھی آمادہ نظر آئے تھے۔

مسئلہ یہ تھا کہ ہم سب کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے' کھٹول زخمی ہونے کے باوجود اسلام آباد میں جوڑ توڑ اور سازشیں کرنے میں مصروف تھا' اول خان کی ایس ٹی ایف کے آدمی اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اور اس وقت تک انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

دوسری طرف سندھ کے ہوم سیکریٹری کے پیغام نے یہ واضح کردیا تھا کہ اس صوبے کی انتظامیہ کھٹول کی ہر غیر قانونی سرگرمی سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کردی گئی تھی۔ کراچی میں اس کے سر پر منڈلانے والے خطرے کے سیاہ بادل سفارشوں کی تیز آندھی میں تحلیل ہو چکے تھے۔ آئی جی اس کی خواب گاہ کی سیل کھلوا کر فائل بند کرنے کا وعدہ کرچکا تھا اور شاید اس وقت تک اس وعدے پر عمل در آمد بھی کیا جاچکا ہوگا۔

اپنے اہداف حاصل کرلینے کے بعد کھٹول کراچی آجاتا تو ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر مقامی انتظامیہ سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ایس ٹی ایف کے پنڈی یونٹ والے کھٹول کی اصلیت سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھے۔ وہ صرف اول خان کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے۔ انہیں پوری طرح متحرک کرنے کے لیے اول خان کی وہاں موجودگی ضروری نظر آرہی تھی۔ دوسری صورت میں کھیل بگڑ سکتا تھا۔

"میں اس وقت کراچی نہیں چھوڑ سکتا" میری تجویز پر اول خان نے بے بسی سے کہا "میرے یہاں سے جانے کا مطلب لیا جائے گا کہ میں نے ہوم سیکریٹری کی نیم سرکاری خواہشات کو بے اثر بنانے کے لیے پنڈی جاکر کھٹول پر ہاتھ ڈالا ہے۔ انتظامی تصادم سے مکمل گریز ہماری فورس کے منشور میں شامل ہے۔ چاہو تو تم اسلام آباد جاکر کمان سنبھال سکتے ہو۔"

"وہاں والوں کے لیے میں اجنبی ہوں۔ میں کیا کرسکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہ بھولو کہ کرنل جمال دستی کے نام سے آج سے تم فورس میں شامل ہو چکے ہو۔ ایس ٹی ایف والے اپنے ان ہی ساتھیوں کو جانتے ہیں' جن سے ان کا رابطہ رہتا ہے ورنہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ تمہاری نئی شناخت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنے پورے اختیار کے ساتھ تمہیں شناخت نامہ جاری کرایا ہے۔"

"پھر میرے لیے پہلی پرواز سے اسلام آباد پہنچنے کا بندوبست کرو" میں نے اس کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا "اور مجھے بتاؤ کہ وہاں جاکر مجھے کس سے ملنا ہوگا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا" سلطان شاہ نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

اول خان نے انٹرکام پر اپنے کسی آدمی کو ہدایت کی کہ اسلام آباد کے لیے عام نشستوں کے ملنے میں کوئی دشواری ہو تو وہ سرکاری کوٹے سے فوراً دو نشستیں حاصل کرلے۔

اول خان مجھے اسلام آباد کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ اس نے ذاتی طور پر بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے ڈپٹی سے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اس روپ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے مجھے ایس ٹی ایف کی بہت سی اندرونی سرگرمیوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔ سلطان شاہ اس گفتگو کی نزاکت کو بھانپ کر خود بہ خود وہاں سے ٹل گیا تھا۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اول خان نے مجھے بند لفافے میں ایک رقعہ دیا جو مجھے اسلام آباد میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن کمانڈر کے حوالے کرنا تھا۔ اس دوران میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ چند گھنٹوں بعد روانہ ہونے والی پہلی پرواز میں وفاقی کوٹے سے دو نشستیں حاصل کرلی گئی تھیں۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ میں اول خان کے ساتھ اجلاس میں شرکت کے لیے جہانگیر کے گھر سے روانہ ہوا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر وہ خاصا بدحواس ہو سکتا تھا۔ میں نے فون پر ہی اسے اپنی غیر متوقع غیر حاضری کے بارے میں آگاہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میری کال جہانگیر نے ہی وصول کی اور آواز پہچان کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ کتنی دیر میں آرہے ہو؟"

"میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ اب شاید میں دو چار دن بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں میری طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز مزید رازدارانہ ہوگئی "کیا پھر ویرا کو بنکاک لے جارہے ہو؟" میرے تجسس میں پڑ کر وہ مردود عارضی طور پر اپنی پریشانی کو بھول بیٹھا تھا۔

"فکر مت کرو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "اس بار ویرا کو بنکاک لے جانا ہوا تو تمہیں بھی نسیم کے ساتھ وہاں لے جاؤں گا۔ خوب عیش کرتے رہنا۔"

"ارے باپ رے..... اس حرام زادی کا نام بھی مت لو۔ اسی نے تو مجھے مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب

اس کہانی کا انجام کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا.... تم بے فکر رہو۔ وہ پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"وہ جہنم میں بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہاری سلمٰی بی بی کے دماغ پر اب اسی کے بارے میں جاننے کا خبط سوار ہوچکا ہے۔"

"پھر پریشانی کیا ہے، جنوادو" میں نے اس کی بات کاٹ کے بے اعتنائی سے کہا۔

فون پر اس کی خفت زدہ ہنسی کی آواز ابھری "آج وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہے اور خود پیگ بنا کر دے رہی ہے۔"

"خوشی کی بات ہے۔ اپنی عورت ساقی گری کرنے لگے تو آدمی نسیم جیسے گند پر منہ مارنا چھوڑ دیتا ہے۔ تمہیں اس تبدیلی پر خوش ہونا چاہیے۔"

"تم ہر بات پر مذاق شروع کردیتے ہو" وہ شاید برا مان کر بولا۔ "وہ ایسی حرکتیں خلوص سے نہیں کرتی۔ ہر حرکت میں کوئی نہ کوئی منافقت پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"میرے پاس تمہارے ان ازلی جھگڑوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ مختصر الفاظ میں بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور اس وقت سلمٰی کہاں ہے؟"

"وہ سوڈے کی بوتلیں لینے کے لیے نیچے گئی ہوئی ہے۔ اس کا خوفناک منصوبہ مجھے مدہوش کرکے نسیم کا راز اگلوانے کا معلوم ہورہا ہے۔ کہیں میں بہک ہی جاؤں۔"

"پھر پینے سے گریز کرو" میں نے خشک لہجے میں کہا "بہتر ہوگا کہ بوتل ہی توڑ دو۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا "وہ بدزبان ضرور ہے لیکن بدصورت نہیں ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس جیسی دلکش بیوی پیگ بنا کردے تو کون کافرانکار کرسکتا ہے۔"

وہ واقعی اس کی مجبوری تھی۔ شراب سامنے آجانے کے بعد وہ اس سے گریز کرہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے بس لحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے کہا "تمہارے گھر میں املی یا کھٹائی ہے؟"

"یہ املی اور کھٹائی کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بک بک مت کرو اور شرافت سے میری بات کا جواب دو۔" میں نے غرا کے کہا۔

"میری مدہوشی کا توڑ کرنے کے لیے سلمٰی گھر میں ہر وقت ایسی کھٹی میٹھی چیزوں کا ذخیرہ رکھتی ہے" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اعتراف کیا۔

"دل کھول کر املی یا کھٹائی کھاؤ اور اس پر ایک گلاس یخ بستہ پانی پی ڈالو۔ اللہ نے چاہا تو تمہارا مسئلہ خیروخوبی سے حل ہوجائے گا۔"

"مذاق مت کرو۔ یہ تو تم نشہ اتارنے والی ترکیبیں بتارہے ہو" اس کی کھسیائی ہوئی آواز آئی۔

"ابے گھامڑ! نشہ ہو تو ان چیزوں سے اترتا ہے۔ تم نے ابھی ابتدا کی ہے۔ یہ ترکیب آزماڈالو۔ ذرا سی دیر میں تمہارا حلق بند ہوجائے گا۔ ریڈیو خراب ہوگا تو تم سلمٰی کی کوشش اور اپنی خواہش کے باوجود نسیم کے بارے میں کچھ نہیں بتاسکوگے۔"

وہ خوش ہوگیا "سالی اپنا سرپیٹ کررہ جائے گی۔ دیکھتا ہوں کہ اب وہ کتنی پلاتی ہے.... ویسے کم سے کم کتنی املی کافی رہے گی؟"

میں نے بھنا کر جو کچھ کہا وہ زیادہ شائستہ نہیں تھا، میں نے فون بند کردیا۔

اول خان قریب ہی بیٹھا میری گفتگو سن رہا تھا۔ فون بند ہونے پر وہ ہنستے ہوئے بولا "تم مشورے نہ دیتے رہو تو ان کی گاڑی زیادہ دن نہیں چل سکتی۔ انہیں ہر وقت تمہاری مصالحت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔"

"دونوں پکے فراڈ ہیں" میں نے جل کر کہا "ٹوٹ کر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں مگر انا کی خاطر کوئی بھی اپنی چاہت کا اعتراف نہیں کرتا، ہر وقت ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ آپس میں بھروسا نہ ہونے کے باوجود ان میں گاڑھی چھنتی ہے۔ میں ہاتھ آجاتا ہوں تو دونوں مل کر مجھے تختۂ مشق بنالیتے ہیں۔ جیسے میں ہی ان کا مورثِ اعلیٰ رہا ہوں۔"

"دونوں میاں بیوی دل وجان سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔" اول خان اس صورتِ حال سے بدستور محظوظ ہورہا تھا۔ میں اسے

کیا بتاتا کہ میں نے کیسی کیسی نفس کشی کے بعد اپنی عزت کو سلمیٰ کے بے رحم ہاتھوں سے بچایا ہوا تھا۔

اس کے بعد غزالہ کی باری تھی۔ حالات کی سنگینی نے ہمیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا مگر میرے بارے میں پوری طرح باخبر رہنا اس کا جائز حق تھا۔

اول خان کے گھر میں ویرا کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ کسی اور کو فون سننے کا موقع دیتی۔ "سنا ہے کہ تمہیں کوئی وزارت ملنے والی ہے اور اب تم جھنڈے والی گاڑی میں وندناتے پھرا کرو گے؟" میری آواز سن کر وہ فون پر چہکی۔

اس سے کوئی سوال کیے بغیر میں نے سمجھ لیا کہ کسی سرکاری اجلاس میں میری شرکت کی اطلاع اسے جہانگیر ہی سے ملی ہوگی اور اس نے اسی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ میں نے کسی سخت ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر نرمی سے کہا "جھنڈے لہرانے والے بعض لوگوں کو بعد میں ڈنڈوں کی تنصیب بھی سہنی پڑتی ہے۔ میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

میرے جواب نے اسے تعجب میں ڈال دیا "میں تو مذاق کر رہی تھی! کیا یہ واقعی سچ ہے؟"

"اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر وقت نیک بول بولا کرو' نہ جانے کب' کون سی بات قبول ہو جائے" میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے کے بجائے کہا "ذرا غزالہ سے بات کرادو۔"

"تمہیں کس عہدے کی پیش کش کی گئی ہے؟" وہ بدستور تحیرزدہ تھی۔

"غزالہ سے بات کرادو۔ میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کہ ایسی خبر تم سب سے پہلے اسی کو سناؤ گے' میں تمہاری کون لگتی ہوں" میرے جواب نے اسے آزردہ کر دیا اور فون کال فوراً ہی غزالہ کو منتقل ہو گئی۔

"یہ ویرا کیا کہہ..." غزالہ نے ریسیور سنبھالتے ہی موضوع کو جاری رکھنا چاہا مگر میں نے بہت خلوص سے اس کی بات منقطع کر دی۔

"ڈارلنگ! تم اس کی بے سروپا باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ آج ایک غیر سرکاری اجلاس میں ایک اہم سرکاری اہل کار نے ہم سب کو کھٹول سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے اور میں اسی سلسلے میں تھوڑی دیر بعد اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

"آپ نے امریکا سے آنے کے بعد ایک دن بھی میرے ساتھ بے فکری سے نہیں گزارا" اس نے شکوہ کیا "اب پھر یہ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ کیا آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت بے خوف اور حوصلہ مند عورت ہو مگر وہاں تمہارا کام نہیں ہے۔ خود کو بلاوجہ کسی خطرے میں ڈالنا دانش مندی کے خلاف ہے۔"

اس نے میرے ساتھ سفر کرنے پر اصرار نہیں کیا اور بولی "کب تک لوٹ آئیں گے؟"

"جلد از جلد.... شاید ایک دو روز میں" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں منتظر رہوں گی۔ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ کچھ امریکی سراغ رساں اپنے ساتھ لائے ہوئے تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ نادرہ کے فلیٹ میں گئے تھے' میں آپ کی سلامتی کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔ یہ محاذ آرائی روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "میرے خلاف ان کے پاس کوئی سراغ نہیں ہے۔ وہ کتوں کو کس بو پر لگائیں گے؟ میری تصویر سے وہ بے چارے اب تک محروم ہیں۔ بس ذرا ویرا کا دھیان رکھنا۔ مجھے گھیرنے کے لیے وہ اس کو اپنا ہدف بنا سکتے ہیں۔"

"کھوجی کتوں کے لیے انہیں دنیا بھر سے ویرا کے ذاتی استعمال کی بے شمار چیزیں مل سکتی ہیں" وہ میری طرف سے بے فکر ہو کر ویرا کے لیے تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ اس کی یہی معصومانہ سادگی مجھے اس کی ساری اداؤں سے زیادہ عزیز تھی۔

"تم میری توقع سے زیادہ سمجھ دار ہو۔ اسے بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنے دینا۔"

"وہ آپ سے بات بات پر الجھتی رہتی ہے مگر میری ہر بات بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ آپ بے فکر ہو کر اسلام آباد جائیں۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

میں نے فون بند کر کے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور نئی سگریٹ سلگالی۔

کالو مکرانی اور قاسم پولیس کی تحویل میں تھے۔ ان پر کلفٹن کی عمارت میں دہشت گردی کا الزام تھا جس کا وہ خود اعتراف کر چکے تھے۔ دہشت گردی میں چھ افراد کی موت کی وجہ سے ان کا جرم بہت سنگین ہو گیا تھا۔ نسیم پر جہانگیر کو بلیک میل کرنے کے بجائے کالو مکرانی اور قاسم کی دہشت گردی میں معاونت کرنے کا الزام تھا۔ ان لوگوں کے بیانات نے بالم اور جانی کو بے نقاب کر دیا تھا جو کھٹول کے ہرکارے تھے۔

کراچی میں اس حد تک سب کچھ بہتر تھا۔ بس کھٹول سے آگے گڑبڑ ہی گڑبڑ تھی۔

اول خان ہمارے منصوبے میں پوری طرح شامل تھا۔ مجھے کرنل جمال دستی اسی نے بنایا تھا مگر واضح ترین وجوہ کی بنا پر وہ سامنے نہیں آسکتا تھا۔ اس نے ہمیں ائرپورٹ پہنچانے کی ذمے داری بجلی شاہ کو سونپ دی تھی اور ہم تینوں وقت گزاری کے لیے چائے نوشی میں مصروف ہو گئے تھے۔

ایس ٹی ایف میں نچلی سطح پر پاکستان کے ہر خطے سے تعلق رکھنے والے لوگ کام کر رہے تھے اور پوری تن دہی سے ملک کے

دشمنوں کی سرکوبی کر رہے تھے لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے رنگارنگ اتحاد میں بھی ہر خطے کے لوگ شامل تھے۔

خود میرا خمیر داتا کی نگری سے اٹھا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اپنے باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں اور بھائیوں کے سلوک کی وجہ سے میرے اوپر اس شہر کی زمین تنگ ہونی شروع ہوئی اور پھر کس مپرسی کے عالم میں میری سگی ماں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو کراچی کی مہربان فضاؤں نے مجھے اپنی نرم و پُر عزم آغوش میں لے کر زندگی گزارنے کا نیا حوصلہ سکھایا اور میں کراچی کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ اول خان اور سلطان شاہ قدرے مختلف علاقوں کے پٹھان تھے۔ بچل شاہ اصل نسل سندھی تھا۔ جہانگیر کراچی کا پیدائشی تھا اور ویرا.... وہ تو نہ جانے کہاں کہاں کی باسی رہ چکی تھی۔

ہم سب کی زبانیں، ثقافتیں اور تہذیبیں خاصی مختلف تھیں لیکن سب کا مشن مشترک تھا۔ ہم مل جل کر ایک بڑے مقصد کے لیے کام کر رہے تھے جس کی ابتدا ملک میں ہیروئن کے انسداد سے ہوئی۔ اس مہلک اور گھناؤنے کاروبار کی جڑوں میں اترتے اترتے ہم عالمی سازشوں اور دہشت گردیوں کے ایک ایسے سمندر میں نکل گئے تھے جہاں بظاہر ہیروئن کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن اس سمندر کا مخرج و منبع وہی خطیر سرمایہ تھا جو کسی روک ٹوک کے بغیر ہیروئن کے دھندے سے کمایا جارہا تھا۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پیالی خالی کر کے مجھ سے پوچھا۔

"میں رابطوں کے موجودہ دقیانوسی نظام کے بارے میں فکرمند ہوں" میرے ذہن نے چونکتے ہی ایک قلابازی کھائی اور میں نے ایک اہم بات چھیڑ دی۔

"کس نظام کی بات کر رہے ہو؟" اول خان نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہم ابھی تک ٹرانسیٹرز وغیرہ کے جھمیلوں میں الجھے ہوئے ہیں اور ہمارے حریف شاید موبائل فون سے فیض حاصل کر رہے ہیں" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری شکایت مجھے یاد ہے۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ یہ سہولتیں یہاں نئی اور بہت مہنگی ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ اسلام آباد میں تمہیں موبائل فون مل جائے گا۔ چند ہفتوں تک کراچی میں بھی تم اپنے یا فورس کے وسائل سے یہ سہولت حاصل کر سکو گے۔"

باتوں میں وقت تیزی سے گزر گیا۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو اول خان نے ہمیں پوری گرم جوشی کے ساتھ بچل شاہ کے ساتھ رخصت کیا۔ ملیر چھاؤنی سے ائرپورٹ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ کشادہ سڑکوں پر چند منٹ کے سفر کے بعد ہم ائرپورٹ پہنچ گئے۔

ایس ٹی ایف ملک کی ایک ایسی نادیدہ اور منظم قوت تھی کہ ہر لمحے اپنے حریفوں کی نظروں سے روپوش رہنے کی کوششوں کے باوجود اہم مقامات اور مواقع پر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی تھی۔

بچل شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھ کر دور ہی سے بتا دیا کہ سرمئی کپڑوں والا ائرپورٹ سے پرواز کی روانگی تک ہماری دیکھ بھال کا ذمے دار تھا۔

ہمارے پاس بچل شاہ کے فراہم کیے ہوئے ایک بریف کیس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ ہمارے ٹکٹ بھی ہم تک نہیں پہنچے تھے۔ سرمئی کپڑوں والے نے گاڑی سے اترتے ہی ادب سے سلام کیا اور ٹکٹ کے بقیہ کوپن کے ساتھ دو بورڈنگ کارڈز میرے حوالے کر دیے۔

لاؤنج میں ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر براہِ راست بورڈنگ کارڈز حاصل کرنے کا وہ تجربہ خوشگوار تھا۔ سرمئی سوٹ والا بریف کیس اٹھائے ایسے طنطنے سے ہمارے آگے چل رہا تھا جیسے راہ میں حائل ہونے والوں کو ایک طرف دھکیل دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ سادہ پوش اور ہمارے لیے اجنبی ہونے کے باوجود عمارت میں موجود، مختلف ایجنسیوں کے اہل کاروں کا شناسا تھا۔ ہمیں کہیں رکنا پڑا، نہ کوئی تلاشی ہوئی۔ ہم براہِ راست فرسٹ کلاس

لاؤنج میں پہنچ گئے۔ وہاں بھی وہ ہمارے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔
پرواز کی روانگی سے چند لمحوں قبل وہ طیارے میں بھی نظر آیا اور دور سے ہم دونوں پر ایک نگاہ ڈال کر واپس لوٹ گیا۔
کراچی سے اسلام آباد تک جانے والی پی آئی اے کی وہ پرواز بہت ہموار اور آرام دہ مگر روکھی پھیکی تھی۔ مسافروں کی دیکھ بھال پر مامور کیبن کریو کا ہر فرد تھکا تھکا اور بیزار نظر آرہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے عملے کی کمی کی وجہ سے انہیں زبردستی اضافی ڈیوٹی انجام دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔
اسلام آباد ائرپورٹ پر حالات بالکل مختلف تھے۔ وہاں لاؤنج میں ہماری پیشوائی کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔ ہماری آمد کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے شاید وہ احتیاط ضروری سمجھی گئی تھی۔ مجھے فکر صرف ایک ہی تھی کہ کہیں ایس ٹی ایف والا ہمیں پہچاننے میں ناکام نہ ہوگیا ہو۔
ہم سامان کی فکر سے آزاد مسافروں کی ابتدائی بھیڑ میں شامل ہوکر لاؤنج سے باہر نکلے تو آہنی ریلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک اجنبی شخص نے شناسائی کے انداز میں ہماری طرف ہاتھ لہرایا پھر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر غائب ہوگیا۔
ہم گھوم کر برآمدے کے غیر ممنوعہ حصے میں پہنچے تو وہ ہمارے ساتھ آملا اور ہمیں تیزی کے ساتھ ایک دور افتادہ گوشے کی طرف لیتا چلا گیا۔
اس نے ہمارا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی' نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا' چھوٹتے ہی بولا "سر! ایف سیون میں اس کی موجودگی کا شبہ ہے لیکن ابھی تک اسے کہیں نہیں دیکھا گیا۔ دو گھنٹے بعد یہ پرواز کراچی واپس جائے گی۔ ہوسکتا ہے وہ اس کے ذریعے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔ ہمارے دو آدمی یہاں نگرانی کررہے ہیں۔"
بات کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں سے ابتدائی وضع کا ایک موبائل فون نکال کر میرے حوالے کردیا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "پیچھے اسٹکر پر اہم نمبروں کے ساتھ اس سیٹ کا نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔ چارجر ریسٹ ہاؤس میں موجود ہے۔"
"ریسٹ ہاؤس یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے موبائل فون کا جائزہ لے کر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
"سر! بس بیس منٹ کی ڈرائیو ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا۔
"ذرا معلوم کرو کہ کراچی کے لیے پرواز کی روانگی کا صحیح وقت کیا ہے۔ ہم کونے پر کافی ہاؤس میں تمہاری واپسی کا انتظار کررہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں عمارت کے بیرونی بازو پر واقع کافی شاپ کی طرف بڑھ گیا۔
"تم نے تو یہاں اترتے ہی چکر چلانا شروع کردیا۔" سلطان شاہ نے دھیرے سے کہا "تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کیا کراچی واپسی کے لیے پر تول رہے ہو؟"
"اگر اگلی پرواز دو گھنٹے بعد روانہ ہونے والی ہے تو ذرا سی دیر میں اس کے مسافروں کی آمد شروع ہوجائے گی۔ ریسٹ ہاؤس تک ہماری آمدورفت کے چالیس منٹ میں ذرا سا آرام کا نصف گھنٹا جمع کرلو تو یہ سوا گھنٹے سے زیادہ وقت بن جاتا ہے۔ اگر وہ وی آئی پی بن کر عین وقت پر بھی آیا تو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ ہم پرواز چیک کرکے ہی شہر کی طرف جائیں۔"
ایس ٹی ایف کا آدمی کافی شاپ میں خبر لایا کہ پرواز کی روانگی میں فنی دیکھ بھال کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر متوقع تھی۔ ہم نے جلدی جلدی پیالیاں خالی کیں اور باہر آگئے۔
ائرپورٹ کے احاطے میں اس کی آرام دہ گاڑی موجود تھی۔ ہم فوراً اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ گاڑی چلنے پر اس نے بتایا کہ اس کا نام اکبر تھا۔
ائرپورٹ سے شاہراہِ اسلام آباد تک کا راستہ ڈرائیونگ کے اعتبار سے پُر پیچ اور قدرے بے آرام ہے جو پاکستان کے دارالحکومت میں آنے والوں پر کچھ اچھا تاثر نہیں چھوڑتا۔ بڑی سڑک پر آنے کے بعد اکبر نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔
شاہراہِ کشمیر کے چوراہے پر زیرو پوائنٹ کے سگنل کو عبور کرکے بھی اکبر سیدھا چلتا رہا۔ خیابانِ قائداعظم کے چوراہے پر داہنی طرف مڑنے کے بعد اس نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "یہ اسلام آباد کا سیکٹر ایف سیون ہے۔ چوہدری سلام اسی سیکٹر میں رہتا ہے۔"
"چوہدری سلام!" سلطان شاہ چونک پڑا "تمہیں اس کا نام کیوں یاد آگیا۔ اسلام آباد میں تو اس سے بھی بڑے بڑے بہت سے سیاست داں رہتے ہیں۔"
"اس کے گھر کی خفیہ نگرانی ہورہی ہے' سر!" اکبر نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "شبہ ہے کہ کھٹول اسی کے گھر میں ٹھہرا ہوا ہے۔"
"اس شبے کی کچھ نہ کچھ وجوہ ضرور ہوں گی؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"سر! کڑیاں ذرا مشکل سے ملی ہیں پھر بھی مل ہی گئی ہیں۔ ہم لوگ سیاست اور سیاسی لیڈروں سے دور رہتے ہیں۔ اب پتا چلا ہے کہ ان دونوں کی کسی کاروباری پارٹنر شپ کی خبریں اسلام آباد میں عام ہیں۔ ہم اندر کی خبریں معلوم کرنے کے لیے کسی ملازم پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں۔" اکبر نے ہلکے سے مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا۔
"لیکن یہ خبر کراچی ابھی تک نہیں پہنچی۔" میں اپنے لہجے کی بے اختیار خفگی پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے اسلام آباد یونٹ والے اس وقت تک کھٹول کے معاملے کی سنگینی کا ادراک نہیں کرسکے تھے۔
"سر! ہمیں خود یہ خبر ایک گھنٹے پہلے ملی ہے۔" اس نے برا مانے بغیر وضاحت کی "اسٹیشن فور والوں کو فوراً خبر دی گئی تھی۔ آپ دونوں وہاں سے نکل چکے تھے۔"
چوہدری سلام کی رہائش ایف سیون میں تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے گھر پر

ایک نگاہ ڈال لوں مگر ایسی کسی قبل از وقت کوشش سے ان لوگوں کا بنایا ہوا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

اسلام آباد کے بلاک ایف کے سیکٹر نمبر چھ یا عرفِ عام میں ایف سکس میں ہمارا ریسٹ ہاؤس تھا.... وہاں کے عام رواج کے مطابق وہ ایک بڑا رہائشی مکان ہی تھا جس کے اگلے حصے کو دفتر اور عقبی کمروں کو ریسٹ ہاؤس کی رسمی شکل دے دی گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ سے ملاقات کے لیے پچھلی بار میں اس عمارت میں نہیں آیا تھا۔

اکبر نے ہمیں کمروں تک پہنچایا تو میں اس سے اس بارے میں اپنا سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "کیا پہلے تمہارا یہ دفتر کسی اور عمارت میں تھا؟"

"نہیں سر! یہ شروع سے یہیں ہے۔" اس نے اختصار سے جواب دیا۔

"مگر میں کہیں اور آیا تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔"

"سر! آپ ہیڈ آفس آئے ہوں گے۔ یہ اسٹیشن نائن کہلاتا ہے۔ ہم لوگ صرف پنڈی، اسلام آباد اور اس کے مضافات میں آپریٹ کرتے ہیں۔ ہیڈ آفس سارے اسٹیشنوں کا نگراں ہے۔"

"اوہ!" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلایا "اسٹیشن نائن کا کمانڈر کون ہے؟"

"وہ میرے ہم نام ہیں، سر!" وہ سر کہے بغیر کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا "ان کا پورا نام اکبر رانا ہے۔ فرق کے لیے انہیں کمانڈر رانا کہا جاتا ہے.... اس وقت وہ بھی کھٹول کے پیچھے ہیں. پہلی فرصت میں آپ سے ملنے آئیں گے۔"

ریسٹ ہاؤس میں ایک کل وقتی خدمت گار موجود تھا۔ اسے ہم دونوں کے بارے میں ہدایات دے کر اکبر واپس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے موبائل فون پر کوڈ ورڈز میں کسی سے چند ثانیوں کے لیے مختصری بات کی تھی۔

"چوہدری سلام کے نام پر تم کیوں چونکے تھے؟" اکبر کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے ذہن میں کسی بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال سلطان شاہ سے کر ہی ڈالا۔

"وہ ایک رسوائے زمانہ بدمعاش ہے۔" سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "سیاسی لیڈروں نے اپنے جلسوں میں آدمی جمع کرنے کے لیے اسے شہ دینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ ممو مستری سے چوہدری سلام بنتا چلا گیا اور آج خود بھی ایک بڑا لیڈر ربنا بیٹھا ہے۔"

"تم اتنے عمر رسیدہ تو نہیں ہو کہ یہ تبدیلیاں تم نے اپنے سامنے آتی دیکھی ہوں۔"

"ماضی کی کہانیاں ہیں۔ اپنے بڑوں سے سنتا رہا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے خود اس کے لیے نعرے لگائے تھے۔ برسوں سے وہ خود اور اس کا ایک آدھ بیٹا اسمبلیوں کا ممبر چلا آرہا ہے۔" سلطان شاہ کی معلومات واقعی خاصی اہم تھیں۔

"سرحد میں تو چوہدری نہیں ہوتے پھر تم نے اس کے لیے نعرے کیوں لگائے تھے؟"

"اب شرمندہ نہ کرو۔" وہ خفت سے بولا "نعرے بہتیروں کے لیے لگانے پڑتے ہیں جس سے پیسے ملتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے الیکشن میں سارے لیڈر ایک دوسرے کے جلسوں میں جاتے ہیں۔ پنجاب کے جلسے میں سرحد یا بلوچستان کے کسی لیڈر کے حق میں نعرے لگیں تو اس کی مقبولیت سے سب ہی مرعوب ہونے لگتے ہیں۔"

"ایک معمولی مستری کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آگیا؟" میرے ذہن میں سوال ابھرتے چلے آرہے تھے۔

"پہلے سیاسی رشوت میں بھنگ' چرس اور دیسی شراب کے ٹھیکے چلانے شروع کیے۔ بعد میں پاؤڈر چلا تو اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہوتی چلی گئی۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ کھٹول کی چوہدری سلام سے دوستی ہے تو میں تمہیں اسی کے گھر جانے کا مشورہ دیتا۔"

"تو کیا وہ شروع سے اسلام آباد میں ہی رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے لاہور میں کسی فٹ پاتھ پر مستری کا کام کرتا تھا۔ وہاں سے آٹو پارٹس کے دکان داروں کی بڑی رقم کھا کر ہری پور میں آگیا تھا۔ وہاں اس کا مستری خانہ تو کیا چلتا' لیڈروں کے جلسوں کے لیے آدمی جمع کرنے کا دھندا چل پڑا۔ اب تو پتا نہیں کہاں کہاں اس کی حویلیاں ہوں گی۔"

یہ ہمیشہ سے ایک حیران کن بلکہ روح فرسا حقیقت رہی ہے کہ حلال کی روزی کمانے اور اس پر تمام سرکاری محصول ادا کر کے سفید پوشی قائم رکھنے والوں کی آمدنی یا تنخواہوں میں چند ہزار سالانہ کا بھی اضافہ ہو تو محصول اور محاسبے کے سارے مروج قوانین حرکت میں آجاتے ہیں لیکن تحت الثریٰ سے اپنے سفر کا آغاز کر کے پچیس تیس برسوں میں ارب پتی بن جانے اور ٹیکس میں دھیلا بھی نہ دینے والوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کے ابتدائی وسائل کیا تھے اور انہوں نے اتنی دولت کیسے جمع کی۔

اس دلدل میں پیر رکھنے کے بعد وہ رموز دھیرے دھیرے میری سمجھ میں آنے لگے تھے۔ جس طرح چوہدری سلام عرف مومستری نے ہوم سیکریٹری کے ذریعے کراچی میں کھٹول کو تحفظ فراہم کیا تھا اور ہر ادارے کو اس کے جرائم سے چشم پوشی اختیار کرنے کا حاکمانہ مشورہ دیا تھا اسی طرح اوپر کے کچھ لوگ چوہدری سلام کو اپنے مفادات کے لیے تحفظ فراہم کر رہے تھے۔

وہ ان ہی بڑی مچھلیوں کا کھیل تھا جن کی کہانیاں آئے دن اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ غاصب' خائن' بدنیت' چور اور لٹیرے ہیں لیکن قانون از خود ان کے خلاف حرکت میں آنے کی قوت نہیں رکھتا۔ قانون کے بے رحم محافظوں کو بھی ان مگرمچھوں کے خلاف کسی نہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی اجازت آج تک نہیں دی گئی۔

اگر کھٹول ہیروئن کے گھناؤنے کاروبار کے ذریعے اپنے اور مومستری کے لیے بے اندازہ دولت کما رہا تھا تو ان دونوں کی مفاہمت بہت زیادہ قابلِ فہم تھی۔

ایس ٹی ایف والے مومستری کے مکان سے باہر رہ کر چوری چھپے اندر کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے' میں نے براہِ راست ایک وار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پاکستان میں ٹیلی فون ڈائرکٹریوں کا نظام اس قدر فرسودہ اور راز کا ررفتہ ہے کہ برسہا برس سے کبھی بھی تازہ ترین ڈائرکٹری دستیاب نہیں ہو سکی۔ ہر زیرِ اشاعت ڈائرکٹری مقررہ مدت سے ڈیڑھ دو سال بعد آتی ہے اور اس وقت تک بیشتر نہیں تو بے شمار فون نمبر فنی وجوہ کی بنیاد پر بدلے جا چکے ہوتے ہیں۔

ڈائرکٹری میں بلاوجہ سر کھپانے کے بجائے میں نے انکوائری سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی مجھے حکومتِ پاکستان کی اس محکمہ جاتی ڈائرکٹری کا خیال آیا جس میں ساری وزارتوں اور ان کے متعلقہ دفاتر اور افسروں کے فون نمبر ہر بڑی تبدیلی کے بعد نہایت باقاعدگی سے اور بروقت شائع کیے جاتے ہیں۔

ایس ٹی ایف جیسے حساس ادارے کے ریسٹ ہاؤس میں اس ڈائرکٹری کی موجودگی ناگزیر تھی۔ میں نے جوں ہی رائٹنگ ٹیبل کی پہلی دراز کھولی' میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔

قومی اسمبلی کے اراکین کی فہرست میں چوہدری سلام کے نام کے سامنے کئی اقامتی اور دفتری فون نمبر موجود تھے۔ میں نے وہ صفحہ موڑ لیا۔

ایف سیون کے پتے والا پہلا نمبر ملانے کے چند ثانیوں بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔ ادھر سے بات کرنے والی کوئی مہذب خاتون تھی۔

"کیا یہ چوہدری سلام صاحب کا گھر ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ تصدیق چاہی۔

"یقیناً۔ گھر ان ہی کا ہے مگر وہ اس وقت موجود نہیں ہیں...."

اس سے پہلے کہ وہ خاتون ٹکا سا جواب مکمل کر کے فون بند کرتی' میں خوشامدانہ لہجے میں بول پڑا "میرا چوہدری صاحب سے تعارف نہیں ہے۔ مجھے ان کے مہمان سے ذرا سی بات کرنی ہے۔ میرا یہ مسئلہ بہت اہم اور ضروری ہے۔"

خوشامد ہر عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے' وہ فوراً نرم پڑ گئی "ان کے پاس تو کئی مہمان ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنی چاہتے ہیں؟"

میں نے اس کے پہلے سوال کا جواب گول کر کے دوسرے سوال کا جواب دے ڈالا "کراچی سے کھٹول راجوانی آئے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کرا دیں۔"

"یہ مشکل ہے۔" اس کی متذبذب آواز ابھری "وہ ذرا علیل ہیں۔ آپ اپنا نام اور فون نمبر لکھوا دیں۔ انہوں نے ضروری سمجھا تو وہ خود آپ سے رابطہ کرلیں گے۔"

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جس سراغ کے لیے اسٹیشن ٹائن والے پچھلے روز سے ہر طرف مارے مارے پھر رہے تھے، وہ میں نے اسلام آباد پہنچنے کے پہلے گھنٹے میں ہی حاصل کرلیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ سب سے اہم تھی کہ میری اس کوشش کے لیے بنیادی اطلاع اکبر نے ہی فراہم کی تھی۔

اکبر نے چوہدری سلام اور کھٹومل کے گٹھ جوڑ پر شبے کا اظہار کیا، سلطان شاہ نے ممو مستری کا کچا چٹھا کھولا اور میرے ذہن کو ایک نئی راہ ملتی چلی گئی۔

میں نے فون پر کسی وقفے کے بغیر اس خاتون کو جواب دیا "میں ابھی ابھی پشاور سے پنڈی پہنچا ہوں۔ ایک پی سی او سے فون کر رہا ہوں۔ آپ کھٹومل کو صرف یہ بتا دیں کہ پشاور سے شش.... شہزاد آفریدی یہاں آگیا ہے۔ میں کسی ہوٹل میں کمرا لے کر دوبارہ فون کروں گا یا پھر آپ کے گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

میری زبان سے بے اختیار شنکر آفریدی نکلتے نکلتے رہ گیا۔ کھٹومل کو میں شنکر کے نام سے ہی ڈراتا رہا تھا لیکن وہ موقع ایسی شہ زوری دکھانے کا نہیں تھا۔ اسے ذرا بھی شبہ ہوجاتا کہ اس کے خون کے پیاسے اس کے پیچھے اسلام آباد تک پہنچ گئے ہیں تو وہاں ہلچل مچ جاتی۔ شاید چوہدری ممو اپنے اثر و رسوخ کے سہارے پورے اسلام آباد کی پولیس فورس اپنے گھر پر جمع کرکے ایسا ہنگامہ کھڑا کردیتا کہ ہم اپنا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

اس خاتون کو شہزاد آفریدی کی ادائیگی میں میری خفیف سی ہکلاہٹ پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اسلام آباد میں شیر اپنے کچھار میں محفوظ تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چوہدری سلام عرف ممو مستری کی پناہ میں آئے ہوئے مہمان کو کوئی للکار سکے گا۔

خاتون نے میرا پیغام سننے کے بعد او کے کہہ کر فون بند کردیا۔

میرے ریسیور رکھتے ہی سلطان شاہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا "خدا کی قسم! تم نے انتہائی شیطانی کھوپڑی پائی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ مشکل مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہوجائے گا۔ تم نے واقعی کھیل میں جان ڈال دی ہے۔"

وہ میرے سینے سے الگ ہوا تو مسرت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"مجھ پر الزام تراشیاں مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے احتجاج کیا "مجھے یہ سیدھی سی راہ تم نے اکبر خان کی دی ہوئی اطلاع کی وضاحتوں کے ذریعے سجھائی تھی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" وہ فرطِ جوش میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا "تمہیں راہ میں نے سجھائی مگر یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی۔ تمہارے ریڈار نے ہلکا سا اشارہ ملتے ہی اپنا کام شروع کر ڈالا اور تم نے نتیجہ حاصل کرلیا۔"

"ابھی زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔ شکار کو اس کے کچھار سے نکالنے میں دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "سب سے پہلے ہمیں اکبر رانا کو دیکھنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ اور اس کے آدمی شہر بھر میں کیا پاپڑ بیلتے پھر رہے ہیں۔"

"ضرور دیکھو۔" سلطان شاہ مسہری پر بیٹھ گیا "کبھی کبھی تو ایسی فضا بن جاتی ہے کہ تمہاری کسی بھی بات سے اختلاف کرتے ہوئے خوف آنے لگتا ہے۔"

اکبر کے دیے ہوئے موبائل فون کی پشت پر چسپاں اسٹکر پر کمانڈر رانا کا موبائل نمبر بھی درج تھا۔ میں نے فوراً ہی وہ نمبر ملا لیا۔

"میں جمال دستی بول رہا ہوں...." میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا اور اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔

"میں اسی چکر میں الجھا ہوا ہوں اور آپ کی طرف آرہا ہوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں آپ کو لینے کے لیے خود ائرپورٹ پر نہ آسکا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "آپ جناب کا چکر چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اس وقت کی صورتِ احوال کیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل اور اس گھر میں محصور ہیں۔ وہاں سے صرف دو گاڑیاں برآمد ہوئی ہیں۔ ایک میں تین افراد تھے۔ ان کا اس توقع پر پیچھا کیا گیا کہ ان میں سے کوئی کہیں اترے گا تو اسے گھیر لیا جائے گا۔ وہ گاڑی اپنے مسافروں سمیت مری روڈ کی ایک کوٹھی میں گھس گئی۔ دوسری گاڑی کا میں نے خود پیچھا کیا۔ اس میں پورے پانچ افراد تھے۔ میں سوہاوہ سے واپس لوٹ آیا۔ ان کے تیوروں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ہائی وے پر کسی لمبے سفر کی نیت سے نکلے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہم سے بہت دور ہو۔" میں نے رسٹ واچ دیکھ کر کہا۔

"نہیں، نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "ہم فیض آباد چوک سے آگے نکل چکے ہیں۔ بس ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"شہر سے اپنے سارے آدمی سمیٹ کر چوہدری سلام کے مکان کے گرد جمع کردو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی وہیں موجود ہے اور ہمیں اس بارے میں آج ہی کچھ کرنا ہے۔"

"وہ.... وہاں ہے.... تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" اس کی آواز سے اضطرار، حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات عیاں تھیں "تم نے تو ابھی یہاں قدم ہی رکھا ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو ہدف پر مرکوز ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے چلے آؤ۔ باقی باتیں یہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر میں نے کال ختم

کردی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" سلطان شاہ بولا "مومستری کا مکان کسی قلعے یا حویلی سے کم نہیں ہوگا۔ ہم کھٹول کو آسانی سے وہاں سے نہیں لاسکیں گے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ اس بارے میں اسٹیشن ٹائن والے کیا کچھ کرسکتے ہیں۔"

"ان کی کارکردگی تمہارے سامنے آہی گئی ہے۔ وہ ابھی تک کھٹول کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"زیادہ بڑھ چڑھ کر نہ بولا کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم بار بار یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے بارے میں پہلا سراغ اکبر نے ہی دیا تھا۔"

"مم..... میرا مطلب تھا کہ وہ کام کرنے والے لوگ ہیں۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت کی "اول خان خود بھی اپنی اس خامی کو تسلیم کرتا ہے۔ زیادہ باریک قسم کی منصوبہ بندیاں شاید ان کے فرائض میں سرے سے شامل نہیں ہیں۔ اوپر سے طے شدہ ہدف دیا جاتا ہے اور یہ اسے حاصل کرلیتے ہیں۔"

"پھر خاموش رہو اور خود بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرو۔ میں بھی امکانات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

کمانڈر رانا جلد ہی لوٹ آیا۔ وہ ایک دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں سے اس کی دلیری اور فراخ دلی کا اظہار ہورہا تھا۔

وہ آیا اور اس نے آتے ہی میرے ہاتھ فرطِ عقیدت سے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالیے "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ سے مل رہا ہوں۔ میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گا۔ آپ کے قدموں کی خاک بھی میرے لیے ایک بڑا انعام ہوگی۔"

"میں نے کہا تھا کہ تکلفات کو بالائے طاق رکھ دو۔" اس کی وارفتگی دیکھ کر میں مزید بے تکلف ہوگیا "فون پر تم سدھر گئے تھے۔ سامنا ہوتے ہی پھر آپ جناب شروع کردی۔"

"ہمت ہی نہیں ہوتی کہ آپ کے روبرو ایسی گستاخی کروں۔ فون پر بہک گیا تھا' اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔" اس نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"اب تم کھٹول جیسی حرکتیں کررہے ہو۔" میں نے دوستانہ نرمی سے اس کے ہاتھ گرادیے "تکلف کی فضا میں ساتھ رہ کر کام کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"آپ یہ بات میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں بے تکلف ہونے کی کوشش کروں گا اور جب اپنے حجاب پر غالب آجاؤں گا تو خود بخود اندازِ تخاطب بدل لوں گا۔ یہ بتائیں کہ یہاں پہنچنے کے بعد کھانے پینے کے لیے کیا پسند کریں گے۔"

"فی الحال کچھ نہیں۔ تمہارا آدمی بتاچکا ہے کہ کچن میں سب کچھ تیار ہے۔"

وہ میری ذات اور شہرت سے اس قدر مرعوب تھا کہ دیر تک نیازمندی کے ان ہی مظاہروں میں جتا رہا۔ جب اس کی ذرا تسکین ہوئی تو اسے کھٹول کا خیال آیا۔

تصدیق کے لیے اختیار کیے جانے والے سہل ترین طریقے کے بارے میں سن کر وہ حیران رہ گیا "مجھے خیال آبھی جاتا تو میں اس خوف سے یہ طریقہ استعمال نہ کرتا کہ کھٹول فون پر آہی گیا تو میں اس سے کیا کہوں گا۔"

"وہ فون پر آجاتا تو شاید میں اس کی آواز سن کر فون بند کردیتا۔"

"اسے شبہ ہوجاتا کہ کسی نے اس کا سراغ لگالیا ہے۔" اکبر رانا نے کہا۔

"ناممکن۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "پتا نہیں چوہدری سلام نے کہاں کہاں کی ڈوریاں ہلائی ہوں گی۔ کراچی میں ان کوششوں کا نتیجہ حیران کن تھا۔ ایسے آدمی کی چاردیواری میں رہ کر کھٹول کوئی صحیح اندازہ لگاہی نہیں سکتا تھا۔"

"مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ سندھ میں اب کھٹول پر فوراً ہاتھ نہیں ڈالا جاسکے گا۔"

"عملی طور پر اسلام آباد میں بھی یہی صورت ہے۔ جس نے ایسی جسارت کی' وہ مارا جائے گا۔"

"اسلام آباد کی فیڈرل پولیس بہت بااختیار ہے۔ یہاں حوصلہ مند افسروں کی کمی نہیں ہے۔"

"اور کھٹول جیسا خطرناک مجرم یہیں چھپا بیٹھا ہے..... چوہدری سلام اس کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ سے پنجہ آزمائی کرے گا۔ انگلیاں کس کی ٹوٹتی ہیں' یہ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"اس کے ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے لیکن سامنے آئے بغیر اسے وہاں سے نکالنا محال نظر آرہا ہے۔" ابتدائی مسرت کے بعد اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"کھٹول کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بیمار ہے لیکن اول خان جانتا ہے کہ وہ زخمی ہے۔ اس وقت چوہدری سلام گھر پر نہیں ہے....."

اکبر رانا نے میری بات درمیان سے اچک لی "میرا خیال ہے کہ میں نے جی ٹی روڈ پر سوہاوہ تک جس کار کا پیچھا کیا ہے' اس میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر وہ خود موجود تھا۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور چند ثانیوں تک دیکھتا ہی رہا۔

میری نظروں کی تاب نہ لاکر اس نے آہستگی سے اپنی نگاہیں جھکالیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات آرہی

ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

میں نے سلطان شاہ کی آواز سنی مگر میں بالکل خالی الذہن تھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا جس کا خاکہ واضح نہیں تھا۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ نیویارک میں ڈیوڈ اسٹار بنجمن فورٹ کا فورٹ ہاؤس بھی کسی قلعے سے کم نہیں تھا۔ کسی مسلح اجنبی کا وہاں گھسنا ناممکنات میں سے تھا لیکن ہم بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کے پورے مسلح لشکر کے ساتھ اندر گھس کر اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہاں سے ہمیں کسی قیدی کو لانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ہم نے اپنے ساتھ لائی ہوئی جارج شلز کی لاش بھی وہیں کہیں پھینک دی تھی۔

"کیا تم کسی طرح یہ تصدیق کر سکتے ہو کہ چوہدری سلام ... تمہارے اندازے کے مطابق اس وقت کسی لمبے سفر پر نکلا ہوا ہے؟" میں نے اکبر رانا سے پوچھا۔

"شاید یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہوگا۔" اس نے نیم دلی سے جواب دیا۔

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے اسے اکسایا اور اس نے کرسی چھوڑ دی۔

چوہدری سلام عرف ممو مستری کے پُرشکوہ گھر کا نمبر حاصل کرنے کے لیے اکبر رانا نے بھی اسی فیڈرل فون ڈائرکٹری کا سہارا لیا جو میں نے استعمال کی تھی۔

اکبر رانا کو یہ معلوم تھا کہ چوہدری سلام اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اسے صرف یہ جاننا تھا کہ وہ کب تک گھر سے باہر رہے گا۔

فون پر رابطہ ہوتے ہی اس نے پورے اعتماد سے بے دھڑک کہہ دیا "ریلوے کے ڈی ای صاحب چوہدری صاحب سے بات کرنی چاہتے ہیں...."

اکبر رانا نے چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے کسی مخصوص عہدے یا عہدے دار کا نام لیے بغیر صرف ریلوے کے ڈویژنل انجنیئر کا ذکر کیا تھا جب کہ ریلوے کے محکمے میں ہر ڈویژن کے مختلف شعبوں کے لیے متعدد ڈی ای پائے جاتے ہیں۔ چوہدری سلام واپس آ کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے کس مخصوص افسر نے فون کیا ہوگا۔

دوسری طرف سے مکالموں کے مختصر سے تبادلے کے بعد اکبر رانا نے بتایا کہ چوہدری سلام کسی اہم کام سے تھوڑی دیر پہلے گجرات کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اگلے روز سے پہلے اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

"پھر تم جلد از جلد کسی معتبر ادارے کی ایک ایمبولینس کا بندوبست کرو۔" میں نے کہا۔

"ایک کیا، میں ابھی فون کر کے کئی ایمبولینسیں منگوائے لیتا ہوں۔" اکبر رانا نے کہا۔

"نہیں، ایمبولینس مسروقہ ہونی ضروری ہے۔ دوسری صورت میں سارا عتاب ایمبولینس بھیجنے والے ادارے کے سر آجائے گا۔ ہمیں یہ کام الگ تھلگ رہ کر کرنا ہے۔"

اکبر رانا کا چہرہ گمبھیر ہو گیا مگر ایس ٹی ایف والوں کی لغت میں انکار کا لفظ نہیں تھا۔ حکم کی تعمیل کرو خواہ اس کوشش میں تمہاری جان ہی چلی جائے۔

یہی وہ جذبہ تھا جو کھٹوئل اور چوہدری سلام جیسے لوگوں کی سازشوں کو کچلنے میں کام آ رہا تھا اور اس وقت اکبر رانا اسی عزم کی علامت کے طور پر اٹھ کر گیا تھا۔

"تم نے آتے ہی اسے امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

"وہ کیا، اس وقت ہم سب ہی ایک کڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے جا رہے ہو۔" سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"مسروقہ ایمبولینس میں ہم چار افراد چوہدری سلام کے گھر جائیں گے۔ تم اور اکبر رانا اسٹریچر اٹھانے یا مردے ڈھونے والوں کا روپ دھارو گے۔ میں ڈاکٹر کا بہروپ اختیار کروں گا۔ چوتھا آدمی اس ایمبولینس کا ڈرائیور ہوگا۔"

"اور وہاں جا کر ہم چوہدری سلام کے گھر والوں سے التجا کریں گے کہ وہ زخمی مجرم کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے پوری احتیاط سے اپنے ساتھ لے جا سکیں۔"

"بالکل!" میں نے اس کے طنز سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اور تمہارا خیال ہے کہ وہ ہماری اس فرمائش کو کسی چون و چرا کے بغیر پورا کر دیں گے؟"

"اگر ان میں شرافت کا ذرا بھی مادہ ہے تو انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔" میں نے اسے چڑانا شروع کر دیا۔

"فرض کرو کہ انہوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟" اس نے غصے کی رو میں پوچھا۔

"یہ فیصلہ وہیں اور اسی وقت کیا جائے گا۔ میں نے ڈاکٹر کا کردار اسی وجہ سے اپنے لیے مخصوص کیا ہے۔ تم انہیں سنبھال لو تو میں تمہارے حق میں مستعفی ہونے کو تیار رہوں۔"

"تمہیں شاید ابھی تک ان لوگوں کی بدمعاشی کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ انہیں ہم پر شبہ بھی ہو گیا تو وہاں ایک خون آشام فضا بن جائے گی۔"

"حالات بگڑنے سے پہلے ہی ہم خاموشی سے وہاں سے واپس لوٹ آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"اندر جانے کے بعد تم اپنی مرضی سے باہر نہیں آسکو گے۔ وہ

نہ صرف ہمیں چھلنی کردیں گے بلکہ اپنے گھر میں ڈاکا زنی وغیرہ کی کوشش کا الزام بھی رکھ دیں گے۔ چوری کی ایمبولینس کی وجہ سے ہر ایک یقین کرلے گا کہ چاروں مرنے والے ڈاکو ہی تھے۔ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اگر کھنول کو سزایاب کرنا ہے تو یہ خطرات ہر قیمت پر مول لینے پڑیں گے۔" میں نے جواب دیا "تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اکیلے وہاں نہیں جارہے' میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"ہمارے مقدر میں ایسی ہی گندی موت لکھ دی گئی ہے تو پھر یوں ہی سہی۔ تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ ہمارے تمام پس ماندگان غم سے اپنی چھاتیاں پیٹ پیٹ کر مرجائیں گے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ وہاں کھلا حملہ کردو۔ مارے گئے تو بعد میں کوئی ہمیں ڈاکو تو نہیں سمجھے گا۔"

"آدمی مرجاتا ہے تو اس کے لیے یہ دنیا کچھ نہیں رہتی۔ سارے رشتے اور جذبے منوں مٹی کے نیچے دب کر ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ نہ سوچو کہ تمہارے مرنے کے بعد لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ بس اپنے ضمیر کو صاف رکھو اور اس کی آواز پر چلتے رہو۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' ہونے دو۔"

"لوگ اپنی پہاڑ جیسی عمر محض ان کوششوں میں گزار دیتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اچھے نام سے یاد کیا جائے اور تم مجھے الٹی پٹی پڑھارہے ہو۔ پتا نہیں اس وقت تمہیں کیا ہوگیا ہے۔"

"کوشش ہماری بھی اچھے انجام اور نتیجے کے لیے ہے۔ اس کا کوئی برا نتیجہ نکل آئے تو ہم کیا کرسکتے ہیں؟ چوہدری سلام اور اس کے آدمی ہم پر لاکھ الزام تراشیاں کرتے رہیں' ان کے دل گواہی دیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ جو ہمیں جانتے ہیں' وہ ہمیں کبھی برا نہیں کہیں گے۔"

سلطان شاہ بھنّا کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

خاصی دیر بعد وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کے ساتھ اکبر رانا بھی چلا آرہا تھا۔

"مجھے ایمبولینس کے بندوبست کے لیے خاصا وقت دینا پڑا۔" اس نے آتے ہی معذرت کرتے ہوئے امید ظاہر کی "توقع ہے کہ کچھ دیر بعد پولی کلینک کی ایک ایمبولینس یہاں آجائے گی۔ اگر مزید تیاریوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتادیں۔"

اس کے آخری فقرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ سلطان شاہ نے میرے منصوبے کے خلاف اس کے کان بھرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اختصار سے جواب دیا "ایمبولینس کے عملے کے چار افراد کے لیے وردیوں وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ آپریشن تھیٹر میں استعمال ہونے والے چار عدد نقاب بھی بہت ضروری ہیں۔"

"اکبر سے بھی اس بارے میں بات کرلو!" آخر سلطان شاہ سے نہ رہا گیا تو وہ بول ہی پڑا۔

"دراصل سلطان شاہ کے ذہن میں پوری کارروائی کا کوئی واضح خاکہ نہیں ہے۔" اکبر نے وضاحت کرکے سلطان شاہ کی زہر افشانی کی پول کھول دی "یہ چاہ رہا ہے کہ جانے سے پہلے ہم آپس میں ایک بار کھل کر تبادلۂ خیال کرلیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"نہیں' اگر آپ کمان کررہے ہیں تو کسی تبادلۂ خیال کی ضرورت نہیں۔ ہمیں موقع پر ہی ہر ہدایت ملتی رہے گی۔" اکبر رانا نے گڑبڑا کے کہا۔

اس کی پسپائی نے میرے تیور نرم کردیے اور میں نے کہا۔ "درحقیقت میرے ذہن میں بھی سب کچھ واضح نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"وہ لوگ آسانی سے کھنول کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔" رانا بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ ہم وہاں کوئی مطالبہ کرنے نہیں جارہے۔ انہیں بتائیں گے کہ چوہدری سلام نے فون پر ہمیں اپنے گھر سے ایک زخمی مریض کو اسپتال لے جانے کی ہدایت کی ہے کیونکہ مریض کے زخموں میں زہر پھیل رہا ہے جو متعدی بھی ہوسکتا ہے...."

"میں سلطان شاہ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ کوئی کمزور منصوبہ نہیں بناسکتے۔" میری بات سن کر رانا اچھل پڑا "چوہدری سلام کی ہدایت کا حوالہ ہی کم نہیں ہوگا۔ زخموں میں دوسروں کو لگنے والا زہر پھیلنے کی اطلاع انہیں حواس باختہ کردے گی۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "ہم رات کے ایک ڈیڑھ بجے سے پہلے وہاں نہیں جاسکیں گے۔ کچی نیند سے بیداری کے دباؤ میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ میں باقی سامان کے لیے بھی کہے دیتا ہوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر کمرا چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگل کر تم نے کیا حاصل کیا؟" چند لمحوں بعد میں نے نرمی سے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم نے یہ باتیں پہلے ہی مجھے بتادی ہوتیں تو مجھے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے کچھ بتانے سے پہلے ہی تم نے اپنے مفروضے بیان کرنے شروع کردیے اور میں ان کی تائید کرتا چلا گیا۔ تم نے پروگرام کے بارے میں پوچھا ہی کب تھا؟"

"چلو' اس طرح تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ رانا تمہارا اندھا معتقد ہے۔ آخر تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" اس نے ڈھٹائی سے اپنی خامی میں بھی خوبی کا ایک پہلو نکال لیا۔

منصوبے کی صحیح جزئیات معلوم ہونے کے بعد سلطان شاہ بھی

زیادہ فعال ہوگیا۔ کچھ دیر بعد رانا اپنی گاڑی میں اس مہم کے لوازم لے کر آیا تو میں نے حلیوں میں تبدیلی کی ضرورت کا ذکر کیا۔ اس قسم کے شعبدے عمارت کے اگلے دفاتر میں موجود تھے۔

عینکوں اور گھنی مونچھوں کے استعمال نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے بھی اجنبی بنا کر رکھ دیا۔ رانا کے بالائی لبوں پر مونچھیں پہلے سے موجود تھیں۔ اپنے حلیے کی تبدیلی کے لیے وہ ان کی قربانی دینے پر بھی آمادہ تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ میرے مشورے پر اس نے تھوڑی سی محنت کے بعد اپنے چہرے پر خشخشی داڑھی لگالی اور خاصا معتبر نظر آنے لگا۔

ایک بجے سے چند منٹ پہلے مسروقہ ایمبولینس خاموشی کے ساتھ احاطے میں پہنچ گئی۔ ان دنوں اسلام آباد میں پولیس کا کنٹرول اتنا سخت اور مؤثر ہوا کرتا تھا کہ وہاں جرم کرکے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔ اس خوف یا امکان کی وجہ سے رانا نے ایسا اہتمام کیا تھا کہ کم از کم دو تین گھنٹوں تک اسپتال کی انتظامیہ کو ایمبولینس کی چوری کا علم نہ ہوسکے۔

مجھے توقع تھی کہ ایمبولینس لانے والا رانا کا ہم نام ہوگا جس نے ائرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا مگر وہ کوئی اور ثابت ہوا۔ رانا نے اپنے ہم نام کو چوہدری سلام کے گھر کے گرد پھیلی ہوئی مسلح نفری کو کنٹرول کرنے کی ذمّے داری سونپی تھی۔

ان لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں صرف اسی وقت ایکشن میں آنا تھا جب اندر سے گولی چلنے کی کوئی بھی آواز سنائی دے۔ وہ جس قماش کے لوگ تھے، ان سے یہ امید کی ہی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ اپنے اشتعال کا پہلا مظاہرہ فائرنگ کی صورت میں نہ کریں۔

ایک بجے تک ہماری تیاریاں مکمل تھیں۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر فورٹ ہاؤس کا منظر گھوم رہا تھا۔ اسلام آباد میں واردات کے اسی طریقے کا ایک نیا استعمال ہونے والا تھا۔

رانا اور سلطان شاہ ایمبولینس کے عقبی حصے میں سوار ہوگئے۔ میں سفید کوٹ میں ملبوس، ایک میڈیکل بیگ کے ساتھ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گیا اور ہمارا سفر شروع ہوگیا۔

دونوں بلاک ایک ہی تھے، بس سیکٹر ایک دوسرے سے متصل تھے۔ ہم ایمبولینس کا سائرن اور تیز گردشی روشنیاں بند کرکے ذرا سی دیر میں چوہدری سلام کے مکان کے بند پھاٹک پر پہنچ گئے۔ تیز ہیڈ لیمپس کی روشنی پھاٹک پر پڑ رہی تھی۔ میرے ایما پر ڈرائیور نے چھت پر لگی ہوئی سرخ اور زرد روشنیاں بھی آن کردیں۔

تیز انعکاس کے ساتھ گھومنے والی ان روشنیوں کے آن ہوتے ہی ذیلی کھڑکی کھلی اور پھر بند ہوگئی۔ چوکی دار پھاٹک پر ایمبولینس دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہوا تھا کہ اس نے باہر نکل کر ہم سے کوئی سوال کیے بغیر فوراً پھاٹک کھول دیا۔

ڈرائیور نے ایمبولینس اندر بڑھا کر روک لی۔ ساتھ ہی چھت والی روشنیاں بھی گل کردیں۔ چوکی دار پھاٹک کھلا چھوڑ کر تیزی سے میری طرف کی کھڑکی پر آیا۔

"مریض کہاں ہے؟" میں نے خشک لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"صاحب! مجھے نہیں پتا۔" مسلح چوکی دار نے تشویش اور.... بے بسی سے جواب دیا۔

"اندر کسی کے زخموں میں کیڑے پڑگئے ہیں۔ چوہدری صاحب نے اسے اسپتال لے جانے کے لیے ہمیں بھیجا ہے۔" میں نے زہر کو کیڑوں میں تبدیل کرکے تحکمانہ لہجے میں کہا "جلدی اندر خبر کرو۔"

چوکی دار پھاٹک بند کرنے کے لیے مڑا۔ ڈرائیور ایمبولینس کو برآمدے تک بڑھا تا لے گیا۔

ایمبولینس کے رکتے تک وسیع اور ویران احاطے میں نہ جانے کہاں سے کئی مسلح افراد نکل آئے۔ شاید وہ سب ہی احاطے میں کسی انجن کی آواز سن کر بیدار ہوئے تھے۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ نیچے اتر کر منہ پر نقاب اوڑھی اور اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈال لیا۔ میرا رویہ آمرانہ تھا۔ جمع ہونے والے ڈرائیور سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں عمارت کا عالی شان چوبی دروازہ کھلا اور سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہنے ایک بہت موٹا شخص نیند سے جھومتا ہوا باہر آگیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اکھڑ لہجے میں بدتمیزی سے بات کرے گا لیکن اس نے اسٹیتھسکوپ سے مجھے ڈاکٹر سمجھ کر انگریزی میں کہا۔ "یہاں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟"

"ایمرجنسی نہیں ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔ کئی گھنٹے پہلے چوہدری صاحب نے فون کیا تھا کہ ان کے گھر میں کسی زخمی کر سیپٹک ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اسے اسپتال منتقل کردیا جائے۔" میں نے روکھے پھیکے انداز میں کہا "ایمبولینس میسر آتے ہی ہم پہنچ گئے۔"

"اوہ، ہاں۔" وہ شہادت کی انگلی اپنی پیشانی کے قریب لے جا کر بولا "ڈیڈی نے شاید کھشو انکل کے بارے میں فون کیا ہوگا۔ مگر انہوں نے سیپٹک کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا۔"

میں پیش قدمی کرکے اس کے قریب پہنچ گیا اور قدرے رازدارانہ لہجے میں بولا "چوہدری صاحب سمجھ دار آدمی ہیں۔ انہیں کسی متعدی زہرباد کا خطرہ ہے۔ یہ بات کسی سے کہتے تو پورے گھر میں خوف وہراس پھیل جاتا.... اس وقت چوہدری صاحب خود کہاں ہیں؟"

"وہ ایک ضروری کام سے رات ہی گجرات گئے ہیں۔" وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولا "بہرحال میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ انکل اس کمرے میں ہیں۔ آپ انہیں اسپتال لے جائیں۔"

اس نے جس دروازے کی طرف اشارہ کیا، وہ بند تھا۔ میں نے غیر ضروری طور پر اس سے کہا "یہ دروازہ کھلوا دیں۔" پھر بات کو مزید آگے بڑھایا "مریض کی منتقلی کے بعد اس کے زیرِ استعمال

ہر چادر اور تکیے کو جلوا دیں۔ کمرے کی جراثیم کش دواؤں سے صفائی بلکہ دھلائی ہونی ضروری ہے۔ ٹیٹنس کی یہ قسم بہت تیزی سے ایک سے دوسرے فرد تک پھیلتی ہے۔"

طبی معاملات میں اناڑی پاکر میں نے دانستہ اسے ہراساں کیا تھا تاکہ چوہدری سلام کو واپسی پر اپنے گھر کی چند قیمتی اشیا کی بربادی پر بھی سر پیٹنے کا موقع مل سکے۔

چوہدری کے موٹے بیٹے نے کراہت سے منہ بنا کر پھریری لی اور برآمدے کے سرے پر آکر نیچی آواز میں اپنے آدمیوں سے بولا۔ "تم لوگ ذرا دور ہی رہو۔ یہ لوگ انکل کو خود اسپتال لے جائیں گے۔"

ہمارے اردگرد منڈلاتے ہوئے سارے منحوس چہرے تیزی سے دور ہوتے چلے گئے۔

"آپ فکر نہ کریں۔" اس مرتبہ چھوٹا مگر موٹا چوہدری مجھ سے مخاطب تھا "میں ابھی نوکرانی سے دروازہ کھلواتا ہوں۔ میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خرچے کا چیک میں صبح بھیج دوں گا اور آپ کے جاتے ہی اس کمرے کی ہر چیز کو آگ لگوا دوں گا۔ پتا نہیں جراثیم کہاں کہاں بیٹھ چکے ہوں۔"

میرا دل چاہا کہ اسے پورے مکان ہی کو آگ لگانے کا مشورہ دوں مگر یہ صائب مشورہ زبان پر لانا مناسب نہیں تھا۔ وہ رضاکارانہ طور پر جو کچھ کر رہا تھا' چوہدری کے اشتعال کے لیے وہی کافی تھا۔

رانا اور سلطان شاہ اپنے دہانوں پر سفید نقاب چڑھائے' ایمبولینس سے اسٹریچر باہر نکال چکے تھے۔ چھوٹا چوہدری چوبی دروازے کے پیچھے گھر میں غائب ہو گیا۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ چند ثانیوں بعد ایک موٹی اور بدصورت عورت نے کھٹول کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے کھول دیا۔

وہ ہمارے حلیوں کا ردِعمل تھا یا شاید اس عورت کو کھٹول میں چھوت کے جراثیم پیدا ہونے کی بھنک مل گئی تھی کہ اس نے ناک اور دہانے کو دوپٹے سے دبایا ہوا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ عورت خود بھی کسی دوسرے دروازے سے اندر غائب ہو گئی۔ وہ دونوں اسٹریچر لے کر روشنی میں میرے سامنے سے گزرے تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے ایمبولینس سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں پر باریک سرجیکل دستانے بھی چڑھا لیے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے وہ انگلیوں کے نشانات چھوڑے بغیر من مانی کارروائیاں کر سکتے تھے۔

ان کے پیچھے میں کمرے میں داخل ہوا تو اس کی تزئین و آرائش دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فرش پر دبیز قیمتی قالین سے مرصع چوبی مسہری تک ہر چیز پُرتعیش اور بیش قیمت تھی۔ بہت بڑی مسہری کے وسط میں ایک مختصر سا وجود یوں سکڑا ہوا سو رہا تھا جیسے اسے اسی حالت میں وہاں رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی قمیص کی داہنی آستین غائب تھی اور کلائی سے شانے تک بھاری پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ دونوں سرنج لے کر جوتوں سمیت مسہری پر چڑھ گئے۔

"سرنج میں موجود دوا کے بارے میں رانا ہی تھوڑا بہت جانتا تھا۔ وہ کھٹول کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھی۔ بازو میں وہ انجکشن لگتے ہوئے اس نے ذرا بھی جنبش نہیں کی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ اپنی تکلیف کی وجہ سے وہ پہلے ہی مسکن دواؤں کے زیرِ اثر تھا۔

پلاسٹر میں مقید وزنی بازو کی پروا کیے بغیر وہ دونوں اسے مسہری کے سرے تک لائے پھر اسے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال دیا۔

وہ ساری کارروائی چند منٹ میں پوری ہو گئی۔ مجھے کسی چیز کو چھونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہمارا سہ نفری کارواں اپنے شکار سمیت کمرے سے نکل آیا۔

گھر کا داخلی دروازہ بدستور بند تھا۔ چوہدری کے مال پر پلنے والے مسلح حرام خور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسٹریچر کے ساتھ رانا اور سلطان شاہ اندر گھسے تو میں نے رانا کو اتار لیا تاکہ وہ ڈرائیونگ کیبن میں میرے ساتھ ہی بیٹھ سکے۔

اپنی مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرنے کے بعد مجھے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ہم لوگوں نے کھٹول کے اغوا کے بعد کے بندوبست کے بارے میں ذرا بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔

ہم جتنی آسانی سے چوہدری سلام کی کچھار میں داخل ہوئے تھے' اتنی ہی آسانی سے وہاں سے نکل کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"یہاں تک سب کچھ طے تھا۔" گاڑی سڑک پر بائیں طرف رواں ہونے کے بعد میں نے رانا سے پوچھا "اب ہم کھٹول کو کہاں اور کیسے پہنچائیں گے؟"

روشن اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں مجھے اس کے ہونٹوں پر منکسرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ دھیرے سے بولا "سر! آپ نے اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرا دیا۔ اب ہر کام بہت سہل ہے۔ اس بارے میں ہم آدم خان کے آدمیوں سے مسلسل رابطے میں ہیں۔"

مجھے سر کہہ کر اس نے اس مرتبہ ضرورت سے زیادہ تکلف یا احترام کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اپنے اندر کے جذبوں اور تربیت سے مجبور تھا۔ اسے ٹوکنا بے سود ہوتا۔ میں نے ایمبولینس کے راستے پر غور کرتے ہوئے پوچھا "اسلام آباد کی منصوبہ بندی مجھے بہت پسند ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسٹیشن ٹائن کے لیے ہمیں چوہدری سلام کے گھر سے نکل کر داہنی طرف مڑنا چاہیے تھا لیکن یہ سفر مخالف سمت میں جاری ہے۔ کیا ہم کہیں اور جا رہے ہیں؟"

"آپ مسلسل مجھے حیران کیے جا رہے ہیں۔ اتنا قریبی مشاہدہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم اسٹیشن ٹائن کے بجائے جی ٹی روڈ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہاں پیرودھائی کے بس اسٹینڈ کے قریب آدم خان کے آدمیوں کا امدادی کیمپ ہے' ہم وہیں جائیں

گے۔"

ایمبولینس کا سائرن بند تھا۔ ٹریفک کے ہجوم کو خبردار کرنے اور چھت پر گھومنے والی تیز روشنیاں بھی بند تھیں۔ اکبر رانا کی کسی ہدایت کے بغیر ایمبولینس پہلے سے طے شدہ راستے پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں، میں مضطرب ہوگیا۔

"کیا تم کھٹول کو اسی ایمبولینس میں امدادی کیمپ تک لے جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے شکار کو ان لوگوں کی تحویل میں دینے کے بعد ہم ایمبولینس پنڈی کے کسی حصے میں چھوڑ دیں گے۔" اس نے پورے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی ہم نے بہت کم فاصلہ طے کیا ہے مگر میں پولیس کی دو گشتی گاڑیاں دیکھ چکا ہوں۔ تم خود بھی اسلام آباد پولیس کی کارکردگی کے معترف ہو۔ کل صبح کھٹول کے اغوا کا راز کھلتے ہی ایمبولینس کی ٹریکنگ شروع ہوگی اور پولیس امدادی کیمپ تک پہنچ جائے گی۔"

وہ تشویش میں پڑگیا "یہ خطرہ واقعی موجود ہے۔ رازداری قائم رکھنے کے لیے ہماری ہر کوشش ناکام ہوجائے گی۔ شاہراہ کشمیر پر ویسے بھی رات کے وقت پولیس سڑکوں وغیرہ کو چیک کرتی رہتی ہے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے مگر ہمارا راستہ ان کی نظروں میں آجائے گا۔"

وہ پریشان کن گفتگو سن کر ڈرائیور نے از خود ایمبولینس کی رفتار کم کرلی۔

"گاڑی کا رخ کسی بالکل ہی مخالف سمت میں موڑلو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

ڈرائیور کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اس کا کمانڈر میرے مشورے سے اختلاف نہیں کرے گا۔ موڑ قریب ہی تھا۔ اس نے بریک لگاتے ہوئے گاڑی واپسی کے لیے موڑلی۔

"انہیں الٹی راہ پر ڈالنے کے لیے اب کسی بھی محفوظ راستے سے جی ٹی روڈ کے لاہور جانے والے راستے پر نکل چلو۔" اکبر رانا نے ڈرائیور کو ہدایت کی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا "وہاں سے ہمیں کھٹول کے لیے کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرنا ہوگا۔"

"متبادل بندوبست تمہاری جیب میں موجود ہے۔ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس کے تحیر زدہ استفسار پر میں نے اسے موبائل فون یاد دلایا تو وہ بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"یہ کرتبی ٹیلی فون کل ہی ملا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑے گی" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور اکبر سے گفتگو شروع کردی۔

وہ ایک ایسے ادارے کے ارکان تھے جس کے تشخص کا خود ان کو بھی علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ آپس میں بیشتر گفتگو ایسے خفیہ الفاظ میں کرتے تھے جو کم از کم میرے پلے بھی نہیں پڑسکی تھی۔ وہ گفتگو ذرا سی دیر جاری رہی۔ فون بند کرتے ہی رانا کے دہانے سے اطمینان کا ایک لمبا سانس خارج ہوگیا۔

"ہمارے نکل آنے کے باوجود وہ لوگ ان ہی اطراف میں تھے" اس نے مجھے بتایا "میں نے ان سب کو ریلیز کردیا ہے۔ اکبر ایک آدمی کے ساتھ جی ٹی روڈ پر فوجی فاؤنڈیشن پر پہنچ رہا ہے۔ وہاں دو گاڑیاں آئیں گی تاکہ کھٹول کی روانگی کے ساتھ ہم لوگوں کی واپسی بھی ممکن ہوسکے۔"

"پتا نہیں بعد میں کیا ہو۔ میں ایک مرتبہ کھٹول کو غور سے ضرور دیکھنا چاہوں گا" میں نے خوش دلی سے کہا "ایسے نایاب مجرم کبھی کبھی ہی ہاتھ آتے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اس کی منتقلی کے لیے میں نے جو مقام سوچا ہے، وہاں ہم ایک گھنٹے تک بھی اس کا سروے کرتے رہیں تو کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا "وہ پہلے سے خواب آور دواؤں کے زیرِ اثر تھا۔ تمہارا دیا ہوا انجکشن اس کے لیے ضرورت سے زیادہ نہ ہوگیا ہو۔"

"مجھے امید نہیں کہ قدرت نے اس جیسے خبیث کے حق میں بے خبری کی ایسی آسان موت لکھی ہوگی" اکبر رانا نے پہلی مرتبہ میری رائے سے اختلاف کیا اور میں اس کا شانہ تھپتھپا کر رہ گیا۔

سب کچھ از سرِ نو طے ہو چکا تھا اور ایمبولینس شہر سے نکل کر رات کی روشنی میں نہائی ہوئی کشادہ اور خوب صورت شاہراہ اسلام آباد پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک پولیس کے کل وقتی گشت کے پیشِ نظر رانا نے ایمبولینس کی خوف آور گردشی روشنیاں آن کرادی تھیں تاکہ دیکھنے والے دور ہی سے کسی مداخلت کا ارادہ ترک کر دیں۔

رانا نے اپنے ماتحت اکبر کو شاید بہت تیزی کے ساتھ طے شدہ مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی کے ساتھ ایمبولینس کی رفتار میں کچھ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ان دو امور کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی دو گاڑیاں فوجی فاؤنڈیشن سے ذرا پہلے ایمبولینس کے قریب آرکیں۔

دو گاڑیوں کے ساتھ اکبر اور اس کے ایک ساتھی کی آمد کے بعد ہماری نفری چھ ہو چکی تھی۔ ساتواں کھٹول تھا۔ ساتوں کے لیے دو گاڑیاں بہت کافی تھیں۔

موٹے، سخت اور سفید پلاسٹر میں لپٹا ہوا کھٹول کا ہاتھ اس امر کا غماز تھا کہ اس نے حیدر آباد کے نواح میں رینگتی یا چلتی ٹرین سے چھلانگ لگا کر بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ اس جسارت کے نتیجے میں ہاتھ کی ہڈیوں کے بجائے اس کی گردن بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

ایمبولینس کی ساری روشنیاں گل کر دی گئی تھیں پھر بھی تاروں کی چھاؤں میں، میں نے اتنا ضرور دیکھا کہ اپنی نرم گفتاری اور تحمل مزاجی کی مطابقت سے وہ کوئی پُرشکوہ یا بارعب آدمی نہیں تھا۔ متوسط قد و قامت اور عام سے چہرے کی بنا پر کوئی بھی اس موذی کی حقیقی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

ایمبولینس کا ڈرائیور، اکبر اور اس کے ساتھی سمیت اس گاڑی میں سوار ہو گیا جس کی عقبی نشست پر بے ہوش و لاچار کھٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ غدار اور خطرناک شخص اس وقت پوری طرح ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گردن دبوچ کر اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا مگر وہ مضبوط سیاسی روابط اور پشت پناہی بھی رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ایسی کوئی فوری واردات بہت سے نقصانات پہنچا سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے تو اس مرحلے پر دانت پیس کر اسے مار ڈالنے کا مشورہ دے ہی ڈالا تھا مگر میں نے سختی سے اسے مسترد کر دیا۔ آنے والے دو تین روز میں اس کے خلاف فضا سازگار کرنے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔

رانا کے آدمی ایک گاڑی میں اسے لے کر واپس پنڈی کے راستے اس امدادی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے آدم خان کے آدمی پوری رازداری کے ساتھ اسے ملک کی قانونی حدود سے باہر نکال لے جاتے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ آزاد قبائلی علاقے پاکستان کی جغرافیائی حدود میں واقع ہیں، پاکستان کی اسمبلی میں بھی ان علاقوں کی قابلِ لحاظ نمائندگی ہے مگر ان علاقوں میں پاکستان کا قانون اور خاص طور پر تعزیری قانون لاگو نہیں ہوتا۔ آزاد علاقوں کے مسلح قبائلی اپنی صدیوں پرانی رسوم و روایات کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں۔ جسے وہ امان دے دیں، کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاں، وہ خود ہی کسی کو مجرم قرار دے کر پاکستانی حکام کے حوالے کر دیں تو وہ دیگر بات ہوتی ہے جس کا قانونی دباؤ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دوسری گاڑی میں ہم تینوں سوار تھے۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کمانڈر اکبر رانا خود براجمان تھا۔ اگلی گاڑی کی واپسی کے چند منٹ بعد رانا نے بھی واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

"ہوش میں آتے ہی اس حرام زادے کے ہوش اڑ جائیں گے۔" راستے میں سلطان شاہ نے کہا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کھٹول کی طرف سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"تم اس کی طرف سے زیادہ بدظن اور بے زار معلوم ہو رہے ہو؟" سلطان شاہ کے جلے کٹے تبصرے پر اکبر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اس کی وجہ ہے۔" میں نے اسے بتایا "اول خان کے ساتھ یہ بھی حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹول کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آخری لمحات پر وہ نظر آیا تو ٹرین رینگ رہی تھی۔ کھٹول بھاگ کر رینگتی ہوئی ٹرین پر چڑھ گیا۔ اول خان نے بھی لپک کر دوسرا ڈبا پکڑ لیا۔ سلطان شاہ وہیں پلیٹ فارم پر اپنا خون سلگاتا رہ گیا۔"

"سلطان شاہ کا غصہ قابلِ فہم ہے۔" اکبر رانا نے کہا "ٹرین میں اگر یہ دونوں سوار ہو جاتے تو کھٹول کو شاید چلتی ٹرین سے کود کر فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔ جب وہ دونوں چلتی ٹرین میں سوار ہو گئے تھے تو تم اتنی ہمت کیوں نہیں کر سکے؟"

میں نے سلطان شاہ کی پیشاب کی بے وقت ضرورت کا ذکر دانستہ نہیں کیا۔ اس نے خود ہی وضاحت کی "بس کسی وجہ سے میں اول خان سے کافی دور تھا۔ میرے پہنچنے تک ٹرین خطرناک رفتار پکڑ چکی تھی ورنہ یہ قصہ حیدر آباد اور شہداد پور کے درمیان ہی نمٹ گیا ہوتا۔"

رانا کو کھٹول کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کراچی سے کن حالات کے تحت فرار ہو کر مدد حاصل کرنے کے لیے اسلام آباد پہنچا تھا۔ بات چھڑی تو اس کی طرف سے سوالات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کو حقائق سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ ایس ٹی ایف کا ایک قابلِ اعتماد افسر تھا، اپنے یونٹ کے ذریعے ایک ایمبولینس اور پھر کھٹول کے اغوا کے بعد پوری طرح اس سنگین صورتِ حال میں ملوث ہو چکا تھا۔ پوری طرح باخبر ہونے کے بعد ہی وہ ہمارے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

اسٹیشن تائن پہنچنے تک وہ میرے بارے میں بے تکلفی کے حصار سے نکل چکا تھا۔ وہاں ہمارے ساتھ چائے نوشی کے دوران میں ہی اس نے کراچی فون کر کے اول خان کو اپنی کارکردگی سے باخبر کیا۔ اس کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد ریسیور میرے پاس آگیا۔

”تم نے وہاں پہنچتے ہی اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کردیا۔“ اس کی خوشی سے بھرپور آواز میرے کانوں میں آئی ”رانا تم سے بہت زیادہ متاثر ہوچکا ہے۔“

”مجھے خوشی ہے کہ یہ معاملہ آج رات ہی نمٹ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ چوہدری سلام گجرات سے واپسی پر کیا طوفان اٹھاتا ہے۔ اپنے گھر کی آگ اسے پاگل کردے گی۔“ میں نے اس کے تعریفی فقروں کو یکسر نظرانداز کرکے ایک نئی بات چھیڑ دی۔

”چوہدری سلام مشکوک ذرائع آمدنی کا مالک ہے اور اس کی شہرت بھی بہت خراب ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اپنے علاقے کا سفید پوش بدمعاش ہے۔ رانا بتا رہا ہے کہ وہاں پوری کارروائی مفاہمانہ انداز میں مکمل ہوئی تھی پھر تم کس آگ کا ذکر کررہے ہو؟“

”چوہدری سلام کے بیٹے کو ہم اس وہم میں ڈال آئے ہیں کہ کھٹومل کے زخموں میں چھوت چھات سے پھیلنے والے خوفناک جراثیم پیدا ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے باپ نے مکمل خاموشی اور رازداری سے کھٹومل کو اپنے گھر سے اسپتال بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے....“

”شاید تم رانا کے کوڈ ورڈز نہیں سمجھ سکے۔ اس نے مختصر اور جامع انداز میں یہ سب مجھے بتادیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس کے گھر میں آگ کا کیا قصہ ہے۔“

”میں اسی طرف آرہا تھا۔ چوہدری سلام نے کھٹومل کو اپنے شاندار گیسٹ روم میں ٹھہرایا ہوا تھا جس کی شاہانہ آرائش بیش قیمت فرنیچر اور دیگر سامان سے کی گئی ہے۔ چوہدری کے بیٹے نے روپوش جراثیم سے دہشت زدہ ہوکر اس کمرے کا سارا سامان نذرِ آتش کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو کھٹومل کے جراثیم سے بچاسکے۔“

اول خان زور سے ہنس پڑا۔ ”تو یوں کہو کہ تم نے چوہدری کے گھر کو اسی کے چراغ بلکہ چشم و چراغ سے آگ لگوانے کا پورا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ وہ اپنے بال نوچ کر رہ جائے گا۔“

”اس کا بیٹا اپنے ارادے کو اسی وقت عملی جامہ پہنانے کے موڈ میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک یہ عمل شروع ہوچکا ہو۔ اس بارے میں وہ فون پر اپنے باپ سے مشورہ کرنے کی زحمت بھی نہیں کرے گا۔ چوہدری سلام کو گجرات سے واپسی پر اس دہری بربادی کا علم ہوگا۔ بس دعائیں کرتے رہو۔ صبح یہاں کے حالات دیکھنے کے بعد ہی میں واپسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔“ میں نے کہا۔

”میرا مشورہ ہے کہ فی الحال تم وہیں ٹھہرو۔ ہوسکتا ہے کھٹومل کے اغوا کے بارے میں ہماری پوزیشن صاف ہونے کے باوجود حالات اس حد تک سازگار نہ ہوسکیں کہ اسے پاکستان واپس لایا جاسکے۔ چوہدری سلام بہت بڑا سیاسی فتنہ ہے۔ وہ بہت سوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔ ایسی صورت میں تمہیں کھٹومل سے بات چیت اور آخری فیصلے کے لیے آزاد علاقے کا سفر کرنا پڑے گا۔“

”کل کی کل دیکھی جائے گی۔ اب نیند آنے لگی ہے۔“ میں نے کسل مندی سے کہا۔

”بڑے شکار کے بعد عام طور پر ایسی ہی گہری نیند آتی ہے۔ اسے گرفت میں لے کر تم نے مجھے اپنے ضمیر کی ایک گہری خلش سے بچالیا ہے۔ فی امان اللہ۔“

لائن بے جان ہوگئی۔ سلطان شاہ احمقانہ انداز میں میرا منہ دیکھ رہا تھا۔

○☆○

ہم اسٹیشن ٹائن کے ہی عقبی حصے میں مقیم تھے اس لیے ہماری پل پل کی مصروفیات کی خبریں رانا تک پہنچتی رہیں۔ ہم دونوں تازہ دم ہوکر ناشتے کے لیے مختصر سی گول میز کے گرد بیٹھے تو اس پر کئی تازہ اخبارات موجود تھے۔

صفحہ اول کے اوپر نصف حصے کی چنگھاڑتی ہوئی عالمی اور سیاسی سرخیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اخبار پلٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پہلے صفحے کے نچلے حصے میں امریکیوں کی طرف سے میرے خلاف چوتھائی صفحے کا نمایاں اشتہار پھر موجود تھا۔

یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ اشتہار کے جلی متن کے درمیان ایک قلمی خاکہ بھی موجود تھا مگر دوسری نگاہ میں میرا ہر خوف رفع ہوگیا۔

وہ قلمی خاکہ میرے ہی نام سے معنون کیا گیا تھا لیکن اس میں دور دور تک میری کوئی شباہت نہیں تھی۔ بے اختیار میرا دل جینی کے لیے ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔

یوں تو اس وقت کی پوری ہی امریکی انتظامیہ میرے لہو کی پیاسی تھی لیکن انفرادی سطح پر آئزک بیل میرا اکلوتا بدترین دشمن تھا جو اپنی خوش قسمتی سے زندہ اور امریکا کی فیڈرل ایجنسیوں کی تحویل میں تھا۔ اس سے بس ایک بار ہی میرا آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ میں ویرا کے ایما پر اسٹیشنری فراہم کرنے والی ایک فرم کے نمائندے کے بہروپ میں خوب صورت و خوش گفتار جینی کے دفتر میں اس کی میز پر بیٹھا ہوا تھا کہ جینی اور رنگس کا سربراہ آئزک بیل اچانک ہی اس کے دفتر میں آگیا تھا۔ غنیمت ہوا کہ میں اس کی شناسا آواز سن کر ہی اپنی جگہ منجمد ہوکر رہ گیا تھا ورنہ اس روز وہ نہ صرف مجھے دیکھ لیتا بلکہ پہچان لینے کی صورت میں اسی دن اور اسی لمحے میرا کام تمام کرسکتا تھا۔

اس سے بارہا فون پر میری تلخ کلامیاں ہوتی رہیں لیکن وہ میری شناخت کے بارے میں امریکی حکام کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ امریکی صرف دو ہی افراد سے میرے خاکوں کے بارے میں مدد لے سکتے تھے۔ ان میں سے ایک بلیک ڈیڈ تھا جو سخت جان ہی نہیں، ضدی بھی تھا۔

میں نے اس مخلص اور بے خوف دوست کو آخری لمحات پر اپنی مجبوریوں کے تحت داؤ پر لگا کر امریکا کو خیرباد کہا تھا لیکن اس بے چارے کو آخر تک علم نہیں ہوسکا تھا کہ میرے فرار کے بعد وہ کیسی

بھیانک پریشانیوں کی دلدل میں دھنسنے والا تھا۔ اپنے بارے میں اس کی والہانہ پسندیدگی کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ بلیک ڈیڈ نامی وہ سیاہ فام امریکی مر کر بھی میرے بارے میں ایک لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔ وہ امریکا میں میرا سب سے بڑا دوست اور ہمدرد ثابت ہوا تھا۔ میری شکل و صورت سے بالکل متضاد نوعیت کا وہ مطبوعہ خاکہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ بلیک ڈیڈ نے میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی' اپنی زبان کو تالا لگا لیا تھا۔

وہ خاکہ بالکل غلط اور گمراہ کن تھا۔ امریکی حکام نے اسے پورے اعتماد سے میرا اسکیچ سمجھ کر اس مہنگے اشتہار میں شامل کیا تھا۔ وہ خاکہ یقینی طور پر کسی ایسے شخص کی مدد سے تیار کیا گیا تھا جس پر امریکیوں کو پورا پورا اعتبار تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس شخص کے دل کے کسی گوشے میں میرے لیے ہمدردی کی کوئی بھی رمق موجود ہوگی۔

اس وقت نیویارک میں ایسی ذات صرف ایک ہی تھی اور وہ پیاری اور گداز سی جینی تھی۔

میں اسے ملاقات کے دھوکے میں رکھ کر' بتائے بغیر امریکا سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کے لیے وہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا کہ اس کے خلوت کے ایک ساتھی نے اتنی آسانی اور بے رخی سے اسے فراموش کر دیا تھا۔ غصے اور انتقام کے ابلتے ہوئے جذبات میں آکر اس نے از خود نیویارک کے پولیس چیف کو میری اور ویرا کی امریکا میں موجودگی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

ویرا نے خود ہی مجھے جینی سے متعارف کرایا تھا۔ جینی بہت دلکش شخصیت اور من موہنی شکل و صورت کی مالک تھی۔ اس کی خوش کلامی اور پھر ذرا سی آزاد خیالی نے ہمیں رنگس کے دفتر سے جینی کے گھر اور پھر اس کی خواب گاہ تک پہنچا دیا۔ ویرا کو اندرونِ خانہ پروان چڑھنے والی اس روداد کی بھنک بھی نہیں ملی تھی لیکن اس کی چھٹی حس نے اسے جینی سے حسد و رقابت میں اس حد تک مبتلا کر دیا کہ وہ میری زبان سے جینی کا نام تک سننے کی روادار نہ رہی۔

ویرا کی اس خود غرضی کے باوجود شاید میرے ستارے یاور تھے کہ میں نے چند روز پہلے کراچی سے جینی کو فون کر ڈالا۔ مجھے امریکا میں اس لڑکی کی اہمیت کا صحیح اندازہ تھا۔ اس کی رفاقت میں گزارا ہوا وقت میرے لیے ماضی کا ایک اثاثہ ضرور تھا پھر بھی میں نے نہایت منافقت اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے اسے بہت سی بے بنیاد یقین دہانیاں کراتے ہوئے یہ باور کرا دیا کہ میں درحقیقت ویرا کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔ اسی نے مجھ کو جینی سے ملے بغیر امریکا سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔

جینی نے اسی وقت مجھے بتا دیا تھا کہ امریکی حکام اس کی مدد سے میرے خاکے بنوانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں نے فون پر اس کی ہمدردیاں جیت کر مستقبل کے لیے کچھ دل فریب وعدے کیے تھے اور سادہ لوح جینی میرے جال میں آگئی تھی۔ اشتہار میں موجود گمراہ کن خاکے سے میری ذات کے لیے جینی کی تمام ہمدردیاں جھلک رہی تھیں۔ اس امریکی لڑکی نے مجھ سے فریب کھانے کے بعد بھی میرے اوپر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا جس کا بوجھ میں عمر بھر نہیں اتار سکتا تھا۔

جینی اور بلیک ڈیڈ۔ بلیک ڈیڈ اور جینی! وہ اشتہار میری نظروں کے سامنے دھندلانے لگا۔ مجھے اس میں بس وہی دونوں چہرے اپنی بدلتی ہوئی طنزیہ' مزاحیہ' دوستانہ اور بے تکلفانہ مسکراہٹوں کے ساتھ نظر آرہے تھے۔

اپنی دانست میں' میں امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ میرے خون کے پیاسے تھے اور میں ان کی جانوں کا خواہاں تھا لیکن خود فراموشی اور احسان مندی کے ان نازک لمحات میں یکایک مجھے ادراک ہوا کہ میری اصل لڑائی عام امریکیوں سے نہیں تھی۔ ان میں سے بیشتر سادہ لوح' فراخ دل اور کھلے دل کے مالک تھے۔ میری اصل لڑائی امریکی حکومت اور اس کے اہل کاروں سے تھی۔

وہ بے گناہ اور کمزور قوموں کا لہو پی جانے والے درندوں کا ایک منظم غول تھا جس کی سربراہی واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بیٹھا ہوا صدر کرتا تھا۔ اس کا کھلا ثبوت گیپ کے مستند اور اصل کاغذوں کی صورت میں میرے اور اول خان کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ چکا تھا۔

امریکی قوم کی واحد اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ شباب اقتدار کے نشے میں بدمست حکمراں ان ہی کے دیے ہوئے اقتدار اور اختیار کے ذریعے کبر و نخوت کے ساتھ' من مانے انداز میں لوگوں کو روند رہے تھے اور وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

میرے خلاف امریکیوں کا وہ اشتہار بالکل نیا اور تازہ تھا۔ انعام کی رقم بیس لاکھ ڈالر ہی تھی مگر خاکے کی اشاعت کے ذریعے میری تلاش کا کام آسان بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میری ذات پر امریکیوں کے روایتی الزامات کی فہرست میں کھٹول کی بدولت کچھ ایسے مواد کا اضافہ بھی کر دیا گیا تھا جس کی بنا پر بہت سے بے خبر پاکستانی بھی مجھ سے متنفر ہو سکتے تھے۔

اشتہار کی رو سے میں کراچی کے ایک معزز اور معتبر شہری کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈکیتی اور قتل کے الزامات میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اشتہار میں بس کھٹول کا نام نہیں تھا ورنہ متعلقہ تھانے میں اس کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا پورا حوالہ موجود تھا۔

کھٹول نے اپنے گھر پر رقص و موسیقی کی محفل سجا کر بالم اور جانی کے ذریعے ہمارے نادرہ والے فلیٹ پر لشکر کشی کا جو منصوبہ بنایا تھا' وہ بہت قلیل سی مدت میں بے نقاب ہو چکا تھا۔

اگر وہ خوں خوار غنڈے اپنے حملے میں ہم لوگوں کو اور بطور خاص مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو امریکیوں کا مقصد اسی مرحلے پر پورا ہو جاتا لیکن اول خان کے آدمیوں کی مسلسل خبر گیری کی وجہ سے کھٹول اپنے چھ آدمی گنوا کر بھی کچھ حاصل نہ کر سکا۔

اپنے گھر پر دشمن کے ناکام قاتلانہ شب خون کے بعد کھٹول کی تقریب پر جوابی وار کرنے کا ہمارا فیصلہ قطعی اضطراری تھا جس میں پیشگی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید اس واردات کے بعد بھی کھٹول یہ نہ سوچ سکا ہوگا کہ اس کے گھر میں ہونے والی تقریب پر ہماری طرف سے حملہ کیا گیا ہوگا۔

یقینی طور پر یہ امریکی سفارت کاروں کے روپ میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کی ذہنی ندرت تھی کہ انہوں نے کھٹول کو اس واردات کی ایف آئی آر میں بلا سوچے سمجھے میرا نام ڈالنے کی ہدایت دے ڈالی تھی۔ اپنی اس حرکت کے ذریعے وہ میرا نام سرکاری ریکارڈ پر لے آئے تھے اور محض دو دن گزرنے کے بعد ہی انہوں نے اس اشتہار میں مذکورہ ایف آئی آر سے فائدہ اٹھا ڈالا تھا۔

”ملزموں یا مجرموں کے خاکے مشابہت کے کسی یقین کے بعد جاری کرائے جاتے ہیں۔“ سلطان شاہ نے اپنے ہاتھ میں موجود دوسرے اخبار میں چھپے ہوئے اشتہار کا جائزہ لے کر کہا ”اس انعامی خاکے میں تو تمہارے چہرے کی ساخت ہی بدل کر رکھ دی گئی ہے۔“

”یہ اس پیاری سی امریکی لڑکی کا کمال ہے جس نے ہمارے فرار کے بعد نیویارک کے پولیس چیف کو میرے اور ویرا کے بارے میں رضا کارانہ طور پر سب کچھ بتا ڈالا تھا۔“ میں نے اسے بتایا۔

”جینی نامی اس آوارہ لڑکی کے بارے میں ویرا مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔“ اس نے منہ بنا کر کہا ”وہ پڑھ لکھ کر معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو گئی لیکن چڑھتی جوانی کی بے راہ روی ابھی تک اس کی ذات میں گھر کیے بیٹھی ہے....“

میں نے تحیر زدہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی ”میری آمد کے بعد تم مسلسل ویرا سے لڑتے رہے ہو۔ یہ ساری خرافات اس نے تمہیں کب سنا ڈالیں؟“

”یہ میرا اور ویرا کا معاملہ ہے۔ یہ جینی تم پر اتنی مہربان کیوں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نے اسے امید دلائی ہے کہ میں جلد ہی امریکا جاؤں گا یا دنیا کے کسی اور ملک میں تفریح کے لیے اسے مدعو کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جینی سے میرے خاکے میں مدد ضرور لیں گے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں قدم قدم پر ایسی مر مٹنے والی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟ بہتیرے لوگ اسی کوشش میں پوری عمر گزار دیتے ہیں لیکن انہیں ایک لڑکی بھی نہیں ملتی۔“

”ایسی طفلانہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔“ میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی ”کبھی کسی لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کر کے دیکھو، تمہاری ٹانٹ پر ایک بال بھی باقی نہیں رہے گا۔“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ تمہیں ہر جگہ جینیاں کیسے مل جاتی ہیں؟“ اسے میری ہی بات سے ایک دلیل مل گئی۔

”تم کن جینیوں کی بات کر رہے ہو؟“ میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

”ایک ہو تو بتاؤں، یہاں تو لائن لگی ہوئی ہے۔“ وہ میری نگاہوں سے مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

”ذرا تمہاری زبان سے چند نام میں بھی تو سنوں۔“ میں نے تلخی سے اصرار کیا۔

”غزالہ سے تم شادی کیے بیٹھے ہو اس لیے وہ اس گنتی سے باہر ہے۔“ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی تھام کر گنتی شروع کرائی ”ویرا ایسی جان کو آئی ہے کہ آج تک گلے کا ہار بنی ہوئی ہے، سلمٰی سے تم خود ہر وقت خوف زدہ رہتے ہو.... بیچ کی گنتی کو چھوڑ بھی دو تو نادرہ غنی کل کی سی بات ہے اور اب جینی سامنے آئی ہے۔ اشتہار میں چھپے ہوئے اس بے سروپا خاکے کے بعد یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ وہ بھی تمہاری دیوانی ہے۔“

اس نے مجھے لاجواب کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر میں نے کسی خفت کے بغیر گہری سنجیدگی سے کہا ”میری ایک بات گرہ سے باندھ لو کہ عورتیں یا لڑکیاں جنگلی بیری کا پھل نہیں ہوتیں کہ جس نے جب چاہا، پتھر مار کر انہیں اپنی گود میں گرا لیا۔ تم نے ابھی جتنے نام گنوائے، ان میں سے کوئی بھی قدم قدم پر ملنے والی لڑکی یا عورت شمار نہیں کی جا سکتی۔ ہر ایک سے پہلے کوئی نہ کوئی تعارف یا رابطہ ہوا اور پھر بات ذرا آگے بڑھ گئی۔ جینی میری نہیں، ویرا کی پرانی اور گہری دوست ہے۔ ویرا نے ہی مجھے اس سے ملاقات کے لیے بھیجا تھا۔“

”وہ اس گھڑی کو کوس رہی تھی جب اس نے وہ غلط فیصلہ کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے کراچی آتے ہی اسے فون کر ڈالا تھا۔“ سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

”لعنت ہے ویرا کی کھوپڑی پر۔“ میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”میں نے اسے فون نہ کیا ہوتا تو آج اس اشتہار میں میرا ایسا بھرپور خاکہ شائع ہوا ہوتا کہ مجھے کہیں چھپنے کی جگہ نہ ملتی۔“

وہ گفتگو وہیں ختم ہو گئی۔ ملازم ناشتا لے آیا تھا اور اسی کے پیچھے پیچھے رانا اپنے دفتری لباس میں چلا آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر عجیب سا فاتحانہ تبسم رقصاں تھا۔

سلطان شاہ نے میز پر پھیلے ہوئے اخبارات سمیٹ کر ایک خالی کرسی پر ڈال دیے۔ ملازم میز پر ناشتا لگانے لگا۔ رانا نے ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر چوتھی خالی کرسی سنبھالی۔

”مبارک ہو، آج پھر تمہارے بارے میں بڑے بڑے اشتہار چھپے ہیں۔“ ملازم کے چلے جانے کے بعد رانا نے شوخ لہجے میں کہا۔ ”تمہارے بارے میں امریکی کچھ اعصاب زدہ سے ہو گئے ہیں۔“

”تم مبارک باد دے رہے ہو!“ سلطان شاہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا ”میرے لیے تو یہ سخت تشویش کی بات ہے کہ ڈینی کے دشمن

دوبارہ ضرورت سے زیادہ سرگرم ہو رہے ہیں۔"
"لیکن وہ غلط راہ پر چل رہے ہیں۔" رانا مسکرا کے بولا "تم نے خاکے پر غور نہیں کیا۔ اب ڈپٹی خود بھی گرفتاری پیش کرنا چاہیں تو انہیں ناکامی ہوگی۔ تازہ اشتہار کے بعد کوئی ہوش مند آدمی انہیں ڈپٹی تسلیم نہیں کرے گا۔"
"خوش فہمی شاید اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بنیادی کمزوری ہے۔" سلطان شاہ نے توسٹ پر ہلکا سا مکھن لگاتے ہوئے جواب دیا "تم لوگ ہر بری خبر میں بھی اچھائی کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کر لیتے ہو۔ یہی مرض اول خان کو لاحق ہے۔"
اس نے قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کے طنز کو سراہا پھر بولا "تم نے اخبار تو دیکھ ہی لیا ہوگا؟"
"ابھی اشتہار سے آگے بڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ تم آگئے۔" میں نے کہا۔
"چوہدری سلام کے بیٹے نے وہم میں پڑ کر کھٹومل کے کمرے کے سارے سامان کو رات ہی آگ لگوا دی۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کا باپ واپس آکر کیا کرتا ہے۔"
"تو کیا پورا واقعہ اخبارات میں آچکا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"کم تعداد میں چھپنے والے اخبار ذرا دیر سے پریس جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اخبار میں یہ دلچسپ خبر آئی ہے۔ ایف سیون سے کئی لوگوں نے پولیس اور فائر اسٹیشن فون کر کے چوہدری سلام کی کوٹھی میں آگ لگنے کی خبر دی۔ وہاں سے بلند شعلوں کے ساتھ دھواں اٹھ رہا تھا۔" وہ چائے نوشی کے دوران میں مزے لے لے کر بتانے لگا "معاملہ چوہدری سلام کے گھر کا تھا۔ ذرا سی دیر میں کئی گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ اندر واقعی زوردار آگ لگی ہوئی تھی۔ ملازمین نے بتایا کہ وہ چھوٹے چوہدری کے حکم پر گھر کا کچھ غیر ضروری ساز و سامان جلا رہے تھے۔"
" ان سے پوچھا نہیں گیا کہ اس ردی کام کے لیے وہ دن طلوع ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے؟" رانا کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔
"ضرور پوچھا گیا ہوگا مگر یہ تفصیل اخبار میں نہیں آئی۔ ملازمین نے جو کچھ بھی کہا ہوگا وہ مان لینا پڑا ہوگا۔ بڑے لوگوں کے ساتھ ڈیل کرنے میں ایسی بہت سی مجبوریاں آڑے آتی ہیں۔"
"ایمبولینس اور کھٹومل کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کھٹومل، چوہدری سلام کا دوست تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں کو کھٹومل سے کوئی لگاؤ یا زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ بات اسی وقت کھلے گی جب کوئی کھٹومل کے بارے میں پولی کلینک سے رابطہ کرے گا۔ البتہ ایمبولینس کا قصہ آج صبح نمٹ گیا۔"
"نمٹ گیا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا "وہ قصہ کیسے نمٹ سکتا ہے؟"
"کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ ایمبولینس کہاں استعمال کی گئی تھی۔ اسپتال کی انتظامیہ نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کل رات کوئی نامعلوم شخص اسپتال کے احاطے سے ایک ایمبولینس لے اڑا۔ کوئی ایمبولینس کی چوری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حفاظتی عملے نے معمول کی کوئی روانگی سمجھ کر ڈرائیور سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رات بھر وہ ایمبولینس وہیں کھڑی رہی جہاں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ پولیس کنٹرول روم سے آج صبح پولی کلینک سے ایمبولینس کی چوری کی رپورٹ نشر کی گئی تو ایک گشتی پارٹی فوراً ہی وہاں پہنچ گئی اور دیکھ بھال کے بعد ایمبولینس اسلام آباد پہنچا دی گئی۔"
"سرکاری زبان میں مال مسروقہ برآمد ہوگیا، مدعی پولیس کی کارکردگی اور اپنے مال کی برآمدگی پر مسرور و مطمئن ہے اس لیے فائل بند کردی گئی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"پولیس کے ہر محرر کی تحریر اس سے کہیں زیادہ گنجلک اور ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔ جس کا سر پیر سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ فائل کھٹومل کے اغوا کے انکشاف پر دوبارہ کھولنی پڑ جائے گی۔" رانا واقعات کی رفتار سے بہت مطمئن تھا۔
میں نے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لاہور سے جاری ہونے والے ایک مشہور اور بڑے اخبار کو غور سے صفحہ بہ صفحہ دیکھ ڈالا، ہر سرخی پڑھ لی لیکن مجھے کالو مکرانی، قاسم یا نادرہ کے فلیٹ میں جانے والی کھوجی پارٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ مل سکا۔
اس دوران میں رانا، سلطان شاہ کے ساتھ باتوں میں لگا رہا۔ میں اخبار بینی سے فارغ ہوا تو وہ فوراً ہی میری طرف متوجہ ہوگیا "تم نے پڑھا کہ چھوٹا چوہدری کس قدر احمق ہے۔"
"اس کی حماقت کی داستان تم نے زیادہ تفصیل سے سنائی ہے۔ پورے اخبار میں مجھے اپنے مطلب کی بات کہیں نہیں مل سکی۔ اس میں کراچی کی خبریں بہت کم ہیں۔"
"پنجاب کے زمیندار اور جاگیردار ہر روز کسی کمین کی بہو بیٹی کی چادر تار تار کر کے ان اخباروں کو اتنا مواد فراہم کر دیتے ہیں کہ دوسرے شہروں کے لیے بہت کم جگہ باقی بچتی ہے۔ ویسے بھی ہر اخبار کا اپنا انداز اور قرینہ ہوتا ہے۔ تم کراچی کا کون سا اخبار پڑھتے ہو؟"
میری فرمائش پر تھوڑی ہی دیر میں کراچی کا ایک مشہور اردو روزنامہ بھی آگیا۔
مجھے اس اخبار کے تمام صفحات نہیں کھنگالنے پڑے۔ شہری صفحات پر کلفٹن میں ہونے والی ہولناک دہشت گردی کے حوالے سے تین اہم ملزموں کی گرفتاری کی خبر موجود تھی۔ جن کے ذریعے اہم شہادتیں ملنے کی توقع تھی۔ نامہ نگار کے بیان کے مطابق پولیس ان تینوں کے بارے میں مکمل رازداری سے کام لے رہی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ نامہ نگار نے جہانگیر کی پسند، نسیم کو بھی کالو کمرانی اور قاسم کے ساتھ شامل کرلیا تھا۔ خبر میں ان تینوں میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔

آخری صفحے پر امریکا سے آئے ہوئے ایف بی آئی کے ایک سراغ رساں کی سرگرمیوں کی خبر تھی۔ وہ اپنے دو تربیت یافتہ کھوجی کتوں کے ساتھ سکھر میں مقیم ایک خاتون کے آراستہ مگر غیر آباد فلیٹ میں کئی گھنٹوں تک مصروف رہا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے لیے مقامی ماہرین کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ان لوگوں کے پڑوسیوں اور عمارت کے چوکی دار کے بیانات بھی لیے تھے۔

اس سے پہلے اول خان نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ اس خبر میں زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود تھا۔ ایف بی آئی والے نے اخباری نمائندوں کو وقت دینے سے صاف انکار کردیا تھا مگر اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت میں کچھ ایسی باتیں کہہ گیا تھا جو بہت اہم تھیں۔

اس نے میرا نام لیے بغیر الزام لگایا تھا کہ امریکی حکومت کے پاس یہ باور کرنے کی ٹھوس وجوہ موجود تھیں کہ ایک خطرناک ترین عالمی دہشت گرد کراچی میں روپوش تھا اور امریکی حکومت یہ عزم کرچکی تھی کہ دنیا کے آخری سرے تک ہر دہشت گرد کا پیچھا کرکے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائے گی۔

اخبار کے نامہ نگار نے مذکورہ بیان اور میرے بارے میں اپنے اخبار کو ملنے والے انعامی اشتہار کی روشنی میں آخر میں خود یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ امریکی حکومت اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے کام کرنے والے خفیہ شعبوں کے اہل کار ڈیٹی نامی کسی مفروضہ شخص سے بہت زیادہ خائف تھے جو ان کے بیان کے مطابق پاکستانی نژاد تھا۔ دوسری طرف پاکستان کے ذمے دار افسران اس نام سے اپنی مکمل بے خبری ظاہر کررہے تھے۔

میں نے نشان دہی کرکے وہ دونوں خبریں رانا کے سامنے کردیں "مجھے ان خبروں کی تلاش تھی جو لاہور کے اخباروں میں سرے سے موجود نہیں ہیں۔"

"کلفٹن میں دہشت گردی کرنے والوں کی گرفتاری قومی اہمیت کی خبر ہے' دوسری خبر بین الاقوامی اہمیت کی ہے۔" اکبر رانا نے اعتراف کیا "دونوں خبریں اسٹاف رپورٹرز کے حوالے سے آئی ہیں۔ کراچی میں ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ تعلقات ہیں...."

میں ہنس پڑا "یہ مت کہو۔ پاکستان کے ہر قابلِ ذکر اخبار کے بیورو آفس کراچی میں بھی ہیں۔ ان دفاتر میں کراچی والے ہی کام کرتے ہیں مگر ان سے خبروں کے بجائے اشتہارات حاصل کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے پھر محنت والی خبریں کہاں سے آئیں گی؟"

”کلفٹن میں ہونے والے خوں ریز مقابلے کے بارے میں پنجاب کے سارے اخباروں نے بڑی بڑی سرخیاں لگائی تھیں۔ پتا نہیں اب اسے کیوں بھلا دیا گیا۔“ رانا بولا۔

”شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ واقعہ ہی کھٹول کی جان کا روگ بنا ہے۔“ میں نے اسے آگاہ کیا ”وہ کراچی کے معمولات کا کوئی حصہ نہیں تھا۔“

اکبر رانا چونک پڑا۔

کراچی میں اندرونِ خانہ ہم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا‘ وہ اس سے بالکل بے خبر تھا۔ اسے اول خان کی زبانی صرف اتنا پتا چلا تھا کہ مشہور لیڈر کھٹول کراچی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے والا تھا اور وہ اول خان کو مطلوب تھا۔ اسے اول خان کے مطالبے کے اسباب اور پس منظر سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

میں نے اخبارات کی کارکردگی سے شروع ہونے والی گفتگو کے تسلسل میں اسے کھٹول کے پورے پس منظر سے آگاہ کیا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”اگر کھٹول کراچی میں امریکیوں کا ایجنٹ ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہاں چوہدری سلام ان کا نمک خوار ہے۔ ان لوگوں نے ہر طرف اپنے زر خرید کارندوں کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ مجھے ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا اونچا کھیل چل رہا ہے۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

”یہاں ہم تم سے مدد لینے کے لیے آئے ہیں۔ تمہارا ان سب باتوں سے باخبر ہونا ضروری تھا۔“ میں نے مزید وضاحت کی ”کھٹول کے ساتھ ملک و قوم کے چند اور غداروں کی گردنیں ہمارے شکنجے میں آسکیں تو اس سیاسی مافیا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔“

”تم نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی ہے۔“ رانا کی آواز گمبھیر ہو گئی ”ہم یہاں دارالحکومت میں بیٹھے ہیں۔ ہم بہت کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے کھیل دیکھتے ہیں جو کراہت انگیز ہوتے ہیں مگر ہم ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔“

”اب تمہیں ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”تم جانتے ہو کہ جنیوا کنونشن کے تحت دنیا بھر میں سفارت خانوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ وہ پرائی زمین پر ہونے کے باوجود اپنے وطن کی سرزمین کے ایک حصے کی طرح ہوتے ہیں۔ ان پر متنازع مقامی قوانین کا ذرا بھی اطلاق نہیں ہوتا۔“

”یہ بہت پرانی باتیں ہیں۔ ان ہی کی آڑ لے کر بہت سی گھناؤنی سازشیں کی جاتی ہیں۔“

”تمہاری فکر انگیز باتیں سن کر میرے ذہن میں بار بار دو نام کلبلا رہے ہیں۔ یہ وہ بے غیرت پاکستانی ہیں جو اپنی بیویوں اور اولادوں کے ساتھ بہت باقاعدگی سے امریکی سفارت خانے کی تمام کاک ٹیل پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں....“

”اب ہمارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ نام لے کر بات کرو تاکہ ہم بھی ان چہروں سے واقف ہو سکیں۔“

”ان کی اولادوں میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔“ اس نے دکھ بھری آواز میں کہا ”میں تصدیق کیے بغیر ان کے نام نہیں لوں گا۔ مناسب وقت آنے پر تم خود ان کے چہرے دیکھ لو گے۔ وہ دونوں ہی چوہدری سلام کے گہرے دوست ہیں۔“

”دوستی کو معیار مت بناؤ۔“ سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”عوام کے بڑے بڑے اجتماعات میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے بلکہ گالیاں دینے والے سیاست داں بھی نجی زندگی میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بعض کو اس طرح ہم نوالہ و ہم پیالہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔“

”سیاست سے ہم ہمیشہ بہت دور رہتے ہیں۔“ رانا نے فوراً ہی کہا ”ہم بس افراد کو دیکھتے‘ پرکھتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں۔“

”بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں بیشتر خرابی اسی سیاست کی لائی ہوئی ہے۔ کاغذوں پر لکھے ہوئے ہر جماعت کے نعرے یا منشور محض دکھاوے کے لیے ہیں۔ ہمارے یہاں بس دو سیاسی جماعتیں چلی آرہی ہیں۔ ایک حزبِ اقتدار کہلاتی ہے اور دوسری حزبِ اختلاف۔ عوام کو بے وقوف بنا کر درونِ خانہ یہ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ کیا پتا کب کس کی لاٹری نکل آئے۔“

”اس کے باوجود ایس ٹی ایف کسی کی سیاسی وفاداری سے مرعوب ہوتی ہے‘ نہ اس بنا پر اس کی دشمن ہوتی ہے۔ ہماری بے لاگ رپورٹیں آج بھی کہیں نہ کہیں محفوظ ہوں گی یہ سب ہمارے علم میں ہیں۔ ان کو سرزنش کرنا ہمارے دائرۂ کار سے خارج ہے۔“

ناشتا ختم کر کے وہ دیر تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔ میرا ارادہ اس کے ساتھ اسٹیشن نائن کے دفاتر دیکھنے کا تھا لیکن اس نے نرمی کے ساتھ مجھے روک دیا۔

”تمہارے ساتھ وقت گزار کر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم کھٹول کو فی الحال زندہ رکھنے پر کیوں مجبور ہو۔ اس واقعے کی گرد دبنے تک تم کو محتاط رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ کوئی سرکاری ایجنسی ہماری بھی نگرانی کر رہی ہو۔ ایسے میں تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں ہوگا۔“

وہ دلوں کو چیر دینے والی بے اطمینانی تھی جو رانا کے لب و لہجے میں پنہاں تھی۔

وہ اپنے دفتر میں چلا گیا اور میں سی ایس ڈی کے بارے میں سوچنے لگا۔ رانا نے کسی ایجنسی کی طرف سے اپنے اسٹیشن کی نگرانی کا خدشہ ظاہر کر کے مجھے اندر سے ہلا دیا تھا۔ نگرانی ہو سکتی تھی تو فون بھی ٹیپ کیا جا سکتا تھا۔ میں فون پر اول خان سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

کراچی میں ہوم سیکریٹری کی طرف سے طلب کیے ہوئے

اجلاس میں شرکت کے بعد میں اول خان کے ساتھ سیدھا ملیر چھاؤنی چلا گیا تھا۔ سلطان شاہ پہلے سے وہاں موجود تھا اور پھر ہم دونوں وہیں سے براہِ راست اسلام آباد چلے آئے تھے۔ مجھے درمیان میں ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو میں جہانگیر کے گھر کی فون لائن سے ننھی سی سی ایس ڈی ضرور نکال لایا ہوتا۔

مجھ سے جب جہانگیر نے روز اپنی دکان پر آنے والی ایک خوب رو عورت سے اپنے یک طرفہ عشق کا ذکر کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جہانگیر کی وہ رنگین مزاجی کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اس کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا چلا گیا کہ ہمارے فلیٹ پر حملہ آور ہونے والوں کے دو ساتھی کراچی پولیس کی تحویل میں تھے اور ہم کھٹومل کے کامیاب اغواء کے بعد اسلام آباد میں پڑے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

موبائل فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بٹن دبا کر فون آن کیا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا "مجھے معلوم تھا کہ تم کہیں بھی ہوئے، تم سے بات ضرور ہو جائے گی۔" وہ مسرت آمیز آواز میں کہہ رہا تھا "یہ بتاؤ کہ اب تمہارے شہر کی کیا خبریں ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" میں نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا "جہانگیر کے گھر جا کر مجھے فون کرو پھر تفصیل سے بات ہو سکے گی۔"

"اوہ!" وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گیا "میں تھوڑی دیر میں رنگ کرتا ہوں۔"

بھارتی سیکرٹ سروس را کے سینئر اہل کار بدری ناتھ کے ساتھ میری منافقانہ رفاقت خاصی طویل رہی۔ وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا رہا اور میں اس کے گرد اپنا جال پھیلاتا رہا۔ اس دوران میں کئی نازک لمحات بھی آئے مگر امریکا میں ہم دونوں کو ہی مجبوریاں درپیش تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے دبتے اور بغلوں میں چھریاں دبا کر منہ سے رام کی مالا جپتے رہے۔

اس سرد جنگ میں مجھے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں اسے شیشے میں اتار کر سنسر سینسنگ ڈیوائس یا سی ایس ڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت اس ننھے سے موثر آلے کا کوئی متبادل یا توڑ میرے سامنے نہیں آسکا تھا۔

موبائل فون مل جانے کے بعد ایک مسئلہ میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا کہ سی ایس ڈی کو فون کے دو تاروں سے جوڑ کر ہی استعمال کیا جا سکتا تھا جب کہ موبائل فون میں بیرونی یا اندرونی تاروں کا تصور ہی سرے سے ناپید تھا۔ اس کے ساتھ سی ایس ڈی کو منسلک کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس آلے کے بغیر موبائل فون کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی۔

گیارہ بجے رانا نے کھٹومل کے بارے میں دل خوش کر دینے والی ابتدائی خبر سنائی۔

چوہدری سلام نے گجرات سے واپسی کے بعد فون کرنے کے بجائے کھٹومل کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خود ہی اسلام آباد پولی کلینک کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ اسپتال میں اپنے گہرے دوست کا کوئی سراغ نہ پا کر وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔

پہلے وہ اسپتال کے اعلیٰ انتظامی عملے سے بدتمیزی کرتا رہا پھر اسلام آباد کے آئی جی کے دفتر میں زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ ہر قیمت پر کھٹومل کی فوری بازیابی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

کھٹومل سندھ کی اقلیت پر اپنے موثر کنٹرول کی وجہ سے قومی سطح پر ایک معروف حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دوسری طرف چوہدری سلام جیسا منہ پھٹ اور جارح سیاست داں اس کی پشت پر تھا۔ پورے اسلام آباد میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

سب کڑیاں موجود تھیں۔ انہیں یک جا کر کے یہ اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کھٹومل کو کیسے اغوا کیا ہوگا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ اول خان کا فون آگیا۔

"غنیمت ہے کہ تم نے موبائل فون پر رابطہ نہیں کیا۔ پتا نہیں اس لاسلکی فون پر سی ایس ڈی کام بھی کر سکے گی یا نہیں؟" میں نے دعا سلام کے بعد کہا۔

"میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا تھا۔ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ویرا مجھ سے پہلے موجود ہے اور جہانگیر کے کان کھا رہی ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی جھاڑ کے کانٹے کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔"

"میں نے غزالہ کو بہت اختصار سے بریف کیا تھا۔ تم اس کی تسلی کرا دینا۔ اس سے کہو کہ وہ یوں گھر سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہ لے۔ وہ بے موت ماری جائے گی۔"

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔" وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"چوہدری سلام نے واپس آ کر ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔ دیکھنا ہے کہ کھٹومل کے اغوا کی تفتیش کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ اکبر رانا بھی کچھ پریشان ہے۔"

"کیوں؟ اسے کس بات کی پریشانی ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے شبہ ہے کہ کہیں کوئی ایجنسی اسٹیشن ٹائن کی نگرانی نہ کر رہی ہو۔"

"یہ ناقابلِ یقین سی بات ہے۔ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

"میں نے بلاوجہ ہی تمہیں جہانگیر کا فون استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔"

"ہماری گفتگو کا جاری رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی مداخلت نہیں ہو رہی۔"

"رانا یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ یہاں کے مسائل کو وہ ہم دونوں سے بہتر سمجھتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے خیال میں [illegible] ہے۔ دنیا کے ہر

دارالحکومت میں ایسی ہی بے یقینی کی فضا رہتی ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کون کس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تمہارے بڑوں کو علم ہے کہ اسٹیشن ٹائن والے کیا کررہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے اہم اور نازک معاملات میں ہم بڑوں کو بے خبر نہیں رکھ سکتے۔"

"اسے منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔ اب اس کے خلاف تم کیا کررہے ہو؟"

"آج مجھے اندازہ ہوا کہ کسی شہری انتظامیہ میں تھانے دار کتنا طاقتور ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ایس ایچ او نے ایف آئی آر کے تحت کالو مکرانی اور قاسم کے بیان لے کر سیل کرلئے ہیں۔ اس پر شدید دباؤ ہے کہ دونوں بیانات میں کھٹول کا کوئی ذکر نہ آنے پائے لیکن اس نے ملزموں کے بیان میں ردوبدل کرنے سے صاف انکار کردیا ہے۔"

"جس صوبے میں آئی جی اپنے ہوم سیکریٹری کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہو' وہاں ایک تھانے دار کی یہ ضد سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے قدرے تعجب سے کہا۔

"بگڑی ہوئی مشینری میں اب بھی کہیں کہیں صحیح پرزے موجود ہیں۔" اول خان نے کہا۔

"اس کا تبادلہ کردیا جائے گا' کھڈے لائن لگا دیا جائے گا۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"بعد میں جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اصل بیان فائل میں شامل رکھے گا۔ اس کا کوئی افسر چاہتا ہے تو خود اپنے قلم سے اس میں ردوبدل کرے۔ میں نے بہت دیکھ بھال کر قیدیوں کو اس کے حوالے کیا تھا۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ پولیس کے محکمے میں ایسے اصول پرست افسر بھی موجود ہیں۔ اب اس بارے میں تیزی سے کوئی فیصلہ ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"آج کسی بھی وقت فائل چل پڑے گی۔" اول خان نے پورے وثوق سے کہا۔ "معاملہ کھٹول کا ہے اس لئے فائل درجہ بہ درجہ ایس پی' ہوم سیکریٹری' چیف سیکریٹری اور چیف ایگزیکٹو سے ہوتی ہوئی اسلام آباد جائے گی۔"

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' وہ لوگ تاخیری حربے ضرور آزمائیں گے۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ نہیں ہوسکتا' امریکیوں نے اپنے اشتہار میں کھٹول کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا حوالہ دے کر اس کی گردن پھنسوانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ میٹنگ میں تمہارے اٹھائے ہوئے نکات اب ہر بڑے دار کو سوچنے پر مجبور کررہے ہیں۔"

"اس گٹھ جوڑ کو سامنے آنا ہی تھا۔ بس امریکیوں نے ذرا عجلت دکھا کر ہمارا کام آسان کردیا۔ تم یہ دیکھتے رہو کہ بقیہ کام تیزی سے نمٹتا چلا جائے۔"

"مجھے جو کچھ کرنا تھا' میں کرگزرا ہوں۔ اب معاملات سرکاری ڈھب پر چلیں گے۔ معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر امید ہے کہ تاخیری حربے کامیاب ہوں گے' نہ کوئی کالو مکرانی کے بیان پر قلم لگا کر اپنی معطلی اور معزولی کا خطرہ مول لے گا۔"

"ہوم سیکریٹری وہ فائل آئی جی کے منہ پر دے مارے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کمزور اور خوشامدی افسروں کو اکثر ایسی تذلیل سہنی پڑتی ہے۔" اول خان بولا۔ "ڈانٹ پھٹکار سن کر ان کی کھال اتنی موٹی ہوجاتی ہے کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"کالو مکرانی کا بیان بہت اہم ہے۔ وہ اسلام آباد والوں تک پہنچ گیا تو چوہدری سلام کے غبارے سے ایک دم ہوا نکل جائے گی۔ رانا کو شبہ ہے کہ وہ بھی امریکی مفادات کے لئے کام کررہا ہے۔"

"کھٹول کے کرتوت بے نقاب ہوگئے تو وہ خود بخود عتاب میں آجائے گا۔ میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ چوہدری سلام نے کھٹول کی بے گناہی کی کہانی سنا کر کسی نہ کسی وزیر یا سیکریٹری کی ہمدردیاں حاصل کی ہوں گی۔ اس کے بغیر کھٹول کو سندھ میں کھلی چھوٹ نہیں مل سکتی تھی۔ پول کھلنے کے بعد چوہدری سلام اپنا اعتبار کھو بیٹھے گا۔"

"اب میں یہاں ریسٹ ہاؤس میں چھپا بیٹھا ہوں۔ تم ویرا کو سمجھاؤ کہ وہ احمقانہ حرکتیں نہ کرتی پھرے۔ اس کے پہچانے جانے کے خطرات ہمیشہ بہت زیادہ رہے ہیں۔"

"مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ امریکیوں نے اپنے اشتہار میں تمہارا گمراہ کن خاکہ شائع کیا ہے۔ تم بے خوف و خطر پورے اسلام آباد میں گشت کرسکتے ہو۔ ہاں' ویرا کی بات مختلف ہے۔ وہ میرے سر پر سوار ہے۔ تم خود ہی اسے سمجھالو۔"

"کل رات تم مجھے نہیں بتا سکتے تھے کہ تم اسلام آباد جارہے ہو؟" ویرا بھری بیٹھی تھی۔ اول خان سے ریسیور لیتے ہی پھٹ پڑی۔ "میں تمہاری دُم میں کوئی نمدہ تو نہ باندھ دیتی۔"

"میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے غزالہ کو بتا دیا تھا۔ میں تم دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔"

"وہ تمہاری بیوی ہے' میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" وہ زہریلی آواز میں غرائی۔

"اب تک تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ میں یہاں تفریح کے لئے....."

"مجھے بہت کچھ معلوم ہوچکا ہے۔" ویرا نے برہمی سے میری بات کاٹ دی۔ "وہ چڑیل ہماری اتنی دشمن ہوگئی تھی کہ مخبری کرنے خود پولیس چیف کے پاس جا پہنچی یا اب اتنی ہمدرد ہوگئی ہے کہ اس نے تمہارا خاکہ ہی الٹ ڈالا۔ میں تم دونوں کی ایسی کی تیسی کرکے رکھ دوں گی۔"

"ایف بی آئی اور سی آئی اے والے بھی یہی کرنا چاہ رہے ہیں۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔ "تمہارے ہاتھ سے گردن کٹنے

گی تو مجھے زیادہ دکھ نہیں ہو گا۔"
"یہ یاد رکھنا کہ میرا نام ویرا ہے۔ میں اس جینی کی بچی کو دیکھ لوں گی۔"
"میری طرف سے تم اسے دڑّے مارو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ میری نہیں، تمہاری دوست ہے۔"
امریکیوں کے اشتہار کی وجہ سے اس روز جینی بار بار موضوعِ سخن بنتی رہی۔ وہ اس سلسلے کی آخری گفتگو تھی جو ویرا سے وہیں ختم ہو گئی اور وہ میری سرگرمیوں کے بارے میں پوچھنے لگی۔
مجھے اندازہ تھا کہ اس کی کھوپڑی میں لاوا پکتا رہا تھا۔ اسے اعتدال پر لانے کے لئے میں بہت تحمل سے اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ آخر میں جب میں نے اس سے گھر میں محدود ہو جانے کا ذکر چھیڑا تو اس نے حیرت ناک سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔
"ویرا ہی تمہاری دکھتی رگوں کو دبانا جانتی ہے۔ اس سے تم ٹھیک رہتے ہو۔" سلطان شاہ بولا۔
"کراچی واپس چلو پھر دیکھوں گا کہ وہ کس کی رگیں صحیح دباتی ہے۔"
"میرے ساتھ وہ فتنہ انگیزی کرتی ہے جس کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ تمہارے....."
"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔ "اب اپنی بے سروپا باتوں سے میرا دماغ مت کھاؤ۔ ہم ایک نئے شہر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہے۔"
"اوّل تو اسلام آباد تمہارے لئے نیا نہیں ہے۔ بندروں کے ذریعے کہوٹہ کے مضافات میں جاسوسی کے جدید ترین آلات کے استعمال کو ناکام بنانے کے لئے تم نے کافی دن یہاں گزارے تھے۔"
"مجھے وہ سب یاد ہے۔ ان مضافات میں ایک یہودی، بم بردار ابابیلوں کے ذریعے کہوٹہ کی تباہی کے ناکام منصوبے پر کام کرتا رہا تھا مگر وہ حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت ہم مقامی سیاست اور سازشوں کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔"
"دونوں پاٹ گھس گھس کر اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"
میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کر کے خاموشی اختیار کر لی۔
میرے ذہن میں ایک نکتہ رہ رہ کر سر ابھار رہا تھا۔ کھٹومل اقلیتوں کا ایک غیر متنازع لیڈر تھا اور چوہدری سلام اپنے صوبے کے کسی حلقے سے قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ ان دونوں کے اثر و رسوخ میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن ان میں سے کسی کے پاس اتنے زبردست انتظامی اختیارات نہیں تھے کہ وہ اسلام آباد میں بیٹھے بیٹھے سندھ کے ہوم سیکریٹری کو کھٹومل کی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کر سکیں۔ وہ کام کوئی بااختیار شخص ہی کر سکتا تھا۔
دیکھنا یہ تھا کہ ملک میں دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی لاقانونیت کو فروغ دینے والا وہ مہرہ کون تھا اور کس بنا پر چوہدری سلام سے تعاون کر رہا تھا۔
دو بجے رانا سے خبر ملی کہ چوہدری سلام نے اپنے سارے تعلقات بروئے کار لا کر کھٹومل کے دلیرانہ اغوا کو پورے اسلام آباد کا مسئلہ بنا دیا تھا۔
اس نے رات گئے اپنے گھر میں لگائی جانے والی آگ کے بارے میں پوری سچائی سے کام لے کر ہر ایک کو صاف بتا دیا تھا کہ طبی عملے کے روپ میں کھٹومل کو اغوا کرنے والوں نے اس کا نام لے کر اس کے گھر والوں کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا تھا کہ اس کے سادہ لوح بیٹے نے اپنے باپ سے مزید کسی مشورے کی ضرورت محسوس کئے بغیر پندرہ بیس لاکھ روپے سے زیادہ مالیت کے قیمتی فرنیچر، قالینوں اور دوسرے ساز و سامان کو محض اس خوف سے آگ لگوا دی تھی کہ کہیں ان میں کھٹومل کے زخموں کے جراثیم سرایت نہ کر گئے ہوں۔
ہر ایک سے اس کا ایک ہی سوال تھا کہ جب اسلام آباد جیسے محفوظ اور مرکزی شہر میں قومی اسمبلی کے ایک رکن کے گھر میں ٹھہرا ہوا مہمان مجرموں سے محفوظ و مامون نہیں تھا تو پھر ملک میں قانون عام شہریوں کو کس طرح تحفظ فراہم کر سکتا تھا؟
تسلی، تشفی اور دلاسوں کے سوا کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔
چوہدری سلام کے من میں چور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کھٹومل مجھ سے دہشت زدہ تھا۔ میرے ہاتھوں اس کے کئی آدمی مارے گئے تھے اور میں شنکر بن کر فون پر اسے مزید خوف زدہ کرتا رہا تھا۔ اس وجہ سے اس نے کھٹومل کے اغوا کے سلسلے میں مجرموں کا نام لیا تھا۔ کسی ادارے یا ایجنسی پر اپنے شک و شبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔
ایس ٹی ایف ویسے بھی اپنی ہیئت میں ایک پراسرار تنظیم تھی جس کے بارے میں خود اس کے اہلکار بھی بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کھٹومل کے اغوا میں ان لوگوں نے کوئی کردار ادا کیا ہو گا۔
یہ آخری نکتہ اکبر رانا کے لئے بہت حوصلہ افزا تھا۔ بعد میں اس نے اعتراف کیا کہ کھٹومل کے اغوا کے بعد سے وہ مسلسل سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہا تھا کہ کوئی بھی فیڈرل ایجنسی اس اغوا کے بارے میں براہِ راست اسٹیشن نائن سے رجوع کر سکتی ہے۔
وہ ایک الگ بات تھی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی بھی اسٹیشن اپنے ہیڈ کوارٹرز کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ اکبر رانا اس اصول کے سہارے، اپنی طرف آنے والی ہر آفت کو ٹال سکتا تھا لیکن اس کے نتیجے میں جو بدمزگی اور کشیدگی پیدا ہوتی، وہ مستقبل

میں اس کے کام میں رکاوٹوں کا سبب بن سکتی تھی۔ چوہدری سلام نے میری ذات کو اپنے ذہن میں رکھ کر ایس ٹی ایف پر سے ہر بوجھ بار ہٹا دیا تھا۔

شام کے چار بجے پہلی حوصلہ افزا خبر آئی۔ مرکزی وزارتِ داخلہ میں کراچی سے کوئی طویل پیغام فیکس پر آیا تھا اور دفاتر میں اچانک ہی پراسرار سی ہلچل اور نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی۔ وہ اس دفتر کا کوئی معمول کا سلسلہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں اہم ترین بات یہ تھی کہ کراچی سے فیکس ملنے کے صرف نصف گھنٹے بعد ایس پی آفس کو چوہدری سلام کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ ترک کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ایس پی آفس میں حالات کی رفتار پر نگاہ رکھنے کے لئے ایس ٹی ایف کے دو آدمی مامور تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ ایس پی نے چوہدری سلام کا ایک فون سننے سے انکار کردیا تھا۔

چوہدری سلام ایک سیاسی لیڈر ہی نہیں، فطری اور جبلّی طور پر بدمعاش بھی تھا۔ وہ اپنی کھلی توہین برداشت نہیں کرسکا۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ ایس پی کے دفتر پہنچا تو اس کی لاف و گزاف کے باوجود عملے نے اسے دفتر سے باہر ہی روک لیا۔

شور بڑھ کر مغلظات کی حدود میں داخل ہوا تو ایس پی خود اپنے دفتر سے باہر آیا اور اس نے چوہدری سلام کو تلخ لہجے میں جھاڑ دیا۔ "چوہدری صاحب! یہ شرمناک واردات ہوئی ہے۔ ہم پوری سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ آپ بار بار زحمت کر کے ہماری زندگی اجیرن نہ بنائیں۔ کوئی نتیجہ برآمد ہوتے ہی آپ کو گھر پر مطلع کردیا جائے گا۔ اس وقت تک آپ وہیں آرام کریں۔"

چوہدری سلام کے کان ایسے لب و لہجے سے آشنا نہ تھے۔ وہ ہر درجے کے سرکاری ملازمین کو ذاتی خدمت گار سمجھنے کا عادی تھا۔ وہ ایس پی کی وردی اتروانے کی دھمکیاں دیتا ہوا، آگ بگولا ہو کر وہاں سے نکل گیا۔

سیکریٹریٹ..... میں مرکزی وزارتِ داخلہ کا دفتر اس کی دوسری منزل تھی۔ وہ اپنی توہین کی شکایت لے کر براہِ راست وزیر یا سیکریٹری سے ملنا چاہتا تھا مگر اسے فلور پر لفٹ سے اترتے ہی دوسرا دھچکا لگا۔ اسے بتایا گیا کہ سب لوگ کسی اہم کام میں مصروف تھے۔ فلور پر بیرونی افراد کے داخلے پر پابندی تھی۔ وہ زینوں سے نیچے اترا تو اس کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

وہ کوئی تیسرا دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں کرسکا۔ شاید اسے نوشتۂ دیوار کچھ دھندلا دھندلا سا نظر آنے لگا تھا۔ اس بار وہ سیدھا اپنے گھر کی طرف گیا تھا۔

وہ خبریں سن کر میرا سر فخر سے تن گیا۔ پاکستان کی سرزمین پر کوئی جرم کرنا اگر آسان تھا تو پھر قانون کی بے رحم گرفت سے بچ نکلنا اسی قدر محال تھا۔ بات صرف قانون کے حرکت میں آنے کی تھی۔

بڑی مچھلیوں اور مگرمچھوں کے جرائم کے خلاف کارروائی کے لئے اجازتوں کے ذکر ہم سب سنتے آئے ہیں۔ وہ بھی مگرمچھوں کے خلاف ہونے والی ایک کارروائی تھی جس کی صحیح بنیاد ایک تھانے میں رکھی گئی تھی۔ تھانے دار راشی تھا، نہ ڈرپوک۔ اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا، اسے من و عن ریکارڈ کرنے پر تل گیا۔ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو اس نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

اس کے بنائے ہوئے کاغذوں میں سنگین حقائق کے ساتھ ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ نچلی سطح پر صحیح خطوط پر بننے والی وہ فائل کسی کے روکے نہ رک سکی اور شاید فیکس کے ذریعے مرکزی وزارتِ داخلہ تک پہنچ چکی تھی۔

چوہدری سلام ایک مصروف اور معروف لیڈر تھا۔ اس روز ہونے والی ہوا خیزی نے اسے پریشان کردیا۔ اس کے پاس پاسپورٹ موجود تھا۔ پاسپورٹ کے صفحات پر متعدد ملکوں کے ویزے موجود تھے۔ اس نے گھر بیٹھے ٹکٹ حاصل کیا اور صرف اپنے ڈرائیور کے ساتھ چھ بجے ائرپورٹ پہنچ گیا۔

وہ سات بجے والی پرواز سے اپنی دبئی روانگی کے بارے میں اس قدر پُریقین تھا کہ اس کا ڈرائیور اسے ائرپورٹ پر اتار کر چلا گیا۔

وہ بورڈنگ کے مرحلے سے بخوبی گزر گیا۔ وہاں کام کرنے والوں میں سے بیشتر اسے جانتے تھے۔ ان سے نمٹ کر وہ امیگریشن پر پہنچا تو کئی منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد اس کا پاسپورٹ اسے

لوٹا دیا گیا۔ افسر نے بہت احتیاط سے متعدد کاغذات چیک کر کے اس کے پاسپورٹ پر کلیئرنس کی مہر لگانے سے معذرت کرلی تھی۔ اس بار چوہدری سلام غصے میں آپے سے باہر ہوا نہ افسر کو گالیاں یا دھمکیاں دے سکا۔ بس پھٹی پھٹی مجروح اور بے اعتبار آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے قدم گویا زمین میں گڑ کر رہ گئے تھے۔ اس کے پیچھے جمع ہونے والے اس کے ہٹنے کے منتظر تھے۔

افسر نے احترام آمیز لہجے میں اسے دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنے کی ہدایت کی اور آگاہ کیا کہ تھوڑی دیر قبل اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آچکا تھا۔

میرے لئے وہ ناقابلِ یقین واقعات اور تجربات تھے جو ٹوٹ ٹوٹ کر قسطوں میں مجھ تک پہنچ رہے تھے۔ اپنے رعب اور دبدبے سے ہر ایک کے اوسان خطا کردینے والا چوہدری سلام بے بسی کے عالم میں ٹیکسی سے اپنے گھر واپس پہنچا تھا۔

اکبر رانا کا اعتماد بہت تیزی سے بحال ہوا تھا۔ اس کے دل سے ہر خوف نکل چکا تھا۔ اس کے مستعد اور ذہین ماتحت محاذ کے ہر اہم مورچے پر پھیلے ہوئے تھے اور اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔

اس وقت تک وہ چہرہ سامنے نہیں آیا تھا جس نے چوہدری سلام کے ایما پر کھٹومل کو سندھ میں تحفظ فراہم کیا تھا لیکن اس وقت آنے والی خبروں سے یہ ضرور ثابت ہوگیا تھا کہ سسٹم میں گنتی کی کالی بھیڑوں کے ساتھ سرگرم اور فرض شناس اہل کاروں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

سلطان شاہ بے حسی اور مستعدی کی ان دو انتہاؤں پر رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا۔ ایک طرف یہ عالم تھا کہ ایک اعلیٰ عہدے دار خود کھٹومل کی وکالت کر کے ہر ایک کو اس کی طرف سے چشم پوشی برتنے پر مجبور کر رہا تھا۔ دوسری طرف اسی اعلیٰ عہدے دار کے ہاتھوں سے گزر کر کچھ ایسا مواد اسلام آباد پہنچ چکا تھا جس کی روشنی میں چوہدری سلام پر دھیرے دھیرے ہر در بند ہوتا چلا جارہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا۔" ائرپورٹ سے چوہدری سلام کی واپسی کی خبر سننے کے بعد سلطان شاہ بول پڑا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی الٹا جادو چل پڑا ہے۔"

"یہ الٹا جادو وادو نہیں' سیدھا سادہ مکافات کا عمل ہے۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔ "کبھی کبھی اس میں تاخیر ضرور ہوجاتی ہے مگر یہ اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔"

"جہاں کاغذ ایک سے دوسری میز تک پہنچنے میں ہفتوں کا وقت لے لیتا ہو' وہاں ایسی حیرتناک تیزی ناقابلِ یقین ہے۔ صبح وہ پورے شہر میں بنکارتا پھر رہا تھا۔ اب کسی پرکٹے بلبل کی طرح اپنے گھر میں جا گھسا ہے۔"

"اس نے تو اپنی بے توقیری دیکھ لی ہے۔ اب وہ فون پر مصروف ہوگا۔"

"اس کا نام اتنی سرعت سے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آیا ہے کہ خود اسے بھی یقین نہیں آسکا ہوگا۔ اس حالت میں ہر ایک اس سے کترائے گا۔ وہ فون پر شاید ہی کسی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوسکے۔" سلطان شاہ نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"ابھی کوئی بات طے نہیں ہے۔ پانسا پلٹ بھی سکتا ہے۔ جو لوگ اونٹ پالتے ہیں' وہ اپنے دروازے بھی اونچے رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فرار کے لئے اپنے خفیہ رابطوں کی تلاش میں ہو۔"

"اس کی نگرانی ہونی چاہیے۔" سلطان شاہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو ہماری یہ ساری بھاگ دوڑ برباد ہوجائے گی۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم کھٹومل کے پیچھے یہاں آئے تھے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔" اکبر رانا نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔ "چوہدری سلام گرفت میں آگیا تو یہ اس کی بدقسمتی ہوگی۔"

"تو کیا تمہیں اب بھی اس کے پکڑے جانے میں شبہ ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چکنی مچھلیاں اکثر ہاتھ آکر پھسل جاتی ہیں۔ شکار وہی کہلاتا ہے جو جھولی میں پہنچ جائے۔"

"مجھے واقعات میں اتنی تیزی کی امید نہیں تھی۔ چند گھنٹوں میں سب کچھ ہوگیا۔" میں نے کہا۔

"کراچی میں اول خان نے سرتوڑ کوششیں کی ہوں گی۔" رانا نے خیال ظاہر کیا۔ "وہاں سے مواد اسلام آباد نہ آتا تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہر شخص چوہدری سلام کے دباؤ میں رہتا۔"

"چوہدری سلام کے بال و پر کاٹے جاچکے ہیں۔ کل تک کھٹومل ...کے بارے میں بھی حالات واضح ہوجائیں گے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" رانا نے الجھن سے کہا۔

"کھٹومل کو اغوا تو کرلیا۔ اب واپس کیسے لاؤ گے؟" میں نے اپنی بات واضح کردی۔

"ابھی تک جو پوزیشن ہے وہ ہمارے حق میں ہے۔ کراچی والوں کو کھٹومل سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہم اسے باضابطہ طور پر پولیس کی تحویل میں دے سکتے ہیں۔"

"سوچ لو اور اپنے بڑوں سے مشورہ کرلو۔ یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک چلا گیا ہے۔ کھٹومل ضرور سزایاب ہوجائے گا مگر ایس ٹی ایف موضوعِ سخن بن جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ان معاملات میں چوہدری سلام بھی ملوث ہے۔ ایس ٹی ایف کا نام اسمبلی میں پہنچ گیا تو اس کی رازداری

تباہ ہو جائے گی۔"

"یہی نہیں، پوری فورس کی بقا بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ فورس کس قانون کے تحت اور کس نے بنائی ہے؟ اسے فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟ اس کا دائرۂ کار کیا ہے؟ نام اچھلتے ہی بے شمار ٹیڑھے سوال سر اٹھائیں گے۔ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔"

"تمہاری نگاہیں دور رس ہیں۔ یہ باریکیاں میرے گمان میں بھی نہیں تھیں۔ مجھے اوپر ہی سے کوئی ہدایت لینی ہوگی۔ ایک مجرم کے لئے پوری فورس کی بقا کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

"اسے اِدھر اُدھر گھمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔ "آزاد علاقے میں ہی مارو اور کہیں دبا دو۔ کچھ عرصے تک اس کی تلاش جاری رہے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ رفتہ رفتہ اسے بھول جائیں گے۔"

"نہیں۔" رانا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اول خان نے اسے زندہ رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی ابدی روپوشی کے سنگین نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ وہ مجرم سہی مگر ایک مقبول اقلیتی لیڈر ہے۔ اسے عدالت سے ہی سزایاب ہونا ہے۔ کس طرح؟ یہ اوپر والے بتائیں گے۔"

"میری دانست میں اسے واپس لانے کا ایک ہی طریقہ ممکن ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بتا دو۔ میں اپنے چیف کو تمہاری رائے سے بھی آگاہ کردوں گا۔"

"آدم خان کے آدمیوں کے سوا کوئی بھی قبیلہ اسے اپنے علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ کے حوالے کردے۔"

"جواز کیا ہوگا؟" رانا نے میری تجویز میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بے ہوش اور زخمی حالت میں کہیں بھی پڑا ہوا مل سکتا ہے۔"

"بالکل۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ کچھ لوگ تاوان وغیرہ کی امید میں اسے اغوا کرکے لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں اندازہ ہوا کہ وہ غلط آدمی کو اٹھالائے ہیں یا اس کے وارثوں سے تاوان کی رقم نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے اسے پھینک دیا۔"

سلطان شاہ کے کہے ہوئے ہر لفظ کے ساتھ رانا کی آنکھوں میں چمک بڑھتی چلی گئی۔ وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوا تو رانا بولا۔ "میں چیف سے ضرور بات کروں گا مگر مجھے تمہاری تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ کسی پر الزام تراشی

نہیں کر سکے گا۔"

میرے ذہن میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ اکبر رانا' کھٹومل کے اغوا کے بعد تحفظ کے سلسلے میں بہت فکر مند تھا۔ یہی صورت اول خان کے ساتھ تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ کھٹومل کو عارضی امانت کے طور پر آدم خان کے آدمیوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ وہ اسے جتنے دن اپنی تحویل میں رکھتے' مہمان کے طور پر رکھتے۔ کھٹومل کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ تاوان کے سوا کسی اور مقصد کے لئے آزاد علاقے میں پہنچایا گیا تھا۔

"کھٹومل کے ساتھ اب چوہدری سلام بھی ہماری لسٹ پر آگیا ہے تو اس کے خلاف بھی کچھ کام شروع ہو جانا چاہیے۔" میں نے رانا کو مشورہ دیا۔

"حکم کرو۔ جو چاہتے ہو اسی پر عمل شروع کر دیا جائے گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ پتا چلاؤ کہ چوہدری سلام چار آدمیوں کے ساتھ کل اتنی رات گئے گجرات کیوں گیا تھا؟ اس کا پچھلی رات کا سفر میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو تو خیال آرہا ہے کہ لوگ رات کے وقت اسلام آباد اور لاہور کے درمیان سفر سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ٹرکوں کا رش زیادہ ہوتا ہے۔ بعض خطرناک مقامات پر ٹرکوں کی تیز روشنیاں کار چلانے والوں کو بالکل اندھا کر دیتی ہیں۔" رانا بولا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ کھٹومل خود ہی چوہدری سلام کے خلاف بہت کچھ اگل دے گا لیکن ہمیں بھی کہیں نہ کہیں مصروف رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"یہاں بظاہر کوئی زیادہ کام نہیں ہے۔ اکبر سمجھ دار آدمی ہے۔ میں ابھی اسے گجرات روانہ کئے دیتا ہوں۔ کل تک وہ بہت کچھ معلوم کر کے لوٹ آئے گا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا میری سرشت میں نہیں تھا۔

رانا کو دو کام مل گئے تھے۔ اکبر کی گجرات روانگی اور کھٹومل کی واپسی کے بارے میں اپنے چیف سے مشورہ۔ وہ اٹھ کر اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں جو صبح سے میرے دماغ میں پھانس بن کر چبھ رہی ہے۔" رانا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے تخلیے میں مجھ سے کہا۔

"تم نے سوال نہ کیا تو یہ پھانس رات بھر میرے دماغ میں چبھتی رہے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جو پوچھنا ہے' جلد از جلد پوچھ ڈالو!"

"ہمیں اسلام آباد آئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہونے والے ہیں۔ ایس ٹی ایف کا چیف اسی شہر میں ہے۔ اس نے ابھی تک تم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

وہ سوال میرے ذہن میں بھی ابھر چکا تھا۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا پھر بھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ "اس کی اپنی کوئی مصلحت یا مجبوری ہو سکتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو' اسے فون کر کے معذرت ہی کر لینی چاہیے تھی۔ میں رانا سے پوچھوں گا۔"

"رانا سے ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ معمولی سی بات بلاوجہ اہم بن جائے گی۔"

"معمولی نہیں' میرے نزدیک یہ بہت اہم بات ہے۔" اس نے قدرے تیزی سے کہا۔ "آدمی عزت کے لئے ہی اپنی جان لڑاتا ہے۔ عزت نہ ملے تو سب بیکار ہے۔"

"تمہاری دانست میں عزت صرف اسی کے دینے سے ملے گی؟ کیا یہ کافی نہیں کہ رانا تمہارے سامنے بچھا جا رہا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں اسی کی وجہ سے چپ ہوں ورنہ اب تک تم سے واپسی کا مطالبہ کر چکا ہوتا۔"

"تمہارا دل بہت چھوٹا ہے اسی لئے ذرا ذرا سی بات پر ویرا سے لڑ پڑتے ہو۔ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم آرمی' نیوی یا ایس ٹی ایف کے لئے کام نہیں کر رہے۔ اپنے مشن کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ہیروئن کے حوالے سے ہم کھٹومل کے پیچھے لگے تھے لیکن دیکھ لو کہ جہانگیر کی رنگین مزاجی کے بہانے ہم نے اس کا دوسرا چہرہ بھی دیکھ لیا۔"

"تمہارا بڑا دل تم ہی کو مبارک ہو۔ میں چھوٹا آدمی ہوں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے ہی زندہ رہتا ہوں۔ زندگی میں یہ بھی نہ ملیں تو زندہ رہنے کا فائدہ؟"

میں مسکرا کے رہ گیا۔ سلطان شاہ کی بعض باتیں بہت سادہ مگر دل نشین ہوتی تھیں جن سے میں اسی طرح محظوظ ہوا کرتا تھا۔

سوا آٹھ بجے کے قریب رانا واپس آیا۔ اس کے آتے ہی خدمت گار نے میز پر کھانا لگانا شروع کر دیا۔ اس بار میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ شخص تم کو بتا کر یا تم سے پوچھ کر ہمارے لئے میز لگاتا ہے....."

"تمہارا پہلا خیال درست ہے۔" اس نے مسکرا کر میری تائید کی۔ "میں نے اسے ہدایت کی ہوئی ہے کہ میں دفتر میں موجود ہوں تو یہ مجھے تمہارے خورونوش کے اوقات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ میں میزبانی کے تھوڑے بہت فرائض انجام دے سکوں۔"

"میزبانی تو خوب ہو رہی ہے مگر اصل میزبان کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو رانا کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"اوہ!" اکبر رانا اس کا اشارہ فوراً ہی سمجھ گیا۔ "چیف کہیں مصروف ہے۔ کل سے میرا اور اس کا فون پر بھی رابطہ نہیں

ہو سکا۔"

"پھر کھٹومل کی واپسی کے بارے میں تم نے کیا طے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے پیغام چھوڑ دیا ہے۔ دس منٹ بعد چیف شاید یہاں کے نمبر پر فون کرے گا تو بات ہوگی۔ میں اکبر کو گجرات کے لئے روانہ کر آیا ہوں۔ وہ پہلی کوچ سے نکل جائے گا۔"

اکبر سے اس کے اہل و عیال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ پنڈی یا اسلام آباد ہی میں رہتا تھا لیکن اول خان کی طرح وہ بھی اپنے کام کو گھریلو ذمے داریوں پر ترجیح دیتا تھا۔

اس وقت خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اپنے چیف سے مشورے کے لئے اسے مزید کچھ دیر دفتر ہی میں رکنا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔

کھانے کے درمیان باتوں کا دور بھی چلتا رہا۔ اسے اپنے آدمیوں کی طرف سے مزید کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ بس اتنا بتایا گیا تھا کہ وزارتِ داخلہ کے بعض اہم دفاتر اس وقت بھی آباد تھے۔ ان دفاتر میں ہونے والی سرگرمیوں سے اس کے آدمی بے خبر تھے۔

ہم تینوں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چائے نوشی میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور رانا نے ہی اٹھایا اور اس میں لیس سر کہنے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کے چیف کی ندامت آمیز آواز آئی۔ "پچھلی رات سے اب تک تم سے ملنے کے لئے نہیں آسکا۔"

"کوئی حرج نہیں۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "یہی کافی ہے کہ تم کو میرا خیال ہے۔ اب کام سے نمٹ کر ہی ملاقات بہتر رہے گی۔"

"کراچی میں اول خان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا رہا' یہاں میں خود کیس کے پیچھے لگا ہوا ہوں تب کچھ نتائج سامنے آئے ہیں۔ آج رات کراچی میں کالو مکرانی اور اس کے ساتھی کی گرفتاری کا پریس ریلیز جاری ہو جائے گا جس میں کھٹومل کا ذکر بھی ہوگا۔"

”گڈ!“ وہ خبر سن کر میں واقعی خوش ہوگیا۔ ”یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔“

”کچھ کام ہوگیا ہے۔ بہت سا کام باقی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کل کسی وقت میں فارغ ہوجاؤں گا۔ پینے پلانے کے لئے کوئی خواہش محسوس کرو تو رانا کو بلا تکلف بتا دینا۔ وہ بندوبست کردے گا۔ آج کل ریسٹ ہاؤس میں کچھ نہیں رہتا۔“

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اب روزِ ابر و شبِ ماہ تاب والی بات رہ گئی ہے۔ تم آؤ گے تو دیکھا جائے گا۔“

”تم یقین کرو کہ میں تم سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں لیکن یہ بہت گندہ اور جان لیوا کیس ہے۔ تم نے اس میں قدم قدم پر کمال دکھائے ہیں۔ میں تمہاری اس محنت کو پوری طرح بار آور بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔“

اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی بو آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے اس کی طرف سے میرے دل میں جو غبار بھرا تھا' وہ چند ہی لمحوں میں زائل ہوگیا۔

اس سے بات ہونے کے بعد پتا چلا کہ اسلام آباد والوں پر کارکردگی دکھانے کا دورہ از خود نہیں پڑا تھا۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ بذاتِ خود اس کیس کی پیروی کررہا تھا۔ اس نازک معاملے میں اپنے ماتحتوں کو پس منظر میں رکھ کر خود سازشی افراد کے خلاف سینہ سپر ہوجانا بڑی ہمت اور جرات کا کام تھا۔

چیف سے کوئی یہ سوال کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا کہ چوہدری سلام کے گھر سے کھٹول کو اٹھانے والے کون تھے۔

مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ بہت مصروف تھا' اس کے پاس وقت کی کمی تھی۔ میں نے اس سے کھٹول کی واپسی کے بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی کیونکہ اس نے دورانِ گفتگو میں ہی بتا دیا تھا کہ میرے بعد وہ رانا سے کچھ بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

”سر! ہم ان سب مسائل پر غور کرچکے ہیں۔“ اپنے چیف کی گفتگو سن لینے کے بعد رانا نے کہا۔ ”فورس کو اس قضیے سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے کرنل جمال دستی ایک رائے رکھتے ہیں۔“

دوسری طرف سے اجازت ملتے ہی رانا نے میری بتائی ہوئی تجویز دہرانی شروع کردی۔ اس کی بات مکمل ہونے کے اگلے ہی لمحے گفتگو ختم ہوگئی اور اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اپنی تمام تر مصروفیات اور عجلت کے باوجود اس نے مجھ سے خاصی طویل گفتگو کی جس کے خاتمے پر میں نے ریسیور رانا کو لوٹا دیا۔

رانا نے فون پر نہایت ادب سے کھٹول کی واپسی کا معاملہ بیان کرڈالا۔ وہ خاصی دیر تک اپنے چیف کا جواب سنتا رہا جو شاید اطمینان بخش نہیں تھا۔

”چیف نے تمہاری تجویز سنتے ہی منظوری دے کر فون بند کردیا۔“ اس نے خوش ہو کر مجھے بتایا۔ ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ چیف سے تمہاری اتنی بے تکلفی ہوگی۔ وہ تمہارے لئے اسکاچ وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے بھی کہہ رہے تھے۔“

”نہیں' جب خواہش ہوئی' میں تمہیں خود بتا دوں گا۔“ میں نے کہا۔

”کھٹول کی واپسی کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟“ چند ثانیوں

بعد اس نے پوچھا۔
"طریقہ طے ہو چکا ہے لیکن عمل وقت پر ہی کیا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ ہدایت دینے کے بعد اس کی واپسی میں کتنا وقت صرف ہو گا۔ یہاں سے پشاور اور پھر وہاں سے آزاد قبائلی علاقے کا فاصلہ خاصا طویل ہے۔ قاصد کو وہاں تک پہنچنے میں ہی آدھا دن لگ جائے گا۔"
"وہ سب پرانی باتیں ہیں۔" رانا نے بے پروائی سے کہا۔ "افغانستان کی لڑائی سے جہاں پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کا سیلاب آیا ہے وہیں مواصلاتی آلات بھی آئے ہیں۔ سب کیمپ غیر قانونی وائرلیس ٹرانسمیٹرز کے ذریعے آپس میں مربوط ہیں۔"
"پیغام فوراً پہنچ جائے گا۔" میں نے تسلی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور اس کی رہائی میں کتنا وقت لگے گا؟ وہ پنڈی کب تک آجائے گا؟"
"سب کام اسی تیزی سے ہوں گے جس تیزی سے آج ہوئے ہیں۔ ایک گھنٹے میں وہ پشاور پہنچ سکتا ہے۔ پرواز مل گئی تو مزید ایک گھنٹا رکھ لو۔"
"کل صبح کارروائی کا آغاز ہوا تو وہ دوپہر یا زیادہ سے زیادہ شام تک یہاں آجائے گا!" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔ اس کا جواب اثبات میں تھا۔
تقریباً سب کچھ طے ہو گیا تھا۔ وہ صبح سویرے ملاقات کا وعدہ کر کے ہم سے رخصت ہو گیا۔
میں ریسٹ ہاؤس کے فون پر فورس کے چیف سے بات کر چکا تھا لیکن اول خان سے رابطہ کرنے پر طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ فون پر کسی گڑبڑ کا اندیشہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا بیٹھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اول خان جہانگیر کے گھر سے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے تو میں اسے تازہ ترین خبروں سے آگاہ کر کے کراچی کے بارے میں کچھ دریافت کر سکوں۔
اول خان اپنے چیف کی طرح نہ جانے کن مسائل میں الجھا ہوا تھا کہ اس کا فون نہیں آیا اور اسی انتظار میں نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔
اگلی صبح بیدار ہوتے ہی میں نے اخبارات پر چھلانگ لگائی اور متعدد اخبارات میں سے چھانٹ کر کراچی کا اخبار نکال لیا جو رانا نے شاید میری پسند کے پیش نظر منگوایا تھا۔
صفحۂ اول کی ذیلی سرخی کلفٹن کے سانحے کے دو ملزموں کی گرفتاری اور ان کے سنسنی خیز انکشافات کے بارے میں تھی۔ میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور میز کے گرد ایک کرسی پر بیٹھ کر پوری خبر کا مطالعہ شروع کر دیا۔

اصل خبر پولیس ہینڈ آؤٹ کے حوالے سے تھی۔ اس میں اقرار کیا گیا تھا کہ کالو مکرانی نے چھ افراد کے قتل کے سانحے کا مدوح رواں کھٹومل کو قرار دیا تھا جس کے دو اہم گرگے اس واردات میں مارے گئے تھے۔
اس پریس ریلیز میں ملزمان میں سے کسی کا پورا بیان شامل نہیں تھا۔ چیدہ چیدہ نکات جمع کر کے ایک جامع خبر بنالی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں وضاحت کی گئی تھی کہ مزید تفتیش کے لئے پولیس کھٹومل کو شہر میں تلاش کر رہی تھی۔
اس بڑی خبر کے نیچے اخبار نے اپنے ذرائع سے مزید کئی ذیلی خبریں شائع کی تھیں۔ ایک خبر کا عنوان تھا۔ "کھٹومل کہاں روپوش ہے؟"
ایک طرف، پولیس کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ وہ ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لئے کھٹومل کو شہر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ دوسری طرف اخبار اپنے ذرائع سے اس کی اسلام آباد میں موجودگی اور پھر وہاں سے پُراسرار اغوا کی خبر دے رہا تھا۔
اخبار نے کھٹومل کی مضبوط مالی حیثیت اور بے پناہ اثر و رسوخ کے حوالے سے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے اغوا کی اطلاع روپوشی کا کوئی ڈراما بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اپنے ذرائع سے آنے والے برے وقت کی خبر مل گئی ہو اور اس نے قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے خود ہی اپنے اغوا کا ڈراما رچا کر کہیں روپوشی اختیار کر لی ہو۔
اس ضمن میں اس کے گہرے دوست چوہدری سلام کی طرف سے اسلام آباد میں درج کرائی جانے والی ایف آئی آر کا بھی حوالہ دیا گیا تھا جو اخبار کے اندازے کے مطابق ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کہی جا سکتی تھی۔
کھٹومل ان واقعات سے پہلے بھی فرشتہ صفت نہیں رہا تھا لیکن بے نقاب نہیں ہوا تھا۔ دہشت گردی کے واقعے میں باقاعدہ طور پر اس کے ملوث ہونے کے بعد اخبار میں اسے آڑے ہاتھوں لیا گیا تھا۔
کھٹومل کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈکیتی کی نام نہاد واردات نے بھی اخبارات میں جگہ پائی تھی۔ اس کی اہمیت یوں بھی بڑھ گئی تھی کہ اس واردات میں دہشت کے باعث دل کا دورہ پڑنے کے سبب ایک معمر مہمان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔
اخبار نے سوال اٹھایا تھا کہ کلفٹن میں بارود اور خون کی ہولی کے اسباب مہیا کر کے کھٹومل نے اپنے گھر محفلِ طرب و نشاط سجا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہا تھا اور اس تقریب کو برباد کرنے والے کون لوگ تھے۔

اس ڈکیتی کی ایف آئی آر اور اس بارے میں ہونے والی پیش رفت بھی اخبار کے کھوجی نامہ نگار سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ ایف آئی آر کا اندراج، تفتیش، خود کھٹول کی خواب گاہ سے ڈکیتی کا مال برآمد ہونا، تقریب کے شرکا کا اپنی قیمتی اشیا کو پہچان لینا اور پھر اچانک سب کچھ ختم کردیا جانا۔ یہ تمام تفصیلات اخبار کے ریکارڈ پر آگئی تھیں۔

صرف دو پہلو ان خبروں کی زد میں آنے سے بچ گئے تھے۔ ان میں پہلا کھٹول کے بزدلانہ فرار کا واقعہ تھا، دوسرا اس کیس کے سلسلے میں آف دی ریکارڈ بریفنگ کا انعقاد۔

ان دو نکات کو چھوڑ کر اخبار نے ہر اعتبار سے کھٹول کی شخصیت کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔ اس کے خلاف چھاپا جانے والا وہ مواد اسے کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لئے اسی صورت میں کار آمد ثابت ہو سکتا تھا جب ان کی تصدیق کے لئے ثبوت فراہم کیے جاتے۔

ثبوت فراہم کرنے کی ذمے داری جن افراد اور اداروں کی تھی، ان کی کارکردگی میں قریبی معاونت کے لئے ایس ٹی ایف کے فرض شناس اہل کار پہلے ہی میدان میں اترے ہوئے تھے۔

ایک حاشیے میں یہ خبر بھی موجود تھی کہ اسلام آباد میں کھٹول کے میزبان اور ممتاز سیاسی رہنما چوہدری سلام کو پچھلی شام ملک سے باہر جانے سے روک دیا گیا کیونکہ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔

چوہدری سلام کے بارے میں زیادہ تفصیلی اور سنسنی خیز مواد لاہور کے اخبار نے شائع کیا تھا۔ اخبار نے اس کے بیرونِ ملک سفر سے روکے جانے کو کھٹول کیس کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ماضی کے سفر کا خلاصہ بھی بیان کردیا گیا تھا جو اس نے مومستری کے روپ میں لاہور کے ایک فٹ پاتھ سے شروع کیا تھا۔

دونوں مجرم بہت بری طرح اور اچانک ہی قانون کے شکنجے میں آئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے اعمال کی معقول سزا سے کسی صورت میں نہیں بچ سکیں گے۔ ان کے خلاف کالو مکرانی ہمارا سب سے مضبوط ہتھیار تھا۔ میں اخبارات میں اپنے مطلب کی خبریں چھانٹنے میں مصروف تھا کہ اکبر رانا آپہنچا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن تمہارے عروج کے ہیں۔ تمہاری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوتی چلی آرہی ہے۔“ اس نے آتے ہی مسرت سے اطلاع دی۔

”کیوں؟ اب میں نے کیا کہہ دیا؟“ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

”اکبر ابھی گجرات میں ہی رکا ہوا ہے۔ اس نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے کہ پرسوں رات چوہدری سلام بیس کلو ہیروئن کا کارٹن گجرات پہنچانے گیا تھا۔ راستے میں چھان بین اور تلاشی سے بچنے کے لئے وہ گجرات تک خود ہی مال لے کر جاتا ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اپنی سیاسی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔“ رانا نے مجھے بتایا۔

”حیرت ہے کہ اکبر نے یہ باتیں اتنی آسانی سے معلوم کرلیں!“

”اس نے صرف یہ سراغ لگایا کہ چوہدری سلام گجرات میں کہاں گیا تھا۔ باقی باتیں خود بخود سامنے آگئیں۔ اس کے میزبان کے گھر سے غلام علی نامی ایک بدمعاش وہ کارٹن لے گیا تھا۔ غلام علی گجرات سے لاہور تک ہیروئن کا ایک بدنام سپلائر ہے۔ دو اور دو کی طرح ایک فیصلہ کرکے اکبر غلام علی کے گھر جا پہنچا۔ وہ ایکسائز افسر کے روپ میں گیا تھا۔ تمہیں یہ سن کر مزید حیرت ہوگی کہ غلام علی نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لئے دس ہزار کی رشوت دی ہے۔“

ہیروئن..... ہیروئن.... ہیروئن! میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ ہر بڑی برائی کے پردے میں ہیروئن ناچ رہی تھی۔ پاکستان سے امریکا تک اور امریکا سے پاکستان تک، بیشتر اور بڑے بدمعاشوں کی جیب میں ہیروئن کا سرمایہ کُل کھلا رہا تھا۔

نام بدلے ہوئے تھے، کردار سب کے سب وہی تھے۔ راس المیڈا، آئزک بیل، کھٹول اور چوہدری سلام۔ ان سب کی آرزوئیں اور خواہشیں یکساں تھیں، آمدنی کے ذرائع ایک جیسے تھے اور شاید زندہ رہ جانے والوں کا انجام بھی یکساں ہی ہونا تھا۔

فون کی گھنٹی کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اس بار رانا کو اپنے چیف کی کال کا انتظار نہیں تھا اس لئے اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان کی بجھی بجھی آواز سن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔

”کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو۔“ میں نے سنبھل کر پوچھا۔

”بات ہی کچھ ایسی ہے۔“ اس کی آواز میں مزید آزردگی سمٹ آئی۔ ”آج صبح سویرے کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرتے ہوئے نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔“

میرے کان سن ہو گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز کسی بہت گہرے اندھے کنوئیں کی تہ سے آرہی ہو۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

لگالیا۔ اول خان نے سلطی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کر کے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو مکرانی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فور لے آئے جہاں ان پر تشدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کر دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کالو مکرانی، کھٹومل کے خلاف ہمارا اکلوتا اور مضبوط گواہ تھا۔ ایس ٹی ایف والے اس بارسوخ مجرم کو قانون اور انصاف کے تقاضوں سے ماورا کوئی سزا دینے کے لیے تیار نہیں تھے جب کہ کھٹومل کو کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لیے اس کے خلاف گواہوں کی موجودگی ضروری تھی۔

اول خان کی زبان سے کالو مکرانی پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی خبر سن کر چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھٹومل اپنے ہونٹوں پر زہر میں بجھی ہوئی ایک طنزیہ مسکراہٹ لیے، دور کھڑا انگوٹھا دکھا رہا ہو۔

"اسے ہلاک کرنے والے کون لوگ تھے؟" ابتدائی ذہنی جھٹکے سے سنبھل کر میں نے پوچھا۔

"وہ مرا نہیں، بری طرح زخمی ہوا ہے۔" اول خان نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس پر فائرنگ کا ذکر کیا تھا۔ ایک گولی اس کی گردن میں لگی ہے۔ دوسری بازو میں پیوست ہوئی ہے۔ دو موٹر سائیکلوں پر سوار حملہ آور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"اس کی حالت تشویش ناک تو نہیں ہے؟" میں نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔" اول خان کی آواز گمبھیر تھی۔ "گردن میں لگنے والی گولی ریڑھ کی ہڈی تک پہنچنے والے اعصاب کو بس چھوتی ہوئی گزری ہے۔ ان اعصاب اور عضلات کو ذرا بھی زیادہ نقصان پہنچتا تو وہ گولی لگتے ہی ہلاک ہو سکتا تھا۔"

وہ تفصیل خاصی تسلی بخش تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اول خان کے آخری فقرے بہت امید افزا تھے۔

"کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟" قیدی کی زندگی کی امید پیدا ہوتے ہی میرے ذہن میں دوسرے نکات سر ابھارنے لگے۔

"کالو مکرانی کی جان کی حفاظت کے لیے یہ ہدایت براہِ راست آئی جی نے جاری کی تھی۔"

وہ ابتدا سے ہی خود کو کھٹومل کا خیرخواہ ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔ "میں دعویٰ کرتا ہوں کہ کالو مکرانی کو راستے سے ہٹانے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اس سے بھی ذرا بڑھ کر میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آئی جی نے اس کو ایک اصول پرست اور باضمیر ایس ایچ او کے چنگل سے نکالا ہے۔ کیس کی تفتیش سی آئی اے کو منتقل ہوتے ہی تفتیشی افسر بھی بدل جاتا۔" اول خان بولا۔

"یہ بہت دور کی بات ہوتی۔ پہلی اور بنیادی کوشش کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اسے لاک اپ سے نکال کر کھلی فضا میں لایا گیا جہاں پہلے سے موجود حملہ آوروں نے گھات لگا کر اس پر گولیاں برسا دیں۔ ایسے اچانک اور مہلک حملے میں اس کا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔"

"واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے ہیں کہ اب کوئی بھی ان سے چشم پوشی کر کے سارا الزام اپنے سر لینے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس خوشامدی آئی جی نے اپنے کسی اعلیٰ افسر کو خوش کرنے کے لیے معمول کے مطابق اس کے ٹیلی فون کے مطابق عمل کیا ہوگا۔ یہ اندر کی کہانی ہو سکتی ہے۔ کاغذوں پر اس واقعے کی پوری ذمے داری آئی جی پر ہے۔"

"پھر اس کے خلاف کیا کارروائی ہوئی؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال اس کا ہیڈ کوارٹرز میں تبادلہ کر دیا گیا ہے۔" اول خان کی آواز دھیمی تھی۔

"صرف تبادلہ؟" میں حیرت اور غصے کے عالم میں تقریباً

چیخ پڑا۔ ”ایک بڑے مجرم کے ساتھ سازش میں شرکت کے نمایاں ثبوت کے بعد محض تبادلہ کر دینا تو ایک مذاق ہے۔“

”بڑے عہدوں پر فائز بیوروکریٹس کو اچانک اس سے بڑی سزا نہیں دی جاسکتی۔“ اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”آپس کی پیشہ ورانہ رقابتوں کے باوجود سرکاری افسروں کی برادری کسی مافیا کی طرح منظم اور مربوط ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پورے حقائق سامنے آنے کے بعد اسے معطل کر کے ضابطے کی کارروائی شروع کر دی جائے۔ ابھی یہی کافی ہے کہ وہ صوبے میں اپنے اقتدار اور اختیار سے محروم ہو کر ایک بند دفتر میں جا بیٹھا ہے۔“

”پولیس بڑے مجرموں اور قوم کا سارا مال ہڑپ کر جانے والے مگرمچھوں پر اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں ڈال سکتی، عدالتیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے قاتل کو دوسرے روز پھانسی کی سزا نہیں سنا سکتیں، بیوروکریٹس کو ان کی غداریوں اور مفاد پرستیوں پر سزا نہیں دی جاسکتی تو پھر ہم کن سنگی دیواروں سے اپنے سر ٹکرا رہے ہیں؟“ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

”یہ چھوٹی بڑی گراریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو فرسودہ ہو جانے کے باوجود ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔ ایک دوسرے سے رگڑ رگڑ کر ساری گراریاں خراب مگر یکساں ہو چکی ہیں۔ ان میں کہیں بھی صرف ایک نئی گراری ڈال دی گئی تو شور کے ساتھ ہی سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا۔ پورا سسٹم بیٹھ جائے گا۔ تم ان چکروں میں مت پڑو۔“

”حیرت ہے، تم مجھے ان جیسا بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو.....“ میری بات ادھوری رہ گئی۔

”سسٹم میں وہی کچھ برقرار رہتا ہے جو اس سے مطابقت رکھتا ہو۔“ اول خان میری بات کاٹ کر بول پڑا۔ ”باقی سب کچھ اس چکی میں پس کر بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔“

”اگر میں تمہاری بات مان لوں تو پھر ایس ٹی ایف کے وجود کا جواز کہاں تلاش کروں گا۔“

”اسپیشل سیکیورٹی فورس محض اس لیے زندہ اور فعال ہے کہ یہ سسٹم میں شامل نہیں ہے۔ اس سے باہر رہ کر کام کرتی ہے۔ اپنے فیصلوں کے لیے پوری طرح خود مختار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا سربراہ بھی سلطنت کے کسی ایک ذمے دار کو جواب دہ ہو گا۔“

”کیا اس سسٹم کو ایس ٹی ایف کے سانچے میں نہیں ڈھالا جاسکتا؟“ میں نے پوچھا۔

وہ تلخی سے ہنس پڑا۔ ”اس سے ملوکیت بلکہ آمریت کی بو آتی ہے جو مغربی دنیا کو ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ وہ صرف جمہوری معاشروں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔“

”تاکہ ان کو اپنی سازشوں کے لیے آسانی سے تیار ایندھن اور مواد ملتا رہے؟“

”ان باریکیوں کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے! میں تو ایک ادنیٰ سا سپاہی ہوں۔“

”مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے دشمنوں سے کہیں بڑھ کر ہمارے اپنے دشمن ہیں۔ ہر ایک حسبِ توفیق ہماری کوششوں کو سبوتاژ کرنے میں لگا ہوا ہے۔“

”ڈیئی! تم یقین کرو کہ تم خوش نصیب ہو۔“ اس نے مجھے دلاسا دیا۔ ”موجودہ حالات میں تم نے جتنی تیزی سے اور جو کچھ نتائج حاصل کیے ہیں، وہ حیران کن ہیں۔“

”کالو مکرانی زخمی ہو کر اسپتال پہنچا ہوا ہے۔ اب ہمارا لائحہ عمل کیا ہو گا؟“

”کھٹو مل کو آزاد علاقے سے واپس لا کر قانون کی تحویل میں دینا ہمارا پہلا ٹارگٹ ہے۔“ اس کا لہجہ پرعزم تھا۔ ”کالو مکرانی کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ رہے گا اور عدالت میں کھل کر اپنے بیان کی توثیق کرے گا۔“

”میں حیران ہوں کہ کھٹو مل کے معاملے میں تم قانون کی دُم سے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟“ میں نے جھلا کر کہا۔ ”اس سے پہلے ہم کئی مجرموں کو جہنم واصل کر چکے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کلفٹن پر ہمارے فلیٹ پر شب خون مارنے

والوں میں سے دو کو ہم نے ٹھکانے لگایا، چار کو تمہارے آدمیوں نے مارا تھا۔"

"وہ مسلح تھے اور گولیاں برسا رہے تھے....." اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

میں نے اس کی بات اڑا دی۔ "ہم نے نہتے مگر خطرناک غداروں کو بھی مارا ہے!"

"میں مانتا ہوں، تم سے بحث نہیں کر رہا۔" اپنے لہجے سے وہ معذرت خواہ محسوس ہو رہا تھا۔ "کھٹومل کے بارے میں اوپر سے کچھ ہدایت ہے۔ یہ حساس سیاسی معاملہ بن سکتا ہے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ کھٹومل پورے ملک میں اور خاص طور پر سندھ میں ایک مقبول اقلیتی لیڈر رہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ایک افواہ سے بھی ہو رہا ہے۔"

"وہ افواہ کیا ہے؟" اس کی بات سن کر میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"سنا ہے کہ کھٹومل کے خلاف کالو مکرانی کے بیان کے اجرا اور پھر اس کے اغوا کو امریکی حکومت نے انتقامی کارروائی قرار دیتے ہوئے پاکستان سے احتجاج کیا ہے۔"

"یہ ہمارا مقامی اور اندرونی معاملہ ہے۔ امریکا اسے انتقامی کارروائی کیسے قرار دے سکتا ہے؟"

"میں اس افواہ کی تصدیق کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ وزارتِ خارجہ کے پٹارے سے خبریں ذرا مشکل سے ہی نکلتی ہیں۔ اگر یہ افواہ سچ ثابت ہوئی تو کل کلاں کو انسانی حقوق اور انفرادی آزادیوں کے حوالے سے بھی کسی مہم کا آغاز ہو سکتا ہے۔"

"انہوں نے یقینی طور پر یہی کہا ہو گا کہ کھٹومل نے اپنی ایف آئی آر میں ڈینی کو مجرم قرار دیا ہے۔ اس رپورٹ کے نتیجے میں ڈینی کی تلاش کی مہم کو تقویت ملی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے اب پاکستان میں کھٹومل کو زیادتیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس وقت کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن گمان یہی ہوتا ہے۔ کل پیش آنے والے تمام واقعات آج کے اخبارات میں رپورٹ ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکیوں کو کل ہی پتا چل گیا تھا کہ کھٹومل کے گرد گھیرا تنگ ہو چکا ہے۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "کسی کو پہلے ہی شبہ ہو چکا ہے کہ کھٹومل کو مارا گیا تو اسے امریکی انتقامی قتل قرار دے کر شدید احتجاج کریں گے۔"

"احتجاج سے بات آگے بڑھ گئی ہے۔ کھٹومل کے آدمی از خود کالو مکرانی پر ناکام قاتلانہ حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گہری سازش اونچے پیانے پر تیار کی گئی ہے۔ اس میں اہم ترین کردار آئی جی کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نادانستگی میں سازشی عناصر کا آلۂ کار بنا ہو۔ اس بات کا تعین بعد میں ہوتا رہے گا۔ سارا کھیل اس کے حکم نامے کے بعد شروع ہوا۔"

"تمہارا نکتہ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں امریکی سراغرساں پہلے ہی کراچی آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب انہوں نے اپنی توجہ کھٹومل کی طرف مبذول کر دی ہو۔"

"یہ امکان میرے ذہن میں آ چکا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی۔

"بس، اب کالو مکرانی کی حفاظت کرتے رہو۔ اسپتال میں اس پر دوبارہ کوئی قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ امریکی جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اسے پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔"

اول خان سے وہ طویل گفتگو ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔ "یہ بتاؤ کہ ہماری دیسی سی آئی اے اور امریکی سی آئی اے کی کارکردگی میں اتنا فرق کیوں ہے؟"

"ان ناموں پر نہ جاؤ۔ دونوں کے ڈھانچے یکسر مختلف ہیں۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ اٹک گیا۔

"انہوں نے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچایا ہوا ہے، ہمارے والے ٹکے ٹکے کے اچکوں کو مار لگا کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ آخر یہ کب ان کی سطح تک پہنچیں گے؟"

میں نے غصے اور بے بسی سے اسے گھورا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تم ملک سے باہر کی ہوا کھا کر فرفر انگریزی ضرور بولنے لگے ہو لیکن تمہاری معلومات صفر سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔"

"کیا میرے سوال کا معلومات سے بھی کوئی تعلق ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"امریکا میں یہ ادارہ سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کہلاتا ہے اور وفاق کے تحت کام کرتا ہے۔ ہمارا ادارہ کریمنل انوسٹی گیشن ایجنسی ہے۔ یہ صوبائی سطح پر صرف جرائم کی تفتیش تک محدود رہتا ہے۔ اس سے باہر کے معاملات دوسرے ادارے سنبھالتے ہیں۔"

"حد ہو گئی۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں

بلاوجہ ہی یہ موازنہ کرکے کڑھتا رہتا تھا۔"
"بے خبری اس قسم کے احساسِ کمتری کا سبب بنتی رہتی ہے۔ کچھ پڑھتے پڑھاتے بھی رہا کرو۔"
"مار دھاڑ سے فرصت ملے تو پڑھنے کا دھیان بھی آئے۔ جب ہر طرف سکھ چین کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو تم خود کوئی مسئلہ تلاش کر لیتے ہو......"
"شاید کھٹومل کے غنڈوں کو میں نے فلیٹ پر مدعو کیا تھا؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔
"وہ آئے تھے، چھ آدمی گنوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ قصہ ختم ہو گیا مگر کھٹومل تمہارے دماغ پر اس بری طرح سوار تھا کہ تم نے کالو مکرانی کو پکڑ لیا۔"
"اسے میں نے نہیں پکڑا، جہانگیر نے پکڑوایا تھا۔ اس کے ناکام عشق کا نتیجہ میرے کھاتے میں مت ڈالو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"اول خان سے تم بیوروکریسی اور افواہوں کے بارے میں کیا باتیں کر رہے تھے؟" اس نے متجسس لہجے میں اچانک ہی موضوع بدل دیا۔
ٹیلی فون پر ساری گفتگو اس کی اور اکبر رانا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ ان دونوں کو وہ تفصیل جاننے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے انہیں کراچی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔
"کھٹومل کا مذہب جو بھی ہو، اس کی شہریت پاکستانی ہے۔ وہ ایک پاکستانی ہو کر تمہارا بدترین دشمن ثابت ہو رہا ہے جب کہ جینی امریکی لڑکی ہے۔ وہ تمہارا ایسا دم بھرتی ہے کہ اس نے تمہارا غلط خاکہ بنوا کر کھٹومل کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔
"گاؤں، شہر، قبیلے اور ملک باہمی پہچان کے لیے ہوتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں ان کی مخالفت نہیں ہے مگر اس بنیاد پر کسی کو کسی پر افضل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم سب انسان ہیں۔ ہر جگہ اچھے اور برے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کھٹومل ایک بدترین اور غدار پاکستانی ہے جب کہ جینی ایک مہربان اور نرم دل امریکی لڑکی ہے۔" میں نے

جواب دیا۔

”تم اعترافِ جرم کررہے ہو۔“ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ”ویرا کو یہی شکوہ ہے کہ چینی اس کی دوست ہونے کے باوجود تم پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔“

”تم نرے الّو ہو۔ میں نے مہربان ہونے کا تذکرہ کسی ذو معنی مفہوم میں نہیں کیا تھا۔“

”یہ تم جانو۔ ایک جوان، خوبرو اور آزاد خیال عورت کے مہربان ہونے کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ ویرا اس سے واقف ہے۔ ہو سکے تو تم اسے دوسرے معنی سمجھا دینا۔“

”مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں آپس میں اتنے بے تکلف ہو۔“ اکبر رانا نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی وہ گفتگو سن کر خوشگوار لہجے میں کہا۔ ”کام کے وقت ڈسپلن اور فاضل اوقات میں مکمل مساوات ایس ٹی ایف کا بنیادی اصول ہے۔ اسی طرح افسروں اور ماتحتوں کے درمیان حیرت انگیز مفاہمت پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج کارکردگی پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔“

”تم نے گجرات میں چوہدری سلام کی سرگرمیوں کی خبر سنادی، کراچی میں کالو کے زخمی ہونے کی خبر سن لی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھٹو مل کب آرہا ہے۔“ میں نے کہا۔

”اس کی واپسی کا پیغام دیا جا چکا ہے۔ تم ناشتا کرلو پھر ہمیں پیرودھائی کی طرف جانا ہوگا۔“

”افغان مہاجروں کے امدادی کیمپ میں؟“ سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

”آدم خان وہیں ملتا ہے۔ اس سے تازہ ترین پوزیشن معلوم ہوسکے گی۔“

”کیا اس کیمپ میں فون نہیں ہے؟“ سلطان شاہ کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

”ان لوگوں کو وسیع رینج میں کام کرنے والے مفت کے لاسلکی آلات میسر ہیں تو وہ فون کے بکھیڑوں میں کیوں پڑیں؟ ان کے بیشتر مفادات آج بھی افغانستان کی سرزمین سے وابستہ ہیں۔ وہاں سے مسلسل رابطے کے لیے طاقتور وائرلیس سیٹ مؤثر رہتے ہیں۔“

”جب سے یہ عقدہ کھلا ہے کہ پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کی بھرمار افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد شروع ہوئی ہے، مجھے مظلوم اور بے بس افغانوں سے بھی خوف آنے لگا ہے۔ یہ تباہ کن لعنتیں ہم پر مسلط کرنے والے کوئی بھی رہے ہوں، افغان اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آلۂ کار بنے ہیں۔“ سلطان شاہ نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

”پیرودھائی جانے سے ڈر رہے ہو تو تمہارے ساتھ جبر نہیں کیا جائے گا۔“ میں نے ہلکے پھلکے انداز میں وہ سنگین موضوع ٹال دیا۔ ”ہم دونوں آدم خان سے مل لیں گے۔“

”تم میری بات کو منفی رنگ دینے کی کوشش۔۔۔۔“ سلطان شاہ نے احتجاج کرنے کی کوشش کی مگر میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اڑا دی۔

”اس موضوع پر اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گے۔ ہم اس بحث میں الجھ گئے تو دوسری اہم تر باتوں کو بھول بیٹھیں گے۔“

ناشتے کے دوران میں اکبر رانا باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کراچی سے نکلنے والے روزنامے کا بھی مطالعہ کرتا رہا پھر اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے بولا۔ ”یہ اخبار واقعی منفرد اور مختلف ہے۔ اس میں صرف خبریں ہیں، چٹخارے دار مال مسالا نہیں ہے۔“

مختصر سے وقفے میں حاصل ہونے والی معلومات کو جس طرح یکجا کرکے کھٹو مل کے چہرے سے نقاب ہٹایا گیا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ نامہ نگار کی اپنی قلمی محنت کے پیچھے کوئی باخبر ذہن بھی کار فرما تھا جس نے کڑیاں ملا کر کہانی مکمل کی تھی۔

اسلام آباد کی کشادہ شاہراہ پر میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے اکبر رانا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ”اول خان کی مدد کے بغیر اتنی سرعت سے یہ خبریں نہیں بن سکتی تھیں۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر بھی پوری طرح ہماری مدد کر رہا ہے۔“

”کھٹو مل کے خلاف الزامات کی فہرست آچکی ہے۔ اگر کل امریکا کے کسی احتجاج کی تصدیق ہوجاتی ہے تو ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے گا کہ امریکا کو ایک پاکستانی ملزم سے کیوں ہمدردی ہو رہی ہے۔ میرے خلاف ان کے اشتہاری مواد کی صحت پر بھی شبہ کیا جائے گا۔“

”عام لوگ اپنے رہن سہن میں امریکیوں کی لاشعوری یا دانستہ نقالی کے باوجود اس سے نالاں نظر آتے ہیں۔ یوں رائے عامّہ مزید ہموار ہوگی۔“ کمانڈر اکبر رانا نے جواب میں کہا۔

میں بے اختیار ہنس دیا۔ ”امریکا صرف ان ہی خطّوں میں رائے عامّہ کا احترام کرتا ہے جہاں وہ اس کے حق میں ہوتی ہے۔ مخالفانہ رائے عامّہ کو وہ بے رحمی سے مسترد کرکے حکمرانوں سے جوڑ توڑ کرنا شروع کردیتا ہے۔“

”غنیمت ہے کہ ابھی تک یہاں ایسے کسی جوڑ توڑ کا

آغاز نہیں ہوا ہے۔" اس نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اندرونِ خانہ جنم لینے والی کہانیوں سے ہم لوگ بے خبر رہتے ہیں۔ تم یہ دعویٰ نہیں کرسکتے۔"

"معاشرے کے ہر شعبے میں پھیلے ہوئے کرپشن کے ناسور کے باوجود یہاں قومی حمیت باقی ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ امریکا تمہارے معاملے میں بے بسی کا شکار ہے اور تم پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اخباری اشتہاروں سے مدد لینے پر مجبور ہوگیا ہے۔"

"دوسری صورت میں ان کا کوئی بھی نمک خوار میری گردن ان کے ہاتھوں میں دے سکتا تھا۔" میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اسلام آباد کی خوبصورت اور پُرسکون شاہراہ پر ایک طویل سفر طے کرکے ہم سہ پہر ڈھائی سے ذرا پہلے واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ میں پہنچ گئے۔

وہ پراسرار سا دفتر بظاہر ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھا جہاں دو میزوں اور تین افراد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آرہا تھا البتہ وہ چھوٹا سا دفتر عقبی دروازے کے ذریعے کسی اور کمرے سے بھی منسلک تھا۔ اس دروازے سے جنگجو... نظر آنے والے مسلح افراد کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ لوگ دفتر کے دو نفری عملے سے رسمی علیک سلیک کرتے ہوئے یوں گزر رہے تھے جیسے ان سے کوئی رسمی سا تعلق ہو۔

دفتر میں بیٹھا ہوا معمر شخص کمانڈر اکبر رانا کو پہچانتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنی میز کے پیچھے سے نکل کر باہر آیا اور گرم جوشی کے ساتھ اس سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے شخص کو بھی کرسی سے اٹھنا پڑا۔ اس کی نظروں میں استعجابیہ اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

معانقے سے فارغ ہوکر اکبر رانا نے میرا اور معمر افغان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ساتھی کرنل جمال دستی ہیں اور یہ آدم خان کے خصوصی نائب ملا بدر ہیں۔"

ملا بدر اپنی عمر کے باوجود پُرجوش اور مخلص شخص نظر آرہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ اسے نظرانداز کرکے مجھ سے لپٹ گیا۔ میری پسلیوں کے گرد اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند خیرمقدمی اور تہنیتی کلمات ادا کرنے کے بعد ملا بدر نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔

اپنی کرسی پر واپس جاتے ہوئے اس نے پشتو میں اپنے ساتھی کو جلدی جلدی ہدایات دیں۔ اس گفتگو میں دوبار استعمال ہونے والا صرف "ٹرانسمیٹر" کا لفظ ہی میرے پلے پڑ سکا۔ وہ ملا بدر کی بات سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر کھلنے والے دروازے میں غائب ہوگیا۔

ہم دونوں کو دفتر میں پڑے ہوئے گندے اور فرسودہ صوفوں پر بٹھانے کے بعد ملا بدر نے پشتو میں اکبر رانا کو کچھ بتانا شروع کردیا۔ اکبر رانا خاموشی سے تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا۔

وہ خاموش ہوا تو اکبر رانا نے کہا۔ "کرنل صاحب پشتو نہیں جانتے۔ ان کے سامنے ہم اردو میں بات کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

ملا بدر دھیمے سے ہنسا۔ "خو، تم جانتی... ام کا اردو....."

"کوئی فکر مت کرو۔ اردو کسی بھی لب و لہجے میں بولی جائے، سمجھنے والے مفہوم سمجھ جاتے ہیں۔" اکبر رانا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اکبر رانا کی وہ بات خاصی بے وزن تھی۔ لب و لہجہ اور صحیح تلفظ ہی ہر زبان کی جان ہوتا ہے۔ میں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان کی ایسی درگت بنتی دیکھی تھی کہ کسی انگریز کے سامنے کوئی فرنچ، جرمن یا اطالوی انگریزی بولنے کی کوشش کررہا ہے اور انگریز حیرت سے دیدے پھاڑے یوں اس کا منہ تک رہا ہے جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی اجنبی زبان بول رہا ہو۔

انگریزی میں باہمی افہام و تفہیم کے اس عذاب سے گزرنے کے لیے بہتیرے انگریز یورپ کی دوسری زبانیں بھی جانتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنی اس مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذہن پر زور ڈالنے کی ساری ذمے داری فریقِ ثانی پر ڈال دیتے ہیں۔

کسی جرمن کی غوں غاں میں ڈوبی ہوئی ہولناک انگریزی کو سمجھنے سے زیادہ آسان یہ ہوتا ہے کہ انگریز خود جرمن زبان بول کر اپنے مخاطب کو امتحان میں ڈال دیں۔ اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جرمنوں کے من میں سوئے ہوئے فوق البشر کی انا کو تسکین ملتی ہے، دوم یہ کہ ٹوٹی پھوٹی جرمن زبان میں کہے ہوئے فقروں سے مفہوم اخذ کرنے کی ساری ذمے داری خود ان کے سر آجاتی ہے۔

مگر میں مجبور تھا۔ پشتو سے یکسر نابلد ہونے کی وجہ سے اپنا بوجھ ملا بدر پر منتقل نہیں کرسکتا تھا۔

"وہ آج دوپہر کے بعد کسی بھی وقت پنڈی پہنچ جائے

گا۔" ملا بدر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں تذکرو تانیث میں کوئی ناروا فرق روا رکھے بغیر بتایا۔ "میرا آدمی اندر ٹرانسیسٹر پر بات کرنے گیا ہے۔ وہ زخاخیل کیمپ والوں سے بات کرکے صحیح پوزیشن بتا سکے گا۔"

"قیدی کس حال میں ہے؟" میں نے پہلی بار ملا بدر سے براہِ راست سوال کیا۔

"الحمدللہ، بہت اچھا ہے۔ بس اس کا ٹوٹا ہوا ہاتھ اسے بہت تنگ کر رہا ہے۔ زخاخیل کے بڑے حکیم نے اس کا پلاسٹر اتار کر دیسی جڑی بوٹیوں اور پہاڑی سلاجیت کا لیپ چڑھا دیا ہے، دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ملا بدر نے آگاہ کیا۔

"زخاخیل والوں سے تمہاری بات کب ہوئی تھی؟" اکبر رانا نے پوچھا۔

"قیدی کے پہنچنے کے بعد انہوں نے خود رابطہ کیا تھا پھر تمہارا پیغام ملنے کے بعد میں نے ان سے بات کی تھی کہ وہ مہمان قیدی کو کہیں ڈال کر پولیٹیکل ایجنٹ کو مخبری کرا دیں۔"

ہم وہیں بیٹھے ملا بدر سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں اندرونی دروازے سے ہر عمر کے باریش، مسلح اور تحیم شحیم مردوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں سے بیشتر کے شانوں پر ہلکے اونی کمبل یا چادریں پڑی ہوئی تھیں جو ہتھیاروں کو چھپانے سے کہیں بڑھ کر نمایاں کر رہی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی نے تام چینی کی کیتلی میں کھولتا ہوا قہوہ پیالیوں سمیت لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

افغان مہاجرین کے لیے قائم کیا ہوا وہ امدادی کیمپ راولپنڈی اور اسلام آباد کے سنگم پر ایک مختصر سے قبائلی خطے کا سماں پیش کر رہا تھا جہاں ہر سو بے تکلفی اور بے فکری کا راج نظر آ رہا تھا۔

"اندر سے کون لوگ آ جا رہے ہیں؟" گرم قہوے کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں وہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ سب روسیوں کے ستائے ہوئے مظلوم مہاجرین ہیں۔" ملا بدر نے دکھی آواز میں بتایا۔ "ان کی فصلیں ٹینکوں نے روند ڈالیں یا بموں نے جلا ڈالیں۔ توپوں نے گھر مسمار کر دیے۔ ہر سینے میں اپنے کئی کئی پیاروں کے لہو کے داغ پوشیدہ ہیں اور یہ یہاں فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"فاقہ کشی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھے ان میں سے کسی کے چہرے پر فاقہ کشی کی کوئی علامت نہیں دکھائی دی۔"

"پہاڑوں کی گود میں پلنے والے، ہم لوگ بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ سردی اور برف باری میں موسم کے تیور بگڑ جائیں تو عام حالات میں بھی ایک روز کا راشن چار چار روز چلا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ ہمارے کیمپوں میں بس دو تین وقت کا فاقہ ہوتا ہے پھر کہیں نہ کہیں سے رسد آ ہی جاتی ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مغربی دنیا دل کھول کر افغان مجاہدوں کی مدد کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ شروع کی بات ہے، اتنی امداد مل رہی تھی کہ ہم سے سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ فالتو سامان پشاور کی منڈی میں کوڑیوں کے دام پھینک دیا جاتا تھا۔" ملا بدر کی آواز بتدریج مغموم ہوتی جا رہی تھی۔ "ہم نے بچے ہوئے روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیار تک بیچے ہیں مگر اب وقت بدل چکا ہے۔"

"وقت وہی ہے۔ پہلے تم روسیوں سے لڑ رہے تھے، اب ان کے ایجنٹوں سے لڑ رہے ہو۔"

"ایجنٹ ہم جیسا ہوتا ہے۔ اسے پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جب تک سائبیریا کا سفید ریچھ میدان میں تھا، ہم اس کے خلاف یکجا تھے۔ اسے مار بھگانے کے بعد ہم سب پورے صدقِ دل سے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہر حریف خود کو حق بجانب اور مخالف کو گمراہ قرار دے رہا ہے۔"

"یہ مہاجرین صرف اپنے ہتھیار ہی بیچ دیں تو نہ صرف اپنی فاقہ کشی دور کر سکتے ہیں بلکہ اپنے گھروں کو بھی دوبارہ آباد کر سکتے ہیں۔" میں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہتھیار پٹھان کا زیور ہوتا ہے۔ خالی پیٹ کوئی نہیں ٹٹولتا، ہتھیار سے خالی شانے کو ہر ایک حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔" ملا بدر کہنے لگا۔ "یہ خود بھی اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے ہیں، بہت سے آبائی زمینوں پر جا کر دوبارہ واپس آئے ہیں کیونکہ وہاں سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔ مہنگائی کا طوفان ہے اور ضروریاتِ زندگی ناپید ہو چکی ہے۔ سکے کی ایسی ناقدری میں گزارہ ناممکن ہو چکا ہے۔"

"مگر وہ اپنی زمین ہے، یہاں کی غریب الوطنی اور فاقہ کشی سے وہاں کی زندگی زیادہ بہتر ہوگی۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"یہاں کے حکمران ہم پر مہربان رہے ہیں۔ ان کے برادرانہ رویّے کی وجہ سے ہم نے خود کو یہاں کبھی بے وطن نہیں سمجھا، یہ ہماری سرزمین ہے۔ ہر افغان مہاجر کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ موجود ہے۔ ان کاغذوں

کے سہارے کراچی یا عرب ریاستوں میں نوکری حاصل کر کے روزی کمانا ہر افغان نوجوان کا خواب بن چکا ہے۔ ساری جیبیں بھری ہوں تو آدمی دنیا کے کسی بھی حصے میں اپنا گھر بنا سکتا ہے۔ خالی جیب اور خالی پیٹ افغان سے آسودہ حال مہاجر ہونا کہیں بہتر ہوگا۔"

ملا بدر کے آخری فقرے میں گہرا فلسفہ پنہاں تھا۔ آزادی کی جن تحریکوں کو باہر سے مدد فراہم کی گئی' وہ ماضی میں صرف کاغذی نعروں تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ ہجرت کے حوالے سے ملنے والی عالمی رعایتوں کے ذریعے ایسی تحریکوں کے رہنما اور مہاجرین ہر سہولت سے فیض اٹھانے کے بعد خوش حال ہو کر دنیا بھر میں آباد ہوتے چلے گئے۔ ایسے نام نہاد مہاجرین کا مفاد ایک نکتے میں مرکوز تھا کہ حالات جوں کے توں رکھے جائیں۔ اسٹیٹس کو کے تحت وہ اپنی مظلومیت کی کہانیاں سنا کر عالمی ہمدردیاں بٹورتے رہیں' دوسری طرف خوش حال ملکوں میں حصولِ تعلیم' کاروبار اور معقول ملازمتوں کے ذریعے اپنی جڑیں مضبوط کرتے رہیں۔

ملا بدر مجھے کچھ ایسی ہی کہانی سنا رہا تھا۔ افغانوں کو دنیا بھر سے مالی اور اخلاقی امداد ضرور ملی تھی مگر ان کو شہریت حاصل کرنے کی بے مہار آزادی صرف پاکستان نے ہی فراہم کی تھی۔ رشوت دیے بغیر شناختی کارڈ یا پاسپورٹ بنوانے والے ایک حقیقی پاکستانی کو نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' اعتراضات دور کرنے کے لیے بار بار دفتروں کے دھکے کھانے پڑتے ہیں لیکن افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات کا ذکر ملا بدر خود کر رہا تھا۔

ناخواندہ اور نیم خواندہ افغان مہاجرین اپنے نسلی مزاج کے اعتبار سے تند خو اور جنگ جو تھے۔ مکمل پاکستانی شناخت حاصل کرنے کے بعد وہ دنیا کے جس خطے میں پہنچتے تھے' اپنی کسی بھی غلطی کی پاداش میں ایک پاکستانی کے طور پر سزایاب ہوتے تھے۔

یہ مفت کی وہ بدنامی تھی جو افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات اور چشم پوشیوں کے نتیجے میں پاکستان کو حاصل ہو رہی تھی۔

غیر قانونی ہتھیاروں کی خرید و فروخت کا ذکر ملا بدر کر چکا تھا۔ افغانوں کے ذریعے ملک میں پھیلنے والے ہیروئن کے بھیانک سیلاب کا میں خود عینی شاہد تھا۔

میں نے ملا بدر کے لیے اپنے دل میں حسد و رقابت کی ہلکی سی آنچ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اس سودے میں پاکستان کو کیا کچھ حاصل ہوا ہے؟"

ملا بدر نے اپنے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "شاید کچھ بھی نہیں..... اتنا ضرور ہوا ہے کہ اب دنیا بھر میں لوگ پاکستان کے نام اور محلِ وقوع سے واقف ہو گئے ہیں۔ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کی خاصی لمبی سرحد مشترک ہے۔"

"پاکستان میں ہیروئن' ہتھیاروں اور جرائم کی افزائش کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"دیکھو' کہیں آگ بھڑکتی ہے تو اس کی تپش دور تک پھیلتی ہے جہاں آگ کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔" ملا بدر نے پُرخیال آواز میں کہا۔ "کہیں جنگ چھڑتی ہے تو وہاں سے کردار اور اخلاق جیسی روایات سب سے پہلے رخصت ہوتی ہیں۔ یہ اثرات پاکستان پر بھی پڑے ہیں۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ ہم سفید ریچھ کے سامنے سینہ سپر نہ ہوتے تو اس کے ٹینک ہمارے گھروں کو روندتے ہوئے پاکستان میں گھس آتے۔ افغانستان بندرگاہ سے محروم اور خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے۔ روس کی بندرگاہیں خراب موسم کی وجہ سے سرمائی موسم میں بند رہتی ہیں۔ انہیں تمہاری جنوبی ساحلی پٹی کی شدید ضرورت تھی تاکہ وہ ان کے ذریعے پورے سال دنیا کے ساتھ تجارت کر سکیں۔ اپنوں کا لہو دے کر ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے۔ ہماری اس عظیم قربانی کا صلہ تمہارے حکمراں دے رہے ہیں۔"

وہ بات وہیں رہ گئی۔ ملا بدر کا ساتھی ٹرانسمیٹر پر زخاخیل والوں سے بات کر کے لوٹ آیا اور پشتو میں جلدی جلدی رپورٹ دینے لگا۔

"دو مراحل طے ہو چکے ہیں۔" اس کے خاموش ہونے پر اکبر رانا مجھے اس کی رپورٹ کا خلاصہ سنانے لگا۔ "کھٹول پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے پشاور پہنچایا جا چکا ہے۔ وہاں وہ ہمارے لوگوں کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ اصولی طور پر اسے دوپہر کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ جانا چاہیے۔"

وہاں آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ لیکن ملا بدر سے ہونے والی گفتگو نے میرے دل و دماغ میں بہت سے نئے اور چبھتے ہوئے سوالات پیدا کر دیے تھے جن کے جواب کسی بھی صورت میں خوشگوار نہیں ہو سکتے تھے۔

قہوے کی مزید ایک ایک پیالی ختم کر کے ہم ملا بدر سے رخصت ہو گئے۔

"اگر کھٹول کو کسی پرواز سے آج ہی اسلام سے یہاں پہنچنا ہے تو اب تک تمہارے پاس کوئی نہ کوئی اطلاع پہنچ جانی چاہیے تھی۔" میں نے راستے میں اکبر رانا سے کہا۔

"اصولی طور پر اسٹیشن کو مطلع کیا جانا چاہیے تھا مگر تم بھول رہے ہو کہ اسلام آباد میں اسٹیشن نائن کے ساتھ ہمارا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پشاور والوں نے وہاں خبر دے دی ہو۔" اس نے بتایا۔

"تو کیا ہیڈ کوارٹرز والوں کی اپنی بھی فیلڈ فورس ہوتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ہے۔ اپنے فیلڈ اسٹاف کے بغیر ہیڈ کوارٹر اسٹیشن نائن کا محتاج ہو کر رہ جاتا۔ وہ اپنے طور پر چھوٹی بڑی کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اکثر ہم نے ان سے مدد بھی لی ہے۔"

دو بجے ایس ٹی ایف کے چیف کا فون آیا۔ اس کی کال میں نے ریسیو کی اور وہ تعارف کے بغیر میری آواز پہچان کر بولا۔ "تم نے اسلام آباد میں قدم رکھتے ہی میری مصروفیات میں بے حساب اضافہ کردیا ہے۔"

"مجھے ملوث نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہر لمحے مصروف رہتے ہو۔" میں نے ہنس کے جواب دیا۔

"ایسی مسلسل مصروفیت کبھی کبھار ہی پیدا ہوتی ہے ورنہ روٹین کے معمولات میں ہی دن گزر جاتا ہے۔" دوسری طرف سے اس کی آواز آئی۔ "شاید اول خان نے تمہیں امریکیوں کے سخت ردِ عمل کے بارے میں بتا دیا ہوگا؟"

"بتایا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھا۔ ان کے احتجاج کی تصدیق ہونی باقی تھی۔" میں نے کہا۔

"تصدیق ہوگئی ہے۔ ان کا پہلا اور سخت مراسلہ کراچی میں کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بارے میں جاری کیے جانے والے پریس ریلیز کے حوالے سے آیا تھا۔ انہوں نے کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ اور کھٹومل کے خلاف منظم سازش قرار دیا تھا۔"

"تو کیا کوئی دوسرا مراسلہ بھی آیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"واشنگٹن اور اسلام آباد کے درمیان وقت کے فرق کی وجہ سے انہیں صبح سویرے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ ذرا سی دیر پہلے کھٹومل کو چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنے دوسرے مراسلے میں امریکی حکومت نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تشخص کے حوالے سے مذہبی آزادی اور رواداری کا شور مچا کر کھٹومل کے خلاف سازشوں کے تسلسل پر احتجاج کیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ہیومین رائٹس کمیشن کے سربراہ نے بھی کھٹومل کی فوری بازیابی اور کسی عدالت میں پیشی کا پُرزور مطالبہ کیا ہے۔"

"ہماری جانب سے اس بارے میں کیا قدم اٹھایا گیا ہے؟" اس کے خاموش ہوجانے پر میں نے پوچھا۔

"اوپر تلے ملنے والے ان دو مراسلات نے وزارتِ خارجہ میں کھلبلی مچا دی ہے۔" ایس ٹی ایف کے چیف نے بتایا۔ "ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکا۔"

"تمہاری رپورٹ ہی انہیں کسی فیصلے پر پہنچنے میں مدد دے گی۔" میں نے کہا۔

"میں مسلسل اوپر والوں کو بریف کر رہا ہوں۔ کھٹومل کو اس وقت چکلالہ کے ملٹری ائربیس پر موجود ہونا چاہیے۔ وہاں سے اسے اسٹیشن نائن پہنچایا جائے گا۔"

"شاید حفاظتی وجوہ کی بنا پر اسے ملٹری ائربیس پر لایا گیا ہے!" میں نے رائے زنی کی۔

"نہیں، پی آئی اے کی پرواز رات سے پہلے میسر نہیں تھی۔ اسے آرمی کے ایک ہیلی کاپٹر سے یہاں لایا گیا ہے۔ اس کی آنکھوں پر مسلسل سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔"

"گڈ! یہ سب پروگرام کے مطابق جارہا ہے۔ اس سے بازپرس مکمل ہوتے ہی ہم اسے اور کالو مکرانی کو منظرِ عام پر لے آئیں گے۔ اس کے اقبالی بیان کے بعد امریکیوں کے احتجاجی غبارے کی ساری ہوا خود بخود خارج ہوجائے گی۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تمہارا نام ان کے اعصاب پر ایک خوف کی طرح طاری ہے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے تمہارے خلاف کھٹومل کو اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی کہ اس کے اچانک غائب ہونے پر ہیومین رائٹس کمیشن تک کو میدان میں لے آئے ہیں۔"

"یہ قدرت کے کھیل ہیں جو نیارے ہوتے ہیں۔ کوئی یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ محض ایک یا دو افراد امریکا کے باخبر اور فعال اداروں کی ناک کے نیچے گیپ اور ڈیوڈ اسٹارز کے چیتھڑے اڑا کر یوں حفاظت سے باہر نکل آئیں گے.....“

"ان ہی واقعات کے تسلسل میں یہاں تم نے کھٹومل پر ہاتھ ڈال دیا۔" اس نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا۔ "تمہاری یہ ساری کامیابیاں ایک مضبوط نیٹ ورک کی نشاندہی کرتی ہیں۔ تمہیں بے دست و پا کرکے وہ اس نیٹ ورک کو توڑنا چاہتے ہیں۔"

میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "میرا نیٹ ورک میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ دراصل کھٹومل سے تصادم کی بنیاد اسی وقت

پڑ گئی تھی جب میرے ساتھی نے اپنے فلیٹ کے گرد منڈلاتے ہوئے دو مشتبہ افراد کے گھٹنے توڑے تھے۔ بعد میں ان ہی میں سے ایک نے کھٹومل کا نام لیا تھا۔"

"تمہارا ہر آدمی اپنی ذات میں ایک مکمل نیٹ ورک ہے۔" وہ بولا۔ "کھٹومل کے ساتھ ہونے والی پیش رفت سے مجھے باخبر کرتے رہنا۔ یہ مسئلہ یکایک ہی بہت سنگین اور اہم ہو گیا ہے۔"

ایس ٹی ایف کے چیف سے گفتگو ختم ہونے کے تقریباً نصف گھنٹے بعد آہنی باڈی والی ایک بند جیپ میں فورس کے تین مسلح جوان کھٹومل کو اسٹیشن نائن لے آئے۔

متوسط قامت اور جسامت والے اس خطرناک سیاست داں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ٹوٹا ہوا داہنا بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی بایاں ہاتھ تھام کر اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

میں برآمدے میں کھڑا وہ عبرتناک منظر دیکھتا رہا۔ کھٹومل کو پاکستان کے حوالے سے صرف دولت ہی نہیں، سیاسی شہرت اور نیک نامی بھی ملی تھی، جو شاید اسے راس نہیں آسکی تھی۔

پتا نہیں کہ کھٹومل اور امریکیوں کے گٹھ جوڑ میں بھارتی قونصل خانے کا کوئی کردار تھا یا وہ براہِ راست امریکیوں کا آلۂ کار بنا تھا۔ صورتِ احوال ان میں سے جو بھی رہی ہو، کھٹومل نے اپنی تقدیر پر اپنے ہاتھوں سے غداری کی ان مٹ مُہر ثبت کرلی تھی۔

"پتا نہیں تم کون لوگ ہو!" میرے کانوں میں کھٹومل کی بڑبڑاہٹ آئی۔ "کچھ بولتے ہو نہ سنتے ہو۔ بابا! میں اِدھر اُدھر کیوں گھمایا جارہا ہوں؟" اس کی آواز حسبِ معمول دھیمی اور پُرسکون تھی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر دھیرے سے کہا۔ "کھٹومل! سیدھے چلے آؤ، ذرا سی دیر میں تمہارا سارا تجسس دور ہو جائے گا۔ تم کسی غیر کے پاس نہیں 'اپنوں میں ہو۔"

میری آواز سنتے ہی کھٹومل کے قدم ڈگمگا گئے۔ "تت...... تم ڈینی ہو؟" میری آواز پہچانتے ہی اس کا اعتماد رخصت ہو گیا اور زبان پر لکنت طاری ہو گئی۔

میری باری آچکی تھی۔ میں نے اس سے کھیلنا شروع کردیا اور کہا۔ "خدا سے نہیں تو اپنے بھگوان سے ہی ڈرو۔ میں تمہارا اپنا شنکر ہوں۔ مجھے ڈینی جیسے آدمی کا نام نہ دو۔"

میری زہریلی آواز نے اس کے اضطراب میں اضافہ کردیا۔ "میں دھوکا نہیں کھا سکتا...... تم ڈینی ہی ہو۔ تم نے شنکر کو مارا اور اب اسی کا نام لے کر مجھے ڈرا رہے ہو۔"

"دھوکا نہیں، یہ آواگون کا چکر ہے، کھٹومل۔ شریر ڈینی کا ضرور ہے مگر اس میں آتما تمہارے شنکر کی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہاری آنکھوں پر کالی پٹی بندھوا دی ہے کہ کہیں تم مجھے دیکھ کر ڈر نہ جاؤ۔ ٹوٹے ہوئے بازو کے ساتھ بھاگنا تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔"

میرا اندازہ تھا کہ اس بار وہ ضرور بدحواس ہو جائے گا لیکن اس کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ کشاں کشاں برآمدے کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ رکنے یا بھاگنے کی کوشش کرتا تو اسے ناکام بنانے کے لیے ایس ٹی ایف کے تین کارندوں نے اسے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔

اسٹیشن نائن کا انٹروگیشن سیل اسلام آباد کی اسی عمارت کے تہ خانے میں واقع تھا۔ برآمدے کے چند زینے چڑھنے اور راہداری سے گزرنے کے بعد جب اسے دوبارہ سیڑھیوں کی موجودگی کی اطلاع دی گئی تو وہ بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اب تم مجھے کسی تہ خانے میں لے جاکر میرے اوپر تشدد کرو گے۔ میں تم کو بتا دوں کہ تمہاری یہ کوشش بے سود ثابت ہوگی۔"

"ہم عدم تشدد کے حامی اور اہنسا کے پجاری ہیں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اچھا ہوا کہ تم نے ہمیں اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔ ہم کچھ نہیں کریں گے۔ بس تمہارا ٹوٹا ہوا داہنا ہاتھ بغل کے جوڑ سے الگ کریں گے تاکہ تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے۔"

وہ سیڑھیاں اترتے اترتے ذرا سا لہرایا پھر بولنے لگا۔ "یہ بھی کر دیکھو۔ تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

متوقع خطرات اس کے سامنے تھے۔ وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر اپنی پوری تیاری کر چکا تھا۔ اس جیسے سرد اور متحمل مزاج افراد اگر سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیں تو روایتی تشدد کے ذریعے انہیں مجبور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

میں نے آنکھ سے اکبر رانا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کرکے تہ خانے کے مہیب کمرے میں پہنچ گئے۔ کمرے میں چھت سے لٹکتے ہوئے چند آہنی کنڈوں، زنجیروں، رسیوں، برقی آلات اور ایک آہنی کرسی کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے دہشت ٹپکتی

ہو لیکن آٹھ فٹ اونچی چھت والے اس زیرِ زمین کمرے کی ساخت کچھ اس وضع کی تھی کہ اس سے ہیبت ٹپکتی تھی۔ لیکن میری دانست میں کھٹومل کے لیے وہ ساخت غیر اہم ثابت ہوتی۔

تہ خانے میں اسٹیشن نائن کے دو اہل کار پہلے سے موجود تھے۔ شاید کھٹومل کو لانے والوں کی ڈیوٹی اسے نیچے پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتی اور وہ اسے ان دونوں کے حوالے کر کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف واپس روانہ ہو جاتے۔

"اس کی آنکھوں پر سے بلائنڈ فولڈ ہٹائے بغیر اوسط درجے کے دو تین برقی جھٹکے دینے ناگزیر ہیں۔" میں نے آہنی کرسی پر نگاہیں جما کر کہا۔

"اس کی ذہنی یکسوئی ایسی غیر متوقع اذیت سے شاید ختم ہو جائے گی۔" اس نے میری تائید کی۔ "اسے الیکٹرک چیئر سے ہی باندھ دیا جائے گا۔ کرسی میں دوڑائے جانے والے کرنٹ کو ہم اپنی مرضی سے کم و بیش کر سکتے ہیں۔"

سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ دھیمے دھیمے قریب آ رہی تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہی اسٹیشن نائن والوں نے قیدی کو سنبھال لیا۔ اسے لانے والے تینوں افراد وہیں سے لوٹ گئے۔

اکبر رانا نے انگلی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں کھٹومل کو اسی کرسی کی طرف لے آئے۔ ان میں سے ایک کی ہدایت پر جوں ہی کھٹومل کرسی پر بیٹھا، خود کار کنڈوں نے کھٹاک کھٹاک کی آواز کے ساتھ اس کی دونوں پنڈلیوں اور کلائیوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

زخمی بازو کی کلائی پر کلپ کی گرفت ہوتے ہی کھٹومل نے کرسی سے اٹھنے کی ناکام اور غیر اضطراری کوشش کی اور ہلکی سی کراہ کے ساتھ دوبارہ اسی میں گر[illegible]۔ اٹھنے کی کوشش میں سارا زور اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں پر [illegible]و گیا تھا۔

اکبر رانا دیوار گیر ریگولیٹر پر کرنٹ [illegible]ے لڑ رہا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اس نے ایک بٹن پر اپنی انگلی رکھی، بورڈ پر ایک سرخ گولا روشن ہو گیا اور تہ خا[illegible]کی بند فضا کھٹومل کی بھیانک غیر ارادی چیخ سے گونج اٹھی۔

سرخ دائرہ لمحہ بھر روشن رہ کر بجھ گیا۔ [illegible] لمحاتی شاک مکمل ہو چکا تھا۔

کھٹومل وہ جھٹکا سہہ لینے کے بعد گھبراؤ [illegible]ان میں زور زور سے کچھ بولنے لگا۔ اس کے لہجے سے ظا[illegible] ہا تھا کہ وہ خود کلامی کے ذریعے خود کو سنبھالے رکھنے کی [illegible]ش کر رہا تھا۔

اکبر رانا اسٹیشن نائن کا سربراہ تھا اور اپنے ہتھیاروں کے بہترین استعمال سے بخوبی واقف تھا۔ میرے اشارے پر اس نے بورڈ پر کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد دوبارہ بٹن دبایا۔

ایک مرتبہ پھر سرخ دائرہ روشن ہو گیا اور تہ خانہ کھٹومل کی وحشت ناک چیخوں سے لرزنے لگا۔ آہنی بندھنوں نے اسے بے بس کیا ہوا تھا۔ وہ کرسی میں کئی سیکنڈ تک ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا اور چیختا رہا۔ آخر سرخ روشنی غائب ہو گئی اور کھٹومل ... جس حال میں تھا نڈھال سا اسی حالت میں بیٹھا رہ گیا۔

اس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا تھا۔ داہنے بازو کے زخموں کا منہ دوبارہ کھل گیا تھا۔ اس کی اچھل کود کے نتیجے میں ان زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔

"ڈیڈی! تم... پکے سؤر کے... بچ... بچے ہو۔" وہ رک رک کر کراہا۔

"کھٹومل! اپنی زبان پر قابو رکھو۔ تیسرا جھٹکا اس سے زیادہ طویل ہوگا۔" میں نے غرا کر اسے تنبیہہ کی۔ "یہ یاد رکھو کہ جب تک تمہاری آنکھوں پر سیاہ پٹی موجود ہے، تمہاری زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ یہ پٹی اترنے کے بعد تمہیں اسی برقی کرسی پر بھون دیا جائے گا۔"

"یہ ظلم ہے... بربریت ہے۔" وہ بے بسی سے حلق کے بل چیخ پڑا۔

"ہر ظالم اپنے کیے کی سزا پانے پر یہی کہتا ہے۔ زبان کھولو ورنہ طاقت ور برقی رو تمہیں جلا کر کوئلہ بنا دے گی۔ کوئلے کے کھٹومل کو کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

کھٹومل کسی مرکھنے بیل کی طرح منہ کھول کر ہانپتا اور میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہونے کے کئی ثانیوں بعد بھی وہ نہ بولا تو مجھے اپنی بات جاری رکھنی پڑی۔

میں نے اکبر رانا کے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کرخت آواز میں حکم دیا۔ "یہ مردود مرنا ہی چاہتا ہے تو اس کی آنکھوں سے بلائنڈ فولڈ اتار دو۔"

ایک شخص کے ہاتھ فوراً ہی کھٹومل کی پسینے میں بھیگی ہوئی پیشانی سے جا لگے۔

کھٹومل کے لیے وہ ملک الموت کے ہاتھ کا لمس تھا۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر پوری قوت سے کہا۔ "دور رہو اور پوچھو کیا پوچھتے ہو؟"

"اسے ایک مہلت دے دو!" میں نے اکبر رانا کے ماتحت سے کہا پھر اپنے قیدی سے مخاطب ہو گیا۔ "کھٹومل!

امریکیوں کے لیے تم کب سے کام کر رہے ہو؟"

"یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔ میں کسی کے لیے کوئی کام نہیں کرتا۔ میرے ایک اشارے پر لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ مجھے کسی کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہمیں بھی یہی پریشانی ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم کس مجبوری کے تحت ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہو؟ وہ تمہیں کیوں بلیک میل کر رہے ہیں؟"

"یہ جھوٹ ہے۔ یہ بہتان ہے۔ میں ایک معزز سیاست داں ہوں۔ میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"تم نے ڈینی کے خلاف ڈکیتی اور قتل کی جھوٹی ایف آئی آر کیوں درج کرائی تھی؟"

"ڈینی کے خلاف؟" اس نے ہذیانی لہجے میں دہرایا۔ "تم پھر مکر رہے ہو کہ تم ڈینی ہو۔"

"اس لیے کہ میں ڈینی نہیں ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "ڈینی تمہارا کوئی خواب ہو سکتا ہے۔ ہمارا تعلق قانون کے محافظوں سے ہے۔ جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دو۔"

"وہ رپورٹ جھوٹی نہیں تھی۔" وہ سخت اور ضدی لہجے میں اپنی بات پر اڑ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ جس وقت تمہاری گھر ڈکیتی نہیں بلکہ ہڑبونگ کرنے کے لیے لوگ ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے آئے، تمہارے کرائے کے قاتل کلفٹن میں ایک فلیٹ کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا لیکن میں نے کئی گھنٹے گزرنے کے بعد رپورٹ درج کرائی تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ کلفٹن میں کوئی مقابلہ ہوا ہے جس میں چھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اس واقعے میں ڈینی ملوث تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسی نے کسی غلط فہمی کی بنا پر میرے گھر کا رخ کیا ہوگا۔"

"کھٹومل! زیادہ بک بک مت کرو۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اذیت ناک برقی جھٹکے کھانے کے باوجود اس کی ذہنی حالت ابتر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کلفٹن کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے بہت احتیاط سے الفاظ استعمال کیے تھے۔ بھول کر بھی اس خونیں تصادم کی ذمّے داری قبول کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت سی کڑیاں مل چکی ہیں۔ کراچی میں کیماڑی کے ایک شراب خانے کے مالک نے بتایا ہے کہ اس کے عقبی دفتر میں تم بالم سے ملتے تھے۔ بالم تمہارا نمک خوار تھا۔ لڑائی میں وہ مارا گیا۔ دوسرے لوگوں کو اسی نے کرائے پر لیا تھا۔"

"ب... بالم!" وہ خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ "میں کسی بالم کو نہیں جانتا۔"

"بالم اور جانی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ دونوں تمہارے پالتو غنڈے تھے۔"

"وہ دونوں مر چکے ہیں۔ اب ان کا ذکر بے سود ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ جانی بھی مارا گیا تھا؟" مجھے فصیل میں شگاف ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔

اس نے کرسی میں ہلکی سی جنبش کی پھر بولا۔ "اخباروں میں سب کچھ آ گیا تھا۔"

میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اکبر رانا کو اشارہ کیا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ کرسی میں برقی رو دوڑتے ہی کھٹومل بری طرح بلبلانے لگا۔ اس پر اعصابی شکست و ریخت کے آثار نمودار ہو چلے تھے۔

اکبر رانا کو قیدی کی ناگزیر ضروریات کا پورا اندازہ تھا۔ اس نے بجلی کی بچت سے کام لیتے ہوئے اس بار محض ایک مختصر سے جھٹکے پر اکتفا کیا تھا۔

"ہم تمہیں سسکا سسکا کر یوں ہی انسانی روسٹ میں تبدیل کر دیں گے۔" میں نے اپنے لہجے میں سفاکانہ سردمہری سموتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارا شراکت دار چوہدری سلام بھی ہمارے ہاتھ آ چکا ہے۔ اس نے تم سے کہیں زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ فرار کے راستے مسدود پاتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی۔ "وہ بتا چکا ہے تو پھر تم مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ میں نے کچھ نہیں کیا، میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"چوہدری سلام ہیروئن کی کھیپ اسلام آباد سے گجرات لے جاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔" میں نے سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہوئے اگلا وار کیا۔ "اس نے ہمیں اپنے اور تمہارے تعلق کی کہانی سنائی ہے۔ تم اپنے اور امریکیوں کے رشتے کی کہانی سناؤ گے۔"

"میری آنکھیں کھول دو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں تم سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"ہمیں ہمارے دشمن صرف ڈراؤنے خواب میں دیکھتے

ہیں۔ کھلی آنکھوں سے ہم کو شناخت کرنے والوں پر یہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو پٹی بندھی رہنے دو اور جو کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔ آنکھیں بندھی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میں اپنے اور تمہارے فائدے کی بات کرنی چاہتا ہوں۔ مجھ پر آیا ہوا بُرا وقت ٹل جائے گا اور تمہارے بھی دن پھر جائیں گے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" اس کی خاموشی پر میں نے لقمہ دیا۔

"کیا میں پورے اعتماد اور راز داری کے ساتھ زبان کھول سکتا ہوں؟"

"یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے۔ تم پوری بے تکلفی سے اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہو۔"

"میں نے اس ملک میں زندگی بھر بہت کچھ کمایا ہے۔ میں تمہاری خوشنودی کے لیے ایک بڑی رقم سے دست بردار ہونے کو تیار رہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو۔ ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کر ڈالو۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"تم قیمت بتاؤ۔ میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے اور میں اس قیمت کو ایک کاروباری خسارہ سمجھ کر ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گا۔ تم لوگ یقیناً سرکاری ملازم ہو۔ ایک ڈیڑھ کروڑ کی رقم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی زندگی بدل سکتی ہے۔"

"تم اپنی آزادی کی بہت کم قیمت لگا رہے ہو۔ ڈیڑھ کروڑ کے بارے میں ایک آدمی ضرور سوچ میں پڑ سکتا ہے مگر ہم چار ہیں۔ ہمارے....."

"دس کروڑ" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں بولی لگائی۔

وہ رشوت کی پیشکش کر رہا تھا۔ تہ خانے میں کہا ہوا ہر لفظ ایک حساس سسٹم کے ذریعے مقناطیسی فیتے پر ریکارڈ ہو رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کھٹومل کی مزاحمت کی ہر قوت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور وہ ہمارے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزمانے پر تل گیا تھا۔

"نہیں کھٹومل.... اتنی چھوٹی رقم میں ہم اپنے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتے۔"

"مجھے معلوم ہے... سب معلوم ہے۔" وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔ "ہر شخص کے اصولوں کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ سستے اصول آسانی سے بک جاتے ہیں۔ تمہاری بولی میری حیثیت سے زیادہ ہوئی تو میں تمہاری زیادتیاں سہتا رہوں گا ورنہ تمہارا منہ بند کر دوں گا۔ بولو، کیا مانگتے ہو!"

"سچ.... سچ کے سوا کچھ نہیں۔ امریکیوں کے لیے تم کب سے اور کیا کام کر رہے ہو۔" میں نے سرد اور اٹل لہجے میں اسے سنگین حقائق کی دنیا میں واپس کھینچ لیا۔

مایوسی کے عالم میں اس پر ایک مرتبہ پھر ہذیان کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

بے ضمیر اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنی زندگی بہت عزیز ہوتی ہے۔ اسی کو رنگین اور پُرتعیش انداز میں گزارنے کے لیے وہ جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ کھٹومل کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ جھوٹ اور پیسے کے زور پر وہ ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکے گا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس کی کہانی کا حیرت انگیز اور بنیادی پہلو یہ تھا کہ اس کے سیاسی و سماجی جرائم کا بھارتی سفارت کاروں سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کی اڑان بہت اونچی تھی۔ اس نے براہِ راست امریکیوں سے مراسم استوار کیے تھے۔ ان سے دوستی بڑھانے کی سرتوڑ کوششوں میں اس سے جا بجا کئی لغزشیں بھی ہوئیں جن کی غلط تشہیر اس کی سماجی اور گھریلو زندگی تباہ کر سکتی تھی۔ یہ امریکی سفارت کاروں کے گرد پھیلے رہنے والے ایجنٹوں کی کارکردگی تھی کہ کھٹومل کی زندگی کے وہ کمزور لمحے کہیں نہ کہیں محفوظ کر لیے گئے تھے۔

بین الاقوامی سازشوں کے ایک لگے بندھے معمول کی طرح کھٹومل نے بھی ایک چھوٹا کام کر کے اس دلدل کے سرے پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔ اس کے پاس امریکی فرمائشوں سے گریز کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

جن دنوں میں امریکا میں بلیک ڈیڈ اور جینی کے تعاون سے امریکی مفادات کو زک پہنچا رہا تھا، امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر نے کھٹومل کو میرے کسی قریبی ساتھی کے اغوا پر مامور کیا تھا۔ میرا کلفٹن والا فلیٹ پہلے سے ان لوگوں کی نگاہوں میں تھا۔ کھٹومل نے اپنے آدمی میرے پیچھے لگا دیے۔

کھٹومل کے آدمی پہلے سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے پھر گلشن اقبال میں ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کا وہ عبرت ناک انجام کھٹومل کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوا اور اس نے بالم کو میرا فلیٹ تباہ کر کے وہاں موجود ہر شخص کو ہلاک یا اغوا کرنے کے مشن پر مامور کر دیا۔

اس کے بعد کے واقعات ہمارے سامنے تھے۔ میں نے

کھٹومل سے یہ بھی اگلوا لیا کہ اس نے اپنی ایف آئی آر میں میرا نام امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے ایما پر ڈالا تھا۔

وہ کھٹومل کی کہانی کا ایک رخ تھا جس کا براہ راست میری ذات سے تعلق تھا۔ اس بارے میں اس کی زبان سے نکلی ہوئی تمام تر جزئیات ریکارڈ کرنے کے بعد میں نے چوہدری سلام کا قصہ چھیڑ دیا۔

چوہدری سلام سے کھٹومل کی شناسائی زیادہ پرانی نہیں تھی اس لیے وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ کسی زمانے میں چوہدری سلام ممو مستری کے نام سے لاہور کی ایک فٹ پاتھ پر اپنا موٹر ورکشاپ چلاتا تھا۔ ان دونوں کی ملاقات اس وقت ہوئی جب ممو مستری اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا کر چوہدری سلام کے نام سے پاکستان کے سیاسی اکھاڑے میں اتر چکا تھا۔

ایک ممتاز اقلیتی رہنما ہونے کی بنا پر سندھ میں کھٹومل کو کئی شراب خانوں کے پرمٹ ملے ہوئے تھے۔ دوسری طرف چوہدری سلام کو اپنی مالی استعداد بڑھانے کے لیے دولت کمانے کے آسان نسخوں کی تلاش تھی۔ ایک نعرے باز سیاسی کارکن اور سفید پوش بدمعاش ہونے کی وجہ سے وہ بہت سے رہنماؤں کا منہ چڑھا تھا۔ اس نے پنجاب میں شراب خانوں کے پرمٹ لینے شروع کردیے۔

بنیادی طور پر وہ سرکاری اجازت نامے شراب کے پرمٹ پر غیر مسلموں کو فروخت کے لیے جاری کیے جاتے تھے۔ ان دکانوں میں مے نوشی کی اجازت نہیں تھی لیکن یہ ایک کھلا راز تھا کہ ملک بھر میں بیشتر دکانوں پر مے خواروں کو پینے کے لیے شراب فراہم کی جاتی تھی اور پرمٹ کے بغیر مسلمانوں کو بلیک بھی کی جاتی تھی، یہی دو دھندے ان دکانوں کی خطیر آمدنی کا ذریعہ تھے۔

مے فروشی میں مشترکہ مفادات کی بنا پر ان دونوں میں مراسم کی داغ بیل پڑی۔ دونوں واقف تھے کہ اس کام میں قانون شکنی کیے بغیر کچھ آمدنی نہیں تھی۔ اس موضوع پر باہمی اعتماد میں اضافہ ہوا تو چوہدری سلام نے کھٹومل کو ہیروئن فروشی کا آغاز کرنے کی تجویز دی۔

چوہدری سلام کے پاس جملہ ذرائع موجود تھے مگر سرمایہ نہیں تھا۔ کھٹومل کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن وہ ہیروئن فروشی کے اسرار و رموز سے ناواقف تھا۔ دونوں میں شراکتی کاروبار کی ابتدا ہوگئی۔

چوہدری سلام نے قلیل سی مدت میں اس کام کے ہیر پھیر سے اتنا مال بنالیا کہ اگلے انتخابات میں کارکنوں کی بھرپور نفری کے ساتھ میدان میں کود پڑا۔ شرافت، دھونس، دھمکی اور سرمائے کے ملے جلے استعمال سے وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو ہی گیا۔ اسمبلی میں پہنچنے کے بعد اس نے بیوروکریسی کے اہم مہروں سے اپنے تعلقات بڑھانے شروع کردیے جن سے کھٹومل بھی حسب ضرورت فیض یاب ہوتا رہا۔ کراچی میں پیش آنے والے نامساعد حالات سے کھٹومل کی گلوخلاصی کے لیے چوہدری سلام نے اپنے ان ہی تعلقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ کھٹومل کے اعترافات کا خلاصہ تھا۔ اس کی کہانی میں ایسے کئی پردہ نشینوں کے نام بھی آئے تھے جو پورے ملک کو چونکا سکتے تھے۔ بیوروکریسی اور سیاست کے میدان میں انتہائی نیک نام لوگوں کے وہ کرتوت میرے لیے حیران کن تھے۔

میں نے اکبر رانا سے نظروں ہی نظروں میں تبادلۂ خیال کیا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ اس کے چلے جانے کے بعد وہ کھٹومل کو الیکٹرک چیئر کے بندھنوں سے آزاد کرنے کے ساتھ ہی بلائنڈ فولڈ سے بھی نجات دلا دیں۔

"کھٹومل کے اعترافات میرے لیے اب ناقابلِ یقین ہیں۔" تہ خانے کے زینوں پر اکبر رانا نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ "اگر وہ ان اعترافات سے منحرف نہیں ہوتا تو امریکی ایک مرتبہ پھر اپنا منہ لے کر رہ جائیں گے۔ انہیں تمہارے خلاف نئے سرے سے کوئی محاذ کھولنا ہوگا۔"

"اس کی کتھا سن لینے کے بعد تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" میں نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"چیف کو کھٹومل کے بارے میں بریفنگ دینے کے ساتھ ہی مجھے چوہدری سلام کی گرفتاری کی اجازت بھی حاصل کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام آنے کے بعد وہ گرفتاری کے خوف سے سرحد پار کرکے کسی پڑوسی ملک میں روپوش ہوجائے۔"

"گڈ، یہ کام سب سے زیادہ ضروری ہے۔" میں نے اس کی بھرپور تائید کی۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر دراز ہوگیا۔ اکبر رانا فون پر اپنے چیف سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

حاصل کرلی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو ربامیے پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو ربامیے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ' موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے متعلقہ میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کرکے چپ برآمد کرکے تباہ کردیا۔ نیلو ربامیے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کرکے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے ایرفیس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بخشل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بخشل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بخشل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغواکنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ بخشل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بخشل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی ۔۔۔ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی ۔۔۔ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لیے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق لوٹ اڈو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کرکے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈیٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیپرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ ملوبی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا کی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے کی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت

وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک نیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک نیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک نیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک نیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک نیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک نیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک نیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک نیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک نیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک نیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک نیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک نیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک نیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک نیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا۔ ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن نورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈز سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن نورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر زیٹی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے جھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیٹ ورک انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفارمر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جاپہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ شنکر رائے نامی انفارمر کو ہم اسٹیشن فور لے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بااثر جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا نے میری حوالگی کا مطالبہ کردیا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ میں نے کنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے ٹرانسفارمر تباہ کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہو کر رہ گئے۔ ہم گن کی مدد سے دروازہ کاٹنے کے بعد ہم لفٹ سے نکل آئے۔ باہر دھواں دار فائرنگ ہورہی تھی۔ ہم بھی ان میں شامل ہوگئے اور دشمنوں کو میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ یہ کنول کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ ہم نے فوری طور پر جوابی حملہ کردیا مگر اول خان کے آدمی صرف کنول کے گھر ہونے والی تقریب کو درہم برہم کرسکے۔ کنول نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور مہمانوں کا قیمتی سامان اپنے قبضے میں کرکے میرے خلاف ایف آئی آر کٹوادی۔ اول خان کی ہدایت پر خواتین اس کے گھر اور سلطان شاہ اسٹیشن فور منتقل ہوچکا تھا۔ میں فی الحال جہانگیر کے گھر چلا آیا تھا۔ اول خان نے سرچ وارنٹ حاصل کرکے آئی جی کی سربراہی میں کنول کے گھر کی تلاشی لی تو مسروقہ سامان کی پوٹلی برآمد ہوگئی البتہ کنول فرار ہوگیا۔ ابھی ہم کنول کی بازیابی کے متعلق تبادلۂ خیال ہی کررہے تھے کہ جہانگیر کی بیوی سلمٰی نے مجھے اپنی سرگرمیوں سے روکنے کے لیے اپنی کنپٹی سے ریوالور لگالیا۔ اول خان نے سلمٰی سے ریوالور چھینا تو وہ شرمندہ ہوکر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کنول کی تلاش میں حیدرآباد روانہ کرکے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو مکرانی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فور لے آئے جہاں ان پر تشدد کے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہوکر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کرادی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالوکمرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالوکمرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالوکمرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالوکمرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی بازپرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں ویرا کے ساتھ اپنے دشمنوں کے دیس' امریکا میں تھا تو وہاں واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوتے چلے جارہے تھے کہ ہمیں درمیان میں ستانے کی مہلت بھی مشکل سے ملتی تھی۔ وقت شب و روز ایسی بے رحمانہ رفتار سے گردش میں تھا کہ ہمیں اس کا ساتھ دینے میں دقت محسوس ہورہی تھی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دشمنوں کی بھیڑ میں ہمارے بس دو ہمدرد اور ہم نوا تھے۔

پہلا سفید فام بلیک ڈیڈ تھا جو ہمارا ساتھ دینے کی پاداش میں آخری وقت میں امریکی ایجنسیوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ دوسری گول مٹول' ہنس مکھ اور دل ربا جینی تھی جسے ویرا نے رشک و رقابت اور اپنی خودغرضی کی بنا پر اپنا دشمن بنالیا تھا۔

امریکا میں چند روز کے قیام میں ہم نے اتنے معرکے سر کیے تھے کہ ان مراحل سے گزر آنے کے بعد خود مجھے بھی اپنی ان کامیابیوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

دوسری طرف پاکستان ہمارا اپنا وطن تھا۔ یہاں حالات بہت مختلف تھے۔ ہمارے حامیوں اور مددگاروں کو دشمنوں پر واضح عددی برتری حاصل تھی' بظاہر وقت کا دھارا بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن کامیابی کی رفتار حیران کن حد تک سست ہوگئی تھی۔

گھنگر' ولی جان' بالم اور جانی ضرور مارے گئے تھے لیکن وہ سب ایک تناور درخت کی بے فیض جٹائیں تھیں جنہیں کاٹ کر بھی اس شجر کا گھنا سایہ کم نہیں کیا جاسکا تھا۔

جہنم واصل ہوجانے والے ان مجرموں اور غداروں کے دونوں پشت پناہ ہمارے لیے حلق کی ہڈی بن کر رہ گئے تھے۔ کھنول ہماری تحویل میں تھا لیکن سیاسی مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر اسے وہ سزا نہیں دی جاسکتی تھی جس کا وہ سزاوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جس روز وہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکل کر کرپشن میں لتھڑی ہوئی انتظامیہ کی گود میں پہنچا' کوئی نہ کوئی راشی افسر اس کی ترغیبات کے تحریص آمیز پھندے میں پھنس کر اس کی راہیں آسان بنادے گا۔

رہا چوہدری سلام تو وہ قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ اس کے خلاف واضح فردِ جرم ہونے کے باوجود اس پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کڑے ڈسپلن میں جکڑی ہوئی ایک عجیب تنظیم تھی جس میں ہر ماتحت کسی چون و چرا کے بغیر اپنے اوپر والوں کا حکم ماننے پر مجبور تھا مگر اس وقت مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ کمانڈر اکبر رانا چوہدری سلام کی گرفتاری کے بارے میں فون پر اپنے چیف سے بحث کرنے کی دلیرانہ کوشش کررہا تھا۔

میں پُرامید نظروں سے اکبر رانا کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ فون پر اپنے چیف سے گفتگو کو طول دیتے ہوئے اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں' اس کا چہرہ قدرے تمتمایا ہوا تھا' اس کے لب و لہجے میں دبا دبا سا احتجاج پوشیدہ تھا۔ آخر کار گفتگو تمام ہوئی اور اس نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھٹک کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ملک میں منشیات فروشی' سیاست' قیادت اور فرائض سے... روگردانی کے بارے میں' میں عرصہ دراز سے جو کچھ سنتا رہا تھا' اس کی گرہیں بہت دھیرے دھیرے کھل رہی تھیں۔ وہ سب ایسے وزنی پتھر تھے جنہیں ہر ایک چوم کر ان کی جگہ پر چھوڑ دیتا تھا۔

"بہت مشکل کام ہے۔ چیف سب کچھ سمجھنے کے باوجود مجبور ہے۔" اکبر رانا گفتگو ختم کرنے کے بعد اپنی عرق آلود پیشانی صاف کرتے ہوئے بولا۔

سلطان شاہ پیرودھائی کے اڈے کے قریب واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ کے بارے میں ہونے والی گفتگو کے بعد شاید ہم دونوں سے ناراض ہوکر اسلام آباد کی سیر کو نکل گیا تھا۔ اکبر رانا کی بات پوری ہوتے ہی تھکا ہارا' کمرے میں لوٹ آیا۔

اپنی مسلسل مصروفیت کی وجہ سے میں نے اس کی غیر حاضری محسوس نہیں کی تھی۔ وہ یوں اچانک میرے سامنے آیا تو مجھے اس پر غصہ آگیا۔

"کچھ کہے سنے بغیر' اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر کہاں نکل گئے تھے؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"افغان مہاجرین کی بھیڑ میں جانے سے ڈر رہا تھا اس لیے نہ چھپا کر خاموشی سے مرگلہ کی سیر کو نکل گیا تھا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ویسے بھی میں کوئی ناسمجھ بچہ نہیں ہوں جسے ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے بڑوں سے اجازت لینی پڑے۔"

"میرے لیے یہ اطلاع حیرت ناک ہے کہ تم اچانک اتنے بالغ ہوگئے ہو۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "آئندہ اپنے انا

دعوے سے منحرف نہ ہو جانا۔"
وہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا ایک خالی کرسی میں ڈھیر ہوگیا اور اکبر رانا سے مخاطب ہو کر بولا "میں تمہاری پوری بات نہیں سن سکا۔ تم کسی کی مجبوری کا ذکر کر رہے تھے۔"
میری دیکھا دیکھی اکبر رانا نے اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ سنجیدگی سے کہنے لگا "کھٹومل تہ خانے میں بند ہے اور ہم چوہدری سلام کو اٹھانے سے قاصر ہیں۔"
"جب اس کے گھر سے کھٹومل کو زخاخیل جیسے دور دراز علاقے میں پہنچایا اور پھر یہاں واپس لایا جا سکتا ہے تو اسے اٹھانے میں کون سی دشواری حائل ہو سکتی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔
"سیاسی ادارے مجرموں کی پناہ گاہ بننے لگیں تو ہر طرف دشواریاں ہی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا "وہ اسمبلی کا رکن ہے...."
"سب سے بڑی دقت یہی ہے۔" اکبر رانا نے درمیان میں ہی میری بات کی تائید کی "ایس ٹی ایف سیاست اور سیاسی شخصیات سے دور رہتی ہے۔"
"مگر یہ سیاست کا مسئلہ نہیں ہے۔ چوہدری سلام ایک مجرم ہے۔" سلطان شاہ بولا۔
"یہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ قانون کی زبان میں وہ ملزم ہو سکتا ہے۔ مجرم اسی وقت کہلائے گا جب دس پانچ برس کی سماعتوں کے بعد کوئی عدالت اس کے خلاف پیش ہونے والی شہادتوں کو کافی تسلیم کرے گی۔ اس جیسے ملزم یا مجرم کو سوچے سمجھے بغیر نہیں پکڑا جا سکتا۔"
"کیوں؟" سلطان شاہ کا وہ مختصر ترین سوال بہت سخت لہجے میں پوچھا گیا تھا۔
"اراکین اسمبلی کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ ہم چوہدری سلام کو بعض مقتدر شخصیات کی اجازت کے بغیر چھو بھی نہیں سکتے۔ اس بارے میں کام ہو رہا ہے۔ اشارہ ملتے ہی چوہدری کو اس کے بیٹے سمیت گرفتار کرلیا جائے گا۔" اکبر رانا نے جواب دیا۔
"تم نے اس کے فرار یا روپوشی کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں گھر کر جاتی ہے۔ میں نے دل کڑا کر کے یہ بات چیف کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری سلام اس وقت نادیدہ دوربینوں کے سائے میں گھوم پھر رہا ہے۔ اسے کسی قیمت پر بھی سرحد پار نہیں جانے دیا جائے گا۔ اشارہ ملنے پر اسے ذرا سی دیر میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔"
میرے لیے ایس ٹی ایف کے چیف کی وہ یقین دہانی بھی باعث اطمینان تھی۔
میں کھٹومل، چوہدری سلام اور امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ اسی دوران میں میری ذہنی رو کراچی کی طرف بھٹک گئی۔
ان سازشوں کا بنیادی منظر نامہ کراچی میں تیار ہوا تھا اور کھٹومل کراچی میں خطرات کی بو سونگھ کر اچانک ہی اسلام آباد میں روپوش ہوا تھا۔ اس کے تعاقب میں ہمیں بھی وہاں آنا پڑا تھا جب کہ کراچی کا محاذ اول خان نے سنبھالا ہوا تھا۔
پتا نہیں اس وقت وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہمارا واسطہ ایسے خطرناک دشمنوں سے پڑا ہوا تھا جو جدید ترین ہتھیاروں اور مواصلاتی سہولتوں سے لیس تھے۔ ہمارے بعض ٹھکانے ان کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اگر میں دوسرے نمبروں پر اول خان سے رابطہ کرتا تو ہماری گفتگو سنی یا ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ اس سے بات کرنے کی بس ایک ہی صورت محفوظ و مامون تھی کہ وہ جہانگیر کے فون پر ہم سے رابطہ کرتا۔
جہانگیر کے فون پر سی ایس ڈی نصب تھی۔ اس کی موجودگی میں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر پوری بے فکری سے تبادلۂ خیال کر سکتے تھے۔
میں ان خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔
اکبر رانا نے لپک کر وہ کال ریسیو کی۔ اس کے لب و لہجے اور گرم جوشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دوسری طرف اس کا کوئی شناسا ہی تھا۔
چند ثانیوں کی رسمی گفتگو کے بعد اس نے ریسیور خاموشی سے میری طرف بڑھا دیا۔
"میں بڑی مشکل میں پھنسا ہوا ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کی فکر مندانہ آواز آئی "اس وقت گھر سے ہی بات کر رہا ہوں۔ وہ ہر قیمت پر تم سے بات کرنے پر تلی ہوئی ہے۔"
میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ ویرا کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کھل کر بات نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی ریسیور اسے دے دو۔"
"نہیں، وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ یہاں کچھ اور مسائل بھی ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔" اس کی آواز سے اضطراب جھلک رہا تھا۔
"ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے یہاں نکلنا نہ رہ سکا تو موبائل پر رابطہ کرلینا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔
میرا جواب سنتے ہی اس نے فون بند کردیا۔
"اول خان کچھ پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔" اکبر رانا نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔
"وہ کچھ نئے مسائل کا ذکر کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک محفوظ نمبر سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔"

"میں پہلے بھی تمہاری زبان سے محفوظ فون نمبر کا تذکرہ سن چکا ہوں۔ کیا اس میں کوئی خاص خوبی پائی جاتی ہے؟" اکبر رانا اپنے دل میں پیدا ہونے والے تجسس پر قابو نہیں پا سکا۔

"اس فون پر ہونے والی گفتگو میں کسی بھی قسم کی مداخلت ناممکن ہے۔" میں نے اسے ٹالنے کے لیے سرسری سا جواب دیا۔

"کیا ہم اسٹیشن نائن کے نمبروں پر ایسا بندوبست نہیں کر سکتے؟" اس نے پوچھا۔

"سنسر سینسنگ ڈیوائس ہی یہ سہولت فراہم کر سکتی ہے۔ میں اس کے کسی متبادل سے واقف نہیں ہوں۔" میں نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا۔

"یہ کوئی نایاب قسم کا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے لاعلم ہوں۔" وہ بولا۔

اس کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کے بارے میں زبان کھولنی پڑگئی۔

جاپان کی ریڈ آرمی بنیادی طور پر ایک خفیہ عسکری تنظیم تھی جو سائنسی تحقیق اور تجربات جیسے نازک کاموں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑ سکتی تھی۔ لازمی بات تھی کہ ان لوگوں نے سی ایس ڈی کسی موجد یا محقق سے خریدی تھی اور پھر اپنی ضرورت سے زائد وہ آلات تیار کروانے کے بعد خفیہ طور پر، بھاری داموں فروخت بھی کیے تھے۔

وہ عام استعمال کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی ساری افادیت اس کے محدود اور خفیہ رہنے میں مضمر تھی۔ ریڈ آرمی والوں نے اپنی سرمایہ کاری واپس لینے کے لیے اس کی قلیل سی تعداد اپنے حلیفوں کے ہاتھ بیچی تھی جن میں بھارت کے ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ یا را والے بھی شامل تھے۔ ان کی طرف سے وہ آلہ بدری ناتھ کو بھی دیا گیا تھا تاکہ وہ پاکستان میں پورے تحفظ اور رازداری کے ساتھ اپنے مذموم منصوبوں کو پروان چڑھا سکے۔

یہ بدری ناتھ اور اس سے بڑھ کر را والوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد راس المیڈا تک پہنچنے کے بجائے میرے ہتھے چڑھ گیا اور اپنی بدقسمتیوں کی ایک لمبی داستان اپنے سینے میں لیے، میرے ہاتھوں امریکا میں جہنم واصل ہوگیا۔

اس کے ساتھ ہونے والی طویل ذہنی اور اعصابی جنگ میں سی ایس ڈی مالِ غنیمت کے طور پر میرے ہاتھ آئی تھی۔

اکبر رانا کے لیے پیشہ ورانہ طور پر را اور ریڈ آرمی کے نام بہت زیادہ سنسنی خیز تھے۔ وہ سب ایسی ریاستی اور غیر ریاستی تنظیمیں تھیں جو تشہیر سے دور رہ کر نہایت خاموشی سے اپنے اپنے کام سر انجام دیتی رہتی تھیں۔

وہ را والوں کے ساتھ میرے اس ٹکراؤ سے بے خبر تھا۔ اس کی دلچسپی کے پیشِ نظر مجھے ماضیِ قریب کے وہ واقعات خاصی تفصیل کے ساتھ دہرانے پڑ گئے۔

اکبر حیرت اور گہری دلچسپی سے وہ تفصیلات سنتا اور گاہے گاہے سوالات کرتا رہا۔ پوری کتھا سن لینے کے بعد اس نے حسرت زدہ لہجے میں کہا "ایسی فول پروف ایجاد تو ہمارے استعمال میں بھی ہونی چاہیے۔ ہمارے مالی وسائل ناکافی نہیں ہیں۔"

"بات مالی وسائل کی نہیں، ایسی عنقا چیزوں کی دستیابی کی ہے۔" سلطان شاہ نے فاضلانہ انداز میں اسے سمجھایا "زیرِ زمین رہ کر کام کرنے والوں کی بھی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ وہ دگنے داموں پر بھی ایسی نادر چیزیں مسلمانوں کو نہیں دیں گے۔"

میں سلطان شاہ کی وہ نکتہ آفرینی سن کر چونک پڑا "یہ مسلمانوں کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا ہے۔ آج کل دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی لہر چل رہی ہے۔ وہ جہاں بھی ہیں، پٹ رہے ہیں۔"

"سلطان شاہ کی بات سے مجھے بھی اتفاق ہے۔" اکبر رانا نے سر ہلا کر اس کی تائید کی "سی آئی اے، کے جی بی، ایم فائیو اور موساد جیسے رسوائے زمانہ ادارے ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف اسی طرح سرگرم ہیں جس طرح را والے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا ہے۔"

"کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے آنے والے سالوں میں کسی تیسری صلیبی جنگ کی چپکے چپکے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔" سلطان شاہ مسلسل مجھے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"صلیبی جنگوں کا حوالہ دے کر تم یہ جتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم نے تھوڑی بہت تاریخ بھی پڑھی ہوئی ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"تاریخ سے مجھے اسکول میں بھی خوف آتا تھا۔ مرنے والوں کی ہڈیاں تک رزقِ خاک ہو چکی ہوتی ہیں اور بچوں کو ان کے مرنے جینے کے دن رٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "میں نے نسیم حجازی اور دوسروں کے لکھے ہوئے تاریخی ناول بہت شوق سے پڑھے ہیں۔"

"ایک زمانے میں میرے گاؤں کی چوپال میں کوئی پڑھا ہوا نوجوان لڑکا پورے ایکشن کے ساتھ یہ ناول پڑھتا تھا اور سارے بڑے بوڑھے انہماک سے یہ قصے سن کر بیچ بیچ میں تحسین و مرحبا کے نعرے لگاتے تھے۔ کوئی جنگی فتح ہوتی تو فضا نعرۂ تکبیر سے بھی گونج اٹھتی تھی۔" اکبر رانا اس روز پوری طرح سلطان شاہ کی کہی ہوئی باتوں کی تائید کرنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

"اب میں خود اپنی بے وقوفی پر ہنستا ہوں۔" سلطان شاہ بولا۔ "ان ناولوں میں یوں لگتا ہے جیسے لکھنے والا ہر جگہ موجود رہ کر سارے مکالمے اپنے کانوں سے سنتا رہا ہو۔ امیروں، سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے سونے کے کمروں میں ہونے والی سرگوشیاں تک

ناولوں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے' سورما خاک و خون میں نہا رہے ہیں' تلواریں ٹوٹ رہی ہیں' زخمی گھوڑے بدک کر اپنے ہی فوجیوں کو روند رہے ہیں' کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ایسے میں ہیرو اپنی مشرقی حور کے بارے میں کوئی نازیبا بات سوچتا ہے اور مصنف دل کی وہ آواز پوری طرح سن کر جوں کی توں ناول میں شامل کرلیتا ہے۔ اس زمانے میں یہ سب چل جاتا تھا۔"

"اب ٹیلی وژن اور سیٹلائٹ نے بڑوں سے زیادہ بچوں کو چالاک بنا دیا ہے۔ لوگ تصوراتی دنیا کے بجائے زمین کی حقیقتیں اور کہانیاں پڑھنی چاہتے ہیں۔" وہ پوری گفتگو اکبر رانا اور سلطان شاہ کے درمیان ہی چل رہی تھی۔

"لکھنے والے آسمان سے نہیں اترا کرتے۔" میں نے ان دونوں کو فہمائش کی "وہ وہی کچھ لکھتے ہیں جو ان کے قاری پڑھنا چاہتے ہیں اور اسی لیے مقبول ہوتے ہیں...."

"پھر تو یہ تخلیق نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے فوراً میری بات کاٹ دی "فرمائشی قصے کہانیوں کے سہارے مقبولیت حاصل کرنا کوئی کمال تو نہیں ہے۔"

"تم بہک رہے ہو۔ قصے کہانیاں فرمائشی نہیں ہوتیں۔ پلاٹ مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ اندازِ بیان وہ ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی طرف راغب کرسکے۔"

"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے مطالبہ کیا "بادشاہ اور ملکہ آدھی رات کو اپنی خواب گاہ میں امورِ سلطنت پر جو باتیں کرتے ہیں' وہ ناول میں کیسے آجاتی ہیں؟ کیا مصنف شاہی چھپر کھٹ کے نیچے چھپ کر شارٹ ہینڈ میں ہر لفظ اور مکالمہ لکھ لیتا تھا؟"

میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ پاسکا "تم نرے الو ہو۔ عام قاری ماضی کے حکمرانوں کی خلوت کی باتیں بھی جاننا چاہتا ہے۔ اسے یہ مواد پڑھنے کو ملتا ہے تو وہ تمہاری طرح تنقید نہیں کرتا۔ تحریر سے لطف اندوز ہو کر ان کمزوریوں کو نظرانداز کردیتا ہے۔"

"ناسمجھی میں' میں بھی یہی کیا کرتا تھا۔ جب سے تھوڑی بہت عقل آئی ہے' میں نے راستہ بدل لیا ہے۔" وہ ناراضی کو یکسر فراموش کرکے خوشگوار موڈ میں آچکا تھا۔

"بات تیسری صلیبی جنگ کے امکان سے شروع ہوئی تھی اور میرے گاؤں کی چوپال سے ہوتی ہوئی دور نکل گئی۔" اکبر رانا نے سنبھل کر کہا "سلطان شاہ کی بات میں وزن تھا۔"

"سلطان شاہ نے اپنی بات ذرا کھردرے الفاظ میں کہی ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا "صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئی تھیں۔ اب غور کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دھیرے دھیرے ایک عالمی اتحاد وجود میں آرہا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے ساتھ ہندو اور یہودی بھی شامل ہیں۔"

"وہ گرہ سے کچھ خرچ نہیں کررہے۔ زیادہ تر سرمایہ منشیات کے فروغ سے حاصل کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد ہتھیاروں کی بلیک مارکیٹ بھی وسائل حاصل کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہے۔" اکبر رانا نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہتھیاروں کی اسمگلنگ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ان کی بلیک مارکیٹنگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سلطان شاہ نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اکبر رانا نے اجازت طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور اشارہ پاکر کہا "دنیا بھر میں ہتھیاروں کی تجارت پر چند گنے چنے ملکوں کی اجارہ داری ہے مگر وہ صرف اپنے پسندیدہ ملکوں سے ہی لین دین رکھتے ہیں' دوسروں کو گھاس نہیں ڈالتے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کرڈالا

"یہ مسابقت کا دور ہے۔ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ ان کی بارودی صنعتیں دن رات چلتی رہیں اور ان کا بنایا ہوا اسلحہ پوری دنیا میں

فروخت ہوتا رہے۔"
"ہو یہی رہا ہے مگر ذرا دوسرے طریقے سے۔ پسندیدہ ملکوں کو وہ رعایتی داموں پر پوری گارنٹی اور ذمّے داری کے ساتھ ہتھیار وغیرہ دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں امداد اور قرضے بھی دیتے ہیں۔ ان کے ناپسندیدہ ملکوں کی فہرست میں مسلمان ملکوں کی تعداد زیادہ ہے۔"
"یہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ کوئی دہشت گرد ہے، کہیں آمریت ہے، کہیں بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ ہر ایک کو بلیک لسٹ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ موجود ہے۔"
"ان میں پاکستان کے ساتھ لیبیا، عراق اور ایران وغیرہ بھی شامل ہیں۔"
اکبر رانا کے تائید طلب لہجے کے جواب میں سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا۔
"تمہارا کیا خیال ہے؟ بلیک لسٹ میں آئے ہوئے ان ملکوں نے اپنی فوجی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہوں گی؟"
"اپنی صنعتوں کو ترقی دے رہے ہوں گے۔ پاکستان ایٹمی دوڑ میں سب کو حیران کیے دے رہا ہے، پھر ہر ملک کے لیے متبادل ذرائع بھی موجود ہیں۔"
"سب سے بڑا متبادل چین ہے مگر اس کی پیداواری صلاحیتیں محدود ہیں۔ جدید ترین اور دشمن کے لیے تباہ کن ٹکنالوجی صرف مغرب کے پاس ہے۔ براہِ راست پابندی ہونے کی وجہ سے ہم ایسی چیزیں کسی تیسرے ذریعے سے خریدنے پر مجبور ہیں۔"
"اوہ!" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی "تو یہ تیسرا ذریعہ بلیک مارکیٹ ہے!"
"ایسے معصوم نہ بنو۔" اس کی حیرت پر میں نے غصے سے کہا۔ "پھٹی کریک کے ذریعے سندھ کے ڈاکوؤں کو ہتھیاروں کی فراہمی کے علاوہ الحدید نامی بوٹ کے قصے سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ الحدید کا قصہ اتنی دور تک چلا گیا تھا کہ اول خان عتاب میں آگیا تھا۔"
"ان دنوں تم مجھے اتنا زیادہ باخبر نہیں رکھتے تھے۔ میرے لیے وہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے واقعات تھے جو پاکستان میں تشدد اور دہشت گردی کو ہوا دینے کے لیے پلان کیے گئے تھے۔"
"را والے بھارتی فیکٹریوں میں بنے ہوئے ہتھیار اور گولے وغیرہ یہاں بانٹیں یا بیچیں تو یہ واقعی اسمگلنگ کہلائے گی۔ بلیک مارکیٹنگ اسی سازو سامان کی ہوتی ہے جو کھلی منڈیوں میں نہیں ملتا۔" اکبر رانا نے جلدی سے دخل اندازی کی "بلیک میں خریدی جانے والی ہر چیز کے بارے میں دو کمزور پہلو ہوتے ہیں۔ وہ مہنگی ملتی ہے اور اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔"
"تیسری دنیا کے مسلمان ملکوں کو وہ گولا بارود بھی بیچ دیا جاتا ہوگا جو گوداموں میں پڑے پڑے ناکارہ ہوگیا ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بارود کا ٹیسٹ میدانِ جنگ میں یا حقیقی جنگی مشقوں میں ہی ہوتا ہے۔"
"آج تک ایسی کوئی خبر نظر سے نہیں گزری کہ کسی ملک کا خریدا ہوا اسلحہ ناکارہ نکلا ہو۔"
"کوئی حکومت اپنی اس غلطی کا اعتراف نہیں کرسکتی۔ اس پر خطیر سرمایہ برباد ہوتا ہے۔ ایسی ناقص کھیپ کو خاموشی سے تلف کردیا جاتا ہے۔"
میں نے بولنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن پر اول خان سوار تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔
"میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے میرے اطمینان کے لیے ابتدا میں ہی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لیے کراچی میں محاذ کھول دیا گیا ہے۔ آج صبح گیارہ بجے سندھ اسمبلی کے قریب ایک کار میں زبردست بم بلاسٹ ہوا ہے۔ تین شہری ہلاک اور سترہ زخمی ہوئے ہیں۔"
"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ یہ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا "کراچی میں امن و امان کی صورت ویسے بھی تسلی بخش نہیں ہے۔"
"تم جانتے ہو کہ میں سوچے سمجھے بغیر زبان کھولنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں ہر امکان پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں مگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"
"دباؤ ڈالنے کی کوشش کن لوگوں کی طرف سے کی گئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"مجھے پورا یقین ہے کہ اس دھماکے میں وہ دونوں ملعون امریکی سراغ رساں ملوث ہیں جو کتوں کے ذریعے تمہاری تلاش کی مہم پر کراچی آئے ہوئے ہیں۔"
"تمہارے اس یقین کا کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوگا؟" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔
"سبب نہیں، اسباب ہیں۔ ان دونوں کی نقل و حرکت بہت احتیاط سے مانیٹر کی جارہی ہے۔ وہ دونوں غیر ملکی فوٹو گرافروں کا روپ دھار کر آج صبح ڈیڑھ گھنٹے تک اس علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔ ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد وہاں دھماکے سے تباہی پھیل گئی۔ درجنوں گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں ملبے کے ڈھیر میں بدل گئی تھیں۔"
غم و غصے کی ایک شدید لہر کے ساتھ میرا دل اداس ہوگیا۔ رات بھر سنسان رہنے والا وہ علاقہ دفتری اوقات میں بہت گنجان آباد اور مصروف ہوجاتا تھا۔ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے بے شمار افراد کے علاوہ وہاں عوام کا بھی ہجوم رہتا تھا۔

ایسی بھیڑ بھاڑ میں کسی خطرناک تخریبی کارروائی کی کوشش وہی کر سکتا تھا جو اپنی زندگی اور موت سے بالکل بے پروا ہو کر کوئی مقصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ وہ دونوں امریکی سراغ رساں اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

”ہم کس قدر بے بس ہیں!“ میرے حلق سے ایک غراہٹ آزاد ہوئی ”ان دونوں کو پیوندِ زمین کردیا جائے تب بھی ان تین افراد کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا جو ان کی درندگی کا نشانہ بنے ہیں۔“

”واقعی ہم بہت بے بس ہیں۔ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔“ اس کی آواز انتہائی پژمردہ تھی۔

”کیوں؟ ان دونوں کو تو اب تک اپنے پالے ہوئے کتوں کی خوراک بن جانا چاہیے تھا۔“

”سوری ڈیئی! میرے جذبات بھی تم سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ خونی پورے سفارتی پروٹوکول کے تحت آئے ہیں اور ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے....“

”مجھے کسی پروٹوکول کی پروا نہیں۔“ میں بپھر گیا ”وہ دونوں قاتل اب کراچی سے زندہ نہیں لوٹ سکتے۔ کیسا اندھیر ہے کہ ہم کھٹومل کو گولی مار سکتے ہیں نہ ان دونوں کو سزا دے سکتے ہیں۔“

”انہوں نے یہاں قدم جما کر کم و بیش وہی کھیل شروع کردیا ہے جو تم امریکا میں ان کے ساتھ کھیل کر واپس آئے ہو۔“ اس کی آواز میں افسردگی رچی ہوئی تھی۔

”ادل خان! خدا کے لیے تم تو یہ نہ کہو۔ میں امریکا میں ایک مجرم کی طرح ان کی نظروں سے چھپ کر اپنے ہدف حاصل کررہا تھا۔ یہ دونوں ہمارے مہمان بن کر ہماری نظروں کے سامنے خوں ریزی کررہے ہیں۔ ان بے شرم اور بے غیرت لوگوں سے میرا موازنہ مت کرو۔“

”تمہاری بات صحیح ہے۔ مجھے معاف کردو۔“ اس نے بلا تامل اپنی غلطی تسلیم کرلی۔

”کان کھول کر سن لو! وہ تمہارے یا حکومت کے مہمان ہو سکتے ہیں، میرے لیے بدترین دشمن ہیں اور میں تمہارے کسی سفارتی پروٹوکول کا پابند نہیں ہوں۔ تم انہیں انگلی نہیں لگا سکتے لیکن میں ان بھیڑیوں کے نرخرے چیر سکتا ہوں۔“

”میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔ تم کراچی کب لوٹ رہے ہو؟“ ماؤتھ پیس میں اس کی آواز ابھری۔

”کراچی میں سفارتی پروٹوکول نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ یہاں سیاسی پروٹوکول راستے کا پتھر بنا ہوا ہے۔ کھٹومل قبضے میں ہے۔ اس کے مربّی کی گرفتاری کے لیے اجازت نامے کا انتظار ہے۔ مجھ سے یہ ذہنی عذاب نہیں جھیلا جائے گا۔“

”کھٹومل اصل مسئلہ تھا۔ وہ پوری طرح گرفت میں آگیا ہے تو

تم کراچی لوٹ آؤ....“

”چوہدری سلام بھی کم اہم نہیں ہے لیکن میں اس کی گرفتاری میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا۔ میرے حصے کا کام مکمل ہوچکا ہے.... یہ بتاؤ کہ کالو مکرانی کا کیا حال ہے۔“ اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے میری جھنجلاہٹ ختم ہوگئی۔

”وہ اسپتال میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔“ موضوع بدل جانے پر اول خان خوش ہوگیا۔

”آئی جی کے تبادلے کے بعد اس کے کیس کی کیا پوزیشن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پرانی پوزیشن بحال ہوگئی ہے۔ کالو مکرانی اور قاسم سی آئی اے کے بجائے اسی تھانے کی تحویل میں آچکے ہیں جس کے ایس ایچ او نے بیانات میں ہیر پھیر کرنے سے انکار کردیا تھا۔“

”اور کھٹول کا کیا بنے گا؟“ مجھے اس کی چال بازیوں کی طرف سے فکر دامن گیر تھی۔

”اصولی طور پر وہ بھی اسی تھانے کا ملزم ہے۔ اکبر رانا سے بات کرکے مجھے اندازہ ہوسکے گا کہ اس کے بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے.... یہ ویرا تم سے بات کرنی چاہ رہی ہے۔“

”اس سے کہہ دو کہ میں جلد ہی کراچی آرہا ہوں....“ میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس اثنا میں ویرا شاید ریسیور پر قبضہ کرچکی تھی۔

”تم کراچی آؤ یا نہ آؤ۔ میں آج شام کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ رہی ہوں۔“ ویرا کی آواز سے اس کی برہمی مترشح تھی ”وہاں جا کر کسی چور کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہو۔ تمہیں کچھ احساس ہے کہ دوسرے لوگ تمہارے بارے میں کتنے فکر مند رہتے ہیں!“

”مجھے کراچی چھوڑے مشکل سے چند روز ہوئے ہیں اور میں اول خان سے مسلسل رابطے میں ہوں۔ میں کام چھوڑ کر فون سے بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔“ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”تمہاری شادی اول خان سے نہیں، غزالہ سے ہوئی ہے!“ اس کی آواز زہریلی ہوگئی۔

”شکایت غزالہ کو ہونی چاہیے۔ تم کیوں مرچیں چبا رہی ہو؟ میں فون پر غیر محتاط گفتگو کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے میں نے گھر فون نہیں کیا تھا۔ اول خان سے بھی جہانگیر کے نمبر پر بات ہوتی ہے۔ سبب تم کو معلوم ہی ہے۔“

”تم سی ایس ڈی نکال کر اپنے ساتھ بھی لے جاسکتے تھے۔ تم نے دانستہ اسے چھوڑا ہے تاکہ اسلام آباد میں آزادی سے گلچھرے اڑا سکو۔“

اس کی کج فہمی پر میں بے اختیار ہنس دیا ”اسلام آباد میں تم ہو نہ تمہاری سہیلی جینی۔ میں کھٹول جیسے موذی کے ساتھ کیا موج اڑا سکتا ہوں؟ میں نے تمہارے لیے احتیاط کی ہدایت کی تھی۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ سختی سے اول خان کی چار دیواری میں روپوش رہو....“

”میں وارننگ دے رہی ہوں کہ تم کل شام تک کراچی واپس نہ آئے تو میں کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اسلام آباد پہنچ جاؤں گی۔“

”چلو، میں تمہاری یہ دھمکی مانے لیتا ہوں۔“ میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا ”اب ریسیور اول خان کو دے دو۔“

اول خان کے لائن پر آتے ہی میں نے ریسیور اکبر رانا کو دے دیا۔

”کیا کہہ رہی تھی ویرا؟“ میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”کراچی جا کر اسی سے پوچھ لینا۔ تمہیں یاد کررہی ہے۔“ میں نے اسی کے لہجے میں جواب دیا اور وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

کراچی سے کھٹول کے فرار اور پھر روپوشی کے بعد جو معاملات بری طرح الجھ گئے تھے، وہ اس کی بازیابی کی حد تک قابو میں آچکے تھے۔ یہ بات بالکل طے ہوچکی تھی کہ حکمرانوں میں سے کوئی بھی کھٹول کو عدالتی کارروائی کے بغیر ٹھکانے لگانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہر حال میں قانون کے مطابق مکافاتِ عمل سے گزرنا تھا۔

میرے لیے وہ نکتہ باعث تکلیف تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ اسے قانونی موشگافیوں سے کھیلنے کی مہلت دیے بغیر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے۔ اس بارے میں جو کچھ کرنا تھا، مجھے ہی کرنا تھا اور اس طرح کرنا تھا کہ سرکاری حلقوں میں میرے خلاف کوئی مخالفانہ جذبہ سر نہ اٹھا سکے۔

کمانڈر اکبر رانا کے بیان کے مطابق چوہدری سلام ہر وقت ان کی عقابی نگاہوں میں تھا۔ جوں ہی اوپر سے گرین سگنل ملتا، اسے اسلام آباد کے سیکٹر ایف سیون میں واقع اپنے عالی شان مکان سے اٹھا کر کسی لاک اپ میں ڈال دیا جاتا۔

میرے لیے اسلام آباد جیسے بے مہر اور روکھے پھیکے شہر میں بیٹھ کر ان دونوں امور کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کرنا بالکل بے سود تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ اسلام آباد کی منصوبہ بندی بہت شان دار ہے، سڑکیں کشادہ ہیں۔ باغات، پارکوں اور تفریح گاہوں کی افراط ہے، زمین بیش قیمت اور عمارتیں حسین و پُرشکوہ ہیں لیکن اس پورے شہر پر اعلیٰ گریڈوں میں منقسم بیوروکریسی کا ایک درشت اور لاتعلقانہ سا مزاج طاری ہے۔ شہر میں زندگی اور زندہ دلی کا اظہار آب پارہ کے گرد و نواح میں ہوتا ہے جہاں پرانی اصطلاح کے مطابق تیسرے اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازمین اپنے کرائے داروں سمیت آباد ہیں۔ اپنی سواری رکھنے والے امرا کے لیے شہر کے دو تین شاپنگ مال شام کے اوقات میں رونقیں لٹاتے ہیں۔

میں لوگوں میں گھل مل کر، ان ہی کے انداز میں اپنے شب و روز گزارنے میں سچی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میں جب بھی اسلام آباد میں رہا، ہوا کی تازگی اور ماحول کی فرحت کے باوجود ہمیشہ گھٹن کا شکار رہا۔

اسلام آباد کے مقابلے میں پنڈی ہمیشہ مجھے اپنا شہر محسوس ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر اور غریب، سب ہی لوگ راجا بازار، کینٹ، مری روڈ اور دوسرے بازاروں کی دھکم پیل میں خوشی خوشی گھومتے پھرتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فوجی افسر بھی جب سادہ لباس میں ہوتا ہے تو باٹھی چوک کی بھیڑ میں اپنا پیر دب جانے پر کسی کو حقارت سے نہیں گھورتا۔

رہا لاہور تو اس کی بات ہی اور ہے۔ اسے بلاوجہ ہی زندہ دلوں کا شہر نہیں کہا جاتا۔ آپ پیار سے رخسار پر تھپکی دینے کے بجائے مسکراتے لبوں کے ساتھ، دوستی کے اظہار میں کسی کو ہلکا پھلکا تھپڑ بھی رسید کر دیں تو وہ بربنائے خلوص اس کا برا نہیں مانے گا۔

شہروں کی وہ بھولی بسری یادیں تازہ ہوتے ہی میرا خلجان بڑھنے لگا۔

اس وقت اکبر رانا اپنے دفتر چلا گیا۔ شام کی چائے پر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے فوری واپسی کی خواہش کا اظہار کیا۔

"کیوں؟" اس نے متحیر اور استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "تمہیں بیٹھے بٹھائے اچانک واپسی کا خیال کیوں آگیا۔"

"تم کراچی میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں سن ہی چکے ہو۔ مہمان کمینگی پر اتر آئیں تو میزبان کی عزت کیا، زندگی تک عذاب میں پڑ جاتی ہے۔ یہاں میرا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ مجھے رات کی پرواز سے بھی سفر کرنا پڑا تو میں واپسی کو ترجیح دوں گا۔"

"دراصل ان کی آدھی گھروالی نے انہیں وارننگ دے دی ہے....." سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں بات شروع کی اور میں نے اسے بری طرح گھور کر خاموش کر دیا۔

"ان کی آدھی گھروالی کون ہوئی؟" اکبر رانا نے میری طرف دیکھے بغیر اس سے پوچھا۔

"وہ سالی نہیں ہے، پھر بھی آدھی گھروالی ہے۔" سلطان شاہ باز نہیں آیا "یہ بیوی پر رعب جماتے ہیں۔ وہ انہیں اپنی دھونس میں رکھتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت ایسی بھی ہے جو ان پر حاوی ہے۔ میرے حقیر سے تجربے کے مطابق ڈینی کسی عورت سے مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

"تم اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔" میں نے ہنس کر بات اڑا دی "اگر میں اس کی ہونے والی منگیتر کا احترام کرتا ہوں تو اسے ایسی باتیں کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

اکبر رانا نے بے تکلفی سے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر زوردار قہقہہ لگایا "تو یہ بات ہے۔ جو کام تم خود نہیں کر سکتے، وہ اپنی منگیتر سے لیتے ہو۔ یہ بہت بری بات ہے۔"

سلطان شاہ نے بوکھلا کر بار بار وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن ہم دونوں نے بلند آہنگ قہقہوں میں اس کی ایک نہ سنی۔ وہ چائے کی پیالی ختم کیے بغیر اپنے کمرے میں جا گھسا۔

پاکستان کی ہر ملکی پرواز پر سرکاری کوٹے پر کچھ نہ کچھ نشستیں مخصوص رہتی ہیں۔ پتا نہیں کس افسر کا کب بلاوا آجائے۔ کب کسی وزیر کو دورے کی سوجھ جائے۔ آخری لمحات پر بچ جانے والی ایسی نشستیں چانس پر موجود، شناسا مسافروں میں خاموشی سے بانٹ دی جاتی ہیں۔

اکبر رانا دارالحکومت کا رہنے والا تھا اور ان رموز و نکات سے خوب واقف تھا۔ پہلے وہ دیر تک مجھے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ اس وقت اس کے چیف سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ چیف چوہدری سلام کی گتھی سلجھانے کے لیے لاہور میں کچھ اہم افراد سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک مجھے اسلام آباد میں ہی رہنا چاہیے تھا۔

مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ ملاقات کے بغیر میری واپسی پر چیف کو قلق رہے گا لیکن اس کے پاس مجھ سے شکوہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں جب سے آیا تھا، مسلسل اس کے شہر میں موجود رہا تھا۔ یہ اس کی مصروفیات تھیں جنہوں نے اسے مجھ سے دور رکھا ہوا تھا۔

آخر کار اکبر رانا کو ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ اس نے اپنے کسی شناسا کو فون کیا اور ہم رات کو کراچی روانہ ہونے والی پرواز کے لیے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

○☆○

ہم دونوں کے ساتھ زیادہ سازوسامان تھا نہ کوئی اور مجبوری۔ کسی کو فون کر کے پریشان کرنے کے بجائے ہم نے ٹیکسی پکڑی اور ائرپورٹ سے سیدھے جہانگیر کے فلیٹ پہنچ گئے۔

ہمارے گھر پر بالم اور جانی وغیرہ کے ناکام شب خون کے بعد سے ہم نے یہی بندوبست کیا تھا کہ دونوں عورتیں اول خان کے گھر پر رہ رہی تھیں۔ میں جہانگیر کے گھر پر تھا اور سلطان شاہ اسٹیشن فور پر رہ رہا تھا۔

اس نے راستے میں ہی کہا کہ میں اسے ملیر چھاؤنی میں واقع ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پر اتار دوں لیکن میں نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جہانگیر کے گھر پر میرے ساتھ ایک رات گزار کر اگلی صبح واپس جا سکتا تھا۔

کال بیل کے جواب میں دروازہ کھلنے پر ویرا کی صورت نظر آئی تو میں بھونچکا رہ گیا۔

"ارے.... تم دونوں تو واقعی میری دھمکی میں آ گئے" ویرا غیر متوقع طور پر ہمیں دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہو گئی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے ڈرپوک ہو۔"

"کوئی ڈرپوک نہیں ہے، ہمیں صرف تمہاری زندگی عزیز ہے۔ اپنی کسی حماقت سے جان کھو بیٹھتیں تو ہمیں ہمیشہ افسوس رہتا کہ تمہاری گردن ناپنے کے لیے ہم کراچی میں کیوں موجود نہیں تھے" میں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر خشک لہجے میں کہا۔

"اڑیل گھوڑی کی طرح دروازے پر کیوں جمی ہوئی ہو؟" سلطان شاہ نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں "راستہ دو تاکہ ہم اندر آسکیں۔"

"آؤ اڑیل ٹٹو!" ویرا نے سلطان شاہ کا بازو تھام کر اسے بے رحمی سے اندر کھینچ لیا "میں ابھی تمہاری خبر لیتی ہوں۔ کافی دنوں بعد میرے ہاتھ آئے ہو۔"

دروازے پر ہماری آوازیں سن کر سلمٰی کے ساتھ جہانگیر بھی پتلی سی راہداری کے سرے پر آگیا۔ رات بھیگ جانے کے باوجود جہانگیر صرف سرور میں تھا، نشے میں دھت نہیں تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ دونوں بھی خوش ہو گئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ کراچی کی رونقیں لوٹ آئیں" جہانگیر نے مسرت سے کہا "جب تک کان تمہاری بکواس نہ سن لیں، زندگی بے کیف سی محسوس ہوتی ہے۔"

اسلام آباد کے اسٹیشن ٹائن پر کمانڈر اکبر رانا کی احترام آمیز میزبانی کے سامنے وہ بے تکلفانہ استقبال بہت مسرت انگیز تھا۔

"تمہیں اول خان کے گھر پر ہونا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" میں نے لابی سے گزر کر ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ کر ویرا سے سوال کیا۔

"مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کس وقت کہاں ہونا چاہیے۔ تم میرے ہیڈ ماسٹر نہیں ہو۔ کچھ پوچھنا ہی ہے تو اپنی جورو سے پوچھو۔"

ویرا کا جارحانہ جواب سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میرے ذہن میں شبہے نے سر ابھارا کہ کہیں وہ غزالہ سے لڑ کر وہاں نہ آئی ہو "کیا غزالہ سے تمہاری کوئی اَن بن ہوئی ہے؟" میں اپنے اضطراری سوال کو زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔

"یار! تم بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہو" جہانگیر نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "دوپہر کو اول خان اسے یہاں چھوڑ کر کسی کام سے گیا ہے۔ واپسی پر اپنے ساتھ گھر لے جائے گا۔ یہ اس کے انتظار میں اب تک تین ڈبل نکا چکی ہے۔"

میں نے ڈرائنگ روم کی خالی تپائیوں پر نظریں دوڑائیں، ہونٹ سکیڑ کر ایک دو گہرے گہرے سانس لیے پھر پوچھا "یہاں کی آب و ہوا تو صاف ہے۔ یہ شغل کہاں ہو رہا تھا؟"

"میرے بیڈ روم کے سوا انہیں اور کہاں جگہ ملتی؟" سلمٰی نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے ویرا کو مہمان سمجھ کر کمرا چھوڑ دیا اور ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی تھی۔ یہاں کی آب و ہوا تمہیں اسی لیے صاف ستھری محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہاں! تمہارے بدن میں آب و ہوا نتھارنے کے فلٹر جو لگے ہوئے ہیں" جہانگیر نے اپنی بیوی پر چوٹ کی۔

سلمٰی نے اس کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ سب خوش گوار موڈ میں تھے اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

"اول خان کہاں گیا ہے؟ اب تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے سوال کیا "کہیں وہ کسی مشکل میں نہ گھر گیا ہو۔"

"آج کل وہ موبائل فون سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے بتا چکا ہے کہ اسے لوٹنے میں کچھ اور وقت لگے گا۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" میں نے الجھ کر پوچھا۔

"جام جم میں دیکھو۔ شاید پتا چل جائے" ویرا نے بے پروائی سے کہا "تمہاری طرح وہ بھی اپنی مصروفیات کے بارے میں کسی کو اعتماد میں نہیں لیتا۔"

"اس گھر میں جام جم نہیں ہے۔ اجازت ہو تو ہم دونوں اپنے گلاس یہیں لے آئیں؟" جہانگیر نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" سلمٰی نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "یہ طے ہو چکا ہے کہ اب تم اپنے بیڈ روم سے باہر ایک گھونٹ بھی نہیں لو گے۔"

"آج رات ہم یہیں سو جائیں گے تو ڈرائنگ روم ہمارا بیڈ روم بن جائے گا۔ آپس کے گھریلو معاہدے ایسی رواداری سے ہی چل سکتے ہیں ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں" جہانگیر نے ڈھٹائی سے کہا۔

"نو!" ویرا یک بہ یک سلمٰی کی حمایت پر تل گئی "بیوی اپنے شوہر کی پیر کی جوتی نہیں ہوتی۔ اسے رواداری کی پٹی پڑھانے کے بجائے تم خود بھی رواداری سے کام لو۔"

"میں تو تمہارا گلاس بھی یہیں لانا چاہ رہا تھا" مایوسی سے جہانگیر کا منہ لٹک گیا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا گلاس بالکل خالی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق میں تین ڈبل نکا چکی ہوں۔ اب تمہاری جیب پر چوتھے کا بوجھ نہیں ڈالوں گی۔"

"ارے! یہ تم کیسی چھوٹی بات کہہ رہی ہو" جہانگیر والہانہ فریفتگی سے بولا "خدا کی قسم، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم جیسی خوش اخلاق دوست پر سے تو بوتلیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ میں ڈینی کو تعداد کے ذریعے تمہارے موڈ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"خیر!" ویرا نے سلمٰی کو آنکھ مار کر بے رخی سے کہا "مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں جو پلانے کے بعد گلاس گنوانے بیٹھ جاتے

ہیں۔ جا کر اپنی اسکاچ خود پیتے رہو۔"

"دیکھو ویرا، مجھے ایسے گھٹیا طعنے نہ دو۔" جہانگیر اس کے سامنے گھگھیانے لگا "تھوڑی دیر پہلے تم مجھے اپنا پسندیدہ.... مم.... میرا مطلب ہے کہ پسندیدہ آدمی قرار دے رہی تھیں۔ ڈینی کے آتے ہی تم نے مجھ سے ایک دم آنکھیں پھیر لی ہیں۔"

"ڈینی کے آنے سے پہلے تم نے ایسی کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ مجھ پر طعنہ زنی کرو گے تو ایسی کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہو گے۔ جب تک تم بھیگی بلی بنے ہوئے تھے، میں بھی تقریباً تمہاری بیوی جیسی فرماں برداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یہ...."

"ہوہو.... ہوہو!" جہانگیر گڑبڑا کر بلاوجہ ہی زور زور سے ہنسنے لگا "چھوڑو، لعنت بھیجو ان خرافات پر.... جھگڑوں میں کیا رکھا ہے..... کچھ اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"مجھے تو یہ اس وقت بھی کسی بھیگے ہوئے بلے کی طرح مکار نظر آرہا ہے" میں نے ویرا کے کنایوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں آفت کے پرکالے ہو" جہانگیر فضا میں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "پیچھے پڑ گئے تو میری مٹی ایسی پلید کرو گے کہ میں ہفتوں منانے کے باوجود سلمیٰ کا دل صاف نہیں کر سکوں گا۔ کسی شریف آدمی کا گھر بگاڑنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"شریف آدمی!" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور استہزائیہ انداز میں کہا "شرافت سے اپنے پرانے گلاس کے ساتھ میرے لیے چوتھا ڈبل بنا لاؤ۔"

جہانگیر نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلمیٰ بے بسی سے ہونٹ بھینچے دور تک اس احمق کو گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کے آثار نمایاں تھے۔

ویرا نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں بھینچ لیا "پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب مذاق کی باتیں تھیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہارا میاں اپنا ہر اچھا برا شوق گھر میں پورا کرتا ہے۔ بس وہ نشے میں ذرا گاؤدی ہو جاتا ہے۔"

"مجھے دکھ اسی بات کا ہوتا ہے کہ پی کر وہ خود کو ہر ایک کے مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس طرح میری کتنی سبکی ہوتی ہے۔ اپنے شوہر پر ناز کرنا ہر عورت کا مان ہوتا ہے" سلمیٰ نے آزردگی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تمہاری کوئی سبکی نہیں ہوئی۔ وہ تمہارا شوہر ہے تو میرا بھائی ہے" ویرا نے بے باکی سے وہ عجیب بات کہہ کر ہر ایک کو چونکا دیا۔

"ایسے رشتوں میں کہاں کسی کی سبکی ہوتی ہے۔"

سلمیٰ کی آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے۔ اس نے بے اعتباری سے ویرا کی جھیل جیسی گہری اور نیلی آنکھوں میں جھانکا جہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ویرا ایسی ہی مکار اداکارہ تھی کہ جب چاہتی، اپنے اوپر کوئی بھی کیفیت طاری کر لیتی تھی۔ ایسے مواقع پر اس کی آنکھیں ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھیں۔ سلمیٰ بھی اس کی اداکاری سے دھوکا کھا کر مطمئن ہو گئی۔

سلطان شاہ معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے بارے میں جہانگیر کے ندیدے پن اور بے ہمتی سے ہم سب ہی واقف تھے۔ وہ اپنی جسارتوں پر کئی بار ویرا سے پھٹکار بھی سن چکا تھا۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود ویرا نے اچانک اسے اپنا بھائی قرار دے کر سلمیٰ کے دل سے ہر میل دھو ڈالا تھا۔ سلمیٰ نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنا چہرہ ویرا کے شانے پر رکھ دیا۔

جہانگیر کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات چپک گئی تھی کہ اس سے کہیں کوئی سنگین غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس نے دونوں گلاسوں سمیت واپس آتے ہی کراچی میں ہونے والے بم کے خوں ریز دھماکے کا ذکر چھیڑ کر فضا کو افسردہ کر دیا۔

جہانگیر کو اخبارات اور خبروں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اس لیے شام کے اخبار نہیں لائے گئے تھے۔ ان تینوں کی معلومات صرف وہی تھیں جو انہیں اول خان سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس اندوہ ناک دہشت گردی پر تفصیلی روشنی اول خان ہی ڈال سکتا تھا۔

وہ موضوع ختم ہونے سے پہلے مجھے خیال آیا کہ کسی پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر ہم سب جہانگیر کے گھر یک جا ہو چکے تھے، صرف غزالہ ہمارے درمیان نہیں تھی۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر فوراً فون کی طرف بڑھ گیا۔ فون غزالہ نے اٹھایا اور ایک طویل وقفے کے بعد میری آواز سن کر مسرور ہو گئی۔

میں نے جب اسے بتایا کہ میں کراچی میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا تھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے اور شکوہ نہ کرنے والی ایسی صابر لڑکی تھی جو میری ساری خامیوں کو رضاکارانہ طور پر نظر انداز کر کے ہمیشہ میری خوبیوں پر نگاہ رکھتی تھی۔

اس نے مجھ سے گلہ شکوہ نہیں کیا کہ میں امریکا سے لوٹنے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ کر کیوں چلا گیا تھا۔ اسے مجھ سے اپنے گھر بار اور پرسکون گھریلو زندگی کے بارے میں جو کچھ کہنا تھا، وہ خلوت میں کہہ چکی تھی۔ اس کے سوالوں کا کوئی جواب میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے بس اسے اپنی مجبوریاں بتا دی تھیں اور اس نے ان ناگزیر حالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

دونوں طرف سے مزاج پرسی اور چاہتوں کے بھرپور اظہار کے بعد غزالہ کی ملائم اور ملکوتی آواز میرے کانوں میں آئی "مجھے معلوم ہے کہ آپ یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم سب کب تک یوں ہی بکھرے رہیں گے؟"

"نادرہ کا وہ مکان بھی خالی ہے جہاں میں نے بدری ناتھ اور

اس کے ساتھی کو ٹھہرایا تھا مگر وہ مخدوش ہے۔ امریکی ایجنٹوں نے نادرہ سے اسی پتے پر رجوع کیا تھا۔"

میری تجویز سن کر غزالہ نے کہا "وہ نادرہ کے چکر میں وہاں پہنچے تھے۔ ان کے لیے اب وہ باب بند ہو چکا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم نے وہ گھر آباد کرلیا ہے۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعد میں اس مکان کی تلاش میں پورے علاقے کا فضائی سروے کرکے اس کی چھت پر رنگ سے بھری ہوئی تھیلیاں پھینک کر مارکنگ کی گئی تھی تاکہ بعد میں گھر پرائر کمانڈوز اتارے جاسکیں۔"

"آپ کی یادداشت حیرت انگیز ہے۔ واقعات کی گرد میں یہ سب بہت پیچھے نظر آتا ہے لیکن یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے" اس نے بلاحیل وحجت اعتراف کرلیا۔

"امن اور سکھ چین ذرا دور کی باتیں ہیں لیکن میرے ساتھ رہنا تمہارا حق ہے۔ میں ان ضروریات سے غافل نہیں ہوں۔ پہلی فرصت میں کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیا جائے گا۔"

"میں اپنی نہیں، سب کی بات کررہی تھی۔ فلیٹ چھوڑنے کے بعد ہم چار افراد تین جگہوں پر بکھر گئے ہیں اور سب بے آرام ہیں" اس نے وضاحت کی۔

میں نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ ایک نرم سا جواب دے کر گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اول خان کے آنے تک وہ محفل یوں ہی جمی رہی۔ چوتھے گلاس کے خاتمے کے بعد میں نے جہانگیر اور ویرا کی مے نوشی پر پابندی لگادی۔ ویرا سگریٹیں پھونک پھونک کر وقت گزارتی رہی۔ ہم تینوں وقفے وقفے سے چائے نوشی کرتے رہے۔

ہمارے درمیان سلمٰی بھی موجود تھی اس لیے کھٹومل کے بارے میں زیادہ کھل کر بات نہیں ہوسکی۔ ویرا کو یہ اندازہ پہلے ہی ہوچکا تھا کہ صورتِ احوال ہمارے قابو میں تھی۔

اول خان رات کے ایک بجے کے قریب واپس آیا تو اس کے چہرے سے تکان اور اضمحلال کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ آتے ہی ایک صوفے پر گرگیا۔

میں اشارے سے سلمٰی کو ایک طرف لے گیا۔ وہ ہر وقت دل و جان سے میری کسی اشارے بازی کی منتظر رہتی تھی۔ جھٹ لابی کے ایک گوشے میں آگئی۔

"جہانگیر چمکیلی دھوپ میں پھنکے ہوئے کسی اُلو کی طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر ہر ایک کو دیکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کی زبان بھی لڑکھڑا رہی ہے۔ اسے تماشا بنانے کے بجائے سہارا دے کر کمرے میں لے جاؤ۔ مہمانوں سے میں نمٹ لوں گا" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ خود بھی اٹھنا چاہ رہے ہوں گے۔ میں ابھی انہیں لے جاتی ہوں۔"

"اس سے شاید اٹھا بھی نہیں جائے گا۔ میں سب کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔ بعد میں تم اسے سنبھال لینا۔ وہ سب کے سامنے گرگیا تو تم کو پھر بکی محسوس ہوگی۔"

سلمٰی نے سینے سے ایک گہرا سانس خارج کرکے مجھے گھورا اور "بہت بہتر" کہہ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

"ادھر..... میرے کمرے میں آجاؤ" میں نے ڈرائنگ روم کی دہلیز پر کھڑے ہوکر کہا۔ میری آواز پر جہانگیر نے چونک کر اپنی ناک بھوں پر زور دینا شروع کردیا۔

"وہ تم سے نہیں، دوسروں سے کہہ رہے ہیں" سلمٰی نے اس کے سر پر پہنچ کر کہا۔ اس دوران میں بقیہ تینوں افراد اپنی جگہیں چھوڑ چکے تھے۔

"ایک مدت کے بعد آج میں اتنی زیادہ تکان محسوس کررہا ہوں" اول خان نے میری خواب گاہ میں داخل ہوکر مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر ہوکر لیٹ جاؤ۔ میری موجودگی کی پروا مت کرو" ویرا نے مشورہ دیا "بھاگ دوڑ کے بعد نتائج بالکل صفر ہوں تو تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے۔"

"تم نے پتے کی بات کہی ہے" اول خان پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "آج میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔ یہاں سے میں زور لگارہا ہوں۔ ہمارا چیف لاہور میں ڈیرا ڈالے بیٹھا ہے لیکن چوہدری سلام کی گرفتاری کی کوئی راہ نہیں مل رہی۔"

"حیرت ہے کہ اس جیسے مجرموں اور منشیات فروشوں کو ہمارے یہاں کس قدر اونچے پیمانے پر تحفظ حاصل ہے۔" میں نے کہا "پتا نہیں کھٹومل کے ستارے کیوں گردش میں آگئے۔"

"کھٹومل کا مقدمہ کراچی میں تیار ہوا ہے۔ چوہدری سلام طاقت کے مرکز میں بیٹھ کر اپنے مہرے کھیل رہا ہے" اول خان بولا۔ "دیکھا جائے تو کھٹومل دراصل چوہدری سلام کا ایک اہم مہرہ تھا۔ اسے پٹوا کر وہ اپنی بازی بچانے کی کوشش کررہا ہے۔"

اول خان کی فرمائش پر ویرا کافی اور سینڈوچ بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ ہم تینوں کی گفتگو جاری رہی۔ اس وقت ہمارے سامنے پانچ نام تھے۔ کھٹومل، چوہدری سلام، امریکا سے آئے ہوئے وہ دو سفاک سراغ رساں جنہوں نے صبح کراچی میں دھماکا کیا اور مقامی قونصل خانے کا ویزا افسر جس نے کھٹومل کو میرا پیچھا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اول خان کی زبانی پتا چلا کہ کھٹومل کی اگلے روز کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا تھا۔ اسلام آباد پولیس کے اعلیٰ افسران صبح ایک پریس کانفرنس میں اس اہم قومی ملزم کے ساتھ فوٹو سیشن کے بعد اپنی ٹیم کی نگرانی میں کراچی بھیجنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

"تم بھی کھٹومل پر مقدمہ چلانے کے حق میں ہو؟" میں نے اول خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد اور دھیمی آواز میں

سوال کیا۔
"یہ میری مجبوری ہے۔ میں ڈسپلن کے خلاف کوئی ذاتی رائے نہیں دے سکتا۔"
"اگر میں اپنے طور پر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہوں تو تمہارا رویّہ کیا ہوگا؟"
"میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ جو کرنا چاہتے ہو' کرتے رہو لیکن اس بارے میں مجھ پر بالکل انحصار نہ کرنا۔ میں تمہیں بتادوں کہ ابھی سے اس کی حفاظت کے لیے غیر معمولی اقدامات کرلیے گئے ہیں۔ اسلام آباد کی پریس کانفرنس میں اس کا کوئی بیان یا انٹرویو نہیں ہوگا۔ دو حساس ادارے اس کے اقبالی بیان کے بعض حصوں کو حذف کرنے پر غور کررہے ہیں۔"
"کیوں؟ کیا ایسا کرنا فطری انصاف کے تقاضوں کے منافی نہیں ہوگا؟" میں نے قدرے تلخی سے پوچھا۔
"فطری انصاف میں ریاست کے مفادات کو اوّلیت حاصل ہے۔ ایسا نہ ہو تو سرکاری رازوں کے بارے میں سارے قوانین منسوخ کرنے پڑیں گے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ قوانین کیا' بعض ادارے بھی ختم ہوجائیں گے" میں نے ایس ٹی ایف کا نام لیے بغیر حقیقت بیان کر ڈالی۔
"اس کا پورا بیان جاری کردیا گیا تو سب سے پہلے چوہدری سلام ہی اسے مروادے گا۔"
"بیان خفیہ رہے یا اعلانیہ' چوہدری سلام سمجھ چکا ہوگا کہ اس پر سارا عتاب کھٹومل کی وجہ سے آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کھٹومل کو راستے ہی میں ماردیا جائے۔"
"میں تم سے بحث نہیں کررہا۔ مجھے معلوم ہے کہ نکتہ آفرینی میں کوئی تم سے نہیں جیت سکتا۔"
"قونصل خانے کے ویزا افسر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔
اول خان ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ گیا اور بولا۔ "تمہاری نگاہیں میری توقع سے کہیں زیادہ تیز اور عقابی ہیں۔ شاید یہ ذکر بھی کچھ سفارتی مجبوریوں کی وجہ سے حذف کردیا جائے۔ ہم انہیں آگاہ نہیں کرنا چاہتے کہ کھٹومل نے ان کے خلاف سچ اگل دیا ہے۔"
"اس کے خلاف فردِ جرم کمزور پڑجائے گی۔ وہ ملک سے غداری کا ارتکاب کیوں اور کس کے ایما پر کررہا تھا؟" اندر کی باتیں سامنے آنے پر مجھے واقعی غصہ آگیا۔
"ہوسکتا ہے" اس نے سہلا کر اقرار کیا "مگر وہ سزا یاب ضرور ہوگا۔ بہت سے لوگ کسی اور طاقت ور محرک کے بغیر صرف پیسے کے لیے اپنے وطن سے غداری پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ غداری سے ہٹ کر اس پر منشیات فروشی کا ایک ایسا سنگین الزام ہوگا جس پر اسے سزائے موت بھی سنائی جاسکتی ہے۔ وہ کسی قیمت پر سزا سے نہیں بچ سکے گا۔"
"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنے بیان میں تبدیلیوں پر آمادہ ہوجائے گا؟"
"اس میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اپنی زبان سے اقبالِ جرم کرنے والے اپنا سر اوکھلی میں دے بیٹھتے ہیں" وہ بولا۔ "سزا میں نرمی کی یقین دہانی پر وہ اپنے بیان میں ہر ترمیم اور اضافے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ پولیس چاہے تو اپنے ہتھکنڈوں سے یہ اعتراف بھی کرواسکتی ہے کہ چاند کی سطح پر گڑھے کسی ایسے ملزم نے کھودے ہیں۔"
"میں تم سے یہ سب اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ مجرم تمہاری فورس کے ہاتھوں سے گزر کر پولیس تک پہنچے گا۔ میرے ان سوالوں کے جواب تم ہی دے سکتے ہو۔"
اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا۔ "تم بے فکر ہوکر سوالات کرتے رہو۔ جب تک میری معلومات ساتھ دیں گی' میں برا مانے بغیر جواب دیتا رہوں گا۔"
ویرا کافی اور سینڈوچ بنا کرلے آئی تھی اور گہری دلچسپی سے ہم دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر اول خان سے پوچھا "تم نے بتایا ہے کہ کھٹومل کو اسلام آباد سے لاکر ایس ایچ او کے حوالے کیا جائے گا جس نے کالو مکرانی کے بیان میں ردوبدل کرنے سے قطعی انکار کردیا تھا۔ کیا وہ تفتیشی افسر کھٹومل کے معاملے میں اپنے اصول توڑدے گا؟"
"مجھے تم لوگوں کی طرف سے ایسے کڑے سوالات کا اندازہ تھا۔ میں نے پہلے ہی تھوڑی سی تیاری کرلی تھی۔ یہ سوال رہ رہ کر مجھے بھی ستارہا تھا۔"
وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو سلطان شاہ بول پڑا "یعنی اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔"
"جواب خاصا دلچسپ ہے" اول خان نے کہا "کھٹومل اسٹیشن نائن پر ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ ٹیپ پر وہ بازپرس ریکارڈ ہوئی ہے جو ڈپٹی نے انٹروگیشن سیل میں کی تھی۔ لوگ آوازوں کے اسی کیسٹ پر کام کررہے ہیں۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں اس کا بیان لینے سے پہلے متن کا فیصلہ کرلیا جائے گا۔ کراچی والے ایس ایچ او کے پاس وہی بیان پہنچے گا جو حساس ادارے طے کرلیں گے۔ کھٹومل کو نرمی کی امید پر اپنے اسی بیان پر قائم رہنا ہوگا۔"
"گڈ! خاصا مناسب ہوم ورک ہے" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دیکھنا ہوگا کہ ہم اس پلان میں کہاں کہاں رخنہ اندازی کرسکتے ہیں۔"
اول خان تکان کے ساتھ شاید بھوکا بھی تھا۔ اس نے ویرا کے بنائے ہوئے سینڈوچوں پر جس طرح یلغار کی تھی اس کا

ادراک مجھے ذرا دیر سے ہوا اور میں نے اسے شکم پری کا بھرپور موقع دینے کے لیے خاموشی اختیار کرلی۔ اس سے باتوں کے دوران میں میرے ذہن نے ایک خاص لائن پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔ میں اس حوالے سے کچھ نئے سوالات ترتیب دینے لگا۔

"مزہ آگیا" کافی کی پیالی سے آخری گھونٹ لینے کے بعد اول خان نے ممنون نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت میرے لیے یہ چیزیں من وسلوئی سے کم نہیں تھیں۔"

"بھوکا پیاسا رہ کر کام کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی" ویرا نے جواب میں اس کی توصیف کی "میرا پیٹ خالی ہو تو عقل معدے میں اترجاتی ہے۔ دماغ کام ہی نہیں کرتا۔"

"اول خان کی عقل بھوک میں بھی خوب کام کررہی تھی" ویرا سے یہ کہہ کر میں اول خان سے مخاطب ہوگیا "اب اجازت ہو تو میں رہے سہے سوال بھی ختم کرلوں؟"

"اوہ!" وہ چونک کر ہنسا "تو ابھی تمہارے سوالات باقی ہیں۔ میں رات ڈھلے کا ناشتا کرتے ہوئے بھی تمہارے سوالوں کے جواب دے سکتا تھا۔"

"تمہاری فورس سے اختلافِ رائے پیدا ہوجانے کے باوجود میں ایسا سفاک نہیں بن سکتا کہ تمہیں سکون سے اپنا پیٹ بھی نہ بھرنے دوں۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی معلومات کی حد تک ہر جواب فراہم کروں گا۔"

"مقامی قونصل خانے کے ویزا افسر کا کیا نام ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

"اوبرائن ڈی ہنٹ۔ عرفِ عام میں وہ اوبی بھی کہلاتا ہے اور کلفٹن میں رہتا ہے۔ تحفظ کے خیال سے وہ اپنا سرکاری مکان چھوڑ کر چند ہفتے پہلے کینٹ کے ایک فلیٹ میں منتقل ہوا ہے۔"

"تجربہ بتاتا ہے کہ ڈھنگ سے بنائے ہوئے فلیٹ کھلے مکانوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔" ویرا نے اپنی ماہرانہ رائے دی۔ کافی پینے کے بعد اس کا رہا سہا نشہ بھی ہرن ہوچکا تھا۔ "شاید اس نے اپنے فلیٹ میں کتا بھی پالا ہوا ہوگا۔"

ویرا کی قیاس آرائی پر اول خان حیران رہ گیا "میں یہی خاص بات بتانے والا تھا۔ کراچی میں چند واقعات رونما ہونے کے بعد امریکی مسلح محافظوں کے ساتھ کتوں سے بھی مدد لے رہے ہیں۔ انسان بک جاتا ہے مگر کتا مرتے دم تک اپنی وفاداری نہیں بدلتا۔"

"مجھے اس کا پتا چاہیے" میں نے دھیمی آواز میں اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔ دن میں کسی وقت مل جائے گا" اس نے وعدہ کرلیا۔

"اور اب دونوں سراغ رسانوں کے بارے میں کچھ بتا ڈالو تاکہ ہم تمہارے کام میں خلل ڈالے بغیر اپنی راہ پر لگے رہیں۔ میرے لیے وہ دونوں سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

وہ دونوں ایک مشہور ہوٹل کی ساتویں منزل کے ایسے گوشے میں رہ رہے تھے جہاں سامنے کی بند دیوار میں اور دائیں بائیں، کل تین کمروں کے دروازے تھے۔ ایک کمرا ان دونوں کے مشترکہ تصرف میں تھا بقیہ دو کمرے امریکی میرین کمانڈوز کے لیے تھے۔

ان دونوں کی حفاظت پر مامور کمانڈوز کی تعداد چھ تھی۔ وہ باری باری ڈیوٹی دیتے تھے۔ ان کے تربیت یافتہ کتے قونصل خانے کے پنجروں میں رہتے تھے۔ ضرورت کے وقت انہیں وہاں سے نکال لیا جاتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ٹرینر بھی امریکا سے ہی آیا تھا۔

گفتگو ختم کرکے اول خان کھڑا ہوگیا "میرے لیے آج کا دن بہت لمبا ہوگیا۔ میں اجازت چاہوں گا" یہ کہہ کر اس نے نگاہوں سے ویرا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے اپنی راہ الگ کرلی ہے۔ میں ڈیڈی سے اس کے پروگرام کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں" اس نے بیٹھے بیٹھے فریاد کی "مجھے تھوڑا سا وقت تو دے دو۔"

"نہیں ویرا۔ اس وقت میرا ذہن بالکل صاف ہے" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا۔ "تم چلی جاؤ۔ صبح بات ہوگی۔ اول خان کی پوزیشن کو داغ دار کیے بغیر اپنا ہدف حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی منصوبہ بندی کے لیے وقت اور دماغ سوزی درکار ہے۔"

"کل تم حفاظت کے نام پر مجھے گھر سے نکلنے نہیں دوگے۔ فون پر ہی بات ہوگی۔"

"میں کوئی اور راہ نکالوں گا۔ اس خاص معاملے میں اول خان کا تعاون ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہوگا۔ باہر کے کسی آدمی سے کام لینے کی صورت میں ہم بے موت مارے جاسکتے ہیں۔ کل ہم کہیں نہ کہیں ضرور یک جا ہوں گے" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"ہم یہاں بھی رک سکتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے اسی ایک کمرے میں گزارہ کرلیں گے" ویرا رکنے کے لیے مچلی جارہی تھی۔

"جہانگیر اول درجے کا بددماغ آدمی ہے۔ اتنی بھیڑ کو برداشت نہیں کرے گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ وہ گھر میں کیسی بے اعتدالیاں کرگزرتا ہے۔"

میری محنت کارگر ثابت ہوئی۔ ویرا، اول خان کے ساتھ واپس چلی گئی۔

رات کا بڑا حصہ گزرچکا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد صبح نمودار ہونے والی تھی۔ میں روشنیاں گل کرکے سلطان شاہ کے ساتھ دہرے بیڈ پر دراز ہوگیا۔ اسلام آباد میں تھوڑی سی ورزش اور کراچی تک کے فضائی سفر کے باعث میں کسل مندی محسوس کررہا تھا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہا تھا کہ اس ملک کی قسمت میں ممو مستری جیسے بے ضمیر لوگوں کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور تھا۔

دیر سے سونے کے نتیجے میں صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ سلطان شاہ بدستور سو رہا تھا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ سب لوگ ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ دروازے کی جھری کے پاس صبح کے تازہ اخبار موجود تھے۔ شاید سلمٰی نے میری خواہش کے احترام میں کسی ہاکر کو پرچے ڈالنے کی ہدایت کردی تھی۔

میں نے اردو اور انگریزی اخبارات کے بیرونی صفحات پر سرسری نظریں ڈالیں اور پچھلی صبح ہونے والے حادثے کے بارے میں جمائی گئی سرخیاں دیکھ کر دل گیر ہوگیا۔

زخمی ہونے والوں میں سے مزید ایک شخص چل بسا تھا۔ اس طرح بم کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد چار ہوگئی تھی۔ اس المناک بربریت کی تصاویر خبروں سے زیادہ دلدوز تھیں۔ پچکی اور الٹی ہوئی گاڑیوں کے ملبے کی تصویروں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شہری آبادی پر کسی فضائی حملے کے بعد لی گئی ہوں۔

میں اخبارات چھوڑ کر غسل خانے میں جا گھسا اور عجلت میں تازہ دم ہونے کے بعد دوبارہ ڈرائنگ روم میں اخبار لے بیٹھا۔

دہشت گردی اور خوں ریزی کی ساری وارداتوں کی خبریں کم و بیش ایک جیسا دکھ پہنچاتی ہیں۔ بس متاثرین کے نام اور مجرموں کے مقاصد میں ردوبدل ہوتی رہتی ہے۔ بے گناہ اور معصوم انسانوں کے لہو کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے خلاف میرے دل میں انتقام اور نفرت کی ایک آگ سی بھڑک اٹھی جو صرف سازشیوں کے خون سے سرد ہو سکتی تھی۔

اخبارات میں یہ اشارہ کہیں بھی نہیں تھا کہ بم پھٹنے سے قبل دو مشتبہ غیر ملکی سراغ رساں، فوٹوگرافروں کے بھیس میں متاثرہ علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔

وہ ایک ایسا نکتہ تھا جسے اچھال کر کئی مقاصد حاصل کئے جاسکتے تھے۔ اخبار میں خبر لگ جانے کے بعد ان دونوں کی سرگرمیوں کے متعدد گواہ پیدا ہو سکتے تھے لیکن بیوروکریٹس ایسا کوئی دلیرانہ قدم اٹھانے کے بجائے شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر خود کو طوفان سے محفوظ تصور کر رہے تھے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ایس ٹی ایف والوں نے دونوں گورے قاتلوں کی سرگرمیوں کی خبر اپنے سینوں تک محدود نہیں رکھی ہوگی۔ متعلقہ لوگوں کو فوری طور پر وہ اطلاعات پہنچادی گئی ہوں گی مگر امریکا کے ساتھ مراسم میں بہتری اور اس کی خوشنودی کے خواہاں افسران نے وہ خبر جاری کرنے کے بجائے سختی سے دبادی۔ وہ ایک کھلی حماقت تھی۔

ان کی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھ کر ان کی کھلی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی۔ دوسری خبریں، میرے اس نظریے کی تصدیق کردی گئی تھی۔

ہم نے نادرہ غنی کے جس آراستہ فلیٹ کو ہنگامی حالات میں خیرباد کہا تھا اس پر امریکا سے آئے ہوئے سراغ رسانوں کے دھاوے کی خبر پرانی ہوچکی تھی۔ وہ اپنے تربیت یافتہ کتوں سمیت متعدد مقامی حکام کی رہنمائی میں وہاں گئے تھے اور شاید بے نیل مرام واپس آئے تھے۔

اس مہم جوئی کے بعد مجسٹریٹ کی نگرانی میں ہمارے فلیٹ کو سیل کردیا گیا تھا۔ تازہ خبر کے مطابق پچھلی شام وہ سراغ رساں مجسٹریٹ اور ایک پولیس افسر کی معیت میں دوبارہ اس فلیٹ میں گئے تھے۔ اس بار کتے ان کے ساتھ نہیں تھے۔ کئی گھنٹوں تک فلیٹ میں پائے جانے والے فنگر پرنٹس کی تصاویر اٹھانے کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔

یہ ان کی دیدہ دلیری کی انتہا تھی۔ صبح انہوں نے صوبے کے ایک حساس انتظامی مرکز میں مقامیوں کے خون سے ہولی کھیلی پھر کوئی طویل وقفہ دیے بغیر شام کو ہمارے فلیٹ پر پہنچ گئے۔

ان کی وہ تمام حرکتیں ظاہر کررہی تھیں کہ وہ میری ذات سے بہت زیادہ خائف تھے اور ہر قیمت پر مجھے نیست و نابود کرنے کا عزم لے کر پاکستان آئے تھے۔

امریکیوں کے پروردہ دشمنوں سے محاذ آرائی شروع ہونے کے بعد ہمیں ہمیشہ ان پر برتری اور سبقت حاصل رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ وہ اپنے ملک میں بھی مجھے اور ویرا کو اپنی من مانی کرنے سے نہیں روک سکے تھے۔ یہ پہلی بار ہورہا تھا کہ مجھے اپنے ہی ملک میں پسپائی اختیار کرنی پڑ رہی تھی اور وہ لوگ ہماری ناگزیر مجبوریوں اور مصلحتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر سنگین خطرہ بنتے جارہے تھے۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ پاکستانی حکام دانستہ یا نادانستہ طور پر انہیں جو ڈھیل دے رہے تھے، اس سے میں بڑا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر کمرے کے خواب ناک ماحول میں واپس جانے کے بجائے وہیں صوفے پر دراز ہوگیا اور اپنے منصوبے کے تاروپود کو یکجا کرنے کی ذہنی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔

گیارہ بجے جب میں سلمٰی کے تیار کیے ہوئے ناشتے سے انصاف کرنے میں مشغول تھا تو اول خان کا فون آگیا۔ اس کی آواز میں تازگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"کیا بات ہے۔ کل کی تکان شاید ابھی تک دور نہیں ہوسکی ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل ہر صبح نئے واقعات کے ساتھ جنم لے رہی ہے۔ میرے پاس اس وقت کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی جیسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی بری خبر سنانے پر مجبور ہو۔

"کل کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد میں اضافے سے زیادہ بری خبر کیا ہوسکتی ہے۔"

"اس کا تعلق تمہاری اور صرف تمہاری ذات سے ہے۔" اول خان نے مجھے تجسس میں ڈال دیا۔

"فکر نہ کرو۔ میں جب تک زندہ ہوں، میرے لیے کوئی خبر بری نہیں ہوسکتی۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہارے بارے میں حکومت نے مکمل لاعلمی کا سخت موقف اختیار کیا ہوا ہے؟" اس نے کوئی خبر سنانے کے بجائے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ اپنی بے شمار مصلحتوں اور مجبوریوں کے چنگل میں جکڑے ہوئے لوگ میرے بارے میں اتنی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ خبر کیا ہے!؟"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ خبر سننے سے پہلے تمہیں اس کے مکمل پس منظر سے بھی واقف ہوجانا چاہیے۔" وہ محتاط لب و لہجہ استعمال کررہا تھا "بات اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ امریکی تمہاری تلاش کے لیے پاکستان میں ایک بڑا آپریشن شروع کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"ان کے سارے ہی آپریشن بڑے ہوتے ہیں اور وہ مسلسل جاری ہیں۔ ان سے صرف مجھے ہی نہیں، ویرا کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویرا امریکی شہری ہے۔ اس کے بارے میں ہماری حکومت پر کوئی ذمے داری عائد نہیں کی جاسکتی۔ میں صرف تمہارے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"نئے آپریشن سے میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ انہیں کھل کر میدان میں اترنے دو۔ انہیں تگنی کا ناچ نچا دیا جائے گا۔ تم ان اطلاعات پر بلاوجہ پریشان ہو۔"

"میری پریشانی کا سبب آپریشن نہیں، تمہاری سیمابی فطرت ہے۔ تمہاری کارکردگی کو بالا ہی بالا مانیٹر کرنے والوں کو تمہاری مہم جویانہ فطرت کا خوب اندازہ ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ تم نے امریکیوں کے خلاف کوئی جوابی محاذ کھول دیا اور پھر پھنس گئے تو بین الاقوامی سطح پر ہماری حکومت کو بدترین ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم مجھے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے کا مشورہ دینا چاہ رہے ہو؟"

"جب میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا تو مجھے مشورہ دینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں اس پس منظر کے ساتھ تمہیں وہ بری خبر سنانی چاہ رہا ہوں۔"

"اوہ! تو کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور خبر بھی تیار ہے؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا کے لیے سنجیدگی اختیار کرو۔" اول خان کی آواز پُرتشویش تھی "کسی ممکنہ بدنامی اور ندامت سے بچنے کے لیے حکومت نے فوری طور پر تمہیں اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑا "تم سادہ الفاظ میں کیوں نہیں بتاتے کہ اب میری گرفتاری کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔"

میری آواز سن کر سلمٰی کچن سے بوکھلائی ہوئی لابی میں آئی اور چند ثانیوں تک حیرانی و پریشانی سے میرا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ واپس چلی گئی۔

"گرفتاری اور حفاظتی تحویل میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان مدافعانہ لہجے میں وضاحت کررہا تھا "حکومت نے اعلیٰ سطح پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ حساس اداروں کی رائے ہے کہ امریکی آپریشن کے دوران میں تمہیں منظرِعام سے بالکل دور' ان کی حفاظت میں ہونا چاہیے تاکہ کسی ناخوشگوار تصادم کی نوبت نہ آنے پائے۔ وہ جھک مار کر واپس چلے جائیں گے تو تم اپنی مرضی کے مالک ہو گے۔"

"شاید مجھے تحویل میں لینے کا فرض تم ہی کو سونپا گیا ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ کام کچھ بڑے خود انجام دیں گے۔ مجھ سے صرف تمہارا ٹھکانا پوچھا گیا تھا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ کرفی الحال اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ یہ....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس کا مطلب ہے کہ میں اسٹیشن ٹائن سے بروقت نکل آیا۔ رات کو وہاں رکا رہتا تو آج کہیں اور پہنچادیا جاتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا۔ "میں نے جواب دیا ہے کہ اسلام آباد سے واپسی کے بعد تم میرے رابطے میں نہیں ہو۔"

اول خان کی باتوں نے مجھے الجھادیا "میں کچھ سمجھ نہیں سکا کہ تم کیا چاہ رہے ہو۔ ایک طرف تم حکومت کے فیصلے کی وکالت کررہے ہو' دوسری طرف میری مخبری کرنے کے بجائے مجھے ہوشیار کررہے ہو۔ تمہاری اس فون کال کا اصل مقصد اور مدعا کیا ہے؟"

"تمہیں حالات سے آگاہ کرنا اور صحیح راستہ سمجھانا۔" اس نے جواب دیا۔

"سنو!" میں نے سختی سے کہا "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب آنی ہے' ہر حال میں آکر رہے گی۔ سرکاری بقراطوں کو یہ ضرور سمجھا دینا کہ جو شخص دشمن کے سامنے جما رہ سکتا ہے' وہ اپنوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ میں اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کسی امتیاز کے بغیر توڑ دوں گا یا پھر اسی کوشش میں موت کو اپنے گلے لگالوں گا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہے ہو۔" اس نے مجھے سمجھانا چاہا۔ "اپنوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر تم ان کی حمایت بھی کھو دو گے۔ دلیری اور سرکشی میں بہت معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ تمہاری محاذ آرائی کو سرکشی پر محمول کیا جائے گا۔"

"تمہارے ہمدردانہ مشوروں کا شکریہ۔ میں اپنے فیصلے کے نتائج کا خود ذمے دار ہوں گا۔ بس تم میری غزالہ کی حفاظت کرتے رہنا۔ میری تلاش میں بے نیل ٹکریں مارنے والوں نے اسے کوئی ٹھیس پہنچائی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"اور ویرا کا کیا بنے گا؟" اس نے پوچھا "غزالہ کو تو میں آج ہی اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیج دوں گا۔ اس کے میکے میں غزالہ آرام سے رہے گی۔"

غزالہ کے بارے میں اس کی تجویز اطمینان بخش تھی۔ صوبہ سرحد کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں میری وجہ سے غزالہ کو چھونا آسان کام نہیں ہوتا۔ عزت و غیرت کے نام پر مرمٹنے والے پٹھان اس کے تحفظ کے لیے لاشیں تک گرانے پر تل سکتے تھے۔

ویرا کا مسئلہ پریشان کن تھا۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری سنائی ہوئی خبروں کے بعد میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ میرے لیے جہانگیر کا گھر محفوظ نہیں ہے۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہے۔ ویرا کو سمجھا دینا کہ جب گھمسان کا رن پڑتا ہے تو ہر ایک صرف اپنی بقا کے لیے لڑتا ہے۔ وہ جہاں دیدہ لڑکی ہے۔ کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔"

"راہ تو نکل ہی آئے گی۔ مجھے اس کے اشتعال کی فکر ہے۔ اس کا پہلا ردِعمل خاصا پریشان کرے گا۔ ضد میں وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کرسکتی ہے۔"

"اسے تم ہی کو سنبھالنا ہوگا۔ تم نے مجھے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اسے بھی کچھ اور بنا کر کہیں کھپا دینا۔ وہ ہماری سرکار کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امریکی اس کی بو پر بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس برے وقت میں ہم اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میں ویرا کو بھی پشاور بھیج سکتا ہوں لیکن ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہاں آزاد خیال مغربی عورتوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ عام طور پر مقامیوں سے رقمیں بٹور کر دوچار کلو ہیروئن اپنے ساتھ وطن لے جانے کے چکر میں سستے ہوٹلوں وغیرہ میں پڑی رہتی ہیں۔ میری سسرال والے اسے غزالہ جیسی عزت نہیں دے سکیں گے۔"

اس نے جو بات کھل کر نہیں کہی تھی وہ میں جانتا تھا۔ آوارہ گرد مغربی لڑکے اور لڑکیاں سرحدی علاقوں میں کسی سرمایہ کاری کے بغیر پیسہ بٹورنے کے لیے ایک ہی راہ اختیار کرتے تھے جو گناہوں کی دلدل سے گزرتی تھی۔ دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح' ان علاقوں میں بھی فرشتے نہیں' آدم زاد بستے تھے جو آسانی سے ان

پری پیکروں کا شکار بن جاتے تھے۔

اول خان ویرا کے لیے جو کچھ بھی کرتا، بہتر ہی کرتا۔ میں نے اپنا پیغام اسے ذہن نشین کرا دیا تھا۔ وہ بے چارہ بیچ کا آدمی تھا۔ دوسری طرف کی ناخوشگوار اطلاعات مجھ تک پہنچانے کے چکر میں وہ میری تلخ نوائی کا شکار بھی ہوا تھا۔ میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے دل سے بدمزگی کا ہر داغ دھل جائے۔ میں اس سے بات ختم کر کے گھوما تو سلمیٰ میرے سر پر سوار تھی۔

"تمہیں کون گرفتار کر رہا ہے۔ تم ایسی خوف ناک باتیں کس سے کر رہے تھے؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنا تجسس مت کیا کرو۔ بھول جاؤ کہ تم نے کیا سنا ہے۔ میرے لیے کچھ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے دھیمی اور تحکمانہ آواز میں کہا۔

اس وقت میری آنکھوں میں کوئی ایسی کیفیت عود کر آئی تھی کہ وہ اگلا سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکی اور سر جھکا کر واپس لوٹنے لگی۔

"گھنٹی بجے تو اب فون تم ہی اٹھانا اور یہ یاد رکھنا کہ میں یہاں سے جا چکا ہوں۔" میں نے اس کے جاتے جاتے مزید ہدایات جاری کیں پھر کمرے میں گھس گیا۔

اس بار میں نے سب سے پہلے فون لائن سے سی ایس ڈی الگ کی تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد سے میرا بریف کیس جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ اس میں سفری ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ بریف کیس میں موبائل فون، سی ایس ڈی، بیم گن، ریوالور اور فاضل راؤنڈز کے اضافے کے ساتھ میں ایک نئے فرار کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ کی طرح جہانگیر بھی بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے ان کی نیند خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان کی جرح سے بچنا چاہ رہا تھا۔

چلتے چلتے مجھے اوبی کا خیال آیا۔ زادِ سفر کے علاوہ ضروری معلومات میرے پاس موجود تھیں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کے بارے میں کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔

دفتر کے بجائے میں نے اول خان کے موبائل فون کا نمبر ملایا۔ پتا اور فون نمبر اس کے پاس موجود تھا۔ میں نے ایک کاغذ پر دونوں چیزیں نوٹ کر کے اول خان کو الوداع کہہ دیا۔

سلمیٰ دور کھڑی ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بریف کیس کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے بڑھ کر ہولے سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا۔ "فکر مت کرو۔ یہ کڑا وقت بھی گزر جائے گا اور میں جلد لوٹ آؤں گا۔"

سلمیٰ نے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبایا، اس کا وجود ہولے سے کانپا اور پھر اس کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ میرے جواب میں کچھ کہے بغیر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچن کی طرف بھاگ گئی۔

اگلے ہی لمحے میں جہانگیر اور سلمیٰ کی دہلیز سے نکل چکا تھا۔

میں عمارت سے نکل کر سڑک پر آیا تو اوپر چمکتا ہوا آسمان تھا، پیروں تلے تپتی ہوئی زمین تھی۔ لمحوں ہی لمحوں میں میرے لیے سب کچھ اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا۔ میرے لیے کوئی گھر تھا نہ ٹھکانا۔ میں نے بالکل خالی الذہن ہو کر جہانگیر کا گھر چھوڑا تھا۔

وقت بہت ظالم اور سفاک ہوتا ہے۔ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک انگڑائی لیتا ہے اور عرش سے انسان کو فرش پر لا پٹختا ہے۔ میں پچھلی رات تک اسلام آباد میں ایس ٹی ایف والوں کا خصوصی مہمان تھا۔ ان کا چیف مجھ سے ملنے کا خواہاں تھا مگر میں اس کی خواہش کو نظر انداز کر کے بروقت وہاں سے نکل آیا تھا۔

مجھے بے اختیار وہ بے مروت وقت یاد آ گیا جب لاہور میں اپنے سوتیلوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے میں اپنی ماں کے ساتھ زندگی کے کٹھن دن گزار رہا تھا۔ اس وقت میں نے نوجوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تھا کہ ایک دن ماں ہمیشہ کے لیے میرا ساتھ چھوڑ گئی۔

ماں کے بعد مجھے اپنے لیے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے، دل بھاری تھا اور ذہن بالکل

خالی۔ میں ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ ایک طرف چل پڑا تھا۔
برسوں کے بعد کراچی میں تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ فرق یہ تھا کہ لاہور میں، میں ایک ناپختہ کار، تہی دست اور کمزور نوجوان تھا۔ کراچی میں تجربے نے مجھے دولت اور طاقت سے نواز دیا تھا۔ میں بہتر انداز میں اپنے مستقبل کے فیصلے کر سکتا تھا۔
جہانگیر کے گھر سے سڑک زیادہ دور نہیں تھی لیکن اہم لوگوں کے استعمال میں رہنے والی، کلفٹن کی اس بڑی شاہراہ پر بسوں اور ویگنوں وغیرہ کا گزر ممنوع تھا۔ وہ پچھلے متبادل راستوں سے گزر کر اپنی منزل تک پہنچتی تھیں۔ میں نے سڑک عبور کر کے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔
میں نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر اسے ساحل کی طرف چلنے کے لیے کہا تو اس نے کن انکھیوں سے میرا جائزہ لیا اور پھر پردیسی سمجھ کر کہا "پچاس روپے ہوں گے۔"
"کس بات کے؟" میں نے غرا کر اس پر آنکھیں نکالیں "ابے! یہاں سے پیشاب کی دھار ماروں تو وہ سمندر میں جائے گی۔ اتنی سی دور کے پچاس روپے؟ یہ میٹر کس لیے ہے؟"
ڈرائیور منحنی سا تھا۔ میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور جھٹ میٹر کی چرخی گھما کر گرا دی۔
بے سرو سامان ہونے کے بعد ایک معمولی سے ڈرائیور پر حاصل ہونے والی اس حقیر سی فتح نے میرے اوپر حیرت ناک اثرات مرتب کیے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان سے گفتگو کے بعد میرے وجود میں آزردگی اور شکست وریخت کے سرایت ہونے کے جس عمل کا آغاز ہو چکا تھا، وہ یکایک رک گیا تھا۔
ماہی خانے کے قریب میں نے ٹیکسی رکوالی۔ میٹر میں دس روپے بھی نہیں بنے تھے۔ میں نے جیب سے نکال کر پچاس روپے کا نوٹ ڈرائیور کو تھمایا اور بقیہ رقم واپس لیے بغیر اسے حیران و پریشان چھوڑ کر اندر چل دیا۔ اس نے میری دھمکی سے مرعوب ہو کر میرے اوپر جو احسان کیا تھا اس کے لیے وہ ایک معقول انعام کا حق دار بن چکا تھا۔
ماہی خانے کے خنک ماحول میں بھانت بھانت کی رنگ برنگ مچھلیوں کو شیشے کے تالابوں میں تیرتے دیکھ کر مجھے خاصا ذہنی سکون ملا مگر میں اپنے بریف کیس کی وجہ سے دوسرے تماشائیوں کی نگاہوں کا مرکز بن رہا تھا۔ مجھے خود احساس ہوا کہ میں پینڈو لگ رہا تھا۔
میں باہر آ کر اجڑے ہوئے لان کے ایک دور افتادہ گوشے میں بیٹھ گیا۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے وہاں اِکّا دُکّا افراد یا ٹھیلوں والے نظر آ رہے تھے۔
میں بریف کیس پر سر رکھ کر گھاس پر دراز ہو گیا۔ اس وقت میری آزادی اور بقا کے لیے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔ سر چھپانے کا ٹھکانا اور ایک عدد عام ٹیلی فون۔

ویسے اول خان کا دیا ہوا موبائل فون میں نے ساتھ لے لیا تھا لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اس اسلکی آلے کے ساتھ کس طرح منسلک ہو گا اور کام بھی کرے گا یا نہیں۔
کسی ہوٹل میں قیام کی صورت میں ٹیلی فون ایکسچینج کی وجہ سے سی ایس ڈی سے آزادانہ استفادہ محال تھا۔ آپریٹر اپنی مداخلت کی کوششوں میں مسلسل ناکامی کے بعد میری طرف سے مشکوک ہو سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اوسط درجے کے ہوٹل مالکان ایسی مشتبہ صورتوں میں فوراً مقامی پولیس سے رابطہ کرتے تھے۔ کبھی کبھار کامیاب ہونے والی ایسی مخبریوں کی وجہ سے ان کے باہمی مراسم بہت اچھے رہتے تھے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جو میرے اور پولیس کے سامنے کا سبب بن جائے۔
میرے مسئلے کا واحد حل کوئی چھوٹا مکان یا گیسٹ ہاؤس تھا جس میں چند بنیادی سہولتوں کے ساتھ ٹیلی فون بھی موجود ہو۔
میں نے ایک آوارہ گرد لڑکے سے اخباری اسٹال کے بارے میں معلوم کیا جو کچھ فاصلے پر تھا۔ اخبار خرید کر میں نے ایک بہتر اور سایہ دار جگہ پر ڈیرا ڈال دیا۔
اخبار میں کرائے داری کے کالم میں متعدد اشتہار موجود تھے مگر ان میں سے کوئی بھی میرے کام کا نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے موبائل پر چند نمبروں پر رابطہ کیا اور بہادر آباد کے رہائشی علاقے میں وسطی منزل پر واقع ایک ایسے کمرے کو ذہن میں رکھ لیا جو فون، باتھ روم اور چھوٹے سے کچن کے ساتھ قدرے موزوں تھا۔ اس کا کرایہ اور ڈپازٹ زیادہ تھا لیکن میرے لیے وہ چیزیں ثانوی تھیں۔
سوچتے سوچتے مجھے نادرہ کا مکان یاد آ گیا جس کی نشان دہی غزالہ بھی کر چکی تھی۔ اگر وہاں کا فون بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے منقطع نہیں ہوا تھا تو میں پوری بے فکری کے ساتھ وہاں عارضی پڑاؤ ڈال کر اپنا کھیل شروع کر سکتا تھا۔
سایہ، سبزہ اور سکون میسر ہو تو انسان کا ذہن تیزی سے کام کرتا ہے۔ یہ سوچ کر میں وہاں سے چل پڑا۔ وہ مکان آراستہ اور میرا دیکھا بھالا تھا۔ گھر کے داخلی دروازے کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ دوسری چابیاں گھر ہی کی ایک خفیہ دراز میں محفوظ تھیں۔
نادرہ کے مکان پر وحشت اور ویرانی کا راج تھا۔ پھاٹک پر نصب میل بکس میں کئی بل پڑے ہوئے تھے جن میں فون کے دو بل بھی تھے۔ پھاٹک کھول کر میں اندر داخل ہوا تو گھاس لمبی اور بے ترتیب ہو کر کیاریوں تک پھیل گئی تھی۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے پودے سوکھ چکے تھے۔
میرے لیے باہر کا وہ نقشہ ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ میرا ذہن صرف فون میں اٹکا ہوا تھا۔
ڈرائنگ روم اور راہداری سے گزر کر میں فون تک پہنچا تو

اس پر ٹون آرہی تھی۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ مختصری تنگی کے بعد قدرت پھر مجھ پر مہربان ہو رہی تھی۔

فون مکان کے اسی عقبی کمرے میں تھا جو الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے مجھے پسند تھا۔

ایک بل پرانا تھا۔ اس کے واجبات اگلے فون بل میں شامل تھے۔ دوسرے بل کی ادائیگی کی تاریخ بھی سولہ دن پہلے گزر چکی تھی۔

بنک کا وقت باقی تھا۔ میں نے اسی وقت رکشے سے نرسری جا کر فون، بجلی اور گیس کے بل جمع کرا دیے۔ پتا نہیں کیا وجہ تھی کہ میری طرف سے رابطہ ختم ہو جانے کے باوجود نادرہ نے اپنے گھر کی کوئی خیر خبر لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

فرشی قالین پر مجھے لوٹ نہیں لگائی تھی۔ میں نے بستر کی چادر وغیرہ جھٹک کر گرد صاف کی اور جوتے اتار کر مسہری پر چڑھ گیا تاکہ سی ایل ڈی کو فوری طور پر فون سے منسلک کرلوں۔

نرسری کے بنک میں بلوں کی ادائیگی کے بعد میں ڈبوں اور پیکٹوں میں بند، خورونوش کی بہت سی ایسی چیزیں بھی خرید لایا تھا کہ مجھے اپنی کسی ضرورت کے لیے کئی روز تک باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی متبادل ٹھکانا نہ ملنے کی صورت میں میں غیر معینہ مدت تک وہاں روپوش رہ سکتا تھا۔

اس علاقے کی یہ خوبی میں نے پہلے بھی نوٹ کی تھی کہ گلی میں کسی کو دوسرے مکینوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ پھر بھی میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ مجھے وہاں رہنا ہی پڑا تو مالک یا مہمان کے بجائے مکان کے نگراں کا روپ دھار کر رہوں گا۔ اس طرح مجھے لان وغیرہ کی صفائی کا موقع مل سکتا تھا۔ کوئی محلے دار ویران مکان میں میری آمد نوٹ کرتا تو ملازم سمجھ کر نظرانداز کردیتا۔

گوشۂ عافیت میسر آجانے کے بعد مجھے عجیب ذہنی سکون میسر آیا تھا۔ لائن سے سی ایل ڈی منسلک کرنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر بستر پر دراز ہوگیا۔

میرے ذہن میں غزالہ سے بات کرنے کا خیال آیا جسے میں نے فوراً ہی جھٹک دیا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بھی رابطہ کرنا میرے لیے جنجال ثابت ہو سکتا تھا۔ ان کے بے حساب سوالوں کے جواب دینا میرے بس سے باہر تھا۔

میرے حق میں بہتر یہی تھا کہ مطلع صاف ہونے تک میں ان لوگوں سے دور اور بالکل الگ تھلگ رہوں۔ کسی کی مدد کی ضرورت پیش آجاتی تو وہ ایک الگ معاملہ ہوتا۔

شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے سراغ رسانوں کے مختصر نام جان اور ایڈی تھے۔ میں نے خاصی سوچ بچار کے بعد ان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

سی ایل ڈی کی موجودگی میں ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے بات کرنی ممکن نہیں تھی۔ وہ موبائل فون کا ابتدائی دور تھا اور کہا جاتا تھا کہ اس پر ہونے والی گفتگو ہر مداخلت سے محفوظ ہوتی تھی۔ میں نے نمبر ملا کر ہوٹل کے کمرا نمبر ۳۰۸ میں ایڈی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپریٹر نے ذرا سے مشینی توقف کے بعد لائن ملا دی۔

"ایڈی!" میرا مطالبہ سن کر دوسری طرف سے امریکی لب ولہجے میں حیرت سے دہرایا گیا "تم کون ہو اور تمہیں اس سے کیا کام ہے؟"

"یہ سب میں اسی کو بتا سکتا ہوں۔ وہ موجود ہے تو اس سے میری بات کرادو۔"

"شناخت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" رکھائی سے کہا گیا۔ "میرا وقت برباد مت کرو۔"

"یہ کال سوئچ بورڈ پر ہے۔ اگر تم کوئی ڈائرکٹ نمبر دے سکو تو شاید بات بن سکتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں نے ایڈی کے فائدے اور انعام کے لیے فون کیا ہے۔"

"انعام کے لیے اخباروں میں نمبر شائع کیے جارہے ہیں۔ بہرحال، تم موبائل پر رنگ کرو۔" اتنا کہنے کے بعد اسی تندخو شخص نے تیزی سے ایک موبائل نمبر دہرا دیا۔

میں نے سلسلہ منقطع کرکے سی ایل ڈی والے انسٹرومنٹ پر موبائل نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نئی آواز سنائی دی۔

"ابھی چند لمحے پہلے میری کسی سے ایڈی کے بارے میں بات ہو رہی تھی، اسی کو بلا دو۔" میں نے کہا۔
"وہ دوسری ڈیوٹی پر ہے۔ جو کہنا ہے، مجھ سے کہو۔" وہ بھی باون گز کا تھا "سب سے پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ اسی کے بعد کچھ ہو سکے گا۔"
"میں ایک مقامی ہوں۔ تمہارا دو ملین کا اشتہار میرے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔"
"وہ ہمارا نہیں، قونصل خانے کا اشتہار ہے۔ تم کو ان کے نمبروں پر رابطہ کرنا چاہیے۔"
"مجھے معلوم ہے کہ ایڈی اور جان بھی اسی مہم پر آئے ہوئے ہیں۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "ایڈی کا مجھ سے رابطہ نہ ہو سکا تو تم لوگ نقصان اٹھاؤ گے۔"
چند ثانیوں کے لیے لائن پر خاموشی چھا گئی پھر وہ بولا "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان ہمارے لیے ہائی رسک زون ہے۔ اگر تم ہمارے خیر خواہ ہو تو اپنے فون نمبر کے ساتھ پیغام چھوڑ دو۔ ایڈی نے ضروری سمجھا تو وہ خود تم سے رابطہ کرلے گا۔"
"میں اپنا نمبر نہیں دے سکتا۔ اس وقت بھی....." میری بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایل ڈی پر سرخ بلب چمکا، بزر بولا اور لائن ڈراپ ہو گئی۔
میں نے فوراً ہی وہ نمبر ری ڈائل کرلیا۔ میری آواز پر اس نے حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا "تم نے فون بند کیوں کر دیا تھا؟"
"تم نے میری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی اور فون خود بند ہو گیا۔ بات جاری رکھنی چاہتے ہو تو کوئی الیکٹرو میگنٹ ٹیپ چلاؤ نہ کوئی اور خلل اندازی کرو۔ مسئلہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ اسی لیے میں اس محفوظ فون سے بات کر رہا ہوں۔"
"اوہ! شاید تم واقعی سنجیدہ ہو۔ کہو، کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ میں ایڈی کا ساتھی جان بول رہا ہوں۔" توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔ "تم کس نقصان کی بات کر رہے ہو؟"
"کل ہونے والا بم کا دھماکا بہت خوف ناک تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"اخباروں میں اس کی ساری تفصیل آچکی ہے۔ کیا تم ہمیں بھی ایسے ہی کسی دھماکے کی دھمکی دے کر خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہو؟" وہ ایک دم اکھڑ گیا۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا۔ "اخباروں میں پوری کہانی نہیں آئی۔ خفیہ کیمروں کی آنکھ نے جو کچھ محفوظ کیا ہے، وہ اخباروں میں نہیں آیا۔ یہ دھمکی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک خطرے سے قبل از وقت آگاہ کر رہا ہوں۔"
"کیمروں میں کیا تھا؟ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" وہ الجھنے لگا۔
"دھماکے سے پہلے تم اور ایڈی فوٹو گرافروں کے بھیس میں کافی دیر تک وہاں رہے تھے۔" میں نے اول خان سے ہاتھ آنے والا اپنا پہلا کارڈ کھیلتے ہوئے کہا "ایک جدید وڈیو کیمرے نے تمہاری تمام سرگرمیاں رنگے ہاتھوں ریکارڈ کی ہیں....."
"اور اس کیسٹ کے بدلے تم دو ملین ڈالر مانگتے ہو۔" اس نے بھڑک کر پھر میری بات کاٹ دی۔
"پہلی بات یہ ذہن نشین کرلو کہ میں کوئی بلیک میلر نہیں، ایک معزز سرکاری ملازم ہوں۔ امریکا اور امریکیوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہوں۔ گرین کارڈ لے کر اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنی چاہتا ہوں۔ مجھے صرف گرین کارڈ چاہیے۔ کاروبار کی ابتدا کے لیے جو مالی مدد مل گئی، میں ہنسی خوشی اسے قبول کرلوں گا۔ یہ میری مختصری آرزوئیں ہیں۔"
"پہلے تم نے دو ملین ڈالر کے انعام کا حوالہ دیا تھا؟" اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔
"میں اس کے لیے بھی کوشش کر رہا ہوں۔ شاید جلد کامیاب بھی ہو جاؤں۔"
"تم ہوٹل آکر مجھ سے مل سکتے ہو؟" میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ امریکی کسی ہیر پھیر کے بغیر اپنے دل کی بات اگل دینے کے عادی ہوتے ہیں۔
"میں سامنے نہیں آسکتا۔ پسِ پردہ رہ کر تمہارے لیے کام کر سکتا ہوں۔"
"وڈیو کس نے بنائی ہے۔ اسے خفیہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ بیشتر پاکستانی ہمارے لیے اپنے دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ اس فلم کی تشہیر سے امریکا پر الزام تراشیاں ہوتیں۔ اس سے بہتیرے پاکستانیوں کو خوشی ہو سکتی تھی۔"
"یہ کسی سرکاری پالیسی کا تسلسل ہے۔ اگر تم دونوں وہاں تھے تو تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں کسی اہم جگہ ملازم ہوں اور تمہارے لیے کس قدر کارآمد ہوں۔"
"ہمیں ایسے دوستوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس کے لہجے میں پہلی مرتبہ نرمی اور دلچسپی پیدا ہو گئی۔
چند خود ساختہ بقراط حکومت کو غلط مشورے دے کر امریکیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ان کے کھلے جرائم کی پردہ پوشی کی جارہی تھی۔ میں خوش تھا کہ میں نے ایک شوشہ چھوڑ کر جان کے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔
"ڈینی کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہے۔" میں نے پُرخیال آواز میں کہا "امریکا سایوں کا پیچھا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بارے میں جلد ہی کوئی خوش خبری سناؤں گا۔"
"ہمارا وڈیو کیسٹ تمہاری دسترس میں ہے؟" جان نے متجسس آواز میں پوچھا۔
"نہیں.... میں نے اس کا ذکر سنا ہے۔ آنکھوں سے نہیں

دیکھا۔"

"تم کس ایجنسی میں کام کرتے ہو؟" آخر کار وہ میری ذات میں گہری دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا "تمہارا عہدہ کیا ہے؟"

"فی الحال ان باتوں کو نہ چھیڑو۔ وقت آئے گا تو سب کچھ خود بخود تمہارے سامنے آجائے گا۔ میرے لیے اپنی سلامتی مقدم ہے۔ جو لوگ تمہارے پر گن سکتے ہیں انہیں میرے اس رابطے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ میری گردن اڑا دیں گے۔"

"تم جب چاہو' قونصل خانے میں اوبی سے مل سکتے ہو.... تمہارا نام کیا ہے؟"

"فی الحال جو نام چاہو' دے دو.... اس اوبی کو بھی ہوشیار کر دینا۔ کھٹومل نے کراچی میں اپنے سارے جرائم کا بوجھ اوبرائن ڈی ہنٹ پر ڈال دیا ہے۔ شاید اسے جلد ہی ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے نکال دیا جائے۔" مجھے دوسرا کارڈ کھیلنے کا سنہرا موقع مل گیا۔

"اوہ' نو!" جان کی غراہٹ سنائی دی "اس کے بارے میں اوبی فکر مند ضرور ہے مگر اس کی الزام تراشی سے بالکل بے خبر ہے۔ کھٹومل تو پکا نمک حرام نکلا۔ ہم یہاں سے اوبی کی روانگی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اس نے بڑی محنت سے یہاں اپنا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔"

مشترکہ مفاد کی باتیں چھڑنے کے بعد وہ پوری بے تکلفی سے لیکن حدود میں رہ کر بول رہا تھا۔

"اوبی کو یہاں رکنا ہے تو کھٹومل کو عدالت کا سامنا کرنے سے پہلے راہ سے ہٹانا ہوگا۔ تمہارے لیے اصل مصائب کی ابتدا اسی کی حماقتوں سے ہوئی ہے۔"

"یہ ہمارے آپریشنل سیکرٹ ہیں۔ تمہاری زبان سے کھٹومل کی زہر فشانی کا ذکر سنتے ہی میں نے اس کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ کام مقامیوں کو سونپا گیا تو وہی گند ہوگا جو کھٹومل نے پھیلایا ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر ناز کرتے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہ کام ہم خود نہ کر سکے تو ہمارے آدمی ہی کریں گے۔ منحرف ہونے والوں کے ساتھ غداروں والا سلوک ہی بہتر رہتا ہے۔"

"میرے گرین کارڈ کے بارے میں تم نے ابھی تک ایک لفظ نہیں کہا۔"

"یہ چھوٹی سی بات ہے۔ اوبی سے رابطے میں رہو۔ اس موبائل نمبر پر میں نہ ملوں تو ایڈی ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں معلومات فراہم کرو۔ اوبی تمہاری خدمات سے خوش ہوا تو ذرا سی دیر میں تمہارا کام بن جائے گا۔"

"مجھے اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے

گا۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"اوپی سے تم ہوپ کے نام سے ملو گے۔ جب تک تمہاری مجبوریاں مانع ہیں، ہم بھی تمہیں اسی نام سے پکارتے رہیں گے۔"

"یہ نام بہت اچھا ہے۔ میں ہمیشہ ہی پُرامید رہتا ہوں۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم خود کھٹومل کا ٹریک رکھیں گے۔ تمہیں اس باسٹرڈ کی آمد کا کوئی پروگرام معلوم ہو تو فوراً ہمیں اطلاع دینا۔ اس کی سرکوبی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔"

اس کو میرے فون کا حفاظتی نظام اتنا پسند آیا کہ اس نے مجھے فون بند کرنے سے روک دیا۔ چند لمحوں تک لائن ملی رہی۔ جوں ہی دوسری طرف سے جان نے کوئی حرکت کی، سی ایس ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

میرے لیے دن کا آغاز جس قدر مایوس کن تھا، وہ کامیابی اسی قدر خوش کن تھی۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ میں دوسروں کو اپنی اس خوشی میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

غم اور خوشی کے لمحات میں انسان کو ہمیشہ کسی ہم نوا کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ اپنے تمام ساتھیوں کے بارے میں غور کرنے کے بعد میں نے اول خان کا نمبر ملا لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھ سے رابطہ کر لیا۔" اول خان نے گہرے سانس کے بعد کہا "تم نے گھر چھوڑ کر اب کہاں پیر جمائے ہیں؟"

"فی الحال سر جہانگیر کوٹھاری پیریڈ کی ایک شکستہ دیوار پر بیٹھا ہوں۔ نیچے زمین اور اوپر نیلا آسمان ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں نہ کہیں پڑاؤ ڈال ہی لوں گا۔"

"یہ تم کس جگہ کا ذکر کر رہے ہو؟ کیا یہ کراچی میں ہی ہے؟"

"کلفٹن کے پانی سے دور، سڑک کے کنارے کنکریٹ کی قدیم گیلریاں اور گزرگاہیں اسی نام سے مشہور ہیں۔ پہلے پانی یہاں تک آتا تھا۔ اب کبھی بھی نہیں آتا۔"

"شاعری مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے....."

"یہ لفظ استعمال نہ کرنا۔ شام کے اخباروں میں اس کا بہت خاص مفہوم ہوتا ہے۔ میں ایسے ہر تجربے سے بالکل محفوظ ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم نے اپنے منصوبے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اس پر عمل کرو گے یا وقت کا انتظار کرو گے؟"

"کھٹومل کو کراچی آ لینے دو پھر کچھ سوچا جائے گا۔" میں نے اس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اس کے آنے میں کیا رکھا ہے۔ وہ آج رات کی اسی پرواز سے لایا جا رہا ہے جس سے تم کراچی پہنچے تھے۔ یہ منتقلی راز داری کے ساتھ کی جا رہی ہے۔"

جان اور رائیڈی کے لیے مفت میں ایک نئی خبر مل گئی تھی۔ میں نے روا روی میں پوچھا "وہ تو پورے حفاظتی لاؤ لشکر کے ساتھ لایا جا رہا ہو گا۔"

"راز داری کے پیش نظر کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ائرپورٹ سے دو آدمی اسے لائیں گے۔ کچھ مسلح سپاہی دو گاڑیوں میں اس کے پیچھے آئیں گے اور بس!"

پتا نہیں وہ اول خان کی سادہ لوحی تھی یا وہ دانستہ مجھے وہ تفصیلات بتا رہا تھا تاکہ میں کھٹومل کے بارے میں اپنے پروگرام کو پوری منصوبہ بندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں نے خون کی اس ہولی سے اپنا پیر باہر نکال کر دو حریفوں کو آپس میں ٹکرانے کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کھیل کا پورا منظرنامہ تیار کر کے میں نادرہ کے گھر میں چین کی بانسری بجا سکتا تھا۔

"تم یہ سب تفصیلات مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" میں نے ہنس کر اس سے پوچھا۔

"عادت سی ہو گئی ہے۔ ہمیشہ، ہر بری بھلی بات تم کو بتاتا رہتا ہوں۔"

"آج صورتِ حال مختلف ہے۔ تم سرکاری موقف کے وکیل بنے ہوئے ہو اور میں منحرف ہوں۔ میرے عزائم بھی تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ میں تمہیں ہر بات بتا چکا ہوں۔"

"میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ مجھے ہر بات ازبر ہے۔ آج تو تمہیں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔ اتنی کم مدت میں تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے پھر دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"میں نے بھی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم کو فون کیا ہے۔ کھٹومل کے بارے میں، میں اپنے ارادوں پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ اگر اس پر کوئی حملہ وغیرہ ہو تو حملہ آوروں سے ذرا بھی رعایت نہ کرنا۔ انہیں بھی موقع پر ہی مار دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ تم اس پر مہربان ہو گئے ہو۔" اول خان کی آواز تعجب آمیز تھی "اگر تم مجھ پر کوئی طنز کر رہے ہو یا چیلنج دے رہے ہو تو میں واضح کر دوں کہ اسے اسلام آباد پولیس کے حوالے کرنے کے بعد فورس کا رول ختم ہو چکا ہے۔ ساری کارروائی کی ذمے داری پولیس پر ہو گی۔"

"یہ طنز تھا نہ چیلنج۔" میں نے جلدی سے کہا "میں نے پورے خلوص سے مشورہ دیا ہے۔ ہو سکے تو یہ بات پولیس والوں کے کانوں میں بھی ڈال دو۔"

"کبھی کبھی تم میری سمجھ سے باہر ہو جاتے ہو۔ تم کسی سے کچھ کہے سنے بغیر یوں خاموشی سے روپوش ہوئے ہو کہ دیرا اور سلطان شاہ نے میری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ ان کے تیور اتنے خراب ہیں کہ میں ابھی تک انہیں تمہاری روپوشی کا سبب بتانے کی

ہمت نہیں کرسکا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "روپوشی کا مشورہ تم نے دیا تھا۔ اس کے نتائج تم ہی بھگتو۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ انہیں چھیڑ کر ان کی بے رحمانہ جرح کا سامنا کروں۔"

"ان سے نہ سہی، غزالہ سے بات کرلو۔ وہ بھی فکر مند ہے۔ آج رات میں اسے پشاور بھیج رہا ہوں۔"

"فون ویرا نے چھین لیا تو مصیبت آجائے گی۔ وہ بہت پاگل اور جذباتی لڑکی ہے۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جارہا ہوگا کہ میں اسے بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نکلا ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں اپنے کیے کو خود ہی بھگتوں گا۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"میرا مشورہ ذمے دار حکام تک پہنچانا نہ بھولنا۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"کیا تم آج رات واقعی کسی خطرے کی بو سونگھ رہے ہو؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"یہاں صرف سمندری پانی کی بو ہے مگر میرا وجدان کہہ رہا ہے کہ کھٹولی کی آمد پر کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ ذرا سی تیاری کرلینے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"بعض اوقات تمہارے دوراز کار اندیشے بھی حقیقت کا روپ دھارتے رہے ہیں۔ میں تمہارا مشورہ آگے بڑھا دوں گا۔ بس تم اس سے دور ہی رہنا۔"

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ تازہ ترین معلومات سے امریکی سراغ رسانوں کو اتنی جلدی آگاہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ پرواز کی اسلام آباد سے روانگی کے متوقع وقت پر وہ اطلاع دی جاتی تو ان کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جان اپنے منحرف کو کراچی پہنچتے ہی موت کے گھاٹ اتارنے پر تلا بیٹھا تھا۔

نادرہ کے کچن ریفریجریٹر میں خوردونوش کا کافی سامان موجود تھا جو میری دانست میں پرانا ہوچکا تھا۔ میں نے سیل بند اور کارآمد ڈبوں کے سوا ہر چیز کوڑے دان میں ڈال دی۔ ان کی جگہ میں نے اپنا لایا ہوا تازہ سامان بھردیا۔

مجھے ایک طویل عرصے کے بعد اپنے لیے خود کھانا تیار کرنا پڑا۔ کھانا کیا، بس ڈبل روٹی کے سلائسوں کے درمیان پنیر اور نمکین گوشت کے پارچے جما لیے تھے جو تیز چائے کے ساتھ بہت لذیذ محسوس ہورہے تھے۔ میں اس مرحلے سے گزر رہا تھا کہ موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ نمبر چند گنے چنے افراد کے سوا کسی کے پاس نہیں تھا۔

میں نے لائن آن کی دوسری طرف ویرا تھی اور بڑی بے تابی سے ہیلو ہیلو کیے جارہی تھی۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر کال آف کی پھر فون بھی بند کردیا تاکہ ویرا کو خود کار ریکارڈنگ کے ذریعے فون بند ہونے کی اطلاع مل جائے۔ فون کھلا رہتا تو وہ میری طرف سے جواب ملنے تک بار بار نمبر ملاتی رہتی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ شرارت اول خان کی تھی ورنہ ویرا میرے موبائل نمبر سے واقف نہیں تھی۔

نادرہ کے کشادہ مکان میں یوں تو ہر کمرا آراستہ اور قابل استعمال تھا لیکن میں رات کے وقت گھر کے مختلف حصوں میں غیر ضروری طور پر روشنی استعمال نہیں کرنی چاہتا تھا۔ میں نے اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کی اشیا اپنے عقبی کمرے میں جمع کرلیں۔ ان میں وہ ٹیلی وژن بھی تھا جو ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں رکھا ہوا تھا۔

اکیلے گھر میں وہ قید تنہائی میرے لیے خاصی پُرعذاب تھی۔ میں نے ٹیلی وژن کھولا ہوا تھا لیکن اس کے بے مغز پروگراموں پر نظریں جمانا تک دشوار ہورہا تھا۔ گھر کے سکون اور یکسانیت میں وقفوں وقفوں سے کسی گزرتی ہوئی ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ یا انجن کی پُرشور آوازیں انقلاب لے آتی تھیں پھر اگلی کسی گاڑی کی آمد یا روانگی تک فضا پر وہی یکسانیت طاری ہوجاتی تھی۔ میرے لیے اس ماحول میں زیادہ وقت گزارنا ناممکن تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بعد جہانگیر نے لی مارکیٹ میں اپنی گولڈن فارمیسی پر جانا شروع کیا تھا یا نہیں لیکن ہر دو صورتوں میں سلطان شاہ کو وہاں سے اسٹیشن فوریا کسی اور مناسب ٹھکانے پر منتقل ہوجانا چاہیے تھا۔

اس حساب کتاب کے بعد میں نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو کال سلمٰی نے وصول کی۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن میں وہ منظر تازہ ہوگیا جو صبح اس کے گھر سے میری روانگی کے وقت پیش آیا تھا۔ میری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ ایسی دل گرفتہ ہوئی کہ میرا دل پسیج گیا تھا۔

"جہانگیر کہاں ہے اور تم کیا کررہی ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ فارمیسی سے اپنے وقت پر آئیں گے اور میں تمہارا فون سن رہی ہوں۔" میری غیر متوقع فون کال پر اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑرہی تھی "صبح تم نے خاموشی سے روانہ ہوکر مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ جہانگیر برس رہے تھے کہ میں نے انہیں کیوں نہیں اٹھایا۔ سلطان شاہ کافی دیر تک بولائے ہوئے انداز میں پورے گھر میں ناچتا رہا۔ کافی دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا اور میرا جواب سن کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ وہ اسی وقت ناشتا کیے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔"

"میری گفتگو کے کچھ حصے تم نے سنے تھے۔ ان دونوں پر ایسی نیستی سوار تھی کہ میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا تو مشکل میں پڑ سکتا تھا۔"

"تمہارے جانے کے بعد کوئی بھی نہیں آیا۔ میں ڈر رہی تھی کہ پولیس آگئی تو میں کیا کروں گی۔ کسی نے تم کو بلا وجہ ہی ڈرا دیا تھا۔"

"اول تو اب کوئی نہیں آئے گا۔ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں روپوش ہو گیا ہوں۔ اگر کوئی آجائے تو دبنے یا ڈرنے کے بجائے صاف کہہ دینا کہ میں نے کئی دن سے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"پتا نہیں بے چارہ سلطان شاہ تمہاری تلاش میں کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوگا۔" سلمٰی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے لیے سب ہی تڑپ اٹھتے ہیں۔"

باتوں میں سلمٰی کا دل لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں کچھ وقت گزارا۔ اس کے بعد وہی تنہائی طاری ہونے لگی۔

آٹھ بجے میں نے جان اور ایڈی کا موبائل نمبر ملایا۔ اس بار آواز اجنبی تھی۔ میں نے جوں ہی اپنا نام ہوپ بتایا' میرا مخاطب کھل اٹھا "ہائے ہوپ! میں تمہاری آواز سننے کا منتظر تھا۔ میں ایڈی ہوں! انجان اور اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے فوراً ہمارے دل میں گھر کر لیا ہے۔"

"تمہارے دل میں نہیں' میں امریکا میں اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں" میں نے گرین کارڈ کے لیے اپنی حریصانہ طلب کا اظہار کیا اور وہ ہنس پڑا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں بعض لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے ترستے ہیں۔" وہ میری سادہ لوحی سے شاید مرعوب ہو گیا تھا "تم بس ایک مرتبہ اس باسٹرڈ ڈپی کی گردن ہمارے ہاتھ میں دے دو' تمہارے دن پھر جائیں گے۔ امریکی تمہیں اپنا ہیرو بنالیں گے۔"

"میری نظر بھی دو ملین ڈالر پر ہے۔ فی الحال میں چھوٹے شکار پر ہوں..."

"تفصیل میں مت جاؤ۔ جان مجھے سب بتا چکا ہے۔ تازہ ترین خبریں کیا ہیں؟"

"اب سے تقریباً دو گھنٹے بعد اسے کراچی میں ہونا چاہیے۔ رازداری کی وجہ سے اس کے لیے کوئی خاص بندوبست نہیں ہوگا۔ گاڑی میں دو تین سپاہی ہو سکتے ہیں۔"

"گڈ! ہماری اطلاع بھی یہی ہے کہ وہ آرہا ہے۔ یہاں کے بندوبست کے بارے میں تم نے اضافی معلومات فراہم کی ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ملاقات کے بغیر تم جیسے تجربے کار لوگ میری باتوں پر اعتبار کرتے چلے جا رہے ہو؟" میں نے اس کی نیت ٹٹولنے کے لیے وہ ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

"تمہاری ہر بات میں وزن تھا۔ ہم دونوں نے اس جگہ خاصا وقت گزارا تھا۔ کھٹومل کو اوبی نے ہی کچھ کام سونپے تھے۔ یہ ہماری خفیہ باتیں ہیں۔ تم کسی مضبوط وسیلے کے بغیر ان کے بارے میں نہیں جان سکتے تھے۔ ابھی تم نے جو کچھ بتایا' اس میں سے نصف پروگرام ہمارے علم میں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اپنی کسوٹی پر پورا پایا ہے۔ اب کھٹومل کا کیا ہوگا؟"

"بڈی! یہ تمہارا بزنس نہیں ہے" اس نے بے مروتی سے کہہ ڈالا "تم نے اپنا کام کر لیا۔ ہم اپنے آپشنز کے تحت اپنا کام کر لیں گے۔ سورج چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔"

"سوری ایڈی! میرا سوال واقعی نار وا تھا" میں نے معذرت کی۔

"شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے ناروا سوال کر کے میرا منہ توڑ جواب سن لیا۔ حساب برابر ہو گیا۔ آئندہ تم خود احتیاط کرو گے.... تم اوبی سے کب مل رہے ہو؟"

"موقع نکال کر جلد ہی مل لوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے اس کے دفتر جاتے دیکھے۔"

"اس سے گھر پر مل لو" اس نے میری مشکل آسان کر دی۔ "وہ تمہارا نام سن کر شاید خود ہی تمہیں اپنے گھر پر مدعو کرلے۔ کل تم اس سے رابطہ تو کر ہی لو۔"

"میں کل اسے فون ضرور کر لوں گا" میں نے وعدہ کیا "تم اسے بریف کر دینا۔"

"اسے بریف کیا جا چکا ہے۔ وہ تمہارا چہرہ دیکھ کر تمہاری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگائے گا اور اسی کے مطابق تمہیں کام سونپے گا.... ٹھہرو! فون بند مت کرنا۔ میں اپنے موبائل میں ریکارڈنگ جیک لگا کر دیکھوں گا کہ تمہارا فون کیسے بند ہوتا ہے۔"

بدری کا کھلونا ان دونوں کے لیے بھی کھیل بنا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "جیک لگانے سے پہلے میری ایک بات ضرور سن لو۔ کھٹومل کے خلاف جب بھی کارروائی ہو' کسی اور کو زد میں نہیں آنا چاہیے۔ کوئی بے گناہ مارا گیا تو اس کا خون میری گردن پر آئے گا۔"

"ہم امریکی بلا ضرورت کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارتے" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "مجبوری درپیش ہو تو ہم ٹارگٹ کلنگ کرتے ہیں۔ نشانہ خطا نہ ہوا تو کسی اور کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب تم جیک لگالو" میں نے نیک نیتی سے کہا۔

اسی لمحے سی ایس ڈی میں تحریک ہوئی۔ لائن بلا تاخیر ڈراپ ہو گئی۔

ریسیور رکھتے ہوئے میرے پورے وجود میں سنسنی کی عجیب سی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ ایک طرف میں نے چور کو چوری پر آمادہ کر لیا تھا' دوسری طرف کوتوال کو بھی چوکنا کر دیا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ٹیلی وژن کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں پورے گھر میں یکہ و تنہا تھا اس لیے میں نے پورے گھر

کے بیرونی دروازے اندر سے بولٹ کر لیے تھے۔ اس تنہائی سے مجھے خوف نہیں آرہا تھا لیکن وحشت سی ہو رہی تھی۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ نو بجے موبائل فون کی مترنم گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر سے اول خان بتا رہا تھا کہ اسلام آباد سے کراچی آنے والی پرواز میں فنی وجوہ کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر ہو گئی تھی۔ ایڈی نے مجھے ایک سخت جواب دے کر اپنا پروگرام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں پہلی بار جان کے اضطراب سے اندازہ لگا چکا تھا کہ کھٹومل کو کراچی آمد مہنگی پڑے گی۔

پرواز وقت پر آتی تو جو کچھ ہونا تھا رات کے بارہ بجے سے بہت پہلے ہو جاتا۔ پرواز میں تاخیر نے انتظار کے جاں گسل لمحات میں نوّے منٹ کا اضافہ کر دیا تھا۔

ٹی وی بند کر کے میں نے کمرے کی روشنیاں گل کیں اور سائڈ لیمپ جلا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اس روز میں نے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ مشقت۔ گھر سے نکل کر کلفٹن گیا تھا اور وہاں سے نادرہ کے خالی گھر میں آ گیا تھا مگر بستر پر لیٹتے ہی تنہائی کی بوریت کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے کسی مزاحمت کے بغیر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

کسی بڑی خبر کے انتظار میں گھنٹوں تک سسک سسک کر جاگنے سے بہتر تھا کہ میں کچھ نیند ہی لے لیتا۔ پتا نہیں تھا کہ رات گئے کیا ہونے والا تھا۔

نیند بڑی ظالم شے ہے۔ زور دکھاتی ہے تو تختۂ دار پر بھی آجاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ بس ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگی ہو۔ پھر کان کے قریب تیز شور سے ہڑبڑا کر میں بیدار ہوا تو وال کلاک رات کا ڈیڑھ بجا رہا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی۔

"جمال! آج کمال ہو گیا" لائن آن ہوتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی فرطِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز آئی۔۔۔۔"میں نے تیسری مرتبہ نمبر ملایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم گہری نیند سو رہے تھے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ آں!" میں نے جماہی لے کر کہا "تمہاری آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ ہو ہی گیا ہے۔ میری نیند کا خمار دور ہو چکا ہے۔ تم کوئی اچھی خبر سناؤ۔"

"شارعِ فیصل کے ایک سنسان حصے پر سب کچھ صرف تین منٹ میں ہو گیا" اس کے الفاظ وفورِ جوش سے ایک دوسرے میں الجھے جا رہے تھے۔

"کیا ہو گیا؟ ذرا خود پر قابو رکھ کر تفصیل سے بتاؤ۔ میرے حساب سے بہت کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں تم ان میں سے کن باتوں کا ذکر کر رہے ہو۔"

"کھٹومل سمیت پپ۔۔۔۔پانچ افراد چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان میں وہ دو جاسوس یا سراغ رساں بھی ہیں جو تمہاری تلاش کی مہم پر کتے لے کر یہاں آئے ہوئے تھے۔"

"تمہارا کتنا نقصان ہوا؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ٹھنڈک سی پڑتی محسوس کی۔

"حیرت ہے کہ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔ انہوں نے کھٹومل کو نشانہ بنا کر چلتی گاڑیوں میں بڑی مہارت سے مارا تھا۔ ڈرائیور کی دہشت زدگی سے گاڑی ایک پلیا کی دیوار سے ٹکرا گئی لیکن پھر اسکواڈ کارز نے بہت تیزی سے لینڈ روور کو گھیر کر چاروں کو اڑا دیا۔ فائرنگ سے پٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے آگ پر قابو پایا جا سکا ہے۔ لاشیں جل کر بری طرح مسخ ہوئی ہیں۔"

میرا دل تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ہماری کسی کوشش کے بغیر تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے سپر ہائی وے کے بائیں جانب پھیلے ہوئے ویرانے میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والے کمانڈوز ہمارے ہاتھوں اسی طرح آگ میں جل مرے تھے۔ وہ امریکی میرین کمانڈوز ایک بحری جہاز سے پرواز کر کے راس المیڈا کی تلاش میں آئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے نشانچیوں نے نیچی پرواز کرنے والے جنگی ہیلی کاپٹر کو مار گرایا اور پھر ویرانے راس المیڈا کو اسی ویرانے میں دوڑا دوڑا کر مار ڈالا تھا۔

"لینڈ روور کی نمبر پلیٹ سفارتی تھی؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، نمبر پلیٹ پرائیویٹ تھی لیکن مرنے والوں کی شناخت ہو گئی ہے۔ سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل دو افسران امریکی سراغ رسانوں کے ساتھ خاصا وقت گزار چکے تھے۔"

"ان کے نام کیا کیا ہیں؟"

"جان اور ایڈی۔ باقی دو ان کے محافظ کمانڈوز ہیں۔ گاڑی میں وہ چار تھے اور چاروں ہی مار دیے گئے۔ میرے لیے یہ واقعہ ناقابلِ یقین ہے۔ حکومت کے لیے حلق کی ہڈی بنے ہوئے تین بڑے نام ایسے غیر متوقع انداز میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کوئی حکومت پر حرف گیری نہیں کر سکے گا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم نے اتنی قلیل سی مدت میں یہ ڈراما کیسے تیار کر لیا؟"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے تفصیل سے بتا ڈالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہاں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ امریکیوں نے کھٹومل کو نشانہ لے کر مارا، مقامی پولیس نے انہیں فرار ہوتے ہوئے بھون ڈالا۔ اس سے زیادہ مجھے بھی کچھ علم نہیں۔"

"یہ برا ہوا کہ وہ چاروں ہی مارے گئے اور گاڑی میں آگ لگ گئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کیوں؟ اس سے حقائق میں کیا فرق پڑ جائے گا؟" میری بات اس کی سمجھ سے بالا تھی۔

"سارے ثبوت مٹ گئے۔ وہ لوگ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ

پولیس نے خود ہی کھٹول کو مارا اور پھر وہاں سے اتفاقی طور پر گزرتے ہوئے امریکی ماہرین کو بھی بھون ڈالا۔"

"ان چاروں کی جائے واردات پر موجودگی کو کوئی صاحب عقل اتفاق تسلیم نہیں کرے گا۔ آگ میں بہت کچھ جل جانے کے باوجود فولادی ہتھیار نہیں پگھلے ہوں گے۔ ماہرین ان کا تجزیہ کر کے بتا دیں گے کہ کھٹول کی موت کن ہتھیاروں کے استعمال کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے۔"

"ثبوت بعد میں آتے رہیں گے۔ وقتی طور پر انہیں اپنے چہرے کی کالک کم کرنے کا ایک موقع مل جائے گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر طرف تحیر انگیز مسرت پھیلی ہوئی ہے" اول خان خوشی سے سرشار تھا "تم میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارے پیر چوم لیتا۔ اپنوں کے عتاب سے ستایا ہوا ایک تنہا شخص ایسا منصوبہ بنالے، یہ میری دانست میں انسانی بساط سے باہر کا کام ہے۔"

"اب مجھے جن بھوت نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اسٹیشن فور پر، اپنے دفتر میں" اس نے جلدی سے کہا "میں تمہیں یہ خبر سنانے کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ اب میں وہیں جارہا ہوں۔"

"وہاں سے موبائل پر مجھ سے بات کرتے رہنا۔ اس کامیابی پر میری نیند اڑ گئی ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ خرانٹ امریکی اتنی آسانی سے باجماعت مارلیے جائیں گے۔ یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ایسی بے داغ کامیابی کے اسباب کیا تھے۔"

"وہ چاروں زبردست نشانے باز تھے۔ کھٹول کو لے جانے والی کار دوڑ رہی تھی۔ وہ خود بھی تیزی سے اس کے برابر میں گئے ہوں گے پھر بھی کسی کو زخم نہیں آیا۔"

میرے لبوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "انہوں نے میری خواہش کے احترام میں ٹارگٹ کلنگ کا اہتمام کیا تھا۔"

"تت..... تو کیا تم نے براہِ راست ان سے رابطہ کیا تھا؟" اول خان کو یقین نہیں آیا۔

"ایک تنہا آدمی اور کیا کرسکتا تھا؟ جان اور ایڈی میرے رابطے میں آگئے تھے۔"

"خدا کی پناہ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنا بڑا جوا کھیل بیٹھو گے۔"

"یہ جوا نہیں، سوچا سمجھا کھیل تھا۔ میں نے تم سے ملنے والی معلومات کو چالاکی سے استعمال کیا تھا۔ وہ مجھ پر اعتبار نہ کرتے تو میرا کچھ بھی نہ جاتا۔ سی ایل ڈی کی وجہ سے وہ سراغ بھی نہیں لگا سکتے تھے کہ... کس نمبر سے فون کیا گیا ہے۔"

"فوجی دستوں نے وہ علاقہ گھیرلیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے۔ سرکردہ افراد اور ادارے وہاں جمع ہو رہے ہوں گے۔ اب میں وہاں کا جائزہ لینے کے بعد ہی تم سے بات کروں گا۔"

تین منٹ میں نمٹ جانے والا وہ ڈراما مہینوں کی اذیت اور کوفت کا اختتامی باب تھا۔ اس کی داغ بیل سلطان شاہ نے دو آدمیوں کے گھٹنے توڑ کر ڈالی تھی۔ اختتام میں مجھ سمیت کوئی عملی طور پر شامل نہیں تھا۔ تینوں فریقوں نے خود ہی اپنا حساب برابر کرلیا تھا۔

اول خان کا اگلا فون آنے میں دیر تھی۔ جائے واردات میرے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن کسی سواری کے بغیر اتنی رات گئے ادھر جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ویرا کو جگانے کا ارادہ کرلیا۔

اول خان کے گھر پر فون کی پہلی گھنٹی بجتے ہی ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کے خوف سے تمہاری نیند اڑی ہوئی ہے" میں نے چڑانے والے لہجے میں کہا "آدھی گھنٹی پر ہی تم نے ریسیور اٹھالیا۔"

"تم... تم سے میں اچھی طرح سمجھ لوں گی" ویرا کی آواز میں غصے کا پیچ و تاب نمایاں تھا "تمہیں اپنے طور پر کچھ کرنا تھا تو تم گھر سے بھاگے بغیر بھی کرسکتے تھے۔ اس اوچھی حرکت کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے کیا کیا ہے جو تم یوں ڈانٹ ڈپٹ کررہی ہو؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"سلطان شاہ برابر والے کمرے میں کسی مُردے کی طرح سویا ہوا ہے۔ شاید تمہاری طرف سے بھی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اول خان مجھے بتا چکا ہے کہ آج تم نے توپ پر تیر مارا ہے۔"

"اول خان نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں بے سروسامانی کے عالم میں گھر سے کیوں نکلا تھا؟"

"نوبت ہی نہیں آئی۔ صبح سے میں غصے میں پاگل ہو رہی تھی" اس کا غصہ دھیما ہونے لگا۔

"صبح اول خان نے اطلاع دی تھی کہ مجھے بے دست وپا کرنے کے لیے حفاظتی تحویل میں لینے یعنی گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ میرے ذہن میں منصوبے کے ابتدائی خدوخال سر ابھار چکے تھے۔ میں خاموشی کے ساتھ جہانگیر کے گھر سے نکل گیا۔"

"ہم سب کو تم نے حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا" وہ تلخی سے بولی "تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ یہاں سے تمہارے لیے بلکتی ہوئی گئی ہے۔ کبھی کبھی تم بہت سنگ دل اور خودغرض ہوجاتے ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔ اول خان کے کہنے کے مطابق خطرہ صرف مجھے لاحق تھا۔ باقی لوگ محفوظ تھے۔ غزالہ کو میں نے دانستہ پشاور بھجوایا ہے تاکہ میری تلاش کے لیے اسے دباؤ کے حربے کے

طور پر استعمال نہ کیا جا سکے۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ میرا منصوبہ اتنی سرعت سے مکمل ہوگا تو میں اسے کراچی سے نہ بھیجتا۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی تم لوگوں سے غافل نہیں رہ سکتا۔"

"تمہارا منصوبہ مکمل کہاں ہوا۔ ابھی او برائن ڈی ہنٹ باقی ہے" اسے وہ نام یاد تھا۔

"اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔ آج کے واقعے کے بعد وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے" میں نے وہ موضوع ٹالنے کے لیے کہا ورنہ جان مجھے بتا چکا تھا کہ اوبی کراچی بلکہ پاکستان میں ان کا کلیدی آدمی تھا جس نے پوری محنت سے سازشیوں کا ایک نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا۔

"تمہاری گرفتاری کے احکام اب بھی برقرار رہیں گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ حکم جاری کرنے والے بادشاہوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ اول خان ان کے عزائم پر روشنی ڈال سکے گا۔ میں تو ایک تنگ کوٹھری میں محصور بیٹھا ہوں۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم کہاں ہو۔ میں ابھی وہاں پہنچتی ہوں" اس نے پیش کش کی۔

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ یہ ایک آستانے کے مجاور کا کمرا ہے۔ باہر کئی ملنگ چرس کے نشے میں دھت پڑے ہوئے ہیں..."

اس نے برہمی سے میری بات کاٹ دی "نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن مجھ سے یہ بے سروپا باتیں مت کرو۔ جھوٹ بولنا اب دھیرے دھیرے تمہارے مزاج میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ کسی بھی وقت اول خان کی کال آسکتی ہے۔"

"تو کیا تمہارے پاس صرف موبائل فون ہی ہے؟" اس نے مکاری سے پوچھا۔

"آستانوں میں ٹیلی فون ایکسچینج ابھی تک رائج نہیں ہوئے... فی الحال بس یہی ہے۔"

"میں اول خان سے بات کروں گی۔ تمہیں جلد ہی منظرِ عام پر آنا پڑے گا۔ اس وقت میں تم سے گن گن کر ان چٹکیوں کے بدلے لوں گی۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ صبح تک تم یہ باتیں بھول جاؤ گی۔ اب آرام کرو" میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کر دیا۔

جائے واردات سے اول خان کی دوسری فون کال کا انتظار بہت طویل ثابت ہوا۔ چار بجے اس نے بتایا کہ ائرپورٹ سے شہر آنے والے ٹریک کا ایک بڑا حصہ مسلح فوجیوں کے حصار میں تھا کیونکہ کھٹومل کو قتل کرنے کے بعد قاتلوں کی لینڈ روور میں کئی فرلانگ بعد آگ لگی تھی۔

کھٹومل کے قتل ہوتے ہی، اسے لے جانے والی گاڑی معمولی حادثے کا شکار ہو کر رک گئی تھی اور لینڈ روور بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔ کھٹومل کو ایسکورٹ کرنے والی دونوں اسکواڈ کاریں بالکل نئی اور طاقت ور تھیں۔ انہوں نے غرا کر فوراً ہی لینڈ روور کو دونوں طرف سے دبانا چاہا۔ قاتلوں کی طرف سے پولیس پر فائرنگ کی گئی جس کے نشان باڈی کے سوراخوں کی صورت میں موجود تھے۔ بھاگتے ہوئے قاتلوں کو مزید خوں ریزی پر آمادہ پاکر پولیس والوں نے انہیں شدید فائرنگ کی باڑھ پر لے کر ٹھکانے لگا دیا۔ اس مقابلے میں کوئی گولی لینڈ روور کی ٹنکی میں جا لگی اور ایندھن لیک ہوتے ہی آگ نے پوری گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شاید وہ سب اس طرح نہ ہوا ہوتا۔ کھٹومل کو ائرپورٹ سے لانے کے لیے چار مسلح جوانوں پر مشتمل ایک پرانی پک اپ کو کار کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ میں نے فون پر اول خان کو کسی ممکنہ حملے اور اس کے سدباب کے بارے میں مشورہ دیا تو اس نے کھٹومل کی منتقلی کے ذمے دار افسران سے بات کی اور پروگرام پر نظرِ ثانی کر لی گئی۔

پرانی پک اپ کے بجائے دو نئی اسکواڈ کارز کو بہت دور اور الگ تھلگ رہ کر قیدی کو لے جانے والی گاڑی کی نگرانی کرنی تھی۔ اس دوران میں چار سفید فاموں سمیت ایک سیاہ لینڈ روور نظر آئی جو پارکنگ ایریا سے باہر روک دی گئی۔ چاروں سوار اندر بیٹھے رہے۔

محافظ دستوں کے لیے وہ خطرے کا سگنل تھا۔ کھٹومل کی روانگی کے بعد جب لینڈ روور بھی دھیرے دھیرے ائرپورٹ سے واپس چل دی تو کچھ فاصلے سے دونوں اسکواڈ کارز اس کے تعاقب میں ہولیں۔ یہ ان کی گاڑیوں کی برتری تھی جس کی بنا پر لینڈ روور جیسی برق رفتار گاڑی کھٹومل کے قتل کے بعد زیادہ دور نکلنے سے پہلے گھیر لی گئی۔ ان کی جگہ کوئی فرسودہ پک اپ ہوتی تو لینڈ روور ذرا سی دیر میں سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی۔

وہ اصل واقعہ تھا۔ اس میں صرف ایک پہلو کمزور تھا کہ محافظوں کی گاڑیاں کھٹومل کو لے جانے والی گاڑی کے ساتھ کیوں روانہ نہیں ہوئیں؟ انہوں نے لینڈ روور کو درمیان میں لے کر امریکیوں کو دانستہ یہ موقع فراہم کیا کہ وہ کھٹومل کے خلاف کوئی بھی کارروائی کر گزریں۔

جائے واردات پر امریکی اور پاکستانی حکام کے درمیان سنگین سفارتی تلخ کلامیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ امریکی اپنے چاروں آدمیوں کی ہلاکت کو ماورائے عدالت قتل کا نام دے رہے تھے۔ پاکستانیوں کا اٹل مؤقف تھا کہ قاتل واردات کے بعد فرار ہوتے ہوئے فائرنگ کے شدید تبادلے میں مارے گئے۔ ان پر فائر نہ کھولا جاتا تو وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے اور شاید قانون کے محافظوں کو

بھی ہلاک اور زخمی کردیتے۔

اس مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ دونوں گاڑیوں کے درمیان کئی فرلانگ کا فاصلہ تھا۔

میری توقع کے برعکس امریکیوں نے اس وقت تک یہ نکتہ نہیں اٹھایا تھا کہ ان کے آدمی کھٹومل کے قتل میں ملوث نہیں تھے۔ جلی ہوئی لاشوں کے پاس موجود امریکی ساخت کی طاقت ور خود کار رائفلیں جل جانے کے باوجود یہ ظاہر کررہی تھیں کہ ان کی نالوں پر نشانہ لینے کے لیے حساس دوربینیں نصب رہی ہوں گی جن سے پیشہ ور یا اجرتی قاتل ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

کھٹومل، جان اور ایڈی کے جرائم کے باوجود درپیش پیچیدگیوں سے صرف اعلیٰ ترین حکام ہی واقف تھے۔ تین منٹ کے اس واقعے نے ان کی وہ ساری پیچیدگیاں دور کردی تھیں۔ عام پاکستانی اہل کار اس پس منظر سے واقف نہیں تھے اس لیے ان کے چہرے گمبھیر اور لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے۔

پانچوں لاشیں اور دونوں متاثرہ گاڑیاں پولیس کے محکمے سے آئے ہوئے ماہرین اور فوٹوگرافروں کے علاوہ متعدد غیر ملکی ماہرین کے نرغے میں تھیں۔ پریس کے عملے کو ان کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔

اول خان کی زبانی وہ ساری تفصیل سن کر میں نے پوچھا ”تم نے سب کچھ ہی معلوم کرلیا ہے۔ پھر اب تم وہاں کیا کررہے ہو؟“

”رسمی کارروائیاں مکمل ہوتے ہی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری مردہ خانے بھجوادی جائیں گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہاں کسی ایسے شخص کا منتظر ہوں جو تمہاری موجودہ حیثیت کے بارے میں فیصلہ کرسکے۔ اب تمہاری حفاظتی تحویل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔“

”یہ کام فون پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایسا کرو کہ تم گاڑی کہیں دور کھڑی کرکے سیدھے میرے پاس آجاؤ۔ میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔“

وہ بھی گھاگ آدمی تھا، فوراً میرا مفہوم سمجھ گیا ”تم نادرہ کے گھر میں ہو؟“

”تم ٹھیک سمجھے۔ گھر مدت سے خالی پڑا ہوا تھا۔ نادرہ شاید سکھر میں ہے“ میں نے ہنس کر کہا ”پھاٹک پر میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

”نہیں.... آج یہ خطرہ مول مت لو۔ اس واقعے کی وجہ سے شارع فیصل پر گاڑیوں کی آمدورفت میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔ ہمیں لوگوں کی نظروں سے دور رہنا چاہیے۔ پریس رپورٹرز میں سے کسی نے مجھے راستے میں رکتے دیکھ لیا تو تمہاری پوری کہانی کھود نکالے گا۔“

”پھر میں سڑک پر آجاتا ہوں۔ راستے سے مجھے ساتھ لے لینا“ میں نے کہا۔

”ایک ہی بات ہے۔ آج کی رات روپوشی میں آرام کرو۔ صبح تک کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی“ اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ”تمہاری تلاش میں آنے والی یہ دوسری ٹیم ہے جو موت سے ہم کنار ہوئی ہے۔ یہ بات تمہارے دشمنوں کے ذہنوں میں بھی کھٹک رہی ہوگی۔“

”جن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہوتے ہیں، انہیں امریکا سے اٹھا کر یہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ تم گواہ ہو کہ اس بار میرا دامن بالکل بے داغ رہا ہے۔“

”ایسی بے نیازی کا مظاہرہ مت کرو، صبح میں دفتر پہنچوں گا تو علم ہوگا کہ تمہاری اس کارروائی کے نتیجے میں کراچی سے اسلام آباد تک کیسی شدید ہلچل مچی ہوئی ہے۔“

اس سے گفتگو ختم کرکے میں دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔ کئی گھنٹوں کی گہری نیند لینے کے باعث اس بار دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔

اگلی صبح میں تازہ اخباروں کے حصول کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

اسلام آباد سے آنے والی پرواز میں تاخیر کے باعث وہ واقعہ اتنی دیر سے رونما ہوا تھا کہ اخباروں میں اس کی تفصیلی خبریں نہیں لگ سکی تھیں۔ ہر اخبار کے پہلے صفحے پر جلی سرخیوں یا حاشیے کے ساتھ یہ مختصر خبر ضرور موجود تھی کہ شارع فیصل پر ایک قیدی کو قتل کرنے کے بعد چار امریکی بھی پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔

مجھے توقع تھی کہ شام کے اخباروں کا نیا ایڈیشن، پوری خبروں کے ساتھ قبل از وقت آجائے گا اور لوگوں کی دلچسپی کے باعث ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گا۔

میں نے نہا دھو کر تیاری کی اور کچن میں اپنا ناشتا تیار کرکے کمرے میں لے آیا۔ میں نے ناشتے کی ابتدا بھی نہیں کی تھی کہ اول خان کا فون آگیا۔

”میرا اندازہ درست تھا۔ تمہاری کارکردگی پر نگاہ رکھنے والوں نے اندازہ لگالیا ہے کہ کل کے واقعے میں کہیں نہ کہیں تم ضرور ملوث تھے اور اس پر مبارک باد مجھے دی جارہی ہے۔“

”تم اس کے مستحق بھی ہو۔ میں زیر زمین ہوں۔ میں نے اپنے منصوبے کو تمہاری مدد سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ مبارک بادیاں لیتے رہو“ میں نے خوش دلی سے کہا۔

”اپنے زیر زمین ہونے پر زیادہ شکوہ مت کرو۔ اس بارے میں میری بات ہوچکی ہے۔ اصولی طور پر میں لاجواب ہوکر رہ گیا۔“

”تمہاری دانست میں وہ فیصلہ درست تھا؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”بالکل۔ تم نے اس کا جواز ثابت کردیا ہے۔ وہ لوگ تمہیں اپنی حفاظتی تحویل میں لے کر بے عمل بنانا چاہتے تھے۔ فیصلہ ہوچکا تھا، احکام جاری ہوگئے تھے۔ میں نے تمہیں اطلاع دی اور تم کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور اپنی

من مانی کر گزرے۔ غنیمت ہے کہ اس کے اثرات اور نتائج ہمارے حق میں ہیں۔ کوئی لغزش ہو جاتی تو حکومت کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہر طرف نگاہ رکھنے والے انسانی غلطی کے پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا فیصلہ برقرار ہے؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"بد قسمتی سے ایسا ہی ہے۔ وہ تمہارے لیے اب زیادہ سنگین خطرات محسوس کر رہے ہیں۔ اس کے سرکاری اثرات بھی سامنے آ گئے ہیں۔"

"عجیب احکام ہیں!" میں نے تلخی سے کہا "ابھی تک کوئی میری تلاش میں نہیں آیا۔ کیا وہ یہ توقع کر رہے ہیں کہ میں ہاتھ جوڑ کر خود ان کے قدموں میں جا بیٹھوں گا۔"

ریسیور میں اس کی ہنسی کی آواز آئی "تمہاری الجھن ٹھیک ہے۔ دراصل کراچی میں تمہاری تلاش کی ذمے داری مجھے سونپی گئی ہے۔ جوں ہی میں انہیں تمہارے بارے میں کوئی مثبت خبر دوں گا' ذمے دار حکام آ کر عزت و احترام سے تمہیں لے جائیں گے۔ ان کے اسٹاف نے تمہیں دیکھ لیا تو انہیں میری اطلاع کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"میں عین وقت پر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دوں تو کیا ہو گا؟"

"میری طرف سے اطلاع کی فراہمی کا مطلب تمہاری رضامندی ہو گا۔ تم انتخاب کا حق کھو دو گے۔ انکار کیا تو وہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں تمہاری کمین گاہ کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کرتا رہوں۔"

"میرے لیے خطرات کے حوالے سے تم سرکاری اثرات کی بات کر رہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"رات کو سب نے اس موضوع پر اپنی زبان بندی کی ہوئی تھی۔ صبح سات بجے امریکیوں نے اپنے سرکاری مؤقف کا تلخ اعلامیہ جاری کیا ہے۔ انہوں نے اپنے چاروں آدمیوں کی بے گناہی پر اصرار کرتے ہوئے اپنے پرانے زخم کریدے ہیں اور سوال اٹھایا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ پاکستان میں ڈینی کے خلاف میدان میں اترنے والے ہر مقامی اور غیر ملکی کو یکساں طور پر موت کے گھاٹ اتار کر عبرت نشان بنا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کھٹول کے قتل پر بھی احتجاج کیا ہے اور کشت و خون کی ساری ذمے داری وفاقی ایجنسیوں پر ڈالی ہے جو ان کی دانست میں تمہاری پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"حقائق کی روشنی میں ان کی یہ کہانی زیادہ دیر نہیں ٹک سکے گی۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت ان کے مؤقف کو پوری دنیا میں تشہیر ملے گی۔ چار اہم آدمی گنوا کر وہ مظلوم بن چکے ہیں۔ ان کی بات کو اہمیت دی جائے گی۔"

"یہ بہت مضبوط کیس ہے۔ ہم اس کی تفتیش کے لیے کسی بھی غیر جانبدار کمیشن کے قیام کی پیش کش کر سکتے ہیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ مقامی معاملات میں کسی بھی غیر ملکی مداخلت کا دروازہ کھولنا ملکی وقار کے منافی ہو گا۔ انہیں دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے ماہرین کو تفتیشی ٹیم میں شامل کرا دیں۔"

"وہ یہ تجویز مسترد کر دیں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ تفتیش کے نتائج ان کے حق میں نہیں ہوں گے۔"

"یہی ہوا ہے۔ انہوں نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر جانبدارانہ تفتیشی کارروائیوں کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ ان کے اس معاندانہ رویے کو مدِنظر رکھو تو تمہیں اپنے خیر خواہوں کا فیصلہ درست نظر آئے گا کہ تمہیں منظرِ عام سے ہٹ جانا چاہیے۔"

"تم پھر وہی ذکر نکال بیٹھے" میں نے چڑ کر کہا "آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ یہ بات ان تک پہنچ گئی ہے کہ کھٹول کے لیے کیے جانے والے حفاظتی بندوبست میں میرے ایما پر تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ وہ اس بڑے واقعے کا سارا کریڈٹ مجھے دینے پر آمادہ نہیں ہیں' اسے تمہارا کام قرار دے رہے ہیں۔ میں زیادہ دیر تک ان کے اخلاقی دباؤ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔"

میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔

ویرا کا باپ جمی لائیڈ جو اپنی زندگی میں ٹی کا پہلا مضبوط ترین سربراہ تھا' مجھے منشیات کے دھندے میں لایا تھا یا زیادہ موزوں الفاظ میں اس کی تنظیم کے کراچی یونٹ نے میری مجبوریوں اور بے روزگاری سے فائدہ اٹھا کر مجھے منشیات فروشی کی راہ پر ڈالا تھا۔

ٹی کو امریکی حکومت کی مالی اور اخلاقی اعانت حاصل تھی اس لیے یہ سمجھنا بے جا نہیں تھا کہ میں نے اپنی خوش حالی کے دور کا آغاز امریکی مفادات کے ایک آلۂ کار کے طور پر کیا تھا۔ ٹی میں نچلی سطح سے ترقی کرتا ہوا میں اوپر پہنچا تو ہیروئن کی تباہ کاریاں میرے سامنے تھیں۔ صدمہ یہ جان کر ہوا کہ مغرب کو اس نشے کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے ٹی ایک منظم منصوبے کے تحت پاکستان میں ہیروئن کی مقامی طلب اور کھپت میں اضافے کے مشن پر کام کر رہی تھی۔

وہ میری زندگی میں انقلابی تبدیلی کا موڑ تھا۔ میں نے ٹی اور امریکا کے خلاف علمِ بغاوت اٹھا لیا۔

امریکیوں سے میری وہ جنگ ایک مدت سے جاری تھی اور بظاہر وہ آویزش کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک تصادم ختم ہوتا تھا تو چہروں اور ناموں کی تبدیلی کے ساتھ ان کی کوئی دوسری ٹولی میرے خلاف میدان میں کود پڑتی تھی۔

ان لوگوں سے جاری تازہ ترین محاذ آرائی میں مَیں نے اپنے بیشتر اہداف حاصل کر لیے تھے۔ بس ایک اوبرائن ڈی ہنٹ باقی رہ گیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے بعد مجھے سکھ چین کا ایک دور نظر آرہا تھا جو اپنے خیر خواہوں کی تحویل میں رہ کر بھی گزارا جا سکتا تھا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران میں نے اپنا وہ تجزیہ مکمل کر کے اول خان سے کہا "مجھے سوچنے کے لیے آج کی مہلت دے دو۔ کل میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گا۔"

"عام طور پر تم فیصلوں میں اتنی دیر نہیں لگاتے۔ پلک جھپکتے میں فیصلہ کر کے، اس پر عمل بھی کر ڈالتے ہو۔ کہیں کوئی بھولا ہوا کام تو یاد نہیں آگیا ہے؟"

"اب تم بھی پچھے دار باتیں کرنے لگے ہو۔ مجھے کون سا کام یاد آسکتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں دھیرے دھیرے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ میرا اشارہ اوبی کی طرف تھا۔ نئی فہرست میں سے صرف وہی باقی رہ گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔"

اس کی صحیح قیاس آرائی پر میں ہنس پڑا "ایک کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ وہ بھڑکا ہوا نظر آیا تو میں اسے بھول جاؤں گا۔"

"تم اس پر چڑھائی نہیں کرو گے۔" اول خان نے مجھے تنبیہ کی "زخم خوردہ بھیڑیے خطرناک ہو جاتے ہیں۔"

"میں روپوش آدمی ہوں۔ اس سے فون پر ہی بات کروں گا۔ اس نے کوئی راہ دی تو اس سے مل بیٹھنے کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"بس اس کی طرف سے محتاط رہنا اور یہ یاد رکھنا کہ ان کے چار آدمی تمہارے مشوروں کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" اسے اطمینان دلا کر میں نے فون بند کیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے گرم کرنے کے لیے دوبارہ کچن میں جانا مشکل تھا۔ میں نے جیسے تیسے ناشتا حلق سے اتارا، سی ایس ڈی کو چیک کیا اور اوبی کے دفتر کا نمبر ملانے لگا۔ اسے براہِ راست گھر پر فون کر کے میں اسے چوکنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

فون پر وہ خود ہی موجود تھا۔ میری زبان سے ہوپ کا کوڈ سنتے ہی اس کی طرف سے ایک گہری سانس کے بعد آواز آئی "مجھے امید تھی کہ آج تمہارا فون ضرور آئے گا۔ تم نے اخبار دیکھ لیا ہوگا۔ آج ہم سب کے دل رو رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شہر ہمارے لہو کا کیوں پیاسا ہے!"

"میں تمہارے دکھ میں پوری طرح شریک ہوں۔" میں نے ریاکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ واقعہ مدتوں نہیں بھلایا جا سکتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی تیزی سے کوئی قدم اٹھائیں گے اور ایسی اندوہناک ناکامی سے دوچار ہوں گے۔"

"پورے دفتر کی فضا سوگوار ہے، ہم سب ماتمی لباسوں میں یہاں آئے ہیں اور چوروں کی طرح ایک دوسرے سے یوں نظریں بچا رہے ہیں جیسے ان چاروں کی دلیرانہ موت میں ہمارا ہی ہاتھ ہو۔"

"میں نے اس واقعے پر تعزیت کے لیے فون کیا ہے۔ دونوں کی ہدایت تھی کہ میں جلد از جلد تم سے رابطہ کرلوں تاکہ تم مجھے کوئی کام سونپ سکو۔"

"میں اس شہر کی خون آشام فضا کو اپنے حق میں ڈھالنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے مخلص اور محنتی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تم شاید ڈینی پر بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہو۔"

"بالکل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ انعام میری زندگی بدل کر رکھ دے گا لیکن تم اتنی بے احتیاطی سے اس کا نام مت لو۔ میں کسی کو اپنی سرگرمیوں کی بھنک بھی نہیں دینی چاہتا۔"

"میری بے احتیاطی کا سبب ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہارے فون پر کال میں مداخلت کی نشان دہی کرنے والا کوئی حساس آلہ نصب ہے جس کی وجہ سے کوئی غیر متعلقہ آدمی میری اور تمہاری گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔"

"انہوں نے تمہیں سب کچھ ہی بتا دیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھی "یہ فون میرا نہیں، میرے دفتر کا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ ہر وہ چیز جس پر تم کو تصرف حاصل ہو، وہ تمہاری ہوتی ہے۔"

"میں ایک دو روز میں تم سے رابطہ کروں گا۔ وقت کا مرہم تمہارے دکھ کو ذرا ہلکا کر دے گا۔ تم جہاں چاہو گے، میں تم سے ملنے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔"

"زندگی اور موت کے دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اپنے غم کے باوجود ہم کسی مرنے والے کے ساتھ مر نہیں جاتے، کاروبارِ زندگی اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ مرنے والوں کے لیے بہترین خراجِ تحسین یہ ہوگا کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگا دیں۔"

"تم جس طرح چاہو، میں حاضر اور تیار ہوں۔" میں نے... پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"آج کا کام کل پر نہیں ٹالنا چاہیے۔ یہاں دفتر کا ماحول سازگار نہیں ہے۔ کیا تم کچھ دیر بعد میرے گھر پہنچ سکتے ہو؟" میرے دل کی بات آخر کار اس کی زبان پر آہی گئی۔

"بالکل آسکتا ہوں۔ تمہارا گھر کس علاقے میں ہے؟" میں نے رضامندی ظاہر کر کے پوچھا۔

"کلفٹن میں۔ میں جلد از جلد وہاں پہنچتا ہوں۔ ٹریفک کی وجہ سے دیر سویر ہو سکتی ہے۔ تم ایک گھنٹے بعد وہاں آجاؤ۔" مجھے آمادہ پا کر اس نے فوراً ہی پروگرام طے کر دیا۔

اس نے مجھ سے راز داری اور وفاداری کے وعدے لیے،

کلفٹن کی ایک کثیرالمنزلہ عمارت میں اپنے فلیٹ کا نمبر بتایا اور فون کردیا۔

مجھے حیرت تھی کہ بھاری جانی نقصان سے دوچار ہونے کے بعد وہ اتنی آسانی سے میرے دام میں آگیا تھا۔ حالات سازگار ہوتے تو میں ایک گھنٹے بعد اسے اور اس کے کتے کو آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

اول خان میری ہر کارگزاری سے واقف تھا۔ میں نے فون کرکے اسے اپنی نئی کامیابی کی اطلاع دی تو وہ مجھے مبارک باد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

”میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آدمی کے ستارے ساتھ دے رہے ہوں تو دشمن کی عقل پر پردے پڑجاتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”تم میرے لیے دعا کرتے رہنا۔“

اول خان نے پُرتپاک لہجے میں میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بھی اپنے ذرائع سے اوبی کے فلیٹ کا پتا حاصل کرچکا تھا جو میرے بتائے ہوئے پتے کے عین مطابق تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم کرکے میں نے اس سلسلے کی آخری مہم پر روانگی کی تیاریاں شروع کردیں۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں خود کو کسی کی بھی حفاظتی تحویل میں دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

میں ساڑھے دس سے ذرا پہلے ہی اوبرائن ڈی بنٹ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ بلند احاطے میں گھری ہوئی وہ بلند عمارت خاصی پُرشکوہ تھی۔ وقت سے پہلے اس کے دروازے پر دستک دینی مناسب نہیں تھی۔ میں نے چند منٹ وہیں ٹہل کر ایک سگریٹ پھونکنے میں گزارے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس دوران میں میرے خون کا دباؤ وفورِ جوش سے بڑھتا جارہا تھا۔

عمارتوں کے تیزی سے ابھرتے ہوئے جنگل میں وہ اس منصوبے کی اکلوتی عمارت تھی۔ چوکی دار نے مہذب انداز میں مجھے روک کر میرے میزبان کا اور میرا نام پوچھا' انٹرکام پر کسی سے گفتگو کی اور لمحہ بھر میں مجھے لفٹ کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

جدید اور تیز رفتار لفٹ نے مختصر سے زناٹے کے ساتھ مجھے آٹھویں منزل پر پہنچا دیا۔ لفٹ سے نکلتے ہی ایک دروازے پر پیتل کے بڑے ہندسوں میں اوبی کا بتایا ہوا نمبر چمک رہا تھا۔

میں لفٹ سے نکل کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا۔ میری رسٹ واچ میں ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میں نے بڑھ کر ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ وہ شاید انٹرکام پر اطلاع مل جانے کی وجہ سے دروازے کے قریب میرا منتظر تھا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے آتے ہی اس نے اپنا تعارف کرادیا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے نمودار ہونے والے معنک چہرے کے ہر خدوخال سے ایسی عیاری اور مکاری ٹپک رہی تھی کہ میرا دل بجھ گیا۔

اس کی پُرفریب' معصومانہ آواز سن کر میں نے اپنے ذہن میں اس کی جو بھولی بھالی تصویر بنائی تھی' وہ اس سے بالکل مختلف اور خرانٹ نظر آرہا تھا۔

اس نے مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملایا اور دروازے سے اندر لے گیا۔ وہاں ایک قالین پر قدآور سیاہ کتا اپنی لمبی سی تھوتھنی اگلی ٹانگوں پر رکھے' آنکھیں موند کر سستا رہا تھا۔ ہماری آوازوں پر اس نے ناگواری سے آنکھیں نیم وا کرکے ہماری طرف دیکھا اور پھر اتنا غفیل ہوگیا۔

کتا تربیت یافتہ تھا۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہونے لگا تھا کہ اچانک کہیں ایک بزر بول پڑا۔

اوبرائن بھڑک کر مجھ سے دور ہوگیا اور اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا ”کیا تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر آئے ہو؟“

”ہاں۔“ میں نے گلے میں اٹکی ہوئی کوئی شے نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا ”یہ ہروقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ شاید تم نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کوئی ڈی ٹیکٹر لگوایا ہوا ہے؟“

”مجبوری ہے۔“ وہ خشک لہجے میں بولا ”ہر شخص خون کا پیاسا ہورہا ہو تو احتیاط کرنی ہی پڑتی ہے۔“

میں نے ریوالور نکالنے کے ارادے سے اپنا ہاتھ جیب کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے ایک دبیز پردے کے پیچھے چھپے ہوئے اندرونی دروازے سے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک دیوہیکل شخص نمودار ہوکر غرایا ”ہوشیاری مت دکھانا۔ دونوں ہاتھ اٹھالو۔ میں خود تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔“

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ خودبخود رک گیا کیونکہ اندر سے نمودار ہونے والے کے دائیں ہاتھ میں بڑے بور کا ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

نقشہ اچانک پلٹ گیا تھا۔ میں ایک چوہے دان میں آپھنسا تھا۔ میرے بدن کے مسامات سے ہلکا ہلکا پسینہ پھوٹ پڑا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

اس ماہ ہر خط میں ایک ہی سوال تھا۔ ”موت کے سوداگر مختصر کیوں تھی؟“ وجہ اس کی یہ تھی کہ موت کے سوداگر کے مصنف اقلیم علیم اپنی بیٹی کی شادی کے انتظامات میں مصروف رہے چنانچہ قسط مختصر چھاپنی پڑی۔ امید ہے اس ماہ مکمل قسط ملاحظہ کرکے آپ کی شکایت دور ہوگئی ہوگی۔

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی بازپرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑدیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنول کے متعلق مخبری کردی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو نقشہ اچانک پلٹ گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اوبرائن ڈی ہنٹ سے وہ ملاقات ہونے سے پہلے میں کامیابی کی فضاؤں میں کسی شہباز کی طرح اونچی پرواز کررہا تھا۔ اس کے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی حالات نے اتنی تیزی سے رخ پلٹا کہ میرے اوسان چند لمحوں کے لیے خطا ہوگئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان کی بلندیوں پر اُڑنے والا شہباز اپنے طاقت ور پروں کے یکایک مفلوج ہوجانے کی بنا پر کسی ٹھوس اور وزنی لوتھڑے کی طرح زمین سے ٹکرا کر بے نشان چیتھڑوں میں بدل گیا ہو۔

میرے بدن کے مسامات سے پھوٹنے والے ہلکے ہلکے پسینے نے ان چند لمحوں میں میری جلد پر رینگتی ہوئی لکیروں کی صورت اختیار کرلی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میری ٹانگوں میں سے یکایک آدھی جان نکل گئی ہو اور میں زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکوں گا۔

اندرونی دبیز پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والا دیو پیکر شخص ہر اعتبار سے خطرناک نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں بڑے بور کا ایک مہیب ریوالور تھا جس کے چیمبر میں کئی عدد زندہ گولیاں موجود رہی ہوں گی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ مکارانہ خدوخال والا ویسا ہی روایتی سیاہ فام تھا جنہیں امریکا میں کوئی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ خود سفید فام تھا مگر اس نے اپنے فلیٹ میں اپنے تحفظ کے لیے ایک سیاہ فام انسان اور دوسرے سیاہ رنگ کے قد آور کتے کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے آقا کی بے آرامی بھانپ کر وہ دونوں ہی کالے بہت مستعد اور چوکنے نظر آنے لگے تھے۔ اوبرائن کی آواز میں تشویش کی پہلی علامت نمودار ہوتے ہی قالین پر اونگھتے ہوئے کتے کی نیند ایک دم کافور ہوگئی تھی۔ اس نے آگے پھیلے ہوئے پیروں پر سے اپنی تھوتھنی اٹھالی اور اپنے لٹکے ہوئے لمبے کان ہلاہلا کر ناراض نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ جو صورتِ حال رونما ہوئی وہ بالکل ہی غیر متوقع تھی اس لیے اضطراری ذہنی جھٹکا میرے اختیار سے باہر تھا ... کے باوجود مجھے

بہ خوبی اندازہ تھا کہ میں اس وقت شیر کی کچھار میں اس کے روبرو موجود تھا۔ میری ذرا سی لغزش میرے لیے مکمل تباہی کا سامان بن سکتی تھی۔

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک چکا تھا مگر میں نے پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والے کالے دیو کے حکم کی تعمیل میں اپنے ہاتھ بلند نہیں کیے تھے۔ ابتدائی ذہنی صدمے سے سنبھالا لیتے ہوئے میں نے اوبی کی طرف گھوم کر خفگی سے کہا "یہ کیا مذاق ہے اوبی؟ اپنے گھر میں میری تذلیل کرنے کے بجائے تم نے دروازے ہی پر سوال کرلیا ہوتا تو میں تمہیں بتادیتا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔"

"بحث مت کرو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اوبی نے سفاکانہ لاتعلقی سے کہا "بلیکی بے خطا نشانے باز ہے۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ تمہیں عمر بھر کے لیے معذور کردے گا۔"

میرے دونوں ہاتھ میرے جسم سے دور فضا میں غیر فطری انداز میں جھول رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ پچھلے روز کھنول کے واقعے میں ایڈی اور جان کے ساتھ اپنے دو کمانڈوز گنوانے کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے ایک تلخ ہنکارے کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

بالم اور جانی کے ناکام شب خون کے بعد میں نے جب سے اپنا گھر چھوڑا تھا، بیم گن میری ہی تحویل میں رہی تھی کیونکہ میں میدان میں اپنے حریفوں سے مقابلہ کررہا تھا جب کہ ویرا، اول خان کے گھر میں پناہ گزین تھی اس کے لیے بیم گن جیسے خاموش اور تباہ کن ہتھیار کی زیادہ افادیت نہیں تھی۔ میں نے اپنی کمین گاہ سے اوبی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے، پہلے بیم گن ہی اپنے ساتھ لی تھی لیکن آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل کر بیم گن کی جگہ ریوالور اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ دھندلا سا امکان اس وقت بھی موجود تھا کہ اگر کسی مرحلے پر مقدر کی خرابی سے کھیل بگڑ گیا اور اوبی نے مجھے مغلوب کرلیا تو میری تحویل سے بیم گن جیسا نادر

ہتھیار برآمد ہوتے ہی وہ اندازہ لگالیتا کہ میں کوئی خود غرض اور مفاد پرست سرکاری ملازم نہیں بلکہ ڈینی یا اس کا کوئی قریبی ساتھی ہوں۔

اس وقت تک امریکیوں کے پاس میری کوئی واضح شناخت نہیں تھی۔ اپنے متعدد مُردوں کی جانچ پڑتال کے بعد وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ میں ایک عدد بیم گن پر قابض ہوں اور جب بھی مجھ پر کوئی براوقت آتا ہے تو میں بے رحمی سے اسے استعمال کر گزرتا ہوں۔

ان کے لیے بیم گن میری شناخت کی واحد علامت تھی۔ اگر اوبی کے فلیٹ میں اس وقت میرے پاس بیم گن موجود ہوتی تو شاید میری کہانی اسی لمحے ختم ہوگئی ہوتی اور میں اپنی داستان دنیا کو سنائے بغیر اجل کی خاموش اور سنسناتی ہوئی وادیوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

بلیکی کی عرفیت سے متعارف کرائے گئے سیاہ فام نے براہِ راست میرے جیکٹ کی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اعشاریہ دو دو کا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔

"اچھا کھلونا ہے۔" بلیکی نے میرے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور پھر شاید اوبرائن کو مطلع کیا "چیمبر میں پوری گولیاں موجود ہیں مگر سیفٹی کیچ چڑھا ہوا ہے۔"

"یہ میری نیک نیتی کا ثبوت ہے۔" میں نے بلیکی کے مشاہدے سے فائدہ اٹھا کر کہا۔

اوبی نے میری بات سنی ان سنی کر کے بلیکی سے کہا "واپس لوٹنے سے پہلے مہمان کی اچھی طرح جامہ تلاشی لے لو۔"

امریکا میں، میں نے بہت سے مہذب اور تعلیم یافتہ کالے بھی دیکھے جن کی شائستگی اور خوش مزاجی کے سامنے گورے بھی شرماتے تھے مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت تھی کہ ان کی اکثریت اجڈ، تندخو اور جھگڑالو تھی۔ بلیکی کا تعلق امریکی سیاہ فاموں کے دوسرے قبیلے سے تھا۔ اس نے نہایت توہین آمیز انداز میں میری مکمل جامہ تلاشی لی اور میرے جسم سے دھات کی ہر بھاری شے الگ کرنے کے بعد مجھے باہر جا کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا۔

اس دوران میں ناراض کتا بھی کسل مندی کو خیرباد کہہ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا اور کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔

بلیکی نے تلاشی کے دوران میں میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر میرا خون کھول اٹھا لیکن اس کمرے میں موجود تین چاق و چوبند جان داروں کے سامنے میں مجبور تھا۔ میں بلیکی کو خشمگیں نظروں سے گھور کر واپس ہولیا۔

اس کے حکم کی تعمیل میں مجھے باہر جانے اور اندر آنے کے دوران دو مرتبہ دروازے سے گزرنا پڑا اور دونوں بار خفیہ ڈی ٹیکٹر سے منسلک بزر میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔

میری طرف سے مطمئن ہو کر بلیکی دوبارہ اسی پردے کے

پیچھے غائب ہوگیا جس کی اوٹ سے وہ برآمد ہوا تھا۔ میرا ریوالور وہ اوبی کو دے چکا تھا۔

"شیری! گو اِن سائڈ۔" اوبی نے کوئی اشارہ کیے بغیر حکم صادر کیا۔

مجھے شیری کے نام سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اوبی نے کتا نہیں کتیا پالی ہوئی تھی۔ نیویارک میں تجرد کی زندگی گزارنے والا جارج شلز نامی داؤدی ستارہ بھی ایک کتیا کا مالک تھا اور تنہائی میں اس سے یوں باتیں کرتا تھا جیسے وہ اس کی ہر بات سمجھتی ہو۔

اوبی کی زبان سے فقرہ ادا ہوتے ہی شیری نامی صحت مند کتیا نے سر جھکا کر محبت بھرے انداز میں دم ہلائی پھر وہ بھی اس پردے کے پیچھے غائب ہوگئی جس نے بلیکی کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں، میں اوبی کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔

کتوں کی تربیت کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سنا اور دیکھا تھا۔ جارج شلز اور اس کی لاڈلی کتیا کی باتیں میں نے خفیہ لاسلکی آلے پر سنی تھیں مگر تازہ ترین مشاہدہ بہت حیران کن تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے شیری اور اوبی ہم زبان رہے ہوں۔ شیری اپنے مالک کی ہدایت کو سمجھتی تھی۔ شاید اوبی بھی اسی طرح شیری کی آوازوں سے اس کی ضروریات اور مطالبات کا اندازہ لگالیتا ہوگا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میرے مقابل آکھڑا ہوا۔ اس کی چبھتی ہوئی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ ان نگاہوں میں شکوک و شبہات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

"گھر بلا کر بے عزتی کر لینے کے بعد بھی تم مطمئن نہیں ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میرے سینے پر چار دوستوں کی جانوں کا گھاؤ تازہ ہے۔" وہ پلکیں جھپکائے بغیر بولا "اس واردات میں تم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خلش میرے دل سے مٹائے نہیں مٹتی۔"

"میرا کوئی کردار نہیں تھا۔" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔ "میں نے غلطی کی جو جان اور رائیڈی سے رابطہ کر کے انہیں کھٹومل کے بارے میں آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ارادوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ عجلت کے بعض اقدام ایسی ہی بھینٹ لیتے ہیں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" میں نے کسی تلخی کے بغیر کہا۔ مجھے اچانک ہی یاد آگیا تھا کہ اس کے سامنے مجھے ایک ایسے خود غرض سرکاری افسر کا کردار ادا کرنا تھا جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے ہر قیمت پر امریکا کی شہریت یعنی گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے مرا جارہا تھا۔

"کھٹومل مرگیا یا مار ڈالا گیا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "ہمارے لیے اب وہ ایک بھولا بسرا نام ہے۔ مجھے تشویش ہے کہ ... بہترین آدمی مارے

گئے۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ جان کو تم نے ہی اس مہم پر اکسایا تھا۔"

میں بے اعتباری پر ہنس پڑا "تم جیسے تجربے کار ڈپلومیٹ کی زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا جان اور ایڈی اتنے ہی بے وقوف تھے کہ ایک ایسے اجنبی کی باتوں میں آگئے جس سے وہ بالکل ناواقف تھے؟ ان کے اپنے کوئی ذرائع نہیں تھے؟"

"میں نے انہیں بے وقوف نہیں کہا۔" اس نے تنک کر تیزی سے کہا "یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ جس سمت میں کام کر رہے تھے، تم نے انہیں اسی سمت میں گمراہ کیا ہو۔"

اس کی تصحیح پر میں بے اختیار گہرا سانس لے کر بولا "تم نے جس تیزی سے اپنے موقف کی تائید کی ہے، اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری گفتگو کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"تم واقعی بہت چالاک ہو۔" میرے غیر ارادی تبصرے پر اس کا منہ بن گیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"میں جان اور ایڈی کو بتا چکا تھا۔ میرا تعلق ایک ایجنسی سے ہے۔" میں نے اپنی لغزش پر دل ہی دل میں افسوس کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔

"یہ بات بھی شکوک میں اضافہ کرتی ہے۔ ایجنسیوں کے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو ڈبل کراس کیا ہو....."

"اوبی! تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سخت لہجے میں کہا "اگر تمہیں میری نیت پر اس حد تک شبہ ہے تو ہماری یہ ملاقات بے سود رہے گی۔"

اوبی کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "یہ ملاقات نہیں، تمہاری آزمائش ہے، ہوپ! میں تمہارا درشن کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ آرام سے بیٹھے رہو اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ ورنہ تم زحمت میں پڑ سکتے ہو۔"

"کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں تمہارا مہمان نہیں، قیدی ہوں؟"

"میں نے ابھی کچھ نہیں بتایا۔ اپنا تعارف کراؤ پھر میں کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔" میں برہمی سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا "میں گرین کارڈ کے لیے اتنی قربانیاں نہیں دے سکتا۔"

"سرکاری افسر کسی دفتر میں ہو یا خفیہ ایجنسی میں، اندر سے پکا بیوروکریٹ ہوتا ہے۔" وہ طنز سے بولا "بھڑکنے کی ضرورت نہیں، آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں اوبی، اب مجھے گرین کارڈ نہیں چاہیے۔ میں چلوں گا۔" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ کہا "میرا ریوالور مجھے دے دو، چاہو تو گولیاں نکال لو۔"

"اب مسئلہ تمہاری خواہشات کا نہیں، میری ضروریات کا ہے۔" وہ کھل کر سامنے آگیا "تم کسی بھی درجے کے افسر ہو، کسی نہ کسی کو جواب دہ ضرور ہو گے۔ تمہارے اوپر والوں کو یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم نے اپنے دفتری ذرائع سے ملنے والی خفیہ معلومات جان اور ایڈی کو فراہم کی تھیں۔"

"تو اب تم مجھے بلیک میل کرو گے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"یہ بلیک میل نہیں، اس وقت کی حقیقی پوزیشن ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا "تم اپنے آپشنز کھو چکے ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے اس پر یوں ظاہر کیا جیسے اس کی باتوں سے مجھے صدمہ پہنچا ہو پھر دھیرے دھیرے بڑے صوفے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ "تم نے میرے اعتبار کو مجروح کیا ہے۔"

"اجنبیوں پر اعتبار کرنا صرف اور صرف خود فریبی کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ بولا "جان اور ایڈی نے تم پر اعتماد کیا اور لمحہ بھر میں اپنی جانیں کھو بیٹھے۔ اپنے ساتھ دو آدمی اور بھی لے گئے۔ تم نے تو ابھی کوئی قیمت ہی ادا نہیں کی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے سہمی ہوئی اور پُرتشویش آواز میں سوال کیا۔

"اپنے اور اپنی ایجنسی کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں اس کی تصدیق کر سکوں۔"

"یہ امور قومی رازوں کی تعریف میں آتے ہیں۔ میں نے جان کو بتا دیا تھا کہ یہ باتیں مناسب وقت پر ہی سامنے آسکیں گی۔ فی الحال اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی۔"

"تم ان کے سامنے نہیں تھے، فون پر رابطہ ہوا تھا۔ وہ تمہاری بات ماننے پر مجبور تھے۔ میرے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم میرے گھر میں، میرے سامنے موجود ہو۔"

میں نے اس کے ذومعنی فقروں میں پوشیدہ دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے کہا "نہیں.... میں اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ تمہیں میری مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔ جب تک میں اس ملک میں بر سرِ ملازمت ہوں، میری کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"لوگوں کی مجبوریوں کا سراغ لگانا اور پھر ان سے باہمی فائدے کی کوئی راہ نکالنا ہی میرے منصب کی سب سے بڑی ذمے داری ہے۔"

"کھشوول نے اپنی گردن تمہارے ہاتھ میں دی ہوئی تھی۔ اس کا عبرت ناک انجام میرے سامنے ہے۔ میں خود کو اس جیسے....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔

وہ مشتعل ہو کر کہہ رہا تھا "اب میرے سامنے اس نمک حرام کا نام بھی نہ لینا۔ ہم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا۔ وہ بھی ہمارے لیے کام کرتا تھا لیکن آخر میں اس نے میری نشان دہی

کر کے بنیادی حلف سے غداری کی اور جہنم واصل ہوگیا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا "مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔"

"ملاقات سے پہلے تمہیں وقت مل چکا۔ اب صرف تعارف کراؤ۔ میرا سرکاری عہدہ اور موجودہ کام تمہارے سامنے ہیں۔ تم اپنے اور ڈینی کے بارے میں بتا ڈالو۔"

اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈینی اس کا سب سے بڑا سوال تھا۔ میں نے اسے بتایا "ڈینی پر کام ہو رہا ہے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے خفیہ احکام جاری ہو چکے ہیں۔ میں بھی دو ملین ڈالر کے انعام کی فکر میں ہوں۔ کوئی بھی سرا میرے ہاتھ آیا تو میں وہ تمہیں تھما دوں گا۔ تم خود اس سے نمٹ لینا۔"

"تم..... تمہارا نام..... تمہاری ایجنسی!" اس نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے استفسار کیا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے مجبور مت کرو۔ تھوڑا سا وقت دے دو۔" میں نے التجا کی۔

"غوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی برآمد ہوئی پھر وہ بولنے لگا "اس فلیٹ میں تم شیری کو دیکھ ہی چکے ہو۔ میری مرضی کے بغیر یہ کتیا تم کو باہر نہیں جانے دے گی۔ اپنے تیز دانتوں سے تمہارے پورے بدن کو بھنبھوڑ کر رکھ دے گی۔ دوسرا بلیکی ہے جو اپنی مرضی کا نشانہ لے کر ہر حریف کو موت کی نیند سلا سکتا ہے اور تیسرا ایک الیکٹرولائزر ہے۔ تم جانتے ہو اس کے بارے میں؟"

میرے لیے وہ لفظ نیا نہیں تھا۔ برقی رو کے ذریعے کسی بھی مرکب محلول کو اس کے اجزا میں تحلیل کرنے والے ہر آلے کو الیکٹرولائزر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے پورے نام کا انحصار اس کے استعمال پر ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ ایک چھوٹا سا بلڈ الیکٹرولائزر ہے۔ بجلی کا جھٹکا لگنے سے لوگوں کے مر جانے کی خبریں پاکستان میں عام ہیں۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "میرا الیکٹرولائزر بہت بے ضرر ہے۔ اس میں بہت کم طاقت والی برقی رو استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دو الیکٹروڈ میڈیکل ڈرپ کی سوئی کی طرح تمہاری شریانوں یا وریدوں میں اتارے جائیں گے تو یہ مشین تمہارے خون میں شامل پانی کو آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل کر کے خون سکھانا شروع کر دے گی۔ رفتہ رفتہ تمہارے اعصاب اینٹھنے لگیں گے' بصارت دھندلا جائے گی' زبان ساتھ نہیں دے گی۔ گیسوں کے دباؤ سے رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ اس دوران تم کو غور کرنے کی پوری فرصت میسر ہوگی۔ تم نے دو گھنٹے کے اندر اندر کوئی مثبت فیصلہ نہ کیا تو یہ عمل تمہیں موت کی دہلیز میں اتار دے گا۔ مشین پر سرخ بلب جلنے تک تم نے فیصلہ نہ کیا تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ یہ خودکار عمل بروقت نہ روکا جائے تو سولی سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتا ہے؟"

"تم مجھے قتل اور تشدد کی دھمکیاں دے رہے ہو؟" میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوال کیا "گھر بلائے ہوئے مہمان سے ایسے سلوک پر تمہیں ندامت نہیں ہوگی؟"

"مہمان جانا بوجھا نہ ہو تو اپنا تعارف کراتا ہے۔" اس کی آواز سے سفاکی کی جھلک آرہی تھی۔ "ان جانے مہمان بلائے جان ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے۔"

"میرے قتل کے الزام میں تم یہاں سے نکالے بھی جا سکتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کے نیٹ ورک کے لیے تم بہت اہم بلکہ ناگزیر ہو۔"

"تمہاری موت کو قتل نہیں' حادثہ قرار دیا جائے گا۔ الیکٹرولائزر کے ذریعے مرنے والے کی حالت وہی ہوتی ہے جو برقی جھٹکے سے مرنے والوں کی ہوا کرتی ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی الیکٹرک شاک کی کہانی سناتی ہے۔ یہ ہمارا ایک جدید طریقہ ہے۔"

میں اندر ہی اندر سے لرز کر رہ گیا "کیا یہ درندگی نہیں ہے؟"

"پاکستان میں شاید ہر شخص ہمارے خون کا پیاسا ہے۔ ایسے درندوں کو ان ہی کی زبان میں سمجھایا جا سکتا ہے۔ ان پر نصیحت' تلقین اور اصولوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"میں بھی پاکستانی ہوں۔ میرے سامنے تم یہ سب کہہ رہے ہو۔"

"تم نے مجبور کر دیا ہے' ویسے بھی اب تم پاکستانی ہو نہ

امریکی۔" وہ بولا۔

"میری قومیت کے بارے میں تم نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"گرین کارڈ حاصل کرنے کے آرزومند ہو' اس لیے پاکستان سے اپنی وابستگی ختم کرچکے ہو۔ گرین کارڈ نہیں ملا اس وجہ سے ابھی امریکی بھی نہیں ہو...... جلد فیصلہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ان بے سروپا باتوں میں زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتا۔"

اسے اندازہ ہوگیا کہ میں گفتگو کو طول دے کر وقت حاصل کررہا تھا۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ بظاہر اس سے گفتگو میں مصروف ہونے کے باوجود میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔ میرے لیے اس کا رویّہ قابلِ فہم تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لانے کی کوششیں کررہا تھا۔ اگر میں کسی مزاحمت کے بغیر اس کے مطالبات کو تسلیم کرلیتا تو اس کے شکوک و شبہات ختم ہونے کے بجائے مزید گہرے ہوسکتے تھے۔

اس بحث اور مزاحمت کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ہتھیار میری نظروں میں آگئے تھے۔ کسی انسان کے جسم میں خون کو بہت دھیرے دھیرے خشک کرکے مارنے کا حیوانی تصور بہت وحشت ناک تھا مگر وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرچکا تھا۔

اس کے فلیٹ میں بظاہر سنگین صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود مجھے یہ اطمینان تھا کہ اول خان میری وہاں آمد کے پروگرام سے باخبر تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اس کے دو چار آدمیوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ان اطراف میں منڈلانا شروع کردیا ہو اور اس وقت میری واپسی کا انتظار کررہے ہوں۔ وہ کسی ناگہانی سچویشن میں میرے مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔

"اگر مجھے تمہارے ارادوں کا علم ہوتا تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔" میں نے اس کے جواب میں افسردگی سے کہا "تم مجھ جیسے اجنبی پر اعتماد کرکے دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں ہو مگر میں تم پر بھروسا کرکے دھوکا کھاچکا ہوں۔"

"کیسا دھوکا؟ میں نے تمہیں کیا دھوکا دیا؟" اس نے چیخ کر مجھے گھورا۔

"تم نے مذاکرات کے بہانے مجھے یہاں بلایا اور اب پُرتشدد بازپرس پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ پہلی بار ہنسا "کبھی کبھی شکاری اپنے پھیلائے ہوئے جال میں خود پھنس جاتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تمہارے خزاں رسیدہ ہونٹوں پر ہنسی کی جھلک نظر آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارا دل بالکل ہی پتھر نہیں ہے۔ اس میں معقولیت بھی پائی جاتی ہے۔"

"اپنے بارے میں ہر بات بتاتے چلے جاؤ۔ مجھے بہت معقول پاؤ گے۔"

"میں ٹیپ ریکارڈر نہیں ہوں کہ تم بٹن دباؤ اور میں مقناطیسی فیتے میں پوشیدہ ہر ساز و آواز کو اگلنا شروع کردوں۔ سوال کرو' میں جواب دوں گا۔"

"پہلے میں تمہارا نام..... اصلی نام جاننا چاہوں گا؟" وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جمال دستی۔" میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دیے ہوئے منصوبے کے مطابق کہا۔

وہ نام سنتے ہی اوبرائن چونک پڑا اور استفہامیہ لہجے میں بولا۔

"کرنل جمال دستی؟"

"بالکل وہی۔" میں نے اس کی تائید کی اور حیرت سے پوچھا۔

"تم میرے پورے نام سے کیسے واقف ہوگئے؟ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ میں کبھی فورسز میں تھا۔"

"سندھ کے چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم بھی شامل تھے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ!" میں بے اختیار بول پڑا "اس بریفنگ سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"ہم اپنے مفادات پر ہر وقت گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہاں ڈینی کے بارے میں خاصی باتیں ہوئی تھیں۔ تم سے بھی کچھ کہا گیا تھا؟"

"تم اتنے زیادہ باخبر ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سیکریٹری سمیت کسی بھی سرکاری عہدے دار کو جواب دہ نہیں ہیں۔ جو کچھ کہا گیا تھا' وہ سن کر بھلا دیا گیا۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہارا تعلق اسپیشل ٹاسک فورس سے ہے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ایک طرف باخبر ہونے کے دعوے کررہے ہو' دوسری طرف یہ سوال۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو؟" میں نے زچ آجانے والی بے جان سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"سب کچھ جاننے کے باوجود یقین نہیں آرہا۔" وہ اسی لہجے میں بولا "ایس ٹی ایف والوں کی شہرت تو یہ ہے کہ وہ مرجاتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے اور تم نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے راز پر سے پردہ اٹھادیا۔ یہ بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔"

"میں نے تمہیں اپنا ادھورا نام بتایا۔ دیگر نتائج تم نے خود اخذ کیے ہیں۔"

"اور تم ان کی تائید بھی تو کررہے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "انکار کرتا تو تم تسلیم نہ کرتے۔ بس یہ یاد رکھنا کہ یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ کہیں اور ایس ٹی ایف کا نام سامنے نہیں آئے گا۔"

"یہ گفتگو ریکارڈ ہورہی ہے۔ ریکارڈنگ کا ٹیپ کسی نہ کسی کی تحویل میں جائے گا [illegible] اپنی ذات تک محدود رکھنے کا

وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"ایسا بندوبست تو کر سکتے ہو کہ اس بارے میں مجھے زیادہ نہ کریدا جائے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال احتیاط کی جائے گی۔ جب تک تم پاکستان میں ہو، یہ بات ہمارے حق میں ہوگی کہ میرے اور تمہارے مراسم کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے اور تم میرے لیے خاموشی سے کام کرتے رہو۔"

"تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی سپاٹ اور چمکیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"کوئی بھی کام ہو سکتا ہے۔ فی الحال یہ اصولی سمجھوتا ہے۔ تم میرے لیے کام کرو گے اور میں تمہارے مفاد کا خیال رکھوں گا۔"

"تم بار بار فی الحال کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔ کیا اس کا کوئی خاص مقصد ہے؟"

"یہ لفظ تمہاری خوش قسمتی کی کلید ہے۔" اس نے زور دے کر کہا "جب تک تم پاکستان میں ہو، ہر بات صیغۂ راز میں رکھی جائے گی۔ امریکا پہنچتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے۔ تمہاری پہلی پریس کانفرنس میں دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود اور مقاصد کے بارے میں پاکستان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہا ہے۔ تم دیکھنا کہ امریکی پریس کی طرف سے تمہارے سوانح کے لیے لاکھوں ڈالر کی پیشکشیں آئیں گی۔ کتاب یوں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی کہ تم اس کی رائلٹی سے ارب پتی بن جاؤ گے۔ دنیا بھر میں پاکستان کے خفیہ عزائم کے بارے میں ہر وقت کچھ نہ کچھ ناقابل یقین کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر کہیں کوئی مواد دستیاب نہیں ہے۔ تمہارے سوانح اس موضوع پر ایک مستند دستاویز مانی جائے گی۔"

"شاید تم مجھ سے یہی کام لینا چاہ رہے ہو۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے امریکا کی طرف نکل جانے کا موقع فراہم کرو گے تاکہ اگلے مراحل پر کام شروع ہو سکے۔"

"نہیں.... فی الحال یہ ثانوی منصوبہ ہے۔ میں پھر فی الحال کہہ رہا ہوں۔ آج کا اہم ترین کام ڈینی کی تلاش ہے۔ تم کو میں دو ملین ڈالر نہیں، منہ مانگا انعام دلواؤں گا۔ بس اس خبیث کا سراغ لگا لو۔"

میں گھر سے یہ سوچ کر نہیں آیا تھا کہ اوبرائن سے ایس ٹی ایف کے بارے میں کوئی بات کروں گا۔ اپنے بارے میں میں نے کسی مناسب موقع پر کسی بھی سرکاری ایجنسی کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مجھ سے لغزش صرف یہ ہوئی کہ جب اس نے میرا نام پوچھا تو میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے جمال دستی کا نام استعمال کر ڈالا جو اول خان نے مجھے دیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ اس نام پر میرا جعلی شناختی کارڈ بھی موجود تھا۔ اوبرائن کسی شبے کا اظہار کرتا تو میں اسے شناختی کارڈ دکھا سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ اوبرائن کے لیے میرا مفروضہ نام نیا نہیں تھا۔ اس حیثیت سے میں ایک سرکاری اجلاس میں شرکت کر چکا تھا۔ اوبرائن اس خفیہ اجلاس کی پوری روداد سے باخبر تھا۔ میرے نہ چاہنے کے باوجود اس مرتبہ پھر میرا نام ایس ٹی ایف سے نتھی ہو گیا تھا۔

میں نے اوبرائن عرف اوبی کو جواب میں کہا "ڈینی صرف تمہارا نہیں، میرا بھی مسئلہ ہے۔ بیس لاکھ ڈالر کی رقم حقیر نہیں ہوتی۔ سچ پوچھو تو میں کسی نمایاں صلے کے بغیر پس پشت رہ کر کشت و خون کرنے سے اکتا گیا ہوں۔ گرین کارڈ اور بیس لاکھ ڈالر جیب میں ہوں تو میں دنیا کے کسی پرسکون علاقے میں اپنا گھر بسا لوں۔"

"ایس ٹی ایف اپنے آدمیوں کی سخت جانی، بے لوثی اور وفاداری کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ وہ لوگ بدترین تشدد سہہ کر مر جاتے ہیں، اپنی فورس پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ مجھے حیرت ہے کہ ان کے درمیان تم جیسے خود پرست اور خود غرض لوگ بھی موجود ہیں۔"

"فورس کے لیے پہلے میں بھی ویسا ہی تھا جیسا تم نے سنا ہے لیکن اب یہ یکسانیت کھلنے لگی ہے۔" میں نے اپنے لیے جواز پیدا کرتے ہوئے اسے بتایا "یہ اکتاہٹ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی غالب آتی ہے۔ مغرب میں اسے مڈل ایج کرائسس کہا جاتا ہے۔ مجھ پر یہ قنوطیت ذرا قبل از وقت طاری ہو رہی ہے۔"

"تم ڈینی کے لیے واقعی اس قدر پریشان ہو، جتنا ظاہر کر رہے ہو؟" اس کا اگلا سوال چونکا دینے والا تھا۔ میں نے سر اٹھایا تو وہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر اسے جواب دیا "جیب میں دو ملین ڈالر آ جائیں تو کوئی نہ کوئی ایجنٹ کچھ رقم لے کر گرین کارڈ کا بندوبست کرا سکتا ہے۔ ویسے بھی ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے امریکی شہریت، تحفظ اور دوسرے فوائد مشتہر کیے گئے ہیں۔ دو ملین کے ساتھ یہ سب سہولتیں بھی مل جائیں گی۔"

"مجھے تمہاری بات ماننے میں اب بھی تردد ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"نہ مانو اور مجھے اپنے بلڈ الیکٹرولائزر پر لگا دو۔ پردۂ غیب سے کچھ ظہور میں نہ آیا تو تمہیں میری ذات سے چھٹکارا ضرور مل جائے گا۔"

"تم اس بریفنگ میں اپنی فورس کے اسٹیشن کمانڈر اول خان کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں وہ ڈینی کا دست راست ہے۔ اگر تم اول خان سے اتنے قریب ہو تو تمہیں ڈینی کے بارے میں بھی کافی باخبر ہونا چاہیے۔" اس کی منطق خاصی وزنی تھی۔

[illegible] سرکاری بریفنگ میں ہم دونوں ایک ساتھ ضرور

شریک ہوئے تھے مگر ہمارے درمیان زیادہ ہم آہنگی نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اول خان مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے مگر میں اپنی کوششوں سے اس کے سر پر مسلط ہوں۔"

"تم کتنے عرصے سے اس کے ساتھ ہو؟" اوبرائن کے اگلے سوال پر میں گڑبڑا گیا۔

"یہ مشکل چند ہفتے ہی ہوئے ہوں گے۔" میں نے کرنل جمال دستی کے بنے ہوئے اپنے ایس ٹی ایف کے کارڈ کی تاریخ یاد کرتے ہوئے جواب دیا "اول خان کو ڈینی کے بارے میں میرے تجسس سے چڑ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی اس کے لیے ذاتی دوستی، انا اور وقار کا مسئلہ بن چکا ہے۔"

"اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ کئی بار اس کا پیچھا کیا گیا ہے مگر ہر بار کچھ مسلح محافظ اس کے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔" اس نے مایوسی سے بتایا "مختلف ذرائع سے جو خبریں ملتی رہتی ہیں، ان سے یہی پتا چلتا ہے کہ وہ دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"بالکل ہیں۔" اوبرائن کو مزید کسی ٹیڑھے سوال سے روکنے کے لیے میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی اسٹیشن تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن میں وہاں مامور ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ جلد ہی ڈینی کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔"

"اول خان پہلے سے ہماری نظروں میں تھا۔ اب تم سامنے آئے ہو۔ اس کی کمزوریاں تلاش کرو۔ وہ بھی تم جیسا ایک انسان ہے۔ اس کی بھی کچھ امنگیں اور آرزوئیں ہوں گی۔ ایک مرتبہ اسے ہمارے دام میں لے آؤ۔ ہم اس سے ہر بات اگلوا لیں گے۔ دو ملین کا انعام تمہارا ہوگا۔"

"وہ کسی چٹان کی طرح سرد، خشک اور بے مہر ہے۔ عورت پر پگھلتا ہے نہ پیسے کا حریص ہے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا ہے، اس میں مل جانے کو اپنی زندگی کا مشن سمجھتا ہے۔ ایسے مشکل آدمی میں کسی کمزوری کا ملنا محال ہے۔ اس کے بارے میں نہ سوچنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"مجھے آم کھانے سے مطلب ہے، پیڑ گننے سے نہیں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "ڈینی ہاتھ آجاتا ہے تو مجھے اول خان سے کوئی غرض نہیں....."

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر پورے خلوص سے کہا۔

"اس دوران میں تم ایک اور کام کرو گے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "واشنگٹن میں ایف بی آئی کے ذرائع پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس ٹی ایف کے کل دس مراکز ہیں۔ ان میں سے دو اسلام آباد میں ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس کی بلکہ ایف بی آئی کی معلومات حیرت انگیز حد تک درست تھیں۔ وہ سیاسی اور سفارتی مصلحتوں کا کھیل تھا کہ امریکا نے پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں ہر سرکاری تردید کو قبول کرلیا تھا۔ اوبرائن کے الفاظ کے مطابق امریکا حقائق سے پوری طرح باخبر تھا۔ شاید ان کے پاس ثبوت دستیاب نہیں تھے یا پھر وہ کوئی چال بازی تھی کہ ہر احتجاج کے موقع پر انہوں نے ایس ٹی ایف کے بارے میں اپنا دعویٰ منوانے پر اصرار نہیں کیا تھا۔

پاکستان میں سلامتی کے ذمے دار مطمئن تھے کہ وہ امریکا جیسی عالمی قوت کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایس ٹی ایف کے ذریعے چپکے چپکے قومی مفادات کے تحفظ کا مشن آگے بڑھا رہے تھے جبکہ ...امریکی تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے شاید کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

"ان میں متعین افسروں اور کارکنوں کی تعداد کے بارے میں متضاد اطلاعات ہیں۔" اوبرائن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم ہمیں ان کے محلِ وقوع اور نفری کے بارے میں اطلاعات فراہم کرو گے۔ یہ کام اندر کے کسی آدمی کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

"تم نے جب امریکا میں میری کتاب کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کی بات کی تھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔" میں نے قدرے بے جان آواز میں کہا۔ "تم اس فورس سے واقف

نہیں ہو۔ اس میں داخلے کے دس راستے ہیں لیکن نکاس کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو موت کی اندھی وادی میں نکلتا ہے۔ میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔"

"تیسری دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک میں کوئی ایجنسی ایسی بھیانک نہیں ہوسکتی۔ تم پہل کرکے دوسروں کے لیے مثال قائم کرو پھر دیکھنا کہ دولت اور شہرت کے بھوکے کتنے باغی مغربی ملکوں میں' فرار ہوکر پناہ لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کی شہرت اور دہشت کے خاتمے کے لیے میں ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے پروگرام کے لیے اس فورس کی تباہی ناگزیر ہوگئی ہے۔"

"مجھے تمہارے مقاصد سے کوئی غرض نہیں لیکن میں اس کے لیے قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا۔ انہیں میری غداری کی بھنک بھی مل گئی تو میرا کہیں نام ونشان تک نہیں ملے گا۔"

"مجھ سے انکار کی صورت میں بھی تمہارا انجام کچھ ایسا ہی ہوگا۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ انجام زیادہ ذلت آمیز اور بھیانک ہوگا۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "ڈینی کی تلاش پر ہمارا سمجھوتا ہوچکا ہے۔ اب تم دوسری شرائط لگاتے جارہے ہو۔ مجھ پر اس طرح دباؤ مت ڈالو۔"

"ابھی تک تم اپنی فورس کے یک طرفہ دباؤ میں تھے۔ اب تمہاری ڈوری میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ میری ہربات مانو ورنہ برے انجام کے لیے تیار رہو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود' میرے ریوالور کی نال میرے چہرے کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ تم گولی چلادو۔" میں نے دل کڑا کرکے کہا۔ "شاید میں نے یہاں آکر سنگین غلطی کی ہے جس کا خمیازہ مجھ ہی کو بھگتنا ہوگا۔"

اس نے ہنس کر میرا ریوالور اپنی گود میں ڈال لیا اور بولا۔ "اب تمہارے لیے مجھ کو کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ تمہاری ہر سزا اور جزا تمہاری فورس کے سر ہوگی۔"

"تمہاری الجھی الجھی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"تم انکار کرو اور چلے جاؤ۔ میرا دفتر ایک پریس ریلیز جاری کردے گا کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص گرین کارڈ کے عوض ایس ٹی ایف کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی پیشکش لے کر آیا تھا۔ امریکا کو اس فرضی فورس کے بارے میں پاکستانی حکومت کی یقین دہانیوں پر پورا اعتماد ہے اس لیے کرنل جمال دستی کو کسی افسر سے ملاقات کے بغیر لوٹادیا گیا۔"

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے مکار اور بے رحم ثابت ہوگے۔ اب سمجھ میں آیا کہ لوگ تمہارے چنگل میں کس طرح پھنستے ہیں۔"

"امریکا کی آزاد معاشرت' فطری تہذیب اور خوش حالی کی شہرت نے تیسری دنیا کے ملکوں میں ہمیں ایک سہانے خواب کا روپ دیا ہوا ہے۔" اس نے پرغرور لہجے میں کہا۔ "تم ایک بے نام ونشان فورس کے کوئی گمنام افسر ہو لیکن تمہیں حیرت ہوگی کہ تمہارے ملک کے بڑے بڑے سیاسی اور آسودہ خاندانوں کے بڑے اور نوجوان امریکی ویزا کے لیے دن رات ہمارے آگے گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ وہاں کی شہرت ملے یا نہ ملے' وہ خوابوں کی اس سرزمین کو ایک بار ضرور دیکھنا چاہتے ہیں' ان میں سے کئی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اس خواہش کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور میں ان سے سودا کرلیتا ہوں۔"

میرے ذہن میں جان کے کہے ہوئے فقرے گونج اٹھے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اوبرائن نے بڑی محنت سے پاکستان میں اپنا نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا اور امریکی پاکستان سے اس کی روانگی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ وہی ایک نکتہ تھا جس پر کھٹومل کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا تھا پھر کھٹومل کے ساتھ ساتھ محض تین منٹ کی قلیل سی مدت میں چار امریکی جہنم واصل ہوگئے۔

"تم نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔" میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ "میں تمہارے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کے لیے تمہیں تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ یہ گنتی....."

"نہیں اوبی! مجھے اتنا نہ پیسو کہ میں پلٹ کر جواب دینے پر مجبور ہوجاؤں۔" میں نے اس کا تحکمانہ فقرہ کاٹ کر احتجاج کیا۔ "مجھ پر وقت کی پابندی مت لگاؤ۔ اپنی کھال بچا کر میں جلد از جلد تمہارا کام کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "شاید اپنے چار آدمیوں کے قتل نے مجھے جذباتی کردیا ہے ورنہ میں لوگوں سے دوستانہ انداز میں سودے بازی کرتا ہوں۔ تم پر وقت کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ دیر ہوئی تو تم مجھے رپورٹ ضرور دیتے رہوگے۔"

"خدا کا شکر اور تمہارا شکریہ کہ تم نے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس کرلیا۔" میں نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ہنس پڑا۔ "اتنی عجلت نہ دکھاؤ۔ میری مزید کوئی شرط نہیں ہے۔ اب ہم کچھ باتیں کریں گے۔" وہ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ایک کیبنٹ کی طرف بڑھا پھر پلٹ کر مجھ سے پوچھا۔ "دن میں کیا لیتے ہو؟"

"اس وقت تو جو مل جائے وہی چلے گی۔" میں نے کیبنٹ کے شیشے کے پیچھے سجی ہوئی بوتلوں پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا۔ "تم نے میرے اعصاب ہلاکر رکھ دیے ہیں۔"

"جن' واڈکا یا اسکاچ؟" اس نے پھر سوال کیا۔ "یہاں ہر ڈرنک دستیاب ہے۔"

"ذرا اسٹرانگ لارج اسکاچ.... پانی کے ساتھ۔" ایک طویل وقفے کے بعد میں نے اس روز مطالبہ کرہی دیا۔ غزالہ کی خوشنودی کے لیے میں نے ایک مدت سے ویرا کی دعوتوں کو بھی نظرانداز کیا ہوا تھا مگر اوبرائن کو اپنی بے بسی کا بھرپور تاثر دینے کے لیے وہ مطالبہ ضروری تھا۔

اوبرائن اپنے لیے کوئی سفید شراب لایا تھا' میرے گلاس کا رنگ طلائی ہورہا تھا۔ وہ میرے قریب آیا تو اس کے گلاس سے آنے والی بو نے بتادیا کہ وہ دن میں جن پینے کا شوقین تھا۔

"تمہاری کامیابی کے نام۔" اوبرائن نے جام تجویز کیا۔ میں نے پہلا گھونٹ لیا تو ہونٹوں سے معدے تک ایک سلگتی ہوئی تلخ لکیر سی تیرتی چلی گئی اور میری آنکھوں میں نمی سی اُمڈ آئی۔

میری فرمائش پر اوبرائن نے میرے گلاس میں پانی کی بہت کم مقدار استعمال کی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں نے ایک طویل عرصے کے بعد ام الخبائث کو ہاتھ بلکہ منہ لگایا تھا۔

میری نگاہوں میں تیرنے والی نمی اوبرائن کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ وہ ہنس کر بولا۔ "یہ تمہاری فرمائش کے مطابق ہے۔ چاہو تو برف یا ٹھنڈا پانی ڈال لو۔"

میں نے رومال سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس کے دوسرے مشورے پر عمل کیا اور دوبارہ اس کے پاس آبیٹھا۔ اس نے اپنی جیب سے میرا ریوالور نکال کر میرے حوالے کردیا۔

"آئندہ تم اسلحہ لے کر نہیں آؤ گے۔"

"یہ میری پیشہ ورانہ مجبوری ہے۔ اسلحہ ہروقت ساتھ رہتا ہے۔ بہرحال آئندہ تمہاری طرف آنا ہوا تو ہتھیار گاڑی میں ہی چھوڑ دوں گا۔"

میں نے اوبرائن کی اجازت سے سگریٹ سلگالی تو اس نے پوچھا۔ "جان' ایڈی اور ان کے دو کمانڈوز کے بارے میں تمہاری فورس کا کیا ردعمل ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "فورس اس معاملے سے باہر ہے۔ یہ خالص پولیس کیس ہے۔ ان کی طرف سے پوری روداد اخبارات میں آچکی ہے۔"

"پھر بھی تمہاری فورس کا کوئی نہ کوئی موقف تو ہوگا۔" اوبی نے اصرار کیا۔

"وہ اوپر والوں کی باتیں ہیں۔ میری سطح پر فورس ہر مقامی قضیے سے الگ تھلگ رہتی ہے۔" میں نے اسے کوئی راہ دیے بغیر جواب دیا۔

"اگر یہ پولیس کیس تھا اور ایس ٹی ایف اس سے بالکل الگ تھلگ تھی تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ کھٹومل نے ڈینی کے گھر پر حملے کے سلسلے میں ساری ذمے داری میرے اوپر ڈالی ہے؟" وہ مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں ہرسوال کا جواب حاصل کرنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اور نپے تلے [illegible]

معذرت

برطانیہ کے جسٹس گراہم اپنی رحم دلی اور ملزموں سے نرم سلوک کے لیے مشہور تھے۔ ایک مقدمۂ قتل کا فیصلہ لکھتے وقت پھانسی کی سزا پانے والے سولہ افراد میں سے ایک کا نام لکھنے سے رہ گیا۔ کلرک نے جج کی توجہ اس فروگزاشت کی طرف دلائی تو جج نے مذکورہ ملزم کو بلاکر کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا نام ان قیدیوں کی فہرست میں نہیں لکھا جاسکا جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ ایک اتفاقی غلطی ہے اور میں اس پر تم سے معذرت خواہ ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہی پھانسی دی جائے گی۔"

اس بار میں نے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لیا اور پُراعتماد انداز میں ہنس کر پوچھا۔ "تمہارا قیاس کیا ہے؟ کیا میں نے غلط بیانی کی تھی؟"

"رفتہ رفتہ ہر بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ اس وقت دونوں باتیں متضاد معلوم ہورہی ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ایس ٹی ایف اس قصے میں ملوث نہیں تھی۔"

"بالکل نہیں تھی۔ کھٹومل کے اس اعتراف کا تعلق ڈینی کی اور تمہاری ذات سے تھا۔" میں نے وضاحت پیش کی۔ "تم جانتے ہو کہ چند وجوہ کی بناء پر ڈینی ایس ٹی ایف کے لیے ایک اہم اور حساس فائل ہے پھر تمہاری یعنی ایک بڑے ملک کے سفارتی مشن کی مشتبہ سرگرمیاں سامنے آئی تھیں۔ یہ دونوں معاملے پولیس کے اختیار سے باہر تھے....."

"مان لیا کہ یہ معاملے پولیس کے دائرۂ کار سے باہر تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "انہیں اپنی معلومات سے آئی بی یا ایف آئی اے کو آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ ان کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔"

"میں ان تفصیلات سے لاعلم ہوں۔" میں نے اقرار کیا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ اطلاعات ان میں سے کسی وفاقی ادارے کے ذریعے ایس ٹی ایف تک پہنچی ہوں۔ وفاقی ادارے اپنی آئینی اور قانونی حدود کے قیدی ہیں۔ فورس بالکل آزاد ہے۔"

[illegible] تلخی سے کہا۔ "پاکستان میں

آئین اور قانون کو صرف اپوزیشن کو کچلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر بااختیار شخص کے ہاتھوں میں یہ دونوں دستاویزات کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ وہ جب چاہے، کسی کو بھی مار سکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ وردی والوں نے بیدریغ ہمارے چار آدمی مار دیئے اور آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں بہلایا جارہا ہے کہ تحقیقاتی کمیشن بنا دیا گیا ہے۔ ان کو چار آدمیوں کی لاشوں سے بڑے کون سے ثبوت کی تلاش ہے؟"

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ اس کا آخری تیکھا سوال بھی گزر گیا تھا اور وہ جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ میرے پاس اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ وہ گلاس خالی ہونے تک پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔ اس کے دماغ میں جو زہر بھرا ہوا تھا اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اس کے کوسنے پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں بہت تحمل سے اس کی ہرزہ سرائی سنتا رہا اور اس کی ہم نوائی کرتا رہا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میری توقعات کے برعکس ایک خطرناک آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت گزارنا مصلحت کے خلاف تھا۔ میں موقع پاتے ہی دوبارہ اٹھ گیا۔

"بہت عجلت میں ہو۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "میری اگلی ملاقات کا وقت ہونے والا ہے۔ میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے تمہارے کسی مثبت پیغام کا شدت سے انتظار رہے گا۔"

میں نے اس سے پرتپاک مصافحہ کیا اور اس نے ہاتھ ملا کر اپنی دہلیز سے ہی مجھے رخصت کرکے دروازہ بند کرلیا۔ اس سے گلوخلاصی ہونے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی تمام تر چالاکی اور مکاری کے باوجود میں اس کے سامنے اپنا بہروپ قائم رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس معاملے میں میری کسی ذہانت سے زیادہ اس کی باخبری کام آئی تھی۔ چیف سیکریٹری کی صدارت میں ہونے والی خفیہ بریفنگ کے حوالے سے اس نے میرا نام نہ سنا ہوا ہوتا تو وہ شاید آسانی سے مجھے کرنل جمال دستی کبھی تسلیم نہ کرتا۔

آٹھویں فلور کی وہ راہداری بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ لفٹ کے دروازے پر روشن اشارے سے ظاہر ہورہا تھا کہ لفٹ نیچے سے اوپر آرہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کے لیے بٹن دبا دیا۔

بے آواز لفٹ میرے سامنے آکر رکی، دروازہ کھلا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ لفٹ میں نادرہ موجود تھی۔

پچھلے چند مہینوں میں وہ کافی بدل چکی تھی۔ اس کی جاذبیت میں کمی آچکی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ناپید تھی۔ میں اپنی بوکھلاہٹ کے باوجود، اس سے نگاہیں [illegible] نتیجے پر پہنچ سکا کہ وہ نادرہ کے

مسکرایا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے مکمل اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلی اور میری طرف دھیان دیئے بغیر اوبرائن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نادرہ سے وہ غیرمتوقع سامنا میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف سے پریشان ہونے کے باوجود امریکیوں سے متنفر تھی۔ میری تلاش کے بارے میں ان کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس نے میرا ہی سہارا لیا تھا اور ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

اس پس منظر میں اس کا اچانک اوبرائن کی طرف آنا معنی خیز تھا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ خالی لفٹ میرے سامنے موجود تھی۔ نادرہ پلٹے بغیر اوبی کے فلیٹ کی ڈوربیل بجا کر جواب کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ میرے لیے فلور پر مزید رکنے کا جواز نہیں تھا۔

اوبرائن، نادرہ کے لیے دروازہ کھول کر باہر جھانک لیتا تو مجھے موجود پاکر یہی سمجھتا کہ میں اس کے خلاف کسی قسم کی جاسوسی کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں پل بھر میں لفٹ میں داخل ہوا اور دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔

برق رفتار لفٹ نیچے چلی اور میرا دل لمحہ بھر کے لیے اچھل پڑا۔ آٹھویں منزل سے نیچے تک۔۔۔ کے اس مختصر سے سفر میں مجھے خیال آیا کہ نادرہ کراچی کے حالات سے ہراساں ہوکر ایک مدت پہلے سکھر منتقل ہوچکی تھی جہاں اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے اپنا سوسائٹی والا مکان جوں کا توں چھوڑ دیا تھا جو امریکا جانے سے پہلے میرے تصرف میں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد ان دنوں بھی میں اسی مکان کے ایک عقبی کمرے میں پناہ گزیں تھا۔

نادرہ کا کلفٹن والا آراستہ فلیٹ ہم نے کرائے پر لیا ہوا تھا۔ وہی فلیٹ نادرہ سے میرے تعارف کا سبب بنا تھا۔ اس پر بالم اور جانی کے گروہ کے ناکام حملے کے بعد ہم نے وہاں کی رہائش ترک کردی تھی۔ کرائے کی مد میں نادرہ کو ادا کی ہوئی پیشگی رقم اس کے واجبات سے کہیں زیادہ تھی اس لیے میں نے نادرہ سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جلد یا بدیر اسے فلیٹ خالی ہونے کی اطلاع مل جائے گی۔ اس سے رابطہ نہ ہونے کا دوسرا اور اہم سبب یہ تھا کہ اس دوران میں مجھے سکون و اطمینان کا کوئی وقفہ نہیں مل سکا تھا۔

نادرہ کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ محروم اور نا آسودہ زندگی گزارنے والی وہ دلکش خاتون کسی بھی طرح ایک اچھی اداکارہ نہیں تھی۔ لفٹ میں آمنا سامنا ہونے پر مجھے کسی اجنبی کی طرح نظرانداز کرکے، سپاٹ چہرے کے ساتھ گزر جانا اس کے بس سے باہر تھا۔

بجائے اس کی بہن تھی۔ ہم شکل ہونے کے باوجود دونوں بہنوں کے نقوش میں کچھ نمایاں فرق تھا جسے میں نے بادی النظر میں تبدیلیاں سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا۔ مجھ سے متعارف نہ ہونے کی وجہ سے نادرہ کی بہن مجھے نہیں پہچان سکتی تھی۔

وہ نتیجہ میں نے لفٹ چھوڑنے سے پہلے اخذ کرلیا۔ اس کی روشنی میں میرے ذہن میں عجیب سا ہیجان برپا ہوچکا تھا۔ نادرہ کا شوہر عبدالغنی، ہیروئن کی اسمگلنگ کے جرم میں کارڈف کی جیل میں دس سال کی سزا بھگت رہا تھا جس کے دو ڈھائی سال گزر چکے تھے۔ اس کا اکلوتا بیٹا فرخ ایک امریکن بورڈنگ ہاؤس میں زیر تعلیم تھا۔ امریکی ایجنٹوں نے ان دونوں حوالوں سے اسے بلیک میل کرکے میری تلاش پر مامور کرنا چاہا تھا لیکن نادرہ ان سے متنفر اور خوفزدہ تھی۔

اسے ہراساں کرنے والے امریکی ایجنٹ ہمارے ہاتھوں مارے گئے تو بظاہر وہ قصہ نمٹ گیا اور میرے مشورے پر نادرہ سکھر منتقل ہوگئی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ حالات نے وہ کون سی نئی کروٹ لی تھی کہ مجبور ہوکر نادرہ کی بہن کو اوبرائن کے دروازے پر حاضری دینا پڑ رہی تھی اور میری ذات پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے تھے۔

میرے پاس صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ صحیح جواب صرف نادرہ دے سکتی تھی جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔

میں نے رواروی میں گھر یعنی اپنی عارضی کمین گاہ تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی لے لی تھی لیکن انجانے اندیشوں اور وسوسوں کے تحت ڈیفنس کمرشل ایریا میں ہی ٹیکسی کو فارغ کردیا۔

چند منٹ تک بازار میں ٹہلنے کے بعد ایک سڑک کے سایہ دار کنارے پر رک کر میں نے موبائل فون پر اول خان سے رابطہ کیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ دفتر میں مل گیا۔

"سناؤ، ملاقات کیسی رہی؟ میں تمہارے کسی پیغام کے انتظار میں دفتر میں رکا ہوا تھا۔" میری آواز سنتے ہی وہ چہکا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم خیریت سے واپس لوٹ آئے ہو۔"

"تمہارا اندازہ درست تھا۔" میں نے جذبات سے عاری آواز میں اعتراف کیا۔ "زخم کھائے ہوئے بھیڑیئے بہت زیادہ خطرناک ہوجاتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں وہاں سے واپس لوٹ سکوں گا۔"

"اوہ!" اول خان کی بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ "میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ تم خود ہر وقت خطرات کو دعوت دیتے پھرتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس بار وہ بڑے پیمانے پر میرا گھیراؤ کرچکے ہیں۔"

"کس حیثیت میں؟" اس نے پوچھا۔ "آج کل تم کئی چہرے لیے پھر رہے ہو۔"

"اصل حیثیت میں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے اس سے اپنا تعارف کرنل جمال دستی کے طور پر نہ کرایا ہوتا تو آج میری واپسی محال تھی....."

"تم نے غلطی کی۔" وہ درمیان میں ہی بول پڑا۔ "تمہارا یہ نام اب فورس سے وابستہ ہوچکا ہے۔ انہیں ہمارے خلاف ایک نام یا ثبوت مل گیا ہے۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "لمبی کہانی ہے۔ سن کر تم خود سمجھ لوگے کہ میں نے نادانستگی میں ایک صحیح نام استعمال کیا تھا۔ وہ فورس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور میرے ذریعے مزید باتیں جاننے کے آرزو مند ہیں تاکہ اس پر آخری وار کرسکیں۔"

"پھر تم جہانگیر کے گھر پہنچو، ویرا بھی وہاں آنے والی ہوگی۔" اول خان کی آواز میں بے چینی عود کر آئی۔

"شاید مجھے یہی کرنا پڑے۔ میرا موجودہ ٹھکانا مخدوش ہوچکا ہے۔"

"کیوں؟ وہاں کیا خطرہ ہے؟ صبح تک تو تم اس بارے میں بالکل بے فکر تھے۔"

"صبح کی بات اور تھی۔ میں نے وہاں سے نکلتے ہوئے نادرہ کی بہن کو دیکھا تھا۔"

"وہ وہاں کیا کرنے گئی ہے؟ تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟ وہ شاید سکھر میں رہتی ہے نا؟"

"ہاں، پہلی نظر میں اسے نادرہ ہی سمجھا تھا۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکی....."

"پھر تم اپنے ٹھکانے پر لعنت بھیجو اور سیدھے جہانگیر کی طرف آجاؤ۔" اس نے میری بات کاٹ کر مشورہ دیا۔ "ہم سر جوڑ کر کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ. وہاں خطرات بڑھتے چلے جائیں گے۔ میں وہاں سے بیم گن اور سی ایس ڈی نکالنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے اسے اپنی الجھن سے آگاہ کیا۔

"دونوں چیزیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔" اس کی پرخیال آواز ابھری۔ "اس وقت بھی تم اکیلے نہیں ہو۔ میرا ایک آدمی تمہیں کور دے رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ناکافی ثابت ہو۔ میں اس کے لیے کمک کا بندوبست کرکے آدھے گھنٹے میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ وقت کہیں نہ کہیں گزارتا ہوں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اب وقت کے ساتھ خطرات بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں گے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

وہ سایہ دار جگہ چھوڑ کر دوبارہ مین روڈ کی طرف بڑھتے ہوئے میں اپنے گردوپیش سے چوکنا تھا لیکن مجھے اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نظر نہ آسکا جس پر ایس ٹی ایف کا کارکن ہونے کا شبہ کیا

جا سکتا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، پوری ہوشیاری سے اپنا فرض ادا کررہا تھا۔

مٹر گشت کے انداز میں بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے کے باوجود میں محض ڈیڑھ منٹ میں قریبی سڑک پر نکل آیا اور پھر خالی کھڑی ہوئی ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گیا۔

کراچی کے ٹیکسی ڈرائیور میٹر پر لمبا سفر کرنے والوں کے مقابلے میں کرایہ طے کرکے مختصر سفر کرنے والی سواریوں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں نہ صرف زیادہ آمدنی ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت شہر کے مصروف اور کاروباری علاقے میں ہی گھومتے رہتے ہیں۔

میں وہاں سے نرسری کے لیے روانہ ہوا تو میں نے ایک پان فروش کے کیبن کے قریب موٹر سائیکل سوار کو حرکت میں آتے دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میرا محافظ تھا۔ شارعِ فیصل کے سگنل پر ٹیکسی رکی تو اسے مجبوراً قریب آنا پڑا۔ میں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جواب میں سرہلائے بغیر نہ رہ سکا۔

میں نے نرسری کے بازار میں داخل ہونے کے بجائے سروس روڈ پر ہی ٹیکسی چھوڑ دی۔ موٹر سائیکل سوار پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں نے ہاتھ دکھا کر اسے روک دیا۔

"موٹر سائیکل کہیں پارک کرکے میرے ساتھ آجاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "ایک ساتھ رہ کر ہم دونوں ہی زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"یس سر!" کہہ کر وہ موٹر سائیکل کو آگے لیتا چلا گیا۔ میں بھی اسی سمت میں آگے ہولیا۔

میرا ذہن مسلسل نادرہ، اس کی بہن اور اوبرائن کی نکیلی تکون میں الجھا ہوا تھا۔ تواتر کے ساتھ عجیب اور پُر پیچ سوالات ذہن میں سر ابھار رہے تھے لیکن میرے پاس کسی سوال کا کوئی قابلِ قبول جواب موجود نہیں تھا۔

نرسری کی گلی میں ایس ٹی ایف کا ہرکارہ مجھ سے آملا اور خفت آمیز آواز میں بولا۔ "سر! مجھے دور رہ کر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ چیف....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چیف کی فکر نہ کرو۔ وہ احتیاط کلفٹن کی حد تک ضروری تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم مسلح ہو یا خالی ہاتھ آئے ہو؟"

"سر! میں ڈیوٹی پر ہوں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "میرے پاس فاضل راؤنڈز بھی ہیں۔"

میں نے غیرارادی طور پر دسویں بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اول خان سے بات کیے ہوئے مجھے دس منٹ بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

میں نے ذہن میں [illegible]

مشورہ

پولٹری فارم کے مالک نے اپنے دوست سے کہا "جب بھی سیلاب آتا ہے، سیکڑوں چوزے ہلاک ہوجاتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ میں تو قلاش ہوتا جارہا ہوں۔"

دوست نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا "تم چوزوں کی جگہ بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟"

○☆○

مشہور اداکار باب ہوپ کو ایک بار ڈاکے کے مقدمے میں گواہ کے طور پر پیش ہونا پڑا۔ ڈاکو کے وکیل نے باب ہوپ کو اپنے سوالات سے پریشان اور ہراساں کرنے کی کوشش کی۔

"مسٹر ہوپ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ڈاکا کس وقت ڈالا گیا؟" وکیل صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے" باب نے ابھی کہنا ہی شروع کیا تھا کہ وکیل نے اس کی بات کاٹی۔

"اپنا خیال نہیں بلکہ درست بتایئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بلاواسطہ جواب کی ضرورت ہے" وکیل گرجا۔

باب نے معصومیت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا "آپ یہ نہیں جاننا چاہتے کہ میں کیا سمجھتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر میں گواہی نہیں دے سکتا" باب ہوپ نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے مایوسی کے انداز میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں سمجھے بغیر نہیں بول سکتا کیونکہ میں وکیل نہیں ہوں۔"

شروع کردیا۔

اوبرائن ذہنی ہنٹ عرف اولی مکار ہونے کے ساتھ ہی بہت محتاط آدمی نظر آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے جال میں آئے ہوئے پنچھیوں کو غیر ضروری طور پر اپنے آس پاس دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا ہوگا۔ نادرہ کی بہن کے نظر آنے سے پہلے اولی نے خود مجھ [illegible] کا وقت ہونے والا تھا۔ میں اس

سے رخصت ہوا تو... لفٹ سے وہ خاتون برآمد ہوئی جو کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت سکھر سے چل کر اس عمارت تک پہنچی تھی۔

ہم نے نادرہ کے جس آراستہ فلیٹ کو بے سروسامانی کے عالم میں خیرباد کہا تھا، وہ کئی روز سے امریکی ایجنٹوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اول خان سے خبریں ملتی رہی تھیں کہ جان اور ایڈی اپنے سراغ رساں کتوں کے ساتھ وہاں جاتے رہے تھے اور ان کارروائیوں میں مقامی حکام ان کی پوری پوری معاونت کر رہے تھے تاکہ وہ میرا یعنی ڈینی کا کوئی سراغ حاصل کر سکیں۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے منظم اغوا سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ ہماری قیام گاہ کے طور پر وہ فلیٹ پہلے سے امریکی ایجنٹوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ میرے بارے میں کسی سراغ کی تلاش میں مکمل ناکامی کے بعد ان لوگوں کا فلیٹ کے مالک کی طرف متوجہ ہونا فطری امر تھا۔

سرکاری ریکارڈ پر نادرہ کا جو بھی پتا درج رہا ہو، مقامی حکام کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ ہمارے متروکہ فلیٹ کی مالکن ان دنوں اپنی مستقل رہائش ترک کر کے سکھر میں مقیم تھی۔ شاید انہوں نے نادرہ کی طلبی کا فرمان جاری کیا تھا۔

مقامی اہل کار وہ فرائض اپنے امریکی ہم منصبوں کی خواہش پر سرانجام دے رہے تھے۔ اپنے طور پر انہیں اس مشق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مہم کے سرکردہ ایجنٹ یعنی جان اور ایڈی مارے جا چکے تھے اس وجہ سے ان کا میزبان، اوبرائن ڈی ہنٹ میدان میں رہ گیا تھا اور کوئی متبادل بندوبست ہونے تک تمام تفتیشی اہتمام اسی کے سر آن پڑا تھا۔

مقامی انتظامیہ نے شاید نادرہ کو شہر میں آکر اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی ہوگی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ نادرہ زیادہ بیمار تھی، مر چکی تھی یا ملک سے نکل گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو، وہ کراچی آنے سے قاصر تھی۔ حکم نامہ سخت رہا ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بہن کو کراچی آنا پڑ گیا۔

اس خاتون کی آمد کے بعد یہ نکتہ زیادہ شدومد کے ساتھ زیرِ غور آنا لازمی تھا کہ شہر میں نادرہ کی مزید کیا جائیدادیں تھیں، سوسائٹی والے مکان کا ذکر آتے ہی اوبرائن اپنی توجہ ادھر بھی مرکوز کر سکتا تھا۔

وہ صرف وقت کی لڑائی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اوبرائن کے ادھر متوجہ ہونے سے پہلے میں مکان میں داخل ہو کر اپنی دونوں اہم ترین چیزیں نکال لوں۔ ایک بار اس کے آدمی وہاں پہنچ جاتے تو میرے لیے ادھر کا رخ کرنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔

نادرہ کی بہن کی آمد کے معاملے میں میرا ذہن صاف ہو چکا تھا اور مجھے ایک بھاری بوجھ سے نجات مل گئی تھی لیکن اس کی جگہ دوسرے مسئلے نے لے لی تھی۔

"پتا نہیں اول خان کا پیغام کب آئے گا۔" میں نے وقت دیکھ کر پُرتشویش انداز میں کہا۔ "وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔ کیا تم ذرا سا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو؟"

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہر جگہ سائے کی طرح تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوتا تو بھی مجھے ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دینا پڑتا۔"

میں نے اسے مقبول آباد ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع نادرہ کے مکان کے بارے میں بریف کیا۔ وہاں ہمارا کام چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ وہ فوراً تیار ہو گیا۔

میں نے اتمامِ حجت کے طور پر اول خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پتا چلا کہ وہ دفتر سے نکلا ہوا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون میرے حوالے کیا ہوا تھا اور مجھے علم نہیں تھا کہ اس نے کوئی متبادل بندوبست کر لیا تھا تو اس کا نیا نمبر کیا تھا۔

ان دنوں موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی کھلی اجازت ہوا کرتی تھی۔ دہشت گردی کے انسداد کے نام پر ایسی پابندی کا اچھوتا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر موٹر سائیکل کے ذریعے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہم شارعِ فیصل کے داہنے سروس روڈ سے مطلوبہ گلی میں گھومے تو وہ حسبِ معمول ویران نظر آ رہی تھی۔ میں نے نکڑ سے ہی دیکھ لیا کہ نادرہ کے مکان کے سامنے کوئی گاڑی تھی، نہ کسی قسم کی سرگرمی۔ میرے ایما پر اس نے اپنی موٹر سائیکل پھاٹک کے قریب روک دی۔

میدان صاف پا کر مجھے دل ہی دل میں ندامت ہوئی کہ میں نے اتنے معمولی سے کام کے لیے اول خان کی باتوں میں آکر خاصا وقت ضائع کر دیا تھا۔

ہم دونوں پھاٹک سے گزر کر کسی رکاوٹ کے بغیر اس مکان کے ویران احاطے میں داخل ہو گئے۔

عمارت کے گرد گھوم کر ہم عقبی حصے کی طرف جا رہے تھے کہ اول خان کا آدمی ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے پھرتی سے اپنی جیب سے ایک لاسلکی آلہ نکالا اور اس کا کوئی سوئچ دبا کر اسے اپنے دہانے کے قریب لے گیا۔

دوسری طرف سے ریڈیائی شور میں اول خان کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میرے ساتھی نے اس کی کال کا جواب دیا تو اول خان نے بتایا کہ وہ اپنے اسکواڈ کے ساتھ تیزی سے مقبول آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بات پوری کر کے اس نے اپنے آدمی کی پوزیشن دریافت کی تو میں نے اپریٹس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"سوری چیف!" میں نے کہا۔ "مجھ سے صبر نہیں ہو سکا۔ اس وقت ہم مکان کے احاطے میں ہیں اور چند منٹ میں فارغ ہو کر یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اوہ! تم بے صبری میں بڑی غلطیاں کر بیٹھتے ہو۔" اول خان کی

مضطربانہ آواز ابھری۔ ”چند منٹ پہلے پولیس کے ریڈیو کنٹرول سے فیروز آباد پولیس اسٹیشن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مسلح نفری کے ساتھ اس مکان کو گھیرے میں لے لیں۔ پیغام میں نے خود سنا تھا‘ وہ کسی بھی لمحے آکر تمہیں چوہے دان میں گھیر لیں گے۔ فوراً وہاں سے نکل جاؤ اور باہر میرا انتظار کرو۔“

میں اس کی بات کا جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ میرے کانوں میں پولیس سائرن کی ہلکی سی آواز آئی۔ فیروز آباد پولیس اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ شاید ان کی گاڑیاں ہماری کمین گاہ کو گھیرنے کے لیے سڑکوں پر نکل پڑی تھیں۔

”سائرن کی آواز آرہی ہے‘ چیف!“ میں نے اسے آگاہ کیا۔

”سی ایس ڈی نوچنے اور گن اٹھانے میں ایک منٹ لگے گا۔ ہم ان کے پہنچنے سے پہلے نکل جائیں گے۔“ اس سے بات کرنے کے دوران ہی میں نے عقبی احاطے کی طرف دوڑ لگا دی۔

”نو.... نو....“ اول خان دہاڑا۔ ”سب کچھ بھول جاؤ۔ باہر نکل جاؤ۔ میرے پہنچنے سے پہلے انہوں نے تم کو گھیر لیا تو بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔“

اول خان بولتا رہا۔ وہ ڈرا رہا تھا‘ دھمکیاں دے رہا تھا‘ گڑگڑا رہا تھا۔ میں نے اس کی سنی ان سنی کر دی۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں عقبی کمرے کے مقفل دروازے پر موجود تھے۔

فضا میں سائرن کی آوازیں لحہ بہ لحہ تیز اور واضح ہوتی جارہی تھیں۔ شارع فیصل کی دوسری جانب واقع تھانے سے پولیس کی گاڑیوں کو مقبول آباد تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ اپنی دو نایاب اور انمول چیزوں کے حصول کے لیے کیے جانے والے فیصلے نے یکایک سنگین صورت اختیار کر لی تھی۔ ایک طرف ہم دو آدمی مقفل دروازے پر اپنے مقصد کے حصول کے لیے موجود تھے‘ دوسری طرف سے پولیس ہمیں گھیرنے آرہی تھی اور تیسری سمت سے اول خان اپنے اسکواڈ سمیت ہماری طرف اڑا آرہا تھا۔

”تم کہاں مر گئے ہو..... جواب کیوں نہیں دیتے..... اوور!“ میں نے جیکٹ کی جیب سے چابی نکالتے ہوئے ایرپیس پر توجہ دی تو اول خان کی جھنجلائی ہوئی بلکہ ہذیانی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میری خاموشی پر اس کی وہ کیفیت قابلِ فہم تھی۔

”تالا کھل گیا۔“ میں نے بٹن دبا کر اسے اطلاع دی۔ ”بس چند سیکنڈ میں ہم باہر ہوں گے۔“

"مجھے ایرپیس پر پولیس سائرن کی واضح آوازیں آرہی ہیں۔ وہ بہت قریب آچکے ہیں۔"

دل اڑا دینے والی وہ آوازیں اب واقعی کان کے پردوں میں گھس رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں گھس کر سی ایس ڈی ایک جھٹکے سے تاروں سے نوچ کر الگ کی اور جیب میں ڈال لی۔ میرے اشارے پر میرے نامعلوم ساتھی نے دیوار گیر الماری کا درمیانی چوبی پٹ تالے سمیت اکھاڑ دیا۔

میں نے کمبل کی تہ میں ہاتھ ڈال کر بیم گن نکالی اور میرے وجود میں آسودگی کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔ میں نے اپنا ہدف حاصل کرلیا تھا۔

"کام ہوگیا.... ہم واپس لوٹ رہے ہیں' چیف!" میں نے اول خان کو اطلاع دی۔

"باہر کا رخ نہ کرنا.... تم پھنس چکے ہو۔ میں سائرن کی آوازیں نہیں سن سکا۔ شاید اب وہ تیزی سے عمارت کو گھیر رہے ہوں گے۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نرسری کے قریب سے گزر رہا ہوں' اگر تم چند منٹ زندہ رہ کر گزار لو تو میں دیکھوں گا کہ کیا ہوسکتا ہے۔"

اول خان کے توجہ دلانے پر میں سناٹے میں رہ گیا۔ میں اپنی دھن میں مگن تھا اور پولیس کار کا سائرن بہت قریب آکر یکلخت بند ہوچکا تھا۔ دوپہر کی تپتی ہوئی فضا میں یکایک موت کی سی خاموشی رچ گئی تھی۔ اول خان ایرپیس کے ذریعے ان تبدیلیوں کا بالکل صحیح ادراک کر رہا تھا۔

ہم دونوں خاموشی سے دیوار سے لگ گئے اور اپنے اپنے ریوالور سنبھال کر کونے کی طرف سرکنے لگے۔ میرے ساتھی کا چہرہ پسینے میں بھیگنا شروع ہوگیا تھا اور اس کی آنکھوں میں وحشت لہرانے لگی تھی۔ پتا نہیں میرے چہرے کا کیا حال تھا۔

کھیل کھیل میں موت یوں سر پر آن کھڑی ہوئی تھی کہ میں اندازہ تک نہیں لگا سکا تھا۔

"مکان پولیس کے نرغے میں آچکا ہے۔" اچانک میگا فون پر ایک کرخت آواز سنائی دی۔ میں نے غیرارادی طور پر ایرپیس کا بٹن دبا لیا تاکہ وہ آواز براہِ راست اول خان تک پہنچ سکے۔

"اندر جو بھی ہے' ہتھیار پھینک کر باہر آجائے ورنہ دس تک گنتی پوری ہوتے ہی مسلح دھاوا بول دیا جائے گا۔ یہ مجرموں کے لیے آخری وارننگ ہے.....ون....."

میں نے ایرپیس کا بٹن چھوڑ دیا۔ ریسیور پر اول خان کی گھبرائی ہوئی آواز آنے لگی۔ "میں گنتی مکمل ہونے تک نہیں آسکتا۔ ہر قیمت پر ایک ڈیڑھ منٹ گزارو..... احکام بہت سخت ہیں۔ اس پولیس ایکشن میں جو سامنے آیا' کسی بٹیر کی طرح بھون دیا جائے گا۔ بچو اور ان کو روکتے رہو۔"

گنتی تین تک پہنچ چکی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک باوردی سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں خودکار رائفل دبی ہوئی تھی۔ وہ چوکنے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پھونک پھونک کر اندر بڑھ رہا تھا۔

"ہوائی فائر کروں؟" میرے ساتھی نے گھبرائی ہوئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ "گولی نہیں چلے گی۔ یہ قانون کے محافظ ہیں۔"

"ان پر نہیں' میں ہوا میں فائر کروں گا۔" وہ اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

"نہیں۔ فائر فائر ہوتا ہے۔ کوئی یہ نہیں دیکھے گا کہ گولی کدھر چلائی گئی ہے۔ ہلکا سا دھماکا بھی انہیں مشتعل کردے گا اور پھر اول خان کا کام دشوار ہوجائے گا۔"

احاطے کی دیوار کے ساتھ اندر بڑھتا ہوا سپاہی ہماری مکمل خاموشی سے خوفزدہ ہوکر ایسی جگہ پر رک چکا تھا جہاں سے وہ کسی بھی لمحے ہمیں دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنے ساتھی کے بازو پر ہاتھ مارا اور دیوار سے لگے لگے واپس دروازے کی طرف سرکنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ اس نے میری تقلید کی۔

گنتی پانچ سے آگے بڑھنے والی تھی کہ اچانک کہیں سے فائر ہوا' میرے بائیں بازو میں آگ اور درد کی ایک لہر سی اتر گئی اور میں نے بے اختیار اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر اپنی بے ساختہ چیخ کو حلق کی گہرائیوں میں دفن کردیا۔

میرے ساتھی کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ ہم دونوں ہی زمین پر گر گئے۔

اس پہلے فائر کے ساتھ ہی متعدد گولیاں چلیں۔ ماحول سنگین تر ہوگیا۔ میں نے ایرپیس اپنے ساتھی کو دے دیا اور داہنے ہاتھ سے اپنا زخم دبائے دروازے کی طرف گھسٹتا رہا۔

پہلے راؤنڈ کے جواب میں ہماری طرف سے خاموشی رہی تو فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اس دوران میں ہم عقبی کمرے سے متصل اس دروازے تک پہنچ چکے تھے جو مکان میں جاتا تھا۔

میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹے لیٹے بہت احتیاط اور آہستگی سے پٹ کو اتنا دھکیلا کہ ہم دونوں باری باری اندر جاسکیں۔

سات تک گنتی ہوچکی تھی۔ میں اندر والی پختہ راہداری میں پہنچتے ہی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا اور تیزی سے ان زینوں کی طرف بڑھ گیا جو تہ خانے میں جاتے تھے۔

میں اس تہ خانے کو پہلے بھی عقوبت خانے کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں بھی مجھے اس کا ایک ایک گوشہ اچھی طرح یاد تھا۔

"پنجوں کے بل میرے پیچھے چلے آؤ۔" عقبی دروازہ بند کرکے میں نے سرگوشی کی اور ہم دونوں بلیوں کی طرح بے آواز قدموں

سے گرد آلود زینے طے کر کے تہ خانے میں اترنے لگے۔

گرد آلود تہ خانے کی سیلن زدہ فضا میں روشندان کے بند ہونے کے باعث خاصا اندھیرا تھا۔ میں نے اندازے سے ٹٹول کر وہاں کے دونوں بلب اتار دیے۔ گھپ اندھیرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے سانسوں کی آواز واضح طور پر سن رہے تھے۔

”گنتی ختم ہونے والی ہے چیف!“ میرے کانوں میں اپنے ساتھی کی بھنبھناہٹ سی آئی۔ ”ڈپٹی کے بازو میں گولی لگی ہے۔ ہم نے ابھی تک کوئی فائر نہیں کیا۔ ہم تہ خانے میں ہیں۔“

”اوہ خدایا! تو رحم کردے۔“ اول خان کی آواز بھی اس بار دھیمی تھی۔ شاید اس کے آدمی نے ایریئس کی آواز گھٹا دی تھی۔ ”بس میں پہنچنے والا ہوں۔“

”اب اسے بند کردو۔“ میں نے اپنی اذیت پر قابو پا کر دھیمی آواز میں کہا۔

وہ تہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھا تو میں نے اسے روک دیا۔ ”دروازہ نہیں، ایریئس بند کردو۔ اب یہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔“

میں اسے لے کر تہ خانے کی پہلی دیوار سے یوں لگ کر کھڑا ہوگیا کہ دروازے سے اندر آنے والا کوئی بھی شخص پیچھے مڑے بغیر ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”دس!“ باہر کی فضا سے میگافون کی گھٹی گھٹی آواز تہ خانے کی فضا میں لہرائی۔ ”فائر اینڈ ایکشن۔“

اس بار فضا گولیوں کی ہولناک برسات سے لرز اٹھی۔ میرے لیے وہ زندگی کی سب سے خراب صورتِ حال تھی کیونکہ میرا مقابلہ مجرموں کے کسی ٹولے سے نہیں بلکہ قانون کے محافظوں سے تھا۔ نادرہ کے مکان پر ان کے دھاوے کی وجوہ جو بھی رہی ہوں، مجھے پورا یقین تھا کہ اس میں ان کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہیں یقین دلایا گیا ہوگا کہ اس مکان میں خطرناک مجرموں کا مسکن تھا یا پھر وہ رات میں وہاں روپوش رہتے تھے۔

شاید پولیس فورس وہاں آتی اور خاموشی سے خانہ تلاشی لے کر لوٹ جاتی مگر باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل اس امر کی شاہد تھی کہ اندر کوئی نہ کوئی موجود تھا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد پولیس پارٹی کے سربراہ نے جو بھی فیصلہ کیا، وہ بہت صائب تھا۔ اندر والوں کو غیر مسلح ہو کر باہر نکلنے کی مہلت دینے کے بعد اسے ہر کارروائی کا حق حاصل تھا۔ گنتی کے درمیان جو چند گولیاں چلیں اور جن میں سے پہلی گولی نے مجھے زخمی کیا، وہ شاید میرے مقدر کی خرابی کا نتیجہ تھیں۔ پولیس والے بھی عام انسان ہوتے ہیں۔ مسلح مقابلے کے خوف سے اعصاب زدہ ہو کر کوئی بھی کمزور دل سپاہی ایسی حرکت کرسکتا تھا۔

پولیس کی نفری پوری طرح مسلح اور آزاد تھی۔ ہم دونوں تاریک تہ خانے میں محصور تھے اور ہم اپنے دونوں ریوالوروں سے کام نہ لینے کا اٹل فیصلہ کرچکے تھے۔ اگر اول خان کے پہنچنے سے پہلے کوئی ادھر آنکلتا اور ہماری گردنیں ناپ لیتا تو ہم بالکل بے بس تھے۔

دھواں دھار فائرنگ کی آڑ میں پولیس مکان میں داخل ہوچکی تھی۔ بارودی دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ تہ خانے کی چھت کے مختلف حصوں سے بھاگتے دوڑتے ہوئے وزنی قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ اوپر سے آنے والی للکارتی ہوئی یا تحیر زدہ آوازیں بھی ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ دونوں سانس روکے، دیوار کا ایک جز بنے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔

پھر اچانک ہی کوئی تہ خانے کی طرف نکل آیا۔ دو افراد کے قدموں کی دھمک زینوں سے اوپر ہی رک گئی، کچھ سرگوشیاں ابھریں۔ پھر کسی نے للکارا۔ ”اوئے! کون ہے نیچے؟ شرافت سے ہاتھ اٹھا کر باہر آجاؤ ورنہ اڑا دیں گے۔“

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ زخم کی تکلیف کو میں بالکل بھول گیا۔ وہ کسی بھی لمحے زینے طے کر کے ہمارے سروں پر پہنچ سکتے تھے۔

طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد چٹ کی ہلکی سی آواز آئی۔ شاید کسی نے اوپر کا سوئچ آن کر کے تہ خانہ روشن کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

”ادھر کوئی نہیں ہوسکتا۔“ ایک پُراعتماد آواز آئی۔ ”نیچے اندھیرا ہے اور دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ کوئی ہے تو کسی الماری یا

باتھ روم میں ہی ہو سکتا ہے۔"

وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی زینوں سے ایک فائر ہوا۔ گولی کھلے ہوئے دروازے سے گزر کر دیوار کی جڑ میں پیوست ہو گئی۔ فضا دھماکے سے جھنجھنا اٹھی اور بارود کی بُو سے بھر گئی۔

وزنی جوتوں کی آہٹیں بتدریج ان زینوں سے دور ہوتی چلی گئیں۔

میرے ساتھی نے جوش سے میرا داہنا بازو دبایا۔ بولنا خطرناک تھا۔ اس وقت ہماری ذرا سی آہٹ بھی ہماری موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ کی انگلیاں تازہ تازہ خون کے لیس سے چپچپا رہی تھیں۔ دیوار کے ساتھ بے عملی کی حالت میں کھڑے کھڑے مجھے نقاہت محسوس ہونے لگی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ گھسٹتا ہوا وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ ایس ٹی ایف کا آدمی میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

تہ خانے کی اوپری منزل پر ہونے والی ہڑبونگ اور دھما چوکڑی میں رفتہ رفتہ کمی آتی چلی گئی۔ مکان میں کسی کو نہ پاکر پولیس والوں کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔ تہ خانے کا کھلا ہوا دروازہ ان کی کامیابی اور ہم دونوں کی سلامتی کا ضامن بن گیا تھا۔

وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میرے تازہ زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ہڈی محفوظ تھی یا مجروح ہوئی تھی‘ گولی بازو میں ہی تھی یا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔

مجھے صرف ایک خوف تھا کہ کہیں اول خان کے پہنچنے میں زیادہ دیر ہو گئی تو زخم سے زیادہ خون بہہ جانے کے سبب میں جانبر نہ ہو سکوں گا۔

خون کی کمی سے دوچار ہونے والے میرے اعصاب رفتہ رفتہ سست پڑتے جارہے تھے‘ ذہن پر رہ رہ کر دھند سی حملہ آور ہونے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں وہ تمام دعائیں دہرانی شروع کر دیں جو آخری وقت میں انسان کی مغفرت کا سبب بن جانے کی شہرت رکھتی ہیں۔

ایک مرتبہ پھر کسی کے جوتوں کی دھمک تہ خانے کی طرف آنے لگی۔ برے وقت کی دہشت سے میرا گلا خشک ہو گیا‘ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے سے ناچنے لگے۔

اس بار وہ آہٹیں رکنے کے بجائے زینوں پر منتقل ہو گئیں۔ وہ جو بھی تھا‘ رکے بغیر سیدھا تہ خانے میں چلا آرہا تھا۔

"فائر کردوں؟" اس نے میری پیشانی تھام کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

میری زبان بھاری ہونے لگی تھی۔ میں نے سر کی منفی جنبش سے اسے روک دیا۔

وہ آہٹیں زینے کے وسط میں رک گئیں اور پھر آواز ابھری۔

"ہولڈ اٹ..... میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔" وہ اول خان کی آواز تھی جو میں نے پوری طرح سنی اسی کے ساتھ میرے دماغ میں پھلجھڑیاں سی چلنے لگیں اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں تھا۔

○☆○

دوبارہ آنکھ کھلی تو وہ تہ خانہ تھا نہ وہاں کا دہشت ناک سماں۔ میں ایک صاف ستھرے بستر پر دراز تھا اور اوپر سفید چھت چمک رہی تھی۔ میں نے اپنی پلکوں کو جنبش دی تو وہ چھت دور تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔

جہانگیر کا کوئی کمرا اتنا بڑا تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا۔ اسی لمحے غزالہ کا حسین اور جگمگاتا ہوا چہرہ میرے سامنے آگیا۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے بے اختیار میرا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں لے لیا۔

میں غیر متوقع طور پر اسے یوں اپنے روبہ رو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے علم کے مطابق اول خان نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیجا ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ پشاور سے کب کراچی واپس آئی تھی۔ باتوں کے دوران میں بعد میں پتا چلا کہ میری نازک حالت کی وجہ سے اول خان نے غزالہ کو حادثے کی شام کو ہی پشاور سے واپس بلالیا تھا تاکہ وہ میری دیکھ بھال کر سکے۔

میں نے بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ تھامنے چاہے اور بائیں بازو میں شدید ٹیس اٹھنے سے تڑپ اٹھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی کلائی تھام لی۔

"آپ اچھے ہیں نا؟ آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک سوال کر کے خود ہی جواب دے دیا۔

"میں کہاں ہوں....؟ میرے بازو کی ہڈی تو محفوظ ہے نا؟" اس سے سوال کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان میں ہلکی سی لکنت محسوس کی۔

"تمہیں چوہے دان سے نکال کر بہت مشکل سے یہاں پہنچایا گیا تھا۔" غزالہ کے بجائے میرے کانوں میں ویرا کی چبھتی ہوئی آواز آئی۔ "مرنے سے بال بال بچے ہو۔"

کروٹ لینی مشکل تھی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ غزالہ بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ کر ویرا سے بولی۔ "وہ کڑا وقت گزر گیا۔ اب ایسی بدفال منہ سے مت نکالو۔ مریں ان کے دشمن۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"تمہارے اسی لاڈ پیار نے ڈیڈی کو بگاڑا ہے۔" اس بار ویرا کی آواز استہزائیہ نہیں تمسخرانہ تھی۔ "تم کبھی اسے غلطیوں پر نہیں ٹوکتی ہو۔ اسے بتاؤ کہ گولی سے ہڈی ضرور بچ گئی تھی لیکن بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے جان بچانی مشکل ہو گئی تھی۔"

"تمہیں خون کی چار بوتلیں دی گئی ہیں۔" سلطان شاہ نے [illegible] مظاہرہ کیا۔

"اول خان کو وہاں پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔"

"خوب!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم سب ہی یہاں موجود ہو۔ اس وقت ہم کہاں ہیں؟"

"اسٹیشن فور کے فیلڈ اسپتال کا یہ خاص کمرا ہے جو تمہیں دیا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"اور اول خان کہاں ہے؟" میں نے باری باری ان کا جائزہ لے کر پوچھا۔

"وہ پرسوں سے تمہارے چلائے ہوئے چکر کو سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔"

"پرسوں سے! تو کیا میں دو دن سے مسلسل بے ہوش تھا؟" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"پہلے واقعی بے ہوش تھے پھر مسکن دواؤں کے زیر اثر اتنا غفیل رہے۔" ویرا نے آنکھیں مٹکا کے کہا۔ "زیادہ بک بک تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اول خان کے مشورے پر تمہیں ڈرپ کے ساتھ مسکن دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"سوری!" میں نے غزالہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔ "میں نے تم سب کو بہت پریشان کیا۔"

"قلق اس بات کا ہے کہ اول خان نے تمہیں آخر تک وہاں جانے سے روکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پولیس کو نادرہ کے مکان کے سلسلے میں بری طرح ورغلایا گیا تھا۔ تم کسی کی بات نہیں مانتے۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں مجھے ملامت کی۔

"وطن کی بنیادوں میں اپنا خون شامل کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو مینارِ پاکستان کے نیچے جا کر اپنی کوئی شہ رگ کاٹ لو۔ پولیس اور ایس ٹی ایف کو امتحان میں کیوں ڈالتے ہو؟" ویرا بولی۔

"مجھ سے جو غلطی سرزد ہونی تھی وہ ہو گئی۔ اب یہ ملامتیں بے سود ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ نادرہ کے مکان کے بارے میں اچانک کیا مصیبت آ گئی تھی۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر غزالہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اول خان یہی کہہ رہے تھے کہ آپ ہوش میں آتے ہی سب کچھ جاننا چاہیں گے اور دوبارہ حالت خراب ہو جائے گی۔ اسی خدشے کی وجہ سے آپ کو خواب آور دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"وہ مرحلے گزر گئے۔" میں نے بحالی کے احساس کے ساتھ کہا۔ "اب میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ خود ہی بات بتاتے چلے جاؤ تو مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"پوری تفصیل اول خان ہی بتا سکے گا۔" ویرا نے کہا۔ "ہمیں اتنا معلوم ہے کہ یہ فتور نادرہ کی بہن طاہرہ نے پھیلایا تھا۔"

"وہ ان معاملات میں [illegible]

معصومیت

ایک شخص کے گھر چوری ہو گئی۔ تھانے دار نے تفتیش کا آغاز کیا "میری بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ جس وقت چوری ہوئی تھی اس وقت کیا بجا تھا؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "ایک ڈنڈا میرے سر پر دوسرا میری بیوی کے سر پر۔"

○☆○

ایک ماں اپنے پانچ سالہ جڑواں بچوں کو لے کر بچکانا کپڑوں کے اسٹور پر گئی تاکہ جڑواں بچوں کے لیے ایک جیسے سوئٹر خرید سکے۔ کاؤنٹر کلرک نے پوچھا "کیا آپ ان بچوں کو سوئٹر پہنا کر شیشے میں دکھانا چاہیں گی؟"

حیرت برقرار تھی۔

"فلیٹ کے سلسلے میں پوچھ گچھ کے لئے ڈی آئی جی نے نادرہ کو طلب کیا ہوا تھا۔ اس کے شوہر کو جیل سے پیرول پر رہائی مل گئی ہے۔ وہ اس سے ملنے کارڈف جا چکی ہے۔ نوٹس سخت تھا۔ طاہرہ خود ہی دوڑی ہوئی کراچی چلی آئی۔"

"وہ ڈی آئی جی کے دفتر کے بجائے اوبرائن کے گھر کیوں جا پہنچی؟" میرے لئے سوال کرنا ناگزیر ہو رہا تھا۔

"اس کی پہلی ملاقات پولیس ہیڈ کوارٹر میں دونوں سے ہوئی تھی۔ اگلے دن وہ اوبرائن سے ملی تو اسے پتا چل چکا تھا کہ مکان کا پچھلا کمرا کسی کے زیر استعمال ہے۔"

میں پہلے نادرہ کے فلیٹ میں کرائے دار تھا۔ اس سے کسی نہ کسی حد تک میری دوستی بھی استوار ہو گئی تھی۔ اوبرائن کے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اس غیر آباد مکان کا عقبی کمرا میرے استعمال میں تھا۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر ڈی آئی جی اور پھر براہِ راست صوبے کے آئی جی سے رابطہ کر کے مطالبہ کیا کہ نادرہ کے ویران مکان میں روپوش مجرم کو گرفتار کیا جائے۔

کھٹو مل کے ساتھ چار اہم امریکی شہریوں کی ہلاکت کے بعد پولیس امریکی سفارت کاروں کے اخلاقی دباؤ میں آئی ہوئی تھی۔ آئی جی ویسے بھی کھٹو مل کے بہی خواہوں میں سے تھا۔ اس نے یہ جاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ اوبرائن کے مطالبے کا کیا محرک تھا اور اس کارروائی کے نتیجے میں کس شخص کی زندگی کو [illegible]

پولیس آپریشن ہوا اور تہ خانے کے کھلے ہوئے دروازے کی وجہ سے پولیس پارٹی مجھ تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ وہ لوگ اس عمارت میں اپنا سر کھپا ہی رہے تھے کہ اول خان اپنے اسکواڈ کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

اسے اپنے آدمی سے پوری پوزیشن معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے انسپکٹر انچارج سے بات کی تو اس نے تسلیم کیا کہ عمارت سے کوئی فائر ہوا نہ وہاں سے کوئی ملزم یا مجرم ہاتھ آسکا۔

اول خان نے اسی شام سے عمارت کی مسلسل نگرانی کی ہدایت دے کر پولیس پارٹی کو واپس بھیج دیا۔ اس کی شناخت کے بعد انسپکٹر اس کی ہدایت سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس نے اول خان کی کسی مداخلت سے پہلے اپنا آپریشن مکمل کر لیا تھا۔

میدان صاف ہوتے ہی اول خان نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں تہ خانے سے نکال لیا۔ جب وہ مجھے لے کر اپنے سہ نفری اسکواڈ کے ساتھ مقبول آباد سے نکل رہا تھا تو اوبرائن ڈی ہنٹ طاہرہ اور محافظوں کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ اول خان اسے نظرانداز کر کے نکل آیا۔

اول خان نے ان لوگوں کو بتایا کہ میری حوصلہ مندی اور حاضر دماغی کے باعث اس روز ایک بہت بڑا المیہ یوں کانوں کان ٹل گیا تھا کہ کسی کو میرے محصور یا زخمی ہونے کی بھنک تک نہیں مل سکی تھی۔ اس رازداری کو برقرار رکھنے کے لئے وہ مجھے شہر کے بجائے اپنے فیلڈ اسپتال میں لے آیا تھا۔

نادرہ کے مکان پر آپریشن کی ناکامی اور اپنی نامزد کی ہوئی عمارت سے پولیس کی عجلت میں واپسی پر اوبی بری طرح بھنایا تھا لیکن وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ کر رہ گیا۔ اس کے پاس پولیس پر الزام تراشی کے لئے کوئی مواد تھا نہ ثبوت۔

علاقے کے مکین گواہ تھے کہ نادرہ کے خالی مکان پر پولیس نے بھرپور تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تھی اور علاقے کی فضا کو بارود کی تیز بو سے بوجھل کرنے کے بعد بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تھی۔

"تمہارے بازو کا زخم دیکھنے کے بعد ڈاکٹر حیران تھا کہ اتنا کاری زخم کھا کر بھی تم نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔" وہ کہانی پوری ہونے کے بعد ویرا نے کہا۔ "تم اتنے بہادر کب سے ہو گئے؟"

"اس وقت مجھے زخم کا نہیں جان کا خوف تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے اپنی بے ساختہ چیخ کیسے روکی تھی۔ وہ میری چیخ کیا آواز بھی سن لیتے تو ہم تہ خانے کا دروازہ کھلا رکھنے کے باوجود نہیں بچ سکتے تھے۔"

مجھ سے باتیں کر کے غزالہ کی اداسی دور ہو گئی تھی۔ وہ شوخ اور والہانہ نظروں سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میرے جواب پر وہ کچھ نہیں بولی لیکن سلطان شاہ [illegible]

"ہر زخم کو خاموشی سے سہہ لینا صرف مردوں کی شان ہے۔ تمہیں کانٹا بھی چبھ جائے تو اف اللہ کہہ کر دہری تہری ہو جاؤ گی۔ ڈینی نر کا بچہ ہے جبھی موت کے منہ سے مکھن کے بال کی طرح نکل آیا۔"

"ہمیشہ ڈینی کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنا قد بلند کرتے رہنا' خود کچھ کر کے نہ دکھانا۔" ویرا نے زہر میں بجھی ہوئی آواز میں اسے سلگانے کی کوشش کی۔

"یہ میرے توڑے ہوئے گھٹنوں کا کمال ہے کہ آج کھٹومل' جان اور ایڈی سے نمٹنے کے بعد تم اوبرائن کو للکار رہی ہو۔ واقعات کو تعصب کی عینک کے بغیر بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم دونوں کی ہر وقت کی لڑائی سے میں عاجز آ گئی ہوں۔" غزالہ اپنی ہتھیلیاں دونوں کانوں پر رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھگڑے ہر وقت اچھے نہیں لگتے۔"

"میں کبھی پہل نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔

"اپنی چہیتی ویرا کو سمجھاؤ جو ہر وقت مرچیں چباتی رہتی ہے۔ اس سے کہو کہ کبھی میٹھی باتیں بھی کر لیا کرے۔"

"آ گئے نا اصلیت پر!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "تم سے تو کوئی معذور بھکارن بھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے پر آمادہ نہیں ہو گی۔ تمہاری یہ حسرت قبر تک تمہارے ساتھ جائے گی۔"

"میں نے میٹھی میٹھی نہیں' صرف میٹھی باتیں کہا تھا۔" سلطان شاہ غرایا۔ "تم میری ہر بات کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے نتیجے اخذ مت کیا کرو۔"

ان دونوں کی محاذ آرائی وہیں دم توڑ گئی کیونکہ اچانک ہی اول خان دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ "کیا بات ہے؟ سب خاموش کیوں ہیں؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"تلخ کلامیوں کے تبادلے کے بعد ایسا سکوت آ ہی جاتا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "یہ تینوں آج کل کہاں کہاں رہ رہے ہیں؟"

"پرسوں سے سب اسٹیشن فور کے مہمان ہیں۔" اس نے کرسی سنبھال کر بتایا۔ "تمہاری نازک حالت دیکھ کر میں دہل گیا تھا۔ کوئی نیا خطرہ مول لینے کے بجائے میں تینوں کو یہاں لے آیا۔"

"سی ایس ڈی اور بیم گن کہاں ہیں؟" اچانک خیال آ جانے پر میں نے پوچھا۔

"بیم گن غزالہ کے پاس ہے۔ سی ایس ڈی اب میرے فون سے منسلک ہے۔"

"میں ایک بات ابھی اپنے دماغ سے جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔" ویرا نے براہ راست اول خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"کوئی اور مثال دو۔ تمہارا ڈنک بچھو سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

"دیکھو' اس اُلو کو خاموش کر لو ورنہ میں اس کا دماغ درست [illegible]

میں نے سلطان شاہ کو گھورا تو اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"ناقص العقل مخلوق کی بے سروپا باتیں سننا میرے لئے مشکل ہے۔ میں تازہ ہوا کھانے جارہا ہوں۔"

"اپنے گھر کی عورتوں کی بھی تم اسی طرح بے عزتی کرتے ہو گے۔" ویرا اس پر برسی۔

"خدا نہ کرے۔" سلطان شاہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کے بولا۔ "وہ بہت کم بولتی ہیں اسی لئے ڈھنگ کی بات کرتی ہیں۔ تمہاری زبان میں تو بچھو لگا ہوا ہے۔" اپنی بات پوری کر کے وہ ویرا کا جواب سنے بغیر پھرتی سے باہر نکل گیا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں کہ یہ کسی دن مجھ سے پٹ جائے گا۔" ویرا نے بے بسی سے کہا۔

"اس پر بھول کر بھی ہاتھ نہ اٹھانا۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "اسے تم سے بے پناہ انسیت ہے اسی لئے ہر وقت تمہارے پیچھے پڑا رہتا ہے۔"

"بھاڑ میں گئے ایسے جھمکے جن سے پھٹ جائیں کان۔" ویرا نے تنک کر کہا اور ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تو ذرا سی دیر میں اس کے سر سے انسیت کا سارا بھوت اتار دوں گی۔ لفنگا کہیں کا۔"

"اس کے پیٹھ پیچھے غیبت مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم کس بات کا ذکر کر رہی تھیں۔" اول خان نے اس کی ذہنی رو بدلنے کے لئے اسے یاد دلایا۔

"ہاں! تم کو یاد ہوگا کہ پہلی ہی نظر میں مجھے نادرہ کے لچھن اچھے نظر نہیں آئے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اس کمینی نے ڈینی کو کس حال کو پہنچا دیا تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ اچھی عورت نہ رہی ہو لیکن تازہ واقعے سے اس بے چاری کا کیا واسطہ؟" غزالہ نے نرمی سے کہا۔ "وہ یہاں سے ہزاروں میل دور کارڈف میں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"اس کی بہن کی چالاکی پر مجھے ضرور حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "اس نے بالا ہی بالا کیسے پتا چلا لیا کہ نادرہ کے گھر کا ایک کمرا کوئی استعمال کر رہا ہے؟"

"وہ اپنی بہن کے پاس آتی جاتی رہی ہوگی۔ پاس پڑوس میں کسی سے معلوم کر لیا ہوگا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی۔

"معلوم کر ہی لیا تھا تو اس نے اپنے طور پر ڈینی تک پہنچنے کے بجائے اوبرائن کو خبر کیوں دی؟" ایک جواب کے بعد ویرا کے پاس دوسرا اعتراض تیار تھا۔

"خود کو اس کی جگہ رکھو تو ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" اول خان اس کی جرح کا جواب دینے کے لئے تیار تھا۔ "اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کمرا کون استعمال کر رہا ہے۔ معاملہ پولیس کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا تھا اس وجہ [illegible]

مول لینے کے بجائے اوبرائن کو مطلع کر دیا کیونکہ ڈی آئی جی نے اسے اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔"

"نادرہ اور طاہرہ کو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ویرا نے اصرار کیا۔ "یہ کہیں بھی نظر آگئیں تو میں ان کے چہرے رگڑ دوں گی۔"

"ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ آج کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے اول خان سے کہا۔

"پولیس کی کارروائی مکمل اور بے داغ تھی۔ ایس ٹی ایف کا ریکارڈ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔ "اوبرائن کراچی میں کسی کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا لیکن وہ بہت کمینہ شخص ہے۔ اس نے اپنے سفیر کے ذریعے ہمارے دفترِ خارجہ سے شکایت کی ہے کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص خود کو اسپیشل ٹاسک فورس کا افسر ظاہر کر کے گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ میں نے اپنے طور پر اس نام سے تمہارا تقرر کیا تھا جو ریکارڈ پر آچکا ہے۔ تنگ آکر میں نے کہہ دیا کہ کرنل جمال دستی کا تقرر ایڈہاک تھا۔ عارضی مدت پوری کر کے وہ غائب ہو چکا ہے۔"

"تمہارے کمزور مؤقف سے اوبرائن کی شکایت کو تقویت ملے گی۔"

"میں جانتا ہوں۔ میرے سامنے کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ تم زخمی اور بے ہوش تھے۔ میں کیا کرتا۔"

"میری طرف سے خاموشی کے باعث اس نے یہ حرکت کی ہے۔ میں فون پر اس سے رابطہ کر لوں تو وہ اپنی شکایت واپس لے سکتا ہے۔"

"ایک بار ایسا ہو جائے تو میں بہت سی الجھنوں سے بچ جاؤں گا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "میں کرنل جمال دستی کے وجود سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ میرے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔"

"ہلنے جلنے سے میرے بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ میں بستر سے اٹھ نہیں سکوں گا......"

"نہیں۔ تم ایک ہفتے تک بستر سے نہیں ہلو گے۔" میرا مدعا بھانپ کر وہ جلدی سے بولا۔ "میں ابھی فون کی لائن یہاں منتقل کرائے دیتا ہوں۔"

میرے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا کر اس نے ایک اردلی کو طلب کیا اور کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ غزالہ نے بھی مسہری چھوڑ دی اور ویرا سے بولی۔ "ان لوگوں نے اپنے چکر شروع کر دیے ہیں۔ آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔"

"تم چلی جاؤ۔" ویرا نے بے مروتی سے کہا۔ "مجھے ان کے چکروں سے دلچسپی ہے۔"

غزالہ خفت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی میرے کمرے سے [illegible]

"کم از کم میرے سامنے غزالہ سے ایسی بے رخی سے بات نہ کیا کرو۔" میں نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ تمہاری بیوی ہی نہیں، میری بہترین دوست بھی ہے۔ مجھے اس سے اپنی مرضی کے مطابق بات کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

ویرا کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ جس بات پر اڑ جاتی تھی اس سے سرمو بھی سمجھوتا نہیں کرتی تھی۔

چند منٹ بعد ٹیلی فون ایک لمبے تار کے ساتھ میرے سرہانے ایک تپائی پر پہنچا دیا گیا۔ اول خان سے پتا چلا کہ اس لائن پر ہی سی ایس ڈی نصب تھی۔

اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ اوقاتِ کار میں اوبرائن کو اپنے دفتر میں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایڈی سے ملنے والے راست نمبر پر رابطہ کیا اور اوبرائن کی آواز پہچان لی۔

"میں جمال بول رہا ہوں اوبی!" میں نے اپنی آواز میں تازگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کرنل جمال دستی!" اس کی تحیرزدہ آواز ابھری۔ "دو دن سے تم کہاں غائب ہو؟"

"دو دن کہاں؟ پرسوں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ صرف کل کا دن گزرا ہے اور تم نے میرے خلاف اپنی ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔"

"کیسی ریشہ دوانیاں؟" اس مکار کی آواز سے معصومانہ حیرت عیاں تھی۔

"تمہارے سفیر نے دفترِ خارجہ میں میرے خلاف شکایت بھیجی ہے۔ میں تمہاری مطلوبہ فہرست حاصل کرنے والا تھا مگر اب یہ کام ناممکن نظر آرہا ہے.... میں مجبور ہوگیا ہوں۔"

"کیوں؟ میری شکایت سے تمہارے لئے کیا دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں؟" اس نے اپنی گھٹیا حرکت کا بالواسطہ اقرار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اتنے بھولے نہ بنو۔ دفترِ خارجہ والے تمہارے سفیر کی ایک سنگین شکایت کو نظرانداز نہیں کرسکتے اور کچھ ہو یا نہ ہو، مجھے کسی بھی وقت لاک اپ میں ڈال دیا جائے گا۔ میں نے تمہارے ساتھ ایسی کوئی برائی تو نہیں کی تھی جس کا تم نے بدلہ لیا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شکایت پر اتنی تیزی سے کارروائی ہوگی۔ دو تین دن تو ہمارے سفارت خانے والے بھی خط کے اجرا میں لے لیتے ہیں۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔"

"شاید تم یہ چاہ رہے تھے کہ تمہارا کام مکمل ہوتے ہی میں عتاب میں آجاؤں؟"

"ہرگز نہیں..... یہ لمبی مدت کی پالیسی کا ایک حصہ تھا۔ اس سے تمہارے کام میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے تو میں ابھی فیکس کے ذریعے اپنی شکایت واپس لے لوں گا..."

"کاش ایسا ہوسکے اور ہمارے دفترِ خارجہ والے بھی تمہاری معذرت قبول کرلیں ورنہ میرا نام تو بلیک لسٹ میں جا ہی چکا ہے۔"

"میں یہ کام ابھی کرتا ہوں۔ آج کی تاریخ میں شکایت واپس لے لی جائے گی۔"

"تم کوشش کرکے دیکھ لو۔" میں نے مایوسانہ آواز میں کہا۔ "تمہیں میری ساکھ کو جو نقصان پہنچانا تھا، وہ پہنچا چکے ہو۔ آخر تمہیں مجھ سے کیا شکایت پیدا ہوگئی تھی۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں تھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "میں نے اپنی اور تمہاری ملاقات کی رپورٹ کے ساتھ ایک تجویز بھیجی تھی کہ اگر تمہارے خلاف ایک ہلکی پھلکی شکایت ریکارڈ پر ڈال دی جائے تو آنے والے برسوں میں اس سے ہم ایک اہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

"آنے والے برسوں میں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم یہاں کسی لمبی منصوبہ بندی کے تحت کام کررہے ہو؟"

"بڑے کام برسوں کی مدت میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تم نے امریکا کا نقشہ دیکھا ہو تو سمجھ سکتے ہو کہ ہم صرف جغرافیائی سرحدوں پر یقین رکھتے ہیں اور مشرق سے ہر مصنوعی سرحد کو ختم کرکے بڑی بڑی تجارتی اور پیداواری منڈیاں قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ کام چند ہفتوں یا مہینوں میں نہیں ہوسکتا۔"

اس کے وہ الفاظ میری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھے۔ میں نے پوچھا۔ "تم جغرافیائی سرحدوں کی تعریف کس طرح کرسکتے ہو؟"

"زمین کا عدم تسلسل یا یوں سمجھ لو کہ ہر خلیج، گھاٹی، دریا یا پہاڑ جغرافیائی سرحد بناتا ہے۔ تم نے میدانوں میں اپنی مرضی کی لکیریں ڈال کر سرحدیں قائم کرلی ہیں۔"

"یہ سرحدیں ہماری نہیں، انگریز سامراج کی بنائی ہوئی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اس خطے میں صرف ایک سرحد ہے۔ ہمالیہ کے ایک طرف چین واقع ہے اور دوسری طرف ایک ارب تیس کروڑ انسانوں پر مشتمل متعدد چھوٹے بڑے ممالک ہیں۔ ان میں سے تمہارے اور بھارت کے درمیان کشمیر پر جھگڑا ہے۔ تھوڑی سی جگہ اور آبادی کے لئے دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی تیاریوں میں مصروف ہیں اور پورے خطے کو تہس نہس کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میری شکایت کا ازالہ کرتے کرتے تم نے سیاسی باتیں شروع کردیں۔"

"یہ سیاسی باتیں نہیں، ہماری عظیم تر منصوبہ بندی کی روح ہے۔ تم جانتے ہو کہ کشمیر کی بلکہ بقول تمہارے مقبوضہ کشمیر کی کل [illegible] کا تناسب ہے۔ تم

کتنی چھوٹی سی آبادی کے لئے اپنے تمام وسائل تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

اوبرائن ڈی ہنٹ کی زبان سے امریکی عزائم سامنے آرہے تھے۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے کہا۔ "میں غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ساری باتیں تم بتا رہے ہو تو یہ گنتی بھی تم ہی گنوا دو۔ پتا نہیں تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"

"مقبوضہ کشمیر کی کل آبادی تیس لاکھ ہے جس میں چالیس فیصد یعنی بارہ لاکھ ہندو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے۔" اوبرائن کو شاید وہ سارے اعداد و شمار ازبر تھے۔

"بات اٹھارہ لاکھ یا اٹھارہ کروڑ کی نہیں' اصولوں کی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ تم نے یہ اعداد و شمار اپنے مقاصد کے لئے مرتب کئے ہوں۔ ان کی سند کیا ہے؟"

"یہ مواصلات اور سیٹلائٹ کا دور ہے۔ ہر سند ہر جگہ مل جائے گی۔ ذرا غور کرو کہ محض اٹھارہ لاکھ افراد کی خاطر کو ہیما سے گوادر اور گلگت سے گالے تک چھ سات ممالک میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی توپ کے دہانے پر لا بٹھانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اس جنونی مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ ہر مصنوعی سرحد مٹا کر ہمالیہ اور خیبر کو سرحد بنا دیا جائے۔ ہمالیہ کی ایک سمت میں چین ہوگا' دوسری طرف عظیم قوت اور آبادی والا برصغیر۔ ہمارے اس منصوبے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی ذرا بھی اہمیت نہیں ہے۔"

"اہمیت نہیں ہے تو تم نے میرے خلاف شکایت کو ریکارڈ پر لانا کیوں ضروری سمجھا؟" میں اس کی زبان سے نئے امریکی منصوبے کے خدوخال سن کر اندر سے دہل اٹھا تھا مگر میں نے اس موضوع پر بات آگے بڑھانے کے بجائے رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"ایس ٹی ایف جیسی نادیدہ اور قانون سے ماورا قوتیں ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔" اس نے کھل کر تسلیم کرلیا۔ "ہمارا ہدف تمہاری ذات نہیں ہے۔ ہم مناسب موقع پر اس فورس کو فنا کردینا چاہتے ہیں۔ وہ رپورٹ ہمارے ہوم ورک کا ایک حصہ بننے والی تھی۔"

"اب تم اسے واپس لے رہے ہو؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔

"مجبوری ہے کیونکہ تم رپورٹ سے کہیں زیادہ اہم مشن پر کام کررہے ہو۔ تمہاری کامیابی سے ہماری راہ کافی مختصر ہوجائے گی۔" وہ میری باتوں میں آچکا تھا۔

اس سے وعدہ لیتے ہی میں اس کے من پسند موضوع کی طرف چلا گیا۔ "تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ برصغیر کے نام پر تم پاکستان کو ختم کرکے عظیم تر ہندوستان قائم کرنے کے خواہاں ہو۔"

"ہمیں پاکستان یا ہندوستان سے کوئی دلچسپی نہیں' ہم ... [illegible]

خوش فہمی کے لئے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ ہم سارے ملکوں کو پاکستان میں مدغم کردینا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ پورا خطہ چین کے مقابلے میں ایک زبردست اکائی ہے اور مستقبل میں ہم اسے یہی کردار سونپنا چاہتے ہیں۔"

"موجودہ حالات میں تمہارا یہ خواب محض ایک خواب ہی نظر آتا ہے۔"

"جب تک اس علاقے کے دو بڑے ملکوں میں دشمنی کی جڑیں نہیں کاٹی جاتیں' یہ خواب پورا نہیں ہوگا۔" اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ ڈالا۔ "ایک طرف صرف اٹھارہ لاکھ افراد کی آزادی کی خودساختہ لڑائی ہے اور دوسری طرف سوا ارب سے بھی زیادہ انسانوں کی خوش حالی۔ ہم کشمیر کا بٹوارہ کردیں گے۔ جو جہاں ہے' وہیں رہے۔ دوسری طرف والوں کو بھول جائے۔ جس دن یہ سمجھوتا ہوگیا' ہمارے خواب کو پہلی تعبیر مل جائے گی اور تم دیکھو گے کہ غیر منقسم پنجاب' بنگال اور راجستھان جیسی مضبوط اور متحد ریاستوں پر مشتمل ریاست ہائے متحدہ ایشیا نامی ملک عالمی نقشے پر ظہور میں آئے گا۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے عتاب سے نجات ملنی چاہیے۔" میں نے اکتاہٹ ظاہر کی۔

"اس طرف سے تم بے فکر رہو۔ میں فون بند کرکے سب سے پہلے یہی کام کروں گا۔" اس نے یقین دلایا اور پھر پوچھا۔ "تم اب بھی اپنے محکمے کا محفوظ فون استعمال کررہے ہو؟"

اس نے میرے اقرار کو آزمانے کے لئے لائن میں کوئی گڑبڑ کی اور سی ایس ڈی کی مداخلت سے فون بند ہوگیا۔

"بہت لمبی بات ہوئی!" ویرا نے متجسس انداز میں کہا۔ "زیادہ تر وہی بولتا رہا اور تم سنتے رہے۔"

"جان نے صحیح کہا تھا۔ اوبرائن ہمارے ملک میں بہت گھناؤنے عزائم کے ساتھ وارد ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کی باتوں نے مجھے فکرمند کردیا ہے۔"

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے ان کو اوبرائن ڈی ہنٹ کی ہرزہ سرائیوں کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے وہ بھیانک منصوبہ سن رہے تھے جس میں نظریاتی بنیادوں کو منہدم کرکے جغرافیائی وحدتوں کی عمارت تعمیر کرنے کے عزائم پوشیدہ تھے۔

"اب سمجھ میں آرہا ہے کہ پچھلے کافی عرصے سے امریکی پاکستان پر بار بار اپنا پھن کیوں مار رہے ہیں۔" میری زبان سے وہ روداد سن کر اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "وہ تمہیں بھی ایس ٹی ایف کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور فورس کے ساتھ تم کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو پاکستان میں اپنی مرضی کی بساط جمانے کے لیے کھلا میدان مل سکے۔"

"... [illegible] ... نے سنجیدگی سے اسے ٹوک

دیا "میرے اور تمہاری فورس کے علاوہ بھی اس ملک میں دشمن کی گردن توڑنے والے لوگ موجود ہیں۔ جن لوگوں نے اسپیشل ٹاسک فورس کا تصور دیا، اس کی منصوبہ بندی اور تشکیل کی، تم انہیں کیوں بھول رہے ہو۔"

اول خان شرمندہ ہو کر بولا "ہاں، یہ میری فورس نہیں ہے۔ اس کی داغ بیل ڈالنے والے آج بھی گمنام رہ کر اس کے کارناموں پر فخر کرتے ہوں گے۔ انہوں نے بھلے وقتوں میں اسپیشل ٹاسک فورس بنا دی ورنہ آج تو دور دور تک امید کی کرنیں نظر نہیں آتیں۔"

"ہم تینوں ہی امید کی کرنیں ہیں۔ ویرا پاکستانی نہیں ہے لیکن تم اس کی کامیابیوں اور کارگزاریوں کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔" میں نے کہا۔

میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ نام نہاد قنوطی دانش وروں کے برعکس میں پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں بہت زیادہ... پُرامید تھا۔ اگر ہمیں تحفظات فراہم کرنے اور ہمارا مان پورا کرنے والے نہ ہوتے تو ہم ایک دن بھی اپنے دشمنوں کے سامنے نہیں کھڑے رہ سکتے تھے۔ دو دن پہلے کی بات تھی کہ فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے ایک انسپکٹر نے اپنے ڈی آئی جی کا حکم پورا کرتے ہی اول خان کا مشورہ بے چون وچرا مان لیا اور اپنی نفری لے کر واپس چلا گیا۔ وہ تعاون نہ کرتا تو میری کہانی اسی روز ختم ہوگئی ہوتی۔ اول خان اس سے بحث میں الجھا رہتا اور میں خون ضائع ہونے کے سبب نادرہ کے مکان کے اندھیرے تہ خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتا۔

یہ ضرور تھا کہ ہم حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ سرگرم اور فعال تھے لیکن ہم بہت سی بیساکھیاں استعمال کرکے اپنے مقاصد حاصل کر رہے تھے۔ سرکاری عہدوں پر جہاں فرض ناشناس اور غدار افراد براجمان تھے وہاں ہمارے معاونین کی بھی کمی نہیں تھی۔

"تمہاری شکایت کے بارے میں اس نے کیا کہا؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ غلطی مان رہا تھا اور کوئی لمبی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ طے ہوگیا ہے کہ آج ہی وہ شکایت واپس لے لے گا۔" میں نے اسے بتایا۔

"یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میرے مسائل حل ہوجائیں گے۔" وہ خوش ہو کر بولا "ایک مرتبہ شکایت واپس لے لی گئی تو تمہیں بھی کھل کھیلنے کی آزادی مل جائے گی۔ ان لوگوں نے دوبارہ تمہاری شکایت کی تو اسے کوئی اہمیت دیے بغیر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے بستر پر پڑے پڑے بھی تمہاری ایک مشکل آسان کردی۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا [illegible]

تھی؟"

"شاید تمہارا ذہن کہیں اور تھا۔ میرے سوال کے جواب میں ہی اس نے جوش میں آکر اپنے طویل مدت کے منصوبے پر روشنی ڈالنی شروع کی تھی۔"

"اور وہ اس نئے ملک کا نام بھی تجویز کرچکا ہے۔" اول خان کی آواز میں ملال اور صدمے کا عنصر نمایاں تھا۔

"نام سے انہیں کوئی غرض نہیں ہے۔ عملی طور پر وہ اس خطے میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا بنانا چاہتے ہیں اور اس پر کام شروع ہوچکا ہے۔"

"نام سب سے زیادہ اہم ہے۔" ویرا بولی "فرض کرو کہ نئے ملک کو پاکستان کہا جائے تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ دیگر ممالک اپنا علیحدہ وجود ختم کرکے پاکستان میں ضم ہوگئے ہیں۔ یہ پوزیشن ہر پاکستانی خوشی سے قبول کرلے گا لیکن متعصب ہندو اس پر چراغ پا ہوجائیں گے۔"

"ہاں، یہ نفسیاتی فرق تو پڑے گا۔ اس بارے میں اس کی باتیں گول مول تھیں۔"

"مجھے اس منصوبے پر ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا "امریکا نے روس کو افغان جنگ میں الجھا کر تباہ و برباد کردیا ہے۔ جنگ میں خود شرکت کیے بغیر دل کھول کر لڑاکا گروپوں کو مدد فراہم کی ہے۔ اسے یقین ہے کہ روس کی قوت تباہ ہوجائے گی۔ اسے اصل خوف چین سے ہے جو ہمالیہ کی اوٹ میں تیزی سے ایک فوجی اور صنعتی عفریت کا روپ دھارتا چلا جارہا ہے۔ امریکی دانش ور اب روس کے بجائے چین پر بات کرتے رہتے ہیں۔"

"مجوزہ اتحاد بھی چین کے خلاف استعمال ہوگا۔" اول خان نے کہا "موجودہ حیثیت میں کوئی بھی ملک چین کے لیے چیلنج نہیں بن سکتا۔"

اوبرائن ڈی ہنٹ نے اپنی کھلی کھلی باتوں سے ہمارے سوچنے کے لیے بہت سا فکر انگیز مواد فراہم کردیا تھا۔ ہم دیر تک پُرہول امکانات اور اندیشوں پر سر کھپاتے رہے پھر اول خان ایک پیغام ملنے پر وہاں سے اٹھ کر اپنے دفتر چل دیا۔

"اب بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" چند ثانیوں تک مسکراتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لینے کے بعد ویرا نے شوخی سے پوچھا۔

"وہی جو بادشاہ دوسرے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے ہم سب کی جان نکال دی تھی۔ تمہیں وہاں جانے کی اتنی عجلت کیوں تھی؟"

"یہ موضوع ختم ہوچکا ہے۔ اب کوئی نئی بات کرو۔ مقدر کا [illegible] تقدیر کے نفاذ کے

لیے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔"
"یہ اچھی بات ہے کہ اس تجربے سے گزرنے کے بعد تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔"
اول خان میرے کمرے سے چلا گیا تھا۔ غزالہ کو شاید اس بات کا علم ہوگیا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکی کہ ویرا میرے ساتھ تخلیے میں رہے۔ چند منٹ میں وہ میرے پاس آگئی۔
"تم چاہو تو جا کر کچھ آرام کرلو۔ میں ان کی دیکھ بھال کرلوں گی۔" اس نے آتے ہی ویرا کو پیشکش کی۔ ویرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کا منہ بن گیا۔
اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی سگریٹ ختم کی اور پھر اکتائے ہوئے انداز میں اٹھ کر چلی گئی۔ غزالہ نے بڑھ کر چند ثانیوں کے لیے اپنا چہرہ میرے سینے پر رکھ دیا اور میرے وجود میں لذت انگیز ٹھنڈک سی سرایت کرگئی۔ ایسی والہانہ چاہت اور سپردگی کا اظہار غزالہ جیسی باوفا بیوی ہی کرسکتی تھی۔
شام کو چار بجے اول خان دوبارہ آیا تو بہت خوش تھا "تم نے اوبرائن سے بات کرکے مجھے بہت بڑی مشکل سے نکال لیا۔" اس نے آتے ہی کہا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے وعدے پر واقعی عمل کیا ہے۔"
"شکایت معذرت کے ساتھ واپس لے لی گئی ہے مگر کرنل جمال دستی کے بارے میں اوپر والوں کی پوچھ گچھ جاری ہے۔ ایس ٹی ایف کی صفوں میں بدعنوانی یا ذاتی مفاد پرستی کو ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہے گا۔"
"مجھے ایڈہاک ملازم قرار دے کر تم پیش منظر سے غائب کرچکے ہو۔ اب وہ تم سے کیا جاننا چاہیں گے؟ تم ایک روپوش آدمی کو کہاں سے پیدا کروگے؟"
"ڈسپلن کے معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ سوال اس وقت بھی برقرار ہے کہ میں نے مشتبہ پس منظر رکھنے والے کو اپنی فورس میں کیوں جگہ دی۔"
"پھر تم کیوں خوش ہورہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"اوپر والوں کا لب ولہجہ نرم پڑتے ہی میں نے اپنا مؤقف تبدیل کرلیا ہے۔ تمہیں ایڈہاک ملازم کے بجائے ایک بے لوث مخبر قرار دیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایس ٹی ایف کے فنڈز سے کرنل جمال دستی کے نام پر ایک پیسہ بھی جاری نہیں کیا گیا۔"
"تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ تم نے ڈینی کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"
"یہ بات میں لکھ کر نہیں دے سکتا۔ اسلام آباد جا کر ذاتی طور پر بتاؤں گا کہ مجبوری کے تحت ڈینی کو کرنل جمال دستی کا نام دینا پڑا تھا اور یہ قصہ ختم ہوجائے گا۔ اوبرائن نے اپنی شکایت واپس لے کر میری پوزیشن مضبوط کردی ہے۔"
"تم اسلام آباد جارہے ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "صرف اتنی سی بات کے لیے؟"
"یہ ضمنی کام ہوگا۔ اصل معاملہ اوبرائن سے ملنے والی معلومات کا ہے۔ اب سمجھ میں آرہا ہے کہ بعض سیاسی حلقے امریکا کے اشارے پر ہی پاکستان اور بھارت کی کنفیڈریشن کا مسئلہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں فوری طور پر مقتدر حلقوں کے علم میں آنی چاہئیں۔"
"میں اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "میں نے اوبرائن کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ ایک لمبی مدت میں مرحلہ وار اپنے مقاصد حاصل کریں گے۔"
"تمہاری یہ وضاحتیں میرے کام آئیں گی۔ تم جانتے ہو کہ اس قسم کے تجزیے میرے بس سے باہر ہیں۔ تمہاری اس سے براہِ راست بات ہوئی تھی۔ تم ہی اس کی بہترین تشریح کرسکتے ہو۔"
"میرے لیے ایک سگریٹ سلگا دو۔" میں نے اس سے فرمائش کی۔ اول خان کی آنکھوں میں آزردگی سی تیرگئی۔ اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر سگریٹ سلگا دی۔ اسے یہ جان کر دکھ ہوا ہوگا کہ عارضی طور پر ہی سہی، میں اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات پوری کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔
میں نے سگریٹ کے دو گہرے گہرے کش لے کر دھواں فضا میں خارج کیا پھر کہنا شروع کیا "اس کی زہریلی باتوں سے مجھے جو اشارے ملے ہیں ان سے تین مرحلے سامنے آئے ہیں۔ پہلا مرحلہ کشمیر میں مکمل ترین سیز فائر اور موجودہ کنٹرول لائن کی بین الاقوامی سرحد میں تبدیلی کا ہوگا۔ یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان محاذ آرائی کا سب سے بڑا بلکہ بنیادی سبب ہے....."
"کیا تمہاری دانست میں یہ اس مسئلے کا کوئی مناسب حل ہے؟" اس نے درمیان میں پوچھا۔
"اس وقت ہم ان کے منصوبے پر بات کررہے ہیں۔ میری ذاتی رائے مختلف ہے۔ پوزیشن کو جوں کا توں تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ماضی میں ہم جو کچھ کرتے رہے وہ غلط تھا۔"
"میں بھی اس وقت بالکل یہی بات سوچ رہا تھا۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔
"دوسرے مرحلے میں شاید وہ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی کنفیڈریشن بنانے پر زور دیں گے۔ یہ اس خطے میں بڑی آبادی والے تین ملک ہیں۔ ان کا ادغام ایک نئی سوچ اور نفسیات کو جنم دے گا۔ اس کے بعد تیسرے مرحلے میں چھوٹے موٹے ملکوں کو ملا کر یہ اپنا خواب پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"
"انہیں بھارت کی پوری حمایت حاصل ہوگی۔ وہاں اکھنڈ بھارت کے نعرے اب بھی سنائی دیتے ہیں۔"

"سیاسی تجزیے ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو اس فن کی روزی کھا رہے ہیں۔ ہمارا کام محدود اور مختلف ہے۔ ملک دشمنوں اور مجرموں کے خلاف جہاد میں پہلی مرتبہ اوبرائن جیسا خطرناک اور ٹیڑھا مگر صاف گو سازشی سامنے آیا ہے۔ اس کے جرائم کی فہرست میں پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازشیں کرنے کے جرم کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ امریکی اس کو اپنے لیے بہت اہم تصور کرتے ہیں۔"

"وہ اہم ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "وہ موقع پرست اور زیرک ہے۔ اس قدر جارح مزاج کا مالک ہے کہ مخاطب پر فوراً حاوی ہونے کی کوششیں شروع کر دیتا ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسنے والے کمزور آدمی مشکل سے ہی نکل پاتے ہوں گے۔"

"تم اپنے بارے میں کیا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں بھی گھیرا ہوا ہے۔"

میں سگریٹ اپنے لبوں سے ہٹا کر بے ساختہ ہنس پڑا "وہ صبح کی پوزیشن تھی۔ اپنی شکایت واپس لینے کے بعد اس نے مجھے بے مہار کر دیا ہے۔ میں اسے تگنی کا ناچ نچا دوں گا۔"

"اسے جلد از جلد جانا چاہیے۔ پاکستان میں اس کا قیام طویل ہو گیا تو یہ اپنا نیٹ ورک نہ جانے کہاں کہاں پھیلا دے گا۔ اس کے عزائم سے واقف ہونے کے بعد اسے ڈھیل نہیں دی جاسکتی۔"

"میں اسے پاکستان سے نہیں، اس دنیا سے روانہ کر سکتا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "بس تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم کسی آفت کا شکار ہو جاؤ۔"

"میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک اہم ملک کا سفارت کار ہے۔" وہ کمزور سی آواز میں بولا "اس کی موت پر خوف ناک پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"تم اسلام آباد جا رہے ہو۔" میں نے دھیرے سے اسے شہ دی "اس بارے میں بھی بات کر لینا۔ گرین سگنل مل گیا تو اپنی سی کچھ کر گزریں گے۔"

"پہلے اپنی خیر مناؤ اور بستر چھوڑو۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ عمر بھر چلتی رہیں گی۔" وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"تمہارا ڈاکٹر میرے زخم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" مجھے وہ بھولا ہوا موضوع یاد آگیا۔

"ہمارے اسٹیشن پر کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ یہاں صرف فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی سہولتیں میسر ہیں۔ تم کو دیکھنے کے لیے ایک آرمی سرجن آتا ہے۔ وہ تمہاری قوتِ مزاحمت پر حیران تھا۔"

"میں نے کوئی مزاحمت کی ہی نہیں، بس بے خبری میں گولی کا نشانہ بن گیا۔"

"میں دوسری مزاحمت کی بات کر رہا تھا جس

خون کی مقدار اتنی کم رہ گئی تھی کہ تمہاری زندگی خطرے کے نشان سے بھی نیچے تھی مگر تم بچ گئے۔ گولی نے تمہارے بازو کی جلد اور گوشت کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ ہڈی پر صرف خراش آئی ہے۔ ایک ہفتے بعد تم اس قابل ہو سکو گے کہ کھڑے ہو کر اپنے بازو کو لٹکا سکو۔ آزادانہ نقل و حرکت بعد کی بات ہے۔"

"خطرہ تو ٹل چکا ہے۔ اب یہ ڈرپ کا سلسلہ ختم کر دو۔ میں غزالہ کی مدد سے اپنے سارے کام انجام دے لوں گا۔ بستر پر ہفتے بھر پڑا رہا تو میری پیٹھ میں زخم پڑ جائیں گے۔"

"سات بجے ڈاکٹر آئے گا تو بات کر لیں گے۔" اس نے مجھے دلاسا دیا۔

اول خان کی زبانی مجھے پتا چلا کہ بے ہوشی کی حالت میں میری جان کو لاحق خطرے کی پچھلی دو راتیں میرے تیمارداروں نے بہت اضطراب کے عالم میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میرے ہوش میں آنے کے بعد ویرا اور سلطان شاہ غائب ہو گئے تھے۔ بس غزالہ میری دیکھ بھال میں لگی رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں اپنے کمروں میں پڑے سو رہے تھے۔

شام کو کرنل کے عہدے کا آرمی سرجن مجھے دیکھنے آیا۔ وہ جوان اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے خود ہی ڈریسنگ کھول کر زخم اور ٹانکوں کا جائزہ لیا۔ مجھے جلد صحت یابی کی نوید سنائی اور دوبارہ زخم کی ڈریسنگ کر کے چلا گیا۔

"ایک طرف تم کرنل جمال دستی کی وضاحتوں میں الجھے ہوئے ہو۔ دوسری طرف مجھے یہاں لا ڈالا ہے۔ کیا یہ دونوں باتیں متضاد نہیں ہیں؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "میرا بیشتر اسٹاف جانتا ہے کہ تم ڈینی ہو۔ یہاں تم ڈینی ہی ہو۔ جمال دستی والی وضاحت میرے اسلام آباد پہنچنے پر ہو گی۔"

"میرے بارے میں جہانگیر کو کیا بتایا گیا ہے؟ وہ میاں بیوی کس حال میں ہیں؟"

"انہیں آپ کے زخمی ہونے کی خبر نہیں دی گئی۔" غزالہ نے بتایا "اول خان نے اس بری خبر کو پوری طرح خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ دونوں مزے میں ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ آپ کسی اہم کام سے چند روز کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"چوہدری سلام کا کیا بنا؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔ بھولی ہوئی باتیں مجھے ایک ایک کر کے یاد آتی جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب بہت پرانے قصے ہوں۔

"ان سوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم نارمل ہوتے جا رہے ہو۔" اول خان مسکرا کے بولا "اس کے خلاف ثبوت اس قدر واضح اور مکمل تھے کہ اس کے حامی ہچکچا کر پسپا ہوتے چلے گئے اور آخر کار اینٹی نارکوٹکس اور ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی والوں نے

[illegible] اس پر ہاتھ ڈال دیا

"ہماری جدوجہد بار آور ہوئی۔" میں نے خوشی سے کہا۔ "کھٹومل مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا۔ چوہدری سلام اب وقت کی چکی میں پستا رہے گا۔ تم دیکھ لو کہ یہ دونوں کتنے طاقت ور اور بارسوخ تھے مگر ظلم اور جرم ہمیشہ نہیں پھل پھول سکتا۔ جب تک کہیں بھی کوئی ایک فرض شناس اور ایمان دار آدمی بیٹھا ہوا ہے' جرم کی بیخ کنی ہوتی رہے گی۔"

"چوہدری سلام اپنی گرفتاری پر اپنے دوستوں اور بہی خواہوں سے شاکی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے برے وقت میں کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اسے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا۔ مایوسی کے اس غلبے میں اس نے متعدد سرکردہ سیاسی اور سماجی چہرے بے نقاب کردیے ہیں۔ وہ سب اس کے ساتھ یا اپنے طور پر ہیروئن کے ناجائز کاروبار میں ملوث ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس بار موت کے سوداگروں کی ایک بڑی کھیپ پکڑی گئی ہے۔"

"ابھی کوئی نہیں پکڑا گیا۔" اول خان نے میری تصحیح کی "ایک ملزم کے انکشافات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کی بنا پر نام نہاد معززین کی اندھا دھند گرفتاریاں شروع کردی جائیں۔ ان کے علم میں نہیں ہے کہ چوہدری سلام نے کیا کام دکھایا ہے۔ ایسے افراد کی نگرانی شروع ہوگئی ہے۔ مناسب وقت آنے پر وہ باری باری دھر لیے جائیں گے۔"

"کیسی سرعت سے اور کتنا نیک کام ہو رہا ہے پھر بھی ہم اپنے سسٹم سے نالاں رہتے ہیں۔"

"تم یہ بات بھول رہے ہو کہ کھٹومل اور چوہدری سلام اسی سسٹم کے کلیدی پرزے تھے اور ایک مدت سے پروان چڑھ رہے تھے۔"

تھوڑی دیر بعد ویرا اپنی نیند پوری کرکے وہاں آپہنچی۔ اس کے بعد سلطان شاہ بھی آگیا اور ہماری باتیں سنجیدہ موضوعات سے ہٹ کر خوش گپیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ہر شخص دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے لیے تازہ دم اور سدا بہار نظر آرہا تھا۔

○☆○

اگلے دن میں نے بستر چھوڑ دیا۔ گلے میں سلنگ ڈال کر میں نے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ بائیں بازو کا سارا زور کہنی کے ذریعے میری گردن سے جھولنے والی نرم پٹی پر رہے۔ میں نے دن کا بیشتر حصہ اسٹیشن فور میں گھومتے پھرتے یا اول خان کے دفتر میں بیٹھ کر گزارا۔

کھٹومل کو قتل کرنے والے چاروں امریکیوں کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کو کئی روز گزر چکے تھے لیکن اخبارات میں اس خونین واقعے کی بازگشت موجود تھی۔

لاشوں کے پوسٹ مارٹم اور اسلحے کے ماہرین کی جامع رپورٹیں آجانے سے کئی باتیں ثابت ہوچکی تھیں۔ اولین اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ کھٹومل کی موت کا سبب بننے والی گولی لینڈ روور میں موجود ایک سب مشین گن سے چلائی گئی تھی۔ لینڈ روور میں موجود دوسرے ہتھیاروں سے چلائی ہوئی گولیاں پولیس کی گاڑیوں وغیرہ سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار امریکی ساخت کے تھے۔

بقیہ چار مقتولین کے بارے میں خود پولیس نے اقرار کرلیا تھا کہ انہیں کھٹومل کے قتل کے بعد فرار ہوتے ہوئے' پولیس مقابلے میں ہلاک کیا گیا تھا۔

ان حقائق کے باوجود امریکی حکام ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ وہ پورا واقعہ کسی بھیانک سازش کا نتیجہ تھا جس میں اصل ہدف کھٹومل تھا۔ امریکی شہری شاید واردات کے عینی شاہد ہونے کی بنا پر ہلاک کردیے گئے تھے۔

ان کی نرالی منطق یہ تھی کہ کھٹومل کو ڈینی کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے پر انتقام کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ لوگ اس بات کا کوئی جواب دینے سے قاصر رہے تھے کہ غیر سفارتی نمبر پلیٹ والی لینڈ روور میں ان کے چار آدمی کھٹومل کے آس پاس کیوں موجود تھے۔

ایک اخبار کے نامہ نگار نے کمال ہی کر دکھایا تھا۔ اس نے لینڈ روور کی پرائیویٹ نمبر پلیٹ سے اس کے مالک کا سراغ لگا کر انکشاف کیا تھا کہ وہ کھٹومل کا ایک قریبی ہندو دوست تھا جو ان دنوں کسی کاروباری دورے پر کینیا گیا ہوا تھا۔

امریکیوں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے وہ انکشاف بہت اہم تھا۔ اگر وہ چاروں امریکی کسی مجبوری کے تحت اپنی سفارتی گاڑی میں سفر نہیں کررہے تھے تو کس اتفاق کے تحت کھٹومل کے دوست کی لینڈ روور استعمال کررہے تھے؟ کھٹومل کا وہ دوست بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے وہ گاڑی کس طرح اور کس اختیار کے تحت حاصل کی تھی؟

نامہ نگار نے اپنی اس دریافت کے ساتھ ان کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس کا مؤقف تھا کہ امریکیوں نے کھٹومل کو مارنے کے لیے اس کے دوست کی گاڑی استعمال کرکے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ پرائیویٹ گاڑی ہونے کی وجہ سے وہ ہر شک و شبے سے بالاتر رہتے اور اگر کوئی اس گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیتا تو کھٹومل کے غیر حاضر دوست کا نام سامنے آنے پر بات الجھ جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی سوچا جاسکتا تھا کہ ہندو برادری کے کسی ابھرتے ہوئے سیاسی رہنما نے کھٹومل جیسی طاقت ور شخصیت کو قتل کرکے اپنا راستہ صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

اخبار اول خان نے بھی پڑھا تھا لیکن وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا۔ اسے حقائق کا علم تھا اور وہ پُریقین تھا کہ امریکی سر کے بل کھڑے ہوجائیں تب بھی اپنے آلودہ دامن کے داغ نہیں مٹا سکیں گے۔

میں مزید دو دن تک مجبوری اور جزوی معذوری کے اس عذاب سے گزرتا رہا اور صرف اسٹیشن فور تک محدود رہا۔ اس دوران میں مَیں نے ایک بار پھر اوبرائن کو فون کیا تاکہ اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے سے پہلے اسے تھپک کر سلا سکوں۔

"تم فون کرتے ہو اور غائب ہو جاتے ہو۔" میری آواز پہچانتے ہی وہ پھٹ پڑا "مجھے اپنا فون نمبر دو تاکہ میں ضرورت کے وقت تم سے رابطہ کر سکوں۔"

"نہیں اوبی، تم مجھے مروا دو گے۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا "تم نے شکایت واپس لے کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر میری دُم میں بدستور نمدہ کسا ہوا ہے۔"

"کیوں؟ اب تم پر کیا مصیبت آئی ہوئی ہے؟" اس نے بھنا کر پوچھا۔

"باہر میری نگرانی ہوتی ہے، دفتر میں لوگ محتاط رہ کر بات کرتے ہیں۔ یہ سوال ہر ایک کے لیے پریشان کن ہے کہ فورس کے سیکڑوں اہل کاروں میں سے صرف میرا نام کیوں لیا گیا۔"

"میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں۔ انہیں تم ہی سنبھالو گے۔ مجھے جلد از جلد نتیجہ چاہیے۔" دوسری طرف سے بے اعتنائی سے جواب دیا گیا۔

"ہر کام کو بگاڑنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اسے سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "نتیجے کے لیے تم کو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔"

"پہلے تم نے بتایا تھا کہ تم فہرستوں تک رسائی حاصل کرنے والے تھے؟"

"وہ اس وقت کی بات ہے جب تم نے مجھ پر الزام تراشی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد میں اشتباہ آمیز نگاہوں کا مرکز بن گیا ہوں۔"

"کان کھول کر سن لو!" اس کی تادیبی آواز ابھری "میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

"نہ دو" میں نے بے پروائی سے کہا "میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"میں تمہارے بارے میں پریس ریلیز جاری کرا دوں گا۔ تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

"میں پہلے ہی تباہ ہو چکا ہوں۔ مزید کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم لوگ پریس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے اوپر نیچے والوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان میں تم میری ساکھ خراب کر چکے ہو۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تم مجھے آنکھیں دکھانے پر تل گئے ہو؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ مجھ پر ناجائز دباؤ مت ڈالو۔ میں خود بھی وقت برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کام ہو جائے تو مجھے فون کرنا۔ ڈینی کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ کراچی ہی میں ہے۔ میں ایک آدھ بار دور سے اسے دیکھ بھی چکا ہوں۔ بات وہی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے اعتماد سے محروم ہو چکا ہوں۔ ان سے کچھ اگلوانا مشکل ہو گیا ہے۔"

"تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ میں نے تمہارے لیے کتنی مشکلات پیدا کی ہیں۔ تمہاری غلط بیانی سامنے آئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ تم اپنا اطمینان کر لو" میرے یہ کہتے ہی فون بند ہو گیا۔

اس گفتگو کے دوران میں ویرا اور غزالہ کمرے میں ہی موجود تھیں۔ سلطان شاہ ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ساتھ والی بال کورٹ میں گیا ہوا تھا۔

"تم چھیڑ چھاڑ کر کے اسے بلاوجہ اشتعال دلا رہے ہو" فون بند ہونے پر ویرا نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جو کچھ چاہ رہا ہے اسے فراہم کر دوں؟"

"اس کے اشاروں پر ناچنا نہیں چاہتے تو خاموش بیٹھے رہو" وہ بولی۔

"خاموش رہ کر اس سے رابطہ توڑنا مناسب نہیں ہے۔ وہ اس وقت ہمارا اکلوتا بدترین دشمن ہے جو نگاہوں میں آیا ہوا ہے۔ جلد یا بدیر اس کے خلاف کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"اس سے رابطہ قائم رکھ کر تم کیا فائدہ حاصل کرنے کی آس لگائے بیٹھے ہو؟"

"وہ میری طرف سے تھوڑا سا پُرامید رہے گا۔ شاید میں اسی طرح اس پر ڈورے ڈال سکوں۔"

"یہ رابطہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کے ساتھیوں کو ان رابطوں کا علم رہے گا۔ کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو الزام تمہارے اوپر آ جائے گا۔"

"پتا نہیں، یہ اول خان اسلام آباد کب جائے گا۔ میں تم سے اس حد تک متفق ہوں کہ چوہے اور بلی کا یہ کھیل زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔"

"اول خان کا آج رات اسلام آباد جانے کا پروگرام ہے" غزالہ نے مجھے بتایا۔

پھر اول خان بھی آ گیا۔ اس نے غزالہ کی دی ہوئی اطلاع کی تائید کی اور مزید بتایا کہ اس کے باس کی مصروفیات کی وجہ سے اس کی روانگی میں تاخیر ہوئی تھی۔ اسلام آباد میں اس سے ملاقات کے بعد اگلی شام تک اسے واپس آ جانا تھا۔

میں نے اسپتال کا بستر چھوڑنے کے ساتھ اس کمرے کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا۔ [illegible] کی قلت تھی پھر بھی

اول خان نے ایک کمرا عورتوں کو دیا ہوا تھا۔ دوسرا سلطان شاہ کے حوالے تھا۔ کسی کسی وقت وہ خود بھی سلطان شاہ کے کمرے میں سستا لیتا تھا۔

وہ سچویشن نازک تھی۔ میرے اور غزالہ کے یک جا ہونے کی صورت میں ویرا کو سلطان شاہ کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا۔ تکنیکی اعتبار سے وہ کوئی موزوں بندوبست نہ ہوتا۔ مکمل تخلیے میں ویرا اس کی جو درگت بناتی' اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا تھا۔ معاملات ان دونوں کے درمیان رہتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس بندوبست سے کچھ ایسی تلخیاں جنم لیتیں کہ ہمارے لیے حالات کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔

اس غوروخوض کے بعد میں نے اعلان کردیا کہ میں کوئی متبادل بندوبست ہونے تک سلطان شاہ کے کمرے میں رہوں گا۔

شاید اول خان بھی اس بارے میں فکر مند تھا۔ میرا فیصلہ سنتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مجھے عورتوں کے کمرے سے اٹھا کر راہداری میں لے گیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے کافی دنوں سے شراب نوشی ترک کی ہوئی ہے" تخلیے میں پہنچ کر اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا "یہ حقیقت ہے یا صرف میرا احساس ہے ؟"

"طبیعت اس طرف راغب نہیں ہوتی۔ ویسے میں تائب نہیں ہوا ہوں۔ اوبرائن کے ساتھ میں نے ایک گلاس لیا تھا۔ تمہیں اس بارے میں کیا پریشانی لاحق ہے؟"

"تم لوگ یہاں میرے مہمان ہو۔ تمہاری ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے" اس نے انکسار سے کہا۔ "کہو تو اسلام آباد جانے سے پہلے کچھ بندوبست کردوں؟"

"میری فکر مت کرو" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بس ویرا کے دال دلیے کا بندوبست کردو۔"

"اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے دس بوتلوں کا کریٹ آچکا تھا۔ وہ اسی کی تحویل میں ہے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے وہ پورا کریٹ اس کے حوالے کردیا۔"

"پھر کیا کرتا؟" وہ ہنسنے لگا "مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ کون سی بوتل باہر اور کون سی فریج یا فریزر میں رکھی جاتی ہے۔ اپنی ضروریات وہی سنبھال سکتی ہے۔"

"اس نے لائن لگادی ہوگی۔ اب اس بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھنا۔"

"وہ کئی بار سرور میں ضرور نظر آئی لیکن اس نے بے اعتدالی نہیں کی" اول خان نے ویرا کی صفائی پیش کی "اب اس کی دیکھ بھال تمہارے ذمے ہے۔"

"مجھے یہاں فون کی کمی محسوس ہورہی ہے" میں نے اس کے ساتھ سلطان شاہ والے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آج رات جہانگیر سے بات کرنے کا ارادہ کررہا ہوں۔"

"فون یہاں تک لانے میں ذرا سی الجھن ہے۔ زمین کھود کر تار دبانا پڑے گا..."

"پھر بھول جاؤ۔" میں نے اسے منع کردیا "میں تمہارے دفتر سے ہی بات کرلوں گا۔"

"میرا کمرا تمہارے لیے ہر وقت کھلا رہے گا۔ میں آدمیوں کو ہدایت دے دوں گا۔"

کھانے کے بعد اول خان ہم سے رخصت ہوکر اپنی گاڑی میں ائرپورٹ روانہ ہوگیا۔

"سلطان شاہ والی بال کھیل کر تھکا ہوا ہے۔ اب لمبی تان کر سوئے گا۔ تم زنانہ کمرے میں ہی آجاؤ۔" ویرا نے مجھے پیشکش کی۔ "بے چاری غزالہ میری وجہ سے بور ہوتی رہتی ہے۔"

میں نے اسے گھور کر پوچھا "بور ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہوتی ہوگی۔"

"کمرے میں چل کر خود ہی اندازہ لگالوگے" وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

ان کے کمرے میں اول خان نے اپنے گھر سے کچھ آرائشی چیزیں بھی منگوادی تھیں جن کی وجہ سے وہ کمرا خاصا نکھر گیا تھا۔ ویرا نے ایک الماری کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی بوتل نکالی تو غزالہ کی بوریت کا سبب خود بہ خود واضح ہوگیا۔

بوتل اور دو گلاس تپائی پر رکھ کر ویرا فیلڈ انٹرکام پر میس سے برف طلب کررہی تھی تو غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اس کا ساتھ دینے سے منع کردیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں "کھانے کے بعد اسکاچ کی کیا تک ہے؟"

"میں نے تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے بس دو چار لقمے لیے تھے۔ کھانا تھوڑی دیر بعد کھاؤں گی" اس نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "اول خان نے اس ویرانے میں بھی میرا بہت خیال رکھا ہے۔"

"دوسرا گلاس واپس رکھ دو۔ میں شکم سیر ہوچکا ہوں" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اوہ!" ویرا کا منہ لٹک گیا "میں سوچ رہی تھی کہ آج تمہارے ساتھ مزہ آئے گا۔ ساتھ نہیں دیتا تو میں تم کو باندھ کر نہیں بٹھاؤں گی۔ خاموش اور کھلی فضا میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کرکے تمہیں عجیب راحت ملے گی۔ اس دوران میں 'میں اپنا کوٹا پورا کرلوں گی۔"

تجویز اس کی طرف سے آئی تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اب تک کتنی بوتلیں نگل چکی ہو؟"

"سختی سے ایک بوتل یومیہ چل رہی ہے۔ باقی اسٹاک موجود ہے۔"

"اداس لومڑی کی طرح اکیلے بیٹھ کر پینے میں تمہیں کیا مزہ آتا ہے؟"

"کیسٹ پر اپنی پسند کی دھنیں سنتی ہوں یا پھر پرانی غزلیں۔ تمہیں پتا ہے کہ یہ میرے پرانے شوق ہیں۔ کیسٹ پلیئر موجود ہو تو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

کیسٹ پلیئر اس کے سرہانے موجود تھا۔ وہ اس میں الجھ گئی۔ میں غزالہ کو لے کر باہر نکل گیا۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے ملیر چھاؤنی کا وہ پُرسکون علاقہ اس وقت خواب ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ بجری سے ڈھکے ہوئے میدان میں بیرکوں سے آنے والی بس اتنی روشنی تھی کہ قرب و جوار میں دیکھا جاسکتا تھا۔ میدان سے آگے پختہ سڑک تھی جس پر قطار سے اسٹریٹ لائٹس جل رہی تھیں۔ ادھر سے کبھی کبھار اِکّا دُکّا گاڑی گزر جاتی تھی ورنہ وہاں سائیکلوں پر سوار یا پیدل چلنے والے فوجیوں کا راج تھا۔ اس علاقے میں مشینی ٹرانسپورٹ کی بھرمار نہ ہونے کی وجہ سے فضا میں آلودگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے میدان سے سڑک تک آگئے۔ مادرِ وطن کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگانے والے شہبازوں کے لیے میرا زخمی بازو ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ ہم کسی کی چبھتی ہوئی طنزیہ یا سوالیہ نگاہوں کا نشانہ بنے بغیر اگلے چوراہے پر ایک اسٹور تک گئے۔ وہاں چھاؤنی میں رہنے والے اِکّا دُکّا افسران اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھے۔

اسٹور ضروریاتِ زندگی سے لدا ہوا تھا۔ اشیا تر و تازہ اور نرخ معقول تھے۔ ہم یخ بستہ کولڈ ڈرنک لے کر اسٹور سے ملحق لان پر جا بیٹھے۔ غزالہ مجھے اپنے پشاور کے مختصر سے قیام کے دوران میں ہونے والے معاشرتی تجربات کے بارے میں بتا رہی تھی۔

ویرا کمرے میں محبوس، جام و سبو کی تمنائی تھی اور ہم اس کے مشورے پر کھلی فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بوتلیں ختم کر کے بھی ہم دیر تک وہاں بیٹھے اور باتیں کرتے رہے۔ اس روز مجھے غزالہ بدلی بدلی اور زیادہ پُرکشش محسوس ہو رہی تھی۔ اسے بے اندازہ خوشی تھی کہ میں نے محض اس کی جنبشِ ابرو پر ویرا کی دعوت رد کردی تھی۔

واپسی پر میں اول خان کے دفتر کی طرف نکل گیا۔ چابی رات کے گارڈ کے پاس موجود تھی۔ اس نے فلیگ پوسٹ پر روشن بلب کے نیچے ہمیں پہچان کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اسے ہر طرح کے وسائل میسر تھے لیکن اس کے دفتر میں مجھے ہمیشہ سادگی نظر آئی تھی۔ بنیادی ضرورت کی ہر دفتری سہولت موجود ہونے کے باوجود وہاں تعیش کا سایہ تک نہیں تھا۔ اپنے کردار اور عمل کی اسی مضبوطی کے بل پر وہ اپنے جوانوں سے بیتی ہوئی بھی ... کتنے ... میں

بھی گھنٹوں کام لے سکتا تھا۔

"کراچی میں آپ چار دوست ہوا کرتے تھے نا؟" اول خان کے دفتر کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر غزالہ نے سوال کیا "ان ہی میں جہانگیر بھی ہوا کرتا تھا۔"

"ہاں!" میرا ذہن یک بہ یک برسوں پرانے ماضی کی یادوں میں کھو گیا "عجیب دن تھے وہ بھی۔ میں، جہانگیر، طارق اور نادر خان۔ طارق ایسی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں مارا گیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو اس کے جنازے کو کندھا دینے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی پھر نادر خان بھی یوں ہی ہم سے بچھڑ گیا۔ کراچی میں شی کے کاروبار کی بنیاد رکھنے والوں میں سے میرے ساتھ صرف جہانگیر باقی رہ گیا۔"

"اسی لیے آپ دونوں ایک دوسرے کا اتنا خیال رکھتے ہیں؟" غزالہ دھیرے سے ہنسی۔

"مجھے اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے ذرا گھامڑ واقع ہوا ہے" یہ کہہ کر میں فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

فون سلمیٰ نے ریسیو کیا تو میں نے اندازہ لگالیا کہ جہانگیر کہیں بیٹھا عالمِ سرور میں جھوم رہا ہوگا۔

"بڑا بھائی کیا کر رہا ہے؟" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں سوال کیا۔

"آخر تمہیں ہمارا خیال آگیا" سلمیٰ میری آواز پہچان کر اپنائیت سے بولی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

"ابھی بھی غائب ہی ہوں۔ لاہور سے فون کر رہا ہوں" میں نے کہا۔

"تم آس پاس یا شہر میں ہوتے ہو تو میرے دل کو عجیب سی ڈھارس رہتی ہے کہ ہم پر کوئی برا وقت نہیں آئے گا۔ تمہارے غائب ہوتے ہی میں اندر سے خالی ہو جاتی ہوں۔"

"میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ تمہارا افلاطون اس وقت مجھ سے بات کر سکے گا؟"

"اپنا پٹرول پیے بغیر وہ مشکل سے ہی بولتے ہیں اور اوٹ پٹانگ بولتے ہیں۔ اس وقت بھی دوسرا پیگ بناتے ہوئے تمہیں یاد کر رہے تھے..... ہولڈ کرو، میں انہیں بلاتی ہوں۔"

"یار ڈینی دی گریٹ۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں تم عالمِ بالا کی طرف ہی کوچ نہ کر گئے ہو۔ ابھی میری نصف بدتر نے بتایا کہ تم صرف لاہور تک پہنچے.... اے! دور ہٹو، یہ کیا بدتمیزی ہے..... میں ابھی تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ سلمیٰ کی کسی حرکت پر شاید اس سے الجھ پڑا تھا اور ریسیور پر ہتھیلی رکھے بغیر سارے مکالمات براہِ

”کس کا منہ توڑ رہے ہو؟ کیا اول فول بک رہے ہو؟“ میں نے تمسخر سے پوچھا۔
”اپنے مقدر میں سلمیٰ کے سوا اور کون ہے؟ میں تم سے بات کررہا ہوں۔ تکلیف اسے ہورہی ہے۔ میرے پیٹ میں انگلی مار کر مجھے بدترین کہہ رہی تھی۔“
”صحیح کہہ رہی تھی۔ جس چیز کو تم اپنا پیٹ سمجھ رہے ہو وہ پیٹ نہیں، توند کہلاتی ہے۔“
”مجھے معلوم ہے کہ تم ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہو۔ اس نے تمہیں اُلو کا گوشت کھلایا ہے جو تمہیں اس کی ہر بات صحیح نظر آتی ہے۔“
”اُلو کے گوشت میں یہ تاثیر ہوتی تو سلمیٰ سب سے پہلے تم کو اسی کا قورمہ کھلاتی تاکہ تمہاری چھت کے نیچے ہروقت سکھ چین کا دور دورہ رہے“ میں نے جل کر کہا۔
”اپنی چہیتی سے کہو کہ مجھے اُلو کے گوشت کے ٹکّے بنانے سکھا دے۔ اس کی پوری زندگی سکھ چین سے کٹے گی۔ وہ میری ہر خوشی سے جلتی ہے۔ دو گھونٹ شراب پی لوں تو میری ہر بات کو شرابی کی بڑ کہہ کر ٹال دیتی ہے“ بولتے بولتے اچانک اس کی آواز مسرت آمیز سرگوشی میں تبدیل ہوگئی ”سالی جل بھن کر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔“
”تم بہت خبیث ہوگئے ہو۔ اپنی بیوی کی بے عزتی کرکے خوشی محسوس کرتے ہو۔“
”تمہیں معلوم ہے کہ وہ ناخن بڑھائے رکھتی ہے۔ میں اسے ہزار مرتبہ منع کرچکا ہوں کہ میری تت.... مم.... میرے پیٹ میں انگلیاں نہ مارا کرے۔ کسی دن ناف میں اس کا زہریلا ناخن گھس گیا تو وہ بیٹھے بٹھائے بیوہ ہوجائے گی۔ وہ سمجھ کر ہی نہیں دیتی۔“
”مجھے ان خرافات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے“ میں نے تلخی سے کہا ”میں نے صرف یہ جاننے کے لیے فون کیا ہے کہ گولڈن فارمیسی کیسی چل رہی ہے۔ کوئی تمہیں تنگ تو نہیں کررہا؟“
”دکان روز کھل رہی ہے اور علاقے میں تمہاری دعا سے میری دھاک بھی بیٹھ گئی ہے۔“
میرے کان کھڑے ہوگئے ”کیا کسی کے ساتھ مار پیٹ کی نوبت آگئی تھی؟“
”تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری نے سب کے دماغ ٹھیک کردیے ہیں۔ پرسوں تین بڈھے میرے پاس آئے تھے۔“
”تمہیں بزرگوں کا احترام کرنا بھی نہیں آتا۔ وہ کوئی سفارش لے کر آئے ہوں گے؟“
”ہاتھ پیر جوڑ رہے تھے کہ ان دونوں کو چھڑوا دوں“ بولتے بولتے ایک مرتبہ پھر اس کی آواز رازدارانہ ہوگئی ”قاسم کی حرافہ بیوی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔ اسے میں نے پھٹکار کر دکان سے نکال دیا۔ وہ آخر تک فٹ پاتھ پر کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔“
”وہ دوبارہ آئیں تو ان سے سمجھوتا کرلینا۔ چند روز میں وہ دونوں رہا ہوجائیں گے۔“
”وہ چھوٹنے والے ہیں تو میں کل ہی فون کرکے ان تینوں کو بلالوں گا۔ مفت میں سالوں پر احسان ہوجائے گا۔ علاقے میں دکان چلانی ہے تو ان سے بنا کر رکھنی پڑے گی۔“
”گڈ.... مجھے خوشی ہے کہ یہ موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آگئی۔ اب سلمیٰ سے نہ لڑنا۔ وہ تمہاری بدخواہ ہوتی تو تمہاری مدہوشی میں دس دفعہ تمہاری ناف کو ناخنوں سے نوچ چکی ہوتی۔ تمہاری ان بے سروپا بدگمانیوں کی وجہ سے وہ تم سے بیزار رہتی ہے۔“
”آج تو میں ویسے بھی اس سے لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ اس نے اپنی دانست میں مجھے اطمینان دلایا ”اس سے پوری صلح تمہاری واپسی کے بعد ہوگی۔“
”گھر میں تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ باہر نکلو تو ہوش و حواس میں رہا کرو۔ آج کل شہر کے حالات کچھ خراب چل رہے ہیں۔ کہیں بھی کوئی دوسرا کالو مکرانی ٹکرا سکتا ہے۔“
”تمہارے مشورے کے بغیر میں اسی اصول پر چل رہا ہوں۔ باہر ہوش، گھر میں مدہوش۔ اس سنہرے اصول سے زندگی بہت آسان اور گوارا ہوجاتی ہے۔“
”اب تم سے واپسی پر ملاقات ہوگی...“ میں نے اختتامی فقرے کے ساتھ فون بند کرنا چاہا مگر اس نے درمیان میں سے ہی میری بات اچک لی۔
”کسی وقت ویرا اور غزالہ کو ادھر بھیج دو۔ تمہارے جاتے ہی سب غائب ہوجاتے ہیں۔“
مجھے معلوم تھا کہ وہ غزالہ کا نام تکلفاً لے رہا تھا ورنہ اسے اصل حاجت ویرا کی تھی۔ اس جیسی حسین اور ذہین لڑکی کے ساتھ پینے کا حظ وہ کئی بار اٹھا چکا تھا۔
”وہ دونوں میرے ساتھ ہیں۔“ میں نے جہانگیر کو ٹال دیا۔ ”واپسی پر ہم سب مل کر تمہارے گھر ایک شام گزاریں گے۔ تمہارے سارے شکوے دور ہوجائیں گے۔“
”چشمہ روشن......“ اس نے اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہا اور میں نے اسے پھٹکار دیا۔
”وہ چشمہ نہیں چشم ما ہے، بے وقوف آدمی! گاڑھی اردو نہیں بول سکتے تو اس کی ٹانگ مت توڑا کرو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔“
”مجھے معلوم ہے۔ بس کبھی کبھی زبان ذرا بہک جاتی ہے۔“ کھسیانی ہنسی کے ساتھ جواب آیا اور میں نے فون بند کردیا۔
ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزار کر کمرے میں پہنچے تو میز پر سے بوتل غائب تھی۔ ویرا کے گلاس میں کنذنی سیال کے چند

گھونٹ نظر آرہے تھے۔ وہ خود کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے' میز پر پاؤں پسارے سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔ کیسٹ دھیمی آواز میں چل رہا تھا۔

اسٹیشن فور بنیادی طور پر ایک فوجی کیمپ تھا جہاں ملحق باتھ روم جیسی عیاشیوں کا گزر نہیں تھا۔ اول خان نے دونوں عورتوں کی سہولت کے لیے قریبی غسل خانہ اور بیت الخلا ان کے لیے مخصوص کرکے مقفل کرادیا تھا۔ غزالہ لباس تبدیل کرنے کے لیے غسل خانے کی چابی لے کر چلی گئی تو ویرا نے مخمور اور گھائل نظروں سے میری طرف دیکھا "اس کمرے میں بیٹھو گے نہیں؟"

"دن لمبا تھا۔ رات گہری ہوچکی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ان پنجروں سے جہانگیر کا گھر اچھا تھا جہاں ہر وقت عافیت اور سکون کا کوئی نہ کوئی گوشہ میسر رہتا تھا۔ ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے۔"

"اوبرائن کا مسئلہ حل ہونے تک ہمیں شہر سے دور رہنا پڑے گا۔ ابھی تک اس نے مجھ سے تمہارا ذکر نہیں کیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ میرے ساتھ ساتھ وہ تمہیں بھی ڈھونڈ رہا ہوگا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ جہانگیر کے گھر سے قدم باہر نہیں نکالوں گی۔ مجھے اس قید خانے سے وہاں پہنچا دو۔ یہاں مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"تم اکیلی نہیں ہو' غزالہ بھی تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔" میں نے پچکیتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"غزالہ کی دل جوئی کے لیے تم یہاں ہو۔" اس نے شکایت کی۔ "میں کسے اپنا سمجھوں۔ یہاں کے کھلے ماحول میں تم بھی مجھ سے کھچے کھچے رہنے لگے ہو۔ کسی کسی وقت جھلا کر جی چاہتا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ کر اپنی کنپٹی پر گولی مارلوں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی اور خمار زدہ آنکھوں میں گمبھیر اداسی تیر رہی تھی جس میں اداکاری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"شراب پینے کے بعد تم ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہورہی ہو ورنہ میرے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ مجھے اپنے اور غزالہ کے رشتے کا احترام کرنا پڑتا ہے۔"

"کسی وقت میرے مجروح جذبوں کے بارے میں بھی کچھ سوچ لیا کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے اجنبی نہیں ہیں' جتنا دوسرے سمجھتے ہیں۔"

میں نے کھڑے کھڑے بے چینی سے اپنا وزن دوسرے پاؤں پر منتقل کیا اور کہا "زندگی میں کچھ موڑ ایسے بھی آتے ہیں جہاں ماضی کی یادیں عذاب بن جاتی ہیں۔ کوشش کرو کہ ان یادوں کو فراموش کیے رہو۔ محض میری اور میری خانگی زندگی کی خاطر۔"

"ڈیئی ڈارلنگ! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ تمہاری خاطر تو میں نے خود کو برباد کرلیا ہے۔"

"بس ویرا۔ چپ رہو اور ہوش کی باتیں کرو۔" میں نے گھبرا کر تیزی سے کہا "غزالہ کسی بھی لمحے خاموشی سے کمرے میں آجائے گی۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "وہ تمہارے سامنے زبان نہیں کھولتی تو یہ نہ سمجھو کہ وہ بھولی ہے۔ وہ سب سمجھتی ہے۔ اسے میری حسرتوں کا بھی اندازہ ہے اس لیے وہ تم کو میرے پاس چھوڑ کر کپڑے بدلنے گئی ہے۔ نادان ہوتی تو تمہارے جانے کے بعد غسل خانے کا رخ کرتی۔"

مجھے گھبراہٹ سے اپنی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے جلدی سے کہا "تم فکر مت کرو۔ کل اول خان کے آنے کے بعد میں تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچا دوں گا۔"

"وہ اپنی سفاک بیوی سے پریشان ہے اور محبت کی قدر کرنی جانتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس کے ساتھ چند گھڑیاں گزار کر میری انا کو کتنی تسکین ملتی ہے۔ وہ میری جھڑکیاں بھی ہنس ہنس کر سنتا ہے اور اس کی پیشانی پر ذرا بل نہیں آتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت بہت خطرناک موڈ میں آچکی تھی۔

"اور وہ تو بالکل نکما ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس کی بوجھل زبان دوبارہ چل پڑی "ورزش کرنے اور والی بال کھیلنے کے سوا اسے یہاں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ ہر جمالیاتی حس سے بالکل عاری اور پتھر کی طرح بے جان ہے....."

غزالہ لباس تبدیل کرکے لوٹ آئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ راہ داری میں قدموں کی چاپ سنتے ہی ویرا نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا ویرا' شب بخیر۔ تم غزالہ سے گپ شپ کرو۔" میں اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے نکل گیا۔ برابر والے کمرے میں اندھیرا تھا اور سلطان شاہ تھک ہار کر بے خبر سو رہا تھا۔

وہ رات سکون سے گزر گئی۔

بیرکیں وسیع میدان میں بنی ہوئی تھیں۔ کمروں کے دونوں طرف دالان نما برآمدے تھے مگر ابھرتے ہوئے سورج کی کرنیں صبح سویرے ہی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے چھن کر کمرے میں اجالا کردیتی تھیں جس کی وجہ سے دیر تک سونا ممکن ہی نہیں تھا۔

فضا قریب اور دور کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی جن میں ڈرل' مارچ اور کاشن دینے کی صدائیں شامل تھیں۔ میں ناشتے سے فارغ ہوکر برآمدے میں نکلا تو رات کو ویران پڑے ہوئے میدانوں میں یکساں اور یک رنگ انسانوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ دور دور تک ہر یونٹ اپنے گراؤنڈ پر اپنی اپنی وردی میں مصروف تھا۔

بازو کے زخم کی وجہ سے میں کسی کی مدد کے بغیر لباس تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ میرے بدن پر پچھلی شام سے ایک ہی ڈھیلا ڈھالا لباس تھا جو شب خوابی کی وجہ سے شکن آلود ہو چکا تھا۔ میں بیرک سے دور جانے کے بجائے اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔

اول خان نہیں تھا لیکن دفتر میں اس کا عملہ موجود تھا۔ تینوں آدمیوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر سلام کیا' میری مزاج پرسی کی اور دفتر سے نکل گئے۔

میں نے کرسی پر دراز ہو کر سگریٹ ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے سلگا کر اپنے فیصلے پر غور کرنے لگا۔ میرا ارادہ اوبرائن کو فون کرنے کا تھا۔

اول خان شام تک اسلام آباد سے اوبرائن کی قسمت کا فیصلہ لے کر آنے والا تھا۔ اس وقت اسے اپنی طرف سے پُرامید رکھنے کے لیے میں ایک فون کال کر لیتا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں وقت سے پہلے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا کر شام کو کوئی بہتر راستہ اختیار کر سکتا تھا۔

میں یوں ہی بیٹھا ہوا تھا کہ اول خان کا اردلی میرے لیے گرم گرم چائے کی پیالی لے آیا۔

"میں بہت شدت سے تمہیں یاد کر رہا تھا۔" رابطہ ہونے پر اوبرائن نے پُرسکون آواز میں کہا "تم کہاں ہو اور اس وقت کن حالات سے گزر رہے ہو؟"

"مجھے خوشی ہے اوبی کہ آج تم نے میری آواز سن کر کسی چڑچڑے پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں تمہارے شہر میں ہوں اور ادارے میں اپنی ساکھ بحال کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ ابھی تک حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے ہیں۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔"

"میرے سکون کا سبب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن ہو چکا ہوں۔"

"پہلے یہ بے اطمینانی کیوں تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری اپنی غلطی تھی۔ تم نے اپنا تعارف کرایا اور میں نے تمہیں کرنل جمال دستی تسلیم کر لیا۔ بعد میں مجھے رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ تم کوئی فراڈ بھی ہو سکتے ہو۔ تمہاری آواز سنتے ہی میرا یہ احساس زیادہ قوی ہونے لگتا تھا۔"

"کیا میں تمہارے موجودہ اطمینان کا سبب جان سکتا ہوں؟" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"ضرور.... تمہارے فنگر پرنٹس کے موازنے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تم کرنل جمال دستی ہی ہو۔"

اس کی زبان سے فنگر پرنٹس کا ذکر سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پتا نہیں اس نے میرے فنگر پرنٹ کب اور کیسے حاصل کر لیے تھے۔

"میرے فنگر پرنٹس تمہارے پاس کہاں سے آگئے؟" میں ...

سوچنے کے بعد میں نے اس سے براہِ راست سوال کر ڈالا۔ اس کا جواب میرے لیے بہت اہم تھا۔

"چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم اور اول خان پہلی بار شریک ہوئے تھے۔ وہاں سے تم دونوں کے نشانات لے کر محفوظ کر لیے گئے تھے۔ یہ میرے نیٹ ورک کی خوبی ہے کہ ضروری معلومات خود بخود مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی بندوبست تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔"

"تمہاری موازنے والی بات ادھوری رہ گئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم نے میرے گھر میں اسکاچ کا ایک گلاس لیا تھا۔ وہ گلاس میں نے غیر ارادی طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ کل خیال آیا تو میں نے موازنے کے لیے اسے لیبارٹری میں بھیج دیا۔ رپورٹ تمہارے حق میں تھی۔ اب میں پُرسکون ہوں کہ میرا رابطہ صحیح آدمی سے ہوا ہے۔"

وہ بہت مکار اور چالاک تھا۔ وہ خبر سنا کر اس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ذہنی کے طور پر میرا کوئی ریکارڈ ان کے پاس نہیں تھا لیکن کرنل جمال دستی کے نام سے میرے فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ میں شامل ہو چکے تھے۔ ان کی بنا پر وہ کہیں بھی میری موجودگی کا سراغ لگا سکتے تھے۔

آزادانہ طور پر کام کرتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے ہو سکتے تھے جہاں کرنل جمال دستی کا وجود بدترین شکوک وشبہات کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی جگہوں پر مجھے اپنے فنگر پرنٹس چھوڑنے سے کامل گریز کرنا تھا۔ جس کی واحد صورت یہ تھی کہ میں سرجری میں استعمال ہونے والے باریک جلدی دستانوں کا استعمال شروع کر دوں۔

"تم واقعی حیران کن صلاحیتوں کے مالک ہو۔ شاید تم نے سوچ سمجھ کر ہی مجھے شراب کی پیش کش کی تھی؟" میں نے اس کے ہاتھوں ایک زک اٹھانے کے بعد پوچھا۔

"یہ میرے کام کا ایک حصہ ہے۔ ایسے اجنبی ملاقاتیوں سے مجھے نفرت ہے جو اپنی کوئی شناخت چھوڑے بغیر رخصت ہونے کے عادی ہوں۔ میں دفتر اور گھر میں لوگوں کو کوئی نہ کوئی مشروب یا سادہ پانی پیش کر کے ان کے فنگر پرنٹس ضرور لے لیتا ہوں جو ایک مخصوص مدت کے بعد ضائع کر دیے جاتے ہیں۔"

"میرے فنگر پرنٹس کب ضائع کیے جائیں گے؟" میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"تمہارے ساتھ۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم میرے لیے یا میرے ساتھ کام کرو گے اس لیے تمہاری یہ آفاقی شناخت زندگی بھر تمہاری فائل کا ایک حصہ بنی رہے گی۔ تمہاری فطری یا غیر فطری وفات سے پہلے اس فائل کے اتلاف کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

میں نے اس پر اپنی کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر خوش دلی سے کہا "تم نے مجھے کسی ہزار پا عفریت کی طرح اپنے چنگل میں لے لیا ہے۔ میں نام بدل کر بھی تم سے نہیں بچ سکوں گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو۔" اس نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ اگلے چند روز میں ہی تمہاری فائل ضائع کرنے کی نوبت آجائے۔"

"تم سنگ دل ہونے کے ساتھ خوش مذاق بھی ہو۔ کھل کر بات کرتے ہو۔"

"صرف اس لیے کہ مجھے تمہارے فون پر بات سننے کا خطرہ نہیں ہے۔"

"اور اگر میں یہ ساری گفتگو کسی ٹیپ پر محفوظ کر رہا ہوں تو تم کیا کر سکو گے؟"

"یہ سائنس کے اصولوں کے خلاف ہوگا۔ میری کسی حرکت پر لائن کٹ سکتی ہے تو تمہاری طرف سے اسی قسم کی مداخلت پر بھی تمہارا آلہ کام دکھائے گا۔ مجھے اس کے بارے میں ابتدائی اطلاعات مل چکی ہیں۔ یہ ریڈ آرمی والوں کی سی ایس ڈی تو نہیں ہے؟"

"میں تمہاری طرح سائنس داں نہیں ہوں۔" میں نے اس پر ہلکی سی چوٹ کی "میں آلے کے نام اور نوعیت سے لاعلم ہوں۔ اس کا کام سو فیصد پکا ہے۔"

"اگر تم کچھ اور نہیں کر سکتے تو کسی طرح ڈینی کے فنگر پرنٹ ہی حاصل کر لو۔"

"ہائیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا "وہ تمہارا مطلوب مجرم ہے اور اس کے فنگر پرنٹ تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہمارے پاس تین فنگر پرنٹس کا ایک سیٹ موجود ہے۔" اس نے برجستہ جھوٹ بولا "ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان میں سے کون سے پرنٹس ڈینی کے ہیں۔"

"میرے لیے یہ کام سہل ہوگا۔ دستاویزات کے مقابلے میں کسی کاغذ، گلاس یا قلم کو محافظوں کی نظروں سے بچا کر لانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

اس مرتبہ پھر وہ میری باتوں میں آگیا اور جلدی سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ کاغذ ہو تو چکنا ہو، کھردرے کاغذ پر بہت خراب پرنٹ آتا ہے۔ اس کی تصویر بنانی اور بھی مشکل ہوتی ہے۔"

"ڈینی کو ادھر آنے دو۔ میں یہ کام تو کر ہی گزروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"وہ ویسا ہی ہے جیسا ہمارے انعامی اشتہار میں دکھایا گیا ہے؟" اس نے انتہائی غیر متوقع طور پر جینی کے بنوائے ہوئے گمراہ کن خاکے کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"خاکے سو فیصد درست نہیں ہوتے۔ وہ اس سے ملتا جلتا ہے۔ آج کل اس نے ہلکی سی داڑھی بھی رکھ لی ہے۔"

"وہ خاکہ ایک ایسی امریکی لڑکی نے بنوایا ہے جو ڈینی کی داشتہ یا دوست ہونے کی دعوے دار ہے۔ وقت ملا تو تمہاری مدد سے اس خاکے پر مزید کام کیا جائے گا تاکہ ڈینی زیادہ دیر تک آزاد نہ رہ سکے۔ اب اسے ہماری تحویل میں آجانا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس خاکے پر کام کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے میں دو ملین ڈالر کا انعام لے لوں گا۔ مجھے رہنمائی کے لیے کسی خاکے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کاش تم یہ انعام جلد از جلد حاصل کر سکو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم مجھے شدت سے کیوں یاد کر رہے تھے۔"

"ڈینی کے فنگر پرنٹس والی بات یاد آئی تھی۔ وہ میں تم کو بتا چکا ہوں۔"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جانب سے گڑبڑ کر کے فون بند کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاید وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت بھی اسی محفوظ ٹیلی فون پر مصروف ہوں یا کہیں اور سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔●

فون بند کرنے کے بعد میں مضطربانہ انداز میں اول خان کے دفتر سے نکل گیا۔

میں نے اپنے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے کے لیے صبح سویرے اوبرائن کو فون کیا تھا لیکن اس سے ہونے والی گفتگو نے پہلی بار مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میرے فنگر پرنٹس کا اس کی تحویل میں پہنچنا میرے لیے کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں امریکا میں زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر کے بے محابا استعمال کا ذاتی طور پر مشاہدہ کر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایس ٹی ایف کے ایک عہدے دار کے طور پر میرے فنگر پرنٹس صرف اوبرائن کی تحویل میں نہیں رہیں گے بلکہ ان کی نقول دوسرے اہم امریکی اداروں اور وفاقی ایجنسیوں کو بھی فراہم کر دی جائیں گی۔ یہی سلوک اول خان کے ساتھ بھی ہونا تھا۔

ہماری ذرا سی غفلت سے رونما ہونے والی اس تبدیلی کے اثرات بہت دور رس ہو سکتے تھے۔ ہم ان کے خلاف ہر مہم میں پیش پیش ہوتے تھے۔ کہیں بھی ہماری انگلیوں کے نشان باقی رہ جاتے تو ہماری کڑی گرفت ہو سکتی تھی۔

اول خان کراچی سے باہر تھا۔ میں نے اپنے تینوں ساتھیوں کو بھی اس ناگہانی مسئلے سے آگاہ کر دیا۔ میری بات سنتے ہی سلطان شاہ بپھر گیا۔ "تم اوبرائن کو بلاوجہ ہوا بنا رہے ہو۔ مجھے اس کے فلیٹ کا پتا بتاؤ میں اسے بلیکی اور کتے سمیت ختم کر کے فلیٹ کو آگ لگا دوں گا پھر دیکھتا ہوں کہ اس کے ریکارڈ میں تمہارے فنگر پرنٹس کیسے باقی رہتے ہیں۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ وہ اس کثیر المنزلہ عمارت میں تنہا نہیں رہتا۔ وہاں سیکڑوں لوگ آباد ہیں۔ اوبرائن کی وجہ سے ہم ان کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتے۔"

"اوبرائن اور اس کے حمایتیوں کی زندگی سے تو کھیل سکتے ہیں نا؟ تم مجھے اس کا پتا سمجھاؤ۔ شام تک کوئی نتیجہ نہ لاؤں تو میرا نام بدل دینا۔"

"وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایک گنجان آباد عمارت کی آٹھویں منزل پر چڑھا بیٹھا ہے۔" ویرا نے دخل اندازی کی "بچوں جیسی حرکتیں کرو گے تو شام سے پہلے ہی مرحوم ہو جاؤ گے۔ یہ سنگین معاملہ ہے کہ اب ڈینی کی انگلیوں کے نشان بھی انہیں مل جائیں گے۔"

"انہیں کرنل جمال دستی کے نشانات ہی رہنے دو۔" سلطان شاہ غرایا "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پاکستان بھر میں ایس ٹی ایف کے یونٹوں کے بارے میں اس کی معلومات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فورس میں بھی ان کا کوئی نہ کوئی مخبر پل رہا ہے۔"

"یہ بات ذہن سے نکال دو۔" میں نے وثوق سے کہا "ایس ٹی ایف میں دشمنوں کا کوئی مخبر زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یہاں کسی کو اپنے کام سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ادھوری باتیں جاننے والے کسی کو کیا خبر دے سکتے ہیں؟"

"پھر اسے کیسے پتا چلا کہ ایس ٹی ایف کے کل دس یونٹ کام کر رہے ہیں؟"

"ایس ٹی ایف آسمان سے نہیں ٹپکی۔ بنانے والوں نے اسے بیورو کریسی کے ذریعے ہی کھڑا کیا ہو گا۔ اسے سالانہ فنڈز ملتے ہیں۔ اس کی فائلیں وزارتِ خزانہ اور داخلہ یا پھر شاید وزارتِ دفاع کی تجوریوں میں ضرور موجود ہوں گی۔ یہ خبریں وہیں سے نکل سکتی تھیں۔"

خبریں کہیں سے بھی نکلتی ہوں، یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ اوبرائن بہت سی خفیہ باتوں سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس کی باخبری کے بارے میں امریکا سے آیا ہوا جان یہ کہہ کر روشنی ڈال چکا تھا کہ اوبرائن پاکستان میں اپنے نئے نظام کی وجہ سے امریکی ضروریات کے لیے ناگزیر حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

نئی پریشان کن اطلاع سے ہم چاروں کے ذہن بوجھل ہو گئے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور میں بے چینی سے اول خان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق شام کی پرواز سے واپس کراچی پہنچ گیا۔ اس نے ہمارے سامنے خوش مزاجی کے مظاہرے کی کوشش کی لیکن میں نے بھانپ لیا کہ وہ اندر سے بجھا بجھا اور فکر مند تھا۔

وہ ہم سب کے لیے ایک غیر معمولی دن تھا۔ اول خان کی رسمی

صحت کا خیال

خاتون "تم کھانا مانگنے صرف میرے ہی دروازے پر کیوں آتے ہو؟"

بھکاری "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ جو غذا تمہاری صحت کے لیے مفید ہو، وہی استعمال کرو۔"

مزاج پرسی کے بعد اسے صبر نہ ہو سکا اور اس نے اوبرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے اول خان کو بتایا "اوبرائن بہت تیز جا رہا ہے۔ اس نے تمہارے اور ڈینی کے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔"

"کب؟ کیسے؟" اول خان پر وہ اطلاع آسمانی بجلی کی طرح گری اور اس کا دہانہ حیرت کی زیادتی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔" میں نے اسے دلاسا دیا "تم آرام سے چائے پی لو پھر اس بارے میں کھل کر باتیں ہوں گی۔ اوبرائن ہمارے لیے روز بہ روز خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں جہاز پر بہترین چائے پی کر آیا ہوں۔ تم کام کی بات بتاؤ۔" وہ کرسی پر پہلو بدل کر مضطربانہ لہجے میں بولا "یہ فنگر پرنٹس کی کیا کہانی ہے؟"

میں نے مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" اول خان کو تفصیل جان کر گہرا صدمہ پہنچا تھا "اس کے گھر کی بات مختلف ہے۔ وہاں وہ جو چاہے، کر سکتا ہے مگر بریفنگ سے فنگر پرنٹس کی چوری شرمناک ہے۔ یہ کام اوبرائن کا کوئی پرانا زر خرید ہی سرانجام دے سکتا تھا۔"

"نئے اور پرانے کی بات مت کرو۔ زر خرید صرف زر خرید ہوتا ہے۔ اوبرائن اسے دل کھول کر نواز رہا ہو گا۔ ان کاموں میں ساری اہمیت سرمایہ کاری کی ہوتی ہے۔ زندگی بدل جانے کی امید میں عقل سے کورے افراد بھی حیران کن کارگزاری دکھانے لگتے ہیں۔"

"تم اسلام آباد سے کیا خبریں لے کر آئے ہو؟" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اوبرائن نے ڈینی سے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں جو زہر افشانی کی ہے، وہ بالکل اسی طرح ٹاپ سیکرٹ فائلوں میں موجود ہے۔" اول خان نے تھکی ہوئی آواز میں انکشاف کیا۔ "امریکا اور پاکستان کے درمیان مذاکرات اور خط و کتابت میں وہ نکات من و عن بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اعداد و شمار تک وہی ہیں اور ان میں سارا زور کشمیر کے مسئلے کے حل پر ہے۔"

ہیروئن اور اس کی اندھی آمدنی سے شروع ہونے والی

کہانیاں ایک مرتبہ پھر مقامی سیاست سے ہوکر بین الاقوامی سفارت اور سازشوں تک پہنچ رہی تھیں۔ سب کچھ ایک دوسرے میں یوں گڈمڈ ہوگیا تھا کہ کچھ سراغ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ سازشی مہروں نے جرم اور سیاست کاری کو ایسی مہارت سے یک جان کیا تھا کہ دونوں کے درمیان لکیر کھینچنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

"پھر تو اوبرائن نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ ریکارڈ پر آئی ہوئی چیزیں سازش کے زمرے میں شمار نہیں کی جاسکتیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ریکارڈ میں الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ کشمیر کے مسئلے کے حل، پُرامن بقائے باہمی، اچھے تعلقات اور خطے میں آزادانہ تجارت کے ذریعے معاشی خوش حالی کا ذکر ہے۔" اول خان وضاحت پیش کرتے ہوئے بولا "اس میں کہیں بھی چین کے مقابلے میں ایک نئی اور عظیم تر ریاست کے قیام کا عندیہ نہیں ملتا۔ اوبرائن نے جوشِ بیان میں تمہیں آگے تک کے منصوبے بتا دیے ہیں۔"

"یہ منصوبہ اوبرائن کا بنایا ہوا نہیں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اسے اس منصوبے کی تیزی سے تکمیل کے لیے پاکستان میں مامور کیا گیا ہے۔ اس کی کارگزاری ہمارے سامنے ہے۔ تم اس کے بارے میں اسلام آباد سے کیا فیصلہ لے کر آئے ہو۔"

اول خان چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا "اوبرائن کی شکایت کے حوالے سے باس نے میری پوزیشن تسلیم کرلی ہے۔ اب تم پوری بے فکری سے کرنل جمال دستی بن کر کام کرسکتے ہو۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" میں نے ترحم آمیز نرمی سے کہا "میں نے تم سے اوبرائن کے مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ اب تم کسی حد تک فورس میں شامل ہوچکے ہو۔ اوبرائن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ ہم دونوں کو کرنا ہوگا..... نتائج اور پیچیدگیوں کی پوری ذمے داری ہم پر ہوگی۔"

"پھر تم اسلام آباد کیا لینے گئے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کراچی میں کھٹومل کے ساتھ چار امریکیوں کے قتل کے بعد کوئی بھی اوبرائن کے بارے میں فیصلہ کرنے پر تیار نہیں ہے۔ امریکا کے متوقع ردِعمل سے ہر ذمے دار خوف زدہ ہے۔ آج صبح سے بلکہ کل رات سے ہی اس نے کوئی فیصلہ حاصل کرنے کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں۔ ہر جگہ اگر مگر اور ٹال مٹول کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں اصولی حمایت تک نہیں مل سکی۔"

"حیرت ہے کہ اعلیٰ ترین سطح پر سرد مہری کا یہ رویّہ سامنے آرہا ہے!" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں نے اعلیٰ ترین سطح کی بات نہیں کی۔" اول خان نے سنبھل کر سختی سے میری تصحیح کی "ہماری طرح ہمارا باس بھی پروٹوکول پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ اس کی رسائی اپنے اہم منصوبوں تک ہے۔ اس سے اوپر بات کرنے کی ذمے داری دوسروں کی ہے۔"

"انتظامی فیصلے میں یہ ڈیڈ لاک تباہ کن بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"میں نے یہ بات اپنے باس کو بتا دی تھی۔ اس نے بھی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ لوگ معاملے کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ رہے ہیں لیکن فیصلہ صادر کرنے سے گریزاں ہیں۔" اول خان کی آواز سے بے بسی جھلک رہی تھی۔

"پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اوبرائن کے بارے میں مجھے اور تم کو فیصلہ کرنا ہوگا؟"

"یہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم فیلڈ میں ہیں اور براہِ راست اوبرائن کے سامنے صف آرا ہیں۔ اس نے ہمیں فیصلے کی مکمل آزادی دے دی ہے۔"

"یعنی ہم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہیں؟" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ملک کے مفاد میں اور قوم کے نام پر ہمیں بہترین فیصلہ کرنا ہوگا۔ پوری ایمان داری کے ساتھ۔"

"خواہ وہ فیصلہ پسپائی اور خاموشی کا ہی ہو؟" میں نے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا۔

"سب کچھ ہماری صوابدید پر ہے۔" اس کا جواب بالکل واضح تھا۔

میرا دورانِ خون تیز ہونے لگا۔ ذہن میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔ فیصلے صادر کرنے کے مجاز حکام اپنے فرض سے چشم پوشی کررہے تھے۔ باس ان کے سامنے بے بس تھا۔ گھنٹی ہمارے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ ان حالات کے کیا نتائج ہوسکتے تھے۔ اسٹیشن فور کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا تھا۔ خوش اسلوبی کے ساتھ اوبرائن کا قصہ نمٹ جاتا تو اسٹیشن فور کو فراموش کرکے کریڈٹ کے بہت سے حق دار پیدا ہوجاتے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو عتاب ہمارا منتظر ہوتا۔

ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی اور میں نے اپنے وجود میں کھولتے ہوئے لاوے کے زیرِ اثر اپنا بایاں بازو سلنگ سے نکال کر بے رحمی سے کرسی کے ہتھے پر ٹکا دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمہ دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کر کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کنول کے متعلق مخبری کر دی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اوبی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی جو فلیٹ سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے ایس ڈی اور ٹیم کو لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فور پر تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اوبی نے دفتر خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اوبی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا اور دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

مایوسی اور بددلی کے غلبے سے جنم لینے والے میرے اس غیر ارادی ردِعمل نے دونوں عورتوں کو مضطرب کر دیا۔ غزالہ کے اضطراب میں دردمندی اور دکھ کے عناصر غالب تھے۔ ویرا نے غصیلی آواز میں فہمائش کرتے ہوئے میری بائیں کلائی دوبارہ سلنگ میں ڈال دی۔

"ویرا بالکل صحیح بات کہہ رہی ہے" اول خان نے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے فیصلوں پر ایسی جھنجلاہٹ اور خود آزاری کا مظاہرہ کر کے تم اپنی شکست قبول کر رہے ہو۔"

"میں اوبرائن کا نرخرا چیر سکتا ہوں مگر تمہارا باس؟ اس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں؟" مجھے اپنی آواز میں شدید غم و غصے کا پوری طرح ادراک تھا۔

"میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر تم کو پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ خود بھی بے بسی کا شکار ہے۔"

"ہر شخص بے بس ہے.... تمہارا باس پروٹوکول کا پابند ہے' اپنے ہم منصبوں سے اوپر کی سطح پر رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ تم بھی اپنی فورس کے ڈسپلن کے تابع ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اوبرائن کا ڈھول صرف اور صرف میرے گلے میں باندھ دیا گیا ہے۔"

"میں تمہارے ہر فیصلے میں پوری طرح شریک رہوں گا۔ خود کو اس قدر تنہا محسوس مت کرو۔ کل تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ ہم لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بیورو کریٹ اور حکمراں اس ملک کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر آڑے وقت میں ہمارے کام آتے ہیں۔"

"بہت سے فیصلے تم اپنی مرضی اور صوابدید سے کرتے آئے ہو" ویرا نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "ان فیصلوں کے نتیجے میں کامیابیوں نے تمہارے قدم چومے ہیں۔ چند روز کے لیے سب کو بھول جاؤ..... سمجھ لو کہ تم تنہا میدان میں اترے ہوئے ہو۔"

ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے اول خان بول پڑا "دشمن کے مقابل میں اپنی کمان سے نکلا ہوا سپاہی کسی کمان دار کے حکم کا تابع نہیں ہوتا۔ تم فیصلہ کرو' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"مجھے کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو" میں نے تلخی سے کہا "جب ٹھوس حقائق سامنے ہوں تو مفروضوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ اسلام آباد کی خبریں سنا کر تم نے میرا دل خون کر دیا ہے۔ میں اپنی جاگیر کے لیے نہیں' اس ملک کے لیے لڑ رہا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہاری فورس کا سربراہ ایسے نازک موقع پر بزدلی دکھائے گا..."

"ڈیئی!" اول خان نے اونچی آواز میں میری بات کاٹ دی۔ "آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم بھول رہے ہو کہ ایس ٹی ایف نے ڈسپلن کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ سخت ترین ڈسپلن کے سوا اس کا کوئی تحریری ضابطۂ کار نہیں ہے۔ اپنے باس کی مجبوریوں کو صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ جب اس نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تو اس کی آنکھوں سے بے پایاں کرب جھلک رہا تھا۔"

"یہ کیسا ڈسپلن ہے کہ باس مجبور ہے مگر اس کا ماتحت اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہے؟" میں نے تلخ اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے اندھا ڈسپلن کہتے ہیں" اول خان نے میری دلیل سے مرعوب یا متاثر ہوئے بغیر دفاع کیا۔ "اس نے فیصلہ صادر نہیں کیا' اس کی مرضی۔ اس نے اپنا اختیار مجھے منتقل کر دیا' یہ بھی اس کی مرضی ہے۔ مجھے اس پر حرفِ گیری کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی بل پر

ایس ٹی ایف زندہ ہے۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے... شاید اس لیے کہ میں فورس سے باہر کا آدمی ہوں۔"

"اب تم باہر کے آدمی نہیں رہے" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔ "جب تک تم کرنل جمال دستی کے روپ میں ہو' ایس ٹی ایف کے مخبر بلکہ اہل کار ہو۔ تمہارے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ کام روکا نہیں گیا' جاری ہے اور تم بالکل آزاد ہو۔"

"مگر نتائج کی پوری ذمے داری میری اور تمہاری ہوگی" میں نے کہا۔

"یہ کہنے کی بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باس نے خاموشی اختیار نہیں کی ہوگی۔ معمول کے ذرائع ناکام ہونے کے بعد اب وہ اوپر سے اپنی بات منوانے کے دوسرے ذرائع استعمال کر رہا ہوگا۔"

"کوششیں جاری تھیں تو اس نے پروٹوکول کی آڑ لے کر تمہیں کیوں ٹال دیا؟" اس بار ویرا نے میرے موقف کی حمایت میں زبان کھولی تھی۔

"میری کراچی میں موجودگی ضروری تھی" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مجھے غیر معینہ مدت تک اسلام آباد میں بٹھا کر کام نہیں روک سکتا تھا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اس نے مجھے بلینک چیک دے کر بھیجا ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ بات تمہیں اب سوجھ رہی ہے۔ وہاں سے تم منہ لٹکائے واپس آئے تھے۔ بلینک چیک حاصل کرنے والے اداس اور پژمردہ نہیں ہوا کرتے۔"

"دشمن کی رسائی اور بالادستی کا کوئی توڑ سوچنے کے بجائے تم آپس میں لڑ رہے ہو" سلطان شاہ نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایس ٹی ایف میں نیچے سے اوپر تک کوئی بھی ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اول خان کے باس نے اگر پسپائی اختیار کی ہے تو اس کی بہت ہی مضبوط وجوہ ہوں گی۔"

"ہمیں ان وجوہ کو اپنی مجبوری سمجھ کر مان لینا چاہیے" غزالہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل لقمہ دیا "یہ سوچو کہ موجودہ حالات میں کیا' کیا جا سکتا ہے؟"

"بظاہر صبر کرنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"آپ زخمی ہیں" غزالہ نے ناصحانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ "آپ کی جھلاہٹ کا سبب سمجھ میں آتا ہے۔ کوئی حرج نہیں' آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔ ہم آپس میں مغز زنی کرکے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔ اس پر آپ سے بھی رائے لے لی جائے گی۔"

"میں زخمی ہوں' مجبور ہوں' معذور ہوں' مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال کر الگ پھینک دو" میں [illegible] لگا "تم تماشا دیکھتا رہوں گا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا" میرے غصے سے غزالہ سہم گئی "آپ کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔ ہم چاروں کو بھی کچھ نہ کچھ سوچنا اور کرنا چاہیے۔ کب تک..."

"بس' غزالہ!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر درمیان میں دخل اندازی کی "تم خاموش ہی رہو تو بہتر رہے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ڈینی کی شرکت کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر سکیں؟"

ویرا کی بھویں تن گئیں۔ اس نے اول خان کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا "کیا ہم سب کی کھوپڑیوں میں بھوسا بھرا ہوا ہے کہ ہم ڈینی کی مدد کے بغیر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے؟ یہ ایسا ہی بقراط ہوتا تو اس وقت زخمی بازو نہ لیے بیٹھا ہوتا۔"

اول خان نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنی پیشانی تھام لی اور بے بسی سے بولا "اس وقت تم سب جذباتی ہو رہے ہو۔ کوئی میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔"

ویرا کے اشتعال انگیز فقروں پر مجھے طرارہ آیا تھا مگر اول خان کے فوری ردِّعمل نے مجھے زبان کھولنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ یقیناً کوئی اہم بات کہنے والا تھا۔

سب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا "ہم سب پس منظر میں ہیں۔ صرف ڈینی ہی اوبرائن سے رابطے میں ہے۔ اسے الگ رکھ کر ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا کے تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ڈینی پر اتنا بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کا زخم بگڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اس کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر گزروں۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا رہا ہوں۔ ڈینی کا زخم تیزی سے بھر رہا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چند منٹ پہلے اس نے غصے میں سلنگ سے کتنی تیزی سے اپنی کلائی نکالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اول خان کے تیز مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنا بازو کرسی کے ہتھے پر ٹکاتے ہوئے تکلیف ضرور ہوئی تھی لیکن وہ بہت شدید یا ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔

"تم کیوں نہیں بولتے؟ گم صم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" ویرا میری طرف گھوم گئی۔

"میں صرف تماشائی ہوں۔ تم لوگ بحث کرتے رہو۔ میں سکون کے ساتھ کسی فیصلے کا انتظار کروں گا" میں نے ویرا کو سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ڈینی سے مت الجھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اب کیا ہوگا؟" اول خان نے تحمل سے سمجھایا۔

"جلدی بتاؤ [illegible] میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتی" ویرا بھنّا کر

بولی۔

"جب تک زخم بالکل صحیح نہیں ہو جاتا' ڈینی کو جسمانی مشقت سے الگ تھلگ رہنا ہوگا۔ ہم اوبرائن کو اس کے قلعے نما فلیٹ میں نہیں گھیر سکتے۔ ڈینی کو اسے کسی طرح باہر نکالنا ہوگا۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔" اول خان کے آخری فقرے سے اس کے عزائم واضح ہو گئے۔

"دفتر جانے کے لیے وہ روز ہی گھر سے نکلتا ہوگا۔ اسے کہیں بھی گھیر کر جہنم واصل کیا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی مخلصانہ رائے پیش کی۔

"وہ ایک اہم آدمی ہے" اول خان اسے سمجھانے لگا۔

ذہنوں پر چھایا ہوا تناؤ بتدریج ختم ہو چکا تھا اور چاروں ایک دوسرے کی بات سننے کے موڈ میں آچکے تھے۔

جب سے امریکا نے پاکستان کو اپنے شہریوں کے لیے ہائی رسک زون قرار دیا تھا' اس کے اہم سیاسی اور سفارتی عہدے دار مقامی آبادیوں میں سے گزرنے کے لیے آرمرڈ اور بلٹ پروف گاڑیاں استعمال کر رہے تھے جن میں مسلح محافظ بھی موجود ہوتے تھے۔

یہ جان' ایڈی اور ان کے دونوں کمانڈوز کی مجبوری اور بدقسمتی تھی کہ وہ کھشومل کو سرعام قتل کرنے کے لیے اپنی کوئی محفوظ ترین گاڑی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے انہوں نے کھشومل کے ایک ہندو دوست کی جیپ استعمال کی اور ارتکاب جرم کے بعد مقامی پولیس کی گولیوں کی خوراک بن گئے۔

ان چاروں کے برعکس' اوبرائن کو ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لیے وہ آمدورفت میں ہر احتیاط برت رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں نے پچھلے چند دنوں میں اس کا خفیہ تعاقب کر کے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا' ایسے کسی سفر میں اوبرائن پر کامیابی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ میں اسے کسی مجرمانہ کامیابی کا لالچ دے کر شیشے میں اتار سکتا تھا۔ کسی خفیہ مشن کے لیے اوبرائن یقینی طور پر سرکاری آرمرڈ گاڑی کے استعمال سے گریز کرتا اور شاید محافظوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی۔ اس وقت اسے راستے میں کہیں بھی للکار کر یا بے خبری میں مارا جا سکتا تھا۔ اسے راہ سے ہٹائے بغیر پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا زور توڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی موت سے وہ فتنے ایک لمبی مدت کے لیے دب سکتے تھے۔

اول خان نے اپنی تجویز میں میرا کردار بھی متعین کر دیا تھا۔ مجھے صرف فون پر اوبرائن سے رابطے کر کے غیر محسوس طریقے پر اپنے دام میں لانا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اگلے دو تین روز میں میرا زخم اتنا بہتر ہو سکتا تھا کہ میں تھوڑی سی احتیاط کے ساتھ تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہونے تک پانچوں افراد پوری عرق ریزی کے ساتھ اسی ایک موضوع پر جٹے رہے۔ بھانت بھانت کی تجاویز بنتی اور مسترد ہوتی رہیں۔ اس بحث مباحثے سے مجھے اپنے کام کے لیے خاصا مواد مل رہا تھا' میں باتوں کو دانستہ طول دیتا رہا۔

کھانے کے بعد اول خان اپنے گھر جانے کا ارادہ ترک کر کے اسٹیشن فور پر ہی رک گیا۔

اس نے حالات میں تیزی سے پیدا ہونے والے بگاڑ کی وجہ سے غزالہ کو اپنی فیملی کے ساتھ پشاور بھیجا تھا۔ میرے زخمی ہونے کی وجہ سے اسے ہنگامی طور پر غزالہ کو واپس کراچی بلوانا پڑ گیا لیکن اس کے بیوی بچے بدستور پشاور میں تھے۔ وہ کئی دن تک گھر نہ جاتا تب بھی کوئی اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوتا۔

اسٹیشن فور پر ملک بھر سے کئی اخبارات آتے تھے تاکہ ایس ٹی ایف کی مقامی قیادت ہر وقت تازہ ترین واقعات اور حالات سے باخبر رہ سکے۔

خان کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ کرنل جمال دستی کے خلاف دفتر خارجہ میں امریکی سفیر کی شکایت کو مقامی اور بین الاقوامی پریس نے خاصی اہمیت دی تھی کیونکہ اس میں ایک مرتبہ پھر اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کی بازگشت سنائی دی تھی۔

اس شکایت کی واپسی کے چوتھے روز تمام اخبارات نے امریکی سفیر کی معذرت کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ شکایت سے دستبردار ہونے میں سبکی ہوئی تھی اس وجہ سے امریکیوں نے شاید وہ اطلاع براہ راست اخبارات کو فراہم نہیں کی تھی۔ پاکستانی حکام نے اپنی سہولت کے مطابق تین دن کی تاخیر کے بعد وہ خبر اخبارات اور ایجنسیوں کو جاری کر دی تھی۔

میرے لیے اس خبر کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اعلیٰ سطح پر ہونے والی وہ کارروائی اخباروں کے ذریعے عام آدمی تک پہنچ گئی تھی ورنہ اول خان نے اسی رات تصدیق کر لی تھی کہ اوبرائن نے میرے دکھائے ہوئے سبز باغ کے نتیجے میں اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا اور میں کرنل جمال دستی کے روپ میں دوبارہ ایس ٹی ایف میں بحال ہو گیا تھا۔

ان دنوں پاکستان میں اخبارات پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں تھیں۔ کئی نامہ نگاروں نے جان اور ایڈی کے قتل کے بعد پاکستان اور امریکا کے درمیان شروع ہونے والی سفارتی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کو شکایت کی واپسی سے منسلک کر دیا تھا۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ محاذ پر منہ کی کھانے کے بعد امریکیوں نے اپنے جارحانہ تیور ترک کر کے نرم مدافعانہ پالیسی اپنا لی تھی۔ اس دلیل سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کر لیا گیا تھا کہ یوں امریکا نے جان اور ایڈی کے جرم کے بارے میں کراچی پولیس کے موقف کو بڑی حد تک تسلیم کر لیا تھا۔

ایک طویل تبصرے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ سفارتی پروٹوکول کے تحت امریکا سے آئے ہوئے دونوں سراغ رسانوں کو کھٹومل کے قتل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

چوہدری اسلام کے بارے میں مجھے کسی اخبار میں ایک سطر تک نہ مل سکی۔ وہ معاملہ پرانا ہو کر دب چکا تھا یا اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جا رہا تھا۔

ناشتے پر اول خان میرے ساتھ موجود تھا۔ بعد میں سلطان شاہ بھی شریک ہو گیا۔ رات بھر سوچنے کی مہلت دینے کے بعد وہ دونوں ہی میرے عزائم جاننا چاہتے تھے۔

"میں آج بلکہ ناشتے کے فوراً بعد اسے فون کرنے کے لیے تیار ہوں" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "سوال یہ ہے کہ موضوعِ سخن کیا ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا ایجنڈا چار نکات تک محدود ہے۔" اول خان نے پر خیال لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "میری دانست میں تو وہ صرف میری یعنی ڈینی کی جان کا خواہاں ہے۔ تم کن چار نکات کی بات کر رہے ہو؟"

"ایس ٹی ایف کی نفری اور اس کے دس مراکز کا محلِ وقوع اس کے پہلے دو مطالبے تھے۔ تیسرے نمبر پر تمہارے فنگر پرنٹس اور چوتھے نمبر پر تمہارا سراغ۔"

"چلو، یوں ہی سمجھ لو۔" میں نے نیم دلی سے کہا "میری نشان دہی اس کے لیے شاید زیادہ اہم ہو۔"

"اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ کہانی وہیں ختم ہو جائے گی" اس نے سرعت سے کہا "وہ بہت چالاک ہے۔ فون پر ہی تم سے سب کچھ جاننا چاہے گا اور پوری تسلی کے بعد اپنے مسلح گرگے تمہارے بتائے ہوئے مقام کی طرف روانہ کر دے گا۔ وہ خود ایک ذمے دار اور اعلیٰ انتظامی افسر ہے۔ خود مار دھاڑ میں حصہ نہیں لے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"اس سے کم کسی بات پر اسے اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکالا جا سکے گا۔"

"تمہارے فنگر پرنٹس بھی اس کے لیے مساوی اہمیت رکھتے ہیں" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "وہ اسکیچ سے کہیں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے وہ پہلے ہی اس کی تحویل میں ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بس ان پر لیبل کرنل جمال دستی کے نام کا ہے۔"

"سلطان شاہ کی تجویز مناسب ہے۔" اول خان نے اس کی حمایت کی "اسٹیشن فور پر کچن اور میس وغیرہ میں کام کرنے والے متعدد آدمی ایسے ہیں جو کبھی فیلڈ میں نہیں نکلتے اور ان کا زندگی بھر امریکیوں سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔"

"تم چاہتے ہو کہ ڈینی اپنے نام پر ان میں سے کسی کے فنگر پرنٹس اس کے حوالے کر دے۔"

"اس کے سوا اور کیا، کیا جا سکتا ہے؟ ڈینی چاہے تو بھی اپنے صحیح فنگر پرنٹس اسے نہیں دے سکتا۔ راز کھل جائے گا کہ جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" مزاحیہ انداز میں یہ کہہ کر اول خان دھیرے سے ہنس پڑا۔

میں ناشتے کے اختتام تک اس تجویز پر غور کرتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم لوگ اوبرائن کو ٹریپ کرنے کے لیے کوشش ہی کر سکتے تھے، کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہماری قسمت پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اوبرائن کے ڈائریکٹ نمبر پر رابطہ کیا تو وہ موجود تھا۔ میری آواز سن کر وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "کیا تم نے کسی خاص سلسلے میں فون کیا ہے؟"

"میں ہنسی مذاق کے لیے تمہیں فون نہیں کرتا۔ آج تم نے ایسا اکھڑا اکھڑا سوال کیوں پوچھا ہے؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ ہماری باتیں کہیں اور بھی سنی جاتی ہوں گی۔"

"تم خود بھی جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

"تم ایس ٹی ایف کے سربراہ نہیں ہو۔ جن لوگوں نے تمہارے فون پر یہ آلہ لگوایا ہے وہ اس کا توڑ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہارا یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میرے اپنے تحفظات ہیں۔ آج کل تم شکوک و شبہات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اس کے لب و لہجے سے اس کی بے اطمینانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اس قدر خوف زدہ ہو تو فون بند کیے دیتا ہوں۔ تم سے ملاقات کے بعد مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔ تعلق توڑ کر شاید میں پرسکون ہو جاؤں۔"

"فون کیا ہے تو جلدی سے مدعا بھی بتاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"شاید میں نے تمہارے مطلوبہ فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔" میں نے کہا۔

"گڈ، یہ اچھی اطلاع ہے۔ لیکن یہ کس چیز پر ہیں؟" اوبرائن نے پوچھا۔

"نہیں، تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکا۔ اس کے استعمال

ہیں آیا ہوا گلاس میں نے محفوظ کرلیا ہے۔"

"اس پر دوسروں کی انگلیوں کے نشان بھی موجود ہوں گے؟"

اوبرائن نے خود مجھے راہ دی۔

"شاید خدمتگار کے پرنٹس ہوں۔ اس سے پہلے میں نے گلاس صاف کردیا تھا۔"

"اسے احتیاط سے رکھو اور کل دوپہر بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر لے آؤ۔ بلیکی وہاں تمہارا انتظار کرے گا۔ اس سے بقیہ ہدایات بھی ملیں گی۔"

"تو کیا تم مجھے بلیکی کے حوالے کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ عارضی احتیاط ہے۔ اب تم براہِ راست مجھے فون نہیں کروگے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔

"حالات اور میرے تحفظات۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "کل بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ پہنچنا نہ بھولنا، بلیکی وہاں زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے میرا ردِ عمل جانے بغیر فون بند کردیا۔

"بلیکی کا کیا چکر چل پڑا؟" جوں ہی میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا، سلطان شاہ تجسس آمیز لہجے میں سوال کر بیٹھا۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم کچھ پریشان تھے۔"

میں نے ان دونوں کو اوبرائن ڈی ہنٹ کے بدلے ہوئے رویے کی کہانی سنادی۔

"شاید تمہاری طرف سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ایسی صورت میں تمہارا ایمپریس مارکیٹ جانا مخدوش بھی ہوسکتا ہے۔"

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ "کھٹو مل، جان، ایڈی اور دو میرین کمانڈوز کا انجام اس کے سامنے ہے۔ کسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے موت کی بو سونگھ لی ہے۔"

میری دانست میں اوبرائن کی باتیں خاصی بے ربط اور شکستہ تھیں۔ میں نے اس سے ہونے والی گفتگو کو اپنے ذہن میں دہرایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سلطان شاہ صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اوبرائن نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے بغیر اچانک اسے فون کیا تھا۔ شاید بلیکی فوری طور پر دستیاب نہیں رہا ہوگا۔ اوبرائن نے اسے سمجھانے اور وقت کی پابندی کے لیے اگلے دن کا وقت مقرر کیا تھا۔

میرے لیے ایک دن کی وہ مہلت نعمت سے کم نہیں تھی۔ میرے بازو کا زخم تیزی سے مندمل ہورہا تھا۔ میں نے اگلے دن کی

تسلسل

ایک گھرانا جو تنگ مکان میں رہتا تھا، ایک کشادہ مکان میں منتقل ہوگیا۔ ایک شخص نے اس مکان میں آنے والے بچے سے پوچھا "تمہیں یہ مکان کیسا لگا؟"

بچے نے بتایا "مجھے یہ مکان بہت پسند ہے۔ میرا کمرا بھی الگ ہے اور میری دونوں بہنوں کے بھی اپنے اپنے کمرے ہیں" بچے نے یہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کیا پھر کچھ دیر سوچتے ہوئے بولا "مگر بے چاری ممی! انہیں اب بھی ڈیڈی کے کمرے میں ہی سونا پڑتا ہے۔"

جہلم سے محمد آصف جمروز خان کی عنایت

پیشگی تیاری کے لیے سلنگ اتار کر اپنا بایاں بازو آزاد کردیا۔ زخم میں چند ثانیوں کے لیے ٹیسیں اٹھیں جو زیادہ شدید نہیں تھیں۔

غزالہ نے اس تبدیلی کو خوشگوار حیرت سے دیکھا اور مجھے مزید چند روز احتیاط کا مشورہ دیا۔ جب میں نے اسے اوبرائن سے طے ہونے والے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے اپنے مشورے پر اصرار نہیں کیا۔ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس شام بھی ڈاکٹر آیا۔ زخم کا معائنہ کرکے اس نے دواؤں میں کچھ ردوبدل کی۔ اول خان سے مشورے کے بعد ایک انجکشن لگایا اور مختصری پُرامید گفتگو کے بعد واپس چلا گیا۔

دن بھر کی مشق کے بعد میں نے چلتے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں میں لٹکائے رکھنے کی اتنی عادت ڈال لی تھی کہ اگلے دن مجھے کسی پریشانی کا اندیشہ نہیں تھا۔

اول خان نے اپنی دفتری مصروفیات سے فارغ ہوکر شام میں اطلاع دی کہ اس کے باس کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں اسلام آباد میں برف پگھلنی شروع ہوگئی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو شجر ممنوعہ قرار دینے والے بزرجمہروں کو اوپر والوں نے نظرانداز کردیا تھا۔

اوپر والے اوبرائن کو پوری احتیاط سے راہ سے ہٹانے کی تجویز سے متفق ہوگئے تھے۔ پہلی ترجیح یہ تھی کہ اسے اس قدر دہشت زدہ کردیا جائے کہ وہ خود گھبرا کر اپنے وطن لوٹ جائے۔ اس طریقۂ کار میں ناکامی کی صورت میں اس کے لیے اسی قدر مہارت اور ہوشیاری ضروری قرار دی گئی تھی جتنی جان اور ایڈی کے معاملے میں اختیار کی گئی تھی۔

وہ نکات غیر معمولی نہیں تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اندازہ تھا کہ امریکیوں کے جانی نقصانات کا تسلسل کسی بھیانک انتقامی کارروائی کا پیش خیمہ بھی بن سکتا تھا۔ کسی بھی واقعے میں کسی ایجنسی کے ملوث ہونے کا کوئی سراغ باقی رہ جاتا تو ایسی کارروائی کے امکانات بڑھ سکتے تھے۔

وہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔ اوبرائن میرے رابطے میں تھا اور مجھ سے بار بار بات کرنے کا آرزو مند تھا تو کہیں سے پیش قدمی کا کوئی موہوم ترین اشارہ نہیں ملا تھا۔ ہم آپس میں لڑتے اور سر کھپاتے رہتے تھے۔ وہ بلیکی کو آگے بڑھا کر غائب ہوا تو اسلام آباد سے گرین سگنل آ گیا۔

اگلی صبح میرا زخم بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شاید انجکشن کا کمال تھا کہ میں ہلکی سی تکلیف کے ساتھ اپنے لٹکتے ہوئے بازو کو اوپر نیچے حرکت دینے کے قابل ہو چکا تھا۔

بلیکی سے ملاقات کی تیاری میں میں یہ نکتہ فراموش کیے بیٹھا تھا کہ بائیں بازو کا زخم بڑی حد تک بھر جانے کے باوجود میں ڈرائیونگ کے قابل نہیں تھا۔ دس بجے اول خان نے مسکرا کر اس بارے میں پوچھا تو میری نظریں بے اختیار سلطان شاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"نہیں!" اول خان نے سختی سے کہا۔ "ہم میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارے گلے کا پھندا بن سکتی ہے۔"

سلطان شاہ مہم جوئی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "میں دور رہ کر اس کی حفاظت کرتا رہوں گا۔"

"اس سے دور رہ کر تم اس کی زیادہ خدمت کرو گے۔ میں گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر چکا ہوں۔" اول خان نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میں گیارہ بجے اسٹیشن فور سے روانہ ہوا تو میری جیبوں میں ہیم گن کے ساتھ موبائل فون بھی موجود تھا۔ فون میں نے بند کیا ہوا تھا۔ بلیکی کو موبائل فون کی بھنک مل جاتی تو وہ اس کا نمبر مانگ سکتا تھا۔ جب کہ میں ان لوگوں سے اپنا ہر سراغ پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔

وہ سفر وسوسوں، اندیشوں اور خوش گمانیوں کے دوران میں طے ہوا۔ اول خان نے میرے لیے کراچی کی روایتی زرد و سیاہ ٹیکسی کا بندوبست کیا تھا۔ اسے چلانے والا اپنی وضع قطع سے کوئی پیشہ ور ڈرائیور نظر آ رہا تھا مگر اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کی فورس کا ایک ممتاز اہل کار تھا۔

میں صدر کی مصروف اور پرہجوم سڑکوں پر وقت گزاری کرتا ہوا مقررہ وقت پر ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر پہنچا تو قوی الجثہ بلیکی بھی ایک ٹیکسی [illegible]

وہ قد آور اور ضخیم شحیم تھا اس لیے اسے نظرانداز کرنا ناممکن نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے جسم پر سرمئی رنگ کا قمیص شلوار سوٹ موجود تھا۔ لباس پہننے کے بے پروایانہ قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مقامی لباس اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس حلیے میں وہ دور سے کوئی قد آور مکرانی معلوم ہو رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اسے شہر کی بھیڑ بھاڑ میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا گیا تھا۔

بلیکی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ متوسط قامت اور جسامت والا کوئی مقامی شخص بھی تھا جو قمیص پتلون میں ملبوس تھا۔ ٹیکسی سے اترتے ہی ان دونوں کی متلاشی نظریں مارکیٹ کے بڑے داخلی راستے سے ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور پھر بلیکی نے مجھے دیکھ لیا۔

میں اس کی طرف لپکا اور وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے۔

"گلاس کہاں ہے؟" بلیکی نے آتے ہی کسی سلام دعا یا تمہید کے بغیر سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اس سے متوقع مصافحے کی امید میں اپنا داہنا ہاتھ خالی رکھا تھا۔ گلاس والا ہلکا سا پیکٹ بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے گستاخانہ مطالبے پر میں نے بائیں ہاتھ سے وہ پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے فوراً لے لیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمہارا بایاں بازو مفلوج ہو گیا ہے؟" اس نے اپنی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بے رحمانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، کوئی پٹھا اکڑ گیا ہے۔" میں نے اس کی بدتمیزی کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ میں اس کے بارے میں پہلے ہی خراب رائے قائم کر چکا تھا۔ بلیکی اس وقت بھی اپنی بول چال سے خود کو انتہائی گھٹیا درجے کا سیاہ فام امریکی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"میں جا رہا ہوں، یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ دھن راج تمہیں آئندہ طریقۂ کار کے بارے میں بریف کر دے گا۔" اس نے واپسی کے لیے پر تول لیے۔

"اوبی نے مجھ سے صرف تمہارا ذکر کیا تھا۔ میں دھن راج کو نہیں جانتا۔"

"تم نہیں جانتے مگر میں نے تعارف کرا دیا ہے۔ اب دھن راج ہی تم سے ڈیل کرے گا.... بائے!" یہ کہہ کر اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے یوں حیرت سے نہ دیکھو۔" مقامی نظر آنے والے شخص نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ "اپنا ذہن صاف رکھو۔ ابھی ہمیں کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

میں اس وقت ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اوبرائن میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ پہلے بلیکی اور اب دھن راج میرے سامنے تھا۔ جب تک وہ خاموش رہا، میں اسے مقامی ہی

سمجھتا رہا لیکن اس کے بولنے پر مجھے شبہ ہوا کہ اس کا لب و لہجہ مقامی نہیں تھا۔

"بلیکی کی طرح تم بھی دساور سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری بے خوفی سے کہا۔ "بھارتی ہو؟"

"پاکستان اور بھارت ایک ہی ملک کے دو نام ہیں۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "جو چاہو سمجھ لو۔ آج کی ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اور تم مجھ کو دیکھ لو۔ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اب تم اولی یا بلیکی کے بجائے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"اگر اس کاغذ پر تمہارا ہوٹل کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا ہے تو یہ چیزیں اوبرائن مجھے فون پر بھی بتا سکتا تھا۔ اس کی خاطر سرِ راہ یوں ملنا ضروری نہیں تھا۔" میں نے کاغذ دیکھے بغیر اپنی جیب میں ڈال کر بدمزگی سے کہا۔ "پتا نہیں میرے ساتھ کیا ناٹک رچایا جا رہا ہے۔"

"برا نہ مانو کرنل!" اس نے نرمی سے مجھے جتا دیا کہ وہ پہلے سے میرے بارے میں بریف کیا جا چکا ہے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "گلاس دینے کے لیے تمہیں کہیں نہ کہیں آنا ہی تھا۔ اولی کا خیال تھا کہ ہمیں بہت دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا ہے، آپس میں تعارف ہو جائے تو اچھا رہے گا.... یوں بیچ میں رکنے کے بجائے کنارے سے آ جاؤ..... زیادہ باتیں کرنی ہیں تو ہوٹل چل کر میرے ساتھ کچھ پینے کی دعوت قبول کرو۔"

"میں تعارف کا ہی منتظر ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے مگر میں تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ انجان لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرا کوئی لمبا چوڑا تعارف نہیں ہے۔ تم نئے ہو، میں پرانا ہوں۔ رفتہ رفتہ تم بھی میری طرح پرانے ہو جاؤ گے۔"

اس کا جواب بہت مبہم لیکن اپنی جگہ مکمل تھا۔ میری الجھن دور نہیں ہو سکی۔ میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم قونصل خانے میں کام کرتے ہو؟"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہاری طرح ہوں۔ بس ذرا پرانا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھ پر بھروسا کیا جاتا ہے۔"

اس کے پراسرار رویے اور پرپیچ جوابوں سے میری طبیعت مکدر ہونے لگی۔ جی چاہا کہ اسی وقت اس مردار کی گردن دبوچ کر جوتے لگانے شروع کر دوں مگر وہ مشتعل ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اپنا غصہ [illegible] "بلیکی گاڑی [illegible] لے کر چلا گیا، تمہیں

پر چھوڑ کر لوٹ جانا چاہیے تھا۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تم جس فورس میں ہو، وہ اپنے آدمیوں کے لیے بھی بہت موذی اور خطرناک ہے۔ پھر بھی ایمرجنسی کے لیے کوئی نہ کوئی رابطہ تو ہونا ہی چاہیے۔"

"سہاروں کی ضرورت نئے آدمی کو ہوتی ہے۔ تم پرانے ہو۔ میری ضرورت محسوس نہیں کرو گے۔ یہ بات اولی اچھی طرح جانتا ہے۔" میرے الفاظ تلخ تھے مگر لہجہ نرم تھا۔

اس نے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ "کبھی رنگ رلیوں میں ڈوب کر چند گھنٹے گزارنے کا موڈ ہو تو فون کر کے میرے پاس آ جانا۔ میں اپنے مہمانوں کی فراخ دلی سے دیکھ بھال کرتا ہوں۔"

میری دانست میں وہ شراب نوشی کی دعوت تھی۔ میں نے اس کی تضحیک کی نیت سے پوچھا۔ "دیسی پر گزارہ کرتے ہو یا ولایتی بھی مل جاتی ہے؟"

"یہ پسند اور موڈ پر منحصر ہے۔ شراب اور لڑکیاں..... دونوں ہی دیسی بھی مل جاتی ہیں اور پردیسی بھی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "شہر کے اوباش رؤسا کو ترسانے والیاں میری ایک فون کال پر سر کے بل چلی آتی ہیں کیونکہ میں کام سے پہلے پورے گر لگے بندھے دام ادا کر دیتا ہوں۔"

وہ غلاظت کی طرف جانے لگا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ پوری طرح صحت مند تھا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔

ٹیکسی بسوں اور بھانت بھانت کی گاڑیوں کی رینگتی ہوئی بے ترتیب بھیڑ سے گزر کر زیب النساء اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی شارع فیصل پر آئی تو میرے ڈرائیور نے پرتشویش آواز میں کہا۔ "سر! شاید ایک کالی گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"کرنے دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سیدھے اسٹیشن فور کی طرف چلو۔"

"سوسائٹی میں داخل ہو کر اسے کہیں غچا نہ دے دوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں معلوم ہے کہ میں اسٹیشن فور پر ہوتا ہوں۔ چھاؤنی کی چیک پوسٹ سے پہلے ہی وہ گاڑی واپس چلی جائے گی۔ تم اسے بھول کر ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

میں نے خود بھی مڑ کر مشتبہ گاڑی پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میرا ذہن مسلسل دھن راج میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بدنصیب تھا۔ اوبرائن نے اسے قربانی کا بکرا بنا کر میرے سامنے ڈال دیا تھا۔ اس کا نام اور پتا میری جیب میں موجود تھا۔ اول خان کا کوئی بھی ذہین آدمی چند گھنٹوں میں اس کا پورا شجرہ نکال کر لا سکتا تھا۔ اس کے بعد دھن راج کے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ہماری مرضی سے ہوتا اور ہمارے منتخب کیے ہوئے وقت پر ہوتا۔ دھن راج اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

بارہ بجے ہونے والی وہ ملاقات بہت مختصر رہی تھی۔

واپسی پر شہر کے وسط سے مضافات کی طرف جانے والا ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو کر اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے عین مطابق سیاہ کار چھاؤنی کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔

میرے ایما پر ڈرائیور گاڑی براہِ راست اول خان کے دفتر کی طرف لے گیا۔

اول خان ٹیکسی کے انجن کی آواز پہچان کر دفتر سے برآمدے میں نکل آیا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنی اہم ملاقات مختصر سے وقت میں ختم ہو گئی تھی۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کی طرح دھن راج کا نام بھی اسپیشل ٹاسک فورس کی فہرست میں نہیں تھا۔ دھن راج سے میری ملاقات کے بعد یہ بات ہر شک وشبے سے بالا تھی کہ وہ کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارے خلاف سنگین ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اور خود کو ہر ایجنسی کی نگاہوں سے بچائے رکھنے میں پوری طرح کامیاب تھا۔

اس قسم کے سنگین مجرموں کی ابتدائی نشان دہی عام طور پر ایس ٹی ایف ہی کیا کرتی تھی کیونکہ اس کا دائرۂ کار بیشتر پابندیوں سے یکسر آزاد تھا۔ ابتدائی شواہد کی دستیابی کے بعد فورس اپنے ہدف کا ریکارڈ متعلقہ وفاقی اداروں کو فراہم کر دیتی تھی۔

اول خان نے اپنے دفتر میں دو تجربے کار اہل کاروں کو بلا کر دھن راج کے جملہ کوائف اور سرگرمیوں کا کھوج لگانے پر مامور کر دیا اور پھر لنچ کے لیے میرے ساتھ رہائشی بیرکوں کی طرف ہولیا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں کسی دنگے فساد میں ملوث ہوئے بغیر خیرو عافیت سے واپس لوٹ آیا تھا اور میرا زخمی ہاتھ مزید مجروح نہیں ہوا تھا۔

"جہاز کے وزنی لنگر کی طرح، تمہارا ٹھہرا ہوا بازو بلیکی کی نظروں سے پوشیدہ تو نہ رہ سکا ہوگا؟" ویرا نے اپنے معمول کے مطابق استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں ایسی اچھوتی مثالیں کیسے سوجھ جاتی ہیں؟"

"غور کرتیں تو تمہیں بھی اندازہ ہو جاتا کہ ڈینی کا بایاں بازو کس طرح ساکت ہے۔"

"بلیکی میرے ساتھ زیادہ دیر رکا ہی نہیں۔ گلاس لے کر چلا گیا۔ پٹھا اکڑنے کا عذر اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ سلنگ سے نجات کے بعد زخم کی بحالی کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ ایک آدھ روز میں یہ لنگر ہینڈ ولم میں تبدیل ہو جائے گا۔"

ایمپریس مارکیٹ پر جو کچھ ہوا، وہ بہت ہی پھسپھسا اور روکھا پھیکا تھا۔ پہلے ہم اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اوبرائن اپنے چار ساتھیوں کے انجام کی وجہ سے مجھ سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اپنے اس خوف کے تحت اس نے مجھے بلیکی کے سپرد کر دیا مگر پھر بلیکی جیسا نڈر اور قدرے کم عقل شخص کیوں غائب ہو گیا؟ اس نے مجھے کس وجہ سے دھن راج کے حوالے کیا تھا؟

وقت گزارنے کے لیے وہ سوال بہت سا مواد فراہم کرتے تھے لیکن ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دھن راج کے اصل خدوخال سامنے آنے کے بعد صورتِ حال کچھ واضح ہو سکتی تھی۔

شام کو اول خان نے ایک نئی خبر فراہم کی۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ اپنے ذرائع سے اوبرائن ڈی ہنٹ پر مسلسل کام کر رہا تھا۔ اسے امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن سے خبر ملی تھی کہ اوبرائن کا تعلق امریکا کی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس سے تھا۔

وہ ادارہ سی آئی اے کی طرح بین الاقوامی سطح پر رسوا نہیں ہوا تھا مگر اس کے مقاصد سی آئی اے سے کہیں زیادہ خطرناک اور ہمہ گیر تھے۔ وہ ہر ملک کے مخصوص علاقائی حالات اور ماحول کے تحت سازشوں کے تانے بانے بُن کر مقامیوں سے کام لینے میں ماہر تھے۔

سٹے بازوں کی مضبوط پشت پناہی کر کے ابھرتے ہوئے ملکوں میں بھیانک اقتصادی بحران پیدا کر کے اپنی منڈیوں کو قبضے میں رکھنا اور مقبول حکومتوں کا تختہ الٹ کر کٹھ پتلی اور چوہدری سالام جیسے کرپٹ سیاست دانوں کو آگے لانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

ہم سب کے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔ اس وقت تک ہم اوبرائن کو سی آئی اے کا مہرہ سمجھ رہے تھے۔ وہ اس سے بھی اونچے درجے کا فن کار نکلا تھا۔

"فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس بھی ایس ٹی ایف جیسی فورس معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کا موازنہ کر کے تم میری فورس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" اول خان نے پُرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ "ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ فرق مجھے تو نظر نہیں آتا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

"تم پاکستانی مفادات کا تحفظ کرتے ہو' وہ امریکا کے لیے کام کرتے ہیں۔"

"ہمارا کام مدافعانہ ہے۔ ہم اپنی سلامتی اور وقار کے دشمنوں کی بیخ کنی کرتے ہیں جبکہ ان کے ہدف جارحانہ ہوتے ہیں۔ وہ حکومتوں اور ملکوں کی توڑ پھوڑ میں ملوث ہیں۔"

ویرا مسکرانے لگی "میں نے یہ فرق نظر انداز کر دیا تھا۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کا کام بھی سی آئی اے سے مختلف نہیں ہے۔ بس مہارت اور طریقۂ کار کا فرق ہو سکتا ہے۔"

"ہم سب بوڑھی بیواؤں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔" یکایک سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا "میرے لیے یہ بے کاری ناقابلِ برداشت ہے۔ میں شہر کی طرف جا رہا ہوں۔ دیر ہو گئی تو رات کسی دوست کے گھر بسر کرلوں گا۔ میری طرف سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"شہر میں ہمارے لیے خطرات موجود ہیں۔ تمہارا یوں نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔" غزالہ نے اسے سمجھایا "ایک دو روز میں حالات بہتر ہو جائیں گے۔"

"شہر میں کچھ نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "ڈینی نے بلیکی سے ملاقات کی اور کچھ نہیں ہوا۔ ہم لوگ بلاوجہ ہی احتیاط میں گھلے جا رہے ہیں۔"

ہر ایک نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گیا اور تیار ہو کر تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور سے نکل کھڑا ہوا۔ ہماری بحث سے چڑ کر اس نے سواری فراہم کرنے کی پیشکش بھی قبول نہیں کی۔ کسی بھی منی بس یا ٹیکسی سے شہر کے مرکزی حصے میں پہنچنے کا قصد کر کے پیدل چل دیا۔ جاتے جاتے غزالہ نے اسے ایک ریوالور ضرور تھما دیا تھا۔

اسٹیشن فور میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ مجھے سلطان شاہ کی طرف سے ویسے تو کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن یہ تشویش ضرور لاحق تھی کہ وہ اوبرائن کی طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ عاجلانہ انداز میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا بیٹھتا تو کسی بھی بدترین خطرے سے دوچار ہو سکتا تھا۔

شام تک دھن راج کے بارے میں کچھ مواد یکجا ہو چکا تھا۔ وہ سندھ کے ایک دور افتادہ' سرحدی شہر عمر کوٹ کے ایک بڑے جاگیردار کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے کام کاج اور آمدنی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ باپ کی زمینوں سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ پورا خاندان بے فکری اور عیاشی سے زندگی بسر کرنے کے باوجود ہر سال کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتا تھا۔

عمر کوٹ جیسے پس ماندہ شہر میں دھن راج کا زیادہ دل نہیں لگتا تھا کیونکہ اس نے کراچی کی بہت سی بدنام خواتین کے ساتھ دل لگایا ہوا تھا۔ اسی لیے وہ اکثر و بیشتر کراچی کے ایک خاص ہوٹل میں پایا جاتا تھا۔

چند ماہ پہلے بھارتی قونصل خانے میں ریکارڈ آفیسر کی اسامی پر بھارت سے میجر بخشی کا تقرر ہوا تو دھن راج وہاں بھی دیکھا جانے لگا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے سراغ لگایا تھا کہ تقسیم سے پہلے میجر بخشی کا باپ بھی عمر کوٹ میں رہتا تھا۔ انگریز کی رخصت کے بعد وہ جان کے خوف سے اپنے پورے خاندان سمیت' سرحد پار کر کے اودے پور میں جا بسا تھا۔

ان دونوں خاندانوں میں پرانی آشنائی نے میجر بخشی اور دھن راج کی گہری دوستی کا روپ دھار لیا۔ کبھی کبھی میجر بخشی بھی دھن راج کے کمرے میں دیکھا جانے لگا۔

میجر بخشی انڈین آرمی کا ریٹائرڈ افسر تھا اور بظاہر اسے فارن آفس نے کراچی کے قونصل خانے میں مامور کیا تھا لیکن خفیہ اطلاعات یہ تھیں کہ میجر بخشی کو آرمی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ دے کر را کے اسپیشل سروسز بیورو میں مامور کردیا گیا تھا۔ وہیں سے اسے فارن آفس کی معرفت کراچی بھیجا گیا تھا۔

میرے لیے اسپیشل سروسز بیورو کا نام نیا نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف پاکستان کے خلاف شورشیں برپا کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ انڈین ایس ایس بی کو اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد اور امریکی سی آئی اے کا قریبی تعاون حاصل تھا۔

اس وقت تک دھن راج اور میجر بخشی کے درمیان کسی گٹھ جوڑ کے بارے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی مگر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میجر بخشی نے عمرکوٹ میں راج خاندان کی ممتاز سماجی حیثیت اور کراچی میں دھن راج کے وسیع مراسم کو اپنے مفادات کے لیے ضرور استعمال کیا ہوگا۔

کمزور کردار کے حامل لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے تین ڈبلیو یعنی ویلتھ، وائن اور وومن یا دولت، شراب اور عورت جیسے تینوں مؤثر حربے دھن راج کی دسترس میں تھے۔ میجر بخشی اس کے ان وسائل سے استفادہ نہ کرتا تو اپنے فرائض سے انحراف کا مرتکب ہوتا۔

میری نگاہوں میں دھن راج کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔

"فی الحال گاڑی یوں ہی چلنے دو۔" اول خان نے میری دلچسپی کو بھانپتے ہوئے کہا "چند روز میں میرے آدمی کچھ ٹھوس مواد اکٹھا کرلیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں کو دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں دشمن کے خلاف کسی مواد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ کام فوراً شروع ہوجاتا ہے۔"

"ایک وقت میں کئی دشمنوں سے بھڑنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے....."

"مصلحت کے مقابلے میں ضرورت زیادہ اہم ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی ہے کہ اوبرائن نے مجھے اچانک دھن راج کے حوالے کیوں کردیا؟ اب میجر بخشی اور اوبرائن کے عہدوں پر غور کرو تو تمہیں دھن راج درمیانی رابطے کا اہم آدمی نظر آئے گا۔"

"سی آئی اے اور را کا گٹھ جوڑ نیا نہیں ہے۔ پاکستان میں یہ دونوں ادارے شانہ بہ شانہ کام کرتے ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہوگا۔"

"دونوں میں سے کسی ایک کی کمر توڑ دی جائے تو دوسرا خود بخود پسپا ہوجائے گا۔"

"اوبرائن کے خلاف تم کو گرین سگنل مل چکا ہے۔ اپنی توجہ اسی پر مرکوز رکھو۔"

"اوبرائن کے ہوش و حواس پر چار لاشیں مسلط ہیں۔ میرے لیے دھن راج زیادہ اہم ہوچکا ہے۔" میں نے... پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"شاید اس لیے کہ اوبرائن اور ریلیکی تمہیں اس کے حوالے کرکے اچانک درمیان میں سے نکل گئے ہیں۔" ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہی سمجھ لو۔" میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے مختصراً کہا۔

"آپ اس کے خلاف کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟" غزالہ نے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی اس سے پینگیں بڑھانے کا ارادہ ہے تاکہ اس کا اصل چہرہ میرے سامنے آسکے۔ ممکن ہوا تو میجر بخشی کو بھی ٹٹولا جائے گا۔"

"مل بیٹھنے کی حد تک تمہیں اجازت دی جاسکتی ہے۔" اول خان نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "وہ خود بھی یہی چاہتا ہے۔"

میں نے شکریے میں سر کو ہلکی سی جنبش دے کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

دھن راج کے دیے ہوئے رقعے پر اس کے کمرے کا ایک فون نمبر ڈائرکٹ تھا' دوسرے نمبر آپریٹر کے ذریعے کمرے سے ملائے جاسکتے تھے۔ میں نے اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والی کی آواز بہت دلکش اور ہوش ربا تھی۔ اس کی زبان سے ڈھلکتے ہوئے الفاظ سن کر ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دھن راج کے ساتھ مے نوشی کررہی تھی۔

عورت کے اصرار پر بھی میں نے اپنا نام نہیں بتایا اور دھن راج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ثانیوں بعد وہ فون پر آگیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے خوشی سے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں شاید تمہیں میری پیشکش بری لگی تھی۔ اب کیسے یاد کیا ہے؟"

"میں مسلسل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

میں نے الجھن آمیز آواز میں کہا ”یہ بتاؤ کہ تم سے ملاقات کب ہوسکتی ہے۔“

”اس وقت کی معافی چاہتا ہوں۔ کل کا کوئی وقت رکھ لو۔“ جواب آیا۔

”چار بجے شام کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ میں نے نرمی سے پوچھا۔

”ہاں.... آں۔“ اقرار کرتے کرتے وہ ایک دم چونک پڑا۔ ”شام کے بجائے تم صبح گیارہ بجے آجاؤ تو تمہاری ملاقات ایک مزے دار دوست سے کراؤں گا۔“

”مرد ہے یا عورت؟“ میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

”یہ کل ہی پتا چلے گا۔ آسکتے ہو تو گیارہ بجے چلے آؤ۔“ وہ اوبرائن کی طرح تنک مزاج نہیں تھا۔

”ڈن!“ میں نے لمحہ بھر میں اس کا مجوزہ پروگرام قبول کرلیا ”اب تم اپنی سویٹی کے ساتھ عیش کرو۔ میں تمہارا مزید وقت نہیں لوں گا۔“

”تھینک یو یار۔ تم واقعی گریٹ ہو۔“ اس کی تحسین آمیز آواز سن کر میں نے فون بند کردیا۔

دھن راج سے بات کرکے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ وہ بے تکلف اور یار باش آدمی تھا۔ اوبرائن تحکم کے ساتھ دوسروں کی تذلیل کرنے کا بھی عادی تھا۔

اس رات ہم دیر تک سلطان شاہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ بارہ بجے میں مایوس ہوگیا۔ مجھے علم تھا کہ پٹھان کالونی میں اس کے قبیلے اور برادری کے کچھ لوگ رہتے ہیں جن سے وہ کبھی کبھی ملتا رہتا تھا۔ شاید اس نے وہیں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

روشنیاں گل کرنے کے بعد نیند آنے سے پہلے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ صبح میں کسی محافظ یا نگراں کے بغیر بالکل یک و تنہا دھن راج سے ملنے جاؤں گا۔

اگلی صبح میری چھٹی حس کچھ زیادہ ہی فعال تھی۔ میں اوبرائن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا تھا جہاں حفاظت اور آنے والوں کی جامہ تلاشی کا خود کار الیکٹرانک نظام نصب تھا جبکہ دھن راج سے میری ملاقات ہوٹل کے ایک کمرے میں ہونے والی تھی جہاں ایسی رکاوٹوں کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے چلنے سے قبل بیم گن جیب سے نکال کر ویرا کو تھمادی۔

”تو کیا بالکل خالی ہاتھ وہاں جاؤ گے؟“ ویرا نے بیم گن لے کر حیرت سے پوچھا۔

اُلّو کا پٹھا

ایک آدمی اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ پاس ہی اس کا چھوٹا بیٹا ٹرین سے کھیل رہا تھا۔ بچہ ٹرین کو چابی دے کر چھوڑ دیتا اور جب وہ ٹرین ایک دائرہ مکمل کرلیتی تو انگلی سے روک کر کہتا۔ ”اسٹیشن آگیا ہے، جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اتر جائے۔“

جب بچے نے دو تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا تو باپ نے سوچا بچہ غلط بات سیکھ رہا ہے لہٰذا اس نے ٹرین اٹھالی۔ تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا، بچہ خاموشی سے مسکین صورت بنائے بیٹھا رہا۔ آخر باپ کو ترس آگیا۔ اس نے بچے کو ٹرین دے دی اور کہا۔ ”اب پہلے والی غلطی مت کرنا۔“

بچے نے ٹرین کو چابی دی۔ جب گاڑی نے چکر مکمل کرلیا تو گاڑی روک کر بچے نے کہا ”جس اُلّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اتر جائے۔ پہلے ہی اس اُلّو کے پٹھے کی وجہ سے گاڑی تیس منٹ لیٹ ہوگئی ہے۔“

نکاح خواں اور چھوہارے

پطرس بخاری کے کسی عزیز کا نکاح تھا۔ اس کے لیے مولوی درکار تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک مولوی کو ڈھونڈ کرلایا گیا جو بہت دبلا پتلا تھا۔ پطرس صاحب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔ ”نکاح کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح خواں اور چھوہارے کی۔ ماشاء اللہ ان میں دونوں صفات موجود ہیں۔“

”میں وہاں لڑنے نہیں، مذاکرات کرنے جارہا ہوں۔ تم ہی لوگوں نے مجھے کسی بھی محاذ آرائی سے روکا ہوا ہے۔“ میں نے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی۔

”اگر اس کے دل میں کوئی شرارت آگئی تو تم کیا کرو گے؟“ ویرا دوبارہ بولی۔

”وہ شرارت پر آمادہ ہے تو وہاں نفری بھی زیادہ ہوگی۔

بیم کن سے میں کتنے آدمیوں کو گرا سکوں گا؟ آخر کار وہ مجھے زیر کر ہی لیں گے۔"

"حیرت ہے کہ اس وقت تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا جزبز ہو کر رہ گئی۔

"جب تک میرا بازو بالکل صحت مند نہیں ہو جاتا، میں نے افسانوی خوش نہمیوں سے دور رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ ہوا تب بھی میرا نہتّا ہونا میرے حق میں جائے گا۔"

"اپنی ترجیحات کو تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے رہ گئی۔

اول خان نے اپنی گاڑی میں مجھے ایسی جگہ چھوڑا جہاں خالی ٹیکسی موجود تھی۔ میں اسے الوداع کہہ کر شارعِ فیصل کے آغاز پر واقع کثیر المنزلہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں، میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی حکمتِ عملی پر غور کیا۔ میرا وہ مشن صلح کل کا تھا۔ دھن راج کے ارادے کچھ بھی ہوتے، میری سلامتی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس کے لیے میں کرنل جمال دستی تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک ایسا افسر جو زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے اور مقررہ انعام حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے ساری اہمیت ڈینی کی تھی۔ جمال دستی کو مار کر وہ اس امکان کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

ہوٹل کی بالائی منزل تک گئے ہوئے ڈرائیو وے پر میں نے ٹیکسی چھوڑی اور ہال میں داخل ہو کر انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اردگرد ہوٹل کا نکھرا ہوا ترو تازہ ماحول تھا۔

میں نے ٹھیک گیارہ بجے دھن راج کو فون کیا۔ وہ خوش ہوا کہ میں وقت کا پابند تھا۔

میری ہلکی سی دستک کے جواب میں دروازہ کھل گیا۔ اس وقت مجھے دھن راج کے مسکراتے ہوئے چہرے پر کوئی غصہ نظر نہیں آیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔

پانچویں منزل کا وہ کمرا مختصر سا سوئٹ تھا۔ آگے پانچ نفری نشستوں کی گنجائش کے ساتھ ایک آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کے پیچھے دہری خواب گاہ تھی۔ دھن راج مجھے لے کر خواب گاہ میں بڑھتا چلا گیا۔ وہاں صوفے پر ایک اور شخص براجمان تھا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک سنجیدہ رو شخص تھا جس کی آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ وہ ہلکے کپڑے کے گہرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی نشست چھوڑ دی۔

"کرنل جمال دستی.... اور یہ میرے دوست میجر بخشی ہیں۔" دھن راج نے تعارف کرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی کے عقبی حصے میں یکایک کوئی دھماکا ہوا ہو۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میجر بخشی سے یوں اچانک ملاقات ہو جائے گی۔

"سر! مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں جو لب ولہجہ اختیار کیا وہ تم کے بجائے آپ کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔

"تم کہاں، کس یونٹ میں ہوتے ہو؟" میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"سر! میں انڈین آرمی میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی...."

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "انڈین آرمی! پھر یہ سر، ور کا تکلف چھوڑو۔ ہم سب برابر کے دوست ہیں۔ بے تکلفی سے بات کرو۔"

"سر! رینک، رینک ہوتا ہے۔ آرمی میں ہمیں بس ڈسپلن ہی تو سکھایا جاتا ہے۔ مجھے تو آج بھی وہ دن یاد ہیں جب میں کیڈٹ آفیسر ہوا کرتا تھا اور ڈرل کے دوران میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر سر، سر کہہ کر اپنی مغلظات سے میرا سینہ چھلنی کر دیا کرتا تھا۔"

اس کے اخلاق نے مجھے متاثر کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھے پھونک دے کر کسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ لیے بیٹھا ہو۔ بہرحال، اس کی باتیں مخاطب کا دل موہ لینے والی تھیں۔

"اب ہم دونوں وردی اتار چکے ہیں، دھن راج کے دوست ہیں، برابری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں تکلف برداشت نہیں کروں گا۔" بات پوری کر کے میں ہنسنے لگا۔ ان دونوں نے بھی پوری فراخ دلی سے میرا ساتھ دیا اور دیر تک ہنستے رہے۔

"حکم ہے تو میں اس کی تعمیل پر مجبور ہوں۔" میجر بخشی بولا "تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف چائے۔" میں نے ان دونوں کے تپائی پر رکھے ہوئے گلاسوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "میں دن میں الکحل سے پرہیز کرتا ہوں۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔"

"بھارت میں میرا بھی یہی اصول ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں جب اور جہاں مل جائے، پی لیتا ہوں۔ تمہارے ملک میں یہ پابندی بڑی عجیب سی ہے۔ مسلمان کا پینا حرام اور جرم ہے مگر لاکھوں پیتے ہیں۔"

"غیر ملکیوں اور سفارت کاروں کو قانون سے استثنیٰ ملا ہوا ہے۔ ڈیوٹی ادا کیے بغیر جتنی چاہو، منگوا سکتے ہو پھر اپنا اصول کیوں توڑتے ہو؟"

"مفت کی پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بہت کم میزبان دھن کی طرح الکحل پیش کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر الفاظ ہلکے پھلکے قہقہوں میں گھلتے چلے گئے۔

دھن راج نے روم سروس کو فون پر چائے کا آرڈر دیا۔ چائے آنے تک اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں پھر میجر بخشی نے اچانک ہی پہلو بدل کر ایک سنگین موضوع چھیڑ دیا۔

"مجھے دھن سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان کی ایس ٹی ایف میں تم جیسے باضمیر لوگ بھی موجود ہیں جو قانون سے ماورا اقدامات سے نفرت کرتے ہیں۔" وہ تعریفی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں نے اپنی استفسار طلب نگاہیں دھن راج کے چہرے پر مرکوز کردیں "کیا میجر بخشی بھی ہمارے معاملات میں کسی قسم کا دخل رکھتے ہیں؟"

"بالکل، بالکل!" دھن راج نے جلدی سے کہا "میجر بخشی میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ اوبرائن سے بھی ان کے گہرے ذاتی مراسم ہیں۔"

"کیا میری دخل اندازی تمہیں ناگوار گزری ہے؟" میجر بخشی نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا "میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اسی کی طرح پورے اخلاق کے ساتھ اس کے سوال کی تردید کی "یہ بہت نازک معاملات ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں کسی غیر متعلق آدمی کے سامنے تو نہیں ہوں۔"

میجر بخشی نے سگریٹ سلگائی، گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور آگے جھکتے ہوئے کہا "کرنل! اب اوبرائن اس معاملے سے بالکل باہر ہے۔ پوری ڈیل ہم تینوں کے درمیان ہوگی۔"

"اوبی سے سارے معاملات طے ہوچکے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا "اس نے اس تبدیلی کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ بہت تجربے کار آدمی ہے۔ اسے بھارت سے پاکستانیوں کی عداوت کا خوب اندازہ ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ تم اپنے سے جونیئر، ایک انڈین آرمی آفیسر کا ذکر سن کر بھڑک نہ جاؤ۔ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے تمہیں دھن سے متعارف کرایا [illegible]"

"تم یا دھن راج؟" میں نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا "تم میں بڑا کون ہے؟"

"تمہارا رابطہ دھن راج سے رہے گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ شرائط جوں کی توں ہیں۔ بیس لاکھ ڈالر اور گرین کارڈ تمہارے منتظر ہیں۔" وہ متانت سے بولا۔

"میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔" میں نے متفکرانہ انداز میں کہا "ایک اہم ایجنسی میں ذمے دار عہدے پر فائز ہو... اوبرائن کو مجھے تبدیلیوں کے بارے میں بریف کرنا چاہیے تھا۔"

"اس نکتے پر تمہارا اصرار بجا ہے مگر اس کا اندیشہ بھی بے بنیاد نہیں تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ امریکا کے لیے کام کرنے والا بھارت کے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہو۔"

"تو کیا بھارت بھی ڈینی کے سر کا خواہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"امریکا کے لیے۔" اس نے میری تصحیح کی "اوبرائن سے تمہارے معاملے میں ایک سنگین غلطی ہوئی اور اسے تم سے بالکل الگ ہوجانے کا حکم دے دیا گیا۔ تم ڈینی کے خلاف اس کی سب سے بڑی امید ہو۔ وہ تمہیں اتنی آسانی سے فراموش

نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ذاتی سطح پر مجھ سے بات کی اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"اس نے میرے خلاف دفتر خارجہ میں شکایت کرکے میرے ساتھ بہت زیادتی کی۔ بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"شکایت کرکے سب سے بڑی غلطی کی گئی۔ تمہارے دباؤ پر شکایت کی واپسی دوسری بڑی غلطی تھی۔ اس کے اوپر والے اسے ڈینی جیسے دو ٹکے کے آدمی کے لیے قربان نہیں کرسکتے تھے۔ وہ آج نہیں تو کل مارا جائے گا۔ اوبرائن کا کام کوئی دوسرا آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"

"اوبرائن تو کہہ رہا تھا کہ ڈینی کی موت اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔" میں نے انجان بن کر حیرت سے کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اوبرائن کی بتائی ہوئی دوسری باتیں تم بھول رہے ہو۔ ہمالیہ کے جنوب میں ایک عظیم تر ریاست اوبرائن کا بنیادی مشن ہے۔ وہ تم سے مسلسل رابطے میں رہتا تو اس کے ستارے گردش میں آسکتے تھے۔ واشنگٹن والوں نے اسے بچالیا۔ رہا ڈینی تو وہ امریکا جیسی عالمی قوت سے ٹکرا کر کتنے دن پنپ سکے گا؟ وہ ہاتھی کی دُم پر اپنا پورا زور لگاتی ہوئی مکھی سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس کے لیے ہم تینوں موت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اوبرائن کی کہی ہوئی بات سے واقف ہو۔ اب میں تم سے زیادہ کھل کر بات کرسکوں گا۔" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "وہ اپنے مشن کی راہ میں ایس ٹی ایف اور ڈینی کو بڑی رکاوٹیں قرار دے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی سوچ ہے۔ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے منصوبہ ساز ان دونوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ تم ہمارے ساتھ ہو۔ یہ ایس ٹی ایف اور ڈینی کی بربادی کی ابتدا ہے۔"

"اوبرائن مجھے بتا رہا تھا کہ اکیسویں صدی کے اوائل تک وجود میں آنے والی نئی ایشیائی ریاست کا نام پاکستان بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ اس کے تجربے اور مردم شناسی کی بات رہی ہوگی۔ تم اندر سے بہرحال پاکستانی ہو۔ اس نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ وقت ابھی آٹھ دس برس دور ہے۔" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اس کی جگہ تم نے لے لی ہے۔ تم کو معلوم ہوگا کہ ایک نام ریاست ہائے متحدہ ایشیا بھی زیرِ غور ہے۔" میں نے پاکستان اور بھارت کے چکر میں الجھے بغیر اس منصوبے کے مزید خدوخال سے واقف ہونے کی نیت سے ایک عمومی سوال کیا۔

"امریکیوں کے لیے نئی ریاست کا نام غیر اہم ہوگا۔" اس نے اوبرائن کی کہی ہوئی بات دہرائی "نگران کو علاقے کی اکثریت کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا ہوگا۔ بھارت کی آبادی علاقے کے دوسرے تمام ملکوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے لیے بھارت ہی بہتر نام ہوگا۔"

"اور یہ بھی ایک اصول ہے۔" دھن راج نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیا "چھوٹی اکائیاں بڑے وجود میں ضم ہوکر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ دریائے سندھ میں ملنے والے نہ جانے کتنے دریا پہاڑوں اور میدانوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ سب مل کر بھارت یا پھر اکھنڈ بھارت کہلائیں گے۔"

میں دھن راج کی ہرزہ سرائی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ عمر کوٹ کی وسیع و عریض جاگیروں پر پلنے والا وہ امیر زادہ پاکستان میں رہ کر بھی پاکستانی نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر ہندو تعصب کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ وہ کراچی میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ باتیں ظاہر کرنے والی نہیں تھیں۔ میں نے لاتعلقانہ انداز میں کہا "صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ میں نئی ریاست کے نام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوں ریز تصادم کی پیش گوئی ضرور کرسکتا ہوں۔"

"تم جیسے سنجیدہ، بردبار اور غیر جذباتی مسلمان دوسروں کو قائل کریں گے۔" میجر بخشی نے زور دے کر کہا "نام ہر علاقے اور تہذیب کی تاریخی شناخت ہوتا ہے۔ جب پاکستان کا نام و نشان بھی نہیں تھا تو پورے بھارت پر صدیوں مسلمان حکمران رہے۔ آنے والے وقت میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج بنگلہ دیش کی مسلمان آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ نام پر ان کے دعوے کو کون مسترد کرے گا؟"

"مجھے ان باتوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرکے اکتاہٹ سے کہا "اس برے وقت سے بہت پہلے میں امریکی شہری بن چکا ہوں گا۔"

"اسے برا وقت مت کہو۔ ہم دل سے اس مبارک گھڑی کے منتظر ہیں جب یہ چھوٹی چھوٹی، لنگڑی لولی اور مفلوک الحال ریاستیں ایک لڑی بن جائیں گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جن کشمیریوں کے لیے پاکستان اور بھارت نے کروڑوں انسانوں کے پیٹ پر پتھر باندھ کر انہیں بارود کے

ڈھیر پر بٹھایا ہوا ہے' وہ علاقے کی کل آبادی کے ایک فیصد سے بھی بہت کم یعنی اس کا ساتواں حصہ ہیں۔"

مجھے، حیرت ہوئی کہ میجر بخشی اپنے دوست اوبرائن کی بولی بول رہا تھا۔ یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ امریکا کا وہ منصوبہ بھارت کی رضامندی سے تیار ہوا تھا۔ اس سازش کا ایندھن بننے والے دوسرے ملک اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے تاریک سایوں سے بے خبر تھے۔

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بخشی کے الفاظ کی تلخی کو پی کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری آج کی ملاقات کامیاب رہی کیونکہ تم غیر مسلح ہو کر یہاں آئے ہو۔ تمہاری نیت صاف نہ ہوتی تو باتوں کی ابتدا اتنی خوش گوار نہ ہوتی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نہتا ہوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دھن راج یہاں آتا ہے تو کمرے میں اپنے بگ لگا دیتا ہے۔ آج کے دور میں خلائی آنکھ سے صحرا میں گری ہوئی سوئی دیکھی جا سکتی ہے تو ہتھیاروں کا پتا چلانا کیا مشکل ہے۔"

"تم نے صحیح کہا تھا۔" میں نے دھن راج سے مخاطب ہو کر کہا "میجر بخشی واقعی بہت دلچسپ اور مجلسی آدمی ہے۔ اس کے سامنے تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔"

"میں رواداری اور احترام سے کام لینے کا عادی ہوں۔" وہ ہنس کر بولا "کام کی باتوں میں غیر ضروری دخل اندازی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔"

"اگر گفتگو ختم ہو گئی ہو تو میں اجازت چاہوں گا۔" میں نے صوفے کے سرے پر سرک کر کہا۔

میجر بخشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم سے براہ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ممکن ہو گا؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"قونصل خانے کے آپریٹر کے ذریعے مجھ سے دفتر میں بات ہو سکتی ہے مگر میں اس سے اجتناب کا مشورہ دوں گا۔ اوبرائن کی غلطی کی وجہ سے شاید اب بھی تم پر نگاہ رکھی جا رہی ہو۔ میں کسی اسکینڈل میں ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ دونوں دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئے۔

اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی۔

میرے ذہن میں غم و غصے کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ امریکی اور بھارتی حکام اپنی پے در پے ناکامیوں کے باوجود نہایت مستقل مزاجی سے پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ہر بار ان کی کوششوں میں زیادہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف بہت سی سمتوں سے کام کر رہے تھے۔ کچھ پہلو ہمارے ہاتھوں بے نقاب ہو چکے تھے لیکن ان کے لگائے ہوئے بعض پودے بددیانت اور خائن ریاستی ملازمین کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے۔

میں نے منصوبے کی تکمیل کے بارے میں اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا' وہ صحیح نشانے پر لگا تھا۔ میجر بخشی نے آٹھ دس سال کا تعین کر کے یہ بات واضح کر دی تھی کہ بیسویں صدی کے اختتام سے نئی صدی کے آغاز کے درمیان امریکی حکمران ایشیا میں نئے جغرافیائی نقشے کے نفاذ کے لیے جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔ پاکستان میں ان کا کلیدی مہرہ اوبرائن تھا۔

جہاں ہمارے بہت سے راز دشمنوں سے پوشیدہ تھے' وہاں بعض باتیں کھل بھی چکی تھیں۔ میں ہوٹل سے سیدھا اسٹیشن فور روانہ ہو گیا۔

وہاں.... سلطان شاہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ اس احمق نے رسی تڑا کر بھاگنے کے بعد فون پر بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

جان اور راڈی نے کھٹول پر قاتلانہ حملے میں جس عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' وہ اس وقت حیرت ناک محسوس ہوئی تھی لیکن جان نے بتا دیا تھا کہ کھٹول نے اوبرائن ڈی ہنٹ کا نام لے کر ایک ناقابل معافی جرم کیا تھا کیونکہ امریکی پاکستان سے اس کی واپسی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

اوبرائن کو بچانے کے لیے پہلے کھٹول کے ساتھ چار امریکی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس بار وقت نے یہ بھی دکھا دیا تھا کہ اپنی بچھائی ہوئی بساط پر اوبرائن کو برقرار رکھنے کے لیے امریکیوں نے مجھے ڈینی کی حیثیت میں بھول جانے کا عارضی فیصلہ کر لیا تھا۔

"جب وہ تمہیں تمہارے منہ پر دو ٹکے کا آدمی قرار دے رہے تھے تو تمہیں برا محسوس نہیں ہوا تھا؟" ڈیرا نے پوری کتھا سن کر مجھے چڑانے کے لیے سوال کیا۔

"اس کے اپنے بیانات میں تضاد ہے۔" غزالہ نے میری حمایت کی "ایک طرف انہیں دو ٹکے کا آدمی کہہ رہا تھا تو دوسری طرف ان کی گرفتاری کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی قرار دے رہا تھا۔ میجر بخشی کا پہلا مطالبہ اب بھی

یکی ہے۔"

"اوبرائن پوری سرکاری حمایت سے کام کررہا تھا۔ میجر بخشی ذاتی سطح پر اس کے لیے میدان میں اترا ہے۔" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ان دونوں کے لیے تم مستند طور پر کرنل جمال دستی کا روپ دھار چکے ہو۔ ہم ذہنی کی طرف سے آسانی سے ان کی گردنیں کاٹ سکتے ہیں۔"

"تمہاری طرف سے آج فراہم کیا جانے والا گلاس ان کو مزید گمراہ کردے گا۔" ویرا نے قہقہہ لگایا۔

"میرے لیے اب افراد زیادہ اہم نہیں رہے۔" میں نے اول خان سے کہا "اصل ضرورت یہ ہے کہ اس علاقے میں تبدیلیوں کے بارے میں ان کا ماسٹرپلان اڑایا جائے اور پھر اسی کے مطابق مرحلے وار توڑ کیا جائے ورنہ یہ سیلاب کسی بھی وقت سب کچھ بہالے جائے گا۔"

"ماسٹرپلان تمہارے سامنے ہے۔ تم گیپ کی صورت میں اس سے زیادہ اہم دستاویز حاصل کرچکے ہو۔ اس سے امریکیوں کا کیا بگڑا؟ چور جب سینہ زوری پر اتر آئے تو کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

گیپ کا نام آتے ہی میرے ذہن میں کچھ تلخیاں تازہ ہوگئیں۔ وہ امریکی صدر کے دستخطوں کے ساتھ تیار کی گئی ایک شرمناک خفیہ دستاویز تھی جسے مسترد کرنے کے لیے امریکیوں نے نہایت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا اور ہمارے لیے وہ قصہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔

"گیپ کو ہم بھول ہی گئے۔" ویرا نے فوری طور پر کہا۔

"سرکاری سطح پر اس کے لیے کیا بنا؟"

"سرکاری طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ غیر سرکاری طور پر پاکستانیوں نے متعلقہ دوست ممالک کو اس معاہدے کی نقلیں فراہم کرنے کے ساتھ اصل بھی دکھادی۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھر کی خیر خبر لینا ان ملکوں کی ذمے داری تھی۔" اول خان نے بتایا۔

"امریکا سے واپسی کے بعد ہم یہاں ایسے الجھے کہ وہاں والوں کو بھول ہی گئے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "وہاں راس المیڈا کی باتوں پر توجہ دی جانے لگی تھی۔ پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔"

"جو وقت گزر گیا، اسے بھول جاؤ۔ آگے کی فکر کرو۔" میں نے چڑ کر کہا "وہاں صرف ایک ہی شخصیت قابلِ احترام ہے جس سے تم نفرت کرنے لگی ہو۔"

غیر متوقع طور پر ویرا ہنس پڑی "جینی نے تمہارا گمراہ کن خاکہ بنوا کر واقعی بڑا کام کر دکھایا تھا۔ میری اور اس کی دوستی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہ باتیں میں نے تمہیں جلانے کے لیے کہی تھیں۔"

غزالہ کے سامنے ویرا سے اس موضوع پر مزید گفتگو خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اول خان کو متوجہ کرکے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی پر کام کرنا ہوگا۔ دونوں میں سے جو آسان نظر آئے، پہلے اسے ٹھکانے لگایا جائے پھر دوسرے پر توجہ دی جائے۔"

"دھن راج کو تم نے معاف کردیا؟" ویرا نے طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

"دھن راج ایک مسکین مجرم ہے۔ اس کی گردن کسی بھی وقت ناپی جاسکتی ہے۔"

"اسے پکڑنے سے دوسرے بڑے مجرم ہوشیار ہوجائیں گے۔" غزالہ بولی۔

اول خان خوش ہوگیا "اسی لیے میں نے اس کا نام نہیں لیا۔ اوبرائن اور بخشی کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں تو دھن راج کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"اسے کسی سنگین جرم میں لمبی مدت کے لیے اندر ہونا چاہیے۔ اچانک موت سے ایسے مجرم ہمیشہ کے لیے مظلوم بن جاتے ہیں اور کسی کو ان کے سنگین جرائم کا علم نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان پر اپنی خواہش کا اظہار کردیا۔

"بڑی زرعی جاگیروں پر ڈھل، عشر، آبیانے اور بجلی کی چوری جیسے جرائم کا عام طور سے ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔" اول خان شہروں کے ساتھ دیہی زندگی سے بھی کسی حد تک واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ایسے ہی کسی جرم میں اسے اندر کرکے بعد میں دوسرے جرائم بھی اگلوا لیے جائیں گے مگر وہ بعد کا کام ہے۔ پہلے اصلی فتنوں کا قلع قمع ہونا چاہیے۔"

اسی گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ آپہنچا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے عجیب سی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ آتے ہی ایک کرسی میں گر گیا۔

"کل سے کسی خیر خبر کے بغیر کہاں مرے ہوئے تھے؟" اس کی خاموش مسکراہٹ سے چڑ کر ویرا پھٹ پڑی "میں ابھی تمہارے لیے فاتحہ پڑھوانے والی تھی۔"

"تمہاری کالی زبان میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔" وہ فاتحانہ لہجے میں بولا "آج صبح ہی میں نے ایک کالی..... کتیا کا کام تمام کیا ہے۔ زیادہ بولوگی تو تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دوں گا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اسے کالی کتیا سے ملا رہے

ہو۔" ویرا کے برہم ہونے سے پہلے اول خان نے اسے ڈانٹ پلا دی۔

ویرا میں اتنی قوت برداشت نہیں تھی کہ اول خان کی طرف داری اس کا دماغ ٹھنڈا کر دیتی۔ وہ غراتی ہوئی سلطان شاہ کے سر پر سوار ہوگئی۔ "کالی کتیا تم کسے کہہ رہے ہو؟"

"ب ب ... بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔ اپنی جگہ پر جاکر بیٹھو۔" سلطان شاہ ویرا کے خراب تیور دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

○☆○

وہ اسٹیشن فور سے نکلا تو بہت مایوسی، بددلی اور بے بسی میں مبتلا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے حصار سے نکل کر شہر کی بھیڑ بھاڑ میں گھل مل کر بے عملی کے بڑھتے ہوئے احساس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

منی بس میں سوار ہونے کے بعد اسے رہ رہ کر اوبرائن پر غصہ آتا رہا جس نے مجھے پھانس کر سب کو ایک ذہنی عذاب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ دوسروں کے مشورے کے برعکس وہ کسی طرح اوبرائن کے فلیٹ پر کوئی کارروائی کرکے اسے یوں ہراساں کرے کہ وہ اپنی چوکڑی بھول جائے۔ اس دوران میں وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔

صدر کی بھیڑ بھاڑ میں بھی اس کا دل اچاٹ رہا۔ تنہائی کا احساس اسے کھائے جارہا تھا۔

جب اسے کسی طرح چین نہیں آیا تو وہ شام کے وقت اپنے دوستوں اور پرانے ڈیرا داروں سے ملاقات کے لیے پٹھان کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ چھوٹے مکانوں اور تنگ گلیوں پر مشتمل ایک گنجان آبادی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کے دوستوں کو خبر مل گئی کہ وہ ایک طویل وقفے کے بعد وہاں آیا ہوا تھا۔

دوسروں کے ساتھ آنے والوں میں اس کے دو پرانے دوست بھی تھے جو اسے زبردستی اپنے ڈیرے پر لے گئے۔ ان سے بھولی بسری یادوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ تیزی سے پُرسکون ہوتا چلا گیا اور پھر ان کے اصرار پر کھانے کے بعد وہ رات وہیں بسر کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

کسی ہوئی چارپائی پر بچھے ہوئے نرم گدے پر دراز ہونے کے بعد باتوں کا دوسرا دور شروع ہوا تو سلطان شاہ کو پتا چلا کہ وہ دونوں گیس کمپنی میں ملازم تھے۔

وہ بات معلوم ہوتے ہی سلطان شاہ کے ذہن کے کسی گوشے میں سویا ہوا سراغ رساں جاگ اٹھا۔ "تم دونوں تو گیس کمپنی میں ہو، جہاں چاہو جاسکتے ہو۔"

"میں شکایت دور کرنے والی گاڑی پر ڈرائیور ہوں۔ سید میر میرے ہی ساتھ میکینک ہے۔ ہم دن بھر شہر میں جگہ جگہ جاتے رہتے ہیں۔" گل محمد نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ سوال کیوں یاد آیا تھا؟" سید میر نے سلطان شاہ کو کریدا۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا "بس یار ایک گورے بدمعاش نے زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔"

"ہمیں بتاؤ، ہم سالے کا دماغ درست کردیں گے۔" سید میر نے اس کی حوصلہ افزائی کی "کمپنی سے ہم ایک دن کی چھٹی کرلیں گے۔"

"مشکل یہ ہے کہ وہ کلفٹن میں ایک بلڈنگ کی آٹھویں منزل پر رہتا ہے۔ چوکیدار اس سے پوچھے بغیر کسی کو اس کے فلیٹ کا رخ نہیں کرنے دے گا۔"

"کسی اور کے بہانے اس کے فلیٹ پر پہنچ جاؤ۔" گل محمد نے برجستہ تجویز پیش کی۔

سلطان شاہ ہنس پڑا "یہی تو مسئلہ ہے۔ جس کا نام لیا جائے گا اس سے پوچھے بغیر اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"بس یار، ٹھیک ہے۔ ہمیں کون روکے گا؟ گیس کمپنی والے ہیں۔ لیک دیکھنے کے لیے پوری بلڈنگ چھان سکتے ہیں۔" سید میر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔

"گورے کا معاملہ ہے۔ بات اوپر تک جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں کو سمجھایا "گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی بدلنی پڑے گی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ نمبر پلیٹ پر کیچڑ مٹی مل دیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو وہاں کیا کرنا ہے۔" سید میر اس معاملے میں زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔

"فلیٹ میں وہ گورا اپنے ایک ملازم اور کتیا کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے ان دونوں افراد کے قتل کی شدید خواہش کو اپنے سینے میں دبا کر کہا "میں آدمیوں سے بعد میں نمٹ لوں گا۔ صبح وہ دونوں کام پر ہوں گے۔ ہم چابی کے سوراخ سے کوئی ایسی گیس اندر چھوڑیں گے کہ کتیا مرجائے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے دماغ ٹھکانے پر آجائیں گے۔"

"نہیں یار، یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔" گل محمد ڈر گیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ اندر کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ بھولے سے بھی کوئی مر گیا تو ہم تینوں کو پھانسی ہوجائے گی۔"

"ادھر جانے سے پہلے ہم فون کرلیں گے۔ کسی نے جواب نہیں دیا تو پتا چل جائے گا کہ میدان صاف ہے۔ جواب ملا تو پروگرام ختم۔"

"نہیں..... یہ کچا کام ہوگا۔ یہاں فون پر غلط نمبر بہت ملتے ہیں۔ ایسا ہوا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔" سید میر نے سوچتے ہوئے اعتراض کیا۔

سلطان شاہ کو اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع مل رہا تھا اس لیے اس کا دماغ بھی تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی "ایسا ہی ہے تو ہم دروازے پر دستک دے لیں گے۔ کسی نے جواب دیا تو کچن میں گیس لائن دیکھ بھال کر لوٹ آئیں گے۔ کوئی نہ ہوا تو کتیا ضرور دروازے کے پیچھے آکر غرائے گی۔ ہم اپنا کام کرلیں گے۔"

وہ حل سید میر اور گل محمد کے لیے قابل قبول تھا۔ دونوں سلطان شاہ کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے۔ پرانی دوستی کے ناتے انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ سلطان شاہ کو اس گورے سے کیا دشمنی تھی۔

وہ دونوں گیس کمپنی کے گلشن اقبال والے مرکز میں کام کرتے تھے۔ سلطان شاہ ان کے ساتھ نو بجے وہاں پہنچ گیا۔ صبح ان تینوں کو ذاتی کام درپیش تھا۔ سید میر نے کلرک سے شکایات کی پرچیاں لیں اور وہ تینوں مرکز سے کمپنی کی ایک پک اپ میں چل پڑے۔

مہلک گیسوں کے بارے میں ان تینوں کی معلومات محدود تھیں۔ وہ کسی پر اپنا اصل مدعا ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ امونیا اور ویلڈنگ میں کام آنے والی گیسوں کے سلنڈر بہت بڑے اور وزنی تھے جنہیں لے کر عمارت میں اوپر نیچے گھومنا ممکن نہیں تھا۔ مریضوں کے لیے استعمال ہونے والے ہلکے پھلکے آکسیجن سلنڈر مہلک ہونے کے بجائے حیات آفرین ہوتے ہیں۔ آپس کے مشورے سے انہوں نے ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی مائع گیس کا سلنڈر حاصل کرلیا۔ وہ چھوٹا سلنڈر ایک آدمی آسانی سے اٹھا کر کہیں بھی لے جاسکتا تھا۔

یہ بات وہ تینوں جانتے تھے کہ سردیوں میں شعلہ بجھ جانے یا گیس کھلی رہ جانے کے باعث ملک کے سرد شمالی علاقوں میں قدرتی گیس اکثر انسانی اموات کا سبب بنتی رہتی تھی۔ وہ اپنے سلنڈر کو کتیا پر بے خوف و خطر آزما سکتے تھے۔

راستے میں اپنی تفصیلی تیاری مکمل کرکے وہ تینوں ساڑھے دس بجے کلفٹن کے علاقے میں اوبی کا فلیٹ تلاش کررہے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ عمارت دیکھی بھالی نہیں تھی۔ اس نے بس میری زبانی عمارت کا نام اور فلیٹ نمبر سنا ہوا تھا۔ اپنے طور پر کافی وقت برباد کرنے کے بعد انہوں نے ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کیا اور گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے مطلوبہ عمارت پر پہنچ گئے۔ ان کی شناخت کے لیے گیس کمپنی کی گاڑی کافی تھی۔ چوکیدار نے انہیں عمارت کے مختلف فلورز پر دیکھ بھال کی اجازت دے دی۔

ان کا براہ راست آٹھویں منزل پر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ وہ براہ راست بارھویں منزل پر پہنچے اور چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد لفٹ سے دسویں منزل پر آگئے۔ دو منزلیں زینوں سے طے کرنے کے بعد وہ آٹھویں منزل کی ویران راہ داری میں اتر گئے۔

میدان صاف پاکر سید میر نے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی مقفل دروازے کے پیچھے اوبرائن کی پالتو کتیا کی غراہٹ سنائی دینے لگی۔ سلطان شاہ نے مزید اطمینان کے لیے ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی کی مختصر سی مترنم آواز گونج کر رہ گئی۔

گل محمد مائع گیس کا سلنڈر زمین پر رکھے پوری طرح تیار تھا۔ صبر آزما انتظار کے طویل لمحات گزرتے رہے۔ سلطان شاہ بے چین ہورہا تھا مگر اسے سید میر کے مطمئن ہونے کا انتظار تھا۔

اندر سے کتیا کی دبی دبی اور مہذب غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اپنے آقا کے بند دروازے کے باہر ان کی موجودگی کا احساس کرکے وہ پوری فرض شناسی کے ساتھ وہیں تنی ہوئی تھی۔ اندر سے اس کے سوا ہر جواب مفقود تھا۔ سید میر نے سر کی جنبش سے گل محمد کو اشارہ کرکے ربر کی نلکی چابی کے سوراخ سے لگا دی۔

شوں کی ہلکی سی ابتدائی آواز کے ساتھ مائع گیس بہت تیزی سے اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے لگی۔ کتیا کی ہلکی آوازیں اس کے حلق میں پھنسنے لگیں۔ دہلیز پر خطرہ سونگھ کر کتیا نے اپنے پنجوں سے چوبی دروازے کو کھرچنا شروع کردیا تھا۔

اونچے قد کی وہ کتیا دروازے کے سامنے جمی ہوئی تھی اس وجہ سے کی ہول کے ذریعے تیزی سے اندر بھرنے والی گیس اس کے پھیپھڑوں میں بھرتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں کتیا کی آوازیں کمزور پڑتے پڑتے معدوم ہوگئیں۔ وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ جان کنی کے عالم میں بھی اونچی آواز میں نہیں بھونکی تھی۔

وہ تینوں مزید کچھ دیر وہاں رکے رہے لیکن سلنڈر کی گیس ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گل محمد نے گیس بند کی اور وہ تینوں سرعت سے زینوں کی طرف ہولیے۔

ساتویں منزل سے وہ دوبارہ لفٹ میں سوار ہوئے اور گیس کمپنی کی وین میں سوار ہو کر وہاں سے رفوچکر ہوگئے۔

ان تینوں نے مکمل رازداری کے ساتھ ایک اہم کام سرانجام دیا تھا۔ وہ دوپہر تک گاڑی میں ایک ساتھ گھومتے اور اپنے سنسنی خیز تجربے پر تبصرے کرتے رہے۔ سلطان شاہ نے انہیں دوپہر کا کھانا ان کی پسند کے ہوٹل میں کھلایا اور پھر وہیں ان سے رخصت ہو کر اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ ہم لوگوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کرسکے۔

○☆○

سلطان شاہ نے اپنی روداد ختم کی تو میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دیے بغیر اسے والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لگالیا۔ اس نے بدترین ذہنی اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیا تھا۔

"ایک بے زبان کتیا کو گیس کے ذریعے سسکا سسکا کر مارنا باعثِ شرم ہے۔" ویرا نے کھل کر اس کی مذمت کی "پتا نہیں ڈیڈی کیوں تمہارا دماغ خراب کررہا ہے۔"

"تمہیں اوبرائن کی کتیا سے ہمدردی ہے' ان انسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں جو اوبرائن کی سازشوں کا ایندھن بن رہے ہیں!" سلطان شاہ نے کسی ندامت کے بغیر ڈٹ کر کہا۔

"اس حرکت سے تم نے کیا مقصد حاصل کیا ہے؟ اگر اوبرائن گھر پر موجود ہوتا تو تم پر کوئی برا وقت بھی آسکتا تھا۔ ایسی جذباتی حماقتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"میں اسے کوئی نقصان پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی عزیز کتیا کی موت پر مجھے دلی خوشی ہے۔ وہ تمہاری عزیزہ تھی تو میں تم سے معذرت کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔"

میرے رویے سے سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

غزالہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر مشکل سے قابو پایا مگر وہ ان دونوں کے درمیان مخل نہیں ہوئی۔ اول خان بھی مزے لے رہا تھا۔ مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑ گئی "یہ واقعہ اوبرائن کے لیے ایک معنی خیز پیغام ہے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ کتیا کی لاش اسے حواس باختہ کردے گی۔ اس واقعے کو الگ کرکے نہیں' واقعات کے تسلسل میں دیکھو۔"

"سلطان شاہ کل سے بھاگا ہوا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی واقعات کی ہوا نہیں لگی۔ اس نے جو کچھ کیا' اسے مجنونانہ حرکت ہی کہا جاسکتا ہے۔"

"میرے لیے یہ بات اور بھی حیران کن ہے۔ سلطان شاہ کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں تھا' اسے بعد کی تبدیلیوں کا علم نہیں تھا پھر بھی اس نے ہماری مدد کی ہے۔"

"پھر اسے یہی کام سونپ دو کہ یہ شہر بھر میں لوگوں کے پالتو کتوں کو مارتا پھرے۔" سلطان شاہ کے لیے میری طرفداری پر ویرا برہم ہوگئی۔

"شہر کے کتوں اور اوبرائن کی کتیا میں بہت فرق ہے۔" اول خان بولا۔

"ہاں۔ کیوں کہ وہ میری عزیزہ تھی!" ویرا کی ذہنی رو بری طرح بہکی ہوئی تھی۔ اس بار ہم میں سے کوئی بھی اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں پاسکا۔ سلطان شاہ سنجیدہ تھا۔

"دل کھول کر مجھ پر ہنس لو۔" ویرا میرے اوپر غرائی "پھر مجھے بتاؤ کہ سلطان شاہ کی احمقانہ مہم جوئی سے ہمیں کیا حاصل ہوا ہے۔ پھر شاید میں بھی تمہاری طرح ہنس سکوں.... تم دونوں سرپھرے یا نیم پاگل ہو۔ بلاوجہ خطروں کو للکارتے رہتے ہو۔"

میں نے ویرا کی برہمی کا رمز پالیا اور اپنے مؤقف میں ذرا سی تبدیلی لاتے ہوئے کہا "میں یہ مانتا ہوں کہ سلطان شاہ نے دیدہ و دانستہ ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی حرکت ہمارے لیے غیبی انعام بن گئی۔"

بدنصیب

ایک چھوٹے سے علاقے میں چند دوستوں نے پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنے کی خاطر شہر سے بہت دور تفریح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن پہلے دوست نے دوسرے دوست کو فون کیا اور کہا "کہو بھئی' رات ٹھیک طرح سے گھر پہنچ گئے تھے؟"

دوسرے دوست نے ست لہجے میں کہا "نہیں یار' ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ اسٹیشن پر مجھے ایک بینچ پر سردی میں بیٹھے بیٹھے اونگھنا پڑا۔"

یہ سن کر پہلے دوست نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا "خوش نصیب ہو دوست' میں پہلی ہی ٹرین سے گھر پہنچ گیا تھا۔"

سلطان شاہ کے لیے چند تنقیدی الفاظ سنتے ہی ویرا کے تیوروں میں ذرا سی نرمی آگئی اور اس نے کہا "بولتے رہو، میں تمہاری بات دھیان سے سن رہی ہوں۔"

"بخشی نے ادبرائن کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، اسے ذہن میں تازہ کرو تو وہ اس وقت خائف ہوگا۔ گھر پہنچنے پر کتیا کی لاش اسے دہشت زدہ کردے گی۔ اس کے فلیٹ میں حفاظتی الارم وغیرہ بھی موجود ہوگا۔ اس بندوبست میں خلل ڈالے بغیر کوئی کتیا کو قتل کرسکتا ہے تو اسے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ آج کی رات اپنے گھر میں گزارے۔"

"اس طرح تمہاری پوزیشن مخدوش ہوگی۔" ویرا سوچتے ہوئے بولی "واشنگٹن والوں نے اوبی کو تم سے دور ہوجانے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے تمہیں دھن راج کے ذریعے میجر بخشی کے حوالے کردیا۔ یہ قتل تم سے یعنی کرنل جمال دستی سے منسوب ہوجائے گا۔"

"کیسے....؟" میں نے سوال کیا "جس وقت کتیا ماری گئی، میں بخشی اور دھن راج کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دوسرا اتفاق میری پوزیشن صاف کردے گا۔"

"میں جانتی ہوں کہ کتیا کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔ اس کی موت کے سبب اور وقت کا تعین کیا جائے گا۔ مگر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فوری شبہ تم پر کیا جائے گا۔ تم خود ان دونوں کے ساتھ تھے۔ تمہارے کسی آدمی نے کتیا کو مار ڈالا۔"

"ان کے لیے جمال دستی ایس ٹی ایف کا تنہا باغی ہے جس پر اس کے ساتھی اعتماد نہیں کررہے۔ وہ ایسا قابلِ اعتماد ساتھی کہاں سے لائے گا؟"

"تمہاری ہر بات مفروضوں پر مبنی ہے۔ ان سب کو درست مان لیا جائے تب بھی وہ ہوشیار ہوجائے گا اور فلیٹ سے کسی محفوظ تر مقام پر منتقل ہوجائے گا۔" ویرا اس وقت میری کہی ہوئی ہر بات پر ناقدانہ تبصرے کرنے کے موڈ میں تھی۔

"یوں تو وہ پاتال میں بھی چھپ سکتا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہر آدمی میں دباؤ برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ جان کے خوف سے کب تک یہاں چھپ کر رہ سکتا رہے گا؟ اس کی ساری کارکردگی تباہ ہوجائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ یہاں سے بستر بوریا سمیٹ لے گا؟"

"اگر حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اگلے چند روز میں اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کل کسی وقت ایک دھمکی آمیز گمنام فون کال اس کے قدم بالکل اکھاڑ دے گی۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"اس وقت پاکستان میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا کا سب سے بڑا علم بردار وہی ہے۔ وہ چلا گیا تو یہ منصوبہ التوا کا شکار ہوجائے گا۔" غصے کے بھنور سے نکل جانے کے بعد بات دھیرے دھیرے ویرا کی سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

"اس وقت ہم صرف یہی کرسکتے ہیں۔ ورنہ امریکا کو اس کی من مانی سے روکنا آج کی دنیا میں ناممکن ہوکر رہ گیا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ میں محض ان اتفاقات کی بنا پر سلطان شاہ کی حماقتوں پر اپنا سر دھننا شروع کردوں۔" آخر کار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہرگز نہیں۔ تعریف کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ بس اس کا بے رحمانہ مذاق مت اڑاؤ۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر ہلائے ہیں تو اتفاقات ہمارے کام آئے ہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی ہلچل نہ ہوتی اور شیری نہ ماری جاتی تو ہمیں کوئی فیض حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔"

"شیری!" ویرا نے حیرت سے وہ نام دہرایا "تمہیں اوبی کی کتیا کا نام بھی یاد ہے۔"

"دشمن کے ساتھ اس کے قریبی لواحقین پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔"

"واقعی تم نے اچھا کام کیا ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر توصیفی لہجے میں کہا "دراصل تم کسی سورما کی طرح فاتحانہ انداز میں یوں سینہ تان کر آئے تھے کہ مجھے خواہ مخواہ تم پر غصہ آگیا تھا۔ میں کھلے دل سے تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

ویرا کے اس فراخ دلانہ رویے پر ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

ویرا کی وہ شرافت سلطان شاہ سے ہضم نہیں ہوسکی۔ وہ منہ بنا کر بولا "اس وقت تمہاری رگ اتری ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی غلطی مان لی۔ تھوڑی دیر بعد تم پھر اپنی پرانی حرکتوں پر اتر آؤ گی۔"

"بات یہیں ختم کردو۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ تم دونوں آپس میں بار بار غلطیاں کرتے اور پھر ایک دوسرے کو مناتے رہو۔ اسی میں زندگی کا مزہ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔" ویرا تنک کر بولی "میں تمہارا کنایہ اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔"

اول خان مسکرا کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"شیری کے خلاف یہ کھٹ راگ پھیلاتے ہوئے تمہیں اندازہ تھا کہ تم کتنا بڑا کام کرنے جا رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا "یہ ساری باریکیاں تو میں اب سن رہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کل میرے جانے کے بعد کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ویسے یہ بخشی اور دھن راج کون ہیں؟"

"کرنل جمال دستی کے دو نئے باس!" اول خان کے بولنے سے پہلے میں نے جواب دے ڈالا۔

"دونوں ہی اپنے نام سے بھارتی بلکہ ہندو معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ایک پاکستانی ہندو ہے اور دوسرا بھارتی قونصل خانے کا ریکارڈ آفیسر۔" دونوں کے اس تعارف کے بعد میں نے اسے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

ویرا اور غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور اٹھ کر ہمارے کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے لیے سنی سنائی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"مجھے ہاتھ پیر ہلائے کافی دن ہو رہے ہیں۔ کہو تو ہوٹل ہی میں دھن راج کا کام تمام کردوں۔" اس نے پوری کہانی سمجھنے کے بعد تلخی سے کہا۔

"اب تم ہمارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا "ہمیں پالیسی بدلنی ہوگی۔ غداروں کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کے بجائے بے نقاب کیا جائے اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"جن مجرموں کے خلاف کوئی گواہ میسر ہو نہ شہادتیں، ان کا کیا کرو گے؟" وہ ہمارے کام کی بعض ناگزیر مجبوریوں سے پوری طرح واقف تھا۔

"جہاں سب راستے بند ہوں وہاں خون بہانا پڑے گا۔ دھن راج کا کیس ایسا نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے پورے خاندان کی روسیاہی کا سبب بن جائے گا۔"

"میجر بخشی کے خلاف تم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے قدرے مسرت سے کہا "اسے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے ملک بدر کراؤ گے تو بھارت سے تمہارے دو سفارت کار اسی اعزاز کے ساتھ نکال دیے جائیں گے۔ اسے تو یہیں گھیرنا ہوگا۔"

"اس کے بار[illegible] کوئی فی[illegible]

نہیں کیا جا سکتا۔"

سلطان شاہ خاموش ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ معاملہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہو چکا تھا۔

میں رات گئے تک اول خان کے عملے کی طرف سے کسی ہیجان انگیز خبر کا منتظر رہا لیکن وہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اول خان حیران تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے شیری کے پراسرار قتل کے بارے میں کوئی ہنگامہ آرائی کی تھی نہ علاقے کے تھانے سے رجوع کیا تھا۔

ایک اہم سفارتی نمائندے کی محفوظ قیام گاہ میں دن دہاڑے اس کی پالتو کتیا کا قتل معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جوں ہی شیری کی لاش دریافت ہوگی، شہر کی انتظامیہ پر کڑا وقت پڑ جائے گا۔ اوبرائن نہ صرف لا قانونیت اور غنڈا گردی پر واویلا مچائے گا بلکہ اپنی کتیا کے ماہرانہ پوسٹ مارٹم پر بھی اصرار کرے گا۔

یہ ناممکن تھا کہ اس روز اوبرائن یا بلیکی نے پلٹ کر فلیٹ کی خبر ہی نہ لی ہو اور یوں شیری کی لاش بے یار و مددگار پڑی رہی ہو۔ ان کی طرف سے مکمل خاموشی کا مطلب تھا کہ اس واقعے کے محرکات اور نتائج پر غور و خوض کیا جا رہا تھا۔

اگلی صبح کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کچھ نہ چھپا تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی۔ وہ میرا فطری ردِّ عمل تھا۔ اس لمحے مجھے خیال آیا کہ اپنی خاموشی کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے نامعلوم حریف کو اسی ذہنی صدمے سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ انہیں یہ نفسیاتی حربہ بھی مطلوب رہا ہو مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔ شیری کے قتل سے وہ لوگ بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئے ہیں۔"

"خوف زدہ ہونے کی صورت میں انہیں شور مچانا چاہیے تھا۔ وہ خاموش کیوں ہیں؟"

"پاکستان میں جانی نقصان کے حوالے سے ان کی خاصی جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ وہ کسی بھی معاملے میں اپنا دامن آلودہ ہونے سے نہیں بچا سکے۔ اس واقعے کی تشہیر ان کی مزید رسوائی کا سبب بنے گی کہ وہ اپنے پالتو کتوں کی حفاظت تک نہیں کر سکتے۔"

وہ واقعی اعتماد کو مجروح کرنے والی بات تھی۔ شاید اول خان صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

میں نے اندازہ لگا لینے کے باوجود اوبرائن کے فلیٹ کا نمبر ملایا۔ تین گھنٹیاں بجتے ہی اس کے فون سے منسلک خودکار [illegible] جوابی مشین چل پڑی [illegible] آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے

پیغام کے بعد جوں ہی میرا پیغام ریکارڈ کرنے کے لیے مشین چلی، سی ایس ڈی کے ذریعے لائن کٹ گئی۔ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ دہشت زدہ ہوگیا ہے۔ اسے اپنے سائے سے بھی خوف آرہا ہوگا۔" اول خان نے میری کال کے نتیجے سے واقف ہونے کے بعد کہا۔

"ہماری توقع سے کہیں پہلے اس کے قدم اکھڑ گئے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایشیا کا نیا نقشہ بنانے کا دعوے دار اتنی آسانی سے پسپا نہیں ہوگا۔"

"اس وقت تم نے غیر ارادی طور پر اپنی سگریٹ خود جلائی ہے۔ تمہارے بائیں بازو کی حرکت بڑی حد تک معمول کے مطابق تھی۔" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے میرے زخم کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

"زخم کتنا ہی گہرا ہو، وقت کے ساتھ آخر کار بھر ہی جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پُرامید رہنا بہت اچھی عادت ہے مگر تمہاری یہ توقع درست نہیں کہ اپنی کتیا کی موت سے خوف زدہ ہو کر اوبرائن پسپا ہوگیا ہے۔"

"گھر چھوڑ کر بھاگ جانا بہرحال کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اگل کر کہا۔

"اسے تم روپوشی بھی کہہ سکتے ہو بلکہ یہ کہنا بھی قبل از وقت ہوگا۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات اپنے فلیٹ میں گزار کر وہ مقررہ وقت پر اپنے دفتر چلا گیا ہو۔ دفتری اوقات کے بعد فون کرکے ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔"

میں خفت آمیز انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔ اپنی خوش فہمیوں میں مستغرق ہو کر میں نے وقت پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "اس کے دفتر فون کروں؟"

"اس نے تمہیں رابطہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"وہ ممانعت جمال دستی کے لیے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ایک گمنام دشمن کی طرف سے دھمکی آمیز پیغام ضرور پہنچادیا جائے۔"

"وہ سوچے گا کہ گمنام دشمن کو اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر کیسے مل گیا۔"

"جو شخص اس کی کتیا تک پہنچ سکتا ہے اس کے لیے ایک فون نمبر حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ معمولی سی بات اس کے ذہن میں ہونی چاہیے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ پھر بھی فون تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟"

"میں خطروں کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتا۔" وہ زندہ دلی سے بولا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اس کی آواز نہیں پہچان سکوں گا۔"

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" اول خان کی بات مناسب تھی۔ "بس مجھے آواز بدلنی پڑے گی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ ایک حساس پوزیشن پر کام کررہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری دھمکی ریکارڈ کرنے کی کوشش کرے اور سی ایس ڈی کے ذریعے لائن بند ہوجائے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سی ایس ڈی ایسی ڈیوائس تھی جو اوبرائن کو بھی میسر نہیں تھی۔ یہ بات اس کے علم اور تجربے میں تھی کہ ایس ٹی ایف کا کرنل جمال دستی سی ایس ڈی سے مزین فون استعمال کرتا ہے۔ ریکارڈنگ پر فون کٹتے ہی اس کا ذہن میری طرف مبذول ہوسکتا تھا۔

اس وقت تک فون پر خصوصی بندوبست کے تحت آبزرویشن لگوائے بغیر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ کسی کو کس نمبر سے فون کیا جارہا ہے۔ آواز بدل لینے کے بعد میں اوبرائن کی شناخت کے خطرے سے بھی بچ سکتا تھا۔ میں نے اول خان کے مشورے سے سی ایس ڈی کو بند کردیا۔

ہر اعتبار سے وہ ایک اہم فون کال تھی۔ میں نے اوبرائن کا نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی پر اس کی ہیلو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"میرا خیال تھا کہ تم ایک بڑے افسر ہو اور دیر سے دفتر جاتے ہوگے مگر تم کسی معمولی کلرک کی طرح شاید بروقت اپنے دفتر پہنچنے پر مجبور ہو۔" میں نے حلق کے بل، بھاری اور چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارا فلیٹ آج پھر ویران پڑا ہوا ہے۔"

"ایڈیٹ....! تم کون ہو اور کیا بکواس کررہے ہو؟" اس کی غراہٹ ابھری۔

"میں تمہاری شیری کا خیر خواہ ہوں۔ کل تم اپنے گھر سے کلرکوں کی طرح بروقت نہ نکل گئے ہوتے تو آج شیری کے ساتھ تمہاری بھی تدفین ہو رہی ہوتی۔ آج تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

اس بار مجھے درمیان میں ہی ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔ غالباً اوبرائن نے میری گفتگو ریکارڈ کرنی شروع کردی

تھی۔ مجھے اس تبدیلی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"تم آؤ۔ تمہاری ہڈیاں سرمہ بنادی جائیں گی۔" اس کی آواز میں ہیجان اور غصے کی ملی جلی کیفیت عود کر آئی تھی "مجھ سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"

"ہوشیار رہنا۔ میں نے تمہاری دعوت قبول کرلی ہے۔ آج، کل.... یا پھر کسی بھی وقت اور کہیں بھی تم سے فیصلہ کن ملاقات ہوگی۔"

"سؤر کے بچے.... تم لہجہ بدل کر لاکھ کوشش کرلو لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم امریکی نہیں ہو۔ کوئی مقامی کتے ہو۔ میں تمہاری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے اُڑا دوں گا۔"

"تمہاری شیری مقامی کتوں کے لیے ترستی ہوئی مرگئی۔ اب وہی کتے تمہیں بھنبھوڑیں گے۔" اپنی بات مکمل کرکے میں نے فون بند کردیا۔

اول خان نے ہلکی سی تالی بجائی "ویل ڈن.... آواز ہی نہیں، تم نے لب ولہجہ تک بدل لیا تھا۔ بالکل امریکی انداز میں انگریزی بول رہے تھے۔"

"غیر ملکی لب ولہجہ اپنانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آخر میں وہ شرطیہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں امریکی نہیں ہوں۔ اسے دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اب وہ میری ریکارڈ کی ہوئی آواز سن رہا ہوگا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ سی ایس ڈی آف تھی۔ اب وہ بھول کر بھی تم پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس پر اپنے ترکش کا ایک تیر اور چلا دیا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان سے کب بھاگتا ہے۔ وہ زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس کے نام کی جوتی الٹ دو اور اسے بھول جاؤ۔ وہ اپنے بال نوچ کر خود ہی پاگل ہوتا رہے گا۔"

"ویسے تو دھن راج کی بھی نگرانی ہورہی ہے مگر میری زیادہ توجہ اب میجر بخشی پر ہے۔ پتا نہیں بھارتی خفیہ ایجنسیوں والوں سے مجھے کیا عناد ہے کہ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا خون ابلنے لگتا ہے۔"

"تمہارا خون اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتا ہے۔ بھارتی ہی ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "اوبرائن کے ایشین پلان کے بارے میں جان لینے کے بعد بھی تم اپنی اس رائے پر قائم ہو!"

"یقیناً!" میں نے پورے اعتماد سے کہا "امریکی خدائی فوج دار بن کر اوپر سے اپنے عزائم مسلط نہیں کرسکتے۔ انہیں ہر جگہ کسی نہ کسی مضبوط حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بار بھارتی ان کے حامی ہیں۔ چین کے خلاف اس علاقے کی اکلوتی فوجی اور اقتصادی قوت بننا بھارتی حکمرانوں کا دیرینہ خواب ہے۔"

"بھارتی حمایت کے بغیر وہ اپنا پروگرام واقعی آگے نہیں بڑھا سکتے۔" وہ تائیدی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا "پھر تم نے میجر بخشی سے تو بہت کھل کر بات کی ہے۔"

"پروپیگنڈے اور ذہنوں کو مسموم کرنے کے لیے بھارتیوں کا ہوم ورک مکمل ہے۔ ہندوستان پر مسلم اقلیت کی طویل حکمرانی کا حوالہ ایک عام آدمی کو متاثر کرنے کے لیے بہت متاثر کن ہے۔" میں نے کہا۔

میرا وہ دن مسلسل سوچ بچار میں گزر گیا۔ دشمنوں کے چہرے ہمارے سامنے تھے۔ میں ان کے بارے میں ایک ڈھیلی ڈھالی رائے قائم کرچکا تھا مگر کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔

اوبرائن اور میجر بخشی پاکستانی قوانین کی رسائی سے بالکل باہر تھے۔ اپنی حکومتوں کے لیے وہ قابلِ قدر ہیرو تھے جو ایک سفاک دشمن کے سینے پر مونگ دلنے میں مصروف تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اوبرائن جیسے موذی کو پاکستان سے زندہ نکل جانے کا موقع دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ نتائج سے بے پروا ہوکر پوری بے خوفی سے اس کا سر کچل دینا چاہیے تھا۔ اس اقدام کے نتائج و عواقب کو بھگتنا ان افسروں کا کام تھا جو بڑی بڑی تنخواہیں لے کر اسلام آباد میں عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔

بیورو کریسی کے ان کل پرزوں نے کھٹوٹل' چوہدری سلام اور پھر اوبرائن کے معاملے میں مجھے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ اس کا جواب یہی ہوسکتا تھا کہ انہیں بھی کسی امتحان سے دوچار کردیا جائے۔

جب تک اوبرائن کی تقدیر کے بارے میں فیصلے کے نتائج کی ذمے داری میرے اور اول خان کے سر تھی' میرا رویہ محتاط اور قدرے مدافعانہ تھا۔ اول خان کے باس کو اوپر سے گرین سگنل مل جانے کے بعد اس پر نظرثانی ضروری ہوگئی تھی۔

اس وقت تک کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے دشمن پاکستانیوں کے بارے میں خوف زدگی کی حد تک احتیاط کررہے تھے۔ اول خان کے آدمیوں کی کوششیں جاری تھیں

مگر مجھے ان کی کسی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اوبرائن اور میجر بخشی کی نظروں میں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے میں اعتماد کے لائق تھا لیکن وہ دونوں ہی مجھ سے براہِ راست رابطے سے گریز کررہے تھے۔

لے دے کر ایک دھن راج تھا جس سے میں بات کرسکتا تھا۔ اس کا نام ہماری فہرست کے آخری سرے پر تھا۔ کرنل جمال دستی کے روپ میں اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ میں اوبرائن اور میجر بخشی کی ہدایت پر سختی سے عمل پیرا رہوں۔ دوسری صورت میں یہ اعتبار مجروح ہوسکتا تھا۔

دھن راج ایک رنگین مزاج امیرزادہ تھا۔ اس سے گفتگو میں محتاط رہ کر میں اس بند گلی سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ تلاش کرسکتا تھا۔

شام کو میں نے اسے فون کیا۔ ڈائرکٹ نمبر پر گھنٹی بجتی رہی لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ کا نمبر ملا کر آپریٹر سے دھن راج کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے مشینی تیزی کے ساتھ کچھ کہہ کر لائن کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش کی اور سی ایس ڈی نے لائن کاٹ دی۔

میں نے دوسری مرتبہ موبائل فون پر وہی نمبر ملایا۔ کال آپریٹر نے استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کردی۔ وہاں سے پتا چلا کہ دھن راج ہوٹل میں ہی مقیم تھا مگر باہر گیا ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد میں نے سات بجے دوبارہ اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر ہی دھن راج نے ریسیور اٹھالیا۔

”کہاں غائب تھے؟ میں تین مرتبہ رنگ کرچکا ہوں۔“ میں نے شکوہ کیا۔

”اوہ.... کرنل!“ میری آواز سن کر وہ خوشی سے تقریباً چیخ پڑا ”اس وقت میں کچھ اور مانگتا تو مجھے مل جاتا۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔“

”کیا سوچ رہے تھے؟“ میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

”ایمرجنسی کے لیے مجھے کوئی نمبر دے دو۔ میں پریشان تھا کہ تم سے کہاں رابطہ کروں۔“ وہ خوشامدانہ آواز میں... گڑگڑایا۔

”میری یہ مجبوری ہر ایک کے علم میں ہے۔ یہ دیکھ لو کہ تم نے سچے دل سے مجھے یاد کیا اور میں نے تمہیں خود ہی فون کرلیا۔“

”اچھا‘ یہ بتاؤ کہ [illegible]

مطلب کی بات پر آگیا۔

”میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔“ میں نے جھوٹ بولا حالانکہ میں اس دوران میں کئی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھتا رہا تھا۔

”تلاش کرو.... سراغ لگاؤ کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اب وہ اوبی کے لیے بہت تکلیف دہ ہوگیا ہے۔ وہ بے چارہ سخت ذہنی عذاب سے گزر رہا ہے۔“

”یہ میری بنیادی خواہش ہے۔ تم سب سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔“ میں نے جان بوجھ کر اوبی کی تکلیف اور ذہنی عذاب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

”اس کے حوصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ کل صبح اس نے اوبی کے گھر پر دھاوا بولا تھا۔“

”اوہ!“ پتا نہیں میرے دہانے سے کیوں وہ بے ساختہ تحیر زدہ آواز نکل گئی ”آج کے اخباروں میں تو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔“

”اس بات کو دبالیا گیا ہے۔ اوبی اپنے دشمن سے خود ہی نمٹنا چاہ رہا ہے۔“

”تصادم کی کسی خبر کو کیسے دبایا یا چھپایا جاسکتا ہے۔“ میں نے حیرت سے کہا ”وہ فلیٹ میں رہتا ہے۔ وہاں تو ذرا سی چیخ بھی پڑوسیوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔“

”اوبی گھر پر نہیں تھا۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں سب محفوظ تھیں۔ ڈینی نے کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کی چہیتی کتیا کو مار ڈالا۔“

دھن راج نے اپنے ہیجان کے باعث اس سادہ سے واقعے کو ایک پُراسرار آسیبی واردات کے روپ میں پیش کیا تھا۔ میں نے پوچھا ”یہ کیسے پتا چلا کہ بند دروازوں سے گزرنے والا آسیب ڈینی کا تھا۔“

”اوبی کو پورا یقین ہے کہ پورے شہر میں ڈینی کے سوا کوئی اور اسے نیلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حرکت اسی ذلیل کی ہے۔“

اپنے لیے اس کے منہ سے نکلی ہوئی گالی کو میں پی گیا ”میں نے بلیکی کو ڈینی کے فنگر پرنٹس دے دیے تھے۔ اسے فلیٹ میں ان فنگر پرنٹس کی موجودگی کے بغیر اتنا یقین نہیں ہونا چاہیے۔ کتیا کی گردن پر‘ دروازے کے دستے پر‘ کہیں نہ کہیں اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملیں گے۔“

”میں بتا رہا ہوں کسی کھڑکی یا دروازے کو نہیں چھیڑا گیا۔“ اس نے زور دے کر کہا ”شاید کسی سوراخ سے کوئی [illegible]

"اس وقت اوبی یا بلیکی میں سے کوئی اندر نہیں تھا؟"

میں نے اپنی حسرت کو حیرت میں تبدیل کر دیا۔

"وہ دونوں دفتر میں تھے۔ انہیں حیرت ہے کہ بلڈنگ میں چوکی داری کے بہترین نظام کے باوجود وہ اوپر کیسے پہنچا۔ میجر کا خیال ہے کہ وہ دونوں اب اس فلیٹ میں نہیں رہیں گے۔ کل کتیا ماری گئی۔ کسی وقت ڈینی ان دونوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"دیکھو، دھن راج! یہ میری اور تمہاری بات ہے۔ ڈینی کے پاس جادو کی کوئی چھڑی نہیں ہے۔ وہ ہم جیسا ایک عام آدمی ہے۔ اوبی نے بلاوجہ ہی اسے ہوا بنایا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت اس کے کسی اور دشمن نے کی ہو۔ سب کو بھول کر ڈینی کو گالیاں دینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" دھن راج سنبھل گیا "مگر اوبی میرے رابطے میں نہیں ہے۔ میں تمہارا یہ پیغام میجر تک پہنچا دوں گا۔ وہ خود بھی بہت پریشان ہے۔"

"اسے کیا پریشانی لاحق ہے؟" میں نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔

"اوبی اس کا دوست ہے۔ پھر ڈینی تو ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے۔ جب تک اسے چھوٹ ملی ہوئی ہے، ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ پتا نہیں کب وہ تمہارے سر پر پہنچ جائے۔ ایک نادیدہ دشمن کے خوف کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔"

"بس یہی ایک بات ڈینی کے حق میں جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کے چہرے پہچانتا ہے جب کہ ان کے لیے وہ صرف ایک نام ہے یا پھر امریکیوں کا بنایا ہوا ایک خاکہ۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہارے فون پر وہ اینٹی بگ ڈیوائس کام کر رہی ہے نا!" بات کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں اس کے بغیر تم سے بات ہی نہیں کرتا۔ تمہیں وہ کیوں یاد آ گئی؟"

"اتنی کھلی کھلی باتیں کسی غیر کے کانوں میں پڑ جائیں تو ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ میجر نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ تمہیں اوبی کے نئے مسائل سے جلد از جلد آگاہ کر دوں۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو دور دور سے ڈینی کو دیکھنے کے بجائے اسے گولی مار کر فرار ہوتا اور سیدھا امریکی قونصل خانے میں پناہ لے لیتا۔ وہ خود ہی مجھے حفاظت سے باہر پہنچا دیتے۔"

"کیا تم مجھے ایسا کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اپنے معاملات کو تم خود بہتر سمجھتے ہو۔ یہ میری خواہش ضرور ہے۔"

"اسے بس خواہش ہی رہنے دو۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک وار میں وہ مرے یا نہ مرے، اس پر وار کرنے والا ضرور مار دیا جائے گا۔ لاشیں فرار ہوتی ہیں نہ کہیں پناہ لے سکتی ہیں۔ مجھے اپنے ایسے انجام سے نفرت ہے۔"

"میں نے میجر بخشی کا پیغام دے دیا ہے۔ اب اس کی ساری توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ ڈینی کا جلد ہی کوئی نہ کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔"

"اپنے میجر سے پوچھ لو کہ میں اس سے رابطہ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

"کوئی ناگزیر مجبوری ہو تو وہ بُرا نہیں مانے گا۔ اسے اپنے ساتھ تمہاری سلامتی بھی عزیز ہے۔"

"مگر میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔ پتا نہیں دفتر کا آپریٹر میری کال کو اہمیت دے گا یا نہیں۔ میں اس سے چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں اسے بتا دوں گا" وہ کل صبح اپنی آپریٹر کو ہدایت دے دے گا۔"

"اور یہ بھی بتا دینا کہ میں اسے کسی اور نمبر سے فون کروں گا۔ اینٹی بگ ڈیوائس کے ذریعے بورڈ سے بات نہیں ہو سکتی۔ کال ٹرانسفر بٹن دبتے ہی لائن کٹ جائے گی۔"

"اچھا... تو یہ مجبوری بھی ہے۔" اس کی آواز قدرے پُر تشویش ہو گئی "پھر تم ایسا کرو کہ پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کراو۔ میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ وہ کوئی نہ کوئی حل بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا اور اس کا اسی وقت رابطہ ہو جائے۔"

"یہ بہت اچھا ہو گا.... میں پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

"یہ خبیث کیا کہہ رہا تھا؟" میرے فارغ ہونے پر اول خان پوچھ بیٹھا۔

"داستانِ غم سنا کر مجھے کوس رہا تھا۔ کتیا کے سوگ میں وہ سب کتوں کی طرح بلبلا رہے ہیں اور اس واقعے کا کریڈٹ سلطان شاہ کے بجائے مجھے دے رہے ہیں۔"

"تمہارا نام پوری ٹیم کی نمائندگی کرتا ہے۔ سلطان شاہ اس میں شامل ہے۔"

"میجر بخشی سے فون پر تم کیا بات کرو گے؟" میری اور دھن راج کی باتوں کا خلاصہ سننے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو میرا ذہن صاف نہیں ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کچھ بھڑاس دھن راج نے نکالی ہے۔ بقیہ بات اس سے ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی راہ نکل آئے۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ ابھی تک انہیں میرے اوپر کوئی شبہ نہیں ہوا۔"

وہ پندرہ منٹ بہت تیزی سے گزر گئے۔ اس دوران میں سب ہی اس کمرے میں یک جا ہو چکے تھے اور ہر ایک میرا ہم نوا تھا۔

دھن راج سے میری مختصر بات ہوئی۔ میجر بخشی اپنے گھر پر میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دھن راج سے نمبر لے کر فون بند کر دیا۔

بخشی زیرک آدمی تھا۔ رابطہ ہونے پر اس نے اپنی طرف سے کوئی بات چھیڑے بغیر یہ جاننا چاہا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ فوری طور پر کوئی اور بات نہ سوجھی تو میں نے کہا "مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ڈینی لیاقت آباد کے کسی تنگ علاقے میں رہ رہا ہے..."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ چونک کر درمیان میں بولا "یہ کراچی کی وہی آبادی تو نہیں ہے جو پہلے لالو کھیت بھی کہلاتی تھی؟"

"بالکل وہی علاقہ ہے، تم ٹھیک سمجھے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔

"خطرناک علاقہ ہے۔" ریسیور پر اس کی تیز بڑبڑاہٹ سنائی دی "ذرا دیکھ بھال کر ادھر کا رخ کرنا۔ یہ خبر اوبی کے لیے بہت اہم ثابت ہو گی۔"

"اس خبر کی تصدیق ہونے سے پہلے میں دھن راج کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے تمہاری اجازت کی ضرورت پیش آ گئی۔"

"دھن راج پر تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ خبر اس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچ سکتی تھی مگر تم نے اچھا کیا کہ براہِ راست مجھے بتا دیا۔ اوبی اپنے طور پر ڈینی کی تلاش کی ایک بڑی مہم شروع کرنے والا ہے۔ اس میں آوازیں نشر کرنے والے کئی ہزار مائکرو بگ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلائے جانے ہیں۔ اب وہ لیاقت آباد کے علاقے پر خاص توجہ دے گا۔"

"اسے یہ مہم بہت پہلے شروع کرنی چاہیے تھی۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آجائے تو اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔"

"پہلے اس کی مجبوری تھی۔ اس کے پاس ڈینی کی آواز کا کوئی ریکارڈ یا کیسٹ نہیں تھا۔ آج اس نے ڈینی کی ایک کال ٹیپ کرلی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔ امریکا سے آنے والا حساس ترین صوتی تجزیاتی سسٹم لاکھوں آوازوں میں بھی ڈینی کی آواز پہچان لے گا۔ اب اس کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگے گا۔"

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہ مخصوص آواز کس بگ سے آرہی ہے اور وہ شہر کی کس بستی میں ہے۔"

"مجھے تفصیلات کا علم نہیں لیکن اوبی بہت پرامید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم میں لوکیشن فائنڈر بھی ہو۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ بدلی ہوئی آواز میں کی جانے والی میری دھمکی آمیز فون کال ریکارڈ کرنے کے بعد اوبی کو وہ خیال آیا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایسے سسٹم آواز بدلنے کے باوجود ہر انسان کے مخصوص صوتی اشاروں کو آسانی سے پہچان سکتے تھے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس غلطی کے بھرپور ازالے کے لیے میں کسی نہ کسی طرح اوبی کے رابطے میں تھا۔

"اب وہ مشکل ہی سے بچے گا" میں نے اپنے دشمن کی امیدوں کی توثیق کی۔

"تمہیں بھی ایک اہم کام کرنا ہے۔" میجر بخشی کی سنجیدہ آواز ابھری۔

"میں اہم اور غیر اہم' ہر کام کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔"

"ایک دو روز میں واشنگٹن سے سب سازو سامان آجائے گا۔ تمہیں کچھ بگ اسٹیشن فور میں بھی پھیلانے ہوں گے۔ شیری کی موت کے بعد اوبی نے ڈینی اور ایس ٹی ایف کے خلاف بھرپور جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"میں اس کا ساتھ دوں گا مگر کامیابی کا کریڈٹ مجھے ہی ملے گا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہاں' ایک اور بات یاد رکھنا۔ وہ کسی بھی وقت اسٹیشن فور پر نظر آئے تو فوراً دھن راج کو خبر دے دینا۔ کوشش کی جائے گی کہ واپسی پر اسے راستے میں ہی گھیر کر دبوچ لیا جائے [illegible]

کا خواہش مند ہے۔"

"میں بتادوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے اس کے آنے اور واپس لوٹنے کے پروگرام کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح تھوڑی دیر کے لیے نظر آتا ہے پھر اول خان کے ساتھ کیمپ میں کہیں گم ہوجاتا ہے۔"

"یہ سب اوبی سنبھال لے گا۔ تم اپنے کام سے غافل نہ ہونا۔" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

اس کا وہ سوال بہت اچانک اور بے ساختہ تھا۔ میں نے اسی روانی سے جواب دیا "اسٹیشن فور پر۔ تمہیں معلوم ہے کہ فون پر سی ایل ڈی کی سہولت صرف یہیں میسر ہے۔"

"تم مجھ سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر میں کلب آسکتے ہو؟" اس نے شہر کے ایک قدیم اور مشہور کلب کا نام لے کر دریافت کیا۔

اس وقت میں اپنے دشمنوں کا معاون بنا ہوا تھا۔ ان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرسکتا تھا۔ اپنی تشویش کے باوجود میں نے خوش مزاجی سے کہا "تم کہو گے تو میں کہیں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ صرف آنے جانے میں کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"آنے جانے میں۔۔۔؟" اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تو کیا تم دن رات وہیں رہتے ہو؟"

"یہ فوجی کیمپ کی بڑی کٹھن زندگی ہے۔ چوبیس گھنٹے کی ملازمت سمجھ لو۔"

"تمہیں جلد ہی اس سے نجات مل جائے گی۔۔۔۔ بس تم نکلو۔ میں وہاں لان پر تمہارا انتظار کروں گا" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا اور میں اس ملاقات کا سبب جاننے کی حسرت دل میں لیے رہ گیا۔ اتنی سی بات کے لیے اسے دوبارہ فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

ہر بار کچھ نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ ویسے تو اوبرائن کی طرف سے میری تلاش کی نئی مہم کی تفصیل بھی خاصی دلچسپ تھی لیکن سب کو پریشانی یہ تھی کہ میجر بخشی نے اس وقت مجھے اچانک کلب میں کیوں بلایا تھا۔

بظاہر اس نے وہ خواہش رواروی میں ظاہر کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ پہلے سے اس کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا اور اس نے جان بوجھ کر آخر میں وہ ذکر چھیڑا تھا۔

ہم پانچوں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وقت کم تھا اور مجھے روانگی سے پہلے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنومل راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنومل پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنومل کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنومل کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنومل کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنومل کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنومل کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی بازپرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنومل کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنومل کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کرکے کھنومل کے متعلق مخبری کردی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کھنومل امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اوبی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کررہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بس پر پڑی جو لفٹ سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا۔ میں وہاں سے ایس ڈی اور بیم گن لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کرلیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کردی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہوگیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فورس تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اوبی نے دفترِ خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کردی ہے۔ میں نے اوبی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہوگیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔ باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ میں اوبرائن کو شیشے میں اتاروں۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے دو افسران میجر بخشی اور دھن راج سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اوبی کی کتیا کو موت کے گھاٹ اتاردیا۔ اس کارروائی نے اوبی کو پریشان کردیا۔ میں نے ڈینی کے طور پر اس سے بات کرکے اسے اور ہراساں کردیا تاہم وہ میری آواز ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ میجر بخشی سے بات ہوئی تو اس نے ڈینی کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے اس کے فرضی پتے کے بارے میں اسے آگاہ کردیا۔ اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے ایک کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ روا روی میں ظاہر کی گئی ملاقات کی اس خواہش کے پیچھے دیرینہ فیصلہ کارفرما تھا۔ ہم اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دنوں میں تلوار کی تیز دھار پر چل رہا تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ضروری تھا۔ کہیں بھی ذرا سی کوئی لغزش ہوتی تو اس کا شاخسانہ میری موت کی صورت میں ہی رونما ہوسکتا تھا۔ ایسی لغزش کے ازالے کی کوئی دوسری صورت دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

ایس ٹی ایف میں اہم خدمات سرانجام دینے والے کرنل جمال دستی کے روپ میں میں اپنے حریفوں کا محبوب اور معتمد بنا ہوا تھا جب کہ وہ سب ڈینی کے لہو کے پیاسے تھے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اول خان سے لے کر غزالہ تک، ہر فرد کو صورتِ حال کی اس سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا اور یہی وجہ تھی کہ میجر بخشی کی اچانک دعوت نے ان چاروں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کے مہیب ہیولے پیدا کردیے تھے۔

"تم لوگ جو چاہو سوچتے رہو مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملاقات میں ڈینی کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا۔" تھوڑی سی بحث کے بعد سلطان شاہ نے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے کسی توقف کے بغیر دو ٹوک انداز میں اس کی رائے مسترد کردی۔ "ڈینی کی جان کو ان موذیوں سے ہر وقت خطرہ ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ کرنل جمال دستی فی الحال ایسے خطرات سے بڑی حد تک محفوظ ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ اسے کہیں سے سراغ مل گیا ہو کہ کرنل جمال دستی کے روپ میں ڈینی ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی اول خان بے ساختہ بول پڑا۔ "اسے کہاں سے اور کیسے یہ سراغ مل سکتا ہے؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی بے بساط مہرے نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلے میں وہ بہتر وسائل سے لیس ہیں۔ دھن راج جیسے غدار مقامی ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔"

"کھنومل اور چوہدری سلام بھی اسی صف میں شامل تھے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہم اپنے گھر میں بقا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اپنے ماحول اور غداروں کے پینتروں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنے مزے سے کامیابیاں حاصل ہوسکتیں تو اب تک ہم پانچوں میں سے ایک کا بھی نام و نشان نہ ملتا۔"

سلطان شاہ نے احتجاجی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اسے خاموش کردیا۔ "تم بلاوجہ بحث کررہے ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہوتی تو وہ اپنے طور پر کوئی پیش رفت کرکے مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت میں نے خود اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر اوبرائن کے اگلے پروگرام کے بارے میں بتایا ہے....."

"پھر اس نے تمہیں کلب کے لان پر کیوں بلایا ہے؟" ویرا نے سوال جڑ دیا۔

"کلیدی سوال یہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال لہجے میں جواب دیا۔ "اوبرائن نے مجھے ایمپریس مارکیٹ بلایا۔ وہاں اس کی جگہ بلیکی پہنچا ہوا تھا۔ وہ مجھے دھن راج کے حوالے کرکے غائب ہوگیا۔ دھن راج نے مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں بلایا تو وہاں میجر بخشی سے اچانک سامنا ہوا۔ اب میجر بخشی نے بلایا ہے تو شاید کوئی اور چہرہ سامنے آجائے۔"

فوری طور پر کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ سب ہی میرے جواب کی معقولیت پر غور کررہے تھے۔

"یہ بات آسانی سے ہضم نہیں ہورہی۔" غزالہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر دھیرے سے کہا۔ "میں یہ مانتی ہوں کہ فون اس نے نہیں' آپ نے کیا تھا مگر یہ مجبوری تھی۔ ان میں سے کسی کے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں ہے جب کہ آپ نے دھن راج کے ذریعے اجازت لینے کے بعد میجر بخشی کے گھر فون کیا تھا۔ وہ ذہن میں کوئی پلان لئے بیٹھا تھا۔ آپ سے رابطہ ہوتے ہی اس پر عمل کرگزرا۔"

میں غزالہ کو گھور کر بے بسی سے ہنس پڑا۔ "اب تم بھی بال کی کھال نکالنے لگی ہو!"

"سب کچھ میرے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ ہر بات میری سمجھ میں آتی ہے لیکن مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میرے دل کی بات کسی نہ کسی کی زبان پر آجاتی ہے۔"

غزالہ نے وہ فقرے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "کیا تم اس وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتی تھیں۔"

"وہ کیوں چپ رہتی؟" اس کی حمایت میں سلطان شاہ بول پڑا۔ "اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم نے باتوں کے چکر میں سب کو لاجواب کردیا ہے۔"

"جو لوگ سچے دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں انہیں ایک دوسرے کے بارے میں وجدان سا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب غزالہ نے زبان کھول ہی دی ہے تو تم کو میجر بخشی سے ملاقات کا ارادہ ملتوی کردینا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا ہے۔"

"پروگرام طے ہوجانے کے بعد ڈپٹی کا یوں غائب ہوجانا مناسب نہیں ہوگا۔" اول خان بولا۔ "میجر بخشی کو اس پر کوئی شبہ ہوگیا ہے تو وہ پختہ ہوجائے گا۔"

"ڈپٹی کے پاس اس کے گھر کا فون نمبر ہے۔ یہ بخشی کو فون کرکے بہانہ کرسکتا ہے کہ اس وقت اسے اسٹیشن فور چھوڑنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ بخشی بھی جانتا ہے کہ کرنل جمال دستی یہاں خود مختار نہیں ہے۔ اسے کسی نہ کسی کو جواب دینا پڑتا ہے۔"

ویرا کی وہ جوابی تجویز معقول تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لئے اس پر غور کیا۔ میجر بخشی سے مجوزہ ملاقات کے بارے میں میری چھٹی حس بھی مطمئن نہیں تھی۔ میں نے فون سنبھال لیا۔

تیسری گھنٹی پر میجر بخشی کے رہائشی فون نمبر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ میجر بخشی گھر پر موجود نہیں تھا۔

نسوانی آواز مہذب اور پروقار تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون تھی۔ میں نے کہا۔ "میجر سے اس وقت میری ملاقات طے تھی مگر میں کسی وجہ سے آنے سے قاصر ہوں....."

"مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"میجر کو کلب پہنچنا ہے۔ تم وہاں پیغام دے دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے التجا کی۔

"سوری!" رکھائی سے کہا گیا۔ "میں یہ سب نہیں کرسکتی۔ میں ان کی خادمہ ہوں۔ تم اپنا نام بتادو۔ ان کا فون آیا تو میں تمہارا پیغام دے دوں گی۔"

مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ میری مخاطب میجر بخشی کی خادمہ تھی۔ "میں میجر کو کسی بے یقینی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ تم میری کال کو بھول جاؤ۔" میں نے ترشی سے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

مجھ سمیت کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ میجر بخشی مجھ سے پروگرام طے کرنے کے بعد اتنی عجلت میں گھر سے نکل کھڑا ہوگا۔ اس کی وہ عجلت ہمارے مشترکہ خدشات کو تقویت دے رہی تھی۔

بحث دوبارہ چل پڑی۔ ویرا کی رائے تھی کہ میں کلب فون کرکے میجر بخشی سے بات کرلوں۔ وہ وہاں نہ پہنچا ہو تو استقبالیہ کلرک کو اس کے لئے اپنا پیغام نوٹ کرادوں۔ غزالہ دور کی کوڑی لائی تھی۔ اس کی دانست میں مجھے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ براہِ راست دھن راج کو فون پر اپنی مجبوری سے آگاہ کردیتا۔ وہ خود ہی کلب جاکر میجر بخشی سے بات کرلیتا۔

میرے لئے وہ تجاویز احمقانہ تھیں۔ ہم ان کے خلاف مضبوط ارادوں کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے تھے۔ بظاہر میں نے ان کے حلیف کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر میجر بخشی کے دل میں میری طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو ہی چکا تھا تو میں زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے کام نہیں لے سکتا تھا۔

شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر یہ سمجھ لینا کہ طوفان ٹل گیا ہے' میرے بس سے باہر بلکہ اعصاب شکن تھا۔ میں نے اس پراسرار ملاقات کو ٹالنے کی ایک کوشش کرلی تھی۔ اس میں ناکامی ایک طرح سے غیبی اشارہ تھی۔ میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے بیم گن جیب میں ڈالی تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "پہلے غیر مسلح ہو کر گئے تھے تو اب بیم گن کیوں لے جا رہے ہو؟"

"پچھلی بار میں دھن راج کے ہوٹل بلکہ کمرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ میرے اندیشے کے عین مطابق وہاں ہتھیار کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج اس سے کلب کے کھلے لان پر ملنا ہے۔"

میرے طنزیہ لہجے کے جواب میں ویرا کے ہونٹوں پر سلگا دینے والی مسکراہٹ عود کر آئی۔ "ہتھیاروں کی موجودگی کے لئے دستی آلات کا استعمال بھی عام ہو چکا ہے۔"

"وہ ہاتھ میں کچھ تھامے بیٹھا ہوگا تو میں اسے تماشا بنا دوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

میرے ردعمل پر ویرا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ غزالہ کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔

اول خان کا ایک آدمی چند منٹ میں میرے لئے ایک ٹیکسی لے آیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سننے پر میری استفہامیہ نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔

"یہ واپسی تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" اس نے بتایا۔

"بار بار ایک ہی ٹیکسی کا استعمال مناسب نہیں رہے گا۔" میں نے کہا۔

"ٹیکسی اور ڈرائیور، دونوں ہی نئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔" وہ بولا۔

اول خان کو پورا یقین تھا کہ چھاؤنی کی حدود میں آنے جانے والے غریب ٹیکسی ڈرائیور ہر طرح محب وطن اور قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ اگر انہیں علم ہو کہ وہ اپنا پورا معاوضہ لے کر کسی فوجی یونٹ کے لئے خدمت سرانجام دے رہے ہیں تو یکایک ان کا مورال بہت بلند ہو جاتا ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ فرض شناسی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

ایسے عام ڈرائیوروں سے قطع نظر، خفیہ حفاظتی ایجنسیوں کے اہل کار بھی اس حساس علاقے میں مشتبہ افراد کی آمد و رفت پر نگاہ رکھنے کے لئے ٹیکسیاں وغیرہ لئے گھومتے رہتے ہیں۔ عام حالات میں وہ نگرانی کی ذمے داری انجام دیتے ہیں۔ ضرورت پیش آ جائے تو فوری طور پر کسی بھی مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تجربے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اول خان کا آدمی اس مرتبہ میرے لئے دوسری قسم کی مخصوص ٹیکسی ہی لایا تھا۔

چھاؤنی سے شہر کے مرکزی حصے تک کا سفر طویل ضرور تھا لیکن ٹریفک کی روانی کے باعث اذیت ناک نہیں تھا۔ شارع فیصل کے سرے پر واقع، دھن راج کے ہوٹل سے چند سو میٹر آگے کراچی کا وہ قدیم اور روایتی کلب واقع تھا جس کے لان پر میجر بخشی سے میری ملاقات طے تھی۔

چوڑے پتھریلے ستونوں کے درمیان اونچی چھت سے مزین پرشکوہ پورچ میں میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ ڈرائیور سے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ وہ پارکنگ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا۔

احاطے میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وسیع لان پر محض چند میزیں آباد تھیں۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے عمارت میں داخل ہونے کے بجائے لان کا رخ کیا تو میجر بخشی نے دور سے ہاتھ ہلا کر مجھے خود ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ تیز روشنیوں سے قدرے الگ پڑی ہوئی میز پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بہت مشکل سے اپنے یونٹ سے نکلا ہوں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے شکوہ کیا۔ "اس وقت مجھے وہیں رکنا تھا کیونکہ کمانڈر اچانک کہیں نکل گیا تھا۔"

"تم نہ پہنچتے تو مجھے شدید مایوسی ہوتی۔" اس نے میرے شکوے کو نظرانداز کر کے اپنے مطلب کی بات کی۔ "میں کافی دیر سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اپنے لہجے کی تلخی پیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے دوبارہ تمہارے گھر فون کیا تھا مگر تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ مجبوراً مجھے اسٹیشن فوراً سے نکلنا پڑا۔"

"اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ مجھے تم سے کچھ اہم ذاتی باتیں کرنی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ذاتی باتیں؟" میں نے تحیرزدہ آواز میں دہرایا۔ "ان کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"تم آرمی کے کس یونٹ سے اور کب ریٹائر ہوئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے میری بے چین نظروں میں جھانکنے کے بعد پوچھا۔

"سوری میجر۔" میں نے تیوریوں میں بل ڈال کر کہا۔ "یہ قطعی غیر ضروری باتیں ہیں۔"

"برا مت مانو۔ موجودہ حالات میں یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔" اس نے میرے خراب تیور دیکھنے کے باوجود اپنا مفاہمانہ لہجہ برقرار رکھا۔

"میں نے "را" یا "اسپیشل سروسز بیورو" میں ملازمت کی درخواست نہیں دی ہے جو یہ سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"اوہ.... ہو!" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں کراچی کتنے امریکیوں کو نگل چکا ہے۔ ادبی کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی پالتو کتیا ماری گئی۔ اس وقت آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ دشمن ہمارے بہت ہی

قریب رہ کر سب کچھ دیکھتا ہے اور گھات لگا کروار کردیتا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ مختصر سے وقت میں وہ بہت صحیح نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی حکمتِ عملی میں ایک فوری تبدیلی لاتے ہوئے براہی سے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اب اوبرائن میرے اوپر بھی شبہ کررہا ہے؟"

"اوبرائن تم پر شبہ کرتا تو تمہیں میرے حوالے کرنے سے پہلے یہ سب جاننے کی کوشش کرتا۔" اس نے میرا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں وہ اہم نکتہ اگل دیا۔ "میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم پر واضح کردیا تھا کہ اب اوبی پورے کھیل سے باہر ہے۔ ہرڈیل میرے، تمہارے اور دھن راج کے درمیان ہوگی۔"

"اگر تم کو میرے اوپر شبہ ہے تو معاملات کو یہیں ختم سمجھو۔" میں ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ بس یہ میرا طریقہ کار ہے۔ میں ابتدا سے ہی ہر منفی امکان پر کام کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔ اسے یوں سمجھ لو کہ بخار کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے متعدد ٹیسٹ کراتا ہے۔ ملیریا پیراسائٹس، وڈال اور مانٹوز بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ڈاکٹر کو ٹی بی کا شبہ ہورہا ہے۔ اس طرح وہ امکانات کی تنسیخ کرتا ہے۔ ٹی بی نہیں ہے، ٹائی فائیڈ نہیں ہے، ملیریا نہیں ہے، کسی معمولی خرابی کی وجہ سے بخار ہورہا ہے۔ میں بھی یہی کرتا ہوں۔ ایک بار تمہارے سروس ریکارڈ کی تصدیق کرلوں گا تو زندگی بھر تم پر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اوبرائن کے چھپے ہوئے دشمن تم ہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے الزام لگایا۔ "اسے اپنے ہمدردوں کی طرف سے بدگمان کرکے اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنانے کی کوشش کررہے ہو۔"

"تم حد سے تجاوز کررہے ہو۔" پہلی بار اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ "میرے بارے میں اوبرائن ہربات جانتا ہے۔ وہ اپنی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس کا عہدیدار ہے، میں اسپیشل سروسز بیورو کا افسر ہوں۔ ہماری پشت پر ان اداروں کی ضمانتیں موجود ہیں۔ یہ ادارے مل کر کام کررہے ہیں اور ایک دوسرے سے پوری طرح متعارف ہیں۔"

"میری پشت پر ایس ٹی ایف کی ضمانت ہے۔" میں نے جان بوجھ کر کج بحثی کا مظاہرہ کیا۔ "دھن راج سے پہلی ملاقات کے بعد اسٹیشن فور کے نواح تک میرا مسلسل پیچھا کیا گیا تھا۔ ایسی بداعتمادی کی فضا میں دو دن بھی کسی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔"

اس کے ہونٹوں پر یکایک منافقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایس ٹی ایف ہماری حریف ہے۔ اس کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب ہے نہ وہ لوگ منظرِعام پر آتے ہیں۔ تصدیق ہو تو کیسے ہو؟ بظاہر تم ان کے باغی ہو۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم ہمیں ڈبل کراس کررہے ہو۔"

خوف کی ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ آخرکار اس کا بدترین اندیشہ اس کی زبان پر آہی گیا تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "تم واقعی ایک کامیاب سیکرٹ ایجنٹ کی طرح سوچ رہے ہو۔ ایسے لوگ اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے اور کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔"

"اب تم خرافات بک رہے ہو۔" وہ یکایک مشتعل ہوگیا۔ "مجھے اپنی ولدیت پر کوئی شبہ نہیں بلکہ فخر ہے۔ تم نے اب کوئی گالی دی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

وہ غصے میں آیا تو میں فوری طور پر دھیما پڑ گیا۔ "میری بات کو غلط مت سمجھو۔ میں نے گالی نہیں دی، یہ مثال دی تھی کہ بعض لوگ اپنے باپ کو بھی اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتے۔"

"اب ماں باپ کی ایسی کوئی گندی مثال نہ دینا۔" وہ غرایا۔

"اپنا تعاقب ہوتے دیکھ کر تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں بالکل ہی بے سروسامان نہیں ہیں۔ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے توڑ سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "ایسی تیاریوں کے بغیر ڈینی سے نجات نہیں حاصل کی جاسکتی۔"

میں نے دانستہ اس کی دکھتی رگ چھیڑی تھی۔ اپنی قوت کا فرعونی دعویٰ کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ ڈینی کی تلاش میں بھارتی اور امریکی ایک مدت سے خاک چاٹتے پھر رہے تھے۔

"اوبرائن واشنگٹن سے آنے والی ہدایات پر ڈینی کے معاملے سے الگ ہوگیا ہے مگر یہ اس کی انا کا سوال بنا ہوا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے معتدل لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "امریکیوں

کے پاس ڈینی کا ایک قلمی خاکہ موجود ہے' اس کے فنگر پرنٹس والا گلاس تم بلیکی کے حوالے کرچکے ہو' ڈینی کی آواز اوبی نے ٹیپ کرلی ہے۔ پورا جال تیار ہے۔ واشنگٹن والے بہت جلد مائیکرو ڈیگ کی کھیپ بھیج دیں گے۔ اس بار وہ خبیث شخص ہرگز نہیں بچے گا۔"

"مجھ سے میرے حصے کا کام لیا جاچکا ہے' اسی لئے تم نے مجھ سے اکھڑی اکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔" میں نے اس کی پوری بات سن کر تلخی سے کہا۔ "تم خود ہی ڈینی کا کام تمام کرلو گے۔"

"میں اپنا طریقہ کار نہیں بدل سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میرے مشن میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔ تمہیں ایس ٹی ایف کے ٹھکانے پر مائیکرو ڈیگ پھیلانے ہیں جو ڈینی کے ساتھ ایس ٹی ایف کی بربادی میں بھی ہماری مدد کریں گے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے میری سوئی ہوئی انا کو بھی بیدار کردیا ہے' تمہارا کوئی مطالبہ تھا تو دھن راج کو پہلے ہی مجھے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔ اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

دھن راج صرف رابطے کا آدمی ہے۔ اسے میرے طور طریقوں کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ میں نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو۔ تقسیم سے پہلے میرے والدین بھی عمر کوٹ میں رہتے تھے۔ نئی سرحدیں بننے کے برسوں بعد دھن راج عمر کوٹ میں پیدا ہوا' میری جائے پیدائش اودے پور ہے۔ یہاں تعینات ہونے کے بعد میں پرانے حوالوں سے پہلی بار اس سے ملا ہوں۔"

"یہ تمہارے اور اس کے معاملات ہیں ورنہ مجھے اسی سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔"

"اب بھی وہی طریقہ برقرار رہے گا۔ میں تم سے براہِ راست زیادہ میل جول رکھ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تم کل تک سوچ سمجھ لو پھر دونوں باتیں اسے بتادینا۔"

"اسے علم ہے کہ ہم دونوں یہاں ملے ہیں۔" میں نے عارضی طور پر بات ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے روا روی میں پوچھا۔

"نہیں' تم بھی اس سے ذکر نہ کرنا۔ اسے ملال ہوگا کہ اس کے ہوٹل سے اتنے قریب ہونے کے باوجود میں اس سے ملنے نہیں گیا۔ میں کسی کی بلاوجہ دل آزاری سے ڈرتا ہوں۔"

چند لمحوں پہلے میرے ذہن میں سر ابھارنے والا خیال ایک مرتبہ پھر زور مارنے لگا۔ میری اور میجر بخشی کی وہ ملاقات خفیہ تھی۔ اگر سی کو اس پروگرام کا علم بھی تھا تو اس کی خادمہ گواہی دے سکتی تھی کہ میں نے میجر بخشی کے نکل جانے کے بعد ملاقات کی منسوخی کے لئے فون کیا تھا۔

بیم گن کے ذریعے میں میجر بخشی کو وہاں بیٹھے بیٹھے' لمحہ بھر میں موت کی گہری نیند سلا سکتا تھا۔ اس کے دل میں ایک ننھا سا سوراخ ہوتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی کرسی پر اسی طرح بیٹھا رہ جاتا۔ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ اسے قتل کردیا گیا تھا۔

اس آسان ترین واردات میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ بیم گن کا استعمال امریکیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہتا۔ چھان بین شروع ہوجاتی کہ میجر بخشی کی میز پر اس شام کس وضع قطع کا آدمی دیکھا گیا تھا۔ اس تجسس کے نتیجے میں نیویارک والی جینی کے بنوائے ہوئے اس غلط خاکے کی پوزیشن مشکوک ہوجاتی جس پر اوبرائن اور اس کے چیلے ناز کررہے تھے۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں ایک متبادل خیال بھی کوندا۔ وہ ملاقات ختم کرکے میں کلب کے احاطے سے باہر ٹیکسی میں رک کر اس کی روانگی کا انتظار کرتا اور پھر موقع پاکر اسے راستے سے اغوا کرکے اسٹیشن فوز پہنچانے کی کوشش کرتا۔

عملی طور پر سہل نظر آنے والی وہ دونوں صورتیں جتنی تیزی سے میرے دماغ میں ابھری تھیں' اتنی ہی پھرتی سے میں نے انہیں خود مسترد کردیا۔

مجھے ایک نجی ملاقات پر مدعو کرکے میجر بخشی نے ایک سنگین خطرہ مول لیا تھا اور وہ اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرگزرتا تو وہ ضرور جہنم واصل ہوجاتا مگر میں اپنے دشمنوں سے ہر رابطہ توڑ لیتا۔

میجر بخشی کی پراسرار روپوشی اور بعد ازاں موت پر اوبرائن سے دھن راج تک' ہر شخص کے دماغ میں لامحالہ یہ سوال سر ابھار سکتا تھا کہ ڈینی کے دشمنوں میں سے جو شخص بھی کرنل جمال دستی کے رابطے میں آتا ہے' مارا جاتا ہے یا مصائب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

یہ سوال میری حیثیت پر بری طرح اثر انداز ہوسکتا تھا۔ وہ لوگ ڈینی کو بھول کر فوری طور پر مجھے پکڑنے اور پھر تھرڈ ڈگری کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کے منصوبے کو روبہ کار لاسکتے تھے۔ ان خطرات سے اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ایک مرتبہ پھر زیر زمین جانا پڑجاتا۔

وہ ایک طویل تجزیہ تھا لیکن قدرت نے انسانی ذہن کے نہاں خانوں میں تخیل کی ایسی قوتیں محفوظ کی ہوئی ہیں کہ ماضی' حال اور مستقبل کے برسوں پر مشتمل واقعات یا اندازوں کی ریل چند لمحوں میں سرعت سے چل جاتی ہے اور سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔

میجر بخشی کو اندازہ تک نہیں ہوسکا کہ اس کے نرم دلی کے اعلان نے میرے ذہن میں کوئی ہلچل پیدا کی تھی۔ میں نے بظاہر کسی توقف کے بغیر کہا۔ "دل آزاری اور دل شکنی کرنا سب سے بڑی بربریت ہے لیکن تم نے گفتگو کی ابتدا میں میرے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔"

"تم ابھی تک اسی کو لئے بیٹھے ہو۔" وہ کھوکھلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم نے میرے دو بے ضرر سوالوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تو میں فی الحال انہیں بھول سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی وقت تم کو میری بات کی معقولیت کا یقین آجائے گا۔"

میں نے اس کی مکاری پر کوئی تبصرہ کئے بغیر کہا۔ "چند روز مہلت دینے کے مقابلے میں تمہارا یہ موقف زیادہ بہتر اور میرے لئے باعزت ہوگا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا موڈ بہتر ہوگیا۔ اب مائیکرو بگ آجانے پر تم سے ملاقات ہوگی تو ہم زیادہ خوش گوار ماحول میں گفتگو کر سکیں گے۔"

"پہلے اوبرائن مجھے اپنے ماسٹرپلان کے لئے کوئی کردار دینا چاہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ اب تمہاری وجہ سے میری سرگرمیاں ڈینی کی سرکوبی تک محدود رہیں گی۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اس خیال میں نہ رہنا۔ ہمیں مل جل کر ہی اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے جس پر اوبرائن بہت عرق ریزی سے کام کررہا ہے۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ اس کی توجہ بڑے مقاصد پر مرکوز رہے گی۔ ہم اس کی راہ صاف کرتے رہیں گے۔"

"چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست کے بارے میں ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم ہی نے کہا تھا کہ وہ پروگرام اوبرائن کے ذمے ڈال دیا گیا ہے۔"

"وہ عارضی بندوبست ہے۔ زخمی درندے کو مارنے کے لئے کبھی کبھی بڑے شکاری کی جان خطرے میں نہیں ڈالی جاتی۔ اسے گھیر گھار کر دوسرے مار لیتے ہیں۔ ڈینی کا پتا صاف ہوجائے تو ہم بھی کھل کر میدان میں آجائیں گے۔ اس کے بعد ایس ٹی ایف کی کمر خود بہ خود ٹوٹ جائے گی۔"

وہ میجر بخشی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ دیر تک بولتا ہی چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ چین کے مقابلے میں عظیم تر ایشیائی ریاست 'اتحاد یا الحاق کے خواب کو اس کے ملک میں اکھنڈ بھارت کے نظریئے کے طور پر پورے زور و شور سے پروان چڑھایا جارہا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان فنون' کھیل کود' ثقافت اور اخوت کے نام پر بنی ہوئی متعدد انجمنوں کے بڑے بڑے اور رنگا رنگ اجتماعات میں کھل کر شرکا کی برین واشنگ کی جاتی تھی۔ ایسے اجتماع بھارت میں ہی نہیں' پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی ہوتے رہتے تھے۔

برصغیر کے نقشوں پر سازشی انگریز کی لگائی ہوئی غیر فطری سرحدوں کے خاتمے کے نتیجے میں سنہرے سپنے دکھائے جارہے تھے۔ بھارت کی وسیع منڈی پاکستانی اجناس اور مصنوعات کے خیرمقدم کے لئے تیار تھی۔ وہاں کے زرعی' آبی اور برقی وسائل پاکستان کو فیض پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ ہندی عوام پاکستانی شاعروں اور اداکاروں کو سننے کے لئے بے چین تھے۔ بھارت میں ان کے اعزاز میں ایسی خواب ناک اور بڑی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں جن کا پاکستان میں تصور بھی ممکن نہیں تھا۔

پاکستان سے جانے والے بعض چھچھورے مشاہیر کے معدوں میں جب بھارتی شراب بھر کر حلق تک مرغن غذائیں ٹھونس دی جاتی تھیں تو خوشامدی سامعین کی واہ واہ کے شور میں یہ مشاہیر وہی بولی بولنے لگتے تھے جو ان کے میزبان چاہتے تھے۔ واپسی پر ایسے لوگ پاکستانی عوام میں بھارت کے سفیر اور ڈھنڈورچی بن جاتے تھے۔ کہیں سے کوئی لعنت ملامت ہوتی تو معذرتوں اور وضاحتوں کے سہارے اپنے دامن کے داغ دھونے کی کوشش کرتے تھے۔

کام پورے زور و شور سے ہورہا تھا مگر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی تھی تاکہ مخالف قوتوں کو اس محاذ سے یکسر بے خبر رکھا جاسکے۔

اس تخریبی منصوبے میں این جی اوز یا غیر سرکاری تنظیموں سے بھی بھرپور کام لیا جارہا تھا۔ بعض اداروں کو امریکا اور بھارت کی سرپرستی حاصل تھی مگر بڑی تعداد ایسی تنظیموں کی تھی جنہیں ان دونوں ممالک کے ایما پر بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں سے بھاری امداد مل رہی تھی۔

مجھے اچھی طرح علم تھا کہ چند فعال اور سرگرم تنظیموں کے سوا بقیہ تمام این جی اوز کاغذی وجود کی مالک تھیں۔ بھاری رقوم اعلیٰ عہدیدار ہڑپ کر جاتے تھے۔ کچھ پیسہ عملے کی تنخواہوں اور نام نہاد دفتری انتظام پر خرچ ہوتا تھا اور اگلے برس کے لئے خوبصورت الفاظ اور حروف میں فرضی کارکردگی کی ضخیم مگر بے بنیاد رپورٹیں داخل کردی جاتی تھیں۔

ملک کے دور دراز' دشوار گزار اور پس ماندہ علاقے ملک دشمن این جی اوز کو مرغوب ترین میدان عمل فراہم کرتے تھے۔ کیونکہ چھوٹے سرکاری اہل کار بھی ان علاقوں کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باسیوں کے احساس محرومی کو بھڑکا کر چھوٹے موٹے امدادی کاموں کے ذریعے ایک خاص سوچ کو پروان چڑھایا جارہا تھا۔

میجر بخشی کی کہی ہوئی بعض باتیں میرے لئے نئی نہیں تھیں۔ کئی برس پہلے میں نے سندھ کے اندرونی علاقوں میں ملا سرکار کی ہولناک سرگرمیوں کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس وقت امریکا کھل کر پاکستان کی مخالفت نہیں کرتا تھا' نہ عظیم تر ایشیائی ریاست کا کوئی منصوبہ وجود میں آیا تھا۔ ملا سرکار بے روزگار قوم پرست نوجوانوں کو مہلک ہتھیار فراہم کرکے لوٹ مار اور لاقانونیت پر اکسا رہا تھا۔ ایسے جتھوں کی سرپرستی کرکے وہ حکومت کے وجود کو ایک مذاق بنانے کے لئے کوشاں تھا لیکن ستارے پاکستان پر مہربان تھے۔ وہ ہولناک مقابلوں کے بعد آخر کار سکھر کے قریب' دریائے سندھ میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔

میجر بخشی کے تیور بھی وہی تھے مگر مقاصد بدلے ہوئے تھے۔ اس کی توجہ دیہی سے زیادہ شہری آبادی پر تھی جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب شورش یا غلغلہ پیدا کرنے کی قوت بھی رکھتی تھی۔

میجر بخشی کی وہ تقریر طویل ہونے کی وجہ سے میں خاصی تاخیر

سے وہاں سے اٹھا۔ وہ ہندو تھا اور مزے سے کلب کے لان پر بیٹھا شراب نوشی کررہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ جوس کے دو گلاس خالی کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگیا۔

میں نے اس بات پر خاص طور سے نظر رکھی تھی کہ کلب سے واپسی پر اس بار میری ٹیکسی کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

اسٹیشن فور پر چاروں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ میری صورت دیکھتے ہی اول خان نے ایک آدمی کو فیلڈ میس روانہ کردیا تاکہ کھانا کمرے میں پہنچا دیا جائے۔

میجر بخشی کے ساتھ میری اچھی خاصی ذہنی آویزش ہوئی تھی۔ اس میں کچھ کٹھن لمحات بھی آئے تھے مگر پوری مشق کا خلاصہ بہت مختصر تھا۔

میرے خلاف وہ سب ہم زبان ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ بایاں بازو زخمی ہونے کے بعد میرا حوصلہ کچھ پست ہوگیا تھا ورنہ مجھے جارحانہ انداز میں میجر بخشی کو جہنم واصل کردینا چاہیے تھا۔

کھانے کے دوران بھی وہ بحث چلتی رہی۔ ان کا خیال تھا کہ دشمنوں کے تازہ ترین عزائم پوری طرح سامنے آچکے تھے' اہم ترین مہرے ہماری نظروں میں تھے۔ انہیں ہراساں کرنے کے لئے میجر بخشی کی ہلاکت بہت اہم ثابت ہوسکتی تھی۔ انہیں میرے اوپر شبہ ہوتا تو میں دوبارہ غائب ہوجاتا۔ اوبرائن' کرنل جمال دستی کے خلاف اپنی شکایت واپس لینے کے بعد سرکاری سطح پر کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

میں سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا اور خاموشی سے ان کی تنقید سنتا رہا۔

وہ چاروں اس سنگین حقیقت کو نظرانداز کررہے تھے کہ سرطان کی رسولی کے ساتھ اس کی جڑیں بھی نہ نکالی جائیں تو مرض دوبارہ زیادہ شدت اور تیزی سے نمودار ہوتا ہے۔ اوبرائن ڈی ہنٹ' میجر بخشی اور دھن راج کے دوسرے اہم ساتھیوں کا سراغ لگانا ضروری ہوگیا تھا۔ کسی اوچھے یا قبل از وقت ہونے والے وار سے وہ سب ہوشیار ہوکر اس طرح روپوش ہوتے کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہوجاتا۔

"آخر تم کچھ کیوں نہیں بولتے؟" میری طول پکڑتی ہوئی خاموشی سے جھلا کر ویرا میرے اوپر برس پڑی۔ "تم نے کیا سوچ کر اس موذی کو زندہ چھوڑا ہے؟"

"تم چاروں کے عالمانہ اتفاق رائے کے بعد میں دل ہی دل میں اپنی غلطی پر نادم ہورہا ہوں۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "آئندہ موقع ملا تو میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔" ویرا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "تمہاری مسکراہٹ چغلی کھا رہی ہے کہ تم کوئی اہم بات ہم چاروں سے چھپا رہے ہو۔"

"عجیب مشکل ہے۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر بے چارگی سے کہا۔ "کلب میں جو کچھ ہوا' میں نے بلا کم و کاست دہرا دیا۔ تم سب مل کر مجھ پر الزام تراشی کررہے ہو۔ میں غلطی کا اعتراف کررہا ہوں تو تم اسے بھی ماننے پر تیار نہیں ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"کھانا کھالو پھر میں تم سے علیحدگی میں کچھ باتیں کروں گی۔" اس نے غرا کر کہا۔

بیک وقت میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں۔ ویرا کی دھمکی پر اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک ابھر آئی تھی۔ میں اس کا کوئی مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

میں نے ویرا کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ کھانے کے بعد باتوں میں الجھ کر وہ سب کچھ بھول جائے گی مگر وہ بہت سنجیدہ تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر خاموشی سے منتظر رہی اور جب میں بھی نمٹ گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ!"

اس کے خشک اور تحکمانہ لہجے پر میں پریشان ہوگیا۔ "تنہائی کی کیا ضرورت ہے؟ جو بات کرنی ہے' یہاں بیٹھ کر کرو۔"

"یہ تمہارے لئے سود مند نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں ویرا لائیڈ نہیں' بلیک کوئن ہوں۔"

میری پیشانی پر ٹھنڈک سی تیر گئی۔ اس نے میرے اور اپنے مراسم کے ابتدائی دور کا حوالہ دیا تھا۔ وہ میری گمراہی اور کج روی کا زمانہ تھا۔ ویرا ہمارے اوپر حاکم تھی اور مجھ کو پسند کر بیٹھی تھی۔

ایسے میں وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ میں فتح مندی کے جذبات کی روانی میں بہہ کر ویرا کے اشاروں کا اسیر ہوگیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے مجھے زیر کرلیا ہے اور مجھے فخر تھا کہ میں نے شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی کو اپنی وجاہت سے شکار کرلیا ہے۔

غزالہ گہری دلچسپی سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اول خان نے شاید میرے چہرے کی کیفیات سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا اور بزرگانہ انداز میں مشورہ دیا۔ ”ضد مت کرو۔ سن لو کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ وہ بھی تمہاری خیر خواہ ہے۔“

غیرارادی طور پر میری اجازت طلب نظریں غزالہ کی طرف مرکوز ہوئیں اور اس نے پھرتی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی چشم پوشی سے مجھے گمان ہوا کہ اسے ویرا کا مطالبہ پسند نہیں آیا تھا۔ غزالہ کا وہ رویہ غیر معمولی تھا۔ عام طور پر وہ ویرا کو غیر معمولی ڈھیل دیتی رہتی تھی مگر اس وقت بدلی بدلی اور کچھ بدگمان سی نظر آرہی تھی۔

مجبوری کے عالم میں میں ویرا کے پیچھے ہولیا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے ویرا نے مڑ کر کہا۔ ”دروازہ بند ہوگا مگر میں اسے بولٹ نہیں کروں گی۔ آج مجھے کچھ فیصلہ کن باتیں کرنی ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ غزالہ اسے کسی مجروح شیرنی کی سی غضیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

عورتوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے کمرے میں پہنچ کر ویرا نے دروازہ بند کیا۔ وہیں رک کر اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر سپاٹ سی آواز میں مجھ سے بولی۔ ”ہونق کی طرح کھڑے کیوں ہو؟ کرسی پر بیٹھ جاؤ!“

مجھے حیرت ہوئی کہ اس کمرے میں پہنچتے ہی ویرا کا غصہ کافور ہوگیا تھا اور وہ کچھ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ میں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے اس کے کھلنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے اپنے سینے میں اتارا ہوا کثیف دھواں ناک سے خارج کرتے ہوئے فرش پر داہنی جوتی کی نوک سے ہلکی سی بے مقصد ٹھوکر لگائی پھر پلنگ کے سرہانے آبیٹھی۔

”سگریٹ پیو گے؟“ چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ تکنے کے بعد اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سرہلا دیا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ میری طرف اچھال دی۔ میں نے سلگتی ہوئی سگریٹ ہتھیلی میں لپک کر پھرتی سے انگلیوں میں منتقل کرلی۔

ویرا بے چینی کے عالم میں پلنگ سے اتر گئی اور کھڑے کھڑے پیکٹ سے نکال کر اپنے لئے دوسری سگریٹ سلگانے لگی۔ میں حیران تھا کیونکہ میں نے اس کھلنڈری عورت کو کبھی بھی ایسے گمبھیر اور فکر مندانہ موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ میرے دل میں کئی سوال مچل رہے تھے مگر میں نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔

”تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت میں تم سے کیا بات کرنے والی ہوں؟“ نئی سگریٹ سے کش لے کر، ٹہلتے ہوئے پورا دھواں خارج کرکے اس نے ایک طویل سکوت کے بعد پوچھا۔

”شاید تمہیں میجر بخشی کے زندہ بچنے سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔“

اس نے حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔ ”اپنے فیصلوں کے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔ میں نے وہ موضوع تخلیئے کے بہانے کے لئے چھیڑا تھا۔“

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ رگوں میں خون کا دوران یک بیک تیز ہوگیا۔ اپنے کسی انجانے خوف کو دباتے ہوئے میں نے ہلکی سی مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”اور تم تخلیئے میں سگریٹ پینا چاہتی تھیں۔“

وہ پلٹ کر میرے روبرو آکھڑی ہوئی۔ ”تمہاری یہی بے رحمی اور سفّاکی مجھے مارے جارہی ہے۔“

میں بوکھلا گیا۔ ”پتا نہیں آج تمہیں اچانک کیا ہورہا ہے۔ ایسا مذاق تو ہم ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔“

”میں مدت سے سب کچھ بھولی ہوئی تھی مگر اسٹیشن فور کے پر ہول حصار میں ہم سب ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ تمہارے اور غزالہ کے سوا کسی کو دو لمحے کے تخلیئے کی بھی آزادی نہیں ہے۔ میرے لئے یہ ماحول اعصاب شکن ہے اور آج میرے اندر سوئی ہوئی عورت جاگ اٹھی ہے۔“

”پلنگ پر آرام سے بیٹھ جاؤ اور سکون سے بات کرو۔“ اس کی کیفیت کا اندازہ ہونے پر میں نے نرمی سے کہا۔ ”شاید آج سلطان شاہ نے تمہاری دل آزاری کی ہے۔ وہ من چلا آدمی ہے۔ تم اس کی باتوں پر اتنی جذباتی کیوں ہورہی ہو؟“

اس نے بہت خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ ”وہ معصوم آدمی ہے۔ میرا دل تم نے خون کیا ہے.....“

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ ”ویرا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں ہر وقت تمہارا دھیان رکھتا ہوں۔“

”ڈینی! یہ مت بھولو کہ کبھی میں تمہارے دل سے بہت قریب تھی۔“ اس کی آواز میں اداسی تیرنے لگی۔ ”اور آج تم بھول کر بھی ان گزرے ہوئے دنوں کو یاد نہیں کرتے۔“

”ویرا! ایسی باتیں مت کرو۔“ میں نے احتجاج کیا۔ ”تم آج بھی مجھے بہت زیادہ عزیز ہو۔ شاید غزالہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے اور ہماری طرف سے چشم پوشی اختیار کئے رہتی ہے۔“

”وہ ہر وقت تم پر اپنا حق جتا کر میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑکاتی رہتی ہے۔“ ویرا کی آواز سخت اور منتقمانہ ہوگئی۔ ”دو روز پہلے کی باتیں شاید تمہیں یاد ہوں۔ میں پی رہی تھی اور میرے مشورے پر تم غزالہ کو ساتھ لے کر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں

میں دیر تک باہر چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کی روشنیاں گل کر کے بھیگی ہوئی حسرت زدہ آنکھوں سے تم دونوں کے ہیولے دیکھتی رہی۔ تمہاری واپسی پر میں بہت مایوس اور دل گرفتہ تھی......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن تمہیں سوچنا چاہیے کہ غزالہ نے کتنے کھلے دل کے ساتھ ہم دونوں کو امریکا جانے کی اجازت دی تھی۔ وہاں کے شب و روز یاد کرتا ہوں تو خود کو غزالہ کے سامنے بونا محسوس کرنے لگتا ہوں۔ وہاں کشت و خون کے درمیانی وقفوں میں میں تمہاری نازبرداریوں کے سوا اور کیا کرتا رہا تھا؟"

"وہاں بھی تم موٹی جینی کے چکر میں پڑے رہے تھے۔" اسے گویا ہربات ازبر تھی۔

"میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ جینی کے بارے میں زیادہ مت سوچا کرو۔ تم ایسی تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی ہو جہاں تم از خود اپنی کوئی نہ کوئی حریف تخلیق کر لیتی ہو۔"

"غزالہ میرے وہم کی تخلیق نہیں ہے۔ اسے تم نے خود تلاش کیا تھا۔"

"تمہیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔ اب وہ میری بیوی ہے۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔

"سچ بات یہ ہے کہ اسے میں تمہاری خوشی کی خاطر برداشت کرتی ہوں ورنہ اسے بنے سنورے دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔"

"ویرا! تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔ میں اسے تمہارے خلاف بدکلامی کی اجازت نہیں دیتا تو تمہاری زبان سے ایسی نازیبا باتیں کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟"

"اس سپاٹ ویرانے میں رہ رہ کر میرا دماغ الٹا جا رہا ہے۔ دن رات وردیوں میں ملبوس' ایک جیسے چہرے دیکھ دیکھ کر میری طبیعت اکتا گئی ہے۔ تم نے مجھے جلد ہی یہاں سے نہ نکالا تو میں کسی بھی وقت خاموشی سے اسٹیشن فور چھوڑ دوں گی۔"

"شہر کا رخ کرتے ہی تم اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔ "ان کے پاس تمہارا پورا ریکارڈ موجود ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جب میرا دماغ سنک جاتا ہے تو میں بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ بعد میں جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھے بھری محفل سے اٹھا کر اس کمرے میں کیوں لائی تھیں۔"

میرے سوال پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں غزالہ کو دکھانا چاہتی تھی کہ تم پر میرا بھی کچھ حق ہے۔ میں ہر وقت کڑھتی رہتی ہوں' اس وقت وہ سلگ رہی ہوگی۔"

"وہ بہت قناعت پسند اور صابر و شاکر لڑکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میرے دل میں بہت غبار جمع ہو گیا تھا۔ میں اس وقت تمہارے سامنے اپنی بھڑاس نہ نکالتی تو کسی وقت غزالہ سے لڑ پڑتی اور تم مجھ سے خفا ہو جاتے۔"

میں بعض معاملات میں ویرا کی خود غرضانہ سوچ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس سے کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس کی سوچ میں فتور کی داغ بیل اسی رات پڑی تھی جب وہ تنہا بیٹھی مے نوشی کر رہی تھی اور میں نے غزالہ کے ایما پر اس کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ میرے اس انکار پر ویرا نے شاید استہزائیہ انداز میں مجھے غزالہ کے ساتھ کھلی فضا میں چہل قدمی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے پورے خلوص سے اس کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

ویرا ہمیں دیکھ دیکھ کر اپنی تنہائی پر کڑھتی رہی اور تلخ سیال اپنے معدے میں انڈیلتی رہی۔ نشے کی حالت میں ہر شخص ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو جاتا ہے۔ وہ تو ویرا تھی۔ غزالہ کے خلاف اس کی ساری حسرتیں گرہیں بن کر اس کی کھوپڑی کے کسی حصے میں پیچ ڈالتی رہیں۔

ہماری واپسی پر اس نے تنہائی میسر آتے ہی میرے ساتھ خاصی تلخ نوائی کی تھی جسے میں نے ویرا کے نشے کی جھونک سمجھ کر ٹال دیا اور غزالہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر اسٹیشن فور کی مردانہ خواب گاہ میں چلا آیا۔

غزالہ نے اگلے دن مجھ سے ویرا کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن ویرا کے پھٹ پڑنے کے بعد میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد ویرا نے غزالہ کے ساتھ ضرور زہر افشانی کی ہوگی۔ غزالہ نے اپنے طور پر اس سے نمٹ لیا۔ شاید اس کوشش میں اس نے تلخ و ترش باتیں بھی کی ہوں جو ویرا کے بغض میں اضافے کا سبب بن گئیں۔

وہ رات گزر گئی' ویرا کا نشہ بھی اتر گیا مگر اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا غبار صاف نہیں ہو سکا۔ وہ دو دنوں سے مسلسل اسی بارے میں سوچتی رہی اور آخر کار مجھ سے الجھ بیٹھی۔

یہ غنیمت ہوا کہ میں اس کے مطالبے پر الگ کمرے میں چلا آیا تھا۔ صاف انکار کر دیتا تو وہ شاید ماضی کے حوالے سے غزالہ اور دوسروں کے سامنے ایسی باتیں چھیڑ دیتی جو وقت گزر جانے کے بعد میرے لئے کسی بھی طرح قابلِ فخر نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "تم آج بھی مجھے عزیز ہو۔ میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا۔ تم نے پہلے ہی مجھ سے بات کر لی ہوتی تو دو روز تک جلتی بھنتی نہ رہتیں۔"

"یہاں بات کرنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟ ذرا سی دیر کے لئے

تمہیں اس کمرے میں لائی ہوں تو ان تینوں کے کان دیواروں سے لگے ہوئے ہوں گے۔ میں تم سے.....“

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ویرا نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ ملامت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ ”دیکھ لیا.... ہماری خلوت کسی کو برداشت نہیں ہے۔“

اس طنز کے بعد ویرا نے اونچی آواز میں کم اِن کہا اور اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

”غنیمت ہے کہ یہاں کا ماحول مصالحانہ ہے۔“ اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ”میں اپنی بے جا مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اسی وقت شہر روانہ ہو رہا ہوں۔ دھن راج کے ہوٹل سے روانہ ہونے والی ایک مشتبہ گاڑی کا تعاقب کرنے والا میرا ایک آدمی اچانک ہی اسٹیشن فور سے کٹ گیا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔“

اس کے وہ فقرے مبہم تھے۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”جانے سے پہلے اتنا ضرور بتا دو کہ اسٹیشن فور سے کٹ جانے کا کیا مطلب ہے۔“

”وہ موٹر سائیکل سوار ہے۔ ٹرانسمیٹر پر ہمارے کنٹرول روم کو مسلسل رپورٹ دے رہا تھا۔ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ دس منٹ سے یہ رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ کنٹرول روم والے مسلسل اسے پکار رہے ہیں مگر وہ خاموش ہے۔“

وہ معاملہ سنگین تھا۔ اول خان کی بتائی ہوئی صورتِ حال کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر ہلاک یا بے ہوش ہو چکا ہے۔

وہ وحشت ناک خبر سن کر کہ ہم دونوں بھی اول خان کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کی گاڑی وہیں آگئی تھی۔ وہ ہم سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

موٹر سائیکل سوار قربان علی کے بارے میں وہ پُر تشویش خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے اسٹیشن فور میں پھیل گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی کی خیریت کے بارے میں فکر مند تھا۔

عملی طور پر ہم لوگ اس ٹھکانے پر موجود ہونے کے باوجود ایس ٹی ایف کے روز مرہ کے کاموں میں ذرا بھی دخیل نہیں ہوتے تھے مگر قربان علی کا معاملہ مجھے کچھ زیادہ ہی سنگین نظر آرہا تھا۔ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر صورتِ حال جاننے کے لیے کنٹرول روم کی طرف چل دیا۔

راستے میں بجلی شاہ ہمیں مل گیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ قصہ واقعی سنگین تھا۔

دھن راج شہر کے ایک مشہور اور بڑے ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ وہاں یہ ممکن نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے اس کے کمرے کی نگرانی کی جاسکے۔ پھر بھی قربان علی کو ہوٹل پر مامور کردیا گیا تھا۔ وہ وہاں آنے جانے والے مشتبہ افراد پر نظر رکھتا تھا اور اپنے طور پر یہ سراغ لگاتا تھا کہ وہ ہوٹل کے کس کمرے کے باسی کے مہمان یا ملاقاتی ہیں۔

اپنی حاصل کی ہوئی معلومات وہ لاسلکی ٹرانسمیٹر پر وقفے وقفے سے اسٹیشن فور کے کنٹرول روم کو دیتا رہتا تھا۔ عام طور پر رات کے دس بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی کیونکہ اس وقت تک دھن راج نشے میں مدہوش ہو کر اپنے کمرے تک محدود ہو جاتا تھا۔

قربان علی کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج سے ملنے کے لیے آنے والوں میں شہر کے بعض اوباش رئیس زادوں کے ساتھ بگڑے ہوئے سرکاری افسران بھی شامل تھے۔ دھن راج کا کمرا دن بھر ان لوگوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ ان کی دل جوئی اور اپنی آمدنی کے لیے شہر کی خوب رو مگر بدنام لڑکیاں بھی دن بھر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔

ان میں دو لڑکیوں کے نام خاص طور پر نوٹ کیے گئے تھے جو بلا ناغہ ہر شام دھن راج کے کمرے پر پہنچتی تھیں اور قربان علی کی ڈیوٹی ختم ہونے تک بھی ان کی واپسی کے کوئی آثار نہیں ہوتے تھے۔ ان اوقات میں دھن راج تنہا ہوتا تھا یا اس کا ایک اور ہندو دوست موجود ہوتا تھا۔

ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج اپنے آقاؤں کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان ہی کے آزمودہ حربے استعمال کر رہا تھا۔ شراب و شباب سے سرکاری افسروں کی ضیافت کرکے ان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلواتا تھا اور میجر بخشی کو مطلع کر دیتا تھا۔

اس شام قربان علی نے پہلی مرتبہ شہر کے دو جرائم پیشہ افراد کو دھن راج کے کمرے میں جاتے دیکھ کر کنٹرول روم کو اطلاع دی تھی۔ وہ دونوں قتل اور منشیات فروشی سے ہتھیاروں کے لین دین تک ہر وہ غیر قانونی کام کرتے تھے جس میں انہیں معقول آمدنی کی توقع ہو۔

وہ بارہا حوالات کی سیر کرتے رہے تھے لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کے خلاف کبھی کوئی چالان کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکا تھا۔ وہ کسی عدالت سے سزا یاب ہوئے بغیر' بظاہر بے داغ ریکارڈ کے ساتھ اپنی گندی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

وہ دونوں دھن راج کے کمرے میں تقریباً پون گھنٹا گزار کر واپس چلے گئے۔ رات کے آٹھ بجے وہ دوبارہ ہوٹل کی حدود میں نظر آئے تو ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں محتاط اور چوکنے نظر آرہے تھے۔ ان کے جسموں پر موجود جینز اور ڈھیلی قمیضوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مہم پر نکلے ہوئے ہوں۔

وہ خبر ملتے ہی اول خان نے کنٹرول روم کے ذریعے قربان علی کو

پیغام دیا کہ وہ ان دونوں پر کڑی نظر رکھے۔ انہیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

ان دونوں کی مشتبہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے کے لیے اول خان نے عارضی طور پر دھن راج کو نظرانداز کرنے کا بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔

دھن راج سے مل کر وہ دونوں جلد ہی واپس آ گئے۔ ان کا رخ ہوٹل کی زیریں منزل پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ قربان علی احتیاط سے ان کے پیچھے ہولیا۔

نیم روشن اور پُراسرار سی پارکنگ لاٹ میں ان دونوں کا تیسرا ساتھی ایک بند جیپ میں بیٹھا ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ تینوں جیپ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

قربان علی کی موٹر سائیکل بھی وہیں موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد وہ جیپ کے پیچھے ہولیا۔

سڑک پر پہنچنے تک اس کی تجربے کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ جیپ کا پچھلا حصہ کافی جھکا ہوا تھا۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے تھے۔ جیپ کا پچھلا سسپنشن کمزور تھا یا پھر جیپ میں کوئی وزنی سامان لدا ہوا تھا جس کا تعلق دھن راج سے ضرور تھا۔

اگر وہ لوگ کسی کو قتل کرنے کے لیے جا رہے تھے تو انہیں جیپ میں کوئی توپ لادنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی بھی جدید اور ہلکا پھلکا ہتھیار یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ جب سے ہیروئن کی وبا پھیلی تھی، منشیات کا دھندا بھی منوں اور ٹنوں سے سمٹ کر محض کلوگراموں تک محدود ہو گیا تھا۔ چند کلو وزنی بریف کیس کے ہیر پھیر میں اتنی رقم کمائی جا سکتی تھی جو چرس وغیرہ کے منوں وزنی تھیلوں کے لین دین میں ہی ممکن تھی۔

اس تجزیے کے نتیجے میں اول خان نے رائے قائم کی تھی کہ وہ را والوں کے اشارے پر غیر قانونی ہتھیاروں کی منتقلی کی کوئی کوشش ہو سکتی تھی جس کا پیچھا کرنا زیادہ ضروری تھا۔

وہ معلومات یکجا کرنے کے بعد میں نے کنٹرول روم کا چکر لگایا۔ اس وقت تک وہاں اول خان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ رابطہ ختم ہونے سے پہلے قربان علی نے کنٹرول روم والوں کو جیپ کا نمبر اور ان تینوں میں سے ایک کا نام نوٹ کرا دیا تھا۔

دھن راج کے ہوٹل سے روانگی کے بعد مشتبہ جیپ کا رخ ان آبادیوں کی طرف تھا جو ترقیاتی اصطلاح میں ٹرانس لیاری کہلاتی ہیں۔ جیپ نمائش اور سبیل والی مسجد کے چوراہوں سے گزر کر جہانگیر روڈ پر مڑ چکی تھی۔ وہ سڑک تین ہٹی کے پل کو عبور کرتی ہوئی سیدھی لیاقت آباد میں داخل ہو جاتی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ میں نے فون پر میجر بخشی سے بات کرتے ہوئے پچھلی بار اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ڈپٹی لیاقت آباد کے گنجان آباد علاقے میں کہیں روپوش ہے۔ وہ پرانی بات تھی۔ اس شام میری اس سے جھڑپ ہو چکی تھی جس کا اختتام زیادہ ناخوشگوار نہیں تھا۔

قربان علی نے آرمز ڈیلر بھیشم داس اور اس کے دو ساتھیوں کی مشتبہ نقل و حرکت کا جو وقت بتایا تھا وہ میری اور میجر بخشی کی ملاقات کے بعد کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے فوج میں میرے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ بتانے سے انکار کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔

وہ میری فراہم کی ہوئی من گھڑت معلومات پر آنکھیں بند کر کے انحصار کر رہا تھا۔ اس طرح واقعات کی مزید چشم کشا کڑیاں سامنے آ رہی تھیں۔ میں نے اس شام میجر بخشی کو مار ڈالا ہوتا تو بعد کے وہ واقعات ہرگز سامنے نہ آئے ہوتے۔

کنٹرول روم سے اول خان کے دفتر کی طرف جاتے ہوئے مجھے بس یہ قلق تھا کہ اس ساری پیش رفت میں قربان علی کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ نہ بن گیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے فرض پر قربان نہ ہوا ہو۔ کوئی بھی ہلکا یا گہرا زخم وقت کے ساتھ مندمل ہو سکتا تھا۔

زخم کا خیال آتے ہی میں نے اپنے بائیں بازو کو دھیرے سے فضا میں گردش دی۔ ایک خاص زاویے پر میرے بھرتے ہوئے زخم میں تیز ٹیس ابھری مگر مجھے یہ اندازہ لگا کر خوشی ہوئی کہ اس زخم سے پیدا ہونے والی عارضی معذوری سے بڑی حد تک نجات پا چکا تھا۔

اول خان کے دفتر میں پہنچتے ہی مجھے کنٹرول روم سے اطلاع ملی کہ اول خان قربان علی تک پہنچ چکا تھا۔ اس پر سامنے سے فائر کیا گیا تھا۔ گولی بائیں شانے کی ہڈی توڑ کر اندر پیوست ہو گئی تھی۔

قربان علی پر وہ حملہ تعاقب کے دوران ہوا تھا۔ وہ چلتی ہوئی موٹر سائیکل پر قابو نہ رکھ سکا۔ تیز رفتار موٹر سائیکل گرنے کے نتیجے میں اس کے پورے جسم اور چہرے پر شدید خراشیں آئی تھیں اور وہ موقع پر ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

وہ سرعام فائرنگ اور بظاہر کامیاب قاتلانہ حملے کی واردات تھی۔ شہر کے ماحول اور بسا اوقات پولیس کے جارحانہ رویّے کی وجہ سے عام شہری ایسی وارداتوں کا نشانہ بننے والوں کی مدد کرنے سے عموماً کتراتے ہیں مگر قربان علی کی خوش نصیبی تھی کہ وہ واقعہ دیکھنے والے چند درد مند شہری فوری طور پر اسے ایک مال بردار سوزوکی کے عقبی حصے میں ڈال کر عباسی شہید اسپتال لے گئے جہاں پوری توجہ کے ساتھ اسے بہترین طبی امداد دی جا رہی تھی۔ میری دعا بار آور ہوئی تھی، قربان علی زندہ تھا۔ اس نے دلیرانہ انداز میں مجرموں کا تعاقب کر کے غازیانہ کردار کی ایک قابلِ تعریف مثال قائم کی تھی۔

میں کرسی پر بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ سلطان شاہ نے درمیان میں ٹوکا "اب پچھتانا بے کار ہے۔ تم نے میجر بخشی کا کام تمام کر دیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ جو کچھ ہونے والا ہے' اس پر دشمنوں کی روحیں تک لرز کر رہ جائیں گی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سنجیدگی سے کہا۔

"قربان علی بری طرح زخمی ہوا ہے۔ پتا نہیں جیپ کے ذریعے لے جائے جانے والے ہتھیار اگلے دنوں میں کتنی جانوں کی بھینٹ لیں گے۔ کیا تمہیں اس بوجھ کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ جہانگیر روڈ پر رہنے والوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھی زندہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے قربان علی کی مدد کی ہے تو دوسروں نے گولی چلانے والوں کی راہ روکنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ تم اتنی مایوسی کیوں دکھا رہے ہو؟"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ضروری نہیں کہ مظلوم کی مدد کا حوصلہ رکھنے والے اپنی جانوں پر کھیل کر ظالم سے بھی ٹکرا جائیں۔ بارود کی ننھی سی گولی بڑی ظالم شے ہوتی ہے۔ اس کی دہشت سے ہاتھی جیسا وجود رکھنے والے بھی چوہے کے بچے کی طرح کانپنے لگتے ہیں۔"

میں اس کی دی ہوئی مثال پر مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے لمحے میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو وہ فوراً بول پڑا "اب کسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔"

"دیکھتا ہوں کہ دھن راج کیا کر رہا ہے۔" میں نے کہا "شاید اس سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

"بے کار ہے۔ وہ ٹُن پڑا ہوگا۔ ہو سکتا کہ فون اٹھانے والا بھی کوئی اور ہو۔"

"ایک کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اس کا راست نمبر ملا ڈالا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دھن راج کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی تھی مگر وہ مدہوش نہیں تھا۔

"جمال.... کرنل جمال۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "میں نے تمہارے رنگ میں بھنگ تو نہیں ڈالا؟"

"نہیں یار۔ تم نے اچھا کیا کہ فون کر لیا۔" اس کی بہکی ہوئی آواز میں گرم جوشی عود کر آئی "آج میں نے سنہرے بالوں اور چاند جیسے مکھڑے والی کامنی کو بلایا ہوا تھا۔ وہ سرور میں آکر دھیرے دھیرے ناچتی ہے تو سماں باندھ دیتی ہے۔ اسے لوٹا کر میں بہت اداس اور اکیلا ہو گیا ہوں۔"

مجھے اس کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر میں نے اسباب جاننے کی نیت سے پوچھا "بلایا تھا تو پھر اسے بھگا کیوں دیا؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے لیے یہ ساری نحوست تمہارے ڈینی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔"

"ڈینی میرا نہیں' تمہارا ہے۔ تم ہی اس کے لیے مرے جا رہے ہو۔" اس کے موڈ کا اندازہ لگا کر میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"کیا وہ کامنی کا دعوے دار بن کر وہاں پہنچ گیا تھا؟"

"کاش یہی ہوا ہوتا.... !" اس کی حسرت زدہ آواز ابھری۔ "انسان کا سوچا ہوا ہوتا کب ہے؟ وہ نہیں آیا پر اس کا آسیب میرے آس پاس ضرور منڈلا رہا ہے۔"

"تم میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرا شکار ہونے والا ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "تم سرور کے عالم میں باتیں مزے کی کرتے ہو۔"

"سنا گیا ہے کہ وہ لیاقت آباد میں کہیں مرا ہوا ہے۔ میں نے اس علاقے میں اپنے آدمیوں کو کچھ ہتھیار پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ ہوئی ہے؟ کوئی خفیہ بات نہ ہو تو ذرا وضاحت سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے فون پر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میں نے سارا بندوبست کر لیا تھا اور اس کامیابی کا جشن منانے کے لیے کامنی کو بلا لیا تھا۔ وہ بستر پر تھی' میں نے باہر والی بیٹھک میں سارا انتظام طے کرکے پارٹی کو رقم دے دی۔ گاڑی نکلی مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے ... ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی۔"

مجھے اپنے دل میں ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا "آدمی تو بچ گئے نا؟ دیر سویر ضرور ہوگی مگر کام پورا کرنے والے زندہ ہونے چاہئیں۔"

"اچھا تھا کہ سالے مر جاتے۔" دھن راج کی بے رحمانہ آواز سے قلق جھلک رہا تھا "راستے میں ان تینوں کو وہم ہو گیا تھا کہ کوئی موٹر سائیکل والا ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ انہوں نے گولی مار کر اسے گرایا اور جیپ کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔ آگے ایک گلی سے نکلنے والے ٹرک سے ٹکرا کر جیپ الٹ گئی...."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے درمیان میں ہی اس سے ہمدردی ظاہر کی۔

"رائفلوں اور میگزین کے کریٹ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ رفتار کی وجہ سے جیپ نے دور تک قلابازیاں کھائیں تو لکڑی کے سارے کریٹ چکنا چور ہو گئے۔ ہر طرف رائفلیں' میگزین اور گولیاں بکھری دیکھ کر وہ تینوں ایسے حواس باختہ ہوئے کہ اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر وہاں سے بھاگ گئے۔"

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمہاری رقم تو نہیں ڈوبے گی' واپس مل جائے گی نا؟"

"رقم کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے سودوں میں سارا رسک خریدار کا ہوتا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ڈینی کے خلاف ہمارا آپریشن ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ایک ڈینی کی تلاش کے لیے ان لوگوں کو کتنے مہلک ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔

"تمہیں اس واقعے کی خبر کیسے ملی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بھیشم داس ان کا سرغنہ تھا۔ اسی نے فون پر مجھے خبر دی تھی۔ یہ سن کر میرا دل اتنا برا ہوا کہ میں نے کامنی کو فوراً لوٹا دیا۔ اس خبر نے میجر بخشی کو بھی حواس باختہ کردیا ہے۔"

"مجھے تم دونوں سے ہمدردی کے ساتھ دکھ بھی ہے کہ کام نہ ہونے کے باوجود تم ایک بڑی رقم سے بھی محروم ہوگئے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں اسے ایک اور کچوکا دیا۔

"رقم میری تھی نہ بخشی کی۔ یہ سارا دھن بڑے بڑے بنیوں اور سیٹھوں سے بٹور کر یہاں لایا جاتا ہے۔ رقم اور آجائے گی۔ گیا وقت اور موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا خبریں ہیں۔ وہ تمہاری طرف نظر آیا یا ابھی تک غائب ہے۔"

"نظر آتا تو میں فوراً تمہیں بتا دیتا۔" میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

"ہاں' جلدی کچھ کرو۔ ڈیڈی اب اوبی کے اعصاب پر سوار ہوگیا ہے۔ اس کی کتیا مری تو اس نے الزام ڈیڈی پر لگا دیا۔ اب وہ یہی کہے گا کہ جیپ کو ٹکر مار کر الٹنے والا ٹرک ڈیڈی چلا رہا ہوگا۔ ہم سب اس کے لیے مرے جارہے ہیں اور وہ آرام سے بھنگ پی کے' لیاقت آباد کے کسی کمرے میں سورہا ہوگا۔"

وہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا اور بے سروپا باتیں بھی کررہا تھا' میں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ مجھے اس دوران میں یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ اخوت' بھائی چارے اور آپس کے فائدے کے نام پر اکھنڈ بھارت کا پرچار کرنے والے وہ سب انتہا پسند اندر سے کس قدر متعصب اور دوغلے تھے کہ انہوں نے اپنے آس پاس اپنے ہم مذہبوں کی جتھے بندی کی ہوئی تھی۔

بخشی اور دھن راج کی طرح بھیشم داس بھی اپنے نام سے ہندو معلوم ہوتا تھا۔ دھن راج کی محبوبہ کامنی بھی مسلمان یا عیسائی نہیں ہوسکتی۔ وہ لوگ جن مسلمانوں سے کام یا معلومات لیتے تھے' انہیں استنجے کے ڈھیلے کی طرح حسب ضرورت استعمال کرکے دور پھینک دیتے تھے۔

وہ جس پیمانے پر کام کررہے تھے اس میں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں تک محدود رہتے۔ مجھے دکھ تھا کہ ہندوؤں کے صدیوں پرانے نسلی تعصب کے باوجود بعض اہم پاکستانی ان کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں چوہدری سلام' سندھ کے چیف سکریٹری اور آئی جی کے نام سرفہرست تھے۔

یہ تینوں وہ لوگ تھے جو گھٹوملی کی وجہ سے میرے سامنے بے نقاب ہوئے تھے۔ دوسرے پردہ نشینوں میں کس کس کا نام شامل تھا' یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

اول خان کرب اور بے چارگی کے عالم میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اس کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے فون پر دھن راج سے چھیڑ چھاڑ کرکے بہت کچھ معلوم کرلیا تھا۔

فون پر دھن راج سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے کنٹرول روم سے اول خان کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ عباسی شہید اسپتال سے نکل چکا تھا۔ اس سے کنٹرول روم کے ذریعے ریڈیو وائرلیس پر رابطہ کیا جاسکتا تھا۔

ملیر چھاؤنی کے ایک وسیع میدان میں ایس ٹی ایف کے زیر استعمال بیرکس تین سمتوں پر اس طرح بنی ہوئی تھیں کہ بیشتر دفاتر اور کمرے ہر جگہ سے نظر آتے تھے۔ اول خان کے دفتر میں روشنی دیکھ کر دونوں عورتوں نے اندازہ لگالیا کہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو بھی اول خان کے آدمی کے بارے میں تشویش تھی۔ وہ ٹہلتی ہوئی وہیں آگئیں۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں خوشگوار موڈ میں تھیں۔ ویرا میرے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد سارے گلے شکوے بھول چکی تھی۔

"تمہارے اوپر معلومات کا مینہ برس رہا ہے۔" ویرا نے تازہ ترین خبریں سننے کے بعد کہا "اب میجر بخشی یا اوبرائن کو بھی چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"یہ اندھے کی لاٹھی نہیں' سوچی سمجھی راہ تھی جو میں نے اختیار کی تھی۔ میں نے دھن راج سے اپنی اور بخشی کی ملاقات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ کسی اور کو چھیڑنا بے سود ہوگا۔ وہ رات بھر خود اپنی ہی آگ میں جلتے رہیں گے۔" میں نے اس کا مشورہ ٹال دیا۔

میں اس وقت اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ویرا اور غزالہ کی آمد کے بعد باتوں میں الجھ کر وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان کا فون آگیا۔

اسے کنٹرول روم والوں نے بتا دیا تھا کہ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کہیں سے رابطہ قائم کرلیا تھا۔

"قربان علی کا کیا حال ہے؟" اس کی دل جوئی کے لیے میں نے پہلا سوال کیا۔

"وہ بری طرح زخمی ہوا ہے مگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"

"تمہیں علم ہوچکا ہوگا کہ اس کی قربانی رائگاں نہیں گئی ہے۔ وہ جیپ تھوڑی ہی دور نکلنے کے بعد ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہوگئی تھی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "یہ خبر تم تک پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔ وہ جیپ چوری کی ہے۔ حیرت ہے کہ دور تک قلابازیاں کھانے کے باوجود اس کے سوار موقع سے فرار ہوگئے۔ ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"انڈر ورلڈ میں بھیشم داس نامی آرمز ڈیلر کو تلاش کرو۔ وہ اپنے دو معاونوں سمیت بری طرح زخمی حالت میں فرار ہوا تھا۔"

میں نے اس کی وہ پریشانی رفع کر دی۔
"تم حیران کن کارکردگی دکھاتے ہو۔ بھیشم داس ہمارے لیے نیا نام نہیں ہے۔"
"یہ سہولت بس اسی وقت تک ہے جب تک وہ میرے دہرے روپ پر بھروسا کر رہے ہیں۔ جس دن یہ بھید کھلا، ہمارا کام بہت بڑھ جائے گا۔"
"جیپ میں بھاری تعداد میں میگزین اور ہزاروں فاضل راؤنڈز کے علاوہ بیس خود کار رائفلیں بھی تھیں۔ پورے شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے۔ یہ مہلک ساز و سامان ابھی تک سڑک پر بکھرا ہوا ہے کیونکہ صوبے کے اعلیٰ افسران ذرائع ابلاغ کے لیے اس حادثے کی یوں ہی فلم بندی کرانا چاہ رہے ہیں۔"
"یہ بہت اچھا ہوگا۔ لوگوں کو پتا چلے گا کہ ملک دشمن دہشت گرد کس پیمانے پر حرکت میں آچکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فلمیں چھوٹے موٹے غداروں کے ضمیر جھنجھوڑنے میں کامیاب ہو جائیں۔"
"غداروں کے لیے تم نے چھوٹے اور بڑے کی تفریق کہاں سے نکال لی؟"
"بڑے غداروں کے نام تمہارے سامنے ہیں۔ کھٹومل کو حمایت فراہم کرنے والے چوہدری سلام اور اعلیٰ صوبائی افسران کو تم کس کھاتے میں ڈالو گے؟ شاید کوئی بڑی سے بڑی واردات بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گی۔ یہ ہماری آستینوں میں اسی طرح زہریلے سانپ پالتے رہیں گے۔"
"تمہیں اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" یکایک اس کی آواز قدرے دھیمی ہو گئی "ان برے اہل کاروں کے سروں پر جب تک دو چار فرض شناس لیڈر یا بیورو کریٹ بیٹھے ہیں، ان کی ناپاک سازشیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔"
وہ شاید سانس لینے کے لیے رکا تھا کہ میں بول پڑا "ان کی کامیابیوں کا سفر سست ضرور ہے مگر جاری ہے۔ ان سے کون باز پرس کر سکتا ہے؟"
"تم پوری بات سنے بغیر نتیجہ اخذ کر رہے ہو۔ اس وقت صوبے کی اعلیٰ ترین انتظامی شخصیات یہاں جمع ہیں۔ ان کی باہمی گفتگو سے پتا چلا ہے کہ کھٹومل کی سرپرستی کرنے والے آئی جی کو معطل کر کے فرائض سے سنگین غفلت برتنے کے الزام میں خفیہ چارج شیٹ جاری کر دی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ضابطے کی کارروائی کے بعد اسے معزول کر دیا جائے۔"
"اور چیف سیکریٹری کا کیا بنا؟ وہ اب بھی دوسروں کو گمراہ کر رہا ہوگا۔"
"نہیں۔ وہ بہت بڑا عہدے دار ہے مگر اس کا تبادلہ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ او ایس ڈی یعنی عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت جائے واردات پر ایک نیک نام افسر اس کی ذمے داریاں سنبھالے ہوئے ہے۔"
"وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار ہو مگر وہ کرپٹ ہے۔ اس نے بھرے اجلاس میں کھٹومل کی مجرمانہ حمایت کی تھی۔ اتنے گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہو سکتی۔ تبادلے کو سزا قرار دینا ایک سنگین مذاق ہے۔"
"یہ باریکیاں تم نہیں سمجھ سکتے۔ پورے ملک میں صرف ایس ٹی ایف ایسی سروس ہے جس میں کسی بھی طریقۂ کار کے بغیر کھڑے کھڑے ہر شخص کو ملازمت سے برطرف کیا جا سکتا ہے۔ یہی طریقہ تقرر کا ہے کیونکہ فورس قانون سے ماورا ہے۔ دوسری تمام سروسز کو مضبوط قانونی اور آئینی تحفظات حاصل ہیں۔ میں یہ بات تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"
"غیر اصولی باتوں کا جواز کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، میرے دماغ میں نہیں سما سکتا۔ جرم سے چشم پوشی بھی برابر کا جرم ہے۔ ہمارے یہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔"
"میں باہر کی خیر خبر لیتا ہوں۔ یہاں سینہ بہ سینہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی جیپ ایس ٹی ایف کے اہل کار کے تعاقب کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہوئی ہے۔ ہر آنے والا افسر اس بارے میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ یہ بات دشمنوں تک بھی پہنچ جائے گی۔"
"تمہیں اس بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ کچھ آنکھیں چوبیس گھنٹے ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہیں۔"
"پھر یہ ایک بہترین موقع ہے۔ بھیشم داس کے حوالے سے یہ خبر اڑا دو کہ وہ اوبرائن اور دھن راج کے ایما پر ہتھیاروں کی وہ کھیپ لے جا رہا تھا۔"
"اس شوشے سے امریکی سخت دباؤ میں آجائیں گے مگر پہلی شرط یہی ہے کہ بھیشم ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ وہ بہت چالاک اور پیشہ ور مجرم ہے۔"
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ اسے گھیر لینے کے بعد ابتدائی طور پر تم اس سے ہر بات منسوب کر سکتے ہو۔"
اس کی ہلکی سی ہنسی میں سفاکی ابھر آئی "وہ پولیس والوں کا قیدی ہوگا۔ ان کی تھرڈ ڈگری کے سامنے ہر بات قبول لے گا۔"
"تم نے یہ کام کر دکھایا تو کھیل میں تیزی آجائے گی۔" میں نے اسے مزید شہ دی۔
"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اس واقعے کا پورا پس منظر جاننے کے لیے اب مجھے تمہارے ساتھ مل کر بیٹھنا ہوگا۔ میں کوشش کر کے جلد ہی واپس آؤں گا۔"
"آؤ۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔" میں نے یہ کہا اور فون بند

کر دیا۔
"مجھے حالات پر چھایا ہوا جمود ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی بساط اب جلد ہی لپیٹ دی جائے۔" ویرا نے پرامید لہجے میں کہا۔
"اوبرائن جس منصوبے پر کام کر رہا ہے' اسے آسانی سے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر پرخیال انداز میں کہا "اس منصوبے پر نئی دہلی سے واشنگٹن تک سیکڑوں دماغ پوری عرق ریزی سے شب و روز کام کر رہے ہوں گے۔"
"وہ سب پسِ پشت ہیں۔ یہاں اوبرائن ہی ماسٹر مائنڈ ہے۔" وہ بولی۔
"ہم اسے مار گرانے کی امید کر سکتے ہیں۔ اس کے ہٹنے سے منصوبے کی رفتار سست ہو جائے گی مگر اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہو گا۔"
"ہم وہی کام کر سکتے ہیں جو ہماری بساط میں ہے۔ اس سے بڑھ کر کارگزاری دکھانے کی کوشش میں ہم نقصان بھی اٹھا سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"سچ پوچھو تو مجھے موجودہ حالات میں اوبرائن کا منصوبہ بہت ناقص نظر آ رہا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایک نئی بات کہہ کر سب کو چونکا دیا۔
"محرکات' عوامل اور نتائج تمہارے سامنے آنے لگے ہیں اور تم پھر بھی ایسی خوش فہمی کا مظاہرہ کر رہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"تاریخ کے بعض اصول بہت اٹل ہیں۔" ویرا نے فضا میں انگلی بلند کر کے کہا "ہر خطے میں فکری تبدیلیاں صدیوں کے ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ اس....."
"ٹھہرو!" سلطان شاہ نے اسے درمیان میں ٹوک دیا "اپنے یہ نادر فلسفے ذرا آسان سی اردو میں بیان کرو تو میں بھی کچھ سمجھ سکوں گا۔"
غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "یہ مطالبہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اہلِ زبان ہو اور ویرا امریکی ہے۔ اس نے کون سی پیچیدہ بات کی ہے؟"
"مجھے نا اہلِ زبان ہی رہنے دو۔ ویرا میری بات سمجھ چکی ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔
"میں کہہ رہی تھی کہ اس اصول کا اطلاق اوبرائن کے منصوبے پر بھی ہوتا ہے۔ امریکی ایک جلد باز قوم ہیں۔ وہ صبر کے ساتھ ایسی فکری تبدیلیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔"
"تم بات کو گھما پھرا رہی ہو۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے اسے گھور کر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اس وقت مقامی ردِعمل اور مزاحمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب کچھ کرنے کا ارادہ کریں گے تو ان کی یہاں فوجی موجودگی ناگزیر ہو گی۔"
"تم کیا ہذیان بک رہی ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں ویرا پر برس پڑا "امریکی فوجوں کو یہاں آنے سے پہلے اپنے خون کے سمندر سے گزرنا ہو گا۔ یہ ملک اس لیے نہیں بنا تھا کہ باہر سے آنے والے ہماری تقدیروں کے فیصلے صادر کریں۔"
سلطان شاہ کے جارحانہ تیور دیکھ کر ویرا سٹپٹا گئی اور مدافعانہ انداز میں بولی "مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا اصل منصوبہ کیا ہے۔ میں ایک امکان کا ذکر کر رہی تھی۔ تم بلاوجہ ہی جذباتی ہوئے جا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب میں بھی تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پاکستان کو عزیز رکھتی ہوں۔ میں اس ملک کی بدخواہ نہیں ہوں۔"
"ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں' مسائل کا حل سوچنے کے لیے بیٹھے ہیں۔" غزالہ نے ویرا کی حمایت میں سلطان شاہ کو سمجھایا۔ "ویرا کو اپنی بات پوری کر لینے دو۔"
"اب مجھے فوجی موجودگی کے مفہوم کی بھی وضاحت کرنا ہو گی۔" ویرا نے استقامت سے کہا "تم یہ دیکھو کہ عالمی طاقتوں نے پورے اہتمام کے ساتھ دنیا کے ہر اہم خطے میں ایسے نازک معاملات کو زندہ رکھا ہوا ہے جنہیں جواز بنا کر وہ کہیں بھی دخل انداز ہو سکتے ہیں۔"
"کیا تم اب کشمیر کا حوالہ دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"بالکل!" ویرا مسکرائی "شاید تم کو یاد ہو گا کہ ڈینی سے اپنی گفتگو میں اوبرائن ڈی ہنٹ نے اعداد و شمار کے ذریعے یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان نے صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے پورے خطے میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔"
"مگر ہم ایٹمی طاقت نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔ "یہ قوت بھی ہمارے حریف بھارت کے پاس ہے۔ اگر ایٹمی دہشت گردی ہو رہی ہے تو بھارت اس کا ذمے دار ہے۔"
"یہ تم کہتے ہو۔ دنیا کو اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اسلامی بم کے حوالے سے بنائی جانے والی فلموں میں تمہارے ہم وطنوں کو شرلاک ہومز سے بھی زیادہ چالاک اور عیار دکھایا گیا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے' محدود تجربات ہو چکے ہیں۔ اعلان کے لیے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ امریکا بھی بار بار یہی کہتا ہے۔"
"تم بار بار ویرا کی بات کاٹ رہے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو ٹوکا۔
"تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا "میں وہ باتیں دہرا رہی ہوں جو میری دانست

میں امریکیوں کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہیں۔"

"تم بولتی رہو، میں تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیکھو کہ عراق کے ساتھ کیا کیا گیا۔" ویرا نے بات جاری رکھی "ایک واضح عالمی اکثریت کو یقین ہے کہ امریکا کے پروردہ مشیروں نے عراقی قیادت کو یقین دلایا کہ وہ بہ زور قوت کویت سے اپنا علاقہ واپس لے لے، امریکا کے کان پر جوں بھی نہیں رینگے گی مگر پھر کیا ہوا؟"

"جو کچھ ہوا، وہ اب تاریخ کی امانت ہے۔ آنے والا وقت ہی اس درندگی اور بہیمیت کا فیصلہ کرے گا۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکا کو اس دور دراز علاقے میں ایسی سازشی مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔ ان گنت جانیں اس یک طرفہ جنگ کا ایندھن بن گئیں۔" غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"امریکا کی نظر اس علاقے کے تیل کے ذخائر پر تھی۔ آج وہ ان پر قابض ہے۔ اسے اپنے جدید ترین جہازوں اور ہتھیاروں کے لیے ٹسٹ فیلڈ درکار تھی۔ اس کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بند پڑی تھیں۔ جنگ کے بعد دنیا بھر میں امریکی ہتھیاروں اور طیاروں کی زبردست مانگ پیدا ہو چکی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے عراقی قیادت کو دانستہ بہکایا گیا تھا۔" سلطان شاہ معترض ہونے کے باوجود ویرا کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"کہا یہی جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے دشمن کے اس کھیل کو نہیں سمجھ سکے اور دام میں آ گئے۔ یہ ان کا آزمودہ فارمولا بن چکا ہے۔ وہ اسے کہیں اور بھی آزما سکتے ہیں۔"

سب خاموش رہے۔ جب ویرا دوبارہ کچھ نہ بولی تو سلطان شاہ نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بے چینی سے کہا "تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟ وہ اس فارمولے کو کہاں اور کیسے آزمائیں گے؟ تمہاری یہ باتیں اب کسی حد تک سمجھ میں آ رہی ہیں۔"

"اس سے آگے میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔ تم بھی اپنی عقل پر زور دو۔ میں نے کچھ کہا تو تم پھر مجھ سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔"

ویرا نے اس منصوبے کے ایک نئے پہلو کا ذکر چھیڑ کر مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا۔

روس کی ٹوٹ پھوٹ اس کی افغانستان میں مداخلت کی وجہ سے رہی ہو یا اقتصادی تباہی کے باعث، اس کے بعد طاقت کا عالمی توازن بگڑ چکا تھا۔ امریکا قوموں کے دنگل میں اکلوتا سورما رہ گیا تھا جو ہر طرف بنکارتا پھر رہا تھا۔ عالمی ادارے اس کے گھر کی باندی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے اپنی من پسند منظوریاں لینے کی

پوزیشن میں تھا۔

دوسری طرف کشمیر میں کنٹرول لائن کے نام سے ایک سلگتی ہوئی بارودی لکیر موجود تھی۔ امریکا بھارت یا پاکستان میں سے جس پر بھی نامہربان ہوتا، اپنے نمک خواروں کے ذریعے اس کے کسی طالع آزما کو اس لکیر میں اپنی پسند کی تبدیلیاں لانے پر اکسا سکتا تھا۔

دونوں میں سے کسی بھی حریف کو اپنے جال میں پھانس کر بعد میں جارحیت کا نعرہ لگانا خارج از امکان نہیں تھا۔ اسی نعرے کی بنیاد پر امریکا قوموں کی عالمی انجمن کے نام پر علاقے میں اپنی بھرپور فوجی موجودگی کا رسمی جواز فراہم کر سکتا تھا۔

وہ سب بہت دور کی اور بھیانک باتیں تھیں۔ میں ایک۔۔۔ جھرجھری لے کر رہ گیا اور ان پراگندہ خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویرا اپنی سوچ کے اعتبار سے شیطان کی خالہ تھی۔ اپنا زورِ بیان جس طرف صرف کرتی تھی، اس بات کو صداقت کی دہلیز تک پہنچا کر ہی دم لیتی تھی۔

میں اول خان کے دفتر سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ وہ عالمی سیاست اور آویزشوں کے قصے تھے جب کہ ہم میں سے کوئی بھی اس شعبے میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ ہماری لڑائی کی ابتدا پاکستان سے ہیروئن کے انسداد سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں دور تک جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا تھا کہ اس نشے کی غیر قانونی تجارت کا سب سے بڑا مخالف امریکا ہی سی نامی تنظیم کے ذریعے ہیروئن کی خطیر آمدنی سے استفادہ کر رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے ہم پر ہر لمحے امریکا پر حکمرانی کرنے والوں کے نت نئے اور گھناؤنے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے جن میں بنیادی نکتہ پاکستان سے مخاصمت پر مبنی تھا۔

اس لڑائی میں میں نے انفرادی طور پر امریکی مفادات کو اتنا شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا کہ کچھ عرصے سے ہیروئن کے معاملات پسِ پشت چلے گئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکا میرے خلاف اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھے پیس ڈالنا چاہتا ہو۔

میری اور ویرا کی امریکا سے واپسی کے بعد انفرادی زور آزمائی کا یہ رنگ زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ میرے خلاف اس جنون کو اوبرائن نے بہت زیادہ ہوا دی تھی اور پھر اسی کی زبان سے ایشیا کے بارے میں امریکا کے نئے اور چونکا دینے والے سیاسی عزائم سامنے آئے تھے۔

اوبرائن پاکستان میں تھا اور پاکستان میرا گھر تھا۔ سرکاری سطح پر کی جانے والی تردیدوں اور بعض مواقع پر میرے خلاف اختیار کیے جانے والے مخاصمانہ رویّے کے باوجود امریکیوں کو یہ یقین تھا کہ ان کے خلاف مجھے پاکستانی حکومت کا پورا پورا تعاون حاصل تھا اور میں بھاری افرادی قوت کے ذریعے ہر اہم موقع پر ان کے

پیچھے لگا رہتا تھا۔
روشن برآمدے میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر سیاسی معاملات سے دوری اختیار کرلوں گا۔ سیاست میں گمنام رہ کر بے لوثی سے کام کرنے والوں کا انجام عام طور پر قابلِ رشک نہیں ہوتا تھا۔
اول خان کے دفتر سے اپنے کمروں کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا تو ویرا بے ساختہ ہنس پڑی" تمہیں اس فیصلے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"
"کیوں؟" میں نے دور سے آنے والی روشنیوں کے دھند لکے میں اسے گھورا "مجھے اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟"
"بھنور میں آئے ہوئے تنکے بالکل بے بس اور بے بساط ہوتے ہیں۔ وہ لہروں کا ساتھ چھوڑ کر اسی گرداب میں گھومتے رہتے ہیں۔ تم بھی حالات کے قیدی ہو۔"
"آپ ویرا کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے مجھے سمجھایا "آپ اپنی مرضی سے سیاست کی طرف کب جاتے ہیں؟ مجبوریاں اس طرف دھکیل دیتی ہیں۔"
"جرائم کی تفریق بس نچلی سطحوں پر پائی جاتی ہے۔ کوئی منشیات فروش ہوتا ہے' کوئی قاتل اور کوئی دہشت گرد مگر اوپر کی سطح پر سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجاتا ہے۔" ویرا بولی۔
آپ کے لیے کھٹومل اور چوہدری سلام موت کے سوداگر تھے مگر وہ سیاست داں بھی تھے۔ انہیں سیاست کے نام پر معاف یا نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔" غزالہ نے دلیل دی۔
"اوبرائن کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا "تمہارے ملک کا دشمن' تمہارے لہو کا پیاسا! کیا تم اسے صرف اس وجہ سے چھوڑدو گے کہ وہ ایشیا کے لیے ایک نئے سیاسی منصوبے پر کام کررہا ہے؟"
مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس گرداب میں کچھ بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں تھا۔ حدِ فاصل لگانے کے چکر میں میں کہیں بھی بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔
بارہ بجے تک ہم ایک ساتھ بیٹھے اول خان کی واپسی کا انتظار کرتے رہے پھر عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سلطان شاہ تھکے ہارے انداز میں اپنے پلنگ پر دراز ہوگیا۔
اول خان دو بجے کے بعد تھکا ہارا ہمارے پاس آیا تو اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔
"بھیشم داس اپنے دونوں زخمی ساتھیوں سمیت سولجر بازار کے ایک اسپتال سے پکڑا گیا ہے۔ بھیشم بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس کے دونوں آدمی بے ہوش ہیں۔ ان کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا ہے۔" اول خان نے انگڑائی لے کر بتایا۔
مجھے بے اختیار اپنے بازو کا مندمل ہوتا ہوا زخم یاد آگیا۔
میرے ساتھ بھی بالکل وہی صورت رونما ہوئی تھی جس سے بھیشم کے دونوں ساتھی دوچار تھے۔
"وہ تینوں کہاں ہیں؟" ان کی حالت کے پیشِ نظر میرا وہ سوال فطری تھا۔
"دونوں بے ہوش اسپتال میں ہی پولیس کے پہرے میں ہیں۔ بھیشم کو میں نے یہاں گارڈ روم میں اسٹاف کے حوالے کردیا ہے۔ صبح تک اس کی طبیعت صاف ہوجائے گی۔"
"اس سے پوچھ گچھ کا کام ہمیں خود سرانجام دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے جوش سے کہا۔
"رہنے دو۔ اس پر بلاوجہ اپنی رات کالی نہ کرو۔ یہاں پہنچنے تک وہ رو رو کر دعوے کررہا تھا کہ اس کا کسی جیپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ تینوں پیدل چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "صبح تک اسے ساری بھولی بسری باتیں یاد آجائیں گی۔"
قربان علی کو اسپتال سے کب رخصت کیا جائے گا۔" میں نے پوچھا۔
"بڑی نازک جگہ سے ٹوٹی ہے۔ اسے آرام کے لئے کئی دن وہاں رہنا ہوگا۔" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں بتایا۔ "اچھی بات یہ ہے کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔"
"ہتھیاروں کی اس کھیپ کے اصل مجرموں کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟"
"بھیشم کی زبان سے وہ اصل کہانی جاری کردیں گے مگر اوبرائن کے خلاف قطعی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ سفارتی مراعات کی وجہ سے ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اسے ناپسندیدہ قرار دے کر نکالا گیا تو دونوں ملکوں کے مراسم میں تلخی آجائے گی۔"
"میجر بخشی کی بھی بالکل وہی پوزیشن ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"نئی دہلی میں ہمارا سفارتی عملہ مختصر اور بالکل صاف ستھرا ہے۔ انفارمیشن نیٹ ورک ان سے بالکل الگ ہوکر اپنا کام کررہا ہے۔ یہاں کچھ ہوا تو وہ ایک آدھ افسر کے انخلا اور احتجاج سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"
لباس تبدیل کرکے بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی اول خان ہتھیاروں کی کھیپ کا راز فاش ہونے کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ مجھے دھن راج سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے من وعن اسے بتادیا تاکہ وہ پوری باخبری کے ساتھ اس معاملے کو سنبھال سکے۔

○☆○

بھیشم گہری سیاہ رنگت' پستہ قامت اور بھاری بدن کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا مکروہ صورت بھی واقع ہوا تھا۔ اس کے چوڑے چہرے اور پھیلے ہوئے جبڑوں پر کئی جگہ سے سیاہ جلد پھوڑوں کی شکل میں پھولی ہوئی تھی۔ رہی سہی کسر زخموں سے بہہ کر

جمنے والے خون نے پوری کردی تھی۔ اسے نظر بھر کر دیکھنا کوئی خوش گوار عمل نہیں تھا۔

گارڈ روم کی سلاخوں والی کھڑکی سے ہم نے اسے ننگے فرش پر پڑا ہوا دیکھا' اس نے ہمیں دیکھ لیا اور دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر فریاد کرتا ہوا فرش سے اٹھنے لگا۔

محافظ نے تالا کھول کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ میں اول خان کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

بھیشم اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن داہنی طرف بہت زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ حادثے میں اس کے دونوں ساتھیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹی تھیں۔ مگر معجزانہ طور پر بھیشم کی ساری ہڈیاں سلامت تھیں۔ اسے متعدد ہلکے اور گہرے زخم آئے تھے یا پھر اندرونی چوٹیں تھیں جو نظر نہیں آسکتی تھیں۔

بھیشم کے دماغ پر حادثے کی دہشت یا اپنے ساتھیوں کے بارے میں تشویش مسلط نہ ہوتی تو وہ چیک اپ کے بعد اسپتال سے نکل بھاگا ہوتا مگر اول خان کے ہاتھوں گرفتاری اس کا مقدر بن چکی تھی۔ وہ اس خطرے کو بھول کر وہاں رکا رہا اور پکڑا گیا۔

"مائی باپ! مجھے بخش دو' مجھے معاف کردو۔ میں نے جیپ چرائی تھی۔ آگے مجھے کچھ پتا نہیں۔ میرے اوپر اتنا ظلم مت کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

وہ رک رک کر ٹوٹے پھوٹے فقروں میں ایسی ہی تکرار کئے جا رہا تھا۔ اول خان نے قہربار نظروں سے محافظ کی طرف دیکھا اور وہ پریشان ہوگیا۔

"سر! ایک گھنٹے میں ہی یہ بولنے لگا تھا۔ کچھ دیر آرام کرکے اب اس نے پینترا بدل لیا ہے۔ میں اس کا دماغ ابھی درست کرتا ہوں۔"

وہ لپک کر فضا میں اچھلا۔ اس کے دونوں وزنی جوتے پوری قوت سے بھیشم کے سینے پر پڑے۔ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا دور جا گرا۔

گارڈ نے دوسری فلائنگ کک کے تیور اختیار کئے ہی تھے کہ بھیشم دہل اٹھا۔ "باپ رے باپ! بس کرو۔ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ میں اپنے جنم میں تھوکوں' میں نے کیوں منہ کالا کیا تھا؟ ہائے رے! وہ ٹرک نہ بیچ میں مرتا تو میرا یہ حال نہ ہوتا۔"

"ابے' یہ بین بند کر اور سیدھی طرح بتا کہ دھن راج نے تجھ سے کیا سودا کیا تھا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پشت پر زوردار ٹھوکر رسید کرکے پوچھا۔

وہ بلبلا اٹھا اور پھر کسی دہشت زدہ بلی کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "تم کو سب معلوم ہے تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ سالا....."

"صرف سوال کا جواب دو ورنہ ادھیڑ دیئے جاؤ گے۔" میں نے خونخوار لہجے میں دھمکی دی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ "یہ سات لاکھ بیس ہزار کا سودا ہوا تھا۔"

"تم اس سے دو دفعہ ملے تھے۔ اس نے تمہیں رقم کس وقت ادا کی تھی؟"

"چھ لاکھ مال جمع کرنے کے لئے پیشگی لئے تھے۔ مال لے کر ہوٹل پہنچے تو باقی رقم مل گئی تھی۔"

"جیپ میں بھرے ہوئے ہتھیار تمہیں کس کو پہنچانے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ان..... انگارہ گوٹھ میں۔" اس نے ہکلا کر بہت مختصر سا جواب دیا۔

"پورا پتا بتاؤ کتّے کے بچے!" میں نے گرج کر اسے ایک اور ٹھوکر لگائی۔

"انگارہ گوٹھ۔ لالو کھیت بی ایریا میں ہری چند کی دکان پر۔" ایک بے ساختہ چیخ کے بعد وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔

"یہ پتا پورا نہیں ہے۔ تفصیل بتاؤ۔ ہری چند وہاں کیا بیچتا ہے؟"

"مائی باپ یہ پورا پتا ہے۔ انگارہ گوٹھ بی ایریا کے پیچھے ندی کے کنارے نئی آبادی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہری چند وہاں بھوسا' پھٹی' چوکر اور چارہ بیچتا ہے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اول خان کی طرف دیکھا اور اس نے سر ہلا کر بھیشم کی بات کی تائید کرکے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔

میجر بخشی' دھن راج اور بھیشم کی طرح ہری چند بھی ہندو تھا۔ اس وقت تک دہشت گردی کی اس کڑی میں کسی مسلمان کا نام نہیں آیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ رازداری کے ان بنیادی مراحل کے بعد یقینی طور پر ہر مذہب کے ملے جلے کارندوں کو خریدا گیا ہوگا۔

"ہری چند گھاس پھوس میں ان ہتھیاروں سے کیا کام لینے والا تھا؟"

"خدا قسم' یہ ہم کو نہیں پتا۔ ہم پیسہ لے کر اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہے۔"

"تم نے پہلے بھی دھن راج کے لئے ایسے کام کئے ہوں گے۔" میں نے سوال کیا۔

"دو تین چھوٹے موٹے دھندے کئے تھے۔ یہ بڑا ڈیل تھا۔" اس نے اقرار کیا۔

"تم ایک مدت سے یہ کام کررہے ہو۔ کئی بار پکڑے بھی گئے ہو اور ہر بار حوالات سے چھوٹ آتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" اس بار بازپرس کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی۔

بھیشم کا جواب میرے لئے متوقع تھا۔ "صاب! یہ ہمارا روزی

ہے۔ ہم مل بانٹ کر کھانے والا آدمی ہے۔ پولیس کو بھی حصہ دیتا ہے۔ ان کو زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے تو پکڑ کر بند کردیتے ہیں۔ م بھاؤ بڑھا دیتا ہے تو جان خلاصی ہو جاتی ہے۔“

”تمہارے پاس ایسے خطرناک ہتھیار کہاں سے آتے ہیں؟“
یری دانست میں اول خان کا وہ سوال غیر ضروری اور بچگانہ تھا۔

”لانچ سے آتا ہے۔ امپورٹر لوگ بلیک کرتا ہے۔ وس راستے ں۔“

”تم نے کبھی اوبرائن ڈی ہینٹ یا اوبی کا نام سنا ہے؟“ میں نے کہنی سے اول خان کے پہلو میں ٹہوکا دے کر اسے خاموش کرکے پوچھا۔

”نہیں صاب...... ہم نے کبھی کسی ہینٹ شنٹ کا نام نہیں نا۔“

”مگر اب سن لیا ہے۔“ میں نے سفاکانہ غراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ یہاں تم بھتہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔“

”جی صاب!“ وہ جلدی سے بولا۔

”جب تم اپنے بیان کے آخر میں ان لوگوں کے نام بتاؤ گے ن کو اب تک ہتھیار سپلائی کرتے رہے ہو تو اس میں اوبی کا نام ی ہوگا۔ یاد رکھنا کہ یہ ایک گورا ہے۔“

”مم...... مگر صاب ہم اس کو نہیں جانتا۔“ اس نے جھجکتے وئے کہا۔ ”بہت سا خریدار سامنے ہی نہیں آتا۔ ہم کسی خالی گھر یا کان میں مال پہنچاتا ہے۔ وہیں رقم کا تھیلا مل جاتا ہے۔ سارا ڈیل ان پر بات چیت سے طے ہوجاتا ہے۔“

”تو جانتے ہو‘ وہ سب بتاؤ گے اور اوبی کا نام بھی لوگے ورنہ م تمہیں دوبارہ یہاں لے آئیں گے۔ یہاں دور دور تک کوئی ہاری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔“

ہیشم واس ان پختہ کار اور خرانٹ مجرموں کے قبیلے سے علق رکھتا تھا جو اپنی بساط کے مطابق آخر تک اپنے رازوں کی فاظت کرتا ہے مگر جب یہ بھانپ لیتا ہے کہ زبان کھولے بغیر جان ہیں بچ سکے گی تو پھر وہ خود بہ خود سچ بولنے لگتا ہے۔

وہ شخص انتہائی سخت جان اور چرب زبان ہونے کے ساتھ خری درجے میں خوشامدی بھی ثابت ہورہا تھا۔ اس کے اقرار پر ں نے یقین کرلیا کہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکلنے کے بعد وہ پنے وعدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

”صاب....! ہم بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ ہم کو کچھ چائے کھانا ھی دے دو۔“ ہمارے نکلتے نکلتے اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن روازہ مقفل ہونے کے بعد اول خان نے گارڈ کو اس کے ور دنوش کے بارے میں ہدایت دے دی۔

اول خان مجھے اپنی اس دن کی مصروفیات کا ہلکا سا خاکہ بتانے کے بعد وہیں سے دفتر کی طرف ہولیا۔ میں واپس کمرے میں پہنچا تو سلطان شاہ گہری نیند سو رہا تھا۔

آسمان کے مشرقی گوشوں پر صبح کی سفیدی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ خلا میں ہم سے بہت دور سورج شاید زمین کے اس خطے کی مقابل اپنا سر ابھار چکا تھا مگر میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ میری ذاتی رائے نہیں تھی‘ بس کہیں پڑھی ہوئی یہ سائنسی حقیقت ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی رہ گئی تھی کہ پونے دو لاکھ میل فی سیکنڈ سے زیادہ رفتار سے سفر کرنے والی روشنی سورج سے زمین تک پہنچنے میں پورے آٹھ منٹ لیتی ہے۔

صبح کے اولین اجالے میں یہ خیال بہت فکر انگیز تھا کہ ہم اپنے گرد پھیلے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں روشنیوں کی صورت میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اس وقت کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ فاصلوں کے لحاظ سے چند منٹ‘ چند گھنٹوں یا چند صدیوں پہلے کا ماضی ہوتا ہے جو ہمیں بعد میں دکھائی دیتا ہے۔

ہم سب کائنات کے ایسے لامتناہی اور وسیع نظام میں رہ رہے تھے جس میں زمین تو کیا‘ شاید سورج کی بھی کوئی زیادہ بڑی حیثیت نہیں تھی مگر اس زمین پر بسنے والے انسانوں کا یہ عالم تھا کہ اربوں کی آبادی میں رہنے والے بعض اوبرائن اور ہیشم خود کو فرعونِ وقت تصور کرکے سب کچھ بدل دینے کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔

اس رات میں نے بس ذرا سی دیر کے لئے اونگھنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس وقت نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن تھکا ہوا اور سر بھاری تھا میں بستر پر دراز ہونے کے بجائے غسل خانے کی طرف ہولیا۔

طویل اور فرحت انگیز غسل کے بعد میں واپس لوٹا تو تپائی پر تازہ اخبارات موجود تھے۔

ہر اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں پچھلی شام کے اسی حادثے کی خبر تھی جس کے نتیجے میں شہر میں ہتھیاروں کی آزادانہ ریل پیل سامنے آئی تھی۔

خبروں کے مطابق اس انکشاف سے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ شہری عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہوگئے۔ وہ اخباری نمائندوں کے اپنے لگے بندھے اندازے ضرور ہوسکتے تھے مگر حقیقت سے زیادہ قریب نہیں تھے۔

کسی بھی اخبار کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی مدت میں شہر کی آبادی کے تمام طبقوں کا سروے کرکے کوئی یقینی بات لکھ سکے۔ نامہ نگاروں نے اپنی میزوں پر بیٹھ کر سنسنی خیزی کے لئے جو کچھ لکھا‘ وہ بیشتر اخباروں نے من وعن چھاپ دیا تھا۔

یہ طے تھا کہ وہ ان دنوں کی شاید سب سے بڑی خبر تھی اور اس میں دفتری حاشیہ آرائیوں کے ساتھ فیلڈ ورک بھی نمایاں تھا۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ ہیشم اور اس کے دو زخمی ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات سے پوشیدہ رکھی گئی تھی لیکن

کسی وجہ سے وہ خبر پوری صحافی برادری میں پھیل چکی تھی۔ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے اہم اور بڑے مجرموں کی گرفتاری کی خبر ہر اخبار میں موجود تھی مگر اردو کے ایک ممتاز اخبار نے باوثوق ذرائع کے حوالے سے دو زخمی مجرموں کی تحویل اور ایجنسیوں کے ہاتھوں ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر چھاپ ڈالی تھی۔

امن و امان کے قیام اور ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے ذمے دار تمام ادارے میدان میں اتر کر سرگرم ہو چکے تھے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں اہم حقائق کی نشان دہی کی توقعات ظاہر کی گئی تھیں۔

اس واقعے میں ایس ٹی ایف کے قربان علی کا کردار اس قدر اہم اور کلیدی تھا کہ اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہی نہیں تھا مگر اس کی شناخت کے لئے ایس ٹی ایف کے بجائے ایک خفیہ وفاقی ایجنسی کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

شاید وہ پہلا موقع تھا کہ ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کا نام اور کارنامہ اس طرح اخبارات کی زینت بنا تھا ورنہ وہ لوگ پس پردہ رہ کر بڑے بڑے کام سرانجام دیتے تھے اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس کا سہرا معروف سرکاری اداروں کے سر پر سجا دیتے تھے۔

ایک ایک کرکے میرے بقیہ ساتھی بھی بیدار ہو گئے۔ اس وقت تک میں اخبار بینی اور ناشتے سے بالکل فارغ ہو چکا تھا۔

یہ جان کر ان تینوں کو مایوسی ہوئی کہ بھیشم داس جیسے خوف ناک مجرم کی آمد اور اس سے باز پرس کے مراحل ان کے بیدار ہونے سے پہلے طے ہو چکے تھے۔

اس وحشی درندے کے دیدار کے لئے اول خان کی تلاش کی گئی تو پتا چلا کہ وہ رات گئے لائے جانے والے مجرم سمیت کہیں جا چکا تھا۔

ویرا کا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کردیا گیا ہو۔

”ہماری آنکھ لگ گئی تھی تو اول خان کے آنے پر ہمیں بیدار کیا جا سکتا تھا۔“ ویرا نے احتجاج کیا۔ ”اس سے پہلے بھی ضروری کاموں کے لئے ہماری نیندیں خراب کی جاتی رہی ہیں۔“

”رات کو کوئی اس سے نہیں ملا تھا۔“ سلطان شاہ نے بتایا۔

”اول خان بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گارڈ روم اسٹاف کے حوالے کر آیا تھا۔“

”اگر تم بھی اس سے نہیں مل سکے تو پھر مجھے اپنی محرومی کا کوئی افسوس نہیں ہے۔“

”وہ کوئی وی آئی پی نہیں تھا کہ اس سے ملنا میرے لئے باعثِ فخر ہوتا۔“ سلطان شاہ نے منہ بنا کے کہا۔ ”نہیں ملا تو نہ سہی۔ میرے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔“

”تم پر رفتہ رفتہ کاہلی غالب آتی جا رہی ہے۔ شاید اب تم تھک گئے ہو۔“

”تم جو چاہے کہتی رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

”ڈھٹائی اسی کو کہتے ہیں۔ میں ڈیئی سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں کی فضا ہمیں راس نہیں آرہی۔ ہم چاروں کو جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“ ویرا نے تیزی سے کہا۔

غزالہ ان دونوں کے درمیان بحث چھڑتے ہی غسل خانے کی طرف ہولی تھی۔ ویرا نے ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے غائب پایا تو اخبار لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

سلطان شاہ اسے چڑانے کے لئے ہولے ہولے کچھ گنگنانے لگا۔ میں ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ صبح صبح ان کی کسی تکرار میں ملوث ہو کر میں اپنا موڈ برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نشے میں مخمور دھن راج کی زبانی میں اس کے ابتدائی ردِعمل سے واقف ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی جیپ کی تباہی پر وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ اس کے ذریعے دوسروں کا ردِعمل جاننے کے لئے مجھے گیارہ بجے تک انتظار کرنا تھا۔

میں نے میجر بخشی اور دھن راج کے ساتھ ساتھ اوبرائن کو بھی قائل کیا ہوا تھا کہ میں ایس ٹی ایف میں اپنی اہم ذمے داریوں کی وجہ سے انہیں اپنے رابطے کا کوئی نمبر نہیں دے سکتا تھا۔

اس بندوبست میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ صرف میں ان سے یک طرفہ رابطہ کر سکتا تھا۔ وہ چاہتے تو بھی مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ باہمی رابطوں کی اس خامی کی وجہ سے پچھلی رات دھن راج نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جیپ کے حادثے کے بعد طے ہونے والی حکمتِ عملی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے میں اسے صبح گیارہ بجے فون کروں۔

وہ بات اتنی معمولی سی تھی کہ کسی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا نہ میں نے کسی کو اس طے شدہ پروگرام کے بارے میں بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ ساڑھے دس بجے میں خاموشی سے اول خان کے دفتر میں جا بیٹھا۔

وہ خود بھیشم داس کو لے کر صبح سویرے نکل چکا تھا۔ اس کا عملہ میرا اتنا احترام کرتا تھا کہ میرے پہنچتے ہی وہ کمرا میرے لئے خالی کردیا گیا۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے سی ایس ڈی والے فون پر دھن راج کے کمرے کا ڈائریکٹ نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ فون کی اتنی گھنٹیاں اسے گہری نیند سے بیدار کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھیں۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ پچھلی رات وہ خاصا نشے میں تھا اور بھیشم کی ناکامی نے اسے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ کہیں اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کرلی ہو۔

ہوٹل میں اس سے رابطے کے لئے دوسرے نمبر ایکس چینج کے تھے۔ میں نے سی ایس ڈی بند کرکے ایک نمبر ملایا۔ آپریٹر نے مجھے کافی دیر ہولڈ کرانے کے بعد آگاہ کیا کہ کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری تشویش گہری ہونے لگی۔

آپریٹر دھن راج کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھا۔ میرے استفسار پر اس نے میری کال استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کر دی۔ وہاں موجود خاتون نے مجھے بتایا کہ دھن راج نے رات گئے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔

وہ لوگ بڑے کھیل کھیل رہے تھے اور یقینی طور پر حالات سے باخبر رہتے تھے۔ مشن کی ناکامی کے بعد دھن راج کو یقین رہا ہو گا کہ اتنے بڑے واقعے کے بعد پولیس کسی نہ کسی طرح بھیشم تک پہنچ جائے گی اور پھر اس کا نام بھی بے نقاب ہو جائے گا۔

وہ خطرہ بھانپ کر دھن راج ہوٹل سے نکل چکا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس نے ہوٹل کے ساتھ شہر ہی چھوڑ دیا ہو اور پناہ لینے کے لئے اپنے آبائی شہر عمر کوٹ کی طرف روانہ ہو گیا ہو۔

میرے پاس عمر کوٹ کا نمبر نہیں تھا۔ میں دیر تک کریڈل دبائے سوچتا رہا۔ دھن راج کے غائب ہو جانے کے بعد مجھے یہ حق مل گیا تھا کہ میں براہِ راست میجر بخشی سے رابطے کی کوشش کروں۔

گھر پر اس کی خادمہ نے فون اٹھایا اور مطلع کیا کہ وہ دفتر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ وقت گھر پر اینڈنے کا نہیں تھا۔ میں نے آخری امید کے طور پر اس کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام پوچھا اور انتظار کا مشورہ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت کے سنگین حالات میں میجر بخشی میرا نام سنتے ہی مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

چند ثانیوں بعد آپریٹر نے میری اس خوش فہمی پر پانی پھیر دیا۔ "سوری سر! وہ مصروف ہیں۔ بات نہیں کر سکتے۔ آپ چھ بجے کے بعد محفوظ فون پر ان سے گھر پر رابطہ کریں۔"

آپریٹر نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میجر بخشی کا وہ رویّہ مجھے توہین آمیز محسوس ہوا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ بھیشم داس کی ناکامی نے ان لوگوں کو بری طرح خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کسی مشن یا کام سے زیادہ اہمیت ان کے اپنے تحفظ کی تھی۔

دھن راج حالات سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ میجر بخشی سرکاری ملازم تھا۔ رسّی تڑا کر بھاگنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ محتاط رہ کر ہی اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

اس کے پیغام پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ مجھ سے گریز نہیں کر رہا تھا' بس کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ چھ بجے محفوظ فون استعمال کرنے کے مشورے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے بغیر مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا جب کہ دفتر میں آپریٹر کے ذریعے بات کرنے کے لئے سی ایس ڈی کا استعمال ناممکن تھا۔

وہ سب محتاط تھے اور اپنے اپنے حصار میں رہ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ شام تک واقعات اور حالات کا رخ زیادہ واضح ہونے کی امید تھی۔ ورنہ میجر بخشی چاہتا تو مجھے یہ پیغام بھی دے سکتا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچے گا۔ میں محفوظ فون پر اس سے رابطہ کروں۔

میجر بخشی کوئی نو آموز سیکرٹ ایجنٹ نہیں تھا جو جوش یا عجلت پسندی میں کوئی غلط فیصلہ کر گزرتا۔ وہ تیل اور تیل کی دھار دیکھ کر فیصلہ کرنے والوں میں سے تھا۔

دھن راج کی طرف سے مکمل مایوسی اور بلیک آؤٹ کے بعد میجر بخشی سے مجھے تھوڑی سی آس بندھی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ پیدا ہونے والے میرے رابطے برقرار رہیں تاکہ میں ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہوتا رہوں اور پھر مناسب وقت میں ایک ہی بھرپور وار کر کے ان کے ارادوں کو پیوندِ خاک کر دوں۔

ان گورکھ دھندوں پر سوچ بچار کرتے ہوئے میرا ذہن اچانک اوبرائن کی طرف بھٹک گیا۔ میرے پاس اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر موجود تھا۔ گو اس کی آخری ہدایت تھی کہ میں اس سے بالکل دور رہوں اور کوئی رابطہ نہ کروں مگر اس وقت میرے پاس ایک بہترین عذر موجود تھا۔

دھن راج بھاگ چکا تھا' میجر بخشی نے مجھے ٹال دیا تھا۔ میرے پاس اوبرائن سے بات کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔

میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ خوف کی ایک نئی لہر نے مجھے آدبوچا۔

میں نے ریسیور واپس رکھا ہی تھا کہ سلطان شاہ دفتر میں داخل ہوا اور شوخی سے بولا "اگر تم نے میری وجہ سے ریسیور واپس رکھا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ بات کر کے مجھے اندر بلا لینا۔"

"تم گدھے ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا "خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔"

"یہ بتاؤ کہ مائیکرو بگ اور لوکیشن فائنڈر وغیرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"اچھی رائے ہے لوکیشن فائنڈر کو تو ہم ذاتی طور پر پہلے بھی بھگت چکے ہیں۔"

"وہ ایک الگ چیز تھی۔ اب لاکھوں میں کوئی ایک آواز پہچاننے کی بات ہو رہی ہے۔"

"یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔ وہ سنجیدگی سے اسے استعمال کرنے والے ہیں۔"

"میں ابھی اوبرائن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی خوف سے ارادہ ملتوی کر دیا کہ کہیں وہ میری آواز شناخت کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"تمہاری تشویش بجا ہے۔ تم اس کے لیے کرنل جمال دستی

ہو‘ وہی بنے رہو۔“

”میں اس سے اسی حیثیت میں بات کروں گا“ میں نے مشورے کے لیے اسے آگاہ کیا۔

”پھر تمہیں کیا خوف ہے؟ اس روپ میں تم اس سے ملتے بھی رہے ہو۔“

”تم بھول گئے۔ میں نے بدلی ہوئی آواز میں اسے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ اوبرائن نے وہ کال اس یقین کے ساتھ ریکارڈ کرلی تھی کہ اسے دھمکیاں دینے والا ڈینی تھا۔“

”مجھے ہر بات یاد ہے۔ اسی بنا پر وہ شہر بھر میں مائیکرو بگ پھیلانے کا پلان بنا رہا ہے۔“

”کوئی مشیر نہ ہو تو آدمی کو دیوار سے ہی مشورہ کرلینا چاہیے۔ بخشی نے کہا تھا کہ مائیکرو بگ سے منسلک سسٹم بدلی ہوئی آواز کو بھی پہچان سکتا ہے کیونکہ ہر شخص کے صوتی آہنگ جدا ہوتے ہیں۔“

”حیرت ہے کہ تم بخشی کی اس احمقانہ بات کو اتنا وزن دے رہے ہو!“

”کیوں نہ دوں؟ کیا آج کے دور میں ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے؟“

”یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اس نے ڈینی کے روپ میں کہیں سے تمہاری اصل آواز حاصل کرلی ہو۔ بدلی ہوئی آواز کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔“

مجھے خود بھی یہ بات معلوم تھی کہ سائنسی طور پر انفرادی شناخت صرف فنگر پرنٹس کے ذریعے ہی ممکن تھی کیونکہ اربوں میں کسی دو افراد کے فنگر پرنٹس کبھی یکساں نہیں ہوتے جبکہ صورتوں اور آوازوں میں حیرت انگیز مماثلت کے واقعات جابجا سننے میں آتے تھے۔

”خطرات ہر طرف سے بڑھ رہے ہوں تو آدمی کو احتیاط کرنی پڑجاتی ہے۔“

”یہ کہہ کر تم اپنی کمزوری کا اعتراف کررہے ہو۔ اول تو تمہارا خدشہ بے بنیاد ہے۔ فرض کرو کہ وہ تمہاری آواز پہچان بھی لے تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟“

سلطان شاہ کے آخری فقروں سے میرا عزم توانا ہوگیا۔ میں چھاؤنی کے وسیع علاقے کے قلب میں‘ ایس ٹی ایف کے مضبوط حصار میں تھا۔ دشمن ادھر کا رخ کرنے کی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا۔

”اچھا ہوا کہ تم بروقت آگئے“ میں نے مسکرا کر کہا ”ورنہ میں اکیلا بیٹھا اپنے ہی وسوسوں کے جال میں الجھا رہتا۔ خوف کیسا بھی ہو‘ انسان کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔“

”تمہاری زبان سے خوف کا لفظ کچھ اجنبی سا معلوم ہورہا ہے“ اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ”یہ تبدیلی آنے کا سبب کیا ہے؟“

”بیٹھے رہو۔ ابھی سب کچھ سامنے آجائے گا“ میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا۔

پہلی گھنٹی پر کال ریسیو کرنے والا اوبرائن ڈی ہنٹ ہی تھا۔

”میں کرنل....“ میری زبان سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہی اوبرائن نے آواز پہچان کر درشت لہجے میں میری بات کاٹ دی ”تمہیں مجھ سے الگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔“

”کل رات کے واقعے کے بعد...“ میں نے وضاحت پیش کرنی چاہی لیکن اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دوبارہ میری بات کاٹ دی۔

”ماضی کو مت کریدو۔ مختصر الفاظ میں آج کی اور اپنی بات کرو۔“

”دھن راج غائب ہے۔ بخشی مجھ سے کترا رہا ہے۔ کیا میں انہیں بھول جاؤں؟“

”دھن راج ٹارگٹ پر آچکا ہے۔ اس کے لیے روپوشی ہی بہتر تھی۔ بخشی سے رابطہ رکھو۔ وہ تم سے نہیں کترائے گا۔ اس وقت اس کی کوئی مجبوری ہوسکتی ہے۔“

”مائکرو بگز کے لیے دھن راج نے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔ میجر کو شام چھ بجے سے پہلے فرصت نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ سوال مجھے پریشان کررہا ہے۔ کیا مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے؟“ گفتگو کا سلسلہ شروع ہوجانے کے بعد میرے لیے بات کو بڑھانا آسان ہوگیا تھا۔

”اکیلے پن کا خوف اپنے دماغ سے نکال دو۔ وہی کرو جو میجر کہہ رہا ہے۔ اب وہ تمہارا باس ہے۔ اس وقت ہر چیز ثانوی ہوگئی ہے۔ ایک درمیانی آدمی کی ذرا سی غفلت اور بے پروائی نے ہمارا بہت کچھ داؤ پر لگادیا ہے۔ خود کو بچا کر بعد میں بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔“

وہ الو کا پٹھا مجھے اپنے دماغ سے خوف نکالنے کا مشورہ دے رہا تھا مگر خود بری طرح خوف زدہ تھا۔ اپنی فکر میں پڑ کر سب کچھ بھول جانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا تاثر برقرار رکھنے کے لیے کہا ”تم سے بات کرکے مجھے گہرا سکون ملا ہے۔ کیا میں برے لمحات میں تم کو فون کرسکتا ہوں۔“

”اب کوشش بھی نہ کرنا“ اس نے سختی سے کہا ”میں آج شام کی فلائٹ سے چند روز کے لیے پاکستان سے باہر جارہا ہوں‘ سرکاری کام ہے۔ مجھے واپسی میں دیر بھی ہوسکتی ہے۔“

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے ملکوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی پسند کی ایک نئی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے والا قدرت کی ایک ہلکی سی غیبی سرزنش سے اپنے اوسان کھو کر پاکستان سے فرار ہورہا تھا۔ میرے لیے ان حالات میں اس سے بڑی کامیابی کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس کی بربادی کی دعا مانگتے ہوئے میں نے زبان سے

اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ تو مجھے اپنی آواز میں ہلکا سا غیر ارادی طنز محسوس ہوا۔

غنیمت یہ ہوا کہ وہ ایشیائی لب ولہجے کے اس موہوم سے طنز کو نہ سمجھ سکا۔ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے یقین دلایا کہ روانگی سے پہلے وہ میرے بارے میں میجر بخشی کو مزید ہدایت کردے گا۔

دوسری طرف سے کلک کی آواز سن کر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"دھن راج ہوٹل سے بھاگا ہے۔ آج شام اوبرائن ملک سے ہی ملک فرار ہو رہا ہے" میں نے مسرت کے ساتھ سلطان شاہ کو آگاہ کیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اس پر کیا افتاد آگئی۔ اس کے بارے میں تو سرکاری ہدایات تک آچکی ہیں۔"

"برا وقت آتا ہے تو دشمنوں کی عقلیں پلٹ جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بھیشم داس سے منسوب کیے جانے والے بیان کی بھنک مل گئی ہو۔"

"دھن راج کا دہشت زدہ ہونا قابلِ فہم ہے۔ اسے بھیشم کے بیان سے کیا خطرہ تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ اسے ناپسندیدہ قرار دے دیا جاتا اور وہ بستر بوریا سمیٹ کر یہاں سے امریکا روانہ ہو جاتا۔ اس کے نکلنے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بھی چکرا گیا "سبب کچھ بھی ہو' وہ سرکاری کام کے بہانے آج کراچی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جائے گا۔"

"اسے تم ڈینی کا خوف ہی کہہ سکتے ہو۔ وہ ہتھیار ڈینی کے خلاف بھیجے جا رہے تھے۔ دھن راج کے کہنے کے مطابق اوبرائن کے دماغ میں یہی بات گھسی ہوگی کہ تم نے جیپ کے ساتھ کوئی شرارت کرکے اس کا منصوبہ ناکام بنایا ہے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے دھن راج کے کہے ہوئے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے کہا تھا کہ اوبی یہ سوچے گا کہ جیپ کو ٹکر مارنے والے ٹرک کو ڈینی چلا رہا ہوگا۔

"شاید یہی بات ہو" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی "وہ یہاں مسلسل کمزور پڑ رہا تھا۔ اس پر میرا نفسیاتی خوف سوار ہو گیا ہے۔"

"اس کے چلے جانے کے بعد مائیکرو بگز شہر میں پھیلانے کا کام کون کرے گا؟ تم نے اس بارے میں اوبرائن سے براہِ راست ایک سوال کیا تھا۔"

"وہ سب دھرا رہ گیا۔ اوبی کے الفاظ میں اپنے بچاؤ کے سامنے ہر چیز ثانوی ہو گئی ہے۔"

وہ بہت دلچسپ اور مسرت انگیز پوزیشن تھی۔ سلطان شاہ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور کہا "کسی طرح اسے یہ خبر پہنچا دو کہ آج ڈینی ائرپورٹ پر ہی منڈلا رہا ہے۔ یقین کرو کہ وہ سفید چوہا سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا کسی طرف بھاگ نکلے گا۔"

"کوئی دشمن اتنا حقیر نہیں ہوتا" میں نے خوشی سے سرشار ہونے کے باوجود سنجیدگی سے جواب دیا "فرار کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں تو کمزور ترین دشمن بھی براہِ راست نرخرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے نتائج کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔"

"واقعات کا یہ رخ بالکل ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس بار معاملات آسانی سے ہمارے قابو میں آسکیں گے۔"

"تمہاری دانست میں ان لوگوں کی یہ پسپائی میدان بالکل صاف کردے گی؟"

"میجر بخشی کے سوا اور کون باقی رہ جاتا ہے؟ اسے مار لینے کے بعد ہم ہی فاتح ہوں گے۔"

"یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ ہماری برتری اور ان کی روپوشی عارضی ہے۔ تازہ ترین واقعے کی گرد دب جانے کے بعد وہ دوبارہ صف آرا ہوں گے۔ اس وقت تک اوبرائن شاید نئی دہلی یا کولمبو میں بیٹھ کر اپنا کام کرتا رہے گا۔ یہ ڈور بہت دور تک الجھی ہوئی ہے۔"

"بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔ اس کا ذکر کرکے میری موجودہ خوشی کا مزہ کرکرا مت کرو۔ ایک بار ہزیمت اٹھانے کے بعد وہ کبھی بھی نہیں جیت سکے۔"

"بھیشم بہت بدصورت آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر کراہت آتی ہے۔ اس کا کام اس کے چہرے سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ بھی موت کے سوداگروں کے کسی ریکٹ کا اہم آدمی ہے۔ وہ یہاں سے ہیروئن لے جاتے ہیں اور ہتھیار لاتے ہیں..."

سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں کہتا ہوں کہ وہ شیطان صفت نہیں' خود شیطان ہے لیکن یہ دیکھو کہ اس نے ہمارے لیے کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ مقدر یاوری کررہا ہو تو زہر بھی تریاق بن جاتا ہے۔"

"بھیشم کو اس کے کیے کی کافی سزا مل چکی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ناکامی کے نتائج سامنے آنے کے بعد اسے آزادی مل جانی چاہیے" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تاکہ وہ بے داغ ریکارڈ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اپنی مذموم حرکتیں شروع کرسکے!" میں نے ملامت سے کہا۔ "وہ پہلی بار صحیح گرفت میں آیا ہے۔ اس جیسے زہریلے سانپ کا پھن چھوڑو گے تو وہ پلٹ کر سب سے پہلے تم ہی کو ڈسے گا۔ اس کے لیے موت کی سزا بھی کم ہوگی۔"

"آج وہ دونوں اپنے کمرے میں سر جوڑے بیٹھی ہیں" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "میں انہیں بھی یہ خبریں سنا کر

آتا ہوں۔"
میں مسکرا کر رہ گیا اور وہ تیزی کے ساتھ دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"اب میں اسلام آباد میں ہوں" اس نے لاہور کا حوالہ دے کر مجھے خود ہی پچھلا جھوٹ یاد دلا دیا تھا ورنہ میں روانی میں سب کچھ بھول چکا ہوتا "تم دونوں بہت یاد آتے ہو۔"

"میری قسمت ایسی کہاں کہ تم مجھے یاد کرو..... تم نے تو مجھ سے بات کیے بغیر ہی ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ تمہیں پتا ہوتا کہ وہ دکان پر ہوں گے تو وہیں فون کرتے۔"

"میں اس وقت ہوٹل کی لابی سے فون کر رہا ہوں" اس کے موڈ کا اندازہ کرکے میں نے جلدی سے کہا "مجھے گھر کا نمبر یاد تھا، بس وہی گھما ڈالا۔ فارمیسی کا نمبر اوپر بریف کیس میں پڑا ہوگا۔ یہ مت بھولو کہ میری اور جہانگیر کی دوستی تمہاری شادی سے بھی پرانی ہے۔"

"اور اسی لیے تم مجھ سے دور بھاگتے ہو؟" سلمیٰ نے سوالیہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے اردگرد لوگوں کی آمدورفت جاری ہے۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اسی کے ساتھ مجھے رشتوں کا احترام بھی عزیز ہے۔"

"رشتوں کا احترام کرتے تو مجھے دکان پر ڈکیتی کی جھوٹی کہانی نہ سناتے" سلمیٰ نے کالو مکرانی اور قاسم کے قصے کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا۔

"مجھے کوئی جھوٹی کہانی سنانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"یہ ان ہی سے پوچھنا" سلمیٰ کی آواز تیکھی ہوگئی "کل رات ہی محبت میں بے قابو ہوکر انہوں نے خود مجھے پوری کہانی بتا ڈالی ہے۔ تم کو معلوم تھا کہ وہ قاسم کی بیوی کو مفت دوائیں بانٹتے ہیں۔ قاسم اسی چکر میں کالو مکرانی کو لے کر ان سے لڑنے کے لیے آیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا "جہانگیر کے سر پر جوتے لگاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس نے ہاتھ پیر جوڑ کر میری خوشامدیں کیوں کی تھیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ تم سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ صرف اس شرط پر میں نے اس کے جھوٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تمہارے سامنے سچ اگل دے گا۔"

طویل کوفت اور ذہنی تکان کے بعد اس وقت میں خود کو بہت تروتازہ اور ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں جہانگیر کا خیال آیا اور میں نے غیر ارادی طور پر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد سلمیٰ نے فون اٹھایا تو میں مزاج پرسی کے بعد جہانگیر کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

"آج کل دکان پر ان کا دل لگتا ہے۔ روز پابندی سے جاتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں۔" سلمیٰ نے معمول کے مطابق جہانگیر کے بارے میں گلہ کیا "تم ابھی تک لاہور میں ہو یا کراچی لوٹ آئے ہو؟"

"ان کے چکر میں پڑ کر تم یہ بھول جاتے ہو کہ وہ میرے شوہر ہیں اور میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ جب چاہوں انہیں اپنے سامنے جھکا سکتی ہوں۔"

"یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"تمہاری دوستی میری شادی سے زیادہ پرانی ہے۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی فطرت کیا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو تمہیں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"جہانگیر کی کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں بولنے کا موقع مل رہا ہے" سلمیٰ کے طنزیہ رویے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے ترشی اختیار کرلی "میں کراچی آکر اس کی خبر لوں گا۔"

"آج کل وہ جس اہتمام سے بن سنور کر دکان جاتے ہیں، اس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان کے گاہکوں میں پھر کوئی فتنہ پرور حسین چہرہ شامل ہو گیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ اس بار اس کی مرمت ہوئی تو میں دور تک نظر نہیں آؤں گا۔ میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے پر آسکیں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون بند کردیا۔ سلمیٰ سے طویل گفتگو کرتے ہوئے میں ہمیشہ الجھن محسوس کرتا تھا اور وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کرتی تھی۔

اس بات چیت نے میرا اچھا خاصا موڈ غارت کردیا۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا لی اور جہانگیر کے خلاف اپنے غصے کو دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

پوری سگریٹ پھونکنے تک میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب مجھ سے برداشت نہ ہوسکا تو میں نے گولڈن فارمیسی کا نمبر ملا لیا جو مجھے ازبر تھا۔

"ابے لمڈ ملک..... پیٹ کے ہلکے! تمہیں سب کچھ اپنی والدہ صاحبہ کو بتانا ہی تھا تو مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟" میں اس کی آواز سنتے ہی سلام دعا کے بغیر برس پڑا "اس وقت تمہاری بیوی کی نظروں میں میری کیا وقعت رہ گئی ہوگی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز آئی "وہ فون کرکے مجھے پوری کتھا سنا چکی ہے۔ تم بھی برا بھلا کہہ کر اپنا دل ہلکا کرلو۔ یہ کسی کی نہیں، میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

"خود غلط حرکتیں کروگے اور پھر کسی بیوہ کی طرح اپنے نصیب کو رونے بیٹھ جاؤ گے۔"

"بھائی! تمہارا غصہ بالکل بجا اور بے جا ہے۔ بجا اس لیے ہے کہ تم نے اپنی بے عزتی محسوس کی ہے اور بے جا اس لیے کہ جیسے کووں کے کوسوں ڈھور نہیں مرا کرتے' اسی طرح بیویوں کے کڑکڑانے سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہونے لگے تو آدھی دنیا کے مرد رسوا ہو جائیں۔"

"وہ میری نہیں' تمہاری بیوی ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ برداشت کرو۔ کھری کھری سنا کر اس کی طبیعت صاف کر دو۔"

اس کی یتیمانہ باتوں سے میرا غصہ خود بہ خود دھیما پڑنے لگا پھر بھی میں نے درشتی سے پوچھا "خاموشی سے سب کچھ نمٹ گیا تھا پھر تمہیں اس کے سامنے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اب تو میں اسے شامت ہی کہوں گا۔ کل رات وہ بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کا دماغ راہ راست پر لانے کے لیے اسے بتا دوں کہ دوسری عورتیں بھی مجھ پر مرتی ہیں۔ اس نے اپنا سلوک نہ بدلا تو میں خاموشی سے کسی سے رسم و راہ بڑھا لوں گا۔"

"اور تمہاری تدبیر کارآمد ثابت ہوئی تھی؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"کارآمد... وہ بالکل بھیگی بلی بن گئی تھی" جہانگیر کی آواز فخریہ ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ اتنی بھولی نہیں ہے جتنی بنتی ہے؟" جہانگیر کو اپنا ہم نوا پا کر میں بھی غیر ارادی طور پر سلمیٰ کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

"ہرگز نہیں' اس دھوکے میں بھی نہ رہنا۔ وہ لومڑی کے کان کترتی ہے۔"

"لومڑیوں سے زیادہ وہ تمہارے کان کترتی ہے۔ تمہارا پیٹ پھرنے لگتا ہے تو وہ تمہاری حرکتوں سے سمجھ جاتی ہے کہ تم اس سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ ناز نخرے دکھا کر تم سے ہر بات اگلواتی ہے' بعد میں تمہیں طعنے دیتی رہتی ہو گی۔"

لائن پر توقف سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد آواز آئی "یہ کل کا قصہ ہے۔ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن دوسرے معاملات میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ میں اس کی بدکلامی سے عاجز آ جاتا ہوں۔"

"اپنی بیوی کو سمجھا دینا کہ وہ ہر ایک کو جہانگیر نہ سمجھا کرے۔ کسی دن غصہ آ گیا تو ساری مروت اور پاس داری کو بالائے طاق رکھ دوں گا۔"

"اس نے بہت زہریلے لہجے میں تمہارا پیغام مجھے سنایا تھا۔ اب میں اسے تمہارے نادر خیالات سے بھی آگاہ کر دوں گا۔ وہ تمہارے بل پر اکثر اکڑتی رہتی ہے۔ دھمکی دیتی ہے کہ تم سے میری

نوجوان عورت ایک ماہرِ نفسیات کے پاس شکایت لے کر پہنچی اور کہا کہ اس کا شوہر اب بھی اس سے محبت نہیں کرتا حالانکہ وہ چھ بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ یہ سن کر ماہرِ نفسیات بولا "شکر کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ ذرا سوچو' اگر محبت کرتا تو تمہارے بچوں کی تعداد کیا ہوتی۔"

اقبال عسکری' سعودی عرب
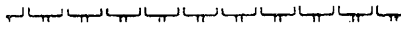
شکایت کر دے گی۔"

جہانگیر کسی زمانے میں بہت ذہین ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے تھی میں اپنی نیابت کے لیے مقرر کیا تھا لیکن شادی کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ اسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہنے لگے۔

اس نے اپنا داغ دار ماضی سلمیٰ اور اس کے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ سلمیٰ اس کی پراسرار سرگرمیوں اور غیر معمولی حفاظتی انتظامات پر اس کی طرف سے شاکی رہنے لگی تو اس نے ایک طویل مدت کے لیے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

دن رات بیوی کے ساتھ گھر میں محصور رہنے کے جو نتائج برآمد ہونے تھے' وہی ہوئے۔ آپس کی تلخیاں بڑھیں تو اس کی شراب نوشی میں زیادتی پیدا ہوتی چلی گئی۔ شب و روز کی مے نوشی کی کثرت نے رفتہ رفتہ اس کے ذہن کو اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ نشے کے بغیر بھی اپنی گفتگو سے گھامڑ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

"اگلی ملاقات پر سلمیٰ نے مجھ سے اپنے رویے پر معذرت نہ کی تو میں تمہارے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔" میں نے اسے جھنجوڑنے کے لیے کہا۔

"اس کی ایسی کی تیسی۔ معذرت کیسی' وہ تم سے معافی مانگے گی۔"

"بس اب اسلام آباد سے واپسی پر ملاقات ہو گی" میں نے اچانک ہی وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس سے بات کر کے میرا دماغ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اول خان چار بجے واپس لوٹ آیا۔ رات کی بے خوابی کے اثرات اس کی آنکھوں میں ہلکے سے ورم کی صورت میں مترشح تھے۔ اپنے خالی دفتر کا جائزہ لے کر وہ ہمارے پاس ہی آ گیا۔

وہ بھیشم داس کو اپنے ساتھ لے کر صبح سویرے اسٹیشن فور سے نکل گیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر سارے انتظامی افسران بھی اپنے مقررہ دفتری اوقات سے پہلے پولیس ہیڈ کوارٹرز

پہنچ گئے تھے۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات میں بھیشم داس کو اول خان کی گاڑی سے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا جہاں فوری طور پر اس سے باز پرس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اسٹیشن فور کے اعصاب شکن عقوبت کدے میں محض انسانی مہارت کے ذریعے بھیشم داس کو ایسا سبق دیا گیا تھا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اول خان کا درشت چہرہ ہر لمحے اس کے سامنے رہا تھا۔ اس نے وہی کہانی دہرادی جو اسے صبح سویرے بتائی گئی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس کے بیان میں صرف اور صرف حقائق تھے۔ اس میں فرضی اضافہ صرف اوبرائن کے نام کا تھا جو حالات کی رو سے ناموزوں نہیں تھا۔

ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد احاطے میں جمع صحافیوں کو تین ملزمان کی گرفتاری اور ان کے سرغنہ کے اقبالی بیان کی نقلیں دس بجے جاری کردی گئیں۔ شاید اوبرائن نے اسی وقت پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میری اور اس کی گفتگو ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوئی تھی اور اسے اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

بھیشم کے دونوں معاون ہوش میں آچکے تھے اور بدستور اسپتال میں داخل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کا کوئی بیان لیا جاسکے۔

دھن راج کی یکایک روپوشی کے بارے میں اول خان کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ وہ خبر سن کر اس نے بہت اطمینان سے کہا تھا "وہ عمرکوٹ کے سوا اور کہیں نہیں جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے، وہاں جاکر اس کی گردن ناپ لیں گے۔"

"اور اوبرائن کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے لیے فی الحال اس کا ہونا یا نہ ہونا بے معنی ہے" اول خان کو اس وقت تک پوری تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

"لیکن وہ خوف زدہ ہوکر آج شام پاکستان سے فرار ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" اول خان حیرت سے اچھل پڑا "یہ خبر کب کی ہے اور تمہیں کہاں سے ملی؟" اس بار اس کا تخاطب براہ راست مجھ سے تھا۔

"صبح ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس نے خود مجھے بتایا تھا" میں نے جواب دیا۔

"اور تم مجھے اب بتا رہے ہو!" اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا "میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے یہ اطلاع غیر اہم ہوگی۔"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ فرار ہو رہا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا مگر ہم ایئرپورٹ پر اس کا سامان اڑانے کی کوشش کرسکتے تھے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوتا؟" اول خان کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"وہ یقینی طور پر اہم اور ضروری فائلیں وغیرہ اپنے ساتھ لے جا رہا ہوگا۔ اس کا سوٹ کیس غائب کرکے ہم اس کے منصوبے کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے تھے۔"

"ایسے کاغذات سوٹ کیس کے بجائے وہ بریف کیس میں اپنی جان سے بھی عزیز رکھے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہوگا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ گیپ کی طرح چند کاغذ ہوں۔ تمہیں سرکاری طریقہ کار کا اندازہ نہیں ہے۔ اعلیٰ سطح پر کوئی بھی منصوبہ بنتا ہے تو منظوری ہونے تک فائلوں کا ایک پلندہ تیار ہوجاتا ہے" اول خان نے اصرار کیا "اس کے سوٹ کیس سے ہمیں کچھ نہ کچھ مل سکتا تھا۔ اس کی فلائٹ کا وقت کیا ہے؟"

"بس اس نے شام کا ذکر کیا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہے۔"

اول خان اپنی تجویز کے بارے میں اتنا پرامید تھا کہ اس نے فیلڈ فون پر فوراً ہی اپنے کنٹرول روم سے رابطہ کرکے ہدایت کی کہ ایئرپورٹ سے اوبرائن ڈی ہنٹ کی روانگی کے بارے میں فوری طور پر معلومات حاصل کرکے اسے مطلع کیا جائے۔

واقعات نے جس معجزانہ انداز میں ہمارا ساتھ دینا شروع کیا تھا، حریفوں پر اس کے بداثرات کی تفصیل اول خان کے لیے بھی خوشی کا سبب بنی۔ بھیشم داس والے واقعے کے نتیجے میں ان کی چلتی ہوئی گاڑی اچانک رک گئی تھی۔ اسے دوبارہ اسی رفتار پر لانے کے لیے خاصا وقت درکار ہوتا جبکہ ہمارے لیے ساری اہمیت وقت کی ہی تھی۔

اوبرائن اور دھن راج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میرا اور میجر بخشی کا رابطہ اول خان کی مزید امیدوں کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ پریقین تھا کہ میں اوبرائن کی طرح اس پر بھی اپنا بھرم برقرار رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ وہ رابطہ آئندہ بھی ہمارے کام آسکتا تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کے پروگرام کا سراغ لگانے کے سلسلے میں اول خان کے آدمیوں نے خاصی حیرت ناک تیزی دکھائی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی عام اور گمنام مسافر نہیں، ایک معروف سفارتی افسر تھا۔ ان کو اطلاع ملی تھی کہ وہ پانچ بجے کی ایک پرواز سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہوچکا تھا۔

پچھلی رات سے اول خان مسلسل مصروف تھا اور شب بیداری کا شکار بھی رہا تھا لیکن اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والے عمدہ نتائج نے ساری کلفت دور کردی تھی۔ آرام کرنے کے بجائے وہ منہ ہاتھ دھوکر ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہوگیا۔

چھ بجنے سے پہلے ہم سب اول خان کے دفتر میں منتقل ہوچکے

تھے۔ میری فہمائش کے باوجود ہر ایک میری اور میجر بخشی کی گفتگو کا ایک حصہ براہِ راست سننے کا خواہاں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اصل بات کے تاثرات ہی الگ ہوتے ہیں۔ وہ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر بھی بہت کچھ سمجھ سکتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے میں نے میجر بخشی کا نمبر ملایا۔ شاید وہ فون کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً جواب مل گیا۔ اس کی آواز گمبھیر اور ستی ہوئی تھی۔

"میجر! میں جمال دستی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں میں نے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تم اپنے اسی خاص فون پر ہونا؟"

"میں تم سے اسی پر رابطہ کرتا ہوں۔ دفتر میں ایکسچینج کی وجہ سے مجبوری آڑے آجاتی ہے۔" میں نے اسے تسلی دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرے دفتر کے لیے تم یہ فون استعمال نہیں کرو گے۔ اسی خوف سے میں نے تم سے بات نہیں کی تھی اور تم نے اوبی سے میری شکایت کردی۔"

"وہ شکایت نہیں تھی" میں نے جلدی سے وضاحت کی "رات تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ صبح ہوتے ہی میرے رابطے کٹ گئے۔ دھن راج غائب تھا' تم نے مجھے شام کے لیے ٹال دیا۔ میں سخت پریشان ہوگیا تھا۔ میں کہاں اور کس سے بات کرتا؟"

"اوہ! میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" اس کی تفہیمی آواز سنائی دی "دھن راج تمہیں رات کو ہی جیپ کی تباہی کے بارے میں بتا چکا تھا۔ صبح کے اخباروں نے تمہیں پریشان کردیا ہوگا۔"

"اور اب پتا چلا ہے کہ بھیشم داس نامی ایک آرمز اسمگلر پکڑا گیا ہے۔ اس نے دھن راج اور اوبی کا نام جیپ والے ہتھیاروں سے منسلک کردیا ہے۔"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے دفتر میں یہ خبر مل چکی تھی۔ اسی وجہ سے میں ڈرا ہوا تھا۔"

"یہ صبح کی خبر تھی۔ دھن راج رات گئے ہوٹل چھوڑ کر کیوں غائب ہوگیا؟"

"صرف احتیاط.... جیپ کو حادثہ پیش آنے کی وجہ سے کچھ بھی ہوسکتا تھا اور دیکھ لو کہ ایک اسمگلر نے ساری ذمے داری اسی پر ڈال دی۔ ایسے کام کرنے والے اتنے کچے نہیں ہوتے کہ دو چار گھنٹوں کی مار بھی نہ سہہ سکیں۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں کا قانون خود اس سے نمٹ لے گا۔"

"میں قانون کی سست روی سے خوب واقف ہوں۔ وہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ پہلے اس نے کام بگاڑا پھر اپنے ساتھیوں سمیت پولیس کے ہاتھ لگ گیا۔ بات یہاں تک رہتی تب بھی زیادہ نقصان نہ ہوتا۔ اس نے دھن راج کا نام لے کر بڑی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیا اوبرائن کو اس نے صحیح ملوث کیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ بات کسی طرح میری عقل میں نہیں سما رہی۔ اس نے فرشتے بھی اوبرائن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دھن راج اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے اوبی کے بارے میں بتا دیتا۔"

"پھر بھی تم اوبی کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں ہو" میری حیرت میں اضافہ ہوگیا۔

"اول تو اوبی آج شام یہاں سے نکل چکا ہے۔ دوسرے وہ بھی میری طرح سفارت کار ہے۔ اس کا نام قتل میں بھی ملوث ہوجائے تو بین الاقوامی معاہدوں کے تحت مقامی قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھن راج کو یہیں رہنا سہنا اور کام کرنا ہے۔ وہ کب تک چھپتا پھرے گا؟"

"یہ واقعی تشویش کی بات ہے" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی "پھر تو صرف بھیشم ہی نہیں' اس کے دونوں زخمی ساتھی بھی خطرناک ہیں۔ وہ زبان کھولیں گے تو دھن راج کے گرد جال اور مضبوط ہوجائے گا۔ سچ پوچھو تو وہ کھلے دل کا ایک اچھا آدمی ہے۔"

"یہ سب نکتے میری نظر میں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں اسپتال سے سیدھے مردہ گھر چلے جائیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ جہانگیر روڈ سے اسپتال کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ سب تم ہی کو دیکھنا ہوگا" میں نے ان جان بن کر کہا "میری فورس شہری پولیس کے معاملات سے بہت دور رہتی ہے۔"

"میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہا' تم اپنے کام پورے کرلو تو وہی بڑی بات ہوگی۔ ڈینی کے بارے میں تم کیا کر رہے ہو؟"

"آج کل وہ ادھر کا رخ نہیں کر رہا۔ اس کے لیے تم شہر میں مائیکروبگ پھیلانے والے تھے۔ رات دھن راج نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں بگز کے لیے آج صبح گیارہ بجے اسے ضرور فون کروں لیکن صبح وہ غائب تھا۔ مجھے ساری پریشانی اسی بات کی تھی۔"

"مائیکرو بگز کو فی الحال بھول جاؤ۔ وہ میرے پاس موجود ہیں لیکن سسٹم کے بغیر وہ بے کار سنگریزے ثابت ہوں گے۔ ان کا اینالائزر سسٹم اوبی کے پاس ہے۔ وہی واپس آکر اسے چلائے گا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم ایک موبائل فون کیوں نہیں لے لیتے؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "میں ویسے ہی یہاں دن رات کی نوکری پر ہوں۔ ویرانے سے باہر نکلتا ہوں تو ذرا سی آزادی کا احساس ہوتا ہے۔ موبائل فون لے لیا تو کبھی کبھی میسر آنے والی یہ آزادی بھی ختم ہوجائے گی۔ میں اس کے بغیر ہی بھلا ہوں۔"

"پھر روز شام کو چھ بجے مجھ سے اسی نمبر پر بات کرلیا کرو" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کا جواب آیا۔ "میں نہ ہوا تب بھی خادمہ کے پاس میرا کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہوگا۔ حالات سازگار ہوتے ہی ہم پروگرام کو آگے بڑھا سکیں گے۔"

ابتدا میں اس نے بھی مجھے براہِ راست رابطے سے روکا ہوا تھا۔ حالات کے چنگل میں پھنس کر اس کی عقل خود ہی ٹھکانے پر آگئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دھن راج کے غائب ہو جانے کے سبب میں جلد ہی اس سے زیادہ قریب ہو سکوں گا۔

"میں فون کرتا رہوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں کانٹا لگائے شکار کا منتظر ہوں۔ جوں ہی مچھلی نے کانٹا نگلا' مجھے ہدایت اور وعدوں کے ایفا کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تم سنبھال لوگے نا؟"

"اوبی کی موجودگی میں مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسی نے تم کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد پوزیشن واضح نہیں ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ اب اوبی کی ایسی خفیہ ذمے داریاں کس نے سنبھالی ہیں۔ میں تم سے کوئی ہوائی وعدہ نہیں کروں گا۔"

"آزاد ڈینی تم لوگوں کے لیے خطرناک ہے' قید میں آیا ہوا ڈینی میرے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ میں اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ ایسی غلطی کی صورت میں نوکری کے ساتھ میری جان بھی ضایع ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کے بدلے فوراً انعامی رقم اور امریکی ویزے کی ضرورت ہوگی۔"

"تمہاری پوزیشن بھی نازک ہے" اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "جب تک ہتھیاروں والے اسکینڈل کی پوری صورت حال واضح نہیں ہو جاتی' میں محتاط رہنے پر مجبور ہوں۔ ایسا کرو کہ چند روز کے لیے اپنی بنسی سمیٹ لو.... اس دوران میں تم ایس ٹی ایف کے تمام ٹھکانوں اور نفری کے بارے میں معلومات جمع کر سکتے ہو۔ تمہاری تمام توجہ ایک طرف مرکوز رہے گی۔"

وہ الفاظ کی شطرنج تھی۔ اس کی کمزوری بھانپ کر میں دھیرے دھیرے شہ دے رہا تھا اور وہ مات سے بچنے کے لیے تیزی سے گھر گھاٹ بدلتا جا رہا تھا۔ اس کی وہ پسپائی میرے ارادوں کو مزید تقویت دے رہی تھی اور میں اسے پھانسنے کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں؟" میں نے بے ساختگی کی اداکاری کرتے ہوئے تیزی سے کہا "اب تک جو کچھ کیا ہے' اسے اپنے ذہن سے بالکل نکال دوں؟"

"یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ محض چند روز بعد ختم ہو جائے گی۔ جوں ہی میں نے خود کو کسی نادیدہ حصار سے آزاد محسوس کیا' میں معلومات جمع کر کے فیصلہ کر لوں گا۔"

"مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور میری محنت رائیگاں نہیں جائے گی" میں نے کہا۔

"تمہاری باتوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ تم میری نیت پر شبہ کر رہے ہو" اس کی آواز میں ہلکی سی ترشی عود کر آئی "ڈینی کے خلاف تم نے اب تک کیا' کیا ہے؟"

"میں نے اپنے طور پر اسے پکڑوانے کے لیے جو جتن کیے ہیں انہیں تو بھول ہی جاؤ۔ ایک بنیادی بات تمہارے سامنے ہے کہ میں نے اس کے فنگر پرنٹس مہیا کیے ہیں جو اس سے پہلے کسی کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھے۔ وہ کتنے ہی روپ بدل لے' اپنے فنگر پرنٹس نہیں بدل سکتا۔"

"اور ہم محض فنگر پرنٹس کے سہارے اسے لاکھوں کی بھیڑ میں سے ڈھونڈ کر پکڑ لیں گے تاکہ تم کو انعامی رقم دینے سے بچ سکیں" اس کی آواز استہزائیہ ہو گئی۔

"فنگر پرنٹس تو اس کے ڈینی ہونے کی تصدیق کریں گے" میں نے اس کے رعب میں آئے بغیر کہا "اس کو پکڑنے کے لیے اس کا خاکہ تمہارے پاس تیار ہے' آواز بھی محفوظ ہے۔ یہ باتیں تم نے خود ہی مجھے بتائی تھیں۔ سارا مواد یکجا ہونے کے بعد میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟"

"کرنل جمال! پلیز' ایسی اوچھی باتیں مت سوچو۔ ہماری مجبوریوں کا احساس کرو۔ میں کسی بدنیتی کی بنا پر تمہیں ڈینی کی تلاش سے نہیں روک رہا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہے۔ اوبی نے مائیکرو بگ سسٹم تمہاری مدد کے لیے منگوایا ہے۔ اندر کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر اس خونی بھیڑیے کو پکڑنا محال ہے۔ تم مطمئن رہو' میدان صاف ہوتے ہی تم کو گرین سگنل مل جائے گا۔"

"میری اور تمہاری پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنے وہ فرائض پورے کر رہے ہو جن کی تنخواہ لیتے ہو۔ میں اپنے فرائض سے روگردانی کر کے ڈینی کا پیچھا کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی میرے ذہن میں اندیشوں کی آگ بھڑکا سکتی ہے۔"

"میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں' تم اپنی جگہ درست ہو" اس نے نرمی سے کہا "موجودہ خراب حالات میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کا سلوک کرنا چاہیے۔"

"میں مسلسل افہام و تفہیم سے کام لے رہا ہوں۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ ایک ہوٹل سے غائب ہو گیا' دوسرا ملک سے نکل

گیا۔ تم سے رابطہ نہیں ہوا اور ہوا تو تم مجھے اس کام سے روک رہے ہو جس کے لیے میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ تم جان بوجھ کر مجھے ہر طرف سے کاٹ کر الگ تھلگ کر دینا چاہ رہے ہو" میں نے کہا۔

"میری وضاحت سے تمہارے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات دور ہو گئے ہوں گے" اس نے میری صاف گوئی کا برا مانے بغیر پوچھا۔

"میرا ذہن بڑی حد تک صاف ہو چکا ہے۔ اس وقت بھی تم سے بات نہ ہوتی تو میں گھبرا کر کوئی بڑا قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔"

"وہ بڑا قدم کیا ہو سکتا تھا؟" اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی" میں نے جواب دیا "وقت پڑنے پر ہی اس کا حل ذہن میں آتا ہے۔"

میری گفتگو کے دوران میں وہ چاروں ہمہ تن گوش بنے رہے تھے۔ میری طرف سے ادا کیے جانے والے فقروں سے انہوں نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو کسر رہی تھی وہ ان کے سوالات اور میرے جوابوں کے ذریعے پوری ہو گئی۔

"اگر میجر بخشی بھی ایسے سُرالاپ رہا ہے تو ان لوگوں کے حوصلے بالکل دم توڑ چکے ہیں" سلطان شاہ نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں" اول خان نے سختی سے اس کی رائے مسترد کر دی "میجر بخشی درست کہہ رہا ہے۔ یہ ان کی عارضی اور مصلحت آمیز پسپائی ہے۔ پچھلی مہم جوئیوں کے خوں ریز نتائج سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب وہ حالات سے سمجھوتا کر کے چل رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ اس بار انہوں نے یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے کی ہوئی تھی" میں نے اول خان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہی وجہ ہے کہ کل رات کے واقعے کے بعد انہوں نے آج بہت سرعت سے فیصلے کیے ہیں۔"

"پھر بھی یہ طے نہیں کر سکے کہ اوبرائن کے اختیارات کسے منتقل ہوں گے" ویرا نے ٹوکا۔

"شاید جیپ کے حادثے کی وجہ سے حالات نے ان کی توقع سے پہلے ہی خطرناک موڑ لے لیا ہے۔ یہ خلا جلد ہی پر کر لیا جائے گا" اول خان نے کہا "ڈینی کی زندہ یا مردہ گرفتاری کی مہم اوبرائن نے نہیں چلائی تھی۔ یہ امریکا کی سرکاری پالیسی ہے۔ اوبرائن سمیت کسی کے بھی آنے یا چلے جانے سے اس کے تسلسل میں فرق نہیں پڑے گا۔"

"پھر میجر بخشی نے ڈینی کو اس کی اپنی تلاش سے کیوں روکا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"میجر بخشی امریکی عملے کا آدمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوبرائن کے ساتھ مل کر دوسرے منصوبے پر کام کر رہا ہو۔ اوبرائن نے کرنل جمال دستی کو ذاتی طور پر اس کے سپرد کیا تھا۔ بخشی اس سے اجازت لیے بغیر کرنل کو کسی اور کے حوالے نہیں کرے گا۔"

"یعنی اوبرائن ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر پر سجانے کی کوشش کر رہا ہے؟" سلطان شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا "یہ سرکاری پالیسی سے انحراف نہیں ہے؟"

"اوبرائن انا پرست ہے" میں نے اسے بتایا "اس کے سر پر میرا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آئے ہوئے ایک کار آمد مخبر کو دوسروں کے حوالے کیوں کرے گا؟"

غزالہ خاموشی سے وہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میری وضاحت پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے کرنل جمال دستی بن کر اپنا دہرا کردار خوب نبھایا ہوا ہے۔ میجر بخشی کو ابھی تک آپ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔"

"یہ دہرا کردار زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا" اول خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا "اوبرائن پہلے ہی یہ شبہ ظاہر کر چکا ہے کہ کرنل جمال دستی کے رابطے میں آنے والا ہر شخص مصائب یا موت کا نشانہ کیوں بن جاتا ہے۔ وہ دھن راج والے قصے کو بھی اسی رنگ میں دیکھے گا۔"

"پھر وہ دونوں مجھ پر اعتماد کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"واقعہ تازہ ہے۔ ابھی وہ خود کو بچانے کی فکر میں ہیں۔ اوبرائن کو یہ خیال کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ وہ نئی دہلی سے میجر بخشی سے رابطہ کرے گا اور پہیہ الٹا چل پڑے گا۔"

"پہیہ الٹا چل پڑے گا" سلطان شاہ نے وہ فقرہ دہرایا "یعنی ہمارے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی؟"

"ہم سب سے زیادہ مخدوش پوزیشن ڈینی کی ہے۔ باہمی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر وہ کسی بھی وقت ڈینی یعنی کرنل جمال دستی پر کوئی مہلک وار کر سکتا ہے۔"

میرے لیے اول خان کے وہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ میں نے میجر بخشی کو اپنے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ بتا کر اس کے دماغ میں شک کا پہلا بیج بو دیا تھا۔ اوبرائن کی منطق سے سہارا پا کر وہ بیج تناور درخت کا روپ دھار سکتا تھا۔ ایسی صورت میں میجر بخشی مجھے قید کر کے تشدد کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔

"تمہارے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کہ اسے ہوش آئے، ہمیں اسی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر میجر بخشی کو اغوا کر لینا چاہیے" میں نے کہا۔

"واہ!" سلطان شاہ نے میز پر ہاتھ مار کر میری تائید کی "بڑی نادر تجویز ہے۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔"

ایسی کارروائی میں بس ایک ہی خطرہ پوشیدہ تھا۔ میجر بخشی کی

قیمت ادا کر کے انہیں یہ یقین ہو جاتا کہ کرنل جمال دستی ان کے حریف ڈینی ہی کا ایک خطرناک روپ تھا۔

میں نے گلاس کے ذریعے جو فنگر پرنٹس اوبرائن تک پہنچائے تھے وہ گمراہ کن قرار دے کر مسترد کر دیے جاتے اور کرنل جمال دستی کے روپ میں لیے ہوئے میرے اصل فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ کا حصہ بن جاتے۔ یوں میری ایک ناقابلِ تردید شناخت ان کی تحویل میں چلی جاتی۔

وہ خاصا بھیانک خطرہ تھا مگر میں اسے زبان پر نہیں لایا۔ وہ مسئلہ اٹھایا جاتا تو میرے تحفظ کی خاطر میجر بخشی کے اغوا کا معاملہ التوا میں پڑ جاتا۔

میرے لیے وہ تاخیر بھی اسی قدر خطرناک تھی۔ میجر بخشی اور اوبرائن کو سوچنے اور آپس میں مشورہ کرنے کی مہلت مل جاتی تو میری بے خبری میں بخشی مجھے یرغمال بنا سکتا تھا۔

اول خان نے ایک خطرناک امکان کی بروقت نشاندہی کی تھی اور وہ امکان غزالہ کے ایک توصیفی فقرے سے ابھر کر یکایک سامنے آیا تھا۔

"میجر بخشی کے خلاف قدم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے" ویرا کہہ رہی تھی "ویسے بھی اب صرف وہی میدان میں باقی رہ گیا ہے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے غزالہ سے پوچھا "یہ مسئلہ تم ہی نے کھڑا کیا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو چکی تھی۔ دوسروں کی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میں بھی سب کے ساتھ ہوں لیکن یہ دیکھ لیں کہ آپ کو گزند نہ پہنچے۔ بازو کے زخم کے کچھ اثرات اب بھی باقی ہیں۔"

"کل شام اس سے بات ہو گی تو میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھ سے کہیں ملنے پر آمادہ ہو جائے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اسے کل ہی یہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

چند ثانیوں کے لیے اول خان کے دفتر میں سکوت چھا گیا۔ کسی کو میری طرف سے ایسے عاجلانہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ میری صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اتنی عجلت مت کرو" اول خان نے ناصحانہ لہجے میں سکوت کو توڑا "کل تک سوچ لیتے ہیں۔ طے ہو گیا تو یہ قدم پرسوں اٹھا لیا جائے گا۔"

"اب سے کل تک ہمارے پاس بائیس گھنٹے کی مہلت موجود ہے۔ کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو اس پر مشورہ کر لیں گے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اب تک اس خطرناک پہلو پر کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔"

"شاید خطرے کی اچانک نشان دہی کی وجہ سے تم ہیجان کا شکار ہو گئے ہو" اس نے کہا۔

بجٹ

شوہر اور بیوی کا بجٹ الگ الگ تھا۔ یعنی بیوی کے استعمال میں آنے والی چیزوں کا خرچہ بیوی کے کھاتے میں اور شوہر کے استعمال والی چیزوں کا شوہر کے کھاتے میں۔

بیوی نے لپ اسٹک خریدی مگر آدھا خرچہ شوہر کے کھاتے میں لکھا۔ شوہر نے کھاتا دیکھ کر احتجاج کیا "لپ اسٹک خالصتاً تمہارے استعمال کی چیز ہے۔ آدھا خرچہ میرے ذمے کیوں...؟"

بیوی نے کہا "ٹھیک ہے، لپ اسٹک لگاتی میں ہوں مگر آدھی تمہارے منہ میں بھی تو جاتی ہے۔"

عبدالہادی ظہیر الحق کی کرم فرمائی مردان سے

"تم جانتے ہو کہ میں بدترین حالات میں بھی پرسکون رہ کر فیصلے کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ میرے اور میجر بخشی کے درمیان اعتماد ہی واحد ہتھیار ہے، جس سے ہم ایک دوسرے کو آسانی سے ذبح کر سکتے ہیں۔ میں نے موقع گنوا دیا اور میجر بخشی نے اس ہتھیار کے استعمال میں پہل کر دی تو میں بے دست و پا ہو کر رہ جاؤں گا۔ وہ ایس ایس پی کا آدمی ہے۔ میرے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی اور روہانسی آواز میں بولی "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ جو فیصلہ ہو گا، وہ مجھے بھی منظور ہو گا۔"

سلطان شاہ اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے کے زینے اترتی چلی گئی۔

"دیکھا تم نے!" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا "عورت کا دل اتنا چھوٹا ہوتا ہے.... تمہیں اس کے سامنے ایسی بھیانک منظر کشی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تمہارے چنگل میں آ گیا تو تم اس کے ساتھ کون سی رعایت برتو گے؟"

"انگلینڈ میں چھوٹے دل والی اسی عورت نے تمہارے آدمیوں کو تگنی کا ناچ نچا دیا تھا" میں نے ویرا کو ماضی کے واقعات یاد دلاتے ہوئے کہا "عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ بس محبت اس میں ذرا گداز پیدا کر دیتی ہے۔"

ان فقروں میں ویرا کے لیے ایک چوٹ بھی پنہاں تھی۔ دوسروں کی موجودگی کی وجہ سے وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکی، بس گھور کر رہ گئی۔

سلطان شاہ غزالہ کے پیچھے ایسا گیا کہ دیر تک واپس نہیں آیا تو اول خان نے ویرا کو بھی اسی طرف بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک عورت ہی کسی جذباتی عورت کو بہتر انداز میں دلاسہ دے سکتی ہے۔

اتفاق سے میسر آجانے والے اس تخلیے کو نعمت سمجھتے ہوئے میں نے اول خان سے نئی مہم کے خدوخال پر اہم تبادلہ خیال شروع کردیا۔

ہم دونوں کافی تاخیر سے دفتر سے نکلے۔ اپنے رہائشی کمروں کی طرف پہنچنے پر یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کی وجہ سے غزالہ جذباتی صدمے کے اثرات سے بڑی حد تک نجات حاصل کرچکی تھی۔ بس اس کے چہرے پر تشویش کے سائے سے لہرا رہے تھے۔ میرے ارادوں کے پیش نظر کچھ نہ کچھ فکرمند ہونا اس کا حق تھا۔

کھانے اور میدان میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کے دوران میں مجھے اس کو مزید سمجھانے کا موقع مل گیا۔ وہ متعدد خوں ریز معرکوں میں میرے شانہ بہ شانہ شریک رہی تھی۔ اس روز ذرا سی بات پر اس کا دل بھر آنے پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔

میرے بار بار کے استفسار پر بھی غزالہ مجھے کوئی معقول جواب نہیں دے سکی۔ شرمسار سی ہنسی کے ساتھ کبھی میرے بائیں بازو کے تیزی سے مندمل ہوتے ہوئے زخم کا حوالہ دیتی اور کبھی خوں ریزی سے اپنے بڑھتے ہوئے خوف کا ذکر کرتی رہی۔

اس رات وہ خوش تھی کہ اس بہانے اسے میرے ساتھ کچھ دیر تنہائی میں ٹہلنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں اس پر پوری توجہ دے رہا تھا لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا بھی چھپی بیٹھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوبارہ اندھیرے کمرے میں چھپ کر حسرت سے ہماری نگرانی نہ کررہی ہو۔ ہم میدان کا چکر لگا کر واپس لوٹے تو ویرا خوشگوار موڈ میں سلطان شاہ کے ساتھ رمی کھیل رہی تھی۔ اس رات مے نوشی کا موقع نہ ملنے کے سبب وہ بالکل نارمل تھی۔

رات میں نے گہری نیند سو کر پچھلے روز کا حساب برابر کرلیا۔ یہ بات میں پہلے بھی نوٹ کرچکا تھا کہ اسٹیشن فور کے میدانی کمروں میں دریچوں اور کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آنے والی سورج کی تیز روشنی کے باعث وہاں دیر تک سوتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے بھی وہاں رہنے والے سحر خیزی کے عادی تھے مگر میں اس روز دیر تک سویا تھا۔

اول خان حسب دستور غائب تھا۔ سلطان شاہ میری نیند میں خلل انداز ہونے کے بجائے ویرا اور غزالہ کے ساتھ جا بیٹھا تھا۔ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر میں بھی ان کی محفل میں شریک ہوگیا۔ ان کے درمیان تازہ خبروں پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا۔

ناشتے کے دوران میں، میں نے بھی اہم خبریں پڑھ ڈالیں۔ شہر میں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کی ترسیل کے حوالے سے بھیشم داس کے اقبالی بیان اور تصاویر کو خصوصی اہمیت دی گئی تھی۔ سرخیوں میں دھن راج کے نام کے ساتھ اوبرائن کے بجائے ایک غیر ملکی سفارتی افسر کے ملوث ہونے کا ذکر موجود تھا۔ وہ تبدیلی شاید بعد میں کسی زیرک افسر کے ایما پر کی گئی تھی مگر میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اوبرائن کے نام کے ساتھ جاری ہونے والا ابتدائی متن متعلقہ لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ امریکی سفارت خانے کے بروقت احتجاج کی وجہ سے اعلامیے کے اصل متن میں سے اوبرائن کا نام حذف کرکے متبادل الفاظ شامل کردیے گئے ہوں۔

بھیشم کے ذریعے پس پردہ کرداروں کے سامنے آجانے سے سب سے زیادہ نقصان دھن راج کے خاندان کو پہنچا تھا۔ کئی اخباروں نے عمرکوٹ میں اس خاندان کے اعزاز و اعتبار کے تعریفی حوالوں کے ساتھ دھن راج کو اپنے گھرانے کے لیے کلنک کا ٹیکا قرار دیا تھا۔

گپ شپ کے دوران میں منتظر رہا کہ ان میں سے کوئی میجر بخشی کے مجوزہ اغوا کا ذکر چھیڑے لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تو میں نے فرض کرلیا کہ اول خان میرے بیدار ہونے سے پہلے انہیں اس بارے میں بریفنگ دے چکا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ مجھے بہت شدت سے اس شام کا انتظار تھا جو میجر بخشی کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والی تھی۔ اس سے گفتگو کا خاکہ دھیرے دھیرے میرے ذہن میں ترتیب پا رہا تھا۔

سورج کے نصف النّہار پر پہنچنے سے پہلے ویرا نے کچھ خریداری کے لیے چھاؤنی کے ایک قریبی بازار کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سلطان شاہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ غزالہ متذبذب تھی۔ میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گئی۔

مجھے ڈر تھا کہ میرے ساتھ تنہائی میسر آتے ہی غزالہ پر جذباتی ابال طاری ہوجائے گا اور میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔ رات کی چہل قدمی میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والا گہرا سکون صبح کے اجالے میں ایک مرتبہ پھر مفقود ہوچکا تھا۔

اول خان اس روز شاید اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ دوپہر کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوکر وہ دوبارہ واپس چلا گیا۔

پانچ بجے ہم سب چائے نوشی کے لیے ایک مرتبہ پھر یک جا ہوچکے تھے۔

"سنا ہے کہ تم میجر بخشی کو اٹھانے پر تل گئے ہو۔" پہاڑ جیسا دن گزر جانے کے بعد ویرا نے اس وقت پہلی بار اس بارے میں زبان کھولی۔

"میں اس کا سبب کل ہی بتا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔"

"فرض کرو کہ وہ تم سے ملاقات پر آمادہ نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"صبر اور مناسب ساعتوں کے انتظار کے سوا کیا کیا جا سکے گا؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت یہ ذکر مت کرو۔" اول خان نے انہیں ٹوک دیا۔ "ڈینی کو یکسوئی کے ساتھ اپنا ذہن بنانے دو۔ اس کی کامیابی اور ناکامی کا بیشتر انحصار چھ بجے والی گفتگو پر ہی ہو گا۔"

ویرا سر جھٹک کر زیر لب کچھ بڑبڑائی۔ الفاظ میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکے مگر غزالہ کی خفیف سی مسکراہٹ سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس نے اول خان کی ہدایت پر کوئی نامناسب تبصرہ کیا تھا۔

چھ بجے سب اول خان کے دفتر میں موجود تھے۔ میں نے نمبر ملایا اور دوسری طرف سے میجر بخشی نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تم نے آج کے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی۔ "ان میں دل کھول کر سرخیاں لگائی گئی ہیں۔"

"یہ پرانی خبریں ہیں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک تازہ اور اچھی خبر موجود ہے۔" اس نے اپنے معمول سے ہٹ کر ایک نامکمل فقرہ کہا۔

میں خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم خاموش ہو۔ اس اطلاع سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"اچھی اور بری خبریں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ میں منتظر تھا کہ تم تمہید کے بعد خبر بھی سنا ڈالو گے۔ مگر آج تم کچھ لمبی گفتگو کے موڈ میں نظر آرہے ہو۔"

"معاملات صاف ہو گئے ہیں۔ کانٹا لگا دو..... اور ہاں! اگر تم تھوڑی دیر بعد کہیں مل سکو تو یہ گفتگو بہت مختصر بھی ہو سکتی ہے۔"

ستاروں کی یاوری پر میں حیران رہ گیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اس کی زبان پر آگیا تھا۔ میرے لیے اس سے بہتر موقع نہیں آسکتا تھا۔ میں نے بے پروائی سے پوچھا۔ "کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟"

"وہیں پرانی جگہ پر۔ سات بجے تک کلب کے لان پر مل سکتے ہو؟"

"خالی ٹیکسی مل گئی تو شاید چند منٹ پہلے ہی پہنچ جاؤں۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا۔ "ذرا سی تاخیر ہو جائے تو انتظار کر لینا۔"

"آج کی ملاقات بہت اہم اور ضروری ہے۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

فون نمبر

"بھائی، کبھی فون ہی نہیں کیا، کیا وجہ ہے؟"

"یار، میرے پاس آپ کا فون نمبر ہی نہیں ہے....."

"اچھا تو لکھو میرا فون نمبر ساڑھے تین سو پونے چار سو..."

"کیا....؟ یہ کون سا نمبر ہے؟"

"او یار..... 350375 بالکل آسان نمبر ہے....."

"اچھا جی۔"

مردان سے عبدالہادی ظہیر الحق کی شوخی

"ایجنڈا کیا ہو گا؟" میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آج کوئی متنازعہ بات نہیں ہو گی۔ مائیکرو بگز وغیرہ کے معاملات ہیں۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "چاہو تو آکر ٹیکسی کو رخصت کر دینا۔ واپسی پر میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔"

"شکریہ میجر! تمہاری یہ مہربانی مجھے مہنگی پڑ سکتی ہے۔ میں تمہاری گاڑی میں یا تمہارے ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا اور میری واپسی کی منزل تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کتنی حساس ہے۔ ہر شخص چونک پڑے گا کہ ٹیکسیوں میں پھرنے والا کرنل جمال دستی آج کس کی گاڑی میں شہر سے واپس آیا ہے۔ بلاوجہ کہانیاں بن جائیں گی۔"

"تم بہت محتاط اور ذمے دار آدمی ہو کرنل!" اس کی ستائشی آواز ابھری۔ "میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ دو چار ڈرنکس لے کر کھانا کھاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"اوہ! آئی ایم سوری کرنل۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔ "آؤ گے تو بات ہو گی۔"

اس بار میجر بخشی نے مجھے کوئی سوال کرنے کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا۔

"ہائیں..... وہ خود تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔ "اب اس کے

دن واقعی پورے ہو گئے ہیں۔"

"دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔ "پہلے پوری بات سن لو۔"

اس سے ہونے والی مختصر سی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا بولی۔ "سلطان شاہ کو آنکھیں کیوں دکھا رہے تھے۔ وہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے کہ مچھلی خود کانٹا نگلنے کے لیے بے چین ہے۔"

"آج کی گفتگو میں آپ نے اس کی ہلکی سی غیر معمولی ہنسی کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا معلوم ہو رہا ہے۔" غزالہ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ آج کی گفتگو کی بعض باتیں معمول سے ہٹی ہوئی ہیں۔ کھانے، پینے اور گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش..... مگر یہ اس کی خوشی کے باعث بھی ہو سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ تمہیں کلب جیسی بارونق جگہ پر ہرگز نہ بلاتا' کسی ویرانے کو ترجیح دیتا۔"

"کوئی کام توقع کے خلاف آسان ہو جائے تو اس میں اسی طرح کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔" ویرا نے برا سا منہ بنا کر تنقید کی۔

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد وہ یہاں اکیلا رہ گیا تھا اور پریشان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن سے بات ہو جانے کے بعد اس کے ذہن سے سارا بوجھ اتر گیا ہو۔" سلطان شاہ نے بھی ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے۔"

"سب کی باتیں سن رہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے کہا۔ "تم خود کیوں نہیں بولتے۔"

"اس سے براہ راست آپ کی گفتگو ہوتی رہی ہے۔" غزالہ بولی۔ "ہم اس کی باتیں آپ کی زبانی سنتے ہیں۔ اس کے اصل لب و لہجے سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فون پر وہ حاکمانہ لہجے میں صرف مطلب کی بات کرتا ہے مگر آج اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے پھسلا کر آج کی ملاقات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"اسے ظاہری طور پر تمہارے اوپر برتری ہے۔ وہ تمہیں کلب کے بجائے کہیں اور بھی بلا سکتا تھا۔ وہ جگہ کسی بھی ناخوش گوار کارروائی کے لیے بہت ناموزوں ہے۔"

"سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا یا پھر مفاہمانہ انداز میں اٹھا لے جانے کا فیصلہ کئے بیٹھا ہے۔ یہ باتیں اس سے ملنے کے بعد ہی واضح ہو سکیں گی۔"

"میرے لیے یہ اتفاق تو قابل قبول نہیں ہے کہ یہاں ڈیئی اسے اغوا کرنے کا مصمم ارادہ کئے بیٹھا ہے اور وہاں وہ ڈیئی کے خلاف ایسا ہی منصوبہ بنا رہا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔

"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ایک سرے پر وہ قابض ہے اور دوسرا میرے پاس ہے۔ ہمارے کارڈز ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ اگر اسے مجھ پر کوئی شبہ ہو چکا ہے تو اسے بھی اسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے تھا جو میں اس کے خلاف کئے بیٹھا ہوں۔"

اول خان مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہیں اس کے ارادوں پر شبہ ہو گیا تھا تو تمہیں اس سے مزید وقت لے لینا چاہیے تھا۔ تم جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر وقت برباد مت کرو۔ تمہیں نئے چیلنج کے مقابلے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

"تم سب اس کی طرف سے بدگمان ہو چکے ہو تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ یہ ملاقات آج کے بجائے کل پر ٹال دو۔" ویرا نے پہلی بار پوری سنجیدگی سے وہ رائے دی۔ "یہ سیدھا سیدھا کٹ تھروٹ گیم ہے۔ تم سے کہیں بھی ذرا سی چوک ہو گئی تو وہ بے رحمی سے تمہارے اوپر غالب آ جائے گا۔ تیاری اور بھرپور تیاری کے بغیر ذرا سی دیر کے نوٹس پر اس کا سامنا کر کے تم غلطی کرو گے۔"

میرے ہونٹوں پر ہلکی سی بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں اس سے کہا۔ "تم کو علم ہے کہ میں آج کل دو کشتیوں کا سوار ہوں۔ یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آخر کار مجھے کس کشتی میں رہ کر سفر کرنا ہے۔"

وہ میری نجی زندگی پر ویرا کے دباؤ کا ذو معنی اشارہ تھا۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری کشتی ایک ہے اور تم....."

"ڈیئی!" اول خان نے تلملائی ہوئی آواز میں ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ تیاری کرو اور تم وقت برباد کیے جا رہے ہو۔ یہ وقت تشبیہات اور استعاروں کے استعمال کا نہیں' عمل کا ہے۔ تم حالات کی سنگینی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دس بجے تک بھی میرا انتظار کرتا رہے گا۔ تم فکر مت کرو۔ میں احتیاطی تدابیر اختیار کئے بغیر یہاں سے قدم باہر نہیں نکالوں گا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" یہ کہہ کر اول خان تیزی سے اپنے دفتر سے نکل گیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ ان تینوں میں سے کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آ رہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلو ہابیبہ کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگا لیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہِ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیشِ نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسمیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیپرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کر دیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کر لیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کر لیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہو چکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنگین انکار پوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کر دیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیپرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو مکرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کر دیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ذی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ذینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھمن راج کے سپرد کر دیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر روا روی میں دی گئی اس دعوت کے پسِ پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھمن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ بھیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ بھیشم داس اگرچہ صرف دھمن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کر دیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھمن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی اس بار اس کے تیور جدا تھے۔ میرے ساتھیوں کے مطابق بھرپور تیاری کے بغیر میجر سے میری ملاقات میری زندگی کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی۔ اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آرہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اسٹیشن فور پر ہم چاروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی، ہم جہاں چاہتے، جا سکتے تھے لیکن دوسروں کا تو خیر ذکر ہی کیا، میں خود بھی ایس ٹی ایف والوں کے اس عارضی پڑاؤ کو ایک میدان میں بنی ہوئی چند بیرکوں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لے دے کر بس ان کا ریڈیو کنٹرول روم ہی ان کا اہم ترین مواصلاتی شعبہ تھا جہاں ان کے شہر بھر میں پھیلے ہوئے کارندوں کی باہمی گفتگو اور خفیہ پیغامات کو مانیٹر کر کے تازہ ترین اندازے قائم کیے جاتے تھے۔ ایک بیرک کے اس وسیع کمرے میں وہ طاقت ور لاسلکی ٹرانسمیٹر اور ریسیور تھا جس کے ذریعے ایس ٹی ایف کے دوسرے اسٹیشنوں سے رابطہ استوار رہتا تھا۔

وہ مواصلاتی کمرا میرا دیکھا ہوا تھا۔ مجھے کبھی گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ان بیرکوں میں کوئی کمرا ریڈیو کنٹرول روم سے زیادہ اہم بھی ہوگا۔

اس شام اول خان نے میری نئی مہم کے سلسلے میں جن کمروں کی سیر کرائی وہ میرے لیے عجوبوں سے کم نہیں تھے۔ وہاں بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو ہنگامی صورتِ حال میں بہت زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں۔

ملیر چھاؤنی کے اس دور افتادہ علاقے کی متروکہ بیرکوں میں مقیم ایس ٹی ایف کے صف شکنوں کو دیکھ کر بار بار میرے ذہن میں وہ مصرع گونجتا تھا جس میں سپاہی کے لیے مومن ہونے کی یہ خوبی بیان

کی گئی ہے کہ وقت پڑنے پر اسے کچھ میسر نہ ہو تو وہ بے تیغ بھی لڑتا ہے۔ ان کمروں کو دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ایس ٹی ایف والے اس وقت بھی ایسے بے سروسامان نہیں ہے۔ ان کی زنبیل میں سیکڑوں ایسے شعبدے موجود تھے جو حریف کو متحیر کرسکتے تھے۔

مجھے میجر بخشی سے بات کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چھ کے بعد تیزی کے ساتھ سات بجنے کا اعلان کرنے والے نکتوں کی طرف سفر کررہی تھیں۔ اول خان مضطرب ہوا جارہا تھا مگر میں اس کے آدمیوں کے مشورے سے اپنے لیے کام کی چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھا۔

"تم بہت وقت لے رہے ہو۔ سات بجے ہرگز وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"میں بس چند منٹ لوں گا۔ تم اس دوران میں دوسروں کو بریفنگ دے کر میرے لیے ٹیکسی منگواؤ۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ قدرے برہمی کے انداز میں وہاں سے نکل گیا۔ وقت کے ضیاع کے سلسلے میں اختلاف کے باوجود وہ میرے مشورے کی افادیت سے انکار نہیں کرسکا تھا۔

وہ اپنا کام کرنے نکل گیا تھا اور میں تیزی سے اپنے کام نمٹا رہا تھا۔

وقت اور کاموں کی وہ تقسیم کارگر رہی۔ میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو اول خان میری روانگی کا بندوبست مکمل کرچکا تھا۔

کلب میں اہم ترین دفاعی پوزیشن سنبھالنے والی ہراول پارٹی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوچکی تھی، مجھے لے جانے والی فرسودہ ٹیکسی میں ایس ٹی ایف کا ایک تجربے کار اہل کار ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

ٹیکسی کے پیچھے ایس ٹی ایف کی سرکاری، نیم سرکاری یا شاید غیر سرکاری جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور سمیت چھ مسلح افراد سوار تھے۔

"اتنی تیاریاں کس معرکے کے لیے کی جارہی ہیں؟" میں نے دفاتر سے باہر آنے کے بعد قدرے استہزائیہ انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"وہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں ہے، تم اس کے فراق میں ہو۔ کچھ نہ کچھ تیاریاں تو ہونی ہی تھیں۔ وہ آسانی سے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"تم نے ان لوگوں کو ان کا رول سمجھا دیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی بھی ضرورت پیش آنے سے پہلے تمہارے اور بخشی کے درمیان کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

وقت کی کمی کے باعث وہیں سے میری روانگی کی اطلاع پاکر غزالہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت وہیں آگئی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"میری بات مانو تو اکیلے نہ جاؤ۔" ویرا نے آخری لمحات پر اصرار کیا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تم آسانی سے مجھے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کرا سکتے ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "اگر اسے میرے اوپر شبہ ہوچکا ہے تو سفید فام گرل فرینڈ اسے مزید شبہات میں ڈال دے گی۔ فی الحال تمہارا پردے میں رہنا ہی مناسب رہے گا۔"

"میں روپوشی اور پردے کی زندگی سے اب بے زار ہوچکی ہوں۔"

"مشرق میں عورت صدیوں سے اس مسئلے کا شکار ہے۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی اس کی بات اچک لی "یہ امر صرف مرد ہی جانتے ہیں کہ عورتوں کی بے پردگی کیسی کیسی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ تم کو گھر میں محدود رہنا چاہیے۔"

"ہر بات میں اپنی ٹانگ مت اڑایا کرو۔" ویرا بھنّا کر بولی۔ "غصہ آگیا تو میں کسی وقت تمہارا منہ توڑ کے رکھ دوں گی۔"

"ذرا احتیاط سے رکھنا۔ کہیں آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

میرے پاس ان خرافات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا، میں ان سب کی طرف ہاتھ لہرا کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔

"تمہارے ہاتھ میں یہ انگوٹھی کیسی ہے؟" ٹیکسی میں بیٹھتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تحیرزدہ آواز آئی "کس نے دی ہے؟"

"نئی منگنی کی نشانی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

اس وقت میری رسٹ واچ میں سات بجنے والے تھے۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور کو بھی وقت کی اہمیت کا اندازہ تھا کیونکہ سڑک پر آتے ہی اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔

میں کلب کے پورچ میں ٹیکسی سے اترا تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ میرے ذہن پر میجر بخشی سے طے شدہ ملاقات کے بارے میں ہلکا سا تناؤ طاری تھا۔ وہ میرے عزائم سے باخبر تھا نہ اس نے مجھے اپنے ارادوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو کچھ بھی سامنے آیا تھا وہ میری قیاس آرائیوں کا نتیجہ تھا اور غالب امکان یہی تھا کہ میری اور بخشی کی ملاقات خاصی ناخوش گوار ثابت ہوسکتی تھی۔ میری دانست میں وہ میرے اغوا کا منصوبہ لیے بیٹھا تھا اور میں اسے گھیر گھار کر اپنے ساتھ لے جانے کا مصمم ارادہ لے کر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر جوں ہی لان کی طرف پلٹا تو میجر بخشی مجھے نظر آگیا۔ وہ لان کے نیم روشن گوشے میں اپنی مخصوص میز پر موجود تھا۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ میز پر ایک خوب صورت اور جوان عورت اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھے دیکھ کر میجر بخشی نے اپنی جگہ سے ہاتھ لہرایا اور میں خفیف سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہولیا۔

میجر بخشی نے اپنی کرسی چھوڑ کر بہت تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی، لڑکی کو بھی اپنی کرسی چھوڑنی پڑی۔

نکھری ہوئی رنگت، دلکش خدوخال اور ترشے ہوئے بالوں والی وہ لڑکی مجموعی طور پر کشش انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ وہ چھریرے بدن کی مالک تھی، نہ اس پر مٹاپے کی تہمت لگائی جاسکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان وہ بس صحت مند اور بھرے بھرے جسم والی دراز قد لڑکی تھی جس نے مختصر سے بلاؤز کے ساتھ ہلکی گلابی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔

"یہ کرنل جمال دستی ہیں اور یہ موہنی پنڈت.... میری پرانی دوست!" میجر بخشی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا تعارف کرایا۔ موہنی نے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اپنا گداز ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

خواتین سے مصافحے کا یہ عالمی اصول ہے کہ ان کے ساتھ بے جا گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر سب کچھ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرف سے جتنا دباؤ کا اظہار ہو، جواب میں اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

موہنی سے تعارفی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اسی اصول پر عمل کرنا چاہا تھا لیکن اس نے میرے ہاتھ کو اپنی گداز ہتھیلی میں لے کر مخروطی انگلیوں سے یوں دبایا کہ میں چونک پڑا۔ اگر میں نے اپنی ہتھیلی کو فوراً ہی سخت نہ کرلیا ہوتا تو موہنی میرے ہاتھ کو بری طرح دبا چکی ہوتی۔

جارحیت کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی، میں نے شائستگی کی حد میں رہتے ہوئے اسے اپنی مردانہ گرفت کا احساس دلایا تو اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میجر بخشی نے ہم دونوں کے چہروں سے صورتِ حال کا اندازہ لگالیا اور مسکراتے ہوئے بولا "موہنی کو میں نے خاص طور پر تم سے ملوانے کے لیے بلایا ہے۔ آج کل یہ شہر کی سب سے کامیاب ماڈل گرل ہے۔ ہر فیشن شو اور قابلِ ذکر اشتہار میں نمایاں نظر آتی ہے۔"

"مجھے تو اس وقت ماڈلنگ کے بجائے مارشل آرٹ کا تجربہ ہوا ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ تبصرہ کیا "ذرا سی چوک ہوتی تو کوئی جوڑ کھسک چکا ہوتا۔"

بخشی نے تحیرزدہ، مستفسرانہ نظروں سے موہنی کی طرف دیکھا اور وہ مترنم ہنسی کے ساتھ وضاحت کرنے لگی "پتاجی کا نیا شوق ہے۔ پچھلے ہفتے سے میں کراٹے سیکھ رہی ہوں۔"

بخشی نے استفہامیہ انداز میں اپنا سر ہلایا اور معنی خیز لہجے میں بولا "کہیں وہ کورین لڑکی تو تمہاری ٹریننگ نہیں کرا رہی؟"

"وہی ہے۔" موہنی نے اقرار کیا "میری ٹریننگ کے بہانے اسے گھر میں کافی وقت گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پتاجی خوش رہتے ہیں۔"

"پنڈت خاصا مظلوم آدمی ہے۔" میری لاتعلقی کا احساس ہوتے ہی میجر بخشی مجھ سے مخاطب ہو کر بتانے لگا "دس برس پہلے اس کی بیوی مرگئی تھی۔ اس نے موہنی کو باپ کے ساتھ ماں کا پیار بھی دیا ہے۔ اب اگر اس نے دل بہلانے کے لیے کسی کو رکھ لیا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔"

"خوب!" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری اس میٹنگ کا ایجنڈا موہنی اور اس کے گھریلو حالات کے گرد ہی گھومتا رہے گا۔"

"موہنی اجنبی نہیں ہے۔ یہ ہم میں سے ہے اور بہت کچھ جانتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے اٹھ کر اسی کے گھر جائیں گے۔"

موہنی کے گھر جانے کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہو گئے مگر میں نے میجر بخشی کے الفاظ کو زیادہ اہمیت دیے بغیر سرسری انداز میں کہا "اگر موہنی کے باپ کو اعتراض نہ ہوا تو اس کے گھر پر تمہارا وقت بہت اچھا گزرے گا۔ ہم اپنے مذاکرات کل کے لیے ملتوی کرسکتے ہیں۔"

وہ دونوں پہلے سے اسکاچ سے شغل کر رہے تھے۔ بخشی نے مجھ سے بھی اصرار کیا کہ میں الکحل ملا ہوا کوئی مشروب لوں مگر میں نے سختی سے انکار کردیا۔ میرے ذہن پر یہ جھلاہٹ بھی طاری تھی کہ اس نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر ادھورا چھوڑ کر پینے پلانے کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔

وہ میرے لیے ویٹر کو اسکواش لانے کی ہدایت دے کر فارغ ہوا تو میں نے چڑچڑے انداز میں دوبارہ کہا "اگر آج تم موہنی کے خانگی مسائل میں اتنے الجھے ہوئے تھے تو مجھے اتنی لمبی دوڑ لگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم نے فون پر اس ملاقات کی اہمیت پر زور کیوں دیا تھا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میز پر آگے جھک کر نرمی سے کہا "موہنی پنڈت میرے لیے نئی نہیں ہے۔ اسے میں نے تم سے ملوانے کے لیے بلوایا ہے۔ یہ....!"

ہم دونوں کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرتے ہی وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ذرا واش روم تک جا رہی ہوں۔ دو منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ وہ واش روم چلی گئی۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میجر بخشی نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا "اس کی موجودگی میں، میں زیادہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ میری اور تمہاری ملاقات میں کوئی تیسرا آدمی موجود نہیں ہوگا۔"

"موہنی بہت کارآمد لڑکی ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "مال دار باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستیاں بڑھانے کی

شوقین ہے۔ آسانی سے اسے شیشے میں اتار لو گے۔"

"مجھے ان فضول باتوں میں الجھانے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس ملاقات کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خشک لہجے میں کہا"وہ لوٹ آئے گی تو بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"کام کی باتیں اس کے سامنے بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے سامنے میں کھل کر اس کی فراخ دلانہ خوبیوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر کیا تھا۔ اگر اس سے تمہاری گہری دوستی ہے تو میں اس سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

"میری اس سے اس قسم کی دوستی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، میں....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "پھر بھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ذاتی دلچسپیوں کو میں اپنی ذات تک محدود رکھنے کا قائل ہوں۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر غور سے میری طرف دیکھا پھر بتایا "موہنی کے گھر جانے والی بات کا مفہوم بھی تم نے غلط لیا ہے۔ میں اکیلا اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟" میں نے اپنے تجسس کو دبا کر سوال کیا۔

"مائیکرو بگز اس کے گھر پر ہیں۔ میرے فلیٹ کے مقابلے میں پنڈت کا گھر محفوظ اور بڑا ہے۔"

"وہ مائیکرو بگز ہیں۔ ذرا سی تھیلی میں سما سکتے ہوں گے۔ ان کے لیے ایک بڑے گھر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"وہ واقعی ایک کارٹن میں ہیں۔ تمہارے حصے کے بگ ایک تھیلی میں بھی آجائیں گے مگر اس قسم کے کاموں کے لیے بڑے گھر زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ باہر سے کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ فلیٹوں میں اتنی رازداری برقرار نہیں رہتی۔"

"کل تم نے کہا تھا کہ مائیکرو بگز تمہارے پاس ہیں۔ آج وہ پنڈت کے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس سے یہ مراد نہیں تھی کہ میں انہیں جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔"

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ اینالائزر سسٹم کے بغیر وہ ناکارہ سنگریزے ثابت ہوں گے۔"

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ دراصل آج اوبی سے فون پر میرا رابطہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے پوری صورت حال سمجھا دی ہے۔ اینالائزر اس کے دفتر میں موجود ہے۔ اس کا ایک ساتھی پوری مہارت کے ساتھ اسے چلا سکتا ہے۔"

موہنی پنڈت نے شاید پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہم دونوں کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کیا تھا۔ مقررہ وقت گزار کر وہ دوبارہ میز پر آگئی۔ اس نے آتے ہی اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ اپنے معدے میں انڈیل کر گلاس خالی کر دیا۔

"سب کچھ طے تھا تو تم بگز یہاں بھی میرے حوالے کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہ چنے کے دانے نہیں ہیں جو پڑیا میں باندھ کر تمہیں دے دیے جائیں۔" میجر بخشی نے چیخ کر جواب دیا "وہ بہت نازک اور حساس آلات ہیں۔ میری وضاحت کے بغیر تم انہیں استعمال نہیں کر سکو گے۔ موہنی کے گھر پر میں آرام سے تمہیں سب کچھ سمجھا سکوں گا۔"

"نہیں میجر....." میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ موہنی کو بھیج کر مائیکرو بگز یہیں منگوالو۔"

بخشی کی آنکھوں میں سختی جھلکنے لگی "ایسا مت کہو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔"

"کیا بات ہے؟ کس مسئلے پر بحث ہو رہی ہے؟" موہنی پنڈت نے پوچھا۔

"کرنل جمال دستی تمہارے حسن و شباب سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے تمہارے گھر جانا بھی منظور نہیں ہے۔" میجر بخشی نے وہ الفاظ جس طرح چبا چبا کر ادا کیے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ میرے انکار کا کوئی نہ کوئی توڑ سوچ کر وہاں آیا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے کرنل۔" موہنی نے ایک ادا سے میری طرف دیکھ کر کہا "مجھے حیرت ہے کہ مجھ سے مل کر بھی تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکا۔ تم نہ گئے تو میرے گھر پر تمہاری ضیافت کا سارا اہتمام یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔"

"تمہارا لب و لہجہ کچھ بدلا بدلا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے موہنی کی بات سنی ان سنی کر کے سرد لہجے میں میجر بخشی سے کہا۔

"تلخی کی ابتدا تم نے کی ہے۔ تم کو میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"اوبرائن نے آخری گفتگو میں ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ تم میرے باس نہیں، صرف مشیر ہو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر ڈینی کو گھیرنے کی کوئی مناسب راہ نکالوں گا۔"

"تم جاؤ۔" میجر بخشی نے سختی سے موہنی کو حکم دیا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہوگئی اور وہ اپنا پرس اٹھا کر کچھ کہے سنے بغیر کرسی چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے پختہ روش کی طرف چل دی۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کرنل!" اس کے چلے جانے کے بعد بخشی نے نیچی مگر دھمکی آمیز آواز میں مجھ سے کہا "ایس ٹی ایف سے منحرف ہونے کا فیصلہ کرتے ہی تم نے اپنے سارے آپشن کھو دیے تھے۔ پہلے تم کو اوبرائن نے کٹھ پتلی بنایا پھر بلیکی کے ذریعے تمہاری ڈور دھن راج کو تھما دی۔ حالات کے تحت وہ روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا ہے اس لیے اب میں تمہارا باس ہوں۔"

"تمہیں یہ دعویٰ ہے تو یہی سہی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"ضد مت کرو۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں نکلے گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہارا یا موہنی کا ڈرائنگ روم نہیں، ایک باوقار کلب کا لان ہے۔ تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں سے کہیں نہیں لے جاسکتے۔"

"بائیں طرف دیکھو!" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔

"میری گردن غیر ارادی طور پر اسی طرف گھوم گئی۔ ہمارے برابر والی میز پر دو آدمی براجمان تھے جن کی نگاہیں ہماری طرف مرکوز تھیں۔

"یہ دونوں مسلح ہیں۔ میرے ذرا سے اشارے پر آئیں گے اور ہتھیاروں کی نال پر خاموشی سے ہم دونوں کو یہاں سے اٹھا لے جائیں گے۔ تم نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو وہ بے رحمی سے تمہیں گولی مار کر یہاں سے فرار ہوجائیں گے۔ کل کے اخباروں میں میرے ناکام اغوا کے دوران میں میرے ایک ملاقاتی کی موت کی خبر چھپے گی اور تمہاری کہانی ختم ہوجائے گی۔"

اس کا منصوبہ سن کر مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ نمودار ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس سے ملاقات کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مجھے پھانسنے کی پوری کوشش کرے گا اور میں نے اس کے لیے جوابی تیاری بھی کرلی تھی۔ مگر مجھے یہ گمان تک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کلب کے لان پر نہایت دیدہ دلیری سے دو مسلح غنڈے لا بٹھائے گا۔

بظاہر اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔ مجھے اغوا کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ قتل کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ عینی شاہد بھی یہی دیکھتے کہ برابر والی میز سے دو آدمی آئے اور ہم دونوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ انہیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ہم دونوں میں سے درحقیقت کس کو اغوا کیا جارہا تھا۔ میری مزاحمت کی صورت میں جو کچھ ہوتا اس کے بعد میجر بخشی کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

میرے ساتھ آنے والے ایس ٹی ایف کے مسلح جوان کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے آس پاس موجود تھے اور یقینی طور پر میری حفاظت کر رہے تھے مگر بخشی کا منصوبہ ایسا تھا کہ میرے اوپر فائر ہونے سے پہلے انہیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ میرے اوپر فائر کرنے کے بعد فرار ہونے والے مجرم ایس ٹی ایف کے چھپے ہوئے اہل کاروں کی گولیوں سے چھلنی ہوکر جہنم واصل ہوجاتے اور یوں میجر بخشی کے بیان کی تردید کرنے والا کوئی گواہ زندہ نہیں رہتا۔

وہ قانونی صورت ہوتی لیکن میرے ہر ساتھی کو میرے سنگین مشن کا علم تھا۔ میجر بخشی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکتا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کو خطرات کا پوری طرح ادراک تھا مگر وہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ اس کھیل میں میجر بخشی کی طرف سے بالا ہی بالا دو سفاک غنڈے بھی شامل ہوچکے تھے۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں انہیں ان دونوں کی موجودگی سے باخبر کرسکتا۔

میں نے جوابی تیاری میں صرف میجر بخشی کو سامنے رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے لے جانا چاہے گا۔ میرے انکار پر تکرار ہوگی اور میں رسانیت سے اسے بے ہوش کرکے، کوئی دورہ پڑنے کا بہانہ کرکے کلب سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

دونوں غنڈوں نے حالات کا توازن بہت بگاڑ دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ موہنی کو بخشی نے خود ہی روانہ کردیا تھا ورنہ وہ مزید پیچیدگی پیدا کرسکتی تھی۔

میں نے ضد کو طول دے کر پوزیشن خراب کرنے کے بجائے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ان آدمیوں کی موجودگی کا مطلب ہے آج تم ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ لے جانے یا قتل کردینے کا فیصلہ کرکے آئے ہو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نہیں کرنل!" بخشی نے سرسراتی ہوئی اضطراری آواز سے مجھے بری طرح چونکا دیا "اپنے ہاتھ جیبوں سے دور رکھو۔ اب تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔"

"رومال کی تلاش میں اضطراری طور پر جیب کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ اس کے ابتدائی الفاظ کے ساتھ ہی رک چکا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "سب کچھ معلوم ہوجانے کے بعد میں خودکشی کی حماقت نہیں کروں گا۔ میں جیب سے رومال نکالنا چاہ رہا تھا۔"

اس نے اپنی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہاری پیشانی عرق آلود ہو رہی ہے۔"

"تمہیں مجھ سے یکایک ہی کیا مخاصمت ہوگئی ہے؟" میں نے کہنیاں میز پر ٹکا کر پوچھا۔

"شبہات پہلے سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ اوبی کا مشورہ ہے کہ اب تمہارے بارے میں چھان بین کی جائے۔ وہ ہتھیار لے جانے والی گاڑی کے حادثے کو اتفاق قرار نہیں دے رہا۔"

"لیکن اس واقعے سے میرا کیا تعلق تھا؟" میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"دھن راج تمہارے رابطے میں تھا۔ وہ گاڑی اپنی منزل کے لیے اسی کے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ گاڑی کا پیچھا کیا جارہا ہو اور اس کے آدمی ہراساں ہوگئے ہوں۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ اوبرائن قیاس آرائی میں بہت دور نکل گیا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کی تعبیر اب بہت دور نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو اور ہمیں ڈبل کراس نہیں کررہے ہو تو تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھان بین کے بعد تمہارے دعووں کی تصدیق ہوگئی تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔"

"میں نے تو آج تک تم لوگوں کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"وہ صرف دو باتوں کی تصدیق چاہتا ہے۔ تم واقعی کرنل جمال دستی ہو اور اپنی فورس کے خلاف باغیانہ سوچ رکھتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"ریکارڈ تمہارے سامنے ہے۔ تم لوگوں سے ملاقات ہونے سے پہلے اوبرائن ایک خفیہ سرکاری اجلاس سے میرے فنگر پرنٹس حاصل کرچکا تھا۔"

"مگر تم نے مجھے آج تک اپنے آرمی یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ایک سابقہ فوجی کے لیے یہ دونوں باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔"

"میں کل اپنی سروس بک کی فوٹو کاپی تمہیں لادوں گا۔" میں نے پیش کش کی۔

"اب وقت گزر گیا۔ سب کام دوسرے طریقے سے پورے کیے جائیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں۔ اب اپنے ان دو جلّادوں کو رخصت کردو۔"

وہ عجیب اور پُرغرور انداز میں دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ دونوں شہر کے معروف مگر سفید پوش قاتل ہیں۔ ہمیں دور دور سے گاڑی تک پہنچا کے رخصت ہوجائیں گے۔ میں جرائم پیشہ لوگوں کے سائے تک سے دور بھاگتا ہوں۔ مجبوری کے تحت صرف حفظِ ماتقدم کے لیے ان کا بندوبست کرنا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم مکار آدمی ہو۔ آسانی سے قابو میں نہیں آؤ گے۔"

میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ وہ دونوں سر پر سوار رہتے تو کلب سے اغوا یا روانگی کے بعد بھی میں بازی الٹنے کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کے جو آدمی پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کررہے تھے' انہیں علم تھا کہ اس ملاقات میں میرے اغوا کا خطرہ مضمر تھا لیکن میں نے انہیں واضح طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ مجھے خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر وہ از خود کوئی بھی قدم اٹھاسکتے تھے۔

اس مرحلے پر میں نے ایک مرتبہ پھر فوری مزاحمت کے امکان پر غور کیا۔ میں بغل کھجانے کے بہانے اپنا داہنا ہاتھ سر سے اوپر بلند کرکے اپنے پوشیدہ محافظوں کو مداخلت کی دعوت دے سکتا تھا۔ وہ مختلف سمتوں سے نمودار ہوکر ہمیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔ خرابی یہ تھی کہ ان کی ساری توجہ میجر بخشی پر مرکوز ہوتی۔ وہ سب سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ والی میز پر بخشی کے ساتھ دو مسلح آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اس غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہ دونوں اپنے باس کو نرغے میں لینے والوں پر گولیاں برساسکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں ایس ٹی ایف والوں کو ہوشیار کرتا' ہڑبونگ اور افراتفری میں ان سمیت کلب کے لان پر بیٹھے ہوئے کئی گاہک ہلاک اور زخمی ہوسکتے تھے۔

غور کرنے کے بعد میں نے اس مرتبہ بھی مزاحمت کا ارادہ ترک کردیا۔

اپنی دانست میں مجھے زیر کرلینے کے بعد میجر بخشی بہت پُرسکون نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ویٹر کو بل لانے کی ہدایت کی اور بل کی رقم فولڈر میں رکھتے ہی کرسی چھوڑ دی۔

میں نے اس کی تقلید کی۔ اس کے لائے ہوئے بدمعاش شاید

پہلے ہی سے فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے چند لمحوں بعد وہ بھی اٹھ گئے۔

میجر بخشی نے جس انداز میں جرائم پیشہ افراد سے دور رہنے کی عادت کا ذکر کیا تھا' اس کی بنا پر مجھے کلب کے لان پر ان دونوں بدمعاشوں کی موجودگی پر حیرت تھی۔

یہ بات کم وبیش ہر شخص ہی جانتا تھا کہ محض پیسے کے بل پر ہرا یرا غیرا شہر کے مشہور کلبوں میں نہیں جاسکتا۔ کلب میں داخلے کے لیے باقاعدہ رکنیت ضروری ہوتی ہے یا پھر کلب کے ارکان اپنے مہمانوں کو کلب میں لاسکتے تھے۔ ان تفریحی مقامات کی رکنیت آسانی سے نہیں ملتی۔ ہر وقت امیدواروں کی ایک معقول تعداد اپنی باری کی منتظر رہتی ہے۔

وہ دونوں جس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کلب کے رکن نہیں تھے۔ بخشی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے انہیں اپنے مہمانوں کے طور پر وہاں لانے کی حماقت کی ہوگی کیونکہ اس کے منصوبے کے ایک حصے کے مطابق' ضرورت پڑنے پر انہیں فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہونا تھا۔ وہ واقعہ رونما ہو جاتا تو بعد میں ان دونوں کو لانے یا بلانے والے میزبان کی حیثیت مشکوک ہو جاتی۔ پتا نہیں وہ دونوں کس کی تائید سے وہاں پہنچے تھے۔

"تم نے ٹیکسی روکی ہوئی ہے یا اسے رخصت کردیا؟" بخشی کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ رات میں یہاں سے چھاؤنی کے لیے مشکل ہی سے کوئی ٹیکسی ڈرائیور رضامند ہوتا ہے میں دو طرفہ کرایہ طے کرکے آتا ہوں۔"

"اوہ .....!" وہ قدرے متفکر ہوگیا "جانے سے پہلے اسے بھی رخصت کرنا ہوگا۔"

میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ مسئلہ اس کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اس کا حل بھی اسی کو نکالنا چاہیے تھا۔ راستے میں ایک جگہ روک کر اس نے باہر سے میری جیبیں ٹٹول کر اطمینان کرلیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔

پارکنگ کے لیے مخصوص' نیم روشن اور کچے میدان میں میجر بخشی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر موہنی پنڈت پہلے سے براجمان تھی۔

"آؤ کرنل!" اس نے نیچے اتر کر استہزائیہ لہجے میں میرا استقبال کیا "مجھے معلوم تھا کہ میجر بخشی دھن کا پکا آدمی ہے۔ تم نہ آتے تو وہ تمہیں لے آئے گا۔"

اس دوران میں دونوں مسلح غنڈے ہم میں سے کسی سے کوئی بات کیے بغیر آگے نکل گئے۔

"میں لایا نہیں گیا' خود آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ بخشی نے میری تردید نہیں کی۔

اس کی ہدایت پر مجھے موہنی پنڈت کے برابر والی نشست پر بیٹھنا پڑا۔ وہ خود میری پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ مجھ پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا رخ اوپر سے گھما کر اندر کرلیا۔

موہنی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مشّاقی سے گاڑی آگے بڑھادی اور دوبارہ بولی "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میری ضیافت سہنی ہوگی۔"

"موہنی! فضول باتیں مت کرو۔ ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ دربان کے پاس ایک لمحے کے لیے گاڑی روک لینا۔" میجر بخشی نے ہلکی سی سرزنش کی۔

پارکنگ ایریا سے چکر لے کر موہنی نے گاڑی کلب کے وردی پوش دربان کے قریب روکی تو میجر بخشی نے پچھلی کھڑکی سے سو سو کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھادیے "یہ تم رکھ لو۔"

دربان حیرت سے نوٹوں کو دیکھتا رہ گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"آج تم نے یہ غیر معمولی فیاضی کیوں دکھائی ہے؟" میجر بخشی کی اس عجیب حرکت پر موہنی سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"بس' ایک غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی.... نوٹ دینے تک میرا خیال تھا کہ دربان کرنل جمال دستی کے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے فارغ کردے گا۔ اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ کرنل یا اس کے ڈرائیور کے ساتھ اپنا نام منسلک کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ

رقم ٹپ میں بدل گئی۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں میرے ذاتی نظریات کچھ بھی ہوں، میری ذات تک محدود ہیں۔ میرے غائب ہونے پر فورس کو تشویش ہوگی۔ تمہاری ہر احتیاط کے باوجود وہ جلد ہی تمہارا سراغ حاصل کرلیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی احتیاط کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا سراغ حاصل کرنے سے پہلے انہیں یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ تم ان سے باغی ہوکر ہمارے ساتھ کام کررہے تھے۔ یہ نکتہ انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کردے گا۔"

اس وقت میجر بخشی کو میرے اوپر بالادستی حاصل تھی۔ میں اسے یہ نہیں بتاسکتا تھا کہ اس کی وہ خوش فہمی قطعی بے بنیاد تھی۔

کلب سے نکلنے کے بعد گاڑی کا رخ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف ہوگیا تھا۔ جب موہنی نے گاڑی شاہین کمرشل کمپلیکس والے چوراہے سے داہنی طرف موڑی تو میں پہلو بدل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔

میں نے میجر بخشی سے ملاقات کا فیصلہ کرتے ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کلب کے لاؤنج میں کسی روایتی ہتھیار سے اسے زیر کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ گولی چلا کر اسے ہلاک کیا جاسکتا تھا لیکن اغوا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس فیصلے کی وجہ سے مجھے یہ سرخ روئی بھی ملی کہ جب میجر بخشی نے میری جیبیں ٹٹولیں تو ان میں کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔

میں نے اول خان کے ساتھ اس کے خصوصی کمروں کی سیر کے دوران میں بیم گن لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ چند دوسری چیزوں کے ساتھ مجھے اس مال خانے سے وہ نادر انگوٹھی مل گئی تھی جو اس وقت بھی میری انگلی میں موجود تھی۔

بظاہر وہ ایک بڑے اور بھونڈے سے سرخ نگینے والی انگوٹھی تھی۔ کسی منت یا عقیدت کے تحت بہت سے لوگ ایسی انگوٹھیاں پہنتے ہیں اس لیے سرسری نظر میں اس پر کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا مگر اس میں نگینے کی جگہ قدرے سخت ربڑ کا کیپسول لگا ہوا تھا جس کے اندر بھرے ہوئے بے ہوشی کے تیز محلول میں ایک باریک سوئی کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ ربر کے کیپسول پر دباؤ پڑنے پر وہ پچکتا ہے اور کھوکھلی سوئی سطح سے باہر آجاتی ہے۔ ربڑ کے دبنے سے پیدا ہونے والے اندرونی دباؤ کے تحت لمحہ بھر میں محلول کی اتنی مقدار کھوکھلی سوئی کے ذریعے باہر آجاتی ہے جو کسی کو بھی بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اول خان کے ذخیرے میں اس ساخت کی متعدد انگوٹھیاں تھیں جن پر سرخ اور سبز کیپسول جڑے ہوئے تھے۔ سرخ کیپسول عارضی طور پر مفلوج اور بے ہوش کردینے والے محلول سے بھرے ہوئے تھے جب کہ سبز کیپسول مہلک تھے۔ ان میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا تھا۔

ان انگوٹھیوں کا کمال یہ تھا کہ ان میں بھرا ہوا محلول کم از کم چار پانچ بار استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالی ہوجانے والے استعمال کیے ہوئے کیپسول سرنج کے ذریعے دوبارہ بھرے جاسکتے تھے۔

موہنی نے گاڑی جس سڑک پر موڑی تھی، وہ زیادہ لمبی نہیں ہے لیکن دونوں طرف دفاتر وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ سرشام ہی ویرانی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ دفاتر وغیرہ میں چھٹی ہونے کے بعد یہ ویرانی اور گہری ہوجاتی ہے۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ سڑک پر تاریکی اور ویرانی کے امتزاج نے ماحول کو خاصا مہیب بنایا ہوا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا کر موہنی کی ٹانگ پر رکھ دیا۔ خوف اور وسوسوں کا وہ ایک لمحہ بہت جان لیوا تھا۔

میری اس حرکت پر موہنی ذرا سی کسمسائی لیکن اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ وہ بخشی کی زبانی سن چکی تھی کہ میں نے اس کے حسن وشباب کی ہر کشش کو مسترد کردیا تھا۔ شاید اس کی مجروح انا کو میری اس معیوب حرکت سے کوئی تسکین ملی تھی، شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں نے تاریکی میں پہلا موقع ملتے ہی اس سے اپنے ابتدائی ردعمل پر معذرت کرنے کی عملی کوشش کی تھی۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ اس کی خاموشی کا وہ پہلا لمحہ میرے دل کو شیر کرگیا۔ انگوٹھی میں جڑے ہوئے کیپسول کو میں پہلے ہی اندر کے رخ پر گھما چکا تھا۔ میں نے نرمی سے اس مخصوص انگلی پر دباؤ ڈالا۔ موہنی کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی اور ادھوری سی سسکاری نکلی اور اسٹیئرنگ وہیل پر ٹکا ہوا اس کا اکلوتا ہاتھ پھسل کر اس کی گود میں آگرا۔

"اوہ...... اسے کیا ہوا؟" گھبرائی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے پھرتی سے اسٹیئرنگ تھام لیا ورنہ گاڑی لہرا کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی ہوتی۔

"کیا ہوا؟" میجر بخشی پیچھے سے اچک کر میرے سر پر سوار ہوگیا۔ "تم کیا بدمعاشی کررہے ہو۔ ابھی میں نے موہنی کی ہلکی سی سسکاری سنی تھی۔"

"اسے شاید مرگی وغیرہ کا کوئی دورہ پڑا ہے۔" پُرتشویش لہجے میں تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اچانک ہی ہینڈل بریک کا لیور کھینچ لیا۔ سڑک پر کار کے عقبی ٹائر چرچرائے اور وہ لہراتی ہوئی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ انجن گیر میں تھا اس لیے وہ بھی ہچکی لے کر بند ہوگیا۔

اس کارروائی کے نتیجے میں میجر بخشی کا توازن بگڑ گیا۔ وہ اگلی نشستوں کے درمیان الٹ کر سر کے بل ڈیش بورڈ کے نچلے حصے سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان شروع ہوا ہی تھا کہ میں نے اس کی گردن ناپ لی۔ وہ اتنا مشتعل تھا کہ اسے اپنی گردن میں سوئی کی چبھن کا احساس ہی نہ ہوسکا۔ ربڑ کے کیپسول سے خارج ہوکر اس کی گردن میں اترنے والے محلول نے فوراً ہی اس کی زبان بند کردی۔

میجر بخشی سے ہارتی ہوئی بازی میں نے چند ہی لمحوں میں جیت لی تھی۔ میرے سر پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے کالر سے گھسیٹ کر اس کے ساکت جسم کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا۔ موہنی پنڈت کے نرم اور نازک وجود پر وہی عمل دہرا کر میں چند منٹ میں اپنی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

میں نے موہنی کو ڈرائیونگ سیٹ پر سے ہٹانے کے لیے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ برابر میں پُرشور انجن والی ایک فرسودہ سی پک اپ آرکی۔

"اوہو... چلو بجنو! اتر کر گھیر لو سالوں کو۔" پک اپ کے اگلے حصے سے ایک بھاری آواز آئی "گاڑی میں حدود آرڈی ننس کا کیس بن رہا ہے۔"

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پولیس کی ناگہانی مداخلت کے بارے میں میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کئی مسلح اور باوردی سپاہی پک اپ میں سے برآمد ہوئے اور اپنی رائفلیں سیدھی کرنے لگے، گاڑی سے نیچے اترنے کا حکم دینے لگے۔

میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ مجھے خوف ہوا کہ میں نے اس گشتی پارٹی کی ہدایت کی تعمیل میں تاخیر کی تو کہیں وہ مجھے باڑھ پر ہی نہ رکھ لیں۔ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گاڑی سے اتر گیا۔

ان کا افسر طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش موہنی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "لونڈیا تو بہت زور دار ہے۔ کہاں سے اغوا کر کے لایا ہے؟"

"وہ گاڑی چلاتے چلاتے بے ہوش ہوئی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہے۔" میں نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اوئے منہ زوری مت کر...." وہ غضب ناک فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اسی لمحے ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی تیزی سے آگے نکل کر...رکی اور بریکوں کی چیخ کے ساتھ ہی ان کی نفری باہر آگئی۔ اس وقت ان کی تعداد گھٹ کر صرف تین رہ گئی تھی۔

ان تینوں کی عقابی نظروں نے لمحہ بھر میں سچویشن سمجھ لی تھی۔ اس وقت تک میں اپنے جوش و خروش میں انہیں بالکل بھولا ہوا بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میرا حوصلہ بحال ہو گیا۔

"کارِ سرکار کے نام پر اپنی رائفلیں نیچی کر لو۔" ایس ٹی ایف کے سینئر اہل کار نے دور سے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا انچارج ادھر آجائے۔ علیحدگی میں بات کرنی ہے۔"

ایک سب انسپکٹر کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس واقعے میں ایک سادہ پوش پارٹی کی مداخلت اسے ناگوار گزری تھی۔

ایس ٹی ایف والے کی آواز میں کچھ ایسا اعتماد اور تحکم تھا کہ میری طرف اٹھی ہوئی رائفلیں جھک چکی تھیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہاتھ بھی گرا لیے تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی پیش قدمی کر کے میرے اور پولیس والوں کے درمیان حائل ہو چکے تھے۔

"سر! ہم پیچھے رکے ہوئے تھے۔" ان میں سے ایک بتانے لگا "سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گاڑی رک گئی ہے تو ہم کیا کریں۔ اتنے میں یہ موبائل آگئی۔"

"اچھا ہوا کہ موبائل رکنے سے تم آگئے ورنہ میں تمہاری پارٹی کو بھول چکا تھا۔"

سب انسپکٹر اور ایس ٹی ایف والے کے مذاکرات کے درمیان لمحہ بھر کے لیے ٹارچ روشن ہوئی اور چند ثانیوں بعد وہ دوستانہ انداز میں ہماری طرف آگئے۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" سب انسپکٹر نے آتے ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "یہ پولیس کا کیس نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ملتجیانہ لہجے میں ایس ٹی ایف والے سے مخاطب ہوا "سر! آپ مجرموں کو اس گاڑی سمیت یہاں سے لے جائیں گے نا؟"

اس نے براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مرد کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ لڑکی گاڑی میں اسی طرح بے ہوش پڑی رہے گی۔" میں نے موبائل کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں سب انسپکٹر کے چہرے پر اضطراب امڈتا دیکھا۔

"سر! یہ آپ کا کیس ہے۔ آپ دونوں مجرموں کو گاڑی سمیت لے جاؤ۔" میری اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد سب انسپکٹر براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

"لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ گاڑی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی پیش کش کا سبب جانے بغیر جواب دیا۔

"پھر ایسا کرو کہ گاڑی کو لڑکی سمیت یہاں سے لے جا کر کہیں اور چھوڑ دینا۔" اس نے چند لمحوں کے بعد متذبذب انداز میں زبان کھولی۔

"یہاں رہنے میں کیا پریشانی ہے؟" میں نے الجھ کر

دریافت کیا۔

"یہ میری بیٹ ہے سر!" وہ کھل گیا۔ "ابھی پہاڑ جیسی رات پڑی ہے۔ مجھے گاڑی اور لڑکی کی برآمدگی دکھانی پڑے گی۔ یہ بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔ میں بلاوجہ رگڑے میں آجاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میری پیٹی اور پھول اتر جائیں۔"

اس کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ میرے ساتھی نے اس سے پوچھا "تمہارے تھانے کی حد کہاں ختم ہوتی ہے؟"

وہ اس سوال پر خوش ہوگیا "بیٹ کے ساتھ تھانہ ہی بدل جائے تو کیا بات ہے۔ ایس ایچ او صاحب سے انعام مل جائے گا۔"

وہ اسے اپنے تھانے کی حدود بتانے لگا۔ میں نے ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کو میجر بخشی کی منتقلی پر مامور کردیا۔ سپاہی بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔

موبائل ہم سے پہلے ہی آگے روانہ ہوگئی۔ میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی میں تھا۔ ایک آدمی موہنی کو گاڑی سمیت لا رہا تھا۔

لکی اسٹار کے قریب موہنی اور اس کی گاڑی کو چھوڑ کر تیسرا آدمی بھی ہمارے پاس آگیا اور ہم تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

میجر بخشی کے اغوا کی کارروائی پوری رازداری کے ساتھ کی گئی تھی مگر ہم میں کسی کو بھی یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ اس کے دوست اور افسران اسے اٹھالے جانے والے نام سے بے خبر رہیں گے۔ اس قصے میں موہنی اور دو مقامی بدمعاش غیر متوقع طور پر ملوث ہوئے تھے۔ وہ تین گواہ نہ ہوتے تب بھی بخشی کے اوپر والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ اس رات غائب ہونے سے پہلے مجھ سے فیصلہ کن ملاقات کے لیے کلب آیا تھا۔

اپنے دشمنوں کے لیے میں ان دنوں کرنل جمال دستی بنا ہوا تھا۔ اسی روپ میں وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف تھے۔ راستے میں بخشی کے ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تو میں نے انگوٹھی کے کیپسول میں بچا ہوا سارا سیال اس کے بدن میں منتقل کردیا اور وہ دوبارہ گہری بے ہوشی کی آغوش میں چلا گیا۔ میں اطمینان سے اپنے اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا۔

اسٹیشن فور میں اسے بے ہوشی کی حالت میں بے دست وپا کرکے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ کھانے کی میز پر اس کے مستقبل کا معاملہ ہمارے زیرِ غور تھا۔

بخشی سے اختلافات پیدا ہونے تک میرے اور اس
مراسم میں خاصی گرم جوشی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امید
اس کی سرگرمیوں سے پوری واقفیت تھی۔ مزید انکشافات
امید میں اسے زندہ رکھ کر بازپرس اور تشدد کا نشانہ بنانا، وق
کا زیاں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا تھا کہ اس
سفارت خانے اور قونصلیٹ آفس میں کون کون جاسوسی
سرگرمیوں میں ملوث تھا۔

میرے نزدیک ان ناموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی
ہمارے خفیہ ادارے ان سے بے خبر نہیں ہوسکتے تھے۔
ایک عام سی بات تھی کہ حریف ممالک ایک دوسرے
ملک میں متعین کیے جانے والے سفارتی عملے میں ضرورت
کے لحاظ سے دو چار ایجنٹ بھی شامل کردیتے ہیں۔

اعلیٰ حکام ایسی تقرریوں سے واقف ہونے کے باوجود اپنی مصلحتوں کے تحت عام حالات میں کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ کشیدگی اور محاذ آرائی کی حالت میں پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ اور احتجاج کا سلسلہ چل نکلتا ہے جس میں ہر کارروائی پر جوابی کارروائی ضرور کی جاتی ہے۔

ویرا اور سلطان شاہ کی متفقہ رائے تھی کہ جوتی کے نیچے آئے ہوئے موذی کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میجر بخشی کو پہلی فرصت میں ذبح کرکے پیوندِ خاک کردینا چاہیے تھا مگر اول خان فوری طور پر کوئی رائے دینے سے گریز کررہا تھا۔

"یہ پیش گوئی تمہاری ہی تھی کہ ڈینی نے بخشی کو نہ اٹھایا تو بخشی اسے گھیر لے گا۔ آج رات تمہارا یہ خدشہ درست بھی ثابت ہوگیا پھر تم خاموش کیوں ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے تھے۔ کہیں نہ کہیں اس کا ختم ہونا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج ڈینی کامیاب واپس آیا ہے۔" وہ بولا۔

"اب سوال اس کے مستقبل کا ہے۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔" اول خان کے جواب دینے سے پہلے میں بول پڑا "وہ ایک سفارتی افسر ہے۔ اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"ہائیں... یہ تم کہہ رہے ہو؟" ویرا دیدے پھاڑ کر حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "کیا اس سے پہلے تم نے سفارتی عہدے داروں پر ہتھیار نہیں اٹھائے تھے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا بنیادی اعتراض یہی ہو گا۔"
ں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ان
قعات میں میری پوزیشن مختلف تھی یا پھر میرے ہاتھوں
رے جانے والوں کو کسی قسم کا سفارتی تحفظ حاصل نہیں تھا۔"

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے یا پھر میرا حافظہ جواب دے
لیا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"دونوں باتیں غلط ہیں۔ سفارت کاروں کے قتل پوری
یا میں ہوتے ہیں۔ کوئی حکومت اپنے تمام قانون شکن
ناصر پر قابو پانے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ڈینی کی حیثیت سے
ں کچھ بھی کرتا پھروں، حکومت پر صرف اخلاقی ذمے داری
تی ہے، الزام نہیں آتا۔"

"اس پر معذرت بھی کی جاسکتی ہے۔" اول خان نے
درمیان میں لقمہ دیا۔

"لیکن ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کی کارروائی
گلے پڑ سکتی ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "اور کچھ ہو
یا نہ ہو، بھارت میں ہمارے سفارت کاروں کے لیے مساوی یا
زیادہ سنگین خطرات پیدا ہوجائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ
میجر بخشی کی جگہ ہمارے دو بہترین آدمی مار دیے جائیں۔"

"تمہاری زبان سے یہ باتیں عجیب اور ناقابلِ یقین لگ
رہی ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اس لیے کہ اس موضوع پر آج کھل کر بات ہوئی ہے
ورنہ پہلے بھی میں نے ان نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ میرے
بارے میں تم بلاوجہ بدگمان ہو رہی ہو۔"

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑنا چاہتی ورنہ واقعات کا
ایک طویل سلسلہ ہے جو تمہارے نئے اصول سے ذرا بھی
میل نہیں کھاتا۔"

"تم کوئی ایک مثال دو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔"
میں نے اسے دعوت دی۔

ویرا پر وقت پڑ گیا۔ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔
"میں شری مان کا نام نہیں لوں گی کیونکہ اسے تم نے نشے کی
حالت میں مار کر سینڈزپٹ میں غرقاب کیا تھا۔ راس المیڈا
اور امریکی میرین کمانڈوز کے بارے میں تم کیا کہو گے۔"

"راس المیڈا ایک مستند مجرم تھا۔ میرین کمانڈوز کے
بارے میں امریکی یہ بتانے سے قاصر رہے تھے کہ ان کا جدید
ترین ہیلی کاپٹر اتنے بڑے مسلح جتھے کو لے کر ساحل سے میلوں
دور سہراب گوٹھ سے ملحق ویرانے میں نیچی پرواز کیوں کر رہا
تھا۔" مجھے ان واقعات کی ہر تفصیل یاد تھی۔

"یہ تمہارا کہنا تھا کہ راس المیڈا قاتل اور دہشت گرد
ہے۔ امریکیوں نے راؤنی آرک کے نام سے اسے سفارتی
مراعات دی ہوئی تھیں۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"راس المیڈا کی اصل شناخت ناقابلِ تردید تھی۔"
اس مرحلے پر اول خان نے میری مدد کی "پاکستان سے اس کی
لاش واپس حاصل کرنے کے لیے امریکیوں کو اپنے دعوے
سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے پاکستان سے راس
المیڈا کی لاش کی وصولی کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔
راؤنی آرک نامی سفارت کار کا قصہ ہوا میں تحلیل ہوچکا
تھا۔"

"اگر اسے زندہ چھوڑنا تھا تو اس پر ہاتھ ڈال کر غلطی کی
گئی ہے۔" ویرا نے پینترا بدل لیا۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔" میں نے
سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا۔

کھانے کے دوران میں شروع ہونے والا وہ مباحثہ آخر
کار دم توڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ویرا، غزالہ کے ساتھ اپنے
کمرے میں چلی گئی تو میں سلطان شاہ کو سونے کا مشورہ دے کر
اول خان کے ساتھ ہولیا۔

ہم دونوں بہت دیر تک مسائل میں سر کھپاتے رہے۔
بارہ بجے خبر ملی کہ میجر بخشی ہوش میں آچکا تھا اور بری طرح
شور مچا رہا تھا۔ ہم دونوں اس کی مزاج پرسی کے لیے چل
دیے۔

وہ بیرک کے ایک کمرے میں کسی چوپائے کی طرح بندھا
ہوا ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہونے کی
وجہ سے وہ شدید بے بسی کے احساس میں مبتلا تھا اور مسلسل
مغلظات بک رہا تھا۔ دروازے پر آوازیں سنتے ہی اس کی
آواز میں تیزی آگئی تھی۔

"زبان کو لگام دو بخشی!" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر
غراتی ہوئی آواز میں کہا "میں اسی وقت چاقو سے تمہاری
زبان کاٹ دوں گا۔"

"تم جو چاہو، کرلو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں
گا۔" وہ حلق کے بل چیخا "تم سور کے بچے اور درندے ہو۔
مجھے معلوم ہے کہ اب تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"یہ تمہاری دہشت زدگی کی علامت ہے۔ میرا ایسا کوئی
ارادہ نہیں ہے۔"

"پھر... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے
سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ تھوڑی سی تفریح کے بعد تمہیں آزاد

کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"تم جھوٹے اور سفاک ہو۔ میں تمہاری کسی چال بازی میں نہیں آؤں گا۔"
"یہ کوئی چال بازی نہیں ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔"
"میں نہیں مانتا..... تم نے مجھے اغوا کیوں کیا ہے؟" اس کی بے اعتباری قابلِ فہم تھی۔
"تم مجھے کیوں اٹھا لے جانا چاہ رہے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"کاش..... کاش میں کامیاب ہو جاتا تو دیکھتا کہ تم کتنا بول سکتے ہو۔"
"میرے بارے میں تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے۔ تم بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہوئے ہو۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت قدرے نرمی سے کہا "تمہاری بازی تم پر الٹ کر میں نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"
"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم جمال دستی نہیں، ڈینی ہو۔ ہمیں دھوکا دے کر اب تک کامیابیاں حاصل کرتے رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ اب تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔"
"تمہاری حالت قابلِ رحم ہے۔ اس وقت تمہیں آئینے میں بھی اپنے عکس کے بجائے ڈینی نظر آئے گا۔ آج کل ہم خود اس کی تلاش میں ہیں اور وہ غائب ہے۔"
"میں زندہ رہا اور آزادی مل گئی تو تمہیں دکھاؤں گا کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔"
"تم زندہ رہو گے اور آزادی بھی مل جائے گی مگر اس حالت میں کہ دوسرے تم کو دیکھ کر عبرت سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔" اس کے دماغ سے خناس نکالنے کے لیے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم خود اس حالت کا تصور نہیں کر سکتے۔"
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے شیطانی ذہن میں ایسے ہی خیال آ سکتے ہیں۔ یہ نہ بھولنا کہ میرے ساتھ ہونے والے سلوک کا بہت ظالمانہ بدلہ لیا جائے گا۔ تمہارے ہم وطن میرے ملک میں بھی ہیں۔ تمہاری ہر حرکت کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہو گا۔"
"میری دلی آرزو ہے کہ رہائی سے پہلے تمہارے اوپر کچھ سرجری کی جائے۔" میں نے اول خان کو آنکھ مار کر ہلکی سی حسرت سے کہا "تمہاری آنکھیں سلامت رہیں لیکن بینائی کی نسیں کاٹ دی جائیں۔ زبان موجود ہو لیکن حلق سے آواز پیدا کرنے والے عضلات نکال لیے جائیں۔ انگوٹھوں اور انگلیوں کو جڑ سے کاٹ دیا جائے تاکہ تم لکھنے کے قابل نہ رہو۔ تم ہر بات سن سکو مگر اپنے دل کی بات کسی تک نہ پہنچا سکو۔"
"تم اپنی اس بکواس سے مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔" وہ خوف سے بھنچی ہوئی آواز میں چیخا "تمہیں جو کرنا ہے، کر لو۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔"
"گڈ..... ابھی میں نے تم کو اپنی آرزوؤں کے بارے میں بتایا..... میں تمہارے ساتھ مخلص تھا مگر تم نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر کے میرا دماغ الٹ دیا۔ میں نے جوابی وار کر کے تمہیں زیر کر لیا۔" میں نے کئی ذہنی قلابازیاں کھانے کے بعد اپنی گفتگو کو ایک معین رخ دیتے ہوئے کہا۔
"میری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تمہیں وہاں چھوڑا اور نہ قتل کیا بلکہ اسٹیشن فوراً اٹھا لایا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان خوش ہو گا مگر یہاں مجھے مات ہو گئی۔"
"تم اتنے مکار اور فریبی ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔"
"تمہیں بہت جلد سچ اور جھوٹ کا علم ہو جائے گا۔" میں نے اپنی آواز میں ہلکی سی آزردگی سمولی۔ "تمہاری گرفتاری پر اول خان کو بھی وہی اندیشے ہیں جن کا ذکر تم نے کیا ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی عملے کے بارے میں وہ فکر مند ہے۔ اب تم براہِ راست اس کی تحویل میں ہو۔ عملی طور پر میں معطل ہوں۔ مجھ سے میری غیر ذمے داری کے بارے میں جواب طلب کر لیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وہ تمہیں آزاد کر دے۔"
پہلی مرتبہ اس کی آواز میں امید کی رمق پیدا ہو گئی اور اس نے نیچی آواز میں بے اعتباری سے پوچھا "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے آج ہی آزادی مل جائے گی۔"
"اس وقت یہی صورت بن رہی ہے۔ آگے تمہاری ستاروں کی چال ہو گی۔"
"مگر تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔
"تم سے شاید یہ میری آخری ملاقات ہو۔ بعد میں دوسرے لوگ آئیں گے۔ تم انہیں ہر کہانی سنا سکتے ہو مگر یہ نہ بتانا کہ میں تمہارے یا اوبی کے لیے کام کر رہا تھا۔"
"تم نے دہشت سے میرا خون خشک کر دیا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری سنائی ہوئی خوش خبری سچ ثابت ہوئی تو میں تمہارے راز اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گا۔" اس بار

میجر بخشی کی آواز مزید دھیمی بلکہ رازدارانہ ہو گئی۔

"ڈینی نے میرا مستقبل نگل لیا۔" میں نے حسرت سے کہا "شاید میں کبھی بھی انعام کا حق دار نہ بن سکوں۔ اب مجھے فورس سے بھی جانا ہو گا۔ مجھے اشتعال دلا کر ایک غلط قدم اٹھانے پر تم نے مجبور کیا تھا۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا، میرا سب کچھ بگڑ گیا۔"

"تم روز گار کی فکر نہ کرو۔ جب چاہو، میرے پاس آجانا۔ تم جیسے ذہین آدمی بھوکوں نہیں مر سکتے۔" اس کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ "تمہارے بارے میں مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا جب میں نے تمہاری خالی جیبیں ٹٹولی تھیں.... یہ بتاؤ کہ موہنی پنڈت کہاں ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی۔"

"میں مرا ہوا شکار نہیں کھاتا، خود مار کر کھاتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر ہلکی سی ترشی سے جواب دیا۔ "اسے کار سمیت چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب تک وہ ہوش میں آکر اپنے گھر واپس لوٹ چکی ہو گی۔ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"میری بندشیں ڈھیلی کر کے بلائنڈ فولڈ اتار دو میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں بہت اذیت اور بے بسی کے احساس سے گزر رہا ہوں۔" اس نے خوشامد کی۔

"سوری میجر!" میں نے کہا "یہ رعایتیں دوسروں کے ذریعے ملیں تو بہتر ہو گا۔ میں بہت مخدوش پوزیشن میں ہوں۔ کچھ نہیں کر سکتا۔"

میجر بخشی سے وہ ملاقات بہت سودمند رہی مگر وہ فائدہ اول خان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ واپسی پر وہ راستے میں سوال کر ہی بیٹھا "تم نے بلاوجہ ہی اس پر وقت برباد کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ میں کرنل جمال دستی ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ کرنل جمال دستی کو اب ویسے بھی غائب ہو جانا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ کرنل جمال دستی کے فنگر پرنٹس امریکیوں کی تحویل میں ہیں۔ بخشی کے ذریعے اوبرائن کو یہ یقین دلانا ضروری تھا کہ ڈینی ایک الگ شخصیت ہے۔ ان فنگر پرنٹس کی صحیح شناخت کے بعد میرے لیے کافی دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آ گئی۔ اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اس طریقۂ کار کے تحت کرنل جمال دستی کا کردار اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جا سکتا تھا۔

وہ میجر بخشی کی رہائی کا معاملہ اگلی صبح کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہا تھا مگر میں اس پر فوری عمل درآمد کا خواہاں تھا۔ میجر بخشی ایک آزاد طبیعت شخص تھا۔ رات کو اس کی واپسی میں دیر سویر کسی کے لیے فکرمندی کا باعث نہیں ہو سکتی تھی۔ اس رات وہ ویسے بھی موہنی پنڈت کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ زیادہ سوچنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں رک گیا ہو گا۔

رات گزر جانے کے بعد وہ معاملہ یکایک سنگین رخ اختیار کر سکتا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی خبر بھارتی دارالحکومت میں پہنچتی تو وہاں فوری طور پر کسی سنگین جوابی کارروائی کا آغاز بھی ہو سکتا تھا۔ ان خطرات کی بنا پر سورج طلوع ہونے سے پہلے بخشی کی رہائی ضروری تھی۔

میری کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اول خان کی میجر بخشی سے ملاقات ضروری تھی۔ اس خانہ پری کے بعد صبح تین بجے بخشی کو آنکھیں کھولے بغیر اسٹیشن فور سے دو افراد کے ساتھ روانہ کر دیا گیا تاکہ بخشی کو کسی مناسب مقام پر چھوڑا جا سکے۔

"آج تک ہمیں ان لوگوں کی سرگرمیوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں کیا گل کھلانے والے ہیں لیکن اب یہ باب بند ہو گیا۔" اول خان نے چارپائی پر دراز ہوتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہو گا کہ اسٹیشن فور کا موجودہ محلِ وقوع ہمارے دشمنوں کے علم میں آچکا ہے۔ میری تلاش میں وہ ادھر کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔"

"یہ سہراب گوٹھ والا ویرانہ نہیں ہے اور اس علاقے کا رخ کرنے والے اس کے... نتائج جانتے ہیں۔ صرف محلِ وقوع جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ رازداری ہماری ترجیحات میں سرِفہرست تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ ترجیحات اب بے معنی ہیں۔ انہیں ملک بھر میں فورس کے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔ ہم اپنے رازوں کو کب تک پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ مقاصد کا باہمی تصادم ہمیں تقریباً روبرو لے آیا ہے۔ ہم ان کی معلومات کے وسیع اور جدید ترین وسائل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں، یہ بعد میں سوچا جائے گا۔ فی الحال دو نام ہمارے سامنے ہیں۔ دھن راج اور موہنی پنڈت۔ یہ

دونوں ہمارے شہری ہیں....“

”ہمارے شہری ضرور ہیں مگر دونوں ہندو ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اخبارات مقامی ہندو مافیا کی مذموم سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ ان کے خلاف اقدام کی خبروں کو اچھالیں گے۔ کشیدگی اور منافرت کے ایسے اندیشے بعض مجرموں کو حساس بنا دیتے ہیں۔“

”اسپیشل ٹاسک فورس کاغذ پر اپنا وجود نہیں رکھتی۔ ان دونوں خاندانوں کے بارے میں خفیہ ادارے کا ریکارڈ مکمل ہونا چاہیے...“

اول خان نے میری بات کاٹ دی ”دھن راج کا نام ہر خفیہ لسٹ پر ہے۔ کل موہنی اور اس کے باپ کے بارے میں بھی ابتدائی بریفنگ جاری کر دی جائے گی۔“

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

○☆○

اگلی صبح مجھے بیدار ہوتے ہی دو باتیں بیک وقت یاد آئیں۔ پچھلی رات کی افراتفری میں‘ میں ان دونوں بدمعاشوں کو بھول بیٹھا تھا جو میجر بخشی کی پشت پناہی کے لیے مسلح ہو کر کلب پہنچے ہوئے تھے۔ دوم یہ کہ میری مدد کے لیے کلب جانے والے ایس ٹی ایف کے جوانوں کی نفری زیادہ تھی مگر واپسی پر صرف تین آدمی میرے ساتھ آئے تھے۔ بقیہ کہاں تھے؟

اول خان ہم لوگوں سے پہلے بیدار ہو کر دفتر جا چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ہم لوگ یک جا ہوئے تو پچھلی رات کو ویرا سے کیے جانے والے فیصلوں کے بارے میں متعدد سوالات تیار تھے۔

رات کو ہونے والے تبادلۂ خیال میں سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا تھا۔ صبح ویرا اس بارے میں چبھتے ہوئے سوالات کرتی رہی لیکن سلطان شاہ اپنے موقف سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اس نے کہا ”وہ لایا گیا‘ رکھا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا۔ بحث بے سود ہے۔“

ہماری بیداری کی خبر پا کر اول خان کچے میدان میں دھول اڑاتا ہوا اپنی جیپ میں آ پہنچا۔

”اوہ‘ ناشتا ابھی چل ہی رہا ہے۔“ اس نے آتے ہی کہا ”ایک گرما گرم پیالی ملے تو میرے پاس ایک اچھی خبر ہے۔“

”پہلے اچھی خبر سناؤ پھر چائے ملے گی۔“ ویرا نے خوش گوار موڈ میں کہا۔

اول خان نے جواب طلب نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی ”ویرا کا مطالبہ درست اور جائز ہے۔“

”رات موہنی پنڈت کے ہوش میں آنے سے پہلے پولیس اس کی گاڑی تک پہنچ گئی تھی۔“ اول خان نے بتایا۔ ”ہوش میں آنے پر اس نے خود کو پولیس والوں کے نرغے میں پایا تو سراسیمہ ہو گئی اور پولیس کو کوئی بیان دیے یا شکایت درج کرائے بغیر واپس گھر چلی گئی۔“

”اور پولیس نے اسے آرام سے گھر جانے کی اجازت دے دی؟“ غزالہ نے پوچھا۔

”اسے کچھ نہ کچھ خفت تو اٹھانی پڑی ہوگی۔ اس نے کہا کہ وہ نشے کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے گاڑی روک کر کچھ دیر کے لیے سو گئی تھی۔“

”اس نے شکایت نہیں کی پھر بھی شراب نوشی پر اس کا چالان ضرور ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج کل بہت اونچی اڑ رہی ہے۔“ ویرا نے حاسدانہ لہجے میں کہا۔

”اقلیتیں امتناعِ شراب کے قانون سے مستثنیٰ ہیں.... اس نے اسی دلیل کا سہارا لیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ ایک مشہور ماڈل گرل ہے۔ اس کے ساتھ نرمی برتی گئی ہوگی۔“

”اقلیتوں کو شراب نوشی کی اجازت ہے لیکن نشے میں ڈرائیونگ کرنا ایک الگ جرم ہے جس پر یورپ اور امریکا میں بھی سخت کارروائی کی جاتی ہے۔“

”یہ ٹریفک پولیس کا معاملہ تھا۔“ میں نے ہنس کر جواب دیا ”ہوسکتا ہے کہ آس پاس کوئی ٹریفک والا دستیاب نہ رہا ہو۔“

”کیا ہم اسے خوش خبری کہہ سکتے ہیں؟“ ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

”اس کی رپورٹ پیچیدگیاں پیدا کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے بیان میں کرنل جمال دستی اور میجر بخشی کے ناموں کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتا۔“ میں نے کہا۔

”اس نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔“ ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا ”اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ تم اس کی خاموشی میں اپنے فائدے کے پہلو تلاش کر رہے ہو۔“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ موہنی اور میجر بخشی کا تال میل کیسے مل گیا۔“ اول خان نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا ”وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے سیدھی معلوم ہوتی ہے۔“

”اس کی خاموشی کو سیدھا پن مت سمجھو۔ وہ بہت چالاک لڑکی ہے۔ بوکھلاہٹ میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے

بجائے اس نے ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پولیس سے جان چھڑا کر اس نے بخشی سے رابطہ کیا ہوگا اور پھر وہی کیا جو بخشی چاہتا تھا کیونکہ وہ بخشی کی آلۂ کار ہے۔ شہر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو اس نے رجھا کر بخشی کے دام میں پھنسایا ہوگا۔"

"اگر بخشی نے بھی اسے زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو وہ زبان کا پکا ثابت ہوا ہے۔ ابھی تک ان لوگوں کی طرف سے ہمارے دفترِ خارجہ میں کسی شکایت کی اطلاع نہیں ملی۔" موہنی کے بعد اول خان نے بخشی کی تعریف شروع کردی۔

"یہ بخشی کا سوچا سمجھا کھیل بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خاموش رہ کر کرنل جمال دستی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے امید ہے کہ جمال دستی ایس ٹی ایف سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے ایک کارآمد پرزہ ثابت ہوگا۔"

"سبب کچھ بھی ہو، فوری طور پر حالات میں کچھ ٹھہراؤ سا نظر آنے لگا ہے۔" اول خان پر اس روز پر امیدی کی کیفیت طاری تھی "تم کو بخشی سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔"

"اور موہنی کے باپ کی خبر بھی لینی چاہیے۔" ویرا نے لقمہ دیا "وہ اپنی بیٹی کے کرتوتوں میں برابر کا شریک ہے۔ اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"اب تک جو کچھ ہوا، وہ میرے اور بخشی کے درمیان تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کا دخل نہیں تھا بلکہ فورس نے میری آخری کارروائی کو منسوخ کیا ہے۔" میں نے کہا "اسے چھیڑا گیا تو بخشی کا شبہ میری ذات کی طرف جائے گا۔"

"ویسے بھی پنڈت منوہر لال غلے کا آڑھتی اور پرانی وضع کا رئیس ہے۔" اول خان نے اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا "وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا ہوگا۔ بیٹی لکھ پڑھ کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوچکی ہے۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا ہوگا۔"

"قیاس آرائیاں کرنے کے بجائے تم بخشی سے بات کیوں نہیں کرتے۔" ویرا نے زور دے کر مجھ سے کہا "تم تو اس سے اپنے ضمیر کا سودا کرچکے ہو۔"

"مرچیں مت چباؤ۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "مذاق ایک حد تک اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی تم اس حد سے بہت آگے نکل جاتی ہو۔"

"آئی ایم سوری!" ویرا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

میں اول خان کے ہمراہ نکلا تو ویرا بھی ہمارے ساتھ ہولی۔ جیپ میں بات کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ تم دونوں نے بخشی کی جان بخشی کرکے ایک غلطی کی ہے۔" ویرا نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "دشمن کو جب اور جہاں موقع ملے، پیس کر رکھ دینا چاہیے مگر تمہاری نام نہاد مصلحتیں....!" ایک گہرا سانس لے کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں تمہارے فلسفے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن پر اس کے کمزور لمحوں میں وار کرنا چاہیے تاکہ وہ پلٹ کر زیادہ کاری حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ جب جواب میں زیادہ بڑے نقصان کا احتمال ہو تو اسے نظرانداز کردینا بہتر ہوتا ہے۔"

"دنیا بھر میں ہر طرف ایسی رقابتیں چلتی رہتی ہیں کہ تمہاری منطق عام ہوجائے تو روز بیسیوں سفارت کاروں کا لہو بہنے لگے۔" اول خان نے ویرا سے کہا "نفع نقصان کا حساب کتاب ہی انسان کی جبلت میں پوشیدہ اندھے انتقام کے جذبے کو لگام دیتا ہے۔"

میں اس بحث سے دامن بچا کر اول خان کے دفتر میں موجود اس فون کی طرف متوجہ ہوگیا جس پر سی ایس ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میرے پاس بخشی کے دفتر کا وہ نمبر تھا جس پر آپریٹر کے ذریعے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ نمبر سی ایس ڈی کے ذریعے استعمال کرنا ممکن نہیں تھا اسی وجہ سے میں اس کے گھر پر فون کرتا رہا تھا مگر پچھلی رات کی مفاہمت کے بعد اس نے مجھے اپنے دفتر کا راست نمبر بھی دے دیا تھا تاکہ میں کسی ہنگامی صورتِ حال میں اس سے رابطہ کرسکوں۔

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔ میری آواز پہچان کر وہ پر اعتماد لہجے میں بولا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور فون کرو گے۔ کہو، تمہارا کیا حال ہے؟ کہاں ہو؟"

"یہ محفوظ فون پر میرا اور تمہارا آخری رابطہ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر اداسی طاری کرلی "میں اپنے نئے ساتھی کو چارج دینے کی تیاری کررہا ہوں۔"

"تمہارے بارے میں مجھ سے گھما پھرا کر کئی سوال کیے گئے تھے مگر میں تم سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہا۔ ایس ٹی ایف اس وقت حیرت انگیز طور پر ہم سے تصادم کی حامی نہیں ہے یا کم از کم مجھے یہی تاثر دیا گیا ہے۔ میں نے اپنی شکایت روک لی ہے۔"

"تم مجھے لے جانے کے ارادے سے آئے تھے۔ اس میں ناکامی کا کوئی رنج... [illegible]"

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ ہمارے قونصل خانے کے ریکارڈ کے مطابق کل کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"اتنی رازداری کیسے ممکن ہے۔ تمہارے ساتھ وہ ماڈل گرل بھی تھی۔"

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس نے جواب دیا "اس کے پیشے کے تقاضے عجیب ہیں۔ وہ کل والے اسکینڈل کے بارے میں ذرا بھی زبان کھولتی تو اس کی ساکھ اور مارکیٹ فوراً تباہ ہوجاتی۔ شہر کے شوقین مزاج شرفا چکرباز لڑکیوں سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ہر اوباش مال دار اخباروں میں اپنے نام کی تشہیر سے ڈرتا ہے۔" میں نے تفہیمی انداز میں کہا "بات پولیس تھانے تک پہنچ جائے تو لڑکیوں سے برآمد ہونے والے وزیٹنگ کارڈز بھی عذابِ جان بن جاتے ہیں۔ مجھے اس لڑکی کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ تھا۔"

"تمہارا تبادلہ ہورہا ہے یا پھر کچھ اور ہونے کا امکان ہے؟" اس نے محتاط لب ولہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے جہاں سزا کے طور پر محض تبادلہ کرکے بات ٹال دی جائے۔" میں نے تلخی سے جواب دیا "جو کچھ ہوتا ہے، دو ٹوک اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔"

"برطرفی؟"

"آثار ایسے ہی ہیں۔ مجھ سے ہر بات پوشیدہ رکھی جارہی ہے۔ یہاں کا مردِ اول کسی بھی وقت مجھے جواب دے سکتا ہے۔"

"وہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" وہ متجسس ہونے لگا۔

"فی الحال کوئی ہوٹل دیکھوں گا۔ باقی بندوبست بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ اسے اب پھر دہرا رہا ہوں۔"

"کسی نئی مصروفیت سے پہلے میں چند روز آرام کرنا چاہوں گا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کررہا۔" میرے تذبذب کا اندازہ لگاتے ہی اس کا لہجہ بدل گیا "فوری طور پر تمہاری ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اس خلا کو پُر کرکے تم اپنے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہو۔ زندگی بھر عیش کرتے رہو گے۔"

"مجھے بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ یہاں سے فراغت کے بعد میں کسی دفتر میں کلرکی یا افسری تو کرسکوں گا، حساس نوعیت کے کاموں پر شاید پابندی ہوگی۔"

"یہ نہ کہنا۔ میں تمہارے بارے میں بہت دور تک سوچ چکا ہوں۔"

اس کی چال بازی پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ بخشی کے ذریعے میں نے شاید اوبرائن کے ذہن سے بھی یہ وسوسہ مٹا دیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ وہ حقیقت فراموش کردینے کے بعد ان دونوں کے ذہنوں میں صرف ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ کرنل جمال دستی ہی وہ شخص ہے جو ڈینی کو پہچانتا ہے اور اس کا سراغ لگا کر اسے پکڑوا سکتا ہے۔

ایس ٹی ایف میں میرا کردار ختم ہوجانے کی امید پر میجر بخشی میری طرف سے کچھ زیادہ ہی پرامید ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے فون پر میری نازبرداریاں کررہا تھا۔

"یہ میرے کہنے کی بات نہیں ہے میجر!" میں نے زور دے کر جواب دیا "تم خفیہ اداروں اور ایجنسیوں میں ملازمت کے پروٹوکول سے اچھی طرح واقف ہو....."

"میری خفیہ معلومات کے مطابق تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس آئین اور قانون سے ماورا ہے۔ اس کا کوئی تحریری کوڈ آف کنڈکٹ نہیں ہوسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہر فیصلہ کرسکو گے۔"

"جہاں تحریری ضابطہ کار نہیں ہوتا وہاں روایات کی پاس داری کرنی پڑتی ہے۔ میں خود بھی اس موقع کو نہیں گنواؤں گا مگر مجبوری، مجبوری ہی ہوتی ہے۔"

"تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔" اس کی آواز میں اطمینان جھلکنے لگا "جہاں کام کرنے کی امنگ موجود ہو وہاں کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے۔"

"اب میں کسی نئے ٹھکانے سے تم کو فون کروں گا۔ موجودہ ملازمت سے یہ شاید آخری رابطہ ہو۔" میں نے اپنائیت کے ساتھ کہا۔

بخشی سے میری گفتگو کے دوران ویرا برے برے منہ بناتی رہی تھی۔ اس کے دعائیہ کلمات کے بعد میں نے فون بند کیا تو وہ برس پڑی "اُس سے اس ڈرامے بازی کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ ڈرامے بازی نہیں، حقیقت ہے۔" اول خان نے اسے بتایا "فورس سے سبکدوش کیا جانے والا کوئی شخص کسی سیکرٹ مشن پر کام نہیں کرسکتا۔"

"اسے کیا معلوم کہ تمہارے کیا قاعدے ہیں۔" ویرا

نے جل کر کہا۔
"ڈینی کے آپشن اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ابتدائی مزاحمت بخشی کے اعتماد میں مزید اضافہ کرے گی۔ میں ڈینی کی پالیسی سے پوری طرح متفق ہوں۔"
"تمہیں اس کے ساتھ رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "اس طرح تمہیں ان کے عزائم کا علم ہوتا رہے گا۔ دوسری صورت میں تم بے خبری میں مارے جاسکتے ہو۔"
"میجر بخشی کے عزائم ہمارے لیے کبھی بھی نیک نہیں ہوسکتے۔ جب ہم اپنے سفارت کاروں کی زندگی کے خوف سے اسے مار نہیں سکتے تو اس سے رابطہ رکھنا گلے میں ڈھول لٹکا لینے کے مترادف ہوگا۔" میں نے ترشی سے جواب دیا۔
"گلے میں لٹکے ہوئے ڈھول سے نقصان پہنچ سکتا ہے' رابطہ رکھنے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"
"مشکل یہ ہے کہ تم اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ اس سے رابطہ رکھنے کا مطلب ہے کہ میں ہر وقت اس کی نظروں میں رہوں گا۔ میرا اصل نام اور کام دھرا رہ جائے گا۔" میں نے وضاحت کی "میری یہ بے عملی انہیں فائدہ پہنچائے گی۔"
"تم یہ بات اتنی بحث کے بغیر بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا مجھے گھورنے لگی۔
اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ اس نے ویرا کی ہٹ دھرمی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ڈینی کو الہام تو نہیں ہوسکتا تھا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔"
"کوئی معقول سبب سامنے ہو تو بحث کی نوبت نہیں آتی۔ کیا مجھے الہام ہوا تھا کہ ڈینی ان لوگوں کی طرف سے کیا سوچے بیٹھا ہے؟"
"ان الہامی مسائل میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے آدمی شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اول خان سے مطالبہ کیا۔
"ہمارے روٹین کے کچھ کام ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق سیکیورٹی سے ہی ہوتا ہے۔ آج تم کو یہ سوال کیوں یاد آرہا ہے؟"
"تمہاری معمول کی سرگرمیوں سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ دھن راج کے بارے میں کیا ہورہا ہے۔ پنڈت منوہر لال کے بعد اب وہی ہمارے سامنے ہے۔"
"بھیشم کے بیان کے بعد اس کا نام بڑے ملزم کے طور پر ریکارڈ پر آچکا ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "اس کی تلاش جاری ہے۔"
"تم نے تو کہا تھا کہ اس کا خاندان عمر کوٹ میں رہتا ہے۔ اس پر ہر وقت وہاں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔
"اس کا خاندان وہیں ہے۔ پہلے میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ کراچی سے نکل کر وہیں بھاگا ہوگا مگر اطلاعات ملی ہیں کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"
"تمہاری ان اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے؟" میں نے رواروی میں پوچھ لیا۔
"دراصل اس علاقے میں ہمارا کوئی یونٹ نہیں ہے۔" اول خان کے اس معذرت خواہانہ انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا "اس کے بارے میں عمر کوٹ پولیس پر انحصار کیا گیا تھا۔ یہ پیغام وہیں سے ملا ہے۔"
"دیہی علاقے کے چھوٹے شہروں میں پولیس اپنے علاقے کے نام نہاد معززین اور جاگیرداروں کی مرضی پر بے چون و چرا عمل کرتی ہے۔" ویرا کو اول خان کے خلاف نکتہ مل گیا اور وہ چہکنے لگی "دھن راج کوئی کمی کمین ہوتا تو اب تک ہتھکڑی اور بیڑی میں بندھا یہاں پڑا ہوتا۔ وہ ایک بڑے اور بارسوخ گھرانے کا آدمی ہے۔ عمر کوٹ کی پولیس نے اس سے مشورے کے بعد ہی پیغام دیا ہوگا۔"
"مجھے بھی یقین ہے کہ وہ وہیں ہوگا۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔" میں نے کہا۔
"پولیس والے قلیل تنخواہوں پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ان دور افتادہ علاقوں میں کام کرتے ہیں۔" اول خان نے ندامت سے کہا "طاقت ور جاگیرداروں سے ٹکرا کر وہ دو دن بھی وہاں نہیں جم سکتے۔ اپنے سکھ چین اور مالی فائدے کے لیے بیشتر پولیس والے ان کے حمایتی اور مددگار بن جاتے ہیں۔"
"اس حوصلہ شکن پیغام کے بعد کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ضروری ہوگیا تھا۔" میں نے تبصرہ کیا۔
"جس دن مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے دوسروں کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوئی' میں کنارہ کشی اختیار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" اول خان نے پرملال انداز میں کہا۔
"اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے بات بڑھائی "ڈینی سے تم ہمیشہ ہی مشورے لیتے رہتے ہو اور اس پر فخر کرتے ہو۔"
"پالیسی بنانا اور منصوبہ سازی کرنا ایک الگ بات ہے

میں روز مرّہ فرائض کی بات کر رہا تھا۔۔۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم عمر کوٹ کی طرف کوئی پارٹی روانہ کر چکے ہو؟" ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کوئی تفتیشی ایجنسی نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ کہا "اسٹرائیکنگ فورس ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتی۔"

"پھر یہ کام کون کرے گا؟" ویرا بھی یک بہ یک بہت سنجیدہ ہو گئی۔

میں نے ان دونوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کے ابتدائی فقرے نے میری زبان بند کر دی "وہ ایک باضابطہ پولیس کیس ہے۔ ہم ان کی عمل داری میں مداخلت نہیں کرتے۔ وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے اس کیس سے دلچسپی ہے اس لیے میں کام کی رفتار سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بلاوجہ میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ اول خان کے مسکت جواب پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "بلاوجہ میری ٹانگ نہ کھینچا کرو۔ میں بھی بہت سکون سے دوسروں کی دل آزاری کر سکتی ہوں۔"

"ہنسو نہیں، اب پوری بات سنو!" اول خان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بظاہر ویرا سے مخاطب ہونے کے باوجود وہ مجھے بھی باتیں سنا رہا تھا۔

"کراچی پولیس کو عمر کوٹ سے کورا جواب مل چکا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد جارحانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "ان کے لیے یہ بہت بڑا اور اہم کیس ہے۔ یہاں سے پوری رازداری کے ساتھ پولیس اور سی آئی اے کی دو پارٹیاں عمر کوٹ روانہ کر دی گئی ہیں۔ اگلے دو تین روز میں وہ دھن راج کو گردن سے پکڑ لائیں گے۔ اس کی گرفتاری پولیس کی ذمے داری ہے۔ یہ کام وہی کریں گے۔"

"دو پارٹیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ اپنا آبائی گھر چھوڑ کر کسی بھی طرف نکل جائے گا۔ زیادہ برے وقت میں وہ سرحد بھی عبور کر سکتا ہے۔" ویرا پھر بحث پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنے کان کھلے رکھا کرو۔ وہ لوگ بینڈ باجے کے ساتھ سائرن بجاتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ میں نے پوری رازداری کا ذکر کیا ہے۔ یہ رازداری کراچی سے عمر کوٹ تک برقرار رہے گی۔" اول خان نے برہمی سے کہا "دھن راج کی گرفتاری ہی نہیں، پورا کیس پولیس ڈیل کرے گی۔"

"اگر ہمیں کسی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آئی تو کوئی دقّت تو نہیں ہوگی؟" میں نے بڑھتے ہوئے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے ایک ضمنی سوال کیا۔

"کراچی لائے جانے کے بعد وہ ہر وقت ہماری دسترس میں ہوگا۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ مقامی پولیس ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرتی ہے۔"

اس کے وہ الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں میجر بخشی کے اغوا کا منظر تازہ ہو گیا۔ پولیس موبائل کا عملہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اس واردات میں دخل انداز ہوا تھا مگر ایس ٹی ایف کے ایک آدمی سے گفتگو کے بعد ان کے سربراہ کا رویہ یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔

دھن راج کا بوجھ میرے سر سے اتر گیا مگر دوسرا مسئلہ اپنی جگہ برقرار تھا۔

"رات میں یہاں سے تمہارے کافی آدمی کلب کی طرف گئے تھے مگر واپسی پر مجھے صرف تین ملے تھے۔ وہ کہاں رہ گئے تھے؟"

"وہ ان دونوں کے پیچھے گئے تھے جو بخشی کی پشت پناہی کے لیے کلب آئے تھے۔"

"کیا انہوں نے شروع میں ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بخشی کے ساتھی ہیں؟"

"وہ اس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر آخر تک کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔" اول خان نے کہا "حیرت ہے کہ تمہیں یہ ذکر اب یاد آیا ہے۔"

"ذہنی الجھنوں میں بات دب گئی تھی مگر میں بھولا نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"میرے آدمیوں کو ان دونوں پر اس وقت شبہ ہوا جب وہ تم تینوں کے پیچھے پیچھے پارکنگ لاٹ میں آئے تھے۔ جب وہ کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو میرے آدمی دوبارہ تذبذب میں پڑ گئے تھے کہ کہیں وہ بالکل ہی لاتعلق نہ ہوں۔"

"ان کے تعاقب کے نتائج کے بارے میں تم نے کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری کتھا سن لینے کے بعد میں نے ان دونوں کو غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کر دیا تھا۔ تم کوئی تذکرہ کرتے تو بات خود بہ خود کھلتی چلی جاتی۔"

"میرے لیے ہر وہ شخص بہت اہم ہے جو رزق و روزی اسی دھرتی کے وسائل سے کماتا ہے لیکن کسی لالچ میں پڑ کر پرائی سرحدوں سے آئے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا

بن جاتا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ تمہارے آدمیوں نے انہیں نظرانداز نہیں کیا۔"

"نفری زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ احتیاطاً ان دونوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ وہ بغدادی کے پرانے ہسٹری شیٹر ہیں۔ کلب سے نکل کر کینٹ اسٹیشن کے قریب واقع ایک ہوٹل میں گئے تھے۔" اول خان نے مختصر ترین الفاظ میں خلاصہ بیان کردیا۔

"میجر بخشی بہت محتاط آدمی ہے۔ ایسے خطرناک لوگوں سے اس کا رابطہ کیسے ہوا؟"

"یہ دیکھنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دھن راج سے ملتے جلتے رہے ہوں۔"

"دھن راج پہلے سے روپوش تھا۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیا وہ دونوں بھی ہندو ہیں؟"

اول خان کے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بتایا "ان کے نام موسیٰ اور ملنگ ہیں۔ چاہو گے تو ان کے بارے میں مزید کھوج لگالیا جائے گا۔"

"اپنے ایک دو آدمیوں کو فوراً اس کام پر مامور کردو۔ بخشی کو زندہ چھوڑنے کی خلش اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے کہ چند موٹی گردنیں ہمارے ہاتھ میں آجائیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

اس کے اطمینان دلانے پر میں نے اس کا دفتر چھوڑ دیا اور رویرا کے ساتھ واپس ہولیا۔

○☆○

اگلے دو دن انتظار اور باتوں ہی باتوں میں گزر گئے۔ تیسرے دن پہلی خبر یہ ملی کہ کراچی سے عمر کوٹ جانے والی دونوں پارٹیاں بے نیل و مرام واپس آگئی تھیں۔

عمر کوٹ جیسے چھوٹے سے قصبے میں کراچی سے جانے والی نفری فوراً ہی مقامیوں کی نظر میں آگئی تھی پھر وہاں کی پولیس میں موجود کسی کالی بھیڑ نے یہ خبر راج حویلی کے مکینوں تک پہنچا دی کہ کراچی کی پولیس دھن راج کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے آبائی شہر تک آپہنچی تھی۔

خبر لیک ہونے کے بعد دھن راج کی گرفتاری ناممکنات میں سے تھی۔ تفتیشی پارٹیوں کو عمر کوٹ میں کئی ایسے عینی شاہد ملے جنہوں نے دھن راج کو اس روز تک شہر میں دیکھا تھا لیکن راج محل والے شروع سے آخر تک اسی ایک بات پر اڑے رہے کہ دھن راج کراچی میں تھا۔ انہوں نے کئی ہفتوں سے اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

عمر کوٹ کی خاک نوردی اور کئی ناکام چھاپوں کے بعد دونوں پارٹیاں واپس آگئی تھیں۔ یوں کاغذی طور پر دھن راج کی جلد از جلد گرفتاری کی ذمے داری اس کے آبائی شہر کی پولیس پر ڈال دی گئی تھی۔ وہ دیہی علاقوں میں قانون کی کمزور عمل داری کی ایک افسوس ناک مثال تھی۔

اس روز دوسری اطلاع کرائے کے بدمعاشوں کے بارے میں ملی۔

موسیٰ اور ملنگ بدنام ہسٹری شیٹر ضرور تھے مگر ان دنوں اپنے طور پر کام نہیں کررہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق رستم دادا نامی ایک سفید پوش بدمعاش سے تھا۔

رستم بھاری معاوضہ لے کر اپنے اعتبار کے لوگوں کے لیے مختلف نوعیت کے جرائم کی منصوبہ بندی کرتا تھا۔ اس کے تنخواہ دار آدمی ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ کام کے دوران پکڑے جانے یا زخمی ہونے والوں کے لیے وہ بہت فراخ دلی سے قانونی اور مالی اعانت فراہم کرتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس کے پاس ملازم ہونے کے بعد شہر کے کسی شورہ پشت کو کسی چالان میں عدالت سے سزا نہیں سنائی گئی تھی۔

اس کے لیے کام کرنے والے قانونی ماہرین' مروج قوانین کی فنی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر اس کے پکڑے جانے والے ملازمین کو بچالے جاتے تھے۔

"حیرت کی بات ہے کہ کراچی میں رستم جیسا آدمی موجود ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں۔" اول خان سے وہ تفصیل سننے کے بعد میرا اشتیاق جاگ اٹھا۔

"میں نے کئی بار اس کا ذکر سنا ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دی۔" اول خان نے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اول خان چپ رہا لیکن سلطان شاہ بول پڑا "اگر میں غلطی نہیں کررہا تو رستم ایرانیوں کے بہائی فرقے کا بدمعاش ہے اور پارسی کالونی میں کہیں رہتا ہے۔"

"یہ وہی رستم تو نہیں جو کسی زمانے میں صدر میں ایرانی چائے کا مشہور ہوٹل چلاتا تھا؟" سلطان شاہ کے دیے ہوئے حوالے پر میری یادداشت بھی تازہ ہوگئی۔ وہ پرانی بات تھی لیکن اس وقت بھی لوگ رستم کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

"بالکل وہی ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "مجھے یہ

بھی بتایا گیا ہے کہ آج کا رستم دادا کسی زمانے میں چائے خانہ چلاتا تھا۔"
"یہ تحقیر کا ایک انداز ہے ورنہ وہ اس زمانے میں بھی ایک معقول ہوٹل کا مالک تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اس سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔" اول خان نے پر خیال انداز میں کہا "وہ اجنبیوں سے کسی قیمت پر نہیں ملتا اور اپنا زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا ہے۔"
"میں اس سے ضرور ملوں گا۔" میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا "ملاقات کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ وہ برسوں سے یہاں رہ رہا ہے۔ اس کے بہت سے شناسا نکل آئیں گے۔ ان ہی میں سے کسی کے حوالے سے اسے ملنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"
"یہ کام میں شاید آسانی سے کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"تمہیں اس سے ملتے ہوئے یاد رکھنا ہوگا کہ موسیٰ اور ملنگ تم کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔" ویرا نے ہماری گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔
"میں اس کا ٹائپ سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جرائم میں ملوث ہونے والوں کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا ہوگا۔"
"لیکن تمہیں اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔
"وہ بخشی کے لیے کام کرسکتا ہے تو ہمارے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"
"میں ویرا سے متفق ہوں۔" اول خان نے اعتراض کیا "پوری ایس ٹی ایف تمہاری پشت پر موجود ہے۔ تم کن کاموں کے لیے اس سے مدد لینا چاہتے ہو؟"
"ابھی تک ہم اصولوں کی صاف ستھری لڑائی لڑ رہے ہیں اس کے باوجود ہمارے لیے دن بہ دن خطرات بڑھتے جارہے ہیں۔ رستم سے کوئی مفاہمت ہوجائے تو ہم الگ تھلگ رہ کر دشمنوں کو بدترین نقصانات پہنچا سکتے ہیں۔"
"تم کیسے نقصانات کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ہم لوگوں کے لیے نقل و حمل اور سفر میں دشواریاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ اگر بخشی تعطیلات پر بھارت میں ہو تو کرائے کا کوئی گمنام قاتل وہاں پہنچ کر آسانی سے اسے ٹھکانے لگا سکتا ہے۔"
"یہ خیالی باتیں ہیں۔ عملی زندگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" ویرا نے منہ بنایا۔
"ممکن کیوں نہیں ہے....؟" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "کیا ہم کو آئزک بیل سے نمٹنے کے لیے امریکا تک دوڑ نہیں لگانی پڑی تھی؟ کیا ہم آج بھی اوبرائن کے لہو کے پیاسے نہیں ہیں؟"
"یہ بہت ٹیڑھے کھیل ہوتے ہیں۔ مقصد کی لگن کے بغیر ان میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "کرائے کے آدمی سر کے بل کھڑے ہوکر بھی تمہارے متبادل نہیں بن سکتے۔ ان کی چند ناکامیاں ہی تمہارے ارمانوں پر اوس ڈال دیں گی۔"
"پھر بھی میں یہ تجربہ کرنا چاہوں گا۔" میں نے اصرار کیا "کسی پرسکون گھر میں بیٹھ کر یہ خیال بہت راحت دے گا کہ کچھ لوگ پیسہ لے کر ہمارے مقصد کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔"
"اس طرح تم اپنے مقام سے گر کر رستم دادا کے درجے پر آجاؤ گے۔"
"فضول باتیں مت کرو۔ وہ پیسے کے لیے یہ سب کررہا ہے۔ اس کا مقصد دولت کمانا ہے اور ہم ایک بڑے مقصد کے لیے بے دریغ پیسہ لٹائیں گے۔"
"قارون کا خزانہ بھی کم پڑجائے گا۔ تم بہت چھوٹے ہو۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تم کوڑی کوڑی کو ترس جاؤ گے۔"
"ڈینی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ رستم کو دولت کی بڑی ہوس ہے۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دوبارہ دخیل ہوکر موضوع کو اچانک تبدیل کردیا۔
"تم اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا پہلو بدل کر اسی پر برس پڑی۔
"یہی کہ رستم دولت کا لالچی کتا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے میں کہا۔
"کچھ جانتے ہو تو کھل کر بات کرو تاکہ میرے آدمیوں کا کام آسان ہوسکے۔" اول خان نے اسے شہ دی "رستم جیسے طاقت ور اور بے رحم لوگوں کے ماضی کو کھنگالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جان کے خوف سے ہر ایک اپنی زبان سختی سے بند کیے رکھتا ہے۔"
"ایران میں جب بہائیوں کو مار پڑنی شروع ہوئی تو رستم نے وہاں سے بھاگنے والے کئی مال دار لوگوں سے بھاری رقمیں اس وعدے پر جمع کرلیں کہ اپنا کمیشن کاٹ کر وہ باقی رقم انہیں پاکستان میں ادا کردے گا۔ اس لین دین کی کوئی

رسید تھی نہ معاہدہ۔ یہاں آکر وہ مکر گیا اور اس رقم سے اپنا ہوٹل جمالیا۔" سلطان شاہ بتا رہا تھا "اس کے ہاتھوں لٹنے والوں نے شروع میں اسے پورے شہر میں بدنام کردیا تھا۔ وقت کے ساتھ لوگ یہ قصے بھول گئے اور وہ اپنے جارحانہ مزاج کی وجہ سے دھیرے دھیرے اپنی بدمعاشی کی دھاک بٹھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتا دیا؟" ویرا نے تنک کر پوچھا "تمہاری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے کہ پرانے واقعات کے بارے میں تمہاری باتوں پر اعتبار کیا جاسکے۔"

"ڈینی کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ لائن میں کافی دن گزارے ہیں۔ رات کو جب اڈے پر چوپالیں جمتی تھیں تو سن رسیدہ ڈرائیور اور مستری بس شہر کے بدمعاشوں کی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قاسو' دارا اور کالے ناگ کے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔"

"کام کا ہو یا نہ ہو' رستم دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تم کسی کو کام پر لگاؤ۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

میرے ان فقروں پر ویرا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اپنے نادر مشوروں کی عدم قبولیت پر وہ عام طور سے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"تمہیں بخشی سے بات کیے ہوئے دو دن ہوگئے ہیں۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فرصت کے اوقات میں' میں اس موضوع پر بھی غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل تم مجھ سے ضد پر اترے ہوئے ہو۔ میں جو کچھ کہوں گی' تم اس کا الٹ ہی کرو گے۔" برہم نظر آنے کے باوجود ویرا مداخلت پر مجبور ہوگئی۔

"پھر کچھ منحوس باتیں کرو تاکہ ڈینی کو کچھ مبارک فیصلے کرنے کا موقع مل سکے۔" سلطان شاہ کے بے ساختہ فقروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے بھڑک کر کرسی چھوڑ دی۔

"میں تمہاری صورت پر لعنت بھیجتی ہوں۔" اس نے لڑاکا انداز میں سلطان شاہ کو واقعی لعنت دکھا کر کہا "ڈینی نے تمہیں اتنا سر چڑھالیا ہے کہ تم بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہے ہو۔"

"میں نے کبھی قابلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مشکل سے مڈل پاس ہوں۔" سلطان شاہ نے سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ویرا پیر پٹختی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

"کبھی کبھی تم اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر ملامت آمیز نظریں ڈال کر کہا اور جلدی سے ویرا کے پیچھے چل دی۔

ان دونوں عورتوں میں یہ اچھی بات تھی کہ آپس میں حسد و رقابت کے جذبوں کے باوجود آڑے وقت میں ایک دوسری کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

ان کے مزاج میں وہ لچک نہ ہوتی تو مختلف اوقات میں تقریباً محاصرے جیسے حالات میں گزر اوقات تک مشکل ہوسکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے کہا "آج اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی۔ ہم تینوں ہی اس کی ہر بات کی تردید پر تلے ہوئے تھے۔"

"ہم میں سے کسی کا قصور نہیں تھا۔" اول خان نے فوراً اعلان کردیا "آج وہ خود ہی ہر ایک سے لڑنے بھڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایسی تنک مزاجی میں یہی ہوتا ہے۔"

"تم بخشی کے چنگل سے نکلنے کی کسی ترکیب کا ذکر کررہے تھے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا۔

"بہت آسان ترکیب ہے۔ کرنل جمال دستی کا کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔"

"میں بھی وہ ترکیب سننا چاہتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"کسی ہیر پھیر میں پڑے بغیر میں اسے بتاؤں گا کہ مجھے ایس ٹی ایف سے سبکدوشی کے ساتھ اومان کے ایک ہوٹل میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ تھما دیا گیا ہے۔"

اول خان اچھل پڑا "لاجواب بہانہ ہے۔ فورس چھوڑنے کے بعد تم مقامی منظرنامے سے غائب ہوجاؤ گے۔ گزر اوقات کے لیے باہر کی نوکری ہوگی اس لیے تمہیں بخشی یا کسی اور کے لیے کام کرنے کی حاجت بھی نہیں رہے گی۔"

"وہ بہت عیار اور خود غرض ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "مطالبہ کرسکتا ہے کہ تم باہر ملازمت کی پیشکش مسترد کردو۔ تم امتحان میں پڑجاؤ گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ ایس ٹی ایف کا ڈسپلن فوج سے زیادہ سخت ہے۔ حکم کی بس تعمیل ہوتی ہے۔ اس میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا اور جو حکم سے سرتابی پر تل جائے' اس کے دل میں نہایت سرد مہری سے ایک گولی اتار دی جاتی ہے۔"

اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "سفاکانہ ڈسپلن کی اس سے بہتر تصویر کشی ناممکن ہے۔ تم اسے لاجواب کردو گے۔"

"تم اسے یہ سب کب بتاؤ گے؟" سلطان شاہ نے مطمئن ہوکر سوال کیا۔

"اسے انتظار میں کچھ اور سسکنے دو۔ اس دوران میں میرا شیو کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بخشی سے گفتگو کے کچھ عرصے بعد تک میں اپنے پرانے حلیئے میں دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تمہاری طویل خاموشی اسے شکوک و شبہات میں ڈال دے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"جواز ملے گا تو وہ مطمئن ہوجائے گا۔ سبکدوشی اور اومان کے لیے روانگی کے دوران میں اسٹیشن فور کا ایسا قیدی ہوں جو ہر وقت نادیدہ نگاہوں کی نگرانی میں رہتا ہے....."

"تمہاری تیاری ہر طرح مکمل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ دی "تم نے اس بارے میں سوچ بچار پر واقعی خاصا وقت لگایا ہے۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد کوئی بھی تمہیں کرنل جمال دستی کے طور پر نہیں پہچان سکے گا۔"

○☆○

رستم دادا کے بارے میں میرا اشتیاق مجھے آخر کار فصیل جیسے احاطے والی اس وسیع عمارت تک لے آیا تھا جس کے ایک ستون پر نصب لکڑی کی تختی پر "بسیرا" لکھا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں کم از کم بارہ فٹ بلند تھیں۔ اوپر نوک دار آہنی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا تاکہ کوئی کمند یا سیڑھی کے ذریعے بھی دیوار پھاند کر احاطے میں نہ کود سکے۔

دیوار میں نصب سپاٹ آہنی پھاٹک بالکل سادہ اور مہیب تھا۔ اس کی بلندی دیواروں کے سرے چھو رہی تھی اور دونوں پٹ اتنے چوڑے تھے کہ شاید تین گاڑیاں ایک وقت میں پھاٹک سے گزر سکتی تھیں۔

بسیرا ایک ایکڑ سے بھی زیادہ رقبے پر بنی ہوئی اس پر شکوہ عمارت کا نام تھا جس میں رستم دادا اپنے اہلِ خانہ اور ملازمین کی ایک فوج کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے رستم پر کافی محنت کی تھی اور پتا چلایا تھا کہ بسیرا کی چار دیواری میں جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ رستم کے سارے خانگی ملازمین خالص پیشہ ورانہ بنیادوں پر رکھے گئے تھے۔

وہ اطلاع [illegible] اشتیاق کے لیے [illegible] مجھ کو

ثابت ہوئی تھی کیونکہ بسیرا میں موسیٰ یا ملنگ سے سامنا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اپنی شناخت کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر میں جرائم کی دنیا کے اس بے تاج بادشاہ سے مل سکتا تھا جو کسی کے ایما پر میجر بخشی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

فون پر رستم کے کسی آدمی سے میری بات ہوئی تھی۔ اس کے لیے اشرف علی خان کا حوالہ قابلِ اعتبار ثابت ہوا تھا اور اس نے ہمیں ملاقات کے لیے اگلے دن شام چھ بجے کا وقت دے دیا تھا۔

اشرف کراچی کا ایک متوفی شخص تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے ڈکیتی کی ایک مبینہ واردات میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں اپنے لاولد چچا کو مروا کر اس کی بڑی جائداد اور خطیر سرمائے پر وارث کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ بعد میں وہ خود بھی اسی طرح ڈکیتی کی ایک واردات میں مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا تھا۔ اشرف اور رستم کے میل جول کا سراغ بھی ایس ٹی ایف کے ذریعے ملا تھا۔

تقریباً سال بھر پہلے مرے ہوئے شخص کے حوالے سے رستم کی کچھار میں جانا دل گردے کا کام تھا لیکن سلطان شاہ پوری رضا و رغبت سے اس مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ ہم چھ بجنے سے چند منٹ پہلے ہی بسیرا کے سامنے موجود تھے۔ میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی تائیدی مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجا دیا۔ وسیع و عریض آہنی دروازے کا ایک پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھل گیا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مگر پھاٹک سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے دوبارہ بریک لگانے پڑ گئے۔

پختہ فرش میں گڑے ہوئے دو ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی زنجیر نے خم دار روش پر آگے بڑھنے کا راستہ مسدود کردیا تھا۔ وہاں دو باوردی محافظ سب مشین گنیں لیے چاق و چوبند کھڑے ہوئے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ان میں سے ایک پھرتی سے میری طرف آیا۔

"ملک ممتاز اور ملک افضل۔" میں نے شیشہ اتار کر اسے بتایا "ہمارا وقت طے ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی بیلٹ سے لگا ہوا واکی ٹاکی نکال کر لمحہ بھر کے لیے کسی سے دھیمی آواز میں بات کی اور سلسلہ ختم کرکے مجھ سے مخاطب ہوا "سر! کوئی ہتھیار ہے تو مجھے دے دیں۔ واپسی پر مل جائے گا۔"

ہمیں ایسے اہتمام کی پہلے سے توقع تھی اور ہم دونوں

مسلح تھے۔ اس کی فرمائش پر اشارہ یہ تین دو کے دونوں ریوالور نکال کر اس کے حوالے کر دیے گئے۔

زنجیر سے آگے کشادہ روش داہنی طرف بنی ہوئی طویل دو منزلہ عمارت کے آخری سرے تک چلی گئی تھی جہاں پہلے سے کئی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ محافظ نے ریوالور لینے کے بعد اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی آہنی زنجیر فرش پر گرا دی اور میں نے آہستگی سے گاڑی پختہ راستے پر آگے بڑھا دی۔

روش کے بائیں جانب گھنی اور اونچی باڑھ اُگی ہوئی تھی جو بہت قرینے سے تراشی ہوئی تھی۔ باڑھ کے درمیان جابجا پھل دار درخت نظر آرہے تھے۔ شاید اس کے پیچھے کوئی چھوٹا سا باغ تھا جس کی وجہ سے فضا میں تازگی کا احساس ہو رہا تھا۔

”کوئی ایمرجنسی ہو گئی تو یہاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔“ سلطان شاہ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے پر تشویش آواز میں بڑبڑایا ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے یہ مکان قلعے جیسا ہو گا۔“

”برے کلمات منہ سے مت نکالو۔“ میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی ”تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کراچی جیسے شہر میں ایسے پر فضا مکان آباد ہیں۔“

”اب تو سولی چڑھ ہی گئے ہیں، رام بھلی کرے گا۔“ میرا مشورہ اس کی فکر مندی رفع نہ کر سکا۔

طویل روش کے اختتامی سرے سے پہلے ایک اور باوردی شخص کھڑا ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف دباتے ہوئے اس سے چند قدم کے فاصلے پر روک لی۔ وہاں باڑھ کے درمیان ایک راستہ نظر آرہا تھا۔

باوردی ملازم نے سر کی جنبش سے سلام کرتے ہوئے بڑھ کر میرا دروازہ کھول دیا۔ میں انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ سلطان شاہ نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔

”سر! صاحب باغ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ اس نے باڑھ میں بنے ہوئے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

چلتی ہوئی گاڑی کے اترے ہوئے شیشے میں سے محسوس ہونے والا فرحت و تازگی کا احساس یک بیک بڑھ چکا تھا۔ باڑھ میں سے گزرتے ہی پھلوں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے باغ کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ باغ کی زمین سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن درختوں کے سائے میں گھاس جلنے کی وجہ سے سیاہ اور خاکستری دھبے نمایاں نظر آرہے تھے۔

اس روح افزا ماحول میں، باغ کے ایک گوشے میں کرسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک جسیم اور قد آور شخص براجمان تھا جو کسی بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

میں نے صرف اس کا نام ہی سنا ہوا تھا، کبھی اس سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان دنوں وہ رستم ایرانی کہلاتا تھا۔ اس کی نشاندہی کر کے محافظ واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں نے اپنے میزبان کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

وہ بہت وجیہہ اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر داہنی طرف کسی پرانے زخم کا لمبا سا نشان تھا جو کلین شیو رخسار پر دور ہی سے چمک رہا تھا۔ گھنے اور لمبے بالوں میں سیاہی پر سفیدی غالب تھی اور اس کے جسم پر بھی کلف لگا ہوا سفید لباس تھا۔

اس کے گرد بید کا فرنیچر پھیلا ہوا تھا۔ سامنے میز پر چار لاسلکی مواصلاتی آلات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ ان میں سے ایک موبائل فون اور دوسرا واکی ٹاکی تھا۔ بقیہ دو لاسلکی ریسیور تھے جو یقینی طور پر گھر میں موجود عام ٹیلی فون لائنوں سے منسلک تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ہم اس کے روبرو پہنچے تو وہ فون کان سے چپکائے کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے اپنی کشادہ نشست سے قدرے اچک کر باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

سات آٹھ سال کا گورا چٹا بچہ اس کے غیر مصروف کان میں انگلی گھماتے ہوئے شوخ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رستم کی آواز میری توقع کے برعکس نرم ثابت ہوئی۔ فارسی میں ہونے والی گفتگو ختم کر کے فون بند کرنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس کی مسکراتی ہوئی عقابی نظریں چہرے کے پار اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ بچہ ہمیں بھول کر دونوں ہاتھوں سے اس کے کان کھینچنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے پچکارا اور اردو میں کہا ”بیٹا! آرام سے بیٹھو، مہمان آئے ہیں۔“

بچہ باز نہیں آیا۔ میں نے دھیرے سے کہا ”میں ملک ممتاز اور یہ ملک افضل ہے۔“

”خوب!“ وہ غصے کے بغیر بچے کو اپنے ہاتھوں سے روکتے ہوئے مسکرایا ”کیا پیو گے؟ میں شراب نہیں پیتا مگر

مہمانوں کی تواضع کرنا جانتا ہوں۔ کوئی تکلّف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"صرف چائے!" میں نے کہا۔ وہ شخص ہر اعتبار سے مجھے متاثر کررہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس جیسا خطرناک آدمی ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا ہوگا مگر وہ زاہدِ خشک نکلا تھا۔

"جاؤ، اب تم اندر جاؤ اور بابا سے کہو کہ چائے بھیج دے۔ ہمیں باتیں کرنی ہیں۔" وہ جس تحمل سے بچے کی حرکتیں برداشت کررہا تھا اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اُسے بہت عزیز ہے۔

"نہیں، پہلے کان میں ایک بات سنو!" بچے نے ٹھنک کر بڑے لاڈ سے کہا۔

رستم نے ہماری طرف سے نظریں ہٹائے بغیر اپنا چہرہ بچے کے سامنے جھکا دیا۔ بچے نے کان کی لو پکڑ کر اسے اپنے

دہانے کی طرف کھینچا اور ایک زوردار چیخ مار کر ہنستا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

رستم کان میں انگلی ڈال کر زور زور سے ہلانے لگا "بہت شریر بچہ ہے۔"

"شریر ہی نہیں، بہت پیارا بھی ہے۔" میں نے دل کی گہرائی سے کہا "بیٹا ہے تمہارا؟"

"یہ میرا اکلوتا نواسا ہے۔" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "چائے آنے سے پہلے ہی بات شروع ہو جائے تو کیا ہرج ہے!" اس کی اردو بہت صاف اور شستہ تھی۔

مجھے اس پر رشک آ رہا تھا کہ پیسے لے کر لوگوں کے لیے بھیانک جرائم کا ارتکاب کروانے کے باوجود وہ کیسی بھرپور اور پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ بسیرا کی پُرفضا چار دیواری میں اس کے طور طریقے ذرا بھی مجرمانہ نہیں تھے۔ وہ ایک خوش قسمت گھریلو آدمی نظر آ رہا تھا۔

"ہمیں اشرف علی...." میں نے بات کی براہِ راست ابتدا کرنے کے بجائے تمہید باندھنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔

"یہ بات میں اپنے سیکریٹری سے پہلے ہی سن چکا ہوں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ یہ شرط نہ ہو تو وقت برباد کرنے والے کنجوس شاید یہاں قطاریں لگالیں گے۔ یہ بتاؤ کہ کام کیا ہے۔ قتل، اغوا یا ڈکیتی؟ اس کے بعد آگے بات ہوگی۔"

"ہم دونوں آپس میں کزن ہیں۔ ایک شخص نے ہم دونوں...." رستم کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ایک مرتبہ پھر ادھوری رہ گئی۔

"کام کے سلسلے میں، میں ضروری رازداری کا قائل ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا "میں جج ہوں نہ وکیل۔ تم کو میرے سامنے اپنی خواہش کا کوئی جواز یا سبب پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کام بتاؤ، میں دام بتاؤں گا اور پروگرام طے کر لیا جائے گا۔"

اپنے نواسے کو رخصت کر دینے کے بعد رستم کے چہرے پر درشتی عود کر آئی تھی مگر اس کی باتیں بہت دو ٹوک تھیں۔ وہ خود ہی اس ملاقات کو بہت سہل بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی شناخت، نہ جواز۔ مجھے بس براہِ راست کام بتانا تھا۔

رستم سے ملاقات کے لیے میری ساری تیاری بے سود ثابت ہوئی۔ متوقع سوال وجواب کا امکان دور دور تک باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "قتل!"

"تمہارا حریف کس شہر میں رہتا ہے؟" اس نے کسی توقف کے بغیر پوچھا۔

اس نے خود مجھے تفصیل میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف شہر کا نام لینے پر اکتفا کیا "نئی دہلی۔"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا اور اس نے چونک کر سوال کیا "کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟"

میرا جواب اثبات میں تھا۔ اس بار میں نے صرف سر کو جنبش دی تھی۔

"میں ملک کے اندر رہ کر کام کرتا ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کسی تردّد کے بغیر کہا "یہاں میرے رابطے ہیں، آدمیوں کو اونچ نیچ کا ہر تجربہ ہے۔ ملک سے باہر جانے کے لیے مجھے سوچنا ہوگا۔ سفر اور اخراجات سمیت سات لاکھ سے دس لاکھ تک خرچ ہو سکتے ہیں۔"

"رقم میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں اس کی کمزوری سے کھیلنے کے لیے تیار تھا۔

"مگر مجھے دوسرے مسائل کے بارے میں سوچنا اور دیکھنا ہوگا۔ ذرا سی چوک ہوگئی تو میرا آدمی اجنبی دیار میں کسی دادوفریاد کے بغیر مارا جائے گا۔"

رستم مختصر سوال وجواب کا سلسلہ ختم کر کے خود وضاحتوں پر آ گیا تھا۔ میں نے بھی اسے شہ دینے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا "بات یہاں کی ہوتی تو ہم خود بھی اسے مار گراتے۔ باہر کی مجبوری ہے اسی لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"وہ نئی دہلی میں کب سے رہ رہا ہے؟" رستم نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

"چند روز کی بات ہے۔ اس سے پہلے وہ کراچی میں تھا لیکن خطرہ بھانپ کر یہاں سے نئی دہلی جا بیٹھا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا "حالات سازگار ہونے پر شاید واپس لوٹ آئے۔"

"تم اس کی واپسی کا انتظار کیوں نہیں کر لیتے؟" کام بالکل پکا ہوگا۔ اخراجات میں بھی خاصی کمی ہو جائے گی۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"دل کے سکون کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہم اندر سے انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ بات اب برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ یہیں واپس آئے۔ وہاں سے وہ کہیں اور بھی جا سکتا ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

گفتگو کے دوران میں وہ دوسری مرتبہ چونکا اور بولا "بھارتی شہری بھی نہیں ہے؟"

بات آہستہ آہستہ ڈھب پر آ گئی تھی۔ میں نے ذرا کھل کر کہا "ہاں، امریکی ہے۔"

"امریکی بہت بزدل اور محتاط ہوتے ہیں۔" اس کے

الفاظ میں تحقیر کی ہلکی سی بُو نمایاں تھی "وہ خطرے سے آگاہ ہے تو ذرا مشکل سے ہی کسی دام میں آئے گا۔"

"یہاں وہ چوکنا رہتا تھا وہاں آرام سے گھیر لیا جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ کوئی اس کا پیچھا کرتا ہوا نئی دہلی تک پہنچ سکتا ہے۔"

اندر سے چائے کی ٹرے لے کر آنے والا معمر اور باریش مگر تن درست شخص ہمارے قریب آگیا۔ ہم تینوں کی خاموشی کے درمیان اس نے چائے کی پیالیاں تیار کیں اور واپس چلا گیا۔

چائے نوشی کے دوران میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اس کے باغ کی تعریف کی اور وہ انکساری سے ہمیں بعض بیش قیمت پودوں اور درختوں کے بارے میں بتانے لگا جو شہر میں ہی نہیں، ملک بھر میں نایاب تھے۔

چائے کا سلسلہ ختم ہونے پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم کل شام فون کرلو۔ میں کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بتادوں گا۔"

میں نے مایوسی اور قدرے حیرت سے کہا "کیا تمہاری طرف سے انکار کا امکان بھی ہے؟"

"موہوم سا!" اس نے بے پروائی سے کہا "دس پانچ لاکھ کے لیے میں اپنی اس جنت کو چھوڑ کر میدان میں نہیں نکل سکتا۔ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے ان کے حوصلے کا اندازہ لگانا ہے۔ امید یہی ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔"

"ہم بہت امیدیں لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ ضرورت ہو تو ہم اپنا فون نمبر چھوڑ دیں۔"

"کام تمہارا ہے، میرا نہیں۔ تمہاری غرض تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ تم خود ہی فون کرلینا۔ مجھے تمہارے کسی پتے یا ٹھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بہت بے خوف اور دلیر آدمی ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"جو آدمی سیدھا اور کھرا کام کرتا ہے، وہ اندر سے اسی طرح مضبوط ہوتا ہے۔"

"پھر بھی اندیشے تو ہوتے ہی ہیں۔ کوئی غلط آدمی بھی یہاں تک آسکتا ہے۔"

"وہ آکر کیا لے گا؟ میں کون سی ہیروئن کی تجارت کرتا ہوں۔ میں منشیات کے دھندے میں ہرگز ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہاں صرف باتیں ہوتی ہیں۔ باہر والوں کو کیا خبر کہ میں یہاں تم سے کیا بات کررہا ہوں۔" اس نے واضح صفائی سے غرور کے ساتھ کہا "اور اگر کوئی آہی جاتا ہے تو پھر یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہاں چپے چپے پر میرے محافظوں کی نگاہیں رہتی ہیں۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو مگر یہ سب باتیں آنے والے کو متحیر اور مرعوب کرتی ہیں۔" میں نے کہا۔

اس نے اٹھ کر خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھادیا۔

ہمارے لیے وہاں رکنے کی مزید کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ملاقات کے خاتمے کے خاموش اعلان پر ہم نے الوداعی مصافحے کیے اور واپس چل دیے۔ اس وقت تک رستم کے باغ میں کھمبوں پر لگے ہوئے متعدد برقی لیمپ روشن ہوچکے تھے۔ دھندلکا پھیل جانے کے باعث باغ کا منظر کچھ اور خوشنما معلوم ہونے لگا تھا۔

رستم کی طرح اس کے گھر کے سارے ملازم بھی مہذب اور شائستہ تھے۔ باڑھ والے راستے کے باہر موجود محافظ نے ادب سے ہمیں رخصت کیا، پھاٹک پر ہمارے پہنچنے سے پہلے ریوالور تیار رکھتے تھے جو کسی تاخیر کے بغیر واپس کردیے گئے اور ہم بسیرا سے نکلتے چلے گئے۔

"اس کی شخصیت اپنی شہرت کے برعکس بہت اثر انگیز ہے۔" باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "یہ اگر

کامیاب ہے تو اس کے اسباب میں اس کی ذات کا نمایاں دخل ہے۔"

وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت تھی۔ اس پوری ملاقات میں صرف ایک بات ہی قابلِ اعتراض تھی کہ رستم نے اپنے خوف ناک پیشے کو سیدھا اور کھرا قرار دیا تھا۔

بسیرا سے ہمیں ہوٹل پہنچنا تھا۔ واپسی پر کسی تعاقب وغیرہ کے اندیشے کے پیش نظر وہ بندوبست ضروری سمجھا گیا تھا مگر رستم اپنی دنیا میں مگن رہنے والا، ایک بے فکر انسان ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہمیں ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی نہ ہمارے بارے میں کسی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ واپسی پر ہمارے پیچھے سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔

ہمارے اس مشن کے بارے میں ویرا بہت زیادہ فکر مند تھی۔ اس کی رائے میں رستم دادا سے چھیڑ چھاڑ ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔ اس کی تسلی کے لیے میں نے راستے ہی میں اپنا موبائل فون آن کر کے سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔

اس نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر چند چٹ پٹی باتیں کیں۔ اس کے انداز سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ اول خان سے بات کر رہا تھا پھر اس نے فون مجھے تھما دیا۔

میں نے اسے ملاقات کی کامیابی کے بارے میں بتایا تو وہ کھل اٹھا۔ یہ بات ابتدا سے ہی ہمارے سامنے رہی تھی کہ رستم کی رضامندی کی صورت میں اوبرائن ڈی ہنٹ پر مہلک وار کر کے ہم امریکیوں کو ششدر کر سکتے تھے۔

ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد رات ڈھلے ہم وہاں سے اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان تینوں کو ہوٹل بلانے کا خطرہ مول لینے سے بہتر یہی تھا کہ ہم ان کے پاس چلے جاتے۔

ہماری واپسی کی سب سے زیادہ خوشی غزالہ کو ہوئی تھی۔ ہماری اور رستم کی ملاقات کے بارے میں وہ بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی مگر تفصیلات سن کر وہ بھی خوش ہو گئی۔ صرف سات لاکھ یا اس سے کچھ زائد رقم میں اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے موذی سے نجات حاصل کرنے کا سودا ہر اعتبار سے مسرت انگیز تھا۔

"احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رستم سے کوئی مفاہمت ہونے سے پہلے تم بخشی کے کان کھول دو۔" گفتگو کے دوران میں ویرا نے تجویز پیش کی "اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ تم کل اومان کے لیے روانہ ہو رہے ہو۔"

مجھے اس سے رابطہ کیے کئی دن ہو چکے تھے۔ اول خان اور سلطان شاہ نے بھی ویرا کی تائید کی۔ میں خود بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ میری غیر معمولی خاموشی بخشی کو میری طرف سے کسی جھلاہٹ میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کرنل جمال دستی والے کھیل کا اختتام کر دیا جائے۔

وقت کافی ہو چکا تھا مگر ایک فیصلے کے بعد رابطے کی کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ نمبر ملنے پر بخشی ہی نے فون اٹھایا اور میری آواز پہچانتے ہی خفگی سے پھٹ پڑا۔ وہ میری اور اس کی آخری دوستانہ گفتگو تھی۔ میں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ کیا اور جب اس کا لب ولہجہ معمول پر آ گیا تو میں نے فورس سے اپنی سبکدوشی اور اومان میں جبری تقرری کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کے لیے وہ خبر ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے اومان سے جان چھڑانے کے لیے تجویزیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ میں مایوسانہ انداز میں جواب دیتا رہا۔

جب ہر راہ مسدود ہو گئی تو اس کی آواز پر ناامیدی کا غلبہ ہو گیا "میں تمہارے لیے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ سب مل سکتا تھا، جو تم چاہتے ہو.... گرین کارڈ، بیس لاکھ ڈالر کا انعام اور آزادی... میں نے تمہارا کام آسان کرنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ تم اب بھی حوصلہ کر کے فرار ہو جاؤ تو سب ممکن ہے۔ منظرِ عام پر آئے بغیر بھی تم سب کچھ کر سکو گے۔ ایس ٹی ایف کے درندے تمہارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"سامنے آئے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ مجھے افسوس ہے میجر کہ وقت کے سفاک ہاتھوں نے میری ہر آرزو کا گلا گھونٹ دیا ہے۔"

"ڈینی کی تلاش کا کام میں نے کسی اور کو سونپ دیا ہے۔" اس نے مجھے حوصلہ دینے کے لیے انکشاف کیا۔ "اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہیں بس اس کی مدد کرنی ہوگی۔ وہ اپنا مقررہ معاوضہ لے گا اور انعام تمہارا ہوگا۔"

معاوضے پر کسی اور کی خدمت کا ذکر آتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"شاید تم اسے نہ جانتے ہو۔ وہ انڈر ورلڈ کا بادشاہ ہے۔ رستم تمہارے ہر خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے۔"

وہ اس سے آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی زبان سے رستم کا نام سنتے ہی میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے پہلے رستم سے اپنے معاملات طے کر چکا تھا۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ورا کو اغوا کرکے لے گیا اور ورا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار رہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ورا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلوجابیے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ورا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کرکے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کرکے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور رارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملتی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہِ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیشِ نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی۔ بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ورا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ورا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ورا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ورا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ورا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنگنس انکارپوریٹڈ میں کام کرنے والی ورا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیئے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کردیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ڈینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو مکرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھمن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر روا روی میں دی گئی اس دعوت کے پسِ پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھمن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ میشم داس سمیت پکڑے گئے۔ میشم داس اگرچہ صرف دھمن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھمن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی، میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسبِ توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا داؤ الٹ گیا اور میں اسے بے دست وپا کرکے اسٹیشن فور لے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈینی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھمن راج کی گرفتاری کے لیے عمرکوٹ جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رستم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کراتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اوبی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی معطلی اور غیر ملک میں نئی تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیئے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے رستم سے نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے بارے میں ابتدائی مذاکرات کیے تھے اور وہ اگلے دن مجھے اس بارے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے والا تھا مگر میجر بخشی اس سے پہلے ہی رستم کو میری تلاش پر مامور کرچکا تھا۔

فون پر میجر بخشی کا وہ انکشاف میرے لیے ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اس کے الفاظ نے فوری طور پر ... دیا تھا لیکن میرا وہ ابتدائی ردِّعمل زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ وہ موضوع میرے لیے اتنا سنگین تھا کہ میں نے شعوری کوشش کرکے اپنی پوری توجہ اس کی آواز پر مرکوز کردی۔ وہ میری تشویش سے بے خبر اپنی دھن میں بولے جارہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے ذرا سی ہمت کرلی تو رستم دو تین روز میں ہی ڈینی کی گردن میں پھندا ڈال دے گا۔ تمہیں زیادہ وقت نہیں

دینا ہوگا۔" میجر بخشی کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس ذرا بھی وقت نہیں ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "یہ بندوبست چند روز پہلے ہوگیا ہوتا تو اب تک سارا قصّہ نمٹ چکا ہوتا۔ مجھے ہر قیمت پر صبح کی پرواز سے اومان کے لیے روانہ ہونا ہے میں اس پروگرام سے انحراف نہیں کرسکتا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تمہاری ذرا سی بے خوفی ہم تینوں کی سرخ روئی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اوپی کے سامنے میرا سر اونچا ہوجائے گا' وہ اپنے بدترین دشمن کو زیر کرلے گا اور تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل جائے گی۔" اس نے پرامید لہجے میں اصرار کیا۔

"تم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسی باتیں کررہے ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں حکم سے سرتابی کا تصور ناپید ہے۔ میں طے شدہ پرواز سے روانہ نہیں ہوا تو وہ مجھے اس دنیا سے ہی رخصت کردیں گے۔ دنیا کی کوئی بھی ترغیب مجھے یہ بھیانک خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔"

"اس وقت تمہاری باتیں عجیب اور ناقابل فہم ہیں۔" میجر بخشی کی آواز میں جھلاہٹ ابھر آئی "تم اتنے بزدل ہوتے تو بھول کر بھی ایس ٹی ایف سے بغاوت کا خیال اپنے دل میں نہ لاتے۔"

"تو کیا میں تم سے جھوٹ بول رہا تھا؟" میں نے تنک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"اگر پہلے سچ بول رہے تھے تو اب جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "تم نے بار بار اس طرح روپ بدلے ہیں کہ اب پھر مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم کرنل جمال دستی نہیں ہو۔"

"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم ڈینی فوبیا کے مریض ہو۔" اس بار میں نے بھی ترشی سے کہا "جب بھی تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تمہیں اپنے اردگرد ڈینی کا آسیب ناچتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ تمہاری دہشت دور ہوتی ہے تو تم دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آتے ہو۔"

"بکواس بند کرو۔ میں تمہیں اپنا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اس کار خیر کے لیے مجھے تمہاری کسی اجازت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اپنی بے سروپا باتوں اور حرکتوں سے تم اپنے آپ کو خود ہی مضحکہ خیز بنا لیتے ہو۔"

میرے لب و لہجے پر وہ سنبھل گیا۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فون پر اس انداز میں مجھ سے الجھ کر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

"اگر میں تمہاری مجبوری کو مان لوں تو پھر بھی تمہارے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ تم ڈینی کو پکڑوانا چاہتے ہو تو رات بھر میں بہت کچھ کرسکتے ہو۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اس وقت اشتعال اور غصے میں بالکل بے مغز باتیں کررہے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی قابل عمل تجویز ہے تو میں اس پر غور کرسکتا ہوں۔"

"میں اسی وقت رستم سے بات کرسکتا ہوں۔ اس کا کوئی آدمی صبح ہونے سے پہلے تم سے کہیں بھی مل سکتا ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں اپنی معلومات سے اسے آگاہ کردو۔ وہ لوگ تمہارے چلے جانے کے بعد بھی صحیح سمت میں اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔"

"رستم کا نام میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم یہ نام ایک دھمکی' دھونس اور ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہو۔ سب سے پہلے مجھے اس کا حدود اربعہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ پتا چل جانے کے بعد میں اپنے آپشن دیکھوں گا۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ زیر زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ خود اپنے محفوظ قلعے میں محصور رہ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریں ہلاتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرلیتا ہے۔"

"ذرا سے بدلے ہوئے مفہوم کے ساتھ تم یہ خواص ڈینی سے بھی منسوب کرتے رہے ہو۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ رستم ڈینی کی ٹکر کا بلکہ اس سے بھی خوفناک آدمی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے' وہ ہر حال میں رونما ہو کر رہتا ہے۔"

"اور تم اسے اپنے مقصد برآری کے لیے خرید چکے ہو۔" میں نے تائید چاہی۔

"میں یہ بھی بتا چکا ہوں۔ وہ ڈینی کو ایک دلچسپ شکار اور چیلنج سمجھ کر رضامند ہوا ہے۔ تم اومانی مصیبت کو ٹال سکو تو اس بار تمہیں بھی لطف آجائے گا۔"

"میری مجبوری ناگزیر ہے۔ تم اس سے بات کرلو۔ میں اس کے آدمی تک پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تمہیں میری نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم اس کے آدمی سے کہاں مل سکتے ہو؟" مجھے آمادہ پاتے ہی اس نے پوچھا۔

"شہر کا کوئی بھی بارونق علاقہ ہوسکتا ہے جہاں کسی کو ہم دونوں پر شبہ نہ ہو۔"

"تم نے اس سے ملنے کا وعدہ نہیں کیا' اپنی کوشش کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے مجھے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے؟"

"ایس ٹی ایف میں پہلے میری پوزیشن صرف مشکوک تھی مگر اب میرے مستقبل کا فیصلہ کیا جاچکا ہے اور میں کراچی میں صبح تک کا مہمان ہوں۔ اگر یہاں سے نکلنے پر کسی نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو میں رستم کے آدمی کا رخ نہیں کروں گا۔ کچھ دور جا کر واپس اسٹیشن فوراً لوٹ آؤں گا۔"

میرا وہ حیلہ بہت وزنی تھا۔ میجر بخشی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکا مگر اس نے یہ ضرور کہا کہ میں اس سے پہلے ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں تک پہنچتا رہا تھا۔

"ہر بار میں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرا پیچھا نہیں کیا جاتا تھا۔ آج رات بھی میدان صاف ہوا تو

میں ضرور وہاں پہنچوں گا۔"

"تم پر بار بار غصہ آنے کے باوجود میں نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں پُرامید ہوں۔" اس کی آواز سے رہی سہی تلخی بھی کافور ہوگئی "میں اس سے پروگرام طے کرتا ہوں۔ تمہیں اس کے مطابق مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔"

میں نے آدھے گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کرکے سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم اس سے جان چھڑانے کے بجائے اس معاملے کو بلاوجہ طول دے رہے ہو۔ رستم کے آدمی سے مل کر تم کو کیا فائدہ ہوگا؟" ویرا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ میری نہیں' اس کی تجویز تھی اور وہ اس پر اصرار کررہا تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "یک لخت رابطہ ختم کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر مجھے منطقی انداز میں اسے یہ یقین دلانا ہے کہ اب وہ کرنل جمال دستی کو پاکستان میں تلاش نہیں کرسکے گا۔"

"وہ رہ رہ کر ہر مرتبہ تمہارے اوپر شبہ کررہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کے آدمی سے ملاقات کے بہانے وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ ہوچکا ہے کہ وہ افہام و تفہیم کے ذریعے تمہیں اومان جانے سے نہیں روک سکے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اول تو میرا رستم کے آدمی سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس کی طرف سے کوئی قابلِ عمل تجویز آئی تو اس پر پورے غور و فکر کے بعد اور پوری تیاری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔"

"اس بار... آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔" غزالہ بولی "بھرے کلب سے آپ کے اغوا کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اب وہ کوئی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر پیار سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا "تم فکر مت کرو۔ میں جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"یہ دوسرا موقع ہے کہ میجر بخشی نے بالکل وہی سوچا ہے جو تم سوچ رہے ہو۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں تبصرہ کیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کلب میں طے ہونے والی آخری ملاقات میں تم اس کے اغوا کا منصوبہ لے کر گئے تھے اور وہ بھی تمہارے بارے میں یہی فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔"

"یہ اور بات ہے کہ پہل کرنے کا موقع ملنے کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکا۔" سلطان شاہ بولا "ہماری سیاسی اور سفارتی مجبوریاں آڑے نہ آئی ہوتیں تو وہ اب سے بہت پہلے نرگیاش ہوکر جلتے بھنتے ہوئے گوشت کی بو سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا۔"

"اور اب رستم کے بارے میں بھی یہی ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "وہ اسے تمہارے پیچھے لگا چکا ہے اور تم اس سے اوبرائن ڈی ہنٹ کا کام تمام کروانا چاہ رہے ہو۔"

"یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میجر بخشی کی سوچ ہماری توقع سے زیادہ تیز ہے۔ یہاں دستیاب وسائل اور رابطوں سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔"

"اس کی قصیدہ گوئی میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ اب فون پر اس سے کیا بات کرو گے!" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے فکری سے جواب دیا "مجھے صرف اس کی بات سننی ہے اور ہمیشہ کے لیے اسے بھول جانا ہے۔ اس کی تجویز سودمند نظر آئی تو کچھ سوچا جائے گا ورنہ وہ سمجھ لے گا کہ میں کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکا۔"

"تمہاری سوچ بہت معقول اور واضح ہے۔" اول خان نے تعریف کی۔

"یہ بالکل بے مقصد سوچ ہے۔" ویرا نے حسبِ عادت اعتراض کردیا "تمہارے سامنے اب کوئی مقصد باقی نہیں رہا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم بخشی کے اسیر ہوکر رہ گئے ہو۔"

"تم کوئی بامقصد تجویز پیش کرو۔ میں مان لوں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"اس وقت بہترین صورت یہی ہے کہ ہم بخشی کو ماردیں اور اس افسانے کو یہیں ختم کردیں۔"

"یہ موضوع پہلے ہی ختم ہوچکا ہے۔ جوابی کارروائیوں میں ہم نہ جانے کیسے کیسے ہیروں سے محروم ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ نئی دہلی میں بخشی کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے۔"

اول خان چائے کے لیے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ مزے دار چائے کی چسکیوں کے درمیان وقت بہت تیزی سے گزر گیا اور ان کی یاددہانی پر میں دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

بخشی اپنے حصے کا کام نمٹانے کے بعد میری کال کا منتظر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے کہا "میری بات ہوگئی ہے۔ تم دو بجے تک بسیرا میں پہنچ سکتے ہو۔"

"بسیرا کیا بلا ہے؟" اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"تمہارے قائداعظم کے مزار کے سامنے پارسی کالونی آباد ہے جو پھیل کر سولجر بازار تک چلی گئی ہے اسی کے قلب میں بسیرا ایک مشہور محل نما عمارت ہے۔ شاید رستم وہیں رہتا ہے۔ اس کا آدمی وہیں تمہارا انتظار کرے گا۔"

"تم یہ سب جانتے ہو مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں صحیح آدمی تک پہنچا ہوں۔"

"مجھے اس دشواری کا اندازہ تھا۔ رستم فیلڈ میں کام کرنے والوں کو شاید اپنے گھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میری درخواست پر اس نے موسیٰ کو بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسے تم پہلی ہی نظر میں پہچان لوگے۔"

"میں کسی موسیٰ سے واقف نہیں ہوں۔" میں پھر انجان بن

گیا حالانکہ ایس ٹی ایف کے ذریعے مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ کلب میں اغوا کے دو طرفہ پروگرام کی پشت پناہی کے لیے میجر بخشی نے جن دو مسلح غنڈوں کو کلب کے لان پر بلایا تھا' ان ہی میں سے ایک کا نام موسیٰ تھا۔

"کلب میں موجود مسلح آدمیوں کی صورتیں تمہیں یاد ہوں گی' مونچھوں والے کا نام موسیٰ تھا۔"

"اس وقت اس کی صورت یاد نہیں' دیکھوں گا تو پہچان لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر پوچھا "مجھے رستم کا سامنا تو نہیں کرنا ہوگا؟"

"وہ بہت با اصول اور پیشہ ور آدمی ہے۔ غیر ضروری طور پر کسی کے سامنے آتا ہے نہ فضول باتوں میں وقت برباد کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں موقع محل کا جائزہ لے کر ابھی سے تیاری شروع کرتا ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہر قیمت پر وہاں پہنچنا ہے۔ اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو میں اومان میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ میں نے ابھی تک تمہیں اومان کے اس ہوٹل کا نام نہیں بتایا جس میں میری ملازمت کا بندوبست کیا گیا ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ وہاں تم روپوش ہو جاؤ گے۔ اومان بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ میرے آدمی ذرا سی دیر میں نام کے سہارے تمہارے کھوج نکال لیں گے۔"

اس بار میں قدرے زور سے ہنسا "یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ملازمت کے لیے میرا نام بدل دیا گیا ہے۔ فورس سے نکالے جانے کے بعد مجھے نئے نام اور نئی شناخت کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوگی۔"

میری ایسی باتیں اسے چڑانے کا سبب بن جاتی تھیں۔ فوراً ہی اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ تم جھوٹے ہو۔ دنیا کے سارے منفی اتفاقات تمہارے ساتھ ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ میں یہ بات ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔"

"اپنا خون نہ سلگاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا "یہ سب زمینی حقائق ہیں۔ تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دو بجے سے پہلے بسیرا میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اسی میں ہم سب کی عافیت ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی خفگی باقی تھی "یہ یاد رکھنا کہ اومان وغیرہ میں ہمارا نیٹ ورک بہت فعال ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ تم نے مخاصمت کی راہ اختیار کی تو زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کرسکو گے۔"

اس سے بات ختم ہوتے ہی میں اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "موسیٰ اور ملنگ اس وقت کہاں مقیم ہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کینٹ کا ہوٹل ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ وہ وہیں ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ موسیٰ بسیرا پہنچے' اسے اٹھوالو!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔" اول خان کے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی "ایس ٹی ایف والوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرتے کرتے میرے ہاتھ پیروں کو زنگ لگنے لگا ہے۔"

"جو کام بے خوف و خطر ہو کر سرانجام دیا جاسکتا ہے' اس کے لیے خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔ یہاں تم جتنی چاہو' اچھل کود کرسکتی ہو۔"

"نہیں!" ویرا اپنی ضد پر اڑ گئی "اپنی بے کاری اب مجھے کھلنے لگی ہے۔"

"ہم دونوں یہ کام آسانی سے کرلیں گے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ہم نے جب سے اسٹیشن فور پر پناہ لی ہے' بستروں سے لگ کر رہ گئے ہیں۔"

"مجبوریوں نے ہمیں پابند کیا ہوا ہے۔ باہر دشمن ہماری گھات میں ہیں اور وہ ویرا کو بہت آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "مجھے پہچاننے والوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اصل دشمن اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو میدان چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی میں زندگی بھر خطرات سے کھیلتی رہی ہوں۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے بولنے کا موقع

دیے بغیر کہا "ہم کب تک خوف زدہ چوہوں کی طرح اسٹیشن فور میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ اب ہمیں میدان میں نکلنا پڑے گا۔"

غزالہ بھی اسٹیشن فور کے یکساں شب و روز سے اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ہم نے اول خان پر غیر ضروری بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی نیا ٹھکانا ڈھونڈیں۔"

وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے ان کی ہم نوائی اختیار کرنے کا فیصلہ کر کے کہا "ٹھیک ہے، ہم تینوں ہی موسیٰ اور ملنگ کی خبر لیں گے۔"

"بسیرا کون جائے گا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "تم بخشی سے وعدہ کر چکے ہو۔"

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا بھی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "میرا اس حماقت میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے موسیٰ کو اٹھوانے کا ذکر چھیڑا تھا۔"

"موسیٰ وہاں نہیں پہنچے گا تو تمہارا جانا بھی غیر ضروری ہے۔" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "موسیٰ کے غائب ہونے سے بخشی الجھ جائے گا۔"

"گڈ!" ویرا خوش ہو گئی "میں بھی یہی کہتی ہوں۔ میجر بخشی کو سفارتی تحفظ حاصل ہے، اس کے خلاف کی جانے والی کسی بھی کارروائی کے انتقام کا خطرہ ہے لیکن دوسروں کو کسی خوشی میں بخشا جائے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ موسیٰ کے ساتھ ملنگ کو بھی اٹھالیا جائے۔" سلطان شاہ بولا۔

"موسیٰ کو لانا ضروری ہے۔ ملنگ بھی ہاتھ آجائے تو وہ بونس ہوگا۔" میں نے کہا۔

"وہ بہت نچلی سطح کے مجرم ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنے سے کیا فائدہ ہوگا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کئی فائدے تو بالکل واضح ہیں۔ موسیٰ جب بسیرا نہیں پہنچے گا تو میجر بخشی کے ساتھ رستم کو بھی تشویش لاحق ہو جائے گی۔ بظاہر وہ نچلی سطح کے آدمی ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن اتنے اہم ضرور ہیں کہ بخشی کی فرمائش پر رستم ان میں سے ایک کو اپنے گھر بلانے پر آمادہ ہو چکا ہے۔"

"بخشی نے بسیرا میں میری اور موسیٰ کی ملاقات کا پروگرام آج بلکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے طے کیا ہے۔ یہ خبر بھی تازہ ترین معلوم ہوتی ہے کہ بخشی نے میری یعنی ڈینی کی تلاش کا کام رستم کو سونپ دیا ہے۔" میں نے کہا "جب کہ موسیٰ اور ملنگ کے نام کئی روز پہلے ہمارے سامنے آچکے تھے۔"

"اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"بخشی اور رستم کے درمیان پہلے سے مفاہمت چلی آرہی ہے...."

ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ موسیٰ اور ملنگ نے ہی بخشی اور رستم کے درمیان رابطہ کرایا ہو۔"

"میں خود یہی کہنا چاہ رہا تھا لیکن تمہیں پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑانے کا خبط ہے۔ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

"ان سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ وہ کلب میں کس کے ذریعے پہنچے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا "میجر بخشی نے اپنی پوزیشن کی وجہ سے خود سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔"

"بہت سے سوالات ہیں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ایک بار ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ چل نکلے گا تو ہر بات خود بہ خود کھلتی چلی جائے گی۔"

"اب تم خود اس کام میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ ہو تو ویرا کو رک جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"کیوں؟ میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے جو مجھے روک رہے ہو؟" ویرا تلملا اٹھی۔

"عورتیں چار دیواری ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ باہر نکل کر وہ موہنی پنڈت بن کر رہ جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "خلقِ خدا فساد میں مبتلا ہونے لگتی ہے۔"

"تمہاری ایسی کی تیسی، تھوڑی دیر پہلے میں نے بات چھیڑی تو سب سے پہلے تم خود میرے ساتھ نکلنے پر آمادہ تھے۔ اب مجھے دودھ سے مکھی کی طرح الگ کر رہے ہو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ میری اصولی رائے تھی کہ اب ہمیں جمود کو توڑنے کے لیے خود میدان میں اترنا چاہیے۔ یہ کام مردوں کو ہی زیب دیتا ہے۔"

"کیا تم اس کی رائے سے متفق ہو؟" مجھے خاموش پا کر ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

ویرا کے چہرے پر بے بسی اور جھنجلاہٹ کے آثار اتنے گہرے تھے کہ میں کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جوں ہی ویرا کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ سنجیدگی سے کیے جانے والے مذاق میں خود کو تماشا بنا چکی ہے، وہ مُکا تان کر خفت آمیز انداز میں سلطان شاہ کی طرف لپکی اور وہ دوڑ کر دفتر سے نکل گیا۔

○☆○

کینٹ کا وہ ہوٹل اسٹارز کے لحاظ سے کسی قطار و شمار میں نہیں تھا مگر نچلی منزل پر واقع ہوٹل کے صاف ستھرے ریستوران کے خوابیدہ سے ماحول میں قدم رکھتے ہی مجھے ایک خوشگوار ذہنی جھٹکا لگا۔ ریستوران میں تزئین، آرائش، صفائی اور سروس کا معیار بہت بہتر تھا۔

"یہاں تو ساری ہی لمبی چوڑی میمیں بھری ہوئی ہیں۔"
سلطان شاہ بیشتر میزوں پر مغربی لباس میں ملبوس گراں ڈیل، سفید فام عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر میرے کان کے نیچے منمنایا۔

"اچھا ہے۔ ویرا آسانی سے ان روسی عورتوں میں گھل مل جائے گی۔" اسے جواب دیتے ہوئے میں ایک گوشے کی طرف ہولیا جہاں دو میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔

ریستوران میں چہل پہل اور رونق کے باوجود متعدد میزیں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں۔ سبب یہ تھا کہ بعض آباد میزوں کے گرد گنجائش سے زیادہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر ملے جلے چہرے موجود تھے۔ ہوٹل میں بیشتر مرد مقامی ہی تھے۔ سفید فام مردوں کی تعداد خاصی کم تھی۔

"اس علاقے کے ہوٹل میں اتنی غیر ملکی عورتوں کی موجودگی پر تمہیں حیرت نہیں ہے۔" کرسی سنبھال لینے کے بعد سلطان شاہ نے دوبارہ اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"اگر تم باقاعدگی سے اخبارات پڑھتے رہو تو ایسے مشاہدوں پر تمہیں بھی حیرت نہیں ہوگی۔ یہ سب روسی ریاستوں اور پاکستان کے درمیان پھیرے لگا کر دو طرفہ اسمگلنگ کرنے والیاں ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "مال سے بھرے ہوئے سوٹ کیس ان کے کمروں میں ہوں گے۔ یہ یہاں اپنے متوقع گاہکوں سے ابتدائی سودے کر رہی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ سب کی سب اسی ہوٹل میں جمع ہوگئی ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"سیزن میں صدر سے یہاں تک کے سارے متوسط ہوٹل ان ہی بنجاروں اور بنجارنوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ریاستوں سے برقی اور الیکٹرونک سامان کی بڑی بڑی کھیپیں لا کر یہاں بیچتی ہیں اور یہاں سے سستے اونی اور چرمی ملبوسات اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔"

"مرد تو پھر بھی قمیص پتلونوں میں ہیں لیکن عورتوں کے کپڑے بے حیائی کی حد تک ناکافی ہیں۔" سلطان شاہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا "انہیں ایسے کپڑوں میں شرم نہیں آتی؟"

"یورپ اور امریکا والوں کی طرح ان کی معاشرت میں بھی شرم حیا کا گزر نہیں ہے۔ پھر یہ ان کے کاروباری حربے بھی ہیں۔ غور سے دیکھو کہ ان سے مذاکرات کرنے والے پاکستانی خریدار اور دکان دار کیسے ندیدے پن سے انہیں گھور رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ پاکستانی مرد گوری چمڑی پر مرتے ہیں۔"

"ہم دونوں بھی پاکستانی مرد ہیں اور دن رات ویرا جیسی آزاد خیال عورت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔" اس نے ملامت بھرے لہجے میں یاد دلایا۔

"میں سب کی نہیں، اوباش فطرت مردوں کی بات کر رہا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"لعنت ہو ان موٹی اور لمبی چوڑی چڑیلوں پر۔ بدن کی نمائش سے دنیا میں کون سا کاروبار ہوتا ہے؟"

"غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کا سارا کاروبار وجودِ زن سے ہی چل رہا ہے۔ شیونگ بلیڈ سے لے کر تعمیراتی سریا تک خوب صورت عورتوں والے اشتہاروں کے ذریعے بیچا جا رہا ہے۔"

"اشتہاروں کی اور بات ہے۔ یہاں تو یہ خود...." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اشتہاروں سے ہٹ کر بھی تمہیں جگہ جگہ خوش لباس اور خوب رو سیلز گرلز نظر آئیں گی۔ یورپ میں تو لوگ مردانہ انڈر گارمنٹس بھی ان ہی دکانوں سے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں کاؤنٹر پر لڑکیاں خریداروں سے ان کی ضروریات معلوم کرتی ہوں۔"

"یہ یورپ کا کوئی شہر نہیں، کراچی ہے۔ یہاں یہ سب عجیب معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ اسمگلنگ اور تجارت کے بجائے براہِ راست جسم فروشی ہی شروع کردیں۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "ان میں کچھ پارسا بھی ہوتی ہوں گی مگر ان کی عمومی شہرت یہی ہے کہ خرید و فروخت کے دوران میں انہیں اپنے وقت کا کوئی معقول خریدار مل جائے تو یہ اسے بھی مایوس نہیں کرتیں۔ خوشی سے ایسی اضافی آمدنی کو قبول کر لیتی ہیں۔ ہر قیمت پر پیسہ کمانے کا اصول ان کی خوش حالی کا راز ہے۔"

"لباس کے اعتبار سے تو مجھے ان میں سے ایک بھی پارسا نظر نہیں آتی۔ وہ گھوم پھر کر دوبارہ اپنے پرانے نکتے پر لوٹ آیا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔

"یہ برفانی علاقوں کی رہنے والیاں ہیں۔ ہمارے قوانین ان کی راہ میں مانع نہ ہوں تو یہ شاید صرف ستر پوشی پر ہی اکتفا کریں۔ ہر علاقے کے لوگوں کی موسمی ضروریات جدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے گرم اور مرطوب موسم میں تمہیں ان کو تھوڑی سی رعایت دینی ہی ہوگی۔"

اسی دوران میں ویٹر ہمارے لیے چائے اور سینڈوچز لے آیا اور ہم خاموشی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف ہوگئے۔ سلطان شاہ کی بے چین نگاہیں بار بار گرد و پیش کا طواف کر رہی تھیں۔ ہال کی بند فضا میں رچی ہوئی بُو سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ملک میں شراب نوشی و فروشی پر پابندی ہونے کے باوجود غیر ملکیوں کی آڑ میں وہاں شراب نوشی جاری تھی۔ ریستوران میں الکحل کی تیز بُو، بہکی ہوئی مخمور نظروں اور بات بے بات پر بلند ہونے والے اضطراری قہقہوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہاں کچھ اور حجاب سرک جائیں گے۔

ہم دونوں اس ہوٹل میں کسی خاص پروگرام کے تحت نہیں پہنچے تھے۔ بس ویرا کی ضد تھی کہ وہ موسیٰ اور ملنگ کو اپنے طور پر پھانسے گی۔ وہ ہم سے گاڑی کی چابی لے کر ان دونوں کے ہوٹل میں

چلی گئی تھی۔ ہم وقت گزاری کے لیے برابر والے اس ریستوران میں گھس گئے تھے جہاں عملی طور پر روسی خواتین غالب تھیں۔

ہمیں اس ریستوران میں نصف گھنٹا گزارنا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمیں ہر حال میں گاڑی کے پاس یکجا ہونا تھا۔ ویرا اپنے مشن میں کامیاب ہوتی تو ان دونوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ہمارا انتظار کرتی۔ ناکامی کی صورت میں اسے بے نیل و مرام واپس لوٹ آنا تھا۔

مقررہ وقت پر ہم دونوں ریستوران سے نکلے تو ویرا خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ عقبی نشستوں پر کسی کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہم دونوں بے خوف ہو کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ دروازے کے لیور کی آواز سن کر ویرا نے میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی جس میں کامیابی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو کسی ٹیکسی سے اسٹیشن فور روانہ کردیا ہے۔“ سلطان شاہ نے عقبی نشست میں گھستے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

”زیادہ چہکنے کی کوشش مت کرو۔“ ویرا نے اس کی طرف مڑ کر تیزی سے کہا ”میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ موسیٰ کو دو بجے سے بہت پہلے بسیرا پہنچنا ہے۔ اس وقت وہ دونوں کسی حور پر بھی توجہ نہیں دے سکیں گے۔“

”ماشاء اللہ!“ سلطان شاہ نے پھر گہرا طنز کیا ”تو اب تم خود کو حور سمجھنے لگی ہو۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ جہنم میں حوریں نہیں، چڑیلیں ہوتی ہیں....“

ویرا نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کرکے مجھ سے کہا ”ان کا ہوٹل مشتبہ سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ ہوٹل کا عملہ ان حرکتوں میں پوری طرح ملوّث ہے۔ انٹرکام پر موسیٰ سے میری ناکام گفتگو کے بعد ہوٹل کے منیجر نے مجھے دو ہزار روپے کے عوض رات ہوٹل میں بسر کرنے کی پیشکش کی تھی۔“

”اور تم اپنی یہ تذلیل سہہ کر خاموشی سے واپس آگئیں؟“ سلطان شاہ کھول اٹھا۔

”میں گھر سے ایک مشن لے کر نکلی ہوں۔ تمہاری طرح جذبات کی رو میں آکر عقل کو خیرباد نہیں کہتی۔“ ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا ”گھر سے قدم نکالنے والی عورتوں کو مغرب کے آزاد معاشرے میں بھی کبھی کبھار ایسے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے مردوں کی عقلوں پر صرف ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو ہر اکیلی عورت کو برائے فروخت تصور کرتے ہیں۔ ہوٹل کے منیجر کو بھی میں نے ایسا معذور سمجھ کر معاف کردیا اور واپس چلی آئی۔“

”اب کیا ارادہ ہے؟“ میں نے اس ناخوشگوار موضوع کو یکسر بدل دیا۔

”انتظار۔“ ویرا نے کہا ”وہ کسی بھی وقت بسیرا کے لیے روانہ ہوسکتا ہے۔ میری ناکامی کے بعد اس پر راستے میں ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔“

”تم نے انٹرکام پر موسیٰ سے کیا بات کی تھی؟“ سلطان شاہ کا ذہن بدستور ویرا کی توہین میں الجھا ہوا تھا جب کہ ویرا کے لیے اس واقعے کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

”تم ذہنی طور پر ابھی تک ننھے سے جذباتی بچے ہو۔“ ویرا قدرے غصے سے بولی ”اس قماش کے ہوٹلوں میں رہنے والوں کو اجنبیوں کی طرف سے کال ملنا عام سی بات ہے۔ وقت اور موڈ ہو تو کچھ نہ کچھ طے ہوجاتا ہے ورنہ ہلکی سی معذرت اور کریڈل دبانے سے بات ختم ہوجاتی ہے۔ میں نے بھی یہی ترکیب آزمائی تھی۔“

”تمہیں موسیٰ کے کمرے کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟“ سلطان شاہ کی تسلی نہیں ہورہی تھی۔

”نام بتا کر کاؤنٹر سے کسی کا بھی کمرا نمبر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اتنی معمولی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں۔“ ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

”اب بات سمجھ میں آرہی ہے۔“ سلطان شاہ نے افسوس سے سرہلاتے ہوئے کہا ”تم نے اس سے گھٹیا اور بازاری باتیں کی ہوں گی اسی وجہ سے ہوٹل کے منیجر کو ہمت ہوئی کہ دو ہزار روپے میں تمہیں رکھنے کی دعوت دے۔ تم ہم لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر چڑنے لگتی ہو اور اپنی مرضی ہو تو اپنے مقام سے اس قدر گرجاتی ہو اس کے باوجود تمہیں ذلت کا احساس نہیں ہوتا۔“

”اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کبھی نہیں شرمانا چاہیے۔ عزت اور ذلت دوسروں کے دینے سے نہیں ملتی۔ یہ انسان کا اپنا اندر کا احساس ہوتا ہے جو اسے بلند یا سرنگوں رکھتا ہے۔ یہ سارے فلسفے مجھے میرے مربّی اور اتالیق، ژان مریانو نے سکھائے تھے۔ کبھی فرصت ہو تو ڈینی سے اس کی کہانی سن لینا۔“

”اس پر راستے میں ہاتھ ڈالنے میں کام بگڑنے کا خطرہ ہے۔“ ویرا سے مایوس ہوکر سلطان شاہ مجھ سے مخاطب ہوگیا ”موسیٰ تمہیں پہچانتا ہے۔ دیکھتے ہی بدک جائے گا۔“

”فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔“ میں نے مسکرا کے کہا ”آج وہ حریف نہیں، حلیف ہے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے ہی بسیرا کی طرف جائے گا۔“

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کو رہ رہ کر ویرا والا قصّہ یاد آتا رہا۔ وہ کڑھتا رہا اور ویرا بے پروائی سے اسے سلگانے والے جواب دیتی رہی۔

جوں ہی برابر والے ہوٹل کے دروازے سے موسیٰ باہر آیا، میں اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ کچھ فاصلے پر واقع ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جارہا تھا۔

اس کے پاس اپنی سواری کے ذریعے کا نہ ہونا میرے لیے

تشویش کا باعث تھا۔ اس طرح ہماری کارروائی میں ایک غیر متعلقہ اور غیر ضروری فریق شامل ہو سکتا تھا۔ کسی وجہ سے بات بگڑ جاتی تو ٹیکسی ڈرائیور کی گواہی ہمارے لیے کوئی نہ کوئی دشواری پیدا کر سکتی تھی۔

ویرا کو گاڑی پارکنگ سے نکال کر موسیٰ تک پہنچنے میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے صورتِ حال بھانپتے ہی دروازہ کھول کر اپنی نشست چھوڑ دی اور موسیٰ کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سن کر موسیٰ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ چونکنے انداز میں تیزی سے پلٹ پڑا۔

اس وقت میں نے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اس قدر نمایاں تھیں کہ انہیں اس کی اکلوتی شناخت قرار دیا جا سکتا تھا۔ سیاہ مونچھوں تلے اس کے ہونٹ تحیّر زدہ دائرے کی صورت میں سکڑ گئے تھے۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوف کے لہریے تیرنے لگے۔ اس کا داہنا ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ جیب کی طرف گیا تھا۔

”میں خالی ہاتھ ہوں، موسیٰ!“ میں نے دور ہی سے سرزنش کے انداز میں اتنی اونچی آواز میں کہا کہ میرے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ اس اعلان کے ساتھ میں نے اپنے دونوں خالی ہاتھ تقریباً شانوں کی بلندی تک اٹھا لیے تاکہ وہ میرے دعوے کی بچشم خود تصدیق بھی کر سکے۔

وہ چلتے چلتے مڑ کر رک چکا تھا، میں اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ میری دوڑ زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن رفتار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس پھولا گیا تھا۔ میں اس کے سامنے رک کر سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

”تت.... تم اِس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟“ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں پوشیدہ کسی آتشیں ہتھیار پر جما ہوا تھا مگر پھر بھی خوف سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

”مم.... میں.... تم سے مل.... ملنے آیا تھا۔“ میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا ”مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ اب پروگرام بدل گیا ہے....“

”کیا پروگرام بدلا ہے....؟ مجھے کسی تبدیلی کا علم نہیں ہے۔“ اس کی خوف زدہ اور اشتباہ آمیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ اب تم بسیرا نہیں جاؤ گے۔ ہم یہیں گاڑی میں گھوم پھر کر اپنی باتیں کریں گے پھر تمہیں تمہارے ہوٹل پر چھوڑ دیا جائے گا۔“ میں نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کی

خاموشی کے بعد بولا "مجھے اپنے بڑے کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا۔ میں تمہارے کہنے سے اپنا پروگرام نہیں بدلوں گا۔"

"تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا" میں نے پُرامید لہجے میں کہا "مجھے دو بجے تک بسیرا پہنچ کر تم سے ملنا تھا۔"

رفتہ رفتہ اس کا اعتماد بحال ہو چلا تھا۔ اس نے نخوت بھری آواز میں کہا "میں خواب میں دیکھے ہوئے چہرے بھی برسوں نہیں بھولتا۔ تم تو زندہ انسان ہو۔ تمہارا نام کرنل جمال دستی ہے۔"

میرے دوڑ کر اُس تک پہنچنے کی وجہ سے قرب و جوار میں موجود کئی افراد اور راہ گیروں کی توجہ ہماری طرف مبذول ہوئی تھی مگر ہمارے درمیان کوئی تصادم ہونے کے بجائے' پرسکون مذاکرات کے آغاز پر سب نے ہمیں نظرانداز کردیا تھا۔ اس وقت کوئی بھی خاص طور سے ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"گڈ!" میں نے اس کی یادداشت کی تعریف کی اور اسے مرعوب کرنے کے لیے اس کے بڑے کا نام لیتے ہوئے کہا "میرے باس نے رستم دادا سے بات کر کے چند منٹ پہلے مجھے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ رستم کا فون آنے تک تم اپنا ہوٹل چھوڑ چکے ہو۔ چاہو تو میں اپنے موبائل فون پر رستم سے تمہاری بات کرا سکتا ہوں۔ صرف جگہ کی تبدیلی پر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بسیرا پہنچ کر بھی تمہیں مجھ سے ملنا تھا۔ اس وقت میں خود تمہارے روبرو موجود ہوں۔"

"کیا تم باہر رک کر میرے ہوٹل کی نگرانی کر رہے تھے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وقت پر آگیا ہوتا تو ہوٹل ہی میں تم سے مل لیتا۔ بس ابھی ابھی پہنچا ہوں۔ گاڑی سے اترتے ہی تم پر نگاہ پڑی تو میں نے بوکھلا کر دوڑ لگا دی۔"

میرے برجستہ جواب نے اسے مطمئن کردیا "تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

"اُدھر۔" میں نے ہاتھ سے موہوم سا اشارہ کیا۔ گاڑی کی نشان دہی میں خطرہ تھا کہ وہ ویرا اور سلطان شاہ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہی بھڑک جاتا۔ کیونکہ اسے صرف مجھ سے ملنا تھا۔ میرے ساتھ کسی کی موجودگی بنیادی پروگرام سے میل نہیں کھاتی تھی۔

"تمہارے باس کا کیا نام ہے؟" اس نے میری بتائی ہوئی سمت میں قدم بڑھاتے بڑھاتے اچانک رک کر سوال کیا۔

"باس صرف باس ہوتا ہے۔" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "تم نے اپنے بڑے کا نام نہیں لیا تھا' میں اپنے باس کا نام لینے سے قاصر ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے میرے ساتھ چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی میں سے وہ دونوں ہمارا جائزہ لے رہے ہوں گے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ میرے ساتھ موسیٰ کو دیکھ کر وہ موقع کی نزاکت بھانپ لیں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے گاڑی چھوڑ دیں۔

ہم اسٹریٹ لائٹس اور بڑے بڑے روشن اشتہاروں کے تیز انعکاس سے گزر کر قدرے تاریکی میں داخل ہوئے تو موسیٰ بولے بغیر نہ رہ سکا "تمہاری گاڑی کتنی دور کھڑی ہوئی ہے؟"

"بس' وہ نظر آرہی!" میں نے تیزی کے ساتھ دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ اس وقت تک میں نے دیکھ لیا تھا کہ ویرا یا سلطان شاہ نے گاڑی نہیں چھوڑی تھی۔

وہ خاصی نازک سچویشن تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کے لیے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ میں نے اپنے حریف کو کس طرح شیشے میں اتارا ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ اطمینان سے اپنی جگہوں پر براجمان تھے۔

میں نے دھیرے سے موسیٰ کو ٹوکا "ہر بات کا یقین کر لینے کے باوجود تمہارا داہنا ہاتھ جیب میں موجود کسی ہتھیار پر جما ہوا ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اپنی ضرورت کو میں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ تم گاڑی چلاؤ گے تو میں ہاتھ نکال لوں گا۔"

اس کے جواب کے ایک ایک لفظ سے خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ آخری لمحات تک محتاط رہنے کا پختہ عزم کر چکا تھا اور یہ فرض کر چکا تھا کہ گاڑی میں میرے اور اس کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہوگا۔

میں نے انگوٹھے کی مدد سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی میں موجود ربر کیپسول والے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمانا شروع کردیا۔ اس کی ہنگامی ضرورت کسی بھی لمحے پیش آسکتی تھی۔

"تم کہاں لیے جا رہے ہو مجھے؟ تمہاری گاڑی کہاں ہے....؟" مزید کچھ آگے بڑھ جانے کے بعد موسیٰ نے بھڑکے ہوئے اور اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت تک ہم خاصی تاریکی میں آچکے تھے اور گاڑی اتنے قریب تھی کہ میں ویرا کے چہرے پر گہری دلچسپی کی علامات بخوبی دیکھ رہا تھا۔

"بس.... بس.... یہی گاڑی ہے میری۔" موسیٰ کی چبھتی ہوئی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں مجھے کہنا پڑا۔

بجلی کی سی سرعت سے موسیٰ کا داہنا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا اور پھر فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے مہیب ریوالور کی ایک جھلک دیکھی اور اگلے ہی لمحے فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

"میں مار دوں گا تم سب کو۔" موسیٰ کے حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ آزاد ہوئی پھر اس کا فضا میں اٹھا ہوا داہنا بازو' بدن سے دور' فضا میں نیچے آنے لگا۔

میری رگوں میں لہو منجمد سا ہونے لگا۔ اس نے گاڑی میں دو

اجنبی چہروں کو دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ میں اس کو کوئی فریب دے رہا تھا۔ اس نے پہلا ہوائی فائر شاید اضطراری حالت میں کیا تھا اور اگلا فائر نشانہ لے کر ان میں سے کسی پر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
واقعات میں یکایک بہت تیزی آگئی۔ سلطان شاہ غوطہ مار کر عقبی پائیدان میں دبک گیا۔ ویرا دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر کود گئی۔ ہم لوگ اندھیرے میں تھے اس لیے کسی کو اصل واقعے کا علم نہیں ہوسکا تھا مگر دھماکے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہراس اور بھگدڑ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔
موسیٰ کے تنے ہوئے بازو کے سرے پر موجود ریوالور کی نال آسمان سے گاڑی کی سمت آرہی تھی کہ میں نے اچھل کر موسیٰ پر حملہ کردیا۔
نگینے کی صورت کا ربر کیپسول میری ہتھیلی کے رخ پر موجود تھا۔ میرے داہنے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ پُرشور آواز کے ساتھ موسیٰ کی گردن پر پڑا۔ تھپڑ کے دباؤ سے کیپسول میں موجود سریع الاثر محلول باریک سوئی کے ذریعے موسیٰ کی گردن میں منتقل ہوا اور اس کا داہنا ہاتھ اچانک ہی بے جان ہو کر اس کے پہلو میں جھول گیا۔
وہ لمحہ بھر کے لیے کسی بے جان مجسمے کی طرح اسی غیر فطری سی حالت میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گونج دار دھماکے سے زمین پر گر گیا۔
ان چند ثانیوں میں میری پوری توجہ موسیٰ پر مرکوز رہی تھی اس لیے مجھے یہ علم نہیں ہوسکا کہ سلطان شاہ کب گاڑی سے نکل کر دیوانہ وار ہماری طرف لپکا تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ موسیٰ کے زمین پر گرتے ہی اس نے میرے بے ہوش شکار کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی مردہ چوپائے کی طرح گاڑی کی طرف گھسیٹنا شروع کردیا۔ اگلے ہی لمحے میں ویرا بھی اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ گئی۔
میں نے زمین پر سے موسیٰ کا ریوالور اٹھایا تو اس کی نال قدرے گرم تھی۔ ریوالور جیب میں ڈال کر میں آگے بڑھا تو وہ دونوں موسیٰ کے بے حس و حرکت وجود کو پچھلے دروازے سے پائیدان میں ڈال رہے تھے۔
وہ دونوں اپنا کام مہارت اور خوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ انہیں میری کسی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت زیادہ ضروری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ جائے واردات سے فوری طور پر فرار کی راہ اختیار کی جائے ورنہ دوسرے مسائل اس کامیابی کو خاک میں ملا سکتے تھے۔
وہ شہر کے قلب سے بہت نزدیک ایک حساس علاقہ تھا۔ رات زیادہ ڈھل جانے کی وجہ سے اسٹیشن جانے اور وہاں سے آنے والے راستوں پر ٹریفک اور مسافروں کی غیر معمولی بھیڑ بھاڑ دم توڑ چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شور کی کمی کی وجہ سے فائر کا شور دور تک سنا گیا ہوگا۔ پولیس کو اس طرف متوجہ ہونے میں دیر لگتی تو قرب وجوار میں واقع فوجی دفاتر یا عسکری اپارٹمنٹس کے آس پاس مامور
ملٹری پولیس کسی بھی لمحے وہاں پہنچ کر ہمیں گھیر سکتی تھی۔
میں وقت ضائع کیے بغیر پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوا اور اگنیشن میں موجود چابی کی مدد سے انجن اسٹارٹ کردیا۔
”فوراً نکل چلو۔“ عقبی دروازہ بند ہونے کی پُرشور آواز کے درمیان ویرا نے تیزی سے کہا اور میں نے اسی لمحے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عجلت میں شاید وہ دونوں ہی موسیٰ سمیت پچھلی سیٹ اور اس کے پائیدان میں سما گئے تھے۔ میں نے ویرا کی ہدایت کے بعد گاڑی میں سلطان شاہ کی موجودگی کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ویرا اس کے بغیر وہاں سے روانگی کا فیصلہ نہیں کرسکتی تھی۔
ہماری گاڑی تقریباً نصف دائرے میں گھوم کر سڑک پر نکلی ہی تھی کہ فضا میں کہیں پولیس سائرن کا شور گونجنے لگا۔ خواہش اور اضطراری کیفیت کے باوجود میں نے گاڑی کی رفتار بڑھانے کی حماقت نہیں کی۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے نیول پولیس کی ایک تیز رفتار جیپ نمودار ہوئی۔ سائرن بند تھا مگر اس کی چھت پر سرخ روشنی تیزی سے گردش کررہی تھی۔
”گاڑی کی رفتار بڑھا کر جلد از جلد اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرو۔“ جیپ کے گزر جانے کے بعد پیچھے سے سلطان شاہ کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔
”نہیں!“ ویرا نے سختی سے اس کی تجویز مسترد کردی ”اسی نارمل رفتار سے چلتے رہو۔ دیکھو! سامنے سے ایک اور گاڑی ایمرجنسی لائٹس جلاتی ہوئی آرہی ہے۔“
مجھے بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے جس کام کو بہت آسان سمجھ کر اسٹیشن فورٹ سے سفر کا آغاز کیا تھا‘ وہ آخری مراحل پر یکایک بہت کٹھن ہوگیا تھا۔ مجھ سے چوک یہ ہوئی تھی کہ میں نے موسیٰ کی پھرتی کا اندازہ لگانے میں مار کھائی تھی اور اسے میرے وار سے پہلے ایک ہوائی فائر کرکے معاملات بگاڑنے کا موقع مل گیا تھا۔
کاشف سینٹر اور مہران ہوٹل کے درمیان سے شارع فیصل پر مڑنے تک ہمیں مزید دو سرکاری گاڑیاں نظر آئیں جو تیزی سے کینٹ اسٹیشن کی طرف جارہی تھیں۔ شارع فیصل پر ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے کے بعد میں نے اطمینان کا پہلا گہرا سانس لیا۔ اس سڑک پر نکل آنے کے بعد ہم خطرے کی حدود سے خاصی دور نکل آئے تھے۔
ایک لمبے تعطل کے بعد ہم تینوں ایک ساتھ کسی کارروائی میں شریک ہوئے تھے اس لیے موسیٰ کے اغوا کے اس واقعے میں خاصی سنسنی محسوس ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک تینوں ہی خاموشی سے اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے پھر ویرا نے جمود توڑنے میں پہل کی۔
”اگر ہم دونوں گاڑی سے اتر کر الگ کھڑے ہوگئے ہوتے تو

فائر اور بدمزگی کی نوبت نہ آتی۔"

"تمہیں بروقت یہ خیال آگیا ہوتا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلتا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ تم دونوں کو دیکھتے ہی اسے خطرے کا احساس ہوا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ اس بھیانک تجربے سے گزرنے کے بعد کا خیال ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا "اس وقت میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اسے کیسے رام کیا ہوگا۔"

"وہ مجھے پہچانتا تھا۔ یہ بات میرے لیے سود مند بھی ہوسکتی تھی اور خطرناک بھی۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ کسی مجبوری کی وجہ سے مجوزہ ملاقات کا مقام تبدیل کردیا گیا ہے۔ اس عذر میں تم دونوں کی موجودگی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے ہوجانی چاہیے تھی۔" سلطان شاہ نے زبان کھولی "ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہم اندھا دھند کوئی قدم اٹھالیتے ہیں اور پھر عین وقت پر فیصلے ہوتے ہیں۔"

"اس میں میری غلطی تھی۔" ویرا نے جھٹ ذمے داری قبول کرلی "میرا خیال تھا کہ میں آسانی سے ان دونوں کو ان کے ہوٹل سے نکال لاؤں گی۔"

"ہم دونوں کو اٹھانے کے چکر میں تھے مگر اب ایک پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔" سلطان شاہ کی آواز ابھری "پتا نہیں یہ ان دونوں میں سے کون ہے۔"

اس نے براہِ راست سوال کرنے کے بجائے خوب صورت انداز اختیار کیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا "فکر مت کرو۔ میں پہچان کر صحیح آدمی کو لایا ہوں۔ یہ مونچھوں والا موسیٰ ہے۔"

"ملنگ پھر بھی رہ گیا۔" اس نے ہلکے سے تاسف کے ساتھ تبصرہ کیا۔

"ایک بھی کافی ہونا چاہیے۔" ویرا فوراً بول پڑی "یہ دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" بلکہ موسیٰ زیادہ اہم ہے کیونکہ رستم نے اسے اپنے گھر بلایا تھا۔"

"مجھے اس لڑائی کا رخ اب میجر بخشی سے رستم کی طرف ہوتا نظر آرہا ہے۔" وہ بولا۔

"یہ بھول کر بھی نہ سوچنا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "ہم رستم کے ذریعے اوبرائن کا پتہ صاف کرنا چاہ رہے ہیں۔ جب تک یہ کام نہیں ہوجاتا، ہم اس سے کوئی مخاصمت مول نہیں لیں گے۔"

"مخاصمت کی بنیاد تو پڑ ہی گئی ہے۔" ویرا بولی "رستم اس کا آدمی ہے۔ وہ مقررہ وقت تک بسیرا نہ پہنچا تو وہ غصے کے عالم میں چھان بین کی ابتدا کرے گا اور صبح نمودار ہونے سے پہلے اسے یہ علم ہوجائے گا کہ موسیٰ کو ہوٹل سے نکلنے کے بعد اٹھایا جاچکا ہے۔"

"یہ قبل از وقت قیاس آرائی ہے۔ وہاں ایک گولی ضرور چلی تھی مگر اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو شاید یہ معلوم نہیں ہوسکا ہوگا کہ فائر کے بعد کسی کو بے ہوش کرکے اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اپنی سوچ بچار کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے کہا۔ کسی طرح اسے اغوا کا علم ہو بھی جائے تو یہ کسی طرح پتا نہیں چل سکے گا کہ اغوا کرنے والے کون لوگ تھے۔"

"تمہارا آخری نکتہ بہت دور رس ہے۔" ویرا کی پرجوش آواز ابھری "یہ کام ہم لوگوں نے بہت خاموشی سے سرانجام دیا ہے اور فوجی وغیر فوجی پارٹیاں معمول کے مطابق جائے واردات پر پہنچ کر پوری سرگرمی سے فائر کے واقعے کی تفتیش کررہی ہوں گی اس لیے کوئی بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکے گا کہ اس واقعے میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا ہاتھ ہے۔"

"ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ.... تمہاری ان دونوں باتوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو ویرا کی بات پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"ذہن پر ذرا سا زور دو تو تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ میں نے گھٹنے سے نہیں، مکے سے آنکھ پھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات ہمارے موجودہ حریف جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف والوں کو اپنی کسی کارروائی کے لیے چوروں کی طرح قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں اور اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ پولیس یا کوئی ایجنسی ان کی راہ نہیں روکتی۔ وہ موسیٰ کو اس کے ہوٹل بلکہ کمرے سے لے جاسکتے تھے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے اول خان کو موسیٰ کے اغوا سے الگ تھلگ رکھ کر کسی عقل مندی کا ارتکاب کیا ہے۔" پکڑے جانے کا خوف دور ہونے کے ساتھ سلطان شاہ کا لب ولہجہ بدلنے لگا تھا۔

"ویرا یہ سوچنے میں حق بجانب ہے۔" تکرار روکنے کے لیے میں نے زبان کھولی۔

اسٹیشن فور تک کا سفر ایسی ہی ہلکی پھلکی نوک جھونک اور نکتہ آفرینی میں گزر گیا۔

اول خان اپنے کیمپ کی پہلی چیک پوسٹ پر ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا، طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش شکار کا جائزہ لیا اور پھر اسے گاڑی سمیت اپنے آدمیوں کے حوالے کرکے ہمیں اپنی جیپ میں لے کر کمروں کی طرف روانہ ہوگیا۔

"تم نے قیدی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو کوئی ہدایت نہیں دی۔" مختصر سے سفر کے اختتام پر ویرا نے کمرے میں جاتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

اول خان نے مسکرا کر بردباری سے جواب دیا "میرے آدمی یہاں لائے جانے والے قیدیوں کے بارے میں اپنی ذمے داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ کسی شریف مجرم کی زبان چل پڑے تو اس کا بیان ریکارڈ کرلیتے ہیں ورنہ دماغ کے کیڑے جھاڑنے کے لیے روایتی حربوں کا آغاز کردیتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دن طلوع ہونے تک وہ ہماری باز پرس کے قابل ہو سکے گا۔"

"اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انگوٹھی کے کیپسول سے محلول کی کتنی مقدار اس کے بدن میں منتقل ہوئی تھی۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔"

غزالہ ہمارے مشن کی کامیابی پر بہت خوش تھی کیونکہ ہم نے کافی دنوں بعد اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی مدد کے بغیر کوئی مقابلہ نمٹایا تھا۔

"ہم ایس ٹی ایف پر اتنا زیادہ انحصار نہیں کر رہے۔" سلطان شاہ نے غزالہ کی باتوں کے جواب میں کہا "ابھی چند ہی دنوں میں ڈیزی نے بہت کچھ کام کیے ہیں۔ کل ہم دونوں کسی بیرونی مدد کے بغیر رستم ایرانی کی کچھار میں جا گھسے تھے۔ اسے ہم پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو ہم وہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے تھے۔"

"فورس کہیں کہیں مدد ضرور کرتی ہے مگر بڑی کامیابیوں کا سارا کریڈٹ تم لوگوں کو جاتا ہے۔" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "جوڑ توڑ اور منصوبہ بندی کے لیے ہم ہر وقت ڈیزی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔"

"نام کسی کا بھی لیا جائے، کامیابیاں ٹیم ورک کے نتیجے میں ملتی ہیں۔" ویرا نے خوش دلی سے کہا "ہم میدان میں نہ اترنے کے باوجود اپنی بساط کے مطابق بہترین مشورے دیتے رہتے ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "شیخ چلی کے گراں بہا مشورے آج بھی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بے چارہ اپنے مشوروں پر خود کبھی عمل نہ کر سکا۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویرا سلطان شاہ کو تیکھی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تمہیں فون پر میجر بخشی سے تو بات کرنی چاہیے۔ دو بجنے والے ہیں۔ وہ بے چینی سے تمہاری اور موسیٰ کی ملاقات کے نتیجے کا انتظار کر رہا ہوگا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

"اب اسے نہ چھیڑنا۔" ویرا اپنی برہمی کو بھول کر بے ساختہ بول پڑی "رات کو تم اس سے بات ختم کر چکے ہو۔ تمہارے فون سے اس کے ذہن میں نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

اس وقت میں دل ہی دل میں ویرا کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے بے ساختہ بہت دور کی بات سوچی تھی۔ میں فون کرتا تو بخشی یہ ضرور جاننا چاہتا کہ دو بجے کے قریب میں بسیرا میں موجود ہونے کے بجائے اسٹیشن فور میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ بعد میں اسے پتا چلتا کہ موسیٰ بسیرا پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں کہیں غائب ہو گیا تو وہ میرے ہر عذر کو مسترد کر کے یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ میں نے اس سے پروگرام طے کرنے کے بعد موسیٰ پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔

اس کے ذہن میں نت نئے شبہات پیدا کرنے سے بہتر تھا کہ میں خاموش بیٹھا رہوں اور وہ یہ فرض کرنے پر مجبور ہو جائے کہ میں ایس ٹی ایف کی طرف سے اپنی کڑی نگرانی کی وجہ سے مقررہ وقت پر بسیرا تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس طرح وہ میری وعدہ خلافی اور موسیٰ کے غیاب کی درمیانی کڑیاں نہیں ملا سکتا تھا۔

کافی دیر بعد ہم اپنے کمرے میں چلے گئے تاکہ دونوں عورتیں بے فکری سے آرام کر سکیں۔

صبح دس بجے اطلاع ملی کہ موسیٰ ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ فورس کے سادہ پوش افراد کی شناخت ممکن نہیں تھی اس لیے پوچھ گچھ کی ابتدا میں وہ یہ سمجھتا رہا کہ وہ اپنے نامعلوم دشمنوں کی قید میں پھنس گیا ہے جن کا کرنل جمال دستی سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق تھا۔

شاید کلب سے میرے اغوا کی کوشش کے موقع پر میجر بخشی نے موسیٰ کو میرے مفروضہ نام کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں فوج سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس لیے وہ میرے بارے میں انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے دھمکیاں دیتا رہا کہ اسے فوری طور پر آزاد نہ کیا گیا تو اس کے آدمی جمال دستی کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

اس کے جارحانہ تیوروں کو کچلنے کے لیے اس پر تشدد شروع کرنا پڑا مگر وہ بری حالت میں پہنچنے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا اصرار تھا کہ اس سے جو کچھ پوچھا گیا، اس نے بتا دیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ اطلاعات میرے لیے اہم تھیں۔

مار کھا کھا کر موسیٰ اس حال کو پہنچا ہوا تھا کہ رسی جل گئی تھی مگر اس کے بل نہیں گئے تھے۔ وہ سوالوں کے جواب دینے پر آمادہ تھا۔ از خود کچھ اگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس کے پورے پس منظر اور رابطوں سے واقفیت نہیں تھی اس وجہ سے وہ معنی خیز سوالات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر موسیٰ ہٹ دھرمی پر تلا ہوا تھا۔

اول خان کے دل میں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ہر وقت ایک موہوم سا نرم گوشہ موجود رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انہیں دشمن ملکوں کی طرف سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ اپنے ملک و قوم سے وفاداری کا تقاضا تھا کہ وہ ان فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنی جان لڑا دیں۔ وہ اپنی دانست میں پاکستان کے خلاف کام کر کے اپنے ملک اور قوم کا حق نمک ادا کرتے تھے مگر مقاصد کے براہِ راست تصادم کی وجہ سے ہمارے مجرم قرار پاتے تھے ایسے پیشہ ور اور بغیر وردی والے ایجنٹ دشمن کے ہاتھ لگ جائیں تو عبرت ناک انجام سے دو چار ہوتے ہیں، مشن میں کامیاب ہو کر اپنے ملک لوٹنے میں کامیاب ہو جائیں تو عزت و احترام کے مستحق ہیرو کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس وہ ایسے ایجنٹوں کے لیے کام کرنے اور دانستہ ان کا آلۂ کار بننے والے مقامیوں کے لہو کا پیاسا تھا۔ اپنے ملک کی زمین اور رزق و روزی سے غداری کرنے والوں کی سزا عبرت ناک موت سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ موسیٰ کے بارے میں خبریں ملتے ہی اس نے طیش کے عالم میں ارادہ کرلیا کہ اس کی موت کی پرواہ کیے بغیر اس پر بھیانک ترین تشدد کیا جائے تو وہ موت کی دہشت سے بلبلا کر زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا۔

میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا' اپنی نپی تلی رائے سے آگاہ کیا تو رفتہ رفتہ اس کا اشتعال ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے مجھے موسیٰ پر آخری کوشش کرنے کی اجازت دے دی۔

میں ان چاروں میں سے کسی کو ساتھ لیے بغیر گارڈ روم میں پہنچ گیا جہاں موسیٰ قید تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا۔ میں نے اس پر تحقیر آمیز نظریں ڈالیں اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

اس کا چہرہ ٹوٹ پھوٹ سے عاری اور بالکل صحیح سلامت تھا مگر اس کی قدرے متورم آنکھوں سے وحشت ناک کینہ برس رہی تھی۔ وہ ہذیانی انداز میں میرے اوپر گرجتا برستا رہا۔

اس وقت تک موسیٰ کو زندہ رکھنے یا ٹھکانے لگانے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اس لیے اس پر تشدد میں قدرے احتیاط برتی گئی تھی۔ چہرہ بگاڑنے کے بجائے جسم کے حساس حصوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا جو نظروں سے اوجھل تھے مگر ان کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس کی گالیوں پر' میرے ساتھ آیا ہوا گارڈ مشتعل ہو کر ایک بار اس کی طرف لپکا تھا مگر میں نے سختی سے اسے روک دیا اور جب موسیٰ حلق کے بل چیختے چیختے تھک کر خاموشی سے ہانپنے لگا تو میں نے کرسی چھوڑ دی۔

''تم جو چاہو' کرلو۔ یہاں سے میری مرضی کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ ابھی تم نے چند گھنٹوں میں معمولی سی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ تم نے زبان نہ کھولی تو میں ایک ایک کر کے تمہاری دونوں آنکھیں ضائع کردوں گا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''تم خونی بھیڑیے ہو۔ میں نے کلب میں ہی دیکھ لیا تھا کہ تمہارے سینے میں دل نہیں' پتھر ہے۔ تم نے مجھے بے قصور پکڑا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ دیوانہ وار چیخا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ اس رات تم کلب میں کس کا ساتھ دینے آئے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

اس نے چند ثانیوں تک مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر اپنے سر کو نفی میں زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا ''نہیں' نہیں.... مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس سے میری بات تک نہیں ہوئی' نہ مجھے اس کا نام بتایا گیا تھا۔''

''پھر تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری اس بکواس پر یقین کرلوں گا۔''

''خدا رسول کی قسم میں سچ بتا رہا ہوں۔'' اس نے چیخ کر کہا ''مجھے اس کا حلیہ بتا کر یہ کہا گیا تھا کہ کرنل جمال دستی نامی ایک مہمان اس سے ملنے آئے گا۔ ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ تم ہر قیمت پر اس کے ساتھ جاؤ۔ بے بی کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں اس آدمی کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔''

''یہ بے بی کون ہے؟'' میں نے چونک کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''موہنی پنڈت!'' اس کا جواب مزید چونکانے والا تھا ''اسے گھر میں سب بے بی کہتے ہیں۔''

''اسے تم کیسے جانتے ہو؟'' مجھے اس سے کوئی سرا ملنے کی امید ہونے لگی۔

''میں دو سال تک اس کا گارڈ تھا۔ اسے اٹھا لے جانے کی دھمکیاں دینے والوں میں سے کوئی اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہیں کرسکا تھا۔'' اس نے چیخ کر گویا اعلان کیا۔ ہاتھ پیروں کو حرکت دینے کی وجہ سے اس کی آہنی ہتھکڑیاں اور بیڑی کی کڑیاں جھنجھنا رہی تھیں۔

اس کا جواب ادھورا اور غیر واضح تھا مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ کچھ لوگوں کی طرف سے اغوا وغیرہ کی دھمکیوں کے بعد موسیٰ کو دو سال تک موہنی پنڈت کے محافظ کے فرائض انجام دینے پڑے تھے۔ میرے لیے وہ تفصیلات غیر اہم تھیں۔ ان سے زیادہ ضروری سوال یہ تھا کہ اس رات موسیٰ کو کلب میں بلانے والا کون تھا۔

''تمہیں موہنی پنڈت نے میرے اغوا کے لیے کلب بلایا تھا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔ وہ بچی ہے.... ہمیں اس کے باپ نے بھیجا تھا۔ کلب میں ہم اس کے مہمان بن کر داخل ہوئے تھے۔ بتایا ہوا حلیہ پہچان کر ہم اپنی ڈیوٹی پر جم گئے۔ بعد میں بے بی بھی وہاں آ پہنچی اور پھر تم آ گئے۔''

میری دھمکی اور حکمتِ عملی کام دکھا رہی تھی۔ میرے سوالوں کے جواب میں وہ مشینی انداز میں کام کی باتیں اگلتا جا رہا تھا جو میرے لیے حیران کن ہونے کے ساتھ ہی پیچیدہ بھی تھیں۔

''میں نے سنا ہے کہ تم رستم ایرانی کے لیے کام کرتے ہو پھر یہ پنڈت منوہر لال کہاں سے درمیان میں آ گیا؟''

''پنڈت میرا پرانا باس ہے۔ میں نے بتایا نا کہ اس نے مجھے دو سال تک بے بی کا گارڈ رکھا تھا۔ خطرہ ٹل گیا تو اسی کی سفارش پر میں رستم کے پاس چلا گیا۔ رستم ایرانی اس کا بہت لحاظ کرتا ہے۔''

''میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کلب میں رستم نے بھیجا تھا یا

پنڈت منوہر لال نے۔"

"رستم نے مجھ سے کہا تھا کہ پنڈت جی کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے۔ میں اس سے مل لوں اور وہ جو کچھ کہے' اس پر عمل کر گزروں۔ مجھے پورا کام پنڈت جی نے خود سمجھایا تھا۔ بعد میں' میں نے رستم کو رپورٹ دے دی تھی۔"

"رستم اور پنڈت میں یہ گٹھ جوڑ کب سے ہے؟" میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں.... میں بس یہ جانتا ہوں کہ پنڈت جی نے مجھے رستم کے پاس کام پر لگوایا تھا۔"

"وہ دونوں آپس میں ملتے بھی رہتے ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"معلوم نہیں۔ میں آج تک اپنے بڑے کے گھر نہیں گیا۔ وہ ہم لوگوں سے بس فون پر رابطہ رکھتا ہے۔ کسی کو گھر بلاتا ہے نہ کہیں اور ملتا ہے۔"

موسیٰ میری توقع سے کہیں زیادہ کار آمد ثابت ہوا تھا۔ موہنی پنڈت ایک دلکش اور آزاد خیال ماڈل گرل کے روپ میں یوں میرے سامنے آئی تھی کہ میں نے اسے بے ضرر سمجھ کر بالکل نظر انداز کردیا تھا۔ اس پر توجہ دی جاتی تو وہ رستم سے اپنے باپ کے مراسم پر زیادہ روشنی ڈال سکتی تھی مگر بات وہی تھی کہ موسیٰ سے پوچھ گچھ کرنے سے پہلے مجھے موہنی یا اس کے باپ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

"تم نے بعد میں یہ جاننے کی کوشش تو کی ہوگی کہ کلب میں نظر آنے والا شخص کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہمارے کچھ کیے بغیر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں رستم کو رپورٹ دینے کے بعد اسے بھول بھال گیا تھا۔ دیکھو! میں تمہاری ہر بات کا جواب دے رہا ہوں۔ خدا کے لیے میرے ہاتھ کھلوا دو اور مجھے کچھ دے دو۔ میں رات سے بھوکا پیاسا ہوں۔"

"تمہاری بھوک پیاس کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ پہلے تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس روز بھارتی قونصل خانے کے میجر بخشی نے تمہیں استعمال کیا تھا۔" میں نے ذو معنی لہجے میں کہا۔

میرے الفاظ پر اس کی وحشت زدہ آنکھیں مزید پھیل گئیں "نہیں.... تم مجھ پر بھارتیوں کے لیے جاسوسی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔"

"ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں جو کسی پر الزام لگائیں اور پھر اسے ثابت کرتے پھریں۔" اس کی حاضر دماغی پر میں نے فوراً ہی پینترا بدل دیا "ہم جس بات پر....."

اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی "پھر تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"دشمنی.... تم نے میجر بخشی کے ساتھ مل کر مجھے پھانسا تھا۔ بخشی سے میں وقت آنے پر نمٹ لوں گا۔ تم میرے قبضے میں آچکے ہو۔ یہ حساب یہیں برابر ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ آج رات تمہیں کس نے بسیرا میں بلایا تھا۔"

"رستم نے!" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر احتیاط سے جواب دیا۔

"اور کام کیا تھا؟" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر اگلا سوال کیا۔

"یہ تم کو بھی معلوم ہوگا کہ کیا کام تھا۔ رستم نے دو روز سے مجھے ڈینی کی تلاش پر لگایا ہوا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ اہم باتیں بتانی تھیں اور یہ ملاقات دو بجے سے پہلے بسیرا میں ہونی تھی۔"

"رستم کو یہ کام کس نے سونپا تھا؟"

"یہ اس کے اپنے معاملات ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کو یہ سب نہیں بتاتا۔"

"ڈینی ایک مانوس نام ہے۔ اس کے بارے میں تم پہلے سے کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوگے۔"

وہ چونک پڑا اور بولا "تمہارے کہنے سے دھیان آرہا ہے کہ شاید ڈینی والا کام رستم کے اپنے ذہن کی پیداوار ہو۔ ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے کچھ عرصے پہلے امریکا والوں نے بڑے انعام کا اعلان کیا تھا۔ یہ ضرور کوئی بہت بڑا چکر ہے۔"

"مار کھانے کے باوجود تمہارا دماغ صحیح کام کررہا ہے۔ تمہیں کچھ اندازہ ہورہا ہے کہ تم بے خبری میں کیسے خطرناک بھنور میں پھنس چکے ہو؟"

"میجر بخشی تمہارا دشمن ہے۔ رستم تمہیں اپنا دوست سمجھ رہا ہے اسی لیے اس نے اپنے گھر پر میری اور تمہاری ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔ تم ڈینی کے بارے میں اہم باتیں جانتے ہو اور کسی کے دوست نہیں ہو۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑانے لگا "تم رستم سے بھی نہیں ڈرتے اسی لیے تم نے مجھے راستے سے اٹھالیا۔ بخشی تمہیں اٹھالے گیا تھا مگر تم آزاد ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ بخشی کی بازی بھی الٹ گئی تھی۔" اس مرحلے پر اس کی آواز اونچی ہوئی "مجھے تم ہی سب سے زیادہ خطرناک نظر آرہے ہو اور شاید ڈینی والا انعام لینے کے چکر میں ہو۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں تمہارے منہ کی روٹی نہیں چھیننی چاہتا۔ میں رستم کا تنخواہ دار آدمی ہوں۔ اپنی اور رستم کی لڑائی میں مجھے بلاوجہ نہ رگیدو۔"

"مالک سے پہلے اس کے تنخواہ دار مارے جاتے ہیں۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اور تمہارے کئی مالک ہیں ایک سابق' دوسرا موجودہ اور تیسرا وہ جو رستم کے ذریعے ڈینی کو پکڑنے کی فکر میں ہے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے سامنے ناک رگڑنے پر آمادہ

ہوں کہ نوکری چھوڑ دوں گا اور ان چکروں سے بالکل نکل جاؤں گا۔ مجھے معاف کردو۔"

"معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے تین مالکوں میں سے کسی کی گردن میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں اس سے اپنا حساب برابر کرلوں گا۔ تم بچ جاؤ گے۔"

"تمہارے بتائے ہوئے تیسرے مالک کو میں نہیں جانتا۔ پتا نہیں اس کا کوئی وجود بھی ہے یا یہ تمہارا خیال ہے۔ رستم اپنے گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا ناممکن ہے۔ تم پنڈت جی کو پکڑلو۔ اگر میں نے تمہارے خلاف میجر بخشی کا ساتھ دیا تھا تو پنڈت جی کی بیٹی بھی اس کی شریک تھی۔ تمہیں لے جاتے ہوئے گاڑی وہی چلا رہی تھی۔ مجھ سے پہلے تم کو بے بی یا اس کے باپ کو مارنا چاہیے۔"

"ابھی میں نے کسی کو مارنے کا فیصلہ نہیں کیا۔" میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ آخر میں جس کی گردن ہاتھ میں آئے گی اسی کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"مگر میری گردن چھوڑ دو۔ میں چھوٹی موٹی نوکریاں کرکے روزی کمانے والا مزدور ہوں۔ میری اور تمہاری کوئی ٹکر نہیں ہے۔ تمہیں سب معلوم ہے تو تمہیں سب سے پہلے بخشی کی گردن ناپنی چاہیے۔"

"مزدور!" میں نے اسے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "رستم بھاری معاوضے لے کر قتل، ڈکیتی، چوری اور اغوا کی وارداتیں کراتا ہے۔ تم اس خونی درندے کے لیے کام کرتے ہو اور خود کو مزدور کہتے ہو۔"

"میں نے بھی یہ سب سنا ہے مگر میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آٹھ مہینے سے اس کے پاس ہوں۔ اس دوران میں میں نے کوئی قتل نہیں کیا، کسی کا خون نہیں بہایا۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"رستم اپنے آدمیوں سے دور بلکہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ تم اس کے دوست کے گھر میں دو برس رہے ہو۔ پنڈت کے کرتوتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوگے۔" میں نے اسے راہ دی۔

"پنڈت پرلے درجے کا حرامی ہے۔" صبر کا پیمانہ لبریز ہونے پر وہ پھٹ پڑا "اپنی لڑکی کو رنگ رلیاں منانے کے لیے آزاد چھوڑا ہوا ہے اور خود گھر میں رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے۔ وہ ڈرپوک آدمی ہے۔ میری طرح اسے مارو گے تو ذرا سی دیر میں خود ہی اپنی ساری رام کہانی سنانی شروع کردے گا۔"

"تم نے میجر بخشی کو اس کے گھر کبھی نہیں دیکھا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی نہیں.... پنڈت کی پارٹیوں میں بھارت سمیت کئی ملکوں کے بڑے افسر آتے تھے مگر بخشی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نیا افسر ہو اور پچھلے چھ آٹھ مہینوں میں آیا ہو میں نے [illegible]

کلب میں بے بی کو اس سے ملتے دیکھا تو حیران رہ گیا تھا کہ دنیا اتنی چھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔"

"وہاں کوئی دھن راج بھی آتا تھا؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں طرف سے ہاتھ رنگتا تھا۔ کیا تم اس بے غیرت لونڈے کو بھی جانتے ہو؟" میری زبان سے دھن راج کا نام سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ سوال کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے۔"

"وہ پنڈت کی رنگین محفلوں میں آتا تھا اور دوسری طرف بے بی کو بھی اس نے اپنی لونڈی بنایا ہوا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک دو راتیں اس کے ہوٹل میں گزارتی تھی۔ دھن راج کے ملنے جلنے والوں میں سے کئی بے بی کے گھر کے چکر بھی لگاتے رہتے تھے۔ یہ سارا گند میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔"

"یہ پنڈت اور دھن راج کی نجی زندگی کی بے عزتیاں ہیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو فخریہ بیان کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی وقت پڑجائے تو انہیں اپنی آزادروی کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ میں موہنی سے اپنا بدلہ ضرور لوں گا مگر پنڈت تمہارا متبادل ہرگز نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے؟" وہ بے بسی سے مغلوب لہجے میں بولا "وہ بھارتی یا یہودی نہیں، میری طرح پاکستانی ہے لیکن جس ملک کا کھاتا ہے اسی کی جڑیں کاٹتا ہے۔"

"کچھ لوگوں کے آوارہ ہونے سے ملک کی جڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" میں نے اس کی بات کو دانستہ بے وزن کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مان لیا کہ آوارگی اس کا ذاتی دھندا ہے مگر میں اس کی غداری کی بات کررہا ہوں۔ اس کی دعوتوں میں یہودی بھی آتے تھے اور پاکستان کے خلاف باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے جوش سے دعویٰ کیا۔

"اول تو میں کوئی سرکاری فوج دار نہیں ہوں۔ دوم یہ کہ تمہارے یہ الزام بے بنیاد بھی ہوسکتے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے ہزاروں یہودی میری طرح محب وطن ہوسکتے ہیں۔"

"مسلمان عربی، عجمی، افریقی اور ایشیائی ہوسکتا ہے مگر یہودیوں میں ایک بڑی خرابی یہی ہے کہ یہ قوم دنیا میں کہیں بھی رہتی ہو، اس کے دل میں اسرائیل کا کلمہ ہوتا ہے۔"

"اس کے یہاں آنے والے یہودی کہاں سے تعلق رکھتے تھے؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے معلوم ہے کوئی اسرائیلی پاکستان نہیں آسکتا۔" وہ اس موضوع میں میری ظاہری عدم دلچسپی پر چڑ کر بولا "وہ امریکی یا یورپی [illegible]

اور کیسٹ وغیرہ لیتے ہوئے دیکھا۔ ایسے کام بہت رازداری سے کیے جاتے تھے۔"
"تمہارا خیال ہے کہ پنڈت یہودیوں کے لیے جاسوسی کرتا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"مجھے معلوم تھا کہ تم یقین نہیں کرو گے۔ رستم سب کچھ کرتا ہے۔ بہت سے قتل اس سے منسوب ہیں مگر وہ جاسوسی اور منشیات کے دھندوں سے میلوں دور رہتا ہے۔"
اسے لاجواب کرنے کے لیے مجھے خیال آیا کہ اس سے پوچھوں کہ رستم ڈینی کی تلاش میں کیوں ہے؟ بیس لاکھ ڈالرز کے لالچ میں وہ اسے بیچنے کے درپے کیوں ہے؟ مگر میں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ یہ مفروضہ موسیٰ کا تھا کہ رستم پیسے کے لالچ میں ڈینی کو تلاش کررہا تھا۔ مجھے میجر بخشی نے خود بتایا تھا کہ اس نے وہ کام ایک مقررہ معاوضے پر رستم کو سونپا تھا۔ شاید رستم کو علم ہی نہ ہو کہ پاکستان اور پاکستانیوں کی ایک باخبر اقلیت کس طرح میری ذات کے دفاع میں مصروف تھی۔
میں روکھے پھیکے انداز میں تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتا رہا۔ موسیٰ جوش و خروش سے پنڈت منوہر لال اور اس کی اکلوتی بیٹی کے خلاف زہر اگلتا رہا اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ موسیٰ نے باتوں کو دہرانا شروع کردیا ہے تو میں تیزی کے ساتھ گارڈ روم سے نکل گیا۔
میری اچانک روانگی پر موسیٰ نے چیخ چیخ کر نجات کے لیے دہائی دینی شروع کردی۔ میں نے اسے یکسر نظرانداز کردیا مگر جاتے ہوئے، محافظ کو ہدایت دے دی کہ وہ قیدی کے ہاتھ کھول کر اس کی شکم پُری کا بندوبست کردے۔
موسیٰ سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں مجھے پیش قدمی کی ایک نئی راہ نظر آرہی تھی۔ وہ دشمنوں کا ایک ایسا محاذ تھا جو اس وقت تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

○☆○

اول خان کے چلے جانے کے بعد ان تینوں نے سنجیدگی سے مجھے گھیرلیا۔
اسٹیشن فور میں ہمارا قیام طویل ہوجانے کی وجہ سے وہ سب ہی اکتائے ہوئے تھے۔ میں خود بھی محسوس کررہا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑھتے ہوئے کردار کی وجہ سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے اتنے پست ہوگئے تھے کہ وہ زیرِ زمین چلے گئے تھے۔
ظاہری طور پر ہر طرف سکون اور عافیت کا دور دورہ تھا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ اس سکوت کی تہ میں کسی بڑے طوفان کی سازشیں پروان چڑھ رہی ہوں گی۔ میرے ان اندیشوں کی تصدیق موسیٰ نے اپنے بعض فقروں سے کی تھی۔ ان کے سدِّباب کی بہترین صورت یہی تھی کہ پہلے کی طرح ایس ٹی ایف مکمل طور پر پس منظر میں چلی جائے اور ہم دوبارہ شہر میں کہیں اپنا ٹھکانا بنالیں تاکہ دشمن ہمارے اوپر وار کرنے کی کوششوں میں بے نقاب ہوکر سامنے آسکے اور ہم پوری یکسوئی سے اس کی سرکوبی کرسکیں۔
"اصولی طور پر میں تم تینوں کا ہم نوا ہوں۔" ان کے دلائل خاموشی سے سننے کے بعد میں نے پورے سکون سے کہا "لیکن یہ وقت ایسے کسی قدم کے لیے موزوں نہیں ہے۔"
"کیا اس لیے کہ یہ میری خواہش ہے؟" ویرا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔
"تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رستم والا کام یہیں رہ کر نمٹالیا جائے۔ اس کے بعد ہم شہر میں اپنا ٹھکانا جمالیں گے۔"
"رستم کا معاملہ لمبا چلے گا۔ وہ دو چار روز میں زیر ہونے والی اسامی نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا "کیا اس وقت تک ہم یہیں پڑے رہیں گے؟"
"تم خود بتا چکے ہو کہ وہ گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا جان جوکھوں کا کام ہے۔" ویرا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
"تم لوگ ایک دم بہت دور چلے جاتے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "میں رستم سے محاذ آرائی کی نہیں، اس کے ذریعے اودی کو ٹھکانے لگانے کی بات کررہا تھا۔"
"ان دونوں کے پھولے ہوئے غباروں سے ہوا نکل گئی اور غزالہ مسکرانے لگی۔"
"آج رات اس سے بات ہوگی۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ نے بات پھر شروع کی "ایک دو روز میں اس کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اس....."
"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اوبرائن والے کام سے سرے سے انکار کردے۔" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے لقمہ دیا "اس کے انتظار میں ہم بلاوجہ وقت برباد کررہے ہیں۔"
"میں کب کہہ رہا ہوں کہ وقت برباد کرو۔ تم دونوں نکل جاؤ اور کسی گھر کا بندوبست کرلو۔ ہم یہاں سے اٹھ کر وہاں چل دیں گے۔ میں ذرا آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔
ویرا کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم میجر بخشی کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں جانا چاہتے۔ اس کے لیے تم اومان جاچکے ہو۔ وہ تمہیں شہر میں دیکھ لے گا تو تمہارے لیے سنگین مسائل کھڑے کردے گا۔"
میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی "تم میری ہر بات میں منفی پہلو تلاش کرنے میں لگی رہتی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"
"میرے ساتھ چلو اور نیا گھر تلاش کرو۔" اس نے ڈھٹائی سے مطالبہ کیا۔

”یہ معمولی سا کام تم سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بھی کر سکتی ہو۔“ میں نے جل کر کہا۔

”سلطان شاہ گاؤدی ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں پھر کوئی نادرہ مل جائے اور ہمارا کام آسان ہو جائے۔“ ویرا اس وقت مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی۔

”شہر میں ہر طرف خالی مکانوں کا ایک جنگل بکھرا ہوا ہے۔ جاؤ اور بات طے کر لو۔“

”اس بار ہمیں کلفٹن اور شہر کے مرکزی علاقوں سے دور نکل جانا چاہیے۔“ غزالہ نے بڑھتی ہوئی تلخی کے پیش نظر گفتگو میں حصہ لینا شروع کر دیا ”ہمارے بیشتر دشمن کلفٹن، ڈیفنس اور سوسائیٹیز کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہم بھی ان ہی اطراف میں رہتے آئے ہیں۔“

غصے کے باوجود میں غزالہ کی دور اندیشی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا ”میں تم سے سو فی صد متفق ہوں۔ علاقے کی تبدیلی اب ناگزیر ہو گئی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ گلشن اقبال کا علاقہ موزوں رہے گا۔“ میری تائید پر سلطان شاہ بولا۔

ویرا نے اپنی زہر افشانی سے جو تلخی پیدا کی تھی وہ ذرا سی دیر میں تحلیل ہو گئی اور غزالہ کی تجویز کے مختلف پہلو زیر بحث آتے چلے گئے۔

میں خود بھی مکان کی تلاش کی مہم میں شریک ہو کر کوئی مناسب جگہ منتخب کرنے کا خواہاں تھا مگر ویرا کی ضد میں، میں نے شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ ماحول بہتر ہوا تو میں ان تینوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

گلشن اقبال کراچی کی ایک بارونق اور متوسط آبادی ہے جہاں شہری سہولتوں کے احوال متمول علاقوں سے بہتر نہیں تو بدتر بھی نہیں ہیں۔ مجھے فکر صرف یہ تھی کہ وہاں کوئی مکمل آراستہ مکان کرائے پر مل سکے تاکہ ہم غیر ضروری خریداریوں سے بچ سکیں۔

اس سے پہلے بھی ہمارے پاس نادرہ کا سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ تھا جہاں ہم خانہ بدوشوں کی طرح، صرف اپنا راشن لے کر بیٹھ گئے تھے اور آڑے وقت میں مکان کو مقفل کر کے وہاں سے نکل بھاگے تھے۔ یہ ذمے داری اول خان کی تھی کہ ہمارا چھوڑا ہوا فلیٹ کسی کے ناجائز تصرف میں آئے بغیر نادرہ کی تحویل میں چلا جائے جو ان دنوں ہمارے رابطے میں نہیں تھی۔

ہم ڈرگ روڈ اسٹیشن سے داہنی طرف مڑ کر ذرا سی دیر میں راشد منہاس روڈ پر آ گئے۔ وہ گلشن اقبال تک رسائی کا سب سے بہتر اور مختصر راستہ ہے۔

”اگر ہمیں آج ہی کوئی مناسب مکان مل گیا تو کیا ہوگا؟“ راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔

”ہونا کیا ہے؟ رات کو رستم کو فون کرنے کے بعد سب کچھ سامنے آجائے گا اور صبح ہم [illegible] منتقل [illegible]

گے۔“ ویرا کے پاس جواب تیار تھا۔

پہلی اسٹیٹ ایجنسی پر میں عورتوں کو گاڑی میں چھوڑ کر سلطان شاہ کے ساتھ اندر گیا تو گہرے دفتر میں متعدد میزوں کے پیچھے نمائندے موجود تھے۔ دو میزوں پر خریدار یا کرائے دار نقشوں اور کاغذات میں الجھے ہوئے تھے۔ پہلی میز پر پُرتپاک استقبال کے بعد ہمیں اندرونی حصے میں ایک نوجوان کی میز تک پہنچا دیا گیا۔

وہ نوجوان مہذب اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ چرب زبان بھی تھا۔ ہماری ضروریات کے بارے میں چند اہم سوال کرنے کے بعد اس نے ایک ضخیم رجسٹر کھولا اور اس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

دفتر ائرکنڈیشنڈ تھا۔ میں نے تمباکو نوشی کی ممانعت کا کوئی اسٹکر دیکھنے کے لیے سر اٹھایا تو کئی افراد سگریٹ نوشی میں مصروف نظر آئے اور میں نے بھی بے تکلفی سے سگریٹ سلگا لی۔

رجسٹر کی ورق گردانی میں مصروف نوجوان نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اپنی میز کی دراز سے ایش ٹرے نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ ورق پلٹتے وقت وہ کہیں کہیں رک کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا اور آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے انہماک کا دورانیہ طویل ہونے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔

”اگر فی الحال کوئی مکان دستیاب نہیں تو میں بعد میں فون کر لوں گا۔ میری فیملی باہر موجود ہے۔“

”اوہ!“ وہ خوشامدانہ انداز میں ہنسا ”باہر گرمی ہے۔ فیملی کو بھی اندر بلا لیں۔ دراصل فلیٹ اور مکان تو بہت سے ہیں۔ میں آپ کے معیار کا کوئی عمدہ سنگل یونٹ دیکھ رہا ہوں۔“

میں دل ہی دل میں اس کی چرب زبانی پر ہنسا۔ میں نے کسی معیار کا مطالبہ کیے بغیر اس سے تین کمروں کے کسی فرنشڈ مکان کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے کہا ”میرے پاس وقت کم ہے....“

”یہ لیجیے!“ اس نے رجسٹر اپنی گود سے اٹھا کر میز پر رکھ دیا ”اتفاق سے یہ دو مکان مل گئے۔“

اس نے رجسٹر میں لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر دہرانی شروع کر دی۔

میری توجہ سہولتوں سے زیادہ علاقے پر مرکوز تھی۔ ہمیں سر چھپانے کے لیے ایک ایسی جگہ درکار تھی جو محفوظ اور پُرسکون علاقے میں واقع ہو۔ وہاں سونے کے لیے چند بستر اور روز مرہ ضرورتوں کے لیے چند بنیادی اشیا موجود ہوں۔

میں پہلے بھی مکان کی تلاش کے صبر آزما مراحل سے گزر چکا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ زیادہ چھان بین کی صورت میں وقت کی بربادی اور زحمت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں کرائے دار کو مکان پسند نہیں آتا، اسے مکان پسند آتا ہے تو مالک مکان کو کرائے دار پسند نہیں آتا۔

اس ایجنسی میں بھی اچھی بات یہ تھی کہ اس لڑکے نے صرف [illegible] ماضی کو کریدنے کی

کوشش نہیں کی تھی۔ اسٹیٹ ایجنٹ کو معاوضے کے طور پر ایک ماہ کا کرایہ دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ مالکِ مکان کے بہت سے ناپسندیدہ سوالات کو ایجنٹ خود سنبھال لیتا ہے۔ کرائے دار کو اپنے پیشے' مکان کی تبدیلی کے اسباب اور ایسے دوسرے نکات کی وضاحت نہیں کرنی پڑتی۔

ان میں سے تین خواب گاہوں کا ایک مکان نیشنل اسٹیڈیم کے عقب میں واقع تھا۔ وہ صاف ستھرا علاقہ میرا دیکھا ہوا تھا۔ میں نے دوسرے مکان کو مسترد کرکے اس پر انگلی رکھ دی۔

نوجوان ایجنٹ نے موٹر سائیکل پر ہماری رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد ہم مطلوبہ مکان کے سامنے موجود تھے۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے ہی سب نے میری پسند کی توثیق کردی۔

مکان میں موجود قالین' پردے' صوفے اور مسہریاں وغیرہ نئی نہیں تھی مگر بہت بوسیدہ بھی نہیں تھیں۔ ہماری پسندیدگی بھانپ کر ایجنٹ کھلا پڑ رہا تھا اور اس مکان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

اس نے مروجہ شرائط کے ساتھ مکان کا کرایہ بتایا۔ ویرا کو گلشن تو کیا کراچی کے کسی بھی علاقے کے کرایوں کا اندازہ نہیں تھا مگر وہ ایک عورت تھی۔ مول تول کرنا اس کا پیدائشی حق تھا۔ اس نے ہم سے انگریزی میں باتیں کرتے کرتے شستہ اردو میں کرایہ زیادہ ہونے کی شکایت کی تو ایجنٹ بھونچکا رہ گیا۔

اس نے گرامر کی ہر پابندی سے آزاد' ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ایک مرتبہ پھر مکان کی تعریفیں کیں۔ ویرا نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر "تو بچ" کے دو لفظ کہے اور ایجنٹ کا دل فوراً پسیج گیا۔

اس نے علاقے میں اونچے کرایوں کا رواج جتاتے ہوئے خاص ویرا کے لیے یک لخت کرائے میں دو ہزار کی کمی کردی۔ میں حیرت سے ویرا کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

بعد میں پتا چلا کہ چھ سو گز کے رقبے پر بنا ہوا' لاکھوں کی مالیت کا وہ مکان' اسلام آباد میں متعین سولہویں گریڈ کے ایک نان گزٹیڈ افسر کی ملکیت تھا۔ کرائے داری کے جملہ اختیارات کے ساتھ اس نے مکان کی چابیاں اسٹیٹ ایجنسی کے مالک کو سونپی ہوئی تھیں جو اس کا گہرا دوست تھا۔

اس لڑکے نے اپنے مالک کے سامنے کارکردگی دکھانے کے لیے شاید مقررہ کرائے میں دو ہزار کا اضافہ کردیا تھا جو ویرا کے اکلوتے اعتراض پر واپس لے کر اس نے ہم پر احسان کیا تھا۔

سودا مکان کی خریداری کا ہو یا کرائے داری کا' درمیانی آدمی جہاں بھی موجود ہوتا ہے دونوں فریقوں کو متعدد زحمتوں سے بچانے کے ساتھ ساتھ سودے کی مالیت میں بھرپور اضافے کے لیے کوشاں رہتا ہے تاکہ اس کے کمیشن میں کچھ اضافہ ہوسکے۔ ہمارے معاملے میں اس لڑکے یا اس کے مالک کو ہم سے صرف دو ہزار روپے زیادہ ملتے لیکن اس [illegible] میں ایک

لمبی مدت کے لیے دو ہزار روپے ماہانہ کا خسارہ اٹھانا پڑتا۔

اس وقت تک ہمیں ایک خطیر مالی وسیلہ میسر تھا جو گن بوٹ کی فروخت کے نتیجے میں ہمیں ہاتھ لگا تھا۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ ڈالروں کی صورت میں سلمٰی کے پاس بطور امانت محفوظ تھا۔ یہ ہماری خوش نصیبی اور ہمارے ملک کی بدنصیبی تھی کہ روپے کی قدر میں کمی کے ساتھ ساتھ ہمارے ذاتی خزانے کی مالیت میں کئی بار اضافہ ہوچکا تھا۔

آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایک روز قارون کا خزانہ بھی خالی ہوجاتا ہے۔ میں نے جب سے یہ ضرب المثل سنی تھی' لاشعوری طور پر اخراجات کے سلسلے میں تھوڑا سا محتاط ہوگیا تھا۔ اس پس منظر میں دو ہزار ماہانہ کی بچت کے لیے ویرا کی کوشش مجھے پسند آئی تھی۔

وہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ لڑکے نے ہمیں اگلے مہینے کے آغاز سے کرائے داری کے معاہدے کے آغاز کی دعوت دی جو میں نے قبول کرلی۔ اسے اگلے روز کاغذات کی تیاری کی ہدایت دے کر میں نے وہیں پانچ ہزار روپے نقد تھمائے' اس کے بزنس کارڈ کی پشت پر اس سے رسید لکھوائی اور ہم وہیں سے واپس روانہ ہوگئے۔

"بس اتنی سی بات تھی جس کے لیے تم نے تکرار شروع کی تھی۔" واپسی کے سفر میں ویرا نے کہا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ یوں لاوارث مکان مل گیا۔ کرائے پر گھر لینا آسان نہیں ہے۔ دھکے کھا کھا کر طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"یہ قدموں کی برکت بھی ہوتی ہے۔ تم اکیلے آئے ہوتے تو شاید وہی ہوتا جو تم کہہ رہے ہو۔"

"مجھے یہ پُر فضا اور شور و غل سے محفوظ علاقہ پسند آیا ہے۔" غزالہ نے مسرت سے کہا "کیا ہم یہ مکان خرید نہیں سکتے؟"

"دس دفعہ خرید سکتے ہیں مگر یہ ہمارے گلے پڑ جائے گا۔" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں؟" میری بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی "کراچی میں جائداد سے بہتر سرمایہ کاری شاید کوئی اور نہیں ہے۔ اس کے دام بڑھتے ہی رہتے ہیں۔"

"تمہاری بات درست ہے مگر ہمارے حالات ابھی ایسی سرمایہ کاری کے لیے ساز گار نہیں ہیں۔ یہ گھر کسی دشمن کی نظروں میں آگیا تو کیا ہوگا.... گھر کرائے کا ہو تو ہر وقت ٹھکانا بدلنے کی آزادی میسر رہتی ہے ورنہ آدمی ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ جاتا ہے۔"

"ڈینی کا معنی خیز مشورہ سن رہے ہو نا؟" ویرا نے سلطان شاہ کا شانہ ہلا کے پوچھا "یہ بات گھر کے ساتھ عورت پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آدمی شادی کرلے تو زندگی بھر کے لیے اسی کھونٹے سے بندھا رہ جاتا ہے۔ شادی سے پہلے یہ گُر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تمہاری آزادی پر حیرت ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات اسی پر لوٹا دی "ہمارے یہاں مرد اتنے آزاد نہیں ہوتے جتنی تم ہو۔ اب تمہیں اپنا گھر بسا ہی لینا چاہیے۔"

ویرا کب چوکنے والی تھی۔ فوراً ہی بول پڑی "تم راضی ہو جاؤ تو یہ کام ابھی راستے میں کیے لیتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا۔ ویرا کی بے باکی اسے یوں ہی چپ کر دیتی تھی۔ غزالہ اس مذاق پر دل کھول کر ہنسی تھی۔

راستے میں محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک مشہور فاسٹ فوڈ ریستوران سے لنچ کرتے ہوئے ہم اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں مجھے بھول کر بھی یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا کہ کوئی مجھے پہچان لے گا اور شاید ویرا بھی ایسی ہر تشویش سے آزاد تھی۔

حالات خواہ کیسے ہی ہوں' انسان ان کا اثر اپنے موڈ اور مزاج کے مطابق لیتا ہے۔ خوف اور قنوطیت طاری ہو تو ذرا سا خطرہ بھی مہلک محسوس ہونے لگتا ہے۔ لاابالی پن اور خوشی کا موڈ ہو تو انسان جان کے حقیقی خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

شاید اول خان نے کیمپ کی چیک پوسٹ کو ہمارے بارے میں ہدایات دی ہوئی تھیں۔ ہم گاڑی سے اتر کر اندر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اول خان آپہنچا۔

"تم لوگ بتائے بغیر کہاں نکل گئے تھے؟" اس نے آتے ہی خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑے ہوئے تھے۔

"چھاؤنی کی ڈرائیو پر نکلے تھے مگر باتوں ہی باتوں میں آگے نکلتے چلے گئے۔" ویرا نے سب کی ترجمانی کا فرض اپنے ذمے لے کر جواب دیا "گلشن اقبال ہو کر آئے ہیں۔"

"جانے سے پہلے انٹر کام پر مجھے اطلاع تو دے سکتی تھیں۔ اتنی دیر ہو جانے کی وجہ سے میں فکر مند ہونے لگا تھا۔" اس نے ناگواری سے کہا "آج کل کے حالات میں تمہیں اور ڈینی کو تو شہر کا رخ ہی نہیں کرنا چاہیے۔"

"سوری! مجھ سے غلطی ہوئی مگر یہ ذمے داری ڈینی کی تھی۔ اسے ہم نے اپنا بڑا بنایا ہوا ہے تو اسے تم کو اطلاع دے دینی چاہیے تھی یا پھر اتنی لمبی ڈرائیو پر نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"میں ہی نہیں' میرا اسٹاف بھی پریشان تھا۔ مجھے گیٹ سے چیک پوسٹ والوں نے ڈیڑھ گھنٹے بعد بتایا کہ تم سب باہر نکلے ہوئے ہو اور واپس نہیں آئے۔"

"میری معذرت کے بعد یہ ذکر ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے اسے مغربی وتیرہ یاد دلایا۔

میں نے محسوس کیا کہ ویرا اسے باتوں میں الجھا کر مکان کی تلاش کا قصہ گول کرنے کے چکر میں تھی۔ اول خان کو بعد میں اس واقعے کا علم ہوتا تو وہ ہم سب سے ناراض ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ میں نے گلا صاف کرکے دھیرے سے کہا "دراصل ایک بحث شروع ہو گئی تھی۔"

"نہیں ڈینی! یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ تم بہت ذمے دار آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"دونوں عورتوں کا خیال تھا کہ کرائے کا مکان ملنا بہت آسان ہے۔ میں انہیں دکھانا چاہتا تھا کہ مطلب کا گھر ڈھونڈنا بچوں کا کھیل نہیں ہے...."

"اور اس بحث میں تمہیں واپسی کا خیال نہیں رہا۔" اول خان نے خفگی سے میری بات کاٹ دی "میں مانتا ہوں کہ عورتیں یہاں کی سخت زندگی سے بے زار ہیں۔ انہیں چارپائیوں پر سونا پڑ رہا ہے۔ باتھ روم کمروں سے دور ہیں۔ شب و روز میں اکتاہٹ کی حد تک یکسانیت ہے۔ یہ دونوں ایسی بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی کی عادی نہیں ہیں مگر تمہاری عقل کو کیا ہو گیا تھا؟"

اول خان کے آخری سوال پر ویرا کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بے ساختہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ غزالہ نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی ہوئی تھی۔

"کیا.... یہ کیا ہو رہا ہے؟" اول خان نے فضا میں اپنے دونوں

ہاتھ گھما کے غصے سے کہا "کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جو وہ یوں ہنستی ہوئی بھاگی ہے۔"

"آرام سے بیٹھو!" میں نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا "غصے سے اس وقت تمہارا چہرہ چقندر ہو رہا ہے۔ آئینہ دیکھ لو تو تم خود قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

وہ بازو چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا "تم ضرور کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"میں وہی بتا رہا تھا لیکن تم مجھے بولنے کا موقع نہیں دے رہے۔ ہماری بحث...."

"مجھے بحث میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ سیدھی طرح اصل بات بتاؤ!"

"یہ اصل بات ہی ہے۔ ہمیں کرائے کا مکان مل گیا۔" کوئی تمہید باندھنے کے بجائے میں نے اس کی باربار کی قطع کلامی پر جھلا کر بات نہایت مختصر کر دی۔

"ہائیں....؟ مکان مل گیا؟" حیرت سے اس کا منہ کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔

"ہاں!" میں نے تیزی سے کہا "میں ان کا دماغ درست کرنے کے لیے ایک اسٹیٹ ایجنسی پر لے گیا اور اتفاق سے پہلا مکان ہی سب کو پسند آگیا۔ ہم ایڈوانس دے آئے ہیں۔"

"اوہ! تو تم اتنی دیر سے یہ بات بتانی چاہ رہے تھے۔" اس کے اعصاب ایک دم نرم پڑ گئے۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ بھاری آواز میں بولا "آئی ایم سوری' ڈینی! میرا خیال تھا کہ تم چاروں کو یہاں روک کے رکھ کر میں تمہارے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں نے تم سب کو بے زاری کی ایسی سرحدوں پر پہنچا دیا ہے کہ تم مجھ سے چوری چوری مکان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوگے۔"

اس کا غصہ اداسی میں ڈھلتے ہی میرا دل شیر ہو گیا اور میں نے بے خوفی سے کہا "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مکان کے بندوبست کا غلغلہ تمہارے سامنے بھی اٹھ چکا ہے۔"

"باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے مجروح اور مضمحل لہجے میں اقرار کیا "مگر میں نے کبھی بھی مسئلے کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا تھا۔ تم سب نے یہاں واقعی بہت کڑا وقت گزارا ہے۔"

"اب احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے شفقت سے اسے ڈانٹا "ہماری دشواریاں اتنی نہیں تھیں۔ سب کو یہ احساس تھا کہ ہماری وجہ سے تم گھن چکر بن کر رہ گئے ہو۔ ہماری فکر میں تمہارے کام کا ہرج ہوتا ہے' تمہارے بیوی بچے پشاور میں پڑے ہوئے ہیں اور تم ہماری وجہ سے زبردستی کی تنہائی جھیل رہے ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں ہم یہ باتیں کرتے رہتے تھے۔"

غزالہ نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور میں خود بھی اپنی

نظام الاوقات

افواج کے تمام شعبوں میں بھرتی ہو رہی تھی۔ گراؤنڈ میں گھنٹا گھر کے سامنے امیدوار جمع تھے۔ کمانڈنٹ آفیسر کہنے لگا "میں تم لوگوں کو چند بنیادی باتیں بتانا چاہتا ہوں لیکن کسی گروپ کا دوسرے گروپ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ جو نوجوان آرمی کے خواہش مند ہیں انہیں دو گھنٹے میں فارغ کر دوں گا۔ ائرفورس میں جانے والوں کو چودہ بجے' نیوی والوں کو اس وقت جب چھوٹی سوئی دو پر اور بڑی سوئی بارہ پر ہوگی اور میرین کے خواہش مندوں کو ٹھیک اس وقت جب گھڑیال دوبار گھنٹا بجائے گا۔"

حیلہ جوئیوں پر متعجب رہ گیا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ ہونے کے باوجود مجھے ہر وقت خاصے مضبوط بہانے سوجھ رہے تھے۔

"تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا۔ ایک نہ ایک دن جانا ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ تم سب نے اپنی پسند کا گھر ڈھونڈ لیا۔ بس مجھے عمر بھر یہ قلق رہے گا کہ اس انتخاب میں میں تمہارے ساتھ شامل نہیں تھا۔" پوری صورتِ حال واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اول خان کی اداسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"تم پھر بے وقوفی کی بات کر رہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ بندوبست مذاق مذاق میں ہوا ہے۔ ویسے بھی کلفٹن والا فلیٹ میں نے خود ڈھونڈا تھا۔ اس وقت تمہیں یہ بات بری نہیں لگی تھی۔" میں نے اس کے سر پر سوار ہو کر ملامت کی۔

"اس وقت تم میرے مہمان نہیں تھے۔ آج تم میرے مہمان تھے۔" اس کی اداسی دور نہ ہو سکی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ ابھی ہم نے صرف پانچ ہزار دیے ہیں۔ ہم عمر بھر یہیں رہیں گے۔ ہم مر جائیں تو تم اسی میدان میں ہماری قبریں بنا کر ان کے مجاور بن جانا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تمہاری خوشی ہمیں اپنے ہر آرام بلکہ جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

وہ جذباتی آدمی تھا۔ میرے اس جذباتی وار کو نہ سہہ سکا۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اچانک کرسی سے اٹھا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"اللہ تمہیں لمبی عمر دے اور مجھے تمہارے لندھے نصیب کرے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں دعا گو تھا "میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ تم جب چاہو گے' میں خود تمہیں نئے گھر میں پہنچا دوں گا۔"

وہ بہت کٹھن اور نازک مرحلہ تھا جو اپنی تمام تر جذباتیت کے باوجود میری دانست میں آرام سے گزر گیا۔ میں نے اس کی پشت پر چند زوردار تھپکیاں دیں اور طبیعت کا ابال ختم ہونے پر وہ چند لمحوں بعد دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی دونوں آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

غزالہ جو ذرا سی دیر پہلے اس کی باتوں پر اپنی ہنسی روک رہی تھی، اس منظر کی تاب نہ لاسکی اور دوپٹے میں منہ چھپا کر خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آئندہ اپنے مرنے کی بات منہ سے نہ نکالنا" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے روٹھے روٹھے انداز میں بولا "میرا کلیجہ چھل جاتا ہے۔ یہ تمہارے دشمنوں کی بددعائیں ہیں، انہیں اپنی آرزو مت بنایا کرو۔"

"تم بھی اکھڑی اکھڑی باتیں نہ کیا کرو۔ دنیا سے کٹ کر ہم چند ہی تو ایک دوسرے کے ہمدرد رہ گئے ہیں۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے لڑنا شروع کردیا تو ہمیں کون پناہ دے گا۔ باہر کی دنیا میں ہر طرف ہمارے دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے ہیں جن کی ایک نشانی تمہارے گارڈ روم میں بند ہے۔"

میری زبان سے موسیٰ کا حوالہ سنتے ہی وہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے بولا "رستم بہت پہنچ والا آدمی ہے۔ پولیس نے بہت اعلیٰ سطح پر یہ چھان بین شروع کردی ہے کہ پچھلی رات کینٹ اسٹیشن کے قریب کس ایجنسی نے کارروائی کی تھی۔ میں نے انہیں کورا جواب دے دیا ہے۔"

"پولیس والے اتنے بااختیار کیسے ہوگئے کہ ایجنسیوں کے خلاف تحقیقات کرسکیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"وہ یہ جرات نہیں کرسکتے۔ انہوں نے اسے رسمی چھان بین اور معلومات کے باہمی تبادلے کا نام دیا ہے" کام کی باتیں شروع ہوتے ہی اول خان تیزی سے نارمل ہوتا جارہا تھا۔

"معلومات کے اس تبادلے سے وہ کیا نتائج حاصل کرنا چاہ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کسی نامعلوم آدمی نے ایک ہوائی فائر کیا اور غائب ہوگیا۔ کوئی زخمی ہوا نہ کسی اور واردات کا کوئی گواہ ملا۔ یہ ایک عام سا واقعہ تھا۔ ایسے واقعات پر پولیس ایسی سرگرمی نہیں دکھاتی۔ ابھی تک کسی نے موسیٰ کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کروائی۔ یہ چھان بین رستم کے لاڈلے کررہے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ موسیٰ اس وقت کس کی تحویل میں ہوسکتا ہے۔"

"رستم کے ہاتھ واقعی لمبے ہیں۔ جب ہی وہ شہر میں اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ موسیٰ کو تم تینوں نے اٹھایا تھا۔ میرے آدمی یہ کام کرتے تو اسے کمرے سے اٹھا کر لاتے۔ ان کی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود پولیس کو ہوٹل کے عملے سے پتا چل جاتا کہ موسیٰ کو [illegible]

سے آئے تھے۔ میں انکار نہیں کرسکتا تھا۔"

"ان حالات میں تم موسیٰ کو کب تک اپنی قید میں رکھ سکو گے؟"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی پوری ہسٹری شیٹ میرے سامنے ہے۔ وہ کم از کم تین مردوں اور ایک عورت کا قاتل ہے۔ اگر قانون اسے سزا نہیں دے سکا تو ہمیں کچھ سوچنا ہوگا۔ اسے زندہ چھوڑا گیا تو کرنل جمال دستی کا نام ایک مرتبہ پھر ہر افسر کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔"

"کرنل بے چارہ تو اس وقت اومان کے کسی ہوٹل میں نوکری پر چڑھ چکا ہوگا" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہر ایک کو یہی باور کرایا جانا چاہیے تاکہ یہاں تمہاری تلاش کی مہم زیادہ زور نہ پکڑ سکے" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

موسیٰ کے لیے بدترین بات یہی تھی کہ وہ کرنل جمال دستی کے نام سے ہی واقف نہیں تھا بلکہ تین مرتبہ مجھے دیکھ بھی چکا تھا۔ اس سے میرا پہلا سامنا کلب کے لان پر ہوا تھا۔ دوبارہ میں نے اس کے سامنے آکر اسے بسیرا جانے سے روکا اور تیسری بار اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں اس سے پوچھ گچھ کے لیے مجھے اس کے سامنے جانا پڑا۔ وہ اپنی جان بخشی کے لیے ہم سے جتنے بھی وعدے کرلیتا۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

رستم ایرانی ایک خطرناک سفید پوش بدمعاش تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کا کوئی آدمی اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ جب تک موسیٰ ہماری خفیہ تحویل میں تھا، رستم کو پوری شدومد سے اس کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ وہ آزاد ہوجاتا تو رستم ہر قیمت پر یہ جاننا چاہتا کہ موسیٰ نے مقررہ وقت پر بسیرا نہ پہنچ کر اس کی حکم عدولی کیوں کی۔

موسیٰ کے لیے اپنے باس کا دباؤ ناقابل برداشت ثابت ہوتا اور وہ ہم سے کئے ہوئے ہر وعدے کو فراموش کرکے پوری کہانی اس کے سامنے اگل دیتا۔ رستم کے ذریعے وہ قصہ میجر بخشی تک پہنچتا تو اس کا یہ شبہ یقین میں بدل جاتا کہ کرنل جمال دستی ڈپی ہی کا دوسرا روپ ہے۔

وہ میرے لیے خطرناک موڑ ہوتا کیونکہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے کرنل جمال دستی کے روپ میں میرے فنگر پرنٹس حاصل کئے ہوئے تھے جو امریکی ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ میرے اصل روپ اور بہروپ کا ابہام یقین میں بدلتے ہی میرے لیے خطرات اور اندیشوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوسکتا تھا جس سے بچنے کے لیے موسیٰ جیسے ہسٹری شیٹر اور قاتل کی بھینٹ دینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

اس بارے میں میری تائید حاصل کرنے کے بعد اول خان [illegible]

اس کے جاتے ہی ویرا اپنے کمرے سے لوٹ آئی اور بولی۔
"مکان کا بندوبست کرنے میں اول خان کو نظرانداز کرکے ہم نے سنگین غلطی کی تھی۔ اس کا سامنا ہوتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس تذکرے پر بھڑک اٹھے گا۔ میں وہ قصہ سرے سے گول کرنا چاہ رہی تھی۔"
"مگر اس میں قہقہہ لگانے والی کیا بات تھی؟" میں نے ناخوشگواری سے پوچھا۔
"کم از کم میرے لیے وہ سچویشن ایسی ہی ہوگئی تھی۔ تم نے پوری بات بتانے کے لیے خلوص سے تمہید باندھی اور وہ تم پر ہی چڑھ دوڑا۔"
"وہ بہت بگڑ گیا تھا۔ تمہاری ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔"
"غزالہ نے مجھے سب بتادیا ہے" وہ پھر ہنس پڑی "تم نے بہت خوب صورتی سے بات سنبھال کر اسے اعتماد میں لیا ہے۔ کم از کم میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔"
"وہ بہت مخلص انسان ہے۔ اس سے پے در پے جھوٹ بولتے ہوئے میرا دل مجھے ملامت کررہا تھا۔"
"جھوٹ کا سہارا لیے بغیر اسے رام کرنا ممکن نہیں تھا۔ انجام بخیر ہو تو ہر بات جائز ہو جاتی ہے۔ تم نے جھوٹ بول کر اول خان کی دل جوئی کی ہے۔ یہ جھوٹ قابلِ ملامت نہیں' قابلِ احترام تھے۔ غزالہ نے تمہاری زبردست قلابازیوں کے بارے میں مجھے ہر بات بتادی ہے۔"
اس روز میں اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کررہا تھا۔ میں نے اول خان سے جو باتیں کہیں، وہ ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھیں لیکن میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور اٹکی ہوئی تھیں۔ غبار صاف ہوجانے کے بعد سب کے ذہن خوب کام کررہے تھے۔
شام کو اول خان آیا تو اس کا موڈ بہت بہتر ہوچکا تھا۔ ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد شاید اس نے اس حقیقت کو قبول کرلیا تھا کہ جو کچھ ہورہا تھا وہ ہمارے فطری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ لمبے عرصے تک ہم سب کا یک جا رہنا ایک مثالی خواب تو ہوسکتا تھا لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔
اس کے آدمیوں نے پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت کے بارے میں خاصی محنت کی تھی۔
پنڈت اور اس کی بیٹی کی نجی زندگیاں بہت گندی اور گھناؤنی تھیں۔ وہ باتیں مجھے موسیٰ سے بھی معلوم ہوچکی تھیں۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنی چھان بین میں ان واقعات کو زیادہ گہرائی تک کریدا تھا۔ یہ بات ہر شک وشبے سے بالا تھی کہ پنڈت کو اپنی اکلوتی اور خوب صورت بیٹی سے والہانہ محبت تھی۔ شاید دس سال پہلے بیوی کی رفاقت سے دائمی محرومی سے بیٹی کے لیے اس کی محبت گہری ہوگئی تھی۔

اعتدال انسان کی زندگی کا سب سے سنہرا اور کامیاب اصول ہے۔ اعتدال برقرار نہ رہے تو انسان کو اذیت ناک تجربات کے لیے جہنم کے سفر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہی جیتی جاگتی دنیا اس کے لیے جہنم کا نمونہ پیش کرنے لگتی ہے مگر بیٹی کے لیے پنڈت کی پدرانہ محبت میں بے اعتدالی نے ان دونوں میں سے کسی کے لیے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی تھی۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت خوش تھے۔
پنڈت رنگین مزاج آدمی تھا۔ اس نے موہنی کے لیے حد سے بڑھی ہوئی محبت میں اسے وہ بے مہار آزادیاں دی ہوئی تھیں جن سے وہ خود فیض یاب ہوتا رہتا تھا۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے دانستہ چشم پوشی کرتے تھے لیکن ان کی صحبتوں سے لطف اندوز ہونے والے بھی خود احتسابی کے نادر لمحات میں پنڈت اور موہنی کو عبرت کا مرقع قرار دیتے تھے۔
ان کے پاس شرم' حیا' عزت اور ساکھ کا کوئی روایتی تصور نہیں تھا۔ رنگا رنگ لوگوں کے ہجوم میں سرمستی کی زندگی بسر کرنا ان کا مشن تھا اور وہ اس میں کامیاب تھے۔ ان کے دوست اور احباب ان کے منہ پر ان کی دریا دلی' احباب نوازی اور آزادروی کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ پیٹھ پیچھے وہ جو بھی کہتے ہوں' انہیں اس کی پروا نہیں تھی۔
پنڈت بہت سی شہری اور دیہی جائدادوں کا مالک تھا جن کے کرایوں سے ہونے والی خطیر آمدنی کے بعد اسے کسی کام کاج کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ پھر بھی کاروباری لین دین کے ذریعے دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور کر اسے اپنی من پسند رنگینیوں پر لٹاتا رہتا تھا۔
وہ کاروبار کے بجائے صرف کاروباری لین دین کرتا تھا کیونکہ شہر کے تجارت پیشہ گھرانوں میں تعلیم کا رجحان کم تھا۔ بچے کو ہوش سنبھالتے ہی موروثی کاروبار میں لگادیا جاتا تھا۔ دوسرے کاروباری وہ تھے جو تعلیم کے میدان میں منہ کے بل گرنے کے بعد کوئی نہ کوئی دھندا جمانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔
اس بھیڑ میں پڑھے لکھے کہلانے والے بھی پائے جاتے تھے لیکن ان کی تعلیم بس تعلیمی سند پر لکھی ہوتی تھی۔ عملی طور پر کوئی سند ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ کاروبار میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔ وہ انکم ٹیکس اور دوسرے سرکاری چکروں کی وجہ سے بینکوں سے لین دین کرنے سے گھبراتے تھے اور بھاری ماہانہ شرحوں پر کھلی منڈی کے مہاجنوں سے بڑی رقمیں لینے کو ترجیح دیتے تھے۔
سوجھ بوجھ رکھنے والے تاجر ایسے مہاجنوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حقارت سے انہیں سود خور قرار دے کر بینکوں سے کاروبار کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسروں کے لیے پنڈت منوہر لال جیسے لوگ ایک بڑا سہارا تھے۔ بینک کی پندرہ بیس فیصد سالانہ شرح

کے مقابلے میں وہ اپنی دی ہوئی رقموں پر تین چار فیصد ماہانہ سود ضرور لیتے تھے لیکن وہ زبانی لین دین ہوتا تھا جس میں کسی رسید یا کھاتے کا دخل نہیں تھا۔

پنڈت نے اپنی کئی جائدادیں گروی رکھ کر بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں کم شرح پر ادھار لی ہوئی تھیں اور بازار میں وہی رقمیں تین گنا سے بھی زائد شرحوں پر سود میں چلا کر بھاری نفع کما رہا تھا۔

جب آمدنی ایسی بے حساب ہو' شوق بے لگام ہوں' مصروفیات رنگین ہوں اور ضمیر سویا ہوا ہو تو وہی ہوتا ہے جو پنڈت کر رہا تھا۔

باپ اپنی بیٹی کے ساتھ مل کر اندھی آمدنی کو ہوس اور خواہشات کے اندھے کنویں میں ڈبو رہا تھا۔ وہ خود خوش تھا' اس سے ملنے والیاں خوش تھیں اور موہنی سے ملنے والے بھی خوش تھے۔

وہ پنڈت منوہر لال کی زندگی کے ایسے پہلو تھے جو بہت سے لوگوں کے علم میں تھے۔ اس کی خفیہ سرگرمیاں جو ہر ایک کی نظروں سے اوجھل تھیں' زیادہ تشویش ناک تھیں۔

دھن راج موہنی کا منظور نظر ہونے کے ساتھ پنڈت کا بھی چہیتا تھا۔ دھن راج کی طرح پنڈت بھی اہم اور اعلیٰ عہدوں پر مامور افسران سے گہری دوستیاں رکھتا تھا۔ انہیں اپنی محدود دعوتوں میں بلا کر شراب وشباب سے ان کی مہمان نوازی کرتا تھا' ان مدارات کے صلے میں وہ ان سے کیا حاصل کرتا تھا' یہ کسی کے علم میں نہیں تھا۔ یہ سراغ لگانے کے لیے وقت درکار تھا۔

"وہ خطرناک آدمی ہے" میں نے اول خان کی زبانی وہ ساری باتیں سننے کے بعد رائے دی "اس نے ظاہری طور پر بھلے بوائے کا روپ دھارا ہوا ہے مگر اندر ہی اندر کوئی اور گل کھلا رہا ہے۔"

"گل ضرور کھلا رہا ہے۔ ہفتے میں ایک رات وہ چند گھنٹوں کے لیے بسیرا ضرور جاتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ رستم جیسے جرائم پیشہ شخص سے اس کا کیا مفاد وابستہ ہے جو رات گئے اسے خود گاڑی چلا کر بسیرا جانے پر مجبور کر دیتا ہے؟ میرے آدمی اس پر کام کر رہے ہیں۔"

"کیا وہ ہمیشہ رات گئے ہی رستم کے پاس جاتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فی الحال یہی معلوم ہوا ہے۔ ایک دو روز میں سب واضح ہو جائے گا۔"

"بے فکری کی زندگی گزارنے والا شخص ایسے پراسرار رابطے کیوں رکھتا ہے؟ سرکاری افسر' سفارت کار اور مجرم' یہ سب ہی اس کے دوست ہیں۔ ان کی درمیانی کڑی وہ خود ہے۔"

"ہمیں موسیٰ کی بات پر غور کرنا ہوگا" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ اس نے موساد کے ایجنٹوں سے پنڈت کے میل جول کی کہانی محض جان بچانے کے لیے نہ گھڑی ہو۔"

"غور ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ موسیٰ معمولی پڑھا لکھا اور بہت کم رتبے کا آدمی ہے۔ وہ موہنی کا محافظ تھا۔ اسے پنڈت کی پارٹیوں کی اتنی زیادہ تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟ موساد والوں کی شناخت ان کی پیشانی پر نہیں لکھی ہوتی کہ ہرا ایرا غیرا' نتھو خیرا انہیں پہچان لے۔"

"تم ہمیشہ گہری جزئیات پر نگاہ رکھتے ہو۔ تمہارے اعتراض میں وزن ہے۔"

"اگر وہ سچا ہے تو ہمیں پنڈت کے گھر سے اس کے کرتوتوں کا کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور ملے گا۔"

"وہ اپنی جان بچانے کے لیے بکواس کر رہا ہے" میری بات اول خان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

"ہمیں بے لاگ انداز میں ہر بات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ میری رائے غلط ہو اور وہ سچ بول رہا ہو۔"

"اس کا بہت کم امکان نظر آتا ہے" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"یہ دوسرا پہلو ہے۔ ہم اسے بھی نظر انداز نہیں کرسکتے" میں نے اسے سمجھایا "وہ چوبیس گھنٹے گھر میں رہتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے کسی اور ذریعے سے یہ باتیں معلوم ہوئی ہوں۔"

روشن خیال گھرانوں کے مکین اپنے مسکین نظر آنے والے گھریلو ملازمین کو عام طور پر زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور ان کو گونگا' بہرا سمجھتے ہوئے' ان کی موجودگی میں بھی اپنی گفتگو کے تسلسل میں فرق نہیں آنے دیتے۔ شام کو یا رات کو جب کسی مخصوص مقام پر ان خانگی ملازمین کی چوپال جمتی ہے تو بے احتیاطی سے کہی ہوئی بہت سی باتیں سینہ بہ سینہ گھر سے باہر نکل کر دوسروں تک پہنچ جاتی ہیں۔

گھر کے اندر اور باہر کام کرنے والے ملازمین میں بھی قریبی ربط ضبط ہوتا ہے۔ ایک خدمت گار کوئی چونکا دینے والی نئی بات سنتا ہے تو اپنے ساتھیوں میں اپنی برتری اور اہمیت جتانے کے لیے وہ اہم بات ہر طرف پھونک دیتا ہے۔ یہ سلسلہ ہر گھر میں یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

ملازمین کی سطح پر گردش کرنے والی ان سرگوشیوں میں بعض اوقات افواہیں بھی شامل ہو جاتی ہیں لیکن مالکوں کو شاذونادر ہی علم ہو پاتا ہے کہ ان کے کمروں میں ہونے والی باتیں کہیں اور بھی پھیل رہی ہیں۔

گھریلو ملازمین کی ایک الگ ہی دنیا ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھربار' ماں باپ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر محض روزی کمانے کے لیے دن رات اپنے مالکان کی سیوا کرتے ہیں اور اپنی روزی کے اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے دن رات ان کی جھڑکیاں اور ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔

ان کی زندگی میں سنسنی اور دلچسپی کا ایک ہی پہلو ہوتا ہے کہ وہ اپنے قابلِ رشک مالکان کے رازوں سے ایک معصومانہ سی باخبری حاصل کرتے رہیں اور پھر اسے بڑھا چڑھا کر اپنی کہانیوں سے دوسروں کو مرعوب کر سکیں۔ مالک ان کے خوابوں کے شہزادے ہوتے ہیں جنہیں ہر وہ آسائش اور سہولت حاصل ہوتی ہے جو ان کے خوابوں میں ناچتی رہتی ہے لیکن عمر بھر وہ اسے نہیں پا سکتے۔ ان کے لیے ایسے شہزادوں کے قریب رہنا اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی پُراسرار آرزوؤں میں سلگتے رہنا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

بات کا دوسرا رخ ایک لمبی بحث کے بعد آخر کار اول خان کی سمجھ میں آ ہی گیا اور وہ قائل ہو گیا کہ موسیٰ کے بیان کی تردید یا تصدیق کے لیے پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی ضروری تھی۔

”موسیٰ کے چکر میں پڑ کر ہم ملنگ کو بالکل ہی بھول بیٹھے ہیں۔“ اس موضوع کے سمٹتے ہی اول خان کو رستم کے دوسرے آدمی کا خیال آ گیا۔

”شاید موسیٰ اس سے زیادہ کار آمد ثابت ہوا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ ہم گدھے کے ساتھ بچّے کو بھی نہیں لائے ورنہ ہمیں اس کی ہسٹری شیٹ پر بھی غور کرنا پڑ جاتا۔“

”اس وقت صرف وہی ایسا مجرم ہے جو تمہیں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے پہچان سکتا ہے“ اول خان نے بتایا۔

”تم میجر بخشی کو بھول رہے ہو۔ اس بہروپ کی ابتدا کا ذمے دار وہی ہے۔“

”بخشی ایک محتاط سفارتی افسر ہے۔ شہر میں اس کی نقل و حرکت بہت محدود ہے مگر ملنگ سے کہیں بھی تمہارا سامنا ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ رستم کا آدمی ہے۔“

”چند روز کی بات ہے۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی اُگ آئے گی تو وہ بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ اس وقت تک میں ذرا سی احتیاط کر لوں گا۔“

”آج تم رستم کو فون کرو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بسیرا کا رخ کرنا پڑ جائے۔ ملنگ وہاں موجود ہوا تو تمہیں واپسی کی راہ بھی نہیں مل سکے گی۔“

”رستم اپنے آدمیوں کو اپنے گھر سے دور رکھتا ہے“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”پھر بھی اس نے موسیٰ کو وہاں بلایا تھا۔ موسیٰ غائب ہے۔ موسیٰ کا اتا پتا لگانے کے لیے ملنگ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔“

”احتیاط اچھی ہوتی ہے۔“ میں اس سے متفق ہو گیا ”جب تک میرا اور رستم والا قصہ طے نہیں ہو جاتا، ملنگ کی نگرانی شروع کرا دو۔“

”نگرانی سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا [illegible] گا“

وہ سفاکی سے بولا۔

”وہ آخری علاج ہے۔ فی الحال نگرانی کراتے رہو“ میں نے اسے سمجھایا ”اس طرح وہ تمہاری نظروں میں رہے گا۔ اگر وہ بسیرا کا رخ کرے تو اس کے خلاف قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔“

”یہ ہو سکتا ہے“ اول خان نے سرہلایا ”مجھے اس کی جان لینے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ تمہارے لیے خطرہ نہ بننے پائے۔ یہ مقصد اس طرح بھی پورا ہو جائے گا۔“

”موسیٰ کہاں ہے؟ اس کے بارے میں تم نے کیا طے کیا ہے؟“ مجھے وہ سوال یاد آ گیا۔

”آج اس کی آخری رات ہے۔ لاش اس کے پرانے علاقے میں ڈال دی جائے گی۔“

”اسے بھی زندہ رکھو۔ جب تک اس کی لاش نہیں ملتی، رستم اس کی بازیابی کے بارے میں پرامید رہے گا۔ لاش مل گئی تو اس کا موڈ بگڑ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اوپلی والے کام سے انکار کر دے۔“

مقررہ وقت سے پہلے سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ رستم نے مجھے فون کرنے کے لیے کوئی خاص وقت نہیں دیا تھا۔ بس شام کا ذکر کیا تھا مگر میں نے اس کام کے لیے اپنے طور پر سات بجے کا تعین کر لیا تھا۔

سات بجے میں اول خان کے ساتھ اس کے دفتر میں موجود تھا۔ فون ملنے پر دوسری طرف سے رستم کے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔

”میں ملک ممتاز بول رہا ہوں۔ مجھے رستم سے ضروری کام ہے“ میں نے اپنا تعارف کرایا۔

”ہولڈ کرو!“ اس آواز کے بعد چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ لائن ملا رہا ہو گا مگر ایک لمبے سکوت کے بعد وہی آواز دوبارہ ابھری ”ملک ممتاز اور ملک افضل..... تم کل بھی آئے تھے؟“

”ہاں، وہی سلسلہ ہے۔ رستم نے آج فون کرنے کے لیے کہا تھا“ مجھے اس کی باز پرس پر غصہ آنے لگا۔

اس مرتبہ ریسیور پر ہلکی سی بلوچی موسیقی سنائی دینے لگی۔ وہ اپنے ایکس چینج کے ذریعے رستم سے لائن ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک موسیقی کی آواز منقطع ہو گئی اور وہی آدمی پھر لائن پر آ گیا۔

”سات پیٹی لے کر دو بجے سے پہلے یہاں آ جاؤ۔ کام ہو جائے گا“ اس نے کہا۔

”یہ سات پیٹی کا کیا مطلب ہے؟ تم رستم سے میری بات کیوں نہیں کراتے؟“

”ایک پیٹی ایک لاکھ، سات پیٹی سات لاکھ“ اس نے

[illegible] مہمان ہیں۔ وہ اس

وقت بات نہیں کرسکتے۔ یہ پیغام ان ہی کی طرف سے ہے۔“

”تو کیا آج ہی دو بجے سے پہلے آنا ضروری ہے؟“ میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا ”اتنے کم وقت میں اتنی پیٹیوں کا بندوبست کرنے میں دقت ہوسکتی ہے۔“

”جو ہوتا ہے وہ بندوبست کرلو۔ باقی باتیں خود آکر کرلینا..... بولو، کس وقت آؤ گے؟“

”گیارہ بجے!“ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا ”اس میں ذرا سی دیر سویر ہوسکتی ہے۔“

”گیارہ اور بارہ کے بیچ تمہارا وقت ہے۔ آزو بازو خیال کرکے آنا۔ آج کل موسم ذرا خراب ہے۔ پٹّی چور مال کی بو سونگھتے پھرتے ہیں“ یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

”دو بجے!“ میرے نمٹتے ہی اول خان نے اپنے نتھنوں سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا ”یہ دو بجے اور گیارہ بجے کا کیا چکر تھا؟“

”معلوم ہوتا ہے رستم ایرانی کسی اُلّو کی اولاد ہے۔ اس نے دو بجے سے پہلے بلایا تھا۔ میں نے گیارہ کا وقت دیا۔ اب گیارہ اور بارہ کے درمیان میرے لیے وقت مقرر ہے۔“

”یہ پیٹیوں کا کوڈ شاید رقم کے لیے تھا؟“ اول خان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

”تم ایسی مجرمانہ اصطلاحات سے خاصے باخبر ہو۔“ میں ہنس کر بولا ”رقم آج ہی ادا کرنی ہے۔“

”آج؟“ اول خان فکر مند ہوگیا ”میں نے سمری بھیجی ہوئی ہے۔ رقم ملنے میں چند روز لگیں گے۔“

”اوہ!“ میری حیرت اور خوشی کا ٹھکانا نہ رہا ”تو کیا یہ رقم ایس ٹی ایف ادا کرے گی۔“

”بالکل۔ اوبرائن تمہارا نہیں اس ملک کا دشمن ہے۔ اس کے سر کی قیمت یہ ملک ہی ادا کرے گا۔“

”پھر پروا مت کرو۔ میں ابھی جہانگیر کی طرف جاتا ہوں۔ ڈالروں میں نوٹ بہت کم ہوں گے۔ رستم خوش ہوجائے گا۔ میں سلمٰی سے رقم لے کر رستم سے ملنے کے بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں فنڈز مل جائیں تو تم سات لاکھ کا ادھار ادا کردینا۔ اس وقت لوہا گرم ہے۔ اوبرائن کے کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔“

میں نے رستم کے آدمی کو بتا دیا تھا کہ پوری رقم کے بندوبست میں دیر ہوسکتی ہے اور اس نے مجھے بسیرا آکر رستم سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ ایسے کاموں میں پوری رقم کی پیشگی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ رقم دینے میں تاخیر کا مطلب اوبرائن کے فتنے کو زیادہ دیر پالنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مجھے معاوضے کے تعین میں رستم کی ایمان داری نے کافی متاثر کیا تھا۔ اس نے مجھے سات سے دس لاکھ تک کا تخمینہ دیا تھا اور میں نے سیر چشمی کے ساتھ اس کی ادائیگی پر اپنی رضامندی ظاہر کردی تھی۔ اس کے باوجود رستم نے اپنے تخمینے کی سب سے کم رقم طلب کی تھی۔ اس مطالبے سے ثابت ہوگیا تھا کہ رستم اپنے گاہک کی جیب دیکھ کر معاوضہ لینے کے بجائے کچھ اصولوں کی پاس داری کرتا تھا اور شاید اسی لیے کامیاب تھا۔

رستم سے ملاقات میں ویرا کے لیے سرے سے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس سے ملنے کا حق صرف ملک ممتاز اور ملک افضل کو تھا مگر جوں ہی اسے یہ پتا چلا کہ میں جہانگیر کے گھر سے رقم لیتا ہوا، سلطان شاہ کے ساتھ بسیرا جاؤں گا تو وہ بھی مچل گئی کہ اسے اور غزالہ کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔

دن میں، میں پورے جلوس کے ساتھ کرائے کے مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا مگر دونوں عورتوں کو جہانگیر کے گھر چھوڑ کر رستم سے ملاقات کے بعد اپنے ساتھ واپس لانے کی تجویز نہایت احمقانہ تھی۔ مجھے واپسی میں رات کے ڈیڑھ، دو بھی بج سکتے تھے اور ایسے نامناسب وقت پر ہم چاروں کا یکجا ہوکر شہر میں گھومنا کسی طرح موزوں نہیں تھا۔

رات کے کھانے تک ویرا رہ رہ کر مجھ سے الجھتی رہی۔ اس دوران میں اس نے اول خان کے فراہم کیے ہوئے ذخیرے میں سے اسکاچ کی ایک مناسب مقدار اپنے معدے میں اتارلی تھی اس لیے اس کے لب و لہجے میں ضد کا عنصر بھی عود کر آیا تھا۔ وہ ہم میں سے کسی کی کوئی دلیل سننے یا ماننے کے بجائے اپنی بات منوانے پر تلی ہوئی تھی۔

”تم ان دونوں کو جانے دو۔“ اول خان کو نہ جانے وہ تجویز کیسے سوجھ گئی ”غزالہ کمرے میں آرام کرے گی۔ ہم دونوں موسیٰ پر تھوڑی سی محنت اور کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی کچھ اور بھی اگلے گا۔“

وہ نکتہ ویرا کی خمار زدہ کھوپڑی میں سماگیا۔ وہ رستم اور جہانگیر کو بھول کر مسرت آمیز لہجے میں بولی ”رات کا اندھیرا ویسے ہی خوف آور ہوتا ہے اور اندھیرے کا تشدد بڑے بڑے سورماؤں کا حوصلہ توڑ دیتا ہے۔ یہ کھیل زیادہ بہتر رہے گا۔“

میں نے اس کی آمادگی پر تشکر کا کوئی کلمہ ادا کرنے کے بجائے اسی موضوع میں الجھائے رکھنا زیادہ مناسب سمجھا اور کہا ”کبھی کبھی تم تشدد سے بہت زیادہ محظوظ ہونے لگتی ہو اور حد سے گزر جاتی ہو۔ اسے مار ہی نہ دینا۔ اس گرم موسم میں اسٹیشن فور پر دو چار روز تک لاشیں محفوظ رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔“

”فکر مت کرو۔“ وہ اپنی ترنگ میں بولی ”وہ مرگیا تو اس کی لاش ایدھی کے مردہ گھر میں رکھوا دیں گے۔“

”ایدھی والے لاشوں کو چھپانے کا دھندا نہیں کرتے۔ وارثوں کی توجہ کے لیے فوراً ہی تصویری خبر یا اشتہار جاری کردیتے ہیں۔“ سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا۔

”تم کو جہاں جانا ہے، چلے جاؤ۔ یہ میرا اور اول خان کا مسئلہ

ہو گا۔ اس سے ہم خود نمٹ لیں گے۔"
"تم نے اپنے کمرے کے دو تین پھیرے اور لگا لیے تو کوئی مسئلہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہو گی۔" سلطان شاہ چڑ کر بڑ بڑایا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔
ویرا شاید اس کا تبصرہ نہیں سن سکی تھی۔ اس کی روانگی کو اپنی فتح سمجھ کر ہنس دی۔
کھانے کے بعد سلطان شاہ کو ساتھ لے کر میں اسٹیشن فور سے نکل کھڑا ہوا۔ جہانگیر اور سلمیٰ سے میری ملاقات کو کافی دن گزر گئے تھے۔ اس جوڑے کے لیے میں اسلام آباد اور لاہور گیا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ میری گلو خلاصی نہیں ہو سکے گی۔ انہیں مطمئن کر کے ہی میں اپنی مہم پر روانہ ہو سکتا تھا۔
ملیر چھاؤنی سے کلفٹن تک کا سفر خاصا طویل تھا مگر سلطان شاہ کی متجسس فطرت اور اس کے پے درپے سوالوں کی وجہ سے وہ فاصلہ باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔
ڈور بیل کے جواب میں ایک کم عمر بچی نے دروازہ کھولا تو میں چونک گیا۔ لمحے بھر کے لیے میرا دل دھک سے رہ گیا کہ کہیں جہانگیر نے کسی مجبوری کی وجہ سے وہ فلیٹ نہ چھوڑ دیا ہو مگر اسی وقت اندر سے آنے والی، سلمیٰ کی آواز نے میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ وہ اس لڑکی کو میرا نام معلوم کرنے کی ہدایت دے رہی تھی۔
"بیٹا! بتا دو کہ ہم آئے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہا اور میری آواز پہچان کر سلمیٰ تقریباً دوڑتی ہوئی خود ہی دروازے پر آ گئی۔
"ارے، تم غیروں کی طرح یہاں کیوں رک گئے۔ سیدھے اندر چلے آتے۔" ہمیں غیر متوقع طور پر اپنے دروازے پر پا کر اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا تھا۔
میں اس دوران میں کم عمر لڑکی کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ معصوم اور خوب صورت بچی تھی۔ اس کے لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گھر کے کام کاج کے لیے ملازم رکھی گئی تھی۔ اپنی مالکن کی آواز سنتے ہی اس نے قدرے حیرت سے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ سلمیٰ اس قدر جوش میں آئی ہوئی تھی کہ ہمارے داخل ہونے سے پہلے ہی اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔
سلطان شاہ میرے ساتھ سلمیٰ کے تپاک کی وجہ سے جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ لڑکی نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دروازہ بند کر دیا۔
"تم لاہور سے کب آئے؟ وہاں سے پلٹ کر دوبارہ فون بھی نہیں کیا۔ گئے تھے تو میرے میکے والوں کے ساتھ میرے بیٹے کو بھی دیکھ آتے۔ تمہارا خون بالکل سفید ہو گیا ہے۔"
"تم نے ایک ہی سانس میں شکووں کا دفتر کھول دیا۔ ہمیں اندر بیٹھنے تو دو۔" میں نے احتجاج کیا "میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی آیا ہے۔"
"سلطان شاہ بھی اپنا ہے، اسے سب معلوم ہے۔ تم اس کے ہمدرد بننے کی کوشش مت کرو۔"
سلطان شاہ کچھ کہے بغیر بے بسی سے دانت نکال کر رہ گیا۔
"سلمیٰ!" خواب گاہ سے جہانگیر کی بوجھل آواز گونجی "کون آیا ہے جو اتنا چہک رہی ہو۔"
"آ رہی ہوں۔ خود دیکھ لینا کہ میرا کوئی نہیں آیا۔ دونوں تمہارے ہی جگری دوست ہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں آنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔" سلطان شاہ نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ معذرت کی "ویسے بھی ہمیں فون کر کے آنا چاہیے تھا۔"
"وہ شام کو بلاناغہ پیتے ہیں۔" سلمیٰ نے منہ بنا کے کہا "فون کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پینے کے بعد وہ ایسی ہی جلی کٹی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اندر آ کر خود دیکھ لو کہ کیا ہو رہا ہے۔"
جہانگیر نے اپنی خواب گاہ میں سماں باندھنے کے لیے دھیمی روشنی جلائی ہوئی تھی اور کیسٹ پلیئر پر ہلکی آواز میں جگجیت سنگھ کی کوئی غزل چل رہی تھی۔ وہ خود کنگ سائز بیڈ پر پھیلا ہوا تھا اور کسی موالی کی طرح دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اسکاچ کا گلاس دبائے ہوئے تھا۔
ہمیں پہچاننے کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر خاصا زور ڈالنا پڑا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے "ابے تو!" کا نعرہ لگایا اور مسہری پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کھڑے کھڑے اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ غٹاغٹ حلق سے اتاری اور گلاس مسہری پر ڈال کر میری طرف چھلانگ لگا دی۔
سلمیٰ میرے پیچھے تھی۔ میں دانستہ ایک طرف سرک گیا اور جہانگیر کو سنبھلنے کے لیے مجبوراً سلمیٰ کو اپنے بازوؤں میں لینا پڑ گیا۔
"توبہ! دور ہٹیں.... منہ سے ایسی بدبو آ رہی ہے کہ دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" سلمیٰ نے ناک منہ چڑھا کر اسے اپنے بدن سے دور دھکیلتے ہوئے کہا۔
"تم خود دور ہٹو.... کیوں میرے راستے میں آئی ہو۔" جہانگیر اس پر غرایا "تمہارے پسینے میں سے اب ظلم کی بدبو آنے لگی ہے۔ تم بہت سفاک اور خود غرض ہو۔"
"میں جیسی بھی ہوں، تم سے اچھی ہوں۔" سلمیٰ لڑاکا انداز میں بولی "کوئی سفاک عورت ملی ہوتی تو اب تک دس دفعہ لات مار کر اپنے گھر بیٹھ چکی ہوتی۔"
"دو دفعہ تو تم بھی بھاگ کر اپنے چہیتے اور لاڈلے بھائیوں کے پاس جا چکی ہو۔ پھر کیوں آ گئیں؟ میرے سینے پر مونگ دلنے!" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی کہا۔
"دیکھ لو... یہ نشے میں ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں۔" سلمیٰ روہانسی ہو گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ بے بات کی لڑائی تھی جو ہمارے پہنچتے ہی اچانک شروع ہو گئی تھی۔ میں نے جہانگیر کو مسہری کی طرف لے جاتے ہوئے پچکارا "کیوں بلاوجہ بیوی سے لڑ کر اپنا موڈ اور نشہ غارت کر رہے ہو۔ سلطان شاہ تمہارے بارے میں اپنے دل میں کیا سوچے گا۔"

سلطان شاہ خواب گاہ کا خراب موسم دیکھ کر باہر نکل چکا تھا۔ سلمٰی تیز سرگوشیانہ آواز میں بولی "انہیں اب کسی کی شرم اور پروا نہیں ہے۔ میں نے جب سے گھر کے کام کے لیے ایک بچی رکھی ہے' یہ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔"

"یار' تم خود غور کرو۔ اپنا بچہ لاہور بھیج دیا ہے اور پرائی بچی پر ظلم کر رہی ہے۔ وہ ننھی سی جان جب اپنی بساط سے بڑے بڑے کام کرتی ہے تو میرا دل کٹنے لگتا ہے۔"

"کبھی کہتے ہیں کہ چائلڈ لیبر اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف ہے' کبھی اسی الزام میں مجھے پولیس سے پکڑوانے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں ہر وقت کے اس عذاب...."

جہانگیر نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی اور مسہری پر پہلو بدل کر مجھ سے بولا "تم خود اس جاہل عورت کو بتاؤ کہ کیا میں غلط کہتا ہوں۔"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی سلمٰی ہمارے قریب آکر زہریلے مگر سرگوشیانہ لہجے میں بولی "یہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بچی کو نکال کر کوئی جوان اور خوش شکل لڑکی رکھ لوں تاکہ میری زندگی کا رہا سہا سکون بھی غارت ہو سکے۔ جب وہ بچی سامنے آتی ہے' یہ دانت پیسنے لگتے ہیں۔"

پوری صورتِ حال واضح ہوتے ہی مجھے جہانگیر پر غصہ آگیا۔ میں نے قہربار نظروں سے اسے گھورا تو اس کے چہرے پر غصے کی جگہ یکایک یتیمی برسنے لگی تھی۔

"میں خصم کھاتا ہوں کہ یہ جھوٹی ہے۔ میں نے کبھی جوان اور خوب صورت نوکرانی کے لیے نہیں کہا۔ بس ذرا بڑی ہو.... اتنی بڑی کہ وہ کام کرے تو اس پر رحم نہ آئے۔" اس نے نشے میں قسم کو خصم بنا دیا تھا۔

"یہ فتنہ تم نے خود پالا ہے۔" میں نے سلمٰی کو لتاڑا "چھوٹی نہ بڑی۔ تم دو آدمیوں کا کام کتنا ہوتا ہے۔ تمہیں کسی ملازمہ کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں تو اس کے لیے بھی تیار ہوں مگر یہ اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ متبادل بندوبست کے بغیر یہ بچی نہیں جائے گی۔ انہیں کون سمجھائے گا؟"

"ہمیں ملازمہ کی ضرورت ہے۔" جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "یہ گھر کا کام سنبھال لے تو سلمٰی میری دیکھ بھال کے لیے زیادہ وقت دے سکتی ہے' باہر کے کام سکون سے کر سکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان مخاصمت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"مخاصمت نہیں' وہ مفاہمت ہوتی ہے۔" میں نے اسے پھٹکارا "ملازمہ بدل کر تم سلمٰی کے لیے روز باہر کے کام نکالو گے۔ سلمٰی تمہیں ٹھیک سمجھتی ہے۔ نشے میں بھی تمہیں اپنے مطلب کی باتوں کا ہوش رہتا ہے۔ تم پکے بدمعاش ہو۔ اور ہر وقت نئے گل کھلانے کے چکر میں رہتے ہو۔"

سلمٰی نے مجھے اپنا ہم نوا پایا تو کمرے سے چلی گئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں جہانگیر کو لعن طعن کرنے کا فریضہ زیادہ بہتر انداز میں سر انجام دے سکتا ہوں۔

"سالی کو جلانے میں بڑا مزا آتا ہے۔" سلمٰی کے چلے جانے کے بعد جہانگیر مجھے آنکھ مار کے مسکرایا "تم ذرا سی دیر میرا ساتھ دیتے تو میں اسے جلا کے راکھ کر دیتا۔"

"ساتھ دینے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تمہاری ہر بات سے بدنیتی ٹپک رہی تھی۔ گھر کے نوکروں کے لیے تم کو پولیس اور اقوام متحدہ کے قانون یاد آ رہے ہیں۔"

"آئیڈیا زبردست ہے۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی "گھر ہی میں کوئی مناسب بندوبست ہو جائے تو آدمی کو اِدھر اُدھر بھاگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم سلمٰی کو پٹی پڑھاؤ گے تو وہ مان جائے گی۔ میرے ساتھ ہر بات میں ضد اور بحث پر اتر آتی ہے۔"

"بھول جاؤ.... وہ مر کر بھی تمہاری خواہش پوری نہیں کرے گی۔ اسے تم پر اردو پر سفیدی کے برابر بھی بھروسا نہیں ہے۔ وہ اپنا گھر بگاڑنے کی غلطی نہیں کرے گی۔"

"نوکرانیاں کسی ہوشیار عورت کا گھر نہیں بگاڑ سکتیں۔ زیادہ سر چڑھنے سے پہلے ان کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ سال چھ مہینے میں ایسی ادل بدل زندگی میں یکسانیت نہیں آنے دیتی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں تیزی سے پلٹا تو کھلے ہوئے دروازے میں سلطان شاہ کھڑا ہوا تھا۔ شاید وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کا خواہاں تھا۔

میں نے دھندلائی ہوئی خواب گاہ میں دو بلب روشن کیے اور اس کی طرف بڑھ گیا۔

"ہم یہاں کے ان کے جھگڑے نمٹانے نہیں آئے۔" قریب پہنچنے پر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "گیارہ بجے ہمیں رقم لے کر رستم کے گھر پہنچنا ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ میں اس وقت تک وہاں آمد کے مقصد کو بھولا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کی یاددہانی پر میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور وہ مفاہمانہ انداز میں سر ہلا کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔

"کیا کہنے آیا تھا۔" جہانگیر نے سامنے رکھے ہوئے دو گلاسوں میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

"اسے پیشاب آرہا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوسرا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" جہانگیر نے ناراضی سے پوچھا "کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"آج نہیں.... اب تو میں کراچی میں ہوں۔ فرصت کے وقت محفل جمے گی۔"

"تو کیا تمہیں اس وقت فرصت نہیں ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"غزالہ اور ویرا کو ہوٹل میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ رات گئے کسی مرد کے بغیریوں ہوٹل میں رہنا پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ بس ذرا جلدی اٹھوں گا۔"

"انہیں ہوٹل میں کیوں چھوڑا؟ کیا یہ گھر موجود نہیں تھا؟" اس نے مجھے گھورا۔

"پہلے ہم یہاں رہ چکے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "مگر اب میں تمہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ شہر میں ہر وقت میری دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔"

وہ میرے اٹھائے ہوئے گلاس کو بھول گیا اور اپنی اسکاچ میں آئس پاٹ سے یخ بستہ پانی انڈیلنے لگا۔ اسی دوران میں اس نے پوچھا "تمہاری ہوٹل بازی کب تک چلے گی۔"

"ہم کل کراچی پہنچے تھے۔ آج میں نے ایک مکان دیکھ لیا ہے۔" مجھے فوراً ایک شاندار بہانہ سوجھ گیا "اسی کے سلسلے میں تمہارے پاس آیا تھا۔ ہماری امانت تو محفوظ ہے نا؟"

"ہر وقت سلمٰی کے ازاربند میں لٹکی رہتی ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے توجہ ہٹائے بغیر بے ساختہ جواب دیا "اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کیا ہو سکتی ہے.....؟"

"عجیب بے ڈھب اور بونگے آدمی ہو۔" مجھے طرارہ آگیا اور میں نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی "اپنی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

اس نے سر اٹھا کر مخمور اور تحیّر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولا "میں نے ایسی کیا بات کہہ دی؟ کیش بکس میری مسہری کے نیچے رہتا ہے اور اس کی چابی سلمٰی کے ازاربند میں بندھی رہتی ہے۔"

"یہی بات ذرا مہذب پیرائے میں بھی کہی جا سکتی تھی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"لنگوٹیے دوستوں کے ساتھ بھی تہذیب اور تکلّف کا دھیان رکھنا پڑے تو انسان کو ہیضہ ہو جاتا ہے۔ یہ بناوٹ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"سلمٰی کو بلاؤ۔ مجھے اس میں سے سات آٹھ لاکھ روپے نکالنے ہیں۔"

"روپے کہاں؟ وہ تو شاید سب کے سب ڈالر ہیں۔ انہیں مارکیٹ سے کیش کرانا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ روپوں کو شرح تبادلہ سے تقسیم کر دیا جائے تو جواب ڈالروں میں مل جاتا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم سلمٰی کو بلاؤ۔ اتنا حساب وہ بھی کر لے گی۔"

"آجائے گی.... وہ بھی آجائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تم اتنی مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔"

"میرے پاس وقت ہوتا تو آج میں یہاں رک کر مرچیں تو کیا' تمہاری ہڈیاں چبانے کے بارے میں ضرور سوچتا۔ تم نے اصلی شراب اور خیالی عورتوں کے چکر میں اپنی زندگی برباد کر لی ہے۔"

"مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہ کرو ورنہ میں بھی پوچھ سکتا ہوں کہ جب غزالہ تمہاری بیوی ہے تو ویرا کیوں دن رات تمہارے ساتھ چپکی پھرتی ہے۔"

"اس سوال کا جواب تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ یاد کرو کہ جب وہ بلیک کوئن کہلاتی تھی اور اس کے نام سے شہر کے سورما کانپ اٹھتے تھے' وہ میری دسترس میں تھی۔"

"اور اب تم اسی پرانی دوستی کو نباہ رہے ہو!" اس نے چوٹ کی۔

"جو چاہو سمجھتے رہو مگر سلمٰی کو فوراً بلالو۔ تم میرا کافی وقت برباد کر چکے ہو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔

غنیمت یہ ہوا کہ جہانگیر نے مخمور ہونے کے باوجود میرے لہجے میں چھپی ہوئی بے چینی کا اندازہ لگا کر سلمٰی کو آواز دی اور وہ فوراً خواب گاہ میں آگئی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر سلمٰی کو مطلوبہ رقم کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ اتنی خطیر رقم کا ذکر سن کر سلمٰی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی مگر میں نے چند فقروں میں اسے مطمئن کر دیا۔

مکان کی خریداری کے لیے بڑی رقم کی ضرورت کا بہانہ ہر شک و شبے سے بالا تھا۔ وہ دونوں کسی وقت ہمارے گلشن اقبال والے مکان پر آ بھی جاتے تو انہیں یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے وہ مکان خرید لیا تھا یا وہاں محض کرائے دار کی حیثیت میں منتقل ہوئے تھے۔ کسی آڑے وقت میں ہمیں وہ گھر چھوڑنا پڑ جاتا تو اس کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ جہانگیر کے ساتھ سلمٰی کو بھی میرے مسائل کا بڑی حد تک اندازہ تھا۔ اپنے خون آشام دشمنوں کی وجہ سے مجھے ہی نہیں' جہانگیر کو بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسرے ٹھکانوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔

"سلمٰی اپنا کام کر لے گی' اتنی دیر ہم ڈرائنگ روم میں سلطان شاہ کے پاس بیٹھتے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو وہاں سے الگ لے جانے کے لیے کہا۔

"اوہو.... میں اب تک اسے بھولا ہوا ہوں۔" وہ اپنا تازہ گلاس لے کر بوکھلائے ہوئے انداز میں مسہری سے اتر پڑا "میرے

بارے میں وہ کیا سوچ رہا ہو گا۔"
ہم خواب گاہ سے لابی میں نکلے تو کمسن ملازمہ شہادت کی انگلی اپنے دانتوں میں دبائے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑی رہی لیکن جہانگیر پر نظر پڑتے ہی تیزی سے کچن میں روپوش ہو گئی۔ جہانگیر نے اپنے رویے سے اس کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔
"تم کچھ پیتے ہو؟" جہانگیر نے سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"صرف چائے اور وہ بھی اس وقت نہیں پیوں گا۔ ہم جلدی میں ہیں۔" سلطان شاہ نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
"ہماری کسی بات کا برا نہ منانا۔" جہانگیر نے بائیں آنکھ دبا کر اس سے کہا "میاں بیوی میں زیادہ چاہت ہو تو ذرا ذرا سی بات کا یوں ہی بتنگڑ بنتا رہتا ہے۔"
"ہاں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ چاہت بہت زیادہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کا خون پی جانے پر تلے رہتے ہیں۔ خدا جہانگیر اور سلمٰی کی محبت میں اتنی کمی کردے کہ یہ آپس میں لڑنا بند کردیں۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی اور سلطان شاہ بے اختیار ہنس پڑا۔
"تم سے میرے حق میں کبھی اچھائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔" جہانگیر نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا "نوبت یہ آگئی ہے کہ اب منہ پر بددعائیں دے رہے ہو۔"
"اپنی منطق پر غور کرو تو یہ بددعا نہیں، بہت مبارک دعا تھی۔"
"ذرا ایک کاغذ پر اپنے نئے گھر کا پتا لکھ دو۔" جہانگیر نے سلطان شاہ سے فرمائش کی "میں بھی وہاں آکر ڈینی کو ایسی ہی جلی کٹی دعائیں دوں گا۔"
سلطان شاہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "اگر یاد ہے تو اس کا پتا لکھ دو، جس کا ہم نے سودا کیا ہے۔ میں نے اسے پوری بات بتادی ہے۔"
"گھر دکھا سکتا ہوں، پتا یاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے معذرت پیش کردی۔
"کوئی بات نہیں، گھر بسانے کے بعد کسی وقت آکر ساتھ لے جانا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔
سلمٰی ایک لفافے میں ڈالروں کی ایک گڈی لے آئی اور میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اسی وقت گن کر ایک لاکھ روپے کے مساوی ڈالر الگ کیے اور بقیہ رقم اسی لفافے میں ڈال کر جیب میں رکھ لی۔
"باقی رقم بھی گن لو۔ مجھ سے کوئی بھول چوک نہ ہو گئی ہو۔"
سلمٰی نے نیچی آواز میں کہا۔
"عورتیں حساب میں کمزور ہوتی ہیں مگر گنتی میں طاق ہوتی ہیں۔" یہ کہہ کر میں صوفے سے اٹھ گیا۔
"کہاں چلے؟ تم دونوں کے لیے چائے تیار ہو گی۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" سلمٰی بیٹھتے بیٹھتے دوبارہ کھڑی ہو گئی۔ "میں نے بیلا کو چائے بنانا سکھا دی ہے۔ اسے ان کا ڈر نہ ہوتا تو اب تک وہ پوری ٹرے تمہارے سامنے رکھ چکی ہوتی۔"
میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سلطان شاہ کی بروقت یادہانی سے ہم اصل کام سے نمٹ چکے تھے اور اس وقت صرف سوا دس بجے تھے۔ ہم چائے پی کر آرام سے رستم کے گھر جا سکتے تھے۔
جہانگیر اپنی ترنگ میں صوفے پر بیٹھا بہت دھیرے دھیرے جھوم رہا تھا۔ اچانک اس کی ذہنی رو بہکی اور جھک کر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا "تم نے پیشاب تو کرلیا ہو گا؟"
اس ناگہانی سوال پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا "مم.... مجھے تو ایسی کوئی حاجت نہیں تھی۔"
"بری بات ہے۔" اس نے سلطان شاہ کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا "ایسی باتوں میں شرمانا تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے جہاں چاہو پیشاب کرلو۔"
مجھے ہنسی آگئی "تم اپنی زبان بند رکھو تو فائدے میں رہو گے ورنہ یہ فلیٹ کباڑ خانے میں بدل جائے گا اور سلمٰی جوتے لگا کر تمہارا نشہ ہرن کردے گی۔"
"بس، اب ایک لفظ بھی نہ کہنا۔" وہ غصے میں غرایا "تمہاری یہی باتیں اس کا دماغ خراب کرتی ہیں۔ غنیمت ہے کہ اس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔"
ڈرائنگ روم میں یک لخت گہری خاموشی چھا گئی۔ تینوں نے اپنی زبانیں بند کرلیں تھیں۔
وہ سکوت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ سلمٰی چائے کی ٹرے لے آئی۔
وہ بھاپ اڑاتی ہوئی چائے کے تین مگ لائی تھی۔ چائے کے ساتھ بھنے ہوئے ہنٹر بیف اور پنیر کے پارچے بھی موجود تھے۔ جہانگیر کی مے نوشی کی وجہ سے گھر میں ان لوازم کی موجودگی ناگزیر تھی۔
"چائے کی خوشبو اشتہا انگیز ہے۔" میں نے پنیر کا ایک پارچہ منہ میں رکھ کر کہا "مزہ آگیا۔"
"تمہیں جانے کی جلدی نہ ہوتی تو میں کچھ اور بھی بناتی۔ آج تم نے شراب نوشی میں ان کا ساتھ نہ دے کر میرا دل خوش کردیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ انہیں شراب نوشی کا عادی تم نے بنایا ہے۔"
"مجھ سے ٹکرانے سے پہلے یہ پکا شرابی تھا۔ پہلے یہ کچی اور ٹھرے پر گزارہ کرتا تھا۔ خوش حالی آنے کے بعد ولایتی شراب پر میں نے اسے ضرور ڈالا تھا۔"
"سلمٰی!" جہانگیر نے اپنی بیوی کو للکارا "بے سروپا الزام

تراشیاں کرکے ہم دونوں کو لڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے کبھی ڈیٹی پر کوئی الزام نہیں لگایا۔"

"شراب نے تمہارے حافظے کا بھی ستیاناس مار دیا ہے۔ نشے میں کی ہوئی باتیں تم اکثر بھول جاتے ہو۔ اب میں تمہاری ساری باتیں ٹیپ کرکے بعد میں تمہیں سنایا کروں گی۔"

"دیکھو! تمہارے آنے سے یہ ہوتا ہے۔" جہانگیر نے مجھ سے شکوہ کیا "ابھی تم نے صرف چائے کی تعریف کی ہے اور اس کا دماغ خراب ہونا شروع ہوگیا....."

"فکر مت کرو۔ آئندہ میں آنے میں احتیاط برتوں گا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

"جب جی چاہے، یہاں آؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہیں کون روکتا ہے۔" سلمیٰ شیر ہوکر بولی۔

اسٹیشن فور کے خشک اور کٹھن ماحول میں مسلسل کئی ہفتے گزارنے کے بعد جہانگیر کے گھر پر ہونے والی نوک جھونک بہت دلچسپ محسوس ہورہی تھی۔ ذہن فقرے بازیوں کے لیے چاق وچوبند تھا اور گفتگو کے درمیان دل کھول کر ہنسنے کے مواقع بھی میسر آرہے تھے۔ وہ دور چلتا رہا اور ہم دونوں نے چائے کے مگ خالی کرنے سے پہلے نمکین گوشت اور پنیر کی پلیٹیں خالی کردیں۔

اس روز وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر پونے گیارہ بجے ہم کو اٹھنا پڑا۔ میں ہر قیمت پر سوا گیارہ بجے سے پہلے رستم کے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ وہ زیادہ انتظار کی کوفت سے محفوظ رہ سکے اور ہمارے مذاکرات خوش گوار فضا میں مکمل ہوسکیں۔

"آج تو مزا ہی آگیا۔ اول خان کے مہمان بن کر ہم شہری زندگی کے لیے ترس گئے ہیں۔" نیچے جاتے ہوئے سلطان شاہ نے مسرت کا اظہار کیا۔

"اس کے سامنے ایسی کوئی احمقانہ بات نہ کہہ دینا۔ وہ زود رنج آدمی ہے، آزردہ ہوجائے گا۔"

"یہ کہنے والی نہیں محسوس کرنے والی بات ہے۔ اس میں اول خان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بہت خلوص سے ہمیں خوش رکھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کے ان کارکنوں کو دیکھو جو گھر والے اور عیال دار ہوکر بھی بے کیف ویرانوں میں پڑے ہیں اور سال چھ مہینے میں چند روز کے لیے گھر جاکر خوش ہوجاتے ہیں۔"

"یہ سب اسی قبیلے کے لوگ ہیں جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ؎

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا، سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی"

گاڑی میں بیٹھنے تک ہم دونوں کے ذہنوں پر سلمیٰ کی پرجوش تواضع کا سرور چھایا رہا لیکن سفر کی ابتدا ہوتے ہی میرا ذہن رستم اور اس کے ٹھکانے کی طرف چلا گیا۔ سلطان بھی خاموش ہوکر کسی گہری سوچ میں گم ہوچکا تھا۔

"مجھے رہ رہ کر ایک اندیشہ ستا رہا ہے۔" کلفٹن کے پل پر سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

"کہیں رستم ہمیں پکڑ کر چوہے دان میں بند نہ کردے؟" میں نے تمسخر سے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی تک ہمیں ملنگ کے بارے میں کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" سلطان شاہ نے اپنا اندیشہ بیان کر ڈالا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ بسیرا پہنچا ہوا ہو۔"

"یہ ذمے داری اول خان کی ہے۔ تمہیں فکر کیوں لاحق ہورہی ہے؟"

"کیوں نہ ہم موبائل فون پر رابطہ کرکے اس سے معلوم کرلیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"اسے بھی ہمارا موبائل نمبر معلوم ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی فون کرکے ہمیں ہوشیار کردیتا۔ اس کی طرف سے خاموشی کا مطلب ہے کہ میدان صاف ہے۔"

"پھر بھی بات کرنے میں کیا حرج ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"ضرور بات کرلو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی وہم ہورہا ہے تو یہیں اتر کر ٹیکسی سے اسٹیشن فور چلے جاؤ۔ میں خود ہی رستم سے بات کرلوں گا۔"

"اگر تم اسی قدر پُراعتماد ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے کسی توقف کے بغیر کہا "میرے ذہن میں ایک شبے نے سر ابھارا تھا۔ میرا فرض تھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ہونا وہی ہے جو تم چاہو گے کیونکہ ہماری دو نفری جماعت کے سربراہ تم ہی ہو۔"

"پھر بھی تم اول خان سے بات کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ ملنگ وہاں موجود ہو۔ اول خان کی فرض شناسی کے بارے میں میری ہر خوش فہمی دھری رہ جائے اور تمہیں پھر کبھی اس سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ راستے صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھالو۔"

سلطان شاہ فوراً کچھ نہ بولا۔ وہ تذبذب کی حالت میں تھا اور شاید گھٹتی بڑھتی روشنیوں میں میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ باتیں سنجیدگی سے کہی تھیں یا اس کے خوف پر طنز کیا تھا۔

"تم گاڑی بہت تیز چلا رہے ہو۔ ہمیں ٹھیک گیارہ بجے وہاں نہیں پہنچنا۔" خاصے توقف کے بعد وہ بولا "ہمارا وقت گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان مقرر ہے۔"

"تم نے اول خان کو فون نہیں کیا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرلی۔

"ضرورت نہیں ہے۔ میں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ ہمارا فون آن ہے۔"

بقیہ سفر خاموشی اور تناؤ کے عالم میں طے ہوا۔ اس کے اپنے

تحفظات تھے، میں اپنے تفکرات کی دنیا میں ڈوبا ہوا تھا۔
گیارہ بج کر سات منٹ پر ہماری گاڑی بسیرا کے آہنی پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔
آہنی پھاٹک کا ایک در خاموشی سے اندر کھلا۔ میں نے جوں ہی گاڑی آگے بڑھائی۔ بسیرا کا پُرشکوہ اور ناقابلِ فراموش منظر میرے سامنے تھا۔
عمارت کی تمام کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے جن سے چھن کر روشنی باہر آرہی تھی۔ پختہ روشوں کے اطراف میں پایوں پر لگے ہوئے سارے دودھیا گولے روشن تھے۔ باغ اور لان کے چیدہ چیدہ مقامات پر اس طرح روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ڈھلتی رات کے گھور اندھیرے میں بسیرا میں بنی ہوئی ننھی سی دنیا بہت خوب صورت اور خواب ناک نظر آرہی تھی۔
بسیرا میں وہ ہماری دوسری آمد تھی۔ گاڑی وہی تھی، چہرے وہی تھے، وقت کا دورانیہ طے شدہ تھا اور یہ باتیں شاید ڈیوٹی پر موجود سارے عملے کو معلوم تھیں۔ ہمیں کہیں روکا گیا، نہ ہم سے ہتھیار طلب کئے گئے۔ میں رستم کی بنائی ہوئی اس جنت کے نظاروں سے لطف لیتا اور بہت ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا ہوا پختہ روش پر آگے بڑھتا رہا۔
روش کے اختتام سے کچھ پہلے، پرانی جگہ پر کھڑے ہوئے باوردی شخص نے اشارہ کیا، گاڑی رکی، ادب سے میرا دروازہ کھولا گیا اور ہم نیچے اتر گئے۔
اس وقت بھی رستم وہیں تھا جہاں اس سے ہماری پچھلی ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا، وہاں کافی روشنی تھی۔ اس کے اردگرد دور دور تک پھولوں کے کنج اور پودوں کے تختے ہلکی روشنی میں اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہم ان مناظر سے واضح طور پر مرعوب تھے اور اپنی اس کیفیت پر غالب آنے کی کوشش کئے بغیر اس کے سامنے پہنچ گئے۔
اس نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کی عقابی نظریں ہمارے جسموں میں اتری جارہی تھیں۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنی جگہ جم کر سرد اور دھیمی آواز میں پوچھا "تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو، کیا تمہیں کچھ بتایا نہیں گیا تھا؟"
میں نے جلدی سے جیب سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی نظریں لفافے پر پڑیں اور پھر اس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔
"یہ کیا مذاق ہے؟" اس کی آواز غصیلی تھی مگر اس کا لہجہ بلند نہیں ہوا تھا "تم سے سات پیٹیاں لانے کے لیے کہا گیا تھا۔ یہ تو پوری ایک پیٹی بھی معلوم نہیں ہوتی۔"
اس کے فطری ردِعمل کو دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کرنے لگے تھے مگر میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "یہ پاکستانی روپے نہیں، امریکی ڈالرز ہیں۔ حساب کرو گے تو مال سات پیٹی سے دو چار ہزار اوپر ہی ہوگا۔" اس دوران میں میرا بڑھا ہوا ہاتھ فضا میں معلق رہا تھا۔
اس کے کانوں کی نرم اور لمبی لویں اپنے قدرتی رنگ پر لوٹ آئیں، چہرے کی سرخی کم ہوئی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔
رقم کے بارے میں اس کی بے تابی کے مدِنظر میرا خیال تھا کہ وہ لفافہ کھول کر نوٹ گننے یا کم از کم دیکھے بغیر نہیں رہے گا مگر اس نے وہ لفافہ یوں ہی اپنے سامنے ٹیبل پر ڈال دیا۔
"یہ اٹھاؤ اور یہیں بیٹھ کر گن لو۔ سات پیٹی ہونا چاہیے۔" رستم نے ہمارے سروں کے اوپر کسی سے مخاطب ہو کر حکم دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس سے مخاطب تھا کیونکہ ہمارے ساتھ باوردی شخص تک باغیچے میں نہیں آیا تھا۔
غیر ارادی طور پر ہم دونوں کے سر پیچھے گھوم گئے۔ ہمارے پیچھے بڑی بڑی چمک دار آنکھوں اور گنجے سر والا ایک ادھیڑ عمر شخص پیٹ پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ پتا نہیں وہ ہماری بے خبری میں کب اور کہاں سے نمودار ہو کر رازداری سے ہمارے سروں پر مسلط ہوگیا تھا۔
میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ ہماری طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی تو رستم کی جنبشِ ابرو پر وہ شخص نہایت اطمینان سے ہماری کھوپڑیاں اڑا سکتا تھا۔ ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ ہمیں نشانہ بنانے والا کون اور کہاں موجود تھا۔
وہ لفافہ لے کر رستم کے قدموں سے ذرا دور دبیز گھاس پر بیٹھ گیا اور لفافہ کھول کر ڈالر گننے لگا۔
"پرسوں شام تک تمہارا کام ہوجائے گا۔" رستم نے اپنے آدمی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مجھ سے کہا "رات کے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان باقی تین لاکھ بھی یہاں پہنچ جانے چاہئیں۔"
"باقی تین لاکھ!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استعجابیہ آواز برآمد ہوئی "تمہارے آدمی نے صرف سات پیٹی کی بات کی تھی۔ یہ دس ہوجاتی ہیں۔"
رستم کے چہرے پر ابھر آنے والی غصے کی سرخی معدوم ہوچکی تھی۔ اس نے اپنی نرم اور دھیمی آواز میں کہا "اس نے پیشگی کی بات کی تھی۔ میں نے تمہیں کل ہی بتادیا تھا کہ پردیس کا معاملہ ہے۔ سات سے دس تک خرچ آسکتا ہے۔ اتنا خرچ نہیں کرسکتے تو یہ سات بھی لے جاؤ۔"
میں نے محسوس کیا کہ گفتگو کے دوران میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مخاطب کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹاتا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل اس کے چہرے کی تحریر پڑھتا رہتا تھا۔
"صاحب! آج کے بھاؤ سے یہ تین ہزار کے لگ بھگ زیادہ ہیں" اس کے آدمی نے نوٹوں کی گنتی کے ساتھ ہی زبانی حساب لگا کر میری بات کی تصدیق کردی۔

"تین بھی پہنچ جائیں گے" میں نے کمزور آواز میں کہا "تمہارا آدمی بتادیتا تو ہم پورے دس لے آتے۔ اب تم باقی تین لاکھ کے لیے کوئی ضمانت مانگو گے؟"

"لے جاؤ" اس نے اپنے آدمی کی طرف دیکھے بغیر ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا پھر مجھ سے کہا "اپنے مال کی سب سے بڑی ضمانت میں خود ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ جو کام ہونے سے پہلے سات دے سکتا ہے' کام ہونے کے بعد خوشی سے تین بھی پہنچادے گا۔ میرا مال دبانے والا آج تک نہیں پنپ سکا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے پہلو بدل کر وعدہ کیا۔

"تم بے آرام ہو...... مجھ سے نظریں چرا رہے ہو۔ اگر تمہاری نیت میں کوئی کھوٹ ہے تو یہ بتادوں کہ وقت پر رقم نہ ملی تو پھر میں رقم نہیں' انتقام لیتا ہوں۔ تم دونوں کی وڈیو بن چکی ہے۔ یہ باتیں بھی ریکارڈ ہو رہی ہیں۔ تم نے بے ایمانی کی تو یہ چیزیں تین لاکھ میں' مارے جانے والے کے وارثوں کو دے دی جائیں گی۔ میرا حساب پورا ہو جائے گا اور وہ لوگ تمہیں ڈھونڈ کر مار ڈالیں گے۔"

"یہ دونوں ریکارڈنگز ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی؟" میں نے گھبرا کے پوچھا۔

اس نے دھیرے سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور متانت سے بولا "میرا حساب پورا ہوتے ہی انہیں برقی بھٹی میں جلا دیا جائے گا۔ یہ باتیں میں ہر ایک کو نہیں بتاتا' ایسے گاہکوں کو ضرور جتاتا ہوں جو تمہاری طرح پریشان خیال اور گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں۔"

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میرے بارے میں تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ تم کام کروادو۔ میں رقم پوری کردوں گا۔"

"پرسوں کا دن یاد رکھنا" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اب اس کا نام پتا بھی بتادو۔"

"اوبرائن ڈی ہنٹ!" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "کراچی میں امریکی قونصل خانے کا ویزا افسر ہے۔ آج کل نئی دہلی میں ہے۔ اس کا پتا مجھے نہیں معلوم۔"

"اوہ!" وہ دونوں ملاقاتوں میں پہلی بار متحیر نظر آیا "تو وہ امریکی سفارتی افسر ہے۔ یہ بات پہلے معلوم ہوگئی ہوتی تو شاید میں انکار کردیتا۔"

"میں کل ہی بتانا چاہ رہا تھا مگر تم نے روک دیا۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں۔ میرا پہلا اندازہ تھا کہ تم اپنے کسی دشمن کے قتل کے لیے دس لاکھ نہیں دے سکتے۔ اتنی بڑی رقم کی ادائیگی پر تمہاری تیاری میرے لیے حیران کرنے والی بات تھی۔"

"انا کے لیے آدمی اس سے بڑا جوا بھی کھیل گزرتا ہے" اس

ایک عورت نے اپنی سہیلی سے کہا "تمہارا شوہر بہت عقل مند دکھائی دیتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے اسے ہر بات کا علم ہے؟"

عورت نے کہا "احمق نہ بنو۔ اسے تو شبہ بھی نہیں ہے۔"

س م شرافت کی رازداری' بھائی پھیرو سے

کی جواب طلب خاموشی میں مجھے بولنا پڑا۔ میں کم سے کم وقت میں وہ ملاقات ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ گفتگو کی طوالت میں کہیں اسے پھسل کر اپنے وعدے سے منحرف ہونے کا موقع نہ مل جائے۔

"میں لمبے چکروں سے دور رہتا ہوں۔ تم سے سودا کرلیا ہے تو اسے ضرور پورا کروں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ تم اس کا کوئی پتا ٹھکانا بتانے میں ناکام رہے ہو۔"

"اسے کوئی عذر نہیں بننا چاہیے۔ وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کا پتا آسانی سے مل جائے گا۔"

میری بات پر لحہ بھر کے لیے اس کا چہرہ متغیر ہوا مگر وہ فوراً ہی مسکرا دیا "میں حیلے اور بہانے نہیں ڈھونڈتا۔ کام کرتا ہوں یا انکار کردیتا ہوں۔ یہ کام ہوگا اور پرسوں تک ضرور ہوگا۔"

اس کے مضبوط اقرار پر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ شاید میں نے اس کی صحیح رگ دبائی تھی۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کام ہوگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر دوبارہ خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے کہا "وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کی موت کی خبر اخباروں میں ضرور آئے گی۔ ویسے تم پرسوں شام سات بجے فون کرلینا۔"

"فون پر تم سے بات کرنا شاید ناممکن ہے۔ تمہارے آدمی کے پاس ہر جواب موجود ہوتا ہے" موقع میسر آتے ہی میں نے شکایت کردی۔

"میں بہت مصروف ہوتا ہوں اور اپنے ہر مہمان کو پوری رازداری فراہم کرتا ہوں۔ آج کے فون کے لیے میں نے تمہیں کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ تمہارا فون آیا تو میں مصروف تھا۔ جب میں وقت دیتا ہوں تو خود ہی بات کرتا ہوں۔ اس میں میرے آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ابھی تم نے اوبرائن کی موت کا ذکر کیا تھا۔ ہم اس کے مرنے کا انتظار نہیں کرسکتے۔ ابھی تک جو کچھ طے ہوا ہے اس کے مطابق اوبرائن کو قتل کرنا ہے۔"

"قتل بھی مرگ یا موت کی ایک صورت ہے۔ تم مطمئن رہو'

تمہاری رقم برباد نہیں ہوگی۔"

بارہ بجنے میں دیر تھی مگر ضروری باتیں ہو چکی تھیں۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہ رہا تھا مگر کسی تواضع کے بغیر ہمیں یوں رخصت کردینا شاید رستم کی مہمان نوازی کی روایات کے خلاف تھا۔ اس نے ہمیں چائے کے لیے روکا اور میں نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

گفتگو کے دوران میں وہ ایک بار میری بے چینی محسوس کرکے کھلے لفظوں میں میری نیت پر اپنے شبے کا اظہار کرچکا تھا۔ اگر میں وہاں سے روانہ ہونے میں عجلت دکھاتا تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو مزید تقویت مل سکتی تھی۔

رستم جتنا سیدھا اور کھرا نظر آتا تھا' وہ درحقیقت ویسا نہیں تھا۔ جب اس نے اوبرائن کے قتل کے عوض اچانک ہی مزید تین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ میں اس کی طرف سے اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ ایک اصول پسند مجرم ہے۔ اپنے کسی لگے بندھے فارمولے کے تحت کاموں کے معاوضے کا تعین کرتا ہے۔ اس نے ابتدا میں سات سے دس لاکھ کا تخمینہ دیا تھا لیکن شام کو اس کے آدمی نے فون پر صرف سات لاکھ کا ذکر کرکے میرے دل میں رستم کے لیے جگہ پیدا کردی تھی۔

رستم نے اپنے بارے میں میری وہ غلط فہمی زیادہ دیر برقرار نہیں رہنے دی تھی۔ پہلے کم رقم یا صرف پیشگی رقم کا مطالبہ کرکے اس نے یہ دیکھا تھا کہ میں یعنی ملک ممتاز کس مالی حیثیت کا مالک ہوں۔ جب سات لاکھ اس کے ہاتھ میں آگئے تو اس نے کام سے دستبردار ہونے کی دھمکی دے کر مزید تین لاکھ کا مطالبہ پیش کردیا۔

اس پورے معاملے میں صرف ایک ہی بات قابلِ اطمینان تھی کہ سب کچھ طے ہوجانے کے باوجود رستم نے میرے پتے یا ٹھکانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ جب میں نے خود بقیہ تین لاکھ کی ضمانت کا ذکر چھیڑا تو اس نے وصولی کے ظالمانہ نظام پر روشنی ڈال کر یہ واضح کردیا تھا کہ وہ اپنی بساط کا ماہر کھلاڑی تھا۔ کسی کی مدد یا ضمانت کے بغیر اپنے مہروں کو بڑھانے کے فن سے اچھی طرح واقف تھا۔ میرے کسی رابطے سے بے خبر رہنے کے باوجود اسے اپنی رقم ڈوبنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

چائے آئی تو ٹرے میں تازہ پھلوں کے ساتھ دوسرے لوازم بھی موجود تھے۔ پچھلی شام کے مقابلے میں اس رات ہماری ضیافت کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اسے ایک بڑی رقم دے کر باقاعدہ اس کے گاہک بن چکے تھے۔

"ملک افضل!" اس نے چائے کی پیالی سے پہلا گھونٹ لے کر غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور تائید طلب لہجے میں اس کا مفروضہ نام دہرایا۔ سلطان شاہ نے بے ساختہ اثبات میں اپنا سر ہلادیا۔ قدرے توقف کے بعد رستم نے اپنی بات جاری رکھی "کل سے اب تک میں نے سلام دعا کے سوا تمہاری آواز نہیں سنی۔ چہرے سے تم اتنے کم گو معلوم نہیں ہوتے۔"

وہ بلا کا گھاگ اور چہرہ شناس تھا۔ سلطان شاہ کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر بولا "جی بڑے ملک صاحب سارے معاملات پر ٹھیک ٹھاک بات کررہے ہیں تو مجھے بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے سامنے میں کم ہی بولتا ہوں۔"

"بڑوں کا لحاظ کرنا بہت اچھی عادت ہے مگر اس چکر میں انسان کو اپنی شناخت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔" پتا نہیں وہ کیا سوچ کر سلطان شاہ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"شناخت کے لیے میرا نام ہی کافی ہے" سلطان شاہ نے اس مرتبہ اعتماد سے جواب دیا "ہم جہاں جاتے ہیں بڑے اور چھوٹے ملک کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے لیکن تمہارا کام ٹیڑھا ہے" رستم نے حسبِ عادت سلطان شاہ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر دھیمی آواز میں کہا "شاید کوئی مسئلہ نکل ہی آئے۔ مجھے اپنا کوئی فون نمبر یا پتا دے دو جس پر تم میں سے کسی سے رابطہ ہوسکے۔"

رستم کا وہ مطالبہ سلطان شاہ کے لیے ہی نہیں' میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی طاری ہوگئی۔ اس نے بوکھلا کر امداد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ رستم بدستور اسے گھورے جارہا تھا۔ سلطان شاہ کی بوکھلاہٹ پر اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میرا موبائل نمبر لکھ لو" میں نے اونچی آواز میں رستم سے مخاطب ہوکر کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ اس سوال کا جواب تم ہی دوگے" رستم نے سرد آواز میں کہا "سایہ دار اور تناور درخت کے آس پاس کچھ نہیں اگ سکتا۔ وہ ہر کونپل کو جلا کر راکھ کردیتا ہے۔ تم اتنے زبردست آدمی ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ اوبرائن کو مروانے کے لیے میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

میرے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ چائے پلا کر اس نے یکایک ہی ایک خطرناک موضوع چھیڑدیا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے ذہن میں دھیرے دھیرے پروان چڑھنے والے شکوک و شبہات اس وقت کوئی واضح روپ دھار چکے تھے۔

وہ ہم دونوں کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ بسیرا کی چاردیواری میں ہمارا کوئی معاون یا مددگار نہیں تھا۔ ہم پوری طرح رستم اور اس کے ملازمین کے لشکر کے رحم و کرم پر تھے۔ ہمارے پاس امید کی پہلی اور آخری کرن دو بھرے ہوئے ریوالوروں کی صورت میں نمایاں تھی۔

میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلو بابیبے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگا لیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کرو یا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسمیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنجش انکار پوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کردیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ڈینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں' کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے تر نوالہ ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ و دو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو مکرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر رواروی میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ ہیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ ہیشم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی' میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا داؤ الٹ گیا اور میں اسے بے دست وپا کر کے اسٹیشن فور لے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈینی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھن راج کی گرفتاری کے لیے عمر کوٹ جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رستم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کراتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اوبی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی معطلی اور غیر ملک میں نئی تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ مصر تھا کہ میں اپنی خدمات اس کے سپرد کروں۔ میں نے اسے شش وپنج میں رکھنے کے لیے اپنی بیان کردہ فرضی مجبوریوں کے باوجود رستم کے آدمیوں سے ملاقات کی ہامی بھرلی۔ موسیٰ وہی بدمعاش تھا جو میرے کلب سے اغوا میں میجر بخشی کا معاون رہا تھا۔ میجر بخشی نے مجھے اس سے ملاقات کرنے کے لیے کہا اور میں ویرا اور سلطان شاہ کی ہمراہی میں اسے اغوا کر کے لے آیا۔ اس نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ موہنی پنڈت کا باپ پنڈت منوہر لال بھی اس گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک نیا محاذ تھا۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے اصرار پر ہم نے اسٹیشن فور سے باہر رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اوبی ہنٹ کے قتل کا پیشگی معاوضہ دینے کے لیے رستم سے ملاقات کی۔ ملاقات کے آخر میں مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ذہن میں میرے خلاف پروان چڑھنے والے شکوک وشبہات واضح روپ دھار چکے تھے۔ بسیرا کی چار دیواری میں ہم دونوں بری طرح شکار ہوسکتے تھے۔ میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"میں زبردست آدمی ہوتا تو واقعی اپنا کام خود کرتا' مدد لینے کے لیے تمہارے پاس نہ آتا۔" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر رستم کو جواب دیا۔

"زبردست وہ ہوتا ہے جس کے سامنے دوسرے دم بھی نہ مار سکیں۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا "میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ملک افضل تم سے ڈرتا ہے۔ تمہاری مرضی کے

بغیر میرے کسی ٹیڑھے سوال کا جواب نہیں دے سکے گا۔“

”اسی لیے تم نے اس سے فون نمبر یا پتے کے بارے میں پوچھا تھا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا ”جو میں نے سوچا تھا‘ وہی ہوا۔ چھوٹے ملک نے بوکھلا کر تمہاری طرف دیکھا اور تمہیں بولنا پڑ گیا۔ میرا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔“

”تو کیا تم ہم دونوں پر کسی قسم کا شبہ بھی کر رہے ہو؟“ میں نے ناگواری سے پوچھا۔

”یہ شبہ ہی تھا کہ تم نے چھوٹے ملک کو بُری طرح دبا کر رکھا ہوا ہے!“

”تم نے اپنے طور پر اس کی تصدیق کر لی۔ کیا اس سے ہماری ڈیل پر کوئی اثر پڑے گا؟“ اس بار میں اپنی آواز میں بڑھنے والی تلخی پر قابو نہ رکھ سکا۔

”چائے پیو‘ ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔“ اس نے میرے لہجے کی تلخی کو یکسر نظرانداز کر کے نرمی سے کہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ردِّعمل سے محظوظ ہو رہا ہو۔

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر اسے یاد دلایا۔

”رستم اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا۔ جو بات طے ہو گئی‘ وہ طے ہو گئی۔ تم کالے چور ہو تب بھی وہ کام پورا ہو گا۔ نئی دہلی میں تمہارا دشمن مقررہ وقت کے اندر اندر مار دیا جائے گا۔“

”تم نے میرا موبائل نمبر نہیں لیا!“ میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے بے پروائی سے کہا ”میں نے وہ سوال چھیڑنے کے لیے کیا تھا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ لوگ کتابیں پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ میرے لیے ہر چہرہ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہوتا ہے اور میں اسے پڑھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔“

”میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“ میں نے تلخی کو فراموش کر کے سوال کیا۔

”ضدی اور حوصلہ مند آدمی ہو۔ مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اپنا زورِ بازو آزمانے کے بجائے میری مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ قدم تمہارے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔“

”وہ یہاں ٹکا رہتا تو شاید میں نے تمہارا رخ نہ کیا ہوتا۔ میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ میں نئی دہلی میں اس کو مزہ چکھا سکوں۔ یہ کام تم جیسا پیشہ ور ہی کر سکتا ہے۔“

”تمہارا کام اس خوب صورتی سے پورا ہو گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ایسے ہر منصوبے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ جرم ہونے کے باوجود کسی کو جرم کا شبہ نہ ہو۔ اوبرائن کے بارے میں میرے ذہن میں ایک تجویز کا خاکہ تیار ہونا شروع ہو گیا ہے۔“

”مناسب سمجھو تو مجھے بھی [illegible]

”یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نے ابھی تک تم سے یہ نہیں پوچھا کہ امریکا جیسے بڑے ملک کے ایک اہم سفارتی ملازم سے تمہاری کیا دشمنی ہے اور تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو۔“

”میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔“ میں نے اسے پیشکش کی ”تم نے خود اس بارے میں دلچسپی نہیں لی۔“

”میں غیر متعلقہ باتوں سے دور رہنے کے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔ تمہاری دشمنی کیوں ہے؟ تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو؟ یہ تمہارے مسائل ہیں۔“

”میرے بارے میں تجسس کا مظاہرہ کر کے تم نے اپنے اصول سے انحراف کیا ہے!“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر دھیرے سے اعتراف کیا ”میرا یہ تجسس بلاوجہ نہیں تھا۔“

”اگر تم اپنے اصولوں کے بارے میں اتنے ہی سخت اور کھرے ہو تو اب تمہیں تجسس کی وجہ بھی بتا دینی چاہیے۔ یہ جاننا میرا حق بنتا ہے۔“ موقع پاتے ہی میں نے مطالبہ کر دیا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا ”تمہیں معلوم ہو گا کہ میں ایرانی نژاد ہوں۔ یہاں کی سیاست کے بکھیڑوں سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے جبکہ یہاں کے اخبار سیاست ہی سیاست میں لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں اخبار نہیں پڑھتا۔ اپنا کام کرتا ہوں اور فاضل وقت اپنے بال بچوں میں مگن رہ کر گزارتا ہوں۔ اپنی چار دیواری میں مجھے دنیا کی ساری خوشیاں میسر ہیں۔ مجھے کسی ضرورت کے لیے باہر نہیں جانا پڑتا۔“

وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا تو میں نے اسے ٹوکا ”تمہارا یہ تعارف بہت زیادہ قابلِ رشک ہے مگر اس میں میرے سوال کا جواب کہیں بھی نہیں ہے۔“

”میں اسی طرف آرہا تھا۔“ وہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے کان کی لو مسلتے ہوئے بولا ”آنے جانے والوں سے مجھے باہر کی خبریں ملتی رہتی ہیں یا پھر ٹیلی وژن کا خبرنامہ اپنی کہانیاں سنا دیتا ہے۔ تم نے اپنے شکار کے طور پر ایک اہم سفارتی افسر کا نام لے کر مجھے چونکا دیا تھا۔ ایسے واقعات عام اور سرسری نہیں ہوتے۔ ان کی بنا پر بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی زیرِ زمین سیاست میں کچھ تیزی آرہی ہے اور آنے والے دن اچھے نہیں ہیں۔“

”سیاست تمہارا میدان نہیں ہے تو تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔“

”میں نادانستگی میں کسی سیاسی سازش کا ایندھن بننا پسند نہیں کروں گا۔“

”میں اپنے ذاتی عناد کی بنا پر بدلہ لینے کے لیے تمہارے پاس آیا تھا۔ تمہیں سیاست کا اندیشہ کیوں ستانے لگا تھا؟“ میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھایا۔

[illegible] دوسرے لوگ بھی

ایک بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ ایک ہفتے کی مختصر سی مدت میں دو بڑے بڑے کام سامنے آ جائیں تو ذہن خود ہی کوئی راہ نکالنے لگتا ہے۔"

رستم ایرانی کے وہ الفاظ سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنی گفتگو کے دوران میں انتہائی تسلسل سے رازداری اور غیر معمولی تجسس سے گریز کے اصولوں کے نقارے پیٹنے کے باوجود وہ باتوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اوبرائن جیسے کسی اور کام کا تذکرہ میرے لیے دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔

"کیا وہ بھی کسی سفارت کار کے قتل کا معاملہ ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ صرف سفارتی افسروں کے قتل کو ہی اہم سمجھا جائے۔ بعض اوقات قتل سے بہت کم تر واقعات اپنے اثرات کی وجہ سے زیادہ اہم بن جاتے ہیں۔"

"میں تمہیں تفصیل بتانے پر مجبور نہیں کروں گا۔ میرے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ میرے جیسا کام تم کسی اور کے لیے بھی کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح تمہیں ایک ہی کام کا دہرا معاوضہ مل رہا ہو۔" بات ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی تھی جو میں نے بیان کی تھی مگر اسے چڑانے، اشتعال دلانے اور مزید کچھ اور اگلنے پر مجبور کرنے کے لیے میں نے وہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔" اس بار وہ واقعی چڑ کر بولا "اوبرائن کو دس لاکھ روپے کے عوض، صرف اور صرف تمہاری خواہش پر مارا جائے گا۔ دوسرا کام ڈینی نامی ایک آدمی کی تلاش کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک اہم آدمی ہے اور امریکا والوں نے اس کی گرفتاری پر بیس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔"

میں نے بیسرا کی پُرشکوہ عمارت پر نگاہ ڈالتے ہوئے حیرت سے کہا "بیس لاکھ ڈالر کی رقم تم جیسے باحیثیت شخص کے لیے بھی بڑی ہے۔ تم دس چھوٹے کاموں...."

"خاموش رہو اور میری بات سنو!" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں مجھے ڈانٹ دیا "میں ایسے انعاموں پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ مجھے اپنے صاف ستھرے کاموں سے اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ مجھے ننگوں بھوکوں کی طرح کسی انعام کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر تمہیں ڈونی کی کیوں تلاش ہے؟" میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈونی نہیں، ڈینی۔" اس نے میری تصحیح کی "کسی نے ایک مقررہ معاوضے پر مجھ سے اس کی تلاش کا معاملہ طے کیا ہے۔ تمہارے اور اس معاملے میں بس ایک بات مشترک ہے۔ امریکا والے ڈینی کے دشمن ہیں اور تم ایک امریکی کو مروانا چاہتے ہو۔"

میں نے ہنس کر اس کی بات کو اڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جب سے امریکا والے عالمی پولیس مین بن بیٹھے ہیں، ہر جگہ ان کا نام آنے لگا ہے۔ میرا عناد ان سب سے نہیں، بس اوبرائن سے ہے۔ میرے معاملے کو تم اسی گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش

مت کرو۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "بارہ بجنے میں صرف سات منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بارہ بجنے سے پہلے بھی جا سکتے ہو کیونکہ اب ہم اپنے اصل موضوع سے بھٹک کر دوسری غیر متعلقہ باتوں میں الجھنے لگے ہیں۔"

پہلے میں بے آرام تھا۔ اس وقت وہ مضطرب ہونے لگا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہمارے سامنے وہ ایک ایسے موضوع پر زبان کھول چکا تھا جو اس کے پیشہ ورانہ رازوں کے زمرے میں آتا تھا۔ ہم مزید سات منٹ تک اس کے سر پر سوار رہتے تو اس سے کچھ اور بھی اگلوا سکتے تھے۔

اس موڑ پر میں وہاں سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن مجھے رستم ایرانی کی خوشنودی بھی عزیز تھی۔ اسے میرے لیے ایک بڑا کام کرنا تھا۔ میری کسی حرکت کے نتیجے میں وہ ذرا بھی بددل ہو جاتا تو میں امریکیوں کو دہشت زدہ کرنے کے اعزاز سے محروم ہو سکتا تھا۔

"اگر تم ہماری موجودگی سے ناخوش ہو تو ہم اجازت چاہتے ہیں۔" میری تقلید میں سلطان شاہ بھی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

رستم نے اٹھ کر ہمیں الوداع کہا اور ہم بیسرا کے خواب ناک ماحول سے نکل کر چند منٹ بعد دوبارہ کراچی کی سڑکوں پر آ گئے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ میں عقب نما آئینوں میں دور تک جائزہ لیتا رہا مگر اس رات بھی رستم نے کسی کو ہمارے پیچھے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے بعد میں نے گاڑی اسٹیشن فور کی راہ پر ڈال دی۔ وہ سفر خاموشی اور تیز رفتاری سے طے ہوا۔ بیس منٹ بعد ہم ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔

چھاؤنی کی حدود میں چیک پوسٹوں کے سوا ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ دن بھر کی مشقت آمیز سرگرمیوں سے تھکے ہارے فوجیوں کے لیے وہ آرام کا وقت تھا۔ ہمارے کیمپ میں بھی کم و بیش وہی صورت تھی مگر ہمارا ایک کمرا آباد تھا۔

"میں نے جاتے ہوئے دانستہ بدشگونی سے گریز کیا تھا ورنہ میرا دل فکرمند تھا۔" سامنا ہوتے ہی اول خان نے مسرت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "آج کا معرکہ خطرناک تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح سلامت لوٹ آئے۔ میں گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہا تھا۔"

"میں نے سنا تھا کہ صرف بوڑھی مائیں ہی اپنے جوان بیٹوں کے لیے اس طرح فکرمند رہتی ہیں۔ تم نے ان کو بھی مات کر دیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا "ویرا کو دیکھو! کتنے سکون کے ساتھ اپنی کرسی میں نیم دراز ہے۔ تمہیں اسی سے کچھ سبق لینا چاہیے۔"

"یہ آپ کو اس وقت ایسی پُرسکون نظر آ رہی ہے۔" غزالہ نے اپنی سدا بہار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "آپ کی گاڑی کی آواز سننے سے پہلے ایسے ایسے دور از کار وسوسے بیان کر رہی تھی کہ ہم

دونوں پاگل ہو کر رہ گئے تھے۔"

"میرے وسوسے بے بنیاد نہیں تھے۔" ویرا نے اپنی جگہ سے ملے بغیر جواب دیا "ان دونوں سے پوچھ لو کہ رستم کوئی آسان حریف نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں سینہ چیر کر اپنے مخاطب کے دل کو پڑھ لینے کی طاقت رکھتی ہوں گی۔ وہ اپنی کسی خوبی کی وجہ سے ہی مجرموں کے لشکر پر راج کر رہا ہے۔"

"تم سب ہی اپنی اپنی جگہ سچے ہو۔" میں نے انہیں جنگ بندی پر مجبور کرتے ہوئے کہا "آج اس سے گفتگو کے دوران اس ایک مرحلہ ایسا بھی آگیا تھا کہ مجھے مقابلے کی فضا نظر آنے لگی تھی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم ان مراحل سے خیر و خوبی سے گزر آئے۔"

"اس نے رقم قبول کر لی؟" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"آج کے لیے اس کے انکار سے بڑی ناکامی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے؟" میرے جواب پر ویرا نے موشگافی کی "ہو سکتا ہے کہ ایسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ ہم اسی سوگ میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔"

میں چونک پڑا "کیوں؟ یہاں کیا ہوا؟" فوری طور پر وہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ویرا نے اس کے ساتھ کراٹے کا کھیل شروع کر دیا تھا۔ پٹتے پٹتے اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ گر کر بے ہوش ہو گیا..." اول خان نے بتانا شروع کیا۔

"وہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مر گیا؟" میں نے بدحواس ہو کر اول خان کی بات کاٹ دی۔

"اس کی ناوقت موت کے سنگین اور دور رس مضمرات میری نگاہوں میں تھے۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر ہی کمبائنڈ ملٹری اسپتال سے ایمبولینس منگوا کر اسے وہاں منتقل کر دیا۔"

"اس فیصلے پر پہنچنے میں ہمیں بس چند منٹ لگے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مار سے بچنے کے لیے بے ہوش ہونے کی اداکاری کر رہا ہے۔"

"اور تم نے اس پر مزید جوتے برسانے شروع کر دیے ہوں گے۔" میں نے اس پر ملامت کی "میں نے جاتے جاتے تاکید کی تھی کہ فی الحال اسے زندہ رکھنا ہماری ضرورت ہے۔"

"بعد میں ویرا نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی "ویرا کی تیزی اور پھرتی کی دہشت سے اس پر دل کا دورہ پڑ گیا ورنہ اس کی لگائی ہوئی کوئی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ موسیٰ نے میرے جوانوں کی اس سے زیادہ مار برداشت کی تھی۔"

"چلو، اب سر بہ سجود ہو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگو۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "رستم ٹیڑھے دماغ کا آدمی ہے۔ اس وقت موسیٰ کی لاش اس کے سامنے آئی تو وہ اپنی مرضی کے نتیجے اخذ کرے گا اور ہمارا کام ہوا میں معلق رہ جائے گا۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ وہ بہترین ہاتھوں میں ہے۔ میں نے امراضِ قلب کے شعبے کے نگراں کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہوگا۔"

"خدا کی قدرت ہے۔" سلطان شاہ نے چھت کی طرف نظریں اٹھا کر کہا "دو روز بعد جسے جہنم واصل کرنا ہے، اس کی زندگی کے لیے آج ہم سب پریشان ہیں۔"

"وہ جلد ہی خطرے سے باہر نکال لیا جائے گا۔ اسے چھوڑو اور رستم سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔" اول خان نے اسے گھور کر کہا۔

رستم کے گھر پر باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ باتیں خاصی الجھی ہوئی اور پیچ دار تھیں۔ اول خان کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ میں نے رستم کی زبان سے میجر بخشی کے دعوے کی تائید کروالی تھی۔ اس توثیق کے بعد موسیٰ بہت اہم ہو گیا تھا۔

بہترین طبی امداد ملنے کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوتا تو پھر اس کی لاش کو کسی بے نام قبر میں دفن کر کے ہی ہم سکھ کا سانس لے سکتے تھے۔ موسیٰ زندہ رہ کر ہمارے لیے بے ضرر تھا لیکن اس کی لاش سامنے آنے پر رستم کسی بھی ردِ عمل کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

"اور اب ملنگ بھی اسی قدر اہم ہو گیا ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں ہمیں یاد دلایا۔

"یہ نکتہ میں پہلے ہی سمجھ چکا ہوں۔" اول خان نے اس کی تائید کی "رستم نے اوبرائن اور ڈینی کے معاملات میں ایک یکسانیت کا ذکر کر کے خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے۔ ڈینی کو اب بہت محتاط رہنا ہوگا۔ رستم کو اس کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ وہ ڈینی سے ملتا رہا ہے۔"

"اب تم اپنی ساری کشتیاں جلا چکے ہو۔" ویرا نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے پرسوں تمہیں رستم سے ملنا ہی پڑے گا۔"

"یہ ساری احتیاط اسی وقت تک کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہم کوئی نئی راہ تلاش کرلیں گے۔"

"نئی راہ اختیار کرنے سے پہلے پرانے سوراخ بند کرنے کے بارے میں سوچو۔" ویرا نے مربیانہ لہجے میں مشورہ دیا "کل کا دن خالی ہے۔ ہم اطمینان سے گلشن اقبال والے مکان میں منتقل ہوسکتے ہیں۔ اس دوران میں تم ملنگ کو اٹھوالو۔ ڈینی کے خلاف اس وقت وہی اکلوتا گواہ ہے۔"

"اسے راستے سے ہٹا دینے کے بعد میجر بخشی کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکے گا کہ کرنل جمال دستی کون تھا۔ یہ فتنہ اب ختم ہوجانا چاہیے۔" سلطان شاہ بولا۔

اول خان کا چہرہ اتر گیا "کل تم چاروں یہاں سے جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"

"پہلے سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔" میں نے جلدی سے کہا "ویرا نے ابھی ابھی یہ بات چھیڑی ہے اور میں اس کی رائے سے متفق ہوں۔ کچھ عرصے کے لیے ہمیں ایس ٹی ایف سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا "تم سوچ سمجھ کر فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا۔ تم جب چاہو گے، تمہاری روانگی کا بندوبست کردیا جائے گا۔"

"ملنگ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔" خاموشی سے سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے سکوت توڑا۔

"تمہیں اس سے دور رہنا چاہیے۔ میں خود ہی اس کا کوئی بندوبست کروں گا۔ اس بار یہ احتیاط ضروری ہے کہ ملنگ کے قصے میں ایس ٹی ایف کا نام نہ آنے پائے۔"

"موسیٰ یہاں موجود ہے مگر تم ایجنسیوں کے استفسار پر اس کے قصے سے اپنی لاعلمی یا لاتعلقی ظاہر کرچکے ہو۔ اس مرتبہ بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ موسیٰ کو میرے آدمیوں نے نہیں اٹھایا اور یہ سو فی صد حقیقت ہے۔ اس کے بعد مجھ سے کچھ نہیں پوچھا گیا۔ ملنگ کا معاملہ مختلف ہوگا۔"

"موسیٰ کی موجودگی سے تمہارے عملے کے بہت سے لوگ واقف ہیں۔ اب سی ایم ایچ والے بھی آگاہ ہوگئے ہیں۔ اسے کوئی بھی چیک کرسکتا ہے۔ کئی ایجنسیاں براہِ راست سروسز سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں تمہارے تکنیکی جھوٹ کی ہوا لگ گئی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میرے آدمی صرف مجھے [illegible] اسپتال والوں کو [illegible] جھوٹ بولا ہے"

صرف اتنا علم ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کے بھیجے ہوئے ایک مریض کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ کسی اور ایجنسی کو اس کے بارے میں تردّد میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اداروں میں ایسی ہم آہنگی نہ ہو تو ہر وقت محاذ آرائیاں ہوتی رہیں۔"

"ان معاملات میں تمہاری صوابدید ہم سے زیادہ بہتر ہے۔" میں نے کہا "تم مطمئن ہو تو ہم بھی مطمئن ہیں۔"

"بس تو پھر کل منتقلی کا پروگرام طے ہے۔" ویرا نے اٹھتے اٹھتے ایک غیر ضروری بات دہرائی۔

"سورج طلوع ہوگا تو کچھ سوچا جائے گا۔ ابھی جاکر آرام کرو۔" میں نے ترشی سے کہا۔

دونوں عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اول خان بھی اٹھ گیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تم کہاں چلے؟ کیا آج کی رات ہمارے ساتھ بسر نہیں کرو گے؟"

"میں کچھ کاموں میں الجھا ہوا ہوں۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "جلد نمٹ گیا تو واپس آجاؤں گا ورنہ دفتر ہی میں کمر سیدھی کرلوں گا۔"

وہ واضح طور پر اداسی کا شکار ہوگیا تھا۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔ اس وقت اول خان کو چھیڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ایک دفعہ ہم اپنے نئے ٹھکانے پر منتقل ہوجاتے تو وہ دو چار دن میں سب کچھ بھول بھال کر اس عارضی صدمے سے نجات حاصل کرلیتا۔

"کیا ہماری منتقلی کے بارے میں تم اب بھی کسی تذبذب میں پڑے ہوئے ہو؟" چھت میں لگے ہوئے پنکھے کے دھیمے اور یکساں شور میں پہلی بار سلطان شاہ کی آواز ابھری تو میں چونک پڑا۔ اول خان کے چلے جانے کے بعد میرا ذہن کہیں اور الجھ گیا تھا۔

"یہ کام کل ہو ہی جانا چاہیے۔ صبح ساری کاغذی کارروائیاں مکمل کرانے کے بعد تم ہی عورتوں کو وہاں لے جاؤ گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"کاغذی کارروائی کیا ہوتی ہے۔ بس اسٹیٹ ایجنٹ کو رقم دے کر کچھ دستخطوں کا تبادلہ کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ناشتے کے بعد یہاں سے چل دینا چاہیے مگر تم اس کارِ خیر سے خود کو الگ کیوں کررہے ہو۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ موسیٰ کے بیان کی صداقت کو جانچنے کے لیے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی کا منصوبہ بنا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا "رستم کو دیا ہوا کام پورا ہونے تک یہ خلش بھی دور ہوجانی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ موسیٰ

"مجھے تو یہ پنڈت منوہرلال، جواہر لال کا چھوٹا بھائی معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اوباش اور رنگین مزاج لیکن اندر سے انتہائی کینہ پرور سازشی۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے اس کی آواز تحقیر آمیز ہوگئی تھی "اسے دیکھنا بلکہ کھنگالنا بہت ضروری ہے مگر اس وقت نہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ رستم ایرانی سے اس کے گہرے مراسم ہیں، موسیٰ کو اسی نے اس رستم کے پاس نوکری دلائی تھی اور اب بھی وہ ہفتے میں ایک بار رستم سے ملنے ضرور جاتا ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے رستم ایرانی کا نام ادا ہوتے ہی میرے ذہن کے بند دریچے وا ہوگئے۔ میں اپنی رو میں بس ایک ہی سمت میں سوچے جارہا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک اشارے سے سارے امکانات روشن کردیے تھے۔

جس طرح اوبرائن کی ہلاکت تک موسیٰ کا زندہ یا کم از کم پوشیدہ رہنا ناگزیر تھا اسی طرح پنڈت منوہرلال کا بے فکر رہنا بھی ضروری تھا۔ اس کا کوئی بھی مسئلہ رستم کے سکون کو درہم برہم کرسکتا تھا۔ اس کے تفکرات میں الجھ کر رستم اپنے معمول کے کاموں سے صرفِ نظر کرسکتا تھا۔ ان کاموں میں اوبرائن کی سرکوبی میرے لیے سرِفہرست تھی۔ وہ کام ہر قیمت پر اور بروقت پایۂ تکمیل کو پہنچنا ضروری تھا۔

میں نے اٹھ کر محبت سے سلطان شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "بعض اوقات تم بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اس وقت میں پنڈت کو سب سے الگ تھلگ رکھ کر کچھ منصوبہ بنا رہا تھا۔"

"کاموں کے سلسلے میں ان باریکیوں کا دھیان رکھنے کا تجربہ میں نے تم ہی سے حاصل کیا ہے۔"

"اس میں تمہاری محنت کا دخل بھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مشینی روبوٹ کی طرح صرف میری ہدایات پر عمل نہیں کرتے، غلطیوں پر ٹوکتے بھی رہتے ہو۔"

"غلطیوں پر تو ویرا بھی ٹوکتی ہے لیکن تم نے اس کے ساتھ ایک مدت سے شفقت کا رویہ نہیں اپنایا۔ شاید غلطیوں کی نشان دہی میں وہ مجھ سے آگے ہے۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ ویرا ذرا سی شفقت سے بہلنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میری طرف سے ذرا سی نرمی کا اظہار ہوتے ہی بہت سی محبت کی دعوے دار بن سکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کا وہ نازک سوال خفیف سی مسکراہٹ میں ٹال دیا۔

رات سکون سے بسر ہوگئی۔ صبح بیدار ہوتے ہی غیرارادی طور پر میری نگاہ تیسری چارپائی کی طرف گئی۔ بستر خالی اور بے شکن تھا۔ اول خان نے اپنی ناراضگی کے بھرپور اظہار کے لیے وہ رات شاید اپنے دفتر ہی میں گزار دی تھی۔

میں اس کے لیے افسردہ ہونے سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی جذباتی طبیعت کے سامنے بے بس تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی اس مسئلے کا آسان ترین حل تھا اور میں نے پچھلی رات سے وہی رویہ اپنایا ہوا تھا۔

ناشتے کے وقت وہ آیا تو شب بیداری اور اعصابی تکان کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری رات بہت مصروف گزری ہے۔" میں نے بہت نپے تلے الفاظ منتخب کرکے اس کی مزاج پرسی کا اخلاقی فرض ادا کیا۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے کہ موسیٰ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ اسے بروقت طبی امداد میسر آگئی تھی۔"

"اس کی موت اگر ہمارے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو وہ ایسے دس دورے بھی جھیل جائے گا۔"

"تمہارے نہیں، میرے ہاتھوں۔" اس نے میری تصحیح کی "تم چاروں تو آج جارہے ہو۔"

میرے دل میں چور تھا۔ میں مصنوعی انداز میں ہنس پڑا۔ "ہمارے اور تمہارے ہاتھ ایک ہی ہیں۔"

ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ اسٹیشن فور سے ہمارے کوچ کا معاملہ بھی زیر غور آیا مگر وہ ذرا بھی گمبھیر نہیں تھا۔ ہم اپنی جانیں بچانے کے لیے کلفٹن والے فلیٹ سے تن کے کپڑوں کے ساتھ فرار ہوئے تھے بعد میں چند جوڑے اور خریدے گئے جو محض ایک کشادہ بیگ میں سما سکتے تھے۔ ہمارا سب سے قیمتی اثاثہ بیم گن، اول خان کے خصوصی نوادر سے حاصل کی ہوئی چند انگوٹھیوں اور سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔ ویرا نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی نہایت خود غرضانہ انداز میں ان اشیا کو یکجا کرنا شروع کردیا۔ اول خان ملول نظروں سے اس کارروائی کا جائزہ لیتا رہا۔

میرا ارادہ تھا کہ اسٹیشن فور سے ہم دو ٹکڑیوں میں بٹ کر روانہ ہوتے۔

میں نے سلمٰی سے آٹھ لاکھ روپے کے مساوی ڈالر لیے تھے۔ رستم کو سات لاکھ دینے کے بعد بقیہ رقم فلیٹ کے کرائے کی ادائی اور گھرداری کی دیگر ضروری اشیا کی خریداری کے لیے کافی تھی۔

ہم نے گلشن اقبال میں جو مکان پسند کیا تھا، وہ نادرہ کے فلیٹ کی طرح مکمل آراستہ نہیں تھا۔ اس میں پردے، پنکھے، قالین اور صرف مسہریاں موجود تھیں۔ بقیہ آرائش کرائے داروں کی مرضی اور جیب پر چھوڑ دی گئی تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ اسٹیٹ ایجنٹ کو پیشگی رقم دے کر مکان کا قبضہ لے سکتے تھے اور اپنی نگرانی میں گھر کی ضروری صفائی وغیرہ کروا سکتے تھے جبکہ مجھے رستم ایرانی کو دینے کے لیے مزید رقم کا بندوبست کرنا تھا۔

دن میں جہانگیر اپنی فارمیسی پر ہوتا تھا۔ میں تنہائی میں سلمٰی کا سامنا کرنے سے ہمیشہ گھبراتا تھا کیونکہ ایسے مواقع پر وہ میرے لیے مونالیزا سے بڑھ کر ثابت ہوتی تھی۔ اس ہولناک خلوت کا بہترین

توڑ یہ تھا کہ غزالہ بھی میرے ساتھ ہوتی۔ ہم دونوں سلمیٰ سے رقم لے کر براہِ راست گلشن اقبال والے نئے گھر پہنچ سکتے تھے۔ یہ تجویز سن کر اول خان بول پڑا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اوبرائن کے سلسلے میں خرچ ہونے والی رقم تمہیں جلد ہی واپس مل جائے گی۔"

میں ہنس دیا "مجھے معلوم ہے کہ تم سات لاکھ روپے کے لیے اوپر بات کر چکے ہو۔ اب اس رقم کو دس لاکھ کرنے سے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں....."

"کیسے شبہات!" اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بھڑک اٹھا "اگر رستم نے پہلے سات لاکھ مانگ کر بعد میں دس لاکھ کا مطالبہ کر دیا ہے تو اس میں شبہ کیا؟ ایس ٹی ایف میں سارے ہی معاملات ایمان داری اور باہمی اعتماد پر چلتے ہیں۔"

"پھر بھی میں یہ نہیں چاہوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس اہم قومی مقصد کے حصول کے لیے ہم بھی تھوڑی سی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ہمارے کسی مطالبے کے بغیر سات لاکھ روپے کی ادائی کا بندوبست کر چکے ہو۔"

"وہ بات پرانی ہوگئی۔ میں نے آج صبح ہی فون پر اسلام آباد بات کر کے رقم میں اضافہ کر دیا ہے۔ اب دس لاکھ کی پوری رقم آئے گی۔" اس نے کہا۔

"سرخ فیتے یا کسی کاغذی کارروائی کے بغیر اتنی بڑی رقم سیکرٹ فنڈ سے ہی مہیا کی جا سکتی ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ رقم کہاں سے فراہم کی جائے گی۔ بس یہ یقین ہے کہ کام پورا ہونے کی اطلاع ملتے ہی رقم بھیج دی جائے گی۔" اس کے ایک ایک لفظ سے بھرپور اعتماد جھلک رہا تھا۔

"اتنی آسانی سے پورے دس لاکھ واپس مل سکتے ہیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ مجھے تو یہ خیال تھا کہ آڈٹ والے ایک ایک پیسے کے خرچ کو شبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تین لاکھ روپے کا اضافہ وہ ہضم نہیں کر سکیں گے۔" میں نے خوش دلی سے اس کی پیشکش قبول کر لی۔

"ایس ٹی ایف کے خرچ کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا۔" اول خان نے میری معلومات میں اضافہ کیا "رستم تم کو دس لاکھ تو کیا' دس روپے کی رسید بھی نہیں دے گا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بڑے بڑے غبن رسیدوں اور اندراجات کے ہیر پھیر کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ جہاں بات ایمان اور اعتماد پر چھوڑ دی جائے' اسکینڈل کم ہی بنتے ہیں کیونکہ ایسے اخراجات کی تصدیق غیر روایتی انداز میں سینہ بہ سینہ کی جاتی ہے جس کی کسی کو بھنک نہیں ملتی۔

گیارہ بجے ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ اول خان نے ہمارے لیے دو الگ الگ گاڑیوں کا بندوبست کیا تھا۔ ان میں سے ایک میں ڈرائیور موجود تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کے ساتھ وہ ہمارا نیا ٹھکانا دیکھ لے اور بعد میں اول خان کی راہ نمائی کر سکے۔ میری گاڑی کے لیے اس نے دانستہ کسی شوفر کا بندوبست نہیں کیا تھا۔

وہ اول خان سے ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔ ہم اسی شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں بسنے جا رہے تھے مگر اول خان کے رویے کی وجہ سے ہماری روانگی خاصا جذباتی رنگ اختیار کر گئی۔

ٹیکسی پہلے حرکت میں آئی۔ میں نے بھی گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔

شارع فیصل پر ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن تک دونوں گاڑیاں اسی ترتیب سے دوڑتی رہیں۔ وہاں سے ٹیکسی داہنی طرف گھوم گئی۔ ہم سیدھے نکلتے چلے گئے۔

"آج میں خود کو بالکل ہلکا اور تر و تازہ محسوس کر رہی ہوں۔" غزالہ نے کہا۔

"شاید اس لیے کہ آج ہم دونوں ایک طویل مدت کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ کہیں باہر نکلے ہیں۔ ایسی تنہائی تو اب خواب و خیال بن کر رہ گئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

"شکر ہے کہ یہ باتیں آپ کے دل کے نہاں خانوں میں بھی موجود ہیں۔ مجھے کبھی کبھی تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ سوچنے لگی ہوں۔"

میں نے اس کے نرم و گداز ہاتھوں پر پیار سے تھپکی دے کر کہا "میں بھی تمہاری طرح جوان ہوں۔ میرے دل میں بھی امنگیں اور آرزوئیں انگڑائیاں لیتی ہیں مگر کام کی خاطر مجھے ان خواہشوں کو تھپکیاں دے دے کر سلانا پڑ جاتا ہے۔ یہ وقت سدا یوں ہی نہیں رہے گا۔"

"میں سوچتی ہوں کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے آپ کو ایک کڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ میری وجہ سے آپ کھلے ذہن سے کہیں ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"تمہاری دونوں باتیں غلط اور عقل سے خالی ہیں۔ شادی کا فیصلہ ہم میں سے کسی کا نہیں تھا۔ مکاؤ کے ڈون نے ایک چینی مولوی کے ذریعے ہم دونوں کو اس رشتے میں یک جا ہونے پر مجبور کیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے ماضی کا خوش گوار آئینہ دکھایا۔

"اس کے بعد بھی ہم نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔ جب کوئی خوں خوار حریف سامنے آجاتا ہے تو میں بھول جاتا ہوں کہ میرا کسی سے کوئی رشتہ ہے یا کسی کو میری صحیح و سلامت واپسی کا انتظار ہوگا۔ تمہارا خیال کبھی میرے قدموں کی زنجیر بنا ہے نہ خیالوں کی لگام۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ابھی تک آپ کے دل میں

اترنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہوں۔" اس وقت غزالہ یکایک ہی ایک ننھی سی بچی بن گئی تھی اور میری بات پر روٹھی روٹھی سی لگنے لگی تھی۔

"غزالہ، مائی ڈارلنگ! تم اتنی ناسمجھ تو نہیں ہو۔ شاعری اور تصورات کی دنیا حقیقت سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ جب آدمی کی جان پر بن جاتی ہے تو اسے اپنی کوئی جان یا محبوبہ یا بیوی یاد نہیں آتی، صرف خدا یاد آتا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مذہب کے مطابق خدا کو ہی پکارتا ہے اور اپنی جان بچانے کے لیے دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ جان بچ جائے اور وہ سرخ رو رہے تو پھر اپنی جان کی آغوش میں اس سنگین کہانی میں رنگین لمحے جوڑ کر ایک نیا لطف لیتا ہے۔"

"جان، جان کے چکر میں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "چلیں یہ تو دشمن اور دشمنی کی بات ہوئی۔ چاہنے والے تو ایک دوسرے کے لیے جان بھی دے دیتے ہیں۔"

"وہ بزدل ہوتے ہیں۔ ان میں ہارنے کی ہمت ہوتی ہے، نہ جینے کی امنگ۔ چاہنے کا تعلق جسم اور وجود سے نہیں، جذبوں سے ہوتا ہے۔ میں تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں، جب میں نے تمہیں چھوا بھی نہیں تھا پھر ایسا وقت بھی آیا جب ہمارے درمیان فاصلے پیدا ہوگئے، مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تم زندہ ہو یا ویرا کے اندھے انتقام کا نشانہ بن چکی ہو۔ اس وقت بھی میری چاہت میں کوئی دراڑ نہیں آئی......"

"اس وقت میرے ساتھ صرف میری باتیں کریں۔ میں ان باتوں کے لیے ترسی ہوئی ہوں۔ اس وقت ویرا کا نام نہ لیں۔ وہ رفتہ رفتہ میرے اعصاب کے لیے ایک....."

"بس! اب اس پر اپنے الفاظ برباد مت کرو۔" میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ میری انگلیوں کا ایک نرم سا بوسہ لے کر خاموش ہوگئی اور میں نے اس کے دل میں چھپی ہوئی عورت کو ان چاند ستاروں کی کہانیاں سنانی شروع کر دیں جو اس کے حسن کی ذرا سی رمق چرا کر خلا کی بے کراں وسعتوں میں پرنور نکتوں کی طرح دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہمارا سفر باتوں کی محویت میں گزر گیا۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں گاڑی جہانگیر کے فلیٹ والے بلاک کے قریب روک چکا تھا۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ جیسا بے جگر آدمی ایسی شاعرانہ باتیں کر سکتا ہے۔" غزالہ نے میرا بازو دبا کر بھاری آواز میں کہا "آپ شاعری شروع کر دیں تو ہر طرف دھوم مچادیں گے۔"

"دھوم مچانے والی شاعری کتابوں اور مشاعروں سے چلتی ہے۔ میری کتاب کوئی چھاپنے پر آمادہ نہیں ہوگا کیونکہ ڈینی انتہائی غیر شاعرانہ تخلص ہے اور مشاعرے میں گیا تو وہاں سی آئی اے والے دھاوا بول کر مجھے اٹھالے جائیں گے۔ امریکیوں کو اردو شعر اور شاعر کے قتل پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوگی۔"

غزالہ ہنستی ہوئی گاڑی سے اتر گئی۔

جہانگیر کے دروازے پر ڈور بیل بجتے ہی وہاں کام کرنے والی بچی نے دروازہ کھولا مگر اس کے کسی سوال سے پہلے، سلمٰی خود اس کے پیچھے آموجود ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسرت کی ایک عجیب سی حیوانی چمک دوڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی پورا دروازہ کھول دیا۔

پہلے اس کی نظر غزالہ پر نہیں پڑی تھی۔ پورا دروازہ کھولنے پر جب اس نے غزالہ کو اپنے روبرو پایا تو اس کے والہانہ انداز میں یکایک تبدیلی آگئی اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"اوہ... تو آج تم بھی ساتھ آئی ہو!" سلمٰی نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھونڈے انداز میں غزالہ کا استقبال کیا "رک کیوں گئے؟ دونوں اندر آجاؤ۔"

"تم دروازے سے ہٹ کر راستہ دو گی تو ضرور اندر آئیں گے۔" میں نے احساس دلایا "ہم دروازے پر مزاج پرسی کرنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔"

شرمندہ ہو کر اس نے ہمیں راستہ دے دیا۔ جھینپ مٹانے کے لیے اس نے ملازمہ کا بازو پکڑ کر اسے بھی پیچھے کھینچ لیا "بیچ میں کیا کھڑی ہے۔ ہٹ کر مہمانوں کو اندر آنے دے۔"

لڑکی کھسیا کر اندر چلی گئی۔ سلمٰی ہم دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

"بیٹھو.... کہو، اس وقت کیسے آنا ہوا؟" اس نے رسمی اور پر تکلف لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"تم نے خود کسی دم دلاسے کے بغیر سوال کر ڈالا ہے تو سن لو کہ ہم عجلت میں ہیں۔ مجھے مزید کچھ ڈالر درکار ہیں۔ شاید ہمیں آج ہی مکان کا قبضہ مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"رقم تمہاری امانت ہے۔ چاہو تو سب لے لو۔ یہ مکان تم نے کتنے میں خریدا ہے؟" میرے بے لوچ رویے سے ماؤف بلکہ پریشان ہو کر سلمٰی ہمیں بٹھانا بھی بھول گئی۔

"اٹھارہ لاکھ کا پڑے گا۔" میں نے مستقبل کی پیش

بندی کرتے ہوئے کہا "کل آٹھ لیے تھے۔ آج پانچ اور دے دو۔ باقی چند روز بعد درکار ہوں گے۔"

"بیٹھ کر کچھ چائے وغیرہ تو پی لیتے یا یوں ہی واپس جانے کا ارادہ ہے۔"

سلمٰی کے وہ الفاظ بے جان اور خلوص سے عاری تھے۔ مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "پھر کبھی فرصت سے آئیں گے۔ آج مالک مکان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔"

"ویسے ہم بیٹھ جاتے ہیں' تم اطمینان سے رقم لے آؤ۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈالر بتادو۔ روپوں کا حساب خود کرتے رہنا۔" سلمٰی نے رکھائی سے پوچھا۔

حساب میں نے راستے میں ہی لگالیا تھا۔ میرا جواب سن کر وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اس وقت سلمٰی کچھ اکھڑی اکھڑی سی نظر آرہی ہے۔ کیا کل کوئی جھڑپ ہو گئی تھی؟" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کل تو یہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔ آج شاید اسے جہانگیر سے تگڑا ناشتا ملا ہے۔ میرے حساب سے اسے تم سے لپٹ جانا چاہیے تھا۔" میں نے بات بنائی۔

"مجھ سے یا آپ سے ....؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کے شوخی سے پوچھا "آپ کے بارے میں ویرا غلط نہیں کہتی ...."

"تم نے پھر اس کا نام لیا؟" میں نے اسے گھورا "اس کے بارے میں تم ہی نے کچھ کہا تھا۔"

اسی وقت بیلا نامی ملازمہ ایک ٹرے میں ٹھنڈے مشروب کے دو گلاس لے آئی۔ لڑکی پچھلی رات مجھ سے مانوس ہو چکی تھی۔ میں نے پیار کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

"یہ کون ہے؟" بیلا کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سوال کیا۔

"سلمٰی کی ملازمہ اور اس کے گھر میں ایک نئے فساد کی جڑ۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

"جہانگیر اس سے دگنی عمر کی ملازمہ کا مطالبہ کر رہا ہے' سلمٰی اسی عمر پر بضد ہے۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "مبالغہ آرائی کوئی آپ سے سیکھے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی گڑبڑ ہونے کے باوجود یہ تنازع اتنا سیدھا نہیں رہا ہوگا۔"

"اب خاموشی سے شربت پیو۔ سلمٰی کو تمہاری سرگوشیوں کی بھنک مل گئی تو وہ سمجھے گی کہ تم اس کی برائیاں کر رہی ہو۔ اس وقت وہی ہماری خزانچی ہے۔"

گلاس خالی ہونے سے پہلے سلمٰی سو ڈالر کے نوٹوں کی شکل میں مطلوبہ رقم لے آئی۔ اس نے حسب معمول رقم گننے پر اصرار کیا اور میں نے ہمیشہ کی طرح انکار کر کے وہ پتلی سی گڈی غزالہ کو دے دی۔ ڈالروں کی شکل میں بڑی مالیت کے نوٹوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔

کام ہو جانے کے بعد ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ سلمٰی سے اجازت لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ویرا اور سلطان شاہ کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی میں کام کرنے والا لڑکا بھی وہاں موجود تھا اور دو افراد پوری مستعدی سے گھر کی صفائی میں مصروف تھے۔

"شاہ صاحب نے ذرا سی دیر میں سارا کام مکمل کروالیا۔" مجھے دیکھ کر اسٹیٹ ایجنٹ نے خوشامدانہ انداز میں سلطان شاہ کی کارکردگی کی تعریف کی۔

سلطان شاہ نے شناخت کی ناگزیر ضرورت کے تحت وہ معاہدہ اپنے اصل نام یعنی سید محمد سلطان شاہ کے مخفف کے ساتھ کیا تھا جو سمٹ کر صرف ایم ایس شاہ رہ گیا تھا۔ یہ بات ہمارے درمیان طے پاچکی تھی اس لیے غزالہ بھی شاہ صاحب کی اصطلاح کو ہضم کر گئی۔

اسٹیٹ ایجنٹ ہمارے مفروضہ سامان کی منتقلی میں بھی ہمارا ہاتھ بٹانے پر تلا ہوا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہماری کل کائنات صرف ایک بیگ پر مشتمل تھی جو ہمارے ساتھ موجود تھی۔

وہ ایجنسی کا مالک نہیں بلکہ ملازم تھا اور کسی انعام کے لالچ میں ہمارے سروں پر سوار تھا۔ سلطان شاہ یہ رمز نہیں پاسکا تھا۔ اس نے علیحدگی میں مجھے بتایا کہ وہ ہر جتن کرنے کے باوجود اس سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اسے دو سو روپے تھماؤ اور پھر دیکھو کہ وہ کتنے سیکنڈ یہاں رکتا ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"سلطان شاہ سدا کا سعادت مند تھا۔ اس نے مشورے پر فوری عمل کیا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے کرائے کی مد میں یک مشت دو ہزار روپے کی کمی کا حوالہ دے کر انعام کی رقم میں اضافہ چاہا۔ سلطان شاہ نے سو روپے کا مزید ایک نوٹ اسے تھمایا اور وہ ہم چاروں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا تیزی

سے پھاٹک سے نکلتا چلا گیا۔ انعام کی وہ رقم اس کے لیے بہت زیادہ نہیں تو یومیہ اجرت سے یقیناً زیادہ تھی۔
"مکان چھ سو گز پر ہے مگر اس میں خوبی یہ ہے کہ خواب گاہیں چار ہیں۔" صفائی کرنے والوں کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"چوتھی خواب گاہ میں تمہیں کیا افادیت نظر آرہی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"اول خان کی مہمان داری کی جاسکتی ہے۔" ویرا نے باری باری ہمارا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یا پھر ڈینی اور غزالہ میں فساد ہوجائے تو یہ دونوں الگ الگ کمروں میں سوسکتے ہیں۔"
"خدا کے لیے ویرا!" غزالہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر احتجاج کیا "اپنی زبان سے ایسے منحوس کلمات تو نہ نکالو۔ خدا خدا کرکے ہمیں یہ ٹھکانا نصیب ہوا ہے تو تم نے ابھی سے بدشگونی شروع کردی۔"
"ایک امکان تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔" اس نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "اسے رونما ہونے سے روکنا یا نہ روکنا تمہارے اختیار میں ہے۔"
"ویرا! بدگوئی اچھی عادت نہیں ہوتی۔" سلطان شاہ نے بھی اس پر آنکھیں نکالیں "ان باتوں میں پڑنے کے بجائے مجھے کراکری اور کچن کے سامان کی ایک فہرست بنا کر دو تاکہ میں خریداری کرلاؤں۔ یہاں چائے بنانے تک کے لیے بھی کوئی برتن دستیاب نہیں ہے۔"
"غزالہ کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہارا کام آسان کردے گی۔ اجناس کے ساتھ خورونوش کی کچھ سربند چیزیں بھی لے آنا تاکہ فوری گزارہ ہوسکے۔"
ویرا نے دانستہ غزالہ کو ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی۔ غزالہ نے اس مشورے پر تیوریاں چڑھا کر کہا "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرے بجائے تم چلی جاؤ۔"
"میرے باہر نکلنے پر ڈینی نے کڑی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔" ویرا نے مکاری سے جواب دیا "بھرے بازار میں' میں ہر ایک کی نظر کا مرکز بن جاؤں گی۔"
میں اس زبانی زور آزمائی میں پنہاں مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ویرا میرے ساتھ کچھ دیر کے تخلیے کی خواہاں تھی اور وہ دونوں اسے ایسا کوئی موقع فراہم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ میں خود بھی ان دونوں کا طرف دار تھا۔ میں نے ویرا سے کہا "چلو' فہرست بنا ڈالو!"
"میں اردو لکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ انگریزی میں بہت سی چیزوں کے نام اتنے پیچیدہ ہیں کہ سلطان شاہ کی ننھی سی کھوپڑی پر سے گزر جائیں گے۔" اس کے پاس دوسرا عذر تیار تھا۔
"اُوں!" غزالہ کے تیور خراب ہوگئے اور وہ سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے چل دی "فہرست بنانے میں کوئی ہاتھی گھوڑے نہیں لگتے۔" ویرا کو سنانے کے لیے اس نے جاتے جاتے اونچی آواز میں کہا اور ویرا لوفرانہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر سیٹی بجانے لگی۔
میں وہاں سے اٹھا تو اس نے مجھے ٹوک دیا "تم کہاں چلے؟"
"فون تلاش کرنے۔ ایجنٹ نے کہا تھا کہ اس گھر کا فون کام کررہا ہے۔"
"ایسا ہی کوئی ضروری کام ہے تو تم اپنا موبائل فون بھی استعمال کرسکتے ہو!" اس نے طنز کیا۔
"موبائل فون کے ساتھ سی ایس ڈی کے استعمال سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا اور اپنی راہ ہولیا۔ وہ وہاں اکیلی بیٹھی رہ گئی۔
پہلی خواب گاہ میں ہی فون مل گیا جو کام کررہا تھا۔ سلطان شاہ بھی اسی کمرے میں بیٹھا غزالہ کے مشورے سے خریداری کی فہرست تیار کررہا تھا۔ مجھے دیکھ کر دونوں خوش ہوگئے۔
"اچھا کیا کہ آپ بھی اٹھ آئے۔" غزالہ نے مسرت آمیز مگر نیچی آواز میں کہا "کبھی کبھی وہ اپنی حد سے زیادہ تجاوز کرنے لگتی ہے۔"
"زبان بند رکھو۔ اس کے کان بہت لمبے ہیں۔" میں نے تیز سرگوشی میں کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا "سامان کے تھیلے میں سے سی ایس ڈی نکال دو۔"
سلطان شاہ فہرست ادھوری چھوڑ کر پھولے ہوئے تھیلے کی طرف بڑھ گیا۔
سی ایس ڈی کے دو تاروں کو فون لائن سے منسلک کرتے ہوئے میرے ذہن میں دو کام موجود تھے۔ پہلے اول خان کو اپنے نئے فون نمبر سے مطلع کرنا اور اس کے بعد امریکی قونصل خانے میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے ڈائریکٹ فون پر رابطہ کرکے اس کے جانشین کو اوبی کے عبرت ناک حشر کے بارے میں وارننگ دینا۔
تار جوڑتے ہوئے میں نے سوچا کہ اول خان ایسی چھیڑ چھاڑ کو ہمیشہ غیر ضروری قرار دے کر اس سے گریز پر زور دیتا رہا ہے۔ اسے میرے عزائم کا علم ہوتا تو وہ لامحالہ مجھے وہی مشورہ دیتا جو ہمیشہ سے دیتا چلا آیا تھا جب کہ میرے لیے وہ اتنا کا مسئلہ تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ نئی دہلی میں رستم ایرانی کے کسی ہر کارے کے ہاتھوں مارا جاتا تو واقعے کی نوعیت کے لحاظ سے اس کی تفتیش ہوتی رہتی۔ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا کہ اس کے جہنم واصل ہونے میں میرا ہاتھ تھا۔ امریکیوں کے دلوں پر اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اوبی کے قتل سے پہلے اپنی پیش گوئی ان کے کانوں تک پہنچا دیتا تاکہ بعد میں وہ اسی ایک سمت میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

اس نتیجے پر پہنچ کر میں نے ان دونوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور فون پر اوبی کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک سلجھی ہوئی باوقار آواز میرے کانوں میں آئی "ہیلو، کون بول رہا ہے؟"

"یہ کال ریکارڈ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ لائن ڈراپ ہو جائے گی۔" میں نے انگریزی میں جواب دیا "میں تم کو اوبرائن کے انجام سے آگاہ کرنا چاہ رہا ہوں....."

"اوہ! تو تم اوبرائن کے قاتل ہو؟" تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی وہ آواز میرے کانوں میں کسی نغمے کی طرح گونجی "تمہاری یہ جرأت کہ تم فون پر اپنے اس گھناؤنے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے کیے جانے والے ان فقروں سے صاف ظاہر تھا کہ رستم اپنے قول کا پکا ثابت ہوا تھا۔ اس نے وقت سے پہلے ہی اپنا کام پورا کر لیا تھا۔

"ہاں، اگر یہ کوئی جرم ہے تو میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ کان کھول کر سن لو کہ اس کی راہ پر چلنے والے ہر شخص کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"تم گندے ایشیائی سور..... کالے بدمعاش..." میرے مخاطب کی زبان سے گالیوں کا ایک بے ساختہ طوفان ابل پڑا اور شاید اسی دوران میں اس نے میری ہدایت کو نظرانداز کر کے کال کسی اور کو سنوانے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کی۔ سی ایل سی ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

"یا ہو.....!" میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر جذبات سے بے قابو ہو کر نعرہ لگایا اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ ویرا بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں دوڑتے ہوئے وہاں آگئی۔

"کیا ہو گیا.....؟ تم کس سے بات کر رہے تھے.....؟ کس جرم کا اعتراف کیا ہے تم نے.....؟" تینوں نے بہ یک وقت میرے اوپر سوالوں کی یلغار کر دی۔

"میں اوبرائن کے جانشین سے بات کر رہا تھا۔ اس نے انکشاف کیا ہے کہ اوبرائن جہنم واصل ہو چکا ہے۔" میں نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں ان تینوں کو بتایا۔

معقول سوال

پولیس نے جوئے کے شبے میں مکان پر چھاپا مارا تو چار افراد میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں تاش کی گڈی تھی۔ کچھ تاش میز پر تھے۔ کچھ رقم بھی پڑی تھی۔

"تم تاش کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے؟" پولیس نے اصل انداز میں کارروائی شروع کرنے سے پہلے ایک شخص سے پوچھا۔

"میں.....؟ ہرگز نہیں... میں تو بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" دوسرے سے پوچھا گیا۔

"ہرگز نہیں۔ میں تو یہاں اجنبی ہوں۔ راستہ پوچھنے رکا تھا۔"

"تم تاش کھیل رہے تھے؟" تیسرے سے پوچھا گیا۔

"ہرگز نہیں.... میں تو بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔" جواب ملا۔

آخر پولیس والے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کے ہاتھ میں گڈی تھی "تو تم ضرور تاش کھیل رہے تھے۔"

"لیکن کس کے ساتھ.....؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ہم میں سے ہر ایک کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ چند لمحوں کے لیے ان کے چہروں پر حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات طاری رہیں پھر وہ تینوں اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مجھ سے لپٹ گئے۔

کمرے میں چشم زدن میں جشن کا سا سماں ہو گیا۔ سب اپنے اختلافات بھلا چکے تھے۔ سب کچھ سن لینے کے باوجود ہمیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بڑی خبر اتنی جلد اور آسانی سے

ہمیں مل جائے گی۔
"یہ مکان ہمارے لیے مبارک ثابت ہوا ہے۔ یہاں قدم رکھتے ہی ہمیں یہ اچھی خبر ملی ہے۔" سلطان شاہ نے مسرت سے سرشار لہجے میں کہا "تمہیں اس وقت اوبرائن کے دفتر فون کرنے کی کیا سوجھی تھی۔"
"خبر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ میں انہیں دھمکانا چاہ رہا تھا۔"
"وہ کب اور کیسے مارا گیا؟" غزالہ تفصیل جاننے کے لیے بے تاب تھی۔
"تازہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اول خان کیا کہتا ہے۔ اس کے پاس ہمارا فون نمبر بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا۔
اول خان کی آواز میں ولولے یا ظفر مندی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ شاید وہ اس وقت بھی ہمارے بچھڑنے کا سوگ منا رہا تھا۔
"تم مایوسی کی کن دلدلوں میں دھنسے ہوئے ہو؟ تمہیں علم نہیں کہ اوبی مارا جاچکا ہے؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر اس سے سوال کیے۔
"کیا....؟" وہ گویا گہری نیند سے اچانک جاگ اٹھا "اوبی مارا گیا؟ یہ کب کی خبر ہے؟"
"مجھے مختصر ترین خبر ملی ہے۔ اس کی تصدیق اور تفصیل حاصل کرنے کی ذمے داری تمہاری ہے۔"
"خبر کا ذریعہ کیا ہے؟" اس کی آواز ہیجان آمیز ہوگئی "کسی نے تم سے مذاق تو نہیں کیا؟"
"یہ اوبی کے جانشین کے الفاظ ہیں۔ سی ایس ڈی لگانے کے بعد میں نے اسے فون کیا تھا۔"
"میں تھوڑی دیر میں موبائل پر تم سے رابطہ کرتا ہوں۔ شاید یہ اسی صبح کا واقعہ ہے۔ اسلام آباد والوں کو اب تک ضرور بھنک مل چکی ہوگی۔"
میں نے اسے اپنا نیا فون نمبر نوٹ کروانے کے بعد فون بند کردیا۔
"تم فوراً بازار جاؤ اور ضروری خریداری کرکے لوٹ آؤ۔ خبر پھیلنے کے ساتھ خطرات بڑھ جائیں گے۔ ہمیں یک جا رہ کر ایک دوسرے کی حفاظت کرنی ہوگی۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔
اس وقت صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی۔ مذاق یا بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ سلطان شاہ گاڑی لے کر نکل گیا کیونکہ ایس ٹی ایف کا آدمی ان دونوں کو پہنچانے کے بعد ٹیکسی واپس لے جاچکا تھا۔ ہمارے استعمال کے لیے اول خان کی فراہم کی ہوئی اکلوتی کار رہ گئی تھی۔
"اب کل رات تک کا وقت بہت کڑا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُر خیال لہجے میں کہا "رستم نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے۔ اسے بروقت رقم مل جانی چاہیے۔"
"اگلی رات کا انتظار ہم سب کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دے گا۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "اس نے اپنا کام کردیا' ہمیں اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہوجانا چاہیے۔"
"اسی میں دانش مندی ہے۔" غزالہ نے میری تائید کی "وقت گزرنے کے ساتھ رستم کو بھی اندازہ ہوجائے گا کہ اس نے بارود کے ڈھیر میں چنگاری ڈالی ہے۔ تمہارے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی آسکتی ہے۔ ویسے بھی وہ ڈینی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"
"اپنے اصول کے مطابق اس نے بخشی سے پیشگی رقم بھی لے رکھی ہوگی۔" ویرا نے رائے زنی کی "ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"
"اوبرائن کے دفتر سے اس وقت بہت اہم خبر ملی ہے مگر یہ بُرا ہوا کہ اس واقعے کے پیچھے آپ کی کارکردگی کا راز فاش ہوگیا۔" غزالہ نے نرمی سے کہا۔
"غنیمت یہ ہے کہ اس نے بہت کچھ کہا مگر ڈینی کے طور پر میرا نام نہیں لیا۔" میں نے اپنے ذہن میں اس گفتگو کا اعادہ کرتے ہوئے جواب دیا "نہ میں نے اسے اپنا نام بتایا پھر بھی وہ سب جانتے ہیں کہ انہیں اس طرح فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔"
کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹتا ہے نہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جو ہونا تھا' وہ ہوچکا تھا۔ انہیں دھمکی دیتے ہوئے مجھے اوبرائن کے قتل کا اندازہ نہیں تھا۔ میرا ابتدائی فقرہ ذو معنی تھا۔ اس کا ردِ عمل سنتے ہی میں نے بات بنالی تھی مگر پھر بھی اس ٹیلی فون کال میں ایک سقم تھا۔
میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل سے پہلے رابطہ کیا ہوتا تو میری بات کی صداقت پر سو فی صد یقین کرلیا جاتا مگر میں نے واردات کے بعد اس نمبر پر فون کیا تھا۔ فون سننے والے کے اضطراری ردِ عمل کے باوجود یہ امکان باقی تھا کہ میری اس کال کو شیخی قرار دے کر نظر انداز کردیا جاتا۔
ان کی صفوں میں موجود کئی بقراط یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ ڈینی نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کی خبر سن کر اس کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔ فون سننے والے نے

دھیان دیا ہوتا تو وہ یہ بتا سکتا تھا کہ میری کال بیرونِ ملک سے نہیں تھی اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ کراچی یا پاکستان کے کسی حصے میں بیٹھا ہوا شخص کم و بیش اسی وقت نئی دہلی میں کسی کو قتل کر سکے۔

وہ ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ وہ لوگ کس نتیجے پر پہنچتے اور کیا حکمتِ عملی اختیار کرتے، اس کا انحصار اوبرائن کی ہلاکت کی تفصیلات پر تھا مگر ایک بات ناگزیر تھی کہ ہمیں جلد از جلد رستم سے اپنا حساب صاف کر لینا چاہیے تھا۔ اس میں تاخیر ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اوبرائن کے دفتر میں نے اپنی مرضی سے فون کیا تھا۔ رستم کے بارے میں مجھے ویرا اور غزالہ کا مشورہ بھی حاصل تھا۔ اس کے یہاں ایکسچینج کے ذریعے بات ہوتی تھی اس لیے مجھے رنگ کرنے سے پہلے سی ایس ڈی کو آف کرنا ہوتا تھا۔ میں نے اس کے بٹن پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پُرجوش لہجے میں بولنے لگا "اس کی موت ایک حادثے کے نتیجے میں ہوئی ہے۔ وہ اپنے معمول کے مطابق دفتر جا رہا تھا کہ اچانک غلط سمت سے ایک بڑا ٹریلر نمودار ہوا اور اوبرائن اپنی گاڑی میں ہی پچک کر مر گیا..."

"اسے خاصا مضبوط آہنی تابوت نصیب ہوا ہے۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں رستم کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ قتل اس طرح ہو کہ قتل معلوم نہ ہو۔ اس نے اوبرائن کے لیے اپنے اسی قول پر عمل کیا تھا۔

"ٹریلر ڈرائیور فرار ہو گیا۔ افواہیں ہیں کہ وہ ٹریلر چوری کا تھا۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"جسے مرنا تھا وہ مر گیا۔ اب یہ قصہ مہینوں چلتا رہے گا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ابھی تک موسیٰ کے بارے میں کوئی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن اس کی تلاش میں ایک مرتبہ پھر شدت آگئی ہے۔ تم اشارہ دو گے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔"

"اس کے ساتھی کو بھی دیکھو۔ وہ آج ہی تمہارے پاس آجائے تو بہتر ہو گا کیونکہ میں آج رات اپنے میزبان کی طرف جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"اس سے بات ہوئی ہے تمہاری؟" اول خان کی آواز میں حیرت تھی۔

"اب ہو گی۔ ملاقات میں اس کا فائدہ ہے۔ وہ وقت

سوال

ایک پارٹی میں ایک دولت مند شخص نے اعلان کیا کہ جو شخص قسم کھا کر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہے، وہ اس کی خدمت میں ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرے گا۔

ایک صاحب اٹھے اور بولے "میں ایک خوب صورت بیوی کا شوہر ہوں... تین پیارے پیارے بچے ہیں... کاروبار شاندار رہے ...میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔"

ایک نوجوان بولا "میں غیر شادی شدہ ہوں... شاندار عہدے پر فائز ہوں... نئی گاڑی ہے... اچھا بنگلا ہے... زندگی میں کوئی فکر پریشانی نہیں... میرا خیال ہے میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔"

اس طرح تقریباً ہر شخص نے اپنے آپ کو زندگی سے خوش اور مطمئن قرار دیا۔ تب دولت مند شخص اٹھا اور افسوس زدہ لہجے میں بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا جب آپ سب لوگ زندگی سے اس قدر مطمئن ہیں تو میرا ایک لاکھ روپے کا انعام کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

دے دے گا۔" میں نے کہا۔

"کوئی اچھی خبر ہوئی تو میں فون کروں گا۔ تم بھی مجھے اپنے پروگرام سے باخبر کرتے رہنا۔"

"وہ ٹریفک کے حادثے میں بُری طرح مارا گیا ہے۔" میں نے ان دونوں کو نئی خبر سنائی۔

"یہ اچھا ہوا۔" غزالہ بے ساختہ بولی "کون یقین کرے گا کہ آپ کراچی میں بیٹھ کر نئی دہلی کا ٹریفک کنٹرول کر سکتے ہیں وہ آپ کے فون پر توجہ نہیں دیں گے۔"

"مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ رستم نے وہاں کے ٹریفک

کو کیسے بے لگام کر دیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ نئی دہلی کے کسی مضبوط گروہ بند سے اس کا باقاعدہ رابطہ ہے۔ اس کی رضامندی کے بعد رستم نے میرے کام کی حامی بھری تھی۔" میں نے اوبرائن کے قتل کی سازش کی امکانی نقشہ کشی کرتے ہوئے کہا "اس کے آدمیوں نے اسی وقت سے اوبرائن کے معمولات پر نگاہ رکھی ہوگی۔ رستم کی طرف سے گرین سگنل ملنے پر آج صبح کہیں سے ایک تیز رفتار ٹریلر چرایا گیا اور اس کا پیچھا کرنے والوں نے واکی ٹاکی جیسے کسی نظام کے ذریعے ٹریلر ڈرائیور کی راہ نمائی کر کے طے شدہ مقام پر اوبرائن کو کچل ڈالا۔"

"کیا یہ واقعی سیدھی سی بات ہے؟" ویرا نے خشک لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"ہر وہ بات جو ان کے ذہن میں آجائے، سیدھی ہی ہوتی ہے۔" غزالہ نے ہنس کر جواب دیا۔

اوبرائن ایک اہم ملک کا اہم ترسفارتی افسر ضرور تھا مگر پاکستان کے لیے وہ اتنا اہم نہیں تھا کہ ٹریفک کے ایک غیر معمولی حادثے میں اس کی موت پر اخباروں کے ضمیمے بازار میں آجاتے۔ عام لوگوں کو اگلے دن کے اخبارات کے ذریعے اس واقعے کا علم ہوسکتا تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں اس کے بارے میں ایک آدھ سطر آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ خبرنامے کو وقفہ تصور کر کے ٹیلی وژن کے بیشتر ناظرین اپنے ضروری کام نمٹانے میں مصروف ہوجاتے تھے۔

ویسے بھی مجھے خبرنامے سے دو گھنٹے پہلے یعنی شام کے سات بجے رستم کو فون کرنا تھا۔ میں اس وقت بھی خود کو نئی دہلی کے حادثے سے بے خبر ظاہر کر کے اپنا مدعا بیان کرسکتا تھا۔

اوبرائن کی موت کی تفصیلات سامنے آنے کے بعد صورتِ حال قدرے واضح ہوچکی تھی۔ میں نے رستم کو فون کرنے کا ارادہ شام تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ اس وقت تک اول خان کی طرف سے ملنگ کے بارے میں بھی کوئی مثبت خبر آسکتی تھی۔

"آپ ملنگ کی طرف سے اتنے فکرمند ہیں لیکن دو آدمیوں کو سرے سے بھولے ہوئے ہیں۔" ملنگ کے ذکر پر غزالہ نے رسانیت سے کہا۔

"ہر خطرہ میری نگاہوں میں ہے۔ شاید تم دھن راج اور موہنی پنڈت کا ذکر کر رہی ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا آپ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

"میرے لیے وہ عملاً بے ضرر ہیں کیونکہ ان سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"یہ مان لیا کہ دھن راج مفرور ہے اور ایک لمبی مدت تک اس کے سامنے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔" ویرا نے کہا "مگر موہنی پنڈت اسی شہر میں رہتی ہے۔ اس سے تمہارا کہیں بھی سامنا ہوسکتا ہے۔ وہ دیکھتے ہی تم کو کرنل جمال دستی کے طور پر پہچان لے گی۔"

"ماڈلنگ اس کا پیشہ اور فلرٹنگ اس کا مشغلہ ہے۔ وہ جن مقامات اور تفریح گاہوں میں اپنا وقت گزارتی ہے، میں وہاں کا رخ بھی نہیں کرتا....."

ویرا نے میری بات کاٹ دی "تم پنڈت کی خانہ تلاشی کے لیے پر تول رہے ہو۔ موہنی اسی چھت کے نیچے رہتی ہے۔ کیا تم اس کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکو گے۔"

"خانہ تلاشی اور ملاقات میں باریک سا فرق ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "خانہ تلاشی چوری چھپے ہوتی ہے۔ ملاقات میں ہر فریق روبرو ہوتا ہے۔"

گاڑی کے ہارن نے سلطان شاہ کی واپسی کی اطلاع دی اور وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔ بحث میں جیتنے کے لیے میں نے ویرا کو لاجواب ضرور کر دیا تھا مگر مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اس وقت تک موہنی کے بارے میں سنجیدگی سے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ایک غیر متعلقہ فریق کی طرح اسے نظرانداز کر دیا تھا۔

سلطان شاہ کی خریداری میں ہر چیز ہی قابلِ ذکر تھی مگر دو اشیا بہت نمایاں تھیں۔ ان میں ایک ٹیلی وژن اور دوسرا کیسٹ پلیئر تھا۔

انسانوں کے قدم آئے تو اس غیر آباد گھر کی رونق بھی بحال ہونے لگی۔ کچن میں چولہا روشن ہونے کے بعد فضا میں مانوس اور اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرانے لگیں۔ سب نے اپنے اپنے کمروں کا انتخاب کیا اور سلطان شاہ کی خریداری سے فیض اٹھاتے ہوئے ان کمروں کو سونے کے قابل بنانے میں مصروف ہوگئے۔

سات بجنے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ اس کے پاس دو خوش خبریاں موجود تھیں۔ ملنگ ہاتھ آگیا تھا اور کراچی سے گئی ہوئی پولیس پارٹی عمرکوٹ کے ایک مضافاتی کاٹج سے دھن راج کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

دھن راج کو اپنے ملک کی سرحدوں میں ایسے زر خرید اہل کاروں کی حمایت حاصل تھی جو اس کے درباری ہوتے [illegible] مفرور قرار دیتے رہے

تھے۔ اسے پاکستان کی سرحد عبور کرکے پڑوسی ملک میں جانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے آبائی شہر کے مضافات میں کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے کاٹیج میں عیش وعشرت کے دن گزار رہا تھا۔

"دھن راج پولیس کی تحویل میں رہے گا یا تمہارے پاس آجائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سنگین پولیس کیس میں ملوث ہے اور ان ہی کا مجرم ہے۔ اس قضیے میں ایس ٹی ایف کہیں بھی شریک نہیں ہوسکے گی۔ چاہوگے تو اس کا اقبالی بیان مل جائے گا۔"

میں بے اختیار ہنس دیا "میں اقبالی بیان کا کیا کروں گا۔ بس یہ دیکھ لینا کہ وہ پنڈت منوہر لال کی گردن پھنسانے میں کس حد تک کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"وہ خود ہی کہیں نہ کہیں پھنس جائے گا۔ اس کی بیٹی اور دھن راج کے مراسم کے بارے میں آدھا شہر جانتا ہے۔ دھن راج کے کراچی پہنچتے ہی پولیس موہنی پنڈت کو بھی اٹھالے گی۔ اس کا باپ دھن راج والے کیس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکے گا۔"

بات سے بات نکل رہی تھی۔ میرے لیے وہ خبر اہم تھی کہ موہنی پنڈت بھی حوالات کی سیر کرے گی۔ اس کے ہٹ جانے سے میری اور پنڈت کی پنجہ آزمائی کے لیے میدان صاف ہوسکتا تھا۔

سات بجے میں نے سی ایس ڈی آف کرکے بسیرا کا نمبر ملایا۔ رابطہ ہوتے ہی مجھے چند ثانیوں بعد رستم سے براہِ راست بات کرنے کا موقع فراہم کردیا گیا۔

"تمہارے مزاج کیسے ہیں؟" رستم نے نرم اور دھیمی آواز میں میری مزاج پرسی کی۔

"ناساز ہیں۔ زمینوں پر کچھ مارکٹائی ہوئی ہے۔ میرا ایک آدمی مرا ہے، تین چار زخمی ہوئے ہیں۔" میں نے اوبرائن کے بارے میں کچھ کہے سنے بغیر اپنی سوچی سمجھی کہانی چھیڑدی "مجھے فوراً واپس جانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری امانت آج ہی تمہارے حوالے کردوں۔"

"بہت اچھی خواہش ہے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج صبح تمہارا کام ہوچکا ہے۔" اس نے کسی غرور یا تکبر کے بغیر اسی رسانیت سے کہا۔

"یہ بہت اچھی خبر ہے۔ میں کراچی سے بالکل بے فکر ہوکر جاؤں گا۔" میں نے خوشی کا اظہار کیا پھر پوچھا "میں ملاقات کے لیے کس وقت آجاؤں؟"

"آٹھ بجے پہنچ سکتے ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا گیا۔

"آٹھ اور ساڑھے آٹھ کے درمیان ضرور آجاؤں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی فیصلہ کن آواز آئی "میں انتظار کروں گا۔ دیر نہ کرنا۔"

اس سے بات کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اتفاق سے اول خان نے مجھے وہی گاڑی دی تھی جو دونوں مرتبہ رستم کے گھر جانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اس رات تیسری بار استعمال کے بعد اس گاڑی کی تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔

گلشن اقبال سے بسیرا کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر اس سے زیادہ وقت مانگا تھا تاکہ وہ ہماری قیام گاہ کے بارے میں کوئی غیر ضروری اندازہ قائم نہ کرسکے۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بعض دن ایسے بُرے ثابت ہوتے ہیں کہ بنتے ہوئے کام بھی حیران کن انداز میں بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض دن ایسے سعد ہوتے ہیں کہ برسوں اور مہینوں سے اٹکے ہوئے بگڑے کام خود بخود بن جاتے ہیں۔

ہمارے لیے وہ ایسا ہی مبارک دن تھا۔ اس کی ابتدا ہم نے اسٹیشن فور کو خیرباد کہہ کر کی تھی۔ اس کے بعد سے مسلسل اچھی ہی اچھی خبریں مل رہی تھیں۔ ہمارے ہر حریف کو منہ کی کھانی پڑی تھی جس کے نتیجے میں ایک ایک کرکے بیشتر رکاوٹیں دور ہوچکی تھیں۔

فون پر رستم نے اوبرائن کے قتل کے بارے میں کسی لاف و گزاف سے کام لیے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ اس کے انجام کی اطلاع دی تھی۔ وہ اس کا خالص پیشہ ورانہ انداز تھا۔ کوئی کام ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا۔ اور جب کام ہوتا ہے تو نہایت صاف ستھرے اور قابل رشک انداز میں ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے لیے ایک پیشہ ور کو فالتو لفاظی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

"مجھے یہ حسرت رہے گی کہ رستم سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔" باتوں کے درمیان ویرا نے مایوسی سے کہا "اپنے بُرے یا بھلے اصولوں پر اتنی سختی سے اڑے رہنے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔"

"وجیہہ اور شاندار ہونے کے باوجود وہ ادھیڑ عمر اور عیال دار آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑایا "ہم اس کے ایک عدد نواسے سے بھی مل چکے ہیں۔ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گا۔"

"تم بہت لفنگے اور کور ذوق ہو۔" ویرا بھنا کر بولی "ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت تمہیں کسی دن لے ڈوبے گی۔ پتا نہیں میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے۔"

"آج کے خوشگوار دن کو ان تلخ باتوں سے برباد مت کرو۔" میں نے ان دونوں سے التجا کی "وقت کا پہیہ ہمارے حق میں چل رہا ہے۔ اسے یوں ہی گردش میں رہنے دو۔"

چائے کی ایک پیالی پینے کے بعد ہم دونوں نے رستم سے الوداعی ملاقات کی تیاری شروع کردی۔ پچھلی ملاقات میں ہم سے ہمارے ریوالور نہیں لیے گئے تھے۔ بظاہر وہاں ان کی ضرورت پیش آنے کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے مسلح ہونے کو ترجیح دی۔ سلطان شاہ نے دونوں چیمبرز چیک کرنے کے بعد فاضل گولیوں کا ڈبا بھی ساتھ لے لیا۔ اس کی احتیاط غیر ضروری نہیں تھی۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے روانہ ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گولیوں کا ڈبا ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ میں نے تین لاکھ روپے کے مساوی' گنے ہوئے ڈالرز کا لفافہ اسی کے سپرد کردیا تھا تاکہ رستم کو اس ڈیل میں اس کے مساویانہ کردار کا اندازہ ہو سکے۔

ہم بیس منٹ میں بسیرا کی فصیل کے سائے میں پہنچ گئے۔ اندر سب کچھ وہی تھا۔ روشنیوں میں نہائی ہوئی خوب صورت عمارت کا نظارہ کرتے ہوئے ہم نے مقررہ جگہ پر گاڑی روکی اور محافظ کی نشان دہی پر رستم سے ملنے 'باغ میں داخل ہو گئے۔ اس روز وہ چپ [illegible]

رستم نے اپنے روایتی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا "آج دوپہر' بارہ بجے کے قریب وہ بے چارہ ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا۔"

"وقت' سے پہلے تم نے اپنا وعدہ پورا کرکے ہمارا دل موہ لیا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ مجھ سے بولا "آج تم نے چھوٹے ملک کو تھوڑی سی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

اس کی نرم آواز کی فروتنی دل میں گھر کرنے والی تھی۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "تناور درخت اپنے سائے میں اگنے والی ہر کونپل کو چاٹ جاتا ہے۔ تمہاری یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اب میں نے ملک افضل کو بھی آگے بڑھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اچھی بات ہے کہ تم مناسب مشوروں کو مان لیتے ہو۔" اس کے جواب کے درمیان سلطان شاہ نے ڈالروں کا لفافہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بھی بڑے ڈالر معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے لفافے کی موٹائی سے اندازہ کرکے کہا "تم نے گن لیے ہیں تو پورے ہی ہوں گے۔"

دونوں فقروں کے درمیان سلطان شاہ نے سر ہلا کر اس کے پہلے فقرے کی تائید کر ڈالی تھی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے یہاں بیٹھے بیٹھے نئی دہلی میں ٹریفک کے حادثے کا بندوبست کیسے کرلیا؟" لین دین ختم ہونے کے بعد میں نے نئے سرے سے بات چھیڑی۔

"وہ میرا نہیں' نئی دہلی والے کا منصوبہ تھا۔ چند روز پہلے آگرہ میں چوری کے ٹریلر اور کار کے تصادم میں تین آدمی مر گئے تھے۔ ٹریلر چرانے والا ڈرائیور فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ آج صبح نئی دہلی میں اسی واقعے کو تھوڑی سی تیاری کے ساتھ دہرایا گیا اور تمہارا کام پورا ہو گیا۔"

"شان دار!" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا "ایسی آسان اور کامیاب تدبیر تم اور تمہارے آدمی ہی سوچ سکتے تھے۔"

"جرم کرنا ایک فن ہے۔ کم از کم میں یہی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے لوگ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں۔" اس مرتبہ اس نے کسرِ نفسی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

وہ ہماری تواضع پر مصر تھا۔ میں نے اپنی زمینوں کے [illegible] اور اس نے عزت

کے ساتھ ہمیں واپسی کی اجازت دے دی۔

ہماری گاڑی باہر نکلتے ہی بسیرا کا پھاٹک بند ہو گیا۔ میں نے سگریٹ سلگا لی۔

سڑک کا موڑ گھومتے ہوئے مجھے شبہ ہوا کہ رستم کے مکان کی کسی قریبی گلی سے کوئی گاڑی ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر رینگ کر باہر آئی تھی۔ میں آدھے سے زیادہ موڑ کاٹ چکا تھا۔ عقب نما آئینوں کا زاویہ بدل جانے کی وجہ سے تاریک کار کا وہ موہوم سایہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہوشیار!" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو خبردار کیا "ابھی ابھی کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں نکلی ہے۔"

سلطان شاہ نے پھرتی سے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ میں نے گاڑی کو تیزی کے ساتھ بائیں طرف کاٹ کر فٹ پاتھ کے کنارے لگا لیا۔

اس وقت میری چھٹی حس بہت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ گاڑی روکتے ہی میں نے انجن بند کر کے روشنیاں گل کر دیں اور کھڑکی سے نیچے جھک گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ اس وقت ہماری کار سڑک کے کنارے نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔

روشنی اور انجن کی غراہٹ سے اندازہ ہوا کہ اسی سڑک سے ایک کار برآمد ہو کر تیزی سے مڑی اور اسی سمت میں بڑھتی چلی گئی جدھر ہمارا رخ تھا۔ تاریکی کی وجہ سے انہوں نے ہمیں بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

لمحہ بھر کے بعد ہم سیدھے ہوئے تو وہ تیز رفتار کار کافی دور نکل چکی تھی۔

وہ ایک ناگہانی خطرہ تھا جو نازل ہوتے ہوتے یکایک ٹل گیا تھا۔ ان گزرے ہوئے لمحات کی سنسنی سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں شبہ ہوا تھا۔" گاڑی کے حرکت میں آنے پر سلطان شاہ بولا "بسیرا کے دروازے پر کوئی بھی رستم کے مہمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

انجن اسٹارٹ کر کے میں نے گاڑی آگے بڑھا دی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رستم کے آدمی رہے ہوں اور ہمارے باہر آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔"

"یہ بات محال نظر آتی ہے۔ ہم اندر تھے۔ وہ چاہتا تو ہم کسی قیمت پر باہر نہیں آ سکتے تھے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ اپنی اقامت گاہ کو ہر قسم کے دنگے اور فساد سے الگ تھلگ [illegible]

اپنے مشتبہ آدمیوں کو بھی ادھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"مگر کیوں؟ اسے ہم سے ایسی کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔ اس نے منہ مانگا معاوضہ لے کر ہمارے لیے ایک بڑا کام سر انجام دیا ہے۔ اب وہ ہم سے محاذ آرائی کیوں کرے گا؟"

"ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے قتل کے بعد اسے کہیں سے بھنک ملی ہو کہ وہ لاعلمی کی بنا پر غلط لوگوں کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ اس جیسے مجرم کے لیے یہ احساس سخت اشتعال انگیز ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم سے باتیں کرتے ہوئے وہ ذرا بھی مشتعل نہیں تھا۔ وہ اتنا بڑا اداکار نہیں ہو سکتا کہ اپنی نفرت کو سو فی صد کامیابی سے مفاہمت کے اظہار میں بدلنے پر قادر ہو۔ پچھلی بار تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ نوٹوں کے پیلے لفافے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے کانوں کی لوئیں تپنے لگی تھیں۔"

"وہ میرا وہم نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ کون لوگ تھے؟ یہ ایک اہم اور بڑا سوالیہ نشان ہے۔" میں نے پرتشویش آواز میں کہا۔

بڑی بڑی کامیابیوں کے جلو میں گزرنے والا وہ دن اپنے اختتام پر یکایک ہی پرہول محسوس ہونے لگا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ستا رہا تھا کہ وہ جو لوگ بھی تھے، ہماری گاڑی کی ساخت اور رجسٹریشن نمبروں تک سے واقف تھے جبکہ ہم ان کی گاڑی کا رنگ تک نہیں دیکھ سکے تھے۔ راستے میں وہ کہیں بھی گاڑی پہچان کر ہم پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس تشویش نے مجھے مضطرب کر دیا۔

اسی لمحے مجھے ایک نیا خیال سوجھا اور میں نے موبائل فون سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا "رستم کا نمبر ملا کر فون مجھے لوٹا دو۔"

اس نے اندھیرے میں لمحہ بھر توقف کیا پھر موبائل فون پر نمبر ملنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی سلطان شاہ نے فون میرے حوالے کر دیا۔

"میں ملک ممتاز بول رہا ہوں اور ابھی رستم سے مل کر لوٹا ہوں۔ اس سے میری بات کرا دو۔" بسیرا سے کسی کا جواب سن کر میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ریسیور پر قلیل سے وقفے کے لیے موسیقی بجی اور میری توقع کے بالکل برعکس رستم کی آواز ابھری "ہاں ملک ممتاز! کیا بات ہے؟ میرا آدمی کہہ رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔"

"پریشانی کی بات ہے۔ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد [illegible]

"میں اپنی چار دیواری سے باہر رونما ہونے والے اس واقعے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اپنے مہمانوں کی بحفاظت واپسی تمہاری اخلاقی ذمے داری ہے۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا "وہ لوگ کسی گلی میں چھپ کر ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"دیکھو ملک، میرے گھر سے تم پوری عزت کے ساتھ باہر گئے ہو۔ اب یہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمت ہے تو اپنی گاڑی روک کر ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

میں دانستہ ہذیانی سی ہنسی ہنسا "تم تو مجھے خودکشی کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کے تیور ایسے ہیں کہ وہ ہماری کوئی بات سننے سے پہلے ہی گولیوں کی باڑھ کھول دیں گے۔"

"کوئی تمہارا ایسا دشمن کیوں ہو جائے گا؟ دشمنی ہوتی ہے تو اس کا کوئی سبب بھی ہوتا ہے جو دونوں فریق بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"میری کسی سے دشمنی ہے اور نہ میں نے کسی پر ظلم کیا ہے۔ اس وقت میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں وقت طے کر کے تم سے ملنے کے لیے آ گیا اور مصیبت مول لے لی۔"

"میں کسی کی فالتو باتیں سن کر اپنا وقت اور موڈ برباد نہیں کرتا۔" اس کی آواز میں سختی در آئی "تم سے ذرا سی دیر پہلے ایک ڈیل مکمل ہوئی ہے اس لیے تمہیں وقت بھی دے رہا ہوں۔ آسان الفاظ میں بتاؤ کہ اس وقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"میں پیچھا کرنے والوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر انہوں نے اب تک گولی نہیں چلائی تو وہ صرف تمہارا پیچھا کر رہے ہیں، شرافت سے اپنے گھر یا ہوٹل چلے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا دیکھ کر وہ لوٹ جائیں گے۔"

رستم کے اس مشورے میں حکم پوشیدہ تھا۔ اس نے کھل کر اعتراف نہیں کیا لیکن اس مشورے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گاڑی ہماری قیام گاہ کا سراغ لگانے کے لیے ہمارے پیچھے نکلی تھی۔

"وہ فائر کریں یا نہ کریں، میں انہیں ضرور تباہ کر دوں گا۔" میں نے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ تمہاری مشکل آسان بھی ہو سکتی ہے۔" اس کا جواب مبہم تھا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے معاندانہ رویے سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ تعاقب کی کوشش اسی کے ایما پر کی گئی تھی۔ اپنے آدمیوں کی بے نیل و مرام واپسی پر ہی اسے پتا چلتا کہ اسے کے آدمیوں نے ہمیں فوراً کھو دیا تھا اور میری فون کال کا مقصد صرف اسے ٹٹولنا تھا۔

فون سے فارغ ہو کر میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ میں اول خان کی دی ہوئی اس کار سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے ہم پر کیا شبہ ہوا ہے۔" یک طرفہ گفتگو سے اخذ کیے ہوئے مفہوم کی روشنی میں سلطان شاہ نے کہا "کم از کم یہ بات تو طے ہو گئی کہ ہمارے تعاقب کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ تمہارا کوئی خوف یا وہم نہیں تھا۔"

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی گھر پہنچ گئے۔ سلطان شاہ نے اتر کر پھاٹک کھلوایا اور میں نے گاڑی اندر پارک کر کے پورچ کی روشنیاں گل کر دیں۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں ہی فکرمند اور خاموش نظر آ رہے ہو۔" روشنی میں ہمارے چہرے پڑھ لینے کے بعد ویرا نے پورچ کے اندھیرے میں سوال کیا۔

"یہ تمہاری اور سلطان شاہ کی کل کل ہے جو رنگ لائی

ہے۔ سب کچھ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا تھا کہ واپسی پر رنگ میں بھنگ ہوگیا۔"

سلطان شاہ اسے خاموشی سے ڈرائنگ روم تک لے آیا۔ وہ دونوں عورتوں کو تازہ ترین واقعات سنانے لگا اور میں اول خان کو فون کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلا گیا۔

تعاقب کی کوشش کے ذکر پر اول خان پریشان ہوگیا۔ وہ عجیب سا واقعہ تھا جس کا ظاہری طور پر کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ رستم سارے چکروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی سینڈیکیٹ چلا رہا تھا۔ اسے یہ فکر تک نہیں ہوتی تھی کہ اس کے پاس آنے والا کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اسے ہمارے بارے میں جستجو کیوں ہوگئی تھی؟

میری دانست میں اس زنجیر کی گمشدہ کڑی پنڈت منوہر لال کی شخصیت میں پوشیدہ ہوسکتی تھی کیونکہ ایک طرف وہ بخشی اور دھن راج کا گہرا دوست تھا تو دوسری طرف رستم سے بھی اس کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ شاید اسی کے ذریعے کوئی بری خبر رستم تک پہنچی تھی۔

قوی امکان یہ تھا کہ اوبرائن کی ہلاکت پر امریکیوں کے شدید ردّعمل کے بارے میں پنڈت نے رستم کو کچھ بتایا ہو اور رستم نے کسی لمبے منصوبے کے بغیر ہمارا سراغ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اوبرائن کو مروانے والے کون تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے۔ وہ اس مقصد کے حصول میں ناکام ہوگیا تھا اسی کے ساتھ کہانی بھی ختم ہوگئی تھی۔

آخری نتیجہ اول خان نے اخذ کیا تھا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ رستم نے ہمارے اعتماد کو مجروح کرکے اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ اسے وہ فصل ہر حال میں کاٹنی تھی۔

اول خان سے طویل گفتگو ہوئی۔ اس کا ماحصل صفر تھا۔ بس ایک بات طے ہوئی کہ وہ عارضی طور پر میرے لیے کوئی دوسری گاڑی بھیج کر پرائی کار واپس منگوالے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہمارے پورچ میں کھڑی ہوئی گاڑی تبدیل ہوچکی تھی۔

میرے ذہن میں مسلسل ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ میرے سامنے دو نشانے دھیرے دھیرے بالکل واضح ہوگئے تھے۔ پنڈت منوہر لال اور رستم ایرانی۔

پنڈت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں اس کے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ دس بجے میں نے اول خان کو دوبارہ فون کیا۔ اس سے پتا چلا کہ دھن راج کو لانے والی پولیس پارٹی رات میں کسی بھی وقت کراچی پہنچ سکتی تھی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے آنے سے پہلے موہنی اپنے گھریلو ملازمین سمیت پولیس کی تحویل میں چلی جائے؟" میں نے اس سے اگلا سوال پوچھا۔

"موہنی کا نام پولیس کی لسٹ پر ہے۔ ملازمین کو پوچھ گچھ کے لیے بلایا جاسکتا ہے لیکن تم یہ ضرورت کیوں محسوس کررہے ہو؟"

"میں نے صرف معلومات کے لیے پوچھا ہے ورنہ ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے اس خیال کو خود ہی مسترد کردیا۔ پولیس کی کسی بڑی کارروائی کے نتیجے میں پنڈت ہوشیار ہوکر وہ تمام شہادتیں تلف کرسکتا تھا جو اس کے مجرمانہ رابطوں سے متعلق ہوتیں۔ بہتر یہی تھا کہ اس کے خلاف خاموشی اور رازداری سے اچانک کارروائی کی جائے۔

"تمہاری یہ کال بے سبب نہیں ہوسکتی۔ یقیناً تمہارے ذہن میں کوئی نہ کوئی بات رینگ رہی ہے۔"

"ہوسکے تو کچھ ہتھیار لے کر یہاں آجاؤ۔ آج رات پنڈت سے ملاقات کرتے ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "کچھ ہتھیار، فاضل بھی ہونے چاہئیں جو یہاں رکھے جاسکیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات تمہاری بے چینی کوئی نہ کوئی رنگ لاکر رہے گی۔" اول خان کا جواب سن کر میں نے دوبارہ فون بند کردیا۔

بڑے مکان میں یہ سہولت تھی کہ چاروں افراد ایک دوسرے کے سر پر سوار نہیں تھے۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھا۔ ویرا کچن میں سامان جمانے میں غزالہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور میں نے تخلیے میں اول خان سے اپنی بات مکمل کرلی تھی۔

کچھ دیر بعد اول خان آیا تو سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ گھر دیکھ کر وہ خوش ہوگیا۔ اسٹیشن فور سے ہماری روانگی سے پیدا ہونے والی اس کی ناراضی بالکل رفع ہوچکی تھی۔ اس نے کہیں بیٹھنے سے پہلے تحسین آمیز تبصروں کے ساتھ گھر کا جائزہ لیا پھر میں اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لے بیٹھا۔

ویرا اور غزالہ نے دوبارہ اپنا کام شروع کردیا۔ وہ گھر کو جلد از جلد سمیٹ لینے کی فکر میں تھیں۔ سلطان شاہ کی نگرانی میں اول خان کے لائے ہوئے ہتھیار الماری میں رکھے جارہے تھے۔

"تمہاری فرمائش پر میں آ گیا ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ پنڈت کے گھر نہیں جاؤں گا۔" اس نے نرمی سے کہا "آج کل رستم نے ہر ایک کو ہلایا ہوا ہے۔ میں ان معاملات میں براہِ راست ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔ پنڈت اپنے خلاف ہونے والی کسی بھی زیادتی پر رستم کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔"

"ایسی بات تھی تو تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہے۔ تم لوگوں کو اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہونا چاہیے۔ ویسے بھی آج یہاں پہلا دن ہے۔ عورتیں اکیلی ہوتیں۔ تمہاری واپسی تک میں یہیں رکوں گا۔"

سلطان شاہ نے وہ پروگرام سنتے ہی روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اول خان مجھے پنڈت کے گھر کا پتا سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ شہر کے ایک معروف اور مہنگے علاقے میں مقیم تھا۔

وہاں ہمارا کشت و خون کا کوئی پروگرام نہیں تھا اس لیے ریوالوروں کے ساتھ صرف فاضل راؤنڈ جیبوں میں بھر لیے۔ اپنی تیاری مکمل کر کے ہم اول خان کے ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ہم اس پُر سکون اور آسودہ حال علاقے میں پہنچے تو شہر کے دوسرے علاقوں کی طرح وہاں بھی بیشتر اسٹریٹ لیمپس قمقموں سے محروم تھے۔ وہ تاریکی ہمارے لیے سود مند تھی۔ گاڑی میں ست روی کے ساتھ پنڈت کے مکان کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے قریبی نکڑ پر گاڑی چھوڑ دی اور تیزی کے ساتھ قریبی دیوار کا سایہ لے کر پنڈت کے مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

اس علاقے میں سارے ہی مکان وسیع اور کشادہ تھے۔ مکینوں کی گاڑیاں احاطوں اور گیراجوں میں بند تھیں۔ پھر بھی رات گئے اٹھنے والے ملاقاتیوں کی اِکّا دُکّا گاڑیاں باہر پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی آڑ میں اول خان کے ڈرائیور کے لیے وہاں رک کر ہمارا انتظار کرنا آسان تھا۔

مکانوں کے عقبی احاطے کی دیواروں میں چھوٹے آہنی گیٹ تھے مگر وہ سب مدتوں سے بند اور متروک تھے۔ اس سمت کی پتلی سی گلی میں گہرا اندھیرا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں وغیرہ سے چھن کر آنے والی روشنی بھی وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

"اچھی اور بُری"

اختر نے اپنی شادی کی تصویر مقامی ہفت روزے میں چھپنے کے لیے بھیجی۔ تصویر تو چھپ گئی مگر نیچے عبارت تبدیل ہو گئی۔ اختر اور ان کی بیگم کا نام کسی اور تصویر کے نیچے لگ گیا۔

"بیگم...!" اختر نے رسالہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری..."

"دونوں سنا دیں۔" بیگم نے رسالہ لیتے ہوئے فرمائش کی۔

"اچھی خبر یہ ہے کہ میرے سر پر بال اگ آئے ہیں... اور بری خبر یہ ہے کہ تم بدصورت ہو گئی ہو۔"

کونے سے تیسرے مکان کی دیوار کے قریب رک کر سلطان شاہ نے ایک پتھر اندر اچھال دیا۔ پتھر ہلکی سی آواز کے ساتھ ترشی ہوئی گھاس یا نرم زمین پر گرا۔ چند ثانیوں تک کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو میں نے اچھل کر دیوار کی ٹکر پر ہاتھ جمائے اور پورا زور صرف کر کے دیوار پر سے ہوتا ہوا پنجوں کے بل اندر کود گیا۔

وہ مکان میرے لیے اجنبی تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ اصل مکینوں کی تعداد صرف دو ہے۔ باقی چار پانچ ملازمین کو اس وقت اپنے اپنے کمروں میں محوِ خواب ہونا چاہیے تھا۔ انتظار اور احتیاط کے جملہ مراحل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے سلطان شاہ کو بھی اندر بلا لیا۔

بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے سرونٹ کوارٹرز میں تاریکی کے ساتھ سناٹا تھا۔ اصل عمارت کی صرف دو کھڑکیاں روشن تھیں۔ ہم نے زمین سے لگ کر درمیانی فاصلہ طے کیا اور عمارت کے اس پہلو پر چلے گئے جدھر ملازمین کے متوجہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مکان میں راج کرنے والے سناٹے نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل نصب تھی [illegible] ہے کی ان پٹیوں پر [illegible]

ایما پر سلطان شاہ کھڑکیوں پر بنے ہوئے چھجّے پر چڑھ گیا۔

چند ثانیوں بعد وہ کچن یا اسٹور کی دیوار میں ایک چوکور خلا دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا جس میں اگزاسٹ فین نصب نہیں تھا۔ اس خلا سے گزر کر ہم مٹی میں اٹی ہوئی دو چھتی سے ایک اسٹور میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسٹور کا دروازہ ذرا سی کوشش سے کھل گیا۔

دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد ہم دونوں تاریک راہداری میں تھے۔

مکان کی تاریک فضا میں ائرکنڈیشنرز کی آواز گونج رہی تھی۔ ان کے سہارے ہم پہلی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئے جس کے نچلے خلا میں ہلکی سبز روشنی نظر آرہی تھی۔

دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کے بعد میں نے دستے پر دباؤ ڈالا اور اندر سے ٹھنڈی ہوا کے مہکتے ہوئے جھونکے باہر آنے لگے۔ ہلکی روشنی میں موہنی پنڈت اپنے بستر پر بے فکری سے محوِ خواب تھی۔

میں نے دروازہ بند کرکے سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور کچھ فاصلے پر موجود دوسری خواب گاہ کے سامنے جا رُکا۔ فرش اور دروازے کے درمیانی خلا کی دھیمی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ کمرا بھی آباد تھا۔

مجھے اندر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کمرا ائرکنڈیشنڈ تھا، کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، ہلکی روشنی میں سب کچھ واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ باہر سے دیکھ لیے جانے کے خطرے سے بے نیاز ہوکر میں نے بستر پر بے سُدھ، اوندھے پڑے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ نشے میں دھت ہوکر گہری نیند... سویا ہوا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ دونوں خواب گاہیں اندر سے بولٹ یا مقفل نہیں کی گئی تھیں۔

اس کے رنگے ہوئے بالوں کی جھالر کے وسط میں تانبے جیسی چندیا بتا رہی تھی کہ اپنے ایک ایک بال کو رنگ کر جوان بنا دینے والا وہی شخص پنڈت منوہر لال ہو سکتا تھا۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ میں نے اسے بیدار کیا تو وہ اپنی مدہوشی میں، کسی خطرے کا ادراک کیے بغیر، غل غپاڑے پر اتر آئے گا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر اس کی خواب گاہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

شراب کی بوتلوں سے لے کر خواتین کی نازیبا رنگین تصاویر کی البموں تک... وہاں خرابات کا ایک انبار پوشیدہ تھا۔ ہر دراز اور الماری غیر مقفل تھی۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں کے در[illegible] مجھے

تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر کار میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ ایک بڑے تصویری فریم کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری کا دروازہ پوشیدہ اور مقفل تھا۔

میں کئی درازوں میں چابیوں کے گچھے دیکھ چکا تھا۔ تجوری کی تلاش میں اتنا وقت صرف نہیں ہوا، جتنا چابی کی تلاش میں ضائع ہوا۔ یہ پنڈت کی فطری بے پروائی کا نتیجہ تھا کہ مجھے اس سے پوچھے بغیر تجوری کی چابی مل ہی گئی اور میں نے تیسری کوشش میں وہ وزنی دروازہ کھول لیا۔

تجوری، نقدی، زیوارت کے بکسوں اور تمسکات وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ اندر ہاتھ مارنے پر مجھے کچھ فائلوں کی موجودگی کا احساس ہوا اور میں نے تجوری کے سامنے والا حصہ فرشی قالین پر خالی کرنا شروع کردیا۔ وہ نئی اور پرانی فائلوں اور لفافوں کا ایک موٹا سا ڈھیر تھا جو رقم وغیرہ کے پیچھے سے برآمد ہوا۔

میرے لیے وہاں رک کر ان تمام فائلوں اور لفافوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پنڈت منوہر لال کی مسہری پر پڑے ہوئے ایک فاضل تکیے کا غلاف اتارا اور اسے الٹ کر وہ پورا ڈھیر اس میں ڈال لیا۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے آخری بار تجوری کا جائزہ لیا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا۔ فرش پر موجود نقدی اور زیورات میرے لیے بے وقعت تھے۔

ہلکی روشنی میں سے نکلتے ہی، میں تاریکی میں سلطان شاہ کا ہیولا نہ دیکھ سکا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں پھر یک جا ہوگئے۔

مکان کے اندر موجود ہونے کے سبب ہم آسانی سے کوئی بھی دروازہ کھول کر باہر نکل سکتے تھے مگر میں نے کسی بھی راستے کے خطرات مول لینے پر پرانے راستے کو ترجیح دی۔ اس بار سابق تجربہ ہمارے ساتھ تھا۔ ہم کسی دشواری کے بغیر چھجّے پر پہنچ گئے۔

میں چھجّے سے نیچے کود چکا تھا۔ کودنے کے بعد فائلوں کا تھیلا میری گرفت سے نکل کر قدرے اونچی دھمک کے ساتھ زمین پر گرا، میں نے تھیلا فوراً ہی اٹھا لیا۔

سلطان شاہ چھجّے سے زمین پر آرہا تھا کہ کوئی نیند بھری آواز میں چیخا "اوئے! تم کون ہے۔" اس للکار کے ساتھ ہماری طرف فائر ہوا مگر گولی کافی بلندی پر نکل گئی۔

وہ سچویشن بہت خطرناک تھی۔ ہم احاطے کی عقبی دیوار سے دور تھے۔ وہاں سے ہمیں گاڑی تک بھی پہنچنا تھا۔ [illegible] فائر کر ڈالے۔ ان فائدہ

مقصد اپنے مسلح حریف کو خوف زدہ کرکے اپنے سے دور رکھنا تھا۔
فائر کرتے ہی میں نے پنجوں کے بل واپسی کی دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ کے لیے وہ صورتِ حال نئی نہیں تھی۔ ایسے مواقع پر اندھا دھند فائرنگ کے فوائد سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے دو فائر کیے۔ پنڈت کے چوکیدار کی طرف سے کُل تین گولیاں چلائی گئی تھیں۔ ذرا سی دیر میں ہونے والے ان سات فائروں کی وجہ سے کسی بھی ملازم نے ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ عقبی دیوار پھاندنے سے پہلے میں نے پھر ایک گولی چلائی۔ اس کے بعد ہم دونوں پچھلی گلی میں دوڑ رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں گاڑی تک پہنچنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا تھا۔
قانون پسند اور معزز شہریوں کی اس آبادی میں ہر گھر امن کا ایک جزیرہ تھا' دوسرے سے بالکل الگ تھلگ اور اپنے ہی گرد پھیلا ہوا۔ آٹھ فائر ہونے کے باوجود کوئی مالک یا ملازم گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اول خان کا ڈرائیور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گاڑی پتلی گلی کے نکڑ تک لے آیا تھا۔
اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ گولیوں کا تبادلہ شروع ہونے کے بعد ہم مقابلے کے بجائے فرار کو ترجیح دیں گے۔ اس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھا ہوا تھا۔ دروازے کھول کر ہم جوں ہی اندر بیٹھے اس نے گاڑی تیزی سے آگے دوڑا دی اور ذرا سی دیر میں آبادی سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔
"صاحب! کھڑکیوں کے شیشے گرادیں۔ جلے ہوئے بارود کی بو ہوا سے اڑجائے گی۔" اس کا وہ مشورہ تجربے اور گہرے مشاہدے پر مبنی تھا۔ چیمبرز اور نالوں میں بھری ہوئی بارود کی بو ہمارے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی۔ اپنا شیشہ وہ پہلے ہی گرا چکا تھا۔ ہم نے بقیہ تین شیشے بھی کھول دیے۔
"صاحب! سب خیر ہے نا؟" سڑک پر نکل آنے کے بعد اس نے ادب سے پوچھا۔
"ہاں' تم بے فکر رہو۔" اتنا کہہ کر سلطان شاہ نے پشتو میں اسے کچھ بتانا شروع کردیا۔
گھر پر تینوں بے چینی سے ہماری واپسی کے منتظر تھے۔ کامیابی شاید ہمارے چہروں سے جھلک رہی تھی اور پھر ثبوت کے طور پر وزن والا ایک تھیلا ہمارے ساتھ تھا۔ کسی سوال کے بغیر انہیں جواب مل گئے۔
میں نے تکیے کے غلاف میں سے ایک کاغذ نکال لیا اور پھر سب ہی ان کے معائنے میں مصروف ہوگئے۔

○☆○

اگلے دن اخبارات میں خبریں ہی خبریں تھیں۔
نئی دہلی میں اوبرائن کی حادثاتی موت کی خبر خاصی نمایاں اور دل دوز تھی۔ اس کی خدمات کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا کی فلاح کے لیے ایک انقلابی منصوبے پر شب و روز کام کررہا تھا۔ اس کی ناگہانی موت سے وہ منصوبہ کافی پیچھے رہ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔
دو الگ الگ خبروں میں موسیٰ اور ملنگ نامی ہسٹری شیٹرز کی لاشوں کی برآمدگی کی اطلاعات تھیں۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں مارے گئے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی شدید پیشہ ورانہ رقابت کا نشانہ بنے تھے۔ یہ دور رس خیال رستم کی ہڈیاں تک سلگادینے کے لیے کافی تھا۔
ایک خبر عمر کوٹ کے مضافات سے ناجائز ہتھیاروں کی ترسیل اور دہشت گردی کے کیس میں ماخوذ دھن راج کی گرفتاری کے بارے میں تھی۔
پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت کے بارے میں صبح کے اخبارات میں کچھ شائع نہیں ہوا تھا مگر اول خان نے فون پر بتایا تھا کہ موہنی پنڈت کو صبح پولیس نے اس کی قیام گاہ سے پکڑلیا تھا۔ اس کے باپ کے کمرے کی تجوری کھلی ہوئی تھی۔ رقم اور زیورات قالین پر تھے اور پنڈت غائب تھا۔

اپنے باپ کے بارے میں موہنی کچھ بھی نہیں بتا سکی تھی۔ پچھلی رات کی فائرنگ کے شور سے بدحواس ہو کر وہ بیدار ہوئی تو پنڈت کا روشن کمرا خالی تھا۔ سب کچھ تجوری سے فرش پر نکالا جا چکا تھا اور اس کا باپ گھر میں موجود نہیں تھا۔ وہ اتنی بدحواس تھی کہ صبح ہونے تک اس بارے میں پولیس کو اطلاع دینے یا خاموشی سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ موہنی پنڈت نے ایسا سفید جھوٹ بولا تھا۔ فائرنگ کے تبادلے کے وقت نشے کی زیادتی سے پنڈت کا حال کسی مُردے سے بھی ابتر تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جا سکتا کہ دھماکوں سے ہوش میں آتے ہی وہ سر پر پیر رکھ کر اپنے گھر سے بھاگ کھڑا ہوا ہو۔

وہ پولیس کی تحویل میں جا چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ موہنی اپنی تمام تر پرکاری اور مکاری کے باوجود زیادہ دیر تک تفتیشی افسران کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ وہ عورت تھی اور اس سے لیڈی پولیس افسران ہی کو پوچھ گچھ کرنی تھی مگر خواتین کی پولیس فورس بھی اپنے دوسرے ہم عصروں سے کم نہیں تھی۔

"حالات ایک ہی دن میں چھلانگ لگا کر کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔" خبریں پڑھ لینے کے بعد ویرا نے کہا "ہواؤں کا رخ بدل گیا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ اب ہم کن مہروں کو آگے بڑھائیں گے۔"

"ایک بساط لپٹی ہے لیکن دوسری پھیل گئی ہے۔ تم رات والے تین کاغذوں کو کیوں بھول رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"اتنے موٹے پلندے میں سے برآمد ہونے والے وہ تینوں کاغذات پنڈت منوہر لال کے بغیر ادھورے ہیں۔ ان کو بنیاد بنا کر تم کن دیواروں سے اپنا سر ٹکراؤ گے؟" ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

"تمہارے لیے وہ کاغذات ادھورے ہیں مگر مجھے ایک راہ نظر آ رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پنڈت اپنے گھر سے بھاگ کر رستم کے پاس ہی گیا ہوگا۔۔۔"

"رستم تمہارے دماغ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے چڑ کر کہا "تم نے گاہے گاہے اس کی جو تصویر کشی کی ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بسیرا کو ایسی کسی سرگرمی میں ملوث نہیں کرے گا کہ قانون کے محافظوں کو اس کے پھاٹک پر دستک دینے کا موقع مل سکے۔"

"رستم اور بسیرا دو الگ چیزیں ہیں۔ بسیرا اس کا گھر ہے۔ برا وقت آ جانے پر اس نے اپنے دوست کو کسی اور ٹھکانے پر بھیج دیا ہوگا۔ اس کا پتا صرف رستم بتائے گا۔۔۔"

"اور رستم بسیرا میں رہتا ہے لہٰذا تم ایک مرتبہ پھر ادھر جاؤ گے۔" وہ میری بات کاٹ کر غرائی۔

میں اس کے چڑچڑے پن پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا "مجھے رستم کے مکان پر چڑھائی کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ مجرم جہاں بھی ہو' اس کی سرکوبی ضرور ہونی چاہیے۔"

"تم جا کر غزالہ کے ساتھ کھانا تیار کرو۔ یہ مسائل ہم خود طے کر لیں گے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑانے کے لیے کہا "یہ کوشش تمہاری آزادی کے لیے کی جا رہی ہے۔ تمہیں اسٹیشن فور سے رہائی مل چکی ہے' اب باہر نقل و حرکت کی اجازت بھی ملنی چاہیے۔"

"میں تم لوگوں کی وجہ سے احتیاط کرتی ہوں کہ کہیں میری وجہ سے مفت میں نہ مارے جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں کا خوف ہے نہ جان کی پروا۔"

اس نے ہلکی سی خفگی کے انداز میں وہیں بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ ختم کی اور پھر وہاں سے اٹھ گئی۔

"کیا تم واقعی رستم کے خلاف محاذ کھولنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اگر وہ پنڈت منوہر لال کی پشت پناہی کر رہا ہے تو اسے اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔ کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی۔"

"کیسے پتا چلایا جائے گا کہ پنڈت اسی کے پاس پناہ گزیں ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔ ذرا سی چھیڑ چھاڑ سے وہ کھلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"تو کیا تم نے دوبارہ اپنے اصل نام سے میدان میں اترنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ضروری نہیں کہ بس ایک نام ہی چلتا رہے۔ کل ملک ممتاز اور ملک افضل نے بھی اس کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ فی الحال وہی سلسلہ مناسب رہے گا۔"

میں اسے ساتھ لے کر بیڈ روم میں پہنچ گیا اور مسہری کے سرہانے بیٹھ کر رستم کا نمبر ملا لیا۔

"ملک ممتاز!" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا "رستم سے میری بات کراؤ۔"

وہ نام شاید بسیرا کے پورے محل میں شہرت پا چکا تھا۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے مجھے لائن ہولڈ کرنے کا

مشورہ دیا اور پھر قدرے تاخیر سے رستم فون پر آ گیا۔
"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو۔" ریسیور پر رستم کی دھیمی اور بیانیہ سی آواز ابھری "پچھلی رات تم نے بلاوجہ میرا وقت برباد کیا تھا۔"
"وہ گفتگو بلاوجہ نہیں تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ میرے تعاقب کی کوشش میں خاک چاٹنے والے کس کے آدمی تھے اور یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔ تم کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہر سیر کو کہیں نہ کہیں سوا سیر ضرور ٹکراتا ہے۔ اب میں ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے لگ گیا ہوں۔"
"تو کیا تم ابھی تک کراچی میں ہو؟" اس کا سوال فوری اور بے ساختہ تھا۔
"تمہارا کبھی کسی ملک سے واسطہ نہیں پڑا۔" میں نے پُرغرور آواز میں کہا "ہم لوگ اپنی آن کے لیے جان بھی گنوا دیتے ہیں۔ تمہاری کسی اندھی تجوری میں پڑے ہوئے دس لاکھ روپے مالیت کے ڈالر اس کا ثبوت ہیں۔ ہماری زمینیں رہیں یا جائیں، آدمی وہاں لڑ کر فتح یاب ہوں یا مارے جائیں، ہمیں اس کی پروا نہیں ہے۔ تمہاری گردن پر پیر رکھنے کے بعد ہی ہم کوئی دوسری بات سوچیں گے۔"
فلمی انداز میں ادا کیے جانے والے ان مکالموں پر سلطان شاہ حیرت سے میرا منہ تک رہا تھا۔
"کل تک میرے سامنے بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔" رستم کی آواز بدستور دھیمی اور پُرسکون تھی۔ "اس وقت کوئی اور ہی زبان بول رہے ہو۔"
"اپنے بل میں چوہا بھی شیر ہوتا ہے۔ کل ہم تمہارے بل میں تھے، آج میدان میں ہیں۔ ہمت ہے تو بسیرا سے باہر نکل کر دکھاؤ، جوتے مار مار کر تمہیں بھی پنڈت منوہر لال بنا دیں گے۔"
"پنڈت ..... منوہر..... لال ....." رستم نے توڑ توڑ کر حیرت سے وہ نام دہرایا۔ "تم یہ نام مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"
"مان لو کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ اس کے سارے کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ تمہاری بدمعاشی کا بدلہ لینے کے لیے ہم نے اسے ذلیل کیا ہے۔ قسمت بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہے کیونکہ پولیس اس کی بیٹی کو اٹھا لے گئی ہے۔ وہ کب تک تمہارے پاس چھپا رہے گا....."
"اوہ!" رستم کی آواز اس بار بھی تحیر زدہ تھی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ حرکت تمہاری تھی۔ تم نے پنڈت کو تنگ کر کے پست ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ بہت شریف آدمی ہے۔"

"دست برداری"

نیاز صاحب کی بیگم جو فل ٹائم ملازمت، بچوں کی پرورش اور دیگر گھریلو ذمے داریوں سے ایک ساتھ نبرد آزما رہتی تھیں ایک روز جھلا گئیں اور لڑنے لگیں۔ نیاز صاحب نے ان کی دلجوئی کی "دیکھو بیگم..... تم ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور اچھی لیکچرر ہو لیکن انسان ہر وقت ہر محاذ پر کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کبھی کبھی کسی محاذ پر اس سے کوتاہی بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہیے..... عارضی طور پر ..... کچھ دیر کے لیے کسی ذمے داری سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔"
مسز نیاز نے کچھ دیر سوچا پھر بولیں "ٹھیک ہے..... میں اچھی بیوی ہونے کی ذمے داری سے دست بردار ہوتی ہوں۔"

"اس شریف آدمی کے کاغذوں کا سارا انبار ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ سامنے آئے تو ہم اسے مفت میں لوٹا دیں گے۔ بس تین کاغذ ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پوچھو کہ وہ ان کی کیا قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے؟"
"تم اس سے کوئی سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو؟" رستم کی آواز میں دوبارہ اطمینان اتر آیا۔
"کل تک ہم ضرورت مند تھے اور تمہاری شرطیں ماننے پر مجبور تھے۔ آج تم اور پنڈت ہماری جگہ لے چکے ہو۔ ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ دام لگاؤ، خود چل کر ہمارے پاس آؤ اور لین دین کر لو۔"
"تم بھول رہے ہو کہ وہ سارے کاغذات میرے نہیں، پنڈت کے ہیں۔"
"مگر یہ یاد رہے کہ پنڈت تمہارا جگری یار ہے رستم! ملکوں کے منہ مت لگو۔ ایسی مار کھاؤ گے کہ زندگی بھر کے لیے اپاہج ہو جاؤ گے۔"
"تم چل کر میرے در پر آئے تو میں نے تمہیں عزت دی تھی۔ تمہیں تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ یہ کراچی ہے۔ یہاں جاگیروں والے قانون نہیں چلتے۔ تمہیں بھی کوئی سوا سیر ٹکرا سکتا ہے۔

''اگر مہمانوں کو نہتا کر کے ذلیل کرنا اور ان کا پیچھا کرنا عزت میں گنتے ہو تو ہم تمہیں بہت زیادہ عزت دیں گے۔ اتنی عزت کہ تمہیں سنبھالنی دوبھر ہو جائے گی۔'' میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

میرے تذلیل آمیز رویے کے باوجود اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ کوئی اقرار نہیں کیا تھا تو میری کسی بات سے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ مجھے اپنا وہ داؤ کارگر ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''یہ ضد اور انا پرستی چھوڑ دو۔ کسی بھی وقت میرے پاس آؤ۔ مل بیٹھ کر ہر بات طے کرلی جائے گی۔'' اس نے رسانیت سے پیش کش کی۔

''اب ہم ادھر نہیں آئیں گے۔ تم میں اپنے نام کی ذرا سی بھی خوبو ہے تو ہمارے پاس آؤ۔ اب ہم بات طے کریں گے..... تم سے بھی اور تمہارے پنڈت سے بھی!''

''آخر تم پنڈت کے دشمن کیوں ہو گئے ہو؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''میرے ساتھ چھوٹے ملک صاحب بھی تھے۔ تم نے دو کی بے عزتی کی ہے۔ پنڈت کے ساتھ مل کر تم بھی دو ہو گئے ہو۔ دو کا حساب ایک سے برابر نہیں ہو سکتا۔''

مجھے جاگیروں کی رسوم و رواج سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ میں نے ملک و قوم کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لیے اضطراری طور پر اپنے اور سلطان شاہ کے لیے دو نام چنے تھے اور موقع محل کی مناسبت سے رستم ایرانی سے تیور بدل بدل کر بات کر رہا تھا۔ میرا اعظیم تر مقصد صرف ایک تھا کہ کسی طرح پنڈت منوہر لال کو رستم کی تحویل سے نکال کر اپنی گرفت میں لے سکوں۔

اس وقت تک میری حکمتِ عملی کامیاب تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ مکالموں کی وہ جنگ کہاں ختم ہوتی تھی۔

''دیکھو! یہ کھوکھلی دھمکیاں ہم دونوں کا وقت برباد کر رہی ہیں.....''

میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں رستم کی بات کاٹ دی ''تم وقت کی بات کر رہے ہو، ہم دھاوا بھول کر تمہاری حویلی کو برباد کر دیں گے۔ بسیرا کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔''

''مہمان بن کر آنا تو سو بار آؤ لیکن کسی بری نیت سے تم نے ادھر کا رخ کیا تو میرے آدمی تمہیں اور تمہارے حامیوں کو پھاٹک پر ہی ڈھیر کر دیں گے۔ میں تمہارا کوئی کمزور ہاری نہیں، کراچی کا ایک طاقت ور شہری ہوں۔ مجھ سے پنجہ لڑانے والے اپنی انگلیاں تڑوا بیٹھتے ہیں۔''

''وہ کاغذ تمہارے نہیں ہیں، تم اپنے چوہے دان سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہو تو تم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم تم سے پھر کسی وقت ملاقات کریں گے۔''

''وہ کاغذ کسی کے بھی ہوں، میں ان کے عوض میں تمہیں تمہاری دی ہوئی رقم لوٹا سکتا ہوں۔''

میں نے تحقیر آمیز ہنکارا بھر کر کہا ''ہم نے وہ رقم ذرا سی ذاتی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے خرچ کی تھی۔ تم کراچی کے کوئی سورما ہو تو کوئی بڑی بات کرو۔''

''بارہ، پندرہ..... تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے نرمی سے فیاضی کا مظاہرہ کیا۔

''پیسہ مرد کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ پنڈت کو لے آؤ۔ ہم خود اس سے سودا کرلیں گے۔ تم کو بتانا ہوگا کہ تمہارے آدمیوں نے ہمارا پیچھا کیوں کیا تھا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی ہوگی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' اس بار رستم کی آواز میں ہلکی سی ترشی تھی ''میں نے تمہاری پگڑی نہیں اچھالی کہ تم سے معافی مانگتا پھروں۔ مہمانوں کو خود ہتھیار چھوڑ کر میزبانوں سے ملنا چاہیے۔ رہی پیچھا کرنے کی بات تو دوسری ملاقات میں تمہاری باتوں نے مجھے شبہے میں ڈال دیا تھا۔ اسی وقت میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگلی بار تمہارا پیچھا کراؤں گا۔ ان باتوں کو یاد کرو گے تو تمہیں میرا فیصلہ درست محسوس ہوگا۔''

''پنڈت کو کب اور کہاں لا رہے ہو؟'' میں ایک دم نرم پڑ گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے بارے میں کہاں تک سمجھوتا کرنے پر تیار ہے۔

''وہ کہیں نہیں آسکتا۔ تم مجھ سے بات کرو۔ میں ابھی فیصلہ کر دوں گا۔''

''سارے کاغذ لو گے یا صرف تین کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا۔

''تم نے تین کی بات کی ہے۔ باقی اس کے کھاتوں کے حساب اور تمسکات ہیں۔ تم نے وہ سب مفت میں لوٹانے کا وعدہ کیا تھا۔''

''تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ کا بندوبست کرلو۔ جگہ ہم بتا دیں گے۔'' میں نے رعونت سے کہا۔

''تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ؟'' اس بار رستم اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے مطالبے نے شاید اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

''پنڈت سے پوچھ لینا۔ میں پھر کسی وقت فون کرلوں گا۔

ان کاغذوں کے لیے شاید وہ اپنی زندگی بھی گروی رکھانے پر آمادہ ہوجائے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں فون بند کرکے سلطان شاہ کی طرف مڑا تو ویرا دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے، دروازے کے وسط میں تنی ہوئی کھڑی تھی۔

"کہو، رستم سے گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"پنڈت کو اسی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ تینوں کاغذ بہت اہم ہیں۔" میں نے مسکرا کر بتایا۔

"کاغذ کے ان پرزوں کے بارے میں کیا اسی نے تمہیں بتایا ہے؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"میں نے تین کاغذوں کا حوالہ دیا تھا۔ وہ ان کے پندرہ لاکھ دینے پر آمادہ ہے۔"

"چند ہی روز میں تمہاری رقم ڈیڑھ گنا ہو کر واپس مل رہی ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

ہماری رقم تو اول خان لوٹا ہی دے گا۔ اب میرا ہدف صرف پنڈت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تین کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔"

"بظاہر وہ تمہارا مطالبہ تسلیم کرلے گا مگر کاغذ لے کر تمہاری گردن اڑانے کی کوشش کی جائے گی۔" یہ کہتی ہوئی وہ خواب گاہ میں آگئی "تم اس مرتبہ پھر آگ سے کھیل رہے ہو۔ ذرا وہ تینوں کاغذ ایک مرتبہ پھر دکھاؤ۔ مجھے پتا تو چلے کہ ان میں کیا راز پنہاں ہے۔"

میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے وہ تینوں کاغذ نکال کر ویرا کی طرف بڑھا دیے۔ سلطان شاہ بھی تجسس آمیز انداز میں کرسی سرکا کر آگے آگیا۔

ایک کاغذ کاپی کے بوسیدہ سے صفحے پر مشتمل تھا۔ اس کے اوپری گوشے پر پھیکی قلمی تحریر میں MOSAD کا لفظ تحریر تھا اس کے نیچے خط لگا کر چھ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر لکھا ہوا تھا۔ نیچے شاید چیف اور اس کے سیکریٹری کے فون نمبر درج تھے۔ یہ سب میرا قیاس تھا ورنہ ویرا اس صفحے کو یکسر مسترد کرچکی تھی۔ اس کے نزدیک اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا نام بھی اہم نہیں تھا۔

دوسرا کاغذ انگریزی میں چھپا ہوا تھا۔ اس پر کہیں کسی کا نام تھا نہ دستخط اور تاریخ۔ اوپر جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا نام اور اس کا مخفف JISS چھپا ہوا تھا۔ متن میں تصدیق کی گئی تھی کہ اس کاغذ کا حامل تمام عملی اور نظریاتی مقاصد کے لیے سوسائٹی کا تاحیات رکن منتخب کرلیا گیا ہے۔ ویرا نے اس کاغذ کو بھی بے معنی اور گمراہ کن قرار دیا تھا۔

تیسرا کاغذ بھی قلمی تھا۔ اس پر ہاتھ سے چار خانے بنا کر کسی ترتیب کے بغیر سات قطاروں میں انگریزی کے حروفِ تہجی لکھے گئے تھے۔ ہر حرف کے سامنے ایک نمبر لکھا ہوا تھا جو دو ہندسوں پر مشتمل تھا۔ وہ تینوں کاغذ پنڈت کی تجوری سے برآمد ہونے والی ایک ہی فائل سے نکلے تھے اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بچے نے حروف تہجی اور ہندسے لکھنے کی مشق کی ہو۔

"ہوسکتا ہے کہ پنڈت اور رستم کے لیے کوئی اور کاغذات اہم ہوں جبکہ تم ان مہمل پرزوں کا حوالہ دے رہے ہو۔" ویرا چند منٹ تک ان کاغذوں میں سر کھپانے کے بعد بولی "مجھے ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ فائلوں کی دوبارہ ورق گردانی کروگے تو ایسے کئی کاغذ اور بھی مل سکتے ہیں۔"

"سچ بات یہ ہے کہ شروع سے اب تک تمہارا ساتھ دینے کے باوجود میں ابھی تک ان کاغذوں کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا۔" سلطان شاہ نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ تم دونوں کی اپنی اپنی رائے ہوسکتی ہے۔ میں موسیٰ کے بیان کی روشنی میں ان تینوں کاغذوں کو دیکھ رہا ہوں اس لیے انہیں اہمیت دے رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کوئی کاغذ صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہوسکتا کہ اس پر اسرائیلی سیکرٹ سروس یا اس کے دو عام عہدوں کے نام لکھ دیے گئے ہیں۔" ویرا اپنی عادت کے مطابق پھر بحث پر تلی ہوئی تھی "یہ نام اور ان کے بارے میں مضامین معلوماتِ عامہ کی بہت سی کتابوں میں مل جائیں گے۔ انہیں کسی بھی طرح اہم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

میں نے اس سے بحث جاری رکھنے کا ارادہ ترک کردیا "میں تم کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس وقت رستم سے ہونے والی گفتگو نے میرے اندازے کی تصدیق کی ہے۔"

"وہ سودے پر آمادہ ہو بھی گیا تو تمہیں اس سے مل کر شرمندگی ہوگی۔ وہ ان کاغذوں کو پہلی ہی نظر میں مسترد کردے گا۔" ویرا نے فتویٰ دے دیا۔

میں نے اس کے جواب میں خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ بحث کو بڑھانے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔

میرے ذہن میں ان واقعات کی بنیاد پر ایک سنگین خاکہ ترتیب پاچکا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی روشنی میں کام کو کس طرح آگے بڑھایا جائے۔ رستم کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اول خان کی مجبوریاں اور اس کا محتاط

رویہ میرے سامنے تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ میرے پاس سرکاری حلقوں تک رسائی کے لیے اول خان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

میں نے اول خان سے رابطہ کیا تو اس کے پاس کوئی خاص کام نہیں تھا۔ میری فرمائش پر وہ فوراً ہی ہمارے پاس آنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

پچھلی رات وہ بھی کافی دیر تک اس پلندے میں سر کھپاتا رہا تھا جو میں پنڈت منوہر لال کی تجوری سے نکال کرلایا تھا لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ واپس چلا گیا تھا۔ اپنے ٹھکانے سے ہماری روانگی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال آگیا تھا۔ بیوی بچوں کو پشاور سے بلانے سے پہلے گھر کی صفائی ستھرائی اور روز مرہ لوازم کی فراہمی کے لیے اسے تھوڑا سا وقت درکار تھا۔

اول خان کے آنے سے پہلے میں نے تین خصوصی کاغذوں سمیت، پورا ریکارڈ فاضل خواب گاہ میں منتقل کردیا۔ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے غزالہ نے وہاں اتنا بندوبست کردیا تھا کہ اسے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں، میں وہاں زیادہ سکون سے بات کرسکتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اول خان کے ساتھ راز و نیاز کی تیاری ہو رہی ہے۔" مجھے فائلوں وغیرہ کا ڈھیر منتقل کرتے دیکھ کر ویرا نے طنز کیا۔

"راز و نیاز سے زیادہ یہ تمہاری سہولت کا خیال ہے۔ تم ڈرائنگ روم میں آرام سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھتی رہو۔"

"اور اگر میں ٹیلی وژن پروگرام نہ دیکھنا چاہوں؟" اس نے سوال کر ڈالا۔

"پھر تم ہمارے ساتھ شریک ہوسکتی ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کھلے ذہن سے شرکت کرو۔ ابھی تک تم مخالفت برائے مخالفت کرتی رہی ہو۔"

"میں خاموش رہوں گی۔" وہ اٹھلا کر بولی "دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم اول خان کو کس طرح شیشے میں اتارتے ہو۔ وہ تمہاری باتوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتا ہے۔"

"معقول بات تمہارے سوا ہر ایک کو متاثر کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوچکا ہے کہ ایک بات پر اڑ جانے کے بعد تمہیں اپنا مؤقف بدلنا پڑا ہے پھر بھی ڈھٹائی تمہاری فطرت میں شامل ہے۔"

وہ میرے ساتھ ہی خواب گاہ میں چلی آئی اور ایک کرسی پر براجمان ہوگئی "میں کبھی کبھی تم سے تکرار کے لیے بھی ایسی باتیں کرلیتی ہوں لیکن ایمان داری سے بتا رہی ہوں کہ اس بار میں تم سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔"

"تم نے پھر وہی موضوع زندہ کرکے میرا دماغ خراب کرنا شروع کردیا!" میں نے اسے گھور کر سختی سے کہا "میں اسی لیے اس کمرے میں آیا تھا۔"

ویرا..... اپنے دونوں کانوں کو چھو... کر دل آویز انداز میں مسکرادی۔

اول خان آیا تو وہ بدستور میرے سر پر سوار تھی۔ غنیمت تھا کہ اس دوران میں اس نے اپنے وعدے کی مکمل پاس داری کی تھی۔

"میں خود بھی دفتر میں اکتاہٹ محسوس کررہا تھا۔" اول خان نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا "بس یہ سوچ کر بیٹھا رہا کہ تم چاروں مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگ گئے ہو۔ میں نے روز یہاں کے چکر لگانے شروع کردیے تو تم پھر گھبرا جاؤ گے۔"

"لاحول ولا قوۃ" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ اکتاہٹ تمہاری ذات سے نہیں، وہاں کے سنگلاخ اور یکساں مردانہ ماحول سے تھی۔ ویرا کو وہاں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ یہ زیادہ دیر تک ایسے خشک ماحول میں نہیں رہ سکتی۔"

"یہ غزالہ کی شکایت تھی۔ بلاوجہ مجھے بدنام مت کرو۔" ویرا نے احتجاج کیا۔

"شکایت کسی کو بھی ہو، اس کا وجود ضرور تھا۔" اول خان بولا "میری خرابی یہ ہے کہ میں خود کو اپنے ماحول سے الگ نہیں سمجھتا کیونکہ انتھک محنت اور بے لوث کارکردگی کے لیے وہ ماحول میرا اپنا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے اقرار کیا "کمانڈر اپنی کمان میں موجود ہر خوبی اور خامی کا پوری طرح ذمے دار ہوتا ہے۔ کبھی یہ خیال دل میں نہ لانا کہ ہم میں سے کوئی تمہاری ذات سے فرار کا خواہاں ہے۔ اسٹیشن فور میں ہمارے لیے تم ہی تبدیلیوں کی علامت تھے ورنہ ہمارے لیے وہاں کھانے، اونگھنے اور پھر سو جانے کے علاوہ کیا مصروفیت تھی؟"

"یہ باتیں چلتی رہیں گی۔" اس نے کرسی میں پہلو بدل کر کہا "یہ بتاؤ کہ رات کیا نتیجہ نکلا۔"

"تمسکات، بنک اسٹیٹ منٹ اور پرونوٹ۔ یہ اس تھیلے کی کل کائنات تھی۔ اس پلندے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پیمانے پر سودی کاروبار چلا رہا ہے۔" یہ کہتے

ہوئے میں نے الگ نکالے ہوئے تینوں کاغذ اس کے سامنے ڈال دیے۔

اول خان نے غور سے ان کاغذوں کا جائزہ لیا۔ اس کے سپاٹ چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی طرح وہ بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

"کیا یہ کاغذ بھی ان ہی فائلوں میں سے ملے ہیں۔" خاصے طویل اور تفکر آمیز سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔

"اس کی کاروباری دستاویزات سے ہٹ کر بس یہی تین کاغذ مختلف تھے۔"

"موساد اور سیکرٹ سوسائٹی کے ناموں کی وجہ سے ان کاغذوں کی کوئی اہمیت ہو تو ہو ورنہ بظاہر یہ بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے تذبذب سے کہا۔

"میری رائے تم سے سو فی صد متفق ہے۔" ویرا مطابب کی بات سنتے ہی بے ساختہ بول پڑی۔

"غور کرنے والی بات یہ ہے کہ پنڈت منوہر لال کے گھر بظاہر چوری کی واردات ہوتی ہے۔ وہ کچھ دیکھے بھالے یا پولیس سے رجوع کیے بغیر روپوش ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا سبب سمجھ میں آتا ہے؟" میں نے بنیادی سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اس کی روپوشی کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گا۔ تم نے خود بتایا ہے کہ وہ نشے میں مدہوش تھا۔ فائرنگ کے شور سے ہڑبڑا کر اٹھا اور گھر سے نکل بھاگا۔"

"نشہ اترنے کے بعد اسے اپنے گھر لوٹ آنا چاہیے تھا۔" میں نے اول خان کے استدلال پر اپنی جھلاہٹ کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ آیا ہو۔ اس وقت تک پولیس اس کی بیٹی کو لے جانے کے لیے وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ خوف زدہ ہو کر الٹے پاؤں کہیں غائب ہو گیا۔ اسے خوف ہو گا کہ کہیں وہ بھی نہ دھر لیا جائے۔"

اول خان کے منطقی جواب پر ویرا فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی۔

"مگر میں نے اس طرح نہیں سوچا۔" مجھے اپنا نکتہ نظر بیان کرنا پڑ گیا "تم شراب نہیں پیتے اس لیے یہ بات نہیں سمجھ سکو گے مگر ویرا مجھ سے اتفاق کرے گی کہ عادی شرابی کیسے ہی نشے میں ہو' لاشعوری طور پر اپنے مفادات کے بارے میں ہوشیار رہتا ہے۔ وہ فائرنگ سے بدحواس ہو کر نہیں بھاگا۔ یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ نامعلوم چور نقدی اور زیورات کو چھوڑ کر سارا ریکارڈ لے گئے تھے۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ اسے ریکارڈ سے زیادہ ان تین کاغذوں کی فکر تھی؟" اس نے پوچھا۔

"تم ذہین ہو۔ یہ واقعہ بالکل اسی طرح رونما ہوا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پنڈت کو رستم ایرانی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ میں رستم سے بات کر چکا ہوں۔"

اول خان کی آنکھوں میں عقابی چمک نمودار ہو گئی اور وہ اپنی کرسی میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے رستم کے ساتھ ہونے والی گفتگو دہرانی شروع کر دی۔

تفصیلات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ اول خان کے چہرے پر جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں اور خود ایک راہ کا تعین کر رہی تھیں۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" پوری بات سن لینے کے بعد اول خان بولا "ہو سکتا ہے کہ پنڈت خود موساد کے لیے کام کر رہا ہو۔"

"جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی والا مطبوعہ صداقت نامہ صرف اسی کے لیے ہے۔ چار خانوں میں بنا ہوا الفانیومرک چارٹ ان کے خفیہ پیغامات کا ڈی کوڈر ہو سکتا ہے....."

اول خان نے پُرجوش لہجے میں درمیان سے میری بات اچک لی "یہ بالکل ڈی کوڈر چارٹ ہے۔ اے سے زیڈ تک تمام حروف کے لیے نمبر مقرر کیے گئے ہیں۔ بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن میں اتنے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا۔"

"اگر سیکرٹ سوسائٹی کے ارکان نے اپنے لیے ڈی کوڈر اسی طرح ہاتھ سے نقل کیا ہوا ہے تو سوسائٹی بہت یتیم اور مسکین معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے متفقہ رائے کا بے دردی سے مضحکہ اڑانا شروع کر دیا "جس سوسائٹی کے پیچھے یہودیوں کا ذہن کار فرما ہو' وہ ہرگز اتنی بے سروسامان نہیں ہو سکتی۔ دنیا جانتی ہے کہ یہودی اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے دریا دلی سے پیسہ لٹاتے ہیں....."

"ہو سکتا ہے کہ پنڈت نے کسی مجبوری کی وجہ سے مطبوعہ ڈی کوڈر چارٹ کو نقل کیا ہو۔ یہودی سرگرمیوں کے لیے پاکستان ایک دشوار سرزمین ہے۔" اول خان میرا ہم نوا بن چکا تھا۔

"ڈیوڈ اشارز کے تعاقب میں ہم نے امریکا کی خاک چھانی ہے۔" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "کیپ ٹاؤن اہم معاہدے کی فائل تم نے خود حاصل کی تھی۔ یہودیوں کی

سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کے باوجود ہمیں کہیں بھی اس سیکرٹ سوسائٹی کا نام سننے کو نہیں ملا اور تم نے اسے پنڈت کی تجوری سے برآمد کرلیا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو مگر میری رائے ہے کہ اس طرح ہم وقت ضائع کریں گے۔"

میں صبرو سکون سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے بات پوری کرلی تو میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا "تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہماری گفتگو میں ایسی دخل اندازی نہیں کرو گی۔ پلیز! اب تم ڈرائنگ روم میں چلی جاؤ تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"سوری!" وہ فوراً خوشامد پر اتر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ بولنا میری سرشت میں شامل ہے۔ اول خان کو میری رائے سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ میں اب نہیں بولوں گی۔"

"تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا "موساد والے کاغذ کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے کہ میں درمیان میں بول پڑا۔"

"اپنے نام کی طرح "جس" کوئی خفیہ اور محدود سوسائٹی ہوسکتی ہے۔ فری میسنز کے بارے میں ہم بہت کچھ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ موساد کا چیف براہِ راست "جس" کی سرگرمیوں کا نگراں ہو۔ کاغذ پر چیف اور اس کے سیکریٹری کے ڈائرکٹ فون نمبر بھی ہوسکتے ہیں۔"

"تھیوری مکمل اور بے داغ ہے۔ یہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کی ایک تکون ہے جس میں سی آئی اے، را اور موساد والے ملوث ہیں۔" اول خان بات سمجھ رہا تھا۔

"اوبرائن جو ان سازشوں کا تخلیق کار تھا، رستم کی ایک سازش کے نتیجے میں اپنے انجام سے دو چار ہوچکا ہے۔ میجر بخشی کو ہم نے اپنی سفارتی مصلحتوں اور مجبوریوں کی بنا پر نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کی جگہ دھن راج گرفت میں آیا ہوا ہے۔" میں نے وضاحت کی "پنڈت منوہر لال جو ہمارا شہری ہے، بظاہر موساد کا آلۂ کار نظر آرہا ہے اسے ہماری پوری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"یعنی اب رستم براہ راست ہمارا مدِمقابل بن چکا ہے۔" اول خان پر خیال آواز میں بڑبڑایا۔

"اگر وہ قلعہ بند مکان میں محصور ہو کر نہ بیٹھا ہوتا تو میں خود ہی اسے نکیل ڈال سکتا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہاں مسلح محافظوں کا ایک لشکر موجود ہے اور اسے اپنے اثر و رسوخ پر بھی گھمنڈ ہے۔ تمہیں کسی نہ کسی دروازے پر دستک دینی پڑے گی۔"

"معاملہ سنگین ہوگیا ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا ورنہ پنڈت ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"کل تک تم رستم کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ پنڈت کے گھر جانے سے بھی گریز کیا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم کسی دشواری میں پڑجاؤ۔" ویرا ایک مرتبہ پھر بول پڑی۔ اس بار اس کا لہجہ مصالحانہ تھا اس لیے میں نے اسے مداخلت پر ٹوکنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

"یہ اچھا ہوا کہ اب تک میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں اور ڈینی نے اپنے یا کرنل جمال دستی کے معروف نام کے بجائے ملک ممتاز کے روپ میں رستم کا سامنا کیا ہے۔ ایک انا پرست جاگیردار سے ذاتی مخاصمت کے خوف کی بنا پر وہ الزام تراشیاں نہیں کرسکے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی خاموشی کی وجہ سے میں کسی نہ کسی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ پنڈت منوہر لال تک محدود نہ ہو۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے لیے کام کررہے ہوں۔ اس کی روپوشی طویل ہونے کی صورت میں وہ زیرِ زمین چلے جائیں گے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے ان تینوں کاغذوں کی نقلیں دے دو۔ میں ابھی اس مشن پر نکلتا ہوں۔"

"یہی لے جاؤ، راستے سے فوٹو کاپیاں کروالینا۔" میں نے وہ کاغذ اسے دے دیے۔

وہ اٹھ رہا تھا کہ غزالہ اس کے لیے چائے لے آئی اور اسے مزید کچھ دیر کے لیے بیٹھنا پڑگیا۔

اول خان کے جانے کے بعد میرے ذہن پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہوگیا۔ سامنے بہت کچھ نظر آرہا تھا مگر میں بے بس تھا۔ اگلی کامیابیوں یا ناکامیوں کا دارومدار اول خان کے مشن پر تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سلطان شاہ نئے گھر کے لیے خریداری کے مشن پر نکل گیا۔ اس مرتبہ غزالہ کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ گھر داری کی ضروریات کے بارے میں سلطان شاہ کی معلومات کا خزانہ صفر سے کچھ ہی زیادہ تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی نہیں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد اسے ایسا موقع پہلی بار ملا تھا۔ میرے ذہن پر اس کی طرف سے ہلکا سا

خوف سوار ہونے لگا۔

غنیمت یہ ہوا کہ موقع میسر آنے پر وہ میری طرف آنے کے بجائے اپنے کمرے میں جا گھسی اور میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصروف رہنے کا ایک حیلہ سوچ لیا۔

جہانگیر دن میں اپنی گولڈن فارمیسی چلاتا تھا۔ میں نے اپنے کمرے سے اس کا نمبر ملا لیا۔

دکان میں دو ملازمین کی موجودگی کی وجہ سے وہ فرصت سے بیٹھا ہوا تھا۔ میری آواز سن کر خوش ہو گیا اور چہکنے لگا "آج تم ہیٹ ٹرک مکمل کر رہے ہو۔ پچھلے دو دنوں سے گھر آ رہے تھے اور اب فون پر موجود ہو۔ مجھ پر یکایک اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہو؟"

"مہربانی نہیں، بس ایک اطلاع دینی تھی۔ ہم نئے مکان میں منتقل ہو چکے ہیں۔ چاہو تو یہاں کا فون نمبر لکھ لو۔ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔"

"مبارک ہو۔ اب تم دوبارہ صاحب جائداد ہو گئے ہو۔ نمبر بتاؤ۔ اب روز گپ شپ ہوا کرے گی۔"

میں نے اسے نمبر لکھوانے کے بعد کہا "دن کے اجالے میں تم بہت معقول باتیں کرتے ہو۔ شام کو پینے کے بعد تمہاری عقل پر ایسی خاک پڑتی ہے کہ ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"گھر میں رہ کر عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ کام سلمیٰ کرتی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے آج تک اسے چکھنے تک کی دعوت نہیں دی۔"

"اوہ! تو تم ایسے امکانات پر بھی غور کرتے رہتے ہو۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"جب سے ویرا کو پیتے دیکھا ہے، کئی بار یہ خیال آیا ہے۔ لیکن سلمیٰ، سلمیٰ ہے اور ویرا، ویرا۔ سلمیٰ دو گھونٹ لے کر چغد ہو جائے گی، ویرا ذہین اور حاضر جواب ہو جاتی ہے۔"

"اور شاید تھوڑی سی بے تکلف بھی!" میں نے طنزیہ لہجے میں لقمہ دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "تم بہت گھنے ہو۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات تاڑ لیتے ہو۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ گوری ہے۔ دیسی عورتوں کی طرح کسی بے تکلفی کا برا نہیں مناتی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے آدمی پوری بوتل چڑھا کر ناچنا شروع کر دے۔"

"اب تم دن دیہاڑے بہک رہے ہو۔" میں نے اسے ڈانٹا "دکان تمہاری روزی ہے۔ وہاں بیٹھ کر اپنے ملازموں کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہوئے [illegible]

"اونچی آواز ہو تو اس سے کہیں ہلکی باتیں بھی باعث شرم ہوتی ہیں۔ میری آواز بہت نیچی ہے۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا "دراصل ویرا دن رات تمہارے ساتھ رہ رہ کر اپنی قدر کھو بیٹھی ہے ورنہ......"

اسی وقت ویرا ہاتھ میں اسکاچ کا ایک گلاس لیے، مٹکتی ہوئی، بہت شوخ انداز میں دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی اور میں نے فوراً ہی جہانگیر کی بات کاٹ دی "تم نے اس کا نام لیا اور وہ آگئی۔ کہو تو اسے بلا کر تمہاری بات کروا دوں۔"

"پہلے تم سے باتیں ختم ہو جائیں تو اسے بلا لینا۔ اس سے بات کر کے طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔"

جہانگیر کا جواب سننے کے دوران ہی میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر فون کال کے بارے میں ویرا کے استفسار کا جواب دیا۔ ویرا جہانگیر کا نام سن کر بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور میں سمٹ کر ایک طرف ہو گیا۔

"مجھ سے تمہیں اور کیا باتیں کرنی ہیں؟" ویرا کے غیر متوقع نزول نے میرے ذہن کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ لنچ کے بعد اس کی وہ مے نوشی میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔

"اپنے آس پاس میرے لیے بھی کوئی مکان دیکھ لو۔ فلیٹ میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ اس بہانے ہم ایک دوسرے کے قریب بھی ہو جائیں گے۔"

"میرے قرب کے نتائج تم پہلے ہی بھگت چکے ہو۔ اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ بہتر یہ ہے کہ جہاں رہ رہے ہو، وہیں دل لگانے کی کوشش کرو۔"

"کس سے دل لگاؤں؟ یہ کام سلمیٰ کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"فی الحال فلیٹ سے ہی دل لگاؤ۔ تمہاری بدنیتی کی بنا پر وہ ملازمہ بھی نہیں بدلے گی۔"

"یار انتہا ہے۔ وہ بچی بارہ سو روپے لے رہی ہے۔ بڑی آئے گی تو وہ اتنے ہی پیسوں میں بہت زیادہ کام کرے گی۔ یہ معمولی سی بات تم ہی اس کی کھوپڑی میں ڈال دو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ میری روکھی پھیکی زندگی میں تھوڑی سی رونق اور بہار آجائے گی۔"

"ویرا سے بات کر لینا۔" میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی ویرا کو آنکھ مار کر کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ دو چار روز کے لیے تمہاری مہمان نوازی قبول کر لے..... میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کبھی کبھی تم بہت طوطا چشم ہو جاتے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

اسے فون کر کے میں نے خود کو مصروف کرنا چاہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا۔ جب وہ میرے تیز و تند جوابوں سے اکتا گیا تو میں نے اسی کے کہنے پر ریسیور ویرا کو دے دیا۔

فون پر ہم دونوں میں سے کسی ایک کے مصروف ہونے میں ہی عافیت تھی۔ ویرا کو جہانگیر کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ اس کی خوشامدانہ تعریفوں سے خوش ہونا اور پھر باتوں کو طول دیتے چلے جانا، ہمیشہ ویرا کے پسندیدہ مشاغل رہے تھے۔ ریسیور اسے دیتے ہی میں مسہری سے اتر کر کمرے سے نکل گیا۔

میں خاصی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن پروگرام دیکھتا رہا لیکن ویرا میرے کمرے سے برآمد نہیں ہوئی وہ اس وقت جس موڈ میں تھی اس کے لیے جہانگیر ہی اس کے ساتھ موزوں گفتگو کر سکتا تھا۔

ٹیلی وژن پروگرام دیکھتے ہوئے بھی میرے ذہن میں بینڈٹ، موساد اور "جس" کے نام چکرا رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کاپی کے کاغذ پر موساد کے نام کے ساتھ لکھے ہوئے دو نمبروں پر براہ راست ڈائلنگ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ واقعی اسرائیل کے کسی شہر کے نمبر تھے یا میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔

وہ خیال آتے ہی میں تیزی سے اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ ویرا فون کا ریسیور کان سے لگائے میری مسہری پر نیم دراز تھی اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کے گلاس کا آدھا سیال اس کے معدے میں اتر چکا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے اس کے احمقانہ انہماک پر غصہ آیا مگر میں فوراً ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ ویرا کی اس محویت میں میرے لیے امان ہی امان تھی۔

ٹیلی فون کی پرانی ڈائرکٹریاں میں ڈائننگ روم کی ایک دراز میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کی پہلی جلد نکالی اور اس کے مخصوص صفحات پر موجود اس فہرست کو دیکھا جس میں دنیا بھر کے مختلف ملکوں اور شہروں کے لیے براہِ راست ڈائلنگ کے کوڈ موجود تھے۔ ایک بار پھر دوسری بار بھی جائزہ لیا لیکن ایران اور اٹلی کے درمیان تو کیا، پوری فہرست میں کہیں بھی اسرائیل کا نام یا کوڈ موجود نہیں تھا۔

ڈائریکٹری چھوڑ کر میں نے ایک مرتبہ پھر کمرے میں جھانکا تو ویرا اپنے شغل میں مصروف تھی۔ گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ فون پر مخاطب ہو گئی۔

میرے لیے اسے چھیڑنا مناسب تھا نہ میں زیادہ دیر صبر

کر سکتا تھا۔ میں نے کمرے سے موبائل فون اٹھایا اور ٹیلی وژن کی آواز بند کر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔
ٹیلی فون پر انکوائری کا نمبر ملانا' جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ متعدد کوششوں کے بعد نمبر ملا تو دیر تک گھنٹی بجتی رہی جس کے بعد آپریٹر کی آواز آئی۔
اس سے شکایت بے سود تھی۔ کچھ کہتا تو وہ برہم ہو کر لائن بند بھی کر سکتا تھا۔
میری زبان سے اسرائیل کا نام سنتے ہی آپریٹر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا کہ مجھے اسرائیل سے کیا کام پڑ گیا تھا۔
"اسرائیلی ریاست سے کوئی کام نہیں ہے' بس ایک ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔
"دوبارہ کسی سے یہ دریافت نہ کریں ورنہ فون آبزرویشن میں آجائے گا۔" اس نے ہمدردانہ اور قدرے طنزیہ پیرائے میں جواب دیا "اسرائیل دشمن ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے لیے ڈائریکٹ ڈائلنگ ممکن ہے نہ کال بک کی جاتی ہے۔" اسی کے ساتھ فون بند ہو گیا۔
ویرا نے گلاس ختم ہونے کی وجہ سے فون بند کیا یا باتیں ختم ہونے کے بعد گلاس خالی کیا' اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ کمرے سے برآمد ہوئی تو گلاس خالی تھا۔
"تمہارا دوست بہت دلچسپ آدمی ہے۔" اس نے لابی میں رک کر مجھے سنایا "کاش وہ تمہیں بھی عورتوں سے بات کرنے کا خوب صورت قرینہ سکھا سکے۔"
میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے پینے کا جو ناوقت دورہ پڑا ہے' وہ سرور گہرا ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔ وہ ذرا سی دیر میں دوبارہ نمودار ہوئی اور مجھ سے کافی فاصلے پر پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔
"تمہیں تھوڑی سی حیرت ہو رہی ہوگی کہ آج میں تم سے دور کیوں ہوں۔" اس نے نئے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر پوچھا۔
"تھوڑی نہیں خاصی حیرت ہے۔" میں نے پورے خلوص سے اعتراف کیا "شاید جہانگیر نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں وہ پکا سؤر اور خود غرض ہے۔"
ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے کوئی بات نہیں سنی۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟ وہ واقعی مجھے اکسا رہا تھا کہ تم میری ذرا بھی قدر نہیں کرتے۔"

صورتِ حال

نرس:۔ یہ ایمرجنسی آپریشن کس کا ہو رہا ہے؟"
اردلی:۔ ایک غریب آدمی کا.... جو گولف کورس کے قریب سے گزرتے ہوئے جماہی لے رہا تھا۔ سیٹھ صاحب نے ہٹ لگائی اور بال سیدھی اس کے پیٹ میں چلی گئی۔
نرس:۔ اچھا.... وہ صاحب جو آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے ٹہل رہے ہیں' شاید اس آدمی کے رشتے دار ہیں؟
اردلی:۔ نہیں.... وہ تو سیٹھ صاحب ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں آپریشن مکمل ہو تو وہ بال لے کر کھیل مکمل کریں۔

الزام

سیٹھ صاحب کو مجرمانہ حملے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ الزام ایک مشہور اداکارہ نے لگایا۔ عدالت میں وکیل صفائی نے پوچھا "محترمہ! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ سیٹھ صاحب نے کب آپ پر مجرمانہ حملہ کیا؟"
"جی ہاں... گزشتہ سال اپریل' مئی' جون اور جولائی میں۔" اداکارہ نے جواب دیا۔

○☆○

"پہلی بات یہ کہ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ دوسرا اشارہ تم نے خود فراہم کیا ہے۔ اس سے بات کرنے سے پہلے تم بستر پر میرے اتنے قریب آبیٹھی تھیں کہ میں بوکھلا گیا تھا۔ اس کی زہر فشانیاں سن لینے کے بعد تم مجھ سے گزوں دور بیٹھی ہو۔"
ویرا سر جھٹک کر ہنس پڑی "تم واقعی بہت چالاک ہو اور شاید اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتے ہو۔ اس نے بہت کچھ کہا

ہے مگر میں نے اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بس میرے دل میں اپنی عزت کا احساس جاگ اٹھا ہے۔ تم دنیا کے اکلوتے مرد ہونہ میں کوئی بدصورت بڑھیا۔ دیکھوں گی کہ گزوں کا یہ فاصلہ طے کرنے میں کون اور کب پہل کرتا ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود کا کوئی حصہ اچانک خالی خالی ہوگیا ہو۔ مجھے ویرا سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ میں اسے خوش ادا اور خوش گفتار دوست ہی سمجھتا رہا تھا یا شاید میں نے اس کے بارے میں کبھی اپنا دل ٹٹولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے اچانک فاصلے کا احساس دلا کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جہانگیر پر تاؤ کھا کر رہ گیا جس نے باتوں کی روانی میں بہہ کر ویرا کو میری طرف سے بدگمان کیا تھا۔

ویرا روبوٹ نہیں تھی۔ جذبوں اور امنگوں میں گندھی ہوئی ایک جوان عورت تھی۔ وہ برسوں سے سب کچھ سہتی اور حالات میں مگن رہتی چلی آرہی تھی۔ اس نے کبھی خود کو مجھ سے الگ کر کے نہیں سوچا تھا مگر وقت کی بات تھی کہ جہانگیر کے چند غیر محتاط الفاظ نے اس کے دل کے نازک آئینے میں بال ڈال دیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگالی۔ ویرا لبوں کو تر کر کے شوخ اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔ پہلے وہ بہت بولتی تھی مگر میں اس کی کسی بات پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ اس وقت وہ بالکل خاموش تھی لیکن میں اس خاموشی میں ہزاروں شکووں، شکایتوں اور دعوتوں کی بلند آہنگ صدائیں سن رہا تھا۔ دھیرے دھیرے میرے اعصاب میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔

میرے لیے وہاں بیٹھنا دشوار ہو رہا تھا، اٹھنے میں شکست کا اعتراف پنہاں ہوتا۔ اسی عالم میں گھنٹی کی آواز نے میری مشکل آسان کردی۔ میں دروازے سے نکل کر گیٹ پر پہنچا تو اول خان لوٹ آیا تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا اپنے گلاس سمیت غائب تھی۔ شاید اس نے باہر سے اول خان کی آواز سن کر کمرے میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"موساد والے نمبر تل ابیب کے ہی ہیں۔" اول خان نے بیٹھتے ہوئے اعلان کیا۔

"یہ کیسے پتا چلا؟" میں نے اس بارے میں اپنی ناکام کوششوں کا ذکر کیے بغیر سوال کیا۔

"پاکستان، اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کا مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ لندن میں ہمارے ملٹری اتاشی نے ان نمبروں پر بات کرنے کے بعد یہ تصدیق کی ہے۔ صرف ان نمبروں کی وجہ سے بات آگے بڑھی ہے۔ رات تک کوئی نہ کوئی بڑا فیصلہ سامنے آجائے گا۔"

"یہ فیصلہ کون کرے گا؟" میں نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

"یہ سوال نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ انتظامیہ کے ذریعے رستم سے پنڈت منوہر لال کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ اس نے پنڈت کے ٹھکانے سے مکمل لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"اگر وہ بسیرا میں ہے تو اب وہ اسے وہاں سے نکال دے گا۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"ناممکن!" اول خان کا لہجہ پریقین تھا۔ "بسیرا سے نکلنے کے چار راستے ہیں اور اس وقت چاروں کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ آنے جانے والوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جارہا۔ پنڈت کو نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہاں بڑا تصادم شروع ہوجائے گا۔"

"نکلنے والوں سے پوچھ گچھ نہیں ہو رہی تو اسے چھپا کر لے جایا جاسکتا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رستم کی بے خبری میں گلیوں تک کی ناکابندی کی جاچکی ہے۔ عارضی چوکیوں پر بسیرا سے نکلنے والی ہر گاڑی کی تلاشی لی جارہی ہے۔"

میرے وجود میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اول خان کی کوششوں سے نتائج سامنے آنے شروع ہوگئے تھے۔ میں نے اضطراری انداز میں نئی سگریٹ سلگانے کے بعد پوچھا "رات تک کیا فیصلہ ہونے کی امید ہے۔"

"رستم کو پنڈت کے بارے میں رات کے بارہ بجے تک مزید دیکھ بھال کا وقت دیا گیا ہے۔ وہ مکمل تباہی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے زبان کھولنی پڑے گی ورنہ بکتر بند گاڑیاں بسیرا کے چاروں پھاٹک توڑ کر اندر داخل ہوجائیں گی۔ پاکستان کی سرزمین پر موساد کے کسی کارندے کو پنپنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔"

میرا ذہن اس منظر کی تابناکی کے تصور میں ڈوب گیا۔ اول خان، میری ذہنی محویت سے بے خبر، اپنی بھاگ دوڑ کی تفصیلات سنا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"رستم سے پنڈت کے بارے میں کون پوچھ گچھ کر رہا ہے؟"
اول خان کے خاموش ہونے پر میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔
"اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو رہی۔" اول خان نے دو ٹوک لہجے میں کہا "کراچی کے ڈی آئی جی نے فون پر اس سے بات کی تھی۔ رستم نے کورا سا جواب دے دیا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے ٹھکانے سے بالکل لاعلم ہے۔ ڈی آئی جی نے اس پر واضح کر دیا ہے کہ وہ رات کے بارہ بجے تک منوہر لال سے رابطہ کر کے انتظامیہ کو مطلع کرے ورنہ شہر کی ہر اس عمارت کی تلاشی لی جائے گی جہاں پنڈت منوہر لال کے روپوش ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اب صرف بارہ بجنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"
"یہ کھلی دھمکی اسے بہت گراں گزری ہو گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اس نے تلملا کر فوراً ہی آئی جی سے شکایت کی تھی اور یہ کہا کہ وہ کسی بھی وردی والے کو اپنی رہائش گاہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے گا۔ آئی جی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کی نوبت نہ آنے دے۔ اگر پنڈت منوہر لال ڈیڈ لائن گزرنے سے پہلے خود کو انتظامیہ کے حوالے کر دے تو مزید کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔ وقت گزر گیا تو قانون کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔"
رستم سے فون پر ہونے والی وہ گفتگو اتنی سیدھی اور آسان نہیں رہی ہو گی۔ اول خان مجھے اس گفتگو کے اہم نکات ہی بتا سکتا تھا۔ باقی تلخیوں کا اندازہ میں نے خود لگا لیا تھا مگر اس بندوبست میں پولیس کی شمولیت میرے ذہن میں شبہات پیدا کر رہی تھی۔
"کیا یہ پورا آپریشن پولیس ہی کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا؟"
"انتظامی سطح پر یہ کام پولیس ہی کی ذمّے داریوں میں شامل ہے۔ پولیس کی وجہ سے رستم کو معاملے کی اہمیت اور سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا....."
"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس وقت ساری اہمیت پنڈت کی ہے۔ میری طرف سے دھمکیوں کے بعد پولیس کے عزائم اس کے سامنے آئے ہیں۔ اس گفتگو کے ذریعے اسے بتا دیا گیا ہے کہ بارہ بجے کے بعد پولیس بسیرا پر دھاوا بول دے گی۔"
"ڈی آئی جی کے پیغام میں یہ مفہوم پنہاں تھا مگر آئی جی نے بہت نرمی اور مصلحت سے کام لیتے ہوئے رستم کو تسلی دی ہے۔ قانونی مجبوریوں کا ذکر کرنے کے ساتھ اس سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جب پنڈت منوہر لال بسیرا میں نہیں ہے تو اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"اس نے یہ بھی جاننا چاہا ہو گا کہ پنڈت کس جرم میں پولیس کو مطلوب ہے؟"
"ہو سکتا ہے کہ ایسی بات ہوئی ہو مگر میں اس سے لاعلم ہوں۔"
"میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔ کیا یہ پورا معاملہ پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا ہے؟"
"ہم نے انٹیلی جنس بیورو سے رابطہ کیا تھا۔ تل ابیب کے نمبروں کی تصدیق ہوتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے اب یہ ان کا کھیل ہے وہ اسے مقامی پولیس فورس کے ذریعے کھیلنا چاہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس افسران کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ پنڈت کی تجوری سے کچھ مشتبہ کاغذ برآمد ہوئے ہیں۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے از خود مقامی پولیس سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ پولیس کے محکمے میں رستم کے خاصے ہمدرد پائے جاتے ہیں۔"
اول خان مسکراتے ہوئے بولا "میں تمہاری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ تم لوگ خاموشی سے موسیٰ کو اٹھا لائے تھے۔ شہر کے کسی تھانے میں اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن پولیس شہر میں اسے تلاش کرتی پھر رہی تھی.... عوام سے بہت قریب رہ کر کام کرنے والے ہر سرکاری ادارے میں ایسی کالی بھیڑیں موجود ہوتی ہیں۔ ان کے باوجود یہ ادارے اپنی کارگزاری دکھاتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آج کی کارروائی اتنی ذمے داری اور رازداری کے ساتھ کی جائے گی کہ رستم کے کسی ہمدرد کو اپنا کام دکھانے کا موقع نہیں ملے گا۔"
"رستم میں ذرا بھی عقل ہے تو اب وہ پنڈت کو اپنے گھر سے نکال دے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ چند منٹ قبل ہمارے درمیان خاموشی سے آ بیٹھی تھی۔
"یہ نہ بھولو کہ ہم رستم کو نیست و نابود کرنے نہیں جا رہے۔ ہمارا اصل ٹارگٹ پنڈت منوہر لال ہے۔" اول خان نے کہا "اگر وہ کسی خون خرابے کے بغیر ہمارے ہاتھ آ جاتا ہے تو ہمارا کیا بگڑتا ہے؟"
"یہ تمہاری سوچ ہو سکتی ہے۔ میری نظروں میں تو رستم بھی خطرناک مجرم ہے۔ پنڈت کے ساتھ اس کا صفایا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اپنے کاموں میں بہت ماہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پنڈت کو کسی ایسی ترکیب سے باہر نکال دے کہ پولیس والوں کو ہوا بھی نہ لگ سکے۔"
"اس امکان کی حتی المقدور پیش بندی کر لی گئی ہے۔" اول خان نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھایا "بسیرا سے آنے والے ہر راستے پر پولیس کی چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں جو ادھر سے آنے والی گاڑیوں کی تلاشی لے رہی ہیں۔ شہر کے بہت سے علاقوں میں عام طور سے ایسی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ رستم کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اسے علم ہو بھی جاتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ پنڈت کو غائب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دے گا۔"
وہ دونوں اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ویرا پورے

خلوص کے ساتھ یہ چاہتی تھی کہ پنڈت کے ساتھ ہی رستم کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچانا ضروری ہے دوسری طرف اول خان رستم کے بارے میں قدرے لچک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رستم نے او برائن ڈی ہنٹ کو نئی دہلی میں موت کے گھاٹ اتار کر ہم لوگوں پر احسان کیا تھا جس کے صلے میں وہ تھوڑی سی مہلت کا حق دار ہو چکا تھا۔

میں خود بھی رستم کے اس کارنامے سے مرعوب تھا لیکن اس کا اعمال نامہ اس قدر سیاہ تھا کہ آخر کار اسے بھی جہنم واصل ہونا تھا۔ ہم اس سے ایک بڑا کام لے چکے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ محاذ آرائی کا آغاز ہونے کے بعد وہ ہمارے لیے ایسا ہی کوئی دوسرا اہم کام سرانجام دے سکے۔

''وہ خود پنڈت کو پولیس کے حوالے کرے گا نہ اسے بسیرا سے نکالنے کا خطرہ مول لے گا۔'' میں نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا ''اس سے تصادم ناگزیر نظر آرہا ہے۔''

''میں تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ اسے اتنا وقت کیوں دیا گیا ہے۔'' ویرا نے اعتراض کیا ''وہ کوئی امن پسند اور معزز شہری نہیں ہے جسے ڈھیل دی جائے۔ جو کچھ کرنا ہے ابھی اور اسی وقت ہونا چاہیے۔''

''اسے کوئی ڈھیل نہیں دی جارہی۔'' اول خان نے فوراً ہی وضاحت کی ''اسے بتا دیا گیا ہے کہ پنڈت منوہر لال کے سلسلے میں اس پر شبہ کیا جارہا ہے۔ وہ ہمارے جال میں ہے۔ جتنی اچھل کود کرے گا، جال میں مزید پھنستا ہی چلا جائے گا۔ اس کا نمک کھا کر اپنے فرائض سے غداری کرنے والوں کو اس سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ بظاہر کوئی بھی اس کا بہی خواہ اور دوست نظر نہیں آرہا۔''

''پھر رات کے بارہ بجے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی کیا تک ہے؟''

''یہ ہماری مجبوری ہے۔'' اول خان نے اس بارے میں پہلی مرتبہ زبان کھولی ''آئی بی کے بعض افسران رات کو دس بجے والی فلائٹ سے کراچی آرہے ہیں۔ وہی اس آپریشن کی نگرانی کریں گے۔''

''پھر تو یہ پولیس آپریشن نہ ہوا۔'' ویرا بے ساختہ بول پڑی ''میں ابھی تک یہ بات ہضم نہیں کرپائی تھی کہ اتنے اہم معاملے کو محض شہری پولیس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔''

اول خان ہنس پڑا ''تکنیکی طور پر یہ پولیس آپریشن ہی کہلائے گا مگر اس کی نگرانی آئی بی والے کریں گے۔ ان کے سوا کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ پنڈت منوہر لال کو کیوں تلاش کیا جارہا ہے۔''

''ایسی صورت میں ہم لوگ بھی کارروائی میں شریک ہو سکیں گے؟'' ویرا نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''سب لوگ نہیں، صرف دو افراد شریک ہو سکیں گے....''

''ایک ڈینی اور دوسری میں۔'' ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

''میں کہاں جاؤں گا؟'' اول خان نے پوچھا ''پنڈت منوہر لال کا کیس میں نے ریفر کیا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے ایک آدمی کے ساتھ آپریشن میں شامل ہونے کی باضابطہ دعوت دی ہے۔''

ویرا کا منہ لٹک گیا ''ظاہر ہے کہ تمہارا آدمی ڈینی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔''

''تم خود اتنی سمجھ دار ہو کہ تم نے اپنے نام سے پہلے ڈینی کا نام لیا تھا۔'' اول خان بولا۔

''تم دونوں کو جانا ہے تو تم ہی سر کھپاؤ۔ میں کیوں اپنا دماغ خالی کروں۔'' وہ اٹھ کر چل دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ پینے کی مزید طلب محسوس کر رہی تھی۔

''ان کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے لیکن میں دانستہ طور پر ویرا کو ان کی نظروں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔'' ویرا کے چلے جانے کے چند لمحے بعد اول خان نے بتایا۔

''کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ''کیا ان سے ویرا کو کوئی خطرہ ہے؟''

''میری اور ایس ٹی ایف کی ترجیحات ہمارے خفیہ اداروں سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں پھر بھی میں ویرا کو غیر ضروری طور پر منظرِ عام پر لانا نہیں چاہتا۔ امریکی آج بھی اسے پکڑنے کے خواہاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کے آپریشن میں کسی سفید فام خاتون کی شمولیت کی کوئی خبر بنائی جائے۔''

اس بار میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان روانگی کے لیے اٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں گھر میں ایک مرتبہ پھر ویرا کے ساتھ تنہا تھا مگر غنیمت یہ تھا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں محدود تھی ورنہ اس کی طرف سے فاصلے کے چیلنج کے بعد میرے لیے اس کا سامنا کرنا خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے رہ رہ کر جہانگیر پر غصہ آرہا تھا جس نے ویرا کے ساتھ باتیں کرنے کے لیے بے ضرر سے شوق کو پورا کرنے کے لیے میرے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی کہہ ڈالی تھیں جو ویرا کے دل میں نقش ہو گئی تھیں۔

ویرا جب بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو میں نے اسے ہمیشہ سراپا سیاہ لباس میں دیکھا تھا۔ اس کے رنگ و روپ کے بارے میں بس سوچا ہی جاسکتا تھا، اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر وہ ہمیشہ مجھے دیکھتی رہتی تھی اور اسی دور میں مجھ پر یوں مہربان ہوئی کہ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔

برسوں کی رفاقت میں وہ بارہا مجھ سے ناراض بھی رہی تھی مگر مصالحت اور کشیدگی کے کسی بھی دور میں، میں نے اسے اپنی دسترس سے باہر نہیں پایا تھا۔ وہ روٹھی ہوئی تھی تب بھی مجھ سے قریب ہونے کے حیلے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔

اس نے از خود دوستی کی ابتدا کر کے مجھے کبھی اپنے دل کو ٹٹولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ آسانی سے ہاتھ آجانے والی کسی بھی شے کی طرح شاید میں کبھی اس کی قدر نہ کر سکا لیکن جہانگیر کے چند فقروں نے اس کے وجود میں انا کی چنگاریاں سلگا کر میرے لیے ایک امتحان پیدا کر دیا تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی واپسی تک ویرا دوبارہ میرے سامنے نہیں آئی۔ اپنے کمرے میں گھسی رہی۔

وہ دونوں خاصے سامان سے لدے پھندے گھر آئے۔ ان کی غیر حاضری میں حالات میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ انہیں خوشی ہوئی کہ امید افزا پیش رفت کے نتیجے میں رات ڈھلنے تک بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

غزالہ نے آتے ہی متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ اس کی بے چین نگاہیں ویرا کو تلاش کر رہی تھیں مگر میں نے از خود کوئی بات نہیں کی۔ ان دونوں کی آوازیں سن کر بھی ویرا اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی۔

گفتگو کے اختتام پر میں اپنے کمرے میں گیا تو غزالہ بھی میرے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گئی۔

"کیا ویرا سے آپ کا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" تخلیے میں پہنچتے ہی اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

میں نے مڑ کر حیرت سے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جھانکا اور اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے پوچھا "تمہیں یہ خیال کیوں ہوا؟"

"گھر میں غیر فطری سی خاموشی ہے۔ میرے حساب سے ویرا کو آپ کے آس پاس ہی موجود ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کسی طنز کے بغیر سادگی سے کہا۔

"ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے موڈ کی مالک ہے۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر میرے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی اور مٹھاس سے بولی "میں اس کے موڈ کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ نے یقیناً اس کے ساتھ زیادتی کی ہوگی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے لیے وہ بہت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی ہے اور آپ کی کسی بات کا برا نہیں مناتی۔ اگر وہ آپ سے ناراض ہو کر اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔"

"کبھی تم کو اس سے سنگین شکایتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، کبھی اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے۔" میں نے چڑ کر کہا "ایسا ہی شبہ ہو رہا ہے تو جا کر خود اس سے پوچھ لو۔"

وہ دلآویز انداز میں اٹھلا کر ہنس پڑی "اگر جھگڑا نہیں ہوا تو آپ میرے سوال پر چڑ کیوں رہے ہیں؟"

"میں ہرگز نہیں چڑ رہا۔" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں تو تمہیں دعوت دے رہا ہوں کہ جا کر خود اسی سے تفتیش کر لو۔"

اس کی رکتی ہوئی ہنسی پھر تیز ہوگئی "یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ مر کر بھی میرے سامنے آپ کی شکایت نہیں کرے گی۔"

"ہر وقت میرے خلاف زہر اگلتی رہتی ہے، بات بات پر بحث کرتی ہے اور تمہیں خوش فہمی ہے کہ وہ میری شکایت نہیں کرے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"مذاق کی بات اور ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مذاق مذاق میں وہ آپ سے بہت زیادہ الجھتی ہے۔ اس بہانے سے اسے آپ سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ سنجیدگی سے وہ میرے سامنے آپ کے خلاف زبان نہیں کھولے گی۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" میں نے حیرت اور قدرے غصے سے پوچھا۔

"مجھے گھر سے نکلتے ہی غلطی کا اندازہ ہوگیا تھا۔" اس نے مسہری چھوڑ کر قالین پر ٹہلتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا "میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتی تو شاید کسی بدمزگی کی نوبت نہ آتی۔"

اس کی قیاس آرائی نے مجھے حیران کر دیا مگر میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے تیزی سے پوچھا "پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟ کھل کر کہو کہ تمہارے ذہن میں کیا اندیشے پروان چڑھ رہے ہیں۔"

ٹہلتے ٹہلتے وہ تیزی سے پلٹی اور میرے قریب بیٹھ کر سپردگی کے انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا "میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں بھی ویرا کی طرح ایک عورت ہوں اور اس کے ذہن کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ لیتی ہوں.... خاص طور پر اس وقت جب وہ آپ کے بارے میں سوچ یا بول رہی ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

وہ ایسے والہانہ انداز میں میرے بدن سے چپک کر بیٹھی تھی کہ میرے ذہن پر چھانے والا چڑچڑاپن فوراً کافور ہوگیا۔ اس کی جگہ، میرے دل میں غزالہ کے لیے نرمی اور ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے اور میں نے ہولے ہولے اس کا سر سہلانا شروع کر دیا۔

"وہ غلطی میری تھی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں دھیرے دھیرے بولے جا رہی تھی "جہاں انگارے دہک رہے ہوں، وہاں تیل نہیں ڈالا جاتا۔ وہ تنہائی بلکہ اکیلے پن کا شکار ہے۔ مجھے اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہیے تھا۔ آپ کو تنہا پا کر شاید اس نے کسی امتحان میں ڈال دیا ہوگا۔ آپ کے حوصلہ شکن ردِ عمل نے اسے مایوس کر دیا۔ اس طرح ٹھکرائے جانے پر ہر شخص اپنی نظروں میں گر جاتا ہے۔ اب وہ ہم سب سے ناراض اور منہ چھپائے اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی ہے...."

جب تک وہ بات پوری نہ ہوئی، میں نے غزالہ کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن کلام کا متن پورا ہوتے ہی میں نے اسے

خاموش کردیا "اس کے بارے میں اتنا نہ سوچا کرو۔ یہ بھی ویرا کا ایک دیرینہ مرض ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے اردگرد جو لوگ موجود ہوں وہ ہمیشہ اسی کے بارے میں سوچتے رہیں۔ تمہیں تشویش میں مبتلا دیکھ کر اسے ذہنی راحت ملے گی۔"

میں نے غزالہ کی مفروضہ کہانی کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ موضوع جاری رہتا تو بات سے بات نکلتی رہتی اور مجھ سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی۔

سلطان شاہ مرد تھا۔ وہ ویرا کی غیر موجودگی کے بارے میں ذرا بھی فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن غزالہ کی چھٹی حس نے اسے گڑبڑ کی خبر دے دی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ گڑبڑ کے بارے میں اس کا اندازہ سراسر غلط تھا۔ اس روز ویرا نے میرے ذہن میں در آنے والے اندیشوں کے بالکل برعکس، یکایک ہی گریز کا رویہ اپنا لیا تھا۔ وہ اپنی فطرت میں بہت عجیب عورت تھی اور مجھے اکثر حیران کرتی رہتی تھی۔

ایک چھت کے نیچے رہ کر ہم دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک اوجھل نہیں رہ سکتے تھے۔ بعد میں اس سے سامنا ہوا تو دوسروں کے لیے اس کا رویہ بالکل نارمل تھا وہ مجھ سے ہنس بول بھی رہی تھی مگر اس کے لب و لہجے میں مجھے لاتعلقی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابتدا میں ویرا کا بیگانگی کا وہ رویہ مجھے بہت تکلیف دہ محسوس ہوا مگر پھر میں نے اس تبدیلی کو قبول کر کے خود بھی ذرا سا بے رحمانہ جوابی لہجہ اپنا لیا۔

ویرا نے اس روز دن کے اجالے میں ہی خاصی مے نوشی کر ڈالی تھی جس کا گہرا سرور اس کی آنکھوں میں تیرنے والے سرخ ڈوروں سے جھلک رہا تھا۔ زبان بوجھل تھی اور الفاظ کا توازن قدرے بگڑا ہوا تھا۔ اس نے کچن میں غزالہ کی مدد سے اپنی شکم پری کا اہتمام کیا اور پھر سرِ شام ہی سو جانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سلطان شاہ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر اسے دیکھتا رہا۔

"آج میم صاحبہ کے تیور کچھ بگڑے بگڑے نظر آ رہے ہیں۔" ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد سلطان شاہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ کا وہ ذومعنی سوال سن کر غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سلطان شاہ کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "تم نہایت گھامڑ شخص ہو۔ اتنی واضح بات کئی گھنٹوں کے بعد تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔"

اس نے بوکھلا کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس کی خوب رو مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔

"د...دراصل میں زنانہ نخروں پر زیادہ غور نہیں کرتا۔" اس نے مدافعت کرنے کی کوشش کی "غزالہ عورت ہے۔ اس نے ضرور کوئی اندازہ لگا لیا ہوگا۔"

"یہ موضوع بہت پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اگر آپ نخروں پر غور و فکر کرنے کا کوئی ارادہ ہو تو غزالہ سے رجوع کر لینا۔ تمہیں خاصا افاقہ ہوگا۔"

سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا لیا "ویرا کی فکر میں، میں کون سا بیمار ہو گیا ہوں جو مجھے افاقہ ہوگا۔ اس کی ساری فکریں تم ہی کو مبارک ہوں۔"

وہ کھسیا کر لاجواب ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر مزید کوئی فقرہ کسنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اول خان نے رخصت ہوتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کب واپس لوٹے گا اور میں آپریشن میں اس کے ساتھ کیسے شریک ہو سکوں گا۔ رات اتر آئی، کھانے کا وقت ہو گیا مگر اس کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں ملی تو میں نے اسٹیشن فور فون کیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔

اس کی مصروفیات کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ اپنے پچھلے تجربے کی بنا پر مجھے معلوم تھا کہ جب تک اول خان میرے لیے کوئی خاص پیغام نہ چھوڑے، اس کے آدمی اس کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ دفتر میں اول خان تھا اور نہ اس کا کوئی پیغام۔

میرے لیے وہ انتظار بہت صبر آزما تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں اول خان کسی گورکھ دھندے میں پھنس کر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا پروگرام ہی منسوخ نہ کر دے۔ اسے کوئی بھی ناگزیر مجبوری پیش آ سکتی تھی۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس آپریشن میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی فعال کردار نہیں تھا۔ آئی بی والوں کی نگرانی میں سارے مراحل مقامی پولیس کو طے کرنے تھے۔ یہ امکان بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی حکمتِ عملی میں کوئی تبدیلی نہ کر لیں۔

میرے ذہن میں اندیشوں اور وسوسوں کے وہ پہاڑ بھیانک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے کہ معاً مجھے یہ یاد آیا کہ انٹیلی جنس بیورو والے پوری کارروائی کے نگراں تھے۔ انہیں دس بجے والی پرواز سے کراچی پہنچنا تھا۔ ان کی آمد سے پہلے پروگرام میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں تھی۔

وال کلاک کی سوئیاں دس سے آگے بڑھ چکی تھیں۔ پرواز میں تاخیر نہ ہونے کی صورت میں آئی بی والوں کو ائرپورٹ پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

گیارہ بجے سے ذرا پہلے اول خان آ پہنچا۔ تھکن کے باوجود وہ بہت پرجوش نظر آ رہا تھا اور عجلت میں تھا۔

"ڈینی شام سے تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا "دیر ہو رہی تھی تو تمہیں سے فون ہی کر دیتے۔"

اول خان نے خفگی سے اسے گھورا اور اپنے لہجے پر قابو پا کر

جواب دیا "میں کہیں بیٹھا گپ شپ نہیں لڑا رہا تھا' کاموں میں مصروف تھا۔ ڈیبی کو معلوم تھا کہ دس بجے بیرون شہر سے کچھ مہمان آنے تھے۔ ان کی بریفنگ کیے بغیر میں ادھر نہیں آسکتا تھا۔"

اول خان کا پیش کیا ہوا وہ اکلوتا جواز ہی ہر شکایت کا مسکت جواب تھا۔ میں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنے کا فیصلہ کرلیا۔

"وقت کم رہ گیا ہے۔" اس نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "ہمیں آپریشن کے آغاز سے پہلے بسیرا کا بیرونی طواف بھی کرنا ہے....."

"کیا ایک پیالی چائے پینے کا وقت بھی نہیں ہے؟" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

اول خان لمحہ بھر کے لیے متردد نظر آیا پھر صوفے کے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولا "جلدی سے لے آؤ۔ اس وقت چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

غزالہ لپک کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ میں موقع غنیمت جان کر خواب گاہ میں جا گھسا۔

میں نے بہت تیزی سے کپڑے تبدیل کیے' جوتے پہنے اور بیم گن جیب میں ڈال کر واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو غزالہ چائے لا چکی تھی۔

"خوب!" اول خان نے اپنی پیالی سے ایک گھونٹ لے کر تو صیفی لہجے میں کہا "چائے کے بہانے تمہیں لباس بدلنے کا موقع مل گیا۔ میں صبح سے ان ہی کپڑوں میں بندھا ہوا ہوں۔"

"میں نے صرف بیم گن لی ہے....." میں نے اسے بتانا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"کافی ہے.... ویسے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تیاریاں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں۔"

چند منٹ میں چائے کی پیالیاں خالی کرکے ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر اول خان کی جیپ میں موجود تھی جس میں ڈرائیور نہیں تھا۔

"کیا بات ہے' اس وقت ویرا نظر نہیں آئی۔" اول خان نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی غیر حاضری ہر ایک محسوس کرلیتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "آج اس کی طبیعت ناساز ہے۔"

"وہ تو ہونی ہی تھی۔ میں اسے ساتھ لے جانے کا وعدہ کرلیتا تو وہ ہشاش بشاش رہتی۔"

"سڑکیں صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم آبزرور کے طور پر جا رہے ہیں۔ میری جیپ پر ایک شناختی اسٹکر موجود ہے۔ کوئی بھی ہماری نقل و حرکت میں مزاحم نہیں ہوگا۔"

"پھر بسیرا کا طواف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بسیرا کے چار پھاٹک ہیں۔ ان میں سے دو چھوٹے اور عملاً متروک ہیں مین گیٹ رستم کے دوستوں اور ملاقاتیوں کی آمدورفت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بہت پرشکوہ ہے۔ شاید تم اسی راستے سے وہاں آتے جاتے رہے ہو۔ چوتھا راستہ رہائشی عمارات سے قریب ہے۔ گھر والے اور ملازمین اسی طرف سے آتے جاتے ہیں۔"

"تم نے وہ عمارت دیکھے بغیر بہت کچھ معلوم کرلیا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اہلِ خانہ کے استعمال میں رہنے والا راستہ بھی بہت کشادہ ہے اور گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس فورس کی زیادہ توجہ ان ہی دو راستوں پر مرکوز رہے گی۔ اندر سے مزاحمت کی گئی تو ان پھاٹکوں کو توڑ دیا جائے گا۔"

"وہ متروک راستوں سے بھی فرار ہو سکتا ہے۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"ادھر بھی نفری موجود رہے گی۔" اس نے یقین دلایا "آپریشن کو پوری طرح فول پروف بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف ایسے کوئی آثار نہیں ہیں کہ رستم نے بھاگ نکلنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہو۔ گاڑیوں کی تلاشی کا سلسلہ جاری ہے۔ بسیرا سے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی خبر نہیں ملی ہے۔"

"اگر وہ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرچکا ہے تو اسے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر میں محصور ہو کر کافی دیر تک فورس کو دور رہنے پر مجبور کرسکے گا۔"

"آج رات مجھے ویرا کی خواہش پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔" اول خان کو جیپ چلاتے چلاتے ایک مرتبہ پھر ویرا یاد آگئی۔

"وہ تو خواہشوں اور ارمانوں کی شہزادی ہے۔ تم اس کی کس خواہش کا ذکر کررہے ہو؟"

"پنڈت منوہر لال کے ساتھ رستم کی سزا یابی۔ آج وہ بری طرح مار کھائے گا۔"

"مجھے رستم کی اتنی زیادہ پروا نہیں۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔ میری بس ایک ہی آرزو ہے کہ اتنی بڑی کارروائی کو ناکام نہیں ہونا چاہیے۔ پنڈت منوہر لال اسی عمارت سے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"یہ خیال تم نے پیش کیا تھا۔ اس کے ملنے یا نہ ملنے کا انحصار ہم سب کی قسمتوں پر ہے لیکن اتنا ضرور بتادوں کہ رستم کے اطمینان نے مجھے وسوسے میں ڈال دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کی انا کو پاش پاش کرنے کے بعد ہم پنڈت کی گرد بھی نہ پاسکیں۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ دل ہی دل میں اول خان کے اس اندیشے کے غلط ثابت ہونے کی دعا مانگتا رہا۔ میں نے رستم

سے گفتگو کے بعد جو رائے قائم کی تھی وہ پوری ایمان داری کے ساتھ سب کے سامنے پیش کردی تھی۔ میرے نزدیک یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر تھی کہ رستم پنڈت کا پشت پناہ تھا اور اس کے مسائل سے پوری طرح باخبر تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں اول خان بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا آیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جلد از جلد رستم کی رہائش گاہ تک پہنچنے کی فکر میں ہے۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اول خان نے بار بار گھڑی دیکھنے کے باوجود جیپ کی رفتار تیز نہیں کی تو میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھول کر ایرپیس نکال لو۔“ اس نے مشورہ دیا ”اسے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آن کرنا ہے۔ آج کے آپریشن میں حصہ لینے والے تمام یونٹ ایسے ہی ٹرانسمیٹرز پر ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔“

میرے دل میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنے سامنے والا خانہ کھول کر موبائل فون سے قدرے بڑا ایرپیس نکال لیا اور کہا ”میرے ذہن میں ایک بے نام سی خلش تھی۔ ایرپیس دیکھتے ہی مجھے اس خلش کا سبب معلوم ہوگیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمارا رابطہ ضروری تھا۔ اس کے بغیر ہم کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح خطرناک ماحول میں بھٹکتے رہتے۔“

”آج رات کے لیے میرا پاس ورڈ چارلی ہے۔ ضرورت پیش آنے پر مجھے الفا نامی کسی اتھارٹی سے رابطہ کرنا ہوگا۔“ اس نے ہنس کر مجھے آگاہ کیا۔

اس رات درپیش مہم کے بارے میں بیشتر نکات واضح ہو چکے تھے۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے سے پہلے ہی بسیرا کے نواح میں پہنچ گئے۔

ہم جس سڑک پر تھے ’اس پر پولیس کی کئی بکتر بند گاڑیاں‘ روشنیاں گل کیے سڑک کے کنارے کھڑی تھیں۔ اول خان نے کسی پوچھ گچھ کے خیال سے جیپ کی رفتار کم کی تھی کہ دیوہیکل آہنی گاڑیوں میں سے ایک ٹارچ چمکی۔ تیز روشنی کا ہالہ ہماری آنکھوں کو چکا چوند کرتا ہوا لمحہ بھر کے لیے ونڈ اسکرین کے بائیں سرے پر رکا پھر روشنی بند ہوگئی۔

”رکنے کی ضرورت نہیں۔ چلے جاؤ!“ اندھیرے میں ایک بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی۔

اول خان نے فوراً ہی جیپ کی رفتار قدرے تیز کردی۔ اس ذیلی سڑک پر پیش آنے والے تجربے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ بسیرا کی طرف جانے والی ہر سڑک اور گلی میں مسلح مشینی دستوں کی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔

میں اس سے پہلے بھی اسی راستے سے دو مرتبہ بسیرا آچکا تھا اور دونوں بار میرا سفر رات میں ہی ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس رات وہ راستہ زیادہ تاریک تھا۔ رستم کے خلاف ایکشن کی رازداری کے لیے اسٹریٹ لائٹس روشن نہیں کی گئی تھیں۔

جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں رستم کی رہائش گاہ کے احاطے کی فصیل جیسی دیوار نظر آنے لگی۔ اس کا پھاٹک بند تھا۔ داہنا موڑ کاٹتے ہوئے ہم دونوں نے ہی محسوس کیا کہ اندر سناٹا تھا۔ کچھ دیر کے لیے گیٹ پر پڑنے والی روشنی کو اندر والوں نے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

بسیرا کے احاطے کے ساتھ ساتھ اول خان کی جیپ بائیں طرف ایک شکستہ سڑک پر مڑ گئی۔ چند ثانیوں بعد اس عمارت کا ایک چھوٹا اور متروک پھاٹک گزرا۔ جیپ بڑھتی رہی۔ اس عمارت نے علاقے کا ایک بڑا رقبہ گھیرا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف نیم پختہ یا پختہ راستے موجود تھے۔ عقب میں گھریلو استعمال والا راستہ تھا۔ دوسری بغلی دیوار میں چوتھا ویران پھاٹک بند تھا۔

رستم کی وسیع رہائش گاہ کا طواف کرکے ہم دوبارہ مین گیٹ کے سامنے سے گزرے اور اول خان نے تاریکی میں ایک جگہ جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

”بظاہر سب انتظامات مکمل ہیں۔“ اول خان نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر ایک نظر ڈال کر پُراطمینان لہجے میں کہا ”لیکن وہ سب اصل ہدف سے دور ہیں۔ عمارت کے آس پاس کسی کا سایہ تک نظر نہیں آرہا۔“

”ایرپیس آن ہو تو پتا چلے کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔“ میں نے پہلو بدل کر کہا۔

”چاہو تو اسے آن کرلو۔ سسٹم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کام شروع کرے گا۔ اس ڈیڈ لائن میں اب ایک منٹ سے قدرے زیادہ وقت رہ گیا ہے۔“

میں نے ایرپیس آن کردیا۔ جیپ کے کیبن میں ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجنے لگا۔ اس شور میں کوئی بھی انسانی آواز شامل نہیں تھی۔

”سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔“ میں نے تعریفی لہجے میں کہا ”وقت کی اتنی کڑی پابندی کا تصور عام شہری اداروں میں مفقود ہے۔“

”ہدف اہم ہو تو وقت کی پابندی ناگزیر ہوجاتی ہے۔ مختلف سمتوں سے پیش قدمی کرنے والوں کو اپنی ٹائمنگ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔“

”الفا کالنگ فار میٹنگز۔“ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ایرپیس پر ایک پرسکون آواز ابھری ”مختصر الفاظ میں نمبروار ہر کمانڈر اپنی رپورٹ دیتا چلا جائے.... اوور!“

پہلی رپورٹ لیڈنگ گروپ کی طرف سے تھی۔ باری باری مختلف آوازوں نے الفا کو پیغامات دیے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بالکل تیار اور اگلے حکم کے منتظر تھے۔

ایک موڑ سے آگے پیچھے دو تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ ان کی تمام نشستیں آباد تھیں۔ ان کے اگلے بمپروں پر وائرلیس

انٹینا کے اونچے تار لہرا رہے تھے۔ دونوں گاڑیاں اس خم دار سڑک پر آگے جا کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"دو نقل و حرکت شروع ہو چکی ہے۔" میں نے خاموشی توڑنے کے لیے تبصرہ کیا۔

"بس کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا ہے۔ پنڈت منوہر لال کلو زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔"

"آئے گا.... ضرور آئے گا۔" میں نے اضطراب کے عالم میں ہتھیلیاں مسلتے ہوئے کہا "ایریس پر سناٹا ہے۔ کیوں نہ تم بھی الفا کو اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالو۔"

"نہیں!" اس نے انکار کردیا "مجھے صرف ضرورت پیش آنے پر رابطہ کرنا ہے۔ اس وقت ان کے انتظامات میں ٹانگ اڑانے سے کوئی بدمزگی بھی ہو سکتی ہے۔"

میں نے بدمزگی کے سخت لفظ پر کوئی اعتراض کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ میری طرح وہ بھی ذہنی انتشار اور دباؤ میں مبتلا تھا۔ ایسی صورت میں روشن امکانات بھی مخدوش اور منفی نظر آنے لگتے ہیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ جیپ میں ہم دونوں ہی خاموش اور اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس دوران میں وقفے وقفے سے ایریس پر پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ جن میں سے بیشتر احکام الفا کی جانب سے تھے یا پھر اس کے آدمی اس کی ہدایت کے مطابق اپنی پوزیشنوں میں ردوبدل کے بارے میں اطلاعات دے رہے تھے۔

بسیرا کے احاطے کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ باہر سے ان کے درمیان بنی ہوئی کوئی عمارت نظر نہیں آسکتی تھی لیکن ہمیں رات کی تاریکی میں اس عمارت کی بالائی فضا میں ایک روشن ہالہ نظر آرہا تھا جس کا سبب اندر جگمگانے والی روشنیاں تھیں۔ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ انعکاس کچھ زیادہ ہی نمایاں تھا۔

پھر اچانک فضا میں اندھیرا پھیل گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ آپریشن کی نگرانی کرنے والوں نے بجلی کمپنی کے تعاون سے بسیرا کی روشن فضاؤں پر وار کیا ہے مگر وہ خیال خاصا کمزور تھا۔ ہر مقابلے میں خود تاریکی کی آڑ لے کر روشنی میں نہائے ہوئے دشمن پر وار کرنا زیادہ سہل اور سودمند ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ ایسی غلطی نہیں کرسکتے تھے کہ بسیرا میں رہنے والوں کو تاریکی کی پناہ فراہم کرتے۔

مجھے اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑی۔ لمحہ بھر بعد ہی ایریس پر الفا کی اضطراری آواز ابھری "پورا ٹارگٹ یکایک اندھیرے میں ڈوب گیا ہے۔ شاید دشمن کو شبہ ہو گیا ہے.... کاؤنٹ ڈاؤن ختم.... اصل پلان کے مطابق سب ایڈوانس کرو۔"

رات کی میٹھی آغوش میں سویا ہوا ماحول یکایک متعدد انجنوں کے شور سے گونج اٹھا۔ قرب و جوار کی ہر سمت سے گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"میں نے انفراریڈ دوربین سے سب دیکھ لیا ہے۔" فضا میں رستم کی مانوس اور نرم آواز گونجی تو میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ اپنی آواز پہنچانے کے لیے کوئی طاقت ور میگافون استعمال کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ "میرے گھر کا محاصرہ کیا جا چکا ہے.... میں ایک معزز اور شریف شہری ہوں۔ کسی نے بھی میری چار دیواری کا تقدس پامال کرنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔"

مجاز حکام کی طرف سے بارہ بجے کا وقت مل جانے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا مگر غافل نہیں تھا۔ شاید اس کے آدمی پہلے عام دوربینیں استعمال کر رہے تھے۔ اسے ذرا تاخیر سے خیال آیا کہ انفراریڈ دوربین اندھیرے کا توڑ کرسکتی ہے۔ اس نے اندھیرے میں پوشیدہ نفری اور گاڑیوں کو دیکھتے ہی اپنے گھر کا مرکزی برقی نظام معطل کردیا اور مزاحمت کا فیصلہ کرلیا۔

چار مہیب بکتر بند گاڑیاں رستم کے مکان کے مین گیٹ پر پہنچ گئیں ان کے پیچھے وہ دو گاڑیاں تھیں جو کچھ دیر قبل پراسرار تیز رفتاری سے متحرک نظر آئی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی گاڑی میں الفا اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ موجود تھا۔ امکانی مزاحمت کی صورت میں وارننگ دینے کے لیے اس کے پاس بھی میگافون موجود تھا۔ دروازے پر گاڑیاں رکتے ہی الفا کی سرد، تحکمانہ آواز ہر طرف پھیلنے لگی۔

"رستم! تمہارے فرار کی ساری راہیں مسدود کی جا چکی ہیں۔ اپنی انفراریڈ دوربین گھما کر خود یہ سب دیکھ چکے ہو۔ اپنی چار دیواری کا تقدس بچانے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کردو۔"

"میں ہتھیار ڈال دوں!" رستم کی آواز بلند اور استہزائیہ ہوگئی۔ تصادم کا یقین اس کے آہنی اعصاب میں نشتر بن کر اترا تھا۔ "یہ کام میں نے نہیں سیکھا۔ تم جیتے جی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ مجھے اکیلے آدمی کے لیے تم اتنا لشکر لے کر آئے ہو لیکن پھر بھی ناکام رہو گے۔"

ایریس یا میگافون پر الفا کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ بکتر بند گاڑیوں کے انجنوں کی غراہٹیں تیز ہوگئیں اور فضا اونچے آہنی پھاٹک کی جھنجھناہٹ سے لرز اٹھی۔

پھاٹک کے دونوں ستون بہت مضبوط تھے مگر اندرونی قابلے اور کھٹکے اس حملے کی تاب نہ لاسکے۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے اور پھر لوہا چرنے کی آوازیں پیدا ہوئیں، دونوں پھاٹک ایک پرشور جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ دو بکتر بند گاڑیاں اچھل کر اس راستے میں داخل ہو گئیں۔

پھاٹک آخری حد تک کھلنے کے بعد تیزی سے واپس ہوئے اور پھر گاڑیوں کے اگلے حصے سے ٹکرا کر رک گئے۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بسیرا کی پختہ روش ویران نظر آرہی تھی۔ وہاں کوئی بھی مسلح یا غیر مسلح فرد موجود نہیں تھا۔ نہ ہی اندر سے گولیوں کی کوئی

باڑھ ماری گئی تھی۔

"تم نے میری سلطنت تباہ کردی' میرا پندار توڑ دیا۔" میگا فون پر رستم کی رندھی ہوئی اور کرب آلود آواز ابھری "آج مجھے پتا چلا کہ اب تک میں اپنی آستین کے سانپوں کو دودھ پلا کر پروان چڑھاتا رہا تھا۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو بہت اچھا تھا.... ہوگیا ہے تو مجھے یقین نہیں آرہا۔ میں اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں نہیں دوں گا۔ اسی بے یقینی کے عالم میں مرجانا پسند کروں گا۔"

میگا فون پر ایک فائر کے ساتھ کسی معصوم بچے کی دل دوز چیخ گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس سفاک درندے نے شاید اپنی انا کی چتا پر اپنے لاڈلے نواسے کی پہلی بھینٹ دی تھی۔ اس کا میگا فون آن تھا۔ دوسری گولی چلی اور اس بار رستم کی دبی دبی کراہ سے فضا لرز اٹھی۔

خودکشی کرتے ہوئے اس انا پرست کو شاید چیخنا پسند نہیں تھا۔ اس نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنی چیخ کو آخری کراہ میں سمیٹ دیا تھا۔

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ہم دونوں ہی گنگ ہو کر رہ گئے۔

"الفا کالنگ چارلی!" ایرٹیس پر بوجھل اور تحیر زدہ آواز ابھری "یہ کیا ہوا؟ اس نے تو کوئی مقابلہ کیے بغیر خودکشی کرلی۔ وہ پہلی چیخ کس بچے یا عورت کی تھی....؟ اوور!"

"شان و شوکت کے ساتھ جینے والے بڑے مجرم شاید اسی طرح مرتے ہیں... وہ اپنے اکلوتے نواسے کو بہت چاہتا تھا۔ جاتے جاتے شاید اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے اوور!" اول خان' رستم کے اس انجام پر خوش نہیں تھا۔ اس کی آواز افسردہ تھی۔

"رستم نے ہار مان کر خودکشی کرلی ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میگافون پر الفا کی آواز ابھری "اندر کی تمام روشنیاں آن کرو اور غیر مسلح ہو کر باہر آجاؤ۔ میں گنتی شروع کررہا ہوں۔ دس کا ہندسہ پورا ہونے کے بعد کسی کو امان نہیں ملے گی۔"

مین گیٹ پوری طرح کھول دیا گیا۔ وہاں کوئی متنفس نہیں تھا۔ چاروں بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے کمان کرنے والی دونوں گاڑیاں بھی احاطے میں صرف اس حد تک اندر داخل ہوئی تھیں کہ پیچھے والی گاڑیاں اندر سما سکیں۔ ان سب کی ہیڈ لائٹس آن تھیں۔ ان کی روشنی میں کھڑکیوں اور سوراخوں سے مہلک آتشیں ہتھیاروں کی نالیں باہر جھانکتی نظر آرہی تھیں۔ اول خان نے اپنی جیپ ان کے پیچھے لگادی۔

الفا نے میگافون پر رک رک کر گنتی شروع کردی۔ وہ صرف تین تک پہنچا تھا کہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت یکایک جگمگا اٹھی۔ باغ میں اور روشوں کے اطراف بھی لیمپ پوسٹ روشن ہوگئے۔ ان سب کو یقینی طور پر کسی مرکزی سوئچ کے ذریعے ہی بند کیا گیا تھا۔

وہ زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ بسیرا کے باسیوں نے میگا فون پر اپنے کانوں سے اپنے آقا کی آخری کراہ یا ہچکی سنی تھی۔ ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ رستم نے مایوسی اور بے بسی کے شدید جذبات سے مغلوب ہو کر ایک ایسا قدم اٹھایا تھا جس نے آپریشن فورس کا کام بہت آسان کردیا تھا۔

گنتی پانچ تک پہنچی تو مختلف سمتوں سے متعدد سادہ پوش اور باوردی ملازمین اپنے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھائے نمودار ہونے لگے تھے۔

عارضی طور پر گنتی کا سلسلہ موقوف ہوگیا اور الفا ایرٹیس پر آگیا۔ وہ لیڈیز پولیس کی انسپکٹر کو اپنی نفری کے ساتھ بسیرا کے رہائشی حصے میں داخل ہونے کا حکم دے رہا تھا۔ دوسرے گروپوں کو مردوں کی تلاش کے ساتھ یہ ہدف بھی دیا گیا تھا کہ جلد از جلد رستم کی لاش تک پہنچ کر رپورٹ کردیں۔

پانچ کے بعد چھ کی باری اتنی دیر میں آئی کہ عمارت اور احاطے کے مختلف حصوں سے نمودار ہونے والوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ان کی تعداد کسی طرح چالیس سے کم نہیں تھی۔ وہ سب مغموم اور نڈھال نظر آرہے تھے لیکن ان میں کوئی چہرہ ایسا نہیں تھا جسے رستم کا قریبی عزیز سمجھا جاسکے۔

بکتر بند گاڑیوں سے مسلح افراد نیچے اترے اور انہوں نے ان سب کو چار قطاروں میں صف آرا کرکے ان کی جامہ تلاشی لینی شروع کردی۔ وہ مرحلہ بہت تیزی سے مکمل ہوگیا۔ اس کارروائی کے بعد اگلی دونوں گاڑیوں سے چار افراد اتر کر قیدیوں کی کھیپ کی طرف بڑھے۔

اول خان نے مجھے اشارہ کرکے جیپ چھوڑ دی۔ ہم دونوں کی طرف کئی نگاہیں اٹھیں مگر کوئی معترض نہیں ہوا۔ ہم تماشا دیکھنے کے لیے سب سے آخر میں جا کھڑے ہوئے۔

"تم میں رستم کا وارث کون ہے؟" الفا کو میں نے اس کی آواز سے پہچانا۔ اس نے چند ثانیون تک صف آرا افراد کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا تھا۔

"اس کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔" ایک ادھیڑ عمر شخص نے روہانسی آواز میں اس حقیقت کا انکشاف کیا "مردوں میں صرف اس کا نواسہ اس کا وارث تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اب بسیرا میں سر کوٹ کوٹ کر بین کرنے والی عورتوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

رستم کے عبرت ناک انجام کے بعد وہ کہانی بھی لرزہ خیز تھی۔ وہ جرائم کی دنیا میں لمبے سودے کرکے کس کے لیے خزانہ اکٹھا کررہا تھا؟

اسے صرف ہوس کا نام دیا جاسکتا تھا۔ اس کے نواسے کے بہتر مستقبل کے لیے بسیرا جیسی عالی شان رہائش گاہ اور رستم کی کمائی کا عشر عشیر بھی کافی ہوسکتا تھا۔

"پنڈت منوہر لال کے بارے میں تم میں سے کون جانتا ہے؟" الفا کے ساتھ کھڑے ہوئے شخص نے تیکھے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لٹکے ہوئے اداس چہرے اس اہم نام پر سپاٹ رہے تھے۔

ایک مرتبہ پھر اپریٹس پر آواز آنے لگی۔ لیڈی پولیس انسپکٹر پرجوش آواز میں بتا رہی تھی "سرا عورتوں کے ایک کمرے کی مسہری کے نیچے سے ایک معمر اور منحنی سا شخص برآمد ہوا ہے جو بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کے باوجود زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے ....اوور!"

"زنانہ حصہ فوراً خالی کردو اور اسے لے کر مین گیٹ کی طرف چلی آؤ۔ اوور اینڈ آل۔" الفا کا وہ فیصلہ بروقت اور صحیح ترین تھا۔ رستم کی پس ماندہ عورتوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان کا مربی اپنے ہاتھوں اپنے برے انجام سے دوچار ہو چکا تھا۔ انہیں اس کی موت کا سوگ منانے کی آزادی ملنی ضروری تھی۔

لیڈی انسپکٹر کے پیغام میں میرے لیے بے پایاں خوشی پنہاں تھی۔ اس نے زنانہ حصے سے برآمد ہونے والے کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ پنڈت منوہر لال کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

ویرا کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ پنڈت کی بازیابی کے ساتھ رستم کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا۔ مجھے دکھ تھا تو اس معصوم جان کا جسے رستم نے اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ وہ معصوم' خوب صورت' سرخ وسفید اور شرارتی بچہ اس وقت رہ رہ کر میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔

رستم کا المیہ یہ تھا کہ اسے اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں تھا۔ اسے اپنی برتری پر گھمنڈ تھا۔ اسی رو میں بہہ کر اس نے میرے ساتھ اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کا سودا طے کیا تھا۔ ذاتی معاملات میں بھی اسے دوسروں پر بھروسا نہیں تھا۔

اسے ڈر تھا کہ اس کی موت کے بعد اس کا چہیتا نواسا بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ جائے گا' کوئی اس کی مناسب دیکھ بھال نہیں کر سکے گا اور وہ زمانے کی ٹھوکروں میں رہ کر اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ ایسے ہولناک اندیشے تھے کہ اس نے اپنی زندگی سے پہلے اپنے نواسے کی زندگی کا چراغ گل کیا اور خود بھی اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

رستم سے ملاقاتوں میں' میں نے رائے قائم کرلی تھی کہ وہ آسانی سے شکست نہ ماننے والا ایک مضبوط آدمی ہے جس سے ٹکرانے والوں کو دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو حالات کی ذرا سی خرابی کی بنا پر مایوس اور دل گرفتہ ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتے ہیں۔

اگر اس پر ہلکا ہاتھ ڈالا جاتا تو وہ یقیناً مزاحمت کرتا اور اس انجام سے دوچار نہ ہوتا جو اس کا مقدر بنا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسے بارسوخ شخص کے گھر پر اتنے بڑے پیمانے پر یلغار کی جائے گی۔ یہ آپریشن فورس کی بھرپور طاقت ہی تھی جس کے مشاہدے نے رستم کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیا اور اس نے ذرا سی دیر میں خود ہی اپنے خلاف ایک فیصلہ کرلیا۔

آئی جی اور پولیس افسران یک جا ہو کر قطار بند ملازمین کے بارے میں مشورے کر رہے تھے اور میرا ذہن سوچ کی اتھاہ وادیوں میں بھٹک رہا تھا کہ سامنے سے مردانہ اور زنانہ پولیس فورس کے جلو میں وہ شخص نظر آیا جس کے لیے وہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے۔

اس کے خضاب میں رنگے ہوئے مختصر سے سیاہ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی پھٹی سی معلوم ہو رہی تھیں اور چہرے پر کئی دن کا بے داغ' سفید شیو بڑھا ہوا تھا۔

"یہی پنڈت منوہر لال ہے۔" اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اول خان نے اعلان کر دیا۔ الفا نے پیچھے مڑ کر فضا میں ہاتھ کی جنبش سے اول خان کا شکریہ ادا کیا اور پھر آنے والے مہمان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہماری صفوں میں شامل ہر شخص گہری دلچسپی سے پنڈت کی طرف متوجہ تھا۔

"سنا ہے تم نے اپنی زبان سختی سے بند کی ہوئی ہے۔" الفا نے پنڈت کے سر پر سختی سے ہاتھ جما کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

پنڈت نے الفا کے ہاتھ کی گرفت سے نکل جانے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا تو بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میرے ساتھ بدتمیزی مت کرو.... میں اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔"

"رستم کو بھی یہی گھمنڈ تھا جو اسے لے ڈوبا۔ زیادہ ضد کرو گے تو تمہاری ننھی سی کھوپڑی کو پکے ہوئے خربوزے کی طرح چٹخا دیا جائے گا۔" الفا نے اس کی چندیا پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا دیا۔

"تم سب بہت سفاک ہو۔ رستم ایک ہیرا تھا۔" اس کی آواز رندھ گئی "وہ زندہ رہتا تو تم میری پرچھائیں تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"ہم سب سمیت کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ اس کے مرتے ہی تم کتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگئے۔ اب ذرا اپنی زبان سے اپنا پورا نام بھی دہرا دو۔"

"میں وکیل سے ملے بغیر ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔" اس نے رٹا رٹایا جملہ دہرا لیا۔

"اگر تمہارا نام وکیل کو معلوم ہے تو اپنی ولدیت ہی بتا دو۔ یہ نہ کہنا کہ اس بارے میں بھی وکیل ہی روشنی ڈال سکے گا۔" الفا کے ساتھی کے الفاظ میں زہر گھلا ہوا تھا۔

پنڈت منوہر لال کوئی جواب دیے بغیر خالی خالی نظروں سے اس کا منہ تکنے لگا۔

”اسے گاڑی میں ڈال دو۔“ الفا نے اپنے آدمیوں سے کہا پھر رستم کے ملازمین کی طرف متوجہ ہو گیا ”تم میں سے کس کس نے اسے یہاں آتے دیکھا تھا؟“

”یہ سیٹھ کا دوست ہے۔ اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔“ رستم کے ادھیڑ عمر اور پرانے خدمت گار نے سب کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے ہوئے جواب دیا ”میں اندر رہتا ہوں مگر مجھے بھی پتا نہیں کہ یہ یہاں موجود ہے۔“

”کیا رستم نے تم لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ پولیس اسی پنڈت کی تلاش میں یہاں آنے والی ہے؟“ الفا نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

”نہیں صاحب!“ وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا ”سیٹھ آج دس بجے سے پریشان ضرور تھا۔ تین آدمیوں کو دوربینیں دے کر چھت پر بھیجا ہوا تھا۔ اس کے لیے ہم سب پریشان تھے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سیٹھ کے لیے یہ آخری رات ثابت ہونے والی ہے۔“

”اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا؟“ الفا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

”دس بجے سے تمام محافظ مسلح اور تیار تھے۔ یہ سیٹھ کا حکم تھا۔“ وہ باقاعدگی سے زاروقطار رونے لگا ”ساڑھے گیارہ بجے وہ اپنی دوربین لے کر چھت پر گیا۔ پتا نہیں اس نے وہاں کیا دیکھا کہ سب کو نیچے بھیج کر اپنے نواسے کو چھت پر بلوالیا اور سارے محافظوں کو ہتھیار خالی کر کے اپنے کمروں میں جانے کا حکم دے دیا۔ ہم سب بہت فکرمند تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیسرا کے پھاٹک پر دو چار ہتھیار بردار دن رات موجود نہ رہے ہوں۔ آج اس نے تمہارے لیے سارے راستے خالی کرا دیے تھے۔“

رستم کے انجام کی کہانی کا ہر باب دل دوز اور افسوس ناک تھا۔ اس کے باوجود یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ وہ اپنے وقت کا ایک سفاک قاتل اور چالاک مجرم تھا جو مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر بہت آسانی سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ ہم دونوں کے لیے رستم کی لاش کا دیدار ضروری نہیں تھا۔

پنڈت منوہر لال کی گاڑی میں منتقلی کے بعد مشن پورا ہو چکا تھا۔ ملازمین سے مزید باز پرس کے لیے کچھ نفری کو وہاں چھوڑ کر واپسی کا پروگرام بننے لگا۔ اول خان مجھے ساتھ لے کر خاموشی سے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بیسرا نے رخصت ہوتے ہوئے اس نے کسی سے ملاقات نہیں کی تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ اس بار ہم صرف تماشائی رہے‘ کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔“ راستے میں اول خان نے متاسف لہجے میں کہا ”ایک عرصے کے بعد ایسی بے بسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔“

میں دھیرے سے ہنس دیا ”یہ بتاؤ کہ آج کس نے کیا کیا ہے۔

تیاریاں بہت کچھ تھیں لیکن رستم نے کسی کو کارکردگی دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پوری بساط خود لپیٹ دی۔“

”یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بس لیڈیز پولیس فورس نے زنان خانے سے پنڈت کو برآمد کر کے کام دکھایا ہے۔ پتا نہیں رستم نے اس جیسے رنگین مزاج بڈھے کو اپنی عورتوں کے درمیان رہنے کی اجازت کیسے دے دی۔ اس کے عیبوں سے پورا نہیں تو آدھا شہر ضرور واقف ہے۔“

”وہ گھر کے کسی اور حصے میں روپوش رہا ہوگا.... آخری لمحات کی افراتفری میں اپنے ٹھکانے سے نکل کر عورتوں میں جا گھسا ہوگا۔“

”تمہارا نظریہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اصل متن تو اسی وقت کھلے گا جب پنڈت اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر بولنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔“

”اگر وہ ہماری تحویل میں ہو تو زیادہ آسانی سے کام آگے بڑھ سکے گا۔“

”مجبوری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت فیڈرل کسٹڈی میں چلا جائے۔“

”اس کے تینوں اصل ’نانا‘ کہاں ہیں؟“ میں نے چونک کر دریافت کیا۔

”وہ آگے چلے گئے۔ میرے پاس ان کی فوٹو کاپیاں محفوظ ہیں۔“ اس نے اطمینان دلایا۔

واپسی پر اول خان تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ رکا تاکہ غزالہ کے ہاتھ کی چائے اور دیگر لوازم سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس وقت تک ویرا نارمل ہو چکی تھی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ مجھے نظرانداز کر کے اس نے پہلا سوال اول خان سے کیا۔

”آج کل ستارے ہماری یاوری کر رہے ہیں۔“ اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا ”سب کچھ اسی طرح ہوا ہے جس طرح تم نے آرزو کی تھی۔“

”تو کیا وہ دونوں ہی ہاتھ آگئے۔“ سلطان شاہ نے اپنی جگہ سے اچھل کر پوچھا۔

”ایک ہاتھ آگیا‘ دوسرا ہاتھ سے نکل گیا۔“ میں نے اول خان سے پہلے سلطان شاہ کو جواب دیا۔

”کون ہاتھ سے نکل گیا۔“ ویرا نے وہ سوال بھی اول خان سے کیا۔ وہ کائیاں آدمی تھا۔ دن میں ویرا کے موڈ کی خرابی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے بات خوب صورتی سے میری طرف ٹال دی۔

”اپنی باتوں کو ڈینی خود ہی سمجھا سکتا ہے۔ اسی سے پوچھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔“

”میری آرزو پوری کرنے کی بات تم نے کی تھی۔“ ویرا اسی

کے گلے پڑ گئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج ڈینی سے تمہاری بول چال بند ہے اسی لیے میرے سر ہو رہی ہو۔"

"ہاں' تو تم کیا کہہ رہے تھے۔" اول خان کے اٹھائے ہوئے نکتے کی تردید کے لیے ویرا مجھ سے مخاطب ہوگئی۔

"پنڈت ہاتھ آگیا' رستم ضائع ہوگیا۔ اس نے اپنے کم سن نواسے کو قتل کر کے خودکشی کرلی۔"

ویرا کا چہرہ کھل اٹھا "اس کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ سانپ کا بیٹا سنپولیا ہوتا ہے۔ اس کا نواسا بھی بڑا ہو کر اپنے نانا کے نقشِ قدم پر چلتا۔ اچھا ہوا کہ آنے والے دنوں کا پاپ ابھی مٹ گیا۔"

"یقین نہیں آرہا کہ رستم نے اس شریر بچے کو بھی مار دیا ہوگا۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھا ہوا تھا اس لیے وہ ویرا کے جذبات کی تائید نہیں کرسکا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ بچ گیا ہو۔" اول خان نے پرامیدی کا مظاہرہ کیا "ہم نے میگافون پر فائر اور چیخ کی آوازیں ضرور سنی تھیں لیکن لاشیں دیکھے بغیر وہاں سے لوٹ آئے۔"

"وہ رستم کی چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ دونوں میں سے کوئی نہیں بچا ہوگا۔" میں نے اول خان کی نکتہ آفرینی پر اسے گھورتے ہوئے کہا "بگڑی ہوئی لاشوں کو دیکھنا کوئی خوش گوار فعل نہیں ہوتا۔"

"صبح کے اخباروں میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"سب کچھ بہت تیزی سے رونما ہوا۔ پہلے بات ملک ممتاز اور ملک افضل سے شروع ہوئی تھی پھر انتظامیہ درمیان میں آگئی اور پولیس ایکشن بھی ہوگیا۔ رستم کو مرتے مرتے یہ گتھی ستاتی رہی ہوگی۔" اول خان بولا۔

سوچنے کے لیے وہ بھی ایک نکتہ تھا۔ رستم کے بدحواس اور مایوس ہونے کی متعدد وجوہ میں ایک وجہ وہ بھی ہوسکتی تھی مگر اس پر سر کھپانا بے سود تھا۔ سب کچھ بھی رہا ہو' اصل اور اہم ترین بات یہ تھی کہ رستم کے خاتمے کا ہدف حاصل کرلیا گیا تھا۔

چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے ایریئس پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے بٹن دبا کر اسے آن کردیا۔ اپنی دانست میں آپریشن کی تکمیل کا اندازہ لگا کر اس نے ٹرانسمیٹر بند کردیا تھا۔

دوسری طرف سے الفا اسی کے لیے پیغام نشر کر رہا تھا۔ اول خان نے فوری طور پر اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالی۔

"چارلی! تمہیں وہ تینوں کاغذ کس ذریعے سے ملے تھے؟ اوور!" الفا نے سوال کیا۔

"میرے معروف دوست کے ذریعے۔" اول خان نے میرا نام لیے بغیر کہا "میں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اوور!"

"ملزم کو اسلام آباد منتقل کرنے سے پہلے ہم اس سے جوائنٹ انٹروگیشن کرلیں تو بہت سی باتیں واضح ہو کر سامنے آجائیں گی۔ کل تم دونوں دستیاب ہوسکتے ہو؟"

وہ ہم دونوں کے دل کی آواز تھی۔ اول خان نے کال اوور ہوتے ہی ہم دونوں کی دستیابی کا عندیہ دے دیا۔

"گڈ!" الفا نے جواب دیا "میں کل صبح تمہیں پروگرام سے آگاہ کروں گا۔ اوور۔"

"میں منتظر رہوں گا.... کیا یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ بسیرا کی چھت سے ملنے والی دو لاشیں کس حال میں تھیں۔ اوور!" اول خان نے موقع ملتے ہی اپنا سوال پیش کردیا۔

"دونوں فائر کنپٹیوں پر کیے گئے تھے۔ گولیاں کھوپڑیوں کا ایک حصہ ساتھ لے کر دوسری طرف سے نکل گئیں۔ اچھا ہوا کہ تم نے وہ لاشیں نہیں دیکھیں۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی شبہ تھا۔ اوور!"

"نہیں لیکن تصدیق ضروری تھی۔ اوور!" اول خان کے پاس اس سوال کا جواب تیار تھا۔

الفا نے سلسلہ منقطع کردیا۔ کوئی بات جاننے کے لیے ہمیں اخبارات کھنگالنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

مگر اخبارات شہری زندگی کے لیے ایک لازمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی قابلِ ذکر خبر ہو یا نہ ہو' لوگ ناشتے پر اخبار بینی کے عادی ہوتے ہیں۔ سلطان شاہ نے ایک ہاکر کے ذریعے گلشن اقبال کے نئے مکان میں بھی اس روزانہ چاٹ کا بندوبست کرلیا تھا۔

رستم کے گھر پر ہونے والی کارروائی کی خبر اگلی صبح صرف تین کالمی سرخی پر مشتمل تھی۔ اس منصوبے کو ذرائع ابلاغ سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اس لیے کسی کو بھی اس ایکشن کی وسعت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ ایک پولیس پارٹی کسی تفتیش کے سلسلے میں بسیرا گئی۔ رستم نے ملاقات سے انکار کردیا اور پولیس کا سامنا کرنے پر خودکشی کو ترجیح دے بیٹھا۔ خبر میں زیادہ اہمیت اس بات کو دی گئی تھی کہ رستم نے اپنی جان لینے سے پہلے اپنے اکلوتے نواسے کو بھی مار دیا تھا۔

خبر میں پنڈت منوہر لال کے بارے میں دور کا بھی کوئی حوالہ نہیں تھا۔ شاید پولیس اہلکاروں نے بسیرا کے بے یار و مددگار ملازمین کو پنڈت کے بارے میں سختی سے اپنی زبانیں بند رکھنے کی ہدایت کی تھی جس کے نتیجے میں اخباری نامہ نگاروں کو بسیرا سے کوئی مواد نہیں مل سکا تھا۔

رستم شہر کے باخبر اور بے خبر حلقوں میں اپنے رسوخ اور مالی استحکام کی بنا پر خاصا معروف تھا۔ اس کے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے شخص اس پر تنقید کرنے سے گھبراتا تھا۔ اس کے خلاف کسی

عدالت میں کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا اس لیے واقفانِ حال بھی سرگوشیوں سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اس کی ناگہانی خودکشی پر اخباری رویہ بھی ہر تنقید سے عاری تھا۔

میں ناشتے کے بعد بھی اخبار کے مطالعے میں مصروف رہا۔ مجھے اول خان کی طرف سے الفا کے پروگرام کے بارے میں کسی اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

"اگر اخبار حفظ کرنے کی کوشش کررہے ہو تو وہ کامیاب نہیں ہوگی۔" ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ اخبار کے انتظار میں اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

ویرا کی طرف سے فاصلہ برقرار رکھنے کے چیلنج کے سوا ہم دونوں کے درمیان کوئی رنجش نہیں تھی پھر بھی مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اپنے مخصوص اور تیکھے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ میں نے کوئی عذر کیے بغیر خوش دلی سے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے' میں وقت گزاری کے لیے بازار کے بھاؤ دیکھ رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری بے خبری میں یہاں آبیٹھی ہو۔"

"آئندہ آنے سے پہلے ڈھول بجا کر آگاہ کردیا کروں گی۔" ویرا نے بے رخی سے کہا۔

"مشرقی شرفا یہ کام ڈھول کے بجائے گلے سے لیتے ہیں۔ کھنکارنے سے بھی مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں مشرقی نہیں' مغربی لڑکی ہوں اور تمہارے معیار سے شاید شرفا کی صف میں شامل ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتی۔" میری نرمی سے فائدہ اٹھا کر وہ کڑوی کسیلی باتیں کرتی رہی۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ گفتگو ختم کرکے اخبار کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

"اخبار دیکھو گی تو تمہیں حیرت ہوگی کہ رستم بھی شرفا میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تم اس منصب کے لیے زیادہ بہتر امیدوار ہو۔"

میرا وہ مشورہ مضر ثابت ہوا۔ ویرا نے فوراً ہی اپنی گود میں اخبار پھیلا لیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تم لوگوں میں شرافت کا کیا معیار مقرر ہے۔ رستم شریف تھا تو دنیا میں کوئی بھی رذیل نہیں ہوسکتا۔"

"ہماری اس رسم کا خیال رکھنا کہ ہم مرجانے والوں کو برا نہیں کہتے۔ وہ عمل کی قوت سے محروم ہوکر خود ہی مکافاتِ عمل کے گھیرے میں چلے جاتے ہیں۔"

اس نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور قدرے بے اعتباری سے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج تمہارے لب ولہجے سے عداوت کے بجائے دوستی کا اظہار ہورہا ہے۔"

"تو کیا ہم دوست نہیں ہیں۔" میں نے جمود ختم کرنے کے لیے وہ بے ساختہ سوال ...

"دوست بھی اچھے اور برے ہوتے ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں۔"

وہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے متبادل مشغلے کے طور پر سگریٹ سلگالی۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ الفا نے اس کے ساتھ مجھے بھی صدف مینشن میں بلایا تھا جس کی نچلی منزل پر اس کا عارضی فیلڈ آفس قائم تھا۔ اول خان نے اپنی سہولت کے مطابق الفا کو ساڑھے بارہ بجے کا وقت دیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر صدف مینشن پہنچ سکے۔

اول خان نے اسٹیشن فور سے فون کیا تھا۔ اسے ملیر چھاؤنی سے صفورا گوٹھ اور ریس کورس کے راستے ہمارے گھر تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے تھا۔ میں فوراً ہی تیاری کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں غزالہ شاید میری ہی منتظر تھی۔

"کل سے وہ بہت اَپ سیٹ ہے۔" مجھے دیکھتے ہی غزالہ نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "ذہنی کرب کی حالت میں اس کی سوچ پر مایوسی مسلّط ہوجاتی ہے...."

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "وہ اپنی ان ہی حرکتوں سے تمہارے اوپر اپنی مظلومیت کا رعب گانٹھتی ہے۔ دوچار روز میں اس کا دماغ خودبخود درست ہوجائے گا۔ میرا وقت خراب مت کرو۔ اول خان مجھے لینے کے لیے اپنے دفتر سے چل پڑا ہے۔ مجھے تیار رہنا ہے۔"

"میری بات مانیں اور موقع محل دیکھ کر اس سے صلح کرلیں۔ زیادہ بے زار ہوگئی تو وہ کسی بھی دن چپکے سے دنیا کے کسی بے نام گوشے کی طرف نکل جائے گی۔"

مجھے غزالہ کو کوئی موزوں جواب دینے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وہ اپنی بات پوری کرتی ہوئی' تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اس وقت پوری طرح سنجیدہ تھی۔

غزالہ کی پچھلی گفتگو کے حوالے سے اس کی نئی سفارش میرے لیے بہت اہم تھی۔ میرے من کا چور اپنی جگہ پر تھا مگر یہ بات ایک اعزاز سے کم نہیں تھی کہ غزالہ کے سامنے میرا بھرم قائم تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھے جس راستے پر چلنے کا مشورہ دے رہی تھی وہ کسی وقت خود اسی کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ یہ میری اپنی محتاط روی تھی کہ میں نے ویرا کی وجہ سے غزالہ کو کبھی بھی نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے ہر حال میں وہی درجہ دیا تھا جس کی وہ حق دار تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان آپہنچا اور مجھے ساتھ لے کر نئی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

"صدف مینشن میں ... ملاقات ہوگی یا صرف الفا

سے سامنا ہوگا؟" راستے میں میں نے پوچھا۔

"وہ میرے لیے نئی جگہ ہے۔ دونوں افراد بھی اجنبی ہیں۔ رات کو میں نے بسیرا میں آواز کی بنا پر الفا کو پہچانا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی پتا چلے گا کہ کون کون ملاقات کے لیے موجود ہے۔"

"ان سے مذاکرات کے لیے کیا پروٹوکول اپنانا ہوگا؟" سرکاری افسروں کے لیے مراتب کا لحاظ ضروری تھا۔

"میری بات مختلف ہے۔ تم میرے دوست ہو۔ جب تک وہ کوئی واضح تخاطب اختیار نہ کریں' انگریزی سے کام چلا لینا۔ اس زبان میں آپ اور تم کا فرق پتا ہی نہیں چلتا۔"

اجنبیت اور بے یقینی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ہم مقررہ وقت سے پہلے نشتر روڈ کے عقب میں واقع صدف مینشن تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ پتھروں سے بنی ہوئی اس تین منزلہ پرانی عمارت میں اپنے نازک نام کا کوئی بھی وصف موجود نہیں تھا۔ بادی النظر میں وہ کوئی آسیب زدہ عمارت نظر آتی تھی۔ اس کی اوپری منزلوں تک رسائی کے لیے باہر سے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اکلوتا چوبی دروازہ بند تھا جس پر کال بٹن قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

پتھروں سے بنے ہوئے تین زینے چڑھ کر ہم دروازے کے سامنے پہنچے اور اول خان نے کوئی متبادل نہ پا کر لوہے کا وزنی کنڈا بجا کر اپنی آمد کا اعلان کردیا۔ ایک شخص شاید دروازے سے لگا بیٹھا تھا۔ اس نے احتیاط سے ذرا سا دروازہ کھول کر اشتباہ آمیز نظروں سے سرتاپا ہمارا جائزہ لیا۔

"چارلی.... ہم الفا سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے نیچی آواز میں کہا۔

پاس ورڈ سنتے ہی دروازہ مزید کھلا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔ وہ کراچی کی ایک چمکیلی دوپہر تھی مگر اندر ہلکی سی تاریکی کا راج تھا جس میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے پر ہم ایک اونچے مگر قدرے مختصر ہال میں تھے جس میں سے چوبی زینے اوپر کی منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔

بظاہر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس عمارت میں ہم تینوں کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔

"ادھر سیدھے چلے جائیں۔ راستہ ایک دروازے پر ختم ہوگا۔ دستک دے کر اندر چلے جائیں۔" دربان نے مہذب انداز میں ہماری رہنمائی کی اور ہم چوبی زینوں سے متصل راہداری میں مڑ گئے۔ اس راہداری میں اس قدر اندھیرا تھا کہ دن کے وقت بھی رہنمائی کے لیے چھت سے لٹکے ہوئے دو بلب روشن تھے۔

عمارت کے گھسے ہوئے زینوں اور میلی سنگی دیواروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی زمانے میں اسے نہایت فراخ دلی سے استعمال کیا گیا ہوگا مگر اس وقت وہاں پرہول ویرانی کا راج تھا۔ وہاں کا ماحول کسی بھی کمزور دل آدمی کو [illegible]

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آواز خاصی گونج پیدا کر رہی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہمارے میزبان کو ہمارے پہنچنے کا پیشگی علم ہوگیا۔ ہم دستک دیے بغیر کھلے ہوئے دروازے سے اندر پہنچ گئے۔ دروازہ کھولنے والا کوئی خدمت گار تھا جو ہمارے پہنچتے ہی باہر نکل گیا۔

اس کمرے میں دفتر کی کوئی علامت نہیں تھی۔ فرش پر گرد آلود اور بوسیدہ قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے ساتھ سات نشستوں کی گنجائش والے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ان ہی کی مناسبت سے پنچی میزیں تھیں۔ شیشے کی ایک الماری میں مختلف ضخامت کی فائلیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کمرے میں کبھی کبھی لکھنے پڑھنے کا کام بھی ہوتا ہوگا۔

صوفوں پر پختہ عمر کے دو صحت مند افراد بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ ان چہروں کی جھلک میں پچھلی رات دیکھ چکا تھا۔ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر کفایت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیے۔ اس وقت پتا چلا کہ الفا نامی صاحب کا نام جلال اور دوسرے کا رحمان تھا۔ انہوں نے اپنے عہدوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم چند منٹ پہلے آگئے۔" جلال نے کسی رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست بات شروع کردی "ہم پنڈت کا سامنا کرنے سے پہلے کچھ وضاحتوں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔"

"اپنی معلومات کے مطابق ہم ہر وضاحت پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

جلال نے شفاف شیشوں کی عینک ناک پر ذرا نیچے سرکائی اور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں "تم ذہین ہو۔ ماضی میں تمہارا نام بہت کثرت سے سننے میں آتا رہا ہے۔"

وہ محتاط انداز میں شاید میری ستائش تھی۔ میں سرہلا کر رہ گیا۔

جلال نے اپنی بات جاری رکھی "وہ تین کاغذ تم نے پنڈت کے محفوظ ریکارڈ سے اڑائے تھے۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم پنڈت کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے جبکہ عیاشیوں کے سوا اس کا ماضی بے داغ ہے۔"

تفتیش کے انداز میں کیا جانے والا وہ سوال بہت ٹیڑھا تھا مگر ان لوگوں نے ملک کے لیے پچھلی رات جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کے پیش نظر میں نے بڑی نرمی سے کہا "اس کے ماضی کے سارے سیاہ داغ اس کی عیاشیوں میں ہی پوشیدہ تھے۔ اس کے ملنے جلنے والوں میں مشکوک افراد شامل تھے جو سرکاری اہل کاروں کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر کے نادانستگی میں انہیں اپنا آلۂ کار بنالیتے تھے۔ دھن راج جو حال ہی میں پکڑا گیا ہے' نہ صرف اس کا دوست تھا بلکہ اس کی بیٹی موہنی پنڈت کا بھی بوائے فرینڈ ہے۔ وہ خود ان سب باتوں کا اعتراف کرے گا۔"

"موہنی پنڈت شاید مقامی ماڈل گرل ہے۔ انڈین قونصلیٹ [illegible]

کے میجر بخشی سے گہرے میل جول کی وجہ سے اس کا نام ہماری لسٹ پر موجود ہے۔" اس مرتبہ رحمان نے میری بات کی تائید کی۔
"حیرت ہے کہ موہنی کا باپ ہونے کے باوجود پنڈت منوہر لال ہماری نظروں سے بچا رہا!" جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس کے استفسار پر میں نے موسیٰ اور ملنگ کا ذکر کیے بغیر پنڈت کی سرگرمیوں کے بارے میں ہر بات ان کے سامنے اگل دی۔
اس کی مخصوص پارٹیوں میں غیر ملکیوں اور بعض صیہونی ایجنٹوں کی شرکت کا انکشاف ان دونوں کے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خفیہ اداروں کی مروجہ اخلاقیات کی وجہ سے اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میری معلومات کے ذرائع کیا تھے۔
"یہ سب جان لینے کے بعد تم اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے گھر سے کچھ کاغذات اڑا لانے میں کامیاب ہوگئے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا "ان ہی میں وہ تین کاغذ بھی شامل تھے۔"
میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان سوال کر بیٹھا "ان کاغذوں کے بارے میں پنڈت خود کیا کہتا ہے؟"
"ابھی تک اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔" جلال نے کہا "پچھلی رات سے اسے بھوکا اور بیدار رکھا گیا ہے۔ اب تک اس کے اعصاب کمزور پڑ چکے ہوں گے۔ ہم تمہارے سامنے اس سے ملیں گے۔"
"وہ ڈھلتی ہوئی عمر کا آدمی ہے۔" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بھوک، پیاس اور بے خوابی کی کیفیات اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گی۔"
جلال ایک مرتبہ پھر میری طرف متوجہ ہوگیا "ان تینوں کاغذوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"
"تل ابیب میں موساد کے فون نمبروں کا معما حل ہو چکا ہے۔" میں نے کہا "دوسرا مطبوعہ سرٹیفکیٹ یہ ثابت کرتا ہے کہ پنڈت جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا رکن ہے اور یہ سوسائٹی پاکستان کی ذرا بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتی۔ تیسرے کاغذ پر ان لوگوں کا کوئی سائفر کوڈ ہو سکتا ہے۔"
"ظاہری امکانات یہی ہیں مگر الفانیومرک سسٹم پر مشتمل وہ کرپٹوگرافی بہت دشوار ہے۔ اس میں انگریزی کے ہر حرف کے دو ہندسے مخصوص ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زبان میں ایک چار حرفی لفظ آٹھ ہندسوں پر مشتمل ہوگا اور اسے اسی طرح ڈی کوڈ کیا جا سکے گا۔
"دشوار نہیں، عملی طور پر ناممکن۔" رحمان نے اپنے ساتھی کی بات میں ٹکڑا لگایا۔
ان کا خدمت گار ایک ٹرے میں چائے کی چار پیالیوں کے ساتھ کچھ میٹھے اور نمکین بسکٹ لے آیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں افسروں کو کام کے ساتھ مدارات کا بھی خیال ہے۔
چائے کا دور ختم کرتے ہی وہ دونوں اٹھ گئے۔ ہم نے ان کی تقلید کی۔
سیلن زدہ راہداری سے گزرتے ہوئے میں اس عمارت کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہ سکا۔ میں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "یہ عمارت باہر سے اندر تک خاصی ڈراؤنی اور ویران لگتی ہے...."
رحمان نے ہنس کر میری بات کاٹ دی "ان ہی خوبیوں کی وجہ سے یہ عمارت حاصل کی گئی ہے اور یہاں کا ماحول برقرار رکھا گیا ہے۔ بعض حصوں میں تمہیں چمگادڑیں بھی مل جائیں گی۔ یہاں صرف چار گن مین ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے چائے لانے والا بھی گن مین تھا۔ ہم آتے جاتے رہتے ہیں۔"
"شاید یہ عمارت خطرناک مجرموں سے تفتیش کے لیے مخصوص ہے؟" اول خان نے پوچھا۔
"یہاں لائے جانے والے قیدیوں کا کافی مورال خود بخود ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ رات کو اندھیرے کمروں میں چمگادڑیں چیخیں مار کر پھڑپھڑاتی ہیں تو یہ ماحول اور ڈراؤنا ہو جاتا ہے۔"
صدف مینشن ان کے خاص خاص ملزموں سے تفتیش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک کمرا نچلی منزل پر تھا۔ اوپر کے کمرے کبھی کبھی ہی کام میں لائے جاتے تھے۔
وہ دونوں اسی راہداری کے ایک دروازے پر رکے۔ فوراً ہی وہ دروازہ خشک آہنی قبضوں کی پرشور آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اندر جاتے ہوئے ہم اس کمرے کے سامنے سے گزرے تھے تو وہاں ایسا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو۔ دروازہ کھلتے ہی گن مین نے اپنے افسروں کو سلام کیا اور اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اندرونی دروازے کا تالا کھولنے کے لیے بڑھ گیا۔
آہٹوں اور تالا کھلنے کی آوازوں پر اندر سے بڑبڑاہٹیں سنائی دینے لگیں۔ مقفل دروازہ کھلا تو وہ کمرا دو طاقت ور قمقموں کی تیز روشنی سے دمک رہا تھا۔ پنڈت منوہر لال کمرے کے وسط میں ایک چارپائی پر بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔
وہ کمرا خاصا بڑا لیکن سامان سے خالی تھا تاکہ قیدی مایوسی کے عالم میں اپنی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ایک گوشے میں اینٹوں سے بنی ہوئی کوٹھری تھی جو شاید باتھ روم کے طور پر قیدیوں کے لیے بعد میں بنائی گئی تھی۔
پنڈت نے ہم چاروں کو وحشت زدہ متورم آنکھوں سے دیکھا اور چارپائی سے اتر کر فرش پر کھڑا ہوگیا "تو اب پتا چلا کہ میں یہاں اکیلا نہیں ہوں، درندوں میں گھرا ہوا ہوں۔"
اس کی آواز کمزور تھی لیکن الفاظ بتا رہے تھے کہ اس کا دم خم باقی تھا۔
جلال بڑھ کر اس کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ چند ثانیوں تک اسے قہربار نظروں سے گھورنے کے بعد جلال نے اس کے بائیں رخسار پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ پنڈت کے حلق سے ایک غراہٹ آزاد

ہوئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا "ہم درندے نہیں، تم سے بہتر انسان ہیں۔ اگر تم نے اپنی زبان کو لگام نہ دی تو ہم درندگی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہمارے قیدی ہو۔"

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر نفرت بھری آواز میں چیخا "میرے وکیل کو بلا دو۔ پھر دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"تم ٹھہرو۔ اسے میں دیکھتا ہوں۔" میں نے جلال سے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ اس کے سر پر بالوں کی قلت تھی مگر جو بال تھے وہ خاصے لمبے تھے تاکہ ان کے ذریعے کھوپڑی کے بنجر حصوں کو چھپایا جا سکے۔ میں نے جاتے ہی اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کے جبڑے پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور اس کے دہانے کے ایک گوشے سے خون کی ہلکی سی لکیر بہہ نکلی۔

پنڈت کے ہاتھ غیر ارادی طور پر ہونٹوں تک گئے۔ چپچپاہٹ محسوس کرکے اس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا اور چیخ پڑا "خون.... تم نے مجھے زخمی کیا ہے...."

وہ دیوانہ وار میری طرف لپکا تھا لیکن اسی جبڑے پر پڑنے والے دوسرے گھونسے نے اسے زمین بوس کر دیا۔ اس کا وجود منحنی تھا مگر وہ حیرت ناک قوتِ برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"تمہارے تینوں کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ بتاؤ! تم ان کی کیا قیمت دے سکتے ہو؟"

میرے وہ فقرے اس کے ذہن پر بجلی بن کر گرے۔ وہ اپنی چوٹوں کو بھول کر میرا چہرہ دیکھنے لگا "اب تم مجھے بلیک میل کرو گے۔ میرے کاغذ میرے ہی ہاتھ بیچو گے۔"

"خریدنا چاہو تو سودا ابھی ہو سکتا ہے ورنہ وہ ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک تمہیں اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کی مزاحمت کا ادراک کرتے ہی میں نے گفتگو کا رخ یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ شاید جلال اور رحمان اس تبدیلی پر بری طرح چونکے ہوں لیکن انہوں نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"کک.... کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں پولیس کی نہیں، تمہاری ذاتی تحویل میں ہوں؟" اس کی سرخ آنکھوں میں امید کی ایک نئی چمک عود کر آئی۔

"ہم میں سے کوئی اپنی وردی میں نہیں ہے اور تم لاک اپ میں بند نہیں ہو۔"

"اگر میں تم سے کوئی سودا نہ کروں تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے؟" اپنی جبلت کے تحت وہ میری باتوں پر یقین کرنا چاہ رہا تھا مگر بے اعتباری میں مبتلا تھا۔

"تمہیں آزادی یا موت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔" میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا "تم بسیرا سے پکڑے گئے ہو۔ تمہاری گرفتاری دکھانی پڑے گی۔ تم سودا کر لیتے ہو تو وہ کاغذ تمہیں مل جائیں گے۔ تم سے نرم سلوک کیا جائے گا۔ تمہاری فائل بہت ہلکی بلکہ کمزور ہو جائے گی اور تمہارا وکیل تمہیں جلد ہی رہا کرا لے گا۔ تم نے سودے سے انکار کیا تو وہ کاغذ تمہاری فائل میں جائیں گے۔ تم جانتے ہو کہ وہ تمہاری موت کے پروانے ہیں۔ غداری کی سزا ہر عدالت سے ایک ہی ملتی ہے اور وہ ہے سزائے موت!"

"مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔" وہ کراہا "تم نے مار مار کر میرے اوسان خطا کر دیے ہیں۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا۔ اپنا مطالبہ بتاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ایک دو روز میں کوئی فیصلہ کر لوں گا۔"

اس کی مکاری پر میں دل ہی دل میں ہنسا پھر سخت لہجے میں کہا "میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ تمہیں اسی وقت فیصلہ کرنا ہے کیونکہ آج شام تک تمہاری گرفتاری دکھانی ہے۔ وہ کاغذ ایک مرتبہ فائل میں چلے گئے تو انہیں واپس نہیں لیا جا سکے گا۔"

اس مکار بڈھے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکائیں، بائیں ہاتھ کی پشت سے دہانے سے رواں خون صاف کیا "مگر وہ کاغذ تمہارے پاس کہاں سے آگئے؟ بسیرا میں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تم مجھے چکما دے کر لوٹنا چاہ رہے ہو۔"

لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ مار کھانے اور بدحواس ہونے کے باوجود اس کی عقل پوری طرح کام کر رہی تھی۔ کاغذ اس کے گھر سے چوری ہوئے تھے پھر وہ پولیس کے پاس کیسے آسکتے تھے۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور کہا "رستم ان ہی کاغذوں کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ تمہارے گھر سے وہ سارے کاغذ ملک ممتاز نے اڑائے تھے۔ وہ رستم سے ان کا سودا کر رہا تھا مگر ممتاز بھی ٹیڑھا آدمی ہے۔ وہ کاغذوں سمیت ہمارے ہاتھ لگ گیا اور اب تم بھی ہمارے قبضے میں ہو۔"

میری زبان اس وقت مشینی انداز میں چلتی گئی اور کہانی خود بخود موزوں ہوتی گئی۔

"تم جھوٹے ہو۔ میں کاغذ دیکھے بغیر تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔" وہ منہ سے حیلہ سازی کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ میں اپنے دل میں پشیمان تھا کہ میں نے پنڈت کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے میں اس قدر سنگین غلطی کیسے کی تھی۔

پنڈت کے اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ وہ اول خان کے ذریعے آئی بی والوں کی تحویل میں جا چکے تھے۔ میں نے باری باری رحمان اور جلال کی طرف دیکھا۔ جلال نے اپنی جیب سے ایک خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔" اول خان نے مجھے لقمہ دیا "پنڈت ان کاغذوں کو ضائع کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔"

میں نے لفافہ کھول کر وہ تینوں کاغذ نکالے اور فضا میں لہرا کر

دور سے پنڈت کو دکھائے۔ اول خان کی واضح وارننگ کے باوجود وہ حریصانہ انداز میں میری طرف لپکا اور رحمان نے پل بھر میں اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا "رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

پنڈت منوہر لال جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس کی نگاہیں کاغذوں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

میں نے چند قدم پیچھے ہٹ کر وہ کاغذ اپنے سامنے کر لیے "موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر جو تل ابیب کے ہی ہوسکتے ہیں، جس کی تاحیات رکنیت کا تصدیق نامہ اور تمہاری کرپٹوگرافی کا کوڈ چارٹ.... پاکستان میں یہ تین کاغذ تمہاری سزائے موت کے لیے کافی ہوں گے۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" اس کی آواز پر پہلی مرتبہ شکست کے آثار غالب ہونے لگے "تمہارا ہوم ورک مکمل ہے۔ بتاؤ، ان کاغذوں کی کیا قیمت مانگتے ہو؟"

میں نے وہ تینوں کاغذ موڑ کر اطمینان سے لفافے میں ڈالے اور لفافہ جلال کو لوٹا دیا۔

"میں کچھ نہیں مانگتا۔ تمہاری بولی وہاں سے شروع ہوگی جہاں ملک ممتاز نے چھوڑی تھی۔ تین کاغذوں کے تین کروڑ سے آگے کی بات کرو۔" ذہنی طور پر اسے پوری طرح زیر کرنے کے بعد میں نے کہا۔

میری زبان سے تین کروڑ کے ذکر نے اسے پوری طرح قائل کردیا ہوگا کہ ملک ممتاز واقعی ہمارے قبضے میں آگیا ہوگا کیونکہ میں نے ملک ممتاز کے روپ میں رستم سے تین کروڑ کا ہی مطالبہ کیا تھا۔

"اتنی تو میری جمع پونجی بھی نہیں ہوگی۔" پنڈت نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ملک ممتاز نے تمہاری تجوری دیکھ لینے کے بعد ہی منہ کھولا تھا۔" میں نے جواب دیا "وہ ذرا بھی سیانا ہوتا تو کاغذ چھوڑ کر تمہاری تجوری سے اس سے زیادہ رقم اور زیورات لے جاسکتا تھا۔"

"بس پھر بات تین کروڑ پر ہی ختم کردو۔" پنڈت کسی حیل حجت کے بغیر آمادہ ہوگیا۔

میں اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال کر ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے پہنچ گیا "تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہ کاغذ تمہارے ہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے کاغذ خوب پہچانتا ہوں۔" وہ یک بیک پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

میری ذرا سی چال بازی کے نتیجے میں وہ سب کچھ نہیں تو بہت کچھ اگل بیٹھا تھا۔ کاغذ اسی کے تھے، بہت اہم تھے اور اس نے ان کے بارے میں میری رائے کو چیلنج نہیں کیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکالے اور اس کے چہرے کو اچانک مکوں پر رکھ لیا۔ کمرا اس کی چیخوں سے لرزنے لگا۔

وہ کمرے کے فرش پر ایک ہی جگہ کھڑا ہوا، کسی شرابی کی طرح جھومتا اور اپنے چہرے کو میرے طوفانی مکوں سے بچانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ آخر کار تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

اس کے گرتے تک سب خاموش کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس کے گرتے ہی جلال قریب آکر محبت آمیز نرمی سے مجھے اپنے پہلو میں لے کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔

جاتے جاتے میں نے حقارت سے پنڈت پر تھوک دیا "حرام زادہ.... سور کا بچہ.... ہر شخص کو اپنی طرح کوڑیوں کا غلام اور بکاؤ مال سمجھتا ہے۔"

پنڈت کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی، اس کے کئی دانت ٹوٹ چکے تھے، چہرہ جگہ جگہ سے کٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر میرے دل میں گویا ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

"میں حیران رہ گیا تھا کہ ذینی نے اس کے ساتھ کاغذوں کی سودے بازی کا کیا چکر شروع کردیا ہے۔" پنڈت کے کمرے سے نکلتے ہی رحمان نے ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی سے بولنا شروع کردیا "بعد میں متن کھلا کہ اس طرح اس سے اعترافات کروائے گئے ہیں۔"

جلال نے مجھے بدستور اپنے پہلو میں لیا ہوا تھا۔ اس نے میرے بدن پر دباؤ بڑھاتے ہوئے پوچھا "یہ ملک ممتاز کون ہے؟ تم اس کا ذکر نہ کرتے تو پنڈت ہرگز قابو میں نہ آتا۔"

"تم کل رات الفا تھے، آج جلال ہو، کل نہ جانے کیا بن جاؤ۔ اسی طرح کاغذ چراتے ہوئے میں ذینی تھا اور رستم کے گھر میں پنڈت کی روپوشی کا سراغ لگاتے ہوئے ملک ممتاز بن گیا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"رستم ان کاغذوں کے تین کروڑ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"آمادہ نہیں ہوا تھا، مطالبہ سن کر حیران ہوا تھا۔ بات آگے بڑھتی تو آمادہ بھی ہوجاتا۔ تم نے دیکھا کہ پنڈت کتنی آسانی سے اس سودے کے لیے تیار ہوگیا۔"

"اور تم نے وہ موقع ٹھکرا دیا۔" رحمان نے رشک آمیز لہجے میں کہا "کاش! اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والوں کو یہ معلوم ہوسکے کہ تم جیسے ایک عام پاکستانی نے وطن کی محبت کے لیے کتنی بڑی دولت کو لات ماری ہے۔ صاف اور سچے ضمیر کے بغیر ایسے فیصلے نہیں کیے جاسکتے۔"

پنڈت منوہر لال سے پوچھ گچھ کے دوران میں رونما ہونے والے ڈرامائی موڑ کے نتیجے میں ہمارے اور آئی بی والوں کے درمیان حائل تکلف کی دیوار یکایک ہی گر گئی اور ہمارے درمیان خوشگوار گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں وہ دونوں کسی بجلی یا

کفایت کے بغیر ہمارے کردار کو سراہ رہے تھے۔
دفتر کے طور پر استعمال ہونے والے کمرے میں واپس پہنچ کر جلال نے کہا "پنڈت کے بارے میں میرے اندازے بالکل غلط ثابت ہوئے۔ وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سخت جان اور ضدی ہے۔"
"گلو خلاصی کے لیے بدحواسی کا عذر پیش کرتا رہا' جوں ہی ڈیٹی نے ان کاغذات کے حوالے سے بات گھمائی اور اسے یقین ہو گیا کہ وقت نہیں مل سکے گا تو اس کی حاضر دماغی قابلِ رشک تھی۔"
اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے پاس کاغذوں کی موجودگی پر شبہ ظاہر کر کے اس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔"
"اس میں کوئی نہ کوئی وصف ہے جو ایک بین الاقوامی صیہونی تنظیم نے اسے اپنا تاحیات رکن بنایا ہوا ہے۔" میں نے انہیں یاد دلایا "متعصب یہودی اپنی صفوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کم ہی شامل کرتے ہیں۔"
"آج تم نے ثابت کر دیا کہ میں نے تم دونوں کو بلا کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "ہمیں ان تینوں کاغذوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ تم اندر کی کہانیوں کا حوالہ نہ دیتے تو شاید وہ ان کاغذوں سے اپنا تعلق تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیتا۔"
"ابھی ہم نے صرف ایک مرحلہ سر کیا ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کا اعتراف کرایا ہے مگر ہم اب بھی ایک بند گلی میں ہیں۔" میں نے کہا "ہمیں اگلوانا ہوگا کہ یہاں اس کے کیا روابط ہیں۔"
"ملک سے باہر بھی وہ معلومات فراہم کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوگا۔" رحمان نے کہا۔
"یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے پاس موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر کیوں تھے۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر پرخیال لہجے میں کہا "پاکستان سے وہ نمبر ملائے نہیں جا سکتے۔"
"پنڈت کثرت سے بیرون ملک جاتا آتا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خفیہ طور پر' کسی فرضی پاسپورٹ کے سہارے اسرائیل کا سفر بھی کیا ہو۔" اول خان نے شبے کا اظہار کیا۔
"میں ڈیٹی کی رائے سے متفق ہوں۔" جلال نے کہا "اس بند گلی سے نکلنے کے لیے ابھی ہم کو پنڈت پر خاصی محنت کرنی پڑے گی۔ یہ کام کراچی میں رہ کر بہتر طور پر آگے بڑھ سکتا ہے۔"
"اسلام آباد میں لوگ پنڈت کے منتظر ہیں۔ ہم اسے کب تک یہاں روک سکیں گے؟" رحمان نے پوچھا۔
جلال نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھوئیں کے دائرے فضا میں بکھیرے اور کہا "میں بات کروں گا۔ اگر ہم اسے یہاں روکے رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ان دونوں کو بھی ہیڈ کوارٹرز بلانا پڑے گا۔"

"تمہیں علم ہے کہ میں اپنے ڈسپلن کا پابند ہوں۔" اول خان نے مسکرا کر کہا "اوپر کی اجازت کے بغیر اپنا اسٹیشن نہیں چھوڑ سکوں گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" جلال نے بے پروائی سے جواب دیا "تمہارے چیف کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم اور ڈینی' آئی بی کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہو۔ عام طور پر ہم دوسری ایجنسیوں سے دور اور الگ تھلگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں لیکن پنڈت بنیادی طور پر تمہارا کیس ہے۔"

"ہم تمہارا بچہ تم سے چھیننا نہیں چاہتے۔" رحمان کے اس فقرے پر فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"پنڈت ہم میں سے کسی کا نہیں' سور کا اور وہ بھی ناجائز بچہ ہے۔" قہقہے تھمنے پر میں نے تلخی سے کہا "اس سے معلومات نچوڑنے کے بعد ہمیں جلد از جلد اسے اس کے انجام کو پہنچا دینا چاہیے۔"

جلال کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی "ہم اس کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمارے ملزموں کو عدالتیں ان کے انجام تک پہنچاتی ہیں۔ جو کام چل پڑا ہے' اس میں رکاوٹ نہیں آئے گی۔ اسے بہت جلد قانون کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کارروائی کا انحصار ہماری تفتیش پر ہے۔"

"ہم اعتماد کی فضا میں مل بیٹھ کر قانون کی باتیں کر رہے ہیں تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس وقت ڈینی کی پوزیشن کیا ہے" سکوت کا وقفہ آتے ہی اول خان نے ایک اہم سوال اٹھا دیا۔

"ہمارے ریکارڈ پر ڈینی ایک مفروضہ آسیب کا نام ہے جو کہیں نہیں پایا جاتا۔"

"لیکن کچھ عرصے پہلے آئی بی کو بھی اس کی تلاش رہی ہے۔" اول خان نے ماضی کا حوالہ دیا۔

"آئی بی ایک آئینی ادارہ ہے۔ کچھ دوستوں کی خوشنودی کے لیے ان کی شکایات پر کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کی حیثیت ریکارڈ تک محدود رہتی ہے۔ فیلڈ میں کام کیا جاتا تو ان کی اشتہاری مہمات کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکل سکتا تھا جو نہیں نکلا اور تم دونوں یہاں موجود ہو۔" جلال نے جواب دیا۔

"میں سمجھ گیا۔" جلال نے بین السطور جو کچھ کہا' وہ بہت واضح اور اطمینان بخش تھا۔

"لیکن میرا ایک مشورہ ہے۔" جلال نے مجھ سے کہا "وہ جب بھی سرگرم ہوں' تمہیں روپوش ہو جانا چاہیے' وطن دوست قوتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ یہ پالیسی اپنے نفاذ کی ایک خاص سطح پر جا کر فائلوں میں غائب ہو جاتی ہے۔ پالیسی سب سے نچلی سطح تک نہیں پہنچائی جاسکتی۔ بے خبری' غیر ضروری کارکردگی دکھانے کے شوق یا انعام کے لالچ میں اس سطح کا کوئی بھی اہل کار تمہیں گزند پہنچا سکتا ہے۔"

وہ کھل کر براہِ راست کوئی بات نہیں کہہ رہا تھا لیکن اس کا پیغام جواب میں پنہاں تھا۔ اپنے عہدے کی ذمے داریوں کی بنا پر وہ ایک خاص حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے آنکھ سے اشارہ کر کے اول خان کو وہ موضوع وہیں ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔

صدف مینشن کے اس کمرے میں چائے کا ایک الوداعی دور چلا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ واپسی پر جلال اور رحمان نے صدر دروازے سے ہمیں رخصت کیا تھا۔

راستے میں مجھے خیال آیا کہ ہم نے ان دونوں کو دھن راج کے بارے میں خصوصی توجہ کا احساس نہیں دلایا تھا۔ وہ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے چکر میں پکڑا گیا تھا لیکن کئی سازشی حوالوں سے اس کے ہاتھ پیر کافی دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

اول خان کی رائے بہت مختلف تھی۔ اس کی دانست میں جلال اور رحمان آئی بی کے سینئر اور تجربے کار افسران تھے اور سیکڑوں فقروں میں سے کام کی بات چن لینے کی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے پنڈت اور اس کی بیٹی موہنی کے حوالے سے دھن راج کا نام سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ اس معاملے میں کار آمد ثابت ہو سکے گا۔

گھر پر سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں چوکی داری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن آن کر کے اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ دونوں عورتیں قرب و جوار کے بازاروں کا جائزہ لینے کے ارادے سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔

غزالہ پر اس روز دیرا سے ہمدردی کا جو شدید دورہ پڑا ہوا تھا' اس کی بنا پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ غزالہ اسے دل بہلانے کے لیے ساتھ لے کر گھر سے نکلی ہوگی۔

"دونوں عورتوں کے بغیر گھر ویران اور خالی خالی سا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر صدف مینشن سے کم۔" اول خان دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ مجھ سے پوچھو۔ پچھلی رات میں نے خالی گھر میں گزاری تھی۔ بیوی بچوں کے بغیر در و دیوار کھانے کو آ رہے تھے۔"

ہمیں گھر پہنچے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ دونوں واپس آگئیں۔

سلطان شاہ پنڈت کے کاغذوں کے بارے میں پہلے ہی میرا ہم خیال ہو چکا تھا۔ اس کے لیے صدف مینشن کی کہانی میں کوئی سنسنی نہیں تھی لیکن جب اول خان نے اس بارے میں دیرا کو بتایا تو وہ متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ ابتدا سے میرے قائم کردہ نظریے سے متفق نہیں تھی۔

"اب آئی بی والے خود ہی اس سے نمٹتے رہیں گے۔" یہ قصہ اب ختم ہی سمجھو۔ وہ بولی۔

"[illegible] اب شروع ہوگا۔ وہ کن ڈوریوں

کو ہلا رہا تھا۔ ان کے سروں پر کون سے مہرے موجود تھے اور وہ خود کس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا؟" اول خان نے کہا۔

"سلسلہ تو ضرور چلے گا مگر اس سے تمہیں کیا لینا ہے۔ ملزم ثبوت سمیت آئی بی والوں کے پاس ہے۔"

"پنڈت بہت سخت جان ہے۔ وہ اس سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکتے تھے۔ ڈیزی نے اپنے کرتب سے اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ پھنس چکا ہے۔"

"کوئی مجرم کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو' تھرڈ ڈگری کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تم دونوں اپنے کرتب نہ دکھاتے تو وہ دو چار دن بعد بولنے پر مجبور ہو جاتا۔" ویرا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"تم رابن مائر کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہیں؟" غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ویرا نے اپنے تبصرے کے ذریعے میری کارکردگی گھٹانے کی کوشش کی تھی۔

وہ ویرا کا ذاتی رد عمل تھا۔ اسے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میرے لیے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔

"یہ رابن مائر کا کیا قصہ ہے؟" اول خان نے پوچھا اور ویرا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔

"صبح تم بہت باریک بینی سے اخبار چاٹ رہے تھے۔" سگریٹ سلگا کر اس نے طنزیہ لہجے میں مجھ سے پوچھا "اس کا نام تو تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہو گا؟"

"میں اس نام کی اہمیت سے لاعلم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے نظر انداز کر دیا ہو۔"

"وہ امریکی وزارتِ خارجہ میں مشرقِ وسطیٰ کے معاملات کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔" اس بار وہ اول خان سے مخاطب ہو گئی "کل وہ چند روز کے دورے پر اسلام آباد جانے کے لیے کراچی پہنچا ہے۔"

"ایسے ماہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے آنے میں کیا خاص بات ہے؟"

"وہ یروشلم کا بہت متعصب یہودی ہے۔ اس کا خاندان دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکا میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ آج بھی اسرائیلی مفادات کا بہت بڑا علم بردار سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" اول خان نے تعریف کی "اس وقت اس کی کراچی میں موجودگی واقعی معنی خیز ہے۔ براہِ راست اسلام آباد جانے کے بجائے وہ یہاں کیوں رکا ہے؟"

"بس۔" میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہی تھی۔ پنڈت منوہر لال کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس سے رابطہ ٹوٹ جانے پر موساد اور "جس" والوں کو تشویش ہے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوئی اسرائیلی اہل کار پاکستان کا رخ نہیں کر سکتا۔ یہ

ذمے داری شاید رابن نے اپنے سر لے لی ہے۔"

"اس کی سرگرمیوں پر صرف نظر ہی رکھی جا سکتی ہے۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "سفارتی مراعات کی آڑ میں کی جانے والی بدمعاشیوں کا کوئی سدباب نہیں کیا جا سکتا۔"

"جب تم میجر بخشی کے کرتوتوں سے واقف ہوتے ہوئے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو رابن ایک بڑی طاقت کا نمائندہ ہے۔ بے بسی سے تماشا دیکھتے رہو۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔"

"وہ میجر بخشی کی طرح یہاں ٹکا نہیں رہے گا۔ خاموشی سے حالات کا جائزہ لے کر واپس چلا جائے گا۔" میں ویرا کی سرد مہری پر خاموش نہیں رہ سکا۔ اس سے ہمیں ویسے بھی کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ اگر اس کا قیام طول پکڑتا ہے تو پھر ہمیں اس کو دیکھنا پڑے گا۔"

"تم اسے اتنی آسانی سے نہیں دیکھ پاؤ گے۔" ویرا نے مضحکہ اڑایا "امریکا نے اس علاقے کو اپنے شہریوں کے لیے مخدوش قرار دے کر انہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ سخت حفاظتی بندوبست کے بغیر کہیں بھی نہیں جائے گا۔"

پھر تو اس کی آمد کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات پکڑ لی "گھر اور دفاتر کی چار دیواروں میں محدود رہ کر وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔"

"اس کی یہ مجبوری ہمیں کوئی نہ کوئی موقع فراہم کر سکتی ہے۔" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ ہمارے معاملات میں بہت کم دخل انداز ہوتی تھی مگر جب بھی بولتی تھی' دور کی کوڑی لاتی تھی۔

سب کی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اگر اس کے عزائم نیک نہیں ہیں تو خفیہ طور پر باہر نکلنا اس کی مجبوری ہے۔ ہماری انتظامیہ اس کے تحفظ کی کوئی ذمے داری ہی نہ لے۔ اپنی حکومت کی ہدایات کے برعکس وہ شہر کی خاک چھانتا ہے اور کسی برے انجام سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے لیے کسی کو بھی ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔"

"گڈ! یہ تجویز قابلِ عمل ہے۔" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا "ہمیں اس کی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کرنی ہو گی۔ مقررہ پروگرام یا راستے سے انحراف کرتے ہی وہ ہمارے نشانے پر ہو گا۔"

"اس کے خلاف کسی بھی کامیابی پر مجھے دلی مسرت ہو گی۔ امریکا میں' میں نے اس کی وجہ سے دو راتیں ایک حوالات میں گزاری تھیں۔" ویرا نے تلخ لہجے میں انکشاف کیا۔

"شاید اسی وجہ سے تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اس نے تمہیں حوالات میں کیوں پہنچا دیا تھا؟" غزالہ نے

"وہ اس وقت بھی کسی اہم عہدے پر تھا۔ ایک پارٹی میں اس نے مدہوشی کے عالم میں مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو میں نے اس کی ٹائی پکڑ کر دو تھپڑوں سے نواز دیا تھا۔ بھری پارٹی میں اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے اس نے مجھے بند کرا دیا۔"

"اپنی بے گناہی کے باوجود تم نے خاموشی سے دو دن کی قید سہ لی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بے گناہ تھی اسی لیے دو دن بعد آزاد ہو گئی۔ اس سے آگے اس کا رسوخ کام نہیں آسکا۔"

"حیرت ہے کہ امریکا میں بھی ذاتی اثر و رسوخ کے سہارے اس طرح شخصی آزادیاں تباہ کی جاتی ہیں۔" سلطان شاہ اونچی آواز میں بڑبڑایا "سنا تو یہ ہے کہ امریکا آزادیوں کی جنت ہے۔"

"امریکا میں بھی انسان ہی رہتے ہیں۔ انسان جہاں بھی رہے گا' وہاں خرابیاں ضرور پیدا ہوں گی۔ یہاں یہ خرابیاں بہت زیادہ ہیں' امریکا میں بہت کم۔" ویرا نے وضاحت کر کے بات وہیں ختم کر دی۔

وہ لوگ اپنی باتیں کرتے رہے اور میرا ذہن واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں الجھا رہا۔ میں ان کی ہر بات سن رہا تھا لیکن ذہنی طور پر ان کے ساتھ نہیں تھا۔

پنڈت منوہر لال' موساد اور رابن مائر۔ وہ ایک خطرناک مثلث تھی جو مسلسل میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ اگر رابن کا پاکستان کا دورہ پنڈت کے بارے میں تھا تو وہ خطرات سے اپنا دامن بچا کر کیا قدم اٹھا سکتا تھا اور کہاں جا سکتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں موہنی پنڈت کا نام ایک کوندے کی طرح لپکا۔ رابن کو اسی سے پنڈت کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ ویرا نے اس کی آمد کی خبر اخبار میں پڑھی تھی جس کا مطلب تھا کہ رابن شہر میں ایک رات گزار چکا تھا اور شاید موہنی سے ابتدائی رابطہ بھی کر چکا ہو۔ بیان قلم بند کرنے کے بعد پولیس نے موہنی کو رہا کر دیا تھا۔

"کیا تم پنڈت کے گھریلو فون پر فوری طور پر آبزرویشن لگوا سکتے ہو؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"پنڈت کے پکڑے جانے کے بعد بھی تم اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"رابن اس کی بیٹی سے رابطہ کر سکتا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"بندوبست ہو جائے گا لیکن فون کی نگرانی شروع ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"جتنا بھی وقت لگے' یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔ موہنی پنڈت اور رابن کی نقل و حرکت اور رابطوں پر نگاہ رکھ کر ہم جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔"

"پھر مجھے جانا ہوگا۔" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "فون کے مقابلے میں میرا جانا زیادہ موثر رہے گا۔"

"بس جاؤ اور رابطے میں رہنا۔" میں نے اسے فوراً ہی رخصت کر دیا۔

○☆○

شام تک اول خان اپنے مورچوں پر تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ رابن مائر نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اور اپنے مقامی قونصل خانے کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو سادہ پوش اہل کار اس کی نگرانی پر مامور کر دیے گئے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس رابن مائر کو شناخت کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کا صرف سفید فام ہونا کسی دھوکے کا سبب بھی بن سکتا تھا۔

میں نے اس کے بارے میں ویرا سے استفسار کیا تو وہ بھی رابن کی کوئی خاص شناخت نہیں بتا سکی۔ وہ بہت عام سے چہرے مہرے کا مالک تھا۔ گوروں کی بھیڑ میں اسے الگ پہچاننا مشکل تھا۔ کامیابی کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود اول خان نے اپنا کام پورا کر دیا تھا۔

اسی طرح پنڈت منوہر لال کے گھر پر موجود ٹیلی فون لائنیں نگرانی میں آگئی تھیں۔ اپنے باپ کی طویل روپوشی اور دھن راج کی گرفتاری سے خوف زدہ ہو کر موہنی اپنے گھر میں ہی محصور تھی اور وقفے وقفے سے مختلف لوگوں کو فون کر رہی تھی۔

اول خان نے متعلقہ ٹیلی فون ایکسچینج میں اپنا آدمی بٹھا دیا تھا جو

ریکارڈ ہونے والی کالز کو ساتھ ساتھ مانیٹر... کرتا جارہا تھا۔ ادل خان نے اہم نکات کے بارے میں اسے خود بریفنگ دی تھی۔ اسے توقع تھی کہ کسی بھی جانب سے کوئی اہم پیغام ریکارڈ ہوتے ہی اس کا آدمی اسے اطلاع دے دے گا۔

وہ خود اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس کی دانست میں یہ بات کافی اہم تھی کہ رابن نے اسلام آباد کے لیے اپنی روانگی کو التوا میں ڈال دیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کراچی میں رک کر کوئی اہم کام نمٹانے کا ارادہ کرلیا ہو۔

وہ خبریں دینے کے بعد ہی ادل خان کا پھر فون آیا۔ میں نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا۔

"ابھی ابرٹیس پر جلال نے رابطہ کیا تھا۔ ہم بالکل صحیح ٹریک پر چل رہے ہیں۔" اس کی آواز میں جوش اور ہیجان کی کیفیات نمایاں تھیں۔

"کیا وہ پنڈت سے کچھ اور اگلوانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کاغذوں کے بھید کھل جانے کے بعد اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ دونوں دوبارہ اس کے کمرے میں گئے تھے۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر ہر سوال کا جواب دیا۔ اس بازپرس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ اپنی جمع کی ہوئی ساری اطلاعات ہندسوں والے کوڈ میں یک جا کر کے رابن مارٹر کو فیکس کرتا رہا ہے۔ امریکا سے وہ مواد تل ابیب منتقل کرنے کی ذمے داری رابن کی ہوتی تھی۔"

"اسے بھی اسی ذریعے سے ہدایات ملتی ہوں گی؟"

"یوں سمجھ لو کہ واشنگٹن میں رابن کا دفتر، پنڈت اور موساد کے درمیان پوسٹ آفس کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ ویرا نے آج بالکل صحیح خبر کی نشان دہی کی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ مردود اسلام آباد جانے کے بجائے یہیں بیٹھا ہوا ہے۔"

"یہ غیبی اشارے ہیں۔" سی ایس ڈی آن ہونے کی وجہ سے میں نے بے فکری سے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس کی موت ہی اسے امریکا سے کھینچ کر یہاں لائی ہو۔"

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ رابن کے بارے میں پنڈت کا وہ بروقت اعتراف اس کی موت کا وارنٹ بننے والا تھا۔ اس کی کوئی بھی لغزش ہمارے لیے کامیابی کا سبب بن سکتی تھی۔

"میں تمہاری اس نیک خواہش کے لیے بس دعا ہی کرسکتا ہوں۔"

"بس وہیں جمے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی اچھی خبر بھی آئے گی۔ پنڈت اس قدر مایوس ہوگیا ہے تو اس نے اپنے مقامی ذرائع کی بھی نشاندہی کردی ہوگی۔"

"صرف تین آدمی اس کے لیے معاوضے پر کام کرتے ہیں۔ بقیہ معلومات وہ گہری دوستیوں کے ذریعے حاصل کرتا رہا ہے۔ اس بارے میں اس کے گھر پر منعقد ہونے والی پرتعیش محفلیں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔"

"یہ سب گھر کے معاملات ہیں۔ انہیں بعد میں بھی سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ صرف اور صرف رابن پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ وہ اپنا نامعلوم مشن پورا کرتے ہی یہاں سے بھاگ نکلے گا۔"

"کل رستم کا صفایا ہوا، آج کس کی باری ہے۔" سلطان شاہ نے خواب گاہ کے دروازے پر رک کر پوچھا۔

"وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن قرائن رابن مارٹر کی نشان دہی کررہے ہیں۔" فون بند کرنے کے بعد میں نے اسے اندر بلاتے ہوئے کہا "وہ کراچی اور تل ابیب کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتا تھا۔"

"اب میں گھر پر نہیں رکوں گا۔" اس نے کرسی سنبھال کر شکایتی لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ یہ ہماری توقعات ہیں۔ ضرورت پڑی تو تم ہی سے کام لیا جائے گا۔"

وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، میں مسہری پر نیم دراز تھا کہ ویرا بھی کھلے ہوئے دروازے پر آگئی۔ وہ بس لمحے بھر کے لیے وہاں رکی اور کچھ کہے بغیر آگے، اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کل سے کچھ بھڑکی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔ روٹھنا اور خود ہی من جانا اس کی عادت میں شامل ہے۔"

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ قصہ کیا ہے۔" ویرا کے بارے میں وہ بھی تجسس میں مبتلا رہتا تھا۔

"اس کے خوش یا ناراض ہونے کے لیے کسی قصے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔"

وہ سرہلا کر احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ہنستے ہنستے وہ رکا اور پھر سوال کر بیٹھا "رستم کی موت کے بارے میں تمہارے کیا جذبات ہیں؟ کیا وہ واقعی پنڈت کے ساتھ موساد کے لیے کام کررہا تھا؟"

"ایک قاتل اور مجرم کی موت کے بارے میں کسی کے کیا خیالات ہوسکتے ہیں؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کرڈالا پھر کہا "موت بھی ایسی جو حرام موت ہو۔ اسے کسی نے نہیں مارا۔ میرا خیال ہے کہ وہ موساد والے چکر میں ملوث نہیں تھا۔ اس نے اپنی آن بچانے اور پنڈت سے دوستی نبھانے کی خاطر ایک غلط فیصلہ کیا۔ وہ گرفتاری دے دیتا تو شاید معاملہ سزا سے آگے نہ بڑھ پاتا۔ اس کے حق میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ پنڈت کا ساتھی نہیں تھا تو اس نے تم سے وہ کاغذ حاصل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اسے علم تھا کہ وہ کاغذ کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کی واپسی کے لیے بے چین تھا۔"

"اس کا قصہ ختم ہوگیا۔ اس کا زندہ ہونا ناممکنات میں سے

ہے۔ ویسے تمہاری دلیل وزنی ہے۔ اس بارے میں کسی وقت پنڈت ہی کو ٹٹولنا پڑے گا۔ کس بل نکل جانے کے بعد وہ ہر بات بتاتا جارہا ہے۔"

"اس کا نام شاید اس وجہ سے میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے لاڈلے نواسے کو بھی مرنا پڑا۔ وہ اکیلا مرا ہوتا تو مجھے بھول کر بھی اس کا نام یاد نہ آتا۔"

"اب میں تمہاری زبان سے یہ تذکرہ نہ سنوں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"اس نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہیں کمرے میں جما رہا۔ اسے بھی اول خان کی طرف سے کسی مثبت اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

ہمارا وہ انتظار طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا لیکن اول خان کی طرف سے کوئی نیا پیغام نہیں ملا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے واقعات برق رفتاری سے آگے بڑھتے بڑھتے اچانک ایک مقام پر ٹھہر گئے ہوں۔

آٹھ بجے کے قریب کال بیل چیخ اٹھی۔ سلطان شاہ کمرے سے نکل کر تقریباً دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں بھی بستر چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ گھنٹی کی ناوقت آواز نے مجھے پریشان کردیا تھا کیونکہ وہاں ہمارے کسی ملاقاتی کی آمد متوقع نہیں تھی۔ اس گھر کا فون نمبر جہانگیر کے پاس تھا' پتا اسے بھی معلوم نہیں تھا پھر وہ اس کی فارمیسی بند ہونے کا وقت تھا۔ دکان بند کرکے وہ اتنی جلد گلشن اقبال نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ بس ذرا سی دیر کی تشویش تھی۔ چند منٹ بعد ہی غیر متوقع طور پر اول خان اندر آگیا۔

"موہنی کی ایک بہت اہم کال ریکارڈ ہوئی ہے۔ میں فون پر پیغام دینے کے بجائے ایکسچینج سے ٹیپ لیتا ہوا سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ ذرا اپنا کیسٹ پلیئر منگوالو۔" اس نے آتے ہی کہا۔

گھنٹی کی آواز پر ویرا اور غزالہ بھی لابی میں آموجود ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ لپک کر ویرا کے کمرے میں سے کیسٹ ریکارڈر لے آیا اور ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔

"کیسٹ کے اے سائیڈ پر محض خرافات ہیں۔ اس کا سائیڈ بی چلاؤ۔" اول خان نے ہدایت کی۔

"کیسٹ بھی چل جائے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ اس کال میں کیا بات اتنی اہم ہے کہ تم اسٹیشن فور سے دوڑ لگا کر خود یہاں چلے آئے۔" ویرا نے اول خان کے رویے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"چاہتا تو یہ ہوں کہ کال سننے سے پہلے تجسس دور نہ ہو لیکن اس پیغام کا خلاصہ بتادینے میں ہرج بھی نہیں ہے۔ شاید آج رات رابن نے موہنی سے ملنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اس میں شاید والی کیا بات ہے؟ تم نے کال نہیں سنی؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے جو سنا' وہ بتادیا۔ کیسٹ تمہارے ساتھ سنوں گا۔ میں ایکس چینج میں رک کر چند منٹ ضائع کرنے کے بجائے سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ اس وقت ایک ایک منٹ اہم..."

کیسٹ چل پڑا۔ اول خان سمیت سب نے خاموشی اختیار کرلی۔

گھنٹی بجی اور پھر ایک مترنم نسوانی آواز ابھری "ہیلو! موہنی اسپیکنگ!"

"ہائے موہنی! یار کیا حال ہیں تیرے۔" دوسری نسوانی آواز بھی بہت جان دار اور خوشی سے بھرپور تھی "اخبار میں تیرے ڈیڈی کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا' وہ آئے یا ابھی بھی غائب ہیں۔"

"رخشی! وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔ "میں تجھے فون کرکے تھک گئی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ کیا تیرا فلیٹ بند پڑا ہوا تھا' تو تھی کہاں؟"

"سوری یار! ایک فرینڈ کے ساتھ لمبی ڈیٹ پر تین دن سے مری گئی ہوئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ائرپورٹ سے آئی ہوں اور آتے ہی پہلا فون تجھے کیا ہے۔"

"تجھے معلوم ہے کہ میں اپنے دل کی بات بس تجھ سے ہی کرسکتی ہوں۔ میں تجھے بہت مس کررہی ہوں۔"

"اب میں آگئی ہوں۔ کل تیرے پاس آؤں گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تو کتنی پریشان ہوگی۔ یہ پولیس والے کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ تیرے ڈیڈی کا پتا کیوں نہیں چلاتے؟"

"میں ان ہی سب باتوں سے پریشان ہوں۔ تجھ سے مشورے

کرنے تھے مگر تو لاٹ صاحب کی بچی ہے۔ کل آئے گی میرے پاس۔ دراصل میں نے ابھی تک ڈیڈی کی ایف آئی آر نہیں لکھوائی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"یہ کیا غضب کیا تو نے۔ ایف آئی آر تو فوراً کٹوانی تھی۔" رخشی تقریباً چیخ پڑی۔

"دراصل ڈیڈی ایک دوست کا بول کر خود گھر سے گئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایف آئی آر سے منع کردیا تھا۔"

"وہ خود گئے تھے مگر کیوں؟ ان کا دوست کیا کہتا ہے؟" رخشی نے کئی سوال کرڈالے۔

"لمبی کہانی ہے۔ گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ کچھ رقم وغیرہ کے ساتھ اہم کاغذ بھی لے گئے۔ جاتے جاتے گولیاں چلائیں۔ میں اٹھی تو ڈیڈی ڈرنک اور بدحواس تھے۔ انہوں نے کاغذ غائب دیکھے تو نشہ اڑ گیا اور وہ گھر سے چلے گئے۔ کل تک وہ اسی دوست کے پاس تھے۔ رات ادھر پولیس ایکشن ہوگیا..."

"اوہ تو رستم ایرانی کی بات تو نہیں کرتی؟ اس نے تو سوسائیڈ کرلیا۔"

"ہاں رخشی، اور ڈیڈی ابھی تک گھر نہیں لوٹے۔ آج صبح ان کے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ وہ امریکا سے آیا ہے اور اکیلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ ڈیڈی کے سلسلے میں۔"

"اکیلے میں... پھر وہ تیرے پاس ضرور کسی بری نیت سے آئے گا۔ کیا کوئی فارنر ہے؟"

"ہاں، خالص امریکن ... تجھے معلوم ہے کہ میں ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہیں کرتی۔ بری نیت سے آرہا ہے تو میرا تھوڑا سا وقت ہی خراب کرے گا نا؟ آئی نیور مائنڈ۔ میں ڈر رہی ہوں کہ کوئی اور گھپلا نہ ہوجائے۔ وہ بولا ہے کہ گھر میں کوئی نوکر بھی نہ ہو۔ وہ بالکل اکیلے میں ملنا چاہتا ہے۔"

"ڈیڈی غائب، رستم ڈیڈ اور اب یہ ڈیڈی کا نیا دوست!" رخشی کی آواز زیرِ تشویش ہوگئی "تو اس کو جانتی ہے؟ اور کیا بولتا تھا وہ؟"

"میں اسے نہیں جانتی۔ کوئی سالا رابن تھا۔ وہ یا اس کا آدمی دس بجے کے بعد آئے گا۔ وہ ڈیڈی کے بیڈروم میں ایک دفعہ سارے کاغذ دیکھنا چاہتا ہے۔ پتا نہیں یہ کاغذوں کا کیا چکر ہے۔"

"مائی پور بے بی!" رخشی نے اسے پچکارا "تو واقعی مشکل میں ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں تیرے پاس پہنچتی ہوں۔ ہم مل کر سب ٹھیک کرلیں گے۔"

"وہ تجھے دیکھ کر ناراض ہوجائے گا۔" موہنی کی سہمی ہوئی آواز ابھری "اس نے کئی بار بولا کہ گھر میں کوئی نہ ہو، یہ بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ تجھے شوٹ ہی نہ کردے۔"

"ہائے لارڈ!" رخشی کی آواز میں خوف سمٹ آیا "پھر میں نہیں آتی۔ پندرہ پندرہ منٹ بعد تجھے فون کروں گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی اور تو نے جواب نہیں دیا تو پولیس ایمرجنسی کو فون کردوں گی۔"

"پلیز رخشی! فون [illegible] ہے [illegible] چاہ رہا ہے کہ میں بھی ڈیڈی کی طرح گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔

"تو فکر مت کر۔ میں ضرور فون کروں گی۔" رخشی نے اسے یقین دلایا اور مادر پدر آزاد معاشرت کی دلدادہ دو لڑکیوں کی وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔

"میں نے کیسٹ ریکارڈر آف کردیا "اس وحشت ناک گفتگو میں کام کی بات بس اتنی ہی ہے کہ دس بجے کے بعد رابن یا اس کا کوئی آدمی پنڈت منوہر لال کے گھر پہنچے گا...."

"رابن کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا، اس لیے میری وہاں موجودگی ناگزیر ہے۔" ویرا نے خوشی سے کہا۔

میں اس کی خوشی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ آخر کار اس کے میدان میں اترنے کا حیلہ پیدا ہو ہی گیا تھا۔

"یہ رابن کو گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "تمہاری پیش گوئی پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ رابن ہی آئے۔" اول خان نے کہا "وہ یا اس کا آدمی آئے گا۔"

"رخشی درمیان میں نہ کودی ہوتی تو معاملہ بہت سہل ہوجاتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ملازموں کے ہٹتے ہی ہم موہنی کو بے بس کرکے گھر پر عارضی قبضہ کرلیتے۔ غزالہ اس کی جگہ لے لیتی اور ہم چھپ کر آنے والے کا انتظار کرتے۔ وہ بے خبری میں بہت آسانی سے زیر کیا جاسکتا تھا۔"

"رخشی نے وہاں پہنچنے سے انکار کردیا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

"مگر وہ ہر پندرہ منٹ بعد فون کرتی رہے گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اس کی موہنی سے بات نہ ہوئی تو وہ فوراً پولیس کو پنڈت کے گھر کی طرف دوڑ لگوا دے گی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم موہنی کے ہمدرد بن کر اسے اعتماد میں لے لیں۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور فوراً اس خیال کو مسترد کردیا۔ موہنی بہت ڈری ہوئی تھی۔ وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک سکتی تھی۔ اس سے یہ امید عبث تھی کہ وہ ہمارے اجنبی چہروں پر اعتماد کرکے رخشی کو ہمارے بارے میں آگاہ نہیں کرے گی۔ اس کوشش میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی کہ میں کارروائی سے بالکل باہر ہوجاتا کیونکہ موہنی مجھے کرنل جمال دستی کے روپ میں میجر بخشی کے ساتھ بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ایک تلخ تجربے سے دوچار ہوچکی تھی۔

"کسی لمبی چوڑی سوچ وبچار کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ رابن ماڑ کی قیام گاہ سے محفوظ فاصلے پر منڈلانے والے میرے آدمی اپنے شکار کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ [illegible] کے گھر کی نگرانی کرنی چاہیے۔"

"وہ گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔" میں نے کہا "اس کے پھاٹک پر اتنی کم روشنی ہوگی کہ دور سے آنے والے کو پہچاننا ممکن نہیں ہوگا۔ رابن کے دھوکے میں ہم اس کے آدمی سے بھڑ گئے تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"میری دانست میں ہمارا نشانہ رابن نہیں' اس کا مقصد ہے۔ اگر اس کا آدمی ناکامی سے دوچار ہو کر مارا جاتا ہے تو ہمارا ہدف پورا ہوجاتا ہے" اول خان نے رائے دی۔

"رابن' بھول کر بھی پنڈت کے گھر کا رخ نہیں کرے گا" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

"جو بھی آیا' وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ شہر کے راستوں سے واقف ایک مقامی ڈرائیور کی ضرورت ناگزیر ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک دو مسلح محافظ بھی ہوسکتے ہیں جو باہر رک کر گاڑی اور اندر جانے والے کی حفاظت کرتے رہیں۔ ہمیں چار پانچ حریفوں کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔"

"تم اس بات سے تو متفق ہوتا کہ جو آئے' اسے مار دیا جائے' رابن کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تمہارا اور غزالہ کا اتفاقِ رائے ہے' میں کیسے مخالفت کرسکتا ہوں۔"

"ایسی صورت میں ویرا کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی" سلطان شاہ بول پڑا۔ "وہ پانچ بھی ہوئے تو ہم تین کافی رہیں گے۔ ویرا کل کے اخبار میں مقتول کی تصویر دیکھ کر بتادے گی کہ ہمارے ہاتھوں مرنے والا رابن تھا یا اس کا کوئی اور سفید فام ساتھی؟"

"مُردوں کی شناخت کا یہ کام تم ہی کو مبارک ہو۔ میں ساتھ جاؤں گی" ویرا چڑ کر بولی۔

"میرا جانا بھی ضروری ہے کیونکہ میں نے ڈینی کے ساتھ وہ گھر دیکھا ہوا ہے۔"

"شاید آج رات ہم سب کو ہی جانا پڑے" میں نے رسانیت سے انہیں سمجھایا "آنے والے دروازے کی سمت سے ہی آئیں گے لیکن کسی گڑبڑ کی صورت میں پچھلی گلی سے بھی فرار ہوسکتے ہیں۔ ہمیں دونوں طرف ان کے استقبال کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

میں نے اول خان کو پنڈت کے مکان کا اندرونی نقشہ سمجھا کر منصوبہ بندی کا آغاز کردیا۔ وہ تینوں آنے والے وقت کی مناسب تیاری کے لیے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ سننے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ موہنی کو دس بجے تک گھر کے چوکیدار سمیت' ہر ملازم کو گھر سے روانہ کردینا تھا۔ رابن یا اس کا آدمی اس مقررہ وقت کے بعد کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ہمارے پاس خاصا وقت تھا۔ کھانا تیار تھا۔ طے یہ ہوا کہ روانگی سے پہلے شکم پری کرلی جائے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ رابن دس بجے کے بعد گیارہ یا بارہ بجے تک وہاں پہنچتا اور ہم خالی پیٹ وہاں سوکھتے رہتے۔

موہنی کے گھر کی ویران عقبی گلی کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ کو غزالہ کے ساتھ رہنا تھا۔ ویرا میرے اور اول خان کے ساتھ مین گیٹ کی طرف موجود ہوتی۔ پیچھے والوں کو مکان کی چاردیواری سے باہر رہ کر اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ ادھر سے کوئی دیوار پھاند کر فرار نہ ہوسکے۔ ہم تینوں کو موقع کی مناسبت سے کارروائی کرنی تھی۔

کچھ ہتھیار گھر میں موجود تھے۔ باقی اول خان کی گاڑی میں رکھے ہوئے تھے۔ ہم فرائض کے لحاظ سے دو گاڑیوں میں بٹ کر ساڑھے نو بجے گھر سے روانہ ہوئے تو اول خان کے ذخیرے سے حاصل کی ہوئی تین زہریلی انگوٹھیاں ہماری انگلیوں میں موجود تھیں۔ دشمن پر قریب سے بے آواز اور مہلک دار کرنے کے لیے وہ انگوٹھیاں بے مثال تھیں۔

مین روڈ پر آنے تک ہماری گاڑیاں ایک دوسرے سے بچھڑ چکی تھیں مگر کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ موہنی کا گھر میرا اور سلطان شاہ کا دیکھا ہوا تھا۔ راستے میں سست روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم ٹھیک دس بجے موہنی والی گلی میں داخل ہوچکے تھے۔ نکڑ سے گزرتے ہوئے ہمیں عقبی گلی کے کونے پر سلطان شاہ کی گاڑی نظر آگئی۔ اسی وقت یہ اندازہ ہوا کہ ان دونوں کو اپنی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے موزوں جگہ مل گئی تھی مگر مین گلی میں ہم جس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے' وہ ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اپنی گاڑی موہنی اور اس کے پڑوس کے مکان کی دیواروں کے قریب یوں لگادی کہ کسی کا راستہ رکا اور نہ گاڑی کسی ایک حد میں رہی۔ قرب وجوار کے مکانوں کے پھاٹک بند تھے۔ کسی کو حتیٰ کہ خوش حال گھرانوں کے ملازمین کو بھی باہر بیٹھنے یا آوارہ گردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چوکنے انداز میں گاڑی چھوڑ دی۔

میں بظاہر بے پروائی سے چلتا ہوا موہنی کے پھاٹک پر پہنچا۔ رک کر اندر کان لگائے تو وہاں گہرا سناٹا تھا۔ شاید وہ رابن کی ہدایت پر ملازمین کو ہٹا چکی تھی اور خود گھر کے تمام دروازے بند کیے کسی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مجھے پھاٹک میں اپنے گزرنے کا راستہ پیدا کرنے کے لیے کسی میکانزم کی

تلاش تھی۔ آخر مجھے چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی پر انگریزی کے حرف یُو جیسا ایک الٹا ہک لگا ہوا نظر آیا۔ اسے اٹھاتے ہی ذیلی کھڑکی کھل گئی اور میں پنجوں کے بل اندر کچی روش میں داخل ہو گیا۔

مجھے دروازے میں غائب ہوتے دیکھ کر اول خان اور ویرانے سرعت سے کام لیا۔ چند ثانیوں بعد وہ دونوں بھی میرے ساتھ آ ملے۔ وہ کچی روش اور پورچ پر مشتمل مختصر حصہ تھا جہاں ایک دیوار کے ساتھ چوکی دار کی خالی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ اس حصے میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی کم ہونے کے باوجود ہم تینوں کے لیے خطرناک تھی۔ ہم تیزی کے ساتھ پام کے اونچے گملوں کی اوٹ میں چلے گئے۔

"تم دونوں یہیں کہیں کمین گاہ تلاش کرلو۔ میں اندر جارہا ہوں" میں نے سرگوشی کی۔

"کیا دروازہ استعمال کروگے""" میرے فوری ارادے نے اول خان کو پریشان کر دیا۔

"ائرکنڈیشنر کا ایک چوکور خلا میری نظروں میں ہے" یہ کہہ کر میں ان دونوں سے الگ ہو گیا۔

کسی ملازم سے سامنا نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں نے پوری احتیاط سے عمارت کے پہلو تک رسائی حاصل کی اور پھر تیزی سے چھجے پر چڑھ گیا۔ وہاں چوکور خلاجوں کا توں موجود تھا۔ وہاں تھا ہی کون جو یہ سوچتا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود کوئی پنڈت منوہر لال کی خواب گاہ تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا۔

دو چھتی، اسٹور اور راہداری میں، میں نے ہر طرف کی سن گن لی۔ مکان میں پہلے کی طرح سناٹا تھا اور صرف ایک ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ موہنی شاید اپنے کمرے میں موجود تھی۔ میں اس دروازے پر رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ آنے والے کو ساری دلچسپی پنڈت کی خواب گاہ سے تھی۔

پچھلی بار وہ دونوں محو خواب تھے مگر ان کے کمروں کے دروازے اندر سے بولٹ نہیں تھے' اس روز پنڈت وہاں نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ موہنی کو اپنے باپ کا کمرا مقفل کرنے کا دھیان نہیں آیا ہوگا۔ میں نے دستے پر قسمت آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا اور کمرے میں رچی ہوئی ہلکی سی بساند میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔

ائرکنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے اس کمرے میں تازہ ہوا کے گزر کا ہر راستہ بند تھا۔ پنڈت کے فرار کے بعد ائرکنڈیشنر نہیں چلایا گیا تھا اس وجہ سے وہاں بساند کا پیدا ہونا

کاروباری راز

پہلا پھل فروش:۔ میرے کیلے اتنے کم اور تمہارے اتنے زیادہ کیوں بکتے ہیں۔۔ جب کہ دام دونوں کے برابر ہیں؟

دوسرا پھل فروش:۔ بات صرف اتنی ہے کہ تم دس روپے درجن بیچتے ہو جب کہ میں گاہک کو بتاتا ہوں کہ بیس روپے کے درجن ہیں اور ہر درجن کے ساتھ ایک درجن کیلے مفت ملیں گے۔"

لازمی تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے وہ سب سہنا تھا۔ کمرے میں بیش قیمت چوبی فرنیچر اور الماریوں کی بہتات تھی۔ میں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں سے چشم زدن میں باہر نکل سکوں۔ اس مہم میں محدود روشنی والی ٹارچ میری مدد کر رہی تھی۔

ایک الماری کے برابر میں اسی لمبائی کا آئینہ نصب تھا۔ میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو پٹ کی طرح وہ آئینہ باہر کھل گیا۔ وہ کسی کے چھپنے کے لیے بہترین جگہ تھی۔ اس میں کچھ استعمال شدہ مردانہ اور زنانہ کپڑے موجود تھے۔ میں فوراً اس خلا میں داخل ہوا اور شیشے کا پٹ کھینچ کر بند کر دیا۔

کھڑے ہوئے تابوت جیسے اس خلا میں پوزیشن لینے کے بعد میں نے چہرے پر اپنا رومال بھی باندھ لیا۔ میں نے گھر میں داخل ہونے کا فیصلہ اچانک کیا تھا اس لیے نقاب کا بندوبست نہیں کیا جاسکا تھا۔ میرے لیے کسی نقاب وغیرہ کے بغیر موہنی کا سامنا کرنا مناسب نہیں تھا۔

گھٹن اور تاریکی میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ جب میرے بدن پر کہیں کہیں پسینہ رینگنے لگا تو مجھے احساس ہوا کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں اپنے تمام ساتھیوں سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ میرے باہر نکلنے سے پہلے وہ کوئی اندھا دھند کارروائی کر کے مجھے خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

کافی دیر بعد مکان کے کسی حصے میں ڈور بیل کی آواز گونجی پھر ایک طویل سکوت چھا گیا۔ فرش پر ہر جگہ قالین موجود تھے اس لیے کسی کے قدموں کی چاپ تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آخر سکوت کا وہ سلسلہ منقطع ہوا اور میرے کانوں میں موہنی کی سہمی ہوئی آواز آئی "یہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہے۔ نامعلوم چور نے ان کی دیوار گیر تجوری سے سب کچھ باہر نکال

لیا تھا۔"

"ائر کنڈیشنر چلادو اور کمرے میں موجود تجوری اور درازوں کی چابیاں میرے حوالے کردو" امریکی لب ولہجے میں ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری۔

"تجوری سمیت اب ہر چیز غیر مقفل ہے" بے آواز سوئچوں کے ذریعے کمرے میں پہلے ہی روشنی کی جاچکی تھی۔ موہنی کے جواب کے ساتھ ائر کنڈیشنر بھی چل گیا۔

"تجوری کا بچا ہوا سامان کہاں ہے؟" موہنی کے ساتھ آنے والے مرد نے پوچھا۔

"وہ میں نے دوبارہ الماری میں بھر دیا ہے۔ مسٹر رابن! تم یقین کرو کہ وہ کاغذ اب یہاں نہیں ہیں۔ میرے ڈیڈی ان ہی کے لیے پریشان تھے۔"

"مجھے معلوم ہے" اس کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی "تمہارا باپ پکا احمق تھا جو ان کاغذوں کی حفاظت نہیں کرسکا۔ پتا نہیں اس نے اپنے کمرے میں بے پروائی سے اور کیا کیا چھوڑا ہوا ہوگا۔"

"وہ... وہ بظاہر بے پروا تھے مگر احتیاط ان کی سرشت میں شامل تھی۔"

اس گفتگو کے درمیان درازیں وغیرہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ائر کنڈیشنر چل جانے کے بعد فضا میں رچی ہوئی بساند ٹھنڈک میں ماند پڑتی جارہی تھی۔

"ان کاغذوں کے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا تھا؟" رابن کی آواز گونجی۔

"اسے تین کاغذوں کی طرف سے تشویش تھی جو موساد کی کسی ذیلی ایجنسی کے بارے میں تھے۔ تجوری سے کاغذوں کا پلندہ غائب ہونے کے بعد ڈیڈی نے صرف اتنا ہی بتایا تھا۔"

"وہ کتیا کی اولاد جھوٹا بھی ہے۔ اس نے رستم کے گھر سے مجھے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ کاغذوں کے بارے میں اس نے کسی کو حتیٰ کہ تم کو بھی کچھ نہیں بتایا... تم نے یہ کہانی کس کس کو سنائی ہے؟" رابن کی آواز غصیلی اور کرخت ہوچکی تھی۔ اس نے رستم کا نام یوں لیا تھا جیسے اس سے واقف رہا ہو۔

"کسی کو نہیں... میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ مجھے معلوم ہے کہ موساد اس ملک میں شجر ممنوعہ ہے۔"

"تمہارے باپ نے تم سے آخری بار کب بات کی تھی؟"

"کل صبح... اس کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ پتا نہیں میرے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"یہ... یع... کک... کیا..." موہنی کی دہشت زدہ ہکلاہٹیں کمرے میں ابھریں۔ ٹھک کی آہنی آواز کے ساتھ ایک ہچکی ابھری اور کوئی بھاری وجود دھڑ سے نیچے گر گیا۔ فضا میں یکا یک جلے ہوئے بارود کی تیز بو در آئی تھی۔ میں بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اب اس کباڑ خانے کے ساتھ تم بھی جل کر راکھ ہوجاؤ گی" رابن کی استہزائیہ بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

کمرے میں کچھ چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ موہنی کو بے آواز گولی کو نشانہ بنانے کے بعد وہ سفاک درندہ شاید ہر چیز کو ٹھوکروں سے اڑا رہا تھا۔

اس کا ہتھیار خاموش تھا' میرا ریوالور پُرشور تھا۔ بیم گن میں دانستہ ساتھ نہیں لایا تھا کیونکہ اس کا استعمال جائے واردات پر میری موجودگی کا ایک کھلا اعلان بن جاتا تھا۔ توڑ پھوڑ کی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھ سے دور تھا اور شاید اپنا ہتھیار واپس رکھ چکا تھا۔

میں نے ریوالور تھاما اور ایک جھٹکے سے آئینے والا پٹ باہر کھول دیا۔ پٹ بے آواز کھلا تھا لیکن رابن اپنے جبلی ردِ عمل کے تحت تیزی سے پلٹا تھا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ وہ بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا پھر اس کے خالی ہاتھ فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ مجھے دیکھ کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"اباؤٹ ٹرن" میں نے اگلا حکم دیا۔ اس نے زبان کھولنی چاہی۔ میں نے ریوالور والے ہاتھ کو جھٹکا دے کر شدت سے اپنا حکم دہرایا۔ وہ آہستگی سے گھوم گیا۔

میں نے فرش پر پڑی ہوئی موہنی کی لاش پر بس ایک سرسری نظر ڈالی۔ اس کی گوری پیشانی کے وسط میں چھوٹا سا ایک سیاہ داغ تھا اور پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحات کی دہشت اور بے یقینی مجسم ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ یقین نہیں کرسکی تھی کہ اس کے باپ کی دوستی کے نام پر آنے والا رابن اس کے لیے موت کا فرشتہ بن جائے گا۔

میں پنجوں کے بل بہت برق رفتاری سے رابن کے سر پر پہنچا۔ پرشور فائر کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی گدی پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ چکیلا اور زہریلا کیپسول اپنی پوزیشن میں تھا۔ تھپڑ کھا کر رابن نے میری طرف گھومنے کی کوشش کی۔ اس وقت تک اس کی رگوں میں اترنے والا زہر اپنا کام شروع کرچکا تھا۔ اس کے گھومنے کی رفتار سست ہوگئی پھر وہ سلوموشن میں قالین پر بیٹھتے

بیٹھتے نیچے ڈھیر ہوگیا۔
مجھے شبہ تھا کہ داخلی دروازے کے باہر رابن کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہوگا۔ اپنے چہرے سے رومال ہٹا کر میں تیزی سے راہداری میں دوڑ پڑا۔ پرانے راستے سے چھجے پر پہنچتے ہی میں زمین پر کود گیا۔
عمارت کے کونے پر آ کر میں نے اوٹ سے جھانکا تو وہاں ایک جسیم سفید فام ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ گیٹ کی نگرانی کر رہا تھا اس لیے اس کی پشت میری جانب تھی۔ اس کے بائیں شانے پر اسٹرپ سے لٹکی ہوئی سب مشین گن مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔
مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت ویرا اور اول خان کہاں تھے مگر یہ نظر آ رہا تھا کہ گہری سرمئی وردی میں ملبوس وہ گورا پام کے گملوں سے صرف چند گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ میرے اعصاب پر شدید اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان دونوں کو کس طرح اپنی واپسی سے آگاہ کروں۔
میری وہ مشکل قدرت نے خود ہی آسان کر دی۔ ان دونوں کو معلوم تھا کہ میں کدھر سے گیا تھا۔ شاید وہ بار بار ادھر کا جائزہ لے رہے تھے پھر ان میں سے کسی نے مجھے عمارت کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ لیا۔ گملوں کی اوٹ سے ٹھک کی آواز کے ساتھ موت کا ایک شعلہ لپکا اور ستون کے سہارے کھڑے ہوئے سفید فام کی گردن میں معدوم ہوگیا۔ وہ دراز قد اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ اس کے گرنے کی آواز خاصی پر شور تھی۔
یقینی طور پر وہاں صرف وہی تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کا بندوبست ہونے سے پہلے ویرا نے اپنے بے آواز ریوالور سے فائر نہ کیا ہوتا۔ میں نے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا گملوں کی اوٹ سے نکل رہی تھی۔ اول خان دیوار کے ساتھ اگے ہوئے گنجان پودوں میں سے باہر آ رہا تھا۔

یہ سارے واقعات بہت سرعت سے اور تقریباً ایک ساتھ ہوئے۔ اسی دوران میں پھاٹک والی کھڑکی کھلی اور سفید وردی میں ملبوس کوئی مقامی چہرہ بھڑکے ہوئے انداز میں اندر جھکا۔ پھر شاید زمین پر پڑے ہوئے سفید فام پر نظر پڑتے ہی غائب ہوگیا۔
میرے پھاٹک تک پہنچنے سے پہلے کسی گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور پھر وہ آواز بڑھتی ہوئی غراہٹوں کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔ ڈرائیور کو گیئر بدلنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"ان کا ڈرائیور گاڑی لے کر بھاگا ہے" قریب پہنچنے پر اول خان نے سرگوشی کی "غنیمت ہے کہ اس نے دہشت زدہ ہو کر چیخ نہیں ماری۔ اب فوراً باہر نکل چلو۔ اندر والا تو شاید کبھی چل کر باہر نہیں آ سکے گا۔"
میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "خوف کی شدت سے بعض لوگوں کی گھگھی بندھ جاتی ہے یا آواز ہی حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ وہ ایسے ہی کسی قبیلے کا آدمی رہا ہوگا۔"
ہم تینوں اطمینان سے موہنی کے گھر سے باہر نکلے گاڑی میں سوار ہوئے اور روانہ ہوگئے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو کھیل ختم ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اول خان نے دانستہ گاڑی ان کی طرف سے گزاری اور ہارن بجا کر وہاں سے آگے نکل گیا۔ سیدھے راستے کے اختتام پر وہ اس وقت تک رکا رہا جب تک وہ دونوں روانہ نہیں ہوئے پھر اس نے داہنی طرف والا راستہ لے لیا۔
"موہنی نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا ہوگا" واپسی کا آغاز ہونے پر ویرا نے خدشہ ظاہر کیا۔
"میں نے چہرے پر رومال باندھ لیا تھا لیکن اس کا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ رابن نے اسے گولی مار دی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "وہ بہت زیادہ بپھرا ہوا تھا۔"
"باہر فائر کی آواز نہیں آئی۔ شاید اس نے بھی سائیلنسر استعمال کیا ہوگا۔ رخشی اگلی بار موہنی کو فون کرے گی تو اسے مایوسی کا سامنا کرنا ہوگا۔ وہی پولیس کو خبر دے دی گی۔"
ویرا کو خوشی تھی کہ ایک طویل تعطل کے بعد اسے کسی کارروائی میں حصہ لینے اور امریکی قونصل خانے کے ایک مسلح محافظ کو مارنے کا موقع ملا تھا۔ سلطان شاہ اور غزالہ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سبب صرف یہ تھا کہ رابن اپنی بالادستی کے زعم میں صرف ایک آدمی کے ساتھ چوہے دان میں آ پھنسا تھا۔
رابن مائر جو امریکا کی سرزمین پر بیوروکریسی کی صفوں میں گھس کر صیہونی مفادات کے لیے کام کر رہا تھا' پاکستان کی سرزمین پر اپنی دوسری رات بھی نہیں گزار سکا تھا۔
اگلی صبح کے اخبار سنسنی خیز خبروں اور تبصروں سے بھرے ہوئے تھے۔ موضوع سخن رابن مائر کی ذات تھی۔
امریکی حکومت اور اس کے مقامی سفارت خانے کی واضح ترین ہدایات کے باوجود اس کی لاش کا پنڈت منوہر لال کے گھر میں پایا جانا ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔ وہ قونصل خانے کے محافظ کے ساتھ وہاں کیا کرنے گیا تھا؟ دوسری سنگین بات یہ تھی کہ موہنی کی پیشانی میں موجود گولی رابن کے

ریوالور سے چلائی گئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر جلے ہوئے بارود کے ذرات برآمد ہوئے تھے۔ شہر کی ایک بدنام اور متنازع ماڈل گرل کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا؟
سوالات کا ایک طویل اور شرمناک سلسلہ تھا جو اس واقعے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا اور امریکی سفارتی ملازمین کے پاس مکمل خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔
ایک اخباری اطلاع یہ بھی تھی کہ ڈرائیور کے ذریعے کسی ناخوش گوار حادثے کی اطلاع ملتے ہی امریکی کمانڈوز کا ایک دستہ موہنی کے گھر سے سارے شواہد مٹانے کے لیے بہت تیزی سے وہاں پہنچا تھا لیکن ان کے پہنچنے سے بہت پہلے رخشی کی مخبری پر پولیس فورس نے پورے علاقے کو گھیر لیا تھا۔ کمانڈوز کو کسی کارروائی کے بغیر بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا تھا۔ ان کی دو گاڑیوں کی آمد کے بہت سے عینی شاہد موجود تھے۔
بظاہر وہ پاکستان کی سرزمین پر امریکیوں کی بدقسمتی کا تسلسل نظر آتا تھا لیکن اندر ہی اندر اسرائیل اور اس کی خفیہ ایجنسی بھی اس لڑائی میں شامل ہو چکی تھی۔ ہم لوگ اپنے طور پر جو کچھ کر رہے تھے اس کی کوئی قانونی یا سرکاری حیثیت نہیں تھی لیکن پنڈت منوہرلال کی صورت میں ایک مضبوط اور زندہ ثبوت آئی بی والوں کی تحویل میں موجود تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ سرکاری سطح پر اس بارے میں کیا ہونے والا تھا۔
بارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ آئی بی والے فوری طور پر ہم سے ملاقات کے خواہاں تھے۔
"کیا پنڈت نے پھر کوئی مسئلہ کھڑا کردیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں جلال فکر مند تھا۔"
"یہ سمجھ لو کہ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہیں گے۔ ابھی تک کسی کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوگیا۔ انہیں ٹالنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔" "تمہیں اندازہ ہے کہ امریکی ایسے واقعات پر کیسے شدید اور جنونی ردِعمل کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔"
"جلال اور رحمان سے ایک ملاقات میں ہی اتنی بے تکلفی ہوگئی ہے کہ ہمیں تھوڑی سی لچک کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ ایسے رابطے بعض اوقات عمر بھر کام آتے رہتے ہیں۔"
"پھر تم کیا کہتے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔
"جو کچھ ہوا، ابھی تک ہم پانچوں کے درمیان ہے۔ ان سے کوئی بات کی گئی تو وہ فوراً ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائے گی۔ میرا تجربہ ہے کہ امریکی ریکارڈ تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کرلیتے ہیں۔"
"جلال اور رحمان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی معلومات۔۔۔"
میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریکارڈ اپنی تجوریوں میں نہیں، دفتروں میں رکھتے ہوں گے، نہ جانے وہاں کس کس کا ہاتھ پہنچتا ہو۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پنڈت کے لیے تین تنخواہ دار کام کر رہے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ ان کی فراہم کی ہوئی معلومات موساد تک پہنچائی جا رہی ہیں۔"
"بس یہ اونچ نیچ سمجھ لو۔ مجھے ملاقات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔"
"ان سے اس بارے میں پہلے ہی بات کرلیں گے، میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔"
فون بند ہوگیا۔ سلطان شاہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے فوراً ہی فکر ہوگئی کہ میں کس سے ملنے جا رہا تھا۔
اول خان کی آمد تک ہم دونوں اسی بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ وہ میرے خدشات سے سوفیصد متفق تھا کہ ایس ٹی ایف جیسی غیر دستاویزی تنظیم تک بات ٹھیک تھی۔ قوانین کی حدود میں رہ کر کام کرنے والے اداروں کی مجبوریاں ہمیں راس نہیں آسکیں گی۔ کبھی کبھی لوگوں کا اپنا لکھا ہوا کوئی نوٹ ہی ان کے گلے کی ہڈی بن جاتا ہے۔ برا وقت آنے پر سب ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔
وہ بات غلط نہیں تھی۔ ہمارے بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو بھی بسا اوقات ہماری کھلی حمایت سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق کم از کم دوبار اول خان کی نوکری خطرے میں پڑ چکی تھی۔ یہ اسی کا حوصلہ اور اپنی مٹی سے پیار تھا کہ وہ مسلسل ہمارا ساتھ دیے جا رہا تھا۔
اول خان کے ساتھ سفر کے دوران میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں اور ہم صدف مینشن پہنچ گئے۔
جلال اور رحمان نے اسی مخصوص کمرے میں بہت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ رسمی کلمات کے تبادلے اور پنڈت سے میرے سوال جواب کی مکرر تعریف کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف آگئے۔
"کل کے واقعے کے بارے میں تم نے اخبارات دیکھ

لیے ہوں گے۔ اسلام آباد میں کھلبلی مچی ہے۔ سب کی نگاہیں آئی بی پر لگی ہوئی ہیں اور ہم گنگ ہیں۔ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں" رحمان نے کہا۔

"یہ سب درست ہے۔ اس بارے میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پنڈت کو تم ہی لوگوں نے گھیر کر ہم تک پہنچایا ہے' اس کے گھر سے کاغذات نکالے تھے۔ شاید تمہیں کچھ معلوم ہو... کوئی تفصیل' کوئی سراغ... رابن مائر وہاں کیا لینے گیا تھا...؟"

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی کو دانستہ چشم پوشی سے کام لینا پڑتا ہے۔ تمہاری بہت سی مجبوریاں ہیں۔ ان کے مدنظر تمہاری خاموشی اور معذرت ہی سب سے بہتر راہ ہوسکتی ہے۔"

"تم ڈر رہے ہو؟" جلال نے کہا "کہ کہیں تمہارا نام جھنڈے پر نہ چڑھ جائے؟"

"یہ ڈر نہیں' ایک حقیقت ہے۔ بہتیری باتوں کا ریکارڈ سے الگ تھلگ رہنا ہی سب کی سلامتی کے لیے بہتر ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" جلال نے ہی بات جاری رکھی "کل تم نے بہت کچھ کیا اور کہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہر بات کا من و عن ریکارڈ پر آنا درست نہیں ہوگا۔ میری رپورٹ میں دور دور تک تمہارا نام نہیں ہے۔ سب کچھ ملک ممتاز کے حوالے سے سامنے لایا گیا ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو بتادیتا کہ ملک ممتاز کس حلیے کا آدمی ہے؟" میں نے ہنس کر کہا "ہر واقعے کے ساتھ کسی نام یا شناخت کو ریکارڈ پر لانا تمہاری ناگزیر مجبوری ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو حالات بھی بہت مختلف ہوتے۔ اس وقت ملک ممتاز صرف ایک نام ہے۔ وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں' میرا ترتیب دیا ہوا ریکارڈ تمہارے لیے کبھی خطرہ نہیں بنے گا۔ میں اس بات کی پوری ذمے داری سے ضمانت دیتا ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ کل کا واقعہ کس قدر اہم اور سنگین تھا" جلال کے خاموش ہوتے ہی رحمان نے بولنا شروع کردیا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے نکیلے سوال سامنے آئے ہیں۔ حکومت بین الاقوامی سطح پر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ شاید پنڈت منوہر لال کو امریکی سفیر سے ملوادیا جائے۔ کچھ اور مواد ہو تو پاکستان میں اسرائیلی مداخلت کی شکایت بھی کی جاسکتی ہے۔"

وہ دونوں پورے اعتماد سے بہت روشن امکانات کی باتیں کررہے تھے۔ میرا مدعا واضح ہوچکا تھا۔ ان کا جواب آگیا تھا' اول خان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف کے ساتھ کام کرکے ڈینی کی عادتیں خراب ہوگئی ہیں۔ یہ شخص ہمیشہ سامنے آنے سے گریز کرتا رہا ہے۔"

"اسی لیے اب تک اپنے بلکہ ملک کے دشمنوں کے سینے پر مونگ دل رہا ہے" جلال نے کہا۔

"یہ صرف میری نہیں' پوری ٹیم کی پالیسی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک بے نام ہے۔"

"اوہ! تمہاری کسی ٹیم کا ذکر میں آج پہلی بار سن رہا ہوں" جلال نے حیرت سے اعتراف کیا۔

"یہ ڈینی کا انکسار ہے" میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان جلدی سے بول پڑا۔

"تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے سامنے ملک کے مقتدر طبقے کی نمائندگی کررہا ہوں" جلال چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آگیا "وہ جاننا چاہتا ہے کہ رابن مائر کا قصہ کتنا پرانا ہے؟"

"کل دوپہر میں ہم تمہارے ساتھ تھے تو ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ دنیا میں کسی شخص کا نام رابن مائر ہوگا۔"

"نہیں ڈینی!" رحمان نے تڑپ کر مجروح لہجے میں احتجاج کیا "ایسی ناقابل یقین باتیں مت کرو۔ کچھ چھپانا چاہتے ہو تو صاف کہہ دو۔ ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے... چند گھنٹوں میں اتنا بڑا اور بے داغ شکار! یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میں ڈینی کے اس دعوے کا گواہ ہوں۔ یہ رابن کے مقدر کی گردش تھی کہ وہ وقت کے گھومتے ہوئے بے رحم پہیے میں اپنی گردن دے بیٹھا" اول خان نے میری حمایت کی "ڈینی کی پوری کہانی سنو گے تو تمہیں اس کی ہر بات پر یقین آتا چلا جائے گا۔"

"پھر یہ عقل اور وجدان کا کوئی کرشمہ ہی ہوسکتا ہے" رحمان نے ہتھیار ڈال دیے۔

"رابن مائر پرسوں کراچی پہنچا' کل کے اخبار میں اس کی آمد کی خبر تھی جو میرے لیے بالکل غیر اہم تھی" میں نے اپنی بات شروع کردی "یہاں سے واپسی پر کسی نے مجھے بتایا کہ رابن مائر اسرائیل اور موساد کا کتنا بڑا ہمدرد ہے۔ میرے کان کھڑے ہوگئے اور اس کی آمد کے مقاصد پر غور شروع ہوگیا۔"

"کل کے اخبار میں اگر ایسی کوئی خبر موجود تھی تو میں نے اسے نظر انداز کر دیا ہوگا" جلال بولا۔

"اس کے لیے پنڈت اور اس کی روپوشی سے آگاہ ہونے کے بعد موہنی اہم ہو سکتی تھی۔ اس نظریے کے تحت ہم نے سادہ سا ٹریپ تیار کر لیا۔ رابن ہمارے فعال ہونے سے بہت پہلے، صبح کے وقت موہنی سے بات کر چکا تھا مگر ہماری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔"

میں نے اپنی جیب سے فون کالز کا ٹیپ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا "اس کی سائڈبی پر محفوظ، رخشی اور موہنی کی گفتگو سن لو۔ ہر بات واضح ہو جائے گی۔"

وہ ثبوت، شہادتوں اور ریکارڈ کے رسیا تھے۔ میرا مشورہ قبول کر کے رحمان نے فائلوں والی الماری سے ایک چھوٹا سا کیسٹ پلیئر نکالا اور ٹیپ کا سائڈ بی چلا دیا۔ دو تین کوششوں کے بعد ٹیپ کا مطلوبہ حصہ چل پڑا۔

وہ دونوں حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دیے دونوں لڑکیوں کی گفتگو سنتے رہے۔ کال مکمل ہونے پر جلال نے ٹیپ بند کر دیا اور گہرا سانس لے کر بولا "اور سالا رابن ہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔"

"تم نے ان دونوں کو وہاں کیسے گھیرا تھا؟" رحمان نے پوچھا۔

"اس گفتگو کی روشنی میں سب کچھ آسان ہو گیا۔ میں پنڈت کی خواب گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ رابن کا ارادہ تھا کہ موہنی کو قتل کر کے وہاں آگ لگائے اور خاموشی سے نکل آئے۔ وہ میرا نشانہ بن گیا۔ محافظ کو کسی اور نے مار دیا۔ یہ بڑا اور بے داغ شکار ہماری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔"

"رابن اور موہنی کے درمیان ہونے والی گفتگو تم کو یاد ہے؟" جلال نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"لفظ بہ لفظ نہیں، خلاصہ سنا سکتا ہوں" میں نے جواب دیا "چاہو تو تم نوٹس بھی بنا سکتے ہو۔"

"یہ گفتگو ریکارڈ پر نہیں لائی جا سکتی کیونکہ یہ صرف قاتل نے سنی ہوگی۔ گفتگو دہرائی گئی تو سوال اٹھے گا کہ رابن کو مارنے اور ہم تک گفتگو پہنچانے والا کون تھا؟" جلال نے صاف گوئی سے کہا۔

میں نے اپنے کانوں سے سنی ہوئی تقریباً ہر اہم بات ان کے سامنے دہرا دی۔

"اگر رابن نے رستم کے بارے میں ذرا بھی شناسائی کا اظہار کیا تھا تو پھر رستم بھی ان کا ایجنٹ تھا" جلال نے فوراً وہ نکتہ پکڑ لیا "وہ اسی وجہ سے کھل کر پنڈت کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ اس کی خودکشی کے بعد ہم نے اس پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔"

"ایک کوشش کے طور پر رستم کے کمرے کی تفصیلی تلاشی لی جا سکتی ہے" میں نے اپنی رائے دی "ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس نے خودکشی سے پہلے وہ کاغذ تلف کر دیے ہوں۔"

"اس کے بارے میں پنڈت بتا دے گا" اول خان بولا "کسی چھان بین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

"اپنی بیٹی کے قتل پر وہ بہت دل برداشتہ ہے" رحمان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اس کی رگوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ آئے ہو تو اس سے بھی مل لو۔ شاید اس سے کوئی نئی بات معلوم ہو جائے۔ کل صبح کی پرواز سے اسے اسلام آباد بھیج دیا جائے گا۔"

"تمہیں رابن کے بارے میں میری کہانی میں کوئی جھول تو نظر نہیں آیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"جھول نہیں ہے لیکن تمہاری سوچ کی سمت بہت حیرت ناک ہے" رحمان نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا "رابن مائر کے بارے میں وہ سب باتیں سن کر ہم میں سے کسی کو بھی موہنی کا خیال نہیں آ سکتا تھا۔"

"ڈپی کو سب سے پہلے اسی کا خیال آیا تھا" اول خان نے بتایا "اس کا کریڈٹ یہی ہے کہ اسے صحیح وقت پر صحیح باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔"

"میں ایک بات سمجھنے سے قاصر ہوں" جلال نے کہا "اسے پنڈت کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا مجبوری تھی؟ اس کام کے لیے وہ اپنے کسی آدمی کو بھی بھیج سکتا تھا۔"

"یہی ایک بات ان تین کاغذوں کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ تینوں کاغذ اکٹھے ہوں تو تھیوری بن جاتے ہیں۔ الگ الگ ہر کاغذ بے وقعت ہے۔ وہ کمرے میں کاغذ تلاش کرنے آیا تھا۔ سازوسامان کا انبار دیکھ کر اس نے تلاشی میں وقت برباد کرنے کے بجائے وہاں آگ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کتنی عجیب بات ہے کہ کل شام پنڈت نے رابن مائر سے اپنے تعلق کا اعتراف کیا اور رات کو وہ مارا گیا" جلال نے رحمان سے کہا "سارے اتفاقات ایک ساتھ رونما ہونے تھے۔"

"جس نامی تنظیم کا نام پہلی بار ہمارے سامنے آیا ہے" رحمان بولا "اس میں رابن کا یقیناً کوئی اہم کردار تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا نام دوسرے لوگوں سے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

رازداری برقرار رکھنے کی یہ سرتوڑ کوشش اسے لے ڈوبی۔ رستم کے گھر سے پنڈت کا فون ملنے کے بعد وہ حالات سنبھالنے کے ارادے سے یہاں کے لیے روانہ ہوا لیکن اس کے پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد ہی رستم اور پنڈت کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا بھی یہی نظریہ ہے" میں نے رحمان کی تائید کی "اسے اسلام آباد میں کوئی سرکاری کام نہیں تھا۔ وہ واشنگٹن سے صرف کراچی کے لیے آیا تھا۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر پنڈت منوہر لال سے مشترکہ ملاقات کے لیے چل دیے۔

وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ خوراک کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہو جانے پر اس کی حالت بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔ زخموں پر بھی صفائی اور ڈریسنگ کی گئی تھی۔

اس نے سوجے ہوئے زخمی پپوٹوں کے درمیان بھینچی ہوئی پتلیوں سے ہماری طرف دیکھا اور کمزور آواز میں بولا "تم پھر آ گئے..... کل تم نے مجھے بہت بے رحمی سے مارا تھا۔"

"اسی کے بعد تم نے خود کو بہت سی سہولتوں کا اہل ثابت کیا ہے" میں نے کسی ندامت کے بغیر کہا پھر سوال کیا "رستم کو تم نے موساد کی ذیلی تنظیم کی رکنیت دلائی تھی؟"

"الٹی بات کہہ رہے ہو" اس نے لمحہ بھر میں وہ پہیلی حل کر دی "وہ مجھ سے بڑا تھا اسی لیے سارے کام مجھ کو کرنے پڑتے تھے۔ وہ مر کے رسوا ہونے سے بچ گیا اور میں زندگی میں ذلیل و رسوا ہو گیا۔ کل رات رابن نے میری بیٹی کو مار ڈالا۔ وہ مجھے بچانے کا وعدہ کر کے آیا تھا اور میری بچی کا خون پی گیا۔"

"ایسے کام بگڑ جائیں تو یہی انجام ہوتا ہے" میں نے تھوڑی سی ہمدردی جتائی۔

"ذرا سی دیر میں میرے اور رستم کے خاندان برباد ہو گئے۔ اب مجھے زندہ رہنے کی کوئی آرزو نہیں رہی۔ میری ہر امنگ دم توڑ چکی ہے اور میں اپنے انجام کا انتظار کر رہا ہوں" میری طرف سے ہمدردی کے اظہار پر اس کی آواز میں رچی ہوئی مایوسی کچھ اور گہری ہو گئی۔

"مرنے کی خواہش بزدلی ہے۔ انہوں نے تمہارے دو گھر اجاڑے، تم ان کی پوری تنظیم کو فنا کر دو۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے کیونکہ اب تم اکیلے ہو" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"میں اپنے ناتواں کندھوں پر اتنی بڑی ذمے داری کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ تم مجھے ورغلانے کی کوشش مت کرو۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نیک دل نے میری بیٹی کے قاتل کو بھی مار ڈالا اور میرا کلیجا ٹھنڈا کر دیا۔ میرے ساتھ اتنی مہربانی ضرور کرنا کہ اس کی چتا جلانے کے لیے مجھے چھوڑ دینا۔ اس کے بدن کی راکھ اپنی پیشانی پر مل کر میں خود اسی کمرے میں آ جاؤں گا۔"

"تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ تم زبان کھولو گے اور ہم ان کے چیتھڑے اڑائیں گے۔"

"ابھی میرا دل زخمی ہے۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو" وہ فضا میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

اس کی حالت واقعی اچھی نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں انتقام کا بیج بو دیا تھا جو سوکھ جاتا تو ہمارا کچھ نہ بگڑتا، پھوٹ نکلتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

ہم چاروں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اس کمرے سے نکل آئے۔

"رستم تو اس پنڈت کا باپ نکلا" رحمان نے راہداری میں پہنچ کر کہا "اب سمجھ میں آیا کہ ان دونوں میں اتنی گاڑھی کیوں چھنتی تھی۔"

"باتیں اتنی دور نکل گئی ہیں تو کیوں نہ اوبی کی بات بھی ہو جائے" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"رستم نے ہمارے لیے وہی ایک بہترین کام کیا تھا۔ دشمن کے عیبوں کے ساتھ اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کرنا چاہیے" میں نے مسکرا کر کہا "آف دی ریکارڈ بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

ہم کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ جلال نے پوچھا "رستم کے ساتھ اوبی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"تم اوبی سے واقف ہو؟" اول خان کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھر آئے۔

"اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے محکمے میں سفید شیطان کے نام سے مشہور تھا۔"

"مگر وہ تو پچھلے ہفتے نئی دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا جا چکا ہے" رحمان نے کہا۔

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ ٹریفک کے اس خونیں حادثے کا اہتمام رستم نے کیا تھا" اول خان کے اس انکشاف پر وہ دونوں ششدر رہ گئے۔

"آج ہمارے لیے حیرتوں کا دن ہے" جلال نے کہا "رستم کو اس سے کیا پرخاش تھی؟"

"رستم کو کسی پرخاش نہیں تھی۔ وہ تو صرف کرائے کا

قاتل تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے رستم کو اپنی جیب سے دس لاکھ روپے ادا کیے تھے۔"

"ملک ممتاز یعنی ڈینی؟" جلال نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنا سر خم کردیا۔ اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا "تمہارے پاس اتنی بڑی رقم موجود تھی؟"

"ملک کے لیے میں اس سے بڑی رقم بھی خرچ کرسکتا ہوں۔ اول خان اس رقم کی واپسی کے لیے کوشش کررہا ہے۔ شاید ایس ٹی ایف وہ رقم ادا کردے" میں نے صورتِ حال واضح کردی۔

"یہ سیکرٹ فنڈز کا وہ کیس تو نہیں تو جس میں پہلے سات لاکھ مانگے گئے تھے بعد میں تین لاکھ کا اضافہ ہوگیا تھا؟" جلال نے تائید طلب لہجے میں اول خان سے پوچھا۔

"وہی کیس تھا۔ رستم نے پہلے سات مانگے تھے۔ ڈینی سات لے کر پہنچا تو اس نے مزید تین لاکھ کا مطالبہ کردیا مگر یہ ضرور ہوا کہ کام بہت صفائی سے ہوگیا۔ اس کا ایکشن پلان ہمارے لیے تباہ کن تھا۔"

"وہ حادثہ اس قدر مکمل تھا کہ کسی کو ابھی تک سازش کا شبہ نہیں ہوسکا۔ وہ سودا دس کیا، پندرہ لاکھ میں بھی برا نہیں تھا۔ ڈینی اور ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کے خلاف اس کی شکایتیں میرے پاس ہی آئی تھیں۔ بعد میں اس نے کرنل والی شکایت واپس لے لی تھی۔"

"اس کی پالتو کتیا کو بند فلیٹ میں زہریلی گیس دے کر تم لوگوں نے ہی مارا تھا" رحمان نے جلال کے بعد اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے واقعات کو دہرایا "اس حادثے سے خوف زدہ ہوکر وہ فوراً ہی نئی دہلی بھاگ گیا تھا۔ تم نے وہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"یہ بریفنگ زبانی اوپر تک جائے گی" جلال نے کہا "یہ واقعات اس قدر سنگین ہیں کہ کوئی بھی انہیں قلم بند کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اب پتا چلا کہ تمہارے خلاف شکایات کا طوفان کیوں تھما ہوا ہے۔ تم نے ڈینی کو ملک ممتاز کے لبادے میں چھپادیا تھا۔"

"اب وہ لباس اتر چکا ہے۔ مجھے کوئی نیا نام اختیار کرنا پڑے گا" میں نے کہا۔

"اگر تم برا محسوس نہ کرو تو موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ ہم لے لیں۔ اس میں رابن کے خلاف ایک مضبوط شہادت موجود ہے" رحمان نے مجھ سے کہا کیونکہ میں نے کچھ دیر قبل وہ کیسٹ میز سے اٹھا کر دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے پوچھا "میرا تو خیال ہے کہ تم رابن کے قتل کے بارے میں بدستور انجان اور بے خبر بنے رہو۔ زبانی بریفنگ پر اکتفا کرو۔ یہ نازک معاملہ تمہارے ریکارڈ پر آنے سے پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں، ان کا سامنا کرنا دشوار ہوجائے گا۔"

"پیچیدگیاں تو پیدا ہوں گی" وہ سوچتے ہوئے بولا "پہلا سوال یہی اٹھ کھڑا ہوگا کہ موہنی کے فون پر آبزرویشن کیوں لگا ہوا تھا اور جب ان دونوں لڑکیوں کی گفتگو ریکارڈ ہوگئی تھی تو اس ملاقات کے بارے میں ہم نے کیا قدم اٹھایا جو تین افراد کے قتل پر منتج ہوئی۔"

"یہ دونوں سوال سطحی ہیں۔ اپنے گھر پر چوری اور پھر روپوشی کے بعد پنڈت منوہر لال بہت زیادہ مشتبہ ہوچکا تھا۔ مشتبہ افراد کا فون ہر ملک میں سنا اور ٹیپ کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو صرف ٹیپ ہوئی تھی۔ اسے سننے کی ضرورت واردات کے بعد پیش آئی۔ اس وقت تک سب کچھ ہوچکا تھا۔"

"اصل مسئلے تو تم نے خود حل کردیے۔ پھر اب کیا رہ جاتا ہے؟" رحمان ہنس پڑا۔

"کیسٹ تم لے سکتے ہو" وہ میں نے اس کے سامنے ڈال دیا "تمہارے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ رخشی کا بیان سامنے ہے۔ اس نے پولیس کو موہنی کے گھر بھیجا تھا اور خود

بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس معاملے میں تمہاری ذرا سی بھی پیشگی باخبری کے بعد رابن مائر کے قاتل کی نشان دہی بلکہ گرفتاری تمہارا فرض بن جائے گا۔ امریکی ہر قیمت پر یہ جاننا چاہیں گے کہ رابن کا قاتل کون تھا۔"

"وہ ایک مشتبہ شخص کے گھر پر مارا گیا۔ مجاز حکام کو خبر کیے بغیر اس نے ایک مقامی کے گھر جا کر سفارتی آداب پامال کیے۔ ان سب حقائق کے باوجود وہ رابن کے قتل پر احتجاج کریں گے اور اس کے قاتل کو عبرت ناک سزا دینے کا مطالبہ کریں گے۔"

"یہ رسمی باتیں ضرور ہوں گی مگر ان میں کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کوئی جواز نہیں بنتا" میں نے کہا "میرا مشورہ ہے کہ اپنی رپورٹ پنڈت تک ہی محدود رکھو۔ اس کے بیان میں سب کچھ آچکا ہے۔ وہ رابن مائر سے رابطوں کا بھی انکشاف کر چکا ہے۔ رابن کی کہانی کو تاریکی میں ہی رہنے دو۔ فی الحال بریفنگ سے کام چلانے کی کوشش کرو۔ یہ احتیاط بعد میں تمہارے کام آسکتی ہے۔"

"مسئلہ وہی ہے کہ پنڈت مقامی شہری ہے۔ دباؤ کے تحت کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ مضبوط شہادتیں بھی درکار ہیں۔ وہ رابن کیس سے ملتی ہیں۔"

"یہاں تم کو مدافعانہ نہیں' ذرا جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ اپنی کارکردگی دکھانے کے بجائے جواب دہی کا بوجھ ان پر ڈالا جائے۔ وہ رستم کے خلاف کارروائی سے پہلے کراچی کیوں پہنچا تھا؟ پنڈت کے گھر وہ کس نیت سے گیا تھا؟ اس نے موہنی کو کیوں قتل کیا؟ سب سے بڑا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ کراچی میں اس کے مزید کن لوگوں سے روابط تھے۔ ان ہی میں سے کوئی اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔"

"رحمان! یہ لائن زیادہ بہتر رہے گی۔۔۔ ہم تو شروع سے آخر تک بے خبر تھے۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا' من مانی کرتا رہا اور اپنے درپردہ معاملات کی بنا پر کسی حریف کے ہاتھوں مارا گیا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کراچی میں وہ کن لوگوں سے مل چکا تھا" قاتل کا چہرہ سامنے نہیں آسکے گا۔"

فوراً ہی میرے ذہن میں ایک اہم ترین نکتہ آگیا

"تمہارے پاس بعض ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ پنڈت اپنی رپورٹیں باقاعدگی سے اسے فیکس کرتا رہا تھا۔ رستم کے گھر سے اسے فون کیا گیا ہوگا۔ ان دونوں کے گھروں پر لگے ہوئے ٹیلی فونوں کے نئے اور پرانے بل نکالے جائیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ فون بل کے سلسلے میں مقامی نمبر دستیاب نہیں ہوتے لیکن بیرون شہر اور بیرون ملک کی جانے والی ہر کال کا وقت' دورانیہ اور ملائے جانے والے فون کا نمبر بل کی تفصیلات میں شامل ہوتا ہے۔ میری نشان دہی پر ان دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔

"اب کام بہت آسان ہو جائے گا" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "وضاحتیں پیش کرنے کے بجائے ہم معلومات طلب کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔ واشنگٹن میں رابن کے دفتری اور گھریلو فون بل کی نقول مانگی جا سکتی ہیں۔ ان سے پتا چلے گا کہ وہ پاکستان بلکہ کراچی میں کس کس سے رابطے میں تھا۔"

اول خان کے بشرے پر بھی اطمینان کے تاثرات پھیل گئے۔

وہ لوگ پنڈت کو اسلام آباد میں پیش کرنے کے لیے ایک آخری فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے اور میرا ذہن اپنی ہی سجھائی ہوئی تجویز میں الجھا ہوا تھا۔

فون بل شہری یا مقامی حدود سے باہر کسی بھی شخص کے نجی اور کاروباری رابطوں کا ایک بھرپور خلاصہ ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ بل کی اس اہمیت پر کسی شخص یا ادارے نے غور نہیں کیا تھا ورنہ ایک بل میں باربار نمودار ہونے والے نمبر کی بنا پر بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ پنڈت کو کسی پارٹی کی نگرانی میں صبح اسلام آباد بھیج دیا جائے مگر اب زبانی بریفنگ کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ ہم دونوں کو اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔" باہمی مشاورت کے بعد ان دونوں نے اعلان کیا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اسے موہنی کی ارتھی اٹھانے اور چتا جلانے کا موقع ضرور دیا جائے" اول خان نے یاد دلایا۔

"تم کہتے ہو تو اس کی یہ رسوم اسلام آباد میں ہی ادا کرانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ پنڈت کو ہم کراچی میں نہیں روک سکتے" جلال نے پورے احترام سے جواب دیا۔

"وہ مجرم ہونے کے ساتھ ایک باپ بھی ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ مجھے پنڈت سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے" اول خان کو اس کا جواب سن کر فوراً ہی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔

موہنی بے راہ رو اور رنگین مزاج لڑکی تھی۔ وہ شہر کے جرائم پیشہ لوگوں کی آلۂ کار بنی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کا انجام اس کے گناہوں سے زیادہ اندوہناک تھا۔ اس کے ذکر پر میرے دل پر ایک بے نام سا بوجھ سوار ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

اسلام آباد ملک میں طاقت' اختیار' تمکنت اور ریاستی شوکت وجبروت کا مظہر شہر ہے۔ وہاں بیٹھنے والوں نے پنڈت منوہر لال کو اپنے روبہ رو طلب کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پنڈت کو کراچی میں روکا جاتا یا اس کی روانگی میں غیر ضروری تاخیر کی جاتی۔

پنڈت منوہر لال جیسے خطرناک سازشی مہرے کے لیے وہ ایک اندھی سرنگ کا ہولناک سفر تھا۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سفر کے اختتام پر اس کا کیا انجام ہوگا۔ اسے ایک معزز مہمان اور اقبالی گواہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے کر امریکیوں کے سامنے پیش کیا جائے گا یا اسے بدترین تشدد کی آخری بھٹی میں جھونک کر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔

اس صورت میں موہنی پنڈت کی لاش آئی بی والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ پنڈت نے اپنی بیٹی کی ارتھی کو کندھا دینے اور اس کی چتا کی راکھ اپنی پیشانی پر ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پنڈت کی اس خواہش کا اعادہ کر کے اول خان نے جلال اور رحمان کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

پنڈت کے غیر یقینی مستقبل کی وجہ سے وہ اس کی واپسی کے انتظار میں نہ موہنی کی لاش برف خانے میں رکھ سکتے تھے نہ پنڈت کی روانگی التوا میں ڈال کر جلد از جلد موہنی کی چتا جلانے کا بندوبست کر سکتے تھے۔ ایسے میں موزوں ترین فیصلہ یہی تھا کہ موہنی کی لاش پنڈت کے ساتھ اسلام آباد روانہ کر دی جائے اور وہیں اس کے کریا کرم کا بندوبست ہو جائے۔

اس پورے قصے میں تحریری واقعات کے مقابلے میں زبانی بریفنگ زیادہ وسیع اور اہم تھی جس کی وجہ سے آئی بی کے ان دونوں افسروں کا اسلام آباد جانا ضروری تھا۔ وہ ساتھ ہوتے تو اپنے افسرانِ بالا سے کہہ سن کر پنڈت کی آخری خواہش کی تکمیل کا بندوبست کر سکتے تھے۔

جلال اور رحمان کے ساتھ وہ نکات طے کر کے ہم واپس روانہ ہو گئے۔ موہنی پنڈت کے قتل کا واقعہ تازہ یا نیا نہیں تھا لیکن اس کی موت پر پنڈت منوہر لال کا ردِ عمل ہم دونوں کے لیے ہی غیر متوقع تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے کہ راستے میں ایریٹس بول پڑا۔

"چارلی اسپیکنگ.... اوور!" اشارہ موصول ہوتے ہی اول خان نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں ایریٹس سنبھال لیا۔

صدف مینشن کی ملاقات میں آئی بی والے یہ بتا چکے تھے کہ رستم کے گھر پر کامیاب آپریشن کے بعد پولیس اور دوسری ایجنسیوں سے وہ ایریٹس واپس لے لیے گئے تھے۔ اس وقت وہ فری کوئنسی صرف ہمارے اور ان کے درمیان رابطے کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔

"الفا کالنگ!" ریڈیائی شور میں جلال کی بھرائی ہوئی آواز ابھری "اسلام آباد والے شاید سخت دباؤ میں ہیں۔ ہمیں ایک گھنٹے بعد ائرفورس کے ایک جہاز سے وہاں کے لیے روانہ ہونا ہے.... تمہارے جانے کے بعد ہمیں ابھی ابھی یہ پیغام ملا ہے.... اوور!"

"پنڈت کے گھر پر مارا جانے والا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ یہ سب غیر متوقع نہیں ہے.... اوور!" اول خان کی آواز تفکر آمیز تھی۔

"رستم کے بارے میں بھی ریکارڈ طلب کیا گیا ہے" جلال کی پُر تشویش آواز ابھری "اس بارے میں ہمارے پاس سرے سے کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے۔ بس تمہاری فراہم کی ہوئی چند اطلاعات تھیں۔ تم سے ملنے والے تل ابیب کے فون نمبر کنفرم ہوتے ہی آپریشن کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جائیں گے' اوور۔"

"رستم!" اول خان نے چونک کر دہرایا "اس کے بارے میں اچانک ریکارڈ کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ وہ واقعہ تو اب پرانا ہو چکا ہے' اوور!"

"کسی بین الاقوامی ادارے نے کچھ انسانی حقوق کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے" جلال ایریٹس پر بتا رہا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ رستم ایران سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کر پاکستان آیا تھا۔ وہ بہائی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور اُن دنوں ایران میں بہائیوں کے لیے کہیں پناہ نہیں تھی.... اوور!"

"مگر یہ اتنے پرانے گڑے مردے اکھاڑنے کی اب کیا ضرورت پیش آ رہی ہے؟ اوور!" اول خان کی بے اندازہ حیرت میرے لیے تعجب انگیز نہیں تھی۔

"ناک گھما کر پکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ رستم کی خودکشی کو پاکستان میں اقلیتوں کے عدم تحفظ کا مسئلہ بنایا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کر کے غریب کو اتنا دہشت زدہ کیا گیا کہ اس نے اپنے نواسے سمیت خودکشی کر لی' اوور۔"

"دُم پر پاؤں پڑتا ہے تو یہ سؤر کے بچے ایسی ہی موشگافیاں شروع کر دیتے ہیں" اول خان چراغ پا ہو گیا "اس کے خلاف پنڈت منوہر لال جیتا جاگتا ریکارڈ ہے۔ وہ خود

انہیں بتادے گا کہ رستم بھی یہودیوں کا آلۂ کار تھا اور رابن مائر سے رابطے رکھتا تھا۔۔۔اوور!"
"اوہ!" اول خان کے جواب نے شاید جلال کو چونکا دیا "بوکھلاہٹ میں، میں بھول ہی گیا تھا کہ پنڈت نے رستم کا بھی پردہ چاک کردیا ہے۔ دونوں کے فون بلوں سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ وہ واشنگٹن میں رابن مائر سے قریبی رابطے رکھتے تھے۔ ہمارے پاس ریکارڈ سے زیادہ جرم کا ثبوت موجود ہے۔۔۔اوور!"
"ہوسکتا ہے کہ ابھی تمہیں اس بارے میں تفصیل کا علم نہ ہو لیکن اسلام آباد پہنچنے کے بعد یہ ضرور بتانا کہ رستم کی خودکشی پر انسانی حقوق کا شوشا کس نے کھڑا کیا ہے۔ اوور!"
"معصوم نقابوں میں چھپے ہوئے ایسے سازشی چہروں میں ہم بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ شاید اس وقت ملک ممتاز بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگا؟ اوور!" اول خان کے مطالبے کا جواب دے کر جلال نے دریافت کیا اور اول خان نے ایریٹس مجھے تھمادیا۔
"اگلے نام کے انتخاب تک مجھے صرف ملک ہی رہنے دو۔ ملک ممتاز کا نام تمہارے ریکارڈ پر آیا ہوا ہے۔۔۔اوور!" میں نے ایریٹس لیتے ہی جلال کو یاد دلایا۔
"ٹھیک ہے، میں احتیاط کروں گا مگر یہ سسٹم اتنا فول پروف ہے کہ اس پر ہماری کوئی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔۔۔ تم ہمارے پروگرام سے متفق ہونا؟ اوور!"
"اس وقت اٹھائے جانے والے ہر نازک سوال کا جواب پنڈت منوہرلال کے پاس موجود ہے مگر اس بارے میں میرے کچھ تحفظات ہیں، اوور۔"
"میں وہی جاننا چاہتا ہوں" جلال کی مضطربانہ آواز ابھری "ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہمیں قیدی کو لے کر شارع فیصل ایربیس بھی پہنچنا ہے۔۔۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟ اوور۔"
"پنڈت سے ملنے والی معلومات کو پوری طرح استعمال کرو مگر فی الحال اس کا نام سامنے نہ لاؤ۔ اس وقت وہی ہمارے قابو میں ہے۔ اس کا نام کھول دیا گیا تو ہم اپنا کام آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی امریکی یا یہودی ایجنٹ اسے ٹھکانے ہی لگادے۔ اوور۔"
"تم چاہتے ہو کہ اسے اسلام آباد میں امریکیوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے؟ اوور۔"
"نہ صرف یہ احتیاط ناگزیر ہے بلکہ اس کا نام بھی۔۔۔ فی الحال صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ کئی دن سے مفرور اور روپوش ہے، اوور۔"
"اس کے گھر سے رابن مائر کی لاش برآمد ہونے کے بعد وہ یک بہ یک اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد والوں پر اس وقت پنڈت ہی کی تلاش کا دباؤ ہو، اوور۔"
"اسے پیش کرکے ہم اپنے حریفوں کی خواہش پوری کریں گے، اوور۔"
"اس کا نام پردے میں رکھ کر "جس" کے بارے میں ملنے والے تینوں کاغذوں کو منظرِعام پر لانا ممکن نہیں رہے گا۔ ان کاغذوں کی بنیاد پر ہی کارروائی آگے بڑھی تھی، اوور۔"
"جلال! تم ایک تجربے کار سروس آفیسر ہو۔ اپنے حریفوں بلکہ دشمنوں کے سامنے اتنی معصومانہ سچائیاں پیش کرکے ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔ سب کچھ بدل ڈالو، اوور!"
"کیسے۔۔۔کیسے۔۔۔؟" ایریٹس پر اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی "وقت گزرا چلا جارہا ہے۔ تم صحیح سمت کی نشان دہی کررہے ہو لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنی کم مدت میں یہ تبدیلیاں کیسے لائی جاسکتی ہیں۔ تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ ہو تو مجھے بتاؤ، اوور۔"
میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں فوری طور پر جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے مضطربانہ استفسار پر میرے ذہن کی چرخی چل پڑی اور خود بہ خود رستم کا پُرعزم چہرہ میری نگاہوں کے سامنے مجسم ہوتا چلا گیا۔
میرے انگوٹھے کا دباؤ پیغام نشر کرنے والے بٹن پر تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران میں جلال اپنی آواز ہم تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی اس کے لیے اعصاب شکن ثابت ہورہی ہوگی مگر میرے پاس کوئی فوری جواب موجود نہیں تھا۔
چند ثانیوں کے توقف کے بعد جوں ہی نکتہ میرے ذہن میں آیا، میں نے بولنا شروع کردیا "پنڈت کو ابھی روپوش ہی رہنے دو۔ شہر میں عملی طور پر بھی اس کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔ تم آسانی سے دعویٰ کرسکتے ہو کہ "جس" والے کاغذ رستم کے گھر سے برآمد ہوئے ہیں، اوور۔"
"ویری گڈ!" جلال کی آواز خوشی سے بھرپور تھی۔ "اب بات بن جائے گی، اوور۔"
"اس کہانی سے رستم کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے گی اور اس کے حق میں آواز اٹھانے والے منافق ہوش میں آجائیں گے۔ پنڈت نے خود اعتراف کیا ہے کہ رستم "جس"

کا پرانا رکن تھا۔ اوور!"

"تم نے زبردست راہ دکھائی ہے" جلال کی آواز تشکّر آمیز تھی "میرے ذہن میں سارے نکتے آنے لگے ہیں۔ تم کو اب اسی اپریٹس پر میرا اگلا پیغام ملے گا' اوور!"

"تو کیا اس کی رینج اتنی زیادہ ہے کہ یہ کراچی اور اسلام آباد کے درمیان بھی کام کرتا رہے گا؟ اوور!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اتنا طاقتور نہیں ہے مگر میرا کوئی بھی آدمی تمہیں میرے رابطے سے آگاہ کرے گا.... میں قیمتی مشورے کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔ فی الحال خدا حافظ.... اوور اینڈ آل۔"

اپریٹس خاموش ہوگیا۔ گاڑی ہمارے گھر کے لیے آخری موڑ لے چکی تھی۔ شاید سلطان شاہ کے کان اول خان کی گاڑی کے انجن کی آواز سے مانوس ہو چکے تھے۔ اس نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا اور اول خان نے گاڑی پورچ میں لے جا کر بند کردی۔

"بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے بعد تم دونوں کی سرگرمیاں اچانک ہی کچھ پُراسرار ہوگئی ہیں" سلطان شاہ نے ہمارا استقبال کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"مار دھاڑ کے مقاصد مجرمانہ ہوں تو اس سے زیادہ آسان کام کوئی اور نہیں ہوتا۔ بامقصد کارروائی کے لیے جواز پیش کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے" میں نے کہا۔

گھر میں قدم رکھتے ہی ہمارا ویرا سے سامنا ہوا۔ اس نے دانستہ مجھے نظرانداز کرتے ہوئے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "سنا ہے کہ آئی بی والے تمہارے جوڑوں میں بیٹھتے جا رہے ہیں؟"

ویرا کے استہزائیہ لہجے پر اول خان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور جواب دیا "ہر ادارہ ایس ٹی ایف ہوتا ہے اور نہ ہر اہل کار اول خان۔ آئینی اور قانونی اداروں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ انہیں دھیان میں نہ رکھا جائے تو انتہائی نیک نیتی سے کام کرنے والوں کو بھی لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔"

"اب تو شاید رابن مائر کا معاملہ چل نکلا ہوگا.... وہ ان کا بہت اہم آدمی تھا" ویرا نے ڈرائنگ روم میں نشست سنبھالتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی۔

"سب ہی کچھ ساتھ ساتھ چل رہا ہے" اول خان نے بے پروائی سے جواب دیا "رابن مائر' پنڈت منوہر لال اور سیٹھ رستم ایرانی۔ ان واقعات سے اڑنے والی دھول رفتہ رفتہ ہی بیٹھے گی۔"

"تو کیا پنڈت منوہر لال کی گرفتاری ریکارڈ پر آگئی ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی مجبوریاں درپیش ہیں۔ آئی بی والوں کے دو ریکارڈ ہوتے ہیں۔ ایک افسرانِ بالا کے لیے اور دوسرا باضابطہ۔ بڑے ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ پنڈت کی گرفتاری صیغۂ راز میں رکھی جائے یا ظاہر کردی جائے۔ تم اس بارے میں کیوں فکرمند ہو؟"

"فی الحال اسے پردے میں رہنا چاہیے۔" ویرا نے نادانستگی میں میری رائے کی توثیق کی "ابھی اس سے بہت کچھ اگلوانا باقی ہے۔ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔"

اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں جیسے وہ ویرا کے کیے ہوئے سوال کا جواب میری زبان سے سننا چاہ رہا ہو۔

"ویرا کے اور تمہارے معاملات میں' میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرا نہیں' ہم سب کا مسئلہ ہے۔" اس مرتبہ ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے" سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں لقمہ دیا۔ "پنڈت نے اسے اغوا تو نہیں کیا تھا جو صرف اسی کو اس کے انجام کی فکر ہو' دوسروں کو بھی...."

"اپنی زہرافشانی بند کرو" ویرا نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "اب بولے تو میں ہاتھ مار دوں گی۔"

"کیسی بدقسمتی ہے کہ چوپائے بھی اپنے اگلے پیروں کو ہاتھ سمجھتے ہیں؟" سلطان شاہ کراہا۔

دھیمی آواز میں کہا ہوا وہ فقرہ ویرا کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ پر دوبارہ برستی' میں بول پڑا "رابن مائر کے ہاتھوں اپنی اکلوتی بیٹی کے قتل کی خبر نے پنڈت منوہر لال کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے...."

"رابن مائر سے اپنے رابطے کا اعتراف اس نے کل ہماری کارروائی سے پہلے ہی کرلیا تھا" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا "اس سے پہلے شاید ہم موہنی اور رخشی کی گفتگو کا کیسٹ حاصل کرچکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ گفتگو پنڈت کے اعتراف کے بعد سنی گئی تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر اب پنڈت نے ایک بڑا انکشاف کیا ہے۔ رستم ایرانی بظاہر سیاسی جرائم اور دہشت گردیوں سے دور رہتا تھا مگر وہ خود "جِس" کا پرانا رکن تھا۔ اسی نے بعد میں پنڈت منوہر لال کو "جِس" کا رکن بنوایا تھا اور سارا کام اسی پر لاد دیا تھا۔"

وہ انکشاف سنتے ہی ویرا اپنی جگہ پر اچھل پڑی "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ پنڈت نے اپنی کھال بچانے یا تم سے کچھ رعایتیں حاصل کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑلی ہو۔"

"تم واقعات سے پوری طرح باخبر نہیں ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو" اول خان نے اس کی تصحیح کی "پنڈت نے یہ انکشاف انتہائی مایوسی اور بے بسی کے عالم میں کیا ہے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسے ہماری طرف سے ذرا بھی رعایت نہیں مل سکے گی۔"

"وہ پرلے درجے کا مکّار اور جھوٹا ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ رستم کا موساد یا "رجس" سے کوئی تعلق تھا۔ پنڈت نے تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے" ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"اس نے ہمارے سامنے یہ اعتراف کیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا" اول خان نے بے بسی سے کہا "پنڈت ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی برداشت کی حد تک سب کچھ خاموشی سے سہہ لیتے ہیں لیکن جب ڈوبنے لگتے ہیں تو اپنے ساتھ سب کچھ لے ڈوبتے ہیں۔"

"تمہارے اس دعوے کی بنیاد کیا ہے؟" میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"بہت سیدھی اور قابلِ فہم بات ہے۔ اس خطّے میں سی آئی اے، موساد اور را کے بیشتر مفادات یکساں بلکہ مشترک ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رستم کے موساد اور "رجس" سے گہرے رابطے ہوں اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اوبرائن ڈی ہنٹ یہاں کس مشن پر کام کر رہا تھا" ویرا نے اعتراض کیا۔

"تمہارا یہ نکتہ بہت وزنی اور اہم ہے" اول خان نے سہلاتے ہوئے کہا "اوبرائن بہت اہم آدمی تھا۔ اگر ہم پنڈت کی بات کو درست مان لیں تو رستم کے ذریعے اوبرائن کے قتل کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ وہ آخری لمحات پر بھی کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔"

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہو سکتا ہے" میں نے جواب دیا "رستم دوسروں کی طرح موساد اور "رجس" کا ایک عام کارندہ نہیں تھا، اس کی اپنی ایک حیثیت اور شناخت تھی۔ اسے اپنی اس شناخت پر گھمنڈ تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی اس شناخت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔"

"کیا اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے نادرِ روزگار سازشی کی قیمت پر بھی؟" میری وضاحت پر ویرا کی آنکھیں حیرت سے اس کی پیشانی پر جا چڑھیں۔

"اپنے سامنے وہ اوبرائن سمیت ہر شخص کو حقیر اور کم تر سمجھتا تھا۔"

ویرا نے میری بات درمیان سے کاٹ دی "اپنے اس اقدام پر اسے کسی بازپرس کا خوف بھی نہیں تھا؟"

"تم کہاں کی بازپرس اور کیسا خوف؟" میں نے ہنس کر جواب دیا "وہ تہ در تہ بہروپوں میں چھپا ہوا تھا۔ اوبرائن کو مارنے کے لیے اسے بس ڈوریاں ہلانی پڑیں اور وہ ایک حادثے میں مارا گیا۔ حادثے کا ذمے دار فرار ہو گیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اوبی کی موت میں رستم کا ہاتھ تھا۔"

"اس نے تمہیں کام ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے رستم کو دس لاکھ روپے کی خطیر رقم اس قتل کے معاوضے کے طور پر ادا کی تھی" ویرا نے اضطراب سے کہا۔

"اس نے ڈینی سے کوئی لین دین نہیں کیا۔ پورا سودا رستم اور ملک ممتاز کے درمیان ہوا۔ ایسے سودوں میں کوئی فریق زبان نہیں کھولتا۔ ایک کی نشان دہی ہوتی ہے تو ساری گردنیں خود بہ خود شکنجے میں آتی چلی جاتی ہیں۔" اس بار اول خان نے میرا ساتھ دیا تھا۔

"پھر بھی میں یہ بات من و عن تسلیم نہیں کر سکتی۔ مجرمانہ سازشوں میں مالی مفاد کے ساتھ ساتھ جذباتی وابستگی بھی شامل ہوتی ہے" ویرا مصر رہی "اس نے ہر چیز کو بالائے طاق رکھ کر اوبرائن کے قتل پر آمادگی کیوں ظاہر کر دی۔ اسے تو بھڑک کر تم پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے تھا۔"

"یہ سب تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم رستم کے ساتھ معاملات طے کرنے میں شامل نہیں تھیں" سلطان شاہ گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیتے ہوئے بولا "اس کے دماغ پر اپنے بنائے ہوئے اصولوں کا خبط بھی سوار تھا۔ اس وجہ سے اسے آخری لمحات پر معلوم ہوا کہ ہم اس کے ذریعے کس شخص کو راستے سے ہٹانے کے خواہاں تھے۔ اوبرائن کے نام پر وہ چونکا تھا لیکن انکار نہیں کر سکا۔"

"وہ آخر تک کہتا رہا کہ ملک سے باہر کسی کو ٹھکانے لگانا مشکل کام ہے" ویرا کو اس بارے میں ہماری بتائی ہوئی ساری جزئیات یاد تھیں "وہ اوبرائن کو نہ مارنا چاہتا تو بعد میں کسی بھی مضبوط عذر کے ساتھ تمہیں سات لاکھ روپے لوٹا کر معاہدہ ختم کر سکتا تھا۔"

ویرا کے ان الفاظ نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کیا رستم خود بھی کسی وجہ سے اوبرائن کو ناپسند کرتا تھا اور اسے مار دینا چاہتا تھا؟

اس وقت تک میں بس ایک ہی لائن پر سوچ رہا تھا کہ

رستم کو اپنی انفرادیت اور بالادستی عزیز تھی۔ اپنے ایک روپ میں وہ موسادیا جس کا ایجنٹ تھا اور دوسرے روپ میں نقد معاوضہ لے کر بڑے جرائم کی منصوبہ بندی کرنے والا ایک سفید پوش مجرم تھا۔ جس کے جرائم کے بہت سے خاموش گواہ موجود تھے مگر اس پر یا اس کے کسی خاص آدمی پر کبھی کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا۔

مجھ سے یعنی ملک ممتاز سے سودا کرتے ہوئے وہ اپنے دوسرے روپ میں تھا۔ وہ ایک ایسے سفاک اور سرد مہر قاتل کا روپ تھا جو بڑے معاوضے پر دنیا بھر میں کسی کو بھی مار ڈالنے کی ذمے داری لے سکتا تھا۔ اس نے اپنی نظروں میں اپنا وہ بھرم برقرار رکھنے کے لیے یا دوسرے الفاظ میں اپنی مجرمانہ انا کی سربلندی کے لیے اوبی کے بے داغ قتل پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اوبرائن زندہ تھا نہ رستم ایرانی کسی جواب دہی کے لیے دنیا میں موجود تھا۔ ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کے بعد اس بارے میں بس قیاس آرائیاں ہی کی جاسکتی تھیں لیکن ویرا نے ایک امکان کی نشان دہی کرکے مجھے نئی راہ سجھادی تھی۔

میں نے پنڈت کو یہ تو بتا دیا تھا کہ اس کی تجوری سے تینوں اہم کاغذات ملک ممتاز نے اڑائے تھے اور وہ ان کے ذریعے رستم کو بلیک میل کررہا تھا مگر اس سے اوبرائن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا تھا۔

پنڈت منوہر لال زندہ تھا۔ وہ رستم کا قریبی ساتھی تھا۔ اگر اسے یہ بتایا جاتا کہ نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے لیے حادثے کا اسٹیج رستم نے سجایا تھا تو وہ ویرا کے چبھتے ہوئے سوال کا کوئی ٹھوس جواب دے سکتا تھا۔

ویرا کی طرف سے اس امکان کی نشان دہی کے بعد بھی میرا اپنا نظریہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ رستم نے اپنے ساتھ اپنے چہیتے اور کم سن نواسے کی کنپٹی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر یہ ثابت کردیا تھا کہ اس کا بالادستی کا گھمنڈ ناقابلِ تسخیر تھا۔

ایسے مجرم خود کو دنیا کی ہر طاقت اور قانون سے ماورا سمجھتے ہیں اور اپنی کفالت میں آئے ہوئے افراد کے تحفظ کے بارے میں ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔ انہیں یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ ان پر کوئی بُرا وقت آیا تو ان کے سارے پیارے اور دلارے ناقابلِ برداشت مصائب میں گھر جائیں گے۔

جب رستم نے بسیرا میں محصور ہوکر انفرا ریڈ دوربین کی مدد سے قرب وجوار کی گلیوں میں مسلح ہیولوں اور متحرک و تاریک گاڑیوں کو اپنے مسکن کی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھ لیا ہوگا کہ اس کا بُرا وقت آپہنچا ہے۔ وہ ایسی بُری گھڑی تھی کہ شہر کے مقتدر حلقوں میں گہرا اثر و رسوخ رکھنے والے رستم کو کانوں کان بھنک بھی نہیں مل سکی تھی کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

ایسے لمحات میں ہر بڑے اور برے مجرم کو قانون کا آہنی چنگل اپنے حلقوم میں پیوست ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مجرم اکیلا ہو تو آخری سانس تک لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے کوئی گولی کھا کر اپنے دردناک انجام کو پہنچ جاتا ہے لیکن جن مجرموں کا کوئی والی وارث ہو' ان کے لیے اس راہ کا انتخاب کٹھن ہوجاتا ہے۔

شاید رستم نے بھی بحران کے ان لمحوں میں یہی سوچا ہوگا کہ آنے والوں کی رسد کی ہر راہ کھلی ہوئی ہے اور وہ بسیرا میں محصور ہے۔ مقابلہ کیا تو چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند روز تک مزاحمت کرسکے گا اور پھر لڑتے لڑتے بے خبری میں مارا جائے گا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کے گھر کی عورتوں کا کیا حال ہوتا اور قانون ایک مردہ مجرم کے اکلوتے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

قانون اس معصوم کو معاف کربھی دیتا تو معاشرہ اسے ہرگز معاف نہ کرتا۔ رستم نے برسوں تک جرائم کی فصل کی آبیاری کرکے عزت' ثروت اور نیک نامی کی جو ساکھ کمائی تھی' وہ بسیرا پر پہلی گولی چلتے ہی خاک میں مل جاتی۔

شاید اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کا اکلوتا اور لاڈلا نواسا سرجھکا کر ندامت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے اور ساری عمر اپنے نانا کو کوستا رہے جس نے اسے رسوائیوں کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ رستم کے لیے اس وقت دو میں سے کسی ایک راہ کا ارادی انتخاب ضروری تھا۔

یقین اور بے یقینی۔ امید اور ناامیدی۔ یقین اور امید کی ہر راہ اسی لمحے مسدود ہوگئی تھی جب اس نے اپنی دوربین سے پہلا منظر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ہر سو بے یقینی اور ناامیدی کے گھور اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا اور پھر بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کرلیا۔

اسے کوئی گولی کھا کر یا پھانسی کے پھندے پر لٹک کر مرنا ہی تھا۔ اپنے بعد وہ اپنی بیٹی کے لختِ جگر کو قانون اور زمانے کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنی عالی شان رہائش گاہ کی اندھیری چھت پر سے شب خون مارنے والوں کو للکارا اور پھر اپنے ہاتھوں سے دونوں زندگیوں کا خاتمہ کرلیا۔

وہ شقاوت اور سنگ دلی کی انتہا تھی کہ وہ جسے سب سے بڑھ کر چاہتا تھا' اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر

بیٹھا تھا مگر وہ اس کے ذہن میں کار فرما نفسیاتی پیچیدگیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔ میں ویرا کی نشان دہی سے پہلے یہی سوچتا رہا کہ ایسے ہی کسی ذہنی پیچاک سے دوچار ہو کر رستم نے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تمہارے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا۔" میں نے ویرا کے سامنے اعتراف کیا "یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اگر رستم واقعی موسادیا "جس" کا ایجنٹ تھا تو کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہونے کے باوجود اوبرائن ڈی ہنٹ کو مارنے پر کیوں آمادہ ہوگیا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ بسیرا میں رستم کی خودکشی اور وہاں سے پنڈت منوہر لال کی بازیابی کے بعد مزید کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ آپریشن میں حصہ لینے والے وہاں کے ملازمین وغیرہ کو ہدایات دے کر لوٹ آئے تھے۔" سلطان شاہ نے اول خان سے سوال کیا۔

"رستم زندہ گرفتار ہوا ہوتا یا پنڈت منوہر لال ہمارے ہاتھ نہ آتا تو بسیرا کا تنکا تنکا الٹ پلٹ کر رکھ دیا جاتا۔ ان دونوں قصوں کے نمٹ جانے کے بعد وہاں کسی کارروائی کا کیا جواز رہ جاتا تھا؟" اول خان نے جوابی سوال کیا اور پھر کہا "اس وقت ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ "جس" کا رکن ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائری لکھنے کا عادی رہا ہو۔ اس کے ذاتی ریکارڈ سے بہت کچھ ملنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ کچھ ہاتھ آتا یا نہ آتا، کوشش ضروری تھی۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "تم بھول رہے ہو کہ اس آپریشن میں ہمارا کوئی رول نہیں تھا۔ ہم خاموش تماشائی تھے۔"

"آپریشن کی نگرانی تجربے کار افسران کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ امکانات کیوں نظر انداز کردیے؟"

"میں ان کا دفاع نہیں کر رہا لیکن سچ پوچھو تو میں ان کی جگہ ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جو انہوں نے کیا۔ پنڈت کو پکڑ کر بسیرا سے لوٹ آتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ کیا انہیں اس پورے کیس کی اہمیت کا علم نہیں تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ان کی معلومات بہت محدود تھیں۔ وہ ہمارے بھیجے ہوئے تین کاغذوں اور ان کے مالک کے نام سے آگے کچھ نہیں جانتے تھے۔ تل ابیب کے نمبر کنفرم کرنے کے بعد انہوں نے کسی لمبے چوڑے ہوم ورک کے بغیر محدود مقصد کے لیے کارروائی کی۔ ان کا ہدف رستم نہیں، پنڈت تھا۔ اسے پکڑ کر وہ لوٹ آئے۔"

"رستم نے اپنے ملاقاتیوں کی وڈیو اور آڈیو فلمیں بنانے کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ ان فلموں کو محفوظ رکھتا ہوگا۔ ان میں ہماری فلمیں بھی ہوں گی۔ وہ کسی غلط ہاتھ میں پہنچ گئیں تو مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"اوہ!" اول خان بے فکری سے ہنس پڑا "تم بھی ویرا کی طرح گھما پھرا کر بات کرنے لگے ہو۔ یہ مسئلہ شروع سے میری نظروں میں تھا۔ مواصلاتی ماہرین کی ایک ٹیم نے بسیرا کا وہ پورا سسٹم اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ وہ کئی کیمروں اور ستر سے زیادہ حساس مائیکروفونز پر مشتمل تھا۔ ان میں کوئی فلم نہیں تھی۔ سارے کیسٹ نئے اور کورے تھے۔۔۔"

"ہوسکتا ہے کہ ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ وہ کسی محفوظ مقام پر پوشیدہ رکھتا ہو۔" سلطان شاہ نے قدرے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "پرانی فلمیں کیمروں یا ریکارڈرز میں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے الیکٹرو میگنیٹک ٹیپ کا سراغ لگانے والے حساس آلات استعمال کیے ہوں۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ وہاں کوئی مشتبہ کیسٹ نہیں تھا۔ رستم کی خواب گاہ کے پیچھے ایک جدید برقی بھٹی بھی پائی گئی تھی۔ اس کی تہ میں پائے جانے والے فضلے میں پلاسٹک کے بچے کھچے اجزا پائے گئے ہیں۔ شاید وہ اس معاملے میں اپنے اصول کا پابند تھا۔ معاہدہ پورا ہوتے ہی کیسٹ تلف کردیتا تھا۔"

"طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ پھر بھی موجود ہونے چاہئیں تھے۔"

"اس کے گاہکوں میں وعدہ خلافی کرنے والوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہوگا۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھایا "طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ وہ ان کے حریفوں کے ہاتھ بیچ کر اپنا خسارہ پورا کرنے کی بات خود ہی بتا چکا تھا۔"

"یہ بات بہت شدت سے میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے تمہارے سامنے رکھ دی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اپنے شانے اچھال کر کہا "اگر تم دونوں مطمئن ہو تو ٹھیک ہے۔"

اول خان کچھ وقت گزار کر واپس چلا گیا۔ اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا جو گلشن اقبال کے اس علاقے سے زیادہ دور نہیں تھا۔

میں پورچ سے اسے رخصت کرکے واپس آیا تو ویرا

اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ سلطان شاہ شاید ڈرائنگ روم میں ہی ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

میں راہ داری میں ویرا کے سامنے رک گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں مگر اس نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ بس خاموش اور سپاٹ نگاہوں سے میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔

”دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟“ آخر کار مجھے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ سکوت توڑنا پڑا۔

”کیوں ......؟ کیا یہاں کھڑا ہونا منع ہے؟“ اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

”دروازہ کسی بھی طرف گزر جانے کے لیے بنایا جاتا ہے۔“ میں نے اپنی غیرارادی مسکراہٹ کو چھپائے بغیر ذو معنی لہجے میں کہا ”دروازے پر وہی لوگ رکتے ہیں جو اندر جانے یا لوٹنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا ہوں۔ یہ تمہارا اپنا کمرا ہے۔ تمہیں یہ تذبذب کیوں ہے؟“

”روم میں جب جمی لائیڈ میرا اتالیق تھا تو امرا کی محفلوں میں رسائی سے پہلے میں سرِشام یوں ہی دروازے پر آکھڑی ہوتی تھی .... ذرا سی بن سنور کر۔ آج نہ جانے کیوں وہی سنہرے دن یاد آرہے ہیں۔ اندر جاتے جاتے قدم دروازے پر بے اختیار رک گئے۔“

”وہ شاید تمہاری زندگی کا تاریک ترین دور تھا۔ جب تمہیں یہ سکھایا جارہا تھا کہ ایک خوب رو لڑکی اپنے کن حربوں اور ہتھیاروں سے مردوں کو اپنا غلام بنا سکتی ہے۔“ میں نے تلخی سے کہا۔ اس کا جواب سن کر میری مسکراہٹ یک بہ یک کافور ہوگئی تھی۔

”وہی تو زندگی کا اصل حسن تھا۔“ ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا ”جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر مجھے یہی سکھایا تھا کہ مردوں کی بھیڑ میں تم کسی کو نہ چاہو اور وہ سب ٹوٹ کر تمہاری قربت کو ترستے ہوں تو سمجھ لو کہ تم کامیاب لڑکی یا عورت ہو پھر....“

میں نے غصے کے عالم میں اس کی بات کاٹ دی ”تم کیا بے ہودہ اور غلیظ موضوع لے بیٹھیں....“

اس نے بھی مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی اور درمیان میں کہا ”وہ کہا کرتا تھا کہ پھر تم اس بھیڑ میں سے اپنی مرضی کا کوئی خوش نما کھلونا چن لو‘ اس سے کھیلو اور اگلے دن بہت بے رخی سے اپنی پسند تبدیل کرلو۔ چہرے اور کھلونے بدلتے رہیں تو زندگی بہت تیز اور ہیجان انگیز رہتی ہے۔“

”تم نے یہ بکواس جاری رکھی...تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔“ میں نے اپنے بڑھتے ہوئے غصے پر قابو پاکر سرد لہجے میں کہا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی ”ویسے تم کون سی اچھی طرح پیش آتے ہو جو اب یہ دھمکی دے رہے ہو۔ میرے ساتھ کسی اور کا ذکر سن کر جل بھن رہے ہوتا؟؟“

دوسروں کی موجودگی میں میرے ساتھ اس کا رویّہ خاصا بہتر تھا۔ دو دن سے میں محسوس کر رہا تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی وہ میرے ساتھ تلخی آمیز اور کاٹ دار باتیں شروع کردیتی تھی۔ اسے کوئی سخت جواب دے کر فضا کو مزید خراب کرنے کے بجائے میں ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

جاتے جاتے میں نے ڈرائنگ روم میں نگاہ ڈالی تو سلطان شاہ ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے میں محو تھا۔ اسے میری آمد کا علم ہی نہ ہوسکا اور میں قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں غزالہ بستر پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی غزالہ رسالہ ایک طرف پھینک کر بستر پر سیدھی ہوگئی۔ اس نے مسکرا کر کچھ کہنا چاہا لیکن میرے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ کر وہ چونک پڑی اور سنجیدگی سے بولی ”کیا بات ہے؟ ابھی تو آپ بہت اچھے موڈ میں اول خان کو الوداع کہنے گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں موڈ کیوں آف ہوگیا؟“

”کبھی کبھی یہ عورت بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔“ میں نے ترشی سے کہا۔

”کیا کہہ دیا اس نے؟ ابھی وہ بھی اچھے بھلے موڈ میں تھی۔“ غزالہ میرے جواب پر حیران رہ گئی۔

”اسے اچانک اپنا ماضی یاد آنے لگا ہے .... غلاظت کا کیڑا گندگی کے ڈھیر میں خوش رہتا ہے۔ اسے صاف ستھری فضا میں لانے کی کوشش کرو تو وہ گھٹن میں مبتلا ہو کر مرجاتا ہے۔“ میں نے زہر آلود لہجے میں جواب دیا ”میرا دماغ سنک گیا تو میں اس کا سر توڑ دوں گا۔“

غزالہ یوں ہنس پڑی جیسے میں نے کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہو ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے دعوے کو اتنی سرعت سے عملی جامہ پہنا بیٹھے گی۔ اس کے سامنے ظاہر بھی نہ ہونے دیں کہ اس کی کسی بات نے آپ کو مشتعل کردیا ہے۔“

”میرا خون کھول رہا ہے اور تم ہنس رہی ہو۔ کیا کہہ رہی

تھی وہ؟ کیا دعویٰ ہے اس کا؟" غزالہ کے غیر معمولی ردِّعمل پر میری کھوپڑی بھنّا کر رہ گئی۔

"وہ وہی کہہ رہی تھی جو آپ بتا رہے ہیں۔ بعض اوقات وہ مذاق میں بھی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ بھی اس کے دھوکے میں آ گئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا دعوے کر رہی تھی؟"

"کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کے مزاج پر کامل اتھارٹی ہے۔ جب چاہے، چٹکی بجاتے میں آپ کا اچھا خاصا موڈ برباد کر سکتی ہے۔" میرے تیور دیکھ کر بھی غزالہ پوری طرح سنجیدہ نہیں ہو سکی تھی۔

"موڈ برباد کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک ڈھکی چھپی گالی بھی کسی شریف آدمی کا ذہن پراگندہ کر سکتی ہے۔ وہ میرے خلاف تم سے ایسی باتیں کیوں کرتی ہے؟"

میرے تیکھے سوال پر غزالہ سنبھلنے پر مجبور ہو گئی اور جلدی سے بولی "وہ کچھ نہیں کہتی، آج میں نے ہی اس سے پوچھ لیا تھا کہ وہ آپ سے کیوں لڑتی رہتی ہے۔"

"اور اس نابکار عورت کو میرے خلاف زہر اگلنے کا موقع مل گیا؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"بس ... بس ... پھر باتیں چل نکلیں۔" غزالہ نے ہکلاتے ہوئے بتایا "اس کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کے دل میں غبار ہے۔ اس کے برعکس وہ اب بھی آپ کو اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے ..."

"اور اسی وجہ سے میرا موڈ تباہ کرنے کے دعوے کر رہی تھی۔" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر درمیان ہی میں لقمہ دیا۔

"کسی بات پر میں نے ہی کہا تھا کہ آپ بہت خوش مزاج ہیں۔ ہر وقت شگفتہ موڈ میں رہتے ہیں اور دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہیں۔" غزالہ نے معاملے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کہا "اس پر وہ بولی تھی کہ وہ جب چاہے ذرا سی بات پر آپ کو برہم کر سکتی ہے۔"

میں نے بے اختیار غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور مسکراتے ہوئے کہا "وہ جو کچھ بکتی ہے، اسے بکنے دو۔ اس کی باتوں پر تم کیوں سہمی ہوئی ہو۔"

میرے رویے کی اچانک تبدیلی پر غزالہ کے ہونٹوں سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ میں ڈر گئی تھی کہ آج ویرا کے مذاق کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی۔ آپ کو بھڑکا کر وہ مزے سے کہیں پاؤں پسارے بیٹھی ہوگی۔"

"ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بستر چھوڑ دیا "میں اسے احساس دلاؤں گا کہ کسی کا موڈ بگاڑنا کس قدر آسان ہوتا ہے۔"

"پلیز!" غزالہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا "وہ جو کرتی پھرتی ہے، اسے کرنے دیں۔ آپ اسے تنگ نہ کریں۔ وہ آپ کے بارے میں بہت حسّاس ہے۔ ہر بات اپنے دل پر لے لیتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" غزالہ کے ان فقروں پر میں نے اپنے دل میں تقویت سی محسوس کرتے ہوئے کہا "پھر بھی اسے ہلکا سا سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

میں غزالہ کو خواب گاہ میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی اور میں چونک پڑا کیونکہ اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔

"... میں کسی دن ہاتھ پیر باندھ کر پوری بوتل تمہارے حلق میں انڈیل دوں گی۔" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ویرا کا وہ آخری فقرہ میرے کانوں میں پڑا۔

سلطان شاہ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے کوئی جواب دینے والا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے اپنے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا کے لیے! اسے کسی باڑے میں بند کر دو۔ یہ ہر وقت تنگ کرنے لگی ہے۔" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے التجا کی۔

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے کمرے کے وسط میں جگہ سنبھال کر خوش دلی سے پوچھا۔

"یہ پٹھان ہے۔ میں اسے سمجھا رہی تھی کہ اسکاچ کے ایک دو پیگ لینے سے اتنا نشہ بھی نہیں ہوتا جتنا عمدہ چرس سے بھری ہوئی ایک سگریٹ پینے سے ہوتا ہے۔" ویرا اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو فضا میں قدرے آگے لہراتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ چرس صرف پٹھان پیتے ہیں۔ پٹھانوں سے کہیں زیادہ سندھی، پنجابی اور بلوچ نشہ کرتے ہیں بلکہ باہر نکلو تو یورپ اور امریکا میں مسکن قدرتی پیداوار کے طور پر یہ نشہ بہت زیادہ مقبول ہے۔ ہالینڈ میں اس کی خرید و فروخت کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ہر ڈچ، پولیس کی

گرفت کے کسی خوف کے بغیر اپنی جیب میں چرس کا ایک تُوا لے کر گھوم سکتا ہے۔۔۔"

ویرا نے چڑ کر میری طولانی تقریر درمیان ہی سے اچک لی "ہم چرس کے کاروباری امکانات پر غور نہیں کر رہے تھے' بات صرف ایک گلاس اسکاچ پینے کی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ وہ شراب کے گلاس کو پاک کیے بغیر اس میں پانی پینا بھی حرام سمجھتا ہے تو تم اسے کیوں چڑاتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"جب تمہیں میرا جواب معلوم ہے تو بار بار اصرار کرنے سے فائدہ کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"پتھر پر بوند بوند پانی گرتا ہے تو وہاں بھی خفیف سا گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم اپنی ناک چٹکی سے دبا کر پورا گلاس غٹاغٹ چڑھا جاؤ۔" بات پوری کر کے ویرا نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"یہ روم نہیں ہے۔" میں نے ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا "سلطان شاہ کو اتنا نہ ستایا کرو کہ یہ بدک جائے۔ بعض کھلونے اتنے نازک ہوتے ہیں کہ ہاتھ میں آتے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسی قبیلے کا کوئی فرزند معلوم ہوتا ہے۔"

ویرا نیم ہذیانی انداز میں ہنسی پھر بولی "میں یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ کھلونوں کا دور روم میں رہ گیا۔ یہاں رہ جانے کے بعد تو میں تمہارے لیے کھلونا بن کر رہ گئی ہوں۔"

"یا مظہرالعجائب!" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا "یہ بہک کر ہوش کی باتیں کرتی ہے۔ ہوش میں ہوتی ہے تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے ویرا۔ تمہیں کسی نے کھلونا بنایا ہے نہ سمجھا ہے۔" میں نے کہا۔

"کھلونے کھیلنے والے کے لیے بے جان ہوتے ہیں۔" وہ مزید ایک گھونٹ لے کر بولنے لگی "وہ ان سے کھیلے یا توڑ کر کوڑے دان میں پھینک دے۔۔ سب کچھ آسی کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر میں کھلونا نہیں ہوں تو یہاں میری مرضی کیوں نہیں چلتی؟ جو میں چاہتی ہوں، وہ کیوں نہیں ہوتا؟"

"تمہاری مرضی کی ہر جائز بات ہو کر رہتی ہے۔ اب تم خود ہی چاند کو پانے کی آرزو کرنے لگو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے تخلیے میں ادھوری رہ جانے والی بات سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم۔۔۔ اور سلطان شاہ۔۔۔ کیا تم دونوں خود کو چاند سمجھتے ہو؟" اس کا سوال ایک تیز ہذیانی سرگوشی کی صورت میں ڈرائنگ روم میں گونجا۔

"یہ سوال کر کے تم اعترافِ جرم کر رہی ہو۔ کیا تم ہم دونوں کو حاصل کر لینا چاہتی ہو؟" میں نے بھی اسی جارحانہ انداز میں ویرا سے سوال کیا۔

"ارے ڈینی! تم بڑے سنگ دل ہو۔" وہ گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گئی "میں بے چاری' ایک بے نام و نشان لڑکی جسے اس کے باپ نے بھی اپنی بیٹی نہ کہا' تم دونوں سے کیا چاہ سکتی ہوں؟ میرا تثلیثی خدا تمہاری اور غزالہ کی جوڑی کو سدا شاد و آباد رکھے' سلطان شاہ کا گھر آباد کرے۔ تم دونوں مجھے بہت عزیز ہو۔ یہ بات تمہارا دل بھی جانتا ہے۔ میری خواہش بس اتنی سی ہے کہ مجھے تھوڑی سی عزت کی نگاہ سے بھی دیکھ لیا کرو۔ میرے دل کے پار اتر جانے والے کڑوے کسیلے سوالات مت کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کی امانت ہو۔ میں تمہیں پانے کی آرزو کیسے کر سکتی ہوں۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت ہے مگر میں مسیحی ہوں۔ ہم ایک وقت میں ایک بیوی اور ایک شوہر کے فلسفے والے لوگ ہیں۔ یہ بھول جاؤ کہ میں خائن ہوں۔۔۔"

وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی بات وہیں سے اچک لی "تم بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہو۔ ہم سب اپنے اپنے دلوں کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔ یہ پابندی ضرور ہے کہ یہاں روم والی آزادیاں نہیں ہیں۔"

"ان آزادیوں کو میں ٹھوکر مار چکی ہوں۔" اس نے ہوا میں داہنی ٹھوکر چلا کر کہا "غزالہ کو دیکھ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آچکی ہے کہ بے مہار آزادی مرد کو ملے یا عورت کو' نقصان سراسر عورت کا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے تم سے فاصلے کی بات کی تھی۔ وہ فاصلہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ تم نے اس سمت میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ خلوت میں ہونے والی گفتگو کو ویرا نے محفل میں چھیڑ دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "عملی طور پر تمہاری وہ شکایت بے بنیاد تھی مگر تم جلد ہی تبدیلی محسوس کرو گی۔ یوں ہر ایک سے لڑنے بھڑنے سے ایسی باتیں حل نہیں ہوا کرتیں۔"

میرے لیے ویرا کی شکایت بہت واضح اور کھلی کھلی تھی

مگر اس نے الفاظ کا موزوں انتخاب کیا تھا۔ اس کی پوری بات سلطان شاہ کے پلّے پڑی نہ میری بات اس کی سمجھ میں آئی اور اس نے احتجاج کر ڈالا "اب تم دونوں نے ہی بہکی بہکی باتیں شروع کردی ہیں۔ جو میرے سر پر سے گزر رہی ہیں۔"

ویرا نے آخری بڑا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کردیا۔ اسی وقت غزالہ ہنستی ہوئی وہاں آگئی "یہاں کیا بہکی بہکی باتیں ہورہی ہیں۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"ڈینی سے سنو!" ویرا نے اسے آنکھ مار کر آسودہ لہجے میں کہا "میں اپنا مے خانہ یہیں اٹھا لاتی ہوں۔"

"اس وقت وہ چھوئی موئی بنی ہوئی ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں غزالہ کو ہدایت دی "اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔"

"وہی نہیں، اس وقت تم بھی عجیب باتیں...." سلطان شاہ نے اپنی جھوک میں بولنا شروع کیا مگر میری آنکھیں دیکھ کر وہ یکایک خاموش ہوگیا۔

"وہ مجھ سے شکوہ کررہی تھی کہ اب گھر میں پیتے ہوئے وہ خود کو زیادہ ہی اکیلا محسوس کرنے لگتی ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ویرا کے لیے وافر ہمدردی موجود تھی "آپ نے مے نوشی بہت کم کردی ہے مگر ترک نہیں کی۔ کبھی کبھار اس بے چاری کا ساتھ بھی دے دیا کریں۔"

"یہ کیا کہہ دیا تم نے!" سلطان شاہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اب یہ دونوں باری باری ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے بہانے بوتل کے گرد بیٹھے نظر آئیں گے۔"

"جس طرح اڑیل سانڈ کو مضبوطی سے باندھ کر بوتل سے کڑوا تیل پلایا جاتا ہے، ویرا بالکل اسی طرح سلطان شاہ کو شراب پلانے کا ارادہ رکھتی ہے۔" میں نے مسکرا کر غزالہ کو آگاہ کیا "میں اسے ذرا بھی شہ دے دوں تو یہ شان دار واقعہ کل ہی رونما ہوسکتا ہے۔"

"اول تو وہ مجھے زیر ہی نہیں کرسکتی۔ مارشل آرٹس کے کچھ کرتب دکھا بھی لیے تو ایسی بُری گھڑی آنے سے پہلے وہ جہنم واصل ہوجائے گی۔" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "تم نے اسے ذرا بھی اکسایا تو میں زندگی بھر تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔"

غزالہ ہنسنے لگی "تم بلاوجہ ڈر گئے۔ یہ آج کل ویسے ہی ویرا سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

"اپنی مصلحتیں یہ دونوں ہی جانتے ہیں۔ پتا نہیں ان کے دماغ میں کب، کیا سوار ہوجائے۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کے بولا "اسی لیے میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔"

چند منٹ بعد ویرا ٹرے لائی تو اس میں ڈمپل کی صراحی نما خوب صورت بوتل اور آئس پاٹ کے ساتھ ایک خالی گلاس بھی موجود تھا۔

"تمہارا گلاس تو پہلے سے یہاں موجود تھا، دوسرا گلاس کس کے لیے لائی ہو؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں اس سے پوچھا۔

وہ ہنس کر دھیرے سے بولی "دو گلاس سامنے موجود ہوں تو اکیلے پن کا احساس کم ہوجاتا ہے۔ یہ خوش گمانی رہتی ہے کہ کوئی ابھی ابھی گلاس خالی کرکے واش روم گیا ہے۔"

"تنہائی کا احساس اسی قدر ستاتا ہے تو تم شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟" غزالہ نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

ویرا اپنے گلاس میں اسکاچ انڈیل رہی تھی۔ اس طرف سے توجہ ہٹائے بغیر بولی "اول خان شادی شدہ ہے، ڈینی کو مکاؤ کے ڈون نے تمہارے پلّے باندھ دیا، سلطان شاہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ حالات سازگار ہوں اور اس تکون سے نکل کر لوگوں سے میل جول کا موقع ملے تو کسی نہ کسی کا انتخاب کر ہی لوں گی۔ میرے لیے یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے۔"

اس کے سرسری انداز سے بھی ثابت ہورہا تھا کہ اس نے غزالہ کے سوال کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر اس کا تیکھا جواب سلطان شاہ سے برداشت نہ ہوسکا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر صوفے سے اٹھا اور پیر پٹختا ہوا، ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا۔" قالین پر سلطان شاہ کے جوتوں کی دھمک نے ویرا کو چونکا دیا۔ ویسے بھی وہ اپنے گلاس میں مقررہ مقدار انڈیل چکی تھی۔

"تمہارا جواب اسے پسند نہیں آیا۔ وہ ناراض ہوکر گیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جو آدمی عورت کے قرب سے بوکھلا کر بُری طرح بدکنے لگتا ہو، اس کے بارے میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے، میں اس سے دوستی کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی۔"

"اگر میں اسے رضامند کرلوں تو کیا تم واقعی اس سے شادی کرلوگی؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

"کیا بات کرتی ہو!" ویرا کا منہ بن گیا "پہلے اسے عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے کے آداب سکھاؤ۔ اگر وہ میرے

معیار پر پورا اترا تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔"
غزالہ کا جوش اسی لمحے ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ ان دونوں کے بارے میں پہلے بھی سوچتی رہی تھی۔
ویرا نے جوں ہی گلاس اٹھایا، میں نے اسے ٹوک دیا "ٹھہرو! پہلے دوسرا گلاس بھی بنالو۔"
"کس کے.... تمہارے لیے!" ویرا کی نیلی آنکھوں میں یکایک دیے سے جل اٹھے۔
میں نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تو وہ غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "ڈینی کی اس فرمائش پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"
"تم دونوں کے بارے میں، میں اکثر چشم پوشی سے کام لیتی ہوں۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کی مرضی کے سامنے میں نے ہمیشہ سر جھکایا ہے۔"
ویرا میرے لیے دوسرا گلاس تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ غزالہ اٹھ گئی۔
ویرا کو اس کی روانگی کا اندازہ ہوگیا تھا مگر وہ غزالہ کی طرف سے انجان بنی رہی۔
"تمہیں اخلاقاً ہی اس کو روکنا چاہیے تھا۔" میں نے غزالہ کے جانے کے بعد ویرا کو ملامت کی۔
"اگر وہ بیٹھ ہی جاتی تو کیا ہوتا.... سچ بات یہ ہے کہ غزالہ بہت سمجھ دار عورت ہے۔ تمہارا موڈ دیکھ کر خود ہی یہاں سے ٹل گئی۔ تم نے چند لمحوں کا فاصلہ طے کرنے میں کئی دن کا وقت لیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرا مان رکھ لیا۔ عورت بس اسی مان اور اعتبار کو ترستی ہے۔"
میں اسے کیا بتاتا کہ شراب نوشی میں اس کا ساتھ دینے کی خواہش میری نہیں تھی۔ وہ غزالہ کی تجویز تھی جسے میں نے وقت ضائع کیے بغیر پوری خوشی سے قبول کیا تھا۔
"اب میرے رو بہ رو آجاؤ۔" گلاس میں برف کے ڈلے ڈالنے کے بعد اس نے مجھے دعوت دی "آج تم ایک مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے روپ میں نظر آئے ہو۔"
"میں نے کبھی اپنا روپ نہیں بدلا۔" میں نے اپنی جگہ تبدیل کرتے ہوئے کہا "یہ سب تمہاری نگاہوں کا کمال ہے۔ کبھی یہ نیازمندی سے فرشِ راہ ہوئی چلی جاتی ہیں اور کبھی ناز سے پیشانی پر جا چڑھتی ہیں۔"
"اس میں سے کچھ بھی میرا نہیں ہوتا۔ میرے مزاج میں یہ ساری تبدیلیاں تم ہی لاتے ہو۔"
"تمہارا جام صحت!" میں نے اپنا گلاس ٹرے سے اٹھالیا۔ ویرا نے گلاس سنبھالا، مراسم کی تجدید کرتے ہوئے

وہ دونوں گلاس دھیمے سے فضا میں ٹکرائے اور ہم دونوں نے اپنے لب تر کرلیے۔
تلخ سیال کا چھوٹا سا پہلا گھونٹ بہت ہیجان انگیز تھا۔ میں نے گلاس رکھ کر سگریٹ سلگالی۔
میں نے لائٹر بجھایا ہی تھا کہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے سگریٹ کھینچ لی "تم دوسری سلگالو! تمہارے لبوں سے نکلی ہوئی سگریٹ کے دو کش ہی مجھے آسودہ کردیں گے۔"
وہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی اور آرزومند تھی کہ میں اسے منانے کے لیے پیش قدمی کروں، اس کی دل جوئی کروں۔ میں نے بس اس کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ میرے اس اقدام سے اتنی خوش ہوگئی تھی کہ سارے شکوے بھول کر دوبارہ اپنے اصلی رنگ میں آگئی تھی۔
"ڈینی! تمہیں پتا ہے کہ تم کیا ہو؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
"ہر شخص اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم ہی بتادو۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اس کے چہرے کی طرف اگل دیا۔
"ایک سنگ دل اور تحکم پسند مرد۔ تم میں کچھ مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ اندر ہی اندر کسکتے اور سلگتے رہتے ہو لیکن اپنی آرزو خود بخود پوری ہونے کا انتظار کرتے ہو۔"
میں ہنس دیا "مجھے پتا نہیں کہ تم اسے میری خوبی سمجھتی ہو یا خامی قرار دیتی ہو۔"
"تم میرے تجربے کو نہیں جھٹلا سکتے۔ میں نے اب تک ہزاروں ننگی بھوکی نظروں کا سامنا کیا ہے۔ ہر مرد کی نگاہوں میں میرے لیے خوشامد کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا ہے۔"
"اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔" میں نے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے لیا۔
"نہیں تم ان میں سے نہیں ہو۔ شاید تمہاری یہی انفرادیت مجھے لے ڈوبی ہے۔"
"کیسی انفرادیت؟" میں نے پوچھا "میں بھی اکثر تمہاری خوشامدیں کرتا رہا ہوں۔"
"وہ تمہاری مکاری یا شاید نیازمندی ہوتی ہے۔ خوشامد کرتے ہوئے بھی تمہاری نگاہوں میں پروقار تحکم اور مطالبہ ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ مان لو۔"
"یہ اطلاع میرے لیے بہت نیک ہے۔ مرد کے لیے اس کا وقار ہی سب کچھ ہوتا ہے۔"
"سچ سچ بتاؤ کہ میرے بارے میں تم کیا سوچتے ہو!" اس

کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی۔
"سوچنے کے لیے رہا ہی کیا ہے؟ شادی شدہ مرد ایک کھونٹے کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ رسی دراز ہو تو یہ دائرہ ذرا پھیل جاتا ہے ورنہ وہی ایک دنیا ہوتی ہے جو اس دائرے میں آتی ہے۔"
"فرض کرو کہ غزالہ تم سے نہ ملی ہوتی تو میرے بارے میں تم کیا سوچتے؟"
"شاید تم سے شادی کر لیتا۔" میں نے بے دھڑک کہہ دیا۔ ایک مفروضہ پیش کر کے اس نے مجھے کچھ بھی کہنے کا کھلا موقع فراہم کر دیا تھا۔
ویرا کا سرخ و سفید چہرہ تمتما اٹھا "میرے ماضی کے باوجود؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں!" میں نے پورے وثوق سے کہا "تمہارا ماضی تم پر تھوپا گیا تھا۔ کسی کا ماضی کھنگالنے کا حق اسے ہوتا ہے جس کا دامن خود بے داغ ہو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہ حق نہیں ہے۔"
"تم بولتے ہو تو تمہاری روشن آنکھیں تمہارے ایک ایک لفظ کا ساتھ دیتی ہیں۔" اس نے گہرا سانس لے کر دھیمی آواز میں کہا "ایسے میں تمہارے الفاظ میرے دل کے زخموں کا مرہم بن جاتے ہیں۔"
"اسی لیے تم بار بار مجھ سے روٹھ جاتی ہو۔ لڑنے کے حیلے بہانے تراشتی رہتی ہو۔"
"یہ سب مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔ تمہاری بے رخی مجھے مشتعل کر دیتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں اندر سے بنجر اور کھوکھلی ہو گئی ہوں۔"
میں نے ہنس کر ہولے سے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی اور کہا "اداسی کو ختم کرو۔ گزرنے والی یہ شام دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔ اچھی اچھی باتیں کرو۔"
"میرے لیے یہ سب اچھی باتیں ہیں۔ ایک تم ہی تو ہو جس کے سامنے میں کھل کر ہر اعتراف کر سکتی ہوں۔"
"اعترافات کے لیے تمہارے یہاں ہولی فادرز کو بہت اختیارات حاصل ہیں۔"
"خدا، مسیح اور مریم۔ میرے مسلک میں ان تینوں کے سوا کسی کا کوئی گزر نہیں ہے۔ میں سچ بتا رہی ہوں کہ مغرب میں مذہب اور مسلک کا کردار بہت محدود ہو گیا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ نام اور شناخت بدل کر ایک تارک وطن کی طرح امریکا چلی جاؤں مگر تم لوگوں کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد میں اپنے وطن کے لیے بالکل ناموزوں ہو چکی ہوں۔ میری سوچ اور ترجیحات بدل گئی ہیں۔"
"میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ سرور ہلکا سا ہو تب بھی آدمی کو مذہب پر بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ دنیا کا نازک ترین موضوع گفتگو ہے۔"
"مذہب ہی نہیں، میں ہر حوالے سے خود کو مغرب کے لیے ناموزوں سمجھنے لگی ہوں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی شخصی آزادیوں کا بھیانک ثمر بھی آنے والے دنوں میں دل خوش کن نظر نہیں آتا۔"
"رخشی اور موہنی کی گفتگو کا کیسٹ تم نے سنا ہی ہوگا۔ وہ مشرق میں مغرب کی نقالی کا شاہکار تھا۔"
"یہ چلن دولت مند گھرانوں میں سرایت کر رہا ہے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "رخشی بھی کسی بڑے گھر کی بیٹی ہوگی۔ موہنی کے کیس میں اس کا نام سامنے آ چکا ہے۔ پتا نہیں وہ اپنے خاندان کی ناموس کو کہاں تک تباہ کرے گی۔ لڑکیوں کی آزادی بڑے خطرناک گل کھلاتی ہے۔"
وہ رائے میری یا کسی ٹھیٹ مشرقی مرد کی نہیں بلکہ مغرب کے آزاد معاشرے میں پلی بڑھی ہوئی ایک سمجھ دار عورت کی تھی۔ اس کے ذاتی مشاہدات اور تجربوں کی روشنی میں اس رائے کو مسترد کرنا یا جھٹلانا آسان کام نہیں تھا۔
ویرا مسلسل اور تیزی سے پیتی رہی۔ میں رک رک کر اور دھیرے دھیرے اس کا ساتھ دیتا رہا۔ اس کی گفتگو دنیا بھر کے موضوعات سے ہوتی ہوئی آخر میں پھر اپنی ذات پر آ گئی۔ اس وقت تک اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیرنے لگے تھے اور زبان کافی بھاری ہو چکی تھی۔ ڈمپل کی صراحی نما بوتل کی تہ میں سنہرے سیال کی بس ایک پتلی سی لکیر باقی رہ گئی تھی۔
آخر کار بوتل سے گلاس کے راستے وہ آخری قطرے بھی آہستہ آہستہ ویرا کے معدے میں تحلیل ہو گئے۔ وہ خود بلا نوش تھی۔ پیتی تھی تو پھر بہکے بغیر پیتی ہی چلی جاتی تھی لیکن اس شام اس نے دوسری بوتل کو چھیڑنے کا کوئی عندیہ نہیں دیا اور تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔

○☆○

اگلی صبح ناشتے کے بعد بھی اول خان کا فون نہیں آیا تو مجھے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اس کے دفتر فون کیا تو وہ وہاں موجود تھا۔
"اپریٹس پر کوئی پیغام ملا ہے نہ کوئی فون آیا ہے۔ میں اسلام آباد کے بارے میں فکر مند ہوں۔" اس نے رسمی مزاج پرسی کے بعد خود ہی وہ موضوع چھیڑ دیا۔

"تمہارے پاس آئی بی والوں کے اسلام آباد کے فون نمبر موجود ہوں گے۔ ان میں سے کسی نمبر پر رابطہ کرکے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے رائے دی۔

"یہ پروٹوکول کے خلاف ہوگا۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا "اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ اس کا کوئی آدمی ہمیں ٹرانسمٹر پر اس کے رابطے سے آگاہ کرے گا.... ہوسکتا ہے کہ دونوں اپنے دفاتر میں یا معمول کے نمبروں پر موجود نہ ہوں۔"

"اگر وہ دونوں اسلام آباد جاکر ہمیں فراموش کر بیٹھے ہیں تو ہمیں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی پنڈت اور رستم کا کیس ان کا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ محکمہ جاتی باتیں ہیں ورنہ ہم شروع سے آخر تک ہر معاملے میں شامل رہے ہیں۔ یہاں کی خبریں بتا رہی ہیں کہ اسلام آباد میں پچھلی رات خاصی سرگرمیاں رہی ہوں گی۔"

"یہاں کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے چونک کر سوال کیا "کیا پھر کوئی گڑبڑ ہوئی ہے؟"

"ان تینوں آدمیوں کو پکڑ لیا گیا' جو پنڈت منوہر لال سے باقاعدہ تنخواہیں لے کر اسے معلومات فراہم کرتے تھے۔ انہیں ابتدائی طور پر صدف مینشن میں رکھا گیا تھا۔ رات گئے وہ پی آئی اے کی نائٹ کوچ سے اسلام آباد لے جائے گئے ہیں۔ آئی بی کے دو اہل کار ان کے ساتھ گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب صدف مینشن میں صرف دو گن مین رہ گئے ہوں گے۔"

اول خان فوراً ہی میری بات سمجھ گیا اور فون پر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "صدف مینشن ان کا خاص تفتیشی سیل ہے جہاں وہ زیرِ حراست ملزمان سے بازپرس کرتے ہیں۔ شہر کے مرکزی علاقے میں ان کا باقاعدہ اور مستقل دفتر ہے۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی اسی دفتر کے عملے کی ذمے داری ہے۔"

"تو پھر اسی دفتر سے رابطہ کرنا چاہیے" میں نے کہا "ہم صدف مینشن بھی جاسکتے ہیں۔"

"کم از کم میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ خفیہ معاملات میں باہمی رابطوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جلال نے خود اپنا نمبر دینے والی بات نہ کہی ہوتی تو تمہاری تجاویز پر سوچا جاسکتا تھا۔ فی الحال ہمیں صرف انتظار کرنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ساری رات ہی مصروف رہے ہوں۔"

"اگر تم ان سے رابطے کے سلسلے میں اتنے محتاط ہو تو میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنا کھیل ان کے ہاتھ میں دے کر ہم بے کار ہوگئے ہیں۔ سامنے کوئی ہدف ہے نہ دشمن۔ ہم بس انتظار کرسکتے ہیں۔"

"شاید تمہیں اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت کا صحیح اندازہ نہیں ہے...."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "یہ الفاظ میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ ان پُرپیچ سرکاری اصطلاحات کو عام آدمی سرخ فیتے کے نام سے جانتا ہے' ان کے نتیجے میں صرف اور صرف تاخیر رونما ہوتی ہے۔ نتائج عام طور پر وہی رہتے ہیں جو عام حالات میں ہونے چاہئیں۔"

"آج تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیرا سے تعلقات میں پیدا ہونے والی کشیدگی اب تمہارے اعصاب پر بھی اثر انداز ہورہی ہے۔"

اول خان کی زبان سے وہ الفاظ سن کر میں چونک پڑا۔ اپنے تمام تر خلوص اور بے تکلفی کے باوجود وہ ہم میں سے

"بلند ہمتی"

ننھا طالب علم کلاس روم میں تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ گلوگیر آواز میں وہ بڑی مشکل سے مس کو بتا رہا تھا "مس! میرا سر' درد سے پھٹ رہا ہے.... مجھے آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آرہا.... اور.... اور میری ٹانگوں کی جان نکل چکی ہے.... مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جارہا...."

کئی منٹ تک اس کی حالت دیکھنے اور فریاد سننے کے بعد مس آخر کار متاثر ہوگئیں اور کلاس روم سے باہر جاتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولیں "اچھا.. میں تمہارے ابو یا امی کو فون کرتی ہوں کہ وہ آکر تمہیں لے جائیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں مس....!" ننھا طالب علم جلدی سے چلایا "میں بس سے چلا جاؤں گا...."

کسی کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی غیر محتاط تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میرے اور ویرا کے بارے میں کس بنا پر وہ ریمارک دے ڈالا تھا۔

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ ویرا سے میرے تعلقات خراب چل رہے ہیں؟"

"دو تین دن پہلے میں دن میں تم سے ملنے آیا تھا تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی مگر میں اپنی رائے ذرا سوچ کر ہی دیتا ہوں۔ غزالہ نے مجھے تم دونوں کے درمیان کسی فساد کی خبر دی تھی۔" ہلکی سی ہنسی کے بعد اول خان کی آواز آئی۔

"اوہ! گھر کا بھیدی ہے لنکا ڈھا رہا ہے" میں نے جوابی خوش دلی کا مظاہرہ کیا "غزالہ کو تم سے ایسی باتیں کرنے کا موقع کب مل جاتا ہے؟"

"یہ رازدارانہ سرگوشیاں ہرگز نہیں ہوتیں" اس نے وضاحت کی "میں تم لوگوں سے ملنے آتا ہوں تو خود کو گھر کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ مجھ سے ہر ایک اپنے دل کی بات کہہ سن لیتا ہے۔"

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ کل تمہارے جانے کے بعد ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے ہیں۔ تعلقات کا جمود اب ختم ہو چکا ہے۔"

"یہ خوشی کی بات ہے۔ تمہیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے تم لوگوں کی خاطر سب کچھ، حتیٰ کہ اپنا وطن تک چھوڑ دیا ہے اور یہاں کی دھیمی زندگی کو قبول کر لیا ہے۔"

"یہ نکتہ ہر وقت میرے ذہن میں رہتا ہے اسی لیے اب تک گزارا ہو رہا ہے۔"

"تم لمحہ بھر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو" ایک گہرے سانس کے بعد ریسیور پر اس کی آواز ابھری "میں بتا رہا تھا کہ رستم اور پنڈت کا معاملہ بہت نازک ہے۔ پاکستان میں صیہونی سازشوں اور خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں اکثر غلغلہ اٹھتا رہتا ہے۔ کچھ گرفتاریاں بھی ہوتی ہیں۔ بعد میں کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ نتیجہ کیا نکلا۔ ملزم بے گناہ ثابت ہوتے ہیں یا ان کے خلاف مواد نہیں ملتا اور انہیں خاموشی سے رہا کر دیا جاتا ہے۔"

"تم اکثر سسٹم کی خرابیوں کا رونا روتے رہتے ہو۔ ایسے واقعات بھی ان کمزوریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

"مگر اس بار ایسا نہیں ہے۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "پنڈت کے گھر پر رابن مائر کے قتل نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس بار ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ صیہونی فتنہ موساد اور جس (JISS) کے ذریعے پاکستان میں سرگرم عمل ہے۔"

"شواہد موجود ہیں تو انہیں سامنے آنا چاہیے۔ خاموشی کیوں ہے؟" میں نے کہا۔

"ایسے معاملات میں بہت سی مصلحتیں اور مجبوریاں مانع ہوتی ہیں۔ ان پر قابو پائے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی صرف ایک رات گزری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شام تک کوئی خبر مل جائے۔"

"اگر تم کو بھی صرف انتظار کرنا ہے تو یہیں آجاؤ۔ مل جل کر وقت گزار لیں گے۔"

"میں صرف انتظار نہیں کر رہا۔ میں نے پنڈت اور رستم کے تین ماہ کے سارے فون بلز کی تفصیلات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوں ہی متعلقہ شعبے سے پیغام ملا' میں تفصیلات لیتا ہوا تمہاری طرف آجاؤں گا۔ یہ بل ان دونوں کی سرگرمیوں کا مضبوط ترین ثبوت ثابت ہوں گے۔"

فون پر گفتگو سے فارغ ہو کر میں نے محسوس کیا کہ گھر میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔

کچن کے ساتھ میرا کمرا بھی خالی تھا۔ سلطان شاہ کی خواب گاہ کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ وہیں میرے کانوں میں ویرا کی دبی دبی مترنم ہنسی کی آواز آئی اور میں بند دروازے پر دستک دے کر' جواب کا انتظار کیے بغیر ویرا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے کارڈز کھیل رہے تھے۔ ویرا کسی پیشہ ور جواری کی طرح اپنے کارڈز دیکھ کر' دوسروں کے حوصلے پست کر دینے والے تبصرے کر رہی تھی۔

"یہ بند کمرے میں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے پیچھے سے غزالہ کے کارڈز دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کٹ تھروٹ برج کھیل رہے ہیں" ویرا نے سینہ زوری سے کہا "بڈنگ ہو چکی ہے۔ چاہو تو تم ڈمی کی جگہ لے سکتے ہو۔ سلطان شاہ تمہارا پارٹنر ہوگا۔"

میں نے غزالہ کے پتے چھین کر میز پر ڈال دیے اور ویرا تلملا اٹھی "تم نے ہمارا زبردست گیم برباد کر دیا۔ میں دیکھتی کہ سلطان شاہ اپنا کنٹریکٹ کیسے پورا کرتا ہے۔"

"برج پر لعنت بھیجو۔ ہم ٹرمپ کارڈز کھیلیں گے۔" میں نے کسل مندی سے کہا۔

سلطان شاہ شاید پھنسا ہوا تھا۔ اس نے میری بات سنتے

ہی اپنے اور غزالہ کے کارڈز تیزی سے گڈمڈ کر دیے۔ ڈمی کے الٹے پتے بھی اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔

"کوٹ پیس ہی کھیلیں گے۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "برج کا کھیل اچھے خاصے، ہنستے کھیلتے انسان کو ذرا سی دیر میں فلسفی اور قنوطی بنا دیتا ہے۔"

"تم لوگ کمرا بند کیے کیوں بیٹھے تھے؟" میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تم فون پر مصروف تھے۔ ہم تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔" سلطان شاہ بولا "یہ ویرا کی تجویز تھی کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر اس کے کمرے میں محفل جمائی جائے۔"

"دیکھ لو!" ویرا نے اپنے پتے بھی میز پر پھینک دیے "یہ مر کر بھی سکس ڈائمنڈز نہیں بنا سکتا تھا۔"

میں انہیں کمرے سے نکال کر ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہتا تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں ہی بیٹھنے پر مصر رہی۔ کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں اور کم روشنی کی وجہ سے اسے اپنا کمرا زیادہ پسند تھا۔

ہم جس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے تھے، اس کے مطابق عورتیں ایک طرف تھیں، سلطان شاہ میرے سامنے تھا۔ ویرا کو اس ترتیب میں کوئی تبدیلی منظور نہیں تھی۔ کارڈز اٹھائے گئے اور بانٹنے کی ذمے داری ویرا کے سر آگئی۔ میرے لیے وہ آغاز ایک اچھا شگون تھا۔

وقت گزاری کے لیے وہ ایک اچھا مشغلہ تھا کیونکہ ویرا کبھی ایمان داری سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔ شارپنگ اور دوسری بے ایمانیوں کے ذریعے ہر قیمت پر جیتنے کی کوشش کرتی تھی، بار بار پکڑی جاتی تھی مگر شور و غل اور احتجاج کے باوجود، موقع ملنے پر بے ایمانی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

وہ سلسلہ دوپہر کے کھانے تک پورے زور و شور سے چلتا رہا۔ غزالہ میز لگانے کے لیے اٹھی تو رمی کا سلسلہ چل پڑا۔ ہم نے کھانے کا آغاز ہی کیا تھا کہ اول خان آپہنچا۔

ہم میں سے کسی کو اسے کھانے پر مدعو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میز تیار دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور کچن میں ہاتھ دھو کر خود ہی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔

"دفتر سے سیدھے آرہے ہو یا آئی بی والوں کے ساتھ کہیں مصروف تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

اول خان نے قدرے تعجب سے میری طرف دیکھا پھر کہا "وہ لوگ تو کل شام ہی پنڈت کو اپنے ساتھ لے کر اسلام آباد چلے گئے تھے۔ کارروائیوں کا مرکز یہاں سے اسلام آباد منتقل ہو چکا ہے۔"

"تم نے اس بارے میں ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا" ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

"موقع ملا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا۔ اب ہماری نظریں اسلام آباد پر لگی ہوئی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ آج کسی وقت وہاں سے کوئی نہ کوئی اچھی خبر ضرور ملے گی۔" اول خان نے میری بات پر گرہ لگائی "بلوں کے بارے میں تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔"

"کیسے بل؟" اس بار غزالہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی اور میں نے محسوس کیا کہ اس بار ہم میں سے ہر شخص، ہر بات سے باخبر نہیں تھا۔

"فون بل!" اول خان نے اسے بتایا "وہ میں نے ابھی نہیں دیکھے لیکن بل نکالنے والے نے بتایا ہے کہ دو نمبروں سے واشنگٹن کا باقاعدہ رابطہ رہا ہے۔"

"کھانے سے فارغ ہو کر ہم پانچوں، ایک ایک کر کے ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔

اول خان نے رستم کی خودکشی کے بعد پیش آنے والے واقعات کا ایک اجمالی خاکہ سب کے سامنے پیش کر دیا تاکہ کوئی اپنی بے خبری کا گلہ نہ کر سکے۔

"جب بہت کچھ سامنے آچکا ہے تو پنڈت منوہر لال کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟" ویرا نے سب کچھ سن لینے کے بعد پہلا اعتراض

ایک جج صاحب جن کی دیانت داری اور دیانت پسندی، دونوں کی بڑی شہرت تھی، ایک ہوٹل میں اپنا بٹوا بھول گئے جس میں خاصی بڑی رقم تھی۔ دوسرے روز ایک ویٹر بٹوا واپس کرنے آیا تو وہ بہت خوش ہو کر اسے انعام سے نوازنے کا ارادہ کرتے ہوئے بولے "تمہیں کیسے پتا چلا کہ بٹوا میرا ہی ہے؟"

"صاحب! بٹوا کس کا ہے... یہ تو آپ جانیں... اور آپ کا خدا جانے... مجھے تو اس میں آپ کا شناختی کارڈ رکھا ہوا ملا تھا۔" ویٹر نے سادگی سے جواب دیا۔

کردیا۔

"یہ ڈینی کا مشورہ تھا۔ وہ لوگ اس پر کہاں تک عمل کرتے ہیں' یہ ان کا فعل ہے۔" اول خان نے کہا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میرا جواب مختصر تھا "اسے سامنے لانے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے تو اسے منظرِعام پر لانے میں کوئی ہرج نہیں۔"

"تم اسے سات پردوں میں چھپالو تب بھی یہ بات رابن مائر کو معلوم تھی کہ پنڈت منوہرلال اپنے گھر ہونے والی چوری کی پُراسرار واردات کے بعد رستم کے پاس پناہ گزین ہے۔.."

"یہ ہم کہہ رہے ہیں' وہ سرکاری سطح پر اس کا اعتراف نہیں کرسکتے۔ وہ پنڈت اور رستم کے ساتھ رابن کے کسی بھی رابطے کا حوالہ نہیں دے سکتے۔" میں نے ویرا کی بات کاٹ دی "رابن مائر یہاں موساد یا "جس" کے ایجنٹ کے روپ میں نہیں آیا تھا۔ امریکی سفارتی افسر کی حیثیت سے آیا تھا۔"

"پنڈت کو روپوش رکھ کر نہ صرف اسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے بلکہ امریکی حکام سے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ رابن ہر سفارتی اور حفاظتی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اس کی بیٹی کو قتل کرنے اس کے گھر گیا تو یہ شبہ ہونا فطری امر ہے کہ پنڈت اسی کے خوف سے کہیں روپوش ہے۔"

"میں بحث کو طول نہیں دیتی مگر یہ ضرور بتادوں کہ اس کی آڑ میں تم تل ابیب والوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکو گے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا "ذرا اس کی وضاحت بھی کردو۔"

"بہت سیدھی سی بات ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "تمہارے پاس موساد کے چیف اور سکریٹری کے فون یا فیکس نمبر ضرور موجود ہیں مگر پاکستان اور اسرائیل میں کوئی براہِ راست مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ پنڈت اپنے پیغامات رابن مائر کو واشنگٹن بھیجتا تھا۔ رابن وہ پیغامات وہاں سے تل ابیب فیکس کردیتا تھا۔ رابن مرچکا ہے۔ تم یہ رابطہ کیسے استعمال کروگے؟"

"بظاہر تمہارا یہ نظریہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا توڑ ہوسکتا ہے۔"

"وہ یقیناً کوئی طویل اور صبر آزما طریقہ ہوگا۔ میں اتنی دور تک کی منصوبہ بندی کی قائل نہیں ہوں۔"

اول خان نے اس دوران میں اپنی جیب سے فون بلوں کا ایک پلندہ نکال لیا۔

اس میں ایک موٹی گڈی بسیرا میں نصب سات نمبروں کے بارے میں تھی۔ دوسری پتلی گڈی میں پنڈت منوہرلال کے گھر کے دو نمبروں کے پچھلے تین ماہ کے بل تھے۔

"ان میں سے ہر بل ہزاروں میں ہے۔" اول خان نے موٹی گڈی کی ورق گردانی کرتے ہوئے حیرت سے کہا "بیرونِ ملک اور شہر سے باہر کی جانے والی کالز کی ہر نمبر پر بھرمار ہے۔"

"ایک ایسا آدمی جو شب و روز اپنے گھر میں محصور رہتا ہو' اپنی بیرونی مصروفیات کے لیے فون پر ہی انحصار کرسکتا ہے۔ اس کے غلیظ کاروبار کا انحصار بھی فون پر تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"ان میں بیشتر کالز ایران کی معلوم ہوتی ہیں۔" اول خان نے بلز دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا "امریکا کے کوڈ کے ساتھ دو نمبر بار بار آرہے ہیں۔ ان کا سٹی کوڈ شاید واشنگٹن کا ہے۔"

"رستم کا ایران سے بہت گہرا اور پرانا تعلق تھا۔" میں نے کہا "اپنے رشتے داروں سے اس نے فون پر ہی اپنے رابطے برقرار رکھے ہوں گے۔"

فون بل میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ رستم کے بلوں میں ڈبل زیرو نائن ایٹ یعنی ایران کے انٹرنیشنل ڈائلنگ کوڈ والے نمبروں کی خاصی تعداد تھی۔ امریکا کے کئی نمبر تھے لیکن وہ کہیں کہیں نظر آئے' واشنگٹن کے دو نمبر ہر مہینے کئی بار موجود تھے۔

اس کے مقابلے میں واشنگٹن سے پنڈت منوہرلال کے رابطوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اول خان نے اپنے ذرائع سے وہ تازہ ترین کوائف حاصل کیے تھے۔ ان سے پتا چل رہا تھا کہ منوہرلال کی روپوشی کے بعد رستم کے ایک نمبر سے تقریباً ہر روز واشنگٹن کے نمبروں پر طویل گفتگو ہوتی رہی تھی۔

بظاہر وہ متعدد کاغذوں پر بکھرے ہوئے اعداد و شمار تھے لیکن ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آرہی تھی کہ رستم نے "جس" کے بارے میں بیشتر مقامی ذمے داریوں کا بوجھ پنڈت منوہرلال پر ڈالا ہوا تھا لیکن رابن مائر سے وہ خود ہی رابطے میں رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ پنڈت کے ایک فون سے کبھی کبھار کی جانے والی کالز کو ناگزیر ضروریات کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا تھا۔

وہ بہت دلچسپ اور نیا کھیل تھا۔ ٹیلی فون بلز کی وہ اہمیت اور افادیت سب ہی کے لیے نئی تھی اس لیے ذرا سی دیر میں وہ گڈیاں کھل کر پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئیں اور ہر ایک قلم سنبھال کر نمبروں کے ساتھ ملک اور شہر کے نام درج

کرنے میں منہمک ہوگیا۔

تین بجے اول خان کے پاس موجود آئی بی کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ٹرانس میٹر آن کیا تو لائن پر الفا کا پیغام چارلی کے نام آرہا تھا مگر وہ آواز جلال کی نہیں تھی۔

جلال کے کوڈ کے استعمال کا مقصد تھا کہ بولنے والا اسی کا آدمی تھا۔ اول خان سے جواب ملنے پر اس نے اسلام آباد کا ایک نمبر لکھوانے کے بعد کہا کہ وہ اس نمبر پر کسی وقت بات کرلے۔ بات کرتے ہوئے ملک کو اپنے ساتھ رکھے۔

"بہت ناقص اور ادھورا پیغام ہے۔" وہ مختصر سی بات ختم ہوجانے پر ویرا نے کہا "اسلام آباد کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔"

"وہاں کے حالات کا علم فون پر ہوگا۔ یہ کال اپنی جگہ مکمل تھی۔"

"اور یہ ملک صاحب کون ہیں؟" ویرا نے اول خان سے سوال کیا۔

"یہ ذات شریف!" اول خان نے مسکرا کر میری طرف اشارہ کیا "رستم سے یہ ملک ممتاز کے نام سے ملے تھے اب عارضی طور پر صرف ملک صاحب ہیں۔"

پیغام میں وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اسی وقت جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ہمارا اعصاب شکن انتظار ختم ہوسکے۔

اول خان کے فقروں سے اندازہ ہوا کہ اس کا فون جلال نے خود ہی ریسیو کیا تھا۔ اس کی گفتگو بس چند استفہامیہ فقروں تک محدود رہی پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں نے اول خان سے معذرت کرلی ہے کہ اس وقت مجھے تم سے بات کرنی تھی۔" میری آواز سن کر جلال نے کہا "مجھے امید ہے کہ اس نے برا نہیں مانا ہوگا۔"

"اس سوال کا جواب اول خان ہی دے سکتا ہے۔ تمہیں میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ عملی مسائل میں بھرپور ساتھ دے سکتا ہے۔ الجھے ہوئے مسائل کے حل کے لیے وہ خود بھی تم پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے۔"

"کیا مسئلہ درپیش ہے؟" میں نے دزدیدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کراچی سے اچانک روانگی کے پروگرام نے پنڈت کو کنفیوز کردیا ہے۔" وہ بولا۔

"فون پر یہ گفتگو محفوظ ہے نا؟" میں نے سی ایس ڈی کا ذکر کیے بغیر اس سے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"آئی بی کے نمبر پاکستان میں سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"پنڈت کیوں اپ سیٹ ہے؟" میں نے پوچھا "اس نے تمہارے لیے کوئی پریشانی تو نہیں کھڑی کی؟"

"وہ بہکی بہکی باتیں کررہا ہے، بار بار اپنی بیٹی کے بارے میں سوال کررہا ہے۔ تھوڑا سا تشدد بھی اسے راہ پر نہیں لاسکا۔ مجھے یہاں سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"پنڈت کی بیٹی کی لاش اس وقت کہاں ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"وہیں، کراچی کے سرکاری مردہ خانے میں۔ پنڈت کی واپسی تک وہ محفوظ رہے گی۔"

"تمہیں پنڈت کے ساتھ ہی موہنی کی لاش کو بھی لے جانا چاہیے تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ بیٹی کی وجہ سے ذہنی صدمے یا سکتے سے دوچار ہوگیا ہو۔ یہ کیفیت اس کے دماغ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"یار، تمہیں معلوم ہے کہ ہم کتنے مختصر نوٹس پر کراچی سے روانہ ہوئے ہیں۔ موہنی کی لاش کو ساتھ لانا کسی بھی

طرح ممکن نہیں تھا۔"

"تم اسے موہنی پنڈت کے بے جان چہرے کا دیدار کروا سکتے تھے۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے، اب وہ کبھی اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔"

"وہ بیٹی کے سوا کچھ بول ہی نہیں رہا۔ میں نے اصولی طور پر افسرانِ بالا سے تمہاری تجویز کی منظوری لے لی ہے مگر وہ پنڈت کا اعترافی بیان سنے بغیر کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔"

"مجھے اس کی زبان کھلوانے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ تم اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کردو۔ اپنی نگرانی میں اسے موقع دو کہ وہ اپنی بیٹی کی آخری رسوم میں شرکت کرسکے۔"

"مجھے معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ اتنا گمبھیر ہوجائے گا تو میں اسے کراچی میں ہی آگ لگوا دیتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ کام پنڈی میں ہی ہوجائے پھر بھی تم دونوں کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔"

"ہم دونوں وہاں آکر کیا کرسکیں گے؟ ایک بار پنڈت کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہاری ہر بات کا جواب دینے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"وہ صورت سے پاگل بلکہ نیم وحشی نظر آرہا ہے۔ سوجی ہوئی آنکھیں، رنگے ہوئے سیاہ بالوں کی بڑھی ہوئی سفید جڑیں اور پھر اس کی ہذیانی بڑبڑاہٹیں.... مجھے ڈر ہے کہ اس پر زیادہ تشدد کیا گیا تو وہ مرجائے گا۔ مرنے سے پہلے اسے میرے بڑوں کے سامنے اپنا بیان ضرور ریکارڈ کرا دینا چاہیے۔ تم اس کی رگ رگ سے واقف ہو۔ میں بہت شدت سے یہاں تمہاری ضرورت محسوس کررہا ہوں۔"

"میں اول خان سے مشورہ کرکے تھوڑی دیر بعد فون کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کہہ دینا کہ ہوسکے تو خاموشی سے یہاں چلا آئے۔ کل رات سے پہلے تم دونوں واپس چلے جاؤ گے۔ اس کے یونٹ میں کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ وہ اسلام آباد آیا تھا۔"

اس کا آخری مشورہ بالکل احمقانہ اور خود غرضی پر مبنی تھا مگر میں نے اس بارے میں کوئی تکرار کیے بغیر اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت کی زبان پر لگے ہوئے تالے کی چابی تمہارے ہی پاس ہے۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "شاید اب تمہیں اسلام آباد طلب کیا جارہا ہے۔"

"مجھے ہی نہیں، تمہیں بھی بلایا گیا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اپنے اوپر والوں کو خبر دیے بغیر یہاں سے کھسک لو۔ جلال کا کام پورا ہونے پر کل واپس لوٹ آنا۔"

"جلال کا کام کیا ہے؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"اپنے افسران کے سامنے پنڈت کو زبان کھولنے پر مجبور کرنا۔" میں نے بتایا۔

"خوب!" ویرا طنزیہ لہجے میں بولی "اسے اپنے افسروں کی خوشنودی کا اتنا خیال ہے اور اول خان کو اپنے افسروں سے مشورہ تک نہ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔"

"مصائب میں پھنس کر آدمی اس سے بھی زیادہ کور عقل ہوجاتا ہے۔"

"اس پر کون سی مشکلات آئی ہوئی ہیں؟ پنڈت کے اعتراف کے چار گواہ موجود ہیں۔ جلال اور رحمان کے علاوہ تم اور اول خان بھی وہاں موجود تھے۔ اس کا ریکارڈ سامنے ہے۔ اس کے فون بل تابوت میں آخری کیل ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔" اول خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسی صورتِ حال میں بڑے افسروں کے سامنے سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملزم پر پوری طرح کام کیے بغیر اسے ان کے سامنے پیش کردیا گیا ہے۔"

"پنڈت کو وہ اپنی مرضی سے اسلام آباد نہیں لے گئے، اسے حکم دے کر وہاں طلب کیا گیا ہے۔ اگر کام ادھورا ابھی رہ گیا ہے تو اس میں ان دونوں کا کیا قصور ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم لوگ جو چاہو، کہتے رہو۔ میری رائے ہے کہ ہمیں اس کی مدد کے لیے اسلام آباد جانا چاہیے۔ مجھے اوپر سے اجازت لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بس اپنی روانگی کی اطلاع دینی ہوگی۔ ایس ٹی ایف میں ہر ایک اس معاملے کی اہمیت سے واقف ہے۔"

"پھر میں اسے فون کردوں؟" میں نے اول خان سے پوچھا "وہ ہمارے کسی پیغام کا بے چینی سے انتظار کررہا ہوگا۔"

"پہلے میں اپنے کمانڈر سے بات کرلوں پھر تم فون کرلینا۔" اس نے کہا۔

اپنی فورس کے بارے میں اول خان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں تھا۔ اس نے

اپنے کمانڈر سے بہت مختصر بات کی، شاید وہ پہلے بھی اسے بریفنگ دیتا رہا تھا اس لیے ان کی گفتگو چند لمحوں میں ختم ہوگئی۔

"اب تم جلال کو بتا دو۔" اول خان نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"روانگی کا بندوبست تم کو کرنا ہے۔ تم ہی اس سے بات کرلو۔"

جلال کا فون مصروف تھا۔ تیسری کوشش میں رابطہ ہوا۔ اول خان نے اپنا پیغام دیا کچھ دیر تک دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اختتامی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

"جلال نے تمہاری بات مان لی ہے۔ شام کی پرواز سے موہنی کا تابوت اسلام آباد پہنچ جائے گا۔ وہاں سے اُسے براہِ راست پنڈی کے پرانے شمشان گھاٹ پہنچا دیا جائے گا۔"

"کیوں؟ کیا اسلام آباد میں کوئی شمشان نہیں ہے۔" ویرا نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ نہ ہو۔" میں نے جواب دیا "پورا شہر گھومنے کے باوجود میں شہر میں مسلمانوں کا کوئی قبرستان دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہندوؤں کا شمشان کہاں ملے گا۔"

"خواہش"

رمضان صاحب شہر کے ایک اعلیٰ آڈیٹوریم میں میجک شو دیکھنے گئے تو شعبدے باز کا ایک خصوصی شعبدہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خدا کی پناہ ....!" وہ بے اختیار تحسین آمیز انداز میں چلائے "یہ کام آپ نے کیسے کیا؟ کیا آپ یہ جادو مجھے نہیں سکھا سکتے؟"

"سکھا سکتا ہوں ...." شعبدے باز نے متانت سے جواب دیا "لیکن میرا اصول ہے کہ جسے سکھاتا ہوں اسے چند دن بعد قتل کردیتا ہوں۔"

رمضان صاحب نے ایک لمحے سوچا پھر بولے "اچھا.... ٹھیک ہے.... تو پھر میری بیوی کو سکھا دو۔"

"کیا وہاں رہنے والے زندگی کی اس آخری ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں؟"

ویرا کے استہزائیہ لہجے پر میں ہنس پڑا "ہوسکتا ہے کہ میں مضافات میں واقع قبرستان تک نہ پہنچ سکا ہوں۔ زندہ آبادیوں کی منصوبہ بندی میں آخری آرام گاہوں کا بندوبست ضرور کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے لیے الگ جگہ شاید نہ ہو کیونکہ وہ بہت صحت کش ماحول میں اپنے مردے جلاتے ہیں۔"

"ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد سب شہروں کا شہر ہے۔ وہاں وفات پانے والوں کی تدفین ان کے اپنے شہروں اور قصبوں میں کی جاتی ہوگی۔ غریب غربا کے لیے کہیں کوئی جگہ چھوڑ دی گئی ہوگی۔" سلطان شاہ بھی اس بارے میں قیاس آرائی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

"تم میں سے کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے جلال کو روانگی کا پروگرام دینے کے بجائے پرواز سے قبل ایرپورٹ سے فون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم نائٹ کوچ سے نکلیں گے۔" اول خان نے تدفین کے موضوع کو وہیں دفن کرتے ہوئے ہم سب کو آگاہ کیا۔

"نائٹ کوچ سے سفر میں رقم کی کچھ بچت ضرور ہوجاتی ہے لیکن اس کے عوض پوری رات برباد ہوجاتی ہے۔" سلطان شاہ نے تنقید کی "ہم اتنے مفلس نہیں ہیں کہ اتنی چھوٹی بچتوں کے پیچھے بھاگتے پھریں۔"

"بچت نہیں، میں سہولت دیکھ رہا ہوں۔ ہم نے روانگی میں عجلت سے کام لیا تو موہنی کے کریا کرم میں بھی شرکت کرنی پڑے گی۔ اسلام آباد میں نائٹ کوچ کی لینڈنگ سے پہلے وہ سارے ناخوشگوار مراحل طے ہوچکے ہوں گے۔" اول خان نے کہا۔

اول خان کے اس فیصلے سے اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اپنی دو روزہ غیر حاضری میں کام کاج کی تقسیم کے ارادے سے اول خان روانہ ہوا تو میں بھی گاڑی لے کر شہر کی سڑکیں ناپنے نکل کھڑا ہوا۔ وہ میرا اپنا شہر تھا مگر مجھے اس کی سیر کیے کافی دن ہوگئے تھے۔

گلشن سے ڈرائیو کرتا ہوا میں خالی الذہنی کے عالم میں قائداعظم کے مزار کی طرف جا نکلا۔ پاکستان کے بانی کے مزار کے گرد بہت کم ترتیب تھی۔ عمارت اور اس تک جانے والے طویل زینوں کے سوا، سڑک سے، ہر طرف مٹی کے ٹیلے اور چٹانیں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان

جا بجا سرسبز درخت استادہ تھے جو شجر کاری کی کسی پرانی مہم کے نتیجے میں بڑھتے چلے گئے تھے۔ مزار کا طواف کرتے ہوئے مجھے قلق ہوا کہ پاکستانیوں نے اپنے قائد کا مزار تعمیر کر کے اس منصوبے کو یکسر بھلا دیا تھا۔ اس کے گرد باغات' لائبریری' میوزیم اور دوسری عمارات کی تعمیر کے منصوبے دیمک کی خوراک بننے کے لیے فائلوں میں چھوڑ دیے گئے تھے۔

وہاں سے نکلنے کے بعد میں تھوڑی دیر میں امریکی قونصل خانے کے سامنے جا پہنچا۔ اس روز آہنی جنگلوں کے پیچھے بنی ہوئی شاندار عمارت تاریک پڑی ہوئی تھی۔ باہر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو تاریک احاطے میں کچھ ہیولے متحرک نظر آ رہے تھے۔ باہر' فٹ پاتھ کے کنارے بنی ہوئی نیم پختہ چوکی میں مسلح پولیس والے عمارت کی حفاظت پر مامور تھے۔

اس عمارت میں کام کرنے اور آنے جانے والے بیشتر سفید فام بظاہر ہمارے دوست تھے لیکن روزِ اول سے ہمارے بدخواہ تھے۔ کسی خوش نما چہرے پر بڑھ آنے والے بدگوشت کی طرح ہمیں کاٹ کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ ان کا آخری سرخیل اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو اسی قونصل خانے کے کسی کمرے میں بیٹھ کر عظیم تر ایشیائی اتحاد کے منصوبوں میں رنگ بھرا کرتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اپنے خواب کی کوئی تعبیر دیکھنے سے پہلے ہی وہ مجھ سے ٹکرا گیا اور پھر نئی دہلی میں بہت صفائی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

وہ قونصل خانہ آئے دن پاکستان کے کسی نہ کسی بدترین دشمن کی میزبانی کرتا رہتا تھا۔ ان میں رابن مائر کا نام فہرست کے بالکل آخری سرے پر تھا۔ صیہونی مفادات کا وہ رکھوالا نفیس سفارتی نقاب اوڑھ کر اپنے ایجنٹوں کو کسی برے وقت سے بچانے کا عزم لے کر بہت مستعدی سے کراچی پہنچا تھا۔ اس کی آمد کی پہلی رات رستم کا باپ کاٹا گیا پھر اس درندے کو کراچی میں اپنی دوسری رات گزارنی نصیب نہ ہو سکی۔ اضطرار کے عالم میں وہ وہیں پہنچا جہاں ہم اس کے لیے جال بچھائے بیٹھے تھے۔ وہ موہنی پنڈت کو مارنے میں ضرور کامیاب ہو گیا لیکن پھر اسے وہاں سے زندہ نکلنا نصیب نہ ہو سکا۔

قونصل خانے اور باغ جناح کی درمیانی سڑک سے گزرتے ہوئے وہ اشتعال انگیز خیالات میرے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلتے رہے اور پھر میں پل عبور کر کے کلفٹن والی سڑک پر نکل گیا۔

اس راستے میں جہانگیر کا گھر واقع تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے ادھر جانے کے بارے میں سوچا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔ اس وقت جہانگیر گھر پر موجود نہ ہوتا اور سلمیٰ موقع غنیمت جان کر میرے لیے مسئلہ بن جاتی۔ میں اس سڑک سے ہوتا ہوا ساحلِ سمندر کے ایک دور افتادہ حصے پر جا نکلا۔

سمندر کی تھکی تھکی لہریں پتھریلی دیوار کو تقریباً چھوتی ہوئی دم توڑ رہی تھیں۔ میں گاڑی کو کنارے سے لگا کر چوڑی دیوار پر بیٹھ گیا۔ سمندر کی طرف سے آنے والی بھیگی ہوئی اور خنک ہوا' لہروں کے شور میں بہت مزا دے رہی تھی۔ میرے سامنے وسیع اور تاریک سمندر پھیلا ہوا تھا اور پشت پر اسٹریٹ لائٹس کی ہلکی روشنی بڑھتے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

میں خاصی دیر تک وہاں بیٹھا' پُرسکون ساحلی فضا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میرے ذہن سے بیشتر تفکرات دور ہو چکے تھے۔

میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو میرے دل میں نیا عزم انگڑائیاں لے رہا تھا۔

گھر پر تینوں میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ویرا بول پڑی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں نکل گئے تھے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے اب آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔"

"گھومتا پھرتا ساحل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں کی تھوڑی سی تازہ ہوا کھا کر لوٹ آیا مگر راستے میں' میں نے دو ایسی عمارتیں دیکھی ہیں جنھوں نے میرے وجود میں آگ سی بھڑکا دی ہے۔"

"کیا اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کی طرف جا نکلے تھے؟" ویرا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"میرے لیے ان کی ذرا بھی وقعت نہیں ہے۔ آدمی زندگی بھر گھر کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے' اسے بناتا' سنوارتا اور سجاتا ہے' اس پر ناز کرتا ہے مگر دم نکلنے کے بعد اسے جوں کا توں چھوڑ جاتا ہے۔ چھوڑے ہوئے گھر اور اثاثے پر کڑھنا بزدلی اور بے وقوفی ہے۔۔۔"

"پھر تم کن عمارتوں کی بات کر رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر پوچھا "مجھے تو اس شہر میں ایسی کوئی عمارت نظر نہیں آتی جو کسی کو اتنا متاثر کر سکے۔"

"بہت سی چیزوں کو دیکھنے کے لیے نگاہ اور سمجھنے کے لیے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اہلِ دل ہو نہ اہلِ بصیرت۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ویرا نے اسے خاموش کر دیا۔

"مزارِ قائد اور امریکی قونصل خانہ" میں نے قدرے

توقف کے بعد تلخی سے کہا۔

"ان دونوں میں آپ نے کیا تعلق دیکھ لیا؟" غزالہ حیرت سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ان دونوں کو دیکھ کر اپنی بے بسی کا احساس گہرا ہونے لگتا ہے۔ ہم کتنے بے بس ہیں کہ اپنے عظیم قائد کا مزار بھی آج تک مکمل نہیں کرسکے۔ اس کے اردگرد بے ترتیب سبزے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اور تم جذباتی ہورہے ہو" ویرا بولی "کہو تو میں تمہاری قومی بے حسی کی ایسی دسیوں مثالیں گنوا دوں۔ ان کوتاہیوں میں تم امریکیوں کو کیوں قصوروار ٹھہراتے ہو.... انہوں نے تمہارے ہاتھ پکڑ کر تمہیں کام کرنے سے تو نہیں روکا۔ ان کے قونصل خانے کا ذکر تم کیوں لے آئے؟"

"وہ ہماری بے بسی کا دوسرا روپ ہے" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا "ان کے کرتوت ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے مکروہ چہروں سے ہم اچھی طرح واقف ہیں مگر ہم کتنے بے بس ہیں کہ کان پکڑ کر انہیں اپنی سرزمین سے نہیں نکال سکتے۔ وہ یہاں دندناتے پھرتے ہیں اور ہمارے قومی خزانے سے تنخواہیں پانے والے دن رات ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آخر ہم ہر طرف سے اتنے مجبور اور بے بس کیوں ہیں؟"

"اوہ!" ویرا کے ہونٹوں سے بے اختیار ایک گہرا سانس خارج ہوگیا "تم اندر کی بہت سی کہانیوں اور سازشوں سے واقف ہو اس لیے ہر بات کو ایک خاص زاویے سے دیکھتے ہو۔ تمہارے جذبات کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ یہ سب سسٹم کی خرابی کی بات ہے۔ اول خان بھی اسی سسٹم کے سامنے بے بس ہے' وہ کسی مجرم کی طرح بار بار یہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ بھی اس سسٹم کا کل پرزہ ہے۔"

"اس عمارت پر تاریکی اور نحوست کا راج تھا۔ شاید اوبرائن اور رابن مائرکی پے درپے اموات نے ان مردودوں کو دہشت زدہ کردیا ہے اور وہ گوشہ نشین ہوگئے ہیں مگر ہمارے محافظ اس خالی عمارت کی بھی نگہبانی کرنے پر مجبور ہیں.... میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں اس نظام کا ایک حصہ نہیں ہوں۔ اس سے باہر رہ کر اس کی بہتری اور بحالی کے لیے جو کچھ کرسکتا ہوں' کررہا ہوں۔"

"بلاوجہ اپنا خون نہ جلاؤ" ویرا نے ہمدردی سے مجھے پچکارا "کھانے سے پہلے منہ ہاتھ دھوکر سمندری ہواؤں کا کھار اتارلو تاکہ ہم کھانا کھاسکیں۔ تمہیں گیارہ بجے ائرپورٹ بھی پہنچنا ہے۔"

"نائٹ کوچ کی روانگی کا وقت کیا ہے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"بارہ بج کر پانچ منٹ۔ اول خان وہیں تمہارا انتظار کرے گا" ویرا نے کہا۔

ویرا کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے سمندر کی تازہ ہوا کا لطف ضرور اٹھالیا تھا مگر میں اپنی جلد کے کھلے ہوئے حصوں پر سمندری نمکیات کی چپچپاہٹ محسوس کررہا تھا۔ میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سیدھا غسل خانے میں جاگھسا۔ اسلام آباد کے سفر سے پہلے میرا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

کھانے کی میز پر ویرا کی کوشش رہی کہ خوش گوار موضوعات پر بات ہوتی رہے۔ میں اپنے ساتھ اس کی طفلانہ ہمدردی کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کے لیے انجان بنا رہا۔ وہ اتنی بری ہرگز نہیں تھی جتنی کبھی کبھی نظر آنے لگتی تھی۔

ڈنر کے بعد چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا نے کارڈز نکال لیے مگر وہ دور زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ مجھے اپنی ضروریات کا مختصر سا سامان ایک بیگ میں سمیٹنا تھا۔

میں نے میز چھوڑی تو غزالہ بھی میرے ساتھ ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ویرا کو فقرے چست کرنے کا بہانہ ہاتھ آگیا۔

"یوں کہو کہ بیگ تیار کرنے کے بہانے' تخلیے میں غزالہ کو الوداع کہنے جارہے ہو۔"

"ہم لیلیٰ مجنوں والے مرحلوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں" میں نے مڑ کر اسے جواب دیا "چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ آسکتی ہو۔ ہمیں تخلیے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جاؤ' معاف کیا۔ اسلام آباد سے واپسی پر تم سے یہ حساب لیا جائے گا" ویرا نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تم بھی کیا یاد کروگے کہ کس سے پالا پڑا ہے؟"

وہ تینوں ہی مجھے ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے بے چین تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں تھے مگر گھر خالی چھوڑ کر ہم چاروں کا رات گئے گھر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان شاہ مجھے چھوڑنے جاتا تو عورتیں گھر میں تنہا رہ جاتیں۔ ان میں سے کوئی میرے ساتھ ائرپورٹ جاتی تو رات گئے اسے واپسی کا طویل سفر تنہا طے کرنا پڑتا۔ میں نے سختی سے انہیں روک دیا۔

میں انہیں الوداع کہہ کر اپنے ہلکے پھلکے بیگ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ سلطان شاہ نے قریبی سڑک سے مجھے ٹیکسی میں سوار کرایا پھر وہ بھی گھر لوٹ گیا۔

ائرپورٹ کے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے میری

رسٹ واچ پونے گیارہ بجا رہی تھی۔ میں نے قرب و جوار میں نظریں دوڑائیں مگر اول خان کہیں موجود نہیں تھا۔ وقت گزارنے کے لیے میں سگریٹ سلگا کر ایک طرف ہو گیا۔ اس وقت بین الاقوامی روانگی والے حصے میں زیادہ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

وہ وقت مغرب سے کراچی ہو کر مشرق بعید کی طرف جانے والی پروازوں کے لیے ہی موزوں تھا اس لیے سامان سے لدے پھندے اور مضطرب مسافروں کی بھیڑ میں مقامیوں سے زیادہ زرد رو اور چپٹی ناکوں والے ایشیائیوں کی تعداد شامل تھی۔

وہاں ایسے ایسے چہرے اور تماشے نظر آ رہے تھے کہ وقت بہت تیزی سے گزر گیا۔ میں وہاں سے واپس ہوا تو ملکی پروازوں کے ڈیپارچر لاؤنج سے اول خان برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ میری غیر موجودگی میں وہاں پہنچ کر سیدھا اندر چلا گیا تھا اور میری تلاش میں دوبارہ باہر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا اور ہاتھ ملاتے ہوئے، میری طرف جھک کر، سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم احمقوں کی طرح کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ ائرپورٹ پر پچھلے کئی گھنٹوں سے کچھ مشتبہ افراد منڈلاتے پھر رہے ہیں۔ میرے ساتھ سیدھے اندر چلے آؤ۔"

"یہ خبر تمہیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میرے دو آدمی موہنی پنڈت کے تابوت کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ اس وقت بھی وہ ائرپورٹ پر موجود ہیں.... تابوت کی روانگی کے ایک آدھ گھنٹے بعد ہی وہ مشتبہ چہرے نظر آئے تھے۔ ان کی ساری توجہ مقامی پروازوں کی روانگی پر مرکوز ہے۔"

"کیا انہیں ہمارے پروگرام کی کوئی سن گن مل گئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ امکان ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ ساری گڑبڑ موہنی کے تابوت کی روانگی سے شروع ہوئی ہے۔ دشمنوں کو پتا چل گیا ہے کہ اس کی لاش یہاں سے اسلام آباد لے جائی گئی ہے اور اب وہ کسی سراغ کی تلاش میں یہاں ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"وہ زندہ تھی تو رابن مائر کے لیے انتہائی اہم تھی۔ مر چکی ہے تو ہمارے دشمنوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ سرکاری مردہ خانے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔"

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے" اول خان نے بے بسی سے کہا "وہ ایک بے ضرر سی لاش تھی۔ شاید آئی بی والوں سے اس کی منتقلی میں بے احتیاطی سرزد ہوئی ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ دعا کرنی چاہیے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل سکیں۔ تمہارے آدمیوں نے یہ خبر بہت دیر سے دی ہے۔ اب اس کا کوئی تدارک مشکل نظر آتا ہے۔"

"شاید تھوڑی بہت تاخیر ہوئی ہو مگر زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ انہوں نے الگ الگ ہو کر ان تینوں کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ اس وقت وہ پانچوں ریستوران میں ہوں گے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ دونوں ریستوران سے نکل کر شہر روانہ ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تینوں صبح تک یہیں جھک مارتے رہیں۔"

"یہ سب ہو چکا ہے تو پھر فکر کی کیا بات ہے۔ وہ چاہیں تو ان تینوں کو کسی ویران حصے میں لے جا کر گھیر بھی سکتے ہیں۔ یہ کام ساڑھے گیارہ بجے کے بعد ہو سکتا ہے۔"

"بدقسمتی سے وہ تینوں مقامی ہیں۔ وہ مقامی نہ ہوتے تو میں کوئی سخت فیصلہ بھی کر سکتا تھا۔ میرے دونوں آدمی ساڑھے گیارہ بجے نکل جائیں گے۔ تین نئے آدمی ان کی جگہ لے لیں گے۔ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو پکڑ کر اسٹیشن فور لے جانے کا ٹاسک رکھتے ہیں۔ ایک پکڑا گیا تو بقیہ دونوں بھی ہماری دسترس سے دور نہیں ہوں گے۔"

ہمارے ٹکٹ اظہر خان اور مظہر خان کے ناموں سے تھے۔ اول خان نے چیک اِن کاؤنٹر پر ٹکٹ دے کر بورڈنگ کارڈز لیے اور ہم سیکیورٹی کے مرحلے سے گزر کر آگے بڑھتے چلے گئے۔

پرواز کے لیے بورڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کیے بغیر طیارے میں سوار ہو گئے۔

"اگر وہ تینوں تمہارے آدمیوں کا تعاقب کر رہے ہیں تو پھر اسلام آباد میں بھی گڑبڑ ہو سکتی ہے" میں نے راستے بھر سوچنے کے بعد طیارے میں اپنی زبان کھولی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہمارا جہاز اڑ جانے کے بعد بھی ان کے پاس بہت وقت ہوگا۔ ہمیں اسلام آباد ائرپورٹ پر کوئی غیر متوقع صورتِ حال پیش آ سکتی ہے۔ میں اسی لیے تم سے ملے بغیر لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ میں نے جلال کو پرواز کا نمبر دینے کے ساتھ نئی سچویشن سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اول خان چاروں کھونٹ چوکس تھا "جلال کیا کہتا ہے؟"

"وہ فوری طور پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسے

یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ ہم کسی کی نظروں میں نہیں آئے۔ ہمیں لینے کے لیے وہ خود اسلام آباد ائرپورٹ پہنچے گا۔"

بورڈنگ مکمل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر جہاز کے دروازے وغیرہ بند ہوئے اور ضروری کارروائیوں کے بعد طیارہ حرکت میں آگیا۔

"مجھے یہ سوچ کر مایوسی ہوتی ہے کہ دشمنوں کو ہمارے ملک میں ہر سطح پر زرخرید مل جاتے ہیں" جہاز فضا میں بلند ہونے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"پیسوں کے لیے ہر ملک میں لوگ بک جاتے ہیں" اول خان نے میری تشویش کو زیادہ اہمیت نہیں دی "ان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کراچی ائرپورٹ پر نظر آنے والے تینوں افراد کا یہی کیس ہوگا۔"

"پہلے پنڈت منوہر لال کے تین تنخواہ دار آئی بی والوں نے پکڑے اب یہ تین نئے چہرے سامنے آگئے۔ پتا نہیں اسلام آباد میں انہوں نے کتنے آدمی خریدے ہوئے ہیں۔"

"زیادہ مت سوچو۔ سوچ سوچ کر تھک جاؤ گے" اس نے مجھے سمجھایا "میں نے تمہارے نکل جانے کے بعد تمہارے گھر فون کیا تھا تو ویرا نے مجھے بتایا کہ قائداعظم کے مزار اور امریکی قونصل خانے کو دیکھ کر تم جذباتی ابال میں مبتلا ہوگئے تھے۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ سوچنا میری عادت ہے۔ جب تک کوئی نئی بات سامنے نہیں آتی، میرے ذہن میں یہی سب گند ہلچل مچائے رکھے گا۔"

"اسے بھول کر پنڈت کے بارے میں سوچو۔ ہوسکتا ہے کہ جلال ہمیں ائرپورٹ سے سیدھا اسی کے پاس لے جائے۔ وہ بلاوجہ ائرپورٹ پر نہیں آئے گا۔"

دوران پرواز فضائی میزبان مسافروں کو ہلکا ناشتا فراہم کررہے تھے کہ طیارے کے پیجنگ سسٹم پر کپتان کی آواز ابھری "اظہر خان یا مظہر خان نامی مسافروں سے التماس ہے کہ وہ فوری طور پر کیبن کریو سے رجوع کریں شکریہ۔"

کپتان نے اردو میں ہی وہ پیغام ایک بار پھر دہرایا۔ ائر ہوسٹس جوں ہی ٹرے لے کر ہمارے قریب سے گزری، میں نے اسے اشارے سے روک لیا۔

وہ مسکراتے ہوئے رکی مگر اس کے انداز سے عجلت کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے کہا "میرا نام مظہر خان ہے اور یہ اظہر خان ہیں۔"

"میں ابھی آئی" یہ کہہ کر وہ آگے گئی۔ ہاتھ کے سامان سے گلوخلاصی حاصل کر کے اور اپنے فرائض کسی اور کو سونپ کر لوٹ آئی۔

"آپ دونوں میں سے ایک صاحب میرے ساتھ آجائیں" اس نے اخلاق سے کہا۔

میں نے اول خان کی طرف دیکھا، اس نے سر ہلادیا "تم سرے پر ہو، تم ہی ہو آؤ۔"

میرے اٹھنے سے پہلے ہی ائرہوسٹس طیارے کی ناک کی طرف چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔

اکانومی کلاس میں ٹرالیوں اور نشستوں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے ہم دونوں اسی ترتیب سے فرسٹ کلاس کے کشادہ کیبن سے گزرے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ طیارہ تقریباً بھرا ہوا تھا۔ فضائی کرائے کی رعایت مسافروں کو اپنی رات سے زیادہ عزیز تھی۔

فرسٹ کلاس کیبن کے اختتام پر اس نے کاک پٹ کا دروازہ کھول کر کپتان سے کچھ کہا اور میرے لیے جگہ خالی کردی۔ میں آگے بڑھا تو کاک پٹ کا مرعوب کن منظر میرے سامنے تھا۔

کاک پٹ کے اگلے حصے میں فرش سے دیوار تک ہندسوں اور سوئیوں والے بے شمار ڈائل روشن تھے۔ کپتان اور اس کا معاون پوری وردیوں میں ملبوس، سروں پر ہیڈ فون چڑھائے اپنی نشستوں میں موجود تھے۔ وہ کراچی کی کوئی سڑک نہیں، بے کراں وسعتوں میں پھیلی ہوئی ایک فضائی شاہراہ تھی جس پر ایک وقت میں ایک بلندی پر دو طیاروں کا ایک دوسرے کے آس پاس موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"سر! امید ہے کہ آپ کا سفر خوش گوار گزر رہا ہوگا" کپتان نے سر گھما کر میری طرف دیکھتے ہوئے اخلاق سے کہا۔

"بہت زیادہ خوش گوار سفر ہے۔ سارا حسن کاک پٹ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس سے آگے تو گھور اندھیرا ہے" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"کراچی کنٹرول ٹاور سے آپ کے لیے پیغام ہے۔ اسلام آباد ائرپورٹ پر آپ رن وے پر رکیں گے۔ وہاں سے ایک پروٹوکول کار آپ دونوں کو باہر لے جائے گی" اس نے آگاہ کیا۔

"شکریہ!" اس سے کچھ پوچھے بغیر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ پیغام جلال کا ہوسکتا تھا۔

"زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ پیغام پیجنگ سسٹم پر نشر نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی

کہ پیغام ذاتی طور پر آپ دونوں میں سے کسی تک پہنچادوں۔"

شاید وہ گفتگو طیارے کے بلیک بکس کے ریکارڈ کا حصہ بن رہی تھی اس لیے کپتان نے ان فقروں کی ادائیگی ضروری سمجھی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

مجھے وہاں تک پہنچانے والی ائرہوسٹس پتا نہیں کب واپس جاچکی تھی۔

"کراچی کنٹرول ٹاور کے ذریعے جلال کا پیغام تھا" اپنی نشست پر واپس پہنچ کر میں نے اول خان کو بتایا "وہ ہمیں رن وے سے ہی باہر لے جائے گا۔"

اول خان خوش ہوگیا "مجھے توقع نہیں تھی کہ ہمیں جہاز پر پیغام مل سکے گا۔"

کراچی سے اسلام آباد تک کی مسافت باتوں ہی باتوں میں طے ہوگئی۔ پونے دو بجے لینڈنگ کے بعد ہم مسافروں کی کھیپ کے ساتھ رن وے پر موجود تھے۔

مسافر پی آئی اے کی بسوں کی طرف جارہے تھے۔ جلال نے شاید ہمیں جہاز کی سیڑھیوں پر ہی دیکھ لیا تھا۔ اس نے معانقہ کرکے ہم دونوں کا استقبال کیا اور ہمیں ساتھ لے کر ایک لمبی سی سیاہ کار کی طرف بڑھ گیا جو رن وے پر سفید لکیر سے لگی کھڑی تھی۔ گاڑی پر سبز سرکاری نمبرپلیٹ آویزاں تھی۔ گاڑی کے دونوں پہلوؤں پر دو سادہ پوش گن مین کھڑے ہوئے تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے پر ان دونوں نے اپنے ہاتھ پیشانیوں تک لے جاکر سلام کیا' ہمارے ہاتھوں سے مختصر سامان لیا اور ہمارے لیے دونوں عقبی دروازے کھول دیے۔ اول خان گھوم کر دوسرے دروازے سے بیٹھ گیا۔ مجھے جلال کو جگہ دینے کے لیے درمیان میں کھسکنا پڑگیا۔ محافظوں نے پچھلے دروازے بند کرکے اگلی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا قافلہ روانہ ہوگیا۔ آئی بی کی گاڑی رن وے کی نشان زدہ حد کے متوازی ٹرمنل سے دور ہوتی جارہی تھی۔

پاکستان میں ہمیشہ آئی بی کا ایک پُراسرار سا دبدبہ رہا ہے۔ بعض سیاست داں اور بڑے افسر اس کے معمولی کارندوں سے خوف زدہ پائے گئے ہیں۔ اس روز ائرپورٹ پر کہیں بھی گاڑی کو روکا گیا' نہ اس کی چیکنگ کی گئی۔ رن وے کا ایک سروس گیٹ کھلا اور گاڑی زن سے باہر نکل گئی۔

"کراچی میں دیکھے جانے والے مشتبہ آدمیوں کا کیا بنا؟" رسمی مزاج پرسی اور معذرت کے بعد جلال نے خود ہی اصل موضوع چھیڑدیا۔

"میرے آدمی ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میری پرواز کے دوران میں کیا ہوا' مجھے معلوم نہیں۔ کراچی فون کروں گا تو رپورٹ مل جائے گی۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی پکڑا گیا ہوگا" اول خان نے جواب دیا۔

"یہاں کی سناؤ' اسلام آباد میں کیا ہورہا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"میرے آدمی نگرانی کررہے ہیں۔ ابھی تک ائرپورٹ پر کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا" جلال نے بتایا "اسلام آباد ویسے بھی وی وی آئی پی ائرپورٹ ہے۔ یہاں ہمارا سیل چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے۔"

"تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟ کچھ بولتا ہے یا ابھی تک اڑا ہوا ہے؟"

"تمہارا اندازہ سوفیصد درست نکلا" اس نے بلا جھجک کہا "وہ موہنی کی لاش سے لپٹ کر کسی یتیم بچے کی طرح ایسی دل دوز آوازوں میں پھوٹ پھوٹ کررویا ہے کہ سب ہل کر رہ گئے۔ شام ڈھلے اس نے اپنی بیٹی کی چتا کو آگ دکھائی تھی۔ اس کے بعد سے وہ پرسکون مگر گم صم ہے۔"

"اس سے چھیڑچھاڑ تو کی گئی ہوگی" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"واجبی سی" اس کا جواب ذو معنی تھا "تم لوگ آہی رہے تھے۔ ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑدیا۔ وقفہ مل جانے کے بعد وہ شاید آسانی سے راہ پر آجائے گا۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی واجبی سی کوششوں کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

"اس وقت ہم اسی سے ملنے جارہے ہیں" تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے بتایا "اسے ایک سرکاری ریسٹ ہاؤس میں رکھا گیا ہے۔"

ائرپورٹ سے شاہراہ پر آنے کے بعد گاڑی تیزی سے شہر کی طرف دوڑتی رہی مگر زیرو پوائنٹ پر جلتے بجھتے ہوئے سگنل سے اس کا رخ بائیں طرف ہوگیا۔ وہ راستہ اسلام آباد کو جی ٹی روڈ سے ملاتا تھا۔

سڑک پر ہمارا سفر زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی ایک نیم پختہ ذیلی سڑک پر اترگئی جو سبزے اور درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی اندھیرے میں کہیں گم ہورہی تھی۔ آخر کار وہ پُرپیچ سڑک ایک قدیم طرز کے ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں داخل ہوگئی۔

اپنے محل وقوع کے اعتبار سے وہ ریسٹ ہاؤس دور افتادہ اور آبادی سے بالکل کٹا ہوا تھا مگر وہاں جنریٹر کے کسی شور کے بغیر بجلی کی سہولت موجود تھی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سن کر ریسٹ ہاؤس کا مسلح گارڈ پہلے سے احاطے میں آچکا تھا۔ اس نے جلال والا دروازہ کھول دیا۔

جلال کی جگہ میں ہوتا تو اس محافظ سے قیدی کے بارے میں ضرور کوئی نہ کوئی سوال کرتا۔ لیکن جلال اپنے معاملات کو خود بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے ہم دونوں کے اترنے کا انتظار کیا پھر ہمیں ساتھ لے کر ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں چڑھ گیا۔ محافظ لپک کر اس سے آگے نکلا اور سامنے کا دروازہ کھول دیا۔

ریسٹ ہاؤس زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بیٹھک نما اس کمرے کے بعد ایک چوڑی راہ داری تھی۔ وہاں بھی جلال کا ایک آدمی موجود تھا۔ اپنے افسر کو دیکھتے ہی اس شخص نے کھٹکا کھول کر ایک دروازہ اندر دھکیل دیا۔

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آہٹیں سن کر پنڈت منوہر لال پہلے ہی چوکنا ہو چکا تھا اور چارپائی سے اٹھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی اور پھول کر نیلا ہو رہا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی اور ویران نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"تم زبان کھولو گے یا اب بھی کچھ مار سہنے کا حوصلہ ہے؟" جلال نے اسے گھورتے ہوئے سفاکی سے پوچھا "اپنی بیٹی کی چتا جلانے کے بعد تمہیں ہوش آجانا چاہیے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ ویسی ہی سپاٹ نظروں سے جلال کا چہرہ تکتا رہا۔

"ڈراما کر رہا ہے یہ حرام زادہ.... یہ اب بھی نہ بولا تو میں چاقو سے اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا" جلال نے غصے سے تلملا کر کہا "میں نے صرف تمہاری سفارش پر اس بدنام لڑکی کی لاش یہاں منگوائی تھی...."

"ٹھہرو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے کہا "شاید تم نے اسے بُری خبر اب تک نہیں سنائی" جلال سے یہ کہہ کر میں پنڈت منوہر لال کی طرف متوجہ ہو گیا "ہم تمہارے لیے ایک بری خبر لائے ہیں 'پنڈت'!"

کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کی ویران آنکھیں جلال کے چہرے سے ہٹ کر میری طرف مرکوز ہو گئیں۔

"رابن مائر نے موہنی کو گولی مار کر ختم کر دیا لیکن وہ اب بھی زندہ ہے۔"

"نہیں!" پنڈت اتنی قوت سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی "تم جھوٹے ہو.... مجھے اخبار دیا گیا تھا۔ میں نے خود پڑھا تھا کہ موہنی کو گولی لگی اور رابن کسی زہر سے مارا گیا تھا۔ وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔"

میرے فرضی انکشاف نے اسے اتنا شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی لاتعلقی یکایک ختم ہو گئی تھی' اس کی جگہ نفرت کی چنگاریوں نے لے لی تھی۔

"وہ کوئی خاص زہر تھا" میں نے اپنا لہجہ نرم اور دھیما رکھا "وہ چند گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہوا تھا۔ اس کی نبض بہت سست ہو گئی تھی۔ چند گھنٹوں بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ.... یہ کب کی بات ہے؟" اس نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کل رات موہنی ماری گئی تھی.... آج رابن زندہ ہے" مجھے یقین تھا کہ جنون اور دیوانگی کے عالم میں پنڈت کو زمان و مکان کا ہوش ہی نہیں رہا ہو گا۔

"وہ بھیڑیا ہے.... بھوک لگتی ہے تو یہ درندے اپنے ہی کسی کمزور ساتھی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا.... مجھ پر برا وقت آیا تو اس نے میری ہی بیٹی کو گولی مار دی۔" وہ رک رک کر' غصیلی اور رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”اسے اس کے انجام تک پہنچانا چاہتے ہو تو تمہیں ایک مرتبہ پھر سب کچھ بتانا ہوگا....“

”نہیں، نہیں!“ اس نے میری بات کاٹ دی ”اب مجھ سے کچھ مت پوچھو۔ اسے میرے سامنے لے آؤ۔ میں اپنے دانتوں سے اس کا نرخرا چباؤں گا....“

”وہ مرگیا ہوتا تو اور بات تھی۔ اب وہ قانون کی تحویل میں ہے۔ اسے تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم ہماری مدد کرو۔ ہم پھانسی گھاٹ پر اس کی گردن توڑ کر ایک فٹ لمبی کردیں گے۔“

رابن مائر کے خلاف وہ کراہت آمیز الفاظ پنڈت کے لیے آسودگی کا سبب بن گئے۔ اس نے مٹھیاں اور آنکھیں بھینچ کر ایک جھرجھری سی لی پھر آنکھیں کھول کر بولا ”تم نے مجھے موہنی کی چتا جلانے کا موقع دیا۔ تم قول کے پکے ہو۔ تم ضرور اس کی گردن توڑ دو گے.... پوچھو کیا پوچھتے ہو۔“

جلال میرے قریب سرک آیا اور تحیر زدہ سرگوشیانہ آواز میں بولا ”کہو تو میں سب کو بلالوں۔ ایسا نہ ہو کہ اس پر دوبارہ خاموشی کا دورہ پڑجائے۔“

”ایسا نہیں ہوگا“ میں نے اسے یقین دلایا ”ذہنی جھٹکا کھا کر یہ صدمے سے نکل گیا ہے۔ اب بولتا رہے گا۔ اس وقت مجھے اس سے دو چار باتیں کرلینے دو۔“

”میں ایک مرتبہ پھر تمہاری یقین دہانی پر بھروسا کررہا ہوں“ اس نے بے بسی سے کہا۔

رابن مائر کی بربادی اور سزایابی کا تصور اس وقت پنڈت منوہر لال کے لیے سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ اصل سوالوں کی طرف آنے سے پہلے میں نے چند ثانیوں تک اسی موضوع کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا ”رابن مائر جیسے موذی شخص سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟“

”رستم.... رستم.... رستم!“ اس نے تکرار کی ”اس نے اپنے گھر پر مجھے رابن سے ملوایا تھا۔ رستم ایران کا دشمن تھا کیونکہ وہاں بہائیوں کو قتل اور برباد کیا گیا، میں پاکستان کا دشمن تھا کیونکہ اس کے نام پر لاکھوں ہندو بے گھر اور تاراج ہوئے تھے۔ میں نے رابن سے دوستی کرلی۔“

وہ ایک نیا سراغ تھا۔ رستم کراچی میں بیٹھ کر ایران کے خلاف اپنا عناد نکال رہا تھا۔ اس کے فون نمبروں سے ایران میں کیے جانے والے رابطے یقیناً مذموم مقاصد کے لیے تھے۔ اس کی اصل دشمنی ایران سے تھی۔ اس نے صیہونیوں کی مدد کے لیے وہاں بڑا نیٹ ورک قائم کیا ہوا تھا۔ کراچی میں رہ کر پاکستان کے خلاف براہِ راست کام کرنا اس کی اپنی سلامتی کے لیے خطرناک تھا جبکہ رابن کا ہدف پاکستان بھی تھا۔ رستم نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے رابن مائر اور پنڈت منوہر لال کو ملوا دیا۔

”ایران اور پاکستان کے خلاف کام کرنے کے عوض تمہیں رابن سے کیا ملتا تھا؟“

”وہ ملعون یہودی کسی کو کیا دے سکتا تھا۔ بس چند سہولتیں تھیں“ پنڈت نے رک رک کر کہا ”سارا خرچ ہم دونوں اٹھاتے تھے، اپنے اپنے انتقام کے لیے۔“

”کسی ملک سے انتقام لینے کے لیے دو تین آدمی کافی نہیں ہوتے۔“ میں نے رسانیت سے کہا ”تین تنخواہ داروں کے علاوہ اور کون کون تمہارا ساتھ دیتا تھا؟“

وہ ہذیانی انداز میں ہنسا ”میں کس کس کا نام لوں؟ سب میرے دوست ہیں۔ کوئی میری دوستی میں اور کوئی اس ملک کی دشمنی میں ’جانے یا ان جانے‘ میری مدد کرتا رہتا تھا۔“

”کیا ان میں اوبرائن ڈی ہنٹ بھی شامل تھا؟“ میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

”وہ خود کو نئے ایشیا کا افلاطون کہتا تھا۔ اونچے حلقوں میں بیٹھ کر دوسروں کی کامیابیوں کو اپنے سرمنڈھ لینا اس کی قابلِ نفرت عادت تھی۔ وہ مجھے اور رستم کو بھی اپنا تابع بنانا چاہتا تھا۔ رستم کسی سے دبنے یا ڈرنے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ اوبرائن سے نفرت کرتا تھا۔“

”تمہیں اوبرائن کے انجام کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا ”اچھے لوگوں کو سب بھول جاتے ہیں مگر بروں پر ہر ایک نظر رکھتا ہے۔ وہ نئی دلی کے کسی حادثے میں کتے کی طرح مارا گیا تھا۔“

”تمہیں رستم کے اصل کاروبار کا بھی علم ہوگا۔ ایسا تو نہیں کہ رستم ہی نے اسے مروا دیا ہو؟“

”مجھے پتا نہیں مگر میں دو باتیں ضرور جانتا ہوں۔“ پنڈت اپنی بگڑی ہوئی حالت پر تیزی سے قابو پارہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”وہ اونٹ کی طرح پکا کینہ پرور تھا اور اوبرائن کی موت پر اس نے کھل کر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔“

رستم اور پنڈت نفرتوں کے سوداگر تھے۔ وہ بھاری مالی خسارہ اٹھانے کے باوجود دو مملکتوں کے خلاف اپنا اپنا بغض نکال رہے تھے۔ رابن مائر مفت میں ان سے فیض حاصل کررہا تھا۔ اس پورے کھیل میں میرے لیے سب سے بڑی

الجھن یہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ جب رستم اور اوبرائن کے مشن یکساں تھے تو رستم نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے، دس لاکھ روپے کے عوض اسے ٹھکانے کیوں لگا دیا تھا۔

پنڈت منوہر لال کی قوت گویائی بحال ہوتے ہی مجھے اس سوال کا مسکت جواب مل گیا تھا۔ اسے اوبرائن سے نفرت ضرور تھی مگر وہ اس کے قتل کے بارے میں نہیں سوچ سکا تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے اسے اعتماد میں لیا تو اس نے اس سودے کو آم کے آم، گٹھلیوں کے دام سمجھ کر بے چون وچرا قبول کرلیا۔

قتل نئی دہلی میں ہوا اس لیے رستم کی ذات ہر شک و شبہے سے بالا رہی، اس کو ایک دشمن سے نجات مل گئی اور اس کام کے دس لاکھ روپے بھی ڈالروں کی صورت میں مل گئے۔

رستم کو اس سودے میں نفع ہی نفع نظر آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ملک ممتاز سے دس لاکھ لے کر وہ اس سے اپنی جان کا سودا کررہا تھا۔

پنڈت سے جو نئی باتیں معلوم ہوئی تھیں وہ اپنے نواسے کے بارے میں رستم کی گہری فکرمندی کے اسباب بھی مہیا کرتی تھیں۔ رستم ایرانی نژاد تھا۔ وہ خود وہاں سے بھاگ آیا تھا لیکن اس کی موت کے بعد پاکستان میں حالات موافق نہ ہوتے تو اس کے خاندان کے باقی ماندہ افراد ایران کی طرف کوچ کرسکتے تھے۔

بے یارو مددگار عورتوں کو شاید ایران میں پناہ مل جاتی لیکن رستم کے اکلوتے وارث کے لیے وہاں کوئی جگہ نہ ہوتی۔ رستم کے دل میں چور تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بسیرا پر آپریشن کے بعد رفتہ رفتہ ساری حقیقتوں پر سے پردہ اٹھتا چلا جائے گا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ ایران کے خلاف تعصّب پرست یہودی مفادات کی پاسبانی کرتا رہا تھا۔ اس کے نواسے کو وہاں جگہ مل بھی جاتی تو وہ ذلت، رسوائی اور غداری کے الزامات سے ہمیشہ سرنگوں رہتا۔ کبھی جاہ و حشم کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

کینہ پرور رستم حساب کتاب اور جوڑ توڑ میں بہت طاق تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس نے جو فیصلہ کیا، وہ شاید اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔

"رستم براہِ راست ایران کے معاملات دیکھتا تھا۔ تم پاکستان کے نگراں تھے مگر تم رستم ہی کو جواب دہ تھے۔ وہ تمہاری اطلاعات اور رپورٹیں رابن مائر کے ذریعے تل ابیب پہنچاتا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پابندیٔ وقت"

دفتر کے کام سے طارق بذریعہ جہاز کراچی سے لاہور جانے کے لیے گرتے پڑتے ذرا تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تو فلائٹ روانہ ہورہی تھی۔ سرنگ نما راستے کا گیٹ بند ہورہا تھا۔ طارق کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے لڑنے لگے کہ انہیں بورڈنگ کارڈ دیا جائے اور جہاز رکوایا جائے۔

"فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔" انہوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔

ائرلائن کی ملازم خاتون نہایت تحمل اور شائستگی سے بولیں "وہ تو ٹھیک ہے سر۔ لیکن آپ چونکہ یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ کو روانہ کرنا پڑا۔"

○☆○

"تم رستم کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" پنڈت جھلّا کر بولا "سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود مجھ سے اسی کے بارے میں پوچھے جارہے ہو۔ وہ مرگیا۔ اس کا قصہ اس کے ساتھ ختم ہوگیا۔ مجھ سے رابن کی بات کرو۔ آستین کے اس موذی سانپ کی جو ابھی تک زندہ ہے۔"

"جب تم رستم کو جواب دہ تھے تو رابن کو براہِ راست فون کیوں کرتے تھے؟"

"وہ فون اور فیکس ذاتی کاموں کے لیے ہوتے تھے۔ میں نے تم کو بتایا نا کہ ہمیں اس سے صرف کچھ مراعات ملی ہوئی تھیں۔ اس کے ذریعے ہم کسی کو بھی امریکا کا کوئی ویزا دلوا سکتے تھے۔ وہاں کے تعلیمی اداروں میں داخلے آسانی سے مل جاتے تھے۔ ان احسانوں کے بدلے، میں اس کے لیے معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے اتنی بے رحمی سے استعمال کرنے کے بعد وہ یوں میرا سینہ چھلنی کردے گا۔"

"روپوش ہونے کے بعد بھی تم نے اس سے بات نہیں کی؟" میرے پاس رابن مائر کے بارے میں سوالات کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ سلسلہ معلومات افزا تھا۔

"رستم کے گھر سے میں نے دوبارا اس سے بات کی۔ وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا کہ کوئی نقصان ہونے سے پہلے وہ مجھے اور موہنی کو پاکستان سے نکال لے جائے گا۔"

"تم نے پاکستان کے دفاعی راز بھی رابن مائر کو فراہم کیے تھے؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے "بس اسی بات پر وہ ناراض رہتا تھا۔ میں ایسے معاملوں میں ہاتھ ڈالنے والوں کی کئی لرزہ خیز کہانیاں سن چکا تھا۔ میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وقت مل جاتا تو شاید میں اس کے دباؤ سے مجبور ہو کر ادھر بھی چل پڑتا۔۔۔۔ ابھی تک میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"مجھے ان لوگوں کے نام درکار ہیں جو بڑے سرکاری عہدوں پر ہیں اور ویزوں یا داخلوں کے لیے تمہارے احسان مند ہیں۔ تم نے کچھ نہ بتایا تو ہمیں رستم کے گھر سے ریکارڈ مل جائے گا۔"

"رستم کے گھر سے بے اندازہ دولت کے سوا تم کو کوئی غیر قانونی چیز نہیں ملے گی۔ وہ ہر کاغذ جلا کر تلف کرتا تھا۔ سارے کام اور حساب اس کی یادداشت میں محفوظ رہتے تھے۔"

"رستم کے قصیدے مت سناؤ۔ رابن کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانے کے لیے مجھے چند اہم ناموں کی ضرورت ہے۔ ایسے نام جن کے لیے رابن نے کبھی کوئی سفارش کی ہو۔ کل تک یہ نام مل جانے چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ میں یاد کرنے کی کوشش کروں گا" اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

میں واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ میرے ساتھ وہ دونوں بھی دروازے کی طرف ہو لیے۔

بیٹھک نما کمرے میں پہنچتے ہی جلال جذبات سے مغلوب ہو کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا "تم نے بہت بڑی مشکل آسان کر دی۔ تمہارا چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر لگا ہے۔"

"اس سے آج نئی باتیں ہوئی ہیں۔ کاش کل اسے یہ سب اسی طرح یاد آ سکے!" اول خان نے حسرت سے کہا۔

"اس نے از خود کچھ نہیں بتایا" جلال نے کہا "سب ڈینی کے سوالوں کے جواب تھے۔"

"ایسے ضدی مجرموں سے کچھ اگلوانے کے لیے خاص ڈھب کے سوالات ضروری ہوتے ہیں۔ ڈینی نے آج یہ کام بہت خوبی سے انجام دیا ہے" اول خان نے اقرار کیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں کسی وقت بھی کوئی کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس وقت میرے بڑے یہاں نہیں تھے لیکن گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ کل ہمیں یہ سوال دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"کل نہیں، آج کہو۔ اس وقت صبح کے تین بج رہے ہیں" میں نے انہیں توجہ دلائی اور دونوں ہی ہنس پڑے۔

"تمہیں ایک دم ہی رابن مائر کے مردے کو زندہ کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟" گاڑی میں واپسی کا سفر شروع ہونے کے بعد جلال کو وہ سوال یاد آ گیا۔ اس کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"کراچی میں بیٹھ کر میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا" میں نے کہا "یہ میرے مشاہدے کا نتیجہ تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شدید صدماتی کیفیت کا شکار ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی لاش دیکھ چکا تھا۔ اسے رابن کے قتل کے بارے میں بھی معلوم تھا مگر لاش اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اسے جھنجوڑنے کی ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی کہ اسے بیٹی کے خون کے انتقام کی ضرورت کا احساس دلایا جائے، یہ حربہ کام کر گیا۔"

"میں آخر تک اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ تم اسے کون سی بُری خبر سنانے والے ہو" جلال بولا "اس کے بے ساختہ ردِ عمل پر میں پل بھر کے لیے ہل کر رہ گیا تھا۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ اس کے ہاتھوں موہنی کی آخری رسوم کی ادائیگی اس کے ذہن پر نقش تھی۔ اسے قابو میں رکھنے کے لیے یہ اقدام ناگزیر تھا۔" اول خان نے کہا۔

"رحمان اس مشق سے متفق نہیں تھا" جلال نے اپنے ساتھی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "مگر میں بند گلی میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی افادیت کا یقین نہ ہونے کے باوجود میں نے محض اس لیے لاش کی فوری منتقلی کا فیصلہ کر لیا کہ یہ تم دونوں کا مشترکہ مشورہ تھا۔"

"بعض اوقات بہت چھوٹی چھوٹی باتیں دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہیں" میں نے کہا۔

"پنڈت سے بات کرتے ہوئے تم نے اس کی تازہ ترین فون کالز کا ذکر بھی چھیڑا تھا۔ کیا تم نے محکمے سے اس بارے میں کچھ کوائف حاصل کر لیے ہیں؟" جلال نے جاننا چاہا۔

"پنڈت اور رستم کی تین ماہ کی بلنگ کی مکمل تفصیل موجود ہے" میں نے اسے آگاہ کیا "کراچی سے واشنگٹن ڈی سی کا ڈائلنگ کوڈ ڈبل زیرو ون ٹو زیرو ٹو ہے۔ دونوں کے بلوں

میں اس کوڈ کے ساتھ دو نمبر موجود ہیں۔ یقینی طور پر وہ رابن مائر کے ہی نمبر ہو سکتے ہیں۔"

"اور رستم کے نمبروں سے ایران کے لیے متعدد کالز کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں سے بعض کا دورانیہ دس پندرہ منٹ سے بھی زیادہ ہے۔" اول خان نے میرے خاموش ہوتے ہی لقمہ دیا۔

"وہ تفصیلات تم اپنے ساتھ لائے ہو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"کیوں؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کیا "کیا تمھیں وہ ریکارڈ نہیں مل سکا؟"

"کل ہی تو بات ہوئی تھی" اس کے لہجے میں ہلکی سی خفت تھی "پی آئی اے سے آنے والی ڈاک ارجنٹ ہونے کے باوجود کبھی کبھی دیر سے ملتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کراچی سے پیکٹ روانہ کردیا گیا ہو اور وہ راستے میں ہو۔ وہ نقلیں مل سکیں تو آج کئی مرحلے سر ہو جائیں گے۔"

"بلوں کا لفافہ میرے بریف کیس میں موجود ہے" اول خان نے اسے دلاسا دیا "اترتے ہوئے میں وہ تمھیں دے دوں گا۔"

"آج بہت سے چشم کشا حقائق سامنے آئے ہیں جو ٹیپ کرلیے گئے ہیں۔ وہ بل ان کی تصدیق کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اوپر آیا ہوا سفارتی دباؤ جلد از جلد ختم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اتنا مواد سامنے آجانے کے بعد ہمارے ڈی جی امریکیوں سے ملاقات کا فیصلہ کرلیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے ڈائریکٹر جنرل سمیت کوئی بھی حکومتی عہدے دار براہِ راست غیر ملکی سفارتی افسروں سے نہیں مل سکتا۔ کیا یہ بندوبست آج ہی ہو جائے گا" میں نے پوچھا۔

"ایسے معاملات میں دفتر خارجہ رابطے کا کام کرتا ہے۔ یہ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ وہ لوگ کسی تاخیر کے بغیر میٹنگ طے کرلیں گے۔ امریکی بھی ہمارا مؤقف جاننے کے لیے سخت مضطرب ہیں۔"

"ان کا اضطراب قابلِ فہم ہے۔ رابن مائر کی موت نے انہیں بہت نازک امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ظاہری شواہد اس کے خلاف ہیں۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہمارے پاس اور کیا مواد ہے۔"

"پنڈت نے اپنی خاموشی ختم کردی ہے۔ اگر بیان کا دوسرا حصہ سننے سے پہلے اسے کسی بہتر مقام پر منتقل کردیا جائے تو وہ بالکل ہی رام ہو سکتا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے زبان کھولی "جب تک اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کرلیا جاتا' وہ ہمارے کام آتا رہے گا۔"

"یہ اندازہ ہو گیا ہے" جلال نے سہلا کر اس کی تائید کی "تمھیں بلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ پرانی باتیں دہرانے پر آمادہ ہو جائے مگر اس نے نئے عقدے کھولنے شروع کردیے۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں اب بھی کیا' کیا محفوظ ہوگا۔"

"وہ کھل کر پاکستان سے اپنی نفرت کا اظہار کرچکا ہے۔" میں نے کہا "اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ کسی اجرت کے بغیر رابن مائر کے لیے کام کررہا تھا۔ ایسے غدار کا صرف ایک ہی انجام ممکن ہے۔ اس کا کام پورا ہونے کے بعد اسے جلد از جلد کیفرِ کردار کو پہنچ جانا چاہیے۔"

وہ صبح تڑکے کا وقت تھا اور پورا اسلام آباد سویا ہوا تھا۔ سیاہ کار دو رویہ شاہراہِ کشمیر پر تیزی سے دوڑتی رہی۔ اس سڑک پر دور دور تک کسی گاڑی یا متنفس کا نام ونشان نہیں تھا۔

ویسے پنڈی اور اسلام آباد کو ایک دوسرے کا جڑواں شہر کہا جاتا ہے مگر مزاج میں دونوں شہر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ پنڈی پر عسکری طرزِ معاشرت کا غلبہ ہے اس لیے وہاں کے باسی سحر خیز ہیں۔ موسم کے سرد وگرم کی پروا کیے بغیر منہ اندھیرے روزی کی تلاش میں نکلنے کی تیاریاں شروع کردیتے ہیں جب کہ اسلام آباد میں زندگی کی چہل پہل ذرا دیر سے ہوتی ہے۔

شاہراہ کشمیر سے ہماری گاڑی میونسپل روڈ پر مڑ گئی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ پوری رات کالی کرنے کے بعد جلال ہم دونوں کو کہاں چھوڑنے والا تھا۔

میونسپل روڈ کچھ دور سیدھی چل کر خود بہ خود داہنی طرف مڑ جاتی ہے۔ وہاں ہم سنداسی روشنیوں میں لپٹے ہوئے ویران جنرل پوسٹ آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے مارکیٹ روڈ پر نکل آئے۔ تیز روشنی میں نہائی ہوئی وہ خالی سڑکیں خواب ناک منظر پیش کررہی تھیں۔

مارکیٹ روڈ شالیمار مرکز کے سامنے سہ راہے کی صورت میں آغا خان روڈ پر ختم ہو گئی۔ وہاں سے ہماری گاڑی داہنی طرف گھومی تو میں دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لے کر رہ گیا۔

میری توقع کے عین مطابق آغا خان روڈ پر واقع ہالیڈے ان پر ہمارے سفر کا خاتمہ ہو گیا۔ دنیا کے ہر بڑے ہوٹل کی

طرح وہاں بھی تھکا تھکا عملہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے موجود تھا۔

پورٹر کے اٹھانے کے لیے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ میں نے اپنا تھیلا کندھے پر لٹکایا' اول خان نے بریف کیس اٹھایا اور ہم جلال کے ساتھ ہوٹل کی روشنیوں میں ڈوبی ہوئی پرشکوہ عمارت میں داخل ہوگئے۔ جلال نے کاؤنٹر پر ہمارے نام بتاکر چابیاں طلب کیں تو معلوم ہوا کہ پانچویں منزل پر دو متصل کمرے ہمارے لیے پہلے سے محفوظ کرالیے گئے تھے۔

وہ عالی شان ہوٹل آج بھی اسی مقام پر موجود ہے لیکن نئے انتظامات کے تحت وہ ہوٹل میریٹ میں تبدیل ہوچکا ہے۔ اس کی ہر شام بہت رنگین اور دلکش ہوتی ہے۔ شہر بھر کے آسودہ حال بے فکرے اپنی بیشتر شامتیں اسی کے مختلف حصوں میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔"

اس وقت جلال پر ہماری احسان مندی اور مہمان داری کا بھوت سوار تھا۔ اول خان نے نیچے ہی فون بلوں والا لفافہ اس کے حوالے کرکے اسے رخصت کرنا چاہا لیکن وہ ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچائے بغیر واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

سامان نہ ہونے کے باوجود ایک پورٹر سائے کی طرح ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا کل بوجھ ہمارے کمروں کی دو چابیوں پر مشتمل تھا۔

پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ایسے خوب صورت کمرے میں لمبی نیند لینے کے لیے کراچی سے وہاں تک کا سفر مہنگا نہیں تھا۔

"اب تم دونوں لمبی تان کر آرام کرو" جلال نے مشورہ دیا "تمہارے دروازوں پر نو ڈسٹربنس کے ٹیگ لگادیے جائیں گے۔ اب بارہ بجے رحمان تمہارے پاس آئے گا۔"

اس یقین دہانی کے بعد جلال فوری طور پر واپس ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ہمیں ہوٹل کے کمروں تک پہنچادیا تھا لیکن اس کے لیے بہت سا کام باقی تھا۔

کشادہ اور بے داغ بستر دیکھ کر میری پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ اول خان پہلا کمرا مجھے سونپ کر اپنے بریف کیس سمیت برابر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے اپنے ٹریول بیگ میں سے شب خوابی کا لباس نکال کر کپڑے تبدیل کیے اور نائٹ لیمپ کے سوا تمام روشنیاں گل کرکے بستر پر ڈھیر ہوگیا۔

اپنی نیند پوری کرکے میں خود ہی بیدار ہوا تھا۔ عقبی کھڑکی پر کھنچے ہوئے دبیز پردے کی وجہ سے کمرے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ رات بلکہ صبح سویرے والا سماں جوں کا توں برقرار تھا لیکن میرے سرہانے رکھی ہوئی رسٹ واچ دس بجنے کا اعلان کررہی تھی۔

نہایت اطمینان سے ترو تازہ ہونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اول خان عرف اظہر خان کے بارے میں سوچا۔ اگر دس بجے تک میری نیند پوری ہوچکی تھی تو اسے بھی بیدار ہونا چاہیے تھا۔ میں نے انٹر کام پر اس کے کمرے کا نمبر ملایا تو وہ مصروف تھا۔

اپنا کمرا مقفل کرکے میں نے پڑوس والے دروازے پر دستک دی اور اندر سے اول خان کی آواز سن کر دروازہ کھول لیا۔ وہ مجھ سے پہلے تیار بیٹھا تھا اور فون پر اپنے کسی آدمی سے بات کررہا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر سنگل صوفے میں دھنس گیا۔ شاید میری وجہ سے اس نے جلد ہی گفتگو ختم کردی اور میری طرف متوجہ ہوکر بولا "رات کو میرے آدمیوں نے ان تینوں میں سے ایک کو پکڑ لیا تھا اور اس کو بری طرح مارا ہے۔ پٹنے کے بعد اس نے بتایا ہے کہ وہ تینوں اپنے استاد داؤد کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تھے۔ داؤد ان سے الگ تھلگ رہ کر اشاروں کنایوں سے ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسی کے ایما پر وہ میرے آدمیوں کے پیچھے ریستوران میں گئے تھے۔ وہ آخر تک وہیں تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ تعاقب کے بعد انہیں کیا کرنا تھا" میں نے پوچھا۔

"یہ سب کراچی پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا۔ فی الحال میں نے انہیں داؤد کے پیچھے لگادیا ہے۔ ہماری واپسی تک اسے بھی اسٹیشن فور پر موجود ہونا چاہیے۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک جارہا ہے مگر اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ناشتے کا ہے۔"

وہ مسکرادیا "میں معلوم کرچکا ہوں۔ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال بند ہوچکا ہے۔ ہمیں روم سروس سے رجوع کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا لینا پسند کروگے۔"

"جو چاہو منگوالو اور جلال کو بھی اطلاع دے دو کہ ہم مقررہ وقت سے پہلے بیدار ہوچکے ہیں۔"

اول خان نے روم سروس والوں کو آرڈر دیا اور پھر خود ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

جلال اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ "ان تک اطلاع پہنچادو کہ ہوٹل سے اظہر خان کا فون آیا تھا۔ یہ بہت اہم اور ضروری معاملہ ہے" پیغام دے کر اس نے فون بند کردیا۔

ناشتے سے پہلے ہی رحمان ہمارے پاس آپہنچا۔ ائرپورٹ پر اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے بہت تپاک اور بے تکلفی سے ہمیں اپنے شہر میں خوش آمدید کہا اور بتایا کہ جلال اچانک بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ اس نے اظہر خان اور مظہر خان کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیا ہوا تھا۔ اس کے پی اے نے اول خان کا پیغام فوراً ہی رحمان تک پہنچا دیا۔ اس کا دفتر ہوٹل سے بہت قریب تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے ہوٹل پہنچ گیا۔

اول خان کے بے تکے آرڈر کی وجہ سے دو آدمیوں کے لیے آنے والا ناشتا ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ صرف ایک پیالی کے اضافے سے رحمان بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح چھ بجے سے دفتر پہنچا ہوا تھا۔ اسے بھاگ دوڑ کی وجہ سے چائے کی ایک پیالی تک پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"آخر اس طرح ہلکان ہونے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اول خان نے ناشتے کے دوران میں رحمان سے پوچھا "مجرم تمہارے قبضے میں ہے' تعاون پر آمادہ ہو چکا ہے پھر تم کیوں بھاگتے پھر رہے ہو۔"

"کسی کو امید نہیں تھی کہ پنڈت منوہر لال آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ ہو سکے گا۔ مایوسی کی وجہ سے بہت سی ضروری کارروائیاں ادھوری چھوڑ دی گئی تھیں" رحمان نے بتایا "تمہارے پہنچنے کے بعد ایک دم پانسہ پلٹ گیا ہے۔ سات بجے ہمارے ڈی جی نے خود پنڈت سے ملاقات کی ہے۔ کسی پوچھ گچھ کے ارادے کے بغیر وہ صرف یہ دیکھنے گئے تھے کہ پنڈت اب کس موڈ میں ہے۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے ڈی جی کو اس کے اعترافات سننے کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ حکومت کی ایک ذمے دار شخصیت کے سامنے اس کا بیان لیا جائے گا۔ سب کی متفقہ رائے ہے کہ پنڈت کو بار بار چھیڑا گیا تو وہ بدک جائے گا۔"

"سب کچھ ایک مرتبہ ہو جانا چاہیے" میں نے اس سے اتفاق کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ رستم اور پنڈت کے معاملے کو اس قدر طول کیوں دیا جا رہا ہے۔ دو اور دو چار کی طرح ہر بات بالکل سامنے ہے۔ فیصلہ کر کے ذرا سی دیر میں کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔"

"بڑے فیصلوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے روٹین کا حصہ ہیں۔"

"شام کی کسی پرواز سے ہماری روانگی کا بندوبست کر دو"

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا "اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ رستم کے انسانی حقوق کا قضیہ کس نے اٹھایا تھا؟"

"کوئی اکرم الٰہی ہے۔ وہ کراچی میں ہی رہتا ہے لیکن اس کا باقاعدہ دفتر خیابانِ قائداعظم پر بلیو ایریا کی ایک عمارت میں ہے" رحمان نے بتایا۔

"تو وہ کوئی پاکستانی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "جلال نے تو کسی بین الاقوامی ادارے کا ذکر کیا تھا۔"

"اس کا دفتر انسانی حقوق کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا مقامی حصہ ہی ہے۔"

"اکرم الٰہی فریڈم انٹرنیشنل کی پاکستانی شاخ کا چیئرمین ہے۔ فریڈم انٹرنیشنل یہاں این جی او کے طور پر کام کر رہی ہے۔"

"غیر سرکاری تنظیمیں کسی نہ کسی کی امداد سے چلتی ہیں۔ اسے کہاں سے فنڈز ملتے ہیں؟"

"ایسے اداروں کو برائے نام سرکاری امداد ملتی ہے۔ بڑی بڑی رقمیں بیرونی امداد کی صورت میں آتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ سرکاری ذرائع سے تقسیم ہونی چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اکرم الٰہی کو بھی کہیں سے رقم مل رہی ہو۔"

"شاید تمہیں اس طرف توجہ دینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو پھر ہم اسے وہیں دیکھیں گے۔ رستم جیسے غدار اور سازشی کے حق میں آواز اٹھانے والا نیک نیت نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے لوگ مضبوط پشت پناہی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ احتیاط سے دیکھنا ہو گا کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ ان کے کیا مقاصد ہیں اور وہ کس سمت میں جا رہے ہیں؟"

"وہ جو کچھ بھی ہو' رستم اور رابن مائر سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ جب ان دونوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے تو اکرم کس گنتی میں ہے؟" مجھے ہلکا سا تاؤ آگیا۔

"رستم اور رابن بے شک مار دیے گئے بلکہ رستم نے تو کھلی خود کشی کی ہے مگر ان واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں فیصلوں میں تاخیر کا سبب بن رہی ہیں۔ ایک وقت میں کئی محاذوں پر لڑنا دانش مندی نہیں ہے۔ موجودہ گرد دب جائے تو اکرم کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' کیا ان لوگوں پر غلط ہاتھ ڈالا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بہترین فیصلے تھے" رحمان نے جلدی سے کہا "اسی لیے ہر شخص حالات سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ ہم لوگ کسی حکومت کی مجبوریوں کو نظرانداز کر کے من مانے فیصلے نہیں کر سکتے۔"

اول خان نے مجھے اشارہ کر کے کہا "قانونی اداروں کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں امریکا اور روس کی حکومتیں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنی سرزمین پر دشمن کے ایجنٹوں کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھیں۔ ایسی برداشت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو دو طرفہ خونریزیوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

اول خان کی وضاحت سے رحمان کو سہارا مل گیا "میرا نکتہ بالکل یہی تھا۔ رابن مائر کی حرکتوں کے باوجود یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ وہ ایک سفارتی مہمان بن کر یہاں آیا تھا اور اس کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔ اس کے جرائم اور بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کے انجام پر رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنا پڑے گا۔ قانون سے ماورا خوں ریزی پر مذمت کا اظہار بین الاقوامی اخلاقیات کا حصہ ہے۔"

"رابن کے خلاف تمہارے مہیا کیے ہوئے ثبوت جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے، تعزیتی بیان اسی قدر ہلکا اور نرم ہوتا چلا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"ہم ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سب کی بھاگ دوڑ ان مربوط کوششوں کا ایک حصہ ہے" رحمان نے کہا "ہم اپنی ذمے داری کم سے کم رکھنی چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں کیوبا کے فیڈل کاسترو کی مثال دیتا ہوں۔" اول خان نے کہا "وہ شاید روئے زمین پر امریکیوں کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص ہے۔ سی آئی اے اس پر متعدد قاتلانہ حملے کروا چکی ہے جو سب کے سب ناکام رہے۔ اگر وہ آج کسی دہشت گردی کا نشانہ بن جاتا ہے تو میری بات لکھ لو کہ غیر سرکاری طور پر امریکا میں جشن منایا جائے گا مگر امریکی صدر اس کے لیے تعزیتی بیان جاری کرے گا جس میں دہشت گردی کی مذمت پر زور ہوگا۔"

اوّل خان میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ فکر بھی تھی کہ میں کہیں رحمان سے الجھ نہ پڑوں۔ ایسی کسی صورت کو ٹالنے کے لیے اس نے نہایت بھونڈے انداز میں کیوبا کے صدر کا ذکر چھیڑا تھا جو میں نے خاموشی سے سن لیا۔ اس پر میرا کوئی تبصرہ لاحاصل تھا۔

اس ہلکی سی تکرار کے بعد ہم نے خاموشی سے ناشتا ختم کر لیا۔

"آؤ! اب دفتر چلتے ہیں" ناشتا کر کے رحمان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"دفتر میں ہمارا کیا کام ہے؟" میں نے پوری سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کام ہے بھی اور نہیں بھی" رحمان مسکرایا "تم ہمارے مہمان بن کر اسلام آباد آہی گئے ہو تو ہمارے ڈی جی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جلال نے ہمیں بارہ بجے تک سونے کی آزادی دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ متوقع ملاقات ایک بجے کے لگ بھگ ہی ہو سکے گی" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔

"شاید اتنا وقت ہو جائے گا" رحمان نے میری تائید کی "گپ شپ میں یہ وقت آرام سے گزر جائے گا۔"

"ہمیں ساتھ لے جا کر تم بندھ جاؤ گے۔ آج تم لوگ ویسے ہی کام کی زیادتی کے شکار ہو۔ ہم ہوٹل میں رہیں گے۔ ڈی جی آجائیں تو تم آکر ہمیں دفتر لے جانا۔"

"یہ نہیں ہوگا" رحمان اڑ گیا "کام روز ہوتا رہتا ہے۔ تم روز یہاں نہیں آؤ گے۔ تمہیں میرے ساتھ دفتر چلنا ہوگا۔ بور ہونے لگو گے تو ہوٹل واپس لے آؤں گا۔"

مزید انکار اس کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا کر سکتا تھا۔ میں بھی اٹھ گیا۔

ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں رحمان کی گاڑی موجود تھی۔ ہم آغا خان روڈ سے کانسٹی ٹیوشن ایونیو پر مڑے اور ذرا سی دیر میں کیبنٹ بلاک کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ دربان نے رحمان کو دیکھ کر سلاخ دار گیٹ کھول دیا اور ایک قریبی حصے میں گاڑی پارک کر دی۔

کیبنٹ بلاک کے ابتدائی حصے میں چند کمرے آئی بی کے لیے مخصوص تھے۔ رحمان نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے اشارے سے اپنے سربراہ کے دفتر کی نشان دہی کی اور پھر ایک کمرے میں گھس گیا۔

اس کا کمرا سادہ اور پروقار تھا۔ اس نے بتایا کہ اس بلاک میں آئی بی کے ڈی جی اور چند افسران ہی بیٹھتے تھے۔ دوسرے دفاتر کسی اور بلاک میں واقع تھے۔

رحمان نے اپنی میز سنبھالی ہی تھی کہ اس کے اسٹینو فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے اپنے ماتحت سے کچھ پیغامات سنے، چند نمبر ملانے کی ہدایت کی اور پھر اپنی میز پر رکھا ہوا کمپیوٹر آن کر دیا۔

"اس بلاک میں شاید ملک کے حسّاس ترین دفاتر سمٹے

ہوئے ہیں" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔
"ہاں... اسے تم حکومت کا اعصابی مرکز بھی کہہ سکتے ہو۔ صدر اور وزیر اعظم کی طرف سے تقرریوں اور تبادلوں کے سارے احکام اسی بلاک کے ایک حصے سے جاری ہوتے ہیں۔ ہم لوگ یہاں بیٹھتے ہیں اس لیے تم ہمیں بھی تھوڑی بہت اہمیت دے سکتے ہو۔"
"شاید جلال بھی دفتر میں نہیں ہے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔
"جلال اور ڈی جی دونوں غائب ہیں۔ جب تک ان میں سے کوئی واپس نہیں آجاتا، مجھے دفتر میں رہنا ہے۔" رحمان نے مجھے بتایا "دفتر میں ایک نہ ایک ذمے دار آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔"
"تم ہوٹل میں ہمارے پاس تھے تو یہاں کوئی نہیں تھا جب کہ آج کا دن بہت اہم ہے۔"
اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور وہ ہنستے ہوئے بولا "پیغام نوٹ کر لیے گئے تھے۔ اب میں نے وہ کالز لوٹانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔"
وہی ہوا۔ وہ ریسیور رکھتا تھا اور اس کا ماتحت فوراً ہی دوسرا نمبر ملا دیتا تھا۔ فون پر گفتگو کے دوران میں رحمان نے کئی مرتبہ کی بورڈ کو چھیڑ کر مانیٹر کی اسکرین پڑھ کر کسی کو کچھ بتایا اور اسکرین کو دوبارہ اس کی ابتدائی حالت میں لوٹا دیا۔
ڈیڑھ بجے تک وقفے وقفے سے فون آتے رہے۔ اس دوران میں ہماری باتیں بھی چلتی رہیں۔ رحمان کو باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ہمیں بور نہیں ہونے دیا۔
ہم اس کے دفتر میں چائے کی دوسری پیالی پی رہے تھے کہ جلال وہیں آپہنچا۔
"وہ مرحلہ بہت خوبی سے نمٹ گیا" جلال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اس وقت پنڈت منوہر لال موم کی ناک بنا ہوا ہے۔ وہ تم دونوں کو یاد کر رہا تھا۔"
"مجھے خوشی ہے کہ ہماری یہاں تک کی دوڑ رائیگاں نہیں گئی" اول خان نے مسرت سے کہا "شام کو یہاں سے واپس جاتے ہوئے ہمارے دل بڑھے ہوئے ہوں گے۔"
میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ دونوں آپس میں بہت بے تکلف تھے مگر جلال ان میں سینئر تھا۔ رحمان اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"تو کیا تم شام کو واپس جانے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔
"جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں میرے کچھ ضروری کام ادھورے ہیں جن کی دیکھ بھال کے لیے کراچی میں میری موجودگی ضروری ہے" اول خان نے کہا۔
اسی وقت رحمان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور اٹھا کر اس نے بہت مؤدب لہجے میں وقفے سے تین چار بار یس سر، یس سر کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔
جلال کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں "ڈی جی صاحب ان دونوں کو تمہارے ساتھ بلا رہے ہیں۔" رحمان نے کہا "انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔"
"آؤ! اچھا ہے کہ یہ ملاقات اسی وقت ہو جائے۔ تین بجے امریکی سفارت کاروں کے ساتھ اجلاس شروع ہو جائے گا۔ پتا نہیں وہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔"
ڈی جی کا دفتر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں اس کا پی اے اور گن مین بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر جلال نے اندھے شیشوں والے پارٹیشن میں موجود دروازے پر انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے پیچھے ہم نے پیش قدمی کی تھی کہ بڑی سی چوبی میز کے پیچھے سے بھاری جسم اور پختہ عمر کا ایک وجیہہ شخص نکل کر ہمارے استقبال کے لیے آگیا۔
جلال نے ہم تینوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ اس نے اپنے رتبے کو بھلا کر بہت فراخ دلی سے ہمارے لیے توصیفی کلمات ادا کرتے ہوئے تپاک سے ہاتھ ملائے اور ہمیں کرسیاں پیش کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ اس کی کرسی کے پیچھے، دیوار پر قائداعظم کی بڑی تصویر آویزاں تھی۔
"میں نے کئی میٹنگز میں تم دونوں کا ذکر سنا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ پاکستان میں آج بھی ایسے بے لوث اور فرض شناس شہری موجود ہیں جو ملک کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ جلال نے مجھے جو بریفنگ دی ہے وہ حیران کر دینے والی ہے۔ مگر ریکارڈ میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے" اس نے کہا۔
"میں اس عزت افزائی کے لیے آپ کا ممنون ہوں" خواہش کے باوجود میں عقابی آنکھوں اور سفید وسیاہ بالوں والے شخص کے لیے تم کا صیغہ استعمال نہیں کر سکا "آج شام ہم واپس جا رہے ہیں۔"
"کیوں؟" ڈائریکٹر جنرل نے جلال سے سوال کیا "انہیں آج ڈنر پر مدعو کیوں نہیں کرتے؟"
"سر! ان کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ کراچی میں اپنے کام

ادھورے چھوڑ کر آئے ہیں" جلال نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کے اجلاس کے بعد میرا ڈنر کا ہی پروگرام تھا۔"

اس دوران میں' میں تیزی سے اس دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ ڈی جی کے پاس بھی کمپیوٹر موجود تھا۔ ایک الماری میں فلا پیز قطار در قطار لگی ہوئی تھیں مگر اسی کے ساتھ فائلوں سے مفر نہیں تھا۔ قالین پر ایک طرف فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ پارٹیشن میں لگا ہوا اندھا شیشہ یک رخ تھا۔ باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ڈی جی کے کمرے میں سے باہر کی ہر تفصیل نظر آ رہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ رابن مائر کے ساتھ کرسٹوفر نامی میرین گارڈ بھی پنڈت کے گھر رہ گیا" اس نے قتل اور موت جیسے الفاظ سے پرہیز کرتے ہوئے کہا "کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رابن کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کر کے وہاں لے جایا گیا تھا۔"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ ڈی جی کے ان فقروں میں ویرا کی کارروائی کا ذکر تھا کیونکہ پورچ میں پہرہ دینے والے گارڈ کو اسی نے اپنے بے آواز ریوالور کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہم لوگ آج صبح سے مصروف رہے ہیں" ڈی جی قدرے توقف کے بعد معذرت کر رہا تھا "تمہارا کام ختم ہوتے ہی ہمارا کام شروع ہو گیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ میری خواہش تھی کہ کام کے اس دباؤ سے نکل کر ہم کو ایک ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے اور ہم ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔"

"زندگی رہی تو یہ موقع ضرور آئے گا۔۔۔ ہاں' اگر آج کے اجلاس میں ہماری شرکت کی کوئی گنجائش ہو تو اس کے لیے دوسرے کام نظر انداز کیے جاسکتے ہیں۔"

ڈی جی کے بھرے بھرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہاری شرط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ روانگی ملتوی ہو سکتی ہے' ہمیں مل بیٹھنے کی فرصت میسر آسکتی ہے۔"

"نو سر!" اول خان اضطراری انداز میں بول پڑا "پتا نہیں ڈینی نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ ہماری واپسی ضروری ہے۔ ڈینی مناسب سمجھتا ہے تو رک جائے۔ میں اجازت چاہوں گا۔"

مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ ڈی جی کے چہرے پر دوبارہ سنگلاخ سنجیدگی طاری ہو گئی "ہمارے اجلاس خفیہ ہوتے ہیں۔ پچھلے نقصانات کی روشنی میں' میں نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ ہمارے کسی باضابطہ اجلاس میں باہر کا کوئی آدمی شریک نہیں ہو گا۔ آئی ایم سوری مائی ڈیر ڈینی! میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں۔ تم اپنی محنت کا آخری ثمر دیکھنا چاہتے ہو۔ ان کی جھکی ہوئی نظریں' عرق آلود پیشانیاں اور بوکھلائے ہوئے چہرے دیکھنا چاہتے ہو' بے ربط دلیلیں اور بے مغز حیلے سننے چاہتے ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم تھا۔ اسی لیے میں نے یہ شرط تجویز کی تھی۔ میری واپسی بھی ضروری ہے۔"

دفتر کا باوردی اردلی چائے اور اس سے متعلقہ لوازم سے لدی ہوئی ٹرے لے آیا۔ شاید ڈی جی نے پر تکلف چائے کے لیے پہلے ہی کوئی ہدایت جاری کر دی تھی۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی سر! ہم نے تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کیا ہے۔" اول خان نے سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا حالانکہ ہمیں ناشتا کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔

"یہ لنچ کا وقت ہے۔" وہ وال کلاک پر نظریں دوڑا کر بولا "مگر مجبوری ہے کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ تین بجے مجھے دفتر خارجہ پہنچنا ہے۔ اجلاس کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ ان کی ٹیم کی سربراہی قائم مقام سفیر کر رہا ہو گا۔ اجلاس کی میزبانی دفتر خارجہ کے ایڈیشنل سکریٹری کریں گے۔"

"مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہو رہا ہے کہ ایسے واقعات کے نتیجے میں متعلقہ محکموں پر کتنا کڑا وقت آجاتا ہے۔ ایک آدمی کی موت نہ جانے کتنے افراد کے اعصاب ہلا کر رکھ دیتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر اولی اور رستم کی باہمی چپقلش کی کہانی درست ہے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اولی کے ساتھ وہ حادثہ نئی دہلی میں پیش آیا۔ وہ واقعہ بالکل اسی طرح یہاں رونما ہو جاتا تو نہ جانے کیا کچھ ہو سکتا تھا۔۔۔ دشمنوں کے بارے میں ہم بھی بہت کچھ منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں لیکن جب اپنے کسی اقدام کے دور رس نتائج کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں پسپائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔" ڈی جی نے کہا۔

"اگر یہ ہمارے لیے کوئی ڈھکی چھپی ہدایت ہے تو میں اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میرے الفاظ میں تمہارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا۔ تم فری لانسر ہو۔ اپنی مرضی سے فیصلے اور کام کرتے ہو۔ تم نے ہمیشہ پوری احتیاط اور ذمے داری سے کام کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ سراب گوٹھ کے نواح میں اپنے جنگی ہیلی کاپٹر اور متعدد تجربے کار کمانڈوز کی مکمل بربادی پر بھی وہ زیادہ واویلا نہیں کر سکے تھے۔ انہیں مدافعانہ لب ولہجہ اختیار کرنا پڑ گیا تھا۔"

”ان کے سی ون تھرٹی کے اغوا کا کیس بھی ایسا ہی تھا۔“ جلال نے لقمہ دیا ”وہ یہاں سے لاشیں لے کر گئے تھے۔ کیسے الزام لگاتے کہ ان کے جہاز کو ایک پاکستانی نے اغوا کیا ہے۔ وہ تو خود ایک تابوت میں اس پاکستانی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ یہ ان کے نصیب کی خرابی تھی کہ وہ پاکستانی تابوت سے نکل کر جہاز پر قابض ہو گیا۔“

”تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔“ میں نے جلال سے کہا ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کی اتنی باریکیاں تم لوگوں کے علم میں آسکی ہوں گی۔“

”وہ کون تھا جسے انہوں نے برفانی تابوتوں میں بند کر لیا تھا؟“ ڈی جی نے دلچسپی سے پوچھا۔

”میرا دست راست سلطان شاہ تھا۔“ میں نے کہا ”وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ میں بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے سلطان شاہ کو گھر سے اٹھا لیا۔“

”میرے دل میں تم لوگوں کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔“ اس نے خلوص سے کہا ”تمہاری ذات سے بہت سے واقعات منسوب ہیں مگر ان میں اہم ترین قصہ گیپ کے اصل کاغذات امریکا سے نکال کر یہاں پہنچانے کا تھا۔ وہ امریکا کے صدر اور مجرموں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جس میں بیخ کنی کے لیے پاکستان، ایران اور افغانستان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کاغذوں نے ہمیشہ کے لیے امریکی عزائم بے نقاب کر دیے ہیں۔“

میرے دل کا زخم تازہ ہو گیا ”ان کاغذوں کے لیے میں نے امریکا میں بہت صعوبتیں جھیلی تھیں۔ کچھ روز غلغلہ رہا۔ پھر پتا ہی نہیں چل سکا کہ گیپ کا قصہ کہاں تحلیل ہو گیا۔“

”ان کاغذوں کی نقل ہمارے پاس موجود ہے۔ امریکیوں نے ان کاغذوں کی اصلیت سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تجزیے کے بہانے اصل کاغذ حاصل کر کے تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ایک پاکستانی وفد وہ کاغذ لے کر تہران گیا تھا۔ ایرانیوں نے ان کاغذوں کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ جب امریکی اس دستاویز کو اپنانے سے منکر ہیں تو کس بنیاد پر کوئی احتجاج کیا جائے۔ وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہو گیا۔“

”ہماری ساری محنت برباد ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ گیپ کی تشہیر سے دنیا بھر میں امریکا کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ جائے گی۔ وہ خوف زدہ ہو کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔“

”دنیا بھر میں کہیں سے مثبت جواب نہیں ملا۔ گیپ کے کاغذوں سے پہلے دنیا بھر میں خفیہ امریکی مراسلے پھیل چکے تھے کہ کچھ ناپسندیدہ پاکستانی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکا اور اس کے صدر کو بدنام کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ ہر حکومت نے ان نقول کو شبہے کی نظر سے دیکھا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔“

وہ واقعہ بہت پرانا ہو چکا تھا اور ایک خلش بن کر مجھے ستاتا رہتا تھا۔ اس نے چند فقروں میں اس کا انجام سنا دیا۔ امریکیوں نے پروپیگنڈے کے صیہونی فلسفے کے ذریعے سچ کو جھوٹ میں بدل ڈالا تھا۔

”جھوٹ شدت اور تواتر کے ساتھ بولا جائے تو کچھ عرصے بعد، بولنے والے کو بھی وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔“ میں نے تلخی سے کہا ”آج کے دور میں ایسے جھوٹ کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔“

”یہ نہ سمجھو کہ تم ناکام ہو گئے۔“ ڈی جی نے پر زور لہجے میں کہا ”ہمیں کسی سے کچھ نہیں لینا تھا۔ وہ فائل حاصل کر کے تم نے امریکا میں گیپ کا نفاذ روک دیا۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والی قوتوں کا گٹھ جوڑ ختم ہو چکا ہے۔ وہ ہمارے مفادات کے لیے بہت خطرناک تھا۔“

ڈی جی کے لیے اس گفتگو میں پیشہ ورانہ دلچسپی کے تمام عناصر موجود تھے۔ چائے ختم ہو گئی مگر وہ از خود گفتگو کو آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک میری نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی۔ سوئیاں دو سے آگے نکل چکی تھیں۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی ”دو بج چکے ہیں۔ آپ کی میٹنگ کا وقت قریب ہے۔ ہم چلتے ہیں۔“

اس مرتبہ وہ ہمارے ساتھ بیرونی کمرے کے دروازے تک آیا اور ہمیں گرم جوشی سے رخصت کر دیا۔

میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ جلال سے جہاز کی نشستوں کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا ”تم بے فکر ہو کر ہوٹل میں آرام کرو۔ تمہیں سات بجے والی پرواز سے واپسی کے ٹکٹ مل جائیں گے۔“

”کوئی ضرورت پڑ گئی تو تم سے کہاں رابطہ ہو سکے گا۔“ میں نے پوچھا۔

”ابھی میں ڈی جی کے ساتھ اجلاس میں چلا جاؤں گا۔ پتا نہیں وہاں سے کب واپسی ہوتی ہے۔ پانچ بجے دفتری عملہ بھی چلا جائے گا۔ رحمان میرے ساتھ ہو گا.... خیر میں کسی نہ کسی سے کہہ دوں گا۔ وہ ہوٹل میں تم سے خود ہی رابطہ کر لے گا۔“

رحمان ہمیں لے کر کیبنٹ بلاک سے نکلا اور ہوٹل پہنچا دیا۔ اس بار مجھے یا اول خان کو کچھ نہیں کہنا پڑا۔ وہ خود ہی

ہوٹل کے پورچ میں ہم سے مل کر واپس چلا گیا۔

پے در پے چائے کی کئی پیالیاں پینے کی وجہ سے عارضی طور پر اشتہا باقی نہیں رہی تھی لیکن وہ اسلام آباد کی صحت مند فضا کا اثر تھا کہ کمرے میں باتیں کرتے کرتے ہم دونوں کو بھوک کا احساس ستانے لگا۔

روم سروس کو انٹرکام پر کھانے کے لیے ہدایت دے کر میں نے آپریٹر سے کراچی میں اپنے گھر کا نمبر ملوا لیا مجھے یقین تھا کہ فون کوئی بھی اٹھائے' جب یہ پتا چلے کہ کال اسلام آباد سے آئی ہے تو ریسیور ویرا لے لے گی۔ آپریٹر نے نمبر ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو لائن پر ویرا ہی موجود تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آگیا۔" میری آواز سن کر ویرا فون پر چہکی "یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ کام ہوا ہے یا ابھی تک ہوٹل میں بڑے اینڈ رہے ہو۔"

"اس سے پہلے کہ آپریٹر کی کسی غلطی سے لائن ڈراپ ہو' ہاتھ بڑھا کر سی ایس ڈی آف کردو۔"

"وہ میں نے آپریٹر کی آواز سنتے ہی آف کردی تھی ورنہ لائن اسی وقت ڈراپ ہوجاتی جب آپریٹر بورڈ سے یہ لائن تم کو منتقل کر رہی تھی۔"

"تو کیا تم نے آپریٹر کی آواز سے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"آپریٹر دفتر کے بورڈ کی بھی ہوسکتی تھی۔ اس نے نمبر پوچھنے کے بعد خود بتایا تھا کہ مظہر خان ہالیڈے ان اسلام آباد سے بات کرنی چاہ رہے ہیں..... تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہم نے یہاں پہنچتے ہی اپنا کام کرلیا تھا۔ اب دوسرے کام ہو رہے ہیں۔"

"پھر واپسی کب تک ہو رہی ہے۔" ویرا نے عقل مندی کی کہ سی ایس ڈی بند کرنے کے بعد ینڈت کا نام لینے یا اس کے بارے میں زیادہ تفصیل کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ آج ہی کی کسی پرواز سے لوٹ آئیں۔ واپسی کا انحصار نشستوں کی دستیابی پر ہے۔"

"ایسی بھی کیا عجلت ہے۔ اگر مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے تو دو چار دن وہیں رک کے رہو۔ اسلام آباد کا موسم کراچی سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"

"ہماری روانگی سے پہلے کراچی میں کچھ کام نکل آیا تھا۔ اسے نمٹانا ضروری ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم جہاں بھی جاتے ہو' کام تمہارے پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔"

"فون پر یہ خرافات نہ بکو..... دوسروں کو بھی میرے متوقع پروگرام سے آگاہ کردینا۔"

"میرے ساتھیوں کو کسی مظہر خان کے پروگرام سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"دلچسپی ہو یا نہ ہو' تم اپنا فرض پورا کردینا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ.....!" میری بات کے جواب میں فون پر اس کی تحیر زدہ سی آواز ابھری "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فرضی کام کے بہانے تم اپنی مادہ سے ملنے کے لیے کراچی آرہے ہو..... اگر ایسا ہے تو میں تمہاری دل جوئی کے لیے اسے آج ہی اسلام آباد بھیج سکتی ہوں۔ اس کی بھی آب و ہوا تبدیل ہوجائے گی۔"

"اس بارے میں واپسی پر ہی بات ہوگی۔ تم ہمیں فون کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں تمہارے ساتھی کا نام بھول رہی ہوں۔ اسے تم کیا کہتے ہو۔" ویرا نے اول خان کے بدلے ہوئے نام کے بارے میں جاننے کی کوشش میں سوال کیا۔

"اظہر خان!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"خوب۔ وہ بھی تمہارا ہم قافیہ ہے۔ اظہر خان اور مظہر خان کی جوڑی قوالی میں نام پیدا کرسکتی ہے۔"

"تم ڈفر ہو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس کی زبان میں خارش شروع ہونے کی صورت میں وہ ایسی ہی بے سروپا باتوں میں گھنٹوں مصروف رہ سکتی تھی۔

"شاید تم نے غزالہ سے بات ہونے کی امید میں فون کیا تھا!" اول خان مسکرا کر بولا۔

"ویرا کی موجودگی میں ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ فون ملوانے سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ کال وہی ریسیو کرے گی۔ ایسے معاملات میں اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دستک دینے والے کو اندر بلالیا۔

کھانا لذیذ اور تازہ تھا۔ روم سروس کے ویٹر نے میز پر قابیں لگائیں تو کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر گیا۔ اس کے جاتے ہی ہم نے اشیائے خورونوش سے پورا پورا انصاف کرنا شروع کردیا۔

شکم سیر ہونے کے بعد اول خان ستانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر باہر نکل گیا۔ میں نے صبح رحمان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ ہوٹل

میں غیر ملکیوں کی خاصی آمدورفت تھی۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین کی بھی کافی تعداد تھی۔ کمرے میں پڑے رہ کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ ہوٹل کی لابی میں کسی مناسب جگہ پر قبضہ جما کر روز مرہ زندگی کے ان زندہ کرداروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

فیشن، دست کاری کے نازک نمونوں اور اشیائے ضرورت سے لدی ہوئی، شاپنگ آرکیڈ کی دکانوں کی سیر کے بعد میں لابی میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر فوراً ہی ایک ویٹر چمکتی ہوئی صاف ستھری ایش ٹرے لے کر آیا اور اسے میرے سامنے رکھی ہوئی استعمال شدہ ایش ٹرے سے تبدیل کر کے جانے لگا تو میں نے اسے چائے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے اپنے لیے جو گوشہ منتخب کیا۔ وہاں میز کے گرد پانچ آدمیوں کا گروپ بہت آرام سے سما سکتا تھا۔ چار نشستیں خالی تھیں جو زیادہ دیر تک خالی نہیں رہ سکیں۔

میں اپنے لیے چائے بنانے میں مصروف تھا کہ تیز خوشبو کے ایک جھونکے نے مجھے چونکا دیا۔ ایک بنی سنوری اور دلکش لڑکی دوسری خالی جگہوں کو نظر انداز کر کے میرے سامنے آبیٹھی تھی۔

گورے رنگ کی اس دراز قامت لڑکی کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر پختگی کے بجائے معصومیت رچی ہوئی تھی۔ وہ پرس اپنی گود میں لیے یوں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔

جب اس نے مجھ سے نگاہیں چار کرنے کی کوشش نہیں کی تو میں نے پوری توجہ اپنی چائے پر مرکوز کر دی۔ چائے گرم اور عمدہ بنی ہوئی ہو تو شکم پری کے بعد عجیب ہی مزہ دیتی ہے۔ ذائقے اور لذت میں وہ چائے ہر اعتبار سے بہترین تھی۔

میں چائے پیتے ہوئے بے مقصد اور آوارہ نظروں سے آنے جانے والوں کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اس لڑکی کی دھیمی اور مخمور سی آواز نے مجھے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

"سنیے! آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے پلکیں جھپکا کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ساڑھے تین۔" اسے وقت بتاتے ہوئے مجھے بے ساختہ خیال آیا کہ جلال کے باس کے اہم ترین اجلاس کا پہلا نصف گھنٹا گزر چکا تھا۔

"شکریہ!" اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ ذرا گہری ہوگئی "کیا آپ اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں!" اسے جواب دیتے ہوئے مجھے اپنی حماقت پر غصہ آگیا۔ لمبے اور بے تکے ٹیگ والی، کمرے کی چابی کو کسی بھی جیب میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ممتاز ہوٹلوں میں یہ اہتمام اس لیے کیا جاتا ہے کہ مہمان باہر جاتے ہوئے اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرانا نہ بھولیں۔ میں ہوٹل کی حدود سے باہر نہیں گیا تھا اس لیے چابی میرے ساتھ تھی اور میں نے اپنی اقامت کے اس اشتہار کو میز پر رکھا ہوا تھا۔

"اسی ہوٹل میں کوئی دلاور نان جی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ساڑھے تین بجے مجھے یہاں بلایا تھا۔" چند منٹ کے توقف کے بعد لڑکی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔

میں بڑے ہوٹلوں کی راہ داریوں اور طعام گاہوں میں بھٹکنے والی ان شکاری لڑکیوں سے بارہا ٹکرا چکا تھا جو پیشہ ور ہونے کے باوجود اتفاقی ملاقات کے بہانے، اپنی پسند کی کسی بھی اسامی سے مل بیٹھتی ہیں اور جاتے ہوئے اسے اچھی خاصی رقم سے محروم کرجاتی ہیں۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکا کر میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ میں نے آگے جھک کر دھیمی آواز میں پوچھا "تم دلاور نان جی کو پہلے سے جانتی ہو یا آج پہلی ملاقات ہے؟"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو۔" وہ تنک کر بولی "کیا کوئی شریف لڑکی کسی اجنبی کے ایک فون پر یوں دوڑی ہوئی ہوٹل آسکتی ہے؟"

"بہت سی شریف لڑکیاں تو جاننے والوں کے فون پر بھی نہیں آئیں گی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ میرے دوست ہیں۔ میں ان سے کمرے کا نمبر پوچھنا بھول گئی تھی۔"

"تم یہاں بیٹھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں اسی بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

"اوہ۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مضطرب نظر آنے لگی "اب میں کیا کروں۔"

میں دلچسپی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر کہا "یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر اس ہوٹل میں دلاور نان جی کا کوئی وجود ہے تو استقبالیہ والے ذرا سی دیر میں تمہیں اس کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔ اس کے لیے تمہیں مجھ جیسے اجنبیوں سے مشورے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے جواب پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھی اور پھر چمک دار فرش پر ایڑیاں بجاتی شاپنگ آرکیڈ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے میری طرف سے کوئی متبادل پیشکش نہ ہونے پر اس کا موڈ تباہ ہوگیا تھا۔

چائے کا بل ادا کرکے میں لفٹ کی طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جب تک میں وہاں بیٹھا رہوں گا، وہ لڑکی اپنی کسی دوسری کوشش کے لیے ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

ساڑھے پانچ بجے میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ جلال کے کسی آدمی نے ہم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ انٹرکام پر کاؤنٹر سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے لیے کوئی کال نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی دستک دے کر میرے کمرے میں آگیا۔

"سیٹ اور ٹکٹ کا کیا بنا؟" اس نے آتے ہی سوال کرکے میری تشویش میں اضافہ کردیا۔

"ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا "پانچ بج چکے ہیں۔ ان کا دفتر بھی بند ہوچکا ہوگا۔"

"جلال نے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی آدمی کو ہم سے رابطہ کرنے کی ہدایت کردے گا۔"

"آدمی نہیں آیا۔ لابی میں ایک لڑکی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔" میں نے کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جلال اپنا وعدہ بھول گیا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ اتنا غیر ذمے دار نہیں ہوسکتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ وہ غیر ذمے دار نہیں ہے لیکن آج اس کے سر پر اجلاس کا بھوت سوار تھا۔ افراتفری میں اسے ہمارا پروگرام یاد ہی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس سے تو یہ بہتر ہوتا کہ ہم خود ائرپورٹ پہنچ جاتے اور ٹکٹ خرید کر روانہ ہوجاتے۔ اب تو اس کا بھی وقت نہیں رہا۔ آج کی رات یہاں گزارنی پڑی تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔"

ہم دونوں بے بسی سے گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھتے دیکھ کر کڑھتے رہے۔ جب سوا چھ بج گئے تو میں نے روانگی کی آس چھوڑ دی۔

چند لمحوں بعد میرے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھالیا۔

"سر! آپ کے بورڈنگ کارڈز آگئے ہیں۔ میں نیچے آپ

کا انتظار کر رہا ہوں۔" انٹر کام پر ایک سخت اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

وہ پیغام اتنا عمدہ تھا کہ میں نے اسے کچھ سنانے کا ارادہ ترک کر کے ریسیور رکھ دیا۔

"جلدی نکلو۔ ٹکٹ کے بجائے بورڈنگ کارڈز ہی آگئے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ مہمان نوازی کبھی کبھی اسی طرح تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔" میں نے اول خان کو دھکیل کر کہا۔

گراؤنڈ فلور پر ہم لفٹ سے اترے تو قمیص شلوار میں ملبوس ایک منحنی سا ترش رو شخص وہیں ہمارا منتظر تھا اور ہمیں پہچانتا تھا۔ سلام کر کے اس نے ہمارے ہاتھوں سے بیگ اور بریف کیس لے لیے۔

ہوٹل میں شام کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ اس بھیڑ میں' میں خاموش ہی رہا لیکن جب پورچ میں ایک کنارے سے کھڑی ہوئی گاڑی میں ہمارے سفر کا آغاز ہوا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا "ہم چار بجے سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"سر! ٹکٹ تو میں نے تین بجے بنوا لیے تھے۔ سوچا کہ آپ آرام کر رہے ہوں گے۔ ائر پورٹ سے بورڈنگ کارڈز لے کر ہی چلوں گا تاکہ آپ کا زیادہ وقت برباد نہ ہو۔"

"ہمارے آرام کے چکر میں یہ پرواز نکل جاتی تو کیا ہوتا؟" اول خان غرایا۔

"سر! ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔" اس کی آواز میں معصومانہ بے چارگی سمٹ آئی "بورڈنگ کارڈز میرے پاس ہیں۔ جب تک آپ سوار نہیں ہوں گے' جہاز نہیں اڑے گا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی رسٹ واچ دیکھی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "چھ بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم ائر پورٹ پر ہوں گے۔ پھر بھی بیس منٹ بعد جہاز چلے گا۔"

ہمارے تفکرات اپنی جگہ تھے' اس کا حساب اپنی جگہ تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے وہ حساب پہلے نہیں کیا تھا ورنہ ہمارے پاس پہنچنے میں مزید بیس منٹ کی دیر کر دیتا۔

اسلام آباد ائر پورٹ پر اس نے سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی وی آئی پی لاؤنج کے قریب روکی تو اسی کے محکمے کا کوئی آدمی لپک کر ہماری طرف آیا' دروازے کھول کر پورے احترام سے ہمیں اتارا گیا اور نووارد نے سلام کر کے ہمارے دونوں عدد اٹھا لیے۔ ہمیں..... لانے والا پیشانی پر کوئی شکن لائے بغیر سلام کر کے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جانے سے پہلے اس نے ہمارے ٹکٹوں کے خالی کور اور بورڈنگ کارڈز نووارد کو دے دیے تھے۔

نیچی چھت والے ایر کنڈیشنڈ وی آئی پی لاؤنج میں متعدد اخباری نامہ نگار اور فوٹو گرافر ادھر اُدھر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کی عقبی دیوار کی طرف گئے۔ باہر ایک کار ہماری منتظر تھی۔ نووارد زمینی میزبان سے کارڈز کے بقیہ حصے لے کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم دونوں اس سے پہلے ہی عقبی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔

وہ سیڑھیاں طے کر کے ہمیں جہاز کے دروازے تک

وہ حد سے زیادہ ہی تخیل پرست ہے۔ اکیلا ہی سینما ہال میں جا بیٹھتا اور فرض کر لیتا کہ اپنی محبوبہ کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اپنے آپ سے سرگوشیاں کرتا رہتا اور خود ہی جواب بھی دیتا ہے۔ اپنا ہی ہاتھ پکڑ کر سہلاتا رہتا ہے... حتیٰ کہ کبھی حد سے بڑھنے لگے تو خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ بھی مار لیتا ہے۔

○☆○

پہلا سیلزمین:۔ تمہیں یقیناً سیلزمین کے طور پر کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔

دوسرا سیلزمین:۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

پہلا سیلزمین:۔ قیمتیں بتاتے وقت تمہارے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

○☆○

بٹ صاحب کی بیگم نے ایک روز بٹ صاحب سے شکوہ کیا "آپ مجھے گھمانے پھرانے نہیں لے جاتے۔"

"میں شادی شدہ عورتوں کو گھمانے پھرانے کا قائل نہیں ہوں۔" بٹ صاحب نے جواب دیا۔

چھوڑنے آیا۔ ہم جہاز میں سوار ہونے والے آخری مسافر تھے۔ ہمارے انتظار میں جہاز کا عملہ بہت مضطرب تھا۔ ہمارے پہنچنے پر فضائی میزبانوں کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا۔

ٹریفک کی وجہ سے ہمیں ائرپورٹ پہنچنے میں کچھ زیادہ وقت لگا تھا۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ جہاز کے انجن چل پڑے۔

مجھے اس روز پہلی بار تجربہ ہوا کہ وی آئی پی مسافر کیا ہوتا ہے اور اسے سفر سے پہلے کیا کیا رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہماری وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

طیارہ جب تک رن وے پر موجود رہا، میرا ذہن اسلام آباد کے معاملات میں الجھا رہا۔ آئی بی والے ذہین، مستعد اور معاملہ فہم لوگ تھے۔ انہیں پیچیدہ ترین معاملات کو نمٹانے کا گہرا تجربہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رابن مائر کی موت سے جنم لینے والے پہلو دار مسائل آخر کار پُرعزت انداز میں حل ہوجائیں گے۔

طیارہ رن وے چھوڑ کر فضا میں بلند ہوا تو میرا ذہن خود بہ خود کراچی کی طرف بھٹک گیا۔

"خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" طویل خاموشی کے بعد اول خان نے مجھے چھیڑا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ دفترِ خارجہ میں امریکیوں کے ساتھ ہونے والا اجلاس ختم ہوچکا ہوگا۔ نئے شواہد کی روشنی میں امریکی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے ہوں گے۔"

"میں کراچی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تمہارے آدمی ایک قیدی پر قناعت کیے بیٹھے ہوں گے یا انہوں نے داؤد پر ہاتھ ڈال دیا ہوگا؟"

"ان کے لیے داؤد پر ہاتھ ڈالنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ انہیں اس کا کوئی سراغ مل گیا تو وہ اسے قبر میں سے بھی نکال لائیں گے۔"

"ایسی صورت میں، میں ائرپورٹ سے اسٹیشن فور ہی جاؤں گا۔ ایک مرتبہ گھر چلا گیا تو وہاں سے واپس لمبی دوڑ لگانے کا موڈ نہیں بنے گا۔"

اول خان ہنس دیا "میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اپنے دفتر سے ہوتا ہوا گھر جاؤں گا۔ آج پشاور سے میرے بیوی بچے واپس آنے والے تھے۔ ان میں گھرنے کے بعد دفتر کل پر چلا جائے گا۔"

"تمہارے بچے آرہے تھے اور تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے" میں نے حیرت سے کہا "تم اسلام آباد کا پروگرام ایک دن کے لیے ملتوی کرسکتے تھے۔"

"میں آج کا کام کل پر ٹالنے کا قائل نہیں ہوں۔ ہمارے اس سفر کے نتائج دوررس ہوسکتے تھے۔ اسی لیے میں نے التوا مناسب نہیں سمجھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اسلام آباد میں مزید قیام کے لیے جلال کے باس کی ہر پیشکش کو رد کردیا۔"

"اب میں سمجھا کہ تم آج ہی کراچی واپسی پر کیوں زور دے رہے تھے۔"

"میری بیوی سمجھ دار ہے۔ ٹیکسی لے کر گھر آگئی ہوگی۔ میری اس سے زیادہ غیر حاضری ان سب کو گراں گزرتی۔ اب میں دونوں جانب سے سرخ روئی محسوس کررہا ہوں۔"

وہ فرض کو عبادت کا درجہ دینے والوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے گھر بار کو کبھی اپنے کاموں پر ترجیح نہیں دی تھی۔ میں اس کے اس عظیم جذبے کو صرف خراجِ تحسین ہی پیش کرسکتا تھا۔

کراچی میں لینڈنگ سے پہلے میں نے ایک عرصے کے بعد اس روشن شہر کا فضائی نظارہ کیا۔ جہاز جوں ہی بادلوں کے پردے چیر کر نیچے آیا، تاحدِ نظر روشنیوں اور روشن غبار کا ایک جال سا بکھرا ہوا نظر آنے لگا۔

ہمارے پاس دستی سامان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد ہم رکے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ چند منٹ بعد ایک ٹیکسی ہمیں اسٹیشن فور لیے جارہی تھی۔

رات کے اندھیرے میں اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ والے اول خان کو نہ دیکھ سکے۔ ٹیکسی رکنے پر جوں ہی ایک گارڈ قریب آیا، اول خان نے اونچی آواز میں اس سے کچھ کہا۔

گارڈ نے مستعد ہوکر اسی ناقابلِ فہم لہجے میں کوئی مختصر سی بات کہی اور رکاوٹ ہٹانے چلا گیا۔

"داؤد آچکا ہے!" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا اور مجھے بے اختیار رویرا کا ایک تازہ فقرہ یاد آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ کام میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسلام آباد کے بعد کراچی میں بھی بالکل وہی صورتِ حال تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ائیرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائز بانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن لور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ائیرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا‘ اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آٹوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آٹوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ منصوبے کے مطابق ہم سب ڈیفنس پہنچے تو اس علاقے میں دھوئیں اور شعلوں کے بادل دور سے نظر آ رہے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

گاڑی آگے بڑھنے کے ساتھ وہاں کی صورتِ حال قدرے واضح ہوگئی۔ بجلی کے تاروں میں کسی خرابی کے باعث کھمبوں پر نصب ایک ٹرانسفارمر جل رہا تھا۔ اس میں بھرے ہوئے تیل کے اخراج کے سبب فضا میں کثیف دھوئیں کے بادل بھرے ہوئے تھے۔ اس خرابی کی بنا پر آس پاس کا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا جس کی وجہ سے منظر کچھ زیادہ ہی گمبھیر نظر آرہا تھا۔

دور سے وہ سب دیکھتے ہی میرے ذہن میں سب سے پہلے اس اندیشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں ہماری مطلوبہ عمارت آگ کی زد میں نہ آگئی ہو مگر قدرے قریب پہنچتے ہی وہ اندیشہ رفع ہوگیا۔

بجلی کے کھمبوں پر آہنی سہاروں پر رکے ہوئے ٹرانسفارمر میں جلنے کے لیے تیل اور موٹے موٹے تاروں پر چڑھے ہوئے پی وی سی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب لوہے‘ المونیم اور تانبے کا ڈھیر تھا۔ وہ برقی آلات کی آگ تھی اس لیے خوف کی وجہ سے کسی نے اسے بجھانے کی کوشش نہیں کی‘ بس تماشائی دور کھڑے خوف اور حیرت سے سارا منظر دیکھتے رہے اور چند لمحوں بعد ہی شارٹ سرکٹ سے پیدا ہونے والے شعلے‘ چنگاریوں میں بدل کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ فضا میں دھوئیں کے ساتھ جلے ہوئے تاروں کی تیز بدبو باقی رہ گئی۔

سڑک سے جو راستہ سیدھا مائیکرو آٹوز کی طرف جاتا تھا۔ وہ بھیڑ کی وجہ سے مسدود تھا۔ حامد نے بھی تماشا دیکھنے کے انداز میں ٹویوٹا ایک کنارے سے لگا کر روک لی۔

”کیا ارادہ ہے؟“ اندھیرے میں اول خان کا سرگوشیانہ سوال گونجا اور میں چونک پڑا۔ اوورلوڈنگ یا شارٹ سرکٹ کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعے کے نظارے میں محو ہو کر ذرا سی دیر کے لیے میں بالکل بھول بیٹھا تھا کہ ہم لوگ اس وقت اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔

”ادھر بھیڑ ہے..... گاڑی آگے لے جاؤ۔ اندر کی گلیوں سے ہو کر ہم اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں۔“ میں نے عقابی نظروں سے قرب وجوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”اندھیرے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔“ ویرانے مجھے یاد دلایا۔

”کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں اس اندھیرے کو غیبی تائید سمجھ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

حامد اس دوران میں گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔ چند میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے جگہ نظر آگئی اور اس نے اپنی گاڑی بائیں طرف موڑ کر‘ مین روڈ سے توحید کمرشل کی حدود میں داخل کردی۔

گاڑی مڑتے ہوئے میں نے گردن گھما کر دیکھا تو سلطان شاہ کی گاڑی کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔

چند موڑ کاٹنے کے بعد ہم اندرونی تنگ سڑکوں سے گزرتے ہوئے مائیکرو آٹوز کے قریب پہنچ گئے۔ اس رخ پر پہنچنے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جلا ہوا پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر یا پی ایم ٹی مائیکرو آٹوز والی عمارت سے قدرے دور تھا۔ چنگاریاں وغیرہ گرنے کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھیڑ ان کھمبوں کے قریب سمٹ چکی تھی۔

حامد نے ایک خالی جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کی اور انجن بند کردیا۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ علاقے کی بیشتر دکانیں اور دفاتر وغیرہ بند ہو چکے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں میں جنریٹروں کے ذریعے روشنی بحال کی جارہی تھی۔ وہاں جتنی بھی بھیڑ تھی‘ وہ خورد ونوش کی دکانوں کے گاہکوں یا کمرشل ایریا کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی تھی۔ کچھ لوگ شاید اس حصے سے بھی دوڑے چلے آئے تھے جہاں برقی رو کی فراہمی کسی خلل کے بغیر جاری تھی۔

ہمارے درمیان پورا پروگرام پہلے سے طے تھا‘ چاروں نے بہ یک وقت اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ اول خان ہم سب سے آگے مائیکرو آٹوز کی عقبی گلی کی طرف ہولیا۔

میں دانستہ اس عمارت کے قریب سے ہو کر گزرا۔ بند دروازے میں لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے ایک ٹارچ کی روشنی متحرک تھی۔ شاید اس عمارت کا محافظ جنریٹر چلانے کی فکر میں تھا۔

اول خان اندھیرے میں میجر عباسی والی بلڈنگ کے بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت بجلی کی فراہمی موقوف ہونے کے سبب پہلا مسئلہ سامنے آیا۔ کال بیل یا انٹرکام ناکام ہو چکا تھا۔ اول خان کو مجبوراً آہنی دروازے کا کنڈا بجانا پڑا۔ اندر سے فوری طور پر ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری ”کون ہے؟“

[illegible] ”اول خان [illegible] اپنا پورا نام دہرانے سے گریز کرتے

ہوئے کہا۔

زینوں پر اترتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ ساتھ ساتھ اندر کوئی روشن ہالا بھی متحرک تھا۔ اس گھور اندھیرے میں ٹارچ وغیرہ کے استعمال کے بغیر میجر عباسی اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے خیریت سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ وہ ایک ذمے دار آدمی تھا اور اول خان سے پروگرام طے کرلینے کے بعد برقی تعطل کی پروا کیے بغیر' اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے لیکن فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سن چکے تھے۔ اول خان نے آواز سن کر اسے اور اس نے اول خان کو پہچان لیا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دروازہ کھولنے کے بعد میجر عباسی نے ہم میں سے کسی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ شاید اول خان نے اسے اپنے مشن کی اہمیت سے کسی حد تک آگاہ کردیا تھا۔ اس نے روشنی کا دائرہ پختہ فرش پر مرکوز کرکے کہا "چاروں اندر آجاؤ۔"

چاروں کے اندر پہنچتے ہی اس نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا اور سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا اپنے کام کے لیے تمہیں پورے علاقے کو تاریکی میں ڈبونے کی ضرورت تھی؟"

واضح طور پر اس کا وہ سوال اول خان کے لیے تھا۔ اس نے جواب میں ویسی ہی دھیمی آواز میں کہا "یہ ہماری ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک اتفاق ہے کہ تمہارا پی ایم ٹی جل گیا۔ اس علاقے کی بجلی کل رات تک بھی بحال ہوجائے تو خدا کا شکر اور کے ای ایس سی کا شکریہ ادا کرنا۔"

میجر عباسی کی بلڈنگ میں ہر فلور پر دو فلیٹ تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان گھروں کے مکینوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہم چاروں کو خاموشی سے ساری منازل سے گزار کر کھلی چھت پر لے گیا۔

"چھت کا دروازہ اندر سے بولٹ کرلو۔ کام پورا ہوجائے تو دروازہ کھول کر نکل جانا۔ میں یہاں موجود رہ کر خود کو کسی واقعے کا عینی شاہد نہیں بنانا چاہتا۔" یہ کہہ کر میجر عباسی فوراً ہی واپس چلا گیا۔

اس اثنا میں میری توجہ پڑوس والی چھت کی طرف مبذول ہوچکی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی اونچی آہنی باڑھ کے پیچھے' کھلی ہوئی چھت پر بھیڑیوں جیسے جسیم کتوں کا ایک جوڑا زبانیں باہر لٹکائے اور دُمیں گرائے موجود تھا۔ ہماری آہٹوں پر وہ کتے چونکے ضرور تھے مگر انہوں نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

چھت کے ایک گوشے میں لفٹ کے لیے اونچا سا پختہ کمرا بنا ہوا تھا۔ اسی سے ملحق دوسرا کمرا شاید کتوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں کمروں کے سامنے والے کونے میں ایک اور بند کمرا تھا۔

مجھے عمارت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا تھا' اس کی روشنی میں وہ گردشی زینوں والا راستہ ہی ہوسکتا تھا۔

ہم چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کیا۔ ہر ایک ضروری سامان اور ہتھیاروں سے لیس' اپنی جگہ تیار تھا۔

میں ڈارٹ گن لوڈ کرکے آہنی جنگلے والی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جو دونوں چھتوں کے درمیان حائل تھی۔

تاروں بھرے آسمان اور نیم روشن چاند کی روشنی میں دونوں کتوں کے کان کھڑے ہوگئے۔ میری پیش قدمی جاری رہی تو وہ دونوں سر جھکا کر ہلکی ہلکی غراہٹوں کے ساتھ آگے لپکے۔

اندھیرے میں ان کے کھلے ہوئے جبڑوں میں چمکتے ہوئے سفید دانت اور باہر لٹکتی ہوئی سرخ زبانیں بہت بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔ درمیان میں مضبوط رکاوٹ ہونے کے باوجود' میں لمحے بھر کے لیے پھریری لے کر رہ گیا۔

میرے اور ان کتوں کے درمیان مشکل سے دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا تو میں تھم گیا۔ وہ جوڑی دانت نکوسے' خوں خوار نظروں سے مجھے گھور کر ہلکی مگر غضب ناک آواز میں غرا رہی تھی۔

میں نے آہنی جنگلے کے درمیان سے ایک کتے کے کھلے ہوئے جبڑے کا نشانہ لے کر ڈارٹ گن چلا دی۔ ڈارٹ ٹھیک اپنے نشانے پر لگا اور ایک کتے کے حلق یا دہانے کے کسی حصے میں غائب ہوگیا۔ کھوکھلی سوئی پیوست ہوتے ہی ڈارٹ میں سے سریع الاثر زہر میرے پہلے شکار کے جسم میں داخل ہوا اور وہ اسی لمحے لڑکھڑا کر چھت پر ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے کتے نے بس ایک مرتبہ اسے دیکھا اور پھر اس کے انجام کی پروا کیے بغیر دوبارہ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگیا۔

اس بار وہ اگلے پنجوں پر بار بار لپک کر' اپنی تھوتھنی جنگلے سے گزار کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنی مہلت ملی کہ میں نے جلدی سے دوبارہ ڈارٹ گن لوڈ کی۔ اشتعال کے عالم میں اس کا جبڑا زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھی آسانی سے میرا ہدف بن گیا۔

ادھر میں نے دوسرا ڈارٹ چلایا اور ادھر ویرا فوراً ہی اچھل کر دیوار کے کنارے پر چڑھی اور بہت پھرتی کے ساتھ جنگلے پر سے ہوتے ہوئے' پنجوں کے بل برابر والی عمارت کی چھت پر اتر گئی۔ دونوں کتوں کے جہنم واصل ہوجانے کے بارے میں وہ اس قدر پُریقین تھی کہ اس نے ان پر ایک نگاہ ڈالنی بھی گوارا نہیں کی۔

ہم تینوں نے ایک ساتھ ویرا کی تقلید کی۔ آہنی سلاخیں تھام کر دیوار پر پنجے جمائے اور پھر کئی فٹ اونچے خاردار جنگلے کو عبور کرکے فریڈم انٹرنیشنل کی چھت پر پہنچ گئے۔

ویرا بڑھ کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو بادی النظر میں گردشی زینوں کو چھت سے ملاتا تھا۔ وہ ایک پٹ والا فلش

ڈور تھا۔ اس وقت ویرا کی ماہرانہ حرکتیں قابلِ تحسین تھیں۔ اس نے پٹ کے اوپری اور نچلے حصے پر باری باری دباؤ ڈال کر اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے دروازہ بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ صرف مخصوص قفل کے ذریعے بند پٹ اپنی جگہ رکا ہوا تھا۔
ایسی کسی متوقع رکاوٹ کا سدِّباب کرنے کے لیے ویرا کی جیب میں قفل شکنی کے نازک اور پیچیدہ اوزاروں کا ایک ہلکا سا گچھا موجود تھا۔ ہم تینوں کے پہنچنے تک وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔
دروازہ کھلنے سے پہلے بھی میں عمارت کے زیریں حصے میں کسی وزنی انجن کے چلنے کا شور اور ارتعاش محسوس کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے بعد وہ آواز نمایاں ہوگئی۔
میں نے دروازے کے عقب میں نمودار ہونے والے تاریک خلا میں ٹارچ کی روشنی ڈالی ہی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر سرچ لائٹ مرکوز کردی ہو۔ ہم چاروں ہی بھڑک کر پسپا ہوئے تھے مگر اگلے ہی لمحے ہمیں اصل حقیقت کا اندازہ ہوگیا۔
گراؤنڈ فلور پر مامور گن مین جنریٹر چلا چکا تھا۔ اس نے متبادل سوئچ آن کرکے پوری عمارت کی برقی رو بحال کردی تھی۔ جس کے نتیجے میں زینے کی چھت میں لگا ہوا بلب یکایک روشن ہوگیا تھا۔
پروگرام کے مطابق اول خان اپنے ماتحت' حامد کے ساتھ چھت پر ہی رک گیا۔ عقبی دروازے کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ' نزالہ کے ساتھ موجود تھا۔ تینوں پارٹیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر اس ابتدائی مرحلے پر ہم سلطان شاہ سے رابطہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میں نے پنجوں کے بل پیش قدمی کرکے زینے پر قدم رکھ دیا۔ اس بار ویرا میرے پیچھے تھی۔
تاریکی میں ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوتا کہ ہم خود کو پوشیدہ رکھ کر محض آہٹوں وغیرہ کے سہارے عمارت میں اپنے حریف کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر اسے گھیرنے کی کوشش کرسکتے تھے۔ روشنی بحال ہوجانے کے بعد ہم وہ سبقت کھوچکے تھے۔ اور کسی بھی لمحے ہمارا دشمن سے سامنا ہوسکتا تھا۔
اول خان نے مائیکرو آئوز میں خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ بھال یا نگرانی کے بارے میں جو اظہارِ خیال کیا تھا' وہ میرے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا۔ زینے طے کرتے ہوئے میں نے محتاط نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن مجھے چھت پر یا دیواروں میں کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی اور ہم دونوں بے آواز قدموں سے زینے طے کرتے ہوئے عمارت کی تیسری منزل پر پہنچ گئے۔
ایک بند دروازے نے اس فلور کو زینوں سے الگ کیا ہوا تھا۔ لفٹ والا راستہ' دروازے کے پیچھے اور مرکزی عمارت میں واقع تھا جو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔
میں نے سنی سنائی تفصیلات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ تیسری

♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦

چوہدری صاحب اپنی بیجیرو میں موٹروے پر جارہے تھے کہ انہوں نے دیکھا' ان کا مزارع دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل چلا جارہا تھا۔ انہوں نے ترس کھاکر گاڑی ایک طرف کرکے روکی اور دینو کو بٹھالیا۔ گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا۔ بیجیرو کی رفتار پہلے پچاس ساٹھ کلو میٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلو میٹر سے تجاوز کرگئی۔ گدھا بدستور بھاگتا ہوا پیچھے آرہا تھا۔

آخر رفتار سوا سو کلو میٹر ہوئی تو چوہدری صاحب بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے بولے "دینو! مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہورہی ہے... اس کی زبان باہر لٹکی ہوئی ہے۔"
"کس طرف کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟" دینو نے پوچھا۔
"دائیں طرف... کو۔"
"بس تو پھر آپ اسی لین میں رکھیں.... وہ آپ کو اوورٹیک کرنے والا ہے" دینو نے پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔

♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠

منزل مقبول چوہدری کے رہائشی تصرف میں تھی۔ اس سے نیچے والے فلور میں مقبول چوہدری کے ماموں اور فریڈم انٹرنیشنل کے بانی کی رہائش گاہ تھی۔
ویرا نے بہت احتیاط سے دروازے پر مقدر آزمائی کی اور خلافِ توقع دروازے نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑدی۔
سامنے روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن ماحول پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سامنے ہی لفٹ کا دروازہ نظر آرہا تھا۔ دروازے کی داہنی جانب' لفٹ بلانے والا بٹن روشن تھا لیکن دروازے کے اوپر لفٹ کی پوزیشن والا مستطیل خانہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت لفٹ کہاں تھی۔
روشن کال بٹن سے اتنا ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں موجود جنریٹر لفٹ کا برقی بوجھ اٹھانے کی استطاعت رکھتا تھا۔ عمارت کی خصوصی تعمیر کی وجہ سے وہ بندوبست بڑی حد تک ناگزیر تھا۔
ہم دونوں نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے

دو مختلف جگہیں سنبھال لیں۔ ویرا کو وہیں رک کر لفٹ کی نگرانی کرنے کی ہدایت دے کر میں محتاط انداز میں اندر بڑھنے لگا۔
ضرورت نہ ہونے کے باوجود فیشن کے مطابق پورا فرش دبیز قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ پورے فلور کی مکانیت دو کشادہ بیڈ رومز' ڈرائنگ' ڈائننگ رومز اور لابی پر مشتمل تھی۔ ہر جگہ بیش قیمت فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیا سجی ہوئی تھیں لیکن کہیں بھی کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔
دونوں خواب گاہوں کے بستروں کی بے شکن چادریں بتارہی تھیں کہ ان دنوں وہ کمرے کسی کے زیرِ استعمال نہیں تھے۔ فلور ویران ہونے کی وجہ سے میں نے پورے اطمینان اور باریک بینی سے ہر حصے کا جائزہ لے ڈالا لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار ملے اور نہ ہی کوئی اور کار آمد چیز مل سکی۔
اس مہم میں ساری اہمیت ہماری دو نفری ٹیم کی تھی اس لیے کسی نے بھی ٹرانس میٹر استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے ویرا کے پاس واپس پہنچنے کے بعد بہت دھیمی آواز میں اول خان کو تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کردیا۔ یہ بات واضح تھی کہ میری وہ رپورٹ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی سن لی ہوگی۔
"اگر وہ فلور خالی ہے تو ہم نیچے آرہے ہیں۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان نے کہا "ہمارے پہنچنے کے بعد تم نیچے اتر جانا۔ اس طرح ہمارے درمیان کم سے کم فاصلہ رہے گا۔"
اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ہم سے آملے۔ میں اس دوران میں پُرتشویش نگاہوں سے لفٹ کا جائزہ لیتا رہا۔ ویرا مجھے بتاچکی تھی کہ وہ لفٹ کے دروازے پر طبع آزمائی کرچکی تھی۔ دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ لفٹ اس فلور پر موجود نہیں تھی۔ میں اس وقت لفٹ کے ساتھ زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کال بٹن دبانے پر جوں ہی لفٹ اپنی جگہ چھوڑ کر تیسری منزل کی طرف روانہ ہوتی' عمارت میں موجود ہمارے حریفوں کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا اندازہ ہوسکتا تھا۔
میں نے تلاشی مکمل ہونے تک لفٹ کو بھولے رہنے کا فیصلہ کرلیا۔
اول خان اور حامد کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں زینوں کے ذریعے نچلی منزل کی طرف چل دیے۔
مجھے یقین تھا کہ چھت سے تیسری منزل پر پہنچنے کے بعد وہ دونوں چین سے نہیں بیٹھیں گے' اس فلور کے چپے چپے کی تلاشی لے ڈالیں گے۔ مکمل ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے ہم اس طرح کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کرسکتے تھے۔
چھت پر خوں خوار کتوں کی رکھوالی اور گراؤنڈ فلور پر گن مین کی موجودگی کی وجہ سے اس عمارت کے اندرونی دروازے مقفل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے فلور میں ہمیں آسانی سے رسائی مل گئی۔ تعمیر کے اعتبار سے وہ منزل اوپر والے حصے سے مختلف نہیں تھی لیکن اس کی آرائش میں بہتر اور شستہ ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔
اس فلور کے رکھ رکھاؤ سے مکین کے ذوق کی نفاست اور پختگی کا اظہار ہورہا تھا جس سے اس امر کی تصدیق ہورہی تھی کہ وہ منزل مقبول چوہدری کے ماموں کے تصرف میں رہی ہوگی۔
لفٹ اس منزل پر بھی موجود نہیں تھی لیکن ایک خواب گاہ کا شکن آلود اور بے ترتیب بستر اعلان کررہا تھا کہ وہاں کوئی نہ کوئی رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر ہاتھی دانت کا بیش قیمت اور منقش لائٹر سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ ایش ٹرے میں خاصی راکھ کے ساتھ سگریٹوں کے مسلے ہوئے ٹوٹے موجود تھے۔
کمرے کی بند فضا میں دھوئیں کی تازہ بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے راکھ اڑائے بغیر ایش ٹرے کو سونگھا اور اندازہ لگالیا کہ وہ سب زیادہ پرانا نہیں تھا۔ اوپر سے وہاں تک' سب خواب گاہیں ہوا بند اور ایر کنڈیشنڈ تھیں لیکن موسم کی ہلکی سی خنکی کے سبب کہیں بھی ایر کنڈیشنر نہیں چل رہے تھے اور ہر بو اپنی اصل سمیت برقرار تھی۔
اسی سائڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں متعدد دوائیں نظر آئیں۔ وہ سب زخموں وغیرہ کی مرہم پٹی سے متعلق تھیں۔ ان کی موجودگی اس امر کی غماز تھی کہ مقبول چوہدری اپنا فلور چھوڑ کر اپنے ماموں کی خواب گاہ پر قابض تھا۔ ایک خفیہ ایجنسی کے سادہ پوش' احتجاجی مظاہرین کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہونے کے بعد وہ اسی کمرے میں پڑا اپنے زخموں کی دیکھ بھال کررہا تھا۔ اس کے ملازمین کی طرف سے اس کے بیرونِ شہر جانے کی کہانی سراسر بے بنیاد اور لغو تھی۔ وہ یقینی طور پر اسی عمارت میں چھپا ہوا تھا۔
مقبول چوہدری کی موجودگی کی وہ روشن شہادتیں سامنے آتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔ ہم اپنے مجروح شکار کے ساتھ ایک ہی عمارت میں موجود تھے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ وہ عمارت کے کس گوشے میں گھسا ہوا تھا۔
لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر نیچے نہ گیا ہو۔ ایسا ہوا تھا تو جنریٹر کے ذریعے برقی رو کی فراہمی بحال ہونے کے بعد اسے اوپر آجانا چاہیے تھا۔ وہ کسی بھی لمحے' کہیں سے نمودار ہوسکتا تھا۔
دو سو گز کے کمرشل پلاٹوں پر بنی ہوئی دوسری عمارات کی طرح اکرم الٰہی کی وہ بلڈنگ زیادہ پیچیدہ نہیں تھی۔ میں چند منٹ میں تلاشی سے فارغ ہوکر اپنے فیصلے اخذ کرچکا تھا۔
میں نے ایک مرتبہ پھر ایئر پیس پر اول خان سے رابطہ کیا اور اسے اپنے مشاہدوں سے آگاہ کیا۔ وہ بات کرتا ہوا' تیزی سے ہمارے پاس پہنچ گیا۔
"اب صرف فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر باقی رہ جاتا ہے۔" اول

خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا "زخمی حالت میں وہ وہاں کیا کر رہا ہوگا؟"

"نہ صرف وہ زخمی ہے بلکہ کچھ دیر پہلے یہاں گھور اندھیرا بھی تھا۔" ویرا الجھن آمیز لہجے میں بولی "فریڈم کے دفتر کے بعد نکاس کا عقبی راستہ ہے جہاں پہنچتے ہی ہمارا گن مین سے تصادم ہو سکتا ہے۔"

"قیاس آرائیوں میں وقت خراب مت کرو۔" میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "اور میرے ساتھ آؤ۔ عمارت میں اس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد ہمیں تلاشی کا عمل جلد از جلد مکمل کرلینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خطرہ بھانپ کر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔"

فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر پوری منزل پر محیط تھا۔ قانونی کتب' ریکارڈ کی فائلوں اور کمپیوٹر سے آراستہ وہ دفتر بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایجنسی کے سادہ پوش اہلکاروں کی طرف سے کی جانے والی توڑ پھوڑ کے سارے شواہد جوں کے توں موجود تھے۔ مقبول چوہدری کا وہاں بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں مقبول چوہدری کے مقیم ہونے کا ثبوت مل جانے کے بعد یہ بات پریشان کن تھی کہ عمارت کی تینوں منزلوں پر اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر مائیکرو آٹوز کسی خفیہ راستے کے ذریعے بقیہ عمارت سے منسلک تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اتنی رات گئے وہاں کیا کرنے گیا ہو گا۔

وہ گتھی مقبول کا گن مین ہی سلجھا سکتا تھا لیکن بھڑکے ہوئے اس بھیڑیے کا سامنا کرنا' خودکشی سے کم نہیں تھا۔ عمارت کی حدود میں کسی بھی اجنبی کا سایہ دیکھ کر وہ اندھادھند فائرنگ شروع کر سکتا تھا۔

پوری عمارت کی چھان بین کے بعد ہم پہلی منزل پر لفٹ کے سامنے جمع ہو چکے تھے۔

"اگر مقبول اس وقت بھی عمارت کے کسی حصے میں موجود ہے تو چوکی دار کو بھڑکانے سے ہمارا کھیل بگڑ جائے گا۔" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں رائے دی۔

"ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔" میں نے کہا "اس سے نکلنے کا راستہ وہی بتا سکتا ہے۔ ہمیں خطرہ مول لے کر اس پر قابو پانا پڑے گا ورنہ ہماری یہ مہم ناکام ہو جائے گی۔"

"تم اس کے جسم کے کسی حصے پر بیم گن فائر کر کے خاموشی سے اسے معذور کر سکتے ہو۔"

ویرا کی اس تجویز پر میں نے سختی سے کہا "بیم گن کے استعمال سے میں بچنا چاہ رہا ہوں۔ یہ ہر موقع پر ہماری موجودگی کا اشتہار بنتی رہی ہے۔...."

"ویسے بھی بیم گن ضرور بے آواز ہے مگر زخمی ہونے کے بعد گن مین آسمان سر پر اٹھالے گا۔" میری بات پوری ہونے سے

پہلے اول خان بول پڑا "ہمیں گن کی زد پر لینے کے لیے ہم میں سے کسی کو اس کے سامنے جانا ہوگا۔ اس نے پہلے گولی چلا دی تو تم سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہوگا۔"

حامد سعادت مندی کے ساتھ خاموش کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اول خان کے ادب کی وجہ سے خاموش ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کا حوصلہ بڑھایا "دکھو.... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس وقت تم بھی ہمارے مشوروں میں برابر کے شریک ہو۔"

"سر! میرے پاس بلیو ڈارٹس ہیں۔" اس نے اول خان کی طرف متوجہ ہو کر جھجکتے ہوئے زبان کھولی "میں کوئی کھٹکا کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کرلوں تو وہ نشانے پر آتے ہی بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ بہترین ترکیب ہے۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا "دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آجائے گا اور ہم اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

مجھے یاد آیا کہ کتوں کو ہلاک کرنے کے لیے میں نے جو ڈارٹ شاٹس استعمال کیے تھے، ان کا رنگ سرخ تھا۔ وہ ڈسپوزیبل سرنج کی طرح شفاف تھیلیوں میں پوری احتیاط سے پیک تھے۔ ان کے برعکس نیلے ڈارٹ شاٹس شاید کسی بھی انسان یا حیوان کو ایک معینہ مدت کے لیے بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کیے جاسکتے تھے۔

"یہ کام میں کروں گی۔" ویرا نے رضاکارانہ پیشکش کی "خونخوار ترین مرد بھی اپنے نشانے پر کسی عورت کو پاتا ہے تو لمحہ بھر کے لیے ہچکچا کر رہ جاتا ہے اور میرے لیے وہی ایک لمحہ کافی ہوگا۔"

میں نے ویرا کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈارٹ گن میرے پاس تھی، حامد نے بلیو ڈارٹ شاٹ دیا اور ویرا گن لوڈ کر کے دبے قدموں زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ عمارت کی اوپری تینوں منزلیں بالکل خالی تھیں مگر ہر فلور پر کم از کم اتنی روشنی موجود تھی کہ مزید روشنی کیے بغیر ہر چھوٹی بڑی چیز آسانی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ تمام سوئچ پہلے سے آن تھے اور جنریٹر کا سوئچ آن ہوتے ہی ساری روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

وہ حقیقت صرف ایک سبب کی نشان دہی کررہی تھی کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے مقبول وہیں کہیں موجود تھا۔ وہ کسی کام یا ضرورت کے تحت عمارت کے کسی نامعلوم حصے میں گیا تو اس نے روشنیاں کھلی چھوڑ دیں۔ بجلی گئی اور جنریٹر کے ذریعے بحال ہوگئی، عمارت تاریکی سے دوبارہ اجالے میں آگئی لیکن مقبول واپس نہیں آیا۔

زینوں کی طرف سے ایک بلّی کی بھرائی ہوئی میاؤں سن کر میں چونک پڑا۔ عمارت میں داخلے کا ہر راستہ مسدود تھا۔ ہم نے کہیں کوئی بلّی نہیں دیکھی تھی، وہ یقیناً ویرا کی حرکت تھی۔

"ششش.... اوئے، گدھے کا بچہ.... تم ادر کیسے آگیا۔" نیچے سے گن مین کی غضیلی آواز ابھری۔

دوسری بار ویرا کی میاؤں زیادہ رسیلی تھی۔ اس مرتبہ اس نے ایک حیرت ناک حرکت کی، پہلی آواز دبتے ہی ایک غراتی ہوئی جارحانہ میاؤں کی۔ کوئی بھی ناواقف شخص ان دونوں آوازوں کو سن کر یہی سمجھ سکتا تھا کہ سیڑھیوں کے کسی حصے میں بلّیوں کا کوئی جوڑا اپنے ازدواجی معاملات پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہے۔

ایک کی جگہ دو آوازیں سن کر گن مین کی کھوپڑی سنک گئی۔

"خدائی خوار، گھر کو پلید کرے گا.... پتا نہیں کدر سے آگیا.... صاب امارا بوٹی کھا جائے گا۔" اس کی قریب آتی ہوئی آواز میں حیرت اور غصے کا ملا جلا امتزاج تھا۔

گن مین کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ بلّیوں کے دو طرفہ مکالموں کی خالق کوئی لڑکی ہوسکتی ہے۔ وہ غالباً اپنی گن نکالے بغیر بھنا کر زینوں کی طرف بڑھا تھا تاکہ لات مار کر مفروضہ بلّیوں کو کسی طرف سے باہر نکال سکے۔

"گڈ! تم بہت اچھے اور بے ضرر بلّے ہو۔" ویرا کی طنزیہ سی سرگوشی گونجی۔ شاید اس فقرے کے ذریعے اس نے مقبول کے گن مین کو اپنے نشانے پر لانے کی کوشش کی تھی۔ جنریٹر کے شور میں بھی اس کی آواز واضح تھی۔

زینے میں ڈارٹ گن فائر ہوتے ہی شپ کی ہلکی سی آواز ابھری اور ویرا اندر لوٹ آئی۔ گن مین کے گرنے سے پہلے اس کی ایک سسکی سنائی دی تھی جو جنریٹر کی آواز میں بھی نہیں دب سکی تھی۔

"گن بہت طاقت ور ہے۔ ڈارٹ گردن پر لگتے ہی اس کے بدن میں اتنا محلول سرایت کر گیا کہ وہ کوئی آواز نکالے بغیر قالین پر ڈھیر ہوگیا۔" ویرا نے آتے ہی اطلاع دی۔

عمارت کی تینوں منزلیں خالی تھیں، گراؤنڈ فلور سے بھی خطرہ دور ہوچکا تھا۔ ہم چاروں تیزی سے مگر احتیاط کے ساتھ نیچے پہنچ گئے۔

نیچے پہنچتے ہی میری نگاہ دروازے کے شفاف شیشے پر پڑی اور میں اپنے ساتھیوں کو بائیں بازو سے دھکیلتا ہوا، دیوار سے جا لگا۔ اس وقت پورا علاقہ تاریک تھا جب کہ ہم روشنی میں تھے۔ باہر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص ہماری بے خبری میں شیشے میں سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ہم نے وہیں کھڑے کھڑے بہت پھرتی سے اس مختصر سے مستطیل کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ ایک طرف لفٹ تھی، دوسری طرف چکردار وہ زینہ تھا جس کے ذریعے ہم چھت سے گراؤنڈ فلور تک پہنچے تھے۔ ان دونوں کے درمیان، قالین پر، گن مین کی صاف ستھری سنگل مسہری اور کرسی تھی۔ شاید وہ اپنے کھانے پینے کا

بندوبست فریڈم انٹرنیشنل کے دفتری کچن میں کیا کرتا تھا کیونکہ گراؤنڈ فلور پر ایسی کوئی سہولت نظر نہیں آ رہی تھی۔
وہاں جو کچھ تھا، نظروں کے سامنے تھا۔ اس میں کوئی خفیہ چیز نہیں تھی۔
گراؤنڈ فلور پر جنریٹر کا بہت زیادہ شور تھا پھر ہم وہاں محفوظ بھی نہیں تھے۔ میں نے جائزہ لیا تو گن مین کے بدن پر ہولسٹر یا چابیوں کا گچھا موجود نہیں تھا۔ بستر پر اس کی وہ دونوں چیزیں، پستول سمیت، سرہانے رکھی ہوئی تھیں۔
"بستر پر سے وہ چیزیں اٹھاؤ اور گن مین کو بھی زینوں سے اوپر لے جاؤ۔" میں نے اول خان کے کان کے قریب منہ لا کر کہا "میں اس کارروائی کے لیے روشنیاں گل کیے دیتا ہوں۔"
اندھیرے میں پیش آنے والی دقتوں کا مجھے اندازہ تھا مگر اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بیرونی دروازے میں لگے ہوئے شفاف اور بلٹ پروف شیشے کی وجہ سے، اُجالے میں خود کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔
میں زینوں کے نیچے جنریٹر تک پہنچا تو مطلوبہ سوئچ آسانی سے نظر آ گیا۔ میں نے سوئچ بند کیا تو جنریٹر کی آواز تبدیل ہوئی اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔
میرے کان آہٹوں وغیرہ پر جمے ہوئے تھے، میں نے بس اتنا وقت لیا کہ وہ بے ہوش گن مین کو اٹھا کر چند زینے عبور کر سکیں۔
اسی وقت اوپر سے ایک سخت اور اشتعال آمیز..... آواز گونجی۔
"ابے، طور خان! بجلی کے ساتھ کیا آنکھ مچولی کر رہا ہے؟" وہ آواز مردانہ تھی اور میرے اندازے کے مطابق دوسرے فلور سے آئی تھی۔
لمحے بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہو گئے۔ ہم خود اعتمادی کے چکر میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکے تھے۔
ہمارا حریف یا اس کا کوئی معاون ہماری بے خبری میں اوپر پہنچ چکا تھا۔ میرے آدمی بے ہوش گن مین کے ساتھ تاریک زینوں پر تھے۔ اگر میں فوری طور پر روشنی نہ کرتا تو وہ نامعلوم شخص حالات کا جائزہ لینے کے لیے زینوں پر آ سکتا تھا۔ شاید میں اس کے نشانے سے بچا رہتا مگر میرے ساتھی پوری طرح اس کی زد میں آ سکتے تھے۔
وہ کوئی محفوظ حل نہیں تھا مگر میں نے ذرا سی مہلت لینے کے لیے سوئچ آن کر دیا۔ مجھے توقع تھی کہ روشنی بحال ہونے پر وہ شخص عارضی طور پر مطمئن ہو جائے گا اور اس دوران میں وہ تینوں بے ہوش گن مین کو لے کر پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ زینوں کو چھوڑ دینے کے بعد وہ بہتر پوزیشن میں اپنے حریف کا مقابلہ کر سکتے تھے۔
روشنی ہوتے ہی میری نگاہ لفٹ کی طرف گئی۔ اس بار روشن مستطیل میں دو کا انگریزی ہندسہ روشن تھا۔ یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ وہ جو بھی تھا، دوسری منزل پر ہی تھا۔

میں سانس روکے اپنی جگہ پر جما رہا۔ وہاں شور کے ساتھ انجن کی حرارت بھی ناقابلِ برداشت تھی مگر ہمارے لیے دو جگہوں پر بٹنا ضروری ہو گیا تھا۔
اوپر سے ابھرنے والی اجنبی آواز اول خان وغیرہ نے بھی سنی تھی۔ شاید انہوں نے اپنی رفتار بڑھا لی تھی کیونکہ چند ہی لمحوں بعد زینے پر کوئی سایہ تک باقی نہیں رہا۔
میں اپنی جگہ سے نکلا اور بہت تیزی کے ساتھ، پنجوں کے بل سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔
وہ تینوں بے ہوش گن مین کو دروازے سے اندر لے جانے کے بعد فرش پر ڈال چکے تھے اور کسی تیز کارروائی کے خطرناک عزم کے ساتھ دوبارہ باہر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔
"وہ دوسری منزل پر ہے۔" ویرا نے لفٹ کی طرف اشارہ کر کے اضطراری لہجے میں کہا۔
"پتا نہیں لفٹ کہاں تھی اور وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوا ہے.... تیاری کے ساتھ میرے پیچھے چلے آؤ۔" میرے ان الفاظ پر اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر میں اس کی بات سنے بغیر پلٹ کر دوسری منزل کی طرف ہو لیا۔
ہم چاروں نے اس بار بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن ہمارے حریف کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ ہم سے بڑی بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی کہ ہم نے چھت کا دروازہ بند کر دیا تھا لیکن نچلی منزلوں سے گراؤنڈ فلور کی طرف جاتے ہوئے ہم نے زینوں کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ اگر وہ دروازے بند رکھنے کا عادی تھا تو دوسری منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی اس نے خطرہ بھانپ لیا ہو گا۔
وہ اندر جا کر بستر پر آرام کرنے یا باہر زینوں پر نکل کر حالات کا اندازہ لگانے کے بجائے اسی مختصر سی مشترکہ راہداری میں جما رہا جہاں لفٹ اور زینے کے دروازے آمنے سامنے کھلتے تھے۔
میں جوں ہی زینے سے کھلے ہوئے دروازے میں گھسا، اس نے اعشاریہ تین آٹھ بور کا مہیب، بے آواز ریوالور میرے اوپر تان لیا۔ اس کے مضروب چہرے اور بائیں کلائی پر بندھی ہوئی پٹی کی بنا پر میں نے فوری طور پر اندازہ لگا لیا کہ وہی مقتول چوہدری تھا جو کچھ نام نہاد احتجاجی مظاہرین کے تشدد کا نشانہ بنا تھا۔
وہ دراز قد، وجیہہ اور خوش رو نوجوان تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی عقابی آنکھوں اور خم دار پتلے پتلے ہونٹوں سے اس کی رنگین مزاجی جھلک رہی تھی۔
"وہیں رک جاؤ اور ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو!" اس نے لفٹ کے دروازے کے قریب سے سفاکانہ لہجے میں حکم دیا "ورنہ تمہیں گولی مار کر میں تمہاری لاش کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"
میرے پاس اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں

تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول نیچے، قالین پر گرا کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے "یہ اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں ورنہ میرے ساتھیوں نے تمہارے فرار کے دونوں راستے مسدود کیے ہوئے ہیں۔"

"تم کون ہو اور میرے گھر میں کیا لینے آئے ہو؟" اس نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"بہت سے لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی تم بیرون شہر ہونے کے بجائے اپنے گھر میں ہی روپوش ہو۔ ہم بائیس افراد اسی شبے کی تصدیق کے لیے یہاں آئے تھے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مقبول کا سامنا ہونے پر میرا ردِعمل دیکھتے ہی میرے تینوں ساتھی زینوں پر رک گئے تھے۔

"بائیس افراد....!" اس نے دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "شاید اس علاقے میں اندھیرا تم ہی لوگوں نے کیا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟"

"کچھ نیچے طور خان کے ساتھ ہیں، کچھ چھت پر تمہارے خون خوار کتوں کی رکھوالی کر رہے ہیں۔" میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے قدرے وضاحت سے جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ دو چار آدمی فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر کی تلاشی لے رہے ہوں۔ آج تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔"

اس نے سرکتے ہوئے اپنی جگہ بدلی اور پھر میرے اوپر فائر کرتے ہوئے لفٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس نے عجلت میں نشانہ لیے بغیر گولی چلائی تھی اس لیے وہ چھت میں پیوست ہو گئی۔

بے آواز ریوالور سے پیدا ہونے والے سخت کھٹکے کی آواز نے سب کو مضطرب کر دیا۔ میں تیزی سے لفٹ کی طرف لپکا تو بقیہ تینوں افراد بھی اندر گھس آئے مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے لفٹ وہ فلور چھوڑ چکی تھی۔

مستطیل چند لمحوں کے لیے تاریک ہو چکا تھا۔ کال بٹن کے نیچے روشن ہو جانے والے تیر سے معلوم ہوا کہ لفٹ نیچے جا رہی تھی۔ ویرا اچھل کر زینوں کی طرف دوڑ پڑی مگر میں وہیں رکا رہا۔ میں نے لفٹ کے کال بٹن پر انگلی رکھ کر اسے مسلسل دبا لیا تھا تاکہ مقبول چوہدری کو اتارتے ہی لفٹ اوپر آ سکے۔

مستطیل میں دو کے بعد ایک کا ہندسہ روشن ہوا اور بجھ گیا۔ لفٹ رکے بغیر نیچے جا رہی تھی۔ ایک کے بعد انگریزی کا حرف جی بھی روشن ہو کر بجھ گیا۔ لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی رکے بغیر گزر گئی تھی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ اگر لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی نیچے گئی تھی تو اس عمارت میں کوئی خفیہ تہ خانہ بھی تھا۔ کچھ دیر صبر آزما انتظار میں گزری۔ اس دوران میں مستطیل سے کچھ پتا نہ چل سکا کہ لفٹ کہاں رکی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ لفٹ کی آمد ظاہر کرنے والا تیر روشن ہو چکا تھا۔ اسی وقت ویرا ہانپتی ہوئی واپس آ گئی۔

اس عمارت کے مکینوں کے سوا، دوسروں کو تہ خانے کے وجود سے بے خبر رکھنے کے لیے لفٹ کی موجودگی کی منازل کی نشان دہی کرنے والے برقی نظام سے تہ خانے یا "بی" کا حرف دانستہ حذف کر دیا گیا تھا۔ جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو شاید مقبول تہ خانے میں ہی تھا اور لفٹ بھی وہیں رکی ہوئی تھی۔ جنریٹر چل جانے کے بعد وہ کسی وقت لفٹ سے دوسری منزل پر پہنچا اور مجھ سے ٹکراؤ کے بعد دوبارہ وہیں فرار ہو گیا۔

"تمہارا یہ مجرم ذرا بھی ذہین نہیں ہے۔" لفٹ کی آمد کا اشارہ روشن ہونے پر ویرا نے کہا۔

"تم نے اس سے ملے بغیر یہ اندازہ کیسے لگا لیا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بوکھلایا ہوا ہے۔ ذرا سی بھی ذہانت استعمال کرتا تو تہ خانے میں لفٹ کے دروازے میں کوئی رکاوٹ اڑا دیتا۔ وہاں کا دروازہ بند نہ ہوتا تو لفٹ قیامت تک اوپر نہیں آ سکتی تھی۔"

"یہ بات وہ بھی جانتا ہو گا مگر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔" اول خان بولا "اپنے بھاگنے کی فکر میں اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ ہمیں روک کر بھی وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔"

مجھے باہر والی پارٹی کا خیال آیا اور میں نے فوراً ایئر پیس پر بات شروع کر دی "باہر ہوشیار رہو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی کسی بھی لمحے باہر نکلنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔ وہ اندر سے نکلتے ہی پکڑا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو ہم اس کے خلاف طاقت بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ کی طرف سے جواب آیا۔

لفٹ آ کر رکی اور ہم چاروں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ اندر پینل پر لفٹ کی منازل کے تعین کے چھ بٹن تھے۔ گراؤنڈ اور چھت سمیت اوپر کی منازل کے پش بٹنوں پر نمبر یا حروف موجود تھے گراؤنڈ یا جی سے نیچے والا بٹن سادہ تھا۔ دروازہ بند ہونے پر میں نے وہی بٹن دبا دیا۔ لفٹ خفیف سے جھٹکے سے نیچے روانہ ہو گئی۔

مقبول چوہدری سے سامنا ہونے کے بعد پورا کھیل کھل کر سامنے آ گیا تھا اس لیے ہم نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ مجھ پر فائر کر کے بھاگا تھا، دوبارہ نظر آ جاتا تو میں بھی اسے گولی کا نشانہ بنانے کا پورا حق رکھتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنے ماموں کے قائم کیے ہوئے اداروں کو اس قدر پُراسرار بلکہ مجرمانہ انداز میں کیوں چلا رہا تھا اور اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔

لفٹ رکنے پر ہم دروازہ کھول کر باہر نکلے تو خود کو ایک تنگ سی جگہ میں پایا۔ اوپر کے مقابلے میں تہ خانے کی تعمیر کا انداز بہت مختلف تھا۔ ہم چاروں وہاں سے آگے بڑھے تو ایک کمرا نظر آیا۔

میں مقبول چوہدری کے تیور دیکھ چکا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔

"تم لوگ جو بھی ہو' بے خوف و خطر اندر چلے آؤ۔" کمرے میں سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری "مجھے معلوم ہے کہ مقبول تم سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے۔ اس نے مجھے مہینوں سے یہاں قید کیا ہوا ہے۔"

اس شخص کے آخری الفاظ معنی خیز تھے۔ میں اپنی پارٹی کا قائد تھا اس لیے سب سے پہلے آگے بڑھ گیا۔

وہ کمرا کسی وقت بہت صاف ستھرا رہا ہو گا مگر اس وقت شدید بے توجہی کا شکار تھا۔ تہ خانے میں ریت کا گزر نہیں تھا مگر ہر چیز میلی نظر آرہی تھی۔ سامان بے ترتیبی سے قالین پر بکھرا ہوا تھا۔ اکلوتی مسہری کی چادر شکن آلود اور اتنی میلی تھی جیسے اسے مہینوں سے نہ بدلا گیا ہو۔

بستر کے قریب ایک وحشت زدہ' ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے بہت میلے تھے۔ سر اور داڑھی کے کھچڑی جیسے بال بہت بے ترتیبی سے بڑھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ آزاد تھا لیکن میں اس کی داہنی پنڈلی میں پڑا ہوا وہ آہنی حلقہ دیکھ چکا تھا جو ایک موٹی زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کا دوسرا سرا ایک مضبوط اور دیوار گیر کنڈے کے ساتھ مقفل تھا۔ زنجیر کی کل لمبائی چھ یا سات فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ مقبول کا وہ قیدی بس اتنی ہی دور تک آزادی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

کمرے کی چھت پر کسی انجن کے بیدار ہونے کا ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا تو ادھیڑ عمر قیدی ہذیانی انداز میں بول پڑا "وہ بزدل نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ چور زینے سے بھاگ جائے گا...."

"مجھے راستہ بتاؤ.... وہ کدھر سے فرار ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس دروازے کے پیچھے چور زینہ ہے جو گیراج کے دفتر میں نکلتا ہے..... وہ گیراج سے کوئی گاڑی لے گیا۔" وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔

وہ مکالمے اس قدر بے ضرر بلکہ حوصلہ افزا تھے کہ بقیہ تینوں بھی اندر گھس آئے اور اول خان نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی کہ شاید وہ مقبول کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری دانست میں وہ کوشش بے سود تھی۔ میں اس وحشت زدہ قیدی کی طرف متوجہ ہوا جس کے بالوں کی سیاہی میں جا بجا سفیدی جھلک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنے قیاس کو بھلا کر اس سے پوچھا "مقبول چوہدری سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"دشمنی نہیں' اس سے میری قریبی رشتے داری ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا "وہ حرام زادہ میرا بھانجا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس قدر لالچی اور بد فطرت ہے۔"

"تم اکرم الٰہی ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "لوگ تو کہتے ہیں کہ تم ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"وہ کتے کا بچہ جو چاہے کہہ سکتا ہے... میں مہینوں سے یہاں سسک سسک کر جی رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" اکرم الٰہی کی مظلومیت کے انکشاف نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میرا جرم یہ ہے کہ وہ بے روزگار تھا' میں نے اسے اپنا گیراج سونپ دیا۔ کراچی میں وہ بے گھر تھا' میں نے بہت شوق سے بنائے ہوئے گھر کی پوری ایک منزل اسے دے دی... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا ہوں۔ میرے ٹکڑوں پر پلنے والا میرا سب کچھ چھین لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

اول خان عقبی دروازے سے واپس آ پہنچا۔ ناکامی اس کے بشرے پر کندہ تھی۔ "وہ ایک اکارڈ لے کر نکل گیا۔" اس نے آتے ہی متاسفانہ لہجے میں اعلان کیا۔

"وہ نکل گیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔" اکرم الٰہی نے مسہری پر بیٹھ کر منتقمانہ انداز میں کہا "تم لوگ مجھے اس قید سے نجات دلا دو تو میں اسے چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تمہارے کام پر قابض ہو کر اس نے بہت بدنامیاں کمائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "اور یہ سارے برے کام تمہارے کھاتے میں جمع ہوتے رہے ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ تمہارا دامن صاف ہے؟"

"میری حالت میری بے گناہی کا ثبوت ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے کہا "میں اس کے کالے کرتوتوں میں شریک ہوتا تو اس حال کو نہ پہنچا ہوتا۔"

اول خان نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ اکرم کو زنجیر کی قید سے آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے...."

"غور سے میری طرف دیکھو!" اکرم الٰہی نے زہریلی آواز میں دخل اندازی کی "مہینوں سے اُسترا اور قینچی تو دور کی بات ہے' میں نے صابن اور ٹوتھ پیسٹ کی صورت نہیں دیکھی۔ کمرا اور یہ باتھ روم میرا مقدر بنا ہوا ہے۔ میرے کتوں کو عزت سے راتب کھلایا جاتا ہے' مجھے دو وقت کی روٹی بھی بہت ذلت سے دی جاتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقبول نے تمہیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتراض کیا "وہ تمہارے کاموں پر قابض ہے' اس عمارت کا مالک بنا ہوا ہے' سب کو معلوم ہے کہ تم باہر گئے ہوئے ہو۔ تمہیں مار کر وہ کہہ سکتا ہے کہ تم امریکا یا آسٹریلیا میں بس گئے ہو۔"

اکرم الٰہی کا ہذیانی قہقہہ بہت خوف ناک تھا۔ ہنسی کا دورہ تھما تو اس نے کہا "یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ مجھے زندہ رکھنا اس کی مجبوری ہے۔ مجھ سے براہِ راست بات کیے بغیر فورڈ فاؤنڈیشن والے

اسے ایک پیسے کی گرانٹ نہیں دیں گے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ مجھے اسی کام پر مجبور کررہا تھا.... ہربار یہی ہوتا ہے۔ میں انکار کرتا ہوں، وہ مجھ پر تشدد کرتا ہے، مجھے بھوکا رکھتا ہے اور زندہ رہنے کی خاطر میں جھک جاتا ہوں۔ اس نے میری یہ کمزوری پکڑلی ہے کہ اچھے دنوں کی آس میں، میں ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

فورڈ فاؤنڈیشن ایک بڑا نام تھا جس کی پوری دنیا میں شہرت تھی۔ انسانیت کی فلاح اور تعلیم کے فروغ کے لیے بیش بہا خدمات کے ساتھ لوگ بعض مشتبہ معاملات میں بھی اس کا نام لیتے تھے لیکن امریکا میں قائم اس عالمی فلاحی ادارے کے خلاف کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے تمہاری کیا اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پاکستان میں، میں نے ان کے مالی تعاون سے اس وقت فریڈم انٹرنیشنل کی داغ بیل ڈالی جب یہاں کے لوگوں کو شعور تک نہیں تھا کہ این جی اوز معاشرتی بہبود کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ میرے مقاصد نیک تھے۔ وہ میری ہر ضرورت پوری کرتے تھے مگر صرف میرے ذاتی مطالبے پر۔ میری آواز ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ کوئی اور اکرم الٰہی بن کر ان سے کوئی مدد نہیں اینٹھ سکتا۔ یہ مقبول کی مجبوری ہے۔ اسی وجہ سے میں زندہ ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے وہ تم پر کیوں دباؤ ڈال رہا تھا؟" میرے لیے اکرم الٰہی کی گفتگو اچانک دلچسپ ہوگئی تھی۔

"یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ فاؤنڈیشن کے وسیع مالی وسائل کے غلط استعمال کے لیے سی آئی اے کے بہت سے ایجنٹ اس میں گھس گئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مقبول چوہدری نے میری فریڈم انٹرنیشنل کے عظیم مقاصد کو پس پشت ڈال کر ان ایجنٹوں سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ وہ سی آئی اے کے ایجنڈے پر کام کررہا ہے اور میرے ذریعے فاؤنڈیشن سے بڑی بڑی رقمیں لوٹ رہا ہے۔"

"میرا سوال تازہ ترین معاملے کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ رُستم ایرانی نامی کسی ایرانی مہاجر کے حقوق کا مسئلہ ہے۔" اکرم الٰہی اس معاملے کی سنگینی سے بے خبر تھا۔ وہ روا روی کے انداز میں بولنے لگا "وہ بہائی ہے اور اسے دباؤ ڈال کر مارا گیا ہے۔ اس کیس پر آواز اٹھانے کے لیے مجھے فاؤنڈیشن سے ایک لاکھ ڈالر طلب کرنے ہیں۔"

"اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل ایک بیان جاری کرچکی ہے۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "اگر فاؤنڈیشن والے تمہارا مطالبہ پورا نہ کریں تو وہ کیا کرے گا؟"

"وہاں میری شہرت بہت اچھی ہے، اب تک ایسا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ سی آئی اے والے بہت چالاک ہیں۔ مقبول سے جو کام بھی لیتے ہیں، اس کے دہرے مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اپنے کاموں کے اچھے پہلو بتاتا ہے۔ مذموم خفیہ مقاصد اس کے اور اس کے آقاؤں کے علم میں ہوتے ہیں۔"

"تمہیں قیدی بنانے کے بعد وہ فاؤنڈیشن سے کتنی رقم بٹور چکا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس ساؤنڈ پروف تہ خانے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہے۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اس نے یہاں سے سب گھڑیاں ہٹادی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی بار میں نے پانچ لاکھ ڈالر مانگے تھے۔" اس نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"اس کے لیے کیا بہانہ تراشا گیا تھا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک پاکستانی بن کر سوچو تو بہت ذلیل اور گھٹیا مقصد تھا۔ گھروں سے آشناؤں کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیاں اپنے ماں، باپ اور خاندان کی رو سیاہی کا باعث بنتی ہیں، خاندان اور معاشرے میں ہولناک ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے لیکن مقبول، عورت اور مرد کی انفرادی آزادیوں کے نام پر ایسے بھگوڑے جوڑوں کو قانونی مدد فراہم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا... یہ سب ہمارے ملک اور مذہب کے خلاف سی آئی اے کے منصوبے ہیں۔"

"اور تم نے اسے رقم دلوا دی تھی!" میں نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں مجبور تھا۔ فاؤنڈیشن کا وائس چیئرمین امریکی ہے۔ امریکا میں یہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ شادی کے بغیر لاکھوں جوڑے اکٹھے رہتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی راہ پر ہولیتے ہیں۔ وہ ہماری طرح عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وائس چیئرمین میرا پروگرام سن کر خوش ہوا تھا کہ پس ماندہ اور جاہل قوموں میں بھی ایسے اعلیٰ مقاصد کے بارے میں سوچا جانے لگا ہے۔"

"ابھی تک تم خود کو کسی فرشتے کی طرح معصوم اور بے گناہ ثابت کرتے رہے ہو!" ویرا بولی۔

"فرشتوں کے پاس پیٹ کا جہنم نہیں ہوتا۔" اس نے ویرا کے طنز کا جواب اسی لہجے میں دیا "مجھے زندہ رہنے کے لیے اس جہنم کو بھرنا پڑتا ہے۔ اس جہنم کی خوراک مقبول فراہم کرتا ہے۔ میں اپنی برداشت کی آخری حد تک مزاحمت کرتا ہوں۔ جب موت کا خوف ہیولوں کی صورت میں اپنے اردگرد نظر آنے لگتا ہے تو میں فرشتہ نہیں رہتا، آدمی بن جاتا ہوں۔" اس نے رک رک کر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میرے پاس وقت کا حساب نہیں ہے، میں ایک نیند لیتا ہوں تو سمجھو کہ ایک رات گزر جاتی ہے۔ اس حساب سے چار دن ہوچکے ہیں، میں بھوکا ہوں۔ صرف نل کے پانی پر گزارہ کررہا ہوں۔"

اس کا حساب واقعی بگڑا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنا زیادہ وقت بیداری کے عالم میں گزار رہا تھا پھر بھی ویرا اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکی "چار دن کے بھوکے ہو اور بڑی روانی سے بول رہے ہو۔"

ایک لمبی مدت کے بعد کسی ہمدرد کو اپنے سامنے دیکھا ہے..... میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہوتی تو اب تک میں نے کمینے مقبول کے سامنے سر جھکا دیا ہوتا....."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم نے ہمیں اپنا ہمدرد کیسے سمجھ لیا؟"

"وہ تم لوگوں سے ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے" اس کے چہرے پر خوف کی نحوست ناچ رہی تھی۔ اس کے ہر دشمن کو اب میں اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتا ہوں..... تم میری بیڑی نہیں کھولوگی؟"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری اور اول خان کی طرف دیکھا اور ہماری نظروں میں رضا مندی کے اشارے پا کر وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا کے پاس قفل شکنی کے جملہ لوازم موجود تھے۔ اس نے بہت آسانی سے اکرم الٰہی کی داہنی پنڈلی کو تنگ آہنی کڑے سے نجات دلا دی۔ اکرم الٰہی نے اٹھ کر دیوانہ وار کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔

اکرم الٰہی کی وہ حرکت اس قدر اچانک تھی کہ ہم سب ہی بوکھلا گئے۔ حامد نے اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اکرم الٰہی دوڑتے دوڑتے بولا "میں کہیں نہیں جا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی مرضی سے دوڑ کر خوش ہو لینے دو۔ مجھے ایک مدت کے بعد یہ آزادی ملی ہے۔"

سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا مگر میں ترحم آمیز لہجے میں بولے بغیر نہ رہ سکا "اپنا یہ شوق اس بدبودار کمرے سے باہر نکل کر بھی پورا کر سکتے ہو۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ہانپتے ہوئے ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے بدن اور کپڑوں تک سے تیز بساند آ رہی تھی جو نتھنوں سے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔

تہ خانے سے نکلنے کے صرف دو راستے تھے۔ خفیہ زینے سے مائیکرو آٹوز کے راستے باہر نکل جانا یا لفٹ کے ذریعے اوپر کی کسی منزل تک پہنچنا۔ باہر بجلی کے مسئلے کی وجہ سے ویسے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اگر لوگوں میں یہ خبر پھیل جاتی کہ اکرم الٰہی بیرونِ ملک جانے کے بجائے اپنے تہ خانے میں قید تھا اور وہاں سے رہائی پا چکا ہے تو وہاں ایک جمِ غفیر لگ سکتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لفٹ استعمال کی جائے۔

چھوٹی سی لفٹ صرف چار افراد کے لیے کافی تھی لیکن اس میں ہم پانچوں سما گئے۔ اس تنگ جگہ میں، اکرم الٰہی کے وجود سے پھوٹنے والی بدبو ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔

دوسری منزل پر لفٹ چھوڑتے ہوئے اکرم الٰہی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا غلیظ وجود ہم سب کے لیے سخت ناگوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کر ہم سے غسل خانے میں جانے کی اجازت چاہی۔ اس وقت تک ہم اس کی کہانی پر بڑی حد تک یقین کر چکے تھے۔ میں نے اسے غسل کرنے اور لباس بدلنے کی اجازت دینے کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ سر یا داڑھی مونچھوں کو تراشنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔

ہم لوگ اپنے ذہنوں میں اس مہم کے اختتام کا جو خاکہ لے کر آئے تھے وہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ مجرم صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے خلاف سب سے بڑا گواہ ہماری تحویل میں تھا۔

میں اول خان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ویرا اٹھ کر کہیں چل دی۔ اول خان نے فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کیا تو وہ غزالہ اور سلطان شاہ کو لیے، واپس لوٹ آئی۔

"یہاں اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان بھنک تک نہیں ملی۔" غزالہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے شکوہ کیا "ہم دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے گاڑی میں سوکھ رہے تھے۔"

"تمہارے لیے مقبول چوہدری کو باہر بھیجا تھا مگر وہ گدھا غلط راستے سے نکل گیا۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "اب مجھے یہاں رک کر اپنے آدمیوں کا انتظار کرنا ہوگا۔ تم لوگ یہاں سے بازیاب ہونے والے قیدی کو اپنے ساتھ لے کر گھر نکل جاؤ۔ وہ چند روز تک تمہارا مہمان رہے گا۔"

"کیوں؟" ویرا نے برا سا منہ بنایا "اسے اسٹیشن فور کیوں نہیں لے جاتے؟"

"حفاظت کے ساتھ اسے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت بھی ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے وضاحت کی "یہاں سے ہاتھ آنے والے بقیہ افراد وہیں جائیں گے۔"

"یہاں رہا ہی کون ہے؟ چاہو تو بے ہوش گن مین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دو۔" ویرا بولی۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "گیراج میں بھی دو گن مین ہیں۔ اکرم الٰہی ہمیں بتائے گا کہ ان میں سے کون کون مقبول کا وفادار رہے۔"

"یہ عمارت اکرم ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس سے یہ ضرور پوچھنا کہ اسے یہاں اس قدر حفاظتی انتظامات کی کیا ضرورت تھی۔" ویرا، اکرم الٰہی کے غلیظ و متعفن وجود سے شاید کراہت میں مبتلا ہو چکی تھی "پچھلا دروازہ کسی والٹ کے دروازے کی طرح فولادی ہے۔ اس کا سہ رخی قفل دو چابیوں کے استعمال سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔"

اکرم کو ایک مدت کے بعد غسل کرنے کی آزادی میسر آئی تھی۔ وہ ایک گھنٹے بھی غسل خانے میں گھسا رہتا تو کم تھا لیکن وہ غیر معمولی وقت لیے بغیر نہا دھو کر اور کپڑے تبدیل کر کے اپنی خواب

گاہ سے برآمد ہوا تو بڑی بڑی سنوری ہوئی زلفوں اور سینے تک لہراتی ہوئی داڑھی کی وجہ سے بزرگانہ مردانہ وجاہت کا پیکر نظر آ رہا تھا۔

آتے ہی اس نے مسکرا کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے ”خدا کا شکر اور تم لوگوں کا شکریہ کہ آج مجھے یہ مبارک رات نصیب ہوئی جب میں دوبارہ آزاد ہوں۔“

”تمہاری جون ہی بدل گئی ہے۔“ ویرا نے مسکرا کر تبصرہ کیا ”نہا دھو لیے تو اب شکم سیری بھی کر لو تاکہ یہاں سے روانگی کے بارے میں سوچا جا سکے۔“

بھوک اس پر اتنی زیادہ غالب تھی کہ وہ ویرا کی دی ہوئی دعوت کو رد نہ کر سکا اور سیدھا ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے لیے چند ڈبے اور برتن لے کر ڈرائنگ روم میں ہی آ گیا اور ہماری موجودگی کی پروا کیے بغیر ندیدے پن سے ٹھنڈی خوراک پر ٹوٹ پڑا۔

”خدا کی پناہ!“ خاموشی سے پیٹ میں چند لقمے اتار لینے کے بعد وہ بولا ”وہ اپنے فلور سے زیادہ میرے فلور پر قابض تھا۔ اس نے میرے بیڈروم کا حشر خراب کیا ہوا ہے۔“

”تمہیں اس عمارت میں اتنے زیادہ حفاظتی انتظام کی کیا ضرورت تھی؟“ اول خان نے ویرا کا سوال پوچھا۔

”میں اکیلا رہتا ہوں۔ زندگی گزارنے کے لیے میرا ایک خواب تھا جو میں نے دو سو گز کے اس چھوٹے سے پلاٹ میں سمو دیا۔ بجلی بند ہوتے ہی پوری عمارت، تہ خانے اور گیراج سے الگ تھلگ ہو جاتی ہے۔ بجلی آتی رہے تو لفٹ سے تہ خانے میں پہنچ کر زینوں سے گیراج میں پہنچا جا سکتا ہے۔ اس بلڈنگ میں، میں نے اپنے کاروبار، مشغلے اور رہائش کو بہت سوچ سمجھ کر یک جا کیا تھا۔“

”اور پچھلا بلٹ پروف، فولادی دروازہ؟“ ویرا نے خاص طور پر پوچھا۔

”اکیلے آدمی کے لیے یہ سب ضروری ہوتا ہے۔ میری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں پھٹک سکتا۔ میں کسی گن مین کے پہرے کے بغیر آزادی سے پیر پھیلا کر سو سکتا ہوں۔“

”لیکن تمہارے اپنے چہیتے نے تمہارے اس سارے حفاظتی حصار کو چکنا چور کر کے، تمہیں اسی قلعے میں قید کر دیا۔“ ویرا نے اس سے کچھ زیادہ ہی الجھنا شروع کر دیا۔

وہ اداسی سے مسکرا دیا ”اسے اپنی اس ذلیل حرکت کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ آزادی مل جانے کے بعد میں اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن سکتا ہوں۔“

”ہمیں اس کی فکر ہے۔ وہ کہاں پناہ لے سکتا ہے؟“ اول خان نے سوال کیا۔

”اگر اس نے اپنی پسند کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے تو اسے نرگس کے گھر پہنچنا چاہیے۔“ کھانے کے ساتھ ساتھ وہ ہر سوال کا جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔

اکرم الٰہی کی رائے میں نرگس بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ مقبول نے خود ہی نرگس کو اس سے ملایا تھا۔ اکرم الٰہی کو اس کے گھر کا پتا یا فون نمبر معلوم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اس کا ناخلف بھانجا اپنے بدترین وقت میں بھی نرگس سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا۔

طور خان کو اکرم الٰہی نے دیکھ بھال کر خود ملازم رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ طور خان، مقبول چوہدری کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ اس بے چارے کو علم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کے فرش سے نیچے والی خفیہ منزل میں اس کے اصل مالک کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا تھا۔

اکرم الٰہی کا خیال تھا کہ مقبول کے دوسرے ملازمین کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ مقبول خود ہی لفٹ کے راستے اسے کھانے پینے کی اشیا گاہے گاہے پہنچاتا رہتا تھا۔ اس کی واپسی بھی لفٹ کے ذریعے ہوتی تھی۔ پوری قید کے دوران میں اس نے صرف چند بار اسے زینوں کے راستے گیراج کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود تہ خانے میں اکرم الٰہی نے مقبول کے سوا کبھی کسی کی پرچھائیں نہیں دیکھی تھی۔

مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے بارے میں جس رازداری سے کام لیا تھا، اس کے بعد نجی زندگی میں اس کا بے فکر ہونا قرینِ قیاس تھا۔ اول خان پُر یقین تھا کہ گیراج کے عملے کے لوگ یا ان میں سے کوئی نہ کوئی نرگس کے گھر کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا۔

گیراج وقت کی پابندی سے شام کے پانچ بجے بند ہو جاتا تھا۔ عملے سے پوچھ گچھ کے لیے اگلی صبح کا انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی مقبول کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد اکرم الٰہی کو ہمارے بارے میں کچھ جاننے کا اشتیاق ہونے لگا۔ اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم سب سرکاری اہل کار تھے اور شاید مقبول چوہدری کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، وہ بس یہ جاننے کے لیے مرا جا رہا تھا کہ ہمارا تعلق کس فرض شناس محکمے سے تھا۔

اول خان نے وہ سوالات سختی سے رد کر دیے۔ کوئی راہ نکلتی نظر نہ آئی تو اکرم الٰہی نے مجبور ہو کر اپنا مدعا بیان کر دیا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل کی نیک نامی بچانے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور مقبول کے قصے میں ان مذموم سرگرمیوں کا ذکر نہ آنے پائے جو مقبول اس ادارے کی آڑ میں پروان چڑھا رہا تھا۔

اکرم الٰہی کی وہ خواہش بہت غیر حقیقی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

مائیکرو آٹوز کو اکرم الٰہی نے پہلے ہی مقبول کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اصل جھگڑا فریڈم انٹرنیشنل پر قبضے کا تھا۔ وہ ذکر حذف کرنے کے بعد اس قصے میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا

تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اکرم الٰہی اپنی زندگی کے بھیانک ترین تجربے سے گزرنے کے باوجود وہ معاملہ کیوں دبانا چاہ رہا تھا۔

"حامد! تم اکرم الٰہی کے ساتھ فریڈم انٹرنیشنل کے ریکارڈ کا جائزہ لے ڈالو۔" میں نے اکرم الٰہی کو وہاں سے ٹالنے کے لیے حامد سے کہا "اکرم کی قید کے دوران میں ہونے والی کارروائیوں کی فائلیں ہمیں مدد دیں گی۔"

حامد ہوشیار آدمی تھا۔ اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا اور اکرم الٰہی اس کے ساتھ چل دیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے ابھی تک اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان نہیں کیا۔ اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے ہمارے چہرے دیکھ لیے ہیں مگر ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھائیں گے۔" میں نے کہا۔

"پھر اس کا کیا کیا جائے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا "وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ اس میں تمہاری رائے بھی پوری طرح شامل تھی۔"

"اس لیے میں نے ذمے داری تم پر نہیں ڈالی' اپنا ارادہ بدلنے کی بات کی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ اس کے بارے میں ویرا کی تجویز پر عمل کرو اور اسے اسٹیشن فور لے چلو۔"

"وہ کہیں بھی لاجواب نہیں ہوا۔ اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا سوچا سمجھا جواب موجود تھا۔" ویرا نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا "حواس باختہ اور مار کھایا ہوا آدمی اتنی مدلل اور مفصل باتیں نہیں کرتا۔ برحق ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "موت کے جبڑوں سے نکلتے ہی' کوئی مکار ترین آدمی بھی اتنی روانی سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حقیقت بیان کرنے کے لیے آدمی کو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سچ زبان سے بہتا چلا جاتا ہے۔"

"ایک صورت اور بھی ہے۔" میں نے رائے دی "فی الحال اس کی رسی دراز کردو اور اسے یہیں چھوڑ دو۔ چند روز کی کڑی نگرانی سے سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس دوران میں فریڈم انٹرنیشنل کی پرانی کارکردگی کا ریکارڈ بھی چھانا جا سکتا ہے۔ مجھے اکرم کی کہانی پر یکایک ہی کچھ شبہ ہونے لگا ہے۔"

"پھر اسے یہیں چھوڑے دیتے ہیں۔" اول خان نے ہتھیار ڈال دیے "دوسرے آدمیوں سے اسٹیشن فور میں بازپرس کی جائے گی۔ ان کی کہانیاں بھی خاصا مواد فراہم کردیں گی۔"

"یہ اس کا قلعہ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اس ننھی سی سلطنت میں کس طرح بے خوف و خطر رہتا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"کتوں کی موت کے بعد اس کا قلعہ غیر محفوظ ہو گیا ہے۔" اول خان کے دل میں اکرم کے لیے نرم گوشہ موجود تھا۔

"اس کا ذکر ہی مت کرو۔ وہ خود بھی اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیے بغیر بستر پر نہیں لیٹے گا۔"

اکرم الٰہی اور حامد میری توقع کے برعکس جلد واپس لوٹ آئے۔ حامد کے ہاتھ میں صرف دو فائلیں تھیں۔

اکرم نے آتے ہی پرجوش لہجے میں کہا "میں نے آج کی تاریخ دیکھ کر حساب لگایا ہے کہ میں چھتیس دنوں تک متبول کی قید میں رہا ہوں۔ ان دنوں اسے فورڈ فاؤنڈیشن سے آخری فیکس رستم کے بارے میں ملا تھا۔ اس نے وہی پیغام فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے پریس کو جاری کردیا۔"

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ متبول چوہدری اس ادارے کو تمہارے متعین کیے ہوئے اصولوں پر چلاتا رہا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں اعتراض کیا۔

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم فاؤنڈیشن میں گھسی ہوئی کالی بھیڑوں سے واقف نہیں ہو۔" اس نے حامد کے ہاتھ سے ایک فائل لے کر کھولی اور ایک خاص صفحہ الٹ کر فائل میرے سامنے رکھ دی۔

"یہ دیکھو!" اس نے پیغام کے آخر میں چھپے ہوئے نام پر انگلی رکھ کر اپنی بات جاری رکھی "تم بارسوخ آدمی ہو۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ تم اپنے ذرائع سے تصدیق کرسکتے ہو کہ فاؤنڈیشن میں ملازمت کے ساتھ' جان اسمتھ آج بھی فیئر فیکس میں سی آئی اے کے پے رول پر ہے۔"

میرے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سی آئی اے کے ملازمین کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری قید کے دوران میں جان نے فیئر فیکس کو خیرباد کہہ کر فورڈ فاؤنڈیشن کی ملازمت اختیار کرلی ہو؟"

لمحے بھر کے لیے اکرم الٰہی کی آنکھوں میں بوکھلاہٹ تیر گئی۔ میرے چبھتے ہوئے سوال سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ جوشِ بیان میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگے نکل گیا تھا۔ اس کے چہرے کا بیشتر حصہ خودرو بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہوتا تو اس کی پریشانی کا زیادہ واضح اندازہ ہو سکتا تھا۔

"میں سس.... سی آئی اے کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی "جان اسمتھ دراصل کراچی میں رہا ہے۔ میری اس سے ذاتی واقفیت تھی۔"

اس بار میں بے رخی سے ہنسے بغیر نہ رہ سکا "اس دلدل میں زیادہ ہاتھ پیر نہ مارو۔ جان اسمتھ نام کے ہزاروں لوگ امریکا میں مل جائیں گے پھر تم اس بات کا کیا جواز دوگے کہ کراچی میں مامور ایک سی آئی اے ایجنٹ سے تمہارے ذاتی مراسم تھے؟ تم تھکے ہوئے ہو' تمہارا ذہن ماؤف ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ بے بسی سے ہنسنے لگا "میں واقعی بھٹک رہا ہوں مگر مجھے خوشی ہے کہ تم لوگوں کا رویّہ بہت ہمدردانہ ہے۔ تم سب نے موت کے اندھے کنوئیں سے نکال کر مجھ پر احسان کیا ہے۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ حامد اور اول خان سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اکرم الٰہی کو دانستہ نظر انداز کر دیا۔ میں اس کے ذہن میں بے نام خوف اور وسوسہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ایسی کیفیات سے دوچار ہونے کے بعد اس کی طرف سے لغزشوں کا امکان بڑھ جاتا۔

"میں ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دوں۔ چابیاں استعمال کیے بغیر یہ باہر کیسے نکلیں گے؟" اکرم الٰہی نے مسکین لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ وہ اکرم کو کوئی جواب دیے بغیر خود ہمارے ساتھ ہولیا۔

"تم دونوں ہم زبان ہو جاتے ہو تو فتنے بیدار ہونے لگتے ہیں۔" اول خان نے لفٹ میں سوار ہو کر ہنستے ہوئے کہا "تم نے اسے خلجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ بہت مضطرب ہے۔"

"اس کی باتوں پر غور کرو گے تو تم بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اتنا معصوم نہیں ہے، جتنا خود کو ظاہر کر رہا ہے۔"

لفٹ گراؤنڈ فلور پر پہنچی تو ہم پانچوں باہر نکل گئے۔ ویرا پچھلا دروازہ کھول کر غزالہ اور سلطان شاہ کو اندر لا چکی تھی۔ اس نے ... گچھے میں سے دو لمبی چابیاں استعمال کر کے وہ عمل دہرایا اور ہم باہر نکل گئے۔

توحید کمرشل کا خاصا بڑا حصہ اس وقت بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے باعث وہ واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا اور گلیوں میں نظر آنے والی بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ سلطان شاہ اپنی کار کو اطمینان سے سڑک پر لیتا ہوا چلا گیا۔ مین روڈ پر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے پہلا سوال داغ دیا۔

وہ دونوں عمارت میں ہونے والی پیش رفت میں شریک نہیں تھے اس لیے ان کے پاس سوالات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا۔ میں، ویرا کے ساتھ مل کر ان دونوں کو جواب دیتا رہا۔ یوں توحید کمرشل سے گلشن اقبال تک کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

باتوں کے دوران ہم میں سے کوئی بھی تعاقب کے امکان سے غافل نہیں تھا مگر شہر کی بعض ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا کہ ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔

○☆○

اگلے روز میں کافی دن چڑھے بیدار ہوا۔ اس جبری بیداری میں اول خان کے فون اور غزالہ کی کوششوں کا دخل تھا۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے ریسیور کان سے لگالیا۔

اول خان نے میری غنودہ آواز سے صحیح اندازہ لگا کر کچھ دیر بعد فون کرنے کی پیش کش کی مگر میں نے اسی وقت بات کرنے پر اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ مائیکرو آٹوز میں مقبول کے نوجوان معاو سے نرگس کا پتا معلوم ہو گیا تھا۔ اس بارے میں وہ ذاتی طور پر کو کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن کمانڈروں کے اجلاس میں شرکت کے لیے فوری طور پشاور طلب کر لیا گیا تھا۔

اس نے نرگس کا پتا نوٹ کرانے کے بعد بتایا کہ اس کے آدمی اکرم الٰہی کی مسلسل نگرانی پر مامور تھے۔ اس نے حامد کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے موصول ہونے وا رپورٹ فون پر مجھ تک پہنچاتا رہے اور مجھے کوئی ضرورت پیش آجائے تو عملی امداد فراہم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے۔

"تم بہت غلط وقت پر پشاور جا رہے ہو۔ اسٹیشن کمانڈروں اجلاس کے بارے میں، میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔" میں اس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد کہا۔

"ایسے اجلاس بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے رہتے ہیں۔ کوشش کروں گا کہ وہاں سے فارغ ہوتے ہی کراچی لوٹ آؤں حامد تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"نرگس کا پتا اکرم الٰہی کے علم میں آگیا ہوگا؟" میں نے سوا کیا۔

"اسے بھنک بھی نہیں ملی جب سے تم نے اس پر شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے، میں محتاط ہو گیا ہوں۔"

"میں نے اس پر کسی شک و شبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ویرا خیالات تھے۔ میں اکرم الٰہی کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جب کہ مقبول چوہدری کے جرائم ہمارے سامنے ہیں۔"

"داؤد سے کام لینے اور پھر اسے قتل کرا دینے کے بعد مقبو کی گردن پھنس چکی ہے۔ اکرم الٰہی کو چھتیس دنوں تک حبس بے میں رکھ کر اس نے ایک اور جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کوئی شخص کیسے ہی سنگین جرم میں کیوں نہ ملوث ہو، ریاستی قانون دوسر شہریوں کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اسے اپنی نجی قید میں رکھیں۔"

"مقبول کی طرف سے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ ہم سب کو چو کر نکل گیا۔"

"طور خان سمیت تینوں گن مین اور مقبول کا معاون ہمار تحویل میں ہیں۔ مائیکرو آٹوز کو بند کر دیا گیا ہے۔ وہاں صرف ا مستری بیٹھا ہوا ہے تاکہ وہ گیراج میں موجود چار گاڑیاں ان مالکان کو واپس کر سکے۔ مقبول جوا کارڈ لے کر فرار ہوا۔ وہ بھی ا گاہک کی ملکیت ہے۔"

میرے لیے وہ اطلاعات اطمینان بخش تھیں۔ اول خان بچھ رات کافی دیر سے واپس لوٹا تھا۔ قیدیوں کے علاوہ وہ فرنٹ انٹرنیشنل کا مزید کچھ ریکارڈ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ صبح نو بجے مائیکرو آٹوز کے عملے سے پوچھ گچھ کے لیے دوبارہ وہاں پہنچا تو اک الٰہی اپنے بڑھے ہوئے بالوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ا

کے چہرے کے بالوں میں سر سے بہت زیادہ سفیدی نمایاں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کلین شیو ہو کر نسبتاً کم عمر بن کر منظرِ عام پر آنے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

میں نے اسے بال ترشوانے سے صرف اس لیے روکا تھا کہ اسے اصل حالت میں متعلقہ حکام تک پہنچایا جا سکے۔ اس بارے میں میرے ذہن میں آئی بی کا ہی نام تھا۔ ایس ٹی ایف والے جن ملک دشمنوں کا حساب خود بے باق نہیں کرتے تھے' ان کو خاموشی سے متعلقہ محکموں کے حوالے کر دیتے تھے۔ مقبول ان کی لسٹ پر آیا ہوا ایک مستند قاتل تھا جب کہ اکرم الٰہی کے مستقبل کا معاملہ التوا میں چلا گیا تھا۔

تین بجے حامد کا فون آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکرم الٰہی کی ملکیتی بلڈنگ اس علاقے میں اپنے نمبر سے زیادہ مائیکرو سینٹر کے مفروضہ نام سے مشہور تھی۔ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اکرم الٰہی بلڈنگ ہی میں مقیم تھا مگر اس نے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ علاقہ بدستور بجلی سے محروم تھا۔ کے ای ایس سی والے جاں فشانی سے جلے ہوئے پی ایم ٹی کی تبدیلی میں مصروف تھے۔ مائیکرو سینٹر کا جنریٹر بند ہو چکا تھا۔ شاید مسلسل استعمال کی وجہ سے اس میں ڈیزل ختم ہو چکا تھا اور وہاں اکرم کی مدد کے لیے کوئی ملازم نہیں تھا جو جنریٹر کا خالی پیٹ بھرنے کا بندوبست کر سکے۔

حامد کو اس عمارت سے نکاس کے دونوں راستوں کا علم تھا۔ مقبول چوہدری نے پچھلی رات اس کی موجودگی میں ہمیں جل دے کر وہاں سے فرار کی خفیہ راہ اختیار کی تھی۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ اس کے دونوں آدمی کاٹھ کے اُلوؤں کی طرح وہاں ڈیوٹی دیتے رہ گئے ہوں اور اکرم الٰہی ان کی بے خبری میں وہاں سے نکل گیا ہو مگر پھر بھی میں نے اپنا شبہ دور کرنا ضروری سمجھا اور حامد سے بات ختم ہونے کے بعد اکرم الٰہی کا رہائشی فون نمبر ملا لیا۔

تین گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید میرا اندیشہ درست تھا مگر چوتھی گھنٹی ختم ہوتے ہی مجھے ریسیور پر اکرم الٰہی کی محتاط آواز سنائی دی۔ اس نے اپنا نام بتائے بغیر صرف ہیلو کہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ کافی دیر سے گھنٹیاں بج رہی تھیں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! یہ تم ہو۔" اُدھر سے اطمینان کے ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا گیا "میں تذبذب میں تھا کہ یہ کال سنوں یا نہ سنوں۔ بس اب یہ طے ہو گیا کہ میں چار گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاؤں گا۔ لوگ عام طور پر اتنے لمبے انتظار کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیتے ہیں۔ چوتھی گھنٹی پر میں سمجھ لوں گا کہ تم میں سے کوئی لائن پر ہے .... ہمارے درمیان اتنی مفاہمت ہونے کے باوجود یہ بات بہت عجیب ہے کہ میں تمہارے نام تک سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم مجھے مظہر کہہ سکتے ہو۔" اس کی تشفی کے لیے میں نے کہہ دیا پھر پوچھا "تم وہاں سکون سے رہ رہے ہو؟ کسی نے تمہیں پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"ابھی میں اپنی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ چھت پر کسی نے میرے قیمتی اور بہترین تربیت یافتہ واچ ڈاگز کی جوڑی کو ڈارٹ شاٹس کے ذریعے ہلاک کر دیا ہے۔ مجھے ان پر بہت ناز تھا ہیں..."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "جب انسانی سروں پر تلوار لٹک رہی ہو تو کتوں کے لیے رونا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔ انہیں بھول جاؤ۔ وہ زندہ رہتے تو شاید تم قید ہی میں سسک سسک کر مر جاتے۔"

"انہیں تم نے مارا تھا؟" اس کا وہ تحیر زدہ سوال بے ساختہ تھا۔

"کسی نہ کسی نے مارا ہی ہوگا ورنہ وہ زندہ ہوتے۔" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

"کتے مارے گئے' طور خان بھی نہیں ہے۔ میں خود کو پنجرے میں قید ایک وحشی بن مانس سمجھ رہا ہوں۔ کوئی ہرج نہ ہو تو میں اپنا حلیہ درست کر لوں تاکہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہو سکوں۔"

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس مقبول چوہدری کی طرح غائب نہ ہو جانا۔" میں نے اپنی بات پوری کر کے فون بند کر دیا۔ اس کال کے ذریعے میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش بھی کر ڈالی تھی کہ اس کی نگرانی نہیں ہو رہی تھی۔ اپنی نقل و حرکت کے بارے میں وہ پوری طرح آزاد تھا۔

"تم بلاوجہ ان دونوں پر وقت برباد کر رہے ہو۔" ویرا نے وہ گفتگو سن کر رکھائی سے کہا "میری مانو تو مقبول اور اکرم کی گردنیں اتار لو۔ یہ دونوں موذی ہیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں گے۔"

"تم بہت سفاک بلکہ خون آشام ہو گئی ہو۔ انسانوں کو یوں چیونٹیوں کی طرح بلاوجہ نہیں مسلا جا سکتا۔"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم اپنی راہ سے بھٹک کر ماموں اور بھانجے کے ذاتی تنازعے میں الجھ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے بالکل ہی مختلف رائے قائم کی ہوئی تھی۔

"وہ ایک ضمنی معاملہ ہے ورنہ فریڈم انٹرنیشنل اور امریکی ایجنٹوں کے درمیان قریبی تعاون کے کھلے ثبوت مل چکے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بار انہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی آڑ لی ہوئی ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کی۔

"تم امریکی ہو اس لیے کچھ بھی کہہ سکتی ہو ورنہ ہم لوگ کسی ادارے پر الزام تراشی کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ محض اکرم الٰہی جیسے شخص کے بیان اور مقبول کی سرگرمیوں کی بنا پر کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری رائے میں یہ سلسلہ کچھ طول پکڑے گا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا ”ہم سے کوئی غلطی نہ ہوئی تو یہ کھیل اگلے چند روز میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہر شخص کا چہرہ بے نقاب ہو جائے گا۔“

”مجھے یہ معاملہ بہت گہرا نظر آرہا ہے۔“ غزالہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی ”پاکستان میں امریکی ہر محاذ پر بری طرح پٹ رہے ہیں ..... انہیں جان و مال کے خطرے نظر آرہے ہیں۔ رابن مائز والے قصے کے بعد انہیں سفارتی اور اخلاقی محاذ پر ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ اب وہ خود پسپا ہو کر پاکستانیوں پر سرمایہ کاری کرنے کے موڈ میں آچکے ہیں۔ پتا نہیں فریڈم انٹرنیشنل جیسے کتنے این جی اوز ان کے جال میں پھنسنے والے ہوں.....“

”وہ تمہارے گھر کو گھر کے چراغوں سے پھونک دینا چاہتے ہیں۔“ ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”یہی اصل اندیشہ ہے جو مجھے پریشان کررہا ہے۔“ میں نے ان دونوں کی تائید کی ”غیر ملکی میدان میں الگ سے پہچانے اور پھر گھیر لیے جاتے ہیں۔ مقامیوں کے خلاف اس طرح کھل کر کارروائیاں نہیں کی جاسکتیں۔ ہم نے اپنے طور پر کام کرنا چاہا تو اول خان کو ہم سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے گا۔“

اس کلیدی نکتے پر ہم چاروں دیر تک سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

میں پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کے تحت پانچ بجے گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ شریف آباد میں نرگس کے گھر کا جائزہ لینے کا تھا اور موقع مل جاتا تو وہاں کچھ کام بھی کیا جاسکتا تھا۔

میری معلومات کے مطابق شریف آباد 'لیاقت آباد سے آگے' داہنے ہاتھ پر آباد 'فیڈرل بی ایریا کی پہلی متوسط آبادی تھی۔ جہاں گنجان آبادی ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے واقف ہونے پر مجبور تھے۔ تھوڑا سا وقت صرف کرکے میں نرگس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال سکتا تھا۔

میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے ہوتا ہوا ذرا سی دیر میں شریف آباد کی صاف ستھری اور تعلیم یافتہ آبادی میں داخل ہوگیا۔ میں نے ایک جنرل اسٹور والے سے اس پتے کے بارے میں دریافت کیا تو مکان نمبر دیکھتے ہی وہ بولا ”آپ نسرین باجی سے ملنے آئے ہیں۔“ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔

اس کے بتائے ہوئے راستے میں اتنے موڑ تھے کہ کچھ آگے جانے کے بعد مجھے بھٹکنے کا احساس ہوا۔ میں نے گاڑی روک کر ایک دکان دار سے سوال کیا تو وہ بھی پتا دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ میں نسرین باجی کا مہمان تھا اور پھر اس نے مجھے راستہ سمجھا دیا۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے میرے ذہن میں نسرین باجی کے بارے میں تجسس پیدا ہوچکا تھا۔ وہ اس علاقے میں دور تک مشہور تھی اور اس کا پتا بیشتر دکان داروں کو ازبر تھا۔

تیسری جگہ میں بلا ضرورت رک گیا۔ اس مرتبہ بھی میرا تجربہ مختلف نہیں رہا۔ اسٹیٹ ایجنسی والے نے ذومعنی انداز میں پتے سے واقفیت ظاہر کرکے نسرین باجی کے گھر کی نشان دہی کی تھی۔

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ ایک خاتون کا اپنے علاقے میں یوں دور دور تک مشہور ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ آبادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اسے ایک نام سے جانتے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی نے اس بات پر حیرت ظاہر نہیں کی تھی کہ ایک اجنبی 'نسرین باجی کا گھر کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

مجھے وہ پتا نرگس کے حوالے سے ملا تھا مگر وہاں نسرین نامی کوئی خاتون رہتی تھی۔ پتا نہیں ان دونوں میں کیا تعلق تھا۔ وہ نرگس کی ماں' بہن' بھاوج یا کچھ بھی ہوسکتی تھی۔

میں نے پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس گلی کے تمام مکانات کی چوڑائی یکساں تھی لیکن قطار کے سرے پر واقع نسرین باجی کے گھر کی چوڑائی دگنی تھی۔ میں نے سست رفتاری کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے پھاٹک کی جھری پر نگاہ ڈالی تو اندر اکارڈ تو کیا' کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آسکی۔ گلی میں' دیوار کے سہارے ایک سوزوکی خیبر ضرور کھڑی ہوئی تھی۔

اکرم الٰہی نے بہت وثوق سے دعویٰ کیا تھا کہ مقبول چوہدری فرار کے بعد نرگس کے گھر پر ہی پناہ لے گا مگر میں اس دعوے سے متفق نہیں تھا۔ خطرات میں گھر جانے کے بعد کوئی عام آدمی بھی ایسے ٹھکانے کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرتا جہاں اس کے پائے جانے کے امکانات دوسروں اور خاص طور پر کسی دشمن کے علم میں ہوں۔

میں وہاں صرف اس ارادے سے پہنچا تھا کہ نرگس سے مقبول کے بارے میں کوئی خبر نکال سکوں۔ نسرین باجی کی شہرت کی وجہ سے مجھے اپنے ارادے میں کامیابی ہوتی نظر آرہی تھی۔

اس مکان کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پوری آبادی کا ایک چکر لگایا اور یوں کچھ وقت گزار کر دوبارہ وہاں پہنچا۔ اس وقت تک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی خیبر جاچکی تھی۔ میں نے اس خالی جگہ میں اپنی گاڑی کھڑی کردی۔

دل ہی دل میں تیاری کرتے ہوئے میں نے گاڑی لاک کرکے ستون پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مکان کے اندرونی حصے میں بجنے والی گھنٹی کی مترنم آواز میرے کانوں میں آئی۔ مختصر سے انتظار کے بعد پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

ایک بنی سنوری اور خوب رو لڑکی کو اپنے روبرو پاکر میں چند لمحوں کے لیے سٹپٹایا مگر پھر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا ”میں نسرین باجی سے ملنے آیا ہوں۔“ میں نے اس کے کسی سوال سے پہلے کہہ ڈالا۔

”اندر آجائیے۔“ لڑکی نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر داخل ہونے کا راستہ دے دیا۔

دہرے پلاٹ پر بنا ہوا وہ مکان کافی کشادہ تھا۔ میرا استقبال کرنے والی لڑکی نے معذرت کی کہ ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ایک چھوٹے اور آراستہ کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مجھے مکان کے اندرونی حصے میں سر سے پیر تک تیار ایک اور لڑکی گزرتی ہوئی نظر آئی۔

مسہری اور مختصر صوفوں سے مزین‘ اس کمرے میں بیٹھنے کے بعد میری میزبان نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ زبان کھولی ”میرا نام نیہا ہے.... آپ کو کس نے بھیجا ہے؟“

اس گھر میں رہنے والی بلکہ نظر آنے والی دونوں لڑکیوں میں مجھے خانہ داری کے جوہر کا شدید قحط محسوس ہوا تھا ورنہ عام گھروں میں لڑکیاں یوں ہر وقت نک سک سے تیار ہو کر نہیں رہتیں۔ اس مشاہدے کی بنا پر نسرین باجی کی شہرت کے بارے میں میرے شبہات راسخ ہو گئے۔

”اس وقت تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے ہیں۔“ میں نے ہلکی سی اوباشانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”کچھ عرصے پہلے جاوید نے نسرین باجی کا ذکر کیا تھا۔ آج دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آیا۔“

”اچھا! نیہا نے میرے بہانے کو بلا عذر تسلیم کر لیا ”وہی جاوید جو پلازا پر آٹو پارٹس کا کام کرتے ہیں۔“

”شاید وہی ہو۔ میں یار کی یاری سے مطلب رکھتا ہوں۔ اس کے کام دھندے کی پروا نہیں کرتا۔“

”آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔“ وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے بولی ”میرے ساتھ بیٹھیں گے یا کسی اور سے بھی ملنا پسند کریں گے۔ اس وقت میری دو سہیلیاں بھی یہاں موجود ہیں۔“

”ان میں سے کسی کا نام نرگس بھی ہے؟“ میں نے نظریں ترچھی کر کے دھیرے سے پوچھا۔

”نرگس گئی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ ٹینا اور ماریا موجود ہیں۔ بلاؤں انہیں؟“

”میری میزبانی تم نے کی ہے۔ میں کسی اور کو بلا کر تمہاری دل آزاری نہیں کروں گا۔“

”شکریہ!“ وہ پلکیں جھپکا کے بولی ”ہمارے ساتھ تو روز یہ ہوتا رہتا ہے۔ باجی کی تربیت یہی ہے کہ ہمیں مہمان کی مرضی‘ پسند اور خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔“

میں نے اس کی دل جوئی کے لیے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ بھڑک کر مجھ سے ذرا دور سرک گئی۔

”نہیں ..... یہ باجی کے اصول کے خلاف ہے۔ پہلے پندرہ سو روپے دے دیں پھر میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہوں گی۔ چاہیں گے تو بوتل بھی آجائے گی۔ پندرہ سو اس کے ہوں گے۔“

”یہ ظلم ہے۔“ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ”تمہاری وقعت ایک بوتل سے بہت زیادہ ہے۔“

”یہ آپ کی مرضی ہے۔ جو دیں گے‘ سلام کر کے قبول کر لوں گی۔“ اس کے چہرے پر پہلی نظر پڑنے کے بعد میں تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ وہ اس قدر بے حجابی سے سارے معاملات از خود طے کر لیتی ہوگی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے ٹینا اور ماریا کو بلانے سے انکار کر کے نیہا کے دل کے کسی گوشے میں ذرا سی جگہ پیدا کر لی تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر شاید میں کام کی کوئی بات معلوم کر سکتا تھا۔

میں نے اسے دو ہزار روپے دیتے ہوئے یہ بات جتا دی کہ اس میں پانچ سو روپے صرف اور صرف اس کے تھے۔ اس نے میرے قریب ہو کر مجھے سلام کیا‘ پانچ سو کا ایک سبز نوٹ اپنے بلاؤز میں اڑسا اور ایک منٹ کی اجازت لے کر کمرے سے نکل گئی۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

چند منٹ بعد وہ آئی اور مجھے وہاں سے اٹھا کر ایک اندرونی خواب گاہ میں لے گئی جو پہلے کمرے سے زیادہ کشادہ‘ آراستہ اور خوشبودار تھی ”پانچ سو روپے اس کمرے کے ہوں گے۔“ اس نے اٹھلا کر کہا۔

دو ہزار روپے سے محرومی کے بعد نیہا کی وہ نئی شرط میرے لیے بہت ناگوار ثابت ہوئی مگر میں اس وقت نرگس کے گھر میں موجود تھا اس لیے اپنے غصے کو پی گیا۔ میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”اگر میں تمہیں لے کر ڈرائیونگ پر جانا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔“

”بالکل نہیں۔“ وہ خوش ہو کر بولی ”یہاں ایسے دلیر مہمان بہت کم آتے ہیں۔ ہمارے ساتھ باہر نکلنے میں ہر ایک کو اپنی عزت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔“

”بے وقوف ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس چار دیواری میں قدم رکھتے ہی اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ آدمی کی اصل عزت وہ ہوتی ہے جو خود اس کے دل میں‘ اپنے لیے ہوتی ہے۔“

”ایک بات بتا دوں۔ تم رات بھر بھی مجھے شہر میں گھماتے رہو تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔“ معاملات طے ہوتے ہی وہ آپ جناب سے تم پر آگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی ”آخر میں تمہیں پھر یہیں آنا پڑے گا۔ باجی اپنی لڑکیوں کو کسی ہوٹل میں نہیں جانے دیتیں۔ وہاں آئے دن پولیس کی پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی ہے۔“

”فائیو اسٹار ہوٹلوں میں پولیس قدم تک نہیں رکھتی۔“ میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

”وہ ہنس پڑی ”پانچ ہزار کے کمرے میں راتیں گزارنے والے پندرہ سو میں ہمیں نہیں لے جاتے۔ ان کے کام دوسرے ہوتے ہیں۔ تم ان میں سے معلوم نہیں ہوتے..... وہ اپنا بندوبست فون پر

کر لیتے ہیں۔"

میں نے اپنی مرضی سے اسے پانچ سو روپے فاضل ادا کر دیے تھے مگر مجھے بے وقوف بن کر پانچ روپے لٹانا بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے اس پر واضح کر دیا کہ کمرے کی ضرورت ہوئی تو واپسی پر کچھ طے کر لیا جائے گا۔

اس نے میری بات سے نہ جانے کیا مفہوم نکالا کہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ وہ بے باک ضرور تھی مگر بدتمیز نہیں تھی۔ اپنی ہنسی پر قابو پا کر جلد ہی میرے ساتھ ہولی۔

اس وقت سورج اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا، فضا میں ہر طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ گھر سے باہر نکل کر میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تو میں اس پر ترس کھائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خوب صورت اور کم عمر تھی۔ نہ جانے کن مجبوریوں کے تحت گناہوں کی اس بھیانک دلدل میں اتری ہوئی تھی۔

یہ اس پیشے کا عالمی اصول ہے کہ پہلی ملاقات پر لڑکی کا ماضی کریدنے کی فطری کوشش کی جائے تو وہ ہمیشہ اپنی مظلومیت اور بے چارگی کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اسلوب اختیار کرتی ہے۔

میں نے گفتگو کی ابتدا اس کے مختصر سے نام سے کی تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ اس کا فرضی نام تھا۔ گھر بار کی عزت کے لیے وہ اور اس جیسی ہر لڑکی اپنا اصل نام چھپاتی تھی۔

وہ ایک غریب گھرانے کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ چند برس پہلے، باپ کے انتقال کے بعد ماں، تین چھوٹی بہنوں اور سب سے چھوٹے بھائی کی کفالت کا بوجھ سر پر پڑا تو وہ گھر سے ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ وہ خوش رو اور خوش گفتار تھی، انٹر پاس تھی۔ اسے آسانی سے ملازمت مل گئی مگر دوسرے ہی ہفتے اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا باس اس سے دفتری کاموں کے ساتھ کچھ ذاتی کام بھی لینا چاہتا تھا۔ اپنے شان دار دفتر کی خلوت میں اس نے نیما کو شان دار مستقبل کے خواب دکھا کر اپنے چنگل میں لینا چاہا تو وہ خوف زدہ ہو کر اس کے دفتر سے بھاگ نکلی۔

اس نے وہاں سے اپنے دس پندرہ دن کے واجبات بھی نہیں لیے اور گھر لوٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

پہلے بھیانک تجربے کے کئی روز بعد اس نے دوسری کوشش کی۔ تیسری تنخواہ کے ساتھ اسے ملازمت سے جواب مل گیا کیونکہ اس نے اپنے مالک کے سیکریٹری سے عشق لڑانے سے انکار کر دیا تھا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری نے اپنی ناکامی پر جھلا کر نیما کے خلاف، اپنے مالک کے ایسے کان بھرے کہ اس نے اپنے دفتر میں ایک طویل لکچر دے کر نوکری سے نکال دیا۔

وہ پے در پے کئی ناکام تجربات سے گزری۔ ہر بار اسے یہ سبق ملا کہ اس جیسی لڑکی صرف نوکری کر کے اپنے گھر والوں کا پیٹ نہیں پال سکتی۔ اسے کچھ نہ کچھ گندے سمجھوتے بھی کرنے پڑیں گے۔

اسی دوران میں اس کی نظروں سے ایک بیوٹی پارلر کا اشتہار گزرا۔ وہ انٹرویو کے لیے پہنچی تو نسرین باجی اپنی سہیلی کے بیوٹی پارلر میں موجود تھی۔ اس کے گھریلو حالات کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرنے کے بعد نسرین باجی نے کھل کر اسے بتا دیا کہ چھ ہزار روپے ماہانہ کے عوض کیا کرنا ہوگا۔

نیما کو نسرین باجی کی یہ ادا پسند آئی کہ وہ دوغلی نہیں تھی۔ جو چاہتی تھی، کھل کر بتا رہی تھی۔ دوسرے آجر پکے منافق ثابت ہوئے تھے۔ خشک اور معصوم بلکہ بارعب کاروباری چہروں کے پیچھے، کہیں نہ کہیں ہوس کا جال بچھائے بیٹھے تھے۔ کہتے کچھ تھے، چاہتے کچھ اور تھے۔

نیما نے سوچا کہ گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے یہی سب کرنا ہے تو پھر کیوں نہ باجی کے لیے کیا جائے۔ وہ اسے دگنی تنخواہ کی پیشکش کر رہی تھی۔ نیما نے گھر والوں کو بتایا کہ اسے شام سے رات تک کے لیے بیوٹی پارلر میں چھ ہزار کی نوکری مل گئی ہے تو بیوہ ماں کی آنکھیں ممتا کے نور سے چمک اٹھیں۔ اس کے ہاتھ بیٹی کی ترقی کی دعا کے لیے اٹھ گئے۔

واپسی میں دیر سویر کو نیما نے اپنی نئی نوکری کا معمول بتایا تھا۔ سب جانتے تھے کہ دلہنوں اور بیگمات کے میک اپ میں کتنا وقت لگتا ہے۔ شہر میں تقریبات دیر سے ہوتی ہیں، اس لیے "گاہک" دیر سے آتی ہیں اور ان کی تیاری میں نیما کو بھی دیر ہو جاتی ہے۔

تنخواہ کے علاوہ، وہ کبھی کبھار اوپر کی آمدنی کے دو چار سو اپنی ماں کے ہاتھ میں دینے لگی تو کسی کو کوئی فکر اور تشویش ہی نہ رہی۔ سب ان بیگمات اور دلہنوں کے حق میں دعائے خیر کرتے تھے جو نیما کا زیادہ وقت لیتی تھیں تو اسے دل کھول کر انعام بھی دیتی تھیں۔

اس کام میں باجی کی بیوٹی پارلر والی سہیلی بھی کسی نہ کسی حد تک شریک تھی۔ کسی بھی لڑکی کے لیے گھر بار سے فون آتا تو وہ بہانا کر دیتی کہ مطلوبہ لڑکی کہیں خضاب یا مہندی لگانے گئی ہوئی ہے۔ فون پر باجی کے ذریعے لڑکی کو پیغام ملتا تو وہ اپنے گھر فون کر لیتی۔ یوں ہر ایک کا بھرم رہ جاتا تھا۔

میں اس کہانی کے دوران میں نیما سے ہمدردی بھی ظاہر کرتا رہا۔ میں اس کی ذہنی رو کو ایسی راہ پر ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کو فراموش کر کے مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ محسوس کرنے لگے۔

مختلف علاقوں کی سیر کرتے ہوئے ہم شام کو کلفٹن کے ساحل پر پہنچے تو بہت دور، سورج کا قرمزی اور نارنجی گولا دھیرے دھیرے آسمان اور پانی کی چھوتی ہوئی لکیر سے نیچے ڈوب رہا تھا۔

"ساحل پر سورج ڈوبنے کا منظر کس قدر حسین ہوتا ہے!" نیما جذباتی لہجے میں بولی۔

"یہاں سورج واقعی ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے۔ شہر میں تو یہ صرف غروب ہوتا ہے۔"

"تم نے میری ساری رام کہانی سن لی۔ اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ نا!" کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد نیا نے میرا بازو بھینچ کر مجھ سے مطالبہ کیا۔

"مجھے میرے پارٹنر نے کئی لاکھ روپے کی چوٹ دی ہے۔" میں نے اداسی سے کہا "اور اب وہ غائب ہے۔ بس' وہی غم غلط کرنے کے لیے میں آج تمہاری طرف آیا تھا۔ نرگس ہوتی تو وہ میرے زخموں پر کچھ مرہم رکھ سکتی تھی۔"

"نرگس! تم نے دوسری بار اس کا نام لیا ہے۔ کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ میرا دغاباز پارٹنر نرگس پر بُری طرح مرتا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارے پارٹنر کا؟" نیا چالاک تھی مگر تجربے کار نہیں تھی' تجسس میں مبتلا ہوگئی "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہیں جاوید نے باجی کا نام اور پتا دیا تھا۔"

میرا جی چاہا کہ اس کا منہ بند کردوں۔ نسرین نے باجی جیسے مقدس رشتے کو بری طرح پامال کیا ہوا تھا۔ وہ عورت' باجی نہیں' باجی کہلانے کی مستحق تھی مگر میں نے ضبط سے کام لیا اور مضمحل سی آواز میں نیا کو بتایا "یہ اتفاق ہے کہ جاوید اور مقبول' دونوں تمہاری باجی کی ڈیوڑھی کے غلام ہیں...."

"اوہو.... تو مقبول نے تمہیں لاکھوں کا دھوکا دیا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"تم مقبول کو جانتی ہو؟ اس کا پورا نام مقبول چوہدری ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ آتا رہتا تھا۔ پچھلے ہفتے سے غائب ہے۔" نیا کے لب ولہجے سے نفرت ابلی پڑ رہی تھی "وہ بہت مکار' خود غرض اور گھمنڈی ہے۔ باجی کو پیسے دے کر ہم لوگوں سے اپنا اور نرگس کا بدن دبواتا ہے۔ جب سے اس نے نرگس پر ہاتھ رکھا ہے' اس کمینے کے بھی نخرے ہوگئے ہیں۔ باجی نے اسے کام سے ہٹادیا ہے اور اس کی جگہ نئی لڑکی رکھ لی ہے۔"

مقبول کے خلاف اس کی نفرت کا اندازہ ہوتے ہی میں اپنی نشست میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا "نرگس کام نہیں کرتی تو آج کہاں گئی ہوئی تھی؟"

"وہ کہیں بھی نہیں گئی۔ میں نے تم سے بہانا کیا تھا۔ وہ پیچھے کے بڑے بیڈ روم میں مقبول کے زخموں کی مرہم پٹی کررہی تھی۔" نیا کا لہجہ تحقیر آمیز تھا "کسی نے اسے چارچوٹ کی مار ماری ہے۔ وہ کل رات سے باجی کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی اکارڈ باجی نے خود ایرپورٹ پر چھوڑی تھی۔"

نیا میرے مطلب کے موضوع پر آئی تو اس نے اپنی معلومات کا خزانہ لٹانا شروع کردیا۔ اکارڈ کے بارے میں اس کے اچھوتے انکشاف نے مجھے بری طرح چونکادیا۔

"گاڑی ایرپورٹ پر کیوں چھوڑی؟ یہ باتیں تم مجھے اب بتارہی ہو؟"

"وہ باجی کے پاس چھپا ہوا ہے۔ گاڑی وہاں سے ملے گی تو لوگ سوچیں گے کہ وہ جہاز سے کہیں اور چلاگیا ہے۔ باجی گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی سے واپس آئی تھیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ میں اس دھوکے باز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"رات کو وہ آیا تو تین لڑکیاں گھر میں مہمانوں کو بھگتا رہی تھیں۔ رات کی باتیں انہوں نے بتائیں اور اس لولے زخمی کو تو ہم خود دیکھ چکے ہیں۔ سب اس کی نوکرانیاں بنی ہوئی ہیں مگر باجی نے سب کو منع کردیا ہے کہ مقبول کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔"

"پھر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتارہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

میرے سوال پر وہ سٹپٹا گئی "تم.... تم ہی نے تو پوچھا تھا۔ تم اس کا نام نہ لیتے تو میں تمہیں ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں ہنس پڑا "اس نے تمہاری باجی کو اپنے زخموں کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"یہ نہیں معلوم.... لڑکیوں سے سنا ہے کہ کسی سے اس کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے چھپنے کے لیے باجی کے گھر آیا ہے۔ زخم بھر جائیں گے تو جاکر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "وہ کسی ہوٹل میں چلا جاتا۔"

"ہوٹل میں وہ تماشا بن جاتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس کا پورا منہ زخمی ہے اور ایک بازو پٹیوں میں بندھا ہوا ہے۔ ہوٹل والے ایسے آدمی کو کمرا کیسے دیتے؟"

"تم نے اپنی باجی کے حکم کی خلاف ورزی کرکے مجھے یہ سب باتیں بتائی ہیں۔ نسرین کو پتا چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گی۔" میں نے اسے پکا کرنے کے لیے کہا۔

"تم بتاؤ گے تو انہیں پتا چلے گا ورنہ انہیں کیا معلوم کہ ہم کیا باتیں کرتے رہے ہیں۔"

"اگر میں نسرین کو بتادوں تو کیا ہوگا؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھے نوکری سے نکالتی ہے تو نکال دے۔ دو برسوں میں' میں نے بہت کام سیکھ لیا ہے۔ میں چل پھر کر اس سے زیادہ پیسے کما سکتی ہوں۔ یہاں بس ایک بھرم ہے کہ میں بیوٹی پارلر میں کام کرتی ہوں۔"

"دیکھو! مقبول نے میرا پیسا کھایا ہوا ہے اور تمہیں موقع بے موقع ذلیل کرتا رہتا ہے۔ تم ذرا سی ہمت کرو تو ہم دونوں مل کر اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ساحل کا منظر اس قدر حسین ہے۔ تم گاڑی کہاں لیے

جارہے ہو؟" نیا نے میری بات سنی اَن سنی کر کے احتجاج کیا "میں ابھی گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہیں گھر نہیں لے جارہا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم میری بات کا جواب دو۔"

"میں اس ذلیل آدمی سے بدلہ لے کر کیا کروں گی؟ خدا اسے خود ہی ذلیل اور خوار کررہا ہے پھر بھی باجی اسے اپنا داماد بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ پیسے پر جان دینے والی عورت ہے۔"

"داماد!" میں نے حیرت سے دہرایا "تو کیا نرگس، نسرین کی بیٹی ہے؟"

"نرگس اور ثریا اس کی بیٹیاں ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ باجی گندے بازار سے اٹھ کر شریفوں کی بستی میں آبسی ہے جب ہی اپنی بیٹیوں کو بھی کام پر لگایا ہوا ہے۔ جب سے نرگس نے مقبول پر ڈورے ڈالے ہیں، وہ روز نئے نمونوں کی بدتمیزیاں برداشت کرنے سے بچ گئی ہے۔"

نسرین کے بارے میں نیا کی رائے سے اختلاف کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہوتا تو وہ خود جو چاہتی، کرتی رہتی لیکن اپنی بیٹیوں کو غلط راستے پر نہ لگاتی۔ نیا اس سے ہزار درجے بہتر اور عظیم تھی کہ اپنے گھر کی عزت کی خاطر نام بدل کر وہ گندی نوکری کررہی تھی۔ جائز روزی کے حصول کے لیے اس کا ہر تجربہ ناکام ہوچکا تھا اور اس نے مجبوری کے عالم میں، محض اپنے گھر والوں کے لیے، نسرین کی نوکری قبول کی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ گھر جاکر نسرین کو ایک بات سمجھانی ہے کہ اب مقبول بالکل کنگال ہوچکا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ مقبول کو گھر سے نکال دے گی۔"

"وہ یقین ہی نہیں کرے گی۔" نیا نے پورے وثوق سے کہا۔ "وہ ابھی تک تلملا رہی ہے کہ مقبول نے ذرا سے ڈر کی وجہ سے اپنی لاکھوں کی گاڑی بلاوجہ ایئرپورٹ بھجوا دی۔ وہ اسے اپنے استعمال کے لیے رکھنا چاہ رہی تھی۔ مقبول نے اسے ڈانٹ کر گاڑی لے جانے پر مجبور کیا تھا۔"

"تم ہمت کرو تو نسرین کیا، مقبول بھی تمہاری بات کو نہیں جھٹلا سکے گا۔" میں نے اصرار کیا "مقبول بالکل قلاش ہے۔ کل تک وہ اپنے ماموں کے مال پر عیش کررہا تھا، آج ماموں اس کی تلاش میں ہے....."

"کیا....؟" نیا کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہارا مطلب ہے کہ تم مقبول کے ماموں ہو۔"

"نہیں۔" میں نے جھلّا کر کہا "اس کا ماموں کوئی اور ہے۔ میری طرح وہ بھی اس کی تلاش میں ہے اور رات کو وہ چور کی طرح چھپتا چھپاتا جس گاڑی میں وہاں پہنچا تھا، وہ چوری کی تھی۔ کل تک یہ خبر اخباروں میں آجائے گی۔"

"پیسا ماموں کا تھا، گاڑی چوری کی تھی تو پھر اس نے نرگس پر لاکھوں روپے کیسے لٹا دیے....؟"

"وہ اپنے ماموں کے پیسے کو آگ لگا رہا تھا۔ اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوچکا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے سمجھانا چاہا۔

وہ اپنے جسم سے چھ ہزار روپے مہینہ کمانے والی ایک غریب لڑکی تھی، لاکھوں کا وہ ہیر پھیر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا "میں نسرین سے یہ سب کہہ دوں پھر تم اپنا مال واپس لینے کے لیے شریف آباد پر چڑھائی کردو گے؟" اس نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری باتیں سن کر مقبول خود وہاں سے بھاگ نکلے گا۔ نسرین کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں باہر اسے گھیر لوں گا۔ نسرین نے اپنی زبان بند رکھی تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"میں اسے کیا بتاؤں گی؟ وہ پوچھے گا کہ یہ ساری باتیں مجھے کس نے بتائی ہیں؟" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"وہ حواس باختہ ہوجائے گا، اسے تم سے کچھ پوچھنے کا ہوش نہیں رہے گا۔" میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے کہا "پوچھے تو کہہ دینا کہ نئے مہمان یا گاہک نے بتائی ہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ تم نے ابھی تک مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ کیا یہی سب بتانے کے لیے مجھے وہاں سے نکال کر کلفٹن لائے تھے؟" میرے دلاسے سے بھی اس کی تشفی نہیں ہوسکی۔

"اچھا ہوا کہ بے خبری میں ہم وہاں سے نکل آئے۔ نسرین کے گھر میں بیٹھے رہتے اور اچانک اس سے سامنا ہوجاتا تو وہاں بہت خون خرابا ہوتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے اور جھگڑا شروع ہوجاتا۔"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو....؟ میرے ہاتھ پیروں میں خوف سے اینٹھن ہورہی ہے۔ رک رک کر شروع سے بتاؤ کہ مجھے کیا کہنا اور کرنا ہے۔" نیا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے ایک بار پھر اسے اس کا رول سمجھانا شروع کردیا۔ وہ ہراس کے عالم میں پوری توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ کہیں لے چلو۔" پوری بات سن لینے کے بعد وہ پھر مچل گئی "میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مقبول کو مجھ پر شبہ ہوگیا تو میں بے موت ماری جاؤں گی۔"

مجھے غصہ آگیا "تم ایسی کی تیسی میں جاؤ۔ میں تمہیں کہیں نہیں لے جاسکتا۔ گھر میں گھس کر اسے ماروں گا اور پھر جو کچھ ہوگا، اس کی ذمّے دار تم ہوگی۔"

اس نے باقاعدہ رونا شروع کردیا اور مجھے گاڑی فوراً ہی ڈیفنس کی ایک سنسان گلی میں موڑنی پڑ گئی۔

کچھ دیر تک میں دانت پر دانت جمائے دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جب اس کے سُر بند نہ ہوئے تو میں نے گاڑی ایک خالی پلاٹ پر پڑے ہوئے کچرے کے ڈھیر پر چڑھا کر روک دی۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی۔ اس حرکت کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ وہ رونا بھول گئی ”گاڑی یہاں کیوں روکی ہے؟“ اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

”اب تمہارے حلق سے رونے کی منحوس آواز برآمد ہوئی تو تمہارا گلا دبا کر تمہیں یہیں پھینک دوں گا۔“ میں نے خشک اور غصیلے لہجے میں اسے دھمکی دی۔

”اب تو میں خاموش ہوں۔ گاڑی یہاں سے اتار لو۔ میں وہی کروں گی جو تم کہہ رہے ہو۔“

میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی ریورس کی اور دوبارہ سڑک پر آگیا۔

کچھ دیر تک خاموش رہ کر میں نے اپنا غصہ ضبط کیا پھر اسے حکم دیا ”اب جلدی جلدی بتاتی چلی جاؤ کہ تمہیں نسرین سے کیا کیا کہنا ہے۔“

کچھ دیر پہلے تک وہ حماقت میں خود کررہا تھا۔ میرے آنکھیں دکھانے پر اس نے اپنا آموختہ' بدلے ہوئے الفاظ میں دہرانا شروع کردیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میرا بتایا ہوا اصل متن اس کی ناکارہ کھوپڑی میں جم چکا تھا۔

میں نے چلتی کار میں موبائل فون کی میموری کی مدد سے گھر کا نمبر ملایا۔

فون پر سلطان شاہ موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی چہکنے لگا ”شام سے تم کہاں غائب ہو۔ تمہاری طرف سے سب فکر مند ہیں۔ تم نے جاتے ہوئے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”میں اپنے اچھے برے کو خوب سمجھتا ہوں۔ کہیں آنے جانے کے لیے مجھے تمہاری یا کسی اور کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے کن انکھیوں سے نیا کا ردِعمل دیکھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا ”میں دو ہزار روپے میں اس وقت ایک لڑکی کے ساتھ عیش کررہا ہوں۔ تم نے زیادہ بکواس کی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔“

”اوہ.... تم یہ سب کسے سنا رہے ہو؟ کیا واقعی تمہارا معیار اتنا پست ہوگیا ہے کہ بات چوبیس ہزار روپے درجن تک پہنچ گئی ہے؟“ سلطان شاہ موقع کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔

”ہاں۔ میں اسی کا منہ توڑوں گا کیونکہ اس نے رو رو کر میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ مقبول اسی کی نائکہ کے گھر میں چھپا ہوا ہے اور یہ اسے میرے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہے۔“

”مبارک ہو!“ سلطان شاہ وہ خبر سنتے ہی شاید خوشی سے اچھل پڑا ”یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی آسانی سے اپنے گم شدہ ہدف کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟“

”یہ شریف آباد جاکر اسے گھر سے نکالے گی اور میں اسے گھیرلوں گا۔ تم فوراً الاعظم کے نمکو سینٹریا اسپتال کے پاس پہنچ جاؤ۔ کتوں والی مشین ضرور ساتھ لے آنا۔“

”ڈارٹ گن کے ساتھ شاید بلیو شاٹس کی ضرورت ہوگی۔“ سلطان شاہ کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا ”عورتوں کو تو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”فی الحال یہی ایک کافی ہے۔ تم پوری بات سمجھ گئے ہو۔“ میں نے فون بند کردیا۔

”برا نہ مانو تو مجھے بھی بتادو کہ تم کس سے بات کررہے تھے۔“ نیا نے ہولے سے کہا۔

”ایک دوست تھا۔ کارپوریشن میں کتے پکڑنے کا کام کرتا ہے۔ مقبول کو وہی پکڑے گا۔“ اس بار میں نے نرمی سے جواب دیا۔ زیادہ تلخی کا مظاہرہ کرکے میں اسے بددل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم پولیس کو نہ بلالو۔ نسرین وردی والوں سے بہت ڈرتی ہے۔ اس سے ملنے کے لیے وہ لوگ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں۔“

”میں اپنے معاملے خود نمٹاتا ہوں۔ پولیس' تھانے سے کوئی مدد نہیں لیتا۔“

”یہ خیال رکھنا کہ نسرین کے گھر کے پاس کوئی گڑبڑ نہ ہو۔“ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نیا نے التجا کی ”وہاں ہم پانچ لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ وہ ٹھکانا بند ہوا تو پانچوں گھروں کے چولہے بجھ جائیں گے۔“

”تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس نوکری کی پروا نہیں ہے۔ تم خود بھی بہت کچھ سیکھ گئی ہو۔“

”شاید میں نے جوش میں کہہ دیا ہوگا۔ آج کل بے عزتی کے کاموں کے لیے بھی عزت دار ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہمارے سروں پر نسرین کا ہاتھ بھی ہے۔ اس سے ہمیں بہت زیادہ حوصلہ رہتا ہے۔“

میں چپ رہا۔ اس کے الفاظ نے میرے ذہن میں ایک طوفان سا برپا کردیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ اس کی زندگی کا سچا تجربہ تھا اس کے سوا سب کچھ جھوٹ تھا۔

”تم دوسرے مردوں کی طرح نہیں ہو۔ مجھے بہت اچھے لگے ہو۔“ آخر نیا نے ہی وہ سکوت توڑا ”دوسرے تو ہماری بوٹی بوٹی سے اپنی رقم کا معاوضہ وصول کرتے ہیں.... تم چپ کیوں ہوگئے ہو؟“

”مجبور اور بے بس لڑکیوں کے سامنے مجھے ایسی ہی چپ لگتی ہے' چالاک لومڑیوں کا شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔“

”تم سے بعد میں ملاقات ہوسکتی ہے؟“ اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوجھل دل کے ساتھ اپنا موبائل فون نمبر بتایا جو اس نے گاڑی میں موجودہ قلم اور کاغذ کی مدد سے نوٹ کرلیا۔

شریف آباد میں، میں نے نیا کو نسرین کے مکان سے دانستہ کچھ دور اتارا تاکہ اس کے گھر میں گھسنے سے پہلے میں سلطان شاہ کو لے کر وہاں پہنچ سکوں۔

اسے اتار کر میں آگے بڑھا تو اسپتال کی دیوار کے قریب سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔ اسے لے کر میں تیزی سے نسرین کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کر دیا۔

میرے لیے دو نکات اہم تھے۔ اپنی گاڑی کو نیا کی نگاہوں سے بچانا اور نسرین کے مکان کے اگلے اور پچھلے راستوں پر بیک وقت نگاہ رکھنا۔ ان دونوں کا حل بہت سادہ تھا۔

نیا کو سامنے کے دروازے سے گھر میں داخل ہونا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو ادھر مامور کر دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ مقبول وہاں سے بھاگنے کے لیے پیچھے والی تنگ، کچی اور گندی گلی استعمال کرے گا۔ میں نے اپنی گاڑی اس طرح پارک کی کہ وہ نیم تاریک گلی میری نگاہوں میں رہے۔

نسرین کا گھر علاقے میں ویسے ہی بدنام تھا۔ قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے میری گاڑی اور سلطان شاہ کی مشتبہ موجودگی کو محسوس کر لیا ہو تب بھی کسی نے ہمارے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ تنگ اور بدنام لوگوں سے شرفا کی کنارہ کشی نے معاشرتی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ہر برے آدمی کو یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ کہیں بھی پہنچ کر غنڈا گردی کرے، کوئی اسے روکنے کے لیے پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پورا معاملہ اس کے اور متاثرہ فریق کے درمیان ہی طے ہوگا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں فاصلے کے لحاظ سے حساب لگاتا رہا کہ نیا کب گھر میں داخل ہوئی ہوگی اور کب اس نے نسرین کو اعتماد میں لیا ہوگا۔

میری توقع سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا لیکن وہ انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ خاصے طویل وقفے کے بعد نسرین کے مکان کا پچھلا دروازہ کھلا، کسی دراز قامت مرد نے سر نکال کر دائیں بائیں دیکھا اور پھرتی سے گلی میں آکر میری مخالف سمت میں چل دیا۔ اس کی چال، قامت اور جسامت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقبول چودہری ہی تھا۔

نسرین کا مکان کونے پر واقع تھا۔ گھر سے نکل کر وہ چند قدم چلتا اور گندی گلی سے باہر آجاتا مگر مقبول نے بالکل مخالف سمت اختیار کی تھی۔ وہ مکانوں کی ایک طویل قطار عبور کر کے ہی دوسری طرف نکل سکتا تھا۔

میں نے تیزی سے گاڑی گھمائی، سلطان شاہ غافل نہیں تھا۔ کسی غیر معمولی سرعت کا مظاہرہ کیے بغیر وہ مجھ سے آملا اور میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑ لی۔

"وہ گندی گلی کے آخری سرے پر نمودار ہوگا۔ ڈارٹ گن تیار کر لو۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"اسے بہت لمبی گلی طے کرنی پڑے گی۔ تم مجھے پہلے سے وہاں اتار دو۔ پیدل رہ کر میں اسے آسانی سے اپنا نشانہ بنا سکوں گا۔ گاڑی میں بیٹھا رہا تو فاصلے اور ہوا کی وجہ سے نشانہ خطا ہو سکتا ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ بات تجربے پر مبنی تھی۔ مقبول نے آدھی گلی بھی طے نہیں کی ہوگی کہ میں نے سلطان شاہ کو آخر میں اتار کر گاڑی کو ذرا فاصلے پر کنارے سے لگا دیا۔

سلطان شاہ چہل قدمی کے انداز میں تپلی گلی کے سامنے سے گزرا اور مقبول کی پوزیشن کے مطابق چند قدم دور جا کر واپس ہو لیا۔

اس کا اندازہ اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ اِدھر مقبول لمبے لمبے ڈگ بھرتا، گلی سے نکل کر داہنی طرف مڑا اور اُدھر سلطان شاہ اس سے چند قدم پیچھے پہنچا ہوا تھا۔ اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر سلطان شاہ نے جیب سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر ڈارٹ گن چلائی، مقبول چلتے چلتے لڑکھڑا کر اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے جسیم وجود کے گرنے کی آواز اتنی پر شور تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود افراد بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ کی ڈارٹ گن دوبارہ اس کی جیب میں غائب ہو چکی تھی۔ وہی مقبول چودہری سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دوڑ کر فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔ دوسروں کو واقعے کے سر پیر کا کچھ علم نہیں تھا جب کہ مجھے ڈارٹ شاٹ کی فکر تھی۔ اندھیرے میں سلطان شاہ کے داہنے ہاتھ کی حرکت سے میں نے اندازہ کر لیا کہ قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اس نے ڈارٹ کو مقبول کے بدن سے نکال کر کہیں اچھال دیا تھا۔

اس کے گرد مجمع لگتے ہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بڑھا کر ایسی جگہ پر لے گیا جہاں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے مقبول کو نہلا دیا تھا۔

اس پر روشنی پڑتے ہی سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں اور انہوں نے اس کے ساکت وجود کو اٹھاتے اٹھاتے زمین پر ڈال دیا۔

"اوہ! یہ تو پہلے سے بہت زیادہ زخمی ہے.... اس کا پورا چہرہ پرانی چوٹوں سے سوجا ہوا ہے۔ شاید ایک ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گر کر مر چکا ہے۔"

بھانت بھانت کے ان تبصروں میں سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز بھی شامل تھی۔ اپنی بناوٹی حیرت کا اظہار کرنے کے بعد اس نے دوسروں کو مخاطب کیا "اٹھاتے اٹھاتے اسے پھینک کیوں دیا؟ یہ زندہ ہے یا مردہ، اس بے چارے کو کسی اسپتال تو پہنچا دو۔ گاڑی بھی کھڑی ہے۔"

میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے بغیر انجن بند کیا اور ہینڈ بریک کھینچ

کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"یار یہ چلتے چلتے گرا تھا۔ اپنی گاڑی میں اسے اسپتال چھوڑ دو گے؟" مقبول کے گرد جمع ہونے والوں میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔
"یار' مجھے جلدی ہے۔ اٹھا کر کسی بھی کلینک پر لے جاؤ۔" میں نے کہا۔
"کوئی نیا آدمی ہے۔ پتا نہیں کہاں سے آیا ہے۔ مجھے تو یہ پولیس کیس لگتا ہے۔" ایک آدمی یہ کہہ کر تیزی سے اپنی راہ ہولیا۔ کسی نے اسے ملامت نہیں کی۔
"بھائی' اسپتال پہنچا کر چلے جانا۔ تمہارا وقت انسانی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی سے میری خوشامد کی "آج کل تو لوگوں کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔"
"اچھا!" میں نے نیم دلی سے کہا "پھر جلدی اٹھاؤ اسے۔ وقت خراب مت کرو۔"
وہاں لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ چند افراد نے مقبول کو اٹھا کر میری گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالا۔ سلطان شاہ ہمدردانہ انداز میں اس کا سر گود میں لے کر اندر گھس چکا تھا۔
"ایک دو آدمی اور آجاؤ۔ اسپتال میں اسے اتارنا بھی ہوگا۔" میں نے دعوت دی۔
مجمع میں سے کوئی آگے نہیں آیا۔ کسی نے ہانک لگائی "وقت خراب مت کرو۔ تم دونوں ہی اسے لے جاؤ۔ اسپتال والے خود اتار لیں گے۔"
"لعنت ہو تم لوگوں کی بزدلی پر۔" گاڑی کا انجن بیدار ہونے پر سلطان شاہ کھڑکی میں سے غرایا "کل تم میں سے بھی کسی کو ایسی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"
میں گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔ ہم مقبول چوہدری کو بھرے مجمع میں سے نکال لانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔
پیچھے ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر سلطان شاہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "تیرے لیے سیٹ سے زیادہ پائیدان ہی اچھا ہے۔ میرے کپڑے بھی مٹی سے گندے کروا دیے مردود نے۔"
وہ چلتی گاڑی میں بندر کی سی پھرتی سے اچک کر میرے برابر والی نشست پر آگیا۔
"اب بتاؤ کہ تم نے اس کا کھوج کیسے نکال لیا۔" مشن پورا ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے جرح شروع کر دی "مجھے اندازہ نہیں تھا تم اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل جاؤ گے۔"
"ہم دونوں ہوتے تو گھوم گھام کر واپس لوٹ جاتے۔ یہ اس علاقے کے ایک بدنام اڈے میں چھپا ہوا تھا۔" میں نے اس کے بے تکے سوالات سے بچنے کے لیے خود ہی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔
"تو یوں کہو کہ نسرین باجی کی شیطان جیسی شہرت نے تمہیں کوئی فیصلہ کرنے میں مدد دی!" سلطان شاہ نے مختصر سی کہانی سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔
"بنیادی بات یہی تھی۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں مقبول کا سامنا کیے بغیر' نیا سمیت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہماری کامیابی میں نیا کا کردار بہت اہم ہے۔ گھر پہنچنے کے بعد وہ اپنا ارادہ بدل لیتی تو ہم ساری رات انتظار ہی میں سوکھتے رہتے۔"
"مجھے حیرت ہے کہ خراب شہرت کے باوجود لوگ اپنے درمیان نسرین جیسی شیطان صفت عورت کا وجود برداشت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہاں جانے والوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔" وہ بولا۔
"یہ خرابیاں شرمناک ہیں مگر ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے جن تین افراد سے پتا معلوم کیا' وہ خود رنگین مزاج رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی نیک نفس ہوتا تو بے اعتنائی برت کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر سکتا تھا۔"
"اتنے بڑے شہر میں اتنی آسانی سے ایک مطلوب مجرم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ اب تم نے اسے پکڑ ہی لیا ہے تو کہاں لے جاؤ گے؟"
"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی۔
"گھر لے گئے تو یہ شور شرابا یا ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "بہتر یہی ہے کہ اسے صدف مینشن پہنچا دو۔ آئی بی والوں نے تمہیں اس عمارت کے استعمال کی اجازت دی ہوئی ہے۔"
"آئی بی والوں کو خوشی ہوگی کہ ہم اپنا قیدی صدف مینشن میں لے جائیں مگر پھر یہ ان کا کیس بن جائے گا۔ وہ ابھی تک پنڈت منوہر لال کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔"
"ان سے مل بیٹھنے کے بعد ہمیں ان کے ضابطوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔" سلطان شاہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑایا "ہم اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے۔"
"ہم من مانی ہرگز نہیں کرتے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "بس خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے ضمیر کے مطابق بہترین فیصلے کرتے ہیں اور ان پر عمل کر گزرتے ہیں۔"
"میں یہی کہہ رہا تھا کہ اس معاملے میں ہماری آزادیاں سلب ہو جائیں گی۔"
"تم اسٹیشن فور کو کیوں بھول رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"اول خان پشاور گیا ہوا ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔
"وہ ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔"
"یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "حامد

سمیت ایس ٹی ایف کے بیشتر افسران ہم سے واقف ہیں اور ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔ مقبول چوہدری ان ہی کی تحویل میں بہتر رہے گا۔"

سلطان شاہ اپنی بغلیں جھانک کر رہ گیا پھر کھسیائے ہوئے انداز میں بولا "تم میرا امتحان لے رہے تھے؟"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے۔ پتا نہیں تم ہر وقت سہاروں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو۔"

اس وقت ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے گزرنے والے تھے۔ وہ جلدی سے بول پڑا "گاڑی گھر کی طرف سے نکال لو۔ ان دونوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اس وقت تمہارا دماغ ماؤف معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں فکر ہوتی تو اب تک کئی فون آ چکے ہوتے۔"

"وہ فون نہیں کریں گی۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی غلط موقع پر بجنے لگے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔" اس کی وضاحت کچھ زیادہ ہی بودی تھی۔ وہ بھول رہا تھا کہ موبائل فون بند کر کے غلط موقع پر کسی کی مداخلت کے خطرے کو میں خود ہی دور کر سکتا تھا۔

"ادھر جانے کی ضرورت نہیں، فون پر انہیں بتا دو۔" میں نے موبائل فون اسے دے دیا۔

حسن اسکوائر سے ہم یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے۔ وہ اسٹیشن فور تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ تھا۔

میں ڈرائیونگ میں مصروف رہا۔ سلطان شاہ فون پر ویرا سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا ایک سیلاب رواں تھا۔ راستے میں دو مقامات پر پولیس کی گاڑیاں نظر آئیں لیکن پُر ہجوم ٹریفک کی...روانی میں خلل کے خطرے کی وجہ سے پولیس کے جوان گاڑیوں کی دیکھ بھال پر زیادہ دھیان نہیں دے رہے تھے۔ میں ویسے بھی سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر گاڑی چلانے کا عادی ہوں اس لیے ہم کسی روک ٹوک کے بغیر سفر طے کرتے چلے گئے لیکن چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ہماری گاڑی روک لی گئی۔

ملٹری پولیس کے سنتری نے عقبی نشست کے پائیدان میں مقبول چوہدری کے ٹھنسے ہوئے وجود کی جھلک دیکھتے ہی اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر ہم پر تان لیا۔ اس کی ہینڈز اَپ کی للکار سنتے ہی چوکی پر کھلبلی مچ گئی۔ سب نے میگزین لوڈ کر کے اپنی گنیں سیدھی کیں اور ہماری گاڑی کو نشانے پر لے لیا۔

ہم دونوں اپنے اپنے دروازے کھول کر، ہاتھ اٹھائے گاڑی سے اتر آئے۔

"ہم اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے بتایا۔

کسی نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ کئی آہنی نالیں بیک وقت ہمارے جسموں سے آ لگیں اور پھر چیک پوسٹ کے انچارج نے ہماری جامہ تلاشی لے کر بھانت بھانت کے کئی ہتھیار اپنی تحویل میں لے لیے۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر دفتر میں آؤ۔" افسر نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

"تمہاری شناخت!" دفتر میں پہنچ کر اس نے مطالبہ کیا مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ کرنل جمال دستی کے نام پر بنا ہوا شناختی کارڈ گھر پر ہی محفوظ تھا۔

"ہم سویلین ہیں۔ تم فون پر ایس ٹی ایف کے کسی افسر سے بات کر سکتے ہو۔"

اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا پھر سرد لہجے میں پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"

میں چند لمحوں کے لیے تذبذب میں پڑ گیا۔ اس وقت ہم بہت خراب پوزیشن میں تھے۔ میں کوئی فرضی نام لیتا تو حامد اس کی تصدیق نہ کرتا۔ چیک پوسٹ والوں کا رویّہ فوراً جارحانہ ہو جاتا۔ وہ لوگ ہمارے خلاف خطرناک کمانڈو ایکشن کر کے چند لمحوں میں مجروح اور بے بس کر سکتے تھے۔

"ڈینی!" میں نے دھیرے سے کہا۔

میرا نام سنتے ہی انچارج کے خشم ناک تیور اعتدال پر آئے اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں تحیر زدہ نظر آنے لگے "سر! آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔" اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ماتحت عملے کے لیے ان الفاظ میں پیغام پوشیدہ تھا۔ میرے بدن سے لگی ہوئی تینوں آہنی نالیں الگ ہو گئیں اور میں نقاہت کے احساس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سر! ہم ڈسپلن سے مجبور ہیں۔" انچارج فون پر ایک نمبر ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ضروری شناخت کے بغیر ہم آپ کو اندر نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کی گاڑی میں ایک زندہ یا مردہ بندہ بھی ہے۔"

اس کا نمبر مل گیا اور اس نے فوراً ہی میرے بارے میں بات شروع کر دی۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف حامد ہی موجود تھا۔

"سوری سر!" اس نے میری آواز پہچاننے کے بعد مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا "اب آپ ریسیور صوبیدار میجر کو دے دیں۔ یہ اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں۔"

فون پر شناخت ہوتے ہی ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ صوبیدار میجر نے ہمارے ہتھیار لوٹاتے ہوئے بہت تپاک سے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس نے میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا مگر میں نوٹ کر چکا تھا کہ میرا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ نام سنتے ہی اس کے تیوروں اور لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔

چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر حامد خود ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔

وہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں مقبول چوہدری کو ہماری تحویل میں دیکھ کر بے اعتباری سے سرہلا کر رہ گیا "رات کو یہ ہمارے سامنے بھاگا تھا اور اب اس حال میں ہے۔ ایسی کامیابیوں کے بارے میں بس سوچا جاسکتا ہے۔ ان کی مثالیں شاذونادر ہی ملتی ہیں۔"

"اس کی گاڑی ایرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔" میں نے اسے بتایا "اسے آج ہی منگوالو۔ صبح کے اخباروں میں مائیکرو آٹوز سے چوری ہونے والی اس گاڑی کی بازیابی کی خبر ضرور آنی چاہیے۔ میرے انفارمر کے تحفظ کے لیے خبر میں گاڑی کا نمبر ضرور شامل ہونا چاہیے۔"

"سر!" حامد نے اپنی ایڑیاں بجاکر کہا "میں ابھی سنٹرل پولیس کنٹرول سے بات کرلوں گا۔"

"قیدی بہت سخت جان مگر زخمی ہے۔" میں نے اسے مقبول چوہدری کے بارے میں بریف کیا "اسے کل دوپہر تک اس حال کو پہنچادو کہ یہ جھوٹ نہ بول سکے۔"

"مجھے علم ہے، سر!" وہ بدستور مؤدب تھا "یہ قاتل اور غدار ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسٹیشن فور کی قید، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ یہ خود بولنے لگے گا۔"

"میں کل فون کرکے خود یہاں آؤں گا۔ اس کے لیے مجھے کارڈ کی ضرورت ہوگی تاکہ ایم پی چیک پوسٹ پر کوئی دقت نہ ہو۔ قیدی نہ ہوتب بھی میں ہروقت مسلح رہتا ہوں۔"

"سوری سر۔ شناختی کارڈ کے لیے صرف چیف کے پاس اتھارٹی ہے۔ وہ لوگ میرے دستخط نہیں مانیں گے۔ میں فون پر چیف کو آج کا واقعہ بتادوں گا۔ وہ کوئی ایسا بندوبست کردیں گے کہ ان کی واپسی تک آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ آج کے واقعے پر میں شرمندہ ہوں۔ کل آپ فون کریں گے تو میں خود ملٹری پولیس والوں کے پاس پہنچ کر آپ کے آنے کا انتظار کروں گا۔"

اول خان سے پہلے خود اس نے میرا مسئلہ حل کردیا تھا۔ آمد کا پیغام ملنے پر وہ خود چیک پوسٹ پر پہنچ جانے کا وعدہ کررہا تھا تو مجھے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے ایما پر اس کے آدمی مقبول کو میری گاڑی سے نکال کر اس کی جیپ میں منتقل کررہے تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے مجھے اکرم الٰہی کے بارے میں رپورٹ دینی شروع کردی۔

اس عمارت میں موجود سات فون بند کیے جاچکے تھے۔ اکرم الٰہی کے زیر استعمال، دوسرے فلور کا فون کام کررہا تھا اور اس پر مسلسل آبزرویشن اور مانیٹرنگ کا بندوبست کیا جاچکا تھا۔ میں نے رسمی طور پر اس کی کارکردگی کی تعریف کی ورنہ موبائل فون کی موجودگی میں اکرم الٰہی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی اہم گفتگو کے لیے ٹی اینڈ ٹی کی لائن استعمال کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

حامد ہمیں دفتر تک لے جانے اور ہماری مدارات کرنے پر مصر تھا مگر میں اس کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مقبول کی بے ہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔ ہم اسٹیشن فور پر رک کر اپنا وقت برباد کریں گے۔

چیک پوسٹ پر ہی مقبول کو حامد کی تحویل میں دے کر ہم دونوں نے واپسی کا سفر شروع کردیا۔ اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ نے سنبھال لی تھی۔

ہم صفورا چوک سے یونیورسٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے کال وصول کرنے والا بٹن دبا کر انسٹرومنٹ کان سے لگایا تو ویرا بول رہی تھی "تم لوگ اس وقت کہاں ہو اور کب تک گھر واپس پہنچ رہے ہو؟"

"ہم راستے میں ہی ہیں۔ تمہیں ہماری کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنی ضروریات کے بارے میں خود کفیل ہوں۔ جلال دو مرتبہ تمہارے لیے فون کرچکا ہے۔"

"سلطان شاہ نے فون کیا تھا تو تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"دونوں کالز اس کے بعد آئی ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تمہارا موبائل نمبر نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اس کا تیسرا فون بھی آجائے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"بتایا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی بات کا ذکر کرتی۔ لوٹ رہے ہو تو بس سیدھے گھر چلے آؤ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم دس منٹ سے پہلے گھر میں موجود ہوں گے۔" میں نے کال منقطع کردی۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا مگر یہ یاد نہ آسکا کہ ہمارے اور آئی بی والوں کے درمیان پنڈت منوہر لال کے سوا اور کون سا معاملہ چل رہا تھا۔ اسلام آباد سے میری اور اول خان کی واپسی سے پہلے پنڈت اس حد تک راہِ راست پر آچکا تھا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر ان سے تعاون کررہا تھا۔

سلطان شاہ ان معاملات سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھا۔ اسے وہی موٹی موٹی باتیں معلوم تھیں جو میں اسے بتاتا رہا تھا۔ وہ جلال کی تازہ ترین پریشانی کے بارے میں میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس موضوع پر اس سے بات کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھادی اور کراچی کے ناخواندہ ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح ہارن کا بے جا استعمال کرتا ہوا ہر گاڑی سے آگے نکلتا

چلا گیا۔

دس منٹ سے پہلے ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے۔ ہمیں مزید کوئی کام درپیش نہیں تھا اس لیے سلطان شاہ نے گاڑی پورچ میں لگا کر پھاٹک مقفل کردیا۔

میرے ذہن پر جلال کی فون کالز سوار تھیں۔ ویرا کو مقبول چوہدری کی کہانی جاننے کی بے چینی تھی۔ ایک غزالہ تھی جو راضی بہ رضا رہنے والی انتہائی صابر اور قانع مخلوق تھی۔ میں ویرا کو سلطان شاہ کے حوالے کرکے ڈرائنگ روم سے ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

ویرا نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا تھا کہ وہ اس وقت بھی گھر کے بجائے اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

جلال نے بہت تپاک سے میری مزاج پرسی کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اپنے مقصد کی طرف آگیا۔ ”میں نے تم سے فریڈم انٹرنیشنل کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا ہورہا ہے۔“

وہ سوال سنتے ہی میں سنبھل گیا ”اکرم الٰہی بیرون ملک گیا ہوا ہے۔ یہ معاملہ اس کی واپسی تک ٹال دیا گیا ہے۔“ میں نے نپا تلا جواب دیا۔

”میں نے اول خان کو فون کیا تھا مگر وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے تمہاری تلاش شروع کی تھی۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اول خان نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی ہو۔“

”میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ مشترک مفادات ہوں تو وہ مجھے اعتماد میں ضرور لیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار یہ میری خوش فہمی ہی ہو۔ تمہیں اچانک فریڈم والے کیوں یاد آگئے؟“

”بعض امریکی سفارتی افسران نے ہماری وزارتِ خارجہ کے افسروں کی نیندیں حرام کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اب انہوں نے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں غلط سرکاری کاموں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو بے رحمی سے ہراساں کیا جارہا ہے۔ امریکا ایسے اقدامات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔“

”کیا انہوں نے اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کا خاص طور پر نام لیا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔“ جلال نے اقرار کیا ”سارا زور ان ہی پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے سربراہ کو بے دردی سے مار پیٹ کر اس کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ کل رات کچھ دہشت گردوں نے پورے علاقے کی بجلی اڑا کر دفتر پر دھاوا بول دیا۔ اسے اپنی جان بچانے کے لیے دفتر اور گھر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اب سب کچھ بند پڑا ہوا ہے۔“

”ان سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس این جی او کا سربراہ ملک سے باہر ہے تو وہ کس کی بات کررہے ہیں۔“

”انہوں نے اکرم الٰہی کے بھانجے، مقبول چوہدری کا نام لیا ہے جو اپنے ماموں کی غیر حاضری میں فریڈم انٹرنیشنل کے سارے امور کی دیکھ بھال کررہا ہے۔“

جلال کی وضاحت نے میرے سامنے پوری سچویشن عیاں کردی۔ مقبول چوہدری نے نرگس کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد یقینی طور پر اپنے کسی امریکی آقا سے رابطہ کرکے اسے ظلم کی داستان سنائی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ماموں کا ذکر گول رکھا تھا۔ وہ شکایت ان ہی خطوط پر وزارت خارجہ تک جا پہنچی تھی۔

”اب انہوں نے ساری ذمّے داری ہماری حکومت پر رکھ دی ہے۔“ جلال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ”اگر مقبول کو مزید کوئی نقصان پہنچا تو اس کی ذمّے دار ہماری حکومت ہوگی۔“

”انہیں بتا دو کہ فریڈم انٹرنیشنل پوری طرح فعال ہے۔ مقبول اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔ اس سے کسی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو۔ میں مسلسل ان کے دو نمبر ملانے کی کوشش کررہا ہوں مگر وہ کٹے ہوئے ہیں۔ وہاں سے کوئی جواب مل گیا ہوتا تو میری آدھی پریشانیاں ختم ہوسکتی تھیں۔“

”ان کا دفتر ایک چار منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر ہے۔ تم میرا دیا ہوا نمبر ملاؤ۔ چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد تمہیں اندر کی کہانی مل جائے گی۔“ میں نے اسے اکرم الٰہی کا ڈائریکٹ نمبر نوٹ کرا دیا۔

”میں یہ نمبر بھی ملالوں گا مگر تم بھی تو کچھ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ اگر مقبول چوہدری اس نمبر پر موجود ہے تو امریکی افسر کیوں باؤلے کتوں کی طرح بھونکتے جارہے ہیں۔“

”میں نے مقبول کا نام نہیں لیا۔“ میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ ”تمہاری بات فریڈم انٹرنیشنل کے اصل سربراہ، اکرم الٰہی سے ہوگی۔“

”وہ باہر سے کب واپس آیا؟“ جلال میری پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور بہت محدود مگر ہنگامی نوعیت کے سوالات کررہا تھا جن کے جواب امریکیوں کو دوبارہ خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

”وہ باہر نہیں تھا۔ چھتیس دنوں تک زیرِ زمین رہنے کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔“

”وہ منظرِ عام پر آیا تو مقبول زیرِ زمین چلا گیا۔ کیا یہ ماموں بھانجے اکٹھے نہیں رہ سکتے؟“

”مقبول فی الحال روپوش ہوا ہے۔ انشااللہ جلد ہی زیرِ زمین بھی چلا جائے گا۔ تم....“

میری بات کا مطلب سمجھتے ہی جلال نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی ”تم جو کچھ کررہے ہو، کرتے رہو۔ میں تمہیں نہیں روکتا لیکن اپنی رفتار ذرا دھیمی رکھو۔ اسے اتنی مہلت ضرور

دے دو کہ یہاں کی الجھنیں دور ہو سکیں۔ جنگ میں بھی فوجیں دشمن کے علاقے کو رک رک کر، مرحلے وار فتح کرتی ہیں۔ وہ ٹینکوں سے سب کچھ روندتی چلی جائیں تو آگے فتح ہوتی رہتی ہے مگر پیچھے سے آنے والا بد نظمی اور تباہی کا ریلا سب کچھ بہالے جاتا ہے۔ کم از کم اول خان کی آمد کا انتظار کرو۔ وہ سپاہی ہے، میری رائے سے اتفاق کرے گا۔"

"تم امریکیوں کی اس تیز ترین شکایت سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ مقبول کی ڈوریاں کون ہلا رہا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے، سراسر ہمارے خلاف جا رہا ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں" جلال نے جواب دیا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے حالات کو جوں کا توں رہنے دو تاکہ میں امریکیوں کا دباؤ ختم کرانے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن کوئی وعدہ نہیں کر سکتا" میں نے پورے خلوص سے جواب دیا۔ "جو شخص دونوں ہاتھوں سے دن رات اپنی قبر کھودنے میں مصروف ہو اسے کوئی کب تک بچا سکتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ رات کو کسی کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد بھی اس نے ہوش کے ناخن نہیں لیے۔ اپنے کسی باپ سے شکایت لگا دی۔ وہ اس سے بھی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔"

"میں تم سے کچھ اگلوانے کی کوشش نہیں کر رہا۔" اچانک جلال کا لہجہ بہت نرم اور محتاط ہو گیا "مقبول چوہدری جہاں بھی ہے، تمہاری نظر میں ہے یا تم اب بھی اس کی تلاش میں ہو؟"

میں جلال کے سوال پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا پھر اسے جواب دیا "وہ ہماری نظروں میں ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہم جب چاہیں گردن پکڑ کر اس نیولے کو رگڑ سکتے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" جلال کی آواز میں اطمینان امڈ آیا "وہ تمہاری نظروں میں ہے تو اپنے بل میں گھسا رہے گا، کوئی نئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"اب تم مجھے کب تک پیش قدمی کی اجازت دے سکو گے؟"

"جلد از جلد، وقت کا تعین میرے بس سے باہر ہے۔ حالات کے تحت ہم انہیں آنکھیں دکھاتے رہتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہمیں آخر کار ان کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی بہت سی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم ان کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔"

"یہ نازک معاملے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں تمہارے فون کا منتظر رہوں گا۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کر کے تمہیں ابھی فون کروں گا۔ میرے لیے یہ خبر حیرت ناک ہے کہ وہ باہر جانے کے بجائے کراچی میں ہی کہیں رہ رہا تھا۔"

میں نے اکرم الٰہی کی روپوشی کے بارے میں جلال کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ گفتگو وہیں ختم کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اس سے پہلے کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہمیں مقبول چوہدری کو رہا کرنا پڑے، تمہیں اسے مار دینا چاہیے۔" پوری بات سمجھ میں آتے ہی سلطان شاہ ہتھے سے اکھڑ گیا "وہ غدار اور نمک حرام ہے۔"

"غور کرو تو موجودہ حالات بھی بہت دلچسپ ہیں" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "امریکی اسے آزاد سمجھ کر اس کے حق میں پورا زور لگا رہے ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ اس وقت ہمارے جال میں پھنس کر بے بس ہو چکا ہے تو وہ تلملا اٹھیں گے۔"

"خود مقبول کو اندازہ نہیں ہو گا کہ وہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے والے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے ٹکڑا لگایا "نرگس اور نسرین کے گھر میں خود کو بالکل محفوظ و مامون سمجھ کر اس نے کسی امریکی سے رابطہ کیا ہو گا لیکن وہاں زیادہ وقت گزارنے سے پہلے اسے بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا۔۔۔"

"نیا جیسی بھی ہو، ہمارے لیے وہ قابلِ احترام بن چکی ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "مقبول کو نسرین کے گھر سے نکال کر ہمارے چنگل میں پھنسانے کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔"

"میں پہلے ہی اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ تم بلاوجہ یہ بات دہرا رہی ہو۔" میں نے کہا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں بلاوجہ بولنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا مگر مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بہتر زندگی گزارنے کے لیے اسے سہارا دیں، اس کی مدد کریں۔"

"گڈ لک ڈیئی!" ویرا نے اچھل کر نعرہ لگایا۔ "غزالہ تمہیں اس سے شادی کرنے کی چھوٹ دے رہی ہے۔ تمہاری طرح نیا بھی بہت خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔"

سلطان شاہ زیرِ لب مسکرا دیا مگر غزالہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے ویرا کو مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا "کسی لڑکی کی مدد شادی کے بغیر بھی کی جا سکتی ہے۔ اسے تھوڑا سا سرمایہ مل جائے تو وہ اپنا کوئی باعزت روزگار شروع کر سکتی ہے۔"

"تمہیں مذاق پر اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں ڈیئی کو اچھی طرح جانتی ہوں، یہ بھول کر بھی دوسری شادی نہیں کرے گا۔"

سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارے فتوے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم چپکے چپکے ایسی کوششیں کرتی رہی ہو۔"

"تم بکواس کرو گے تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی" ویرا اس

پر غرائی۔
"ارے.... تم بھی مذاق میں سنجیدہ ہونے لگیں" سلطان شاہ نے دور سرکتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا "ابھی تو تم غزالہ کو اس کے برعکس مشورہ دے رہی تھیں۔"
"ڈیڈی! اسے سمجھالو" ویرا بے بسی سے ہنس کر بولی۔ "یہ مذاق کرنا ہی نہیں جانتا۔ جب بولتا ہے، چٹکیاں لینے کی کوشش کرتا ہے۔"
ٹیلی فون کی گھنٹی نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔
"اس کی کہانی حیرت ناک بلکہ ناقابلِ یقین ہے۔" دوسری طرف سے جلال کسی تمہید کے بغیر بول رہا تھا "بہت اچھا ہوا کہ مجھے تم سے مشورہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اکرم الٰہی نے بہترین مواد فراہم کیا ہے۔ میں امریکیوں کے دانت کھٹے کردوں گا۔ وہ جان بوجھ کر مقبول چوہدری جیسے احسان فراموش درندے کا ساتھ دے رہے ہیں۔"
"اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مقبول کے بارے میں میری باتیں بے وقت کی راگنی نہیں تھیں۔"
"میں تمہاری ہر بات بہت سنجیدگی سے سنتا ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو مجھے اکرم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ شخص بالکل احمق ہے۔ اس نے ایک نئی مشکل کھڑی کردی ہے۔"
"کیسی مشکل....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"اس نے چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد فون اٹھایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرے کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لیے میں نے گفتگو کی ابتدا اپنے باضابطہ تعارف سے کی اور وہ بار بار میرے احسان کا ذکر کرکے آخر تک شکریہ ادا کرتا رہا۔ میرے مسلسل انکار کے باوجود یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے مقبول چوہدری کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔"
"تمہیں اس سے کیا پریشانی ہے؟ اچھا ہے کہ وہ تمہارا احسان مند رہے گا۔"
"یہ بات کہیں اور پڑے گی۔ اس جھگڑے کے ایک فریق کے طور پر ہمارا نام بھی ملوث ہوا تو امریکیوں کے موقف کو تقویت ملے گی۔ وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ فریڈم انٹرنیشنل کو حکومت کے اشارے پر تنگ کیا جارہا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک اپنے اصل محسنوں سے بے خبر ہے۔"
"ہم اس پر کوئی احسان کرنے نہیں گئے تھے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ وہ وہاں قید تھا اور ہماری وجہ سے اسے آزادی مل گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ آپریشن نہیں تھا۔"
"اس کی غلط فہمی دور کرو۔ معاملات سدھارنے کے لیے ایسا ہونا بہت ضروری ہے۔"
"فی الحال ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ ہماری ساری توجہ اس کے بدمعاش بھانجے پر مرکوز ہے۔ میں اسے فون کرنے کا کوئی بہانہ تراش بھی لوں تو اسے کیا بتاؤں گا؟ تم سے ہونے والی گفتگو کا حوالہ دینے سے اس کی یہ غلط فہمی اور راسخ ہوجائے گی کہ ہم تمہارے ایما پر اس کی مدد کے لیے گئے تھے۔"
"تم اس سے رابطہ کرو۔ ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ کہنا پڑے۔ وہ تم پر اعتماد کرتا ہے تو شاید خود ہی میرا ذکر نکال لے اور تمہیں وضاحت پیش کرنے کا موقع مل جائے۔"
"میں ایک کوشش کرلوں گا" اسے اطمینان دلانے کے لیے مجھے وعدہ کرنا پڑگیا۔
پچھلی رات توحید کمرشل کے علاقے میں جو کچھ ہوا، وہ ہماری توقعات کے بھی برعکس تھا۔ وقتی طور پر اکرم الٰہی ہمارا حلیف بن کر سامنے آیا تھا لیکن میں پوری طرح پرکھے بغیر اس پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔
"تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے" جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے اعتراض کردیا "جب تک آئی بی والوں سے تمہاری بات نہیں ہوئی تھی، تمہاری ہر احتیاط بجا تھی۔ معاملات کھل جانے کے بعد تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کا ماضی کیا تھا۔"
ویرا کا اعتراض بجا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل پر مقبول چوہدری کا تسلط صرف چھتیس دن رہا تھا۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی سفید اور سیاہ کا مالک تھا۔ وہ نکتہ پہلے بھی ہمارے زیرِ غور آچکا تھا مگر عین وقت پر میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے جلال سے اسی وقت بات کرنے کے بجائے وہ کام اگلے دن پر ٹال دیا۔
○☆○
وہ صبح کے چار بجے کا عمل تھا اور میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور مقررہ وقفوں سے بار بار بجتی ہی رہی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔
میرے برابر میں غزالہ دنیا ومافیہا سے بے خبر، آسودگی کی گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹیاں اسے حسین ورنگین ارمانوں کی خوابناک دنیا سے واپس لانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔
میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔
میرا غنودہ ذہن اتنے سویرے فون کرنے والے کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا اور حامد کی آواز میری ان سوچوں کا جواب بن کر میرے کانوں میں اترنے لگی۔
"سوری سر!" میری ہیلو کے جواب میں وہ کہہ رہا تھا "اتنی صبح نیند خراب کرنے پر معافی چاہتا ہوں لیکن بات ایسی تھی کہ میں مجبور ہوگیا...."
اس کی تمہید نے مجھے بوکھلادیا اور میں نے اس کی بات کاٹ

دی "مقبول کہاں ہے؟"
"وہ لاک اپ میں مقررہ پراسس سے گزر رہا ہے لیکن اکرم الٰہی ہاتھوں سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہے..."
"حامد! پلیز مجھے اصل بات بتاؤ۔ اس پر ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"
"سر! اس کے پاس کسی بوب رافیل کا فون آیا تھا۔ وہ اکرم الٰہی سے ملاقات کے لیے صبح کی پرواز سے کراچی آرہا ہے۔" حامد نے ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ ڈالی۔
میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے کہے ہوئے دونوں فقروں کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر پوچھا "فون کہاں سے آیا تھا؟ یہ بوب رافیل کون ہے؟"
"فون ابھی تین بج کر دس منٹ پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ کال اسلام آباد سے کی گئی تھی۔ گفتگو کا دورانیہ بہت مختصر تھا۔ ایک منٹ ستائیس سیکنڈ میں بات ختم ہوگئی..."
"اسلام آباد کا نمبر کہاں کا تھا؟" اضطراب کے باعث میں باربار قطع کلامی کیے جارہا تھا۔
"فون امریکی سفارت خانے کے نام ہے، رہائشی بلاک کے ایک فلیٹ میں زیرِاستعمال ہے۔ بوب رافیل سفارت خانے میں سوشل منسٹر کے عہدے پر کام کرتا ہے۔"
"بوب اور اکرم کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تفصیلی ریکارڈنگ کہاں ہے؟"
"ایکس چینج میں۔" حامد نے بلاتاخیر جواب دیا "میں نے فون پر ہی وہ ٹیپ سنا ہے۔ ان کے درمیان چند فقروں کا تبادلہ ہوا جن کا نچوڑ میں بتاچکا ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ بوب رافیل کا نام اکرم کے لیے نیا نہیں تھا۔ نام سننے کے بعد وہ اسے سر کہہ کر مخاطب کررہا تھا۔"
"ان کی ملاقات مائیکروسینٹر میں ہی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت تک میرے ذہن سے نیند کا خمار کافور ہوچکا تھا اور میں بہت تیزی کے ساتھ اس پیش رفت پر سوچ رہا تھا۔
"وہ گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملیں گے!" حامد نے اطلاع دی۔
"غور کرلو... ایسا نہ ہو کہ تم اس ریکارڈنگ کی کوئی بات بھول رہے ہو؟"
"آپ چاہیں تو ایکس چینج فون کرکے صرف میگاٹون فور کا حوالہ دیں۔ آپ کو ٹیپ سنوادیا جائے گا۔ میں ابھی متعلقہ آدمی کو فون پر پیغام دیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایکس چینج کا نمبر بتایا جو میں نے لکھ لیا۔
"گیارہ بجے کا مطلب ہے کہ وہ دس بجے یا شاید اس سے بھی پہلے گھر سے نکلے گا؟" میں نے کہا۔
"غالب امکان یہی ہے۔ میں سات بجے چار آدمیوں پر مشتمل، ایک تازہ دم ویجی لنس اسکواڈ وہاں بھیج دوں گا۔ وہ لوگ وائرلیس اپریٹس اور موبائل فون کے ذریعے ہر وقت میرے رابطے میں رہیں گے۔ اکرم الٰہی جوں ہی اپنے گھر سے نکلے گا، ہمیں اطلاع مل جائے گی۔" اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔
میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "میں خود دس بجے ہوٹل پر پہنچ جاؤں گا۔ میری بیک اپ سپورٹ کے لیے تم کو صرف دو تین آدمیوں کے ساتھ وہاں آنا پڑے گا۔"
"مجھے ہر حال میں فیلڈ میں رہنا ہے۔ جہاں کے لیے حکم ہوگا، پہنچ جاؤں گا۔"
"مجھے اطلاع دیے بغیر دفتر نہ چھوڑنا۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اب میں جاگ رہا ہوں۔ تم جب ضرورت محسوس کرو، مجھے موبائل نمبر پر فون کرلینا تاکہ میرے ساتھیوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اول خان کی غیر حاضری میں تمہارے کندھوں پر اچانک بہت زیادہ بوجھ آپڑا ہے۔"
"آپ مجھے ہر لمحے مستعد اور تیار پائیں گے۔ میں اسٹیشن پر ضرور موجود ہوں لیکن مجھے دفتر سے نکل کر تیاریوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ آپ میرا موبائل فون نمبر لے لیں۔"
اس نے اپنا نمبر دہرایا جو میں نے سادہ پیڈ کے سرے پر نوٹ کرلیا۔
"میں فون بند کررہا ہوں۔ تم ایکس چینج میں پیغام دے دو۔ میں تین منٹ بعد وہاں کال کرکے گفتگو کا ٹیپ سننا چاہوں گا..... ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی اور اشارہ مل سکے۔"
"میگاٹون فور کا حوالہ ضرور دیں، سر!" اس نے تاکید کی۔
میں نے فون بند کرکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ، ماچس اور موبائل فون اٹھایا پھر خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل آیا۔ دروازہ بند کرکے میں نے لابی میں لگے ہوئے انسٹرومنٹ پر سے کارڈلیس فون بھی اپنے ساتھ لے لیا اور ان تیاریوں کے ساتھ میں نے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر جگہ سنبھال لی۔
ٹھیک تین منٹ بعد میں نے ٹیلی فون ایکس چینج کا نمبر ملایا۔ سلسلہ مل جانے پر دعا سلام کا تبادلہ ہوا اور میں نے فوراً میگاٹون فور کے الفاظ دہرادیے۔ میرے مخاطب نے کال کو ٹیپ بجانے والی مشین سے منسلک کرنے کے لیے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت کی۔
چند ثانیوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گنتی شروع کردی۔ آٹھویں گھنٹی کے بعد میرے ریسیور میں اکرم الٰہی کی آواز ابھری۔
"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے وہ سوال اردو میں کیا تھا۔
"ایکرم! میں بوب ہوں... بوب رافیل!" خالص امریکی لب ولہجے میں دوسری آواز ابھری۔ اس نے اکرم الٰہی کا سوال سمجھے بغیر

انگریزی میں اپنا تعارف کرایا تھا۔

"اوہ' سر! آپ؟" اکرم الٰہی نے انگریزی میں تحیّر سے کہا۔ "اتنے سویرے!"

"میں تم سے ملنے کے لیے صبح کی پرواز سے آرہا ہوں۔" وہ بوب رافیل کا جواب تھا۔ "تمہیں گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملنا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ بہت ضروری ہوچکا ہے۔"

"اوکے سر! میں پہنچ جاؤں گا۔" اکرم الٰہی کی آواز فکرمندانہ سی ہوگئی۔

"بائے!" اس آخری الفاظ کے ساتھ کلک کی آواز آئی اور میرے کان میں ڈائل ٹون گونجنے لگی۔ میں نے ریسیور واپس رکھ دیا اور پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگالی۔

حامد نے اس کال کے بارے میں جو کچھ بتایا' وہ من وعن درست تھا۔ وہ یہ نوٹ نہیں کرسکا تھا کہ اکرم الٰہی کو بوب رافیل کا حکم سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' وہ الجھن کا شکار ہوگیا تھا۔

بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی مجوزہ ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر بہت آسانی سے یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ امریکی سفارت کار فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ اس ثبوت کی ضرورت آئی بی کو تھی لیکن جلال اس بارے میں بہت محتاط تھا۔

وہ دریا میں اترنے کی شدید خواہش کے باوجود اپنا دامن خشک رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سامنے آکر بوب رافیل پر ہاتھ ڈالتا تو امریکی ایک نیا الزام عائد کردیتے کہ ان کے سفارت کاروں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ سفارتی مراعات اور تحفظات کی وجہ سے بوب رافیل کا کچھ بھی نہ بگڑتا' ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

میں نے جلال سے رابطہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا' اپنے طور پر کرنا تھا۔

سات بجے تک حامد سے چار مرتبہ فون پر رابطہ ہوا۔ اس کی تیاریاں زوروشور سے جاری تھیں۔ آخری کال اسی کی طرف سے آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے ویجی لنس اسکوڈ کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکل رہا تھا۔

میں نے ایک ایک کرکے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کو بھی بیدار کردیا۔ آرام دہ بستروں سے یوں صبح سویرے نکالے جانے پر انہوں نے منہ ہاتھ دھوکر ڈرائنگ روم میں مجھے گھیرلیا۔

ان کا ردِعمل میرے لیے غیرمتوقع نہیں تھا مگر نئی کہانی خاصی سنسنی خیز تھی۔ امریکیوں سے مقبول چوہدری کے گہرے روابط کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد امریکی سفارت خانے کے سوشل منسٹر سے اکرم الٰہی کی ملاقات معنی خیز تھی۔

ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دونوں ماموں بھانجے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امریکیوں کے وفادار بننے پر تلے ہوئے ہوں۔

"تم خود بتارہے ہو کہ اکرم الٰہی' بوب کا پروگرام سن کر پریشان ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بوب' مقبول کا راستہ صاف کرنے کے لیے کراچی آرہا ہو۔" ویرا نے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر بحث کی ابتدا کی۔ "اکرم نے اس سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی ہے لیکن وہ عین وقت پر غائب بھی ہوسکتا ہے۔ اب تک اسے یہ اندازہ ہوجانا چاہیے کہ وہ اپنے کن دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں بھاگنا چاہتے ہو؟"

"اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو جاکر سوجاؤ۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا "آج گیارہ بجے اکرم الٰہی کے ساتھ بوب رافیل کے چہرے پر سے بھی نقاب اٹھ سکتی ہے۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہ رہا ہے؟"

"سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔" غزالہ نے کہا "بوب رافیل کو اکرم کے اکلوتے فون نمبر کا علم صرف اور صرف جلال کے ذریعے ہوسکتا تھا۔ مقبول کے سلسلے میں ہونے والی الزام تراشیوں پر جلال نے شاید اپنی رپورٹ دے دی ہے۔ اس میں اکرم کی واپسی اور اس کے فون نمبر کا ذکر ضرور رہا ہوگا۔ وہ رپورٹ وزارت خارجہ سے ہوتی ہوئی رات میں کسی وقت امریکیوں تک پہنچی اور وہ اکرم کی راہ پر لگ گئے۔"

فرینک نے ڈون سے کہا "میری گھریلو زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہوچکی ہے۔ اس میں کوئی کشش' کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"اس کا حل یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی سے عشق لڑاؤ۔ معاشقوں کے بعد عموماً میاں بیوی ایک دوسرے کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔"

"لیکن اگر بیوی کو معلوم ہوگیا تو...؟"

"یہ نیا زمانہ ہے... جاکر بیوی کو پہلے ہی بتادو۔"

چنانچہ فرینک نے اسی شام گھر جاکر بیوی کے سامنے اعلان کیا۔ "ہماری ازدواجی زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہوچکی ہے۔ اس میں کچھ بہتری لانے کے لیے میں باہر عشق لڑانے جارہا ہوں۔"

"کسی احمق نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے" بیوی منہ بنا کر بولی "میں پہلے ہی یہ نسخہ آزما چکی ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧

غزالہ اس وقت دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں اس سمت میں سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ رات کو جلال نے اسے فون کیا تھا۔ اس کے بعد صبح سویرے بوب رافیل نے اس سے رابطہ کرلیا۔ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ اکرم ان دونوں کالز کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا ہمدرد تصور کررہا تھا۔ اسی حوالے سے اس نے جلال کا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے جلال سے وعدہ کیا تھا کہ اکرم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسے فون کروں گا مگر میں نے فون نہیں کیا۔

عین ممکن تھا کہ اکرم اس وقت کسی سے مشورہ لینے کی شدید ضرورت محسوس کررہا ہو مگر اس کے پاس مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ واحد صورت یہی رہ جاتی تھی کہ میں خود اس سے رابطہ کرتا۔ اگر اس کا ذہن صاف تھا تو اسے دونوں پیغامات کے بارے میں مجھ سے کھل کر بات کرنی چاہیے تھی۔

ویرا کی آنکھوں سے بے زاری اور بوجھل پن کا احساس ہورہا تھا۔ ایک سگریٹ پی لینے کے باوجود یوں بار بار منہ بنارہی تھی جیسے جمائیاں روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے رات کو اپنے کمرے میں لوٹنے کے بعد شاید زیادہ مے نوشی کی تھی جس کے اثرات نے اس وقت بھی اس کے اعصاب کو جکڑا ہوا تھا۔ ذہنی طور پر وہ ہمارے ساتھ نہیں تھی۔

"تم تھکی ہوئی ہو تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" میں نے اسے ہمدردانہ مشورہ دیا "مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ ہوتا تو میں تمہاری نیند میں ہرگز دخل انداز نہ ہوتا۔"

وہ شاید ایسی کسی پیش کش کی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور دھمکی آمیز لہجے میں بولی "میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں' مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے دوبارہ نیند نہ آئی تو میں تمہارا سارا دن برباد کردوں گی۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون پر اکرم الٰہی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

رابطہ ہونے پر اس مرتبہ بھی اس نے میری آواز پہچان لی اور بولا "رات سے میں مسلسل تم لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ تصور میرے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کہ میں اپنے محسنوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تم لوگوں کا انٹیلی جنس بیورو سے تو تعلق نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر بے پروائی سے کہا "مناسب وقت آنے پر تمہیں خود بہ خود اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ تمہیں اچانک آئی بی کا خیال کیسے آگیا۔"

"خالی ذہن میں آنے والے خیالات کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"میں نے تمہاری خیریت جاننے کے لیے فون کیا تھا۔ اپنا دفتر کب سے کھول رہے ہو؟"

"ابھی میں خود کو سنبھال رہا ہوں۔ یہاں کا نظام ابتر ہے۔ اس ایک نمبر کے سوا سارے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔ اگلے ہفتے سے پہلے دفتر کھولنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکوں گا۔" اس کی آواز اس کے ذہنی انتشار کی نشان دہی کررہی تھی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے اچانک کہا "چھتیس دن کی قید کے بعد میں بالکل اکیلا ہوکر رہ گیا ہوں۔ اپنا کوئی فون نمبر دے دو تو میں پریشانی میں تم سے کچھ مدد لے سکوں گا۔ مقبول کے ظلم نے مجھے اندر سے بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

اس نے جلال یا بوب رافیل کے فون کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھ سے راز داری برتنے کا مطلب یہ تھا کہ میری بلکہ ہم لوگوں کی طرف سے اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

میں نے فون کرکے اسے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔ اگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا تو وہ اس کی بدنصیبی تھی۔ میں کہا "فکر مت کرو۔ ہم لوگ ضرورت مندوں کو زبردستی مدد فراہم کرنے والوں میں سے ہیں۔ کسی بھی نازک موقع پر تم ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔"

اس طنزیہ پیغام کے ساتھ میں نے فون بند کردیا۔ سلطان شاہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر بولا "اکرم الٰہی کی نیت صاف نہیں ہے۔ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں کی تیاری کے دوران میں ہی غزالہ نے پھرتی سے ناشتے کی میز لگادی۔ ہم نے چلتے پھرتے ناشتا کیا اور کچھ ضروری ہتھیار لے کر نو بجے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ہوٹل پہنچنے سے پہلے توحید کمرشل کا ایک چکر لگا کر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ حامد نے وہاں اکرم الٰہی کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کیا بندوبست کیا تھا۔

ہم راستے میں تھے کہ موبائل فون پر حامد کا پیغام آگیا "سر! نگرانی کا پورا انتظام ہوگیا ہے۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی۔ میں اس وقت ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔"

"ریستوران میں داخلے کے راستے پر کڑی نظر رکھو۔ تھوڑی دیر میں' ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔"

ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ہلکا سا اعصابی تناؤ محسوس کررہا تھا۔ شاید نیند پوری ہونے سے پہلے' صبح کے چار بجے بیدار ہونے کی وجہ سے اعصابی کشیدگی سر ابھار رہی تھی پھر میرے ذہن پر ایک فکر اور بھی سوار ہونے لگی تھی کہ جس طرح ہم لوگ اکرم الٰہی کو پہچانتے تھے اسی طرح وہ بھی ہم سب کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ آخری مرحلے سے پہلے وہ اپنے آس پاس ہماری جھلک بھی دیکھ لیتا تو آنے والے واقعات کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم حالات کا جائزہ لے کر' وقت سے پہلے ریستوران کے گرد اپنی اپنی کمین گاہوں میں جگہ سنبھال لیں۔

توحید کمرشل میں زندگی کے آثار ضرور تھے مگر زیادہ گہما گہمی

نہیں تھی۔ علاقے میں وہی دکانیں کھلی تھیں جن کا تعلق خورونوش اور روز مرہ ضروریات سے تھا۔ وہاں کی کاروباری سرگرمیاں دیر سے شروع ہو کر شاید شام ڈھلے ہی اختتام کو پہنچتی تھی۔

مائیکرو سینٹر سے کافی فاصلے پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ حامد کے آدمی اس عمارت کے دونوں راستوں پر موجود تھے۔ اکرم الٰہی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں جل دے کر مائیکرو آٹوز یا عمارت کے عقبی راستے سے کہیں بھی جا سکے۔

ذہن میں ایک نکتہ آنے پر میں ذرا سا مضطرب ہوا۔ حامد نے اکرم الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمی اپنے مطلوبہ شکار سے واقف نہیں تھے لیکن پھر میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ اس وقت مائیکرو سینٹر میں اکرم الٰہی کے سوا کوئی دوسرا متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت سے باہر آنے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ حامد نے انہیں یہی حکم دیا ہوگا کہ وہ عمارت سے نکلنے والے پر نظر رکھیں اور اسے باخبر کر دیں۔

پونے دس بجے سلطان شاہ نے ہوٹل کے پورچ میں میری جگہ سنبھالی اور گاڑی کو پچھلی پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ میں پورچ میں اتر کر تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھسنے کے بعد بائیں ہاتھ پر وہ ریستوران تھا جہاں گیارہ بجے بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی ملاقات ہونے والی تھی۔ مجھے حامد کے انتظار میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھٹکنا پڑا۔ وہ لابی کے کسی صوفے میں دھنس کر داخلی راستے کی نگرانی کر رہا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آ گیا۔

”لابی میں میرے تین آدمی موجود ہیں“ اس نے ہاتھ ملا کر میرے ساتھ چلتے ہوئے رپورٹ دی ”وہ ابھی تک گھر پر ہے۔ عمارت سے چڑیا کا بچہ تک باہر نہیں نکلا۔“

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی صوفے کی طرف بڑھ گیا جس پر اس کا رومال پڑا ہوا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا کہ اس نے بروقت پہنچ کر لابی کے بہترین ٹھکانے پر قبضہ کیا تھا۔ ہم دونوں وہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے اور حامد نے مجھ سے پوچھ کر ایک گزرتی ہوئی ویٹریس کو کافی کا آرڈر دے دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی دوسرے دروازے سے غزالہ کے ساتھ داخل ہو کر لابی کے اسی حصے میں آ پہنچا۔ اس نے اچٹتے ہوئے انداز میں ہم دونوں پر نگاہ ڈالی پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی مگر وہ براہِ راست ہمارے سامنے تھے۔

کافی آئی، وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سوا دس بج چکے تھے لیکن مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی، نہ ہوٹل میں کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

ساڑھے دس بجے میرے ایما پر حامد نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر پوری مستعدی سے موجود تھے۔ عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔

وہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ مجھے بے چینی ہونے لگی۔ ہماری نگاہوں کے سامنے امریکیوں سمیت، ہر رنگ اور نسل کے لوگ ہوٹل میں آتے جاتے رہے تھے۔ ان میں سے کئی ریستوران کی طرف بھی گئے تھے لیکن ہمارے لیے ان میں سے بوب رافیل کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ ہم صرف اور صرف اکرم الٰہی کے ذریعے اسے شناخت کر سکتے تھے اور وہ مردود اپنے فلیٹ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سوئی کی گھڑیاں آگے بڑھنے کے باوجود ہر محاذ پر سناٹا چھایا رہا تو میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ خون کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اپنی کنپٹیاں دکھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

پونے گیارہ بجے میں نے اضطراب کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حامد بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

معاً میرے ذہن میں ایک خوفناک خیال نے سر ابھارا، مائیکرو سینٹر سے نکلنے کے تیسرے راستے کو ہم بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ وہ وہی راستہ تھا جس کے ذریعے ہم نے مقبول اور اکرم تک رسائی حاصل کی تھی۔

اگر اکرم کی نیت میں کوئی کھوٹ تھا تو وہ بھی اپنی چھت سے فرار ہو کر بالا ہی بالا کسی دوسری عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچ سکتا تھا۔ مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ گھر سے غائب ہو چکا ہے۔ اس کے لیے ہوٹل میں داخل ہونا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے سے گزرا ہو اور ہم اسے نہ پہچان سکے ہوں۔ سب بہت سیدھا اور منطقی تھا۔ ہم نے اسے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا پورا چہرہ لمبے لمبے خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بالوں کی تراش خراش اور شیو کے بعد شاید ہم میں سے کوئی بھی اسے پہلی نظر میں پہچان لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

میں ان امکانات پر جتنا غور کر رہا تھا، مجھے ان میں جان نظر آ رہی تھی۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر حامد نے اپنے آدمیوں سے ایک مرتبہ پھر رابطہ کیا۔ ان کا جواب مایوس کن تھا۔

”میرے پیچھے آؤ“ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اسے ہدایت کی اور لمبے لمبے ڈگ اٹھاتا، ریستوران کی طرف جانے والی کشادہ راہ داری میں ہو لیا۔

حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم ایک نظر میں اسے نہیں پہچان سکتے تھے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دور سے ایک جھلک دیکھ کر بھی ہمیں شناخت کر لے گا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ہوگیا۔ پنڈت منوہرلال کو اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ائرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مائر کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچارہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ

.....ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائز بانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن نور پہنچایا جاچکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا‘ اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈز سے مائیکرو آٹوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آٹوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن نور منتقل کردیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کرچکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے جب کہ وہ ہمیں دور سے بھی شناخت کرسکتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں تیزی سے ریستوران کی طرف جارہا تھا۔ حامد‘ سلطان شاہ اور غزالہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔

اس وقت ریستوران میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بڑے ہوٹلوں میں قیام کرنے والے مسافروں کو ناشتا فراہم کرنے کی ذمّے داری ہوٹل کی انتظامیہ کی ہوتی ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ ناشتے کی ہوش ربا قیمت کمروں کے کرائے میں شامل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہوتی ہے کہ مسافروں کو مقررہ اوقات میں ہوٹل کے مخصوص ہال میں پہنچ کر اس خدمت سے استفادہ کرنا ہوتا ہے۔

ناشتے کا وقت شاید بہت دیر پہلے گزر چکا تھا۔ ریستوران میں آباد چند میزوں پر وہی لوگ نظر آرہے تھے جو کاروباری یا کسی اور مصروفیت کی بنا پر مل بیٹھنے کے لیے موجود تھے۔ ان ہی میں بوب رافیل اور اکرم الٰہی بھی شامل تھے۔

بوب رافیل ہمارے لیے یکسر اجنبی تھا۔ ہم میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ بس رات گئے اچانک ہی اس کا نام سننے میں آیا تھا۔ اس کے نام کے آخری حصے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ یہودی رہا ہوگا لیکن امریکیوں کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی۔ وہ مذہبی اقدار سے مکمل طور پر آزاد‘ بے فکر لوگوں کی قوم تھی۔ اس کا ہر فرد اپنی خوشی کے لیے زندہ رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان کے لیے نام کی اہمیت ذاتی یا پھر زیادہ سے زیادہ خاندانی شناخت تک محدود تھی۔ وہاں مذہب اور عقیدے کے پُرپیچ بکھیڑوں میں پڑ کر نام تجویز کرنے کی روایات بہت مضبوط نہیں تھیں۔

اکرم الٰہی کو ہم میں سے تین نے دیکھا ہوا تھا مگر ایسے حلیے میں کہ اس کے سر اور چہرے پر ایک ماہ سے زیادہ پرانے بالوں کا ایک گھنا جنگل اگا ہوا تھا جسے داڑھی یا زلفوں جیسے کسی شائستہ نام سے معنون نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اگر اکرم الٰہی ہوٹل کے ریستوران میں موجود تھا تو وہ چہرے کے بال صاف کرنے کے ساتھ‘ اپنے سر کے بالوں کو بھی سلیقے سے ترشوا چکا ہوگا۔ ایسی صورت میں ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

ان دونوں کے درمیان ریستوران میں گیارہ بجے ملاقات کا وقت طے تھا۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ہوٹل پہنچ چکا تھا۔ اس کے برعکس‘ اکرم الٰہی کے بارے میں مصدقہ اطلاعات تھیں کہ وہ مائیکرو سینٹر کے کسی راستے سے باہر نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔

یہ محض میرا قیاس تھا کہ اکرم الٰہی ہمارے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ ہماری مدد کے نتیجے میں اس نے پورے چھتیس دن کی ہولناک قید تنہائی سے نجات حاصل کی تھی مگر پھر بھی وہ ہم پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہماری شناخت کا علم نہیں تھا۔ ہم اس کے بارے میں اندازے لگا رہے تھے‘ وہ ہمارے بارے میں اندازوں پر چل رہا تھا۔

ہمارے طور طریقوں سے اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ہم عام جرائم پیشہ افراد کی صفوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے جس بے نیازی کے ساتھ مقبول چوہدری کو مائیکرو سینٹر سے بے دخل کرکے اکرم الٰہی کو اس کی جائداد اور کاروبار کا قبضہ دلوایا تھا‘ اس کی بنا پر اکرم الٰہی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو تا کہ ہمارا تعلق آئی بی سے نہ سہی‘ کسی نہ کسی خفیہ سرکاری ادارے سے ضرور ہوگا۔

خفیہ سرکاری اہل کار اگر کسی کی راہ پر لگ جاتے ہیں تو آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس کلیے کی روشنی میں اکرم الٰہی کا یہ سمجھنا قرین قیاس تھا کہ ہم لوگوں نے اسے‘ اس کے سفاک اور خود غرض بھانجے کے چنگل سے نجات دلا کر بظاہر بالکل آزاد کردیا تھا مگر پس پردہ اس کی نگرانی ضرور کرا رہے ہوں گے تاکہ مقبول چوہدری کے خلاف کی جانے والی کارروائی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔

تجربہ صرف ایک [illegible] تھا۔ اکرم الٰہی کے

لیے بوب رائفل سے ملنا ناگزیر تھا' اسے اپنی نگرانی کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اس نے مائیکرو سینٹر کا کوئی راستہ اختیار کرنے کے بجائے چھت سے گزر کر کسی اور عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے سوچا ہوگا کہ اس طرح وہ نگرانی کرنے والوں کو غچا دے کر خاموشی سے بوب رائفل سے مجوزہ ملاقات کرے گا۔ اس سے نمٹنے کے بعد دوبارہ دوسری عمارت کے راستے' مائیکرو سینٹر سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ مائیکرو سینٹر سے باہر گیا تھا۔

وہ میری تھیوری تھی۔ اس کی بنیاد پر میں ریستوران میں داخل ہوا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایک ادھیڑ عمر اور دراز قد آدمی نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

میری بے چین' عقابی نگاہیں اسی پر مرکوز ہو گئیں اور میں اسی کی طرف ہولیا۔

میں نے چند ساعتوں میں مشاہدہ کرلیا تھا کہ وہ ایک باریش سفید فام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سفید فام آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے پورے چہرے پر حلق تک' ترشی ہوئی اور ہموار داڑھی تھی جو یہودیوں کا خاصہ ہے۔

ہمیں دیکھ کر بوکھلانے والا ادھیڑ عمر شخص مقامی تھا۔ اس کے بدن پر گہرے رنگ کا بے داغ سوٹ موجود تھا۔ میری یا شاید ہماری طرف دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھا' لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر اس نے یکایک دوڑ لگا دی۔ وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی خالی کرسیوں کو گراتا ہوا اس راستے کی طرف جا رہا تھا جو سوئمنگ پول کی طرف نکلتا تھا۔

ایک خوش پوش اور معزز نظر آنے والے شخص کے یوں اچانک بھاگ نکلنے سے ریستوران میں سنسنی پھیل گئی۔ اونچی' تحیر زدہ آوازوں کے ساتھ متعدد افراد نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ گھبراہٹ میں' کھولتی ہوئی چائے یا کافی چھلکنے کی وجہ سے' ہال میں کئی خوف زدہ نسوانی چیخیں بھی گونجیں۔

میں نے آخری منظر یہ دیکھا کہ بھاگنے والے کا سفید فام ساتھی فضا میں ہاتھ لمبا کرکے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

دو اور دو چار کی طرح سب کچھ سامنے آچکا تھا۔ ہم میں سے کوئی اکرم الٰہی کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن اس نے ہمیں شناخت کرتے ہی' اپنے ردِعمل سے خود کو بے نقاب کردیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اکرم الٰہی کے پیچھے دوڑ لگا دی تاکہ اس کی گردن دبوچ سکوں

وہ ادھیڑ عمر تھا' اسے اپنے بھانجے کی ظالمانہ قید سے رہائی حاصل کیے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کی گرائی ہوئی کرسیاں میری راہ میں حائل تھیں۔ میں ان سے بچتا اور انہیں پھلانگتا ہوا تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ وہ دربان کو ہکا بکا چھوڑ کر ریستوران سے سوئمنگ پول کی طرف نکل گیا۔

اس وقت میرے حواس پوری طرح بیدار اور متحرک تھے۔ مجھے اپنے پیچھے دھینگا مشتی کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آوازیں بھگدڑ کی وجہ سے ہو سکتی تھیں یا پھر میرے ساتھیوں کے خلاف اکرم الٰہی کا سفید فام ملاقاتی مزاحمت پر اتر آیا تھا۔ میرے لیے وہ وقت پیچھے مڑنے کا نہیں تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ اکرم الٰہی کے ریستوران سے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے ہوٹل کی حدود میں ہی بے دست و پا کرلوں تاکہ اس کے یا بوب رائفل کے دفاع کی ہر راہ مسدود ہوسکے۔

میں ریستوران سے باہر نکلا تو اکرم الٰہی مجھ سے کافی دور نکل چکا تھا۔ وہ سوئمنگ پول کے گرد پھیلے ہوئے وسیع لان کے ایک سرسبز حصے پر پوری قوت سے دوڑتا ہوا' چار دیواری کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ ہوٹل کے پُرشکوہ ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا سڑک پر نکل سکتا تھا۔ راستے میں کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی ساری توانائیاں مجتمع کرکے اپنی رفتار تیز کردی۔ میں اکرم الٰہی کو شکار کرنے کے لیے خم دار ڈرائیو وے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگا رہا تھا اور میرا شکار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو مائیکرو سینٹر سے اپنی خفیہ روانگی کے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکے گا۔

اس کے ستارے یاور تھے یا میرے مقدر کی گردش تھی کہ میں اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور وہ دوڑتا ہوا' ہوٹل کے داخلی ڈرائیو وے سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

میرے مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے اکرم الٰہی ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر آگے روانہ ہو چکا تھا۔

میں مین روڈ پر پہنچا تو اگلے چوراہے کا سبز سگنل میرا منہ چڑا رہا تھا۔ ادھر جانے والا ٹریفک پوری تیزی سے رواں تھا۔ اکرم الٰہی کی ٹیکسی چوراہا عبور کرکے کافی آگے نکل چکی تھی۔

اس سڑک پر آگے جانے کے بعد وہ کوئی بھی راستہ اختیار کرسکتا تھا۔ کلفٹن' کینٹ اسٹیشن اور صدر کے ذریعے' اس کے سامنے کراچی کی بے کراں اور گنجان آباد وسعتیں بکھری ہوئی تھیں جبکہ مجھے اپنے لیے دور دور تک کوئی خالی سواری نظر نہیں آرہی تھی۔

○☆○

"ایکرم!" اس کے دوڑتے ہی بوب رائفل فضا میں ہاتھ بلند کرکے تحکمانہ لہجے میں دھاڑا تھا "رک جاؤ۔ میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

اکرم نے اس کی ایک نہ سنی کیونکہ میں اس کے پیچھے لپک چکا تھا۔ اس کی دوڑ جاری رہی۔

آخر بوب رائفل نے بھی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ریستوران سے کھسکنا چاہا مگر اس سے پہلے میرے تینوں ساتھی اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

"جہاں ہو' وہیں رک جاؤ!" حامد نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے للکارا "تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو تم خود اپنے نقصان کے ذمّے دار ہو گے۔"

ریستوران میں پہلے ہی سنسنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں موجود گاہکوں کی نظروں کے سامنے دو خوش پوش اور باوقار افراد آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اندھا دھند سوئمنگ پول کی طرف نکل چکے تھے۔ اب ایک تیسرا شخص مہیب ریوالور کی زد پر ایک سفید فام کو للکار رہا تھا۔ لوگوں نے اندازہ لگالیا کہ وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا آغاز ہو سکتا ہے۔ وہ سب بہت تیزی سے نکاسی کے قریب ترین راستوں کی طرف کھسکنے لگے۔

ریستوران میں یکایک پیدا ہونے والے شوروغل اور اس کے درمیان ابھرنے والی چند بے ساختہ سریلی چیخوں نے وہاں کی انتظامیہ کو بدحواس کر دیا تھا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مہذب اور معزز شہریوں میں یکایک پیدا ہونے والی افراتفری پر کس طرح قابو پایا جائے۔

بے یقینی کے ان چند لمحات کے بعد جب تک ہوٹل کے مسلح محافظ نمودار ہوتے' متعدد افراد ریستوران سے نکل چکے تھے اور بقیہ بھیڑ کی صورت میں ایک دوسرے کو دھکیل کر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہے تھے۔

"خبردار! میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔" باریش سفید فام نے حامد کی دھمکی کے جواب میں تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میرا نام بوب رافیل ہے اور میں ایک سفارت کار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے!" حامد نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "تم امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر ہو.... میں جاننا چاہتا ہوں کہ اکرم الٰہی کے ساتھ تم یہاں کیا سازش کر رہے تھے؟"

حامد کے وہ الفاظ بوب رافیل کے لیے پریشان کن ثابت ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی لہرائی پھر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جواب دیا "میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ مجھے ویانا کنونشن کے تحت سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ میں کسی اکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔"

"جھوٹ مت بولو!" حامد نے اسے تنبیہہ کی "وہ تمہاری میز سے اٹھ کر بھاگا تو تم نے نام لے کر اسے روکنا چاہا تھا۔ یہاں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں نے تمہارے الفاظ سنے ہوں گے۔"

بوب رافیل تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا پھر بولا "تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ بہت سے بھاگ چکے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں' وہ نکل بھاگنے کے چکر میں ہیں پورے ہال میں عملاً ہم چاروں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

حامد نے اس کی قلابازی پر سٹپٹائے ہوئے انداز میں اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالی اور گہرا سانس لے کر جواب دیا "یہ بات ہے تو یوں ہی سہی۔ تمہیں اپنی شناخت ثابت کرنی ہوگی۔ جب تک اس کی تصدیق نہیں ہو جاتی' تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ اس وقت تمہاری پوزیشن نازک ہے۔"

اسی لمحے ہوٹل کے دو مسلّح محافظ لپکتے ہوئے ان چاروں کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے دور سے ہی کہا "ہتھیار پھینک دو۔ یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

ان باوردی محافظوں کو دیکھتے ہی بوب رافیل شیر ہو گیا اور چبھتی ہوئی اونچی آواز میں حامد سے بولا "مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم خود اعتراف کر چکے ہو کہ تم نہ صرف میرے نام سے واقف ہو بلکہ میرے عہدے تک سے آگاہ ہو۔ تم بلاوجہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو!" حامد ہوٹل کے محافظوں کو قریب پاکر بوب رافیل پر غرایا "میں نے سرے سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم بدحواسی کے عالم میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہے ہو یا پھر تمہارے کان بج رہے ہیں۔"

حامد کی اس جوابی قلابازی نے بوب رافیل کو پریشان کر دیا۔ اس نے اضطراری انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر اپنی نظریں غزالہ کے چہرے پر گاڑ دیں "مادام! تم نے ضرور سنا ہوگا کہ ابھی چند لمحوں پہلے یہ مسلح شخص میرے بارے میں مکمل واقفیت کا اظہار کر رہا تھا۔" اس نے ہوٹل کے محافظوں کو سنانے کے لیے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم نے فرار ہونے والے مشتبہ آدمی کو'

اس کا نام لے کر روکنے کی کوشش ضرور کی تھی...."

"تم سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہو جب ہی ایک ساتھ میرے گرد موجود ہو۔" اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "مجھے پہلے ہی اندازہ کر لینا چاہیے تھا کہ مجھے ایک منظم سازش کے تحت یہاں گھیرا گیا ہے۔" خود کلامی کے انداز میں بات کرتے کرتے وہ یکایک ہوٹل کے محافظوں سے مخاطب ہو گیا "تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مسلح دہشت گرد ریوالور کی نوک پر مجھ جیسے نہتے سفارتی افسر کو خوف زدہ کر رہا ہے۔ میرا نام بوب رافیل ہے اور میں امریکی سفارتی مشن میں سوشل منسٹر ہوں۔ براہِ مہربانی جلد از جلد اسے غیر مسلح کر کے اپنے قابو میں کر لو...."

وہ دونوں سفید چمڑی والے کی تقریر سے متاثر ہوتے نظر آ رہے تھے کہ سلطان شاہ بوب رافیل کی بات کاٹ کر اردو میں ان دونوں سے مخاطب ہو گیا "بھول کر بھی اس بہروپیے کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ بہت اونچا چکر ہے اور اس میں کئی ایجنسیاں ملوث ہیں۔ خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ رکھو۔"

"تم بے فکر رہو۔ اس گورے لفنگے نے آتش بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تو ہم کوئی گولی چلائے بغیر اسے یہاں سے لے جائیں گے۔" غزالہ نے ان کے اطمینان کے لیے لقمہ دیا۔

وہ دونوں محافظ صحت مند اور قد آور ہی نہیں، تعلیم یافتہ بھی تھے۔ ان تینوں کو حیرت ہوئی جب ان میں سے ایک باوردی محافظ شستہ انگریزی میں بوب رافیل سے مخاطب ہوا "سوری سر! ہم نے اپنے کانوں سے تمہاری اور مادام کی جو گفتگو سنی ہے، وہ تمہارے حق میں نہیں ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے دفتر تک چلنا ہو گا۔"

"اس.... اس.... کالے اور ڈراؤنے ریوالور کے سائے میں!" بوب رافیل نے ہکلا کر احتجاج کیا۔

"تم آمادگی ظاہر کرو تو یہ ریوالور ابھی اپنی جگہ غائب ہو جائے گا۔" حامد نے پورے سکون سے اسے یقین دلایا "ہمیں تم سے زیادہ اس ہوٹل کی ساکھ عزیز ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے اکرم کی طرح بھاگنے کی کوشش کی تو میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ میری چلائی ہوئی گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی میں اترے گی اور تم زندہ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنی مرضی سے نقل و حرکت کرنے کے قابل نہ رہ سکو گے۔"

"ہاں...." اسی محافظ نے حامد کی یقین دہانی کی تائید کی "تم چاروں میں سے کوئی نہیں بھاگے گا۔ ہمارے دفتر میں یہ معاملہ قانون کے تقاضوں کے عین مطابق طے ہو جائے گا۔"

"آمادگی کے اظہار سے پہلے میں ایک گارنٹی چاہتا ہوں جو میرا حق ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے ایجنسیوں کا ذکر سننے کے بعد دونوں پڑھے لکھے محافظ بہت محتاط نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بوب رافیل کے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ، جواب طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بوب رافیل خود ہی اپنی بات مکمل کرنے پر مجبور ہو گیا "ان تینوں سے پہلے مجھے فون تک رسائی ملنی چاہیے۔ میں کراچی میں اپنے قونصل خانے کو اس ناگہانی مصیبت کی اطلاع دینا چاہوں گا۔"

ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ صورتِ حال مخدوش ہوتی جا رہی تھی۔ کسی بھی لمحے ہوٹل کا مزید عملہ پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں پہنچ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی پوزیشن نازک تھی۔ ان کے تذبذب کا اندازہ لگا کر دوبارہ حامد کو دخل انداز ہونا پڑ

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلا فون تم کر لینا۔"

حامد کی پیشکش پر بوب رافیل کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہراتے نظر آئے۔ اس کے پاس حالات سے سمجھوتا کر حامد کی بات پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔

ریستوران کے وسیع و عریض مگر اجڑے ہوئے ہال میں الفا کے مہرے لڑا کر وہ پُرپیچ شطرنج کھیلی جا رہی تھی جس سے میں اس وقت قطعی بے خبر تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان تینوں نے بہ آسانی کے ساتھ بوب رافیل کو نروس حالت میں اپنی تحویل میں لے لیا ہو گا۔

بعد میں غزالہ اور سلطان شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ حامد ک سربراہی میں، ان کے لیے وہ کام اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھ حامد بہت ذہین اور حاضر دماغ افسر سہی مگر بوب رافیل بھی گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں جو آسانی سے اپنی گردن ان کے چنگل میں دے دیتا۔

بہرحال، اکرم الٰہی کو کھو دینے کے بعد ریستوران میں وا کے لیے میں نے وہی راستہ اختیار کیا جسے اکرم الٰہی نے اپنے فر کے لیے منتخب کیا تھا۔ راستے میں، بوب رافیل کے پکڑے جا کے پورے یقین کے باوجود مجھے اکرم الٰہی کے پھسل کر نکل جا سخت افسوس تھا۔

اول خان شہر سے باہر تھا، حامد بذاتِ خود میدان میں اترا تھا۔ اس کے آدمیوں کو شاید کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکا تھا اندر سے باہر تک کیا کچھ ہو گیا تھا۔

ہماری منصوبہ بندی میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اکرم الٰہی ا بوب رافیل کو ہوٹل میں مل بیٹھنے کا کھلا موقع دیا جائے اور ان دور سے نگاہ رکھی جائے۔ جب وہ واپسی کا قصد کریں تو ان کی روک لی جائے۔ اسی بنا پر حامد نے اپنے آدمیوں کو ہوٹل عمارت سے نکلنے والے راستوں پر مامور کیا تھا جب کہ اکرم ا نے اپنے فرار کے لیے جو راستہ اختیار کیا، وہ گاڑیوں سے بھ کے پورچ اور پھر بڑے داخلی دروازے تک رسائی کے لیے استع کیا جاتا تھا۔ جانے والے اسی ڈرائیو وے کا وہ سیدھا حصہ استع

کرتے تھے جو دوسری سڑک پر نکلتا تھا۔

میرے ذہن پر بس ایک ہی خیال بوجھ بن کر سوار تھا کہ اکرم الٰہی کے فرار کے بعد بوب رائفل پر زیادہ دباؤ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اسے چند گھنٹوں سے زیادہ کسی طرح نہیں روکا جاسکتا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی جلال کا نام کوندے کی طرح لپکا۔ گو ہم نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات سے حتیٰ الامکان الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن مقبول چوہدری نے نسرین باجی نامی طوائف کے گھر میں اپنی مختصر سی روپوشی کے دوران اپنے جن امریکی آقاؤں کو اپنی درد بھری کہانی سنائی تھی، وہ کمر کس کے فوری طور پر میدان میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے سرکاری پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو طاقت کے زور پر کچلنے کا غلغلہ اٹھا کے وزارت داخلہ اور خارجہ کو پریشان کردیا تھا۔

فریڈم انٹرنیشنل کا نام آئی بی والوں کے ذریعے ہمارے کانوں تک پہنچا تھا اس لیے جب امریکیوں نے مقبول چوہدری کی حمایت میں آنکھیں دکھانی شروع کیں تو منطقی طور پر جلال کا ذہن ہماری طرف مرکوز ہوگیا۔ پچھلی رات کی گفتگو میں، میں نے بڑی حد تک اسے یہ اشارے دے دیے تھے کہ ہم مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی کی راہ پر لگ چکے تھے۔

مقبول چوہدری اپنی غداری کے جرم میں آخر کار ایس ٹی ایف کے زنداں میں پہنچایا جاچکا تھا تاہم میرے دیے ہوئے فون نمبر پر جلال خود اکرم الٰہی سے بات کرکے یقین کرچکا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں صرف چہرے بدلے تھے ورنہ اس این جی او کا وجود برقرار تھا۔ اس کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔

اس وقت سرکاری محاذ پر جلال ہی پس پردہ رہ کر امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ اختیارات اور ضابطوں نے اس کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے مگر وسیع تر قومی مفادات کی خاطر ہماری سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امریکیوں کی سرکوبی کے لیے بیشتر مواد اسے ہم سے ہی مل رہا تھا۔

ریستوران کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ آخر کار میں نے جلال کو پوری طرح اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرکے موبائل فون نکال لیا۔

اس وقت تک ریستوران میں ہونے والی بھگدڑ کی خبر شاید باہر بھی پھیل چکی تھی کیونکہ سوئمنگ پول والے راستے کا محافظ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں اندر داخل ہوکر لان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پودوں کے قریب رکا اور موبائل پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

خوش قسمتی سے جلال اپنے دفتر میں ہی موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے پچھلی رات کی سرخ روئی کی کہانی چھیڑ دی۔ فریڈم انٹرنیشنل کے ایک فون نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے

بعد اس نے اپنے افسران بالا کو جو رپورٹ دی تھی وہ ہر امریکی الزام کی تردید کے لیے کافی تھی۔

معمولی ردوبدل کے بعد وہ رپورٹ افسر مجاز کے دستخطوں کے ساتھ، رات ہی امریکی سفارت خانے کو فیکس کردی گئی تھی۔ یہ بات میں پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ وہ فیکس ملنے کے بعد بوب رافیل نے رات یا صبح کے تین بج کر دس منٹ پر اسی فون نمبر پر اکرم الٰہی سے مختصر بات کرکے، اس سے صبح گیارہ بجے ملاقات کا وقت اور مقام طے کیا تھا۔

اس قصے کی جزئیات خاصی طویل تھیں اور جلال وہ سب مجھے سنانے کے موڈ میں تھا مگر میں بار بار اسے اپنی بات مختصر کرنے کی تاکید کرتا رہا اور جوں ہی اس نے میرے بنیادی خدشات کی تصدیق مکمل کی، میں نے اسے اکرم الٰہی اور بوب رافیل کے بارے میں تازہ ترین حالات کے نچوڑ سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جلال کے لیے میری رپورٹ دھماکا خیز تھی۔ اس نے پہلے ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے مگر میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ بوب رافیل کی گرفتاری کو طول دینے کے لیے کچھ کرسکتے ہو تو فوری طور پر کرو ورنہ اکرم الٰہی کے بعد وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دو!" اس نے پُرجوش آواز میں بے ساختہ مشورہ دیا "اس سے پہلے ہم اسے دل کھول کر رگڑ سکتے ہیں۔"

"اگر گنجائش ہوئی تو میں ضرور کوشش کروں گا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے خطرہ بھانپتے ہی سفارتی مراعات کی دہائی دینی شروع کردی ہوگی۔ میں نے اس کی ایک جھلک ہی دیکھی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے۔ لفاظی اور مکاری سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اندر کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ فون کرو۔ میں اس دوران میں اپنے کراچی آفس سے کسی کو ہوٹل بھیجتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایسے مواقع پر کیا حکمتِ عملی ہونی چاہیے" اس کے لہجے میں جوش و خروش نمایاں تھا۔

"ہوٹل والوں نے پولیس سے مدد طلب کرلی ہوگی۔ وہ پہنچ گئے تو کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے لان پر اضطراری انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔ میں جلد از جلد ریستوران میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا مگر اس نئے چکر کے بارے میں جلال کو پوری طرح باخبر رکھنا بھی ضروری تھا۔

"پہلے تم اندر کی خیر خبر لو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری موقع پر موجودگی بہت سے مسائل کے خاتمے کا سبب بن جائے گی۔ قدرت نے مختصر سی مدت میں ہمیں امریکیوں کو نیچا دکھانے کا یہ دوسرا موقع فراہم کیا ہے۔ چند روز پہلے رابن مائر اپنے ایک میرین کمانڈو کے ساتھ موہنی پنڈت کے گھر جا مرا گیا اور اب بوب رافیل چوہے دان میں بری طرح پھنسا ہوا ہے۔۔۔"

وہ پھر غیر ضروری اور جذباتی باتوں کی طرف بہک رہا تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میں نے پوری تصویر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ میں اپنی سرتوڑ کوششیں کررہا ہوں۔ تم جو کچھ کرسکتے ہو، فوراً کرگزرو۔ شاید ہمیں تیسرا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ جو ہونا ہے، آج ہی ہو جانا چاہیے۔"

میں نے فون بند کرکے جیب میں ڈالا اور لان پر دوڑ لگادی۔

میں سوئمنگ پول کے رخ سے ریستوران میں داخل ہوا تو وہاں سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ میرے تینوں ساتھی بوب رافیل اور دو باوردی محافظوں کے ساتھ ریستوران کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ویران ریستوران کے بکھرے ہوئے فرنیچر کی وجہ سے ہال میں دوڑ لگانی ممکن نہیں تھی مگر پھر بھی میری رفتار بہت تیز تھی۔ فرشی قالین پر میرے قدموں کی دھمک محسوس کرکے دونوں محافظ بہت تیزی سے پلٹے تھے۔ ان کا وہ ردِعمل اس قدر بے ساختہ تھا کہ بقیہ چاروں افراد کی گردنیں بھی پیچھے گھوم گئیں۔

شاید ہوٹل کے دونوں مسلح محافظ مجھے تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر کوئی ناخوش گوار قدم اٹھاتے مگر حامد فوراً ہی کچھ بول پڑا۔ ان دونوں کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک جاتے جاتے رک گئے تھے۔

میرے انتظار میں وہ سب رک گئے تھے۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں چند لمحوں میں درمیانی فاصلہ طے کرکے ان کے ساتھ جا ملا۔

"وہ بھگوڑا کہاں رہ گیا؟" حامد نے میری توقع کے عین مطابق سوال کرڈالا۔

اس نے اردو میں سوال کیا تھا اور اس کا جواب نہایت مایوس کن تھا۔ میں نے بوب رافیل پر ایک نظر ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں گہرا تجسس تیر رہا تھا۔

"وہ ایک آوارہ کتے کی طرح دھرلیا گیا" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد انگریزی میں جواب دیا اور پھر بوب رافیل کی اعصاب شکنی کے لیے بھاری بھرکم اصطلاحات کا سہارا لیتے ہوئے بات جاری رکھی "اسے ویجی لینس اسکواڈ والے اپنی آرمرڈ گاڑی میں ڈال کر اسپیشل انٹروگیشن سیل لے گئے ہیں۔ وہاں وہ کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرا بیان سن کر بوب رافیل کے شانے قدرے ڈھلک گئے اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی "تم لوگ بہت سفاک ہو" وہ خوف اور حقارت کے ملے جلے لہجے میں کہہ رہا تھا "تیسری دنیا کے نیم وحشی ملکوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ تم لوگ اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے۔ اپنے معززین پر

کیچڑ اچھالتے ہو' ان پر الزام تراشیاں کرتے ہو اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کرتے ہو۔"

"تمہارا یہ ہمدردانہ تبصرہ کس کے لیے ہے؟" سلطان شاہ نے نرمی سے پوچھا۔

"اس وقت ایکرم ایلائی سے زیادہ بدنصیب اور ہمدردی کا مستحق شخص اور کون ہو سکتا ہے؟" بوب رافیل نے جلوس کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن چند منٹ پہلے تو تم اس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر رہے تھے" حامد نے اسے یاد دلایا۔

بوب رافیل نے اسے قہربار نظروں سے گھورا اور کہا "اپنی گندی زبان بند رکھو.... وہ بچ نکلتا تو میں تمہیں بتاتا کہ کون کس کو جانتا ہے۔ کابل کے بعد ایکرم ایلائی کے خلاف تمہاری کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ تمہاری حکومت فریڈم انٹرنیشنل کو ہر قیمت پر کچلنے پر تل گئی ہے۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں' امریکی سی آئی اے تو اپنی سرحدوں سے باہر بھی ہر اس فرد اور ادارے کا سر کچلتی رہی ہے جو امریکا کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہو۔" غزالہ نے اس پر طنز کیا۔

"تمہاری ننھی ننھی کھوپڑیوں میں سی آئی اے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ امریکا بہت بڑی جمہوریت ہے۔ وہاں تمہیں' تیسری دنیا کے مکّاروں کو' سی آئی اے کے سوا اور کچھ کیوں نظر نہیں آتا؟"

"اس لیے کہ ہر معاملے کی جڑیں فیرفیکس اور لینگلے کے سی آئی اے سینٹر میں اتری ہوئی ہیں۔ امریکا میں صدر اور حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں' سی آئی اے عشروں سے پروان چڑھ رہی ہے۔ تمہاری اصل حکومتیں اس رسوائے زمانہ ایجنسی کی تائید کی محتاج ہوتی ہیں۔ جان ایف کینیڈی کو بھرے جلوس میں سی آئی اے نے ہی مروایا تھا کیونکہ اس نے بعض معاملات میں اس کے سربراہ کے مشوروں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

وہ نوک جھوک چلتی رہی اور ہم ہراساں تماشائیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیکیورٹی چیف کے دفتر میں پہنچ گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ ہمارے ساتھ موجود دو محافظوں میں سے ایک' خود سیکیورٹی چیف تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس بڑے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے بھی وہ خود عام محافظوں کی طرح وردی میں ملبوس تھا۔

دفتر میں پہنچتے ہی بوب رافیل نے فون استعمال کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا "کوئی بھی بات کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارے دعوے کا کیا دستاویزی ثبوت موجود ہے؟"

"میں بوب رافیل ہوں۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر سیکیورٹی چیف کے سامنے رکھ دیا۔ "میرے ایک فون پر میرے دعوے کے متعدد گواہ یہاں پہنچ جائیں گے..."

"وہ تمہیں ہماری تحویل سے نکال لے جانے والے غنڈے بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس کی دلیل مسترد کر دی "تم جس نام سے چاہو' وزیٹنگ کارڈ چھپوا سکتے ہو۔ یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"تم درمیان میں مت بولو!" بوب رافیل نے طیش سے کہا۔ "میں چیف سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہمارے درمیان کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس پر پوری طرح عمل ہونا چاہیے۔"

"آپ لوگ کون ہیں اور یہ کیا چکر ہے؟" چیف نے الجھن آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"یہ شخص فراڈ ہے۔ اس کا بھاگنے والا ساتھی ایک مجرم تھا۔ ہم غیر سرکاری شخصیات کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے معذور ہیں۔ کسی بھی لمحے بااختیار افراد یہاں آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" میں نے کہا۔

"میں فراڈ نہیں ہوں" بوب رافیل نے پرزور احتجاج کیا "تم ایک سفارت کار کی توہین کر رہے ہو۔"

"بوب رافیل کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہے جب کہ تم کراچی میں جھک مار رہے ہو۔ بوب آج صبح تک اسلام آباد میں تھا۔ تم جھوٹے اور پکے بہروپیے ہو" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

"میں صبح کی پرواز سے کراچی آیا ہوں....." میری توقع کے عین مطابق اس نے دعویٰ کیا اور میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اپنے ٹکٹ کا بچا ہوا حصہ دکھادو۔ تمہیں فون کرنے کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے مجھے خون آشام نظروں سے گھورا پھر کہا "وہ یک طرفہ ٹکٹ تھا۔ بورڈنگ کے بعد میں نے اسے ضائع کر دیا۔"

"سرکاری سفر یک طرفہ ٹکٹ پر اسی صورت میں ہوتے ہیں جب کسی کا تبادلہ ہو جائے۔ اگر تم نے ٹکٹ ضائع کر دیا تو اب چند گھنٹے بھی ضائع کرو۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے تمہاری شناخت ہو جائے گی" میں سوچے سمجھے انداز میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ سے تنگ تر کرتا جا رہا تھا۔

"میں اس وقت تک تمہارا قیدی نہیں رہ سکتا' مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔"

"کسی تصدیق کے بغیر تمہیں کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں کیا ہوتا ہے۔ ملزم سے ٹھیک ٹھاک باز پرس کے بعد ہی اس کی گرفتاری ظاہر کی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج شام سے پہلے تم خود سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو جاؤ۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہارے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔"

بوب رافیل کے حلق پر اگے ہوئے گھنے بالوں میں ہڈی اوپر نیچے حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ شاید وہ تھوک نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟"

"تم جو نتیجہ چاہو' اخذ کر سکتے ہو۔ میں نے حقائق بیان کیے ہیں۔ کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے کہ ایک سفارت خانے کا سوشل منسٹر اسلام آباد سے کراچی آتا ہے اور کراچی میں اس کے قونصل خانے والے اسے یتیمی کے عالم میں بالکل بے سروسامان چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہیں کوئی پروٹوکول کیوں نہیں دیا گیا؟"

"کراچی والوں کو علم نہیں ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ فون پر میں ان ہی سے بات کروں گا۔ تم یقین کرو کہ میں بوب رافیل ہوں۔ وہ لوگ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ میں ائرپورٹ سے سیدھا ہوٹل آیا تھا۔"

"تم بوب رافیل ہو یا بوب ہوپ۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے اس کی تصدیق ناگزیر ہے۔"

"اور اگر کسی نے نام بدل کر سفر کیا ہو؟" چند لمحوں کی تشویش آمیز خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"تم نے کس نام سے یہ سفر کیا تھا؟" میں نے بہت تحمل اور نرمی سے پوچھا "نام بتادوگے تو تصدیق کا کام آسان ہوجائے گا ورنہ ہر کمپیوٹر بوب رافیل کی تلاش میں بھٹک کر ناکامی کا اعلان کرتا رہے گا۔"

"تم میرے خلاف کوئی نئی فرد جرم عائد کردوگے" وہ باتوں کے جال پھنستا جارہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ تم پر قتل کا ناقابلِ تردید الزام ہو تب بھی ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر تم واقعی بوب رافیل ہو تو جلد یا بدیر رہا ہو جاؤ گے۔ اسلام آباد والے تمہاری گمشدگی پر خاموش نہیں رہیں گے۔"

"اسٹیفن کوائے....." بوجھل سے سکوت کے بعد اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میں نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔ واپسی کا کوپن اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد تمہیں ائرلائن سے رابطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ٹکٹ میرے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے تہ کیا ہوا ٹکٹ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔

ہم دونوں کی گفتگو پر ہوٹل کا سیکیورٹی چیف حیران تھا۔ عام لوگ اس نکتے پر توجہ نہیں دیتے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ نام بدل کر سفر اور خاص طور پر فضائی سفر کرنا سنگین اور قابل تعزیر جرم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اندرون ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت کرنے والی کمپنیاں محض نفع اندوزی کے لیے مسافروں کی شناخت کا کوئی مطالبہ نہیں کرتیں اور ایکس کے نام پر ہوائی سفر کے سارے مراحل طے کر لیتا ہے۔ نام کی تبدیلی کا تنازع اس وقت رنگ لاتا ہے جب دورانِ پرواز طیارے کو خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے یا طیارہ اغوا ہوجائے۔

پہلی صورت میں جائز ورثا معقول زرتلافی سے محروم رہ جاتے ہیں' دوسری صورت میں اصل مسافر سنگین مسائل کا شکار ہوجاتا ہے۔ میرے لیے یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ بوب رافیل نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بوب رافیل کا وہ ٹکٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "ہاں' تو مسٹر اسٹیفن کوائے! یہ بتاؤ کہ اب تمہاری کس بات کا اعتبار کیا جائے؟ اگر تم بوب رافیل ہو تو تمہیں یہ بتانا پڑے گا' تمہیں ایسی کون سی مجرمانہ مجبوری درپیش تھی کہ تمہیں نام بدل کر' چوروں کی سی رازداری کے ساتھ اسلام آباد سے کراچی آنا پڑا؟ اکرم الٰہی سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ ہے؟ اگر تم اسٹیفن کوائے ہو تو تمہارا جرم ثابت تم نے جعلی سفارتی افسر بن کر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔"

"تم بدعہدی کر رہے ہو!" احتجاج آمیز لہجے میں وہ چیخ پڑا "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھنا بلکہ مائیکرو اسکوپ سے دیکھنا۔ میں نے تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کچھ کہا تو صرف اس لیے کہ انہیں میری کامیابی یا ناکامی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ یہ میری واپسی تک تمہیں بہلائے پھسلائے رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"کراچی والوں کو میرے بارے میں کوئی پیشگی اطلاع نہیں ہے لیکن اسلام آباد میں میرا سفارت خانہ پوری طرح فعال ہے۔ میں نے ایک بجے تک ان سے رابطہ کر کے رپورٹ نہ دی تو ہر طرف ہلچل مچ جائے گی..."

"یہ تمہاری خوش گمانی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ اپنا سر پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم لوگوں کے لیے پاکستان ہائی رسک کنٹری ہے۔ یہاں سفارت کار تو کجا' تمہارے عام شہریوں کو بھی محدود اور محتاط نقل و حرکت کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وہ کیا کہیں گے کہ تم کسے مطلع کر کے فرضی نام سے کراچی آئے ہو؟"

اس تمام گفتگو سے ہوٹل کے سیکیورٹی چیف کو اندازہ ہوگیا کہ بوب رافیل غلط وکٹ پر کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے ماتحت کو ہمارے ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تاکہ ریستوران میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں اپنے انتظامی افسران کو باخبر کر سکے۔ اس کے لیے ہوٹل کے کاروبار کی پرسکون انداز میں بحالی ہر کارروائی پر مقدم تھی۔

بوب رافیل بری طرح پھنس چکا تھا مگر میں اسے ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔ آئی بی والوں کو اعتماد میں لینے کے بعد محتاط رہنا ضروری تھا

کہ کہیں بعد میں ان کے لیے دشواریاں پیدا نہ ہو جائیں۔
میں اسے باتوں میں الجھائے رہا لیکن میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ پر جارہی تھیں۔ بوب رافیل کی زبان سے ایک بجے کا ذکر سننے کے بعد میری خواہش تھی کہ ہم آئی بی والوں کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل سے نکل جائیں۔
اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے امریکی یہ شکایت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا سوشل منسٹر کراچی کے ہوٹل سے غائب ہو گیا البتہ وہ اپنے مقامی قونصل خانے میں مامور ایجنٹوں کو صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہوٹل بھیج سکتے تھے۔ وہ واقعہ ہوٹل کے بھرے ریستوران میں پیش آیا تھا جہاں وقوعے کے وقت گاہکوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود، ریستوران کا پورا عملہ موجود تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کے لیے اس واقعے کو چھپانا یا دبانا ممکن ہی نہیں تھا۔
قونصل خانے کے ایجنٹ ایک بار یہ پتا چلا لیتے کہ اکرم الٰہی کے بھاگنے کے بعد بوب رافیل کو گھیر لیا گیا تھا تو وہ کوئی نئی حکمت عملی طے کر کے بوب رافیل کی بازیابی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔
اس دوران میں، میں نے اردو میں اپنے ساتھیوں کو یہ جتا دیا تھا کہ میں اکرم الٰہی کا پیچھا کر کے بے نیل و مرام واپس آیا تھا۔ بوب رافیل کو سنائی جانے والی کہانی قطعی بے سروپا اور فرضی تھی۔
ہم لوگ انتظار کی صبر آزما کیفیت سے گزر رہے تھے اس لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو رہا تھا مگر حقیقت میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ سارا کھیل گیارہ بجے تک اکرم الٰہی کے نظر نہ آنے کے بعد شروع ہوا تھا اور پھر سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔
واقعات پے در پے ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمیں ان اعصاب شکن حالات سے لڑتے لڑتے گھنٹوں گزر گئے ہوں مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں پورے نصف گھنٹے بعد بارہ بجانے والی تھیں۔
دو سادہ پوش اور تیز و طرار مقامی، ہوٹل کے ایک گارڈ کے ساتھ وہاں پہنچے تو میں نے انہیں ان کے تیوروں سے ہی پہچان لیا اور مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ جلال نے اسلام آباد سے ڈوریاں ہلانے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔
آنے والوں نے ہم سب سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملائے، بوب رافیل کو خشمناک نگاہوں سے گھورا اور سیکیورٹی چیف کے ماتحت کو اس کی میز سے اٹھا کر دفتر کے ایک گوشے میں لے گئے۔
پوری رازداری کے ساتھ شناخت کا مرحلہ طے ہوتے ہی ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی بوب رافیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے ہونٹ سوکھ گئے۔
"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا" اس نے دہشت سے ہکلاتے ہوئے کہا "تم میں سے کسی نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں چیخ چیخ کر پورے ہوٹل کو سر پر اٹھا لوں گا۔"

میری انگلی میں ربر کے رنگین کیپسول والی وہ انگوٹھی موجود تھی جس کے کھوکھلے نگینے میں بے ہوش کرنے والا سریع الاثر محلول بھرا ہوا تھا۔ میں نگینہ گھما کر اس کی گردن یا پشت پر ہلکی سی چپت بھی جڑ دیتا تو وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری آغوش میں پہنچ سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھانپ کر غزالہ فوراً بول پڑی۔
"نہیں.... یہ حساس مجرم ہے۔ طبی رپورٹ اسے دیے جانے والے ہر محلول کو ظاہر کر دے گی.... میں ابھی اس خبیث کا قدرتی علاج کرتی ہوں" اردو میں یہ کہہ کر ویرا نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پیچھے ٹہلنے لگی۔
بوب رافیل نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ دیر تک خوف زدہ نظروں سے دیکھتا ہی رہا۔ غزالہ کو ایک دیوار گیر تصویر میں مکمل طور پر منہمک پا کر وہ اطمینان سے سیدھا ہو گیا۔
مجھے یاد آیا کہ ویرا نے مارشل آرٹس میں باقاعدہ تربیت لی ہوئی تھی اور وہ کئی مردوں کے نرغے میں بھی خود کو محفوظ رکھنے کے فن میں طاق تھی لیکن غزالہ نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سیکھا ہوا تھا۔
بوب رافیل کو اپنی طرف سے غافل پا کر وہ تیزی سے مڑی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور پھر اچانک ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بوب رافیل کی گردن اور شانوں کی جڑوں میں پیوست کرنی شروع کر دیں۔ نہ جانے غزالہ نے اس کی کن رگوں پر ہاتھ ڈالا تھا کہ دردناک سسکاریاں لینے کے باوجود وہ کرسی سے نہ ہل سکا۔

○☆○

صبح سویرے سلطان شاہ سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد ویرا اپنے کمرے میں گئی تو اس نے خود محسوس کیا کہ اس کے اعصاب پر رات کی مے نوشی کا خمار طاری تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر گر گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ سو گئی۔
اس کی نیند کا وہ دورانیہ طویل اور گہرا رہا۔ اس کی آنکھ کھلی تو نیند پوری ہونے کے نتیجے میں ساری کسل مندی کافور ہو چکی تھی۔ اس نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔
وہ کمرے سے باہر نکلی تو پورا گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس وقت وال کلاک صبح کے دس بجا رہا تھا۔
منہ ہاتھ دھو کر اس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کیا اور پانی کھولنے کے انتظار میں اخبار کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اخبار کے آخری صفحے پر اسے وہ خبر نظر آگئی جو نینا کے بچاؤ کے لیے ضروری تھی۔
ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ سے علاقہ پولیس نے وہ کرولا کار برآمد کر لی تھی جو مائیکرو آٹوز سے مقبول چوہدری لے گیا تھا۔ وہ گاڑی مقبول چوہدری کی ملکیت نہیں تھی بلکہ اس کے گراج میں معمولی مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ بند گیراج میں داخل ہونے والا

اکارڈ سب سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔ مقبول چوہدری نے خود کو عمارت میں محصور پایا تو تہ خانے کے راستے گیراج میں نمودار ہو کر وہی گاڑی لے بھاگا اور سیدھا شریف آباد میں نسرین کے اڈے پر پہنچ گیا۔

وہ اندر کی باتیں تھیں۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق اکارڈ کے مالک کو جب یہ علم ہوا کہ اس کی گاڑی مائیکرو سینٹر سے غائب ہے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی چوری کی ایف آئی آر کٹوادی۔

یہ کراچی پولیس کی شاندار کارکردگی تھی کہ مسروقہ کار چوبیس گھنٹوں میں برآمد کرلی گئی تھی۔ خبر میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ کار چرانے والا شاید گھبراہٹ میں کسی پرواز سے دوسرے شہر کی طرف نکل گیا تھا۔

ویرا کو معلوم تھا کہ میرے ایما پر حامد نے اپنے رسوخ سے کام لے کر کار کی بازیابی اور اس خبر کی اشاعت کا بندوبست کرایا تھا تاکہ نسرین باجی کے گناہ پرور ٹھکانے میں پھنسی ہوئی نیا کسی عقاب سے محفوظ رہ سکے۔

ناشتے کے دوران میں ویرا کے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ وہ مسلسل ہمارے اس مشن کے بارے میں سوچے جارہی تھی جو اکرم الٰہی اور بوب رافیل کو گھیرنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ پچھلی رات جلال سے بات ہونے کے بعد اکرم الٰہی مائیکرو سینٹر سے باہر نکلنے کی ہمت کرسکے گا۔ ہماری طرح وہ بھی چھت کے خفیہ راستے کو بھولی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اپنے چہرے کے بال مونڈ دینے کے بعد اکرم الٰہی ہمارے لیے ناقابلِ شناخت ثابت ہوسکتا تھا۔

پھر بھی اسے یہ موہوم سا امکان ستارہا تھا کہ ہوٹل میں گیارہ بجے کوئی ہنگامہ کھڑا ہو ہی گیا تو اسے بہت قلق ہوگا کہ وہ اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوسکی۔

رفتہ رفتہ یہ ذہنی دباؤ اتنا شدید ہوگیا کہ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ ناشتا ختم کیا اور پھرتی کے ساتھ روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے سرعت سے کام لیا تو وہ گیارہ بجے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہوجائے گی۔

گاڑی ہمارے استعمال میں تھی۔ ویرا گھر کو مقفل کر کے پیدل ہی نکل کھڑی ہوئی اور قریبی موڑ سے خالی ٹیکسی لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس کے وینٹی بیگ میں ایک ریوالور اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھی کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ ٹیکسی گاڑیوں کے ہجوم میں رک رک کر بہت سست رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ یہ تاخیر ویرا پر اعصابی دباؤ کی صورت میں اثرانداز ہورہی تھی۔

ویرا کے لیے وقت کا عنصر بہت اہم تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیشکش کی کہ وہ اسے گیارہ بجے تک منزل مقصود پر پہنچادے تو وہ اسے دگنا کرایہ ادا کرے گی۔

پیٹرول کی ہوش ربا گرانی کے ستائے ہوئے ڈرائیور کے لیے وہ پیشکش بہت پرکشش تھی۔ اس نے فوراً ہی بریک اور اسٹیرنگ پر اپنے ماہرانہ کنٹرول کے معجزانہ مظاہرے شروع کردیے اور سفر کی اوسط رفتار خاصی تیز ہوگئی۔ ٹیکسی اپنی قطار بدلتی، دوسری گاڑیوں کو دباتی آگے بڑھتی رہی مگر پھر بھی ڈرائیور گیارہ بجے اپنی منزل سے قدرے دور تھا۔

اس نے مایوسی سے ایک گہرا سانس لے کر اپنی ٹیکسی کی رفتار توڑی ہی تھی کہ ویرا بول پڑی ”شاباش! گاڑی اسی طرح دوڑاتے رہو، تم نے اپنی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ تمہیں دگنا کرایہ ہی ملے گا۔“

ٹیکسی کی رفتار بڑھ گئی۔ ہوٹل کی کثیرالمنزلہ عمارت نظر آنے لگتی تھی۔ چند منٹ کی بات تھی اور پھر ٹیکسی اسے ہوٹل کے پورچ میں پہنچادیتی۔ اس خیال سے ویرا کے دل ودماغ میں ہیجان برپا ہونے لگا۔

ٹیکسی اپنی منزل سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اسے ٹریفک سگنل سے پہلے بائیں طرف گھوم کر ہوٹل کے ڈرائیو وے میں داخل ہوجانا تھا مگر عین اسی وقت ایک خالی ٹیکسی اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ وہ ڈرائیور کسی مسافر کی تلاش میں سست روی سے کچھ اس طرح ڈرائیونگ کررہا تھا کہ اسے بائیں طرف سے اوورٹیک کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کا ڈرائیور داہنی طرف سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تو اس کے لیے آخری موڑ کاٹنے میں کوئی بھی غیر متوقع رکاوٹ پیدا ہوسکتی تھی۔

اس نے راستہ لینے کے لیے ہارن بجانا شروع کردیا مگریوں معلوم ہورہا تھا جیسے اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور بالکل اندھا اور بہرا ہو۔ اسے عقب نما آئینے میں کچھ نظر آرہا ہو نہ ہارن سنائی دے رہا ہو۔

ویرا کا ٹیکسی ڈرائیور اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلیاں مار مار کر غصے میں اس کے پیچھے چلتا رہا اور جب ہوٹل کے ڈرائیو وے میں مڑنے کا آخری مرحلہ آیا تو اسے پوری قوت سے بریک لگانے پڑگئے۔ ویرا اپنی نشست سے اچک کر رہ گئی۔

ڈرائیو وے سے ایک خوش پوش شخص بدحواسی کے عالم میں دوڑتا اور فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا برآمد ہوا۔ اگلی خالی ٹیکسی اس کے لیے رک گئی۔

ویرا کا دورانِ خون اچانک تیز ہوگیا۔ اجنبی نے اپنے چہرے کے بال بالکل صاف کردیے تھے مگر آنکھوں اور خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا نے پہلی ہی نظر میں اکرم الٰہی کو پہچان لیا تھا۔

”اب ہوٹل میں جانے کی ضرورت نہیں... اگلی ٹیکسی کے

پیچھے چلو۔" ویرا نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی "میں تمہیں انعام دے کر خوش کردوں گی۔ میں اسی مردود کے لیے یہاں آئی تھی۔"

اکرم الٰہی کے سوار ہوتے ہی وہ ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ مسافر مل جانے کے بعد ڈرائیور کی سستی دور ہوگئی تھی۔ ڈرائیوو کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے مجھے ڈرائیووے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگاتے دیکھا لیکن وہ میرے انتظار میں رک کر اکرم الٰہی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس کی ٹیکسی زن سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"میم صاحب! برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" ویرا کے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"ضرور پوچھو لیکن یہ سمجھ لینا کہ میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں۔ کئی مرد میرے ہاتھوں سے پٹ چکے ہیں۔"

"توبہ توبہ!" ڈرائیور نے لمحے بھر کے لیے اسٹیرنگ چھوڑ کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "میں اپنی پسنجروں کے لیے کبھی کوئی غلط بات نہیں سوچتا۔ یہ ٹیکسی میری روزی ہے۔ ڈرپوک عورتیں تو ویسے بھی ٹیکسی میں سفر کرنے سے گھبراتی ہیں۔ چار ہوں تب بھی رکشا ہی پکڑتی ہیں۔ مجھے اپنی گاڑی کی عزت بہت پیاری ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔ اگلی ٹیکسی پر نظر رکھو اور جلدی پوچھو' کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم انگریز ہو لیکن اردو بہت اچھی بولتی ہو۔ ہم سے بھی اچھی۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے متاثر لہجے میں کہا "یہ تم نے کیسے سیکھ لی؟"

اس وقت ویرا کو اس سے کام لینا تھا۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "تم بدھو ہو' ہر سفید چمڑی والا انگریز نہیں ہوتا۔ امریکا' آسٹریلیا اور یورپ والے بھی گورے ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں کے لیے ایک ہی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگے والا تمہارا آدمی ہے۔"

"اتنی لمبی دوڑ نہ لگاؤ۔" ویرا نے نرمی سے اس کی بات کاٹی "وہ میرا آدمی نہیں' تمہارے ملک کا ایک نمبر کا غدار ہے۔ اگر وہ ہاتھ آگیا تو تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ اردو میں نے خود ہی سیکھی ہے۔"

ویرا کا انکشاف سن کر وہ اردو کو بالکل بھول گیا اور تحیرزدہ لہجے میں بولا "غدار ہے۔ تو پھر اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم کہو تو کہیں بھی ٹکر مار کر اس کی ٹیکسی روک لیتے ہیں۔ پیچ کس پیٹ میں ڈال کر اس کی ساری انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔ غداروں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔"

ویرا ٹیکسی ڈرائیور کی حب الوطنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کا وہ جذبہ قابلِ قدر تھا اور ویرا اسے مزید ابھار کر اکرم الٰہی کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتی تھی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی۔ وہ اکرم الٰہی سے ٹکرا جاتی تو اسے زیر کرنے کے بعد کہیں بھی نہیں لے جا سکتی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غداروں کے خلاف اپنے اعتماد کا اظہار کر کے ویرا کا وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

"ابھی اسے چھیڑنے یا ہوشیار کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے سمجھایا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ ہوٹل سے بھاگ کر کہاں کا رخ کرتا ہے۔ تم کو سارا دن بھی سڑکیں ناپنی پڑیں تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ کرایہ...."

"بس میم صاحب!" ٹیکسی ڈرائیور نے بگڑ کر ویرا کی بات کاٹ دی "اپنا کرایہ اور انعام اپنے پاس رکھو۔ یہ ہمارے ملک کا غدار ہے تو اسے پکڑنے کے لیے دس پانچ گیلن پیٹرول تو کیا' میں اپنا خون بھی دے سکتا ہوں۔"

ویرا سکتے کی سی حالت میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ حب الوطنی کے معاملے میں وہ غریب آدمی اس قدر فیاض بلکہ شاہ خرچ ثابت ہوگا۔

پاکستان میں ویرا غریب اور متوسط طبقے سے دور رہی تھی۔ اس کا جن مجرموں اور سازشیوں سے واسطہ پڑا' وہ سب مالی طور پر آسودہ حال تھے۔ ان کی خود غرضیاں دیکھ دیکھ کر ویرا اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ پاکستان کے خوش حال شہریوں کو اپنے ملک کی بقا اور سلامتی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مال بٹورنے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ یہ دوڑ دور سے ایسی خطرناک نظر آتی تھی کہ اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز دشوار تھی۔

غنیمت تھا کہ اس روز ویرا اکیلی اور بے سروسامان تھی۔ کراچی کے ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مہم کے لیے مالی اور عملی مدد کی پیش کش کر کے ویرا کا دل جیت لیا تھا۔

بعد میں اپنے اس تجربے کا ذکر کرتے ہوئے ویرا نے کہا تھا۔ "اس کی بات سن کر میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک ایسی قوم کے لیے جدوجہد کر رہی ہوں جس میں تمہارے اور اول خان کے علاوہ مجید جیسے بے مایہ مگر پرجوش آدمی بھی موجود ہیں۔"

مجید اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نادم اور خاموش تھے۔ ویرا کو افسوس تھا کہ اس نے مجید کے جذبے کو پیسوں میں تولنے کی مذموم کوشش کی تھی اور مجید کو شاید اس بات پر دکھ تھا کہ اس نے اپنی قوم سے ہمدردی جتانے والی ایک میم کو بے دردی سے جھڑک دیا تھا۔

جب تک اگلی ٹیکسی پل عبور کر کے کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے میں سفر کرتی رہی' دونوں خاموش رہے۔ سفر کا سلسلہ ایک سمت میں آگے ہی آگے جا رہا تھا لیکن جب اکرم الٰہی کی ٹیکسی ڈیفنس میں توحید کمرشل کے راستے پر جانے کے بجائے سیدھا

ساحل سمندر کی طرف بڑھتی رہی تو ویرا چونک پڑی۔
"یہ اپنا گھر چھوڑ کر سمندر کی طرف کیوں جارہا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔
"ڈوب مرنے کے لیے جارہا ہوگا۔" مجید نے بے ساختہ کہا۔ "ہر بے غیرت آدمی کو کبھی نہ کبھی غیرت آہی جاتی ہے۔"
"اس کا وقت پورا ہوچکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے زندہ نہیں بچاسکتی۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہوگا کہ ہمارا شکار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجائے...."
"میں اتنی بات سمجھتا ہوں۔ یہ مرگیا تو اس کی کہانی اسی کے ساتھ قبر میں دفن ہوجائے گی۔ اس کے سارے ساتھی بچ جائیں گے۔ ان کو بھی اپنے حصے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"
"تم تو اچھے خاصے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔" رہی سہی تلخی ختم کرنے کے لیے ویرا ہنس پڑی۔
"میں نے ابن صفی کے سارے ناول پڑھے ہوئے ہیں۔" مجید نے سنجیدگی سے انکشاف کیا "انہیں پڑھ کر آدمی کو اچھے اور برے کی تمیز ہوجاتی ہے۔ وہ لوگ عقل سے پیدل ہیں جو جاسوسی ناولوں اور کہانیوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اپنے سرہانے ہر وقت ایسی دو چار کتابیں ضرور رکھتے ہیں۔"
اگلی ٹیکسی ساحل سے ذرا پہلے داہنی طرف مڑ گئی۔ اگر اکرم الٰہی کے دماغ میں کوئی فتور نہیں آیا تھا تو وہ کیسینو کے نام سے شہرت پانے والی عمارت سے ہو کر کہیں پہنچنا چاہ رہا تھا۔
اچانک ویرا کے ذہن کا ایک دریچہ کھل گیا اور بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آنے لگی۔ اکرم الٰہی ٹیکسی سے براہِ راست مائیکرو سینٹر جانے کے بجائے ساحل پر آگیا تھا۔ وہاں سے توحید کمرشل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرکے وہ شاید پیدل چل کر اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔
مجھے اکرم الٰہی کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ویرا کو یہ انداز ہوچکا تھا کہ ہوٹل میں گڑبڑ ہوچکی تھی۔ اکرم الٰہی اور بوب رافیل کی ملاقات مکمل ہوسکی تھی اور نہ اکرم الٰہی پکڑا گیا تھا۔ ہوٹل میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے لیے وہاں بہت سے لوگ موجود تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے والا اکرم الٰہی صرف اسی کے رحم و کرم پر تھا۔
"مجید! ایک بات سمجھ لو۔" ویرا نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا۔ "یہ آدمی مجھے پہچانتا ہے۔ میں اس کے قریب گئی تو یہ بھاگ کھڑا ہوگا۔"
"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہ خیال رکھنا کہ وہ میری ٹیکسی لے کر بھاگنے نہ پائے۔"
"میری خواہش ہے کہ میں اسے زیر کروں۔" ویرا نے اپنی آرزو ظاہر کی۔
"اس پر پہلا حق تمہارا ہے۔ تم اس کے لیے گلشن اقبال سے دوڑی چلی آرہی ہو۔ پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں اترتا ہے پھر تم ہی کوشش کرلینا۔ اگر تم کوئی بہت خطرناک عورت نہیں ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر نہیں بھاگے گا۔ پاکستانی مرد ایک عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ اس سے ڈر کر بھاگنا مردانگی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ بھاگا تو میں اسے ٹیکسی کی ٹکر مار کر کہیں بھی گرا دوں گا۔ بس آس پاس کھلا میدان ہونا چاہیے۔"
اگلی ٹیکسی ویران عمارت کے پہلو سے گزری اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ مجید نے اپنی ٹیکسی موڑ پر ہی روک لی مگر انجن بند نہیں کیا۔ وہ خوش تھا کہ دشمن نے اترنے کے لیے صحیح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔
ویرا نے اپنے وینٹی بیگ سے کھوکھلے نگینے والی انگوٹھی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی ڈھیلی تھی لیکن ویرا کچھ دیر کے لیے اسے سنبھال سکتی تھی۔
اکرم الٰہی کرایہ ادا کرکے ٹیکسی سے اترا اور خالی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔
ساحل کی ریت پر دور دور تک تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ سورج نصف النہار پر پہنچنے والا تھا۔ اکرم الٰہی نے وہیں کھڑے کھڑے آسمان کی طرف دیکھا پھر جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔
مجید نے ویرا کا اشارہ پاکر اپنی ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھادی۔
اکرم الٰہی ہوٹل سے بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا اور وہ خود ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا اس لیے اسے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ ایک دوسری ٹیکسی نے محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس نے انجن کی آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا اور ساحل کی طرف منہ کیے سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔
ساحل کے اس حصے میں کافی ویرانی تھی مگر کہیں کہیں اکا دکا افراد نظر آتے تھے۔ مجید کے لیے وہ سنہرا موقع تھا کہ وہ ٹیکسی کے اگلے حصے کی ہلکی سی ٹکر سے اکرم الٰہی کو تپتی ہوئی ریت پھانکنے پر مجبور کردے مگر ویرا نے سختی سے اسے منع کردیا "دانستہ ٹکر کو حادثہ سمجھ کر لوگ اس کی مدد کے لیے دوڑے چلے آئیں گے۔ بس تم گاڑی اس کے قریب روک لینا۔ میں پل بھر میں اسے ٹیکسی میں گھسیٹ لوں گی۔"
مجید نے اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اکرم الٰہی بری طرح چونک کر پلٹا۔ اسی لمحے ویرا دروازہ کھول کر عقبی نشست سے نیچے اتری اور اس نے چٹاخ کی آواز کے ساتھ اس کے داہنے رخسار پر اپنے بائیں ہاتھ کا طمانچہ جڑ دیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرا گیا۔
اسپیشل ٹاسک فورس کے ماہرین کا دریافت کیا ہوا سریع الاثر محلول، انگوٹھی میں جڑے ہوئے رنگین ربر کے کھوکھلے نگینے سے نکل کر اکرم الٰہی کے داہنے رخسار کی جلد میں سرایت کرچکا تھا۔ اس نے مزاحمت کے لیے ہاتھ بلند کرنا چاہا جو پوری طرح اٹھنے

سے پہلے بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھول گئے۔

ویرا نے اس کے گلے میں جھولتی ہوئی ٹائی سے لگام کا کام لیا اور وہ منہ کے بل نشست سے ٹکرا کر اس طرح عقبی پائیدان میں گرا کہ اس کا آدھا دھڑ ریت پر لٹک رہا تھا۔

اندر سے مجید نے بے رحمی سے اکرم الٰہی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور پیچھے سے ویرا نے دھکیلا۔ چند ہی لمحوں میں اس کا پورا وجود ٹیکسی میں سما گیا۔ ویرا پچھلا دروازہ بند کر کے پھرتی سے مجید کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی اور ٹیکسی چل پڑی۔

شروع سے اس وقت تک جو کچھ ہوا' غیر متوقع طور پر ہوا۔ گھر سے چلتے ہوئے یہ بات ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سر کر ڈالے گی۔ اکرم الٰہی کو پہچانتے ہی اس کے سر پر ایک دھن سوار ہوئی تھی کہ اسے ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ اس ادھیڑبن میں وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکی تھی۔

اسے نہایت آسانی سے زیر کرتے ہی وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی کہ اسے کہاں لے جائے۔

اس کے ذہن میں پہلا خیال اسٹیشن فور کا آیا مگر وہ پچھلی رات میری زبان سن چکی تھی کہ مجھے اور سلطان شاہ کو مقبول چوہدری کو وہاں پہنچانے میں کیا دشواری پیش آئی تھی۔ ہمارا مسئلہ حامد نے حل کر دیا تھا مگر ویرا جانتی تھی کہ اس وقت حامد بھی ہمارے ساتھ ہوٹل میں الجھا ہوا تھا۔ حامد کی واپسی کے انتظار میں اسے کسی چیک پوسٹ پر قیدی کی طرح وقت گزارنا گوارا نہیں تھا۔ اس نے وہ امکان یکسر مسترد کر دیا۔

آئی بی والوں سے اشتراکِ عمل کی وجہ سے صفدر مینشن دوسرا محفوظ ٹھکانا تھا۔ ویرا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ آئی بی والوں کی وہ عمارت نشتر روڈ پر کہیں واقع تھی۔ وہ اس طویل سڑک سے متصل' اس کے صحیح محل وقوع سے واقف نہیں تھی۔ ٹیکسی میں ایک بے ہوش قیدی کو لے کر اس گنجان آباد علاقے میں صدف مینشن کو تلاش کرنے میں سنگین خطرات مضمر تھے۔ آخر میں گلو خلاصی کا پورا یقین ہونے کے باوجود وہ اپنے ساتھ مجید کو کسی سنگین درمیانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں تھی۔

رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے مجرموں پر پولیس کے ناروا تشدد کے بارے میں وہ اخبارات میں کئی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ پولیس کے بارے میں ایسی کہانیاں عام ہونے کے باوجود جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ جرائم کی ہر نئی رو پرانی لہر سے زیادہ سنگین ثابت ہوتی تھی۔

"مادام!" گاڑی ایک سڑک پر موڑتے ہوئے مجید نے ویرا کو مخاطب کیا "غدار کا پارسل تو تیار ہو گیا ہے۔ اسے پہنچانا کہاں ہے؟"

اس کا لہجہ مزاحیہ تھا۔ وہ ویرا کے ذہن میں ہونے والی اکھاڑ پچھاڑ سے بے خبر شاید یہ سوچ کر نہال ہوا جا رہا تھا کہ اس نے ایک غدار کی سرکوبی میں کسی سرکاری عورت کا ساتھ دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

ویرا کے پاس مجید کے اس اہم سوال کا کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ اس نے نیم دلی سے کہا "وہیں لے چلو' جہاں سے تم نے مجھے اپنی ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔"

"معاملہ خطرناک نہ ہوتا تو وہاں جانے سے پہلے میں اپنے گھر ضرور جاتا تاکہ میری بیوی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ آج میں نے اپنے ملک کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اسے میرا ٹیکسی چلانا پسند نہیں ہے۔ ہر وقت کہتی رہتی ہے کہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور دھندا کر لوں۔ اس میں عزت نہیں ہے۔ دیکھو خدا نے آج کیسی عزت دی ہے۔ اصل عزت وہ ہوتی ہے جو انسان کے اپنے دل کے اندر ہوتی ہے۔ رشتے داروں اور دوسروں کے کہنے سننے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

ویرا نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی مگر جواب میں کچھ نہ بولی۔ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا مگر اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے پر مطمئن نہیں تھی۔ وہ مجھ سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

موبائل فون کو ہماری تحویل میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے کسی کو بھی اس کی عادت نہیں پڑ سکی تھی' جوں ہی ویرا کو میرے موبائل فون کا دھیان آیا' وہ فوراً بول پڑی۔ "راستے میں کوئی فون بوتھ نظر آئے تو گاڑی روک لینا۔ مجھے ایک اہم فون کال کرنی ہے۔"

"ضرور' ضرور!" مجید خوش ہو کر بولا "بس ٹیکسی ذرا پرانی ہے ورنہ اس وقت کسی زبردست انگریزی فلم کا مزہ آ رہا ہے۔ تم شاید کسی بڑے کو بتاؤ گی کہ تم نے اپنا کام کر لیا ہے۔"

"ہاں' حقیقی زندگی کبھی کبھی فلموں سے بھی زیادہ حسین اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔"

"میں ٹیکسی نہ چلا رہا ہوتا تو آج کی اتنی بڑی خوشی سے محروم رہ جاتا۔" وہ بہت مسرور تھا۔

پہلا پبلک فون نظر آتے ہی مجید نے ٹیکسی احتیاط سے ایسی جگہ روک دی جہاں پچھلے پائیدان میں پڑا ہوا قیدی کسی راہ گیر کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ویرا ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے بوتھ میں گھس گئی۔

کسی بھی ایمرجنسی کے لیے ہم لوگ ہر وقت فون کارڈ ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ ویرا نے سلاٹ میں کارڈ ڈال کر میرا نمبر ملایا اور بزی ٹون سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا۔

ریسیور کریڈل کے ہک سے لٹکا کر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ناخنوں کا جائزہ لینے لگی۔

○☆○

میں نے جلال سے مختصر سی بات کر کے فون بند ہی کیا تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔

میں چونک پڑا۔ اس وقت مجھے کون فون کر سکتا تھا۔ میں نے بٹن دبانے کے بعد موبائل فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔

"میں نے اکرم الٰہی کو پکڑ لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں لے جاؤں۔"

"تم تو گھر پر پڑی سو رہی تھیں۔ اکرم تم سے کہاں ٹکرا گیا؟" میں اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

"وہ ہوٹل سے بھاگ رہا تھا کہ میں پہنچ گئی۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ وہ ایک ٹیکسی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں جاؤں؟ گھر شاید محفوظ نہیں رہے گا۔" ویرا بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں بول رہی تھی۔

"میں بوب رافیل کو لے کر نکل چکا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ کلفٹن بیچ سے تھوڑی دور نکلے ہیں۔" ویرا کی آواز ابھری۔

"ہم لوگ اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ تم فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹھیک سامنے گورا قبرستان کے بس اسٹاپ پر پہنچو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ اول خان کی لینڈ روور تم پہچانتی ہو۔"

ویرا نے مزید کچھ کہنے سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ویرا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو اعتماد میں لے کر اتنی بڑی کامیابی حاصل کر گزرے گی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اکرم الٰہی کو پکڑ کر میرے اس جھوٹ کی لاج رکھ لی تھی جو میں نے اس بارے میں بوب رافیل سے بولا تھا۔

"کون تھا؟ اکرم کہاں ہے؟" میرے فارغ ہوتے ہی اسٹیئرنگ وہیل پر موجود حامد سوال کر بیٹھا۔

"وہ بھی پکڑا گیا۔" میں نے مسرت سے اسے آگاہ کیا "ویرا اسے لا رہی ہے۔"

"گڈ!" حامد کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی "اس کے نکل جانے پر مجھے یہ مشن ادھورا بلکہ ناکام نظر آ رہا تھا۔ شاید ہم بوب رافیل کو زیادہ سبق نہ دے سکیں لیکن اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیاں ضرور توڑ سکتے ہیں۔"

یہ بات سب جانتے تھے کہ بوب رافیل ایسا قیدی نہیں تھا جسے مکافاتِ عمل کے طور پر ہمیشہ کے لیے غائب کیا جا سکے۔ اسے کسی نہ کسی مرحلے پر رہا کرنا ناگزیر تھا۔ اس وجہ سے اس کی گرفتاری میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سرے سے نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری اور پھر رہائی کے سلسلے میں ضابطے کی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے ابتدا سے آخر تک اس کیس کی ہر ذمے داری انٹیلی جنس بیورو کو اپنے ذمے لینی تھی۔

اس اعتبار سے بوب رافیل کو ہوٹل سے براہِ راست صدف مینشن ہی منتقل کیا جانا چاہیے تھا مگر اس بارے میں آئی بی والوں کی مجبوری بھی وہی تھی جو ویرا کی تھی۔

صدف مینشن کی مہیب اور اجاڑ عمارت کے گرد و نواح میں رہنے یا کاروبار کرنے والوں کے لیے کوئی بات بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عمارت پر کہیں کوئی نمایاں سائن بورڈ نہ ہونے کے باوجود سب جانتے تھے کہ صدف مینشن کسی ایجنسی کے تصرف میں ہے اور لوگ عام طور پر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں خوف سے کہیں زیادہ رازداری کا عنصر تھا۔

لوگوں کی اس خود اختیاری احتیاط کے باوجود آئی بی والوں نے خود کو کبھی اپنے پڑوسیوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے وہاں آتے جاتے تھے اور کسی سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے مگر اس عمارت میں ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ بس ایک عمارت تھی۔ اس کا کوئی احاطہ تھا نہ وہاں صحن پایا جا سکتا تھا اس لیے گاڑیاں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہاں سے عمارت کے داخلی دروازے تک ایک کھلا راستہ تھا جو سب کی نگاہوں میں تھا۔

اس خرابی کی وجہ سے آئی بی والے' دن کی روشنی میں اپنے قیدی شہر کی کسی بھی حوالات میں رکھتے تھے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے کے بعد انہیں خاموشی سے صدف مینشن میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ آس پاس کی آبادی میں غیر ضروری خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔

مگر بوب رافیل کوئی عام قیدی نہیں تھا۔ وہ شہر کے کسی لاک اپ میں بھی بھیجا جاتا' بات پھیل جاتی۔ دن کے اجالے میں اسے براہ راست صدف مینشن لے جانا ہر اعتبار سے عقل و احتیاط کے خلاف ہوتا۔ اس مجبوری کی بنا پر یہ طے ہوا تھا کہ اسے عارضی طور پر ایس ٹی ایف کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کی منتقلی کے لیے آئی بی والوں نے ایمبولینس اور اسٹریچر کے استعمال کی تجویز بھی رد کر دی تھی۔

آئی بی کے افسران نے اپنی نگرانی میں بوب رافیل کو لینڈ روور میں پہنچایا اور چلے گئے۔ میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو گاڑی میں گھر بھیج دیا اور خود لینڈ روور میں حامد کے ساتھ ہو لیا۔

راستے میں موبائل فون پر ویرا سے بات ہونے سے پیشتر میں نے جلال کو ان انتظامات کے بارے میں بریف کرنا چاہا تو وہ پہلے سے باخبر تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ بوب رافیل اپنی تعیناتی کے مقام سے سینکڑوں میل دور پکڑا گیا تھا۔

جو کچھ ہوا' وہ سو فی صد ہمارے حق میں تھا لیکن میں ویرا اور اس کے ساتھی ڈرائیور کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔ ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے تو ہمیں پورا یقین تھا کہ وہ گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ ہماری مہم میں حصہ لینے کے قابل تھی اور نہ اسے اس مہم سے کوئی دلچسپی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ وہ سوتے سوتے اٹھی' اس نے ہمارے ساتھ آملنے کا ارادہ کیا' اسے ایک ایسا ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو اس کا ہم خیال اور ہم نوا تھا' وہ ایسے وقت پر ہوٹل کے قریب پہنچی کہ اکرم الٰہی وہاں سے فرار ہو رہا تھا' ویرا نے سب کچھ بھول بھال کر اس کا پیچھا کرنا شروع کردیا اور آخر کار اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہوگئی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی کی کوئی ٹھوس حقیقت نہ ہو' کسی ڈراما نگار کا لکھا ہوا ڈراما ہو جس میں سب کچھ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ڈراما نگار نے لکھا ہو یا ہدایت کار چاہتا ہو۔

ویرا کو سب کچھ سجا سجایا ملا تھا اور وہ ناقابلِ یقین مگر پے در پے اتفاقات کے سہارے ایک بڑی کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ اس کا کمال یہ تھا کہ اس نے ایک اجنبی ڈرائیور کو اس طرح شیشے میں اتارا تھا کہ وہ اپنی سلامتی کو بھول کر اندھا دھند ویرا کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔

میرے دل میں شدت سے یہ خواہش مچلی کہ کاش میں بھی ویرا کے ساتھ ہوتا اور یہ دیکھتا کہ وہ ایک اجنبی شخص کے ذہن میں کس طرح اترتی چلی جاتی ہے۔

ایف ٹی سی یا فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کراچی کی ایک مشہور عمارت ہے جس کی مسجد اپنی ساخت میں انفرادیت رکھتی ہے۔ ہم اس کے سامنے مقررہ بس اسٹاپ پر پہنچ کر رک گئے۔

ہمارے لیے وہ فاصلہ کم تھا لیکن ویرا کو وہاں تک پہنچنے کے لیے نسبتاً زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر سگریٹ سلگالی۔

"سر!" حامد نے مودب لہجے میں مجھے مخاطب کیا "جب سے آپ کو فون پر یہ اطلاع ملی ہے کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا ہے' آپ خاموش اور کچھ پریشان پریشان نظر آرہے ہیں۔"

"پریشان نہیں' میں اندر سے بہت خوش ہوں۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مگر مجھے یقین نہیں آرہا کہ کبھی اتنے اتفاقات بھی یکجا ہوسکتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے لب پھڑکے اور پھر ساکت رہ گئے۔

"کہو کہو.... کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے متجسس انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"آپ ہی کی مثال ذہن میں آرہی تھی۔ ڈر رہا ہوں کہ آپ برا نہ مان جائیں۔"

"محاذ پر شانہ بشانہ لڑنے والے آپس میں گہرے دوست بن جاتے ہیں' ایک دوسرے کی بات کا برا نہیں مناتے۔ میرا خوف اپنے ذہن سے بالکل جھٹک دو۔"

"ہم لوگ بھی آپ کے کاموں کے بارے میں وہی سوچتے ہیں جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

"اتنے اتفاقات میں نے آج تک یکجا ہوتے نہیں دیکھے۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آپ واقعات کا ایک اہم کردار ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ آتا ہے' کرتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجے میں جو کچھ سامنے آتا ہے' دوسروں کے لیے محیرالعقول ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"مگر میں نے آج تک ایسا محسوس نہیں کیا۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا۔

"میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ واقعات کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کرتے۔ لحہ بہ لحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق فیصلے کرتے چلے جاتے ہیں اور مطلوبہ مقاصد یا نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ دور سے تماشا دیکھنے والوں یا نتائج سننے والوں کو یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مجھے اس سے اتفاق کرنا پڑا "ویرا بر وقت اور صحیح فیصلے کرنے پر قادر ہے۔ وہ ذہین نہ ہوتی تو آج میرے قریبی ساتھیوں میں شامل نہ ہوتی۔"

"میں نے مادام کی بہت تعریف سنی ہے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کی نفسیات سے کوئی فائدہ اٹھایا ہوگا ورنہ وہ اکرم الٰہی کی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کے بجائے مادام کو کسی پولیس اسٹیشن میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ ویرا نے میری بات کی لاج رکھ لی۔ وہ ہمارا قیدی ہے۔"

وہ سرہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا "اب یہی دیکھ لیں کہ بوب رافیل ہمارے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ آپ نے اس پر ایک نفسیاتی وار کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔"

میری مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ مجھے کوئی خاص بات یاد نہیں آسکی تھی۔

"آپ اپنی دانست میں ناکام لوٹے تھے مگر آپ نے اسے یہ بتایا تھا کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا۔ اس کے بعد ہی اس کا حوصلہ ٹوٹ سکا تھا ورنہ وہ ہم لوگوں کے سامنے ضد پر اڑا ہوا تھا۔"

"وہ اس وقت کی ضرورت تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "اب اس کے سامنے بھول کر بھی اکرم الٰہی کا ذکر نہ کرنا۔"

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا "اسے بے دست و پا دیکھ کر بوب کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی اپنی کہانی سناتا چلا جائے۔"

"نہیں حامد' بات اتنی سیدھی نہیں ہے۔" میں نے گہری

سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ بوب رافیل کو بھرے پُرے ہوٹل سے پکڑا گیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہمیں اس کو رہا کرنا پڑے گا۔"

"سر! میں معذرت خواہ ہوں۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی! ۔۔وہ بولا "اس کی رہائی اور اکرم الٰہی کو پوشیدہ رکھنے میں کیا تعلق ہے؟ ہماری کوشش تو یہی ہوگی نا کہ رہا کرنے سے پہلے ہم بوب رافیل سے جو کچھ اگلوا سکتے ہیں، اگلوالیں۔ وہ مواد بعد میں ہمارے کام آئے گا۔"

"تمہاری آخری بات بالکل صحیح ہے لیکن سوال میں گہرائی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "رہائی پانے کے بعد وہ اپنے والدین کو بتائے گا کہ اس کے ساتھ اکرم الٰہی بھی قید تھا۔ ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجرموں کی سرپرستی کرنے والے واقعی ان کے والدین ہوتے ہیں۔ بوب رفیل اب بھی ان کو یہی بتائے گا کہ اکرم الٰہی ہمارا قیدی ہے کیونکہ آپ نے اس کو یہ تاثر دیا ہے۔"

"وہ سنی سنائی بات ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے اکرم الٰہی کو ٹیکسی میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا ہوگا۔ ضرورت پڑی تو ہوٹل کے عملے میں سے ہی ایسے گواہوں کو سامنے لایا جا سکے گا جو بوب رافیل کے دعوے کی تردید کریں گے۔ وہ اکرم الٰہی کی قید کا چشم دید گواہ بن گیا تو اسے جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے پیچیدگی پیدا ہوجائے گی۔"

وہ پُرخیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔ بات ذرا دیر سے اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

اچھا ہوا کہ حامد نے وہ ذکر نکال لیا تھا۔ اسٹیشن فور پہنچنے اور قیدیوں کے ہوش میں آنے سے پہلے ان نکات کا صاف ہوجانا ضروری تھا ورنہ ہم خود اپنی دو عملی سے کوئی نقصان اٹھا سکتے تھے۔

وہ سارا ابہام صرف اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اکرم الٰہی نے ہماری توقع سے کہیں زیادہ مکّاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ مائیکرو سینٹر سے اس کے خفیہ فرار کی وجہ سے ہمارا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

ہم اس کی باقاعدہ روانگی اور پھر ہوٹل آمد کے انتظار میں مزید کچھ وقت گنوا دیتے تو وہ بوب رافیل سے مل کر، ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہوا واپس چلا جاتا۔ غنیمت ہوا کہ آخری لمحات پر ہمیں ہوش آگیا اور ہم نے اچانک ہوٹل کے ریستوران پر دھاوا بول کر اکرم الٰہی کو سامنے آنے پر مجبور کردیا۔

شروع سے اس وقت تک ہمیں آپس میں مشورہ کرنے اور نئی حکمت عملی طے کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ بس ایک موٹی سی بات طے ہوسکی تھی کہ بوب رافیل کو آئی بی۔ کے کھاتے میں قید ہونا تھا۔

"ابھی وقت ہے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر حامد سے کہا "کوئی اور نکتہ ذہن میں موجود ہو تو اس پر بھی تبادلہ خیال کرلو۔۔۔"

"نو سر!" اس نے اپنے داہنے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "وقت کے ساتھ مسائل اور نکات سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کا کام آپ ہی کریں گے۔ ویسے بھی ڈسپلن کے تحت ہر مشن کا ایک چیف ہوتا ہے۔ میں احکام کی تعمیل کرتا رہوں گا۔ صرف اتنا بتا دوں کہ میں نے اپنے تین آدمیوں کو ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردیا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ وہ کم از کم ایک بجے تک عیش کرتے رہیں گے۔ پھر اسلام آباد والوں کے ایما پر ان کے مقامی قونصل خانے سے کوئی نہ کوئی ہوٹل کا رخ ضرور کرے گا۔"

اپنی گفتگو کے دوران میں ہم بار بار اس ٹریفک کا جائزہ لے رہے تھے جو سگنل کھلنے کے دوران ڈیفنس اور کورنگی کی سمت سے آکر بڑے ریلوں کی صورت میں شارع فیصل پر آرہا تھا۔ ہم دونوں کا اندازہ تھا کہ ویرا اسی سمت سے نمودار ہوکر سگنل سے داہنی طرف آئے گی۔

آخر کار ہمیں ایک سیاہ اور پیلی ٹیکسی نظر آئی جو مڑنے والے ٹریفک کی بھیڑ سے بائیں طرف کٹ کر تیزی سے الگ ہورہی تھی۔ ٹیکسی کا بایاں انڈی کیٹر بھی تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔

دن کی چمکتی ہوئی تیز دھوپ میں دور دور تک ہر چیز روشن اور صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اس ٹیکسی میں ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر ویرا براجمان تھی۔

اسی لمحے حامد نے لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ شاید اس نے بھی ویرا کو پہچان لیا تھا۔

"چل پڑو!" اسے ہدایت دے کر میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر نکالا اور ہاتھ لہرا کر ویرا کو اشارہ کیا۔ ویرا نے ہاتھ ہلا کر جوابی اشارہ دیا اور دونوں گاڑیاں دھیرے دھیرے ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوتی چلی گئیں۔

"ٹیکسی ڈرائیور بہت دلیر اور ایمان دار آدمی ہے۔" حامد نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں راستے میں اس کی نیت نہ بدل جائے۔"

"وہ کتنا ہی بے جگر اور مخلص کیوں نہ ہو، ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھا سکتے۔ ہمیں راستے میں کہیں نہ کہیں رکنا پڑے گا تاکہ ویرا اور اکرم الٰہی کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائیور کو رخصت کرسکیں۔"

"یہاں سے ملیر ہالٹ کے موڑ تک سڑک اسی طرح مصروف ملے گی۔ ٹریفک کی اس بھیڑ بھاڑ میں ہم کہیں رک کر اپنا کام پورا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"پھر اسے کہاں تک ساتھ لے جاؤ گے؟" میں نے پُرتشویش

لہجے میں پوچھا۔

"چھاؤنی کی حدود کے آغاز سے پہلے اسے فارغ کردیں گے۔"

اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس علاقے میں واپس جاتے ہوئے اسے بھی اطمینان رہے گا کہ اس نے صحیح فریق کی حمایت کی ہے۔"

میں نے چپ سادھ لی۔ سفر خاموشی اور تیزی کے ساتھ جاری رہا۔

ملیر ہالٹ ریلوے اسٹیشن سے ہم بائیں طرف مڑ گئے۔ ٹیکسی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ دونوں طرف عمارتوں اور سایہ دار درختوں کا سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا اس سے آگے داہنی طرف شہری آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بائیں طرف خاردار تاروں کی باڑھ کے پیچھے ائرپورٹ کی زمین تھی۔

شہری آبادی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی فوجی عمارات نظر آنے لگیں۔ چھاؤنی کا اصل علاقہ ان انتظامی عمارات سے کچھ دور شروع ہوتا تھا جہاں ملٹری پولیس کی چیک پوسٹ قائم تھی۔

حامد نے ایک قدرے سنسان علاقے میں لینڈ روور سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ ذرا سی دیر کے لیے ویرا کی ٹیکسی دھول کے بادل میں چھپ گئی۔ لینڈ روور رکنے کے بعد غبار چھٹا تو ٹیکسی بھی پیچھے رک چکی تھی۔

"یہ مجید ہے!" ویرا نے ہماری طرف جھپٹتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں ٹیکسی ڈرائیور کا تعارف کرایا "یہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں... بروقت ہوٹل پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ راستے کے ٹریفک میں اس نے کسی بازی گر کی طرح اپنی ڈرائیونگ کے کمالات دکھا کر مجھے حیران کردیا۔"

میرے بعد حامد نے بھی بہت تپاک سے مجید سے ہاتھ ملائے۔ وہ ایسی بے یقینی سے باری باری ہم لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بہت فراخ دلی سے شاباش دی تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "بس صاحب! پہلے میم صاحب کی اردو نے دل جیتا پھر پاکستان سے ان کی محبت نے میری غیرت کو جگا دیا اور میں ان کا غلام ہوگیا۔ غدار میری ٹیکسی میں ہے۔ جب اسے سولی چڑھاؤ تو رسی میں ایک ڈور میرے نام کی بھی باندھ دینا۔"

میں نے اپنی جیب سے ہزار ہزار کے دس تہ کیے ہوئے نوٹ نکال کر زبردستی اس کی جیب میں اڑس دیے "یہ رکھ لو۔ یہ ہماری طرف سے تمہارے بال بچوں کے لیے حقیر سا نذرانہ ہے...."

"نہیں صاحب...." اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "اتنی بے دردی سے میری قیمت نہ لگاؤ۔ میں میم صاحب سے وعدہ کرچکا ہوں کہ ایک پیسا نہیں لوں گا۔ کرائے کا نہ انعام کا۔"

"یہ قیمت ہے نہ کرایہ' نہ انعام۔" میں نے محبت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا "یہ نذرانہ ہے۔ تمہاری عظمت اور حب الوطنی کے نام!"

"ہم غریب لوگوں کا کیا ہے صاحب!" وہ رندھی ہوئی آواز میں پیسے واپس کرنے پر مصر رہا "شہر میں روز دو چار گاڑیوں کے نیچے کچلے جاتے ہیں اور کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا ٹینکر میری ٹیکسی کے ساتھ مجھے بھی پیس ڈالے' مجھے غدار سے لڑنا چاہیے۔ میں اپنے سینے پر اس کی گولی کھالیتا تب بھی مجھے کوئی غم نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ میم صاحب میرے گھر والوں کی دیکھ بھال کرلیں گی مگر اب میں زندہ ہوں' کمانے کے قابل ہوں۔ یہ پیسے رکھ لو۔ اس پیارے پاک وطن کی تھوڑی سی خدمت کا حق ہم غریبوں کو بھی دے دو۔ یہ پیسے واپس رکھ لو!"

فرط جذبات میں وہ بولتا ہی چلا گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔

میں آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی' ان نم آنکھوں کا سامنا نہیں کرسکا۔ مجید کے سامنے میں خود کو بہت حقیر محسوس کر رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے پہاڑ تلے آیا ہوا اونٹ خود کو محسوس کرتا ہے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ نوٹ خاموشی سے واپس لے لیے جو میں نے دوران سفر بڑی احتیاط سے گن کر مجید کے لیے الگ رکھے تھے۔ لحہ بھر کے لیے میں سکتے کی حالت میں چلا گیا پھر میں نے بے اختیار مجید کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر اس بے مایہ مزدور کی پُرنور پیشانی چوم لی جو کروڑ پتی لٹیروں کے برعکس اپنی دھرتی کے لیے اپنا خون بھی دینے کے لیے تیار تھا۔

اسے دیکھ کر میرا یہ یقین راسخ ہوگیا کہ پاکستان میں جب تک ایک بھی مجید موجود ہے' کوئی اس ملک کا بال بیکا کرسکتا ہے' نہ اسے اپنے مذموم عزائم کی آماجگاہ بنا سکتا ہے۔

میرے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں مجید کے وجود نے ایک شدید جھٹکا لیا اور شاید اس کے دل کا غبار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔ پھر وہ پرسکون ہوگیا۔

میں نے ویرا کو ہدایت کی کہ وہ مجید سے اس کے گھر کا پتا لے لے اور خود حامد کے ساتھ اکرم الٰہی کے ساکت اور گندے وجود کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مجید اور اکرم الٰہی۔ پاکستانیوں کی دو مثالی انتہائیں تھیں جنہیں قدرت کی ستم ظریفی نے ملیر چھاؤنی کی چوکھٹ پر یک جا کردیا تھا....!

وہ کارروائی بہت تیزی سے مکمل ہوئی۔ اکرم الٰہی کو لینڈ روور کے عقبی حصے میں بوب رائفل کے ساتھ ڈالنے کے بعد ہم نے اپنے نئے دوست کو گرم جوشی سے الوداع کہا اور لینڈ روور غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مجید اپنی ٹیکسی کے پاس کھڑا' حسرت بھری نظروں سے ہمیں روانہ ہوتے دیکھتا رہا۔

"واقعی مجید ایک عظیم، سچا اور بے لوث پاکستانی ہے۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہیں کہاں مل گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کرسکتی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے نکما سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔ دیکھ لو' مقدر نے کیسا وسیلہ فراہم کیا۔"

ویرا کے جواب میں طنز تھا۔ میں نے پلٹ کر اسے گھورا اور اس کی زبان فوراً بند ہوگئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں حامد کے سامنے ایسی آزادانہ گفتگو کے حق میں نہیں تھا۔

چیک پوسٹ والوں کے لیے گاڑی اور اس کے ڈرائیور میں سے کوئی بھی اجنبی نہیں تھا۔ بس اسپیڈ بریکر اور رکاوٹ کی وجہ سے رفتار ضرور سست ہوئی مگر لینڈ روور کسی تلاشی کے بغیر ملٹری ایریا میں داخل ہوگئی۔

حامد کے استفسار پر ویرا نے اکرم الٰہی کو پکڑنے کی کہانی سنانی شروع کردی۔

وہ سب ہماری ایک ہی مہم کا تسلسل تھا۔ تین نادر الوجود مجرم ہماری تحویل میں آچکے تھے اور تینوں ہی الگ الگ ہتھکنڈوں کا شکار ہوکر اس انجام کو پہنچے تھے۔

مقبول چوہدری کو سلطان شاہ نے ڈارٹ گن سے بلیو شاٹ چلا کر بے ہوش کیا تھا' بوب رافیل کی حساس رگوں کو غزالہ کی نرم و نازک انگلیوں نے مسل کے رکھ دیا تھا اور ویرا کے پاس انگوٹھی کے جعلی نگینے کی کہانی تھی۔

اسٹیشن فوری تینوں قیدیوں کو الگ الگ کمروں میں پہنچانے کی کارروائیاں جاری تھیں کہ میرا موبائل فون بول اٹھا۔

دوسری طرف جلال تھا۔ اس کی آواز زندگی سے بھرپور تھی۔

"اس وقت کہاں ہو؟ کیا کررہے ہو؟"

"قیدیوں کو ڈھونے کی بے گار میں جتے ہوئے ہیں۔" میں ٹہلتا ہوا ایس ٹی ایف والوں سے الگ ہولیا۔

"یہ سعادت مقدر والوں کو ملتی ہے۔" ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز آئی "مجھے تم پر رشک آنے لگا ہے۔ جہاں ہاتھ ڈالتے ہو' کامیابی کی دیوی دونوں ہاتھ باندھ کر سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔"

"تم اتنی پھونک دے رہے ہو تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اکرم الٰہی بھی پکڑا گیا...."

"کب....؟ کیسے....؟ کہاں سے....؟" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑا "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹیکسی پکڑ کر فرار ہوگیا اور تم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہی ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسے ایک ساتھن نے پکڑا ہے۔"

"ساتھن....؟ یہ کیا بلا ہے؟ میں یہ لفظ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

وہ حیران رہ گیا۔

"موڈ میں آکر میں نے بھی یہ لفظ پہلی بار استعمال کیا ہے۔ اگر لغت میں یہ لفظ کہیں موجود ہو تو اس کے معنی ساتھی کی مادہ کے ہونے چاہئیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اوہ.... تو یوں کہو کہ تمہاری کسی ساتھی عورت نے اسے پکڑا ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"بوب رافیل کے ساتھ ہی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے قیدی کے بجائے قیدیوں کو ڈھونے کا ذکر کیا تھا۔ دونوں بے ہوش ہیں۔ انہیں الگ الگ کوٹھڑیوں میں ڈالا جارہا ہے۔"

"یہ غضب کی خبر سنائی ہے تم نے۔ بس اسی لیے مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اکرم الٰہی کے پائے کا مجرم ایک مرتبہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجائے تو مشکل سے ہی ہاتھ آجاتا ہے۔"

"پیروں فقیروں کی دعا ہے کہ اپنی ہر مشکل خود بخود آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔"

وہ ہنسا پھر بولا "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ غالب نے شاید تمہارے لیے ہی کہا تھا کہ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔"

"اس کام سے میں تائب ہوچکا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کب کی اطلاع ہے؟" اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی "ابھی تو تم موڈ میں آکر اردو لغت میں نئے الفاظ کا اضافہ کررہے تھے۔ یہ موڈ کیسے بنا ہوا ہے تمہارا؟"

"تمہیں دیکھ کر رنگ پکڑ رہا ہوں۔ مسلسل سنجیدگی سے میں اکتایا ہوا تھا۔"

"چھوڑو یار۔ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ مجھے چکر نہ دو۔ میں تم سے بہت دور' اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر تمہارا گلاس نہیں چھین سکتا۔"

"یہ واقعہ چند منٹ پہلے کا ہے جب میں مجید نامی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ملا تھا۔ وہ ایک چھلا چھلایا' خالص پاکستانی ہے۔ اندر سے باہر تک بالکل ایک جیسا۔ اس سے مل کر بہت شرم آئی اور پہلی بار احساس ہوا کہ ملک و قوم کے غم میں گھلنے کے لیے الکحل بہت ضروری نہیں ہے۔"

"آج تم عجیب باتیں کررہے ہو۔ میں یقین نہیں کرسکتا کہ اس وقت تمہارا معدہ خشک ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں کیوں ہری ہری سوجھ رہی ہے؟"

"ہری ہری سوجھ رہی ہے!" اس نے مستفسرانہ انداز میں میرے الفاظ دہرائے "اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تمہاری اردو بہت کمزور بلکہ ناقص ہے۔ یہ ساتھن سے بہت مختلف اور سادہ سا جملہ ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آئی بی کے تم جیسے ذمے دار افسر پر اچانک شاعری کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"یار، کام کے دباؤ اور مسلسل پریشانیوں میں اچانک بوب رافیل جیسی کوئی سرخ روئی حاصل ہو جائے تو تم یقین کرو کہ گنگنا کر رمبا ناچنے کو جی چاہتا ہے مگر سالا اسٹیٹس آڑے آجاتا ہے۔"

"اسٹیٹس آڑے آنے لگے تو پشتو میں غیبت شروع کر دیا کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"دیکھو، تم پھر کوئی الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم بات کہہ گئے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"غیبت سے اسٹیٹس سمیت ہر چیز پس پشت چلی جاتی ہے۔ آدمی کا ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔ پیٹ کا اپھار بھی دور ہو جاتا ہے۔ ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالنے کا موقع مفت میں ہاتھ آتا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آج تم واقعی موڈ میں ہو۔ بہت روانی سے فضول گوئی کر رہے ہو۔"

"ابھی تک تم موج میں آکر مجھے دو مصرعے سنا چکے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "میں بھی اپنے ذہن کی دھول جھاڑ رہا تھا۔ بوب رافیل کا ہاتھ آنا ہمارے لیے کسی خوشی کے بجائے نئی دشواریوں کا نکتہ آغاز بن سکتا ہے۔"

"اس بار ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز سے پختہ عزم کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا میں تمہاری اس خوش گمانی کا کوئی معقول سبب جان سکتا ہوں؟"

"یوں چبا چبا کے سوال نہ کرو۔ میرے سر کے آدھے بال سفید ہیں میری خوشی بے سبب نہیں ہے۔"

"دھوپ سے میرے بھی دو چار بال سفید ہو چکے ہوں گے۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اس بار میری تجویز پر جارحانہ رویّہ اپنایا گیا ہے اور ان کی بازی ان پر ہی الٹ دی گئی ہے۔"

"اب مجھے ایک مصرعہ سنانا پڑے گا۔ ایک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔" میں نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہم سے بوب رافیل کے بارے میں کوئی استفسار کریں، ہماری وزارتِ خارجہ ان سے بوب رافیل کی نقل و حرکت کے بارے میں باضابطہ سوال کر چکی ہے۔"

"کیا انہیں کسی بین الاقوامی قانون کی رو سے ایسا اختیار حاصل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اس نے پورے وثوق سے کہا "سفارتی مراعات کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ کسی رانڈ کے سانڈ کی طرح پورے ملک میں دندناتے پھریں۔ یہ معاملہ امریکا کا ہے اس لیے براہِ راست سوال نہیں کیا گیا۔ بات گھما کر پوچھی گئی ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کیوں گھما رہے ہو؟ میں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"انہیں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں ایک مشتبہ غیر ملکی پکڑا گیا ہے۔ جس کے پاس سے اسٹیفن کوائے کے نام کا ٹکٹ برآمد ہوا ہے۔ وہ کبھی خود کو اسٹیفن کوائے کہتا ہے اور کبھی امریکی سفارت خانے کا بوب رافیل نامی سوشل منسٹر بن جاتا ہے۔ وہ تصدیق کریں کہ بوب رافیل اسلام آباد میں ہی موجود ہے تاکہ مشتبہ شخص سے سختی سے باز پرس کی جاسکے۔ اس کے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے۔"

"واہ!" اس نکتہ آفرینی پر میرے ہونٹوں سے بے ساختہ داد نکلی "یہ بہت موزوں طریقہ ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہر حال میں ایک بجے تک بوب رافیل کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کریں گے اس لیے یہ خط سوا بارہ بجے امریکی سفارت خانے میں دیا جا چکا تھا۔ اس سے پندرہ منٹ پہلے ایک پروٹوکول آفیسر نے فون پر اپنے امریکی ہم منصب سے بات بھی کی تھی۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکے۔"

"اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "یہاں کا امریکی قونصل خانہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان پندرہ منٹ میں کوئی نہ کوئی جانچ پڑتال کے لیے ہوٹل پہنچ چکا ہوگا۔"

"ایک بجے تک وہ تذبذب میں رہیں گے۔" جلال کا لہجہ فاتحانہ ہو گیا "ان کی طرف سے بوب رافیل کے غائب ہونے کی تصدیق ہونے تک تم اس کی ہلکی پھلکی مرمت کر سکتے ہو۔"

"تمہاری ساری گفتگو کا نچوڑ آخری جملے میں ہے۔ وہ خبیث ابھی تک ہم سب کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اب میں اسے ایسی گھنی چوٹیں لگاؤں گا کہ وہ کسی کو دکھا بھی نہ سکے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا۔" وہ میرے دعوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا "یہ لوگ بہت ڈھیٹ اور بے حیا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو بھری پریس کانفرنس میں وہ اپنے سارے کپڑے اتار دے گا۔"

"پاکستان اور بھارت آئے دن ایک دوسرے سے اپنے سفارت کاروں پر تشدّد کی شکایات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی بھی شخص نے اپنی شکایت کے ثبوت میں کپڑے اتارے ہوں۔"

"ہمارا کلچر مختلف ہے۔ یہاں صرف زخموں اور زخمیوں کی تصویروں کے اجرا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ جو چاہو کرو، ہم معاملہ سنبھال لیں گے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو باتوں ہی باتوں میں، میں حامد وغیرہ سے بہت دور نکل آیا تھا۔ میں فوراً ہی واپسی کے لیے مڑ گیا اور فون پر جلال سے پوچھا "تم نے تالاب میں پہلا پتھر پھینک ہی دیا ہے تو ہمیں تیزی دکھانی پڑے گی...."

"ہاں! تمہارے پاس بس وہی وقت ہے جو وہ تذبذب میں گزار رہے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا' وہ بہت سرعت اور شدّت سے ہوگا۔ حقیقتِ حال کو تسلیم کرتے ہی وہ بلبلانا شروع کردیں گے۔"

"کیا اسے کسی وقت صدف مینشن بھی منتقل کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے شاید یہ قصہ نمٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ذہنی طور پر اسے رہا کرنے کے لیے بالکل تیار رہو؟"

"اس معاملے میں' میں بالکل بے بساط ہوں۔ یہ اوپر کا فیصلہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کی رہائی کراچی میں ہی عمل میں آئے گی یا اسے اسلام آباد لے جایا جائے گا؟"

"انہیں اچھی طرح ذلیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کراچی میں رہا کیا جائے۔ یہ سب سوالات قبل از وقت ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا وہ کس انداز میں اور کتنی شدت سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

"بوب رافیل کا ذکر شروع ہوتے ہی تمہارے لہجے سے تازگی جاتی رہی ہے۔" میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ شب و روز کا معمول ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے جب کوئی برانہ ہاتھ آتا ہے تو دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ تم موبائل فون پر رابطے میں رہنا۔ کوئی تبدیلی رونما ہوتے ہی میں تم سے بات کروں گا۔"

میں واپس پہنچا تو حامد اور ویرا کا پتا نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو جوان تپتی دھوپ میں میرا انتظار کررہے تھے۔

ان کی نشان دہی پر میں ایک بیرک کے کمرے میں گیا تو بوب رافیل سیمنٹ کے ننگے فرش پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب پانی سے بھری ہوئی دو بالٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور ویرا ڈونگے بھر بھر کر اس کے چہرے پر پانی ڈال رہی تھی۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟" میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"وقت بچا رہی ہوں۔" ویرا نے اپنا کام روکے بغیر جواب دیا۔ "یہ مہمان مجرم ہے۔ پتا نہیں کب چلا جائے۔ اس لیے پہلے اسی کو ہوش میں لا رہی ہوں۔ سنا ہے غزالہ نے اس کے شانوں کی رگیں دبائی تھیں۔"

"میں جلال سے بات کررہا تھا۔ اس نے بوب کو کوٹنے کی آزادی دے دی ہے۔" میں نے بتایا۔

ویرا اپنے کام میں لگی رہی اور میں انہیں اسلام آباد کے ان واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو جلال کے ذریعے میرے علم میں آئے تھے۔ انہیں دہراتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ امریکیوں کا ردِّعمل واقعی مدافعانہ اور پُراسرار سا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس کی جیبوں میں رقم کے سوا کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔" حامد نے بتایا "اپنے اصل نام کا ایک وزیٹنگ کارڈ اور اسٹیفن کوائے کے نام پر بنا ہوا ٹکٹ وہ خود حامد کے حوالے کرچکا تھا۔ ان دو متضاد چیزوں کے سوا اس کے پاس شناخت کے نام پر کوئی تیسری چیز نہیں تھی۔"

جب تک ویرا اس کے چہرے پر سادہ پانی انڈیلتی رہی' بوب رافیل نے اپنی پلکیں تک نہیں جھپکائیں لیکن جب فیلڈ میس سے یخ پانی لایا گیا تو دوسرا ڈونگا خالی ہونے سے پہلے اس نے جھرجھریاں لے کر اپنے پپوٹے پھڑکانے شروع کردیے۔ ویرا نے پورے استقلال سے اپنا کام جاری رکھا۔

تیسرا ڈونگا شروع ہوا تو بوب رافیل نے حلق سے خوف زدہ آوازیں نکالتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں۔ ویرا نے ہاتھ روک لیا۔ بوب نے فرش پر ہاتھ مارے اور وہاں پھیلے ہوئے پانی کے چھپاکوں سے متوحش ہوکر ہوا میں یوں ہاتھ چلانے لگا جیسے ڈوبنے سے بچنے کی کوششیں کررہا ہو۔

ویرا نے اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر رسید کی اور غرائی۔ "ہوش میں آؤ ورنہ میں تمہارا چہرہ ادھیڑ دوں گی۔"

بوب رافیل چیخ مار کر تکلیف سے دہرا ہوگیا مگر اس کی یادداشت تیزی سے بحال ہورہی تھی۔ سر پر منڈلاتے ہوئے سنگین خطرے کا ادراک کرکے وہ فوراً ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے پر مجبور کردیا۔

اس کے بھیگے ہوئے بال کھوپڑی پر اسی طرف چپکے ہوئے تھے جس طرف کی کروٹ سے وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس شرابور ہوکر بدن سے چپکا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی تالاب یا دریا کی تہ میں سوتے سوتے اچانک باہر نکل آیا ہو۔

"تم لوگ کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے' خوف زدہ لہجے میں زبان کھولی "تم میرے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک کیوں کررہے ہو؟"

ویرا ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتی رہی۔ جوں ہی وہ خاموش ہوا' ویرا نے اس کے پیٹ میں الٹا ہاتھ رسید کیا اور وہ اوغ کی آواز نکال کر آگے جھکتا چلا گیا۔ ویرا نے ماہرانہ انداز میں اپنی بائیں کلائی اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنسا کر' اوپر کی طرف زوردار جھٹکا دیا اور وہ جھکتے جھکتے' کراہ کر پھر سیدھا ہونے پر مجبور ہوگیا۔

"کتیا کے بچے! سچ سچ بتاؤ کہ تم اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آئے تھے؟" پے در پے کئی جھٹکے دینے کے بعد ویرا نے اپنا پہلا سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں کسی لیکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔" اس نے بھرائی ہوئی

آواز میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔
ویرا نے پہلی بار اس پر اپنی پوری طاقت استعمال کی اور کمرا طمانچے کی آواز سے گونج اٹھا۔
بوب رافیل اپنے قدموں پر لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔
وہ جس انداز میں ویرا کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا ہی مکار اور چالاک کیوں نہ ہو' لڑاکا ہرگز نہیں تھا اور کوئی بے پروایانہ ضرب اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔
میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی' گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے ایک بجانے کے سفر میں مصروف تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔
وہ آدھی آستینوں کی جس بش شرٹ اور پتلون میں تھا' وہ پانی میں شرابور ہو رہی تھیں۔ انہیں سکھانے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ اگر جلال ہنگامی طور پر اس کی طلبی کا کوئی پیغام دے بیٹھتا تو اسے اس حلیے میں واپس لے جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کوئی قابل ذکر تشدد ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت قابلِ رحم نظر آ رہی تھی۔
"ویرا! تم دفتر میں جاؤ۔ اسے ہم دیکھ لیں گے۔" میں نے ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد اردو میں کہا۔
"یہ پیٹنے کے معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔ میں بہت نزاکت سے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دوں گی۔"
"میں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا۔" حامد نے تعریفی لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "مادام کے ہاتھ پیروں میں بجلی کی سی پھرتی ہے۔ مارشل آرٹس کے ایسے ماہر میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"
میں نے لمحہ بھر کے لیے حامد کو گھورا اور وہ سٹپٹا گیا پھر میں تلخ لہجے میں ویرا سے مخاطب ہو گیا "بے جا ضد نہ کیا کرو۔ اس وقت یہ کوئی مظلوم آبی مخلوق نظر آ رہا ہے۔ ہمیں اس کے کپڑے سکھانے کی ضرورت ہے۔"
ویرا نے برا سا منہ بنایا اور کچھ کہے بغیر اس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔
کپڑے اتارنے کے حکم پر وہ مچل گیا۔ حامد نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو طلب کر لیا۔ انہوں نے بوب رافیل کو گیلے کمرے سے برآمدے میں لے جا کر اس کی بش شرٹ اور پتلون اتار لی۔ وہ بنیان اور انڈرویر میں کھڑا رہ گیا۔
"اس کے کپڑے نچوڑ کر استری سے سکھاؤ اور اسے دھوپ میں کھڑا کر دو۔" میں نے حامد کے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ایک شخص بوب کے گیلے کپڑے لے کر چلا گیا۔ دوسرے اسے کھلے میدان میں ہانک لے گئے۔
"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا!" حامد نے مایوسی سے کہا "دو چار تھپڑوں سے اس کا کیا بھلا ہوا ہو گا؟"
"اسے مار کر اپنا دل ٹھنڈا کر لو۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ زبان نہیں کھولے گا۔" میں نے جواب دیا۔
"میں آپ سے بالکل متفق ہوں لیکن اسے سبق تو ملنا ہی چاہیے۔"
"توڑ پھوڑ' نیل اور زخم کا خیال رکھنا۔ اس کے سوا تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔"
"تھینک یو سر! ڈمی پریکٹس کے بجائے زندہ دشمن پر ہاتھ پیر چلانے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ دیکھنے سے آپ کو بالکل پتا نہیں چلے گا کہ اس کی رگڑائی کی گئی ہے۔" اس نے ممنونیت سے کہا اور برآمدے سے اترنے لگا۔
میں پلٹ کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا جو اس وقت حامد کے تصرف میں تھا۔
دفتر میں ویرا جلی بھنی بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی "سکھا دیے اس کے کپڑے؟"
"تم ہمارے ساتھ شریک نہیں تھیں اس لیے بہت سی باتوں سے بے خبر ہو۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے پھر بولنے لگی۔
"اب اس کے بال سنوار کر تازہ شیو بھی کر ڈالو۔ یہی ناز برداریاں کرنی تھیں تو اسے یہاں کیوں لائے تھے؟ ہوٹل میں ہی کسی وی آئی پی کمرے میں بند کر دیا ہوتا۔"
وہ غیر ضروری طور پر تنک مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی جسے میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا۔ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر اکرم الٰہی کو پکڑ کر ایک ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کے انعام میں ویرا کے سو نخرے بھی نظرانداز کیے جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کی تکرار کے بعد اس کا جوش خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔
شاید اس کے سکون کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میدان کی طرف سے بوب رافیل کی بے ساختہ اور دردناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ نہ سہی تو کوئی اور اکرم الٰہی کو تختہ مشق بنائے ہوئے تھا۔
ڈیڑھ بجے تک کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔
ہوٹل کی نگرانی پر مامور' ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی خاموشی اس اعتبار سے قابل فہم تھی کہ وہ ایک مصروف ہوٹل پر تعینات کیے گئے تھے جہاں آنے جانے والے گاہکوں میں ہر خطے کے سفید فاموں کی بھاری تعداد شامل ہوتی تھی۔ اس بھیڑ میں ان کے لیے یہ سراغ لگانا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون کس نیت سے آیا تھا۔
وہ کوئی کھلی لڑائی نہیں تھی جس میں دوست' دشمن سب سامنے ہوتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ قونصل خانے سے چند ایجنٹ

چائے یا کافی پینے کے بہانے ہوٹل کے ریستوران میں پہنچے ہوں اور بالا ہی بالا وہاں سے مطلوبہ معلومات سمیٹ کر خاموشی سے واپس چلے گئے ہوں۔

اگر پس پردہ ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو ہمارے بے خبر رہنے کے باوجود کہیں نہ کہیں سے اس کا ردِّعمل ضرور ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم اسلام آباد میں ہی کوئی ہلچل ہونی چاہیے تھی۔ امریکیوں کو اعتراف کرلینا چاہیے تھا کہ بوب رافیل غائب تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی طرف سے اسٹیفن کوائے سے ملاقات کا مطالبہ سامنے آجانا چاہیے تھا۔

بوب رافیل نے اپنے آدمیوں کو ایک بجے کی ڈیڈ لائن دی تھی۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کی دہری شناخت رکھنے والے مشتبہ سفید فام کی گرفتاری کی خبر مل جانے اور ایک بجے کا مقررہ وقت گزر جانے کے بعد ان کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔ جلال کا یہ اندازہ کہ ایک بجے کے بعد واقعات میں سرعت اور شدت پیدا ہوجائے گی' غلط ثابت ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد حامد بھی لوٹ آیا "وہ واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کیے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"اب اسے دوبارہ کسی کمرے میں بند کرادو تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ یہاں کا جائزہ لے کر کوئی بات ذہن نشین کرسکے۔ اس کی رہائی کے بعد بھی یہ بات پوشیدہ رہنی ضروری ہے کہ وہ کہاں قید تھا۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ میرے ذہن میں بھی وہی ایک بات چکرا رہی تھی۔

"اس کے کپڑے سوکھنے کے کس مرحلے سے گزر رہے ہیں؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دھلنے اور سوکھنے کے بعد اس کے بدن پر واپس پہنچ چکے ہیں۔ اس کی بش شرٹ پر بہت داغ دھبے آگئے تھے۔ وہ دھلے بغیر' پہننے کے قابل نہیں رہی تھی۔" حامد نے ادب سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اس سے مل سکتی ہوں!" ویرا کی جواب طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"بالکل۔" میں نے کھلے دل سے کہا "بس اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ حامد پہلے ہی اس کی اچھی خاصی خاطر تواضع کرچکا ہے۔"

"میں مرے ہوئے کو مارنے کی قائل نہیں ہوں۔" اجازت ملتے ہی اس کے پتلے پتلے لبوں پر ساحرانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی "میں اس سے کچھ مذاکرات کرنے جارہی ہوں۔"

میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ خود کو اس پر مسلط کرکے بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دو بجے فون کی گھنٹی بجی۔ حامد نے ریسیور اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے یس سر' یس سر کہتا رہا پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

وہ اول خان کی کال تھی۔ میری آواز سنتے ہی وہ تحیرزدہ آواز میں بولنے لگا "کل شام کو حامد سے میری بات ہوئی تھی تو سب کچھ وہی تھا جو میں چھوڑ کر آیا تھا' آج میں اسلام آباد میں ہوں۔ یہاں پتا چلا ہے کہ کراچی میں بساط بالکل ہی بدل گئی ہے۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو صرف انتظار ہو رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب ہو رہی ہے۔"

"کیوں؟" میرے سوال پر اس کی آواز تیز ہوگئی "کیا حامد سے تمہیں پورا تعاون نہیں مل رہا؟"

"حامد نے حق ادا کردیا۔" میں نے کسی مبالغے کے بغیر جواب دیا "یہ ساتھ نہ دیتا تو ہم ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اس وقت ہم تین قیدیوں کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔"

"یہ میں سن چکا ہوں۔ وہ لوگ بوب رافیل کے معاملے میں کیوں خاموش ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ مجھے شبہ سا ہو رہا ہے کہ کہیں انہوں نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے بوب رافیل کو قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ نہ کرلیا ہو۔"

"ان معاملات میں ایسا نہیں ہوتا۔" اول خان کا لہجہ بے اعتباری لیے ہوئے تھا "ایک شخص کو بیچ منجدھار میں یوں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے تو پوری سروس میں بددلی پھیل سکتی ہے۔"

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خاموشی پُراسرار ہوتی جارہی ہے۔ جلال ہی اس معاملے پر کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ چاہو تو اس سے پتا کرکے مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ ہم یہاں بالکل بے خبر بیٹھے ہیں۔"

"یہاں بھی ہر طرف حیرت اور خاموشی کا راج ہے۔ جب سے مجھے کراچی کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں' میں جلال سے رابطے میں ہوں۔ اپنے کام کے ساتھ اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو کیا تمہارے چیف کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ہر حساس معاملے سے باخبر رہتا ہے لیکن اس بارے میں میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ کسی اور معاملے میں بُری طرح الجھا ہوا ہے۔"

"امریکی شاید خاموش بیٹھے ہماری طرف سے کسی غلطی کے ارتکاب کا انتظار کررہے ہیں۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا "یہ غلطی جو بھی ہو' اس کا نقصان بوب رافیل کو براہ راست پہنچے گا...."

"ہماری غلطی سے انہیں کوئی فائدہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔" اول

خان نے اعتراض کیا۔

"فرض کرو کہ بوب رافیل ہمارے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔" میں نے کہا "اس وقت سارا زور اس کی موت پر آجائے گا۔ یہ بات دب جائے گی کہ وہ کہاں سے اور کن حالات میں پکڑا گیا تھا۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ اس وقت وہ بہت خراب پوزیشن میں ہیں۔ اسے قربانی کا بکرا بنا کر وہ واقعی بہتر پوزیشن میں آجائیں گے۔ ہمیں ایسی کسی غلطی سے بچنا چاہیے۔"

"ہم بہت محتاط ہیں۔ ان کو جواب کی یاددہانی کرا کے یہ جتانا ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ان کے جال میں پھنسنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان سے بارہ بجے رافیل کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"

"یاددہانی ہی سب سے بہتر رہے گی۔" اس نے اتفاق رائے ظاہر کیا "انہیں معلوم ہوجائے گا کہ بوب رافیل پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے ہم ان کے جواب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ عجیب پُر پیچ صورتِ حال تھی۔ مجرم ہٹ دھرمی پر اتر آیا تھا' اس کے مربیوں نے چپ سادھ لی تھی' ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جمود کیسے ختم ہوگا۔

اول خان سے گفتگو ختم ہونے کے بعد پھر انتظار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ویرا واپس آگئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب لوٹی ہے۔ شاید حامد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی موجودگی میں ویرا میرے ساتھ محتاط رہ کر گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے دروازے میں ویرا کی جھلک دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑی اور دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیر مار کر آئی ہو۔" میں نے ٹانگیں پسار کر کہا۔

"اپنی دانست میں وہ اپنی ضد پر اڑا رہا ہے لیکن میں نے اکرم الٰہی کے حوالے سے اسے چرکے دے دے کر کچھ نہ کچھ اگلوالیا ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ بوب رافیل' اکرم الٰہی کے خلاف کوئی خطرناک ارادہ لے کر کراچی کے دورے پر آیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بغض وعناد کی بو آرہی تھی۔"

"سلطان شاہ یہی شکایت کرتا ہے کہ تم اپنے مخاطب کو بلاوجہ سلگانے کے فن میں طاق ہو۔"

"سلطان شاہ... ایک بگڑا ہوا نابالغ بچہ ہے۔ میں اس کی پروا نہیں کرتی...."

"یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ بتاؤ کہ تم بوب رافیل کو سلگا کر کیا کچھ اگلوا سکی ہو۔ وہ اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آیا تھا۔"

"میں نے اسے بتایا کہ اکرم نے اس کی ساری پول کھول دی ہے۔ میرا یہ جھوٹ کارگر رہا اور اس کی زبان چل پڑی۔ وہ اکرم الٰہی کو پکا بلیک میلر قرار دے رہا تھا۔"

"یہ اس کی رائے ہو سکتی ہے جس سے ہمارا متفق ہونا بالکل بھی ضروری نہیں۔ اصل حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہو سکے گا جب ہم اکرم الٰہی کی کہانی بھی سن لیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اکرم' فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے امریکی اداروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا ہے اور یہ بھاری رقوم مطلوبہ مقاصد پر صرف کرنے کے بجائے ذاتی استعمال میں لاتا رہا ہے۔ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین نے جب بھی اس کا کوئی مطالبہ پورا کرنے سے انکار کیا' اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ سرگرمیوں کی فائل مشتہر کرنے کی دھمکی دے کر اپنا مطالبہ منوالیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فاؤنڈیشن کچھ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جن کی تشہیر سے اس کی ساکھ اور نیک نامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اکرم الٰہی اس حقیقت سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔"

"ہر ادارے کی کچھ نہ کچھ خفیہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ اکرم الٰہی کو فیکس اور ٹیلکس پر جو بھی ہدایات دی جاتی تھیں' وہ ہدایات کے مطابق انہیں ضائع کرنے کے بجائے محفوظ کرلیتا تھا۔ وائس چیئرمین کو اس کی مجرمانہ ذہنیت کا اندازہ ہوا تو دیر ہوچکی تھی۔ اس کے بعد دو احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلی یہ کہ اکرم الٰہی کی آواز محفوظ کرلی گئی تاکہ اس کے نام سے کوئی اور فاؤنڈیشن سے فراڈ نہ کرسکے۔ اسی وجہ سے مقبول چوہدری اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔" میں سمجھ گیا کہ مقبول چوہدری کے بارے میں کہا گیا فقرہ ویرا کی ذاتی رائے پر مبنی تھا بوب رافیل ایسی کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"دوسری احتیاط یہ کی گئی کہ اکرم یا فریڈم انٹرنیشنل سے مراسلت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسے ہر پیغام فون پر دیا جانے لگا مگر پھر بھی فورڈ فاؤنڈیشن والے پچھلے ریکارڈ کی وجہ سے اکرم الٰہی کے مطالبات پورے کرنے پر مجبور تھے۔ ان کے لیے ساکھ کی قیمت چند لاکھ ڈالرز سے بہت زیادہ ہے۔"

"ساکھ!" میں تحقیر آمیز انداز میں ہنسا "ان کی ساکھ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ وہ جب چاہتے اکرم الٰہی کی بلیک میلنگ سے چھٹکارا حاصل کرسکتے۔ اس کے لیے صرف ایک گولی کافی ہوتی۔"

"وہ شاید یہ بھی کر گزرتے لیکن بوب رافیل کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی بہت عیار ہے۔ اس نے وہ فائل کسی خفیہ مقام پر رکھی تھی اور فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین کو یہ بتادیا تھا کہ اس کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی تو اس کا سارا نقصان فاؤنڈیشن کو پہنچے گا۔ اکرم الٰہی کی ناگہانی موت پر' اس کے ہمدرد خفیہ مشتہر ختم کردیتے۔"

"حیرت ہے کہ بوب رافیل نے یہ سب اتنی تفصیل سے اگل

دیا!" میں نے کہا۔

"وہ جھلا کر مختصر جواب دے رہا تھا۔ اس کے ہر جواب میں اکرم الٰہی کی کوئی نہ کوئی خامی پنہاں تھی۔ ان جوابات کو ترتیب اور تفصیل سے میں نے خود جوڑا ہے۔"

اگر وہ سب درست تھا تو اکرم الٰہی کو بے بس بلکہ قید کر لینے کے بعد وہ فائل مقبول چوہدری کے قبضے میں ہونی چاہیے تھی۔ فائل کی تشہیر یا فاؤنڈیشن کو واپسی خود مقبول چوہدری کے حق میں نہ ہوتی کیونکہ وہ پیسے کا لالچی تھا۔ بلیک میلنگ کا سبب ختم ہو تا تو شاید فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کے مراسم ہی منقطع ہو جاتے۔ بھاری آمدنی کے اس ذریعے کو مقبول اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایسی کوئی فائل تھی تو مقبول ہی کے قبضے میں تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے بوب سے اتنی باتیں اگلوالیں۔ وہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہو گا۔"

"یہ ایک پہلو تھا۔ دوسری کہانی بھی چونکا دینے والی ہے۔" ویرا مسکرا کے بولی۔

"اوہ! تو کچھ اور بھی باقی ہے۔" میں اپنی کرسی میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں!" ویرا نے اپنی گردن ہلائی "فریڈم انٹرنیشنل کی آڑ میں اکرم الٰہی ہیروئن کا ریکٹ بھی چلا رہا تھا۔"

"نہیں!" میں نے بے اعتباری سے کہا "اس قصّے میں ہیروئن کہاں سے آگئی۔"

"اسے امریکا کی ایک سوسائٹی سے اس مقصد کے لیے سرمایہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ پاکستان کے راستے امریکا کو ہیروئن کی ترسیل کو روکے۔ اس نے ادھر کا رخ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ ہیروئن کی اسمگلنگ میں بے اندازہ دولت ہے۔ اپنے مقصد کو بھول کر وہ خود اس کاروبار میں ملوث ہوتا چلا گیا۔"

"یہ بوب کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اس کے الزام میں جان ہے۔ تم شی کو کیوں بھول رہے ہو۔ وہ بھی ایک سوسائٹی ہی تھی جو ہیروئن کے انسداد کے لیے قائم کی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے شی کے قدم اکھڑنے کے بعد وہی کام کچھ این جی اوز کو سونپ دیا گیا ہو۔" ویرا کے پاس مدلّل جواب موجود تھا۔

"دلیعنی امریکا میں ہیروئن کی اسمگلنگ روکنے کے لیے یہاں اس کی کھپت پیدا کی جائے؟"

"بالکل۔ شی کا مشن یہی تھا۔" ویرا نے زور دے کر کہا۔ "پاکستان میں شی ختم ہو چکی ہے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں ہیروئن کا استعمال بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔"

"یہاں ہیروئن کے استعمال میں اضافے کی شرح واقعی بھیانک ہو چکی ہے لیکن اس بارے میں تم جو کچھ کہہ رہی ہو، اس میں کھلا تضاد موجود ہے۔" میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"تم امریکیوں کو نہیں جانتے۔" ویرا نے اصرار کیا "میرے بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ لوگ تیسری دنیا کے ملکوں میں حکومتوں اور عوام کی مدد کے نام پر این جی اوز کی سرپرستی کر کے ایک مفاد پرست طبقے کی پرورش کر رہے ہیں جو دولت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی جائز یا ناجائز مقصد کے لیے کام کرنے پر تلا رہتا ہے۔ اگر تم زیادہ گہرائی میں جاؤ تو اندازہ ہو گا کہ یہ طبقہ اپنے مفادات کی وجہ سے امریکا کا سب سے بڑا وفادار ثابت ہو گا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم کہہ رہی ہو کہ اکرم الٰہی اپنے مقصد کو بھول کر خود ہیروئن کی اسمگلنگ میں شریک ہو گیا تو پھر یہاں ہیروئن کا استعمال کیوں بڑھ رہا ہے؟"

"یہ بات میں نے نہیں، بوب رافیل نے کہی ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "اچھائی کو فروغ دینے کے لیے بہت سخت محنت کی ضرورت پڑتی ہے مگر بدی اور بدعادتوں کے لیے صرف تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ برائی کا بیج بو دو۔ اس میں سے جو کچھ پھوٹتا ہے اکاس بیل کی طرح تیزی سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔"

"ہیروئن خود بخود نہیں پھیل رہی، اسے وہ لوگ پھیلا رہے ہیں جو دولت کی جھنکار سننے کے لیے موت کی سوداگری پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی گردنیں اتار لو، ہیروئن کا فروغ تھم جائے گا۔"

"بوب رافیل از خود کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے جلے کٹے تبصروں سے میں نے جو نتائج اخذ کیے، تمہارے سامنے رکھ دیے۔ اکرم الٰہی کے اصل کرتوتوں پر سے مقبول پردہ اٹھائے گا۔"

"وہ گھر کے قیدی ہیں۔ بوب کا قضیہ نمٹے تو ان دونوں سے پرسکون طریقے سے بازپرس کی جائے گی۔"

"یہ کام میں اس وقت بھی شروع کر سکتی ہوں۔ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔"

میں نے اسے گھورا اور اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس بار جلال نے فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمارے سارے اندازے دھرے رہ گئے .... یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک گیا ہے۔ اب بوب رافیل کو ہاتھ بھی نہ لگانا!"

"کہو تو اس سے پچھلے سلوک بلکہ بدسلوکیوں کی معافی بھی مانگ لیں!"

"اب تک جو کچھ ہوا ہے، اسے بھول جاؤ۔ آئندہ کے لیے احتیاط سے کام لو۔ ابھی تک کسی خبر کی تصدیق نہیں ہوئی لیکن زبردست افواہیں گردش میں ہیں۔ مجھے اوپر سے صرف اتنا حکم ملا ہے کہ بوب کی رہائی کی تیاری کر لی جائے۔"

"دفترِ خارجہ کے خط کا کیا جواب ملا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ مقامی سطح پر انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ واشنگٹن میں امریکی صدر کو صبح چار بجے نیند سے بیدار کرکے بوب رافیل والے معاملے سے آگاہ کیا گیا تھا۔"

"اگر میری یادداشت درست ہے تو واشنگٹن کا وقت ہم سے دس گھنٹے پیچھے ہے یعنی یہ واقعہ ہمارے وقت کے مطابق ابھی دوپہر کے دو بجے پیش آیا ہوگا۔ کیا تمہیں یہ خبر واشنگٹن سے ملی ہے؟"

میرے لہجے میں موجود ہلکا سا طنز اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا اور اس کی خفت آمیز آواز آئی "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسلام آباد میں ہوش ربا افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"تو کیا واشنگٹن والی خبر بھی ان افواہوں کا حصہ ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"میں امریکی صدر کی خواب گاہ میں نہیں تھا اس لیے سنی سنائی باتیں ہی تم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تلخی تھوک دو۔ مذاق کا برا نہیں مناتے۔ ہر افواہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی ہے۔"

"کہا جا رہا ہے کہ امریکی صدر نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اسی وقت اپنے مشیروں کو طلب کیا اور غور و خوص کے بعد ہمارے وزیراعظم سے فون پر براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اوہ!" میں اس انکشاف پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ واشنگٹن کے لیے بوب رافیل کی ذات اتنی اہم ہوسکتی ہے۔"

"وہ انتہائی بد ذات ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات سے زیادہ امریکا کی پوزیشن کا ہے۔ رابن مائر والے معاملے کے بعد وہ مزید سبکی سے بچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پسپائی کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"مگر یہ خاموش پسپائی کس طرح ممکن ہوسکی؟" میرا ذہن جلال کے کیے ہوئے انکشافات کے گہرے جھٹکے سے فوری طور پر سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"بس قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ترین سطح پر اگر ہلکی سی معذرت بھی کرلی جائے تو بڑی سے بڑی بات پل بھر میں ختم ہوسکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ امریکی صدر معذرت کیے بغیر بوب رافیل کی گلوخلاصی کی درخواست نہیں کرسکتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "ایسی صورت میں درخواست کو رد کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ کیا وزیراعظم کو شروع سے اس معاملے سے باخبر رکھا گیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غیر ملکی سفارت کاروں سے تعلق رکھنے والے ہر قابلِ ذکر واقعے کی سب سے پہلی بریفنگ پرائم منسٹر ہاؤس ہی بھیجی جاتی ہے۔"

"کیا اس کی رہائی کا حکم وہیں سے جاری کیا گیا ہے؟" میرا تجسس دور نہیں ہو رہا تھا۔

"افواہوں کی شدت میں کہیں سے صحیح خبر نہیں مل رہی۔ مجھے چند منٹ پہلے اپنے ڈائریکٹر جنرل کا زبانی حکم ملا ہے۔ یہ تازہ ترین واقعہ ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی حقائق سامنے آسکیں گے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب ویانا کنونشن کے مطابق بوب رافیل کو ہر حال میں رہائی مل ہی جانی تھی تو امریکی صدر کو حرکت میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تمہیں یہ بات غیر معمولی محسوس نہیں ہوتی؟"

"ابھی صرف افواہیں ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اگر ان کی تصدیق ہوجاتی ہے تو جواز ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ محض اپنے سفارتی استحقاق کی بنا پر رہا ہوتا تو پریس اس معاملے کو اچھالتا' سب کچھ ریکارڈ پر آجاتا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان سفارتی سرد مہری پیدا ہوسکتی تھی۔ امریکا کی عالمی رسوائی الگ ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ ان تمام تلخ اثرات سے بچنے کے لیے بالائی سطح پر چند منٹ کی ایک فون کال کو ترجیح دی گئی ہو۔"

"تو کیا اب اس کی رہائی خاموشی سے عمل میں آئے گی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ افواہیں درست ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ پریس میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آنے پائے گا۔" اس کا لب و لہجہ بہت محتاط تھا۔

"کیا یہ غنڈا گردی بلکہ داداگیری نہیں ہے؟" میری آواز میں مایوسانہ تلخی اتر آئی "علاقے کے دادا گیر بھی یہی کرتے ہیں۔ کسی کو دھمکانا ہو تو اپنے کارندوں کو بھیجنے کے بجائے خود موقع پر پہنچ کر اپنا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ یہ کرسی یہاں سے ہٹالو۔ ان کا مخاطب جانتا ہے کہ اس نے کرسی نہ ہٹائی تو اس کا انجام کیا ہوگا...."

"تم بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوتا رہتا ہے۔ تم یقین کرو کہ افواہیں درست ثابت ہوئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس میں ہماری بہت بڑی اخلاقی فتح ہوگی۔ ہم نے اپنی کاوشوں سے انہیں پاکستان میں اس حال کو پہنچا دیا کہ امریکا کی عزت بچانے کے لیے وہاں کے صدر کو ہمارے سربراہ سے رجوع کرنا پڑا۔"

"شاید میری کھوپڑی ہی الٹی ہے جو میں تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھتا ہوں!"

"میں تم سے زیادہ حساس طبیعت کا مالک ہوں لیکن میں ذرا بھی مایوس یا افسردہ نہیں ہوں۔ دراصل تم امریکیوں سے اس قدر نالاں ہو کہ تمہیں ان کی ہر حرکت میں سازش اور مکاری کی بو آتی ہے۔"

"تو کیا حقیقت میں ایسا نہیں ہے؟" میں نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔

"مان لو کہ کم از کم اس بار ایسا نہیں ہے۔ یہ معاملہ بہت

باعزت انداز میں طے ہونے جارہا ہے۔"
"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔
"یہ بتاؤ کہ اب محترم و معظم بوب رافیل صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں پہنچایا جائے؟"
"کہیں نہیں۔ میرے دونوں افسر اسٹیشن فور کے لیے نکل چکے ہیں۔ وہ تمہارے پاس رکیں گے۔ میں پوزیشن واضح ہوتے ہی تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ بوب رافیل کی رہائی کہاں اور کس طریقہ کار سے عمل میں آئے گی۔"
"کیا اول خان کو اس تازہ ترین تبدیلی کا علم ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"وہ میرے رابطے میں ہے مگر ابھی یہ بات اس کے علم میں نہیں ہے۔ ہدایات ملنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے کیونکہ اس وقت تم ہی بوب رافیل کے نگران اعلیٰ ہو۔"
"اور کچھ ہو یا نہ ہو، کم از کم ایک پیش گوئی پوری ہو گئی کہ بوب کا معاملہ آج سورج غروب ہونے سے پہلے نمٹ جائے گا۔ اس میں عزت ملتی ہے یا ندامت ہاتھ آتی ہے، یہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"
"ہاں، یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ زیادہ سوچ سوچ کر اپنا خون نہ سلگاؤ۔ میں ایک مدت سے سرکاری ملازمت کر رہا ہوں۔ جب اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر عمل کرنا پڑتا ہے تو آدمی ایسے ہی ڈپریشن سے دوچار ہوتا ہے مگر میں اس وقت مطمئن ہوں۔ تم بلاوجہ سوچ سوچ کر بال کی کھال نکالے جا رہے ہو۔ میرے اگلے فون کا انتظار کرو۔ شاید میں تمہاری مزید تسلی کرا سکوں۔"
جلال نے میری دل جوئی کے لیے ایک چھوٹی سی تقریر صادر کر کے فون بند کر دیا۔
"وہ صحیح کہہ رہا ہے!" سوال و جواب کے معمول سے فارغ ہو کر ویرا نے جلال کے موقف کی تائید کی۔
"کہہ رہا ہوگا مگر میں اس فیصلے سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔ چور رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اسے سرعام جوتے مار کر اس کا منہ کالا کرنا چاہیے۔ ہم اپنے چور کو خاموشی سے چھوڑنے جا رہے ہیں۔"
"یہ تم نے فرض کر لیا ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ کیسے چھوڑا جائے گا۔"
"تم میری بات لکھ لو کہ میرا مفروضہ بالکل صحیح ثابت ہوگا۔ سمجھوتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"
"ایسا ہو بھی جائے تو تمہیں اور حامد کو ذاتی طور پر خوش ہونا چاہیے۔ تم دونوں نے چند گھنٹوں کی محنت سے امریکا کے صدر کو اپنے سامنے سرنگوں کر لیا ہے۔ انا کا گھاؤ جسمانی زخم سے کہیں زیادہ کاری ہوتا ہے۔"
"ہوگا.... تھوڑی دیر کے لیے زبان بند کر لو۔ میں خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔" میری وہ فرمائش سن کر ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔
"میرے لیے یہاں بیٹھ کر خاموش رہنا شاید ممکن نہیں ہوگا۔ میں حامد کو تلاش کرتی ہوں۔"
وہ اپنی مخصوص چال میں دروازے سے نکل رہی تھی تو عقب سے اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ منافق نہیں تھی۔ کچھ کہہ رہی تھی تو اپنے ضمیر کے مطابق درست ہی کہہ رہی ہوگی۔
میں نے سر جھٹک کر پیکٹ سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

○☆○

کمیٹی روم میں اضطراب کے عالم میں ٹہلتے ہوئے امریکیوں نے میری آہٹ پر چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی سنجیدگی کچھ اور گہری ہو گئی۔
بوب رافیل میرے پیچھے تھا۔ اس کے عقب میں انٹیلی جنس بیورو کے مقامی دفتر کے وہ دونوں افسران تھے جنہوں نے ہوٹل کے حفاظتی عملے سے مل کر ہمیں شناخت کے مشکل مرحلے سے بچایا تھا۔ وہاں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حامد کسی عام شہری کے سامنے اپنے ایس ٹی ایف کے شناختی کارڈ کی نمائش کر کے فورس کی رازداری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور ہوٹل والے ہماری باضابطہ شناخت کے بغیر ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔
ان پر نظر پڑتے ہی بوب رافیل "جان" کہہ کر تیزی سے ان دونوں کی طرف لپکا تھا مگر ان میں سے زیادہ لمبے اور معنک امریکی نے خشک لہجے میں اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔
"جان! کس قدر تذلیل و جان لیوا انتظار کے بعد اپنوں کی صورت نظر آئی ہے اور تم کیا کہہ رہے ہو؟" بوب رافیل نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں شکایت کی۔
"ہاں بوب!" اسی امریکی نے گمبھیر آواز میں کہا "یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ابھی تمہاری منتقلی عمل میں نہیں آئی۔ تم ہمارے معزز دوستوں کی تحویل میں ہو۔ تمہیں ان کی ہدایات سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"
اس اثنا میں، میں لمبی میز کے سرے پر ان دونوں تک پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں نے پُرتپاک مصافحوں کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ عینک والے کا نام جان اسمتھ تھا اور اس کا ساتھی راجر بروک تھا۔ انہوں نے آئی بی کے افسران سے بھی اسی تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن بوب رافیل کے ساتھ ان کا رویہ بدستور سرد مہرانہ تھا۔
ہمیں کمیٹی روم کے دروازے تک پہنچانے والا سیکیورٹی افسر دروازے سے ہی واپس جا چکا تھا۔
ہم مستطیل میز کے سرے کو چھوڑ کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ آئی بی کے افسران میرے ساتھ تھے۔ بوب رافیل اپنے ہم قوموں

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے خشک رویّے کی وجہ سے بوب کے چہرے پر پھنکار برس رہی تھی۔

"رسمی گفتگو کے آغاز سے پہلے میں تمہاری اجازت سے ایک سرکاری حکم بوب کو سنانا چاہتا ہوں۔" جان نے کہا۔ اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میں حیران ہوا کہ اس نے مجھے آئی پی والوں پر کیوں ترجیح دی تھی لیکن مجھے فوراً ہی اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے سے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ میں سب سے پہلے کمیٹی روم میں داخل ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ٹیم میں میری پوزیشن قائدانہ تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا مگر تجربے کار سفارتی افسران کے لیے کسی کے آگے، پیچھے، دائیں یا بائیں ہونے کی اہمیت مسلمہ تھی۔ پروٹوکول کے ان روایتی قاعدوں کی روشنی میں وہ مہمانوں کے استقبال میں تقدیم و تاخیر کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔

"ضرور، ضرور!" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

جلال کے اصرار پر میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہونے پر آمادہ ہوا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈینی کی حیثیت سے نہ پہچان لے۔

ان دنوں امریکی ایجنٹ خارش زدہ کتوں کی طرح ہر طرف سے عتاب میں آئے ہوئے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس عالم میں بھی میری تلاش سے غافل نہیں تھے۔ میں نے ان سے اپنا تعارف مظہر خان کے نام سے کرایا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے دیکھ کر ان دونوں میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"بوب رافیل!" جان نے اسے یوں مخاطب کیا جیسے کسی تحریری فرمان کے ابتدائی الفاظ پڑھ رہا ہو۔

بوب نے چونک کر پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے یہ بات غیر معمولی تھی کہ جان نے رواج کے برعکس اسے اس کے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔ جان کے چہرے پر چھائی ہوئی اجنبیت دیکھ کر بوب کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں اور اس کا بایاں ہاتھ بے ساختہ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑے بدستور جان اسمتھ کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

ذرا سے توقف کے بعد جان نے اسی انداز میں اپنی بات جاری رکھی "تم پاکستان میں اپنی تعیناتی کے دوران میں آج اپنے فرائض سے غفلت اور اختیارات سے تجاوز کے مرتکب ہوئے ہو جس کی بنا پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کو اپنے دوست ملک، پاکستان کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بنا پر ایک صدارتی فرمان کے تحت تمہیں فوری طور پر ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے اور تم ہر سفارتی رعایت سے محروم ہوچکے ہو....."

"نہیں جان...!" بوب نے تقریباً رو دینے والی آواز میں اس کی بات کاٹ دی "تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تم مجھے کیا خبر سنا رہے ہو؟"

"افسوس کہ سب کچھ یوں ہی ہے۔ برطرفی کے بعد تم اسلام آباد نہیں جاؤ گے۔ کراچی سے میسر پہلی پرواز سے تمہیں واپس امریکا جانا ہے۔" جان نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات پوری کرڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سلگتے ہوئے وجود میں ایک ٹھنڈی سی، سکون کی لہر سرایت کرتی جارہی ہو۔ میرا دل چاہا کہ میں چوڑی میز پھلانگ کر جان کا منہ چوم لوں مگر ہم وہاں ذاتی خوشیوں کے اظہار کے لیے نہیں، بوب رافیل جیسے سفارتی آوارہ گرد کو اس کے اصل مالکان کے حوالے کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

"یہ ظلم ہے جان، یہ ظلم ہے۔" بوب رافیل نے انتہائی مایوسی کے عالم میں احتجاج کیا "تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ میں ان تینوں کے سامنے کچھ بھی نہیں دہرا سکتا۔ میرے وہم و گمان میں بھی...."

"بوب! پلیز شٹ اپ!" جان کی آواز سخت اور درشت ہوگئی "مجھے تمہارے جذباتی صدمے کا اندازہ ہے۔ مگر میں اپنے منصب کی ذمّے داریوں سے مجبور ہوں۔"

"میں ابھی اور اسی وقت سفیر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" بوب نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"میری طرح وہ بھی ریاست کے ملازم ہیں۔ یہ حکم نامہ ان ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچا ہے۔ یہاں کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، واشنگٹن جا کر کہنا۔ اب خاموش رہو۔"

بوب نے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ امریکیوں نے بوب رافیل کی ڈرامائی برطرفی کا وہ کھیل محض ہماری دل جوئی کے لیے رچایا تھا۔ امریکا پہنچتے ہی بوب رافیل کو ملازمت سمیت تمام مراعات واپس مل جانی تھیں لیکن بوب چونکہ خود متاثر ہوا تھا اس لیے وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اپنی برطرفی کو حقیقت سمجھ کر منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

امریکا پہنچنے کے بعد بوب کو جو بھی انعام ملتا وہ بعد کی بات تھی۔ وقتی طور پر یہی کافی تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے معاملے میں دم کے بل ناچنے والے امریکیوں کے صدر کی خفت اور شرمندگی ایک فرمان کی صورت اختیار کرچکی تھی۔

"صدارتی فرمان کا نچوڑ تم نے سن لیا۔" جان نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہوئے ہمیں بوب کو اپنے ساتھ لے جانے میں کسی رکاوٹ یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"وہ اس کمرے میں قدم رکھتے ہی تمہاری تحویل میں آچکا

تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمیں کسی دستاویز کا تبادلہ نہیں کرنا تھا پھر بھی ہم رسم نبھانے کے لیے میز کے گرد بیٹھے ہیں۔"

"شکریہ!" جان نے میز پر سے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ میز اتنی چوڑی تھی کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا پڑا۔

"ہمیں امید ہے کہ صدر کی اس تادیبی کارروائی کے بعد ایسے کسی ناخوشگوار واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔" میں نے پرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے چبھتا ہوا تبصرہ کیا۔

"شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ ہوگا۔ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوگی۔" وہ منافقانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی قطاریں کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"کیا بوب کی برطرفی کا صدارتی فرمان پریس کو بھی جاری کیا جائے گا؟" میرے ساتھ بیٹھے ہوئے آئی بی کے ایک افسر نے پوچھا۔

"نہیں۔ انتظامی تقرریاں، تبادلے اور معزولیاں اندرونی معاملات ہوتے ہیں پھر بھی پریس والے اپنی دلچسپی کی خبریں تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ فی الحال یہ فرمان ہماری داخلی دستاویز ہے۔"

"ہمارے ذریعے بھی یہ خبر نکل سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔ "ہمیں اپنی رپورٹ دینی ہوگی۔"

"کیوں راجر؟" جان نے اپنے ماتحت سے پوچھا "یہ اچھا احتیاطی سوال ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"نہیں جان! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" راجر نے اپنے افسر کے رتبے کا لحاظ کیے بغیر بے خوفی سے کہا "جب تک بوب امریکا پہنچ نہیں جاتا، یہ فرمان خفیہ رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔" جان نے ناک پر اپنی عینک نیچے سرکا کر کہا۔

"اس فرمان کے ذریعے بوب کو فوری طور پر ہر سفارتی تحفظ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ پتا نہیں پروازوں کی کیا پوزیشن ہے، اسے کتنے گھنٹے کراچی کے مرکزی علاقے میں گزارنے پڑیں۔ خبر پھیلنے کے بعد کسی بنیاد پرست نے اسے مار دیا تو کیا ہوگا۔"

اپنی سلامتی کے بارے میں اس اندیشے کو سن کر بوب نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں سے نکالا اور تشویش سے ہم تینوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی خوف زدہ اور پریشان تھا، اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

"بہت اہم بات اٹھائی ہے تم نے!" جان نے مضبوطی سے اپنی شہادت کی انگلی فضا میں لہرا کر کہا پھر فیصلہ کن لہجے میں مجھ سے بولا "تم اپنے افسران بالا کو دی جانے والی رپورٹ میں اس کا ذکر کرو مگر یہ رپورٹ کانفیڈنشل ہو۔ انسانی تحفظ کے معاملات پر راجر گہری نظر رکھتا ہے۔ میں کبھی بھی اس کی رائے کو نظرانداز کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔"

راجر کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سنتے ہی مجھے غصہ آیا مگر میں اپنی باری آنے تک خاموش رہا۔ جان نے اپنی بات پوری کر لی تو میں نے کہا "بوب جیسے غیر ذمے دار آدمی کو کوئی بنیاد پرست کیوں مارے گا؟ ہاں، کوئی سرپھرا محب وطن ضرور اس کی جان کے درپے ہو سکتا ہے۔ قاتل کوئی بھی ہو، وہ صرف قاتل ہوتا ہے، اسے کسی اور حوالے سے نام دینا زیادتی ہے۔"

"سوری مازر۔" جان نے جلدی سے کہا "بنیاد پرست کی اصطلاح ہم مذہبی انتہاپسندوں کے لیے استعمال کرتے ہیں...."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہلکی سی ترشی سے کہا "اسی لیے میں اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔ پاکستانی تمہارے مخصوص مفہوم میں بنیاد پرست نہیں ہوتے وہ اعتدال پسند ہیں۔"

"اگر تمہیں اس لفظ پر ایسا ہی اعتراض ہے تو میں اسے واپس لیتا ہوں۔" راجر نے بدمزگی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں پاکستانیوں کی بہت عزت کرتا ہوں مگر قرب و جوار کی مسلح تحریکوں کی وجہ سے یہاں ایک ایسا عنصر ضرور در آمد ہوا ہے جو ہماری تعریف پر پورا اترتا ہے۔ میں اس کی نشان دہی کر رہا تھا۔"

"جب تم نے اپنے بیان میں ترمیم کر لی ہے تو یہ وضاحت غیر ضروری ہے۔" جان نے راجر سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "اگر کوئی بات رہ نہ گئی ہو تو ہم یہ اجلاس ختم کر لیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے سروں کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سب نے تقریباً ایک ساتھ ہی کرسیاں چھوڑ دیں۔

جلال نے جب فون پر مجھے یہ بتایا کہ ہمیں شام کے سات بجے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر اس عمارت میں پہنچنا ہے اور اسے وہاں آنے والوں دو امریکیوں کے سپرد کر کے لوٹ آنا ہے تو خود اسے بھی صحیح طرح علم نہیں تھا کہ اس ملاقات میں مزید کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

بس اسے ایک بات کا پورا یقین تھا کہ امریکیوں کے ریکارڈ میں میری کوئی تصویر نہ ہونے اور میری ظاہری ہیئت میں ہونے والی بعض اختیاری تبدیلیوں کی وجہ سے اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈپٹی کی حیثیت سے پہچان سکے۔

ہم تینوں بوب کو لے کر مقررہ وقت پر وہاں پہنچے تو احاطے میں امریکا کے سفارتی نمبروں والی مخصوص رجسٹریشن پلیٹ کے ساتھ ایک جیپ پہلے سے موجود تھی جس میں دو مسلح محافظ نظر آ رہے تھے۔

وہاں سے گزر کر کانفرنس روم میں داخل ہونے تک مجھے یہی

دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کسی وجہ سے مجھے پہچان نہ لیا جائے مگر غنیمت ہوا کہ تعارف کا مرحلہ خیر و خوبی سے گزر گیا۔

اس کے بعد مختصر سے اس اجلاس میں جو کچھ ہوا' میرے لیے وہ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ دل خوش کن بھی تھا۔ ہم امریکیوں پر اپنا دباؤ آخری حد تک بڑھانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ مرحلہ وار پسپا ہوتے ہوتے' آخر کار دیوار سے جا لگے تھے۔

اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے صدارتی فرمان کا جو ڈھکوسلا پیش کیا تھا' میرے لیے وہ ذرا بھی قابلِ اطمینان نہیں تھا۔ ہمارے لیے یہ معلوم کرنا ناممکنات میں سے تھا کہ بوب کو امریکا پہنچنے کے بعد بلکہ کمیٹی روم سے نکال لے جانے کے بعد کن نوازشات کا مژدہ سنایا جائے گا۔

بوب کی معافی اور حوصلہ افزائی کے خدشوں کے باوجود وہ پیش رفت میری توقع سے زیادہ اطمینان بخش تھی۔ ایک مرتبہ وہ مردود اپنے وطن پہنچ جاتا تو اس کے معاملے کی تشہیر کر کے پاکستان سیاسی سطح پر خاصی سرخ روئی حاصل کر سکتا تھا کیونکہ برطرفی کے فرمان میں امریکی صدر کی ڈھکی چھپی معذرت غیر معمولی بات تھی۔

میں ان خیالات میں الجھا رہا۔ آئی بی کے دونوں افسران بھی میرے اخذ کیے ہوئے نتائج سے متفق تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ جان اسمتھ کراچی کے قونصل خانے میں سی آئی اے مشن کا مقامی چیف تھا اور غالباً اسی کے ایما پر بوب نے اکرم الٰہی سے ملنے کے لیے اسلام آباد سے کراچی تک دوڑ لگائی تھی۔

میرے لیے اس انکشاف پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ خود بوب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ جان سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے اس کی برطرفی کا فرمان سنا رہا تھا۔

اس مختصر اور کامیاب اجلاس کے بعد اسٹیشن فور میں میرے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی پچھلی رات سے اس وقت تک میں مسلسل بیداری اور بھاگ دوڑ سے دو چار رہا تھا اور آخری مرحلے سے نمٹ جانے کے بعد تکان نے پوری شدت سے میرے اعصاب پر حملہ کر دیا تھا۔ میرے ایما پر ان دونوں نے گاڑی کا رخ گلشن اقبال کی طرف کر لیا جہاں وہ تینوں میری واپسی کے منتظر تھے۔

راستے میں' میں نے جلال کو فون پر اپنی رپورٹ دی تو اس نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ بوب رافیل کی رہائی کے سمجھوتے کے بارے میں میری مایوسی اور ناامیدی غیر ضروری تھی۔

"اس وقت جو کچھ ہوا ہے اس پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "میں تمہارے اندازوں کی داد دیتا ہوں۔"

"تمہارے الفاظ سے کچھ تحفظ کا اندازہ ہو رہا ہے۔" جلال نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ہمارے موجودہ حریف اونٹ کی طرح کینہ پرور ہیں۔ ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی اپنا باپ بنا لیتے ہیں ورنہ ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے پھرتے ہیں۔"

"گدھے کا نام عزت سے لو۔" جلال نے ہلکے سے قہقہے کے بعد کہا "گدھا ان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے انتخابی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"یہ اپنی شکست کھلے دل سے قبول نہیں کرتے۔ اس وقت جھکے ہیں تو جلد ہی کہیں نہ کہیں اس کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کر دیا "ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"یہ لڑائیاں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"فی الحال صرف اور صرف آرام۔" میں نے کسل مندی سے کہا "فریڈم انٹرنیشنل والے دونوں بدمعاش اب ہر حمایت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان پر کل کچھ کام کیا جائے گا۔"

"میں بھی ان ہی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا کیونکہ بوب رافیل ان کی حمایت کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔"

"یہ سب دکھاوا ہے۔ انہوں نے اسے بتا دیا ہو گا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"وہ اسے کہیں بھی کھپا لیں لیکن اب وہ فارن سروس کیڈر میں نہیں آسکے گا۔ ایک بار بدنامی یا ناکامی کا گہرا داغ لگ جانے کے بعد وہ دنیا کے کسی بھی ملک کے لیے قابلِ قبول نہیں رہے گا۔"

"اول خان کو بھی بتا دینا کہ اب تک یہاں کیا ہو چکا ہے۔ وہ فکر مند تھا۔"

"ہر ایک کی نظریں کراچی پر مرکوز تھیں۔ مجھے کئی اہم افراد کو یہ خبریں پہنچانی ہوں گی۔"

"اس پوری مشق میں مجھے ایک ذاتی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اگر سی آئی اے کا جان اسمتھ مجھے نہیں پہچان سکا تو غالباً اب کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"

"تمہیں سب سے زیادہ خطرہ شاید اوبرائن ڈی ہنٹ سے تھا۔ تمہارے خلاف اس نے منظم انداز میں کام کیا تھا۔" جلال نے اپنی معلومات کی روشنی میں رائے ظاہر کی "عملی طور پر تم اس فکر سے اسی وقت آزاد ہو گئے تھے جب وہ شیری کے قتل پر خوف زدہ ہو کر یہاں سے دہلی بھاگا تھا۔"

شیری کے نام پر میں ذرا سی دیر کے لیے سوچتا رہا پھر مجھے یاد آگیا کہ وہ اوبرائن کی کتیا کا نام تھا جسے سلطان شاہ نے زہریلی گیس دے کر اوبرائن کے مقفل فلیٹ میں ہلاک کیا تھا۔

"اب اوبرائن بھی جہنم واصل ہو چکا ہے جہاں سے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب صرف ایک آدمی ہے جو میرے

لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ کسی وقت اسے بھی دیکھا جائے گا۔"
"وہ کون ہے؟"
"بھارتی قونصلیٹ کا میجر بخشی۔" میں نے اسے بتایا "میں کرنل جمال دستی کے نام سے اس سے روبرو مل چکا ہوں۔ بعد میں اسے شبہ ہوگیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اب مشتبہ سفارت کاروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر آجائے گا۔ بھارت نے نئی دہلی سے ہمارے کسی بھی سفارتی ملازم کو نکالا تو جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے میجر بخشی کو یہاں سے روانہ کیا جائے گا۔ آج کل ایسی کارروائیوں میں ذرا سی شدت آئی ہوئی ہے۔"
"فوری طور پر وہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے خوش فہمی ہے کہ کرنل جمال دستی پاکستان چھوڑ کر آج کل مسقط کے کسی ہوٹل میں بیروں کی فوج سے کام لے رہا ہے۔"
"پھر بھی تمہارا اور اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس کے اندیشے بیدار ہو جائیں گے۔" جلال اس وقت مجھ پر مہربان تھا "ہمارے لیے تمہاری سلامتی بہت اہم ہے۔ میں اس خطرے کو ذہن میں رکھوں گا۔"
وہ اپنے بڑوں سے رابطہ کرکے انہیں تازہ خبر سنانے کے لیے بے چین تھا اس لیے اس سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔
تھوڑی دیر میں آئی بی والوں نے مجھے گھر پہنچا دیا۔ میرے بارے میں انہیں کچھ ایسی بریفنگ دی گئی تھی کہ میرے دوستانہ رویّے کے باوجود وہ ادب و احترام کی ایک حد سے تجاوز نہیں کررہے تھے۔ میرے اصرار کے باوجود انہوں نے چائے نوشی سے معذرت کی اور واپس روانہ ہوگئے۔
میں گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرے کی چادر گہری ہو چکی تھی اور روشنیاں جل رہی تھیں۔
میرے لیے دروازہ کھولنے کا فرض سلطان شاہ نے انجام دیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھ سے پہلا سوال ہی کیا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
"تم میری آواز پہچان گئے نا؟ میں نینا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے گفتگو کا آغاز عجیب انداز میں کیا گیا۔ اس کا لہجہ دبا دبا اور پُرجوش تھا۔
"پہچان گیا، تم کیسی ہو؟" میں نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے رواروی میں پوچھا۔
غزالہ اور ویرا شاید بے چینی سے میری واپسی کی منتظر تھیں۔ میرے کان سے موبائل فون لگا دیکھ کر ویرا کا منہ بن گیا۔ میں ان دونوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
"کل رات تمہاری وجہ سے مجھے اتنی مار کھانی پڑی کہ ابھی تک میری بوٹی بوٹی دکھ رہی ہے۔" میرے کانوں میں نینا کی میٹھی اور شکایتی آواز گونجی "مگر دیکھ لو کہ میں پھر بھی تمہیں فون کررہی ہوں؟"
"کس نے مارا تمہیں؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"
میرے دوسرے سوال کو نظرانداز کرکے وہ بتانے لگی "مقبول کے بھاگنے کے بعد باجی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور نوکر کے ساتھ مل کر گھونسوں اور لاتوں سے میرا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔"
"مگر کیوں؟ تمہارا قصور کیا تھا؟" مجھے وہ خبر سن کر نینا سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔
"میں نے تمہاری کہی ہوئی باتیں باجی کے سامنے مقبول کو بتادی تھیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا، وہ اس بری طرح گھبرایا کہ اسی وقت گھر سے چلا گیا اور باجی کو مجھ پر غصہ آگیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان کا خیال تھا کہ میں نے اپنی بے وقوفی سے ان کی ایک موٹی اسامی کو بھگادیا..... یوں سمجھو کہ میں خدا کے گھر سے واپس لوٹی ہوں۔"
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ نسرین ایسی بدمعاش عورت ہوگی ورنہ میں تمہیں کوئی اور ترکیب بتادیتا۔"
"باجی کہہ رہی تھیں کہ مجھے وہ باتیں مقبول کے سامنے نہیں بتانی چاہیے تھیں۔ انہیں الگ بٹھا کر پوری کہانی سنادیتی اور پھر وہ خود مقبول سے نمٹ لیتیں۔ رات کو غصے میں انہوں نے مجھے نوکری سے بھی نکال دیا۔"
"اچھا ہوا کہ تم گند سے نکل گئیں۔ گزارے کے لیے میں تمہیں کچھ رقم دے دوں گا۔ کوشش کرو کہ تمہیں کوئی دوسری نوکری مل جائے۔ بعض اوقات تکلیف کے پردے میں راحت اور عزت بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔"
"مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج کے اخبار میں مقبول والی اکارڈ کی خبر پڑھ کر باجی کا سارا غصہ اتر گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ مقبول چوری کی کار چلا رہا ہوگا۔"
"وہ خبر پڑھ کر تمہیں میرا بھی یقین آگیا ہوگا کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"
"میں نے تو تم پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرلیا تھا..... یقین نہ ہوتا تو تمہارے کہنے پر کیوں چلتی؟"
"مجھے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ غلط راستوں پر پڑجانے کے باوجود تم اندر سے ایک اچھی لڑکی ہو اسی لیے میں نے تم سے اپنے دل کی کچھ باتیں کرلی تھیں۔"
"اخبار پڑھ کر باجی دوپہر کو میرے گھر آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں کسی ناغے کے بغیر آج پھر ڈیوٹی پر ہوں مگر باجی کے گھر پر آرام کررہی ہوں۔ فرصت تھی تو تمہیں فون کرلیا۔"
"خدا کا خوف کرو نینا۔ کسی نے سن لیا تو وہ مار مار کر تم سے میرا

فون نمبر اگلوالیں گے۔"

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ باجی نرگس کے ساتھ کسی گجراتی سیٹھ کی دعوت میں گئی ہوئی ہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ ہماری باتیں کوئی نہیں سن سکتا۔"

"میری وجہ سے تمہیں مار کھانا پڑی۔ تم نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے فون کرلیا۔ آئندہ کسی شدید ضرورت کے بغیر مجھے فون نہ کرنا۔ میرے ساتھ تم بھی مشکل میں پڑجاؤ گی۔"

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ "تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے شادی کرکے میرا دامن خوشیوں سے بھردو۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نیما نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میں نے بوکھلا کر کہا "ہوش کی باتیں کرو نیما۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ تمہارے دماغ میں یہ فتور کیوں پیدا ہورہا ہے۔"

"یہ فتور نہیں، دل کی مجبوری ہے ڈارلنگ۔" نیما جذباتی ہونے لگی "کل پٹتے ہوئے میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ رات کو تم خوابوں میں مجھے اپنے ساتھ لیے نہ جانے کہاں کہاں گھومتے رہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم چار شادیاں کرسکتے ہو۔ میں دل کھول کر تمہاری پہلی بیوی کی خدمت کروں گی؟"

"تم پاگل ہوگئی ہو۔ تمہاری شادی کے بعد تمہاری ماں، تین بہنوں اور چھوٹے بھائی کا کیا بنے گا۔ تمہاری روزی کا سہارا ختم ہوتے ہی وہ دربدر ہوجائیں گے۔"

"تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ میں نے سب سوچ لیا ہے۔" اس نے اپنی رو میں میری بات کاٹ دی "میں باجی کی الماری سے مقبول کی ساری دولت چرا کر اپنی ماں کے قدموں میں ڈال دوں گی۔ تم میرا ساتھ دو گے تو باجی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ میرا گھر آباد ہوجائے گا اور میری ماں بھی زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھ لے گی۔"

"مقبول کی دولت باجی کے پاس کہاں سے آگئی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس نے کافی دنوں سے ایک بند بریف کیس باجی کے پاس رکھوایا ہوا ہے۔ شاید اس میں وہی رقم ہے جو اس نے تم سے اور دوسروں سے ٹھگ لی تھی۔ باجی آج ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ بس ہفتے عشرے تک مقبول کے نکلنے کا انتظار کریں گی پھر بریف کیس کا تالا توڑ کر اس کے سارے مال پر قبضہ کرلیں گی کیونکہ اس نے دھوکا دے کر ان کی بیٹی نرگس کا دل توڑا ہے۔ تم ہاں کردو تو میں الماری سے وہ بریف کیس ہی اڑالوں گی۔"

"اتنی لمبی باتیں کس سے ہورہی ہیں؟ کب فرصت ملے گی تمہیں؟" دروازے کی طرف سے ویرا کی اونچی آواز آئی۔

میں نے پلٹ کر اسے آنکھیں دکھائیں اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی آنکھیں نکال کر اٹھلاتی ہوئی میری خواب گاہ میں گھس آئی۔

"یہ کس عورت کی آواز آئی تھی ابھی؟" نیما فون پر پوچھ رہی تھی "بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔"

"بیوی تھی میری۔" میں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ میرے الفاظ ویرا کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں پھر بات جاری رکھی "بہت بدمزاج اور تندخو عورت ہے۔ میری زندگی حرام کی ہوئی ہے۔"

"تم بالکل پروا نہ کرو۔" میرے الفاظ نے نیما کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔ وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی "تحمل اور اخلاق سے کام لے کر میں اس کا دل موم کرلوں گی۔ تمہاری پریشانیاں بھی دور ہوجائیں گی۔"

"وہ کسی بھی وقت ادھر نکل آئے گی۔ تم مجھے اپنی باجی کا نمبر دے دو۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔"

"نہیں!" اس نے فوراً انکار کردیا "تم یہاں فون نہ کرنا۔ باجی شک میں پڑجائیں گی۔ میں کل بھی بدن میں درد کا بہانہ بنا کر دھندے پر نہیں بیٹھوں گی۔ رات کو موقع دیکھ کر تمہیں فون کروں گی۔"

وہ عجیب خود سر لڑکی تھی۔ اپنے خوابوں کا گناہ میرے سر لادنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسے سختی سے ڈانٹ کر اس کے سر سے شادی کا بھوت اتار دوں لیکن اس نے مقبول کی دولت کا ذکر کرکے میرے دل میں ایک شبہ پیدا کردیا تھا۔ اس کی تائید یا تردید ہونے تک میں نیما سے رابطہ برقرار رکھنے کا ہنگامی فیصلہ کرچکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے "موقع ملے تو تم ہی فون کرلینا۔"

"موبائل فون اپنے پاس ہی رکھنا۔ تمہاری بیوی نے بات کی تو میں بولے بغیر فون بند کردوں گی۔" اس نے مجھے مشورہ دیا "تم سمجھ لینا کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "کام کے سلسلے میں میرے پاس فون آتے رہتے ہیں۔ میرے بعض دوست شان جتانے کے لیے اپنی آپریٹر سے نمبر ملواتے ہیں۔ میری بیوی مجھے بلادے گی۔"

"نہیں، میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" نیما مصر تھی "تم ان بیویوں کو نہیں جانتے۔ بات چیت تو دور کی بات ہے۔ یہ یہاں غیر عورت کے سانسوں سے ہی سب کچھ پڑھ لیتی ہیں۔ تمہاری بیوی کو وقت سے پہلے کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تو وہ مجھے اس قابل ہی نہیں رہنے دے گی کہ میں تم سے شادی کرسکوں۔"

"اچھا بابا، جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرنا مگر مجھ سے بات ضرور کرلینا۔"

میرے اصرار پر وہ خوش ہوگئی۔ "تم اتنے پیارے ہو... اتنے

پیارے ہو کہ بس۔"

میں نے بٹن دبا کر وہ کال منقطع کر دی۔

ویرا میرے پہلو میں کسی فوج دار کی طرح تنی کھڑی تھی۔ کال ختم ہوتے ہی اس نے آنکھیں نکال کر ترش لہجے میں سوال کیا "یہ کس سے اتنے لمبے راز و نیاز ہو رہے تھے؟"

"دنیا تمہاری ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"غزالہ کو یہ سن کر ذرا بھی خوشی نہیں ہوگی۔" اس نے مجھے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ وہ میری خوشی میں خوش رہنے والی ایک معصوم اور فرماں بردار بیوی ہے۔ تمہاری باتوں میں نہیں آئے گی۔ اس نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا تو کسی اور سے کیا کہے گی۔"

"یہ مت کہو' وہ بہت گھنّی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں بارہا زہریلے اشارے کنائے کر چکی ہے مگر میں ہمیشہ انجان بن کر اسے ٹال جاتی ہوں تاکہ گھر میں کوئی فساد کھڑا نہ ہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ وہاں آپہنچا اور سر ہلاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں ویرا کے ساتھ خوش گپیاں ہو رہی ہیں اور ہم اس انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے ہیں کہ تم فون پر اپنی بات ختم کرتے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ شرفا دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کیا کرتے۔"

"شرط یہ ہے کہ دوسرے بھی شرفا ہوں' تم جیسے نہ ہوں۔" ویرا بول پڑی۔

"تو کیا ہم لچے لفنگے اور بدمعاش ہیں؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"یہ فیصلہ تم خود کر سکتے ہو کہ تم کیا ہو۔ میں نے ایسی کوئی ناروا بات نہیں کہی۔" ویرا اطمینان سے بولی۔

ان دونوں کی بحث کا فائدہ اٹھا کر میں خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ ڈرائنگ روم میں غزالہ اطمینان سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اسے میرے پاس آنے والی فون کال کی کوئی فکر تھی' نہ کمرے میں ویرا کے پہنچنے کا کوئی اندیشہ۔ اس کی بے نیازی پر میرا دل چاہا کہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں مگر ویرا اور سلطان شاہ کی قریب آتی ہوئی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لڑتے ہوئے باہر آرہے تھے۔

"کل سے آپ مسلسل مصروف ہیں' تھک گئے ہوں گے۔" غزالہ نے میری طرف محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا "جلدی سے نہا دھو کر کھانا کھالیں پھر آرام کی تیاری کریں۔"

میری حالت دیکھ کر اس نے اپنے تجسّس کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اپنی آمد کے بعد کے واقعات کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجائے اسے میرے آرام کی فکر ہو گئی تھی۔

"تم اسٹیشن فور سے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ اتنی کہانی ہم نے ویرا سے سن لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہوا؟" سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا؟" پروگرام کے مطابق دو امریکی افسر وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بوب کو ان کے حوالے کر کے ہم تینوں واپس چلے آئے۔ یہ سب ویرا کی موجودگی میں طے ہو چکا تھا۔"

"اس کے سوا کچھ نہیں ہوا؟" ویرا نے حیرت اور مایوسی سے سوال کیا۔

"کچھ اور ہونے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تم خود بتاؤ کہ وہاں اور کیا ہو سکتا تھا۔"

"تم خود کو اوّل درجے کا باتونی اور باریک بین سمجھتے ہو۔ تمہاری اور ان کی باتیں بھی ہوئی ہوں گی۔ ان میں کوئی کام کی بات بھی سامنے آسکتی تھی۔"

"وہ دونوں اناڑی نہیں تھے۔ اپنا آدمی واپس لینے کے لیے امریکیوں نے اپنے خرانٹ افسر بھیجے تھے۔ وہ ضرورت سے زیادہ بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اس لیے ہم واپس آگئے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" ویرا نے اپنی گردن جھٹک کر کہا "تم کوئی بات چھپا رہے ہو؟"

میں کچھ دیر تک۔۔۔ ان دونوں کو زچ کرتا رہا پھر انہیں پوری

بات بتادی۔ میں خود بھی تھکا ہوا تھا۔ ان دونوں کی تفتیش سے فارغ ہو کر جلد از جلد غزالہ کے مشوروں پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

بوب رافیل کی برطرفی کی خبر میری طرح ان کے لیے بھی اطمینان بخش تھی۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کہ جو کچھ ہوا' وہ بہت آبرومندانہ انداز میں ہوا تھا۔

"تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ فون پر تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟" وہ موضوع سمٹتے ہی ویرا نے ایک مرتبہ پھر موبائل فون پر آنے والی نیما کی کال کا ذکر نکال دیا۔

غزالہ کو شاید ویرا کا تحکمانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا "چھوڑو ویرا۔ یہ نہیں بتانا چاہتے تو تم کیوں اصرار کر رہی ہو۔ ایک ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک دوسرے پر مسلط رہیں۔"

"الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے مگر نسوانی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کیا اب بھی تم اپنی رائے پر قائم رہو گی؟"

ویرا کے انکشاف پر غزالہ کے چہرے کے تاثرات میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ وہ سکون سے بولی "ہو سکتا ہے کہ نیما نے فون کیا ہو۔ یہ کل اسے اپنا فون نمبر دے آئے تھے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔"

"اسی کا فون تھا۔" میں نے فاتحانہ لہجے میں کہا اور ویرا اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گئی "وہ کام کی لڑکی ہے اس لیے میں اسے وقت دے رہا ہوں۔ وہ کسی وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔"

"اپنی بات کرو۔ سب کو نہ لپیٹو۔" ویرا نے کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کی "ایسی آوارہ اور پیشہ ور لڑکی تمہارے ہی کام آسکتی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"آج کے دن کی کامیابیوں کو تلخی سے برباد نہ کرو۔" غزالہ کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھ کر سلطان شاہ نے اعلان کیا "جب تک ڈینی نہا دھو کر نکلے' کھانے کی میز تیار ہو جانی چاہیے۔"

غزالہ فوراً ہی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ معمول کے برعکس ویرا نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"تم بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" سلطان شاہ نے اسے شرم دلائی۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ چند ثانیوں کے لیے ملتوی کر دیا تاکہ نئی بحث کا انجام دیکھ سکوں۔

"کبھی کبھی تم بھی گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہم سے زیادہ کھاتے ہو تو اتنا کام بھی کیا کرو۔ عورتیں تمہاری زر خرید غلام نہیں ہیں۔"

"عورتوں کے کام عورتوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ چلو شاباش' جلدی سے کچن میں جاؤ۔"

"تم بہت حرام خور ہو گئے ہو۔" ویرا ملامت بھرے لہجے میں بولی "تم جیسے مردوں کو کسی مال بردار جہاز کے کارگو ہولڈ میں ٹھونس کر دو چار مہینوں کے لیے یورپ یا امریکا کے کسی شہر میں ڈال دیا جائے تو اپنے کام کرنا [illegible]

جائے گی۔ وہاں ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔"

"کبھی کبھی میں اپنا ہی نہیں' تمہارا کام بھی کر دیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "یہ جلے کٹے طعنے تم ڈینی کو سناؤ۔ اس شخص نے آج تک پانی کا گلاس بھی خود سے نہیں لیا۔"

سلطان شاہ نے اپنی بلا میرے سر ٹالنے کی کوشش کی تھی جو رائیگاں گئی۔

ویرا منہ بنا کے کہہ رہی تھی "پانی کے گلاس تم کو ہی مبارک ہوں۔ ہم اسکاچ والے لوگ ہیں۔ اپنا گلاس لبریز ہو تو اتنی احتیاط سے اٹھاتے ہیں کہ ایک بوند بھی نہیں چھلکنے پاتی۔"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا "مجھے معلوم تھا کہ کھانے سے پہلے تم کسی نہ کسی بہانے سے ایک دو گلاس ضرور چڑھاؤ گی۔ اسٹیشن فور سے یہاں آتے ہی تمہاری پرانی عادتیں دوبارہ ابھر رہی ہیں۔"

ویرا نے مزید جلانے کے لیے اسے آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "وہ سنگلاخ ویرانہ تھا' یہ گلشن ہے۔ یہاں عربی' عجمی اور افریقی طالب علموں کی سہولت کے لیے بہت سی دکانوں سے شراب مل جاتی ہے تو میں اس سہولت سے فیض کیوں نہ اٹھاؤں؟ میں تمہاری طرح کفرانِ نعمت نہیں کرتی۔"

سلطان شاہ اسے کوئی جواب دیے بغیر ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"تم جلدی سے نہا کر آجاؤ۔ میں تمہارے لیے بھی ایک تگڑا گلاس بنا کر لا رہی ہوں۔ تمہاری ساری تکان اتر جائے گی۔" ویرا نے مجھ سے کہا "کل تم نے نیما پر محنت کی اور آج بھی سارا دن مصروف رہے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔"

میری تکان کا خیال اسے بھی آیا مگر دیر سے آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ میری بیوی نہیں تھی!

وہ مے نوشی کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ میں نہانے کے لیے اپنی خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے تیز شاور نے ذرا سی دیر میں میری طبیعت تازہ کر دی۔ بدن پر پانی پڑا تو اشتہا کی خواہش جاگ اٹھی۔ مجھے یاد آیا کہ ہم نے وہ سارا دن محض چائے وغیرہ پر گزارہ تھا۔ اسٹیشن فور پر سارا دن کچھ ایسے حالات رہے کہ ہم میں سے کسی کو دوپہر کے کھانے کا دھیان تک نہیں آیا تھا۔

میں غسل مختصر کر کے باہر نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر میں نے کچن میں جھانکا تو غزالہ روٹیاں پکا رہی تھی۔ سلطان شاہ مقدور بھر اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ویرا نے اس وقت کچن میں جانے سے انکار کر دیا تھا اس لیے غزالہ پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا اور کھانا لگنے میں تاخیر ہونے کے روشن امکانات نظر آرہے تھے۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز' سگریٹ [illegible] کا کش [illegible] کے سامنے میز پر موجود دونوں شفاف

گلاسوں میں موجود سیال کا رنگ خطرناک حد تک گہرا تھا۔

ایک گلاس لبریز تھا' دوسرا نصف رہ گیا تھا۔ ویرا نے خاصی بے صبری سے مے نوشی کی ابتدا کی تھی۔

"کیا نیٹ ہی بھرلائی ہو؟" میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ففٹی ففٹی' یعنی نیا نیم ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانک کر مسکرائی "اسکاچ میں برابر کا ٹھنڈا یخ پانی ملایا ہے۔ تیزی سے پیو گے تو نینا والا سرور تازہ ہو جائے گا۔"

"اب وہ مجبور لڑکی نہ جانے کب تک تمہارے ذہن پر سوار رہے گی۔" میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو ڈینی! تم میرے شوہر نہیں' دوست ہو۔ سمجھے؟" اس نے آگے جھک کر تیز لہجے میں سرگوشی کی "میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں... تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میرے سامنے تمہارے جھوٹ نہیں چل سکتے۔ سچ سچ بتاؤ کہ کل اسے اس کے اڈے سے نکال کر کہاں لے گئے تھے؟"

"صرف ساحلِ سمندر تک۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا "ہم کہیں بھی گاڑی سے نہیں اترے۔ نسرین کے گھر سے ساحل اور پھر واپس۔"

ویرا کچھ کہے بغیر چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر اس نے اپنا گلاس اٹھالیا "گلاس اٹھاؤ... یہ پہلا لمبا جام تمہاری نینا کے نام ہوگا۔"

"میں نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

"ہائیں!" ویرا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "کیا میں تمہارے دعوے پر اعتبار کرلوں؟"

"گلاس سامنے ہے اور میں تمہیں پیتے ہوئے دیکھوں گا۔ میرے دعوے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

"مگر کیوں؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی خاموشی سے کب اور کیسے کرلیا۔"

"بڑے فیصلے خاموشی سے اور اچانک ہی کیے جاتے ہیں۔" میں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا "اپنا گلاس ختم کرکے میرا گلاس بھی تم ہی پی لینا۔ اپنے کمرے کا ایک چکر لگانے سے بچ جاؤ گی۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ میرے اس فیصلے کا محرک کیا تھا۔

میرے انکار پر ویرا اپنے گلاس کو لبوں تک لے جانا بھول بیٹھی تھی۔ اس نے پوچھا "ایسا تو نہیں کہ تم نے میرے ساتھ بیٹھ کر پینے سے توبہ کی ہو۔ غزالہ ہماری ایسی بیٹھکوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔"

"میرے اس فیصلے کا غزالہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ کہیں بھی میرے ہاتھ میں شراب دیکھ لو تو تم میرا ہاتھ توڑ دینا۔ نہیں پئی تو پھر کہیں بھی نہیں پئی۔"

"شاید تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں رہا۔ ڈرتے ہو کہ کہیں زیادہ پی کر بہک نہ جاؤ۔" اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"تم جو چاہو' سمجھ سکتی ہو۔ میں کوئی صفائی پیش نہیں کروں گا۔" بات کہتے کہتے میری نظر اس کے گلاس پر پڑی اور میں نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا "دیکھو' تمہارا گلاس ٹیڑھا ہو رہا ہے۔ اسکاچ گرنے والی ہے۔"

اس نے چونک کر اپنا ہاتھ سیدھا کیا۔ گلاس اوپر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہونٹوں سے لگالیا۔

تیز اسکاچ کا بقیہ نصف گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرکے اس نے میز پر رکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تیز اسکاچ کا لمبا گھونٹ لیا جائے تو حلق سے معدے تک آگ کی ایک لکیر سی تیرتی چلی جاتی ہے اور اس لذت انگیز سوزش سے آنکھوں میں خود بہ خود آنسو آجاتے ہیں۔

ویرا چند ثانیوں تک خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر دوبارہ بھولے ہوئے موضوع پر آگئی "تو تم نینا کو صرف ساحل سمندر تک لے گئے تھے۔"

"تم بلاوجہ اس بات پر اپنا سر کھپا رہی ہو۔ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"پھر آج اس نے تمہیں کیوں فون کیا تھا؟" ویرا نے دوسرا' بھرا ہوا گلاس اپنے سامنے سرکالیا۔

"اس وقت کافی الکحل تمہارے معدے میں اتر چکی ہے اس لیے مجھے زبان کھولنی ہی پڑے گی۔" میں نے پہلو بدل کر کہا "کل وہ

الجھن

پوچھا ایک کسان کے بیٹے نے دوسرے کسان کے بیٹے سے "تمہارے ابا آج کل بڑی الجھن میں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کیا ہے؟"

دراصل ان کے پاس پچیس ہزار روپے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے بھینس خریدیں یا سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر۔ ان پیسوں میں صرف ایک ہی چیز آسکتی ہے۔"

"بھئی اسکوٹر خریدلیں تو بہتر ہے۔ اگر وہ بھینس پر بیٹھ کر سفر کریں گے تو لوگ ہنسیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن انہوں نے اسکوٹر سے دودھ دوہنے کی کوشش کی تو لوگ اس سے بھی زیادہ ہنسیں گے۔"

مقبول کو خوف زدہ کر کے بھگانے پر تلی تھی۔ آج مسروقہ اکارڈ کی خبر اخبار میں پڑھنے کے بعد اس کی مالکن یا نائکہ نے اسے معاف کردیا۔ یہ باتیں وہ میرے علم میں لانا چاہتی تھی۔"

"تمہاری گفتگو اس سے جان چھڑانے والی نہیں تھی۔ تم فون کرنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کررہے تھے بلکہ اس کا نمبر لے کر خود اس سے رابطہ برقرار رکھنے کے خواہاں تھے۔ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں ویرا کو اس کے سوال کا مسکت جواب دے سکتا تھا مگر میں اس موضوع پر زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "وہ بھی جان چھڑانے کی کوشش تھی۔ کیا تم مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتی ہو کہ جو عورت چند سکوں کے مول ہر وقت حاصل کی جاسکتی ہے' اس کے لیے میں اپنا وقت برباد کرتا پھروں گا۔"

"اس وقت میں تمہارے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ شراب تمہارے خون میں رچی ہوئی تھی۔ آج تم نے اچانک اسے ترک کردیا۔ راجر بروک کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سن کر تم یکایک بھڑک اٹھے تھے۔ میرے لیے یہ باتیں کسی خاص سمت کی نشان دہی کررہی ہیں۔ ایسی حالت میں تم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہو۔"

"حالت!" میں بے ساختہ ہنس پڑا "تم کس حالت کی بات کررہی ہو؟ کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میرا دماغ چل گیا ہے' میں پاگل ہوگیا ہوں۔"

"جہاں بات ہورہی ہے' اسے وہیں رہنے دو۔" اس نے دوسرے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "اسے اتنا آگے مت لے جاؤ۔ مجھے تم اس وقت کسی خاص رو کے زیر اثر آئے ہوئے نظر آرہے ہو۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ پوری طرح سنجیدہ تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' میرے لیے دلچسپ لیکن ذرا غیر واضح تھا۔ میں نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں ہوں۔ تمہیں سینگ نہیں ماروں گا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو' ذرا کھل کر کہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ نے ڈائننگ ٹیبل پر چمچے سے ایک پلیٹ کو بجانا شروع کردیا۔ وہ اس کی طرف سے میز تیار ہونے کا اعلان تھا۔

"اپنی یہ بے تکی موسیقی بند کرو۔" ویرا نے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لے کر کہا "ہم بہرے نہیں ہیں۔ ایک منٹ میں میز پر آرہے ہیں۔"

"آجاؤ۔" وہ اپنا گلاس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی "اچھا ہے کہ اس گفتگو میں سب شامل ہوجائیں ورنہ بعد میں ہر ایک کو الگ الگ پوری بات بتانے میں میرا دماغ خالی ہوجائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ پہلے ہی خالی ہوچکا ہے۔" میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "مگر پھر بھی میں تمہارے نادر خیالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔"

کچن کے معاملات میں اس وقت ویرا کے عدم تعاون کے اثرات زائل کرنے کے لیے سلطان شاہ نے پوری طرح غزالہ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ دونوں میز لگائے ہمارے منتظر تھے۔ ویرا نے وہاں پہنچتے ہی تعریفی نظروں سے میز کا جائزہ لیا اور سلطان شاہ کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے بولی "شاباش! اسی طرح غزالہ کا ہاتھ بٹاتے رہا کرو تاکہ مجھے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔ چند دنوں میں خاصے سگھڑ ہوجاؤ گے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے وقت پر ناشتا اور کھانا تیار نہیں ملا تو میں بلا تکلف ہوٹل بازی شروع کردوں گا۔"

"ہونہہ!" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا اور کہا "اس وقت کڑوی باتیں مت کرو۔ تمہیں جشن منانا چاہیے کہ ڈینی نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔"

ان دونوں کے لیے وہ واقعی بڑی خبر تھی۔ ان کی تحیر زدہ نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ ویرا کے برعکس میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ کی آنکھوں میں محبت' اپنائیت اور فخر سے ملی جلی چمک تیرنے لگی۔

"کیا ویرا واقعی سچ کہہ رہی ہے؟" سلطان شاہ نے تحیر زدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں!" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "مگر یہ اتنی زیادہ خوشی کی بات نہیں ہے۔ راجر بروک نے بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر ڈینی کے ذہن میں دبی ہوئی کسی چنگاری کو ہوا دے دی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈینی نے شراب چھوڑ دی اور اب شاید گندے بازار کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر ایک اور نیکی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نیا کو اپنا گھر اور اپنا شوہر مل جائے گا' ڈینی کا ضمیر مطمئن بلکہ کچھ زیادہ ہی مطمئن ہوجائے گا..."

اس وقت ویرا اسکاچ کے زیر اثر کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔ اس نے کئی باتوں کو غیر ضروری طور پر یک جا کرکے اپنے طور پر ایک کہانی بنالی تھی جس کی تردید ضروری ہوگئی تھی۔

میں نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا "نیا تمہارے اعصاب پر چھائی ہوئی ہے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف بنائی ہوئی' اکرم الٰہی کی فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔"

ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گی۔ غیر متوقع طور پر ہمارا یہ مشن نہایت آسان ثابت ہوا۔ رستم نے بسیرا کے محاصرے کے بعد اپنے نواسے سمیت خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہرلال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔
تفتیش کے دوران میں اس نے انکشاف کیا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے اخبار کے ذریعے اطلاع ملی کہ رابن نامی امریکی یہودی موہنی پنڈت سے
ملنے اس کے گھر آرہا ہے۔ رابن 'پنڈت اور رستم پر بہت برہم تھا۔ اس نے منوہرلال کی خواب گاہ میں موہنی پنڈت کو گولی مار کر ہلاک کردیا مگر خود میرے ہاتھوں جہنم واصل
ہوگیا۔ پنڈت منوہرلال کو اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ
نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ائرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی
سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مائر کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں
کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی
کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچارہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ
.....ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو ... زبانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن نور پہنچایا
جاچکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا
تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم
انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آنوز کا علم ہوا۔ اپنے
بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آنوز اور فریڈم انٹرنیشنل
ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی
منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس
کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر
پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار
کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کرچکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے
نہیں پہچان سکتے تھے جبکہ وہ ہمیں دور سے شناخت کرسکتا تھا۔ حسب توقع وہ ریستوران میں بوب رافیل کے ساتھ موجود تھا۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار
کی۔ نکوویرا کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ ہمارے قابو میں آگیا۔ ہوٹل میں بوب رافیل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے
رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رافیل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے
برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ
سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل
کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔ مجھے نیما نے بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس رکھوایا تھا اور اس کی
حفاظت کی تاکید کی تھی میں نے یہ بتا کر کہ نیما اکرم الٰہی کی مرتب کردہ فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے سب کو حیران کردیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک
میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اکرم الٰہی کی فائل سے نیما کا کیا تعلق نکل آیا؟"
ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔
"مجھے اس سے بلاوجہ باتیں کرنے کا شوق نہیں تھا۔"
میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وہ لاعلمی میں کچھ کارآمد باتوں کی نشاندہی کر بیٹھی تھی۔ میں اس سے ہونے والی گفتگو کو طول دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔"
"پھر تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟" ویرا نے سوال کیا "ہوسکتا ہے کہ کل اسے تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت وہ روانی میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔"
"وہ ضرور بتاتی اور میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ اس سے ہر بات اُگلوالوں مگر تم ایک مصیبت بن کر میرے سر پر مسلط ہوچکی تھیں۔ تمہاری کسی بے جا مداخلت سے وہ بھڑک جاتی تو اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں اس سے گفتگو مختصر کردوں۔"
"تمہاری باتوں سے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے تم اس سے رومانس لڑا رہے ہو۔" ویرا نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا "اپنے لب و لہجے سے تم اس پر فدا ہوئے جارہے تھے۔"
میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اگر یہ کسی لڑکی سے عشق لڑا رہے تھے تو مجھے فکر مند ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا پریشانی تھی؟"
"اگر تم نے ڈینی کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈینی پورے شہر میں عشق لڑاتا پھرے' میں اسے بالکل نہیں روکوں گی۔"
"حالات کی ستائی ہوئی لڑکیاں باہر سے بہت خود غرض اور شاید سنگ دل نظر آتی ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں مداخلت کرکے ان دونوں کو خاموش کردیا۔ "ولیکن اندر سے وہ بہت حساس ہوتی ہیں۔ کسی پر ذرا بھی بھروسا ہوجائے تو اس کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھتی ہیں۔ یہی حال نیما کا بھی ہے...."
"یعنی وہ تمہیں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر تائید طلب لہجے میں استفسار کیا۔
میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "تم شروع ہی

سے میری اور اس کی ملاقات کے بارے میں بدگمانیوں میں
مبتلا تھیں لیکن یقین کرو کہ ہم گاڑی میں ساحل تک گئے اور
واپس آئے تھے۔ میں نے نسرین کو پوری رقم ادا کی تھی مگر نیما
کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اسی بات نے اس کا دل موہ لیا تھا۔"

"اور تم نے اس کی توقعات پر پورا اترنے کی کوششیں
شروع کردیں۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"بار بار دخل اندازی مت کرو۔" میں نے ناگواری سے
کہا۔ "ایک مرتبہ پوری بات سن لو پھر جو کچھ کہنا چاہتی ہو'
اطمینان سے کہتی چلی جانا' میں بالکل نہیں بولوں گا۔"

"اس بارے میں تمہارا اعتراف ہی زیادہ مناسب رہے
گا۔ کہہ ڈالو' میں سن رہی ہوں۔"

"یہ اعتراف نہیں' حقیقت ہے کہ وہ مجھ سے کچھ عجیب
سی توقعات وابستہ کر بیٹھی ہے جن کا پورا ہونا ناممکنات میں
سے ہے۔" میں نے بات شروع کی "مگر اس نے ایک ایسے
بریف کیس کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا جو مقبول چوہدری نے کچھ
دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا تھا۔"

"اس بریف کیس میں کیا ہے؟" میرا فقرہ مکمل ہوتے
ہی سلطان شاہ بول پڑا۔

میں مسکرا کر رہ گیا "وہی بتانے جارہا ہوں۔ نیما کا خیال
ہے کہ اس بریف کیس میں مقبول کی بھاری دولت ہوگی۔
مجھے شبہ ہے کہ اس میں وہی کاغذات ہیں جو اکرم الٰہی نے
فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں کے بارے میں یکجا کیے
تھے۔ اپنے ماموں کو قیدی بنانے کے ساتھ ہی مقبول نے ان
کاغذوں پر بھی قبضہ کرلیا ہوگا۔"

"اور تم اس بریف کیس پر قبضہ کرنے کے لیے نیما کو
استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجھے نیما کی ذات میں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں
ہے۔" میں نے اقرار کیا۔

"شرم کی بات ہے۔" ویرا نے یکایک ہی اپنی کینچلی بدل
لی "تم اس کے جذبات سے کھیل کر اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہے
ہو۔ تمہارا ضمیر اس فعل پر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟"

"میں اپنی کسی ذاتی غرض کے حصول کے لیے اسے
دھوکا دیتا تو میرا ضمیر مجھے ضرور ملامت کرتا۔ وہ ایک پیشہ ور
لڑکی ہے۔ نسرین کے ایما پر اب تک نہ جانے کتنے مردوں کو
فریب دے چکی ہے۔ اگر میں ایک عظیم تر اور قومی مقصد کے
لیے اسے استعمال کرلوں گا تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وقت نے تمہیں اتنا سفاک
بنادیا ہوگا۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اپنے اندازے کی غلطی پر ڈیٹی کو الزام نہ دو۔"
سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارا خیال تھا ک
ڈیٹی اس لڑکی سے شادی کے لیے پر تول رہا ہے۔۔۔"

"تم خود سن چکے ہو۔" ویرا نے ترشی سے اس کی با
کاٹ دی "ڈیٹی کی نیت جو بھی رہی ہو' یہ نیما سے فون پر بہت
والہانہ انداز میں باتیں کررہا تھا۔"

"اور کچھ نہیں' یہ ذہنیت کا فتور ہے۔" سلطان شاہ۔
غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا "آدمی کے اپنے دماغ میں گند بھ
ہوا ہو تو وہ دوسرے کو بھی گندہ سمجھتا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئ
"اس بات کو اب یہیں ختم کردو۔"

"ابھی تو بات ڈالی ہی نہیں گئی تھی۔ ویرا چاہے تو می
زبان بند کیے لیتا ہوں۔"

"میں آج پیش گوئی کررہی ہوں کہ تمہارا حشر بیا۔
کوّے جیسا ہوگا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے جواب د
"تم چاہو یا نہ چاہو' تمہارے پلّے نیما جیسی کوئی آوارہ لڑکی ہ
پڑے گی۔"

"دوسروں کے بارے میں رائے زنی کرنے سے پہ
آدمی کو اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے۔" سلطان ش
نے بے پروائی سے کہا "آج کل کی آزادیوں میں سب کچھ
چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ وار خاصا برمحل اور کاری ثابت ہوا
ویرا اس کے جواب میں فوری طور پر ایک لفظ بھی نہ کہہ سک
اور غزالہ کو وہ ناخوش گوار موضوع تبدیل کرنے کا سنہرا مو
ہاتھ آگیا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مقبول کے بریف کیس می
اکرم الٰہی کے کاغذات ہوں گے؟"

"یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" می
نے بحث سے بچنے کی کوشش کی۔

"غزالہ کا سوال معقول ہے۔" سلطان شاہ نے اس ک
تائید کی "اگر وہ بریف کیس کئی دن پہلے نسرین کے پاس
رکھوایا گیا تھا تو اس میں کاغذات کی موجودگی کا امکان نظ
نہیں آتا۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" ویرا
خفت مٹانے کے لیے زبان کھولی۔

"چند روز پہلے حالات پوری طرح مقبول چوہدری ک
کنٹرول میں تھے۔" سلطان شاہ اسی سے مخاطب ہوکر ب
"اکرم الٰہی اس کی قید میں پوری طرح بے بس تھا۔ مائک
سینٹر کی پوری عمارت پر اس کا مکمل تسلط تھا۔ اسے
کاغذات نسرین کے پاس رکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یوں اچانک پلٹا کھاجائیں گے۔ آئی بی والوں کے بھیجے ہوئے' سادہ پوش احتجاجی وفد کی جارحانہ کارروائیوں سے پہلے مائیکرو سینٹر اس کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔" غزالہ نے دلائل میں اضافہ کیا۔

"یہ سب درست ہے مگر یہ نہ بھولو کہ ہم منظم جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا مقابلہ کررہے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن یا اس میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کے لیے اکرم الٰہی کو مروانا کوئی بڑا کام نہیں تھا مگر وہ ان کاغذات کی وجہ سے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اکرم مارا گیا اور وہ فائل غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو فورڈ فاؤنڈیشن کو عالمی سطح پر رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اکرم سے فائل واپس لیے بغیر وہ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاسکتے تھے۔"

"میں خاک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اسٹیشن فور پر ویرا نے اپنے طور پر رافیل سے بازپُرس کی تھی۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا "اکرم الٰہی کی فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ اور مذموم سرگرمیوں کا ناقابلِ تردید ریکارڈ موجود ہے۔ بوب رافیل نے بتایا کہ وہ اسی ریکارڈ کی بنا پر فاؤنڈیشن کو بلیک میل کرکے لمبی لمبی رقمیں بٹور رہا تھا اور وہ مجبور تھے۔"

"اور یہ بات مقبول چوہدری بھی جانتا تھا۔" ویرا نے موقع پاتے ہی میری بات آگے بڑھائی۔

"اکرم الٰہی انہیں بلیک میل کررہا تھا' مقبول چوہدری ان کا دوست تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی ان کاغذات کی تلاش کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ امریکی سفارت کاروں نے فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ مقبول چوہدری کی حمایت میں احتجاج کیا تھا۔ جوں ہی انہیں پتا چلا کہ مقبول چوہدری کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور اکرم دوبارہ میدان میں آگیا ہے تو ان پر بوکھلاہٹ طاری ہوگئی اور اسی بوکھلاہٹ میں بوب رافیل' اسلام آباد سے کراچی دوڑا چلا آیا۔"

"بریف کیس کی بات اب بھی واضح نہیں ہوسکی۔" غزالہ نے مجھے ٹوک دیا۔

"حیرت ہے کہ تم پر بھی سلطان شاہ کا سایہ پڑنے لگا ہے۔" اس مرتبہ بھی ویرا نے میرا ساتھ دیا "سیدھی سی بات ہے۔ مال کمانے کے لیے مقبول چوہدری بھی ان کاغذات سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آقاؤں کو تاثر دیا ہوگا کہ وہ اکرم الٰہی کے سازوسامان میں ان کاغذات یا کسی فائل کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اسے یہ اندیشہ بھی رہا ہوگا کہ ...

فاؤنڈیشن والے اپنے آدمی مائیکرو سینٹر نہ بھیج دیں۔ اس نے فوری طور پر سارے کاغذات بریف کیس میں مقفل کر کے نرگس یا نسرین کے گھر پر حفاظت سے رکھوادیے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے راز ایک قحبہ خانے میں پہنچ چکے ہوں گے۔" وہ اپنے ذہن سے نشے کے اثرات جھٹکنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

"ویری گڈ!" سلطان شاہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "اب پوری طرح صورتِ حال واضح ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے کہ نیما کے بارے میں تمہیں ڈینی کے نیک عزائم کا بھی اندازہ ہوچکا ہوگا۔"

"میرے سامنے اب اس کمینی کا نام نہ لینا۔" ویرا غصیلے لہجے میں بولی "مجھے ایسی لڑکیوں سے سخت نفرت ہے جو زبردستی ہر مرد کے گلے کا ہار بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"نادرہ سے بھی تمہیں اسی لیے نفرت تھی۔" سلطان شاہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہیں ہر اس عورت یا لڑکی سے نفرت ہوجاتی ہے جو کسی بھی وجہ سے ڈینی سے مراسم استوار کرنے لگے۔"

مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ کے اس الزام پر ویرا بھڑک اٹھے گی لیکن میری توقع کے برعکس، وہ مسکراتے ہوئے بولی "ڈینی کو میں اپنا دوست سمجھتی ہوں اور دوست ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ غزالہ اور ڈینی کے درمیان تیسرے درجے کی کسی عورت کی وجہ سے کوئی تلخی پیدا ہو۔"

ایسی چھوٹی موٹی تلخیوں کے لیے ویرا کا وجود ہی کافی تھا اس کے لیے مزید کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر ویرا سے کہا "تم واقعی ایک عظیم اور راست باز عورت ہو۔"

"عورت نہیں، لڑکی کہو۔" ویرا نے شگفتہ انداز میں فوراً میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی۔ "روایتی طور پر ہر غیر شادی شدہ خاتون لڑکی ہوتی ہے بلکہ بعض عورتیں خاصے باوقار شوہروں اور کئی کئی بچوں کی مالک ہونے کے باوجود خود کو مس یا لڑکی کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ دانستہ اپنے نام کے ساتھ مسز نہیں لگاتیں تاکہ انہیں عمر بھر شک کا فائدہ ملتا رہے۔"

"ایسا مغرب میں ہوتا ہوگا۔ یہاں شک کی صورت میں نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "خاص طور پر عورت پر ذرا بھی شک ہوجائے تو اس کی عمر بھر کی نیک نامی خاک میں مل جاتی ہے۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کی نکتہ آفرینی کو خراجِ تحسین پیش کیا پھر بولی "یہاں تک ہم چاروں کے درمیان اتفاق رائے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس بریف کیس کا کیا کیا جائے۔"

"تم نے گڑبڑ کردی ورنہ ڈینی نے شاید آج ہی نیما کو شیشے میں اتار لیا ہوتا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اب وہ کل رات تمہیں فون کرے گی؟" ویرا نے مجھ سے استفسار کیا۔

"ہاں، اس شرط پر کہ اسے موقع مل سکا ورنہ انتظار طول پکڑ سکتا ہے۔"

"تم نے اس پر کافی زور دیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں فون کرے گی۔" ویرا نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"اتنے واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد کل رات تک کون انتظار کرے گا؟" سلطان شاہ بولا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اسے فون نہیں کرسکتا۔ نسرین کے اڈّے پر اس کی پوزیشن مخدوش ہوجائے گی۔"

"تم پورے حالات سے باخبر ہو، اس لیے تمہارا قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ ہم بے خبری میں اس فائل کی نوعیت پر شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے۔" سلطان شاہ نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس فائل کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیے۔"

"لے سکتے ہو تو لے لو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے فرمان جاری کردیا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے گھورا لیکن کوئی کڑوا کسیلا تبصرہ کرنے کے بجائے قدرے توقف اختیار کیا پھر بولا "آج کل شہر میں ڈکیتیوں کا زور ہے۔ ہم بھی نسرین کے گھر ڈاکا ڈال سکتے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ صرف نسرین کا گھر نہیں بلکہ بے راہ روی کا ایک باقاعدہ اڈّا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے زیرِ سایہ کام کرنے والی لڑکیاں گاہکوں کے ساتھ اس کی چار دیواری میں بنے ہوئے کمروں میں محصور رہتی ہیں۔ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں بہکے ہوئے گاہکوں میں سے کسی نے آتشیں اسلحے کا استعمال شروع کردیا تو تم کسی بدنصیب غنچے کی طرح بن کھلے مرجھا جاؤ گے۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" سلطان شاہ نے میری تاویل قبول کرتے ہوئے سوال کیا۔

"انتظار اور صرف انتظار۔" میں نے پورے سکون سے جواب دیا "اب نئے سرے سے دوبارہ بات ہونے کے بعد ہی کوئی لائحہ عمل طے کیا جاسکے گا۔"

کھانے کی میز تیار تھی۔ ہم چاروں نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں تو سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے کہا "باتوں میں الجھ کر ہم سب سے اہم نکتہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھے۔ کیا یہ درست ہے کہ تم شراب نوشی ترک کرچکے ہو؟"

"اب یہ ایک حقیقت ہے۔ تمہیں اس پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ تم جیسا پرانا پاپی اتنی آسانی سے تائب ہوسکتا ہے۔"

"اب بلاوجہ حجت مت کرو۔" غزالہ نے منہ بنا کر سلطان شاہ سے کہا "اچھے فیصلے اسی طرح اچانک کیے جاتے ہیں۔ تمہیں اس پر اتنی حیرت کیوں ہے؟"

"مچھلی اگر سمندر چھوڑ کر ساحل کی ریت پر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلے تو حیرت ضرور ہوگی۔" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "دیکھنا ہے کہ ڈینی کا یہ فیصلہ کتنے دن چلتا ہے۔"

"یہ تم نے میرے دل کی بات کی ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی کی "بسیار نوشی کی انتہا کے بعد میں بھی ماضی میں کئی بار ایسے جذباتی فیصلے کرچکی ہوں لیکن ان پر کبھی بھی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ ہفتے عشرے کے بعد ایسا ہر فیصلہ خود بہ خود ٹوٹ جاتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا" غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا "یہ جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں' سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں۔"

وہ تینوں اس بارے میں اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے۔ میں سر جھکائے' خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں غزالہ کے پندار کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔

کھانے سے فارغ ہوکر میں ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے آبیٹھا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی ہمارے ساتھ آملی۔ غزالہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"آج سب کچھ بہت تیزی سے ہوتا چلا گیا۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ بولا "لیکن اب مجھے یہ بات عجیب سی لگ رہی ہے کہ ایک اجنبی اور مقامی ٹیکسی ڈرائیور' ویرا پر کوئی شبہ کیے بغیر آسانی کے ساتھ اس کی ہر ہدایت پر عمل کرتا چلا گیا۔ کیا تمہیں یہ بات غیر فطری محسوس نہیں ہورہی؟"

"واقعات سے الگ تھلگ ہوکر سوچو گے تو یہ واقعی عجیب واقعہ محسوس ہوگا مگر ویرا نے اس کی حب الوطنی سے فائدہ اٹھایا اور اس سے کام لیتی چلی گئی۔ بعد میں مجید کو خود بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ کسی غلط عورت کا آلہ کار نہیں بنا ہے۔"

"بعد میں تو سب کچھ سامنے آگیا۔ مجھے الجھن یہ ہے کہ اس نے ویرا کی باتوں پر من وعن یقین کیسے کرلیا جب کہ اکرم الٰہی ایک مقامی تھا اور ویرا ایک مستند سفید فام ہے۔"

"ویرا سفید فام ضرور ہے لیکن اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ ایک مدت سے یہاں رہ رہی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ غیر ملکیوں کو اپنی زبان بولتے دیکھ کر عام لوگوں کو کیسی حیرت اور خوشی ہوتی ہے۔ ایسے غیر ملکیوں کے لیے ہر ایک اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"ابتدا میں وہ میری اردو سے ہی مرعوب ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھے کسی پاکستانی مرد کی غیر ملکی بیوی سمجھ رہا تھا" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورتوں کے لیے ہر دل میں نرم گوشہ موجود ہوتا ہے پھر ویرا غیر ملکی اور خوب رو ہے۔ وہ اردو داں ہے۔ اردو اتنی بڑی زبان نہیں ہے کہ غیر ملکیوں میں اس کا استعمال عام ہو" میں نے وضاحت کی "مجید کی ساری فطری حمایت اور ہمدردی ویرا کے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکرم الٰہی مشتبہ انداز میں دوڑ لگاتا ہوا ہوٹل سے نکلا اور اپنے سامنے آنے والی پہلی خالی ٹیکسی میں سوار ہوکر وہاں سے فرار ہوگیا۔ وہ ایک سادہ لوح اور محب وطن آدمی تھا۔ اس کے پاس ویرا کی کہانی پر یقین کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

"ویرا کی سچائی کا ثبوت سامنے آنے سے پہلے اس کے ذہن میں یہ خوف بھی رہا ہوگا کہ اگر ویرا کوئی مجرمانہ مقصد لے کر اپنے گھر سے نکلی تھی تو ڈرائیور کے عدم تعاون کی صورت میں اس پر ہتھیار بھی نکال سکتی تھی" سلطان شاہ نے تفہیمی لہجے میں گویا خود کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"منطق کی حد تک تم یہ دلیل دے سکتے ہو" ویرا بولی "لیکن ہم دونوں کے درمیان ابتدا سے آخر تک شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ واقعات کے ڈھب اور اس کی

ذہنی کیفیت کا اندازہ تم اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ گلشن اقبال میں اس نے دگنے کرائے کے لالچ میں تیز رفتاری کے جوہر دکھانے شروع کیے تھے لیکن آخر میں جب اس پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ اپنے ملک کے ایک غدار کے خلاف مہم سر کر رہا ہے تو اس نے کرائے کی مد میں یا اپنی خدمات کے عوض ایک پیسا بھی لینے سے انکار کر دیا۔ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ گرہیں یکے بعد دیگرے کھلی تھیں۔"

"ویرا نے گیارہ بجے اپنی منزل پر پہنچنے کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی تھی" میں نے سلطان شاہ کی ذہنی کیفیت کا ادراک کرتے ہوئے آخری نکتہ پیش کیا" وہ ڈرائیونگ کے سارے کمالات دکھانے کے باوجود چند منٹ کی تاخیر سے وہاں پہنچا تو اکرم الٰہی فرار ہو رہا تھا۔ اسے قلق ہوا ہوگا کہ وہ چند منٹ پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا۔ وہ ذہین اور حساس آدمی تھا۔ غبی ہوتا تب بھی سمجھ لیتا کہ وقت کتنا اہم تھا۔ ویرا چند منٹ پہلے ہوٹل پہنچ جاتی تو شاید اکرم الٰہی کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔"

"ہونہہ!" سلطان شاہ نے تضحیک کے انداز میں کہا "ویرا چند منٹ پہلے پہنچ گئی ہوتی تو کون سا تیر مار لیتی۔ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم نے آخری لمحات میں ریستوران پر چڑھائی کرکے اسے بدکنے پر مجبور کر دیا ورنہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کے مسلح اور ذہین کارندے آخر تک ہوٹل میں داخل ہونے کے راستوں کی کڑی نگرانی کرتے رہے۔ انہیں آخر تک بھنک نہیں مل سکی کہ اکرم الٰہی بدلے ہوئے حلیے میں ان کی ناکوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ وہ اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور وہ وہاں پہنچنے کے بعد، خطرہ بھانپتے ہی، سوئمنگ پول کی سمت سے فرار ہو چکا تھا۔"

"تم نرے بدھو ہو" میں ہنس پڑا "میں حقائق کی نہیں، مجید کی سوچ کی بات کر رہا تھا۔"

"ہاں، اس کے نزدیک تو ویرا ہی اس واقعے کی ہیرو بلکہ ہیروئن تھی اور تم جانتے ہو کہ ہیروئن کتنی بھیانک شے ہے۔ تمہارا پیدا کیا ہوا فساد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ تمہاری اصل لڑائی ہیروئن سے ہے۔"

"تم حقائق کو دھندلا سکتے ہو، جھٹلا نہیں سکتے" ویرا تلملا کے بولی "میں نے تن تنہا اکرم الٰہی کو فرار کے بعد پکڑا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کی حاشیہ برداری کرنے کے سوا کیا تیر مارا۔"

"میں اکیلا نہیں تھا، غزالہ بھی میرے ساتھ تھی۔"

سلطان شاہ نے غزالہ کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے د کر مدافعانہ لہجے میں کہا "یہ بتائے گی کہ ہم وہاں کیا کر ر تھے۔"

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اپنا نام سن کر حیرت سے پوچھا "میرے بارے میں کیا بحث ہو رہی ہے؟"

"ویرا جاننا چاہتی ہے کہ بوب رائفل اور اکرم الٰہی کے سلسلے میں تم نے کیا کارکردگی دکھائی ہے" سلطان شاہ نے اپنے سر آیا ہوا سوال بہت خوش اسلوبی سے غزالہ کے س ڈال دیا۔

"میں کیا کر سکتی تھی؟" غزالہ نے شانے اچکا کے بے بسی سے کہا "ہمیں کو جو ذمے داری سونپی گئی تھی، ہم نے پوری کی۔ اکرم الٰہی ہماری طرف سے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا تھا۔"

"یہ بلاوجہ تمہیں مجھ سے لڑوانے کی کوشش کر ر ہے۔" ویرا نے صفائی پیش کی "میں نے تمہاری کارکردگی کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سلطان شاہ کی شرارت ہے۔"

"اپنی بات تبدیل مت کرو۔ ابھی تم دعویٰ کر رہی تھیں کہ تم نے اکرم الٰہی کو پکڑا مگر میں نے اور غزالہ نے یک ہونے کے باوجود کوئی تیر نہیں مارا۔ ہم دونوں بس ڈینی کی حاشیہ برداری کرتے رہے۔"

"وہ میری اور تمہاری بات تھی۔ میں نے غزالہ کا نا نہیں لیا تھا" ویرا غرائی۔

"ہم دونوں ایک ساتھ تھے" غزالہ نے بات کی نوعیت سمجھے بغیر وضاحت کی "ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں تھا پھر ہم کیا کرتے؟ طویل انتظار کے بعد جوں ہی گڑبڑ کا پیغام ملا، اند پہنچ گئے۔ ہوٹل کے اگلے اور پچھلے حصے کے درمیان ات فاصلہ حائل ہے کہ ایک طرف کچھ بھی ہوتا رہے، دوسری طرف کانوں کان پتا نہیں چلتا۔"

غزالہ کی آمد سے ان کی بحث نے پھر طول پکڑ لیا تھا مگر میں ان کی موشگافیوں سے زیادہ محظوظ نہیں ہو سکا کیونکہ اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔

میں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" سلام دعا کے بعد اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا "اسلام آباد میں عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے اور افواہوں کے طوفان میں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم کیا کر گزرے ہو۔"

”میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ اس کی اضطراری آواز ابھری ”تمہیں جو کچھ کرنا تھا، کر گزرے ہو اور اب چین کی بانسری بجا رہے ہو لیکن میں اسلام آباد سے ابھی ابھی اسٹیشن فور پہنچا ہوں۔ دارالحکومت کی فضاؤں میں بس دو نام سرگوشیوں کی طرح گونج رہے ہیں۔ امریکی صدر اور پاکستان کا ڈپٹی۔۔۔ حامد کی کہانی بھی حیران کن ہے۔ تم نے بوب رافیل پر کیسے ہاتھ ڈال دیا؟ امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔“

”ہوتا ہوگا۔“ میں نے دل ہی دل میں اس کے اضطراب سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا ”ہمارا نشانہ بوب رافیل نہیں تھا بلکہ ایک مشتبہ امریکی تھا جس نے اسٹیفن کوائے کے نام سے اسلام آباد سے کراچی کا سفر کیا تھا۔“

”اوہ!“ اول خان کی تحیر زدہ آواز میرے کانوں میں گونجی ”اس کا مطلب ہے کہ وہ محض کسی اتفاق کی بنا پر اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں دے بیٹھا اور امریکی صدر کی جان کا روگ بن گیا۔“

”یہ حقیقت نہیں بلکہ وہ موقف ہے جو آئی بی والوں نے اختیار کیا ہے۔“

”حامد نے مجھے بتایا ہے کہ اسٹیشن فور پر اس کا بہت برا حشر کیا گیا تھا۔“

”بُرے اور بھلے کے بارے میں تو بوب رافیل ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ پہلے میں نے اس پر کچھ تجربہ کیا اور پھر ویرا نے اپنے داؤ آزمائے اور وہ خاصی باتیں اگلتا چلا گیا۔“

”یع۔۔۔ یعنی تمہیں معلوم تھا کہ تم نے بوب رافیل کو اپنی گرفت میں لیا ہے؟“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔

”اکرام الٰہی سے اس کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ وہ کسی خاص مشن پر صبح کی فلائٹ سے کراچی اور پھر مقررہ ہوٹل کے ریستوران میں پہنچا تھا۔ وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا تو شاید میں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔“

”سنا ہے کہ وقت کے فرق کو نظر انداز کر کے منہ اندھیرے امریکی صدر کو گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔“

”ابتدائی افواہوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ بعد کے واقعات نے اس افواہ کی تائید کر دی۔ میں نے جس وقت بوب رافیل کو اس کے ہم وطنوں کے حوالے کیا، امریکا میں دفتری اوقات کار کا آغاز ہی ہوا ہوگا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سارے فیصلے نہایت سرعت سے کیے گئے تھے۔“

”اگر امریکی صدر نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے تو بوب رافیل کی واپسی ایک انعام سے کم نہیں تھی۔ تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ وہ کس طرح تمہارے ہاتھ لگا۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کا کیا چکر تھا؟“

ہم بوب رافیل ہی کی راہ پر لگے ہوئے تھے۔ اس کی احتیاط اور رازداری اپنی جگہ پر تھی مگر اکرام الٰہی نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف والے مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرتے رہے۔۔۔

”کہانی کا یہ حصہ مجھے معلوم ہے۔“ اول خان نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا ”حامد سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اس نے اسٹیفن کوائے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔“

”ہم نے اسے بوب رافیل کی حیثیت میں پکڑا تھا۔ بعد میں اس کی زبان سے یہ حقیقت اگلوائی کہ اس نے اسلام آباد سے کراچی تک کا سفر اسٹیفن کوائے کے نام سے کیا تھا۔ باتوں کے چکر میں آ کر اس نے اپنے بیان کی تصدیق کے لیے خود ہی اپنے ٹکٹ کا بقیہ حصہ ہمارے حوالے کیا تھا۔ وہیں سے اس کی بدبختی کا آغاز ہو گیا۔“

”صاف ظاہر ہے کہ تم نے اسے بوب رافیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہوگا اور اسٹیفن کوائے کی مشتبہ حیثیت میں تم اس کے ساتھ ہر من مانا سلوک کر سکتے تھے۔“ اول خان فوراً ہی پوری بات سمجھ گیا۔ اس نے فون پر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ”حیرت ہے کہ حامد نے اس اہم ترین واقعے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ اس نکتے کی اہمیت نہ سمجھ سکا ہو۔ اسے علم نہیں تھا کہ میری اور جلال کی کیا گفتگو ہو چکی تھی۔ یہ جلال کا مشورہ تھا کہ میں بوب رافیل کو اس کی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دوں۔ میں نے اپنی گفتگو اسی ڈھب پر جاری رکھی اور وہ نہایت بے بسی سے میرے ٹریپ میں پھنستا چلا گیا۔“

”اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اپنے دہرے نام کا اعتراف کر کے اس نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی تھی۔ نام کے بارے میں ثبوت حاصل ہو جانے کے بعد تم اس کی چمڑی بھی ادھیڑ سکتے تھے۔“

”ہمیں معلوم تھا کہ وہ بوب رافیل ہی ہے اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود اسے جلد ہی سفارتی مراعات کے

ویانا کنونشن کے تحت رہا کرنا پڑ جائے گا مگر ہم نے اسے اسٹیفن کوائے قرار دیا۔“
”تمہیں اس کا پورا اختیار تھا۔“ اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے تائید کی ”تمہارے سامنے دو باتیں تھیں۔ ایک اس کا دعویٰ اور دوسرا اس کا اعتراف جس کا ثبوت بھی موجود تھا۔ تمہیں پورا حق حاصل تھا کہ ان دو میں سے کسی ایک کو مسترد کردو۔“
”اس بارے میں حامد کو کوئی لکچر دینے نہ بیٹھ جانا۔“ میں نے اسے تاکید کی ”جلال سے میرا براہِ راست رابطہ رہا۔ حامد کو ذرا بھی علم نہیں کہ میرے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوتی رہیں۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں نے بوب رافیل کو دانستہ ایک ایسی راہ پر ڈالا تھا کہ وہ اپنے خفیہ سفر کے حوالے سے کوئی بات چھیڑے۔“
”جو کچھ بھی ہوا ہے، یہ طے ہے کہ اس بار تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ آئی بی والے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کچھ اتنی سرعت سے رونما ہوا کہ خبروں اور افواہوں کے ساتھ تمہارا نام سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا گیا۔ یہ بات ہر ایک کے لیے حیران کن تھی کہ امریکا جیسے طاقت ور ملک کے سفارت خانے میں مامور ایک سوشل منسٹر پر کس بنیاد پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔“
”واقعات اسی طرح رونما ہوتے ہیں مگر ان کا ذکر چلتا رہتا ہے۔“ یہ بتاؤ کہ تم اپنے مشن سے فارغ ہوکر آئے ہویا دوبارہ شہر سے باہر جانے کا کوئی پروگرام ہے؟“ میں نے پوچھا۔
”میں تو اپنی دانست میں فارغ ہوکر ہی آیا ہوں۔“ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا ”لیکن ایسی ملازمت میں ہر وقت پابہ رکاب رہنا پڑتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا حکم آجائے۔“
وہ ایک انتہائی خفیہ ادارے بلکہ تنظیم سے وابستہ تھا جو ذہنوں میں بستی تھی اور پاکستان کی سرزمین پر پوری طرح فعال تھی مگر دستیاب کاغذات پر کہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اس کے مشن کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ویسے مجھے یہ خلش ضرور تھی کہ جب اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن ملک بھر کے شہروں میں پھیلے ہوئے تھے تو شمال میں کسی کام کے لیے وہاں کے کسی مقامی اسٹیشن کے سربراہ سے کام لینے کے بجائے اول خان کو کیوں طلب کیا گیا تھا۔
”اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ حامد نے کاموں کے سلسلے میں تمہاری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اس سے وہ دوستی اور بے تکلفی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے میں چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ایک بار پھنس گیا تھا۔“
”فون پر حامد نے مجھے بتایا تھا۔ اب تم جس وقت بھی آؤ گے، تمہارا شناختی کارڈ بن جائے گا۔“
”تو کیا کرنل جمال دستی کا کارڈ تلف کردوں؟“ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
”وہ نام اب بہت مخدوش ہے۔ اسے تلف ہی کردو۔ وہ کسی بھی وقت تمہاری جان کا جنجال بن سکتا ہے۔ بظاہر بوب رافیل کا معاملہ نمٹ گیا ہے مگر جان اسمتھ کے آدمی اس وقت بھی ہوٹل کے عملے اور گاہکوں سے ذاتی رابطے کرکے یہ جاننے کی کوششیں کررہے ہیں کہ اس کی گرفتاری کن حالات میں ہوئی تھی اور اس میں کون سی ایجنسیاں ملوث تھیں۔“
”تو کیا یہ خبر درست ہے کہ جان اسمتھ کراچی میں سی آئی اے کا مقامی چیف ہے؟“
”چند روز پہلے تک مجھے بھی یہی غلط فہمی تھی۔ جان اسمتھ صرف کراچی کے لیے نہیں بلکہ ایک بڑے خطے کے لیے کام کررہا ہے۔ وہ پورے پاکستان کے ساتھ ایران اور افغانستان میں بھی سی آئی اے کو کنٹرول کرتا ہے۔ میں اسی کے پیدا کیے ہوئے ایک فتنے کے سدِباب کے لیے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔“
”شدید خواہش کے باوجود میں نے اس بارے میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھا!“
”اچھا کیا۔ اب بھی خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اصل خوشی اس بات کی ہے بوب رافیل کو بری طرح رگڑنے کے ساتھ تم نے ایک اور زیادہ بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔“
”جب مناسب سمجھو تو مجھے اس سے آگاہ کردینا.... فی الحال تم نے مجھے نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔“
”تمہیں خود اندازہ ہوجانا چاہیے۔ تم آئی بی کے دو مقامی افسران کے ساتھ براہِ راست سی آئی اے کے ایک بڑے عہدے دار سے ملے ہو اور اسے شبہ بھی نہیں ہوا کہ تم ڈمی ہوسکتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ درمیانی خراب دور گزر چکا ہے اور اب تم ماضی کی طرح ایک بار پھر امریکیوں کے لیے محض ایک نام بن کر رہ گئے ہو۔“
”واقعی، تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔“ میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ”شروع سے اب تک میرا ذہن اس

نکتے کی طرف مبذول نہیں ہو سکا تھا۔ ایسی صورت میں کرنل جمال دستی والا مفروضہ واقعی دفن ہو جانا چاہیے۔"

"اب اپنی الجھن کے بارے میں بتا ڈالو۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے سیدھی سیدھی باتیں کی ہیں۔"

"اگر جان اسمتھ تین اہم ملکوں میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا نگران ہے تو وہ کراچی میں کیا کر رہا ہے؟ اس کی تعیناتی کا بہتر مقام اسلام آباد ہونا چاہیے۔ وہاں وہ زیادہ باخبر رہ سکتا ہے۔"

"اسلام آباد ہمارے ملک کا حسّاس ترین شہر ہے۔ وہاں ہماری ایجنسیوں کا نیٹ ورک اور حفاظتی حصار بہت مضبوط ہے۔ ہر مشتبہ شخص پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اپنے تلخ تجربات کی بنا پر آئی بی اور آئی ایس آئی کو بھی افسانوی درجے پر فائز کیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی بنا پر اسے کراچی میں رکھا گیا ہو۔"

"آئی بی والے یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں تو ان کے پاس صدف مینشن جیسی خوف آور عمارت بھی ہے۔"

"ادارہ ایک ہی ہوتا ہے مگر مقام کی اہمیت کے اعتبار سے اس کی عمومی کارکردگی مختلف ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں ان کے بہترین اور تجربے کار آدمی یک جا ہیں اور اب تو تم بھی آدھے آئی بی والے ہو گئے ہو۔"

اس نے آخری فقرہ ہنسی کے دوران میں ادا کیا تھا مگر میں نے سنجیدگی سے کہا "وقتی طور پر کسی سے بھی مل بیٹھوں، ایس ٹی ایف سے میری وابستگی کمزور نہیں ہو سکتی کیونکہ تم لوگ میرے طریقوں کے مطابق کام کرتے ہو۔"

"اسلام آباد میں فون پر جلال سے دو مرتبہ بات ہوئی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تمہارے ساتھ بہت بے تکلف ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے پاس بلانے کی کوشش کرے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ ہماری بے تکلفی میں اضافہ ہوا ہے۔ خشک، نازک اور اعصاب شکن فرائض کی مسلسل ادائیگی سے اکتا کر اس نے مجھ سے کچھ بے سروپا باتیں بھی کی ہیں جنہیں میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ اپنے بڑے عہدوں کے حصار میں گھرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں سے کھل کر بات نہیں کر سکتے، جاننے والوں سے سوچ سوچ کر ہر لفظ بولتے ہیں۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے کسی قول یا فعل سے کوئی اہم سرکاری راز افشا نہ ہو جائے۔ یہ بوجھ حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو انسان کسی قریبی دوست کے ساتھ فضول گوئی کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ اور بس!"

"تمہارا تجزیہ قابلِ قدر ہے۔ اسلام آباد کو ویسے بھی گریڈوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ میل جول اور سماجی زندگی میں بھی لوگ ایک دوسرے کے گریڈ کا دھیان رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جلال اسی تصنع سے اکتایا ہوا ہو۔" اول خان کو مجھ سے فرصت سے بات کرنے کا موقع ملا تھا تو وہ ہر ہر موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کرنے پر تلا ہوا تھا۔

مجھے اپنے شانے پر ہلکے سے دباؤ کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "اب ہمیں ان دو قیدیوں کو دیکھنا ہے جو تمہارے اسٹیشن فور میں بند ہیں۔ کل صبح وہیں ملاقات ہوگی۔"

"ابھی کیوں نہیں آ جاتے؟" اول خان نے جھٹ سے سوال کر دیا "وہ دونوں بُرے حال میں ہیں اور ان کی زبانیں چل پڑی ہیں لیکن حامد اس صورتِ حال سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسے نہیں معلوم کہ تم ان سے اپنے کن سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ابھی آ جاؤ تو صبح دیر تک نیند پوری کر سکتے ہو۔ میں بھی اپنا وزن ہلکا کر لوں گا۔"

"تمہیں اپنا کون سا وزن ہلکا کرنا ہے؟" میں نے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔

"فنڈز آ گئے ہیں۔ تمہارا وہ ادھار ادا کرنا ہے جو اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے لیے تم نے رستم ایرانی کو ادا کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا "ایس ٹی ایف کافی دن تمہاری مقروض رہی ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے رقم کی اتنی زیادہ حاجت نہیں ہے۔ رستم کو وہ رقم ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں گمان بھی نہیں تھا کہ میں وہ رقم تم سے وصول کروں گا۔ ویسے تم اصرار کر رہے ہو تو میں آ جاؤں گا۔"

اس مرحلے پر میں نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اکرم الٰہی کی خفیہ فائل کے بارے میں حالات نے یکایک کیا قلابازی کھائی تھی۔ اسے نیا والے معاملات کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیوں میں کیا کچھ موجود ہے اور اس میں سے کیا کچھ اگلوا کر ہم اپنے کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جائیں تو مجرموں کے لیے رات کی ہیبت بہت زیادہ ڈراؤنی ہو جاتی ہے۔ دن کے اجالے کے مقابلے میں وہ اندھیرے میں زیادہ آسانی سے سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ میں یہاں سے نکل رہا

ہوں۔" میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا اور فون بند کردیا۔
ویرا نے کچھ ہی دیر پہلے خاصی مے نوشی کی تھی مگر مباحثے میں الجھ جانے کے باعث اس کا خاصا خمار اتر چکا تھا۔ پھر بھی وہ اس وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ معمول کے برعکس اس وقت سلطان شاہ نے بھی میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی۔ میرے لیے گھر سے اسٹیشن فور تک کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن پھر بھی میں ان میں سے کسی کی پیش کش کا منتظر تھا۔
"آپ چاہیں تو میں ساتھ چلوں؟" غزالہ نے شاید میری آنکھوں سے میری وہ خواہش پڑھ لی۔
"نہیں، نہیں۔" سلطان شاہ جلدی سے بول پڑا "تم جا کر کیا کرو گی۔"
میں جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ میری خواہش کے سامنے کسی کے مشورے کو وقعت نہیں دے گی۔
سلطان شاہ کے لہجے کی بوکھلاہٹ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ویرا کے ساتھ ایک لمبی مدت گزار لینے کے باوجود اس نفسیاتی خوف سے نجات نہیں پاسکا تھا جو اسے ویرا کی طرف سے تنہائی میں لاحق رہتا تھا۔
ویرا بظاہر سلطان شاہ سے ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے پر الجھتی رہتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ کے لیے پسندیدگی کے جراثیم پرورش پارہے تھے۔ سلطان شاہ سے ہر وقت مخالفت کے اظہار پر کمر بستہ رہنے کے جواب وہ اس سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ بس اپنی پیش رفت کے جواب میں منفی ردِعمل کا سامنا کرنے کی وجہ سے چڑچڑے پن کا شکار رہتی تھی اور وہی اس کی کمزوری تھی۔
مجھے غزالہ کی روانگی پر سلطان شاہ کی تشویش کا سبب معلوم تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہم دونوں کی غیر حاضری میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان کچھ خوش گوار سی جھڑپیں ضرور ہوسکتی تھیں، کسی بڑے فساد کا امکان نہیں تھا کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جارحانہ تیوروں کے باوجود کچھ اخلاقی حدود سے بہت زیادہ تجاوز نہیں کرتی تھی۔
غزالہ میرے ساتھ چلی تو سلطان شاہ نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی مگر غزالہ نے بات ہنسی میں اڑادی۔
"تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارے ساتھ ویرا بھی گھر میں رہے گی۔"
"یہی تو میری پریشانی کی جڑ ہے۔" سلطان شاہ کراہا "یہ پی کر بہکے گی اور میرے لیے مسائل کھڑے ہونے شروع ہوجائیں گے۔ اس کے ساتھ سے بہتر ہے کہ میں اکیلا عیش کرتا رہوں۔ تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
میں نے اس کی سنی ان سنی کردی اور غزالہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
گو رات ہوگئی تھی مگر زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ گلشن اقبال کی سڑکوں پر ٹریفک کے ہجوم میں قدرے کمی ضرور آئی تھی مگر پھر بھی یونیورسٹی روڈ پر بھرپور ٹریفک کی روانی بہار دکھا رہی تھی۔
ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور پہنچ گئے۔
اول خان نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ حامد بھی پورے ادب و احترام کے ساتھ وہاں موجود تھا۔
اس وقت پاکستان میں بے شمار این جی اوز کام کررہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض اپنی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کے بارے میں مخلص رہی ہوں مگر ہمارے تجربے نے ثابت کردیا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل اس نقاب کی آڑ لے کر خود غرضی، مفاد پرستی اور اس سے بھی بڑھ کر، ملک سے غداری کی راہ پر گامزن تھی۔
وہ زہریلا پودا اکرم الٰہی کا لگایا ہوا تھا جو وقت کے ساتھ بار آور ہوکر پاکستان کی جڑوں میں زہر پھیلا رہا تھا اور اس کے بدترین دشمنوں کو اپنا سایہ فراہم کررہا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کے برعکس، اس کا بھانجا مقبول چوہدری زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے اپنے ماموں کو منظر سے ہٹاتے ہی اپنے مذموم عزائم کے حصول کی کارروائیاں بہت تیز کردی تھیں مگر مقبول کی ان حرکتوں سے اکرم الٰہی کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوتی تھی۔
مقبول چوہدری کی گرفتاری میں نرگس کے نام کا گہرا دخل تھا۔ اکرم الٰہی نے اول خان کی موجودگی میں اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ اس کے بھانجے نے مائیکرو سینٹر سے فرار ہوکر اپنی دوست، نرگس کے گھر پناہ لی ہوگی۔
میں نے نرگس اور پھر اسی کے حوالے سے اس کی ماں نسرین کے بارے میں پوری کہانی اول خان کو سنادی۔ نیما کا نام میں نے دانستہ گول کردیا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ مقبول چوہدری کا ایک مشتبہ بریف کیس نسرین کی تحویل میں تھا۔ دونوں مجرموں سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس کا ذکر خود بہ خود سامنے آجاتا۔
ہم نے اکرم الٰہی کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ

نہیں کیا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر چھوڑ دینا تھا یا اس کے جرائم کی پاداش میں خاموشی سے کیفرِ کردار کو پہنچا دینا تھا۔ اس بے یقینی کی وجہ سے حامد نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس کا کوئی آدمی غیر ضروری طور پر اکرم الٰہی کی نظروں میں نہ آنے پائے۔

اس احتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو اول خان کے دفتر میں چھوڑا اور خود حامد کے ساتھ اس کمرے کی طرف چل دیا جس میں اکرم الٰہی قید کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔

وہاں موجود محافظ نے ہم دونوں کو پوری مستعدی سے تعظیم دی۔ حامد باہر ہی رک گیا اور میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

سپاٹ فرش، ننگی دیواروں اور بند دروازوں اور کھڑکیوں کے سوا اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اونچی چھت سے لٹکا ہوا ایک بلب کمرے میں اجالا کر رہا تھا۔ اس اجالے میں اکرم الٰہی کسی گٹھڑی کی صورت میں سمٹا ہوا فرش پر پڑا.... کراہ رہا تھا۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر اس نے فرش سے سر اٹھایا اور پھٹی پھٹی، دہشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر بولا "اوہ.... تو آخر کار تم بھی اپنے اصل روپ میں سامنے آہی گئے۔" اس کے حلق سے رک رک کر اور پھنسی پھنسی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

"جب تم نے اپنا اصلی چہرہ بے نقاب کر دیا ہے تو یہ سب ہونا ہی تھا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میرا اندازہ تھا کہ تم مظلوم ہو اور تمہارا بھانجا تمہاری بے خبری میں فریڈم انٹرنیشنل کو گندا کر رہا ہے مگر...."

"خدا کی قسم، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں ہی بول پڑا "سارا قصور مقبول چوہدری کا ہے۔ وہ پکا نمک حرام ہے۔ اس نے بڑھاپے میں میرا منہ کالا کر دیا۔ میں بے قصور ہوں۔"

"شٹ اَپ!" میں نے سرد لہجے میں جھاڑ دیا "اب یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ بوب رائفل سے ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر سے فرار ہو کر تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہے۔"

"میں مجبور تھا۔" وہ بے بسی سے کراہا "مجھے اس سے ملنے میں ہمیشہ ہی ایسی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی غیر سفارتی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو وہ مجھے مروا دیتا۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ بوب رائفل کو یہ ضرور معلوم تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں گڑبڑ ہوئی ہے لیکن اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کن حالات سے دوچار تھا۔ اس نے اکرم سے فون پر بھی بہت مختصر گفتگو کی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے اکرم الٰہی نے جو پراسرار اور رازدارانہ طریقہ اختیار کیا، وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا۔

"وہ تم سے کیوں ملنے آیا تھا؟" میں نے اس بحث میں الجھے بغیر پوچھا۔

"وہ کافی عرصے سے میرے چکر میں ہے۔ دھوکا دے کر مجھے ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ میں اس وقت مقبول کے عذاب سے تازہ تازہ آزاد ہوا ہوں، اس کے دباؤ میں آکر کاغذات اس کے حوالے کر دوں گا۔"

اس کے اعصاب واقعی جواب دے چکے تھے۔ اس نے میری کسی محنت کے بغیر از خود وہ اہم ترین اعتراف کر لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنی بات جاری رکھے گا مگر وہ درمیان میں ہی خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا اور سوچتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کی پشت کے نچلے حصے پر زور سے ٹھوکر لگائی اور وہ چیخ کر فرش پر تڑپتا رہ گیا۔ غالباً وہ اس وقت اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

"میں کچھ پوچھوں تو جواب مکمل ہونے تک رکے بغیر بولتے رہو ورنہ ٹھوکروں سے تمہاری پشت لہولہان کر کے رکھ دوں گا۔"

"مم.... میری اس سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔ ہماری ملاقات مشکل سے چند منٹ جاری رہی پھر تم نمودار ہو گئے۔" وہ چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان جلدی جلدی بولنے لگا "وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری اور مقبول کی لڑائی نے حالات بگاڑ دیے ہیں۔ کوئی ایجنسی، فریڈم انٹرنیشنل کے پیچھے لگ گئی تو وہ کاغذات کسی بھی لمحے میری تحویل سے نکل جائیں گے۔"

"بولتے رہو!" اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے اسے ٹوکا "خاموش ہوئے تو میری ٹھوکر ایک نیا زخم پیدا کر دے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت برے لوگ ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کر دیا "محض اپنے کاغذوں کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بار جس کے خلاف ہو جائیں، اسے کبھی معاف نہیں کرتے۔ کاغذات واپس لیتے ہی مجھے اپنے راستے سے ہٹا کر مقبول کو

سامنے لے آئیں گے۔ ان کی شہ پر مقبول مجھے معزول کر ہی چکا تھا مگر تم نے دخل دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔ یہ لوگ ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔ بوب کو پتا نہیں کہاں سے پتا چل گیا کہ میں مقبول کی قید سے نکل کر دوبارہ آزاد ہو گیا ہوں۔ اس نے کل بہت رات گئے مجھے فون کر کے آج صبح ہوٹل کے ریستوران میں ملنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے آکر پوری بازی الٹ دی۔"

"انسانی حقوق کے بارے میں جاری کیا جانے والا پیغام کس کا بنایا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت قیدی بنایا جا چکا تھا۔ مجھے مقبول کی زبانی پتا چلا کہ اسے وہ پیغام فورڈ فاؤنڈیشن سے ہی ملا تھا۔ اس نے ہدایت کے مطابق فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے وہ متن اخباروں کو جاری کر دیا۔ وہ اسی سلسلے میں میرے ذریعے فورڈ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین سے رقم کا مطالبہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

ایک پرانا سوال میرے ذہن سے صاف ہو گیا۔ میں نے دوبارہ تازہ موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھا "تمہارے جمع کیے ہوئے وہ کاغذات اب کہاں ہیں؟"

"مقبول چوہدری میری آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔" وہ پشیمان آواز میں بولا "اسے شروع سے آخر تک ہر بات کا علم تھا۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ میں نے کبھی اس سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک وہ کاغذ میرے قبضے میں ہیں، ہم محفوظ رہیں گے اور ہمیں فورڈ فاؤنڈیشن سے امدادی رقوم ملتی رہیں گی۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ وہ کاغذات اب کہاں ہیں!" میں نے سختی سے اسے یاد دلایا۔

"وہ مقبول چوہدری کے پاس ہوں گے۔" اس نے بلا توقف کہا "اس کی قید سے رہائی پانے کے بعد میں نے کل رات ہی اپنی تجوری اور الماریوں کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں سے فائل اور بھاری نقدی غائب ہے۔"

"نقدی غائب ہے؟" میں نے چونک کر کہا "جب مقبول ہر چیز پر قابض ہو چکا تھا تو اسے رقم چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے ہٹ جانے کے بعد سب کچھ اس کا ہو چکا تھا۔"

اکرم الٰہی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن فرش پر ڈال دی اور مایوسانہ آواز میں کہا "وہ صورت حرام ثابت ہوا۔ میں شروع ہی سے اس کے لچھن نہیں سمجھ سکا۔ وہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے ٹھاٹ باٹ شاہانہ تھے۔ وہ یقیناً لمبی رقموں کا مقروض رہا ہوگا۔ میری دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے پہلی فرصت میں اپنے پرانے قرضے چکائے ہوں گے۔ اس نے تجوری سے اپنی ضرورت کی رقم نکال لی۔ باقی رقم اور پونڈز وغیرہ جوں کے توں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں نہیں چھیڑا۔"

"اور فائل کہاں تحلیل ہو گئی۔" میں ہر بات اس کی زبان سے سننے کا خواہاں تھا۔

میں نے فائل اسے بتا کر تجوری میں رکھی تھی۔ میرے ساتھ کوئی برا واقعہ پیش آنے پر اسے وہ فائل پریس کو جاری کرنی تھی۔ جب اس نے میرا تختہ الٹا تو اس کے لیے بھی وہ فائل اتنی ہی اہم تھی۔ اس نے اسے کہیں اور پہنچا دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے وہ فائل کسی کو واپس نہیں کی تھی۔ ایسا ہو چکا ہوتا تو بوب رافیل اسلام آباد سے کراچی نہ آتا۔"

"اسے اس کے ستاروں کی گردش کراچی لائی تھی۔ اب وہ ساری زندگی کراچی کے نام سے ڈرتا رہے گا۔"

"وہ کہاں ہے؟ میں تو ہوٹل سے بھاگ گیا تھا مگر تم نے اسے وہیں گھیر لیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

وہ اکرم الٰہی کا پہلا سوال تھا۔ میں نے اس کا گول مول جواب دینا ضروری سمجھا۔ اس کی کہانی بھی وہی ہے جو ابھی تم نے سنائی ہے۔ اگر تم نے کہیں بھی جھوٹ بولا ہوتا تو میں اسی وقت ٹھوکریں مار مار کر تمہارا بھیجا بہا دیتا۔"

"مگر وہ اب ہے کہاں؟" اکرم الٰہی نے خوف زدہ لہجے میں اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔

"وہ کسی کتے کی طرح پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ سفارتی افسر نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بھی بُرے حال میں ہوتا۔ اب وہ رہا ہو کر اپنے ریوڑ میں جا چکا ہے۔" میں نے بات کھول دی۔

میرا جواب سن کر اس کی بے نور آنکھوں میں امید کی چمک سی کوند گئی اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اگر تمہیں قاعدے قانون کا اتنا پاس ہے تو تم یقیناً کسی ذمے دار سرکاری ایجنسی کے آدمی ہو۔ تمہارا تعلق آئی بی سے ہے نا؟"

"اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹک دو۔ ہم جو بھی ہیں، مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ ظالموں اور غداروں کی کلائی توڑ ڈالتے ہیں۔ جب تک تم مظلوم نظر آتے رہے، ہم نے مدد کر کے تمہیں آزادی دلائی لیکن تمہارے اصل کرتوت سامنے آجانے کے بعد اب ہم تمہارے سب سے بڑے

دشمن ہیں۔ جلد ہی تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔"

میرے ان الفاظ نے اسے دہلا دیا۔ وہ گھگیا کر رو پڑا اور فرش پر اس کے جسم کے گرد نمی کا ایک دائرہ سا پھیلتا چلا گیا۔

"خدا کے لیے، مجھے نہ مارنا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں۔۔۔۔ سارا قصور مقبول کا ہے۔۔۔۔"

اس وقت وہ اپنی ہی بکھیری ہوئی آبی غلاظت میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس کے قرب سے گھن آنے لگی۔ میں نے بلند آواز میں اسے لتاڑا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

باہر حامد میرے انتظار میں برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ آیا۔

اکرم الٰہی کے ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے اس وجہ سے میرے نکلتے ہی مسلح محافظ نے اس کے کمرے کا دروازہ بند کرکے باہر سے بولٹ کردیا۔ اکرم الٰہی تو پھر بھی بہت صحت مند اور بہتر حالت میں تھا۔ اس سے بھی گئے گزرے بلکہ قریب المرگ مجرموں کو جب اپنے آس پاس موت کے بھیانک سائے رقص کرتے نظر آتے ہیں تو وہ اپنی ساری توانائیاں یک جا کرکے نکل بھاگنے کی دیوانہ وار کوشش کر ڈالتے ہیں۔ ایسے کسی خطرے کے تدارک کے لیے اس کے کمرے کا بند رہنا ہی بہتر تھا۔

وہاں سے نکل کر میں ایک اور قریبی کمرے میں پہنچا۔ وہاں مقبول الٰہی اپنے ماموں سے زیادہ ابتر حالت میں تھا۔ بے احتیاطی اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پرانے زخم بھی خراب ہو رہے تھے۔

وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے میری موجودگی کا ادراک کرتے ہی اپنے مقدر کو غلیظ گالیاں دینی شروع کردیں۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مسلح محافظ بھی بوکھلا کر اندر آگیا۔

اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر میرے لیے اس کا وہ رویہ توہین آمیز تھا۔ دشمن سے ویسے بھی اخلاق و شائستگی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ اس کی زبان بند کرانے کے لیے میں نے مسلح محافظ کو اشارہ کیا اور اس نے مقبول کے چہرے پر چند ہی مکے لگائے تھے کہ اس کا سارا کس بل نکل گیا اور وہ گڑ گڑانے پر اتر آیا۔

اکرم الٰہی نے سارے الزام اس پر عائد کیے تھے۔ مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے خلاف شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ اس کا ماموں بلا کا شراب نوش اور عورتوں کا رسیا تھا۔ ان عیبوں کی وجہ سے اس کی شادی ناکام رہی تھی اور پھر وہ شان و شوکت سے تجرد کی آزادانہ زندگی کا عادی ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے کاموں میں مدد کے لیے مقبول کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مقبول کو اپنی آمدنی کے بڑے ذرائع کا علم ہوگیا۔ اس نے اپنی بنیاد فورڈ فاؤنڈیشن کے پیسے سے بنائی پھر اپنے مراسم کے سہارے ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والوں کے ساتھ سرمایہ کاری شروع کرکے لمبی رقمیں بٹورنے لگا۔

کچھ دنوں میں مقبول کو اندازہ ہوا کہ اس کے ماموں کی بیشتر آمدنی اس کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ وہ خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا اور مقبول کو احکام جاری کرتا رہتا۔ اپنے اخراجات کے معاملے میں وہ پوری فیاضی سے کام لیتا لیکن مقبول کو سسکا سسکا کر رقم دیتا تھا۔ اخراجات کی اس تنگی نے مقبول کے دل و دماغ میں بغاوت کا بیج بو دیا۔

پہلے اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کے کچھ عہدے داروں سے قریبی مراسم استوار کیے پھر ان سے امریکی شہریت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کو خاموشی سے ٹھکانے لگا کر ساری جمع پونجی سمیت امریکا منتقل ہوجائے گا مگر فورڈ فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کو پاکستان میں اپنے کام کی تکمیل کے لیے اکرم الٰہی کے متبادل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امریکی شہریت کے حصول کے لیے مقبول کی حوصلہ شکنی کی مگر اکرم الٰہی کے خلاف اسے اکساتے رہے۔

مقبول کو اندازہ تھا کہ اس کھیل میں اصل اہمیت اس کی نہیں بلکہ اس کے ماموں کی بنائی ہوئی فائل کی تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے مقبول کے ذریعے وہ کاغذات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کررہے تھے۔

ایک مناسب موقع پر مقبول نے چالاکی سے کام لے کر اکرم الٰہی کو مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں قید کرکے خود فریڈم انٹرنیشنل کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی نے اسے کوئی رقم دینے سے صاف انکار کرکے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے اخراجات کے لیے صرف مائیکرو موٹرز سے ہونے والی آمدنی کا چوتھائی حصہ لیتا رہے۔

مائیکرو موٹرز سے ہونے والی یافت کا دوسرا چوتھائی حصہ، اکرم الٰہی اپنی بہن یعنی مقبول چوہدری کی ماں کو لاہور بھجوا دیتا تھا جہاں وہ بیوگی کے عالم میں سات بچوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ مقبول اس کی آٹھ اولادوں میں سب سے بڑا

تھا۔

اس نے اپنے ماموں پر ہاتھ ڈالتے ہی یہ مشہور کردیا کہ وہ بیرون ملک چلا گیا ہے اور خود پورے نظم ونسق پر اپنا اختیار مضبوط کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے ہیروئن کے ان سوداگروں سے بالکل قطع تعلق کرلیا جو اس کے ماموں کے چہیتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے ذرائع سے ہونے والی آمدنی ہی اس کے لیے کافی تھی۔

ماموں کو زندہ رکھنا اس کی ایک مجبوری تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں موجود افراد مقبول سے کام ضرور لیتے تھے لیکن فاؤنڈیشن کے بھاری فنڈز ان کی دسترس سے باہر تھے۔

ہر سازشی تنظیم کی طرح فورڈ فاؤنڈیشن سے ایشیائی ہمدردوں کے لیے رقوم کی فراہمی کا اختیار صرف اور صرف فاؤنڈیشن کے امریکی نژاد وائس چیئرمین کو تھا۔ جب سے اکرم الٰہی نے اپنے مطالبات کی تکمیل کے لیے اسے آنکھیں دکھائی تھیں' اس نے فنڈز کے اجرا کا روایتی طریقہ اچانک ترک کردیا تھا اور رقوم صرف اکرم الٰہی سے براہِ راست بات کرنے کے بعد جاری کرتا تھا۔

"اکرم الٰہی کی وہ فائل کہاں ہے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا؟" اس کی کتھا پوری ہوجانے کے بعد میں نے سختی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"فائل؟" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا پھر ہذیانی لہجے میں بولا "میں کسی فائل سے واقف نہیں۔ مجھے تم بھی ان لوگوں کے گرگے معلوم ہوتے ہو جو کبھی کبھی میرے ماموں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔"

وہ اندیشہ شروع سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے دوستی اور ہمدردی کی آڑ میں اس سے کاغذات واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ میں نے فوری طور پر مقبول چوہدری کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "شاید تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ جو چیز حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں' اس تک پہنچے بغیر دم نہیں لیتے۔ تم نے سیدھی طرح تعاون نہ کیا تو ہم ایک ایک کرکے تمہاری ساری ہڈیاں توڑ دیں گے۔"

"تم جو بھی ہو' پاکستانی ہو۔" میرے ان الفاظ پر اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا "تمہیں نہیں معلوم کہ تم کن لوگوں کے جال میں پھنس گئے ہو۔ بیچ میں مت آؤ۔ میں ان لوگوں کو خود دیکھ لوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کے زخمی اور متورم چہرے پر تھپڑ مار کر کہا "تم ایک مدت سے ان کا مال کھا رہے تھے۔ اب ہماری باری آئی ہے تو تمہیں پاکستان یاد آرہا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ فرش پر خون تھوکتے ہوئے بولا "دم خم ہے تو وہ فائل خود ڈھونڈ لو۔"

"ہم نرگس کو بھی یہیں اٹھا لائیں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں اسے دھمکی دی "اس کی ماں کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ تم کوئی کروڑ پتی نہیں' بالکل کنگال آدمی ہو۔"

"تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" وہ تڑپ کر بولا "مرد ہو تو مجھ سے لڑو۔ عورت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟"

"وہ تمہاری عورت نہیں' محفلوں کی جان ہے۔ تمہارا سوگ منانے کے بجائے وہ آج شام ایک گجراتی سیٹھ کے مجرے میں گئی ہوئی ہے۔ ایسی عورتیں صرف پیسے کی یار ہوتی ہیں۔" میں نے اسے غیرت دلائی۔

"تم مجھے اس کے خلاف نہیں بہکا سکتے۔ وہ گندے ماحول میں ضرور رہتی ہے مگر بہت اچھی لڑکی ہے' کیچڑ میں کھلے ہوئے خوب صورت کنول کی طرح.... خدا کے لیے اس کا ذکر ایسی بے دردی سے نہ کرو۔"

"تم سے یہ ساری پوچھ گچھ رسمی سی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو بھاری خسارے میں رہو گے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ وہ فائل میری ہے۔ اس کے بارے میں' میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اکرم الٰہی اکیلا نہیں تھا۔ تمہاری آپس کی لڑائیاں دکھاوے کی تھیں ورنہ اس فائل کے بارے میں تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔ اب اکرم الٰہی مر کر بھی ان کاغذوں تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"مگر میری یہ بات لکھ لو کہ ان کاغذات کے ساتھ تم بھی بے موت مارے جاؤ گے۔"

"مفلسی کی زندگی سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے اثاثوں کے لیے جان دے دے۔"

وہ کسی وجہ سے دوبارہ حوصلہ پکڑ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ میں نے چوہے اور بلی کا وہ کھیل وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر تم فائل کے بارے میں زبان نہیں کھول رہے تو پھر یہ بتاؤ کہ نسرین کے پاس رکھوائے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے۔ وہ تمہارا شجرۂ نسب تو ہو نہیں سکتا ورنہ تم اسے

ایسے گند خانے میں نہ پہنچاتے۔"

نسرین اور پھر بریف کیس کے ذکر پر اسے شدید ذہنی جھٹکے لگے۔ اس کے زخم خوردہ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "وہ اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی۔ تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

اس نے سارا پس و پیش ختم کر کے خوش امیدی کا سہارا لینا شروع کر دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "تم نے سچ بولنے کا موقع کھو دیا ہے۔ تمہیں یہاں لانے کے بعد ہم سو نہیں گئے تھے۔ تمہارے اور نرگس کے تعلق کے بارے میں مسلسل کام ہوتا رہا ہے۔ وہ بریف کیس کسی بھی وقت ہمارے قبضے میں آجائے گا۔"

وہ انکشاف سن کر مقبول چوہدری کا ذہن پٹڑی سے اتر گیا۔ "نسرین باجی اس بریف کیس کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر میں نے تین مسلسل راتیں وہاں بسر نہ کیں یا نرگس کو ساتھ نہ لے گیا تو وہ بریف کیس نسرین کا ہو جائے گا۔ اس میں رکھی ہوئی رقم اس کی ہوگی اور وہ فائل والا لفافہ کسی پولیس افسر کو پہنچا دے گی۔" وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چیخ رہا تھا "میں ایک رات یہاں گزار چکا ہوں۔ دوسری شروع ہو چکی ہے اور تیسری گزرتے ہی کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"اس سے پہلے وہ بریف کیس ہمارے پاس آچکا ہوگا۔ ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

وہ حلق پھاڑ کے ہنسا "ہاتھ لمبے ہیں تو پھر مجھے کہانیاں کیوں سنا رہے ہو....؟ وہ بریف کیس اب تک تمہارے قبضے میں کیوں نہیں آیا....؟ نرگس اور نسرین باجی تمہیں اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی۔"

اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر نسرین سے اپنا بریف کیس واپس لے کر ہمارے حوالے کر دے گا۔ اس نے میرے اس شبے کی تصدیق کر دی تھی کہ اکرم الٰہی کی فائل اسی بریف کیس میں تھی لیکن میرا یہ خیال باطل ثابت ہوا تھا کہ اس بریف کیس میں صرف فائل ہی تھی۔

اس نے اپنے کسی برے انجام کے پیشِ نظر اکرم الٰہی اور فورڈ فاؤنڈیشن کی ساکھ کی تباہی کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ نسرین ایک حریص اور بدکردار عورت تھی۔ نیا کے مطابق وہ پہلے ہی مقبول چوہدری کے بریف کیس پر دانت لگائے بیٹھی تھی۔

یہ پتا نہیں تھا کہ مقبول نے رقم اور فائل کے بارے میں نسرین کو زبانی کچھ بتایا تھا یا پھر اس بارے میں بریف کیس ہی میں کوئی ہدایت نامہ رکھا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس نے میرے ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔

دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہوتی، وہ حریص عورت بریف کیس ضرور کھولتی اور پھر رقم اپنی تحویل میں لے کر شاید وہی کر گزرتی جو مقبول چوہدری چاہتا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے بریف کیس حاصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

○☆○

اکرم الٰہی اور مقبول، دونوں ہی ملک و قوم کے کھلے غدار تھے اور انہیں اس سرزمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا جس سے وہ نمک حرامی کر رہے تھے۔ میں نے اسٹیشن فور سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اول خان اور غزالہ سے اس بارے

♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣

مجبوریاں، پریشانی

امریکا سے واپسی پر اقلیم صاحب کا سامان کچھ زیادہ ہو گیا اور انہیں ایک فاضل سوٹ کیس کی ضرورت پڑ گئی۔ بازار جانے کا وقت نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے امریکی میزبان سے ایک سوٹ کیس مستعار لے لیا۔

ائرپورٹ پر چیکنگ کے دوران میں نہ جانے کیوں ایک کسٹم آفیسر کو وہی سوٹ کیس کچھ مشکوک لگا۔ اس نے نہ صرف تفصیلی تلاشی لی بلکہ ایک تربیت یافتہ کتا بھی منگا لیا۔ کتا آتے ہی سیدھا اس سوٹ کیس کی طرف گیا اور پاگلوں کی طرح اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے بری طرح بھونکنے لگا۔ کسٹم والوں نے ایک بار پھر بہت اچھی طرح چیک کیا مگر کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔

پاکستان پہنچ کر اقلیم صاحب نے اپنے امریکی میزبان کو فون کر کے تمام صورتِ حال بتاتے ہوئے کہا "تمہارے سوٹ کیس نے تو بہت شرمندہ کرایا۔ آخر کتا اسے سونگھ سونگھ کر پاگل کیوں ہوا جا رہا تھا؟"

"اوہ....!" امریکی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "ہم آپ کو بتانا بھول ہی گئے تھے کہ اس سوٹ کیس میں ہماری بلی سوتی تھی۔"

←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←

میں مشورہ کیا تھا اور وہ دونوں میرے ہم خیال تھے۔

ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کا کام ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ بھی آسانی سے انجام دے سکتا تھا۔ وہ ذمے داری اول خان کے سر ڈال کر میں غزالہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا اور اول خان بھی ہمارے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

میں بریف کیس کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ نیما ایک جلد باز اور جذباتی لڑکی تھی۔ میں آسانی سے اپنی باتوں کا جادو چلا کر اس کے ذریعے بریف کیس نکلوا سکتا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اناڑی لڑکی اپنی ذات کو ہر شک و شبہے سے دور رکھنے میں کامیاب ہو جاتی۔

جوں ہی نسرین پر بریف کیس غائب ہونے کا انکشاف ہوتا، اس چار دیواری میں اپنا وقت گزارنے والی لڑکیاں عتاب میں آجاتیں۔ نسرین ایک پورے گروہ کی سربراہ تھی۔ اس کے سامنے نیما زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتی تھی۔ وہ بریف کیس میرے حوالے کرنے کے بعد ان کا سامنا کرتی تو تشدّد کے نتیجے میں سب کچھ اگل دیتی اور اگر بریف کیس کے ساتھ خود بھی غائب ہو جاتی تو نسرین کو کسی سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ فوری طور پر نیما کی تلاش شروع کر دی جاتی۔

معاملہ صرف نیما کی ذات کا ہوتا تو اسے کوئی معقول رقم دے کر کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ کیا جا سکتا تھا جہاں وہ نسرین اور اس کے غنڈوں کی دست برد سے محفوظ رہتی لیکن اس کے ساتھ اس کے ماں، بھائی اور بہنوں کا بھی مسئلہ تھا۔ نیما کا سراغ نہ ملنے کی صورت میں نسرین اپنے آدمیوں یا شناسا افسروں کے ذریعے ان سب کا جینا حرام کر دیتی۔

میں سارے راستے اس مسئلے میں الجھا رہا۔ نیما گھر کی بھیدی ہوتے ہوئے بھی میرے لیے کارآمد نہیں تھی۔ اسے استعمال کرنے کے نتیجے میں جو حالات رونما ہوتے، وہ مجھے زندگی بھر ضمیر کی ملامت میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی ہوتے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ کام ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا چاہیے۔

نسرین کے گھر کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں کی تمام تر رونق اور رنگینی اندھیرا ہونے کے بعد پروان چڑھتی ہو گی دن کے اجالے میں وہ سب اپنے بے روپ چہرے چادروں میں لپیٹ کر اپنے اپنے کونوں کھدروں میں پڑی سوتی رہتی ہوں گی۔

نیما نے مجھ سے کسی اور کا ذکر نہیں کیا تھا مگر نسرین اور اس کی دو بیٹیوں کے بارے میں یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ تینوں اسی گھر میں رہتی تھیں۔ اپنے گھروں میں کہیں نہ کہیں ملازمت کا بہانہ کر کے نسرین کے اشاروں پر ناچنے والی دوسری لڑکیاں شام کے مقررہ اوقات میں وہاں آتی تھیں اور وقت گزار کر رات گئے یا منہ اندھیرے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔

ان کلیدی نکات کی روشنی میں نسرین کے گھر دھاوا بولنے کے لیے صبح کا وقت ہی بہترین تھا۔ نو بجے کے بعد اس علاقے کے بیشتر مرد اپنی ملازمتوں یا کاروبار کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے ہوتے۔ چند اجنبی نسرین کے گھر پہنچتے تو محلّے میں کسی کو شبہ نہ ہوتا کیونکہ اس گھر میں اجنبیوں کی آمدورفت ایک معمول کا درجہ رکھتی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اراکین ایسی مہمات میں عام طور پر سادہ، شہری لباس ہی استعمال کرتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر کی وضع قطع ایسی تھی کہ مسلح حالت میں ان پر فوجیوں کا گمان ہوتا تھا۔

حسن اسکوائر سے ذرا پہلے تک ہمارا اور اول خان کا راستہ ایک ہی تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر غزالہ سے باتیں کرتا ہوا آگے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اول خان میرے پیچھے آرہا تھا۔ صبح کی کارروائی کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے انڈیکیٹر اور ہاتھ کا اشارہ دے کر اول خان کو اپنے پیچھے، سڑک کے کنارے رکنے کا اشارہ دیا اور بتدریج گاڑی روک دی۔

اول خان کو شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ وہ انجن بند کرتے ہی فکرمندانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا مگر میں اسی اثنا میں اپنی گاڑی سے اتر چکا تھا۔

"کیا ہوا...؟ خیریت تو ہے؟" اس نے اسٹریٹ لیمپس کی ملگجی روشنی میں میرے لبوں کی مسکراہٹ دیکھے بغیر سوال کیا۔

"سب ٹھیک ہے۔ تم نے میری تھوڑی سی رات کالی کی ہے تو میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ تمہارا دن خراب کروں۔ بریف کیس کے لیے ہمیں صبح ہی کارروائی کی تیاری کرنی پڑے گی۔"

"تم جس وقت اور جہاں چاہو، ملاقات ہو سکتی ہے۔" اس نے کسی عذر کے بغیر کہا۔

"یہ کام تمہارے آدمی ہی کر سکتے ہیں۔ میرے یا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں پھر بھی میں نے تمہارے

تین آدمیوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سبب یہ ہے کہ وہ گھر کسی حد تک میرا دیکھا بھالا ہے۔ تلاشی میں ذرا سی سہولت رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے نیما کے فون کا انتظار کرنے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔"

میں نے سرہلا کر اس کے اندازے کی تائید کی اور پھر اختصار سے اسے اپنے فیصلے کی وجوہ سے آگاہ کرنے لگا۔

ایک پروگرام طے کرکے ہم دوبارہ چل پڑے۔ میں نے گاڑی بائیں جانب موڑلی۔ اول خان جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر کے لیے یونیورسٹی روڈ پر سیدھا نکلتا چلا گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے اس بات پر اطمینان کا سانس لیا کہ فضا خوشگوار تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان دور دور تک تکدر کے ذرا بھی آثار نہیں تھے۔ وہ دونوں ٹیلی وژن کھولے' ہمارے انتظار میں پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اسٹیشن فور پر جو کچھ ہوا' وہ کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ میری طرح ان دونوں کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ بے بسی کے احساس میں پوری طرح گھر جانے کے باوجود مقبول چوہدری نے فائل کے بارے میں اپنی زبان کیوں نہیں کھولی۔

ڈھانچے اور ساخت میں بنیادی مماثلت کے باوجود ہر انسان اپنے مزاج اور ذہنی ساخت میں دوسروں سے اتنا مختلف ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حتمی طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی بھی لمحے اپنے مقابل کو چونکانے یا متحیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مقبول چوہدری نے اپنے رویے سے اس اصول کی توثیق کی تھی جبکہ اکرم الٰہی اس کے برعکس ثابت ہوا تھا۔

اگلی صبح نو بجے اول خان کے تین آدمی اس کی لینڈ روور میں ہمارے دروازے پر آپہنچے۔ اس مہم میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں تھوڑی دیر بعد تیار ہوکر ان کے ساتھ ہولیا۔

اول خان نے اپنے تینوں آدمیوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا تھا۔ ان کے جثے اور چہرے مہرے واقعی مرعوب کن تھے۔ ان پر پہلی نگاہ پڑنے کے بعد یہ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی کہ وہ کس ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔

لینڈ روور کی نمبر پلیٹ بھی بدلی ہوئی تھی۔ اصلی نمبر پلیٹ کی جگہ نیا شہری نمبر نظر آرہا تھا۔ نمبر پلیٹ کے اوپری حصے پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ میں نے فوجی نمبر پلیٹ والی گاڑیوں پر ایسے ڈھکے ہوئے حصے دیکھے تھے جن پر شاید ستارے بنے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے اس گاڑی میں کس رتبے کا حاضر سروس جرنیل سفر کررہا ہے۔

عام سی شہری نمبر پلیٹ کے ساتھ وہ غلافی حصہ نامانوس ہونے کے باوجود مرعوب کن تھا۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ والی نشست سنبھال لی اور گاڑی برق رفتاری کے ساتھ نئی مہم پر روانہ ہوگئی۔

غریب آباد کی طرف سے موڑ کاٹ کر شریف آباد میں نسرین کے مکان تک پہنچنے کے لیے خاصی گنجان آبادی سے گزرنا پڑتا تھا جبکہ دوسری طرف سے اتنی زیادہ آبادی نہیں پڑتی تھی۔ میں نے دانستہ پہلا راستہ لیا اور آبادی والے علاقوں میں ہلکی سی ویرانی دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اس کام کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کیا تھا۔

نہ صرف مرد روزگار کے سلسلے میں نکلے ہوئے تھے بلکہ بچے بچیاں بھی اسکولوں اور کالجوں کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔ ایسے میں نسرین کے محلے داروں یا پڑوسیوں کی طرف سے کسی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

لینڈ روور سبک رفتاری سے سفر طے کرتی ہوئی نسرین کے گھر کے سامنے رکی اور ہم چاروں پھرتی سے اپنے اپنے دروازے کھول کر نیچے اتر گئے۔ گھنٹی بجانے سے پہلے ہی کسی نے آہنی دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور دروازہ فوراً بند کرلیا۔ میں چاہتا تو اسی لمحے پھاٹک کا وہ ذیلی پٹ دھکیل کر اندر گھس سکتا تھا مگر میں نے کال بیل بجانے کو ترجیح دی۔

اس وقت تک ہم چاروں کے ہاتھ خالی تھے لیکن پوشیدہ ہولسٹرز میں بھرے ہوئے آتشیں ہتھیار بالکل تیار تھے۔

آپ میری مجبوری کو سمجھ نہیں رہے ہیں

گونگے بہروں کے اسکول میں اشاروں کی زبان سکھانے والی ایک ٹیچر قدرے عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں تیز تیز چلتی ہوئی اسکول میں داخل ہوئیں۔ وہ لیٹ ہوچکی تھیں۔ ان کے دونوں بازوؤں پر بہت سی موٹی موٹی کتابیں لدی ہوئی تھیں۔

پرنسپل نے دور سے اشاروں کی زبان میں ان سے پوچھا "آج آپ بہت لیٹ آئی ہیں۔"

وہ بہ آواز بلند بولیں "میں اس وقت آپ کو جواب نہیں دے سکتی۔ میرے دونوں بازوؤں پر کتابیں ہیں۔"

بے روپ چہرے اور اڑی اڑی سی رنگت والی ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ ہم چاروں اور ہمارے عقب میں کھڑی ہوئی لینڈ روور پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور ہونٹ خشک ہو گئے۔

میں اس گھر میں صرف نیما سے ملا تھا' نسرین سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ میں نے نیما کی زبانی اس کا نام سنا تھا۔ میں نے اندازہ لگاتے ہوئے اس سے کہا "ہمیں نسرین سے ملنا ہے۔"

"مم.... میں.... ہی.... نس.... نسرین ہوں۔" اپنے چپکتے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے وہ بمشکل کہہ سکی۔

"اندر چلو۔ ہمیں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہمیں معلوم ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا "ہمیں شکایتیں ملی ہیں کہ سر شام سے اس گھر میں اجنبی مردوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔"

میری زبان سے وہ دو ٹوک الفاظ سن کر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں راستہ چھوڑ دیا۔

وہ کتنی بھی گئی گزری تھی مگر اسے یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں گلی میں کھڑے ہو کر تبادلہ خیال کیا جائے۔ اپنے گھر کی بات وہ گھر کی حدود میں ہی طے کرنا چاہتی تھی۔

وہ سیدھی اپنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو باہر' احاطے میں ہی رکے رہنے کی ہدایت کی اور نسرین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ محلے والے تم سے کتنے بدظن ہیں" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی بات چھیڑ دی "تھانے میں تمہاری شکایتیں آتی ہیں اور دبا دی جاتی ہیں۔ شرفا اپنی عزت کی وجہ سے کھل کر تمہارے سامنے نہیں آتے مگر اب بات بگڑ گئی ہے۔"

"محلے والے بلاوجہ ہمارے دشمن ہیں صاحب!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر' ہکلاتے ہوئے خوشامد پر اتر آئی "کئی بدمعاش میری بیٹیوں پر بُری نظر رکھتے ہیں۔ ہم ماں بیٹیوں کو بدنام کرنے کے لیے وہ ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے رہتے ہوں گے.... آپ تھانے والوں سے پوچھ لیں۔ انہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ ہم تو ہر افسر کی عزت اور خدمت کرتے ہیں۔"

میں نے اس کے آخری اور ذومعنی فقرے کی گرفت کرنے کے لیے کہا "مقبول چوہدری نے تمہیں اس سے بھی بڑے چکر میں پھنسا دیا ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو اس کا رکھوایا ہوا بریف کیس لے آؤ۔ ہم خاموشی سے واپس لوٹ جائیں گے۔"

"وہ.... وہ تو اس کی امانت ہے" اس نے مزاحمت کی مگر وہ بریف کیس کی موجودگی سے انکار نہیں کر سکی۔

"لالچ میں مت پڑو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بریف کیس میں تھوڑی سی رقم کے ساتھ صرف کاغذ بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی خزانہ نہیں ہے جو تمہاری زندگی بدل سکے۔"

"کاغذ ہیں!" اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں "وہ تو اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز بتا رہا تھا۔"

"ان کاغذوں کی اہمیت ہمارے لیے ہے یا اس کے لیے تھی۔ وہ غدار اور جاسوس ہے۔ تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تو ہم اس گھر کی تلاشی لے کر وہ بریف کیس ڈھونڈ لیں گے اور تم اندر ہو جاؤ گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غداری اور جاسوسی کے الزامات نے اس پر براہِ راست اور گہرا اثر کیا تھا۔

"آپ یہیں بیٹھیں۔ میں بریف کیس لے کر آتی ہوں" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا اور اندر چلی گئی۔

مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھیوں نے اس دوران میں گھر سے نکاسی کا ہر راستہ مسدود کر دیا ہو گا۔ اگر نسرین بریف کیس لے کر بھاگنے کی کوشش کرتی تو ایس ٹی ایف والے اسے ناکام بنا دیتے۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی لیکن نسرین میری توقع سے پہلے ہی لوٹ آئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں قیمتی برانڈ کا سیاہ بریف کیس جھول رہا تھا۔

نسرین نے بریف کیس کے بارے میں میری باتیں سن لی تھیں پھر بھی اس کی جان اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا اور بولی۔ "مقبول آیا تو میں اس سے کیا کہوں گی۔"

"وہ اب ہمارا مہمان ہے۔ زندگی بھر تمہارا رخ نہیں کر سکے گا" میں نے اسے یقین دلایا۔

نسرین نے بریف کیس میرے حوالے کر دیا تھا مگر حسرت

بھری حریصانہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے محرومی کے بعد وہ ہر ایک سے روتی گاتی رہے گی کہ کچھ افسروں نے اسے ایک بھرے خزانے سے محروم کردیا۔ اس سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن ہماری غیر حقیقی فوجی شناخت کے حوالے سے ایک بے بنیاد کہانی پھیل سکتی تھی۔

میں نے بریف کیس نسرین کے سامنے کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ اس طرح آگے بڑھ آئی کہ بریف کیس کھلتے ہی اس کا اندرونی جائزہ لے سکے۔

بریف کیس مقفل تھا۔ میں نے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا تو نسرین سہم گئی۔ میں نے احتیاط سے چیمبر خالی کر کے گولیاں اپنی جیب میں ڈالیں اور خالی ریوالور کے آہنی دستے کی ضربات سے یکے بعد دیگرے دونوں تالے توڑ دیے۔

سب سے اوپر ایک کاغذ پر نسرین کے لیے من و عن وہی ہدایات درج تھیں جو مقبول چوہدری مجھے بتا چکا تھا۔ میں نے جلی حروف میں لکھا ہوا' وہ کھلا ورق تہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے نیچے ہزار روپے کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی اور پانچ سو کی دو گڈیاں موجود تھیں۔ اگر ان تینوں گڈیوں میں نوٹ پورے تھے تو وہ کل رقم دو لاکھ روپے بنتی تھی۔

گڈیوں کے نیچے بڑے سائز کا ایک لفافہ تھا جس میں ہماری مطلوبہ فائل موجود تھی۔ فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کے متعدد لیٹر ہیڈز اور ان پر مطبوعہ پیغامات موجود تھے۔ کئی لمبے ٹیلیکس پیغام بھی تھے۔ میں نے فائل دوبارہ لفافے میں رکھ لی۔

"اس میں تو کاغذوں کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی ہیں" نسرین نے اپنی ہتھیلیاں ملتے ہوئے کہا "آپ کو کاغذوں کی تلاش تھی۔ مجھے اپنی بچیوں کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ آپ مجھ پر رحم کریں تو ہم دونوں کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔"

میں نے خفگی سے اسے گھورا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف اچھال کر کہا "یہ رکھ لو اور اب بھول جانا کہ مقبول نے تمہیں کوئی بریف کیس دیا تھا۔"

بقیہ دونوں گڈیاں بھی میں نے فائل والے لفافے میں ڈالیں اور شکستہ بریف کیس وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

مفت میں پچاس ہزار روپے ہاتھ آجانے پر نسرین بہت خوش تھی۔ ہماری آمد پر اسے جس خوف اور دہشت سے گزرنا پڑا تھا' وہ سرے سے غائب ہو چکی تھی۔

اس نے دروازے پر ہمیں ایسے تپاک سے رخصت [illegible] جیسے اپنے قریبی رشتے داروں کو الوداع کہہ رہی ہو۔

○☆○

اس فائل میں کل چھتیس کاغذ تھے جو تاریخوں [illegible] حساب سے ترتیب وار لگے ہوئے تھے۔ آخری کاغذ کی تا[illegible] تقریباً چھ ماہ پرانی تھی اور وہ ساری پیغام رسانی کم و بیش [illegible] سال کے عرصے پر محیط تھی۔

ایس ٹی ایف والوں نے واپسی پر مجھے گھر پر اتارا تو [illegible] خان کی دوسری گاڑی باہر موجود تھی۔ وہ اپنے دفتر جانے [illegible] بجائے میری کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے وہاں آگیا تھا۔

ان کاغذوں کو پنسل سے ترتیب وار نمبر ڈال کر ہم [illegible] آپس میں بانٹ لیا۔

اکرم الٰہی نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے جو مواد اکٹھ[illegible] تھا۔ وہ ہمارے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ فورڈ فاؤنڈی[illegible] والے خود پس پردہ رہ کر فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے پاکس[illegible] کے قومی مسائل میں کھل کر مداخلت کر رہے تھے۔ ان [illegible] بھیجے ہوئے پیغامات میں کام اور موضوعات کی نشان دہی [illegible] ساتھ ساتھ ان افراد کے نام بھی موجود تھے جن کو مقامی [illegible] حمایت اور پشت پناہی فراہم کی جاتی تو وہ سنگین مسا[illegible] کھڑے کر سکتے تھے۔ ان میں سے بعض نام اخباری سرخی[illegible] کی زینت بن چکے تھے۔

وہ چھتیس فیکس اور ٹیلیکس پیغامات یہ ثابت کرنے [illegible] لیے کافی سے زیادہ تھے کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق' آزا[illegible] اظہار اور باہمی رواداری جیسے دل خوش کن نعرے لگا[illegible] والی فورڈ فاؤنڈیشن پاکستان میں علاقائی اور لسانی عصبیتو[illegible] پروان چڑھانے کی سازشیں کر رہی تھی۔ بات یہیں پر [illegible] نہیں ہو جاتی تھی بلکہ تین مختلف پیغامات میں ایک ایسا [illegible] مشترک تھا جس سے تعاون پر گہرا زور دیا گیا تھا۔

وہ نام مراد ظریف کا تھا۔ اپنی لفظی ترکیب سے وہ [illegible] مقامی مسلمان کا نام معلوم ہوتا تھا۔ پیغامات میں کہیں اس [illegible] کوئی پتا یا فون نمبر موجود نہیں تھا۔ بس پہلے پیغام میں یہ [illegible] تھا کہ باقی تفصیلات فون پر بتا دی جائیں گی جب کہ ان چھت[illegible] کاغذوں میں گاہے گاہے نظر آنے والے ناموں کے بار[illegible] میں ایسی رازداری سے کام نہیں لیا گیا تھا۔

ہر نام کے ساتھ اس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ [illegible] رابطے کا مقصد بھی درج تھا لیکن مراد ظریف بس ایک [illegible] تھا۔ سراغ کے علاوہ یہ تذکرہ بھی نہیں تھا کہ وہ فو[illegible]

فاؤنڈیشن والوں کے لیے کام کیا کر رہا تھا۔ تین پیغامات میں اس کے نام کی تکرار سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شخص فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ ان تین میں سے آخری پیغام اس فائل کا بھی آخری پیغام تھا جو چھ ماہ پرانا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جب فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی نیت پر شبہ ہوا اور اس نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کیا تو مراد ظریف، اکرم الٰہی سے سرگرم اور گہرے رابطے میں آچکا تھا۔

خدا خدا کر کے اکرم الٰہی کی فائل کا صبر آزما مسئلہ حل ہوا تو مراد ظریف کا نام ایک بڑا سوالیہ نشان بن کر سامنے آچکا تھا۔

اکرم الٰہی نے جو کچھ کیا، بہت قرینے سے کیا تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں پر اچھا خاصا قرطاس ابیض تیار کر کے رکھ دیا تھا۔ اس سے ایک طرف فاؤنڈیشن کے عزائم بے نقاب ہوئے تھے تو دوسری طرف یہ بات سامنے آئی تھی کہ مقامی این جی اوز کس طرح اور کس حد تک غیر ملکی مفادات سے وابستہ ہو کر پاکستان کے خلاف کام کر رہے تھے۔

"فورڈ فاؤنڈیشن امریکا میں قائم ایک بین الاقوامی این جی او یا غیر سرکاری ادارہ ہے۔ ہم اس فائل سے اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟" سلطان شاہ نے کافی دیر تک کاغذوں پر مغزماری کے بعد پوچھا۔

"تم دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ان کاغذوں کی ایک نقل اسلام آباد بھیجوں گا اور پھر یہ دستاویزات مغربی پریس کو جاری کی جائیں گی۔ ان لوگوں کو ذرا سا بھی سراغ مل جائے تو وہ اندر تک بخیے ادھیڑ ڈالتے ہیں" اول خان نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا "تازہ واقعات کے بعد فاؤنڈیشن والوں کا اسکینڈل امریکیوں کے لیے مزید شرمندگی کا باعث بنے گا۔"

"انہیں کتنی شرم دلاؤ گے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا "امریکی بہت بے شرم ہوتے ہیں، تمہاری طرح نہیں ہوتے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرم سے لال گلابی ہو کر زمین میں گڑ جائیں۔"

"اوہ.... میرے خدا؟" اول نے اچانک ہی میز پر سے موبائل فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"کیا ہوا؟ تم ایک دم کیوں پریشان ہو گئے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اکرم اور مقبول" اول خان نے نمبر ملاتے ہوئے عجلت میں جواب دیا "میں نے حامد کو ان کے ڈسپوزل کے لیے کہہ دیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو۔"

مختصر مختصر

● اس کی بھویں مصنوعی ہیں، پلکیں مصنوعی ہیں، ناک کا تیکھا پن سرجری کا مرہون منت ہے.... صرف جھریاں اس کی اپنی ہیں۔

● ایک امریکی کا مطالبہ۔

"خطرناک سائنسی تجربات میں آئندہ چوہوں کی جگہ سیاست دانوں کو استعمال کیا جائے۔"

● ایک صاحب بیک وقت جانوروں کے ڈاکٹر بھی تھے اور جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر انہیں محفوظ کرنے کا کام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔

"دونوں صورتوں میں آپ کا جانور آپ کو واپس مل جائے گا۔"

● ایک گاڑی کے پیچھے ایک اسٹکر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

"اگر آپ یہ پڑھ سکتے ہیں تو پھر آپ یقیناً بس ڈرائیور نہیں ہیں۔"

● فوج میں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ "یہ کام ابھی کرنا ہے" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

○☆○

● "میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ مجھے یہ مضمون لکھنا چاہیے یا نہیں۔ اخبار والے مجھ سے یہ مضمون لکھوانے کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔"

"مضمون کا عنوان کیا ہے؟"

"اپنی قوت فیصلہ بڑھائیے۔"

○☆○

● مچھلی کا شکار بہت عمدہ مشغلہ ہے.... لیکن بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مچھلی پکڑی کیسے جائے۔

● "اپنا رپورٹ کارڈ دکھاؤ۔"

"وہ تو میرا دوست مانگ کر لے گیا ہے۔ وہ اپنے ڈیڈی کو ڈرانا چاہتا ہے۔"

اول خان کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا۔ اس نے لائن پر آنے والے کو ہدایت کی کہ وہ حامد کو بلادے۔

"انہیں اوّل و آخر مرنا ہی تھا!" ویرا نے اس دوران میں حیرت سے کہا "اول خان کو یکایک ان کی زندگی کی فکر کیوں لاحق ہو گئی؟"

"وہ کل رات کا فیصلہ تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ایک نئی بات سامنے آئی ہے" غزالہ بولی۔

"ایک نہیں، کئی نئی باتیں سامنے آئی ہیں" ویرا نے سرہلا کر غزالہ کی تائید کی پھر پوچھا "ان باتوں کا اکرم اور مقبول سے کیا تعلق ہے؟"

دوسری طرف حامد لائن پر آگیا تھا اور اول خان اس سے بات کر رہا تھا۔

غزالہ بولی "اس وقت مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

میرے کان بیک وقت دونوں طرف لگے ہوئے تھے۔ اول خان کی متاسفانہ آواز سنتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ حامد نے اپنے فرض کی ادائیگی میں تاخیر کیے بغیر اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"صرف چند منٹ کی دیر ہوئی ہے" اول خان فون بند کر کے افسوس سے بولا "میں نے وہ مسئلہ سامنے آتے ہی فون کرلیا ہوتا تو دونوں بچ سکتے تھے۔ حامد انہیں شوٹ کر کے میری کال سننے آیا تھا۔"

"ان کی زندگی اتنی ہی تھی، اب انہیں بھول جاؤ" ویرا بولی "جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی کو طول نہیں دے سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ ذرا سی مہلت ملنے پر وہ کوئی اور فساد کھڑا کر دیتے۔"

"نام سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟" اول خان نے سوچتے ہوئے سوال کیا "مراد ظریف جیسے نام کس علاقے میں پائے جاتے ہیں؟"

"نام سے علاقے کے تعین کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی" میں نے مایوسی سے کہا "پورے پاکستان کے شہری علاقوں میں نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔ صرف سرحد کا معاملہ ذرا مختلف ہو سکتا ہے مگر وہاں بھی ملے جلے نام ہوتے ہیں۔ جھنڈا خان اور تازہ گل کے ساتھ مراد ظریف اور انور کمال بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ذرا محنت طلب نظر آتا ہے۔"

"تم اپنی نگرانی میں احتیاط سے ان کاغذوں کی فوٹو کاپیوں کے دو سیٹ بنوالاؤ" اول خان نے کاغذوں کا وہ پلندا فائل میں سمیٹ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نئی پہیلی پر کچھ مغزماری کرتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اٹھتے ہوئے کہا "بند کمرے میں اگر دروازہ چھوڑ کر دیواروں پر زور آزمائی کی جائے تو نکاس کی راہ پیدا ہونے کے بجائے آدمی خود ہلکان ہو جاتا ہے۔"

"اوہ...!" ویرا نے اوہ کو طول دے کر حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "تم نے تو اچھی خاصی افلاطونی بات کہہ ڈالی۔ حیرت ہے کہ تمہاری یہ صلاحیت ابھی تک کسی خفیہ اور پوشیدہ مرض کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔"

"تمہیں اس بند کمرے میں کون سا دروازہ نظر آرہا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"اگر مراد ظریف کی کوئی اہمیت تھی تو تمہیں مائیکرو سینٹر جانا چاہیے..."

ویرا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اچک لی اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی "ہو سکتا ہے کہ مراد ظریف کسی کونے کھدرے میں دبکا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہو۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر جھلاّہٹ کی علامات عود کر آئیں۔ میری استفسار طلب نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس کا پتا یا کم از کم فون نمبر ان دونوں میں سے کسی نہ کسی کی ڈائری میں درج ہونا چاہیے" آخرکار سلطان شاہ کو اپنا جواب مکمل کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ اس نے بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ یوں ہوتا ہے کہ بعض اوقات آدمی کسی مسئلے میں الجھ کر نہایت پیچیدہ اور دور از کار جہتوں میں سوچنا شروع کر دیتا ہے اور بالکل سامنے کی بات کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ یہی ہو رہا تھا مگر سلطان شاہ نے سب کو دوبارہ پٹڑی پر لا ڈالا تھا۔

سلطان شاہ فوٹو کاپیاں کرانے چلا گیا۔ اس کی بات اول خان کے دل کو ایسی لگی کہ وہ اسی وقت مائیکرو سینٹر روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کبھی کبھی میں بھیڑ میں بیٹھ کر بات کرتے ہوئے الجھ جاتا ہوں" اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اول خان نے آسودہ لہجے میں "مگر دیکھ لو کہ آپس کے مشورے کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہو گا کہ سلطان شاہ سنجیدہ تھا مگر

ویرا اس کی ٹانگ کھینچنے پر تلی ہوئی تھی۔"

"جہاں چار آدمی یک جا ہوں وہاں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ ویرا اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ خوش اور چاق و چوبند رہنے کے لیے اسے اپنے سامنے ہر وقت ایک ٹارگٹ کی ضرورت ہوتی ہے" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

مائیکرو سینٹر سے اکرم الٰہی کے خفیہ فرار اور پھر ویرا کے ہاتھوں دوبارہ گرفتاری کے بعد وہ عمارت ویران ہوگئی تھی۔ اس میں باہر سے داخلے کا کوئی راستہ غیر مقفل نہیں تھا لیکن چھت کے راستے اندر اترا جا سکتا تھا۔ حامد نے اسی راستے سے اپنے آدمی اندر اتار کر مائیکرو سینٹر میں بٹھا دیے تھے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے ہم آسانی سے عمارت میں داخل ہو سکتے تھے۔

اول خان نے اپنی گاڑی عمارت سے کچھ دور چھوڑ دی۔ ہم دونوں درمیانی فاصلہ طے کر کے عمارت کی پشت پر پہنچے تو بلٹ پروف شیشے کے پیچھے اول خان کا ایک آدمی کرسی پر براجمان تھا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی اس نے وزنی آہنی دروازہ کھول کر اول خان کو تعظیم پیش کی مگر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی گھبراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے دلیر خان!" اول خان نے نرمی سے سوال کر کے اس کا حوصلہ بڑھایا "تم پریشان نظر آرہے ہو؟"

"صاب! بوت پریشانی کا بات ہے" دلیر خان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ام بیس دفعہ نیچے اوپر گیا مگر اکبر علی غائب ہے۔ آدھے گھنٹے سے ام پریشان ہے۔"

اول خان کے ساتھ میں بھی چکرا کر رہ گیا "چھت کا دروازہ بند ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"سب بالکل بند ہے۔ ام نیچے آیا تو وہ آرام کرنے کا واسطے اوپر گیا پھر غائب ہوگیا" دلیر خان کی بے چارگی قابلِ رحم تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ام نیچے اوپر سب دیکھا' آواز دیا... مالوم نئیں پڑتا وہ کدر گیا؟"

"وہ کہاں جا سکتا ہے؟" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور خود ہی بول پڑا "اوہ... وہ لفٹ سے آنے کے چکر میں تہ خانے میں نہ پہنچ گیا ہو... مگر آدھے گھنٹے سے وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

اسی دوران میں میری بے چین نظریں اپنا جائزہ مکمل کر چکی تھیں۔ لفٹ کی روشنیوں سمیت ہر چیز گل تھی۔ حد یہ تھی کہ قدرے گرمی ہونے کے باوجود پنکھا تک نہیں چل

* * * * * * * * * * * * * * * * * * *

سوالاً جواباً

✧ "اب جبکہ تم دولت مند ہو چکے ہو... تمہیں غربت کے زمانے کے دوست پریشان تو نہیں کرتے؟"

"جب میں غریب تھا تو میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا۔"

✧ "یہ پرانا گراموفون ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا؟"

"یہ گراموفون نہیں پاپا! یہ تو ممی نے آپ کی سالگرہ کے لیے کیک تیار کیا ہے۔"

✧ "اس اسامی کے لیے ہمیں ایک مضبوط اور طاقتور آدمی کی ضرورت ہے۔ کیا آپ خود کو مضبوط اور طاقتور سمجھتے ہیں؟"

"سر! باہر دوسرے جو دس امیدوار انٹرویو کے لیے آئے ہوئے تھے انہیں میں نے ہی اٹھا کر باہر پھینکا ہے۔ میرے مضبوط اور طاقتور ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

○☆○

☆ .... "بیٹا! تم نہانے میں ایک گھنٹا لگا دیتے ہو.... کھانے میں ایک گھنٹا لگا دیتے ہو.... اسکول ایک گھنٹے میں پہنچتے ہو۔ کوئی ایسا کام بھی ہے جس میں تمہیں صرف پانچ منٹ لگتے ہوں؟"

☆ .... "جی ہاں.... پڑھائی۔"

○☆○

☆ .... "کاہلی کا علاج کیا ہے؟"

☆ .... "بہت آسان.... ذرا میری چھڑی پکڑانا..."

○☆○

☆ .... "اگر میرے پاس یہ ساری دولت نہ رہے.... کیا تب بھی تم مجھ سے محبت کرتی رہوگی؟"

☆ .... "ہاں.... اور میں تمہیں یاد بھی کیا کروں گی۔"

○☆○

* * * * * * * * * * * * * * * * *

رہا تھا۔ میں نے دلیر خان سے پوچھا "بجلی کب سے گئی ہوئی ہے؟"

"یہ پہلے سے گیا ہوا ہے۔ ادر گرمی تھا۔ ام اکبر علی سے نسوار لینے اوپر گیا، وہ غائب تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اول خان کو دلاسا دیا "میرا خیال ہے کہ وہ نیچے پھنسا ہوا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ادھر وہ نیچے گیا اور ادھر بجلی چلی گئی۔ جنریٹر چلا کر ابھی دیکھے لیتے ہیں۔"

سسٹم میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر اسے سمجھنے میں مجھے ذرا سا وقت صرف ہوا۔ جنریٹر چل جانے کے بعد جوں ہی بجلی بحال ہوئی، چند ثانیوں بعد لفٹ اندھے تہ خانے سے گراؤنڈ فلور پر آگئی۔ دروازہ کھلا اور اکبر علی نے باہر آتے ہی اول خان کو دیکھا اور تپاک سے سیلوٹ پیش کردیا۔ وہ دلیر خان کی طرح زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"تم تہ خانے میں کیوں گئے تھے؟" اول خان نے ناراضی سے سوال کیا۔

"صاب! غلطی سے آخری بٹن دبادیا تھا۔ دروازہ کھلا تو وہ نئی جگہ تھی۔ پھر ہر طرف اندھیرا ہوگیا۔ میں نے ایک ایک کرکے سارے بٹن دبائے لیکن لفٹ ٹس سے مس نہ ہوئی" اکبر علی نے معصومیت سے بتایا۔

وہ پہاڑوں اور ویرانوں میں بسیرا کرکے بے جگری سے دشمن کے سر اتار لینے والے بے لوث سپاہی تھے، شہری زندگی کے جھمیلوں سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اول خان نے اسے مزید کوئی سرزنش نہیں کی کیونکہ وہ سراسر بے قصور تھا۔ دلیر خان اپنے ساتھی کو صحیح سلامت دیکھ کر خوش نظر آنے لگا تھا۔

ہم دونوں لفٹ سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اکرم الٰہی کی خواب گاہ تھی۔ اسے معزول کرنے کے بعد مقبول نے بھی اپنا فلور چھوڑ کر اسی کمرے پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔

کمرے میں ٹیلی فون کی دو ڈائریاں تھیں۔ ایک زیادہ پرانی تھی جس میں نمبروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ دوسری نسبتاً نئی معلوم ہورہی تھی۔ ہمارے پاس ان دونوں کے انداز تحریر کا کوئی موازنہ نہیں تھا جس کی بنا پر ڈائریوں کی ملکیت کا تعین کیا جاسکتا۔ ہم نے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پرانی ڈائری اکرم الٰہی کی ہونی چاہیے تھی۔

اس ڈائری میں ہمیں مراد ظریف کے نام کے سامنے چار فون نمبرز مل گئے جو مختلف شہروں کے تھے۔ دوسری ڈائری میں مراد ظریف کے صرف دو نمبر تھے۔ ان میں سے ایک مشترک تھا۔ دوسرا نمبر نیا مگر حیدر آباد کا تھا۔

سلطان شاہ کے مشورے کے نتیجے میں ہمیں کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مراد ظریف جو ہمارے لیے صرف ایک نام تھا، اس کا ابتدائی سراغ مل چکا تھا۔ میں نے شہروں کے کوڈ سمیت، وہ پانچوں فون نمبرز ایک الگ کاغذ پر نوٹ کرلیے۔

اگلا مرحلہ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی تلاش کا تھا کیونکہ حیدر آباد کے سوا باقی شہروں کے کوڈ ہمارے لیے نئے تھے مگر پھر مقبول کی ڈائری کی ابتدا میں ہی ہمیں پاکستان بھر کے شہروں کے کوڈ نمبروں کی فہرست مل گئی۔

دونوں ڈائریوں کا مشترک نمبر نواب شاہ کا تھا۔ بقیہ چاروں نمبر حیدر آباد، شہداد پور، عمرکوٹ اور میرپور خاص کے تھے۔

"مراد ظریف سیلانی آدمی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے وہ کام مکمل ہونے پر تبصرہ کیا۔

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا سیر سپاٹا سندھ کے مخصوص علاقے تک محدود ہے۔ عمرکوٹ سے شہداد پور تک کی پوری پٹی تھر کے صحرائی علاقے سے بہت قریب بلکہ متصل ہے اور وہاں رسل و رسائل کی مناسب سہولتیں نہ ہونے کے باوجود بہت سی این جی اوز خاموشی سے کام کررہی ہیں" میں نے اس کی توجہ دلائی۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو، ممکن ہے کہ مراد ظریف بھی کسی این جی او کا سربراہ ہو" اس نے اعتماد سے کہا "اب ہم جلد ہی اس کا سراغ لگا کر اس تک پہنچ جائیں گے۔"

میں کام میں تاخیر کا قائل نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر کے تمام ٹیلی فون کاٹے جاچکے تھے لیکن اس کمرے میں اکرم الٰہی کے زیر استعمال ایک نمبر ہم نے دانستہ کھلا رکھا تھا۔ اس نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے بعد ہی بوب رافیل ہمارے ہتھے چڑھا تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد سب سے پہلے نواب شاہ کا نمبر ملانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ نمبر دونوں ڈائریوں میں مندرج تھا اور اس پر مراد ظریف کے ملنے کے زیادہ امکانات تھے۔

دوسری گھنٹی پر کسی مرد نے نرمی سے ہیلو کہا تھا۔ جوں ہی میں نے مراد ظریف سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی، اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا۔ اس نے غراتی ہوئی آوا

میں کہا "یہاں کوئی مراد' نامراد نہیں رہتا۔ آئندہ تم نے اس کے لیے یہاں فون کیا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا" یہ کہہ کر میری مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا گیا۔

میری مایوسی پر اول خان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے تسلی دی "بہت اچھی ابتدا ہے۔ نواب شاہ والے کے غصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے جانتا ہے اور کسی وجہ سے اس کا دشمن ہے۔ ایسے معاملوں میں دوستوں سے زیادہ اچھی مخبری دشمن کرتے ہیں۔"

اس کی بات معقول تھی۔ اگر کہیں اور سے اس کا کوئی پتا نہ ملتا تو نواب شاہ والوں پر محنت کی جاسکتی تھی۔

میں نے بقیہ نمبروں پر قسمت آزمائی شروع کر دی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ہم مائیکرو سینٹر سے نکلنے سے پہلے اپنے نئے حریف کا کوئی پتا یا ٹھکانا دریافت کر لیں تاکہ اگلی کارروائی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

شہداد پور اور میرپور خاص کے نمبر ایسے ہوٹلوں کے تھے جہاں قرب و جوار کے دیہات اور منڈیوں سے آنے والے بیوپاری ایک دو روز کے لیے چھوٹے چھوٹے کمروں میں قیام کرتے اور چلے جاتے تھے۔ ایسے چھوٹے ہوٹلوں میں سب کچھ مالکان کی یادداشت اور صوابدید پر چلتا ہے اس لیے آنے جانے والوں کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ مراد ظریف کے بارے میں ان ہوٹلوں سے کوئی مدد نہیں ملی۔

عمر کوٹ کے فون نمبر میں کوئی خرابی تھی کہ وقفے وقفے سے کی جانے والی کئی کوششوں کے باوجود وہ نمبر مصروف ملتا رہا۔ آخر کار میں نے حیدر آباد کا نمبر ملا ڈالا۔ پہلی بار وہ نمبر بھی مصروف تھا مگر دوسری کوشش میں مل گیا۔

نواب شاہ والوں کی طرح وہ شخص مراد ظریف کا بدخواہ نہیں تھا۔ اس کا نام سن کر وہ بولا "بابا' ذرا صبر کرو۔ نیچے بات کراتے ہیں" یہ کہہ کر فون کا ریسیور نیچے رکھ دیا گیا۔ پس منظر میں بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبر کا وہ سلسلہ خاصا طویل ثابت ہوا پھر کسی نے دوسرا ریسیور اٹھالیا۔

"کون ہے؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟" مجھ سے محتاط لب و لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں اللہ بخش بول رہا ہوں۔ مراد سے میری بات کرادو" میں نے نرمی سے التجا کی۔

"کون اللہ بخش؟ تم کہاں سے بول رہے ہو؟" اس نے مراد کے بارے میں میری بات سنی ان سنی کر دی۔ اس دوران میں بچوں کی آوازیں غائب ہو چکی تھیں۔ شاید اوپر کا ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

"میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کون اللہ بخش ہوں؟" میں نے بے بسی سے کہا "مراد ہوتا تو وہ میری آواز سے پہچان لیتا کہ میں میرپور خاص والا اللہ بخش ہوں۔ آلو اور پیاز کا بیوپاری۔"

"وہ تو ادھر ایک مہینے سے نہیں آیا۔ کوئی کام ہو تو بتادو۔ اسے پیغام پہنچا دیں گے۔"

"مجھے اس سے ملنا ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟" میں نے زور دے کر کہا "تمہارے پاس اب کب آئے گا؟"

"بابا! مراد سائیں میرا یا تمہارا نوکر نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ اپنی مرضی سے آتا جاتا ہے۔ مجھے کیا پتا کہ وہ کدھر ہوگا" میرا مخاطب میرے اصرار پر چڑ کر بولا "میں کوئی اس کا اردلی یا چپڑاسی نہیں ہوں۔"

"وہ ملے تو اسے میرا پیغام ضرور پہنچا دینا" میں نے تاکید کی اور فون بند کر دیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے شہرہ آفاق ادارے کی نظروں میں آیا ہوا کوئی شخص اتنا غیر معروف اور خانہ بدوش بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے پانچ فون نمبروں میں سے ایک پر بھی نہ ملے۔

وہ جو کوئی بھی تھا' اتنا غیر معروف نہیں تھا۔ بس اپنی نقل و حرکت کے بارے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔ کسی مخصوص حوالے یا شناخت کے بغیر اس سے براہ راست رابطہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہم نے وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریاں اپنے ساتھ لیں' اول خان نے نیچے آکر اپنے دونوں آدمیوں کو مائیکرو سینٹر کے گورکھ دھندوں کے بارے میں بریفنگ دی' میں نے جنریٹر بند کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

راستے میں اول خان کو یاد آیا کہ وہ حیدر آباد میں ایک ایسے شخص سے واقف تھا۔ جو کچھ عرصے پہلے خفیہ ایجنسیوں کے انفارمر کے طور پر خاصا نام کما چکا تھا "خود شہر در شہر بھٹکنے سے بہتر ہوگا کہ تمام فون نمبر دے کر ہم جی آر کو اس کام پر مامور کر دیں" وہ خیال آنے پر اول خان نے کہا "وہ ایک دو روز میں خود ہی مراد ظریف کی پوری ہسٹری کھود نکالے گا۔"

"جی آر؟" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا یہ اس کا کوئی خفیہ پاس ورڈ ہے؟"

اول خان نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا "پاس ورڈ نہیں' اس کا خط ہے۔ پورا نام غلام رسول بھمرو ہے مگر وہ خود کو جی آر بھمرو لکھتا ہے تاکہ لوگ مخفف کو چھوڑ کر اسے

صرف بھمرو صاحب کہا کریں۔"
"یہ بھنبھور کا کوئی باسی معلوم ہوتا ہے" میں نے ازراہِ مذاق کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے نام کے بجائے اپنے گاؤں کی تشہیر کا رسیا ہو۔ بعض لوگوں کو اپنی مٹی سے اسی قدر پیار ہوتا ہے۔"
"مجھے یا تمہیں اس کی کارکردگی سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔"
اول خان کو اس کا فون نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ وہ نمبر اس کے دفتر سے مل سکتا تھا۔ اس کے ایما پر میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر موبائل فون اسے تھما دیا۔ اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جی آر کا نمبر پوچھا اور چند ثانیوں بعد موبائل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے جی آر کا نمبر دہرایا جو میں نے اس کی ہدایت کے مطابق موبائل فون کی میموری پر محفوظ کر لیا۔
گھر پہنچتے ہی اول خان نے موبائل کی اسکرین سے دیکھ کر جی آر کا نمبر ملا لیا۔ اول خان اور جی آر کے درمیان بے تکلفانہ اور گہرے مراسم کا اظہار اول خان کے یکطرفہ مکالموں سے ہو رہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد اول خان نے مراد ظریف کے پانچوں فون نمبر اسے دے دیے تاکہ وہ اس کا کھوج لگا سکے۔
جی آر کے لیے مراد ظریف کا نام اجنبی نہیں تھا لیکن وہ فوری طور پر یہ یاد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ اس نے مراد کا نام کہاں سنا تھا۔ بہرحال اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ جلد از جلد اپنی معلومات سے آگاہ کر دے گا۔
اول خان ہمارے گھر سے اکرم الٰہی کی تیار کی ہوئی فائل کی دو نقلیں لے کر چلا گیا۔
مراد کا معاملہ اس وقت بالکل ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اول خان ان نقلوں کے ذریعے کس کس کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس وقت کوئی ہدف سامنے نہیں رہا تھا اور ہمارے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
رات کو موبائل پر نیما کا فون آیا تو وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔ میرے لیے پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ وہ نسرین کی الماری سے مقبول کا بریف کیس اڑانے پر تلی بیٹھی ہوئی تھی۔
نیما کی بے خبری سے مترشح ہو رہا تھا کہ مقبول چوہدری کے بریف کیس سے دیے ہوئے پچاس ہزار روپے نسرین کے لبوں کا قفل بن گئے تھے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو بریف کیس کے سامان سے محرومی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔
نیما نے مجھے مقبول چوہدری کے بریف کیس کے بارے میں اشارہ دے کر بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیما کی اس خدمت کے صلے میں، میں نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس سے پہلے اسی نے نسرین کے گھر میں مقبول کی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ کر اس کی مکمل تباہی کی بنیاد رکھی تھی اور میرے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔
اس کی خدمات کی وہ پسندیدگی اس قسم کی نہیں تھی جس کا وہ اظہار کر رہی تھی۔ میں نرمی سے اسے ٹالتا اور سمجھاتا رہا۔ میری ہر دلیل کا محور ایک ہی نکتہ تھا کہ میری بیوی بہت حاسد اور زبان دراز عورت تھی۔ اسے شک بھی ہو جاتا کہ نیما میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی تو وہ نسرین کے گھر پہنچ کر نیما کو لہولہان کر دیتی۔
کبھی کبھی فون پر مجھ سے بات کرنے اور پھر ملنے جلنے کی اجازت لے کر اس نے میری جان چھوڑ دی۔
اگلے دن کے اخبارات بہت صاف ستھرے تھے۔ بوب رافیل کے اسکینڈل کے بارے میں ایک لفظ بھی پریس میں نہیں آیا تھا۔ دوسری طرف امریکیوں نے فریڈم انٹرنیشنل، اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی حمایت میں اپنے یومیہ بیان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ وہ دونوں مارے جا چکے تھے لیکن ان کے انجام کے بارے میں بھی کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔
راوی ہر طرف چین ہی چین لکھتا تھا مگر مجھے اس خاموشی سے سخت وحشت ہو رہی تھی۔
رات کو ذرا دیر سے اول خان نے اطلاع دی کہ جی آر نے کافی محنت کے بعد مراد کا کھوج نکال لیا تھا۔ ان دنوں اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ حیدر آباد اور کبھی کبھی کراچی کے چکر بھی لگا رہا تھا۔
"یہ اندازے تو ہم بھی لگا سکتے تھے کہ وہ ان ہی شہروں میں منڈلا رہا ہوگا۔ جی آر نے کیا کھوج نکالا ہے؟" میں نے کہا۔
"وہ ہیرآباد کے علاقے میں تین سو روپے ماہوار کرائے کی ایک پھٹیچر سی کوٹھری میں اپنا دفتر چلایا کرتا تھا جہاں فون تک نہیں تھا۔ تم نے اسی پتے پر اس کے لیے فون کیا تھا۔ وہ فون مالکِ جائیداد کے پاس ہے۔ وہ چاہتا ہے تو مراد کے دفتر والوں کو لائن دے دیتا ہے ورنہ وہاں رکھا ہوا نمائشی فون ہر وقت بے جان رہتا ہے" اول خان نے بات آگے بڑھائی۔

"تم نے ہر جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آج کل کی صورت کیا ہے؟"

"اب وہ پجیرو جیپ میں گھومتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل فون اور دوسرے میں گولڈ لیف کا پیکٹ دبا ہوا ہوتا ہے۔ سب حیران ہیں کہ برسوں کے بعد اس کی یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی ہے۔"

"جی آر بھی اس کے حالات میں تبدیلی کا سبب معلوم نہیں کرسکا؟"

"اسے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ اس کے بتائے بغیر بھی تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ سب فورڈ فاؤنڈیشن کی عنایات کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ جس پر مہربان ہوں، اس کے دن پھر جاتے ہیں۔"

"اگر اس پر بڑی سرمایہ کاری کی گئی ہے تو وہ کوئی بڑا کام ہی کررہا ہوگا" میں نے کہا "پجیرو، میں گھومتے ہوئے وہ خود کو میرپور خاص کا شہنشاہ ضرور سمجھتا ہوگا۔"

"میرپور خاص چھوٹا سا زرعی شہر ہے مگر تم اسے بے مایہ نہ سمجھو۔ فصل کٹنے کے بعد دھول اور کیچڑ سے اٹے ہوئے کچے راستوں پر زمینداروں کے بچے نئے ماڈل کی پجیرو اور دوسری گاڑیاں دوڑاتے پھرتے ہیں۔"

"اور پھر اگلی فصل کی تیاری اور کٹائی سے پہلے ہی قلاش ہوکر ان گاڑیوں کو اونے پونے میں بیچ ڈالتے ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر ایک سنی سنائی حقیقت بیان کردی۔

"زراعت کے شعبے میں ہاری سے زمیندار تک کا یہی حال ہے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب ہر سال اس گردش سے گزرتے ہیں۔ بُرے دنوں میں بنائے ہوئے اچھے منصوبے اور نیک ارادے نئی فصل کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں" اول خان دردمندی سے بتارہا تھا۔ "یہ ہماری معیشت کی سب سے زیادہ سفاک حقیقتیں ہیں۔"

"ہم مصلح نہیں ہیں" میں نے اسے ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ مراد ظریف ہے۔"

"مراد کا ہیر آباد کا دفتر ابھی تک برقرار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ابھی سے سوچ لیا ہو کہ بھلے دن خواب کی طرح گزر گئے اور دوبارہ غربت نے ڈیرے ڈالے تو وہ اپنے ہیر آباد والے دفتر میں تو بیٹھ سکے گا۔"

"اس دفتر میں وہ کرتا کیا ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ "اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"بدمعاشی!" اول خان کی طرف سے بے ساختہ جواب آیا "اس نے صحرا کے نام سے ایک کاغذی این جی او بنائی ہوئی ہے جو رجسٹرڈ ہے۔ وہ سرکاری گرانٹ پر ہی گزارہ کرتا تھا جو صحرا میں پہنچنے سے پہلے اس کے مصرف میں آجاتی تھی۔"

"جی آر نے خاصے کم وقت میں بہت سی کارآمد باتیں معلوم کرلی ہیں" میں نے اعتراف کیا۔

"سب سے زیادہ کارآمد بات یہ ہے کہ اس نے مراد کی کار یعنی پجیرو کا نمبر بھی بتادیا ہے۔ وہ حیدرآباد کے رجسٹریشن پر چل رہی ہے۔ میں نے کراچی میں داخلے کے ناکوں پر یہ نمبر بھجوانے کا بندوبست کرلیا ہے۔ جوں ہی وہ کراچی کی حدود کے آس پاس نظر آیا، ہمیں اطلاع مل جائے گی اور اس کا ہانکا شروع ہوجائے گا۔"

"اس کا موبائل نمبر مل جاتا تو اس سے براہِ راست کچھ چھیڑ چھاڑ کی جاسکتی تھی۔"

"وہ خود ہر ایک کو فون کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نمبر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ جی آر نے اس سلسلے میں کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نصیب نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔"

"جی آر، ایک کامیاب مخبر ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مراد کو اس کے گھر میں پکڑوا دے؟"

"مگر کس جرم میں...؟" اول خان نے پوچھا "ابھی تک اس کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہے۔"

"وہ اپنے وسائل سے کہیں اونچا معیار زندگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ پیسا کہاں سے آرہا ہے۔"

اول خان تلخ انداز میں ہنس پڑا "ہمارے یہاں وسائل سے بڑھ کر رہنا سہنا روایت بن چکا ہے۔ چُنگی کلرک لاکھوں کی ذاتی جائیداد میں رہتے ہیں اور ہر ایک ان کی عزت کرتا ہے، ان سے ڈرتا ہے۔ ہمارا قانون وسائل سے باہر، شاہانہ زندگی گزارنے والوں سے ڈرتا ہے۔ جی آر کی شکایت پر کوئی مراد کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔"

"مگر اس کا تو کوئی باقاعدہ روزگار ہی نہیں ہے" میں نے اصرار کیا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم اسی ملک میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہو" اول خان کی آواز میں ہلکی سی خفگی عود کر آئی "ہمارے یہاں یہ ساری خرابیاں نہ ہوتیں تو تمہیں میدان میں اترنا پڑتا، نہ ایس ٹی ایف کی ضرورت پیش آتی۔"

ٹیلی فون بند ہوگیا مگر میرا ذہن اول خان کی کہی ہوئی باتوں میں الجھا رہا۔ مراد ایک پاکستانی تھا لیکن اس نے آسودہ

زندگی گزارنے کے لیے کسی خلش کے بغیر خود کو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔
اکرم الٰہی کے یک جا کیے ہوئے کاغذات کی بنا پر یہ فرض کیا جا سکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے اس معاملے میں کھل کر مراد کے سامنے نہ آئے ہوں۔ اسے جال میں پھانسنے کا فریضہ فریڈم انٹرنیشنل اور اکرم الٰہی نے انجام دیا ہو۔ پھر بھی مراد کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اسے کس کام کے لیے خطیر معاوضہ دیا جا رہا تھا۔
مجھے کامل یقین تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے ایما پر دیا جانے والا کام نیک نہیں ہوسکتا تھا اور اگر مراد نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک غلط کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ذمّے داری قبول کی تھی تو اس کی گردن ماردی جانی چاہیے تھی۔
فورڈ فاؤنڈیشن، فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا..... یہ ایک بے تکی مثلث کے تین اضلاع تھے جن میں آپس کی کوئی نسبت نہیں تھی۔ بس ایک بات مشترک تھی کہ تینوں این جی اوز تھیں۔ ایک بہت بڑی بین الاقوامی تنظیم تھی، دوسری پاکستان کی حدود میں انسانی حقوق پر کام کرنے والی مقامی یک نفری تحریک تھی اور تیسری محض ایک علاقائی انجمن تھی جو تین سو روپے ماہانہ کرائے والے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک آدمی نے اپنی آتشِ شکم سرد کرنے کے لیے بنائی ہوئی تھی۔
ان تینوں کا باہمی گٹھ جوڑ بالکل غیر منطقی اور غیر حقیقی تھا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ کہیں نام کی یکسانیت کی وجہ سے ہم مراد ظریف نام کے کسی غلط آدمی کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔
مجھے فوراً ہی اپنی اس بدگمانی کو ذہن سے جھٹک دینا پڑا۔ مراد، صحرا کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کے مالی حالات میں اچانک ہی حیران کن بہتری پیدا ہوئی تھی جو کسی دریا دل اَن داتا کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔
اگلی صبح مراد کے موبائل فون کا نمبر اول خان کو مل چکا تھا۔ جی آر کو جو کام دیا گیا تھا، وہ دل و جان سے اس کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے مراد کی پجیرو حیدر آباد میں قاسم آباد کے علاقے میں دیکھی گئی تھی۔
اول خان کے لیے سہولت یہ تھی کہ ہماری جائے پناہ اس کے گھر اور اسٹیشن فور کے درمیان ایسی جگہ پر واقع تھی کہ وہ اپنے راستے سے چند منٹ کے لیے ہٹ کر ہم تک پہنچ سکتا تھا۔ اسے جی آر کی طرف سے دیا ہوا فون نمبر گھر پر ملا تھا۔ نمبر ملنے کے بعد وہ جوش میں سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔
"گاڑی کے بعد اب فون نمبر بھی مل گیا۔ تم اس سے کیا چھیڑ چھاڑ کرنا چاہتے ہو؟" اس نے آتے ہی مراد کے فون نمبر والا رقعہ میرے حوالے کر کے سوال کیا "جی آر ہماری اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکے گا۔"
"ہمیں اس کے دوسرے روابط کا کوئی علم نہیں.... بس اتنا معلوم ہے کہ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے رابطے میں تھا۔ اس سے اسی حوالے سے بات شروع کی جا سکتی ہے" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔
"لیکن تم کیا بات کرو گے؟" اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا، پہلے سے سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔
"اس کا تعین اس کا ردِ عمل جاننے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ مجھے فریڈم انٹرنیشنل والوں کا آدمی سمجھتا ہے یا اس دعوے پر اعتبار کرنے سے انکار کردیتا ہے؟"
"فرض کرو کہ وہ تمہاری بات تسلیم نہیں کرتا پھر تم کیا کرو گے؟" ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"وہ اس کا کوئی سبب بتائے گا اور اسی سبب سے کوئی راہ نکلے گی۔"
"پھر بھی تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی نہ کوئی خاکہ تو موجود ہونا چاہیے۔"
"تم میرے ساتھ کسی وکیل کی سی جرح کر رہی ہو" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "ایسے موقعوں پر سوچی سمجھی باتیں دھری رہ جاتی ہیں۔ جو وقت پر سوجھ جائے، وہی بات سب سے بہتر رہتی ہے۔"
"اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو" سلطان شاہ نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "سب جانتے ہیں کہ آڑا وقت آنے پر تم فوری فیصلے کرتے ہو جو اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ یہ پھر بھی تم سے کچھ اگلوانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔"
"ڈینی کوئی سازش نہیں کر رہا جو میں اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں" ویرا چیخ کر بولی "ہو سکتا ہے کہ ہم مل جل کر کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں۔ مراد کو شبہ ہو گیا تو ہمارا کام بہت لمبا ہو جائے گا۔"
"یہ خطرہ موجود ہے اور ہمیں مول لینا پڑے گا" میں نے اقرار کیا۔
بات طے ہوگئی اور میں نے گھر کے سی ایس ڈی والے فون پر مراد کا نمبر ملالیا تاکہ اس سے بے خوف و خطر ہو کر ہر موضوع پر کھلی کھلی گفتگو کی جاسکے۔
دوسری گھنٹی پر موبائل فون آن ہوا اور ایک مضبوط

مردانہ ہیلو سنائی دی۔
"مجھے مراد ظریف سے بات کرنی ہے" میں نے پورے سکون سے کہا "میں کراچی سے بول رہا ہوں۔"
"تم کون ہو؟ کیا مراد تم کو جانتا ہے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔
"جانتا ہے" میں نے قدرے ناگواری اور تحکم سے جواب دیا "اسے بتاؤ کہ میں مقبول چوہدری کا آدمی ہوں۔"
"مقبول چوہدری خود کہاں غائب ہے؟" اس بار بولنے والے کی آواز میں خفیف سا تجسس تھا۔
"جرح مت کرو" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ' درشت لہجے میں کہا "فون مراد کو دو ورنہ میں لائن بند کردوں گا۔ میرے پاس تمہارے سوال جواب کے لیے فالتو وقت نہیں ہے۔"
"میں مراد ہی بول رہا ہوں۔ میرا یہ نمبر تمہیں کس نے دیا؟" وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کرگئی۔
"مقبول چوہدری نے نمبر دیا ہے۔ وہ آج شام تم سے ملنا چاہتا ہے" میں نے روانی سے کہہ ڈالا۔
"میں نے یہ کنکشن تین چار دن پہلے لیا ہے۔ اسے یہ نمبر معلوم ہی نہیں تھا تو اس نے تمہیں کیسے دے دیا؟"
"یہ وہی بتائے گا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل چلا رہا ہے۔ اس کے اپنے بھی ذرائع ہیں۔"
"وہ خود کہاں ہے؟ میں کئی روز سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اس کے سب فون بند پڑے ہیں۔"
مجھے یاد آیا کہ مشتعل مظاہرین کے ہاتھوں مقبول کے زخمی ہونے کی خبر اخباروں میں چھپ چکی تھی۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت کہا "وہ زخمی ہوگیا تھا' اسپتال میں ہے مگر آج شام اسے چھٹی مل جائے گی۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر تم سے ملنا چاہتا ہے۔"
"میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ اسے کچھ لوگوں نے دفتر میں گھس کر مارا تھا اور توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔"
"پڑھ چکے تھے تو کیا میرا امتحان لے رہے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔ اس کے دبے دبے رویّے کی وجہ سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے جال سے نہیں نکل سکے گا۔
"تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟" مراد کی متجسس آواز ابھری۔ وہ چاروں سانس روکے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ اسپیکر فون کے ذریعے ہونے والی وہ دو طرفہ گفتگو سن رہے تھے۔
"میں اسپتال کے قریب ایک بوتھ سے بول رہا ہوں۔ کیا تمہیں اب بھی مجھ پر شبہ ہے؟"
"شبہ نہیں ہے۔ مگر بوتھ محفوظ نہیں ہوتا... تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سب فون کیوں بند ہیں۔"
"فسادی' آدمی کو چھوڑتے ہیں نہ تاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا صرف ایک نمبر کام کر رہا ہے۔"
"فون بند کرکے میں تھوڑی دیر بعد اسی نمبر پر رنگ کروں گا۔ مجھے نمبر دے دو۔ اس وقت میں ٹریفک کی بھیڑ میں ہوں۔ مجھے ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی ہے۔"
سب کچھ قابو میں تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے فون نمبر پر مجھ سے بات کرکے اس کا اطمینان ہوجاتا کہ وہ غلط آدمی کے چکر میں نہیں پھنس رہا۔ شاید وہ خود ہی مجھ پر کسی شبہے کا اظہار کیے بغیر وہی اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے اکلوتے فون کا نمبر بتادیا اور کہا۔
"مجھے بیس منٹ بعد فون کرنا تاکہ میں وہاں پہنچ سکوں۔"
"یہ نمبر میرے پاس تھا مگر یہ مقبول کے گھر کا ہے۔" میرا پھینکا ہوا ہر پانسا سیدھا پڑ رہا تھا۔ "اس نے مجھے تاکید کی ہوئی ہے کہ ایمرجنسی کے سوا اسے اس نمبر پر فون نہ کروں۔"
"اب ایمرجنسی ہی ہے۔ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تمہاری کال میں وصول کروں گا۔"
"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ تم فریڈم انٹرنیشنل میں کیا کرتے ہو؟"
"اکاؤنٹنٹ ہوں اور میرا نام اسلم ہے۔ باقی سوال بعد میں کرلینا" یہ کہہ کر میں نے کسی سلام دعا کے بغیر فون بند کردیا۔ اپنی اس بے اعتنائی سے میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس سے زیادہ اہم اور بالاتر تھا۔
"وری گڈ!" ویرا نے میری پشت پر زور سے ہاتھ رسید کرکے کہا "وہ تمہارے لہجے اور تیوروں سے ہی مرعوب ہوگیا۔ تم جھوٹ اتنے اعتماد سے بولتے ہو کہ وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔"
"اس نے کم از کم دو مرتبہ ڈینی کو پھانسنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ نے اپنے مشاہدے کا اظہار ضروری سمجھا "لیکن ڈینی اپنے صحیح ترین جوابات کی وجہ سے صاف بچ نکلا۔"
"وہ اب بھی سو فیصد مطمئن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے دفتر کا نمبر لیا ہے۔ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ فون پر ٹریفک کے غیر معمولی شور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

"چلو! پھر جلدی کرو" اول خان عجلت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں وہاں تک پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ ہی لگ جائیں گے۔"

"مجید والے جذبے سے ڈرائیونگ کرو گے تو بروقت پہنچادو گے!" میں نے ہنس کر کہا۔

مراد کا خشک اور مایوس کن معاملہ یکایک بہت دلچسپ مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس مرحلے میں شریک رہے۔ میں نے کسی کی مخالفت نہیں کی۔ مراد سے اتنی گفتگو ہونے کے بعد میں نے جو نقشہ بنایا تھا' اس کے مطابق ہمیں مراد کی آمد تک مائیکرو سینٹر میں ہی رکنا تھا تاکہ اسے آسانی سے چوہے دان میں بند کیا جاسکے۔

اول خان سمیت ہم پانچ نفوس تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی مائیکرو سینٹر پر قابض تھے۔ میری دانست میں مراد کو بے دست وپا کرنے کے لیے ہمیں مزید نفری کی ضرورت نہیں تھی۔

"سنا ہے کہ سانپ اپنی زد میں آئے ہوئے شکار کو اپنی آنکھوں کی مقناطیسی قوت سے بے بس کر کے مار لیتا ہے" ویرا نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا "ڈینی' یہ کام اپنی زبان کی قوت سے لیتا ہے۔ تابڑتوڑ جھوٹ اور سچ ملا کر ایسی کہانی بناتا ہے کہ سامنے والے کو سوچنے یا سنبھلنے کی مہلت نہیں ملتی۔ وہ بے موت مارا جاتا ہے۔"

"ہری اَپ!" اول خان نے ہانک لگائی "ہم تین منٹ یہیں گنوا چکے ہیں۔"

گھر کا بیرونی دروازہ مقفّل کر کے ہم پانچوں تیزی سے مائیکرو سینٹر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کر دی تھی اور خود موبائل فون لے کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

مجھے پہلے سے علم تھا کہ مائیکرو سینٹر میں دلیر خان اور اکبر علی کو ضرورت کے تحت یکجا رکھا گیا تھا۔ ان میں سے ایک نیچے بیٹھ کر چوکیداری کرتا تھا' دوسرا اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں فون کے قریب موجود رہتا تھا تاکہ اسٹیشن فور کو کسی بھی وقت ان دونوں سے رابطے میں دشواری نہ ہو۔ اپنی سہولت کے مطابق وہ ڈیوٹیاں بدلنے کے مجاز تھے۔

اول خان نے راستے سے وہاں کا نمبر ملایا تو دلیر خان سیکنڈ فلور کی خواب گاہ میں ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ اول خان نے اسے بھی نیچے پہنچنے کی ہدایت کی تاکہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے مراد کی متوقع فون کال وصول کرنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس سے بجلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں رپورٹ لے کر اول خان نے فون بند کر دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈینی سے دوستی کرنے سے پہلے شہر میں منی بس چلاتے رہے ہو" ٹریفک کے بہاؤ میں سلطان شاہ کی رف اور تیز رفتار ڈرائیونگ دیکھ کر ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں ٹرانسپورٹ لائن سے ہی وابستہ تھا" سلطان شاہ نے کسی شرمندگی کے بغیر اعتراف کیا "اس چکر میں کئی بار بیمار ڈرائیوروں کی جگہ ٹرک اور بسیں بھی چلانی پڑیں مگر اس وقت وہ تجربہ نہیں' تمہارے ٹیکسی ڈرائیور مجید کا جذبہ کام آرہا ہے۔ ڈینی نے اس کا حوالہ دے کر وقت کو میرے لیے چیلنج بنا دیا ہے۔"

"ڈینی کی بات اپنے دل پر نہ لو۔ سڑک سے براہ راست عالم بالا کی طرف روانگی سے بہتر ہے کہ ہم چند منٹ کی تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تم کئی جگہ حادثوں سے بال بال بچ چکے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ گاڑی کے بریک عمدہ ہوں تو حادثے خود بہ خود ٹلتے چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے ہمیں مقررہ وقت کے اندر اندر منزل پر پہنچا دیا اور کار مائیکر آٹوز کی دیوار کے سائے میں پارک کر دی۔ ہم پانچوں کار سے نکل کر تیزی سے عمارت کے پچھلے حصے کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر دونوں محافظ موجود تھے۔ لفٹ بھی وہیں تھی۔ عمارت میں گھستے ہی ہم پانچوں لفٹ میں سوار ہو گئے۔ دوسری منزل پر میں لفٹ کے دروازے سے نکلا تو اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں دبیز فرشی قالین پر تقریباً دوڑتا ہوا اندر پہنچا اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو! کیا یہ فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر ہے؟" دوسری طرف سے مراد کی شناسا آواز آئی۔

"ہاں۔ وہی ہے اور میں اسلم بول رہا ہوں" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے" مراد کی بے ساختہ آواز میرے کان میں آئی "اب مجھے اطمینان ہوا کہ تم صحیح آدمی ہو۔ اس وقت تمہاری طرف سے میرا دل مطمئن نہیں تھا۔"

"میں عقل سے عاری نہیں ہوں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم بلاوجہ ڈرائیونگ میں پریشانی کی بات کر رہے تھے۔ فون پر تمہاری گاڑی کے انجن کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔"

"تم مقبول جیسے گریٹ آدمی کے لیے کام کرتے ہو۔

تمہیں اتنا چالاک ہونا چاہیے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم آج شام کس وقت یہاں آرہے ہو۔ مجھے مقبول کو تمہارے جواب سے آگاہ کرنا ہے۔"

"مجھے مقبول کے بارے میں تشویش ہے۔ پچھلے دنوں اس کے بارے میں اخبارات میں زیادہ خبریں نہیں آئیں لیکن اس کے گیراج سے چوری ہونے والی ایک اکارڈ کے ایئرپورٹ سے ملنے کی خبر چھپی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کراچی میں کچھ گڑبڑ ہورہی ہے۔ پھر فون بھی کٹے ہوئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مقبول کسی خطرے کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔"

میں نے زیادہ شدت سے اس کی بات کی تردید کرنے میں خطرہ محسوس کیا اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ مقبول اس حد تک انڈر گراؤنڈ ہے کہ ایک نجی اسپتال میں خاموشی سے علاج کرا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک وہ منظرِ عام پر آنے سے گریز کرتا رہے۔ اسی لیے وہ آج تم سے مل کر کچھ اہم معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید تم کو علم نہ ہو مگر میں نے آج تک اکرم یا مقبول سے ملاقات نہیں کی۔ یہ احتیاط عام حالات میں بھی ہمیشہ ضروری سمجھی گئی۔ اب حالات مخدوش ہیں تو مقبول مجھ سے ملنے پر کیوں مصر ہے؟"

"دیکھو مراد! میں اس کا ماتحت ہوں۔ وہ ہمیں ہمارے کام کی بات بتاتا ہے۔ تمہارے سوال کا تفصیلی جواب وہی دے سکتا ہے۔ مجھے تم صرف اتنا بتادو کہ تم آنا چاہتے ہو یا نہیں اور آؤ گے تو کس وقت آؤ گے۔"

"تم نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے؟" اس کی آواز پُرتشویش تھی۔

"تم ہر طرح اپنا اطمینان کرچکے ہو کہ تمہارا رابطہ غلط آدمی سے نہیں ہوا۔ پھر بھی تم ڈر رہے ہو تو ہرگز مت آؤ۔ میں مقبول کو بتادوں گا" میں نے سرد اور روکھے لہجے میں جواب دیا "تم نہ آئے تو مجھے جلد چھٹی مل جائے گی۔"

"میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ مقبول کو میرا موبائل نمبر کیسے ملا۔ ابھی تک میں نے اپنے چند دوستوں کے سوا کسی کو یہ نمبر نہیں دیا" وہ میری بے رخی کو نظرانداز کرکے اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہا۔

"تمہارے دل و دماغ میں شکوک و شبہات کے زہریلے بچھو رینگ رہے ہیں۔ میں مقبول سے کہے دیتا ہوں کہ تم آج نہیں آرہے۔ تمہارے پاس یہ فون نمبر موجود ہے۔ جب کوئی فیصلہ کرلو تو فون کرلینا۔ میں موجود ہوا تو بات کرلوں گا۔"

"نہیں۔۔۔ اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو۔ مجھے بھ
مقبول کی تلاش تھی۔ میں بھی مسائل کا شکار ہوں۔ ان
حل صرف مقبول کے پاس ہے۔ میں آج آؤں گا۔ میر
کوشش ہوگی کہ سات بجے وہاں پہنچ جاؤں۔"

"سات بجے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ میر
کوشش تھی کہ میں اپنی لاتعلقی برقرار رکھ سکوں۔

"ہاں۔۔۔ میں سات بجے مائیکرو سینٹر پہنچوں گا۔ میں پہ
بار وہاں آرہا ہوں۔ تم باہر میرا انتظار کرسکو تو بہت مہربا
ہوگی۔"

"پہلی بار آرہے ہو تو پہنچنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوگ
میں تمہیں باہر مل جاؤں گا۔"

"میں اندر نہیں آیا لیکن باہر سے مائیکرو سینٹر دیکھ چ
ہوں۔ شاندار عمارت ہے۔ اسی سے میری روزی وابس
ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری پہچان کیا ہوگی۔ میں کسی دھوکے س
ہر قیمت پر بچنا چاہتا ہوں۔"

"سات بجے اندھیرا پھیل رہا ہوگا۔ کہو تو سر پر ایک آد
بلب جلالوں" میں نے جل کر کہا۔

اس کی خفت آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی "تم ناراض
ہوگئے۔ دراصل تمہیں میری پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔"

"بس اب بار بار ایک ہی ریکارڈ نہ سناؤ" میں نے اس ک
بات کاٹ دی "میرے بدن پر سفید لباس ہوگا۔"

"میں سات بجے تم سے آملوں گا" اس کا جواب سنتے ہ
میں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات تھی؟ اس سے بہت اکھڑی اکھڑی باتیں
کررہے تھے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی چھٹی حس کام کررہی ہے۔ وہ آنا چاہتا ہے مگ
خوف زدہ ہے۔ بھانت بھانت کے اندیشے اسے ستار
ہیں" میں نے انہیں بتایا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ آخری لمحا
پر اپنا ارادہ نہ بدل دے۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ ہمیں آخری نتیجے
انتظار تو کرنا ہی ہوگا" سلطان شاہ بولا "ہم صرف دعا کرسک
ہیں کہ وہ اپنا ارادہ نہ بدلے اور مقررہ وقت پر یہاں پہن
جائے۔"

میں خاموشی سے اپنی سوچ میں کھویا رہا۔ میری توقعات
اور دعائیں ان سے مختلف نہیں تھیں مگر میں نے براہِ راست
اس سے مذاکرات کیے تھے۔ اس کے لب و لہجے میں پوشید
بے اطمینانی نے مجھے فکر و تشویش میں ڈال دیا تھا۔

مائیکرو سینٹر کا اقامتی حصہ ہر طرح کی رہائشی سہولتو

سے آراستہ تھا۔ دوسری منزل کا ریفریجریٹر تازہ اور جمی ہوئی اشیائے خورونوش سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ ہم پانچوں باہر سے کچھ خریدے بغیر کئی دن تک اس رسد پر آسانی سے گزارہ کرسکتے تھے۔ اول خان کی فرمائش پر غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

ہم لوگ کافی دیر تک مراد سے ہونے والی گفتگو پر مغز سوزی کرتے رہے لیکن کوئی نیا نتیجہ اخذ نہیں کرسکے۔ ہر شخص میری قائم کی ہوئی رائے سے متفق تھا۔

"اس کے بارے میں اتنی بے یقینی کی صورت حال ہے تو پھر تمہیں سات بجے باہر نہیں نکلنا چاہیے" اول خان نے کچھ دیر کے بعد رائے دی "اگر اس کی نیت میں کوئی فتور ہے تو کھلی فضا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اندھیرے میں کہیں سے بھی آنے والی ایک گولی تمہارے لیے مہلک بن سکتی ہے۔"

"وہ بنیادی طور پر کسی دیہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کراچی کے اس بارونق بازار میں اتنی دیدہ دلیری نہیں دکھاسکے گا" ویرا نے اس سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ مقررہ وقت پر آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ نہیں آئے گا۔ مجھے کسی تیسری صورت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"ہم سات نفوس مائیکرو سینٹر کے اندر ہیں۔ کیوں نہ ایس ٹی ایف کی کچھ نفری باہر بھی مامور کردی جائے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "وہ پوشیدہ ٹھکانوں میں رہ کر مراد کی کسی امکانی شرارت کا سدباب کرسکیں گے۔ انہیں متحرک ہونے کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ ہمارے اشارے پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

"تم گیدڑ کے شکار کے لیے وہ بندوبست تجویز کررہے ہو جو کسی آدم خور شیر کے شکار کے لیے ضروری ہوتا ہے" ویرا نے منہ بنا کر اس کی تجویز پر اعتراض کیا "جو چاہو کرلو' بعد میں تم کو نادم ہونا پڑے گا۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی رائے سے اتفاق کیا "ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دانش مندی کے منافی ہوگا۔"

اس بندوبست میں عملی طور پر کوئی اضافی خطرہ پنہاں نہیں تھا بلکہ امکانی خطرے کے سدباب کی صورت ہی پیدا ہورہی تھی۔ ویرا سے تھوڑی سی بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ اول خان کے چار آدمی حامد کی معیت میں توحید کمرشل کے ایسے مقامات پر مامور رہیں گے کہ مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والی ہر گاڑی ان کی نظروں میں رہے۔

"سات بجے والی تجویز کے بارے میں میری بات ادھوری رہ گئی تھی" چائے پیتے ہوئے اول خان کو خیال آگیا۔

"اگر وہ آجاتا ہے تو مائیکرو سینٹر کے باہر کسی سفید پوش کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا" میں نے اسے یاد دلایا "یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"وہ تمہیں نہیں پہچانتا۔ تمہاری جگہ اکبر علی یا دلیر خان یہاں کی کسی وارڈ روب سے سفید قمیص شلوار پہن کر باہر چلے جائیں گے۔ ان دونوں میں اتنی صلاحیت ہے کہ اسے اندر لے آئیں۔"

"یہ سراسر خود غرضی ہوگی۔" میں نے احتجاج کیا "میں اپنی جگہ اکبر علی کو قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا۔"

"اسے قربانی کا بکرا نہیں کہتے۔ یہ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول ہے' اہم تر آدمی کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو ہر اگلے محاذ پر فوجی جرنیلوں کو جانا پڑے اور دوسرا ہر کام ادھورا رہ جائے۔ کامیاب لڑائی کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں کی پیچھے موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔"

اس بار تینوں اولِ خان کے ہم خیال تھے۔ طے ہوگیا کہ

میری جگہ اکبر علی سفید کپڑے پہن کر مراد کا انتظار کرے گا۔ دلیر خان کو اس کی بگڑی ہوئی اردو کی وجہ سے زیر غور نہیں لایا گیا۔

"یہ سب تیاریاں کرلو لیکن مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم لوگ مراد کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" سب کچھ طے ہو جانے کے بعد ویرا نے ہلکی سی اکتاہٹ کے ساتھ کہا "اول خان نے اس کی بیجیرو کا نمبر شہر کے ناکوں کو دیا ہوا ہے۔ وہ شہر میں داخل ہوگا اور اول خان کو علم ہو جائے گا۔ ایک بار وہ نظروں میں آگیا تو اس کے گرد جال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ کوئی بڑی کارروائی کیے بغیر بے بس کرلیا جائے گا۔"

مائیکرو سینٹر کی وہ منزل اتنی کشادہ تھی کہ ویرا نے سلطان شاہ اور غزالہ کو ساتھ لے کر برج کی بازی جمالی۔ میں اول خان کے ساتھ درازوں اور الماریوں کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا۔ اکرم الٰہی کی تجوری میں نقد رقوم اور تمسکات کی بڑی مالیت موجود تھی۔ حامد نے اس کی دیکھ بھال کے بعد تجوری کی چابی دفتر میں محفوظ کردی تھی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اول خان نے فون پر حامد سے رابطہ کیا اور اسے مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی اور حفاظت کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

پانچ بجے تک ہم سب پُرسکون رہے۔ کھانے کے بعد سب ہی کچھ دیر ستا بھی لیے تھے لیکن اس کے بعد میرے اعصاب پر ہلکا سا اضطراب ساطاری ہونے لگا۔

اگر مراد میری طرف سے شبہات میں مبتلا تھا تو اسے قبل از وقت کراچی پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ مجھے بے چینی سے ایسی کسی اطلاع کا انتظار تھا جس سے پتا چل سکے کہ مراد کی بیجیرو کسی مخصوص راستے سے کراچی کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔

میرے ایما پر اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے سینٹرل کنٹرول سے رابطہ کیا۔ وہاں سے تصدیق کی گئی کہ مطلوبہ بیجیرو کا نمبر ہر داخلی چیک پوسٹ پر پہنچا دیا گیا تھا مگر اس وقت تک بیجیرو کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دن کے اجالے کو شام کا دھندلکا نگلتا جارہا تھا۔ فلیٹ کے اندرونی حصوں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں پھر سورج غروب ہوگیا۔ ہم نے خواب گاہ بھی روشن کرلی۔ میں نے ایک کھڑکی کا پٹ سرکا کر باہر جھانکا تو عمارت کے بیرونی حصے پر لگی ہوئی گلیزنگ کے اس

پار اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے۔

ساڑھے چھ بجے تک مراد کی بیجیرو کے بارے میں اطلاع نہیں آئی۔ وقت سر پر چلا آرہا تھا۔ اول خان بند ہو کر نیچے چل دیا تاکہ اکبر علی کو سات بجے باہر جانے کے لیے تیار کر سکے۔

"اوپر اب کتوں کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ک ویرا کو ساتھ لے کر چھت پر چلے جاؤ۔" میں نے سلطان شا مشورہ دیا۔ وہاں سے تم دور تک نگاہ رکھ سکو گے۔"

"غزالہ کے ساتھ تخلیہ چاہ رہے ہو تو سیدھی با کرو۔" ویرا بولی اور پھر میرا جواب سنے بغیر، اٹھتے ہو سلطان شاہ سے بولی "ان دونوں کو یہاں چھوڑ دو۔ ہم آسمان کے نیچے، تاروں کی چھاؤں میں باتیں کریں گے۔ آجائے گا تو یہ لوگ ہمیں خود ہی اوپر سے بلالیں گے۔"

"ہم دونوں بھی نیچے جارہے ہیں۔" میں نے اونچی آ میں اسے آگاہ کیا "اسے آنا ہے تو وہ گلیزنگ توڑ کر سیکنڈ فلو نہیں آئے گا۔ اس سے گراؤنڈ فلور پر ہی سامنا ہوگا۔"

"ویرا ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہے۔" غزالہ ہوئے بولی "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے کچھ دیر ا بند رکھی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔"

معاً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا دوسری طرف سے حامد بول رہا تھا۔

"ہم پانچ بجے سے اس علاقے میں موجود ہیں۔" رپورٹ دے رہا تھا "ابھی تک اس علاقے میں حیدر آباد رجسٹریشن پلیٹ والی کوئی بیجیرو نہیں نظر آئی مگر ابھی اب ایک سفید کرولا دوسری بار نظر آئی ہے۔"

"اس پر نظر رکھو۔ اس میں کتنے آدمی سوار ہیں؟" نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"بھری ہوئی ہے۔" "پورے پانچ آدمی سوار ہیں۔ ا لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں بے مقصد گھوم رہے ہوں۔"

"بیجیرو کا کچھ پتا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں گاڑی تبدیل کرلی ہو۔ مشتبہ گاڑی کا پیچھا کرو کہ وہ ا علاقے میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے تیزی جواب دیا۔

"اوکے سر! میں ایک آدمی کو فوراً گاڑی میں روانہ ک ہوں۔ وہ کار ابھی داہنی طرف گئی ہے۔"

"اب ضرورت پیش آئے تو موبائل پر رابطہ کرنا۔ م نیچے جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں لفٹ کی طرف جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ فون

گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔
میں نے بیزاری اور بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور مراد کی آواز سن کر چونک پڑا۔
"میں نے تیسری بار کوشش کی ہے۔ تمہارا فون مصروف تھا۔" اس کی پُرسکون آواز میں شکوہ تھا۔
"تم کہاں ہو؟ تمہارا کیا پروگرام ہے۔" میں نے اس کی شکایت کو نظر انداز کر کے پوچھا۔ اس کی آواز نے مجھے ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں بمشکل اس جھٹکے پر قابو پا سکا تھا۔
"بس میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ وہ فکر و تشویش ذرا بھی نہیں تھی جو صبح اس کے لہجے پر بری طرح حاوی تھی۔
"آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے روانی میں کہا۔
"تم کیوں انتظار کر رہے ہو؟ اس وقت تو مقبول چوہدری کو میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کاٹ پیدا ہوگئی "وہ کہاں ہے؟ ذرا اس سے میری بات کرا دو۔"
"وہ باتھ روم میں ہے.... میرا مطلب تھا کہ میں سات بجے مائیکرو سینٹر کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہو کر دھیرے سے ہنسا ہو پھر اس کی آواز آئی "تم نے سفید کپڑے پہن لیے ہوں گے۔ خیال رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ورنہ میں باہر سے ہی لوٹ جاؤں گا۔"
"تم بے خوف و خطر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔
فون بند ہوگیا۔ میں نے کریڈل کئی مرتبہ دبانے کے بعد ریسیور کریڈل کے بجائے تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ مقبول کی تلاش میں دوبارہ فون کرے گا۔ گھنٹیاں مسلسل بجتی رہتیں تو وہ شک میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ فون مسلسل مصروف ملنے پر اس کا جھنجلانا فطری ہوتا لیکن اسے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔
میری رسٹ واچ کی سوئیاں دھیرے دھیرے سات بجے کی طرف سرک رہی تھیں۔ میں غزالہ کے ساتھ لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچ گیا۔
دلیر خان کسی فرض شناس محافظ کی طرح بند دروازے کے پاس تنا ہوا کھڑا تھا۔ اکبر علی موجود نہیں تھا۔ شاید اول خان اسے میری جگہ باہر بھیج چکا تھا اور خود کرسی پر بیٹھا ایک خود کار رائفل کا جائزہ لے رہا تھا۔

وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اسے حامد اور پھر مراد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔
"پیجیرو کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور گاڑی میں حیدر آباد سے کراچی آیا ہے" اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "حامد تجربے کار افسر ہے۔ اس کی نگاہیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سفید کرولا میں مراد ہی اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"
"اس کے فون کا مطلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے آیا ہے اور چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں ہے۔"
"آنے دو۔ اسے آنے دو۔ اس نے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو حامد اور اس کے آدمی اسے باڑھ پر رکھ لیں گے۔"
"لیکن ہم اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے" میں نے بے چینی سے کہا۔
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں نتیجے پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ وہ نتیجہ کون حاصل کرتا ہے' اس وقت یہ بات قطعی غیر ضروری ہے۔ تم پرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ ہیجان میں مبتلا ہو۔"
گھڑی کی سوئیاں سات پر پہنچیں اور پھر وہیں اٹک کر رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر طرف مہیب سناٹا چھا گیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں خود بہ خود تیز ہونے لگیں۔
اچانک باہر کی فضا ایک فائر کے ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ اسی دھماکے کے جلو میں ایک بھیانک انسانی چیخ سنائی دی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی ٹھنڈک پھیلنے لگی۔ میرے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا تو وہ چیخ اکبر علی کی تھی جو میری جگہ مراد کا استقبال کرنے کے لیے باہر کھڑا ہوا تھا۔
اکلوتے فائر کے بعد بس لمحہ بھر کے لیے خاموشی ہوئی اور پھر باہر کی فضا زبردست فائرنگ کے شور سے لرزنے لگی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بڑے گروہ نے بہ یک وقت اپنے خود کار آتشیں ہتھیاروں کے دہانے کھول دیے ہوں۔
اول خان نے دروازہ کھولا اور رائفل لے کر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں بھی ریوالور تان کر اس کے پیچھے ہولیا۔
اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں سے مَرار شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر' داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں راس المیڈا نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد راس المیڈا اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہورہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچارہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔

مجھے نینا نے فون پر بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس حفاظت کی تاکید کے ساتھ رکھوایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وہی ہمارا مطلوبہ بریف کیس ہے۔ مجھے اس بریف کیس کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور میں نرگس سے قانون کے نام پر وہ بریف کیس لے آیا۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی ہمارے لیے زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئے اس لیے ان سے چھٹکارے کا فیصلہ کرلیا گیا اور وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچے۔ مقبول الٰہی کے بریف کیس سے ملنے والے کاغذات کی چھان بین سے مراد ظریف کا نام سامنے آیا۔ اس نے غیر معمولی طور پر بہت کم عرصے میں ترقی کا سفر طے کیا تھا اور اندرون سندھ ... ایک این جی او چلا رہا تھا۔ وہ مقبول اور اکرام الٰہی سے غائبانہ واقف تھا۔ میں نے اسے مقبول چوہدری کا حوالہ دے کر ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر بلایا۔ وہ مائیکرو سینٹر کے اطراف میں تھا جب وہاں کی فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے استقبال کے لیے بھیجے گئے ایس ٹی ایف کے کارکن اکبر علی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی ہو۔ میں دیوانہ وار باہر کی طرف دوڑا۔ اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا' میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم سب مائیکرو سینٹر میں محصور تھے۔ ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ مراد ظریف اور اس کے حواری کس سمت سے نمودار ہوئے تھے۔ میں جوں ہی مائیکرو سینٹر سے نکلا' ایک گولی میرے چہرے سے اتنے قریب سے گزری کہ اس کی حرارت مجھے اپنے بائیں رخسار پر

محسوس ہوئی اور میں اپنے تحفظ کی حیوانی جبلت کے تحت بے اختیار دیوار سے چپک گیا۔

اس دن علاقے میں گھور اندھیرا نہیں تھا، شام کے محض سات ہی بجے تھے لیکن دفاتر اور دکانوں وغیرہ کی متعدد روشنیوں کے ساتھ اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے اور قرب وجوار کے مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

باہر خاصے تواتر سے فائرنگ ہورہی تھی۔ یہ ایک یقینی بات تھی کہ اس تصادم کی ابتدا، مراد ظریف یا اس کے کسی آدمی نے اکبر علی پر گولی چلا کر کی تھی۔ حامد اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس واقعے پر خاموش رہنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ فضا میں اکبر کی چیخ بلند ہوتے ہی ان لوگوں کا پوری قوت سے حرکت میں آنا قطعی فطری تھا۔

پھر فائرنگ کے شور میں مختلف ساخت کے ہتھیاروں کی ملی جلی آوازوں سے یہ اندازہ بھی ہورہا تھا کہ وہ فائرنگ یک طرفہ نہیں تھی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ جم کر فائرنگ کی جارہی تھی۔ اگر حامد اپنے مجرموں کو زیر کرنے کے لیے کوشاں تھا تو مراد ظریف کے آدمی انہیں دہشت زدہ کرکے بھاگ نکلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

مائیکرو سینٹر کی عقبی گلی میں، میرے چہرے سے ذرا سے فاصلے سے گزرنے والی گولی اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ وہ گلی.... مخدوش تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کس رخ پر تھا اور میں کس کی گولی سے بچا تھا۔ ایک بار بال بال بچ جانے کے بعد میں دوبارہ وہ خطرہ مول لینے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان رائفل سنبھال کر مجھ سے پہلے مائیکرو سینٹر کے عقبی دروازے سے نکلا تھا۔ اس کی پوزیشن بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ سینے کے بل سخت اور کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا اور پیٹ کے بل رینگ کر عمارت کے کونے تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا تاکہ وہاں سے بہتر طور پر حالات کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرسکے۔

میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ گونجنے والی، اکبر علی کی بے ساختہ چیخ کے بعد اس کی کوئی دوسری درد آمیز آواز نہیں سنائی دی تھی اور وہ مجھے کوڑے کے ایک ڈرم کی اوٹ میں بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے سات بجے، سفید کپڑوں میں ملبوس ہوکر اس کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان نے اپنے طور پر میری جگہ اکبر علی کو وہ کام سونپ دیا تھا۔ اپنے مکمل سفید لباس کی وجہ سے وہ دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا مگر اس کی شلوار کا داہنا پائنچا خون سے سرخ ہورہا تھا۔

شاید مراد ظریف نشانے کا کچا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی اکبر علی کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے اس کی پنڈلی کو زخمی کرگئی تھی۔ میرے دل اور ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اکبر علی زندہ تھا اور بادی النظر میں اس کا زخم مہلک نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی اصل جگہ چھوڑ کر کوڑے کے ڈرم کی اوٹ میں پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوپاتا۔ اپنے سفید کپڑوں اور کم رینج کے ہتھیار کی وجہ سے وہ خطرے کی زد سے باہر نہیں تھا۔

جس طرح اکبر علی کوئی زیادہ مہلک ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جاسکا تھا۔ اسی طرح میں بھی عجلت میں محض ایک ریوالور لے کر باہر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے ہتھیار کسی بھی قابل ذکر فاصلے پر موجود حریف کو نشانہ بنانے کے لیے ناکافی تھے جبکہ اول خان کو یہ برتری حاصل تھی کہ اس کے پاس لمبی رینج کی جدید اور خودکار رائفل موجود تھی۔ اسے دوسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنے عملے کے ہر فرد کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور محض ایک جھلک دیکھ کر دوست اور دشمن میں تمیز کرسکتا تھا۔ اس نے خود کو خطرے سے بچاتے ہی ان مثبت نکات سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا تھا۔

اس نے کافی فاصلے پر بھاگتے ہوئے ایک شخص پر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے پھر لحہ بھر کے توقف کے بعد رائفل کے میکانزم کو تبدیل کرتے ہی اس پر برسٹ کھول دیا۔

اس کا شکار دوڑتے دوڑتے فضا میں یوں اچھلا جیسے اس کے جوتوں کے نیچے اسپرنگ نکل آئے ہوں پھر وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ منہ کے بل زمین پر جارہا۔

یکایک فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں صرف ایک جیسے ہتھیاروں کی آوازیں فضا میں گونجتی رہ گئیں۔ اس وقت تک اول خان مائیکرو سینٹر کے کونے تک پہنچ کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔

”الفا! زمین پر رینگتے ہوئے واپس لوٹ آؤ!“ فضا میں اول خان کی اضطراری آواز گونجی۔

اس کا وہ حکم واضح طور پر اکبر علی کے لیے تھا جس کے نام کا پہلا حرف اے تھا اور ہنگامی ضروریات میں اے کے واضح اظہار کے لیے الفا اور بی کے لیے براوو استعمال کیا جاتا تھا۔

اکبر علی نے زمین پر لیٹ کر کہنیوں کے بل تیزی سے ہماری طرف رینگنا شروع کیا تو میں دیوار کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا، اول خان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر اسپیکر فوراً کان سے لگالیا۔

”سر! وہ لوگ شاید گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں...“ میرے

کان میں حامد کی شناسا سا آواز گونجی۔
"پھر یہ اتنی فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔
"یہ صرف میرے آدمیوں کا فائر ہے' سر!" دوسری طرف سے جواب آیا۔
"بلاوجہ اپنا میگزین برباد مت کرو۔ شاید اول خان نے ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔"
"میں نے دیکھا ہے سر! وہ بھاگتے ہوئے گولیوں کی زد میں آیا تھا" حامد کی آواز آئی پھر وہ شاید ٹرانسیٹر پر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "فائر بند کردو!" اس کی وہ آواز فون پر بھی سنائی دی تھی۔
یک لخت فضا میں گونجتا ہوا فائرنگ کا شور تھم گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت غیر فطری اور مہیب سا محسوس ہو رہا تھا۔
حامد نے اپنے آدمیوں کو فائرنگ روکنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا پر جو سکوت طاری ہوا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ مراد ظریف اپنے آدمیوں سمیت میدان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔
"وہ بھاگ گئے!" میں نے اونچی آواز میں اکبر علی سے کہا "اگر تم اپنے قدموں پر چل سکتے ہو تو اب پیٹ کے بل زمین پر رینگنے کی ضرورت نہیں۔"
یہ دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اکبر علی زخمی ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھا۔ وہ زمین سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔
میدان صاف ہونے کا یقین ہونے کے بعد حامد اپنی مختصر سی نفری کے ساتھ ہم سے آملا۔
اس سے پتا چلا کہ اکبر علی کے اوپر وار ہوتے ہی ان لوگوں کی جوابی فائرنگ سے مجرموں کی سفید کرولا کا پچھلا حصہ بری طرح چھلنی ہو گیا تھا۔ دونوں ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے ان کی گاڑی چلنے کے قابل نہیں رہی تھی لہٰذا انہوں نے زبردست فائرنگ کرتے ہوئے گاڑی سڑک پر ہی چھوڑ دی تھی۔
وہ کچھ دیر تک رکاوٹوں کی آڑ لے کر فائرنگ کرتے رہے مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ اپنے حریفوں سے مقابلے میں گھر کر وہ مارے یا پکڑے جائیں گے' فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ فائرنگ کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے وہاں سے غائب ہوتے چلے گئے۔
سفید کرولا میں سوار ہو کر توحید کمرشل کے علاقے میں چکر لگانے والوں کو' ان میں سے کسی نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں لیکن پھر بھی حامد نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو دو گاڑیوں میں پورے علاقے کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا۔
بھاگنے والوں کے حق میں دو نکات سخت نقصان دہ تھے۔ اول یہ کہ وہ شہر کے اس صاف ستھرے کاروباری علاقے میں اجنبی تھے۔ دوئم یہ کہ وہ حالت فرار میں تھے۔ ان کا حد سے بڑھا ہوا اضطراب اور چوکنا پن ان کے لیے کہیں بھی عذاب بن سکتا تھا اور حامد شاید ان ہی امکانات کی طرف سے پرامید تھا۔
وہ سب بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ حامد کے آدمی علاقے کی ریکی پر روانہ ہوئے اور میں اول خان کے ساتھ دور پڑے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو اول خان کی رائفل کی گولیاں کھا کر ڈھیر ہوا تھا۔ دلیر خان نے باہر آکر اکبر علی کو سنبھال لیا تھا۔ غزالہ اکیلی اس تباہ حال کرولا کی طرف بڑھ گئی تھی جو مجرم چھوڑ کر بھاگے تھے۔
وہ گہرے رنگ کی قمیص اور شلوار میں ملبوس ایک درشت رو نوجوان تھا جس کے چہرے پر گھنے اور سخت بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی پر کسی پرانے زخم کا ایک لمبا سا نشان اس امر کی چغلی کھا رہا تھا کہ اس کا ماضی بے داغ نہیں رہا ہوگا۔ اپنے چہرے مہرے سے ہی وہ لڑنے مرنے والا نظر آرہا تھا۔
مراد ظریف کسی مذموم منصوبے کے تحت اسے چھوٹے سے آہنی دستے والی خودکار رائفل سے لیس کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی وہ رائفل دھول میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا میگزین چیک کیا تو وہ نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ قضا کے سفاک ہاتھوں نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنا میگزین خالی کر سکے۔
اس کی پشت پر تین گولیاں لگی تھیں۔ دو اس کے جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ تیسری سینہ چیر کر پار نکل گئی تھی اور شاید وہی اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی تھی۔
اچانک ہونے والی فائرنگ کی وجہ سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جو دکانیں وغیرہ کھلی ہوئی تھیں وہ بھی تیزی سے بند ہونے لگی تھیں۔ ہر شخص اس واقعے کی گواہی میں ملوث ہونے سے جان بچانے کی فکر میں مبتلا تھا۔ وہ لوگ چند روز پہلے وہاں ہونے والے واقعات کو نہیں بھولے تھے جن میں کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر زبردست افراتفری دیکھنے میں آئی تھی۔
حامد کے آدمیوں کی واپسی تک ہم وہیں رکے رہے۔ قریب آئے بغیر لوگ جان چکے تھے کہ اس مقابلے میں کم از کم ایک شخص مارا گیا تھا اور دوسرا زخمی ہوا تھا۔
ہم میں سے کسی کے جسم پر کوئی وردی تھی نہ کسی گاڑی پر کوئی سرکاری نشان تھا پھر بھی ہمارے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے لوگوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم قانون کے محافظوں میں سے تھے۔ وہ ہمارے قریب آنے سے گریزاں تھے اس لیے ان کی طرف سے کسی بھی تعرض کا اندیشہ خارج از امکان تھا۔
اول خان وہاں سے ہٹنے سے پہلے حامد کو بریفنگ دے رہا تھا

کہ سائرن بجاتی ہوئی دو پولیس موبائلیں تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور ہمارے قریب رک گئیں۔

ان دونوں گاڑیوں کے پچھلے حصوں سے باوردی سپاہی اپنے ہتھیار سیدھے کرتے ہوئے بہت تیزی سے نیچے آئے۔ اگلی پولیس موبائل میں ڈرائیور کے برابر والی نشست سے انسپکٹر کے عہدے کا ایک صحت مند افسر نیچے اترا۔ تمام سپاہی مشینی انداز میں اس کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ ان کے ہتھیار ہماری طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"آرمز ڈاؤن!" اول خان نے سرد اور تحکم آمیز آواز میں کہا "ہم دشمن نہیں، دوست ہیں۔ ہمارا آپریشن ختم ہو چکا ہے۔ یہ لاش تم ہی کو لے جانی ہے۔"

انسپکٹر نے مڑے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کا اشارہ کیا اور پولیس والوں کے ہتھیاروں کی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ انسپکٹر کا داہنا ہاتھ بھی جھک گیا جس میں سروس پسٹل دبا ہوا تھا۔

"ہمیں اس علاقے میں کسی آپریشن کی کوئی اطلاع نہیں ہے" انسپکٹر نے ہماری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مہذب اور دبے لہجے میں احتجاج کیا "ہم ایک گمنام فون پر یہاں آئے ہیں۔"

"ہر شخص ہر بات سے باخبر نہیں ہوتا" اول خان نے سنجیدگی سے جواب دے کر حامد کو اشارہ کیا اور وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتا ہوا انسپکٹر کی طرف بڑھ گیا۔

حامد کی پشت میری جانب تھی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس نے اپنی جیب سے کیا چیز نکال کر پولیس انسپکٹر کو دکھائی تھی مگر اس کا نتیجہ اسی لمحے سامنے آگیا۔ انسپکٹر نے فوراً ہی سیلوٹ کیا تھا۔

وہ سیلوٹ واضح طور پر حامد کے لیے نہیں تھا بلکہ اس بیج یا شناخت نامے کے لیے تھا جو حامد نے انسپکٹر کو دکھایا تھا۔ مجھے بے اختیار جمی لائیڈ کے زمانے میں شی کے بڑوں کی باہمی شناخت کے لیے استعمال ہونے والی طلسماتی سلور آئی یاد آگئی جس نے متعدد اہم مواقع پر مجھے مہلک خطرات سے بچایا تھا۔

وہ شی کے عروج کے زمانے کی کہانی تھی جب ہر طرف جمی لائیڈ کے نام کا طوطی بولتا تھا اور میں صرف ایک آئی مین کو ہلاک کر کے اس کی سلور آئی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا لیکن جب پے در پے کئی سلور آئیز ان لوگوں کی تحویل سے نکل گئیں تو سنگین دھوکوں سے بچنے کے لیے باہمی شناخت کے ان ذرائع کو یکسر ختم کر دیا گیا۔

گاڑی سے اترتے وقت انسپکٹر کا انداز قدرے تحکمانہ تھا لیکن وہ فضا چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکی۔ اس نے پروقار انداز میں آگے بڑھ کر ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اول خان حامد کو وہاں چھوڑ کر واپس چل دیا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ راستے میں غزالہ ہم دونوں کے ساتھ شامل ہو گئی۔ پولیس پارٹی کی آمد پر اس نے خود پر قابو پائے رکھا تھا اور ان تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا" تیزی سے رونما ہوتے ہوئے واقعات کے گرداب سے باہر نکلتے ہی میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اپنی دانست میں وہ مجھے مار کر یا زخمی کر کے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"یہ ان کی کامیابی نہیں، بدترین ناکامی ہے" اول خان نے زور دے کر کہا "تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا، اکبر علی کو معمولی سا زخم آیا ہے جو چند روز میں مندمل ہو جائے گا۔ ان کا ایک ساتھی کتے کی سی موت مارا گیا ہے۔ مراد ظریف اپنی اس احمقانہ مہم جوئی پر مدتوں پچھتاتا رہے گا۔ یہ اس کا..."

"اوہ! تو کیا وہ مر گیا؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا "زندہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔"

"میرے نزدیک یہ ہماری ناکامی ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "ہماری ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں، وہ آئے اور گولیوں کی برسات کے سائے میں بھاگ گئے۔ مرنے والا ہمارے کس کام آئے گا؟"

اول خان نے میری بددلی بھانپ لی اور خاموش ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دوبارہ مائیکرو سینٹر پہنچ چکے تھے۔

دلیر خان پورے حوصلے کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ ویرا نیچے آئی تھی اور اکبر علی کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اسے ڈریسنگ کے لیے اوپر لے گئی تھی۔

لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے بھی یہ خیال مجھے پریشان کرتا رہا کہ مراد ظریف میرے جال میں کیوں نہ پھنس سکا۔

اوپر اطلاع ملی کہ اکبر علی کا زخم واقعی معمولی تھا۔ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ تھی۔ گولی اس کی جلد اور گوشت کا کچھ حصہ پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ چند روز کی مرہم پٹی اور آرام کے نتیجے میں زخم بھرنے کی امید تھی۔

جب تک ویرا کسی پیشہ ور نرس کے انداز میں اکبر علی کی مرہم پٹی کرتی رہی، سب اپنی اپنی جگہ خاموش اور غور و فکر میں غلطاں رہے۔ ویرا، اکبر علی کو دوسرے کمرے میں پہنچا کر واپس آئی تو اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں "معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکا؟"

"ایک ہاتھ آیا ہے مگر وہ مارا جا چکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے" مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی۔

"گڑبڑ کچھ نہیں ہوئی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر اپنی رائے دی "ویرا کا بڑا بول سامنے آیا ہے۔ اسی کا خیال تھا کہ ہم گیدڑ کے لیے آدم خور شیر کے شکار جیسی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہی تھی" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی "تم لوگوں کی تیاریاں فول پروف تھیں۔ شرم کی بات ہے کہ پھر بھی ان میں سے کوئی زندہ تمہارے ہاتھ نہ آسکا۔"

"لڑنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا "اصل غلطی یہ ہوئی کہ ہم میں سے کوئی بھی مراد کی چالاکی اور ذہنی سطح کا اندازہ نہیں لگاسکا۔ اس کے بارے میں ہمارا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟" میری توقع کے برعکس ویرا نے سنجیدگی اور دلچسپی سے پوچھا۔

ویرا کی سنجیدگی نے ماحول ہی بدل ڈالا۔ اول خان کہہ رہا تھا "ہمارا خیال تھا کہ وہ قلاش آدمی تھا۔ اچانک مال ہاتھ آجانے کے بعد اس کا دماغ عرش پر پہنچا ہوا ہوگا مگر تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے رہا ہے اور متوقع خطرات سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"یہ سب تم اپنے کس تجربے کی بنا پر کہہ رہے ہو۔ ابھی تو اس سے ہمارا سامنا ہی نہیں ہوا۔ اس نے یہاں آکر مار دھاڑ کی اور کسی چور کی طرح بھاگ گیا" ویرا کی آواز سے ہلکی سی الجھن مترشح ہونے لگی۔

"ہمارا اندازہ تھا کہ وہ شان و شوکت کے ساتھ پجیرو میں سوار ہوکر حیدر آباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوگا تاکہ مقبول چوہدری سے برابری کی سطح پر ملاقات کرسکے۔ اس نے اپنی پجیرو کے بجائے ایک عام سی گاڑی کو ترجیح دی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے ابتدا سے ہی ڈینی کی کہانی پر شبہ ہوگیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" اول خان نے پرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسے حیرت تھی کہ اس نے محض چند روز پہلے موبائل فون کا کنکشن لیا ہے اور اپنے چند مخصوص دوستوں کے سوا کسی کو اس کا نمبر نہیں دیا پھر مقبول چوہدری یا اس کے کسی معتمد کو اس کا فون نمبر کیسے مل گیا۔ ہم نے مراد کے اس سوال کو نظرانداز کرکے غلطی کی تھی۔"

"ڈینی نے اسے مطمئن کردیا تھا۔ اس نے اپنے سوال پر زیادہ زور نہیں دیا تھا" ویرا بولی۔

"یہ تمہاری رائے ہے۔ اس کے ذہن میں ایک شبہ سر ابھار چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے منصوبے کے ہر مرحلے پر احتیاط سے کام لیا۔ پجیرو کے بجائے کرولا میں کراچی آنا اسی احتیاط کا ایک حصہ تھا" اول خان نے کہا۔

"اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا احساس دلا رہی تھی اس لیے وہ اکیلا کراچی نہیں آیا' اپنے ساتھ چار مسلح محافظوں کو بھی لیتا آیا تاکہ برے وقت میں وہ اس کا ساتھ دے سکیں" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو۔ اس کے اور مقبول چوہدری کے درمیان اس قدر گہرا اور پراسرار تعلق تھا کہ وہ ڈینی کے پیغام کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا" اول [illegible] حال میں یہ دیکھنا تھا کہ مقبول چوہدری کے نام کی آڑ لے کر کون اس کے پیچھے لگا ہے۔ اس کی مقبول سے ملاقات ہوجاتی تو وہ مطمئن ہوکر لوٹ جاتا ورنہ تصادم ناگزیر تھا جو ہوکر رہا۔"

"اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی ہتھیار اٹھالیے" ویرا بولی "اسے سفید کپڑوں میں ملبوس شخص تک پہنچ کر یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کیا کہتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"آرام دہ کرسی میں بیٹھ کر یہ سب کہنا بہت آسان ہے" میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچوگی تو ہر سوال کا جواب ملتا چلا جائے گا۔"

"اگر میری عقل پر پتھر پڑگئے ہیں تو تم ہی میرے سوال کا جواب دو" ویرا نے مطالبہ کیا۔

"حامد کے آدمیوں نے سات بجے کے مقررہ وقت سے پہلے ان کی مشتبہ گاڑی کو اس علاقے میں گھومتے دیکھ لیا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے توحید کمرشل میں موجود تھے۔ انہوں نے مائیکرو سینٹر کا رخ کرنے سے پہلے فریڈم انٹرنیشنل پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں چھان بین کی ہوگی۔ پچھلے چند روز میں یہاں جو کچھ ہوا' وہ پوری تفصیل سے اخباروں میں نہیں چھاپا گیا لیکن علاقے کے مکینوں کو بہت کچھ معلوم ہے کہ مقبول چوہدری روپوش ہوگیا۔ اکرم الٰہی بحال ہوا اور پھر غائب ہوگیا..."

"اور اسی بنیاد پر اس نے بھڑجانے کا فیصلہ کرلیا؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"مراد کا دماغ الجھ گیا ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن کی ہدایت پر فریڈم انٹرنیشنل والے مراد کی پشت پناہی کررہے تھے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ اس کے سارے مہرے مضبوط تھے۔ مراد کو اپنی سلامتی اور خوش حالی داؤ پر لگی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے سات بجنے سے چند منٹ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے نمبر پر فون کیا اور مجھ سے بات کی۔ وہ مقبول چوہدری سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اگر پروگرام میں کہیں گڑبڑ نہیں تھی تو مقبول چوہدری کو اس وقت موجود ہونا چاہیے تھا..."

"بس' یہی فیصلہ کن موڑ تھا" ہیجان کے باعث اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "ڈینی نے مقبول چوہدری کے باتھ روم میں ہونے کا عذر پیش کیا اور فون بند ہونے کے بعد ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ کر فون لائن کو مصروف کردیا۔ مراد نے یقیناً آخری لمحے تک فون پر مقبول چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر اس نے اکبر علی سے ملنے کے بجائے اس پر فائر کردیا.... ہوسکتا ہے کہ اس کے اس فیصلے میں ارادے سے زیادہ اضطرار اور بے چینی کا دخل رہا ہو۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے" سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا "وہ منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کرتا تو اتنی آسانی سے ان کے [illegible] تک پتا نہیں تھا کہ اسے

کیا کرنا ہے۔"

"وقت سر پر آچکا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات مقبول سے ہوگی یا کوئی اور اس پر ہتھیار تان لے گا" ویرا تفہیمی انداز میں بولی "اس کا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔"

"اس وقت دونوں فریقوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے" غزالہ نے سکوت توڑتے ہوئے کہا "ہم اسے کھو کر پشیمان ہیں اور اسے کچھ نہیں معلوم کہ کون اس کی راہ پر لگا ہوا ہے۔"

"تم لوگ بڑی بڑی باتوں کے چکر میں چھوٹے نکتوں کو نظرانداز کر رہے ہو" اول خان نے پہلو بدل کر قدرے درشتی سے کہا "اس کے نکل جانے کے باوجود ہم ناکام نہیں ہوئے۔ ہماری کامیابی کا تمغا ہمارے پاس موجود ہے۔"

ویرا دھیمے سے ہنس کر بولی "اکبر علی کی پنڈلی کا زخم واقعی تمغا ہے مگر چند روز میں ہم اس سے محروم ہو جائیں گے۔ کوشش کی جانی چاہیے کہ ایسی ہی کسی اور کامیابی تک اس کا زخم ہرا رہے۔"

"ویرا!" اول خان نے برہم نظروں سے اسے گھورا "بعض اوقات تم حد سے تجاوز کر جاتی ہو۔ مراد کے ساتھی کی لاش کو تم کیوں بھول رہی ہو۔ اس کی ہسٹری سے پتا چلے گا کہ فریڈم انٹرنیشنل والے مراد سے کیا کام لے رہے تھے؟"

ویرا کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ زبان سے معذرت طلبی اس کے مسلک سے باہر تھی۔ شرمندہ ہو کر وہ بس خاموشی سے اپنی پسپائی تسلیم کر لیتی تھی اور ہم لوگ اسی کو کافی تصور کرتے تھے۔

"لاش کو مقامی پولیس کے حوالے کر دینے کے بعد ہم اس کیس سے دستبردار نہیں ہو گئے؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا "وہ اپنے روایتی انداز میں کئی روز بعد کسی نتیجے تک پہنچیں گے۔"

"پولیس کی کارکردگی کے بارے میں تم تعصب کا شکار معلوم ہوتے ہو" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ لوگ بھی ہمارے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں' ان سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہوں گی لیکن انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ قتل اور ڈکیتی کی وارداتوں سے لے کر ٹریفک کی معمولی خلاف ورزیوں تک' ہر روز ہزاروں افراد کا ہر سطح کے پولیس افسروں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اچھے تجربات فرائض منصبی قرار دے کر بھلا دیے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے تلخ تجربات کی کہانیاں بنا لیتے ہیں جو سینہ بہ سینہ پروان چڑھتی رہتی ہیں۔ ہماری پولیس اتنی خراب نہیں ہے۔"

"تم نے پولیس والوں کی حمایت میں اچھی خاصی تقریر کر ڈالی" سلطان شاہ کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیرنے لگی "میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مرنے والے کے بارے میں معلومات کون حاصل کرے گا؟"

"مقامی پولیس!" اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر جواب دیا "کوئی نتیجہ سامنے آنے تک حامد ان کے ساتھ رہے گا۔"

"تم نے بھی ان پر ایک چوکیدار مسلط کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟" سلطان شاہ کھل کر ہنس پڑا۔

اول خان جھنجلا گیا "حامد چوکیداری نہیں کرے گا۔ وہاں پہنچنے والی اطلاعات کو بلا تاخیر مجھ تک پہنچاتا رہے گا۔ علاقے کا تھانے دار اپنے ڈی ایس پی اور ایس پی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باقاعدہ چینل سے معلومات حاصل کرنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔"

"ابھی تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مرنے والے کا تعلق حیدر آباد سے ہے یا میرپور خاص سے!" ویرا نے لب کشائی کی "ہم نے اپنے طور پر فرض کر لیا ہے کہ مراد حیدر آباد سے کراچی آیا ہوگا۔"

"وہ دونوں چھوٹے اور قریبی شہر ہیں۔ میرپور خاص سے سڑک کے ذریعے کراچی پہنچنے کے لیے وہ حیدر آباد سے ضرور گزرا ہوگا" اول خان بڑھتی ہوئی جرح سے بے زار ہونے لگا تھا۔

"ابھی وہ کراچی کی ہی حدود میں ہوگا" میں نے چونکتے ہوئے کہا "موبائل فون پر اسے چھیڑ کر دیکھا جائے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس وقت اس کا ردعمل ہمارے لیے راہ نما ثابت ہو سکتا ہے۔"

"مگر اس کا موبائل فون تو حیدر آباد یا میرپور خاص کے لیے ہوگا۔" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

وہ موبائل فون کی آمد کا ابتدائی دور تھا۔ اسے ایک حیرت انگیز ایجاد اور فیشن کا درجہ حاصل تھا مگر عام لوگ اس کی کارکردگی اور دائرہ کار کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔

"موبائل فون کے لیے کراچی سے حیدر آباد اور اس کے مضافات تک کے لیے ایک ہی زون ہے" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اسے فون کرو۔ کام کی کوئی نہ کوئی بات مل ہی جائے گی۔"

مراد ظریف کا موبائل فون کنکشن دوسری کمپنی کا تھا۔ میں نے اپنے موبائل پر اس کا کوڈ اور نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی پر ہی سلسلہ مل گیا۔ "ہیلو! کون بول رہا ہے؟" مراد کی آواز سے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"مقبول چوہدری کا خاص آدمی بول رہا ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنا ایک آدمی مفت میں چھوڑ دیا۔ اس کی لاش حیدر آباد پہنچانے کا کرایہ کون دے گا؟"

دوسری طرف سے سندھی زبان میں بے ساختہ جو کچھ کہا گیا وہ صوتی اعتبار سے میرے لیے ناقابل فہم تھا مگر میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ مراد کے جواب کا وہ حصہ غلیظ ترین گالیوں پر مشتمل رہا ہوگا۔ اپنے غیر ارادی ردعمل کے اظہار کے بعد وہ بولا "تم بھوکے بدمعاش [illegible] دیکھنا میں تمہارا کیا حشر

کرتا ہوں..."

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مراد؟" میں نے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی "مقبول تم پر بہت برہم ہے۔ وہ تمہیں کوڑی کوڑی کو محتاج کر کے دوبارہ فٹ پاتھ پہ پہنچادے گا۔"

"وہ میرا سائیں اور میں اس کا غلام ہوں" مراد ظریف کا لب ولہجہ یکایک تبدیل ہوگیا "تم سچے ہو تو اب بھی سائیں مقبول چوہدری سے میری بات کرادو۔ میں اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگ لوں گا" میری پراعتماد دھمکی نے مراد کو تذبذب میں ڈال دیا تھا مگر اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مفاہمت کے لیے ایک کڑی شرط رکھ دی تھی۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "چند سیکنڈ توقف کرو۔ میں مقبول چوہدری سے تمہاری بات کراتا ہوں۔"

ان چاروں کی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے پاس مشق کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد فون اپنے کان سے لگایا اور اپنی دانست میں مقبول چوہدری کی آواز کی نقل کرتے ہوئے مجروح آواز میں کہا "مراد۔ آج تم نے میرا مان توڑ دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر گولیاں برساؤ گے۔"

مجھے پتا نہیں تھا کہ میری وہ کوشش کہاں تک کامیاب تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے مخاطب کے ردعمل کا منتظر تھا۔ اس نے کسی سکوت یا وقفے کے بغیر سپاٹ آواز میں کہا "اگر تم سائیں مقبول چوہدری ہی ہو تو میں ہاتھ جوڑ کر اور تمہارے پاؤں چھو کر معافی چاہتا ہوں۔ میں تم سے ملنے آیا تھا لیکن تمہارے آدمی نے مجھے شک و شبہے میں ڈال دیا..."

"تم اب بھی شک و شبہے والی بات کر رہے ہو" میں نے ہلکی سی خفگی کا مظاہرہ کیا "کیا مجھ سے براہ راست بات کرنے کے باوجود تمہیں میرے اوپر یقین نہیں ہے؟" مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میری بدلی ہوئی آواز پر شبہ نہیں ہوا تھا۔

"سائیں!" فون پر اس کی لجلجائی ہوئی آواز ابھری "تم خود بتاؤ کہ اندھے وسوسوں میں گھرا ہوا آدمی کسی پر کیسے بھروسا کرسکتا ہے؟ آج تک تم نے مجھے ملنے کی عزت نہیں دی۔ میں گولی چلانے سے پہلے تک تم کو فون کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن تمہارا فون انگیج تھا۔ میں کیا کرتا؟ اب تم نے مجھ سے بات کی ہے تو میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا ہے.... بھلا میں شبہے میں کیوں نہ پڑوں؟ تم تو اتنے محتاط آدمی ہو کہ مجھے فون پر ہمیشہ مجھے میرے کوڈ سے پکارتے ہو۔"

میرے ذہن پر لمحہ بھر کے لیے سناٹا سا چھا گیا پھر مجھے یاد آیا کہ نسرین کے گھر سے برآمد ہونے والی فورڈ فاؤنڈیشن کی فائل میں جہاں جہاں مراد ظریف کا نام آیا تھا وہیں بریکٹ میں ایم زیڈ کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔ روایتی تلفظ کے مطابق وہ ایم زیڈ ہی تھے، جدید رجحان کے تحت اسے ایم زی بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

وہ ایک سخت مرحلہ تھا، میرے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں کہا "وہ سب عام حالات کی احتیاطیں تھیں، انہیں بھول جاؤ۔ ایم زیڈ، ایم زی یا مراد ظریف سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا اسی لیے میں نے تم کو بلایا تھا مگر تم نے میرے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔"

میں نے بات چالاکی سے گھمائی تھی۔ ان الفاظ میں مراد ظریف کا صحیح کوڈ بھی شامل تھا کیونکہ اس نے اس بارے میں کوئی نیا سوال کیے بغیر تشویش آمیز آواز میں پوچھا "تو کیا اب حالات بدل گئے ہیں؟"

"بہت زیادہ بدل گئے ہیں۔ ہمارے دشمن ہماری سن گن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں" میں نے دھیمی اور ڈرامائی آواز میں رک رک کر کہا "ان سے بچنے کے لیے ہمارا مل بیٹھنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر اس کی آواز میں گہرا خوف سمٹ آیا تھا "دشمن پیچھے لگا ہوا ہو تو سب کو الگ الگ راستوں پر بھاگنا چاہیے تاکہ دشمن کی طاقت بھی بکھر جائے۔ تم مجھے کیوں بلا رہے ہو....؟ تم ان کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ تمہیں مارا پیٹا گیا ہے۔ میں تمہاری طرف آیا تو خود بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔"

"یہ سب باتیں فون پر نہیں بتائی جاسکتیں۔ تم فوراً لوٹ آؤ!" میں نے سختی سے کہا۔ مقبول چوہدری کی آواز کی کامیاب نقل پر میرے اعتماد میں بہت زیادہ اضافہ ہوچکا تھا۔

"یہ عام فون نہیں، موبائل فون ہے۔ اس کی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔ تم مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔"

"تم دس منٹ میں لوٹ آؤ، میں تمہیں ہر بات بتادوں گا" میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔

"نہیں سائیں، مجھے ایسا حکم مت دو" اس کی آواز سے عاجزی کے ساتھ مزاحمت بھی جھلک رہی تھی "ابھی وہاں سیکڑوں گولیاں چلی ہیں۔ میرے آدمیوں نے میگزین خالی کیے ہیں، تمہارے آدمیوں نے بے حساب راؤنڈز فائر کیے ہیں۔ میری گاڑی کھڑی ہے، دھنی رام کی لاش وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم تک پہنچنے سے پہلے پولیس مجھے دھر لے گی۔"

دھنی رام....وہ نام میرے ذہن کے کمپیوٹر میں فوراً ہی محفوظ ہوگیا۔ باتوں کے جال پیچ میں مجھے پہلی کارآمد بات معلوم ہوچکی تھی کہ مراد کے مرنے والے ساتھی کا نام دھنی رام تھا۔ وہ نام میرے لیے بالکل ہی نامانوس نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے فوری طور پر یاد نہیں آسکا کہ میں نے وہ نام کہاں اور کس حوالے سے سنا تھا۔

میں نے مراد سے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "تم احمق ہو..... ان خطرات سے میں خود بھی واقف ہوں۔ میں تمہیں مائیکرو سینٹر نہیں بلا رہا۔ تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ' میں ملاقات کے لیے کوئی محفوظ جگہ تجویز کروں گا دس منٹ کے اندر اندر ہم دونوں وہاں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر مراد کی آواز ابھری "نہیں سائیں' تمہارا ایم زی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اپنی گردن خود کٹوالے۔ خطرہ تم کو ہے۔ وہ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے درشت آواز میں کہا "تمہیں اپنے انکار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"سائیں ایسا ظلم مت کرو" اس کی التجا آمیز آواز ابھری "یہ ساری عقل اور احتیاط تم نے ہی مجھے سکھائی ہے کہ ماں کے دامن کو آگ لگی ہوئی ہو تو سگی اولاد کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے ورنہ وہ بھی ماں کے ساتھ جل مرے گی۔"

"میرا سکھایا ہوا سبق مجھے نہ سناؤ" میں نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "جو کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔"

"یہ مشکل ہے" وہ اپنی بات پر اڑا رہا "ابھی میں نے دھنی رام کو تمہارے حکم پر قربان کیا ہے۔ مجھ میں اپنی گردن کٹوانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں تم نے مجھے ہی اپنے راستے سے ہٹانے کا ارادہ نہ کرلیا ہو۔"

"اب تم میری نیت پر بھی شبہ کررہے ہو! میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں سائیں۔ میں تمہارا غلام ہوں" وہ گھگیانے لگا۔ عدم تحفظ کے احساس نے اس کی ذہنی حالت ابتر کی ہوئی تھی "میں خود کئی دن سے تمہاری تلاش میں تھا۔ ایک بڑے آدمی کو خریدنے کے لیے مجھے مدد درکار تھی۔ اس کی دعوتوں کے لیے تین چار لاکھ روپے مل جائیں تو ہمارا کام بہت تیز ہو جائے گا۔ وہ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کا رسیا ہے..."

"اسے جہنم میں ڈالو۔ مجھے تمہاری باتوں سے بغاوت اور لالچ کی بو آرہی ہے۔ میں اپنے قریب ایسے کسی سازشی آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کرسکتا" میں نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی تم غصے میں ہو۔ باہر کے حالات بھی خراب ہیں۔ میں کل تم کو فون کروں گا" ایک گہرے سانس کے بعد آواز آئی۔

میں نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کردیا۔ وہ اپنی راگنی الاپے جارہا تھا۔ اسے فوری طور پر گھیرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہر قسم کے رابطے سے روک دینا چاہیے تھا مگر میں وہ راستہ مسدود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں بہتر راہ اختیار کی تھی۔ کچھ نہ کہہ کر میں نے اپنا بھرم رکھ لیا تھا۔

"تم بلا کے اداکار تو ہو ہی' آج تمہاری صداکاری بھی سن لی" گفتگو کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ویرا نے کہا "تمہاری بدلی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔"

"معلوم ہو رہا تھا کہ مقبول چوہدری دوبارہ زندہ ہوگیا ہے" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"اس وقت وہ بری طرح دہشت زدہ ہے۔ یہ داؤ چل گیا تو وہ جلد ہی ہماری گرفت میں آجائے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی زبانی مرنے والے کا نام معلوم ہوگیا ہے۔ اسے دھنی رام کہتے تھے۔"

"دھنی رام!" سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "وہ تو بدنام سندھی دہشت گرد تھا۔"

"شاید اس نے چند ماہ پہلے نواب شاہ کے ایک وڈیرے کے گھر میں گھس کر خاندان کے سات افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا" اول خان نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا "اور گھر سے ہر قیمتی شے لوٹ کر لے گیا تھا۔"

"دھنی رام کو سندھی مت کہو" میں نے ملامت سے سلطان شاہ کو سمجھایا "ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی کوئی زبان ہوتی ہے نہ کلچر۔ وہ صرف ڈاکو اور دہشت گرد ہوتے ہیں اور کسی سے رورعایت نہیں کرتے۔"

"مگر وہ سندھی ہی تھا" سلطان شاہ نے اپنی بات پر اصرار کیا "اخبارات نے یہی لکھا تھا۔"

"بعض اخبارات ناقابل اعتبار' دو پیسے کے چیتھڑے ہوتے ہیں۔ اخبار بیچنے کے لیے لوگوں میں سنسنی' ہیجان اور تعصبات کو ابھارتے ہیں۔ دھنی رام کو تم صرف اس وقت سندھی دہشت گرد کہہ سکتے تھے جب وہ سندھیوں کے سوا دوسروں کو مارتا۔ اس نے تو ایک ہی واردات میں نواب شاہ کے ایک گھرانے کے سات چراغ گل کردیے۔ دوسرے واقعات میں اس نے نہ جانے کتنے سندھی مارے ہوں گے۔ اس جیسے قابل نفرت آدمی کو اس کی قومیت کے حوالے سے پکارنا گھناؤنا فعل ہے جو شرانگیزی کے زمرے میں آتا ہے" میں نے اپنی سوچی سمجھی اور نپی تلی رائے ان چاروں کے سامنے پیش کردی۔

"سوال یہ ہے کہ دھنی رام جیسا مجرم مراد اور اس کی این جی او کے لیے کیا کار خیر سرانجام دے رہا تھا۔" ویرا نے اس ضمنی موضوع کو فوراً ہی صحیح رخ پر ڈال دیا۔

"اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بہت سی این جی اوز غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر یہاں شورش' افراتفری اور عدم استحکام پھیلانے کے لیے کام کررہی ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "مراد کی بنائی ہوئی صحرا نامی تنظیم بھی کسی بھاری غیر ملکی امداد کی آس میں اپنا

جال بچھائے بیٹھی تھی۔ ان کا انتظار رنگ لایا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے ان پر اپنی تجوری کا منہ کھول دیا۔"

"صحرا والے تھر کے بھوکے پیاسے خانہ بدوشوں کے نام پر ایک تہمت ہیں۔ اس فراڈ میں دھنی رام جیسے مستند مجرم ہی مراد کا ساتھ دے سکتے تھے" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "اس کے دوسرے ساتھی بھی چور، ڈاکو اور قاتل ہی ہوں گے۔"

"ہمیں پہلی فرصت میں ہیر آباد کے علاقے میں صحرا کا دفتر تباہ کردینا چاہیے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "تم اس دفتر کی یتیمی کا احوال سن ہی چکے ہو۔ وہ کرائے کی ایک کوٹھری میں قائم ہے، وہاں رکھا ہوا بے جان فون محض نمائش کے لیے ہے۔ وہاں ایک آدمی دن بھر بیٹھا، مکھیاں مارتا رہتا ہے۔"

"دفتر کی تباہی سے سارا نقصان مالک دکان کا ہوگا۔ صحرا کا ملازم اپنا دامن جھاڑ کر گھر چل دے گا" ویرا بولی۔

"وہ مجرموں کا ٹھکانا ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہوگا۔ اس کا ختم کیا جانا ضروری ہے" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"جرم دفاتر میں بیٹھ کر کیے جاتے ہیں نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہوتا ہے" اول خان نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جرم کا بیج مجرموں کے ذہن میں پھوٹتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ پیروں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ صحرا کے دفتر سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے اپنا وہ دفتر محض آڑ کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔"

"یہی بات ہے تو ڈینی کو اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل کی جستجو کیوں تھی؟ اسی فائل نے مراد ظریف کی نشاندہی کی تھی۔ آج اس نشان دہی کے نتائج ہم سب کے سامنے ہیں" سلطان شاہ کے پاس نیا سوال موجود تھا۔

"جس طرح کاروبار کی دو اقسام ہیں۔ انفرادی اور کارپوریٹ۔ اسی طرح جرائم بھی انفرادی اور منظم درجوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل والے چلتے پھرتے مقامی مجرم ہیں جو ہر جرم کی کلید اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔" میں نے اس کی بے اطمینانی دور کرنے کے لیے جواب دیا "اس کے برعکس شی، ڈیوڈ اسٹارز اور فورڈ فاؤنڈیشن منظم جرائم کے گویا کارپوریٹ ادارے ہیں۔ ان کی اپنی عالمی مجبوریاں ہوتی ہیں اس لیے کچھ نہ کچھ ریکارڈ پر آجاتا ہے۔"

"جب سے فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی بدنیتی کا اندازہ ہوا، ریکارڈ غائب ہوگیا اور سارے کام زبانی طے پانے لگے" اول خان نے میری بات پوری کرتے ہوئے کہا "ہمارے لیے ریکارڈ اور ثبوت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس مجرموں کے عزائم کا ٹریک ملنا چاہیے پھر ہم ان کی نیتوں کی بنیاد پر اپنا کام آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ مراد مجھ سے کل تک ضرور رابطہ کرے گا اور میں اسے گھیرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔" میں نے اپنی پُرامیدی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "وہ خوف زدہ ضرور ہے مگر مجھے مقبول سمجھ رہا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کبھی بھی اور کہیں بھی مقبول نہیں رہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور سب ہنس پڑے۔

"کل تک انتظار میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہوگا کہ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کو اجاڑ دیا جائے" سلطان شاہ کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی "وہ بُری طرح بوکھلا جائے گا۔"

"بوکھلا نہیں جائے گا، ہوشیار ہوجائے گا کہ کوئی اس کے پیچھے لگ چکا ہے۔ ڈینی سے رابطہ ہونے تک اسے یہ اطمینان رہنا چاہیے کہ وہ ہر طرح سے محفوظ ہے" ویرا نے بھرپور دلیل کے ساتھ سلطان شاہ کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

بدلے ہوئے حالات کے تحت مائیکرو سینٹر کا آباد رہنا بلکہ میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ مراد کب مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر بیٹھتا۔ اس کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں مجھے کم از کم اگلے چوبیس گھنٹے اسی عمارت میں بسر کرنے تھے۔ ویسے بھی گلشن اقبال والے گھر میں میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر میں رہائش اور خورونوش کا پورا بندوبست تھا۔ میں کسی بھی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر مطلوبہ وقت وہاں گزار سکتا تھا۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی ان تینوں نے بھی میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ مائیکرو سینٹر کی رہائشی سہولت میں ان کے لیے ضرورت سے کہیں زیادہ گنجائش موجود تھی۔

اول خان کا مسئلہ ذرا مختلف تھا۔ اس کی بیوی چند روز قبل ہی میکے سے واپس آئی تھی اور اس کے آتے ہی اول خان کو اہم کام سے پشاور جانا پڑگیا۔ اسے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ رکنے میں دلچسپی ظاہر کی نہ کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ سوا نو بجے وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

اس کے روانہ ہونے تک دھنی رام کے بارے میں حامد کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

○☆○

مائیکرو سینٹر کی عمارت ویرا کے لیے جنتِ ارضی ثابت ہوئی کیونکہ وہاں ہر منزل پر بیش قیمت اور پرانی شرابوں کے بھاری ذخائر موجود تھے۔ اس نے اول خان کے جاتے ہی عمارت کی تلاشی لینے کا قصد کیا تھا، دونوں رہائشی منزلوں کے علاوہ فریڈم انٹرنیشنل والے فرسٹ فلور پر بھی ایسی الماریاں دریافت کرلی تھیں جن میں وہسکی، وائن، رم، جن، واڈکا اور شمپین کی متعدد اقسام قطار در قطار سجی

ہوئی تھیں۔ دفتر میں موجود ریفریجریٹر کا ایک پورا خانہ ولایتی بیئر کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔

ویرا کو بہت زیادہ نفیس اور پرانی وہسکی سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اس کی منطق تھی کہ پرانی اسکاچ دیر سے اثر دکھاتی ہے اور پھر اس کے اثرات بھی زیادہ دیر تک اعصاب پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے عجلت پسند تھی اس لیے ہمیشہ ڈی لکس کے بجائے اسٹینڈرڈ اسکاچ کو ترجیح دیتی تھی۔

اس روز وہ نہ جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے الماری سے رائل سیلیوٹ کا چمکتا دمکتا ہوا ڈبا نکال لیا۔ ویرا کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی اور مقبول کے ذخیرے کی خوبی یہ تھی کہ الماریوں میں ہر بوتل اپنی اصل پیکنگ میں موجود تھی۔

ویرا نے میز پر لوازم جمع کرنے کے بعد جب بلور کے دو پیمانے نکالے تو سلطان شاہ چونک پڑا "یہ دوسرا پیمانہ کس کے لیے ہے؟"

"چاہو تو تم میرا ساتھ دے سکتے ہو" ویرا نے اسے آنکھ مار کر کہا "یہ دنیا کی بہترین اسکاچ ہے۔"

"ہوگی۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میرے لیے تو یہ ناپاک پانی سے زیادہ نہیں ہے۔"

ویرا نے ڈبا کھول کر سرخ مخمل کی تھیلی میں ملفوف بوتل باہر نکالی اور جواب دیا "ایک دفعہ چند گھونٹ لے کر دیکھو' دنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا نظر نہ آئے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اسے پینے والوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے" سلطان شاہ اس کی تذلیل پر تلا ہوا تھا۔

"ہوا کرے" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "رحمت ہو یا لعنت' بندہ اپنے خالق سے براہِ راست رابطے میں تو رہتا ہے۔ تمہاری طرح بیچ میں معلق نہیں رہتا۔ خدا اور وصالِ صنم' دونوں سے یکسر محروم!"

"یہ وصالِ صنم کا کیا تذکرہ ہے؟" غزالہ نے باہر سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اسے سمجھاؤ کہ شراب نوشی حرام ہے۔ یہ اس سے توبہ کرلے" سلطان شاہ نے غزالہ سے سفارش کی۔

"تمہارے لیے حرام ہوگی مگر بہت سے مسلمان اسے عزیز رکھتے ہیں اور میں تو عیسائی ہوں" ویرا نے اسے چڑایا۔

"نشہ دنیا کے ہر مذہب میں حرام ہے۔ عیسائیت میں بھی اس کی ممانعت ہے" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"خبردار!" ویرا نے اسے گھورا "میرے مذہب میں دخل مت دو۔ اپنے مذہب پر میں خود اتھارٹی ہوں۔"

"مگر میز پر یہ دو گلاس کس کس کے لیے ہیں؟" غزالہ نے حیرت اور دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک میرے لیے اور دوسرا میرے اس مرحوم دوست کے لیے ہے جو اب شراب سے تائب ہو چکا ہے" ویرا نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے جواب دیا "اب میں دونوں گلاسوں سے باری باری گھونٹ لیتی رہوں گی۔"

اس وقت تک میں بظاہر ان سرگرمیوں سے لاتعلقی اختیار کیے' ان کاغذوں کے مطالعے میں مصروف تھا جو نسرین کے گھر سے حاصل کی جانے والی فائل میں لگے ہوئے تھے۔ ویرا کے جواب پر مجھے بولنا پڑ گیا "تم مرحوم کسے کہہ رہی ہو؟"

"تمہارے سوا اور کس کو کہہ سکتی ہوں؟ رائل سیلیوٹ لوگے؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میں مرا نہیں' ابھی زندہ ہوں" میں نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرکے تلخی سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ تم زندہ نہیں ہو؟" ویرا کے چہرے پر معصومانہ حیرت ابھر آئی۔

"پھر مرحوم کسے کہتے ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اردو بہت ناقص ہے" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہیں مرحوم و مغفور بھی کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم پر جیتے جی رحمت ہو اور تمہاری مغفرت ہو جائے۔ شراب تم کچھ عرصے سے ... چھوڑ ہی چکے ہو۔ یہ دونوں درجے بھی مل جائیں تو کسی فرشتے کی طرح پاک صاف ہو جاؤ گے۔"

"اپنی اردو دانی اپنے ناریل تک محدود رکھو اور مجھے ڈسٹرب نہ کرو ورنہ سر توڑ دوں گا۔"

"ڈسٹرب ہو رہے ہو تو کسی اور کمرے میں چلے جاؤ۔ اسی فلور پر کئی کمرے ہیں۔ یہاں یہی ہوتا رہے گا کیونکہ اس فلور کی وائن کیبنٹ بدقسمتی سے اسی کمرے میں موجود ہے۔"

"ویرا! پلیز شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ" میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں فون کی وجہ سے اس کمرے میں رہنے پر مجبور ہوں۔ آنے والی ہر کال میں خود ریسیو کرنا چاہتا ہوں۔"

ویرا نے مجروح نظروں سے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا۔ اور پھر بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"اس کا سازوسامان بھی اس کے پاس پہنچادو" میں نے رواروی میں غزالہ سے کہا۔

"میں اس کی نوکرانی نہیں ہوں" غزالہ نے دبی آواز میں کہا۔

"ضرورت ہوگی تو خود لے جائے گی' کچن میں ہر چیز موجود ہے۔"

"واہ!" سلطان شاہ سینے پر ہاتھ مار کر بازاری انداز میں اچھلا۔ "آج تم نے میرا جی خوش کردیا۔"

"اچھل کود کرنے کے بجائے خاموشی سے بیٹھو ورنہ میں تمہیں بھی باہر نکال دوں گا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

وقتی طور پر سکون ہوگیا اور میں نے اپنی توجہ دوبارہ فائل پر مرکوز کردی۔ اس میں موجود دو سرے مقامیوں کے نام اور فون نمبر نوٹ کرتے ہوئے میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ فائل میں موجود

آخری کاغذ کی تاریخ تقریباً چھ ماہ پرانی تھی جبکہ رستم ایرانی کے بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کے اخباری بیان کو مشکل سے دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اکرم الٰہی نے بتایا تھا کہ اس بیان کا متن فورڈ فاؤنڈیشن سے فیکس پر موصول ہوا تھا جو مقبول چوہدری نے اپنی تنظیم کی طرف سے جاری کردیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ فیکس کہاں تھا!

میرے ذہن میں یہ نکتہ محفوظ تھا کہ اکرم الٰہی کی طرف سے ریکارڈ کے ذریعے بلیک میلنگ کا علم ہوتے ہی فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اس سے تحریری پیغامات کے تبادلے کا سلسلہ موقوف کردیا تھا تو رستم ایرانی کے لیے فیکس کیوں بھیجا؟ اس سوال کا جواب دینے والے دونوں افراد جہنم واصل ہوچکے تھے اور وہ فیکس غائب تھا۔

میں نے فرض کرلیا کہ غیر اہم پیغامات کے لیے شاید فیکس اور ٹیلکس وغیرہ استعمال کیا جاتا رہا ہو یا پھر اکرم الٰہی کی جگہ مقبول چوہدری کے آنے کے بعد فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اپنی پالیسی کچھ نرم کرلی ہو۔ صورت جو بھی رہی ہو، وہ فیکس مقبول چوہدری کو موصول ہوا تھا اور اس نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد اس پیغام کو ضائع کردیا۔

اس ذہنی مشقت سے فارغ ہوکر میں نے سر اٹھایا تو کمرے میں میرے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ کسی اندرونی کمرے سے ویرا کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویرا کی عادات اور حرکات سے بے زاری کے مسلسل اظہار کے باوجود غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے زیادہ دیر تک اس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنی نوک جھوک سے کسی کو بھی ذہنی اضمحلال کا شکار نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی اس خوبی کی بنا پر ویرا کی شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش پیدا ہوگئی تھی کہ اس سے ملنے والے ہمیشہ کے لیے اس کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔

ویرا کی مے نوشی کے اختتام پر ہم کھانے کی میز کے گرد جمع ہوئے، کسی کے چہرے پر تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ویرا اپنے دھیمے اور مخمور لہجے میں سب سے باتیں کررہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں کی چمک گہری ہوچکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر تیزی سے کمرے کی طرف دوڑا اور ریسیور اٹھالیا۔

"مرنے والا ایک بدنام دہشت گرد اور ڈکیت تھا" دوسری طرف سے حامد اطلاع دے رہا تھا "اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر تھا۔ یہ واقعہ مقامی پولیس کے کھاتے میں گیا ہے۔"

"اس کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نواب شاہ میں قتل اور ڈکیتی کی ایک بڑی واردات کے بعد

وہ روپوش تھا۔ فی الحال مفرور مجرموں کی فہرست سے اس کی شناخت ہوئی ہے۔ یہاں ایک جشن کی سی کیفیت ہے۔ تفصیلات بعد میں مل سکیں گی۔"

"تم نے ابھی تک اس کا نام نہیں بتایا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نام بدل بدل کر وارداتیں کرتا تھا۔ اکبر ملاح، دھنی رام اور کھیرومل جیسے کئی نام ریکارڈ پر ہیں۔"

"اس کا اصل نام دھنی رام ہے!" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"اب تم جاکر آرام کرو۔"

فون بند کرنے کے بعد مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ اپنے چکروں میں پڑ کر میں حامد کو بھول ہی گیا تھا اور وہ بے چارہ ایک بے مصرف بات معلوم کرنے کے لیے اس وقت تک تھانے میں بندھا بیٹھا تھا۔

دھنی رام کا قصہ تازہ ہوا تو سلطان شاہ کو پھر صحرا کا دفتر یاد آگیا۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ان بدمعاشوں کی سرکوبی کے لیے ہمیں حیدر آباد ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔" ویرا نے خفگی سے کہا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ دفتر بند ہو چکا ہو گا" سلطان شاہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت تم مراد ظریف کو قابو کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو میں حیدر آباد میں موجود رہوں۔ تم فون پر مجھے ایک اشارہ دو گے اور میں صحرا کے دفتر کا کریا کرم کر دوں گا۔"

دوسروں نے سلطان شاہ کی اس تجویز پر کان نہیں دھرا مگر میرے لیے وہ مشورہ قابلِ غور تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "ٹھیک ہے.... تم غزالہ کو ساتھ لے کر گاڑی سے حیدر آباد نکل جاؤ۔ وہاں جس ہوٹل میں ٹھہرو، فون پر ہمیں بتا دینا تاکہ ضرورت پیش آنے پر تم سے رابطہ کیا جاسکے۔ یہ خیال رکھنا کہ صحرا کے دفتر میں بیٹھنے والا کوئی تنخواہ دار نادار آدمی بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کے رنگ ڈھنگ سے ہی پتا چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔" سلطان شاہ نے خوش ہو کر کہا "تمہیں میری طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

ویرا کے لیے میرا وہ اعلان غیر متوقع تھا۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا "جانا ضروری ہے تو پھر غزالہ کو یہیں روک لو۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ حیدر آباد چلی جاتی ہوں، اس بہانے میری آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔"

سلطان شاہ کے چہرے کے نقوش پر فریاد ہی فریاد ابھر آئی مگر اس کے زبان کھولنے سے پہلے میں بول پڑا "نہیں، تم نہیں جاؤ گی۔ تمہاری وجہ سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں" غزالہ مسکراتی ہوئی میز سے اٹھ گئی۔

میرا فیصلہ سن کر سلطان شاہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات سمٹ آئے اور ویرا چڑچڑے لہجے میں احتجاج کرنے لگی "مجھ میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ میں سلطان شاہ کے لیے مسائل کھڑے کر دوں گی؟"

"خرابی یہ ہے کہ تم ہر وقت جلنے بھننے کے باوجود اب بھی سفید فام ہو۔ حیدر آباد چھوٹا سا، قدامت پرست شہر ہے۔ تم جہاں سے گزرو گی، ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ اس معاملے میں بے جا ضد نہ کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے اپنا منہ کالا کرنا ہی پڑے گا" ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

"ڈان مرسیانو کی نگرانی میں تم یہ کام کرتی رہی ہو۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" گلوخلاصی کا یقین ہوتے ہی سلطان شاہ کی شگفتہ مزاجی دوبارہ عود کر آئی "مم.... میرا مطلب میک اپ وغیرہ سے ہے۔"

ویرا کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر اسے فوراً ہی اپنے طنز کی وضاحت کرنی پڑ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس وقت غزالہ میز پر موجود نہیں تھی۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاید سلطان شاہ کا گہرا مذاق بلکہ طنز ذرا بھی ہضم نہ کر پاتی۔ ویرا نے غزالہ کی خالی کرسی پر ایک نگاہ ڈالی اور ترشی سے کہا۔ "تم نے اب کبھی میرے سامنے ڈان مرسیانو کا نام لیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"بہت بہتر!" سلطان شاہ نے سر جھکا کر سعادت مندی سے کہا۔ "مگر تم نے ڈیڈی کا یہ فیصلہ ضرور سن لیا ہو گا کہ تمہارے حیدر آباد جانے سے میرے لیے کیسے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"تم جاؤ، مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دعائیں نہیں، بددعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اس کی بات اڑا دی۔

"ویرا! تم اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو" میں نے اسے ٹوکا۔ "دعا نہیں دے سکتیں تو خاموش ہی رہو۔"

ویرا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کھانا ختم کر کے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی، میز سے اٹھ گئی۔

"بعض اوقات تم بہت بونگی بات کہہ جاتے ہو" ویرا کے چلے جانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں سلطان شاہ کو نصیحت کی "مذاق کو مذاق کی حد تک رہنا چاہیے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"بس وہ بات میری زبان سے پھسل ہی گئی ورنہ میں نے کبھی بھی اس کے ماضی کو نشانہ نہیں بنایا۔"

یہ ایک اچھی علامت تھی کہ خود اسے بھی اپنی غلطی کا

احساس ہو چکا تھا۔
ایک بجے کے قریب وہ دونوں گاڑی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں رخصت کر کے میں ویرا کے ساتھ پہلی منزل پر گیا تو اکبر علی، ویرا کی دی ہوئی مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دوسری منزل پر اکرم الٰہی کے کمرے میں آ گئے۔

میرے دل میں رہ رہ کر ویرا کی دعا اور بددعا والی بات چبھ رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کو چلتے چلتے تاکید کر دی تھی کہ وہ حیدر آباد کے کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالتے ہی مجھے فون کرنا نہ بھولے۔

ویرا کمرے میں پہنچنے کے بعد میرے روبرو کرسی پر بیٹھ کر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی "سچ سچ بتانا کہ غزالہ جانے سے پہلے تمہیں میرے بارے میں کیا ہدایت دے کر گئی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں فضول باتیں نہیں سوچتے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"کیا اسے اندازہ ہے کہ میرے اور تمہارے مراسم میں اب بھی کبھی کبھی بہت قرب پیدا ہو جاتا ہے؟"

"وہ دودھ پیتی بچی نہیں، سمجھ دار اور شادی شدہ عورت ہے۔ میرے اور تمہارے مراسم سے خوب واقف ہے۔ وہ اس بارے میں مجھ سے کبھی بات تک نہیں کرتی، خوش ہے کہ اسے اس کا جائز مقام ملا ہوا ہے۔"

"امریکا سے ہماری واپسی کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں پوچھا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھ سے کچھ پوچھا، نہ تمہارے ساتھ رویہ تبدیل کیا، تم نے کوئی تبدیلی محسوس کی ہو تو خود ہی بتا دو!"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری بیوی ہوتے ہوئے وہ یہ سب کیسے برداشت کر لیتی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کوئی بیوی اتنی چشم پوشی سے کام لے سکتی ہے۔ یہ سب انسانی سرشت کے خلاف ہے۔"

"ہم دونوں کے شب و روز تمہارے سامنے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے حال میں مگن رہتی ہے۔"

"وہ اپنی مجبوریوں کو سمجھتی ہے" ویرا نے اٹھ کر اپنے لیے پھر ایک گلاس بناتے ہوئے کہا "جانتی ہے کہ تم سے بگاڑ کر کہاں جائے گی۔ اس کے خاندان میں اب کوئی بھی نہیں ہے، اس کا سفینہ جل چکا ہے۔"

وہ مجھے ورغلانے اور اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم فضولیات میں الجھ رہی ہو۔ بدترین مجبوریاں بھی انسان کی فطرت کو نہیں بدل سکتیں۔ ہماری جبری شادی سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم نے اسے کیوں اغوا کرایا تھا۔ تمہاری فطرت میں رقابت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے،" وہ درگزر کی قائل ہے۔"

"لو! یہ تمہارے لیے ہے" ویرا نے اپنا بنایا ہوا گلاس میری طرف بڑھا دیا "یہ نہ کہنا کہ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔ اس وقت کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ رات لمبی ہے جو ہمیں مل جل کر گزارنی ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی چمکتی ہوئی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے ارادے کسی بھی طرح نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا "میں نے غزالہ یا سلطان شاہ کے دباؤ سے نہیں، از خود شراب چھوڑی ہے۔ یہ تم ہی کو مبارک ہو بلکہ گلاس سمیت دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔"

"خوف!" وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم بولنے پر آتے ہو تو الفاظ کے معنی تک بدل ڈالتے ہو۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی غیر معمولی سرخی اس خوف کی چغلی کھا رہی ہے جو تم مجھ سے محسوس کر رہے ہو" یہ کہتے ہوئے وہ میرے برابر میں ہی مختصر سے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرا بازو تھام

لیا تھا۔

"تم یقین کرو کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ شاید بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا چہرہ تمتمارہا ہوگا" میں نے بہت نرمی سے کہا "تم اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا پھر میرے کان کی لو کو ہولے سے کھینچ کے بولی "میں آتش نہیں مگر آتش صفت ضرور ہوں۔ تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر مجھے خود شناسی کی کیسی کیسی بھٹیوں سے گزارا تھا..."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "میں سلطان شاہ کے بے ہودہ مذاق پر شرمندہ ہوں۔ میں نے اس کی گوشمالی بھی کی ہے۔ اب تم ڈان مرسیانو کا نام لے کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔"

اس نے میری پوری بات سکون سے سنی پھر کہا "میں نے اس کے مذاق کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ میں نے اسے سخت جواب صرف اس لیے دیا تھا کہ کہیں وہ غزالہ کے سامنے بھی ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھے۔ غزالہ کے سامنے میں سربلند رہنا چاہتی ہوں"

اس نے رک کر رائل سیلیوٹ کا مزید ایک لمبا گھونٹ لیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہاں، تو میں کہہ رہی تھی کہ من آنم کہ من دانم۔ میرے قرب سے روم کے بڈھے امرا اور جاگیرداروں تک کے چہرے تمتما اٹھتے تھے۔ تم تو ابھی نوجوان بلکہ بہت کم سن ہو۔"

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟ مجھے کیوں تنگ کررہی ہو؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مجھ سے یہ جھوٹ مت بولو کہ تمہیں نیند آرہی ہے۔ تمہیں سلطان شاہ کے فون کے انتظار میں جاگنا ہے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے حیدر آباد نہیں پہنچے گا۔ یہ وقت عیش میں گزارلو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیا ہوا شباب اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔"

ویرا نے میرا جواب سنے بغیر، اچک کر دیوار گیر سوئچ آف کردیا اور کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔

"ہائیں ہائیں!" میں بوکھلا گیا کیونکہ ویرا کے گلاس سے کچھ اسکاچ چھلک کر میرے چہرے پر آرہی تھی "روشنی کرو۔ کسی بھی وقت مرادیا سلطان شاہ کا فون آسکتا ہے۔"

اندھیرے میں اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "فکر نہ کرو۔ فون کی گھنٹی کی آواز اندھیرے میں بھی بالکل صاف سنائی دیتی ہے۔"

○☆○

آدھا دن گزر گیا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی۔ انتظار کرتے کرتے طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ رات گئے سلطان شاہ کے حیدر آباد پہنچنے کی تصدیق ہوچکی تھی۔ وہ بھی وہاں بیٹھا انتظار میں سوکھ رہا تھا لیکن شکایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہ خود اپنی مرضی سے بلکہ اصرار کرکے حیدر آباد گیا تھا۔

دن میں اس سے دو مرتبہ میری بات ہوچکی تھی۔ اس دوران میں وہ حیدر آباد میں واقع صحرا نامی این جی او کے دفتر کا جائزہ بھی لے آیا تھا۔ وہ واقعی ایک اجاڑ اور خستہ حال کمرا تھا جسے ایک میز، دو کرسیوں اور ایک ناکارہ ٹیلی فون کے سہارے غیر سرکاری تنظیم کے دفتر کا نام دے دیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھنے والا بھی دفتر کی طرح ایک مسکین سالڑ کا تھا۔

جی آر کے ذریعے اول خان وہ معلومات پہلے ہی حاصل کرچکا تھا۔ سلطان شاہ کی چشم دید گواہی کے بعد میں ایک مرتبہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ صحرا جیسی بے یارومددگار بلکہ کاغذی تنظیم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اس کی سرپرستی اور بھاری مالی اعانت کرنی پڑگئی تھی۔

وہ واضح طور پر بے زرو بے گھر مگر محنتی کارکنوں کی خدمات کی خرید و فروخت کا پراسرار معاملہ تھا۔ جس میں ساری اہمیت صرف اور صرف مراد ظریف کی تھی جو اپنی نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا این جی او کے ذریعے آخر کار اپنے خوابوں کی مالی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس خبیث نے مجھ سے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر غائب تھا۔

دو بجے اول خان بھی اپنی دفتری ذمے داریوں سے فارغ ہوکر مائیکرو سینٹر آپہنچا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ اور غزالہ کو حیدر آباد کی طرف دوڑ لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی دانست میں وہ وقت کے ضیاع کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہم حیدر آباد میں ان دونوں کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

تین بجے پہلی خبر آئی جو ہم سب کے دلوں کو اداس کرگئی۔ حامد نے اسٹیشن فور سے اول خان کو فون پر اطلاع دی کہ حیدر آباد میں نامعلوم کار سواروں نے جی آر یا غلام رسول بھمرو کو دورانِ سفر گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔

واقعے کی تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ جی آر اپنی موٹر سائیکل پر لطیف آباد سے ٹھنڈی سڑک کے راستے رانی باغ کی طرف جارہا تھا کہ خاموشی سے اس کا پیچھا کرنے والی کار اس کے برابر میں آئی۔ گاڑی سے اس کی کھوپڑی پر دو فائر کیے گئے اور وہ کار برق رفتاری سے کوڑھی جانے والے اسی راستے پر فرار ہوگئی۔

جی آر موٹر سائیکل سمیت سڑک پر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس واقعے کے عینی شاہدین دوڑتے ہوئے اس کی مدد کو پہنچے تو وہ ہر دیکھ بھال کی ضرورت سے بے نیاز ہوکر خالقِ حقیقی سے جاملا تھا۔

"جی آر کے مارے جانے سے مجھے ذاتی طور پر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" اول خان نے وہ تفصیل سنانے کے بعد کہا "میں نے اسے مراد ظریف کے پیچھے لگایا تھا۔ ابھی اسے اس کی خدمات کا معاوضہ بھی ادا نہیں کیا گیا تھا کہ اس کا خون ہوگیا۔"

"یہ مراد کا کام معلوم ہوتا ہے" ویرا نے اطمینان سے کہا۔

"اس نے ابھی تک ڈینی سے رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کل رات ہی حیدر آباد لوٹ گیا۔ اسے خلش تھی کہ اس کے موبائل کا نمبر ہم تک کیسے پہنچا۔ چھان بین کے بعد اسے پتا چل گیا ہوگا کہ جی آر شہر میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا..."

"یہ سو فیصد اس کا یا اس کے آدمیوں کا کام ہے" اول خان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنا فیصلہ سنا دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "ذرا سلطان شاہ سے کہو کہ صحرا کے دفتر کا جائزہ لے ڈالے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد وہاں پہنچا ہو۔"

"وہ خود بے کار بیٹھے بیٹھے بے زار ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ وہاں کا چکر لگا چکا ہے۔ میں اسے دوبارہ وہاں بھیجتا ہوں۔ وہ بہت شوق سے جائے گا" یہ کہہ کر میں نے بلا توقف فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"وہ ایک دفعہ ادھر جا چکا ہے تو اسے دوبارہ نہ بھیجو۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ سلطان شاہ ان کی نظروں میں آگیا تو مشکل ہو جائے گی۔ جی آر جیسا زیرک آدمی ان سے نہیں بچ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

اول خان بھی سلطان شاہ کی عزت کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو جی آر سے کم تر تصور کیا تھا۔ میں خاموش رہا لیکن ویرا بھڑک کر بول پڑی "خطروں سے لڑ کر زندہ رہنا ہی مردانگی ہے۔ سلطان شاہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ آسانی سے مار لیا جائے، اسے وہاں ضرور بھیجو۔"

پچھلی رات ویرا نے مجھے ہلکان کیے رکھا تھا۔ وہ نشے کی ترنگ میں اور دیر تک جاگنے کے موڈ میں تھی۔ طرح طرح کے حیلوں، طریقوں اور اپنائیت سے مجھے تنگ کرتی رہی پھر آسودہ ہو کر گہری نیند سو گئی۔ اس وقت وہ سلطان شاہ کا یوں دفاع کر رہی تھی جیسے وہ اس کا مرد ہو اور اس کی مردانگی ویرا کے لیے عزت کا معاملہ ہو۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی ایک پہیلی تھی۔

وہ ہوٹل کا فون تھا۔ لائن پر آپریٹر کی موجودگی کی وجہ سے میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ نمبر ملاتے ملاتے مجھے خیال آیا کہ میں دو مختلف آپریٹروں کے ذریعے سلطان شاہ سے بات کر چکا تھا اور لب و لہجے سے دونوں سندھی معلوم ہوئے تھے۔ وہ اردو اور انگریزی ضرور بول سکتے تھے لیکن پشتو زبان کو سمجھنا ان کے بس سے باہر تھا۔

میں نے جلدی سے ریسیور اول خان کو تھما دیا اور کہا "اسے پشتو میں پوری بات سمجھا دینا۔"

اول خان ذہین آدمی تھا۔ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ لائن ملنے پر اس نے آپریٹر سے سلطان شاہ کا کمرا مانگا اور پھر پشتو میں بولنا شروع کر دیا۔ میری طرح ویرا پشتو سے نابلد نہیں تھی۔ ہیروئن کی خرید و فروخت کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کے بار بار کے سفر

نقصان

آفاقی صاحب لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے تو ایک شام ہوٹل کا مالک گپ شپ کرتے ہوئے خاصے غمزدہ لہجے میں انہیں بتانے لگا "کاروبار بہت مندا جا رہا ہے.... میں تو اس ہوٹل کی طرف سے فکرمند ہو چلا ہوں۔"

"لیکن مجھے تو ہمیشہ آپ کے ہاں ایڈوانس بکنگ کرانی پڑتی ہے اور ... میں آتا ہوں تو باہر "نو ویکنسی" کا بورڈ لگا رہتا ہے" آفاقی صاحب نے قدرے حیرت سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے...." مالک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "لیکن پہلے ہمارے ہاں سے روزانہ کم از کم چالیس پچاس افراد کمرا نہ ملنے پر مایوس واپس جایا کرتے تھے۔ اب صرف پندرہ بیس واپس جاتے ہیں۔"

میں اس نے اس زبان پر خاصی قدرت حاصل کر لی تھی جو اس کے کام آتی تھی۔

اول خان کی گفتگو زیادہ طویل نہیں تھی لیکن ریسیور رکھتے ہوئے وہ مطمئن تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ٹھنڈی سڑک پر ایک موٹر سائیکل سوار کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی تھی مگر سلطان شاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ مارا جانے والا اول خان کا مخبر جی آر تھا۔

ہم اس نئے اقدام کے بارے میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"بوب رافیل کے کیریئر کی بربادی کے بعد سے تم کہاں غائب ہو؟" دوسری طرف سے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا گیا اور آئی بی کے جلال کی آواز پہچان کر میرا دل خوش ہو گیا۔ مراد ظریف کے بارے میں وہ ہماری کوئی نہ کوئی مدد کر سکتا تھا۔

"وہ پرسوں کی بات ہے۔ ہمارے رابطے کو اتنے زیادہ دن تو نہیں ہوئے!"

"یہاں اب تک تمہارے چرچوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ طبیعت خوش ہوتی ہے کہ تم میرے ذاتی دوست ہو۔"

"ڈپلومیسی چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ اس وقت کیسے یاد کیا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"مراد ظریف نام کا ایک آدمی میرے اسٹاف کی نظروں میں آیا مگر پھر جل دے کر نکل گیا۔ میں اس کے بارے میں بہت فکرمند

ہوں۔ اگر ہو سکے تو تم اس بارے میں کوئی خیر خبر نکالنے کی کوشش کرو" جلال فوراً مطلب کی بات پر آ گیا۔

میں اس اتفاق پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اس سے امید باندھے بیٹھا تھا اور وہ مراد کے بارے میں مجھ سے مدد کا خواہاں تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ "یہ پاکستان کے کس شہر کا قصہ ہے؟"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ میں وہاں کے علاوہ کس شہر کی بات کر سکتا ہوں۔"

"شاید تم بہت اختصار سے کام لے رہے ہو۔ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہیں اپنے مطلوبہ شخص کے نام کا علم کیسے ہوا؟ ایسا تو نہیں کہ تمہیں کوئی دھوکا ہوا ہو؟"

"ذرا لمبی لیکن دلچسپ کہانی ہے۔ بوب رائفل کا قصہ نمٹنے کے بعد ہم نے کراچی میں جان اسمتھ کی سخت نگرانی شروع کر دی تھی" دوسری طرف سے جلال بتانے لگا "وہ پورے جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ ایران اور افغانستان میں جاری سی آئی اے آپریشنز کا نگراں ہے اور اسلام آباد کے بجائے نہایت خاموشی سے کراچی میں دبکا ہوا بیٹھا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی میں اتنی گہری دلچسپی کیوں لے رہا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں؟"

"اول خان کا خیال ہے کہ اسلام آباد میں آئی بی اور آئی ایس آئی کا نیٹ ورک بہت مضبوط اور فعال ہے۔ جان اسمتھ کو ان دونوں اداروں کے عقابوں سے بچانے کے لیے کراچی میں مامور کیا گیا ہے۔"

"صرف یہ سبب نہیں ہو سکتا۔ پوری بات سن کر تم بھی مجھ سے متفق ہو جاؤ گے۔"

"میرا سوال رہ گیا۔ اس وقت میرے لیے مراد ظریف ہر شخص سے زیادہ اہم ہے۔"

"میں اسی طرف آ رہا ہوں۔ یہاں کے حالات کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کی نقل و حرکت بہت محدود کر دی گئی ہے۔ انہیں اجنبی مقامیوں سے ہر قیمت پر دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن کل رات، دفتری اوقات کے بعد ایک پاکستانی، امریکی قونصل خانے پہنچا تھا۔ اس وقت جان اسمتھ اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ وہ پاکستانی جان اسمتھ سے ملنے کے بعد ٹیکسی سے واپس روانہ ہوا تو میرے آدمی نے اس کا پیچھا کیا۔ صدر کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ایم اے جناح روڈ پر میرا آدمی ٹیکسی کے قریب پہنچا تو وہ خالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "وہ راستے میں دروازہ کھول کر کہیں اتر گیا ہو گا؟"

"ہاں! ڈرائیور نے بتایا کہ محبوب کلاتھ مارکیٹ والے سرخ سگنل پر وہ ڈرائیور کو سو روپے کا نوٹ تھما کر اچانک ہی رکے ہوئے ٹریفک میں اتر گیا۔ ڈرائیور نئے مسافر کی تلاش میں آگے نکلتا چلا گیا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ اس پاکستانی کا نام مراد ظریف تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"قونصل خانے کے سیکیورٹی رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج ہے۔ وہ صرف اٹھارہ منٹ بعد وہاں سے نکل آیا تھا۔ ان کے سیکیورٹی اسٹاف میں ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔ ہر سفارتی عمارت میں سرکاری طور پر ہمارے کچھ نہ کچھ آدمی ضرور شامل ہوتے ہیں۔ عام طور پر انہیں ریکارڈ وغیرہ سے دور اور الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں لیکن گیٹ پوسٹ پر موجود سیکیورٹی رجسٹر کو کہیں بھی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ پتا نہیں مراد کون تھا اور وہاں کیوں گیا تھا؟"

"مراد، صحرا نامی ایک این جی او کا سربراہ بلکہ مالک ہے جو کچھ عرصے پہلے تک کوچہ نوردی کرتا تھا۔ اب اچانک مالا مال ہو گیا ہے۔ میں خود بھی کل سے اسی کے چکر میں ہوں۔"

میرا وہ انکشاف جلال کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثابت ہوا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس کے ایک پیچیدہ ترین سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے تیار تھا۔ میں نے اسے اپنی جملہ معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"وہ واقعی بہت مخلص اور محنتی انفار مر تھا" جی آر کے قتل کی خبر سن کر جلال نے اسے کھلے دل سے خراجِ تحسین پیش کیا "وہ کئی بار ہمارے لیے بھی کام کر چکا تھا۔ اس کی کارکردگی ہمیشہ قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔"

"اب مراد کی گردن پر ایک خون بھی ہے۔ میں اس کا منتظر ہوں لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ اس کی اصل ڈور جان اسمتھ کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔"

"تمہارے دام میں آتے آتے وہ پھسل کر ادھر کیسے نکل گیا؟" جلال متحیر تھا۔

"بظاہر مجھ پر اعتبار کرنے کے باوجود وہ میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے کسی ناپاک منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس دور تک کی متبادل ہدایات موجود رہی ہوں گی۔ مقبول چوہدری سے رابطہ مشکوک ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں جان اسمتھ اس کا نگراں مقرر کیا گیا ہو گا۔ اس نے وہاں پہنچ کر میری اور اپنی گفتگو دہرائی، جان نے اسے خاموشی سے لوٹ جانے کی ہدایت دی اور وہ حیدر آباد چلا گیا۔"

"میرے فون سے تمہیں یہ فائدہ تو ہوا کہ اب تمہیں اس مردود کا انتظار نہیں رہے گا۔ تم نے اس کے خلاف کافی مواد فراہم کر دیا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم اپنے طریقے سے اسے گھیرتے

ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اسے کیا کام سونپا ہے اور مراد کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“

وہ جلال کا پیشہ ورانہ اخلاق تھا کہ اس نے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہمیں صحرا اور فورڈ فاؤنڈیشن یا فریڈم انٹرنیشنل کے رابطوں کا سراغ کیسے ملا؟

”ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اب ہماری لڑائی صرف این جی اوز کے خلاف رہ گئی ہو“ میں نے کہا ”فریڈم انٹرنیشنل کے بعد اب صحرا کا نام سامنے آیا ہے۔ پتا نہیں ابھی ایسے کتنے ادارے نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔“

”سب کچھ کل ہی سامنے آگیا ہوتا۔ بدقسمتی آڑے نہ آتی تو اسے جان اسمتھ سے ملنے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور وہ اس وقت تمہارا قیدی بنا ہوا ہوتا۔ تم نے اسے بہت خوبصورتی سے گھیر کر مائیکرو سینٹر تک بلالیا تھا۔ وہاں اپنا ایک آدمی کھودینے کے بعد وہ آج دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔“

میں نے اسے جزئیات نہیں بتائی تھیں، موٹے موٹے واقعات سنادیے تھے۔ ان کو جانے بغیر وہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ مراد ظریف کیسے نازک حالات میں نکل بھاگا تھا۔ اگر مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہوگیا ہوتا کہ وہ مقبول چوہدری کی عمارت میں موجودگی کا یقین کیے بغیر مائیکرو سینٹر میں قدم نہیں رکھے گا اور میں اسی وقت آواز بدل کر اسے مطمئن کردیتا تو بہت کچھ ٹالا جاسکتا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ میری غلطی نہیں تھی بلکہ حالات کے شدید دباؤ کا منطقی نتیجہ تھا۔

گنتی کے اعتبار سے عمارت کے اندر سات افراد موجود تھے، حامد اپنے چار آدمیوں کو لیے باہر تیار تھا مگر فیصلہ کرنے کی ساری ذمّے داری صرف میری تھی۔ سات بجنے سے چند منٹ پہلے تک مجھے پورا یقین تھا کہ مراد میرے جال میں پھنسنے والا تھا۔ مجھ سے اس کی ذہانت کا اندازہ کرنے کی غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مکار تھا کہ اس نے اپنے مسکن سے کراچی کی راہ اختیار کرنے سے پہلے ہی اپنی معروف پیجیرو کو خیرباد کہہ کر دوسری گاڑی سنبھال لی تھی۔ آخری لمحات سر پر آنے سے پہلے یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور وہ کن تیوروں کے ساتھ ہمارے مقابل آنے والا تھا۔

ایک دوسرے کو تازہ ترین تبدیلیوں سے بروقت باخبر رکھنے کے وعدوں کے ساتھ وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

”اس وقت صرف جان اسمتھ ہمارے سامنے ہے“ میں نے فون بند کرنے کے بعد خود کلامی کے انداز میں کہا۔

”اسے ہرگز نہ چھیڑنا“ اول خان میری خود کلامی پر چونک کر بول پڑا ”درونِ خانہ سازشیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ جب تک امریکی، رابن مائریا بوب رافیل کے کیس کی طرح کھل کر سامنے نہیں آتے، ہمیں ان سے دور رہنا ہوگا۔ یہ اسپیشل ٹاسک فورس کی موجودہ پالیسی ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔“

”جب ایس ٹی ایف کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں تو تم دوسروں کے بارے میں خود اندازہ لگا سکتے ہو“ اس بار وہ ریا بولی تھی۔ ”جان اسمتھ کی نگرانی ہوتی رہے گی۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکے گی۔“

”میں ایک حقیقت دہرا رہا تھا۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ امریکی افسروں کو اتنے تسلسل سے نشانہ بنانے کے لیے کتنے سنگین مضمرات ہوسکتے ہیں۔ اس وقت مسائل میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔“

”بس اپنی پوری توجہ مراد ظریف پر مرکوز کردو۔ وہ بہت سفاک اور خونی دشمن ہے۔ اس نے چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے جی آر کو قتل کرکے دھنی رام کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اس کی رسّی دراز نہیں ہونی چاہیے“ اول خان نے کہا۔

”سوا چار بج رہے ہیں“ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تشویش ظاہر کی ”ابھی تک سلطان شاہ کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا۔ اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہوچکی ہوگی۔“

”کیا اس کا ہوٹل ہیر آباد سے قریب ہے؟“ اول خان نے نرم آواز میں پوچھا۔

”ہاں، رسالہ روڈ پر کینٹ کے علاقے میں ہے۔ اسے اب تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔“

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ حیدر آباد فون کروں مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا کہ میرے فون سے غزالہ کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ سلطان شاہ کے نکل جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی ہوگی۔ میری ذرا سی فکرمندی اسے سنگین اندیشوں میں مبتلا کردے گی۔

ساڑھے چار سے ذرا پہلے فون کی گھنٹی بول اٹھی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے براہِ راست غزالہ کی رندھی ہوئی آواز آئی ”سلطان شاہ کو گئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا ہے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ اسے کہاں تلاش کروں؟“

”تم اس وقت کہاں ہو؟“ میں نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے، رسانیت سے پوچھا۔

”ہوٹل کے کمرے سے کھل کر بات نہیں کرسکتی تھی اس لیے لابی کے کارڈ فون پر ہوں“ میری آواز سن کر اس کے الفاظ بکھرنے لگے۔

”خود پر قابو رکھو اور کمرے میں جانے کے بجائے خاموشی سے ہوٹل چھوڑ دو“ میں نے اسے حوصلہ دلانے کے بجائے سختی سے کہا۔ ”جیل روڈ پر پہنچ کر کوئی بس پکڑو اور سیدھی کراچی چلی آؤ!“

”اور سلطان شاہ؟“ اس کی آواز میں گھبراہٹ اور اضطراب

س تھا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ اور خود کو بچانے کی کوشش کرو۔ ید وہ کہیں پھنس گیا ہے۔"

"صبح وہ گیا تھا تو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں جائزہ لے کر یا تھا۔"

"اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ راز جلد کراچی پہنچنے کی کوشش کرو تاکہ ہم یک جا ہو کر سلطان شاہ ے لیے کچھ کر سکیں۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔"

"اگر وہ دیر سے آیا تو مجھے نہ پا کر پریشان ہو جائے گا" غزالہ طان شاہ کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔

"وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ فوراً کراچی فون کرے گا اور اس کی ں ہو جائے گی مگر تم وقت برباد مت کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ کہیں س چکا ہے۔ تو اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔" میں نے ایک ایک لفظ ور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے جا رہی ہوں۔ ے...." باقی الفاظ غزالہ کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے اور فون کا سلہ یکایک منقطع ہو گیا۔

"صبح سلطان شاہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا تھا، اب غائب ۔ میں نے غزالہ کو بس سے کراچی بلا لیا ہے" میں نے جذبات ے عاری لہجے میں اعلان کیا "خدا کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔"

"ذرا سی دیر میں یہ تیسری بُری خبر ہے" اول خان نے اپنی یاں مروڑتے ہوئے کہا "پہلے جی آر کے قتل کی خبر آئی پھر جلال بتایا کہ پچھلی رات مراد دوبارہ جل دے کر نکلنے میں کامیاب یا، اب سلطان شاہ غائب ہے۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے کہنے پر نے اسے صحرا کے دفتر کی مزید دیکھ بھال کے لیے بھیجا تھا۔"

"تمہارا نہیں، یہ میرا قصور ہے" ویرا کا چہرہ بھی مایوسی سے گیا "تم نے منع کر دیا تھا مگر میں نے ڈیڈی سے اصرار کیا تھا۔ پھر ت کو بھی میں نے جانے سے پہلے اسے دعا نہیں دی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ یہ ہو جائے گا۔"

"ہمیں بعد میں بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے گا" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اپنی جیب سے ایک کاغذ ا اور اول خان کی طرف بڑھا دیا "یہ چار نام اور فون نمبر ہیں۔ میں سے ایک کراچی میں ہے۔ مجھے جلد از جلد اس کا پتا درکار ے۔"

اول خان نے اس کاغذ پر سرسری نظر دوڑائی اور مجھ سے کچھ چھے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود میں انتقام کا جوالا ی زور پکڑتا جا رہا تھا اور میری طبیعت چاہ رہی تھی کہ اپنے منے آنے والی ہر رکاوٹ کو اپنی مٹھیوں میں بھینچ کر ریزہ ریزہ دوں مگر میں برداشت سے کام لیتا اور سگریٹیں پھونک پھونک کر کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ غزالہ خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ جائے گی مگر سلطان شاہ کی طرف سے میرا ذہن مایوسی کا شکار تھا۔

اول خان کو دیے جانے والے چاروں نام پہلے سے میرے پاس موجود تھے۔ وہ نام اور فون نمبر میں نے اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل سے حاصل کیے تھے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے ان چاروں کو مراد کا طاقت ور حامی اور سرپرست قرار دیا تھا۔

جب تک مراد کے ہاتھ آنے کی امید باقی تھی، میں نے ان چاروں میں سے کسی کو نہیں چھیڑا تھا کہ کہیں وہ مراد کو ہوشیار نہ کر دیں لیکن سلطان شاہ کے غائب ہو جانے کے بعد اگر اور مگر کی وہ تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ میں نے پوری طاقت کے ساتھ ان میں سے پہلے آدمی کی گردن ناپنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو میری پُرامید نظر اس کی طرف اٹھی کہ کہیں وہ سلطان شاہ کی کال نہ ہو۔ اول خان نے فون پر بات کی تو میری اس امید پر اوس پڑ گئی۔ وہ کسی سے پتا لے رہا تھا۔

وہ ناظم آباد کا پتا تھا۔ چمن علی نامی وہ شخص ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں رہتا تھا۔

پتا لینے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ شام کے پانچ بجے کسی بھی ملازمت پیشہ یا کاروباری شخص کا اپنے گھر پر موجود ہونا غیر یقینی تھا جب کہ میں اپنے شکار کی موجودگی کا پورا یقین کر لینے کے بعد ہی اس کی کمین گاہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

کراچی میں رات کے بارہ بجے کے بعد ہی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوں گے۔ میرے لیے وہ طویل انتظار ممکن نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ زندہ تھا اور مراد کی قید میں تھا تو اس کے لیے ہر گزرتا ہوا لمحہ ایک عذاب سے کم نہیں تھا۔

میں سوچتا رہا اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارتے رہے۔ چمن علی، عیال دار بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کتنا ہی بدکردار اور سازشی ہو، اس کے اہلِ خانہ کے ساتھ بدسلوکی میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان سب کی موجودگی میں چمن سے زیادہ پر تشدد باز پرس بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بس ایک ہی صورت تھی کہ اسے گھر سے اٹھا لیا جاتا۔

"تم خاموشی سے مسلسل کیا سوچے جا رہے ہو؟" اول خان نے مجرمانہ احساس کے ساتھ سوال کیا۔

"اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا ہے؟"

"چمن علی کا نام تم نے اکرم الٰہی کی فائل سے نوٹ کیا ہے؟"

"پرچے پر لکھے ہوئے چاروں نام اسی فائل سے لیے گئے ہیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود ہو۔ اسے کیسے تلاش کیا جائے؟"

"صدمے سے تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

اول خان نے وہی کیا جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلا رہا تھا مگر ابھر کر سامنے نہیں آ رہا تھا۔ اس نے چمن علی کے لاہور سے آئے ہوئے دوست کے فرضی نام سے اس کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ علالت کی وجہ سے وہ اس روز اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔ فون اٹھانے والی خاتون نے چمن سے بات کرانے کی پیشکش کی مگر اول خان نے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

"زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں، بس دو آدمی کافی رہیں گے" میں نے اول خان سے کہا "ویرا گھر پر رک کر غزالہ کی واپسی کا انتظار کرے گی۔ وہ سات بجے کے بعد کسی بھی وقت مائیکرو سینٹر پہنچ سکتی ہے۔"

اول خان نے بتایا کہ اکبر علی کے زخم کی حالت بہتر تھی اور وہ تھوڑا بہت چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ اس کی رائے تھی کہ احتیاطاً ہم دونوں دلیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تو بہتر رہے گا۔ میں نے اس کی وہ تجویز قبول کر لی اور ہم تینوں اول خان کی گاڑی میں فوری طور پر ناظم آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

چمن کو اس کے گھر سے لانے کے لیے ہمارے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ بس یہ طے تھا کہ اسے ہر قیمت پر وہاں سے نکال لے جانا ہے۔ طریقہ کار اس سے ملنے کے بعد طے کیا جاتا۔ یہ بات ہم دونوں ہی سمجھ رہے تھے کہ وہ جس مزاج کا مالک ہو، آسانی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کے نامزد کیے ہوئے مراد کی سخت جانی اور فطینی کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے تھے۔ بقیہ چاروں کے بارے میں بھی میں نے اسی قسم کا اندازہ قائم کیا تھا۔

ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں بیشتر مکان بڑے رقبے پر آباد ہیں مگر وہاں چھوٹے مکان بھی موجود ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چمن کا گھر ایک چھوٹے پلاٹ کی زیریں منزل پر تھا۔ دلیر اور اول خان کو گاڑی میں چھوڑ کر میں نے ہی نیچے اتر کر ڈور بیل بجائی تھی۔ جواب میں بھاری بدن کی ایک متوسط عمر والی خاتون نے دروازہ کھولا اور استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"میجر اسد!" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہم چمن علی سے ملنے آئے ہیں۔"

عورت کے چہرے پر پریشانی کے آثار ابھر آئے اور اس نے کہا "آپ ٹھہریں، میں انہیں بتاتی ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ راستہ دے دیں۔ ہم خود انہیں بتا دیں گے، معاملہ کچھ سنگین ہے۔" میں نے نہایت بے رخی سے کہا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر سلطان شاہ کا اذیت میں ڈوبا ہوا چہرہ ناچ رہا تھا۔

"یہ گھر ہے۔ یہاں فیملی رہتی ہے۔ کیا چمن کوئی مجرم ہیں [illegible] آپ اس طرح پیش آ رہے ہیں۔"

میرے جواب دینے سے پہلے اندر سے ایک بھاری مردا[illegible] آواز ابھری "کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"کوئی میجر اسد ہیں۔ گھر میں آنا چاہتے ہیں" عورت نے پلٹ [illegible] کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اسی اثنا میں کرتے شلوار میں ملبوس ایک صحت مند شخص عورت کو ہٹا کر میرے سامنے آ گیا۔ چہرے مہرے سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"تم چمن علی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اس کا سر اثبات میں ہلتے ہی میں نے اپنی بات پھر شروع کر دی "تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ کوئی ہنگامہ کیے بغیر خاموشی سے گاڑی میں آ جاؤ۔"

"ہائے میرے خدا!" میری وہ ہدایت سنتے ہی چمن کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت تقریباً چیخ پڑی۔

"بیگم! تماشا مت بناؤ" چمن نے پلٹ کر غصے اور بوکھلاہٹ میں اپنی بیوی کو ڈانٹا "مجھے بات کرنے دو..."

"بات یہاں نہیں، ہمارے دفتر میں ہوگی۔ یہاں تم واقعی تماشا بن جاؤ گے۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود چمن کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں "سس.... سر! آپ کچھ تو بتائیں کہ میرا قصور کیا ہے؟ مجھے کس سلسلے میں لے جانے کی ضرورت پیش آ رہی ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے اسکالرشپ پر میں نے ورجینیا سے ایم بی اے کیا تھا۔ یہ برسوں پرانی بات ہے۔"

میرے ذہن میں کڑیاں مل گئیں۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا پرانا نمک خوار تھا۔ ورجینیا میں سی آئی اے کا ہیڈکوارٹر موجود تھا۔ شاید دورانِ تعلیم ہی اس کے رجحانات دیکھ بھال کر اسے فاؤنڈیشن کی لسٹ پر لے لیا گیا تھا۔ میں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اگلا سوال کیا "مراد ظریف کو جانتے ہو؟"

مراد کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا "اندر آ جائیں۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

بس لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر رحم آیا پھر میرا دل سخت ہو گیا۔ سفید پوش طبقے کے بہت سے لوگ عبرت ناک امکانات کے بارے میں سوچے سمجھے بغیر کسی چھوٹی موٹی خود غرضی کے لیے جرائم کی دلدل میں اتر جاتے ہیں اور بظاہر موج کرتے رہتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو عزت کو خاک میں ملتا دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔"

میں نے اول خان کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں تیار بیٹھے ہوئے

ھے۔ فوراً ہی گاڑی لاک کرکے آگئے۔
چمن کی بیوی دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھامے پھٹی پھٹی
نکھوں سے ہمیں دیکھتی رہی اور ہم تینوں، چمن کے پیچھے پیچھے اس کے
رائنگ روم میں داخل ہوگئے جو مختصر لیکن گھر کی طرح صاف ستھرا
ر قرینے سے آراستہ تھا۔ دلیر خان، اول خان کے اشارے پر باہر
ں گیا اور حاضر باش کی حالت میں ڈرائنگ روم کے داخلی
روازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ ہم دونوں اندر صوفوں پر بیٹھ گئے۔
"مزید گفتگو ہونے سے پہلے میں اپنا اجمالی تعارف کرادوں"
ن نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے پر تشویش اور
عذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں شریف اور عزت دار پاکستانی
ں اور ایک غیر ملکی بینک میں اچھے عہدے پر ملازم ہوں..."
"تمہاری شرافت اور عزت کی شہرت ہی ہمیں تمہاری دہلیز پر
ئی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کے درشتی سے کہا "ان
زیروں کے بجائے اصل معاملے کی طرف آؤ۔ ہمارا وقت برباد
ت کرو۔"
اس نے رحم طلب اور قدرے نم ناک آنکھوں سے میری
رف دیکھا اور بولنے لگا "سب کچھ میری نیک نیتی سے شروع ہوا
مگر اب مجھے علم ہوا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ مراد
عاملات کو بہت غلط اور خطرناک رخ پر لے جارہا ہے۔"
"رکے بغیر تفصیلات بتاتے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں اٹھالے
ئیں گے" میں نے اسے ٹوکا۔
"میں امریکا میں تعلیم کے دوران میں فورڈ فاؤنڈیشن کی ہیومن
ئٹس کمیٹی کا سرگرم رکن تھا۔ گریجویشن، ماسٹر اور پھر دو سالہ
زمت سمیت میں نے امریکا میں عزت اور خوش حالی کے چھ سال
ارے پھر پاکستان آگیا۔ یہاں فورڈ فاؤنڈیشن کی سفارش پر مجھے
یڈم انٹرنیشنل کی اعزازی رکنیت مل گئی۔ میں کبھی کبھی ان کے
لاسوں میں شریک ہوتا اور چندہ بھی دیتا رہا۔ انہوں نے مجھے
یت تحریر و تقریر کے شعبے کا نگراں مقرر کردیا۔ یہ میرا پسندیدہ
ضوع تھا۔ اب سے کوئی آٹھ ماہ پہلے اکرم الٰہی نے مراد ظریف
ے میرا تعارف کرایا۔ وہ پڑھا لکھا اور پرجوش نوجوان ہے۔ جو
رکے بھوکے، پیاسے اور پس ماندہ باشندوں کے لیے بہت کچھ
گزرنا چاہتا ہے۔ میں اسے اَن پڑھ لوگوں کے لیے آسان اردو
ں اسکرپٹ لکھ کر دیتا رہا تاکہ ان میں بیداری کی لہر پیدا ہو۔ مجھے
ھ ہی عرصے پہلے پتا چلا ہے کہ مراد نے ان اسکرپٹس کو پس منظر
نٹری بنا کر ایسی فلمیں بناڈالیں جو دیہاتیوں میں شہری بالادستی کے
اف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ تھر میں پانی کی بوند بوند کو ترستے ہوئے
ب جب اسکرین پر کراچی کے بڑے بڑے بنگلوں کے لان کی
رابی اور قیمتی گاڑیاں دھلنے کے مناظر دیکھتے ہیں تو ان سے نفرت
سوس کرتے ہیں۔ وہ اس طرح تھر میں بغاوت کی فضا پیدا کرنے
ر توڑ کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ اب میں مجبور ہو کر اس کے

مطالبوں کے مطابق اسکرپٹ لکھتا ہوں۔ نادانی میں کی جانے والی
غلطی اب میری مجبوری بن چکی ہے۔"
"مراد حیدر آباد میں کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں
سوال کیا۔
اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے تھکی ہوئی آواز میں
کہا "مجھے صحیح علم نہیں ہے۔"
"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے بڑے چکر میں پھنس چکے
ہو۔ یہ واقعی ریاست سے بغاوت کا کیس ہے۔ تم نے زبان نہ کھولی
تو تمہاری ساری عزت اور خوش حالی خاک میں مل جائے گی" اول
خان نے اسے سمجھایا۔
"وہ بہت سفّاک آدمی ہے۔ ہر وقت خون اور غارت گری کی
باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ میرا گھر اجاڑ دے گا۔"
"تم اپنی زبان بند رکھوگے اور اسے ہمارے بارے میں نہیں
بتاؤگے تو محفوظ رہوگے!"
اچانک اندرونی دروازے سے اس کی بیوی ڈرائنگ روم میں
آگئی اور اپنا دوپٹا پھیلا کر چمن کے سامنے گڑگڑائی "تم سب کچھ بتا
کیوں نہیں دیتے؟ ان شریف افسروں نے تم پر احسان کیا ہے تو
ہر بات بتادو۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی تم ایسی حرکتیں
کرتے پھر رہے ہو۔ تم تو اپنے ساتھ ہم سب کو لے ڈوبوگے۔"
اس نے باقاعدہ بین کرنا شروع کردیا۔
وہ فضا مکدّر کررہی تھی لیکن میں نے اسے نہیں روکا۔ چمن
کے لیے بیوی کے آنسو اور فریادی فقرے زیادہ اثر انگیز ہوسکتے
تھے۔ چمن نے گھبرا کر اسے خاموش کرانا چاہا لیکن اس نے اپنے
شوہر کو گریبان سے جھنجوڑ ڈالا۔
"وہ آج کل حیدر آباد میں ہوتا ہے تو ہیر آباد میں گوپال چند کے
گھر پر رہتا ہے" آخر کار چمن نے زبان کھول ہی دی۔
گوپال چند کا نام بھی اکرم الٰہی کے جمع کیے ہوئے کاغذوں میں
موجود تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ چمن نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش
نہیں کی تھی۔ وہ ناگہانی افتاد کے سامنے حوصلہ ہار بیٹھا تھا اور وہی
ہماری کامیابی تھی۔
اسے گوپال چند کے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا مگر وہ گھر اس کا
دیکھا ہوا تھا۔ اس نے نشانیوں کے ذریعے اتنی رہنمائی کردی کہ ذرا
سی کوشش کے بعد ہم اس کے گھر پہنچ سکتے تھے۔
"یہ یاد رکھنا کہ مراد کو ہماری اس ملاقات کی بھنک بھی ملی تو
تمہاری خیریت نہیں ہوگی" اول خان نے چلتے چلتے چمن اور اس کی
بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہم وعدہ خلافی ذرا بھی برداشت
نہیں کرتے۔"
اسی لمحے مجھے ایک اور سوال یاد آگیا جو میں نے فوراً پوچھ ڈالا۔
"تم گوپال چند سے کیسے واقف ہو؟"
"میری اور اس کی ملاقات فریڈم انٹرنیشنل کے ایک اجلاس

میں ہوئی تھی۔ تعلقات بڑھے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی امریکا میں رہ چکا ہے اور فورڈ فاؤنڈیشن کا تاحیات رکن ہے۔" چمن نے بتایا۔

وہ مماثلت قابلِ غور تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے صرف ان ہی لوگوں پر اعتماد کرتے تھے جو امریکا میں ایک لمبی مدت تک ان کے قریبی مشاہدے میں رہے ہوں۔ کردار اور شخصیت کے مکمل تجزیے کے بعد ہی کسی کو فاؤنڈیشن کی رکنیت اور دیگر ذمّے داریوں کا اہل تصور کیا جارہا تھا۔

وہ عالمی بساط پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے جدید امریکی طریقے تھے۔ باہر سے اپنے چیدہ چیدہ نگراں مسلط کرنے کے ساتھ وہ عملی میدان میں مقامیوں سے کام لینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے جس کے نفاذ کے لیے منظم اور لمبی مدت کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے تھے جبکہ ان کے آلہ کار بننے والوں کو ابتدا میں شبہ تک نہیں ہوتا ہوگا کہ انھیں کسی سازش میں ملوث کیا جارہا ہے۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے عالمی شہرت یافتہ ادارے یا اس کی کسی کمیٹی کی رکنیت کو اپنے لیے اعزاز سمجھ کر قبول کرلیتے ہوں گے۔

چمن علی کے بارے میں ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ سلجھے ہوئے ذہن کا مالک تھا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر حالات سے مکمل سمجھوتا کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے اور یوں سلطان شاہ کی تلاش کا ابتدائی مرحلہ کسی الجھن یا تصادم کے بغیر طے ہوگیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک مراد کو گوپال چند کے مکان سے کہیں اور نکل جانے کا موقع نہ مل سکے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس کا نیا سراغ حاصل کرنے میں دانتوں پسینہ آسکتا تھا۔

"تم نے یہ نوٹ کیا کہ مراد کے ساتھیوں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد شامل ہے۔" ناظم آباد سے واپسی کے سفر میں اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے تبصرہ کیا "دھنی رام کے بعد اب گوپال چند کا نام سامنے آیا ہے۔"

"یہ صرف دو نام ہیں جب کہ مراد سمیت دوسرے مشتبہ افراد اپنے ناموں سے مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ سلطان شاہ بازیاب ہوجائے تو شاید یہ رخ بھی خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"چمن سے ملاقات کے بعد کم از کم یہ پتا چل گیا ہے کہ مراد کس سمت میں جارہا ہے۔"

"چمن سے اس کی استعداد کے مطابق ایک خاص کام لیا جارہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "جن لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی کے دو چلّو اور کھانے کے لیے اناج کی ایک مٹھی تک دستیاب نہ ہو وہ ایسی فلموں میں کیا دلچسپی لیں گے۔ یہ ایک نظریاتی طریقہ تو ہوسکتا ہے مگر اس کی عملی افادیت مشتبہ ہے۔"

"بغاوت کے لیے فلم سازی کا نظریہ مجھے بھی احمقانہ لگتا ہے۔ میں مقصد کی بات کررہا تھا۔ مراد، مملکت اور اس کے مفادات کے خلاف کام کررہا ہے۔ پاکستان کے دشمن آج بھی اسے توڑنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"دشمنوں نے ہمیں کھلے دل سے تسلیم ہی نہیں کیا تو ان سے یہ شکوہ بے کار ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان مراد ظریف، کرم الٰہی اور مقبول چوہدری جیسے سانڈ پل رہے ہیں جو ہماری اپنی فصلوں کو روندتے پھرتے ہیں۔"

"شاید یہ لوگ ملّا سرکار والا منصوبہ ابھی تک لیے بیٹھے ہیں۔ اس کی موت کے کافی عرصے بعد ہم پر اس سمت سے وار ہوا ہے۔" اول خان نے وہ ذکر چھیڑ کر میرے پرانے زخم ہرے کردیے۔

"وہ بھی ہماری اپنی کمزوری تھی کہ ایک غیر مسلم ہماری آبادیوں میں روحانی پیشوا کے روپ میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب ہمارے اپنے آدمی کم و بیش اسی منصوبے کو آگے بڑھا رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکی اتنے تسلسل کے ساتھ کیوں ہماری شکست و ریخت کے درپے ہیں؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

کہنے کو میں نے اول خان سے وہ بات کہہ دی تھی مگر میں خود اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ امریکا نے ابتدا سے ہمیں ایک زیر دست دوست کے روپ میں دیکھنا چاہا تھا۔ اس پر انحصار کرنے والے پاکستان سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی کیونکہ وہ ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں بھارت کو کھڑا کرنا چاہ رہا تھا۔ جب تک پاکستان اس منصوبے میں رکاوٹ نہیں بنا، سکھ چین سے رہا۔ جس روز سے ملک میں ایٹمی اور معاشی خود کفالت کا ڈنکا بجنا شروع ہوا، مصائب اور مسائل کا آغاز ہوگیا۔

وہ سب سیاست کے بکھیڑے تھے جن میں، میں نے کبھی بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ میرے سامنے ہمیشہ ملک و قوم کا مفاد رہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر پاکستان کے گلی کوچوں کی رگ رگ میں ہیروئن پھیلانے والی "شی" کے اصل مقاصد سے آگاہ ہوکر میں نے اس سے بغاوت کی تھی اور پھر اپنی ایک الگ راہ متعین کرلی تھی۔ وہ میرے لیے ایک نئی زندگی کی ابتدا تھی۔ میں استقامت کے ساتھ اپنی اس راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ حالات کی کھلی ستم ظریفی تھی کہ میرے راستے میں بعض سیاسی سنگ ہائے گراں بھی آتے رہے تھے۔ میں انہیں چوم کر چھوڑ سکتا تھا نہ انہیں عبور کرکے آگے نکل جانے کی قدرت رکھتا تھا۔

ان سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کردینے یا اسی کوشش میں خود ریزہ ریزہ ہوکر بکھرنے کے سوا میرے سامنے کوئی تیسری راہ کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس وقت بھی کچھ یہ ہی صورت تھا کہ مراد ظریف ایک منظم تخریب کار کے روپ میں میرے سامنے تھا، سلطان شاہ اس کی تحویل میں تھا۔ میں چاہتا تب بھی اسے نظر

ندازہ نہیں کر سکتا تھا۔
سلطان شاہ کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر بار میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ جی آر کی موت کی صورت میں مراد کی سفاکی کا ایک کھلا ثبوت سامنے آچکا تھا۔ مجھے بد ترین خوف یہ تھا کہ کہیں مراد نے سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے کے بجائے ہلاک نہ کردیا ہو۔ ایک بات شدّت سے میرے اس خوف کی نفی کررہی تھی کہ مراد کو اس وقت تک یہ علم نہیں تھا کہ اس کے خلاف کون سی قوت میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہے۔ اپنے دشمنوں کے اصل چہروں سے واقفیت کے تجسّس کا تقاضا تھا کہ وہ سلطان شاہ کو اس وقت تک زندہ رکھتا جب تک وہ اپنے اور ہمارے بارے میں سب کچھ اگلنے پر آمادہ نہ ہوجاتا۔
مائیکرو سینٹر اور چمن علی کا گھر ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ ہم اپنی مہم سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر پہنچے تو وہاں ویرا تنہا اور اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ ہماری غیر حاضری میں فون بھی مسلسل خاموش رہا تھا۔ جلال سے بات ہوجانے کے بعد مجھے ذرا بھی امید نہیں رہی تھی کہ مراد مجھے فون کرنے کی کوئی کوشش کرے گا۔
حیدر آباد کے لیے ہمیں زیادہ نفری اور تیاریوں کی ضرورت تھی۔ میں اول خان کے ساتھ وہ بندوبست طے کرنے میں مصروف ہوگیا اس طرح میں غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں پیدا ہونے والے تفکرات کو بھی اپنے ذہن سے دور رکھ سکتا تھا۔ ہم افراد اور ہتھیاروں کی تعداد اور ترتیب کے بارے میں تقریباً ہر بات طے کر چکے تھے کہ غزالہ واپس آپہنچی۔
اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہورہی تھیں۔ شاید وہ دورانِ سفر شال میں منہ چھپا کر روتی رہی تھی۔
وہ جذبات سے اس قدر مغلوب ہورہی تھی کہ اول خان اور ویرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، اندر آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ گھٹ گھٹ کر اندر ہی اندر رو رہی تھی، ہونٹوں سے سسکیوں کے سوا کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔
"وہ ہنستا ہوا گیا تھا کہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔" دل کا غبار ہلکا کرکے وہ ہچکیوں کے درمیان بتانے لگی "پتا نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ اس نے آج دوپہر میں ایک آدمی کو مار ڈالا۔ سلطان شاہ نے جانے سے پہلے بتایا کہ وہ غلام رسول تھا۔ کاش! اس نے حیدر آباد جانے کی ضد نہ کی ہوتی...!"
"اب یہ سب باتیں دہرا کر ہمیں اداس مت کرو۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیا "ہمیں بس تمہارا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم اس کی تلاش میں روانہ ہوجائیں گے۔ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا۔"
"حیدر آباد کافی بڑا اور گنجان شہر ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈیں گے؟"
"ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ مراد کے ایک ٹھکانے کا سراغ ملا ہے۔" اول خان نے غزالہ کو سمجھایا "ذرا اندھیرا ہوجانے پر ہم اسی گھر پر دھاوا بولیں گے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ زندہ ہوگا۔"
"اسے کچھ ہوا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گی۔" غزالہ پچھتاوے کے ساتھ بولی "میں اس کے ساتھ گئی ہوتی تو شاید یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح نکل ہی آتے۔"
میں نے دخل اندازی نہیں کی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا ہوا کہ غزالہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ دھر لیے گئے ہوتے تو غزالہ کی خاطر سلطان شاہ ان کے سامنے ذرا بھی مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ درندہ صفت دشمن صرف عورت کو مغلوب کرلینا ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ غزالہ کو بے دست و پا کرکے مراد، سلطان شاہ کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔
اول خان نے حامد کو فون پر تیاریاں مکمل کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ اسٹیشن فور پر ہتھیاروں اور نفری کے ساتھ ایک ٹرک اور جیپ تیار تھی۔ ہم چاروں کو وہیں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہونا تھا۔
دوسروں کی طرح میری توقعات بھی بہترین تھیں لیکن میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں خود کو بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار کر رہا تھا۔ اس کی دو صورتیں ممکن تھیں۔ نصیب دشمناں، سلطان شاہ زندہ نہ ہوتا تو ہمارا سوگوار قافلہ اس کی لاش لے کر کراچی لوٹ آتا اور پھر بھرپور طاقت کے ساتھ مراد سے انتقام لینے کی تیاری شروع کردی جاتی۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ سلطان شاہ، گوپال چند کے مکان پر موجود نہ ہوتا۔ آپریشن کی کامیابی کے باوجود ہم سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں مجھے حیدر آباد میں ہی رکنا پڑتا۔ اس قیام کی طوالت کا انحصار نتائج کے حصول پر ہوتا۔ اس کے لیے اسی وقت کچھ تیاری ضروری تھی۔
ہم اپنا مختصر سامان سمیٹ کر وہاں سے روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا فون سے قریب تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر میں نے چیخ کر اسے روک دیا۔ میں مراد سے رابطے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔
وہ وہی موہوم ترین متوقع موقع تھا۔ دوسری طرف سے مراد بول رہا تھا۔ میں نے پُرسکون رہ کر مقبول چوہدری جیسی، بدلی ہوئی آواز میں کہا "ایم زی! تم نے میرا آج کا پورا دن برباد کرا دیا۔ فون کرکے کم از کم یہی بتا دیتے کہ تم نہیں آرہے تو میں یہاں بندھا ہوا نہ بیٹھا رہتا۔"
"معاف کرنا، مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔" مراد کی آواز بھی

نرم تھی "کئی باتوں میں فرق کی وجہ سے میں متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر تم واقعی سائیں مقبول چوہدری ہو تو تمہیں علم ہوگا کہ متبادل راستہ کیا تھا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے جان سے ہدایات لی ہوں گی۔"

قیاس کے سہارے اندھیرے میں چلایا ہوا میرا وہ تیر نشانے پر لگا اور اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم سب کچھ جانتے ہو۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے۔ تم سے غلطیاں کیوں ہوتی رہیں....؟ جان نے مجھے تم سے دور رہنے کا حکم دیا ہے....؟ اس نے بتایا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کسی ایجنسی کا قبضہ ہے، تمہارا سایہ بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا مگر تم وہیں ہو اور مجھ سے بات کر رہے ہو۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت تم سے بات ہو سکے گی۔"

میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس نے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا تھا، میں اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ان ہی غلط فہمیوں کے چکر میں میرے ایک خاص آدمی کو زخمی کیا، اپنے ایک آدمی کو مروایا اور ابھی تک تم بے یقینی میں مبتلا ہو۔ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"اگر تم مقبول چوہدری ہو اور شاید ہو تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ ساری گڑبڑ تمہارے خاص آدمی نے کی تھی۔ اس نے مجھے شک میں ڈالا اور اسے اس کی سزا مل گئی۔ اب میں جان کے حکم کا پابند ہوں، تم سے نہیں مل سکتا لیکن یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح میرے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے ہیں مگر قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت اور دلچسپی ظاہر کی۔ میں اس کی زبان سے سلطان شاہ کے بارے میں جلد از جلد کوئی خبر سننے کے لیے مضطرب تھا۔

"ایک سرکاری انفارمر میرے بارے میں معلومات جمع کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا پھر آج ہی ایک مشتبہ آدمی صحرا کے دفتر کے پاس نظر آیا۔ اسے میں نے پکڑوالیا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کیا بولتا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سلطان شاہ زندہ تھا۔ میرا دل چاہا کہ مراد سے اس کی رہائی کے لیے کوئی سودے بازی کروں مگر وہ میری جذباتی سوچ تھی۔ میرا کہا ہوا کوئی بھی فقرہ سلطان شاہ کے لیے نت نئے عذابوں کا پیغام بن سکتا تھا۔

"غیر ضروری خوں ریزی سے بچو۔ یہ کبھی کبھی مصیبت بن جاتی ہے۔" میں اس سے سلطان شاہ کو زندہ رکھنے کی التجا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک عام سا مشورہ دے دیا۔

"مشورے کا شکریہ۔ وقت اور حالات نے اجازت دی تو جلد ہی حاضری دوں گا۔" اس کی آواز میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"اب میں مائیکرو سینٹر چھوڑ دوں گا۔ تمہاری فائرنگ کے بعد یہ ٹھکانا میرے لیے خطرناک ہو گیا ہے۔"

"وقت آنے پر میں خود تمہیں تلاش کر لوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار مراد نے اپنی مالی ضروریات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید جان نے اس کا وہ مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

سلطان شاہ کی زندگی کی نوید سن کر ان تینوں کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان آخری لمحات پر مراد خود ہی فون کر کے ہمیں وہ خوش خبری سنائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اگر مقدر کی یاوری سے وہ اس وقت تک زندہ تھا تو اس کی رہائی کی کوئی سبیل بھی پیدا ہو سکتی تھی۔

اس کے زندہ ہونے کی خبر نے ہمارے درمیان مسرت و شادمانی کی ایسی لہر دوڑائی کہ ویرا وائن کیبنٹ کی طرف جھپٹی اور اس میں سے وائٹ ہارس اسکاچ کی لیٹر والی دو بوتلیں نکال کر اپنے ساتھ لے لیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" غزالہ کی آواز بوجھل تھی، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک عجیب سی کیفیت رقصاں تھی "سلطان شاہ کی آزادی تک تم اس نابکار شے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔"

"یہ دونوں بوتلیں اس کی آزادی کا جشن منانے کے لیے لی ہیں۔" ویرا نے حجم کم کرنے کے لیے بوتلوں کو پیکنگ سے نکالتے ہوئے کہا "حیدر آباد تک یہ اسی طرح جائیں گی۔"

ہم نے عجلت میں مائیکرو سینٹر کو خیرباد کہا۔ اکبر علی نیچے دلیر خان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اول خان نے انہیں عمارت کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور ہمارے پیچھے باہر آ گیا۔

ہماری گاڑی سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ ہم تینوں اول خان کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"مراد پر رہ رہ کر ذہنی دورے پڑ رہے ہیں۔" راستے میں غزالہ نے کہا "کبھی وہ عقل و شعور سے اتنا عاری ہو جاتا ہے کہ انہیں مقبول چوہدری ماننے لگتا ہے اور کبھی بدک کر خوں ریزی پر تل جاتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک وہ کوئی نیا فیصلہ نہ کر پائے۔"

میں زیر لب آمین کہہ کر رہ گیا۔ اول خان نے اپنی پوری توجہ تیز رفتار ڈرائیونگ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے آگے نکل جانے پر مجھے یاد آیا کہ سی ایس ڈی ہمارے گھر پر بیکار پڑی ہوئی تھی۔ اسے ساتھ لے کر ہم حیدر آباد میں استعمال کر سکتے تھے مگر چوراہا گزر جانے کے بعد گھر تک رسائی اور پھر واپسی میں خاصا وقت صرف ہو جاتا۔ میں

خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمارے اور سلطان شاہ کے لیے وقت ہر شے سے زیادہ اہم اور قیمتی تھا۔

اول خان کو حیدر آباد میں پولیس کے سوا کہیں اور سے فوری کمک ملنے کی امید نہیں تھی۔ میں اس معاملے میں پولیس کی شمولیت کے خلاف تھا کیونکہ قانون نافذ کرنے والے اس نیم شہری ادارے سے اس رازداری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو ہم چاہتے تھے۔ چھاؤنی سے فوری درخواست پر کوئی فوجی دستہ ملنا محال تھا۔ اس کے لیے پیشگی بندوبست ضروری تھا۔

اس مسئلے کی وجہ سے اول خان نے ٹرک میں حامد کی نگرانی میں ڈرائیور کے علاوہ دس جوانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ انہیں شہر سے بہت دور بلکہ دوسرے شہر میں مہم درپیش تھی اس لیے وہ کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھے۔ محدود رینج کے وائرلیس سیٹ سے لے کر رائفل، میگزین، فاضل راؤنڈز اور دوربین تک ہر فرد کے پاس موجود تھی۔ اس مہم کے لیے چھ ڈارٹ گنز بھی ساتھ لے لی گئی تھیں کیونکہ دشمن کو بے خبری میں خاموشی سے ہلاک یا بے ہوش کرنے کے لیے ایسی ہر گن لاثانی تھی۔

اول خان کو حامد پر پورا اعتماد تھا۔ وہ ذمّے دار افسر تھا اور موقع محل کی مناسبت سے ضروریات کا تعین کرسکتا تھا۔ اول خان نے اپنے اسکواڈ کا رسمی جائزہ لیا اور پھر ہم تینوں کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوگیا۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے باہر نکلی تو الیس ٹی ایف کا ٹرک بھی ہمارے پیچھے تھا۔

چھاؤنی کی حدود اور شہر کے مضافاتی علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ہمارا قافلہ جلد ہی سپرہائی وے پر نکل آیا۔

سپرہائی وے دو رویہ اور بہت کشادہ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس پر رات کا سفر آرام دہ نہیں۔ ناتجربے کار اور بے پروا ڈرائیوروں نے اپنے ہیڈ لیمپس کا بے جا استعمال کرکے وہ دشواری پیدا کی تھی جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ مخالف سمت سے براہِ راست ڈرائیور کی آنکھوں پر پڑنے والی ہائی بیم نگاہوں کو اتنا خیرہ کردیتی تھی کہ وہ بیم گزر جانے کے بعد بھی چند ثانیوں تک سامنے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاروں ہی خوب بولتے رہے لیکن ٹول پلازا سے تیس چالیس کلو میٹر دور نکل جانے کے بعد سب کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔ سڑک کے اطراف میں دور دور تک رونق اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر اکتا دینے کی حد تک طویل اور صبر آزما معلوم ہورہا تھا۔ دورانِ سفر بدلتے ہوئے مناظر کی دلچسپی اور رنگینی میں نے صرف پنجاب اور سرحد میں ہی دیکھی تھی ورنہ پورے سندھ کے بڑے زمینی راستے اسی طرح اجاڑ اور بے کیف نظر آتے تھے۔

دس بجنے سے پہلے ہم نے حیدر آباد ٹول پلازا عبور کرلیا۔

سڑک کا خم شروع ہونے سے پہلے اول خان نے اشارہ دے کر اپنی جیپ سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق غزالہ جیپ سے اتر کر ٹرک کے ڈرائیور کیبن میں چلی گئی، حامد ہمارے ساتھ آملا۔

پروگرام یہ تھا کہ اصل کارروائی جیپ والی چار نفری پارٹی انجام دے گی۔ ٹرک اور اس میں سوار مسلح نفری کمک کے طور پر جیل روڈ کے کسی مناسب مقام پر منتظر رہے گی۔ ہماری طرف سے پیغام ملتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

جیل روڈ سے شہر کی طرف مڑتے ہی ٹرک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اول خان نے پہلی ذیلی سڑک پر جیپ بائیں طرف موڑلی اور سیدھا ہیر آباد کے علاقے میں داخل ہوتا چلا گیا۔

اِکّا دُکّا دکانوں کے استثنیٰ کے ساتھ وہ شہر کا خالص رہائشی علاقہ تھا۔ اس میں گھستے ہی رونق اور گہما گہمی میں کمی سے اندازہ ہوا کہ وقت کافی ہوچکا تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اول خان نے جیپ کا انجن بند کردیا کیونکہ فیروزی دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ سفید رنگ کا وسیع مکان ہمارے سامنے آچکا تھا۔

جیپ اپنے زور میں کچھ دور تک رینگتی رہی پھر اول خان نے اسے کنارے سے لگا کر ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ میں فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ میری نگاہیں گوپال چند کے دو منزلہ مکان پر جمی ہوئی تھیں۔

میں نارمل انداز میں چلتا ہوا اس مکان کے سامنے سے گزرا اور میں نے بھانپ لیا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اس سمت سے گھر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر مکان کی تنگ سی عقبی گلی میں گھس گیا۔ گلی کے تقریباً سب دروازے بند تھے مگر آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں رہنے والے اپنی معمول کی آمدورفت کے لیے اسی عقبی راستے کو ترجیح دیتے تھے۔

مکانوں کی گنتی کے حساب سے گوپال چند کے گھر کے پچھلے دروازے کا جائزہ لے کر میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرے رخ سے سڑک پر نکلنے کے بعد میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندھیرے میں کھڑی ہوئی جیپ تک پہنچا۔ وہ تینوں میرے انتظار میں تنے بیٹھے تھے۔

"کوئی دروازہ توڑے بغیر اندر داخل ہونا مشکل نظر آرہا ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"اس طرف کچھ اجالا ہے۔ پچھلی گلی کا کیا حال ہے؟" اول خان نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"اُدھر بہت اندھیرا ہے۔ صرف ایک دو گھروں کے باہر بلب جل رہے ہیں۔" اول خان کے سوال پر میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن ابھری "ہم اُدھر سے کامیاب ہوسکتے ہیں۔"

"تم نے اتنی جلدی رائے بدل دی۔" ویرا کی سرگوشی میں

برت تھی "اب کیا کرو گے۔"

"ایک کنکر اور ڈارٹ گن۔" میں نے اختصار سے جواب دیا۔ "تم میرے ساتھ آجاؤ۔ یہ دونوں تھوڑے سے وقفے کے بعد پچھلی گلی کے مخالف سروں سے ہماری طرف آئیں گے۔ جلدی آجاؤ۔"

ویرا بے چون و چرا جیپ سے باہر آگئی اور میں دوبارہ پچھلی گلی کی طرف چل دیا۔

ہر مکان کی چوکی گلی کی سطح سے کچھ نہ کچھ اونچی ضرور تھی۔ گھروں میں رسائی کے لیے دروازوں کی سطح پر گلی میں جا بجا پختہ چبوترے بنے ہوئے تھے۔ گھر میں داخلے کے لیے گلی سے دو تین سیڑھیاں طے کرکے اس چبوترے پر پہنچنا ضروری تھا۔ ان نکات کو اپنے ذہن میں گھماتے ہوئے میں نے راستے سے ایک قدرے بڑا کنکر اٹھایا اور ویرا کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

گوپال چند کے گھر کا پچھلا دروازہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں گلی میں پھیلے ہوئے سناٹے سے خوش تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا۔ تاریک گلی میں کھلے ہوئے دروازے کا روشن مستطیل بننے لگا۔ میں نے بے اختیار اپنی رفتار سست کردی۔ گلی کی زمین پر بننے والے روشن مستطیل میں کسی عورت کا متحرک سایہ نظر آیا۔ چند ثانیوں بعد وہ عورت گھر سے نکلی اور دروازہ بند کرکے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے ہماری مخالف سمت بڑھتی چلی گئی۔

اس سے پہلے کہ کہیں سے کوئی اور نمودار ہوتا' میں اپنی رفتار بڑھا کر گوپال چند کے دروازے کی چوکی تک پہنچا اور تین زینے چڑھ کر پھرتی سے کنکر اندر اچھال دیا۔ ذرا سے سکوت کے بعد اُس کنکر کے پختہ فرش پر گرنے کی پرشور آواز آئی۔ میں سانس روک کر دیوار سے چپک گیا۔ میں نے بائیں بازو سے ویرا کو بھی دھکیل کر دیوار سے لگا دیا۔ وہ دروازے کے اطراف میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے چوکی یا چبوترے سے ایک سیڑھی نیچے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے سانسوں کا زیروبم بہت تیز ہو چکا تھا۔

کنکر کی آواز پر اندر سے ایک مردانہ آواز آئی "کون ہے؟" اسی کے ساتھ پختہ فرش پر قدموں کی دھیمی آہٹیں محسوس ہوئیں جو رفتہ رفتہ دروازے کے قریب آتی جارہی تھیں۔

میں دروازے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔ دروازہ میرے داہنے ہاتھ پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ گلی کے اس سرے سے ایک ہیولا اندر بڑھا چلا آرہا تھا اور وہ چال ڈھال کے اعتبار سے اول خان تھا۔

اندر کنڈی اور پھر بولٹ کھلنے کی آواز آئی' دروازہ کھلا اور اس خلا میں سے ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ میں نے پلک جھپکتے میں اس کے چہرے پر ڈارٹ فائر کردیا۔ زن کی ہلکی سی آواز کے ساتھ بلیو ڈارٹ اس کے چہرے کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اگر میں فوراً ہی قدموں پر گھوم کر اسے اپنے ہاتھوں پر نہ سنبھال لیتا تو وہ منہ کے بل پختہ چبوترے کو چاٹتا ہوا گلی میں جا گرتا۔ قدرے بلندی سے اس کے گرنے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی' وہ دوسروں کو متوجہ کرسکتی تھی۔

اس وقت میرے ذہن سے ہر خوف مٹ گیا تھا۔ میں بے ہوش ہونے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھالتا اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے میں سے ہو کر اندر گھس گیا۔ ویرا نے اندر سے کسی اور کی مداخلت کے امکان کا توڑ کرنے کے لیے بہت تیزی سے پیش قدمی کی تھی اور میرے ساتھ ہی اندر چلی آئی تھی۔

میں نے بے ہوش شکار کو سرعت سے دیوار کے سہارے' فرش پر لٹا دیا۔

ہم اس وقت قدیم طرز پر بنے ہوئے مکان کے صحن کے آخری سرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ صحن سے آگے دالان تھا جس میں دو کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ صحن اور کمروں میں تاریکی تھی۔ بس دالان میں جلتا ہوا اکلوتا بلب اس اندھیرے سے لڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ دالان کی اوپری منزل پر خاصی روشنی تھی جو براہِ راست ہم تک پہنچ رہی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ ہماری مداخلت پر کہیں سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ نچلی منزل پر شاید ہمارا شکار اکیلا ہی تھا۔ دوسرے اہل خانہ اوپر کی منزل پر تھے۔

اس وقت ہماری پوزیشن بہت مخدوش تھے۔ اوپر سے کوئی بھی ہمیں دیکھ کر باڑھ پر رکھ سکتا تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور اسے بولٹ کیے بغیر پنجوں کے بل دالان کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ تھی۔

دالان میں پڑے ہوئے ایک پردے کے پیچھے ہمیں وہ چارپائی بھی نظر آگئی جس کا شکن آلود بستر بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک اس پر کوئی موجود تھا۔ شاید کنکر کی آواز پر دروازہ کھولنے والا گوپال کا کوئی گھریلو نوکر تھا اور چارپائی پر موجود بستر اسی کا معلوم ہو رہا تھا۔ ہم خود دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے بچ گئے تھے لیکن بے ہوش ملازم کی صحن میں موجودگی بھی خطرناک تھی کیونکہ اسے اوپر سے دیکھا جاسکتا تھا جبکہ اوپر والوں کی بے خبری ہمارے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

میں بے ہوش ملازم کو اٹھانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا پھر اول خان اور حامد اندر آگئے۔ میرے ایک اشارے سے انہوں نے میرا مدعا بھانپ لیا۔ دروازہ بند کرکے اسے چاروں ہاتھ پیروں سے اٹھایا اور ہماری طرف لے آئے۔ میں راستے سے ہی الٹے قدموں' دالان کے سائے میں لوٹ گیا تھا۔ میرے اشارے پر ان دونوں نے نوجوان ملازم کو اس کے بستر پر ڈالا اور اس کے رخسار کی جڑ میں اتری ہوئی ڈارٹ کھینچ کر ایک طرف اچھال دی۔

ہم چاروں بس ذرا سی دیر کے لیے یکجا رہے پھر پہلے کی طرح دو ٹولیوں میں بٹ کر دالان میں کھلنے والے دونوں دروازوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ دونوں خواب گاہیں تھیں جن میں زیادہ ساز و

سامان نہیں تھا لیکن منقش اور رنگین پایوں والی قدیم سندھی طرز کی چارپائیاں ضرور موجود تھیں۔ ان کمروں کے پیچھے بھی دو کمرے تھے۔ بڑا کمرا ڈرائنگ روم کے انداز میں سجایا گیا تھا۔ چھوٹے کمرے کو برآمدے کی حیثیت دی گئی تھی۔ اس کمرے کا سائز زینے کی وجہ سے خاصا چھوٹا رہ گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دیوار گیر طاق میں کسی دیوی کا مجسمہ نقش تھا۔

وہ گھر ضرور تھا مگر اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کی تزئین اور دیکھ بھال میں کسی عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ ہم نے چمن سے مراد اور گوپال کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی لیکن گوپال کے اہل خانہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا جب کہ اس گھر میں گھسنے سے پہلے ہمارے لیے وہ سب جاننا بہت ضروری تھا۔

زینوں کے قریب اوپر سے دبی دبی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم چاروں کان لگا کر وہیں رک گئے۔ وہ ایک مرد اور عورت کی آوازیں تھیں۔ عورت بار بار ہنسے جارہی تھی۔ ہم دبے قدموں دوبارہ دالان میں آگئے۔

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہمارے مشوروں کے لیے دالان سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ وہاں سے ہماری سرگوشیانہ آوازیں اوپر نہیں جاسکتی تھیں۔ میں اشارے سے ان تینوں کو وہیں لے گیا۔

"حیرت ہے۔ سلطان شاہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔

"اوپر بھی اتنے ہی کمرے ہوں گے۔ وہ وہیں کہیں ہو سکتا ہے۔" ویرا نے رائے دی۔

"تم نیچے رکو!" میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں اوپر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اوپر سے آنے والی آوازوں سے تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" اول خان نے پوچھا "وہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں اسی وجہ سے ویرا کو نیچے روک رہا ہوں۔ پتا نہیں اوپر کیا حالات ہوں۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر اندر چل دیے۔ نچلی منزل پر دالان کے ایک بلب کے سوا سب روشنیاں گل تھیں۔ اس اکلوتے بلب کی روشنی اندر والے کمروں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے بھی کہیں اجالا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اچانک انعکاس بڑھ جانے سے بھی اوپر والے چونک سکتے تھے۔

ہم پہلے کمرے سے گزر کر چھوٹے کمرے میں گھسے ہی تھے کہ اچانک فضا کسی دھاتی چیز کی جھنکار سے گونج اٹھی اور ہم سب اچھل پڑے۔ اندھیرے میں ویرا بوکھلا کر فرش پر جھکی ہوئی کچھ اٹھا رہی تھی۔ دھات سے بنی ہوئی چیز کی کھوکھلی جھنکار سے میں نے اندازہ لگایا کہ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کسی گلدان وغیرہ سے ٹکرا گئی تھی۔

"کیا ہے؟ یہ شور کیوں ہو رہا ہے؟" اوپر سے کوئی غصے میں دہاڑا۔ وہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔

"میاؤں!" ویرا کے حلق سے مسکین سی آواز نکلی جو بلی کی آواز سے سوفی صد مشابہ تھی۔

"اب گھر میں بلیاں لوٹ لگائیں گی!" اوپر سے وہی جھلائی ہوئی بلند آہنگ آواز گونجی پھر اس نے کسی کو پکارا "راجو! ابے او راجو....! تو کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ آسان شہری سندھی میں اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا تھا جس میں اردو کی آمیزش کی وجہ سے اس کی ہر بات کم از کم میری سمجھ میں آرہی تھی۔

راجو شاید اسی ملازم کا نام تھا جو میرے ہاتھوں ڈارٹ کا نشانہ بن کر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"چھوڑ مراد! کیوں غصہ کرتا ہے۔" اس بار نسوانی آواز بلند' مخمور اور ناز آفریں تھی "اپنی طرح بلیوں کو بھی آزاد پھرنے دے۔ بلاوجہ گوپال کی نیند بھی خراب ہوگی۔"

"راجو حرام خور ہوگیا ہے۔" قدموں کی وزنی چاپ کے درمیان مراد ظریف کی آواز ابھری "اس نے کوئی دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہوگا۔ بلیاں کمروں کو گندا کر دیتی ہیں۔"

قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ ہم چاروں تیزی سے اوٹ میں ہوگئے۔

چٹ کی آواز کے ساتھ زینوں کا کوئی بلب روشن ہوا اور چھوٹا کمرا یکایک روشنی سے بھر گیا۔ ہمیں سرعت سے وہ کمرا چھوڑنا پڑ گیا۔ وہاں کہیں بھی ایسی کوئی آڑ نہیں تھی کہ اجالے میں ہم اس کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے۔"

"سالا' حرام کا پلّا...." مراد کے قدموں کی چاپ زینوں پر منتقل ہو چکی تھی "پتا نہیں کیا پی کر سویا ہے کہ سنتا ہی نہیں ہے۔ ابھی دو ہاتھ ماروں گا تو ساری نیند کافور ہو جائے گی۔"

وہ راجو پر برستا ہوا نیچے آرہا تھا۔ ہم چھوٹے کمرے کے ساتھ والی خواب گاہ میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ راجو کی چارپائی تک پہنچنے سے پہلے اسے اس کمرے سے ضرور گزرنا پڑتا۔ ویرا کی ایک غیر ارادی غلطی مراد کے لیے اچھا خاصا جال بن گئی تھی اور وہ اپنے قدموں سے چل کر اس جال میں پھنسنے کے لیے آرہا تھا۔

مراد کو ناز نخرے دکھانے والی عورت اس کے پیچھے پیچھے نہیں آئی تھی' نہ ہی اس نے دوبارہ مراد کو آواز دی تھی۔ اس کے بلند آواز میں کہے ہوئے فقروں سے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ گوپال بھی اوپر سو رہا تھا۔

مراد وقفے وقفے سے راجو کو آوازیں دیتا اور پھر گندی گندی گالیاں بکتا سیڑھیوں سے نیچے آیا۔ وہ چھوٹے کمرے سے گزر کر جوں ہی سونے کے کمرے میں داخل ہوا' میں نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر ایک مکّا رسید کیا۔ اس کے لیے وہ وار غیر متوقع

ہلکی سی چیخ اور غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلا

شاید ہم سب نے ہی دیکھ لیا تھا کہ مراد کے ہاتھ میں کوئی نہیں تھا۔ وہ راجو اور بلی سے اپنا حساب چکانے کے لیے عشرت کدے سے باہر آیا اور ہمارے نرغے میں پھنس گیا۔
”اب کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔“ ویرا یہ کہہ کر اچھلی راد کے سامنے فرش پر جا ٹکی۔
وہ خوف ناک اور غیر یقینی مہم اچانک یک طرفہ رخ اختیار تھی۔ میں نے دروازے کے قریب سوئچ بورڈ سے اس کمرے ں روشنی کردی۔ حامد اپنے لباس میں پوشیدہ رائفل نکال کر کمرے کے درمیانی دروازے پر جم گیا تاکہ اوپر سے آنے کسی نئے دشمن کو بروقت اپنے نشانے پر لے سکے۔
یرے زوردار مکے کے اثرات سے سنبھل کر مراد سیدھا ہوا ویرا کسی ماہر لڑاکا کی طرح اپنے بائیں پنجے پر گھومی اور اس کی لات مراد کے منہ پر اتنی زور سے پڑی کہ وہ بلبلاتا ہوا عقبی سے جا ٹکرایا۔ اس مرحلے پر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں پر وہ پیدائشی سیاہ مسّا موجود تھا جو اس کی شناخت قرار دیا جاتا

مراد پھر سنبھل کر اٹھا‘ اس بار ویرا نے اسے فلائنگ کک ی۔ اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے مراد کے سینے پر ور وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتا ہوا گیا۔ ویرا کسی ماہر بازی گر کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو فرش پر ر فضا میں کھڑی قلا بازی لیتی ہوئی اگلے وار کے لیے تیار

شاید اس کی گھٹی گھٹی چیخوں اور دھما چوکڑی کی آوازوں نے لی کا نشہ ہرن کردیا تھا اور اس نے بوکھلا کر گوپال کو نیند سے کردیا تھا۔ اس نے نشے میں چور آواز میں اوپر سے بنکارنا کردیا تھا۔
مراد کے سر اور دہانے سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ میرے گھونسے کے بعد ویرا نے اپنے تابڑ توڑ حملوں سے اسے اتنا بد کردیا تھا کہ وہ صحیح طریقے سے اپنا دفاع کرنے کے قابل بھی ہا تھا۔
”میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ سب کو فنا کردوں گا۔“ اوپر سری مردانہ آواز آرہی تھی۔
ں مراد کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے حامد کے برابر کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں ہدایت کی ”فائر مت کرنا۔ کی آواز دور دور تک سنی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ باہر بھیڑ جمع ئے۔“
”اگر اس نے پہل کی تو کیا ہوگا؟“ حامد نے سنجیدگی سے

→→→→→→→→→→→→→→→→→

نفسیات کا ایک طالب علم پاگل خانے کا دورہ کرنے آیا تو اس نے دیکھا کچھ پاگلوں سے مزدوروں کے طور پر کام لیا جارہا تھا۔ اسے ایک پاگل نظر آیا جو اپنی ایک پہیے والی گاڑی کو الٹی کرکے دھکیلتا ہوا لے جارہا تھا۔

”اس گاڑی کو اس طرح نہیں.... اس طرح چلاتے ہیں۔“ طالب علم نے اسے گاڑی سیدھی کرکے دکھاتے ہوئے کہا۔

”پہلے میں اسی طرح چلا رہا تھا....“ پاگل نے متانت سے کہا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ”لیکن وہاں ایک پاگل کھڑا ہے وہ ہر چکر میں اس میں اینٹیں بھر دیتا تھا۔“

←←←←←←←←←←←←←←←←←

”اس کی ٹانگیں چھلنی کردینا۔“ اول خان نے ہم دونوں کے مذاکرات سن کے سفاکانہ لہجے میں سرگوشی کی ”یہ پورا ٹولہ کسی بھی ہمدردی یا رحم کا مستحق نہیں ہے۔“
حامد سے بات پوری کرکے وہ میری طرف متوجہ ہوگیا ”تم فکر مت کرو۔ فائرنگ کی آواز سن کر باہر بیٹھے ہوئے لوگ بھی بھاگ کر اپنے گھروں میں چھپ جائیں گے۔ میدان صاف ہونے کا یقین ہونے تک کوئی باہر نہیں آئے گا۔“
دوسرا شخص نشے میں تھا مگر مسلح تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ واضح نہیں تھی۔ وہ فرش پر پیر گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ اس نے زینوں کے سرے پر آتے ہی نیچے کی طرف فائر کیا جو قطعی بے مقصد تھا۔
ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر ہوا اور گولی کنکریٹ کی دیوار میں کہیں پیوست ہوگئی۔ اس کا ریوالور سائلنسر سے لیس تھا۔
حامد نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”وہی کرو جو اول خان کہہ رہا ہے۔“
”جلدی بتاؤ کہ آج کا قیدی کہاں ہے۔“ ویرا ہانپتی ہوئی‘ مراد کے سر پر سوار تھا۔
مراد نے حقارت سے فرش پر تھوک دیا مگر تھوک کہاں۔ وہ خون ہی خون تھا۔ ویرا کے ہاتھ چلنے لگے۔
گوپال اپنے بے آواز ریوالور کے زعم میں مبتلا تھا۔ وہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر لہراتا ہوا سیڑھیاں طے کررہا تھا۔ گہری نیند اور نشے کا خمار اس پر غالب تھا۔ میں نے حامد کے ہاتھ سے اس کی خود کار رائفل لے کر نال سیدھی کی اور سیڑھیوں کی ریلنگ کے درمیان سے گوپال کی ٹانگوں پر ایک ہلکا سا برسٹ ماردیا۔
وہ چیخ مار کر وہیں گرا اور پھر سیڑھیوں پر سے بری طرح لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ فرش پر تھمنے تک اس کا ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ خود بے حس و حرکت تھا۔

اس کے بدن پر صرف پاجامہ تھا جس کے نچلے حصے پر صرف خون نظر آرہا تھا مگر اس کی بے ہوشی سیڑھیوں کے کناروں سے سر کے کسی نازک حصے پر آنے والی ضرب ہی ہو سکتی تھی۔

میں اپنا پستول لے کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اوپر سناٹا تھا۔ نشے میں مخمور عورت بھی شاید دہشت سے کسی کونے میں جا چھپی تھی کیونکہ وہاں کہیں سے کوئی آواز نہیں تھی۔

"اندر جو بھی ہے، ہاتھ اٹھا کر باہر آجائے، اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" میں نے ایک ستون کی اوٹ لے کر کہا۔

میرے کانوں میں مبہم سی سرگوشیوں کی آواز آئی۔ وہاں وہ عورت اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جس سے وہ مشورے کر رہی تھی۔ میں نے انہیں دوبارہ باہر آنے کی وارننگ دی۔ اس بار میں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ انہوں نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو کمروں میں گھس کر ہر ایک کو قیدی بنالیا جائے گا۔

نیچے کی لڑائی سمٹی ہوئی تھی۔ ویرا بہت بے رحمی سے مراد سے باز پرس کر رہی تھی۔ اول خان بھی میرے پیچھے آکھڑا ہوا۔ نیچے ویرا کے ساتھ صرف حامد رہ گیا تھا۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک منتظر رہے پھر ایک دروازے سے دو عورتیں عجیب حلیے میں برآمد ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ کاجل پھیلا ہوا تھا۔ غازہ و سرخی ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے بنے سنورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے حلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیشہ ور عورتیں تھیں جو ہمارے پہنچنے سے بہت پہلے سے گوپال اور مراد کے ساتھ موجود تھیں۔

"اندر اور کون ہے؟" اول خان نے درشت لہجے میں ان سے سوال کیا "یہاں ایک آدمی کو قید کیا گیا تھا۔"

دونوں نے بیک وقت رونا شروع کر دیا۔ ان میں سے نسبتاً معمر عورت نے بین کرنے کے انداز میں بتایا کہ وہ دونوں بازار والیاں ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لیے وہاں بلایا گیا تھا لیکن دونوں مردوں نے زیادہ نشہ کر کے انہیں زبردستی وہاں روک رکھا تھا اور ان کے ساتھ دراز دستی کی کوششیں کر رہے تھے۔ گھر میں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

مکاری ان دونوں کے خمیر میں شامل تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ کوئی بھی بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتی تھیں۔ اپنے دونوں پرستاروں کا پلڑا ہلکا پڑتا دیکھ کر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا۔

"ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے پستول کی نال سے اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔

دونوں سہمتی لرزتی ہوئی دیوار سے جا لگیں۔ ان کے چہرے میری طرف تھے۔ انہیں خوف تھا کہ انہوں نے منہ پھیرا تو پشت سے انہیں گولیاں ماردی جائیں گی۔ ان کی ذہنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اپنی ہدایت پر مزید اصرار نہیں کیا۔ انہیں

اول خان کی نگرانی میں چھوڑ کر میں کمروں کی طرف بڑھ گیا۔

اس منزل پر دو خواب گاہیں تھیں ایک کمرا بیٹھک معلوم ہو رہا تھا۔ خواب گاہوں کی بے ترتیبی زبانِ حال سے گزرے ہوئے وقت کی کہانی سنا رہی تھی لیکن وہاں کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ اوپر کا دالان بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

"دونوں اندر جاؤ اور ایک گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہ نکلنا۔" میں نے انہیں مژدہ سنایا "اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی کہ یہیں سوتی رہو یا خاموشی سے فرار ہو جاؤ۔"

انہوں نے میرے فیصلے پر عمل کرنے میں بالکل تاخیر نہیں کی۔ تقریباً دوڑتی ہوئی اسی کمرے میں جا گھسیں جس سے وہ برآمد ہوئی تھیں۔ اندر جاتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

اوپر کی تلاشی لینے کے بعد میرے ذہن پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ ہم نے سلطان شاہ کی تلاش میں وہ دوڑ لگائی تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اول خان بھی اس ناکامی پر آزردہ تھا۔ ہم دونوں نیچے پہنچے تو مراد بھی ویرا کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ویرا ایک کرسی پر بیٹھی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مراد ظریف سے کچھ نہیں اگلوا سکی تھی۔

ہم نے بہت غور سے اس قدیم مکان کے چپے چپے کا جائزہ لے ڈالا، فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا لیکن کہیں کسی تہ خانے کی موجودگی دریافت نہیں کر سکے۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر ہم مراد کے قریب یکجا ہو گئے۔

"یہ کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو، کہیں نہ کہیں اس کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔ "اب ہمیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے مراد کو ساتھ لے کر جلد از جلد نکل جانا چاہیے۔"

"سلطان شاہ کو اس کی قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ہم تمہارے ہر مشورے پر عمل کریں گے۔"

ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "کیا تم مراد کو کراچی لے جانا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال یہاں سے نکلو۔ یہ فیصلے بعد میں ہوتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

حامد نے عقبی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اول خان نے گوپال کے گھر کا اگلا دروازہ کھولا تو قرب و جوار کے بعض مکانوں کی کھڑکیوں میں متجسس انسانی چہرے موجود تھے۔ اول خان نے اپنی رائفل کی نال آسمان کی طرف کر کے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ نظر آنے والے سارے چہرے یکایک روپوش ہو گئے۔ اس اثنا میں حامد جیپ لینے کے لیے دوڑ لگا چکا تھا۔

جیپ اگلے دروازے پر رکی۔ خون میں لتھڑے ہوئے' خستہ
ل مراد کو چاروں نے احتیاط سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا اور
رہم مناسب رفتار سے وہاں سے روانہ ہوگئے۔
"ایگل کالنگ!" اول خان نے اپنے ایرپیس پر پیغام نشر کیا۔
ہم باہر جیل روڈ پر آرہے ہیں۔ واپسی کے لیے رخ موڑلو اور
پ پر نگاہ رکھو۔ تمہیں ہمارے پیچھے پیچھے آنا ہے۔ اوور!"
"یس سر! ہم اباؤٹ ٹرن ہورہے ہیں۔ اوور... ار... یہ بیگم
احب کچھ کہنا چاہ رہی ہیں سر! اوور۔"
"بے بی۔ آئی ایم سوری۔" اول خان نے غزالہ کے لیے
یغام دیا "وہ نہیں ملا مگر مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ باقی باتیں بعد
ں ہوں گی۔ ابھی ہمیں شہر سے نکلنے کی فکر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"
"تم نے اچھا کیا کہ غزالہ کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ
یلی ہے۔ زیادہ جذباتی ہوجاتی۔" میں نے اول خان کی حکمتِ عملی
ی تائید کی "وہ آملے گی تو اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لے
ں۔"
"سب اچھا ہوا مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوپال جیسے
ر آستین کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا۔" ویرا بول پڑی "اس کا پورا
ن اس کی پنڈلیوں کی طرح چھلنی کردینا چاہیے تھا۔"
"وہ مائیکرو سرجری اور خطیر خرچ کے باوجود ایک لمبے عرصے
ک بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔
وہ بستر سے اٹھے گا' تب بھی شاید لنگڑائے بغیر چلنے کے قابل نہیں
سکے گا۔ آسان موت کے مقابلے میں ایسی سسکتی ہوئی زندگی
یادہ عذاب ہوتی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے گا' اپنے اور
سروں کے لیے عبرت کا مرقع بنا رہے گا۔"
"اس کا انجام چمن علی کی روح تک کو لرزا کر رکھ دے گا۔"
ول خان نے خیال انگیز آواز میں کہا "جلد ہی بقیہ دونوں افراد کو
ی پتا چل جائے گا کہ گوپال چند کو اپنے کن اعمال کا خمیازہ
گتنا پڑا ہے۔"
جیپ جیل روڈ پر آکر بائیں طرف مڑگئی۔ کچھ دور کھڑا ہوا
ک بھی اپنی جگہ سے رینگ کر سڑک پر آگیا۔
جیپ نے رفتار پکڑلی۔ جیل روڈ کے چوراہے پر اول خان کے
یما پر حامد نے کراچی کی راہ لینے کے بجائے' سڑک کا عجیب سا
زاویہ طے کرکے گاڑی حیدرآباد چھاؤنی جانے والی بائیں سڑک پر
وڑ دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جیپ داہنی طرف گھوم گئی۔
وہیکل ٹرک مستقل فاصلے سے ہمارے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔
چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر موجود گارڈ' ایس ٹی ایف کی
صطلاح کو نہیں سمجھ سکا اور اول خان کو جیپ سے اتر کر ڈیوٹی
سارجنٹ کے کیبن تک جانا پڑا۔ وہاں سے اسے بلا توقف پیش
ری کا پروانہ مل گیا۔
فوجیوں کی زندگی میں وقت اور ڈسپلن کی کیا قدر وقیمت ہوتی
ہے' اس کا صحیح اندازہ کسی فوجی چھاؤنی میں جاکر ہی ہوتا ہے۔ منہ
اندھیرے اپنے اپنے کام پر حاضر ہونے والوں کے لیے اس وقت
رات کا ایک لمبا وقفہ گزر چکا تھا۔ ہر طرف روح کی گہرائیوں میں
اترجانے والا عجیب سا سکون محیط تھا۔ ہماری گاڑیوں کے انجنوں کا
شور اس سکون وسکوت کو بہت بے رحمی سے مجروح کررہا تھا۔
اول خان کو دونوں گاڑیوں کے سواروں میں ردّوبدل کے لیے
کسی پارکنگ لاٹ کی تلاش تھی۔ اس وقت سی ایس ڈی اور اس
سے ملحقہ دکانیں بند تھیں' حامد نے جیپ وہیں اتاردی اور اسے
آگے لے جاکر انجن بند کرتے ہی نیچے اتر کر ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ
کے اشارے سے سگنل دینے لگا۔
فوراً ہی ٹرک کا رخ تبدیل ہوا اور چند ثانیوں بعد وہ اپنا رخ
بدل کر اس طرح جیپ کے پیچھے آلگا کہ دونوں گاڑیوں کے عقبی
حصوں میں صرف چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔
دونوں گاڑیوں کے سوار انجن بند ہونے کے بعد نیچے اتر
آئے۔ ٹرک سواروں کو کراچی سے روانگی کے بعد پہلی بار نیچے آکر
اپنی پشت اور ٹانگیں سیدھی کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس سے
فیض یاب ہورہے تھے۔
اس علاقے میں گشت پر مامور' ملٹری پولیس کے ایک باوردی
سپاہی نے بند اسٹورز کے پاس سادہ لباس والوں کی غیر معمولی بھیڑ
دیکھی تو کھوجی نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا اس طرف آگیا۔
مختصر سی گفتگو میں حامد نے اسے مطمئن کردیا اور وہ سڑک پر جاکر
دوبارہ اپنے گشت میں مصروف ہوگیا۔
اسی اثنا میں غزالہ میرے پاس آپہنچی تھی اور تفکّر آمیز لہجے
میں پوچھ رہی تھی "جب مراد ہاتھ آگیا تو سلطان شاہ کہاں ہے؟
اسے بھی گوپال چند کے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔"
"ہم سب کا یہی خیال تھا مگر ایسا نہیں ہے۔ ویرا نے مراد کا
جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے مگر وہ بہت سخت جان ہے۔ جب تک وہ زبان
نہیں کھولے گا' ہم سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں جان سکیں
گے۔ اس کا بولنا ضروری ہے۔"
"ویرا اسے مارتی رہے گی اور اس کے آدمی سلطان شاہ کو
ادھیڑتے رہیں گے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"
"میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ سلطان شاہ اگر اب تک
زندہ ہے تو اب وہ اپنی آزادی تک زندہ رہے گا۔ اس کے آدمیوں
کو معلوم ہوجائے گا کہ اب وہ مراد کے خسارے میں ہیں۔ مراد کی
آزادی کے لیے انہیں سلطان شاہ کو لوٹانا ہوگا۔"
اول خان کے آدمیوں نے مراد کو جیپ سے اتار کر ٹرک کے
پچھلے حصے میں منتقل کردیا تھا۔ حامد کو اسی حصے میں سفر کرتے ہوئے
مراد پر اپنے حربے آزمانے تھے۔ غزالہ کو دوبارہ جیپ میں بلالیا
گیا۔ ایس ٹی ایف کے چند کارکن آزادی سے سگریٹ وغیرہ پینے
کے لیے اپنے افسران سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے لوٹتے ہی چھاؤنی

سے روانگی ہوگئی۔
اس بار جیپ کے ڈرائیونگ وہیل پر اول خان خود موجود تھا۔ چھاؤنی کی حدود سے نکل کر اس نے کراچی سے جانے والی راہِ اختیار کرلی۔ میں کچھ دیر تک خاموش رہا پھر منزل کے بارے میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔
"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں سلطان شاہ کے معاملے کو معلّق چھوڑ کر کراچی واپس جانے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟"
"تم اپنے ساتھ حامد کو بھی لے آئے ہو۔ اسٹیشن فور پر تم دونوں میں سے ایک کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم واپسی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنے ذہن میں موجود شبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔
"ہنگامی ضروریات اور فیصلوں کے لیے ہماری ضرورت پڑتی ہے ورنہ درمیانے درجے کے افسران کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کسے کیا کرنا ہے۔ اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی ایس ٹی ایف کی سب سے بڑی ایمرجنسی ہے۔"
"لیکن ہم اسے کب تک سڑکوں پر لیے گھومتے رہیں گے؟" ویرا نے احتجاج کیا "میں نے اس پر جو بے رحمانہ تشدد کیا ہے' وہ قبر کے مردے کو بھی بولنے پر مجبور کردیتا ہے۔ وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔"
"ابتدا میں ہر مجرم ایسا ہی نظر آتا ہے مگر پھر بول پڑتا ہے۔ تشدد چار چوٹ کی مار کا نہیں' مجرم کی ذہنی توڑ پھوڑ کا نام ہے۔ یہ ایک باقاعدہ فن ہے جس میں جسمانی تشدد کے ساتھ نفسیاتی حربے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ وہ ہوش میں آجائے پھر ہمیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمیں کدھر کا رخ کرنا چاہیے۔"
"دو تین گھنٹے گزارنے کے بعد تم نے کراچی جانے کا فیصلہ کیا تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔ اتنی دیر میں ہم دو مرتبہ کراچی تک جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اول خان کی باتوں کو اہمیت دیے بغیر کہا۔
اس نے ویرا کی بات خندہ پیشانی سے سن لی لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔
جام شورو سے کراچی کی طرف مڑنے کے بجائے اول خان سیدھا کوٹری کی طرف جانے والے راستے پر نکل گیا۔ وہ ویسے ہی سست رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا۔ اس خراب سڑک کا آغاز ہوا تو رفتار مزید کم ہوگئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس راستے سے کوٹری کا پورا صنعتی علاقہ عبور کرکے وہ دوسری طرف سے حیدرآباد پہنچا تو آسانی سے ایک گھنٹا گزر جائے گا۔
ناہموار اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی سنسان سڑک پر ہمارا سفر جاری رہا۔ سڑک کے دونوں طرف موجود ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دھرتی کے پھوڑوں کی طرح نظر آرہے تھے۔
"برڈ کالنگ ایگل... اوور!" ویرا نے کہا... سفر ختم ہونے سے پہلے حامد کا پیغام آیا۔
"کہے جاؤ' میں سن رہا ہوں۔ اوور!" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر کہا۔
"زخموں پر بیڑی کے پانی کے استعمال سے وہ ہوش میں آگیا ہے مگر بہک رہا ہے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' اس کے نتیجے میں یہ چیخیں مارنے لگے گا... اوور۔"
"سامنے روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ہمیں جلد از جلد نتیجے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کرسکیں۔ آدھے گھنٹے بعد ہم اسے ریلوے لائن سے باندھ کر کسی ٹرین کی آمد کا انتظار کریں گے اور اس کے ٹکڑے ہوتے ہی واپس کراچی لوٹ جائیں گے... اوور۔"
"اوکے سر! اب میں آدھے گھنٹے بعد رپورٹ دوں گا۔ اوور۔" حامد کا جواب آیا۔
"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے گفتگو ختم کردی مگر اس کا اپریٹس بدستور آن تھا۔
"تم واقعی اسے ٹرین کے نیچے کٹوا دو گے یا اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب سنا رہے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔
"ہم اسے کٹوا سکتے ہیں مگر سلطان شاہ کی آزادی کے بعد۔ اس وقت ساری گفتگو اسے سنانے کے لیے کی گئی ہے۔ اسے یہ احساس دلانا ضروری تھا کہ ہم اسے سلطان شاہ کی واپسی تک پالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"
جیپ میں خاموشی چھاگئی۔ اس وقت ہم لیول کراسنگ عبور کرنے کے بعد صنعتی علاقے میں داخل ہوچکے تھے۔
صرف پندرہ منٹ گزرے تھے کہ حامد پھر لائن پر آگیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سن کر ویرا حیرت سے اپنی نشست پر اچھل پڑی۔ چیرا لگنے کے بعد مراد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس نے سلطان شاہ پر گوپال کے مکان میں کچھ تشدد کے بعد اسے میرپور خاص روانہ کردیا تھا۔ حیدرآباد میں اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔
"آگے دور تک آباد علاقہ ہے۔ میں جیپ واپس گھما رہا ہوں۔" اول خان نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا "سنسان سڑک پر رک کر میں خود اس سے بات کروں گا۔ اس سے میرپور خاص کا پتا اور فون نمبر حاصل کرو۔ اوور۔"
"پتا مل چکا ہے۔ وہاں فون نہیں ہے اوور!" حامد نے جواب دیا۔
"کیا پورے میرپور خاص میں فون نہیں ہے؟" اول خان محض مراد کو مرعوب کرنے کے لیے غرایا "اسے اپنے کسی دوست کا نمبر یاد ہوگا۔ یہ وہاں آپریٹ کرتا ہے اور وہاں سے اتنا کٹا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ ناقابلِ یقین ہے۔ اوور اینڈ آل۔"
"حامد کمال کا آدمی ہے۔" ویرا کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی

تھی۔ "اس کے بدن کے کس حصے پر چیرا لگایا گیا ہے؟"
میں ہنس پڑا "تم بعض اوقات بالکل احمق ہو کر رہ جاتی ہو۔ یہ نشتر زنی والا نہیں، دوسرا چیرا ہے۔ شکار کی ٹانگیں پھیلا کر سر پر اچانک وزن گرایا جاتا ہے اور ٹانگیں اپنے جوڑ سے چر جاتی ہیں۔ پتا نہیں حامد نے چلتے ٹرک میں یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ مجھے اس سے یہ طریقہ ضرور معلوم کرنا ہوگا۔"
"ہمارے ٹرک آہنی باڈی والے ہوتے ہیں جن پر پیر خود پھسلتے ہیں۔ ڈرائیور کے کیبن کی پشت والی دیوار پر تیل لگا کر مجرم کو ٹرک کے فرش پر لٹا دیا جائے، ہاتھ باندھ دیے جائیں، ٹانگیں پہلے سے کھلی ہوئی ہوں اور تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرک کو اچانک بریک لگا دیے جائیں تو چیرا خود بہ خود وجود میں آجاتا ہے۔" اول خان نے بتایا "دوسرا طریقہ دو آدمیوں کے استعمال کا ہے۔"
"اوہ۔ یہ تو بہت سفّاکانہ عمل ہے۔" ویرا شاید جھرجھری لے کر بولی تھی "آدمی زندگی بھر کے لیے معذور ہو سکتا ہے۔"
"معذور اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن یہ دیکھ لو کہ اس کے بعد مراد جیسے سخت جان مجرم سرعت سے راہِ راست پر آکر سچ اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔"
"بعض مجرموں کے لیے بہیمانہ سزائیں ضروری ہوتی ہیں۔" اس نے مجھ سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "ان کو ہر ایک پر نہیں آزمایا جا سکتا۔ اگر یہ احتیاط برتی جائے تو پھر کہیں کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔"
اول خان جیپ کو واپس اسی سمت میں لے جا رہا تھا۔ جدھر سے آیا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف والوں کا سفری تفتیش کا وہ تجربہ بالکل نیا تھا۔ ویران سڑک کے تقریباً وسط میں اول خان نے اپنی جیپ روک لی۔ اس کے ساتھ میں بھی جیپ سے اتر گیا۔ اپنے اعلیٰ افسر کے احترام میں حامد کے ماتحت ایک ایک کر کے ٹرک سے نیچے کود رہے تھے۔
ٹرک کا پچھلا حصہ خالی ہونے کے بعد ہم دونوں اچک کر ٹرک پر سوار ہو گئے۔ اندر ہلکی سبز روشنی کا ایک بلب روشن تھا جو گھور اندھیرے میں بہت غنیمت نظر آ رہا تھا۔ مراد کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے، وہ بدستور ٹرک کے آہنی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ چیرا لگنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ اپنے نچلے دھڑ پر ذرا بھی زور ڈال سکے۔
ہم دونوں ٹرک میں نصب بینچوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کسی کے کچھ بولنے سے پہلے مراد نے کراہتے ہوئے بولنا شروع کر دیا۔ "مجھے جو معلوم تھا، وہ میں بتا چکا ہوں۔ اب میرے اوپر ظلم مت کرو۔ تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"
اول خان نے حامد کی طرف دیکھا اور وہ بول پڑا "اس نے اپنے ایک دوست کا نمبر دیا ہے۔ باقی نمبر زبانی یاد نہیں ہیں، ڈائری میں درج ہیں جو گوپال کے گھر پر رہ گئی ہے۔"

"تم اپنے دوست سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے ٹھکانے سے قیدی کے بارے میں پتا کرے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تمہارا قیدی کہاں اور کس حال میں ہے۔"
"مجھے گوپال کے گھر لے چلو، میں مولا داد سے بات کر لوں گا۔" اس کی آواز سے تذبذب کی کیفیت جھلک رہی تھی۔
"وہاں جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس موبائل فون موجود ہے۔" میں نے جیب سے اپنا فون نکال لیا۔
ہم تینوں میں سے کسی کو سندھی زبان پر مکمل عبور نہیں تھا۔ وہ مولا داد سے گفتگو کے دوران میں کوئی معنی خیز پیغام بھی دے سکتا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے اول خان نے بخشل کو ٹرک میں بلا لیا۔ وہ پیدائشی سندھی تھا اور فورس کے بہتری کارکنوں میں شمار ہوتا تھا۔ اول خان کا مدعا جانتے ہی اس نے مراد کو سندھی میں ڈانٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے دھمکا رہا تھا کہ اس نے فون پر کوئی بدمعاشی کرنے کی کوشش کی تو اسے الٹا چیرا لگا کر موت کے منہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ میرے لیے الٹے چیرے کی اصطلاح بالکل نئی تھی مگر اس وقت میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فون آن کر کے حامد کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔ بخشل نے مراد کے ہاتھ کھول دیے۔
رات گہری ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون لائنیں مصروف نہیں تھیں اس لیے پہلی کوشش میں نمبر مل گیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر میں نے اسے بتایا کہ مراد اس سے بات کرے گا پھر فون مراد کو دے دیا۔
ان دونوں کے درمیان قدرے طویل بات ہوئی۔ مراد نے اپنے ڈیرے سے حسن نامی کسی شخص کو بلوانے کی فرمائش کی تھی پھر مولا داد کو یہ سمجھاتا رہا کہ رات ضرور زیادہ ہو گئی تھی مگر وہ اہم معاملہ تھا۔ حسن سے اس کی بات ہونی ضروری تھی۔
گفتگو ختم کر کے اس نے بتایا کہ مولا داد اس کے آدمی کو پندرہ منٹ بعد اپنے گھر لے آئے گا۔ اس وقت وہ دوبارہ اسی نمبر پر حسن سے بات کر کے کچھ بتا سکے گا۔
"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد اب جان اسمتھ تم سے کیا کام لے رہا ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر اس سے پوچھا۔
اس وقت تک مراد سے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی۔ سارا زور سلطان شاہ والے معاملے پر تھا۔ میرے سوال پر اس کے دہانے سے ایک گہرا سانس خارج ہوا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میں اب سمجھا کہ تم سب فوجی ہو مگر سادہ کپڑوں میں آئے ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ سارا مال کسی اور کو جا رہا ہے، میں بیچ کا آدمی ہوں۔"
"ہم اسے بھی دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس مال کے بدلے کیا کام ہو رہا ہے۔"
"وہ نیا چھور کے قریب جنگل میں لڑکوں کو ہتھیاروں کے

استعمال کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اس کی گاڑیاں تھریوں میں اناج بانٹتی ہیں۔ ان کو خاص خاص فلمیں دکھاتی ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کرتا' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے اور وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ شاید اسے اپنا انجام قریب نظر آنے لگا تھا۔

"وہ کون ہے .... ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ تمہاری جان بچ سکے۔ ابھی تک تم ہی ہمارے سامنے ہو اور سارا پیسا تمہاری این جی او کو دیا جا رہا ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"وہ کھوکھراپار کا کرشن کمار ہے جو آزادی سے سرحد کے دونوں طرف آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ بڑے شہروں کا رخ کرنے سے ڈرتا ہے لیکن صحرا کا بادشاہ ہے۔ وہ میری این جی او کا نام استعمال کرنے کے لیے اچھا کمیشن دیتا ہے۔"

"وہ خود اپنی این جی او کیوں نہیں بنالیتا؟ اسے تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"رجسٹریشن کراچی میں ملتا ہے۔ بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں' ریکارڈ رکھنا پڑتا ہے۔ پیسا خرچ ہوتا ہے تب کام بنتا ہے اور وہ شہروں سے ڈرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نفرت کرتا ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کو ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دینا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ بغاوت ہے مگر میں باغی نہیں ہوں' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس نے آخر میں پھر گرہ لگادی۔

"تم نے فورڈ فاؤنڈیشن کا نام سنا ہے؟" میں نے دھیرے سے سوال کیا۔

"میں چار برس سے انہیں خط لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔ سارا ریکارڈ بھیجتا ہوں' سالانہ رپورٹ بھیجتا ہوں مگر وہ جواب ہی نہیں دیتے۔ وہ میری صحرا کا ہاتھ تھام لیتے تو آج میں یوں ذلیل نہ ہوتا۔ وہ جس کی مدد کرتے ہیں' اس کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ اسے دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اس وقت تک اس نے شاید وہی ایک بات سچ کہی تھی اور اس کا سرا مل رہا تھا۔ اس کی خط و کتابت فورڈ فاؤنڈیشن کے ریکارڈ پر تھی۔ وہ اندازہ لگاچکے تھے کہ مراد ان کے ذریعے بھاری مالی فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے۔ انہوں نے آخر کار اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس کے عوض وہ مراد سے جو کام لینا چاہتے تھے' اس میں نیک نامی نہیں تھی۔ انہوں نے براہ راست خود سامنے آنے کے بجائے فریڈم انٹرنیشنل کے اکرم الٰہی کو اس کی امداد پر مامور کردیا۔ ساتھ ہی ان چار افراد کے ناموں کی نشاندہی کردی جو فورڈ فاؤنڈیشن کے مطلوب مقاصد کو آگے بڑھانے میں مراد کا ہاتھ بٹا سکیں۔

مراد دولت کمانے کی ہوس میں مرا جا رہا تھا۔ وہ بہت آسانی سے اکرم الٰہی کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ سارا اس کا اپنا کھیل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کرشن کمار کا بھی کوئی اہم کردار رہا ہو مگر وہ اصل آدمی نہیں تھا۔ اصل آدمی مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا عذاب کرشن کمار کے سر لاد رہا تھا۔ بیچ کے آدمی کا سہ لفظی فقرہ وہ ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

اس کی سنائی ہوئی کہانی پر وہ یقین کرتا جس نے اکرم الٰہی کی فائل میں موجود فورڈ فاؤنڈیشن کے پیغامات نہ دیکھے ہوتے۔ میں نے اس وقت تک دانستہ چمن علی کا نام نہیں لیا تھا۔ میری زبان سے وہ نام سنتے ہی مراد کی ہر آس ٹوٹ جاتی' وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ اس کی مایوسی کے نتیجے میں سلطان شاہ کی رہائی کا معاملہ خطرے میں پڑ سکتا تھا۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حیدر آباد میں اس سازش کے دو مہرے ہمارے سامنے آئے اور دونوں ہی کم و بیش یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ گوپال چند کی ٹانگیں میری فائرنگ کے نتیجے میں ٹوٹ گئیں تھیں۔ اس کی پنڈلیوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا دوبارہ صحیح حالت میں جڑ جانا' میرے نزدیک ناممکنات میں سے تھا اور مراد پر حامد نے چیرا آزمایا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ ایسی شکست و ریخت کا شکار ہوا تھا کہ اس کی مکمل صحت یابی کی امید کم ہی تھی۔

میں نے مراد سے کہا "یہ نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ساری زندگی کسی سراب کا پیچھا کرتے کرتے خاک میں مل جاتے ہیں' کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہ چلتے اپنے خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے۔ تمہیں وہ نہیں' ان جیسے سرپرست مل گئے۔"

"وہ مجھے نہیں ملے۔ تم میری بات سن نہیں رہے یا سن رہے ہو تو سمجھ نہیں رہے کہ کرشن کمار شہروں کے انسانی جنگل سے ڈرتا ہے۔ میرے ذریعے یہ سب اسی کو ملا ہے۔ میرا کیا تھا؟ بس تھوڑا سا کمیشن۔ میرے خواب تو ابھی تک ادھورے ہیں۔"

"گوپال کے گھر کے باہر تمہاری پیجیرو نظر نہیں آئی؟" میں نے لطیف کلناٹے میں اسے اس کے فوائد یاد دلائے۔

"وہ گاڑی ضرور میری ہے اور میں اسے احتیاط سے ایک بند گیراج میں رکھتا ہوں۔ نہ جانے اب میں کتنے دنوں تک اسے نہیں چلا سکوں گا۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں فورڈ فاؤنڈیشن اچانک کیوں یاد آگئی تھی۔"

"تمہارا دوست گوپال فورڈ فاؤنڈیشن کا آدمی ہے۔" موقع ملنے پر میں نے چار میں سے ایک نام اس پر کھول دیا پھر بھی چمن علی کا کوئی حوالہ نہیں دیا "جب تم پٹ رہے تھے تو وہ نشے میں دہاڑ رہا تھا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا معزز رکن ہے۔"

"وہ کہہ رہا تھا تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ میری اس سے دوستی ضرور ہے مگر اس بارے میں اس سے کبھی میری بات نہیں ہوئی۔" میں اس کی زبان سے وہ سفید جھوٹ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بکھر جانے کے باوجود آخری بڑی بازی جیتنے کے لیے

سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا اور بڑے تسلسل کے ساتھ اپنا دامن بچائے رکھنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میری آواز نہیں پہچانی تھی یا پھر یہ اصل آواز اور موبائل فون پر گونجتی ہوئی آواز کا فرق تھا کہ وہ دھوکا کھا رہا تھا اور مجھ پر مقبول چوہدری کا خاص آدمی ہونے کا الزام نہیں لگا سکا تھا۔

"سر! مولا داد سے بات ہوئے سولہ منٹ ہو چکے ہیں۔" حامد نے ادب سے یاد دلایا۔

میں نے پہلے ملایا ہوا نمبر ری ڈائل کرتے ہی فون مراد کو دے دیا اور جلدی سے کہا "حسن کو بتا دینا کہ تم کس حال میں ہو۔"

اس کی گفتگو شروع ہوگئی۔ ہم تینوں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن ہی رہے تھے، بخشل بھی پوری توجہ اور فرض شناسی کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ اپنے ایک ملازم یا کارکن سے بات کر رہا تھا۔ حسن کیا کہہ رہا تھا' یہ ہمارے علم میں نہیں تھا۔ ہم صرف وہ سن رہے تھے جو مراد کہہ رہا تھا۔

اس نے سارے کھیل میں اپنے کردار کے بارے میں جس تواتر سے جھوٹ بولے تھے' ان کے پیشِ نظر اس سے کوئی بات بعید از قیاس نہیں تھی اس کا جسم بری طرح مجروح تھا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا یا پھر وہ خود کو ابتدائی صدمے سے بہت جلد سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ قابلِ اعتبار نہیں تھا۔

فون پر اس کی باتوں سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے مطلوب قیدی میرپور خاص میں نہ ہو اور کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہو۔ اس نے حسن کو اپنی پوزیشن بتا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شاید قیدی کے بدلے ہی فوجیوں کی تحویل سے نجات ملے گی۔ قیدی کو کچھ ہوا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کرشن کمار کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے تھی۔

عین ممکن تھا کہ وہ اپنے یک طرفہ مکالموں سے حسن کو سمجھا رہا ہو کہ وہ ہمیں کس راہ پر لے جانا چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت میں حسن سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بھی وہی راگ الاپتا جو مراد سنا رہا تھا۔

حسن سے بھی اس کی گفتگو ختم ہوگئی۔ اس نے فون مجھے لوٹاتے ہوئے مایوسانہ آواز میں کہا "قیدی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کرشن کمار اسے میرپور خاص سے کہیں آگے نکال لے گیا ہے۔ قیدی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تم نے ایک بے گناہ شہری کو پکڑا ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ اسے چھڑا لیں۔ اگر وہ تمہارے بس سے باہر ہے تو پھر مجبوری ہے۔ ہم کرشن کمار کو ڈھونڈیں گے۔ تمہاری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔"

"میں نے تمہارے سامنے کہا ہے کہ قیدی کے بدلے تم مجھے

چھوڑ دو گے....“

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیدی ہمارے لیے اتنا اہم تھا.... اور نہ ہے۔“

”تمہارے آدمی کا سارا زور اسی پر تھا۔ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے میرا حشر خراب کر دیا گیا۔“

”ایک آدمی کو بچانے کے لیے ہم جو کچھ کر سکتے تھے‘ وہ کر لیا۔ ہم نے تمہارے لیے آدھے گھنٹے کا وقت رکھا تھا۔ تم زبان نہ کھولتے تو تمہیں کسی ٹرین کے نیچے دے دیا جاتا۔ تم نے زبان کھولی ہے اس لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔“

وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے اس کی تکلیف میں ایک دم اضافہ ہو گیا ہو۔ میں نے اول خان کو اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصے سے نیچے اتر گئے۔

”اس نے تو سب کچھ الجھا دیا ہے۔“ ٹرک سے قدرے دور ہٹتے ہی اول خان پر تشویش آواز میں بولا۔

”سب اس کی بدمعاشی ہے۔ اس کا دم خم آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے۔“

”کمال ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تم اس کی باتوں سے متفق ہو۔“

”سلطان شاہ کی زندگی کی خاطر میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا ورنہ میں نے اس کی نیت کا کھوٹ بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس سے چمن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

اول خان کو ٹرک میں موجود ناکافی سبز روشنی کی وجہ سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھنے کا موقع ملا‘ نہ ہم دونوں کے درمیان براہِ راست بات چیت کی نوبت آئی تھی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں مراد کے بارے میں کس نہج پر سوچ رہا تھا۔ میں نے مراد کے بیان کے تضادات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تو وہ فوراً میرا ہم خیال ہو گیا۔

”ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔“ اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ”اگر مراد جھوٹ بول رہا ہے تو سلطان شاہ کہاں ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”مجھے شبہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک میرپور خاص میں ہے۔ مراد اور حسن کی بات ہونے کے بعد اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے تو اور بات ہے۔ دوسری طرف نیا چھور کے تربیتی کیمپ کا معاملہ بھی سنگین ہے۔ ہمیں تیزی کے ساتھ وہاں پہنچنا ہوگا۔ زیادہ وقت گزر گیا تو سلطان شاہ کے ساتھ مراد کے اہم ساتھی بھی غائب ہو جائیں گے۔“

”اگر تم اس فیصلے پر پہنچ چکے ہو تو ہم اسی وقت میرپور خاص کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔“

”اس طرح بات نہیں بن سکے گی۔ وہ پہلے ہی ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہم میرپور خاص پہنچیں گے تو وہ کسی سرحدی گاؤں میں ہوں گے۔ خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر وہ سرحد پار نکل گئے تو قصہ طول پکڑ جائے گا۔“

اول خان چکرا کر رہ گیا ”پھر تمہاری تجویز کیا ہے۔ میرا تو ذہن کام نہیں کر رہا۔“

”اگر ہمیں ایک ہیلی کاپٹر مل سکے تو ہم بہت تیزی سے ان کے سروں پر پہنچ سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوئے‘ ہم انہیں جا لیں گے۔ ان کو سرحد پار کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔“

”ہیلی کاپٹر ملنا مشکل ہے۔“ وہ سوچتے ہوئے بولا ”کسی طرح آرمی والوں سے کوئی ہیلی کاپٹر مل بھی گیا تو ہمیں اس کو سرحد سے بارہ پندرہ میل دور رکھنا ہوگا۔ کوئی فوجی ہوا باز اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“

”سرحد سے اتنی دور رہ کر سرحدوں کی نگرانی کیسے ممکن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”فضائی حدود کی یہ پابندی دونوں فریقوں کے لیے ہے۔ ان حدوں سے آگے ساری ذمے داری زمینی دستوں کی ہوتی ہے۔ ہیلی کاپٹر میں ہمیں ہر حال میں سرحد سے دور رہنا ہوگا۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان پھر بولا ”اس کی زبان سے کرشن کمار اور اس کے تربیتی کیمپ کا ذکر سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چکر سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔“

”اس کے انکشاف پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ حالات کے رخ سے پتا چل رہا تھا کہ ان معاملات میں سرحد پار والے ضرور ملوث ہیں۔ دھنی رام‘ گوپال چند اور اب کرشن کمار کی موجودگی کے بعد کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس وقت سلطان شاہ کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ ان سے آرام سے نمٹ لیا جاتا۔“

”کیوں نہ ہم تبادلے کے بارے میں مراد کی تجویز قبول کر لیں۔“ اول خان نے یوں کہا جیسے اسے کوئی انوکھی بات سوجھی ہو۔

میں تلخی سے ہنس پڑا ”بعض اوقات تم بہت سی اہم باتیں نظر انداز کر دیتے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کی یہ پیشکش ایک چال سے زیادہ نہیں ہے۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں سیدھے اور صاف ذہن کا آدمی ہوں۔ جال پیچ کی باتیں کرتا ہوں نہ ایسی باتیں آسانی سے میری سمجھ میں آتی ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ بھی ہنسا پھر بولا ”ایسے معاملات میں ہمیشہ تم میری مدد کرتے ہو۔“

”ایک طرف وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کرشن کمار نے سلطان شاہ کو میرپور خاص سے آگے بڑھا دیا ہے اور دوسری طرف وہ اپنے اور سلطان شاہ کے تبادلے کی بات کر رہا ہے۔ کیا یہ دونوں متضاد باتیں نہیں ہیں؟“

"بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔
"ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی متبادل راہ ہو۔"
"کوئی راہ نہیں ہے۔" میں نے وثوق سے کہا "چیرا لگنے کے بعد وہ اتنا خستہ حال ہے کہ جسمانی طور پر فرار کی کوئی کوشش نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیں گھیر گھار کر اپنے گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ اس کے آدمی اسے ہمارے قبضے سے نکال سکیں۔"
"وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے!" اول خان نے حیرت سے کہا۔
"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مجرم فوج سے اس قدر کھلا تصادم مول لینے کے بعد عافیت کے ساتھ یہاں رہنے کا تصور کرسکے؟"
"سرحد پار اس کے ہمدرد موجود ہیں تو اسے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ ایک بار رتی ترانے میں کامیاب ہوجائے تو پل بھر کے لیے بھی اس سرزمین پر نہیں رکے گا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی آزادی کا خواہاں ہے۔ دوسری صورت میں اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آرہا ہوگا۔" اسی وقت ویرا اور غزالہ بھی ہمارے پاس آموجود ہوئیں۔
"آزادی یا موت۔ اس کے سامنے ان دو کے سوا تیسرا راستہ نہیں ہے۔"
"پھر بھی میں تمھاری تسلی کے لیے اس سے تبادلے کے موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔"
"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تمھاری وضاحتوں کے بعد اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔" اول خان نے پورے خلوص کے ساتھ اپنے مؤقف سے پسپائی اختیار کرلی۔
"اس سے بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اس وقت وہ ہمارا قیدی ہے۔ ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ سلطان شاہ کے لیے ہمیں ہر امکان پر کام کرنا چاہیے۔"
"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" اول خان نے اسے بتایا "تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ ابھی ابھی اِدھر آئی ہو۔ تم نے ڈینی کا تجزیہ نہیں سنا۔ اس کی نگاہیں بہت دور تک کام کرتی ہیں...."
غزالہ نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ جو کچھ کہے، اس پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا شروع کردو۔ وہ واقعی بہت مکّار اور جھوٹا آدمی ہے مگر ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟"
ویرا نے بھی غزالہ کی تائید کی اور میں چڑ گیا۔ میرے دماغ میں اتنا دم نہیں تھا کہ ساری باتیں ان کے سامنے دہرا کر انہیں اپنی رائے تبدیل کرنے کا مشورہ دیتا۔ میرے انکار کے بعد اگر خدانخواستہ سلطان شاہ کے ساتھ کوئی سانحہ رونما ہوجاتا تو غزالہ اور ویرا کے دلوں میں عمر بھر کے لیے، میری طرف سے بدگمانی جڑ پکڑلیتی۔
"میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ تم دونوں بھی ٹرک میں آجاؤ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"شاید ہمارا اس کے سامنے جانا مناسب نہ ہو۔" غزالہ نے کہا "آپ ہی اول خان کے ساتھ ہو آئیں۔"
"ٹرک میں بہت کم روشنی ہے۔ وہ پلٹ کر تمھیں نہیں دیکھ سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری گفتگو اپنے کانوں سے سن لو تاکہ بعد میں کوئی دلیل یا حجت باقی نہ رہ جائے۔ ایک مرتبہ یہ قصہ ختم ہوجانا چاہیے۔"
"شاید ہمارا مشورہ تمھیں ناگوار گزرا ہے۔" ویرا نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے صفائی سے اس کا صحیح اندازہ مسترد کردیا "ہم میں سے کوئی بھی سلطان شاہ کا بدخواہ نہیں ہے۔ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں کچھ کر گزرنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔ بعض اوقات عقل اور دلیل دھری کی دھری رہ جاتی ہے، محض مقدر کی یاوری کی بنا پر کوئی معجزہ رونما ہوجاتا ہے۔ شاید اس بار بھی ایسا ہوجائے۔"
حامد ٹرک سے اتر آیا تھا۔ ٹرک میں ہتھیاروں کے ساتھ فاضل گولیوں وغیرہ کی بھاری مقدار بھی موجود تھی اس لیے بخشل کو مراد کی نگرانی کے لیے ٹرک میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم چاروں وہاں

پہنچے تو خواتین کی سہولت کے لیے کلیمپ کھول کر ٹرک کی پچھلی دیوار نیچے گرا دی گئی۔ وہ دونوں اچھل کود میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ کسی سہارے کے بغیر ٹرک میں سوار ہو کر خاموشی سے بینچ کے آخری سرے پر بیٹھ گئیں۔ بخشل فوراً نیچے آگیا اور ہم دونوں پھر سے مراد کے سر پر سوار ہوگئے۔

ٹرک میں ہونے والی ہلچل نے مراد کو مضطرب کیا ہوا تھا۔ ہلکی روشنی میں اس نے ہمارے چہرے دیکھے تو اس کی آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا ”ٹرک بہت دیر سے رکا ہوا ہے۔ تم سفر شروع کیوں نہیں کرتے!“

”ٹرک اپنے وقت پر چلے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہلنے جلنے سے معذور، ایک بے بس قیدی ہوں۔ میں اپنے مستقبل کے سوا کیا سوچ سکتا ہوں؟“

”تم آج پکڑے جانے والے آدمی کے ساتھ اپنے تبادلے کی بات کر رہے تھے۔ وہ کب تک حیدر آباد آسکتا ہے؟“

”وہ کرشن کمار کے قبضے میں ہے۔ اس کا حیدر آباد آنا مشکل ہے۔ تمہیں میرپور خاص جانا ہوگا۔“

اول خان نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں بدستور مراد سے بات کرتا رہا ”قیدی میرپور خاص میں نہیں ہے تو ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟“

”مجھے اب پھر حسن سے بات کرنی پڑے گی۔ کرشن کمار کے پیچھے آدمی دوڑانا پڑے گا۔ وہ بڑا آدمی ضرور ہے مگر میری عزت کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ قیدی کے بدلے میری جان بچ سکتی ہے تو وہ اسے میرپور خاص لے آئے گا۔“

”اور اگر ایسا نہ ہوا تو....“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”یہ میرا مان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کرشن کمار میرا مان نہیں توڑے گا۔ اسے شہروں میں بھاگ دوڑ کرنے والے ایک پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔“

”تم نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا کیا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔“ اول خان خاموش نہ رہ سکا۔

”تم فوجی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں دھوکا دے کر میں کہیں نہیں بچ سکوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کرشن کمار میرا مان نہ رکھے، آنے سے انکار کردے۔ تم لوٹ آنا۔ میں بھی خود کو اپنے نصیب کے حوالے کر دوں گا۔“

اول خان نے پہلو بدل کر بے چینی سے میری طرف دیکھا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بادی النظر میں مراد ظریف کی تجویز بہت سیدھی اور قابل عمل نظر آرہی تھی۔ اس میں اس کے من میں چھپے ہوئے اس کھوٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ سلطان شاہ سے ویرا اور غزالہ کی گہری جذباتی وابستگی کی وجہ سے میں اس نازک موڑ پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون نکال کر ری ڈائل بٹن دبایا اور ایک مرتبہ پھر فون مراد کو دے دیا۔ اس بار اس کی گفتگو کا مکمل مفہوم سمجھنے کے لیے میں نے بخشل کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہی چکر چلے گا۔ مراد، مولا داد کو پیغام دے گا۔ وہ حسن کو بلانے جائے گا تب کہیں مراد اور حسن کی بات ہوسکے گی مگر مراد کے ابتدائی جملوں سے واضح ہوگیا کہ حسن اپنے ٹھکانے پر لوٹنے کے بجائے اس وقت تک مولا داد کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مراد نے اسے اپنے تبادلے کی خوش خبری سنا کر تاکید کی کہ وہ اسی وقت میرپور خاص سے نیا چھور تک سارے ٹھکانوں پر کرشن کمار کو تلاش کرے اور اسے سب کچھ بتا کر قیدی کے ساتھ میرپور خاص لے آئے۔

”اب ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کرشن کمار میرپور خاص پہنچ گیا ہے؟“ اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ہمیں حیدر آباد میں رک کر اس امر کی تصدیق کرنے کے بجائے میرپور خاص کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوتا کہ کرشن کمار کون ہے اور کس حد تک مراد کی توقعات پر پورا اترتا ہے۔

”یہاں رک کر انتظار کرو تو تین چار گھنٹوں تک پتا چل جائے گا۔“ مراد نے اپنی پچھلی بات دہرانے کے بجائے تحمل سے جواب دیا ”وقت بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ ہم میرپور خاص چل دیں۔ تمہیں وہاں زیادہ نہیں رکنا پڑے گا۔“

”ٹھیک ہے!“ اول خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم چاروں ٹرک سے نیچے اتر آئے۔

ویرا اور غزالہ اس گفتگو سے بہت خوش تھیں، اول خان مضطرب تھا اور میں دل ہی دل میں صرف بہتری کی دعا کر رہا تھا۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے یہ خبر خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ سفر کی منزل بدل گئی تھی اور قافلے کو کراچی کے بجائے میرپور خاص کی طرف جانا تھا۔

ایک فیصلہ ہونے کے بعد سب چند منٹ میں اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ رات کے سناٹے میں جیپ اور ٹرک کے انجنوں کی تیز غراہٹیں گونجیں اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نئے سفر کا آغاز ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل افارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبہ سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسدادِ ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی غیر قانونی سرگرمیوں کی فائل مرتب کی تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرکے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں رکھوا دیا تھا۔ ہم نے وہ فائل بہ آسانی حاصل کرلی۔ جس کے بعد مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی سے چھٹکارے کا فیصلہ کرلیا گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے آیا۔ وہ اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا اور غیر معمولی ترقی کررہا تھا۔ میں نے مقبول چوہدری کے حوالے سے اسے مائیکرو سینٹر بلایا مگر وہ کوڈ کے بجائے نام سے پکارے جانے کے سبب بدک گیا اور اس نے مائیکرو سینٹر پر چڑھائی کردی۔ ایس ٹی ایف کے ایک جوان کو زخمی کرکے اور اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد اسے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ میں نے اس سے مقبول چوہدری بن کر بات کی اور وہ حیران رہ گیا مگر اس نے بتایا کہ غیر معمولی حالات کے باعث وہ امریکن قونصلیٹ کے جان اسمتھ سے رابطہ قائم کرچکا ہے اور اس کی ہدایت کے بہ موجب مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ جلال نے اسلام آباد سے بتایا کہ مراد ظریف ان کے بھی ہاتھ آتے آتے پھسل گیا تھا۔ سلطان شاہ اور غزالہ نے باہمی طور پر حیدر آباد جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ مراد ظریف کو تلاش کرسکیں۔ مراد ظریف بہت تیز جا رہا تھا' اس نے حکومتی اداروں کے لیے کام کرنے والے مخبر کو سرعام گولی مار کر ہلاک کردیا اور سلطان شاہ پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم نے اکرام الٰہی کی فائل میں سے ایک شخص چمن علی کا سراغ نکالا' اس نے بازپرس کے دوران میں مراد ظریف کے حیدر آباد میں ٹھکانے کی نشاندہی کردی۔ ایس ٹی ایف اور ہماری مشترکہ کارروائی کے بعد مراد ظریف ہمارے پاس تھا مگر وہ سلطان شاہ کو میرپور خاص بھجوا چکا تھا اور ایسے اپنی گلوخلاصی کی قیمت پر سلطان شاہ کو واپس کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ میرپور خاص جانے کا فیصلہ کیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کی ابتدا خاموشی سے ہوئی پھر اس سکوت کو اول خان کی آواز نے توڑا۔

''اس سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد تمہاری کیا رائے ہے...؟ پہلے فیصلے پر قائم ہو یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟'' اس کی آواز گمبھیر اور پُرتشویش تھی۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں وہ خاصی جسمانی توڑپھوڑ کا شکار ہوا ہے مگر اس کا ذہن اب بھی کام کررہا ہے۔'' میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جواب دیا۔ ''ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ حیدر آباد سے میرپور خاص کے درمیان سفر کے دوران میں بھی وہ کچھ نہ کچھ سوچتا رہے گا...''

''بدترین حالات کا حوالہ دے کر تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

''ضروری نہیں کہ میرپور خاص میں ہمیں دوستانہ ماحول ملے۔ وہاں کوئی نیا فساد کھڑا ہوسکتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ سلطان شاہ کی سلامتی بلکہ زندگی کے لیے بھی خطرات پیدا ہوسکتے ہیں؟''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''مراد کے آدمی سلطان شاہ کو بلاوجہ اپنے ساتھ لیے نہیں پھر رہے۔ وہ اسے مارنا چاہتے تو جی آر کی طرح حیدر آباد میں ہی ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ ان کی سفاکی اور سرد مہری کا ایک ثبوت ہمارے سامنے

آچکا ہے...''

''میں تم سے متفق ہوں'' اول خان نے رائے دی ''انہوں نے کسی مقصد کے لیے اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ سلطان شاہ بہت مضبوط آدمی ہے۔ ابھی تک اس نے تشدد سہ کر اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ اسی لیے زندہ ہے۔ وہ لوگ جاننا چاہ رہے ہوں گے کہ اسے صحرا کے لاوارث دفتر سے کیا دلچسپی تھی اور اب تو مراد نے خود ہی اپنے آدمیوں کو یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ وہ خود مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور اسے سلطان شاہ کے بدلے ہی آزادی مل سکتی ہے۔''

''اسے ان لوگوں کے قبضے میں گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔'' غزالہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔ ''انہوں نے اب تک اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا۔''

''ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے'' دریا کی آواز ابھری ''لڑائی میں آدمی پر برا وقت آتا ہے تو چھٹی کا دودھ تک یاد آنے لگتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ ذرا سی دیر میں ہم نے مراد ظریف کو کس حال میں پہنچادیا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک زندہ ہے اور مراد ظریف کا پیغام پہنچنے کے بعد اس کی زندگی کو لاحق مزید خطرات ٹل گئے ہیں۔''

''اس نے بتایا ہے کہ سلطان شاہ میرپور خاص میں نہیں ہے۔ کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہے۔'' غزالہ کے ذہن میں وسوسے مسلسل سرابھار رہے تھے ''ہمارے پہنچنے تک بھی کرشن کمار نہ مل سکا یا واپس نہ آیا تو کیا ہوگا۔''

''یہ سوال قبل از وقت ہے۔ میرپور خاص پہنچنے کے بعد ہی اس کا کوئی جواب تلاش کیا جاسکے گا۔''

جیپ میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔ رات کے سناٹے میں بس انجنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس وقت تک جو شواہد ہمارے سامنے آئے تھے ان کی روشنی میں مراد ظریف ہی سب سے اہم مجرم نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی صحرا نامی این جی او کی کارکردگی کے بارے میں رپورٹیں وغیرہ بھیج بھیج کر امریکا میں بیٹھے ہوئے، فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم لوگوں کی نظروں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیا تھا۔ امریکیوں سے مدد اور تعاون کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کی وجہ سے مراد ظریف، فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے ان ایجنٹوں کے لیے کام کا آدمی تھا جو پاکستان میں اپنی سازشوں کی آبیاری کے لیے ہر وقت وفادار مہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس کی یکطرفہ خط و کتابت کا کوئی جواب نہ دے کر وہ اس کی آتشِ شوق کو بھڑکاتے رہے اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ پاکستان کے خصوصی حالات میں سفید فام امریکی ایجنٹ بذاتِ خود کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے اور ایسی کوششوں میں منہ کی کھا کر جہنم واصل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کو بھی خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہوں نے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے وہ مشن مراد ظریف کو سونپنے کا فیصلہ کرلیا۔

مراد ظریف ان کا کلیدی مہرہ تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے خود پس منظر میں رہے اور انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے مراد ظریف پر اپنی مالی نوازشات کی بارش کردی۔

اسے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری مالی وسائل مہیا کررہے تھے، فکری مواد کی فراہمی کے لیے فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے عقل و فہم سے عاری ان چار پاکستانیوں کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کردیا جو تعلیم یا ملازمت کے سلسلے میں برسوں امریکا میں رہے تھے اور شاید امریکی خفیہ اداروں نے کڑی جانچ پڑتال کے بعد ہزاروں کی بھیڑ میں سے ان کا انتخاب کیا تھا۔

توقع یہ تھی کہ چمن علی اور گوپال چند کی طرح بقیہ دونوں افراد بھی نام نہاد تعلیم یافتہ ہوں گے جو عالمی برادری، مکمل آزادی اور بقائے باہمی کے بلند بانگ امریکی نعروں سے مرعوب ہوکر اپنی جڑوں کو فراموش کرچکے ہوں گے۔ ایسے لوگ کسی بھی بدنیتی یا بے ایمانی کے بغیر، پورے خلوص سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر نسلِ انسانی کی بہبود بلکہ بقا کا تمام تر دارومدار اس ایک نکتے میں پنہاں ہے کہ امریکیوں کے فلسفۂ حیات کو نہ صرف اپنایا جائے بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی کام کیا جائے۔

اس دو طرفہ اعانت کے بعد مراد ظریف اس قابل تھا کہ اکرم الٰہی کے ذریعے ملنے والے مشن کو پورے زور و شور سے آگے بڑھاسکے۔ اس کے عزائم کی جھلک تضادات میں ملتی تھی۔ ایک طرف وہ چمن علی جیسے روشن خیال اور آسودہ حال شہری کی تحریروں سے فیض اٹھارہا تھا اور کم و بیش اسی قابلیت والے گوپال چند کے مکان میں عیش کررہا تھا تو دوسری طرف دھنی رام جیسا مسلّمہ دہشت گرد اس کے آدمیوں میں شامل تھا۔

مائیکرو سینٹر کے باہر ہونے والے تصادم میں جب دھنی رام، اول خان کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں کا نشانہ بنا تو مجھے قلق ہوا تھا کہ ایک جیتا جاگتا انسان یوں بے دردی سے

مارا گیا مگر جب حامد نے مرنے والے کے بارے میں کھوج نکالا تو پتا چلا کہ دھنی رام اس سے بھی زیادہ عبرت ناک موت کا مستحق تھا۔

چمن علی اور گوپال چند کے برعکس وہ ایک پیشہ ور قاتل اور ڈکیت تھا جو نواب شاہ کے ایک وڈیرے کی حویلی میں ڈکیتی اور سات افراد کے قتل کی لرزہ خیز واردات میں پولیس کو مطلوب تھا اور اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے مجرم مراد ظریف کے لیے کام کررہے تھے۔

مراد ظریف خود بھی مجھے ذہین نظر آیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو آسانی سے دوسروں کی بالادستی قبول کرلیتے ہیں۔ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری سے ضرور مرعوب تھا کیونکہ بظاہر ہی دونوں اس کے ان داتا تھے۔ ان کی توجہ سے مراد کے دن پھرے تھے لیکن وہ کسی اور کو خاطر میں لانے والا نہیں تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میرپور خاص میں بھی صحرا کے کارکنوں اور ان کی کارروائیوں پر مراد کا مکمل کنٹرول تھا۔ اول تو کرشن کمار کا وجود ہی مشتبہ تھا اور اگر وہ واقعی کوئی شورہ پشت تھا تو مراد کا تنخواہ دار، وفادار اور ماتحت تھا جو اس کے حکم کے بغیر سلطان شاہ کو میرپور خاص سے نکال کر کہیں نہیں لے جاسکتا تھا۔

وہ مراد ظریف کی مکمل ہسٹری شیٹ تھی جو دوران سفر کسی فلم کی طرح میرے ذہن کے پردے پر چلتی رہی اور میں سگریٹ کے کش لگاتا، خاموشی سے اس کے ایک ایک حصے پر غور کرتا رہا۔

ابتدائی طور پر میں نے ویرا اور غزالہ کا دل رکھنے کے لیے میرپور خاص جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میرا پہلا نظریہ یہ تھا کہ مراد ظریف ہم لوگوں کو ہر قیمت پر اپنے مضبوط گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ وہاں اپنے آدمیوں کی طاقت کے بل پر ہمارے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرسکے لیکن اس کی ہسٹری شیٹ پر غور کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے تبدیل کرلی تھی۔

کراچی سے نکلتے ہوئے ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمیں سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے حیدرآباد سے بھی آگے کا سفر اختیار کرنا ہوگا مگر پھر بھی اول خان نے احتیاطاً اپنے ساتھ دس افراد کی مسلح اور تربیت یافتہ نفری لے لی تھی جو مجرموں سے کسی بڑے سے بڑے مقابلے کے لیے بھی کافی تھی۔

میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مراد نے میرپور خاص پہنچنے کے بعد کوئی گندی چال چلنے کی کوشش کی تو کسی کمک کے بغیر ایس ٹی ایف کی نفری کو استعمال کرکے صحرا کے دفتر کو تاخت و تاراج کردیا جائے گا۔

میں اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میرے ہم سفر بھی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفر بہت طویل نہیں تھا مگر میرا خیال تھا کہ سڑک کی خستہ حالی کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سست تھی۔

اتنی رات گئے اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک کے اطراف میں کہیں کہیں دھندلائی ہوئی روشنیوں کے جھنڈ چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی موجودگی کا اعلان کررہے تھے۔ روشنی کی سہولت سے محروم نہ جانے کتنے ہی تیرہ و تار گاؤں رات کے گہرے اندھیرے میں یوں چھپ کر رہ گئے تھے کہ ہمیں ان کے وجود کا احساس تک نہ ہوسکا۔

حیدرآباد سے تقریباً ایک گھنٹے یا اس سے کچھ کم مسافت پر پہلی بڑی آبادی کے روشن مگر خوابیدہ آثار نظر آئے۔ میں نے ان اطراف میں سفر نہیں کیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ وہ ٹنڈوالہ یار کی آبادی تھی۔ وہاں رہنے والے اسے چھوٹے سے شہر کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ کسی شہر سے بہت چھوٹا اور گاؤں سے بڑا علاقہ ہے جہاں روزگار کے بیشتر ذرائع زراعت اور گلہ بانی سے وابستہ ہیں۔ چونکہ وہاں خاصی آبادی ہے اس لیے آبادی کی ضروریات پورا کرنے والے دوسرے کاروبار بھی دیہی انداز میں چلائے جاتے ہیں۔

”شاید ہم اپنی منزل کا آدھا سفر طے کرچکے ہیں“ پچھلی نشست سے ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔

”تمہارا اندازہ درست ہے“ اول خان نے اس کی تائید کی ”ہم خاصی رات گئے وہاں پہنچیں گے۔“

”رات تو گزر ہی گئی۔ یہ کہو کہ صبح سویرے پہنچیں گے۔“ ویرا خاموشی سے اکتائی ہوئی تھی۔

”انگریزی حساب سے تو رات کے بارہ بجے کے بعد ہی صبح ہوجاتی ہے۔“ اول خان نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری سمجھا ”مشرق میں صبح کا آغاز طلوعِ آفتاب سے ہی ہوتا ہے۔“

”مغرب میں بھی یہ تصور صرف وقت کی پیمائش تک محدود ہے۔ عملاً وہاں بھی دن، سورج نظر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے“ ویرا نے وضاحت کی ”رات کے دو بجے ہر معقول شخص گہری نیند سوتا ہوا ملے گا۔“

"پتا نہیں سلطان شاہ کس حال میں ہوگا؟" غزالہ
ئی "مجھے اس کی فکر کھائے جا رہی ہے۔"
"میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرپور خاص میں سلطان شاہ
یا نہ ملے، اس کا سراغ ضرور مل جائے گا۔"
"یہ کیسے کلمات منہ سے نکال رہی ہو" غزالہ نے ویرا
رائے زنی پر احتجاج کیا "اس کے لیے اور کچھ نہیں
تاتیں تو کم از کم توقعات تو اچھی رکھو۔"
"میں اس بے چارے کے لیے تم سے زیادہ فکر مند ہوں
ن ہم حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ شترمرغ کی طرح
ت میں گردن دے کر طوفان کو نہیں ٹالا جا سکتا۔"
"تو کیا تمہیں مراد کی کہانی پر پورا یقین ہے؟" غزالہ کی
فسرانہ آواز سے صدمہ جھلک رہا تھا۔
"اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ بہت
ی طرح ہمارے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور جانتا ہے کہ ہم
رہ رکھ کر اس کا جوڑ جوڑ کھول سکتے ہیں۔ ڈینی بلا وجہ اس کی
ف سے بدگمان ہے۔"
"تم میری بات لکھ لو کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کرشن کمار
روپ میں اس نے اپنے بچاؤ کے لیے قربانی کا ایک بکرا
ر آیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنی گردن بچانے
ں کامیاب ہو جائے گا۔"
"یہ تم کوئی نئی بات کہہ رہے ہو" اول خان نے چونک کر
۔
"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی باتوں کی گتھیاں
جھتی جا رہی ہیں...."
"میں وہی جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"
ل خان نے میری بات کاٹ دی۔
"اس نے ہمیں یہ تاثر دیا ہے کہ کرشن کمار اس کا آدمی
یں ہے بلکہ اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ
لتہ ذہن میں رکھو کہ وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے۔ بات خود
ھل جاتی ہے۔"
"تمہارے لیے کھل گئی ہوگی، میری سمجھ میں خاک بھی
یں آیا۔" ویرا بولی۔
"اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ نیا چھور میں کرشن کمار
غیوں کی تربیت کے لیے نیم جنگی کیمپ چلا رہا ہے۔ اگر ہم
جی ہیں تو معاملہ سلطان شاہ کی بازیابی پر ختم نہیں ہوگا۔ بات
یا چھور تک جائے گی۔ مراد سارا بوجھ بار کرشن کمار کے
کندھوں پر ڈال کر ابھی سے خود کو الگ تھلگ رکھنے کا ارادہ
کر چکا ہے۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے" اول خان کی پُرخیال آواز
ابھری۔
"پہلے کے مقابلے میں اب تمہاری بات قرینِ قیاس نظر
آ رہی ہے" ویرا نے کہا "وہ واقعی بہت مکّار ہے۔ اپنے لیے
ہر راستہ کھلا رکھنا چاہ رہا ہے۔ کرشن کمار کو پھنسوا کر خود بچ گیا
تو مزے میں رہے گا۔ یہ داؤ کارآمد ثابت نہ ہوا تو سرحد
پار بھاگ جائے گا۔ بس اسے ایک موقع ملنے کی دیر ہے۔"
"ہماری مجبوری یہ ہے کہ سلطان شاہ کی آزادی تک ہم
اس کی کسی بات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے،
مانتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی باتوں کی تصدیق
کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"
"میں اس بارے میں سوچ چکا ہوں۔ میرپور خاص کی
حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہم کچھ نہ کچھ معلوم کر چکے
ہوں گے۔ مراد کو آزادی سے اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں دیا
جائے گا۔"
"اپنے اس فیصلے میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں
کرو گے؟" اول خان نے پوچھا۔
"ہم سب ہی اس میں شریک ہوں گے۔ اہم ترین کردار
بخشل ادا کرے گا۔"

"اوہ!" اول خان چونک پڑا "کیا اس لیے کہ وہ سندھی ہے؟"

"ہماری ساری نفری سادہ لباس میں ہے۔ تمہارے آدمی ہتھیار الگ رکھ دیں تو کوئی ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرسکتا۔ بخشل پیدائشی سندھی ہے۔ مقامی زبان اور رسوم و رواج سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ ہم براہِ راست شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ باہر پڑاؤ کریں گے۔ بخشل ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر میں جائے گا۔ ہم مراد سے صحرا کے دفتر اور اس کے آدمیوں کے پتے حاصل کریں گے۔ بخشل آسانی سے سراغ لگالے گا کہ کرشن کمار اور سلطان شاہ کے بارے میں مراد کی بنائی ہوئی کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی روشنی میں ہم پیش قدمی کریں گے۔"

"تم سارے راستے خاموش بیٹھے ہوئے تھے" ویرا کی طنز بھری آواز گونجی "مجھے اندازہ تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اور آخر میں تم کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاؤ گے۔"

اول خان بے ساختہ ہنسی کے دوران میں بولا "خود غور و خوض سے گھبراتی ہو۔ ڈینی سب کی بھلائی کے لیے یہ نیک کام کرتا ہے۔ تو تم بلاوجہ اس پر غرانے لگتی ہو یا آنکھیں دکھانے لگتی ہو۔"

"مجھے اس کے سوچنے پر نہیں، گھنّے پن پر غصہ آتا ہے۔ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر بس خاموشی سے سوچنا شروع کردیتا ہے..."

اداس اور بوجھل ماحول کے باوجود اول خان اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ بلند آواز میں بھی سوچا جاتا ہے۔"

"میری بات مت پکڑو" مضحکہ اڑائے جانے پر ویرا چڑ گئی "ڈینی کے دماغ میں کوئی نکتہ آتا ہے تو یہ خاموشی سے اسے اپنے ہی ذہن میں گھماتا اور نتیجے اخذ کرنا شروع کردیتا ہے۔ معقول راستہ اختیار نہیں کرتا۔"

"معقول راستہ تم کسے کہتی ہو؟" غزالہ بھی اس بحث میں شامل ہوگئی۔

"آدمی کے ذہن میں کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ دوسروں سے اس کا ذکر کرتا ہے، خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے اور آخرِکار سب ایک نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اکثر یہی ہوتا ہے" میں نے اصرار کیا "کبھی کبھی بعض باتیں اچانک سوجھتی ہیں۔ ان پر تبادلۂ خیال کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ مجھے ایک دم ہی خیال آیا کہ بخشل کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں ہے، وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"بخشل کی ریکی کارآمد ثابت ہوگی۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "بخشل ذہین اور محنتی آدمی ہے۔ وہ کسی کو شبے کا موقع دیے بغیر بہت کچھ معلوم کرلے گا۔ اس طرح ہمیں مراد کے سچ اور جھوٹ کا بھی پتا چل جائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بطورِ خاص ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "ذہن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اب میرے ذہن میں ایک نیا خطرہ سر ابھار رہا ہے۔ مراد اپنے آدمیوں کو میرپور خاص پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہوکر حیدر آباد سے میرپور خاص میں داخلے کے راستے کی نگرانی کررہے ہوں..."

"اس اندیشے میں جان ہے" ویرا نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اندھیرے میں سڑک کے دونوں اطراف میں چھپے ہوئے لوگوں نے ہم پر اچانک فائر کھول دیا تو ہم مشکل میں پڑجائیں گے۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ ڈینی نے صرف ایک خدشہ ظاہر کیا ہے" اول خان بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ڈینی کی زبان کالی ہے۔ یہ جو کچھ کہہ دیتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے" ویرا نے تیزی سے کہا۔ "کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے دشمن ڈینی سے مشورہ کرکے اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوں۔"

"کبھی کبھی تم ڈینی کی طرف سے بہت بدگمان ہوجاتی ہو" اول خان ہنس کر رہ گیا۔

"آپ ایک شوشا چھوڑ کر خاموش کیوں ہوگئے؟" غزالہ نے اضطراب کے ساتھ مجھے ٹوکا۔

"معقول راستہ اختیار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ دیکھو، ویرا کیا کہتی ہے۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔ ہم بے خبری میں مارے جاسکتے ہیں" ویرا بولی۔

"اب تم بے خبری کا عذر پیش نہیں کرسکتیں۔ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کردیا ہے۔"

"اس کے آدمی نگرانی ضرور کرسکتے ہیں مگر ہم سے اندھادھند تصادم کا خطرہ مول نہیں لیں گے" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہماری طرف سے کسی انتہائی جوابی کارروائی کا خوف انہیں ایسے اقدام سے روکے رکھے گا۔"

"مایوس دشمن سب کچھ کرگزرتا ہے۔ میں خوں ریزی

کی بُو سونگھ رہی ہوں۔"

"اپنی ناک کا علاج کراؤ" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری عقل پر ضرورت سے زیادہ بال اُگے ہوئے ہیں اس لیے تم عجلت سے فیصلے کر گزرتی ہو۔ اول خان صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔"

"تم کون سی انتہائی کارروائی کرسکتے ہو؟ ان کی گولیوں کا جواب گولیوں سے ہی دو گے نا! بمباری تو نہیں کرسکتے؟"

وقت گزارنے کے لیے باتوں میں مصروف رہنا بہترین شغل تھا اور ویسے بھی اس وقت ویرا کو ستانے میں لطف آرہا تھا۔ میں نے کہا "تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اول خان پوری تیاری کے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلا ہے۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں دستی بموں سے بھرا ہوا کریٹ موجود ہے۔ ہم ضرورت پڑنے پر ان کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔"

"جب تم اس حد تک جانے پر تلے ہوئے ہو تو پھر کچھ سوچنا سمجھنا بے سود ہے۔ وہ ذرا سی دیر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ حریف کو واضح برتری حاصل ہو تو بڑے بڑے سورماؤں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔"

"تم اکتا کر فرار کی راہ اختیار کررہی ہو۔ مسائل اتنی آسانی سے حل نہیں ہوا کرتے۔"

اول خان کو ویرا کی بے چارگی پر رحم آگیا اور اس نے کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ہمارا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ مراد ہماری قید میں ہے۔ ان کی طرف سے ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو ہم اسے ماردیں گے۔"

"ان کے پاس سلطان شاہ ہے۔ جواب میں وہ اسے ماردیں گے۔" ویرا بولی۔

"وہ اسے مار سکتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں مراد کو زندہ نہیں کرسکتے۔ یہ خوف انہیں خاموش رکھے گا۔"

"تم اتنے پر یقین ہو تو تم نے تصادم کا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"اس وقت وہ ایک اہم ترین سوال بلکہ جیتا جاگتا خطرہ تھا۔ باہمی مشاورت نے یہ ثابت کیا ہے کہ میں غیر حقیقی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔"

"سایوں سے لڑنا تمہارا شوق ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان فضولیات میں سر کھپاتی رہوں۔۔۔"

"ہم سب یوں مطمئن نظر آرہے ہیں جیسے سلطان شاہ کو گھر پر سوتا ہوا چھوڑ کر آئے ہوں" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر تفکر آمیز آواز میں کہا "پتا نہیں وہ کیسی اذیت سے گزر رہا ہوگا۔"

"ہم نے یہ سفر اسی کے لیے اختیار کیا ہے" اول خان نے نرمی سے اسے دلاسا دیا "سڑک خراب ہے۔ زیادہ تیز رفتاری کے جوہر دکھائے تو جیپ الٹ بھی سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آنا شروع ہوجائے گا۔"

"اس کے لیے سب سے زیادہ فکر مجھ کو ہے" ویرا خود کلامی کے انداز میں بولی "کاش! میں نے حیدرآباد روانہ ہونے سے پہلے اسے کچھ دعائیں دی ہوتیں۔۔۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مذاق میں کہے ہوئے الفاظ بددعا بن کر واقعی اسے مصیبت میں پھنسادیں گے۔ میں نے اس کے ساتھ بدشگونی کی تھی اور اب میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے پیچھے یہ سب کہہ رہی ہو۔ وہ آجائے گا تو پھر اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہوجاؤ گی۔"

"یہ میرا نہیں، اس کے مزاج کا قصور ہے۔ وہ خود مجھے چھیڑ چھاڑ پر اکساتا رہتا ہے" ویرا کی آواز بوجھل ہوگئی۔

فوری طور پر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے اپنے حلق میں ایک گولا سا پھنستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

باقی راستہ وجود کو چاٹ جانے والی گمبھیر خاموشی میں طے ہوگیا اور پھر میرپور خاص کی مضافاتی روشنیاں نظر آنی شروع ہوگئیں۔ اول خان نے اشارہ دے کر جیپ سڑک سے نیچے اتاری اور انجن بند کردیا۔

سفر کے تسلسل سے سب ہی اس بُری طرح اکتائے ہوئے تھے کہ انجن بند ہوتے ہی جیپ اور ٹرک سے اتر پڑے۔

حامد نے بتایا کہ سفر کے دوبارہ آغاز کے چند منٹ بعد ہی مراد ظریف دوبارہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ اس پر عجیب سی غنودگی طاری تھی وہ وقفے وقفے سے کراہ کر آنکھیں کھولتا تھا اور کچھ بڑبڑانے کے بعد دوبارہ غافل ہوجاتا تھا۔

اول خان کے ایما پر حامد اسے ایک مرتبہ پھر ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ ہم دونوں بخش اور اس کے ایک ساتھی کو نئے کام کی جزئیات سے آگاہ کرنے لگے۔

مراد خاصی دیر کے بعد ہوش میں آکر اس قابل ہوسکا کہ اس سے کوئی بامقصد بازپرس کی جاسکے۔ اس دوران میں ہم بخش اور اس کے ساتھ جانے والے کو یہ بتاچکے تھے کہ انہیں میرپور خاص میں داخل ہوکر کیا کام سرانجام دینا ہے۔ حامد کا پیغام ملتے ہی میں اول خان کے ساتھ ٹرک میں پہنچ گیا۔

بے ہوشی کی وجہ سے مراد کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم نے کتنا وقت سفر میں گزارا تھا اور اس وقت کہاں تھے۔ وہ حامد سے بھی اس بارے میں استفسار کرتا رہا لیکن کسی نے اسے ان سوالوں کے جوابات نہیں دیے۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اس کی بے خبری ہمارے مقاصد کے لیے سودمند ثابت ہو سکتی تھی۔

"انجنوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہم نے درمیان میں پڑاؤ کیا ہے۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے مبہم سا جواب دیا "یہ بتاؤ کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کہاں جانا ہوگا۔ صحرا کا دفتر کہاں ہے؟ مولاداد، حسن اور کرشن کمار سے کہاں رابطہ ہوگا؟"

ٹرک کے پچھلے حصے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں مراد کے مجروح اور متورم چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے پھر اس نے کمزور آواز میں کہا "صحرا کا دفتر شاہی بازار میں ہے۔ وہ صرف ایک دفتر ہے۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں ملے گا۔"

"وقت ضائع مت کرو۔ ہمیں دوسرے سوالوں کے جواب چاہئیں۔" اسے خاموش پاکر میں نے ترشی سے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرشن کمار قیدی کو لے کر میرپور خاص سے کہیں نکل گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے تلاش کرلیا ہو۔ اس کے بارے میں میرپور خاص پہنچ کر ہی کچھ پتا چل سکے گا۔"

"ہم یہی جاننا چاہ رہے ہیں کہ اس کے بارے میں کہاں سے پتا چلے گا۔"

"میری ٹیلی فون ڈائری گوپال کے گھر رہ گئی۔ مجھے مولا داد سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

وہ گول مول جواب دے کر ہمیں الجھا رہا تھا۔ مجھے اس پر تنت تاؤ آنے لگا مگر میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے بازپرس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگر وہ اس وقت بھڑک کر تعاون سے انکار کردیتا تو ہمارا کام طول پکڑ سکتا تھا۔ ہم اسے یہ اندازہ لگانے کا موقع نہیں دینا چاہ رہے تھے کہ ہم اسے الگ تھلگ رکھ کر بالا ہی بالا کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وہ ٹرک میں ایسی زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ شہر کے راستوں کے بارے میں ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔ ہم جیپ میں رہنمائی کر رہے تھے۔ یہ بات آسانی سے اس کی سمجھ میں آگئی کہ ہم اسے مولاداد کو فون کرنے کا موقع فراہم کیے بغیر براہِ راست اس ٹھکانے پر پہنچنا چاہتے ہیں جہاں بیٹھ کر مراد اپنے رابطوں کو بروئے کار لا سکے۔

حسن اس کا خاص آدمی تھا اور میرپور خاص میں مراد کے بیشتر کام وہی انجام دیتا تھا۔ مراد نے شہر کے راستوں کے حوالے سے اس مکان کا پتا بتانا شروع کردیا جو وہاں صحرا کی سرگرمیوں کا اصل مرکز تھا۔ حسن دن رات اسی مکان میں رہتا تھا۔

○☆○

رات اندھیری تھی۔ شہر کی بیشتر سڑکیں روشنی سے محروم تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا اسٹریٹ لیمپس روشن تھے تو وولٹیج کی کمی یا پھر گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے یرقان زدہ نظر آرہے تھے۔ شہر کی سڑکوں پر اور گلیوں میں آوارہ کتوں کا راج تھا جو غول در غول منڈلاتے پھر رہے تھے۔ بخشل اور میر محمد کو کئی جگہ پتھراؤ کرکے یا بھاگ کر ان کتوں سے جان بچانی پڑی جو ان کی آہٹوں پر اپنی تمام مصروفیات کو فراموش کرکے ان پر لپکنے لگے تھے۔

میرپور خاص، بخشل کا دیکھا بھالا شہر نہ ہوتا تو وہ ان بدحواسیوں میں راستہ بھٹک چکا ہوتا۔ میر محمد کے لیے شہر اجنبی تھا۔ اسے ایک مددگار کے طور پر شروع سے آخر تک بخشل کی پیروی کرنی تھی۔ وہ دونوں آخری موڑ گھوم کر گلی میں داخل ہوئے تو بخشل نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پیلی دیواروں والا مطلوبہ مکان ان کے سامنے تھا۔

"حیرت ہے کہ سارے راستے کسی پولیس والے سے ہمارا سامنا نہیں ہوا" میر محمد نے منزل سامنے آجانے پر بخشل سے کہا۔

"وہ بھی بے چارے بندے بشر ہیں" بخشل نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا "بے چارے کہیں سوئے پڑے ہوں گے۔ چھوٹے شہروں میں تو چور چکار بھی تھک ہار کے سو جاتے ہیں، پولیس والے جاگ کر کیا کریں گے۔"

"ڈیوٹی، ڈیوٹی ہوتی ہے" میر محمد نے اعتراض کیا۔ "چوری، ڈکیتی ہو یا نہ ہو، پولیس والوں کو اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے کرنی چاہیے مجرم کبھی بھی وقت دیکھ کر یا اعلان کرکے واردات نہیں کرتے۔"

"اب یہ سب باتیں بھول جاؤ۔ تمہیں سب یاد ہے نا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"بالکل فکر نہ کرو" میر محمد نے بخشل کو یقین دلایا "آج بہت دنوں بعد ایسا کام ملا ہے۔ صاحب لوگوں کا دل خوش ہوجائے گا.... بے چارے اپنے دن رات کے آرام کو بھول کر ہمارے ساتھ کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔"

بخشل کچھ نہ بولا۔ وہ خود بھی اکثر یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا تھا کہ اول خان اور اس کے چاروں دوست کس مٹی کے بنے ہوئے تھے کہ کام کے سامنے کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔

گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو اچانک ہی انہیں وہ نوجوان نظر آیا جو پیلی دیواروں والے مکان کے دروازے کے ساتھ بنے ہوئے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

''اوئے! تم دونوں یہاں کہاں گھوم رہے ہو؟'' بخشل کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے اس نوجوان نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا ''تمہیں پتا ہے کہ اب کیا وقت ہو رہا ہے؟''

اس دوران میں وہ دونوں پیش قدمی کرکے اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں نوجوان کی گود میں رکھا ہوا ریوالور صاف نظر آگیا تھا۔ وہ شخص اپنے ہتھیار کو کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

''بابا! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم پردیسی ہیں' حیدر آباد سے آئے ہیں'' بخشل نے کسی توقف کے بغیر بولنا شروع کردیا ''ہمیں حسن سائیں سے ملنا ہے۔ شاید یہ دروازہ اسی کا ہے۔''

نوجوان ریوالور داہنے ہاتھ میں تھام کر چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں باری باری بخشل اور میر محمد کے چہروں کا بے تابانہ طواف کررہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی ''تم کون ہو؟''

''ہم ثریا بائی کے ڈیرے سے آئے ہیں'' بخشل نے رٹا رٹایا جواب دہرایا ''ہمیں سائیں گوپال چند نے بھیجا ہے۔ وہ ہمارے ڈیرے کے بہت قدردان ہیں۔ آج رات بھی ڈیرے کی دو لڑکیاں ان کے گھر گئی ہوئی تھیں۔''

''گلو! کون ہے؟ تو کس سے باتیں کررہا ہے؟'' بند دروازے کے پیچھے سے ایک سخت مردانہ آواز گونجی۔

گلو نے جواب دینے کے بجائے دروازے کے پٹ کھول دیے جو اندر سے بولٹ نہیں تھے ''آجاؤ!'' اس نے بخشل اور میر محمد سے کہا پھر اندر والے سے مخاطب ہوکر قدرے اونچی آواز میں بولا ''حیدر آباد سے مہمان آئے ہیں۔''

بخشل اور میر محمد دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ اندر داخل ہوگئے۔ ان کی کہانی مضبوط تھی مگر دونوں کے دلوں میں چور موجود تھا۔ ایک بار گھر میں داخل ہوجانے کے بعد ان کی پوزیشن بہت مخدوش ہوگئی تھی۔

''اندر والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں جھول رہی تھیں۔ انہیں بعد میں پتا چلا کہ اسی کا نام حسن تھا۔ ایک اہم کردار ان کے سامنے تھا۔ دوسرے کا پتا نہیں تھا۔

وہ قدیم وضع کا گھر تھا جس میں کئی کمرے ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ صحن میں دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گھر کی بے سروسامانی چیخ چیخ کر اعلان کررہی تھی کہ اس چار دیواری کی دیکھ بھال میں کسی عورت کا دور دور تک دخل نہیں تھا۔

رات تقریباً گزر چکی تھی یا آخری سانسوں پر تھی مگر وہاں بستر کے آثار تھے نہ دونوں مکینوں کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلسل بیداری اور اضطراب کی حالت سے دوچار تھے۔

''یہ حسن ہے'' گلو نے مونچھوں والے کا تعارف کراتے ہوئے ان دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''وقت تنگ ہے'' حسن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا ''روٹی پانی کے تکلف سے پہلے یہ بتا ڈالو کہ کس کام سے آئے ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

''یہ سرے گھاٹ کی کسی ڈیرے دارنی کے آدمی ہیں۔ انہیں سیٹھ گوپال چند نے بھیجا ہے'' بخشل یا میر محمد سے پہلے ہی گلو نے زبان کھول کر مسئلہ حل کردیا۔

حسن نے اسے خشمناک نظروں سے گھورا پھر تحکم سے کہا ''تو باہر تھڑے پر بیٹھ۔ ان سے میں خود بات کراوں گا۔ یہ آپہنچے ہیں تو کوئی اور بھی آنے والا ہوگا۔''

بخشل نے حسن کے مزاج کی تیزی کا اندازہ لگالیا تھا۔ گلو کے باہر جاتے ہی اس نے خود بخود بولنا شروع کردیا ''آج رات ڈیرے کی دو لڑکیاں سائیں گوپال چند کے گھر پر تھیں۔ نشے پانی کے بعد سب آرام کررہے تھے کہ کچھ آدمی اندر گھس آئے۔ لڑکیوں کو ڈانٹا پھٹکارا' سائیں گوپال کو زخمی کیا اور سائیں مراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سائیں گوپال نے لڑکیوں سے ثریا بائی کو بلوایا تھا۔ اس نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ لوگ کسی آدمی کی تلاش میں تھے جو شاید یہاں ہے۔''

''حیدر آباد سے تم پیدل آئے ہو'' حسن نے چند ثانیوں تک ان دونوں کو گھورتے رہنے کے بعد پوچھا ''اس وقت وہاں سے کون سی گاڑی یہاں آتی ہے؟''

''ہم کار سے آئے ہیں۔ ہماری گاڑی شہر کے شروع میں خراب ہوگئی۔ جب وہ کسی طرح چل کر نہ دی تو ہم اس کے دروازے لاک کرکے پیدل ہی چل پڑے۔ سائیں گوپال کی تاکید تھی کہ پیغام بہت ضروری ہے۔''

''کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں آنے والے فوجی تھے؟'' حسن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" بخشل نے معصومیت سے نفی میں سر ہلا دیا "ثریا بائی کہہ رہی تھی کہ وہ سادہ کپڑوں والے تھے.... آج کل تو سب کچھ ہونے لگا ہے۔ پولیس والے بھی بغیر وردی پہنے ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"تم مجھے صرف یہی بتانے کے لیے حیدر آباد سے دوڑے چلے آرہے ہو؟"

"ہاں۔ سائیں گوپال کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ وہ اسپتال میں ہیں مگر انہیں سائیں مراد کی فکر تھی۔ اب تمہیں خبر مل گئی ہے تو تم انہیں بچانے کے لیے کچھ کر سکتے ہو۔"

"وہ فوج والے تھے" حسن کو بخشل کی کہانی پر شاید یقین آگیا اور اس نے سگریٹ سلگا کر اپنے یقین کا اظہار کر ڈالا "تمہاری مہربانی کہ تم خبر لے کر یہاں تک آئے مگر یہ باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔"

اس دوران میں بخشل نے اندازہ لگانا چاہا کہ اس وقت وہاں گلو اور حسن کے علاوہ اور کتنے افراد موجود ہیں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ گھر میں ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ بظاہر وہاں کسی اور کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

"وہ قیدی کون ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا پھیلا ہے؟" بخشل نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"اس چکر میں نہ پڑو!" حسن معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہمارے لیے وہ قیدی اب بالکل بے کار بلکہ بے گار بن کر رہ گیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کن لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس نے زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ اب بات کھل گئی ہے کہ وہ فوج کا آدمی ہے۔ اسپتال جاکر گوپال چند کو یہ بات بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے" بخشل نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اگر تمہارے پاس کوئی آدمی ہے تو ہمیں ہماری گاڑی تک بھجوا دو۔ ہم اجالا ہونے سے پہلے حیدر آباد واپس پہنچ جائیں گے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہاری گاڑی خراب ہے۔ اب وہ کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟" حسن نے چونک کر پوچھا۔

"اس کا انجن زیادہ گرم ہو جانے کے بعد اسی طرح جام ہو جاتا ہے۔ اب تک وہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم تمہارے آدمی کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ صبح کوئی مکینک اسے دیکھ لے گا۔"

بخشل کے بے پروائی سے کہے ہوئے ان فقروں نے حسن کو مطمئن کر دیا مگر ساتھ ہی اسے دوسری فکر لاحق ہو گئی

"آدمی کا مسئلہ ہے۔ ہم دونوں بھی یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ پتا نہیں کب مولا داد کا پیغام آجائے۔"

بخشل کو پوری بریفنگ دی گئی تھی۔ مولا داد کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

"تم دونوں نہیں جا سکتے تو فون کر کے کسی کو بلا دو" بخشل نے فرمائش کی "ہمارے لیے اتنی دور پیدل واپس جانا مشکل ہے۔ گاڑی ضروری نہیں۔ موٹر سائیکل پر ہم تین آدمی چلے جائیں گے۔"

"دراصل تم غلط موقع پر یہاں آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "اس گھر میں فون نہیں ہے۔ فون پر لوگ بے احتیاطی سے باتیں کرتے ہیں جو کوئی اور بھی سن سکتا ہے۔ مولا داد کا پیغام آگیا تو مجھے فون سننے کے لیے اس کے گھر جانا ہوگا۔ یہاں صرف گلو رہ جائے گا۔ یہاں کم از کم ایک آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ ہم قیدی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

حسن کا آخری فقرہ سن کر بخشل کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں مگر اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا "تو کیا قیدی بھی یہیں موجود ہے۔"

بخشل کے سوال پر حسن جھنجلا گیا "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس چکر میں نہ پڑو۔ جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں کوئی چکر چل پڑا تو تم زندگی بھر حیدر آباد پہنچنے کے لیے ترستے رہو گے۔"

"اوہ!" بخشل نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی' قدم بدل کر اپنی پوزیشن درست کی اور اچھل کر حسن پر حملہ کر دیا۔

اس وقت تک یہ بات حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ کسی جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ بخشل نے وحشیانہ جوش کے ساتھ بے خبری میں اس کی گردن دبوچ لی۔

میر محمد بھی ہوشیار آدمی تھا۔ اس وقت تک اس نے گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا تھا لیکن وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ حسن نے گھر میں قیدی کی موجودگی کا اشارہ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کیے ہیں۔ اس نے حسن کو بخشل کے زیرِ بازو پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب سے ڈارٹ گن نکال کر' بجلی کی سی

سرعت سے حسن کے بائیں پہلو پر مہلک ڈارٹ فائر کردیا۔
شپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ڈارٹ حسن کے پہلو میں پیوست ہوا اور اس کا زہریلا سیال بدن میں سرایت ہوتے ہی حسن کا جسم ایک ناگوار بوجھ کی طرح بخشل کے ہاتھوں میں آرہا۔

بخشل اور میر محمد کا وہ مشن بہت جاں گسل اور خوفناک تھا۔ اس کے لیے تیاری کرتے ہوئے ہم نے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ ڈارٹ گن کے ساتھ ان دونوں کو صرف وہی ڈارٹ دیے گئے تھے جو جسم میں اترتے ہی شکار کو جہنم واصل کردینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بے ہوش کرنے والے ڈارٹس کی اس مشن پر گنجائش ہی نہیں تھی۔

بخشل نے حسن کی بے جان لاش کو سہارا دے کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔ میر محمد اپنا ایک کام مکمل کرکے تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازے کے پٹ بند تھے مگر پہلے کی طرح کنڈی سے آزاد تھے۔

"جلدی اندر آؤ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی، گھبرائی ہوئی آواز میں گلو سے کہا "حسن کی طبیعت خراب ہے۔"

گلو کے لیے وہ انکشاف اس قدر ناگہانی ثابت ہوا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر، بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آیا۔ ریوالور اس نے اپنی جیب میں اڑس لیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی میر محمد نے اس پر ڈارٹ گن تانی اور دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈی لگادی۔

"ہاتھ اٹھالو ورنہ مارے جاؤ گے" میر محمد نے دبی دبی ہذیانی آواز میں اسے حکم دیا۔

میر محمد پہل کا فائدہ اٹھاچکا تھا۔ گلو کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ اس نے بے چون وچرا ہاتھ اٹھالیے۔

"قیدی کہاں ہے؟" میر محمد نے اس کی پشت پر اپنے داہنے گھٹنے سے زوردار ضرب لگا کر پوچھا۔

میر محمد حلق سے دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے نکل گیا۔ میر محمد لپک کر اس کے پیچھے ہولیا۔

"جلدی بولو!" بخشل نے دانت پیس کر گلو سے کہا۔ وہ اس قدر بدحواس ہوچکا تھا کہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا موت کا سایہ نہ دیکھ سکا۔ اس نے زبان کھولنے میں تاخیر کی اور بخشل نے اس کے سینے میں بھی ڈارٹ اتار دیا۔

گلو تیورا کر ہلکے سے دھماکے کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ دونوں میں سے کسی نے اسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بخشل اور میر محمد اس وقت خوں خوار درندوں کے مسکن میں گھسے ہوئے تھے۔ اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ انہوں نے موقع پاکر ہماری ہدایات سے تجاوز کیا تھا۔ اگر وہ اپنی کارروائی مکمل کرکے وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو بہت بُرے انجام سے دوچار ہوسکتے تھے۔

ان دونوں کو اتنا کام سونپا گیا تھا کہ وہ اس مکان میں موجود نفری کا اندازہ لگانے کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ سلطان شاہ وہاں موجود تھا یا نہیں اور پھر وہاں سے نکل کر اپریٹس کی مدد سے اپنی معلومات ہم تک پہنچادیں تاکہ ہم مراد کے ساتھیوں کے خلاف اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرسکیں۔

لیکن وہاں حالات کا رخ ہی کچھ اور نکلا۔ بخشل کو غیر متوقع طور پر علم ہوا کہ قیدی اسی گھر میں موجود تھا اور گھر کی چار دیواری میں دشمن کا صرف ایک آدمی موجود تھا جبکہ دوسرا دروازے سے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ صورتِ حال اس قدر ولولہ انگیز اور حوصلہ افزا تھی کہ بخشل ایک لمحے کے لیے بھی خود پر قابو نہ پاسکا اور اس نے اچانک ہی حسن پر حملہ کردیا پھر میر محمد دوسرے کو بھی اندر گھیر لایا۔

دو دشمنوں کی سرد لاشوں کے ساتھ وہ اس چار دیواری میں محصور تھے۔ دونوں ہی سلطان شاہ کی تلاش میں دیوانہ وار اندرونی کمروں کی طرف لپکے لیکن اس دوران میں بخشل اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنا اپریٹس آن کرکے بے تابی کے ساتھ، اول خان کے لیے اپنی رپورٹ نشر کرنی شروع کردی تھی۔

()☆()

ہمارے کارواں میں شامل ایس ٹی ایف کے ہر کارکن کے پاس اپریٹس موجود تھا اس لیے اول خان اور بخشل کے درمیان ہونے والی گفتگو سب ہی نے سنی اور ہر چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

قیدی کی بازیابی کی ابتدائی خبر سنتے ہی ویرا نے بے اختیاری کے عالم میں غزالہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "مل گیا.... خدا کا شکر ہے کہ وہ یہیں مل گیا" ویرا مسرت سے مغلوب آواز میں بولی۔

"ملا نہیں، ابھی صرف امید بندھی ہے۔ بخشل اور میر محمد اسے تلاش کررہے ہیں" میں نے کہا۔

"وہ دونوں اتنے احمق نہیں ہیں کہ کسی جھوٹی امید پر اتنا بڑا قدم اٹھالیتے" ویرا بدستور پُرامید تھی۔

"... سر! مجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے" اپریٹس پر بخشل کی آواز آرہی تھی "ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں ہر سزا قبول کرلوں گا مگر یہاں سب کچھ اتنی تیزی سے بدلا کہ میں جذبات سے مغلوب ہوگیا۔ مکار دشمن ہتھیار خالی ہونے کے بعد ٹھوکر کھاکر گر پڑا ہو تو لڑنے والا سپاہی اس کی گردن اتارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس دعا کریں کہ ہم کسی کے آنے سے پہلے قیدی کو تلاش کرلیں اور اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں.... اوور!"

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اور سزا کا بھی اندازہ ہے" اول خان اس کی رپورٹ سننے کے بعد کہہ رہا تھا "جو کچھ کرگزرے ہو، اب اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو، اوور!"

"ہم دو کمرے دیکھ چکے ہیں، سر! ابھی تک کوئی ذی روح نظر نہیں آیا۔ میر محمد اس کا نام بھی پکار رہا ہے مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں مل رہا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں حسن نے مجھ سے جھوٹ نہ بولا ہو.... اوور!"

"کاش! تمہارا یہ خیال غلط ہو" اول خان کا لہجہ خشک ہوگیا "تم نے ان دونوں کو مار کر سنگین غلطی کی ہے۔ قیدی کی بازیابی تک ان میں سے ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا.... ہم ادھر آرہے ہیں۔ اوور اینڈ آل!"

کوچ شروع ہوچکا تھا۔ شہر سب ہی کے لیے اجنبی تھا اس لیے میں احتیاط سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس بار اول خان نے میرے برابر والی نشست سنبھالی ہوئی تھی اور راستوں کے بارے میں میری رہنمائی کررہا تھا۔

ہم چاروں میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ بخشل سے ملنے والی اطلاعات پر مراد کا کیا ردِّعمل تھا۔ وہ سلطان شاہ کے ساتھ اپنے تبادلے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ نئی خبر نے اسے مایوسی کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہوگا۔

"اپنے اسٹاف کے اپریٹس بند کرادو" میں نے چند ثانیوں بعد اول خان کو مشورہ دیا "ٹرک والوں کے اپریٹس کے ذریعے مراد تمہارے آدمیوں کی ہر رپورٹ سنتا رہے گا۔ اس کی یہ باخبری نقصان دہ ہوسکتی ہے۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی اور اس نے اس بارے میں فوراً ہی ہدایت جاری کردی۔

چند منٹ بعد بخشل پھر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز سے سراسیمگی جھلک رہی تھی "ہم نے ساتوں کمروں سمیت اس گھر کا چپّا چپّا دیکھ ڈالا ہے سر! ہمارے مطلوبہ آدمی کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اوور!"

"صحن میں پڑی ہوئی لاشوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرو ورنہ تم مشکل میں پڑجاؤ گے۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے خفگی سے مختصر سا جواب دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

"اس نے جو کچھ کیا، نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہے۔ تم اس کے ساتھ زیادتی کررہے ہو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ایس ٹی ایف میں نیت اور خلوص سے زیادہ ڈسپلن کی اہمیت ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس بارے میں تمہاری دخل اندازی کی ضرورت نہیں" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"ڈسپلن پر اتنا زیادہ زور نہ دو۔ اس کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔ حسن یا گلو میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو شور مچاکر ان دونوں کو عذاب میں ڈال دیتا، ان کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرنے کے لیے سوال داغ دیا "حسن کو بخشل سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی...؟"

"وہاں حسن تھا، کرشن کمار نہیں تھا اور مراد بتا چکا ہے کہ سلطان شاہ، کرشن کمار کے ساتھ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ابھی تک کرشن کمار اور سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے ہوں" ویرا نے رائے دی۔

"میں یہی پوچھ رہی ہوں" غزالہ نے زور دے کر کہا "ان دونوں سے رابطہ نہیں ہوا تھا تو حسن نے جھوٹ کیوں بولا؟ اس وقت تک اسے بخشل کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔"

میں ذہن میں کچھ اور ہی حساب لگا رہا تھا۔ بخشل کے بیان کے مطابق حسن کو آخر تک مولاداد کے کسی پیغام کا انتظار تھا۔ وہ پیغام یہی ہوسکتا تھا کہ حسن فوری طور پر مولاداد کے گھر پہنچ کر مراد سے بات کرے۔ خود مراد بھی کہہ چکا تھا کہ وہ میرپور خاص پہنچنے کے بعد فون پر رابطہ کرکے معلوم کرسکے گا کہ کرشن کمار، سلطان شاہ سمیت کہاں تھا۔

ہم نے میرپور خاص میں داخل ہونے سے پہلے اپنا کھیل بدل دیا تھا۔ مراد کو فون کرنے کا موقع دینے کے بجائے بخشل اور میر محمد کو اس کے ٹھکانے پر بھیج دیا تھا۔ اس تبدیلی کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے مولاداد کا کوئی آدمی حسن کے ٹھکانے پر پہنچ کر ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کے لیے خطرہ بنے۔

وہ دونوں پریشان ضرور تھے مگر محفوظ تھے۔ جب تک

مراد کو مولاداد کو فون کرنے کا موقع نہ ملتا‘ وہاں سے کوئی حسن کے گھر... کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم وہاں پہنچ جاتے تو پھر بے فکری کے ساتھ مکان میں کسی خفیہ تہ خانے وغیرہ کی تلاش شروع کی جاسکتی تھی۔

شہر میں سفر کے آخری مرحلے پر ہم نے حامد کی نفری کو ٹرک سمیت گلیوں سے باہر ہی روک دیا۔ ان تنگ گلیوں میں ٹرک کا راستہ کہیں بھی مسدود ہو سکتا تھا۔ ضرورت پڑتی تو ایریئس پر پیغام دے کر ان لوگوں کو ذرا سی دیر میں موقع پر طلب کیا جاسکتا تھا۔

میں نے جیپ گلی میں گھمائی تو اول خان ایریئس پر بخشل سے بات کر رہا تھا۔

اول خان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی برقرار تھی مگر بخشل نے اس پر کوئی شکوہ نہیں کیا۔ وہ امید افزا لہجے میں بتا رہا تھا کہ وہ غسل خانے کی ایک مشتبہ دیوار پر زور آزمائی کر رہے تھے جو غیر معمولی طور پر سپاٹ تھی۔

اول خان نے اپنے پہنچنے کی اطلاع دے کر ایریئس بند کر دیا۔ میں نے اول خان کے ایما پر آخری موڑ کاٹا تو جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں پیلی دیواروں والے مکان کے باہر بخشل اور میر محمد موجود تھے۔

فضا پر اس وقت بھی گہرے اندھیرے کی چادر مسلط تھی مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اندھیرا بس کچھ ہی دیر کا مہمان تھا پھر صبحِ صادق کا ملگجا اجالا ان اندھیروں کو نگلنے والا تھا۔

ہم چاروں جیپ سے اترے اور بخشل کی رہنمائی میں مکان کے اندر گھستے چلے گئے۔ میر محمد جیپ کی نگرانی کے لیے باہر ہی رک گیا۔

حسن اور گلو کی لاشیں اس اجڑے اجڑے مکان میں عبرت کا سماں باندھ رہی تھیں۔ جو لوگ کچھ دیر پہلے تک بہت کچھ تھے‘ اس وقت کچھ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے جب وہ گور و کفن کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے۔ سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اپنی آخری منزل کے ازخود ایک دمڑی تک خرچ نہیں کر سکتا۔

گھر میں ہم نے سب سے پہلے وہ غسل خانہ دیکھا جس کی ایک دیوار پر بخشل کو شبہ تھا۔ ہم نے خوب ٹھونک بجا کر دیوار کا جائزہ لیا۔ وہ ٹھوس اور سپاٹ تھی۔ بخشل کا اندازہ غلط تھا مگر وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ ہم سب مختلف کمروں میں پھیل گئے۔ وہ قدیم ہندووانی طرز پر بنا ہوا مکان تھا۔ دیوار گیر طاق‘ طاقچوں اور مورتیوں کی کثرت‘ اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ اس پرانے گھر میں کہیں نہ کہیں کوئی خفیہ کمرا یا تہ خانہ ضرور ہوگا۔

آخرِ کار غزالہ نے ایک قد آدم آئینے کے پیچھے چھپے ہوئے آہنی دروازے کا سراغ لگا ہی لیا۔ اس دیوار پر لگے ہوئے ایک شمع دان پر زور ڈالتے ہی وہ آئینہ اپنے فریم سمیت‘ قبضوں پر گھوم کر دیوار سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی دروازہ تھا۔ جس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ استعمال ہوتا رہا تھا۔

دروازہ بہت مضبوط اور وزنی تھا۔ اصل چابیوں کے بغیر اسے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔ سب وہیں جمع ہو گئے تھے۔ وہ دروازہ ہمارے لیے امید کی آخری کرن تھا۔ سلطان شاہ اگر اسی چاردیواری میں تھا تو وہ دیوار کے موٹے آثاروں میں چھپی ہوئی اس اونچی تجوری ہی میں ہو سکتا تھا۔ حبس اور گھٹن کی وجہ سے وہ تجوری اس کے لیے خطرناک تھی۔

آخر کار ویرا نے تجوری کا دروازہ کھولنے کے لیے بیم گن استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے ہم نے آہنی دروازے کو زور زور سے بجا کر سلطان شاہ کو آوازیں دیں لیکن اندر سکوت چھایا رہا۔ وہ اگر موجود تھا تو ہوش میں نہیں تھا۔ ویرا نے مہارت کے ساتھ وقفے وقفے سے بیم گن کی باریک نیلگوں دھار سے قفل کے اردگرد کا فولاد کاٹنا شروع کر دیا۔

وہ کام بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ تین جگہ کٹائی کے بعد دروازہ کھل گیا اور یہ دیکھ کر مسرت سے ویرا کی بے ساختہ چیخ نکل گئی کہ اس تجوری کے فرش پر سلطان شاہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ تجوری ہوا بند نہیں تھی۔ اس کی اندرونی ساخت میں کچھ ایسا اہتمام رکھا گیا تھا کہ اندر گھٹن نہیں تھی۔ سلطان شاہ کا سانس معمول کے مطابق چل رہا تھا۔

ہم نے احتیاط کے ساتھ اسے باہر نکال لیا۔ اس کے بدن پر کہیں ٹوٹ پھوٹ کی کوئی علامت تھی نہ لباس پر خون کا نشان تھا مگر چہرے پر چھائے ہوئے ورم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہلکے پھلکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بخشل کے لٹکے ہوئے چہرے پر عجیب سی رونق آگئی تھی جو قابلِ فہم تھی۔

سلطان شاہ کی بازیابی ہماری اس لمبی دوڑ کا مقصد تھی۔ اس کے زندہ و سلامت مل جانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ بخشل نے مجھے روک کر سلطان شاہ کو اپنے کندھے پر لادا اور ہم ایک ایک کر کے اس گھر سے نکل گئے۔

ویرا نے آخر میں باہر آنے کے بعد دروازے کو کنڈی لگا دی۔

بخشل اور میر محمد نے سلطان شاہ کو جیپ کی پچھلی نشست پر لٹا دیا مگر میری توجہ ان چند افراد پر مرکوز ہو چکی تھی جو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر ان کی دبی دبی سرگوشیوں کی کچھ بھنبھناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

"سر! یہ آس پاس کے مکانوں سے نکلے تھے" میر محمد ہمیں بتانے لگا "سب حیرت سے جیپ کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی بھی قریب آنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ بس یہ وہاں جمع ہو کر نیچی آوازمیں باتیں کر رہے ہیں۔"

وہ ایک چھوٹے شہر کا رہائشی علاقہ تھا۔ وہاں کسی گاڑی کے انجن کی آواز سے لوگ مانوس نہیں رہے ہوں گے۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر جیپ کے انجن کی تیز غراہٹ کچی نیند سونے والوں کی بیداری کا سبب بن گئی اور وہ صورت حال جاننے کے لیے اپنے گھروں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے۔

میں نے ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کی طرف چل دیا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر ان میں کچھ بے چینی کے آثار نمودار ہوئے مگر کسی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ میں نے قریب جا کر ان کو ادب سے سلام کیا اور خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر پوچھا "پیلی دیواروں والا مکان کس کا ہے؟"

کسی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر ایک معمر شخص نے ہمت کر ڈالی "یہ گھر تو کرشن کمار کا ہے مگر وہ یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"شریفوں کے محلے میں کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا؟ یہاں غلط کام ہوتے رہے ہیں۔"

"بس جی! کون کسی کے منہ لگے۔ سب کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے" اسی شخص نے جواب دیا۔ میرے تیکھے سوال پر دوسروں کے چہروں پر خوف و ہراس اُمڈ آیا تھا۔

"مولاداد کہاں رہتا ہے؟" اس بار میں نے براہِ راست اسی معمر شخص سے پوچھا۔

"پچھلی گلی میں آگے کبوتروں کی چھتری والا مکان ہے۔ وہ بھی ان ہی کا ساجھی ہے۔"

"پولیس کے آنے تک کوئی اس گھر میں نہ جائے۔ اندر دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔ سب کے دہانوں سے لاشوں کے بارے میں تحیر زدہ' سرسراتی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں اور ادھیڑ عمر سمیت ہر شخص نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سب تیزی سے اپنے اپنے گھروں کی طرف لپکے جا رہے تھے۔

میں نے کسی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ لاشوں کی موجودگی کے انکشاف پر ان لوگوں کا ردِّعمل قطعی فطری تھا۔ ہر شخص ایسی بھیانک واردات میں کسی گواہی وغیرہ میں ملوث ہونے سے گھبراتا اور پھر وہ کرشن کمار اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ تھا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ اہلِ محلّہ ان کی سرگرمیوں سے نالاں بلکہ خائف تھے اور ان کی مخالفت میں زبان کھولنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

بخشل اور میر محمد نے اپنے ہاتھ لگنے والے دونوں افراد کو ٹھکانے لگا کر اپنا کام ضرور آسان کرنا چاہا تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہم ہر گواہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد' ہمارے لیے میرپور خاص میں کام آگے بڑھانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اس سے مراد' کرشن کمار اور ان کے حواریوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

باز پرس کے معاملے میں مراد ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا' کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تازہ ترین واقعات پر وہ کس ردِّعمل کا مظاہرہ کرتا۔ اس کا حوصلہ تباہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہمارے ساتھ سلطان شاہ کے علاوہ ایک دو زندہ قیدی بھی ہوتے۔ ان کے اعترافات مراد کو زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

میں واپس آیا تو اول خان ایریئس پر حامد سے بات کر رہا تھا۔ وہ لوگ اس محلے کی قدرے تنگ گلیوں سے باہر' مین روڈ پر رکے ہوئے تھے مگر ہمارے اور ان کے درمیان لاسلکی رابطہ برقرار تھا جس سے فائدہ اٹھا کر اول خان شاید اسے سلطان شاہ کی زندہ و سلامت بازیابی کی اہم ترین خبر سنا رہا تھا۔

ویرا اور غزالہ جیپ میں گھسی ہوئی تھیں اور اندر کی بتی جلا کر سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ سلطان شاہ کی بے ہوشی نقاہت یا ضربات کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کو مسکن ادویہ کے زیرِ اثر دانستہ بے ہوش رکھا گیا تھا۔ دواؤں کا اثر ختم ہونے سے پہلے اسے ہوش میں لانا ممکن نہیں تھا۔

جیپ کے سواروں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا مگر اس کشادہ گاڑی میں اتنی گنجائش تھی کہ سلطان شاہ کو بے آرام کیے بغیر سب لوگ اس میں سما گئے اور میں نے جیپ کو ادھیڑ

عمر شخص کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف مولا داد رہ گیا تھا اور میں اسے کراچی کی سیر کرانے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔

مولا داد کا گھر وہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ کبوتروں والی چھتری اس کے مکان کی ایسی واضح شناخت تھی کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا مضبوط بانسوں پر بندھی ہوئی کشادہ چھتری کے نیچے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا جو دور ہی سے توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ چھتری پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی نگاہیں گلی میں مرکوز کردیں۔

اس مکان کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اتنی رات گئے گھر سے باہر کسی کی یوں موجودگی غیر معمولی تھی۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک جارہی تھی اسی طرح طاقت ور انجن کی آواز نے بھی شاید اس شخص کو چونکایا تھا۔ اس نے مڑ کر بھڑکے ہوئے انداز میں جیپ کی طرف دیکھا۔ پتلی اور ناہموار گلی کی وجہ سے میں ڈرائیونگ میں محتاط تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا جارہا تھا۔

وہ شخص چند ثانیوں تک یوں ہی ہماری طرف دیکھتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر بہت تیزی سے پلٹا اور گھر کے دروازے میں غائب ہوگیا۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہم اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں میں ہم مولا داد کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر دروازے پر پہنچا تو مجھے اندر کچھ بڑبونگ اور بھگدڑ کی سی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے زور سے دروازے کی کنڈی بجا ڈالی۔

"ٹھہرو.... ابھی آتے ہیں!" اندر سے ایک اونچی آواز آئی۔ میرے لیے وہ جواب غیر متوقع تھا۔ اندر والے نے اتنی رات گئے ہونے والی دستک پر کسی پوچھ گچھ کے بغیر یوں جواب دیا تھا جیسے وہ پہلے سے کسی کی آمد کی توقع کیے بیٹھا ہو۔

اندر سے آنے والی آوازوں میں یکایک کمی واقع ہوگئی۔ وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا اور میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ انتظار کچھ زیادہ ہی طویل ہوگیا تو میں نے بے چینی سے دوبارہ کنڈی کھڑکا دی۔

اس بار ایک ادھیڑ عمر عورت نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا جیسے وہ اندر، پٹ سے لگی، دوسری دستک کا انتظار کرتی رہی ہو۔

"کون ہو تم....؟ کس سے ملنا ہے؟" عورت نے سہمی ہوئی نظروں سے میرا اور پھر جیپ کا جائزہ لیتے ہوئے دقت سے پوچھا۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ دہشت سے اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔

ہماری لڑائی ملک اور قوم کے غداروں سے تھی۔ جن کے لیے میرے دل کے کسی گوشے میں ہمدردی کی کوئی رمق موجود نہیں تھی مگر وہ ان کے گھر کی ایک عورت تھی۔ اس کے لیے میرے پاس ادب و احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

غزالہ کو میرے مزاج کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ میرا تذبذب ختم ہونے سے پہلے ہی وہ جیپ سے اتر کر نیچے آگئی۔ اندر سے برآمد ہونے والی عورت کسی درشت اور کھردرے سوال کے انتظار میں، خوف سے اپنے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہی تھی۔

"مولا داد کہاں ہے۔ اسے باہر بلاؤ!" غزالہ نے وہاں پہنچتے ہی عورت سے مطالبہ کیا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ پتا نہیں کب واپس آئے گا" اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تم اندر جاؤ اور کسی مرد کو باہر بھیج دو۔ ہمیں ضروری بات کرنی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ عورتیں ہیں یا بچے ہیں جو سب سو رہے ہیں۔"

"ابھی اندر سے کسی مرد نے جواب دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟" اس بار میں سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ مولا داد تھا۔" جواب دیتے ہوئے عورت کی آنکھیں دھندلا گئیں "تمہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا....؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "دروازے پر تو ہم کھڑے ہوئے ہیں۔"

"بس چلا گیا۔ وہ پیچھے سے بھاگا ہے۔ تم سے ڈر گیا تھا۔"

غزالہ نے شکست خوردہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس سے پوچھا "اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"پانچ آدمی تھے۔" عورت نے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگاتے ہوئے خود ہی سچ بولنا شروع کردیا تھا "رات سے وہ سب کسی فون کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہارے آتے ہی پچھلے دروازے سے بھاگ گئے۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر چوٹ ہوگئی تھی۔

"یہاں سے بھاگ کر وہ کہاں گئے ہوں گے؟" غزالہ نے کس قدر تیزی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں!" غزالہ کے لہجے پر وہ عورت روہانسی آواز

میں بولی "سب بگڑے ہوئے لڑکے ہیں۔ کرشن نے اپنے ساتھ ان سب کو بھی خراب کر دیا ہے۔ منہ پھٹ ہیں۔ بات بات پر ہتھیاروں کی دھمکی دیتے ہیں۔ وہ اسی کے پاس گئے ہوں گے۔"

صاف ظاہر تھا کہ وہ اسی گھر کا ذکر کر رہی تھی جہاں سے ہم وہاں پہنچے تھے۔ اس گھر کو ہمارے لیے چوہے دان بنا کر وہ ٹولی مولا داد کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تاکہ مراد کی طرف سے اشارہ ملتے ہی کوئی کارروائی کر سکے مگر مراد کا فون نہ آنے کی وجہ سے ان کا سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا تھا اور انہیں افراتفری کی حالت میں فرار ہونا پڑ گیا تھا۔

وہ عورت خود بھی مولا داد اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں سے بدظن تھی۔ اس پر زیادہ دباؤ ڈالنا بے سود تھا۔ وہ انہیں برا بھلا کہتی اور ہمارے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ آخرکار ہم نے وہاں سے لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے ہم بہت محتاط تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے مگر پھر بھی ایک موہوم سا خطرہ تھا کہ کہیں مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھی پلٹ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ ان کے لیے مراد ظریف کی آزادی اسی قدر اہم اور ضروری تھی جتنی ہمارے لیے سلطان شاہ کی رہائی تھی۔

ہم گلیوں سے نکل کر آخرکار سڑک پر آ گئے۔ اس دوران میں اول خان نے واپسی کے پروگرام کے پیشِ نظر حامد کو اپنے ٹرانسمٹر پر سمجھا دیا تھا کہ اسے میرپور خاص میں ہی رکنا تھا تاکہ وہ دونوں لاشوں کے بارے میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل کرا کے وہ قصہ مقامی کوتوالی کے سربراہ کے حوالے کر سکے۔

اپنے اس مختصر قیام میں اسے اس گروہ کے کسی سرگرم کارندے کو بھی تلاش کرنا تھا جو اس الجھی ہوئی کہانی کے پوشیدہ گوشوں سے نقاب ہٹا کر پیش رفت کی کوئی راہ فراہم کر سکے۔

"سر! اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو مار کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" جیپ میں خاموشی ہونے پر بخشل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ان میں سے کسی ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا۔"

غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے مگر جان بوجھ کر کی جانے والی غلطی بھول کی غلطی سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔" اول خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "اب یہ بات بھول جاؤ۔ اس پر اسٹیشن فور میں بات ہوگی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان کے ان الفاظ میں بخشل کے لیے تادیب کا پیغام پوشیدہ تھا۔ ایس ٹی ایف کے کارکنوں کے تمام تر اخلاص کے باوجود اس تنظیم کا جزا اور سزا کا ایک اپنا نظام تھا جس سے کسی کو مفر نہیں تھا۔

مین روڈ پر پہنچنے کے بعد بخشل اور میر محمد ٹرک میں سوار ہو گئے اور ہمارا قافلہ واپسی کے لیے چل پڑا۔

شہر چھوڑنے سے پہلے ہمیں حامد کو مقامی تھانے پر اتارنا تھا۔ ہمیں تھانے کا محل وقوع معلوم نہیں تھا، ویران سڑکوں پر کہیں کوئی سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا جس سے مدد لی جا سکے۔ میں اندازے سے کشادہ تر راستوں پر جیپ چلاتا رہا اور ہم جلد ہی تھانے کے سامنے پہنچ گئے۔

اول خان نے خود افسران سے ملنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھا۔ گاڑی میں سلطان شاہ بے ہوش تھا۔ مراد ٹرک کے فرش پر سخت زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا تھا کہ اس سے کوئی کام لیے بغیر ہم لوگوں نے سلطان شاہ کو رہا کرا لیا تھا۔ وہ رہ رہ کر اونچی آواز میں مغلظات بک رہا تھا۔ سینئر پولیس افسران لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اول خان کے لیے اخلاقی طور پر لازم ہوتا کہ ان کے ہر سوال کا جواب دے اور یوں ایک نئی کہانی شروع ہو جاتی۔

حامد کو خاموشی سے تھانے کے باہر چھوڑ کر ہم تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے۔

○☆○

سلطان شاہ کی کہانی زیادہ پُرپیچ نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار ہیر آباد کے علاقے میں واقع صحرا کے دفتر کا طواف کیا تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کچھ نادیدہ نگاہوں نے صحرا میں اس کی دلچسپی کا اندازہ لگا لیا ہے۔ جب وہ مراد ظریف کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے دوبارہ اس علاقے میں پہنچا تو اس کی گاڑی پہچان لی گئی۔

اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ صحرا کا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ہیر آباد کے علاقے سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے اسے اوورٹیک کیا اور سائیڈ دبا کر اسے گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔

موٹر سائیکل پر دو صحت مند اور لڑاکا قسم کے لڑکے سوار تھے۔ انہوں نے سلطان شاہ کی کار کے عین سامنے موٹر سائیکل روکی اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ قریب آ کر اس پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی موٹر سائیکل کو سائیڈ ماری تھی۔

وہ الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ سلطان شاہ مشتعل ہو گیا لیکن اسے اپنی نشست چھوڑ کر نیچے اترنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک لڑکے نے بہت نپے تلے انداز میں اس کی داہنی کنپٹی پر زوردار مکا رسید کیا اور وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری دلدل میں اترتا چلا گیا۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ راہ گیروں میں سے کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی کچھ سمجھ لیتا شاید تب بھی سلطان شاہ کا ساتھ دینے کی ہمت نہ کرپاتا کیونکہ دونوں لڑکے شکل صورت سے ہی بدمعاش معلوم ہو رہے تھے۔

سلطان شاہ کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کسی کمرے میں بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی اس کے سر پر مسلط ہو گئے۔ اس وقت تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ کون تھے لیکن کراچی پہنچنے اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے مراد کو شناخت کرلیا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی گوپال چند ہی ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں اس سے یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے تھا اور بار بار صحرا کے دفتر کے گرد کیوں دیکھا جا رہا تھا۔

سلطان شاہ کو اس معاملے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ ان دونوں کا تشدد سہہ کر بھی اڑا رہا کہ وہ صحرا کے وجود تک سے ناواقف ہے اور اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کا ایک ٹرانسپورٹر ہے جو کسی سے ادھار کی رقم وصول کرنے کے لیے حیدر آباد آیا ہوا ہے۔ مراد نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اس کا مقروض تھا۔ سلطان شاہ کے پاس اس جھوٹ کو نبھانے کے لیے کوئی نام اور پتا نہیں تھا۔ اس پر مکوں اور تھپڑوں کی برسات شروع ہو گئی۔

اسے حیدر آباد سے میرپور خاص منتقلی کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اس نے یہ ضرور بتایا کہ اگلی بار وہ ایک مختلف کمرے میں تھا جہاں ایک خوش رو اور دراز قامت شخص اس کے مقابل تھا۔ وہ بھی سلطان شاہ سے گھما پھرا کر مختلف سوال کرتا رہا لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کے واپس نہ لوٹنے پر غزالہ ہوٹل سے ہی ہم لوگوں سے رابطہ کرے گی اور ہم اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس خوش فہمی میں وہ آسانی سے دو چار روز گزار سکتا ہے۔

اس کی وہ توقع جلد ہی پوری ہو گئی۔ قید کے دوران میں اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ہر باز پرس کے بعد وہ لوگ اسے کھانے پینے میں کوئی ایسی دوا دے دیتے تھے جس کے زیر اثر وہ طویل بے ہوشی کا شکار ہو جاتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے دشمنوں کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع نہیں مل سکا مگر اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ زیادہ تشدد سے محفوظ رہا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ انہوں نے تمہارے ہاتھ پیر نہیں توڑے۔" سلطان شاہ کی باتیں سن کر ودیرا نے برجستہ کہا "انہوں نے تمہیں بہت احتیاط سے ایک دیوار گیر تجوری میں بند کیا ہوا تھا۔ ہم نے تمہیں وہیں سے برآمد کیا تھا۔"

"تجوری میں!" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "حیرت ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی تجوری بھی ہے۔ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر سے ایسی بے سروسامانی ٹپکتی ہے کہ اس این جی او پر رحم آتا ہے۔"

"وہ ان کا ڈراما ہے ورنہ مراد کو بہت زیادہ مالی وسائل دستیاب ہیں۔" غزالہ نے کہا "آج کل وہ چاہے تو فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ شان دار دفتر بنا سکتا ہے۔"

"اب تو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کا قصہ ہی ختم ہو چکا ہے۔" وہ بولا "وہ تمہارا قیدی ہے۔ مجھے حسرت ہے کہ اس کے پیچھے حیدر آباد جانے کے باوجود میں اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟؟"

"وہ یہیں مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں ہے جہاں مقبول چوہدری نے اکرم الٰہی کو قید کیا ہوا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اب تک اس کے سارے کس بل نکل چکے ہوں گے۔ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ تم سے زیادہ ڈھیٹ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "انہوں نے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا لیکن اس کا حال ابتر ہے۔ کراچی آنے کے بعد اس پر مایوسی غالب آ رہی ہے پھر بھی وہ خاموش ہے۔"

"اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب میں دل کھول کر اس کی خبر لوں گا۔" سلطان شاہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ابھی اس کو بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا "کراچی واپس آنے تک اسے یہ غلط فہمی تھی کہ ہم لوگوں کا تعلق فوج سے ہے۔ وہ حیران ہے کہ ابھی تک کوئی باوردی فوجی اس کے سامنے نہیں آیا۔ تذبذب اور خلش کے باعث وہ جلد ہی بکھر کر رہ جائے گا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ اس وقت وہ زخمی ہے۔ گرم لوہے پر چوٹ پڑتی ہے تو زیادہ اثر کرتی ہے۔"

"یہ سب بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ اب وہ کہیں نہیں جا سکتا۔"

میرپور خاص سے ہم لوگ صبح نو بجے کے بعد ہی کراچی پہنچ گئے تھے۔ دورانِ سفر سلطان شاہ مسلسل بے ہوش رہا

تھا۔ وہ لوگ اسے بے ہوشی کے ایسے لمبے ڈوز دیتے رہے تھے کہ وہ بار بار ہوش میں آ کر انہیں پریشان نہ کرسکے۔

یہ مشورہ اول خان کا تھا کہ مراد ظریف کو اسٹیشن فور کے بجائے مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں رکھا جائے۔ جب سے امریکیوں کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ جب تک وہ کھل کر سامنے نہ آئیں' ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے' اول خان کچھ محتاط ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ جواز تو پیش کرسکتا تھا کہ سلطان شاہ کے اچانک غائب ہو جانے کے باعث اسے اپنی قابل ذکر نفری کے ساتھ حیدر آباد اور پھر میرپور خاص تک جانا پڑ گیا لیکن وہ کراچی میں مامور' سی آئی اے کے چیف' جان اسمتھ کے منظور نظر کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا اندرونی معاملہ تھا۔ اسے اول خان ہی بہتر سمجھتا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان' مراد ظریف کو ہمارے ساتھ مائیکرو سینٹر چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم طویل سفر کی تکان اتارنے کے لیے کمروں میں جا گھسے۔ یہ سلسلہ سلطان شاہ کی بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے پر منقطع ہوا اور تینوں اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔

سلطان شاہ پر اپنی ناکامی کی خفت طاری تھی یا وہ مراد ظریف کے خلاف کچھ زیادہ ہی مشتعل تھا کہ وہ اسی وقت تہ خانے میں جانے پر مصر رہا۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح کچن سنبھالنے کے لیے چل دی۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ تہ خانے کی طرف ہو لیا۔

نیچے جاتے ہوئے ہم پہلی منزل پر اکبر علی کی مزاج پرسی کے لیے رکے۔ اس کا زخم بہتر ہو رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی فکر بھی تھی۔

تہ خانے میں مراد مسہری پر اپنی دونوں ٹانگیں پھیلائے کسی معذور آدمی کی طرح پڑا ہوا تھا۔

''پھر آ گئے؟'' ہمیں دیکھتے ہی اس نے زہریلے لہجے میں کہا ''تم لوگ بہت سفاک ہو......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''ہم ہر شخص سے وہی سلوک کرتے ہیں جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔''

''تم جھوٹے ہو...... میں اب تک تمہیں غلط سمجھ رہا تھا۔ فوج سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''ہم نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ویسے تم نے اتنی باریک بات کیسے سمجھ لی؟'' ویرا نے مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''تم سب سادہ کپڑوں میں تھے۔ یہاں بھی کوئی وردی والا نہیں ہے۔ تم فراڈ ہو۔''

سلطان شاہ نے اس کے بائیں پیر کو جھٹکا دیا اور درد کی لہر سے مراد اچانک چیخ پڑا۔ سلطان شاہ نے کہا ''خدا کا شکر ادا کرو کہ تم وردی والوں کی قید میں نہیں ہو۔ وہ اب تک تمہاری کھال میں بھس بھر وا چکے ہوتے۔''

''میں سب سمجھ رہا ہوں۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا ''تم لوگ کچھ بھی نہیں' پکے حریص اور لٹیرے ہو۔ مقبول چوہدری کو ہٹا کر فریڈم انٹرنیشنل پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اسی لیے میں تمہاری آنکھوں میں کھٹک رہا ہوں۔''

''کیونکہ تم خود بھی یہی خواب دیکھ رہے تھے۔'' میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا ''صحرا کے نام پر فریڈم والوں سے مال لوٹ کر اپنی جیبیں بھرنا چاہ رہے تھے مگر اب تمہارا یہ خواب بکھر کر رہ گیا ہے۔''

''کل تک مقبول چوہدری یہاں' مائیکرو سینٹر میں موجود تھا۔ آج یہاں تمہارا راج ہے۔ یاد رکھنا کہ تمہارا یہ ذلیل منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ میری اور مقبول چوہدری کی پشت پر بہت مضبوط ہاتھ ہے۔ وہ تمہارے حلق سے سب کچھ نکال لے گا۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو؟ تمہیں کس مضبوط ہاتھ پر گھمنڈ ہے؟'' سلطان شاہ نے مسہری کے سرہانے جا کر مراد ظریف کے مجروح اور متورم چہرے پر سختی سے ایک ہاتھ جڑ دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

''مقبول کل یہاں بیٹھا ہوا تھا مگر بتانے والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کوئی قبضہ کر چکا ہے۔ میں اسی لیے اندر نہیں آیا تھا۔ تمہارے لیے فضا میں بارود کی بو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔''

''اس کے ساتھ دھنی رام کی بے یار و مددگار لاش بھی چھوڑ بھاگے تھے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

''لڑائی میں یہ ہوتا رہتا ہے۔ شاید تم نے مقبول چوہدری کو زیر کر لیا ہو مگر میں اس کی طرح آسان چارہ ثابت نہیں ہوں گا۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارا حشر بہت بُرا ہو گا۔ تم موت مانگو گے مگر موت خود تم سے پناہ مانگے گی۔''

اس کے دماغ میں جان اسمتھ کی حمایت کا غرور گھسا ہوا تھا۔ جس کا زائل ہونا ضروری تھا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا ''سنو ایم زی! مجھے معلوم ہے کہ تم کئی باپوں کی اولاد ہو۔ تمہارا پہلا باپ وہ تھا جو شاید تمہارے پیدا ہوتے ہی شرم اور

صدمے سے مر گیا ہوگا۔ دوسرا اکرم الٰہی تھا جس نے تمہیں دولت مندی کی راہ دکھائی، تیسرا مقبول چوہدری تھا جس نے تمہیں گود لیا اور چوتھا وہ گورا ہے جس نے اب تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ تمہاری پوری ہسٹری ہمارے سامنے ہے۔ تمہیں اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہنی چاہیے۔"

میری زبان سے ترتیب وار وہ سب سن کر مراد سکتے کی سی حالت میں رہ گیا پھر اس کے دہانے سے کمزور سی آواز برآمد ہوئی "ایم زی.... ! اس کا مطلب ہے مجھ سے تم نے بات کی تھی۔ تم پہلے مقبول چوہدری کے خاص آدمی بن کر مجھے بہلاتے رہے اور جب میں تمہارے جال میں نہیں آیا تو تم خود آواز بدل کر مقبول چوہدری بن گئے۔ تم مسلسل میرا پیچھا کر رہے ہو...."

"غیر ملکی ٹکڑوں پر پلنے والوں کا پیچھا کرنا ہماری ہابی ہے اور تم تو بالکل آوارہ کتے ہو۔ جانتے بوجھتے ہوئے جان اسمتھ کے پاس گئے تھے کہ تاکہ اس ملک کی بیخ کنی کے لیے اس سے تازہ ہدایات لے سکو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

سلطان شاہ نے پھر بے رحمی سے اس کی ٹانگ ہلائی اور وہ اذیت سے دہرا ہوگیا۔ سلطان شاہ دانت پیستے ہوئے بولا "یہ تمہارے کرتوت ہیں۔ تم باہر کے پیسے پر پلنے والے غدار ہو جس کی سزا موت سے بھی کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔ میں نے باہر سے کوئی رقم نہیں لی۔ فریڈم انٹرنیشنل والے صحرا کی مدد کر رہے تھے۔"

"وہ بھی اسی غلیظ جوہڑ سے سیراب ہو رہے تھے جس میں تم ڈبکیاں لگا رہے ہو۔"

"میں قسم کھا رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر باہر سے کوئی مدد نہیں لی۔" اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"تم اعتراف کر چکے ہو کہ تم بیچ کے آدمی تھے۔" میں نے سفاکی سے کہا "اکرم اور مقبول سے رقم لیتے تھے اور اپنا کمیشن کاٹ کر کرشن کو بڑھا دیتے تھے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تب بھی تم سازشی ہو۔ تمہیں معلوم تھا کہ کرشن اس پیسے سے نیا چھور میں ایک مفت تربیتی کیمپ چلا رہا ہے۔ ہتھیاروں کے استعمال اور دہشت گردی کی تربیت دینے والا وہ کیمپ ملک کے دوستوں کا نہیں ہو سکتا۔"

"وہاں ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی تعلیم دی جاتی ہے، ظلم کرنے کا سبق نہیں دیا جاتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ چمن علی کی تحریروں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" آخر کار میں نے وہ نام بھی لے ڈالا۔ مراد کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی

''گوپال چند تمہارا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟ دھنی رام جیسا قاتل اور ڈاکو تمہارا وفادار کیوں تھا؟ مولا داد کے گھر پر بیٹھے ہوئے پانچ مسلح آدمی کل رات بھر کیا کر رہے تھے؟''
مسہری پر پڑے ہوئے مراد کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں ابھر آئیں ''تم بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پانی میرے سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں غدار اور نمک حرام نہیں ہوں۔ میں دولت کے لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔ زندگی بھر کی محرومیوں نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے۔ میری اس بھول کو معاف کر دو!''
''معافی!'' سلطان شاہ یک بیک بھپر گیا۔ اس نے مراد کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔ تہ خانے کی محدود فضا مراد کی دل دوز چیخوں سے لرز اٹھی۔ اس کا سر خاصی زور سے فرش سے ٹکرایا تھا۔
''میرا بس چلے تو تمہیں اسی طرح گھوڑے کے سم سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جائے۔'' سلطان شاہ نے آخری جھٹکا دے کر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس سے سوکھتے ہوئے زخموں سے دوبارہ تازہ خون جاری ہو گیا۔
''ایسی زندگی سے بہتر ہے کہ تم مجھے گولی ہی مار دو!'' وہ روتے اور کراہتے ہوئے بولا۔
''اتنی آسان موت تمہیں نہیں مل سکتی۔'' سلطان شاہ غرایا ''سب کچھ اگل دو تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔''
''میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔''
''اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری نے تمہیں کیا کام سونپا ہوا تھا؟'' میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔
اس کے چہرے پر اذیت کے آثار عود کر آئے کیونکہ وہی اس کی سب سے کمزور رگ تھی۔
''سوچ کر جواب دو گے تو جھوٹ بولو گے۔'' سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''بس فی البدیہہ بولنا شروع کر دو۔''
''وہ ایک پرائیویٹ یوتھ فورس قائم کرانا چاہتے تھے۔'' وہ تھوک نگل کر بولا۔
''پوری بات بتاؤ!'' ویرا تجسس آمیز لہجے میں گرجی ''کوئی فرضی کہانی سوچنے کی کوشش مت کرو۔''
''میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ اس فورس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں مگر میں جانتا تھا کہ وہ کوئی نیک اور اچھا کام نہیں ہو گا۔ ان کے ذہنوں میں کوئی بڑا منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔'' اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''تم جھوٹے ہو۔ کسی مقصد کو سامنے رکھے بغیر ایسی تربیت کا آغاز کیسے کیا جا سکتا ہے؟''
''میں نے بتایا نا کہ تربیت لینے والوں کو ہر ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور گوریلا کارروائیوں کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔''
''دوسری طرف تم دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں میں دستاویزی فلموں کے ذریعے ظلم اور زیادتیوں کو اجاگر کرتے پھر رہے تھے۔ صحرا کے ذریعے انہیں بتا رہے تھے کہ شہروں میں بسنے والے کس طرح ان کا استحصال کر رہے ہیں۔''
''پھر بھی تم اتنے معصوم ہو کہ ان کا پورا منصوبہ نہیں سمجھ سکے۔'' ویرا نے میری بات آگے بڑھائی۔
''میں سب کچھ سمجھ رہا تھا مگر اس بارے میں ان سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔''
''تم الو کے پٹھے ہو!'' سلطان شاہ نے غرا کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی ''ہمیں الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ ہم ہر قیمت پر تمہاری زبان سے سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''
اس نے دونوں ہاتھوں سے پسلیاں دبا کر کراہتے ہوئے کہا ''صحرا کو میں نے بہت محنت سے قائم کیا تھا۔ وہ میری ذاتی این جی او تھی۔ لوگ ستارا یدھی کو تھیلے بھر بھر کر بے حساب رقمیں دیتے ہیں، مجھے کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکی۔ جب اکرم سے مدد ملی تو اس کے ساتھ کلنک کے داغ لگے ہوئے تھے۔ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے سب کچھ قبول کر لیا۔ کرشن، یوتھ فورس بنانے میں مصروف ہو گیا۔ یوتھ فورس اندرونی علاقوں میں شورش کے لیے قائم کی جا رہی تھی اس کے لیے احتجاج اور بے چینی کی فضا تیار کرنے کا کام میری صحرا کر رہی تھی۔ صحرا کے تنخواہ دار آدمی دور دراز علاقوں میں جا کر تھوڑی سی امداد کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بہت سا زہر انڈیل آتے تھے۔''
''گڈ!'' سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا ''اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔''
''اس کے لیے تم نے ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا؟'' ویرا نے پوچھا۔
''مجبوری تھی۔ برے کاموں کے لیے برے لوگوں سے ہی ابتدا کرنی پڑتی ہے۔ بعد میں دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔''
''اچھے لوگوں کو تم اپنی راہ سے ہٹاتے رہتے؟'' سلطان

شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"بلاوجہ میں نے کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی کیونکہ میں نے خود وقت کی بہت مار کھائی ہوئی ہے۔"

"غلام رسول کو کس نے مارا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا

"میں جی آر بھمرو کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے وجہ کے بغیر کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی۔" اس نے اپنی پچھلی بات دہراتے ہوئے کہا "اور اپنا راستہ کاٹنے والے کو معاف نہیں کیا۔ میرا موبائل فون نمبر گنے چنے دوستوں کے پاس تھا۔ جب اس پر تم میں سے کسی نے مقبول چوہدری کا پیغام دیا تو میں نے چھان بین شروع کر دی کہ میرا نمبر باہر کیسے نکلا۔ مجھے پتا چل گیا کہ جی آر میرے بارے میں چھان بین کرتا پھر رہا ہے۔ وہ انفارمر تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔"

اس نے خاموش ہو کر فرشی قالین پر اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی پھر اپنی بات جاری رکھی "میں ٹرک میں بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ بغاوت، قتل اور غداری جیسے جرائم کی سزا جانتا ہوں مگر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے میرے سامنے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی پینتیس سالہ زندگی میں کئی کئی وقت فاقوں سے کاٹے ہیں۔ میں اس زندگی سے اکتا گیا تھا۔ برسوں میں نے دو کے سوا تیسرے جوڑے کی صورت نہیں دیکھی، پورے حیدر آباد کی خاک پیدل چھانی ہے، رکشے اور ٹیکسی کا سفر میرے لیے ایک خواب تھا کیونکہ میری جیبیں ہمیشہ خالی ہوتی تھیں۔ اکرم کی پیشکش پر میں نے آنکھیں بند کر کے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ آج میری جیبیں بھری ہوئی ہیں اور میں پجیرو کا مالک ہوں۔"

"اور تمہارا ضمیر تمہیں کبھی ملامت نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ یکایک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا "سائیں! تم کس ضمیر کی بات کرتے ہو۔ پیٹ چار دن تک خالی رہے تو سب سے پہلے بھوکے کا ضمیر مر جاتا ہے، وہ خود نہیں مرتا..... ڈھیٹ بن کر زندہ رہتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح زندہ رہنا سیکھا ہے۔"

"اور ابھی مزید زندہ رہنا چاہتے ہو!" ویرا نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ اور میں اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔ اپنا سب کچھ دے دوں گا۔"

"خالی ہاتھ زندہ رہ کر تم کیا کرو گے۔ پھر وہی دو جوڑے، شہر کی خاک اور کئی کئی دنوں کی بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"زندگی رہی تو پھر کوئی موقع مل جائے گا۔ اب میں نے زندگی کے دونوں روپ دیکھ اور پرکھ لیے ہیں۔"

"اپنی زندگی کی یہ قیمت تم کسے ادا کرنا چاہتے ہو؟" ویرا نے تمسخر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم کو!" اس بار اس نے بلا تردد جواب دیا "میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں، تمہارا قیدی ہوں۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تم فوجی نہیں ہو۔ میں آزادی کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم تمہاری طرح دولت کے بھوکے یا ضرورت مند نہیں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مقبول چوہدری کی این جی او پر قبضہ کر کے مالا مال ہو چکے ہو لیکن دنیا میں دولت ایسی شے ہے جس کی طلب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پرائی دولت تھوڑی ہو تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنا مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے، ہمیشہ کم لگتا ہے۔ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی سودا کر لو۔"

قدر و قیمت

پبلک لائبریری میں میاں بیوی بیٹھے الگ الگ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ بیوی اپنی کتاب لیے اٹھ کر لائبریرین کے پاس پہنچی اور بولی "میں اس کتاب میں سے یہ آرٹیکل فوٹو اسٹیٹ کرا کے تھوڑی دیر میں واپس لا رہی ہوں۔"

"اس کے لیے آپ ضمانت کے طور پر اپنا شناختی کارڈ یا پانچ سو روپے رکھوا جائیں۔" لائبریرین نے کہا۔

"اس کیا کیا ضرورت ہے... وہ سامنے میرے شوہر بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں۔" خاتون نے اشارے سے بتایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" لائبریرین نے شائستگی سے کہا "لیکن ہم چاہتے ہیں کتاب باہر لے کر جانے والا ہی فرد کوئی ایسی چیز چھوڑ کر جائے جس کے لیے وہ لازماً واپس آئے۔ یہ لائبریری کا اصول ہے۔"

اس نے ہم تینوں کے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے اور ویرا کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

”دنیا میں ہر ایک دولت کے لیے نہیں جیتا۔“ ویرا نے میری اور سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”کچھ لوگ ان جیسے بھی ہیں جو دولت کو ہر وقت جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اور پھر بھی سدا خوش رہتے ہیں۔“

بات کسی اور رخ پر نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے مراد سے کہا ”یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ زیادہ ہندو کیوں ہیں؟“

”ہندوؤں سے زیادہ مسلمان ساتھ ہیں۔ بس اتفاق ہے کہ وہ تم کو زیادہ نظر آتے ہیں۔“

”کرشن کمار اور گوپال کے علاوہ دھنی رام بھی تم سے بہت قریب تھا۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”پاکستان میں ایک سے ایک محب وطن ہندو رہتا ہے مگر ان میں خوبی یہ ہے کہ وہ اس بارے میں کبھی جذباتی نہیں ہوتے۔ ہر بات بہت صبر اور سکون سے سنتے ہیں اس لیے ان سے بات کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب وہ پوری بات سن لیتے ہیں تو ذرا آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں۔ گوپال چند سے میں اپنے دل کی ہر بات کر لیتا ہوں مگر چمن علی سے نہیں کر سکتا۔“

”حالانکہ دونوں امریکا کے پڑھے ہوئے اور آزاد خیال ہیں۔“ ویرا نے پھر ٹانگ اڑا دی۔

”تمہیں جو منصوبہ دیا گیا تھا اس کا ٹارگٹ اور ٹائم شیڈول کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔“ اس نے اپنی پسلیاں سہلاتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

”جان اسمتھ بھی تمہیں عمر بھر مفت وظیفہ نہیں دے سکتا۔ ہر منصوبے کا کوئی وقت اور ہدف ہوتا ہے‘ کارکردگی کا معیار ہوتا ہے۔ تمہاری ان سب تیاریوں کے بعد وہ کب تک اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

”ہمارے ٹارگٹ کا انحصار کرشن پر ہے۔ وہ نیا چھور کے جنگلوں میں چھوٹا سا کیمپ چلا رہا ہے۔ ابھی تک ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہوئے ہیں۔ جس دن ہماری یوتھ فورس کے تین ہزار آدمی تیار ہوں گے‘ سب کو پتا چل جائے گا یوتھ فورس میدان میں آچکی ہے۔“

”ہتھیار اٹھا کر میدان میں اتر آنے کو بغاوت کہا جاتا ہے۔ کیا تم اسی کی تیاریاں کر رہے ہو؟“

”تم اسے جو نام چاہو‘ دے لو۔ جان اسمتھ لوگوں کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف منظم کرنا چاہتا ہے۔“

”جان اسمتھ دوسرے ملک اور براعظم کا باشندہ ہے۔ اسے یہاں کے مظلوموں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ کیا اسے امریکا کے مظلوم اور پسے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے جو کڑکتے ہوئے جاڑوں کی سرد راتیں گتے کے ڈبوں میں بند ہو کر گزارتے ہیں اور طوفانی بارشوں سے بچنے کے لیے عظیم الشان فلائی اوورز کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔“ اس بار ویرا نے بہت مناسب مثالیں دیں۔

”وہ مجبوراً میدان میں آیا ہے۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری یہی کام کر رہے تھے۔“

”کیا یہ موٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان دونوں کا اپنا پیسہ بھی نہیں تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے سرمائے پر پل رہے تھے اور اسی میں سے تم کو تمہارا حصہ دے رہے تھے۔“

”اس وقت بہت سی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔ یہ میں وہ سب بتا رہا ہوں جو پہلے میں سمجھتا تھا۔ اس وقت میں نے جان بوجھ کر کسی بات کی گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ شاید مجھے معلوم تھا کہ ہر گہرائی میں گند ہی گند ملے گا۔“

”تم بیچ میں سے نکل گئے تو کرشن کبھی بھی یوتھ فورس کا منصوبہ مکمل نہیں کر سکے گا.....“

مراد نے میری بات کاٹ دی اور فضا میں ہاتھ اٹھا کر کہا ”تم تینوں نے باتیں کر کے مجھے تھکا دیا ہے‘ میرے دماغ کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ تم مجھ سے اعتراف در اعتراف کرائے جا رہے ہو‘ میری بات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔“

”تمہیں اپنی بات کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہمیں تمہاری پیشکش پر مشورہ کرنا پڑے گا۔ بس کرشن کے بارے میں ہمارے چند سوالوں کے جواب اور دے دو پھر تمہیں آرام کا وقفہ مل جائے گا۔“

”مجھے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے۔“ اس کی آواز میں مایوسی در آئی ”مگر میں پھر بھی تمہاری زبان سے تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے تم اپنی خواہش پوری کر لو۔ کرشن میرے ساتھ مل کر تیزی سے کام کر رہا تھا‘ میرے بغیر اس کی رفتار سست ہو جائے گی مگر وہ کام کرتا رہے گا کیونکہ یہ اس کا مشن بھی ہے۔“

”کیا وہ جان اسمتھ کو جانتا ہے؟“ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا ”یہ اس کا مشن کیسے ہو گیا؟“

”جان اسے پہچاننے سے بھی انکار کر دے گا۔ وہ لوگ روٹین سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتے۔ کرشن بھارتی ایجنٹ

ہے۔ اسے یہاں لائن مل گئی ہے۔ رقم اور ہتھیاروں کے لالچ میں لڑکے اس کی طرف جارہے ہیں۔ وہ اپنے فنڈز سے کام کرتا رہے گا۔"

مراد کے انکشاف پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور پوچھا "تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟"

"نہ جانتا ہوتا تو شاید اکرم الٰہی کی دی ہوئی ذمے داریوں کو آسانی سے قبول نہ کرتا۔"

میں خاموشی سے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے احتجاج کرنا شروع کردیا "تم وعدہ خلافی کررہے ہو۔ مجھے اپنا فیصلہ سناؤ اور پنجے سے اٹھا کر مسہری پر لٹاؤ۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں از خود اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

اس کا دوسرا مطالبہ جائز تھا۔ سلطان شاہ نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے اذیت سے چیخنا شروع کردیا۔ جھٹکے سے اسے نیچے کھینچ لینے کی بات اور تھی لیکن احتیاط سے اسے ہلانا جلانا بھی دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے اسے دوبارہ فرشی قالین پر ڈال دیا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا الگ ہوگیا۔

"تم نے اپنی جو رام کہانی سنائی ہے اس پر خود غور کرلینا۔" میں نے نکاس کے راستے پر رک کر اس سے کہا "تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ تمہارے لیے ہم کیا فیصلہ کرسکتے ہیں۔"

"مجھے سب اندازہ ہے۔ میں تمہارا ارادہ جاننا چاہتا ہوں...." وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہم تینوں ہی وہاں سے نکل گئے۔

"یہ میری توقع سے زیادہ بے ضمیر آدمی ثابت ہوا ہے۔" لفٹ میں سلطان شاہ نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ ایسے لوگوں کی رسی زیادہ دراز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جلد ہی مکافاتِ عمل سے دوچار ہوجاتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا "یہ بھی اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ جب چاہو اس کا کام تمام کرسکتے ہو۔"

"تم نے ایک فیصلہ کرلیا ہے تو پھر اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ ابھی اس کا قصہ ختم کردیا ہوتا۔" ویرا بولی۔

"اول خان ہمارا مخلص ساتھی ہے۔ اس کے مشورے کے بغیر میں ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

اتنی دیر میں لفٹ دوسری منزل پر پہنچ کر رک چکی تھی۔ ہم تینوں نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

○☆○

شام ہوئی اور ویرا نے محدود پیمانے پر اپنے شغل کا آغاز

مکرر

کامل اپنے بچوں کے لیے ہانگ کانگ کا بنا ہوا ایک کھلونا طوطا لائے۔ اس کے سامنے جو کچھ بولا جاتا تھا' وہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے اسے دہراتا تھا۔ ابھی بچے آزمائشی طور پر ہی اس کے سامنے دوچار جملے بول کر اسے بولتے سن رہے تھے کہ وہ میز سے گر پڑا۔ بظاہر تو وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا لیکن اس نے پھڑپھڑانے بند کردیے۔ کامل کی بیوی نے اسے دوبارہ ڈبے میں پیک کرتے ہوئے کہا "آپ یہ دکان دار کو واپس کر آئیں۔ اس سے کہیے گا کہ اس نے خراب پیس دیا ہے۔ اسے یہ مت بتائیے گا کہ یہ میز سے گر گیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے ڈبے میں سے آواز آنے لگی "میز سے گر گیا تھا.... میز سے گر گیا تھا۔"

کردیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے سارا سازو سامان میز پر سجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیبنٹ میں سے ایک گلاس لے کر خاموشی سے کرسی پر آبیٹھی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ مے نوشی کی عادت پختہ ہو اور آدمی کی قوت ارادی ذرا بھی کمزور ہو تو خون میں الکحل کی سطح گرتے ہی جسم اور ذہن کا ایک ایک حصہ اسے ساغرو مینا کے تعاقب پر اکسانے لگتا ہے اور ویرا اسی کمزوری میں مبتلا تھی۔ اسے حیرت تھی کہ میں مے نوشی ترک کرنے کا فیصلہ کرکے اس پر کیسے قائم تھا۔

"مائیکرو سینٹر میں قیام میں جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ مقبول نے یہاں شراب کا وافر ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے جو تمہیں ہر وقت پینے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔" میں نے ویرا کے چہرے پر نظریں جما کر سنجیدگی سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں یہاں سے جو سربند بوتلیں اپنے ساتھ حیدرآباد لے گئی تھی' وہ اسی حالت میں واپس آئی ہیں۔ ذخیرہ ہونے یا نہ ہونے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"وہاں ہم جن حالات سے گزر رہے تھے ان میں تم بوتل کو ہاتھ لگانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ ہم سب کے

اعصاب پر سلطان شاہ کی واپسی کا مسئلہ چھایا ہوا تھا۔ تم بھی اس سے محفوظ نہیں تھیں۔"

"سلطان شاہ کے بارے میں' میں اب بھی فکر مند ہوں۔" وہ بولی "اس نے اپنے اوپر ہونے والے تشدد کو چھپایا ہے۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تو تم نے بھی نوٹ کی ہوگی۔"

"اس کی چوٹیں اس سے زیادہ ہیں جو نظر آرہی ہیں۔" میں نے اس کی تائید کی "تم ہی اس کی مزاج پرسی اور دیکھ بھال کرسکتی ہو۔ وہ مجھے یا غزالہ کو کچھ بھی نہیں بتائے گا' خاموشی سے تکلیف برداشت کرتا رہے گا۔"

"میں ایک کوشش کرچکی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا "مشکل یہ ہے کہ وہ میری نیت پر شبہ کرتا ہے۔ وہی کیا' اب تو تم بھی ہر وقت مجھ سے دور بھاگنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہو۔"

ہماری وہ گفتگو جاری تھی کہ اول خان آپہنچا۔ وہ خاصا بشاش نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ حامد نہ صرف میرپور خاص سے لوٹ آیا تھا بلکہ اپنے ساتھ کرشن کمار کی کچھ تصاویر بھی لے آیا تھا جن کی مدد سے اسے گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

"مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھیوں کا سراغ نہیں ملا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"وہ سب خوف زدہ ہو کر روپوش ہوچکے ہیں۔ حسن اور گلو کی موت نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔"

"خوف و ہراس کیوں ہے؟ ہمارا تو اندازہ تھا کہ لوگ ان سے خوش نہیں تھے۔"

"لوگ کسی سے کتنے ہی ناخوش بلکہ خوف زدہ کیوں نہ ہوں' اس کی موت پر خوش نہیں ہوتے۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ کن لوگوں نے ان جیسے شورہ پشتوں کو اتنی آسانی اور خاموشی سے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"پولیس نے اس واقعے کو کس انداز میں ریکارڈ پر لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں مراد اور کرشن کمار کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ حامد کے مطالبے کے باوجود پولیس نے ان دونوں کے قتل کا سہرا اپنے سر لینے سے انکار کردیا۔ وہ واقعہ نامعلوم افراد کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے وہ لوگ بھی اپنی زبانیں بند رکھیں گے جنہوں نے ہمیں جائے واردات سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ کہیں کہیں مجرم قانون کے محافظوں کے لیے بھی ہوا بن جاتے ہیں۔"

"لیکن اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔ حامد کو سیدھا سا جواب ملا کہ جب پولیس والوں نے سرے سے کوئی کارروائی نہیں کی تو انہیں اس قصے میں کیوں ملوث کیا جائے۔ وہ لاجواب ہوگیا۔" اول خان نے بتایا۔

"یہی غنیمت ہے کہ انہوں نے حامد کی بات سن لی۔" ویرا نے ہنس کر کہا "وہ تفتیش کے لیے اسے روکنے کا اختیار رکھتے تھے۔"

"کوئی قانونی موشگافیوں پر اتر آئے تو بے شمار مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ دراصل کسی بھی صورتِ حال کا انحصار تھانے دار کے مزاج اور حوصلے پر ہوتا ہے۔ حامد وہاں سے ناخوش لوٹا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ ہم اپنے بندوبست کے ساتھ وہاں گئے تھے۔ آڑے وقت میں وہاں کسی مدد کی ضرورت پیش جاتی تو ہمیں تارے نظر آسکتے تھے۔" ویرا نے کہا "بہرحال اب تو اس معاملے کو داخل دفتر ہی سمجھنا چاہیے۔ مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کے تمام ساتھی زیر زمین جاچکے ہیں۔ حسن اور گلو کے لیے کوئی بھی پیروی کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم شاید اسی وقت اسی بات کا جشن منا رہی ہو!" اول خان اس کے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ مائیکرو سینٹر کی خرابی ہے۔" ویرا سے پہلے میں نے جواب دیا "ابھی تک ہم یہاں مراد کے بنگلے میں رکے ہوئے تھے کہ وہ نجانے کب فریڈم انٹرنیشنل کے فون پر مقبول چوہدری سے رابطہ قائم کربیٹھے۔ اب وہ کھیل ختم ہوچکا ہے۔ صبح ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"گھر کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ چاہو تو اسی وقت گلشن اقبال چلے جاؤ مگر جانے سے پہلے مجھے اپنے ساتھ مراد سے ملوا دو۔ وہ کس حال میں ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔" اول خان نے بے تکلفانہ خوش دلی سے کہا۔

"بُرے حال میں اور مایوس ہے۔ اس کی ساری تیزی و طراری کافور ہوچکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اس نے شروع سے آخر تک سارے اعترافات کرلیے ہیں جن میں کرشن کا بھارتی ایجنٹ ہونا بھی شامل ہے۔"

میں اسے مراد کے بارے میں بتاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حامد کے جگر خراش تشدد کے بعد مراد نے مزید کسی محنت کے بغیر سب کچھ اگل دیا تھا۔ اس کے بیان کی روشنی میں صحرا کے رہے سہے اثرات کو ختم کیا جاسکتا تھا۔

ہم دونوں لفٹ کے ذریعے تہ خانے میں پہنچے تو دل کو شدید دھچکا لگا۔ وہاں ایک عبرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ تہ خانے کا پورا قالین خون کے لوتھڑوں میں چھپا ہوا تھا اور اس خونی تالاب کے وسط میں مراد کی بے نور لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہلدی کی طرح زرد چہرے پر اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحوں کی ایسی دردناک اذیت ثبت ہو کر رہ گئی تھی کہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

اس زیر زمین کمرے کا ایک بڑا آئینہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا ایک تیز دھار ٹکڑا خون کے لوتھڑوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ مراد نے وہ آئینہ توڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے اپنی بائیں کلائی اور گردن کی کئی رگیں کاٹ لی تھیں جن سے اس کے جسم کا سارا خون بہہ کر قالین پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اپنی خودکشی کے لیے بہت سست اور اذیت ناک طریقہ اختیار کیا تھا۔

”خس کم جہاں پاک!“ اول خان دھیرے سے بڑبڑایا ”اس نے خود اپنے لیے سزا کا انتخاب کرلیا۔ ہم اسے ایسی سزا دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس کے سینے میں ایک دو گولیاں اتار دیتے۔“

”اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کی ہر آس ٹوٹ چکی ہے۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ”مگر میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مراد اتنی خاموشی سے اپنی جان لے لے گا۔“

”وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا ورنہ اس بے سرو سامان تہ خانے میں بھی اسے آسان تر خودکشی کا کوئی ذریعہ مل سکتا تھا۔ یہ انسان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں جو اس کو کسی بہتر یا بدتر انجام کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں اور پھر اسے قبر میں پہنچا دیتے ہیں۔

”چند دنوں میں جہنمی روحوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا ”اور وہ سب ہی مراد ظریف کی شناسا تھیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری، دھنی رام، حسن اور گلو، سب اسی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔“

وہ ایک حقیقت تھی جسے دہراتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ کوئی ایک شخص غلط راستے پر چل رہا ہو تو وہ اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو لے ڈوبتا ہے۔ اول خان نے جھک کر اس کے زرد بلکہ تاریک چہرے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے اپنی جگہ منجمد ہوگئے تھے۔ اس کے خون کے جمے ہوئے لوتھڑوں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے خودکشی کیے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لاش کے سارے عضلات سرد ہو چکے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ نیچے رکی ہوئی لفٹ کی طرف چل دیے۔

کسی کے لیے بھی مراد کی موت کی خبر متوقع نہیں تھی مگر اس کے لیے ان تینوں کے جذبات نفرت آمیز تھے۔ سلطان شاہ اس کے ہاتھوں مار کھا چکا تھا۔ ویرا اور غزالہ سلطان شاہ کی وجہ سے اس سے متنفر تھیں۔ وہ تینوں ہی مراد کی لاش دیکھنے کے لیے چل دیے۔ ویرا جاتے ہوئے اپنا اسکاچ کا گلاس بھی ساتھ لیتی چلی گئی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنا پڑے گا۔ مراد کی ڈراؤنی لاش کے ساتھ مائیکرو سینٹر میں رات بسر کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسی وقت اپنے گھر روانہ ہو جائیں۔“ میں نے کہا ”ویرا پینے کے بعد بے سدھ ہو کر سو جائے گی مگر غزالہ رات بھر چونکتی رہے گی۔ اس کا دل بہت گداز ہے۔ وہ دشمن کے لیے بھی ایسا انجام نہیں سوچ سکتی۔“

”بالکل چلے جاؤ۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر یہ بتا دوں کہ اس کی لاش رات بھر یہاں نہیں پڑی رہے گی۔ لاش کو اسی وقت مردہ خانے بھیج کر تہ خانہ صاف نہ کروایا گیا تو وہاں خون کی بو رچ جائے گی۔“

مراد کی خودکشی کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ ہم ان تینوں کی واپسی تک اسی کے بارے میں بات کرتے رہے۔ جائے واردات کا منظر دیکھ کر ان کی طبیعتیں بھی مکدر ہوگئی تھیں مگر وہ موضوع زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی نے سب کو خاموش کردیا۔ میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف انٹیلی جنس بیورو والا جلال بول رہا تھا۔

”تم کہاں غائب ہو؟ میں تین مرتبہ تمہارے گھر فون کرچکا ہوں۔ گھنٹیاں بج رہی ہیں مگر کوئی جواب نہیں مل رہا۔“ میری آواز سنتے ہی جلال نے اپنائیت بھرے لہجے میں شکوہ کیا ”اب گھر آیا ہوں تو نوٹ بک سے نمبر لے کر موبائل پر کوشش کی ہے۔“

”میں شاید تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ دو راتوں سے ہم اپنے گھر پر نہیں ہیں....“

”کیوں؟ خیریت تو ہے؟ کیا وہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟“ اس نے میری بات کاٹ کر ایک سانس میں تین سوال کر ڈالے۔

میں ہنس پڑا ”کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس ذرا مراد ظریف

والے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"میں خود بھی اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی جان اسمتھ سے ملاقات ریکارڈ پر ہے۔ اب ہر شخص اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میرے پاس صرف اتنی اطلاع ہے کہ وہ حیدر آباد میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے کئی رابطے بھی نظروں میں آچکے ہیں مگر مراد کے سامنے آنے سے پہلے ان کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"وہ کل رات سے ہمارے قبضے میں تھا اور اب سے تھوڑی دیر پہلے اپنی دو شہ رگیں کاٹ کر خودکشی کر چکا ہے۔"

"خودکشی کر چکا ہے؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا "جلدی سے تفصیلات سنا ڈالو۔"

میں نے چمن علی کے ذریعے مراد کے ٹھکانے کی نشاندہی سے اس کی خودکشی تک کے واقعات کا خلاصہ اسے سنا ڈالا۔

"تم بہت تیزی سے کام کر رہے ہو۔ یہ بات ذرا ناقابلِ یقین سی ہے کہ تم سے ٹکرانے والا ہر شخص کسی نہ کسی طرح موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مراد ظریف نے خودکشی کی ہے۔"

"تمہارے آدمی صبح سرکاری مردہ خانے میں اس کی لاش دیکھ سکتے ہیں۔ چاہو تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی بھیجی جاسکتی ہے۔"

"اوہ۔ شاید تم بُرا مان گئے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی جلدی اس کا قصہ ختم ہوگیا۔"

"مجھے تو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ میں اس سے ملنے گیا تو وہ خودکشی کر چکا تھا۔"

"ہاں۔ تو کیا تمہیں اس سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا؟"

"پوچھ گچھ ہو چکی تھی۔ اس سے وہ دل برداشتہ تھا۔ میں اول خان کو اس سے ملوانے کے لیے لے گیا تو وہ مر چکا تھا۔"

"وہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے لیے کیا کام کر رہا تھا؟" جلال کی آواز سے بے صبری عیاں تھی۔

"مسلح شورش کی تیاری۔ اس میں تین ہزار تربیت یافتہ دہشت گردوں کی تیاری بھی شامل ہے۔"

وہ مراد ظریف کی کہانی کا دوسرا حصہ تھا۔ جلال کے لیے وہ حصہ بہت اہم تھا۔ میں نے اس سازش کے بارے میں حاصل ہونے والی تمام معلومات تسلسل کے ساتھ دہرانی شروع کر دیں۔

"وہ تین ہزار کی نفری کے ساتھ ریاست سے ٹکرا جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی تربیت کا معیار بھی بہت اونچا ہوگا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ ہماری سرحد کے قریب ایسے ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہو چکے ہیں۔" پوری بات سن کر وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ایسی تربیت مکمل کرنے والے آخری سگنل کے انتظار میں خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے گزارے بلکہ عیاشیوں کے لیے کچھ نہ کچھ غیر قانونی کام کرتے رہیں گے۔ میں امن و امان کے سنگین مسائل کو سر ابھارتا دیکھ رہا ہوں۔"

"تربیت کے بعد ان دہشت گرد لڑکوں کو کہاں رکھا جاتا ہے؟" جلال کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری تھی۔

"یہ معلوم ہوتا تو میں اس وقت وہیں ہوتا۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہوگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں بہت سے شہروں میں پھیلے ہوئے ہو سکتے ہیں۔"

"یہ ڈیڑھ سو تو وقت کے ساتھ خود بہ خود ختم ہو جائیں گے۔" جلال کی پُر امید آواز ابھری "مراد کی خودکشی کے بعد تربیت کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ ہم بھی ان علاقوں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھیں گے۔"

"مراد کی موت کے بعد بہت سے سلسلے دم توڑ جائیں گے مگر دہشت گردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ یہ کام ایک خطرناک آدمی نے سنبھالا ہوا ہے اور وہ بھارتی ایجنٹ ہے۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہا۔

"بھارتی ایجنٹ!" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ان الفاظ نے اسے چونکا دیا تھا "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس وقت ہر بات اس کے اعترافات یا حقائق کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ اس نے خود بتایا تھا کہ کرشن کمار نامی ایک بھارتی ایجنٹ یوتھ فورس بنانے کا کام کر رہا ہے۔"

"اور اس کا مرکز نیا چھور میں ہے؟" جلال کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"تربیتی مرکز نیا چھور میں ہے لیکن کرشن کمار کا ایک مکان میرپور خاص میں بھی ہے۔ وہ خود وہاں نہیں رہتا۔ وہ لمہ مراد اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں رہتا تھا۔" میں نے کہا "وہ خود کھوکھراپار میں رہتا ہے۔"

"یہ سب ہمارے اپنے علاقے ہیں۔ ہم چند روز میں انہیں چھان ڈالیں گے۔"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ورنہ مراد کے لگائے ہوئے زخم رفتہ رفتہ ناسور بن جائیں گے۔"

"کرشن کمار کا نام میں نے ذہن نشین کر لیا ہے۔ وہ زیادہ

دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔"
"بس یہ خیال رکھنا کہ وہ پیشہ ور آدمی ہے۔ اس نے مراد جیسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کر کے اپنا ایک نیٹ ورک بنایا ہوا ہے۔ اسے خطرے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سرحد پار نکل جائے گا۔"
"وہ بھارتی ایجنٹ ہے تو سرحد پار کرتا رہتا ہوگا۔ اسے صرف مکّاری سے ہی پکڑا جا سکتا ہے۔"
"کل سے رہ رہ کر میرے ذہن میں خیال آرہا ہے کہ جارحیت ہی بہترین دفاع کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے گھر کو بچانے کے ساتھ دشمن کے گھر کو پھونکنے کی کوششیں بھی کرنی چاہئیں۔"
"اگر تم سرحد پار جا کر کام کرنے کا ارادہ کر رہے ہو تو میں تمہیں بہت سی سہولتیں دلا سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی پیش کش کر ڈالی "ہمارے بعض بہترین آدمی پہلے سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا "میں اتنا عجلت پسند نہیں ہوں۔ ابھی میں نے سوچنا شروع کیا ہے۔ کوئی فیصلہ کر لیا تو تمہیں ضرور آگاہ کروں گا۔ اس وقت میرے سامنے کچھ اور کام بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"
"اگر مناسب سمجھو تو ان کاموں کے بارے میں بھی کچھ بتاتے چلو!"
"فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے چار افراد کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کیا تھا۔ ابھی ان میں سے دو باقی ہیں۔ کوئی اور کام کرنے سے پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں مراد کے کاموں میں کہاں تک ملوث تھے اور اب کیا کر رہے ہیں۔"
"باقی دو کا انجام کیا ہوا؟" جلال کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔
"چمن علی اور گوپال چند کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ایک شریف آدمی ہے۔ گوشہ نشین ہو جائے گا۔ دوسرے کی ٹانگیں چھلنی کی جا چکی ہیں۔ وہ شاید زندگی بھر اپنی معذوری پر کڑھتا رہے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"میں ہمیشہ کی طرح تمہاری اور اول خان کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ تم دونوں مل کر دن رات اس قوم کی جو خدمت کر رہے ہو، اس پر ہم سب کے سر فخر سے بلند ہیں۔" جلال کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا۔
جلال سے میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اب تم دو چار دن آرام بھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ سپرمین بننے کی کوشش میں لمبے ہی پڑ جاؤ۔ ان دونوں سے چند روز بعد بھی نمٹا جا سکتا ہے۔"
"فکر مت کرو۔ تمہارے چہرے سے سوجن کے خاتمے تک میں آرام ہی کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو اول خان نے مجھے ان دونوں کے پتے بھی فراہم نہیں کیے ہیں۔"
"چمن علی سے ملاقات کے بعد مجھے وقت ہی نہیں مل سکا مگر میں نے وہ پرچا اپنے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ اب تک وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہوگا۔ میں ابھی فون پر اس سے معلوم کیے لیتا ہوں۔"
"اتنی پھرتی نہ دکھاؤ۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "پتے ملتے ہی ڈینی کے پیروں پر سفر سوار ہو جائے گا۔ ان چاروں میں سے صرف چمن علی ہی کراچی میں رہتا ہے۔ باقی تینوں فون نمبر کراچی سے باہر کے تھے۔ ہمیں ایک دو راتیں اپنے گھر میں بھی گزارنے دو۔"
میری یاددہانی پر اول خان کا تجسّس بیدار ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا، یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ کون تھے، ان کا پس منظر کیا تھا اور ان دنوں وہ کیا کر رہے تھے۔
اول خان نے فوراً ہی اسٹیشن فور میں کسی سے بات کی اور کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد اس کی تحیر زدہ آوازوں نے سب کی توجہ مبذول کرالی۔ وہ نواب شاہ کے بارے میں اپنے آدمی سے بار بار حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔
چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کیا اور ہمیں بتایا کہ ان دونوں میں سے ایک نام نواب شاہ کے اسی وڈیرے کے لڑکے کا تھا جس کے گھر میں دھنی رام نے ڈکیتی کی واردات کی تھی اور اس دوران میں گھر کے کئی افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ دھنی رام کے ڈاکے میں مرنے والوں میں وہ لڑکا بھی شامل تھا جس کا نام اکرم الٰہی کی بتائی ہوئی فائل میں موجود تھا۔
وہ چونکا دینے والی اطلاع تھی اس لیے اول خان نے پہلے اسی کا ذکر کیا اور سب اس بارے میں بحث میں الجھ گئے۔
یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خطوط میں اس رئیس زادے کو مراد کا طاقت ور حریف اور حامی قرار دیا گیا تھا جب کہ اس کو قتل کرنے والا مراد کا دستِ راست تھا۔
"ہو سکتا ہے کہ ناموں کی یہ مشابہت اتفاقیہ ہو۔ وہ دونوں الگ الگ شخصیات ہوں۔" ویرا نے کہا۔

''تم تیسرا گلاس خالی کرنے والی ہو' اس لیے تمہیں سات خون معاف ہیں۔'' سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا ''نام یکساں ہو سکتے ہیں۔ فون نمبر ایک نہیں ہو سکتے۔ یہاں معاملہ فون نمبر سے شروع ہوا تھا۔ مغالطے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''لیکن دھنی رام کو اپنے آقا کے ایک حامی کو ٹھکانے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''وہ قصہ قدرے پرانا ہے۔'' اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''ضروری نہیں کہ فورڈ فاؤنڈیشن یا سی آئی اے والوں کا ہر تجزیہ درست ہو۔ اس نے مراد کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیا ہو...''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مراد نے اس کے انکار کا بدلا لینے کے لیے دھنی رام کو اس پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک کر تحیرزدہ لہجے میں کہا ''دھنی رام نے وہاں ڈاکا ڈالا۔ خون ریزی کی اور اس گھرانے کو انکار کا مزہ چکھا کر فرار ہوگیا؟''

''واقعات سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ چمن علی نے بھی بتایا تھا کہ مراد بات بات پر دھمکی آمیز رویہ اختیار کرلیتا تھا۔'' میں نے ان دونوں کی تائید کی ''اس سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔''

''ایک آدمی کو سزا دینے کے لیے اس کے گھرانے کے سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا کھلی بربریت ہے۔'' غزالہ پھریری لے کر بولی ''کوئی صحیح الدماغ آدمی یوں بلا وجہ خون کی ہولی نہیں کھیل سکتا۔''

''مراد اور دھنی رام کے لیے سب کچھ ممکن تھا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دھنی رام کو اپنے اصل شکار تک پہنچنے کے لیے چھ خون کرنے پڑے ہوں۔ تب وہ ساتویں کو گرانے میں کامیاب ہوا ہو یا پھر اس نے سامنے آنے والی پوری بھیڑ کو ہی اندھا دھند گولیاں چلا کر بھون ڈالا ہو۔''

''کوئی واقعہ دوسرے واقعے سے الگ نہیں ہوتا۔'' سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا ''سب کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ یوں جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ کسی ایک کڑی کو بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دھنی رام اپنی اسی واردات کے بعد مفرور قرار دیا گیا تھا اور وہی اس کی شناخت بن گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ وہ ہم سے پہلے مقابلے میں ہی مارا گیا تھا۔''

''اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں تو گناہ گار اور بے گناہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتیں۔ یہ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ ظالم اور سفاک درندے ہمیشہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ہم بارہا گولیوں کی برسات سے بچے ہیں۔ دھنی رام بھاگتے ہوئے اول خان کی گولیوں کی زد میں آکر مارا گیا۔ مراد کا تازہ ترین انجام تمہارے سامنے ہے۔''

''چلو' مان لیا کہ تم سب ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی ''اب کتنی دیر تک ان کے نوحے پڑھتے رہو گے؟ فہرست کے تیسرے آدمی کا انجام سامنے آگیا۔ اب چوتھے کے بارے میں بھی کچھ بتادو۔''

''چوتھا قادر خان ہے۔'' اول خان نے کہا ''فائل میں اس کے آبائی گھر کا نمبر ہے جو ٹنڈو باگو میں واقع ہے لیکن وہ کراچی میں رہتا ہے اور تیل کی ایک بڑی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ اس کے کراچی کے نمبر پر ابھی تک رابطہ نہیں کیا گیا۔''

''یہ اچھی خبر ہے کہ وہ کراچی میں رہتا ہے۔'' ویرا نے خوشی کا اظہار کیا ''ورنہ میرپور خاص کے بعد ٹنڈو باگو کی طرف دوڑ لگانی پڑتی۔''

''اس کا نمبر مجھے دے دو۔ اس سے ابھی رابطہ ہو جائے تو بہتر رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں۔'' سلطان شاہ نے احتجاج کیا ''یہ طے ہو چکا ہے کہ دو دنوں تک صرف آرام کیا جائے گا۔''

''یہ طے کرتے ہوئے تم بھول گئے تھے کہ مراد کی گمشدگی اور پھر خودکشی کی خبر پھیلنے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''یہ وقت نکل گیا تو قادر خان اپنا دامن بچانے کے لیے ہر بات سے منکر ہو جائے گا۔''

''تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور اس کے لیے ایسے نکتے لاتے ہو کہ خاموش ہونا پڑتا ہے۔''

''یہ من مانی کی بات نہیں ہے۔ ذیشی درست کہہ رہا ہے۔ مراد کی خودکشی کی خبر کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جا سکے گا۔ گوپال چند سے مولا داد تک سب کو علم ہے کہ مراد کسی مشکل سے دوچار ہو چکا ہے۔'' اول خان نے میرا ساتھ دیا۔

''ہونے والا کام جتنی جلدی کرلیا جائے' اچھا ہوتا ہے۔'' غزالہ نے بھی اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈال دیا۔

اول خان نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ قادر خان کے نام کے سامنے جمشید روڈ کے کسی مکان کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور کہا ''یہ تو تمہارا پڑوسی ہے۔ تم نے یہ اہم بات نہیں بتائی۔''

''اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم جمشید روڈ کا نام دیکھ کر چونکو گے مگر یہ پتا میرے لیے نامانوس ہے۔"

"ابھی کا کوئی پروگرام نہ بنالینا۔" میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" ویرا نے ہانک لگائی۔

اس وقت تک میں ان چاروں میں چمن علی اور گوپال سے ملا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے' اس کے بارے میں اتنے حسّاس تھے کہ چمن علی جیسے شریف آدمی نے بھی دھمکیوں کے بغیر اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ گوپال سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ قادر خان بھی آسانی سے راہِ راست پر نہیں آئے گا۔

اس نشیب و فراز پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے قادر خان کا فون نمبر ملالیا۔

اُدھر سے دوسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بھاری اور تحکم آمیز ہیلو کے جواب میں' میں نے قادر خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بولنے والے کا لب و لہجہ واضح ہو گیا "تم کون بول رہے ہو؟" وہ خاصا درشت مزاج معلوم ہو رہا تھا۔

"میں ابرار بول رہا ہوں۔ مجھے ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"کون ابرار؟" دوسری طرف سے خشک اور تیز آواز میں سوال کیا گیا۔

"تم انہیں بلا دو۔ میں ان کو بتادوں گا۔" میں نے اپنے لہجے کی نرمی کو برقرار رکھا۔

"میں قادر خان بول رہا ہوں۔" تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا پورا نام بتانا ضروری سمجھا "میں کسی ابرار کو نہیں جانتا۔ اب بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔" میں نے براہِ راست کہہ دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں اپنے فائدے نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو میرا نمبر کس نے دیا۔"

"تم مراد ظریف کو ضرور جانتے ہو گے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"پتا نہیں' تم کیا بکے جا رہے ہو۔" اس بار بہت مختصر سے وقفے کے بعد جواب دیا گیا "دوسروں کے بجائے اپنی بات کرو۔"

اس کے تیوروں کا اندازہ لگا کر میں نے فوراً ہی اپنی بات کا رخ بدل دیا اور کہا "میں میرپور خاص سے یہاں آیا ہوں۔ مراد کو کچھ لوگوں نے پکڑلیا ہے۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ یہ خبر تم کو پہنچادی جائے۔"

"یہ خبر تم فون پر بھی دے سکتے تھے۔ وہاں سے کراچی آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ آپس کی باتیں دشمن بھی سن سکتے ہیں۔"

"پھر اب فون پر یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ کیا اس وقت سب مرے ہوئے ہیں۔" وہ کسی بات سے مرعوب نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے مجبور کیا ہے تو بتا رہا ہوں کہ میں زبانی بتانا چاہ رہا تھا۔ میرپور خاص میں بھی آفت آئی ہوئی ہے۔"

"تم نے اپنا وقت برباد کیا ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا چل چکا ہے کہ مراد کو حیدرآباد سے اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چہیتوں میں سے ایک تھا۔ اسے وہ خبر گوپال سے ہی مل سکتی تھی۔ میں نے کہا "وہ اسے گوپال چند کے گھر سے لے گئے تھے۔ گوپال بھی گولیوں سے زخمی ہوا ہے۔"

"اسے لے جانے والوں نے اسے فون بھی کرنے دیا...؟" پہلی بار اس کی آواز میں حیرت کی آویزش محسوس ہوئی "کیا انہوں نے اس کے لیے کوئی تاوان مانگا ہے؟"

"ایک قیدی اور پچاس لاکھ روپے نقد۔" قیدی کا ذکر یوں ضروری تھا کہ اسے وہ خبر کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ پچاس لاکھ کی رقم میں نے اپنی طرف سے بڑھادی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ مراد کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

"مراد نے کہا تھا کہ یہ خبر مجھے پہنچادو؟" مزید کوئی بات کرنے سے پہلے اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔ یہ اسی کا حکم تھا۔ اس کے بعد سب یتیم ہو چکے ہیں۔ میرپور خاص میں دو آدمی مارے گئے ہیں۔ اب ہماری آس امید تم ہی سے ہے۔ تم نے منہ پھیرلیا تو پتا نہیں کیا قیامت..."

اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "فون پر زیادہ بک بک مت کرو۔ گھر آجاؤ۔ میں خود تاوان کی رقم لے کر چلوں گا۔ اسے چھڑانے کے لیے ایک بار یہ رقم دینی ہوگی۔ بعد میں وہ ہاتھ جوڑ کر دگنی رقم واپس کریں گے۔"

اپنی بات پوری کرکے اس نے فون بند کردیا۔ میں نے اسپیکر فون کا بٹن آف کردیا۔ لائن منقطع ہو گئی۔

ویرا نے اچانک ہی کھانسنا شروع کردیا۔ گلا صاف

ہونے کے بعد وہ بولی ”کبھی کبھی اسپیکر فون عذاب بن جاتا ہے۔ کھانسی روکے روکے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ تمہاری باتیں ذرا سی دیر اور جاری رہتیں تو میرے لیے کھانسی روکنا مشکل ہو جاتا۔“

”تم اٹھ کر دبے قدموں کہیں اور بھی جاسکتی تھیں۔“ سلطان شاہ نے کہا ”مگر تمہاری عقل پر تو شراب طاری ہے۔“

”چلی جاتی تو پوری بات نہیں سن سکتی تھی۔“ ویرا نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم نے اس سے سب کچھ طے کرلیا۔ اب تاوان کیسے دلواؤ گے اور قیدی کہاں سے لاؤ گے؟“ اول خان نے پوچھا۔

”وہ سب فرضی باتیں تھیں۔ ان سے قادر خان بے نقاب ہو گیا ہے۔ اس نے مراد کے لیے پچاس لاکھ جیسی خطیر رقم کی ادائیگی پر اپنی آمادگی ظاہر کر کے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ وہ مراد کے کاموں میں پوری طرح شریک ہے۔“

”تم کیا کرو گے؟ کیا اسے بھی مراد کے پیچھے روانہ کرنے کا ارادہ ہے؟“ سلطان شاہ نے سوال کیا۔

”ضروری نہیں کہ اسے مار دیا جائے۔“ اس جیسے مغرور، متکبر اور باحیثیت لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی سزائیں بھی سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ اسے کوئی سبق ضرور دیا جائے گا۔“ میں نے ایمانداری سے اپنی رائے پیش کردی۔

”مراد اپنے انجام سے دوچار ہو چکا ہے۔ قادر کا پیچھا کر کے تم کیا حاصل کرو گے؟“

”یہ محفوظ رہا تو اپنے آقاؤں کے اشارے پر پھر کسی سازش میں شریک ہو جائے گا۔ مناسب سزا مل گئی تو وہ آئندہ کوئی غلط بات سوچتے ہوئے بھی گھبرائے گا۔“

قادر سے جو گفتگو ہوئی وہ اسی وقت کے لیے تھی۔ بعد میں اس تک رسائی بہت مشکل نظر آرہی تھی۔ اول خان کی رائے بھی یہی تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تھا تو اس کے لیے وہی وقت مناسب تھا۔ بعد میں کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک بار اسے یہ اندازہ ہو جاتا کہ کسی نے ابرار کے نام سے فراڈ کیا تھا تو وہ مزید محتاط ہو جاتا اور اس کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہ رہتا۔

اس وقت تک حیدر آباد سے ہماری وہ گاڑی واپس نہیں پہنچی تھی جو سلطان شاہ کے اغوا کے وقت چھینی گئی تھی اور چند گھنٹوں پہلے ایک ویران میدان میں لاوارث کھڑی ہوئی مل گئی تھی۔ ہم نے اس مہم کے لیے بھی اول خان کی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان نے روانگی سے پہلے اپنے آدمیوں کو فون پر مراد کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں اور تیار ہو گیا۔

ویرا اور غزالہ کو گھر پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر علی اور دلیر خان کی موجودگی میں ان دونوں کو مائیکرو سینٹر میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔ ہلکی پھلکی تیاریوں کے ساتھ ہم تینوں افراد قادر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ پتا تلاش کرنے کے لیے ہمیں زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک نیم تاریک اور سنسان سڑک کا پتا تھا۔ قادر کا مکان سڑک کے آخری سرے پر واقع تھا۔ اس سے آگے کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے وہاں کا چکر لگا کر اندازہ لگایا کہ اس گھر کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت انہیں آسانی سے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

دوسرے چکر میں اول خان نے اپنی گاڑی قادر کے مکان سے کچھ فاصلے پر روک کر مجھے اتار دیا۔ میری جیب میں ڈارٹ گن اور ایک ریوالور موجود تھا۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اس عمارت سے واپس لوٹ آنا تھا۔ میری آمد میں تاخیر کی صورت میں وہ دونوں بھی میدان میں آجاتے اور پھر حالات کے مطابق فیصلہ کر کے اس مہم کو انجام تک پہنچا دیتے۔

میں تنہا گھر میں جارہا تھا اس لیے میری سلامتی کا دارومدار میری حاضر دماغی اور پھرتی پر تھا۔ وہ دونوں میری اس رائے سے متفق تھے کہ قادر کو میری کہانی پر یقین آچکا تھا اور گھر میں داخل ہونے پر میری جان کو کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے قادر کے مکان کے پھاٹک پر گھنٹی بجائی اور چوکیدار نے فوراً ہی ایک پٹ قدرے وا کر دیا۔ میرا نام سنتے ہی اس نے مجھے اندر بلایا اور دروازہ بولٹ کر کے عمارت کے داخلی دروازے کی طرف ہولیا۔ میں خاموشی سے اس کی تقلید کرتا رہا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر چوکیدار نے انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود گیٹ کی طرف لوٹ گیا۔

مکان میں چھائی ہوئی خاموشی اس قدر مکمل تھی کہ ذرا سی دیر میں مجھے وحشت سی ہونے لگی پھر کسی اندرونی حصے سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور صوفے میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد قمیص اور پتلون میں ملبوس گندمی رنگ کا ایک صحت مند مگر ترش رو نوجوان میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور پیشانی پر چند پیدائشی شکنیں

نظر آ رہی تھیں۔

میں اسے دیکھتے ہی مودب ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی زحمت کیے بغیر مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا ”ہوں.... اب بتاؤ کہ وہ قیدی کیا کیا معاملہ تھا۔“ اس نے بیٹھتے ہی سوال کیا جیسے اس نے میری گفتگو کا وہ اہم ترین نکتہ پہلے سے اپنے دماغ کے کسی خانے میں محفوظ کیا ہوا ہو۔

وہ مجھے اپنے اور گوپال کے رابطے کے بارے میں فون پر بتا چکا تھا۔ میں نے حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کے قریب سے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر اس کی میرپور خاص منتقلی کا واقعہ من وعن سنا دیا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں گوپال سے یہ سب سن چکا ہوں۔ ساری گڑبڑ اسی قیدی سے شروع ہوئی۔ اسے نہ پکڑا جاتا تو شاید مراد بھی اغوا نہ ہوتا۔ مگر یہ بتاؤ کہ حیدر آباد میں ہونے والے اس قصے کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟ اغوا کرنے والوں نے مراد کو اتنی دیر تک بات کرنے کی اجازت دی ہوگی‘ نہ اسے یہ سب بتانے کا ہوش ہوگا۔“ بولتے بولتے وہ درمیان میں چونکا تھا۔

مجھ سے پہلی غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اسے اپنے اعتماد میں لینے کے چکر میں‘ میں نے اس واقعے کو کچھ زیادہ ہی تفصیل سے دہرا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا ”وہ قیدی میرپور خاص میں ہی ہے۔ اسے وہاں مار لگائی گئی تھی۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ بے قصور تھا۔ اسے صحرا کے دفتر کے پاس سے گزرنے کے جرم میں بلاوجہ پکڑ لیا گیا تھا۔“

”قیدی اور تاوان کی رقم کس کو دو گے؟“ اس نے ساہوکارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ”یہ سب مولا داد کو معلوم ہوگا۔ مجھے حکم ملا تھا کہ تم کو پیغام پہنچا دوں۔ میں تو اتنی بڑی رقم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”میرپور خاص میں کیا آفت آئی ہے؟ وہاں کون کون مرا ہے؟“ اس نے پھر پوچھا۔

وہ کرید کرید کر سوال کرتا رہا۔ میں سنبھل کر جواب دیتا رہا۔ آخر اس نے مطمئن ہو کر کہا ”تم یہیں لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح بینک کھلے گا تو رقم لے کر میرپور خاص چلیں گے۔ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو ملازم آئے گا‘ اس کو بتا دینا۔“

وہ اٹھ گیا‘ میں بھی اٹھا۔ اس مرتبہ اس کی نظر میری جیب پر جم گئی۔ ”تمہاری جیب اتنی بھاری کیوں ہے؟“

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے جیب سے

ریوالور نکال کر اسے دکھایا۔ "میرا ہتھیار ہے۔ اسے ہوٹل میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے آیا۔ چھوٹے ہوٹلوں میں ہتھیار اور رقم کی چوری ضرور ہوتی ہے۔"

"لاؤ' یہ مجھے دے دو۔ صبح واپس مل جائے گا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں ہوٹل سے صبح سویرے یہاں آجاؤں گا۔ وہاں میرا تھیلا پڑا ہوا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس وقت ریوالور کا دستہ میری گرفت میں تھا اور اس کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

اس وقت تک ہر بات بالکل صحیح تھی۔ میرے جواب پر قادر کے ذہن میں نہ جانے کس وسوسے نے سر ابھارا کہ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر' میری توقع کے خلاف اچانک میری طرف جست لگا دی۔ اس کا ہاتھ میرے ریوالور پر پڑا۔ ریوالور کے ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ خود بخود بڑھتا گیا۔ وہ مجھ سے ریوالور چھیننے کی پوری سی کوشش بھی نہ کر پایا تھا کہ پُر شور دھماکے سے گولی چل گئی۔

وہ ایک ناگہانی حادثہ تھا۔ گولی اس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی۔ وہ چیخ مار کر منہ کے بل نیچے آرہا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں کہ گولی اس کی پشت میں بڑا سا شگاف ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور زخم سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

گھر کے اندرونی حصوں سے کئی ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخیں ابھریں۔ باہر چوکیدار نے للکارتے ہوئے' پے در پے دو ہوائی فائر کر ڈالے۔ میں اچانک ایک ہولناک مشکل سے دوچار ہو گیا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' پوری قوت سے ڈرائنگ روم سے باہر دوڑ لگا دی۔

مجھے دیکھ کر چوکیدار لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے ایک ہوائی فائر کر ڈالا۔ چوکیدار کھلے میدان میں تھا جو پورچ کا ڈرائیو وے تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ جب کہ میرے اور پھاٹک کے درمیان مسلح چوکیدار حائل تھا۔ میں نے اپنا رخ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف کر لیا۔

چوکیدار نے میرا ارادہ بھانپ کر پھر دو گولیاں چلائیں لیکن بدحواسی کی وجہ سے وہ نشانہ نہیں لے سکا۔ وہ خود متحرک تھا اور میں بھی زاویے بدل کر بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ عمارت میں سے ابھرنے والی چیخ و پکار کی آوازیں باہر آچکی تھیں لیکن ان میں سے شاید کسی کے پاس ہتھیار نہیں

تھا۔ میں دیوار تک پہنچا ہی تھا کہ چوکیدار نے پھر دو فائر کیے۔ اس نے تیسرا فائر بھی کرنا چاہا لیکن فضا میں صرف گھوڑے کی کھٹاک گونج کر رہ گئی۔ چھ مرتبہ آگ اگلنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہو چکا تھا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ دیوار سے ہوتا ہوا باہر کودا تو اول خان گاڑی وہاں لا چکا تھا۔ فائرنگ کے پُرہول دھماکوں سے اس نے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا تھا۔ سلطان شاہ نے میرے لیے عقبی دروازہ کھولا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا اندر کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی؟" گاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ سڑک پر لے آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اس کے مقدر میں موت لکھ دی گئی تھی جو آکر رہی۔ میرا آخر تک فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

پوری روداد سن کر اول خان نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اچھا ہوا کہ تمہارے ارادے کے بغیر گولی چل گئی اور تم وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تم پر غالب آجاتا تو مشکل کھڑی ہو جاتی۔"

"یہ عجیب واقعہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہونا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے جرائم سنگین رہے ہوں۔ قدرت نے اسے تمہارے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا دیا۔" سلطان شاہ نے کہا۔ وہ اس واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہو رہا تھا۔

قادر خان کے جرائم کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں تھا لیکن وہ جس آسانی اور فکرمندی کے ساتھ مراد کی رہائی کے لیے تاوان کی خطیر رقم کا بندوبست کرنے پر آمادہ ہوا تھا' اس سے مراد کی سازشوں میں اس کا بھرپور کردار پوری طرح سامنے آگیا تھا اور میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا کہ میری گولی سے کوئی بے گناہ مارا گیا ہو۔

ہماری واپسی پر ویرا اور غزالہ حیران رہ گئیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ ہم قادر خان سے نمٹ کر اتنی جلدی واپس لوٹ آئیں گے۔ غزالہ رات کے کھانے کی تیاری کر چکی تھی اور ویرا اپنے شغل سے بظاہر سیر ہو چکی تھی۔ ہم نے ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھ کر ان دونوں کو نئے واقعے سے آگاہ کیا۔ ایک مرتبہ پھر تبصروں کا مختصر سا دور چلا اور پھر ہم نے مائیکرو سینٹر سے روانگی کی تیاری کر لی۔

اس دوران میں انٹرکام پر اطلاع ملی کہ مراد کی لاش کی

مستقل اور خون آلود تہ خانے کی صفائی کے لیے اول خان کی نفری مائیکرو سینٹر پہنچ چکی تھی۔

○☆○

فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم عہدوں پر قابض سی آئی اے کے ایجنٹوں نے دو پاکستانی این جی اوز کے ذریعے جو سازش تیار کی تھی، اس کا تانا بانا بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ اس منصوبے کے بیشتر شرکا کو ان کے حصے کی عبرت ناک سزائیں مل چکی تھیں۔ بس ایک کردار آزاد تھا اور میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔

اول خان ہمیں مائیکرو سینٹر سے گھر پہنچا کر واپس جا چکا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ کارڈز وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھا۔ کرشن کمار سے قطع نظر، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے خلاف ہمارا کام پورا ہو چکا تھا۔ قادر خان کا رہا سہا قصہ بھی تیزی سے نمٹ گیا تھا۔ اس سے آگے بے کاری نظر آ رہی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گیارہ بجے گھر کے فون پر جلال کی کال آ گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے وہ دوسری کال بلاوجہ نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر خود ہی کرشن کمار کے موضوع پر آ گیا۔

"مجھے وہ نام سنتے ہی جھٹکا سا لگا تھا مگر میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" وہ کہہ رہا تھا، "کرشن کمار کا نام ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔ وہ بہت سی مذموم سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے باوجود کبھی ہماری باضابطہ گرفت میں نہیں آ سکا۔"

"ایسے مجرموں کے خلاف ضابطے رکاوٹ بن جاتے ہیں کیونکہ وہ دامن بچا کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"اسی لیے تمہاری کامیابیوں کی رفتار تیز بلکہ قابلِ رشک ہوتی ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "تم لوگ ضابطوں سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق ہر فیصلہ کر گزرتے ہو۔"

"کرشن کمار کے بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھارتی فوج میں کمانڈو رہ چکا ہے۔ وہاں سے اس کی خدمات سیکرٹ سروس کو دے دی گئیں۔ وہ پچھلے پانچ سالوں سے تھر اور راجستھان کے علاقوں میں دیکھا جا تا رہا ہے۔"

"راجستھان کے بارے میں تم کو کیسے علم ہوا؟" میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

طریقۂ مرمت

شاہد کے نئے جوتے میں کتے نے دانت گاڑ دیے۔ جوتا مہنگا تھا۔ شاہد نے سوچا، مرمت کرا لیا جائے۔ اس نے جوتا موچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے ٹھیک کر دو.... اس پر کتے نے دانت مار دیے ہیں۔"

موچی نے جوتے کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر نفی میں سرہلاتے ہوئے بولا "اس کی مرمت تو نہیں ہو سکتی... بہتر ہے کہ آپ دوسرا جوتا بھی کتے کو چبانے کے لیے دے دیں۔ دونوں جوتے ایک جیسے ہو جائیں گے۔ لوگ سمجھیں گے نیا ڈیزائن ہے۔"

"طویل، بے ترتیب اور دشوار گزار سرحد کے چپے چپے کی نگرانی ان کے لیے ممکن ہے نہ ہمارے لیے آسان ہے۔ تخریب کار اور اسمگلر سرحد کے ایسے حصوں کو بے خوفی سے استعمال کرتے ہیں، جس طرح کرشن یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ ہمارے آدمی بھی ضرورت کے تحت خاموشی سے سرحد پار کرتے رہتے ہیں اور اُدھر کی خبریں جمع کر کے لوٹ آتے ہیں۔"

"وہ بھارتی شہری ہے۔ غیر قانونی طور پر یہاں آتا ہے اور دیکھ لیا جاتا ہے تو پھر وہ اب تک آزاد کیوں ہے؟"

"وہ ایک جگہ نہیں ٹکتا۔ چھلاوے کی طرح اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرپور خاص میں اس کا گھر موجود ہے۔ مگر وہ شاذونادر ہی وہاں دیکھا جاتا ہے۔"

"کوشش کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ہاتھ آ سکتا ہے۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

"یہ ممکن ہے لیکن اس پر آج تک زیادہ دھیان نہیں دیا گیا۔ دونوں فریق اپنی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ ہم اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔ وہ اپنے کسی شہر میں ہمارے ایک دو آدمیوں کو پکڑ لیں گے۔ یہ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ایسا سلسلہ ہے جسے مخصوص حدود میں نظر انداز کرنا دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔"

"اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ نیا چھور میں اس کی سرگرمیاں ان مخصوص حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہوں گی۔

اس کی سرکوبی اب ناگزیر ہو چکی ہے۔''

''میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ بہت سے حکام نیا چھور کے کیمپ سے ابھی تک بے خبر ہیں۔ تمہارے ذرائع سے یہ خبر نہ ملی ہوتی تو یہ سلسلہ خاموشی سے یوں ہی چلتا رہتا۔ مراد کے یکایک ہٹ جانے سے ان کی سرگرمیوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان پر کاری ضرب لگا رہے ہیں۔''

''پھر کرشن کمار بھی ہاتھ آ جانا چاہیے۔'' میں نے توقع ظاہر کی۔

''وہ بہت چالاک اور مکّار ہے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو کر موناباؤ کی طرف نکل چکا ہے لیکن اب نیا چھور میں وہ لوگ پھٹک بھی نہیں سکیں گے۔ اس علاقے میں مسلح دستوں کی پیٹرولنگ میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔''

''اسے یہ خبریں مل جائیں گی اور وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔''

''اسے اس کی سرزمین پر ہی کچلا جائے گا۔ وہ ادھر ہاتھ پیر پھیلا سکتا ہے تو ہمارے آدمی بھی وہاں کام کر سکتے ہیں۔ بے خبری کی بات اور ہوتی ہے مگر ہم بے بس نہیں ہیں۔''

جلال کے آخری فقرے میرے لیے دلی اطمینان کا سبب بنے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود وہ بے بسی کے احساس کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بلند تھا۔ میں نے کہا ''تم ہمارے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ امید ہے کہ ہمیں جلد ہی وہاں سے کوئی خوش خبری ملے گی۔''

''شام کو تم نے جارحیت کے ذریعے دفاع کی بات کی تھی۔ اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟''

میں ہنس دیا ''دل میں ایسے ولولہ انگیز خیالات اکثر سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ابھی اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے بڑے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر اور کسی خاص مقصد کے تحت کیے جاتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے مسئلے میں...''

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی اور اسے بتایا کہ بظاہر پیچیدہ محسوس ہونے والا وہ مسئلہ بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ نمٹ گیا تھا۔

''مراد نے اپنے ایک اشارے پر سات آدمی مروا دیے۔'' اس موضوع پر باتوں کے درمیان اس نے کہا ''کرشن کمار، اس سے زیادہ خطرناک مجرم ہے۔ اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز تھر کی صحرائی آبادیوں تک محدود ہے۔ وہ شہروں سے دور بھاگتا ہے۔ صحرا میں بسنے والے سادہ لوح لوگ اسے صحرا کا شیر اور اپنا مسیحا سمجھتے ہیں۔ مراد کو تم نے زیر کیا، اسے ہمارے آدمی ٹھکانے لگائیں گے اور اس کا قائم کیا ہوا سحر ٹوٹ جائے گا۔''

جلال اچانک ہی دوبارہ کرشن کمار کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ اس کی وہ باتیں کچھ بے ربط تھیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کرشن کمار کے بارے میں اس نے اپنے ریکارڈ میں جو کچھ پڑھا تھا، اس کی بنا پر وہ جلال کے ذہن پر مسلط ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا ''گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ کرشن کو یہ مقولہ یاد ہے، اپنی کھال بچانے کے لیے وہ شہروں سے دور رہتا ہے۔''

''دور ہی نہیں بلکہ بہت دور رہتا ہے۔ میرپور خاص سے پتا چلا کہ وہ وہاں بہت کم آتا ہے۔ زیادہ تر کھوکھراپار ہی رہتا ہے اور اب تو وہ سرحد ہی پار کر چکا ہے۔ اس کے گھر سے دو لاشیں ملنے کے بعد میرپور خاص میں اس کی ہوا خیزی ہوئی ہے۔ اس کے واپس لوٹنے یا مارے جانے سے پہلے اس کو علاقے میں یوں بے نقاب کر دیا جائے گا کہ وہ سب کی ہمدردیاں کھو دے گا۔''

''ہر مجرم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جلد یا بدیر، وہ بے نقاب ہو کر رہتا ہے۔''

وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ باتوں کی بھول بھلیوں میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا اور میں حفظِ مراتب کی وجہ سے اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے، کھل کر کہہ ڈالے۔ آخر کار اس کی وہ گفتگو یوں ہی تشنہ سی رہ گئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ اس بار اس نے کرشن کمار کے کردار کی تصویر کشی کے سوا کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔

رات گئے اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ڈرائیور ہماری گاڑی پہنچا گیا۔ حیدر آباد میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد گاڑی چھوڑ دی گئی تھی۔ اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر اسے کراچی منگوا لیا تھا۔

وہ رات ہم نے اپنی چھت کے سائے میں گہری نیند سو کر گزاری۔ خاص طور پر میرے ذہن میں کوئی پریشانی یا آئندہ کی فکر سوار نہیں تھی۔ صبح میں اپنے معمول کے مطابق ان تینوں سے پہلے بیدار ہو گیا۔ غزالہ بستر کے ایک گوشے میں موم کے کسی نازک اور معصوم پیکر کی طرح سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے یوں ہی اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں

مگر اس کی نیند خراب ہونے کے خیال سے میں نے اپنے دل پر جبر کیا اور سر جھٹک کر خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔
باہر اخبارات آ چکے تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر لیٹے ہوئے اخبارات اٹھا لیے۔
قادر خان کے قتل کی خبر ہر اخبار کے پہلے صفحے پر موجود تھی۔ ہر اخبار کا مضمون الگ تھا لیکن خلاصہ ایک ہی تھا کہ میرپور خاص سے آنے والا ابرار نامی شخص قادر خان کو اس کے ڈرائنگ روم میں ہلاک کر کے فرار ہو گیا۔
شاید قادر خان نے مجھ سے فون پر بات کرنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو بتا دیا تھا کہ ابرار نامی ایک شخص اس سے ملاقات کے لیے پہنچنے والا تھا۔ گھر والوں نے وہی بات پولیس اور اخبار والوں کے سامنے دہرا دی تھی۔ کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ ابرار اور قادر کی ملاقات کا پس منظر کیا تھا اور ڈرائنگ روم میں وہ کن حالات میں موت سے دوچار ہوا تھا۔

وہ ایک معزز اور باحیثیت گھرانے کا چشم و چراغ تھا اس لیے خبر کو بھرپور اہمیت دی گئی تھی۔ ٹنڈو باگو جو قادر خان کا آبائی گاؤں تھا، تھر کے علاقے میں بدین سے کچھ آگے واقع تھا۔ اس وقت تک مجھے خود علم نہیں تھا کہ وہ گاؤں کہاں واقع تھا۔ اخبارات میں قادر خان کے گاؤں کا محل وقوع پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود بھی تھری تھا اور اسی وجہ سے مراد سے زیادہ قریب تھا کیونکہ مراد اور کرشن کمار کی ساری گرمیوں کا محور اور مرکز تھرپارکر کا وسیع علاقہ ہی تھا۔
قادر خان کے قتل کو جتنی اہمیت دی گئی تھی، مراد ظریف کی خودکشی کو اسی قدر نظرانداز کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر تک نہیں چھپی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان نے کسی مصلحت کی بنا پر اس خبر کو سختی سے دبا دیا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل والوں کے خلاف کارروائی کے چند ہی روز بعد صحرا کے سربراہ کی خودکشی کی خبر لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جنم دے سکتی تھی کہ سرکاری ادارے کھل کر این جی اوز کے خلاف میدان میں آ گئے تھے۔

بوب رافیل کے زیر دام آنے تک امریکیوں نے پاکستان میں این جی اوز کی آزادیوں کو کچلنے اور ان کا کردار مسخ کرنے کے بارے میں ایک سوچا سمجھا احتجاجی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سے رائے عامہ کے کسی نہ کسی حصے کا متاثر ہونا فطری امر تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور مراد ظریف جیسے نام نہاد، سماجی اور

اصل مقصد

امیرالدین کے اٹھارہ سالہ لڑکے نے امریکی فیشن کی تقلید میں "پنک" بننے کے لیے سر پر دائیں بائیں استرا پھروالیا۔ بیچ میں بالوں کی ایک پٹی سی رہنے دی اور اس میں جیل لگوا کر ان بالوں کو باڑھ کی طرح کھڑا کر لیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ان کا رنگ بھی نیلا کروا لیا۔

باپ نے دیکھا تو بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا اور اس خیال سے بُرا بھلا نہیں کہا کہ بیٹا زیادہ سرکش نہ ہو جائے۔ اس نے صرف اتنا تبصرہ کیا "تم کچھ مختلف سے لگ رہے ہو۔"

دوسرے دن کالج میں لڑکے کے دوستوں نے پوچھا "تمہارے ڈیڈی نے تمہارا ہیئر اسٹائل دیکھ کر کیا کہا؟"
"کچھ نہیں.... وہ بالکل پرسکون رہے۔" لڑکے نے بتایا۔
"پھر تو تم نے خوامخواہ ہی اتنا تردد کیا۔" ایک دوست مایوسی سے بولا۔

معاشرتی رہنماؤں کے انجام سے بے خبر رہنا بہتر تھا۔
میرپور خاص میں حسن اور گلو کے قتل اور حیدرآباد میں گوپال چند کے بری طرح زخمی ہونے کی خبریں اخباروں کے اندرونی صفحات میں جگہ پا سکی تھیں۔ میرپور خاص پولیس کے موقف کے مطابق دوہرے قتل کو نامعلوم قاتلوں کے سر ڈالا گیا تھا۔ مرنے والوں کے جسموں سے خالی ڈارٹس نکال لی گئی تھیں جس کی وجہ سے پولیس کا کام مشکل ہو گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ زہرخورانی کی وارداتیں معلوم ہوئی تھیں جن پر تفتیش کا دائرہ پھیلا کر اس مکان کے مالک کی تلاش شروع کر دی گئی تھی۔
گوپال چند جب گولیوں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہوا تو گہرے نشے میں تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یاد نہیں تھا کہ اس کی پنڈلیاں زخمی ہونے سے پہلے وہاں کیا ہو تا رہا تھا۔ اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے بازار حسن سے بلائی ہوئی طوائفوں کا ذکر گول کر دیا تھا اس لیے کسی کو کہانی کا وہ حصہ

معلوم نہیں ہوسکا تھا جو وہ دونوں عورتیں جانتی تھیں۔

میں نے گھر میں آنے والے سب اخبار غور سے دیکھ ڈالے لیکن کہیں ایسی کوئی خبر نظر نہیں آسکی جو میرے لیے پریشان کن ثابت ہوتی۔ حد یہ تھی کہ جان اسمتھ اندر کی کہانیوں سے بڑی حد تک واقف تھا اور اسی نے مراد ظریف کو مائیکرو سینٹر سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی مگر امریکیوں نے بوب رافیل کی گلو خلاصی کے بدلے کیے ہوئے وعدے کے عین مطابق فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کی مظلومیت کے حق میں کوئی پریس ریلیز جاری نہیں کیا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ پاکستان میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے ایک بدمعاش سفارت کار کی رہائی کے لیے صبح سویرے واشنگٹن میں ایوان صدر کے فون کھڑکانے پڑگئے تھے اور پھر امریکی صدر کی یقین دہانیوں پر وہ معاملہ رفع دفع ہوسکا تھا۔

وہ لوگ ان یقین دہانیوں سے انحراف کرکے این جی اوز کے بارے میں لب کشائی کرتے تو دوبارہ محاذ آرائی کی فضا پیدا ہوسکتی تھی جس سے امریکیوں کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

امریکی خاموش تھے، بھارتی کمانڈو خوف زدہ ہوکر سرحد پار بھاگ چکا تھا۔ بیشتر بڑے مجرموں کا صفایا ہوچکا تھا اور راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ میں اخبارات ایک طرف اچھال کر سیدھا اپنے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں طویل غسل لے کر باتھ روم سے نکلا تو گھر میں بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی۔ غزالہ کا بستر خالی تھا اور ڈرائنگ روم سے ٹیلی وژن کی آواز آرہی تھی۔ میں قمیص کے بٹن لگاتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

"اخبار پڑھنے کا شوق ہے تو کم از کم صفحات کو یک جا تو رہنے دیا کرو۔" ویرا مجھے دیکھتے ہی منہ بنا کے بولی۔ وہ وہاں بیٹھی بکھرے ہوئے صفحات کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

"جس چھت کے نیچے دو جوان جہان عورتیں موجود ہوں وہاں رہنے والے مردوں کو ایسے کام زیب نہیں دیتے۔" میں نے چٹکی بجا کر شوخی سے کہا "ہر وقت اینڈ اینڈ کر تم نے اپنے وزن میں خاصا اضافہ کرلیا ہے۔"

"تم کون سا مجھے اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہو جو تمہیں میرا وزن بڑھنے کی فکر ہے۔" اس نے میرے چہرے پر تیکھی نظریں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا "مجھ پر ذرا سوچ سمجھ کر تنقید کیا کرو۔"

"اگر تم اسی طرح کام چوری اور کاہلی کی طرف مائل رہیں تو کچھ ہی دنوں میں بھونڈی ہوجاؤ گی۔" میں نے جواب دیا "تم نے اب کچن میں غزالہ کا ہاتھ بٹانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ بیوی پر ترس آرہا ہے۔" ویرا تیزی سے بولی "یہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا کتنا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ پتا نہیں تمہیں میرا کام کیوں نظر نہیں آتا۔"

سلطان شاہ اس کی بات سنتا ہوا آیا تھا۔ اس نے ویرا کے خاموش ہوتے ہی سوال کر ڈالا "پھر تم موٹی کیوں ہورہی ہو؟"

"یہ مٹاپا نہیں ہے۔ میرا بدن ذرا گداز ہورہا ہے۔ تم مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں جلتے ہو؟" ویرا نے اسے آنکھیں دکھائیں "ابھی ڈیڈی بھی یہی کہہ رہا تھا جیسے یہ دن رات مجھے اپنے کندھوں پر لیے پھرتا ہو۔"

سلطان شاہ نے خوش ہوکر میری طرف ہاتھ بڑھایا پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "واہ! کیا نظریں ہیں ہم دونوں کی.... میں نے تمہاری بات نہیں سنی تھی مگر ان دل گداز خانم کی باتیں سن کر اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی حرام خوری پر بات ہورہی ہے۔"

"تم نے پھر حرام خوری کا طعنہ دیا؟" ویرا اسے گھورتے ہوئے غرائی۔

"تم پھر حلال خوری کا دعویٰ کر ڈالو۔ بات برابر ہوجائے گی۔" سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔

"یہ خاصی تشویش کی بات ہے کہ آج ہم سب ناشتے سے پہلے ہی اتنے چاق وچوبند نظر آرہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جب اونٹ کے کوہان کی طرح جسم میں فاضل چربی جمع ہوجائے تو ہلکے پھلکے ناشتے کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی۔" سلطان شاہ نے برجستہ کہا "اس وقت سب سے اچھا موڈ ویرا کا ہے۔"

"ناشتا تیار ہے اور ٹھنڈا ہورہا ہے۔" غزالہ کی آواز آئی "میں بعد میں کوئی چیز گرم نہیں کروں گی۔"

میز پر ناشتے کے دوران میں ویرا کو اچانک چمن علی یاد آگیا "وہ سب سے سستا چھوٹا ہے۔ تمہیں چمن کی گوشمالی ضرور کرنی چاہیے۔"

"یہ اسی کا دم تھا کہ ہم بروقت گوپال کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور سلطان شاہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔" غزالہ نے کہا "تمہیں اس سے کیا پرخاش

ہو گئی۔"
"وہ چاروں ایک دوسرے سے واقف تھے۔" ویرا نے ہاتھ روک کر کہا "اسے معلوم تھا کہ مراد کا ساتھ دینے سے انکار کے نتیجے میں منور اپنے گھر کے چھ افراد کے ساتھ مارا جا چکا ہے مگر اس نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔"
منور، نواب شاہ کے اس گھرانے کا فرد تھا جو دھنی رام کی بربریت کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بارے میں ویرا کے اعتراض میں وزن تھا مگر میں نے چمن کی وکالت کرتے ہوئے کہا "اسے منور کا انجام معلوم تھا اسی لیے وہ مراد سے دہشت زدہ تھا۔ وہ آخر تک زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا ہوگا۔ اگر اس کی بیوی دخل نہ دیتی تو ہمیں ناکام لوٹنا پڑتا۔"
"چمن علی کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ بازپرس کی تھوڑی سی سختی اس کے لیے ناکافی ہے۔ میری دانست میں اسے بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہیے۔ گوپال ہمیشہ کے لیے معذور ہوا ہے تو اسے بھی کم از کم چند روز صاحب فراش رہنا چاہیے۔"
"وہ شریف اور ملازمت پیشہ آدمی ہے۔" میں نے کہا "اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اسے وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"
"قادر بھی شریف اور ملازمت پیشہ تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔" ویرا نے طنز سے کہا۔
"وہ اپنی حماقت سے مرا تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" میں نے صفائی پیش کی۔
"نہ چاہتے ہوئے بھی تم نے اسے ماردیا۔" ویرا نے کہا "یہ غیبی اشارے ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں ہے۔ تم اسے لنگڑا لولا کرکے زندہ چھوڑ دو تب بھی یہ تمہارا احسان ہوگا۔"
میں انکار کرتا رہا مگر ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔ ناشتا ختم ہونے کے بعد بھی وہ بحث جاری رہی تو بادل ناخواستہ مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے "میں فون کرکے دیکھتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"
"اس کا حال اچھا نہیں ہوسکتا۔ آج کے اخباروں میں گوپال اور قادر کے بارے میں تفصیلات پڑھ کر وہ ڈر گیا ہوگا۔" ویرا نے پریقین لہجے میں کہا "تم فون کرو گے تو وہ گڑگڑانے لگے گا۔"
میں نے کاغذ سے دیکھ کر چمن کا نمبر ملالیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھایا گیا تو میرے کانوں میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ بین کی آوازیں آئیں اور ایک گلوگیر مردانہ آواز نے ہیلو کہا۔
"میں چمن علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔
"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" بولنے والے کی آواز رندھ گئی "بھائی صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ اخبار بینی کے دوران میں تھوڑی دیر پہلے ان کے دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی۔ ابھی ابھی اسپتال سے خبر ملی ہے کہ وہ چل بسے ہیں۔"
مجھے وہ خبر سناتے سناتے وہ بلک کر رو پڑا۔ وہ چمن علی کا کوئی قریبی عزیز ہی ہوسکتا تھا۔
"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔
اس شخص سے کہنے سننے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان کے بدن میں سانس کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ساری اکڑفوں، دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے اور جب یہ لڑی ٹوٹ جاتی ہے تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ مرنے والا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ حساب کتاب کی تیاری کررہا ہوتا ہے۔
میں نے خاموشی سے فون بند کردیا۔ میری زبان سے قرآنی کلمات سن کر ان تینوں کو صحیح صورتِ حال کا اندازہ ہوگیا تھا۔ فوری طور پر کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہنستے مسکراتے ماحول پر یوں بوجھل سکوت طاری ہوگیا تھا جیسے ہمارے حریف کے بجائے کوئی ساتھی دنیا سے گزر گیا ہو۔
"وہی ہوا جو میں کہہ رہی تھی۔" چند ثانیوں بعد ویرا کہہ رہی تھی "میرا وجدان بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ اسے کیا ہوا؟ شاید دل کا دورہ پڑا ہوگا!"
"اخبار بینی کے دوران میں بلڈ پریشر بڑھنے سے دماغ کی شریان پھٹی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔
"تم اس کی حمایت کررہے تھے اور قدرت میرے ساتھ تھی۔" ویرا بولی "اس کے خلاف بڑی عدالت سے فیصلہ صادر ہوچکا تھا۔"
"یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا "ڈینی کو فون کرنے پر مجبور کرکے تم نے سارا موڈ غارت کردیا۔ اب پورے دن کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پتا نہیں تم اتنا کیوں بولتی ہو۔"
"اس کی موت کی خبر اخباروں میں نہیں آئے گی۔"

ویرا نے موڈ بحال کرنے کی کوشش میں اسے چڑایا "فون کرنے کے نتیجے میں تمہیں پتا تو چل گیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ واقعی شریف اور غیرت مند انسان تھا۔ اس کا احساسِ جرم اسے لے ڈوبا۔" غزالہ نے کہا۔

"تم تینوں کو اس کی موت کا اسی قدر صدمہ ہے تو اس کے جنازے میں شرکت کے لیے چلے جاؤ۔ شام تک فارغ ہو کر لوٹ آؤ گے۔ میں تمہارے لٹکے ہوئے' اداس چہرے دیکھنے سے بچ جاؤں گی۔"

"اس بار واقعی عجیب اور حیرت ناک واقعات پیش آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی پھریری لے کر کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عقل اور ہر دلیل ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اسے کسی برتر قوت کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"چور' ڈاکو' قاتل اور دہشت گرد لڑتے بھڑتے ہوئے کہیں نہ کہیں کتے کی سی موت مارے جاتے ہیں۔" ویرا کہنے لگی "سفید پوش مجرموں کا عام طور پر ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ اس پر دل گرفتہ ہونا حماقت ہے۔"

"وقت اور قسمت' دونوں اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارا کام خود بخود آسان اور ہلکا ہوتا جارہا ہے۔" سلطان شاہ نے یہ کہہ کر انگڑائی لیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

چمن علی کی موت کی خبر کے اثرات میرے اعصاب پر سے جلد ہی زائل ہوگئے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی کیونکہ وہ بہرحال ایک مجرم اور مراد کا مددگار تھا۔ گھر کا ماحول دوبارہ خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی نوک جھوک کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ویرا کسی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے کچن میں جا گھسی اور غزالہ کو میرے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔

اس وقت ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ غزالہ نے بہت لاڈ کے ساتھ ساحل کی سیر کی خواہش ظاہر کی اور میں سنجیدگی سے اس فکر میں مصروف ہوگیا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو کس ترکیب سے گھر پر چھوڑا جائے۔ دن رات کی مصروفیت کی وجہ سے وہ دونوں بھی ہر وقت تفریح کے لیے ترسے رہتے تھے۔ انہیں ہمارے اصل پروگرام کی بھنک مل جاتی تو انہیں گھر پر چھوڑنا دشوار ہوجاتا۔

اسی دوران میں' میں نے اول خان کو فون کرکے چمن علی کے المناک انجام سے آگاہ کردیا۔ وہ اپنے ڈھب کے بندھے اصولوں پر چلنے والا آدمی تھا۔ اسے وہ خبر سن کر ذرا بھی قلق نہیں ہوا بلکہ اس کا ردِ عمل حیرت انگیز طور پر وہی تھا جو ویرا کا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر غزالہ نے میری ہدایت کے مطابق کپڑوں کی خریداری کی فرمائش کرڈالی جو میں نے قدرے چوں و چرا کے بعد منظور کرلی۔ اس کام میں سلطان شاہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ نے رسماً ویرا سے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ بس غزالہ کو یہ تاکید کردی کہ وہ اپنی ہی پسند اور ناپ کے چند فاضل جوڑے بھی لیتی آئے جو اس کے کام آسکتے تھے۔

میں نے ویرا کے فرمان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ خود ہی بول پڑی "میرا اور غزالہ کا قد اور بدن یکساں ہے۔ ہم آسانی سے ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اگر میں بھاری ہو رہی ہوں تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ غزالہ بھی موٹی ہوگئی ہے۔"

"ارے' وہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا "تم بلاوجہ اسے اپنے دل پر لے بیٹھیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ غزالہ پر تنقید تم برداشت نہیں کرسکتے۔ حسن اور نزاکت کو اس پر ختم سمجھتے ہو۔"

"یہ میں نے تم سے کب کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں کہے بغیر سمجھ لی جاتی ہیں۔ تم بلاوجہ ہی اپنی لیلیٰ کے مجنوں نہیں بنے ہوئے ہو۔"

"قد اور بدن تک تمہاری بات ٹھیک ہے مگر ہماری پسند یکساں نہیں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "تم شوخ اور بڑے پرنٹس پسند کرتی ہو۔ مجھے ہلکے پھلکے رنگ اور ڈیزائن اچھے لگتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بنیادی طور پر ہماری پسند بھی ایک ہی ہے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں بے باکی سے کہہ ڈالا "یقین نہ آئے تو اپنے ڈینی سے پوچھ لو۔"

میں بوکھلا گیا مگر غزالہ کی تیوریوں پر بل تک نہ آیا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا "پسند اتنی یکساں ہو تو کہیں کہیں ٹکراؤ بھی ہوجاتا ہے مگر ہمارے درمیان آج تک ایسی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ کے اس ذو معنی جواب پر میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ویرا خفت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی "کبھی میں خاموشی سے اپنی ہار مان لیتی ہوں اور کبھی تم فراخ دل ہوجاتی ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید اب تک ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہوتا۔"

باتیں چلتی رہیں مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ ہم دونوں کے ساتھ کوئی اور نہیں جائے گا۔

تین بجے ہم دونوں گاڑی لے کر گھر سے روانہ ہو گئے۔ غزالہ اپنی فرمائش پوری ہونے پر بہت خوش تھی اور بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔

اپنا جھوٹ نبھانے کے لیے ہم نے صدر کی ایک مشہور دکان سے عجلت میں چند زنانہ سوٹ خریدے اور پھر ٹاور کے راستے ہاکس بے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کلفٹن کے مقابلے میں کراچی کا وہ پرسکون اور رومان پرور ساحل ہمیشہ سے مجھے پسند رہا ہے۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ ہاکس بے کے صاف ستھرے ساحل پر خال خال ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ جنہوں نے شہر کے شور و غل اور کثافتوں سے اکتا کر اپنی گاڑیوں میں اس پُرفضا ساحل کا رخ کیا تھا۔

میں نے ایسے مقام پر گاڑی روک دی جہاں سمندر کی جھاگ اڑاتی اور دم توڑتی ہوئی موجوں کی طلسماتی گونج اور بحری پرندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے جوتیاں گاڑی میں لاک کیں اور غزالہ کا ہاتھ تھام کر ڈھلوان ساحل کی سرمئی ریت پر تقریباً دوڑتا ہوا گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلا گیا۔

وہ میری زندگی کا ایک حیات پرور اور یادگار دورانیہ تھا۔ مجھے زندگی میں یکایک نیا پن محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی ریت پر دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور پانی اڑاتے رہے۔ کھلے سمندر کی انجان گہرائیوں سے جنم لینے والی طوفانی لہریں ہمارے قدموں کو چھوتے ہوئے ساحل پر دور تک جھاگ پھیلا رہی تھیں۔ ہر نئی لہر کے ساتھ مجھے سرشاری کا عجیب احساس ہو رہا تھا۔

موسم اور ساتھ ایسا تھا کہ پانی سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر زندگی میں کچھ بھی امر نہیں ہوتا۔ انسان سمیت سب کچھ گزر جانے کے لیے وجود میں آتا ہے۔ غزالہ کے نازک ہونٹوں پر سردی کی ہلکی سی نیلاہٹ دیکھ کر میں نے واپسی کی راہ اختیار کر لی۔

بھیگے ہوئے کپڑوں کو ساحل کی دھوپ اور ہوا میں خشک کرنے کے لیے ہم دیر تک پانی سے ذرا دور چہل قدمی اور باتیں کرتے رہے۔ مسلسل باتیں کرتے رہنے کے باوجود بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔ پتا نہیں غزالہ کب سے وہ خوش گوار یادیں اور باتیں دل میں لیے بیٹھی تھی۔

جب سورج کی اکلوتی آنکھ زمین اور سمندر کو قہربار

انتہائے شکر گزاری

وکیل صاحب نے سخت محنت کے بعد ایک موکل کا مقدمہ جیتا تو اس نے انہیں شکریے کا خط لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھا:

”میں آپ کا اتنا احسان مند ہوں کہ آپ کو وکیل کے بجائے ایک دوست کے طور پر یاد رکھوں گا۔“

انداز میں گھورتی ہوئی سمندر اور آسمان کی ملتی ہوئی لکیر سے قریب ہونے لگی تو ہم گاڑی کی طرف ہو لیے۔ چند منٹ بعد ہم فسوں خیز ساحل کو چھوڑ کر شہر کی دھواں اگلتی چمنیوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔

ماری پور کے علاقے سے گزرتے ہوئے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور شریف آباد والی نسرین کے پاس کام کرنے والی نیما کی آواز سن کر فون جلدی سے غزالہ کو تھما دیا۔

وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی، مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے فون بند کر دیا اور پوچھا ”کس کی کال تھی؟“

”وہی پاگل نیما تھی۔“ میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ نیما کا فون آ جانے پر غزالہ میری اور اس کی کلفٹن کی سیر کا ذکر ضرور چھیڑے گی لیکن اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ویرا کے قول کے مطابق غزالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فراخ دل تھی اور ہر ضروری موقع پر چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔

فاصلہ گھٹنے کے ساتھ ساتھ راستے پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھنے لگی۔ ہماری رفتار کم ہو گئی۔

شہر بھر کی روشنیاں جل جانے کے بعد ہم گھر پہنچے تو ہماری حالت ہماری آوارہ گردی کی کہانی سنا رہی تھی۔ بالوں سے لے کر چہرے، لباس، پیروں اور گاڑی کے پائیدان تک میں سنہری سمندری ریت چمک رہی تھی۔

جب تک ہم سمندر کے پانی میں تھے، سب کچھ مزہ دے رہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی کھارے پانی کی چپچپاہٹ اور ریت کی چبھن ناقابلِ برداشت ہونے لگی۔ میں اپنے کمرے کے باتھ روم میں چل گیا۔ غزالہ، ویرا کے باتھ روم میں جا گھسی۔

میں نہا کر نکلا تو بھوک چمکی ہوئی تھی۔ باتھ روم سے

غزالہ کی واپسی تک مجھے ویرا اور سلطان شاہ کے کاٹ دار سوالوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں یہ یقین دلانا دشوار ہو رہا تھا کہ شاپنگ سے جلد فارغ ہونے کی وجہ سے ہم ساحل کی طرف نکل گئے تھے۔ وہ دونوں سمجھ چکے تھے کہ ہم تفریح کے لیے ان سے شاپنگ کا بہانہ کر کے گھر سے نکلے تھے۔

اس روز ویرا نے رضاکارانہ طور پر کچن کا سارا انتظام خود سنبھالا تھا اس لیے کھانے وغیرہ کی تیاری میں اپنے سگھڑ پن کے سارے جوہر یک جا کر دیے تھے۔ غزالہ نے غسل سے فارغ ہوتے ہی اس کے ساتھ مل کر میز لگائی اور معمول کے وقت سے پہلے ہی ہمارے لذیذ ڈنر کا آغاز ہو گیا۔

تکان اور پھر شکم سیر ہونے کا خمار جلد ہی اپنا رنگ دکھانے لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں زیادہ دیر تک ان لوگوں کی مجلس کا ساتھ نہ دے سکا اور دو سگریٹیں ختم کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں چل دیا۔

میں نے کمرے کی روشنیاں گل کر کے اپنے سرہانے رکھا ہوا ٹیبل لیمپ روشن کیا اور پڑھنے کے لیے ایک کتاب اٹھالی۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ میں چند صفحات سے زیادہ نہ پڑھ سکا اور میرے پپوٹے نیند سے بوجھل ہوتے چلے گئے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ ان تینوں نے کب ڈرائنگ روم چھوڑا اور غزالہ کمرے میں آئی۔ گہری نیند سے میری آنکھ کسی آواز کی وجہ سے کھلی۔ میں بیدار ہو کر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ فضا پر رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سکوت برقرار رہا اور میری پلکیں ایک مرتبہ پھر نیند کے خمار سے بوجھل ہونے لگیں۔

ایک لمبا وقفہ گزرنے کے بعد پھر چرچراہٹ کی تیز آواز آئی اور تھم گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے سوکھی ہوئی پختہ لکڑی میں سے کچھ نکالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

پہلی آواز کو میں نے نیند کا دھوکا سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا مگر دوسری بار میرے کانوں نے اس آواز کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا ریوالور نکالا اور نہایت خاموشی سے بستر چھوڑ دیا۔

میں دبیز قالین پر ننگے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، بہت احتیاط سے ہینڈل گھما کر دروازہ قدرے وا کیا اور سرعت سے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں رینگ گیا۔

اس بار وقفہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ آوازیں پھر آئیں۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ قریب ہی کوئی کچھ اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ آواز ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ میں ریوالور تانے اندھیرے میں آگے بڑھا اور پھر اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

ڈرائنگ روم میں مکمل اور گہری تاریکی تھی۔ اس کے مقابلے میں باہر تاروں بھرے آسمان تلے قدرے اجالا تھا جو شاید کہیں جلتے ہوئے کسی بلب کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ تھا۔ اس دھندلی روشنی میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پیچھے تین انسانی سر اور دھڑ نظر آ رہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر کپڑے لپٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کسی اوزار کی مدد سے کھڑکی میں لگی ہوئی مضبوط آہنی گرل کو چوکھٹ سے اکھاڑ لیا تھا اور اس وقت گرل کو چوکھٹ سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ تین چہرے نظر آ رہے تھے۔ ان نامعلوم لوگوں کے دوسرے ساتھی احاطے میں پھیلے ہوئے ہو سکتے تھے۔ ان کی تعداد تشویش ناک حد تک زیادہ تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان آوازوں نے ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں ڈالا تھا۔

گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والے ان دیدہ دلیر اور نامعلوم لوگوں کو للکارنے کے لیے مجھے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے تشویش یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی تعداد میں برتری کی وجہ سے کسی طرح گھر میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تینوں گہری نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے مارے جائیں گے۔

اس وقت تک کھڑکی کی گرل اپنی جگہ چھوڑ کر لکڑی میں پھنسے ہوئے کچھ لمبے پیچوں کے سہارے الجھ گئی۔ ان میں سے ایک نے جوں ہی شیشے کا پٹ ایک طرف سرکا کر راستہ بنانے کی کوشش کی، میں نے آہستگی سے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

فریم سے اکھاڑی جانے والی گرل نے اتنی جگہ پیدا کر دی تھی کہ انسان تو درکنار، نوجوان مگر سبک اندام سانڈ بھی آسانی سے وہاں سے گزر کر گھر میں آ سکتا تھا۔

میں نے ہاتھ سیدھا کر کے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رافیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رافیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رافیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رافیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازمِ سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرونِ سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی جی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ہمیں ذرا سا سکون میسر آیا تھا کہ اسی شب نامعلوم مجرموں کی ایک پارٹی نے ہماری رہائش گاہ تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے ایک کھڑکی کی گرل کاٹ لی تھی۔ میں نے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے شخص کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فائر کرتے ہی میں خود حیرت سے اُچھل پڑا۔ بیک وقت دو گولیاں چلنے کے دھماکے ہوئے تھے۔ دونوں کا نشانہ شاید ایک ہی تھا کیونکہ فائروں کے جواب میں اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر ایک بھیانک چیخ سنائی دی تھی۔ اس ناگہانی چیخ میں اس بلا کا درد پنہاں تھا کہ اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ گولیاں کھانے کے بعد زندہ رہا ہوگا۔

زخمی کا وجود زمین پر گرنے کی دھمک بہت واضح تھی۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے مزید کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اکھڑتی ہوئی کھڑکی کے پس منظر میں نظر آنے والے تینوں چہرے یک لخت معدوم ہوگئے۔

مجھے حیرت تھی کہ میرے شکار پر دوسری گولی کس نے چلائی تھی مگر میں نے کن انکھیوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ دوسرا فائر میری داہنی جانب سے کیا گیا تھا اور دونوں ہی گولیاں نشانے پر لگی تھیں۔

"کون ہے؟" جلے ہوئے بارود سے بھرتی ہوئی خاموش فضا کے تسلسل میں' میں نے اضطراری لہجے میں للکارا "جواب دو ورنہ بے دریغ گولی ماردوں گا۔"

"احتیاط سے مارنا۔" اندھیرے میں سلطان شاہ کی دبی دبی آواز ابھری "میں شاید تم سے پہلے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا کیا کروں۔"

سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میرا دل شیر ہو گیا "تم یہیں رکو' میں اسی اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوں۔ پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا لینے آئے ہیں۔"

رات کے گہرے سکوت میں میری وہ آواز اتنی بلند تھی کہ شاید باہر بھی سن لی گئی اور جونہی میں کھڑکی کے نزدیک پہنچا' باہر سے کلاشنکوف کا ایک فائر ہوا۔ اگر میں فوراً ہی قالین پر نہ گر گیا ہوتا تو بوکھلاہٹ کے عالم میں چلائی ہوئی وہ گولی میرے بدن کے کسی بھی نازک حصے کو چاٹ سکتی تھی۔

میں چند ثانیوں تک یوں ہی قالین پر سانس روکے پڑا رہا۔ اس دوران میں مجھے باہر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہ لوگ اپنے زخمی یا مردہ ساتھی کو وہاں سے اٹھا لے جانے کی کوششیں کر رہے ہوں۔

اس وقت تک میں ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر پایا تھا۔ ہم نے بظاہر اپنے تمام دشمنوں کو زیر کر لیا تھا اور چمن علی پر بلڈ پریشر کا جان لیوا دورہ پڑنے کے بعد میدان بالکل ہی خالی رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ تینوں کون تھے اور کس نیت سے ہمارے گھر میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ بات تسلی بخش تھی کہ ہم نے بروقت مداخلت کر کے ان کی کوشش ناکام بنا دی تھی مگر پھر بھی ان میں سے کسی نہ کسی کا ہاتھ آنا بہت ضروری تھا کہ ان کی اصلیت اور ارادوں کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

لمحہ بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید وہ تینوں پیشہ ور چور یا اُچکے رہے ہوں اور اندھیرے میں اپنی قسمت آزمانے کے لیے ہمارے گھر کا رخ کر بیٹھے ہوں مگر وہ خیال زیادہ جان دار نہیں تھا۔ کسی پیشگی منصوبے کے بغیر، اندھیری راتوں میں گلیوں میں پھرنے والے چور اور اُچکے پولیس کی کڑی بازپُرس کے خوف سے ایسا کوئی ہتھیار ساتھ لے کر نہیں نکلتے جس سے ان کے مذموم عزائم کی نشان دہی ہو سکے۔ جب کہ ہمارے گھر میں آنے والے آہنی گرل تک اکھاڑنے کے لوازم سے لیس تھے۔

"کیا ہوا... یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میرے کانوں میں غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ فائرنگ کے شور نے اس کی نیند خراب کر دی تھی مگر ویرا اس وقت بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

"جہاں ہو، وہیں رکی ہو۔" میں نے قالین چھوڑے بغیر کہا "کچھ لوگ احاطے میں گھس آئے ہیں۔"

"یہ گرل بھی شاید انہوں نے ہی اکھاڑی ہے!" غزالہ کی آواز سے تشویش مترشح تھی۔

میں نے اس کی خود کلامی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

پھر اسی لمحے احاطے سے اس کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی "اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ بدن چھلنی کر دوں گا۔ تم دونوں میرے نشانے پر ہو۔"

وہ غالباً میری لاعلمی میں داخلی دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اکھڑی ہوئی گرل میں سے ہوتا ہوا مکان کی بغلی گلی میں کود گیا۔

اس طرف مکان اور احاطے کی دیوار کے درمیان مختصر سی پختہ گلی تھی جو مکان کے آخری سرے تک چلی گئی تھی۔ وہاں احاطے کی دیوار کی جڑ میں پھول دار پودے لگے ہوئے تھے جن کے درمیان بہت سے خود رو پودے بھی اُگ آئے تھے۔ میرے اندازے کے عین مطابق وہ تین ہی تھے۔ انہوں نے اپنے زخمی ساتھی کو فرش پر کافی دور تک گھسیٹ لے جانے کے بعد کندھے پر لاد لیا تھا اور فرار کی تیاری کر رہے تھے کہ سلطان شاہ نے اس گلیارے کے ایک سرے پر پہنچ کر ان کے فرار کی راہ مسدود کر دی۔

اس لمبے راستے کے ایک سرے پر سلطان شاہ موجود تھا، دوسرے سرے پر ہمارے تینوں مجرم تھے اور میں درمیان میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تینوں سلطان شاہ کی للکار پر اپنی جگہ پر رُک ضرور گئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس وقت محض فطری ہچکچاہٹ میں مبتلا تھے اور اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرعت سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

میں انہیں کسی بھی قیمت پر کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بظاہر وہ تینوں مسلح تھے لیکن زخمی ہونے والا عملی طور پر ناکارہ ہو کر رہ چکا تھا۔ دوسرے نے اسے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا اس وجہ سے وہ اپنی کلاشنکوف سے کوئی مؤثر مدد نہیں لے سکتا تھا۔ ان تینوں میں.... سے اس وقت صرف وہی شخص زیادہ خطرناک تھا جو آزادی کے ساتھ اپنے ہتھیار کے استعمال پر قادر تھا۔ کلاشنکوف اس کے دونوں ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی مگر اس کی نال کا رخ زمین کی طرف تھا۔

وہ سلطان شاہ کے پستول کی رینج سے باہر تھا اسی لیے تذبذب میں تھا مگر میں اس کے قریب نمودار ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تیسرے فرد نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے کوئی مہلت دیے بغیر فوراً ہی اس کے داہنے بازو پر گولی چلا دی۔ اس کا ردِّعمل ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں تھا۔ گولی کھاتے ہی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے پوری قوت سے اس کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے ہولناک تھی۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھتے ہی، دوسرے نے اپنے کندھے پر لدے

ہوئے تیسرے بے حس و حرکت شخص کو پھرتی سے نیچے گرا دیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی کلاشنکوف کا مضبوط اسٹریپ زخمی یا مردہ شخص کی ٹانگ میں پھنس گیا۔

وہ بلند آہنگ غراہٹوں کے ساتھ پھنسا ہوا اسٹریپ نکالنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اسے یہ ہوش نہ آسکا کہ وہ اپنے پھنسے ہوئے ہتھیار کو بھول کر زمین پر پڑی ہوئی کلاشنکوف سنبھال لے۔

اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں اس پر جاپڑا۔ میں نے اپنے ریوالور کی نال تھام کر پوری قوت سے اس کے دہانے پر آہنی دستے کی ضرب لگائی اور اس کا منہ لہولہان ہوگیا۔ اس کے ہونٹ وغیرہ پھٹنے کے ساتھ اس کے کئی دانت بھی ٹوٹ کر شاید حلق میں جا پھنسے تھے کیونکہ اسے کھانسی کا بھیانک پھندا لگ گیا۔

فوری طور پر اس کے سنبھلنے کی کوئی امید نہیں تھی' اسے اوسان باختہ کرکے میں زخمی بازو والے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے پشت سے اس کی ٹانگوں کے درمیان ہاتھ ڈالا اور بہت بے رحمی کے ساتھ اسے نیچے گھسیٹ لیا۔

اس کے حلق سے برآمد ہونے والی پہلی چیخ میری وحشیانہ گرفت کا نتیجہ تھی' اس کے بعد وہ چیختا ہی چلا گیا۔ اس کا چہرہ اور پورا بدن کھردری دیوار سے رگڑ کھاتا ہوا نیچے آیا تھا اور وہ اوندھے منہ کیاری میں ڈھیر ہوگیا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی میرے پاس آ پہنچا تھا۔ غزالہ میری تقلید میں' اکھڑی ہوئی کھڑکی کے راستے باہر نکل آئی تھی۔ اپنے سروں پر یکایک تین نفوس کو سوار دیکھ کر نامعلوم افراد کے ہاتھ پیر پھول چکے تھے۔

میں نے ان دونوں پر کچھ تشدد کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی لیکن سلطان شاہ کے دل میں غبار بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان دونوں پر باری باری مکوں اور لاتوں کی برسات کردی۔

"یہ تینوں کون ہیں اور یہاں کیا کررہے تھے؟" غزالہ نے الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ابھی تو ان کی خاطر تواضع کی جارہی ہے۔ بازپرس کی نوبت آئے گی تو یہ کچھ اگلیں گے... یہ ہمارے ساتھ پنگ پانگ کھیلنے نہیں آئے تھے' ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے راستے اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"الو کے پٹھے!" سلطان شاہ کا تھپڑ کھا کر اپنے قدموں کے قریب گرنے والے کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر میں نے حقارت سے کہا "تم لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ گھروں میں کھڑکیوں سے نہیں' دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے۔"

"تم... خدا کے لیے ہم پر رحم کرو۔ ہمیں بہت مار پڑ چکی ہے۔" وہی شخص ہانپتے ہوئے کراہا۔

مجھے حیرت تھی کہ اتنی رات گئے ہمارے گھر کی حدود میں کم از کم چار فائر ہوچکے تھے مگر قرب وجوار سے کہیں بھی کسی نے کوئی آواز بلند نہیں کی تھی' یہ بات ناممکن تھی کہ فائرنگ کے دھماکے علاقے کے مکینوں نے نہ سنے ہوں۔ بہت سے لوگ یقیناً جاگ اٹھے تھے اور فکرمندی مگر خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔

اس معزز اور تعلیم یافتہ آبادی میں سے کوئی بھی اپنی جان کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا' نہ کسی خونی واردات کا عینی شاہد بن کر طویل عدالتی کارروائیوں میں اپنا وقت برباد کرنے کے لیے تیار تھا۔

وہ ہمارے معاشرے کی نچلی سطح کی دو اہم ترین برائیاں تھیں جن کی وجہ سے ہر قسم کے جرائم پوری آزادی سے پھل پھول رہے تھے۔ سب سے پہلے لوگ پولیس والوں کے غیر دوستانہ بلکہ درشت رویّے سے ڈرتے تھے کیونکہ قانون کے نفاذ کی بنیادی ذمّے داری ان ہی کی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو خفا ہوکر کسی بھی شریف شہری پر کوئی سنگین فرد جرم عائد کرکے فوری طور پر اسے پس زنداں پہنچا سکتے تھے۔ یہ اور بات کہ ایسے شریف شہری اپنی بے گناہی ثابت کرکے یا کہیں کوئی مک مکا کرکے جلد ہی سلاخوں سے باہر آجاتے مگر ان کے ان دنوں کا کون ذمے دار ٹھہرایا جاتا جو وہ قید میں گزارتے۔

شہریوں کے ساتھ پولیس والوں کے عام سلوک کے بعد دوسرا مرحلہ سست قانونی کارروائی کا تھا۔ عدالتی عملے کی کمی اور کام کے بے تحاشا دباؤ کی وجہ سے سماعت کا مرحلہ ہی بہت دیر سے شروع ہوتا تھا اور پھر یوں بھی ہوتا تھا کہ دونوں فریقوں کے وکیل مل جل کر' اپنی کسی سہولت کے لیے خود ہی تاریخ بڑھوا لیتے۔ یوں اذیت کے دن کچھ اور طول پکڑ جاتے تھے۔

سلطان شاہ نے اپنا پستول غزالہ کو تھما کر دونوں زخمی قیدیوں کی نگرانی پر مامور کردیا اور خود تیسرے کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ مرچکا ہے۔" اسے ہلانے جلانے اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد سلطان شاہ نے اعلان کیا "ایک گولی گردن میں اور دوسری شاید سینے میں لگی ہے۔"

"اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ بقیہ دونوں کو اندر لے چلو

تاکہ ان سے کچھ مذاکرات ہو سکیں۔" میں نے کہا۔ اسی وقت میرے کانوں میں دور سے ابھرنے والے پولیس سائرن کی آواز آئی جو دھیرے دھیرے واضح ہوتی جارہی تھی۔

وہ تینوں کلاشنکوف سے مسلح تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار سمیٹے اور چند رگڑ ہاتھ کھانے کے بعد دونوں زخمی سلطان شاہ کے اشارے پر چل دیے۔ غزالہ سب سے آگے ان کی رہنمائی کررہی تھی۔

رات کے سناٹے میں پولیس کے سائرن کی آواز نمایاں ہو چلی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ بظاہر سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں خاموش اور محصور بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ان ہی میں سے کسی نے خوف اور اضطراب کے عالم میں گم نام فون کال کے ذریعے پولیس کو علاقے میں فائرنگ کی اطلاع دے دی تھی۔

"پولیس شاید ادھر ہی آرہی ہے!" سلطان شاہ نے اپنی رفتار دھیمی کر کے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"آنے دو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ محاذ ٹھنڈا ہوجانے کے بعد کسی کو اندازہ بھی نہیں ہوسکے گا کہ فائرنگ ہمارے گھر میں ہوئی ہوگی۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

وہ دونوں خاصی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ان کے چہرے لہولہان تھے مگر غنیمت تھا کہ ان کے جسم کے کسی حصے سے خون نہیں بہہ رہا تھا۔ میرے ایما پر انہیں ڈرائنگ روم سے باہر ہی لابی کے فرش پر بٹھا دیا گیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو، تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے اور تمہیں کس کی تلاش تھی؟" میں نے ان کے سامنے کرسی سنبھال کر درشت لہجے میں بیک وقت کئی سوال کر ڈالے۔

"ہمیں کسی نے یہاں نہیں بھیجا، ہم خود آئے ہیں۔" تھوڑی سی ردوقدح کے بعد ایک نے زبان کھولی۔

"یہاں تمہارا باپ رہتا ہے جو کھڑکی توڑ کر اندر گھس رہے تھے؟" سلطان شاہ کو غصہ آگیا۔

وہ سہم گیا "ہم گاڑی کے پیچھے کراچی آئے تھے۔ گاڑی گھر میں کھڑی کردی گئی تو ہم جائزہ لے کر چلے گئے۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی روشنی کا ایک کوندا سا لپکا، اپنی کارروائیوں کے سلسلے میں ہم ابتدا سے آخر تک بہت محتاط رہے تھے مگر ہم نے اس گاڑی کو نظرانداز کردیا تھا جو ہیر آباد میں سلطان شاہ سے چھینی گئی تھی۔ سلطان شاہ کے اغوا کے بعد وہ کار لاوارث چھوڑ دی گئی تھی جہاں سے پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر اول خان نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر وہ گاڑی واپس کراچی منگوالی تھی۔ ہماری وہ گاڑی اس وقت بھی پورچ میں موجود تھی۔

"تم کس گاڑی کی بات کررہے ہو؟" سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے کے باعث اس پر غرا رہا تھا۔

"وہی گاڑی جو باہر کھڑی ہے۔ تمہیں بے ہوش کرنے کے بعد ہم نے گاڑی لاوارث چھوڑ دی تھی۔"

"خوب!" سلطان شاہ کی ٹانگ چل گئی "تو مجھے اغوا کرنے والے تم تھے اور میرے آزاد ہوجانے کے بعد بھی میری گاڑی کی نگرانی کررہے تھے!"

"میں اپنی نہیں، ہم سب کی بات کر رہا تھا۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "ہم بہت سے آدمی ہیں جو مراد ظریف کے لیے کام کرتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ تمہیں اٹھانے والوں میں ہم تینوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔"

"گاڑی کی ٹکراؤ کے لیے مراد ظریف نے تمہیں کب حکم دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

میرے سوال نے اسے پریشان کر دیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہ کر تھوک نگلنے کی کوشش کرتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا "وہ مراد ظریف نہیں، کوئی اور تھا.... مراد کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے...."

"مراد کا پتا نہیں ہے، تمہیں ہدایت دینے والا کوئی اور ہے اور تم سب مراد کے لیے کام کرتے ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی کھوپڑی پر مکا رسید کر کے تیز لہجے میں پوچھا "جال پیچ کے بجائے ہر بات کا سیدھا سیدھا جواب دو۔ مجھ سے یہ بکواس نہیں چلے گی۔"

"گوپال چند کی اوطاق سے کوئی مراد سائیں کو اٹھا لے گیا" پٹنے والے سے پہلے اس کے ہم عمر ساتھی نے بولنا شروع کر دیا "سب کو اس کی تلاش ہے۔ ہمیں کرشن کمار نے اس کام پر لگایا تھا۔"

اس کے جواب کے آخری جملے پر میں چونک پڑا "کیا تم کرشن کمار کو اچھی طرح پہچانتے ہو؟"

اس نے پورے اعتماد سے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پوچھنا پڑ گیا "اس نے بذاتِ خود تم کو کام بتایا تھا؟"

"ہاں سائیں!" اس نے اپنا مجروح ہاتھ سینے پر رکھ کر پورے یقین سے کہا "مراد سائیں کے لیے ہم سب سے زیادہ وہی غمگین ہے۔ ہمیں تو تمہارے گھر میں نقب لگا کر جائزہ لینا تھا اور لوٹ جانا تھا آگے کا کام اس نے نہیں بتایا تھا۔"

"وہ حیدر آباد میں تمہارا انتظار کر رہا ہوگا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ پتا نہیں وہ کہاں آ جائے۔ اس نے ہمیں حیدر آباد میں صحرا کے دفتر میں کام بتایا تھا۔ اب وہ جہاں چاہے گا، ہمارے پاس آ جائے گا۔ اسی لیے ہم سب اسے چھلاوا کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے بول رہا ہوں۔ ایک طرف جلال کی فراہم کی ہوئی یہ اطلاع تھی کہ کرشن کمار حالات مخدوش ہوتے ہی کھوکھراپار سے اونٹ کے ذریعے فرار ہو چکا تھا جبکہ نیا قیدی کرشن کمار کی حیدر آباد میں موجودگی کی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک ہی آدمی بیک وقت دو دور افتادہ مقامات پر موجود ہو۔

"تم نے کبھی کرشن کو دیکھا بھی ہے یا محض سنی سنائی اڑا رہے ہو؟" سچ اگلوانے کے لیے میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "ہمارے سامنے ذرا بھی جھوٹ بولا تو وہیں پہنچا دیے جاؤ گے جہاں تمہارا تیسرا ساتھی پہلے ہی پہنچا ہوا ہے۔"

"سائیں، قسم لے لو جو ذرا بھی جھوٹ بولا ہو۔ وہ لمبے قد والا خوب صورت اور گورا چٹا آدمی ہے۔ اس سے آنکھ ملانا بہت مشکل کام ہے۔ پلکیں جھپکائے بغیر جب اپنی چمکیلی آنکھیں کسی کے چہرے پر گاڑتا ہے تو اس کا دم پھولنے لگتا ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی صحیح تصویر کشی کی تھی۔ میں تذبذب میں پڑ گیا۔

اس دوران میں پولیس کی کوئی گشتی گاڑی تیز سائرن بجاتی ہوئی ہمارے گھر کے قریب سے گزری، کانوں کے پردے تک ہل کر رہ گئے۔ گاڑی آگے چلی گئی مگر میرے کانوں میں وہ گونج بسی رہی۔ کچھ دور جانے کے بعد سائرن بند کر دیا گیا۔

"تم گاڑی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے، تمہیں نقب لگا کر اندر کا جائزہ لینا تھا اور پھر واپس لوٹ جانا تھا۔ یہ جو ایک لاش باہر پڑی ہوئی ہے، اس کا کیا کرتے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"اتنے سویرے شہروں کے لوگ گہری نیند سوتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ بھی نہیں تھا کہ کوئی اٹھ گیا تو ایسا ہو جائے گا۔ کیا وہ واقعی مر گیا ہے؟" میں نے اس کے بشرے اور لب و لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"وہ مر گیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کا کیا کیا جائے!" میں نے غصے سے کہا۔

اس وقت تک ویرا بھی بیدار ہو کر ہم لوگوں میں آ گئی تھی اور سرگوشیوں میں دوسروں سے معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ وہ خود حیران تھی کہ اتنی گھن گرج کے باوجود اس کی نیند کیسے برقرار رہی۔

"باہر پولیس موبائل آ چکی ہے۔ انہیں پولیس کے حوالے کر دو...." ویرا نے پہلی بار زبان کھولی۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔" دونوں قیدیوں نے یک زبان ہو کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کر لو مگر ہمیں پولیس کے حوالے نہ کرنا۔"

"ابے! تو نے ہمیں سمجھا کیا ہے۔" سلطان شاہ نے ادھیڑ عمر شخص کی گردن پر ہاتھ رسید کر کے کہا "ہم تیرے

ساتھ کیا کریں گے؟ پولیس لاک اَپ میں جائے گا تو تیری ہر آرزو خود بخود پوری ہو جائے گی۔"

"نہیں، نہیں.... یہ نہ کرنا۔" دونوں ہاتھ جوڑ کر وہ رو دینے والی آواز میں بولا پھر اچانک ہی سلطان شاہ کے قدموں میں سجدے میں گر گیا "تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا' ہمیں لہولہان کر دیا مگر یہ سب ہماری غلطی کی سزائیں ہیں۔ ہم نے تم سے ذرا شکایت نہیں کی مگر پولیس کا نام نہ لو۔ وہ ہمارے پیٹ چاک کر کے سب کچھ اگلوا لیں گے۔"

"وہی سب ہم بھی اگلوانا چاہ رہے ہیں۔ بولتے چلے جاؤ ورنہ ہم پولیس کو بلاتے ہیں۔"

وہ دھمکی کارگر رہی اور اس نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔ اس کے انکشافات ہم میں سے کسی کے لیے بھی دلچسپ نہیں تھے۔ وہ اندرونِ سندھ آباد بھیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلے والوں کے کچے جھونپڑوں اور گھروں میں مسلسل چھوٹی موٹی چوریاں کرنے اور بار بار تادیب کے باوجود باز نہ آنے پر انہیں قبیلہ بدر کر دیا گیا تھا۔

ابتدا میں وہ چار گہرے دوست تھے جو ہاتھ لگ جانے والے ہر نشے سے شغل کرنے کے عادی تھے۔ جب تک وہ بھیلوں میں رہے' ان کی رسائی بھنگ' چرس' گانجے اور زیادہ سے زیادہ تاڑی تک رہی۔ قبیلہ چھوڑنے کے بعد شراب اور پھر ہیروئن نے انہیں اپنے سحر میں لے لیا۔ کسی کو کہیں ایک آدھ روز کی مزدوری مل گئی تو مل گئی ورنہ پھر وہی بیکاری۔ اس بیکاری میں پیٹ بھی زیادہ غذا مانگتا تھا اور نشے کی طلب تو اپنی جگہ رہتی ہی رہتی تھی۔

انہوں نے میرپور خاص میں چوری کی پہلی واردات کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے اپنی دانست میں بہت اچھی اور مشہور اسامی تاڑی تھی۔ وہ فجر سے ذرا پہلے اونچی دیواریں پھلانگ کر خاموشی سے گھر میں اترے۔ کام کی جگہوں کا جائزہ لے کر بھاری مالیت کے زیورات کے ساتھ نقدی بھی سمیٹی اور اسے ایک رومال میں باندھ کر روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

وہ ان کے لیے نحوست کی گھڑی تھی۔ عین اسی وقت صاحب خانہ کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور اس نے گہری نیند کو خیرباد کہہ کر اچانک ہی بستر چھوڑ دیا۔

وہ کرشن کمار تھا۔ ان چاروں کو اپنے بند مکان میں پا کر وہ بہت چراغ پا ہوا۔ اس وقت تک وہ چاروں کرشن کمار سے بہت زیادہ مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ چاہتے تو چاروں مل کر آسانی سے اسے زیر کر سکتے تھے مگر وہ نیچی ذات کے گبرو جوان تھے۔ ان کے بازوؤں میں قوت کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں مگر ان کے دل حوصلے سے بالکل خالی تھے۔

ویسے بھی چور تھے' ڈکیت نہیں تھے۔ کرشن کمار نے ان کی جامہ تلاشی لی اور انہیں ایک کمرے میں بند کر کے پیشاب کرنے چل دیا۔ واپسی پر وہ ان چاروں کی سرپرستی کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے اپنا مال واپس لے کے انہیں چوریاں جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے دی تھی مگر سختی سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ مال ہاتھ آئے یا نہ آئے' کبھی کسی کا خون نہ بہانا۔

اس وقت کرشن کمار نے زیادہ کل پرزے نہیں نکالے تھے۔ وہ چاروں اس کی ہدایت پلے سے باندھ کر منہ اندھیرے وہاں سے نکل آئے۔ راستے میں انہوں نے گلی میں سوئے ہوئے ایک لالہ جی کے بدن اور دھوتی کے درمیان لاتعلقی دیکھی تو خاموشی سے دھوتی اٹھا کر آگے کھسک گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو' بنیئے اپنی انٹی میں ہر وقت ایک معقول رقم ضرور رکھتے ہیں۔

یہی ہوا۔ انٹی کی تہوں میں دو سو چالیس روپے موجود تھے۔ دھوتی نالے میں پھینک کر انہوں نے آدھی رقم آپس میں بانٹی اور بقیہ آدھی رقم دن چڑھے کرشن کمار کو پہنچا دی۔

یہ ان کا اصول تھا کہ اپنی ہر چوری کا آدھا مال پوری ایمانداری سے کرشن کمار کو دیتے تھے۔ وہ بڑا آدمی ہو گیا تو وہی حصہ مولا داد اور پھر مراد ظریف کو دیا جانے لگا۔

وہ چاروں اپنے فن میں اتنے طاق تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں میرپور خاص کے ہر مالدار گھرانے میں کئی کئی چوریاں ہو گئیں مگر چور ہاتھ نہ آ سکے۔ پھر شہر کے ساہوکاروں نے ان بدمعاش چوروں کو پکڑنے کے لیے سر جوڑ کر مشورے کرنے شروع کیے تو انہیں دھیان آیا کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے میرپور خاص چھوٹا شہر تھا۔

وہ چاروں حیدر آباد آ گئے۔ انہیں وہ ہدایت کرشن کمار نے ہی دی تھی۔

ان چاروں بھیلوں نے حیدر آباد دیکھا تو حیرت سے ان کے دیدے پھیل گئے۔ مضبوط اور پرانے گھر خالی خالی نظر آتے تھے۔ بنگلوں میں رہنے کے شوق میں لوگوں نے گھروں کو بہت چھوٹا اور غیر محفوظ بنا لیا تھا۔ حیدر آباد میں ان کا حصہ دار مراد ظریف تھا۔ وہ بہت برا وقت گزار رہا تھا۔

ان چاروں سے اسے جو رقم ملتی' اس سے وہ اپنے صحرا نامی دفتر کا خرچ پورا کرتا' اپنے لیے تھوڑی سی رقم بچا لیتا اور باقی حصہ کرشن کمار کو بھجوا دیتا۔

وقت کے ساتھ ان چاروں کے حوصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے خون کی کوئی بوند بہائے بغیر کراچی میں بھی چوری کی کئی بڑی وارداتیں کیں اور ایسی ہی ایک واردات میں اپنے چوتھے ساتھی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ اس کا اصل اور پیدائشی نام بدلو بھیل تھا۔

کراچی میں چوری کی ایک واردات میں اس نے ایک نو عمر اور خوب رو لڑکی کو اپنے ٹھنڈے کمرے میں بے پروائی سے سوتے دیکھا اور اس پر وہیں فریفتہ ہوگیا۔ اس نے سوتی ہوئی لڑکی کو نہیں چھیڑا مگر اپنے ساتھیوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس کا گھر بھی نہیں چھوڑا۔

بدلو بھیل کی آنکھوں پر اس لڑکی کے حسن و جمال نے پردے ڈال دیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ رات بھر اسی ٹھنڈے کمرے میں کھڑا حسن کی اس دیوی کو دیکھتا رہے گا اور جب وہ بھرپور انگڑائی لے کر گہری نیند سے جاگے گی تو وہ اس کے قدموں میں سر رکھ کر اس سے بس اتنی اجازت مانگے گا کہ وہ حسن کی دیوی اسے ہر وقت اپنے قریب رہنے دے اور بدلو بھیل دور دور سے اس کو دیکھ کر سیراب ہوتا رہے۔

وہ احمقانہ خواہش تھی۔ تینوں نے زبردستی اسے کمرے سے باہر لا کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن بدلو بھیل کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے یا پھر اس کا برا وقت قریب ہی آگیا تھا۔

وہ تینوں اسے وہیں چھوڑ کر، چوری کے مال سمیت گھر سے نکلے اور اُجالا پھیلنے کے بعد حیدرآباد جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ بدلو بھیل کے لیے ان تینوں کے دل اداس تھے۔

وہ تینوں بلکہ چاروں ان پڑھ تھے۔ مراد ظریف اخباروں میں چھپنے والی، ان کے کارناموں کی خبریں مزے لے لے کر سناتا تھا۔ کئی دن ہوگئے مگر ان کی نئی واردات کے بارے میں کوئی خبر نہیں چھپی۔

یہ بات سب سمجھ رہے تھے کہ بدلو بھیل کی بے عقلی کی وجہ سے لڑکی کے گھر والوں کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان کے گھر میں بدلو کے ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ اگر وہ معاملہ پولیس تک لے جاتے تو مجرموں کی نشان دہی ہونے کے ساتھ یہ بات بھی کھل جاتی کہ بدلو بھیل چوری کے لیے ان کے گھر میں گھسا اور پھر دل ہار گیا۔

چوری کی خبر کہیں چھپی، نہ بدلو بھیل کی کوئی خیر خبر ملی۔ سب کا اندازہ تھا کہ لڑکی کے بڑوں نے بدلو بھیل کو زمین میں پاٹ دیا ہوگا یا پھر بھاری پتھر سے باندھ کر گہرے سمندر میں غرق کردیا ہوگا۔ اس جیسے بے وقوف اور جذباتی آدمی کا انجام کچھ اسی قسم کا ہوسکتا تھا۔

ان تینوں کو ڈر تھا کہ وہ ایک مرتبہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ ان سے اگلی پچھلی ساری وارداتوں کے احوال اُگلوالیں گے اور ان کے بچنے کی ہر راہ مسدود ہوجائے گی۔ بات بڑھتے بڑھتے بھیل قبیلے کے سربراہ تک پہنچتی تو ان تینوں کے ساتھ بدلو بھیل کا نام بھی سامنے آتا اور وہ شریف گھرانا انگشت نمائی کا نشانہ بن جاتا جس نے اپنی عزت کی خاطر چوری کا بھاری نقصان خاموشی سے سہہ لیا تھا اور ساتھ ہی بدلو بھیل کو بھی کہیں غائب کردیا تھا۔

علاقے میں فائرنگ ہوئی تھی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ شاید اسی بنا پر پولیس پارٹی نے اپنی گاڑی چھوڑ کر علاقے کا پیدل گشت شروع کردیا تھا کیونکہ سناٹے میں ہوا کے دوش پر بہت سے افراد کے زور زور سے بولنے کی گھٹتی بڑھتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید پولیس والوں کی آمد سے حوصلہ پاکر محلے والے بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

''ہمیں تمہاری اس کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے چھوٹے بڑے وقفوں کے درمیان اس کی پوری بات سن کر کہا ''اگر تمہیں پولیس والوں کا اتنا ہی خوف ہے تو پھر کرشن کمار کے ٹھکانے کے بارے میں بتاؤ۔''

''رام قسم! میں نے جو بتایا ہے، اس سے ذرا بھی زیادہ جانتا ہوں تو میں اندھا اور کوڑھی ہوجاؤں۔''

''یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ وہ چھلاوا ہے۔'' میں نے اس کی بات سختی سے مسترد کردی ''اس کا تم سے واسطہ ہے۔ مراد ظریف کے ذریعے تم اسے اپنی چوریوں کا حصہ بھجواتے ہو۔ وہ دس بار تم سے ملتا ہے تو ایک مرتبہ تمہیں بھی کہیں نہ کہیں بلاتا ہوگا۔ مجھے اس ٹھکانے کا نشان اور پتا چاہیے۔''

''ہمیں اس کے میرپور خاص والے گھر کا پتا ہے جہاں ہم نے پہلی ناکام چوری کی تھی۔'' اس نے گھگیاتے ہوئے جواب دیا ''جب سے حالات پلٹے ہیں، اس نے وہاں رہنا بلکہ ادھر آنا بھی چھوڑ دیا ہے۔''

''تم کن حالات کی بات کررہے ہو؟ کون سے حالات پلٹے ہیں؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''پہلے مراد ظریف بھی ہماری طرح کنگلا تھا۔ بھوکا رہتا تھا یا پھر ہماری چوریوں کے مال پر عیش مستی کرتا تھا.... دس بارہ مہینے سے اس کے حالات بدلے ہیں۔ سب کے پاس پیسا آرہا ہے۔ ہمیں آخری چوری کیے شاید چھ ماہ سے زیادہ دن

ہوگئے ہیں۔ وہ ہم سے دوسرے مختلف کام لے رہا ہے۔ پہلے وہ چوری کے مال میں ہمارا ساجھے دار تھا۔ اب مفت میں ہمیں روپیا' شراب اور ہیروئن دیتا ہے۔" بولتے بولتے اچانک اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے رونا شروع کردیا۔

"جب تک ہم چوریاں کرتے تھے' ہم نے کبھی خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا۔ خالی ہتھیار بس سیٹھوں اور ساہوکاروں کو ڈرانے کے لیے ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔" وہ روتے روتے کہہ رہا تھا "اب چوریاں چھوڑ چکے ہیں تو آج ہم بس دو ہی رہ گئے۔ ساہو بھیل کو تم نے مار دیا اور باہر پولیس گھوم رہی ہے۔"

"خاموش!" سلطان شاہ نے اس کے رخسار پر بے تکلفی سے تھپڑ جڑ دیا کیونکہ اس کے چہرے کے زخموں سے رسنے والا خون پپڑیوں کی شکل میں خشک ہوچکا تھا "بیوہ عورتوں کی طرح رونے اور بین کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ان دونوں سے جو کچھ معلوم ہوسکتا تھا وہ معلوم کیا جاچکا تھا۔ کرشن کمار حالات سے خوف زدہ ہوکر راجستھان کی طرف فرار نہیں ہوا تھا' لوگوں کو دکھانے کے لیے اونٹ پر سوار ہوکر مونا باؤ کی طرف روانہ ہوا اور بھارتی علاقے میں کچھ اندر تک جانے کے بعد کسی اور خفیہ راستے سے پاکستان میں لوٹ آیا۔

میری دانست میں جلال جیسے ذمّے دار اہلکار کی فراہم کی ہوئی اطلاع غلط ہوسکتی تھی' نہ ان دونوں بھیلوں کے ذاتی تجربے کو جھٹلایا جاسکتا تھا۔ میری ذہنی رو ایک مرتبہ پھر کرشن کمار کی طرف بھٹک گئی اور میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کرشن کمار تم سے کہاں ملا تھا۔"

"پتا نہیں تم ہماری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں ملتا۔ کہیں بھی پہنچ جاتا ہے یا اچانک کسی کو کہیں بلوالیتا ہے۔ تمہیں کوئی بھی اس کے پتے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتاسکے گا۔"

"میں ہمیشہ کی نہیں' آخری ملاقات کی بات کررہا ہوں۔" میں نے جھلّا کر کہا "تمہیں گاڑی کے پیچھے کراچی آنے کی ہدایت اس نے کہاں اور کیسے دی تھی؟"

"اوہ!" وہ تشویش سے ایک گہرا سانس لے کر بولا "سب مراد ظریف کی فکر میں صحرا کے دفتر میں بیٹھے تھے کہ وہ اچانک ہیر آباد آنکلا۔ اس نے ہمیں سب سے الگ' وہیں تھڑے پر بٹھا کر پورا کام سمجھایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر آتا رہتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"وہ کبھی کبھی وہاں آتا ضرور ہے مگر اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔"

اسی وقت ڈور بیل بجی۔ میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ عورتوں کا دروازے پر جانا مناسب نہیں تھا' سلطان شاہ کے چہرے پر ان ضربات کے نشان باقی تھے جو اسے گوپال چند کے مکان اور پھر حیدرآباد میں لگائی گئی تھیں۔ میں ان تینوں کو وہیں روک کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔

"میرے دروازے تک پہنچنے سے پہلے دوبارہ گھنٹی بج اٹھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے آنے والا عجلت میں ہو یا اس قدر جاہ پرست ہو کہ اسے اپنے کسی حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی تاخیر برداشت نہ ہو۔

گھر کا مقفل دروازہ کھول کر میں نے پھاٹک کی کھڑکی کھولی تو ایک ادھیڑ عمر اے ایس آئی چار مسلح اور باوردی سپاہیوں کے ساتھ میرے روبہ رو موجود تھا۔

"آپ سو رہے تھے؟" اس نے میرے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے ہلکے سے طنز سے پوچھا۔

"سو رہا ہوتا تو مجھے دروازے پر بلانے کے لیے آپ کو شاید دس گھنٹیاں بجانی پڑتیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "میں دوسری ہی گھنٹی پر حاضر ہوگیا۔"

"آپ کے ساتھ اس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہوں گے۔ کیا ان میں سے کسی نے فائرنگ کی آواز سنی ہے؟"

"دراصل فائرنگ کی آوازیں ہی ہماری نیند میں خلل انداز ہوئی تھیں۔ کیا کہیں کوئی واردات ہوئی ہے؟" میں نے انجان بن کر اسی سے سوال کرڈالا "آج کل تو ہر وقت کہیں نہ کہیں' کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"ہم بیس منٹ سے اس علاقے میں جھک مار رہے ہیں۔" اے ایس آئی کا لہجہ تلخ ہوگیا "فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں بہت سے لوگوں نے سنی ہیں لیکن یہ پتا نہیں چل رہا کہ فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔"

"آوازیں قریب کی معلوم ہورہی تھیں۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"پولیس کے آنے کے بعد ہر گھر اور فلیٹ سے کوئی نہ کوئی مرد باہر آچکا ہے مگر آپ ابھی تک اندر چھپے ہوئے ہیں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟" پولیس افسر گفتگو کو غیر ضروری طول دے رہا تھا۔ محلے داروں کی بھیڑ بھی دھیرے

دھیرے کھسک کر اس کے پیچھے جمع ہو رہی تھی تاکہ مذاکرات براہِ راست سنے جاسکیں۔

"باہر مسلح غنڈے دندناتے پھر رہے ہوں تو گھر کی چار دیواری ہی زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"آپ نے ہماری موبائل کا سائرن سنا ہوگا۔ پولیس آتی ہے تو بڑے بڑے مجرم اور دہشت گرد دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔" اس نے اپنے پیچھے لگے ہوئے مجمع کی طرف اشارہ کرکے کہا "یہ سب شریف اور معزز شہری پولیس پر اعتماد کرتے ہیں اسی لیے ہمیں دیکھ کر اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے ہیں۔۔۔"

"میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ اب میں بھی باہر آجاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کی گاڑی اندر کھڑی ہوئی ہے پھر دھول میں اٹی ہوئی یہ کار کس کی ہے؟"

اس کے اشارے پر میں نے چونک کر پہلی بار اس کار کو دیکھا جو ہمارے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ حیدر آباد کی تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گاڑی طویل کچے پکے راستوں پر دھول اڑاتی وہاں تک پہنچی ہو۔

میں سٹپٹا گیا "رات تک یہ گاڑی یہاں نہیں تھی۔ پتا نہیں کب کھڑی کی گئی ہے۔"

ایک سپاہی نے مستعدی اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا۔ لپک کر گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ رکھا اور وہیں سے اعلان کر دیا "سر! بونٹ گرم ہے۔ گاڑی تھوڑی دیر پہلے تک چلتی رہی ہے۔"

"اس مشتبہ کار کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟" اے ایس آئی نے تلخی سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ کار کون یہاں چھوڑ گیا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "ویسے بھی میں اپنی چار دیواری سے باہر موجود کسی چیز کے بارے میں جوابدہ نہیں ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں۔ باہر لوگ نہ جانے۔۔۔۔ کیا کیا کرتے پھرتے ہیں۔"

اے ایس آئی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی "اور سنا ہے کہ آپ علاقے میں نئے کرائے دار ہیں۔ پاس پڑوس والوں سے آپ کا کوئی میل جول نہیں ہے۔"

مجھے اپنا دل ڈوبتا سا محسوس ہوا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا "اتفاق سے دونوں باتیں درست ہیں۔"

"آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ مجھے طاہر کہتے ہیں۔ میرا نام میری وردی کی جیب پر آویزاں ہے۔"

"اظہر خان!" اس بار میں نے بے خوفی سے کہہ ڈالا۔

طاہر بات بڑھانے پر تُلا ہوا تھا۔ اسے آسانی سے ٹالنا کسی بھی طرح ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

"اظہر صاحب! میں آپ کی اجازت سے گھر کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" اس نے اچانک ہی وہ غیر متوقع ارادہ ظاہر کیا اور میری اجازت کا انتظار کیے بغیر قدم آگے بڑھا دیا۔

میں اس کی راہ میں حائل تھا۔ میں نے پردے کے حوالے سے احتجاج کرنا چاہا تو اس نے سختی سے مجھے ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ بیلٹ ہولسٹر میں لگے ہوئے سروس آٹومیٹک کے دستے پر جم چکا تھا۔

آثار اچھے نہیں تھے۔ میں نے بڑبڑاتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ طاہر کے پیچھے چاروں مسلح سپاہی بھی اندر آگئے۔ چوتھے سپاہی نے اندر پہنچتے ہی ذیلی کھڑکی بولٹ کی اور رائفل ہاتھ میں لے کر وہیں کھڑا ہوگیا تاکہ متجسس تماشائی گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرسکیں۔ طاہر اپنے عملے کے ساتھ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد ڈرامائی انداز میں رک گیا تھا۔

"کوئی بات رہ گئی ہو تو اب بھی بتا دو۔" اس نے میری طرف جھک کر دھیمی اور دھمکی آمیز آواز میں کہا۔ وہ اچانک

آپ سے تم پر آگیا تھا "ایک دفعہ ہم اندر چلے گئے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

"کیا اندر جانے سے رکنے کے لیے تمہاری کوئی شرط ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"قانون کے قدم اٹھتے ہیں تو پھر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ قدم اپنا کام پورا کر کے ہی رکتے ہیں۔" اس نے سخت مگر نپی تلی آواز میں کہا "جو کچھ تم اپنی زبان سے بتا دو گے وہ تمہارے حق میں جائے گا۔ تم نے کچھ چھپایا اور ہم نے اس کا پتا چلا لیا تو یہ تمہارے حق میں بہت برا ہو گا۔"

اس پولیس پارٹی کی مداخلت کی وجہ سے میرے سر پر ایک بوجھ سوار تھا۔ وہ اندر گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اندر ایک لاش اور دو زخمی قیدیوں کو دیکھنے کے بعد طاہر ہم لوگوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ اپنی وردی کی وجہ سے اسے اتنے اختیارات حاصل تھے' عراق سے تریاق کی آمد تک وہ ہمارے خلاف اپنے دل کی ہر بھڑاس نکال سکتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پورچ کے ایک الگ تھلگ حصے کی طرف لے گیا۔ اس نے میرے بدلے ہوئے تخاطب پر کسی ناگواری کا اظہار کیا تھا نہ اس بے تکلفی کا برا منایا۔ کسی اہم انکشاف کی جائز امید میں وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہو لیا۔

"اپنے حساب سے تم نے صحیح دروازے پر دستک دی ہے مگر ہم بھی تمہاری طرح سرکاری آدمی ہیں۔" سپاہیوں سے چند قدم دور آجانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہر سرکاری آدمی کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی چھوٹ نہیں ہوتی۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے کہا "ایسا ہو جائے تو ہر سرکاری مویشی خانے کا منشی شہر میں گولیاں برساتا پھرے۔"

"تم نے اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنا ہو گا۔ ہمارا تعلق اسی فورس سے ہے۔"

"یہ تو کوئی نیا نام معلوم ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے... بڑبڑایا "یہ کون سی فورس ہے؟"

"بس فیڈرل فورس سمجھ لو!" میں نے اس کے ردِعمل سے حوصلہ پا کر کہا۔

وہ فوراً ہی شیر ہو گیا "سمجھ لو کا مطلب ہے کہ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ معاملہ گڑبڑ ہے.... چکر دینے کے بجائے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا واردات ہوئی ہے۔ موقع پر استعمال ہونے والے ہتھیار کہاں ہیں؟"

میری واپسی میں لمبی تاخیر سے پریشان ہو کر اسی وقت سلطان شاہ وہاں آ پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی طاہر بھڑک اٹھا "اوئے۔ اندر کتنے آدمی چھپے ہوئے ہیں؟ تم بھی صورت سے مجرم لگتے ہو۔"

"حوالدار صاحب؟ یہ مجرم نہیں' میرا ساتھی ہے۔ مجرم میں ابھی دکھاتا ہوں۔" اسے یہ جواب دے کر میں سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا "تم باہر کیوں آ گئے؟ مجرم لڑکیوں پر حملہ کر دیں گے۔ تم اندر ہی رکو اور اول خان کو بلا لو۔ میں حوالدار صاحب کو لاش دکھا کر ابھی اندر آتا ہوں۔ ہمارے آنے تک تم وہاں سے نہ ہلنا۔"

شاید وہ میری ان ہدایات پر اعتراض کرتا اور سلطان شاہ کو اندر واپس نہ جانے دیتا مگر میری زبان سے مجرموں کے ساتھ لاش کا ذکر سن کر وہ سب کچھ بھول گیا "لاش.... لاش کہاں ہے؟"

میں اسے اپنے ساتھ لے کر اس بغلی راستے کی طرف ہو لیا جس پر ساہو بھیل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تین سپاہی ہمارے پیچھے تھے' چوتھا مستعدی سے بند پھاٹک پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ پولیس افسران تھے اور ان کا دن رات ہر قسم کے مجرموں سے لے کر لاشوں تک سے واسطہ پڑتا رہتا تھا پھر بھی وہ ساہو بھیل کی لاش دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

پلی ہوئی مونچھوں اور درشت چہرے والے ساہو بھیل کے گہرے گندمی چہرے پر موت کی بے رونقی کا راج تھا۔ اس کے چہرے سے لپٹی ہوئی چادر گر کر اس کے سینے اور بغلوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ کپڑوں سے چادر تک' ہر چیز کا رنگ گہرا تھا اس لیے کہیں بھی خون کا کوئی واضح داغ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ کیسے مرا؟" چند ثانیوں تک لاش کا جائزہ لینے کے بعد اے ایس آئی طاہر نے روایتی لہجے میں پوچھا۔

میرا جی چاہا کہ کہہ دوں کہ گولیاں لگیں اور مر گیا مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس وقت اسے زیادہ چڑانا نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ ایک سپاہی پُر تشویش انداز میں کھڑکی کے فریم سے اکھڑی ہوئی آہنی گرل کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے طاہر کو ابتدا سے آخر تک کے واقعات بلا کسی کم و کاست کے سنا دیے۔

"تم اسے جانتے ہو؟ کوئی پرانی دشمنی تھی تمہاری اور اس کی؟" طاہر نے پوچھا۔

"یہ اکیلا نہیں ہے۔ اندر اس کے دو زخمی ساتھی بھی موجود ہیں۔" میں نے وضاحت سے بتایا "ان تینوں کے چہرے ہمارے لیے اجنبی ہیں مگر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا

تعلق ایس ٹی ایف کے دشمنوں سے ہے۔"

"ایس ٹی ایف؟ وہی اسپیشل ٹاسک فورس؟" اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں!" میں نے نیچے لہجے میں کہا "اس کے بارے میں یوں اونچی آواز میں بات نہ کرو۔ ہم رازداری کی وجہ سے آس پاس رہنے والوں سے ملنے جلنے سے گریز کرتے ہیں۔"

وہ چاروں ہمارے ساتھ اندر پہنچے تو وہاں دونوں قیدیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان تینوں نے قیدیوں کی داد و فریاد سے متاثر ہو کر انہیں دیرا کے کمرے کے باتھ روم میں پہنچا دیا تھا۔

میرے اشارے پر پولیس والے ہی انہیں کالروں سے پکڑ کر وہاں سے لابی میں گھسیٹ لائے۔

طاہر اے ایس آئی تھا۔ اس نے چند منٹ میں اندازہ لگالیا کہ وہ کیس اس کی سطح کا نہیں تھا۔ اس نے ہمارے فون پر اپنے تھانے کو رپورٹ دی۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ ایس ایچ او علاقے کے ڈی ایس پی کے ساتھ وہاں آرہا تھا۔

حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ پولیس والوں کی وردیاں دیکھتے ہی دونوں قیدیوں کا خون خشک ہوگیا تھا۔ وہ یوں خاموش اور سہمے ہوئے فرش پر اکڑوں بیٹھے تھے جیسے طاہر انہیں کسی بھی لمحے سزائے موت سنانے والا ہو۔

پولیس کی نفری کے ہمارے گھر میں آجانے کی وجہ سے باہر جمع ہونے والے محلے داروں میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ ہر شخص نے اپنے طور پر صحیح اندازہ لگالیا تھا کہ پولیس کو گوہرِ مقصود ہاتھ آگیا تھا اور فائرنگ کا مرکز ہمارا ہی گھر تھا۔ ان قیاس آرائیوں کے نتیجے میں باہر بلند آہنگ تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو چہ میگوئیوں کی ایک ہیجان آمیز صورت تھی۔

مجھے فکر تھی کہ ہمارے دروازے پر جمع ہونے والی وہ بھیڑ ہمارے لیے سُود مند نہیں تھی۔ ہم ایک مرتبہ محلے داروں کے شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے تو ہمارا وہاں رہنا محال ہوسکتا تھا۔

طاہر میرے اس اندیشے سے متفق تھا۔ اس نے تینوں سپاہیوں کو باہر بھیج دیا۔ لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے ان کے پاس یہ جواز کافی تھا کہ ہماری دیوار کے ساتھ ایک مشتبہ کار کھڑی ہوئی پائی گئی تھی اس لیے پولیس پارٹی ہمارے گھر میں بیٹھ کر اپنا کام آگے بڑھانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ غیر ضروری بھیڑ بھاڑ ان کے کام میں حارج ہو رہی تھی۔

سپاہیوں کی روانگی کے بعد طاہر میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ لاش اور قیدیوں کو دیکھ لینے کے بعد اس کا رویہ دوستانہ ہوگیا تھا۔

شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ پولیس والوں کو ایسے پکے پکائے کیس شاذونادر ہی ملتے ہیں۔ معمولی سے معمولی کیس میں بھی انہیں مجرم تک پہنچنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ وہاں حالات یہ تھے کہ بہ یک وقت تین مجرم اس کے منتظر تھے۔ اس کے اعلیٰ افسران اس واقعے کا کتنا ہی کریڈٹ لے لیتے۔ اس کی سرخروئی پر اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔

ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی آمد کے فوراً بعد اول خان بھی وہاں آن پہنچا۔ اس نے سلطان شاہ کا پیغام ملنے کے بعد شاید روانگی میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ اس طرح ہم بار بار واقعات دہرانے سے بچ گئے۔

ایس ایچ او اپنی وردی میں تھا جب کہ ڈی ایس پی سادہ لباس میں آیا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے گہری نیند سے بیدار کرکے پورے واقعے سے آگاہ کیا گیا تھا' رسمی تعارف ہوتے ہی اول خان ڈی ایس پی کو الگ لے گیا۔ ان دونوں میں بس چند ثانیوں تک بات ہوئی۔ واپسی پر ڈی ایس پی کا رویہ مودبانہ تھا۔

میں نے طاہر کو جو کہانی سنائی تھی' اس نے وہی اپنے

افسرانِ بالا کے سامنے دہرادی۔

"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" ایس ایچ او نے اپنے ڈی ایس پی کی طرف دیکھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "معاملہ صرف قیدیوں کا نہیں ہے۔ یہاں ایک مقتول بھی واردات میں ملوث ہے۔"

"کوئی دقت ہے تو آپ لوگ اس معاملے کو بھول کر واپس چلے جائیں۔" اول خان کو ایس ایچ او کی مداخلت ناگوار گزری اور اس نے بے رخی سے کہہ دیا "ہم لوگ یہ معاملہ اپنے طور پر سنبھال لیں گے۔"

ڈی ایس پی نے اپنے ماتحت کو غصیلی نظروں سے گھورا پھر جلدی سے اول خان سے گویا ہوا "نہیں سر، آپ کوئی فکر ہی نہ کریں.... ہم اس قصے میں سے آپ کے آدمیوں کا نام نکال کر کچھ اور ڈال دیں گے... اور بس!"

وہ پولیس کے دو افسران کی دو مختلف آرا تھیں۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے ڈی ایس پی سے پوچھا "ان تینوں کے بارے میں آپ کیا کریں گے؟ یہ تو یہیں پکڑے اور مارے گئے ہیں۔"

"سب ہوجاتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ہماری گشتی گاڑی کے عملے نے ایک مشتبہ کار کو روکا۔ وہ لوگ رکنے کے بجائے فائرنگ کرتے ہوئے بھاگنے لگے، مقابلہ ہوا، ایک مارا گیا، دو پکڑ لیے گئے۔"

"شاندار!" میری زبان سے بے ساختہ نکلا "یہ کہانی بالکل بے داغ رہے گی۔"

"ہاں جی!" ایس ایچ او بولے بغیر نہ رہ سکا "ان کی گاڑی پر دور سے دس پانچ گولیاں ماردیں گے۔ کوئی چیلنج نہیں کرسکے گا کہ پولیس مقابلہ نہیں ہوا تھا۔"

ان دونوں کے بیان میں بھی اس گھر کا کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"اس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" ایس ایچ او نے فیصلہ صادر کردیا "زیادہ ضرورت پڑی تو ان میں سے ایک کو وعدہ معاف گواہ بنالیں گے۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بس یہ پتا چل جائے کہ ان تینوں کی لائن کیا ہے۔"

"تینوں بھیل ہیں اور پیدائشی چور ہیں۔" میں نے بتایا "اپنا پرانا پیشہ چھوڑ کر دوسرے دھندے میں ہاتھ ڈالا اور پھنس گئے۔ ان کو سزا دلانے کے لیے ان کی چوریوں کا ریکارڈ ہی کافی ہوگا۔ ان کی مار میرپور خاص سے کراچی تک رہی ہے۔"

"بس بس...!" ڈی ایس پی اس اطلاع پر خوش ہوگیا "اتنا ہی کافی ہے۔ وہ چور ہیں اور اس علاقے میں چوری کی نیت سے گھوم رہے تھے کہ ہماری پارٹی سے ٹکراؤ ہوگیا۔"

"سر جی! چوری کے بجائے ڈکیتی بہتر رہے گی۔ تینوں مسلح بھی تھے۔" ایس ایچ او نے ٹانگ اڑائی۔

اس معاملے کی ابتدا بہت پریشان کن انداز میں ہوئی تھی لیکن اول خان اور ڈی ایس پی کے مختصر سے مذاکرات کے بعد سب کچھ یوں سمٹ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مجھے خوشی ہوئی کہ پولیس کے محکمے میں ایس ٹی ایف کی ساکھ اور دھاک قابلِ رشک تھی۔ نام و نمود سے دور رہ کر اپنی زمین اور قوم کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کی بھرپور رفاقت کی وجہ سے ہمیں بھی اہم مواقع پر ایسے فائدے حاصل ہوتے رہتے تھے جو کسی دوسری صورت میں گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

پولیس والوں کی کوششوں کی وجہ سے ہمارے دروازے کے سامنے لگی ہوئی بھیڑ چھٹ چکی تھی مگر پھر بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لوگوں کی متعدد ٹکڑیاں موجود تھیں جو شاید اس ڈرامے کا اختتام جاننے کے لیے مضطرب تھیں۔

ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی گاڑی کے علاوہ مجرموں کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ موبائل کے پچھلے حصے میں بھی کافی گنجائش تھی۔ ساہو بھیل کی لاش سمیت وہ پورا کارواں ایک ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اول خان کے ایما پر ڈی ایس پی نے اپنے عملے میں سے ایک سپاہی کو ہمارے گھر پر چھوڑ دیا تھا تاکہ پرسشِ احوال کے لیے آنے والے بعد میں ہمیں تنگ نہ کرسکیں۔

اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اول خان سے تخلیے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لاش اور قیدیوں کے ساتھ پولیس پارٹی کی روانگی کے بعد جوں ہی موقع ملا، اول خان نے سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔

"سب باتیں بے کار ہیں۔ اس وقت اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کرشن کمار پاکستان میں موجود ہے اور اسی نے ان تینوں کو ہماری کار کے پیچھے حیدرآباد سے یہاں بھیجا تھا۔" میں نے اس کے سوالات سن کر کہا۔

"اوہو۔ تو یہ لوگ تمہاری کار کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے تھے؟" اول خان کے لیے وہ انکشاف حیران کن ثابت ہوا "کرشن کمار نے بہت دور کی بات سوچی۔ ہم نے اس خطرے کو نظرانداز کردیا تھا۔"

"اگر مجھے شبہ ہوتا کہ وہ گاڑی کے ذریعے ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو میں یقیناً گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دیتی۔" ویرا نے ہلکی سی جھرجھری لے کر اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تم سے ہمیشہ ایسے ہی احمقانہ مشوروں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ عقل سے تمہیں بیر ہوگیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورا اور پوچھا "کیا گاڑی ہم سب کی جانوں سے قیمتی ہے؟"

"اور میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کرشن کمار سے ہم سب اسی قدر دہشت زدہ ہیں؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"کم از کم مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تمہارے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"پھر گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دینے کی کیا تک تھی؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔

"ذرا ڈرائنگ روم کی گرل دیکھو۔ وہ اندر گھسنے میں تقریباً کامیاب ہوگئے تھے اور ہم چاروں دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنے کمروں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔"

"عورتیں سو رہی تھیں بلکہ تم تو آخر تک سو رہی تھیں، مرد جاگ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون بیدار ہوا مگر گرل اکھڑنے سے پہلے ہم دونوں فائر کرنے کے لیے تیار تھے۔"

"گاڑی ایک نعمت ثابت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تینوں یہاں تک نہ پہنچتے تو ہمیں معلوم ہی نہ ہوپاتا کہ کرشن کمار اب بھی حیدر آباد میں دندناتا پھر رہا ہے۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا۔

اسی وقت قریب کی کسی مسجد سے فجر کی اذان شروع ہوئی اور ہم چاروں خاموش ہوگئے۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ حیدر آباد سے کراچی آچکا ہے۔" غزالہ نے اذان ختم ہونے کے بعد زبان کھولی "ان دونوں نے بتایا تھا کہ انہیں ہمارے گھر میں کسی غیر ضروری کشت وخون کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ انہیں اندر کا جائزہ لے کر خاموشی سے واپس لوٹ جانا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فائرنگ کے وقت وہ آس پاس ہی منڈلا رہا ہو۔"

"مگر کیوں؟" میں نے ویرا سے پوچھا "اسے ایسا کون سا کام تھا جو وہ اپنے آدمیوں کے سپرد نہیں کرسکتا تھا۔"

غزالہ کے پاس میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ کرشن کمار ہم لوگوں سے کسی غیر ضروری چھیڑ چھاڑ میں ملوث ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اسے صرف اور صرف مراد ظریف کی تلاش تھی۔ شاید اسے شبہ تھا کہ اس کا قریبی ساتھی ہم لوگوں کی تحویل میں تھا اور وہ اپنی کسی کارروائی کے ذریعے اسے رہائی دلوا سکتا تھا۔

جہاں تک اپنے قبیلے سے نکالے ہوئے بھیلوں کا تعلق تھا، وہ چوری اور نقب زنی کے فن میں یکتا تھے۔ ان کی اسی صلاحیت کی وجہ سے کرشن کمار نے انہیں ہمارے گھر کا جائزہ لینے پر مامور کیا تھا۔ ان میں اس سے زیادہ کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساہو بھیل کی موت کے بعد تیزی سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے، وہ اس کی لاش اٹھالے جانے کے چکر میں مارے گئے اور اپنے پچھلے گناہوں کا حساب چکانے کے لیے پولیس کی تحویل میں جاچکے تھے۔

مراد ظریف نے کرشن کمار کی جو تصویر کشی کی تھی، اس کے مطابق وہ شہروں سے دور، ویرانوں اور صحرا میں رہنے کا عادی تھا۔ شہری الجھنوں اور بکھیڑوں سے وہ دور بھاگتا تھا اسی لیے اس نے تھرپارکر کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا اور اپنی کوئی این جی او بنانے کے بجائے مراد ظریف کی غیر سرکاری تنظیم 'صحرا' سے استفادہ کررہا تھا۔

وہ کہانی کا ایک رخ تھا۔ اس کا دوسرا رخ اپنی جزئیات میں پہلے رخ سے بہت مختلف تھا مگر پھر بھی آئی بی کے جلال نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کرشن کمار شہروں کا رخ نہیں کرتا۔ سندھ کے اندرونی اور سرحدی علاقوں میں رہ کر اپنا سارا کام چلاتا ہے۔

دو مختلف ذرائع سے ملنے والی اس یکساں خبر کے برعکس بھیلوں نے بتایا تھا کہ کرشن کمار پچھلے روز حیدر آباد میں موجود تھا اور ہم سب کی رائے تھی کہ ہمارے گھر پر ہونے والی کارروائی کے وقت وہ کراچی میں بلکہ ہمارے گھر کے آس پاس موجود تھا۔ مراد سے اس کی گہری مفاہمت اور ہم آہنگی تھی۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں سے انحراف کرکے اسے رہا کرانے کے لیے کراچی آگیا تھا۔

وہ مراد کے عبرتناک انجام سے بالکل بے خبر تھا۔ ہم اس کے رابطے یا ٹھکانے سے بالکل بے خبر تھے۔ اس کا کوئی بھی سراغ مل جاتا تو ہم مراد کے نام کو چارہ بنا کر اسے اپنے چنگل میں لے سکتے تھے۔

کرشن کمار سابقہ بھارتی کمانڈو تھا جو ان دنوں را کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس حوالے سے میرے ذہن میں کراچی میں واقع بھارتی قونصل خانے کے افسر، میجر بخشی کا نام ابھرا مگر میں نے اسے خود ہی مسترد کر دیا۔ ان دنوں بہت کچھ ہوتا رہا تھا۔ انگریزی محاورے کے مطابق پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل کے چکر میں امریکی قونصل خانے کے جان اسمتھ تک کا نام سامنے آیا تھا لیکن ان تمام سرگرمیوں میں میجر بخشی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

وہ ان لوگوں کی کوئی نئی حکمتِ عملی بھی ہو سکتی تھی۔ اپنے سفارتی عملے کو ہر محاذ آرائی سے الگ تھلگ رکھ کر وہ را اور سی آئی اے کے تعاون سے علاقے میں کوئی بھیانک کارروائی کر گزرنا چاہتے تھے۔ اس شبہے کی تصدیق اس بات سے ہوتی تھی کہ کراچی میں مامور جان اسمتھ وسیع ایشیائی خطے میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا روحِ رواں تھا اور اس نے مراد ظریف سے ملاقات کی تھی۔

باہر کی فضا میں طیور چہچہانے لگے تھے، اجالا بھی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اول خان کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ہمارے سروں سے ایک سنگین خطرہ ٹل چکا تھا۔ جس کے بعد سب ہی نیند کا خمار محسوس کر رہے تھے۔ اول خان سوچ بچار کے لیے بہت سا مواد لے کر ہم سے رخصت ہو گیا۔

ہمارے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کی گرل توڑی نہیں گئی تھی بلکہ لمبی آہنی سلاخ کے ذریعے اکھاڑ کر موڑ دی گئی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر گرل کو جیسے تیسے واپس اس کی جگہ پھنسایا اور پھر ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

○☆○

ہماری اگلی صبح دیر سے ہوئی اور میں ناشتے کے بعد، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت، سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر کی ایک لمبی سیر کے لیے نکل گیا۔ ویرا اور غزالہ کو بہت تجسس تھا کہ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کس مہم پر جا رہا تھا مگر اس بارے میں خود میرا ذہن بھی صاف نہیں تھا۔ جو کچھ تھا، ایک خیال یا منصوبے کی صورت میں ذہن میں محفوظ تھا۔ اس کے روبہ عمل آنے کا انحصار صرف اور صرف حالات پر تھا۔ میں روانگی سے پہلے ان دونوں کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے ویرا نے اصرار کیا تھا کہ میں اسلام آباد میں جلال نے فون پر رابطہ کروں اور اسے بتاؤں کہ کرشن کمار تھرپارکر سے موناباؤ کی طرف فرار نہیں ہوا تھا بلکہ بالکل مخالف سمت میں حیدر آباد یا کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں نے اس مشورے کو رد کر دیا۔

جلال اپنے پیشے سے مخلص، ایک جفاکش اور ذہین افسر تھا۔ میری دانست میں، اسے وہ سب بتانا شائستگی کے خلاف ہوتا۔ ہر ذمے دار افسر کی طرح اسے بھی جابہ جا اپنے ماتحتوں کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کی کوتاہی پر جلال کو شرمندہ کرنا موزوں نہیں تھا۔

گھر سے نکلتے ہوئے سلطان شاہ خاموش تھا لیکن گاڑی ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے پر وہ خاموش نہ رہ سکا ”ان دونوں کو تم گھر چھوڑ آئے ہو مگر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تمہارا کیا پروگرام ہے تاکہ میں بھی کچھ ذہنی تیاری کر سکوں۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنی بے خبری کے باعث، عین وقت پر تمہارا کوئی بنتا ہوا کام بگاڑ دوں۔“

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے اپنے سوال کے لیے بہت معقول اور مضبوط جواز تلاش کیا تھا۔

”کرشن کمار کو ہماری اس گاڑی کا نمبر معلوم ہے۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو اس نے یقیناً ہمارے گھر اور اس کار پر ضرور نگاہ رکھی ہوگی۔“ میں نے دھیان سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ”اگر وہ ہمارے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ ہمارے پیچھے آنے والی کسی گاڑی میں موجود ہو۔ ہمارے ساتھ دور دور سے آنکھ مچولی کھیل کر اسے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ وہ کہیں نہ کہیں ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کرے گا۔“

”اس امید پر تم شہر کی سڑکیں ناپنے نکلے ہو؟“ اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

”ہو سکتا ہے کہ اس سے براہِ راست ہمارا کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔“ میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا ”اس کا اصل ہدف ہم

نہیں ہیں۔ وہ مراد کی رہائی کا خواہاں ہے۔ میں یہ امید ضرور کررہاہوں کہ وہ ہماری نظروں میں آجائے گا۔"

"امکان ہے مگر ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ اسے اپنے ان آدمیوں کا انجام معلوم ہوچکا ہوگا جنہیں اس نے صبح سویرے ہمارے گھر میں گھسنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ جلد بازی سے کام نہیں لے گا۔"

"دانستہ کوئی غلطی نہیں کرتا۔ غلطی اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی ہوشیاری سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے مگر کوئی نہ کوئی پہلو اس کی نظروں میں آنے سے رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں تو ہم شہر کی سیر کرکے لوٹ جائیں گے۔"

"تم کل ہی غزالہ کے ساتھ شہر کی سیر کرچکے ہو۔" اس نے شریر لہجے میں کہا "اس سے پہلے نیا کو کلفٹن لے گئے تھے۔ آج ویرا کو علم ہوگا کہ تم نے مجھے شہر کی سیر کرائی ہے تو وہ تمہاری جان کے لیے عذاب بن جائے گی۔"

"ویرا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ واقعی ایک عجیب لڑکی ہے۔ دوسروں کو ہر وقت اپنے ردِّ عمل سے متحیر کردینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں پہلے سے کچھ کہنا ناممکن ہے۔"

"مگر یہ بات طے ہے کہ وہ تمہیں بہت زیادہ پسند کرتی ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

"یہی بات تمہارے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔" میں نے اس موضوع کو جلدی سے ٹالتے ہوئے کہا "کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے تمہارے لیے ہی اتارا گیا ہے۔"

سلطان شاہ ہنسنے لگا "وہ دل پھینک لڑکی ہے جس کی طرف متوجہ ہوجائے، اسے طرح طرح کی خوش فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا کردیتی ہے۔ میں اسے لگام نہ دوں تو وہ کسی بھی وقت تمہارے اور غزالہ کے درمیان فساد کھڑا کرسکتی ہے۔"

میں نے جیل روڈ کے چوراہے سے گاڑی بائیں طرف، شہید ملت روڈ پر گھمالی۔ میں نے سلطان شاہ کے جواب میں دانستہ کچھ نہیں کہا کیونکہ ہماری گفتگو یکایک ہی نازک ذاتی حدود کو چھونے لگی تھی۔

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ بولا "یہاں کسی کو اتنی آسانی سے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم اپنے ذہن میں کتنی دیر کا پروگرام لے کر گھر سے نکلے ہو؟"

"سارا دن اپنا ہے۔ اکتا جائیں گے تو واپس چل دیں گے۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہے۔ اسے ہماری بلکہ ہمارے ذریعے مراد کی تلاش ہے اور ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ جب دو فریق ایک دوسرے کی تلاش میں ہوں تو بڑے بڑے شہروں کی وسعتیں بھی حیرت ناک حد تک سکڑ جاتی ہیں۔ مجھے تو اس وقت بھی پیچھے والی سبز کار مشتبہ معلوم ہورہی ہے۔"

ہم شہید ملت روڈ سے شارع فیصل پر مڑے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میرا خیال تھا کہ وہ ویرا ہوگی مگر دوسری طرف جلال بول رہا تھا۔

رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد وہ فوراً ہی کرشن کمار کی طرف آگیا "میں نے پرسوں شام تمہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں سے نکل کر موناباؤ کی طرف جاچکا ہے مگر وہ اس کا فراڈ تھا۔ گھوم پھر کر وہ کسی چور راستے سے دوبارہ پاکستان آگیا ہے۔"

جلال کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اسے کوئی غلط فہمی ہوسکتی تھی مگر وہ دشمن کی طرف سے غافل یا بے خبر نہیں تھا۔ پچھلی شام کے برعکس اس کے لب و لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس کے ذہن کی دھند بالکل صاف ہوچکی ہو۔

"یہ ایک اچھی خبر ہے کہ وہ ہماری سرحد میں لوٹ آیا ہے۔ ہم زیادہ آزادی سے اس کا مقابلہ کرسکیں گے۔" میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ خبر پہلے سے میرے علم میں تھی۔ "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"نچلے عملے نے غلطی سے اس کے معاملے کو روٹین میں لیا۔" وہ بتارہا تھا "اس رویّے کی وجہ سے خبروں کی ترسیل میں کچھ دیر ہوگئی۔ پرسوں شام جب میں تمہیں اس کے سرحد پار فرار ہونے کی خبر دے رہا تھا، وہ حیدر آباد میں آچکا تھا۔ اس بے پروائی پر دو آدمی معطل کردیے گئے ہیں اور میرا پورا اسٹاف ہائی الرٹ پر ہے۔"

"کل اس نے حیدر آباد میں تین آدمی ہماری گاڑی کی نگرانی پر مامور کیے تھے۔" میں نے روا روی میں بات کھول دی "رات گئے اول خان کا ایک آدمی حیدر آباد سے گاڑی ہمارے گھر لایا تو وہ تینوں پیچھے پیچھے یہاں آگئے..."

"اوہ... تو!" موبائل فون پر جلال کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا واقعات اتنی تیزی سے آگے بڑھے ہیں؟"

"رات وہ ہمارا گھر دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ آج فجر سے

پہلے ان کی مہمان داری کرنی پڑی۔ دو حوالات میں ہیں، تیسرا
بھیل مردہ خانے میں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میں نے چند فقروں
میں پوری کہانی بیان کر دی۔

"کل شام وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر پر دیکھا گیا تھا۔
اس کے بعد سے وہ پھر غائب ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے
کراچی کا رخ کیا ہوگا۔ میرے آدمی پورے شہر میں اس کی بُو
سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"میں بھی اس کی بدبو سونگھنے کے لیے اپنی گاڑی لے کر
سڑکوں پر نکلا ہوا ہوں..."

"ویری گڈ!" جلال نے پرجوش لہجے میں میری بات کاٹ
دی "میرا ایک اپریٹس تمہارے پاس ہوگا۔ اس پر تم ہارٹی
کے پاس ورڈ کے ذریعے میرے آدمیوں سے براہِ راست
رابطہ کر سکو گے۔ وہ تمہیں اپنی رپورٹ دیتے رہیں گے۔"

"وہ اپریٹس گھر پر ہے۔ اب واپسی پر ہی تمہارے کسی
آدمی سے بات ہو سکے گی۔"

"ہر آدمی سے نہیں، تم صرف کے ون سے بات کرو
گے۔ وہ آپریشن کے کے ہنٹ کا سربراہ ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی تلاش کو کے کے ہنٹ کا نام دیا
تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی سوال کیے بغیر کہا "مجھے
کراچی میں اس کے کسی رابطے کی تلاش ہے۔ وہ شہروں میں
اپنی شناخت سے خوف زدہ رہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ ہوٹل
کے بجائے اپنے کسی دوست یا ہمدرد کے پاس رہ رہا ہوگا۔"

"کراچی میں اس کے دو ہی قریب ترین دوست یا ہمدرد
ہو سکتے ہیں اور وہ دونوں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر
پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہاں پہنچا ہوا تھا۔

"ٹنڈو باگو کا زمین دار قادر خان اور کراچی کا بینک افسر
چمن علی۔ ایک کو تم نے مار دیا۔ بلڈ پریشر کی زیادتی سے
دوسرے کے دماغ کی شریان پھٹ گئی۔ اب وہ کراچی میں کس
کے پاس جائے گا؟"

چمن علی کے بارے میں اس کا تبصرہ سن کر میں حیران رہ
گیا۔ جلال سے میری آخری گفتگو دو دن پہلے ہوئی تھی۔ میں
نے اسے قادر خان کے قتل کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پچھلے
دن کے اسلام آباد کے اخبارات نے شاید اس خبر کو اہمیت نہ
دی ہو مگر کراچی میں وہ خبر شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت
کے بعد ہی چمن علی پر بلڈ پریشر کا حملہ ہوا تھا۔ وہ خبر اخباروں
میں آئی تھی نہ اس وقت تک میری اور جلال کی بات ہوئی
تھی۔ میں حیران تھا کہ اسے وہ خبر کہاں سے مل گئی۔

"موبائل نمبر ملانے سے پہلے میں نے تمہارے گھر فون
کیا تھا؟" میرے استفسار پر اس نے بتایا "میری ویرا سے
بات ہوئی۔ بہت خوش آواز اور خوش گفتار لڑکی ہے۔ چمن
علی کے انجام کے بارے میں اسی نے بتایا ہے۔"

"دیکھا جائے تو اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری بھی اس
کے ہمدردوں میں سے تھے۔ سب ہی ایک ایک کرکے اٹھ
چکے ہیں۔ اب پوری کھیپ میں سے صرف جان اسمتھ رہ گیا
ہے..."

"اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔" میری بات پوری ہونے سے
پہلے جلال بول پڑا "آج کل دونوں فریق اس اعلیٰ سطحی
مفاہمت پر پوری طرح عمل کر رہے ہیں جو بوب رافیل والے
معاملے کے بعد ہوئی تھی۔ ہم نے ان کے کسی آدمی کو چھیڑا تو
وہ پوری طاقت سے ہمارے خلاف سرد جنگ کا محاذ کھول دیں
گے اور انہیں اس ہزیمت کا داغ دھونے کا موقع مل جائے گا
جو امریکی صدر کی مداخلت کی وجہ سے لگا تھا۔" وہ اس بارے
میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو اول خان مجھے پہلے بتا چکا تھا۔

"ہاتھ تو کیا، میں اسے پیر تک نہیں لگاؤں گا۔ وہ خود بھی
اپنی ساکھ بچانے کے لیے کرشن کمار کو اپنے قریب نہیں آنے
دے گا۔ پتا نہیں، اس نے کس مجبوری کے تحت مراد کو چند
منٹ کا وقت دے دیا تھا!"

"مگر یہ دیکھ لو کہ اس کی ہمدردی میں اب تک کسی
طرف سے کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔" یہ کہہ کر اس نے
اچانک ہی پٹڑی بدل لی "ویرا وسیع رابطوں اور ذرائع کی مالک
ہے۔ ان سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

میں دل ہی دل میں جلال کی جمال پرستی پر ہنسے بغیر نہ رہ
سکا۔ ویرا ذرا سی دیر کی گفتگو میں اسے رجھانے میں کامیاب
ہو گئی تھی۔ میں نے کسی طنز کے بغیر سنجیدگی سے کہا "جب سے
اس نے کھل کر ہمارا ساتھ دینا شروع کیا ہے، اس کے
سارے رابطے اور ذرائع ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب وہ ہم
سے زیادہ بے خبر اور بے بس ہے۔"

"کچھ بھی ہو مگر بہت ذہین لڑکی ہے۔" جلال اپنی رو میں
اس کی تعریف پر مصر تھا۔

"اس میں بے شمار خوبیاں ہیں مگر ایک بہت بڑی خامی
ہے۔ پہلے وہ مردوں کو لبھا کر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے پھر
انہیں چڑا کر محظوظ ہوتی ہے۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ تم
اس کے ایسے کسی توہین آمیز رویّے کا شکار بنو۔"

میرے دو ٹوک مشورے پر وہ سٹپٹا گیا جیسے اس کی کوئی
چوری پکڑی گئی ہو۔ "میں اب اسے منہ بھی نہیں لگاؤں گا۔

تم نے یہ اندازہ تو لگالیا ہو گا کہ ایسی خرافات میرے مزاج میں شامل ہیں، نہ میرے پاس اتنا وقت ہے۔"
مختصر سے عرصے میں میرے اور اس کے درمیان کافی بے تکلفی ہو گئی تھی لیکن وہ حدود اتنی وسیع نہیں ہوئی تھیں کہ ہم ایسی ذاتی سرگرمیوں کے بارے میں کھل کر بات کر سکیں۔ وہ بہرحال ایک اعلیٰ اور ذمے دار سرکاری اہل کار تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اسے آخری مشورہ دے کر اپنی حد سے قدرے متجاوز ہو گیا تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے میں نے جلدی سے کہا "میں اپنے الفاظ پر معذرت خواہ ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ کرشن کمار کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کس کا نام آتا ہے؟"
ایک پرانا اور دوراز کار حوالہ ہے۔ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ۔ یہ ولایتی شراب کے انڈینٹر اور امپورٹر ہیں۔ پابندی کے بعد سفارتی عملے اور غیر مسلموں کے لیے شراب درآمد کرتے ہیں۔ اس کے مینجنگ ڈائریکٹر بلکہ پوری فیملی کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ یہ لوگ شروع سے کراچی میں کاروبار کرتے ہیں مگر میرپور خاص میں اپنے آبائی گھر بھی جاتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا کرشن کمار سے کوئی نہ کوئی رابطہ ہو۔" جلال نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔
"میرپور خاص کے باحیثیت لوگوں سے یقیناً اس کے قریبی مراسم ہوں گے۔" جلال کے جواب نے میرا دل خوش کر دیا "موہن فیملی ہندو معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہبی رشتے سے وہ لوگ کرشن کمار سے کافی قریب ہوں گے۔"
ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے سامنے سے میں نے گاڑی بائیں طرف موڑ لی۔
"یہ ایک مفروضہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔" جلال کی طرف سے محتاط جواب آیا "سول سروس میں بہت سے ہندو اعلیٰ عہدوں پر پوری ذمے داری سے کام کر رہے ہیں۔"
میں نے اس نکتے پر جلال سے بحث نہیں کی مگر میں جانتا تھا کہ سرحد کے دونوں طرف بہت سے کاموں میں مصلحتیں کار فرما ہوتی تھیں۔ اقلیتی کوٹے، مذہبی رواداری، انسانی مساوات اور ایسے ہی دلکش دعووں میں رنگ بھرنے کے لیے ہر مذہب کے لوگوں کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع دستیاب تھے لیکن حقیقی ضروریات کے پیش نظر یہ ترقیاں ایک خاص مقام پر آکر غیر تحریری پابندیوں کے شکنجے میں جکڑ جاتی تھیں۔ اسی طرح پاکستان میں رہنے والے ہندو اپنی مجبوریوں کے تحت پاکستان کے گن گاتے تھے مگر ان کے دل ان ہی لوگوں کے ساتھ دھڑکتے تھے جو مٹی پر کھینچی ہوئی لکیروں کو مٹا کر ہمیشہ سے اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھتے چلے آرہے تھے۔
جلال کے اس فون کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کرشن کمار بھارت کے بجائے حیدرآباد یا کراچی میں موجود تھا جب کہ مجھے اس کی تلاش کے لیے موہن گھرانے کا نام مل گیا تھا۔
"اب تم بے فکر رہنا۔ وہ اس بار بھاگ کر سرحد پار نہیں جا سکے گا۔" جلال کہہ رہا تھا۔
"تم خود بتا چکے ہو کہ لمبی اور دشوار گزار سرحد کی نگرانی بہت مشکل کام ہے۔"
"مگر اب یہ مشکل کام بھی کر لیا گیا ہے۔ سرچ لائٹس اور واچ ٹاورز کے ذریعے سرحد سیل کر دی گئی ہے۔ بس افسوس اس بات کا ہے کہ ان تیاریوں کی وجہ سے غداروں کو ہوشیار ہونے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے کوئی نیا چھوکرا تربیتی کیمپ کی طرف نہیں آیا۔ یوں ڈیڑھ دو سو سرکش لڑکوں کو سبق سکھانے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔"
"کچھ روز بے سروسامان پھرنے کے بعد انہیں خود ہی عقل آجائے گی۔ اب دعا کرو کہ کرشن کمار سے بچ کر نہ نکل سکے۔ اس پر ہم اب تک خاصا وقت صرف کر چکے ہیں۔"
"اس پر تم نے اب اصل کام شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے تم سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے کام کر رہے تھے جس میں تمہیں مکمل سرخروئی حاصل ہوئی ہے۔ اب اس کا کیا حال ہے؟"
"بہتر ہے۔ وہ میرے ساتھ ہی موجود ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔
"اسے میرا سلام کہہ دینا۔ کوئی خاص واقعہ رونما ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"
"خدا کا شکر ہے۔" میرے کان سے فون ہٹتے ہی سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب یہ مذاکرات رات تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔"
"جلال تھا، تمہیں سلام کہہ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر موبائل فون اس کی گود میں ڈال دیا۔
"صرف سلام کہنے میں اس نے اتنا وقت لے لیا تو پوری بات کہنے میں تو کئی دن گزر جاتے۔"
"زیادہ نہ بولو اور کچھ دیر کے لیے مجھے سوچنے دو۔ جلال نے کرشن کمار تک رسائی کی ایک نئی راہ سجھائی ہے۔
"میرا خیال ہے کہ ہم اس کی تلاش میں بلاوجہ ہی اپنا وقت برباد کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ یہاں ہر ایک سے سینگ لڑانے کے لیے نہیں آیا جو بلاوجہ ہمارے سامنے آنے کا خطرہ

مول لے گا۔"

"اسے مراد کی تلاش ہے۔ وہ کوئی منتر پڑھ کر اسے دریافت نہیں کر سکتا۔" میں نے سختی سے کہا "اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کہیں نہ کہیں سامنے آنا ہی پڑے گا اور ہم اس موقع کی تلاش میں ہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ ہمیں اس کی تلاش کیوں ہے؟ مراد اس کا ایک مضبوط حلیف تھا۔ وہ دونوں مل کر ایک سازش پروان چڑھا رہے تھے۔ تم نے مراد کی خودکشی کی خبر بلاوجہ ہی دبائی ہوئی ہے۔ خبر جاری کردو۔ کرشن کمار مایوس ہو کر خود ہی غائب ہو جائے گا۔ ہمیں اس کی تلاش میں دھکے نہیں کھانے پڑیں گے۔"

"یہ وہی غلطی ہے جو دیرا کر رہی تھی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ہماری کار کی وجہ سے تین افراد ہمارے گھر پر چڑھ آئے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ کرشن کمار کراچی یا حیدرآباد میں ہے جب تک اسے مراد کی زندگی کی آس ہے، وہ یہیں منڈلاتا رہے گا اور ہم اسے گھیر کر مار دیں گے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہم اسے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے اس لیے مراد کی خودکشی کی خبر کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے۔"

"آخر تم اسے مار کر کیا حاصل کر لو گے۔" سلطان شاہ پر اس وقت قنوطیت طاری ہو چلی تھی "انڈین سیکرٹ سروس والے اس کی جگہ کسی اور کو یہاں بھیج دیں گے۔"

"اس طرح سوچو گے تو پھر او برائن ڈی ہنٹ، اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری سے بھڑنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔"

"ان کی بات مختلف تھی۔ انہوں نے ایک مقام بنالیا تھا، بہت کچھ کر چکے تھے۔ وہ اب اپنی اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ کرشن کمار کیا ہے؟ ایک بھگوڑا جاسوس جو پکڑے جانے کے ڈر سے شہروں سے دور رہتا ہے۔"

"یہ سب پروپیگنڈا ہے تاکہ تم جیسے عجلت پسند لوگ اسے نظرانداز کرتے رہیں۔ مصروف اور تعلیم یافتہ شہری آبادی سے اسے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ دیہی آبادی اس کا اصل نشانہ ہے اور وہ وہاں بہت کچھ کام کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ اسے صحرا کا بادشاہ اور تھر کا مسیحا کہتے ہیں۔ وہ اپنے مقاصد کو لے کر تیزی سے آگے جا رہا ہے۔"

"تم سے بحث میں جیتنا ممکن نہیں۔" سلطان شاہ نے خلافِ توقع جلد ہی ہتھیار ڈال دیے "یہ بتاؤ کہ تمہاری مشتبہ سبز گاڑی اب کہاں ہے؟"

"وہ تو چند منٹ بعد ہی کہیں اور مڑ گئی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا اور سلطان شاہ سلگ اٹھا۔

ہم راشد منہاس روڈ سے ہو کر دوبارہ یونیورسٹی روڈ پر آئے اور اس بار سیدھے صدر کی طرف نکلتے چلے گئے۔ ہم چاہتے تو حسن اسکوائر پر اپنے گھر کی طرف بھی جا سکتے تھے مگر میرے ذہن پر اس وقت آوارہ گردی کی دھن طاری تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے احتجاج کی بھی پروا نہیں کی اور گھر والے موڑ کو چھوڑ کر آگے نکل گیا۔

بارہ بجے کے بعد موبائل فون پر اول خان کی کال آئی "اس نے بتایا کہ ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے والے بھیلوں کے زیر استعمال کار موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے نام پر رجسٹرڈ تھی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا "یہ فرم تو کراچی میں ہے۔ اس کے نام پر حیدرآباد میں گاڑی کا رجسٹریشن کیسے ہو گیا؟ اس پر حیدرآباد کی نمبر پلیٹ تھی۔"

"مجھے پتا نہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ میری خصوصی درخواست پر پولیس کے محکمے نے بہت تیزی سے چھان بین کی ہے۔ نمبر پلیٹ سے لے کر گاڑی کے انجن اور چیسز نمبر تک ہر چیز اصلی ہے۔ تم کہہ رہے ہو تو معلوم کروں گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دو پرائیویٹ لمیٹڈ فرموں کا نام ایک ہی ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد میں ان کا کوئی ذیلی دفتر ہو۔ اس ادارے کے مالکان کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ اس بارے میں جتنی زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں، بہتر رہے گا۔"

"یہ نام تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟" اول خان کی آواز تحیرزدہ تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے جلال نے اپنی یادداشت کے سہارے بتایا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس علاقے میں رہنے والے... باحیثیت ہندوؤں میں کرشن کمار کو خاصی اہمیت حاصل ہو گی۔ اب مجھے اپنا یہ شبہ درست ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"تم شہر میں کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"

"بس، اب بھٹکنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس وقت میں گارڈن روڈ پر ہوں۔ اگلے سگنل سے گاڑی گھر کی طرف گھما رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی وہیں آ جاؤ۔ ہمیں موہن اینڈ موہن کو فوری طور پر دیکھنا پڑے گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اگلا سگنل سبز تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف گھمالی۔

"اب تمہیں اندازہ ہوا کہ تمہاری یہ ساری بھاگ دوڑ بے سود تھی۔" سلطان شاہ کو طنز کرنے کا موقع مل گیا۔

"حرکت میں برکت ہے۔ میرے لیے گھر میں ٹک کر بیٹھے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اب مجھے خیال آرہا ہے کہ کرشن کمار کے جنون میں، میں نے اپنے گھر کو فراموش کردیا تھا۔ اسے ہماری گاڑی کے نمبر وغیرہ کے ساتھ گھر کا پتا بھی معلوم ہے۔"

"اب بات اتنی دور تک نہ لے جاؤ۔" سلطان شاہ نے اضطرار کے عالم میں میری بات کاٹ دی "آج صبح سویرے ہی اس کے تین آدمیوں نے ہمارے گھر پر منہ کی کھائی ہے۔ وہ اتنی جلدی دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ سرکاری وردی کا خوف برا ہوتا ہے۔ ہمارے دروازے پر ایک مسلح سپاہی بھی پہرے پر مامور ہے۔"

"ویرا نے اسے واپس تھانے بھیج دیا ہوگا۔ اسے سپاہی کی بے چارگی پر رحم آرہا تھا۔"

"پھر تو ہم نے واقعی اپنے گھر کو نظر انداز کردیا۔" سلطان شاہ نے اپنی نشست میں بے چینی سے پہلو بدل کر کہا "وہ دونوں عورتیں ہیں۔ ایک مرد کو گھر پر ضرور رہنا چاہیے تھا۔" اس نے موبائل فون اٹھا کر بٹن دبانے شروع کردیے۔

میرے اعصاب پر یکایک ایک بے نام سی بے چینی طاری ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے نمبر مکمل کرکے جوں ہی کال کا بٹن دبایا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر اپنے کان سے لگالیا۔

پہلی، دوسری اور پھر تیسری گھنٹی بھی بجتی چلی گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میرے ہاتھوں اور پیروں میں شدید اینٹھن ہونے لگی۔ ستاروں کی چال بدل گئی تھی۔ حالات صحیح رخ پر چلتے چلتے شاید اچانک بگڑ گئے تھے۔

چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں کسی کے تیز سانسوں کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے ویرا؟ وہاں کیا ہورہا ہے؟" میں نے سانسوں کے زیروبم کو پہچان کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے اول خان۔ میں کچھ دیر کے لیے باہر جارہی ہوں۔ واپس آکر فون کروں گی۔"

"غزالہ کہاں ہے؟" میری آواز یک بہ یک بہت کمزور ہوگئی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا گیا۔

ہم میلوں دور تھے اور گھر پر کوئی بھیانک کھیل شروع ہوچکا تھا۔ کرشن کمار نے کار کو بھول کر اپنی ساری توجہ ہمارے گھر پر مرکوز کردی تھی۔

ویسے تو ویرا کی آواز ہی بہت کچھ بتارہی تھی لیکن میری

پسند ناپسند

"حمیدہ کو بھی وہی فلمیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔ اسے بھی وہی کھانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی گانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی کتابیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔"

"پھر تم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے۔"

آواز سن لینے کے باوجود مجھے اول خان کہہ کر اس نے یہ جتادیا تھا کہ اپنی ساری تیزی اور طراری کے باوجود وہ اس وقت حالات کے چنگل میں قطعی بے بس ہوچکی تھی۔

میرا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر سلطان شاہ کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ میرے ہاتھ سے فون لے کر مشینی انداز میں اول خان کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا نمبر مصروف تھا۔

اس بار بھی وہ غلطی میری ہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے خود ہی اسے ایک کام بتایا تھا۔

سلطان شاہ نے بس چند ثانیوں کے توقف کے بعد نمبر ملالیا۔ اس بار سلسلہ مل گیا۔

"گھر پر کوئی زبردست گڑبڑ ہوئی ہے۔ خود پہنچو اور تھانے کو بھی فون کردو۔ وہاں صرف دونوں عورتیں ہیں۔" اس نے اپنا پیغام مکمل کرتے ہی رابطہ منقطع کردیا تاکہ اول خان فوری طور پر کوئی اقدام اٹھاسکے۔

ٹریفک کی بھیڑ میں میں نے اپنی گاڑی کی رفتار یک لخت تیز کردی۔ اس وقت مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔

"گھر کا نمبر ملاؤ!" میں نے غصے اور بے بسی سے اپنے جبڑے بھینچ کر سلطان شاہ کو ہدایت دی۔

"بے سود ہے۔ اب کوئی فون نہیں اٹھائے گا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"ملاؤ!" میں درندگی سے غرایا "گھنٹیاں بجنے دو۔ وہ دونوں مرگئیں تو کوئی نہ کوئی سب سے پہلے وہاں پہنچ کر فون اٹھالے گا۔"

سلطان شاہ سہم کر فوراً ہی نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ دوسری طرف گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

اس وقت تک میں ایک سرخ سگنل کی خلاف ورزی کرکے آگے نکل چکا تھا۔

"چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہوگئی۔" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کے مجھے اطلاع دی۔

"دوبارہ ملاؤ۔" میں دبی دبی ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا "جب تک وہاں سے کوئی جواب نہ ملے' بار بار نمبر ملاتے رہو۔ ہم سے پہلے کوئی نہ کوئی وہاں ضرور پہنچے گا۔"

سلطان شاہ موبائل فون کان سے لگائے گھنٹیاں سنتا رہا اور میں کہیں بھی نہ رکنے کا عزم کرکے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا رہا۔ میں نے راستے میں ... دو سرخ سگنل توڑے۔ متعدد مقامات پر خطرناک حادثوں سے بال بال بچا اور اسی طرح ہم نمائش کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف مسلسل گھنٹیاں بج رہی تھیں مگر کوئی جواب نہیں تھا۔

میری آنکھیں جل رہی تھیں' دل پتھر ہوگیا تھا۔ گھر سے فون کا کوئی جواب نہ ملنے کا مطلب تھا کہ وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ سب کچھ خاک ہوچکا تھا۔ میرے دل کی گہرائیوں میں بہت شدت سے آرزو امڈی کہ کاش ویرا اور غزالہ اغوا نہ ہوئی ہوں' انہوں نے اپنی چار دیواری میں لڑتے ہوئے عزت کی موت کو گلے لگالیا ہو۔

شاہراہ قائدین اور پھر مزار قائد کے عقب سے ہوتے ہوئے ہم سبزی منڈی کے پھیلے ہوئے اور پرہجوم ٹریفک تک پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی کی ایمرجنسی لائٹس آن کردی تھیں' ایک ہاتھ ہارن پر تھا' داہنا پیر بہت بے دردی سے بریک اور ایکسیلریٹر پیڈل کے درمیان حرکت کررہا تھا۔ سلطان شاہ میرے برابر والی نشست پر کسی مفلوج مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا ٹیلی فون کی گھنٹیاں سنے جارہا تھا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ سب نہ جانے کہاں مرگئے تھے' اول خان کہاں رہ گیا تھا۔ ہم آدھے شہر کی مسافت طے کرکے گھر کے قریب پہنچنے والے تھے لیکن اول خان اسٹیشن فور سے ایک سیدھی سڑک طے کرکے ہمارے گھر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

ہمیں راستہ ملتا رہا' گاڑی کی رفتار اور وحشیانہ ہارن سے دوسرے ڈرائیور بوکھلا کر راہ دیتے رہے۔ ہم حسن اسکوائر تک پہنچ گئے لیکن سلطان شاہ کے لبوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اس کے کان میں گونجنے والی گھنٹیوں کی آواز میرے کانوں تک بھی پہنچنے لگی تھی۔ میں نے سخت بددلی اور مایوسی کے عالم میں حسن اسکوائر سے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔

اپنی گلی میں گھستے ہی میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے گھر کے سامنے اول خان کی گاڑی اور ایک پولیس جیپ موجود تھی مگر سلطان شاہ کے موبائل فون پر ہر جواب مفقود تھا۔

وہ منظر دیکھتے ہی سلطان شاہ نے موبائل بند کردیا۔ گاڑی نے سڑک پر دھول اڑاتے ہوئے آخری جست لگائی اور میں نے اپنے دروازے کے سامنے پوری قوت سے بریک لگا کر اپنی نشست چھوڑ دی۔ گیئر میں ہونے کی وجہ سے گاڑی کا انجن ایک جھٹکا لے کر خود بخود بند ہوگیا اور میں پھاٹک پر کھڑے ہوئے سپاہی کو دھکیلتا ہوا اندر دوڑتا چلا گیا۔

اندر لابی میں مجھے صرف تین نفوس نظر آئے۔ اے ایس آئی طاہر ایک باوردی سپاہی کے ساتھ تھا اور اول خان اکیلا تھا۔ ان تینوں کے لٹکے ہوئے افسردہ چہرے دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اول خان نے شاید میرے چہرے سے میری کیفیات کو بھانپ لیا اور ہاتھ ہلا کر ویرا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

قدم مڑنے سے پہلے میری گردن گھوم گئی اور پھر میری جلتی ہوئی آنکھوں کے گوشے تشکر کے جذبے سے بے اختیار نم ناک ہوتے چلے گئے۔ اندر وہ دونوں موجود تھیں۔ غزالہ مسہری پر آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ ویرا اس کے سرہانے افسردگی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور میں نے بیک وقت ان دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں بازو میں سمیٹ لیا۔

غزالہ بے ہوش تھی۔ وہ میری اس والہانہ وارفتگی کا کوئی جواب دینے سے قاصر تھی مگر ویرا پھوٹ کر رو پڑی "ڈینی.... ! وہ حرام زادہ سفید نیولا یہاں گھس آیا تھا۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان بتایا۔

وہ دونوں میری نگاہوں کے سامنے اور بالکل محفوظ تھیں۔ مجھے لمحہ بھر میں اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں رہی تھی کہ وہاں کون آیا تھا۔ وہ جو بھی تھا' یہ بڑی بات تھی کہ بے نیل مرام واپس لوٹا تھا۔

میں نے غزالہ کے چہرے اور پیشانی پر بوسوں کی بھرمار کردی۔ میں اپنی واپسی کے سفر میں جس ہولناک کرب سے گزرا تھا' اس کے بعد میں جو کچھ دیکھ رہا تھا' اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ جذباتی ابال کچھ ٹھنڈا ہوا تو میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ ہماری طرف پشت کیے دروازے سے باہر کھڑا تھا۔

میں رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو لابی میں اول خان اکیلا کھڑا تھا۔ اس نے میرے

لیے اپنے بازو کھول دیے اور میں اس کی کشادہ چھاتی سے لپٹ کر ایک بار پھر پھٹ پڑا۔
وہ میرا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ میرا غمگسار اور ہمدرد بھی تھا۔ ہر آڑے وقت میں مجھ سے آگے سینہ سپر ہونے کے لیے تیار رہتا تھا۔ ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے سے یوں ہی لپٹے رہے۔ میری آنکھوں میں دہکتی ہوئی آگ آنسوؤں کی شبنم میں ڈھل کر دھیرے دھیرے سرد ہوتی رہی۔ اول خان مربیانہ انداز میں میری پیٹھ پر تھپکیاں دیتا رہا۔
اس سے الگ ہونے کے بعد میں بولنے کے قابل ہوا تو سب سے پہلے میں نے شکوہ ہی کیا "تم یہاں آ گئے تھے تو تم نے میرے فون کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں یہاں کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔"
"فون!" اس نے حیرت سے دہرایا "غلط نمبر ملا ہو گا۔ یہاں کوئی گھنٹی نہیں بجی۔ میں اپنے موبائل پر کوشش کر رہا تھا تو تمہارا فون مسلسل مصروف تھا۔ شاید تم نے غلطی سے کوئی غلط بٹن دبا دیا تھا۔"
میں فوراً لابی میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھا جہاں سے سب لائنیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ ریسیور اٹھایا تو وہ بالکل بے جان تھا۔ پیچھے جھانکا تو کسی نے سارے تار نوچ کر الگ پھینکے ہوئے تھے۔ پوری بات فوراً ہی واضح ہو گئی۔ سلطان شاہ کو گھر کے فون پر گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں جبکہ وہاں تار الگ تھے۔ ہمارا فون واقعی مسلسل مصروف تھا اس وجہ سے اول خان ہم سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہر رابطہ مفقود ہونے کی وجہ سے میں خود ہی اپنے خیالوں کے آسیب بنا کر ان کے ہیولوں سے وحشت میں مبتلا ہوتا رہا جبکہ اول خان نے نہ کوئی کوتاہی کی تھی، نہ پولیس والوں نے بے پروائی سے کام لیا تھا۔
"طاہر اور اس کے سپاہی کہاں ہیں؟" پولیس کا خیال آتے ہی میں نے بے ساختہ پوچھا۔
"میں نے شکریہ کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔ میرے اور اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہو چکا تھا۔"
"یہاں ہوا کیا تھا؟ ویرا کس سفید نیولے کا ذکر کر رہی ہے؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔
"تفصیل کا مجھے خود علم نہیں، مجھے اس نے بتایا کہ کرشن کمار کسی گداگر کے ساتھ گھر میں گھس آیا تھا۔"
"کرشن کمار!" میں نے دانت پیس کر دہرایا "تجھ پر اب میرا بھاری قرض واجب ہو چکا ہے۔"
سلطان شاہ بھی عورتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہمارے ساتھ آ ملا تھا۔ اس نے بتایا "وہ ویرا کو پہچان گیا تھا اور غزالہ کو بے ہوش کر کے ویرا کو لے جانے ہی والا تھا کہ ویرا کا داؤ چل گیا۔"
"اور کیا بتا رہی ہے وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"ابھی اتنا ہی بتایا ہے۔ سنبھلے گی تو کچھ اور بھی بتائے گی۔ کرشن کمار تو حد سے زیادہ مکار اور دیدہ دلیر ثابت ہوا ہے۔" سلطان شاہ بولا "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ چند گھنٹوں بعد ایسا کوئی خطرناک وار کر گزرے گا۔"
"یہ انسانی نفسیات ہے۔ اس نے ہماری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔" اول خان نے کہا۔
"گاڑی کھلی ہوئی ہے۔ چابی بھی اگنیشن میں ہے۔ اسے لاک کر آؤ۔" خیال آنے پر میں نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور وہ باہر چلا گیا۔
میں خود کو ابتدائی صدمے سے سنبھال چکا تھا۔ دوبارہ ویرا کی خواب گاہ میں گیا تو اس سے پتا چلا کہ غزالہ کو کنپٹی پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔ اسے کوئی اور چوٹ نہیں آئی تھی۔ ایسی صورت میں غزالہ کے سرہانے بیٹھنا بے سود تھا۔ ضرب کے اعصابی اثرات ختم ہونے سے پہلے اس کا ہوش میں آنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے آرام اور وقفہ ضروری تھا۔
میں ویرا کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے سے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کھلی فضا میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر وہ زیادہ آسانی سے اپنی ذہنی پراگندگی پر قابو پا سکتی تھی۔ اس کی کہانی سننے کے لیے اس کا جلد از جلد معمول پر آنا ضروری تھا۔
ویرا ڈرائنگ روم میں آئی اور آتے ہی شکستہ لہجے میں بولنے لگی "اف میرے خدا.... !وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ وہ دونوں بہت سفاک نظر آ رہے تھے اور انہوں نے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگائی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر میں سناٹے میں آ گئی تھی۔ وہ میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔"
"اپنے چڑھے ہوئے سانس درست کرو۔" میں نے نرم لہجے میں اسے تسلی دی "وہ برا وقت تھا گزر چکا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح و سلامت ہو۔ تمہارے اوسان درست ہوں گے تو تمہاری کہانی بھی سن لیں گے۔"
سلطان شاہ کو موقع کی نزاکت اور وقت کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ ویرا کی باتیں سننے کے بجائے از خود ٹیلی فون کے تار جوڑنے چلا گیا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے واپس آکر

اسپیکر فون آن کیا تو اس کی ڈائل ٹون بحال ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی اول خان کو پولیس ہیڈ آفس کا وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے موہن اینڈ موہن کے حیدر آباد آفس کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے کہا ہوا تھا۔

اس نے اسے مطلع کیا کہ وہ اپنے دفتر کے بجائے ہمارے فون نمبر پر موجود تھا لہٰذا اس سے وہیں رابطہ کیا جائے۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا کہ کام شروع کیا جا چکا تھا اور کسی بھی لمحے معلومات ملنے والی تھیں۔

حالات بدترین نہج پر جاتے جاتے یکایک سنبھل گئے تھے۔ میں نے ذہنی یکسوئی کے لیے سگریٹ سلگالی۔ ویرا اعصاب زدہ ہو رہی تھی اور رہ رہ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کی فرمائش پر میں نے اس کے لیے بھی ایک سگریٹ سلگا دی۔ اس نے کسی اناڑی سگریٹ نوش کی طرح پے در پے چند گہرے کش لے کر سارا زہریلا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں جذب کرلیا۔ میں نے دانستہ اپنی توجہ اس کی طرف سے ہٹالی۔

ڈرائنگ روم میں ہم چار نفوس موجود تھے اور چاروں ہی خاموش تھے۔ وہ خاموشی خاصی مہیب اور غیر فطری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سکوت اول خان نے توڑا۔ وہ ہم سے ہمارے گھر سے نکلنے کا سبب پوچھ رہا تھا۔

وہ بے سود آوارہ گردی میری ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اس لیے میں خاموش رہا۔ سلطان شاہ' اول خان کو پورے انہماک سے اس مہم جوئی کے رموز و نکات سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اسے کھلی چھوٹ دینے کے لیے میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر لابی میں آگیا۔ جلال اپنے مقاصد کے تحت ہمارے مسائل میں جتنی گہری دلچسپی لے رہا تھا' اس کا تقاضا تھا کہ اسے بھی تازہ ترین حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔ میں نے لابی سے اس کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف وہ خود موجود تھا۔

ہماری طرح اس کے لیے بھی یہ خبر ناقابلِ یقین تھی کہ اپنے تین آدمیوں سے ہاتھ دھونے کے محض چند گھنٹوں بعد کرشن کمار نے کسی زہریلے ناگ کی طرح اچانک پلٹ کر دوسرا وار کر ڈالا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس بار بھی اس کا وار خالی گیا تھا۔ جلال مجھ سے اس واقعے کی تفصیلات جاننا چاہ رہا تھا لیکن اس وقت تک میں خود بے خبر تھا۔ اسے سنانے کے لیے میرے پاس کوئی تفصیل نہیں تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے بات کرنے کے بعد تمہیں مزید کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور تم ہنگامی حالات میں گھر واپس لوٹ آئے!" ریسیور پر اس کی پر اشتیاق آواز ابھری۔

"مجبوری تھی۔ گھر سے رابطہ ختم ہو جانے کی وجہ سے میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ ویسے بھی ویرا سے ادھوری بات ہونے کے بعد میں ذہنی طور پر کچھ سوچنے یا سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ گھر پر میری زیادہ ضرورت تھی۔"

"وہ اب تک ہمیں پیچھے دھکیلتا چلا آرہا ہے۔" اس نے خود کو بھی ہمارے ساتھ شمار کرتے ہوئے پرخلوص لہجے میں کہا "اب اس کی گردن نہ توڑی گئی تو وہ واقعی کوئی نقصان پہنچا بیٹھے گا....."

وہ تھوڑا سا مبالغہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس نے سلطان شاہ کو اغوا کیا اور ہم اسے صاف نکال لائے۔ اس کی دوسری کوشش سراسر ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اس دوران میں وہ اپنے کتنے ہی آدمیوں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اس کے لیے کام کرتے ہوئے جو لوگ مارے یا پکڑے گئے' اسے ان سے ذرا بھی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہوگی۔ ایسے خود غرض لوگ اندر سے بہت سفّاک ہوتے ہیں۔ وہ بھارتی ہے اور اس کے مذموم مقاصد کے لیے اپنی گردنیں کٹوانے والے سارے احمق مقامی تھے۔ وہ جانی نقصان کی پروا کیے بغیر سودے بازی کی بہتر پوزیشن میں آنا چاہتا ہے۔ ویرا کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد وہ مراد کی واپسی کے لیے مطالبہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ہے اس لیے اس کی طرف سے جلد ہی کوئی تیسری کوشش بھی ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بار ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہمیں حقائق کی دنیا میں رہ کر کچھ سوچنا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا دماغ دکھنے لگا ہے۔" میں نے اس کی باتیں غور سے سننے کے بعد کہا "ابھی تک وہ ایک سایہ ہے سائے کو کون پکڑ سکتا ہے؟ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"اپنی توجہ موہن اینڈ موہن پر مرکوز کرو۔ میرے آدمی سے رابطہ کرو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

میرے ذہن سے جیسے یکایک برف پگھل گئی۔ میں نے چونک کر کہا "ان کا نام دوسری طرف سے بھی سامنے آیا ہے۔"

اس اطلاع پر جلال کی آواز پر جوش ہو گئی۔ میں نے اسے اول خان کی ابتدائی رپورٹ سے آگاہ کیا اور اس کا

ذہن فوری طور پر ایک نئے امکان کی طرف مبذول ہو گیا ''اگر حیدر آباد جیسے چھوٹے شہر میں ان کا کوئی دفتر ہے تو اسلام آباد میں بھی ہونا چاہیے۔ حیدر آباد میں گنتی کے غیر ملکی ہوں گے۔ یہاں شہر کی چوتھائی سے کچھ کم آبادی ان پر مشتمل ہے۔''

''ان کے خلاف پہلا ثبوت سامنے آچکا ہے۔ تم اسلام آباد میں ان پر دھاوا بولو۔ ہم کراچی میں انہیں گھیرتے ہیں۔ ان کے کرشن کمار سے گہرے مراسم ہیں جب ہی ان کی گاڑی بھیلوں نے استعمال کی تھی۔''

''وہ کرشن کے ہمدرد اور ذات کے شاید بنیے ہیں۔ ان سے اسلام آباد میں چھیڑ چھاڑ میں پہل کی گئی تو وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔ پہلے انہیں کراچی میں ہی گھیرو۔ تمہارا سگنل ملے گا تو ہم یہاں انہیں پیس ڈالیں گے۔''

''تمہیں اب احساس ہو رہا ہوگا کہ ہندو پاکستان کے لیے کیا سوچ رکھتے ہیں۔'' میں نے اسے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی ''یہاں کی زمین سے اگنے والے اناج پر پلنے والے بھیل اور بنیے' سب کرشن کمار کے ساتھی ہیں۔''

''یہ زندگی کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جن سے ٹکرا کر ہر اچھے سے اچھا نظریہ پاش پاش ہوجاتا ہے۔ میں جس منصب پر فائز ہوں' وہاں بیٹھ کر کوئی متعصبانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''تم نہ سوچو لیکن دوسروں کو سوچنے سے نہ روکو۔ ہر ایک کو اپنے طور پر سوچنے کی مکمل آزادی ہے۔''

ہلکی سی ہنسی کے بعد اس کی آواز آئی ''سوچتے رہو لیکن میرے آدمی سے رابطے میں رہو۔ تم نے مجھے ویرا کے مزاج کے بارے میں آگاہ کر کے اس سے تھوڑا سا بد دل کر دیا ہے پھر بھی میری نیک خواہشات اس تک پہنچا دینا۔ وہ ایک بہت بڑے سانحے سے بال بال بچی ہے۔ ایسے معاملات میں عورت کی حیثیت بہت نازک ہوجاتی ہے۔''

میں اس سے گفتگو ختم کر کے واپس ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا ایک گلاس سے شفاف سیال کا چھوٹا سا گھونٹ لے رہی تھی۔ فضا میں رچتی ہوئی مانوس بو سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اپنے اعصاب کو سہارا دینے کے لیے وہ جن کا گلاس بنا لائی تھی۔ اس وقت اسے الکحل کی شدید ضرورت تھی۔

میں نے ان لوگوں کو اپنی اور جلال کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں ویرا جن اور ٹانک واٹر پر مشتمل گلاس کی بڑی مقدار اپنے معدے میں منتقل کر چکی تھی۔ میری بات مکمل ہوتے ہی اس نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

○☆○

اس وقت تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ ڈور بیل بجی تو ویرا باتھ روم میں تھی۔

ہمارے چلے جانے کے بعد اس نے گھر کے پہرے پر مامور سپاہی کو بھرپور طریقے سے شکم سیر کرانے کے بعد واپس تھانے بھیج دیا تھا اور گھنٹی کا جواب دینے کے لیے گھر میں غزالہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ فکر مند ہوگئی۔

ہم لوگ اس گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہمارے ملاقاتیوں کی فہرست اول خان سے شروع ہو کر اسی کے نام پر ختم ہوجاتی تھی اور وہ عام طور پر فون کر کے ہی ہمارے گھر آتا تھا۔ ویرا کو توقع تھی کہ آنے والا وہ نہیں ہوگا۔ وہ عجلت میں باتھ روم سے نکلی اور کمرے سے باہر آئی تو یہ دیکھ کر اس کے فرشتے کوچ کر گئے کہ غزالہ دو آدمیوں کے ساتھ پورچ سے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

غزالہ کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک شخص گداگروں جیسے میلے اور خستہ لباس میں تھا۔ اس کے بکھرے ہوئے بالوں اور مدقوق چہرے پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ دوسرا شخص چھریرے بدن کا مالک اور دراز قامت تھا۔ اپنی خوش روئی اور گوری رنگت کے باوجود وہ مردانہ وجاہت اور کشش سے محروم تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی تیز نگاہوں میں سفّاکی تیر رہی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ماؤزر موجود تھا۔ جس کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔

ویرا نے حلیے اور شکل و شباہت کی بنا پر اس خوش لباس شخص کو پہلی نظر میں پہچان لیا۔ وہ کرشن کمار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ صبح سویرے ساہو بھیل کی موت اور دو آدمیوں کی گرفتاری کے بعد وہ یوں دندناتا ہوا ہمارے گھر میں گھس آئے گا۔ وہ راہ داری میں اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

دوسری طرف کرشن نے بھی پہلی نظر میں ویرا کو پہچان لیا اور اس پر نگاہ پڑتے ہی تحیر زدہ آواز میں بولا ''اوہ! ویرا لائیڈ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم یوں بونس میں ہاتھ آجاؤ گی۔ تم پر مقرر کیا ہوا بیس لاکھ ڈالر کا انعام میری زندگی بدل دے گا۔''

ویرا کو غزالہ کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ غزالہ کو اپنے دفاع کا ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو وہ ان دونوں کو خاصا زچ کر سکتی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اسے دھوکے سے بے بس کیا گیا

تھا۔ پھاٹک کی کھڑکی کھلتے ہی کرشن اسے گن پوائنٹ پر لے کر اندر آ گیا تھا۔ وہ دونوں غزالہ کے ساتھ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے رہے اور ویرا الٹے قدموں پیچھے سرکتی رہی۔

اس کا ذہن مفلوک الحال گداگر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر غیر مسلح تھا اور اپنی وضع قطع سے پیشہ ور نظر آ رہا تھا۔

"خیریت چاہتے ہو تو غزالہ کو چھوڑ دو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔" ویرا نے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا "کسی بھی لمحے ہمارے دونوں ساتھی واپس آئیں گے اور تمہارا خون پی جائیں گے!"

"نو ڈارلنگ!" کرشن کمار کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی "نریش بھکاری کے روپ میں کئی گھنٹوں سے یہاں جھک نہیں مار رہا تھا۔ اس نے پل پل کی خبر رکھی ہے۔ وہ دونوں تیار ہو کر کسی لمبے سفر پر گئے ہیں۔ ویسے میں خود بھی عجلت میں ہوں۔ تم میرا خوب صورت انعام ہو۔ میں تمہیں لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

ویرا مارشل آرٹس میں ماہر تھی۔ پلک جھپکتے میں اپنے پیروں سے کرشن کمار کا جبڑا توڑ سکتی تھی مگر اس وقت وہ مجبور تھی۔ کرشن کمار کے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی۔ وقت یا اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو غزالہ چشم زدن میں اپنی زندگی سے محروم ہو سکتی تھی۔ ویرا کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا مگر وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور کرشن کی پیشانی پر پُرتشویش شکنیں ابھر آئیں۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی اس نے کسی سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا "مختصر ترین بات کر کے فون بند کر دو۔ تم نے کوئی غلط لفظ بولا یا کوئی اشارہ دینے کی کوشش کی تو غزالہ کی کنپٹی میں سوراخ ہو جائے گا.... تمہیں ہر حال میں میرے ساتھ جانا ہے۔"

اس دوران میں تین گھنٹیاں بج چکی تھیں۔ چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ویرا نے مجھ سے مختصرات کی اور خوف سے فون بند کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے کسی لفظ پر مشتعل ہو کر وہ سفید نیولا غزالہ کو گولی نہ مار دے۔

ویرا کو اپنے اغوا کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ نریش نامی بہروپیا نہتا تھا۔ ویرا کو سارا خطرہ صرف کرشن کی طرف سے تھا۔ وہ خود کو بدترین حالات کے لیے تیار کر چکی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ غزالہ کو سفید نیولے کے چنگل سے نجات دلا کر اس کے ساتھ چل دے۔ گھر سے نکلنے کے بعد وہ کسی بھی مرحلے پر موقع پا کر اسے زیر کرنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

"غزالہ کو چھوڑ دو!" اس نے آخر کار پھنسی پھنسی آواز میں کہا "میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

کرشن کمار نے ماؤزر کی نال سے ہی غزالہ کو نریش کی طرف دھکیلا۔ اس وقت وہ تینوں ویرا کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ نریش نے اپنے آقا کا اشارہ سمجھ کر غزالہ کی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور وہ کراہ کر نریش کے بازو پر سے ہوتی ہوئی ویرا کے کمرے کی چوکھٹ میں جا گری۔

نریش کا مکا اس قدر نپا تلا تھا کہ گرنے کے بعد غزالہ کا جسم ساکت ہو گیا۔

کرشن کمار کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی۔ وہ ویرا پر ماؤزر تانے، تیزی سے اس کے قریب پہنچا پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ویرا کے نرم بال جکڑ کر ماؤزر کی نال اس کی پسلیوں سے لگا دی۔

وہ دراز قامت تھا۔ اس کی گرسنہ نگاہیں ویرا کے دہشت زدہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس پر جھکتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا "تم واقعی بے حد حسین ہو.... اس قدر حسین کہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے ایک خواب اور حسرت بن سکتی ہو۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا کو اس سفید نیولے سے گھن آ رہی تھی۔ وفور جوش میں وہ ویرا سے بہت قریب آ گیا تھا۔ ویرا نے اپنی آنکھیں بند کر کے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ وہ پوری قوت سے اسے دور دھکیل دینا چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ اپنی پسلیوں میں ماؤزر کی بے رحم آہنی نال کی چبھن اسے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیختی جا رہی تھی۔ کرشن کمار بے وقوف نہیں تھا لیکن وہ ویرا کو وہاں سے نکال لے جانے سے پہلے اس کے وجود کے لمس کو کچھ بہتر انداز میں محسوس کرنے کے شیطانی جذبے سے مغلوب ہو گیا تھا۔ اسے فون کی گھنٹی کی کرخت آواز کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔ اس نے جھلائے ہوئے انداز میں جھک کر دیکھا، ویرا کو اپنی پسلیوں پر سے ماؤزر کی نال کا دباؤ ختم ہونے کا خوشگوار احساس ہوا تو اس نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔

ویرا کے بال بدستور کرشن کمار کی بائیں مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ فون کے پیچھے جھک کر ٹیلی فون کے تار نوچنے میں مصروف تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ

موقوف ہوچکا تھا مگر کرشن کمار کی بدقسمتی کا گجر بج اٹھا تھا۔

ویرا کا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اٹھا اور ایسی جگہ پڑا کہ کرشن کمار چیخ مار کر فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ اپنے جسم کے مضروب حصے کو بچانے کی ناکام غیر ارادی کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے جس کے نتیجے میں ماؤزر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فون کے نچے ہوئے تاروں پر جا گرا، ویرا کے بال بھی اس کی وحشیانہ گرفت سے آزاد ہوگئے۔

مکمل آزادی میسر آتے ہی ویرا کے وجود میں بجلی سی سرایت کرگئی۔ اس نے سفید نیولے کے جبڑے پر کھڑی ہتھیلی کا زوردار وار کیا۔ وہ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو وہ قالین پر لوٹ کر الگ ہوگیا۔ اس بار ویرا خود اپنے وار کا شکار ہوگئی۔ اس کی بائیں کہنی کرشن کمار کے گداز سینے کے بجائے فرشی قالین پر پڑی تھی جس کے نیچے کنکریٹ کا سخت فرش تھا۔

وہ ویرا کے لیے زندگی اور موت کا جاں گسل معرکہ تھا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ چیخ ضبط کی اور اچھل کر فرشی قالین سے کھڑی ہوگئی۔

کرشن کمار بھی قالین پر ایک لمبی لوٹ لگا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا لیکن ماؤزر اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ ویرا اس کے اور ماؤزر کے درمیان ایک للکارتی ہوئی دیوار بنی ہوئی تھی۔

اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ آگے بڑھ کر ویرا سے بھڑ جاتا یا پھر پلٹ کر کھلے ہوئے دروازے سے نکل بھاگتا۔

حالات کا رخ بگڑتا دیکھ کر نریش کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ پہلے ہی دروازے سے باہر فرار ہوچکا تھا۔

وہ دونوں بس چند ثانیوں تک ایک دوسرے سے کئی فٹ کے فاصلے پر کھڑے رہے۔ ویرا اسے نفرت اور حقارت سے گھور رہی تھی۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے آس پاس ایسی کوئی چیز تلاش کررہا تھا جسے ویرا کے خلاف موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے درمیان دبیے ہوئے تھے۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سخت اذیت میں مبتلا تھا۔

اس کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ ویرا اسے سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی بائیں کہنی میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں پھر بھی اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر پیش قدمی کی۔ اس نے اپنے بگڑے ہوئے تیوروں میں کوئی نرمی نہیں آنے دی تھی۔ اس وقت تک سفید نیولے کو اچھی طرح اندازہ ہوچکا تھا کہ ویرا کا حسین و نازک سراپا حسرتوں کے ساتھ صرف خواب میں دیکھنے کے لیے تھا۔ اس جیسے بدطینت مرد اسے چھوکر اس کے قہر اور عتاب سے نہیں بچ سکتے تھے۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگا اور پھر بھاگتا ہی چلا گیا۔

ویرا گھر کے دروازے تک پہنچی تو باہر سے کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔

پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ویرا میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ باہر جاکر اسے بند کرتی، اس نے گھر کا دروازہ بند کرکے اوپر اور نیچے کے بولٹ لگائے، واپس آئی اور بے ہوش غزالہ کے سینے پر گر کر بے ساختہ رو پڑی۔

کرشن کمار کے فرار کے چند منٹ بعد پولیس پارٹی گھر کے دروازے پر موجود تھی۔

○☆○

وہ شخص جو ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر بہت دیدہ دلیری سے ہمارے گھر میں گھسا تھا، ویرا کی حاضر دماغی اور حوصلہ مندی کے سبب، منہ کی کھا کر فرار ہوا تھا۔

ویرا اپنی چوٹ کی تکلیف پر غالب آچکی تھی مگر ہم تینوں نے اس کی بائیں کہنی کا جائزہ لیا۔ کہنی پر ہلکا سا ورم تھا اور ویرا درد سے اسے ہلا پا رہی تھی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ کہنی کی پیچیدہ ہڈیاں کسی توڑ پھوڑ کا شکار نہیں ہوئی تھیں۔ بے طرح ضرب آنے سے کوئی جوڑ ہل گیا تھا جو کریپ بینڈیج کے استعمال اور قدرے آرام کے بعد معمول پر آسکتا تھا۔

اس وقت غزالہ بھی ہوش میں آچکی تھی۔ اس کو بھی کنپٹی پر گہری چوٹ لگی تھی اور ہوش میں آنے کے باوجود اسے چکر آرہے تھے۔ کسی لمبے بکھیڑے میں پڑنے کے بجائے اسے مسکن دوا دے کر اپنی خواب گاہ میں دوبارہ سلا دیا گیا۔ توقع تھی کہ طویل اور گہری نیند کے بعد، چوٹ میں درد کے سوا اس کی دوسری شکایات دور ہوجائیں گی۔ اس طرح وہ پورا قصہ خود ساختہ گھریلو علاج سے نمٹ گیا تھا۔

کرشن کمار، ویرا کے ساتھ کوئی بڑی بے ہودگی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا مگر اس کے سلوک کی وجہ سے ویرا

توہین کے احساس میں مبتلا تھی اور آرام کرنے کے بجائے اس کے خلاف منصوبہ بندی میں سرگرم حصہ لینے پر مصر تھی۔ اس نے ہم تینوں کے سامنے اعتراف کیا کہ مغربی معاشرت کی عادی ہونے کی وجہ سے وہ مردوں سے آزادانہ میل جول کی عادی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی مرد کے جسم یا ہاتھوں کے لمس سے اتنی کراہت محسوس نہیں کی تھی جو سفید نیولے کے ساتھ تجربے میں آئی تھی۔

اس کے جسم کا ہر حصہ سرد، لجلجا اور ایسا چپچپاہٹ آمیز تھا کہ جسم پر سمندری کچھوؤں کے رینگنے کا گھناؤنا احساس ہو رہا تھا۔ ویرا نے اپنی کھڑی ہتھیلی کا وار کر کے اس کا جبڑا تو توڑ ہی دیا تھا' اس کے ہاتھ توڑ کر وہ اپنا انتقام مکمل کرنا چاہتی تھی۔ سفید نیولے کی سیدھی سادی موت اس کا غصہ سرد نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ اسے تم نے زیر کیا ہے۔" جن کے زیر اثر ویرا کا موڈ بحال ہونے کے کافی دیر بعد سلطان شاہ نے پہلی چٹکی لی "سفید نیولے کو تم سے دور رکھنے میں ہم دونوں نے پوری طرح حصہ لیا ہے۔"

"اگر تم دونوں کہیں کوئی منتر پڑھ رہے تھے تو میں ایسی خرافات کی قائل نہیں ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ کسی مرد کی موجودگی کے بغیر میں نے کامیابی سے اپنا اور غزالہ کا دفاع کر لیا۔ میں خود کو اس کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو وہ شاید غزالہ کو گولی ہی مار دیتا۔ وہ بہت سرد اور منتقم مزاج نظر آ رہا تھا۔"

"دشمن ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "ہم منتر نہیں پڑھ رہے تھے' مسلسل گھر کا فون ملائے بیٹھے تھے ہماری بجائی جانے والی گھنٹیوں سے مشتعل ہو کر وہ ذرا سا غافل ہوا اور تمہیں موقع مل گیا۔"

"مسلسل فون ملانا بے سود تھا۔ دوسری بار چھ سات گھنٹیوں کے بعد ہی اس نے تار نوچ دیے تھے۔"

"وہ بھی میرا ہی فون تھا۔ ڈیڈی کا حکم تھا کہ نمبر ملایا جائے۔ چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔ شاید اس کی کھینچا تانی میں تاروں کے سرے شارٹ ہوئے تھے۔ ہمیں یہاں ہونے والے واقعات کا علم نہیں تھا اس لیے بعد میں مسلسل نمبر ملائے بیٹھے رہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ گھر سے دور رہ کر بھی تم دونوں نے غیر ارادی طور پر ویرا کی بہت مدد کی ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی تائید کی "بار بار کوشش کرنے کے بعد میں حیران تھا کہ تم کس سے اتنی لمبی بات کر رہے ہو۔"

"وہ فون میرے لیے نجات کا پیغام ثابت ہوا تھا۔" ویرا نے کھلے دل سے اقرار کیا "تذلیل اور پھر اس کے ہاتھوں اغوا کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا پھر بھی میں ذہنی طور پر اس سانحے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔"

"کچھوؤں کی بہار آ جاتی۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا "ہر طرف کچھوے ہی کچھوے رینگ رہے ہوتے۔"

"ہر وقت کی شوخی اچھی نہیں ہوتی۔" میں نے سلطان شاہ کو گھور کر تنبیہہ کی "اور کچھ نہیں تو ویرا کی مجروح کہنی کا ہی خیال کر لو۔ وہ تمہیں مناسب سبق دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"سفید نیولا!" سلطان شاہ نے ہنس کر کہا "پتا نہیں' ویرا نے اسے یہ انوکھا نام کیوں دیا ہے۔"

"تم بھی اسے دیکھو گے تو بے اختیار یہی کہہ اٹھو گے ....." ٹیلی فون بجنے لگا تھا ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

اس وقت اول خان کال کا منتظر تھا۔ اس نے بٹن دبا کر اسپیکر فون ہی آن کر دیا۔

دوسری طرف سے اس کا شناسا پولیس افسر بتا رہا تھا کہ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے بارے میں تصدیق ہو گئی تھی۔ حیدر آباد اور اس کے مضافات میں مختلف منصوبوں پر مامور غیر ملکیوں کو شراب کی فراہمی کے لیے ان کا ایک دفتر قائم تھا جہاں کا عملہ صرف دو نفوس پر مشتمل تھا۔ منیجر اور اس کے مددگار کے سوا وہاں تیسرے آدمی کی ضرورت نہیں تھی۔

کار کا رجسٹریشن فرم کے نام پر تھا مگر وہ گاڑی باضابطہ طور پر منیجر کے استعمال میں تھی۔ منیجر کا نام ہری چند تھا۔ اگر ہری چند اپنے مالکان کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی کرشن کمار کا مددگار تھا ورنہ اس کی گاڑی حیدر آباد سے کراچی نہ لائی گئی ہوتی۔ پولیس افسر کا خیال تھا کہ ہری چند کو اعانت جرم کے الزام میں فوری طور پر حراست میں لے لیا جائے۔

"ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" میرے اشارے پر اول خان کو جلال کا مشورہ یاد آ گیا۔ "اسے چھیڑا تو اصل مجرم ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنے کام کی ابتدا کراچی سے کرنی ہو گی۔"

"کراچی میں ہر قسم کا تعاون ملے گا۔ فوری طور پر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"ابھی میں اپنے طور پر دیکھوں گا کہ موہن اینڈ موہن

والے کیا کررہے ہیں۔ بعد میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حیدر آباد میں کل کتنے غیر ملکی ہوں گے جن کے لیے انہوں نے دو افراد کو تنخواہ اور کار دے کر وہاں رکھا ہوا ہے۔ حیدر آباد میں کام کرنے والے بھی کراچی کو ترجیح دیتے ہیں۔ صبح شام کی آمدورفت کے مقابلے میں انہیں حیدر آباد کے ہوٹلوں کی ناقص رہائشی سہولتیں زیادہ گراں گزرتی ہیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

میرا بھی یہی خیال ہے۔ اول خان اس کی رائے سے متفق تھا۔ "ہر جرم کے لیے کسی نہ کسی آڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔" انہوں نے اپنا دفتر کھولا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کراچی اور تھر کے درمیان محض ایک رابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔"

"یہ چکر کیا ہے؟ گلشن اقبال سے پکڑے جانے والے دونوں بھیلوں نے اپنی بے شمار چوریوں کے ساتھ کسی کرشن کمار کا بھی ذکر کیا ہے جس نے انہیں حیدر آباد سے کراچی بھیجا تھا۔ وہ کون بندہ ہے؟"

"وہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ ہم اس تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں۔ وہ ہاتھ آئے تو معلوم ہو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔" اول خان نے گول مول سا جواب دے کر اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے مراسم میں بہت زیادہ گرم جوشی یا گہرائی نہیں تھی لیکن ان کے تعلقات پرانے محسوس ہوتے تھے۔ وہ مزید کچھ باتیں کرتے رہے پھر اول خان نے اس کا شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

"اب بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو گئی۔" میں نے اول خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"نیپئر روڈ پر ان کا دفتر اور گودام ہے۔ وہ اس وقت بھی کھلا ہوا ہوگا۔ کچھ نفری لے کر ادھر ہی چلتے ہیں۔"

"وہاں کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ شام ہو لینے دو۔ پرائیویٹ لمیٹڈ ادارے عام طور پر فیملی بزنس کے طور پر چلائے جاتے ہیں۔ اس کے مالکان کہیں ایک ہی جگہ رہتے ہوں گے۔ شام ڈھلے وہاں کا گھیراؤ کیا جائے۔"

"تمہاری تجویز زیادہ مناسب ہے۔" ویرا نے کہا "اندھیرا ہونے کے بعد میں بھی تمہارے ساتھ چل سکوں گی۔ اندر نہیں جاؤں گی۔ باہر ہی کسی گاڑی میں بیٹھی رہوں گی۔ جب تک کہنی ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ میں زیادہ کام نہیں کرسکتی۔"

"کم اور زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم گھر پر آرام کرو گی۔" میں نے کہا "سلطان شاہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ ابھی چند روز تک تمہیں اور غزالہ کو خاصی احتیاط اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

"میں بھی گھر پر رہوں گا؟" سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ دوسری بار جس ہزیمت سے دوچار ہوا ہے' اس کے بعد تیسری مرتبہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ہر بات میں بحث نہیں کیا کرتے۔" اول خان نے اسے سمجھایا "جب تک ہم کرشن کمار کا قضیہ ختم نہیں کرلیتے' ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔"

سلطان شاہ منہ پھلا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اسے توقع رہی ہوگی کہ ہم میں سے کوئی اسے روکنے کی کوشش کرے گا مگر سب خاموش رہے۔ ویرا کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ سلطان شاہ کو بے بس یا برہم دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش نظر آتی تھی۔

موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ اور اس کے مالکان کے بارے میں تھوڑی دیر میں کافی مواد مہیا ہو چکا تھا۔

اس کمپنی کے اصل مالکان دو بھائی تھے جنھوں نے قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے تین بیٹوں کو فرم میں ڈائریکٹر بنایا ہوا تھا مگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کمپنی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اصل کاروبار جگدیش موہن اور روی موہن چلاتے تھے۔ تینوں لڑکے اپنے بڑوں کے کنٹرول سے دور اور آزاد رہنے کے لیے میرپور خاص کی آبائی حویلی میں رہتے تھے۔ جگدیش اور روی اولڈ کلفٹن کے علاقے میں وسیع رقبے میں بنے ہوئے موہن ہاؤس میں رہتے تھے۔ جگدیش بڑا تھا اور وہی فرم کا مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔

ان دونوں بھائیوں سے ملاقات کے لیے ہمارا ایجنڈا بہت وسیع تھا۔ وہ کاروبار میں کیا ہیر پھیر کررہے تھے' اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہمیں ان کے ذریعے کرشن کمار اور اس کے رابطوں کا سراغ نکالنا تھا۔

شام کو سات بجے واپسی کا وعدہ کرکے اول خان چلا گیا کیونکہ اسے اپنے کچھ دفتری امور نمٹانے تھے۔

ادھر غزالہ اور ویرا کے مجروح ہو جانے کے باعث ہمارے گھر کے معمولات میں اچانک ہی تعطل آگیا تھا۔ تین بجے سلطان شاہ احتجاج کرتا ہوا اپنے کمرے سے باہر آیا۔ بھوک کی شدت نے اس کی ناراضی کو خاموشی سے نگل لیا تھا۔

قہر درویش برجانِ درویش کے مصداق چاروں کی شکم پری کے بندوبست کے لیے سلطان شاہ کو ہی بازار جانا پڑا۔ ہمارے آس پاس کا علاقہ ایسی ہنگامی ضروریات کے بارے میں بہت زرخیز تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سلطان شاہ گرم گرم اور اشتہا انگیز کھانوں کے ڈبے لے کر آموجود ہوا۔ غزالہ دوا کے زیر اثر گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اس کا حصہ الگ کرکے ہم کھانے میں مصروف ہوگئے۔

شکم سیر ہونے کے بعد سلطان شاہ قیلولے کے لیے دوبارہ اپنے کمرے میں جاگھسا' ویرا اپنے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پر غذا اتر جانے کے بعد اس کا سرور کچھ گہرا ہوگیا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنے کے بعد اس نے مجھے مخاطب کیا اور کہا "تمہیں اس سفید نیولے کے خلاف اپنے دل میں کوئی ذاتی بغض و عناد محسوس ہو رہا ہے۔؟"

"اس سے میری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے پھر بھی میں اس کے لہو کا پیاسا ہوں۔"

"اس نے میرے ساتھ جو دست درازی کی' اس پر تمہیں کوئی غصہ نہیں ہے؟" اس نے شکوہ کیا۔

"اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو تم نے اس کے خلاف بہت کامیاب مزاحمت کی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا "اب اس کے دن گنے جاچکے ہیں پھر بھی وہ جب تک زندہ رہے گا' یہ نہیں بھول سکے گا کہ اپنے وقت کی ایک حسین ترین لڑکی سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کے جذبے سے مغلوب ہوکر اس نے اپنی ایک شاندار کامیابی کو بدترین ناکامی میں تبدیل کرلیا۔"

اس کے چہرے پر سرخی سی آگئی "کیا تم یہ بات پورے خلوص سے کہہ رہے ہو؟"

"اس میں کیا شبہ ہے؟" میں نے پورے اعتماد سے کہا "اگر وہ غزالہ کو بے ہوش کرنے کے بعد فوراً ہی تمہیں لے کر گھر سے روانہ ہوجاتا تو حالات ہی کچھ اور ہوتے مگر اس کی شامت آچکی تھی۔ وہ بہک گیا۔"

"اس پر لعنت بھیجو!" میرے جواب پر ویرا جھلا گئی "میں اس کے نہیں' اپنے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارا کیا ذکر ہو رہا تھا؟"

"کیا تم پوری ایمان داری سے مجھے اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی سمجھتے ہو؟" اس کا لہجہ جذباتی ہو رہا تھا۔

میں سٹپٹا کر رہ گیا "دریں چہ شک... دریں چہ شک۔ تمہاری خوب صورتی سے کوئی کور چشم ہی انکار کرسکتا ہے۔"

"خوب صورتی اور اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی میں بہت فرق ہے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

"شاید تمہیں حسین ترین ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ میں نے غزالہ سے شادی نہ کرلی ہوتی تو یقیناً آج تمہارا ہی اسیر ہوتا۔ تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہاری خامیوں سمیت ہمیشہ پسند کیا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے ساختہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے چومے اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا پھر رک رک کر بولی "اس بے شدید ترین نفرت کے باوجود میں سفید نیولے کی احسان مند ہوں۔"

"ہائیں... تو وہ جاتے جاتے تم پر کوئی احسان بھی کرگیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کی وجہ سے آج مجھے دو بچی خوشیاں نصیب ہوئی ہیں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا۔

"ایک تو یہی ہوسکتی ہے کہ میں نے تمہیں اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ کا خطاب دے دیا۔ اپنی دوسری خوشی پر تم خود ہی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو۔"

"وہ دوسری نہیں' میری پہلی خوشی تھی۔ تم نے گھر واپس آتے ہی جس والہانہ انداز میں اور اپنائیت سے مجھے اپنی بانہوں میں لیا' میرا دماغ اپنی اذیت کو بھول کر آسمانوں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ تمہارے ساتھ ایک مدت گزارنے کے بعد مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ تم مجھے غزالہ کے ساتھ ساتھ کتنا عزیز رکھتے ہو۔"

"غزالہ کے سامنے یہ سب نہ کہہ دینا۔" میں نے بوکھلا کر اس کی بات کاٹ دی "اس وقت جو کچھ ہوا' بے ساختگی میں ہوگیا۔"

"انسان بہت دوغلا اور منافق ہے ڈیئر!" اس نے ناخنوں میں دیکھتے ہوئے کہا "محبت اور چاہت کے اظہار میں لیے دیے رہتا ہے۔ جو سوچ رہا ہوتا ہے اسے زبان پر نہیں لاتا اور جو کہہ رہا ہوتا ہے' وہ اس کے من میں نہیں ہوتا۔ یہ بے ساختگی ہوتی ہے جو اچانک اندر کے آدمی کو اور اس کی سوچ کو باہر لا کھڑا کرتی ہے۔ وہ ہوش میں آتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ بھرے بازار میں اس کے کپڑے اتر گئے ہیں۔ کم از کم تم تو ایسا نہیں کرو۔ یقین کرو کہ میں تمہیں اپنی زندگی کا عظیم ترین مرد سمجھتی ہوں۔"

"تم سب کچھ جانتی ہو اور سمجھتی ہو تو وہی سب میری

زبان سے کیوں سننا چاہتی ہو؟"

"ہر عورت کا ایک پندار ہوتا ہے‘ مان ہوتا ہے۔ اس کی سوچ اور سمجھ اپنی جگہ ہوتی ہے لیکن کسی کے کہے ہوئے پیار اور تحسین کے چند بول اسے اپنی سوچ سے بھی بہت آگے ایک ایسی جنت میں لے جاتے ہیں جس کا تصور ہی محال ہے۔ آج میں سفید نیولے سے جس قدر برہم ہوں‘ اسی قدر اس کی احسان مند بھی ہوں کہ اس کی وجہ سے آج میرے ڈینی نے مجھے اپنا دل چیر کر دکھا دیا۔"

میں نے پُر تشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جذبات سے مغلوب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ غزالہ بے خبر سو رہی تھی‘ سلطان شاہ قیلولہ فرما رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی سوال کر ڈالا "تم بار بار اسے سفید نیولا کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ ہنسی پھر بولی "میں اس سوال کا جواب پہلے بھی دے چکی ہوں مگر وہ صحیح نہیں تھا۔"

"اب میں صحیح جواب سننا چاہتا ہوں۔" میں اس کی سوچ کا دھارا موڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"چھوڑو‘ سن کر کیا کرو گے۔ بلاوجہ مجھے خفت ہو گی۔ وہ واقعی پکا نیولا ہے۔"

"میں تمہارا دوست ہی نہیں‘ پوپ بھی ہوں۔ میرے سامنے تم بہت سے اعترافات کر چکی ہو۔ کچھ نہیں بتاؤ گی تو میرا ذہن دور دور تک بھٹکتا رہے گا۔ ایسا رویّہ بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے خفت آمیز انداز میں ہنسی اور پھر بولی "وہ جب میرا منہ چوم لینے کی کوشش میں اپنا پورا زور صرف کر کے میرے اوپر ٹوٹا پڑ رہا تھا تو ہوا میں ایسے برے برے منہ بنا رہا تھا کہ میرے ذہن میں بے ساختہ ایسے نیولے کا خیال در آیا جو کسی سانپ کا پھن پکڑنے کے لیے کوشاں ہو۔ بیجر مقامی معیار سے اس کا رنگ گورا ہے اس لیے سفید نیولا میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔"

میں ہنسی میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا پھر اسے مصروف رکھنے کے لیے چائے کی فرمائش کر ڈالی۔

"اب یہ سوانگ چھوڑ دو۔ شام ہو رہی ہے۔ کہو تو اسکاچ کے پیگ بنا لاؤں۔"

میں نے ملامت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں اداکاری نہیں کر رہا۔ تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ مجھے شراب چھوڑے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ اب میں عمر بھر اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"مجھ سے بیزار ہو گئے ہو تو میں چولہا جھونکنے جا رہی ہوں۔" وہ تنک کر اٹھ گئی۔

میں صوفے پر پاؤں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔ آئی بی والوں کا اپریٹس میرے قریب موجود تھا۔ میں نے اسے آن کیا ہوا تھا مگر جلال کے آدمی کے ون سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اسے کرشن کے بارے میں کوئی خبر ملی تو وہ جلال کی ہدایت کے مطابق فوراً ہی مجھ کو مطلع کرنے کی کوشش کرے گا۔

چائے نوشی کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ جلال نے کرشن کے سلسلے میں موہن اینڈ موہن کی نشان دہی کی تھی تو اس نے اپنے آدمیوں کو بھی ان کے ٹھکانوں پر نظر رکھنے کے لیے کہا ہو گا۔ کے ون کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی نگرانی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

شام ڈھلے ہمارا ادھر جانے کا پروگرام تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے پہلے ایک بار کے ون کو ٹٹول لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

میں نے ہارٹی کے نام سے اس کے لیے پہلا پیغام ہی نشر کیا تھا کہ اس کی طرف سے فوراً جواب آ گیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے آدمی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کرشن کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

جلال نے اسے بتا دیا تھا کہ کرشن نے چند گھنٹے قبل ہمارے گھر میں گھس کر ایک عورت کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کے ون شرمندہ تھا کہ کرشن کے شہر میں موجود ہونے کے باوجود اس کے آدمی دشمن تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے۔

موہن اینڈ موہن کے بارے میں اس نے کوئی ذکر کیا‘ نہ میں نے کوئی خاص سوال کیا۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"اس بار آئی بی والے کچھ سست معلوم ہو رہے ہیں۔" ویرا نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"وہ سست نہیں ہیں۔ کرشن کمار تمہارے ہاتھوں مار کھانے کے بعد زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ وہ کہیں محصور ہو کر بیٹھ جائے تو ڈھونڈنے والے اسے کہاں ڈھونڈیں گے۔"

سلطان شاہ کا قیلولہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہو گیا۔ اس وقت تک غزالہ بدستور گہری نیند سو رہی تھی اور میں نے ویرا کو اسے بیدار کرنے سے روک دیا تھا۔

تقریباً چھ بجے اچانک ہی جہانگیر کا فون آ گیا۔ اس سے طویل عرصے سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کی آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی اور وہ بھی میری جوابی آواز سن کر چہکنے لگا "اتنے دن سے کہاں غائب ہو؟ میں کئی بار فون کر چکا ہوں۔ گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ تم بالکل

خیریت سے ہو نا؟" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔
اس سے اسپیکر فون پر بات کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ کسی بھی لمحے بہک کر کوئی بونگی بات کہہ سکتا تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر اسپیکر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ وہ شاید ان پچھلے دنوں کی بات کررہا تھا جب ہم مائیکرو سینٹر میں الجھے ہوئے تھے اور پھر سلطان شاہ کی تلاش میں میرپور خاص کی طرف نکل گئے تھے۔
"خیریت ہے۔ ہم ذرا دو چار دن کے لیے شہر سے باہر چلے گئے تھے..." میں نے بات شروع کی تھی مگر اس نے درمیان ہی سے سلسلہ منقطع کردیا۔
"یہ بتاؤ کہ آج کل تمہاری ویرا بیگم کے کیا حال چال ہیں۔ تم دونوں خوب پی پلا رہے ہوگے!" اسے ہم سب سے زیادہ ویرا کی فکر تھی۔ اس کے وہی فقرے اسپیکر فون پر نشر ہوتے تو میں ویرا کے سامنے شرمندہ ہو کر رہ جاتا۔
"سب کا مطلب سب ہی ہوتا ہے۔" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر کہا "اس وقت میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ چائے پی رہا ہوں۔" میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کردیا۔
"تم چائے کب سے پینے لگے؟ تمہیں تو ہر وقت خبیثوں کی اماں جان کی طلب رہتی تھی۔"
"تم بھول رہے ہو۔ مجھے شراب چھوڑے ایک مدت ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔
"سلمٰی خانم کی فرمائش پر میں بھی کئی بار چھوڑ چکا ہوں۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑنا بہت مشکل کام ہے۔"
"میں یہ کام کرچکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری چماری کا کیا حال ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔
"سلمٰی کے بارے میں پوچھ رہے ہو یا بنجارن کے بارے میں؟" اس کے نزدیک سلمٰی چماری کہلانے کی مستحق تھی۔
"تمہیں معلوم ہے کہ میں سلمٰی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اسے چماری کیسے کہہ سکتا ہوں؟"
"زیادہ عزت اسے راس نہیں آتی۔" جہانگیر کی آواز تلخ ہوگئی "کئی دن سے اس کی ناز برداریاں کررہا تھا۔ آج زیادہ لاڈ میں آکر اس نے میری نئی بوتل کموڈ میں بہادی۔ میں نے بھی اس کی ایسی عزت افزائی کی ہے کہ اب کمرے میں پڑی ٹسوے بہا رہی ہوگی۔"
"تم بہت واہیات آدمی ہو۔ شریف آدمی اپنی بیویوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"
"اسے بھی سمجھاؤ کہ شریف بیویاں اپنے شوہروں کی شراب نالی میں نہیں بہاتیں۔"
"تم دونوں کے یہ جھگڑے عمر بھر چلتے رہیں گے۔ اور پھر ایک روز وہ ہمیشہ کے لیے اپنے میکے جاکر بیٹھ جائے گی۔"
"بس اس کی اسی دھمکی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جاتی ہے تو مہینوں سے پہلے واپس نہیں آتی۔"
"اس سے بیزار ہو تو اس کے بھاگ جانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ اچھا ہے کہ ایک ہی دفعہ پاپ کٹ جائے۔"
"وہ چلی جائے گی تو پھر میں دھونس کس پر جماؤں گا۔ میں نے اس سے اپنی خدمت کرانے کے لیے شادی کی تھی، میکے میں اس کے بھائیوں کے پاس چھوڑنے کے لیے نہیں۔ اب تو انہوں نے میرے بیٹے پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔"
"بیٹے کو حفاظت کے خیال سے تم نے خود ہی ان کے پاس بھیجا تھا۔ اب انہیں الزام نہ دو۔"
"اس وقت وہ چھوٹا تھا۔ بے وقت کی کائیں کائیں سے پریشان کرتا رہتا تھا۔ اسے بھیج کر میں مہینوں کے بعد سکھ کی نیند سویا تھا مگر اب وہ بڑا ہو چکا ہے۔ اسے ہمارے پاس لوٹ آنا چاہیے۔"
"واہ بیٹا! وہ کیا تمہارے غلام تھے جو تمہارے شیر خوار کو پالتے رہتے۔ تم بہت خود غرض آدمی ہو۔"
"میں تو پہلے سے ایسا ہی تھا۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا "انہیں دیکھ بھال کر شادی کرنی چاہیے تھی۔"
"تم نے ابھی تک اپنی چماری یا بنجارن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"چھوڑو یار، وہ سالی بھی صورت حرام نکلی!" اس کی آواز سے بے کیفی مترشح تھی "یہ گھر گھر یا نگر نگر پھرنے والیاں بھروسے کے قابل نہیں ہوتیں۔ ذرا دل میں جگہ بنائی اور حیلوں بہانوں سے مال اینٹھنا شروع کردیا۔ اُلّو کی پٹھی سے صرف بدن دبواتا تھا یا سلمٰی کی نظر بچا کر دل لگی کرلیتا تھا۔ ایک دن کھڑی ہوگئی کہ میری وجہ سے اسے پیٹ ہوگیا ہے۔"
"بعض لوگ اتنے ہی زرخیز ہوتے ہیں کہ بیوی کے پلنگ کے قریب سے گزر جائیں تو صاحب اولاد ہوجاتے ہیں۔" میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روک کر بیچ میں لقمہ دیا۔
"میری جان نکل گئی۔" وہ اپنی رو میں بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "وہ خطرناک قصہ سلمٰی کے کانوں تک پہنچ جاتا تو میں مر کر بھی اسے اپنی بے گناہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ مجھ پر شبہ کرتی رہتی ہے۔ میں نے پانچ ہزار روپے چپکے سے حوالے کرکے بہت مشکل سے اسے آمادہ کیا کہ وہ ہمارے گھر کی نوکری چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے۔"

"تم نے خود ہی پیسے دے دے کر اس کو یہ راہ دکھائی ہوگی۔" میں نے رعب سے کہا۔

"یار، ذرا سی دل لگی کے لیے دو چار سو کسی کو بھاری نہیں لگتے۔ اچھا ہے کہ اسی بہانے کسی غریب کی مدد ہو جاتی ہے مگر اس کے تو تیور ہی بدل گئے تھے۔ بعد میں سلمٰی نے بتایا کہ وہ شادی شدہ تھی اور اس کا آدمی کسی کارخانے میں چوکیدار تھا۔"

سلطان شاہ اور ویرا نے فون پر ہونے والی گفتگو کا رنگ بھانپ کر پہلے ہی مجھے تخلیہ فراہم کردیا تھا۔ میں نے بے خوفی سے کہا "دل چاہتا ہے کہ تمہاری اس حماقت پر تمہاری کھوپڑی پر دس جوتے مارے جائیں۔"

"دس کیا، مجھ جیسے بدنصیب کے لیے تو سو بھی کم ہوں گے۔" اس کی آواز میں آزردگی اتر آئی "بیوی ہر وقت لڑنے مرنے پر تلی رہتی ہے۔ نوکرانیاں اسی کی طرف دار ہوتی ہیں۔ یہ آئی تھی تو سالی پکی بلیک میلر نکلی۔"

"سلمٰی گھر میں ہے تو تم اتنی بے فکری سے بات کیسے کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے اس کے فون کا پلگ نکال دیا ہے۔ ایسے معاملوں میں بالکل گدھی ہے۔ سمجھے گی کہ فون خراب ہوگیا ہے۔"

"اب سچ سچ بتادو کہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تم نے اتنا اہتمام کیوں کیا ہے۔"

"اس نے میری اکلوتی بوتل نالی میں بہا کر میری شام برباد کردی ہے۔ میں نے اسے مارا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ کہ وہ مجھ سے صلح کرلے۔"

"شراب پیے بغیر بھی تمہاری کھوپڑی میں برف جمی ہوئی ہے۔" میں نے غصے سے کہا "اس سے مصالحت کی اتنی ہی جلدی تھی تو پھر اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا؟ وہ تمہاری بیوی ہے، میری بات کیوں سننے گی؟"

"پینے کو کچھ نہ ہو اور بیوی بھی روٹھ جائے تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ وہ تمہیں اپنا بہت کچھ سمجھتی ہے۔ تم کوئی چکر چلاؤ گے تو وہ خود ہی میرے کمرے میں آجائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ غصہ اترے گا تو وہ بھی صلح کرنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنے سارے کام چھوڑ کر تمہارے گھریلو جھگڑے نمٹاتا رہوں؟" میں غرایا "میں اس وقت تمہاری طرف نہیں آسکتا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک کام سے باہر جانا ہے۔"

"ہائے میری جان! تم سے آنے کو کون کمبخت کہہ رہا ہے۔ میں بات ختم کرکے اس کا پلگ لگادوں گا، اپنا نکال دوں گا۔ تم فون کرو گے تو وہی اٹھائے گی اور اپنے دکھڑے سنانا شروع کردے گی۔ تمہارے دس پانچ منٹ برباد ہوں گے، میرے گھر کا ماحول سدھر جائے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں ایسی دردناک التجا پنہاں تھی کہ میں اسے کورا جواب نہ دے سکا "تم اپنے سورپن سے باز نہ آنا۔ ہمیشہ میرے لیے مسائل پیدا کرتے رہنا۔ جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرڈالو۔ میں دو منٹ بعد فون کروں گا۔"

"اللہ تمہیں اس ہمدردی کا اجر دے گا۔ تمہارا بھلا ہوگا..." اس نے ممنونیت کے جذبے میں ڈوب کر کسی پیشہ ور گداگر کی طرح دعائیں دینے کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا اور میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

میرے لیے ان دونوں کی بے جوڑ شادی ابتدا ہی سے ایک معمّا بنی رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کی گاڑی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت سامنے آرہی تھی کہ وہ دونوں بہ یک وقت ایک دوسرے سے برہم بھی رہتے تھے اور ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

جہانگیر ہر وقت اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا اور سلمٰی کے پوشیدہ عزائم کا میں خود شاہد تھا۔

دو منٹ گزرنے کے بعد میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا۔ کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد سلمٰی نے جواب دیا۔ اس کی رندھی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔ میری آواز سن کر وہ گلوگیر آواز میں بولی "ڈینی! تم فوراً یہاں آؤ اور مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارے گھر میں باندی بن کر رہ لوں گی مگر اس شخص کے ساتھ میرا گزارہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ کیا آج پھر اس نے زیادہ چڑھالی ہے؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"جب سے نئی ملازمہ گئی ہے، ہر وقت چڑچڑے رہتے ہیں۔ آج بھی بلاوجہ مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" اپنی مظلومیت کا ذکر کرتے ہوئے سلمٰی کی آواز رندھ گئی۔ اس نے بہت صفائی سے اپنے کارنامے کا ذکر گول کرکے سارا الزام جہانگیر کے سر ڈال دیا تھا۔

"وہ اتنا پاگل نہیں ہے۔ ہاتھ اٹھانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہوگی۔"

"وہ اس بات پر برہم ہیں کہ آج ان کے پاس پینے کے

لیے شراب نہیں ہے۔" سلمیٰ نے آدھی بات اگل دی۔ اس بار اس نے اپنی حرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

"شراب اس شہر میں ایسی نایاب نہیں ہے۔ بوتل بازار سے آسکتی ہے اور پھر اسے بسیار نوشی سے روکنے کے لیے تم بھی اس کی بوتلیں چراتی رہتی ہو۔ بات بگڑ رہی تھی تو اسے اسی ذخیرے میں سے ایک آدھ بوتل دے دیتیں۔"

"تم ان کے دوست ہو' ان ہی کے حق میں بولو گے۔ میرا دل کبھی نہیں رکھو گے۔" اس نے شکوہ کیا اور کہا "اس وقت تم مجھے مجبور نہ کرو۔ میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر تمہارے پاس آنا چاہ رہی تھی مگر فون خراب پڑا ہوا تھا۔ ابھی تمہاری کال سے اس میں جان پڑی ہے۔"

"تم شوق سے آؤ مگر میں چاہتا ہوں کہ عزت کے ساتھ آؤ۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "تمہیں معلوم ہے کہ میں پہلے ہی چکّی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہوں۔ غزالہ میری بیوی ہے اور ویرا ایک آزاد خیال لڑکی ہے۔ مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس گھر میں کسی تیسری عورت کی گنجائش نہیں ہے۔ غزالہ شک میں پڑ جائے گی کہ تم جہانگیر سے لڑ کر میرے پاس کیوں آئی ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو نہ میرا آنا پسند کرتے ہو۔" اس کی آواز بجھ گئی۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں' بہت پسند کرتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "مگر مجھے اپنی اور تمہاری عزت عزیز ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ویرا اور غزالہ میں سے کوئی تمہیں تحقیر یا شک و شبے کی نظر سے دیکھے۔"

"میں خود بھی جانتی ہوں کہ میری عزت ان کے دم سے ہے۔" میری وضاحت پر سلمیٰ کے لہجے میں بشاشت آگئی "میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی مگر سبق دینے کے لیے اس وقت انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کہیں نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔" میں نے اسے ڈرایا "بیوی کی محبت سے مایوس شوہر سے زیادہ خطرناک درندہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ تم اسے چاہو یا نہ چاہو مگر یہ یقین ضرور دلاتی رہو کہ تم اسے دل و جان سے چاہتی ہو۔"

"میں اپنا ہر جتن کر چکی ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔" وہ اپنی داستانِ الم بھول کر میری تجویز کے اسرار و رموز میں الجھ گئی۔ "تم نے آج تک میری چاہت کا جواب چاہت سے نہیں دیا مگر تم جانتے ہو کہ میں تمہیں ان سے ہزار گنا زیادہ چاہتی ہوں۔ اس دنیا میں' میں تمہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتی ہوں۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

میں پوری طرح مطمئن تھا کہ جہانگیر اپنی ایکس ٹینشن کا پلگ نکال چکا ہو گا۔ میں نے کہا "میں تمہارے اس اعتراف کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم دونوں آپس میں لڑے بیٹھے ہو۔ میں نے محض مزاج پرسی کے لیے فون کیا تھا۔ اگر اس نے تمہیں مارا ہے تو تم خاموشی سے اسے شراب فراہم کردو۔ وہ زبان سے کچھ کہے نہ کہے' دل میں شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"تم کہو گے تو میں یہ بھی کرلوں گی مگر وہ شرمندہ ہونے والی مخلوق نہیں ہیں۔ کل کا سورج طلوع ہو گا تو وہ آج رات کی کہانی کو یکسر بھول چکے ہوں گے۔ وہ چڑچڑے اور احسان فراموش مرد ہیں۔ ایک تم ہو کہ ہر وقت غزالہ کی خوشنودی کا خیال رکھتے ہو۔"

"وہ میرا خیال رکھتی ہے۔ میرا ہی نہیں' ویرا کا بھی خیال رکھتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس وقت تم پہل کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ایک آدھ روز میں خود تمہاری طرف آؤں گا اور اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑ دوں گا۔"

"تم بھی وعدہ کر کے بھول جاتے ہو۔" سلمیٰ کی آواز میں نرمی اور حلاوت تھی "مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ کل یا پرسوں اِدھر ضرور آؤ گے۔"

"تم بھی وعدہ کرو کہ میرے مشورے پر عمل کرو گی۔ تمہاری طرح جہانگیر بھی تنہا ہے۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"میں تم سے بات کرنے کے بعد دیکھتی ہوں۔ انہوں نے بد کلامی کی تو میں لوٹ آؤں گی' میری پہل کی قدر کی تو میں انہیں ایک بوتل ضرور دے دوں گی۔ میری الماری میں ان کی چھ سات بوتلیں جمع ہو چکی ہیں۔"

"اور یہ سارا خرچ گولڈ فارمیسی پر پڑ رہا ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' ان کی دکان چل نکلی ہے۔ اب ہمیں ذاتی اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کے شراب سمیت سارے اخراجات دکان کی آمدنی سے پورے ہو رہے ہیں۔"

"مجھے یہ اندازہ آج ہی ہوا کہ تم صرف چور نہیں' اعلیٰ پائے کی چور ہو۔"

"وقت اور حالات مجبور کردیتے ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ پیتے ہیں تو بس پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا کررہے ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ایسے موقع پر میں خاموشی سے بوتل غائب کردیتی ہوں۔ سلمیٰ

کی آواز میں ایک گھریلو عورت کا درد پنہاں تھا۔ میں نے اس سے اِدھر اُدھر کی چند باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

"آج ان سے تمہاری باتیں کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئیں۔" سلطان شاہ میرے عقب سے یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ گیا "میں تیسری بار آیا ہوں۔ غزالہ ہوش میں آ چکی ہے اور تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"میں سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ غزالہ بستر پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چاہو تو ہم دونوں باہر جا سکتے ہیں۔" ویرا نے اپنی جگہ چھوڑنے بغیر پیش کش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "غزالہ ایک مرتبہ ہوش میں آنے کے بعد دوا لے کر سوئی تھی۔"

"سنا ہے کہ آپ اول خان کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں۔" غزالہ نے قدرے کمزور آواز میں پوچھا۔

"اسی کی تلاش میں جا رہا ہوں جس نے تمہیں اور ویرا کو اس حال میں پہنچایا ہے۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔ یہ لوگ بہت چالاک اور ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔ تم بے فکر رہو اور آرام کرو۔ تمہاری کنپٹی کا اب کیا حال ہے؟" میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بہتر ہے.... اس دبلے پتلے فقیر کے ہاتھوں میں بہت طاقت تھی۔ آپ کے جانے کے بعد پھاٹک بند کرتے ہوئے میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سامنے والے درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا.... اس وقت مجھے شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمارے گھر کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ یہ لوگ یہاں ہماری توقع سے زیادہ منظم ہیں۔"

"جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ اب یہ سوچ کر تم اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔" میں بستر پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو بے ہوشی اور مسکن دوا کے اثرات کی وجہ سے کچھ بتانے یا جاننے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے ہماری گفتگو کرشن کی آمد کے واقعے کے گرد ہی گھومتی رہی۔

اپنے وعدے کے مطابق اول خان ٹھیک سات بجے آ پہنچا۔ اس نے آتے ہی مجھے بتایا کہ وہ ایک جیپ میں اپنے ... چھ آدمی موہن ہاؤس کی طرف روانہ کر چکا ہے۔ ان لوگوں کو وہاں پہنچ کر فون کے تار کاٹنے تھے اور ہماری آمد کا انتظار کرنا تھا۔

"فون کے تار کاٹنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔" ویرا نے کہا "یہ موبائل فون کا دور ہے۔"

"یہ ایک روایتی اقدام ہے۔ رفتہ رفتہ ہی یہ عادت ختم ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

وہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے اجازت لے کر غزالہ کی عیادت کے لیے ہمارے کمرے کی طرف گیا تو ویرا نے دبی دبی آواز میں پوچھا "چھ سات آدمیوں کے ساتھ جانے کا مطلب ہے کہ اول خان کے ارادے خطرناک ہیں۔"

"ارادے تو میرے بھی خطرناک ہیں۔ کرشن کمار کا ذرا بھی سراغ مل گیا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی مگر اختیار کے اظہار کے لیے اکثر اوقات طاقت کا مظاہرہ ناگزیر ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کی آمد کی خبر پا کر جگدیش ملاقات سے انکار کر سکتا ہے مگر اپنے دروازے پر بھاری نفری کی موجودگی اسے پریشان کر دے گی۔"

"انشاء اللہ غزالہ دو تین روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔" اول خان نے واپس آ کر رائے دی "مگر ویرا کا معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔ یہ اپنی مجروح کہنی کے ساتھ مسلسل چلتی پھرتی نظر آ رہی ہے۔"

"اب میں بھی غزالہ کے ساتھ لیٹوں گی۔" اس نے ہنس کر کہا "ڈریسنگ سے کہنی کے درد میں بہت افاقہ ہوا ہے۔"

ہم دونوں نے گھر والوں کو الوداع کیا' سلطان شاہ کو ہوشیار رہنے کی ہدایت دی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اول خان کے ایما پر میں نے آئی بی والوں کا ایریٹس اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

"موبائل فون عام ہو جانے کے بعد وائرلیس ٹرانسمیٹرز کی افادیت بھی تیزی سے ختم ہو جائے گی۔" گھر سے روانگی کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"ٹرانسمیٹرز کی اہمیت ختم نہیں ہو سکتی۔ اس پر ہم ایک فری کوئنسی پر ہر وقت متعدد آدمیوں سے رابطے میں رہتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں' براہِ راست بات کر لیتے ہیں۔ موبائل فون لاسلکی ضرور ہے لیکن اس سے ایک وقت میں نمبر ملا کر صرف ایک شخص سے بات کی جا سکتی ہے۔ کسی اور سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو پہلا رابطہ ختم کرنا پڑتا

ہے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔
وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو اول خان کے بتائے بغیر میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ موبائل فون کی افادیت انفرادی تھی جب کہ فوج اور پولیس سے لے کر شہری نظم ونسق اور سہولتوں کو برقرار رکھنے والے اداروں تک کے لیے لاسلکی ٹرانسمٹرز کی اہمیت ناگزیر تھی۔
ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے نصف گھنٹے میں اولڈ کلفٹن کے مطلوبہ رہائشی علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ذیلی سڑک کے کنارے اول خان کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ قریب پہنچنے پر میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے عقبی حصے میں متعدد افراد سوار تھے۔
اول خان کی گاڑی کے قریب پہنچتے ہی جیپ حرکت میں آگئی اور اول خان نے گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔
اسی گلی کے ایک مکان کے سامنے جیپ کنارے سے لگ گئی۔ اول خان نے اپنی گاڑی گھما کر پھاٹک کے سامنے روکی اور ہارن بجادیا۔ پھاٹک فوراً ہی کھل گیا۔ وہ مکان بہت بڑا نہیں تھا۔ تقریباً ہزار گز کے رقبے پر بنی ہوئی دو منزلہ عمارت کے کشادہ ڈرائیو وے میں چار گاڑیاں اس طرح کھڑی ہوئی تھیں کہ پانچویں گاڑی کا اندر داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔
ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں اندر کا جائزہ لینے کا عمل مکمل ہونے پر اول خان نے ہیڈ لیمپس بجھادیے۔ ادھیڑ عمر چوکیدار باہر آگیا۔ اول خان نے اس سے جگدیش کے بارے میں پوچھا۔
"صاحب! میں اندر معلوم کرتا ہوں۔ وہاں جگہ نہیں ہے۔ آپ گاڑیاں ادھر لگالیں۔" اس نے جیپ کے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس دوران میں وہ دزدیدہ نگاہوں سے جیپ کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ جس میں دو چاق وچوبند لیکن سادہ لباس افراد باہر آچکے تھے اور غور سے موہن ہاؤس کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"آپ کا نام کیا ہے صاحب؟" چوکیدار نے جانے سے پہلے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
"اظہر خان اور مظہر خان!" اول خان نے سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق جواب دیا۔
چوکیدار کو کسی کذب بیانی سے روکنے کے لیے ہم دونوں نے انجن بند کیے بغیر گاڑی چھوڑ دی۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی پارکنگ کے لیے تیزی سے قریب آگیا اور ہم دونوں چوکیدار کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوگئے۔

چوکیدار نے انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ ہم نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ دو گاڑیوں میں بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے جن میں سے دو کے نام اظہر خان اور مظہر خان تھے۔
وہ تفصیل خاصی مرعوب کن تھی۔ اندر والے کی طرف سے فوراً ہی اذانِ باریابی مل گیا۔
پختہ روش پر خاصا فاصلہ طے کرکے چوکیدار نے ہمیں ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچادیا جو خوب صورت ضرور تھا مگر اس کی آرائش میں غیر ضروری اصراف کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا' ہمیں بٹھا کر چوکیدار واپس چلا گیا۔
"یہاں ان کی موروثی ثقافت کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں۔" اول خان نے کمرے کا جائزہ لے کر کہا "مجھے اس کا جواب دینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اسی وقت اندر سے ایک ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم شخص گجراتی لب ولہجے میں سلام کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے بدن پر سفید کرتہ پاجامہ نظر آرہا تھا۔ اپنے وجود کے مٹاپے کی وجہ سے اسے چلنے میں دقت ہو رہی تھی۔
ہم دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ ملایا۔ پتا چلا کہ وہی جگدیش تھا۔
"آپ کے نام معلوم ہوگئے۔ پتا نہیں چلا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ اس نے قدرے پُر تشویش لہجے میں کہا "شاید ہم نے پہلے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔"
"ہمارا تعلق ایک ایجنسی سے ہے اور ہم کوئی خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔" اول خان نے اس پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے آپ کے بجائے تم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا "شراب کے علاوہ تمہارا اور کیا بیوپار ہے؟"
"کچھ نہیں۔ اسی سے اتنی آمدنی ہوجاتی ہے کہ کچھ اور سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔" وہ دمے کا مریض تھا یا ہماری آمد سے گھبرا گیا تھا کہ وہ مختصر سا جواب دینے میں ہی اس کا سانس پھول گیا۔
"یہ دھندا صاف ستھرا ہے یا...!" اول خان نے سوال شروع کیا ہی تھا کہ جگدیش بیچ میں بول پڑا۔
"یہ کام صاف ستھرا نہیں ہے جو یہ کہتا ہے' جھوٹ بولتا ہے۔ حکومت جس چیز پر پابندی لگادے' اس کی ڈیمانڈ ختم ہونے کے بجائے بڑھ جاتی ہے اور بلیک میں چلی جاتی ہے۔ ہم لوگ بھی پرمٹ اور کوٹے خریدتے ہیں اور سارا مال بلیک میں ہاتھوں ہاتھ نکل جاتا ہے۔ ہمارا ریکارڈ صاف ہے ہر پارٹی کو مانگے بغیر' وقت پر اس کا بھتّا دے دیتے ہیں۔"

”جب مال کی اتنی مانگ ہے تو تم نے حیدر آباد میں اپنا دفتر کیوں کھولا ہوا ہے؟“

”وہاں سے مال کی سپلائی بہت ہے اور ریٹ بھی بہت اچھا ملتا ہے۔“ اس نے باقاعدہ ہانپتے ہوئے جواب دیا ”گاؤں گوٹھوں کے بہت سے زمین دار اور وڈیرے فیشن میں ولایتی شراب پیتے ہیں۔ تنگی ہو جائے تب بھی دیسی شراب ولایتی بوتلوں میں ڈال کر اپنے مہمانوں کو پلاتے ہیں۔ اس پورے علاقے کی مارکیٹ صرف ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

”ہری چند وہاں تمہارا منیجر ہے۔ اس پر تم کو کتنا بھروسا ہے؟“ میں غور سے جگدیش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

منیجر ہے اور رشتے دار بھی۔“ وہ صوفے پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا ”کل رات بے چارے کی کار چوری ہو گئی۔“

بھونڈے انداز میں ہری چند کی کار کا ذکر کر کے وہ خود ہی جال میں پھنس گیا۔ اس بارے میں اول خان کا ہوم ورک مکمل تھا۔ اس نے کہا ”ہری چند نے کار کی چوری کی ایف آئی آر آج صبح گیارہ بجے کٹوائی ہے جب کہ اس کی گاڑی آج صبح تین بجے کراچی میں ایک واردات میں پکڑی گئی تھی۔ رپورٹ اس نے اس وقت لکھوائی جب اسے پتا چل گیا کہ گاڑی پکڑی جا چکی ہے۔“

”گاڑی سڑک پر کھڑی ہوتی ہے۔ رات میں کوئی اسے لے گیا تو ہری چند کو کیا پتا ...... صبح وہ دیر سے اٹھا تو گاڑی غائب تھی۔ اس نے پرچا کٹوا دیا۔ میری اس سے فون پر بات ہوئی ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔“

”جگدیش!“ اول خان نیچی مگر سخت آواز میں غرایا ”یہ بھتے والا چکر نہیں ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔ ہری چند کی کار بہت خطرناک واردات میں استعمال ہوئی ہے۔“

اسی وقت اس کا ملازم لدی پھندی ٹرالی دھکیلتا ہوا آ پہنچا اور گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ٹرالی پر بہت سے لوازم کے ساتھ کولڈ ڈرنکس اور تین اقسام کی اسکاچ کی کھلی ہوئی بوتلیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جگدیش نے اپنے ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے واپس بھیج دیا اور ہم سے کہا ”لو، دارو پانی کچھ لو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔“

اول خان نے ملازم کے نکل جانے کے بعد زبان کھولی ”ہم یہ سب نہیں پیتے ...“

”وہسکی نہیں تو کولڈ ڈرنک لے لو۔“ جگدیش نے خوشامدانہ انداز میں ایک مرتبہ پھر اول خان کی بات کاٹ دی ”ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ گھر آیا مہمان کچھ کھائے پیے بغیر واپس چلا جائے۔“

”ہری چند نے اپنی گاڑی کس کو دی تھی؟“ اول خان نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے درشت لہجے میں پوچھا۔

اس بار جگدیش، اول خان کا لہجہ برداشت نہ کر سکا اور بڑے ضبط و تحمل سے بولا ”دیکھو! مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔ میں حکومت کو بھاری انکم ٹیکس دیتا ہوں۔ شراب کا کاروبار کرتا ہوں مگر شریف اور معزز شہری ہوں ...“

”پورا انکم ٹیکس دیتے ہو تو پھر بھتے کس بات کے دیتے ہو؟ بلیک کی شراب کا نفع کس کھاتے میں دکھاتے ہو؟ ہم سے یہ سب باتیں نہ کرو۔ بات وہیں رہنے دو جہاں ہو رہی ہے۔“ اول خان اسی لہجے میں غرایا ”تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو ابھی تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے ... باہر ہمارے چھ آدمی بالکل تیار ہیں۔ وہ اپنے مہمان خانے میں تمہاری تواضع کریں گے تو ذرا سی دیر میں تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔“

”تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا

وہ میں نے بتا دیا۔ اگر ہری چند نے کوئی گڑ بڑ کی ہے تو اس بارے میں اسی سے پوچھ گچھ ہونی چاہیے اس کی حرکتوں کی ذمّے داری میرے سر نہیں ڈالی جا سکتی۔"

"اس کی باری بعد میں آئے گی۔ تم اپنی فرم کے چیف ہو' وہ گاڑی فرم کے نام پر ہے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ وہ گاڑی حیدر آباد سے نکل کر کراچی کیسے پہنچی اور اسے لانے والے کون لوگ تھے۔"

"جب مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تو میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر بے چارگی پھیل گئی۔

میں ابتدا سے ہی جگدیش کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"تمہیں ہری چند کی گاڑی کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟" میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کر کے جگدیش سے پوچھا۔ اسے اپنی معلومات سے خوف زدہ کرنے کے بجائے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس پورے قصّے میں اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور وہ ہم سے کیا کچھ چھپا رہا ہے۔

"مجھے صبح روی نے اتنا بتایا تھا کہ ہری چند کی گاڑی چوری ہو گئی ہے۔ میں نے فون پر ہری چند سے بات کی تو اس نے بھی یہی بتایا۔ گاڑی کی پوری انشورنس ہے۔ اس نے ایف آئی آر لکھوا دی۔"

"اس وقت تک تمہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کمپنی کی گاڑی کسی چکر میں پکڑی گئی ہے؟"

"اس وقت کیا' مجھے تو ابھی تک پتا نہیں تھا کہ وہ گاڑی کہاں ہے۔ اب تم سے سنا ہے کہ وہ گاڑی کسی واردات میں پکڑی گئی ہے۔ ہم سیدھے سادے کاروباری لوگ ہیں۔ دو اور دو کو جوڑ کر چار کرنا جانتے ہیں۔ کسی جرم سے اپنا کیا واسطہ۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ تم کو کوئی دوسرا گھر دیکھنا ہوگا۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے جوابات کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر اس سے پوچھا "تمہیں روی نے کار کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں!" اس نے بے ساختہ جواب دیا "ہری چند اسی کا سسرالی رشتے دار ہے۔ اس نے میرے بجائے روی کو فون کیا تھا۔ بعد میں نے خود اس سے بات کی تھی۔ پتا نہیں اس نے کیا چکر چلایا ہوا ہے۔"

"روی اس وقت گھر پر موجود ہے؟" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر' سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' اوپر بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ رمی کھیل رہا ہوگا۔" روی کے بارے میں اس کا ذہن صاف تھا۔

"پھر اسے بھی بلالو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں کوئی کام کی بات بتا سکے۔"

اول خان کے درشت اور تحکمانہ لب و لہجے کے مقابلے میں میری مصلحت آمیز نرمی نے جگدیش کے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ پر تار کے سرے کے ساتھ جھولتا ہوا سفید بٹن دبایا' عمارت کے کسی اندرونی حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز ابھری اور چند ثانیوں بعد' ٹرالی لانے والا ملازم تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ پہنچا۔

"اوپر سے روی بابو کو بلاؤ۔" جگدیش نے اسے ہدایت دی "بتا دینا کہ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

ملازم اندر جانے کے بجائے تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکاس کے راستے کی طرف دوڑا تو جگدیش برہم ہو کر اس پر برس پڑا "ابے سور کے بچے! اوپر سے روی کو بلانے کے لیے کہا ہے۔ تو باہر کہاں جا رہا ہے۔"

"سرکار! روی بابو باہر جانے کے لیے تیار ہو کر ابھی ابھی تیزی سے نیچے اترے ہیں۔ ان ہی کو روکنے جا رہا ہوں۔" ملازم نے رک کر گڑگڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"دفع ہو' جلدی کر! وہ نکل نہ جائیں۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔ اسی وقت باہر پورچ میں کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے اور فوراً ہی روانہ ہونے کی آواز آئی۔

باہر ملازم اونچی آواز میں روی بابو' روی بابو چلّاتا رہ گیا۔ اس کی آوازیں ڈرائنگ روم میں بھی سنی جا رہی تھیں لیکن وہ کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔ کار کی آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"بیٹھے بیٹھے یہ اچانک کہاں نکل کھڑا ہوا!" جگدیش خود کلامی کے انداز میں تشویش سے بڑبڑانے لگا۔

اس وقت میرا ذہن روی کے بارے میں سوچ جا رہا تھا۔ وہ مکان کی اوپری منزل پر رہتا تھا۔ اپنے پھاٹک پر گاڑیوں کے رکنے کی آواز سن کر اس نے یقیناً کسی اگلے حصے میں آکر باہر کا جائزہ لیا ہوگا۔ باہر دو گاڑیوں کے ساتھ ایس ٹی ایف کے چھ کڑیل جوان موجود تھے۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھے لیکن اپنی وضع قطع سے دور سے ہی نیم فوجی لگتے تھے۔ اگر روی کسی چکر میں ملوث تھا تو انہیں دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکنا ضروری تھا۔

وہ گھر میں رکا رہتا تو گفتگو کے کسی مرحلے پر اس کی طلبی کا واضح امکان موجود تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ اپنے گھر آنے والوں کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا تھا' اس نے اپنی

ساری مصروفیات ترک کرکے پھرتی سے کپڑے تبدیل کیے اور گھر سے نکل بھاگا۔

ملازم کی بلند آوازوں اور جانے والی کار کے انجن کی بدلتی ہوئی آوازوں میں جو قلیل وقفے آئے تھے ان کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ روی نے اپنے ملازم کی آوازیں نہ سنی ہوں۔ وہ گھر سے بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ہر سنی اَن سنی کردی اور سب کو چکما دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ تجزیہ بظاہر طویل تھا لیکن آدمی کا ذہن پوری طرح بیدار ہو تو اس سے کہیں زیادہ طویل تجزیے چشم زدن میں مکمل ہوجاتے ہیں۔ میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد اول خان سے کہا "اپنے دو آدمیوں کو گاڑی میں اس کے پیچھے روانہ کردو۔ وہ اسے گھیر کر ہر قیمت پر واپس یہاں لے آئیں۔"

اول خان میری بات شروع ہوتے ہی میرا مدعا سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایس ٹی ایف کا اریٹس نکالا اور حامد کو فوراً ہی جیپ میں روی کا پیچھا کرکے روکنے اور گھر واپس لانے کی ہدایات دے دیں۔

"وہ بہت عجلت اور تیزی میں یہاں سے نکلا ہے۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔" حامد کی طرف سے جواب آیا۔

اول خان نے اریٹس دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ بدلی ہوئی صورتِ حال پر اس کے چہرے سے اندرونی جوش و خروش کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ملازم نے اندر آکر روی موہن کی روانگی کی رسمی اطلاع دی اور دوبارہ اندر غائب ہوگیا۔

ہم ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے مگر جگدیش کے لیے وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ذرا سی دیر میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ہری چند اور کرشن کمار کے کسی بھی خفیہ گٹھ جوڑ کے سلسلے میں جگدیش کا دامن صاف تھا۔ جو کچھ ہورہا تھا اس میں صرف روی ملوث تھا اور وہی ہماری گرفت میں آنے سے پہلے بھاگ گیا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے انٹر کام پر اس سے میری بات ہوئی تھی۔" جگدیش پُر تشویش لہجے میں کہہ رہا تھا "وہ رمی میں اپنی بیوی سے جیتنے پر خوش تھا۔ کچھ کہے سنے بغیر گھر سے نکل کر اس نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"شاید وہ ہمارے سوالات کے جواب دے سکتا تھا۔" میں سگریٹ سلگا کر کہا "اسی لیے وہ چلا گیا۔"

"تم لوگ ٹرالی سے کچھ تو لو۔" اس نے اصرار کیا "مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم اتنی دیر سے خالی بیٹھے ہیں۔"

اندازہ

"ڈاکٹر صاحب! مجھے بیماری کیا ہے؟" معائنے کے بعد مریض نے جاننا چاہا۔

"یہ تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں کیا مرض لاحق ہے۔" ڈاکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا "لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر تم بلڈنگ ہوتے تو اب تک تمہیں مخدوش قرار دے دیا جاتا۔"

میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے پلیٹ سے نمکین مونگ پھلی کے چند دانے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔ اول خان نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی۔ اپنے اصولوں کے معاملے میں وہ بہت سخت تھا اور دشمن کے گھر کا پانی پینا بھی برا سمجھتا تھا۔

جگدیش کچھ دیر اپنی جگہ بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا پھر جھجکتے ہوئے بولا "اس لڑکے نے مجھے تمہارے سامنے شرمندہ کردیا ہے۔ اگر تم مجھ پر بھروسا کرو تو میں ذرا اندر کا چکر لگالوں۔ کچھ پتا تو چلے کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

"تم بھی اسی کی طرح نکل جانا۔" اول خان اپنی تلخ نوائی سے باز نہ رہ سکا۔

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگھیایا "میں کوئی چور اچکا نہیں ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ بیوی بچے اور بھرا گھر ہے۔ میرا جینا مرنا بھی یہیں ہوگا۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ روی بے وقوف ہے....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اندر ہو آؤ۔ اس کی بیوی سے پتا چلے گا کہ وہ کیا کہہ کر گیا ہے۔"

اس نے اپنے جڑے ہوئے ہاتھ پیشانی تک لے جاکر میرا شکریہ ادا کیا اور تقریباً لڑھکنے والے انداز میں چلتا ہوا گھر کے اندر کھلنے والے دروازے کے پیچھے چلا گیا۔

"ہم صحیح جگہ آئے ہیں لیکن غلط آدمی سے ٹکرائے ہیں" اول خان نے کہا۔

"شکر ہے کہ تمہاری رائے تبدیل ہوئی ہے ورنہ جگدیش کے ساتھ ابھی تک تمہارا روّیہ بہت سخت ہے۔"

"مجھے اس موٹے پر غصہ آرہا ہے۔ اسے پہلے ہی بتادینا چاہئے تھا کہ ہری چند اس کے بھائی کا سسرالی عزیز ہے۔"

میں ہنس پڑا "پوری بات سمجھے بغیر وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ ہم کیا چاہ رہے ہیں۔ میرے حساب سے اس نے ہری چند کی

کار کی چوری کا ذکر بھی بہت بے تکے انداز میں کیا تھا۔ ہر بات کہنے کے لیے کوئی موقع محل ضروری ہوتا ہے۔"

وقت بہت دھیرے دھیرے رینگتا رہا۔ اول خان نے مضطرب ہو کر اپریٹس پر حامد سے رابطہ کرلیا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی گاڑی دیکھ لی ہے" اول خان کے پوچھنے پر حامد نے دوسری طرف سے جواب دیا "وہ بہت تیز رفتاری سے جارہا ہے۔ ٹریفک کی وجہ سے ہمیں اس کے قریب پہنچنے میں دشواری ہورہی ہے۔ اوور!"

"وہ نظروں میں آیا ہوا ہے تو اسے اوجھل نہ ہونے دینا۔ وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اوور!"

"آپ فکر نہ کریں سر، اسے کسی بھی سگنل پر رکنا پڑا تو ہم اسے جالیں گے، اوور۔"

"ہم کلفٹن کے پل پر ہیں۔ وہ اگلے سگنل سے بائیں طرف مڑ رہا ہے۔ سگنل سرخ ہوگیا ہے۔ اسے رک جانا چاہئے مگر وہ نہیں رکا اور تیزی سے مڑچکا ہے۔ اوور!" حامد نے بدلتی ہوئی صورتِ حال پر پوری کمنٹری دے ڈالی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پی سی ہوٹل نہیں جارہا۔ وہاں پہنچنے کے لیے اسے میٹروپول والے سگنل سے مڑنا چاہیے تھا۔ اپنی رفتار بڑھادو اور تم بھی سگنل کی پروا مت کرو۔ اس کا ہاتھ آنا بہت ضروری ہے، اوور اینڈ آل۔"

"تم نے بہت جلدی بات ختم کردی۔" میں نے حیرت سے کہا "چند لمحے اور بات ہوتی تو اس کی سمت کا صحیح اندازہ ہوجاتا۔"

"اپریٹس پر بات کرتے ہوئے وہ اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھوں کی گرفت نہیں رکھ سکتا" اول خان کے ذہن میں بہت باریک نکتہ موجود تھا۔ "اگلے سگنل سے اسے بائیں طرف مڑنا ہے۔ اس کے لیے اس کے دونوں ہاتھ خالی ہونے ضروری تھے۔"

"تم اپنے آدمیوں کی کارکردگی کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے ہو" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تیز رفتار ڈرائیونگ کی یہ مجبوری میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔"

"اس کے بعد پھر ایک موڑ ہے" اول خان کے ذہن میں اس راستے کا پورا نقشہ جما ہوا تھا "موقع ملتے ہی وہ خود تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں اطلاع دے گا۔ دعا کرو کہ وہ کسی غلط گاڑی کا پیچھا نہ کررہا ہو۔"

حامد نے ابتدا میں جو کچھ کہا تھا اس کی روشنی میں غلطی کا امکان موجود تھا۔ قریب پہنچنے پر وہ کوئی اور کار ثابت ہوتی تو وہ ساری بھاگ دوڑ بے مقصد ثابت ہوسکتی تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

ہم دونوں ذہنی تناؤ اور فکرمندی کے عالم میں خاموش بیٹھے تھے کہ جگدیش کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دیں اور پھر وہ ہانپتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ساڑی اور بلاؤز میں ملبوس ایک خوبصورت اور جوان عورت تھی جس کے اجلے چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بہت پرکشش نظر آرہی تھیں۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال ایک موٹی چوٹی کی صورت میں اس کی پشت کے بجائے سینے سے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ پریشانی میں شاید اسے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اس کے بال کہاں تھے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا" جگدیش ہانپتا ہوا صوفے پر گر گیا "یہ میری بھاوج اور روی کی بیوی ہے۔ میں اسے ہی ساتھ لے آیا ہوں۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے، اس سے پوچھ لو۔ عمر بھر روی کے سر میں درد نہیں ہوا۔ تم دونوں آئے ہو تو ایک دم اس کو اپنڈکس کا درد شروع ہوگیا۔ پتا نہیں یہ لڑکا کہاں میرا منہ کالا کروائے گا۔"

آنے والی دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے قدرے جھکی اور پھر سب سے الگ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے اور غلافی آنکھوں سے خوف و ہراس جھلک رہا تھا۔

"بتاؤ! انہیں بتاؤ کہ روی گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دم کہاں چلا گیا۔" ہمارے کچھ پوچھنے سے پہلے جگدیش اپنی بھاوج پر برس پڑا۔ پریشانی کی وجہ سے وہ اس وقت اعصاب زدہ ہورہا تھا۔

"وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔" کمرے کی فضا میں روی کی بیوی کی سہمی سہمی آواز گونجی۔

اسی لمحے اول خان کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے فوراً ہی اپریٹس نکال کر حامد سے بات شروع کردی۔ روی موہن کی بیوی کی بات جہاں تک پہنچی تھی، وہیں رہ گئی۔

دوسری طرف سے حامد شرمندگی کے ساتھ میرے بدترین خدشے کی تصدیق کررہا تھا۔ وہ دونوں مشتبہ گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ گاڑی کا ماڈل وہی تھا جو روی کی کار کا تھا لیکن اس کار کا رنگ سیاہ کے بجائے سرمئی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے کوئی خاتون چلا رہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دستِ راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھوں پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسٹرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں زیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آسٹرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ زیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیتی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا، اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسبِ توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیتی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں۔ جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلو خلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازمِ سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرونِ سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدرآباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدرآباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی جی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدرآباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدرآباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ میں اور اول خان ایس ٹی ایف کی نفری کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ گئے۔ وہ سیدھا سادہ حقیقی بنیا تھا اس کے خیال میں کار کے حوالے سے اس کے بھائی روپی سے پوچھ گچھ معلومات افزا ہوسکتی تھی، ہم روپی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اسی وقت اپنی کار میں بیٹھ کر جگدیش کے گھر سے روانہ ہوگیا۔ ایس ٹی ایف کے جوان اس کے تعاقب میں گئے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آسکا۔

ایس ٹی ایف فرض شناس اور ذمے دار اہل کاروں پر مشتمل ایک ایسی مضبوط تنظیم تھی جس کے کسی رکن کے بارے میں بھول کر بھی یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے فرائض سے غفلت برتی ہوگی۔

ہمارا واسطہ اپنے جیسے جیتے جاگتے اور چالاک انسانوں سے پڑا ہوا تھا۔ ہم ان کی راہ پر لگے ہوئے تھے اور وہ خطرہ بھانپ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ ان حالات میں یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمیں ہربار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس کشمکش میں کسی بھی وقت کسی فریق کو ناکامی ہوسکتی تھی اور میں ایسے امکانات کے لیے ذہنی طور پر ہروقت تیار رہتا تھا لیکن اول خان، حامد کی رپورٹ سنتے ہی یوں مشتعل ہوگیا جیسے اس نے دیدہ ودانستہ اپنے فرائض سے کوئی چشم پوشی کی ہو۔

مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اول خان اپنے ماتحتوں میں حامد کو بہت زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتا تھا اور اہم معاملات میں کافی عرصے سے اسے آگے رکھتا تھا لیکن اس وقت اول خان کے اضطراری لب ولہجے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ روی موہن کا سراغ کھودینے کی خبر سن کر وہ مایوسی اور بددلی کا شکار ہوگیا تھا۔

کرشن کمار کو ابتدا میں ہم نے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ مراد ظریف کے ایک کارندے کے روپ میں ابھر کر ہمارے سامنے آیا تھا اور شاید وہی ہمارے اندازے کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ حقیقت میں معاملہ بالکل الٹ تھا۔ صحرا کے پلیٹ فارم سے کی جانے والی سازش کا اصل سرغنہ کرشن کمار تھا اور مراد ظریف سمیت، سب لوگ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے۔

جب سے وہ قصہ شروع ہوا تھا، کئی بار ایسا ہوچکا تھا کہ کرشن کمار ہماری دسترس میں آتے آتے رہ گیا تھا۔ ہم اس کے پیچھے جہاں بھی پہنچے، وہ پہلے ہی وہاں سے نکل چکا تھا۔

جگدیش کے گھر پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ شاید اول خان کے لیے زیادہ مایوسی کا سبب بنا تھا۔ ہم خاصی محنت سے ہری چند اور موہن اینڈ موہن کا سراغ حاصل کرکے اپنی راہ متعین کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ وہاں سب کچھ موجود تھا۔ کڑیاں ملنے کا سلسلہ شروع ہوا تو روی موہن ہمارے سامنے آئے بغیر سب کو جل دے کر گھر سے ہی بھاگ نکلا تھا۔

اول خان کچھ دیر تک حامد پر برستا رہا۔ اسے قلق تھا کہ روی موہن کی گاڑی کے پیچھے لگ جانے کے بعد کسی مرحلے پر دھوکا کھاگیا اور اس کا سراغ گنوا بیٹھا۔ پھر اسے خود ہی اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا۔ دھیمے اور ناصحانہ لہجے میں چند فقرے ادا کرنے کے بعد اس نے بات ختم کردی۔

"تمہارے بھائی کے ہاتھ صاف نہیں ہیں۔" حامد سے گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان نے جگدیش کو قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "وہ یہاں سے اس طرح دیوانہ وار فرار ہوا ہے کہ میرے آدمی پوری کوشش کے باوجود اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے..."

"انہوں نے کچھ نہیں کیا... وہ شریف آدمی ہیں۔" جگدیش سے پہلے اس کی بھاوج سہمی ہوئی آواز میں بول پڑی "میں نے خود دیکھا تھا۔ وہ بالکونی سے آئے تو ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، انہیں بہت درد ہورہا تھا..."

"وہ جھوٹا اور فریبی ہے۔" اول خان اس کی بات کاٹ کر برس پڑا "اپنے پھاٹک پر ہمارے آدمیوں کو دیکھ کر اس کے پیٹ میں درد اٹھا ہوگا۔ وہ اپنڈکس کا نہیں، خوف اور دہشت کا درد تھا کہ اب وہ پکڑا جائے گا۔"

"وہ کیوں پکڑے جاتے!" روی کی بیوی نے کمزور آواز میں احتجاج کیا "انہوں نے کوئی جرم تو نہیں کیا..."

"کیوں مردوں کے منہ لگ رہی ہو؟" اس بار جگدیش نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا "تجھے کیا پتا کہ تیرے میکے والے میرے بھائی کی آڑ میں کیا گل کھلا رہے ہیں... میرا زیادہ منہ نہ کھلوا۔"

اس کے شانے ڈھلک گئے اور آنکھوں میں خوف کی سفیدی گہری ہوگئی۔ اس نے اپنے سینے پر آئی ہوئی سیاہ چوٹی کو پشت پر ڈالا اور یوں پشت گاہ سے ٹک گئی جیسے اسے چکر آگئے ہوں۔

"اپنڈکس کا درد اٹھتا ہے تو آدمی گاڑی چلانے کے قابل نہیں رہتا۔" میں نے اس سے مخاطب ہوکر نرمی سے کہا۔ "روی گاڑی کو تیز رفتاری سے بھگا کر لے گیا ہے۔ اس نے تم سے بہانہ کیا ہوگا۔"

"وہ اچھے خاصے میرے ساتھ بیٹھے رمی کھیل رہے تھے اور بہت خوش تھے۔" میری نرمی کا سہارا پاکر وہ روہانسی آواز میں بتانے لگی "کسی بات پر چونک کر بالکونی تک گئے، واپس آئے تو چہرہ فق تھا۔ میں گھبرا گئی۔ پوچھا تو کہنے لگے کہ انہیں اپنڈکس کا درد اٹھا ہے۔ پھر وہ جلدی جلدی کپڑے بدل کر گھر سے نکل گئے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس ہی گئے ہوں گے۔"

"ڈاکٹر رام دیال ہمارا فیملی فزیشین ہے" جگدیش ہانپتے ہوئے بولا "غصے اور ذہنی تناؤ کی شدت سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں "روی کو

یوں سر پر پیر رکھ کر کہیں بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ رام دیال کو ایک فون کرتا تو وہ سر کے بل یہاں دوڑا چلا آتا۔ میں اسے ہر مہینے کس بات کے چار ہزار روپے دیتا ہوں؟"

"میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا" روی کی بیوی کی آواز تقریباً رو دینے والی ہو گئی "وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر رام دیال فزیشین ہے۔ ان کا معاملہ کوئی بہترین سرجن ہی حل کر سکتا ہے۔"

"اُلو کا پٹھا ہے وہ!" جگدیش اپنی بھاوج کی پیش کی ہوئی وضاحت پر چڑ گیا "رام دیال ہم سب کا معالج ہی نہیں، دوست اور خیر خواہ بھی ہے۔ وہ سرجن کے پاس جانے کے لیے بھی کوئی اچھا مشورہ دے سکتا تھا، کوئی نام بتا سکتا تھا۔ اب روی پورے شہر میں کس کس سرجن کے مطب پر دستک دے گا۔ اچھے سرجن مصروف ہوتے ہیں۔ کوئی بھی اسے مہینوں سے پہلے کی تاریخ نہیں دے گا۔"

جگدیش اپنے غصے کی رو میں ایک بات کہہ گیا تھا مگر وہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی۔ منہ مانگی فیس کی پیشگی ادائیگی کے باوجود شہر کے نامور اور ماہر معالجین سے فوری ملاقات کا وقت لینا واقعی ایک سنگین مسئلہ بن چکا تھا۔ مریض کا مسئلہ کتنا ہی سنگین اور فوری نوعیت کا ہو، معالج کی بروقت دستیابی ممکن نہیں تھی۔ ایسی حالت میں مطب کا نچلا عملہ مریض کے لواحقین کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ وہ مریض کی جان بچانے کے لیے اسے فوری طور پر کسی اچھے اسپتال میں لے جائیں۔ شہر کے بیشتر بڑے اسپتالوں میں ہر شعبے کے ماہرین قدرے آسانی سے رابطے میں آجاتے ہیں لیکن ان اسپتالوں کے بارے میں سینہ بہ سینہ پھیلنے والی کہانیاں، موت سے خائف مریضوں کے قدموں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔

"بھگوان کرے کہ انہیں اپنڈکس کی تکلیف نہ ہوئی ہو، انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا ہو۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر رہی تھی مگر جگدیش معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے کھردرے لہجے میں اپنی بھاوج کو ڈانٹ دیا "ماروتی! اب میرے کان مت کھا۔ روی کو کہیں کوئی درد نہیں تھا۔ یہ سب سرکاری آدمی ہیں۔ دروازے پر ان کی بھیڑ دیکھ کر وہ یہاں سے بھاگا ہے۔ اس کے دل میں چور ہے۔"

"بھایا جی! تم تو ان پر الزام تراشی نہ کرو!" ماروتی نے اپنی بھیگتی ہوئی متوحش نگاہیں اپنے جیٹھ کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ وہ اپنے شوہر کی مدافعت کے لیے اس وقت کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی تھی "ابھی تم میرے میکے والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ اب ان کو چور بنا رہے ہو۔ انہوں نے کیا چرایا ہے تمہارا؟"

"عزت!" جگدیش نے دونوں ہاتھ اپنی کھوپڑی پر رکھ کر کہا "اس نے یہاں سے بھاگ کر میری عزت چرائی ہے، میرے ماتھے پر کالک لگائی ہے۔ بتا، اب میں ان دونوں کو کیا جواب دوں؟"

"تم سے ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو تم اندر جا کر آرام کرو۔ میں خود ان کے ہر سوال کا جواب دے لوں گی۔ دیکھتی ہوں کہ یہ روی کو کیسے ہاتھ لگاتے ہیں۔"

میں ماروتی کے تیزی سے بدلتے ہوئے تیوروں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہمارے مقابلے میں اپنے جیٹھ کی پسپائی اور بے بسی کو محسوس کرتے ہی اس کا خون کھول اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوف کی زردی، حیات آفریں سرخی میں تحلیل ہونے لگی تھی۔

اپنی بھاوج کا جواب سن کر جگدیش دہاڑتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "ماروتی!" وہ غضیلی آواز میں دہاڑا "یہ نہ بھول کہ تو راجپوت خاندان کی بہو ہے۔ ہم اپنی بہو بیٹیوں کو یوں اجنبیوں کے ساتھ اکیلا چھوڑنے سے پہلے سب کو مار دیتے ہیں یا خود مر جاتے ہیں۔ تو عورت ہے اور عورت ہی رہ۔ تیرا آدمی بھاگ گیا مگر میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اپنی آن اور عزت کے لیے ان لوگوں سے آخری سانس تک قانونی لڑائی لڑوں گا۔ تجھے زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم اپنے لیے لڑو گے، روی کی گردن پھنسوا دو گے۔ تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے کہ اب اس سے تمہارا دل بھر گیا ہے۔ اسے راستے سے ہٹا کر تم کاروبار پر قبضہ جمانے کی سوچ رہے ہو" ماروتی ایک دم بھڑک اٹھی۔

اول خان نے ان دونوں کے گھریلو جھگڑے میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی مگر میں نے اس کا پیر دبا کر اسے وہیں خاموش کر دیا۔ ان دونوں کی آرا کا وہ سنگین تصادم ہمارے حق میں تھا۔ اندر کی کچھ ایسی گرہیں کھل کر سامنے آسکتی تھیں جن کی بنا پر ہمارا کام آسان ہو سکتا تھا۔

جگدیش اس کا وہ الزام سن کر سکتے میں آگیا۔ اس کے چہرے سے گہرے صدمے کے آثار نمایاں تھے۔ چند ثانیوں تک وہ ملامت بھری نظروں سے ماروتی کو گھورتا رہا پھر ذرا نیچی آواز میں بولا "تو راجپوت خاندان میں ضرور آگئی ہے لیکن تیری گندی سوچ ابھی تک نہیں بدلی۔ تو نے میرے مان

کا خون کردیا' ماروتی! میں تجھے بات سلجھانے کے لیے یہاں لایا تھا مگر تو نے سب کچھ الجھا کر رکھ دیا ہے۔ اپنے گھر اور سوچ کا سارا گند بیچ چوراہے پر لے آئی ہو۔"

"یہاں سے بھاگنے والا میرا پتی ہے تو تمہارا بھی چھوٹا بھائی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے میکے کا نام کیوں لیا؟ میرے میکے والوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" ماروتی باقاعدہ محاذ آرائی پر تل گئی تھی۔ غصے میں آنے کے بعد اس کے سوگوار چہرے پر حسن کا ایک عجیب سا نکھار اتر آیا تھا۔

"حیدر آباد والا ہری چند تمہارا بھائی ہے کہ نہیں؟" جگدیش نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

"ہے.... مگر سگا نہیں خالہ زاد بھائی ہے۔" ماروتی نے محتاط الفاظ میں اعتراف کیا۔

"اسی کے لچھنوں کی وجہ سے یہ سرکاری نفری ہماری دہلیز پر آئی ہے۔"

"کان کھول کر سن لو' بھایا جی! ہری چند نے تم سے نوکری مانگی تھی نہ میں نے تم سے اس کی سفارش کی تھی۔" ماروتی کی زبان سے الفاظ تیروں کی طرح نکل رہے تھے "تم کو حیدر آباد کے لیے بھروسے کے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ تم وہاں گھر کا آدمی رکھنا چاہتے تھے لیکن تمہارے خاندان میں سب ٹیڑھے ہیں۔ راجپوت دوسروں کی غلامی کرلیتے ہیں لیکن کسی اور راجپوت کی نوکری پسند نہیں کرتے۔ اس سے ان کی باولی عزت پر حرف آتا ہے...."

"ہمیں چھوٹ.... اپنی بات کر" جگدیش نے اسے ڈانٹا "ہر اونچے اور بڑے خاندان میں کوئی نہ کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے اور یہی اس کی پکی شناخت ہوتی ہے۔ جاٹ' جولاہے' تیلی اور کمہار مرکر بھی ہماری برابری نہیں کرسکتے۔"

"تم نے اپنی غرض سے اسے بلایا تھا" ماروتی اس بار فضا میں ہاتھ نچا کر تیزی سے بولی۔ اس میں چھپی ہوئی عورت رفتہ رفتہ باہر آتی جارہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "ہری چند لگی لگائی نوکری چھوڑ کر تمہارے پاس آیا تھا۔"

"کیوں نہ آتا؟ ہم نے اسے دگنی تنخواہ دی تھی۔ یہ سب روی کی تجویز تھی اور میں نے اسے مان لیا تھا مگر اس نمک حرام نے ہمارے احسان کا یہ بدلہ دیا ہے کہ ہم مشکل میں پڑچکے ہیں۔"

"قصور ہری چند کا ہے تو یہ تمہارے گھر کیوں آئے ہیں؟ جا کر اس کی گردن ناپیں۔"

"مجھے نظر آرہا ہے کہ وہ بھی نہیں بچے گا۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ہمارا ملازم ہے۔ روی یہاں آکر ان شریف آدمیوں سے دو منٹ بات کرلیتا تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا۔"

ماروتی کی بڑی بڑی آنکھیں حرکت کرتی ہوئی' پہلی بار میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ ایسی جان دار اور طلب گار نگاہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں سوال کے ساتھ مفاہمت کا ایک عجیب سا پیغام بھی پوشیدہ تھا جسے صرف محسوس کیا جاسکتا تھا' ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا تھا۔

ماروتی کی بڑی بڑی' سیاہ غلافی آنکھوں کی کشش نے مجھے ایسا' سحور کیا کہ میں اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بے ساختہ بول پڑا "جگدیش ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس وقت کی صورت یہی ہے کہ اصل مجرم ہری چند ہے لیکن روی موہن نے ہمیں دیکھ کر یہاں سے فرار ہونے کے نتیجے میں خود کو مشکوک بنالیا ہے۔"

"اگر وہ آکر تم سے مل لیں تو یہ قصہ یہیں نمٹ جائے گا؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا مگر میں نے فوراً ہی اپنی غلطی کا ادراک کرتے ہوئے اپنے یک لفظی جواب کی وضاحت کی "مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ روی اپنے سالے کے جرم میں شریک ہے تو وہ بھی پھنسے گا۔"

"روی ایسے نہیں ہیں۔ میں انہیں تلاش کرتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا تھا تو انہیں واپس تمہارے سامنے آنا ہوگا۔ وہ کسی اسپتال میں داخل ہوگئے ہیں تو تم وہاں جاکر ان سے مل سکتے ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاؤگی؟"

"لگن کے ساتھ کوشش کی جائے تو بھگوان بھی مل جاتا ہے' روی تو میرے شوہر ہیں" اس کے نرم و نازک لبوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس کی وہ مسکراہٹ بہت پُرکشش بلکہ دل فریب تھی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ میں اس کے حسن سے کسی حد تک متاثر ہوچکا تھا اور وہ جگدیش کی موجودگی کو نظرانداز کرکے مجھے اپنے جال میں گھیرنے کی کوشش کررہی تھی۔

میرے ذہن میں کہیں سے سفید نیولا در آیا۔ اس نے ہمارے گھر میں گھس کر دویرا کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ واردات کے دوران میں ہی اس کے دماغ پر شیطان سوار ہوگیا اور وہ ویرا کو اٹھالے

جانے سے پہلے اس کی تذلیل پر تل گیا۔ وہ اپنی اس کوشش میں بھی ناکام رہا مگر اس دوران میں اس نے ویرا کے ساتھ جو سلوک کیا' وہ اشتعال انگیز تھا۔ ویرا نے بہت نفرت اور کراہت سے وہ لمحے گزارے تھے۔

ہم کرشن کمار یا سفید نیولے تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر اس کے ایک ہمدرد گھرانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس گھر کی بہو میرے روبہ رو تھی۔ چند فطری اور لمحاتی دلچسپیوں سے قطع نظر' مجھے اس خاتون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اگر وہ خود ہی پیش رفت کرکے مجھے ویرا کا انتقام لینے پر آمادہ کرنا چاہ رہی تھی تو وہ اس کی خوشی تھی' میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔

میری ساری دلچسپی صرف اور صرف کرشن کمار کی ذات تک محدود تھی۔

جگدیش جہاں دیدہ آدمی تھا۔ جب تک بات الفاظ کے ذریعے ہوتی رہی' وہ خاموشی اور غور سے سب کچھ سنتا رہا لیکن جب ماروتی کے ہونٹوں پر اکسانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تو اسے خطرے کا اندازہ ہوگیا۔

ماروتی نے بہت چالاکی کے ساتھ اسے سارے معاملات سے الگ تھلگ کرکے مذاکرات کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی اور حسن اور ذہانت کے مشترک استعمال کے ذریعے' آئی ہوئی بلا کو ٹالنے کا ارادہ کرچکی تھی۔

"ماروتی! روی تیری یہ ہنسی دیکھ لیتا تو ابھی ناک چوٹی کاٹ دیتا۔ اسے تلاش کرسکتی ہے تو اوپر اپنے کمرے میں جا۔ ہر جگہ فون کر۔ وہ اپنے کسی نہ کسی دوست کے گھر پہنچا ہوگا۔"

"فون پر روی کے دوست مجھے ٹال سکتے ہیں" ماروتی نے جگدیش کو نظرانداز کرکے مجھ سے کہا "میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے ساتھ اس مہم پر نکلوں۔ وہ کہیں نہ کہیں مل جائیں گے۔ یہ ان کی مرضی ہوگی کہ وہ میری ناک چوٹی کاٹ لیں یا اپنے لالچی بھائی کی کھوپڑی میں بھرا ہوا بھس باہر نکال پھینکیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس مرتبہ بات جگدیش کی برداشت کی حد سے تجاوز کرچکی تھی۔ وہ جھپٹ کر ماروتی پر ٹوٹ پڑا۔ ماروتی چیخ چیخ کر اسے بُرا بھلا کہنے لگی مگر وہ اسے دھکے دے دے کر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اسے گھر والوں کے حوالے کرکے وہ واپس آیا تو بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کا پورا بدن پسینوں میں شرابور تھا۔ ڈرائنگ روم میں آتے ہی وہ کرسی پر گرا اور اسکاچ کی ایک بوتل سے منہ لگا کر غٹاغٹ دو گھونٹ اپنے معدے میں اتار لے گیا۔

وہ غیر مسلم تھا' شراب کا پرانا بیوپاری تھا اس لیے اس کا عادی شرابی ہونا قرین قیاس تھا مگر یہ بات بھی یقینی تھی کہ مہذب عادی شرابیوں کی طرح وہ بھی کچھ ملائے بغیر' نیٹ پینے کا عادی نہیں رہا ہوگا۔ اس وقت جگدیش نے بوتل سے منہ لگا کر جو حرکت کی تھی اور اس نے جیسے بُرے بُرے منہ بنائے تھے' اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ شدید ذہنی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اضطراری طور پر وہ حرکت کرگزرا تھا ورنہ وہ اس کا معمول نہیں تھا۔

اندر سے دھینگا مشتی اور کئی عورتوں کے زور زور سے بولنے بلکہ چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان میں ماروتی کی آواز سب سے نمایاں تھی۔ جگدیش نے اسے اندر ضرور پہنچادیا تھا مگر وہ وہاں بھی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ جگدیش سے ہونے والی لڑائی نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"تمہاری بھاوج بہت منہ زور اور گستاخ عورت ہے" اول خان نے ہمدردی سے کہا۔

"آج اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یوں زبان کھولی ہے" جگدیش نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھکی ہاری آواز میں جواب دیا "ہم برسوں سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں مگر آج ماروتی نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی وقت یوں بازاری عورتوں جیسی حرکتوں پر اتر آئے گی۔"

"تم کو ہمارا ہم خیال پاتے ہی اسے جھٹکا لگا ہے اور وہ خود کو اچانک اکیلا سمجھنے لگی" اول خان نے بات ذرا آگے بڑھائی "اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے خود ہی سب کچھ کرگزرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ کوئی بھی خانہ دار عورت اتنی آسانی سے یہ حقیقت قبول نہیں کرسکتی کہ اس کا شوہر کسی سنگین جرم میں ملوث ہے۔"

"ہم عزت دار لوگ ہیں" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا "آج روی اور اس کی بیوی نے ہمارے خاندان کے نام اور ساکھ کو تباہ کردیا۔۔۔ مجھے بتاؤ کہ روی کیا کرتا پھر رہا ہے۔ وہ میرا بھائی اور میرا خون ہے مگر میں تمہارا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔"

"کچھ پکے بدمعاش اور مجرم ہوتے ہیں جن کا پیشہ ہی جرم کے ذریعے روزی کمانا ہوتا ہے۔" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "وہ جیل اور حوالات میں بند

رہیں یا اپنے گھر میں، انہیں اور ان کے گھر والوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے مقابلے میں سفید پوش مجرم بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں اپنی عزت اور ساکھ سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہیں چلتا۔ جوں ہی ان کے چہرے سے نقاب اترتا ہے، ان کا سب کچھ یکایک تباہ ہو جاتا ہے۔ گھربار سے لے کر عزت آبرو، ساکھ اور کاروبار تک ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے۔ روی نے گھر سے بھاگ کر اپنے جرائم کا آدھا اعتراف کر لیا ہے۔"

"ماروتی ذرا نیچی ذات کی عورت ہے۔ روی نے اسے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنی اصلیت پر آگئی۔ اگر تم لوگوں نے روی کے بارے میں کچھ ثابت کر دیا تو سب سے زیادہ صدمہ اسی کو ہوگا۔ ہمارے خاندان میں آنے کے بعد اس نے ہمیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ آج پہلی بار میرے سامنے تن کر کھڑی ہوئی ہے۔"

"اس وقت وہ تمہیں اپنا اور روی کا دشمن سمجھ رہی ہے۔ اس کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہو جائے گی" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں، روی کی گھٹیا اور بزدلانہ حرکت میرے سامنے ہے مگر پھر بھی بھگوان سے میری دعا ہے کہ میرا دیکھا اور سنا ہوا، سب غلط ہو اور روی آخر میں بالکل بے گناہ نکلے پھر بھی میرا رویّہ شریفانہ ہے۔"

امید پر ہی دنیا قائم ہے اور ہر انسان امیدوں کے سہارے ہی جیتا ہے۔ جگدیش کو اپنی آرزو کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ مجھے خود بھی اس کے بھائی سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ میں نے اس کی بات پر کوئی اعتراض کیے بغیر کہا "ہو سکتا ہے کہ اسے بھی اپنے رویے میں کوئی برائی محسوس نہ ہو رہی ہو۔ ایک اچھی بیوی کی طرح وہ اپنے شوہر کو ہر شک سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"مگر کس قیمت پر؟" اس نے برجستہ کہا "وہ جس طرح سینہ تان کر، آنکھیں جھپکا جھپکا کر اور مسکرا کر تم سے باتیں کر رہی تھی، وہ کسی اچھی بیوی کو زیب دیتا ہے؟ وہ تم پر دوسرے ہتھکنڈے آزمانے کے چکر میں ہے۔"

"تم اس کے بڑے ہو۔ ہم تمہارے لیے غیر بلکہ شاید دشمن ہیں اس لیے تم ٹھیک سوچ رہے ہو" میں نے سگریٹ کا کش لے کر سنجیدگی سے کہا "ایک آدھ بار مجھے بھی محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں رجھانے کی کوشش کر رہی ہے مگر ہمارے نزدیک فرض ہر شے پر مقدم ہے۔ ہمارے نزدیک ماروتی کے حسن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ساری اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ روی کی بیوی ہے اور اس کے ایسے دوستوں کے بارے میں جانتی ہے جن کے پاس وہ پناہ لے سکتا ہے۔"

جگدیش نے چونک کر میری بات کاٹ دی "ابھی تک تم نے صرف ایک واردات کا ذکر کیا ہے جس میں ہری چند کی گاڑی پکڑی گئی ہے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ واردات کیا تھی اور روی کا جرم کیا ہے۔"

اس کا سوال جائز تھا۔ اسے وہ خیال بہت دیر سے آیا تھا۔ میں نے اسے بتایا "جرم نہیں بلکہ جرائم کا ایک سلسلہ ہے جس میں روی ملوث ہو سکتا ہے۔ قتل، اغوا سے لے کر ملک کے خلاف سازش جیسے معاملات ہمیں تمہارے گھر تک لائے ہیں۔"

بے اعتباری سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ خوف زدہ آواز میں بولا "روی جیسا بھی ہو، اتنا برا نہیں ہو سکتا۔ قتل تو کیا، وہ کسی کو زخمی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ یہاں عزت سے رہ رہا ہے۔ کھا کما رہا ہے۔ وہ اس ملک کے خلاف سازش کیوں کرے گا؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم کرشن کمار کو جانتے ہو؟"

جگدیش کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا "تم کس کرشن کمار کی بات کر رہے ہو؟ یہ بہت عام سا نام ہے۔ دو کرشن میرے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ تیسرا..."

"اب تم ماروتی بننے کی کوشش کر رہے ہو" میں نے اس کی نگاہوں میں پوشیدہ خوف کو بھانپتے ہوئے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "تم کو معلوم ہے کہ میں کس کرشن کمار کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ کھوکھراپار والا کرشن کمار ہی ہو سکتا ہے۔ بچوں سے ملنے کے لیے میں میرپور خاص جاتا رہتا ہوں۔ وہیں دو تین بار اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ بہت دردمند دل کا مالک ہے اور تھر کے دور افتادہ علاقوں کے غریب لوگوں کے لیے بڑا کام کر رہا ہے۔"

"تو کیا تمہارے بچے اتنے بڑے ہیں کہ کرشن کمار ان کا دوست ہو سکتا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بڑے کیا، بھگوان کی مہربانی سے تینوں جوان ہیں، دو بیٹے میرے ہیں، تیسرا روی کا ہے۔ ہم لوگ کم عمری میں شادی کر لیتے ہیں اس لیے ہمارے بچے ہمارے بڑھاپے سے پہلے جوان ہو کر سہارا بن جاتے ہیں مگر یہ تینوں عجیب ہیں، کراچی میں ان کا دل نہیں لگتا۔ اپنے آبائی گھر اور ماحول میں

بہت خوش رہتے ہیں۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا" میں نے اسے یاد دلایا "کرشن کمار ان میں سے کس کا دوست ہے؟"

"ان سے ملتا جلتا رہتا ہے مگر اس کی دوستی روی سے ہے۔ روی اکثر میرپور خاص جاتا رہتا ہے۔ پہلے کرشن کمار بھی وہیں رہتا تھا۔ بعد میں وہ کھوکھراپار چلا گیا مگر میرپور خاص میں اس کا گھر اب بھی ہے۔"

"تمہیں پتا چلا ہوگا کہ اس گھر میں کیا دھندے ہوتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا پھر بولا "مجھے یہ سب نہیں معلوم لیکن چند روز پہلے وہاں خوں ریزی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ میرپور خاص میں ابھی تک خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ پولیس پکڑ دھکڑ کر رہی ہے مگر کسی کو نہیں معلوم کہ اس رات کرشن کمار کے گھر میں کیا ہوا تھا؟"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ تم اپنے آبائی شہر کے حالات سے باخبر رہتے ہو۔ یہ ایک اچھی عادت ہے" میں نے اس کے کھلے رویّے کو سراہتے ہوئے کہا "کرشن کمار کے آدمیوں سے میرپور خاص میں شروع ہونے والی لڑائی اب کراچی تک آپہنچی ہے۔ کرشن کمار آخری بار یہاں کب آیا تھا؟" میں نے آخری سوال اچانک ہی پوچھا تھا۔

"وہ تھر کا سوشل ورکر ہے۔ روی اسے چندے بھی دیتا رہتا تھا مگر وہ یہاں کبھی نہیں آیا۔ دراصل وہ نظر کا خراب آدمی ہے۔ ہم بال بچوں والے ہیں، چھڑے دوستوں کو گھر میں بلانا معیوب سمجھتے ہیں۔"

"ہری چند کی گاڑی میں اس نے چار ابنا کر تین بھیلوں کو کراچی روانہ کیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ خود بھی یہاں آیا ہوا ہے اور اب ہمیں اسی کی تلاش ہے۔ وہ کہاں مل سکے گا؟"

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کراچی میں میری اور اس کی کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی روی نے بھی اس کے آنے کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"میرے ذہن سے سوچو گے تو تمہاری ہر الجھن رفع ہوجائے گی۔ ہمارے یہاں آتے ہی روی نے گھر سے فرار ہوکر بات صاف کردی ہے۔ وہ یہاں رکا رہتا تو ہمارے لیے الجھنیں پیدا ہوسکتی تھیں۔ تم دو اور دو چار کرنے والے ہو۔ ذرا سی عقل لڑاؤ گے تو تم بھی اس نتیجے پر پہنچو گے کہ کرشن کمار اور روی موہن میں گہرا گٹھ جوڑ ہے۔"

جگدیش کے چہرے پر خوف کی جگہ تشویش کے سائے لہرانے لگے اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "اگر رام نہ کرے، تمہاری باتیں درست ہیں تو روی موت کے راستے پر بھاگ رہا ہے۔ ہم ہندو ہیں، ہمیں لوگ ویسے ہی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کوئی انیس بیس ہوگئی تو ذرا سی دیر میں رائی کا پہاڑ بنا دیا جائے گا۔"

"ہم یہاں کافی وقت گزار چکے ہیں۔" اول خان نے اکتائے ہوئے انداز میں زبان کھولی "اب چلنا چاہیے۔"

"جانے سے پہلے ہمیں روی کے قریبی دوستوں کا نام، پتے اور فون نمبر درکار ہیں" میں نے جگدیش کو آگاہ کیا۔

"وہ مجھ سے سات برس چھوٹا ہے۔ میری گود کا کھیلا ہوا ہے۔ رشتے داریوں کی بات الگ ہے ورنہ ہم دونوں کے ملنے جلنے والوں کے حلقے الگ الگ ہیں۔ کسی کسی سے بس سرسری دعا سلام ہے۔ میں اس بارے میں کچھ مدد نہیں کرسکتا۔"

"ماروتی باخبر معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ روی کی تلاش میں نکلنے پر آمادہ تھی" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مہاراج!" جگدیش نے التجائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "اس وقت اسے نہ چھیڑنا، وہ بہت بپھری ہوئی ہے۔ تمہارے ساتھ نکل کھڑی ہوئی تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کا یہ دستور نہیں ہوتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ روی کے بارے میں کوئی ذرا سا بھی سراغ ملا تو میں تم کو خبر کردوں گا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا "وہ کرشن کمار کی طرح لنڈورا نہیں ہے۔ ماروتی جیسی خوبصورت بیوی کا شوہر ہے۔ گھر بار کو وہ کب تک بھولا رہے گا؟ ہمارے آدمی تمہارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ وہ جہاں بھی آیا، چوہے کی طرح پکڑا جائے گا۔"

جگدیش اپنے بے ہنگم وجود اور اس میں سمائی ہوئی پیچیدگیوں کے باعث کسی بھی طرح ایک عام آدمی قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ ہماری آمد کے بعد پیش آنے والے واقعات نے اس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کردی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر ہانپتا ہوا، مشکل سے ہمارے ساتھ برآمدے تک آیا۔ اس کی پتلی حالت کے پیشِ نظر ہم نے اس سے وہیں ہاتھ ملائے اور آگے بڑھ گئے۔

ہم برآمدے سے اترے ہی تھے کہ کوئی چیز میرے شانے سے ٹکرا کر پختہ فرش پر لڑھک گئی۔ میں نے چونک کر فرش کی طرف دیکھا تو لائن دار کاغذ کی ایک وزنی سی گولی نظر آئی۔ اسے اٹھاتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم

گئی۔

برآمدہ خالی تھا۔ جگدیش ہم سے گلوخلاصی حاصل کرتے ہی اندر جاچکا تھا اور اوپری منزل کی ایک بالکونی میں ماروتی کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرائی اور اس نے دھیرے سے ہاتھ ہلایا۔

اپنے چہرے سے وہ بہت پرجوش نظر آرہی تھی مگر اس کے اظہار سے مجبور تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اوپر کی بالکونی میں کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ پھاٹک سے باہر تک' ہر ایک کی نگاہوں کی زد میں تھی۔ ان میں ایس ٹی ایف کے آدمی اس کے لیے بے ضرر تھے لیکن موہن ہاؤس کا چوکیدار اس کے بارے میں جگدیش سے کوئی مخبری کر سکتا تھا۔

کاغذ کی گولی اٹھاتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ صرف کاغذ نہیں تھا۔ ماروتی نے اسے اپنے نشانے تک پہنچانے کے لیے کنکریا کسی اور بھاری چیز کے گرد لپیٹا تھا تاکہ ہوا سے اس کا رخ تبدیل نہ ہو سکے۔

وہ یقیناً ماروتی کی طرف سے کوئی پیغام تھا۔ اس کاغذ کو وہیں کھول کر پڑھنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے وہ گولی اسی طرح اپنی جیب میں ڈالی اور اول خان کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھتا رہا۔

جگدیش سے رخصت ہونے کے بعد جو کچھ ہوا وہ اول خان کی نظروں میں آچکا تھا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "ماروتی نے تمہیں کوئی خاص پیغام دیا ہے۔ ویرا ٹھیک کہتی ہے کہ عورتیں بہت جلد تمہاری طرف مائل ہوجاتی ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی "ویرا کی بہت سی باتیں بے سروپا ہوتی ہیں۔ میں ان پر دھیان نہیں دیتا۔ حیرت ہے کہ تم نے اس کی کہی ہوئی ایک مہمل سی بات یاد رکھی ہے۔"

"ہم دونوں شروع سے اب تک ساتھ ساتھ ہیں۔ وہ میری طرف متوجہ کیوں نہیں ہوئی؟؟"

"رشک یا حسد کرنے کی ضرورت نہیں' یہ پیغام تم لے لو۔ ابھی میں نے اسے پڑھا بھی نہیں ہے" میں نے ہنس کر پیش کش کی۔

"بات مذاق میں مت ٹالو۔ یہ ایک اہم سوال ہے' تمہاری کامیابی میں کئی بار ایسی من چلی عورتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"اس میں کبھی بھی میرا کوئی قصور نہیں رہا' جو کچھ ہوتا ہے' بس ہوتا چلا جاتا ہے۔"

"ہمیں اس نئی راہ پر ڈالنے کا سہرا بھی نیما کے سر ہے"

اول خان نے کہا "وہ نسرین کے گھر میں مقبول چوہدری کی روپوشی اور اس کے کسی اہم بریف کیس کی موجودگی کے بارے میں مخبری نہ کرتی تو ہم فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمیں آگے بڑھنے کی راہ ان ہی کاغذوں سے ملی ہے۔"

ہم گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا اور ہم موہن ہاؤس سے نکل گئے۔

باہر اول خان کی پوری نفری موجود تھی۔ حامد قصوروار نہ ہونے کے باوجود سر جھکا کر اس کے پاس آیا "سوری سر! ابتدا سے ہی ہمارے اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور اندھیرے کی وجہ سے ہم غلط گاڑی کے پیچھے لگ گئے تھے..."

"اوکے... اوکے!" اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "جو ہوا' اسے بھول جاؤ اور اسٹیشن فور پہنچ کر اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ تمہاری زبان سے ناکامی کی ابتدائی خبر سن کر شاید میں ضرورت سے زیادہ مشتعل ہوگیا تھا۔"

حامد کی بڑائی یہ تھی کہ اس نے اول خان سے بہت کچھ سن کر بھی اپنے افسر کے سامنے سر نہیں اٹھایا تھا اور اول خان کے کردار کی عظمت یہ تھی کہ اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد وہ اپنے ماتحت سے معذرت کا اعادہ کر رہا تھا۔

اولڈ کانٹنٹ سے ایس ٹی ایف کی جیپ میٹروپول ہوٹل کے گرد گھومتی ہوئی شاہراہ فیصل کی طرف نکل گئی۔ ہم سیدھے صدر کے قلب کی طرف ہولیے۔ اول خان نے ایک مرتبہ پھر ماروتی کا ذکر چھیڑ دیا "تم ماروتی کے پیغام کو بھولے بیٹھے ہو۔"

وہ پیغام واقعی بہت اہم تھا۔ اول خان کی باتیں سن کر میرا ذہن نہ جانے کن بھول بھلیوں میں بھٹک گیا تھا کہ میں ماروتی کی پھینکی ہوئی' کاغذ کی گولی کو بالکل بھلا بیٹھا تھا۔ میں نے جیب سے وہ گولی نکال کر عجلت میں کاغذ کو کھولا۔ اندر سے لوڈو کا ایک بھاری دانہ نکل کر میری گود میں گر گیا۔ میں نے نیون سائنز کی تیز روشنیوں کے انعکاس میں دیکھا کہ وہ کسی کاپی سے پھاڑا ہوا صفحہ تھا۔

تحریر پڑھنے کے لیے مجھے کیبن لائٹ روشن کرنی پڑی۔ اس پر انگریزی میں مختصر سا پیغام لکھا ہوا تھا "مجھے فون ضرور کرنا' میں انتظار کروں گی۔" ان دو سطور کے نیچے فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ وہ نمبر جگدیش سے ملنے والے تین نمبروں میں بھی شامل تھا۔

”وہ میرے فون کا انتظار کرے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ روی کی تلاش میں گھر سے کہیں جانے کا ارادہ ترک کرچکی ہے“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”یہ نیک فال ہے“ اول خان نے سنجیدگی سے کہا ”مگر سوال وہی ہے کہ ماروتی ذرا سی دیر کی ملاقات میں تمہاری اتنی گرویدہ کیسے ہوگئی کہ اس نے پورے اعتماد سے تم سے رابطہ قائم کرڈالا؟“

”تمہارے اسی سوال نے مجھے سوچوں میں گم کردیا تھا۔ میرا واسطہ ایسی عورتوں سے بھی پڑتا رہا ہے جنہوں نے مجھے ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ بعض نے تو شاید دوبارہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ صرف ایسی عورتیں یا لڑکیاں میری طرف متوجہ ہوتی رہی ہیں جو کچھ روی کے کسی نہ کسی درجے پر تھیں یا یوں کہہ لو کہ رنگین مزاج تھیں۔“

”ایسی عورتوں کو تم میں کیا خاص بات نظر آتی ہے؟ ماروتی تمہاری طرف اس طرح متوجہ ہوئی تھی جیسے لوہا مقناطیس کی طرف لپکتا ہے۔ وجیہہ اور خوب رو ہونے کے باوجود تمہارے چہرے پر اوباشی کی کوئی علامت نہیں ہے۔ پھر ان اتفاقات کا کیا سبب ہے؟“

”محض میری بدقسمتی!“ میں نے ہنس کر جواب دیا۔

”غنیمت ہے کہ تم نے خود ہی مان لیا کہ میرے چہرے پر اوباشی کی کوئی نشانی نہیں ہے۔ موقع ملا تو میں ماروتی سے ضرور پوچھوں گا کہ اس کی نظریں تمہارے بجائے میرے اوپر کیوں ٹھہری تھیں؟“

”بدقسمتی نہیں‘ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اس خوبی کی وجہ سے بعض اوقات تمہارا کام آسان ہوجاتا ہے۔“

میرے اور اول خان کے درمیان بہت زیادہ بے تکلفی پیدا ہوچکی تھی لیکن اس نے کبھی بھی مجھ سے کسی ممنوعہ موضوع پر بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ خرابی ویرا کے مزاج میں تھی کہ وہ کرید کرید کر ہمیشہ نہایت نازک اور ذاتی نوعیت کے سوال کرتی رہتی تھی مگر اول خان بھی کوئی مشینی روبوٹ نہیں‘ ایک ذہین انسان تھا۔ کھلی آنکھوں سے ہر طرف نظر رکھتا تھا۔ ماروتی کے رویے نے آخر کار اسے بھی زبان کھولنے پر مجبور کردیا۔

اپنے سوال کا جواب مل جانے کے بعد اول خان نے موضوع بدل دیا اور ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے گھر واپس پہنچ گئے۔

گھر پر ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کسی باقاعدہ معالج سے رجوع کیے بغیر ہم لوگوں نے ذاتی تجربات کی روشنی میں ویرا اور غزالہ کے لیے جو علاج تجویز کیے تھے‘ وہ کارگر رہے تھے۔ غزالہ کی کنپٹی کا درد بہت کم ہوچکا تھا‘ ویرا کی کہنی کے درد میں بھی افاقہ ہوا تھا۔

ہم میں سے ہر ایک اس خیال سے متفق تھا کہ ماروتی کو فون کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا اور مجھے یہ نیک کام جلد از جلد کرلینا چاہیے تھا۔ ایک خاص بات یہ سامنے آئی کہ ماروتی نے صرف ایک فون نمبر لکھا تھا اس لیے یہ امکان تھا کہ وہ نمبر موہن ہاؤس کی دوسری منزل پر صرف روی موہن اور اس کے اہل خانہ کے استعمال میں ہو مگر مجھے یہ استدلال کمزور نظر آرہا تھا۔ اگر وہ نمبر ماروتی کا تھا تو جگدیش کو صرف دو نمبر بتانے پر اکتفا کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف وہ ماروتی کو ہم سے دور رکھنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا تو دوسری طرف ہمیں اس سے براہِ راست رابطے کی آزادی کیسے دے سکتا تھا؟

گھر پہنچ کر چائے کی ایک پیالی معدے میں اتارنے کے بعد میں نے ماروتی کا دیا ہوا نمبر ملالیا۔

پہلی گھنٹی بجنے پر ہیلو کی سپاٹ سی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ بولنے والی ماروتی تھی۔

”لوڈو کے دانے پر لپٹے ہوئے کاغذ کی گولی کا شکار بول رہا ہوں“ میں نے ماروتی کو راہ دینے کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

”اوہ‘ مظہر!“ اس کی آواز میں تجسس اُمڈ آیا ”میں ہر گھنٹی پر تمہاری آواز سننے کی امید کررہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری التجا کو نہیں ٹھکراؤ گے۔ تم اپنے چہرے سے رحم دل اور نرم خو معلوم ہوتے ہو۔“

”میرے ساتھی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ موقع ملتے ہی میں نے سوال کرڈالا۔

”اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے“ ماروتی نے بلا تردد اپنی رائے دے دی ”میں سوچ سمجھ کر تم سے مخاطب ہوئی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کسی ہوٹل میں مل سکتے ہو؟“

”ہوٹل میں؟“ میں اس کے غیر متوقع سوال پر بوکھلا گیا۔ ”فون پر رابطہ ہوگیا ہے تو ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہے!“ اس کی آواز میں دعوت آمیز اصرار تھا ”تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔“

”پہلے وہ باتیں ختم کرلو جو فون پر کی جاسکتی ہیں۔ اس

دوران میں، میں کچھ سوچ لوں گا۔" میں نے اسے ٹالا۔
"مجھے ایمان داری سے بتاؤ کہ تمہیں روی کی تلاش کیوں ہے؟" قدرے توقف کے بعد ماروتی کی آواز آئی۔
"وہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے اور کچھ بدنام لوگوں کی پشت پناہی کررہا ہے۔"
"مجھ سے کھل کربات کرو۔ ان لوگوں کے نام بتاؤ۔ میں اپنے روی کے بہت سے رازوں سے واقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری مدد کرسکوں۔" اس کی نرم اور کھنک دار آواز یک بہ یک قدرے دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی۔
میں نے اول خان کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "شاید تم نے کرشن کمار کا نام سنا ہو۔"
"اوہ... وہ کمینہ!" ماروتی کی آواز میں حقارت امڈ آئی "جب بھی آتا ہے، روی کی نظریں بچا کر ایسی بھوکی نگاہوں سے مجھے گھورتا ہے کہ اس سے گھن آنے لگتی ہے۔ صورت سے ہی نیولا معلوم ہوتا ہے جو سانپ کے شکار کے لیے تیار بیٹھا ہو۔"
ماروتی کے الفاظ سن کر میں دنگ رہ گیا۔ کرشن کمار کے مشاہدے کے بارے میں اس کے اور ویرا کے الفاظ میں حیرت ناک یکسانیت تھی۔ دونوں عورتوں کے لیے وہ گھناؤنا اور کراہت آمیز ملاقاتی تھا جو کسی نیولے سے مشابہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ویرا نے کرشن کمار کو سفید نیولے کا خطاب دیا تھا اور ماروتی اسے صرف نیولا کہہ رہی تھی۔
ماروتی نے اس کی آمد اور اس سے اپنا سامنا ہونے کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کیا وہ تمہارے گھر آتا رہتا ہے؟"
"یہاں کبھی نہیں آیا۔ ہم میرپورخاص میں ہوتے ہیں تو وہ اکثر روی کے پاس آتا رہتا ہے۔"
"تمہیں علم ہے کہ وہ کم از کم کل سے کراچی میں موجود ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"ہوگا... مجھے نہیں معلوم" ماروتی کی آواز سے بیزاری مترشح تھی۔ "اس سے ہمارا میل جول بس میرپورخاص تک ہے۔ روی نے کبھی اس کی کراچی آمد کا ذکر نہیں کیا۔"
"وہ یہاں ہے۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں" میں نے زور دے کر کہا "وہ ایک خطرناک مجرم ہے۔"
"تم اسی کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ہمارے گھر تک پہنچے تھے؟" ماروتی کی آواز میں حیرت تھی۔
"ہاں، ہمارے پاس ثبوت تھے کہ ہری چند اور کرشن کمار نے مل کر ایک سازش کی تھی۔"

"اگر وہ کراچی میں ہے اور روی اس کے بارے میں جانتے ہیں تو تم یقین کرو کہ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں۔"
ماروتی کے لہجے کے اعتماد نے مجھے حیرت میں ڈال دیا
"شاید تم کو علم نہیں کہ وہ کس پائے کا مجرم ہے۔"
"وہ کیسا ہی چالاک اور مکار کیوں نہ ہو۔ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں مگر اس کے لیے میری دو شرائط ہیں۔"
گفتگو اسپیکر فون پر ہو رہی تھی۔ سب ہی وہ مکالمے سن رہے تھے۔ اول خان نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا کہ میں ماروتی کی شرائط مان لوں۔ وہ ایک بڑا اور ناقابل یقین وعدہ کررہی تھی۔ میں نے کہا "پھر ہم سے غلطی ہوئی کہ تمہارے گھر سے خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ کرشن کمار اور روی کی شریک کار ہونے کے جرم میں ہم تمہیں اپنی تحویل میں لے سکتے تھے۔"
"مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ابھی تک مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ تم میری شرائط قبول کرو گے تو میں تمہارے لیے کام شروع کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو روز میں وہ تمہارے ہاتھ آجائے گا۔"
"تمہاری شرائط کیا ہیں؟" میں نے دانستہ کچھ توقف اختیار کرنے کے بعد پوچھا۔
"میری پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ تم روی کو معاف کردو گے۔ بالکل بھول جاؤ گے کہ اس معاملے میں ان کا کوئی ہاتھ رہا ہے۔ میرا گھر آباد رہنے کے لیے یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔"
"یہ ناممکن ہے" میں نے سخت لہجے میں کہا "شاید جگدیش نے تمہیں نہیں بتایا کہ روی کس چکر میں پھنس چکا ہے۔"
"بھایا جی، مکّار اور دوغلا ہے۔ تمہارے سامنے وہ سب کچھ روی کے سر پر ڈال کر خود تمہارا ہم نوا بن گیا تھا۔ تمہارے چلے جانے کے بعد اسی نے مجھے بتایا ہے کہ اب روی کا بچنا مشکل ہے۔"
"اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھی روی کا ساتھ نہیں دے گا۔ وہ گھر آیا تو تمہیں خبر مل جائے گی۔"
"جگدیش نے مجھے بتا دیا ہے کہ تمہارے آدمی ہمارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ تمہارے سامنے وہ مجھے گھر سے باہر جانے سے روک رہا تھا۔ اب وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں گھر سے نکلوں اور روی تک پہنچنے کی کوشش کروں۔"
"کیوں؟ وہ تمہارے ذریعے روی تک کیا پیغام پہنچانے

کی کوشش کر رہا ہے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ دونوں ایک باپ کی اولاد ہیں' آپس میں سگے بھائی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ روی خطرہ ٹلنے تک گھروں کا رخ نہ کریں۔ ان کے لیے کراچی اور میرپور خاص خطرناک ہو چکے ہیں۔ وہ خاموشی سے سرحد پار نکل جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔" ماروتی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر زہریلے لہجے میں کہا۔

"اگر میں نے تمہاری شرائط نہ مانیں تو تم اس کے مشورے پر عمل کرو گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" ماروتی کی آواز سے اس کا مضبوط ارادہ جھلک رہا تھا "تم میری شرائط مانو گے۔ میں تمہیں مجبور کر دوں گی۔ تمہارے لیے روی نہیں' کرشن کمار اہم ہے۔ تم نے روی کو معاف نہ کیا تو کرشن کمار بھی کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔ جگدیش شیطانی ذہن کا مالک ہے۔ وہ میرے ساتھ دہرا کھیل' کھیل رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کسی بھی ملک میں ایجنسیاں کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ روی سرحد پار کرتے ہی اشتہاری مجرم بن جائیں گے۔ وہ کبھی یہاں لوٹ کر نہیں آسکیں گے اور آبائی کاروبار جگدیش کے قبضے میں آجائے گا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں گھربار' اثاثے اور میکے کو چھوڑ کر' سرحد عبور کر کے روی کے پاس چلی جاؤں۔ میرا گھر اجڑے گا تو میں سب کچھ پھونک کر رکھ دوں گی۔ میں بہت خود پرست عورت ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ میرے سینے میں بھڑکنے والی آگ مستقبل میں مجھے کیا بنا دے.... مجھے یقین ہے کہ اس بربادی کو ٹالنے کے لیے تم میری شرائط مان لو گے۔ تمہیں تمہارا مجرم مل جائے گا' میرا گھر آباد رہے گا اور جگدیش کی ناپاک حسرتیں کبھی پوری نہیں ہو سکیں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ موہن ہاؤس سے ہماری واپسی کے بعد بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ماروتی کو ان تبدیلیوں پر غور کر کے اپنی راہ متعین کرنے کا موقع مل گیا تھا جب کہ ہماری پیش رفت صفر تھی۔

ماروتی تصورات کی دنیا میں رہنے والی کوئی خوش فہم عورت نہیں تھی۔ اس نے جگدیش کی تجویز اور اپنے منصوبے کے ہر پہلو کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' حقائق سے بہت قریب تھا۔ اس کے پاس ہم سے سمجھوتا کرنے یا پھر ہر ایک سے کھلی جنگ شروع کرنے کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ اس کی تقریر نے میرے چاروں ساتھیوں کو بھی حیران کر دیا تھا۔ خاص طور پر اول خان تو شاید سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ماروتی جیسی حسین اور خانہ دار عورت اپنے گھر کو خطرے میں دیکھ کر اتنی دور جاسکتی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ شرط مجھے منظور ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اگر کرشن کمار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجاتا ہے تو ہم روی کو بالکل بھول جائیں گے.... تمہارا گھر...."

ماروتی نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "مجھ سے یہ گول مول باتیں نہ کرو۔ اس کی زندگی یا موت پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقابلے میں تم اسے مار سکتے ہو۔ سارے راستے بند پا کر وہ خودکشی کر سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے' وہ زندہ رہے یا مر جائے' تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تم روی کو ذرا بھی تنگ نہیں کرو گے۔"

"چلو' یہ طے ہو گیا" میں نے ماروتی کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے "اتنی دیر سے ہم تمہاری پہلی شرط میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

"وہ بہت آسان ہے۔ کل رات میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک لگژری روم بک کراؤں گی اور تم وہاں آؤ گے" وہ گھوم پھر کر دوبارہ اسی نکتے پر آگئی جس سے میری اور اس کی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ غزالہ اپنی چھٹی حس کے کسی اشارے کے تحت اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

"فون پر ساری باتیں ہو گئی ہیں۔ اب ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اول خان اور رویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ماروتی سے فون پر کہا۔

اس مرحلے پر اول خان معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"تم اس ضرورت کا اندازہ نہیں کر سکتے" ماروتی کے گہرے سانس کے بعد وہ فقرہ سنتے ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔ اسپیکر فون کا سلسلہ خود بہ خود موقوف ہو گیا۔

"بہت سی باتیں صرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کی جاسکتی ہیں" ماروتی کی بات جاری تھی "تم پہلی نظر میں ہی مجھے اچھے لگے تھے اور تم سے بات کرنے کی خواہش میرے دل میں جاگ اٹھی تھی۔ بھایا جی نے لعن طعن کر کے میری اس معصوم سی خواہش کو بہت توانا کر دیا۔ اب میں چار من کے

اس منحوس اُلّو کے منہ پر تھوک دینا چاہتی ہوں۔"
سلطان شاہ بھی جا چکا تھا مگر ویرا پوری ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر بیٹھی شک آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔
میں نے کن انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیا پھر ماؤتھ پیس میں کہا "منہ پر تھوکو یا اس کی پشت پر لات جماؤ مگر اس چکر میں مجھے نہ گھسیٹو۔ ہم لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، کسی کے ذاتی معاملات میں نہیں الجھتے۔"
"شاید تم جگدیش بھایا کی کہی ہوئی بات بھول گئے" زہریلی ہنسی کے ساتھ ماروتی کی آواز ابھری "میں ایک اونچے خاندان کی بہو ہوں۔ جو بات میرے دماغ میں سما جائے، وہ ہر قیمت پر کر گزرتی ہوں۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی آرزو اتنی شدید ہو چکی ہے کہ میں اس کے سامنے بے بس ہوں۔ یہ میری دوسری نہیں، پہلی شرط ہے۔ کرشن کمار پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں میرا مان رکھنا ہوگا۔"
"خدا کا خوف کرو ماروتی، جگدیش کو تمہارے ان ارادوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہیں گولی مار دے گا۔"
"گرجنے والے بادل برسا نہیں کرتے۔ اس کے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں روی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ سچ پوچھو تو میری اور تمہاری ملاقات ان ہی کی زندگی کے لیے ہوگی۔ روی کے فرار سے پہلے میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں تھا" اپنے جیٹھ کے لیے ماروتی کے کہے ہوئے ہر لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔ اس وقت ماروتی اپنا اصل روپ بھول چکی تھی۔ وہ خود کو صرف اور صرف جگدیش کے خاندان کی بہو تصور کر رہی تھی جس کی پامالی کے بعد وہ جگدیش کے خاندانی غرور کے خلاف اپنے یعنی ماروتی کے دل میں ٹھنڈک محسوس کر سکتی تھی۔
"تم جگدیش کی بھاوج نہیں، اپنے جوان بیٹے کی ماں بھی ہو....." میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی۔
"وہ اتنا جوان بھی نہیں ہے، صرف چودہ برس کا ہے۔ وہ اپنے باپ اور تاؤ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابھی سے شراب پیتا ہے۔ میرے ساتھ کھڑا ہو جائے تو میرا بھائی یا دیور معلوم ہوتا ہے۔ کم سنی کی شادی کے نتیجے میں اولاد اتنی تیزی سے بڑی ہو جائے تو ماں اس رفتار سے بوڑھی نہیں ہو سکتی۔ میں تین برس کے بعد تیس کی ہو جاؤں گی۔ تم میرے ہم سن ہی معلوم ہوتے ہو۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔"
"اس وقت تمہارے ذہن پر ضد سوار ہے۔ میں نے تمہاری ایک بات مان لی، ایک بات تم مان لو۔"

ویرا کی موجودگی کی وجہ سے میں الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ کوئی ایسی بات میری زبان پر نہیں آئی تھی کہ ویرا کو موضوع سخن کی اصل سنگینی کا اندازہ ہوتا۔ وہ بات جاننے کے لیے بے چین تھی اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھ سے کچھ دریافت کر رہی تھی۔ میں فون پر مصروف ہونے کی وجہ سے اسے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
"پتا نہیں تم کیسے مسلمان ہو؟" ماروتی میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسا انڈیلنے لگی "اونچی ذات کی ایک خوبصورت ہندو عورت تمہاری باندی بننے کے لیے تیار ہے اور تم بھاگ رہے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ پچھلے مسلمان مال دار قوموں سے لڑتے تھے اور فتح پانے کے بعد دشمن کی دولت اور خوبصورت عورتوں کو آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ تم مجھے کرشن سے ہونے والی لڑائی میں اپنا انعام کیوں نہیں سمجھ لیتے؟"
وہ اپنے سفلی جذبوں سے مغلوب ہو کر تاریخ کو مسخ کر رہی تھی۔ جگدیش کے خلاف اس کی نفرت نے ایک عجیب ہی روپ دھار لیا تھا۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، میں کل تمہیں فون کروں گا۔"
"کل میں تمہیں اس گھر میں نہیں ملوں گی۔ مجھے اپنے روی کے لیے ہر حال میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ تمہارے لیے صرف آج کی رات ہے۔ میں بھایا جی کی باتوں کو یاد کر کر کے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ میں رات بھر نہیں سو سکوں گی۔ تمہارا ارادہ بدل جائے تو رات میں کسی بھی وقت مجھے فون کر لینا۔ صبح کا اجالا پھیل گیا تو تم مجھے اور کرشن کمار کو کھو چکے ہو گے۔"
"تمہیں روی سے اپنی وفا کا بھی کوئی پاس نہیں ہے!" میں نے ویرا کو بھول کر اسے ملامت کی۔
"میں اسی کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔" ماروتی ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی "ہم زندگی بھر کے لیے ایک مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ دوسری عورتوں سے ملتا ہے تو یہ بندھن ٹوٹتا ہے نہ میری اور تمہاری ملاقات سے ٹوٹے گا۔ روی میرے ہیں اور میں ان کی رہوں گی۔"
ماروتی کا وہ عجیب و غریب فلسفہ سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔ کسی عورت کی طرف سے ایسی پُرفریب وفاداری کا اظہار میرے لیے انوکھا تجربہ تھا۔ اس کی باتیں سن سن کر میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور دماغ میں خیالات کے چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔
اپنی دوسری شرط منوائے بغیر وہ کسی تعاون پر آمادہ نہیں تھی۔
"تم مصر ہو تو میں تمہاری دوسری شرط بھی مانے لیتا

ہوں'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔
ریسیور پر اس کی ہلکی سی، پرغرور ہنسی کی آواز سنائی دی پھر اس کی آسودہ آواز ابھری ''کل شام سات بجے میں ہوٹل شیراٹن کی لابی میں تمہارا انتظار کروں گی، وقت کا خیال رکھنا۔''

''اوکے... بائے!'' یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر واپس ڈال دیا اور نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

''اس سے تمہارا کیا سمجھوتا ہوا؟ اس کی دوسری شرط کیا تھی؟'' ویرا نے فون بند ہوتے ہی ایک سانس میں بہ یک وقت دو سوال کر ڈالے۔

میں ماروتی سے ہونے والی جبری مفاہمت پر اندر سے بہت مضطرب اور خالی خالی سا تھا مگر میں نے اپنی کیفیت ویرا سے چھپانے کے لیے اطمینان سے سگریٹ سلگائی، ایک گہرا کش لینے کے بعد نتھنوں سے دھواں خارج کیا پھر سکون سے کہا ''کچھ نہیں، اس کی وہی احمقانہ ضد تھی کہ میں اس سے ملوں۔''

''تو تم کل رات اس حرام زادی سے ملنے جا رہے ہو؟'' ویرا مجھے گھورتے ہوئے غرائی۔

''مجبوری ہے'' میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا ''اس کی ساری باتیں تم سن چکی ہو۔ وہ ضدی بلکہ ہٹ دھرم عورت ہے۔ اپنی بات منوائے بغیر ٹس سے مس ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ مل لینے میں کیا حرج ہے۔''

''تم اتنے معصوم یا احمق نہیں ہو کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے لگژری روم میں اس سے ملاقات کے مضمرات کو نہ سمجھتے ہو۔ وہ بہت کمینی عورت ہے۔ تمہارے ساتھ مل کر اپنے جیٹھ کی عزت خاک میں ملانا چاہتی ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو'' میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا ''جب تک کسی واقعے کی تشہیر نہ ہو، اس سے کسی کی نیک نامی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ یہ بات نہ جانتی ہو۔''

''وہ خود اقرار کر چکی ہے کہ وہ انا پرست عورت ہے۔ وہ تمہیں گھیر کر...''

''فرض کرو کہ تمہارے خدشات درست ہیں'' میں نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی ''پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے کوئی متبادل بتاؤ۔''

''تم اس سے ملنے سے انکار کر سکتے تھے'' ویرا نے کمزور لہجے میں کہا۔

''میں مقررہ وقت اور مقام پر نہ پہنچوں تو یہ مقصد خود بہ خود حاصل ہو جائے گا مگر یہ یاد رکھنا کہ پھر وہ کرشن کمار کے خلاف ہماری مدد کرنے کے بجائے اس کا ساتھ دے گی۔ ہمیں اپنی بساط از سرِ نو جمانی ہو گی۔''

میرے اور ویرا کے مباحثے کی آوازیں سن کر اول خان بھی ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ ویرا کہہ رہی تھی ''ملاقات کا وعدہ کر کے تم وقت حاصل کر چکے ہو۔ اس دوران میں ہمیں اسے اٹھا لینا چاہیے۔ وہ کیسی ہی ضدی اور اڑیل ہو، میں چند گھنٹوں میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گی۔ بس تم اسے موہن ہاؤس سے نکال کر میرے حوالے کر دو، باقی کام میں خود دیکھ لوں گی۔''

ویرا کے وہ فقرے اتنے جامع تھے کہ اول خان پوری صورت حال سمجھ گیا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر کہا ''نہیں، یہ نہیں ہو گا۔ ماروتی کوئی لڑاکا یا گروہ بند عورت نہیں ہے۔ ہم دشمن کی ایک خانہ دار عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔''

''میں بھی عورت ہی ہوں لیکن ڈینی نے پوری طاقت کے ساتھ میرے خلاف محاذ کھولا ہوا تھا'' ویرا نے جل کر گڑے مردے اکھیڑنے شروع کر دیے۔ وہ اس دور کی بات کر رہی تھی جب میں شی کا باغی تھا اور وہ جمی لائیڈ کی وفادار ہوا کرتی تھی۔

اول خان نے مسکراتے ہوئے، بہت نرمی سے جواب دیا ''تم عورت ضرور تھیں مگر خانہ دار نہیں تھیں۔ تم دونوں ہی ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہوا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی سزا غزالہ نے بھی بھگتی تھی۔''

''عورت ہونے کی وجہ سے وہ کسی رو رعایت کی حق دار نہیں ہے۔'' ویرا لاجواب ہونے والی نہیں تھی۔

''پھر ایک بات اس سے بھی زیادہ اہم ہے'' میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا ''ماروتی نے یہ نہیں کہا کہ وہ کرشن کمار کے بارے میں کچھ جانتی ہے۔ وہ ہماری مدد کرنے کا وعدہ کر رہی ہے۔ جب وہ خود اندھیرے میں ہے تو اسے اٹھانا بے سود ہو گا۔ تم اسے لبِ گور پہنچا کر بھی کچھ نہیں اگلوا سکو گی۔ خالی کیسٹ کو دنیا کے بہترین ساؤنڈ سسٹم پر چلا کر بھی کچھ نہیں سنا جا سکتا۔''

ویرا کی آنکھیں سوچنے کے انداز میں قدرے سکڑ گئیں۔ چند ثانیوں بعد وہ بولی ''تمہاری اس بات میں تھوڑا بہت وزن معلوم ہوتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا، اس میں ماروتی کے ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا، پچھلے ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہوا ہے۔ اس کا سارا ردِ عمل

اضطراری اور جذباتی رہا ہے۔ پتا نہیں وہ کس بل بوتے پر کرشن کمار کو پکڑوانے کا دعویٰ کررہی ہے اور تم کیوں اس پر اعتبار کررہے ہو۔"

"ہاں! یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ کس حد تک اپنی بات پوری کرنے کی اہل ہے" اول خان سرہلا کر بولا۔

"اس کے حق میں صرف ایک بات جاتی ہے" میں نے کہا "وہ روی کے تمام دوستوں اور ٹھکانوں سے واقف ہے۔ اس کا فون ٹیپ کیا جائے اور اگر وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو اس کا پیچھا کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ہم ماروتی کی کسی مدد کے بغیر کرشن کمار کے ٹھکانے تک پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں 'میں اس سے ملنے کی کوفت سے بچ جاؤں گا۔"

ویرا میرے تبصرے پر خوش ہوگئی "بس 'میں بھی یہی چاہ رہی تھی۔ ماروتی سے تمہاری ملاقات ناگزیر نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے ہاتھ پیر ہلاتے رہیں تو کامیابی کی کوئی نہ کوئی راہ نکل سکتی ہے۔"

ماحول میں در آنے والی کشیدگی اور تلخی چند لمحوں میں کافور ہوچکی تھی۔

"ان چکروں میں الجھ کر شاید ہم میں سے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ کرشن کمار کے بارے میں تمہارا اور ماروتی کا تجربہ اور مشاہدہ بالکل یکساں ہے۔" تناؤ ختم ہونے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

"وہ کیسے؟" ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور پھر اسے خود ہی ماروتی کے الفاظ یاد آگئے اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی ذہن میں نیولے کا تصور ابھر آتا ہے۔"

ویرا کی ہنسی سے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی پیغام مل گیا کہ ماحول کی کشیدگی دور ہوچکی تھی۔ وہ دونوں بھی پھرتی سے واپس لوٹ کر ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔

باتوں کے دوران میں اول خان کو یاد آیا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کو نئی حکمتِ عملی سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ انہیں گھر میں روی کی آمد کے ساتھ 'وہاں سے ماروتی کی کہیں روانگی پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ وہ اپنا اٹیچی کیس لے کر کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ میری دانست میں وہ بندوبست بے سود تھا کیونکہ جگدیش اور ماروتی' دونوں کو علم تھا کہ ہمارے آدمی موہن ہاؤس اور موہن اینڈ موہن کی نگرانی کررہے تھے۔ وہ دونوں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کہ ان کی کوئی خفیہ سرگرمی ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آجائے۔ وہ میری اپنی رائے تھی مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔ وہ معاملہ اس قدر الجھ گیا تھا کہ کہیں سے کامیابی کے کسی موہوم امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے دل میں جگدیش کے خلاف غبار بھر گیا تھا۔ وہ جگدیش کے دوغلے پن پر برہم تھا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ روی کو ہمارے حوالے کرنے میں پورا پورا تعاون کرے گا مگر ہماری واپسی کے بعد ہی اس نے ماروتی کو شہ دی تھی کہ وہ کسی بھی طرح روی سے رابطہ کرکے اسے پاکستان سے نکل جانے پر آمادہ کرلے۔

وہ ان لوگوں کی گھریلو سیاست تھی کہ ماروتی کو جگدیش کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ اسے گمان ہوا تھا کہ جگدیش اپنے بھائی کو پاکستان سے بھگا کر سب کچھ خود ہڑپ کر جانا چاہتا تھا جبکہ حالات کے پیشِ نظر اس کا مشورہ بہت مناسب تھا۔ اگر ماروتی مجھ سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق کرشن کمار کو چند روز میں گھیرنے میں کامیاب نہ ہوتی تو روی کا مستقبل بہت تاریک ہوسکتا تھا۔

ہم دیر تک ان ہی نکات پر سرکھپاتے اور کرشن کمار کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے پھر اول خان روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ جانے سے پہلے اس نے کسی سے ماروتی کا فون ٹیپ کرنے کے بارے میں بات کی تھی۔ اسے وہاں سے خلاف توقع کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ اولڈ کلفٹن کے اس رہائشی علاقے کا ٹیلی فون ایکسچینج وی آئی پی تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہاں بہت سے اہم سیاسی اور سفارتی افراد مقیم تھے۔ علاقے کی اہمیت کے پیشِ نظر وہاں آبزرویشن مشینیں ہروقت مصروف رہتی تھیں جس کے سبب ماروتی کے فون کی فوری نگرانی محال تھی۔

ماروتی کی مدد کے بغیر کرشن کمار تک رسائی کے لیے جو دو راستے نکالے گئے تھے 'ان میں سے ایک میرے اپنے تجزیے کے نتیجے میں ناقص ثابت ہوا تھا اور دوسرے طریقے پر فوری عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔

بارہ بجے سے پہلے ہی ہم چاروں الگ ہوکر اپنے کمروں میں آگئے۔ غزالہ پر مسکن دواؤں کے اثرات شاید باقی تھے۔ وہ بستر پر دراز ہونے کے چند منٹ بعد ہی سوگئی مگر میں خواب گاہ میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ پچھلی رات کی کم خوابی کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

میں نے بستر چھوڑ کر کمرے میں ہی ٹہلنا شروع کردیا۔ میں سگریٹیں پھونکتا اور کمرے میں ٹہلتا رہا اور وقت بہت

سست رفتاری کے ساتھ گزرتا رہا۔ دو بجے کے بعد اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی گہری نیند اچٹ جانے کے اندیشے سے میں نے پہلی ہی گھنٹی پر لپک کر فون اٹھایا اور بٹن دبا کر، آنے والی کال ریسیو کرلی۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "مجھے امید تھی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہوگے۔ دوسروں کی نیند میں مخل نہ ہونے کے خیال سے میں نے تمہارے موبائل پر رابطہ کیا ہے۔"

"تم صرف بے خوابی کی وجہ سے فون نہیں کرسکتے۔ خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ابھی موہن ہاؤس فون کیا تھا۔ ماروتی گھر سے غائب ہوچکی ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔

"یہ اطلاع تمہیں اپنے آدمیوں سے ملی ہوگی۔" میں نے قیاس ظاہر کیا "وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"میرے آدمی اپنی جگہ پر مستعد ہیں۔ انہوں نے گیٹ سے کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا پھر بھی ماروتی گھر پر نہیں ہے۔"

وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ میرے استفسار پر اول خان نے جو کچھ بتایا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس نے کسی اندرونی تحریک کی بنا پر رات گئے ماروتی کو مزید کریدنے کے لیے اس کے فون نمبر پر رابطہ کیا تو دیر تک گھنٹیاں بجنے کے باوجود کوئی جواب نہیں ملا۔ رانگ نمبر مل جانے کے خیال سے اس نے فون بند کرکے کئی بار وہ نمبر ملایا لیکن ہر بار نتیجہ وہی رہا۔

ماروتی سے رابطے میں ناکامی پر اول خان نے وائرلیس ٹرانسسٹر پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا تو وہ مستعد تھے۔ انہوں نے بتایا کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے کوئی گاڑی باہر نکلی تھی نہ کوئی ذی روح وہاں سے برآمد ہوا تھا۔ اپنے آدمیوں کی اس اطلاع پر اول خان تشویش کا شکار ہوگیا۔ خاصی سوچ بچار کے بعد اس نے جگدیش کے دیے ہوئے دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اپنے خاندان پر ناگہانی آفت کے نزول کے باعث وہ بھی جاگ رہا تھا اور آواز سے خاصا پریشان معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے از خود اول خان کو ماروتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن اس کے خصوصی سوال پر جگدیش نے اعتراف کیا کہ ماروتی گھر پر موجود نہیں تھی۔ وہ رات کے ایک بجے روی کی تلاش کا عزم لے کر گھر سے نکل گئی تھی۔ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کی نگاہوں سے بچنے اس نے گھر سے گاڑی لی تھی، نہ مین گیٹ کی راہ اختیار کی تھی۔ وہ احاطے کی پچھلی دیوار پھاند کر ایک خالی پلاٹ پر اتری تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں کہیں غائب ہوگئی تھی۔ جگدیش کو اس کے ارادوں اور منزل کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

"یہ عورت ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ تیز و طرار ثابت ہورہی ہے۔" وہ تفصیل سننے کے بعد میں نے فکرمندی سے کہا "اس جیسی عورتیں چھپکلی جیسی چیز سے دہشت زدہ ہوجاتی ہیں مگر وہ بے خوفی سے اتنی رات گئے دیوار کود کر نکل گئی۔ مجھے شبہ ہے کہ اب وہ کل شام سات بجے ہوٹل ہی میں نظر آئے گی۔ اس کا کہیں اور سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"میرے لیے بھی ماروتی کی یہ حرکت حیران کن ہے اسی لیے میں نے تمہیں اپنی تشویش میں شامل کیا ہے۔ وہ صاحب حیثیت لوگوں کا رہائشی علاقہ ہے جو رات کو سنسان ہوجاتا ہے۔ اسے کوئی سواری حاصل کرنے میں خاصی دشواری ہوئی ہوگی۔"

"اس کے سامنے ایک مشن ہے۔ وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گی۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہم سب کو جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ کسی کو خیال تک نہیں آیا کہ ہنومان کی وہ پجارن بندریا کی طرح دیواریں بھی

پھلانگ سکتی ہے۔"

اول خان کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ "جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا خون مت جلاؤ۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق شام کو تم سے ملنے ضرور آئے گی۔"

ماروتی کتنی ہی دلیر اور بے خوف عورت رہی ہو' وہ کسی واضح منزل کا تعین کیے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ سے سب کچھ طے کرلینے سے پہلے ہی اس نے شہر میں روی کی تلاش کے لیے فون پر اس کے دوستوں سے رابطوں کا سلسلہ شروع کردیا ہوگا اور گھر چھوڑنے سے پہلے کوئی نہ کوئی اہم بات معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ رات گہری ہونے کے بعد خود روی نے ہی اپنی کمین گاہ سے ماروتی سے فون پر رابطہ کیا ہوا اور آپس میں تبادلہ خیال کے بعد روی نے ماروتی کو پوری احتیاط اور رازداری کے ساتھ اپنی طرف آنے کا مشورہ دیا ہو۔ واقعات کا تسلسل جو بھی رہا ہو' یہ بات یقینی تھی کہ ماروتی کا وہ پُراسرار سفر بہت اہم تھا۔ اس پر نگاہ رکھ کر ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔

میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ جگدیش پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے اسے فون کرتا رہے اور احتیاطاً اسے اپنا یا میرا فون نمبر بھی دے دے تاکہ ماروتی کی واپسی یا کوئی اور اہم واقعہ رونما ہونے کی صورت میں وہ فوری طور پر ہمیں اطلاع دے سکے۔ اس وقت تک جگدیش کے پاس ہم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

○☆○

اگلا دن ہمارے لیے صبر آزما انتظار کا دن تھا۔ ماروتی میری توقعات پر پوری اتری تھی۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کے نکل جانے کے بعد موہن ہاؤس کی نگرانی' سانپ نکل جانے کے بعد لکیر کو پیٹنے کے مترادف تھی۔ میرے مشورے پر اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس بیگار سے ہٹالیا اور اپنے روز مرہ کے کاموں سے فارغ ہوکر ہمارے پاس آبیٹھا۔

دوپہر ہوئی اور پھر سہ پہر میں ڈھلنے لگے۔ تین بجے میں نے فون کی گھنٹی بجنے پر جوں ہی ریسیور اٹھایا' میرے کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر بجنے کی آواز آئی اور لائن فوراً ہی کٹ گئی۔ انڈین سیکرٹ ایجنٹ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی وہ حساس ڈیوائس ایک طویل عرصے کے بعد حرکت میں آئی تھی۔ اس کی آواز سنے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ سب نے اسے تقریباً فراموش کردیا تھا۔ اس کے بزر کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"سی ایس ڈی آپریٹ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ کوئی اہم کال آرہی ہے۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

اسی اثنا میں دوبارہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار میں نے تیسری گھنٹی کی آواز کا انتظار کیا اور پھر ریسیور اٹھالیا۔ اس بار پھر وہی ہوا۔ میرے کمرے میں فون کی مین لائن سے جڑے ہوئے حسّاس آلے نے احتجاجی آواز کے ساتھ دوبارہ لائن کاٹ دی۔

"دوڑ کر سی ایس ڈی آف کردو۔" میں نے ریسیور واپس رکھتے ہوئے سلطان شاہ کو ہدایت کی "پتا تو چلے کہ یہ کال کس کی ہے۔"

اس دہرے تجربے نے جمود توڑ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے فوراً ہمارے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

وہ جو کوئی بھی تھا' بہت مستقل مزاج تھا اور ہم سے رابطہ قائم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس بار قدرے طویل وقفے کے بعد فون کی گھنٹی بجی اور رابطہ برقرار رہا۔ میں نے ریسیور اٹھانے کے بجائے اس مرتبہ اسپیکر فون آن کیا تھا۔

میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک سرد اور بھنچی بھنچی سی آواز ابھری "ڈینی یا ویرا کو فون پر بلادو۔"

اس آواز میں بلا کا اعتماد تھا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس کی فرمائش پوری کردی جائے گی۔ میری استفسار طلب نظریں بے اختیار ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ پہلے ہی اضطراری انداز میں اپنے ہونٹوں کو چونچ کی صورت میں سکیڑ چکی تھی۔ میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔

"ڈینی گھر پر نہیں ہے اور ویرا باتھ روم میں ہے۔ تم کون بول رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"کرشن کمار۔" بولنے والے کی آواز سے بے خوفی مترشح تھی "مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ میں پانچ منٹ بعد دوبارہ فون کروں گا۔ باتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر ویرا کو میرا پیغام دے دو۔"

میرا جواب سنے بغیر کرشن کمار نے فون بند کردیا۔ میری آواز اس کے لیے اجنبی ثابت ہوئی تھی۔

"اسے یہاں کا فون نمبر کیسے معلوم ہوگیا۔ یہ نمبر تو ابھی پرانے نام پر ہی چل رہا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

اس کی حیرت بجا تھی مگر وہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ میں نے رات گئے جب اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ

جگدیش کو کسی بھی ہنگامی ضرورت یا رابطے کے لیے اپنا یا ہمارا فون نمبر دے دے تو میرے ذہن میں یہ امکان موجود تھا کہ جگدیش کے ذریعے ہمارا دیا ہوا فون نمبر کہیں اور بھی پہنچ سکتا ہے۔ کرشن کمار کی کال نے ثابت کردیا تھا کہ ماروتی نہ صرف جگدیش سے رابطے میں تھی بلکہ کرشن کمار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ جگدیش سے ماروتی کے ذریعے وہ فون نمبر کرشن کمار تک پہنچا تھا۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ہوتا تو کرشن کمار ہمارے گھر پر دھاوا بولنے سے پہلے ہم سے فون پر بات کرنے کی کوشش کرچکا ہوتا۔

میں نے اسے فون پر جو جواب دیا' وہ اس کے غیر ضروری اعتماد بلکہ تحکم کا فطری ردِّعمل تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر ہمیں معلوم تھا کہ اس رابطے کے لیے کرشن کمار نے ذرا سی دیر میں تین بار ہمارا نمبر ملانے کی کوشش کی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس کی چوتھی کال آنی ناگزیر تھی۔ ہمیں اس بارے میں سوچنے کے لیے قلیل سی مہلت مل گئی تھی۔

یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ کرشن کمار سے اسپیکر فون پر ہی بات ہونی چاہیے تھی تاکہ ہم میں سے ہر ایک اس کے الفاظ اور لب ولہجے کو اپنے کانوں سے سن سکے۔

ویرا نے کرشن کمار کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ بہت کم ظرف اور بے ہودہ شخص تھا۔ اگر اسپیکر فون پر ویرا اس سے بات کرتی تو وہ ویرا سے ایسی بدکلامی کرسکتا تھا جو اس کے لیے خجالت کا سبب بن جاتی۔ میں اس سے بات کرچکا تھا پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی آواز بدل کر اس سے ڈینی کی حیثیت سے خود بات کروں گا۔

کرشن کمار کی کال نے جہاں ماروتی کے رابطوں کی تصدیق کردی تھی۔ وہیں اس عورت کے بارے میں مجھے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ ایک طرف وہ مجھ سے وعدہ کرچکی تھی کہ کرشن کمار کو ہمارے ہاتھوں پکڑوا دے گی' دوسری طرف اس نے جگدیش سے ملنے والا' ہمارا فون نمبر کرشن کمار کے حوالے کردیا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا دہرا کھیل کھیل رہی تھی اور کس کے ساتھ مخلص تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد کرشن کمار کا فون آگیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ میں ویرا کو فون پر بلا دوں۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے کیا تمہیں شرم آرہی ہے؟"

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ میری بات تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میرا آدمی کہاں ہے؟"

مختصر مختصر

♦ جو شخص اشتہاروں کے دوران میں ٹی وی کے سامنے جما بیٹھا رہتا ہے اور پروگرام کے دوران میں واش روم جاتا ہے اسے اسپانسر کہتے ہیں۔

♦ ہالی وڈ میں دو آدمی سرِراہ ملتے ہیں تو ان کے درمیان عموماً یہ مکالمہ ہوتا ہے:

"ہیلو.... کیا حال ہے؟ اور سناؤ.... میری بیوی آج کل کیسی ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے ... تم سناؤ ... میری بیوی کا کیا حال ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہے' عافیت سے ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں نے تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے' اب تمہارا فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ اگر میرے دماغ پر ذرا سی رنگینی نہ چھا گئی ہوتی تو اس وقت ویرا میرے قبضے میں ہوتی اور تم خود میرا آدمی لوٹانے کے لیے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوتے۔"

"وہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ میں آنے والے وقت پر نگاہ رکھتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے بہت بُرا ثابت ہوگا۔"

"یہ سب چلتا رہے گا۔ مراد ظریف سے میری بات کرا دو!" وہ میرے جواب کی تلخی کو خاموشی سے پی گیا۔

"تم یہاں سے پٹ کر جاچکے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔ مراد کی زندگی کے بارے میں اس کی خوش فہمی کا برقرار رہنا ہمارے حق میں مفید تھا۔

"ابھی تک تمہارے اور ویرا کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔ مراد کو آزاد کردو گے تو تم دونوں محفوظ و مامون رہو گے۔ میں بلی اور چوہے کا یہ کھیل زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا۔ تم نے میری پیشکش قبول نہیں کی تو میں امریکیوں سے اپنی معلومات کی پوری قیمت وصول کرلوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ آج بھی تمہاری تلاش میں ہیں اور تم دونوں کے خون کے پیاسے ہیں۔"

"ہم بھی اسی شہر میں ہیں اور امریکی بھی۔ وہ سوچے سمجھے بغیر ہم پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ مراد کے بجائے تم کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہم تمہاری دھمکی میں آئے بغیر اب تمہاری سرکوبی کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ تم جہاں بھی پہنچے ہو وہاں تمہیں میرے نشان ملے ہیں۔ میں برا وقت

آنے سے پہلے ہر رکاوٹ سے گزر چکا ہوتا ہوں۔ میری یہی خوش قسمتی تمہیں مجھ سے دور رکھے گی۔"

"تم آگ سے کھیل رہے ہو۔ یہ شعلے کسی بھی وقت تمہارے دامن کو چاٹ لیں گے۔ تم ایک ایک کرکے اپنے ساتھیوں اور ہمدردوں کو کھوتے جارہے ہو۔ ان کے انجام سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس مٹی میں را کا پودا کبھی نہیں پنپ سکے گا۔"

"را صرف میرا نام نہیں ہے۔" کرشن کمار کا لہجہ تضحیک آمیز ہوگیا "یہاں را کی جڑیں بہت باریک اور گہری ہیں۔ انہیں تم کبھی بھی ختم نہیں کرسکو گے۔ ایک نام تمہارے سامنے آتا ہے اور تم اس کے پیچھے لگ جاتے ہو' اسے مار کر بغلیں بجاتے ہو۔ یہ تمہاری خود فریبی ہے۔ تمہاری ان کارروائیوں سے ہمارے سسٹم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک آدمی کے ہٹنے سے پہلے اس کے چار متبادل وجود میں آچکے ہوتے ہیں۔"

"ضرور آتے ہوں گے۔ صحرا جیسی نام نہاد این جی اوز کے ذریعے تم نے بہت سے لوگوں کو ورغلایا ہے' ان کی برین واشنگ کی ہے مگر اب صحرا ہمیشہ کے لیے تھر کے ریگستان میں دفن ہوگئی ہے۔ تمہیں اس کا متبادل تیار کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ تم کو تو شاید اس کی مہلت بھی نہ ملے۔ ہم کسی بھی لمحے تمہاری شہ رگ پر کاری وار کرسکتے ہیں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خون ریزیاں تمہارے لوگوں کو تمہارے خلاف بدگمان کررہی ہیں۔ تم حماقت اور نادانی میں ہمارا کام آسان کررہے ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ میری بات مان لو اور مراد کو چھوڑ کر میرے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ منہ کی کھاؤ گے۔"

"تمہارا اپنا چھور کا تربیتی کیمپ بند ہوگیا' صحرا ختم ہوگئی' فریڈم انٹرنیشنل میں آج اُلّو بول رہے ہیں' فورڈ فاؤنڈیشن کے چاروں وظیفہ خوار اپنے اپنے انجام سے دوچار ہوچکے ہیں اور تم باؤلے کتے کی طرح موناباؤ سے کراچی تک بھاگتے پھر رہے ہو۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود تمہاری ہرزہ سرائیاں جاری ہیں۔ اگر روی موہن عین وقت پر بھاگ نہ گیا ہوتا تو اب تک تمہارے گلے میں طوق پڑچکا ہوتا۔"

"تم دیکھ لو کہ تمہارے ہم وطن کس طرح میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ روی نے میری خاطر ہر چیز کو لات ماری ہے۔"

"وہ میرے ہم وطن سے زیادہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔ تمہارے اصل ساتھی وہی ہیں جو اپنے تراشے ہوئے خداؤں کے پجاری ہیں....."

"مذہب کو بیچ میں مت لاؤ۔" میری بات مکمل ہونے سے پہلے اس کی غراہٹ ابھری "اگر تم سودے بازی کے لیے تیار نہیں ہو تو سمجھ لو کہ تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ امریکی اہلکار تمہیں زمین کے آخری پرت سے بھی کھود نکالیں گے۔"

"تمہارا سارا دم خم انہی کے بل پر ہے۔ میجر بخشی بھی اوبرائن ڈی ہنٹ کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ وہ مرا تو آج بخشی گوشہ نشین ہوچکا ہے۔ صحرا کو پالنے والے بھی امریکی تھے جو نیویارک میں فورڈ فاؤنڈیشن کا نظام چلاتے ہیں۔"

"تم جو چاہو' سوچتے اور کرتے رہو۔ ہونا وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ ہمالا کی فلک بوس اونچائیوں سے سمندر کی گہرائیوں تک' یہ زمین ایک ہے اور یہ ایک ہو کر رہے گی لیکن افسوس کہ اکھنڈ بھارت کے خواب کی تکمیل دیکھنے کے لیے تم زندہ نہیں رہو گے۔ اس سے بہت پہلے اپنے برے انجام سے دوچار ہوچکے ہوگے۔" اس نے اسی کے ساتھ فون بند کردیا۔

"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہمارا فون نمبر ماروتی نے روی اور کرشن کمار تک پہنچایا ہے۔" ویرا نے کہا "اس نے خود کہا ہے کہ ہمارا فون نمبر اسے اب ملا ہے۔"

"ماروتی بہت خطرناک عورت ثابت ہوئی ہے۔" غزالہ نے اس معاملے پر پہلی مرتبہ رائے زنی کی "آپ کو اس سے ملنے کا ارادہ ترک کردینا چاہیے وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرگزرے گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ شام کے سات بجے تم اس سے ملنے جاؤ تو ماروتی کے آس پاس ہی کرشن کمار یا اس کا کوئی آدمی تمہاری گھات میں ہو۔ دشمن کے زندہ ہاتھ آنے کا یقین نہ ہو تو ہم بھی اسے مار ڈالتے ہیں۔" ویرا نے اپنے خدشات کا اظہار کیا "ہم سب کے لیے تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے۔ اسے اتنے سستے داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔"

"یہ پہلا کام ہے۔" سلطان شاہ بولا "دوسرا اہم ترین کام یہ ہے کہ اب ہمیں جگدیش کو بے رحمی سے مسل دینا چاہیے۔ اس نے ہمارا فون نمبر ماروتی کو دیا ہے اور ابھی تک ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس کا اپنی بھاوج سے کوئی رابطہ ہوا ہے۔ وہ مظلوم اور بے خبر بن کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔ اسے اس کے بدترین جھوٹ کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"تم کیا کہتے ہو؟" میں نے اول خان کو خاموش پاکر ٹوکا۔

"تمہاری رائے بھی سامنے آنی چاہیے۔"
"سچ بات یہ ہے کہ میں متذبذب ہوں۔ اس نے جس حریصانہ انداز میں تم دونوں پر مقرر کیے ہوئے انعام کا ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عجلت سے کام نہیں لے گا۔ خود کوئی قدم اٹھانے سے پہلے امریکیوں سے تمہارا سودا کرنے کی کوشش کرے گا۔"
"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے خطرہ مول لینا پڑے گا۔" میں نے کہا "وہ بھرے پرے ہوٹل میں کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ ماروتی اس سے مل گئی ہے تو وہ اس کے ذریعے مجھے کسی محفوظ مقام پر گھیرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"
"میں بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "میرے کچھ آدمی پہلے سے ہوٹل پہنچ کر ماروتی اور لابی کے ماحول کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ان کی رپورٹ کے بعد تم وہاں جاسکتے ہو۔"
موضوع متنازعہ تھا۔ ہماری رائے تقسیم ہوگئی تھی۔ خاصے بحث مباحثے کے بعد ان تینوں کو میری اور اول خان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ اس وقت کرشن کمار کے خلاف ہمارے پاس صرف ایک کارڈ تھا اور اس پر ماروتی کا نام نقش تھا۔
سلطان شاہ مسلسل جگدیش کے محاسبے پر اڑا ہوا تھا۔ اس کا نظریہ بالکل بے جان نہیں تھا۔ یہ بھی طے ہوگیا کہ ماروتی کا معاملہ صاف ہوتے ہی جگدیش کی گردن ناپ لی جائے گی۔ اس سے پہلے اسے چھیڑنے میں معاملات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔
ہم میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی تھی لیکن اول خان کو شدید احساس تھا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کے معاملے میں ایس ٹی ایف کے عملے کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ میری اور ماروتی کی مجوزہ ملاقات کے بارے میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس مہم کے لیے وہ اسی وقت گھر سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے ساتھ جانے پر مصر تھا مگر اول خان نے سختی سے انکار کردیا۔ کرشن کمار سے ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے بعد اس کا تیسرا وار کسی بھی وقت متوقع تھا۔
پانچ بجے آئی بی والوں کے ایریئس پر پہلی بار کال سگنل آیا اور میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔
دوسری طرف سے جلال کا آدمی مجھے تلاش کررہا تھا۔
"کے ون کالنگ فار ہارٹی... اوور!"
"ہارٹی اسپیکنگ... اوور!" میں نے پیغام مکمل ہوتے ہی جواب دیا۔
"سوری سر! ہمیں کے ہنٹ میں خاصی تاخیر ہوگئی لیکن آج اس کا سراغ ملا ہے۔ وہ شہر میں نہیں ہے اسی وجہ سے اب تک ہم اپنی تلاش میں ناکام رہے تھے۔ وہ شاید میمن گوٹھ کے علاقے میں چھپا ہوا ہے... اوور!"
"میمن گوٹھ!" میں نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا "یہ وہی گاؤں تو نہیں جو سپرہائی وے پر کراچی سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پیچھے کچھ فارم اور زرعی زمینیں بھی ہیں... اوور!"
"یس سر!" وہ گفتگو میں بہت مودب تھا "وہاں کئی مصروف ہوٹل بھی ہیں جہاں ٹرک والے پڑاؤ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی اجنبی کا آبادی میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔ کمرشل پٹی عبور کرتے ہی آدمی گاؤں کے باسیوں کی نظروں میں آجاتا ہے۔ محض اسی خوبی یا خرابی کی وجہ سے پتا چلا ہے کہ دو روز پہلے کرشن کمار کے حلیے کا ایک آدمی کسی کے ساتھ گاڑی میں آبادی سے گزرا تھا اور باغات کی طرف جانے والی سڑک پر چلا گیا تھا۔ وہ ایک باغ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہاں یکایک پراسرار گاڑیوں اور افراد کی آمدورفت بھی شروع ہوگئی ہے... اوور۔"
"ابھی تک یہ صرف اطلاعات ہیں یا ان کی تصدیق ہوچکی ہے؟ اوور!" میں نے پوچھا۔
"ہمیں بتایا گیا ہے کہ حریف بہت چالاک ہے۔ اسے کوئی سن گن ملی تو وہ فرار ہوجائے گا۔ میرے تین آدمی وہاں ہوٹلوں کے آس پاس موجود ہیں۔ انہوں نے باغوں میں کام کرنے والے مقامیوں سے ان اطلاعات کی تصدیق کرلی ہے۔ کرشن کمار کے وہاں پہنچنے کے بعد تین گن مین بھی اس فارم پر پہنچے ہیں جو دن رات کاٹیج کے گرد چارپائیوں پر بیٹھے رہتے ہیں... اوور!"
"گڈ... وہ شہر سے اتنی دور ہے تو اس کا سراغ لگا کر تم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اوور۔"
"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ وہاں آپریشن کے لیے ہمیں کراچی سے مزید نفری لے جانی ہوگی۔ اس کے لیے چند گھنٹوں کا وقت درکار ہوگا۔ اوور۔"
"فی الحال اس سے دور رہ کر نگرانی کرتے رہو۔ وہ نکل جانے کی کوشش کرے تو پوری قوت سے اسے روک کر پکڑ لیا جائے۔ دوسری صورت میں اس سے کسی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ میں جلد ہی اگلا لائحہ عمل بتاؤں گا... اوور اینڈ آل۔"

"فون پر لمبی لمبی ہانک رہا تھا اور اتنا بزدل ہے کہ کراچی سے میلوں دور جا کر ویرانے میں چھپا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بزدلی نہیں، اس کی احتیاط ہے۔ آئی بی والے اسے شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور وہ میمن گوٹھ میں چھپا بیٹھا تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "اتنے زیادہ محتاط لوگ اسی قدر خطرناک بھی ہوتے ہیں۔"

"یہ تمہاری منطق ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں سنی جانے والی یہ افواہیں درست ہیں کہ وہ شہروں کا رخ کرنے سے گھبراتا ہے اور ویرانوں میں خوش رہتا ہے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ اس کا پہلا سراغ ہے۔ اب دیکھو کہ ماروتی کیا خبریں سناتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

وہ آپس میں فقرے بازی کرتے رہے۔ میری اور ماروتی کی ملاقات کے حوالے سے ویرا مجھ پر چوٹیں بھی کرتی رہی لیکن میں اس کی ہر بات سنی ان سنی کرتا رہا۔

ساڑھے پانچ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے حیرت سے بتایا کہ ہوٹل کے ریکارڈ کے مطابق ماروتی اپنے اصل نام سے اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں اکیلی مقیم تھی۔ وہ صبح سویرے کسی سامان کے بغیر ہوٹل پہنچی تھی۔

کسی ساز و سامان کے بغیر، مختصر مدت کے لیے ہوٹلوں میں تنہا قیام کرنے کے ارادے سے آنے والی خواتین میں ہوٹلوں کا عملہ خصوصی دلچسپی لیتا ہے۔ بظاہر نیچے سے اوپر تک کا سارا عملہ نئے گاہک کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آتا ہے، سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے لیکن مہمان کی کمرے کی طرف روانگی کے بعد کچھ دیر کے لیے ہیجان آمیز چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ایسی خواتین کی جملہ مصروفیات پر عملے کی نگاہیں رہتی ہیں مگر انہیں بھنک تک نہیں مل پاتی کہ انہیں کسی غیر ضروری توجہ کا مرکز بنایا جا رہا ہے۔ ماروتی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ عملے کے افراد اس کے بارے میں پوری طرح باخبر تھے۔

اول خان نے ہوٹل کے عملے کو اپنے اعتماد میں لے کر چھان بین کی تو اسے معلوم ہوا کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد سے ماروتی اس وقت تک مسلسل اپنے کمرے میں گھسی رہی تھی اور شاید دیر تک سوتی رہی تھی کیونکہ اس نے ڈھائی بجے کے قریب کمرے میں ہی کھانا منگوایا تھا۔ اس دوران میں اس کے پاس کوئی ملاقاتی نہیں آیا تھا۔ اس نے کسی کو فون کیا، نہ

اس کے پاس کوئی کال آئی تھی۔
اول خان کو ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر کہیں کوئی ایسا مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا جو میرے لیے کوئی خطرہ ثابت ہوتا۔

میرے لیے وہ تمام باتیں حیران کن تھیں۔ جگدیش کے بیان کے مطابق ماروتی رات کے ایک بجے اپنے گھر سے خفیہ طور پر باہر نکلی تھی۔ اس وقت سے صبح سویرے تک کہاں رہی اور کیا کرتی رہی، اس بارے میں اول خان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ ممکن تھا کہ اس دوران میں وہ روی کی تلاش میں شہر کے مختلف حصوں میں دھکے کھاتی پھر رہی ہو۔

روی سے ملاقات اور مشورے کے بعد شاید ماروتی نے گھر واپسی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے شام کو مجھ سے ملنا تھا۔ اس ملاقات کے لیے اسے ایک مرتبہ پھر گھر سے نکلنا پڑتا اور جگدیش سے کوئی بہانہ کرنا پڑتا۔ اس کے پاس روی کی تلاش کا معقول عذر موجود تھا۔ اس نے اپنی اکلوتی غیر حاضری کو مجھ سے ملاقات تک طول دینے کا فیصلہ کرکے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔

اول خان نے جگدیش کو رات گئے میرا فون نمبر دے دیا تھا۔ ماروتی وہ نمبر روی کو بتا دینے کے بعد ہر ذمّے داری سے سبکدوش ہوچکی تھی۔ اسے وہ نمبر جگدیش سے رابطہ کرنے کے بعد ہی مل سکتا تھا۔ اس نے وہ رابطہ روی کی کمین گاہ سے کیا ہوگا اس وجہ سے ہوٹل پہنچنے کے بعد اسے کسی کو فون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ہوٹل میں رہ کر وہ جو کچھ کرنا چاہ رہی تھی، وہ اس کا اور جگدیش کا معاملہ تھا جس میں، میں بھی ملوث ہوگیا تھا۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میرے ذہن میں ماروتی کے خلاف جڑ پکڑنے والے خیالات کمزور پڑنے لگے لیکن یہ احساس بھی ستانے لگا کہ ہوٹل والے ماروتی کی ذات میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں ان کی نگاہوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچ سکوں گا۔

ہر طرح سے مطمئن ہونے کے باوجود اول خان اپنے چار آدمیوں کے ساتھ ہوٹل میں موجود تھا۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ماروتی سے مذاکرات کے خاتمے اور میری واپسی تک وہ پانچوں بہت قریب رہیں گے۔

وقت گزرتا رہا مگر روانگی کی تیاری کے لیے میرے قدم نہیں اٹھ سکے۔ ماروتی کی مجھ سے اصل گفتگو فون کے ریسیور کے ذریعے ہوئی تھی لیکن اس نے اسپیکر فون پر جو کچھ کہا تھا، وہ اس کے عزائم کی عکاسی کے لیے بہت کافی تھا۔ میں اپنے دل پر ان باتوں کا بوجھ محسوس کررہا تھا۔ مجھے کسی اور کی فکر نہیں تھی بس غزالہ کے مجروح جذبات کا پاس تھا جو میں اس سے نظریں چار کرتے ہوئے کترا رہا تھا۔ وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھنے کے بجائے بلاوجہ گھر میں اِدھر اُدھر ٹلی پھر رہی تھی۔

"کیا بات ہے، کیا ماروتی روی موہن سے ملاقات کا ارادہ نہیں ہے؟" سوا چھ بجے ویرا نے دھیمی آواز میں چٹکی لی۔

میں اسے گھورتے ہوئے بولا "وہاں جانے کے لیے مجھے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھوں گا اور نکل جاؤں گا۔"

"جانا ہے تو وقت پر جاؤ ورنہ مت جاؤ۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

مجھے بھی بہانہ درکار تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میرے بدن پر موجود لباس صاف ستھرا لیکن کچھ شکن آلود تھا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر بال سنوارے، جوتے پہنے اور گاڑی کی چابی لے کر گھر سے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ مجھے ماروتی سے مل کر لوٹ آنا تھا۔ کسی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اول خان اپنے چار مسلح آدمیوں سمیت ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلطان شاہ کے ساتھ ویرا بھی مجھے رخصت کرنے کے لیے پورچ میں نکل آئی۔ میں گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے رکا رہا لیکن غزالہ کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ گاڑی پھاٹک سے نکال لی۔

ماروتی نے مجھے وقت کی پابندی کے لیے تاکید کی تھی۔ میں قدرے تیز رفتاری مگر احتیاط سے ڈرائیونگ کرتا ہوا مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ گیا۔ اس وقت بھی ملاقات کے بارے میں میرے دل ودماغ میں کشمکش جاری تھی۔ اس نے وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی تو میں بھی وقت سے ذرا پہلے وہاں پہنچنے میں اپنی ہتک محسوس کررہا تھا۔ گاڑی ایک مناسب جگہ پارک کرکے میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی اور نیچے اترتے وقت دروازہ لاک کردیا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ جب میں نے موہن ہاؤس میں ماروتی کی پہلی جھلک دیکھی تو میرے دل میں اس

سے مخاطب ہونے کی ایک بے ساختہ خواہش جاگ اٹھی تھی۔ اگر وہ اپنے مقام سے گر کر عامیانہ انداز میں مجھے ترغیب دینے کی کوشش نہ کرتی تو شاید میری وہ خواہش اور بڑھ جاتی لیکن ماروتی نے جگدیش سے مشتعل ہو کر جس طرح اپنے نسوانی وقار کو ٹھیس پہنچائی تھی، اس نے مجھے ماروتی سے بد دل کر دیا تھا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھ کر ٹھیک سات بجے ہوٹل میں قدم رکھا اور کچھ آگے جاتے ہی مجھے لابی کے ایک صوفے پر ماروتی نظر آ گئی۔ ہلکے سے میک اپ اور بڑے بڑے سفید پھولوں والے گلابی لباس میں وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے قریب پہنچنے تک میری تجسّس نگاہیں یہ جائزہ لے چکی تھیں کہ ایس ٹی ایف کے کم از کم دو شناسا چہرے ماروتی کے آس پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے قمیص اور پتلونیں پہنی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں جیسے ہی نظر آ رہے تھے۔

''تم وقت کے بہت پابند ہو۔'' ماروتی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی ''ٹھیک سات بجے پہنچے ہو۔''

''تم رات کو گھر سے ان ہی کپڑوں میں نکلی تھیں؟'' میں نے اس کے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ۔ میری احتیاط کے باوجود یہ خبر تم تک پہنچ گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری اتنی خبر رکھو گے۔''

''اتنا محظوظ ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے تم سے کوئی سوال کیا تھا۔''

''یہ جوڑا میں نے ابھی چھ بجے ایلفی سے خریدا ہے۔ گھر سے میں سرمئی سوٹ میں نکلی تھی۔'' وہ مجھے اپنے ہمراہ لفٹ کی طرف لے جاتے ہوئے بولی ''اتنی رات کو میں ایسے کپڑوں میں آزادی سے گھوم پھر سکتی تھی۔''

''تم اس قدر خاموش اور سنجیدہ کیوں ہو؟ کیا میں ان کپڑوں میں بُری لگ رہی ہوں؟'' لفٹ حرکت میں آنے کے بعد اس نے اٹھلا کر پوچھا۔ لفٹ میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

''اس بارے میں صحیح رائے دینے کا حق صرف روی کو حاصل ہے، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ''انہیں تو میرے بدن پر ہر لباس برا لگتا ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ رات میں نے انہیں ڈھونڈ نکالا؟''

''یہ معلوم ہے کہ تم پہاڑ جیسی رات کہیں گزارنے کے بعد صبح سویرے اس ہوٹل میں آئی تھیں۔''

لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھول کر ہم باہر نکلے اور راہداری کے سرے کی طرف بڑھنے لگے۔ راستے میں روم سروس کے دو ویٹرز نے ہمیں بہت ادب سے سلام کیا تھا۔ ماروتی بہت مسرور اور مگن تھی مگر میں اندر ہی اندر کٹا جا رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر واقع، ماروتی کا دہرا کمرا واقعی بہت شاندار اور کشادہ تھا۔ بہت خوب صورتی سے سجی ہوئی خنک نشست گاہ کے اندرونی دروازے سے گزر کر ہم پرشکوہ خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ ماروتی نے بے تکلفی سے مجھے دھکیل کر ایک نرم جہازی سائز کے صوفے پر دھکیل دیا اور ہنس پڑی۔

تازہ پھلوں سے لدی ہوئی فروٹ باسکٹ میرے سامنے رکھ کر اس نے پوچھا ''کیا پینا پسند کرو گے؟''

''کھولتی ہوئی تازہ چائے۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے موڈ میں ہلکی سی تبدیلی آ گئی تھی۔

''میں نے یہ کمرا اپنے اصل نام پر بک کرایا ہے۔ میں غیر مسلم ہوں، مجھے کمرے میں ہارڈ ڈرنکس بھی مل سکتے ہیں۔''

''میں ہارڈ ڈرنکس نہیں پیتا۔ تم چاہو تو اپنے لیے کچھ بھی منگوا سکتی ہو۔''

''تھینک یو۔'' وہ ایک ادا سے مسکرائی ''میں بلانوش نہیں ہوں۔ اسکاچ کا ایک لارج پیگ لوں گی۔ تھوڑا سا سرور آ جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ انٹر کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ روم سروس کو آرڈر دے کر وہ ایک الگ صوفے پر آ بیٹھی۔

''ہاں، تم پچھلی رات کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' اسے لفٹ میں ادھوری رہ جانے والی بات یاد تھی ''میں ٹیکسی میں سیدھی انیل کے گھر گئی تھی۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ انیل نے ٹیکسی کو فارغ کر کے اپنی گاڑی نکال لی۔ چار گھروں سے ناکام لوٹنے کے بعد صبح چار بجے ہم ملیر میں کسی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے۔ وہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ روی وہیں موجود تھے۔ ان سے بات کر کے ہم لوٹ آئے۔ انیل مجھے ہوٹل کے پورچ میں اتار کر چلا گیا۔ رات بھر کی نیند ضائع ہونے سے اس کا حال برا ہو رہا تھا۔''

''جگدیش کو معلوم ہے کہ تم روی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے بتا دیتی تو مجھے گھر لوٹ جانا پڑتا۔ روی سے ملنے کے بعد میں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔''

"پھر اس نے ہمارا فون نمبر تمہیں کب دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی دور تک میرا پیچھا کیا جائے گا۔ میں نے ملیر جاتے ہوئے انیل کے موبائل سے بھایا جی کو فون پر بتایا تھا کہ میں روی کی تلاش میں شہر کی خاک چھانتی پھر رہی ہوں۔ اسی وقت اس نے مجھے تمہارا نمبر بتایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روی اس نمبر کے ذریعے اپنے پیچھے لگے ہوئے لوگوں کو شناخت کرسکتے ہیں۔"

ہوٹل کی روم سروس بہت مستعد تھی۔ دروازے پر دستک دے کر باوردی ویٹر آرڈر کی ہوئی اشیا لے آیا۔ ٹرے سے سب کچھ میز پر سجانے کے بعد اس نے سفید لفافے میں بلیک ڈاگ کے نپ نکال کر ماروتی کے لیے گلاس بنانا چاہا مگر ماروتی نے اسے رخصت کردیا۔

میرے لیے چائے بنانے کے بعد اپنے گلاس میں سوڈا ڈالتے ہوئے وہ میری طرف دیکھے بغیر بولی "تمہاری صورت نظر آنے تک میں بے یقینی میں مبتلا تھی۔ مجھے بار بار وسوسہ ہورہا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔ تم نے میری بات مان کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب روی آزادی اور بے فکری کے ساتھ گھر لوٹ سکیں گے۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

اپنا گلاس بنا کر اس نے فضا میں لہرایا اور پھر ہونٹوں سے لگالیا۔ میں نے اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔

وہاں سے باتوں کا رخ تبدیل ہوگیا۔ ماروتی نے بیرونی دروازہ اندر سے لاک کردیا اور اپنا گلاس لے کر بڑے صوفے پر میرے قریب آبیٹھی۔ اس کے لباس اور بدن سے پھوٹنے والی کسی قیمتی پرفیوم کی مسحور کن خوشبو میرے نتھنوں میں گھسی چلی آرہی تھی۔

"مجھے مسلمان مرد ہمیشہ سے اچھے لگتے ہیں۔" اپنے گلاس سے چند گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی آواز میں سرور جھلکنے لگا تھا "پتا نہیں تم سے پہلے میری ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔"

وقت کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے لیکن اس رفتار کو ہر انسان اپنے موڈ کے تحت محسوس کرتا ہے۔ کبھی وقت پر لگا کر اڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ گھنٹے، دن، مہینے اور سال بس تیزی سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہوجاتا۔ اس شام بھی کچھ یہی ہوا۔ ساڑھے سات بجے تک میں بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا، اس کے بعد دیکھا تو سوئیاں نو بجے سے بھی آگے گزر چکی تھیں۔

"یہ یاد رکھنا کہ روی کے مستقبل کا دارومدار صرف میری مرضی پر نہیں ہے۔" میں نے روانگی کا ارادہ کرتے ہوئے، نرمی سے ماروتی کو یاد دہانی کرائی "اس میں آخری فیصلہ دوسرے کریں گے۔ وہ کرشن کمار کی گرفتاری سے کم پر روی کو معاف نہیں کریں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" ماروتی نیم مخمور لہجے میں بولی "تمہاری طرح میں بھی اپنے وعدے کا پاس کرتی ہوں۔ تم نے اس کے بارے میں کچھ پوچھا ہی نہیں ورنہ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں نے کرشن کمار کا بندوبست بھی کرلیا ہے۔"

"اور یہ بات تم اب بتارہی ہو۔" میں نے تیزی سے اس کی طرف پلٹ کر پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں روی کے ایک دوست کے فارم پر ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ بندوبست روی کا ہے اسی لیے وہ گھر سے چلے گئے تھے۔"

وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ آئی بی والوں کی اطلاع بھی وہی تھی۔ میں نے کہا "مجھے تم اس کا پتا بتارہی ہو اور روی نے اسے ہمارا فون نمبر بتادیا۔ تم دونوں مل کر ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہو؟"

"ہم کوئی کھیل نہیں کھیل سکتے۔" اس نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا "روی ہر وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ تم جب چاہو، کوئی بھی الزام عائد کرکے انہیں بند کرسکتے ہو۔" اس بارے میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہورہی ہے۔"

"غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے فون کرکے مجھ سے بات کی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "وہ نمبر روی سے ملا ہوگا۔"

"روی کو معلوم ہے کہ میں ان کے لیے تم سے کرشن کمار کا سودا کررہی ہوں۔ وہ یہاں سے نکل [illegible] پتا [illegible] تھا۔ ہوسکتا ہے کہ روی نے اسے روکنے اور الجھانے کے لیے تمہارا فون نمبر دے دیا ہو۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ ضرور میمن گوٹھ میں رکا رہے گا۔ روی بتارہے تھے کہ ان لوگوں نے اس کے کسی خاص آدمی کو پکڑا ہوا ہے اور وہ اسے چھڑوانے کے لیے بے چین ہے۔"

ماروتی کی زبان میں ہلکی سی لکنت تھی، لہجے میں سرور مگر اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ اپنی ناکافی معلومات کے باوجود اس نے روی کی حمایت میں صحیح کڑیاں ملائی

تھیں۔

"میمن گوٹھ میں وہ کسی نہ کسی حفاظتی بندوبست کے ساتھ رہ رہا ہوگا۔ وہاں گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا اور اسے زندہ گرفتار کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کا پتا بتا کر تم اپنی جان نہیں بچا سکتیں۔"

"میں نے سب کچھ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ تم جو چاہو، میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آج سے میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا ہے۔ تم کہو گے تو میں آنکھیں بند کرکے کسی گڑھے میں بھی چھلانگ لگا دوں گی۔"

"ہوٹل میں تم کب تک مقیم ہو؟" چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے پوچھا۔

اس نے نشیلے انداز میں آنکھ مار کر کہا "میرا ہوٹل میں رکنے کا مقصد پورا ہوگیا۔ ہم نے کچھ اچھا وقت گزار لیا۔ مناسب سمجھو تو واپسی پر تم ہی مجھے مین روڈ پر اتار دینا۔ میں ٹہلتے ہوئے گھر پہنچ جاؤں گی۔"

میرے لیے ماروتی کو اس کے گھر کے دروازے تک پہنچانا قرین مصلحت نہیں تھا اس لیے میں نے اس کی تجویز قبول کرلی۔ ہوٹل میں وہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی آئی تھی۔ اس میں صرف ایک تھیلے کا اضافہ ہوا جس میں اس کا خریدا ہوا گلابی سوٹ موجود تھا۔ میرے والہانہ استقبال کے بعد وہ دوبارہ اپنا سرمئی سوٹ پہن چکی تھی جو وہ گھر سے پہن کر نکلی تھی۔

وہ اپنا بل ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر کی طرف گئی اور میں تیزی سے اول خان کے ایک آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے اچانک اپنے سر پر مسلط پاکر وہ بوکھلا گیا مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اول خان کو بتا دینا کہ سب کچھ ٹھیک جارہا ہے۔ میں اس عورت کو اولڈ کلفٹن اتارتا ہوا گھر پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا ہم لوگوں کو آپ کے پیچھے پیچھے آنا ہے۔" اس نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ پیچھے آنے کی ضرورت نہیں۔ عورت قابو میں آچکی ہے۔"

میں اس شخص سے فارغ ہوکر ماروتی کے پاس پہنچا تو اس کا بل تیار ہو رہا تھا۔ حساب سامنے آیا تو اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے پچاس روپے باقی تھے۔ ویرا نے پچاس کا نوٹ کاؤنٹر پر چھوڑا اور میرے ساتھ ہولی۔

ہوٹل سے نکل کر ہم سڑک پر آئے تو ماروتی اپنی نشست کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر بولی "آج کا دن میں زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گی۔۔۔ اگر تم چاہو تو ہماری دوستی آئندہ بھی جاری رہ سکتی ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کا قصہ نہیں نمٹ جاتا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں کئی بار مجھے شبہ ہوا ہے کہ تم مجھے فریب دے رہی ہو۔" میں نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

وہ ہنس پڑی "میں تمہارے لیے ہر ایک کو فریب دے سکتی ہوں مگر تمہیں کبھی دغا نہیں دوں گی۔"

"تمہارے اس دعوے کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ آج تم اپنی فتح کے نشے میں ڈوبی ہوئی ہو۔ ایک دو روز میں تمہارا یہ خمار اترے گا تو تم کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکو گی۔"

"عورت کبھی فاتح نہیں ہوتی، مظہر ڈارلنگ۔" وہ میرے بائیں شانے پر ہاتھ مار کر بولی "مرد سے جیت کر بھی اپنا سب کچھ ہار جاتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکے ہو، میں تمہارے نام کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی چالاکی پر ہنس کر رہ گیا۔ اس نے اپنا مدعا بہت خوب صورتی سے بیان کردیا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "سب باتیں ایک دم کھل کر سامنے نہیں آتیں۔ وقت کے ساتھ دھیرے دھیرے سب کچھ کھل جاتا ہے۔ ابھی تم کو یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ میرا تعلق کسی ایجنسی سے ہے ورنہ یہ بات بھی تم سے ہوتے ہوئے کرشن کمار تک پہنچ جائے گی۔"

"تم نے اس بات کو پکڑ لیا ہے۔ اگر روی کی غلطی سے تمہیں دکھ پہنچا ہے تو میں پورے خلوص سے اس کی معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ میں تمہاری اجازت کے بغیر کوئی بات روی تک نہیں پہنچاؤں گی۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلی ہوئی بات، دونوں میں سے کوئی چیز واپس نہیں آتی۔ کرشن کمار کو ہمارا فون نمبر ملنے سے جو نقصان ہونا تھا، وہ ہوچکا۔ اب ہم اس کی کچھار کی طرف جائیں گے تو وہ زیادہ چوکنا ہوگا۔ مجھ سے بات کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہم اس کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔"

"میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں کام کرنے والے مجھے پہچانتے ہیں۔ کوئی مجھے نہیں روکے گا۔ تم میرے ساتھ چلو اور اگر کرشن کمار تمہیں پہچانتا ہے تو اپنا کوئی ہوشیار آدمی میرے ساتھ کردو۔ وہ میرے ساتھ وہاں پہنچے اور کرشن کمار کی کنپٹی پر گن رکھ کر اسے اپنے ساتھ لے

آئے۔ اس کی بے خبری میں یہ سب اس قدر اچانک ہونا چاہیے کہ وہ بھونچکا رہ جائے۔"

"وہ موم یا مٹی کا بنا ہوا کوئی پتلا نہیں ہے' ایک چالاک آدمی ہے۔ پتا نہیں روی نے اسے کیا کہانی سنائی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اگر اسے یہ معلوم ہے کہ وہ نمبر تم نے روی کو دیا تھا تو اسے یہ اندازہ بھی ہوگیا ہوگا کہ تم ہمارے رابطے میں ہو یا شہر میں ہمارے بارے میں کچھ کرتی پھر رہی ہو۔ وہ آسانی سے تمہارے دام میں نہیں آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میری بات سن کر وہ فکر مند ہوگئی۔ "مشکل یہ ہے کہ روی' ملیر کے ایک دور افتادہ دیہی علاقے میں ہیں۔ وہاں فون ہے نہ فی الحال موبائل فون کی سہولت ہے۔ اسی وجہ سے وہ وہاں سے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے اور مجھے ان تک پہنچنے کے لیے شہر میں کافی بھٹکنا پڑا۔ فون ہوتا تو میں ابھی ان سے بات کرلیتی۔"

"تم ایک غلطی کرگزری ہو تو اب مزید کسی حماقت کی ضرورت نہیں۔ کرشن کمار کو ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔"

وہ راستے بھر ایک منٹ کے لیے بھی خاموش نہیں رہی۔ ہلکی سی لکنت کے ساتھ وہ مسلسل بولتی رہی اور میں اسی ہوں' ہاں میں جواب دیتا رہا۔ میرا ذہن کرشن کمار میں الجھا ہوا تھا۔

اولڈ کلفٹن میں ماروتی کو مین روڈ پر اتار کر میں آگے نکلتا چلا گیا۔ اگلے موڑ سے گاڑی واپس گھما کر میں گلشن اقبال کی طرف روانہ ہوگیا۔ میری رسٹ واچ اس وقت ساڑھے نو بجا رہی تھی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

ماروتی سے میری وہ ملاقات میری توقع کے برعکس' جلد ہی ختم ہوگئی تھی۔ میں گھر سے اپنی غیر حاضری کے دورانیے کو کم سے کم کرکے وہاں پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ وقت کے حوالے سے میں اپنا مناسب دفاع کرسکوں۔ مجھے اندازہ تھا کہ گھر واپسی پر کوئی اور اپنی زبان کھولے یا نہ کھولے' ویرا ضرور میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اول خان کی گاڑی ہمارے گھر کے باہر موجود تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اسٹیشن فور تک پہنچانے کے بجائے شاید راستے میں ہی اتار کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

میرے لیے پھاٹک سلطان شاہ نے کھولا۔ میرے اترتے ہی اس نے بتایا کہ اندر میرے بارے میں گرما گرم قیاس

آرائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے راستے میں اپنا ذہن بنالیا تھا۔ سلطان شاہ کے لہجے کی شوخی پر میں نے گمبھیر انداز میں صرف سرہلایا اور سنجیدہ چہرہ لیے گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا جو سلطان شاہ نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

گھر سے جاتے ہوئے غزالہ نے ابتدا سے آخر تک میرا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا اور یوں میری روانگی کا مرحلہ آسان کردیا تھا مگر اس وقت وہی سب سے زیادہ تجسس آمیز انداز میں میری واپسی کی منتظر تھی۔

غزالہ سراپا سوال بنی ہوئی تھی مگر اس کی زبان بند تھی۔ میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بس ایک ہلکی سی مگر آسودہ مسکراہٹ پھیل کر رہ گئی مگر ویرا کہاں خاموش رہنے والی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بولنا شروع کردیا ”اپنی چہیتی ماروتی سے مل کر آرہے ہو' پھر بھی تمہارے چہرے پر اداسی ناچ رہی ہے۔ خیریت تو ہے نا؟“

”تم سے میری بات ہونے کے بعد وہ چھ بجے ہوٹل سے نکل کر زیب النسا اسٹریٹ کی چند دکانوں میں گئی تھی۔“ ویرا کے خاموش ہوتے ہی اول خان نے درمیانی تفصیل دہرانی شروع کردی ”وہاں سے اس نے کچھ خریداری کی اور ہوٹل لوٹ آئی۔“

میرے ذہن میں ماروتی کے گلابی اور سرمئی سوٹ لہرانے لگے جنہیں میں نے فوراً اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور کہا ”ہم اس کی طرف سے بلا وجہ بدگمان ہورہے تھے۔ وہ آزاد خیال ضرور ہے مگر خطرناک نہیں ہے۔“

”میں حیران ہوں کہ تم اتنی جلدی واپس لوٹ آئے۔ میرے حساب سے تو تمہاری آج کی رات اسی کے ساتھ مذاکرات میں گزرنی تھی۔“ ویرا نے شوخ لہجے میں دخل اندازی کی ”معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اسے زیادہ متاثر نہیں کرسکے۔“

ویرا نے اپنی دانست میں میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی مگر مجھے خوشی ہوئی کہ میری اداکاری کامیاب رہی تھی۔ وہ وہی کچھ سمجھی تھی جو میں اپنے طرزِ عمل سے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا۔ ”میں اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں گیا تھا۔ تم اپنے نادر خیالات اپنی ذات تک محدود رکھو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔“

”آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔“ بدمزگی کے خوف سے اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا ”یہ سب فضولیات ہیں۔ تم جس کام سے گئے تھے اس کا کیا رہا؟ کرشن کمار کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟“

”وہ آئی بی والوں کی ابتدائی اطلاعات کی تصدیق کررہی ہے۔“ میں نے اسے بتایا ”کرشن کمار میمن گوٹھ میں ہے۔“

ماروتی کی بات جہاں تک پہنچی تھی' وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا کا شیطانی ذہن بھی اسے بھول کر' کرشن کمار کے بارے میں ہمارے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے میں مشغول ہوگیا۔

اول خان راست گو اور کھرا آدمی تھا۔ اس کی رائے تھی کہ انٹیلی جنس بیورو والوں نے کرشن کمار کا کھوج لگالیا تھا تو اس کو پکڑنے کا پہلا حق بھی ان ہی کو حاصل ہونا چاہیے۔ کرشن کمار پر صرف الزامات نہیں تھے بلکہ وہ مجرم ثابت ہوچکا تھا۔ سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ تھی کہ وہ بھارتی سیکرٹ سروس کا ایجنٹ تھا اور غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے خلاف کارروائی میں آئی بی والوں کو کوئی سیاسی یا سفارتی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ وہ کھل کر اس کے خلاف کارروائی کرسکتے تھے۔

مجھے اس سے اختلاف تھا۔ آئی بی والے ایک ضابطے کے تحت ہر کام کرتے تھے۔ کرشن کمار ایک بار ان کے قبضے میں چلا جاتا تو ہم اس سے اپنے طریقوں سے کوئی بازپرس نہیں کرسکتے تھے۔ اس کے خلاف اسپیشل ٹاسک فورس ہی بھرپور انداز میں کام کرسکتی تھی۔ آئی بی کے جلال زررحمان سے ہمارے مراسم میں گہرائی پیدا ہوچکی تھی لیکن ہمیں ان کی کسی ٹیم کے ساتھ کام کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے اور ان کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے نتائج مختلف ہوسکتے تھے جبکہ اول خان کی ٹیم کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہم پہلے بھی متعدد مہمات سر کرتے رہے تھے۔

ہمارے درمیان یہ تبادلہ خیال جاری تھا کہ آئی بی والے ایریئس پر پھر کال آنے لگی اور سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ کئی دن سے وہ لوگ خاموش تھے تو سرے سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا تھا لیکن کرشن کمار کا سراغ پالینے کے بعد گزشتہ چند گھنٹوں میں وہ کے دن کی طرف سے دوسرا رابطہ تھا۔

اس کے پاس ایک نئی اور سنسنی خیز خبر تھی جو اسے میمن گوٹھ کی نگرانی کرنے والوں سے ملی تھی۔

میمن گوٹھ کی آبادی لب سڑک واقع تھی اور وہاں تک رسائی کا راستہ بھی سیدھا تھا۔ دونوں اطراف سے وہ آبادی ویران کچے علاقے سے گھری ہوئی تھی۔

اپنے محل وقوع کی وجہ سے میمن گوٹھ کے باسیوں کو باہر سے آنے والوں پر نظر رکھنے میں کئی آسانیاں حاصل تھیں جن سے آئی بی والے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

براہِ راست آبادی میں داخل ہونے والوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ سیدھے راستے کو چھوڑ کر اطراف سے اندر گھسنے کی کوشش کرنے والے بھی ان کی نظروں سے نہیں بچ سکتے تھے۔ دن کے اجالے میں کچے راستوں پر اڑنے والا دھول کا غبار انہیں فوراً آگاہ کردیتا تھا کہ کسی سمت سے کوئی آبادی کے عقب میں واقع زرعی زمینوں تک پہنچنے کی کوشش کررہا ہے۔ اسی طرح رات کے گھور اندھیرے میں ان راستوں پر ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کا انعکاس دور دور تک پھیل کر کسی گاڑی کے سفر کی نشان دہی کردیتا تھا۔

کے دن کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ کراچی سے آنے والی ایک گاڑی میمن گوٹھ سے آگے نکل کر اچانک کچے راستے پر مڑی تھی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کے تیزی سے بدلتے ہوئے زاویوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ لوگ ناہموار راستوں کی پروا کیے بغیر تیز رفتاری سے اندر گئے تھے اور گاڑی کے اچھلنے کی وجہ سے روشنیوں کا رخ بار بار اوپر کی طرف ہورہا تھا۔

اس گاڑی کے بارے میں آئی بی والے فکر مند تھے مگر میمن گوٹھ والے اپنی حفاظت کے بارے میں سب سے زیادہ حساس تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آبادی میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ایک بڑی سی سیاہ گاڑی میں دو گورے' اپنے پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ گرین فارم پر پہنچے ہوئے تھے جہاں کرشن کمار پہلے سے مقیم تھا۔

"تمہارے آدمی نہیں دیکھ سکے کہ اس گاڑی میں کون وہاں پہنچا ہے؟"

"رات کے اندھیرے میں یہ دیکھنا ناممکن تھا لیکن گاؤں والوں کی اطلاع پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگ پیدل یا سائیکلوں پر فارم تک جاکر وہ خبریں لائے ہیں۔ یہ کام سونپتے ہوئے ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ کرشن کمار کی تلاش میں ہم سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں سے الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ کسی ٹکراؤ کا خطرہ ہو تو خاموشی سے پسپائی اختیار کرلیں۔"

وہ وہی بات بتا رہا تھا جو جلال براہِ راست مجھے بھی بتا چکا تھا۔ میں نے کہا "ان سے تصادم کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارا کوئی آدمی اس فارم تک پہنچ سکے؟"

"گاڑی میں سفر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پیدل چل کر کوئی بھی خاموشی سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔"

"پھر اپنا ایک آدمی اُدھر روانہ کردو۔ ہمیں پتا چلنا چاہیے کہ وہ کون لوگ ہیں اور وہاں کیا کررہے ہیں۔"

"میں نے آدمی کو روانہ کردیا ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا "مگر میں نے اسے ہدایت کی ہے کہ کوئی موہوم ترین خطرہ بھی نظر آئے تو اسے راستے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ اپنی حدود میں رہ کر میں صرف اتنا ہی کرسکتا تھا۔"

"ویری گڈ!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔"

"وہاں سے کوئی بھی خبر ملی تو میں آپ سے فوری رابطہ کروں گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"یہ اپریٹس کتنی رینج میں کام کرتا ہے؟ کیا یہ میمن گوٹھ میں بھی اسی طرح کام کرتا رہے گا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے متوقع نقشے کے پیشِ نظر اس سے پوچھا۔

"یہ سو کلومیٹر کے دائرے میں اسی طرح کام کرتا رہے گا۔ اپنے آدمیوں سے اسی سسٹم پر میرا رابطہ ہے۔"

"لیکن تم لوگوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں مجھے کوئی سگنل نہیں ملتا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"دراصل یہ ڈبل فری کوئنسی اپریٹس ہے۔ ہماری آپس کی اور آپ کی فری کوئنسی مختلف ہے۔ اگر آپ اپریٹس کے پیچھے لگا ہوا سبز بٹن نیچے سرکا دیں تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ آن لائن آجائیں گے اور ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو براہِ راست سن سکیں گے۔" اس نے وہ خوش خبری سنا کر میرا دل خوش کردیا۔

"ایسا نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو تمہارے آدمیوں کو پریشان کردے۔"

"نو سر!" اس نے پورے وثوق سے کہا "انہیں علم ہے کہ آپریشن کے ہنٹ میں چیف آپریٹنگ آفیسر کا کوڈ ہارٹ ہے۔ آپ چاہیں تو اپنا کوڈ استعمال کرکے انہیں براہِ راست ہدایات دے سکتے ہیں۔"

"اوکے! میں تم سے بات ختم ہونے کے بعد اسی فری کوئنسی پر چلا جاؤں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

بات پوری کرکے میں نے اپریٹس کو پلٹا اور اس کا سبز بٹن نیچے دبا دیا۔ ہفتوں سے میرے پاس بے مقصد پڑا ہوا وہ اپریٹس یکایک ہی بھرپور افادیت کا حامل ہوگیا تھا۔

"اس پیغام نے تو نقشہ ہی الٹ کر رکھ دیا!" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں امریکی ہوں گے۔" ویرا پُر اعتماد لہجے میں بولی "ان کے میدان میں آنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کرشن کمار نے بہت عجلت سے کام لیا۔ شاید اس نے میرے اور ڈینی کے بارے میں انہیں اہم معلومات فراہم کرنے کی پیشکش کر ڈالی ہے۔ یہ لوگ رات کے وقت میمن گوٹھ جیسے دور افتادہ اور غیر محفوظ مقامات کا بھول کر بھی رخ نہیں کرتے۔"

"یہ بات ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔" اول خان نے فراخ دلی سے ویرا کے پیش کیے ہوئے نکتے کی افادیت کو تسلیم کر لیا "میرا ذہن تو صرف ایک بات میں الجھا ہوا تھا کہ امریکیوں کے ملوث ہونے کے بعد آئی بی والوں کو محتاط ہونا پڑے گا اور مجبوراً اہم لوگوں کو یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔"

"ڈینی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کام تمہیں سنبھالنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"میرا نکتہ کچھ اور تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "مگر اب ایس ٹی ایف کے فعال ہونے کا جواز پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے آئی بی والوں کو ہماری براہ راست دخل اندازی شاید گراں گزرتی، اب انہیں خوشی ہوگی کہ کوئی نہ کوئی ان معاملات کو دیکھ رہا ہے۔"

"امریکی ساری رات وہاں نہیں بیٹھے رہیں گے۔" ویرا نے حسب معمول استہزائیہ انداز میں اپنی زبان کھولی "جب ماروتی جیسی مرد مار خاتون ڈینی کو ڈیڑھ دو گھنٹوں میں فارغ کر سکتی ہے تو کرشن کمار سے مذاکرات میں وہ دونوں اپنا زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ بات چیت ختم کرتے ہی وہاں سے واپس چل پڑیں گے۔"

ویرا کی وہ بات سو فی صد درست تھی۔ اول خان نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی "یہ امریکیوں کو ایک اور گہری زک پہنچانے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔"

"تو تم اکیلے کہاں چلے؟ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" میرے ان الفاظ پر سب ہی نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

"تم اور ویرا۔ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہو گے۔" اول خان نے سخت اور تحکم آمیز لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا "واقعات کا رخ بتا رہا ہے کہ اس بار ہمارے حریفوں کے گٹھ جوڑ کا محور تم دونوں ہو۔ تمہیں اس مہم جوئی سے بہت دور رہنا ہوگا ورنہ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں ہمارا سارا کھیل تباہ ہو جائے گا۔"

وہ عجلت میں تھا، اس کے لہجے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں اس کی مخالفت میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میری خاموشی سے ویرا کا حوصلہ بھی پست ہو گیا اور وہ کمزور لہجے میں بڑبڑانے لگی "یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ تم نے ایک نادر شاہی حکم صادر کر دیا۔ گڑبڑ کی صورت میں جو کچھ ہمارے ساتھ ہو سکتا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ تم کوئی انوکھی مخلوق تو نہیں ہو۔"

"باقی سب لوگ اس اعتبار سے انوکھے ہیں کہ ان پر بڑا کیا، کوئی چھوٹا انعام بھی مقرر نہیں ہے اور نہ امریکی خاص طور پر ان میں سے کسی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"مجھ پر بھی کوئی انعام مقرر نہیں کیا گیا۔" اول خان کی دلیل پر سلطان شاہ بول پڑا "اس کا مطلب ہے کہ میں اس مہم میں تمہارے ساتھ شریک ہو سکتا ہوں۔"

"تمہاری شمولیت پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات بلا تامل مان لی "تکنیکی اعتبار سے غزالہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو سکتی ہے لیکن وہ عورت ذات ہے، اس کا گھر پر رہنا بہتر ہے۔ ہم ایس ٹی ایف کی نفری لے کر اسٹیشن فور سے سیدھے سپرہائی وے کی طرف نکل جائیں گے تاکہ جلد از جلد میمن گوٹھ پہنچ سکیں۔"

اس کے دماغ پر عجلت سوار ہو گئی تھی۔ ہم میں سے کسی نے بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ سلطان شاہ نے نظروں ہی نظروں میں مجھ سے اجازت طلب کی اور میرا اشارہ پاتے ہی اندر کی طرف لپکا تھا کہ اول خان نے اسے پکار لیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ کیا میرے ساتھ چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کپڑے بدل کر کوئی ہتھیار ساتھ لے لوں۔" اس نے مڑ کر جواب دیا۔

"وقت نہیں ہے۔ ان ہی کپڑوں میں چلے چلو۔" اول خان یہ کہہ کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

اول خان نے اپنے ساتھ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ اسے سونپ دی اور گاڑی کے حرکت میں آتے ہی اپنے موبائل فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کر کے حامد کو فوری طور پر ایک مضبوط اسکواڈ کی تیاری کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

سلطان شاہ کی نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں مگر کان اول خان کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ رک رک کر اور سوچ سوچ کر، جس طرح حامد کو ہدایات دے رہا تھا اس سے ظاہر

ہو رہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ خود کو اس وقت میمن گوٹھ کے پیچھے پھیلے ہوئے اس فارم کے قرب و جوار کے آس پاس محسوس کر رہا تھا جہاں کرشن کمار موجود تھا۔

یونیورسٹی روڈ پر نیپا چورنگی عبور کرنے سے پہلے اول خان کی ہدایات مکمل ہو چکی تھیں۔ اول کی اس فون کال کا یہ فائدہ ہوا کہ جب وہ دونوں صفورا گوٹھ اور ریس کورس گراؤنڈ سے ہوتے ہوئے اسٹیشن فور پہنچے تو ایس ٹی ایف کا کارواں منزل مقصود کی طرف روانگی کے لیے پورے کیل کانٹے سے لیس ہو کر چیک پوسٹ پر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ کارواں دو لینڈ روور جیپوں پر مشتمل تھا۔ ایک جیپ میں حامد کو اپنے پانچ ماتحتوں کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ دوسری گاڑی کے لیے چار مسلح افراد تیار تھے۔ اس کی چھت پر عارضی طور پر ایک میگا فون نصب کر دیا گیا تھا جس کا اضافی مائیکرو فون تار کے ذریعے جیپ کی پسنجر سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ سے لٹک رہا تھا۔

پروگرام راستے میں ہی طے ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی سے اترتے ہی دوسری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اول خان اس کے برابر میں بیٹھا، چار افراد اچھل کر عقبی نشستوں پر بیٹھے اور سلطان شاہ نے لینڈ روور آگے بڑھا دی۔ اس کے پیچھے حامد کی گاڑی بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ اس دوران میں چیک پوسٹ کے عملے کا ایک آدمی اول خان اور سلطان شاہ کی چھوڑی ہوئی گاڑی کو راستے سے ہٹا چکا تھا۔

اول خان نے اپنی حکمتِ عملی سے پہلے مرحلے پر ہی کافی وقت بچا لیا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بڑے اور جان دار تھے۔ ویسے بھی وہ گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کے لیے خاص شہرت رکھتی تھیں۔ چھاؤنی سے سپرہائی وے تک کی روایتی سڑک پر بھی ان کی رفتار خاصی تیز رہی۔ سپرہائی وے کی کشادہ اور ہموار سڑک پر آتے ہی دونوں گاڑیاں ہوا سے باتیں کرنے لگیں۔

ڈرائیونگ لڑکپن ہی سے سلطان شاہ کا شوق تھا۔ اس روز اسے مدتوں بعد ایسا موقع ملا کہ اپنی مرضی کی گاڑی اس کے قبضے میں تھی، سڑک شان دار تھی اور اسے تیز رفتاری کی کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس نے ہارن اور ہیڈ لائٹس کی دونوں بیمز کو بے دردی سے استعمال کرتے ہوئے آگے جانے والی گاڑیوں کو تیزی سے اوور ٹیک کرنا شروع کر دیا۔

ان کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے گھر سے روانگی کے آدھے گھنٹے میں وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے۔

مطلوبہ فارم تک رسائی کے راستوں کے بارے میں وہ کے ون کی بریفنگ اپنے کانوں سے سن چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سفید فاموں کی گاڑی گوٹھ سے آگے نکلنے کے بعد داہنی طرف مڑی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی واپسی بھی اسی راہ سے ہوگی۔ انہوں نے بھی وہی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا تاکہ کچے راستے میں مشتبہ گاڑی سامنے سے آتی ہوئی نظر آ جائے تو اسے وہیں روک لیا جائے وہ کسی بھی قیمت پر انہیں نکلنے کا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس ناکامی کا بس ایک ہی امکان تھا کہ سفید فام ان کے میمن گوٹھ پہنچنے سے پہلے کراچی واپس روانہ ہو گئے ہوں اور انہوں نے راستے میں ہی خاموشی سے انہیں کراس کر لیا ہو۔

دو رویہ سڑک کے وسط میں، کچی زمین پر بنے ہوئے ٹائروں کے نشانات نے سلطان شاہ کی رہنمائی کی اور وہ لوگ اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گوٹھ والوں کو بے خبر رکھنے کے لیے فوری طور پر ہیڈ لیمپس گل کر کے صرف پارکنگ لائٹس کے سہارے سفر جاری رکھنا چاہا لیکن چند ثانیوں میں لگنے والی کئی شدید اور غیر متوقع ضربوں نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ روشنی لینڈ روور کی رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل کسی بھی جھٹکے پر اس کے ہاتھوں سے نکل کر انہیں حادثے سے دوچار کر سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ ہیڈ لیمپس روشن کر لیے۔ حامد اس کی تقلید کر رہا تھا۔

چند کلومیٹر پر محیط اس سفر میں وہ گاڑیاں ایک خشک برساتی نالے سے بھی گزریں۔ ٹائروں کے پرانے نشانات کے سہارے وہ جلد ہی باغات تک پہنچ گئے پھر انہیں گرین فارم کا بورڈ بھی نظر آ گیا جو سبزباڑھ کے درمیان کھلے ہوئے راستے پر اونچے محرابی انداز میں نصب تھا۔

وہ فارمنگ کی مقبولیت کا زمانہ تھا۔ زراعت پیشہ لوگوں کے علاوہ کراچی کے بہت سے روسا نے بھی خطیر سرمایہ کاری کر کے شہر کے دور دراز مضافاتی اور نیم دیہی مقامات پر مختلف ناموں سے فروٹ فارمز قائم کیے تھے اور ہر فارم کو کوئی نہ کوئی نام دینے کا رواج بھی چلا ہوا تھا۔ اگر انہیں وہ بورڈ نظر نہ آتا تو گرین فارم کی تلاش میں خاصا وقت برباد ہو سکتا تھا۔

”گاڑی فارم میں لیتے چلے جاؤ!“ اول خان نے سرد لہجے میں اسے ہدایت کی۔

سلطان شاہ اس وقت روبوٹ بنا ہوا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی

تیز روشنی نیم دائرے کی صورت میں چکرائی اور فارم میں داخل ہوتی چلی گئی۔ حامد اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کر کے باہر ہی رک گیا تھا۔

وہ حکمت عملی پہلے سے طے شدہ تھی۔ اول خان کی طرف سے سگنل فائر ہونے تک اسے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھ کر باہر رکنا تھا۔ جوں ہی ان کی لینڈ روور فارم میں کچے لیکن ہموار راستے پر گھومی‘ اندر سے کسی نے اونچی اور کرخت آواز میں کچھ کہا جو انجن کی غراہٹوں میں ان کے پلے نہیں پڑ سکا۔ ساتھ ہی وہ تاریک ویرانہ پہلے فائر کی بھیانک آواز سے لرز اٹھا۔

سلطان شاہ نے بریک لگا دیے‘ وہ رائفل کا فائر تھا۔ فاصلے میں مزید کمی کی صورت میں وہ لوگ رائفل والے کی زد میں آسکتے تھے۔ اس اثنا میں انہیں اس راستے کے اختتام پر بنے ہوئے مختصر سے کاٹیج کے سامنے وہ بڑی سی سیاہ گاڑی بھی نظر آ گئی جس کا ذکر وہ کے دن کی رپورٹ میں سن چکے تھے۔

اول خان نے اپنی گود میں رکھی ہوئی گن کی نال کھڑکی سے باہر نکال کر بیک وقت تین فائر کیے۔ وہ حامد کے لیے حرکت میں آنے کا سگنل تھا۔ سلطان شاہ کے عقب میں یکایک ہیڈ لیمپس کا اجالا پھیل گیا۔ حامد کی گاڑی فارم میں آنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ پروگرام کے مطابق اسے گرین فارم کا طواف کر کے اس سے نکاس کے کسی دوسرے راستے کو بلاک کرنا تھا۔ کوئی اور راستہ نہ ملنے کی صورت میں اسے آخری پہلو پر کسی بھی جگہ پوزیشن لینی تھی۔

"اپنی فارمیشن بنالو!" اول خان نے مڑے بغیر اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور وہ چاروں لینڈ روور کے عقبی دروازے سے یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ اپنی گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی میں سلطان شاہ کو عقب نما آئینے میں صرف اتنا نظر آیا کہ ان چاروں نے اپنی اپنی پشت پر قدرے وزنی تھیلے کسے ہوئے تھے۔

اول خان کے داہنے ہاتھ میں گن تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے مائیکروفون اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور اگلے ہی لمحے اس کی آواز میگا فون پر گونجنے لگی "تم سب محاصرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھاؤ اور کالی گاڑی سے آگے قطار بنالو۔ اس حکم پر عمل نہیں ہوا تو چند منٹ بعد یہ علاقہ جہنم بنا دیا جائے گا۔"

اول خان نے وہ اعلان انگریزی میں کیا تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کرشن کمار کے پاس آئے ہوئے سفید فام اپنے کانوں سے اور اپنی مادری زبان میں وہ پیغام سن لیں تاکہ کرشن کمار کو انہیں کوئی فریب دینے کا موقع نہ مل سکے۔

اس بار دوسری طرف سے دو رائفلیں چلیں۔ وہ مقابلے کا پیغام تھا۔

حامد کی گاڑی کی روشنیاں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان منعکس ہوتے ہوئے تیزی کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔

اول خان نے مائیکروفون چھوڑ کر اپنا اپریٹس اٹھا لیا اور سکون سے کہا "گنرز فائر کرو۔"

حامد والی گاڑی سے چند ثانیوں بعد ہی تڑاتڑ کی آوازوں کے ساتھ چھ مشین گنیں آگ اگلنے لگیں۔ انہوں نے چلتی گاڑی سے اپنی گنوں کے ہلکے برسٹ چلائے تھے۔ ان کا کوئی نشانہ نہیں تھا۔ مقصد دشمن کو مرعوب اور خوف زدہ کرنا تھا۔

"سر! ابھی تک گھنے درختوں کے درمیان کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس وقت ہم آپ کی مخالف سمت سے گزر رہے ہیں۔" فضا میں غیر فطری سکوت چھا جانے کے بعد حامد نے رپورٹ دی۔

"اگلے دو منٹ تک اسی طرح وقفوں سے برسٹ فائر کرتے رہو۔ میرے آدمی کسی بھی لمحے گراؤنڈ فارمیشن لے کر اب ٹارگٹ شوٹنگ کریں گے۔ شاید ان کے فائر کیے ہوئے راؤنڈز کاٹیج تک پہنچ سکیں۔"

"آل رائٹ سر! ابھی تک ہمیں دوسرا راستہ نہیں ملا ہے۔"

"ڈپر مارو!" اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی۔ لینڈ روور کی اگلی روشنیاں بہت تیز ہو کر نارمل ہو گئیں۔

ان کی گاڑی کی دونوں سمتوں سے ہلکی مشین گنیں چلنے لگیں۔ وہ چار الگ آوازیں تھیں۔ سلطان شاہ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ اس کے چاروں ہم سفر لینڈ روور سے اتر کر باغ میں گھس چکے تھے۔

وسیع و عریض فروٹ فارم کی معلق ہوئی فضا میں جلے ہوئے بارود کی بو رچنے لگی تھی۔ حریفوں کی طرف سے صرف تین فائر ہوئے تھے مگر ایس ٹی ایف والوں نے ان پر گولیوں کی برسات کر دی تھی۔

کاٹیج کی چند کھڑکیاں جو اس وقت تک روشن تھیں‘ اچانک تاریک ہو گئیں مگر لینڈ روور کی روشنی میں سب کچھ اندھیرے میں نہ ڈوب سکا۔ حامد کے آدمیوں کے ہتھیار ایک مرتبہ پھر گنگنا اٹھے تھے۔

وہ سب بہت تیزی سے ہوتا چلا جا رہا تھا مگر سلطان شاہ کو

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یکایک سست ہو گئی ہو۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ نیچے گرین فارم کا مسحور کردینے والا ماحول مگر کرشن کمار کی وجہ سے اس وقت سب کچھ نہایت بھیانک ہو چلا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اندر والوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو زمین انسانی خون سے ضرور رنگی جائے گی۔

اندر سے یکے بعد دیگرے تین رائفلیں چلیں اور شعلے مختلف سمتوں میں اڑ کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ ایس ٹی ایف کی طرف سے طاقت کے بے رحمانہ اظہار نے انہیں حواس باختہ کردیا تھا۔ وہ اپنے محدود میگزین کا خیال کیے بغیر بے مقصد فائرنگ پر اتر آئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح اپنے کارتوس ضائع کرتے رہتے تو ان کی رائفلیں محض آہنی لاٹھیوں میں تبدیل ہو کر رہ جاتیں۔

"وہ لوگ بھی کاٹیج سے نکل کر باغ میں گھس گئے تو گھور اندھیرے میں انہیں تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" سلطان شاہ تشویش سے بولا۔

"شاید وہ سب مسلح نہیں ہیں۔ ابھی تک صرف تین رائفلیں چلی ہیں اور کرشن کمار کے گارڈ بھی تین ہی ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ یہاں کوئی ایسا بھاری حملہ ہو سکتا ہے۔ اپنے پچیس پچاس کارتوس ضائع کرنے کے بعد وہ نہتے رہ جائیں گے۔ ان حالات میں وہ باغ میں گھسنے اور پھیلنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے، یک جا رہ کر مزاحمت کریں گے۔" اول خان نے وضاحت کی۔ "میری کوشش یہ ہے کہ وہ مشتعل ہو کر دھیرے دھیرے اپنا میگزین پھونک ڈالیں۔"

سلطان شاہ کھیل کو سمجھنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر ڈیرے سے اٹھ گیا۔ یکساں روشنی میں تبدیلیاں ہوئیں اور باغ کی فارمیشن والوں نے فائرنگ شروع کردی۔ اسی لمحے حامد کے آدمیوں نے برسٹ فائر کرنے شروع کردیے۔

سلطان شاہ نے لینڈ روور کو زاویے سے قدرے آگے بڑھایا اور ترچھا کر کے اس طرح روک دیا کہ پورا کاٹیج ہیڈ لیمپس کی زد میں آگیا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ باغ میں گھسنے والے چاروں آدمی پیش قدمی کرتے ہوئے گاڑی سے کافی آگے نکل چکے تھے۔

ایس ٹی ایف کی دھواں دھار فائرنگ میں دشمنوں نے پھر اپنے تین کارتوس ضائع کیے۔ سلطان شاہ ان کے کیے ہوئے ہر فائر کو گن رہا تھا۔ وہ لوگ اس وقت تک نو فائر کرچکے تھے۔

"ہم رک چکے ہیں سر۔" آپریٹس پر حامد کی آواز آئی "دو منٹ پورے ہو چکے ہیں۔ اب کیا حکم ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو پھیلا کر اندر گھسو۔ جب تک کوئی شکار نشانے پر نہ آجائے، فائر نہ کرو۔ ہماری خاموشی سے وحشت زدہ ہو کر وہ اپنا میگزین برباد کرنے پر مجبور ہو جائیں گے... سب کو بریف کردو کہ گوروں پر ڈائریکٹ فائر نہیں ہوگا۔"

"ان میں کوئی سامنے آجائے یا مقابلے پر تل جائے تو کیا کرنا ہوگا؟"

"مجبوری میں ہر دفاعی قدم اٹھانے کی آزادی ہے۔ میں یہاں زیادہ خوں ریزی نہیں چاہتا۔ مجرموں کے ساتھ کئی بے گناہ مزدور اور مالی بھی یہاں رہ رہے ہوں گے۔ ان میں سے کسی کو گزند نہیں پہنچنا چاہیے۔"

اول خان نے جوں ہی اپنی بات ختم کی، سلطان شاہ اس سے مخاطب ہو گیا "تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ باغ بہت بڑا ہے۔ یہاں کافی مزدور رہتے ہوں گے اور ان میں سے کوئی تمہارا اعلان نہیں سمجھ سکا ہوگا۔ یہاں کرشن کمار اور دونوں امریکیوں کے سوا شاید ہی کوئی انگریزی سے واقف ہو۔ تمہیں اپنا اعلان اردو میں بھی دہرانا چاہیے۔"

وہ نکتہ اول خان کی کھوپڑی میں سما گیا۔ بھیانک موت کے تصور سے سہمے ہوئے مزدوروں کو امان کا یقین دلا کر تین مسلح محافظوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا جاسکتا تھا۔ سلطان شاہ کی تجویز اگر سودمند نہ ہوتی تب بھی بے ضرر ضرور تھی۔

اول خان نے مائیکرو فون اٹھالیا اور میگا فون پر بولنا شروع کردیا "ہمیں معلوم ہے کہ اندر بہت سے معصوم اور بے گناہ مزدور اور مالی پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اپنی پوری طاقت استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اگر تینوں گارڈ اپنی رائفلیں پھینک دیں اور سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آئیں تو ہم فائرنگ روک دیں گے۔ ہمارا اصل معاملہ کرشن کمار سے ہے جس کی حفاظت کے لیے یہاں تین گارڈ بٹھائے گئے ہیں۔ یہ اعلان پہلے انگریزی میں کیا گیا تھا۔ اب اردو میں بتایا جا رہا ہے۔ یہ مہلت اگلے پانچ منٹ میں ختم ہو جائے گی اور ہمارے دشمن کے ساتھ بے گناہ بھی مفت میں مارے جائیں گے۔"

گاڑی کے ہیڈ لیمپس جلتے ہوئے چھوڑ کر انجن بند کردیا گیا۔ سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے خودکار رائفل اور اس کے چھ بھرے ہوئے میگزین کا پیکٹ لیا اور اول خان کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا۔

ایس ٹی ایف والوں کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ

موقوف ہوچکا تھا، گاڑی کا انجن بھی خاموش ہوگیا تھا۔ اس سناٹے میں کاٹیج کی طرف سے شور و غل کی کچھ آوازیں سنائی دیں، ایک رائفل چلی، اسی کے ساتھ فضا ایک کربناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ اس کے فوراً بعد مگر آگے پیچھے دو اور فائر ہوئے۔ مزید کوئی چیخ نہیں ابھری مگر شور تیز ہوگیا۔

سلطان شاہ اور اول خان گاڑی سے اتر کر درختوں اور پودوں کی آڑ لیتے ہوئے اور ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد سے بچتے ہوئے بہت تیزی سے کاٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند ثانیوں بعد اسی شور و غل کے درمیان ماؤزر کے دو راؤنڈ فائر ہوئے۔ کرشن کمار ہمارے گھر میں ویرا سے کرائے کا ہاتھ کھانے کے بعد ماؤزر ہی چھوڑ کر بھاگا تھا۔ شاید وہ اس کا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ ان دونوں کا شبہ بس لمحے بھر کے لیے برقرار رہا پھر اس کی تصدیق ہوگئی۔ کوئی شخص شور مچانے والوں پر حلق کے بل اونچی آواز میں برس رہا تھا۔ اس کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی۔

کرشن کمار کی وہ آواز انہوں نے اسپیکر فون پر سنی ہوئی تھی۔ اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کی آواز اچانک چیخ میں تبدیل ہوگئی۔ سلطان شاہ نے اندازہ لگایا کہ کوئی مشتعل مزدور اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

بہت سے لوگ ایک ہجوم کی صورت میں کاٹیج کے ایک پہلو سے نمودار ہوئے۔ اس وقت تک وہ دونوں بہت قریب پہنچ چکے تھے اور درختوں کے تنوں کی اوٹ میں بالکل تیار کھڑے ہوئے تھے۔

سامنے آنے پر پتا چلا کہ مقامی مزدوروں نے ٹولیوں کی صورت میں کچھ لوگوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سامنے آکر اپنے اپنے لائے ہوئے آدمی کو زمین پر ڈال کر ہاتھ اوپر اٹھاتے رہے۔

صورتِ حال واضح ہوچکی تھی۔ اول خان نے اشارہ کیا اور وہ دونوں درختوں کے تنوں کے پیچھے سے نکل کر بہت تیزی سے لینڈ روور سے پڑنے والی روشنی کی سیدھ میں آگئے تاکہ ایس ٹی ایف والوں کو انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ انہیں احساس تھا کہ اس مرحلے پر ان سے ذرا بھی چوک ہوئی تو وہ اپنوں کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔ غنیمت ہوا کہ ان کی پھرتی ان کے کام آئی اور ان ڈرامائی لمحات میں کوئی المناک سانحہ رونما نہ ہوا۔

ان کو دیکھتے اور پھر پہچانتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز بہت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلکے اور درمیانی درجے کے دس خود کار آتشیں ہتھیاروں کی نالیں خوف زدہ مزدوروں پر تن گئیں۔ امان پانے کے بجائے خود کو ہتھیاروں کی زد پا کر ان سب کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے۔

"کسی کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے، آگے بڑھ کر انہیں یقین دہانی کرائی۔ "ہم اپنا اطمینان کرلیں پھر سب بے گناہوں کو آزادی مل جائے گی۔"

گرین فارم میں رہنے والے مزدور پانچ افراد کو ڈنڈا ڈولی کرکے لائے تھے۔ ان میں سے دو شدید زخمی اور بے ہوش تھے۔ تین کے چہروں وغیرہ پر معمولی خراشیں تھیں مگر وہ ہوش میں تھے اور سب الگ الگ پہچانے جا رہے تھے۔

قدرے چست وردی میں ملبوس شہری سیاہ کار کا شوفر تھا۔ دو گارڈز بے ہوش تھے، تیسرا ہوش میں تھا۔ پانچواں کرشن کمار تھا جس کے ہونٹوں کے بائیں گوشے پھٹے ہوئے تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اپنی گن کی نال کرشن کمار کی کھوپڑی پر رکھ دی اور پلٹ کر اپنے آدمیوں سے بولا "گنز ڈاؤن۔"

ہتھیاروں کی تنی ہوئی نالیں بہ یک وقت اس زمین کی طرف جھک گئیں جس کی سلامتی اور تحفظ کے لیے وہ سب اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرکے صحراؤں اور ویرانوں کی سختیاں جھیلتے پھرتے تھے۔

کرشن کمار کی گوری رنگت دہشت سے زرد پڑی ہوئی تھی، موت کے خوف سے آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوگئے تھے۔ مزدوروں کی ڈنڈا ڈولی سے چھٹکارا پانے کے بعد اسے اتنی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو پاتا۔ اول خان کی معاملہ فہمی اور پھرتی کی وجہ سے وہ جہاں تھا وہیں پڑا رہ گیا تھا۔

"تم... مجھے گولی نہ مارنا۔" اپنی کھوپڑی پر آہنی نال کا ٹھنڈا لمس اور دباؤ محسوس کرتے ہی کرشن کمار کسی نیولے کی طرح بلبلا اٹھا۔ "تم مجھ سے جو پوچھو گے، اس کا جواب مل جائے گا۔"

اول خان نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور کھڑے ہوئے افراد کی بھیڑ پر نظر دوڑائیں۔ وہ سب معصوم اور بے خطا چہرہ تھے۔ ان میں دونوں گوروں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"تم سب آزاد ہو مگر ہمارے جانے تک مہربانی کرکے یہیں رکو گے۔" اول خان نے بہت حلاوت سے کہا "ابھی ہمیں دو گوروں کی تلاش ہے جو اس گاڑی میں یہاں آئے

تھے۔"

"مجھے معاف کردو!" ہلکی نیلی وردی والا گڑگڑایا "میں گوروں کی گاڑی کا شوفر ہوں۔ غریب اور بال بچوں والا آدمی ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ جہاں کہتے ہیں' جانا پڑتا ہے۔"

مزدوروں میں سے ایک محنتی سا آدمی ہمت کر کے آگے بڑھ آیا اور ڈرائیور سے مخاطب ہو کر بولا "غریب آدمی ہے تو بابا ہم غریبوں سے کیوں لڑتا تھا؟ کیوں بولتا تھا کہ ہار مت مانو' لڑائی کر کے مرو۔ ہار مانی تو دشمن پھر بھی مار ڈالے گا۔"

"توبہ' توبہ... میری توبہ!" ڈرائیور خوف زدہ اور ہذیانی انداز میں اپنی زبان سے کچی زمین چاٹ چاٹ کر کہنے لگا "مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ اتنے شریف لوگ ہیں کہ اپنی بات پر قائم رہیں گے۔ مجھے مروا دیا... ان حرامی گوروں نے مروا دیا۔" بولتے بولتے اس نے قدر کریہہ آواز میں رونا شروع کر دیا کہ سلطان شاہ اس پر برس پڑا۔

وہ سہم کر فوراً ہی خاموش ہو گیا مگر اس کی پھٹی پھٹی اور رحم طلب نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"دو آدمی اندر جا کر گوروں کو تلاش کریں۔" اول خان نے سب کو سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا "ان کے ہاتھ آئے بغیر ہمارا کام ادھورا رہے گا۔"

"اندر اندھیرا کیوں ہے؟ یہاں کے سوئچ کہاں ہیں؟" سلطان شاہ نے کسی خاص شخص سے مخاطب ہوئے بغیر پوچھا۔

"ادھر بجلی نہیں ہے۔" اسی محنتی مزدور نے جواب دیا "مٹی چاٹنے والے نے پیچھے کا جنریٹر بند کر دیا تھا۔ ٹھہرو! میں اسے چلا کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک اور آدمی کو ساتھ لیا اور کسی سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر پورے اعتماد اور بردباری سے پیچھے چلا گیا۔

اس اثنا میں حامد اپنے ایک ماتحت کے ساتھ کانیج کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ... وہ دونوں بڑے کمرے میں پلنگ کے نیچے گھسے ہوئے ہیں۔" شوفر نے ہکلاتے ہوئے' پھنسی پھنسی آواز میں انکشاف کیا "میں نے ان ہی کے کہنے پر جنریٹر بند کیا تھا۔"

سلطان شاہ اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اسے وہ شخص بہت گھناؤنے کردار کا مالک نظر آ رہا تھا۔

گوروں کے سوا سب آدمی سامنے آ چکے تھے مگر کوئی ہتھیار برآمد نہیں ہوا تھا۔ جنریٹر چلانے والے کے پیچھے ایس ٹی ایف کا ایک آدمی کانیج کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا۔ تھوڑے انتظار کے بعد کمزور آواز والا ایک انجن چلنے کا شور سنائی دیا اور کانیج کی کئی کھڑکیاں روشن ہو گئیں۔ جنریٹر چلانے کے بعد وہ تینوں ایک ساتھ واپس آئے تو ان کے ساتھ وہ ہتھیار بھی تھے جن کی سب کو تلاش تھی۔

زمین پر پڑے ہوئے قیدیوں کی طرح ان کی تعداد بھی پانچ تھی۔ تین یکساں ساخت کی رائفلیں یقینی طور پر گارڈز کی تھیں۔ ماؤزر کرشن کمار کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ پستول کا جائزہ لینے کے بعد سلطان شاہ نے شوفر کو گھورتے ہوئے پوچھا "اس کا میگزین پورا ہے۔ یہ پستول کس کا ہے؟" اپنا سوال پوچھ کر وہ پستول کی نال سونگھنے لگا جس میں بارود کی بو نہیں تھی۔

"یہ میرا ہے۔" شوفر کے پاس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا "یہ گوروں نے دیا ہوا ہے۔ میرے پاس ان کا اتھارٹی لیٹر بھی ہے۔ تم چاہو تو میں گاڑی میں سے نکال کر دکھا سکتا ہوں۔"

"گورے تم پر بہت مہربان معلوم ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا اور ذرا ان کے نام بھی بتا ڈالو۔ تم ان کے پرانے اور پکے نمک خوار معلوم ہوتے ہو۔"

وہ سلطان شاہ کے طنز کو نہ سمجھ سکا اور اپنی رو میں بولا۔

"ہاں جی' میں سات سال سے امریکیوں کی ڈیوٹی کر رہا ہوں۔ ڈیوڈ صاحب تو کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہ رہ کر آدھا امریکی ہو گیا ہوں۔ دوسرے کا نام جمی ہے۔"

اسی وقت کانیج سے مزاحمت اور چیخ و پکار کی آواز آنے لگیں۔ غالباً حامد نے اندر جاتے جاتے شوفر کے الفاظ سن لیے تھے اور اندر روشنی ہو جانے کے سبب فوراً ہی پلنگ کے نیچے چھپے ہوئے امریکیوں تک پہنچ گیا تھا۔

سب کی نگاہیں کانیج کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اندرونی حصے سے وہ شور داد و فریاد اور گالیوں کا طوفان دھیرے دھیرے قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ پہلے ایک امریکی کسی سے دھکا کھا کر باہر آیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ دھکے کے زور میں وہ جہاں تک آئے' آ گئے اور اڑیل ٹٹوؤں کی طرح وہیں جم کر کھڑے ہو گئے۔ وہ گردن گھما کر اپنے پیچھے آنے والے حامد اور اس کے ساتھی کو اونچی آوازوں میں مادر زاد گالیاں اور دھمکیاں دے رہے تھے۔

حامد نے گنجے سر والے کا بازو پکڑ کر اسے مزید آگے دھکا دیا۔ دوسرے کو بھی اسی طرح دھکیلنا پڑا۔ کشاں کشاں ان دونوں کو اول خان کے روبہ رو پہنچا دیا گیا۔ اس وقت انہوں نے پہلی مرتبہ باہر کے منظر کا جائزہ لیا اور مسلح افراد کا گھیراؤ دیکھ کر ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑانے لگیں۔ وہ بار بار ادھر

اُدھر دیکھ رہے تھے۔
گنجے امریکی نے جب زمین پر پڑے ہوئے شوفر کو دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ چل پڑی "سر.... ! کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں... یہ سارے مزدور ناکارہ اور بلاڈی ایڈیٹ ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ مقابلہ ہونے دیں لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ باری باری ہم پر ٹوٹ پڑے۔" شوفر نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اپنا مافی الضمیر ان دونوں پر واضح کر دیا۔

وہ انتہائی خبیث شخص تھا۔ ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کر رہا تھا۔ ایک طرف اول خان اور اس کے آدمیوں کی تعریف تھی تو دوسری طرف وہ اپنی مزاحمانہ کارکردگی بیان کر کے ان سے گویا داد کا خواہاں تھا۔

"ہمیں غیر ملکی سمجھ کر تم ظلم نہیں کر سکتے۔" بھورے بالوں والا دراز قامت امریکی گرجنے لگا "ہم ذمے دار سرکاری اہلکار ہیں۔ ہمیں سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ ہم تم سب کی ایسی کی تیسی کرا دیں گے..."

"ہوش میں رہو!" اول خان نے اسے لتاڑا "تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تو آپے سے باہر ہونے کی کوشش مت کرو...."

"یہ بتاؤ کہ تم میں سے ڈینی کون ہے!" گنجے نے اول خان کی بات کاٹ کر بے چینی سے سوال کیا۔

"حیرت ہے کہ تم اپنی روحوں پر سوار آسیب کو نہیں پہچانتے۔ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا ڈرائیور کیا آدمی ہے۔" اول خان نے کوئی بات ذہن میں آتے ہی یکایک پینترا بدل لیا۔

"ہم سے غرض نہیں تو ہمارے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں ہو رہی ہے؟" گنجے نے حیرت اور ناگواری سے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کرشن کمار کی پناہ گاہ سے برآمد ہوئے ہو اور یہ خبیث آدمی تمہارا ڈرائیور ہے۔"

وہ دونوں چکرا کر رہ گئے۔ فوری طور پر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور پھر دراز قامت امریکی نے کہا "ہم یہاں اجنبی ہیں۔ شوفر ہی تفریح کے لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ یہ ہمارا خاص آدمی ہے اور ہم اس پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ اگر تم کو اس سے کوئی پرخاش ہے تو تم بے شک اسے روک لو۔ ہم مقامیوں کے کسی جھگڑے میں فریق بننا پسند نہیں کرتے۔ ہمیں واپس جانے دو۔"

شوفر وہ ساری گفتگو بہت غور اور سراسیمگی سے سن رہا

****

خود کار

اسٹاک ایکس چینج میں نیا خود کار نظام نصب کیا گیا تھا جس پر فون کر کے کسی بھی کمپنی کے شیئرز کی تازہ ترین قیمت معلوم کی جا سکتی تھی۔ ایک صاحب نے اس سسٹم کا نمبر ڈائل کیا تو فوراً ہی ایک ریکارڈ شدہ آواز سنائی دی "آپ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

جواب دینے سے پہلے ان صاحب کو چھینک آ گئی۔ فوراً ہی ریکارڈ شدہ آواز ابھری "ڈسپرین بنانے والی کمپنی کے شیئرز کی قیمت چھ پیسے بڑھ گئی ہے۔"

****

تھا۔ الفاظ اور فقرے شاید اس کے پلّے نہ پڑ رہے ہوں مگر وہ گفتگو کا پورا پورا مفہوم ضرور سمجھ رہا تھا کیونکہ باتوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بھی تیزی سے بدل رہے تھے۔ اپنے بارے میں دراز قامت کا خود غرضانہ فیصلہ سنتے ہی وہ احتجاجی آواز میں چیخ پڑا "مسٹر ڈیوڈ! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں ان لوگوں کے سامنے تمہاری ساری پول کھول دوں گا۔"

"شٹ اَپ، یُو بلیک ڈرٹی سوائن!" ڈیوڈ دانت پیس کر اس پر حقارت سے غرایا "یہاں تمہارے جھوٹ پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔"

"جھوٹ؟" شوفر کی آواز روہانسی ہو گئی "آج تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ یہاں آنے تک میں تمہارا سب سے چہیتا پاکستانی تھا جسے تم امریکا بلا کر انعام میں ایک بیوک کار دینا چاہتے تھے۔ میں نے تمہارے اشارے پر دو خون کیے۔ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے تمہارا جائز اور ناجائز حکم مانا اور اب تم بیچ منجدھار میں مجھے اپنی کشتی سے دھکا دے رہے ہو۔"

"تم بولتے رہو، یہاں تمہاری بات کوئی نہیں سنے گا۔" گنجے جمی نے بے پروائی سے کہا۔

اول خان وہاں مزید رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شدید فائرنگ کی آوازوں کے نتیجے میں گوٹھ کی آبادی میں اضطراب پھیلنا فطری تھا۔ باغوں میں ان کے دوست اور رشتے دار کام کرتے تھے۔ ان کے تحفظ کے لیے وہ جتھوں کی صورت میں باغات کا رخ کر سکتے تھے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے وہ اس

علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ اصل مشن مکمل ہوتے ہی اسے دوسری فکروں نے آن گھیرا تھا۔

شوفر کے بارے میں اس کی محنت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ اس بدنصیب نے اپنی زبان سے دو افراد کے قتل کا اعتراف کرلیا تھا' ڈیوڈ اور جمی کے لیے اول خان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ اس کی نظرں میں وہ تینوں یکساں سلوک کے حق دار تھے۔ گوروں کے انجام کے بارے میں اس نے اسی وقت فیصلہ کرلیا جب اس نے حامد کو انہیں زخمی نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اس نے سلطان شاہ اور حامد کو قریب بلا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اول خان کی تجویز میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اس پر عمل درآمد کا فیصلہ ہوتے ہی مزدوروں کو فوری طور پر باغ چھوڑ کر اگلی صبح تک لیے اپنے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ انہیں امان مل گئی تھی لیکن وہاں جو خوفناک فائرنگ ہوئی تھی' اس کی دہشت مزدوروں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اجازت ملتے ہی سب تیزی سے اپنے اپنے راستے پر ہولیے۔

اس کھیل کے دوران میں اول خان کا عملہ اپنے دوسرے کاموں سے غافل نہیں رہا تھا۔ دور کھڑی ہوئی گاڑیاں کا نیچ تک لائی جاچکی تھیں۔ میدان صاف ہوتے ہی حامد نے کسرتی جسم والے ایک شخص کے ساتھ مل کر اپنا کام شروع کردیا۔

گرین فارم میں بلاشبہ گولیوں کے بے شمار راؤنڈ فائر کیے گئے تھے لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس میں صرف ایک مزدور کا بازو زخمی ہوا تھا۔ آپس کے تصادم میں گارڈ کے فائر سے زخمی ہونے والے کی دلدوز چیخ محض اس کے خوف کا نتیجہ تھی ورنہ جلد کو چیرتا ہوا زخم کاری نہیں تھا۔

جو کام ایس ٹی ایف کے اہلکاروں کی دھواں دھار فائرنگ سے نہیں ہوسکا تھا' اسے حامد اور اس کے ساتھی اپنے دست وبازو کی قوت سے انجام دے رہا تھا۔ پہلے مرحلے میں ان دونوں نے تیسرے گارڈ اور دونوں امریکیوں کو چشم زدن میں کراٹے کے ہاتھ دکھا کر بے ہوش کردیا۔ گارڈز ہمارے لیے بے مصرف تھے۔ انہیں وہیں چھوڑ دیا گیا۔ شوفر سمجھا کہ اگلی باری اس کی ہوگی۔ وہ کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح شور مچانے لگا۔

سلطان شاہ نے اس کی کمر پر لات رسید کی اور کہا "ڈکرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم کو اپنے آقاؤں کو واپس لے جانا ہے۔"

وہ نوید سن کر شوفر کی جان میں جان آئی۔ حامد ڈیوڈ کو سیاہ کار کی پسنجر سیٹ پر اور اس کا ساتھی بے ہوش جمی کو عقبی نشست پر ڈال رہا تھا۔ اس کار کو درمیان میں لے کر ہمارا کارواں تیزی سے گرین فارم سے نکلتا چلا گیا۔ گاڑیاں وہاں سے جانے والے مزدوروں کے قریب سے گزریں تو انہوں نے پرجوش انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر' اونچی آوازوں کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔ ذرا سی دیر میں باغات پیچھے رہ گئے۔ کچے کا سفر شروع ہوگیا۔

اول خان نے اپنے فیصلے کے نفاذ کے لیے خشک برساتی نالے کے قریب ایک ڈھلان کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ اس کے آثار نظر آتے ہی اول خان نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور اس نے لینڈ روور کی رفتار کم کردی۔

ڈھلان سے مناسب فاصلے پر سلطان شاہ نے جیپ روک دی۔ اس راستے کے بائیں جانب ایک گہرا خطرناک کھڈ تھا۔ اگلی گاڑی سے اول خان نیچے اترا' آخری گاڑی سے حامد اپنے ساتھی کے ہمراہ برآمد ہوا اور وہ تینوں لپک کر سیاہ کار کے قریب پہنچ گئے۔ شوفر راستے کی گرد سے بچنے کے لیے اپنی کھڑکی کا شیشہ چڑھائے بیٹھا تھا۔ گاڑیاں رک چکی تھیں مگر ٹائروں کا اڑایا ہوا گردوغبار کا بادل فضا میں منڈلا رہا تھا۔ حامد نے شوفر کے قریب پہنچتے ہی اس کا دراوزہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔

"پائیدان سے پیکٹ اٹھادو۔" حامد نے پوری سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیور سے کہا۔

وہ اپنے قدموں میں پیکٹ ٹٹولنے کے لیے بے ساختہ اسٹیئرنگ پر جھکتا چلا گیا۔ حامد نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ہیڈ ریسٹ اور کھوپڑی کے درمیان مناسب فاصلہ پیدا ہوتے ہی اس نے ڈرائیور کی گدی پر کھڑی ہتھیلی کا ایک نپا تلا وار کیا۔ چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ قاتل شوفر کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹا' اس نے پورے وجود کی جھرجھری کے ساتھ ایک ہلکی سی ہچکی لی اور اس کا سر بے جان ہوکر اسٹیئرنگ وہیل سے جاٹکا' دونوں ہاتھ پائیدان پر جھولتے رہ گئے۔ حامد نے دوبارہ دروازہ بند کردیا۔

ڈرائیور پوری طرح ہوش میں تھا اس لیے سب سے پہلے اسے ٹھکانے لگایا گیا۔ دونوں امریکی بے ہوش تھے۔ ان کے سر آگے جھکا کر خاموشی اور سرد مہری کے ساتھ ان کی گردنیں بھی اسی طرح توڑ دی گئیں۔ اس اہتمام کے نتیجے میں میڈیکل رپورٹ ایک ہی کہانی سنا سکتی تھی کہ اچانک بریک لگانے یا سامنے سے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم

کے نتیجے میں ان تینوں کی گردنیں ٹوٹیں اور وہ اسی لمحے واصل جہنم ہوگئے۔

اول خان نے سیاہ کار کا ہینڈ بریک چھوڑا اور اگنیشن میں لگی ہوئی چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ وہ گاڑی ڈھلان سے ذرا پہلے کھائی کے قریب رکی تھی پھر بھی حامد نے احتیاطاً اس کے اگلے ٹائروں کے آگے پتھر لگا دیے تاکہ گاڑی آگے نہ لڑھک سکے پھر وہ الگ ہوگیا۔

اول خان کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے سلطان شاہ تیسری کوشش میں لینڈ روور کو مطلوبہ پوزیشن میں لانے میں کامیاب ہوگیا۔ اول خان نے آخری بار اسے ریورس میں بلا کر آخری مرحلے پر روک دیا۔ سلطان شاہ گاڑی کو دوبارہ آگے لے گیا۔ اس دوران میں پچھلی لینڈ روور کو سیاہ کار سے الگ اول خان کی گاڑی سے بھی آگے نکال لیا گیا تاکہ وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار نہ ہوسکے۔

پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اول خان لپک کر محفوظ فاصلے پر جا چکا تھا۔ اس بار سلطان شاہ کی لدی ہوئی لینڈ روور بہت تیزی سے غراتی ہوئی پیچھے کی طرف آئی۔ اس کا بایاں بمپر پُرشور آواز کے ساتھ سیاہ کار کے داہنے ہیڈ لیمپ اور گرل سے ٹکرایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیاہ کار تین لاشوں کے ساتھ مہیب دھماکے پیدا کرتے ہوئے گہرے کھڈ میں جا گری۔

سیاہ کار کی پیٹرول کی ٹنکی پھٹتے ہی بھن کی ایک آواز آئی اور چٹانی پتھروں پر آہنی باڈی کی رگڑ سے پیدا ہونے والی چنگاری نے شعلوں میں تبدیل ہوکر کھائی کے ساتھ قرب وجوار کے علاقے کو بھی روشن کردیا۔

اس وقت صرف اول خان باہر تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

اول خان کی جیپ آگے نکلتے ہی حامد والی گاڑی بھی برق رفتاری سے سپرہائی وے کی طرف دوڑنے لگی۔

دو انتہائی موذی دشمنوں کے ساتھ ایک مقامی قاتل کو کامیابی سے ٹھکانے لگایا جا چکا تھا۔ کرشن کمار بے ہوشی کی حالت میں اول خان کی گاڑی کے پچھلے حصے میں پڑا ہوا تھا۔ آئی بی والوں کی پوزیشن مخدوش کیے بغیر اسٹیشن فور کے سربراہ نے اپنے مقاصد حاصل کرلیے تھے۔

○☆○

گرین فارم کی حدود میں رائفل کا پہلا فائر ہوتے ہی مجھے آئی بی والوں کے ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو سے علم ہوگیا تھا کہ اول خان کی پارٹی منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنا آپریشن کرچکی تھی۔ مہم جوئی کا آغاز ہوتے ہی کے ون کے آدمی نے گرین فارم سے واپس دوڑ لگا دی تھی۔ میں نے وقت کی کمی کی وجہ سے اس مہم کے بارے میں براہِ راست جلال سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی لیکن کے ون کی ہدایات اس قدر واضح تھی کہ ہمیں فیصلہ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

آئی بی والوں کی پالیسی کے مطابق ان کے کسی بھی آدمی کا گرین فارم کے قریب وجوار میں پایا جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کے ون کا آدمی مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ دو لینڈ روورز کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہاں کوئی بڑی کارروائی ہونے والی ہے۔ ایسے میں وہ کسی بھی فریق کی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن کر زخمی ہوجاتا تو اس کے لیے اپنے دوسرے ساتھیوں تک پہنچنا بھی دشوار ہوجاتا۔

وہ لوگ گرین فارم سے بہت دور تھے اور ان کا تیسرا ساتھی بھی وہاں سے لوٹ رہا تھا۔ وہ لوگ وقفے وقفے سے جو رپورٹیں دے رہے تھے، ان سے مجھے صحیح اندازہ نہیں ہوپا رہا تھا کہ مقابلے میں کس فریق کا پلہ بھاری تھا۔ ویرانے میں ہونے والی زبردست فائرنگ کی گونج، رات سناٹے میں گوٹھ تک سنائی دے رہی تھی اور کے ون کے ساتھی اپنے تجربے کی بنا پر اسے بتا رہے تھے کہ مقابلے میں کس کس نوعیت کے ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔

پھر یہ خبر بھی مل گئی کہ دونوں گاڑیاں تیزی کے ساتھ کراچی لوٹ رہی تھیں۔ میں نے کئی بار اول خان کے موبائل فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ ہر بار ریکارڈنگ سنائی دے رہی تھی کہ مطلوبہ فون بند تھا۔ تھک ہار کر میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔

آدھی رات کے بعد مجھے اول خان کا پہلا پیغام وصول ہوا۔ وہ کرشن کمار کو لے کر کامیابی سے اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا اور مجھے وہاں بلا رہا تھا۔

کرشن کمار کا خطرہ جڑ سے ختم ہوچکا تھا۔ دونوں عورتیں گھر کو چھوڑ کر میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن اس کے خلاف غزالہ اور ویرا کی نفرت اس قدر گہری تھی کہ وہ دونوں پہلی فرصت میں اسے اس کی جسارتوں کا مزا چکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ان کے اصرار کے پیش نظر مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ذرا سی دیر میں تیار ہوکر ہم تینوں اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے اذین تونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھمن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رانفیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رانفیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رانفیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رانفیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورز فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سڑگشتی کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہِ فرار اختیار [illegible] ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ مونس کے نام پر تھا۔ کمپنی کا پروپرائٹر جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم اس کے گھر پہنچے' اس نے بتایا کہ وہ خود اپنی کمپنی کی کار کی گمشدگی سے پریشان ہے تاہم اس نے یہ بھی کہا کہ اس معاملے میں اس کا بھائی روی زیادہ بہتر طور پر معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اپنے گھر کے سامنے ایس ٹی ایف کی گاڑی کو دیکھ کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں تھے۔ اس وقت اس کی جواں سال اور خوب رو بیوی مارونی نے اپنی انا کی بلندی کی خاطر مجھ سے روی کی زندگی اور اپنے ساتھ چند خوش گوار لمحات گزارنے کے عوض ہمیں کرشن کمار کا ٹھکانا بتانے کی پیشکش کی۔ تھوڑے سے پس و پیش کے بعد مجھے یہ سودا کرنا پڑا۔ اس نے بتایا کہ کرشن کمار کراچی کے مضافاتی علاقے میمن گوٹھ کے گرین فارم میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق آئی بی والوں نے بھی کردی۔ فارم میں دو امریکیوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے وہاں کارروائی کا فیصلہ کیا اور فارم میں کام کرنے والے محنت کشوں کی مدد سے ایک مختصر مقابلے کے بعد وہ سب ہمارے ہاتھ آگئے۔ دونوں امریکیوں اور ان کے ڈرائیور کو موقع پر ہی جہنم واصل کردیا گیا اور کرشن کمار کو تحویل میں لے کر اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اس خبر نے ویرا اور غزالہ کو بے چین کردیا۔ وہ اس سے مل کر اسے اس کی جسارتوں کی سزا دینا چاہتی تھیں۔ ہم اسٹیشن فور روانہ ہوگئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کرشن کمار ہوش میں آچکا تھا۔ اس وقت اس کے گورے چٹے چہرے پر یرقان کی سی زردی چھائی ہوئی تھی۔ گرین فارم سے اسے پکڑنے میں طاقت کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔ بس اس کی ایک رگ پر نپا تلا وار کرکے اس کے دماغ کو اندھیروں کی دھند میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اس بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد اس نے خود کو بالکل مختلف صورتِ حال سے دوچار پایا تھا۔ اس تبدیلی پر اس کے پورے وجود سے تشویش اور پریشانی کا اظہار ہورہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے پھٹے ہوئے گوشوں پر خون کی پپڑیاں جم چکی تھیں۔

وہ ایک تیز روشن کمرے کے وسط میں آہنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی باچھوں پر جمے ہوئے خون پر پہلی نگاہ پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی نیولے کا انسانی روپ رہا ہو اور تھوڑی ہی دیر پہلے کسی ناگ کا پھن چبا کر بیٹھا ہو۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے' آگے جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس کی نگاہیں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور آپس میں پھنسی ہوئی انگلیاں مضطربانہ انداز میں ملنے لگیں۔

اول خان سب سے آگے تھا' اس کے پیچھے غزالہ اور ویرا تھیں۔ آخر میں' میں سلطان شاہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں عورتوں پر نگاہ پڑتے ہی کرشن کمار کی آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔

''سفید نیولے!'' ویرا کے ہونٹوں سے قہر میں ڈوبی ہوئی تیز آواز ابھری ''تیری رسّی بہت دراز رہی۔ آخر کار آج تو ہمارے جال میں آ ہی گیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہاں تجھے بچانے کے لیے کون آتا ہے!''

''نہیں، تم میرے قریب نہیں آؤ گی۔'' ویرا کے خطرناک تیور بھانپ کر کرشن کمار نے بہت پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ویرا ہوا میں اڑتی ہوئی' اپنے جوتوں سے اس کے چہرے پر کاری ضرب لگائے گی۔ اس نے جگہ چھوڑنے کے ساتھ' نیچے جھک کر اپنے چہرے کو ویرا کی زد سے بچانے کی اضطراری کوشش کی مگر ویرا ان فنون میں پوری طرح طاق تھی۔ اس نے کرشن کمار کے قدموں کی حرکت دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ کدھر جائے گا اور کس طرح جھکائی دے کر اس کے وار کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت ویرا سے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو نہ صرف اس کا وار خالی جاتا بلکہ وہ فضا میں کئی فٹ کی بلندی سے' پشت کے بل فرش پر گرتی اور اپنی کوئی نہ کوئی نازک ہڈی تڑوا بیٹھتی۔ اس نے فضا میں اڑتے ہوئے' اپنے لچکیلے بدن کو جنبش دی اور پھر اس کی دونوں لاتیں پوری قوت سے' کرشن کمار کے جھکے ہوئے چہرے سے جا ٹکرائیں۔

کرشن کمار ایک بے ساختہ چیخ مار کر کئی فٹ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ویرا نے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر فضا میں الٹی قلابازی کھائی اور اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی۔

ویرا کے چرمی جوتوں کی ایڑیاں زیادہ اونچی نہیں تھیں مگر وہ بہرحال زنانہ جوتے تھے۔ پہلے ہی وار میں کرشن کمار کا پورا چہرہ خون اگلتی ہوئی لکیروں سے داغ دار ہو گیا۔

وہ خاصے توقف کے بعد خاموشی سے اٹھا ہی تھا کہ غزالہ نے بڑھ کر اس کے گھٹنوں کے پیچھے پوری قوت سے لات رسید کی۔ اس کے گھٹنے دہرے ہو گئے اور پشت کے نچلے حصے کے بل اچانک فرش پر آ رہا اور پھر ماہیٔ بے آب کی طرح فرش پر ہی تڑپتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر جمے ہوئے تھے۔ اس کے خون آلود چہرے پر نظر آنے والی کرب ناک علامتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے لیے غزالہ کا وار زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی کے کسی مہرے نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

''ہمالا کی بلندیوں سے بحیرہ عرب کی گہرائیوں تک اکھنڈ بھارت بنے گا اور وہ دن دیکھنے کے لیے ہم زندہ نہیں رہیں گے!'' ویرا نے سفید نیولے کی نقل اتارتے ہوئے زہریلے لہجے میں اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔

''چوہوں کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' کرشن کمار نے فرش پر پہلو بدلتے ہوئے' اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔ ''تم رہو یا نہ رہو' میں رہوں یا نہ رہوں' وقت اور تاریخ کا بے رحم پہیہ اپنا سفر اپنی رفتار سے جاری رکھے گا۔ اس کے راستے میں آنے والے پیوندِ خاک ہوتے چلے جائیں گے۔ تم میری بات اپنے ذہنوں میں یا کہیں اور لکھ کر رکھ لو۔''

وہ چند لمحوں میں بری طرح پٹ چکا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے لیکن اپنے مشن کے بارے میں اس گرگ باراں دیدہ کا ذہن خطرناک حد تک صاف تھا۔ وہ اس حالت میں بھی اپنے عزائم کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا تھا۔

اول خان کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے اور وہ غرایا ''کتے کے بچے! گرین فارم پر اور پھر یہاں بھی تو اپنی زندگی کی امان چاہ رہا تھا۔ ہمارے ہر سوال کا جواب دینے پر آمادہ تھا۔ اب چار آدمیوں کے سامنے آنکھیں دکھا رہا ہے۔''

کرشن کمار نے اپنے دونوں ہاتھوں اور کہنیوں کا سہارا دے کر اپنی پشت کے مضروب حصے کو فرش سے قدرے اوپر اٹھایا پھر اس کے خون میں بھیگے ہوئے ہونٹوں پر ایک کرب آلود مگر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی ''اس وقت تک مجھے اپنی قسمت کے بارے میں تھوڑی سی خوش فہمی تھی۔ اب میں تم سب کو پہچان چکا ہوں.....''

''تم زندگی کے طلب گار ہو' ہم معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ''اپنی زبان کھول کر تم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہو۔ تمہیں ہر طرح سے امان دی جائے گی۔''

''مجھے معلوم ہے کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ میں بولوں یا خاموش رہوں' اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔''

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تبدیلی آ جائے گی!'' سلطان شاہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

''تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری بات پر اسی وقت اعتبار کروں گا جب تم ڈیوڈ اور جمی کو میرے سامنے لے آؤ گے۔ میری طرح وہ بھی تمہاری جان کے دشمن تھے اگر وہ زندہ ہیں

توشاید میں بھی زندہ رہ سکوں۔"

"ہمیں ان سے جو کچھ اگلوانا تھا' وہ گرین فارم میں اگلوالیا تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "وہ دونوں ایف بی آئی کے ایجنٹ تھے۔ ہم اس وقت دو محاذوں پر لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کو اسی ویرانے میں چھوڑ دیا گیا۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا' ڈینی اور ویرا کے اصل دشمن وہی تھے۔ میں تو انعام کی رقم لے کر ان کا انفارمر بننا چاہ رہا تھا۔ اب تک تم بھی جان چکے ہوگے کہ وہ سارے معاملات طے کرنے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔"

"ان سے تم موبائل فون پر سب معاملات طے کرسکتے تھے۔ اس کے لیے انہیں میمن گوٹھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟" اس بار سلطان شاہ اس سے بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"وہ را کے ایجنٹ سے نہیں' ایک انفارمر سے ملنے آئے تھے۔" اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ فخر کے اظہار کے جذبے پر قابو نہ پاسکا۔ "پیشگی رقم لے کر ایک انفارمر سے مذاکرات کرنے آئے تھے۔ رقم فون کے ریسیور سے باہر نہیں آسکتی تھی اس لیے مجھے ان کو گرین فارم بلانا پڑا اور تم لوگ ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔"

"وہ دونوں ہماری تحویل میں نہیں ہیں۔" میں نے فرش پر پڑے ہوئے سفید نیولے کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس ہماری کہی ہوئی ہر بات پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"وہ نہیں ہیں تو مراد ظریف ہی کو لے آؤ۔ اسے تم لوگوں نے اغوا کیا تھا۔" اس نے مطالبہ کیا۔

"تم اپنی اور صرف اپنی بات کرو۔" میں نے درشتی سے کہا۔ "ہارا ہوا دشمن زندگی کی بھیک مانگ سکتا ہے۔ اس کے سوا اسے کوئی اور حق حاصل نہیں ہوتا۔ تم کھیل کا یہ اصول نہیں جانتے تو بدترین موت کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"ہر بات چھپانے پر تلے ہوئے ہو تو مجھے صرف ایک بات بتادو۔ صرف ایک بات!" وہ قدرے توقف کے بعد گڑگڑایا۔

"جلدی پوچھ ڈالو مگر ضروری نہیں کہ تمہیں اس کا جواب بھی دیا جائے۔" میں نے کہا۔

"تم گرین فارم میری تلاش میں آئے تھے یا امریکیوں کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے؟"

"ہمیں صرف اور صرف تمہاری تلاش تھی۔ آج کل امریکیوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"تمہیں میمن گوٹھ کا سراغ کیسے ملا؟" اس نے کراہتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا "تمہیں صرف ایک سوال کی اجازت دی گئی تھی۔"

"نہیں... تمہیں اس سوال کا جواب بھی ملنا چاہیے۔ تمہارے ٹھکانے کی نشان دہی ایک ایسی ہندو عورت نے کی تھی جسے مسلمان مرد بہت پسند ہیں۔" میں نے اس کے وجود میں بغض و حسد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے کہا۔

وہ کتنا ہی گھاگ' مضبوط اور اپنے مشن سے مخلص رہا ہو مگر آخر کار ایک انسان بلکہ جنونی ہندو تھا۔ میرے الفاظ سنتے ہی اس کی آنکھوں میں خون سا اتر آیا اور وہ اپنی بے ساختہ کراہوں کو ضبط کرکے غصے اور بے بسی سے بولا "یہ وہی کنجری ماروتی ہوگی' اسی کو مسلمان مرد بہت مرغوب ہیں۔ اس نے اپنی ضرورت کی حد تک روی کو بھی مسلمان بنایا ہوا ہے۔ روی پر اعتماد کرتے ہوئے میں یہ نکتہ بالکل بھول گیا تھا کہ وہ ماروتی کا زن مرید شوہر ہے اور راز کی ہر بات اسے ضرور بتا دیتا ہے۔"

"مگر ماروتی اتنی شوہر پرست نہیں ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں اسے ایک اور چرکا لگایا "وہ اپنے رازوں میں روی کو شریک نہیں کرتی۔" ویرا نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر مجھے آنکھ ماری اور پھر اپنی بات جاری رکھی "ڈینی نے اسے اچھی طرح پرکھا اور برتا ہے۔ تم چاہو تو اس سے ماروتی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہو۔ تم اس کے گرویدہ نیولے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ تم لوگوں کے ہاتھوں سے بچ گیا تو اسے ایسی موت ماروں گا کہ آئندہ ہماری کوئی عورت کسی مسلمان مرد کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کانپ اٹھے گی۔" وہ غصے اور جنون میں چند لمحوں کے لیے اپنی تکلیف کو بھول گیا۔

"ایسی ناممکن باتیں سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔" ویرا بولی۔

"جو بات مجھے پہلے سے معلوم ہے اسے بار بار دہرا کر مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ تم مجھے مار دو' میں دوسرے جنم میں اگر تم سے انتقام لوں گا۔"

"دوسرا جنم!" ویرا نے استہزائیہ قہقہہ لگایا "آواگون کے نظریے میں ذرا سی بھی جان ہے تو تم اپنے دوسرے جنم میں ٹچکاریاں مارتی ہوئی چھچھوندر یا نیولے کے روپ میں

ا ہوگے۔ تمہیں دم سے پھرا کر فرش پر مار دیا جائے گا۔"
"مجھے ایک گلاس پانی دے دو۔" کرشن کمار نے فرش
سے اٹھنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد فریاد کی۔
"اس کے حلق میں اس سمندر کا کھارا پانی اتارنا
چاہیے جہاں اس کے اکھنڈ بھارت کی دوسری سرحد ختم ہوتی
ہے۔" ویرا نے یکایک گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے تجویز
پیش کی پھر کہا "اب تم سب باہر چلے جاؤ۔"
"کہاں؟" سلطان شاہ ویرا کی اس انوکھی ہدایت پر
حیران ہو کر بولا۔
"کہیں بھی۔" ویرا نے کہا "کچھ دیر کے لیے تم چاروں
کہیں بھی چلے جاؤ۔ میں تخلیے میں اس سفید نیولے سے اپنا
حساب بے باق کرنا چاہتی ہوں۔"
"اس کے لیے ہمیں کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"
سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔
"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، اس پر عمل کرو۔" ویرا براہِ
راست اسی سے مخاطب ہو کر سختی سے بولی "یہ ہندو ہے اور
میں لبرل کرسچین۔ یہ میرا مجرم ہے۔ اس نے میرے گھر میں
گھس کر میری توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس سے جو
انتقام لوں گی، وہ شاید تمہاری طبیعتوں کو مکدر کر دے۔ تم
چاروں مسلمان ہو، خاموشی سے باہر چلے جاؤ۔"
پتا نہیں وہ کیا کہنا اور کر گزرنا چاہ رہی تھی۔ اس کا لب
ولہجہ یکایک اتنا تند ہو گیا تھا کہ میں مذاہب کے حوالے سے
اس سے کوئی سوال نہیں کر سکا۔ اس کا کوئی ٹیڑھا جواب
ہمارے درمیان بدمزگی پیدا کر سکتا تھا۔
"کچھ معلوم تو ہو کہ تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہ
رہی ہو!" اول خان نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
"واپس آؤ گے تو تمہیں خود علم ہو جائے گا۔" ویرا نے
ترشی سے کہا "اب وقت برباد نہ کرو۔"
ویرا کے ذہن میں یقیناً کوئی شیطانی خیال سما چکا تھا۔
اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے کی طرف
اٹھیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے باہر نکل جانے
کا اشارہ کیا اور پھر ہم چاروں سر جھکا کر وہاں سے نکل گئے مگر
اس گارڈ روم سے زیادہ دور نہیں گئے۔
"اس وقت وہ زخمی اور بے بس ہے، اس کے پاس کوئی
ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"
اول خان نے قدرے بلند آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے
اپنے آپ کو سمجھایا۔
اچانک کمرے سے ایسی آوازیں ابھرنے لگیں جیسے
کرشن کمار کے پیٹ میں شدید ضربات لگائی جا رہی ہوں
اسے زور سے ابکائی آرہی ہو۔
"میں اپنے دشمن کو کبھی پیاسا نہیں مارتی۔" وہ ویرا کی
غراتی ہوئی، وحشیانہ سرگوشی تھی۔ شاید جوشِ انتقام میں اسے
اندازہ نہیں رہا تھا کہ اس کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچ
رہی تھی۔
پھر اندر سے اٹھا پٹخ اور ہڑبونگ کی آوازیں آئیں جو
کرشن کمار کی ایک بے ساختہ اور لرزہ خیز چیخ میں بدل گئی۔
چند ثانیوں بعد ویرا کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے
دونوں ہاتھ خون آلود تھے، داہنے ہاتھ میں خون سے لتھڑا ہوا
چاقو تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے ہاتھ اور چاقو کا پھل یوں صاف
کرتی ہوئی برآمد ہوئی تھی جیسے وہ بہت گندا خون ہو۔
کرشن کمار کی گالیاں اور چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔
فرش پر اس کے بدن کے اچھلنے اور گرنے کی آوازوں سے
اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا کی دی ہوئی نئی سزا نے اسے ٹوٹی ہوئی
کمر کا درد بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
"اب وہ تڑپ تڑپ کر تھوڑی دیر میں خود ہی ٹھنڈا
ہو جائے گا۔" ویرا نے سرد اور سپاٹ آواز میں اعلان کیا۔
رات کے گھور اندھیرے اور گہرے سناٹے میں دور دور
تک گونجتی ہوئی ان چیخوں میں چند منٹ بعد ہی نقاہت غالب

آنے لگی۔ ہم پانچوں گارڈ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی کے انعکاس میں، تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے رہے۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اچھی طرح صاف کرکے چاقو بند کیا اور اپنے بیگ کی اگلی جیب میں ڈال لیا۔ خون آلود دوپٹا اس نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔

میں آہستگی سے گارڈ روم کی طرف بڑھا تو ویرا نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

کمرے کے فرش پر کرشن کمار کسی گٹھڑی کی طرح سمٹا ہوا پڑا تھا۔ اس کے گھٹنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے، ہاتھ ان کے درمیان تھے اور چہرہ گھٹنوں میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی، حلق سے خودکار انداز میں نقاہت زدہ کراہیں آزاد ہو رہی تھیں اور اس کے جسم کے گرد، دور تک خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جسم سے بہت تیزی کے ساتھ خون بہنے کی وجہ سے وہ کسی بھی لمحے زندگی کی ہر کشمکش اور باز پرس کے جھمیلوں سے آزاد ہونے والا تھا۔ اس کے بدن کی مڑی تڑی ہوئی حالت دیکھنے کے بعد میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ویرا نے اپنے تیزدھار چاقو سے اس کے جسم کے کس حصے کو نشانہ بنایا ہوگا۔

ویرا نے کرشن کمار کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے درندگی کی انتہا کردی تھی۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ مرجانے کے بعد ہر شخص محض ایک لاش ہوتا ہے اور کوئی لاش دوسروں کو اپنے آخری لمحوں کی کہانی سنانے کے قابل نہیں رہتی جسے سن کر دوسرے عبرت حاصل کرسکیں۔

فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چہیتوں کے علاوہ کرشن کمار کے بقیہ ساتھی ایک ایک کرکے منظرِعام سے ہمیشہ کے لیے غائب ہوتے چلے آئے تھے۔ ان میں اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد تیسرا اہم شکار مراد ظریف تھا لیکن کرشن کمار کی موت کا منظرِعام پر آنا ضروری تھا۔

وہ مستند طور پر را کے کمانڈو گروپ سے وابستہ تھا۔ صحرائے تھر کی ریگستانی بستیوں میں شاید اس نے کچھ نیک نامی کمائی ہو ورنہ اس کی تخریبی سرگرمیاں کھلے راز کی طرح تھیں۔ سرحدی علاقے میں مسلح جتھوں کے لیے تربیتی کیمپ کا معاملہ علاقے کے باسیوں سے کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میجر بخشی اور اس کے ساتھیوں کی طرح کسی سفارتی آڑ یا تحفظ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین پر موجود نہیں تھا۔ وہ دہشت گردی، تخریب کاری اور سازشی مقاصد کے لیے خفیہ طور پر پاکستان آیا تھا۔

اس کی لاش کی تشہیر پر را والے محض انگاروں پر لوٹ کر رہ جاتے۔ ان کی حکومت سرکاری سطح پر احتجاج کا ایک لفظ بھی بلند نہیں کرسکتی تھی۔

"وہ مرنے میں کتنا وقت لے گا۔" میرے قریب پہنچنے پر سلطان شاہ نے بے رحمی سے پوچھا۔

"اسے مرا ہوا ہی سمجھو۔ اس کا انجام یہی ہونا تھا لیکن ویرا نے اس کام میں کچھ زیادہ ہی تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "وہ اپنی ہٹ دھرمی کے باوجود باتوں ہی باتوں میں بہت کچھ اگلتا جا رہا تھا۔"

"یہاں تک جو کچھ ہونا تھا، ہوتا چلا گیا۔" اول خان نے زبان کھولی "اس کے مرنے کے بعد جو دشواریاں کھڑی ہوں گی، ان کو سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوگا۔"

"کرشن کی موت سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوگی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "اصل معاملہ ڈیوڈ اور جمی کا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ ان کی موت پر امریکی کس ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔"

"ہمیں سر جوڑ کر ان پہلوؤں پر غور کرلینا چاہیے۔" اول خان نے قدرے تشویش سے رائے دی "میرا خیال ہے کہ کرشن کمار کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیے دیتا ہوں تاکہ ہم دفتر میں بیٹھ کر سارے پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں۔"

"دفتر نہیں، اب گھر چلنا چاہیے۔" ویرا نے کہا۔ "میرے ہاتھ ابھی تک اس کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ میں جب تک گھر جا کر اس گند سے نجات حاصل نہیں کرلوں گی، مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

"اسٹیشن فور پر غسل خانوں کی سہولت موجود ہے۔ تم کئی دن یہاں رہ چکی ہو۔" اول خان نے اسے یاد دلایا۔

"مجبوری ہو تو بہت کچھ چل جاتا ہے، اس وقت گھر جانا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔"

"کرشن کمار تمہارا اکلوتا قیدی تھا۔" میں نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اس کے مرجانے کے بعد یہاں ایسا کون سا اہم کام باقی رہ جائے گا جس کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہو؟"

اول خان لاجواب ہوگیا۔ اپنا کام پورا کرلینے کے بعد اسے بھی اپنے گھر جانا تھا۔ بہتر یہ تھا کہ ہم راستے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے اپنے گھر چلتے اور اول خان تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد اپنے گھر چلا جاتا۔

ہم اپنی گاڑی سے وہاں پہنچے تھے۔ اول خان کو اپنی سرکاری لینڈروور سے گھر لوٹنا تھا۔ میمن گوٹھ کی مہم میں اس نے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ یوں وہ دونوں ہی ان واقعات کے عینی شاہد تھے۔ طے یہ ہوا کہ سلطان شاہ ہماری گاڑی میں دونوں عورتوں کو لے جائے گا، میں اول خان کے ساتھ وہ سفر طے کروں گا۔

حامد اپنے چند آدمیوں کے ساتھ قریب ہی موجود تھا۔ اول خان نے اسے بلا کر کرشن کمار کے بارے میں مختصر سی ہدایات دیں۔ ان لوگوں کو اس کی موت کے بعد ہماری آخری ہدایات کا انتظار کرنا تھا اور پھر ان ہی کے مطابق اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ مجھے درمیان کی بہت سی باتوں کا علم نہیں تھا مگر پھر بھی میں اپنا ذہن بنا چکا تھا کہ کرشن کمار کی لاش کا میجر بخشی کے گھر کے آس پاس پایا جانا ہمارے وسیع تر مفاد میں ہوسکتا تھا۔ وہ لاش بھارتی قونصل خانے میں موجود را کے ایجنٹوں کے لیے موثر پیغام ثابت ہوسکتی تھی۔

واپسی کے سفر میں اول خان نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی بے جا ضد کی وجہ سے میں اس مہم میں شریک نہیں ہوسکا تھا اس لیے اس کی کہی ہوئی ہر بات کو ذہن نشین کرتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میرے ذہن میں سوالات جمع ہوچکے تھے۔

"کیا تمہیں کرشن کمار کی اس بات پر یقین آگیا ہے کہ جمی اور ڈیوڈ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ اپنی دانست میں ایک خفیہ مخبر سے ملاقات کے لیے میمن گوٹھ پہنچے تھے؟" میں نے پہلا سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔" وہ ذہنی طور پر میرے اس سوال کے لیے تیار تھا "اگر کرشن کمار کے اس موقف کو رد کردیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان دونوں نے اتنی رات گئے کراچی سے نکل کر میمن گوٹھ جانے کا خطرہ کیوں مول لیا؟ انہیں علم ہوتا کہ وہ را کے ایجنٹ سے کوئی سودے بازی کررہے ہیں تو وہ کسی بھی طرح دباؤ ڈال کر اسے اپنے کسی ٹھکانے پر آنے پر مجبور کردیتے۔"

"کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی کہ وہ ایک اجنبی مخبر کی فون کال پر اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر میمن گوٹھ کی طرف دوڑ پڑے؟ آج بھی انہیں سرکاری طور پر بہت محتاط نقل و حرکت کی ہدایات ملی ہوئی ہیں۔"

"بات عجیب ضرور ہے مگر ناقابلِ فہم نہیں ہے۔" اول خان نے جواب دیا "تمہارے پہنچنے سے پہلے بھی ہم کرشن کمار سے پوچھ گچھ کرتے رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ

تمہاری اور ویرا کی ذات میں امریکیوں کی گہری دلچسپی کا کمال تھا کہ وہ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر وہاں پہنچ گئے۔ پے در پے منہ کی کھانے کے بعد اگر وہ بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ تم دونوں کو یا تم میں سے کسی ایک کو پکڑ کر پاکستان سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوجاتے تو اندازہ لگاؤ کہ کیا پوزیشن ہوتی! بس یہی خوش گمانی انہیں لے ڈوبی۔"

"کراچی کی حدود سے نکل کر وہ سیدھے گرین فارم کیسے پہنچ گئے؟" میں صورتِ حال سے مطمئن نہیں تھا۔

"یہ کارنامہ ان کے خبیث شوفر کا تھا جو بعد میں دو افراد کے قتل کا اقبالی مجرم ثابت ہوا۔ وہ کراچی کے مضافاتی علاقوں سے بڑی حد تک واقف تھا۔ فون پر ڈیوڈ سے بات ہونے کے بعد کرشن کمار نے شوفر کو گرین فارم پہنچنے کا راستہ سمجھایا تھا۔"

"ڈیوڈ سے پہلے، کرشن کمار نے ہمیں بھی فون کیا تھا۔ وہ موبائل فون استعمال کررہا ہوگا۔"

"ہاں، اور ان دونوں کے پاس بھی اپنے اپنے موبائل فون تھے۔" اول خان بتانے لگا "اپنی دانست میں وہ پوری تیاری کے ساتھ گرین فارم پہنچے تھے وہاں پہلا فائر ہوتے ہی انہوں نے کراچی میں اپنے بڑوں کو حالات بگڑنے کی خبر دے دی تھی۔ میرے ذہن میں یہ خطرہ شروع سے موجود تھا۔ ان دونوں کے پاس فون نہ ہوتا تب بھی مجھے معلوم تھا کہ کرشن کمار کے پاس فون کی سہولت موجود ہے۔ میں نے ابتدا سے ہی طے کرلیا تھا کہ تصادم کا آغاز ہونے کے بعد جلد از جلد بساط لپیٹنے کی کوشش کی جائے گی اور ہم اس میں کامیاب بھی رہے۔"

اول خان اپنی کامیابی پر کسی حد تک نازاں تھا مگر اس بات نے مجھے فکرمند کردیا کہ ڈیوڈ اور جمی اپنے بڑوں کو گڑبڑ سے باخبر کرچکے تھے۔ دونوں امریکیوں میں سے کسی نے اس امر کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ کراچی میں کسی سے رابطہ کرچکے تھے مگر کرشن کمار نے اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں پہنچنے کے بعد دھمکی دینے والے انداز میں انکشاف کیا تھا کہ امریکی اپنے افسرانِ بالا کو اعتماد میں لے چکے تھے اور ان کے حمایتی پولیس فورس کی مدد سے کسی بھی لمحے حالات کا پانسا اپنے حق میں پلٹ سکتے تھے۔

وہ خبر باہر نکل ہی گئی تھی تو امریکیوں کی حادثے میں ہلاکت کا ڈراما بہت کمزور ہوسکتا تھا۔ فارم کے ملازمین بہت آسانی سے اگل دیتے کہ وہاں کیا واقعات رونما ہوئے تھے۔ امریکیوں سے ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی ہوگی اس لیے

اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ تینوں گارڈز سے بھی اس بارے میں کسی اہم انکشاف کی توقع نہیں تھی۔

اول خان کو یہ یاد نہیں تھا کہ تیسرے گارڈ کو پہلے بے ہوش کیا گیا تھا یا اس سے پہلے امریکیوں کی باری آئی تھی۔ اگر اس اہم نکتے کو نظر انداز کردیا جاتا تھا تو کہانی میں جان پڑ سکتی تھی۔

ان تمام واقعات میں دو باتیں بہت بہتر ہوئی تھیں۔ امریکیوں کو ایسے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا کہ ان کے جسموں پر تشدد کی کوئی علامت نظر آتی اور دوسری بات یہ تھی کہ دور دور سے فائرنگ کا تبادلہ ہونے کے سبب کوئی گولی کاٹیج کے باہر کھڑی ہوئی امریکیوں کی گاڑی میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ماہرین بھی جلی ہوئی کار کے ڈھانچے کا معائنہ کرکے گولی کا کوئی سوراخ دریافت نہیں کرسکتے تھے۔

اگر وہ تینوں نکتے درست تھے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ نامعلوم افراد سے تصادم شروع ہونے کے بعد، کوئی نقصان اٹھانے سے پہلے، امریکیوں کو گرین فارم سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ کچا راستہ ڈرائیور کے لیے اجنبی تھا۔ اپنے آقاؤں کو اصل خطرے سے بچالے جانے کے بعد وہ دہشت اور گھبراہٹ کے باعث اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا اور کچے راستے پر سامنے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم کے نتیجے میں امریکیوں کی گاڑی اپنے تینوں مسافروں سمیت کھائی میں گر کر جل اٹھی۔

تصادم کے بارے میں ایس ٹی ایف سمیت کسی ایجنسی کو کوئی ذمے داری لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ زرعی زمینوں اور فارموں پر پرانی رنجشوں کی بنا پر ایسے جھگڑے ہوتے ہی رہتے تھے۔ اس ”افسوس ناک“ واقعے کو بھی ایسی ہی کسی شرپسندی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا تھا۔

یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کراچی کے گردونواح میں ان دنوں بدقسمتی نے امریکیوں کا گھر دیکھ لیا ہو۔ بوب رافیل کے واقعے کی گرد پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ گرین فارم کا قضیہ سامنے آگیا تھا۔

امریکیوں کے لیے یہ وضاحت کسی بھی طرح آسان ثابت نہ ہوتی کہ سخت احتیاطی ہدایات کے باوجود دو امریکی اہلکار رات کی تاریکی میں اس ویرانے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔

بوب رافیل خوش نصیب تھا کہ کراچی کے ایک بھرے پرے ہوٹل میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود مناسب سزا سے بچ گیا تھا اور اعلیٰ ترین امریکی سطح سے

صدارتی معذرت یا مداخلت کے بعد رہا ہو کر اپنے ملک واپس بھیج دیا گیا تھا جبکہ ڈیوڈ اور جمی کو کوئی چھتری میسر نہیں آسکی تھی۔ وہ دونوں پکڑے گئے اور ذرا سی دیر میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا دیے گئے۔

پیشگی اطلاع دیے بغیر ایسے ویرانوں میں پراسرار سرگرمیوں کے لیے بھٹکنے والے سفارتی ملازمین کے تحفظ کے بارے میں کسی بھی پیمانے سے مقامی حکومت کو ذمے دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

گھر پہنچنے تک، گرین فارم پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں میرا ذہن بالکل صاف ہوچکا تھا۔ مجھ سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد اول خان خود کو ہلکا اور پر اعتماد محسوس کررہا تھا۔ ایسی باتوں کے اعتراف میں وہ ہمیشہ سے فراخ دل رہا تھا۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گھر پہنچیں تو علم ہوا کہ راستے میں تبادلہ خیال کے دوران میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہوچکا تھا۔ غزالہ کی تمام تر مصالحانہ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے منہ پھولے ہوئے تھے۔

ایک دوسرے سے ناراض بلکہ برہم نظر آنے کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے اپنے کمرے کا رخ نہیں کیا۔ ہم پانچوں ہی ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور اول خان نے حسب معمول فوراً چائے کی فرمائش کردی۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اتنے صاف کرلیے تھے کہ اسے ہاتھ دھونے بھی یاد نہیں رہے تھے۔

”تمہیں معلوم ہے کہ سب کو صرف تمہاری بنائی ہوئی چائے پسند آتی ہے۔“ ویرا نے مسکرا کر غزالہ سے کہا ”یہ فرض تم ہی کو انجام دینا ہوگا۔“ غزالہ کوئی اعتراض کیے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

”اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں کا مقدر یاور رہا اور ان کی پوری مہم بہت کامیاب رہی۔“ ویرا سگریٹ سلگانے کے بعد بولی ”لیکن یہ فیصلہ بہت غلط تھا کہ ہم میں سے صرف سلطان شاہ کو اول خان کے ساتھ بھیجا گیا۔“

”صرف اس لیے کہ تم بلاوجہ مجھ سے حسد کرتی ہو۔“ سلطان شاہ نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

”کیا بات ہے؟ تم دونوں کے درمیان موسم کچھ ناساز نظر آرہا ہے۔“ اول خان نے مسکرا کر پوچھا۔

”تمہاری کامیابی سے سلطان شاہ کا دماغ خراب ہوچکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔“ ویرا برا

سامنہ بنا کر بولی "تم اور تمہارے آدمی گرین فارم پر جھک مارتے رہے تھے....."

"یہ بالکل غلط ہے' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے احتجاج کیا "تم چاہو تو غزالہ کو بلا کر اس سے تصدیق کر سکتے ہو کہ ویرا غلط بیانی سے کام لے رہی ہے۔"

"تم نے یہ الفاظ نہیں کہے لیکن تمہارا رویّہ یہی ظاہر کر رہا تھا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم دونوں نے ہر قدم باہمی مشورے سے اٹھایا تھا۔" اول خان نے ان کی بحث میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی "وہاں ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا تھا۔ اگر سلطان شاہ اپنی کارکردگی پر خوش ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے۔"

"تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے' کرشن کمار کو تم نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل' بالکل۔" سلطان شاہ نے پرزور انداز میں سرہلا کر میری تائید کی "وہ قریب المرگ قیدی ہی سہی مگر اس پر آخری کاری وار ویرا نے کیا ہے۔ مرے ہوئے شیر کی گردن پر پاؤں رکھ کر تصویر بنوانے کا حق اسی کا بنتا ہے۔"

ویرا نے چند ثانیوں کے لیے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا پھر بے بسی سے مجھ سے بولی "یہ مسلسل اس قسم کی بکواس کر کے میرا خون سلگا رہا ہے۔ اس سے کہو کہ شرافت سے بات کرے ورنہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔"

"کمرے میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اپنا خون سلگوانے کے لیے تم وہاں بھی پہنچ جاؤ گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ آدھی رات کے بعد کس کی کال آگئی تھی۔ اول خان بھی اس بے وقت کال پر حیران نظر آ رہا تھا۔ میں نے دوسری گھنٹی پر اسپیکر فون آن کر دیا۔

فون پر جلال کی آواز سن کر مجھے خیال آیا کہ اپنی مصروفیات میں الجھ کر ہم اسے بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ حد یہ تھی کہ گرین فارم پر خاموشی سے چڑھائی کرنے کے سلسلے میں' میں نے صرف کے وِن سے مشورے پر اکتفا کیا تھا۔ جلال سے اس کی توثیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وقت کی کمی کے سبب مجھے وہ فیصلہ کرنا پڑا تھا مگر میں چاہتا تو بعد میں اسے اعتماد میں لے سکتا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں پچھلے چند گھنٹوں کی مختصر سی فلم چلنے لگی اور میں اس کے کسی متوقع شکوے کا جواب سوچتا ہوا فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سنا ہے کہ تم نے اپنے شکار پر کامیابی سے ہاتھ ڈال دیا ہے؟" میری آواز سنتے ہی جلال کی طرف سے سوال کیا گیا۔

"یہ کارنامہ اول خان اور سلطان شاہ نے سرانجام دیا ہے۔ اس بارے میں میرا کے وِن سے رابطہ رہا تھا....."

"مجھے رپورٹ مل گئی تھی۔" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "میرے آدمی اس معاملے سے دور رہنے پر مجبور تھے' ہم کسی واضح پالیسی کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ تم نے بروقت اور صحیح فیصلہ کیا۔ اگر کسی وجہ سے وہ دونوں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تو مجھے بڑا قلق ہوتا۔ ان لوگوں کی سرکوبی ان ہی کے ہتھکنڈوں سے کی جا سکتی ہے۔"

"تمہارے تینوں آدمی اب کہاں ہیں؟ ان کی اطلاعات کیا ہیں؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں ہیں۔ گرین فارم میں ہونے والے تصادم کے بعد ایک کھائی سے بھڑکنے والے بلند شعلوں نے انہیں وہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس ویرانے میں آگ بجھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے اس لیے ابھی تک کوئی کار کے قریب نہیں جا سکا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے وہاں پہنچنے والی امدادی ٹیم کسی حادثے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بھی بے بس ہیں....."

"امدادی ٹیم؟" میں نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"کراچی میں مقیم امریکی قونصل جنرل نے پروٹوکول سے ہٹ کر براہ راست [illegible] کے گیریژن کمانڈر سے رابطہ کیا تھا کہ دو امریکی افسران راستہ بھٹک کر میمن گوٹھ کی طرف نکل گئے ہیں اور وہاں غنڈوں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں۔ ان کے لیے فوری مدد کی درخواست کی گئی تھی۔"

"اور وہاں سے امدادی ٹیم روانہ کر دی گئی؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"صورتِ حال ہی کچھ ایسی تھی۔ ایک چھوٹے ہیلی کاپٹر میں تین مسلح آرمی کمانڈوز کے ساتھ قونصل خانے کا ایک سینیئر افسر بھی وہاں گیا ہے۔ دراصل وہ کوئی امدادی ٹیم نہیں ہے۔ وہ لوگ کسی مسلح مقابلے کی تیاری کے ساتھ گئے ہیں۔"

میں لمحہ بھر کے لیے اندر ہی اندر کانپ اٹھا۔ امریکی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہر حربہ آزمانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اگر ہیلی کاپٹر سے جانے والی ٹیم کچھ پہلے

ان اطراف میں پہنچ جاتی تو زمین پر مصروفِ کار، اسپیشل ٹاسک فورس والوں پر مکمل بے خبری میں آسمان سے موت کی برسات ہوسکتی تھی۔ یہ بہت غنیمت ہوا کہ ہیلی کاپٹر پہنچنے سے پہلے وہ لوگ سپرہائی وے پر کافی دور نکل چکے تھے۔

"آگ کے شعلے میلوں دور سے نظر آرہے تھے۔" جلال بتا رہا تھا "گرین فارم کی تلاش سے پہلے ان کی توجہ اسی طرف مرکوز ہوگئی اور پھر ہیلی کاپٹر پر کمانڈوز کے ساتھ موجود امریکی افسر نے کھائی میں جلتی ہوئی سیاہ کار پہچان لی۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی طاقت ور سرچ لائٹس نے پورا علاقہ منور کردیا تھا۔ وہ وہیں لینڈ کرگئے اور اب تک وہاں آگ سرد ہونے کے منتظر ہیں۔"

"تمہیں یہ سب اطلاعات کہاں سے ملی ہیں؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آگ دور تک دیکھی گئی تھی۔ میرے تینوں آدمی، مقامیوں میں مل کر جائے حادثہ پر موجود ہیں اور وقفے وقفے سے مجھے رپورٹ دے رہے ہیں۔ میری یہ چوتھی فون کال ہے۔ اسٹیشن فور سے معلوم ہوا کہ تم لوگ گھر کے لیے نکل چکے ہو۔ یہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ رابطے میں مسلسل ناکامی پر مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔"

"گھر پر کوئی نہیں تھا۔ ہم چند منٹ پہلے یہاں پہنچے ہیں۔" وضاحت کرکے میں نے اس سے پوچھا "کیا کے ون کا ایرٹیس اتنا طاقت ور ہے کہ وہ اس پر تم سے اسلام آباد میں بھی رابطہ برقرار رکھے ہوئے ہے؟"

"ایرٹیس کی اتنی رینج نہیں ہے۔ کے ون موبائل فون استعمال کررہا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان کی گاڑی کو حادثہ کیسے پیش آیا۔"

"ان سے گلو خلاصی کا کوئی دوسرا محفوظ راستہ نہیں تھا۔ ان کو زندہ گرفتار کرنا بے سود تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ ان لوگوں نے حادثے کے روپ میں اپنے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔"

"گاڑی میں کتنے افراد موجود تھے؟" جلال اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"صرف تین! دونوں امریکی اور ان کا مقامی ڈرائیور۔ دعا کرو کہ گرتی ہوئی کار ان تینوں کی چتا بن گئی ہو۔"

"ہاں!" اس کی آواز پُرتشویش ہوگئی "دھماکوں اور جھٹکوں سے دروازہ کھلنے کے باعث کوئی دور گر کر زندہ رہ گیا تو خاصی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں امریکی اس واقعے کی تفتیش میں بال کی کھال نکالیں گے۔"

"بے فکر رہو۔ کار کھائی میں گرانے سے پہلے تینوں کی گردنیں توڑ دی گئی تھیں۔ ہر کام صاف ستھرے طریقے سے ہوا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تصادم کے جھٹکے سے ان کی گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنائے گی۔ کار کی باڈی بھی شاید بالکل بے داغ نکلے گی۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ وہاں فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا تھا۔" جلال کی آواز میں حیرت تھی۔

گرین فارم اور اس کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کی کڑیوں سے وہ یکسر بے خبر تھا جبکہ اس علاقے میں ہونے والی تازہ ترین کارروائیوں کے بارے میں اس کے پاس بھرپور معلومات تھیں۔ ہماری وہ گفتگو دیر تک چلتی رہی۔ اس دوران میں غزالہ چائے تیار کرکے لے آئی۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اسے براہِ راست اول خان سے بات کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ اس وقت تک اسے یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ اول خان میرے ساتھ بیٹھا ہوا ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"ہاں جلال! میں بول رہا ہوں۔" میرے اشارے پر اول خان نے دھیرے سے کہا۔

"یہ پورا آپریشن تمہارا تھا۔ اس بارے میں تمہاری رپورٹ کیا ہوگی؟" دوسری طرف سے جلال کی آواز آئی۔

"جو کچھ ہوا، وہ رپورٹ کردیا جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف کی صرف ایک پالیسی ہے۔ دشمن کو تلاش کرکے ہر قیمت پر تہس نہس کرنا۔ پالیسی کی عارضی تبدیلیوں سے ہمارے اس مشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں جن کے بارے میں ڈینی نے تمہیں بتادیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میمن گوٹھ اور گرین فارم کی نشان دہی کے سلسلے میں میرے آدمیوں کا ذکر آئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" اول خان نے بے فکری سے کہا۔ "یہ نشان دہی صرف تمہارے آدمیوں نے نہیں کی تھی۔ ڈینی نے ایک زنانہ ذریعہ بھی استعمال کیا تھا۔ دہری تصدیق کے بعد ہی ہم نے تیزی سے کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"زنانہ ذریعہ؟" وہ نئی اصطلاح جلال کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ہاں، ڈینی ایک خاتون پر کام کررہا تھا۔ اسی نے گرین فارم کے بارے میں بتایا تھا۔"

"بس تو تم اسی پر اکتفا کرنا۔" جلال کی آواز سے اطمینان مترشح تھا "میں سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کام تمہارا تھا۔

اب اندازہ ہو رہا ہے کہ ڈینی نے بھی پس پردہ رہ کر بہت کچھ کیا ہے۔"

"ہم نے صرف ایکشن کیا ورنہ ساری محنت ڈینی کی ہے۔ اس نے خاصے پاپڑ بیلے ہیں۔"

"سراغ تم ہی سے ملا تھا۔" میں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اسپیکر فون پر جلال سے کہا "تم نے میرپور خاص کے رہنے والے ہندوؤں کی فرم موہن اینڈ موہن کا ذکر کیا تھا۔ کرشن کمار ان کے پاس نہیں تھا لیکن ان ہی کی مدد سے گرین فارم پہنچا تھا۔"

"میں ان لوگوں کو بھول گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے دفتر، گودام اور گھر کو چیک کرنے کے بعد کلیر کر دیا تھا۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ تم کام کے ہر اس نکتے کو پکڑ لیتے ہو جسے دوسرے نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"ہماری اصل لڑائی کرشن کمار سے تھی۔ اس کے چکر میں ڈیوڈ اور جمی مفت میں مارے گئے۔" میں نے رسماً کہا۔

"مجھے ان دونوں کے ڈرائیور کے بارے میں افسوس ہے۔ وہ بے چارہ بلاوجہ مارا گیا۔"

"اول خان میں ایک بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ بے گناہوں کا بے دریغ خون نہیں بہاتا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے ڈرائیور سے اگلوا لیا تھا کہ وہ اپنے گورے آقاؤں کے اشارے پر دو افراد کو قتل کر چکا تھا۔"

"تم نے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ اب میرے دل میں کوئی خلش نہیں ہے۔"

"الجھن کو پی جانے کے بجائے اس پر گفتگو ہمیشہ مفید رہتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب یہ خیال رکھنا کہ کرشن کمار اور امریکیوں کے درمیان کوئی تعلق سامنے نہ آسکے بلکہ کرشن کمار کی لاش غائب ہی ہو جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ وہ ویسے بھی یہاں لاوارث تھا۔ ساری فکر مندی کے باوجود بھارتی اس کے لیے آواز نہیں اٹھا سکیں گے۔"

"اسی لیے اس کی لاش کا منظرِ عام پر آنا ضروری ہے۔ را والے صرف تشدد اور خون ریزی کی زبان سمجھتے ہیں۔"

میں نے اسے کرشن کمار کی لاش کے بارے میں اپنی تجویز سے آگاہ کیا تو وہ خوش ہو گیا۔ اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ میجر بخشی کے گھر کے قرب و جوار سے را کے ایک سینیئر کمانڈو کی لاش ملنے کے بعد اور کچھ ہو یا نہ ہو، بخشی کی آدھی جان ضرور نکل جائے گی۔

"کرشن کی دور رس سرگرمیوں کا جال سامنے آجانے کے بعد اب یہ بات کھل چکی ہے کہ را والوں نے یہاں اپنی سرکاری سرگرمیاں بہت کم کر دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مختلف عہدوں کی آڑ میں ان کے سفارتی دفاتر میں کام کرنے والے ایجنٹ ہماری ایجنسیوں کی نگاہ میں ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "اب وہ براہِ راست، کرشن کمار جیسے آدمی یہاں بھیج رہے ہیں۔ تم موہن اینڈ موہن والوں پر اپنا کام جاری رکھو۔ ان کے ذریعے کچھ اور نام بھی سامنے آسکتے ہیں۔ کیا ان کے خاندان کی کوئی عورت کرشن کمار کے لیے کام کر رہی تھی؟"

"کرشن کمار اس پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں کرتا رہا لیکن وہ اس سے متنفر تھی۔" میں نے تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے جواب دیا "یوں سمجھو کہ وہ اپنے گھر والوں کے سلوک کی وجہ سے خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح ہمارے دامن میں آگری۔ میں دیکھوں گا کہ وہ ہمارے لیے مزید کیا کچھ کر سکتی ہے۔ کرشن کمار کی نشان دہی کے صلے میں، میں اسے اور اس کے شوہر کو معافی دے چکا ہوں۔"

"تمہیں کوئی اخلاقی مجبوری درپیش ہے تو مجھے بریف کر دو۔ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں گا۔ کسی کے خلاف کھلے شواہد سامنے آجائیں تو میرے آدمی اس کے لیے بہت سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

"ابھی یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ پہلے میں خود اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔"

مزید چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون کا وہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"ماروتی نے ڈینی کو نہیں چھوڑا تو جلال کے آدمی کس گنتی میں ہیں۔" فون بند ہوتے ہی ویرا نے اپنی زبان پر رکا ہوا زہریلا فقرہ ادا کر ڈالا "چند ہی دنوں میں وہ اس مسلمان پسند عورت کے گن گاتے ہوئے نظر آئیں گے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہوٹل میں میرے اور اس کے درمیان گفتگو ایک حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔

"تمہیں بار بار یہ صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی کہانی سنا چکے ہو، میری اپنی ایک رائے ہے۔ حد کو چھوڑو اور یہ سوچو کہ اس نے تمہیں ملنے کے لیے ہوٹل آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب تم اپنی مرضی سے اس سے ملنے جاؤ گے تو اسے بہت خوشی ہوگی۔"

"میری رائے ہے کہ آپ ماروتی کو آئی بی والوں کے حوالے کر دیں۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "کچھ ہو یا نہ ہو،

ایسی آزاد خیال عورتوں کے اسکینڈل بہت تیزی سے شہرت پاتے ہیں۔ نہ جانے روی کیسا آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے۔"

غزالہ کو اپنا ہم خیال پاکر ویرا کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ شوخی سے بولی "وہ خود روی ہے اس لیے اس نے سراپا بے راہ روی سے شادی کی ہوئی ہے۔ غزالہ نے اس کی صحیح تصویر کشی کی ہے۔"

"تم لوگ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہو۔ دماغوں کے ساتھ ساتھ تمہاری زبانیں بھی چل پڑی ہیں۔ مجھے اپنے گھر چلنا چاہیے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کرشن کمار کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس کے اٹھتے اٹھتے میں نے سوال کیا۔

"جب فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو اس پر جلد از جلد عمل ہو جانا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"آج کل موسم خاصا خوشگوار ہے۔ کیوں نہ اسے ایک دو دن کے لیے محفوظ کرلیا جائے؟"

"بے سود ہوگا۔ اس کی لاش دس دن بعد بھی دستیاب ہوگی تو پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کے موت کے صحیح وقت کا تعین کردے گی۔ اس وقت ہمارے دشمنوں کو یہ سوچنے کا موقع مل جائے گا کہ کرشن کمار کی لاش کو اتنی مدت تک کیوں چھپایا گیا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "حامد کو ہدایات دے دو۔ زیادہ دیر ہوگئی تو یہ خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہیں پا سکے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں گھر جاتے ہی اس سے بات کرلوں گا۔ ذرا سی دیر میں پولیس لاش تک پہنچ جائے گی۔"

سلطان شاہ ہمارے ساتھ تھا' باہر سے اول خان کو رخصت کرکے ہم دونوں اندر لوٹ آئے۔

ویرا اور غزالہ دبی دبی آوازوں میں کسی پرجوش بحث میں مصروف تھیں۔ ہمارے قدموں کی آہٹ سنتے ہی انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ماروتی ہی ان کا موضوع سخن ہو سکتی تھی مگر میں اس بارے میں کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر' اپنی خواب گاہ کی طرف ہولیا۔ میرے لباس تبدیل کرنے کے دوران ہی غزالہ بھی کمرے میں آگئی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بولٹ کرلیا تھا۔

میں بے پروائی سے بستر پر دراز ہوا تو وہ سنجیدگی سے میرے قریب آبیٹھی۔ میں نے اس کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے بہت آسودہ انداز میں اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی مہکتی ہوئی دراز زلفوں کو تھام کر اسے خود سے اور قریب کرلیا۔

"سچ سچ بتائیں کہ ویرا کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے!" غزالہ نے دھیمی آواز میں بہت نرمی سے پوچھا۔

"آج برسوں بعد تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟" میں نے حیرت سے سوال کر ڈالا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ مجھے اکثر اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔"

"ہمارے حساب سے تو وہ بالکل ہی گئی گزری لڑکی ہے لیکن مغربی تہذیب کے مطابق اسے صرف آزاد خیال اور بے پروا قرار دیا جا سکتا ہے۔" میں نے بہت محتاط الفاظ میں اپنی رائے دے دی۔

غزالہ نے میرے سینے سے سر اٹھائے بغیر خفگی سے میری طرف دیکھا اور گھنیری پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی "اس کے بارے میں آپ مجھے اتنا بتا چکے ہیں کہ میں اب کچھ اور جاننے کی خواہش نہیں رکھتی۔ میرا سوال صرف اتنا تھا کہ وہ ہم دونوں کے لیے کیا جذبات رکھتی ہے۔"

"ہمارے ساتھ وہ مخلص ہے۔ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم کرچکی ہے ورنہ اس چھت کے نیچے گزارہ نہ کرپاتی۔"

"میں بھی اکثر یہی محسوس کرتی ہوں لیکن کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ مجھے آپ کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے ہولے سے اس کے گال پر چپت لگائی اور کہا "یہ اس کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ اس کے مزاج میں اتنا تلون ہے کہ وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتی' ہر لمحے کوئی نہ کوئی تبدیلی چاہتی ہے۔ وہ ہمارے درمیان چھوٹی موٹی غلط فہمیاں پھیلا کر ہماری جھڑپوں سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے مگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

"شاید اس وقت بھی وہ یہی چاہ رہی تھی۔" غزالہ بھی میری ہنسی میں شامل ہوگئی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "صبح میں اس کی خبر لوں گا۔"

"آپ اس سے کوئی بات نہ کریں۔ بے چاری مایوس ہو کر اپنی اس تفریح کا سلسلہ ترک کردے گی۔ اس وقت وہ ماروتی کے بارے میں میرے کان بھر رہی تھی۔ وہ بولنا شروع کرتی ہے تو اس کی ہر بات سچ معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ ہر جھوٹے کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے جھوٹ کو عارضی طور پر سچ بنا دیتا ہے مگر پھر یہ ملمع اتر جاتا ہے۔" میں نے ماروتی کا نام لیے بغیر ایک عام سی بات کہہ کر وہ موضوع وہیں ختم کرنا چاہا مگر غزالہ بہلاوے میں نہ آسکی۔

"یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے صرف چند باتیں طے کرنے کے لیے آپ کو ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں بلایا تھا!"

"خوب! تو اب تم بھی ویرا کی زبان بول رہی ہو!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اس سے پہلے ہی میری نرم گرفت سے پھسل کر نکل گئی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبارات میں زیادہ تفصیلات نہیں آسکی تھیں مگر دونوں خبریں بہت واضح تھیں۔

کرشن کمار کی لاش عضو بریدہ تھی۔ اسٹیشن فور پر اس کی جامہ تلاشی میں کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے اس کی شناخت ہوتی مگر حامد نے اس کی ایک جیب میں اس کے نام کا ایک کاغذ ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں اسے کرشن کمار سمجھ لیا گیا تھا۔ اخبار میں تصویر کی اشاعت کے ساتھ، لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔

پولیس نے اس قتل کو ابتدائی طور پر رقابت اور انتقام کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ لاش کی ادھڑی ہوئی حالت کے پیش نظر صرف وہی کہانی قرین قیاس ہو سکتی تھی۔ مقتول کے بارے میں مزید معلومات کے حصول کے لیے تفتیش جاری تھی۔

میمن گوٹھ والے واقعے کی خبریں قدرے تفصیلی، دلچسپ اور سنسنی خیز تھیں۔

کرشن کمار کی تلاش کی مہم میں وہ دونوں امریکی اچانک ہی راستے کے پتھروں کی طرح سامنے آئے تھے اور کسی تفصیلی چھان بین کے بغیر مار دیے گئے تھے۔ ان کے بارے میں اول خان نے کرشن کمار کے سامنے صرف اتنی قیاس آرائی کی تھی کہ اور وہ امریکا کی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے کارندے تھے۔ حقیقت بھی وہی نکلی تھی۔ جمی ایف بی آئی کا سینیئر کلرک تھا، بھورے بالوں والا دراز قامت ڈیوڈ اس کا مددگار تھا۔ ان دونوں کے عہدوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا تعلق فیلڈ اسٹاف کے بجائے دفتری عملے سے تھا مگر وہ امریکا کا معاملہ تھا۔ وہاں عہدوں [illegible] تقسیم کا

کام بھی دنیا سے نرالا تھا۔ وہ دونوں جو کچھ بھی تھے، ایف آئی کے اہلکار ضرور تھے اور آنجہانی ہو چکے تھے۔

کار کھڈ میں گرنے کی وجہ سے تینوں جلے ہوئے ڈھانچ میں کافی ٹوٹ پھوٹ پائی گئی تھی۔ گاڑی میں لگنے والی آ اس قدر ہولناک تھی کہ لاشیں بری طرح مسخ ہو کر رہ تھیں۔ فوری طور پر یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ تینوں گا کے آگ پکڑنے سے پہلے مر چکے تھے یا زندہ ہی جل گئے تھے۔

امریکی ذرائع نے اپنے معمول کے مطابق الزام ترا کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں نے اپنے آخری پیغام میں بتایا تھا کہ وہ کسی دور افتادہ، میمن گو نامی مقام پر فائرنگ میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی موت اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گھیر کر مارا گیا تھا۔

ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا ک پاکستان میں امریکیوں کی جان و مال کو لاحق، مفروضہ خطرات کی روشنی میں امریکی حکومت نے اپنے تمام ملازمین او شہریوں کو اپنی آمدورفت لازمی ضروریات تک محدود رکھنے ک جو سخت ہدایات جاری کی ہوئی تھیں، ان کے ہوتے ہوئے ڈیوڈ اور جمی میمن گوٹھ میں کیا کر رہے تھے؟ کیا انہوں نے اپنے افسرانِ بالا سے اس سفر کی اجازت لی تھی؟ وہ بھٹک کر اس علاقے میں پہنچے تھے تو ان کا اصل مقصد کہاں کا تھا؟ انہیں اس ویرانے میں کیسے پتا چلا کہ وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے؟

پچھلے واقعات کے مقابلے میں اس بار صرف ایک بات غنیمت تھی کہ ایف بی آئی والوں کی ہلاکت کے سلسلے میں مقامی حکومت یا اہلکاروں پر براہِ راست کوئی الزام نہیں لگایا گیا تھا۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آیا۔ اس کے پاس کچھ تازہ ترین خبریں تھیں۔

لاشیں بری طرح جل جانے کی وجہ سے ان تینوں کی موت کے اسباب کے تعین میں دشواری ہو رہی تھی۔ دوسری طرف امریکیوں نے اپنے تین افسروں کو سایوں کی طرح تفتیشی ٹیم کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ ان میں سے دو امریکی نژاد تھے جو بظاہر پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے ملازم تھے لیکن اپنے طور طریقوں سے منجھے ہوئے سراغ رساں معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی پاکستانی نژاد امریکی تھا جو ان کے لیے ترجمان کا کام کر رہا تھا۔ ان تینوں نے پچھلی رات ہی گرین فارم میں اپنا کیمپ لگا لیا تھا۔

گرین فارم میں جو کچھ ہوا، اسے چھپانا ممکن نہیں تھا۔ وہاں کام کرنے والے مزدور اس بات کے عینی شاہد تھے کہ وہاں چھپے ہوئے شخص سے ملنے کے لیے دو امریکی فارم پر آئے تھے۔ اس کے بعد ہی کچھ لوگوں نے فارم کو گھیر کر اندر گھسنے کی کوشش کی جسے ناکام بنانے کے لیے گارڈز نے فائرنگ کی ابتدا کی اور پھر فضا بارود کی بو سے بھرتی چلی گئی۔

واقعات بہت بے رحمی سے کریدے جا رہے تھے اور آدھا دن گزرنے سے پہلے تفتیشی جماعت اور اس کے ساتھ لگے ہوئے امریکیوں کو بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ بس کرشن کمار کا نام پردے میں تھا۔ وہ گرین فارم کے مالک کا ذاتی دوست نہیں تھا، روی موہن کی سفارش پر وہاں پناہ لینے آیا تھا۔ اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے شیرو کا نام اختیار کیا تھا۔ فارم کے مالک نے انہیں وہی نام بتایا تھا۔

"حالات بہت تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔ اس رفتار پر مجھے تشویش ہو رہی ہے۔" اول خان سب کچھ بتانے کے بعد کہہ رہا تھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے کہا "پوشیدہ باتوں سے پردے اٹھنے کے ساتھ امریکی دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔"

"تم ہمیشہ دور کی باتیں سوچتے ہو، میں سامنے کی باتوں سے پریشان ہو رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم تو ہو کہ تم کس وجہ سے پریشان ہو رہے ہو۔ مجھے ایسی تیزی کی توقع نہیں تھی مگر یہ تیزی بھی پریشان کن نہیں ہے۔ مجھے اس میں ایک سنہری موقع نظر آ رہا ہے۔ تم یہ سمجھو کہ....."

"شیرو یعنی کرشن کمار کا نام کھل چکا ہے۔" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اخباروں میں اس کی لاش کے کلوز اپ چھپ چکے ہیں۔ فارم کے مزدوروں نے تفتیشی افسروں کو کرشن کمار کا حلیہ بتایا ہوگا۔"

"سب کچھ درست ہے مگر اخبار کی تصویروں میں اس کا چہرہ لہولہان ہے۔ اس تصویر کو آسانی سے شیرو کے طور پر نہیں پہچانا جا سکے گا۔ اسٹیشن فور پر ویرا نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا تھا۔"

"یہ مفروضے کاغذ کی ناؤ ثابت ہوں گے۔ اب روی موہن کا نام ریکارڈ پر آ گیا ہے۔ کسی بھی لمحے اس پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس ابہام کی درمیانی کڑی ہے۔ اس کے ہاتھ آتے ہی سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ اس نے تو پہلی نظر میں کرشن کمار کی لاش کو شناخت کر لیا ہوگا۔ اس وقت میں اپنی

خواہش کے باوجود روی کو گرفتاری سے نہ بچا سکوں گا۔ تم نے اسے معافی دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ پولیس اس کے دروازے پر پہنچے گی تو ماروتی اودھم مچا دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے ملاقات کا کچا چٹھا کھول دے۔"

"ماروتی کے کردار سے ہم لوگ واقف ہیں۔ جگدیش موہن اسے دوسروں کے سامنے نہیں لائے گا۔ روی بھی اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اخباروں میں کرشن کمار کے قتل کی خبر پڑھتے ہی خوشی سے ناچتا ہوا اپنے گھر لوٹ آئے۔ وہ آسانی سے ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"امریکیوں کی موت کے حوالے سے روی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ محکمہ اس کی گرفتاری کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا۔ اس کے ہاتھ آتے ہی ہر بات کھل جائے گی۔"

"ابھی تک تم معاملے کے ایک رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غور کرو کہ کرشن کمار کا نام کھلنے کے بعد امریکیوں اور بھارتیوں کے درمیان کیسی کشیدگی پیدا ہوگی۔ اس نے کسی فرضی نام سے یا شاید شیروبن کر ڈیوڈ اور جمی کو گرین فارم پر بلایا تھا۔ وہ ان سے سودے بازی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی دغا بازی کی وجہ سے وہ دونوں مارے گئے۔ را والوں کے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"وہ ان کا اور امریکیوں کا معاملہ ہے۔ ہمارے لیے نئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے انہیں یہ بتانا ہوگا کہ پاکستان میں غیر قانونی طور پر چھپے ہوئے، را کے ایک دہشت گرد سے ڈیوڈ اور جمی کے کیا روابط تھے۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کن سازشوں میں مصروف تھے۔"

اول خان کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ لائن پر خاموشی چھائی رہی۔ خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "خدا کرے کہ ویسا ہی ہو جو تم سوچ رہے ہو۔ میں نے تمہیں اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ماروتی ہمیں چہروں سے پہچانتی ہے۔ وہ یا اس کا بھایا جی ہمارے نام اور پتوں سے واقف نہیں ہے۔ روی سے ہمارا سامنا تک نہیں ہوا۔ ان کی کہی ہوئی باتوں کو کون ثابت کرے گا؟ تم ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ کون سوچ سکتا ہے کہ اس مہم میں تم شریک تھے؟ کسی کا دھیان ادھر چلا بھی جائے تو کون تم سے پوچھنے کی ہمت کر سکے گا؟"

"جلال کے کم از کم تین آدمی بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں مخدوش حالات کا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دیدہ و دانستہ ایک لفظ بھی نہیں اگلیں گے لیکن وہ انسان ہیں۔ ان سے کوئی لغزش ہو سکتی ہے۔"

"تم نے اپنے خدشات بیان کر دیے، اب تم بے فکر رہو۔ کوئی نئی بات سامنے آئے تو مجھے ضرور آگاہ کر دینا۔"

"کیا تمہیں اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہے؟ کچھ عجلت میں معلوم ہو رہے ہو۔" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں، ماروتی کو ذرا فون پر ہوشیار کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراسم برقرار رہ سکیں۔" میں نے آس پاس میدان صاف دیکھ کر بے تکلفی سے کہہ ڈالا "جلال نے اس کے بارے میں صحیح مشورہ دیا تھا۔"

اول خان اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

میں نے وقت ضائع کیے بغیر ماروتی کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔ فون پر وہ خود موجود تھی اور اس کی آواز کچھ مخموری سی تھی۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تمہاری آواز کچھ بھاری بھاری سی لگ رہی ہے۔"

"اوہ! مظہر ڈارلنگ!" میری آواز سن کر وہ خوش ہو گئی "میں ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں۔ تم یقین کرو کہ تمہارے ساتھ گزارہ ہوا وقت رات بھر مجھے خواب میں نظر آتا رہا۔ شاید تم بھی اسی کیفیت سے گزرے ہو۔"

"مجھے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملی کہ میں ان رنگین لمحوں کے بارے میں زیادہ سوچ سکوں۔"

"رات بھر کیا کام کرتے رہے؟" میری بات کاٹ کر اس نے میٹھی آواز میں پوچھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا کوئی اخبار نہیں دیکھا ورنہ مجھ سے یہ سوال نہ کرتیں۔"

"میں اخبار نہیں دیکھتی۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا "اس میں ڈکیتیوں، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے سوا ہوتا ہی کیا ہے؟ سیاست سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نیچے سے اخبار منگوا کر دیکھ لوں گی۔ اپنے کام کے بارے میں کچھ تم ہی بتا دو۔"

"رات کو ہم نے سفید نیولے کو شکار کر لیا۔" میں نے دانستہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو۔ وہ تمہارے لیے بہت اہم تھ۔ اب یہ نہ ہو کہ تم مجھے بھول جاؤ۔"

"تم بھولنے والی شے نہیں ہو لیکن ابھی ستارے گردش

میں ہیں۔ روی کو گھر سے دور ہی رکھنا۔"
"کیوں؟ تم نے تو انہیں معاف کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"
میری توقع کے مطابق اس نے احتجاج کیا۔
میں نے اسے بتایا کہ کرشن کمار کے پاس دو امریکی بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں بھگا کر کرشن کمار کو مار ڈالا۔ اس کی لاش کے ساتھ لوٹتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ امریکیوں کی کار ایک کھڈ میں پڑی جل رہی تھی۔ پولیس ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے ملا رہی تھی اور فارم کے مالک کے بیان پر کسی بھی وقت روی کی تلاش میں اس کے گھر پہنچ سکتی تھی۔
"تو کیا اب پولیس والے ایجنسیوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہو گئے ہیں؟" اس کی آواز میں طنز اور تشویش کا امتزاج تھا۔
"مرنے والے امریکی سفارتی افسر تھے۔ اس وجہ سے بات ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔"
"وہ حرام زادے کرشن کمار کے پاس کیا کرنے گئے تھے؟" ماروتی کی بے ساختہ آواز ابھری۔
"پتا نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "روی کو مزید چند روز گھر سے دور رہنا چاہیے۔"
"میں انہیں ابھی گھر آنے سے منع کیے دیتی ہوں۔ ویسے بھی وہ مجھے فون کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔"
"تم تو کہہ رہی تھیں کہ ملیر میں روی کے پاس فون نہیں ہے۔"
"وہ بات پرانی ہو گئی۔ کل شام ان کے دوست نے موبائل فون اور کنکشن لے لیا ہے۔" میری توقع کے برعکس، ماروتی کا ردِعمل زیادہ شدید نہیں رہا تھا۔ وہ ابتدائی جھٹکے سے بہت تیزی کے ساتھ سنبھل گئی تھی۔
"تم لوگ سادہ کپڑوں میں خاصی شرافت سے ہمارے گھر آئے تھے۔ پاس پڑوس والوں کو شبہ تک نہ ہوا ہو گا کہ ہمارے گھر میں کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے مگر پولیس والے وردیوں میں دندناتے ہوئے آئیں گے۔ سب کو علم ہو جائے گا کہ پولیس، روی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ بھایا جی گوشت کا ایک ناکارہ تودا ہے وہ پھر مجھے ان کے سامنے کر دے گا۔ ایسی بے عزتی سے بہتر ہے کہ میں بھی گھر سے نکل جاؤں۔"
اگر جگدیش موہن اس قدر بے غیرت تھا تو پھر ماروتی کی فکر مندی بے جا نہیں تھی۔ میں نے اپنے دل کے کسی گوشے میں اس کے لیے ہمدردی کی ہلکی سی رمق محسوس کی اور نرمی سے پوچھا۔ "گھر چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گی؟"

"تم پناہ دینے پر آمادہ ہو تو چند روز کے لیے تمہارے پاس چلی آؤں گی ورنہ روی کے ساتھ رہوں گی۔"

اس کے بے باکانہ جواب پر میں حیران رہ گیا۔ وہ ان معنوں میں واقعی ایک عورت تھی کہ اسے سمجھنا مشکل کام تھا۔

اس نے اپنے بھایا جی کی انا کو کاری ضرب لگانے کے لیے اپنا سب کچھ مجھے سونپنے کا یک طرفہ فیصلہ کیا تھا۔ کراچی کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں سپردگی کے اس تجربے سے گزرنے کے بعد وہ میری ہر خطا کو درگزر کرنے پر آمادہ تھی۔ حد یہ تھی کہ اپنے شوہر' روی موہن کی معافی میں ناکامی کے بارے میں میرے پیش کیے ہوئے عذر کو بے چوں وچرا تسلیم کر چکی تھی۔

"تمہیں پناہ دینے کی آرزو ہی بعض لوگوں کے لیے زندگی بھر کا سرمایہ ہو سکتی ہے۔ مجھ سے تم خود سوال کر رہی ہو۔ مجبوری یہ ہے کہ میں تن تنہا ایک ہاسٹل میں رہتا ہوں جہاں میرے بہت سے ہم پیشہ بھی رہتے ہیں۔ ہم سب متجسس اور کھوجی طبیعتوں کے مالک ہیں۔ اس بھیڑ میں' میں تمہیں کس کس کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکوں گا؟"

"بہتی گنگا میں سب ہاتھ پیر دھوتے بلکہ نہاتے ہیں مگر کوئی اس کے دھارے کا رخ اپنے گھر کی طرف نہیں موڑتا۔ میں خود جانتی ہوں کہ میرا محفوظ ترین ٹھکانا روی کے سائے میں ہے۔ میں پولیس کے آنے سے پہلے وہاں چلی جاؤں گی۔"

"یہ بس چند روز کی بات ہے پھر حالات اعتدال پر آجائیں گے اور تم دونوں اپنے گھر لوٹ سکو گے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "بس اخبارات دیکھتی رہنا۔ ان ہی میں کسی دن یہ خبر آجائے گی کہ روی کی تلاش ترک کر دی گئی ہے۔"

"اخبارات میں دیکھتی رہوں گی مگر مجھے تم پر بھروسا ہے۔ عورت جب کسی کو اپنا تن من سونپ دیتی ہے تو اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتی۔ تم روی کا موبائل فون نمبر لکھ لو۔ جب چاہو' مجھ سے یا روی سے بات کر سکتے ہو۔ روی کو معلوم ہے کہ میں نے کرشن کمار کے چکر سے گلو خلاصی کے لیے تم سے کوئی سودے بازی کی ہے۔ وہ تمہارے فون کا برا نہیں منائے گا۔"

"بتاؤ' میں لکھ رہا ہوں۔" اس بار میں ماروتی کی فراخ دلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے مجھے فون نمبر لکھوایا اور مجھ سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔ وہ کال میری تھی۔ میں نے تھکے ہوئے انداز میں ریسیور واپس رکھ دیا۔ ماروتی عجلت میں تھی۔ مجھ سے بات ہو جانے کے بعد وہ جلد از جلد گھر سے نکل جانا چاہتی تھی۔

جمی اور ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد واقعات واقعی بہت تیز رفتاری سے رونما ہو رہے تھے اور صورت حال بدلتی جارہی تھی۔ کراچی میں مقیم امریکی اہلکار اپنے مزید دو ساتھیوں کی جانوں کے اتلاف کے بعد پوری طرح سرگرم تھے مگر میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس وقت تک جان اسمتھ کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔

جان اسمتھ ہی وہ شخص تھا جس سے ملاقات کے بعد مراد ظریف نے خود کو بے رحمانہ موت کا حق دار بنا لیا تھا۔ وہ کراچی کے قونصل خانے میں مامور تھا اور جلال کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق جنوبی ایشیا سے لے کر مشرق وسطیٰ تک میں امریکی سی آئی اے کے جملہ آپریشنز کا نگراں تھا۔ جمی اور ڈیوڈ کا تعلق سی آئی اے سے نہیں تھا لیکن اندر کے معاملات سے واقف ہر شخص جانتا تھا کہ امریکا سے باہر ہونے والی تمام کارروائیوں میں سی آئی اے اور ایف بی آئی شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ ویسے بھی خطے میں موجود امریکیوں کے تحفظ کی تمام تر ذمے داری جان اسمتھ کے سر جاتی تھی۔ ان حالات میں جان اسمتھ کا سامنے نہ آنا میرے لیے فکر انگیز تھا۔

شاید وہ بوب رافیل کے بعد اپنے مزید دو ساتھیوں سے ہاتھ دھونے کے بعد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ منظر عام پر آیا تو پاکستان کے مفادات کی نگرانی کرنے والے نامعلوم لوگ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس اندیشے کی وجہ سے وہ خود پس پردہ رہ کر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کام لے رہا تھا۔ اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

امریکی صفوں میں جو حیثیت جان اسمتھ کو حاصل تھی' پاکستان کی حد تک را کے ایجنٹوں میں کم و بیش وہی درجہ میجر بخشی کو حاصل تھا۔ وہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے بعد اس طرح گوشہ نشین ہوا تھا کہ اس کا نام ہی سننے میں نہیں آرہا تھا۔ کرشن کمار کی لاش طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی کے گھر کے قریب پھینکی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس واقعے نے میجر بخشی کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہو گا۔

میں اس وقت فارغ تھا۔ سوچنے اور ان ہی سوچوں میں وقت گزارنے کے سوا میرے پاس کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اپنی ٹیلی ڈائری کے صفحات کھنگالنے شروع کر دیے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے اس کا نام مل گیا۔

جن دنوں میں ایس ٹی ایف سے منحرف کرنل جمال دستی کے روپ میں اس سے پینگیں بڑھا رہا تھا' اس نے خود ہی مجھے اپنے گھر اور دفتر کے فون نمبر دیے تھے جن پر میں براہِ راست اس سے گفتگو کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے فون کی لائن سے منسلک سی ایس ڈی کو آن کیا اور ڈرائنگ روم کے بجائے اپنے کمرے سے ہی اس کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

یکے بعد دیگرے تین گھنٹیاں بجیں۔ میں نے مایوس ہو کر فون بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک خلیق' نسوانی آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے بہت رواں انگریزی میں مجھ سے میرا مدعا دریافت کیا تھا۔

"میں میجر بخشی سے بات کرنے کا خواہاں ہوں۔ وہ کہاں ہے؟" میں نے انگریزی میں بے تکلفی سے کہا۔

"آج ان کی طبیعت ناساز ہے۔ کیا میں تمہارا نام جان سکتی ہوں؟"

اس خاتون سے ملنے والی اطلاع سے مجھے دلی مسرت ہوئی۔ کرشن کمار کی لاش کے بارے میں خبر پڑھ کر اس کی طبیعت کو ناساز ہونا ہی تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

میں نے اطمینان سے سگریٹ سلگا لی اور اس کے کش لگاتے ہوئے یہ سوچ کر محظوظ ہوتا رہا کہ میجر بخشی نے اپنے خوف کو چھپانے کے لیے بیماری کا بہانہ کیا تھا۔ وہ ڈر کر اپنے گھر میں محصور ہو گیا تھا۔

آدھی سگریٹ پھونکنے کے بعد میں نے اس کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ سلسلہ ملتے ہی میں نے اس کی آواز پہچان لی۔

"تم کیسے میجر ہو بخشی جی' کہ کرشن کمار کے مرتے ہی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔۔۔ ہم۔۔۔" میں نے اپنی آواز بدل کر تضحیک آمیز لہجے میں اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ میری توقع کے مطابق وہ بھڑک گیا اور اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟" وہ غصے سے غرا کر بولا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ فوج میں تم ٹٹوؤں اور خچروں کے دستوں کی کمان کرتے رہے' جبھی تم کو ہم جیسے انسانوں کا خیال نہیں ہے جو تمہارے آسرے پر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا کر دن رات کام میں جٹے رہتے ہیں۔۔۔"

"بدتمیز آدمی!" غصے کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی "تم نے اپنا نام نہ بتایا تو میں اسی وقت فون بند کر دوں گا۔"

"میرا نام ہری چند ہے۔" میں نے برجستہ کہا "شاید تم سے کرشن کمار نے میرا ذکر کیا ہوگا۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"میں نے کبھی تمہارا نام نہیں سنا اور نہ میں کسی کرشن کمار کو جانتا ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے اپنی آواز میں حیرت اور مایوسی سمیٹتے ہوئے بے ساختہ کہا "اس نے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کبھی کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو برے وقت میں تم ہی میری مدد کرو گے۔ پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے' میری جان پر بنی ہوئی ہے' میں صبح سویرے سے مارا مارا پھر رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ تم کسی کو نہیں جانتے تو پھر میں کہاں جاؤں؟"

اس بار اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا اور میرے خاموش ہونے پر سختی سے بولا "تمہاری کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ رہی۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں میرے گھر کا نمبر کس مردود نے دیا ہے۔"

"نمبر کون دیتا؟ کرشن نے ہی تمہارے دونوں نمبر دیے تھے۔ پہلے میں نے تمہارے دفتر فون کیا تو کسی عورت نے بتایا کہ تم بیماری کی چھٹی پر ہو۔ گھر پر تم مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ میں حیدر آباد سے بھاگ کر صرف اس لیے کراچی آیا تھا کہ یہاں تم میری مدد کرو گے اور مجھے بتاؤ گے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم نے تو اپنی آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی ہیں۔"

"تمہیں مجھ سے بدتمیزی کرنے کا مشورہ بھی کرشن کمار نے دیا ہوگا۔" میجر بخشی کی زہریلی آواز آئی "میں ٹٹوؤں کی کمان کرتا تھا تو تم جیسے الو کے پٹھوں کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ تم کو منہ کھولنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا۔"

میں نے میجر بخشی کے گھر کا فون نمبر ملایا تو اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں کوئی بھی فرضی نام اختیار کر کے اسے کرشن کمار کے انجام کے حوالے سے مزید کچھ خوف زدہ کروں گا اور اس کی زبان سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں گا۔ جب اس نے میرا نام جاننے پر اصرار کیا تو مجھے اچانک ہی ہری چند کا نام یاد آیا اور میں نے بے ساختہ وہی نام دہرا دیا۔

ہری چند موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی حیدر آباد برانچ کا منیجر تھا جس کی گاڑی میں کرشن کمار کے بھیجے ہوئے تین بھیل ہمارے گھر پہنچے تھے۔ ہم پر شب خون مارنے کی وہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی۔ ان بھیلوں کی گاڑی کے نمبروں کے حوالے سے ہری چند کا نام سامنے آیا تھا۔ بعد میں جگدیش موہن کی زبانی معلوم ہوا کہ ہری چند' مارروتی کا رشتے

کا بھائی تھا۔
اول خان اسے فوری طور پر گرفتار کروانا چاہتا تھا مگر میں نے موہن اینڈ موہن کے مالکان کے ہوشیار ہونے کے خدشے کے تحت اسے روک دیا تھا۔ بعد میں واقعات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ ہم ہری چند کا نام ہی بھول بیٹھے۔ میجر بخشی سے فون پر بات کرتے ہوئے اس کا نام اچانک ہی میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اپنے ابتدائی فقروں کا کیسے ازالہ کروں۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ میری ابتدائی تلخ نوائی کے باوجود، ہری چند کا نام سننے کے بعد، میجر بخشی کا رویہ خاصی معقولیت پر مبنی تھا۔ میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو اس سے میری گفتگو آگے بڑھ سکتی تھی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم میری باتوں کا برا مان جاؤ گے۔ آدمی کو جب ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگتی ہے تو اس کا دماغ الٹ جاتا ہے اور وہ اول فول بکنے لگتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس وقت میں کتنا پریشان ہوں۔" ذہنی طور پر ایک فیصلہ کرلینے کے بعد میری زبان روانی سے خود بخود چل پڑی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم بڑے آدمی ہو۔ بڑے آدمیوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ میری خطا معاف کردو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"تمہارا دماغ الٹ چکا ہے تو پھر تمہیں میرا نام اور نمبر کیسے یاد رہا؟ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو۔"

"سرکار! میں کرشن کمار کا نمک خوار ہری چند ہوں۔" میں نے رو دینے والی آواز میں اسے یقین دلانا چاہا۔

"تم کان کھول کر سن لو کہ میرا کسی کرشن کمار سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کسی شخص نے تمہیں میرے گھر اور دفتر کے فون نمبر دے کر کیوں بہکایا ہے اور ہاں، تم بتا رہے تھے کہ کرشن کمار بھی مرچکا ہے۔"

"پولیس میرے گھر پہنچی تو مجھے کچھ معلوم نہیں تھا، میں بس یہ جانتا تھا کہ میں کرشن کمار کے لیے بہت خطرناک کام کررہا ہوں۔ پولیس کے نام سے میرا دم نکل گیا اور صبح سویرے کے ملگجے اندھیرے میں اپنے گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مجھے بس اسٹینڈ پر اخباروں سے معلوم ہوا کہ وہ مارا جاچکا ہے۔ اس کا فوٹو بگڑا ہوا ہے، چہرہ خون میں لتھڑا ہوا ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ تم اخبار دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے۔"

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ شاید وہ میری باتوں پر غور کررہا تھا اور اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کس حد تک سچ بول رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی "نام سے تم بھی ہندو لگتے ہو، یوں تم میرے بھائی ہو۔ اس ملک میں ہم کسی امتیاز کے بغیر اپنے سب بھائیوں کی خدمت کرتے ہیں مگر تم یقین کرو کہ کرشن کمار سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں تمہارا نام جانتا ہوں، میرے پاس تمہارے دونوں فون نمبر ہیں۔ یہ غلط فہمی کیسے ہوسکتی ہے؟ کرشن نے مجھے بتایا تھا کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے دھرم اور ملک کی بہت بڑی خدمت کررہے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھی اور ساجھی ہیں۔ اب مجھ پر برا وقت آن پڑا ہے تو تم مجھ سے اپنا دامن بچا رہے ہو، مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ شاید یہاں کی پولیس سے مار کھا کر مرنا ہی میرا مقدر ہے۔"

"تمہیں آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کرشن سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا، نہ اس سے میرا کوئی گٹھ جوڑ تھا مگر پھر بھی مجھے معلوم ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی یہاں رہ کر اپنے دھرم اور دھرتی کے لیے بہت بڑا کام کررہے تھے۔ اخبار میں اس کے انجام کے بارے میں پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میرا کوئی قریبی عزیز مارا گیا ہو۔ نہ جانے اس نے تمہیں میرے فون نمبر کیوں دیے تھے۔ تم پولیس والوں سے چھپ کر آج کا دن گزار لو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔ تم کل اسی وقت مجھے دوبارہ فون کرلینا۔"

مجھے اپنی گفتگو آگے بڑھانے کے لیے اس کے جوابوں سے سہارا مل رہا تھا۔ مجھے دہری خوشی ہوئی کہ اسے مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور وہ میری باتوں کے جال میں پھنس رہا تھا۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس وقت تک سی ایس ڈی خاموش تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے میری کال ریکارڈ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ محض نام اور مذہب کے دھوکے میں میری صداکاری پر بھروسا کررہا تھا۔

"کل تک نہ جانے کیا ہوجائے۔" میں نے گہری مایوسی سے کہا "پولیس والوں سے اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر قسطوں میں سچ اگلنے اور پھر سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ میں خود کو مارلوں۔"

"نہیں نہیں۔ بھول کر بھی اپنے اوپر ایسا ظلم نہ کرنا۔ یہاں پولیس اور ایجنسیوں والے پہلے ہی ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم نے خود بھی اپنے آپ کو مارنا شروع کردیا تو ہماری تعداد بہت تیزی سے گھٹتی چلی جائے گی۔ یہ بھاری

نقصان ہم برداشت نہیں کرسکتے۔"
"مجھے اپنے اوپر یہ زمین تنگ ہوتی نظر آرہی ہے۔ مجھ پر ایک ایک پل بھاری گزر رہا ہے۔" وہ میری ہمدردی میں جوں جوں نرمی اختیار کرتا جارہا تھا' میں نے اپنی بڑھتی ہوئی مایوسی کے حوالے سے پھیلنا شروع کردیا تھا۔
"تم نے بہت ہمت اور حوصلے سے آدھا دن گزار ہی لیا ہے۔ صبح تک میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔"
میں نے کسی فوری خیال کے تحت چونکنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا "کیوں نہ میں تمہارے گھر آجاؤں۔ پولیس کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوسکے گا کہ میں تمہارے گھر میں چھپا ہوا ہوں۔"
میری تجویز پر وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا.... "ہرگز نہیں.... بھول کر بھی میری طرف آنے کی غلطی نہ کرنا۔ جب تک کوئی مضبوط وجہ نہ ہو' پولیس تم جیسے عام شہریوں کے پیچھے نہیں لگتی لیکن ہم ہروقت مشکل میں رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے ہماری کڑی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ تم پولیس کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ ادھر آئے تو تمہاری وجہ سے میں بھی مارا جاؤں گا۔ میرے اور تمہارے لیے یہی سب سے بہتر ہے کہ تم کبھی بھول کر بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ انتہائی سخت ضرورت کے وقت فون پر بات چیت کافی رہے گی۔"
اس کی بوکھلاہٹ پر میں دل ہی دل میں محظوظ ہوکر رہ گیا۔ نادانستگی میں وہ میرے لیے ایک مستقل راہ کھول رہا تھا۔ میں ہری چند بن کر اسے اعتماد میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا' وہ خود مجھ سے ملنے سے گریزاں تھا۔ میرے لیے شناخت کرلیے جانے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ میں جب چاہتا' ہری چند کی آواز میں اس سے رازونیاز کی باتیں کرکے معلومات حاصل کرسکتا تھا۔
"تو کیا ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے؟" میں نے اپنی خوشی کے بجائے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔
"موجودہ حالات میں شاید کبھی نہیں۔" اس کی آواز میں تفکر آمیز گہرائی پیدا ہوگئی "ہاں' جس دن کرشن کمار کا خون رنگ لایا اور اس کا خواب پورا ہوگیا تو ہم پوری آزادی کے ساتھ مل جل کر یہاں اپنی کامیابی کا جشن منائیں گے۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ اب اکھنڈ بھارت بننے کا وقت قریب آگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"شش!" فون پر اس کی تادیبی آواز ابھری "اب لیا ہے' دوبارہ یہ نام نہ لینا۔ یہاں یہ نام لینے والوں کی گردنیں

بہت بے رحمی سے کاٹ دی جاتی ہیں۔ بے چارے کرشن کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"ہم اسی طرح ڈرتے رہے تو کرشن کمار کا خواب شاید کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔"
"اسے ڈر نہیں' ہماری زبان میں مصلحت کہتے ہیں۔ چھری بغل میں چھپا کر رکھو اور منہ سے رام کے نام کی مالا جپتے رہو۔ دشمن تمہیں گیان دھیان میں مصروف دیکھ کر غافل ہوجائے تو پھرتی اور خاموشی سے چھری کا تیز دھار پھل اس کے دل میں اتار دو۔ اس وقت ہمیں' تمہیں اور ہمارے سب ساتھیوں کو یہی کرنا ہے۔ جو اس راستے سے ہٹا' وہ مارا جائے گا۔"
"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔ اتنی احتیاط تو کرشن نے بھی نہیں بتائی تھی۔ اس طرح میرا دم گھٹنے لگے گا۔"
"کرشن نے وقت کے مطابق احتیاط نہیں کی اور مارا گیا۔ میں محتاط ہوں اور زندہ ہوں۔ تم سے بہت باتیں ہوگئیں۔ اپنی پناہ گاہ میں چھپ کر ان پر غور و فکر کرو گے تو تمہیں میری باتوں میں تجربے کا ٹھہراؤ نظر آئے گا۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"
میجر بخشی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس کی کہی ہوئی بہت سی باتیں بے انتہا اہمیت کی حامل تھیں۔ اکھنڈ بھارت کا دیومالائی کھیل پورے زور و شور سے جاری تھا۔ اس کے جنم واصل ہوجانے والے کردار آواگون کے نظریے کے تحت روپ' جسم اور چہرے بدل بدل کر سامنے آرہے تھے۔ کوئی چھپ کر اور کوئی برسرِعام مصروفِ کار تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ میجر بخشی نے ہمارے قائم کیے ہوئے اس نظریے کی تصدیق کردی تھی کہ کرشن کمار نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کے اشارے پر براہِ راست کام کررہا تھا۔ اس کا سفارتی عملے میں چھپے ہوئے را کے اہل کاروں سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔
وہ سب سوچتے ہوئے میں اپنے کمرے میں مسہری پر نیم دراز رہا۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق کچن میں مصروف تھی۔ میری محویت کا سلسلہ ویرا کی مداخلت سے ختم ہوا۔ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی' بے دھڑک کمرے میں گھس آئی تھی۔
"سنا ہے کہ آج تم مسلسل فون پر مصروف ہو۔ یہاں چھپ کر کس سے باتیں کررہے تھے؟" اس نے آتے ہی کہا۔
"میمن گوٹھ کے گردونواح میں واقعات کو ایک خاص رنگ دینے کے لیے جو محنت کی گئی تھی' وہ مطلوبہ نتائج سامنے نہیں لاسکی۔ امریکی تفتیش میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں اور اصلی واقعات کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے نظر آرہے ہے

ہیں۔"

ویرا بے تکلفی سے مسہری کے سرے پر آبیٹھی تھی۔ میں فوراً ہی کنارے سے دور سرک کر نیم دراز ہوگیا۔

"حصہ کیا لے رہے ہوں گے، وہ تفتیشی افسران کے سروں پر سوار ہوں گے۔ چھوٹے ملکوں میں مامور ہر امریکی سفارتی افسر خود کو اعلیٰ ترین مقامی حکام سے بھی برتر سمجھتا ہے اور ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔"

"وہاں بھی شاید یہی ہورہا ہے۔" میں نے اعتراف کیا "اصل خرابی یہ ہے کہ ایس ٹی ایف والے اپنا کام مکمل کرکے میمن گوٹھ سے بالکل الگ تھلگ ہوچکے ہیں اور وہ پولیس کیس بن چکا ہے۔ پولیس والوں کو ان واقعات کے پس منظر اور پیش منظر کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ روایتی انداز میں کام آگے بڑھا رہے ہیں۔ امریکیوں کی شمولیت کی وجہ سے آئی بی یا ایس ٹی ایف والے دخل اندازی نہیں کرسکتے۔"

"اب تک کے نتائج کیا ہیں؟" ویرا نے سگریٹ سلگانے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہاں ہونے والے واقعات ان کے سامنے آچکے ہیں۔ صرف کرشن کمار کی تلاش جاری ہے۔ وہ وہاں شیرو کے نام سے روپوش تھا۔ اول خان نے بتایا ہے کہ پولیس پارٹی روی کی تلاش میں کسی بھی وقت موہن ہاؤس پر دستک دے سکتی ہے۔"

"تمہیں فوری طور پر ماروتی کو ہوشیار کردینا چاہیے۔" اس نے بے ساختہ تجویز پیش کی۔

"یہ کارِ خیر میں پہلے ہی کرچکا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "ابھی وہ شیرو کی تلاش میں ہیں۔ روی ہاتھ آگیا تو کرشن کمار کا نام کھل جائے گا، شیرو کی تلاش ختم کردی جائے گی۔ وہ ہاتھ نہ آیا تب بھی دیر سویر کے بعد کرشن کمار اور شیرو کا معمّا حل ہوجائے گا۔"

اس بارے میں ویرا پوری طرح میری ہم خیال تھی۔ کرشن کمار اور شیرو کے نام سے امریکیوں کی کمزور پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔ جمی اور ڈیوڈ کی ہلاکتوں پر کسی قسم کا احتجاج کرنے سے پہلے انہیں اس بنیادی سوال کا جواب فراہم کرنا تھا کہ وہ دونوں شیرو یا کرشن کمار سے کیوں ملنے گئے تھے۔ اس نے اول خان کے تمام اندیشوں کو خود ساختہ اور چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق قرار دے کر مسترد کردیا تھا۔

ویرا کی دوسری اور سوچی سمجھی رائے تھی کہ روی موہن اپنی روپوشی کو طول دے کر بلاوجہ اپنے خلاف شکوک و شبہات کو ہوا دیتا۔ اسے روپوشی ترک کرکے پولیس کے سامنے اپنا بیان قلم بند کرا دینا چاہیے تھا تاکہ الجھنیں ختم ہوسکیں۔ اس نکتے پر میں اس سے متفق نہیں تھا۔ کرشن کمار کے بارے میں یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اور تھر کے علاقے میں انتہائی مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ اس کا گہرا دوست ہونے کی وجہ سے روی سنگین مشکلات میں پڑسکتا تھا۔

ہماری گفتگو کے دوران میں ڈور بیل بجی۔ چند منٹ بعد سلطان شاہ نے کمرے کے دروازے پر آکر اول خان کی آمد کی اطلاع دی۔ ہم دونوں اس کے ساتھ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ اول خان تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر نیم دراز تھا۔

رسمی مزاج پرسی کے بعد ویرا نے اس سے متجسس لہجے میں پوچھا "میمن گوٹھ کی کیا خبریں ہیں؟"

"صوبائی ہیڈ کوارٹرز میں بریفنگ کے بعد اعلیٰ پولیس افسران نے فوری طور پر سارے معاملات اپنی نگرانی میں لے لیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شام تک ہر بات بالکل واضح ہو جائے۔"

"میمن گوٹھ سے شیرو نامی ایک ملزم غائب ہے اور کراچی میں کرشن کمار نامی کسی شخص کی لاوارث لاش ملی ہے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "پولیس والے ان دونوں واقعات کو یکجا کریں تو انہیں روی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

"یہی کیا جارہا ہے۔" اس نے سرہلا کر کہا "لاش کی کئی زاویوں سے لی گئی رنگین تصاویر گرین فارم کے مزدوروں اور گارڈز کو دکھانے کے لیے تیار کی جارہی ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی اکلوتی تصویر سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ روی کی تلاش میں جانے والی پولیس پارٹی بھی ناکام لوٹی ہے۔"

"وہی نہیں، اب تک ماروتی بھی اپنے گھر سے غائب ہوچکی ہوگی۔" میں نے ہنس کر بتایا۔

"امید ہے کہ کل تک وہاں کے حالات قابو میں آجائیں گے۔ امریکیوں کے جارحانہ تیور دم توڑ رہے ہیں۔ حقائق سامنے آنے کے ساتھ ساتھ وہ مدافعانہ پوزیشن میں پسپا ہورہے ہیں۔ آئی جی اور ڈی آئی جی کی دخل اندازی سے بہت فرق پڑا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کل تک روی کی گرفتاری

کے وارنٹ واپس لے لیے جائیں۔ مجھے اس کے بارے میں فکر ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا ہمدردی ہوگئی؟" ویرا نے بھویں چڑھا کر استہزائیہ انداز میں پوچھا "ماروتی سے بند کمرے کے تخلیے میں ڈینی کی ملاقات ہوئی تھی اور ساری فکر مندی تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" اول خان نے برا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا "حیدر آباد سے ہری چند غائب ہو چکا ہے۔ روی یا ماروتی سے ہی اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"

"اوہ! اسے تو ہم بھول ہی بیٹھے تھے۔" سلطان شاہ بولا۔ "روی کے بعد ہمیں اس کا رخ کرنا چاہیے تھا۔"

"زیادہ نہیں، بس تھوڑی سی تاخیر ہوئی اور وہ نکل گیا۔ شاید اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ہم لوگ روی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔" اول خان نے وضاحت کی "اب کرشن کمار کے قریبی ساتھیوں میں سے وہی ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ دوسروں کے بارے میں روی سے معلومات حاصل ہونے کی امید ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی "میرے پاس روی اور ماروتی کا موبائل فون نمبر موجود ہے مگر ان سے کیا ہوا پہلا وعدہ وفا کیے بغیر میں ان سے کوئی توقع وابستہ نہیں کر سکتا۔"

"تمہارے پاس اس کا فون نمبر کہاں سے آگیا؟ روی کے پاس تو فون نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے میری ماروتی سے بات ہوئی تھی۔ آدمی کی جیب میں پیسے اور شناختی کاغذات موجود ہوں تو موبائل فون کنکشن ذرا سی دیر میں مل جاتا ہے۔ ماروتی ابھی تک مجھ سے بدظن نہیں ہوئی ہے۔"

"عورت جب خود کسی کو پسند کرتی ہے تو اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کر پاتی۔" ویرا کو اپنا فلسفہ بگھارنے کا موقع مل گیا "اپنی انا کی تسکین کے لیے یہ خود فریبی اس کی ضرورت اور کبھی کبھی مجبوری بن جاتی ہے۔"

"تم نے اول خان کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ ہم بند گلی کے سرے کے بہت قریب ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس سے آگے نکلنے کے لیے ہمیں روی اور ماروتی کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ کرشن کمار کے ساتھیوں کے بارے میں جگدیش کچھ نہیں جانتا۔"

"ابھی ہمارے سامنے ہری چند کا نام بھی ہے۔ اس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں خود ہری چند بنا ہوا تھا۔" موضوع بدلنے کے لیے میں نے ہنس کر کہا "میں میجر بخشی سے بات کر رہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں بخشی کو ہری چند کے بارے میں جو مفروضہ باتیں بتا رہا تھا، اول خان نے انہیں حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے۔"

"میرا اندازہ یہی تھا کہ تم نے ایک سے زیادہ فون کیے ہیں۔" ویرا بول اٹھی "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"آج کل وہ فعال نہیں ہے لیکن کرشن کمار کی سرگرمیوں سے باخبر تھا۔ دوسرے انتہاپسند بھارتیوں کی طرح وہ بھی اکھنڈ بھارت کے بارے میں بہت پرامید ہے۔ اس نے مجھے ہری چند سمجھ کر چند قیمتی مشوروں سے بھی نوازا ہے۔"

"آج کل وہ پرسکون ہے اور اس کے سر سے تمہارا اور ویرا کا بھوت اترا ہوا ہے۔" میجر بخشی سے ہونے والی گفتگو سن کر اول خان نے کہا۔

"تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ اس وقت ڈینی سے نہیں، ہری چند سے بات کر رہا تھا۔" ویرا نے ٹوکا "وہ سابق فوجی ہونے کے باوجود ناقابلِ یقین حد تک ڈرپوک ہے۔ اسے علم ہو جاتا کہ وہ ڈینی سے بات کر رہا ہے تو شاید اس کے ہاتھ سے ریسیور ہی نکل جاتا۔"

"اس کا کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "وہ بہت دنوں سے یہاں پل رہا ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کی باقیات کا صفایا نہیں ہو جاتا، ہم کوئی نیا محاذ نہیں کھولیں گے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کیا۔

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں موقوف ہو گیا۔ غزالہ نے سب کو اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی تھی۔

آدمی کسی کام میں ہمہ تن مصروف ہو تو وقتی طور پر اپنی بھوک پیاس کو بالکل بھولا رہتا ہے۔ فرصت اور فراغت میسر ہو تو اسے اس کی ذاتی ضروریات وقفے وقفے سے ستاتی رہتی ہیں۔ میں نے میز پر کھانے کا آغاز ہونے کے بعد محسوس کیا کہ غزالہ کے سوا سب ہی کی بھوک چمکی ہوئی تھی۔ غزالہ کے تیار کیے ہوئے تازہ کھانوں کی تیز خوشبوؤں نے اس اشتہا میں اضافہ کر دیا تھا۔

کھانے کے دوران میں میرا ذہن ماضی قریب کے واقعات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

ہمارے حصے میں جہاں بہت سی کامیابیاں آتی رہیں وہاں کچھ ناکامیوں کے داغ بھی موجود تھے۔ عارضی طور پر ان ناکامیوں پر ہمیں صدمہ ہوتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کے اسباب خود بخود سمجھ میں آجاتے تھے۔ دشمنوں سے ہونے والی خوں ریز لڑائیوں میں لغزش اور بے خبری کی کوئی معافی نہیں تھی۔ ہر چُوک کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی شکست ہمارے سامنے آئی تھی۔ ہم نے جسمانی نقصانات بھی اٹھائے تھے مگر یہ غنیمت تھا کہ اپنی محدود تعداد کے باوجود ہم جانی نقصان سے ہمیشہ محفوظ رہے تھے اور خدا کی نصرت و تائید سے ہماری نفری برقرار تھی۔

کرشن کمار سے ہونے والی لڑائی کے بارے میں غور کرتے ہوئے ایک نکتے پر میرا ذہن الجھ گیا۔

کرشن کمار نے مجھ سے پہلی اور آخری مرتبہ فون پر بات کرتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ ہم نے مراد ظریف کو آزاد یا اس کے حوالے نہ کیا تو وہ امریکیوں سے ہمارا سودا کر لے گا۔ گرین فارم پر جمی اور ڈیوڈ کی موجودگی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ کرشن کمار نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھوس کارروائی شروع کر دی تھی اور گرین فارم پر آپریشن شروع ہونے سے پہلے اسے امریکیوں سے مذاکرات کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

کرشن کمار حیدر آباد سے واپس آنے والی ہماری گاڑی کے تعاقب کے نتیجے میں ہمارے پتے سے واقف ہو چکا تھا۔ اپنے تین آدمیوں کا مشن ناکام ہونے کے بعد وہ خود اسلحے کے بل پر ہمارے گھر میں گھس آیا تھا۔ پھر اول خان کے ذریعے جگدیش، ماروتی اور روی سے ہوتا ہوا، ہمارا فون نمبر بھی اس تک پہنچ چکا تھا۔ نہیں معلوم کہ اس نے امریکیوں سے کیا مذاکرات کیے تھے اور انہیں ان معلومات میں کس حد تک شریک کیا تھا۔

اگر کرشن کمار نے مرنے سے پہلے امریکیوں کو ہمارے پتے یا فون نمبر سے آگاہ کر دیا تھا تو ہم اس گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی محفوظ نہیں تھے۔ امریکیوں کو سراغ رسانی اور تباہ کاری پھیلانے کے سلسلے میں ابتدا سے ہی ایسے جدید ترین وسائل دستیاب رہے تھے جن کا توڑ کرنا ناممکن تھا۔

کرشن کمار اور امریکیوں کے مذاکرات کہاں تک پہنچے تھے اور اس نے ہمارے بارے میں انہیں کیا بتایا تھا۔ اس وقت ان دو سوالوں بلکہ عملی طور پر ایک سوال کا جواب ہماری بقا کے لیے اہم تھا۔ صحیح جواب اور صحیح فیصلہ ہماری زندگیوں کا ضامن تھا۔ فیصلے کی ذرا سی بھی غلطی ہم چاروں کے لیے ہولناک پیغام اجل ثابت ہو سکتی تھی۔ میں اس بارے میں جتنا سوچتا رہا، وہ نکتہ اسی قدر گمبھیر ہوتا چلا گیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ اس بار غزالہ بھی ہمارے درمیان موجود تھی۔

جب اول خان نے بند کھول کر اپنے جوتے اتارنے شروع کیے تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی ”معلوم ہوتا ہے کہ تم میمن گوٹھ کے معاملات سے بالکل ہی بے فکر یا فارغ ہو گئے ہو۔ اب تمہارے لیے وہاں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔“

”اگر تمہیں میری موجودگی گراں گزر رہی ہے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”سوال تمہاری موجودگی کا نہیں، وہاں ہونے والے واقعات سے باخبر رہنے کا ہے۔“

”کرشن کمار کو لانے کے بعد میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آئی بی والوں کی طرح میرے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ مجھے یہیں رپورٹ دیں گے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ بیشتر محکموں کے اعلیٰ حکام مجھ سے واقف ہیں۔ کراچی میں میری طویل پوسٹنگ کی وجہ سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مجھے پہچان لیتا ہے۔ ہم نے اپنے طور پر ایک بڑی کارروائی کر ڈالی ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے میں غیر ضروری طور پر ایس ٹی ایف کا نام لیا جائے.....“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ سلطان شاہ نے اس سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا ”یہ واقعات نامعلوم لوگوں سے منسوب رہیں تو بہتر ہوگا۔ تمہیں ہدف سے غرض تھی جو حاصل کر لیا گیا۔“

”اب اجازت ہو تو دوسرا جوتا بھی اتار دوں۔“ اول خان نے ویرا سے پوچھا۔

ویرا ایک ڈھیٹ لڑکی تھی مگر اس وقت شرمندہ ہو گئی ”میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔“ اس کے بعد اپنی طرف سے سب کی توجہ ہٹانے کے لیے فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو گئی ”تم کیوں بقراط بنے بیٹھے ہو؟“

”ہاں، میز پر بھی تم بالکل خاموش تھے۔“ اول خان، ویرا کے جھانسے میں آ کر مجھ سے پوچھ بیٹھا۔

”ایک سنگین مسئلہ ذہن سے چپکا ہوا ہے۔“ میں نے انہیں اپنی تشویش میں شامل کرتے ہوئے کہا ”کرشن کمار

ہمارے پتے اور فون نمبر سے واقف تھا۔ اس نے جی اور ڈیوڈ کو ہمارے بارے میں کیا کچھ بتادیا تھا؟"

"جو کچھ بھی بتایا ہو' وہ ان کے ساتھ 'ان کے سینوں میں جہنم واصل ہوگیا۔" ویرا نے جواب دیا۔

"تم بھول رہی ہو کہ مرنے سے پہلے انہوں نے موبائل فون پر اپنے بڑے افسران سے رابطہ کرکے گڑ بڑ کی خبر دی تھی۔ ہمارے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہوا ہوگا تو انہوں نے فون پر معلومات بھی آگے بڑھادی ہوں گی۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔

"امریکی ہماری اس کمین گاہ سے واقف ہوچکے ہیں تو ہم یہاں ہر غیر محفوظ ہیں۔"

"کرشن کمار انعام کی خطیر رقم حاصل کرنے کے لیے ایک مخبر کے روپ میں ان سے ملا تھا۔ ان سے سودا ہوئے اور رقم وصول کیے بغیر وہ یہ باتیں بتا کر اپنے ہاتھ پیر نہیں کٹوا سکتا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ ابتدائی ملاقات تھی۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی "وہ خالی ہاتھ آئے ہوں گے۔ انہوں نے اتنی بڑی رقم کرشن کمار کو دی ہوتی تو وہ اس کے قبضے سے یا کاٹیج سے برآمد ہوتی۔ رقم لیے بغیر وہ انہیں کچھ بتانے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہاں کوئی رقم نہیں پائی گئی۔"

"اس کے پاس کچھ نہیں تھا' کاٹیج کی تلاشی لینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔" اول خان نے اس کی تصحیح کی۔

"ہم سب عجلت میں بولے جارہے ہیں۔ ڈینی کا یہ سوال زیادہ توجہ کا طلب گار ہے۔" ویرا کو بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہوگیا۔

"اس نے انہیں کچھ بتایا ہوتا تو وہ پوچھ گچھ کے دوران میں اس حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "وہ ہمیں بددعائیں ضرور دے رہا تھا مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"

"وہ احمق نہیں بہت چالاک تھا۔" ویرا نے موقف بدل لیا "اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ کچھ بتادیتا تو ہم ہوشیار ہوکر اپنا ٹھکانا بدل لیتے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اچھا ہے' ہم بے خبری میں مارے یا پکڑے جائیں۔"

"امریکیوں کو اگر رات کو کچھ معلوم ہوگیا تھا تو وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ کیوں دھرے بیٹھے ہیں؟" اول خان نے پوچھا۔

"ابھی وہ میمن گوٹھ میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نمٹ کر ہمارے بارے میں سوچیں گے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"وہاں ان کے صرف تین آدمی ہیں۔ اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ تم دونوں ہو۔ انہیں کوئی بھنک بھی مل گئی ہوتی تو وہ پوری طاقت سے تمہارے خلاف حرکت میں آچکے ہوتے۔"

"کچھ بھی ہو۔ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" ویرا نے جواب دیا۔

"ایسا ہے تو تم چاروں مائیکرو سینٹر منتقل ہوجاؤ۔ وہاں ساری آسائشیں موجود ہیں۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

مجھے اس تجویز سے شدید اختلاف تھا۔ وہ جگہ فریڈم انٹرنیشنل اور مقبول چوہدری کی وجہ ابتدا سے ہی فساد کا گڑھ بنی رہی تھی۔ مراد ظریف نے وہاں فائرنگ کی تھی۔ وہ جاتے ہوئے امریکی سی آئی اے کے مقامی چیف سے ملا تھا اور شاید اسی ملاقات کی وجہ سے یہ شبہات ظاہر کیے گئے تھے کہ مائیکرو سینٹر سے فریڈم انٹرنیشنل کے اہم ترین عہدے داروں کو اغوا کرنے کے بعد کسی ایجنسی کے اہلکار اس عمارت پر قابض ہوچکے تھے۔

امریکیوں کو کچھ بتایا گیا ہوتا یا نہ بتایا گیا ہوتا' وہ عمارت ہر حال میں مخدوش تھی۔

"پھر تمہارے پاس فوری طور پر صرف اسٹیشن فور رہ جاتا ہے۔" اول خان نے میری پوری بات سننے کے بعد کہا۔

"اس وقت ہم ایک فی صد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔ یہ وہم تمہارے ذہن میں آیا ہے' ویرا تم سے متفق ہے۔ اسی وقت یہاں سے چل دو۔"

"تم چھت پر چلے جاؤ اور آس پاس نگاہ رکھو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "ہمیں بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بس ذہنی طور پر ہر خطرے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ وہ سڑک کے راستے ہی آئیں گے اور مزہ چکھ لیں گے۔"

"خطرے کا احساس ہوجانے کے باوجود تم یہاں رکے رہنے پر مصر ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔ سلطان شاہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈرائنگ روم سے نکل چکا تھا۔

"یہ گنجان آبادی ہے۔ یہاں وہ کوئی بڑی کارروائی نہیں کرسکتے۔ آئیں گے اور چوروں کی طرح گھر میں گھسنے کی کوشش کریں گے یا پھر وہ دو چار دستی بم پھینک کر بھاگ نکلیں گے۔ ہم ان کے استقبال کے لیے اب تیار ہیں۔ رات کے لیے تم اپنے دو آدمی بھیج دینا۔"

"دو نہیں، میں دس آدمی بھیج دوں گا لیکن یہ کوئی دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے۔"

"اب ان سے براہِ راست دو دو ہاتھ کرنے کا موقع آگیا ہے۔ ان کے خوف سے ہم کب تک ٹھکانے بدلتے رہیں گے۔"

"کبھی کبھی تم میرے لیے بالکل ناقابلِ فہم ہو جاتے ہو۔" اول خان اپنا سر جھٹک کر بولا۔

وہ موضوع اس قدر سنگین تھا کہ دیر تک اسی کے مختلف پہلوؤں پر بات ہوتی رہی۔ غزالہ مصر تھی کہ اس کی رائے درست تھی۔ ویرا کو خطرہ سر پر منڈلاتا ہوا نظر آرہا تھا اور میں بدستور اپنے فیصلے پر قائم تھا۔

پانچ بجے اول خان کے ایک آدمی کا فون آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ کراچی میں ملنے والی، کرشن کمار کی لاش کی رنگین تصاویر کو شناخت کرلیا گیا تھا۔ شاید امریکیوں کو کرشن کمار کے اصل کردار کا علم تھا۔ شناخت کے بعد ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے جسے دن بھر کی شدید تکان کا نام دے کر وہ میمن گوٹھ سے واپس کراچی کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔

"اب کل تک روی کے حق میں کوئی فیصلہ جاری ہوجائے گا۔" اول خان نے اپنے آدمی کی رپورٹ سے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سب ہی کے لیے انتظار کے لمحات صبر آزما تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے اول خان کے طلب کیے ہوئے دونوں آدمی اپنی پوری تیاری کے ساتھ آگئے۔ وہ اندھیرے میں دور تک دیکھنے والی انفرا ریڈ دوربینوں، رائفلوں، مہلک دستی بموں اور دوسرے ضروری سامان سے لیس تھے۔

میں نے اول خان کے ساتھ چھت پر جاکر ان دونوں کو متوقع خطرات اور ان کی ذمّے داریوں کے بارے میں بریف کیا پھر اپنی حفاظت کا ذمّہ ان دونوں پر چھوڑ کر ہم تینوں نیچے آگئے۔

اول خان نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزار لیا تھا۔ اسے جس فون کا انتظار تھا، وہ آچکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی رخصت ہوگیا۔

"اب بھی وقت ہے۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے کہا "اسٹیشن فور چل دو۔ جیسے جیسے رات گہری ہوتی چلی جائے گی، ان کی طرف سے حملے کے امکانات بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہم میں سے کسی کو زخم بھی آیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"سب کی نہیں، صرف اپنی بات کرو۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میں ڈیڈی کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرسکتا ہوں۔"

"میں نے بھی کبھی پشت نہیں دکھائی۔ اس وقت حالات مختلف ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے!؟"

"وہ غیر ملکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو چار آدمی آئیں گے، کوئی لشکر دھاوا نہیں بولے گا۔ تمہارا دم کیوں نکلا جارہا ہے۔ اس وقت ہم چھ افراد ہیں۔ کیا ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے؟"

"بھاڑ میں جاؤ اور میری بات لکھ لو۔" وہ بھنّا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی "آج رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ میری رگوں میں امریکی خون دوڑ رہا ہے۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"یہ تمہاری رگوں میں دوڑتے ہوئے امریکی خون کی خرابی ہے کہ تم پر خوف سوار ہو رہا ہے۔"

"اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا، میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔" اس نے مڑ کر ہم تینوں سے کہا "جب بھوک لگے گی، خود کچن سے کھانا لے کر کھالوں گی۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنی شام برباد نہیں کرسکتی۔"

"تمہارے ہم وطن آگئے تو ہم انہیں تمہارے کمرے میں ہی بھیج دیں گے۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

اس بار ویرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غزالہ اس نوک جھوک پر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔

ہم نے وقت گزاری کے لیے ٹیلی ویژن کھول لیا۔ اس رنگین ڈبے پر نظر آنے والے پروگراموں سے ہم میں سے کسی کو رغبت نہیں تھی۔ بس مشینی انداز میں کبھی کبھار اسے دیکھ لیا جاتا تھا۔ کچھ پروگراموں کے بعد خبرنامہ شروع ہوا تو اس میں چوتھی خبر میمن گوٹھ میں ہونے والے پراسرار حادثے کے بارے میں تھی۔ ابتدائی تین خبریں درجہ بدرجہ عمائدین سلطنت کی مصروفیات اور پیغامات پر مشتمل تھیں۔

شاید اوپر کی ہدایات پر نشریات کی وزارت نے میمن گوٹھ کے واقعات کو زیادہ اہمیت دی تھی۔ اس خبر میں سب کچھ وہی تھا جو ہمیں اول خان سے معلوم ہوچکا تھا۔ اضافی بات یہ تھی کہ حکام نے پاکستان میں کرشن کمار کی غیر قانونی موجودگی کو بہت سرعت سے بے نقاب کردیا تھا۔ خبر کے آخر میں یہ واضح کردیا گیا تھا کہ ساری توجہ اس مجبوری پر مرکوز کردی گئی تھی جو مرنے والے امریکیوں کو ایک غیر قانونی

تارک وطن کے درپے لے گئی تھی۔
امریکیوں کے تازہ زخم پر نمک پاشی کے لیے وہ آخری اعلان بہت ضروری تھا۔
کھانے کے بعد ہم خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنے کمرے میں بیٹھی غزلوں کی لے پر اسکاچ سے شغل کر رہی ہوگی۔ اس وقت اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں تھی۔
بستر پر پہنچنے کے نصف گھنٹے بعد غزالہ گہری نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔ وہ دن بھر گھر کے کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھکی ہاری تھی پھر اس کا ذہن بالکل صاف تھا۔ اس نے خطرے کے ہر امکان کو یکسر مسترد کر دیا تھا اس لیے اس کی نیند میں کوئی چیز حارج نہیں ہو سکی۔ میری کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔ ذہنی اور اعصابی تکان کے باوجود نیند کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔
دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے اور کئی سگریٹیں ختم کرنے کے باوجود جب نیند کے آثار نمودار نہ ہوئے تو میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور سلیپر پہن کر دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آیا۔
راہداری میں رک کر میں نے ویرا کے بند دروازے کے پیچھے کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر وہاں رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ کیسٹ پلیئر بند ہو چکا تھا اور ویرا اپنا کوٹہ پورا کرنے کے بعد گہری نیند سو چکی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بجا رہی تھی۔
میں زینوں کی طرف ہو لیا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں ہی بھڑکے تھے۔ اس وقت ایک بوتل سے منہ لگا کر پانی پی رہا تھا۔ دوسرا ٹرائی پوڈ پر لگی ہوئی دوربین پر جھکا گلی کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں اپنی رائفلیں سنبھال کر جھٹکے سے سیدھے ہوئے تھے پھر مجھے پہچان کر ان کے تنے ہوئے بدن ڈھیلے پڑ گئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور دوربین والا دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔
وہ دونوں پوری ذمّے داری سے اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک تھے۔ اس وقت تک انہیں سڑک پر کوئی غیر معمولی نقل و حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے کچھ دیر ان کے پاس رک کر ایک سگریٹ ختم کی، سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ کچھ تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں جذب کی اور وہاں سے لوٹ آیا۔
میری وہ بے نام بے چینی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں بستر پر کروٹیں بدلے جا رہا تھا اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی اور اعصابی کشیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
رات کے تین بجے، گھر کے گہرے سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی اور میں بری طرح چونک گیا۔ دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا چکا تھا۔
”مجھے اندازہ تھا کہ تم جاگ رہے ہوگے۔“ دوسری طرف سے اول خان کی آواز گمبھیر اور نیند کے خمار سے عاری تھی۔
”کیا تم نے صرف یہی جاننے کے لیے اس وقت فون کیا تھا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”تمہاری چھٹی حس بلاوجہ خطرے کی گھنٹی نہیں بجا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دھماکوں سے اڑا دیا۔“ اول خان کے انکشاف نے لمحے بھر کے لیے مجھے ہلا دیا۔
باہمی مشوروں کے نتیجے میں اگر ہم خوف زدہ ہو کر مائیکرو سینٹر منتقل ہو گئے ہوتے تو ہماری لاشیں اسی عمارت کے ملبے میں دفن ہو کر رہ جاتیں۔ وہ کہہ رہا تھا ”میرا آدمی اس حادثے میں موت کے منہ سے بال بال بچا ہے۔“
”ہوا کیا تھا؟ کیا وہاں کوئی ٹائم بم پھٹا ہے؟“ میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔
”وہ دو نقاب پوش تھے۔ سر سے پیر تک، ان کے جسم کا ہر حصہ ڈھکا ہوا تھا۔ ہاتھوں پر دستانے تھے۔ وہ ایک جیپ میں توحید کمرشل پہنچے اور انہوں نے موٹے بیرل والی چھوٹی چھوٹی گنیں اپنے شانوں سے ٹکا کر گیراج والے نچلے حصے پر دو بم فائر کیے۔ بموں نے بنیادوں اور نچلے ستونوں کو توڑا اور پوری عمارت مہیب آوازوں کے ساتھ نیچے آتی چلی گئی۔“
”اور وہ دونوں بھاگ گئے؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے پوچھا۔
”جیپ کا انجن اسٹارٹ تھا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مشکل سے رکے۔ دونوں نے ایک ایک فائر کیا اور فرار ہو گئے۔“
”میں پہلی بار ایسی کسی گن کے بارے میں سن رہا ہوں۔“ ”وہ یقیناً کوئی جنگی ہتھیار رہا ہوگا۔“
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ گوریلا لڑائیوں میں امریکی فوجی کم فاصلے پر تباہی پھیلانے والے چھوٹے گولے فائر کرنے کے لیے ایسی گنیں استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ دونوں بھی امریکی

رہے ہوں گے۔ ایسے ہتھیار عام دسترس میں نہیں ہیں۔"

"تم شاید اپنے گھر سے بول رہے ہو۔ تمہیں یہ اطلاعات کیسے ملیں؟" میں نے سوال کیا۔

"مائیکرو سینٹر کی چوکیداری پر مامور، ایس ٹی ایف کا سپاہی نسوار کھانے کی عادت میں مبتلا ہے۔ اس کی ڈبیا خالی ہوگئی تھی اور اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ حملے سے چند منٹ پہلے وہ دروازہ مقفل کرکے اپنے کسی دوست سے نسوار لینے نکلا تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے مائیکرو سینٹر ملبے میں تبدیل ہوچکا تھا۔ نسوار کھانے کی بری عادت نے آج اس کی زندگی بچالی ہے۔"

"دیکھو [illegible] کبھی بری عادتیں بھی انسان کے کام آجاتی ہیں۔ تمہارا آدمی بچ گیا [illegible] تو ہلاک یا زخمی نہیں ہوا؟" میں اول خان کی زبان سے زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"امکان نہیں ہے۔ انہوں نے گراؤنڈ فلور کو نشانہ بنایا اس لیے آس پاس کی عمارتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ صحیح صورت حال کچھ دیر بعد واضح ہوسکے گی۔ تم نے پچھلی شام کو ہی مائیکرو سینٹر کو سب سے زیادہ غیر محفوظ قرار دیا تھا اور اب یہ خبر آگئی۔"

"اس خبر سے ہمیں اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم کس کا حوالہ دے رہے ہو؟" اول خان نے بے ساختہ سوال کیا۔

"کرشن کمار نے انہیں ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس بارے میں غزالہ کا اندازہ سوفیصد درست تھا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا۔ مجھے تو دونوں باتوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔"

"جانی نقصان اور ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لیے انہیں کوئی مضبوط ترین ہدف درکار تھا۔ انہیں ہمارا پتا معلوم ہوتا تو وہ ادھر کا رخ کرتے۔ جان اسمتھ کو معلوم تھا کہ مقبول چوہدری کے غائب ہونے کے بعد کوئی ایجنسی مائیکرو سینٹر پر قابض ہے اور وہ ہمیں ایجنسی کا آدمی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہم وہیں مقیم ہیں اور کرشن کمار یہ بتانے کے لیے انعامی رقم مانگ رہا تھا۔ انہوں نے وہیں حملہ کردیا۔"

"یعنی یہ حملہ مائیکرو سینٹر پر نہیں، تمہاری اور ویرا کی پناہ گاہ پر کیا گیا ہے!"

"ہاں اور اب میں وہاں کی تباہی کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد کرو گے۔ اس عمارت سے ہماری کیا وابستگی ہے۔ اکرام الٰہی نے حرام کے پیسے سے بنوائی تھی۔ وہ اسی طرح ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ مال حرام بود، بہ جائے حرام رفت۔ ہمیں اس سے کیا لینا!"

"تمہارا آدمی وہاں ہے۔ اس کا سامان ملبے میں رہ گیا ہوگا۔" میں نے اسے آمادہ کرنے کے لیے کہا۔

"سپاہی کا سامان ہی کیا ہوتا ہے۔ ایک جوڑا اور ہتھیار۔ اس کا ہتھیار اس کے ساتھ تھا۔ ایک جوڑا میں اسے لے دوں گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ خاموشی سے اسٹیشن فوراً واپس چلا جائے۔"

"انہیں جب علم ہوگا کہ عمارت میں کوئی ذی روح نہیں تھا تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔"

"اب جا کر سونے کی کوشش کرو۔ اب تمہاری بے چینی دور ہوجانی چاہیے۔ ہاں یہ بھی سن لو کہ روی کے وارنٹ واپس لے لیے گئے ہیں۔ کرشن کمار کے بارے میں بہت تیزی سے ہر بات معلوم کرلی گئی ہے۔"

"یہ تفصیل میں نے خبرنامے میں سن لی تھی۔ روی کی خوش خبری تم سنا رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی جاگ رہا ہے یا سب سوئے ہیں؟"

"سب سو رہے ہیں۔ میں ابھی تمہارے آدمیوں کے پاس سے ہوکر آرہا ہوں۔ صبح انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ یہاں رہ کر بے چارے بلاوجہ بے آرام ہوتے رہیں گے۔"

"ابھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ دو چار دن تک احتیاط ضروری ہے۔ زخمی ناگ پلٹ پلٹ کر وار کرتا ہے۔" اس نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا "صبح میں ان کو بلاکر، ان کی جگہ نئے آدمی بھیج دوں گا۔ چند دنوں تک دن اور رات میں ڈیوٹیاں بدلتی رہیں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" میں بے بسی سے ہنس پڑا "بعض اوقات تم ہمیں ضرورت سے زیادہ نازک سمجھنے لگتے ہو۔"

"تمہاری سکون کی نیند کے لیے میں پورا دستہ بھی بھیج سکتا ہوں۔ مجھ سے ان معاملات پر بحث مت کیا کرو۔"

"فی الحال میرا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں جان اسمتھ کی خبر لینا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت تم کیا کرو گے؟ وہ کہاں ملے گا؟" اول خان کی آواز تحیرزدہ تھی۔

"فون پر ملے گا۔ اسے کچھ ایسی خوراک دوں گا کہ اس کی نیندیں حرام ہوجائیں گی۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"اس کا فون نمبر تمہیں کہاں سے ملے گا؟" اول خان کی حیرت برقرار تھی۔

"وہ اوبرائن کی جگہ آیا ہے۔ اسی کے فلیٹ میں رہ رہا ہوگا۔ وہاں کا فون نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔"

"سی ایس ڈی ضرور ٹیپ کرلینا۔" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ میری تجویز سے محظوظ ہوا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "اس کے بعد تم سکھ کی نیند سوؤ گے۔ اور وہ کسی پاگل کی طرح رات بھر جاگتا رہے گا۔"

ہم دونوں نے جان اسمتھ کی شان میں چند بے تکلفانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور بات ختم کردی۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میری بے چینی حیرت انگیز طور پر دور ہوچکی تھی۔ وہ شاید میری چھٹی حس کا کرشمہ تھا کہ میں نے وقت سے پہلے خطرے کی بو محسوس کرلی تھی۔ بے چینی ختم ہونے کے باوجود مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے گہری نیند سوئی ہوئی غزالہ کے خواب انگیز سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس کی نیند میں خلل پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

اول خان ایک ذمّے دار آدمی تھا۔ کبھی کوئی کچی بات منہ سے نہیں نکالتا تھا۔ میں نے ہمیشہ اس کی کہی ہوئی بیشتر باتوں کو سند کے طور پر لیا تھا اور مجھے کبھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر طرف سے تصدیق کیے بغیر روی والی بات نہیں کہی ہوگی۔

میں نے جان اسمتھ سے پہلے وہ خوش خبری ماروتی تک پہنچانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خبر اتنی بڑی تھی کہ میں اس وقت بھی روی اور ماروتی کی نیند خراب کرسکتا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم سے فون ملایا تو دوسری گھنٹی پر ایک غنودہ مردانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ ماروتی یا روی سے بات کرادو۔" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ماروتی بے خبر سورہی ہے۔ میں روی بول رہا ہوں۔ چاہو تو مجھ سے بات کرلو ورنہ میں اسے جگادوں۔" اس کی آواز سے نیند کا نشہ بہت حد تک کافور ہوگیا۔ مجھے ماننا پڑا کہ وہ اپنی بیوی کی آزادیوں کے بارے میں غیر معمولی حد تک فراخ دل تھا۔

"تمہارے لیے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ صبح تم بے فکر ہوکر اپنے گھر جاسکتے ہو۔ اب وہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"اوہ ... گریٹ ...!" ریسیور پر روی کی مسرت آمیز آوازیں ابھریں۔ "ماروتی نے تمہارے بارے میں سچ کہا تھا۔ تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔"

"شکریہ اب تم آرام کرو۔ پھر کسی بھلے وقت پر تم سے ملاقات ہوگی۔"

"اس سے زیادہ بھلا وقت اور کیا ہوگا۔ کل شام تم ہمارے ساتھ چائے پیوگے۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"

میں دل سے اس ملاقات کا خواہاں تھا مگر میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا "میں کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں، وعدہ کرو میرے دوست!" اس نے اصرار کیا "ماروتی نے مجھے بتایا ہے کہ تمہاری مسلمانی بہت مضبوط ہے اور تم شراب نہیں پیتے اس لیے تمہیں چائے پر مدعو کررہا ہوں ورنہ ہم تینوں مل کر کاک ٹیل پارٹی اڑاتے۔"

"میں ایک شرط پر وعدہ کرسکتا ہوں کہ تمہارے بڑے بھائی ہماری محفل میں شامل نہ ہوں۔"

"ارے! تم بھایا جی کی فکر نہ کرو۔ وہ مجھ سے اور میرے دوستوں سے دور رہتے ہیں۔ ان پر ہروقت بزرگی سوار رہتی ہے۔" اس کی آواز سے ایسی بشاشت مترشح تھی جیسے وہ سرے سے سویا ہی نہ ہو۔

میں نے اس سے وعدہ کرلیا اور بات ختم ہوجانے کے بعد کئی منٹ تک سوچتا رہا کہ اس نے شراب نوشی سے پرہیز کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ کہا تھا، وہ اس کی طبیعت کے لاابالی پن کا نتیجہ تھا یا اس نے لطیف پیرائے میں مجھے یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہربات سے باخبر تھا۔

کسی نتیجے پر نہ پہنچنے کے بعد میں نے اس الجھن کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کا پیغام کچھ بھی رہا ہو، یہ بات طے تھی کہ اس نے مجھے اگلی شام چائے پر مدعو کرلیا تھا جہاں میں اس سے کھل کر بہت سی باتیں کرسکتا تھا۔

وقت بہت خاموشی سے گزرتا چلا گیا تھا۔ میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی سابقہ قیام گاہ کا نمبر ملایا تو وہاں راوی نے عیش و آرام کی ہر تحریر پر قلم پھیرا ہوا تھا۔ پہلی گھنٹی بجنے کے بعد ہی کسی کٹ کھنے سے امریکی کی غراہٹ نے میری طبیعت مکدر کردی۔

"اگر تم ہی جان اسمتھ ہو تو تم سے فون پر زیادہ دیر بات کرنی ممکن نہیں ہے۔ میرے کان کا پردہ پھٹ جائے گا۔"

"یو سن آف اے گن!" میرے کانوں میں غصیلی آواز گونجی "میں ہی جان ہوں۔ تم کون ہو؟"

"میں تمہاری جان کا روگ ہوں جسے لوگ ڈینی کے نام سے جانتے ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"اوہ... یُو... !" اس طرف سے یک بیک مغلظات کا ایک سلسلہ شروع ہوا پھر اچانک ہی لائن ڈراپ ہو گئی۔ کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر سنائی دیا تھا۔ میں نے کریڈل دبا کر فوراً ہی جان کا نمبر دوبارہ ملالیا۔
"اب تم نے کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تو میں تیسری بار تمہارا نمبر نہیں ملاؤں گا۔" میں نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔
"تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا اور میں کال ریکارڈ کرلوں گا۔ مجھ سے ہوائی باتیں مت کرو۔"
"ابھی لائن بلاوجہ ڈراپ نہیں ہوئی تھی۔ میرے فون سے کال سینسنگ ڈیوائس منسلک ہے۔ تم اپنے ریسیور کے ساتھ کسی بھی دوسرے آلے کو چھیڑو گے اور لائن خود بہ خود بند ہو جائے گی۔ یہ کوئی ہوائی بات نہیں ہے۔"
"نہیں ہوگی۔" اس نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی جیسی حساس چیزیں زرد جاپانیوں نے تم کالوں تک پہنچا دی ہوں گی۔ تم بولو میں سن رہا ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"
"ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ تم نے مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو تمہارا وقت ضرور پورا ہو جائے گا۔"
"ہذیان بکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا ہے۔" اس کی آواز میں تجسس تھا۔
"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہو۔ تم نے مائیکرو سینٹر کو تباہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ میری فون کال اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے ٹھکانے سے واقف ہوں اور مائیکرو سینٹر میں ہونے والی دس اموات کے بدلے تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔"
"اوہ! وہاں دس آدمی مرے ہیں۔" اس کی آواز سے خوشی مترشح تھی "اب تمہارا دماغ کچھ ٹھکانے پر آگیا ہوگا۔"
"آدمی نہیں، صرف چوہے مرے ہیں!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "خالی عمارتوں میں صرف چوہے پروان چڑھتے ہیں۔ ان کے لیے ادارۂ تحفظ حیوانات تم سے جواب طلب کرے گا۔ میں ان کا بدلہ تمہارے خون سے لوں گا۔"
"اب یہاں او برائن جیسا فلسفی نہیں، میں رہتا ہوں۔ تم اس عمارت کے قریب بھی پھٹکے تو تمہارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے تحفظ کے لیے ہر قسم کی آزادی میسر ہے۔ تمہارے خلاف اس آزادی کو بے رحمی سے استعمال کیا جائے گا۔"
"یہ آزادی جمی اور ڈیوڈ کو بھی حاصل تھی۔ ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"مجھے شبہ تھا کہ اس واقعے میں تم ہی ملوث ہو سکتے ہو۔ تمہارے خلاف فردِ جرم روز بروز سنگین ہوتی جا رہی ہے۔"
"وہ اپنی بدحواسی کی وجہ سے کھڈ میں گر کر مرے ہیں۔ انہیں کرشن کمار سے اپنا سودا طے کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ اس سے پہلے میرے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ وہ بھاگے اور خود ہی شرم سے ایک کھائی میں جا گرے۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔"
"ان کی باقیات کا پوسٹ مارٹم ہونے تک ہم خاموش ہیں۔ امریکی ماہروں کا معائنہ مکمل ہونے کے بعد ہر بات سامنے آجائے گی پھر تم دیکھنا کہ تمہیں کون امان دیتا ہے۔ تم پر تمہاری اپنی زمین تنگ کر دی جائے گی۔"
"وہ اب بھی بہت تنگ ہے۔ میں چھوٹے سے مکان میں رہتا ہوں پھر بھی تمہاری دسترس سے باہر ہوں۔"
"تمہارے لیے صرف چھ فٹ زیر زمین جگہ ہونی چاہیے۔ تم اس سے زیادہ کے حق دار نہیں ہو۔"
"اتنی جگہ اب تک تمہارے آدمیوں کو راس آتی رہی ہے۔ اپنے لیے بھی کہیں بندوبست کرلو۔"
"جمی اور ڈیوڈ کامیاب ہو جاتے تو اس وقت تم ان بڑے بولوں کے لیے آزاد نہ ہوتے۔"
"وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ کرشن کمار نے بنیاد ہی بدنیتی پر رکھی تھی۔ کیا اس بات سے تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں کہ تم لوگوں سے اپنی مخبری کے عوض انعام کا سودا کرنے والا کوئی اور نہیں، را کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ تھا۔"
"یہ ہمارا اور ران کا معاملہ ہے۔" جان کی آواز میں مزید تلخی گھل گئی "ہم ان سے اپنے معاملات طے کرنا جانتے ہیں۔ اس بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں مجھ سے تم اپنی بات کرو۔"
"تم وہ لوگ ہو جن پر ان کے دوست اعتماد نہیں کرتے، مجھے تو تم اپنا دشمن شمار کرتے ہو۔ میں تم سے عداوت کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔"
"تم نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟" جان نے ترشی سے پوچھا۔
"وہ مقصد میں حاصل کر چکا ہوں۔ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ مائیکرو سینٹر تباہ کر کے تم نے کچھ حاصل نہیں کیا اور مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہے۔"

"میں اس کثیر المنزلہ عمارت میں رہ کر خوف زدہ نہیں ہوں۔ اوبرئن کا چھوڑا ہوا فلیٹ آباد کرتے ہوئے مجھے اطمینان تھا کہ یہاں میں محفوظ ہوں۔ میرے خلاف اندھا دھند کارروائی کرکے کوئی پاگل ہی سیکڑوں پاکستانیوں کے خون کی ہولی کھیلے گا۔"

"تم ہر وقت فلیٹ میں نہیں رہتے۔ یہاں آتے جاتے بھی ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں اپنے دفتر سے بھی روز آتا جاتا ہوں۔ ہم لوگ اتنے بودے نہیں ہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"میرے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اب تمہیں یہاں ایف بی آئی کی کمک کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے۔"

"تم اپنی ذات میں ایک کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ تمہاری اصل قوت پوری انتظامیہ میں مضمر ہے جو پس [illegible] کر تمہاری مدد کرتی ہے اور اندر کی خبر[illegible] تم تک پہنچاتی ہے۔ یہ حقیقت تم خود بھی جانتے ہو۔"

"یہ مسئلہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ تمہیں آج سی آئی اے، ایف بی آئی اور امریکی حکومت کی سرپرستی حاصل نہ رہے تو تم خود کو صفر سے بھی بہت نیچے پاؤ گے۔ ہر شخص کو اصل طاقت اس کی ٹیم مہیا کرتی ہے۔ موازنہ کرو گے تو میری ٹیم کو بہت مضبوط پاؤ گے۔"

"میرا اور تمہارا کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اور میرے اختیار کو پاکستان سے امریکا تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمہیں کوئی اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان کے ریکارڈ میں تمہارا اندراج ایک مجرم کی حیثیت سے ہے۔ یوں سمجھو کہ قانون کا کوئی محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی میں دس خون بھی کردے تو اس سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی۔ قاتل ایک قتل کردے تو سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ بیوروکریسی نے تمہیں اپنا آلۂ کار بلکہ کھلونا بنایا ہوا ہے۔ تم سے کام لینے والے اپنی ٹوپیوں میں کلغیاں سجاتے ہیں، تمہیں کچھ نہیں ملتا۔ جب تم بوڑھے ہوجاؤ گے اور ان کے کسی کام کے نہیں رہو گے تو اندھیرے میں سے آنے والی کوئی بے نام ونشان گولی تمہاری زندگی کا چراغ گل کردے گی۔"

اس کی تقریر بہت لمبی ہوتی جارہی تھی۔ میں نے بات درمیان میں کاٹ دی "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"شاید تمہیں عقل آجائے اور یہ باتیں تمہیں بھی نظر آنے لگیں۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ تم لوگ اپنے فائدے کے بغیر کسی کو ٹھوکر بھی نہیں مارتے۔"

"تم دہشت گردی کی زندگی سے تائب ہوکر باعزت زندگی کی راہ اختیار کرلو تو ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔"

"میرے تائب ہونے سے تمہیں کیا آسانیاں میسر آسکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ہم اپنے کئی اچھے دماغوں سے محروم ہوچکے ہیں۔ تم راستے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم اپنی توانائیاں دوسرے تعمیری کاموں پر صرف کرسکیں اور ہمیں مزید نقصانات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے اسے چارہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہا[illegible] ہے؟"

"اگر تم [illegible] دریاں ہلانے والے اجازت دیں تو گوشہ نشینی اختیار کرلو۔"

"اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کرو گے؟"

اس بار میرے کانوں میں اس کا نیم وحشیانہ قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا "کچھ بھی نہیں، ہماری کتابوں میں تمہارا نام ہمیشہ کے لیے قاتل اور دہشت گرد کے طور پر درج ہوچکا ہے۔ میں اوبرائن نہیں ہوں جو تمہارے اس جال میں پھنس جاؤں۔"

"اوبرائن سے میری کبھی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ کرنل جمال دستی تمہارا ایک بہروپ تھا۔ میں اس بحث میں اپنا وقت برباد نہیں کروں گا۔"

"میرا وقت بھی اتنا بے وقعت نہیں ہے کہ میں تمہاری بے مغز باتیں سنتا رہوں۔" میں نے فون بند کردیا۔

اس سے بات کرکے میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی اور اپنا بین السطور پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک ناکامی کے بعد اس نے دوبارہ گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سلسلہ کسی خلل کے بغیر جاری رہا تھا۔

واقعات کی جو لہر آکر گزر چکی تھی۔ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوچکا تھا اور میں یکایک آرام دہ بستر کی خواہش محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جلتا ہوا اکلوتا بلب گل کیا اور اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔

○☆○

میں باہر کی فضا میں ملگجا سا اجالا پھیلنے کے بعد سویا تھا اس لیے دیر تک سوتا رہا۔ کسی نے میری نیند میں خلل ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ گیارہ بجے میں نے بستر چھوڑ کر باتھ روم

کا رخ کیا اور تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو تینوں میرے منتظر تھے۔

"خیریت ہے۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا "آج تینوں کے تیور یکساں نظر آ رہے ہیں۔"

"تمہارے لیے ماروتی کا فون آیا تھا۔" ویرا نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا "وہ تمہارے جوابی فون کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فون کرنا تم کو ناگوار گزرا ہے۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"وہ تمہارے سوا کسی سے بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ بس اپنا پیغام دے کر فون بند کر دیا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "میں ریسیور پر مظہر کا نام سن کر لمحہ بھر کے لیے چکرا گئی تھی پھر یاد آیا کہ اس سے تم اسی نام سے ملے تھے۔"

"اس کی جگہ تم ہوتیں تو تم بھی یہی کرتیں۔ وہ کہاں سے بول رہی تھی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ منہ سے بول رہی تھی۔" ویرا کے بے ہودہ جواب پر وہ تینوں ہنس پڑے۔

"سنا ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہے۔" سلطان شاہ نے میرا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر کہا "اول خان نے تین بجے تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک تمہاری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر ماروتی تمہاری کسی کال کا حوالہ دے رہی تھی۔"

وہ شریفانہ سوال تھا۔ میں نے اسے اپنی اور روی کی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

"آپ ویرا کی باتوں پر بلاوجہ ناراض ہوتے ہیں۔ یہ ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی الٹی سیدھی باتیں کر جاتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

"یہ بات یاد رکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "آئندہ تمہیں ویرا کی کوئی بات بری لگی تو میں یہ مشورہ یاد دلا دوں گا۔"

ہنسنے بولنے کے باوجود ہمارے درمیان کچھ دیر تک تناؤ کی کیفیت موجود رہی۔ اس کا واحد سبب ماروتی کی فون کال تھی۔ میرے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ تناؤ دور ہوا تو میری رات کی مصروفیات زیر بحث آ گئیں۔ میرے بیدار ہونے سے پہلے اول خان کا فون آ چکا تھا۔ اس کی زبانی انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ پچھلی رات مائیکرو سینٹر کو تباہ کر دیا گیا تھا۔

اول خان کو ہری چند کے بارے میں تشویش تھی۔ گھر سے غائب ہونے کے بعد پورے حیدر آباد میں اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد ماروتی سے رابطہ کر کے اسے روی کی مکمل گلو خلاصی کی نوید سناؤں اور پھر اس سے ہری چند کے بارے میں بات کروں تاکہ کرشن کمار کا وہ ساتھی بھی گرفت میں آ سکے۔ اسے ڈر تھا کہ تاخیر کی صورت میں کہیں وہ سرحد پار نہ نکل جائے۔

اول خان کی فکر مندی میں ماروتی کی فون کال کا جواز موجود تھا۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ اسی نظریے کے تحت میں نے رات کو روی سے بات کی تھی اور شام کے لیے اس کی دعوت بھی قبول کر لی تھی۔

میری اور جان اسمتھ کی گفتگو میرے نزدیک بے مقصد تھی مگر ان کے لیے وہ دلچسپی کا سبب بن گئی اور اس پر دیر تک سوال اور جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ میری مصروفیات کے بارے میں ان کی بریفنگ مکمل ہو چکی تھی۔ وہ آپس میں تبادلہ خیال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جا کر تازہ اخبار سنبھال لیا جس میں پچھلے واقعات کی بازگشت کے ساتھ نیا مواد بھی شامل تھا۔

پچھلے روز کرشن کمار کی شناخت کے سلسلے میں روی موہن کا نام بہت اچھالا گیا تھا لیکن گرین فارم پر اس کی تصاویر کی شناخت اور پھر میرپور خاص سے شواہد مل جانے کے بعد روی موہن کا نام اچانک خبروں سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ ایک اچھی علامت تھی کیونکہ اس وقت پورے شہر میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کر سکتے تھے۔

اول خان کی عجلت کی وجہ سے ہمارے گھر کا فون نمبر جگدیش، روی اور ماروتی تک پہنچا ہوا تھا۔ جگدیش سے رسمی باتیں ہوئی تھیں اس لیے وہ اس نمبر کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا مگر روی اور ماروتی کو پوری طرح علم تھا کہ میں نے کرشن کمار کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ان سے روی کی معافی کا سودا کیا تھا اور اسی رات کرشن کمار کو مار دیا گیا تھا۔ وہ آسانی سے سمجھ گئے ہوں گے کہ کرشن کمار ہمارا شکار بنا تھا۔

ماروتی کے لیے میں صرف ایک چہرہ تھا کیونکہ وہ میرے اصل نام سے بے خبر تھی۔ روی کے لیے میں صرف ایک آواز تھا۔ ان کے پاس میرا کوئی حقیقی سراغ تھا تو وہ فون نمبر تھا۔ اس پر تھوڑی سی محنت کر کے کوئی بھی ہمارے گھر تک پہنچ سکتا تھا۔

میرے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں میاں بیوی ہمارے راز دار بن گئے تھے۔ ان کی خوشنودی کی اہمیت میرے اور

اول خان کے سوا کوئی نہیں سمجھ رہا تھا وہ کرشن کمار کے قتل کے موضوع پر زبان کھول کر دشواریاں بھی پیدا کر سکتے تھے۔
بارہ بجے اسلام آباد سے جلال کا فون آگیا۔ اس نے رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد بتایا کہ امریکی حکومت نے جمی اور ڈیوڈ کی موت پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا مگر وزارت خارجہ کو وائٹ ہاؤس سے ایک سخت نوٹ بھیجا گیا تھا جس میں زور دے کر کہا گیا تھا کہ جمی اور ڈیوڈ نے واضح ہدایات کی خلاف ورزی کی قیمت ایک جان لیوا ظاہری حادثے کی صورت میں ادا کی جو پاکستان کی سرزمین پر ایک معمول بن چکی ہے۔
حدود اور ہدایات سے بہت سے لوگ تجاوز کرتے رہتے ہیں جن میں پاکستانیوں کے ساتھ بہت سے غیر ملکی بھی شامل ہیں لیکن یہ بات حیرت اور صدمے کے ساتھ نوٹ کی گئی ہے کہ بعض پراسرار اور نادیدہ قوتیں ہر وقت امریکی اہلکاروں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں اور جوں ہی ان میں سے کوئی مقررہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، اسے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے یا سرِعام تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں رابن، مائر اس کے ساتھی کمانڈو، بوب رافیل، جمی جونز اور ڈیوڈ رسل کے خصوصی حوالے دیے گئے تھے۔
مہذب سفارتی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وائٹ ہاؤس کو یقین ہے کہ حقیقت یہ نہیں ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بعض عناصر کو پاکستانی حکومت کی جانب سے کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جب اور جہاں بھی مناسب سمجھیں، کسی امریکی اہلکار کو مار ڈالیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ضرورت پیش آئی تو انہیں سرکاری تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا۔
وائٹ ہاؤس اس خطرناک تاثر کا فوری خاتمہ چاہتا ہے۔ وہ حالات برقرار رہے تو امریکی ملازمین پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کردیں گے۔ ممکن ہے کہ سارے سفارتی دفاتر بند کرنے کی نوبت آجائے۔ ایسا ہوا تو یہ پاکستان اور امریکا کے تعلقات کے لیے بدترین دھچکا ہوگا جس سے بچنے کے لیے پاکستانی حکومت کو پوری سنجیدگی اور طاقت سے کارروائی کرنی چاہیے جو نظر بھی آسکے۔
شاید اس نوٹ کی نقل جلال کے پاس موجود تھی۔ اس نے اس کے منتخب حصے مجھے پڑھ کر انگریزی میں ہی سنائے تھے۔
"یہ توہین آمیز نوٹ ہے۔ اسے قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے تھا۔" میں نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

"یہ سفارتی سرد مہری کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔" جلال نے مجھے سمجھایا۔
"اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟" میں نے غصے اور بے بسی سے پوچھا "حقیقت یہ نہیں ہے، کہنے کے بعد سارے الزامات ہمارے سر تھوپ دیے گئے ہیں۔ اس طرح وائٹ ہاؤس والے اپنے ملازمین کے جرائم کی پردہ پوشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"
"انہوں نے بوب رافیل والے معاملے میں امریکی صدر کی معذرت کی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ مراسلہ بھیجا ہے۔ ماہرین سرجوڑ کر، حقائق کی روشنی میں ا[illegible] جواب تیار کررہے ہیں۔ اسے پڑھ کر ا[illegible] ریکیوں کی طبیعت جھک ہوجائے گی۔"
"ایسا ہو تو لطف آجائے گا۔ راستہ انہوں نے خود سمجھایا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے مگر۔۔۔ اس کے بعد الزامات کی ایک طویل فہرست گنوائی جاسکتی ہے۔ شاید اسلام آباد اور کراچی کے دفاتر میں اس مراسلے کی نقلیں فیکس پر آچکی ہیں۔ جب ہی جان اسمتھ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا کہ اب مجھ پر میرے اپنے ملک کی زمین تنگ کردی جائے گی۔" میں نے خیال آتے ہی اسے وہ نکتہ بھی بتا دیا۔
"جان سے تمہارا ٹکراؤ کیسے ہوگیا؟" میرے انکشاف نے جلال کو بری طرح چونکا دیا۔
"ٹکراؤ نہیں ہوا، آج صبح چار بجے میں نے اسے فون کیا تھا۔ رات انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل والی پوری عمارت کو بموں کے دھماکے سے اڑا دیا۔"
"مائیکرو سینٹر کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔ وہ دو۔۔ نامعلوم نقاب پوش تھے مگر یہ شناخت نہیں ہوسکی کہ ان کی قومیت کیا تھی۔ وہ جو چاہے کرتے رہیں، تم ان کے منہ مت لگو۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو اور ان کی نظروں میں آنے سے بچو۔"
"اس سے بات کرنے کے بعد ہی یقین ہوا ہے کہ مائیکرو سینٹر اڑانے والے امریکی تھے۔"
"یہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت تھی ڈینی؟" جلال کی آواز التجا آمیز ہوگئی "ہمارے اپنے طور طریقے ہیں۔ کچھ وقت ضرور لگتا ہے لیکن سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ اجلاسوں میں تمہارا نام ہماری کمزوری بن جاتا ہے۔ ہم ان کی باتیں سننے پر مجبور ہوتے ہیں مگر تمہاری مدافعت میں ایک لفظ نہیں بول سکتے۔ وہ فوراً تمہاری سرپرستی کا الزام لگانے پر اتر آتے ہیں۔"

میں اس کی پریشانی اور آزردگی کے اسباب پوری طرح سمجھتا تھا مگر اس کے مشورے نے مجھے افسردہ کردیا۔ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا "وہ ہمارے درمیان ایسی ہی تلخیوں اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کی امید پر بلند بانگ دعوے کررہا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہ ہو۔ اب ان کے کسی معاملے میں میرا نام نہیں آئے گا۔ میں کے ون کی مجبوری کی وجہ سے جمی اور ڈیوڈ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"تمہارے لہجے سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم ناراض ہو گئے۔ میں نے تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ مگر ... کر ساتھ توڑنے سے نہیں روکتا لیکن خود کو جان بوجھ کر سامنے مت لاؤ۔ ... بنیادی طور پر سوچنے دو۔"

"میں نے میجر بخشی کو بھی چھیڑا تھا... شاید وہ بھی غلط قدم تھا۔" میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا۔

"میں صرف امریکیوں کی بات کررہا تھا۔ بھارتی ہمارے سامنے مردار خور گدھ ہیں جو ہر زندہ وجود سے خوف کھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ تم من مانیاں کرتے رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہر فیصلے کے پیچھے دماغ سوزی کار فرما ہوتی ہے۔"

"میں سوچتا اور سلگتا ہوں، کسی فیصلے پر پہنچتا ہوں اور اس پر عمل کر گزرتا ہوں۔ میرے لیے مصلحتوں کا تابع رہنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں امریکیوں کو بھول جاؤں..."

وہ سنجیدہ اور بردبار افسر تھا مگر اس وقت یکایک جذباتی ہوگیا۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا مخلصانہ مشورہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دیر تک فون پر میری دل جوئی کرتا رہا اور چند دو طرفہ وعدوں کے بعد وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

دن ڈھلے اول خان سے میری تفصیلی بات چیت ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اسی شام ماروتی کے گھر مدعو تھا۔ جان اسمتھ کے ساتھ ہونے والی باتوں پر اس کا ردِعمل جلال سے بالکل مختلف تھا۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ جلال ضابطوں کا اسیر اور اپنے بڑوں کو جواب دہ تھا جبکہ ایس ٹی ایف کا ہر اسٹیشن کمانڈر اپنی جگہ پر ایک مضبوط اکائی تھا۔ اپنے عمل اور فیصلوں کے لیے سب سے پہلے وہ اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ تھا۔ اس کے بعد اس کا صرف ایک چیف تھا جو اپنی پیشگی ہدایات کی حدود میں اپنے کمانڈروں کے ہر فیصلے کو من و عن قبول کرلیتا تھا۔

ویرا دن بھر میرے آس پاس ہی منڈلاتی رہی۔ وہ کسی ضرورت کے لیے اپنے کمرے میں گئی تو جلد ہی واپس آگئی۔ میں نے دانستہ ماروتی کو فون نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری کال کا انتظار کررہی ہوگی مگر میں ویرا کو بولنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چار بجے میں نے کسی غیر معمولی اہتمام کے بغیر کپڑے تبدیل کیے تو سلطان شاہ میرے پاس آ پہنچا اور رازدارانہ لہجے میں بولا "تم چائے کی دعوت پر جارہے ہو تو تمہیں ایک ڈرائیور کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"میں غیر ضروری طور پر کسی کا ان کی نظروں میں آنا پسند نہیں کرتا۔ تم ان سے تعلق کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو تو اندازہ ہوگا کہ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جہاں ضرورت ہوتی ہے میں خود کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔"

میری سنجیدگی کی وجہ سے اسے کوئی دوسرا سوال کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

غزالہ کو مجھے جوتوں کی تلاش کے بہانے سے خود کمرے میں بلانا پڑا۔ وہ دروازہ بند کرکے جوں ہی پلٹی تو میں نے سختی سے اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ وہ کسمسا کر بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تو میں نے کہا "روی اور ماروتی کے گھر جانے کی اجازت ہے؟"

"میں نے تو آپ کو کبھی نہیں روکا۔ آپ ضرور جائیں، شوق سے جائیں۔" غزالہ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں وہاں اپنے شوق سے نہیں، مجبوریوں کے تحت جارہا ہوں۔ تفصیل اول خان سے پوچھ لینا۔"

"مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، لوٹ کر گھر ہی آتے ہیں۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں خلوص و محبت کے ساتھ موہوم سا شکوہ بھی پنہاں تھا جو اپنی جگہ درست اور جائز تھا۔ میں اس کے سامنے ہمیشہ بہت محتاط رہتا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے اور ویرا کے باہمی تعلق کے بارے میں بہت کچھ جان لینے کے باوجود انجان بنی رہتی تھی اور کبھی اپنی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہوکر زبان کھولنے پر مجبور ہوجاتی تھی تو کوئی ایسی بات نہیں کرتی تھی جس سے میرے جذبات مجروح ہوں یا الزام تراشی کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہو۔

میں نے اس کی پیشانی چوم کر اس کے بازو چھوڑے اور

جوتے پہننے میں مصروف ہو گیا۔

وہ مسہری کے کونے پر ٹک کر میری طرف دیکھتی رہی۔ میں جوتے پہن کر تپائی سے اٹھا تو وہ بولی "آپ نے عام سے کپڑے پہنے ہیں۔ آج کے لیے تو کوئی اچھا جوڑا پہن لیتے۔ آپ کی الماری میں ایک سے ایک جوڑا تیار ہے۔"

"میں نے زیادہ اہتمام کیا تو ماروتی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گی۔" میں نے ہنس کر کہا "میں کام کو کام تک رکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہ بہت آزاد خیال عورت ہے۔ اس کا شوہر بھی اسی جیسا ہے۔"

"میاں بیوی ایک جیسے ہوں تو اچھا گزارہ ہوتا ہے۔" میرے ساتھ وہ بھی ہنس دی۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا، تینوں کو الوداع کہا اور گاڑی کی چابیاں لے کر گھر سے نکل گیا۔ موبائل فون پہلے ہی میری تحویل میں تھا۔

گھر سے کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال کر، دوسرے سے موبائل فون پر روی کا نمبر ملایا۔ گھر کے نمبر سے فوراً ہی ماروتی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں گھر سے نکل کر اسی کی طرف آرہا تھا۔ اس نے مزید کچھ کہنے سننے کے لیے بات آگے بڑھانی چاہی لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں ٹریفک کے ہجوم میں تھا۔ زیادہ دیر تک موبائل پر بات نہیں کرسکتا تھا۔

اسے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

مزے مزے سے گاڑی چلاتا ہوا میں پونے پانچ بجے اولڈ کلفٹن کے علاقے میں موہن ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا۔ پچھلی بار میں نے دیکھ لیا تھا کہ گھر کے ڈرائیو وے میں چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں پھر بھی ان سے آگے جگہ موجود تھی لیکن پہلے سے کھڑی ہوئی گاڑیوں پر سے گزر کر وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت میں اطلاع دے کر، پروگرام کے مطابق پہنچا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری کار کے لیے اندر جگہ ہوگی۔

میں نے پھاٹک کے سامنے ہارن بجایا۔ فوراً ہی پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں گاڑی اندر بڑھا لے گیا۔ اس وقت وہاں صرف دو گاڑیاں موجود تھیں۔

میں گاڑی کا انجن بند کر کے نیچے اترا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے برابر والا دروازہ کھلا۔ وہاں سے قمیص پتلون میں ملبوس ایک صحت مند اور خوش لباس نوجوان تقریباً دوڑتا ہوا نکلا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"آؤ مظہر جی، آؤ! تم نے میرا مان رکھ کر میرا دل خوش کر دیا۔" اس کی زندگی سے بھرپور اور گرم جوش آواز سن کر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ روی موہن تھا اور اپنی شخصیت یا وضع قطع سے کسی بھی طرح جگدیش موہن کا چھوٹا بھائی نہیں لگتا تھا۔

کرتے پاجامے میں ملبوس موٹے اور بد صورت جگدیش کے برعکس روی وجیہہ اور خوش رو آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے تجربے کی پختگی پھیلی ہوئی تھی جو اس کی عمر کی غماز تھی۔

وہ قریب آتے ہی ایسی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہوا جیسے برسوں کا شناسا ہو۔

"تم آج بہت زیادہ خوش ہو یا ہمیشہ ایسے ہی خوش و خرم رہتے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آج میں تمہاری وجہ سے بہت۔ بہت ہی خوش ہوں۔ ویسے بھی میں سدا خوش رہنے کا عادی ہوں۔"

میرے سینے سے الگ ہوتے ہوئے وہ بولا تو اس کے سانس میں الکحل کی ہلکی سی بو موجود تھی۔ اس نے میرے پہنچنے سے پہلے شراب پی تھی اور اسی وجہ سے اس کی خوشی دوبالا ہوئی جارہی تھی۔

وہ میرے آگے بچھا جارہا تھا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں لے جانے کے بجائے وہ اسی دروازے میں لے گیا جس سے خود برآمد ہوا تھا۔ وہ ایک وسیع لابی تھی جہاں دیواروں کے ساتھ منقش سندھی صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ بان سے بنی ہوئی، نیچے پیروں والی رنگا رنگ کرسیاں تھیں۔ دیواروں اور تپائیوں پر تھر کی دستکاریوں کے بہت سے دلکش شاہکار سجے ہوئے تھے جن میں کئی رلیاں، تنکوں سے بنی ہوئی نفیس اور نازک ٹوکریاں، سرکنڈوں کے چھلکوں سے بنی ہوئی بڑی بڑی دیوار گیر تصویریں اور مور کے پروں کے دائرے شامل تھے۔

وہ لابی جگدیش کے ڈرائنگ روم سے زیادہ آراستہ، کشادہ اور تاثر انگیز تھی۔ میرا خیال تھا کہ روی مجھے وہیں بٹھائے گا مگر وہ مجھے ساتھ لے کر ان اندرونی زینوں کی طرف لے گیا جو بہت کشادہ گولائی میں اوپر جارہے تھے۔

زینوں سے نیا قالین شروع ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ پورے گھر میں الکحل کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ اپنے کاروبار کی وجہ سے شاید وہ لوگ گھر کے کسی حصے میں شراب کا ذخیرہ رکھتے تھے۔

چند زینے طے کرتے ہی مجھے ماروتی نظر آگئی جو گلابی

ساڑی میں ملبوس، سیڑھیوں کے اختتام پر ہماری منتظر تھی۔
"مظہر جی! یہ ہے میرا گھر اور اوپر کھڑی ہے میری بیوی، ماروتی۔" روی کہہ رہا تھا۔
میری نگاہیں پوری طرح اوپر اٹھ گئیں۔ اس نے ساڑی بہت قرینے سے باندھی ہوئی تھی۔ بلاؤز کی تیاری میں پوری احتیاط کی گئی تھی کہ ضرورت سے زیادہ سوت زائد بھی کپڑا موجود نہ ہو۔ نیچے گلے والا وہ بلاؤز پیٹ کا حصہ شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ پہلو سے نظر آنے والے آثار بتا رہے تھے کہ پشت پر وہ بلاؤز محض پٹیوں تک محدود ہو گیا ہوگا۔
ساڑی کے سمٹے ہوئے پلو سے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے کو دانستہ چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہلکے میک اپ میں اپنے ماتھے کی بندیا کے ساتھ اس وقت ماروتی ایک بالکل نئی عورت نظر آ رہی تھی۔
"ہیلو مظہر ڈارلنگ!" اوپر پہنچتے ہی ماروتی میرے استقبال کے لیے آگے بڑھی۔ اس نے اپنا گداز اور مخروطی ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کا چہرہ بے اختیار میری طرف جھکتا چلا آیا۔ مجھے اس کے تنفس کی حرارت اپنے کھلے ہوئے گریبان سے جلد میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جسم سے پرفیوم کی اور سانسوں سے الکحل کی بو آ رہی تھی۔
چند ثانیوں کے لیے میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے روی کی طرف دیکھا تو وہ خوش اور بے پروا نظر آ رہا تھا۔ تب مجھے خیال آیا اور میں نے اپنی خوش جمال میزبان کی پیشانی پر ایک نرم سا بوسہ لیا، اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
سیڑھیوں سے چند قدم آگے ان کے ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ وہاں ہر چیز نئی اور چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آرائش کا سارا انداز مغربی تھا۔ وہاں گھر کی تہذیب اور ثقافت کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ روی نے مجھے ادب سے دہرے صوفے پر بٹھایا، ماروتی میرے برابر میں بیٹھ گئی۔ آخر میں روی نے ہم دونوں کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔ درمیان میں موٹے شیشے کی گول سینٹر ٹیبل تھی جس پر ڈرائی فروٹ کی بھری ہوئی ٹرے موجود تھی۔
"ماروتی تمہاری بہت تعریفیں کرتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اس دن گھر سے بھاگ کر برا کیا۔" روی نے فروٹ ٹرے میری طرف سرکا کر کہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم جیسا بھلا آدمی میرے گھر آیا ہے تو میں ہرگز کہیں نہیں جاتا۔"
"اس روز ہمارے تیور خراب تھے۔ ماروتی بیچ میں نہ آتی تو تمہارا بچنا مشکل تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کرشن کمار...."
"بس بس!" روی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا "مظہر جی! میں جانتا تھا کہ وہ کسی دن مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ اس نے میرے گرد دھیرے دھیرے جال ڈالا تھا۔ اب اس کا ذکر کر کے اپنا موڈ خراب نہ کرو۔"
"یہ بھنے ہوئے کاجو لو۔" ماروتی نے مٹھی بھر کاجو مجھے تھما دیے "بہت خستہ اور لذیذ ہیں۔"
میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی چمکتی ہوئی شوخ آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں نے اپنی مٹھی ٹرے میں ہلکی کی اور بچے ہوئے چند کاجو منہ میں ڈال لیے۔
ہمیں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر خادمہ لدی پھندی ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازم لے آئی۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ ٹی کوزی کے ساتھ ٹرے پر تین پیالیاں موجود تھیں۔ ماروتی نے اٹھ کر ٹرالی خود سنبھالی اور ملازمہ کو لوٹا دیا۔
"کیا تم دونوں بھی میرے ساتھ صرف چائے پر گزارہ کرو گے؟" میں نے روی سے پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا۔ میں نے تمہیں ٹی پارٹی پر بلایا ہے۔ چاہو تو ابھی یہ کاک ٹیل پارٹی بن سکتی ہے۔"
"میں صرف چائے لوں گا۔ میری وجہ سے تم دونوں اپنی شام برباد نہ کرو۔ تم بلا تکلف اپنی پسند کے ڈرنکس لے سکتے ہو۔"
"ارے نہیں، مظہر جی! ہم اتنے برے میزبان نہیں ہیں۔ ایسی بدتمیزی اور وہ بھی تمہارے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں۔"
انہیں اپنی راہ پر لانے کے لیے شراب نوشی پر اکسانا ضروری تھا۔ میں نے کہا "میں تمہیں اس بدتمیزی کا حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟"
"تعمیل!" روی سے پہلے ماروتی بول پڑی "ہم تمہیں ناراض نہیں کر سکتے۔"
"بس، تو پھر اسے میرا حکم ہی سمجھو!" میں نے ماروتی سے کہا۔ اس نے آنکھ سے روی کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں چوم کر اٹھا اور دوڑتا ہوا اندرونی دروازے سے گزر کر غائب ہو گیا۔
ماروتی نے دھیرے سے میری ٹانگ پر ہاتھ مارا۔ میں

نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھ مار کر مسکرائی اور بولی "تم نے دیکھا کہ روی کیسے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی عزتِ نفس کی مجروح نہیں کرتے۔ دیکھ لو ہم کتنے خوش ہیں۔"

روی دروازے سے دوبارہ برآمد ہوا تو اس نے اپنی بانہوں اور پیٹ کے درمیان رائل سیلوٹ کی ایک بوتل، دو گلاس اور ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو ماروتی نے وہ چیزیں میز پر منتقل کرنے میں اس کی مدد کی۔ روی ایک گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے انداز میں اپنی نشست پر گر گیا۔ "مظہر جی! تم واقعی گریٹ ہو۔ آج میں پہلی بار کسی دوست کی چائے کی پیالی سے اپنا گلاس ٹکراؤں گا۔"

ماروتی نے اٹھ کر میرے لیے چائے تیار کی اور ٹرالی سے بسکٹ، پیسٹریز اور کئی اشیا پلیٹ میں ڈال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ میرے لیے چائے بن جانے کے بعد روی نے بوتل کو ہاتھ لگایا۔ وہ میزبانی کے بہت بنیادی آداب تھے۔ میں باریک بینی سے دیکھ رہا تھا کہ روی اس فن میں طاق تھا۔ اس نے ماروتی کے لیے بہت ہلکا گلاس بنایا، اس کے اپنے گلاس کا رنگ گہرا تھا۔

بوتل بند کر کے روی نے اپنے گلاس اٹھایا، میں نے چائے کی پیالی تھام لی۔ چیئرز کی تین آوازوں کے ساتھ دو گلاس ایک پیالی سے ٹکرائے۔ انہوں نے اپنے اپنے گلاسوں سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے میں نے بھی گرم چائے سے لب تر کر کے پیالی واپس پرچ میں رکھ دی۔

روی سے اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کا گلاس آدھے سے زیادہ خالی ہو جائے۔ اسے مصروف رکھنے کے لیے میں نے جگدیش کا ذکر چھیڑ دیا۔ "تمہارے بڑے بھائی کہاں ہیں۔ آج وہ نظر ہی نہیں آئے!"

"بھایا جی!" اس نے اپنا گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لے کر استہزائیہ انداز میں کہا "اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کی سیر کو گئے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سارے دوست شرابی کبابی ہیں۔ وہ ہوتے تو میں انہیں دکھاتا کہ تم صرف چائے پیتے ہو۔"

"ان کو اپنی ذات اور عزت کا بڑا گھمنڈ ہے۔" ماروتی بولی "ہر ایک کی تحقیر کر کے وہ اندر سے خوش ہوتے ہیں۔"

"یہ بری عادت ہے ان کی۔" روی نے اعتراف کیا "میں جب سے گھر آیا ہوں، ان کی سامنے نہیں گیا۔ نہ جانے کیا کچھ کہہ ڈالیں گے۔ میں دن بھر ہر گھنٹی اور ہارن پر ہول رہا تھا کہ کہیں پھر پولیس نہ آگئی ہو۔ بھایا جی مجھے گردن سے پکڑ کر ان کے سامنے ڈال دیتے اور میری ایک نہ سنتے۔"

"گھمنڈ کسی چیز کا بھی ہو، برا ہوتا ہے۔ ایک نہ ایک روز آدمی اسی چیز سے محروم ہو جاتا ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔

"جب بھی گئی، بھایا جی کی عزت ہی جائے گی۔" ماروتی بولی "وہ ہر وقت اسی کا رونا روتے رہتے ہیں۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" روی نے نرمی سے اپنی بیوی کو ٹوکا "وہ صحیح روتے ہیں۔ کوئی اپنے دروازے پر ایک پولیس والے کا نام آنا پسند نہیں کرتا کہ لوگ نہ جانے کیا سوچیں۔ یہاں وہ تین گاڑیوں میں لد کر آئے تھے۔ اب مظہر جی ہمارے مہمان ہیں تو مجھے یقین آیا ہے کہ ہمیں ستانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے میری جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔"

"تمہارے لیے بہت پاپڑ بیلے گئے ہیں ورنہ پولیس اور ایجنسیوں کو اب بھی کرشن کمار کے ساتھیوں کی تلاش ہے۔"

روی نے عجلت میں اپنے گلاس سے ایک کافی لمبا گھونٹ لیا اور اسے آدھا کر دیا۔ "مجھے معلوم ہے، اس کے ساتھیوں کا انجام بھی اس سے کم نہیں ہوگا۔ ایک بار کسی کا وارنٹ نکل جائے تو پھر عدالت سے ہی اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ وارنٹ کا واپس لیا جانا بہت بڑی بات ہے۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں بھاگ گیا تو نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔"

"بھایا جی تو تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے بھگا رہے تھے تاکہ سب کچھ ان کے قبضے میں چلا جائے۔" یہ کہتے ہوئے ماروتی نے کسمسا کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور صوفے میں یوں ڈھلک کر بیٹھ گئی کہ میرے اور اس کے جسم کا فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ پلو اور آستین سے محروم اس کے شانے کا کچھ وزن میرے بازو پر منتقل ہو گیا۔ میرے سرے پر پسپائی کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔

"اب ان باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یوں سمجھو کہ مظہر جی کی مہربانی سے مجھے بلکہ ہم دونوں کو نئی زندگی ملی ہے۔ اس کے لیے ہم ان کی جتنی بھی خدمت کریں، وہ کم ہے۔"

"تمہارا دامن بچ گیا مگر ہمیں آدمی درکار ہے۔" میں نے موقع غنیمت جان کر بات چھیڑ دی "اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے تم لوگ دوبارہ کسی مصیبت میں گھر جاؤ اور میں بھی تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں۔"

"ہم کسی کو بچانے کی کوشش نہیں کر رہے۔" روی نے حیرانی سے کہا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"بہت سے ہیں۔ کرشن کمار کے سارے ہی قریبی ساتھی ان میں شامل ہیں۔"

"تم نام بتاؤ، مجھے ان کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے، وہ میں بتاؤں گا۔" روی نے خلوص سے کہا۔

"میں صرف ایک نام لے سکتا ہوں۔ باقی نام تم خود بتاؤ گے۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے دیکھا کہ روی بہت تیزی سے پی رہا تھا جب کہ ماروتی بس اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے گلاس کی سطح ایک انچ بھی نہیں گری تھی۔"

"ماروتی! مظہر جی کس کا ذکر کر رہے ہیں؟" روی نے گلاس اٹھا کر خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"تم ہری چند کی بات کر رہے ہو؟" ماروتی نے [illegible] کر جواب دینے کے بجائے مجھ سے سوال کیا۔

میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا "اسے تم نے کوئی خبر پہنچائی تھی؟" بات خود بہ خود آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے بہت آہستگی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر روی سے مخاطب ہو کر بولی "تمہارے بھاگ جانے کے بعد میں نے ہری چند کو فون کیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ ایجنسی والے تمہاری تلاش میں تھے۔ تمہارے بعد ہری چند کی باری آسکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے وقت سے پہلے ہوشیار کر دوں۔"

"یہ تم نے بہت برا کیا۔" روی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میری طرح وہ بھی نکل گیا ہوگا۔"

"اس وقت میں بہت پریشان تھی۔ ڈری ہوئی تھی کہ کہیں ہری چند تمہارے ٹھکانوں کا پتا بتا کر تم کو بھی نہ پکڑوا دے۔"

"ایسا کر کے تم نے مظہر جی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔" ماروتی کا جواب سنتے ہوئے روی نے کچھ اور اسکاچ اپنے معدے میں اتار لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیرنے لگے تھے۔ وہ کسی بھی لمحے اپنا تگڑا گلاس خالی کر سکتا تھا۔

ماروتی نے مجروح اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "کیا روی ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

"آپس کے معاملات تم دونوں ہی طے کر لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ میں نے سب کارڈ تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔"

"اس وقت تک مظہر جی سے میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ جو کچھ ہوا، سب کے سامنے ہوا تھا، بھایا جی نے ان کے سامنے مجھے مارنا اور دھکیلنا شروع کر دیا پھر اندر لے جا کر مجھے تمہاری بھاوج اور بہنوں کے حوالے کر دیا۔" اپنی بپتا سناتے ہوئے ماروتی کی آواز رندھ گئی۔

"یہ مت کہو ماروتی!" میں نے نرمی سے اس کی تصحیح کی "تمہارے بھایا جی کو غصہ اسی لیے آیا تھا کہ اس کے سامنے ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوئی تھیں اور تم روی کی تلاش میں ہمارے ساتھ گھر سے نکلنے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔"

"بھایا جی نے ان سب کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ بھی طے نہیں ہوا تھا۔" وہ بولی مظلومانہ [illegible] کافی بوجھ میرے اوپر آ چکا تھا۔ گلاس اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔ آواز [illegible] طرح میں اپنے بازو کو بوجھ سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ سہارا ختم ہوتے ہی وہ چونک کر سنبھلی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے گزرے ہوئے واقعات کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس سے میری اصل مفاہمت اس وقت ہوئی تھی، جب میں نے گھر پہنچ کر اس کے تحریری پیغام کے جواب میں اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے ہماری واپسی اور میرے فون کرنے کے درمیان ہری چند کو فون کیا تھا تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا "اصل بات یہ ہے کہ وہ نکل گیا اور اب تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔"

اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی ہچکیاں اور سسکیاں رک گئی تھیں۔ اس نے بڑی بڑی نم آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"شکریہ کہ تم کو میرے بات پر یقین آگیا۔ مجھے دنیا میں روی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ تم سے بات ہو جانے کے بعد میں نے کسی سے کوئی غلط رابطہ نہیں کیا۔ بس روی کی تلاش میں شہر بھر کی خاک چھانتی رہی۔"

"کرشن کمار، ہری چند کا پرانا دوست تھا یا تمہارا؟" میں نے روی سے پوچھا۔ میں اپنے اگلے سوال سے پہلے ماروتی کو اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے کچھ وقت دینا چاہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ رونا دھونا شروع نہ کر سکے۔

"کرشن کمار نچلے اور درمیانی طبقے میں اٹھنے بیٹھنے والا آدمی تھا۔ وہ ان سے کام لیتا تھا اور ان ہی کے کام آتا تھا۔ اس کی ہری چند سے بہت پرانی دوستی تھی۔ اس نے پرانی جگہ چھوڑ کر ہمارے پاس نوکری کرنے کے بعد کرشن کمار کو مجھ سے

ملوایا تھا۔" روی نے بتایا۔
"اس نے اپنی دفتری کار تمہاری اجازت سے کرشن کمار یا اس کے آدمیوں کو دی تھی؟"
"میرے فرشتوں کو بھی اس کی اس حرکت کا علم نہیں ہے۔ کار کا کیا قصہ تھا؟"
"کرشن کمار کے آدمیوں نے ہری چند کی گاڑی میں کراچی آکر ایک بڑی واردات کی تھی اور وہ گاڑی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔" میں نے ماروتی کو سنانے کے لیے دو فقروں میں وہ تفصیل سنا ڈالی۔
"وہیں سے تم میرے پیچھے لگے ہوگے۔" اس نے کھوئی کھوئی آواز میں حیرت سے کہا "وہ نمک حرام میری آستین کا سانپ نکلا۔ یہ کہہ کر وہ ماروتی کی طرف متوجہ ہوگیا "ماروتی! تم نے سنا کہ مظہر جی کیا بتا رہے ہیں۔"
"میں سب سن رہی ہوں۔" یہ کہہ کر ماروتی نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑانے لگی "روی میری زندگی ہیں۔ ان پر کوئی آنچ آتی ہو تو ہری چند کو پھانسی لگوا دو لیکن ایسی کوئی بات نہ ہو تو اسے بچالو۔ وہ میرا اکلوتا ماموں زاد بھائی ہے۔"
میں نے ماروتی کو کوئی جواب دینے کے بجائے بدمزگی سے روی کی طرف دیکھا اور کہا "میں نے یہ بات بہت دیر پہلے بتادی تھی کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تم ایسی مصیبت میں پڑو گے کہ میں بھی کچھ نہ کرسکوں گا۔"
اس وقت تک روی کے چہرے سے ساری شوخی اور بے پروائی کافور ہوچکی تھی۔ دنیا کی سب سے مہنگی وہسکی کے نشے اور پھر موضوع کی سنگینی کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت گمبھیر ہوچکا تھا۔ اس نے عجلت میں اپنے لیے نیا گلاس تیار کیا جس میں شراب اور پانی کی مقدار یکساں تھی۔ اس نے وحشت کے عالم میں نئے گلاس سے تلخ سیال کا ایک قدرے چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر ماروتی کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو پھانسی کے پھندے پر لٹکنا ہوگا۔ وہ تمہارا بہت چہیتا اور منہ چڑھا بھائی ہے۔ اس نے تمہیں ضرور بتایا ہوگا کہ وہ کہاں چھپے گا۔ مظہر جی کو اب اس کا پتا بتادو!"
ماروتی کے جڑے ہوئے ہاتھ مایوسی اور بے بسی سے اس کی گود میں گر گئے۔ اس نے روی سے کہا "ہری چند نے اپنا ٹھکانا صرف اس لیے بتایا تھا کہ تمہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس تک پہنچا جاسکے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج میرے شوہر کی زندگی کے لیے ماموں زاد بھائی کے خون کی ضرورت ہے۔ روی! میں تمہارے لیے یہ قربانی بھی دے ڈالوں گی۔ ہری چند ہالا میں ملے گا۔"
"ہالا ایک خاصا بڑا شہر ہے۔ اسے کہاں کہاں ڈھونڈا جائے گا؟" روی نے رسانیت سے پوچھا۔
"وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ کے روپ میں چھپا ہوا ہوگا۔" ماروتی نے آخری کلید بھی سامنے رکھ دی۔
"ہم اسے نہیں پہچانتے۔ خطرہ بھانپ کر وہ فقیروں کی بھیڑ میں کہیں غائب ہوسکتا ہے۔" میں نے روی سے کہا۔ "اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ ہالا تک چلنا ہوگا۔ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"
"میں اسی وقت چلنے کے لیے تیار ہوں۔ تین گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"
"میں بھایا جی کے ساتھ اکیلی یہاں نہیں رہوں گی۔ وہ بچوکے دے دے کر میری زندگی دوبھر کردیں گے۔" ماروتی بولی۔
روی کی مستفسرانہ نگاہیں میری چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ اس سفر کے بارے میں غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کے ردِعمل کا اندازہ لگایا پھر روی کو منع کردیا "ماروتی کا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔"
"اب میں ایک منٹ کے لیے بھایا جی کی بدزبانی برداشت نہیں کرسکتی۔" ماروتی نے احتجاج کیا۔
"تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کیا جارہا۔" میں نے جواب دیا "آج کی رات تم کسی ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں گزار لو۔ کل واپسی پر روی تمہیں ہوٹل سے گھر لے آئے گا۔ یہ تمہارے مسئلے کا سب سے آسان حل ہے۔"
"مظہر کی تجویز بہت مناسب ہے۔" روی نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔ "ایک بھائی کی گرفتاری پر بہن کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ نہ جانے وہاں کیا حالات ہوں۔ اگر وہ مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا تو تم کچھ بھی کرسکتی ہو۔ ویسے بھی یہ لمبا سفر بہت تھکا دینے والا ہوگا۔ تم حال سے بے حال ہوجاؤ گی۔ آج کی رات تم پی سی یا شیراٹن میں گزار لو۔ صبح سے پہلے ہم لوٹ آئیں گے۔"
"تم کہتے ہو تو یہی ٹھیک ہے۔" ماروتی نے کسی بحث کے بغیر اس کی بات مان لی۔
ان دونوں کے درمیان مفاہمت کی بنیادی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے پر حکم مسلّط کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ دلیل کے ساتھ بات سمجھاتے تھے جسے دوسرا فریق مان لیتا تھا۔
اس مرحلے پر اچانک مجھے یاد آیا کہ اس کھیل کے ایک

اہم کردار کو سب نے بالکل بھلا دیا۔
کرشن ہمارے گھر میں گھسا تو اس کے ساتھ بھکاری کے روپ میں ایک اور آدمی تھا جسے اس نے نریش کہا تھا۔ اس نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تھی نہ ہی اس کا کوئی ذکر آیا تھا۔
"تم نریش نامی کسی شخص سے بھی واقف ہو؟" وہ خیال آتے ہی میں نے روی سے پوچھا۔
اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے نفی میں سرہلا دیا۔ "میرے لیے یہ نام نیا ہے۔ شاید ہری چند جانتا ہو۔ اس کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔"
"کیا تم چھانٹ چھانٹ کر صرف ہندوؤں کو تلاش کر رہے ہو؟" ماروتی نے غیر متوقع طور پر سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔
"ان کے کرتوت تمہارے سامنے ہیں۔ تم سے زیادہ روی ان کے بارے میں جانتا ہوگا۔ تم کرشن کمار کے کسی مسلمان ساتھی کا نام بتاؤ پھر دیکھو کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس کے چکر میں اب تک بہت سے مسلمان بھی مارے گئے ہیں۔"
"یہ بدقسمتی کی بات ہے ماروتی!" روی نے حسب عادت اسے سمجھایا "کرشن کمار نے یہاں اکھنڈ بھارت کو چکر چلایا ہوا تھا۔ ہندو ہی اس نعرے کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ یہاں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ملک ہی سب کچھ ہے۔"
"لیکن روی! تم نے تو کبھی اکھنڈ بھارت کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔" ماروتی نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
"کام کبھی نہیں کیا لیکن کرشن کمار کو بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ وہ تھر کے ننگے بھوکے ہندوؤں کے لیے اکثر مجھ سے چندے لیتا رہتا تھا۔"
"شاید اسی لیے تمہاری جان بچ گئی ہے۔ کرشن کمار کے چند قریبی ساتھیوں کی نشان دہی کر کے تم اپنا بوجھ ہلکا کر سکتے ہو۔"
"میں پوری کوشش کروں گا۔" اس نے سادگی سے کہا پھر پوچھا "ہمیں ہالا کس وقت روانہ ہونا ہے؟"
"تم اپنا گلاس ختم کرو۔ میں دیکھتا ہوں۔ اتنی نہ پی لینا کہ ہالا پہنچنے تک تم گہری نیند سو رہے ہو۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں جا کر اول خان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
وہ اپنے دفتر سے نکل چکا تھا۔ اسے میری چائے کی دعوت کا شدت سے انتظار تھا۔ مجھے توقع تھی کہ مجھ سے براہِ راست گفتگو کے ارادے سے وہ ہمارے گھر پہنچا ہوا ہوگا۔ میں نے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی

مشورہ

طبی معائنہ ختم ہونے پر سلیم نے پُرامید لہجے میں پوچھا "کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب.... میں زندہ رہوں گا نا؟"
"ہاں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا "لیکن میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

دی۔
میں نے اس سے اول خان کے بارے میں پوچھا تو وہ چہکنے لگی "کیا تمہاری ٹی پارٹی رات تک چلتی رہے گی؟"
"میں وہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "اول خان کو دے دو۔"
وقت ہالا روانہ ہونا تھا۔ بے لگام ضرور رہتی تھی مگر موقع کی نزاکت کو سمجھتی تھی۔ اس نے مزید کسی تاخیر کے بغیر ریسیور اول خان کے حوالے کر دیا۔
"ہری چند ہالا میں ہے۔ تم تیار رہو۔ ہمیں اسی وقت وہاں جانا ہوگا۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔
"کیا ماروتی بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہے؟" اس کے سوال نے میری طبیعت بے مزہ کر دی۔
"ہم پکنک پر نہیں ایک مشن پر جا رہے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ جا کر کیا بھاڑ جھونکے گی۔"
"پھر اسے کون پہچانے گا' ہم دونوں میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔" اس کی پریشانی بجا تھی۔
"سب کو بتا دو کہ ماروتی کراچی میں رہے گی۔ ہری چند کی شناخت کے لیے روی موہن ہمارے ساتھ جائے گا۔ وہ میرے ساتھ ہر طرح تعاون کر رہا ہے۔ ہم تینوں کے سوا کسی چوتھے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔" میں اسے اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتا۔ تم سلطان شاہ کو اپنی گاڑی میں لے کر عثمانیہ ریستوران کے پاس آ جاؤ۔ وہاں سے ہم تمہاری گاڑی میں سفر کریں گے۔ سلطان شاہ میری گاڑی گھر لے جائے گا۔"
"وہاں کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دو۔" اول خان حالات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد پرجوش ہو گیا تھا۔
میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا تو وہ دونوں میاں بیوی اپنی اپنی جگہ بیٹھے دبی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اطمینان سے اپنی بات شروع کر دی "وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ یا فقیر کے روپ میں موجود ہے۔ اس کے بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے روی اسے پہچانے یا نہ پہچانے' وہ روی

کو پہچان لے گا اور دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف آئے گا۔ ہم روی سے دور رہیں گے۔ ہری چند جوں ہی اس کے قریب آئے گا، ہم اسے دبوچ لیں گے۔ سب کچھ اسی طرح ہوا تو کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ویسے تمہاری گاڑی میں دو چار ہتھیار اور ان کے فاضل راؤنڈ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

"بس میں ابھی پہنچتا ہوں۔ ہوٹل کے پاس تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔" ہری چند کے بارے میں اول خان شروع سے ہی سرگرم تھا۔

"آرام سے پہنچو۔ مجھے اولڈ کلفٹن سے پی سی کے راستے وہاں پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوگا۔"

"میں آدھے گھنٹے بعد گھر سے نکلوں گا۔" اس نے کہا اور پروگرام طے ہوتے ہی میں نے فون بند کردیا۔

میں واپس لوٹا تو ان دونوں کے گلاس خالی ہونے کے قریب تھے۔ ان کی سوالیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"بس اب فوراً نکلنا ہے تاکہ ہماری واپسی میں زیادہ دیر نہ ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"پانچ منٹ بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" ماروتی نے اپنا گلاس اٹھایا اور اندر چل دی۔

اپنے وعدے کے مطابق وہ پانچ منٹ میں ساڑی کے بجائے قمیص شلوار کا نفیس سوٹ زیب تن کرکے واپس آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ بھی تھا جس میں اس کا شب خوابی لباس وغیرہ موجود تھا۔

روی نے اپنے گلاس میں باقی ماندہ سیال اپنے معدے میں انڈیلا اور ہم دونوں نے بھی اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ ماروتی نے اپنی ملازمہ کو بلا کر میز سمیٹنے اور گھر کی دیکھ بھال کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور تینوں وہاں سے چل دیے۔

شراب نوشی کے اثرات کے بارے میں وقت اور مقدار کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ میرے حساب سے روی نے اعصابی دباؤ کے باعث تھوڑی سی دیر میں رائل سیلوٹ کی کافی زیادہ مقدار لی تھی لیکن پھر بھی وہ حیرت انگیز طور پر بالکل نارمل نظر آرہا تھا۔ صرف آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قدر نشے میں ہے ورنہ اس کی بول چال اور چال ڈھال میں سرِمو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ یقینی طور پر بلا نوش تھا۔

گاڑی میں اس نے ماروتی کو میرے ساتھ اگلی نشست پر بٹھا کر ایک مرتبہ پھر اپنی رواداری کا فراخ دلانہ مظاہرہ کیا اور خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے مقابلے میں ماروتی نے نرا پانی ہی پیا تھا۔ اس کے گلاس میں وہسکی کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی مگر پھر بھی وہ سرور میں تھی اور تھوڑی دیر پہلے ہونے والی ناخوش گوار گفتگو کے اثرات سے نجات حاصل کر چکی تھی۔

میں نے اول خان سے پی سی کا نام لیا تھا مگر ماروتی کو شیراٹن پسند تھا۔ دونوں ہوٹل ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نے اولڈ کلفٹن سے نکل کر مین روڈ پکڑی اور تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا، پل عبور کرکے ہوٹل میٹروپول کے چوراہے سے بائیں طرف مڑ گیا۔ اس سڑک کے اگلے سرے پر شہر کے دونوں مشہور ہوٹل ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔

ٹریفک کی بھیڑ سے کٹ کر، میں اگلے چوراہے سے پہلے ہوٹل کے پورچ میں داخل ہوا اور ماروتی کو وہیں اتار دیا۔ روی نے نیچے اتر کر اپنی بیوی کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کیا اور اگلی نشست سنبھال لی۔ اگلے ہی لمحے ہم ہوٹل سے باہر جانے والے راستے پر بڑھ رہے تھے۔

ہم ٹریفک کی بھیڑ میں راستہ بناتے ہوئے گلشن اقبال میں مقررہ مقام پر پہنچے تو ہمیں خاصی تاخیر ہو چکی تھی۔ اول خان اپنی گاڑی کے باہر کھڑا بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔ سلطان شاہ اس سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کردیا اور روی کو اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر گیا۔ روی کے لیے اول خان کا نام اظہر تھا۔ ان دونوں کے رسمی تعارف کے بعد ہم اول خان کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس مرتبہ روی پھر پیچھے بیٹھا تھا۔

"تمہاری گاڑی کا کیا ہوگا۔" ہماری روانگی کے بعد روی نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا۔

"فکر مت کرو۔ کوئی نہ کوئی وہ گاڑی لے جائے گا۔" میں نے کہا۔

اول خان خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ فکرمندی جھلک رہی تھی جس نے مجھے بھی مضطرب کردیا تھا مگر روی کی موجودگی میں، میں اس سے کوئی سوال کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے ہمارے بارے میں روی کا اعتماد متزلزل ہو سکتا تھا۔ میں کام پورا ہونے تک اسے اپنی کسی کمزوری کا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ہری چند مجرموں کا ایک قریبی معاون اور ساتھی تھا۔ اس کا سزا یاب ہونا بہت ضروری تھا مگر اس وقت مجھے اچانک ہی خیال آگیا تھا کہ اول خان نے غیر متوقع طور پر اس کی ذات میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ وہ ایک ایسا نکتہ تھا جس پر اول خان سے سرے سے کوئی تبادلہ خیال ہی نہیں ہو سکا تھا اور اس وقت ہم دونوں کے ساتھ روی موہن گاڑی میں موجود تھا۔

روی کو میں نے شروع سے ہی یہ تاثر دیا تھا کہ ہری چند بہت بڑا مجرم تھا۔ اسے کسی برے انجام سے بچانے کی کوشش میں وہ خود ناقابلِ تصور مشکلات میں گھر سکتا تھا۔ اگر میں اس کے سامنے اول خان سے ہری چند کی اہمیت کے موضوع پر کوئی بات چھیڑتا تو روی کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس کے دل میں ہماری طرف سے ایک بار کوئی شبہ پیدا ہو جاتا تو ہمارے اور اس کے درمیان موجود اعتماد کی فضا مجروح ہو سکتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح کراچی کی وہ شام بھی خوشگوار تھی۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا ایر کنڈیشنر چلانے کے بجائے کھڑکیوں کے شیشے اتارے ہوئے تھے جن سے ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہوائیں، ہری چند کے معدے میں اتری ہوئی رائل سیلوٹ کا نشہ تیزی سے گہرا کریں گی اور وہ دورانِ سفر ہی کسی مقام پر اتنا غفیل ہو جائے گا۔

میرے ذہن میں ابھرنے والا سوال اپنی جگہ برقرار تھا۔ اس سے پہلے میں اول خان کے چہرے پر چھائی ہوئی تشویش کے سائے دیکھ چکا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ بھی تازہ مہم کے بارے میں مجھ سے کچھ گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا مگر روی کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ ہم دونوں کے دلوں کی بھڑاس نکلنے کے لیے ضروری تھا کہ روی جلد از جلد نشے سے مغلوب ہو کر مدہوش ہو جائے۔

"گاڑی ذرا تیز چلاؤ۔" میں نے اپنی سیٹ میں پہلو بدل کر اول خان سے کہا۔

"بے کار ہے۔" اول خان سے پہلے روی بول پڑا "ہم رفتار کتنی ہی بڑھالیں، رات گہری ہونے سے پہلے بھٹ شاہ نہیں پہنچ سکیں گے۔"

روی کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی وہ دخل اندازی بالکل بے ساختہ تھی مگر اس کی زبان سے رات گہری ہونے کا ذکر سنتے ہی میری نگاہوں میں ایک نہایت مایوس کن تصویر گھوم گئی۔

میں سندھ کے دیہی علاقوں سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ حیدر آباد کے مضافات سے آگے اور سندھ کے سرحدی قصبے اباڑو تک میں بودوباش کا دیہی انداز بہت زیادہ غالب تھا۔ شہروں اور دیہاتوں میں صبح کی سرگرمیوں کا آغاز طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی ہو جاتا ہے اور سورج ڈھلنے کے ساتھ ساری چہل پہل ماند پڑنے لگتی ہے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی بیشتر لوگ اپنے اپنے گھروں اور ٹھکانوں میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ زیادہ رات گئے گھر سے باہر نظر آنے والوں کو ہر شخص شک و شبے کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ایسے وقت میں کوئی من چلا کہیں کوچہ نوردی کرتے ہوئے پولیس والوں کی نگاہوں میں آجائے تو اسے بسا اوقات سرسری پوچھ گچھ کے بعد کم از کم وہ رات متعلقہ تھانے کی حوالات میں گزارنی پڑتی ہے۔

روی اور ماروتی کے ساتھ ہری چند کی تلاش کا پروگرام طے کرتے ہوئے میں وقت کے پہلو کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ رات دس بجے کے لگ بھگ بھٹ شاہ میں خاموشی اور تاریکی کا راج ہوتا۔ ایسے میں ہری چند کی تلاش کا مرحلہ مکمل ہونا ممکن نہیں تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا "دیہی علاقوں میں رات بہت جلد شروع ہو جاتی ہے۔"

"مگر بھٹ شاہ قومی شاہراہ کے قریب واقع ہے۔" میں نے اپنی بھولی بسری یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے دن رات ٹرک اور لاریاں وغیرہ گزرتی رہتی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے کی آبادیوں میں تھوڑی بہت رونق رہتی ہے۔ شاید بھٹ شاہ میں بھی ایسا ہی ہو۔ رات گئے وہاں کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر برابر ہیں۔" میں نے اپنے دل میں موجود خدشات کے برعکس بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔

"ساری رونق بھٹ شاہ والے موڑ سے آگے چوک کے بس اسٹینڈ تک محدود ہوتی ہے۔" پچھلی نشست سے روی نے وضاحت کی "ٹرکوں والے بھی اس ٹکڑے میں موجود ہوٹلوں اور مستریوں کی دکانوں پر ہوتے ہیں۔ اس سے آگے پیچھے سناٹا ہوتا ہے۔ میرا مشورہ مانو تو گاڑی واپس موڑ لو۔ ہم تینوں، شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں نیند پوری کر کے صبح منہ اندھیرے نکل جائیں گے۔"

"ہری چند کے لیے ایسی کئی راتیں برباد کی جا سکتی ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہارے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ تمہیں بستر کی طلب پر مجبور

کردے گی۔"

"ارے مظہر جی!" اس نے دبے لہجے میں احتجاج کیا "یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ بھایا جی تو میرے منہ پر کہتے ہیں کہ میری رگوں میں خون کے بجائے الکحل گردش کرتی ہے جس دن وہ کم ہوئی، میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں پی کر سونے والوں میں سے نہیں ہوں، پی لیتا ہوں تو میرے بدن میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل میں ولولہ جاگ اٹھتا ہے۔"

"تم کم بولو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔" اول خان نے اس کی شیخی پر تلخی سے کہا۔

"تم میرے محسن ہو، جیسا کہو گے، کرتا رہوں گا۔" روی نے برا منائے بغیر جواب دیا "میں چپ رہا تو مظہر جی کی بات صحیح ثابت ہو جائے گی۔ تازہ اور کھلی ہوا کے جھونکے مجھے نیند کی آغوش میں پہنچا دیں گے۔ بولتا رہا تو جاگتا رہوں گا۔"

"ڈھنگ کی باتیں کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس اپنی بلا نوشی کے بارے میں ڈینگیں نہ مارو۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا "تمہیں ہری چند کے بارے میں تشویش ہے۔ اب ہم اسی کے بارے میں بات کریں گے کیونکہ مجھے بھی اس کے بارے میں بہت زیادہ تشویش ہے۔"

"تمہیں کیا تشویش ہے اس کے بارے میں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم سے بہت مختلف ہے۔ تم اسے پکڑ کر سولی چڑھانا چاہتے ہو، میں اس کے انجام سے خائف ہوں۔"

"اسی لیے تم ہمیں رات کراچی میں گزارنے کا مشورہ دے رہے تھے؟" اول خان کے لہجے کی تلخی بدستور برقرار تھی "یہ بات یاد رکھو کہ تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تب بھی وہ اپنے برے انجام کو نہیں ٹال سکے گا۔"

"اظہر جی! تم نے میری بات پکڑ لی۔ تمہاری کہی ہوئی بات بہت پہلے میرے ذہن میں جم چکی ہے۔ مظہر جی نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ اسے بچانے کی کوشش میں، میں خود کسی بڑی مشکل میں پڑ سکتا ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ ماروتی کا بھائی ہے۔"

"وہ... وہ تمہارا سالا ہے؟" اس انکشاف پر اول خان اپنی حیرت کا بے ساختہ اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ماروتی اور ہری چند میں کوئی رشتے داری تھی مگر مجھے اتنا موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں اسے ان کے حقیقی رشتے سے آگاہ کرسکتا۔

"سالا ہے۔ اسی لیے میں نے اس پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیا اور بھایا جی سے کہہ کر اسے حیدر آباد کا منیجر لگوا دیا۔" روی کہہ رہا تھا "آدمی اپنوں سے دھوکا کھاتا ہے، دوسروں پر بھروسا کرتا ہے، نہ ان سے مار کھاتا ہے۔"

"وہ ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔" میں نے اول خان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"وہ ماروتی کا اکلوتا کزن ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ وہ اس کے لیے کیسے گڑگڑا رہی تھی۔" روی بولا۔

چند ثانیوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی پھر اول خان کی آواز ابھری "تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

وہ سوال میرے لیے تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "چل پڑے ہو تو بس چلتے رہو۔ وہاں جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

"میں ہری چند کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم دونوں مجھ پر تھوڑا سا بھروسا کرو تو میں اس تک پہنچنے کے سلسلے میں تمہاری کافی مدد کرسکتا ہوں۔" اس بار قدرے طویل خاموشی کے بعد روی نے پیشکش کی۔

"اسے شناخت کرنے کے سوا تم ہماری کیا مدد کرسکتے ہو؟" اول خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے خوف سے بھاگا ہوا ہے یا پولیس والوں کے ڈر سے روپوش ہوا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" سفر جاری رکھنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اول خان کا موڈ تبدیل ہو چکا تھا۔

"وہ لوگ وردی والے ہوتے ہیں، تم بغیر وردی والے ہو۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پولیس والے کہیں بھی اچانک دھاوا بول کر اسے پکڑ سکتے ہیں۔ دوسرے دشمنوں کو وہ غچا دے کر نکل سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھٹ شاہ کے علاوہ کہیں اور بھی ہو سکتا ہے؟"

"اس کا اصل ٹھکانا بھٹ شاہ ہی ہے مگر وہ رنگین مزاج ہے۔ دن رات ملنگوں اور فقیروں میں نہیں پڑا رہے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگین مزاجی تم سب میں مشترک ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

روی بھی ہنس دیا "بات دراصل یہ ہے مظہر جی کہ ناچ گانا ہمارے مذہب کا ایک حصہ ہے۔ پوجا پاٹھ بھی ان کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ کمسن اور خوب صورت عورتوں کے اس ناچ گانے میں پنڈتوں اور پجاریوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ پجاری بھی انسان ہوتے ہیں اور انسان

خطا کا پتلا ہوتا ہے سو وہ پی کر پوجا منڈل میں آتے ہیں، مندروں میں بھی ان کی پیشانی پر تلک اور نظروں میں شراب کی مستی ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ دیکھ کر ہم جیسے عام آدمی بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اب تو یہ سب چل پڑا ہے۔ گھر سے مندر تک ہم سب سیکھے سکھائے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں پرمٹ سے سرکاری داموں پر ملتی ہے۔ بے چارے مسلمانوں کو بلیک سے خریدنی پڑتی ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہاری اصل آمدنی اسی بلیک سے ہوتی ہے۔" اول خان نے اپنی دانست میں طنز کیا۔

"میں نے کب اس سے انکار کیا؟" روی نے جھٹ سے جواب دیا "مسلمان یہ گن ہم سے سیکھتے ہیں۔ آج سارے مسلمان تمہارے جیسے ہو جائیں تو ہماری دولت زیادہ دن ہمارا ساتھ نہیں دے گی۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ اکھنڈ بھارت بکواس ہے۔ حمام کے بیچ میں کھڑی دیوار گرا دی گئی تو پھر کسی کو کسی کی شرم نہیں رہے گی۔ یہ دھندا ختم ہو جائے گا۔ ہم بھوکوں مر جائیں گے۔"

"مجھے یہ سن کر دکھ ہوا۔" میں نے کہا "تمہاری سوچ بہت محدود اور چھوٹی ہے۔۔۔۔"

"ارے مظہر جی! میں بھی بڑی بڑی باتیں بنا سکتا ہوں مگر تمہیں اپنا کہا ہے تو اس لیے دل کی بات بتا رہا ہوں۔ ہر انسان کے لیے پیسا دنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ دنیا میں لوگ دو پیسے کے روزگار کے لیے گھر بار، بال بچوں اور ماں باپ تک کو چھوڑ کر سمندر پار چلے جاتے ہیں۔ ہم تو گھر کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بس دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمارے روزگار کو پاکستان کے صدقے قائم و دائم رکھے۔"

اس کے وہ الفاظ طنزیہ بھی ہو سکتے تھے لیکن اس کا لب و لہجہ طنز و استہزا سے یکسر عاری تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اول خان اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھے بغیر بھڑک نہ اٹھے میں فوراً ہی بول پڑا "تم خدا کو کب سے ماننے لگے؟"

"اوہو۔۔۔!" میرے ٹوکنے پر اس نے سنبھل کر کہا "یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اس لیے خدا کا نام لے رہا ہوں۔ دراصل یہ ماحول کا اثر ہے۔ ہم سلام کرتے ہیں، مسلمان اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایسے بھلے لوگوں سے میل جول میں ہم خدا کا نام لینے لگے ہیں مگر جب بھی ہم خدا کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بھگوان کا تصور ہوتا ہے۔ بھایا جی بہت کٹر ہیں۔ وہ رام اور بھگوان کے سوا کچھ اور نہیں بولتے۔"

"یہ منافقت ہے کہ تم زبان سے کچھ اور کہتے ہو، دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ تم سے تو تمہارا بھایا جی اچھا ہے کہ دل کی بات ہی زبان پر لاتا ہے۔ تمہاری طرح کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔" اول خان اس کی طرف سے پھر کچھ بدک گیا۔

"یہ منافقت نہیں، یقین کی بات ہے، اظہر جی!" اس نے زور دے کر کہا "جو بھی اسے پکارتا ہے، اس یقین سے پکارتا ہے کہ وہی سب کچھ بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ اس کے سامنے سب چیونٹی سے زیادہ بے بس ہیں۔ اسے گاڈ، خدا، اللہ، رام یا بھگوان کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بھایا جی تو جنونی آدمی ہیں۔ جو بات ان کی موٹی عقل میں سما جائے، وہ سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے۔"

"اس بارے میں اپنی زبان بند رکھو!" اول خان اس کی ملحدانہ تاویل سن کر سختی سے بولا "اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ ہمارے یہاں اللہ کا تصور بہت صاف ستھرا اور کھرا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ایسا اکیلا ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ شریک!"

"یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ہر بات کی تان بھایا جی پر آکر کیوں ٹوٹتی ہے۔" اول خان کے خاموش ہوتے ہی میں نے موضوع بدل دیا "تم جگدیش کو برا بھلا کہتے ہو اور ہر بات میں اس کی مثال بھی لے آتے ہو جیسے وہ تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہو۔"

"بھایا جی سنکی اور جھکی ہیں مگر گھر کے بڑے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد مجھے تو پالا بھی انہوں نے ہی ہے۔ میں ان کا نام کھرچ کر کیسے نکال سکتا ہوں۔ ان سے میرا اصل اختلاف ماروتی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتے۔"

"جگدیش کو تم پر اپنی پسند مسلّط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شاید وہ تمہیں آج بھی بچہ سمجھتا ہے۔"

"یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی بیوی یعنی بھابی ان سے دگنی موٹی اور بدشکل ہے۔ شاید وہ ماروتی کی وجہ سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور کھسیانی بلی کی طرح ہر وقت کھمبا نوچتے رہتے ہیں۔"

"ماروتی کا انتخاب کرتے ہوئے تمہیں خیال رکھنا چاہیے تھا کہ جگدیش کے دل پر کیا گزرے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ماروتی کتنی ملنسار اور خوش مزاج ہے۔ جو ایک بار اس سے مل لیتا ہے، اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس نے بھایا جی کو عزت دینے کی بہت کوششیں کیں مگر انہیں گھر کی عزت راس نہیں آئی۔"

"وہ واقعی بہت اچھی اور پیاری عورت ہے مگر میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے بارے میں تم بہت کھلا ذہن رکھتے ہو ورنہ اسے یوں ہوٹل میں اکیلا چھوڑ کر نہ آتے۔ ہوٹلوں میں ہر رنگ کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگنے کے بعد بھی وہ رات بھر اسی ہوٹل میں ٹھہری تھی اور وہیں تم سے ملی تھی۔ تم خود بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا تکلیف پہنچائی؟ کیا تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے؟"

اس کا وہ سوال اس قدر دلیرانہ اور براہِ راست تھا کہ میں ماروتی سے ہونے والی اس ملاقات کا تصور کر کے چند لمحوں کے لیے سٹپٹا گیا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ماروتی نے اپنے شوہر کو اس حد تک بتا دیا ہوگا۔

"مجھے اس بے چاری سے کیا شکایت ہوگی۔ وہ تو ہر قیمت پر تمہیں معافی دلوانے کے لیے بے چین تھی۔" وہ جواب دیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ روی موہن کو ماروتی پر واقعی اندھا اعتماد تھا یا پھر وہ ایک بے حس اور بے غیرت شوہر تھا۔

"اس سے کسی کو شکایت نہیں ہوتی۔ وہ بہت حوصلے اور دل والی عورت ہے۔ جب تک وہ خود نہ چاہے، کوئی غیر مرد اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اسی بھروسے پر میں نے اسے آج پھر ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ عورت اور قسمت۔ ان دو چیزوں کو آدمی زبردستی اپنے قابو میں نہیں کرسکتا۔ یہ مقدر والوں پر خود مہربان ہوتی ہیں اور جب روٹھ جائیں تو انہیں منانا ناممکن ہوتا ہے۔"

اس کی کھلی کھلی باتوں سے مجھے حوصلہ مل رہا تھا۔ میں نے کہا "میں ماروتی کی بات نہیں کررہا۔ میں ایک عام سی بات کررہا ہوں کہ عورت کو آزادی مل جائے اور اسے رازداری کا یقین ہو تو پھر اسے بہکنے میں دیر نہیں لگتی۔"

"تم نے عام سی بات کی ہے مگر میں ماروتی کے بارے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ سے خوش نہیں ہے اور بہکنا چاہتی ہے تو پھر بہک جائے۔ میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ تمہاری بات الگ ہے مگر مرد عام طور پر ہرجائی ہوتے ہیں۔ خود میری کئی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں۔ میں اس بارے میں زیادہ سوچنے کا قائل نہیں ہوں۔ ماروتی کے دل میں میرے لیے پیار ہی پیار ہے۔ جس دن اس میں کمی آئی، مجھے خود علم ہو جائے گا۔ مجھے سارا ڈر بھایا جی کی زبان کی طرف سے رہتا ہے۔ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر ماروتی کو ایسی ایسی گالیاں دیتے ہیں کہ میں لرز جاتا ہوں۔ ان کی ضد میں آ[کر] ماروتی نے کوئی انتقامی قدم اٹھالیا تو میں زندگی بھر بھایا جی [کو] معاف نہیں کروں گا۔ وہ میرے بڑے بھائی ضرور ہیں مگر انہیں میری زندگی سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ نرا احمق تھا اور اپنے تصورات کی دنیا میں کھویا ہو[ا] تھا۔ اسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ وہ جس گھڑی سے ڈر رہا تھا، [وہ] آکر گزر چکی تھی۔ ماروتی نے اپنے جیٹھ کی ضد میں چپکے سے اپنے گھرانے کی عزت کو ڈس لیا تھا۔ وہ جگدیش سے ماروتی [کا] انتقام تھا اس لیے روی اپنے گھر کو لگ جانے والی اس آگ کی تپش کو بالکل محسوس نہیں کرسکا تھا مگر شاید ماروتی نے جگدیش کو کسی طرح جتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا تھا۔

روی کی سوچ واضح تھی مگر اس کا تردد میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارے دل میں ایسے بھیانک اندیشے پل رہے ہیں تو تم کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے؟ تمہیں کس گھڑی کا انتظار ہے؟"

"بھایا جی ماروتی پر گرجتے برستے ہیں تو پہلے اس کی آنکھیں نم ہوتی ہیں پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں اس کے دل کی ساری کدورت دھل جاتی ہے۔ جس دن اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے اور اس نے بھوکی شیرنی کی طرح بھایا جی کو گھورنا اور جواب دینا شروع کردیا، میں اپنی زبان بندی ختم کر کے بھایا جی کی طبیعت صاف کردوں گا۔"

مجھے یاد آیا کہ جب بھایا جی نے میرے اور اول خان کے سامنے ماروتی کی تذلیل کی تھی تو وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس سے مقابلے پر تل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی نمی نہیں آئی تھی اور جگدیش اسے بمشکل اندر لے جاسکا تھا۔

اپنی بیوی کے بارے میں روی موہن کے سارے اندازے سو فی صد درست تھے۔ خرابی یہ ہوئی تھی کہ اپنی زندگی کے ایک فیصلہ کن موڑ پر وہ خود موجود نہیں تھا بلکہ خود کو قانون کی آہنی گرفت سے بچانے کے لیے شہر کے کسی گمنام گوشے میں دبکا ہوا تھا۔

روی کے جواب پر گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ میری طرح اول خان بھی موہنوں کے خاندان پر خاموشی سے نازل ہونے والی تباہی کے بنیادی سبب سے واقف ہو چکا تھا اور ہونٹ بھینچے، ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

میں خود اس کہانی کا ایک کردار بننے پر مجبور کردیا گیا تھا

اس لیے میں نے گہری دلچسپی کے ساتھ روی موہن کو کریدا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ روی اپنی بیوی کے بارے میں بہت زیادہ پر اعتماد اور آزاد خیال تھا مگر پھر بھی ماروتی نے براہ راست اسے دغا نہیں دی تھی۔
اس گھر کو گھر ہی کے سب سے بڑے اور شاید سب سے روشن چراغ سے آگ لگی تھی۔
اول خان نے اس بارے میں میرے تجسس کو بھانپتے ہوئے درمیان میں دخل اندازی نہیں کی تھی لیکن روی کی گفتگو سے سامنے آنے والے حقائق کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اسے ہری چند یاد آگیا۔
"تم نے بلاوجہ ہمیں اپنی گھریلو باتوں میں الجھالیا۔ ہری چند کی بات اس کی رنگین مزاجی تک آکر رہ گئی۔" اول خان نے گردن کو قدرے موڑ کر کہا۔ اس وقت بھی اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔
"ہاں میں کہہ رہا تھا کہ وہ پولیس کے ڈر سے بھاگا ہے تو پھر ملنگ بن کر بھٹ شاہ میں ہی چھپا رہے گا۔" روی کو فوراً ہی اپنی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "اور اگر وہ تمہارے ڈر سے روپوش ہوا ہے تو دن میں مزار کے آس پاس پڑا رہتا ہوگا اور راتیں ہالا کی کسی بدنام عورت کے گھر گزارتا ہوگا۔ ہالا شہر کے مخصوص، پچھلے حصے میں ذرا سی محنت کر کے اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔"
"حیرت ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم ہمارے خوف سے اپنے گھر سے نکل کر اس طرح فرار ہوئے تھے جیسے موت تمہارا پیچھا کر رہی ہو۔ آج کی پوزیشن کو بھول کر اس وقت کے بارے میں سوچو اور اندازہ لگالو کہ ہری چند کا کیا حال ہوگا۔" میں نے کہا۔
"میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔" روی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ ہری چند نے کرشن کمار کی ہدایت پر اپنی گاڑی کچھ اجنبی غنڈوں کو دی تھی اور وہ گاڑی کراچی میں پکڑی جاچکی تھی۔ اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جوں ہی مجھے تم لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو مجھے اپنے سامنے موت کھڑی نظر آنے لگی اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب تک ماروتی نے مجھے اطمینان نہیں دلایا، ہر آہٹ پر میری جان نکلی جاتی رہی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ مجھے ڈھونڈنے والے کسی بھی وقت میری پناہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔"
"ہری چند ان چکروں میں براہ راست ملوث ہے۔ ماروتی سے یہ سن کر وہ دہشت زدہ ہوگیا ہوگا کہ کسی ایجنسی کے آدمی تمہاری تلاش میں تمہارے گھر پہنچے ہیں۔ یہ دہشت اسے عیاشی کی طرف مائل نہیں ہونے دے گی۔ وہ جہاں ہے، وہیں چھپا رہے گا۔"
"یہ میری رائے تھی جو غلط بھی ہوسکتی ہے۔"
ٹول پلازا سے آگے، میمن گوٹھ کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نظریں غیر ارادی طور پر دائیں طرف اٹھ گئیں۔ اسی آبادی کے قرب جوار میں کہیں ڈیوڈ اور جمی کی لاشیں ان کی کار کی آہنی چتا میں جلی تھیں۔
اس وقت تک جو کچھ روی کے علم میں آچکا تھا، وہی کافی تھا۔ اسے ہمارے اصل نام معلوم نہیں تھے مگر وہ ہمیں پہچانتا تھا۔ اسے ہمارے گھر کا علم نہیں تھا لیکن وہاں کا فون نمبر وہ جان چکا تھا۔ اس سے آگے اس پر اعتماد کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس وقت وہ ہمارے دباؤ میں آیا ہوا تھا اور ہمارے لیے کام کر رہا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اسے ہر حال میں ہمارا ساتھ دینا تھا مگر ہم دونوں میں سے کوئی اس امکان سے غافل نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں کرشن کمار یا ہری چند جیسے ملک دشمن عناصر ایک مرتبہ پھر اس کی ہمدردیاں حاصل کرسکتے تھے۔ ایسی صورت میں اس کی نازک مسائل سے آگاہی ہمارے لیے مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔
میمن گوٹھ کے عقب میں واقع، گرین فارم پر پیش آنے والے واقعات ہمارے لیے ناقابلِ فراموش تھے۔ وہاں اول خان اور سلطان شاہ نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ ایک طرف کرشن کمار کو زندہ پکڑا گیا تھا تو دوسری طرف ایف بی آئی کے دو امریکی اہلکاروں کو ایسے حالات میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا کہ کسی کی جانب سے کسی جائز احتجاج کی گنجائش نہیں رہی تھی مگر ہم دونوں میں سے کسی نے میمن گوٹھ کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ آبادی سے آگے گزرتی رہی۔
میمن گوٹھ کی روشنیاں ختم ہونے سے پہلے روی موہن اچانک بول پڑا "کرشن کمار یہیں چھپا ہوا تھا۔"
"وہ یہاں سے نہیں، کراچی میں داخل ہوتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔
"کمال ہے۔" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "میں نے ماروتی کو بتایا تھا کہ وہ یہیں گرین فارم میں چھپا ہوا تھا، اخباروں میں بہت کچھ آیا ہے۔ فارم سے کچھ دور دو امریکی بھی کسی حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ کیا ان واقعات کا کرشن کمار سے کوئی تعلق نہیں تھا؟"

"تعلق ہوتا تو اخباروں میں اس کا ذکر بھی ساتھ آتا۔ وہ ایک الگ واقعہ تھا۔ وہ پکڑا گیا اور مار دیا گیا۔"
"اخبار میں اس کی تصویر دیکھ کر مجھے جھرجھری آ گئی تھی۔ اس کی لاش کراچی کے ہی کسی علاقے سے ملی تھی۔"
اس نے اپنے موقف پر اصرار کرنے کے بجائے وہی بات دہرا دی جو اخباروں تک پہنچائی گئی تھی پھر بے ساختہ پوچھا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کے بارے میں ماروتی سے جو اطلاع ملی، وہ بے سود ثابت ہوئی ہوگی۔ تمہیں بلاوجہ یہاں تک دوڑ لگانی پڑی۔"
"ہمیں یہاں تک آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"
اس کا سوال سنتے ہی میرا ذہن چل پڑا تھا اور تیزی کے ساتھ ایک کہانی کا تانا بانا تیار ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہمیں ماروتی نے دیر سے کرشن کمار کی کمین گاہ کے پتے سے آگاہ کیا۔ تھوڑی سی تیاری میں مزید وقت ضائع ہوا۔ جب ہم میمن گوٹھ کے لیے روانہ ہوئے تو یہاں کھیل ختم ہو چکا تھا۔۔۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ تم سے پہلے کسی اور نے اسے ٹھکانے لگا دیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔
"اتنی لمبی چھلانگیں نہ لگاؤ۔ تحمل سے پوری بات سن لو۔" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا "اسے کسی نے نہیں مارا تھا مگر گرین فارم پر کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا۔ دونوں امریکی ایک پراسرار حادثے کا شکار ہو کر چل بسے تھے اور کرشن کمار یہاں سے بھاگ نکلا تھا۔"
"اس نے تمہارے ساتھ امریکیوں سے بھی کوئی مخاصمت مول لی ہوئی ہوگی!"
"تینوں مر چکے ہیں اس لیے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم صرف قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔ ہم کراچی سے نکل رہے تھے اور ٹول پلازا سے پہلے والی چیک پوسٹ پر ایک پولیس پارٹی نے کرشن کمار کو روکا ہوا تھا۔"
"اس کا رنگ اور چہرہ اتنا غیر معمولی ہے کہ تم نے اسے دور ہی سے پہچان لیا ہوگا۔" وہ قیاس آرائی کیے جا رہا تھا۔
"بس، اس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے کہ اظہر نے اسے دیکھا اور پہچان لیا۔"
"ہمارے پاس اس سے زیادہ پوچھ گچھ کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں اس کے جرائم کا علم تھا۔ اس نے ڈھٹائی سے کام لینا چاہا اور یوں تشدد سہتے سہتے مر گیا۔ تم اس کے بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو۔"
"گرین فارم کا مالک میرا گہرا دوست ہے۔ اس نے میری سفارش پر کرشن کمار کو پناہ دی تھی۔ اس بے چارے کو کرشن کمار کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اگر وہ کرشن کمار کی وجہ سے کسی مشکل میں پڑ گیا تو میں اس کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"
"ان پیچیدگیوں کی وجہ سے تمہیں اپنی روپوشی کو تھوڑا سا طول دینا پڑا۔ پولیس کو اس شخص کی تلاش تھی جس کے ایما پر کرشن کمار کو گرین فارم میں پناہ دی گئی تھی۔ فارم کے مالک نے اپنی چمڑی بچانے کے لیے سب کچھ اگل دیا تھا۔"
"مگر اسے کرشن کمار کے اصل نام کی بھنک بھی نہیں ملی تھی۔ وہ شیرو کے نام سے وہاں پہنچا تھا۔"
"شیرو اور کرشن کمار کا ڈراما زیادہ دیر تک نہیں چل سکا تھا۔ امریکیوں کی موت کی وجہ سے اس معاملے نے بہت اہمیت اختیار کر لی تھی۔ فارم کے مزدوروں نے کرشن کمار کی لاش کی تصویریں دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہی شخص شیرو کے نام سے فارم پر مقیم تھا۔"
"پھر تو وہ بے چارہ ضرور مشکل میں پھنس گیا ہوگا!"
روی پر تشویش اور راوچی آواز میں بڑبڑایا۔
"وہ پولیس کا معاملہ ہے۔ میمن گوٹھ میں جو کچھ ہوا یا اب ہو رہا ہوگا، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"تم میرے دوست کے لیے کچھ کر سکتے ہو؟" روی نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔
"تم پھر بہک رہے ہو!" میں نے اسے تنبیہہ کی "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس چکر سے اپنی گردن بچانے کی فکر کرو۔ دوسروں کے لیے زیادہ ہمدردی دکھائی تو تم خود بھی کسی المناک انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔"
"مظہر جی! میں شرمندہ ہوں۔" اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "جو بات میں ہری چند کے حوالے سے ماروتی کو سمجھا رہا تھا، وہی بات اس وقت میرے ذہن سے نکل گئی۔"
"ہماری طرف سے تمہیں کلیرنس مل چکی ہے۔ ہم قول کے پکے ہیں، جو وعدہ کرتے ہیں اسے آخر تک نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" میں نے اپنی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہوئے، زور دے کر کہا "مگر یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ پولیس فورس کو تم سے دور رکھنے کے لیے ہمیں کیا پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ آج بھی امریکی ہر اس شخص کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کا سایہ بھی گرین فارم کے قریب سے گزرا ہو۔"
"تمہارے بتانے سے پہلے یہ بات میری سمجھ میں آ گئی

تھی کہ اپنی ایجنسی کے سوا تم کسی کی ذمے داری نہیں لے سکتے۔"

"پولیس کی طرف سے درپیش خطرہ کسی بھی وقت سر ابھار سکتا ہے۔ اس امکان کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلو گے تو تم سے کہیں کوئی لغزش نہیں ہوگی۔ ابھی ہری چند کا نام ہمارے سامنے ہے۔ نہ جانے کل کس کی باری آجائے۔"

"گھر پر ماروتی تم سے کہہ رہی تھی کہ تم چھانٹ چھانٹ کر ہندوؤں کو اپنا نشانہ بنا رہے ہو۔ اس وقت مجھے دھیان نہیں آیا تھا۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ گرین فارم ایک مسلمان کی ملکیت ہے اور وہ میرا گہرا دوست ہے۔"

"یہ بات ماروتی کو ضرور بتا دینا تاکہ اس کی غلط فہمی دور ہوسکے۔ تمہارا وہ دوست مسلمان ہونے کے باوجود مکافاتِ عمل سے گزر رہا ہوگا۔ اپنی زمین سے غداری کرنے والوں کے لیے قانون نافذ کرنے والے سارے باوردی اور سادہ پوش ادارے سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

اس دوران میں میمن گوٹھ کی آبادی بہت پیچھے رہ گئی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے نگاہ ڈالی تو آنے اور جانے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بس سپرہائی وے کی بل کھاتی ہوئی، سیاہ دہری پٹیاں چمک رہی تھیں۔ سڑک کے اطراف میں ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔

میرے حساب سے روی موہن نے شراب کی وافر مقدار لی ہوئی تھی لیکن اس کے اعصاب نشے کے گہرے اثرات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس کا ذہن کام کررہا تھا اور زبان کسی لکنت کے بغیر اس کے خیالات کا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی۔

میں نے بس اتنا محسوس کیا کہ اسے بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہورہی تھی۔ جب بھی سکوت کے لمحات کچھ طول پکڑتے، وہ نیند بھگانے کی کوشش میں کوئی نہ کوئی نئی بات چھیڑ دیتا تھا اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی۔

حیدر آباد تک کا سفر کافی تیز رفتاری سے طے ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوگئے۔

ہم تینوں کراچی سے روانہ ہوئے تو کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ حیدر آباد سے آگے کا سفر کیسا رہتا اور بھٹ شاہ میں کیا حالات پیش آتے، اس کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایسے میں کھانے کے لیے حیدر آباد ہی سب سے بہتر تھا۔ اول خان بھی رات بھر بھوکا رہنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے قاسم چوک سے بائیں طرف مڑنے کے بعد ایک ہوٹل کے پاس گاڑی پارک کردی۔

ہم ہوٹل میں داخل ہوئے تو ایک گوشے میں بنے ہوئے صاف ستھرے کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص نے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ اس کی مسکراتی ہوئی استقبالیہ نگاہوں کے تعاقب میں، میں نے روی کی طرف دیکھا تو وہ بھی جواب میں مسکرا کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ہوٹل والے سے روی کی وہ شناسائی ہمیں مہنگی پڑسکتی تھی۔

اسی اثنا میں کاؤنٹر والے کے اشارے پر ایک ویٹر ہماری طرف لپکا چلا آیا تھا۔ اس نے ایک میز کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ ہم نے کرسیاں سنبھال لیں تو اس نے میز کی سطح پر کپڑا پھیر کر اسے غیر ضروری طور پر صاف کیا، قریبی میز سے تین گلاس اور ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ایک جگ ہماری میز پر منتقل کیا اور پھر ہمیں سوچنے کا موقع دے کر ہمارے پاس سے دوبارہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

میز پر رکھے ہوئے شفاف شیشے کے نیچے ہوٹل کے دو مینو اس طرح دبے ہوئے تھے کہ میز کے گرد بیٹھا ہوا ہر شخص ان کا مطالعہ کرکے اپنی پسند کے کھانوں کا انتخاب کرسکتا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ ویٹر کی آمد کی وجہ سے میرا چبھتا ہوا سوال ہونٹوں تک آکر رہ گیا تھا۔ روی نے میرے تیور بھانپ لیے تھے اور اندازہ لگا چکا تھا کہ میں اس سے کوئی کڑوی کسیلی بات کرنے والا تھا۔

"ہوٹل میں گھستے ہی تم کچھ پریشان ہوگئے ہو!" روی نے جھجکتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اظہر نے جس ہوٹل کا انتخاب کیا ہے اس کا مالک یا کوئی ذمے دار ملازم تمہارا شناسا ہے!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے ترشی سے پوچھا۔

وہ مسکرایا پھر بولا "غنیمت ہے کہ میں نے اس ہوٹل میں آنے کا مشورہ نہیں دیا ورنہ تم زیادہ ہی بدگمان ہوجاتے۔ اس ہوٹل میں صرف کھانے کا نہیں بلکہ پینے کا سامان بھی چلتا ہے۔" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں بند کرکے انگوٹھا دہانے کی طرف لے جاتے ہوئے اشارہ کیا "یہاں ہمارا پرانا لین دین ہے۔ ہم بالکل بے خوف و خطر ہو کر یہاں اپنی شکم پری کرسکتے ہیں۔"

"ان لوگوں سے یہ لین دین ہری چند ہی کرتا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

"وہ حیدر آباد میں منیجر ہے، لین دین اسی کا کام ہے مگر ہم

لوگ بھی کراچی اور میرپور خاص کے درمیان سفر کرتے ہوئے یہاں رکتے ہیں بھایا جی نے بچپن سے مجھے سکھایا ہے کہ اچھے کاروبار کے لیے ضروری ہے کہ مالک اپنے مستقل گاہکوں سے رابطہ رکھے....."

"تمہیں پھر بھایا جی یاد آگیا!" اول خان اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "اب تم نے اپنے اس مردود بھائی کا نام لیا تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ دوں گا۔ اس کا نام سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔"

روی خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "اچھا ہوا کہ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے وارننگ دے دی۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ میری زندگی پر ان کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ انہیں ناپسند کرنے کے باوجود میں بھولنے سے قاصر ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اظہر کا ہاتھ کراٹے کا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

موہن خاندان کا آبائی شہر میرپور خاص تھا جبکہ وہ لوگ کراچی میں رہتے تھے۔ دونوں شہروں کے درمیان سفر کرتے ہوئے اس ہوٹل کے مالک اور ملازمین سے ان کا میل جول قابلِ فہم تھا۔ میرے ذہن میں رینگنے والے خدشات کچھ کمزور ہوگئے۔

مینو کا تعین ہوجانے کے بعد اول خان نے روی سے باتھ روم کے بارے میں پوچھا اور اس کی نشان دہی پر اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ باتھ روم اسی سمت میں واقع تھا۔ اول خان ہاتھ دھو کر لوٹا تو روی اٹھ کر اسی طرف ہولیا۔

ہم دونوں کی نگاہیں اس کا تعاقب کررہی تھیں۔ راستے میں وہ کاؤنٹر پر رکا تو میرا اندازہ تھا کہ وہ چند ثانیوں کی رسمی مزاج پرسی کے بعد وہاں سے آگے بڑھ جائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وہ کہنیاں ٹیک کر کاؤنٹر پر جھکا' وہاں موجود شخص سے باتیں کررہا تھا۔

"دونوں میں راز و نیاز شروع ہوگئے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اس نے ہوٹل والے سے مل کر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو منہ کی کھائے گا۔"

وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ اس گوشے میں ہلچل سی نظر آئی پھر روی باتھ روم کی طرف جانے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ ہماری طرف واپس آتا ہوا نظر آیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کاؤنٹر والا اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکلا اور عجلت میں مخالف سمت میں چل دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک دروازے کے پیچھے غائب ہوگیا۔ اس دوران میں روی ہمارے پاس واپس آچکا تھا۔

"گڑبڑ ہوگئی۔" وہ آتے ہی کسی تمہید کے بغیر بولا "ہم آئے تو ہری چند یہیں موجود تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔"

میں غیر ارادی طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا "وہ یہاں کیا کررہا تھا؟"

"وہ کئی دنوں سے روپوش تھا۔ شاید پیسے ختم ہوگئے ہوں گے۔ یہاں سے حساب لینے آیا تھا۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ وہ بھٹ شاہ میں ملنگ بن کر چھپا ہوا ہے!" میں نے کہا۔

"آدمی کوئی بھی سوانگ رچالے' گزارے کے لیے رقم ضروری ہوتی ہے۔ وہ پیسے لینے کے بعد ملکانی سے باتیں کررہا تھا۔ جوں ہی ہم اندر داخل ہوئے' وہ ملکانی سے سلام دعا کیے بغیر یہاں سے نکل گیا....."

"حیرت ہے کہ یہ بات تمہیں اتنی دیر سے بتائی گئی۔" اول خان نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا "ہمیں ہوٹل میں آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ اب تک وہ بہت دور نکل گیا ہوگا۔"

"شاید ہوٹل والے بھی اس سے ملے ہوئے ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں لقمہ دیا "یہ بات تو کوئی اُلّو کا پٹھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اپنے مالک کو دیکھ کر رقم سمیت بھاگنے والا ملازم بھی کسی کا وفادار نہیں ہوسکتا۔ انہیں تم کو آتے ہی ہری چند کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔"

"میں اکیلا ہوتا تو شاید وہ یوں حواس باختہ ہوکر نہ بھاگتا" روی نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "میرے ساتھ تم دونوں کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ پیسے اس کی جیب میں جاچکے تھے' وہ بھاگ گیا۔"

وہ بھاگ گیا اور ہم یہاں بیٹھے تمہارے ساتھ جھک مار رہے ہیں۔ اول خان کا پارہ بتدریج چڑھنے لگا تھا "معلوم کرو کہ وہ کدھر گیا ہے؟"

"ملکانی کاؤنٹر چھوڑ کر اپنے آدمیوں سے یہی معلوم کرنے گیا ہے کہ ہری چند کی گاڑی کدھر گئی ہے" روی نے سہم کر جواب دیا "جو کچھ تم دونوں کہہ رہے ہو' میں ملکانی کو وہ سب سنا چکا ہوں۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہری چند مفرور ہے۔"

کاؤنٹر والا اسی دروازے سے برآمد ہوا جس میں وہ غائب ہوا تھا۔ اس بار اس کی رفتار اتنی غیر معمولی تھی کہ ہوٹل میں موجود کئی گاہک چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ میزوں کے درمیان سے ہوتا ہوا' سیدھا ہمارے پاس آرکا۔

"وہ ہائی وے پر ٹمیاری کی طرف گیا ہے' گاڑی میں اکیلا تھا" آنے والے نے بتایا۔

"وہ ہاتھ نہ آیا تو واپسی پر ہم تمہیں دیکھ لیں گے" اول خان اس پر غرایا۔

میں ملکانی کا پیغام سنتے ہی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ دونوں نے میری تقلید کی۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد مجھے خیال آیا اور میں پھر ملکانی کی طرف پلٹ پڑا جو اپنا سر جھٹک کر کچھ بڑبڑاتا ہوا کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔

"وہ کس گاڑی میں ہے۔ اس کا۔۔۔" میرا سوال مکمل ہونے سے پہلے ملکانی نے بولنا شروع کر دیا۔

"کالی مزدا میں ہے!" میں نے بس اتنا سنا اور دروازے کی طرف ہو لیا۔

میرے سوار ہونے تک اول خان لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ وہ دیوہیکل گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی، اول خان نے پورا اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کو واپس موڑا اور پھر برق رفتاری کے ساتھ مین روڈ پر آگیا۔

"وہ مجھے تم دونوں کے ساتھ دیکھ کر شبہے میں پڑا ہے تو اب بھٹ شاہ کا رخ نہیں کرے گا" روی بولا۔

اس کی بات صحیح تھی۔ ہم تینوں کو یکجا دیکھ کر وہ اسی ایک نتیجے پر پہنچ سکتا تھا کہ روی اپنے نامعلوم دشمنوں کی گرفت میں آگیا ہے اور دو اجنبی روی کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ہم اس ہوٹل میں اتفاقاً جا گھسے تھے مگر ہری چند کو شبہ ہو سکتا تھا کہ روی نے بھٹ شاہ جانے سے پہلے دانستہ اس ہوٹل کا رخ کیا ہو تاکہ وہاں سے اس کے بارے میں کوئی تازہ ترین سن گن مل سکے۔

شاید ہری چند نے بھٹ شاہ کو اپنا محفوظ ترین ٹھکانا سمجھ کر وہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ اس بارے میں اس نے خود ہی ماروتی کو بتایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ روی کسی وجہ سے زیر ہو چکا تھا تو ماروتی کے علم میں آئی ہوئی ہر بات روی کے ذریعے اس کے دشمنوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ وہ اکیلا تھا۔ پرانی کمین گاہ سے ایک بار نکل آنے کے بعد ضروری نہیں تھا کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرے۔ گاڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قومی شاہراہ سے نکلنے والے کسی بھی راستے پر مڑ کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ میں نے چلتے چلتے ملکانی سے ہری چند کی گاڑی کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ عملی طور پر ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہ ہوتا۔ حیدرآباد سے میلوں دور نکل جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ ہم ایک بے نام ونشان کار کا پیچھا کر رہے تھے جسے تلاش کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ تمہاری دانست میں وہ اور کہاں جا سکتا ہے؟"

"یہ سڑک شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہے اور اس کے دونوں اطراف میں بے شمار آبادیاں ہی آبادیاں ہیں۔ وہ اپنا گھر چھوڑ چکا ہے۔ کہیں بھی چلا جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی رشتے، کنبے داری صرف حیدرآباد اور میرپور خاص میں ہے یا کراچی میں ہم رہتے ہیں۔"

"اظہر خان! ہم اسے کہاں تک تلاش کریں گے؟" چند ثانیوں بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"مظہر خان! میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم روی کی باتوں سے متاثر ہو رہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ ہری چند اس کا سالا ہے اور یہ موقع پاتے ہی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کرے گا۔ تمہیں اس کی باتوں پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"توبہ، توبہ!" پچھلی نشست سے روی کے گال پیٹنے کی آوازیں آئیں "مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ابھی تک مجھ پر بھروسا نہیں ہو سکا۔ وہ میرا نہیں، ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔"

"پھر تم ہمیں لوٹ جانے پر کیوں اکسا رہے ہو؟" اول خان نے طنز سے پوچھا۔

"میں تمہیں کیوں اکساؤں گا؟ میں تو مظہر جی کی بات کا جواب دے رہا تھا" اس کی افسردہ آواز ابھری "تم اس کی تلاش میں پشاور تک جانا چاہو تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے اس سے زیادہ اپنی زندگی اور آزادی عزیز ہے۔"

اول خان ٹریفک کے بہاؤ کے پیش نظر لینڈ روور کی رفتار کنٹرول کر رہا تھا۔ حیدرآباد کے شہری ٹریفک سے نکل کر اس نے رفتار بہت تیز کر دی۔ وہ آگے جانے والی ہر گاڑی اور ٹرک کو اوورٹیک کرتا ہوا، لینڈ روور کو یوں اڑا رہا تھا جیسے اسے ہری چند تک پہنچنے کا پورا یقین ہو جبکہ میں پُرامید نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہری چند سیدھا جانے کے بجائے راستے سے ہی کہیں مڑ گیا ہوگا۔

قومی شاہراہ پر ہمارا وہ برق رفتار سفر زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ حیدرآباد سے بیس پچیس کلومیٹر دور نکلنے کے بعد ہمیں اپنے آگے سرخ روشنیوں کی ایک طویل قطار ٹھہری ہوئی نظر آنے لگی۔ مخالف سمت سے آنے والا ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"شاید آگے سڑک خراب ہے یا کسی کام کی وجہ سے راستہ بند ہے" اول خان رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

خم دار سڑک پر رکی ہوئی گاڑیوں کی بکھری ہوئی سہ ردیہ قطار کافی دور تک نظر آرہی تھی۔ اول خان نے جیپ سڑک کے انتہائی بائیں سرے پر لا کر کچے میں اتاردی اور ہلکی ہلکی دھول اڑاتا کافی آگے نکل گیا مگر اس سے زیادہ ہوشیار ڈرائیوروں نے بائیں طرف کھدے ہوئے ایک نالے تک پھیل کر راستہ اس طرح مسدود کردیا تھا کہ اول خان کو پورے بریک استعمال کرنے پڑگئے۔

"برے پھنسے" پیچھے سے روی بول پڑا "اگر وہ سیدھا آیا ہے تو ہمارا راستہ صاف ہونے سے پہلے بہت دور نکل جائے گا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرح اس جام میں پھنسا ہوا ہو" میں نے تیزی سے کہا "تم اتر کر میرے ساتھ آؤ۔ ہم آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قسمت ہمارا ساتھ دے اور وہ نظر آجائے۔"

"اس بھیڑ میں، میں تمہیں کہاں تلاش کروں گا؟" اول خان بولا "ایک بار ٹریفک چل پڑا تو میرے لیے رکنا مشکل ہوجائے گا۔ پیچھے والے ہارن بجابجا کر قیامت کھڑی کردیں گے۔ دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے رہو۔"

اسی وقت میرے کانوں میں کسی کی آواز آئی۔ وہ اونچی آواز میں کسی کو بتا رہا تھا کہ آگے کوئی خطرناک حادثہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے سارا ٹریفک معطل ہو کے رہ گیا تھا۔

"تم بائیں طرف سے آگے آنے کی کوشش کرتے رہو۔ ہم ہری چند کے ساتھ تمہارا بھی خیال رکھیں گے۔" یہ کہہ کر میں گاڑی سے اتر گیا۔

وہ ٹریفک جام ایک کھلے ویرانے میں ہوا تھا مگر گاڑیوں کے چلتے ہوئے انجنوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کی وجہ سے فضا بوجھل اور آلودہ ہوگئی تھی۔ میں نے نیچے اتر کر فضا کو مزید آلودہ کرنے کے لیے سگریٹ سلگائی اور ہری چند کے ساتھ آگے چل دیا۔

رکے ہوئے ٹریفک میں ٹرکوں، ٹینکروں اور گاڑیوں کے ساتھ کئی مسافر بسیں بھی پھنسی ہوئی تھیں۔ متعدد من چلے مسافر بسوں سے نیچے اترے ہوئے تھے اور شاید سب ہی کو معلوم ہوچکا تھا کہ آگے کوئی حادثہ ہوچکا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹریفک رک رک کر، ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ وہ بات پھیل جانے کی وجہ سے کوئی ڈرائیور غیر ضروری عجلت دکھا رہا تھا نہ ہارن بجا رہا تھا۔

ہم ٹریفک میں پھنسی ہوئی گاڑیوں میں کسی سیاہ مزدا کار کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ٹریفک کے سرکنے کی رفتار ہم سے زیادہ سست تھی۔

"ہم وقت برباد کررہے ہیں" روی نے تیز سانسوں کے درمیان کہا "وہ ادھر نہیں آیا ہوگا۔"

"وقت کبھی برباد نہیں ہوتا۔ وہ ملے یا نہ ملے، اب ہم بھٹ شاہ تک ضرور جائیں گے۔"

"تم اظہر جی کا بہت لحاظ کرتے ہو اور کرنا بھی چاہیے، کیونکہ ان کا غصہ تیز ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہماری پیش قدمی جاری رہی پھر مجھے حادثے کی پہلی جھلک نظر آئی۔ میرے لیے وہ منظر ناقابل یقین اور سنسنی خیز تھا۔ کالے رنگ کی ایک مزدا کار اپنی تیز رفتاری اور شاید ڈرائیور کی بدحواسی کی وجہ سے سامان سے لدے ہوئے ایک ٹرک کے پچھلے حصے میں جا گھسی تھی۔ میں نے اس طرف دوڑ لگادی۔ روی نے میرا ساتھ دیا۔

ٹرک کے نیچے کار کا انجن والا پورا حصہ گھستا چلا گیا تھا اور ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہوگئی تھی۔ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کی روشنی میں مزدا بالکل خالی نظر آرہی تھی۔ اس سے بائیں طرف، کچی زمین پر مضطرب اور پرجوش تماشائیوں کا ایک گھیرا سا بنا ہوا تھا۔

"کک... کک... کالی مزدا... مظہر جی! کک... کہیں یہ ہری کی گاڑی تو نہیں ہے؟" روی کے ہونٹوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"اسی کی معلوم ہوتی ہے" میں نے سکون سے کہا "مرنے والے کو دیکھ کر مزید تصدیق ہوجائے گی۔"

میں بھیڑ میں گھس گیا۔ اس حادثے میں کار کے اگلے حصے کا جو حشر ہوا تھا، اس کی بنا پر ڈرائیور کے بچنے کی امید ہی عبث تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ روی فوری طور پر رقت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ہری... ہائے میرا ہری چلانے لگا۔

وہاں موجود افراد غیر جانب دار تماشائی تھے۔ روی موہن کی دردناک صدائیں سن کر ہر ایک چونک پڑا۔ بھیڑ میں ہمارے لیے خود بہ خود راستہ پیدا ہونے لگا۔ میرے لیے ہری چند صرف ایک نام تھا۔ میں اسے پہچاننے سے قاصر تھا مگر روی نے جب وہاں جلتی ہوئی کئی ٹارچوں کی روشنی میں، خون میں نہائے ہوئے ایک انسانی وجود کو زرد، خودرو گھاس پر پڑے دیکھا تو دہاڑیں مارتا ہوا اس پر جا پڑا۔

"صبر، صبر کرو... ابھی یہ زندہ ہے... اسے کسی ٹرک میں ڈلوادو اور حیدر آباد لے جاؤ" مجمع میں سے کسی نے روی موہن کو دلاسا دیا۔

میں تیزی سے اس صورت حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ ہمیں محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں جل دے کر حیدر آباد کے ہوٹل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن قدرت کا نادیدہ آہنی ہاتھ حرکت میں آچکا تھا۔ اس کی شامت اسے بھٹ شاہ سے ہانک کر حیدر آباد لائی اور وہ ہم سے کوئی مقابلہ کیے بغیر لہولہان ہوکر زرد گھاس اور خشک مٹی پر پڑا ہوا تھا۔

وہ سب بہت تیزی سے رونما ہوا تھا۔ حادثہ ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ ونڈ شیلڈ کی کرچیں ہری چند کے چہرے' آنکھوں اور شاید سارے اوپری دھڑ میں پیوست تھیں۔ اس کی داہنی آنکھ کا پپوٹا کھلا ہوا تھا' ڈھیلے میں تیز دھار شیشہ پیوست ہوگیا تھا۔ بائیں آنکھ کے بند پپوٹے کو کئی کرچیوں نے اسی حالت میں سی دیا تھا۔ چہرے کے زخموں کے گرد ہلکا ہلکا ورم آنے لگا تھا مگر اس کے سینے کے زیروبم سے ظاہر تھا کہ قدرت نے ہمارا کام آسان بنانے کے لیے اس کی زندگی کی ڈور کو تھوڑی سی ڈھیل دے دی تھی۔

پورے ہجوم میں روی موہن ہی اس کا حقیقی وارث تھا اور بری طرح رو رہا تھا۔ میرے دل میں ہری چند کے لیے کوئی ہمدردی نہیں تھی مگر میں بھی اسے لاوارث چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری دانست میں اس کے صحیح ترین وارث ایس ٹی ایف والے تھے۔

"پیچھے ہماری گاڑی پھنسی ہوئی ہے۔ اسے وہاں تک پہنچادو۔ ہم خود اسے اسپتال لے جائیں گے" میں نے بطور خاص کسی کو مخاطب کیے بغیر اعلان کیا "یہ ہمارا آدمی ہے اور غلطی اسی کی معلوم ہوتی ہے۔"

"اوئے خوچہ! غلطی کو غرق کرو۔ یہ مرجائے گی" ایک تنومند اور سرخ وسفید پٹھان نے ترشی سے کہا "تمہارا گاڑی کدر ہے؟"

"ادھر!" میرے بجائے روی نے روتے روتے ہاتھ سے اشارہ کیا "یہاں سے کافی دور ہے۔"

"دلاور خانا!" اسی تنومند پٹھان نے کسی کو پکارا۔ دلاور خانا نہ جانے کہاں تھا۔ اس سے پہلے ہی کئی پٹھان ڈرائیور آگے بڑھے اور ان کی مدد سے تنومند پٹھان نے ہری چند کے بے ہوش وجود کو اپنی پیٹھ پر لادلیا۔

میں چلا تو وہ میرے پیچھے چل دیا۔ اس کی مدد کرنے والے کئی افراد اس کے دائیں بائیں ہولیے۔

ان میں سے کوئی ہری چند کے سیاہ کرتوتوں سے واقف نہیں تھا۔ وہ سب خلوص اور انسانی ہمدردی کے بے کراں جذبوں سے سرشار تھے۔ ان ہی جذبوں کے تحت وہ سازش کی گٹھڑی کو ہماری گاڑی تک لے جارہے تھے۔ میں ان کے لیے اپنے دل میں محبت اور احترام محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

سڑک سے کچے تک میں اتری ہوئی آڑی ترچھی گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپس نے علاقے کو اتنا منور کیا تھا کہ ناہموار زمین پر راستہ طے کرنے میں کوئی قابل ذکر دشواری پیش نہیں آئی۔ راستے میں ہر ایک حیرت' تجسس' افسوس اور ہمدردی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمارے کارواں کو دیکھ رہا تھا۔ ٹریفک بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا جس کے نتیجے میں ہماری لینڈ روور قدرے قریب آچکی تھی۔

اول خان ہمیں دیکھتے ہی اپنی نشست سے نیچے اتر آیا۔ میری رہنمائی اور روی کی ابتر حالت کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ تنومند پٹھان کی پشت پر اس کا شکار لدا ہوا تھا۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے اس نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

گاڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں مگر ارد گرد سے اچانک کئی رضاکار نمودار ہوئے' سب گاڑیاں قدرے آگے پیچھے سرکیں اور حیرت ناک طور پر اتنی گنجائش پیدا ہوگئی کہ لینڈ روور کو واپس گھمایا جاسکے۔

ایک قریب المرگ زخمی کی روانگی کے لیے ہر ڈرائیور حتی الامکان گنجائش پیدا کررہا تھا۔ رہی سہی کسر لینڈ روور کے طاقت ور انجن اور اس کی فور وہیل ڈرائیو نے پوری کردی۔ دس منٹ کی قلیل سی مدت میں ہماری گاڑی بے ترتیب ٹریفک جام سے نکل کر کھلی سڑک پر آچکی تھی اور حیدر آباد کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اول خان نے گاڑی ایمرجنسی لائٹس روشن کردی تھیں۔

میں اول خان کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ روی موہن اپنے بے ہوش سالے کو سنبھالے پچھلی سیٹ پر بیٹھا اور رہ رہ کر دبی دبی سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اس کی وہ کریہہ آوازیں مجھے گراں گزر رہی تھیں مگر میں انہیں برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

جب کافی دیر بعد بھی وہ سلسلہ موقوف نہ ہوا تو مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑی "ایسی آوازیں نہ نکالو جیسے ہری چند نے تمہیں بیوہ کردیا ہو۔ مرد بنو اور ہمت سے کام لو۔ ابھی وہ مرا نہیں' زندہ ہے۔"

"ایسی زندگی کس کام کی؟" روی کی روہانسی آواز ابھری۔ "تم نے دیکھا نہیں کہ اس کی دونوں آنکھوں کا کیا حال ہوا ہے۔ یہ زندہ بچ گیا تب بھی کبھی کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔ ایسی

بے نور زندگی بڑے کرب سے گزرتی ہے۔"

"یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا ہے۔ یہ حیدر آباد میں ہی ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا تو کم از کم اندھا نہ ہوا ہوتا۔"

"اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" روی نے رونا اور سسکنا بھول کر پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے یکایک سرد لہجہ اختیار کرلیا "کیا تمہارا ذہن پھر بہک رہا ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے" وہ گڑبڑا کر جلدی سے بولا "تم نے دیکھ لیا کہ بھگوان نے اسے کیسی سزا دی ہے۔ آدمی پیدائشی اندھا ہو تو اسے صبر آجاتا ہے کہ اس نے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ آنکھوں والا اندھا ہوجائے تو اس کی زندگی میں حسرتوں اور پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ایسی زندگی موت سے زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اس کی سفارش کررہا ہوں' یہ بس میرا خیال ہے۔"

"تمہاری بات ادھوری ہے۔ ذرا یہ بھی تو سوچو کہ جسے قدرت نے ایسی سزا دی ہے' اسے انسان موت کے سوا کیا سزا دے سکتا ہے۔ اب تو اسے آنکھیں پھوڑنے کی دھمکی دے کر بھی نہیں ڈرایا جاسکتا" میں نے بے رحمی سے جواب دیا۔

"میں نے اسے جوان اور صحت مند دیکھا تھا۔ اس حال میں دیکھ کر میں اپنے بے ساختہ صدمے پر قابو نہیں رکھ سکا۔ ایک بار یہ تمہارے قبضے میں چلا جائے گا تو تم جانو اور یہ جانے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ دنیا میں روز لاکھوں نہیں تو ہزاروں آدمی مرتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک ہری بھی شامل ہوگیا تو کسی کو کیا فرق پڑے گا؟ جو رونے والے ہیں' وہ اسے عمر بھر روتے رہیں گے۔"

"انہیں رونے دو مگر اب تم نہ رونا" اول خان نے سختی سے کہا "روتے ہوئے مرد مجھے زہر لگتے ہیں۔"

"یہ بہت برا ہے' بدمعاش ہے' پاجی ہے مگر میرا رشتے دار ہے۔ اس کے برے انجام پر میرا دل روتا رہے گا مگر تم میری کوئی آواز نہیں سنو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ مظہر جی جانتے ہیں کہ میں اپنا قول نبھانے والا آدمی ہوں۔"

میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ ماروتی جیسی خوب رو اور دلکش خاتون کا مزاج داں شوہر تھا جو باہمی اعتماد کے نام پر اپنی بیوی کی ہر بے راہ روی سے نظریں چرالینے کا عادی تھا۔ اس نے گفتگو کی روانی میں میرا نام لے دیا اور میں چپ رہا کیونکہ وہ ایک بے ضرر سی بات تھی۔ اپنی زبان بند رکھنے میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔

لینڈ روور فراٹے بھرتی ہوئی حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوئی تو سڑک پر رکشا' گاڑی اور ٹرک کے ساتھ ہی بھانت بھانت کی ہاتھ گاڑیاں اور بیل گاڑیاں بھی رینگ رہی تھیں۔ اول خان نے ایک بٹن دبا کر سائرن آن کردیا۔

ہم کراچی سے یہ سوچ کر نکلے تھے کہ ہمیں حیدر آباد سے کافی آگے' بھٹ شاہ تک جانا تھا جہاں رات کی تاریکی کی وجہ سے ہری چند تک پہنچنا مشکل تھا۔ ہم تینوں اس مہم پر اپنی رات برباد کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے مگر وہ معاملہ بھٹ شاہ سے بہت پہلے حیدر آباد کے مضافات ہی میں طے ہوگیا تھا۔ ہم حیدر آباد اور جام شورو سے ہوتے ہوئے باہر نکلے تو میری رسٹ واچ کی سوئیاں رات کے دس بجے سے بھی ذرا پیچھے تھیں۔

ساڑھے گیارہ بجے ہم گلشن اقبال پہنچ چکے تھے' روی اطمینان سے ہری چند کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ہری چند کا سانس چل رہا تھا مگر اس پر گہری بے ہوشی طاری تھی۔

اول خان نے نیپا کا چوراہا گھوم کر گاڑی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی اور کہا "روی! یہاں سے ہمارا اور تمہارا راستہ جدا ہوجاتا ہے۔ ٹیکسی پکڑو اور گھر لوٹ جاؤ۔ ماروتی تمہارا انتظار کررہی ہوگی۔"

"اپنے بڑے بھائی کی بدمزاجی اور زبان کی خرابی کی وجہ سے اس نے ماروتی کو ہوٹل میں چھوڑدیا تھا" موقع آنے پر میں نے اول خان کو آگاہ کیا "وہ اس کا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹل میں آرام کررہی ہوگی۔"

"اوہ! تم ان دونوں کے گھر سے اسی لیے پی سی ہوتے ہوئے آئے تھے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "ارادہ یہی تھا مگر وہ شیرٹن میں ہوگی۔"

میں نے محسوس کیا کہ روی موہن گاڑی سے اترنے میں تردد کررہا تھا۔ اول خان کے کسی کڑوے کسیلے تبصرے سے پہلے میں نے اس سے کہا "جلدی اترو۔ ہم بے ہوش ہری کے ساتھ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتے۔"

"مجھ سے یہ نہ کہو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ پولیس والوں نے ہری کو دیکھ کر بھی تم سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا" اس نے کھسیانی آواز میں کہا "تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو میں جارہا ہوں۔"

"پیدل نہ جانا' یہاں سے ٹیکسی لے لینا" اول خان نے طنزیہ لہجے میں اسے تاکید کی۔

"بہت بہتر... گڈ بائی!" اس نے طنز کو سمجھے بغیر سعادت مندی سے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔

"اسٹیشن فور جانے کے لیے تمہیں ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا "تم ٹول پلازا کے بعد ہی مڑ کر سیدھے ملیر چھاؤنی پہنچ سکتے تھے۔"

"وہاں سے تمہارے روی کو سواری حاصل کرنے میں وقت ہوتی۔ اس کی وجہ سے ادھر نکل آیا" اس نے مسکرا کے کہا۔

"حیدر آباد سے آنے والی بسیں ٹول پلازا سے سوار ہونے والوں کو دس روپے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچا دیتی ہیں۔ تم نے بلاوجہ اتنی زحمت مول لی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اسے گھر لے جانے کا فیصلہ کر چکے ہو۔"

"یہ گھر کے قابل نہیں ہے۔ اس کی طویل بے ہوشی نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔ اسے فوری طور پر طبی امداد نہ ملی تو یہ کچھ بتانے سے پہلے جہنم واصل ہو جائے گا۔"

○☆○

"میں تم سے تیسری اور آخری بار کہہ رہا ہوں" اول خان نے کرسی آگے سرکا کر غراتے ہوئے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو تمہارے زخموں پر نمک اور مرچوں کا پانی ڈالنا شروع کر دیا جائے گا اور تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ یہاں کوئی تمہاری چیخیں نہیں سنے گا۔"

"تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تو مجھے سوچنے کے لیے ذرا سی مہلت دے دو" ہری چند کے زخمی اور متورم ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میری آنکھیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔ میرا پورا بدن سن ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے۔ میں زندہ بھی ہوں یا مر چکا ہوں۔"

میں نے اول خان کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رکھا اور کہا "ہم منکر نکیر نہیں ہیں۔ ابھی تم زندہ ہو مگر زخمی ہو۔"

"کیا روی موہن بھی تمہارے ساتھ ہے؟" اس کی آواز کسی جذباتی اتار چڑھاؤ سے عاری تھی۔

"وہ واپس جا چکا ہے۔ تمہارا پتا ماروتی نے دیا تھا اور تمہاری پہچان کے لیے روی ہمارے ساتھ تھا۔ اپنا کام پورا کر کے وہ چلا گیا۔"

اس نے بستر پر پڑے پڑے، اپنے سر کو متاسفانہ انداز میں دائیں بائیں جنبش دی اور کہا "میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا مگر تم اپنی آواز سے نرم دل اور مہربان معلوم ہوتے ہو۔ اتنا بتایا ہے تو یہ بھی بتا دو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ میں کہاں ہوں؟ وقت کیا ہوا ہے؟"

"تم حیدر آباد کے ایک اسپتال میں ہو اور اس وقت رات کے دس بجے ہیں" میں نے اسے حیدر آباد میں موجودگی کا یقین دلانے کے لیے وقت میں ان دو گھنٹوں کی کمی کر دی جو اسے حیدر آباد سے کراچی لانے اور پھر ہوش میں لانے میں صرف ہوئے تھے۔

"یہ اسپتال ہے تو پھر یہاں کوئی میری چیخیں کیوں نہیں سنے گا؟"

رات گہری ہونے دو۔ یہاں تمہیں دوسرے مریضوں کی چیخیں بھی سنائی دیں گی۔ اسپتال کا عملہ ایسی آوازوں کا عادی ہے۔ وہ تمہاری چیخوں کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیں گے۔ تم نے یہاں زبان نہیں کھولی تو ہم تمہارا علاج ترک کر کے کہیں اور لے جائیں گے۔"

"کیا تم واقعی میرا علاج کرا رہے ہو؟" اس بار اس کی آواز میں امید کی ایک تڑپ نمایاں تھی "میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی؟"

"تمہارے بدن اور چہرے میں شیشے کے ٹکڑے پیوست تھے۔ تمہارا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے۔ تمہارا علاج نہ کیا گیا ہوتا تو اس وقت تم درد اور اذیت سے بری طرح تڑپ رہے ہوتے۔ ہم تمہارے نرم دل حریف ہیں۔ سفاک ہوتے تو اس وقت تمہارا حال کچھ اور ہوتا۔"

"تم کچھ اور باتیں کر رہے ہو۔ تمہارا ساتھی واقعی سفاک ہے" اس نے کہا۔

"وہ جو کچھ پوچھ رہا ہے، شرافت سے بتا دو۔ وہ من مانی پر تل گیا تو میں اسے نہیں روک سکوں گا۔"

"کیا وہ یہاں نہیں ہے جو تم اس کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو؟"

"ہاں، وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ اب تم زیادہ وقت برباد مت کرو۔"

"وہ کیسے چلا گیا؟" اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے پوچھا "میں نے اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں سنی۔"

اس کی جرح پر میں دانت پیس کر رہ گیا "تم پیدائشی اندھے نہیں ہو کہ ذرا سی دیر میں اتنی ہلکی آوازوں کو محسوس کر سکو۔ اگر تم اس کی زبان سمجھنے پر مصر ہو تو پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی تم پر رحم کرے گا۔"

میں نے اس سے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ویسے تو ایس ٹی ایف کا پورا عملہ ہی ابتدائی طبی امداد کے

سارے اصولوں سے واقف تھا لیکن عملے میں کئی باقاعدہ
تربیت یافتہ ڈسپنسر بھی موجود تھے جنہوں نے ہمارے اسٹیشن
فور پہنچتے ہی ہری چند کے زخموں سے شیشوں کی کرچیں نکالنی
شروع کردی تھیں مگر اس کی آنکھوں کو وہ ہاتھ لگانے کی ہمت
نہیں کرسکے تھے۔

اس اثنا میں اول خان نے ایک قریبی فوجی یونٹ سے دو
ڈاکٹروں کی خدمات مستعار لے لی تھیں۔ انہوں نے ہری
چند کے ٹوٹے ہوئے بازو اور زخموں کا معائنہ کرکے بتایا تھا کہ
جلد میں دیر تک شیشے پیوست رہنے کی وجہ سے زخموں کے گرد
خون جم چکا تھا۔ اس وجہ سے زخمی کا زیادہ خون ضائع نہیں
ہوا تھا مگر اس کے بعض زخم زہریلے اور خطرناک ہوگئے تھے
جو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتے تھے۔

زخموں کی مکمل صفائی اور مرہم پٹی کے بعد ہری چند کے
جسم کے تمام کھلے ہوئے حصے ڈریسنگ کی پٹیوں اور ٹیپ میں
چھپ گئے تھے۔ امکان یہ تھا کہ وہ ہوش میں آتے ہی درد کی
اذیت سے چیخنا چلانا شروع کردے گا۔ وہ دونوں پیشہ ور ڈاکٹر
تھے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے طریقہ کار سے واقف نہیں
تھے۔ انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا کسی طرح بھی
مناسب نہیں تھا۔ اول خان نے ان کو صرف اتنی تجویز پیش
کی کہ زخمی کو انجکشن وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسی دوائیں دے
دی جائیں جن کے اثرات سے متاثرہ حصے چند گھنٹوں کے
لیے سن ہوجائیں اور وہ ہوش میں آنے کے بعد زیادہ شور
شرابا نہ کرسکے۔

بظاہر وہ انسانی ہمدردی پر مبنی تجویز تھی جس میں اول
خان کی اپنی حکمتِ عملی بھی مضمر تھی۔ ڈاکٹروں نے باہمی
مشورے کے بعد ہری چند کے جسم کے مختلف حصوں میں کئی
انجکشن لگائے اور ہوش میں آنے پر اس کے پرسکون رہنے
کی یقین دہانی کرا کے رخصت ہوگئے۔

ہم دونوں کے دل ہر وقت نرمی اور انسانی ہمدردی سے
لبریز رہتے تھے لیکن اپنے ملک کے غداروں کے ساتھ ہم ذرا
سی بھی نرمی کے قائل نہیں تھے۔ ڈاکٹروں نے ہری چند پر جو
توجہ دی وہ ان کے پیشے کے تقاضوں کے عین مطابق تھی مگر
اول خان کو صرف ہری چند کی کہانی سے دلچسپی تھی۔ اسے
خلش تھی کہ کرشن کمار سے بازپرس ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ
اس کمی کو ہری چند کے بیان سے پورا کرنے کا خواہاں تھا۔
جبکہ مجھے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں
تھی۔

یہ طے ہوچکا تھا کہ اطمینان سے پوچھ گچھ مکمل ہونے
کے بعد ہری چند کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے گا۔ وہ روپی موہن
کے مقابلے میں کرشن کمار کا بہت زیادہ قریبی ساتھی تھا اور
جلد از جلد اپنے دوست تک پہنچنے کا حق دار تھا۔ اس کام میں
تاخیر مناسب نہیں تھی۔

"جو کچھ وہ پوچھ رہا ہے' اس کے جواب اسے معلوم
ہیں" ہری چند نے خاموشی کے دوران میں چند گہرے گہرے
سانس لینے کے بعد کہا "کرشن کمار میرا گہرا دوست تھا اور وہ
یہاں جو کچھ کررہا تھا اس میں اسے کافی حد تک میری مدد اور
حمایت حاصل تھی۔ پھر اب میں کیا بتاؤں؟"

"تمہارے یہاں کن لوگوں سے رابطے تھے؟ کرشن کمار
کو کہاں سے ہدایات ملتی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کا سارا کام کرشن کمار نے سنبھالا ہوا تھا" اس
نے بتایا "میرپور خاص اور حیدرآباد میں اس کی ایک ٹیم تھی
جو اس کی ہدایات پر عمل کرتی تھی۔ باقی رابطے ضرورت کے
مطابق بدلتے رہتے تھے۔"

"حیدرآباد تمہارا شہر ہے۔ یہاں اس کی ٹیم میں کون
لوگ شامل تھے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اس کا اپنا گروہ نہیں تھا۔ اس کی زیادہ تر امیدیں صحرا
سے وابستہ تھیں۔ وہ بہت فراخ دلی سے مراد ظریف کی
سرپرستی کرتا تھا اور اس کی این جی او کرشن کے مقاصد کو
آگے بڑھا رہی تھی۔ مراد کے غائب ہونے پر وہ بہت پریشان
تھا۔"

ہری چند نے کرشن کمار کی پریشانی کی بالکل صحیح نشان دہی
کی تھی۔ جب تک مراد ظریف آزاد اور زندہ تھا' کرشن کمار
تھر کے صحرا کی وسعتوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی
سازشوں کے جال پھیلانے میں مصروف تھا اور جوں ہی مراد
منظرِ عام سے غائب ہوا' کرشن کمار اپنے سارے کاموں کو
بھول بھال کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور پھر اسی کے
نتیجے میں مارا گیا۔

"تم اس کے لیے کیا کام کرتے تھے؟" اس بار میرا سوال
زیادہ چبھتا ہوا تھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ ہم دونوں کی دوستی بہت پرانی اور
گہری تھی۔ وہ ہر کام میں مجھ سے مشورہ ضرور کرتا تھا اور پھر
جو کام چاہتا' مجھے سونپ دیتا تھا۔"

"وہ یہاں جو کچھ کررہا تھا' اس کے لیے کس کو جواب دہ
تھا؟"

"کسی کو نہیں۔ یہاں وہ اپنی مرضی کا مالک اور صحرا کا
بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا' کرگزرتا تھا۔"

میری نرمی کے نتیجے میں وہ راہِ راست پر آگیا تھا اور کسی مزاحمت کے بغیر میرے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اول خان ستائشی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوالات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے پوچھا "اکھنڈ بھارت کا منصوبہ ایسا نہیں تھا کہ کرشن جیسا آدمی اپنی مرضی سے اس پر کام شروع کر دیتا۔ اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ وہ نیا چھور میں فوجی تربیتی کیمپ چلا رہا تھا۔ وہاں کے لیے ہتھیار اور میگزین کی ضرورت تھی۔ یہ سب کہاں سے آتا تھا؟"

"وہ آزادی سے سرحد پار آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے وسائل وہیں سے مہیا کیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ نئی دہلی میں کسی انل بسواس سے بات بھی کرتا تھا۔ تم یہ بتاؤ کہ میری زخمی آنکھوں کے بارے میں تمہارے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

اسے شاید اپنی زندگی کی آس بندھ گئی تھی اسی لیے اس کے دماغ پر اپنے اندھے پن کا خوف سوار ہو گیا تھا۔ میں نے نرمی سے جواب دیا "ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تمہاری آنکھوں کے زخم بھر جائیں تو پھر کچھ بتایا جاسکے گا۔ ابھی اس بارے میں کچھ نہیں....."

"تم لوگوں نے مجھے برباد کر دیا۔" اس پر یکایک مایوسی نے غلبہ پالیا اور وہ میری بات کاٹ کر اونچی آواز میں بولنے لگا "مجھے اس حال کو پہنچانے والے تم دونوں ہو۔ ابھی تمہارا وقت ہے۔ جو چاہو کر لو۔ مجھے زندگی نے مہلت دی' تو میں یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔"

اول خان کی بے چین نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں خود بھی ہری چند کی زبان سے انل بسواس کا نام سن کر چونکا تھا مگر ہری چند نے مجھے اس نئے نام کے بارے میں مزید کوئی سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور پٹڑی سے اتر گیا۔

اس وقت ہری چند کو قابو میں رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اس سے اپنی بات کرنے کے بجائے اس کی بات سنی جائے' اسے تسلی دی جائے۔ اسے ٹھنڈا کر لینے کے بعد میں دوبارہ سوالوں کا سلسلہ شروع کر سکتا تھا۔

"شش!" میں نے ہونٹوں سے دھیمی آواز نکال کر اسے تادیب کی "ایسی باغیانہ باتیں زبان سے مت نکالو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ڈپریشن میں مبتلا ہو کر یہ سب کہہ رہے ہو ورنہ تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں انگلی تک نہیں لگائی۔ حادثہ تمہاری غلطی سے ہوا ہے۔"

"سب قصور میرا ہے۔ میں موت کے منہ سے بال بال بچا' میری آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور یہ غلطی بھی میری تھی کہ میں نے اپنی گاڑی سے آگے جاتے ہوئے ٹرک کو بروقت کیوں نہیں دیکھا۔ تم دونوں روی کے ساتھ ملک الموت بن کر حیدر آباد کے ہوٹل میں آئے تھے۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ موت کے فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھ لینے کے بعد بڑے بڑے سورماؤں کے پیشاب خطا ہو جاتے ہیں....."

"تمہارا ذہن ہماری طرف الجھا ہوا تھا' تمہیں آگے جانے والا ٹرک نظر نہیں آیا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ ہونے والی باتیں تھیں جن پر کسی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اس وقت تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے۔ ہاں! تم انل بسواس کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"کون انل بسواس؟ میں کسی انل کو نہیں جانتا۔ میں نے اس کا نام تک نہیں لیا۔"

اس کے وہ فقرے بالکل بے ساختہ تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اپنی آنکھوں کی تشویش اور غائب دماغی کی حالت میں وہ نام اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ وہ دانستہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہری چند کے جواب نے انل بسواس کی اہمیت میں اچانک اضافہ کر دیا۔

"تم کہہ کر بھول گئے ہو تو اور بات ہے۔ مجھے الہام نہیں ہو سکتا تھا کہ انل بسواس دہلی میں ہوتا ہے۔"

وہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ تکیے پر اس کا سر ہل کر رہ گیا۔ اس نے کہا "میری زبان سے کوئی بات نکل گئی ہے تو بس اتنا ہی کافی ہے۔ تم یقین کرو کہ میں کسی انل کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

وہ ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں کر رہا تھا۔ صحیح رخ پر چلتے چلتے وہ اچانک بدمعاشی پر تل گیا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے پلستر میں لپٹے ہوئے داہنے ہاتھ کو انگلیوں سے پکڑ کر فضا میں کچھ اوپر اٹھایا اور اچانک چھوڑ دیا۔ پلستر گیلا تھا۔ اس کا بازو اپنے زور میں بستر پر گرا تو اذیت سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"تم سب ذلیل اور بے رحم ہو۔ ایک زخمی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کر رہے ہو۔ تم مرو گے اور سسک سسک کر....."

میں نے گرج کر اس کی بات کاٹ دی "ایسی موت اب تیرا مقدر بنے گی۔ اگر تو انل کے بارے میں نہیں جانتا تو میں تجھے نہیں جانتا تو آدمی کا نہیں' کسی شیطان کا بچہ ہے۔ اب تیرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔"

اس نے اپنی قوت کو مجتمع کیا اور اچانک بستر سے اٹھ گیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے بازو میں درد کی ٹیس اٹھی۔ اس کے حلق سے دبی دبی ایک چیخ نکلی اور اس کا بایاں ہاتھ بے اختیار داہنے بازو پر چلا گیا۔ اگلے لمحے وہ بستر سے اتر کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اپنے ڈریسنگ میں چھپے ہوئے چہرے اور آنکھوں کی وجہ سے وہ کوئی ڈراؤنا عفریت نظر آ رہا تھا۔

"میں زندہ ہوں۔" وہ بایاں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا "میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ اگر میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو میں پھر پہلے جیسا ہو سکتا ہوں۔ یہ بات سب جانتے ہیں، تم بھی جانتے ہو۔ تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

میں نے اس کے ایک ٹخنے پر ٹھوکر سے ضرب لگائی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سنبھلنے کی ناکام کوشش میں اپنے شکستہ بازو کو ہلاتا اور چیختا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے لیے وہ اذیت اتنی شدید تھی کہ وہ جس حالت میں گرا تھا، اسی طرح پڑا رہا۔

"انل کو جانتا ہے یا نہیں؟" اول خان نے اپنی کرسی چھوڑے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

ہری چند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں اس کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"اس کے بازو کا پلستر اتار کر اس کا داہنا بازو وہاں سے کاٹ دو جہاں سے ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور ہری چند کے پہلو پر گرا ہوا، اس کا مجروح ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

وہ بائیں ہاتھ سے مزاحمت کرتے ہوئے چیخا "ٹھہرو۔ ٹھہر جاؤ، مجھے کسی جانور کی طرح مت کاٹو۔ مارنا ہے تو میرے دل میں گولی مار دو یا دماغ میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ درندوں سے زیادہ ظالم ہو گے۔"

"ایسے کھیلوں میں یہی ہوتا ہے۔ پہلے تم بھیڑیے بنے ہوئے تھے۔ اب بھیڑ بننے کی کوشش مت کرو۔" اول خان نے درشت آواز میں کہا "اپنے انجام کے بارے میں تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے کرشن کمار کے لیے کام کرنا شروع کیا تھا۔"

"میں اس کا ملازم نہیں تھا۔" وہ حلق کے بل چیخا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس سے میری دوستی تھی جو کچھ ہوا، دوستی میں ہوا۔ وہ کہتا رہا، میں کام کرتا رہا۔ میں نے جان بوجھ کر کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم دانستہ کیا جائے یا نادانستہ۔ اس کی سزا ایک ہوتی ہے جو تم کو مل کر رہے گی کیونکہ تم انل بسواس کو جاننے سے انکاری ہو۔" میں نے پسپائی اختیار کر لی تھی اور وہ گفتگو اول خان ہی آگے بڑھا رہا تھا۔

"انل بسواس!" وہ کراہنے کے انداز میں بولا "کچھ تو بتاؤ کہ میں نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں، جو کچھ جانتے ہو، بتاتے چلے جاؤ۔ تمہاری نجات کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے۔"

"مجھے اس کے بارے میں زیادہ باتیں معلوم نہیں ہیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ کرشن کمار میرے دفتر سے کبھی کبھی اسے فون کرتا تھا اور پھر کسی عجیب سی زبان میں اس سے مختصر سی بات کرتا تھا۔"

"وہ تمہارا دوست تھا۔ اس نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ وہ انل بسواس سے کیا باتیں کرتا ہے؟"

"باتیں بتانے والی ہوتیں تو وہ میرے سامنے نامانوس زبان نہ بولتا۔" ہری چند نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے پاس انل بسواس کا نمبر ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہری چند نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا۔ "میرے پاس نمبر نہیں ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ہری چند کے جواب پر اول خان نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ مجھے مجبوراً دخل انداز ہونا پڑا "تم جھوٹے ہو۔ تمہارے ریکارڈ میں اس کا فون نمبر محفوظ ہوگا۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہے۔ تم میری ہر بات کو جھوٹ کیوں سمجھ رہے ہو؟" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

"شہر اور ملک سے باہر کی جانے والی ہر کال کی تفصیل بل میں موجود ہوتی ہے۔"

"بل یہاں حیدرآباد میں نہیں رہتے۔" اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ حیدرآباد ہی میں موجود تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "دفتر کے خرچ اور آمدنی کے حساب کے ساتھ میں ہر مہینے کے بل روی کو بھجوا دیتا ہوں۔ وہ اس کے پاس ہوں گے۔ وہ پکا دغا باز ہے۔ اس نے اور ماروتی نے مجھے مروایا ہے۔ میں زندہ رہا تو تم دیکھنا کہ میں جلد ہی ان دونوں سے کیا انتقام لوں گا۔" روی کا نام لیتے ہی اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔

"تم نے کبھی چیونٹی بھی نہیں ماری ہوگی۔ تم کیا انتقام لو گے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"میں خود کسی سے نہیں الجھتا لیکن مجھ سے الجھنے والوں نے ہمیشہ خاک چاٹی ہے۔ میرا ایک رقیب میرے ہاتھوں جہنم کی آگ میں پہنچ چکا ہے اور مجھ سے بے وفائی کرنے والی میری پہلی محبوبہ آج بھی اپنے تیزاب سے جھلسے ہوئے ڈراؤنے چہرے کے ساتھ کنواری بیٹھی ہے۔ مجھ جیسا ٹھنڈا آدمی جب کسی سے بدلہ لینے پر تل جاتا ہے تو اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"یہ تمہارا اور ماروتی کا گھریلو معاملہ ہے۔ جس طرح چاہو، نمٹا لینا۔ اب جلدی سے یہ بھی بتاتے چلو کہ کرشن کمار سرحد پار سے آنے والا اسلحہ اور میگزین کہاں ذخیرہ کرتا تھا۔" میرے ذہن میں وہ آخری اہم سوال تھا جس کا جواب ہری سے مل سکتا تھا۔

"کھوکھرا پار میں اس نے فرضی نام سے ایک دکان کرائے پر لی ہوئی تھی۔ میگزین اور ہتھیاروں کے چوبی کریٹ رات کے اندھیرے میں وہاں رکھے جاتے تھے اور پھر ضرورت کے مطابق وہاں سے تھوڑا تھوڑا سا سامان نکلتا رہتا تھا۔"

"وہ دکان کھوکھرا پار کے کس علاقے میں ہے؟" یہ سوال اول خان نے کیا تھا۔

"میں کبھی وہاں نہیں گیا۔ مجھے نہیں معلوم۔ کاغذ پر نام کسی اور کا ہے مگر شہر میں سب کو معلوم ہے کہ وہ دکان کرشن کے استعمال میں تھی۔ تم آسانی سے وہاں تک پہنچ جاؤ گے۔" تھوڑے سے تشدد کے بعد وہ راہِ راست پر آچکا تھا۔

وہ بستر سے نیچے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہم اسے اسی حال میں چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔ وہ شدید زخمی اور اندھا ضرور ہو چکا تھا مگر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ بائیں ہاتھ سے ٹٹول کر وہ دوبارہ بستر پر جا سکتا تھا۔

ہمارے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ فرش پر پڑا ہوا تھا یا بستر پر تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ اسٹیشن فور پر ہی نہیں بلکہ دنیا میں اس کی آخری رات تھی پھر وہ ہر شکوے شکایت کے جھنجٹ سے آزاد ہو جاتا۔

اسٹیشن فور سے گھر جاتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر انل بسواس کا نام چکرا رہا تھا۔ اول خان نے ہری چند تک پہنچنے کے لیے جس بے تابی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا ثمر بس وہی ایک نام تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ نئی دہلی میں بیٹھا ہوا ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ کرشن کمار کے عمل کا دائرہ تھر اور راجستھان کے علاقوں تک محدود تھا۔ اس کی ساری ضروریات بھی ان علاقوں کی مشترکہ سرحدوں سے پوری ہو جاتی تھیں مگر پھر بھی وہ انل بسواس سے رابطہ کرنے پر مجبور تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں میں وہ کوئی اہم مہرہ تھا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ اول خان کی لینڈ روور ہمارے دروازے پر رکی تو ہمارے ڈور بیل بجانے سے پہلے ہی ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت میں یہ بات بالکل فراموش کر بیٹھا تھا کہ امریکیوں کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کا موثر مقابلہ کرنے کے لیے اول خان نے ہماری چھت پر چوبیس گھنٹے دو آدمیوں کی پہرے داری کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

اول خان مجھے باہر ہی سے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ میں گھر میں گھسا تو وہاں ہر طرف رات کے سکوت اور سناٹے کا راج تھا۔ روشنیاں گل تھیں اور وہ تینوں اپنی اپنی خواب گاہوں میں اتنے بے خبر سو رہے تھے کہ دروازے پر لینڈ روور کے رکنے اور پھر روانہ ہونے کی آوازیں بھی ان کی نیند پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھیں۔ میں گھر میں اتنی احتیاط سے داخل ہوا تھا کہ سرے سے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہوئی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم اپنی پوری رات برباد کر کے صبح واپس لوٹیں گے۔ اس اطمینان کی وجہ سے وہ سب گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کا بند دروازہ کھول کر دبے پاؤں اندر داخل ہوا تو نائٹ لیمپ کی دھیمی سبز روشنی میں مسہری پر غزالہ نظر آئی۔ وہ یوں سو رہی تھی کہ مجھے اس پر ترس آنے لگا لیکن اسے اٹھانا ناگزیر تھا۔ بھوک کی وجہ سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ ہری چند نے حیدر آباد میں اچانک نمودار ہو کر ہمارے سارے پروگرام پر پانی پھیر دیا تھا اور ہمیں کھانا کھائے بغیر ہوٹل سے روانہ ہونا پڑا تھا۔ اس وقت میں بھوکا رہ لیتا تب بھی غزالہ کی نیند میں خلل پڑنا ناگزیر تھا۔ میرے بستر پر بیٹھتے ہی اس کی آنکھ کھل جاتی۔

میں نے بہت نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی نیند اچٹ گئی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر خواب ناک مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کی غزالی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

اس نے سمٹ کر بستر سے اٹھتے اٹھتے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر خوشگوار حیرت سے بولی "آپ بہت جلد واپس

آ گئے۔"

"میں منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل رہا ہوں۔ تم کھانا گرم کرلو۔ شام سے بس چائے پر گزارہ ہے۔"

کچن کے معاملات میں غزالہ ہمیشہ بہت مستعد رہتی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر باورچی خانے کی طرف چل دی۔

غزالہ کی احتیاط کے سبب سارے مراحل خاموشی سے طے ہو گئے۔ میرا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میرے ساتھ شریک ہو گئی۔ خواب گاہ میں کھانا شروع کرنے سے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسی وقت میجر بخشی کی نیند خراب کرکے اسے تنگ کروں۔ میں نے پچھلی بار ہری چند بن کرا سے فون کیا تھا تو اس نے مجھے اگلے دن فون پر رابطہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مجھے وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔

میرے پاس اس غیر حاضری کے لیے نادیدہ خطرات کا مضبوط عذر موجود تھا۔

ہری چند ہمارے قبضے میں تھا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ ٹریفک کے خوفناک حادثے کا شکار ہونے کے نتیجے میں اس کا چہرہ اتنی بری طرح مسخ ہوا تھا کہ چہرے سے اس کی شناخت ہونی ممکن نہیں تھی۔ ایک دو روز میں پولیس یہ کڑیاں ملالیتی کہ حیدر آباد سے آگے سڑک اور کار کے حادثے کے بعد پُراسرار طور پر غائب ہونے والا زخمی کار ڈرائیور ہی کراچی کے کسی علاقے میں مردہ پایا گیا ہے۔ اس وقت تک میں اطمینان سے ہری چند بن کر بخشی کے اعصاب پر سوار رہ سکتا تھا۔

شکم سیر ہوتے ہی میری طبیعت پر کسل مندی سوار ہونے لگی۔ آرام کی خواہش سے مغلوب ہو کر میں نے بستر کا رخ کیا اور میجر بخشی کو فون کرنے کا ارادہ اگلے دن تک کے لیے ملتوی کردیا۔ غزالہ بستر پر آئی تو میں اسے ہری چند کے بارے میں بتاتے بتاتے سو گیا۔

اگلی صبح میں شاید دیر تک سوتا رہتا مگر ویرا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔

"کل شام سے تم ماروتی کے چکر میں نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے رہے ہو۔ اب یہاں پڑے نیستی پھیلا رہے ہو۔ کھڑے ہو جاؤ۔" آنکھیں کھولتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تیز آواز آئی۔ وہ شاید رات کو خواب میں بھی ماروتی کو دیکھتی رہی تھی۔

"بعض اوقات تم شائستگی کی ساری حدیں پار کرجاتی ہو۔" میں نے منمنا کر ناخوشگوار لہجے میں کہا "یہ میرا کمرا ہے۔ تم کس سے اجازت لے کر یہاں آئی ہو؟"

"مجھے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ کچن میں ہو تو میں دستک دیے بغیر یہاں آسکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم سلیپنگ سوٹ پہن کر قرینے سے سوتے ہو۔ اب بستر چھوڑ دو۔ آج کے اخبار میں تمہارے مطلب کی ایک خبر موجود ہے۔"

"کیسی خبر؟" میں انگڑائی لیتے ہوئے بستر سے نیچے اتر آیا۔ وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔

"صاف ستھرے اور تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلو اور خود دیکھ لو۔"

"تو کیا میں اس وقت تمہیں گندا نظر آرہا ہوں؟" مجھے اس پر واقعی غصہ آگیا۔

"میں کیا جانوں! یہ بات تم خود جانتے ہو یا پھر غزالہ کچھ بتا سکے گی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا "میں تم دونوں کے نجی تعلقات کے بارے میں اتنی زیادہ باخبر نہیں رہتی۔"

وہ مجھے بستر سے اٹھانے میں کامیاب ہو گئی تھی اس لیے وہ یہ تبصرہ کرتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئی۔

ناشتا کرتے ہوئے میں نے اخبار کے صفحات پر نظر دوڑائی تو پہلی نگاہ میں مجھے تین خبریں دلچسپ نظر آئیں۔

پہلی خبر قومی شاہراہ پر ٹرک اور بس کے حادثے کے بارے میں تھی جس میں کار کا ڈرائیور شدید مجروح ہوا تھا۔ ٹریفک پولیس نے حیدر آباد بلکہ حیدر آباد ڈویژن کے سارے

اسپتال چھان مارے تھے مگر زخمی ڈرائیور کا کہیں سراغ نہیں مل سکا تھا۔ پولیس کو تشویش تھی کہ وہ ڈرائیور کہاں گیا اور اسے جائے حادثہ سے اپنا عزیز قرار دے کر لے جانے والے کون تھے۔

دوسری خبر کا تعلق ان امریکی ماہرین سے تھا جو جمی اور ڈیوڈ کی لاشوں کا معائنہ کرکے ان کی موت کے اصل اسباب کا کھوج لگانے کے لیے کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ انہیں مرنے والوں کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹنے کے علاوہ موت کا کوئی اور سبب معلوم نہیں ہوسکا تھا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ مقامی حکام کو دیتے ہوئے یہ بیج لگا دی تھی کہ وہ اپنی ختمی رپورٹ دونوں لاشوں کے امریکا میں مزید معائنے کے بعد جاری کریں گے۔

تیسری خبر میں براہِ راست میرا نام ملوث تھا۔ کیا ڈینی پاکستان میں ہے۔ یہ سرخی جما کر امریکی سفارتی ذرائع کے حوالے سے شکایت کی گئی تھی کہ میں نے فون پر ان کے ایک اہم سفارتی افسر کو سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ جان اسمتھ کا نام ظاہر کیے بغیر، انہوں نے دفترِ خارجہ سے شکایت کی تھی کہ ان کا ایک مطلوب اور مفرور مجرم مزے سے پاکستان میں عیش کررہا تھا اور پاکستانی حکام اسے پکڑ کر امریکا کے حوالے کرنے کے بجائے اس کی طرف سے مکمل چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ خبر کے ساتھ اخبار نے اپنے ریکارڈ کے حوالے سے میرا تعارف شائع کرتے ہوئے اس انعام کا بھی ذکر کیا تھا جو امریکیوں نے میری گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس حوالے سے میرے ساتھ ویرا کا ذکر ناگزیر تھا۔

اخبار والوں کے لیے وہ اس نکتہ نظر سے اہم تھی کہ وہ ایک خوب رو اور نوجوان امریکی لڑکی تھی جو اپنے ہم وطنوں سے بغاوت کرکے پوری طرح میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی اور امریکی حکام اس تک پہنچنے میں بری طرح ناکام تھے۔

ان میں سے کوئی خبر میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ امریکی سفارت کار ہر طرف سے ہزیمت اٹھانے کے بعد میرے ٹیلی فون کی شکایت جیسے چھچھورے حربے پر اتر آئے تھے۔ اخبار میں خبر ضرور آگئی تھی مگر وہ سفارتی حلقوں میں ان کی اپنی تضحیک کے مترادف تھی۔

چوتھی خبر کا تعلق امریکیوں سے نہیں، بھارتیوں سے تھا۔ ان کا معاملہ امریکیوں سے مختلف نہیں تھا۔

کرشن کمار کے را سے تعلق کے بارے میں اس کا اعتراف ہمارے سامنے تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا ایک مایہ ناز کمانڈو تھا۔ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اس لیے اس کے قتل پر بھارتی کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کرسکتے تھے مگر بھارتی اخبارات نے اس کی بڑی بڑی تصویریں چھاپ کر اس کی ذات کو پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ سفاکانہ مظالم کا موضوع بنالیا تھا۔ کراچی جیسے تعلیم یافتہ شہر میں ایک ہندو شہری کے بے رحمانہ قتل کی اس کہانی میں کرشن کمار کی شہری حیثیت اور خراب شہرت کا ذکر گول کردیا گیا تھا۔

ناشتا ختم کرتے ہوئے میں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور میز چھوڑ دی۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" ویرا نے مجھے دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔

"فی الحال کوئی نیا کام سامنے نہیں ہے اس لیے آرام کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "تم کہو تو شام کو ماروتی سے ایک اور ملاقات کی جاسکتی ہے۔"

"تم اس سے ہری چند کی تعزیت کے سوا کوئی اور بات نہیں کرسکو گے۔"

"ٹھیک ہے، پھر آرام ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ابھی تک ہمارا یہ ٹھکانا امریکیوں کی نظروں سے بچا ہوا ہے۔"

"میں انل بسواس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" ویرا نے تنک کر کہا "اس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بھارت میں اس جیسے ہزاروں دشمن موجود ہیں۔ تم کس کس کا پیچھا کروگی؟"

"ویرا کی بات درست ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی حمایت کی "ایک نام سامنے آیا ہے تو ہمیں ہر پہلو سے اس پر غور کرلینا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کے برعکس انل بسواس یہاں کام کرنے والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔"

میں سنبھل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔ میرے ذہن میں جلال کے الفاظ گونج اٹھے تھے۔ اس نے مجھے اپنے آدمیوں کے درپردہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے بھارتی سرزمین پر کچھ جارحانہ کارروائیاں کرگزرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آج تم نے کافی مدت کے بعد ویرا کی ایک بات کی حمایت کی ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر چوٹ کی۔

"بس!" میں نے ان دونوں میں شروع ہونے والی کسی متوقع بحث کو وہیں ختم کرکے ویرا سے پوچھا "کیا تم مجھے نئی دہلی میں انل بسواس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا مشورہ دے رہی ہو؟"

"تم کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو تو تمہیں ماروتی سے ایک مرتبہ پھر مل بیٹھنے کا موقع مل سکتا ہے۔"
"معنی خیز باتیں کرنے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"
"شاید رات کو تم نے غزالہ سے ذکر کیا تھا کہ انل بسواس کا فون نمبر روی سے مل سکتا ہے۔"
"صرف فون نمبر سے کیا ہوگا۔ اگر وہ واقعی کوئی اہم افسر ہے تو جلال بھی اس کا نمبر دے سکتا ہے۔"
"جلال آپ کو بار بار اپنی مجبوریوں سے آگاہ کرتا رہا ہے۔" اس بار غزالہ نے زبان کھولی تھی "وہ از خود کسی کام میں دلچسپی لیتا ہے تو اور بات ہے۔ آپ کو اپنے طور پر اس سے زیادہ توقعات نہیں رکھنی چاہئیں۔"
"وہ صرف امریکیوں کے بارے میں محتاط ہے۔ ان سے دور رہنا چاہتا ہے۔ بھارتی ایجنٹوں کے خلاف خود اس نے مجھے کوئی جارحانہ منصوبہ بنانے کی پیشکش کی تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں اس کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"
"ویسے تو تم بخشی سے بھی ابتدا کر سکتے ہو۔ تمہارے پاس بس آج کا دن ہے۔ کل تک ہری چند کی لاش کی گتھی سلجھ جائے گی اور تم اس کا نام استعمال کر کے بخشی سے کوئی بات نہیں کر سکو گے۔ اس پیشے میں ڈرپوک نظر آنے والے بھی اندر سے بہت کائیاں اور تیز ہوتے ہیں۔ وہ دوبارہ اتنی آسانی سے تمہارے کسی جال میں نہیں پھنسے گا۔ اس موقع سے آج ہی فائدہ اٹھالو۔"
میں نے وہ فیصلہ رات ہی کو کر لیا تھا مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے اسے صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ جب ویرا نے بھی وہی تجویز دہرائی تو میں نے اس پر اسی وقت عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہاں سے اٹھ گیا۔
"ہمارے سامنے بات کرلو۔ کوئی تم سے ریسیور نہیں چھینے گا۔" ویرا نے مجھ پر طنز کیا۔
"تمہارا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ ویسے میں سی ایس ڈی دیکھ کر واپس یہیں آرہا ہوں۔"
سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے اس کا سوئچ آن کیا اور ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔ وہ دفتری اوقات تھے۔ میرا خیال تھا کہ میجر بخشی نے ایک آدھ روز میں ہی کرشن کمار کی لاش کی ہیبت سے نجات حاصل کر لی ہوگی اور دفتر جانا شروع کر دیا ہوگا۔ میں نے اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی بجنے پر اس نے خود ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

ترکیب استعمال

امریکا کے دیہی علاقے میں پیدل چلتے ہوئے ایک مسافر نے ایک دیہاتی کی بگھی میں لفٹ لی۔ راستے میں دیہاتی نے پوچھا "پیو گے؟"
"ضرور" مسافر نے جواب دیا۔ دیہاتی نے جیب سے ایک بوتل نکال کر اسے تھما دی۔ مسافر نے دیکھا وہ دیہات کی بنی ہوئی ایک ایسی شراب تھی جو بہت ہی تلخ و تند اور بدمزہ ہوتی تھی۔ اس نے معذرت کے ساتھ بوتل واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں نہ ہی پیوں تو بہتر ہے۔ میرا گلا خراب ہے۔"
اس پر دیہاتی نے چاقو نکال لیا اور نوک اس کی پسلیوں پر رکھتے ہوئے حکم دیا "پیو..."
مسافر نے بڑی مشکل سے چند گھونٹ حلق سے اتارے اور کھانستے کھانستے ہانپنے لگا۔ تب دیہاتی نے چاقو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اب تم اس کی نوک میری پسلیوں پر رکھو۔ میں بھی تھوڑی سی پیوں گا۔"

پچھلی بار میں نے اس سے تلخ بلکہ جارحانہ لب و لہجے میں بات شروع کی تھی۔ بعد میں اس کے ازالے کے لیے معافی مانگنے کی نوبت آگئی تھی۔ میں نے اس کی آواز سنتے ہی ادب و احترام سے کہا "بخشی جی! میں ہری چند بول رہا ہوں۔"
"دو روز سے تم کہاں تھے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کی آواز سے خفگی مترشح تھی۔
"بس، جب موت سائے کی طرح آدمی کے پیچھے لگی ہوئی ہو تو وقت اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ وہ چاہتا کچھ ہے، ہوتا کچھ اور ہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے کرشن کمار کے بعد انہوں نے مجھے ہر قیمت پر پکڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ یہ زمین مجھ پر ہر لمحے تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں رہ کر میں خلجان کا مریض ہو جاؤں گا۔"
"تم اس روز بھی بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ خود کو مار لینے کی باتیں کر رہے تھے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم کچھ دن کے لیے سرحد پار نکل جاؤ۔ ہفتہ دس دن اپنے دیش میں رہو

گے تو تمہارے دل سے سارا ڈر اور خوف نکل جائے گا۔ اس وقت تک تمہاری تلاش کا قصہ بھی دب جائے گا۔ تم خاموشی سے لوٹ آنا۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کرشن کی جگہ کون آیا ہے۔"

"میں اپنی پناہ گاہ سے نکلتے ہوئے ڈر رہا ہوں، تم مجھے سرحد پار نکل جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ سنا ہے کہ نیا چھور والا فوجی کیمپ پکڑنے کے بعد انہوں نے سرحدوں پر بھی سخت نگرانی شروع کردی ہے۔ ایسا نہ کہ سرحد پر ہی ان کی چلائی ہوئی کوئی گولی مجھے چاٹ لے۔"

"کرشن کمار آج ہم میں نہیں ہے لیکن اس کے آدمی حیدر آباد سے کھوکھرا پار تک میں موجود ہیں۔" ایک گہرے سانس کے بعد بخشی کی آواز آئی "تم اس کے کیسے ساتھی ہو کہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتے وہ تمہیں مخمل میں رکھے ہوئے نگینے کی طرح اس پار پہنچا سکتے ہیں۔"

"میں ان آدمیوں کو بھی جانتا ہوں اور یہ سب باتیں بھی مجھے معلوم ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں ان تک کیسے پہنچوں؟"

میری طرف سے بے بسی کا وہ اظہار اسے زچ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے جواب دیا "جب تک تم اپنے لیے ہاتھ پیر نہیں مارو گے، کوئی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہ امید نہ رکھنا کہ میں تمہیں اپنے کندھے یا گاڑی پر لاد کر کہیں پہنچا دوں گا۔"

"کرشن کمار نے مجھے دو نمبر تمہارے گھر اور دفتر کے دیے تھے۔ تیسرا نمبر کسی انل بسواس کا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ انل چٹکی بجاتے میں میرا ہر مسئلہ حل کردے گا۔" میں نے سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے یا پھر اس وقت کرشن کمار نشے میں ہوگا۔" بخشی کی آواز میں حیرت اور بے یقینی عود کر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ انل کون ہے اور تم کتنی بے تکلفی سے اس کا نام لے رہے ہو؟ وہ مجھ سے بہت بڑا افسر ہے۔"

"کرشن کہتا تھا کہ بڑا وہ ہے جو بڑے کام کر کے دکھائے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انل بابو کوئی بڑے افسر ہیں۔"

"افسری عقل اور تعلیم سے ملتی ہے۔" میری وضاحت پر وہ شاید قدرے طیش میں آگیا "ورنہ ہم سے کہیں زیادہ محنت کا کام تو وہ مزدور کرتے ہیں جو تپتی ہوئی دھوپ میں صبح سے شام تک زمین کھودتے ہیں اور مشکل سے چند روپے کماتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میرے لیے دعا کرنا۔ میں آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کرشن نے تم کو انل کا کیا نمبر دیا تھا۔۔۔؟" انل اور اس کے فون نمبر والی بات ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر لگی تھی "مجھے نمبر بتاؤ۔"

"مشکل یہ ہے کہ اس کا نمبر گھر پر رہ گیا۔ وہاں پولیس میری تاک میں بیٹھی ہوگی۔"

"کرشن کا دیا ہوا اتنا اہم فون نمبر تم اتنی غیر ذمے داری سے گھر چھوڑ آئے۔" اس بار بخشی باقاعدہ غرایا تھا۔ اسپیکر فون پر اس کی غراہٹ سن کر ویرا اور سلطان شاہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔

"جان بوجھ کر نہیں چھوڑا۔ گھبراہٹ میں گھر بھول آیا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر معصومیت سے کہا۔

"بس آج یہاں سے نکل ہی جانا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کرشن تم جیسے سادہ لوح آدمی سے کیا کام لے رہا تھا۔"

کلک کی آواز کے ساتھ دوسری طرف سے لائن بند کردی گئی۔ میں نے بھی اسپیکر فون بند کردیا۔

ویرا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "ڈینی اور سادہ لوح آدمی! کیسی عجیب بات کہہ رہا تھا بخشی بے چارہ۔"

"آپ نے بہت خوب صورتی سے انل بسواس کا ذکر نکالا۔" غزالہ بولی "اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔"

"دراصل ڈینی کو جھوٹ سے جھوٹ ملانے کی اتنی پختہ عادت ہوگئی ہے کہ اسے پکڑنا مشکل ہوجاتا ہے۔" ویرا نے غزالہ کی تعریف سن کر خرابی کا ایک پہلو نکال لیا "یہ خوبی یا خرابی خداداد ہوتی ہے۔ روانی سے جھوٹ کو نبھاتے چلے جانا ہر ایک کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"فہرست سے اس کا نام نکل گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "مگر یہ تصدیق ہوگئی کہ ہری چند نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ انل بسواس واقعی نئی دہلی میں کوئی اہم افسر ہے۔ بخشی احترام سے اس کا نام لے رہا تھا۔"

"میں نے تم سے بلاوجہ تمہارا پروگرام نہیں پوچھا تھا۔" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "یہ خاصی پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ یہ ایف بی آئی سے تربیت لینے امریکا گیا تو اس کے امریکی افسر اتنے متاثر ہوئے کہ اسے وائٹ ہاؤس کے سیکیورٹی چیف کا اعزازی نائب مقرر کردیا۔ یہ اعزاز اب تک بہت کم لوگوں کو ملا ہے۔ پاکستان کے خلاف سازشوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہے۔ تم نے اسے راستے سے ہٹا دیا تو برسوں کے لیے سکون ہوجائے گا۔"

"غنیمت ہے کہ انل بسواس سے تمہارا کوئی ذاتی قصہ

وابستہ نہیں ہے۔“ سلطان شاہ نے اس کی بات مکمل ہوجانے پر کہا ”ورنہ تم ہر نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور سناتی ہو جس میں تمہاری خوب صورتی کا قصیدہ لازماً شامل ہوتا ہے۔“

”تم اپڈیٹ ہو۔“ ویرا ہنستے ہوئے بولی ”مغرب کی مخلوط پارٹیوں میں یہی سب ہوتا ہے۔ سب دل کھول کر شراب پیتے اور پرائی عورتوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ انہیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ ان کی بیوی یا بیٹی کہاں اور کس کی بانہوں میں ناچ رہی ہے۔ ایسی آزادی سے صرف اور صرف اسکینڈل جنم لیتے ہیں۔ اندر کے قصے لوگ اندر ہی بھول جاتے ہیں۔ بہت کم کہانیاں باہر آتی ہیں۔“

”اور باہر آنے والی ہر کہانی میں تم کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہو۔“ سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

”میں تمہیں آپ بیتیاں سناتی ہوں جن میں میری موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ دوسروں میں کیڑے نہیں نکالتی۔“

”حالانکہ کیڑے محض کیڑے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آئیں انہیں نکال دینا چاہیے۔“ سلطان شاہ نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

”اچھا‘ اب تم جاؤ یہاں سے۔“ ویرا نے اسے صوفے سے دھکیل دیا ”کمرے میں جاکر اپنے پوشیدہ کیڑے نکالو۔“

سلطان شاہ ڈھٹائی سے پھر صوفے پر جم گیا۔ غزالہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں کا ایسا جارحانہ مذاق عام طور پر کسی ایک فریق کی بد کلامی پر ختم ہوتا تھا۔

میں بھی باتھ روم کا عذر کرکے وہاں سے نکل گیا۔ گھر کے اس پرسکون گوشے میں مکمل تنہائی کے چند منٹ گزار کر میں واپس لوٹا تو ویرا‘ سلطان شاہ سے چھٹکارا حاصل کرکے اکیلی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی تنہائی کا احساس دور کرنے کے لیے اس نے ٹیلی ویژن کھول لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسرت آمیز لہجے میں بولی ”میں نے فون کرکے اول خان کو بلالیا ہے۔“

”اس وقت اسے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

”کورم پورا نہیں تھا اس لیے بلالیا۔ وہ بھی شاید فارغ بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً رضامند ہوگیا۔“

”اس کے سامنے کوئی بدمزگی پیدا نہ کرنا۔ وہ بردبار آدمی ہے۔ تمہاری شوخیاں پسند نہیں کرتا۔“

”مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ میری ساری عمر

مردوں میں ہی گزری ہے۔ میں اس کا ٹائپ خوب سمجھتی ہوں۔" وہ منہ بنا کے بولی "مرد کو ہر شوخ عورت اچھی لگتی ہے۔ کچھ اپنی خوشی کا برملا اظہار کرتے ہیں، کچھ کے من ہی من میں لڈو پھوٹتے ہیں مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے۔ تیسری اور بدترین قسم وہ ہوتی ہے جو اپنی پسند کو چھپا کر صرف بھرم رکھنے کے لیے ناک بھوں چڑھاتی ہے۔"

"تمہیں تین اقسام کا تجربہ ہوا ہے۔ اول خان مردوں کی چوتھی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔"

"غلط۔ ایسی کسی قسم کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ یہ سب تیسری قسم کے مرد ہوتے ہیں۔ ویسے تمہیں یہ علم نہیں کہ اول خان نے آج تک میری کسی حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ میرا ساتھ دیتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویرا سے بحث بے سود تھی۔ وہ ہر بات کو اس کی انتہا تک پہنچانے کی عادی تھی۔ ویسے بھی اس کا یہ دعویٰ درست تھا کہ اول خان نے کبھی اس پر کھل کر تنقید نہیں کی تھی۔ میری دانست میں اس کا اکلوتا سبب یہ تھا کہ وہ امریکی نژاد ہونے کے باوجود پاکستان سے اتنی زیادہ محبت کرتی تھی کہ بہت سے پاکستانی اس سے حب وطن کا سبق سیکھ سکتے تھے۔

ہماری نئی قیام گاہ اس اعتبار سے اچھی تھی کہ وہاں سے اسٹیشن فور کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اول خان تھوڑی ہی دیر میں آپہنچا۔

"ہاں! تو کیا پروگرام طے کیا ہے تم لوگوں نے؟" اس نے علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

سلطان شاہ نے اس کے لیے پھاٹک اور دروازہ کھولا تھا، غزالہ بھی اس کا بلند آہنگ سلام سن کر آگئی تھی۔ ہم تینوں نے اول خان کے سوال پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تینوں کے چہرے سپاٹ تھے مگر ویرا کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"ابھی کوئی پروگرام طے نہیں ہوا، یہ صرف تجویز تھی میری!" ویرا نے لب کشائی کی اور مجھے فکر لاحق ہوگئی نہ جانے وہ اول خان سے کیا کہہ بیٹھی تھی۔

"یہ صرف تجویز تھی تو اس پر بعد میں بات ہوگی..... فی الحال میرے پاس ایک بری خبر ہے۔"

اول خان اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ اول خان روشن ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "شاید ابھی تک باقاعدہ خبر جاری نہیں کی گئی مگر اب سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اسلام آباد کے ایک بازار میں طاقت ور بم کا دھماکا ہوا ہے جس میں تین شہری شہید اور سات زخمی ہوگئے۔"

"اوہ!" تقریباً سب ہی کا ردِ عمل یکساں اور صدمے سے بھرپور تھا۔ میں نے پوچھا "تمہیں یہ خبر کب ملی؟"

"یہاں آتے آتے اطلاع ملی تھی۔ ابتدائی خبر یہ ہے کہ بم غیر ملکی ساخت کا تھا جسے ریموٹ کنٹرول سے اڑایا گیا ہے۔"

"یہ جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ بھی ہو سکتا ہے۔" ویرا سوچتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ہر بات کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ مت کرو۔ وہ لوگ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اسلام آباد میں حفاظتی انتظامات بہت سخت ہیں۔ مشتبہ بھارتیوں کی نقل و حرکت کی ہر لمحے نگرانی کی جاتی ہے۔" اول خان بتانے لگا "اس واقعے میں ان کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں امریکیوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" ویرا نفرت آمیز لہجے میں بولی "یہ بہت انا پرست اور منتقم مزاج ہوتے ہیں۔ اپنی تسکین کے لیے یہ اس سے بڑا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے حکومت کے لیے ایک پیغام بھی ہو سکتا ہے۔"

"حکومت نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو امریکی اس کے لیے مسائل پیدا کریں گے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"پاکستان کی سرزمین پر جو کچھ ہوتا ہے اس کی ساری ذمے داری حکومت پر آتی ہے۔" "تم اس مراسلے کا متن بھول رہے ہو جو جلال نے ڈینی کو سنایا تھا۔ اس کا زہریلا متن بہت شرانگیز تھا۔ مراسلے کے بعد یہ بم دھماکا بہت دور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔"

"امریکیوں کے موڈ کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ پرسوں انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دو دھماکوں سے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔" میں نے ان کو یاد دلایا "اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آدمیوں کی موت کا بدلہ دہشت گردی کے ذریعے لے رہے ہیں تو سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی ہی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی اتنے یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بس امکانات کو نظر میں رکھنا ہوگا ورنہ ایسے واقعات کا اعادہ بھی

ہو سکتا ہے۔" اول خان نے کہا۔
"اس بارے میں صحیح رپورٹ جلال سے مل سکتی ہے۔" غزالہ نے ہمیں یاد دلایا۔
"میں کوشش کر چکا ہوں۔ وہ غائب ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دباؤ اسی کے محکمے پر ہوگا کیونکہ اسلام آباد کی سیکیورٹی کی بعض ذمے داریاں براہ راست ان کے سپرد ہیں۔ اسلام آباد میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ کوئی اہم افسر اپنے دفتر میں نہیں ہے۔"
"ان کے رویّے میں یہ سفّاکانہ سختی بوب رافیل والے واقعے کے بعد آئی ہے۔" ویرا کی نیلی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں "ان کے صدر نے اپنے وقار کو داؤ پر لگا کر اسے رہا تو کرالیا لیکن امریکی اپنی اس تذلیل کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکے۔ جب یہاں کوئی نیا واقعہ رونما ہوتا ہے' ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو جاتا ہے اور وہ کسی بدتر کارروائی پر تل جاتے ہیں۔"
"اگر بھارتیوں کو بالکل الگ کر دیا جاتا ہے تو اس کے سوا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔" میں نے کہا۔ میرا ذہن اس امکان کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کے طریقوں میں الجھ گیا تھا۔ ایک بات اس قدر واضح ہو کر سامنے آرہی تھی تو اس پر کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
"یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دھماکا انہوں نے کرایا ہے تو اس کا بہترین جواب یہ ہوگا کہ اگلا دھماکا ان کے سفارتی عملے کی دفتر سے روانگی کے وقت ہو تاکہ انہیں بھی دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو سکے۔" سلطان شاہ نے غصیلے لہجے میں اپنی رائے دی۔
"ایسے معاملات بہت نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔" اول خان نے تحمل سے اسے سمجھایا "ایک فریق دیوانگی پر تل جائے تو دوسرے کو درگزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ دونوں ایک سطح پر آجائیں تو معاملات بہت تیزی سے کنٹرول سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔"
"کیا یہ ضروری ہے کہ صرف ہم درگزر سے کام لیتے رہیں؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔
"وہ دیوانگی کا مظاہرہ کر چکے ہیں اس لیے ہمیں برداشت سے کام لینا ہوگا۔ اس کا مزہ کسی اور وقت چکھایا جا سکتا ہے۔"
"بالکل اسی طرح جیسے بوب رافیل کے پکڑے جانے پر انہوں نے چالاکی سے کام لے کر اسے چھڑا لیا اور اب ہمیں اس جسارت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔" ویرا نے زہریلی ہنسی کے ساتھ دخل اندازی کی "یہ ہماری مجبوری ہے۔"
"میں ذرا سی دیر کے لیے خاموشی چاہتا ہوں۔" میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔
"کسے فون کر رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پر تشویش نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔
"جان اسمتھ سے بات کروں گا۔ وہ بڑبولا ہے۔ ذرا سی دیر میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"سوچ لو۔ کہیں یہ رابطہ الٹا گلے نہ پڑ جائے۔" اس نے محتاط لہجے میں کہا۔
"تم فکر مت کرو۔ میں کافی دیر سے اسی بارے میں مغز زنی کر رہا تھا۔ وہ اتنے پاگل نہیں ہو سکتے کہ میری دوسری کال کے جواب میں کوئی دوسرا دھماکا کرنے کا احمقانہ فیصلہ کرلیں۔"
سب خاموش ہو گئے کیونکہ اس وقت ہمارے پاس کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔
میرے پاس بخشی کی طرح اوبرائن ڈی ہنٹ کے دیے ہوئے دونوں نمبر موجود تھے۔ مجھے امید تھی کہ اگر اوبی کا گھر جان کے استعمال میں تھا تو اس کا دفتر بھی اسی کے تصرف میں ہوگا۔ میں نے نمبر ملایا' گھنٹی بجی اور پھر میں نے بولنے والے کی آواز پہچان لی۔
"جان! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔
ریسیور میں اس کا گھن گرج والا قہقہہ گونجا "کیا بات ہے؟ اس وقت تمہاری آواز بہت نڈھال ہے۔"
"میں دوسروں کے زخم اپنے جسم اور سینے پر محسوس کرتا ہوں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔
"آج تم کس کس کے زخموں کی کسک محسوس کر رہے ہو؟" جان کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔
"میں ان تینوں کی بات کر رہا ہوں جو تمہارا نشانہ بنے ہیں۔ وہ سب مقابلے سے باہر کے آدمی تھے مگر انہیں کسی امتیاز کے بغیر' بے رحمی سے نشانہ بنا دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟ وہ کیوں مار دیے گئے؟"
"اگر تم جمی اور ڈیوڈ کے قصور بتا دو تو میں بھی ان تینوں کی غلطیاں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میرے ہاتھ بالکل صاف تھے۔ اب تمہارے ماہروں کی رپورٹ بھی آگئی ہے۔ وہ حادثے میں گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنا رہی ہے۔ کیا تم لوگوں کو اپنے آدمیوں کی لکھی ہوئی باتوں پر بھی اعتبار نہیں

رہا ہے؟"

"یہ کہیں نہیں لکھا کہ گردنیں حادثے میں ٹوٹی ہیں۔ انہیں گردنیں توڑ کر بھی کار سمیت پھینکا جا سکتا تھا اور ہاں' یہ سن لو کہ تمہاری طرح میرے ہاتھ بھی بالکل صاف ہیں میں کراچی میں ہوں۔ آدمی نہ جانے کہاں مارے گئے ہیں۔" اس نے براہِ راست کسی بات کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے مجھے جتا دیا تھا کہ بم کا دھماکا جمی اور ڈیوڈ کے قتل کے بدلے میں کیا گیا تھا۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ دھماکے کا فیصلہ میری فون کال کے ردِ عمل میں کیا گیا تھا؟"

"اتنے بڑے فیصلوں کے لیے تم بہت کم تر اہمیت رکھتے ہو۔ تمہارے لیے دس چوہوں والا کام کافی تھا۔" اس نے دس چوہوں کا ذکر کر کے واضح کر دیا تھا کہ اس کا اشارہ مائیکرو سینٹر کی طرف تھا۔ اس کی بات جاری تھی "بڑے فیصلے بڑے لوگوں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ تمہارے بڑے وہ ہیں جو اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہر امریکی کے لہو کا بدلہ لیا جائے گا۔"

"تمہیں کسی جواب کا خوف نہیں ہے؟ جانتے ہو کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟"

"سب معلوم ہے۔" جان اسمتھ کا لہجہ پُر غرور تھا "چیونٹی ہاتھی سے لڑے گی تو خود مسلی جائے گی۔ ہاتھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"پیغام رسانی کا یہ طریقہ باعزت نہیں ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ ہو مگر پیغام اس سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا تھا۔" اس پر میرا لہجہ بے اثر رہا۔

"اب تم اپنے طریقوں پر عمل کرو۔ ہم اپنے طریقے سے جواب دیں گے۔" میں نے سخت آواز میں کہا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس سے نرم اور مصالحانہ گفتگو بے سود تھی۔ ویرا کے بقول وہ ہر امریکی کی طرح اندر سے بزدل تھا اور صرف طاقت کی زبان سمجھ سکتا تھا۔

"ابھی تک میں نے تمہاری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ آئندہ تم نے مجھے فون کیا تو تمہاری سی ایس ڈی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ میں پوری بات چیت کا ٹیپ اخبارات والوں کو جاری کرا دوں گا اور پھر تمہاری آواز تمہاری موت بن جائے گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ اسلام آباد میں ہونے والی مہلک دہشت گردی کی پوری پوری ذمّے داری ان لوگوں پر عائد ہوتی تھی۔ اول خان کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ دیوانگی کے مظاہرے پر تل چکے تھے۔

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' جان اسمتھ کو یہاں سے زندہ نہیں لوٹنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے پوری گفتگو سننے کے بعد غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ہو جائے گا لیکن اس کے لیے ہمیں اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنی پڑے گی۔"

"اس تبدیلی میں خوف یا بزدلی کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔" ویرا نے شرط عائد کر دی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری تجویز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"تمہاری تجویز کا ذکر میں دوسری بار سن رہا ہوں۔ تم نے اول خان سے کیا بات کی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی میرا خیال تھا کہ ہمیں اب بھارت کا رخ کرنا چاہیے۔ وہاں انل بسواس تمہارے لیے بہترین نشانہ ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم یہاں رہ کر دفاع کر رہے تھے۔ اب بڑھ کر دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آ گیا ہے۔" ویرا نے جواب دیا۔

"ویرا کی اس تجویز کا جان اسمتھ سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس وقت جان اسمتھ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے پہلے اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"میں ایک پنتھ دو کاج کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے مبہم سا جواب دیا "شاید اس بارے میں اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

"انل بسواس کے علاوہ دوسرا کاج کس کو بنانا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے تجسّس سے سوال کیا۔

"جان اسمتھ!" اول خان کے جواب نے سب کو چونکا دیا "وہ ایک بڑے ایشیائی خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ اس نے پاکستان اور خاص طور پر کراچی کو اپنا مرکز بنایا ہوا ہے مگر وہ اکثر دوسرے ایشیائی ملکوں کے دورے پر جاتا رہتا ہے۔ اسے نئی دہلی کے کسی دورے پر زیادہ آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم اس الزام سے بچ جائیں گے کہ پاکستان میں امریکیوں کا خون ارزاں ہو گیا ہے۔"

اول خان کی پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ پاکستان کے بارے میں اس کے دشمنوں کے رویّے میں سختی اور تندی

آگئی تھی۔ ان کے کسی انتہائی اقدام سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ ہم فوری طور پر ملک اور ٹھکانا تبدیل کرلیں۔ پاکستان سے باہر رہ کر ہم زیادہ بے خوفی سے اپنا کام سرانجام دے سکتے تھے۔ مقامی مسائل کے تدارک کے لیے ایس ٹی ایف سمیت دوسرے ادارے ہمہ وقت فعال تھے۔

"تم اپنے ساتھ کس کس کو بھارت لے جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"خدا کا خوف کرو ڈینی!" وہ فوراً ہی بول پڑی "میری یہ تجویز تمہارے لیے تھی۔ تم بتاؤ گے کہ کون کون تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس فہرست میں میرا نام سب سے اوپر ہونا چاہیے۔ میں تمہارے لیے ہمیشہ بہترین مددگار ثابت ہوئی ہوں۔"

"ملک سے باہر کے مشن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "دو نفری ٹیم سب سے بہتر رہے گی۔ ایک کے ساتھ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آجائے تو دوسرا اس کی خبر کے ساتھ گھر واپس آسکتا ہے۔"

"امریکا ہم دونوں گئے تھے۔ بھارت کے لیے بھی میں تمہارا ساتھ دینے پر تلی بیٹھی ہوں۔" ویرا بولی۔

"بھارت کے لیے اول خان میرا بہترین ساتھی ثابت ہوگا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر مجبوری ہے۔" اول خان نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایس ٹی ایف کا ہر رکن پاکستان کی حدود میں رہ کر کام کرنے کا پابند ہے۔ یہاں ہمیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے۔ پاکستان کی سرحدوں سے قدم نکالتے ہی ہماری کوئی حیثیت نہیں رہتی' سارے تحفظات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔"

"بس' پھر میں ہی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اول خان کے انکار پر ویرا خوش ہوگئی۔

"تم امریکا جاچکی ہو۔ وہاں کے ماحول میں گھل مل گئی تھیں۔ بھارت میں ایسا نہیں ہوگا۔" اس موقع پر سلطان شاہ بھلا کیوں کر خاموش رہ سکتا تھا "اپنے رنگ و روپ اور خدو خال کی وجہ سے تم ہر جگہ نگاہوں کا مرکز بنی رہوگی اور ڈینی کے لیے مسائل کھڑے ہوتے رہیں گے۔ اس بار میں ڈینی کے ساتھ جاؤں گا۔"

غزالہ خاموش بیٹھی تھی اور گفتگو میں پوری دلچسپی لے رہی تھی مگر میں کن انکھیوں سے جائزہ لے چکا تھا کہ وہ بار بار پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نرمی سے کہا "تم دونوں خ[illegible] غرض ہو اور شاید یہ بھول چکے ہو کہ غزالہ میری بیوی ہے [illegible] میں بار بار اس کی حق تلفیاں نہیں کرسکتا۔ اگر میں بھار[illegible] گیا تو غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔"

میرا وہ فیصلہ اس قدر بھرپور اور صائب تھا کہ سار[illegible] بحث وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے لیے کچھ بو[illegible] کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اگر مگر کی گنجائش نہیں ہے۔" اول خان نے میر[illegible] طرف متوجہ ہوکر کہا "جان اسمتھ سے ہونے والی گفتگو ک[illegible] روشنی میں اب یہ فیصلہ ناگزیر ہوچکا ہے ایسا نہ ہوتا تو می[illegible] اس وقت یہ بات ہی نہ چھیڑتا۔ تم دونوں کو یہاں سے جلد [illegible] جلد نکل جانا چاہیے۔"

"کاغذات وغیرہ کی تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت تو ضرو[illegible] صرف ہوگا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر کل مجھے کوئی کام نہ ہوا تو تمہارے سفری کاغذا[illegible] کل ہی مکمل ہوجائیں گے" اول خان نے جواب دیا "تم ذہ[illegible] طور پر اپنی تیاری کرلو اور سفر کے لیے بازار سے کچھ خریدار[illegible] کرنی ہے تو وہ بھی کرلو۔ مجھے پروگرام بتادو تاکہ اس ک[illegible] مطابق نشستیں بک کرائی جاسکیں۔"

"کیوں نہ جہاز کے بجائے ٹرین سے سفر کیا جائے؟" غزالہ نے اپنے حق میں فیصلہ سننے کے بعد پہلی بار زبا[illegible] کھولی۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ٹرین سے ایسے لوگ [illegible] کثرت سے آتے جاتے ہیں جو دونوں طرف سے بھار[illegible] مقدار میں تجارتی سامان اپنے ساتھ لاتے اور لے جا[illegible] ہیں۔ ہر پھیرے میں وہ معقول رقم کماتے ہیں اور یہی ا[illegible] روزگار بھی بن گیا ہے۔ یہ لوگ کسٹم والوں کو بھاری رقمیں [illegible] دے کر سامان نکلواتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سرحدی عملے میں [illegible] بہت سی خرابیاں پھیل گئی ہیں جن کی وجہ سے عام مسافروں ک[illegible] بھی شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے" اول خان بھار[illegible] کے لیے ٹرین سے سفر کے بارے میں اپنی معلومات کا در[illegible] بہائے چلا گیا۔

"ٹرین میں آدمی کسی کی نظروں میں آئے بغیر' بھیڑ میں [illegible] مل جل کر گزر جاتا ہے۔ جہازوں میں مسافروں کی تعداد محدو[illegible] ہوتی ہے اس لیے شناخت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ ورنہ سفر جہا[illegible] کا ہی بہتر ہے" غزالہ نے اپنی فرمائش کا سبب بھی واضح کردیا۔

"تم روانگی کے بارے میں بلاوجہ اتنی سنجیدہ ہو رہی ہو[illegible]

بات

سلطان شاہ بولا "آج یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ اگلے کسی اجلاس میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ اس وقت سفر کا ذریعہ بھی طے کر لینا۔"

سلطان شاہ اتنا سنجیدہ تھا کہ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو" اول خان نے غزالہ کو تسلی دی۔

اچانک ٹیلی ویژن اسکرین پر نظر آنے والا پروگرام غائب ہو گیا اور اسکرین پر اسپیشل بلیٹن کی سلائڈ نظر آنے لگی۔

"شاید اسلام آباد میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کوئی خبر آنے والی ہے" ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اپنا خیال ظاہر کیا "سب لوگ اپنی گفتگو بھول کر ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

پس منظر موسیقی کے ساتھ وہ سلائڈ کچھ دیر تک نظر آتی رہی پھر اسکرین صاف ہوئی اور خبروں کے پس منظر کے ساتھ مرد اناؤنسر اسکرین پر نظر آنے لگا۔ اس نے مختصر انداز میں بتایا کہ صبح دس بجے اسلام آباد کے ایک مصروف علاقے میں غیر ملکی ساخت کا ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم پھٹنے سے تین افراد دھماکے میں ہلاک اور سات زخمی ہو گئے۔ پولیس نے تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

اس خبر میں ہمارے لیے صرف ایک بات نئی تھی کہ جان اسمتھ کے کسی گرگے کی دہشت گردی کی تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد پولیس کے عتاب میں آچکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام مشتبہ افراد مقامی رہے ہوں گے۔

"پولیس چاہے تو مار مار کر کسی ہاتھی سے یہ اعتراف کرا سکتی ہے کہ وہ چوہے کا بچہ ہے۔ مقامی افراد بلاوجہ اس مصیبت میں آئے ہیں۔ کیا تم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟" وہ خبر سننے کے بعد میں نے دردمندی کے ساتھ اول خان سے پوچھا۔

"یہ بڑی واردات ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران خود ساری تفتیش کر رہے ہوں گے۔ اس سطح پر عام طور پر تشدد نہیں کیا جاتا۔ ہاں، کسی کے جرم کا ہلکا سا سراغ بھی ہاتھ آجائے تو اس کی شامت آجاتی ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں بات بھی کر لوں گا۔"

اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس سے بات کرلے گا مگر میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے باس سے براہ راست بات کرے گا۔ وہی پولیس کے اعلیٰ افسران کو سمجھا سکتا تھا کہ اسلام آباد کی واردات میں کون سے عناصر ملوث تھے۔

"تمہیں ڈینی کے ساتھ بھارت جانے کی خوش خبری مل گئی ہے۔ جانے سے پہلے دو چار دن اپنے بنائے ہوئے کھانے کھلاتی رہو تاکہ ہم تمہارے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم آج ہی باورچی خانے کی چھٹی کر دو۔" ویرا نے غزالہ سے کہا۔

"تو کیا تم کھانے کھائے بغیر دعائے خیر نہیں کرو گی؟" غزالہ نے تیوریوں پر ہلکا سا بل ڈال کر پوچھا۔

"مجھ پر اول خان جیسے بزرگوں کا سایہ ہے۔ پیٹ بھرتا ہے تو دل سے دعا نکلتی ہے۔"

غزالہ ہنستی ہوئی اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔ اس کے جانے کے بعد سلطان شاہ بولا "یہ مزے زیادہ سے زیادہ کل تک کے ہیں۔ کچن میں ویرا کا راج ہوگا تو فاقے ہوں گے

یا ہوٹل بازی پر گزارہ کرنا پڑے گا۔"

"یہ سمجھ لینا کہ ڈینی اور غزالہ کے جانے کے بعد تم میرے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ ان کی واپسی تک میں..... گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گی" ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا "کھانا میں بناؤں گی، برتن تم دھوؤ گے۔"

"پاسپورٹ اور ویزا کے لیے مجھے اپنی تصویریں اور شناختی کارڈ دے دینا۔ کل نہیں تو پرسوں تک ہر چیز تیار ہو جائے گی۔" اول خان نے ان دونوں کی بحث کو نظرانداز کرکے مجھ سے کہا "اس بار پرانا نام ہی استعمال کرنے کا ارادہ ہے؟"

"اب مظہر خان چل پڑا ہے تو یہی رہنے دو۔ شناختی کارڈ بھی نیا بنوالو، پرانا کارڈ میں تلف کردوں گا۔"

"بس تو پھر تم تصویریں دے دینا۔ تم دونوں کے دستخط اتنے سادہ ہوں گے کہ تم آسانی سے نقل کرلو گے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ تم کل یا پرسوں تک ہر کام کیسے مکمل کرلو گے؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"دو پاسپورٹوں پر صرف تصویریں بدل کر سب کام ہو جائے گا" اول خان نے اطمینان سے کہا۔

"پھر مرضی کا نام پوچھنا بے کار ہے۔ جو کچھ پاسپورٹ پر لکھا ہوگا، وہی قبول کرنا پڑے گا۔"

اول خان مسکرا دیا "تم ہر بات پر اتنی باریکی سے غور کرتے ہو کہ کمزوری فوراً تمہاری نگاہوں میں آجاتی ہے۔ مجھے تمہارا پسندیدہ نام پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، یہ میری غلطی تھی۔"

"ایک اور نکتہ بھی اپنے ذہن میں رکھنا" میں نے اسے یاد دلایا "پاکستان اور بھارت والے ایک دوسرے کے شہریوں کو زیادہ لمبا اور آزاد ویزا نہیں دیتے۔ ہر سفر کے لیے نیا ویزا حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ بات میرے علم میں نہیں تھی" اول خان نے اعتراف کیا "ایسا ہوا تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسلام آباد سے ایک دن میں تم دونوں کا ویزا لگوالیا جائے گا۔ یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"سفر شروع کرنے سے پہلے میں کاغذات کی طرف سے اپنا پورا اطمینان کرنا چاہوں گا۔ یہ معاملہ بھارت کے سفر کا ہے۔ کہیں بھی کوئی خامی رہ گئی تو ہم دونوں کو ایرپورٹ پر اترتے ہی پاکستانی جاسوس قرار دے کر دھر لیا جائے گا۔"

"ویزا حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ جعلی یا پھر اصلی۔ میں کسی بھی جعلی کاغذ کے حق میں نہیں ہوں۔ ہمارا کوئی بھی آدمی انڈین ہائی کمیشن سے ویزے لگوالے گا۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ فیکس، کمپیوٹر اور ای میل کا دور ہے۔ وہ روزانہ جاری کیے جانے والے ویزوں کی فہرست بھارت بھیجتے ہوں گے اور سفارشی ویزوں کی نشان دہی کرتے ہوں گے۔ شاید ایسے مسافروں کو زیادہ کڑی جانچ پڑتال کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے ناموں سے ایسا کوئی پہلو وابستہ ہو۔ یہ عام طریقے سے حاصل کیے ہوئے ویزے ہونے چاہئیں۔"

اول خان فکرمند ہو گیا۔ "تمہاری ہر بات درست ہے لیکن ویزا حاصل کرنے کا عام طریقہ بہت دشوار ہے۔ روز سویرے لائنیں لگتی ہیں اور بعض اوقات وہاں کئی کئی دن خوار ہونا پڑتا ہے۔ تم دونوں کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑے گا اور پھر وقت بھی لگے گا۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا۔ ہم ایک دو روز میں بھارت کے سفر پر روانہ نہیں ہوسکتے" میں نے زور دے کر کہا۔

"اپنے تحفظات کے پیش نظر تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو مگر میری خواہش ہے کہ پاکستان میں مامور بھارتی سفارتی عملے سے تمہارا سامنا نہ ہو۔ یہ ایک بے سبب اور معصوم سی خواہش ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ ایک دو روز میں تمہاری روانگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے" اول خان نے پوری سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بھی ہماری محفل جمی رہی۔ بھارت کے سفر کے امکان نے ہمارے درمیان تجسس اور سرگرمی کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔

چار بجے میرے موبائل فون پر جلال کی کال آئی "تم نے ٹیلی ویژن پر آج کی بدترین خبر سن لی ہوگی!" اس نے اداس اور تھکی تھکی آواز میں پوچھا "اس حادثے کا ایک اور زخمی چل بسا ہے۔ مرنے والوں کی تعداد اب چار ہوگئی ہے۔"

"پرانی خبر اول خان سے مل گئی تھی۔ مرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی اطلاع نئی ہے۔"

"صبح سے میں تھک کر چور ہو گیا ہوں اور ابھی تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا" وہ کہہ رہا تھا "پکڑے جانے والوں میں تین افغان بھی ہیں لیکن جس ساخت کا بم پھٹا ہے، وہ اب

تک افغانوں کی دسترس میں نہیں ہے۔"
میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہو سکے تو سارے مشتبہ افراد کو رہا کردو۔ صبح کا دھماکا امریکی ایجنٹوں کی طرف سے ہمارے لیے ایک دھمکی آمیز پیغام تھا۔ اس میں شاید کوئی مقامی یا افغانی باشندہ ملوث نہیں ہے۔"
"تم یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز کی اداسی یکایک دور ہوگئی۔
"میں نے دوپہر کو جان اسمتھ سے براہِ راست فون پر بات کی تھی۔ میں اسی کی کہی ہوئی باتیں دہرا رہا ہوں۔"
"کاش! میں کسی طرح یہ بات ریکارڈ پر لا سکتا" اس کی آواز سے غصے اور بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا "میں پچھلے کئی ہفتوں سے ایسے کسی سانحے کی بو سونگھ رہا تھا۔ اسی لیے تمہیں امریکیوں سے دور رہنے کے مشورے دے رہا تھا۔ آخری گفتگو میں تم نے میرے مشورے کا بہت برا بھی منایا تھا اس وقت بھی یہی امکان میرے سامنے تھا۔ دشمنی میں یہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔"
"ہمارے درمیان آخری گفتگو میمن گوٹھ کے واقعے کے بعد ہوئی تھی۔ تم نے کھل کر اس کی توثیق کی تھی۔"
اس نے میری بات کاٹ دی "مجھے یاد ہے۔ میں اس کارروائی پر خوش ہوا تھا۔ اس خوشی میں اسلام آباد کے بہت سے لوگ میرے شریک تھے مگر آج ان سب کے چہرے اداس اور اترے ہوئے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ آج کی دہشت گردی اسی واقعے کی بازگشت تھی۔"
"تم سے میرا اختلاف جان کے بارے میں تھا۔ تم نے مجھے روکا تھا اور میں اس سے فون پر بات کر بیٹھا تھا۔ اگر ہم نے اس موذی کی گردن کچل دی ہوتی تو آج کا سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا۔ یہ ساری منصوبہ بندی اسی کی تھی۔"
"میں اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ یہ تمہارا گمان تھا۔ تمہارا نام ان کے لیے مادر زاد گالی بنا ہوا ہے۔ اگر تمہارا نام پردے میں رہتا تو شاید وہ اتنے مشتعل نہ ہوئے ہوتے مگر جو ہونا تھا، ہو گیا۔ اسے بھول جاؤ۔ یہ میری نپی تلی رائے ہے کہ جان کو کچھ ہوا تو ان کا ردِعمل آج سے کہیں زیادہ شدید ہوگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ جان نے اسکول کے کسی بچے جیسی حرکت کی ہے۔ تمہارے فون کی شکایت دفترِ خارجہ سے کی گئی ہے اور خط کی نقول براہِ راست اخباروں کو جاری کردی گئیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے آج کے فون پر بھی ایسی ہی کوئی کارروائی کر گزرے۔"
"آج اس سے بالکل مختلف موڈ میں باتیں ہوئی ہیں۔ تم سے ہونے والی گفتگو میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اگر دھماکے کے بارے میں ابہام نہ ہوتا تو میں ہرگز اسے فون نہ کرتا۔ آج اس کے پاس شکایت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"
"جان دشمن کے خلاف اعصابی اور نفسیاتی سرد جنگ کا خصوصی ماہر ہے۔ مقامی رائے عامہ کے سامنے خود کو مظلوم اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے وہ کوئی نکتہ نکال سکتا ہے۔ اس سے اسے دہرا فائدہ ہوگا۔ تمہاری ایک اور شکایت ریکارڈ پر آجائے گی اور دھماکے کے بارے میں کوئی بھی اس پر شبہ نہیں کر سکے گا۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا ہے، اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"
"کیا تمہیں میرے بیان پر شبہ ہے؟" میں نے چونک کر جلال سے پوچھا۔
"کیسی باتیں کر رہے ہو ڈیئی!" اس کی آواز آئی "مجھے پورا یقین ہے۔ میں دوسروں کی بات کر رہا ہوں۔ تم سے منسوب کوئی بھی ایسی بات منظرِ عام پر آئی تو اسے تمہاری بے بنیاد الزام تراشی قرار دے کر مسترد کردیا جائے گا۔"
"بہرحال، اب میں نے اس سے بہت دور چلے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔
اس بار اس کے چونکنے کی باری تھی "کیوں؟ کیا تم کسی لمبے سفر پر جارہے ہو؟"
"سفر زیادہ لمبا نہیں ہے مگر ملک ضرور بدل جائے گا۔ پچھلے دنوں تم نے بھی مشورہ دیا تھا کہ میں بھارت چلا جاؤں۔"
"وہ بھارت جانے کی بات نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تم وہاں جا کر کچھ کام کرو" اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔
"اب میں جانے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ موجودہ الجھن سے نجات ملنے کے بعد کام کے بارے میں بھی بریف کردینا۔"
"لیکن تم وہاں کس مقصد سے جارہے ہو؟" میرے جواب سے وہ تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا۔
"انل بسواس نامی ایک بھارتی سے ملاقات کا ارادہ ہے!" میں نے دھیرے سے کہا۔
میری زبان سے وہ نام سنتے ہی وہ پھڑک اٹھا "اس خبیث کا نام تمہیں کہاں سے مل گیا۔ بھارتی صفوں میں اس وقت وہی ہمارے لیے سب سے بڑا دردِ سر بنا ہوا ہے۔ تمہارے لیے میں نے اس کا نام سرِفہرست رکھا ہوا تھا۔"
"یہ نام کرشن کمار کے ایک ساتھی نے اگلا ہے۔ وہ

سب انل بسواس سے ہدایات لیتے رہے ہیں۔"

"وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے۔ اسے پاکستان کے خلاف ہروقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے کے عوض بھاری تنخواہ اور مراعات دی جا رہی ہیں۔ تم نے اس کا قصہ پاک کردیا تو یہاں کئی برسوں کے لیے سکھ چین ہوجائے گا" اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا "میرے جو آدمی وہاں درپردہ کام کررہے ہیں، وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔ ضرورت کے وقت وہ تمہیں فنڈز بھی فراہم کرسکیں گے۔"

"ابھی تک میں اپنی گرہ سے رقم خرچ کررہا ہوں۔ ضرورت ہوئی توان سے لے لوں گا۔ میرے پاس جو کچھ ہے، اسی ملک کے طفیل ہے۔ اگر اس کی کوڑی کوڑی بھی ملک کے کام آجائے تو مجھے ذرا بھی قلق نہیں ہوگا۔"

"تمہارے بارے میں یہ کہانیاں میں سن چکا ہوں۔ میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔"

"اور اب یہ بھی نوٹ کرلو کہ کھوکھرا پار میں کرشن کمار نے ایک دکان کسی فرضی نام سے کرائے پر لی ہوئی تھی۔ وہاں چھاپا مارا جائے تو میگزین اور ہتھیاروں کی بھاری تعداد برآمد ہوگی۔ یہ ہتھیار سندھ میں بے چینی پھیلانے کے مذموم ارادے سے جمع کیے گئے ہیں۔"

"تم سے بات کرکے میرے دل کے کئی بوجھ ہلکے ہوگئے ہیں۔ میں ابھی اس علاقے کے ایریا کمانڈر کو دکان کے بارے میں مطلع کردوں گا۔ مسلح دستے آج بھی وہاں تربیت یافتہ لڑکوں اور ہتھیاروں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"بم دھماکے میں پکڑے جانے والے مشتبہ لوگوں کی گلوخلاصی کے بارے میں ضرور سوچنا" میں نے اسے تاکید کی اور الوداعی فقروں کے رسمی تبادلے کے بعد فون کا بٹن آف کردیا۔

پچھلی بار اس سے تلخی ہوجانے کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کروں گا۔ اس نے بات کرنے میں پہل کرکے میرے دل کا سارا غبار صاف کردیا تھا۔ یہ شاید ہماری صاف نیتوں کا کمال تھا کہ ہم بروقت ایک دوسرے سے رابطے کرتے تھے اور اپنی اپنی معلومات کے سہارے کوئی نہ کوئی پیچیدہ مسئلہ حل کرلیتے تھے۔ یہی صورت حریفوں کے بارے میں تھی۔ کہیں سے اچانک ایک نام سامنے آتا تھا اور پھر دوسرے ذرائع اس کی اہمیت کی تصدیق کرتے چلے جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی اطلاع مسترد کی گئی ہو۔

"یہ بات واقعی حیران کن ہے" جلال سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران میں اول خان نے حیرت سے کہا "وہ انل بسواس کا نام کسی مناسب وقت کے لیے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا اور ہری چند نے وہی نام ہمارے سامنے اگل دیا۔"

"جلال آدمی کام کا ہے۔ بروقت ہماری مدد کرتا رہا ہے" میں نے وہ اعتراف ضروری سمجھا۔ "ہم کرشن کمار کا ہر سراغ کھو بیٹھے تھے کہ اس نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی نشان دہی کی اور آخرکار وہ پکڑا گیا۔ امریکیوں کے میمن گوٹھ پہنچنے کی خبر بھی کے ون سے ملی تھی جسے جلال نے مامور کیا ہوا تھا اور اب انل بسواس کا قصہ ہے۔ اس کی معلومات کے ذرائع بہت موثر ہیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اس کے آدمی سست رفتار ہیں۔"

"تم اس کے آدمیوں کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اصل خرابی طریقہ کار کی ہے" ویرا نے کہا۔

"مجھے تو اس کے طریقہ کار میں ابھی تک کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ بس وہ اپنے ضابطوں کی پابندی کرتا ہے۔"

"اکثر اوقات ضابطے ہی کام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوتی ہے" ویرا نے زور دے کر کہا "صحیح فیصلہ صحیح وقت پر نہ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہیں۔ تاخیر کی وجہ سے حالات بدل جاتے ہیں اور وہی فیصلہ ناقص ہوجاتا ہے۔"

وہ کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی۔ جلال بھی ان نکات سے واقف تھا اسی لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کا خواہاں تھا۔

اس بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر ایک کی اپنی رائے تھی مگر ہم میں سے کوئی بھی جلال کو مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اپنے ضابطوں اور طور طریقوں کو ہم سے زیادہ جانتا تھا اور ان کی حدود میں رہنے کا عادی تھا۔

گفتگو سمٹی تو اول خان چل دیا۔ اسے رخصت کرنے کے بعد ویرا آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا گھسی۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر بستر پر آلیٹا۔ بھارت کے سفر کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ مجھے اس سفر کی ضروریات کا اندازہ لگا کر ان معاملات کو نمٹانا تھا جو کراچی میں بکھرے ہوئے تھے۔

میں بستر پر لیٹا ہوا ان ہی خیالات میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ہمارے گھر کا فون نمبر قابل اعتماد اور گنے چنے لوگوں کے

پاس تھا۔ ان کے سوا کوئی ہمیں فون نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں سے اول خان کچھ دیر پہلے تک ہمارے ساتھ موجود تھا، جلال موبائل فون پر بات کر چکا تھا۔ میں تردد میں پڑ گیا کہ وہ کس کی کال ہو سکتی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اول خان کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے وہ نمبر ماروتی، روی اور جگدیش تک بھی پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے ماروتی ہی اس نمبر پر فون کر سکتی تھی۔ اس دوران میں دوسری گھنٹی بجی اور ڈرائنگ روم میں کسی نے ریسیور اٹھالیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سلطان شاہ نے کمرے میں آکر مجھے اطلاع دی کہ فون پر روی موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"مظہرا سپیکنگ!" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"مظہر جی! میں روی بول رہا ہوں" اس کی آواز دبی دبی اور سرگوشیانہ سی تھی "ماروتی نہانے کے لیے گئی ہے تو میں اس سے چھپ کر تم کو فون کر رہا ہوں۔ دراصل میں نے ہری چند کے بارے میں اس سے تھوڑا سا جھوٹ بولا ہے۔"

"شاید تم چاہتے ہو کہ میں ماروتی سے تمہارے اس جھوٹ کی تردید نہ کروں؟" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بالکل، بالکل یہی بات ہے..... مظہر جی! تم تو فون پر بھی دل کی بات پڑھ لیتے ہو" میری صحیح قیاس آرائی پر وہ خوش ہو گیا کیونکہ اس طرح اس کا سمجھانے کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔

"اب وقت ضائع مت کرو اور اپنا جھوٹ بتا ڈالو..... میں کسی سفید جھوٹ کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"بات کچھ یوں ہے کہ تم تو اسے مارنے کا ارادہ کر ہی چکے تھے۔ میں تو اسے دیکھتے ہی دھوکا کھا گیا تھا کہ وہ سرگباش ہو چکا ہے۔ اسی لیے میرا دل پھٹنے لگا تھا۔" اس نے اپنی تمہید کو ضرورت سے زیادہ طول دے دیا تھا جسے میں خاموشی سے برداشت کرتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے بھی دیکھا تھا کہ وہ بالکل مُردے جیسا نظر آرہا تھا۔ میں نے ماروتی سے کہا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ ہم لوگ اسے اسپتال لے جانے کے لیے واپس چلے مگر حیدر آباد پہنچنے سے پہلے ہی اس کا دم نکل گیا۔ ہم لوگ یعنی کہ تم حیدر آباد میں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے اس کی لاش کو کراچی لے آئے۔ تم سے کوئی سزا ملنے سے پہلے وہ مر چکا تھا۔ میں نے اس کی معافی کے لیے تم سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے لوٹ آیا۔"

"تمہیں اپنی بیوی سے یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس نے کہا تھا کہ میں موقع نکال کر تمہاری خوشامد کروں اور کسی بھی طرح ہری کو معافی دلوادوں مگر میں پاگل نہیں ہوں۔ تم نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں نے ایسی کوئی بات کی تو کیا ہوگا۔ گاڑیوں کی ٹکر میں جو ہوا، میں نے سوچا اس سے فائدہ اٹھالوں۔ اس میں تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہے نا؟" وہ بہت سوچ سوچ کر اور جملے جوڑ جوڑ کر بول رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی ٹنکی الکحل سے بھری ہوئی تھی۔

"اتنا جھوٹ چل جائے گا۔ اس طرح ماروتی سے میرا میل جول بھی برقرار رہ سکے گا۔"

"بالکل بالکل!" میری رضامندی پر اس کی مسرت سے بھرپور مگر سرگوشیانہ آواز ابھری "اسے میری نہیں، اپنی ہی بی.....وی..... مطلب یہ کہ دوست ہی سمجھو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوتی ہے" بے ساختگی میں بیوی کہتے کہتے اسے بروقت اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور اس نے رشتہ بدل دیا۔

"بس اب فون بند کردو۔ وہ نہا کر نکل آئی تو ضرور پوچھے گی کہ تم کسے فون کر رہے ہو؟"

"شکریہ..... بہت بہت شکریہ مظہر جی!" یہ کہہ کر اس نے فون فوراً ہی بند کر دیا۔

ماروتی اور روی۔ میرے لیے وہ عجیب و غریب اور دلچسپ جوڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے، دونوں بدترین بے راہ روی کا شکار تھے اور شاید اس سے باخبر بھی تھے لیکن ہر وقت بے خبر بنے خوش و خرم رہتے تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ دونوں انسان ہوتے ہوئے، حسد و رقابت کے انسانی جذبوں سے یکسر عاری تھے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ کمرے میں آئی تو اسی تجسس میں مبتلا تھی کہ ماروتی کے بجائے روی نے کیوں فون کیا تھا؟ اس وقت بھی میں اسی جوڑے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے غزالہ کو روی کے مدعا سے آگاہ کر دیا۔

"حیرت ہے کہ بعض مرد اپنی بیویوں سے اتنا ڈرتے ہیں" پوری بات سن کر اس نے ہنستے ہوئے کہا "آپ تو مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتے!"

"شوہروں کو ڈرانے والی بیویاں اور ہی ہوتی ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خامی تو نہیں ہے" میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر پر اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔

"ہاتھ چھوڑیں" اس نے نیم دلانہ سی فرمائش کی "دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ابھی سلطان شاہ آکر کھڑا ہو جائے گا تو کیا سوچے گا؟"

"یہی سوچے گا کہ اب اسے بھی جلد از جلد اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔ وہ اس بارے میں بات تک نہیں کرتا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے اپنے ساتھ بھارت لے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ دونوں یکجا رہیں گے تو انہیں اندازہ ہوگا کہ انہیں ایک دوسرے کے سہارے کی کتنی ضرورت ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں واپسی پر ان میں سے کوئی ایک نظر آئے۔ دوسرا گھر چھوڑ کر کہیں بہت دور جا چکا ہے۔"

"ویرا گھر چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ان میں کوئی اَن بن ہو گئی تو وہ سلطان شاہ کو گھر سے بھاگنے پر مجبور کردے گی۔"

"اس بارے میں تمہارا مشاہدہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ یہ سب واپسی پر دیکھا جائے گا۔ آج کے لیے یہ یاد رکھنا کہ ہمیں آٹھ بجے جہانگیر کے گھر جانا ہے۔ اس سے ملے بہت دن ہو گئے ہیں۔ بھارت جانے سے پہلے یہ کام آج ہی نمٹ جائے تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اس سے کوئی پروگرام طے کرلیا ہے؟" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"بس، بغیر اطلاع دیے ان کے سروں پر سوار ہو جائیں گے۔ سلمیٰ خوش ہو جائے گی۔"

"آپ ہر ایک کی خوشنودی کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ پر رشک آنے لگتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سلمیٰ کو خوش کرنے کے لیے وہاں پہنچیں اور وہ دونوں کسی دورے پر نکلے ہوئے ہوں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کے ابتدائی فقرے میں پوشیدہ لطیف سے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا "جب سے وہ گولڈن فارمیسی کے چکر میں الجھا ہے، شام کو بلکہ رات کو گھر سے کہیں نہیں جاتا۔ بوتل کھولے بیٹھا رہتا ہے۔ سلمیٰ زیادہ سے زیادہ سودا سلف لینے کے لیے باہر نکلتی ہے تو تھوڑی دیر میں لوٹ آتی ہے۔ آج رات کا کھانا ہم ان ہی کے ساتھ کھائیں گے۔"

"ویرا ضرور ہمارے ساتھ چپکے گی۔" غزالہ کے ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ رقصاں تھی "وہ کئی بار کہہ چکی ہے کہ آپ کے تائب ہونے کے بعد پینے میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ وہ جہانگیر کے ساتھ بیٹھ کر پینے کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گی۔"

"ویرا چلی جائے گی تو سلطان شاہ یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"اسے بھی ساتھ لینا پڑے گا۔ ہم تو چار کا ٹولہ بن کر رہ گئے ہیں۔ معلوم نہیں یہ دونوں ہماری خواب گاہ کی خلوت کیسے برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ دونوں دروازہ توڑ کر اندر نہ گھس آئیں۔"

غزالہ کے اس عجیب اندیشے پر میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکا۔ وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ان دونوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم جہانگیر کی طرف جا رہے ہیں" ہنسی تھمنے پر میں نے سنجیدگی سے کہا "ہم ہوا خوری کے بہانے نکلیں گے اور ان سے مل آئیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔"

وہ میری اس تجویز سے متفق ہو گئی۔ وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی کہ ہم چار کا ٹولہ بن گئے تھے۔ جہاں جاتے تھے، چاروں جاتے تھے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ سیر و تفریح کی کوئی آزادی میسر نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس صرف ایک ہی گاڑی تھی جو اکثر میرے استعمال میں رہتی تھی۔ کبھی کوئی پروگرام بنتا تھا تو وہ دونوں ہم سے پہلے چلنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ اس دوران میں ٹیلی ویژن سے اسلام آباد میں چوتھے شخص کی ہلاکت کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ اس کے سوا سب حالات جوں کے توں تھے۔ کہیں سے کسی تبدیلی کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ویرا اور سلطان شاہ کو بھی احساس تھا کہ ان کے ساتھ ہم دونوں کتنی پابند اور لگی بندھی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے کسی نے ہماری ہوا خوری میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو اب میں کہاں ہوتی؟" گھر سے روانہ ہونے کے بعد غزالہ کے ذہن پر ایک ہلکا سا رومان سوار ہونے لگا۔ "آپ کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"تمہارے ذہن میں ایسے خیالات کیوں آتے ہیں؟ میرے بغیر زندگی کے تصور کا مطلب ہے کہ تمہیں میری قبل از وقت موت کے اندیشے ستاتے رہتے ہیں۔"

اس نے آس پاس سے گزرتے ہوئے ٹریفک کی پروا کیے

بغیر بے ساختہ میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا "خدانخواستہ! میری دعا یہی ہوتی ہے کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے لیکن جب آپ پُر خطر مہمات پر نکل کھڑے ہوتے ہیں تو میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ موت کی جو گھڑی لکھ دی گئی ہے' وہ اٹل ہے۔ جب آدمی کا وقت پورا ہوتا ہے تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح وقت سے پہلے موت کبھی کسی کو نہیں گھیرتی۔ یہ یقین مضبوط ہو تو انسان کی زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے۔"

"سچ سچ بتائیں کہ آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں؟" اس نے ذرا سے توقف کے بعد پوچھا۔

"اتنا یا پھر اتنا" میں نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہتھیلیاں ملائیں پھر انہیں ایک دوسرے سے بہت دور لے گیا "یا پھر شاید ففٹی ففٹی!" میں نے پچھلی گاڑی کو راستہ دینے کے لیے جلدی سے اسٹیئرنگ تھام کر کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"ہم روز تھوڑی دیر کے لیے اسی طرح باہر نکل آیا کریں تو کتنا اچھا ہو؟" اس نے خواہش ظاہر کی۔

"بھارت پہنچ کر اس پر ضرور عمل کریں گے" میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا۔

اسی طرح ہنسی مذاق اور باتیں کرتے ہوئے ہم نو بجے سے پہلے جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ ڈور بیل کے جواب میں سلمٰی نے دروازہ کھولا اور غیر متوقع طور پر ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے گلنار ہوگئی پھر اس نے غزالہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"اندر بلاؤ گی یا یہیں سے مل ملا کر رخصت کرنے کا ارادہ ہے؟" میں نے معانقہ طویل ہوجانے پر سلمٰی کو ٹوکا۔

"اوہ! آجاؤ" اس نے فوراً ہی راستہ چھوڑ دیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی "تم دونوں بہت بروقت آئے ہو۔ وہ ابھی فارمیسی سے آئے ہیں اور اپنے کام میں مصروف ہونے سے پہلے غسل فرمارہے ہیں۔"

"اس سے کہو کہ سارے کام دکان پر پورے کرکے آیا کرے۔ گھر آکر کون سا کام پھیلا لیتا ہے؟" میں نے کہا۔

"گھر میں وہ پینے کے علاوہ کیا کام کریں گے۔ بازار سے تنکا تک لاکر نہیں دیتے۔ سارا بوجھ میرے اوپر ہے" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی آواز دھیمی کرلی "تم تو چھوڑ چکے ہو۔ آج انہیں بھی نہ پینے دو تو میں تمہیں مان جاؤں گی۔"

"وہ مجھے بددعائیں دے گا اور آئندہ گھر میں بھی نہیں گھسنے دے گا" میں نے ہنس کر کہا۔

"واہ بھئی واہ! آج تو اس گھر میں ڈینی کی آواز سنائی دے رہی ہے" خواب گاہ کی طرف سے جہانگیر کی مسرت آمیز چہکار سنائی دی۔

"کپڑے پہن کر آنا۔ غزالہ بھی میرے ساتھ آئی ہے" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ دونوں عورتیں منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔

اسے ہدایت دینے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ پوری طرح بن سنور کر خاصی دیر میں اپنے کمرے سے برآمد ہوا اور غزالہ کو سلام کرنے کے بعد مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کے بدن سے کلون کی بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"تم نے دل خوش کردیا آج" وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "بس اسی طرح کبھی کبھی چلے آیا کرو۔ کراچی میں ہم ایسی اپنائیت کو ترسے ہوئے ہیں۔ روز رات کو ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں تھک گئی ہیں۔"

"اسی لیے تم دونوں بلے بلیوں کی طرح آپس میں لڑتے رہتے ہو" مجھے ان کا پچھلا جھگڑا یاد آگیا جو شراب کی ایک بوتل کے بہانے پر ہوا تھا۔

"چھوڑو ان فضول باتوں کو" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے۔ کھانا ہم دیر سے کھائیں گے۔"

"ہم دونوں صرف چائے پئیں گے۔ سلمٰی بھی ہمارا ساتھ دے گی۔ تم کیا پیو گے؟" میں نے الٹا اس سے پوچھ لیا۔

"کوک!" اس نے سوکھا سا منہ بنا کے کہا "میں رات کو چائے یا کافی نہیں پیتا۔ اس سے بھوک مرجاتی ہے۔"

"اپنی کوک تم خود لے آنا' میں چائے بنانے جارہی ہوں" سلمٰی نے ناک چڑھا کر کہا۔ غزالہ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی جہانگیر مجھ سے مخاطب ہوگیا "یار! سلمٰی کو یہ نہ بتادینا کہ اس دن میں نے صلح صفائی کرانے کے لیے تمہیں فون کیا تھا۔ سلمٰی سمجھ رہی ہے کہ میں نے اس پر ترس کھا کر غصہ تھوکا تھا۔ پول کھل گئی تو وہ پھر شیر ہوجائے گی۔ اس دن وہ کموڈ میں بہائی ہوئی بوتل کے بدلے' نہ جانے کہاں سے ایک سربند بوتل نکال کر' آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ آئی تھی۔ میں نے فوراً بوتل لے کر اسے گلے سے لگالیا تھا۔"

"مجھے تمہارے ان جھگڑوں کو دہرانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں۔ سلمٰی

سے کچھ پیسے لوں گا اور چلا جاؤں گا۔"

"تم نے بلاوجہ اتنا بڑا بوجھ ہم پر ڈالا ہوا ہے۔ سلمٰی کب تک تمہاری وہ امانت سنبھالتی رہے گی؟"

"اسے کچھ سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کو کپڑوں کے پیچھے پڑا رہنے دو اور بھول جاؤ۔ تجوری میں رقم کو خطرہ ہو سکتا ہے' کپڑوں کی الماری میں کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ بس یہ خیال رہے کہ کپڑے زنانہ نہیں' مردانہ ہوں۔"

"میں اپنے لیے کوک لے کر آتا ہوں" اس نے بھونڈے انداز سے دائیں آنکھ دبا کر کہا "دو چار چسکیاں مارنی ہوں تو تم بھی آجاؤ۔"

"کہو تو میں تمہیں اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے" میں نے اسے ڈانٹا۔

"پھر تم بیٹھو' میں ابھی آیا" وہ لپک کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ اسے روکنے کی کوشش بے سود تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا لی۔

سلمٰی نے خاصی پھرتی دکھائی۔ جہانگیر کی واپسی سے پہلے ٹرے میں چائے سجا کر لے آئی "جہانگیر کہاں گئے؟" مجھے تنہا دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"اپنے لیے کوک بنانے گیا ہے" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تو کیا کوک گھر میں بھی بنائی جا سکتی ہے؟" غزالہ نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

جہانگیر شاید اس کی بات سنتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس اور دوسرے میں کوک کی بوتل تھی۔ اس نے جلدی سے وضاحت کی "دراصل کوک میں گیس زیادہ ہوتی ہے' میں اس میں پانی ملا کر پیتا ہوں۔"

"کوک میں پانی' میں پہلی بار سن رہی ہوں" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔

جہانگیر نے بوتل تپائی پر رکھی' گلاس سے کھڑے کھڑے ایک بڑا گھونٹ لیا پھر بیٹھتے ہوئے گلاس بھی بوتل کے سامنے رکھ دیا پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں غزالہ سے کہا "دراصل یہ ترکیب مجھے ایک حکیم نے بتائی تھی۔ اس طرح عرق النساء کبھی نہیں ستاتا۔"

"تمہارا گلاس بھرا ہوا ہے۔ بوتل بھی آدھی سے زیادہ ہے لیکن پانی کہیں نظر نہیں آرہا" غزالہ سنجیدہ رہ کر اس سے تفریح لے رہی تھی۔

جہانگیر نے بے بسی سے میری طرف دیکھا' میں نے اپنی توجہ پنکھے پر مرکوز کر دی۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنی پیشانی صاف کی اور بولا "میں پہلے گلاس میں زیادہ پانی ملا لیتا ہوں۔ جیسے جیسے یہ خالی ہوگا' اسی میں تھوڑی تھوڑی کوک ملاتا جاؤں گا۔ کبھی تم بھی ٹرائی کرنا۔ اس طرح کوک کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

"اور عرق النساء کی بیماری کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"بالکل!" غزالہ کے بے ساختہ سوال کے جواب میں وہ بے چارگی سے سرہلا کر رہ گیا۔

غزالہ کے چبھتے ہوئے معصومانہ سوالات اور جہانگیر کے بے تکے جوابات سنتے سنتے سلمٰی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکی کہ اس کا شوہر غزالہ سے اپنی درگت بنواتا رہے۔ اس نے تنک کر جہانگیر سے کہا "بلاوجہ ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے مسلسل بے تکے جھوٹ بولے جا رہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم کوک میں اسکاچ ملا کر پی رہے ہو۔ غزالہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ وہ ڈیڈی اور ویرا کو ایک مدت سے شراب پیتے دیکھتی چلی آرہی ہے۔ اس کے لیے شراب نوشی کوئی انوکھی عادت نہیں ہے۔"

جہانگیر کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے قدرے آہستگی سے کہا "ہر بات ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی۔ لحاظ اور مروت بھی کوئی چیز ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم غزالہ کو اپنے کمرے میں ہی لے جاؤ۔ ٹھیک دس بجے کھانا لگا لینا۔"

سلمٰی فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اور غزالہ نے اپنی چائے کی پیالیاں اٹھائیں اور دونوں ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔

"دیکھ لیا تم نے؟" جہانگیر نے اپنے گلاس سے اگلا گھونٹ لے کر کہا۔ یہ خاتون آج کل میری احسان مند ہے تو یہ حال ہے۔ ابھی تم اسے مصالحت کا اصل واقعہ بتا دو تو اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے گا۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ غزالہ کو معلوم ہے کہ تم شراب نوشی کرتے ہو پھر اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا "غزالہ تم کو موقع دے رہی تھی اور تم جھوٹ بولے جا رہے تھے۔"

"چھوڑو اس قصے کو۔ اب تو میں ایسی رکل رکل کا عادی ہو گیا ہوں۔ تم اس کی حمایت کر کے کیوں میرا لطف غارت

بیوروکریسی

ایک عقل مند عورت اپنے میاں کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے گئی۔ دونوں نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک بہت ہی خوب صورت عورت آئی اور اس کے میاں سے لپٹ گئی۔ شوہر نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو بیوی نے غصے سے غرا کر اپنے میاں سے پوچھا۔ "کون تھی... مشٹنڈی۔"

میاں نے صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میری دوست تھی۔"

بیوی کو بہت غصہ آیا اس نے کھانے کی پلیٹ پٹخ دی اور کہا کہ اسے فوری طور پر طلاق چاہیے۔

میاں نے کہا "ٹھیک ہے، تم طلاق لے لو، مگر پھر تمہیں اس پر تعیش زندگی، محل نما گھر، قیمتی گاڑیوں، مہنگے زیورات ملبوسات سمیت ہر چیز سے محروم ہونا پڑے گا۔"

"بیوروکریٹ" نما عقل مند بیوی نے چند لمحے غور کیا تو اسے طلاق والی بات گھاٹے کا سودا لگی اس لیے اس نے غصہ تھوک کر کھانا شروع کردیا۔

تھوڑی دیر بعد میاں کا دوست ایک عورت کے ساتھ اسی ہوٹل میں داخل ہو تو عورت نے اسے پہچان کر اپنے شوہر سے پوچھا۔ "تمہارے دوست کے ساتھ یہ عورت کون ہے؟"

میاں نے پھر صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میرے دوست کی سہیلی ہے۔"

اب کی بار "بیوروکریسی" بولی "لو، ہمارے والی تو اس سے لاکھ درجے خوب صورت ہے۔"

محمد محمود احمد آکاش کا چٹکلہ، صادق آباد سے

کررہے ہو۔"

"تمہارا مزاج بالکل شتر مرغ جیسا ہے۔ حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہو۔ ریت میں منہ دے کر یہ سمجھ لیتے ہو کہ طوفان گزر گیا ہے۔" میں نے اسے پھنکار کر اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔ سلمیٰ نے مزے دار چائے بنائی تھی۔

"مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ تم شراب نوشی سے تائب ہوچکے ہو، افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنا ایک اچھا ساتھی گنوادیا" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر ڈھٹائی سے بولنے لگا "نئے آدمی کے لیے اسے منہ لگانا مشکل ہے اور پرانے عادی کے لیے چھوڑنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا تمہیں اپنی زندگی روکھی پھیکی اور بے کیف محسوس نہیں ہوتی؟"

"شروع میں بہت کچھ ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس کے بغیر رہنے کا عادی ہوگیا۔ کوشش کرو تو تم بھی اسے چھوڑ سکتے ہو۔"

"مجھے غزالہ جیسی بیوی اور ویرا جیسی خوش اخلاق دوست ملی ہوئی ہوتی تو میں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ اب مل رہی ہے تو کیوں چھوڑوں؟ اس لیے کہ سلمیٰ ہروقت میرے کان کھاتی رہے؟"

اگر وہ سچ بول رہا تھا تو اس کا اصل مسئلہ اس کی بیوی تھی۔ شریکِ سفر اچھا نہ ہو تو زندگی اس سے زیادہ کٹھن ہوجاتی ہے۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس بار اس کی سوئی ویرا کی ذات پر اٹک کر رہ جائے گی۔

میری وہ خاموشی بے سود ثابت ہوئی تھی۔ جہانگیر کچھ دیر تک میرے جواب کا منتظر رہا پھر پوچھ بیٹھا "آج تم ویرا کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ وہ ہوتی تو ماحول ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ وہ کم از کم میرا ساتھ تو دے رہی ہوتی۔"

"تم چاہو تو میں اسے مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہنے کا مشورہ دے سکتا ہوں۔"

"ایک میان میں دو تلواریں رہ سکتی ہیں، سلمیٰ کے ساتھ کوئی اور عورت یہاں نہیں رہ سکتی۔ وہ گھر کے کام کاج

کے لیے کسی خوش شکل عورت کا وجود برداشت نہیں کرتی تو ویرا کو چین سے یہاں کب رہنے دے گی!" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔

"یہاں شی کے عروج کے دنوں میں جب وہ بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو اس کے نام سے سب کی جان نکلتی تھی۔" میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا "سب کو یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی لڑکی ہے لیکن اس کا سیک سراپا سر سے پیر تک چست سیاہ لباس میں پوشیدہ ہوا کرتا تھا۔ تم اس کے سامنے بولنا تک بھول جاتے تھے اور آج اس کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرنے پر قادر ہو۔"

"یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے اور وقت سدا ایکساں نہیں رہتا۔ اب تو وہ خود بھی بھول چکی ہوگی کہ ایک زمانے میں اس کا کیا دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ آج وہ ایک عام سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"اس تبدیلی کے باوجود اس کی انفرادیت برقرار ہے۔ کوئی اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"کسی دن تمہارا گھر دیکھنا پڑے گا" جہانگیر نے معنی خیز لہجے میں کہا "جب ویرا سے ملنے کو دل چاہا' تھوڑی دیر کے لیے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"فی الحال اس پروگرام پر عمل نہ کرنا۔ دو تین دن میں' میں شہر سے باہر چلا جاؤں گا۔ واپسی پر میں تمہیں فون کر کے بتادوں گا۔ اس کے بعد تم جب چاہو' اس سے ملنے کے لیے ہمارے گھر آسکو گے۔ میرے پیچھے وہ تمہیں نچا کر رکھ دے گی۔"

"ارے یار! ایسی نچانے والیاں بھی قسمت سے ملتی ہیں" وہ مسکرا کے بولا "تمہاری غیر حاضری میں وہ زیادہ آسانی سے بے تکلف ہوجائے گی۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ تمہارا بہت زیادہ لحاظ کرتی ہے۔ تمہارے سامنے ایک خاص حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ تم شادی شدہ آدمی ہو اور وہ بہتی گنگا ہے۔ مجھے اس میں ہاتھ دھونے سے کیوں روک رہے ہو؟"

"اگر میں شادی شدہ ہوں تو تم بھی کنوارے یا رنڈوے نہیں ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تمہاری بیوی زندہ ہے۔ میں تمہیں تمہاری بھلائی کے لیے مشورہ دے رہا تھا۔ اگر تم اس کے باوجود ویرا سے پینگیں بڑھانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے چلے جانے کے بعد بھی وہ دونوں تم کو ہر وقت خوش آمدید کہیں گے۔ بس تم بعد میں مجھ سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔"

"میں نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ ہمیشہ تمہارا ممنون رہا ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ گھر پر اس کے ساتھ کون رہے گا؟"

"غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ گھر پر رہیں گے۔ تم سلمٰی سے لڑ جھگڑ کر دو چار راتیں وہاں بسر کرنا چاہو تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ تمہارے لیے میرا بیڈ روم کھول دیں گے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا اور میرے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "سلمٰی سے لڑائی جھگڑے کا ذکر کر کے تم نے مجھے بالکل نئی راہ سجھائی ہے۔ میں نے اسے مشورہ سمجھ کر گرہ سے باندھ لیا ہے۔ دوست ہو تو بس تمہارے جیسا ہو ورنہ نہ ہو۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں نے تمہیں کوئی مشورہ نہیں دیا۔ تمہارے اور سلمٰی کے معمولات کا ذکر کیا ہے۔"

"دراصل ہوٹلوں میں رہنے سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کئی بار اس سے کئی کئی دن بول چال بند رہی ہے مگر میں اس کے ساتھ اسی چھت کے نیچے رہنے پر مجبور تھا کیونکہ میرے ذہن میں گھر کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اب تمہارا گھر موجود ہے۔ میں ہر وقت وہاں جا سکتا ہوں۔ ویرا وہاں ہو یا نہ ہو' کم از کم سلمٰی تو نہیں ہوگی۔ اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ شہر میں میرا کوئی اور ٹھکانا موجود ہے۔"

مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے اپنے گھر پر رہنے کی دعوت کیوں دی؟ میں نے وہ بات صرف اور صرف ویرا کے حوالے سے کہی تھی۔ اس نے مفہوم ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ کبھی کبھی ایسی ذہنی کج روی کا شکار ہوتا تھا کہ ہر بات کے منفی پہلو پر فوری چھلانگ لگا دیتا تھا۔

وہ جس انداز میں اپنا گلاس اور کوک کی بوتل لے کر آیا تھا' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک تگڑے گلاس کو دھیرے دھیرے ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر دونوں عورتوں کے چلے جانے کے بعد اس کے پینے کی رفتار یکایک تیز ہوگئی تھی۔

اس نے کسی ندیدے کی طرح اپنا گلاس خالی کیا اور اٹھ کر اندر غائب ہوگیا۔ اس بار وہ گلاس میں صرف اسکاچ انڈیل کر لوٹ آیا۔ بوتل میں بچی ہوئی کوک ملا کر اس نے اپنا گلاس پورا کیا اور پھر آسودہ انداز میں میری طرف متوجہ ہوگیا "اب میں کھانے میں پوری طرح تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔ پہلے گلاس کے بعد میری بھوک کبھی نہیں کھلتی۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اپنی بسیار نوشی کی

وجہ سے تم گوشہ نشین ہو کر رہ گئے ہو۔ شاید پورے شہر میں میرے سوا تمہارا کوئی ملاقاتی نہیں ہے۔ اپنے ساتھ تم نے سلمیٰ کو بھی اس چار دیواری کا قیدی بنا دیا ہے۔"

"خدا کے لیے یہ بات اس کے سامنے نہ کہہ دینا" وہ بوکھلا کر بولا "وہ ہمیشہ یہی رونا روتی رہتی ہے۔ تمہاری زبان سے اپنے دل کی بات سنے گی تو میری زندگی اجیرن کر دے گی۔ تم خود بتاؤ کہ میں اسے کہاں اور کس سے ملوانے لے جاؤں۔ جس عمر میں پکی دوستیاں ہوتی ہیں، وہ ہم نے پوری دنیا سے کٹ کر ہیروئن بیچنے میں گزار دی۔ اب الگ تھلگ رہنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ کسی سے ملنے ملانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"تم دکان پر جا کر وقت کا بڑا حصہ گزار لیتے ہو۔ ملازموں اور گاہکوں سے باتوں میں تمہارا وقت کٹ جاتا ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ سلمیٰ پہاڑ جیسے دن کیسے کاٹتی ہوگی۔ ایسی ہی بہت سی باتوں نے اسے چڑچڑا اور بد مزاج بنا دیا ہے۔"

"اس کی حمایت نہ کرو" اس نے ہلکی سی ترنگ میں کہا "اس پر دنیا کی کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ وہ پیدائشی بد مزاج ہے۔ یہ بلڈنگ بہت بڑی ہے۔ وہ چاہے تو یہاں رہنے والوں سے میل جول بڑھا سکتی ہے مگر اس کی کسی سے نہیں بنتی۔ اس سے جس پڑوسی کے بارے میں ذکر کرتا ہوں، وہ اس کی دس خرابیاں گنوانے بیٹھ جاتی ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی اس کے مزاج کا حصہ ہے۔"

اگر وہ سلمیٰ کے بارے میں کوئی مبالغہ نہیں کر رہا تھا تو اس کی بات درست تھی۔ جہانگیر گوشہ نشین تھا تو سلمیٰ پاس پڑوس سے تعلقات اچھے رکھ کر بہتر وقت گزار سکتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے سوا کسی سے بھی خوش اخلاقی سے ملنا نہیں جانتی تھی۔

جہانگیر کی ساری دنیا اس کی دکان اور گھر تک محدود تھی۔ اس سے جب بھی ملاقات ہوتی تھی، ہمارا بیشتر وقت اس کے ذاتی مسائل پر تبادلہ خیال کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ مے نوشی کے دوران میں اسی گول دائرے میں چکراتا رہا۔

جب اس کا دوسرا گلاس بھی نصف رہ گیا تو میں سلمیٰ کو آواز دیتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں صوفے پر ایک دوسرے سے جڑی بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو کے دوران میں کوئی تلخ مرحلہ نہیں آیا تھا۔

"آج کچھ پیسوں کی ضرورت ہے" میں نے مسکرا کر سلمیٰ سے کہا اور اس نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ غزالہ کو اپنی خواب گاہ میں لیے بیٹھی تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ میرے ساتھ جہانگیر کے کمرے کی طرف چل دی۔ جہاں میرے ڈالروں کا تھیلا محفوظ تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ غزالہ کو ساتھ لے آئے لیکن کبھی کبھی اکیلے بھی آتے رہا کرو" دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلمیٰ نے میرے بدن سے لگ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "ہمیشہ وعدہ کرتے ہو لیکن فوراً اسے بھول جاتے ہو۔"

میں گھبرا کر اس سے الگ ہٹ گیا "آؤں گا.... آؤں گا۔ اس وقت تو ذرا محتاط رہو۔ بہت ممکن ہے کہ جہانگیر ہی تیسرا گلاس بنانے کے لیے اس کمرے میں گھس آئے۔ دوسروں کی موجودگی میں تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

"تم مجھ سے یوں دور بھاگتے ہو کہ مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگتا ہے" اس نے جھلّا کر کہا اور تالا کھول کر الگ کھڑی ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رقم کا تھیلا سب سے نیچے والے خانے میں موجود تھا۔

حمایت

ایک امریکی رپورٹر ایک سروے کر رہا تھا۔ ایک صاحب کو روک کر اس نے پوچھا "مغرب کے نوجوان غیر شادی شدہ جوڑوں میں بغیر شادی کے رہنے کا جو رواج زور پکڑ چکا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

وہ صاحب نہایت جذباتی انداز میں بولنے لگے "یہ بہت بے ہودہ رواج ہے۔ اسے ختم ہونا چاہیے۔ قانونی شادی، تہذیب، شائستگی اور شرافت کی بنیاد ہے۔ جب ایک گھر، ایک کنبے کی بنیاد رکھی جاتی ہے تبھی ملک اور قوم کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ اگر شادی کرنے کا رواج اسی طرح کم ہوتا رہا تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ خاموش ہوئے تو رپورٹر نے مرعوب لہجے میں پوچھا "کیا آپ باقاعدہ مقرر ہیں؟"

"نہیں... میں وکیل ہوں اور صرف طلاقوں کے کیس لیتا ہوں۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

میں تھیلے کی طرف متوجہ ہوا تو سلمٰی نے میرے شانے پر اتنی زور سے چٹکی لی کہ بے اختیار میری سسکی نکل گئی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے قہربار نظروں سے گھورا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے لوٹ گئی۔ چابیوں کا گچھا اس نے تالے میں ہی لگا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے ڈالروں کی گڈیوں سے بھرے ہوئے تھیلے کا سرسری جائزہ لے کر سو ڈالر کی دو گڈیاں نکالیں اور تھیلے کا منہ باندھ کر اسے دوبارہ اسی خانے میں ڈال دیا۔ میں تالا بند کر کے کمرے سے باہر نکلا تو دونوں عورتیں باورچی خانے میں موجود تھیں۔ شاید جہانگیر نے کھانا لگانے کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ میں نے چابیوں کا گچھا سلمٰی کو لوٹاتے ہوئے دیکھا کہ وہ ڈیپ فریزر سے کھانے کی کئی تھیلیاں نکال چکی تھی۔

میں انہیں دیکھ کر جہانگیر کے پاس لوٹ آیا۔ اس کی کوک کی بوتل خالی ہو چکی تھی' گلاس میں صرف ایک دو گھونٹ باقی رہ گئے تھے اور اس کا موڈ پوری طرح بحال ہو چکا تھا۔

"آج تم نے میرا ساتھ نہیں دیا لیکن تمہاری موجودگی میں پینے سے مزہ آ گیا" یہ کہہ کر اس نے مجھے آنکھ ماری اور پھر نیچی آواز میں پوچھا "یہ بتاؤ کہ سلمٰی کے ساتھ تمہارا حساب کتاب کیسا چل رہا ہے؟"

اس کے سوال پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے سلمٰی کو میرے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کس حساب کتاب کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جو ڈالروں کے سلسلے میں چل رہا ہے۔ سنا ہے ابھی بھی وہ بہت بڑی رقم ہے" اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی۔

"رقم جوں کی توں پڑی رہتی ہے جو ضرورت ہوتی ہے' لے لیتا ہوں۔ باقی کی امانت دار سلمٰی ہے۔ سب ٹھیک چل رہا ہے۔"

چند منٹ میں گھر کی فضا کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکنے لگی۔ جہانگیر نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اب بھوک پوری طرح چمک اٹھی ہے۔ آؤ' میز پر ہی چلتے ہیں۔ فضا میں خوشبوئیں چکرانے لگیں تو میز لگنے میں دیر نہیں لگتی۔"

اور میز واقعی تیار ہونے والی تھی۔ تین اقسام کے سالن اور گرما گرم بریانی دیکھ کر میں حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا "تم کمال کی عورت ہو۔ اتنی تیزی کے ساتھ اتنی چیزیں بنا ڈالیں۔ یہ تو اچھی خاصی ضیافت معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ سب چیزیں بنی بنائی رکھی تھیں" سلمٰی نے اپنی تعریف پر خوش ہو کر کہا "ہم دو آدمیوں کا کھانا ہی کیا ہوتا ہے۔ ہفتے میں دو دن پکاتی ہوں اور تھیلیوں میں جما کر رکھ دیتی ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے' اسے مائیکرو ویو اوون میں گرم کر کے پھر تازہ کر لیتی ہوں۔"

"ان سہولتوں نے عورتوں کے لیے بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں" میں نے بریانی کی ایک کھولتی ہوئی بوٹی منہ میں ڈال کر کہا۔

"سلمٰی میں کتنی بھی برائیاں ہوں' ایک اچھائی ضرور ہے" جہانگیر نے اپنی پلیٹ بھرتے ہوئے کہا "یہ کھانے بہت لذیذ بناتی ہے۔"

"کیا خرابیاں ہیں مجھ میں؟" سلمٰی نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت انہیں بھول جاؤ" جہانگیر نے کسی کا انتظار کیے بغیر کھانے کا آغاز کر دیا۔ لقمہ چباتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہ دیکھو کہ میں دل کھول کر تمہارے کھانے پکانے کے ہنر کی تعریف کر رہا ہوں۔"

کھانے کی باقاعدہ ابتدا ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ میری جیب میں رکھے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں چیخنے لگی۔

میں نے کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنی جیب سے فون نکالا۔ ان دنوں موبائل فون پر سی ایل آئی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ میں نے لائن آن کی تو دوسری طرف سے سلطان شاہ بول رہا تھا "ابھی ابھی روی کا فون آیا تھا۔ وہ بہت بوکھلایا ہوا بلکہ دہشت زدہ تھا اور صرف تم سے بات کرنے پر مصر تھا۔ یہ کوئی اہم معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ذرا دیکھ لو کہ وہ کس مصیبت میں ہے" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں" مختصر سا جواب دے کر میں نے لائن منقطع کر دی۔ سلطان شاہ کے پیغام نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر میز سے دور گیا اور موبائل فون پر روی کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اشارزا اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیٹول انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ادبی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑدیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھمن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑدیا گیا۔ مینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلو خلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدرآباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدرآباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدرآباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدرآباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سرگشتی کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدرآباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی ماروتی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار کراچی کے مضافاتی علاقے میمن گوٹھ میں مقیم تھا۔ اس کی تصدیق آئی بی نے بھی کی۔ وہاں کامیاب آپریشن کیا گیا اور کرشن کمار ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ساتھ دو امریکی سفارت کار بھی تھے جنہیں موقع پر ہی جہنم واصل کردیا گیا۔ کرشن کمار ہمارے لیے بے کار ثابت ہوا اور ہمیں کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اسے ویرا نے دردناک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امریکی اپنے دو سفارت کاروں کی پراسرار ہلاکت پر بہت بلبلائے مگر کچھ ثابت نہ کرسکے' تاہم اس کے بدلے میں انہوں نے پہلے مائیکرو سینٹر کو تباہ' کیا اور پھر اسلام آباد میں بم کا دھماکا کرایا۔ اب ہری چند کا شکار باقی تھا۔ وہ بھی کرشن کمار کے لیے کام انجام دیتا رہا تھا۔ مارونی کے مطابق وہ بھٹ شاہ کے علاقے میں تھا۔ اول خان اور میں' روی کی ہمراہی میں بھٹ شاہ کے لیے روانہ ہوئے مگر وہ ہمیں حیدرآباد میں ٹکرا گیا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا ہم سے بچ نکلنے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں بری طرح زخمی ہوا۔ ہم اسے اسٹیشن فور لے آئے۔ اس نے بتایا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود کسی انل بسواس نامی افسر سے ہدایات وصول کرتا تھا۔ جلال نے بتایا کہ انل بسواس انڈین سیکرٹ ایجنسی ریسرچ اینڈ انالسز ونگ "را" کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہے۔ اس کی سرکوبی کے لیے بھارت جانا ضروری ہوگیا تھا۔ میں اسی سفر کی تیاریوں کے سلسلے میں رقم لینے جہانگیر کے گھر پر تھا جب سلطان شاہ نے مجھے فون پر بتایا کہ روی مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی بے چینی مجھے الجھن میں ڈال رہی تھی۔ میں نے روی کا نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

روی موہن عیاش اور رنگین مزاج آدمی تھا جس کی بیشتر شامیں محفل آرائیوں میں گزرتی تھیں لیکن جب سے ہم کرشن کمار کی تلاش کے سلسلے میں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے' اس کے سارے معمولات درہم برہم ہوکر رہ گئے تھے۔ گھر سے فرار اور ہم لوگوں کے خوف سے روپوشی کے دوران میں وہ بالکل اکیلا ہوکر رہ گیا تھا۔

ان واقعات کی دھند صاف ہوئی اور ہماری طرف سے اشارہ ملنے کے بعد وہ گھر آیا تو کرشن کمار کا قصہ پاک ہو چکا تھا لیکن اول خان کے سر پر ہری چند کی تلاش کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس کی نشان دہی روی اور ماروتی ہی کر سکتے تھے۔ یوں روی کو فرصت کی چند گھڑیاں ملنے سے پہلے ہی ایک نیا چکر شروع ہو گیا اور اسے ہمارے ساتھ ایک سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ہری چند کی زندگی کی ڈور ہمارے ہی ہاتھوں منقطع ہوئی مگر وہ اس سے پہلے مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہو گیا۔ وہ ماروتی کا اکلوتا ماموں زاد بھائی تھا اور اسے بہت عزیز تھا۔ روی اپنی حسین اور چہیتی بیوی کی نظروں میں بُرا نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے حیدر آباد کے مضافات سے واپسی پر ماروتی کو ایک الگ ہی کہانی سنائی اور اسے بتایا کہ ہری چند ایک ٹریفک حادثے میں اس بری طرح مجروح ہوا تھا کہ حیدر آباد میں کسی قسم کی طبّی امداد ملنے سے پہلے چل بسا۔

اس نے اپنے گھر سے فون کر کے مجھے اپنے اس جھوٹ سے آگاہ کیا۔ وہ ماروتی کے سامنے اپنی سرخ روئی کے لیے مجھ سے صرف اتنے تعاون کا طلب گار تھا کہ میں ماروتی سے اگلی ملاقات میں روی کے جھوٹ کی تائید کروں۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی کہ ہری چند ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوا اور پھر جہنم واصل ہو گیا۔ اس درمیان میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا، مجھے اس کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنی تھی۔ میں نے روی کی کہانی کی تصدیق کرنے کا وعدہ کر لیا۔

وہ روی کے ذہن پر آخری بوجھ تھا۔ اس سے نجات ملتے ہی اسے یک بہ یک احساس ہوا کہ اس کی گزشتہ شامیں روکھی پھیکی اور بے جان گزر رہی تھیں۔ اس نے چند دوستوں کو فون کیے اور آزردہ خاطر ماروتی کو اپنے مرے ہوئے ماموں زاد بھائی کا سوگ منانے کے لیے گھر میں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر اپنے بے فکرے دوستوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے لیے بے چین تھا۔

روی اور اس کے سارے دوست بے راہ روی میں مبتلا تھے۔ ان کی محفلوں میں شراب کے دور چلتے تھے، شہر کی دل ربا اور بدنام لڑکیاں ان محفلوں کے مخمور شرکا کو اپنے نازو انداز سے مسحور کر کے ان کی جیبیں خالی کراتی تھیں۔ شہر کے بگڑے ہوئے رئیس زادے نہ صرف ان پر پیسا لٹاتے تھے بلکہ جوئے میں بھی دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔

روی نے اس شام دل کھول کر اپنی چند روز کی محرومیوں کا حساب چکایا اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے وہ اس شام کی ساری رنگینیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر آسودہ ہو چکا تھا۔

اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پہنچ چکی تھی مگر وہ بلانوش تھا۔ چڑھتے ہوئے خون کی گرمی، شراب کے تیز نشے کو اس کے حواس پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کے بعد اسے دھیان آیا کہ اس شام اس کی بیوی اپنے ماموں زاد کی موت پر سوگوار بیٹھی تھی اور اسے اس کی دل جوئی کے لیے جلد ہی گھر کا رخ کرنا چاہیے تھا۔

وہ اپنے معمول کے برعکس، اس محفل سے جلد ہی اٹھ گیا۔

روی اس شام کی حسین یادوں کے بارے میں سوچتا ہوا، اولڈ کلفٹن کے رہائشی علاقے میں واقع اپنے گھر پہنچا تو پھاٹک سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ گھر کا ماحول سازگار نہیں تھا۔

روشن برآمدے میں اس کا بڑا بھائی خراب تیوروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ وہ شاید روی کی گاڑی کا ہارن سن کر برآمدے میں آیا تھا اور دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے، اس کا منتظر تھا۔ اس کی تیزی سے پھولتی اور پچکتی ہوئی توند سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غصے کی شدت سے ہانپ رہا تھا۔ روی کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس نے جگدیش کو اتنے بگڑے ہوئے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر اپنی گاڑی سے اترا اور ڈرائنگ روم کے سامنے، برآمدے میں کھڑے ہوئے جگدیش کو نظر انداز کر کے بغلی راستے کی طرف بڑھا لیکن جگدیش کی قہربار آواز نے اسے اپنا رخ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

"جی، بھایا جی!" اس نے پلٹ کر ادب اور خلوص سے کہا اور اپنے بڑے بھائی کی طرف ہو لیا۔

جگدیش نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کیے بغیر مڑ کر ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف چل دیا۔ اس وقت اس کی چال ڈھال تک سے برہمی کا اظہار ہو رہا تھا۔

روی موہن اپنے بڑے بھائی کے رویّے سے ڈرا سہما، اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی موٹی اور بدشکل بھاوج پہلے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

روی نے وہ منظر دیکھا تو اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ دوستوں کے ساتھ گزارے ہوئے پرتعیش وقت کا احساس ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں تہ نشین ہو گیا۔ اس کے دماغ پر صرف بھایا جی اور اس کی بیوی کا تسلط باقی رہ گیا۔

"بھا... بھایا جی! کیا ہو گیا؟ خیریت تو ہے؟" روی نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

جگدیش بڑھتے بڑھتے، اچانک رک کر روی کی طرف پلٹ پڑا۔ روی رکتے رکتے بھی اپنے بڑے بھائی کے روبرو جا پہنچا۔

"پوچھتا ہے کیا ہوا؟" جگدیش آنکھیں نکال کر دبی دبی آواز میں غرایا "یہ پوچھ کہ آج کیا نہیں ہوا۔"

روی کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس کی استفسار طلب نگاہیں اپنی بے ڈول بھاوج کے ہراساں چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں خوف، تشویش اور بے یقینی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ روی کے وجود میں اترتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں وہ بے بسی سے نفی میں اپنا سر ہلا کر رہ گئی۔ روی کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی کہ وہ بے چاری اپنے شوہر کی برہمی پر خود پریشان تھی۔ گھر میں پائی جانے والی کشیدگی کا جو بھی سبب تھا، وہ صرف اور صرف بھایا جی کے علم میں تھا۔ وہ روی کے ساتھ جس انداز میں پیش آیا تھا، اس سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ اس گڑبڑ میں کہیں نہ کہیں اور کچھ نہ کچھ ماروتی کا بھی حصہ تھا۔ وہ بھایا جی کی کھوپڑی میں بھرے ہوئے بھُس میں چنگاری ڈال کر خود کہیں غائب تھی۔

"بھایا جی! میں ابھی ابھی، تمہارے سامنے باہر سے آیا ہوں۔" روی نے لجاجت ہوئی آواز میں کہا "مجھے کیسے علم ہو سکتا ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے... تم بتاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔"

بھایا جی نے غصے میں اس کے سینے پر دوہتڑ مار کر اسے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا اور دبی دبی، غراتی ہوئی آواز میں بولا "مجھ سے دور رہ کر بات کر۔ تیرے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔ ہر وقت نشے میں دھت رہتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ تیری بیوی کے کیا کرتوت ہیں؟"

روی کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا اندیشہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ بھایا جی کی زبان پر آخر کار ماروتی کا نام آ ہی گیا۔ اس نے نیم مردہ آواز میں پوچھا "کیا آج پھر ماروتی نے کسی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے؟"

"بدتمیزی!" جگدیش کی آواز غصیلی اور تحقیر آمیز مگر نیچی تھی "تیری جورو نے ہم سب کے منہ کالے کر دیے۔ ہمارے پرکھوں کی ہڈیوں پر پیشاب کر دیا اور تو اس کی بدتمیزی کے بارے میں پوچھ رہا ہے..."

اس بار بھایا جی کے عائد کیے ہوئے الزامات سنگین تھے، اس کے الفاظ ہتک آمیز تھے۔ روی سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کی بات کاٹ کر درمیان میں پوچھا "کچھ بتاؤ گے یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتے رہو گے..."

"ہماری عزت خاک میں مل گئی، ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" فرط جذبات سے بھایا جی کی آواز رندھنے لگی "میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں اپنی ذلت اور رسوائی کی کہانی خود دہرا سکوں... لے پڑھ لے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے، جا کر ماروتی سے پوچھ کہ اس میں کوئی بات جھوٹ تو نہیں ہے... اس نے یہ باتیں خود مجھے بتائی ہیں۔ وہ تجھ سے بھی انکار نہیں کرے گی۔ اگر تو موہن رام کا نطفہ ہے، تجھے اپنے بڑوں کی عزت کا ذرا سا بھی پاس ہے تو جا اور جا کر اس گشتی کو گولی مار دے۔"

وہ اندر سے واقعی کھول رہا تھا۔ بولتے ہوئے اس کے دہانے کے گوشے پر ہلکا سا کف آ گیا۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر، ایک جھٹکے سے روی کی طرف بڑھا دیا۔

جگدیش کی باتیں مبہم تھیں لیکن ان میں پوشیدہ مفہوم بہت واضح تھا۔ روی نے اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ سے تہ کیا ہوا کاغذ لیا تو خود اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو نہ رکھ سکا۔

اس کاغذ پر جگدیش کی شکستہ تحریر میں ماروتی کے انتقام کی ہوش ربا کہانی نقش تھی۔ اس نے اپنے جیٹھ کی بدزبانی کا عملی انتقام تو اسی وقت لے لیا تھا جب اس نے کرشن کمار کی نشان دہی کے بدلے میں مجھے ایک ہوٹل کے خلوت میں خود سے ملنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس کا وہ انتقام ادھورا تھا۔ جگدیش کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ حسین و جمیل ماروتی، رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے فرار ہو کر کہاں گئی تھی اور کس کو اپنی دریا دلی سے فیض یاب کرنے کے بعد واپس لوٹی تھی۔

اس نے روی کے گھر سے چلے جانے کے بعد انٹرکام پر جگدیش کو وہ سب سنا کر اپنا انتقام مکمل کر لیا تھا۔ جگدیش واقعی انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور ماروتی شاید بے فکری سے اوپر والی منزل پر آرام کر رہی تھی۔

جگدیش کی تحریر میں سب کچھ وہی تھا جو ماروتی کے طے کیے ہوئے منصوبے کے تحت رونما ہوا تھا۔ بس اس میں کسی کا نام نہیں تھا۔ ماروتی نے اپنے بھایا جی سے صرف ایک مسلمان کا ذکر کیا تھا۔

روی کو وہ سب پڑھتے ہوئے، اپنی نگاہوں کے سامنے گھٹتے بڑھتے ہوئے دائرے چکراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ جگدیش نے ماروتی کی سنائی ہوئی کہانی قلم بند کی تھی۔ ماروتی اتنی بگڑی ہوئی نہیں تھی، وہ ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی!

روی نے تحریر پڑھنے کے بعد کاغذ کو پرزوں میں تبدیل

کرنا شروع کر دیا۔ اس کی بھاوج نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس وقت تک بھایا جی کی بیوی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے شوہر کے اشتعال کا کیا سبب ہے۔ جگدیش نے جن تعارفی کلمات کے ساتھ 'اپنا لکھا ہوا پرچہ روی کو دیا تھا ان کی بنا پر اس کے دل میں تجسس پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ وہ ایک عورت تھی اور یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کے شوہر نے ماروتی کے بارے میں کیا کچھ لکھا تھا۔

''روی... روی!'' وہ فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی ''یہ کیا کر رہے ہو... کاغذ مت پھاڑو!''

''بھابی! یہ کاغذ نہیں' گندی گالی ہے جو بھایا جی نے ماروتی کو دی ہے۔'' روی کی آواز میں یک لخت تلخی عود کر آئی۔ شاید اس لیے کہ اس بار وہ اپنے آمر بھائی سے نہیں بلکہ اس کی بیوی سے مخاطب تھا۔

''گندی گالی!'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لہجے میں تجسس بڑھ گیا۔

''یہ گالی نہیں' سچ اور صرف سچ ہے۔'' جگدیش نے درشت مگر دھیمی آواز میں کہا ''میری بات کا یقین نہ ہو تو اوپر جا اور اپنی چہیتی سے پوچھ۔ اس بے غیرت نے مزے لے لے کر ساری باتیں مجھے بتائی ہیں۔''

روی نے اپنے پھاڑے ہوئے کاغذ کے پرزے قالین یا فرش پر بکھیرنے کے بجائے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے جواب دیا ''میں جب تک ماروتی سے بات نہ کرلوں' میں کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک گھر اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کیسی کیسی کدورتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔''

وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے۔ الزام تراشیاں کر رہے تھے اور بحث کر رہے تھے مگر ان کی آوازیں دھیمی تھیں۔ تینوں کو احساس تھا کہ معاملہ ان کے گھرانے کی عزت کا تھا۔ بات نکل کر ملازموں کے کانوں میں پڑجاتی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے..... قابل نہ رہتے۔

''روی! تو دو ٹکے کی عورت کے لیے میرے منہ آرہا ہے ....'' جگدیش کا وہ فقرہ ادھورا رہ گیا۔

روی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی ''وہ دو ٹکے کی عورت نہیں' میری بیوی ہے 'بھایا جی!''

''میرے منہ نہ لگ۔'' جگدیش اپنی مٹھیاں بھینچ کر اور دانت پیس کر نیچی مگر تیز آواز میں بولا ''جا کر اس سے پوچھ لے کہ میں نے کتنا جھوٹ لکھا ہے۔ پندرہ منٹ میں تو نے اسے گولی نہ ماری تو پھر وہ ہوگا جو تیرے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔''

''میں بلاوجہ اس کا خون اپنے سر نہیں لوں گا۔'' روی کا لہجہ فیصلہ کن ہو گیا ''اول تو یہ سب جھوٹ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تب بھی ہری چند کی طرح ماروتی کا انجام اس کا پیچھا کرے گا۔ میں نے پچھلے دن بہت خوف اور دہشت میں گزارے ہیں۔ مجھے آزادی کی زندگی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو چکا ہے۔ میں جذبات کے ریلے میں آکر کوئی غلطی نہیں کروں گا۔''

''مجھے بھی تو کچھ بتاؤ کہ اس چڑیل نے کیا کیا ہے۔''

جگدیش کی بیوی نے قریب آکر اپنے شوہر کا بازو جھنجوڑتے ہوئے فریاد کی ''میں اپنے ہاتھ سے اس کی ناک چوٹی کاٹ لوں گی۔''

''الگ ہٹ!'' جگدیش نے حقارت سے اپنی بیوی کو جھڑک کر دور دھکیل دیا ''ماروتی کی باتوں نے عورت ذات پر سے میرا اعتبار تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ تو کہیں کی چوہدرانی نہیں ہے....''

''بھایا جی!'' روی نے زندگی میں پہلی بار اپنے بھائی کو کڑی نظروں سے گھورا اور خوف ناک لہجے میں کہا ''تم نے میرے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ آج اس گھر میں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔''

''مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں۔'' جگدیش نے اس پر آنکھیں نکالیں ''میں تیری طرح بزدل نہیں ہوں۔ گھڑی دیکھ لے' اگر پندرہ منٹ میں اوپر سے گولی چلنے کی آواز نہ آئی تو تو زندگی بھر سر پکڑ کر روئے گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔''

روی نے خوں خوار نظروں سے بھایا جی کی طرف دیکھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

وہ اوپر پہنچا تو ماروتی حریری لباس پہنے' مسہری پر دراز تھی۔ اس کے غمگین چہرے اور قدرے متورم آنکھوں پر نگاہ پڑتے ہی روی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ اپنے اکلوتے ماموں زاد بھائی کی ناگہانی موت کے صدمے سے نڈھال تھی اور بھایا جی اس پر الزام تراشی کر رہے تھے۔

وہ جو کچھ سوچتا ہوا اوپر گیا تھا' وہ سب اس کے ذہن سے نکل گیا۔

ماروتی کوئی اناڑی لڑکی نہیں' ایک جہاں دیدہ عورت تھی۔ روی کی بدحواسی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور وہ پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گئی ''کیا بات ہے روی؟ تم کچھ الجھے الجھے اور پریشان نظر آرہے ہو۔''

''کک... کچھ نہیں.... دراصل بھایا جی کے دماغ پر کچھ سنک سوار ہے۔'' ماروتی کی معصومانہ ہمدردی نے روی کو اندر سے بالکل پگھلا کر رکھ دیا۔ اس بوکھلاہٹ میں اسے بھایا جی کے رقعے میں لکھا ہوا بس ایک فقرہ ہی یاد رہ سکا اور اس

نے سنبھل کر ماروتی سے پوچھا "بھایا جی سے مسلمانوں کی چار شادیوں کے بارے میں تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟"

ماروتی کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی۔ مجھے پوری بات یاد نہیں۔ شاید بھایا جی نے کچھ پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ مسلمان چار عورتوں کو خوش رکھ سکتے ہیں اس لیے چار شادیاں کرتے ہیں۔ دنیا کے بہتیرے مرد تو ایک ہی بیوی کا بوجھ ڈھو ڈھو کر گدھے کی طرح ہانپنے لگتے ہیں۔ کیا انہیں میری یہ بات بری لگ گئی؟ میں نے انہیں تو کچھ نہیں کہا تھا۔"

روی اس کے ساتھ ہی مسہری پر بیٹھ گیا اور ناصحانہ لہجے میں بولا "تمہیں معلوم ہے کہ بھایا جی تم سے جلتے ہیں۔۔۔۔ اپنے اوپر بڑا پن سوار کر کے وہ کچھ جھکی بھی ہو گئے ہیں۔ ان سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ نہ جانے انہیں کب کیا بات بری لگ جائے۔"

"آئندہ میں اور زیادہ احتیاط کروں گی۔" ماروتی نے پیار سے اپنی بانہیں روی کے گلے میں ڈال دیں۔

وہ نچلی منزل پر اپنے بھائی کے سامنے تھا تو اسے وہاں نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ماروتی کے پاس اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ اس کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بھایا جی کے الزامات کے بارے میں ماروتی پر کوئی جرح کر کے اس کے تازہ زخم پر نمک پاشی کرے۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی فطرت سے واقف تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ بک جھک کر خود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

جگدیش کے جارحانہ تیوروں نے روی کے پیٹ میں پڑی ہوئی شراب کے اثرات کو وقتی طور پر معطل کر دیا تھا۔ ماروتی کے پیار نے اسے تحریک دی اور روی نے بھایا جی کو بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

روی کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ اس شام بھایا جی کی انا صرف مجروح نہیں ہوئی تھی' لہولہان ہو کر رہ گئی تھی۔ خاندانی عزت' شرف اور وقار پر اس کا گھمنڈ ٹوٹ گیا تھا۔ ماروتی اس کی لگائی ہوئی ہر چوٹ کو سنار کی چوٹ سمجھ کر ایک مدت سے سہہ رہی تھی۔ موقع ملتے ہی اس نے بھایا جی پر لوہار والی ایک زبردست ضرب لگائی تھی جس نے اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وقت بہت دھیمے اور غیر محسوس انداز میں سرکتا رہا۔ روی اپنی ماروتی کے ساتھ ہنستا کھیلتا رہا پھر اچانک زیریں منزل سے گولی چلنے کا ہولناک دھماکا سنائی دیا۔ اسی کے ساتھ ایک کربناک چیخ گونجی۔

وہ اس گھر کے لیے عجیب رات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ روی کی نظریں بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے یاد آیا کہ وہ ٹھیک پندرہ منٹ پہلے اوپر آیا تھا۔

اس کے ذہن میں آندھی کا سا ایک بگولا اٹھا' پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ اس کی نگاہوں میں بھایا جی کا مشتعل چہرہ مجسم ہونے لگا۔ وہ ماروتی کو چھوڑ کر اندھا دھند زینوں کی طرف بھاگا۔

نیچے سے اس کی بھاوج کے بین کی کریہہ آوازوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کئی کئی زینے پھلانگتا ہوا' بدحواسی کے عالم میں نیچے پہنچا تو بھایا جی کی لاش قالین پر چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔

جگدیش کی بیوی جنون کے عالم میں کبھی اپنے آپ کو اور کبھی اپنے شوہر کے بدن کو نوچ رہی تھی اور سینہ پیٹ پیٹ کر روتی اور چیختی جا رہی تھی۔ وہ دل کھول کر روی اور ماروتی کو کوس رہی تھی۔

وہ اوپر گیا تو وہ موٹی اور بھدی عورت بھایا جی کی بیوی تھی۔ پندرہ منٹ بعد نیچے آیا تو وہ بیوہ ہو چکی تھی۔ روی نے اسے نظرانداز کر کے اپنے بھائی کی نبض ٹٹولی' دل کی دھڑکن دیکھی اور مایوس ہو کر اٹھ گیا۔

بھایا جی کی آخری چیخ ایسی بھیانک اور دل دوز تھی کہ گھر میں موجود ہر فرد وہاں پہنچ چکا تھا۔ ان ہی کے درمیان ماروتی بھی تھی جو اپنے چہرے سے سب سے زیادہ سوگوار اور غمگین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے باریک لباس پر ایک بڑی سی چادر اوڑھ لی تھی۔

روی کے نزدیک اس بے چاری کا غم دہرا تھا۔ پچھلی رات وہ اپنے ماموں زاد بھائی کی موت کا صدمہ جھیل چکی تھی اور دن پورا ہونے سے پہلے اس کا جیٹھ اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکا تھا۔ ایک دن میں اپنے دو پیاروں سے محرومی کسی کے لیے بھی جاں گسل ہو سکتی تھی۔

گھر میں گولی چلی تھی اور بھایا جی نے واضح طور پر خودکشی کی تھی۔ روی کی نظروں میں پولیس والوں کی وردیاں اور ہتھکڑیاں گھومنے لگیں۔ اسے خوف تھا کہ واقعے کی تفتیش کے لیے پولیس موہن ہاؤس پہنچے گی تو وہ ضرور کسی نئی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

فرار کا نتیجہ وہ پچھلے چند دنوں میں بھگت چکا تھا۔ پناہ کے لیے اس کے پاس ہمارے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر بہت تیزی سے اوپر گیا اور پھر اس نے ہمارے گھر کا نمبر ملایا۔

وہ اظہر یا مظہر سے بات کرنے کا خواہاں تھا مگر وہاں صرف سلطان شاہ تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو کچھ بتانے سے

صاف انکار کر دیا۔ سلطان شاہ کی طرف سے پیغام ملنے کے بعد میں نے اس سے رابطہ کیا تو وہ پھٹ پڑا اور رکے بغیر بہت کچھ بتاتا چلا گیا۔ جو رہ گیا تھا' وہ میں نے موہن ہاؤس پہنچنے کے بعد اس کی زبان سے سن لیا۔ وہ مجھ سے لان پر باتیں کرتا رہا۔ اول خان پہنچا تو وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ اوپر والی منزل پر لے گیا۔

روی اس وقت بھی مصر تھا کہ اس کے بھائی کی الزام تراشی کے بارے میں ماروتی سے کوئی بات نہ کی جائے۔

"مظہر جی! تم خود گواہ ہو کہ اس روز ماروتی میری معافی کے بارے میں تم سے ملنے اور باتیں طے کرنے کے لیے ہوٹل گئی تھی۔" روی بہت جذباتی انداز میں مجھ سے کہہ رہا تھا "بھایا جی کو سر پیر کا کچھ علم نہیں تھا۔ بس انہوں نے ماروتی پر الزام لگا دیا۔"

"تم بتا رہے ہو کہ بھایا جی نے لکھا تھا کہ وہ باتیں ماروتی نے خود اسے انٹرکام پر بتائی تھیں۔" اول خان نے کمزور لہجے میں نشان دہی کی۔ میری فون کال کے نتیجے میں وہ پولیس کی آمد سے پہلے موہن ہاؤس پہنچ چکا تھا۔ میں نے روی کے گھر سے ذرا دور اتر کر غزالہ کو گاڑی سمیت گھر کی طرف روانہ کر دیا کیونکہ اس کا غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں آنا مناسب نہیں تھا۔

"میں ماروتی کو یہ سب بتانا بھی شرمناک سمجھتا ہوں۔" روی نے زور دے کر کہا "بھایا جی کو میری اور اس کی شادی پسند نہیں تھی۔ وہ اس سے جلتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں سرحد پار بھاگنے کے بجائے ان کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے دوبارہ گھر میں آ گیا ہوں تو انہوں نے مایوس ہو کر ہم دونوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے ایک نیا سوانگ تیار کر لیا۔"

"اپنے سگے بھائی کی موت کو تم سوانگ قرار دے رہے ہو؟" اول خان بے ساختہ بولا۔

"ان کی موت تو ایک اٹل حقیقت ہے۔ سوانگ الزام تراشی کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں اوپر جا کر غصے میں ماروتی کو شوٹ کر دوں گا اور پھر اس کے قتل کے الزام میں سولی پر چڑھ جاؤں گا۔ ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ بس' میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھایا جی سٹھیا گئے تھے۔ ان کا آخری حربہ ناکام ہوا تو ان کی عقل ماؤف ہو گئی۔ ہم دونوں سے اپنی جان نہ چھوٹتے دیکھ کر انہوں نے مایوسی میں خود کو مار لیا جو گڑھا وہ میرے لیے کھود رہے تھے' اس میں خود ہی جا گرے۔ اب یہ بات تم ہی پولیس والوں کو سمجھا سکو گے۔"

یہ اندازہ مجھے بھی ہو چکا تھا کہ جگدیش کی خودکشی کا معاملہ پولیس کیس تھا۔ مقامی پولیس کی بے رحمانہ تفتیش سے نمٹنا میرے بس سے باہر تھا کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی شناخت نہیں تھی جس کی بنا پر میں ان کی کسی کارروائی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شعبدہ اول خان یا اس کا کوئی ماتحت دکھا سکتا تھا۔ میں نے وہ سب بھانپتے ہوئے اسے جلد از جلد موہن ہاؤس پہنچنے کے لیے کہا تھا اور وہ میری توقع سے پہلے وہاں آ گیا۔

"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم مرتے تو جگدیش مشکوک قرار پاتا۔ اس کی خودکشی کے بعد سب کچھ تمہارا ہو جائے گا اس لیے اب تم پر شبہ کیا جائے گا۔ خطرناک بات یہ ہے کہ تمہاری بھاوج' جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کی بات اچھالے گی۔"

"وہ کچھ نہیں جانتی کہ اس میں کیا لکھا ہوا تھا۔" روی نے جلدی سے وضاحت کی "اظہر جی! میں نے وہ خطرناک کاغذ' پڑھتے ہی پھاڑ ڈالا تھا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے اسے کموڈ میں بہا دیا۔ ہم دونوں بھائیوں کی ساری باتیں اشاروں کنایوں میں ہوتی تھیں۔"

"میں نے تمہاری بھاوج کو دیکھا ہے۔" میں نے زبان کھولی "وہ اتنی سیدھی نہیں ہے کہ عزت اور موت کے حوالوں کے باوجود بات نہ سمجھی ہو۔"

"نہیں' نہیں... مظہر بھائی! اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا آدمی حرام موت مرا ہے۔ وہ کسی نہ کسی پر تو الزام ڈالے گی۔ وہ جو کچھ بکتی ہے' بکتی رہے۔ ثبوت کہاں سے لائے گی؟ تم کہو تو میں کاغذ سے ہی مکر جاؤں گا۔ کیسا کاغذ؟ کہاں کا کاغذ؟ اس کے پرزے میری جیب میں ہیں۔ وہ میں ابھی چولہے میں ڈال کر ذرا سی دیر میں جلائے دیتا ہوں۔" وہ اپنی مدافعت کے لیے سب کچھ کر گزرنے پر تلا ہوا تھا۔

"اگر ماروتی کے منہ سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی تو کیا بنے گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ بے چاری تو اپنے کمرے میں لیٹی' ہری چند کو رو رہی تھی۔" روی نے اپنی بیوی کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ نیچے کیا ہو رہا تھا۔ وہ کوئی غلط بات کہہ ہی نہیں سکتی۔ ہم ایک گھر میں اوپر نیچے رہتے ہیں۔ دن بھر میں بیسیوں دفعہ انٹرکام پر بات ہوتی ہے۔ بولنے اور سننے والے کے سوا تیسرے کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ جب کہ تم دونوں میرے ساتھ ہو' میری بھاوج کی باتوں پر کوئی کان نہیں دھرے گا۔"

"ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔" اول خان نے نرمی سے کہا "لیکن یہ ساتھ ہر جگہ کام نہیں آ سکتا۔ ہم نے جس معاملے میں تمہارے پورے تحفظ کا یقین دلایا تھا' اس بارے میں کوئی تمہیں ملوث نہیں کرے گا۔ تمہارے بنے اور گھریلو

مسائل اس یقین دہانی میں شامل نہیں تھے۔"

"اوہ، اظہر جی! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟" روی نے فوراً ہی اعتراض جڑ دیا۔ "میں نے تمہیں کرشن کمار کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہاں ماروتی کا وعدہ پورا ہو گیا اور میں آزاد ہو گیا پھر بھی میں نے ہری چند کو پکڑوانے میں تمہارا پورا پورا ساتھ دیا۔ تم کو بھی میرا ساتھ دینا چاہیے۔ آڑے وقت میں مجھے یوں اکیلا نہ چھوڑو۔ حیدر آباد سے واپسی کے سفر میں، میں دیکھ چکا ہوں کہ پولیس والے تمہارا کیسا لحاظ کرتے ہیں۔"

اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے جواب دیا "ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑ رہے۔ اب بھی تمہارا ساتھ دیں گے لیکن کہیں نہ کہیں ہمیں بھی کوئی مجبوری پیش آسکتی ہے۔"

"مطلب یہ ہے کہ اب یہ دیکھ لو کہ میرے گھر میں جو کچھ ہوا، وہ میری وجہ سے نہیں ہوا۔" روی نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا "بھایا جی کو ماروتی پر الزام تراشی کا موقع یوں ملا کہ وہ تم سے ملنے گئی تھی۔ نہ جاتی تو کچھ بھی نہ ہوا ہوتا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ بھایا جی اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں جا گرا۔" مجھے خاموش پا کر اول خان نے بات جاری رکھی "اس نے خودکشی نہ کی ہوتی تو وہ کہیں نہ کہیں تمہیں پھنسوا دیتا۔ اس دشمنی کا ماروتی کے جانے یا نہ جانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

اس دوران میں میری توجہ کسی اور طرف مبذول ہو چکی تھی۔ گھر کے نچلے حصے میں کہرام برپا تھا۔ سب لوگ اوپر والی منزل کو بھولے ہوئے تھے مگر میری چھٹی حس نے اچانک ہی مجھے خبردار کیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کوئی کمرے کے باہر چھپ کر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

میرا وہ احساس چند ہی لمحوں میں اس قدر توانا ہو گیا کہ میں اول خان کی بات مکمل ہوتے ہی، اپنی جگہ چھوڑے بغیر اس نادیدہ شخص کو للکار بیٹھا "باہر کون ہے؟ سامنے آؤ۔"

میری کرخت آواز پر وہ دونوں بھی بھڑک اٹھے اور اسی لمحے فرش پر کسی کے ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک سنائی دی۔

میرا شبہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، میری آواز سنتے ہی بھاگ نکلا تھا۔

ہم تینوں نے بہ یک وقت دروازے کی طرف چھلانگیں لگائیں مگر ہمیں تاخیر ہو چکی تھی۔ ننگے پاؤں بھاگنے والا ہم سب کی توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا اور چشم زدن میں کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اس منزل کے کسی دور افتادہ حصے میں ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک بس مزید ایک لمحے کے لیے برقرار رہی اور پھر یکایک معدوم ہو گئی۔

ہم دونوں مکان کی ساخت سے بے خبر تھے اس لیے پیشوائی روی کے ذمے آ گئی تھی۔ اس نے مکان کے ایک مخصوص حصے کی طرف دوڑ لگائی اور ہم اس کے پیچھے ہو لیے۔ آگے وہ راستہ مسدود ہو گیا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام ونشان نہیں تھا۔ وہ واقعہ اس قدر انوکھا اور سنسنی خیز تھا کہ ہم تینوں پریشان ہو گئے۔ وہ جو کوئی بھی تھا، اس نے ہمارے درمیان ہونے والی بہت اہم باتیں سن لی تھیں۔

ہم تینوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر پورا فلور چھان مارا مگر کہیں کوئی ذی روح نہیں مل سکا۔

یہ بات یقینی تھی کہ بھاگنے والے نے زینوں کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ مکان کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا اور وہاں واقع اسٹور کی کھلی ہوئی دو کھڑکیوں میں سے کسی کے ذریعے چھجے پر کود کر نیچے پہنچ گیا تھا۔

مجھے اور اول خان کو وقت کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔ فرار ہونے والا نامعلوم شخص نیچے موجود سوگواروں کی بھیڑ میں مل کر بھی فوری طور پر اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ ہم دونوں تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔ اس بار روی ہمارے پیچھے تھا مگر وہ زینے ختم ہونے سے پہلے ہم سے آملا۔

"نیچے اسے کیسے تلاش کرو گے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا سانس چڑھا ہوا ہوگا۔ میری آواز پر وہ پوری رفتار سے بھاگا تھا۔" میں نے کہا۔

"حیرت ہے کہ کسی آہٹ کے بغیر تمہیں شبہ ہو گیا... میں دیکھتا ہوں۔" روی بڑبڑایا اور آگے بڑھ گیا۔

جگدیش کے لواحقین اور ملازم ڈرائنگ روم میں اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ روی ان کا جائزہ لے کر ناکام لوٹ آیا مگر اس بار وہ عجلت میں تھا۔ اس نے بہت بے تابی سے نچلی منزل کا جائزہ لیا۔ دو تین ملازموں سے پوچھ گچھ کی پھر شکست خوردہ انداز میں واپس آ گیا۔ "شیام غائب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ یہیں موجود تھا۔ میں نے اوپر جاتے ہوئے خود اسے دیکھا تھا۔"

"وہ موجود تھا تو اب کہاں گیا؟" اول خان نے زینوں کا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب باتھ روم کھلے ہوئے ہیں۔ رامو بتا رہا ہے کہ وہ اگلے حصے سے باہر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کہاں مرا ہوا ہے۔" روی اس واقعے سے خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

"ماروتی نے رات گئے گھر سے نکلنے کے لیے ایک نیا راستہ دریافت کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا "ہو سکتا ہے کہ شیام نے بھی بھاگنے کے لیے وہی راہ اختیار کی ہو۔ اس میں

اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ للکارے جانے کے بعد گھر میں رکا رہتا۔"

اس بار ہم تینوں اوپری منزل کی لابی میں رک گئے۔ جہاں کسی کے چھپنے یا سن گن لینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مگر ہماری وہ احتیاط بعد از وقت اور قطعی بے سود تھی۔ ہمارا مجرم اپنا کام پورا کر کے فرار ہو چکا تھا۔

"اسے کرشن کمار نے بھیجا تھا۔" روی خود کلامی کے انداز میں بولا "صورت سے بہت مسکین اور ضرورت مند نظر آتا تھا مگر پکا نمک حرام نکلا۔ ہر ملازم بتا رہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے نیچے منڈلا رہا تھا۔ اب غائب ہے۔"

روی کے انکشاف پر ہم دونوں چونک پڑے۔ کرشن کمار جہنم واصل ہو چکا تھا مگر اس کا آسیب ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ شیام اس کا بھیجا ہوا آدمی تھا تو یقیناً اسی کا مخبر تھا جسے کرشن کمار نے جگدیش اور روی کی گھریلو سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے، ملازم کے روپ میں وہاں بھیجا تھا۔ وہ خود کراچی سے بہت دور، تھر کے ریگستانی علاقوں میں رہتا تھا۔ امکان یہ تھا کہ شیام اپنی اطلاعات کسی مقامی شخص کو پہنچاتا رہا ہوگا جو چیدہ چیدہ نکات کرشن کمار تک بڑھا دیتا ہوگا۔

اس وقت تک ایسا کوئی درمیانی شخص ہماری نظروں میں نہیں آیا تھا۔ وہ جہاں بھی تھا، بالکل محفوظ اور شیام کے ساتھ اس کا خفیہ رابطہ بدستور استوار تھا۔ جگدیش کی خودکشی کے بعد شیام نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، وہ اس نامعلوم شخص کے علم میں آنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

دیکھے بھالے اور پہچانے ہوئے دشمن سے کوئی بھی سنگین نقصان نہیں اٹھاتا۔ پہلے سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دشمن کس کمزور پہلو پر وار کرے گا۔ اس سے دفاع میں خاصی مدد مل جاتی ہے لیکن ان دیکھے دشمن کا وار ہمیشہ خطرناک اور کاری ہوتا ہے۔

اس وقت نیچے سے خبر ملی کہ پولیس پارٹی موہن ہاؤس کا پھاٹک کھلوا کر اندر آ چکی ہے۔

"تم میری گاڑی لے کر نکل جاؤ۔" اول خان نے روی کو نیچے بھیج کر مجھے مشورہ دیا "یہاں مجھے اچھے آثار نظر نہیں آ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیام کے علاوہ بھی کوئی ملازم کسی کا زر خرید ہو۔ تمہارا زیادہ دیر تک یہاں رہنا مخدوش ہو سکتا ہے۔"

میں نے اس سے بحث نہیں کی اور سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکے تو پولیس پارٹی کو شیام کی راہ پر ڈال دینا۔"

"یہی کرنا ہوگا۔ اب تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی سے الجھے بغیر باہر نکلتے چلے جاؤ۔ مجھے یہاں کسی نئی سازش کی بو آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روی اپنی بیوی کو چارہ بنا کر تمہیں شکار کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو۔" اول خان یکایک بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔

اس کا آخری اندیشہ بعید از امکان تھا مگر میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

باوردی سپاہیوں اور افسروں کی بھاری نفری گھر میں داخل ہو کر، ہر شخص کو جگدیش کی لاش سے دور ہٹا چکی تھی۔ اس وقت لاش ان ہی لوگوں کے گھیرے میں تھی۔ انسپکٹر کے عہدے کا ایک افسر بہت غور سے لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک سب انسپکٹر گمبھیر تیوروں کے ساتھ روی سے بات کر رہا تھا۔ صوفے پر سرکاری فوٹو گرافر اپنے بیگ سے کیمرا اور اس کے لوازم نکال کر تاروں کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پیشہ ور فوٹو گرافر تھا اور محکمے سے صرف تصویر کشی کا معاوضہ لیتا تھا مگر پھر بھی اس کا کیمرا تیار نہیں تھا۔

اول خان نے انسپکٹر کو مخاطب کر کے نیچی آواز میں کوئی بات کی۔ وہ لاش کے قریب قالین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اول خان کی بات سنتے ہی وہ تیزی سے اٹھا اور اس سے ہاتھ ملانے لگا۔ اول خان نے اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے مجھے اشارہ کیا اور میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ انسپکٹر کی ہدایت پر اس کا ایک ماتحت میرے پیچھے آیا تھا تاکہ باہر پہرے پر مامور عملے کو میری طرف سے چشم پوشی کا حکم دے سکے۔

میں موہن ہاؤس سے نکلا اور اول خان کی گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

روی موہن کے تازہ ترین مسئلے کی اہم تفصیلات مجھ سے پہلے گھر تک پہنچ چکی تھی۔ وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر پیش آیا تھا کہ غزالہ اپنے ہیجان پر قابو نہیں پا سکی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا، وہ اس نے ویرا اور سلطان شاہ کے سامنے اگل دیا۔

میں گھر پہنچا تو وہ تینوں باہمی تبادلہ خیال سے تھک ہار کر میرے منتظر تھے۔

میں نے راستے میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ماروتی کے بارے میں جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کا ذکر بالکل گول کر دیا جائے۔ اس کے مندرجات کی بنا پر میری اور ماروتی کی ملاقات ایک مرتبہ پھر موضوع سخن بن جاتی۔ یہ نکتہ میرے حق میں تھا کہ روی موہن نے بھی اپنا دامن صاف رکھنے کے لیے بھابی جی کی اس تحریر کو اپنے بیان سے حذف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جگدیش نے خودکشی کرنے کے لیے بہت ناموزوں وقت کا انتخاب کیا۔" میرے گھر پہنچتے ہی ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"جرائم چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں مگر یہ حقیقت حیران کن ہے کہ دن دیہاڑے ہونے والے جرائم کی شرح ہمیشہ سے کم رہی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات پر سنجیدگی سے گرہ لگائی۔ "دنیا بھر میں جرائم..... سورج ڈھلنے کے بعد یا رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ اگر جگدیش موہن نے خود کشی کے لیے رات کا وقت منتخب کیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہیں وقت کی موزونیت پر کیا اعتراض ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر ویرا سے پوچھا۔

"اسے افسوس ہے کہ ہم دونوں سلمٰی کے تیار کیے ہوئے لذیذ کھانوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکے۔ ویرا کے بولنے سے پہلے غزالہ نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "کھانا شروع ہوتے ہی ہمیں وہاں سے عجلت میں نکلنا پڑا۔"

"سلمٰی نے تمہارے لیے ضرور بہت اہتمام کیا ہوگا۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "تمہاری دل جوئی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔"

"خرافات کو چھوڑو!" سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔ اور مجھ سے پوچھا "جگدیش کو خود کشی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"میں سر کھپا کر لوٹ آیا۔ اب پولیس والے یہی دریافت کرنے کی کوششیں کررہے ہوں گے۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا "بظاہر وہ کسی گھریلو تنازعے کا سنگین انجام نظر آتا ہے۔ وہ روی اور ماروتی کے کچھنوں سے خوش نہیں تھا۔"

"اسے خوش ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔" ویرا نے برجستہ کہا "رات کے دو بجے گھر کی دیواریں پھاند کر بھاگنے والی عورت کو کوئی شریف آدمی خوشی سے برداشت نہیں کرسکتا۔ نہ معلوم اس نے روی کو کتنے الوؤں کا گوشت کھلایا ہوا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی بے راہ روی کی طرف سے اپنی آنکھیں بالکل بند کی ہوئی ہیں۔ ماروتی کسی عزت دار گھرانے کی بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔"

"تم دونوں یہاں سے ہوا خوری کے ارادے سے گئے تھے۔" سلطان شاہ کو اچانک خیال آگیا "پھر تم جہانگیر کے گھر کیسے پہنچ گئے؟"

"بس، ساحل کی طرف جاتے جاتے، راستے میں رک گئے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "انہیں کچھ ڈالر بھی لینے تھے۔"

"ڈالر لینے کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن پر سفر سوار ہورہا ہے!" ویرا نے سر کو جنبش دیتے ہوئے رائے زنی کی۔

"سفر ناگزیر ہو چکا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "کرشن کمار مارا جا چکا ہے لیکن اس کا خفیہ نیٹ ورک اب بھی کام کررہا ہے۔ یہاں ایک ایک کی تلاش اور سرکوبی کے بجائے ہمیں نئی دہلی میں کام کرنا پڑے گا۔"

"اس کا خفیہ نیٹ ورک تمہیں کہاں نظر آگیا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

میں نے موہن ہاؤس میں پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ انہیں سنادیا۔ غزالہ بھی میرے اس تجربے سے لاعلم تھی۔ تینوں کے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہوئی کہ موہن ہاؤس میں کرشن کمار کا کوئی مخبر موجود تھا۔ ان کے لیے جگدیش کی خود کشی میں زیادہ دلچسپی کی گنجائش نہیں تھی لیکن شیام کا قصہ سامنے آتے ہی گفتگو میں دلچسپی کا ایک نیا عنصر پیدا ہوگیا۔

وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں شیام کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر تھی کہ اس نے چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی تھی اور پھر پکڑے جانے کے خوف سے موہن ہاؤس سے ہی فرار ہوگیا تھا۔ یہ عام گھریلو ملازمین کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ بظاہر سر جھکا کر اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن فطری تجسس کے تحت اپنے مالکان کی نجی گفتگو پر کان لگائے رہتے ہیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہو کر فرصت سے بیٹھتے ہیں تو گھروں میں ہونے والی باہمی نوک جھوک اور فقرے بازیوں کو دہرا کر اپنی اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ شیام کی حرکت اس زمرے سے خارج تھی۔ اس نے روا روی میں سن گن لینے کے بجائے سازشی انداز میں باتیں سننے کی کوشش کی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس سازش میں کون اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔

کرشن کمار نے اسے موہن ہاؤس میں ملازمت ضرور دلوائی تھی اور شاید اسے مخبری کی براہِ راست ہدایت بھی دی ہو لیکن کرشن کمار کے لیے براہِ راست شیام سے رابطہ برقرار رکھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ شیام یقینی طور پر کسی اور سے رابطے میں تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کرشن کمار کی موت سے بے خبر رہا ہو۔ اس کے بارے میں اخبارات میں اتنا کچھ چھاپا گیا تھا کہ اس کی بازگشت ان پڑھ لوگوں میں بھی پہنچنی چاہیے تھی۔ اس کے مرجانے کے بعد شیام کی مجرمانہ سرگرمیوں کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا۔ وہ موہن ہاؤس میں اپنے کام پر مستعد تھا مگر سوال وہی تھا کہ وہ کس کے لیے کام کررہا تھا۔

کرشن کمار کی سرکوبی کی مہم پر کام کرتے ہوئے ہمارے سامنے دو این جی اوز کے نام آئے تھے۔ فریڈم انٹرنیشنل امریکا کی رسوائے زمانہ فورڈ فاؤنڈیشن کی پروردہ غیر سرکاری تنظیم تھی۔ مراد ظریف کی صحرا نامی تنظیم مقبول چوہدری کی زرخرید تھی۔ وہ دونوں اپنے حواریوں سمیت انجام کو پہنچ چکے

تھے۔ ان کے سوا کوئی بھی بھارتی سفارتی اہل کار ہمیں اس محاذ پر سرگرم نظر نہیں آیا تھا۔

اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں میجر بخشی کا نام میرے سامنے تھا۔ میں خود ہری چند کے نام سے دو مرتبہ اس سے فون پر بات کر چکا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ میجر بخشی کو کرشن کمار اور اس کے مشن کے بارے میں بنیادی تفصیلات کا پوری طرح علم تھا' اس کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں لیکن وہ عملی طور پر ان کے مشن میں شامل نہیں تھا۔

میجر بخشی سے ہونے والی آخری گفتگو اس اعتبار سے اہم تھی کہ اس نے مجھے ہری چند سمجھتے ہوئے' سرحد پار فرار ہوجانے کا مشورہ دیا تھا۔ را اور اس کے مفادات سے ہمدردی رکھنے والوں کی ہلاکتوں میں تسلسل پیدا ہوجانے کے بعد میجر بخشی نے اندازہ لگالیا تھا کہ پاکستان میں ان لوگوں کے لیے حالات مخدوش ہوچکے تھے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ وہ لوگ عارضی طور پر اپنی سرگرمیاں موقوف کر کے سرحد پار کرجائیں تاکہ ان کی جانیں محفوظ رہ سکیں۔ حالات بہتر ہوجانے پر وہ دوبارہ پاکستان آکر اپنی کارروائیوں کا آغاز کرسکتے تھے۔

وہ میجر بخشی کا مشورہ تھا۔ وہ کوئی ہدایت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لے دے کر بس اسی کا نام میرے ذہن میں چکراتا رہا۔ اپنی سرکاری حیثیت میں وہ اتنا باخبر ضرور تھا کہ میری زبان سے انل بسواس کا نام سنتے ہی چونک پڑا تھا۔ نادانستگی میں اس نے یہ اگل دیا تھا کہ انل بسواس ایک بڑے عہدے پر فائز تھا۔ میجر بخشی کو اس کے بارے میں میرا لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

ایک طرف مجھے اس سے کوئی سراغ ملنے کی امید نہیں تھی' دوسری طرف میں اس سے مزید ایک اور رابطے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ روک رہا تھا کہ اس وقت تک ہری چند کی موت کا راز فاش ہوچکا ہوگا۔

کراچی کے کسی حصے میں پائی جانے والی ہری چند کی لاش کی حالت سے پہلی ہی نظر میں یہ نشان دہی ہوسکتی تھی کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوا ہوگا۔ لاش ملنے کے چند گھنٹوں بعد ہی یہ معلوم ہوجانا چاہیے تھا کہ وہی قومی شاہراہ کے حادثے کا گم شدہ زخمی تھا جسے کسی لاوارث کی طرح پھینک دیا گیا تھا۔

"ہم مسلسل بول رہے ہیں اور تم اداس بیٹھے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"شیام کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں اسے للکارنے کی غلطی نہ کرتا تو وہ کسی دبکے ہوئے چوہے کی طرح ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ اب کہاں گیا ہوگا!"

"ایک مرتبہ پھر میجر بخشی کی دم مروڑو۔ وہ کچھ نہ کچھ اگل دے گا۔" ویرا نے خلوص سے مشورہ دیا۔

"اب تک ہری چند کی موت کا راز کھل چکا ہوگا۔ وہ بہت کائیاں آدمی ہے۔ میں نے کسی اور نام سے اسے فون کیا تو وہ اپنے خول سے ذرا بھی باہر نہیں آئے گا۔ اسے چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔۔۔"

"بخشی ویسے بھی کرشن کمار کے نیٹ ورک میں شامل نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"وہ نیٹ میں ہو یا نہ ہو' ایک ذمے دار افسر ضرور ہے۔ خاموشی سے ان سب کی سرگرمیاں مانیٹر کرتا رہتا ہوگا۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی "ایسا نہ ہوتا تو وہ کرشن کمار کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہوسکتا تھا۔"

"سب سے الگ تھلگ رہ کر وہ ان کی سرگرمیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا۔" غزالہ بولی۔

"یہ جدید مواصلاتی سہولتوں کا دور ہے۔" ویرا نے استہزائیہ انداز میں کہا "فون اور موبائل سے زیادہ وائرلیس اپریٹس استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ہر وقت اور ہر جگہ رابطے کی سہولت کی فراہمی ناگزیر ہوتی ہے۔ بخشی ایک آپریٹس آن رکھ کر ان کی زیادہ تر باتیں سننے کی پوزیشن میں ہے۔ ان کے مذاکرات میں دخل انداز ہوئے بغیر وہ پل پل کی خبر رکھ سکتا ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں اس پہلو کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ اگر شیام' را کا کوئی تجربے کار ایجنٹ تھا تو وہ ایک حساس مگر ننھے سے لاسلکی آلے کے ذریعے کسی کو بھی اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس کا کراچی ہی میں کسی سے رابطہ ہو۔

"پھر بھی میں اسے چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد فیصلہ کن لہجے میں کہا "شیام بہت کچھ سن لینے کے بعد فرار ہوا تھا۔ اگر وہ لوگ کرشن کمار کی موت کے بعد بھی فعال ہیں تو شیام کے فرار کا نتیجہ کہیں نہ کہیں سامنے ضرور آئے گا۔"

"تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ نتیجہ زیادہ خوش گوار نہیں ہوگا۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"سب سے پہلے روی کی شامت آئے گی۔" میرے دل میں جنم لینے والا اندیشہ سلطان شاہ کی زبان پر آگیا "تم بتا چکے ہو کہ گفتگو کے آخری موڑ پر وہ کرشن کمار اور ہری چند کے انجام کے بارے میں اپنی خدمات گنوا رہا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے اقرار کیا "شیام نے گفتگو کا وہ آخری حصہ ضرور سنا ہوگا۔ اب روی کو محتاط رہنا پڑے گا۔"

ہم دونوں جہانگیر کے گھر سے خالی پیٹ لوٹے تھے۔ غزالہ نے کھانا لگایا۔ ویرا اور سلطان شاہ پہلے ہی اپنی شکم سیری کر چکے تھے۔ ہمارا ساتھ دینے کے لیے میز پر آ بیٹھے۔ آپس کی باتیں ایک دائرے میں گھومتی رہیں۔ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کہ شیام کہاں گیا ہوگا۔

اول خان رات بارہ بجے کے بعد ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا۔ وہ خاصا تھکا ہوا تھا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ اگر اس کی گاڑی میرے پاس نہ ہوتی تو شاید وہ موہن ہاؤس کے معاملات نمٹانے کے بعد سیدھا اپنے گھر روانہ ہوگیا ہوتا۔ روی نے اسے اپنی گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش کی تھی جسے اول خان نے نرمی سے مسترد کردیا۔ وہ ہمارے فون نمبر سے پہلے ہی واقف تھا' اول خان اسے گھر دکھا کر مزید کوئی الجھن مول لینے پر آمادہ نہیں تھا۔

موہن ہاؤس پہنچنے والی پولیس پارٹی کا سربراہ سمجھ دار اور نرم خو آدمی تھا۔ اول خان کو اسے یہ سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ جگدیش کی خودکشی ایک خالص گھریلو معاملہ تھا اور وہ گھرانا اپنی بعض مذموم سرگرمیوں کی وجہ سے اسپیشل ٹاسک فورس کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس کو زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔

جگدیش نے جن حالات میں خودکشی کی تھی ان کی بنا پر ماروتی اور جگدیش کی بیوہ کے درمیان خاصی تلخی تھی جو ایک مرحلے پر ہاتھا پائی تک پہنچ گئی مگر روی نے خاصی بردباری سے کام لیا۔ پولیس افسر رسمی کارروائی اور خانہ پری کے بعد آسانی سے اس پر آمادہ ہوگیا کہ مرنے والے کے پس ماندگان کی خواہش پر لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے۔

پولیس پارٹی کو گھر سے رخصت کرنے کے بعد اول خان روانہ ہوا تھا۔ روی اس کی مدد کے لیے تہ دل سے اس کا ممنون تھا۔

اول خان کو بھی شیام کے نکل جانے کا قلق تھا۔ اس نے انسپکٹر کے ساتھ دوسرے ملازمین سے خاصی بازپرس کی تھی جس کے نتائج میں اس سے زیادہ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اوپر والی منزل کے ایک حصے سے شیام کی چپلیں مل گئی تھیں لیکن اس کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ افراد خانہ اور ملازمین' شیام کی کسی غیر معمولی حرکت پر روشنی نہیں ڈال سکے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ وہ اپنے مالکوں اور ساتھیوں کے لیے ہمیشہ نہایت ہمدردانہ اور فرماں بردار ثابت ہوا تھا۔ اس کے اچانک غائب ہوجانے پر سب حیران تھے۔

اول خان زیادہ دیر تک رکنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن جب اسے شیام کے بارے میں ہمارے قائم کیے ہوئے نظریات کا علم ہوا تو اس نے پریقین لہجے میں کہا ”تم یہ سب باتیں کرتے ہوئے ہری چند کے اقبالی بیان کو بھول رہے ہو۔ اس نے صاف اور واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اندرون سندھ کرشن کمار کا اپنا کوئی گروہ نہیں تھا۔ وہ اپنا ہر کام مراد ظریف کی 'صحرا' نامی این جی او سے لیتا تھا۔ یہ سب کے تجربے کی بات ہے کہ کرشن کمار ہر قیمت پر مراد ظریف کو آزاد کرانے کے لیے بلبلایا ہوا تھا اور وہ اپنی اسی کوشش میں کیفر کردار تک پہنچا تھا۔“

اول خان نے ہری چند کے کہے ہوئے الفاظ دہرا کر پورا منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ اس بیان کی روشنی میں شیام کی روپوشی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ بننے کے بجائے ایک مدافعانہ اقدام میں بدل کر رہ گئی تھی۔

”پھر بھی اس کا تلاش کیا جانا ضروری ہے۔ کرشن کمار کا ہمدرد ہمارا دوست نہیں ہوسکتا۔“ میں کہا۔

”اس سے مجھے ذرا بھی اختلاف نہیں۔ اسے زندہ نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ اول خان بولا۔

”جاتے ہوئے اپنے دونوں تحفوں کو واپس لیتے جانا۔“ اول خان کو واپسی کے لیے پر تولتے دیکھ کر ویرا نے ہانک لگائی۔

”تحفے؟“ اول خان نے حیرت سے دہرایا ”میں نے تمہیں تحفے کب دیے تھے؟“

”میں ان دونوں کی بات کر رہی ہوں جو چھت پر مقیم ہیں۔ وہ اپنی زبان سے پانی تک نہیں مانگتے۔ ہر وقت ان کی ضروریات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔“ ویرا نے اپنے مذاق کی وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا ”کسی بھی وقت ذہن چوک گیا تو وہ بھوکے پیاسے رہ جائیں گے۔ ویسے بھی اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ مائیکرو سینٹر کی تباہی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ امریکی ہمارے اس ٹھکانے سے بے خبر ہیں۔“

اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں ”آج رات انہیں رہنے دو۔ کل میں انہیں واپس بلالوں گا۔“

”ان کی واپسی کی تجویز میری نہیں' ویرا کی تھی۔ میرے لیے ان کی موجودگی اطمینان کا باعث ہے۔“ میں نے دل کی بات کہہ دی۔

”بس تو پھر وہ یہیں ٹھیک ہیں۔ ان کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔“ اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اول خان واپس چلا گیا۔ رات گہری ہوچکی تھی۔ میں ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا۔ غزالہ میرا موڈ سمجھتی تھی۔ اس نے خاموشی سے

میری تقلید کی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔

شب خوابی کے لباسوں میں بستر پر دراز ہو کر ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر میری آنکھ لگ گئی۔

رات کے گہرے سناٹے میں کھٹاک کی ایک غیر معمولی آہنی آواز پر میری آنکھ کھل گئی اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اتر گیا۔ میرے حواس پر نیند پوری طرح غالب تھی۔ کوئی بات واضح طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکی مگر مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ میری آنکھ بلا سبب نہیں کھلی تھی۔ مجھے بستر سے اترے لمحہ بھر ہی گزرا تھا کہ پھر وہی آواز سنائی دی۔ اس بار مجھے باہر کی پر سکوت فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی دور ہوتی ہوئی آواز بھی آئی۔

اس مرتبہ مجھ سے اندازے کی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کھٹکے کی وہ آواز بے آواز رائفل سے ہونے والے فائر کا منطقی نتیجہ تھی۔

ہمیں اس نئے گھر میں آباد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں یکے بعد دیگر چند ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کی نگاہوں میں آگئے تھے۔ کرشن کمار کے براہ راست حملے اور پھر اس کے بھیجے ہوئے بھیلوں سے تصادم کے نتائج ایسے نہیں تھے جنہیں کسی گنجان آبادی میں معمول قرار دے کر نظر انداز کیا جا سکے۔ اس وجہ سے اول خان نے اپنے آدمیوں کو ایسی رائفلوں کے ساتھ بھیجا تھا جن کی نالوں پر سائلنسر چڑھے ہوئے تھے۔ سائلنسر دھماکے کا شور جذب کر لیتے ہیں مگر مشینی کھٹکے کی کرخت آواز کو تحلیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ دونوں آوازیں یقینی طور پر بے آواز رائفلوں کے فائر کی تھیں۔ دونوں فائروں کے درمیان بہت قلیل سا وقفہ تھا۔

میں مضطرب ہو کر خواب گاہ سے باہر نکل آیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ چھت پر کھلی فضا تھی مگر اس میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا کے ٹھہراؤ کی وجہ سے بوجھل بارودی دھواں بہت دھیرے دھیرے تحلیل ہو رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی اپنی رائفلیں سنبھالے دیوار کی اوٹ میں جھکے ہوئے تھے۔ ان کی عقابی نظریں باہر کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

میری آہٹ پا کر وہ دونوں چونکے، انہوں نے مجھے سلام کیا پھر ایک شخص میرے قریب آیا۔ "سوری سر!" اس نے دھیمی اور معذرت خواہانہ آواز میں کہا "ابھی ایک مشتبہ گاڑی کی رفتار کم ہوئی تھی۔ ہمیں دو فائر کرنا پڑے۔ ہم نے آدمیوں کے بجائے کار کی باڈی کو نشانہ بنایا تھا۔"

"کیا وہ گاڑی ہماری گھر کے سامنے رکتی نظر آ رہی تھی؟" میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یس سر! آثار کچھ ایسے ہی تھے۔ اسٹریٹ لیمپس کی دھندلائی روشنی میں، اس میں دو مسافر نظر آئے تھے۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ اس گاڑی کے رکنے کا انتظار کر لیا جاتا...؟ ہمیں علم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کون ہیں اور کس ارادے سے اس طرف آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بے ضرر شہری ہوں اور گاڑی میں کسی خرابی کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر وہ بھاگ گئے۔ اب ہمیں علم نہیں ہے کہ حقیقت کیا تھی۔" میں نے کسی ترشی کے بغیر سنجیدگی سے کہا۔

"گاڑی کی بریک لائٹس جلی تھیں۔" اس نے کسی ندامت کے بغیر جواب دیا "وہ یہاں رکنے کی دانستہ کوشش کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے سب سے پہلے یہی بات نوٹ کی تھی۔ گاڑی خراب ہوئی ہوتی تو وہ رکنے پر مجبور ہو جاتے، بھاگنے والی حرکت نہ کرتے۔"

ان دونوں نے گھبراہٹ میں غیر ارادی طور پر رائفلیں نہیں چلائی تھیں، سوچ سمجھ کر ایک قدم اٹھایا تھا مگر میں ان کے خیال سے متفق نہیں تھا۔ انہیں کچھ توقف کر کے یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آنے والوں کے کیا عزائم تھے۔"

"فائر کر کے انہیں بھگانے کے بجائے پکڑنے کی کوشش کی جاتی تو تمہیں زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔"

"نہیں۔" اپنی کارروائی کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف تھا "ہمیں چیف کی طرف سے ریڈ الرٹ کا حکم ملا ہوا ہے۔ مقابلے کا خطرہ مول لینے کے بجائے ہمیں ہر مشتبہ آدمی اور گاڑی کو آپ کے گھر سے دور رکھنا ہے۔ کوئی رینگتی ہوئی کار سے گھر پر دستی بم بھی پھینک سکتا ہے۔ ہمارے لیے کسی کی گرفتاری سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ آپ لوگوں اور آپ کے گھر کو ہر خطرے سے بچایا جائے۔"

"اوہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ چیف نے تمہیں ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں۔" مجھے اس کا پیش کیا ہوا جواز تسلیم کرنا پڑا "چیف کے حکم کی روشنی میں تمہارا فیصلہ بالکل درست اور بروقت تھا۔"

"شکریہ سر۔" اس نے مشینی لہجے میں کہا "ہم نے وہ گاڑی پہچان لی ہے۔ وہ لوگ دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم براہِ راست گاڑی پر فائر کریں گے اور انہیں زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لیں گے۔ آپ لوگ بالکل بے فکر ہو کر آرام کریں۔"

میرا چھت پر رکنا بے سود تھا۔ میری موجودگی کی وجہ سے دیکھ بھال کا بوجھ ایک آدمی پر آگیا تھا۔ دوسرا مجھ سے باتوں میں مصروف تھا اور مجھے نظر انداز کر کے اپنے کام پر دھیان نہیں دے سکتا تھا۔ میں خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔ اس

واقعے نے میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر الجھن پیدا کر دی تھی۔ ہمارے امریکی دشمن بہت طاقت ور اور جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ گزوں دور سے دستی لانچرز کے ذریعے راکٹ یا بم فائر کر کے مائیکرو سینٹر کو اڑا سکتے تھے تو ان کے لیے ہمارے گھر کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا بھی دشوار نہیں تھا۔ وہ نامعلوم کاران کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کسی برے ارادے سے آئے ہوتے تو دو گولیاں چلنے سے میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ ذرا سا خطرہ مول لے کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرتے۔

منزل کے اس قدر قریب آ کر بزدلی سے فرار ہونے والے ان سے کہیں کم تر لوگ تھے جب کہ ہم اپنے ایسے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھے۔ ہم ایک ایک کر کے اپنے کئی دشمنوں کا صفایا کر چکے تھے۔ ان میں سے صرف شیام ہماری گرفت سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا لیکن وہ ہمارے گھر سے واقف نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اس نے چند گھنٹوں میں ہمارے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہو۔

وہ واقعہ میرے ذہن پر اس بری طرح مسلط ہوا کہ میں بستر پر دراز ہونے کے باوجود دوبارہ سونے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کچھ دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد میں نے مسہری چھوڑ دی تاکہ میری بے چینی کی وجہ سے غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میری وہ کوشش زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہو سکی۔ وال کلاک کی سوئیاں صبح کے چار بجے سے آگے بڑھی ہی تھیں کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ گھنٹی کا شور اس وقت تک غزالہ کی نیند میں خلل انداز ہو چکا تھا۔ وہ بوکھلا کر بیدار ہوئی۔ خواب گاہ میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا تھا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دوسری طرف سے ایک سرد آواز میرے کانوں میں آئی اور میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں میجر بخشی کی آواز ہزاروں میں الگ سے پہچان سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا کہ ہمارے گھر کا فون نمبر میجر بخشی تک کیسے پہنچا۔ وہ نمبر ہم لوگوں کے سوا صرف روی اور ماروتی کے علم میں تھا۔

اس نے خود ہمارا نمبر ملایا تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس کی بات کون سن رہا تھا۔ اگر اسے نمبر کے ساتھ ہمارے بارے میں علم ہوتا تو اس کی گفتگو کا انداز خاصا مختلف ہوتا۔

میں نے فوری طور پر آواز بدل کر بولنے کا فیصلہ کیا اور پوچھا "تم کون بول رہے ہو اور کس سے بات کرنا چاہ رہے ہو؟ شاید تمہیں فون کرنے کے آداب سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔"

"مجھے اخلاق سکھانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ الو کی طرح شب بیداری کے عادی شخص کا نام کیا ہو سکتا ہے۔" اس کے لہجے کی سرد مہری برقرار تھی "مجھے اظہر یا مظہر سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔"

ہمارے گھر کے فون نمبر سے واقفیت کے اظہار کے بعد اس نے وہ دونوں نام لے کر واضح نشان دہی کر دی تھی کہ اس کی اطلاعات کس کی مرہون منت تھیں۔ ہمارے وہ فرضی نام اس وقت صرف روی اور ماروتی کو معلوم تھے۔ ماروتی جیسی بھی تھی، مجھے یقین تھا کہ میجر بخشی کی مخبر نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمارے خلاف روی نے ہی میجر بخشی کو اکسایا تھا۔

روی موہن کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد سب کچھ بہت پیچیدہ محسوس ہونے لگا۔ ایک طرف وہ مقامی قانون اور پولیس سے تحفظ کے لیے میری اور راول خان کی مدد کا خواہاں تھا اور دوسری طرف میجر بخشی جیسے سازشی سفارت کار کی کاسہ لیسی کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جگدیش کی خود کشی نے اس کے دماغ کی سلامتی کو براہِ راست متاثر کیا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے پھبتے ہوئے لہجے میں کہا "تم شاید روی کے کوئی گماشتے ہو!"

"روی!" میرے طنز پر اس کی آواز یکایک زہریلی ہو گئی "اس کا حشر بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گا۔ غداری کرنے والے کو سزا ملنی یوں بھی ضروری ہوتی ہے کہ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہو گی مگر اس سے پہلے شاید تمہاری باری آنے والی ہے۔ میرا ہاتھ کسی بھی وقت تمہارے گریبانوں تک پہنچ سکتا ہے۔"

میں نے اسے اپنی بات مکمل کرنے کا پورا موقع دیا۔ روی کے بارے میں اس کے لب و لہجے نے مجھے حیران کر دیا۔ میں نے جو کچھ کہا' روی کو اس کا ہمدرد اور ساتھی سمجھ کر کہا تھا مگر وہ میرے طنز کا الٹا مفہوم سمجھا تھا اور میری کہی ہوئی بات پر زیادہ غور کیے بغیر' روی کے خلاف اپنی نفرت کا بے ساختہ اظہار کر بیٹھا تھا۔ اگر وہ روی سے اسی قدر ناخوش تھا تو پھر اسے ہمارا فون نمبر کیسے ملا۔ میرے ذہن میں وہ بڑا سوالیہ نشان ابھر آیا۔

"کیا صبح کے چار بجے تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"تم دونوں شہر میں جو کچھ کرتے پھر رہے ہو' اس کا انجام بتائے بغیر تمہاری سمجھ میں آجانا چاہیے۔" میجر بخشی اسی زہریلے لہجے میں بول رہا تھا "چند روز پہلے تم روی کے

دشمن تھے۔ وہ تمہارے خوف سے گھر سے نکل بھاگا تھا۔ آج وہ تمہارا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔ دشمنی سے دوستی تک کا سفر طے کرنے کے لیے وہ تمہیں دو انسانی جانوں کی بھینٹ پیش کرچکا ہے۔ اب اس کی اور تمہاری باری ہے۔"

میرے ذہن میں خیالات کے بگولے مسلسل رقصاں تھے۔ اگر بخشی کو روی نے معلومات فراہم نہیں کی تھیں تو پھر وہ کام شیام کا ہو سکتا تھا۔ بخشی جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ روی کے گھر میں چھپا ہوا کوئی مخبر ہی جان سکتا تھا۔ شیام نے اپنے کانوں سے روی کے اعترافات سنے تھے' وہ ہماری اور جگدیش کی پہلی ملاقات کا شاید چشم دید گواہ تھا' اسے معلوم تھا کہ اس روز روی اپنے گھر سے بھاگ گیا تھا پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ روی لوٹ آیا اور اس مرتبہ ہم نے دوستانہ ماحول میں اس سے ملاقات کی۔ وہ سب ناقابل فہم تھا۔ شیام گھر کا بھیدی ہونے کی وجہ سے بہت کچھ جانتا تھا لیکن اسے ہمارے گھر کا نمبر معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ بخشی کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ روی سے بہت دور تھا۔ روی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

"ہماری باریاں طے کرنے کے ساتھ اپنا تعارف کرا دو تو تمہیں فوری طور پر کوئی مناسب جواب دیا جا سکتا ہے۔" میں نے اپنے ذہنی تحفظات کو گفتگو کے تسلسل میں حارج نہیں ہونے دیا اور اس سے اپنی بات جاری رکھی "یہ تمہاری بزدلی کا کھلا ثبوت ہے کہ تم فون پر کھو کھلی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ہماری دسترس سے دور ہو مگر پھر بھی اپنی شناخت چھپا رہے ہو۔"

"تمہیں مجھ کو پہچاننے کا موقع ضرور ملے گا مگر وہ تمہارا آخری وقت ہوگا۔ اس کے بعد تم زندہ نہیں رہوگے۔"

"تمہارا ایک طواف بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔" میں نے تھوڑی دیر پہلے نظر آنے والی مشتبہ کار کے حوالے سے ایک گول مول سی بات کہی "ہمت تھی تو بس ذرا سی دیر کے لیے رک جاتے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔"

"میں طواف کا قائل نہیں ہوں۔ پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو بڑھ کر دشمن پر صرف ایک ہی وار کرتا ہوں جو کاری ہوتا ہے۔"

وہ میرے سوال کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس کے جواب نے میرے شبہے کی تردید کر دی۔ اسے صرف ہمارے نام ملے تھے یا گھر کا فون نمبر۔ وہ اس کال کے ذریعے یہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ فون نمبر ہمارا ہی تھا۔

فون نمبر کے ذریعے پتا معلوم کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ شاید میجر بخشی کا یہی منصوبہ تھا۔ اس نے اپنا آخری فقرہ مکمل کر کے فون بند کر دیا۔

پاکستان میں را کے ایجنٹوں کی مسلسل ناکامیوں نے ان کے ہر ہمدرد کو پریشان کیا ہوا تھا۔ ان سے بالکل الگ تھلگ ہونے کے باوجود میجر بخشی حالات سے خود کو لاتعلق نہیں رکھ سکتا تھا۔ ہم لوگوں کے باہمی تبادلہ خیال میں پیش کیا جانے والا یہ نظریہ کہ میجر بخشی کا کرشن کمار کے نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں تھا' بالکل غلط ثابت ہو چکا تھا۔ وہ اپنی جگہ مضطرب اور پریشان تھا۔ ایک ایک کر کے' زنجیر کی ساری کڑیاں ٹوٹتی جا رہی تھیں۔ اسے جوں ہی یہ سراغ ملا کہ کرشن کمار کو اس کے انجام تک پہنچانے والوں تک رسائی ممکن ہے' وہ خود میدان میں کود پڑا۔

اس نے اپنی معلومات کی تصدیق کے لیے بہت بھونڈا اور روایتی طریقہ استعمال کیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ حالات سے بہت زیادہ پراگندہ خاطر ہو چکا تھا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بڑی حد تک ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح کرشن کمار کے قاتل یا قاتلوں کو مار کر اس کے خون کا بدلہ لے لیا جائے۔

اس وقت تک غزالہ نیند کے اثرات سے پوری طرح آزاد ہو چکی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ فون کال میجر بخشی کی تھی تو کئی ثانیوں تک وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں اپنی پلکیں جھپکاتی رہی۔ میری طرح اس کے لیے بھی وہ سوال پریشان کن تھا کہ بخشی کو ہمارا فون نمبر کس ذریعے سے ملا۔

ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر غور کیا۔ ایک دوسرے سے سوالات کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ باہر کے لوگوں میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے فون نمبر سے باخبر تھے۔ وہ نمبر جگدیش کے علم میں بھی تھا مگر وہ دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔

ہماری نیندیں اچاٹ ہو چکی تھیں۔ میجر بخشی کا فون آنے کے بعد یہ معلوم کرنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ اسے ہماری راہ پر کس نے ڈالا تھا۔ اگر وہ روی نہیں تھا تب بھی اسی سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب مل سکتا تھا۔

اس رات موہن ہاؤس کے مکین اپنی چھت کے نیچے جگدیش کی لاش لیے بیٹھے تھے۔ اس کی ارتھی اٹھنے اور پھر چتا جلائے جانے تک روی کا سونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے وقت کی پروا کیے بغیر موہن ہاؤس کا وہ فون نمبر ملا لیا جس پر ماروتی سے میرا رابطہ ہوتا رہا تھا۔

فون روی نے اٹھایا۔ اس کی آواز تھکی تھکی اور پژمردہ تھی۔ مجھے احساس تھا کہ جگدیش کی خودکشی پر اس گھرانے میں اٹھنے والے طوفان پر قابو پانا خاصا اعصاب شکن کام

تھا۔ روی جیسے خوش باش اور بے فکرے شخص کے لیے ان مسائل پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔

"اچھا ہوا تم جاگ رہے ہو۔ مجھے اس وقت شدت سے تمہاری ضرورت تھی۔" میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

"میں نے ابھی خواب آور دوا دے کر ماروتی کو سلایا ہے تاکہ وہ بے چاری کچھ آرام کرلے ورنہ اگلے کئی دن بڑی بے آرامی میں گزریں گے۔" اس کی آواز میں تازگی اور شگفتگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ وہ بے زاری کے عالم میں کہہ رہا تھا "ہمارے خاندان میں موت بھی شادی بیاہ سے کم نہیں ہوتی۔ میرپور خاص، عمرکوٹ، حیدرآباد اور دوسرے شہروں میں دوستوں اور رشتے داروں کو فون کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ میرپور خاص سے بچے کراچی آجائیں تو میرا بوجھ ذرا کم ہوگا۔"

"یہ آخری پریشانی ہے جو تمہیں برداشت کرنی ہوگی" میں نے اسے دلاسا دیا "اس کے بعد تم سکھ چین کی زندگی گزار سکو گے۔"

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھایا جی ایک دن یوں اچانک رخصت ہوجائیں گے۔ وہ زندگی بھر مجھے حیران کرتے رہے۔ مرتے مرتے بھی انہوں نے اپنی یہ ریت برقرار رکھی.... یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"اظہر نے ہمارا فون نمبر جگدیش کو دیا تھا۔ اس کے ذریعے یہ خاص نمبر تمہیں اور ماروتی کو معلوم ہوا تھا۔ ابھی ابھی انکشاف ہوا ہے کہ ہمارا فون نمبر ایک خطرناک دشمن تک بھی پہنچ چکا ہے۔ سچ سچ بتانا کہ ہمارا نمبر تم نے اور کس کو بتایا تھا۔"

"کسی کو نہیں۔ ہمیں تمہارا فون نمبر کسی اور کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمہارے دشمن نے تمہیں فون کیا ہے؟"

"دس پندرہ منٹ پہلے اس نے بہت سی دھمکیاں دی ہیں۔ میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ اسے فون نمبر کے ساتھ میرے اور اظہر کے نام بتائے گئے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم نے شنکر اور ہری چند کو مروانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"ارے باپ رے!" ریسیور پر روی کی بے ساختہ آواز ابھری "وہ تمہارا دشمن ہے تو پھر مجھے نہیں چھوڑے گا۔ یہ مجھے اسی نمک حرام، شیام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ کچھ باتیں وہ جانتا تھا۔ باقی اس نے چھپ کر سن لی ہوں گی۔"

"میں ہر بات مان سکتا ہوں۔ میرا ذہن بھی بار بار اسی کی طرف بھٹک رہا ہے۔ اسے ہر بات معلوم ہوسکتی ہے لیکن ہمارا فون نمبر اس تک کیسے پہنچا؟ یہ غلطی تم ہی کرسکتے تھے۔ تم اس سے انکار کررہے ہو۔ یہ ایک بات صاف ہوجائے تو گتھی سلجھ جاتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے یا کسی اور کو تمہارا فون نمبر نہیں دیا تھا۔ اگر وہ ہمارے گھر کی جاسوسی کررہا تھا اور میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو اسے بہت کچھ معلوم ہوچکا ہوگا۔ وہ چند ٹکوں کی خاطر یہ سب کچھ کسی اور بتاتا ہوگا اور اب میرے گھر سے بھاگ کر اسی کے پاس گیا ہوگا۔"

"مجھے اور کسی بات کی پروا نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے ہمارا فون نمبر کیسے معلوم کیا ہوگا" میں نے کہا۔

"بھایا جی کی ہتیا کے بعد میں نے اوپر آکر تمہارے گھر فون کیا تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد روی فون پر بتا رہا تھا "تم وہاں نہیں تھے۔ میں پیغام دے کر دوبارہ نیچے چلا گیا۔ اگر وہ حرامی کہیں آس پاس چھپا ہوا تھا تو اس نے میرے جانے کے بعد فون کا ایک بٹن دبایا ہوگا اور اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے کس نمبر پر بات کی تھی۔ دراصل میرے فون پر میموری موجود ہے۔ خاص بٹن دباتے ہی، ملایا ہوا آخری نمبر اسکرین پر آجاتا ہے۔"

"یہی ہوا ہے" میں اضطراری انداز میں بول پڑا۔ روی نے ایک مشکل ترین سوال کا جواب نہایت آسانی سے فراہم کردیا تھا۔

"شیام نے جو گھٹیا حرکت کی ہے اس کی وجہ سے اب تم خطرے میں پڑ گئے ہو۔ شاید میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔"

"ہم دونوں سے زیادہ خطرہ تم کو ہے" میں نے کسی مبالغے کے بغیر اسے آگاہ کیا "تمہیں جگدیش کی ارتھی کے ساتھ اپنے شمشان تک جانا ہوگا۔ اس جلوس میں بہت سے لوگ ہوں گے۔ ضروری نہیں کہ تم ہر ایک کو پہچانتے ہو۔ اس بھیڑ میں شامل ہوکر کوئی بھی تم کو مار سکتا ہے۔"

"یہ خطرہ سب سے سنگین ہے" اس نے میری تائید کی "اس کا مطلب ہے کہ بھایا جی کے پیچھے پیچھے میری روانگی بھی ہوسکتی ہے" وہ زندگی سے محبت کرنے والا اور زندہ رہنے کی آرزوؤں کو پروان چڑھانے والا آدمی تھا۔ خطرے کا ذکر آتے ہی گھبرا گیا۔

"شیام کا معاملہ صاف ہوجانے کے بعد ہم کوئی نہ کوئی پیش قدمی کریں گے۔ ہوسکتا کہ خطرہ ٹل ہی جائے" میں نے اسے دلاسا دیا "پھر بھی یہ ضروری ہے کہ تم چوکنا رہو۔ تمہیں ہر طرف سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم جتنی تیزی سے بات کی تہ تک پہنچتے ہو، میں اسی تیزی سے اپنے بچاؤ کے بارے میں سوچتا ہوں۔ بھایا جی تو مر

گئے۔ میرے شمشان جانے سے وہ زندہ نہیں ہوسکتے۔ ان کے چکر میں' میں مارا جاسکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ان کی ارتھی سے دور ہی رہوں تو میرے حق میں اچھا رہے گا۔"

"شاید وہ تمہارا اکلوتا بھائی تھا" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ساتھ نہ گئے تو سب تم پر لعن طعن کریں گے۔"

"میں سب کے منہ بند کرنے جانتا ہوں" اس کی آواز میں بہت موہوم سی مکارانہ شوخی عود کر آئی "بس میرپور خاص سے تینوں لڑکے گھر آجائیں' میں ڈراما کرکے گھر سے سیدھا اسپتال پہنچ جاؤں گا۔ سب سمجھیں گے کہ بھائی کی موت کے صدمے نے رنگ دکھایا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔"

اس کی تجویز لاجواب تھی۔ میں داد دیے بغیر نہ رہ سکا "تم بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ اسپتال والوں نے دیکھ بھال کرنے کے بعد تمہیں واپس روانہ نہ کردیا تو تم بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہوجاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے اپنے دشمن کا انجام دیکھ سکو گے۔"

"تم اس کی فکر ہی نہ کرو۔ شہر میں کئی ایسے اسپتال ہیں جو ہٹے کٹے آدمیوں کو بھی مایوس نہیں لوٹاتے۔ اپنے خالی کمروں کو آباد رکھنے کے لیے ہر ایک کو دو چار روز کے لیے اسپتال میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ بھایا جی کی بدنصیبی ہے کہ انہیں اکیلے شمشان جانا ہوگا۔ جب ان کا بڑا لڑکا ان کی چتا کو آگ لگائے گا تو میں اسے تسلی دینے کے لیے وہاں موجود نہیں ہوں گا۔ یہ سب مقدر کے فیصلے ہوتے ہیں جن پر ہمارا کوئی بس نہیں ہوتا۔"

"تم نے اپنے بچاؤ کی راہ سوچ لی۔ اب ہم یک سو ہوکر اپنے دشمن کے خلاف کوئی قدم اٹھاسکیں گے۔"

"یہ تو بتاؤ کہ میرا اور تمہارا اپنا دشمن کون ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ ہری چند کے بعد میدان صاف ہوجائے گا۔"

میں نے لحہ بھر کے لیے سوچا۔ روی ابتدا سے ہی قابلِ اعتماد ثابت ہوا تھا۔ آپس میں مفاہمت ہوجانے کے بعد اس نے کسی بھی مرحلے پر ہمیں دغا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس پر اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ میں نے کہا "اس کا نام میجر بخشی ہے اور وہ......"

"بس' بس۔ میں سمجھ گیا" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "وہ بہت رنگیلا بڈھا ہے۔ بھایا جی سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی ارتھی اٹھائے جانے پر وہ بھی ہمارے گھر آئے۔ تم اسے بہت آسانی سے گھیر لوگے۔"

روی کے اس انکشاف پر میرے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس سے ہونے والی گفتگو ذرا طویل ضرور ہوگئی تھی

مگر وہ میرے لیے توقع سے کہیں زیادہ سود مند ثابت ہورہی تھی۔ ایک طرف اس نے شیام کے کردار کے بارے میں ایک بڑا ابہام دور کردیا تھا۔ دوسری طرف وہ میجر بخشی کو گھیرنے کے ایک نادر موقع کی نشاندہی کررہا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کو چھپانے کی کوشش کیے بغیر کہا "تمہیں اسپتال میں ہی بخشی کے بارے میں کوئی اچھی خبر ملے گی۔ شاید تمہیں پنڈت منوہر لال اور اس کی بیٹی' موہنی پنڈت کے بارے میں معلوم ہوگا۔ بخشی نے پنڈت سے دوستی گانٹھی ہوئی تھی اور موہنی کے ساتھ عشق کررہا تھا......"

"ارے مظہر جی! رہنے دو۔ کیوں پرانے زخموں کو کریدتے ہو" روی نے ایک گہری سانس لے کر ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "اونچے طبقے کے سارے ہندو گھرانوں میں بہت گہرا میل جول ہے۔ پنڈت منوہر لال کا نصیب خراب تھا کہ وہ رستم ایرانی کے چکر میں پڑگیا ورنہ وہ آج کہیں اور ہوتا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بہت چالاکی سے اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہوا تھا۔ شہر کے آدھے رئیس زادے موہنی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے مگر وہ بہت بے لوث لڑکی تھی۔ میں نے کبھی اسے کوئی مہنگا تحفہ نہیں دیا پھر بھی وہ مہینے میں ایک دو دن میرے ساتھ ضرور گزارتی تھی۔"

ماضی کی یادیں زندہ ہوتے ہی روی کا لب ولہجہ بدل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے موہنی پنڈت کا نام سنتے ہی وہ اپنے بھایا جی کی خودکشی کو فراموش کربیٹھا ہو۔ میں نے اس سے کام کی باتیں اگلوالی تھیں۔ خرافات سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے نئے دشمن کے خلاف تیاری کا بہانہ کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

ذات پات اور برادری کے کڑے بندھنوں میں بندھے ہوئے باحیثیت گھرانوں کے باہمی مراسم کے بارے میں روی کا انکشاف زیادہ حیران کن نہیں تھا۔ کسی کے بتائے بغیر بھی وہ سب بہت واضح تھا۔ وہ آپس میں ملتے تھے' ایک دوسرے گہری دوستیاں جتاتے تھے اور موقع پاکر جڑیں کاٹنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ میجر بخشی ان تضادات کی سب سے زیادہ گھناؤنی مثال بن کر ابھرا تھا۔

پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت والے قصے میں' میں نے میجر بخشی کو انفرادی کج روی کی رعایت دے کر نظر انداز کردیا تھا۔ موہنی پنڈت ایک آزاد خیال ماڈل گرل تھی۔ اس کے باپ نے اپنی رنگ رلیوں کی وجہ سے اسے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ ایسے میں بخشی جیسے عمر رسیدہ شخص کا رال ٹپکانا کسی حد تک قابلِ فہم تھا مگر موہن برادران کے معاملے میں وہ بڑی حد تک ناقابلِ معافی نظر آرہا تھا۔

جگدیش موہن ایک روکھا پھیکا اور خشک مزاج آدمی تھا۔ بخشی سے اس کی دوستی تھی۔ بخشی کو یہ علم بھی رہا ہوگا کہ کرشن کمار، ہری چند کے ذریعے موہن برادران کے وسائل اور مراسم سے فیض اٹھا رہا ہے پھر بھی وہ شیام کے ذریعے اس گھرانے کی نگرانی کراتا رہا۔ میجر بخشی کے فون اور روی موہن کے انکشافات کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آچکی تھی کہ شیام کو کرشن کمار نے موہن ہاؤس میں ملازمت دلوائی تھی۔ شیام خدمت کی آڑ میں موہنوں کی جاسوسی کرتا تھا اور اپنی جمع کی ہوئی معلومات میجر بخشی کو فراہم کرتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شیام موہن ہاؤس سے فرار ہونے کے بعد میجر بخشی سے رجوع نہ کرتا۔

جب تک وہ کھیل حسب منشا چلتا رہا، میجر بخشی پس منظر میں دبکا اپنا کام کرتا رہا۔ جوں ہی بازی الٹی اور را کی بچھائی ہوئی بساط کے مہرے ایک ایک کرکے پٹتے چلے گئے، بخشی اپنے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔ اس کی خبر لینی ضروری ہوگئی تھی۔

میری اور غزالہ کی نیند ضرور خراب ہوئی تھی مگر اس کے صلے میں مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ گو صبح کے آثار نمودار ہونے والے مگر باہر اس وقت بھی اندھیرے کا راج تھا اور ہواؤں میں مسحور کن تازگی رچی ہوئی تھی۔ شدید ذہنی اور اعصابی دباؤ سے نجات پانے کے بعد جب میں دوبارہ بستر پر دراز ہوا تو کسی کوشش کے بغیر ہی نیند کی دیوی نے ذرا سی دیر میں مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

شاید میں دیر تک سوتا رہتا مگر دس بجے غزالہ نے مجھے نرمی سے بیدار کردیا۔ میرے چہرے پر کسل مندی اور نگاہوں میں ناپسندیدگی کی علامات دیکھ کر اس نے مجھے بتایا کہ اول خان خاصی دیر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ میرے لیے بستر چھوڑنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

غسل خانے میں پانی کی تیز دھاروں میں نہاتے ہوئے میرے سر پر میجر بخشی کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ بہت ڈرپوک اور محتاط آدمی تھا۔ اس کے دفتری اوقات میں اس تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ گھر پر بھی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کی بہترین راہ وہی تھی جو صبح سویرے روی موہن نے سجھائی تھی لیکن ضرورت کے مطابق اس میں کچھ ردوبدل ضروری تھا۔

بخشی نے مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے دوٹوک لہجے میں یہ جتادیا تھا کہ وہ میرے اور اظہر کے ساتھ روی کو بھی دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بنانے کا تہیہ کرچکا تھا۔ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا جب کہ میں نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد اپنے پروگرام کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ایک بار وہ ہماری گرفت میں آجاتا تو شیام تک پہنچنا مشکل نہ ہوتا۔

میرے ذہن میں نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ میجر بخشی روایات کی پاسداری میں جگدیش موہن کی آخری رسوم میں بس واجبی سی شرکت کرے گا۔ اس کی بہترین صورت یہ ہوتی کہ وہ ارتھی روانہ ہونے سے پہلے ہی موہن ہاؤس پہنچتا اور منافقانہ انداز میں جگدیش کے پس ماندگان سے تعزیت کرکے لوٹ جاتا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ روی نے خود کو بچانے کے لیے اسپتال میں پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے یہ بات اس وقت معلوم ہوتی جب وہ موہن ہاؤس پہنچ چکا ہوتا اور اہل خانہ میں روی موہن کو موجود نہ پاتا۔

وہ ارتھی کے ساتھ موہن ہاؤس سے شمشان تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لمبے دورانیے میں اس کے ساتھ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا۔ وہ اور روی، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خطرات بھانپ رہے تھے۔ روی کو بخشی سے براہ راست خطرہ تھا جب کہ بخشی اپنی محتاط طبیعت کا اسیر تھا۔ اگر وہ جلوس کے دوران میں روی کو مروانے کا ارادہ کرچکا تھا اس کے اسپتال پہنچنے کی خبر پانے کے بعد اسے وہ ارادہ ملتوی کرنا پڑجاتا۔ روی کو مہلت مل جاتی مگر میرے لیے وقت بہت کم رہ جاتا ہمیں میجر بخشی کے خلاف جو کچھ کرنا تھا، اس کے لوٹنے تک کرنا تھا۔

میں کپڑے تبدیل کرکے ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اول خان کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد اس نے مجھ سے رات والے واقعے کے بارے میں سوال کیا۔ اس بارے میں میری معلومات ناقص اور محدود تھیں۔ جو کچھ ہوا، اس کے عینی شاہد ایس ٹی ایف والے تھے۔ میں اوپر پہنچا تو دونوں رائفلیں خاموش تھیں اور مشتبہ کار کا دور دور تک کہیں کوئی نشان نہ تھا۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہوسکی تھی کہ شیام یا میجر بخشی نے ہمارے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وقت وہی ایسے دشمن تھے جو فون نمبر کے سہارے ہمارے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی حیرت اور خاموشی سے وہ سب سن رہا تھا۔

"شیام کے ساتھ بخشی کا نام کیسے آگیا؟" میرا جواب سن کر اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"رات اس نے فون کیا تھا" میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ سنبھل کر اپنی جگہ پر سیدھا ہوگیا۔ وہ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ اس سے بہت سے سوالات وابستہ تھے۔ اول خان پوچھتا رہا اور میں اسے بتاتا چلا گیا کہ میں نے کن معلومات اور اندازوں کی بنا پر ایک رائے قائم کی تھی۔

جب اول خان کو اس کے ہر سوال کا جواب مل گیا تو آخر میں پھر اپنے پہلے سوال پر آگیا "یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مشتبہ کار کس کی تھی؟ وہ کون لوگ تھے جو اس طرف آئے تھے؟"

"وہ کار الجھاوے پیدا کررہی ہے" میں نے ایمانداری سے کہا "فی الحال ہمیں اس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ تمہارے آدمیوں کی مخلصانہ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فون کرنے تک میجر بخشی کو یہ یقین نہیں تھا کہ شیام نے اسے کوئی اہم فون نمبر دیا ہے۔ فون کرنے کے بعد اسے صحیح اندازہ ہوسکا تھا جب کہ مشتبہ کار اس کا فون آنے سے پہلے دیکھی گئی تھی۔"

"میں کار کے بارے میں فکر مند تھا اور اسی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ تم ایک بالکل نئی کہانی لیے بیٹھے ہو" وہ بولا "ویرا اور سلطان شاہ ان باتوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا رات کو تم تنہا ہی جاگ رہے تھے؟"

"غزالہ بھی جاگ گئی تھی۔ ہم نے اس بارے میں تبادلہ خیال بھی کیا تھا" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"مگر اس نے مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔ سب بے خبر معلوم ہورہے ہیں" اول خان نے شکوہ کیا۔

"اس بے چاری کو باورچی خانے سے کب فرصت ملتی ہے" ویرا نے غزالہ کے لیے کلمہ حق بلند کیا "وہ اس وقت بھی ہم سب کے لیے ناشتا تیار کرنے میں مصروف ہے۔ فارغ ہوتی تو تمہیں کچھ بتاتی۔"

"حیرت ہے کہ رات کو یہ سب ہوگیا اور ہمیں بھنک تک نہیں ملی" سلطان شاہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"رات نہیں، وہ صبح کا اول وقت تھا۔ اصل اور گہری نیند کا غلبہ اسی وقت ہوتا ہے۔ تم دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "تم دونوں کو ہروقت دیکھ بھال کی ضرورت رہتی ہے۔"

"اب تم اس کار کو نظرانداز کرکے میجر بخشی سے بھڑ جانے کا فیصلہ کیے بیٹھے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہ میرا فیصلہ نہیں، مجبوری ہے۔ اب سارا کھیل پہل کرنے پر منحصر ہے۔ اسے وقت مل گیا تو وہ فون نمبر کے سہارے یہاں کا پتا معلوم کرکے کوئی بھی مہم جوئی کرگزرے گا۔ پہلے بھی ہم ایسے تلخ تجربات میں نقصان اٹھا چکے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"ایک طرف تم بھارت جانے کا قصد کیے بیٹھے ہو۔ دوسری طرف میجر بخشی سر اٹھا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تمہیں بھارتیوں سے بہت دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ اس وقت کی آویزش بھارت میں تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہے" اول خان نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"تم پھر وہی بات دہرا رہے ہو۔ صبح سویرے بخشی نے مجھے فون کیا تھا۔ میں نے اسے نہیں چھیڑا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اسے اور اس کی دھمکی کو نظرانداز کردو" ویرا بے ساختہ بولی "اول خان کی تشویش بالکل بجا ہے۔"

"بالکل نظرانداز کردو یہ یاد رکھنا کہ رات تک کرائے کے غنڈے یہاں یلغار کرکے سب کچھ تہس نہس کردیں گے" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا "میجر بخشی بزدل آدمی ہے۔ وہ خود سامنے نہیں آئے گا۔ دوسروں کے بل پر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے گا۔"

"وہ آئے تو ہم انہیں خاک اور خون میں نہلادیں گے" ویرا نے پرجوش لہجے میں کہا "ہم نہتے نہیں ہیں۔"

"محلے والے ہماری وجہ سے مزید کوئی خوں ریزی برداشت نہیں کریں گے" اس بار میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا "آنے والوں کو خون میں نہلانے کے بعد ہمیں بھی یہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔ یہ شرفا کی آبادی ہے، غنڈوں اور لڑاکوں کی بستی نہیں ہے۔"

اول خان توجہ اور خاموشی سے وہ بحث سن رہا تھا۔ اس نے دھیمے لہجے میں لب کشائی کی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دونوں طرف سے بات ٹل گئی ہے۔ جب تک بخشی کو لگام نہیں دی جاتی، خوں ریز تصادم کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔"

"تم اسے کس طرح لگام دوگے؟" ویرا اسی سے الجھ گئی "کیا اسے جان سے ماردوگے؟"

"یہ سوچنا پڑے گا" میں نے قدرے تشویش سے کہا "وہ سفارتی افسر ہے۔ پاکستان اور بھارت میں روز اول سے رقابت اور دشمنی چلی آرہی ہے۔ وہ لوگ کسی دلیل یا شہادت کو نہیں مانیں گے۔ جو کچھ بخشی کے ساتھ ہوگا وہی نئی دہلی میں کسی پاکستانی سفارت کار کے ساتھ ہوسکتا ہے۔"

"میرے ذہن میں بھی یہی سب اندیشے ہیں" اول خان نے میری تائید کی "میجر بخشی کے خوف سے ہم گھر چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتے۔"

"اس اعتبار سے امریکی بہت بہتر ہیں" سلطان شاہ نے زبان کھولی "یہاں ان کے متعدد آدمی مارے اور ذلیل کیے گئے ہیں لیکن اس کے جواب میں واشنگٹن یا نیویارک میں ہمارے کسی سفارتی افسر کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"امریکی اپنے ملک کا امن وامان برباد نہیں کرتے" ویرا

نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا "وہ اسی سرزمین پر انتقام لیتے ہیں جہاں واردات ہوتی ہے۔ کیا تم مائیکرو سینٹر کی تباہی اور اسلام آباد میں ہونے والے بم دھماکے میں چار افراد کی ہلاکت کو بھول گئے؟"

سلطان شاہ چیں بہ جبیں ہو کر رہ گیا۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس طرح امریکیوں کی رواداری اور عظمت کا پرچم بلند رہتا ہے اور بدلہ بھی لے لیا جاتا ہے۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے جو آدمی مارے یا پکڑے جاتے ہیں وہ کھلے سفارتی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں پھر بھی غنڈا گردی ہوتی ہے' بدلے لیے جاتے ہیں' دہشت گردی کر کے بے گناہ شہری مارے اور معذور کیے جاتے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا سوچ کر میجر بخشی کے خلاف پہل کرنے کی تجویز پیش کی تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"اسے پکڑ کر ذہنی طور پر مفلوج کیا جائے اور پھر چھوڑ دیا جائے" میں نے سفاکانہ انداز میں کہا "اس کا دماغ شیطانی کارخانہ ہے۔ اس کی تباہی ضروری ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ان کی جوابی کارروائی ہمارے کسی آدمی پر معمولی جسمانی تشدد تک محدود رہے گی۔"

"اسے کسی مسکن دوا کا ضرورت سے زیادہ ڈوز دینا چاہتے ہو؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کیمیائی تجزیے میں ایسی دوا پکڑی جائے گی۔ دماغ کے کسی نازک حصے پر ضرب ہی سب سے بہتر رہے گی۔"

"کیوں نہ اس بارے میں فون پر جلال سے مشورہ کر لیا جائے؟" اول خان نے دھیرے سے تجویز پیش کی۔

میرے دل میں جلال کے لیے بہت عزت تھی مگر اول خان کی تجویز پر میں چڑ کر برہمی سے بولا "وہ ہمارا اتالیق نہیں ہے کہ ہر بات میں اس سے مشورہ کیا جائے۔ تم کچھ نہیں کرنا چاہتے تو اس سے مشورہ کیے بغیر بھی انکار کر سکتے ہو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔"

اول خان چند ثانیوں کے لیے گنگ ہو کر رہ گیا پھر بولا "کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بتاؤ' کیا کرنا چاہتے ہو' تم جس طرح چاہو گے' اسی طرح کیا جائے گا۔ میں نے آج تک تمہارے بتائے ہوئے کسی کام سے منہ نہیں موڑا۔"

اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں طیش میں آکر اس کے ساتھ زیادتی کر گزرا تھا۔ میں نے اسے منانے کے لیے مفاہمانہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو کہ جلال کس ایجنسی کے لیے کام کرتا ہے۔ ان لوگوں کے اپنے ضابطے اور مجبوریاں ہیں۔ وہ ہمیں قانون کے دائرے سے باہر کوئی کام کرنے کا مشورہ نہیں دے گا۔ ہم نے اسے چھیڑا تو اخلاقی طور پر ہم اس کے مشورے کے پابند ہو کر رہ جائیں گے۔"

"کسی سے مشورہ لیا جائے تو پھر اس کا احترام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔" ویرا نے سہلاتے ہوئے میرا ساتھ دیا "وہ ہمارا قابلِ احترام دوست ہے۔ سب کچھ کر گزرنے کے بعد اسے بتا دیا جائے کہ کیا کچھ ہوا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی شکوہ کر لے گا مگر ہمیں روک نہیں سکے گا۔"

"میں امریکیوں کے چکر میں ایک مرتبہ تبادلے کی سزا بھگت چکا ہوں۔" اول خان نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے ہلکی سی تلخی سے جواب دیا "وہ بحری جہاز سے ممنوعہ ہتھیاروں کی ایک بھاری کھیپ ملک میں اسمگل کرنے کا کھلا کیس تھا۔ اس معاملے میں میرے باس پر اتنا شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ میرے اقدام کو حق بہ جانب سمجھنے کے باوجود میرا تبادلہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"وہ واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے مگر وہ حکومت کمزور تھی۔ امریکا سے گورے کلرک تک آکر یہاں کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ڈانٹ پھٹکار کر چلے جاتے تھے اور کسی میں دم مارنے کی جرائت نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔" میں نے بہت تحمل سے کہا۔

"اور ہمارے سامنے امریکی نہیں' بھارتی ہیں۔ ان کا کوئی اثر ورسوخ ہے نہ حمایت۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"بھارتیوں کے بارے میں یہ تمہاری بھول ہے۔" ویرا نے ٹانگ اڑائی "بھارتی براہِ راست بے بس ہیں لیکن درپردہ انہیں امریکا کی بھرپور تائید اور حمایت حاصل ہے۔ امریکی ان کی ہر بات پوری توجہ اور پسندیدگی کے ساتھ سنتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں اپنے مفاد کے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے۔"

غزالہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ٹرالی پر ناشتا سجا کر ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ اول خان نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے مجھے ایک مرتبہ پھر ٹوکا اور میں نے اسے میجر بخشی کے بارے میں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

○☆○

موہن ہاؤس کے باہر بھانت بھانت کے ماڈلز کی گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ موہن برادران کا میل جول کا حلقہ کتنا وسیع تھا۔ احاطے میں نصب پرشکوہ پھاٹک کا ایک در کھلا ہوا تھا۔ پورچ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر لوگوں کی خاصی تعداد براجمان تھی۔ بہت سے افراد باہر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سی گاڑیوں میں ڈرائیور وغیرہ بھی موجود تھے۔

اول خان نے پھاٹک سے آگے نکل کر گاڑی گھمائی اور ایسی جگہ پارک کردی کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے باہر نکلنے والے ہمیں نظر آتے رہیں۔ ہم دونوں کسی فکر کے بغیر اپنی گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ وہاں جو ماحول تھا' اس کی روشنی میں ہمیں کسی کی توجہ کا مرکز بننے کا اندیشہ نہیں تھا۔

اس مہم پر ہم دونوں کے آنے کا سبب یہ تھا کہ ہم ہی میجر بخشی کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اول خان اپنے پیشے کی ذمے داریوں کی بنا پر مشتبہ سفارت کاروں کی ذاتی طور پر دیکھ بھال کرتا تھا۔ میں کرنل جمال دستی کے روپ میں براہ راست میجر بخشی سے ملتا رہا تھا۔ ان دنوں وہ مجھے ایس ٹی ایف سے منحرف سمجھ کر مجھ پر ڈورے ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ وہ سلسلہ اس قدر طول پکڑ گیا تھا کہ اس سے گلوخلاصی کے لیے آخری ایام میں مجھے یہ کہانی تراشنی پڑی کہ مجھے ایس ٹی ایف میں مشتبہ قرار دے کر فارغ کردیا گیا تھا اور جبری طور پر مسقط روانہ ہونے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

اس دوران میں' میں نے دانستہ طور پر اپنے حلیے میں ایسی تبدیلیاں کرلی تھیں کہ میجر بخشی پہلی نظر میں مجھے کرنل جمال دستی کے طور پر ہرگز نہیں پہچان سکتا تھا۔ ہاں' میرے یاد دلانے پر وہ آواز' چال ڈھال اور انداز گفتگو سے فوراً سمجھ لیتا کہ اس کا کس سے پالا پڑا ہے۔

ہم نے گھر سے نکلنے سے پہلے یہ اطمینان کرلیا تھا کہ میجر بخشی "کسی کام" سے نکلا ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس روز بخشی کے لیے جگدیش موہن کی خودکشی پر اس کے پس ماندگان سے تعزیت سے زیادہ اہم کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہاں گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے دفتر فون کیا تو کسی خاتون نے جواب دیا۔ وہ خود فون پر نہیں تھا۔

میجر بخشی کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے اس خاتون نے میرا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا نام تلک رام تھا۔ میجر بخشی نے پچھلی رات یہ طے کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مل کر جگدیش موہن کے گھر جائے گا۔ اس اجنبی خاتون کے لیے میرا نام اور تعارف متاثر کن تھا۔ اس نے کسی وسوسے میں پڑے بغیر بتادیا کہ میجر بخشی اپنے گھر سے نکل کر سیدھا موہن ہاؤس گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اسے اپنے دفتر آنا تھا۔

وہ اطلاع ملتے ہی ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمیں ڈر تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے میجر بخشی وہاں سے روانہ ہوگیا تو وہ سنہری موقع ضائع ہوجائے گا۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت میجر بخشی کہاں موجود تھا۔

ہم دونوں اس کے انتظار میں موہن ہاؤس کے باہر اپنی گاڑی میں بیٹھے رہے۔ میں عجلت میں روانگی کے سبب صبح کا اخبار نہیں دیکھ سکا تھا لیکن راستے میں باتوں کے دوران میں اول خان نے میرے استفسار پر دو نکات واضح کردیے تھے۔

گھریلو اسباب کی بنا پر جگدیش موہن کی خودکشی کی خبر اخبار کے پہلے صفحے پر نمایاں انداز میں شائع کی گئی تھی اور پچھلے روز مقامی پولیس دن کے گیارہ بجے سے پہلے ہری چند کی اس مسخ شدہ لاش تک پہنچ گئی تھی جسے اول خان کے آدمیوں نے صبح سویرے شہر کے ایک غیر آباد ساحلی علاقے میں ڈال دیا تھا۔

پچھلی شام میں نے ہری چند بن کر میجر بخشی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوتی تو اس کا بھڑکنا یقینی تھا۔ وہ ایک فعال اور متحرک سفارت کار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے مفادات سے تعلق رکھنے والی ایسی تمام خبروں اور افواہوں سے باخبر رہتا ہوگا جو شہر میں جنم لیتی رہتی تھیں۔

"یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا خاصا صبر طلب کام ہے۔" میں نے اپنی آنکھوں پر جمے ہوئے دھوپ کے چشمے کو درست کرتے ہوئے کہا "ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اندر قدم رکھا تو موہن ہاؤس کے ملازمین ہمیں پہچان لیں گے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے۔"

"اس وقت انتظار کرنا ہی ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔ میں تمہیں کوئی خطرہ مول لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا "یہاں پہنچنے کے بعد مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارا منصوبہ خاصا مشکل اور بے لچک ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں اس کے اغوا میں کیا دشواری حائل ہوتی نظر آرہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے پاس بہت کم وقت ہوگا۔ پروگرام طے کرتے ہوئے ہم یہ بھول گئے کہ موہن ہاؤس سے بھارتی قونصلیٹ کا تقریباً سارا راستہ بہت پرہجوم اور بارونق ہے۔ کسی بھری پری سڑک سے ہم اسے نہیں لے جاسکیں گے۔"

اول خان کا وہ اندیشہ درست تھا۔ اولڈ کلفٹن کا وہ محدود رہائشی علاقہ ہی کچھ پرسکون اور ویران سا تھا۔ میجر بخشی وہاں سے نکل کر مین کلفٹن روڈ پر پہنچ جاتا تو وہاں سے فاطمہ جناح روڈ تک' کہیں کوئی ایسا سنسان مقام نہیں آتا تھا جہاں اسے گھیرا جاسکے۔

"ہمارے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد کہا "وہ ایک مرتبہ اپنے دفتر میں جاگھسا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملنا مشکل ہے۔ کسی بزدل حریف کو گھیرنا آسان نہیں ہوتا۔"

"دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" اول خان نے بے یقینی سے

کہا ”ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ گاڑی خود چلا رہا ہے یا ڈرائیور کے ساتھ یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر وہ ڈرائیور کے ساتھ ہے تو پھر ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ کوئی بھی چوک ہوئی تو ڈرائیور گاڑی نکال لے جائے گا۔“

میں نے اپنا اعتماد متزلزل ہوتا محسوس کیا اور ہلکی سی کھوکھلی ہنسی کے ساتھ کہا ”وہ عام طور پر خود ہی ڈرائیونگ کرتا ہے۔“

”بڑے افسران اپنے دفاتر میں آمدورفت کے لیے شوفر کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔“

ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ تقریباً بیس منٹ بعد موہن ہاؤس کے پھاٹک سے ہمیں میجر بخشی نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے اور وہ آنے والی بدنصیبی سے بالکل بے خبر، اطمینان سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔ وہ دن کا وقت تھا۔ سورج کی تیز روشنی میں دور ہی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ اپنے ایک قریبی دوست کی خودکشی پر میجر بخشی کے چہرے پر کوئی حزن وملال نہیں تھا۔

تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد وہ سڑک کے دوسرے پہلو پر پارک کی ہوئی ایک گاڑی کے پاس رک گیا۔

یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ رک کر چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کا قفل کھول رہا تھا۔ اس کے آس پاس کسی ڈرائیور کا سایہ تک نہیں تھا۔ اول خان کے ایک حوصلہ شکن اندیشے کی تردید ہوچکی تھی۔ میری دانست میں وہ ہمارے لیے نیک شگون تھا۔

میجر بخشی کی گاڑی کے حرکت میں آنے سے پہلے اول خان اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ جوں ہی بخشی کی کار قطار سے نکل کر آگے بڑھی، اول خان کی گاڑی بھی حرکت میں آگئی۔ بس گلی کے اختتام تک وہ ترتیب برقرار رہی۔ بخشی نے اپنی کار واپس گھمانے کے بجائے موڑ کاٹ کر دوسری سڑک سے واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے فیصلے کے نتیجے میں وہ آبادی کے اندرونی اور قدرے سنسان حصے میں آنکلا تھا۔ اول خان نے وہ سب پہلے ہی سوچا ہوا تھا۔ اس نے یکایک اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی اور موڑ پر بخشی کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

اس کی وہ حرکت بڑی حد تک اضطراری اور بے حد خطرناک تھی۔ اس وقت موڑ پر مخالف سمت سے کوئی گاڑی آنکلی ہوتی تو اس سے ہمارا آمنے سامنے کا زوردار تصادم ہونا یقینی تھا مگر وہ راستہ خالی تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ابتدائی فکر اور تشویش کے بعد ہمارے کام خود بہ خود آسان ہوتا جارہا ہو۔

وہ موڑ گھومنے کے بعد دل خوش کردینے والا منظر ہمارے سامنے تھا۔ داہنی طرف ایک چھوٹا سا خالی میدان تھا۔ بائیں طرف وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں کے احاطے کی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ بڑے مکانات پر مشتمل بیشتر آبادیوں کی طرح وہاں بھی سناٹے کا راج تھا جسے اس ماحول کے عادی شہری سکون کا نام دیتے ہیں۔ اول خان نے میدان صاف پاکر اپنی گاڑی کو اتنی تیزی سے بائیں طرف دبایا کہ میجر بخشی اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ایک ہلکے سے تصادم کو نہ ٹال سکا۔

اس کی کار کا بمپر کا داہنا حصہ ہماری گاڑی سے ٹکرایا تھا۔ اول خان نے بریک لگادیے۔ میجر بخشی اپنی کار کا انجن بند کرکے ہم دونوں کے ساتھ ہی اپنی کار سے نیچے آیا تھا۔ اس کی بھویں تنی ہوئی تھیں اور چہرے پر شدید برہمی کے آثار تھے۔

”تم بہت رف ڈرائیونگ کررہے تھے۔“ وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں بولا ”میں بروقت بریک نہ لگاتا تو یہ حادثہ سنگین ہوسکتا تھا۔“

اس کے مقابلے میں اول خان کی شخصیت مرعوب کن تھی اس لیے میجر بخشی اپنے غصے کا پوری طرح اظہار نہ کرسکا۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا جائزہ لیا اور بولا ”نقصان ہم دونوں کا ہوا ہے۔ غلطی میری نہیں، تمہاری ہے۔ تم نے پیچھے سے کار لڑائی ہے۔“

میجر بخشی کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے مگر اس کے بولنے سے پہلے میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی میں نگینے کی جگہ لگے ہوئے کیپسول کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا تھا۔ میں نے بخشی کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا ”بڑے میاں! زیادہ مت پھیلو۔ ہمارا نقصان پورا کرو ورنہ تھانے چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔“ میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر ہلکا سا زور ڈالا۔

کیپسول میں بھرا ہوا سریع الاثر سیال باریک سوئی کے ذریعے میجر بخشی کے جسم میں اتر گیا۔ اس نے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن اسے جواب دینے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کھڑے کھڑے تیورا گیا۔ میں نے پھرتی سے اسے اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا۔ اول خان نے دوسری طرف سے بخشی کی بغل میں ہاتھ دیا اور ہم نے آناً فاناً میں اس کے بے ہوش وجود کو اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست پر پہنچادیا۔

میں نے یہ بات پہلے نوٹ کرلی تھی کہ میجر بخشی کی کار کوئی سفارتی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ وہ پرائیویٹ نمبر والی کار

استعمال کر رہا تھا۔
"تم اس کی کار لے کر میرے پیچھے چلے آؤ۔" اول خان نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مجھے ہدایت دی۔
جب تک ہم انتظار کے تکلیف دہ مراحل سے گزر رہے تھے، وہ سب بہت مشکل نظر آرہا تھا۔ جب کارروائی کرنے کا وقت آیا تو سب کچھ اتنی سرعت اور روانی سے ہوتا چلا گیا جیسے وہ کسی ڈرامے کا پہلے سے لکھا ہوا منظر ہو اور ہر اداکار کو معلوم ہو کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میجر بخشی کو کسی بھی قسم کی مزاحمت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہماری دوسری خوش نصیبی یہ تھی کہ دور دور تک کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہماری اس کارروائی میں مخل ہوتا یا عینی شاہد بنتا۔
میں نے میجر بخشی کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، انجن اسٹارٹ کیا اور اول خان کے پیچھے روانہ ہوگیا۔
ہم دونوں گھر سے روانہ ہوئے تو سب ہمارے بارے میں فکر مند تھے۔ سوچنے کی حد تک بخشی کا اغوا بہت مشکل کام نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی چلاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی مدد سے موبائل فون پر گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی ویرا لائن پر آگئی۔
"تم کہاں اور کس حال میں ہو؟" میری آواز سنتے ہی ویرا نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔
"حال نہ پوچھو، بس یہ سمجھ لو کہ مرغا جال میں ہے اور اب ہم واپسی کا سفر طے کر رہے ہیں۔"
"واپسی میں دیر ہو تو فون پر رابطہ کرتے رہنا۔" ویرا نے تاکید کی پھر بتایا "تھوڑی دیر پہلے تمہارے لیے جلال کا فون آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ موبائل پر تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"
"اس وقت میں اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا "جب تک بخشی کا قصہ نہیں نمٹ جاتا، اس سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ اس کا دوبارہ فون آئے تو تم میری طرف سے بے خبری ظاہر کرنا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں مل سکوں گا۔"
"وہ تم سے بات کرنے کے لیے خاصا مضطرب تھا۔ تم سے رابطہ نہ ہوا تو وہ اول خان کو پکڑ لے گا۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"اس کی فکر نہ کرو۔ اسے میں سمجھا دوں گا بلکہ وہ خود بھی الگ تھلگ رہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"
"مجھے حیرت ہے کہ تم جلال کی طرف سے اچانک اتنے بھڑک گئے ہو۔ تم نے ایک قدم اٹھالیا ہے۔ اب وہ تمہیں کیا مشورہ دے سکتا ہے؟"
"اسے بھڑکنا نہیں کہتے۔ میں احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ بخشی سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں خود اس سے بات کرلوں گا۔"
ہم اولڈ کلفٹن سے نکل کر مصروف تر سڑکوں پر پہنچ رہے تھے۔ میں نے گفتگو مختصر کرکے فون بند کیا اور پھر اس کا سوئچ ہی آف کردیا کہ باہر سے آنے والی کوئی بھی فون کال میرے ایریٹس تک نہ پہنچ سکے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ جلال سے بات ہوئی تو وہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارے فیصلے سے اختلاف کرے گا۔
اول خان نے شہر کے وسط سے گزرنے کے بجائے ڈیفنس کا راستہ اختیار کیا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور دل ہی دل میں اس کی حاضر دماغی کو سراہ رہا تھا۔ اس سفر میں میجر بخشی کی کار میرے استعمال میں تھی۔ شہر کے قلب سے گزرنے میں یہ خطرہ تھا کہ بخشی کا کوئی دوست یا ساتھی اس کی گاڑی میں ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر خطرے کی بو سونگھ لیتا اور شہر میں قبل از وقت ہی وہ خبر پھیل جاتی۔ ایسی صورت میں ہم بخشی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کرسکتے تھے۔ اس واقعے کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ بخشی اور اس کی کار ایک ہی مقام سے بازیاب ہو تاکہ اس کے اغوا کی کسی کہانی میں جان نہ پڑ سکے۔
ڈیفنس، گورا قبرستان اور پھر شارع فیصل سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوگئے۔ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد اول خان اپنی گاڑی کو اس بلاک کی طرف لیتا چلا گیا جس میں اس کا دفتر واقع تھا۔ وہاں حامد اور اس کے چند ماتحتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اول خان نے ان کو بخشی کے بارے میں چند ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔
دفتر میں پہنچ کر میں نے اسے بتایا کہ جلال میری تلاش میں تھا مگر میں نے اس سے بچنے کے لیے اپنا موبائل فون بند کردیا تھا۔
"اب ہم بخشی پر ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ وہ ہم سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ ہم اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اسے آزاد کردیں گے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "تمہیں دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی مجبوریوں کے ساتھ وہ تمہارے طریقہ کار سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔"
"بخشی ہوش میں آجائے اور ہم اس کے تیوروں کا اندازہ لگالیں پھر میں جلال سے بھی بات کرلوں گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک نام باقی تھا۔ بخشی کے ذریعے ہمیں شیام کا سراغ لگانا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد کہانی کا وہ باب مکمل طور پر ختم

ہو جاتا۔

اول خان کے نوادرات کے ذخیرے سے دستیاب ہونے والی انگوٹھیوں کی کارکردگی میرے لیے آزمودہ تھی۔

ہم لوگ چائے نوشی سے فارغ ہوئے تھے کہ حامد نے دفتر میں آکر بخشی کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔ اول خان نے اٹھ کر دراز بند کی اور ہم اس کے دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرا خیال تھا کہ بھارتی فوج کے ریٹائرڈ میجر بخشی کو ایس ٹی ایف کی روایات کے مطابق کسی خالی کوٹھری میں بند کیا گیا ہوگا لیکن میں اندر داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی دفتر تھا۔ میز کے پیچھے پڑی ہوئی بڑی سی کرسی خالی تھی۔ میجر بخشی ملاقاتیوں والی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ایس ٹی ایف کے دو سیاہ پوش اہل کار مسلّط تھے جن سے وہ نالاں نظر آرہا تھا۔

اس نے ہمیں بہت غور سے دیکھا۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں خوف اور تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

اول خان اس پر کوئی خاص توجہ دیے بغیر گھومنے والی کرسی پر جا بیٹھا۔ میں نے پہلو میں پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی تاکہ کسی حد تک بخشی کے چہرے کا جائزہ لیتا رہوں۔ وہ میز کے ایک سرے پر اول خان کے روبہ رو موجود تھا۔ حامد دونوں ماتحتوں کے ساتھ دیوار کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بخشی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کچھ ضروری مذاکرات کرنے تھے۔" اول خان نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر خشک لہجے میں کہا "تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میجر بخشی نے بے بسی سے اپنے اردگرد نظریں دوڑائیں پھر کہا "یہ کوئی سرکاری دفتر معلوم ہوتا ہے۔ شاید تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ میں تمہارے ملک میں مہمان سفارت کار ہوں۔ مجھے ویانا کنونشن کے تحت یہاں بہت سے تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں۔ تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ مجھ سے کوئی شکایت ہے تو میرے سفارت خانے سے رجوع کرو اور مجھے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے نکال دو۔ اس سے آگے تمہاری ہر حرکت غیر قانونی ہوگی۔"

"تمہیں قانون پڑھانے کے لیے نہیں لایا گیا۔" اول خان کا اشارہ پاکر میں نے سخت لہجے میں کہا "تمہیں اگر قانون کی ابجد سے بھی واقفیت ہے تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شرفا کو فون پر قتل و خوں ریزی کی دھمکیاں دینا کس قدر سنگین جرم ہے۔"

"میں نے کسی کو کوئی دھمکی نہیں دی۔" اس نے ہڑبڑاتے ہوئے، مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"میرا نام مظہر ہے۔" میرے وہ الفاظ اس کے اعصاب کے لیے بم ثابت ہوئے۔ وہ کرسی میں یوں اچھلا جیسے اچانک کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "آج صبح سویرے تم نے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔ ان کے جواب میں تم اس وقت یہاں نظر آرہے ہو۔ یہ اظہر ہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اول خان کی طرف اشارہ کیا "چاہو گے تو روی بھی یہاں آجائے گا۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" اس نے اپنے نچلے ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "میں کسی اظہر یا مظہر کو نہیں جانتا۔ روی میرے مرنے والے دوست کا بھائی ہے مگر مجھے اس سے بھی کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں کسی کو فون پر کیوں دھمکیاں دوں گا؟"

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا تھا مگر تمہاری آواز پہچان لی گئی تھی۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور ٹہلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔ گفتگو شروع ہونے کے بعد اس کا خوف دھیرے دھیرے دہشت میں تبدیل ہو رہا تھا۔

میں اس کے سامنے کھڑا، چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر یکایک میرا داہنا ہاتھ گردش میں آیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ بھرپور طمانچہ اس کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ اپنا توازن کھو کر کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔

طمانچہ کھا کر اس کے منہ سے چند مہمل آوازیں نکلی تھیں پھر وہ پھٹ پڑا "یہ ظلم اور زیادتی ہے۔ تم مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔۔۔"

"شٹ اپ!" میں نے دہاڑ کر اسے ڈانٹا پھر اس کی قمیص کا کالر کھینچ کر اسے فرش سے اٹھنے میں مدد دی۔ پہلی مار کھا کر اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا اور کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔ مظہر نہیں ہو۔" وہ خوف زدہ آواز میں ہکلایا "تمہاری آواز بدلی ہوئی اور کچھ جانی پہچانی سی ہے۔"

"ہاں!" میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹی "اب تمہارا دماغ صحیح سمت میں چل رہا ہے۔ صبح میں نے تمہاری آواز پہچان کر اپنی آواز بدل لی تھی۔ ذہن پر تھوڑا سا زور دو گے تو تمہیں ریٹائرڈ کرنل جمال دستی یاد آجائے گا۔ تمہیں آخر دنوں میں اس پر شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ ڈبل ایجنٹ ہے۔ تم اور اوبرائن اسے گھیرنا چاہ رہے تھے۔ وہ تم سے کھیل رہا تھا۔ وہ سب میرے ہی روپ تھے۔"

میری باتیں سن کر، اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ میرے خاموش ہونے پر اس کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی، سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی "تم ڈینی ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ میرے شبہات روزِ اول ہی سے درست تھے۔"

"اب تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تم کہاں ہو۔ یہ کوئی سرکاری دفتر نہیں ہے۔ یہ کمرا تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے ایک لمبا اور گہرا سانس لینے کے بعد تھکی تھکی آواز میں پوچھا۔

"تھوڑا سا تعاون!" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ہمیں معلوم ہے کہ تم بڈھے ہو۔ آوارگیوں کی وجہ سے تمہاری ہڈیوں کا گودا بہت کم رہ گیا ہے۔ ہم تم پر تشدد نہیں کرنا چاہتے۔ بولتے رہو گے تو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اڑنے یا مکاری دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا حشر کرشن کمار اور ہری چند سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ ہم تمہیں سسکا سسکا کر مار ڈالیں گے۔"

"تمہارے تیور خراب ہیں۔" وہ اپنے بائیں رخسار کو سہلاتے ہوئے بولا "تم نے مجھے بتایا ہے کہ تم ہی ڈینی ہو۔ یہ تمہاری نیت کی خرابی کی نشانیاں ہیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ میں کچھ بھی کرلوں، تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

میں نے اسے پوری بات کہہ لینے کا موقع دیا پھر زبان کھولی "ایسا نہیں ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم نے ہٹ دھرمی نہ دکھائی تو تم زندہ رہو گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ ہم خاموشی سے تمہیں آزاد کردیں گے۔"

"میں کیسے مان لوں؟ تم آج تک صرف اس وجہ سے زندہ ہو کہ تمہاری کوئی تصویر ریکارڈ پر نہیں ہے۔ کوئی تمہیں دیکھ کر ڈینی کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتا۔ تم ایسے آدمی کو کیوں زندہ چھوڑو گے جو تمہیں پہچاننے کے قابل ہو چکا ہو۔"

"یہ پرامن بقائے باہمی کا سودا ہوگا۔" اس کے اٹھائے ہوئے مضبوط نکتے پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تم مجھے بھولے رہو گے، میں تمہیں نظرانداز کرتا رہوں گا۔ جس دن تم نے میرے خلاف زبان کھولی، موت کہیں نہ کہیں سے تم پر ٹوٹ پڑے گی۔"

"تمہارے لیے میں دشمن ہوں... دشمنوں میں بھی شاید ایک نمبر دشمن۔ میں تمہارے قبضے میں آیا ہوا ہوں۔ تمہیں میری زندگی سے کیا محبت ہو سکتی ہے۔ تم مجھے کیوں زندہ رہنے دو گے؟ تم کیوں مجھے فریب دینے کی کوشش کر رہے ہو؟"

وہ بدکا ہوا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے یہ یقین دلانا ضروری ہو گیا تھا کہ میں اسے زندہ رکھنے کے بارے میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یکایک میرے ذہن میں جلال کے فلسفے نے سر ابھارا اور میری زبان خود بہ خود چل پڑی۔

"تم ہمارے گلے کی ہڈی ہو۔" میں نے کہا "تمہیں نگلا جا سکتا ہے نہ اگلا جا سکتا ہے۔"

وہ خاموش اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری طرف سے مزید وضاحت کا منتظر ہو۔ میں نے دل ہی دل میں اس خبیث کو ایک بھاری سی گالی دے کر اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا "اس بات کو یوں سمجھ لو کہ تم کتنے ہی بدمعاش اور موذی سہی، یہاں اپنے ملک کے ایک اہم سفارتی افسر ہو۔ تمہیں مار دیا گیا تو نئی دہلی میں اس کا ردِ عمل ہوگا۔ تمہاری برادری کے لوگ تمہارے رتبے کے کسی پاکستانی افسر کو مار ڈالیں گے۔ یہ سودا بہت مہنگا ہوگا۔ یہ خطرہ ہم مول لے سکتے ہیں اور نہ نئی دہلی والے ایسی کوئی حماقت کریں گے۔ آپس کی دیرینہ دشمنی کے باوجود یہ خوف دونوں کے سفارتی عملے میں چھپے ہوئے سرکاری جاسوسوں اور مخبروں کی زندگی کا ضامن ہے۔ اب تمہیں یقین آجانا چاہیے کہ تم زندہ رہو گے۔"

"تم بہت خوں خوار اور درندہ صفت دشمن ہو۔ تمہاری شہرت خراب ہے۔ دشمن ہاتھ آجائے تو تم اسے بے رحمی سے ادھیڑ ڈالتے ہو۔ تمہاری زبان سے زندگی کی یہ سب یقین دہانیاں عجیب محسوس ہو رہی ہیں۔" وہ میری طرف سے شدید بے اعتمادی میں مبتلا تھا۔

"میں اتنا سفّاک نہیں ہوں۔ تمہیں مارنا ہوتا تو میں اسی وقت تمہارا خاتمہ کر دیتا جب میں جمال دستی بن کر تمہارے بہت قریب ہو گیا تھا۔ جس خوف نے اس وقت مجھے تمہارے خون سے دور رکھا وہی اندیشہ اب بھی تمہاری زندگی کا ضامن ہے۔"

اس کا دہانہ خشک ہو رہا تھا اس نے تھوک نگل کر بولنے کی کوشش کی تو اس کے الفاظ کا تلفظ بگڑا ہوا تھا "تم پر اعتبار کرنا مشکل ہے پھر بھی تم پوچھ لو۔ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"مجھے آدمی کے بدلے آدمی چاہیے۔ شیام کہاں چھپا ہوا ہے؟" میں نے براہِ راست سوال کیا۔

"تو کیا تم میرے بجائے اسے مارنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو؟" اس نے میرے سوال پر چونک کر پوچھا۔

"تمہیں اپنی زندگی کے سوا کسی اور چیز سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے سرد مہری سے کہا "شیام یہاں کوئی سفارتی افسر نہیں ہے۔ وہ یہاں کا شہری ہے۔ اس نے

کوئی غداری کی ہے تو اس کو سزا ملنی ضروری ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ملے گا۔"

"اس نے کسی سے غداری نہیں کی۔ وہ سب آپس کی باتیں تھیں۔ کرشن کو ہمیشہ سے دھڑکا رہتا ہے کہ روی کسی بھی وقت اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتا ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے اس نے شیام کو موہن ہاؤس میں ڈالا ہوا تھا۔ کرشن کمار کا وہ ڈر بالکل صحیح تھا۔ شیام نے خبر دی ہے کہ اسے روی نے ہی تمہارے ہاتھوں مروایا تھا۔ اس نے کرشن کمار کے ساتھ اپنے سالے سے بھی بے وفائی کی۔۔۔"

"آپس کی ان باتوں سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ وہ ایسی ذاتی باتیں تم تک کیوں پہنچاتا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ماروتی کے لچھن اچھے نہیں ہیں مگر وہ کرشن کمار کو منہ نہیں لگاتی تھی۔ میں نے جب بھی اس سے قریب ہونے کی کوشش کی' اس نے مجھے انکل کہہ کر میرے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔ اس خوب صورت ناگن کی وجہ سے میں نے کرشن کمار کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کسی کو اس گھر کی نگرانی پر لگا دے۔ اس نے شیام کو وہاں بھیج دیا۔ وہ اپنی خبریں مجھے دیتا تھا۔ میں کرشن کمار سے بات کر لیا کرتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اور کرشن کمار کے درمیان گہرے مراسم تھے؟" میں نے طنز سے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو کہ جب سیکرٹ ایجنٹ اپنے ملک سے باہر رہ کر ایک ساتھ کام کرتے ہیں تو ان کے درمیان کیسی گہری دوستیاں ہو جاتی ہیں۔" اس نے اس مرتبہ کھلے دل سے جواب دیا "یہ دوستیاں عمر بھر کام آتی ہیں۔ کبھی کبھی لے ڈوبتی ہیں۔" "کرشن کمار یہاں اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہمارا تعلق ماروتی اور شیام سے آگے کچھ نہیں تھا۔"

"تم کرشن کمار سے لاتعلق تھے تو وہ یہاں کس کی ہدایات پر کام کر رہا تھا؟"

"اس سوال کا جواب وہی دے سکتا تھا۔ میں نے کبھی اس کی ٹوہ لینے کی کوشش نہیں کی۔" بخشی کا بایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر ایک مرتبہ پھر وہ رخسار سہلانے میں مصروف ہو گیا جو طمانچے کی زد میں آیا تھا۔

"تم انل بسواس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے توقف کے درمیان سگریٹ سلگانے کے بعد اچانک پوچھ لیا۔

اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تیر رہی تھی "تمہارے دشمن تم سے بلاوجہ خائف نہیں رہتے۔ تم بہت باخبر معلوم ہوتے ہو۔ وہ انڈین سیکرٹ سروس کا ایک سینیئر افسر ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

"کیا تمہیں بھی معلوم نہیں کہ کرشن کمار اسی کے لیے کام کر رہا تھا؟" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر ترش ہو گیا۔

"مجھے انل بسواس کی صحیح پوسٹنگ کا علم نہیں ہے۔ اگر وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے تو پھر کرشن کمار اسی کو جواب دہ ہو گا۔" وہ وہی بات کہہ رہا تھا جو جلال نے مجھے پورے وثوق سے بتائی تھی۔

انل بسواس کے بارے میں بخشی کے آخری جواب سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی مزاحمتی قوت دم توڑ چکی تھی۔ بس وہ اپنی پیشہ ورانہ فطرت سے مجبور ہو کر ہر جواب میں آڑ موڑ سے کام لے رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے زیادہ آس اس نکتے سے بندھی تھی کہ میں نے جمال دستی کے روپ میں اس سے بہت قریب ہوتے ہوئے اس کی جان لینے کی کوشش نہیں کی تھی تو اصل روپ میں سامنے آنے کے بعد بھی میں اس کی جان کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اپنی زندگی کی وہ ضمانت مل جانے کے بعد بخشی مجھ سے پوری طرح تعاون کر رہا تھا۔

بخشی جن دنوں کراچی میں پیش آنے والے واقعات میں پوری طرح ملوث تھا' میں نے اس وقت اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر لی تھی۔ اس کے مقابلے میں وہ ان دنوں تقریباً گوشہ نشین تھا۔ وہ اپنی کسی نئی سرگرمی کے نتیجے میں سزا کا مستحق نہیں تھا۔ میں اس سے پوچھ گچھ کر کے اسے چھوڑ دیتا تو میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ ہوتا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ میری قید میں رہتے ہوئے جو وعدے کرتا' آزادی مل جانے کے بعد انہیں سرے سے فراموش کر دیتا اور اپنے تجربات کو را کے ریکارڈ کا ایک حصہ بنوا دیتا۔ اس کی ایسی کوئی حرکت مستقبل میں ہمارے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔

"باتوں کے جال میں تم نے میرے ایک سوال کو ابھی تک الجھایا ہوا ہے۔" میں نے اس سے ہونے والی ساری گفتگو کو اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "میرے ہر سوال کا جواب دیے بغیر تم آزادی حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کرشن کمار کے مشن کے بارے میں مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔"

"مشن خفیہ ہوتے ہیں۔" کرشن کمار کا ذکر نکل آنے پر میں نے وہی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "لیکن قریبی لوگ بھانپ لیتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے۔ تم نے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں اپنی کوئی رائے ضرور قائم کی ہو گی۔"

"بھارت میں آباد ہندو ہی نہیں، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اب اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ دو قومی نظریہ غلط تھا۔ اس کی بنیاد پر خون کے دریا بہا کر برصغیر کو تقسیم کرنا اس سے بھی بڑی غلطی تھی۔ یہ زمین ہمیشہ سے ایک تھی اور اسے ایک ہی رہنا چاہیے۔ یہاں بھیجے جانے والے ہر خفیہ مشن کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے۔ مقصد حاصل کرنے کے طریقے حکومتوں کے آنے جانے سے بدلتے رہتے ہیں۔" اس نے رک رک کر کہا۔

"یہ اکھنڈ بھارت کا پرانا نعرہ ہے۔ اس کے ذریعے ہندو پورے علاقے پر اپنا راج قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔" اول خان نے کہا۔

"برصغیر ہمیشہ سے غیر مسلم اکثریت کا علاقہ رہا ہے۔" اس نے اپنے الفاظ کی حمایت میں وہ زہریلا مواد اگلنا شروع کردیا جو نہ جانے کب سے اس کے ذہن میں پک رہا تھا "چھوٹے موٹے رجواڑوں کو چھوڑ کر محمود غزنوی سے بہادر شاہ ظفر تک، مسلمانوں نے اس خطے پر راج کیا۔ یہ راج اکثریت کے بل پر نہیں ملا تھا۔ آج بھی وہی حکومت کرتا ہے جو طاقت ور ہوتا ہے۔ طاقت کی پوجا برصغیر کے رہنے والوں کے خمیر اور مزاج میں شامل ہے۔ بھارت ایک تھا، اسے ایک ہی رہنا چاہیے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس پر کون حکومت کرتا ہے۔ جس میں طاقت اور صلاحیت ہوگی وہی اکھنڈ بھارت کو چلائے گا۔ جب باہر سے آنے والے مٹھی بھر مسلمان صدیوں حکومت کرگئے تو اکھنڈ بھارت میں بسنے والے کروڑوں مسلمان دوبارہ اپنے بزرگوں کے وارث کیوں نہیں بن سکتے؟"

"تم اکھنڈ بھارت بنا کر خاموشی سے مسلمانوں کی بالادستی قبول کرلو گے؟" اول خان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"تم برا نہ مناؤ تو مجھے کہنے دو کہ تم جیسے تنگ نظر سب کچھ گڈمڈ کردیتے ہیں۔ اکھنڈ بھارت کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اسلام اسی خطے کا مذہب ہے۔ یہ باہر سے آیا اور پھر یہاں پھیلتا چلا گیا مگر یہاں بسنے والے سارے مسلمان بغداد اور مدینے سے نہیں آئے۔ وہ پرانے زمانوں سے یہاں بسے ہوئے آریاؤں، دراوڑوں اور دوسری قوموں کی اولادیں ہیں جنہوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا اور بڑوں کے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئے۔ یہ سلسلہ دس بیس پشتوں سے یوں ہی چلا آرہا ہے۔ کبھی کسی نے مذہب کی بنا پر زمین کی تقسیم کا نعرہ نہیں لگایا تھا۔۔۔"

"اپنی یہ بکواس بند کرو" اول خان نے غصے میں اس کی بات کاٹ دی "تمہاری یہ رٹی رٹائی تقریر سادہ لوح دیہاتیوں کو گمراہ کرسکتی ہے۔ ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تم لوگوں نے حقائق کو اسی طرح مسخ کیا ہوا ہے۔"

"تم نے چھیڑا ہے تو پھر مجھے اپنی بات پوری کرنے دو" میجر بخشی نے ڈھٹائی سے اصرار کیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہماری اصل لڑائی صرف پاکستان سے ہے۔ جب امریکا میں مسلمان رہتے ہیں، چین میں رہتے ہیں تو اکھنڈ بھارت میں بھی رہ سکتے ہیں۔"

"دو قومیں اور دو ملک" اول خان نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو پوری طاقت سے فضا میں لہرا کر کہا۔

"یہ غلط ہے۔ ملک قوموں سے نہیں بنا کرتے۔ مسلمان ایک قوم ہیں تو پھر بنگلہ دیش کیوں بنا؟ تم ایران، افغانستان اور عراق سے کیوں نہیں مل جاتے۔ یہاں سے ترکی اور پھر افریقہ کے ساحل تک سب ہی مسلمان ہیں۔ انہیں ملا کر ایک ملک کیوں نہیں بنا دیتے؟"

"اب تم نے اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہارا جبڑا توڑ دوں گا" اول خان کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے مکا تان کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"ایک جبڑا ڈینی نے ہلایا ہے، دوسرا تم توڑ دو۔ میں بھارتی ہوں۔ تم میری آواز کو کچل سکتے ہو۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ ہر ایک یہی سوال کرتا نظر آئے گا۔ تم کس کس کے جبڑے توڑو گے؟ مخالف کی بات سننے اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے کا حوصلہ پیدا کیے بغیر تم کچھ نہیں کرسکتے۔"

"اسکالر بننے کی کوشش مت کرو" میں نے بخشی کو ڈانٹا "ہم تمہارے نظریات سننے کے لیے تمہیں یہاں نہیں لائے۔ تم سے جو پوچھا جارہا ہے، اس کا جواب دو۔ زیادہ بڑھ بڑھ کر بولو گے تو میں بھی تم پر ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

"شاید تمہاری پوچھ گچھ ختم ہوچکی ہے۔ اب مجھے جانے کی اجازت دے دو۔ میں نے یہاں آتے ہوئے دیکھا ہے کہ میری گاڑی باہر موجود ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ شیام کہاں روپوش ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہو" میجر بخشی نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اس کا قصور اتنا زیادہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں لی مارکیٹ کے گلزار ہوٹل میں مل جائے گا۔ روی کے گھر سے بھاگ کر وہ سیدھا وہیں پہنچا تھا۔ وہ ہوٹل میں اپنے اصل نام سے ہی ٹھہرا ہوا ہے۔"

"ہوٹل کا پتا اور فون نمبر کیا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس نے خود مجھے فون کیا تھا۔ میرے لیے وہ کبھی بھی اتنا اہم نہیں رہا کہ میں

اس کی نقل و حرکت سے ہر وقت باخبر رہنے کی کوشش کروں۔ وہ کوئی سستا، رہائشی ہوٹل ہوگا۔ آسانی سے مل جائے گا۔"

"اب شاید بخشی کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اسے بخش دینا چاہئے!" میں نے اول خان سے کہا۔

"کسی احتیاط کی ضرورت نہیں" اول خان دیوار کے قریب کھڑے ہوئے حامد سے مخاطب ہو کر بولا "بلکہ بہت احتیاط سے بخشی کو یوں سلا دو کہ اسے ہمیشہ کے لیے یادِ ماضی سے نجات مل جائے۔ وہ اب اس کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔"

"کک... کیا کہہ رہے ہو تم؟" میجر بخشی بوکھلا کر مدافعانہ انداز میں اپنی کرسی سے اٹھ گیا "تم مجھے نہیں مار سکتے۔ ڈیڈی نے مجھ سے معافی کا وعدہ کیا تھا۔"

"خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ تمہیں بے ہوش کر کے کہیں پہنچا دیں گے۔"

"اب بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت ہے!" وہ گھبرایا ہوا تھا "مجھے معلوم ہے کہ میں اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی اڈے پر ہوں۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ خاموشی سے اپنی گاڑی میں گھر لوٹ جاؤں گا۔"

"یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا" اول خان نے بے رخی سے کہا "ایس ٹی ایف کے اس اڈے کا محلِ وقوع بہت اہم ہے۔"

اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حامد اور اس کے دو ساتھیوں نے میجر بخشی کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ اس نے وحشت زدہ آوازوں میں چیخنا چلانا اور مچلنا شروع کر دیا۔ اس کا مقابلہ تین صحت مند اور توانا جوانوں سے تھا۔ اس کی ایک نہ چل سکی اور وہ تینوں اسے اٹھا کر اس کمرے سے نکل گئے۔ اول خان نے بھی کرسی چھوڑ دی اور ہم دونوں وہاں سے نکل کر اس کے دفتر میں آ گئے۔

"تم نے حامد کو سمجھا دیا تھا کہ بخشی کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟" میں نے اول خان سے تصدیق چاہی۔

"اسے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اب یادِ ماضی کا کوڈ استعمال کر کے اسے یاد دہانی کرا دی ہے۔ وہ مارشل آرٹس میں مہارت رکھتا ہے۔ تربیت کے دوران میں انہیں بتایا جاتا ہے کہ کھیل میں اپنے حریف کے سر کے کن حصوں پر ضرب لگانے سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسی ضرب سے یادداشت ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

"یہ کوئی یقینی طریقہ نہیں ہے" میں نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی تو مشق بے سود ثابت ہوگی۔"

"میں اس امکان سے غافل نہیں ہوں" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کی بے ہوشی زیادہ طویل نہیں ہوگی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ ہوش میں آئے گا تو اندازہ ہو جائے گا کہ ضرب کس حد تک کارگر رہی ہے۔ اطمینان کیے بغیر ہم اسے آزاد نہیں کریں گے۔"

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔ ہمارے پورے منصوبے میں یہ کارروائی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے میں نے فون اپنی طرف سرکا لیا اور گولڈن فارمیسی کا نمبر ملایا۔ اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ جہانگیر اپنی دکان پر پہنچ چکا ہوگا۔ اس نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تمہاری آواز بہت تر و تازہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صبح ٹھنڈے پانی سے نہا کر دکان پر آئے ہو؟" میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ... بہت اچھا ہوا کہ تم نے فون کر لیا۔ میں پریشان تھا کہ اب تم سے کیسے رابطہ ہوگا؟"

"کیوں؟ کیا سلمیٰ نے تمہارے فون کرنے پر کوئی پابندی لگا دی ہے؟" میں نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"وہ بے چاری کیا پابندی لگائے گی، دراصل ہماری فون نمبروں والی ڈائری گم ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے میں رات کو فون نہیں کر سکا۔ یوں سمجھ لو کہ ہم تمہارے گھر سے بہت مشکل سے زندہ بچ کر لوٹے ہیں۔ میری گاڑی میں دو سوراخ ہو چکے ہیں۔ وہ گولیاں ہمارے سروں میں بھی پیوست ہو سکتی تھیں۔"

جہانگیر کے اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا "اتنی رات گئے تم ہمارے گھر کے پاس کیا کرنے آئے تھے؟"

"یوں سمجھ لو کہ شامت نے دھکا دیا تھا۔ تم دونوں کھانا چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ سلمیٰ نے بار بار افسوس کیا تو میری کھوپڑی سنک گئی۔ تھوڑی سی ترنگ بھی تھی۔ ہم دونوں کھانا لے کر تمہارے گھر پہنچے تھے مگر وہاں رکنے سے پہلے ہی ہماری گاڑی پر دو بے آواز فائر ہوئے اور ہم بوکھلا کر بھاگ نکلے۔"

"اوہ! تو وہ تمہاری گاڑی تھی" میں نے دانت پیس کر کہا "ہم سب پریشان ہیں کہ ہمارے گھر کے پاس مشتبہ گاڑی کیا کر رہی تھی۔ وہ کسی شریف آدمی کے گھر کھانا پہنچانے کا کون سا وقت تھا...؟ کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم دونوں کو رات فاقے سے گزارنی پڑی ہوگی۔"

"بس نشے کی جھونک میں کچھ زیادہ ہی ہمدردی ابھر آئی تھی" وہ میرے غصے کا برا منائے بغیر بولا "سلمیٰ نے بھی مجھے روکنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ میں ہر وقت

تمہارے دروازے پر دستک دے سکتا ہوں۔ میں چل پڑا‘ یہ بتاؤ کہ وہ فائر کس نے کیے تھے؟“

”آئندہ بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ آج کل ہماری چھت پر دو بے خطا نشانہ لگانے والے پہرے داری کرتے ہیں۔ انہوں نے گاڑی کا ہی نشانہ لیا تھا۔ تم کو زد میں لے لیتے تو ذرا سوچو کہ کیا ہوا ہوتا؟“

”چھوڑو یار! میرے تو رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ اب کان پکڑتا ہوں کہ رات میں کبھی تمہاری طرف نہیں آؤں گا۔“

اول خان حیرت سے منہ پھاڑے میری یک طرفہ گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اسے بتایا کہ رات گئے بلکہ صبح سویرے نظر آنے والی مشتبہ کار میں جہانگیر ہمارے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ وہ بات سن کر اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ یہ غنیمت ہوا تھا کہ اس کے مامور کیے ہوئے پہرے داروں کے نشانے سچے تھے۔ ان سے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو ایک المناک سانحہ رونما ہو سکتا تھا۔

”اب زیادہ ڈھنڈورا نہ پیٹو اور پہلے اپنا نمبر لکھوا دو“ ریسیور میں جہانگیر کی خفت آمیز آواز ابھری۔

میں نے اپنے گھر کا نمبر دہراتے ہوئے کہا ”نمبر نوٹ کر لو مگر میں اس وقت گھر پر نہیں ہوں۔ کہیں اور سے بول رہا ہوں۔ میں نے ایک ضروری کام سے تمہیں فون کیا تھا۔ پتا نہیں تم وہ کام کر بھی سکو گے یا رہ جاؤ گے۔ اب تم کو کوئی ذمّے داری سونپنے سے پہلے کئی بار سوچنا پڑے گا۔“

”رات کی اور بات ہوتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ نشہ زیادہ ہو جائے تو عقل چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دن میں‘ میں بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ مجھ سے زیادہ نخرے نہ کرو اور کام بتاؤ۔ کوئی ڈھنگ کا کام ہوا تو میں اسی وقت کر گزروں گا“ وہ جوش میں آکر رکے بغیر بولتا چلا گیا۔

”تھوڑی دیر کے لیے تمہیں اپنی دکان سے اٹھ کر جانا ہو گا“ میں نے اس پر واضح کیا۔

”پہیلیاں نہ بجھواؤ‘ کام بتاؤ۔ ضرورت ہوئی تو میں تھوڑی دیر کے لیے دکان پر تالا بھی ڈال سکتا ہوں۔ دونوں ملازموں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“

”اپنے ساتھ جلوس لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں“ میں نے اسے ڈانٹ دیا ”لی مارکیٹ تمہاری دکان سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں گلزار ہوٹل پہنچ کر تمہیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ وہاں شیام نامی شخص کس کمرے میں مقیم ہے۔“

”یہ تو کوئی کام ہی نہ ہوا۔ میں دس منٹ میں دیکھ آتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ گلزار ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔“

”شیام کو معلوم نہ ہو سکے کہ تم اس کے بارے میں کچھ پوچھنے آئے تھے“ میں نے اسے تاکید کی۔

فون پر جہانگیر کے ہنسنے کی آواز ابھری ”میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اسی سے پوچھنے پہنچ جاؤں۔ چھوٹے ہوٹل کے کسی بیرے کے لیے پچاس روپے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ مجھے اس کا کھایا پیا تک معلوم ہو جائے گا۔“ اس نے مجھے یقین دلایا۔

”بس پھر ابھی نکل جاؤ۔ میں پندرہ منٹ بعد تمہیں فون کروں گا۔ ہوٹل تمہاری دکان کے آس پاس ہی ہونا چاہیے۔“

میں نے فون بند ہی کیا تھا کہ اول خان بول پڑا ”تم نے جہانگیر کو بلاوجہ ہی ملوث کر لیا۔ مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے۔“

”تم اس کے ماضی سے لاعلم ہو اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ ایسے معاملات میں وہ ویرا اور سلطان شاہ کے کان کتر سکتا ہے۔“

”وہ لی مارکیٹ میں ہی بیٹھا ہوا ہے۔ شیام کا پتا چلا لے گا اور وقت بچ جائے گا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے تو میں ابھی کسی کو وہاں روانہ کیے دیتا ہوں۔ اسے ہوٹل سے نکال کر خاموشی سے یہاں پہنچا دیا جائے گا۔“

”پھر جہانگیر کی تصدیق کا انتظار نہ کرو۔ کسی کو بھیج دو“ میں نے اضطراری لہجے میں کہا ”وہ کمرے میں نہ ہوا تو کسی نہ کسی وقت وہیں لوٹے گا۔ تمہارا آدمی ہوٹل کے آس پاس رک کر اس کا انتظار کر سکتا ہے۔ ہمیں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔“

حامد مصروف تھا۔ میجر بخشی کے قصہ نمٹے بغیر اسے کسی اور کام میں الجھانا مناسب نہیں تھا۔ اول خان نے گھنٹی بجا کر اپنے اردلی کو طلب کیا اور اس کے ذریعے ستار نامی کسی ماتحت کو دفتر میں بلوا لیا۔ ایس ٹی ایف کے بیشتر اہل کاروں کی طرح ستار بھی مضبوط بدن کا مالک تھا۔ اس کی کنپٹیوں پر نمودار ہونے والی‘ بالوں کی سفیدی اس کی ڈھلتی ہوئی عمر کی چغلی کھا رہی تھی ورنہ وہ اپنی صحت کے اعتبار سے جوان نظر آ رہا تھا۔ اس نے دروازے سے اندر گھستے ہی اول خان کو فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور پھر اس کی میز کے سامنے پہنچ کر مودب انداز میں رک گیا۔

”لی مارکیٹ کے گلزار ہوٹل میں شیام نامی ایک شخص مقیم ہے“ اول خان نے مختصر اور نپے تلے الفاظ میں اسے بتایا ”خاموشی سے اسے اٹھا کر یہاں لانا ہے۔ ایم ٹی سیکشن والوں سے ڈرائیور سمیت گاڑی لے کر ابھی روانہ ہو جاؤ۔“

"یس سر!" اس نے ایڑیاں بجا کر کہا پھر پوچھا "سر! مار پیٹ، توڑ پھوڑ کے لیے کوئی حکم؟"

"ضرورت کے تحت سب جائز ہوگا۔ ایریٔس ساتھ لے لینا تاکہ دیر ہونے کی صورت میں ریڈیو روم کو اطلاع دے سکو۔"

وہ ایڑیاں بجا کر پلٹا اور اول خان کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ میری نگاہیں دروازے تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی زندگی بھی بہت عجیب اور قابلِ رشک تھی۔ وہ ویرانوں میں زندگی گزارتے تھے۔ گھربار اور بال بچوں سے دور رہ کر دن رات خطرات سے کھیلتے رہتے تھے۔ ان کے نزدیک فرض ہی زندگی تھی اور فرض ہی تفریح۔ کرنے کو کچھ نہ ہو تو ان کے لیے ڈیوٹی کے اوقات مقرر تھے جن میں وہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے کیمپ کی مختصر سی دنیا کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور کام نکل آتا تھا تو دن، رات یا موسم کی پروا کیے بغیر وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔

"جہانگیر کا گلزار ہوٹل جانا ضروری نہیں تھا لیکن اس بہانے اس سے تمہاری بات ہوگئی" اول خان کہہ رہا تھا۔

"اس احمق نے بہت بڑا عقدہ حل کردیا۔ وہ مشتبہ کار رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھی" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس وقت تم اسے فون نہ کرتے تو شاید یہ الجھن کئی دنوں تک برقرار رہتی۔ پتا نہیں اس کی گم شدہ فون ڈائری کب ملتی ہے۔ خوف کی وجہ سے وہ تمہارے گھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں خاموشی سے تیر کر آنے والی گولیاں بڑے بڑے سورما کا پِتّا پانی کرسکتی ہیں۔"

"نشے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی کے ذہن پر جو دھن سوار ہوجائے وہ اسے پورا کرکے رہتا ہے۔ سلمٰی نے اسے خیال دلایا کہ ہم اس کے گھر سے بھوکے واپس گئے ہیں اور وہ وقت کی پروا کیے بغیر دو بھوکوں کو کھانا پہنچانے پر تل گیا۔"

"بھوکے!" اول خان ہنس دیا "وہ سمجھ رہا ہوگا کہ روئے زمین پر تم دونوں کا اس رات کا رزق اسی کے گھر میں اتارا گیا ہے۔ شراب کی ان خوبیوں اور خامیوں پر تم ہی روشنی ڈال سکتے ہو۔ میں نے کبھی چکھی اور نہ میں نشے کے اثرات سے واقف ہوں۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ نشہ بھنگی کو بادشاہ اور بادشاہ کو بھنگی بنا سکتا ہے۔ اس سے بچنا ہی سب سے بہتر ہے۔"

وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ اول خان کا اردلی اس کی عادات سے واقف تھا۔ اپنے افسر کو فرصت میں دیکھ کر وہ دوبارہ چائے لے آیا تھا۔ چائے پیتے ہوئے اول خان کو جلال کا خیال آگیا۔ ہماری توقعات کے برعکس اس نے اول خان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد حامد نے دفتر میں آکر اطلاع دی کہ میجر بخشی کے سر کے عقبی حصے پر لگائی جانے والی ضرب کارگر ثابت ہوئی تھی۔ اس کی یادداشت ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ اول خان نے اپنا دفتر چھوڑنے کے بجائے بخشی کو حامد کے ساتھ وہیں بلوالیا۔

"بعض اوقات یادداشت عارضی طور پر ناکارہ ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ بحال ہوجاتی ہے۔ میں نے ان دونوں کے پہنچنے سے پہلے اندیشہ ظاہر کیا "دیکھنا ہوگا کہ حامد کا وار کتنا کامیاب رہا ہے۔"

میجر بخشی دفتر میں داخل ہوا تو اس کے چہرے سے ساری بشاشت رخصت ہوچکی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، آنکھیں بالکل ویران نظر آرہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں لاتعلقانہ انداز میں یوں حرکت کررہی تھیں جیسے اجنبی چیزوں کو دیکھ رہی ہوں۔

"میجر بخشی!" اول خان نے آزمانے کے لیے اسے پکارا۔ وہ چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوا اور بڑھتا چلا آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اول خان نے اسے ہدایت دی "اور یہ بتاؤ کہ تم اپنے دفتر کے بجائے یہاں کیا کررہے ہو؟"

"مجھے نہیں پتا۔ کچھ یاد نہیں آرہا کہ دفتر کہاں ہے اور میں کہاں ہوں، تم کون ہو؟" اس نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

"تمہیں اپنا نام معلوم ہے؟" اول خان نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرکے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں۔ مگر کچھ اور یاد نہیں آرہا" اس کی آنکھوں میں زندگی کی ہلکی سی رمق نظر آئی۔ وہ اپنی بھوؤں پر زور دے کر تیوریوں میں بل ڈال ڈال کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ وہ تھک کر جھنجلا گیا۔ اس کی آنکھیں بے رونق ہوگئیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے بے اختیار اپنی کنپٹیاں بھینچ لیں "ا بھگوان! ہر طرف اندھیرا اور سناٹا ہے۔ کچھ یاد نہیں آتا میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے، اسے توڑ دو۔"

وہ کسی گہری اذیت میں مبتلا تھا۔ اس کے اوپری ہونٹ کی جلد اور پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔

"تم روی، جگدیش، انل بسواس، کرشن کمار، ہری چ اور شیام میں سے کس کس کو جانتے ہو؟" اول خان کی آو گونجی۔

"چپ رہو۔۔۔ اب چپ رہو۔ اجنبی نام میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے ہیں، مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

اول خان کی نگاہوں میں، اس کے لیے رحم کا جذبہ عود کر آیا "اسے لے جاؤ" اس نے حامد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اور بے ہوش کر کے اس کی گاڑی سمیت کسی پتھریلے ساحل پر چھوڑ آؤ۔ گاڑی دور ہو اور یہ پتھروں پر پڑا ہوا ہو۔ سمجھنے والے سب کچھ سمجھ لیں گے مگر دوسروں کو یہ معلوم ہوگا کہ ویران ساحل کی سیر کرتے ہوئے بخشی پتھروں پر گرا اور سر پر چوٹ آنے سے بے ہوش ہو گیا۔"

"اوکے سر!" حامد نے کہا اور بخشی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کرسی سے اٹھا لیا۔ اس کے لب خاموش تھے مگر اس کی آنکھیں کربناک انداز میں نیم وا تھیں۔ حامد اسے دھیرے دھیرے باہر لے گیا۔

"بظاہر حامد کامیاب رہا ہے" میں نے خوش ہو کر کہا "اب یہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکے گا۔"

"اس کا قصہ نمٹ گیا۔ تم جلال سے کب بات کرو گے؟" اول خان نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

میں نے جیب سے موبائل فون نکال کر اس کا پاور سوئچ آن کر دیا اور کہا "اس کا فون نہ آیا تو میں گھر سے بات کروں گا۔" میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ جلال نے اس وقت تک اول خان سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اول خان کی لاعلمی میں مجھ سے کسی موضوع پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ایسی صورت میں اسٹیشن فور سے اسے فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

اول خان اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا تھا۔ میجر بخشی کو حامد کے حوالے کیا جا چکا تھا۔ ستار، شیام کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ دفتر سے اٹھ گیا۔ اسی لمحے مجھے یاد آیا کہ جہانگیر ہوٹل سے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میری کال کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے چلتے چلتے، اول خان کے فون پر اس کا نمبر ملا لیا۔

وہ اپنی دکان پر موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد شیام اپنے ضروری کاموں کے لیے صرف دو تین بار تھوڑی دیر کے لیے ہوٹل سے نکلا تھا ورنہ مسلسل اپنے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ ناشتا اور کھانا بھی اس نے کمرے میں ہی منگوایا تھا۔

میں نے اسے بہت معمولی سا کام سونپا تھا جسے اس نے خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ برسوں پر محیط، ایک طویل وقفے کے بعد ایسا کام کرنے میں جہانگیر کو ایسا لطف آیا تھا، وہ شیام کے بارے میں مزید بہت کچھ کر گزرنے پر آمادہ تھا۔

میں چند فقروں میں اسے ٹال کر اول خان کے ساتھ دفتر سے نکل آیا۔ باہر میجر بخشی کی گاڑی کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ حامد چند منٹ کے اندر ہی اسے لے کر اسٹیشن فور سے روانہ ہو چکا تھا۔ ان لوگوں میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے میں کسی قدر تاخیر ہو سکتی تھی۔ فیصلوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں پوری فورس بہت زیادہ مستعد تھی۔ چند ثانیوں بعد ہم بھی واپسی کا سفر طے کر رہے تھے۔

ہماری گاڑی اسٹیشن فور اور چھاؤنی کی حدود سے کچھ ہی دور نکلی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔ میں نے بٹن دبا کر کال ریسیو کی تو لائن پر جلال موجود تھا "تم کہاں غائب ہو؟" اس نے میری آواز سنتے ہی شکوہ کیا "اپنے گھر پر موجود نہیں ہو اور موبائل شاید بند کیا ہوا تھا۔ یہ میری پانچویں کال ہے۔ ہر بار ریکارڈنگ سنائی دے رہی تھی۔"

"بس، ایک چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ موبائل واقعی بند تھا۔ تمہاری طرف خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"خیریت ہی ہے۔ میں اپنی بات بعد میں سناؤں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کس چکر میں مصروف تھے۔"

"میجر بخشی ہمارے گلے پڑ گیا تھا۔ اس کا قصہ نمٹا رہا تھا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا تھا۔ مجھے جواب دیتے ہوئے یہ اندازہ تھا کہ جلال میری زبان سے میجر بخشی کا نام سنتے ہی اچھل پڑے گا۔

"وہ کیسے گلے پڑ گیا؟" جلال کی آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی "میں نے تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"ہم اسے بھولے ہوئے تھے مگر اس نے آج صبح فون کر کے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔"

"میری مس ویرا لائیڈ سے بات ہوئی تھی۔ اس نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"تم نے بخشی کا ذکر کیا ہوتا تو وہ کچھ بتاتی۔ تم نے میرے بارے میں دریافت کر کے فون بند کر دیا تھا۔ اگر تمہیں میرے بیان پر یقین نہیں ہے تو تم اول خان سے اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ وہ پورے واقعات سے باخبر ہے۔"

"مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ہم جدھر سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں، وہیں پھنس جاتے ہیں" اس کی آواز میں بے چارگی جھلکنے لگی "مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ میں اپنے آدمیوں کے تحفظ کے لیے ایسے ہر تصادم سے بچتا ہوں۔ تم نے بخشی سے زیادہ چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی؟"

"ہم چپ سادھ لیتے تو ہمارا [illegible] آتا۔ ہم

اس کی یادداشت صاف کرکے آرہے ہیں۔"

"اوہ..... یہ برا ہوا۔ اب دیکھ لینا، نئی دہلی سے جلد ہی ایسی کوئی خبر آجائے گی۔"

وہ اس واقعے کا پوراپس منظر جانے بغیر نتائج پر چھلانگیں لگا رہا تھا۔ میں نے اسے تحمل سے پوری تفصیل سننے کا مشورہ دے کر اپنی کہانی شروع کردی۔ وہ درمیان میں ضمنی سوالات بھی کرتا رہا۔ جن کے نتیجے میں وہ موضوع خاصا طول پکڑ گیا۔ جب میں اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوا تو وہ اس بات سے متفق ہوچکا تھا کہ ان حالات میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

"یہ ناگزیر خطرہ تھا جو تمہیں مول لینا پڑا۔ اب میری آرزو ہے کہ بخشی کو کچھ بھی یاد نہ آسکے اور اس کے بڑے اس کے سر میں آنے والی چوٹ کو ساحل کی تفریح کے دوران میں پیش آنے والے حادثے کا نتیجہ سمجھتے رہیں ورنہ پھر کوئی بے گناہ پاکستانی افسر عتاب میں آجائے گا۔"

"میرے ساتھ اول خان نے بھی یہی کوشش کی ہے مگر یہ بات کوئی ہضم نہیں کرسکے گا کہ بخشی موہن ہاؤس والوں سے تعزیت کرنے کے بعد دفتر لوٹنے کے بجائے ویران ساحل پر بکھرے ہوئے پتھروں پر ٹہلنے پہنچ گیا۔"

"یہ اندیشہ اپنی جگہ برقرار ہے" اس نے اعتراف کیا "وہ دفتر میں کسی نہ کسی کو اپنی سرگرمیوں سے ضرور باخبر رکھتا ہوگا۔ اس شخص کو معلوم ہوگا کہ بخشی کو صبح سویرے شیام کے ذریعے پیغام ملا اور بخشی نے اظہر اور مظہر کو چیلنج دے ڈالا۔"

"مجھے کسی اور کا خدشہ نہیں ہے۔ اس نے صبح چار بجے کے قریب اپنے گھر سے مجھے فون کیا تھا۔ پھر وہ گھر سے ہی موہن ہاؤس روانہ ہوگیا۔ وہاں سے واپسی پر وہ دھرلیا گیا۔ اسے دفتر میں اپنے کسی افسر یا ماتحت سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ فون پر کسی کو اپنی کارگزاریوں کی تفصیل سنانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ فوری طور پر شاید کسی کو کچھ معلوم نہ ہوسکے کہ بخشی کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"اگر تم نے پہلے سے یہ سب سوچا ہوا تھا تو پھر میں بھی پرامید رہوں گا کہ تمہاری کارروائی کا کوئی جواب نہیں آئے گا۔"

"ساری باتیں پہلے سے طے شدہ نہیں تھیں۔ واقعات رونما ہونے کے ساتھ ساتھ فیصلے ہوتے رہے۔ اسے ساحل پر ڈلوانے کا فیصلہ اول خان نے مشورے کے بغیر اور اچانک کیا تھا۔ یہ بات مجھے ابھی ابھی سوجھی ہے کہ بخشی کو کسی سے تفصیلی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ مزید کچھ اچھے پہلو خود بہ خود سامنے آتے چلے جائیں۔"

"اسلام آباد خبروں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے مگر یہاں سناٹا ہے۔ تم کراچی میں بیٹھ کر خبروں کو جنم دے رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ بخشی کے دفتر میں ابھی تک کسی کو علم نہیں ہوا کہ اس پر کوئی افتاد آپڑی ہے۔ انہیں پتا چل جاتا تو انڈین ہائی کمشنر کے دفاتر میں کھلبلی مچ جاتی۔"

"وہ جگدیش موہن کی تعزیت کے لیے گیا تھا۔ اس کی ارتھی شام کو اٹھائی جائے گی" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "انڈین قونصلیٹ والے سمجھ رہے ہوں گے کہ اس نے اپنے ذاتی مراسم کی بنا پر آخری رسوم کی ادائیگی تک رکنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"پھر تو انہیں رات گئے ہی ہوش آئے گا۔ اس سے پہلے وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں گے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اس سے پہلے پولیس بخشی تک پہنچ جائے گی۔ تم کو انڈین ہائی کمیشن کے ابتدائی ردعمل پر نگاہ رکھنی ہوگی۔ اس سے پتا چلے گا کہ وہ معاملات کو کس رخ پر لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"چھیڑ چھاڑ میں پہل بخشی نے کی مگر ایسے تصادم کے لیے یہ وقت بہت ناموزوں ہے۔ تم بھارت جانے کا قصد کیے بیٹھے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم جلد از جلد وہاں پہنچ جاؤ۔ دونوں ملکوں کے تعلقات میں کوئی تلخی یا کشیدگی پیدا ہوئی تو تمہیں روانگی کا ارادہ ملتوی کرنا ہوگا۔"

"اب بخشی کو رونا بے سود ہے۔ اسے بھول جاؤ اور نئے واقعات کا انتظار کرو۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں تمہیں جگدیش موہن کی خودکشی سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ تم پہلے ہی اس واقعے سے باخبر ہو۔"

"وہ ایک الگ کہانی ہے۔ جگدیش نے ماروتی کی کج روی سے دل برداشتہ ہوکر خودکشی کی ہے اور روی موہن اپنی جان بچانے کے لیے کسی اچانک بیماری کا بہانہ کرکے شہر کے کسی اسپتال میں پناہ گزین ہے۔ بخشی اس سے بھی بہت بدظن تھا۔" جگدیش کا ذکر آنے پر مجھے چند فقروں میں اصل کہانی دہرانی پڑی۔ جلال کے لیے وہ ایک نیا موضوع تھا۔ اس پر نت نئے واقعات منکشف ہورہے تھے۔ اس نے سوالوں کا سلسلہ شروع کردیا۔

بات سے بات نکلتی رہی اور مجھے شیام کا ذکر بھی کرنا پڑا۔ بخشی والی گڑبڑ میں کلیدی کردار اسی نمک حرام کا تھا۔

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں" جلال نے غصیلی آواز میں مشورہ دیا "بعض اوقات دو ٹکے کے آدمی اپنے ذرا سے لالچ کے لیے کوئی قیامت برپا

کردیتے ہیں۔ بخشی کو شیام نے ورغلایا تھا۔ اپنے مالک کو دغا دینے والے کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔"

"آج میں تمہاری زبان سے پہلی بار کوئی سخت فیصلہ سن رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اول خان چھوٹے گناہ گاروں کا خون بہانے سے ڈرتا ہے۔ شیام نے خود اپنے کسی بڑے جرم کا اعتراف نہ کیا تو اول خان اسے مارنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"اسے سمجھاؤ کہ جب کسی گلتے ہوئے عضو کی وجہ سے انسان کی جان پر بن آئے تو ایسے عضو کی پرورش نہیں کی جاتی۔ بے رحمی سے عضو کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں سوچا جاتا کہ آدمی لنگڑا یا لولا ہوجائے گا۔"

"اس وقت وہ ڈرائیونگ میں مصروف ہے۔ تم کسی وقت فون کرکے اسے خود ہی یہ بات سمجھادینا۔ میری نظروں میں شیام بھی کرشن کمار کا ساتھی ہے۔ اسے مارنے کے لیے اس کا یہی ایک جرم کافی ہے۔ کرشن کمار اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے ہمیشہ عیب داروں کے سر پر ہاتھ رکھتا تھا۔"

"میری ایک اور بات گرہ سے باندھ لینا" گفتگو کے دوران میں شاید جلال کو کوئی نئی بات یاد آگئی "بھول کر بھی امیگریشن کے ذریعے بھارتی سرحد عبور نہ کرنا۔ بھارت جانے کے لیے کھلی سرحد کا تھوڑا سا خطرناک حصہ ہی بہتر رہے گا۔"

"اول خان بلاوجہ ہی ہمارے پاسپورٹ اور ویزا کے لیے پریشان ہورہا ہے" میں نے کہا۔

"صرف شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوالو۔ ان کا ریکارڈ یہیں رہتا ہے۔ تمہیں ویزا لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں اول خان کو بتادوں گا۔ ایسے کام دو نمبر ہوں گے اور ایسے بے داغ ہوں گے کہ ان پر کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔"

"میں ایک بار ان کی سرزمین پر پہنچ جاؤں تو مجھے پاسپورٹ اور ویزا کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ بھارت میں پاکستانی کے بجائے بھارتی بن کر رہنا بہت آسان ثابت ہوگا۔ پاسپورٹ ہوا تو مسائل پیدا کرتا رہے گا" میں نے کہا۔

"کسی دوسرے ملک میں غیر قانونی طور پر رہنا اتنا آسان نہیں ہے" میرے کانوں میں اس کی ناصحانہ آواز آئی "دسیوں ایسے مسائل پیدا ہوں گے کہ تم پریشان ہوجاؤ گے۔ کہیں قانون کی گرفت میں آگئے تو تمہاری کوئی داد و فریاد تک نہیں سنی جائے گی۔"

"جب پاسپورٹ بنوانا ہے تو پھر قانونی طریقے سے سرحد کیوں نہ پار کی جائے؟"

"ویزا لینے اور سرحد عبور کرنے کے لیے تمہیں تصویروں کے ساتھ اپنے سارے کوائف دینے ہوں گے جو انڈین ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ میں تمہیں ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ کسی ریکارڈ کے بغیر اصل جیسا ویزا لگے گا۔ امیگریشن کی مہریں لگی ہوں گی۔ امرتسر پہنچنے کے بعد تم ڈنکے کی چوٹ پر خود کو پاکستان کہہ سکو گے کوئی تمہاری سفری دستاویزات پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"ابھی وہ مرحلہ دور نظر آرہا ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا "وقت آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا۔"

"پاسپورٹ تم بنوالو۔ باقی کام چند گھنٹوں میں ہوجائیں گے" اس نے اصرار کیا "یہاں رہ کر تم سنپولیوں کا سر کچلتے کچلتے تھک جاؤ گے۔ نئی دہلی جاکر انل بسواس کو ہمیشہ کی نیند سلادو۔ برسوں کے لیے چین ہوجائے گا۔"

میں نے دل میں سوچا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ کے متعلق بھی ایسی ہی خوش فہمیاں تھیں۔ اس کو کراچی میں اس بری طرح خوف زدہ کیا گیا کہ ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نے بھی نئی دہلی میں پناہ لی تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میں ان ہی دنوں رستم ایرانی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور پھر بھاری معاوضہ دے کر رستم کے آدمیوں کے ذریعے اوبرائن کو نئی دہلی میں مروادیا۔

اوبرائن نئی دہلی میں بظاہر ایک حادثے کا شکار ہوکر مرا تھا۔ وہ رستم کے آدمیوں کی منصوبہ بندی تھی مگر کسی کام نہ آسکی۔ اوبرائن کی موت کے بعد امریکیوں کی سرگرمیاں ماند ضرور پڑیں تھیں مگر ان کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ پھر اوبرائن کی جگہ جان اسمتھ آگیا اور امریکیوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھانا شروع کردیا۔

جلال، انل بسواس کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا اظہار کررہا تھا مگر میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے اس کی بات سن لی۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر جلال نے ذرا سے توقف کے بعد کہا "اگر تم گھر جارہے ہو تو وہاں پہنچ کر مجھے فون کرلینا۔ میں تمہیں اور اول خان کو تفصیل سے ہر بات سمجھادوں گا۔ تم جب چاہو گے، بے فکری سے بھارت کے سفر پر روانہ ہوجاؤ گے۔"

"ابھی میں گھر کا رخ نہیں کروں گا" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا "جب بھی وقت ملا، تم سے بات ہوجائے گی۔"

اول خان راستے میں مجھے اتار کر اپنے گھر جانے کا ارادہ کرکے اسٹیشن فور سے نکلا تھا مگر گلشن اقبال پہنچ کر اس کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ وہ انجن بند کرکے میرے ساتھ ہی اتر گیا۔ گھر میں سب ہی بے چینی کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ فون کرکے ہمیں کچھ نہ کچھ

بتاتے رہنا لیکن تم اپنا موبائل ہی بند کر کے بیٹھ گئے" مجھ سے سامنا ہوتے ہی ویرا نے لڑاکا انداز میں کہا "تمہاری ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میں تمہارے ساتھ جانے پر اصرار کرتی ہوں۔"

"دل کھول کر لڑ لینا مگر ڈینی کو گھر کے اندر تو پہنچنے دو" اول خان نے محظوظ ہوتے ہوئے میری سفارش کی۔

"تم ہر وقت ڈینی کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہو" ویرا مجھے بھول کر اول خان کی طرف متوجہ ہو گئی" یہ تمہارے ساتھ مل کر ہمیں بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ اسے احساس نہیں ہوتا کہ ہم سب اس کی طرف سے کتنے فکر مند رہتے ہیں۔"

"فکر مند ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر رمی کھیلنا فکر مندی کی نشانی ہے تو اس میں، میں بھی تمہارا شریک تھا" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "رمی کھیل کر فکر مندی کا احسان جتا رہی ہو۔"

"وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تاش کا پیکٹ سلطان شاہ نے نکالا تھا" ویرا نے کھسیا کر کہا۔

"یہ باتیں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کے دشمن کا کیا بنا!" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"وہی ہوا جو ہم نے پہلے سے طے کر لیا تھا۔ وہ ہوش و حواس میں ہے مگر اپنی یادداشت سے محروم ہو چکا ہے" غزالہ ہماری باتوں میں بہت کم دخل انداز ہوتی تھی۔ میں نے اس کا صبر آزمانے کے بجائے فوراً ہی جواب دے ڈالا۔

"یہ کیسے ممکن ہوا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "سر کے کسی حصے پر ایسی نپی تلی ضرب لگانا بہت مشکل کام ہے۔"

"اسٹیشن فور پر اس فن کا ایک ماہر موجود ہے" اول خان نے جواب دیا "یہ کام اسی نے کیا ہے۔"

"اس کی یادداشت متاثر ہوئی ہے تو وہ شہر میں بھٹکتا پھرے گا۔ اسے کہاں چھوڑا گیا ہے" وہ سوال بھی ویرا نے کیا تھا۔

"وہ بہت کچھ بھول چکا ہے مگر اپنا نام جانتا ہے" مجھے خاموش پا کر اول خان نے ہی بتایا "ہم نے اس پر زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ یہ اندازہ اس کے ساتھی لگا سکیں گے کہ اسے کیا کچھ یاد رہا ہے۔ وہ بیشتر باتیں فراموش کر چکا ہے۔"

"دیکھنا ہو گا کہ جلال اس واقعے پر کس ردِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"اس سے بات ہو گئی ہے۔ وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ بخشی کی دھمکی کے بعد کوئی محدود جوابی کارروائی ضروری ہو گئی تھی" میں نے جواب دیا "بخشی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس سے بات کی جاتی تو شاید اس کا مشورہ کچھ اور ہوتا۔"

"روبی اسپتال میں ہے یا اس نے ارادہ ملتوی کر دیا؟" غزالہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے بارے میں صحیح علم نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے ارادہ ملتوی نہیں کیا ہو گا۔ بخشی کی دھمکی سے وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔"

جو لوگ اس مہم میں ہمارے ساتھ شریک نہیں تھے ان کے ذہنوں میں بے شمار سوالات کلبلا رہے تھے جن کے جواب دینے کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی تھی اس دوران میں جب جہانگیر کا لطیفہ سامنے آیا تو سب ہی ششدر رہ گئے۔ یہ بات کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھی کہ صبح سویرے ایس ٹی ایف کے پہرے داروں کی فائرنگ کی زد میں آنے والی کار جہانگیر کی ہو سکتی تھی۔

"وہ دیوانہ ہے" ویرا اضطراری انداز میں بولی "سلمیٰ نے اس کی بسیار نوشی پر قابو نہ پایا تو وہ کسی دن شہر میں آوارہ گردی کرتا ہوا مارا جائے گا اور وہ بیٹھے بٹھائے بیوہ ہو جائے گی۔"

ویرا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ میں غصے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "پی لینے کے بعد وہ خود گھر میں محصور ہو جاتا ہے۔ کسی قیمت پر باہر نہیں نکلتا۔ رات کو اس کی ذہنی رو ہم دو بھوکوں کی طرف بھٹک گئی تھی اور وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔"

"پھر بھی اسے کم پینی چاہیے۔ وہ روز ہی آپے سے باہر ہو جاتا ہو گا" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"خوب! یہ تم کہہ رہی ہو" سلطان شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا "وہ بے چارہ تم سے بہت پیچھے ہے۔ تمہارا تو خون بھی اب سرخ کے بجائے سنہرا ہو چکا ہو گا۔ جس کو دیا جائے گا، وہ جھوم جھوم کر اپنی جان دے دے گا۔"

"مجھے اس سے مت ملاؤ" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں جو کچھ کرتی ہوں اپنی حد میں رہ کر کرتی ہوں۔ تم میں سے کسی نے آج تک مجھے بہکتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا۔ پی کر سرور میں آنے اور دھت ہو جانے میں بہت فرق ہے۔"

"تمہاری بتائی ہوئی ان باریکیوں سے ہم میں سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا" سلطان شاہ نے کہا "ڈینی تمہاری برادری سے نکل چکا ہے۔ یہ باتیں کسی وقت جہانگیر کو بتانا۔ وہ تمہاری بے تکی باتیں بھی بہت دھیان سے سنتا ہے۔"

ویرا نے جھلا کر اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ہلکا پھلکا گیس لائٹر سلطان شاہ پر پھینک مارا۔ وہ ویرا کے ایسے کسی جواب کے لیے تیار تھا۔ اس نے لائٹر لپک کر احترام سے میری

طرف بڑھادیا۔ میں نے بے پروائی سے اسے سینٹر ٹیبل پر ڈال دیا۔

ہمارے گھر پہنچنے کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حامد کا فون آیا۔ وہ اپنی رپورٹ دینے کے لیے اول خان کی تلاش میں تھا جب کہ اول خان اس کا فون آنے سے چند ہی منٹ پہلے ہمارے پاس سے اپنے گھر کے لیے روانہ ہوا تھا۔ میں نے اس سے میجر بخشی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ساحل کے مطلوبہ علاقے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا ٹکراؤ ایک پولیس پارٹی سے ہوگیا جس کی سربراہی کوئی نیا اے ایس آئی کررہا تھا۔

حامد نے اسے ایس ٹی ایف کا حوالہ دیا اور اپنا شناختی کارڈ بھی دکھایا لیکن وہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر محکمے میں نیا ہونے کے باعث ایس ٹی ایف کے وجود، افادیت اور اہمیت سے بالکل بے خبر تھا۔ اس نے بخشی کے بے ہوش وجود کو اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر دیکھ کر حامد کو اپنی ساتھ پولیس اسٹیشن چلنے پر مجبور کیا۔ وہ حامد کے لیے نیا تجربہ تھا۔ وہ بھی اڑ گیا اور تکرار بڑھنے لگی۔

حامد کے ساتھ واپسی کے لیے فورس کی ایک گاڑی اور تین مسلح آدمی بھی تھے۔ وہ سب سادہ لباس میں تھے۔ بات زیادہ بڑھ جانے پر حامد کو دونوں گاڑیوں سمیت تھانے جانا پڑا۔ وہاں پہنچتے ہی مسئلہ حل ہوگیا۔ ایس ایچ او نے خود اپنے دفتر سے باہر آکر حامد سے اپنے ماتحت کی بے خبری پر معذرت کی اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خاموشی اور رازداری کے ساتھ اپنا کام پورا کرنے کے ارادے سے گیا تھا۔ اس ناخوش گوار واقعے کے نتیجے میں بات کھل چکی تھی۔ حامد نے ساحل کی طرف واپسی کا ارادہ ملتوی کرکے بخشی کو براہ راست پولیس کی تحویل میں دینے کا ارادہ کرلیا۔ ایس ایچ او اس بات پر راضی تھا کہ وہ بخشی اور اس کی کار کی برآمدگی ایس ٹی ایف والوں کے طے کردہ مقام سے دکھائے گا۔ اس گفتگو میں حامد نے بخشی کی کوئی شناخت ظاہر نہیں کی تھی۔

حامد نے اپنے ارادے کی توثیق کے لیے اسٹیشن فور فون کیا تو اول خان وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس نے میرے موبائل نمبر پر رابطہ کرنا چاہا تو وہ دیر تک مصروف ملتا رہا۔ شاید اس وقت میری اور جلال کی بات ہورہی تھی۔ حامد نے تبدیلی کا فیصلہ منسوخ کردیا۔

وہ میجر بخشی کو کار سمیت اس ویران ساحل پر لے گیا جہاں دیوار بنانے کے لیے ریت پر پتھروں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ اس کی دونوں گاڑیوں کے پیچھے تھانے کا ایس ایچ او ایک موبائل میں نفری لے کر آیا تھا۔ حامد نے رسمی کارروائی کے طور پر جوں ہی بخشی کو پتھروں پر منتقل کیا، پولیس

کے عملے نے اپنی کارروائی شروع کردی۔ حامد انہیں مصروف چھوڑ کر ایس ٹی ایف کی گاڑی میں لوٹ آیا۔

ایک بے خبر اور نئے پولیس افسر کی بے جا مداخلت کے سوا سب کچھ طے شدہ پروگرام کے تحت ہوا تھا۔ میں نے حامد سے وہ تفصیلات سننے کے بعد اول خان کو باخبر کرنے کی ذمّے داری اپنے سر لیتے ہوئے فون بند کردیا۔

"میں ایسے کسی ناخوش گوار واقعے کے بارے میں کئی بار سوچ چکا تھا۔" سلطان شاہ نے حامد کے تجربے کی روداد سن کر کہا "ضروری نہیں کہ ہر چھوٹا بڑا پولیس اہل کار ایس ٹی ایف کے وجود سے باخبر ہو یا اس کے شناخت ناموں سے مرعوب ہو جائے۔"

"یہ واقعہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔" ویرا نے اس کی تائید کی "پولیس کی بہت سی گشتی پارٹیوں میں کوئی پڑھا لکھا افسر نہیں ہوتا۔ نیم خواندہ عملہ اپنی وردی کی اہمیت جتانے پر تل جائے تو کسی وقت خون خرابے کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ ایک تجربہ ہو جانے کے بعد اس کا اعادہ روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ تمہیں کھل کر اول خان کو اس خطرے سے آگاہ کردینا چاہیے۔"

"تم دونوں ایک بات سنتے ہو اور عجلت میں فیصلے صادر کرنا شروع کردیتے ہو۔" میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا "آج جو کچھ ہوا، وہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بارے میں اول خان مجھے بتا چکا ہے کہ ایس ٹی ایف کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے پولیس کانسٹیبل کی سطح تک اس کی تشہیر نہیں کی جاسکتی۔ ایس ٹی ایف کے ہر اہل کار کو یہ حکم ہے کہ کسی بھی سرکاری ایجنسی کا کوئی فرد انہیں رعایت دینے پر آمادہ نہ ہو تو وہ رضاکارانہ طور پر اس کے افسر تک جانے کی پیش کش کردیں۔ افسروں کو انفرادی طور پر ان اداروں کے بارے میں بتادیا جاتا ہے جنہیں وردی کے بغیر خاموشی سے اپنا کام کرنے کی آزادی ہے۔"

"پھر حامد نے بات کیوں بڑھائی؟ اسے پہلے ہی تھانے چلا جانا چاہیے تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔" ویرا نے نیا فیصلہ جاری کردیا۔

"حامد بھی ذمّے دار آدمی ہے۔ اسے غلطی نہیں، عادت کی خرابی کہہ سکتی ہو۔ آج تک کسی نے اس کے شناخت نامے کو مسترد نہیں کیا ہوگا۔ نیا تجربہ اسے گراں گزرا۔ ایس ٹی ایف والے بھی ہم جیسے جذباتی انسان ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حامد نے نوجوان اے ایس آئی کا حکم ماننے میں سبکی محسوس کی ہو۔ وہ اسٹیشن فور پر اول خان کی نیابت کرتا ہے۔ اس کا درجہ اے ایس آئی سے بہت اوپر ہوگا۔"

"فورس میں سب ہی برابر معلوم ہوتے ہیں۔ حکم دینے یا ماننے کی نوبت آئے تو چھوٹے بڑے کا پتا چلتا ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

"ہمارے گھر سے جمشید روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دس منٹ بعد میں نے اول خان کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ وہ گھر پہنچتے ہی اسٹیشن فور سے رابطہ کر کے رپورٹ لے چکا ہے۔ حامد نے اسے اپنی اور میری گفتگو کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔

"میں نے حامد کو تنبیہہ کی ہے۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا "اسے خاموشی سے تھانے چل دینا چاہیے تھا۔ پولیس والوں کی اتفاقی مداخلت سے یہ فائدہ ہوا کہ وقت برباد نہیں ہوا۔ بخشی کا قصہ فوراً ریکارڈ پر آگیا۔ اب تو قونصل خانے کو خبر مل چکی ہوگی۔"

"حامد تو کہہ رہا تھا کہ اس نے پولیس والوں کو بخشی کی شناخت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ تمہیں یہ بتانا بھول گیا کہ بخشی کی جیبوں میں ایسا مواد موجود تھا جس سے اس کی شناخت ہو جاتی۔"

"شیام کے لیے جانے والی پارٹی کی طرف سے کیا خیر خبر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھی راستے میں ہیں۔ شیام ان کے ساتھ ہے۔ آج اس کی تواضع ہوتی رہے گی۔ کل اسے دیکھا جائے گا۔"

"اسے اچھی طرح دیکھ لو تو مجھے نتیجے سے آگاہ کرنا نہ بھولنا" میرے ساتھ وہ بھی ہنسنے لگا۔

اول خان سے گفتگو ہو جانے کے بعد میرے سر سے ایک ذمّے داری کا بوجھ اتر گیا۔ دن طلوع ہونے سے پہلے واقعات نے جس بے ہنگم انداز میں پھیلاؤ اختیار کرنا شروع کیا تھا۔ وہ قابو میں آچکا تھا۔ ایک ایک کر کے تقریباً سب ہی گتھیاں سلجھ چکی تھیں۔ صرف ایک مسئلہ اٹکا ہوا تھا کہ مجھے وعدے کے مطابق جلال سے فون پر بات کرنی تھی۔ اس کے بعد اس دن کا پرسکون اختتام ہوتا نظر آرہا تھا۔

"موہن ہاؤس فون تو کرو" ویرا نے بیٹھے بیٹھے اچانک تجویز پیش کی "کچھ پتا تو چلے کہ روی مکاری کر کے کس اسپتال میں پہنچا ہوا ہے اور کب تک گھر واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"یہ وقت مناسب نہیں ہے" میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈال کر جواب دیا "جگدیش کی آخری رسوم ادا ہونے تک وہاں افراتفری کا راج رہے گا۔ کوئی بھی فون پر صحیح بات نہیں بتا سکے گا۔ روی کے چلے جانے سے سب کچھ درہم برہم

ہو کر رہ گیا ہوگا۔"

"روی اور جگدیش کے بچوں نے میرپور خاص سے آکر نظام سنبھال لیا ہوگا" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے مجھے یاد دلایا "تم ہی نے بتایا تھا کہ اس گھر کی اوپر والی منزل نچلی منزل سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روی کی مکاری کے بعد ماروتی بھی اوپر پڑی اینڈ رہی ہو۔ اس سے تمہاری بات ہوگئی تو وہ تمہیں گھر کے ساتھ ساتھ اپنے دل کا احوال بھی سنا دے گی۔"

میں نے تیز نظروں سے ویرا کو گھورا لیکن اس کی ذومعنی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس موقع پر سلطان شاہ بھی اس کا ہم نوا بن گیا "ان کے اوپر والے نمبر پر ایک کوشش کرنے میں کیا مضایقہ؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی سے بات نہیں ہوگی۔"

میں نے سلطان شاہ کی بات سنی ان سنی کر دی۔ جگدیش کی خودکشی کے بعد وہ ماروتی سے میری پہلی گفتگو ہوتی۔ اسے روی نے جگدیش کی آخری تحریر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس گھرانے میں پائی جانے والی کشیدگی کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ دوسری عورتوں نے ماروتی کو ذلیل کرنے کے لیے جگدیش اور روی کے درمیان ہونے والی گفتگو، اپنی مرضی کی ترامیم اور اضافوں کے ساتھ اسے سنا دی ہوگی۔ ان مکالموں میں جگدیش کے عائد کیے ہوئے الزامات کی واضح جھلکیاں موجود تھیں۔

مجھے ڈر تھا کہ مجھ سے بات کرتے ہوئے ماروتی اپنا دفاع کرتے ہوئے جذباتی نہ ہوجائے۔ پچھلے دنوں میں اس کے ساتھ جس نوعیت کے مراسم استوار ہوتے چلے گئے تھے ان کی روشنی میں، میں اس سے بے رخی اختیار کرکے فون بند نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے مجھے جو کچھ کہنا پڑتا وہ ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ میں اسے ان تینوں کی موجودگی میں بے فکری سے کہتا چلا جاتا۔

"ماروتی سے زیادہ اہم جلال ہے" اس نازک موڑ پر غزالہ نے میرے دل کی بات پڑھتے ہوئے یاد دلایا "یہ بری بات ہے کہ آپ آج سارا دن اسے ٹالتے رہے ہیں۔ وہ بہت بے چینی سے آپ کے فون کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

میں نے ویرا اور سلطان شاہ کے منہ بند رکھنے کے لیے فوراً ہی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

دفتری اوقات ختم نہیں ہوئے تھے۔ جلال ویسے بھی دیر تک اپنے دفتر میں کام کرنے کا عادی تھا۔ میں نے نمبر ملایا تو وہ براہِ راست لائن پر موجود تھا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ تم اپنا وعدہ بھول گئے۔ مجھے بہت شدت سے تمہارے فون کا انتظار تھا" میری آواز سنتے ہی اس کی طرف سے جواب آیا "بخشی کے بارے میں اسلام آباد میں افواہیں گردش میں آگئی ہیں۔ ہائی کمیشن کا ذمے دار عملہ فون پر آنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس خبر نے ان سب کو اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"افواہیں کیا ہیں؟ تمہیں خیال رکھنا ہے کہ ان لوگوں کی سوچ کس سمت میں ہے۔"

"وہ بہت محتاط ہیں۔ بس یہ کہا جا رہا ہے کہ کراچی میں ان کے عملے کے ایک رکن کے ساتھ کوئی سنگین واقعہ رونما ہوا ہے۔"

"واقعہ؟" میں نے حیرت سے دہرایا "اگر ان کی نیت صاف ہوتی تو وہ ابتدائی طور پر اسے حادثہ قرار دیتے۔ حادثے اور واقعے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ وہ لوگ واقعی بہت کینہ پرور ہیں۔ پوری تفصیل جانے بغیر محاذ آرائی کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔"

"مجھے کراچی سے اطلاع ملی ہے کہ اسے پولیس کی تحویل سے نکال کر جناح اسپتال کے نیورو سرجیکل وارڈ میں پہنچا دیا گیا ہے جہاں اس کے تفصیلی ٹیسٹ کیے جائیں گے۔ دوسری طرف اسے جلد از جلد پاکستان سے نکالے جانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔"

"یہ سب اسی طرح ہونا تھا" میں نے اس کی بات سن کر کہا "اس بارے میں مجھے یا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ابھی میں بھی فکر مند نہیں ہوں۔ تمہیں یہاں کی تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ ادھر وہ لوگ میجر بخشی کے قصے میں الجھ گئے ہیں۔ دوسری طرف دفتر خارجہ والوں نے ڈیوڈ اور جمی کی موت کے بعد ملنے والے امریکی مراسلے کا منہ توڑ جواب امریکی سفیر کے حوالے کردیا ہے۔ اس نے مراسلے کو توہین آمیز اور امریکی وقار کے منافی قرار دے کر وصول کرنے سے انکار کرنا چاہا تھا لیکن اسے امریکی مراسلے کی سفارتی زبان کے حوالے سے یہ سمجھا دیا گیا کہ امریکیوں کی نیک نیتی کے بارے میں پورے اعتماد کا اظہار کرنے کے بعد مراسلے میں وہ باتیں بیان کی گئی ہیں جو حقیقت نہ ہونے کے باوجود، عام آدمی کو حقائق سے قریب نظر آتی ہیں۔ لاجواب ہونے کے بعد اسے مراسلہ وصول کرنا پڑا۔"

"مشکل یہ ہے کہ پچھلے چند دنوں میں یہاں واقعات میں اتنی تیزی آئی ہے کہ اب ہمیں کچھ روز کے لیے خاموشی اختیار کرنی ہوگی" میں نے جلال سے ملنے والی اطلاع پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "یہ لوگ اپنے مسائل میں گھرے رہیں تو ان کی پیش قدمی بالکل رک جاتی ہے۔"

"اسی لیے میری خواہش ہے کہ تم جلد از جلد نئی دہلی روانہ ہونے کے بارے میں سوچو۔ اس سلسلے میں، میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"ابھی وقت ہے۔ میں آج تصویروں کا بندوبست کرتا ہوں۔ اول خان کل پاسپورٹ بنوا دے گا۔"

"پاسپورٹ ہاتھ میں آتے ہی تم لاہور پہنچ جاؤ" مجھے سفر پر آمادہ پاکر وہ خوش ہوگیا "میں بھی اسلام آباد سے وہیں آجاؤں گا۔ چٹکی بجانے میں تمہارے سارے مسائل حل کردیے جائیں گے۔"

"وہاں مجھے کن لوگوں سے مدد مل سکے گی؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"نئی دہلی میں ہمارے تین آدمی ہیں۔ میں ان کے بارے میں معلومات یکجا کرکے لاہور میں تمہارے حوالے کردوں گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد تمہیں اپنے کام کے آغاز کے لیے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑے گی۔ وہ تمہارے لیے ہراول کا کام سرانجام دیں گے۔"

"تم اپنا کام شروع کردو۔ میں اپنی تیاری کرتا ہوں۔ ممکن ہوا تو میں میجر بخشی کے پیچھے پیچھے نئی دہلی پہنچ جاؤں گا۔ اس کے سنبھلنے کے آثار نظر آئے تو لگے ہاتھوں اس کا بھی کریا کرم ہوجائے گا۔"

"جاتے ہوئے اور کچھ اپنے ساتھ لو یا نہ لو، سی ایس ڈی ضرور لے جانا" اسے اچانک وہ حساس آلہ یاد آگیا جو میں نے نیویارک میں را کے ایک پرانے ایجنٹ سے یارانے کے نتیجے میں حاصل کیا تھا۔ بدری ناتھ اسی پرائی سرزمین پر میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا مگر اس کی یادگار مسلسل میرے کام آرہی تھی۔

"آپس کے رابطے کے لیے ملاقاتیں خطرناک ہوتی ہیں۔ شاید تمہیں کوئی لاسلکی اپریٹس مل جائے" وہ کہہ رہا تھا "اگر سی ایس ڈی کے ذریعے فون پر ہونے والی گفتگو کو ناپسندیدہ مداخلت سے محفوظ بنایا جاسکے تو دشمن کی سرزمین پر تمہارا کام بہت آسان ہوجائے گا۔"

"اگر ہمیں ہوٹل میں رہنا پڑا تو سی ایس ڈی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپریٹر کے ذریعے کوئی بھی کال ہمارے کمرے تک منتقل نہیں ہوسکے گی۔ اس کی ساری افادیت براہِ راست فون لائن تک ہے۔"

"وہ لوگ اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کردیں گے۔ اچھا ہوا کہ تم نے یہ نکتہ بتادیا۔ شروع سے ہی اس کا خیال رکھا جائے گا" بات ختم کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں پوچھا "ابھی تم نے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ کیا تم کسی اور کو بھی اپنے ساتھ لے جارہے ہو؟"

"میری بیوی میرے ساتھ ہوگی" میں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا "پردیس کے سفر میں ایک سے دو بہتر ہوتے ہیں۔ ایک پر کوئی برا وقت آجائے تو دوسرا اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو خیر خواہوں کو خبر ہی پہنچا سکتا ہے۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو" اس نے محتاط لب و لہجے میں کہا "میری دانست میں بیوی کو اس سفر پر اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔ یہ مردانہ لڑائی ہے جس میں گردنیں کٹنے کی نوبت آجاتی ہے۔ بیوی کے ساتھ تم ہر وقت ذہنی دباؤ میں رہو گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میری بیوی ایسے معاملات میں مرد مار ثابت ہوتی ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں کہا "اس کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کہنا وہ تمہارا مشورہ پسند نہیں کرے گی۔"

"یہ صرف مشورہ ہی تھا" وہ جلدی سے بولا "میں تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔"

اس سے گفتگو ختم کرکے میں نے ایک مرتبہ پھر اول خان کے گھر کا فون نمبر ملانا شروع کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن نے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھمن راج سے بھی متعارف کرا دیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اس کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران۔ کے خلاف سازشوں میں معروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبہے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے اپنی گلو خلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کر لی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرایا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کر لی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار [illegible] کار رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک مہیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدر آباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی مار وتی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ اس کی نشان دہی پر میمن گوٹھ پر کامیاب آپریشن کیا گیا اور کرشن کمار مع دو امریکی سفارت کاروں کے ہمارے ہاتھ آگیا۔ سفارت کاروں کو ان کے مقامی ڈرائیور سمیت موقع پر ہی واصل جہنم کر دیا گیا۔ بعد میں کرشن کمار بھی اسی انجام کو پہنچا۔ امریکیوں نے اپنے سفارت کاروں کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لیے پہلے مائیکرو سینٹر کو تباہ کیا اور پھر اسلام آباد میں بم دھماکا کرایا۔ کرشن کمار کے ساتھیوں میں صرف ہری چند باقی تھا میں اس کی تلاش میں روی موہن کے ہمراہ بھٹ شاہ روانہ ہوا مگر وہ ہمیں حیدر آباد میں ہی ٹکرا گیا اپنے بھیانک انجام سے بچنے کے لیے اس نے راہ فرار اختیار کی مگر ٹریفک کے ایک بھیانک حادثے کا شکار ہو کر وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کرشن کمار دہلی میں موجود کسی بھارتی افسر انل بسواس سے ہدایات لیتا تھا۔ جلال نے بتایا کہ انل بسواس انڈین سیکرٹ ایجنسی "را" کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے۔ اس دوران میں میجر بخشی کا کردار بھی میرے سامنے رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ مجھے بھارت جانا چاہیے جلال میرا ہم نوا تھا۔ ادھر ماروتی نے اپنے جیٹھ سے انتقام لینے کے لیے میرے اور اس کے درمیان گزارے گئے رنگین لمحوں کی داستان اپنے جیٹھ کو سنا دی وہ غصے سے دیوانہ ہو گیا اور شدید جذباتی ہیجان کے عالم میں خودکشی کر بیٹھا۔ روی کو ڈر تھا کہ اب پولیس اسے اس معاملے میں بھی گھسیٹے گی مگر ہماری مدد سے اسے اس سلسلے سے بہ آسانی گلو خلاصی نصیب ہوگئی۔ روی کے گھر کے ایک ملازم شیام کے ذریعے میرا اور اول خان کا فرضی نام اور ٹیلی فون نمبر میجر بخشی تک پہنچا اور اس نے فون پر مجھے دھمکی دی چنانچہ اسے اس جسارت کا مزہ چکھنا پڑا اور وہ اپنی یادداشت گنوا کر بھارتیوں کے لیے بے مصرف ہو گیا۔ میں اب بھارت جانے کے لیے مکمل طور پر تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ جلال سے مشورے کے بعد میں نے اول خان کے گھر کا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

قسط ایک سو بانوے

اول خان کو اپنی اور جلال کی گفتگو سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی تو ویرا بہت غور سے اور مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اس لیے

میں نے اسے چھیڑنے کے بجائے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیا اور سگریٹ کے پہلے کش کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کہاں جارہے ہو؟" میرے اٹھتے ہی ویرا نے اونچی آواز میں مجھے ٹوک دیا۔

میں چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی طرف پلٹا اور قدرے حیرت سے پوچھا "کیا اب گھر میں چلنے پھرنے کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم میری پروا نہیں کرتے۔ تمہیں میری کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کی آواز میں رچی ہوئی افسردگی تشویش ناک تھی۔ میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اڑا دی "پھر مجھے ٹوکنے کی کیا بات ہے؟"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سینگ نہیں ماروں گی۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔" سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بول پڑا "مجھے روز اول ہی سے شبہ تھا کہ تمہارا ذہنی فتور اسی طرح جاری رہا تو کسی نہ کسی دن تمہارے سینگ بھی نکل آئیں گے۔"

میری اور جلال کی گفتگو کے دوران میں ہی وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا۔ جب میں اول خان سے فون پر بات کررہا تھا تو کمرے میں میرے علاوہ صرف ویرا موجود تھی لیکن اس کی آواز سن کر سلطان شاہ اچانک ہی نمودار ہو گیا تھا۔

"میں تم سے مخاطب نہیں تھی۔" ویرا نے ترشی سے کہا "مجھے ڈینی سے کچھ بات کرنے دو!"

"یہ بات غزالہ نے کہی ہوتی تو میں سر جھکا کر باہر چلا جاتا" سلطان شاہ کے سر پر شوخی کا بھوت سوار تھا۔ "وہ ڈینی کی زوجہ ہے جب کہ تم ہم دونوں کے لیے نامحرم ہو۔ تم کو بات چیت اور میل جول میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہیں یہ بات جتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے کسی کے ساتھ، میرا کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہے پھر بھی تم کو..."

ویرا اس کی بات پر یک بہ یک جذباتی ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ کی مذاق میں کہی ہوئی بات اس وقت ویرا کے لیے ایک سنگین طعنہ ثابت ہوئی تھی۔ میں نے بات بڑھنے سے پہلے ہی سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے کہا "تم جاؤ، مجھے ویرا سے بات کرنے دو۔"

میرے سخت لہجے پر سلطان شاہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ویرا کی نظریں بچا کر اسے آنکھ ماری اور وہ جس طرح ٹہلتا ہوا نمودار ہوا تھا، اسی انداز میں خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

"شکریہ!" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے عجیب سے لہجے میں سکوت توڑتے ہوئے مجھ سے کہا "وہ شیطان کی طرح آیا تھا مگر بہت پتے کی بات کہہ کر گیا ہے۔ اکثر میں خود بھی یہی سب سوچنے لگی ہوں۔"

"کیا سوچنے لگی ہو؟" میں نے نرمی اور دل جوئی کے انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہی کہ ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے۔" اس نے اداسی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم بہکی بہکی باتیں کررہی ہو!" میں نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کبھی کبھی میں یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتی ہوں کہ میں یہاں کیوں پڑی ہوئی ہوں اور کیا کررہی ہوں۔ یہ بات سلطان شاہ نے محرم اور نامحرم کا ذکر چھیڑ کر بہت زیادہ واضح کردی ہے۔"

"وہ احمق ہے۔ تمہیں اس کی کہی ہوئی خرافات پر اتنا دھیان نہیں دینا چاہیے۔"

"وہ احمق نہیں، بہت چالاک ہے۔ گاہے گاہے مجھے میری اوقات یاد دلاتا رہتا ہے۔"

"اوہ!" میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی "اب شاید تم پٹڑی سے اتر رہی ہو۔"

"ڈینی! مائی ڈارلنگ!" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا "تم جانتے ہو کہ میں آزاد مغربی بلکہ امریکی معاشرے میں پلی بڑھی ہوں۔ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں میری تربیت کی، میں نے اٹلی کے اوباش روسا کی محفلوں میں بہت سا قیمتی وقت گزار کر یہ سیکھا کہ عورت کسی مرد کی ماں، بہن، بیٹی یا بیوی نہ ہو تو کیا ہوتی ہے۔ میرے ساتھ تو بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے میرے باپ نے بھی کبھی سرعام اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ میں ان چاروں رشتوں کی لذت سے بالکل ناآشنا ہوں۔ میں ہمیشہ سے پانچویں تجربے سے گزرتی رہی ہوں۔ میرے لیے..."

ویرا کی اس سنجیدہ گفتگو نے مجھے بے آرام کردیا۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "تم اتنی لمبی تمہید کس لیے باندھ رہی ہو؟"

"مجھے اس تمہید کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" ویرا نے اسی لہجے میں اپنا سلسلہ کلام جوڑا "سلطان شاہ نے میرے لیے نامحرم کا لفظ استعمال کرکے مجھے ان وضاحتوں پر مجبور کردیا۔ یہ ایک لفظ ہے مگر بہت جامع اور مجھ پر پورا اترتا

ہے۔"

"یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس وقت تمہیں یہ سب کیوں یاد آرہا ہے؟"

"تم صرف غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر نئی دہلی جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تمہارے ساتھ امریکا کا ایک طویل سفر کرچکا ہوں' اس بار اسے لے جانا ضروری ہے۔"

"میں تمہیں نہیں روکتی۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔ ہر وقت تمہارے ساتھ رہنا اس کا حق ہے۔" وہ خاموش ہوگئی۔

"اس کے میرے ساتھ جانے پر تمہیں اعتراض نہیں ہے تو پھر ایسی گمبھیر سنجیدگی کیوں اختیار کی ہے؟"

"وہ تمہارے ساتھ جائے گی' میں بھی بھارت جانے کا ارادہ کرچکی ہوں۔" اس نے سکون سے انکشاف کیا۔

میں تنک اٹھا "یہ نہیں ہوسکتا۔ تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ امریکا نہیں' بھارت ہے۔ وہاں ہمیں قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ بات پہلے واضح کی جاچکی ہے کہ وہاں تم آسانی سے پہچان لی جاؤ گی۔"

"اتنا بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا "میں کوئی بے زبان جانور نہیں ہوں کہ تم میری گردن میں زنجیر باندھ کر مجھے سلطان شاہ کی رکھوالی میں چھوڑ جاؤ۔ میں خود مختار ہوں۔ اپنے فیصلے آپ کرسکتی ہوں۔ تم نے تعاون نہ کیا تو دونوں محرموں کی روانگی کے بعد میں خود اپنے طور پر اس سفر کے لیے نکل کھڑی ہوں گی۔ کوئی مجھے نہیں روک سکے گا۔"

"پھر سلطان شاہ اکیلا یہاں رہ کر کیا کرے گا؟" میں نے غصے اور بے چارگی سے پوچھا۔

"یہ اس کا مسئلہ ہے۔" ویرا نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم وہاں جاکر کیا کروں گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی جو تم دونوں کرو گے۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں یہاں بے کار بیٹھی' تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہوں۔ بے کاری اور بے زاری طول پکڑ گئی تو میں مالیخولیا میں مبتلا ہوجاؤں گی۔"

"ہمارے چلے جانے کے بعد یہاں سے مسائل کا خاتمہ نہیں ہوجائے گا۔ کوئی نہ کوئی فتنہ سر اٹھاتا رہے گا۔ اول خان تم سے رابطے میں رہے گا۔ تم زیادہ آزادانہ انداز میں اس کی مدد کرسکو گی۔ وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔"

"عزت!" ویرا نے استہزائیہ انداز میں دہرایا اور ہنس پڑی "میں عزت اور ذلت کی بحث میں نہیں پڑتی۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مگر میرا جانا طے ہے۔ میں تم پر کوئی بوجھ ڈالوں گی نہ تم پر میرے تحفظ کی ذمّے داری ہوگی۔ میں تم دونوں سے الگ تھلگ اور شاید دور دور رہ کر یہ دیکھوں گی کہ میں راوالوں کے خلاف کیا کچھ کرسکتی ہوں۔"

"کہیں بھی کوئی لغزش ہوئی تو وہ تمہیں پیس ڈالیں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے پروا نہیں۔ تم تنہائی کے اس ہولناک تجربے سے نہیں گزرے جس میں' میں نے ساری عمر گزاری ہے۔ میں زندہ رہوں یا نہ رہوں' اس سے کسی کو کیا فرق پڑے گا؟ تم بھی دس پانچ روز رو دھو کر صبر کرلو گے کیونکہ تم سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ناجائز رشتے کو میرے باپ نے عمر بھر نہیں مانا تو تم کیسے مان لو گے؟ میں سلطان شاہ کی تاویل کے مطابق نامحرم ہوں اور ہر مرد کے لیے نامحرم ہی رہوں گی۔"

"چار رشتے تم نے گنوائے ہیں۔" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا "ان میں تین رشتے پیدائشی ہوتے ہیں جن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا لیکن چوتھا رشتہ شاید ان تینوں سے زیادہ مضبوط مگر اختیاری ہوتا ہے۔ اسے مذہب' اخلاق اور قانون کا ہر تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ تم نے بلاوجہ اپنے اوپر تنہائی مسلط کی ہوئی ہے۔ عورت کا اصل روپ شادی کے بعد ہی نکھرتا ہے۔ وہ اس راہ پر چل پڑتی ہے جو اسے ماں کے مقدس مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں ہنسی اور بولی "ڈینی! تم بھی دوسرے مشرقی مردوں کی طرح دقیانوسی خیالات کے حامل ہو۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں سے آگئی۔ میری ماں نے بھی لائیڈ سے شادی نہیں کی' وہ کسی کی بیوی نہیں تھی مگر میری ماں تھی۔ مغرب میں یہ چلن عام ہے۔ وہاں ایسی لاکھوں مائیں موجود ہیں۔ ماں کا درجہ حاصل کرنے کے لیے شادی کبھی بھی ضروری نہیں رہی۔"

"تم بہک رہی ہو۔ ہم مغربی معاشرت یا اخلاقیات پر بات نہیں کررہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے تسلیم کیے ہوئے چار میں سے ایک رشتے کو اپنا کر تم تنہائی کے عفریت سے نجات حاصل کرسکتی ہو۔ تمہیں یہ ڈھکوسلا اب ختم کردینا چاہیے۔"

وہ ہنس پڑی۔ اس بار یہ محسوس کرکے مجھے اطمینان ہوا کہ اس کی ہنسی میں بیگانگی اور مایوسی نہیں تھی' وہ زندگی سے بھرپور ہنسی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم میرے

بارے میں اتنی دردمندی سے سوچتے ہو۔ اپنے آس پاس کسی ہمدرد کی موجودگی سے بھی انسان کو بہت سکون ملتا ہے۔ مجھ پر کبھی کبھی قنوطیت طاری ہونے لگتی ہے۔ ایسے دوروں کے لیے مجھے معاف کردینا۔ میں تمہاری تجویز کے بارے میں ضرور سوچوں گی مگر یہ مرحلہ بھارت سے واپسی کے بعد آئے گا۔ میں پوری سنجیدگی اور ذمے داری کے ساتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بلاوجہ تمہارے ساتھ دماغ سوزی کررہا تھا۔" میں نے جھلا کر کہا۔ وہ خاموشی سے مسکراتی رہی۔

"وہاں جاکر تم میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے سوا کیا کرسکو گی؟" اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہونے پر میں نے قدرے برہمی سے پوچھا "تمہیں بھروسا نہیں ہے کہ ہم دونوں وہاں جاکر اپنے مشن کو کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں گے؟"

"تم انل بسواس کے پیچھے جارہے ہو۔ میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "تمہارا شکار تم ہی کو مبارک ہو۔ میں تم سے دور رہوں گی۔ فری لانسر کے طور پر وہاں جاؤں گی اور جو ہاتھ آیا' اس کا سرچیل دوں گی۔ مجھے تمہارا صرف اتنا تعاون درکار ہے کہ میری سفری دستاویزات تیار کرادو۔ ہوسکے تو جلال کی تجویز کے مطابق مجھے بھی اپنے ساتھ سرحد پار کرادو تاکہ میری تازہ تصاویر وغیرہ ریکارڈ پر نہ جاسکیں۔"

"تمہارے دماغ میں یہی سودا سمایا ہوا تھا تو تم اب تک گھنے پن کا مظاہرہ کیوں کررہی تھیں؟ تمہیں اول خان سے بات کرلینی چاہیے تھی۔"

"کسی سے بات کرنے سے پہلے تمہاری رضامندی ضروری تھی۔ وہ بامروت آدمی ہے۔ انکار نہیں کرسکے گا۔"

اچانک لابی میں سے سلطان شاہ کے کھنکارنے کی آواز آئی پھر اس نے سامنے آئے بغیر ہانک لگائی "میں نے کافی دیر انتظار کرلیا۔ اب میرے سر میں دردِ جگر ہورہا ہے۔ اجازت ہو تو ڈرائنگ روم میں آجاؤں؟"

"چلے آؤ!" مجھ سے پہلے ویرا نے اسے پروانہ راہداری جاری کرتے ہوئے کہا "اپنی زبان پر قابو رکھو تو تم خاصے بے ضرر آدمی ہو۔"

"بے ضرر سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سلطان شاہ پر تشویش انداز میں سوال کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے پیچھے غزالہ بھی تھی۔

اس کی صورت دیکھتے ہی ویرا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور کہا "بے ضرر سے وہ مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہاری زبان کڑوی ہے۔ اس کے استعمال میں احتیاط رکھو تو خیریت رہے گی۔"

"کیا تم دیوار کی اوٹ میں چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔
اس نے اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے کہا "میں ایسی گھٹیا حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ابھی اپنے کمرے سے آرہا ہوں۔ غزالہ کمرے کی جھاڑ پونچھ میں میرا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ میرا اعتبار نہ ہو تو تم اس سے تصدیق کرسکتے ہو۔"
"بعض اوقات آپ سلطان شاہ کے ساتھ زیادتی کرجاتے ہیں۔" غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔
"تم اسے اکسانے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے منہ بنا کر غزالہ کی بات پر اعتراض کیا "مذاق میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ میرے بارے میں سلطان شاہ کیا کچھ کہتا رہتا ہے مگر میں ہمیشہ اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتی ہوں۔"
"دونوں کانوں کے درمیان کچھ بھی موجود نہ ہو تو یہی ہوتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے کیا مذاکرات ہو رہے تھے۔"
"ہم واقعی اہم گفتگو کر رہے تھے۔" میں نے جواب دیا "ویرا بھارت جانے پر مصر ہے۔"
"جب ایک فیصلہ ہوچکا تو یہ نئی بات کہاں سے نکل آئی؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ نئی بات نہیں ہے۔ میں شروع سے سفر پر جانے کا تہیہ کیے بیٹھی ہوں۔ اب بولنے کا وقت آیا ہے تو میں نے بلی تھیلے سے باہر نکال دی ہے۔" ویرا نے مضبوط لہجے میں اپنے موقف کی وکالت شروع کردی "میں تم دونوں پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ تم سے بالکل الگ تھلگ رہوں گی۔"
"ہم مل کر کوئی فیصلہ کرلیتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک اس پر بے چون وچرا عمل کرتا ہے مگر تم ہمیشہ الگ راگ الاپنے کی کوشش کرتی ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس طرح تم دوسروں کے ساتھ اپنے لیے بھی مسائل پیدا کرلیتی ہو۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"اختلاف رائے ایک الگ بات ہے۔ ضروری نہیں کہ میں تمہاری اور ڈینی کی ہر بات سے اتفاق کرتی رہوں۔" ویرا نے بات مذاق میں اڑانے کے بجائے معقولیت سے جواب دیا "آج سے پہلے میں مختلف رائے رکھنے کے باوجود تم لوگوں کے ہر فیصلے پر عمل کرتی رہی ہوں مگر اب مجھے اپنی راہ اختیار کرنی پڑ رہی ہے۔ یقین کرو کہ میں یہ بات پورے خلوص سے کہہ رہی ہوں۔ اس میں میری کوئی بدنیتی پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے محرکات بہت جائز اور طاقت ور ہیں۔"
"تم کن محرکات کی بات کر رہی ہو؟" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا سلطان شاہ یہاں تمہاری نگہداشت نہیں کرسکے گا؟"
"مجھے کسی کی چوکیداری کی ضرورت نہیں۔" میرے سوال پر وہ قدرے چڑ کر بولی "میں سلطان شاہ جیسے دوچار افراد کو آسانی سے پال سکتی ہوں۔ مجھے اصل خوف تم دونوں کی طرف سے ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ تمہیں بھارت میں کسی تیسرے مددگار کی ضرورت پڑے گی۔"
"معدے میں زیادہ الکحل اتر جائے تو چھٹی حس اسی طرح چوپٹ ہوکر رہ جاتی ہے۔" سلطان شاہ کو اس کا مضحکہ اڑانے کا موقع مل گیا "مے نوشی سے مکمل پرہیز کے ساتھ' ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو خود بھی میری رائے سے متفق ہوجاؤ گی۔"
ویرا کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا تھا اور وہ اس کی روشنی میں فیصلہ بھی کرچکی تھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کی مداخلت کے بعد کسی دلیل وحجت کے بغیر وہ نکتہ بیان کردیا تھا ورنہ مجھے رہ رہ کر یہی خلش ستائے جارہی تھی کہ اس نے اچانک ایک نئی بات کیوں شروع کردی تھی۔ ہم تینوں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس کا اندیشہ بالکل بے بنیاد تھا۔ ہم بھارت کی سرزمین پر ایک دوسرے کی موثر خبرگیری کرتے ہوئے اپنا کام مکمل کرسکتے ہیں لیکن اس کے دماغ میں جو بات سما گئی تھی' اسے نکالنا ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں تھا۔
ہمارے درمیان دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اس گفتگو میں کچھ گرمی اور تلخی کے مراحل بھی آئے مگر ہم ویرا کو اس کا ارادہ تبدیل کرنے پر آمادہ نہ کرسکے۔ اس پوری گفتگو میں سلطان شاہ نے ایک بار بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ جب ویرا بھی جانے کا فیصلہ کرچکی ہے تو وہ اکیلا کراچی میں رہ کر کیا کرے گا۔ مجھے خدشہ تھا کہ ویرا کی ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے وہ بھی ہمارے ساتھ جانے کی ضد کرے گا اور اسے روکنا مشکل ہوجائے گا۔
اپنے مزاج اور رویے کے اعتبار سے وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ ان میں سے ایک کوئی بات کہتا تھا تو دوسرا اس کی مخالفت کرنا اپنا حق بلکہ فرض سمجھتا تھا۔ اس وقت ویرا روانگی پر تلی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے اسے نیچا دکھانے کے لیے بھول کر بھی اپنی طرف سے ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔
بے نتیجہ بحث کے بعد اول خان سے رابطہ ناگزیر ہوگیا تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اگلی صبح اسے دو کے بجائے تین پاسپورٹ بنوانے تھے۔
ویرا کے بارے میں نئی اطلاع اس کے لیے حیران کن

ثابت ہوئی لیکن اسے یہ اندازہ تھا کہ میں نے اس سے رجوع کرنے سے پہلے ویرا کو سمجھانے کا ہر جتن کرلیا ہوگا۔ اس کے لیے مزید ایک پاسپورٹ بنوانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس موضوع پر مختصر سی گفتگو کے بعد اس نے بخشی کا ذکر چھیڑ دیا ''اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعے نے بھارتی سفارتی عملے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے کیا ہوا ہے۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حامد اس فن میں اتنا طاق ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ بخشی کی یہ حالت کب تک برقرار رہتی ہے۔''

''بعد میں جو ہونا ہے' وہ ہوتا رہے۔ فی الحال ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم نے ان کے لیے ایک اہم آدمی کو ناکارہ کردیا ہے۔ اس کی تختی اس طرح صاف ہوئی ہے کہ وہ اپنے دفتر کے ساتھیوں کو بھی نہیں پہچان سکا۔ اس کے انجام سے دشمنوں میں دہشت کی لہر دوڑ گئی ہے۔''

''میں حامد سے یہ فن سیکھنا چاہوں گا۔'' میں نے خواہش ظاہر کی ''یہ دشمن کو مفلوج کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔''

ریسیور پر اول خان کی ہنسی کی ہلکی سی آواز آئی پھر وہ بولا ''یہ انگلیوں کی مہارت کا کام ہے۔ انسانی جسم میں دماغ سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اگر دوران خون میں کسی رکاوٹ کی وجہ سے ایک مختصر وقفے کے لیے دماغ کو تازہ خون اور اس میں موجود آکسیجن نہ ملے تو محرومی کا شکار ہونے والے خلیے ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ حامد نے اس کام میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔''

''پھر تو ٹیسٹ وغیرہ سے بھی اصل سبب کی نشاندہی ہونی مشکل ہے۔ ان لوگوں کو اسے ایک ناگہانی حادثہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کی کھوپڑی پر آئی ہوئی ضربات اس امکان کو اور زیادہ واضح کریں گی۔''

''انہوں نے ایک ہی بات اٹھائی ہے۔'' اول خان فون پر بتارہا تھا ''میجر بخشی ان کے عملے کا ایک متین اور ذمے دار رکن ہے۔ اسے جگدیش موہن کے پس ماندگان سے تعزیت کے بعد اپنے دفتر آنا چاہیے تھا پھر وہ پتھریلے ساحل پر کیسے پایا گیا۔''

''یہ خدشہ ہمارے ذہنوں میں پہلے سے موجود تھا۔ تم نے اس کا کوئی نہ کوئی حل سوچ لیا ہوگا۔''

''وہ پختہ عمر کا مالک ہونے کے باوجود رنگین مزاج تھا۔ موہنی پنڈت اور ماروتی کے بارے میں حقائق میرے سامنے تھے۔ وہ یہاں اکیلا رہتا تھا لیکن اس کی گاڑی میں ایسے شواہد ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اس کے ساتھ سفر کرتی رہی ہیں۔ ہماری طرف سے تھوڑی دیر پہلے یہ نظریہ جاری کیا گیا ہے کہ بخشی کو موہن ہاؤس میں آئے ہوئے مہمانوں میں کوئی بھولی بسری خاتون ملی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر ساحل کی طرف چل دیا۔'' اول خان اس کیس کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ کررہا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''وہاں سرمستی کے عالم میں بخشی کا پاؤں پھسلا اور وہ پتھروں پر گر گیا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر عورت کے سر سے سارا رومان ہوا ہوگیا۔ وہ دہشت زدہ ہوگئی۔ شاید اس نے بخشی کو مردہ سمجھا اور وہاں سے کھسک گئی۔''

''خاصا بے داغ اور قرین قیاس نظریہ ہے۔'' میں نے اس کی کہانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''بس ایک خدشہ ہے۔'' اس کی آواز ابھری ''اسے اغوا کرنے کے لیے تم نے انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول سے جو سریع الاثر سیال اس کے جسم میں داخل کیا تھا' وہ اس کہانی کو کمزور کردے گا۔''

''ابھی وہ ہماری تحویل اور ہمارے اسپتال میں ہے۔ اس کے خون کی ٹیسٹ رپورٹ میں سے وہ حصہ حذف کیا جاسکتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اپنا خیال ظاہر کیا ''جب تک وہ اپنے ملک پہنچے گا۔ اس سیال کے اثرات خون سے زائل ہوچکے ہوں گے۔''

''اب دیر ہوچکی ہے۔ وہ ٹیسٹ فوری طور پر کیے گئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ متعلقہ افراد ایسی کسی پیشہ ورانہ بددیانتی پر آمادہ نہ ہوتے۔ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ وہ اس کو جلد از جلد یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کررہے ہیں۔''

''ان کی اس جلد بازی کا کوئی سبب بھی ہوگا۔'' میں نے دھیرے سے پوچھا۔

''ملک قریب ہے۔ اپنے وطن میں اس کی زیادہ بہتر دیکھ بھال ہوسکتی ہے۔ آپس میں پائی جانے والی بے اعتمادی کی فضا میں ایک دوسرے پر بھروسا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی جگہ ہمارا کوئی آدمی ہوتا تو ہماری سوچ بھی یہی ہوتی۔''

اس سے مزید ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں اور اس نے اگلی صبح تینوں کی تصاویر کی تیاری کی ہدایت کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

''کل پاسپورٹ بن جائیں تو ہمیں پرسوں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' میرے اختتامی فقروں سے اندازہ لگا کر ویرا بولی۔

''روانگی میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں خود بھی نئی دہلی جانے کے لیے بے چین ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اول خان نے شیام کے انجام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' غزالہ اچانک سوال کر بیٹھی۔ میں نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔ سچ بات یہ تھی کہ اس کے بارے میں میجر بخشی کی کہانی سن لینے کے بعد میرے لیے اس کی زیادہ اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ زندہ رہتا یا مارا جاتا' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ہم باتوں میں مصروف تھے۔ گفتگو کا رخ خاصا خوش گوار ہو گیا تھا۔ سب نے ذہنی طور پر اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ ویرا بھارت جانے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس بار سلطان شاہ کو تنہا کراچی میں رہنا تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

''مظہر جی! جلدی اسپتال پہنچو۔ روی کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ کوئی اسے اسپتال سے نکال لے گیا ہے۔'' ماروتی کی رو دینے والی اور دہشت زدہ آواز میں سنا جانے والا وہ پیغام میرے اعصاب کے لیے ایک بم ثابت ہوا۔

''تم کس اسپتال میں ہو؟ اسے کون لے گیا ہے؟'' میں نے ایک سانس میں دو سوال کر ڈالے۔

اس نے اسپتال کا نام بتایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا ''مجھے کچھ پتا نہیں۔ اس وقت میں خود کو بہت بے بس اور تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ روی کو کچھ ہوا تو میں رو رو کر اپنی جان دے دوں گی۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

میجر بخشی کو کامیابی کے ساتھ ناکارہ کر دینے کے بعد میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روی موہن کی آزادی یا زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جسے شیام کے ذریعے موہن ہاؤس کے اندر کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے اور اسی خبیث نے میرے گھر کا فون نمبر بخشی تک پہنچایا تھا مجھے ابتدا ہی سے شبہ تھا کہ شیام کی رپورٹ سن لینے کے بعد بخشی نے فون پر مجھے جو دھمکیاں دی تھیں' وہ ان کو عملی جامہ پہنانے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شیام یا بخشی کو میرے اصل نام کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے مجھے مظہر خان سمجھتے ہوئے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ ساتھ ہی وہ روی کو اس کی غداری کا مزہ چکھانا چاہتا تھا کیونکہ شیام نے اپنے کانوں سے یہ بات سن لی تھی کہ کرشن کمار اور ہری چند کی اموات میں وہ پوری طرح حصے دار تھا۔

ہم نے اپنی دانست میں بخشی کو بالکل مہلت نہیں دی تھی۔ رات کو اس نے اپنے گھر سے مجھے فون کیا اور صبح کو ہم نے موہن ہاؤس سے واپسی پر اسے گھیر لیا۔ اس کے از کار رفتہ ہونے کے باوجود کسی نے روی موہن کے خلاف کارروائی کی تھی تو اس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ بخشی نے رات ہی رات میں اپنے کسی ساتھی کو اپنی معلومات میں شریک کر لیا تھا۔

اصل صورت حال کیا تھی۔ اس کا اندازہ ماروتی سے ملاقات کے بعد ہو سکتا تھا جو اسپتال میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک بات کافی تھی کہ اس نے روی کے بارے میں مدد کے لیے میرا سہارا لیا تھا۔ وہ اپنے ماموں زاد بھائی' ہری چند کی رفاقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکی تھی' اس کے بڑے بھلے جیٹھ نے اس کے اعترافات سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی تھی۔ روی کے اچانک غائب ہو جانے پر وہ بالکل بے یار و مددگار ہو کر رہ گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اسپتال میں مجھے دیکھتے ہی وہ اچانک جذباتی ہو جائے گی۔ ایسے نازک موقع پر میرے ساتھ کسی اور کی شمولیت میری سبکی کا باعث بن سکتی تھی۔ میں نے گھر سے اکیلے ہی اسپتال جانے کا فیصلہ کر لیا۔

روی کی رہائش اولڈ کلفٹن کے علاقے میں تھی۔ جب اس نے اپنی جان کے خوف سے کسی اسپتال میں پناہ لینے اور عارضی روپوشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو مجھے توقع تھی کہ وہ کسی دور افتادہ لیکن مہنگے اور آرام دہ اسپتال کا رخ کرے گا۔ ماروتی نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے روی اپنے گھر سے زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ وہ کلفٹن کے ایک اسپتال میں تھا جو اپنی جدید سہولتوں اور مہنگے اخراجات کے لیے شہرت رکھتا تھا۔

''حالات نے یکایک اپنا رخ تبدیل کیا ہے۔'' میں نے چلتے چلتے ان تینوں کو متنبہ کیا ''روی کے قصے میں بخشی کا کوئی ساتھی ملوث ہے تو ہم بھی محفوظ نہیں ہیں۔ وہ شخص فون نمبر کے ذریعے سراغ نکال کر یہاں بھی وار کر سکتا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''ایس ٹی ایف کے دو آدمی اس وقت بھی ہماری چھت پر پہرا دے رہے ہیں۔ ہم بھی ہوشیار رہیں گے۔ بس موبائل فون پر اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہنا۔ ماروتی تم سے ملاقات کے لیے کوئی بھی بہانہ کر سکتی ہے۔''

ویرا ہر بات کے منفی پہلو پر بلا توقف چھلانگ لگاتی تھی۔ ماروتی کے بارے میں جو بات اس نے کہی' وہ میرے وہم گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا' اسے یکسر مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' میں اسے گھورتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

ماروتی متورم چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ' اسپتال کی انتظار گاہ میں میری منتظر تھی۔ اسپتال کے انتظامی عملے کی ایک خوش شکل اور خوش لباس خاتون اس کی دل جوئی کے لیے اس کے ساتھ موجود تھی۔

''مظہر!'' مجھے دیکھتے ہی ماروتی نے بھرائی ہوئی آواز میں

مجھے پکارا اور اپنی جگہ چھوڑ کر تقریباً دوڑتے ہوئے میرے سینے سے آ لگی۔ وہ ایسی صورت حال تھی کہ پہلو بدل کر خود کو اس کی زد سے نہ بچا سکا اور نرمی سے اسے اپنی بانہوں میں لے کر خود سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ابتدائی لمحات میں میری کوشش بار آور ثابت نہیں ہو سکی۔ وہ میرے سینے سے لگ کر سسک پڑی تھی "پتا نہیں روی کہاں ہیں... انہیں کون لے گیا..."

"یہ خاتون بلاوجہ پریشان اور ہراساں ہو رہی ہیں۔" اسپتال کے عملے کی خاتون نے وضاحت کی "مسٹر روی موہن اپنی مرضی سے اپنے دوست کے ساتھ گئے ہیں۔ ہم انہیں نہیں روک سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں ضرور اپنے گھر پہنچ جائیں گے...."

"اسپتال والے بتا رہے تھے کہ وہ کئی گھنٹے پہلے یہاں سے چلے گئے۔ میں دو مرتبہ گھر فون کر چکی ہوں... روی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سے ہمارے گھر کا فاصلہ چند منٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ....!" ماروتی مجھ سے الگ ہو کر کہہ رہی تھی۔

انتظار گاہ میں ایک ادھیڑ عمر جوڑا داخل ہو رہا تھا۔ منتظم خاتون نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ماروتی کی بات کاٹ دی "آپ دونوں میرے ساتھ میرے دفتر میں چلیں۔ میں آپ کو ہر بات وضاحت سے سمجھاتی ہوں۔"

وہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا۔ بہت گمبھیر اور الجھا ہوا معاملہ تھا۔ مجھے چند فقروں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں اسپتال والے زیادہ قصوروار نہیں تھے۔ مجھے رہ رہ کر صرف ایک بات پریشان کر رہی تھی کہ روی اپنے کسی شناسا کے ساتھ گیا تھا تو وہ اب کہاں تھا اور اگر وہ کسی اجنبی کی سازش کا نشانہ بنا تھا تو کسی مزاحمت کے بغیر اس کے ساتھ جانے پر کیوں آمادہ ہوا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ اس کے ذہن پر اپنے قتل کا خوف سوار تھا اور وہ محض اسی وجہ سے گھر اور اپنے بڑے بھائی کی آخری رسوم چھوڑ کر اسپتال میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔

اپنے مختصر مگر آراستہ دفتر میں پہنچ کر وہ خاتون پورے اعتماد سے اپنی کرسی پر براجمان ہو گئی۔ میز پر رکھے ہوئے کاغذات پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے زبان کھولی تو پہلے کے مقابلے میں اس کا لہجہ قدرے بدلا ہوا تھا۔

"مسٹر روی اپنی مرضی سے یہاں آئے تھے اور ہمارے واجبات ادا کرنے کے بعد چلے گئے۔ آپ بتائیں کہ ہم انہیں کیوں اور کیسے روک سکتے تھے؟"

ماروتی نے اس سے الجھنا چاہا لیکن میں نے اسے خاموش کر دیا "تم دخل نہ دو۔ مجھے سکون سے بات سمجھنے دو۔" اسے سمجھانے کے بعد میں اسی خاتون سے مخاطب ہو گیا "روی یہاں اپنا کوئی نہ کوئی طبی مسئلہ لے کر آیا ہو گا۔"

"انہیں سینے میں درد کی شکایت تھی۔ وہ اپنا تفصیلی میڈیکل چیک اپ کرانا چاہتے تھے۔"

"اسے اسپتال میں داخل کرنا ضروری تھا؟" میں نے قدرے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ان کی خواہش تھی کہ میڈیکل چیک اپ کے لیے انہیں اسپتال میں داخل کر لیا جائے۔" جواب دیتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں "وہ چاہتے تو ای سی جی ہونے اور دوائیں لینے کے بعد واپس جا سکتے تھے۔"

"کیا کسی شخص کو بلاضرورت اسپتال میں داخل کرنا اخلاقی اعتبار سے درست ہے؟"

اس نے اپنی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر کہا "مسٹر مظہر یا جو کوئی بھی آپ ہوں، بات کو غیر ضروری طور پر الجھانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ کوئی خیراتی اسپتال نہیں ہے جہاں داخلے کے لیے پاپڑ بیلنے پڑتے ہوں۔ یہ ایک کمرشل اسپتال ہے جہاں معززین اور شرفا آتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے اخراجات ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں تو ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہر پرائیویٹ اسپتال کو اپنے خالی کمروں کے لیے مریضوں کی ضرورت رہتی ہے۔"

"پھر تو ہوٹل اور پرائیویٹ اسپتال میں کوئی فرق نہ ہوا؟" میں نے طنز سے کہا۔

"آپ جو چاہیں سمجھ لیں۔ کوئی صحت مند آدمی اپنی خوشی سے اسپتال میں وقت گزارنا پسند نہیں کرتا۔"

"تو کیا روی کا میڈیکل چیک اپ مکمل ہو گیا تھا جو اسے جانے کی اجازت دے دی گئی؟"

"آج دن میں ٹیسٹ ہوتے رہے۔" وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "رپورٹیں کل دوپہر تک دستیاب ہو سکیں گی۔ ماہرین رپورٹوں کی روشنی میں ان کا معائنہ کرتے اور کل شام تک انہیں تشخیص کے نتائج اور علاج کی تجاویز کے ساتھ رخصت مل جاتی۔"

"یہ عمل پورا ہونے سے پہلے اسے چھوڑ کر کیا اسپتال نے اپنا فرض نظرانداز نہیں کیا۔"

"ہرگز نہیں!" اس نے پورے وثوق سے کہا "بعض اوقات آپریشن ٹیبل پر لیٹا ہوا مریض گھبرا کر اٹھ جاتا ہے اور آپریشن کے بغیر اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ ہم اسے اس کی ذمے داری پر گھر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مسٹر روی کا کیس تو بہت معمولی ہے۔ بعض لوگ زکام پر بھی میڈیکل ٹیسٹ کرانا ضروری تصور کرتے ہیں۔ انہیں مریضوں کی اسی قسم میں شمار کیا گیا تھا۔"

"اب یہ بتائیں کہ اسے اسپتال سے کون نکال کر لے گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ مجھ سے پولیس والوں کے سے انداز میں جرح نہ کریں۔" اس بار وہ اپنی برہمی پر قابو نہ رکھ سکی "میں آپ کے غیر ضروری سوالوں کے جواب بھی تحمل سے دے رہی ہوں مگر آپ شائستگی کی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا "گم شدہ مریضوں کے تیمار داروں کو اتنی رعایت ملنی چاہیے۔"

وہ میرے الفاظ اور لہجے کی کاٹ کو سمجھ رہی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی "ہم کو اس کا تعارف حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مسٹر روی نے اس کے ساتھ میرے دفتر میں آکر اپنے واجبات ادا کیے اور وہ دونوں چلے گئے۔"

"اس سے میڈیکل چیک اپ مکمل ہونے تک رکنے کے بارے میں ضرور پوچھ کہا گیا ہوگا۔"

"یہ میری اولین اور بنیادی ذمے داری تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ کل آکر ماہرین سے مل لیں گے۔ انہیں شام سات بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کسی وجہ سے وہ اپنے گھر نہ پہنچے تو کل شام سات بجے یہاں ضرور آئیں گے۔"

"تم اس سے ملنے اسپتال کب آئی تھیں؟" میں نے گردن گھما کر ماروتی سے پوچھا۔

"میں نہیں آسکی تھی۔" ماروتی نے روہانسی آواز میں جواب دیا "رات سے بھایا جی اور گھر والوں کے چکر میں الجھی ہوئی تھی۔ تین چار بار روی سے فون پر بات ہوئی۔ بھایا جی کے کریا کرم کے بعد میں یہاں آئی تو وہ یہاں نہیں تھے۔"

"اگر آپ لوگوں کی تشفی ہوگئی ہو تو میں اجازت چاہوں گی۔ مجھے اسپتال میں دوسرے کام بھی نمٹانے ہوتے ہیں۔" اس وقت تک اسپتال والی خاتون کے بشرے سے خوش خلقی کے سارے اثرات کافور ہوچکے تھے۔

"خاتون! یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ یہ پولیس کیس بھی بن سکتا ہے۔" میں نے اسے جتایا۔

"ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔ آپ شوق سے رجوع کریں۔" اس نے تنک کر اپنی کرسی چھوڑ دی "میرا مشورہ یہ ہے کہ اسپتال کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے آپ اپنے گھر میں وہ اسباب تلاش کریں جن کی بنا پر یہ ناخوشگوار صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید سرد مہری اور رکھائی کا مظاہرہ کرتی، میں کرسی سے اٹھ گیا۔ ماروتی بھی میرے ساتھ تھی۔

"کیا کروں؟ میں کہاں جاؤں؟" راہ داری عبور کرتے ہوئے ماروتی بے بسی سے منمنائی "گھر میں مہمان اور رشتے دار بھرے ہوئے ہیں۔ میں انہیں کیا بتاؤں گی؟"

ماروتی سے میری واقفیت بہت پرانی نہیں تھی مگر اس مختصر سی مدت میں، میں اس ضدی عورت کو بہت قریب سے پرکھ اور برت چکا تھا۔ وہ اوپر سے جتنی خوب صورت تھی، اندر سے اسی قدر بے مہر اور سفاک بھی تھی۔ اس نے جگدیش موہن سے اپنی مجروح انا کا انتقام لینے کے لیے خود کو میرے قدموں پر ڈھیر کردیا تھا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔ اپنے انتقام کے بارے میں جگدیش کو اپنی زبان سے سب کچھ بتا کر اتنا مشتعل کردیا کہ ماروتی کو دیکھ کر زندگی بھر، شکست کی ہولناک چتا میں مسلسل جلتے رہنے کے بجائے اس نے خود اپنے سینے میں گولی اتار کر آخری چتا تک پہنچنے کا فیصلہ کرلیا۔

ماروتی کا ایک وہ روپ تھا جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ وہ بلا کی انا پرست عورت تھی۔ اس کے نزدیک عزت و آبرو کی کوئی وقعت تھی، نہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے خون کی کوئی حرمت تھی۔ وہ ہر قیمت پر اپنا سر غرور سے بلند رکھنا جانتی تھی مگر اس وقت وہ روی کے لیے یوں ہلکان ہوئے جا رہی تھی جیسے وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ وفا شعار اور شوہر پرست بیوی ہو۔

اس کا پہلا روپ بھی حقیقت تھا اور روی کے لیے اس کی تڑپ میں بھی دور دور تک اداکاری کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ وہ ایک ہی عورت کی شخصیت کے دو روپ تھے۔ ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور متضاد۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دو چہرے رکھنے والی ماروتی کو دلاسا دوں یا حقارت سے دھتکار دوں۔

وہ اپنی گاڑی سے اسپتال آئی تھی۔ میرے لیے وہ ایک اچھا عذر تھا۔ میں نے اسپتال کے برآمدے سے اترتے ہوئے کہا "تم نے پیغام دیا اور میں بے ساختہ یہاں دوڑا چلا آیا۔ اب تم خاموشی سے گھر لوٹ جاؤ۔ روی کا سراغ لگانے کے لیے مجھے جو کچھ کرنا ہوگا، اس کے لیے تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ تم سے الگ رہ کر میں زیادہ آزادی اور تیز رفتاری سے کوئی پیش رفت کرسکوں گا۔"

ماروتی اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی، میرے ساتھ لگی رہی۔ میں خود کو تماشا بنانے سے بچانے کے لیے نیم تاریک پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ماروتی کہتی رہ گئی کہ اس کی کار باہر سروس لین میں کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اس کی بات سنی ان سنی کردی۔

ہم اسپتال کی عمارت سے آنے والی تیز روشنیوں کی زد

سے نکلے تو اچانک ماروتی تحیر زدہ آواز میں بول پڑی ”روی کی کار تو وہ کھڑی ہے۔“

وہ آہنی کار تھی‘ ایک جگہ پارک کی ہوئی تھی مگر اس کی نشان دہی پر ہم دونوں ہی اضطراری طور پر یوں اس طرف لپکے جیسے اس کار کے دوڑ جانے کا خطرہ ہو۔ میں نے روی کی گاڑی پہچان لی تھی۔ ماروتی نے بتایا کہ وہ صبح سویرے اسی گاڑی میں گھر سے نکلا تھا۔ اس وقت تک جو شواہد سامنے آئے تھے ان سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ روی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنی گاڑی لے جانے کے بجائے دوسرے شخص کی کار یا ٹیکسی کو ترجیح دی تھی۔

”اس کار کی چابیاں روی کے پاس ہوں گی۔“ میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

”گھر پر ڈپلی کیٹ چابیاں بھی موجود ہیں۔ ضرورت ہو تو وہ آسکتی ہیں۔“ اس کی آواز میں امید کے دیے جل اٹھے۔

”گاڑی سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اسے ڈرائیور کے ذریعے گھر منگوا لینا۔ اب خود کو سنبھال کر گھر چلی جاؤ۔“

وہ بے وفا عورت اپنے شوہر کے لیے اتنی پریشان تھی کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہوئی اور میں اسے پارکنگ لاٹ سے نکال کر سروس لین میں لے آیا جہاں میری اور اس کی گاڑیاں ایک دوسرے سے دور کھڑی ہوئی تھیں۔ اسے روانہ کردینے کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر اسپتال کا رخ کرنے کا ارادہ کیا پھر اسے ملتوی کردیا۔ میرے ساتھ بات جس ڈھب پر نکل گئی تھی‘ اس کے بعد مجھے اسپتال کے عملے سے کسی تعاون کی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسپتال سے واپس روانہ ہوگیا۔

میری نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں مگر میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اسپتال میں اپنے جتن کر لیے تھے۔ روی کی کار کے وہاں پائے جانے کے بعد اول خان اپنے اختیارات کا سہارا لے کر مزید معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ اگر یہ پتا چل جاتا کہ روی کو وہاں سے کس کار میں لے جایا گیا تھا تو روی کی بو پر لگے ہوئے دشمنوں تک پہنچنے میں آسانی ہوسکتی تھی۔ اس ضمن میں صرف اور صرف کار کا نمبر مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔ شہر میں نت نئے ماڈلوں کی گاڑیوں کی جو بھرمار ہوگئی تھی اس کی وجہ سے محض ساخت یا رنگ کے سہارے ان لوگوں تک پہنچنا دشوار تھا۔

مجھے ان لوگوں سے اس لیے پرخاش نہیں تھی کہ روی کے دشمن تھے۔ روی کو میں نے ایک شریفانہ معاہدے کے تحت معاف ضرور کردیا تھا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل تھی کہ وہ ایک مدت سے کرشن کمار کا معاون اور مددگار بنا ہوا تھا‘ اسے عملی تعاون کے ساتھ ساتھ بھاری مالی سرپرستی بھی فراہم کیا کرتا تھا۔ اگر وہ کسی وجہ سے اپنے خون کے پیاسوں کی دسترس میں پہنچ جاتا تو مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ ہمارے ہاتھوں سے بچ جانے کے باوجود وہ ایک نہ ایک دن مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر اپنے صحیح انجام کو پہنچ جائے گا۔

یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس کے دشمن اتنی تیزی سے اس تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی ماروتی تھی۔ وہ بھی کوئی پارسا نہیں تھی۔ اپنے شوہر کی طرف سے ملی ہوئی آزادی کی اوٹ میں بے وفائی کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ اسے جو سزا بھی دی جاتی وہ کم ہوتی۔ اس جوڑے سے کوئی ہمدردی نہ ہونے کے باوجود میں روی کے دشمن کے بارے میں خلش کا شکار تھا۔

شیام کا کردار سامنے آنے کے ساتھ یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ اس وقت تک صرف میجر بخشی میدان میں سامنے رہ گیا تھا۔ ہم نے رعایت اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے اسے ذہنی طور پر ناکارہ کردیا تھا مگر اس نے شاید وقت سے فائدہ اٹھالیا تھا۔ اپنے علم میں آنے والی باتوں میں کسی اور کو بھی شریک کرلیا تھا۔ وہ جو کوئی تھا‘ بہت پھرتیلا تھا۔ اس نے بخشی کا حشر دیکھتے ہی اپنی سرگرمیاں شروع کردی تھیں۔

وہ اسپتال میں چھپے ہوئے روی موہن تک پہنچ گیا تھا تو ٹیلی فون نمبر کے سہارے ہمارے سر پر بھی پہنچ سکتا تھا۔ روی کے اس دشمن کا خاتمہ کر کے میں مظفر خان کے روپ میں خود کو بچا سکتا تھا۔ اسے ڈھیل دینا خود میرے حق میں خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ماروتی کے فون پر اسپتال کا رخ کر کے میں نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ روی کو وہاں سے نکال لے جانے والے لمبا کھیل کھیل رہے تھے۔ روی کو لے جانے کے بعد انہوں نے اسپتال کو خالی نہیں چھوڑا ہوگا۔ نگرانی کے لیے وہاں کوئی نہ کوئی موجود رہا ہوگا تاکہ روی کی جستجو میں آنے والے‘ اس کے ہمدردوں میں اپنے نئے شکار کو تلاش کرسکے۔

وہ خیال آتے ہی میری نگاہیں بے ساختہ عقب نما آئینے کی طرف اٹھ گئیں۔ میرے پیچھے کئی گاڑیاں چلی آرہی تھیں

پہلی نظر میں ان میں سے کوئی بھی گاڑی مشکوک نظر نہیں آئی۔ میں نے ان گاڑیوں کی پڑتال کے لیے مین روڈ چھوڑ کر کسی ذیلی سڑک پر اترنے کا فیصلہ کرلیا۔

سڑک کے بائیں کنارے پر ایک سڑک کے آثار دیکھتے ہی میں نے انڈی کیٹر روشن کیا اور ٹریفک کی روانی میں اپنی کار کو دھیرے دھیرے بائیں طرف لیتا چلا گیا۔ اس دوران میں میری نظریں عقب نما آئینے کا بھی جائزہ لیتی رہیں۔ اسٹریٹ لیمپس کی تیز روشنی میں، میں نے دیکھا کہ ٹریفک کے دھارے سے کٹ کر گہرے سبز رنگ کی ایک کار میرے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اسے چلانے والے نے مڑنے کا کوئی اشارہ دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ مجھے اس سبز کار سے بچنے کی فکر سوار ہوگئی کیونکہ میں اس وقت تک بے خبری کے عالم میں ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔ اگر وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے تو ابتدا سے ایک منصوبے کے تحت چلے آرہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے وہ سبز کار اسپتال کے قریب کھڑی دیکھی تھی۔

اس وقت میرے سامنے دو متبادل راہیں تھیں۔ میں بائیں طرف گھوم کر انہیں اپنے پیچھے آنے کا موقع دیتا اور پھر رفتار کم کردیتا۔ وہ عام شہری ہوتے تو تیز رفتاری سے آگے نکل جاتے، شرپسند ہوتے تو میری اس حرکت سے گھبرا کر بے تکی حرکتیں شروع کردیتے، دوسرا متبادل یہ تھا کہ میں مڑنے کا ارادہ منسوخ کرکے سیدھا نکلتا چلا جاتا۔ ان کا رخ بتا رہا تھا کہ وہ میرے پیچھے مڑنے کا فیصلہ کرسکتے تھے۔ وہ ایک اتفاق بھی ہوسکتا تھا۔ اگر میں آخری مرحلے پر، موڑ چھوڑ کر سیدھا نکل جاتا اور وہ بھی سیدھے چلے آتے تو یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہوجاتی کہ وہ میرا پیچھا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

مجھے کچھ تشویش ضرور ہوئی مگر میں تعاقب کے امکان سے خوف زدہ نہیں تھا۔ ان سے کسی تصادم کی نوبت آجاتی تو میں بڑے بور کے بھرے ہوئے پستول سے لیس تھا۔ اس سبز گاڑی کی دونوں اگلی نشستوں پر دو افراد براجمان نظر آرہے تھے مگر مجھے یقین تھا کہ میرے کسی غیر متوقع اقدام کے نتیجے میں وہ تصادم چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کریں گے۔ دونوں گاڑیاں سڑک پر آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں اور میں تیزی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا تھا۔

موڑ آتے ہی میں نے اپنی کار بائیں طرف گھمالی۔ سبز کار کی رفتار یکایک تیز ہوگئی۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پیچھے سے میری کار کو ٹکر مارنے والے ہوں پھر یوں لگا جیسے وہ موڑ پر ہی مجھے دبا کر آگے نکل جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان میں سے کوئی صورت رونما نہ ہوئی۔ سبز کار کے بریک چرچرائے اور وہ قدرے کم فاصلے سے میری گاڑی کے پیچھے مڑ گئی۔

میں نے رفتار بڑھائی تو انہوں نے بھی اپنی گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ یہ کھیل بس چند منٹ جاری رہا۔ اس ذیلی سڑک کا مختصر سا بارونق حصہ چند لمحوں میں پیچھے رہ گیا اور دونوں گاڑیاں ایسے حصے سے گزرنے لگیں جہاں داہنی طرف بلند احاطوں میں گھرے ہوئے فلیٹوں کی ایک فصیل سی کھڑی ہوئی تھی اور بائیں طرف جھاڑ جھنکاڑ سے بھرا ہوا تاریک میدان تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

ان کی گاڑی کا انجن خاصا جاندار تھا۔ انہوں نے اپنی رفتار مزید بڑھائی اور اپنی کار میرے برابر سے گزار کر سائیڈ دبانے لگے۔ میں نے وہ خطرہ بھانپتے ہوئے نشست کے نیچے سے پستول نکالنا چاہا لیکن اس لمحے تصادم سر پر آچکا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ غیر ارادی طور پر اسٹیئرنگ پر جم گئے۔ میں نے اپنی کار کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے بائیں طرف کاٹنا شروع کردیا۔

وہ سبز کار ایسے خطرناک زاویے سے میرے سامنے ترچھی ہوئی کہ میں سڑک چھوڑ کر کچے اور ناہموار میدان میں اترنے پر مجبور ہوگیا۔ مجھے رفتار مزید گھٹانی پڑی۔ اسی لمحے سبز کار کے رکنے کا انتظار کیے بغیر ایک تنومند نوجوان پسنجر سیٹ سے کود کر نیچے اترا، سنبھلا اور تیزی سے میری طرف لپکا میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بس اتنا دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اگر میں پستول نکالنے کے لیے جھکتا تو وہ کھڑکی کے اترے ہوئے شیشے سے میری گردن پر ہاتھ ڈال دیتا۔ میں نے رینگتی ہوئی گاڑی کا انجن نیوٹرل کیے بغیر ہینڈ بریک کھینچا گاڑی کا انجن ایک تیز جھٹکا لے کر بند ہوگیا۔ میں نے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگادی۔

وہ پوری قوت سے میری طرف آرہا تھا اور میں نے اسی پر چھلانگ لگائی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ میں نے پوری قوت سے اس کے دونوں کان اپنے ہاتھوں میں جکڑے اور اس کے چہرے پر ٹکر رسید کردی۔

اس کے حلق سے ایک کراہ کے ساتھ گالیوں کا طوفان امڈ پڑا۔ میرے پہلوؤں پر اس کی گرفت غیر ارادی طور پر کمزور پڑ گئی۔ میں زور لگا کر اس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ گرفت کھودینے کے نتیجے میں وہ قدرے آگے جھک آیا تھا۔

اس بار میری داہنی ٹانگ چل گئی اور وہ الٹ کر پشت کے بل ریت پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ سب بہت تیزی سے رونما ہوتا چلا گیا۔ مخالف سمت سے آنے والی ایک گاڑی کے مسافروں نے ویرانے میں ہونے والی وہ وحشیانہ لڑائی دیکھی اور رفتار بڑھا کر بہت تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے تاکہ ناگہانی چل پڑنے والے آتشیں ہتھیاروں کی زد سے محفوظ رہ سکیں۔

مجھ سے چوک یہ ہوئی کہ میں نے اپنی ساری توجہ اپنے حریف پر مرکوز کر دی۔ وہ گرا تو میں لپک کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر مکوں کی برسات شروع کر دی۔ اسے ادھیڑ ڈالنے کی دھن میں، میں اس کے ساتھی کو وقتی طور پر فراموش کر بیٹھا تھا جو سبز کار چلا رہا تھا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ کب وہ اپنی گاڑی روک کے نیچے اترا اور کب مجھ پر پشت سے حملہ آور ہوا۔ میرے سر پر کسی ہتھیار کے وزنی آہنی دستے کی زور دار ضرب پڑی اور میرا ذہن یکایک تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن کے کسی خانے میں یہ حیرت ابھر آئی تھی کہ وہ مسلح تھا تو اس نے میرے اوپر فائر کرنے کے بجائے، اپنے ہتھیار کو دوسرے انداز میں کیوں استعمال کیا تھا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کے اذیت ناک احساس کے ساتھ میرے حواس رفتہ رفتہ بحال ہوئے تو میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ میں آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔

میرے کانوں میں دو افراد کے بولنے کی آوازیں آئیں۔ ایک تفکر آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "تم نے بلا جلا کر اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہ ابھی زندہ ہے؟ مر گیا ہے تو ہمیں یہاں بیٹھ کر وقت برباد کرنے کے بجائے واپس چل دینا چاہیے۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ میں نے بہت دیکھ بھال کر چوٹ لگائی تھی۔ اس کی نبضیں چل رہی ہیں" دوسرے نے کہا۔

وہ ابتدائی فقرے سن کر میری جان میں جان آئی کہ میں نہ صرف زندہ تھا بلکہ وہ دونوں بھی فوری طور پر مجھے ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ میرے پپوٹے بند تھے مگر اس کے باوجود مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ارد گرد اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے اپنے پپوٹوں کے درمیان ہلکی سی جھری پیدا کی۔ چند ثانیوں تک مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے دیکھ لیا کہ تاروں بھرے آسمان کے سائے میں دو انسانی ہیولے کھڑے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔

"اب تک اسے ہوش میں آجانا چاہیے تھا" پہلی آواز پھر سنائی دی "ماسٹر ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ یہ سالا مکاری نہ کر رہا ہو۔"

"میرے سامنے اس کی مکاری نہیں چلے گی۔ ابھی اس کے منہ پر تھرماس کا پانی انڈیلتا ہوں" دوسرے کو اپنے اوپر ناز تھا۔

"ٹھنڈا پانی برباد مت کرو۔ اس کے بال پکڑ کر تھپڑ لگاؤ۔ جلدی ہوش آجائے گا۔"

وہ تجویز خاصی سنگ دلانہ تھی مگر میں ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ انہوں نے مجھے زندہ رکھا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان دونوں نے مجھے شہر سے باہر کسی ویرانے میں لا کر زمین ڈال دیا تھا۔ اوپر کھلا آسمان تھا۔ وہاں اندھیرا اور سناٹا خاصا گہرا تھا۔ کہیں بہت دور سے گزرتی ہوئی گاڑیوں کے انجنوں کا بہت ہی دھیما اور گھٹتا بڑھتا شور، وقفے وقفے سے ہواؤں کے دوش پر تیر جاتا تھا ورنہ پھر وہی سناٹا چھا جاتا تھا جسے ان دونوں کی آوازیں مجروح کر رہی تھیں۔

میں منتظر رہا۔ زمین پر کسی کے چلنے کی دھمک سنائی دی پھر کسی نے مٹھی میں میرے بال جکڑ کر میرا سر زمین سے کچھ اوپر اٹھا لیا۔ اسی کے ساتھ میرے چہرے پر تھپڑ پڑنے شروع ہو گئے۔ میں نے دانت بھینچ کر خاموشی سے وہ مار برداشت کرنی شروع کر دی۔

"شاباش!" پہلی آواز گونجی "یہ سمجھ لو کہ اس وقت تم اپنے چہرے پر پڑنے والے گھونسوں کا حساب برابر کر رہے ہو۔"

اس مرتبہ دونوں آوازوں کا فرق نمایاں ہو گیا۔ میرے ہاتھوں پٹنے والا مجھے مار رہا تھا۔ دوسرا رتبے میں اس سے بڑا یا سینئر معلوم ہوتا تھا۔

پہلے کا تبصرہ سن کر دوسرے نے طمانچوں کا سلسلہ موقوف کر کے میرے بال چھوڑ دیے۔ میں نے اپنا بدن بالکل ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا۔ دکھتا ہوا سر زمین سے ٹکرایا تو میرے سر میں درد کی ایک ناقابل بیان سی ٹیس ابھری جسے میں سہہ گیا۔ اس وقت میری کوئی بھی لغزش مجھے براہ راست موت کے دہانے پر دھکیل سکتی تھی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک میری قوت برداشت جواب نہیں دے جائے گی، میں ہوش میں نہیں آؤں گا۔ ان کے سامنے بے ہوشی کی اداکاری کر کے میں کسی نہ کسی حد تک ان کے مذموم مقاصد سے آگاہی حاصل کر سکتا تھا۔

ان دونوں کی گفتگو بہت عامیانہ تھی۔ را کے تجربے کار

ایجنٹ یا انڈین قونصل خانے کے ملازم آپس میں اس قسم کی گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خیال تقویت پکڑ رہا تھا کہ وہ دونوں کرائے کے بدمعاش تھے جن کو میجر بخشی کے کسی ساتھی نے معاوضے پر حاصل کیا ہوا تھا۔ میں نے تھپڑ کھانے کے دوران میں پپوٹوں کو مزید کھول کر یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں خالی ہاتھ تھے البتہ سینئر بدمعاش کی جیب سے نکلا ہوا پستول کا دستہ صاف نظر آرہا تھا۔

تصادم کے آخری اور مقابلے کے ابتدائی لمحات میں، میں نے ان دونوں کے جو حلیے اور خدوخال دیکھے تھے، وہ میرے خیال سے مطابقت رکھتے تھے۔ وہ دونوں ملک الموت بن کر میرے سر پر سوار تھے۔ ان کڑے لمحات میں مجھے کام کی ہر بات دھیرے دھیرے یاد آتی جارہی تھی۔

"استاد! یہ تم نے کیا بات کہہ دی!" میرے بالوں کو نجات ملنے کے بعد دوسرے کی احتجاجی آواز ابھری۔ "اس وقت تو یہ دھوکے سے میرے اوپر آپڑا تھا۔ اسے ہوش میں آجانے دو پھر دیکھنا کہ میں اسے کیسا مزہ چکھاتا ہوں۔"

"اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے" استاد نے جواب دیا "ہم اندھا دھند دوڑ لگا کر شہر سے اتنی دور نکل آئے ہیں کہ یہاں سالا موبائل فون بھی کام نہیں کررہا۔ واپسی میں زیادہ دیر ہونے سے ماسٹر خفا ہوگیا تو آئندہ کے لیے لائن خراب ہوجائے گی۔"

"تم اس سے بہت ڈرتے ہو۔ شاید اس لیے کہ تم اسے نہیں جانتے۔ وہ تمہیں جانتا ہے۔"

"ارجن! زیادہ بکواس نہ کرو۔ ماسٹر زبان درازی کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا" استاد غرایا۔

ارجن ہنسا پھر بولا "اس ویرانے میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ موبائل بند پڑا ہے پھر بھی تم بات کرنے سے ڈرتے ہو۔"

"میں تمہاری یہ باتیں سننے کے لیے یہاں نہیں آیا" استاد کی غراہٹ تیز ہوگئی "میں نے تم سے کہا ہے کہ قیدی کو ہوش میں لاؤ جب تک ہم اس کی زبان نہیں کھلواتے ہمارا کام ختم نہیں ہوگا۔"

"صورت سے یہ ضدی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا دو چار ہاتھ تم بھی جمادو۔ شاید یہ ہوش میں آجائے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ روی کو مارنے کے بعد تم نے زیادہ چڑھالی تھی جو اب تک بہک رہے ہو" اس بار استاد کی آواز زہریلی تھی۔

ارجن کی ہرزہ سرائی پر استاد کو شاید تاؤ آگیا تھا۔ میں نے پپوٹوں کی باریک سی جھری سے دیکھا کہ وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ دو تھے اور میں اکیلا۔ میرا سر بھی دکھ رہا تھا۔ ان کا کم از کم ایک پستول میری نظروں میں آچکا تھا جب کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ان کے مقابلے پر آنے کی کوشش کرکے میں اس کھلے ویرانے میں زیادہ دیر تک ان کی گولیوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ میرے ذہن پر مایوسی غلبہ پاتی رہی پھر میرے ذہن میں اچانک ہی امید کا ایک شعلہ سا لپکا۔ میری انگلی میں وہ انگوٹھی بدستور موجود تھی جس کی مدد سے میں نے میجر بخشی کو چشم زدن میں بے ہوش کیا تھا۔ اگر میں ان کا تشدد سہتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کو انگوٹھی کا شکار کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ مقابلہ بڑی حد تک آسان ہوسکتا تھا۔

میں نے تاریکی میں بہت ڈرتے ڈرتے، انگوٹھے کی مدد سے انگوٹھی کو انگلی میں گھمانا شروع کیا اور استاد کے قریب آنے تک نگینے کو ہتھیلی کے رخ پر لے آیا۔ ایسی صورت میں میرے داہنے ہاتھ کی کوئی مناسب سی ضرب میرے شکار کو بے ہوش کرسکتی تھی۔

اس وقت میں اپنی مدافعت کی ایسی فکر میں مبتلا تھا کہ میں نے استاد کی زبان سے روی کو مارنے کے ذکر کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کے بارے میں، میں پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں مکافاتِ عمل کا شکار ہوگا اور وہ اس گردش میں آچکا تھا۔

ماسٹر کون تھا؟ یہ میرے علم میں نہیں تھا مگر اس ماسٹر کے دو قاتل گرگے میرے سامنے موجود تھے۔ انہیں زیر کرکے میں زندگی حاصل کرسکتا تھا۔ ظاہری صورت یہ تھی کہ وہ مجھے بری طرح مغلوب کرچکے تھے۔

"لے بھئی مظہر خان!" استاد نے میرے قریب آکر یہ کہتے ہوئے، میرے بالوں پر ہاتھ ڈال دیا "اب دو چار ہاتھ میرے بھی کھالے!"

بالوں پر اس کی گرفت سخت اور بے رحمانہ تھی۔ اس نے بال پکڑ کر، سر کے ساتھ میرا کچھ دھڑ بھی زمین سے اوپر اٹھالیا تھا۔ میں اپنے بدن کو بالکل ڈھیلا چھوڑ کر بالوں کے سہارے اس کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے باوجود بے ہوشی کی اداکاری کرکے میں نے اپنی اتنی قوت مجتمع کرلی تھی کہ میں بہتر لمحوں کی امید میں ایسے عذاب سہہ سکوں۔

استاد کے جسم نے جنبش کی، اس کا ہاتھ گردش میں آیا

اور اس بار واقعی ایسا زناٹے دار تھپڑ پڑا کہ میں اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ پاسکا۔ چیخ کے ساتھ میں نے استاد کی ران پر داہنا تھپڑ مارا پھر اسی ہاتھ کو اٹھاتے ہوئے استاد کی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ میرے بالوں پر استاد کی گرفت کمزور پڑنے لگی۔ میں ایک جھٹکے سے اپنے بال آزاد کرا کے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

استاد کے ایک طمانچے نے میری کھوپڑی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سر کے زخمی حصے میں درد کی ٹیسوں نے سر ابھارا۔ استاد اپنے قدموں پر کھڑا ڈگمگا رہا تھا اور کسی بھی لمحے زمین پر گر کر خاک چاٹ سکتا تھا پھر بھی میں نے کوئی خطرہ مول نہیں لیا۔ میں اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا تھا جہاں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے استاد کے بھرے ہوئے پستول کی نال سیدھی کی اور ایک وحشیانہ چیخ کے ساتھ فائر کر دیا۔

اندھیرے میں تیرتا ہوا بارودی شعلہ استاد کے پیٹ میں معدوم ہو گیا۔ وہ مجھ سے دو تین قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ گولی اس کی پشت کو چیرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی اور وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر' کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح نیچے ڈھیر ہو گیا۔

"خبردار! دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو" میں نے ارجن کے قدموں میں فائر کر کے نیم ہذیانی انداز میں حکم دیا "ورنہ میں بھون ڈالوں گا۔"

ارجن ایک چیخ مار کر فضا میں اچھلا' اس کا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ' دوسرے ہاتھ کے ساتھ سر سے بھی اوپر اٹھتا چلا گیا۔

حالات کی اچانک تبدیلی پر ارجن بھونچکا رہ گیا تھا۔ گردوپیش میں اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا کہ استاد کے ساتھ کیا ہوا تھا اور وہ کیوں خاموشی سے ڈھیر ہو گیا تھا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا "پستول کی نال نیچے کر لو۔ تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ خود بہ خود گولی نہ چل جائے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر اپنے ہاتھ نیچے نہیں گراؤں گا" استاد کی مکمل خاموشی نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"جو کچھ میں پوچھوں' رکے بغیر بتاتے چلے جاؤ ورنہ میں تمہیں جہنم واصل کر دوں گا" میں ان دونوں کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی تذلیل اور ہزیمت پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا اور وہی آگ میری آواز سے برس رہی تھی "ماسٹر کون ہے؟"

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہمیں نہیں معلوم" استاد کے انجام سے پوری طرح باخبر نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ہکلاتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا "ہمارا اور اس کا رابطہ صرف موبائل فون پر ہوتا ہے۔ وہ کام بتاتا اور رقم کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم کام پورا کر کے اسے فون کر دیتے ہیں۔ درمیان میں وہ ضرورت محسوس کرتا ہے تو خود ہمیں فون کرتا رہتا ہے۔ ہمیں بلاوجہ اسے فون کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"روی کا کیا قصہ ہے۔ تم نے اسے کیوں اور کیسے مارا؟" میں نے قہربار لہجے میں پوچھا۔

"ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی" میرے اس براہِ راست سوال پر وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا "آج تین بجے ماسٹر نے استاد کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ روی کلفٹن کے ایک اسپتال میں چھپا ہوا ہے اسے وہاں سے نکال کر مارنا ہے۔ ہم دونوں وہاں گئے۔ استاد نے اسے اسپتال سے چھٹی دلا کر میرے حوالے کیا اور میں نے اسے مار کر لاش پرانا گولیمار کے ایک میدان میں پھینک دی۔"

"تفصیل بتاؤ" میں نے ڈپٹ کر کہا "رقم کتنی ملی؟ اسے اسپتال سے کیسے نکالا' اسے تم نے کیوں مارا؟ تمہارا استاد کیا کر رہا تھا؟"

"میں سب بتاتا ہوں' سب کچھ بتا دوں گا۔ وہ قتل کرانے کے پورے ایک لاکھ دیتا ہے۔ آج کے دونوں کاموں کے لیے دو پیٹی مال چار بجے استاد کے ہوٹل پر پہنچ گیا۔ آج رقم کا گندا اور میلا لفافہ ایک فقیر نے استاد کو دیا تھا۔ ماسٹر نے استاد کو بتا دیا تھا کہ روی ڈرا سہا ہوا ہے۔ وہ مظہر خان کے سوا کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دے گا۔ استاد نے اسپتال پہنچ کر اس سے کہا اسے مظہر نے اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسپتال میں روی کی جان کو خطرہ ہے۔ وہ وہاں سے نکل کر استاد کے ساتھ چل دے۔ روی اس جال میں آ گیا۔ اس نے کسی کا فون نمبر ملانے کی کئی کوششیں کیں مگر کامیاب نہیں ہوا۔ پھر اس نے اسپتال سے چھٹی لے لی میں استاد کا ڈرائیور بنا ہوا تھا۔ استاد نے گاڑی چلنے کے بعد روی کو کلوروفام سنگھا کر زبردستی بے ہوش کیا اور اسے میرے حوالے کر کے گاڑی سے اتر گیا۔ اسے اسپتال واپس پہنچ کر اس آدمی کا انتظار کرنا تھا جو روی کی تلاش میں اسپتال آتا۔

"ماسٹر نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے مظہر کی تلاش ہے۔ وہ ہاتھ لگ گیا تو پیٹی کے علاوہ انعام بھی ملے گا۔ میں نے روی کو ایک خالی اور سنسان میدان میں گرا کر اس کے دل میں خنجر اتار دیا اور اسپتال لوٹ آیا۔ استاد نے روی کو وہاں سے نکالا

تھا۔ وہ پہچانے جانے کے ڈر سے باہر منڈلا رہا تھا۔ میں اندر چلا گیا۔ اندھیرا ہونے کے بعد ماروتی گھبرائی ہوئی اسپتال آئی۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں اس کے آس پاس منڈلاتا رہا وہ پریشان بھی اور رو رہی تھی۔ اس نے شاید تمہیں فون کیا۔ جب تم آئے تو وہ تمہیں مظہر کہہ کر تم سے لپٹ گئی۔ میں نے یہ خبر فوراً استاد کو پہنچادی وہ خوش ہوگیا کہ وہ انعام کا حق دار بن جائے گا۔ ہم تمہاری گھات میں لگے رہے۔ تم اسپتال سے نکلے تو ہم نے تمہارا پیچھا کرنا شروع کردیا اور اب ہم آمنے سامنے ہیں۔"

یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ پراسرار ماسٹر، میجر بخشی کا کوئی قریبی معتمد یا ساتھی ہو سکتا تھا۔ شیام کے ذریعے یہ راز بخشی تک پہنچا تھا کہ مظہر، اظہر اور روی کے درمیان گہرے قریبی روابط ہیں اور وہی اس نکتے سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

"ایک لاکھ روپے فی قتل کا مطلب ہے کہ تم پہلے بھی ماسٹر کے لیے خوں ریزیاں کرتے رہے ہو۔"

"ہاں" اس کے حلق سے بہ مشکل پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی" ہم دونوں دہرے قتل کے ایک مقدمے میں ماتحت عدالت سے بری ہو کر چار سال بعد جیل سے باہر آئے تھے۔ ماسٹر کے پاس کچھ ایسے ثبوت تھے جو پولیس کو مل جاتے تو بڑی عدالت سے ہمیں پھانسی کی سزا ہو سکتی تھی۔ یہ دھمکی دے کر ماسٹر نے ہم سے اپنا پہلا کام کروایا۔ اس کے بعد ہم اس دلدل میں پھنستے چلے گئے۔"

"تم نے آج تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ماسٹر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس نے پہلے دن ہی دھمکی دی تھی کہ ہم نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ ہماری زندگیوں کے چراغ گل کردے گا۔ ہمارے ہاتھ صاف نہیں تھے۔ وہ ہمیں چھوٹے موٹے کام بھی دیتا رہتا تھا جن سے دن اچھے گزر رہے تھے۔ ہم نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ میں نے استاد کو کئی مرتبہ چھیڑا مگر وہ ایسی باتیں کرنے سے بھی ڈرتا تھا۔ ہم آج بھی ماسٹر کے غلام بنے ہوئے ہیں۔"

"میرے لیے تمہیں ایک پیٹی یعنی ایک لاکھ روپے مل چکے تھے پھر تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟"

"تم سے تمہاری اصلیت اگلوانی تھی۔ تمہارے ساتھیوں کے نام اور پتے حاصل کرنے تھے۔ ماسٹر نے استاد کو تاکید کی تھی کہ مظہر ہاتھ آجائے تو یہ کام پورا ہونے تک اسے زندہ رکھا جائے۔ شاید اسی اضافی کام کے لیے اس نے انعام کا وعدہ کیا تھا۔"

"تمہارے استاد کا اصل نام کیا ہے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"جیکب گینڈا" اس نے بتایا "یہ نام پرانا ہوگیا۔ اب سب اسے استاد کے نام سے جانتے ہیں۔"

"ماسٹر نے جیکب کو میرے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہوگا" اس سے باز پرس کرتے کرتے میرا غصہ خاصا دھیما ہو چکا تھا۔

"بس یہ بتایا تھا کہ تم بہت خطرناک اور خونی آدمی ہو.... استاد کو کیا ہوا ہے؟" میری بات کا جواب دیتے ہوئے اسے اچانک اپنے سینئر ساتھی کا خیال آگیا "اسے اٹھالو۔ وہ ماسٹر کے بارے میں تمہیں بہت کچھ بتا سکے گا۔ ماسٹر سے وہی بات کرتا تھا۔ کام کی باتیں مجھے بتاتا تھا اور باقی اپنے سینے میں محفوظ رکھتا تھا۔"

"استاد جیکب کبھی نہ اٹھنے کے لیے سویا ہوا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور تم سے جو پوچھا جا رہا ہے' اس کا جواب دو...."

"اوہ! تو تم نے استاد کو ماردیا" میرے انکشاف نے اسے ڈرا دیا "ماسٹر نے یہی کہا تھا کہ تم بہت خطرناک ہو۔"

"تمہارے ماسٹر کی ایسی کی تیسی!" میں نے جھلا کر اسے جھڑک دیا "میں خطرناک اور خونی تھا۔ اس لیے وہ مجھے مروانا چاہتا تھا۔ روی کو مروانے کے لیے اس خبیث نے کیا عذر پیش کیا تھا۔"

"اسے کبھی بھی کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے لیے یہ کافی ہوتا تھا کہ وہ کسی کو مروانا چاہتا ہے اور ہم اس کے لیے وہ کام پورا کرنے کے پابند ہو جاتے تھے۔ تمہارے بارے میں اس نے نہ جانے کیوں دو تین باتیں بتادی تھیں۔"

"تمہیں بالکل نہیں معلوم کہ ماسٹر کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے کھڑے کھڑے اپنا وزن ایک ٹانگ پر منتقل کرکے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے سر ہلادیا "اس بارے میں استاد کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ تم نے اسے مار کر ظلم کیا ہے۔"

"شٹ اپ!" میں نے بڑھ کر پستول کی نال اس کے حلق پر ٹکا دی "قاتلوں اور مجرموں کی زبان سے ظلم کا لفظ اچھا نہیں لگتا۔ تم دونوں کو ہر قتل کے بدلے میں کئی کئی بار مارا جانا چاہیے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"ہم نے اپنی مرضی سے خون نہیں کیے" وہ جنبش کیے

بغیر بولا "ماسٹر نے دھونس اور لالچ سے ہمیں مجبور کیا تھا۔"

"اب جھوٹ مت بولو۔ اس سے ملنے سے پہلے تمہارے ہاتھ دو انسانوں کے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ماسٹر کا فون نمبر بتاؤ؟" وہ حلق پر ٹکی ہوئی پستول کی نال سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ میں نے نال الگ ہٹالی۔

"ماسٹر کا فون نمبر استاد کو معلوم تھا" ارجن کے انکشاف نے میرے بدن میں سنسنی کی سی لہر دوڑا دی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس سے استاد ہی بات کرتا تھا، میری کبھی بات نہیں ہوئی۔ اس کا فون نمبر استاد کو معلوم تھا۔"

"اور اسے میں نے مار دیا ہے! تم یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" میں نے اس کی ادھوری بات تلخی سے پوری کر دی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی "تم استاد کے موبائل فون کی میموری پر تلاش کرو تو تمہیں ماسٹر کا فون نمبر مل جائے گا۔ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ اس کا فون نمبر کیسے پہچانا جائے گا۔"

میں بے ہوشی کی اداکاری کرتے ہوئے، جیکب کی زبان سے یہ بات سن چکا تھا کہ وہ لوگ کراچی سے اتنا دور نکل آئے تھے کہ ان کے موبائل فون نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر بھی میں ارجن کے مقدر کا فیصلہ کرنے سے پہلے موبائل پر ماسٹر کا فون نمبر تلاش کرنے کی ایک کوشش کر سکتا تھا۔

ارجن کو اپنے پستول کی زد میں لیے، میں پیچھے سرکنے لگا۔ اس دوران میں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان دونوں کی سبز گاڑی اسی ویرانے میں موجود تھی۔ اپنا کام مکمل کر لینے کے بعد مجھے واپسی کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔

میں استاد جیکب کی لاش کے قریب پہنچا تو مجھے احساس ہوا کہ تاریکی کی وجہ سے اس کی جیب سے موبائل نکالنا آسان کام نہیں تھا۔ میں اس کی جیبیں ٹٹولنے کی کوشش کرتا تو کسی بھی لمحے ارجن کی طرف سے دھیان ہٹ سکتا تھا۔ بازی پلٹ جانے کے بعد میرے بجائے ارجن موت کے خوف میں مبتلا تھا۔ مجھے اپنی طرف سے غافل پا کر وہ میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

میں جیکٹ کے نیچے چھپا ہوا اس کا چرمی ہولسٹر دیکھ چکا تھا۔ اپنا کام کرنے سے پہلے یہ یقین حاصل کرنا ضروری تھا کہ ارجن پوری طرح غیر مسلح تھا۔ ایسی حالت میں وہ میرے خلاف کوئی بھی کارروائی کرتا تو میں بے خوف ہو کر اس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ گھر سے نکلے ہوئے مجھے بہت دیر ہو چکی تھی۔ میری واپسی میں تاخیر ہونے پر میرے ساتھی تشویش اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہوں گے مگر میں مجبور تھا۔ اپنے تحفظ کا پورا یقین کیے بغیر میں کسی عاجلانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں ارجن پر پستول تانے دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔ مجھے اپنی طرف لوٹتا دیکھ کر وہ چیخنے لگا "فون میرے پاس نہیں، استاد کے قبضے میں رہتا ہے..."

"آوارہ سانڈ کی طرح چیخنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "مجھے سکون اور خاموشی سے اپنا کام پورا کرنے دو۔"

قریب جا کر میں نے سب سے پہلے اس کے ہولسٹر سے پستول نکالا جس میں پورا میگزین لوڈ تھا۔ پھر میں نے تیزی سے اس کی دوسری جیبیں بھی ٹٹول ڈالیں۔ مجھے کھٹکے سے کھلنے والے ایک تیز دھار چاقو کے سوا مزید کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو میرے لیے خطرناک ہوتی۔

اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر لینے کے بعد میں دوبارہ استاد جیکب کی لاش کے پاس پہنچ گیا۔ اندھیرے میں ٹٹولنے سے اندازہ ہوا کہ موبائل فون اس کی چست پتلون کی داہنی جیب میں پھنسا ہوا تھا۔ میں گھٹنوں کے بل زمین پر ٹک کر جیکب کی جیب سے موبائل فون نکال رہا تھا کہ وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ارجن نے میری توجہ دوسری طرف مبذول پا کر بہت پھرتی سے جگہ چھوڑی اور پلک جھپکتے میں میرے اوپر آپڑا۔

اس کا حملہ میرے لیے غیر متوقع نہیں لیکن ناگہانی ضرور تھا۔ وہ میرے اوپر بس ایک لمحے کے لیے رکا۔ میں نے اپنے دھڑ کو ایک جھٹکا دے کر اسے دوسری طرف الٹ دیا۔ اس کوشش میں پستول میرے ہاتھ سے نکل کر جیکب کی لاش پر گر گیا۔

ارجن زمین چاٹ کر فوراً ہی میری طرف پلٹ پڑا۔ میں سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کا صرف ایک گھونسا میرے شانے پر پڑا۔ میں نے پوری بے رحمی سے اس کے دونوں جبڑے سہلا دیے۔ وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں نہیں تھا، میرے مقابلے پر جم گیا۔

وہ کھلا میدان تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ وہ میری بے ہوشی سے پہلے بھی میرے ہاتھوں سے پٹ چکا تھا مگر اس بار اس کے جسم میں نئی توانائی عود کر آئی تھی۔ ہم کبھی ایک دوسرے پر گھونسے برساتے اور کبھی آپس میں لپٹ پڑتے۔ وہ مجھے تو کوئی قابلِ ذکر نقصان پہنچانے میں

کامیاب نہیں ہوا مگر اس کا زخمی چہرہ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ پھر بھی اس پر تھکن کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ بس اس نے ہانپنا شروع کر دیا تھا۔ میرے تنفس کی رفتار بھی اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔

لڑتے لڑتے مجھے خیال آیا کہ اس کے ساتھ مکے بازی کا مقابلہ کر کے میں اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ مجھے ہر قیمت پر اسے ختم کرنا تھا۔ اس کام میں اول خان سے لی ہوئی انگوٹھی میری بہترین مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے مقابلے میں کوئی سستی دکھائے بغیر، انگوٹھی کو ٹٹولا۔ انگلی میں پھنسی ہوئی انگوٹھی کا خطرناک نگینہ اسی رخ پر تھا جدھر میں نے اسے گھمایا تھا۔

میں نے بس ذرا سی دیر انتظار کیا اور جوں ہی ارجن کا چہرہ میری زد میں آیا۔ میں نے مکے کے بجائے، داہنے ہاتھ کا تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کر دیا۔ اس کے فضا میں اٹھے ہوئے ہاتھ سلوموشن کے انداز میں میری طرف بڑھتے رہے مگر میرے جسم تک پہنچنے سے پہلے بازوؤں پر جھول گئے۔ اس کا جسم حملہ آور ہونے کے انداز میں آگے کی سمت میں جھکا ہوا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے تیورایا اور پھر منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

میں اس کی طرف سے بے فکر ہو کر جیکب کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مجھے اس کی جیبوں میں پائی جانے والی دیگر اشیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی پتلون کی جیب سے موبائل فون نکال کر میں نے اس ویرانے کے منظر کا الوداعی جائزہ لیا اور اس بار ارجن کے چھوٹے بور کے پستول سے اس کی کھوپڑی پر فائر کر دیا۔ وہ گہری بے ہوشی کے عالم میں تھا مگر سر میں گولی پیوست ہوتے ہی اس کے جسم کو آخری زبردست جھٹکا لگا اور زندگی سے اس کا ہر رشتہ ٹوٹ گیا۔

اس تصادم کی وجہ سے مجھے اپنے پستول سے ہاتھ دھونے پڑے تھے مگر اس کے بدلے میں دو عدد پستول میرے ہاتھ آ چکے تھے۔ مجھے امید تھی کہ میری گاڑی کلفٹن کے علاقے سے ہی بازیاب ہو جائے گی مگر اس میں موجود پستول کے ملنے کی توقع نہیں تھی۔

سبز کار کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ سوئچ آن کر کے میں نے پارکنگ لائٹس جلائیں، ڈیش بورڈ پر روشن ہونے والے میٹروں کا جائزہ لیا۔ کار کی ہر چیز اطمینان بخش تھی۔ ٹنکی میں نصف سے زیادہ پیٹرول موجود تھا۔ میں نے کیبن لائٹ جلا کر اپنے لباس کا جائزہ لیا پھر آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس رات حاصل ہونے والی فتح مجھے خاصی مہنگی پڑی تھی۔ میرا لباس گرد آلود ہو رہا تھا۔ دشمنوں کے تھپڑوں کی برسات کی وجہ سے میرے دونوں رخسار متورم تھے۔ چہرے پر کئی خون آلود خراشیں اور نیل بھی نظر آ رہے تھے۔

اس حلیے میں کوئی بھی مجھے مشتبہ سمجھ کر روک سکتا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر اپنے کپڑوں سے خشک گرد جھاڑی، داغ دھبے دور کیے اور چہرے کو تھرماس کے ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح صاف کرنے کے بعد وہاں سے چل دیا۔ گاڑی کے ڈیش بورڈ کے خانے میں وائٹ ہارس اسکاچ کے دو پائنٹ موجود تھے۔ ان میں ایک ان دونوں کے زیر استعمال رہا ہو گا۔ دوسرا ادھا سربہ مہر تھا۔ میں نے راستے میں وہ دونوں بوتلیں باہر میدان میں پھینک دیں۔

ہوا کے دوش پر وزنی گاڑیوں کے انجن کی ڈوبتی ابھرتی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں کسی شاہراہ کے قریب موجود تھا اور ان آوازوں کی مدد سے کچے ویرانے سے نکل سکتا تھا لیکن ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے اور ماحول کی لامتناہی یکسانیت کی وجہ سے میں نے وہ خطرہ مول لینے سے گریز کیا۔ سبز کار کو واپس گھما کر ٹائروں کے ان نشانات پر ڈال دیا جو سڑک سے وہاں تک پہنچنے کے نتیجے میں وجود میں آئے تھے۔

○☆○

ان لوگوں نے اپنے حساب سے بس اتنا انتظار کیا تھا جتنا ضروری تھا۔ پھر ان میں اضطراب پھیلنا شروع ہو گیا۔ ویرا پہلے دن سے ہی ماروتی کو ناپسند کرتی تھی اس لیے وہ میرے بارے میں زیادہ فکرمندی جتا رہی تھی۔ اس کا سیدھا سا نظریہ تھا کہ اگر کوئی دھوکے سے روی موہن کو اسپتال سے نکال لے گیا ہے تو اسے آسانی کے ساتھ روی کی واپسی پر آمادہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے آدھے پون گھنٹے میں ماروتی کو تسلی تشفی دے کر واپس چل دینا چاہیے تھا۔

جب اس کے اندازوں کے مطابق میری واپسی نہیں ہوئی تو اس نے اسپتال فون کر کے خالص امریکی لہجے اور انگریزی میں روی کے بارے میں سوال کرنے شروع کیے۔ اس کا حربہ کامیاب رہا۔ اس کے مخاطب نے مرعوب ہو کر اسے ضرورت سے زیادہ وقت دیا اور آخرکار ویرا کی اس خاتون سے بات ہو گئی جو اسپتال میں مجھ سے ٹکرائی تھی۔ وہاں سے میری اور ماروتی کی واپسی کی اطلاع نے اس کی تشویش میں اضافہ کر دیا۔

ایک گھنٹے بعد میرے لیے ماروتی کا فون آیا تو ان کی

پریشانی مزید بڑھ گئی۔ روی کے بارے میں کوئی خیر خبر لینے کے لیے ماروتی کو میری تلاش تھی۔ ان حالات میں ہر ایک کا فکر مند ہونا فطری تھا۔ اسپتال سے ہم ایک ساتھ روانہ ہوئے، ماروتی اپنے گھر میں موجود تھی تو پھر میں کہاں تھا۔

وہ تینوں اپنے طور پر میری تلاش کی کوئی مہم شروع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ کسی پیش رفت کا آسان ترین ذریعہ اول خان بن سکتا تھا۔ غزالہ نے اس سے بات کی اور وہ فوراً ہی ہمارے گھر دوڑا چلا آیا۔ اس نے دوسرے ذرائع آزمانے کے ساتھ کلفٹن کے متعلقہ تھانے کو بھی براہِ راست اعتماد میں لے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ دیر بعد میری گاڑی کا سراغ مل گیا۔ وہاں کچی زمین پر پائے جانے والے ٹائروں کے بے ترتیب نشانات اور ابتری کی دوسری علامات سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہاں کوئی سنگین گڑبڑ ہوئی تھی لیکن اس کا کوئی گواہ تھا نہ مزید سراغ!

ماروتی سے ملنے کے لیے اسپتال جاتے جاتے، میں نے اپنے ساتھیوں کو کسی اچانک حملے وغیرہ سے ہوشیار رہنے کی جو ہدایات کی تھی، اس نے انہیں اعصابی تناؤ میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ وہ گھر میں رہ کر خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے اور میں باہر جا کر کسی نامعلوم خطرے سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں کافی تاخیر سے گھر واپس پہنچا تو وہاں شدید افراتفری اور ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔

میں نے واپسی سے پہلے اپنا حلیہ بڑی حد تک درست کر لیا تھا لیکن میری ہیت کذائی دیکھ کر سب کو اندازہ ہو گیا کہ میں خاصے ناخوش گوار حالات سے گزرنے کے بعد گھر واپس پہنچ سکا تھا۔ میں ان کے مسرت آمیز ردِعمل، ہمدردانہ نگاہوں اور تحیر زدہ فقروں کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھا اپنے کمرے کی طرف گیا تو کسی نے مجھے روکنے یا میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غزالہ قدرے توقف کے بعد کمرے میں آئی تو میں نہانے کی تیاری میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آپ خیریت سے تو ہیں؟ باہر سے کیا حلیہ بنا کر واپس آئے ہیں۔" باتھ روم کے بند دروازے کے پیچھے سے غزالہ کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔

"صرف چہرہ بگڑا ہے۔ میں ہر ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "مجھے آرام سے نہانے دو۔ باہر آ کر سب کچھ بتا دوں گا۔"

اس مکالمے کے بعد غزالہ نے بھی دخل اندازی نہیں کی اور میں گرم پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک اطمینان سے نہاتا رہا۔ گرم پانی کے فرحت انگیز لمس سے مجھے اپنی چوٹوں کے درد میں حیرت ناک کمی محسوس ہو رہی تھی۔ سر کے پھولے ہوئے عقبی حصے کے درد میں بھی وقت کے ساتھ کمی آ رہی تھی۔

تازہ دم ہو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور ان کی محفل میں شامل ہو گیا۔ میرے واپس پہنچتے ہی ان کی قیاس آرائیوں کا سلسلہ رک گیا "تمہاری کار کلفٹن سے لاوارث کھڑی ہوئی ملی ہے۔ یہ سبز کار تمہیں کہاں سے مل گئی۔" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ اس کار کو جلد از جلد یہاں سے ہٹا کر کہیں چھوڑ دو۔ یہ گاڑی روی کے قتل میں ملوث رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"روی کو مار دیا گیا؟" میرے انکشاف نے ان سب کو حیران کر دیا۔

"ہاں۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے جواب دیا "شیام کی زبانی، روی کے جو اعترافات میجر بخشی تک پہنچے تھے، ان کے بعد یہ ہونا ہی تھا۔"

"مگر بخشی کو تو وقت ہی نہیں ملا۔ صبح سویرے اس نے تم سے فون پر بات کی، دن چڑھے اسے یادداشت سے نجات دلا دی گئی۔" اول خان نے حیرت سے کہا "روی کے ساتھ جو کچھ ہوا، آج دوپہر بلکہ سہ پہر کے بعد ہوا ہو گا۔"

"یہ ہماری خام خیالی ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "بخشی ہمارے چنگل میں آنے سے پہلے کسی اور کو اپنے اعتماد میں لے چکا تھا۔ اب جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسی نامعلوم شخص کی کارستانی ہے۔ اس کا نام پردے میں ہے۔"

"ٹھہرو! میں سبز کار کا بندوبست کر کے ابھی آتا ہوں۔ اس کا یہاں سے ہٹایا جانا ضروری ہے۔" یہ کہہ کر اول خان نے فوری طور پر ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔ شاید وہ اپنے کسی آدمی کو اس کام پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"تمہارا چہرہ بہت بگڑا ہوا ہے۔" ویرا نے آزردہ آواز میں مجھ سے پوچھا "معلوم ہوا ہے آج تم اپنے دشمنوں سے بہت زیادہ پٹے ہو۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ موت کان پر سے گزری ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "آج میں نے زندگی کی قیمت پر دانستہ یہ مار کھائی ہے۔ اس کے ازالے کے لیے ان دونوں کو آخر کار اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑ گئے۔"

میرے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں وہ ابتدائی اطلاع ان کے لیے حوصلہ افزا تھی۔

اول خان کی واپسی تک میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

وہ اپنے ایک چوکی دار کو سبز گاڑی سے گلوخلاصی کی ذمّے داری سونپ کر آیا تو میں نے ان کے سوالات سے بچنے کے لیے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

"تم نے ماروتی کے فون پر اسپتال جاکر بہت بڑی غلطی کی۔" اول خان نے متاسفانہ انداز میں زور زور سے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا "روی کے ساتھ گڑبڑ ہونے کے بعد معاملہ وہیں ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہیں پہلے ہی اس خطرے کا ادارک کرلینا چاہیے تھا۔"

"بلائے بودو لے بخیر گزشت!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جو ہونا تھا' ہو گیا میں وہاں نہ جاتا تو گاڑی ایک جگہ رک گئی تھی۔ ارجن اور جیکب کا صفایا ہوجانے کے بعد اب ماسٹر کا نام ہمارے سامنے ہے۔"

"تم یہاں کے معاملات سے بالکل الگ رہو گے۔" اول خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا "کل تم تینوں کے پاسپورٹ تیار ہوجائیں گے' پرسوں تم تینوں لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤ۔ یہاں کے معاملات میں خود دیکھتا رہوں گا۔"

"سوجے ہوئے جبڑوں کے ساتھ پرسوں میری روانگی ناممکن ہے۔" میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ورم اور زخموں کی وجہ سے میں آئینے میں خطرناک بدمعاش معلوم ہو رہا ہوں۔ بھارت میں ہر متجسس نگاہ میرے چہرے پر مرکوز رہے گی۔"

"معلوم نہیں ہو رہے بلکہ تم واقعی بدمعاش ہو۔" ویرا نے مسکرا کر مذاق میں کہا "تمہاری مکاریوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ جب وہ تمہیں تھپڑ مار رہے تھے تو سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ تم انگڑائی لے کر اچانک آنکھیں کھولو گے اور انہیں پیس ڈالو گے۔"

"میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو' بات مذاق میں مت ٹالو۔" اول خان نے تادیب کی "تمہاری بات سے مجھے اتفاق ہے کہ ورم اور زخم مندمل ہونے تک تمہیں سفر ملتوی کردینا چاہیے لیکن تم اس دوران میں صرف آرام کرو گے دوسری سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہو گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ یہ مشورہ تم دے رہے ہو۔ بے کار رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔"

کوئی بات یاد آنے پر اول خان ہنس پڑا پھر بتانے لگا "ایس ٹی ایف میں' میں نے ایک مرتبہ سزا کا یہ طریقہ رائج کیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ حد سے زیادہ مستعد ہوگیا تھا جو کوئی غلطی کرتا' اسے چند روز کے لیے کام سے ہٹا کر ایک طرف بٹھا دیا جاتا۔ سزا پانے والے دو دن میں اپنی زندگی سے بیزار ہوجاتے تھے۔ بعد میں سینئر اسٹاف کی مشترکہ سفارش پر اس سزا کو موقوف کرنا پڑا۔"

"اب تم اپنی موقوف کی ہوئی وہی سزا مجھے سنا رہے ہو۔ کیا میں تمہیں اتنا کاہل اور بے فیض نظر آتا ہوں؟"

اول خان میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوش دلی سے ہنس پڑا "تم کو اپنی سرگرمیاں محدود کردینی چاہئیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ ہم نے شیام کو مسکین اور بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا مگر اس کی مخبری کی بنا پر بات کہاں تک بڑھ چکی ہے۔ تمہارے آج کے مسائل کی پوری ذمّے داری اسی کے سر جاتی ہے۔"

"اس کا کیا بنا؟" ویرا نے دلچسپی سے پوچھا "اسے تمہاری فورس کے عملے نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا۔"

"وہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔" اول خان صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بولا "اسے مفت کی روٹیاں کھلانے کے بجائے ورکشاپ میں بیگار پر لگا دیا گیا تھا۔ وہاں وہ جیک پر چڑھے ہوئی ایک ٹرک کے نیچے گھس کر صفائی کررہا تھا کہ اس کا پیر لگنے سے جیک پھسل گیا اور پورے ٹرک کا وزن اس کے سینے پر آرہا۔ اس کی ساری ہڈیاں پسلیاں سرمہ ہوگئیں۔ اس نے اسی وقت دم توڑ دیا۔"

"تم نے ابھی تک اس کی موت کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔" سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"وہ ایسی افسوس ناک موت تھی کہ میں نے اس کا ذکر چھیڑ کر تمہاری طبیعتیں مکدر نہیں کیں۔ اب اس کے کرتوتوں کے نتائج سامنے آرہے ہیں تو مجھے بھی اس کی موت پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ جن مجرموں کو انسان نظرانداز کردیتے ہیں' ان کو قدرت خود سزا دے دیتی ہے۔"

میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر اول خان کی طرف بڑھا دیا "یہ استاد جیکب کا موبائل ہے۔ اس کی میموری پر موجود نمبر نوٹ کرو۔ مجھے ان سب لوگوں کے نام اور پتے درکار ہیں۔ ان ہی میں سے کوئی ماسٹر ہو سکتا ہے۔"

اول خان نے موبائل اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اس کے ڈائل پیڈ پر مختلف بٹن دبا کر اسکرین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہ کام مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تو بہت سے نمبر موجود ہیں۔ اتنی بڑی فہرست کے بارے میں معلومات جمع کرنا آسان نہیں ہوگا۔"

"مجھے موبائل کے استعمال میں زیادہ مہارت نہیں ہے مگر مجھے اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے۔ اس کے مطابق تم آخری مرتبہ ملایا ہوا نمبر ہر وقت دیکھ سکتے ہو۔ ذرا

کوشش تو کرو۔ وہ نمبر ماسٹر کا ہی ہونا چاہیے۔‘‘ میں نے کہا۔
’’تمہارا خیال درست ہے‘‘ ویرا نے میری تائید کی ’’موبائل پر ملایا ہوا آخری فون نمبر ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔‘‘
’’یہ بھی کوئی موبائل نمبر ہی ہے‘‘ اول خان نے اسکرین پر دیکھ کر اعلان کیا۔
’’ہاں! یہ موبائل نمبر ہی ہونا چاہیے۔ ماسٹر سے وہ موبائل پر رابطہ کرتے تھے‘‘ میں نے تائید کی ’’وہ دونوں ماسٹر کے ایما پر میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرے اغوا میں کامیابی حاصل کرتے ہی ماسٹر کو خبر دی ہوگی۔ موبائل سے ڈائل کیا جانے والا آخری نمبر اسی کا ہوگا۔ آخری گفتگو کے بعد وہ کراچی سے اتنی دور نکل گئے تھے کہ ان کے فون کے سگنل کام ہی نہیں کر رہے تھے۔‘‘
’’اگر صرف ایک نمبر کا معاملہ ہے تو کام ہو جائے گا۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ فون متحرک رہتا ہے۔ اس لیے یہ پتا چلانا مشکل ہوگا کہ ایک خاص وقت پر کوئی نمبر کہاں اور کس کے استعمال میں تھا‘‘ اول خان بولا۔
’’تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آسکی‘‘ میں نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ’’فون متحرک ہو تو ہوا کرے۔ یہ نمبر اور کنکشن جس کسی کے نام پر دیا گیا ہوگا۔ اس کا پورا پتا کمپنی کے ریکارڈ میں موجود ہونا چاہیے۔۔۔‘‘
’’وہ بھی مل جائے گا لیکن فون اس کے زیر استعمال نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟‘‘
اس کی الجھن میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ’’اگر موبائل نمبر میرا ہے تو اس کے صحیح یا غلط استعمال کی پوری ذمے داری مجھ پر ہے۔ فون غلط ہاتھوں میں چلا جاتا ہے یا چوری ہو جاتا ہے تو میرا فرض ہے کہ کمپنی کو اطلاع دے کر نمبر بند کرا دوں۔ غلط استعمال جاری رہتا ہے تو اس کے نتائج کی پوری ذمے داری مجھے قبول کرنا پڑے گی۔‘‘
’’اس کا مطلب ہے کہ تم اس نمبر کے مالک پر ہاتھ ڈالو گے‘‘ اول خان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
’’بالکل!‘‘ میں نے مسکراتے ہوئے نرمی سے جواب دیا ’’وہ خود ماسٹر ہے یا پھر ہمیں ماسٹر کا پتا بتائے گا جو اس کا فون استعمال کر رہا ہے۔‘‘
’’اب میں اس بارے میں پورے اعتماد سے بات کر سکوں گا‘‘ اول خان یہ کہہ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔
’’اس مرتبہ قتل و خوں ریزی کا سلسلہ زیادہ ہی تیز اور دراز ہو گیا ہے‘‘ غزالہ نے تبصرہ کیا۔
’’تم اس کا ذمے دار کسے قرار دیتی ہو؟‘‘ سلطان شاہ اس کی طرف فوراً متوجہ ہو گیا۔
’’حالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی رفتار سے رونما ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی ذمے داری کسی پر نہیں ڈالی جاسکتی۔‘‘
’’کرشن کمار اور ہری چند بہت مشکل سے ہاتھ آئے تھے‘‘ سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا ’’ان دونوں اموات میں خاصا وقفہ بھی آیا تھا۔ اس رفتار کو تم تیز نہیں کہہ سکتیں، ہم میں سے کوئی بھی بے مقصد خوں ریزی کا شوقین نہیں ہے۔‘‘
’’کل صرف جگدیش موہن کی خودکشی کی خبر آئی تھی۔ آج مرنے والوں کی تعداد چار ہو چکی ہے‘‘ غزالہ بولی ’’میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ شہر والوں کے لیے ایک دن میں چار قتل خوف و ہراس کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔‘‘
’’مجبوری ہے‘‘ سلطان شاہ اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولا ’’روی کو دشمنوں نے مارا، اس کے دو قاتلوں کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری ڈینی کے سر جاتی ہے۔ شیام خود اپنی غلطی کا نشانہ بنا۔ ہمارے حساب میں تو صرف دو خون ہوئے ہیں۔‘‘
’’تم لوگ بخشی کو کیوں بھول رہے ہو؟‘‘ ویرا نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ’’وہ بھی آج ہی کا واقعہ ہے۔ وہ زندہ ہے تو کیا ہوا۔ اس کی حالت کسی مردے سے بھی بدتر ہے۔ آج کا کُل اسکور پانچ ہے۔‘‘
’’یہ ذکر چھیڑ کر تم کسی کو ملامت کرنا چاہ رہی ہو یا محض اپنے دکھ کا اظہار کر رہی ہو؟‘‘ میں نے ویرا سے پوچھا۔
’’مجھے نہ پکڑو‘‘ ویرا دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا کے بولی ’’مردے شماری کی ابتدا غزالہ نے کی تھی۔‘‘
اول خان فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جیب سے اپنا بال پین نکال لیا۔ دوسری طرف کی بات سن کر وہ سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ لکھتا رہا پھر اس نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔
’’فون افضل نامی کسی شخص کے نام پر ہے جو گلشن اقبال کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے‘‘ اول خان نے اعلان کیا۔
’’خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلے میں کسی مسلمان مجرم کا نام بھی سننے میں آیا‘‘ ویرا بے ساختہ بول پڑی ’’ہندوؤں کے ساتھ استاد جیکب کا نام سن کر مجھے کوفت ہوئی تھی کہ استاد جیکب کو بھارتیوں کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کافی دنوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہر میں رہنے والے

سارے مسلمانوں نے جرائم میں حصہ لینے سے توبہ کرلی ہو۔"
"تم مارونتی والی بات کہہ رہی ہو۔ ہم جان بوجھ کر ہندوؤں کو نہیں گھیر رہے تھے" سلطان شاہ نے جواب دیا۔
"تم کو بولنے کا پورا حق حاصل ہے کیونکہ میمن گوٹھ کے گرین فارم سے تم ہی نے کرشن کمار کو پکڑا تھا اور ابھی تک اپنی اس اکلوتی کارکردگی پر بغلیں بجارہے ہو" ویرا نے چبھتے ہوئے، طنزیہ لہجے میں کہا۔
"نام معلوم ہوگیا۔ اب میں ماسٹر کے نمبر پر فون کروں گا" میں نے اس بحث کو وہیں ختم کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑدی۔
اول خان کے قریب صوفے پر بیٹھ کر میں نے اپنے گھر کے فون سے وہ موبائل نمبر ملانا شروع کردیا جو ہمیں استاد جیکب کے موبائل فون کی میموری سے ملا تھا۔ میں نے وہ نمبر اسپیکر فون کے ذریعے ملایا تھا تاکہ سب لوگ گفتگو سے آگاہ ہوسکیں۔
دوسری گھنٹی بجنے پر اسپیکر فون پر ایک بھاری سی مردانہ آواز میں ہیلو کی آواز ابھری۔
مجھے ننانوے فیصد یقین تھا کہ وہ فون نمبر اپنے اصل مالک کے استعمال میں نہیں تھا۔ میں نے کہا "مجھے افضل سے بات کرنی ہے۔"
"افضل اس وقت موجود نہیں ہے" میری توقع کے مطابق سرد مہری سے جواب دیا گیا "فون میرے استعمال میں ہے۔"
"مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔ وہ اس وقت کہاں ملے گا؟" میں نے اصرار کیا۔
"وہ فون میرے پاس چھوڑ کر کہیں گیا ہوا ہے۔ اپنا نمبر دے دو۔ وہ آئے گا تو تمہیں فون کرلے گا۔"
"میں پبلک کال آفس سے بات کررہا ہوں۔ اپنا نمبر نہیں دے سکتا" میں نے اطمینان سے جواب دیا کیونکہ اس زمانے میں موبائل فون وغیرہ پر کال کرنے والے کا نمبر آنے کی سہولت کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔
"پھر میں کچھ بھی نہیں کرسکتا" دوسری طرف سے خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔
"تم کون بول رہے ہو۔ مجھے اپنا پتا بتادو" میں نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر سادگی سے کہا "میں سیدھا تمہارے گھر پہنچ جاتا ہوں۔ افضل تمہارے پاس واپس آئے گا تو میں اس سے مل لوں گا۔"
"میں اس کا دوست ہوں اور اجنبیوں کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے ملنا ہے تو میرے بجائے اس کے گھر جاؤ" اس منہ توڑ جواب کے ساتھ ہی اس نے اپنی طرف سے فون بند کردیا۔
"ویل ڈن!" ویرا تحسین آمیز لہجے میں بولی "تم نے بہت معقول گفتگو کی ہے۔ وہ کوئی تند خو اور کٹ کھنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہی ماسٹر ہے۔ چاہو تو اب میں اسے فون کرکے تنگ کرسکتی ہوں۔"
میں نے اسپیکر فون بند کردیا اور کہا "اس کی ضرورت نہیں۔ اس کا پیچھا کیا گیا تو وہ خطرہ بھانپ کر بھڑک جائے گا۔"
اسی وقت استاد جیکب کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب یوں حیرت سے اس انسٹرومنٹ کو دیکھنے لگے جیسے کسی موبائل فون کی مترنم گھنٹی کی آواز زندگی میں پہلی بار سنی ہو۔ میں خود بھی اس اچانک کال پر حیران تھا۔
"گھنٹی بجنے دو" اول خان کو اپنی گود میں بجنے والے فون کی طرف متوجہ پاکر میں نے جلدی سے کہا "یہ کال سننے کی ضرورت نہیں۔ یہ کال ماسٹر کی ہوسکتی ہے۔ وہ جیکب کے بجائے کسی اور کی آواز سنے گا تو شبہے میں پڑجائے گا۔ ابھی اس کا ہوشیار ہونا مناسب نہیں ہے۔"
"یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ یہ ماسٹر کی کال ہے" ویرا نے اعتراض کیا "جیکب گینڈے کے لیے کوئی اور بھی کام کرسکتا ہے۔"
موبائل فون کی گھنٹی مسلسل بجے جارہی تھی جس سے فون کرنے والے کی بے قراری اور بے چینی ظاہر ہورہی تھی۔ میں نے ویرا سے کہا "مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے۔ جیکب کو کوئی بھی فون کرسکتا ہے مگر غالب امکان ماسٹر کی کال کا ہے۔ فون میرے قبضے میں آئے ایک ڈیڑھ گھنٹا گزرچکا ہے۔ اس دوران میں یہ پہلی کال ہے جو ماسٹر سے میری چھیڑ چھاڑ کے فوراً بعد آئی ہے۔ اس وقت ماسٹر کو جیکب اور ارجن کے مشن کی کامیابی کی آخری خبر کا بے چینی سے انتظار ہوگا۔ انہیں رپورٹ دینے میں غیر معمولی تاخیر ہوچکی ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ وہ ان سے اس تاخیر کا سبب جاننا چاہے گا۔"
یکے بعد دیگرے دس گھنٹیاں بجنے کے بعد موبائل خاموش ہوگیا۔ ویرا کہہ رہی تھی "وہ جو کوئی بھی تھا، تھک ہار کر خاموش ہوگیا۔ اب یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ کال کہاں سے آئی تھی؟"
"اس لیے اس بحث کو یہیں ختم کردو" سلطان شاہ نے بات آگے بڑھائی "افضل گلشن میں رہتا ہے۔ اس وقت ہم بھی گلشن میں ہیں۔ کیوں نہ ذرا سی زحمت کرلی جائے۔ افضل

مل گیا تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

سلطان شاہ کی وہ تجویز بروقت اور لاجواب تھی۔ میں نے بھی ماسٹر کے موبائل فون پر کام کا آغاز اسی نظریے سے کیا تھا کہ ماسٹر کا کھوج لگانے کی ابتدا فون نمبر کے مالک سے کی جائے۔ مجھے وہ واضح فیصلہ صادر کرنے میں ذرا تاخیر ہو گئی تھی مگر سلطان شاہ سبقت لے گیا تھا۔

اس کام کے لیے اول خان میرا موزوں ترین مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ ریٹائرڈ فوجی افسر تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی پیشہ ورانہ سختی اور ہیبت سے کوئی بھی شخص آسانی سے متاثر ہو سکتا تھا۔ اقبال پر دباؤ ڈالنے کے لیے یہ تاثر بھی دیا جا سکتا تھا کہ اول خان کسی ایجنسی کا ذمے دار افسر تھا۔ یہ بات غلط بھی نہ ہوتی کیونکہ ایس ٹی ایف ریکارڈ میں کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود ایک خفیہ سرکاری ایجنسی تھی۔

سلطان شاہ معاملے کی اہمیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے میرے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ غزالہ ہمیں رات کے کھانے کے لیے روکتی رہ گئی۔ مگر میرے نزدیک وہ کام زیادہ اہم تھا۔ میں اول خان کی گاڑی میں، اس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا کیونکہ میری کار کلفٹن سے بازیابی کے باوجود ضابطے کی کچھ کارروائیوں کی وجہ سے گھر نہیں لائی جا سکی تھی۔

گلشن اقبال میں رہائش کے باوجود، پتوں کے بارے میں میری معلومات ناقص تھیں۔ کچھ یہی حال اول خان کا بھی تھا لیکن ایک اسٹیٹ ایجنسی سے معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم بیت المکرم مسجد کے عقب میں واقع پرانے فلیٹوں کے اس بلاک کے سامنے پہنچ گئے جہاں اقبال کی رہائش تھی۔ عمارت کی خستہ حالی اور دیکھ بھال سے مکینوں کی بے پروائی کی بنا پر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے وہ تنگ دست سفید پوش مقیم تھے جو اپنے بنیادی اخراجات پورے کرنے کے بعد اپنے گھروں کی اندرونی یا بیرونی تزئین و آرائش کے لیے کچھ بھی پس انداز نہیں کر پاتے۔

ہم گرد میں اَٹے ہوئے بوسیدہ زینے طے کر کے پہلی منزل پر پہنچے تو وہاں تنگ کاریڈور میں چار بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے صرف ایک پر نام کی تختی آویزاں تھی اور وہی افضل کا فلیٹ تھا۔

میں نے دروازے کی چوبی چوکھٹ میں لگا ہوا، ڈور بیل کا بٹن دبایا۔ ساخت کے اعتبار سے وہ فلیٹ تنگ اور مختصر نظر آ رہے تھے لیکن بٹن دبانے کے جواب میں مجھے گھر کے کسی حصے سے گھنٹی کی گونج نہیں سنائی دی۔ چند ثانیوں تک انتظار کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر بٹن دبایا۔ اس بار بھی نتیجہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ گھنٹی بجی، نہ کسی نے دروازے پر آنے کی زحمت دی۔

"دستک ہی بہتر رہے گی" اول خان نے یہ کہہ کر دروازہ بجا ڈالا۔

وہ تدبیر بار آور ثابت ہوئی۔ اندر سے چٹخنی کھلنے کی آواز آئی۔ چوبی پٹ نے خفیف سی حرکت کی اور اس کے پیچھے سے ایک نرم اور سہمی ہوئی نسوانی آواز آئی "کون ہے؟ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔"

اس دور میں وہ بہت غیر روایتی بلکہ متروک جواب تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ شہر کے کچھ حصوں میں ایسے گھرانے بھی آباد تھے جہاں بھولی ہوئی روایات کی پاس داری کی جا رہی تھی۔ میں نے انتہائی خلیقانہ انداز میں مدعا بیان کر دیا "ہم افضل سے ملنے آئے ہیں، وہ کہاں ہے؟"

"کیا آپ ان کے کوئی دوست ہیں؟" متجسس مگر جھجکتی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔

"دوست نہیں ہیں۔ ایک بہت ضروری کام سے آئے ہیں" میرا دل کسی سختی پر مائل نہیں ہو رہا تھا۔

"پھر آپ باہر انتظار کر لیں، وہ دفتر سے واپس آنے ہی والے ہوں گے۔"

"ہم اسے نہیں پہچانتے" مجھ سے پہلے اول خان بول پڑا "باہر اسے کیسے پہچانیں گے؟"

"وہ ہنڈا ففٹی پر دفتر آتے جاتے ہیں۔ سیدھے اوپر چلے آئے تو میں انہیں آپ کے پاس بھیج دوں گی" اس جواب کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ ہم نے خاتون خانہ سے مذاکرات کر لیے تھے مگر اس کی ایک جھلک بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اگر وہ اسی گھر میں رہتا ہے تو موبائل فون اس کی بساط سے باہر ہے" میں نے زینے سے اترتے ہوئے، تفکر آمیز لہجے میں اول خان سے کہا "تنگ دستی اور قدامت پرستی میں موبائل فون کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"بھنشی اور ماسٹر جیسے لوگ پشت پناہی کر رہے ہوں تو سب کچھ ممکن ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ ہنڈا ففٹی کا مالک ہے۔"

میں ہنس پڑا "تم اس شہر میں رہتے ہو لیکن تمہارا مشاہدہ بہت کمزور ہے۔ ہنڈا ففٹی کی بہت افادیت ہے مگر وہ اب سواری کے بجائے باربرداری کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے۔ گوالے اور چھوٹے دکاندار اس پر منوں سامان لادے پھرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی پھٹیچر سی موٹر سائیکل

لے رکھی ہو۔ اس کے حالات میں مجھے بخشی کا سایہ نظر نہیں آتا۔"

"تھوڑی دیر انتظار کیے لیتے ہیں۔ ہر بات سامنے آجائے گی" وہ آخری زینہ اتر کر گاڑی کی طرف چل دیا۔

ہمیں تقریباً پندرہ منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر ایک شور مچاتی ہوئی، سال خوردہ سی ہنڈا ففٹی نظر آئی جو ان زینوں کے قریب آکر رک گئی۔ پختہ عمر سوار نے انجن بند کرنے کے بعد اسے زینے کے برابر والی خالی جگہ میں دھکیل کر مقفل کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے بال سنوارتا ہوا زینوں کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں ہم دونوں گاڑی سے اتر کر اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"افضل! ہم کافی دیر سے تمہاری واپسی کا انتظار کررہے ہیں" میں نے اسے پکارا۔

وہ حیران و پریشان سا ہماری طرف پلٹا اور رسانیت سے بولا "تم کون ہو؟ مجھے کیسے پہچانتے ہو؟"

"اوپر بیٹھنا شاید دشوار ہو۔ یہیں ہماری گاڑی میں آجاؤ۔ ہم ایک معاملے کی تفتیش کے لیے آئے ہیں" میں نے اس کے سوالوں کو نظرانداز کرکے کہا۔ تفتیش کا لفظ نشانے پر لگا اور وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر میرے ساتھ ہولیا۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، وہ میرے اشارے پر پینجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اول خان باہر ہی کھڑا رہا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر اپنا پہلا اور بنیادی سوال کرڈالا "تمہارا موبائل فون کہاں ہے؟"

"میرا موبائل فون...!" اس نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا "میرے پاس کوئی موبائل فون نہیں ہے" اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر تھوک نگلا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں میونسپلٹی میں کام کرتا ہوں۔ ایک غریب کلرک ہوں۔ گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ میں موبائل فون جیسا مہنگا شوق کیسے کرسکتا ہوں۔ پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"ہم سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ ریکارڈ غلط نہیں ہوسکتا۔ تمہارے نام پر موبائل فون کنکشن ہے اور استعمال ہورہا ہے۔"

"تم یقین کرو... میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے پاس موبائل فون نہیں ہے۔"

"تمہارے مقدر کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ تمہارے پاس نہیں، ایک خطرناک قاتل کے پاس ہے اور تمہارے نام سے استعمال ہورہا ہے۔"

"اوہ خدا!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے دفتر میں معلوم کرلو، میرے پڑوسیوں سے پوچھ لو۔ میں غریب ضرور ہوں مگر شریف اور عزت دار آدمی ہوں۔ کسی قاتل سے میرا کیا واسطہ؟ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا، آواز کانپ رہی تھی۔ سچائی اس کے ایک ایک لفظ سے جھلک رہی تھی۔ مجھے اس کے دعوے پر یقین آگیا۔ پھر بھی میں نے اتمام حجت کے لیے بات جاری رکھی "دیکھو، شناختی کارڈ اور فون، گیس یا بجلی کے بل کی نقل کے بغیر موبائل فون نہیں دیا جاتا۔ کوئی تمہارے نام سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے تو اسے ان چیزوں تک رسائی حاصل ہے۔ وہ تمہارا کوئی دوست بھی ہوسکتا ہے۔"

"ذرا مجھے سوچنے دو" اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری "مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان چیزوں سے ایسا خطرناک کام بھی لیا جاسکتا ہے۔"

"تو کیا ایسا ہی ہوا ہے؟ کسی نے تمہیں دھوکا دیا ہے؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

اس نے ڈیش بورڈ کی آڑ میں، میرے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور رودینے والی التجائیہ آواز میں بولا "مجھے معاف کردو۔ کسی قاتل سے میرا کوئی تعلق ہے نہ واسطہ۔ پانچ سو روپے کے لالچ نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ مجھ سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے۔"

"معافی تلافی کی نوبت بعد میں آئے گی۔ پہلے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے مایوسی سے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے اور بولا "میں نے پانچ سو روپے لے کر اپنے شناختی کارڈ اور بجلی کے بل کی ایک ایک فوٹو کاپی بچھمی کو دی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہو۔"

"یہ بچھمی کون ہے؟" میں نے اس کی زبان سے ایک زنانہ نام سن کر حیرت سے پوچھا۔

"میونسپلٹی میں سڑکوں پر جھاڑو لگانے کا کام کرتی ہے" اس نے کسی پس و پیش کے بغیر بتایا۔

"تم صورت سے تو ایسے نہیں لگتے کہ اپنے محکمے کی بھنگنوں سے دوستیاں کرتے پھرو۔"

"وہ بھنگن نہیں ہے۔ بس حاضری لگانے کے لیے دفتر آتی ہے اور ادھر ادھر بیٹھ کر گپ شپ کرنے کے بعد واپس لوٹ جاتی ہے۔ دفتر سے چھٹی کرنے کے بعد وہ دو چار گھروں میں کھانا پکانے، برتن دھونے اور صفائی کرنے کے کام کرتی ہے۔"

"تم اسے جو چاہو کہتے رہو۔ اس سے اصلیت نہیں

بدلتی۔ وہ بھنلن ہے اور بھنلن ہی رہے گی۔ اسے تمہارے ان دونوں کاغذوں کی نقل کی کیا ضرورت تھی؟" اس بار میں اپنی ناپسندیدگی بلکہ برہمی پر قابو نہ پاسکا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو" اس نے اپنی صفائی پیش کی "اس سے میری دوستی نہیں ہے۔ وقت گزارنے کے لیے وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے۔ وہ ہمدرد اور خوش اخلاق ہے۔ اپنے مسائل اسے سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیتا ہوں۔ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے۔"

افضل سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میرے ذہن میں اس کی جو تصویر بن گئی تھی، اسے اس کے اعتراف سے نقصان پہنچا تھا۔ میں نے بے ساختہ طنز سے کہا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ جوان اور خوب صورت بھی ہے۔ دفتر کے مردوں سے دوستیاں کرتی ہے تو آزاد خیال بھی ہوگی۔"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" وہ کراہا "وہ خوش شکل ہے مگر جوان نہیں، تجربے کار ہے۔ کبھی کبھی کام کے مشورے بھی دیتی رہتی ہے۔"

بھاڑ میں جائے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ افضل اور بچھمی کا ذاتی معاملہ تھا۔ اس بارے میں جذباتی ہوکر میں اپنے موضوع اور مقصد سے بھٹک رہا تھا۔ میں نے رکھائی سے کہا "مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اسے تمہارے وہ دونوں کاغذ خریدنے کی کیا ضرورت تھی ورنہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"اسے کوئی خاص ضرورت نہیں تھی" اتنا کچھ جان لینے کے بعد بھی افضل کے دل میں بچھمی کے لیے نرم گوشہ موجود تھا "میں اس سے اکثر اپنی تنگ دستی کا رونا روتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے بتایا کہ وہ جن گھروں میں کام کرتی ہے، ان میں سے ایک میں رہنے والے ایک بڑے افسر کو کسی شریف آدمی کے ان دو کاغذوں کی نقلیں درکار تھیں۔ جن کے لیے وہ کچھ پیسے بھی دے سکتا تھا، میں لالچ میں آگیا۔"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ ایسے کاغذوں کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے" میں نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"سوچا تھا اور بچھمی سے پوچھا بھی تھا۔ وہ جاہل عورت ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ بجلی والوں نے اس افسر کو کئی لاکھ روپے کا بل بھیج دیا تھا جسے درست کرانے کے لیے اسے دو چار دوسرے بلوں وغیرہ کی نقلیں درکار تھیں....."

"احمقانہ بات ہے" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس جائز کام کے لیے اسے دوسروں سے کاغذ خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بہت بڑا افسر ہے تو اپنے دو چار ساتھیوں یا ماتحتوں سے مفت میں وہ کاغذ لے سکتا تھا۔ اسے اپنے گھر میں کام کرنے والی بھنلن سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے مردہ سی آواز میں کہا "یہ سوچنے والی باتیں تھیں جو میرے ذہن میں نہیں آئیں" وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا اور پھر متاسفانہ لہجے میں بولا "لالچ انسان کی عقل اور آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں سوجھا۔"

تھوڑی دیر پہلے میں نے اسے بالکل بے گناہ سمجھ لیا تھا۔ اس کی اور بچھمی کی کہانی سننے کے بعد وہ اپنے درجے سے گر کر مشتبہ قرار پاچکا تھا۔ وہ بعد کا معاملہ تھا۔ اس وقت دوسری باتیں زیادہ اہم تھیں۔ میں نے پوچھا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"شاید تین چار مہینے کی بات ہے۔ پانچ سو روپے ہاتھ آئے تو میرے کئی رکے ہوئے کام نکل گئے تھے۔"

"شاید اتنی ہی مدت سے وہ فون غلط ہاتھوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ اس افسر کا نام اور پتا کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا" اس نے بے بسی سے جواب دیا "مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔"

"یہ معاملہ بہت سنگین اور اہم ہے۔ خاموشی سے اس افسر تک پہنچنا ضروری ہوگیا ہے۔" میں نے اسے وارننگ دی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فون کسی خطرناک قاتل کے استعمال میں ہے۔ بچھمی اس افسر کی نرم دلی کی اکثر تعریف کرتی رہتی تھی۔"

"بعض لوگ بہروپیے ہوتے ہیں۔ زندگی بھر کامیابی سے اپنا اصل چہرہ چھپائے رہتے ہیں۔ اس وقت بچھمی کہاں ملے گی؟"

"وہ اپنے گھر پر ہوگی۔ میں اس کا گھر نہیں جانتا۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ رنچھوڑ لائن میں کسیروں کے محلے کے آس پاس کہیں رہتی ہے۔"

اسے گاڑی میں بیٹھا رہنے کی ہدایت کرکے میں نیچے اتر گیا۔ میں اول خان سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ میں نے افضل سے ضرورت سے زیادہ باتیں کر ڈالی تھیں۔ اول خان کو میں نے کارآمد معلومات کا خلاصہ سنادیا۔

"موبائل فون کمپنی کا ریکارڈ غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے صحیح سراغ پالیا ہے۔ اب بے خبری میں اس افسر کے سر پر پہنچنا ضروری ہوگیا ہے۔ یہ فیصلہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ اس کامیابی تک افضل کو آزاد رکھنے کا خطرہ مول لیا جاسکتا ہے یا اسے بند کرنا پڑے گا" اول خان نے میری پوری روداد سن لینے کے بعد نپے تلے انداز میں اپنی رائے دے ڈالی۔

''اگر وہ کوئی اعلیٰ مقامی افسر ہے اور میجر بخشی یا را والوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے تو یہ صدمے کی بات ہے۔ میں اس حرام زادے کا خون پی جاؤں گا'' میں نے اپنے بدن میں دوران خون کی حدت محسوس کرتے ہوئے کہا ''افضل کو اس وقت آزاد چھوڑا جاسکتا ہے۔ صبح دفتری اوقات کے آغاز سے پہلے پچھی سے اس کی ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے خرابی پیدا نہیں کرے گا۔''

''تم نے اس سے مذاکرات کیے ہیں۔ تمہاری رائے پر میں حرف گیری نہیں کرسکتا۔ اس نئی کہانی نے مجھے چکرا کے رکھ دیا ہے۔ را والے ایک طرف نہایت اعلیٰ پیمانے پر بین الاقوامی سازشیں کرتے ہیں اور اب ایک مقامی بھنگن کی سطح پر کام لیتے ہوئے نظر آئے ہیں۔''

یہ بات دہرانے والی نہیں تھی مگر حقیقت تھی کہ اپنے کام میں وہی سیکرٹ ایجنٹ سرخ رو ہوتے ہیں جو دشمن کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد اپنے مرتبے کو بھول کر ہروقت حالات سے سمجھوتا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اپنی انا اور مرتبے کو بھول کر ہروقت اپنے تحفظ اور مشن کی کامیابی کو مقدم رکھتے ہیں۔ میں نے کہا ''ہم اسے چھوڑ کر واپس چلتے ہیں۔ یہ ان کا شریک جرم نہیں ہے۔ نادانستگی میں آلہ کار بنا ہے۔''

''اس سے پھر پوچھ لو کہ اس نے کسی فارم یا تحریر پر دستخط تو نہیں کیے تھے'' اول خان نے یاد دہانی کرائی ''فون کنکشن کی ہر درخواست پر مجوزہ صارف کے دستخط موجود ہونے ضروری ہوتے ہیں۔''

پچھی کو ان کاغذوں کے صحیح مصرف کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ اس نے افضل کو بجلی کی زائد بلنگ کی کہانی سنائی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ ابہام برقرار رکھنے کے لیے افضل سے کسی بھی تحریر یا فارم پر دستخط نہیں لیے گئے ہوں گے۔ اس کے شناختی کارڈ کی نقل ہاتھ لگ جانے کے بعد کوئی بھی جعل ساز آسانی سے ہر قسم کے دستخطوں کی نقل کرسکتا تھا۔

میں دوبارہ گاڑی میں پہنچ گیا۔ افضل بہت بے چینی سے میری واپسی کا منتظر تھا۔ میں نے اسے ہر قسم کی بے احتیاطی کے مضمرات سے آگاہ کرکے اس قدر خوف زدہ کردیا کہ وہ اپنی بھول پر گھٹ گھٹ کر رونے لگا۔ میں نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی مگر یہ واضح کردیا کہ اگلی صبح اس کو گھر پر رہ کر ہمارا انتظار کرنا تھا اور ہمارے ساتھ دفتر پہنچ کر پچھی کو ہمارے حوالے کرنا تھا۔

ممنونیت سے لبریز لہجے میں یقین دہانیاں کراتا ہوا' وہ گاڑی سے اتر گیا۔ اس کے اترجانے کے بعد اول خان نے خالی جگہ سنبھالی اور ہم دونوں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ میرا ذہن مسلسل ماسٹر کی پراسرار شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔ اگر وہ افضل کی سنائی ہوئی کہانی کے مطابق کوئی ذمے دار پاکستانی تھا تو پھر اس کا انجام کرشن کمار' ہری چند اور شیام سے زیادہ عبرت ناک ہونا چاہیے تھا۔

''ابھی ہم اس افسر کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے'' اول خان نے دوران سفر میرا ذہن پڑھتے ہوئے سکوت توڑا ''ہمارے اب تک کے تجربات شاہد ہیں کہ ہندو ہی نہیں' بعض پاکستانی بھی اپنے ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری ایسے پاکستانیوں کی واضح ترین مثال تھے۔ مراد لطیف ان سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔''

''جب ویرا ہندوؤں اور ایک عیسائی کے مارے جانے کی بات کررہی تھی تو ہم میں سے کسی کو یہ نام یاد نہیں آئے تھے'' میں نے کہا۔

''وہ اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے ہروقت کچھ نہ کچھ بولتے رہنے کی عادی ہوگئی ہے۔ کوئی اس کی بات کو اہمیت دے کر ذہن پر زور نہیں ڈالتا'' میری شکایت سن کر اول خان ہنستے ہوئے بولا ''عام ہندوؤں کو دوسرے پاکستانیوں کی طرح اپنی دال روٹی اور روزمرہ مسائل کی فکر گھیرے رہتی ہے۔ غداری کرنا تو بڑی بات ہے' ان کو شاید اس کا مفہوم بھی معلوم نہیں ہوتا ہوگا۔ ان کے برعکس ہم ماضی میں ایسے ہندو افسروں سے نمٹ چکے ہیں جو پاکستان کی سرکاری ملازمت میں رہ کر دشمنوں کے مفادات کے لیے کام کررہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ پچھی والا افسر بھی ایسا ہی کوئی آدمی ہو۔''

''وہ بہت چالاک اور مکار معلوم ہوتا ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایک نامعلوم اجنبی کے نام پر موبائل کنکشن لینے کا خیال کسی عام آدمی کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس نے اپنے برے وقت کی پیشگی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔''

وہاں سے ہمارے گھر تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم اسی موضوع میں الجھتے ہوئے گھر واپس پہنچ گئے۔

''پتا نہیں یہ لوگ اپنی عورتوں کو کیوں سامنے لاتے ہیں'' ہماری رپورٹ سن کر سلطان شاہ بڑبڑایا ''پہلے ماروتی تھی' اب پچھی آگئی۔''

''ماروتی خطرناک تھی۔ مجھے پچھی سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔'' ویرا ہنستے ہوئے بولی ''ذہنی اتنا بدذوق نہیں ہے کہ کسی بھنگن کو زیادہ اہمیت دے۔''

''آخر تمہاری ہر بات کی تان ان پر ہی آکر کیوں ٹوٹتی ہے؟'' ویرا کا وہ مذاق غزالہ سے برداشت نہ ہوسکا۔

''ایسے کام بہت ہولناک اور پرُخطر ہوتے ہیں'' غزالہ کے لہجے کی تلخی کو بھانپ کر اول خان نے بولنا شروع کردیا

''ان میں جنس، مذہب اور عمر کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ جو ہاتھ آئے، اسے بھٹی کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ سیکرٹ ایجنٹ کے لیے اپنے مشن کے سامنے عزت، عصمت، زندگی اور ہر چیز ہیچ ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ داؤ پر لگا کر کامیابی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ گردنیں اتارنے کے اس خون آشام کھیل وہ کہیں بھی جھجکے تو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اس کی گردن اتار لی جائے گی۔''

''کان کھول کر سن لو'' سلطان شاہ نے ویرا کو متوجہ کیا ''یہ سرسری باتیں نہیں ہیں۔ تمہارے لیے پہلا سبق ہے۔ بھارت میں تفریح نہیں ہوگی۔ وہاں جا کر تمہیں ایک سچے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ کی طرح شب و روز محنت کرنا پڑے گی۔''

''میں یہاں بھی کام کرتی ہوں۔ تمہاری طرح حرام خوری نہیں کرتی'' ویرا نے چڑنے کے بجائے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں کہ بار بار یہ لفظ استعمال نہ کیا کرو'' سلطان شاہ نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''حرام خور کا الٹ وہی ہوتا ہے جو تم پچھی کے لیے استعمال کر چکی ہو۔ تم خود کو بھنگن کہلوانے پر کیوں مصر رہتی ہو۔''

ویرا کے ساتھ اختیار کیے جانے والے جارحانہ رویے نے غزالہ کا اشتعال ختم کر دیا اور وہ رات کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

اول خان کے معمولات شہری اثرات کی وجہ سے خاصے بگڑ چکے تھے لیکن دباؤ سے آزاد ہونے کی صورت میں وہ ان ہی معمولات کی طرف لوٹ جاتا تھا جو فوجی کیمپ اور میس یا لنگر خانے میں نظر آتے ہیں۔ ہمارے برعکس وہ اپنے گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا اور میز پر ہمارا ساتھ دینے کے بجائے واپسی کا خواہاں تھا۔

ویرا اسے روک کر لپکتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور جب وہ واپس آئی تو مجھے پتا چلا کہ اس نے ہمارے ساتھ بھارت روانگی کا فیصلہ کرنے کے بعد وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ میری غیر حاضری میں اس نے غزالہ کے ساتھ بازار جا کر، پاسپورٹ کے لیے دونوں کی رنگین تصاویر بنوالی تھیں۔ اس نے تصاویر کا لفافہ اول خان کی طرف بڑھا دیا اور بولی ''ہونے والا کام پہلی فرصت میں کر لیا جائے تو بہتر ہوتا ہے۔''

''اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو میری تصاویر تیار ہیں۔ میں ابھی کمرے سے لے آتا ہوں'' میں نے بلا توقف جواب دیا۔

''زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تصویریں بھی اس لفافے میں موجود ہیں، غزالہ نے تلاش کر لی تھیں۔''

اول خان نے لفافہ کھول کر تصویروں کا سرسری جائزہ لیا۔ ان کی تعداد گنی اور لفافہ بند کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

کھانے کی میز پر ویرا نے ایک مرتبہ پھر میجر بخشی کا ذکر نکال لیا۔ اس وقت تک اول خان ہمارے گھر سے رخصت ہو چکا تھا۔

''وہ ذہنی طور پر ناکارہ اور بے ضرر ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں سر کھپانا بے سود ہے'' غزالہ نے بخشی کا نام سن کر کہا۔

''وہ ناکارہ ضرور ہو گیا لیکن اس سے پہلے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کا بندوبست کر گیا۔ کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ اس نے بہت کم مہلت ہونے کے باوجود اپنا کام پورا کر لیا۔''

''اس بارے میں اسی وقت کچھ کہا جا سکے گا، جب ماسٹر کا چہرہ بے نقاب ہوگا'' سلطان شاہ نے لقمہ نگل کر جواب دیا ''جب آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔ نقصان پہنچانے کے لیے باہر کے دشمن کو کوئی کارکردگی دکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''اس کی دھمکی کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے۔ روی مار ڈالا گیا۔ دوسرا حصہ باقی ہے جس کا تعلق ہمارے گھر سے تھا'' ویرا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا ''جب تک ماسٹر پردے میں رہتا ہے، یہ خطرہ برقرار رہے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' اس بار مجھے بولنا پڑا ''ہم اس امکان سے غافل نہیں ہو سکتے۔ آثار یہ بتا رہے ہیں کہ میجر بخشی اور ماسٹر میں گہرا قریبی رابطہ تھا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جیکب اور ارجن ماسٹر کے دست و بازو تھے۔ بڑے مجرم کبھی کھل کر سامنے نہیں آتے۔ ہمیشہ اپنے مہروں کو لڑاتے ہیں۔ وہ پٹ جائیں تو عیاری سے پسپائی اختیار کر لیتے ہیں۔ ارجن نے روی کو مارا۔ اب وہ خود جہنم واصل ہو چکا ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ ہمارا رخ نہیں کیا جائے گا۔''

ویرا نے وہ ذکر چھیڑ دیا تھا۔ میں خاموشی سے اس خطرے کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اول خان کا آدمی سبز کار چھوڑ کر اپنی ڈیوٹی پر واپس آ چکا تھا۔ ان دونوں مستعد پہرے داروں کی موجودگی میں، میں بے خوف تھا مگر تشویش اپنی جگہ برقرار تھی۔

''میں حیران ہوں کہ آج تم نے کھانے سے پہلے خباثتوں کی اماں جان سے ملاقات نہیں کی؟'' سلطان شاہ نے کھانے سے فارغ ہو کر ویرا کو چھیڑا۔

''کس کی اماں جان؟'' ویرا نے اپنی بے دھیانی سے چونک کر بے ساختہ پوچھا۔

''امّ الخبائث یعنی تمہاری اسکاچ!'' میں نے ہنس کر

اسے آگاہ کیا "میں خود بھی تمہارے معمولات میں کوئی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔"

"ام الخبائث میرے لیے نیا لفظ نہیں ہے" ویرا نے کہا "بھارت جانے سے پہلے میں نے شراب نوشی میں کمی کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تمہاری قوت ارادی ڈینی کے مقابلے میں کمزور ہے۔ چاہو بھی تو شراب ترک نہیں کر سکتیں" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"تاؤ دلا کر تم مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اپنی مرضی سے میں جب چاہوں، شراب چھوڑ دوں گی۔"

"ہر شرابی یہی دعویٰ کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے، چھوڑ دیتا ہے اور چند روز بعد دوبارہ شروع کر دیتا ہے" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"وقت آئے گا تو تم دیکھ لوگے کہ میں دوسروں سے بہت مختلف ہوں" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "اسی لیے کہتی ہوں کہ ہر وقت مجھ سے نہ اڑا کرو۔ کسی دن تمہاری طرف سے دل پھر گیا تو ساری عمر میری صورت دیکھنے کے لیے ترس جاؤ گے۔"

"ہم لوگوں نے تمہاری ناز برداریاں کر کے تمہیں اتنا بگاڑ دیا ہے کہ اب تم کسی کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتیں۔ یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا۔"

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ وقت کافی ہو گیا تھا۔ صبح آٹھ بجے مجھے اور اول خان کو افضل کو اس کے گھر سے لینا تھا تاکہ ہم تینوں نو بجے تک میونسپلٹی پہنچ کر بچھی کو پکڑ سکیں۔ میرے ایما پر وہ محفل برخاست ہوئی اور سب اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

"سلطان شاہ نداق ہی نداق میں بہت پتے کی بات کہہ گیا ہے" اپنی خواب گاہ کے تخلیے میں محصور ہونے کے بعد غزالہ نے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے مخاطب کیا "آپ نے ویرا کی جا و بے جا ناز برداریاں کر کے اسے اتنا بگاڑ دیا ہے کہ کبھی کبھی وہ ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرے اور بچھی کے بارے میں اس کا نداق تمہیں بہت ناگوار گزرا تھا۔ اس کو بے لگام کرنے میں تم برابر کی حصے دار ہو۔ تم نے شروع سے اس کے ساتھ ایسا مفاہمانہ رویّہ رکھا ہے کہ ڈھیل ملتے ملتے وہ قابو سے باہر ہو گئی ہے۔ پتا نہیں تم اس سے اتنا کیوں دبتی ہو۔ سلطان شاہ کو دیکھو کہ وہ برابری کے ساتھ اس سے مقابلہ کرتا ہے۔ بلکہ اکثر اس کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔"

"میں سلطان شاہ کی وجہ سے نرمی سے کام لیتی ہوں۔ شروع میں میرے دل میں ویرا کی بہت عزت تھی۔ وہ ہماری ہم وطن ہے نہ ہم مذہب، لیکن ہم سے زیادہ نہ سہی تو ہم جتنی پاکستانی ضرور بن چکی ہے اور سب کچھ چھوڑ کر یہاں پڑی ہوئی ہے۔ میں سلطان شاہ کو اس کے لیے کافی سمجھتی تھی۔ اسے کسی ایسی ساتھی کی ضرورت تھی جو اس کی ہمدرد ہو اور وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ میں بھی جارحانہ تیور اپنا لیتی تو ابتدا میں ہمیں چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاتی۔"

"بس، تو پھر مجھ سے اس کی شکایت نہ کرو" یہ کہہ کر میں بستر پر دراز ہو گیا۔

"یہ سب زندگی بھر برداشت نہیں کیا جا سکتا" غزالہ بھی مسہری پر آگئی "میرے حساب سے اسے اب تک سلطان شاہ سے شادی کر کے اعتدال پر آجانا چاہیے تھا۔ جب تک وہ اپنا گھر نہیں بسائے گی، اس کے مزاج میں ٹھہراؤ اور بردباری نہیں آسکے گی۔"

"ساری امیدوں اور کوششوں کے باوجود یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہوا نظر نہیں آتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"وہ بہت ہی عجیب اور الجھی ہوئی عورت ہے۔ دنیا جہاں کے سارے تجربوں سے گزرنے کے باوجود خود کو الہڑ لڑکی سمجھتی ہے۔ اپنے کردار کی حد تک اس کے قول اور فعل میں بہت گہرا تضاد ہے۔ جو کہتی ہے اس پر عمل نہیں کرتی اور جو کچھ من میں ہوتا ہے اسے زبان تک نہیں آنے دیتی۔"

"تم نے یہ رائے کس بنا پر قائم کرلی؟" میں نے اس کے نرم بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو مجھ سے زیادہ باخبر ہونا چاہیے" غزالہ نے ایک ادا سے منہ بنا کر کہا "میں کئی بار آپ سے کہہ چکی ہوں کہ وہ آپ کو عجیب نظروں سے دیکھتی ہے۔ ہر وقت آپ سے قریب رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی یہ حرکتیں مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اب وہ بھارت کے سفر میں بھی آپ کے سر پر سوار رہے گی۔"

"تم سب کچھ اپنے کانوں سے سن چکی ہو۔ اس کے جانے کی بنیادی شرط یہی ہے کہ وہ ہم پر بوجھ نہیں بنے گی۔ اگر تم اس سے اسی قدر بدظن ہو تو دعا کرو کہ وہ اس سفر میں را کے کسی ایجنٹ کا نشانہ بن جائے۔ اس سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوٹ۔۔"

غزالہ نے بے اختیار میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا اور تڑپ کر بولی "ایسی بدفال منہ سے نہ نکالیں۔ میں اس کی بدخواہ نہیں ہوں۔ صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنی حد میں رہا کرے۔ ہر وقت حد سے تجاوز کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"کسی بھلے وقت میں تم ہی یہ بات اسے سمجھا دینا۔ میری

ناصحانہ باتوں پر وہ سنجیدگی سے کان نہیں دھرتی۔"

"اب بھارت کے سفر کی مثال لے لیں۔ کیا ایسا ممکن ہوگا کہ ہم نئی دہلی میں کام کررہے ہوں اور وہ مدراس یا کلکتے چلی جائے؟ مجھے معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہم جہاں بھی جائیں گے' وہ ہمارے اردگرد منڈلاتی رہے گی اور ہماری سرگرمیوں پر نگاہ رکھے گی۔ جب بھی اس نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے سروں پر کوئی منڈلا رہا ہے' وہ اچانک درمیان میں آکودے گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات کھل کر بیان کردی۔ میں ابھی اس کے کان کھول دوں گا۔ اس نے ایسے مربیانہ انداز میں خود کو مسلط کرنے کی کوشش کی تو ہم سے پہلے خود ہی کوئی بڑا نقصان اٹھائے گی۔"

"اب بھی اگر وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے تو ہم تینوں کے لیے بہتر ہوگا۔ وہ یہ بات...."

"بس' اب اس کا ذکر ختم کرو" میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے "یہ ہمارا بستر ہے۔ یہاں ہمیں آپس کی باتیں کرنی چاہئیں۔ اس کے بارے میں ہم سارا دن باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تیرگئی جس پر اپنائیت اور سپردگی کے سوا کچھ نہ تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ماسٹر کی انتقامی کارروائی کا موہوم سا خطرہ موجود تھا لیکن آپس کی میٹھی اور جذبات آفریں باتوں کے دوران میں گہری نیند سوگیا۔ اس وقت تک غزالہ پر نیند کا خمار گہرا نہیں ہوا تھا۔

اگلی صبح میں وقت سے پہلے بیدار ہوگیا۔ رات کے خوشگوار لمحات نے میرے ذہن سے تکان کے سارے اثرات زائل کردیے تھے۔

مقررہ وقت پر اول خان آپہنچا۔ میں تیار تھا۔ فوراً ہی اس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

"اگر ضرورت پیش آگئی تو تم کسی تصادم کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہونا!" اول خان نے تائید طلب انداز میں پوچھا۔

"سپاہی ہروقت لڑنے مرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہ قول تم نے مجھے سنایا تھا" میں نے کہا۔

"گڈ!" اول خان خوش ہوکے بولا "میں نے ضروری ہتھیار اپنے ساتھ لے لیے ہیں۔ آدمی کے بغیر ہتھیار بے کار ثابت ہوتے ہیں۔"

حسن اسکوائر کا چوراہا گھوم کر یونیورسٹی روڈ کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اول خان گلیوں میں ہوتا ہوا' تھوڑی دیر میں افضل کے فلیٹ والے بلاک کے قریب جانکلا۔ رات کے اندھیرے کے مقابلے میں دن کا بھرپور اجالا زیادہ بے رحم تھا۔ سورج کی بھرپور روشنی نے افضل والے بلاک کے سارے ڈھکے چھپے عیوب نمایاں کردیے تھے۔ عمارت خاصی پرانی اور خستہ حال تھی۔ اس کے مکین بھی قرب وجوار کے دوسرے مکانات اور فلیٹوں میں رہنے والوں جتنے خوش حال نہیں تھے اور یوں وہ عمارت ان کے دم قدم سے آباد تھی۔

افضل اپنے دفتر جانے کی پوری تیاری کے ساتھ باہر کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی رکتے ہی میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ پچھلے حصے میں سوار ہوگیا۔

اول خان نے اگلے موڑ سے گاڑی مین روڈ کی طرف گھمائی اور ہم تینوں میونسپل کارپوریشن کی طرف روانہ ہوگئے۔

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ تم نے ان دو فوٹو کاپیوں کے سوا پھپھی کو کچھ نہیں دیا تھا" راستے میں' میں نے اس کی مکرر تائید چاہی۔

"نہیں' کچھ نہیں دیا' نہ کسی کاغذ پر دستخط کیے۔ اگر پھر بھی اس نے میرے نام پر فون کا کنکشن لیا ہوا ہے تو اس نے جعل سازی کی ہوگی۔ میری بیوی اس واقعے سے بہت پریشان ہے۔ پھپھی کو پانچ سو کی جگہ ہزار روپے لوٹانے کو تیار ہے۔" افضل نے بتایا۔

"پھپھی بیچ کی عورت تھی۔ سارا کیا دھرا تیسرے آدمی کا ہے۔ ہماری اصل لڑائی اسی سے ہے۔ بھول کر بھی پھپھی سے فون والی بات نہ کرنا۔ اس سے یہی کہنا کہ تم نے بھول سے اسے غلط کاغذ دے دیے ہیں۔" اول خان بولا۔

"تم بہت نرم دل اور ہمدرد انسان ہو۔" وہ تشکر سے لبریز لہجے میں بولا "چاہتے تو رات بھر حوالات میں بند رکھ سکتے تھے مگر تم نے مجھے گھر پر رہنے کی اجازت دے دی۔ میری طرح پھپھی بھی بہت غریب اور سادہ عورت ہے جو کچھ ہوا' اس میں پھپھی کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میری طرح اسے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ یہ مجھ پر تمہارا بڑا احسان ہوگا۔ میں بالکل وہی کروں گا جو تم چاہتے ہو بلکہ اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم جو چاہو' اس سے کہہ دینا۔"

میں نے سوچا کہ پھپھی کے تعاون کے لیے افضل کا مطمئن ہونا ضروری تھا۔ میں نے جواب دینے کی ذمے داری سنبھالتے ہوئے کہا "اگر اس کی نیت صاف تھی تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اس کا فیصلہ تم ہماری صوابدید پر چھوڑ دو۔ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔"

افضل میونسپل کارپوریشن میں نچلے درجے کا ملازم تھا لیکن شاید خاصا پرانا ہوچکا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اس نے ہمیں گاڑی میں چھوڑا اور تھوڑی دیر میں پچھی کو اپنے ساتھ لانے کا وعدہ کرکے تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ اسے اپنی ساکھ اور عزت بہت عزیز تھی۔ ہم دونوں کو اپنے ساتھ دفتر میں لے جاکر چہ میگوئیوں کا موضوع نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس کی واپسی بہت دیر میں ہوئی۔ اس کے ساتھ مناسب قدو قامت اور فربہی مائل جسم والی ایک پختہ عمر کی خاتون بھی تھی۔ رنگین سوتی ساڑی میں اس کا گہرا گندمی رنگ چمک رہا تھا۔ ناک نقشے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی چڑھتی ہوئی عمر میں خاصی پرکشش رہی ہوگی۔

افضل اسے لے کر گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا "یہ پچھی ہے۔" کانسی کی چوڑیوں کی کھنک میں افضل کی آواز ابھری "یہ تمہیں اپنے مالک کا گھر دکھادے گی۔"

"کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چل رہے؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"میں جاکر کیا کروں گا؟" افضل کی آواز خوشامدانہ ہوگئی "مجھے دفتر سے چھٹی نہیں ملے گی۔ پچھی کو وہیں چھوڑ کر تم واپس چلے جانا۔ ضرورت ہو تو مجھے گھر یا دفتر میں پکڑ سکتے ہو۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔ اس وقت سارے انسپکٹر دفتر آکر اپنے اپنے عملے کی حاضریاں جمع کراتے ہیں۔ میرے غائب ہونے سے دفتر میں خاصی گڑبڑ ہوجائے گی۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" اول خان نے مڑ کر پوچھا۔

"مجھے تو وہیں جانا ہے۔ تم چھوڑ دوگے تو بس کا کرایہ بچ جائے گا۔ دور سے صاحب کا گھر دکھادوں گی۔"

پچھی کی رضامندی پاکر اول خان نے افضل کو واپسی کی اجازت دے دی اور انجن اسٹارٹ کرلیا۔

"بابو! کیا گڑبڑ ہوگئی؟ افضل بے چارہ پریشان تھا اور افسوس کررہا تھا کہ اس نے اپنے دونوں کاغذ کیوں بیچے تھے ....." گاڑی میونسپلٹی کے احاطے سے باہر نکل آنے کے بعد پچھی اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکی۔

"افضل نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" میں نے مڑ کر ٹٹولنے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بار بار گڑبڑ کا ذکر کررہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ دو سرکاری افسر میرے صاحب کا گھر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ افضل کے دونوں کاغذوں کے بیچے جانے کی تصدیق کرسکیں۔" اس نے بگڑی ہوئی اردو میں بتایا "میں گواہ ہوں کہ افضل نے پانچ سو روپے میں وہ کاغذ میرے ذریعے بیچے تھے۔"

"تمہارے صاحب کا کیا نام ہے؟" میں نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے پوچھا۔ مجھے اطمینان ہوگیا تھا کہ افضل نے ہماری ہدایت پر عمل کیا تھا۔

"جوگیندر نام ہے ان کا۔" اس نے جھجکتے ہوئے اپنے مالک کا نام بتایا "بہت اچھے اور سیدھے آدمی ہیں۔"

پچھی کی زبان پر آنے والے نام نے مجھے چونکا دیا۔ ہم مذہب کی بنیاد پر تفریق کے مسئلے سے جتنا بچ رہے تھے، وہ مسئلہ اسی شدت سے ابھر کر ہمارے سامنے آرہا تھا۔ جوگیندر اور میجر بخشی کے درمیان ہونے والا... گٹھ جوڑ یکایک قابل فہم اور فطری نظر آنے لگا تھا۔

"تمہارے جوگیندر صاحب کس دفتر میں کام کرتے ہیں؟" میں نے پچھی کی خادمانہ انا کو مجروح کیے بغیر پوچھا۔

"بس اتنا پتا ہے کہ ان کے دفتر سے بھارت جانے کا ویزا ملتا ہے۔" پچھی کا معصومانہ انکشاف دھماکا خیز تھا "صاحب جسے چاہیں بھارت یاترا کا ویزا دلواسکتے ہیں۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔"

لمحہ بھر کے لیے میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ہم دونوں اس نئے موڑ پر ہکا بکا رہ گئے تھے۔ میونسپلٹی میں کام کرنے والی ایک معمولی بھنگن نے اچانک ماسٹر کے پراسرار چہرے سے ہر نقاب اتار پھینکی تھی اور اس اہم ترین پیش رفت کا بیشتر کریڈٹ افضل کو جاتا تھا جس نے کسی مزاحمت کے بغیر پچھی تک ہماری رسائی کو ممکن بلکہ آسان بنایا تھا۔

"کیا افضل کو تمہارے مالک کے بارے میں یہ باتیں معلوم نہیں تھیں؟" میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے سکون سے پوچھا۔

"کبھی میں نے باتوں باتوں میں بتایا ہو تو اسے بے چارے کو کہاں یاد رہا ہوگا۔" وہ ہر وقت اپنے دفتر اور گھر کے مسئلوں سے پریشان رہتا ہے۔ چار اوپر تلے بیٹیاں ہیں اور سب پڑھ رہی ہیں۔ غریب آدمی بچوں کو پڑھانا چاہے تو اسے فاقوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پیٹ بھرلے تو بچوں کو نہیں پڑھا سکتا۔ ایسے پریشان حال آدمی کو میرے صاحب کے نام اور کام سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

"تم اپنے صاحب سے بات کرکے کوئی اچھی نوکری دلاسکتی ہو۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"اس نے کبھی یہ نہیں سوچا۔ پنشن اور فنڈ ملنے کی امید میں دن رات گدھے کی طرح کام میں جتا رہتا ہے۔" افضل کا ذکر کرتے کرتے پچھی کو اپنے مصائب یاد آگئے۔ اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات جاری رکھی "ہمیں بھی کیا ملتا ہے؟ کچھ نہیں۔ بس پکی سرکاری نوکری ہے۔ ہمیں بھی فنڈ

کے ساتھ پنشن ملے گی ورنہ آدھی تنخواہ سپروائزر کھا جاتا ہے۔ بس یہ فائدہ ہے کہ حاضری لگوانے کے بعد ہم باہر ڈیوٹی کرنے کے بہانے غائب ہوجاتے ہیں۔ خود باتھ آئی لینڈ کے دو گھروں میں کام کرتی ہوں تو گزر بسر ہوتی ہے۔ افضل اور اس جیسے منشی دن بھر ایک کھونٹے سے بندھے رہتے ہیں۔"

پھپھی جس رفتار سے بول رہی تھی، میں اس سے کہیں زیادہ رفتار سے سوچ رہا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا "افضل سے بہت بڑی بھول ہوگئی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر وہ دونوں کاغذ واپس چاہئیں...."

"کوئی بات نہیں۔" پھپھی نے میری بات کاٹ کر اطمینان سے کہا "میں صاحب سے بات کروں گی۔ کاغذ ان کے پاس ہیں تو وہ واپس دے دیں گے۔ شاید پیسے بھی واپس نہ لیں۔ افضل کی پریشانی دور ہوجائے گی۔ مجھے اس بے چارے پر ہمیشہ ترس آتا ہے۔"

وہ ہمدردی کے جذبے سے اس قدر سرشار تھی کہ اپنے مطلب کی بات پر آنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اس کی تجویز بے دلی سے سنی پھر کہا "تمہیں ان کاغذوں کی اہمیت معلوم نہیں ہے اس لیے یہ بات کہہ رہی ہو۔ جوگیندر وہ کاغذ نہیں لوٹائے گا۔ تم نے اس بارے میں بات کی تو وہ ان کاغذوں کو کسی ایسی جگہ چھپا دے گا جہاں ان تک پہنچنا مشکل ہوجائے گا۔"

"میری قلابازی نے اول خان کو حیران کردیا تھا۔ اس نے انگریزی میں پوچھا "یہ تم نے کیا چکر شروع کردیا؟"

"خاموشی سے سنتے رہو۔ میں ہز ایکسی لینسی کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" پھپھی الجھن کا شکار ہوگئی تھی۔

"صاحب کے گھر میں تم کیا کام کرتی ہو۔ وہاں اور کون کون رہتا ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"سارے ہی کام کرتی ہوں۔ صاحب ایک کتے کے ساتھ اکیلے رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہلا ہوا ہے۔ کام کرنے جاتی ہوں تو دم ہلاتے ہوئے ساتھ ساتھ پورے گھر میں پھرتا رہتا ہے۔ وہ بیمار ہو تو بند کیا جاتا ہے ورنہ کھلا رہتا ہے۔"

مجھے اپنی دلی مراد بر آنے کا سنہرا موقع سامنے نظر آرہا تھا۔ میں نے سوال کیا "پھر تم گھر میں کیسے آتی جاتی ہو؟"

"میرے پاس گھر کی چابی ہے۔" اس نے فخر سے بتایا "دوسرے گھر سے فارغ ہوکر میں آخر میں وہاں جاتی ہوں۔ ہانڈی چڑھا کر دوسرا کام کاج کرتی ہوں۔ ڈھائی تین بجے صاحب واپس آتے ہیں تو میں ہانڈی چولھے سے فارغ ہوچکی ہوتی ہوں۔ انہیں کھانا دے کر برتن صاف کرتی ہوں اور سورج ڈھلنے سے پہلے گھر لوٹ آتی ہوں۔ پچھلے ایک برس سے میں ان کے گھر میں کام کررہی ہوں۔"

"تم چاہو تو افضل کی مدد کرسکتی ہو۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تم نے کیا کیا ہے۔ غریب افضل مصیبتوں سے بچ جائے گا۔"

"ہم جاہل لوگ ہیں بابو!" پھپھی نے بے چارگی سے کہا "مجھے صاف صاف بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بات میرے بس میں ہوئی تو افضل کے لیے کر گزروں گی ورنہ تم سے معافی مانگ لوں گی۔ مجھے یہ سب کچھ خطرناک سا لگ رہا ہے۔"

"ابھی تک افضل کے لیے سب خطرناک ہے۔ تم ہم کو اپنے ساتھ صاحب کے گھر میں لے جاؤ۔ ہم احتیاط سے وہ کاغذ ڈھونڈیں گے۔ مل گئے تو لے کر واپس آجائیں گے۔ نہ ملے تو یہ افضل کی بدقسمتی ہوگی۔"

"نہیں!" پھپھی نے گھبرا کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "مالک نے مجھ پر بھروسا کیا ہے۔ میں ان سے پوچھے بغیر دوسروں کو گھر میں نہیں لے جاسکتی۔ یہ مالک کی نمک حرامی ہوگی۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔"

"ہم تم پر زور نہیں ڈال سکتے۔" میں نے مایوسی سے کہا "افضل کی بھلائی کے لیے ایک مشورہ تھا۔ تم نہیں مانو گی تو پھر ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکیں گے۔ ہر آدمی اپنے کیے کا پھل پاتا ہے۔ افضل نے غلطی کی ہے تو اب وہی نتیجہ بھگتے گا۔"

"میں یہ بھی نہیں چاہتی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھپھی خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی پھر بلند آواز میں پوچھا "اس کے ساتھ کیا برا ہوگا؟ تم اسے پکڑلو گے اور پھر اسے سزا ہوجائے گی یا اس سے زیادہ بھی کچھ ہوسکتا ہے۔"

"تمہاری طرح ہم بھی بیچ کے آدمی ہیں جو غریب ہیں اور غریبوں پر ترس کھاتے ہیں۔ ہمیں وہ کاغذ لوٹانے ہیں یا اوپر والوں کو سب کچھ بتانا ہے۔ افضل کے ساتھ کیا ہوگا، یہ فیصلہ وہ بڑے لوگ کریں گے۔ انہیں کسی کی غربت اور مجبوری سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو۔ ہر بڑا آدمی میرے صاحب جیسا نہیں ہوتا لیکن تم غریب تو نہیں لگتے۔ اتنی اچھی موٹر میں آئے ہو۔" اپنے مالک کی مداح سرائی کرتے کرتے اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہوگیا "تمہارے کپڑے بھی بہت مہنگے اور صاف ستھرے ہیں۔"

"گاڑی دفتر کی ہے۔ بڑے لوگوں کے پاس آنے جانے کے لیے ہمیں پیٹ کاٹ کر ایسے کپڑے پہننا پڑتے ہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا "اس بھنگن کے دل میں اترنے اور اس کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم

خود کو بھی اسی کے درجے کا مظلوم و بے بس شہری ثابت کرسکیں۔ افضل اور پچھمی سے گفتگو کے بعد میں اس فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ان دونوں کے درمیان انسانی ہمدردی کے سوا لالچ کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔

"تم نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے۔" وہ فکرمند ہوگئی "سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تمہیں کیا جواب دوں۔"

"ایک کام اور بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے اس کے دماغ میں زہر انڈیلنے کا سلسلہ جاری رکھا "تم گھر دکھا کر چابی ہمیں دے دو اور دوسری جگہ کام کرنے چلی جاؤ۔ ہم گھر میں جاکر ذرا سی دیر میں اپنا کام کرلیں گے۔ تم وہاں لوٹو گی تو چابی تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر چھپی ہوئی ملے گی۔"

"یہ اس سے بھی بری بات ہوگی کہ میں پورا گھر نئے آدمیوں کے حوالے کردوں۔ میرے صاحب بہت وہمی آدمی ہیں۔ اپنی رکھی ہوئی کسی چیز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ پسند نہیں کرتے۔ تم نے بھول میں کسی چیز کو ہٹادیا تو ان کو شبہ ہوجائے گا۔ میں ایسا غلط کام مرکر بھی نہیں کروں گی۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ کتا کسی چڑیا کو بھی گھر میں پر نہیں مارنے دیتا۔ میرے بغیر تم وہاں پھٹک بھی نہیں سکتے۔ وہ بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھالے گا اور تمہیں زخمی کرکے بھگادے گا۔ سارا محلہ تماشا دیکھے گا اور بات میرے صاحب کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔"

"پھر پہلی ترکیب ہی بہتر رہے گی۔" میں نے اسے اپنی طرف سے لقمہ دیا۔

پچھمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی خاموشی سے سفر کرتی رہی۔

میری اور پچھمی کی گفتگو اول خان کے لیے اعصاب شکن ثابت ہورہی تھی۔ ہمارے درمیان پہلے سے کچھ طے نہیں پایا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ میرے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ اس نے دبے لہجے میں 'انگریزی میں کہا "تم وہاں گھسنے میں کوئی افادیت سمجھ رہے ہو تو اس احمق عورت کو بے بس کرو اور گھر کی چابی چھین لو کیوں بلاوجہ اس پر اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

"ایسا نہیں ہوسکتا۔" میں نے اسے مختصراً جواب دے کر خاموش کردیا۔

حقیقت یہ تھی کہ اول خان کے مشورے سے پہلے میں خود اس امکان پر غور کرچکا تھا۔ پہلی بات یہ تھی کہ پچھمی عورت ذات تھی اور زیادہ قصوروار نہیں تھی۔ ان دو حقائق کو نظرانداز کرکے اس کے ساتھ کوئی جبر کیا جاتا تو وقت سے پہلے یا قدرے تاخیر سے اس کی کہانی جوگیندر یا اس کے ساتھیوں تک پہنچ جاتی' راز کھل جاتا اور افضل کا نام بھی منظرعام پر آجاتا۔

ان واقعات کی تشہیر ہمارے حق میں نہیں تھی۔ جوگیندر نے ماسٹر کے روپ میں خاموشی سے روی کو موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا۔ اس سے پہلے ہم اپنا دامن بچا کر پوری احتیاط سے میجر بخشی کو معذور کرچکے تھے۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اسی طرح جوگیندر کا معاملہ بھی مکمل خاموشی اور رازداری کا متقاضی تھا۔ اس بارے میں بات باہر نکل جاتی تو ناقابلِ تصور پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

میونسپل کارپوریشن سے باتھ آئی لینڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اول خان نے میرے اور پچھمی کے مذاکرات کی سست روی کی وجہ سے گاڑی کی رفتار کم رکھی تھی اور دانستہ بس کے روٹ والا طویل راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ چاہتا تو سٹی اسٹیشن کے ریلوے پل کے برابر والی سڑک سے ہوکر ذرا سی دیر میں مولوی تمیزالدین روڈ پر نکل سکتا تھا۔ اپنے طبعی اور فطری اضطراب کے باوجود اس نے کسی غیرضروری عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"تم اسی طرح سوچتی رہیں تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہمارے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ افضل کے ساتھ کچھ ہوا تو اس کی بیوی اور چاروں بچیاں بے سہارا ہوجائیں گی۔ تمہیں جلد از جلد فیصلہ کرلینا چاہیے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری رضامندی میں افضل کی خوش قسمتی ہوگی۔ تم نے انکار کردیا تو ہم اسے افضل کی بدقسمتی سمجھ کر خاموش ہوجائیں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

پچھمی ہمارے ساتھ آرام سے گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی مگر اس پر ذہنی دباؤ بہت تیزی سے بڑھتا جارہا تھا۔ میں اس کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی آواز واضح طور پر سن رہا تھا۔ وہ اندرونی ہیجان میں مبتلا تھی۔

"میں تمہیں چابی نہیں دوں گی۔" آخرکار اس کے اعصاب جواب دے گئے "تم گاڑی روز کھڑی کرکے ٹھیک گیارہ بجے آجانا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اندر لے جاؤں گی۔ تم آدھے پون گھنٹے میں کاغذ ڈھونڈ کر باہر نکل جاؤ گے۔ اس سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہرو گے۔"

پچھمی کی وہ تجویز بہت حوصلہ افزا تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے دیے ہوئے وقت سے پہلے باہر آجائیں گے۔"

ہماری گاڑی کشادہ سڑک پر سیدھی دوڑتی رہی۔ پچھمی کے ایما پر ایک جگہ اول خان نے رفتار کم کرلی۔ گاڑی ایک سڑک پر گھوم گئی۔ وہاں سڑک پر دونوں طرف بڑے بڑے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ہماری گاڑی کا سفر جاری رہا۔ پچھمی

کے کہنے کے مطابق اول خان نے اس صاف ستھری آبادی کی کئی پر پیچ گلیاں طے کیں اور پھر ایک جگہ گاڑی روک دی۔

"وہ پیلا مکان!" پچھمی نے ہاتھ اٹھا کر جوگیندر کے گھر کی نشاندہی کی اور گاڑی سے اتر گئی۔ وہ مڑ کر دیکھے بغیر، بہت تیزی سے ایک قریبی گلی کی طرف جا رہی تھی۔

"جوگیندر کے گھر میں گھس کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" پچھمی سے نجات ملتے ہی اول خان پھٹ پڑا۔

میں نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور سفّاکانہ انداز میں کہا "وہی جو وہ ہمارے ساتھ کرنا چاہ رہا ہے۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اب تم یہاں کے واقعات میں نہیں الجھو گے۔ حالات کے مطابق میں خود فیصلے کرتا رہوں گا۔ تم کسی بھی صورت میں اس کا سامنا نہیں کرو گے۔ ذرا سی چوک ہو گئی تو سب کچھ قابو سے باہر ہو جائے گا۔"

"مجھے اس کا سامنا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب تک بخشی کی ایک دھمکی کو عملی جامہ پہنا چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری دھمکی پر بھی عمل کر گزرے، ہم کو بے رحمی سے اس کا سر کچل دینا چاہیے..."

"میجر بخشی کے بارے میں قسمت نے ہمارا ساتھ دیا اور ہمارا بھرم رہ گیا" وہ گاڑی کو واپسی کے راہ پر ڈالتے ہوئے بولا "ہر ایک کے ساتھ ہم وہ سلوک نہیں کر سکتے۔ تم بھول رہے ہو کہ جوابی کارروائیوں کا کوئی سلسلہ چل پڑا تو تلخیاں بہت بڑھ جائیں گی۔"

"ہم اسے فائرنگ کر کے نہیں ماریں گے۔ ٹائم بم اور ریموٹ کنٹرولڈ بم۔ میرے ذہن میں یہ دو تجاویز ہیں۔"

اول خان کی آنکھیں تحیر زدہ انداز میں پھیل گئیں "تو تم بم نصب کرنے کے لیے اس کے گھر میں گھسنا چاہتے ہو؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "گہرے سکوت میں بہترین ساخت کے ٹائم بم کی گھڑی کی آواز گونجے گی۔ وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے۔ اس کے لیے ریموٹ کنٹرول سب سے بہتر رہے گا۔ ٹھیک گیارہ بجے پچھمی دیوی ہمارے دروازے پر دستک دے گی۔ اس سے پہلے یہ بندوبست ہو جانا چاہیے۔"

"بخشی کے واقعے کو ہم حادثہ قرار دے رہے ہیں۔ بم کے دھماکے کے لیے ایسی کوئی آڑ نہیں مل سکے گی۔"

"کچھ روز پہلے اسلام آباد میں بم کا دھماکا ہوا تھا۔ کئی پاکستانی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ دنیا کے ترقی یافتہ شہروں تک میں ایسی دہشت گردیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ہماری حکومت کا تعزیتی بیان اور ہمدردانہ ردِّعمل ہمیں الزامات سے بچائے گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم اتنی آسانی سے بخشی کے قریب ترین ساتھی تک پہنچ جائیں گے۔ اس بار بھی مقدر نے ہماری یاوری کی ہے ورنہ ہم سولی پر ٹنگے ہوئے تھے۔"

"تم پچھمی کو کیسے خاموش رکھو گے؟ وہ گھر میں دو اجنبیوں کے داخلے کی کہانی سناتی پھرے گی۔"

"اسے ہماری نیت کا علم نہیں ہے۔ وہ ہمیں کسی اور کام کے لیے جوگیندر کے گھر میں لے جا رہی ہے۔ دھماکا ہونے کے بعد بس وہ سوچتی رہ جائے گی۔ اس کے اندر کا چور اسے زندگی بھر لب کشائی سے روکے رہے گا۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ محض اسی لیے میں اسے رضاکارانہ آمادگی کے لیے مجبور کر رہا تھا۔ زبردستی کی صورت میں وہ سمجھ جاتی کہ ہماری نیت صاف نہیں ہے۔"

"یہ دھماکا رائیگاں بھی جا سکتا ہے" اول خان ہر منفی پہلو اجاگر کرنے کے موڈ میں آ چکا تھا۔ میرے ارادے کے خلاف اس کی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ قدم اٹھانے سے پہلے ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہ رہا ہو۔

"رائیگاں نہیں جائے گا" میں نے مسکرا کر اسے یقین دلایا "ایک مرتبہ بم اس کے گھر میں پہنچ جائے تو وہ بچ نہیں سکے گا۔"

"اس وقت تمہارے ذہن میں واضح خاکہ موجود ہونا چاہیے، مجھے بتاؤ کہ تم اس کی موت کو یقینی کیسے بناؤ گے۔ میں نے جوگیندر پال کا نام سنا ہوا ہے۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور بھیڑیے کی طرح خونی آدمی ہے اور بہت کامیابی سے پس پردہ رہ کر یہاں اپنا ایک سال پورا کر چکا ہے۔"

"دھماکا اس وقت ہو گا جب وہ فون پر مجھ سے بات کر رہا ہو گا۔ پہلے سے اسے خوف زدہ نہیں کیا جائے گا۔"

"موبائل فون کے ساتھ وہ شہر کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ وہ کہاں ہے؟"

بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی "بعض اوقات تمہاری سوچ بالکل یکطرفہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں نے کب کہا کہ میں اس سے موبائل فون پر بات کروں گا۔ اس کے گھر میں عام فون بھی ضرور ہو گا۔ وہ اسے کہاں لے جا سکتا ہے؟"

اول خان بھی خفّت آمیز انداز میں میری ہنسی میں شریک ہو گیا "تم سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ کب کیا کہہ ڈالو گے۔ یہ چکر موبائل فون نمبر سے چلا ہوا تھا۔ میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔"

"مجھے صرف ایک فکر تھی کہ جوگیندر پال کے گھر میں ہونے والے دھماکے سے اس کے پڑوسیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کا گھر دیکھ لینے کے بعد یہ خدشہ دور ہو گیا ہے۔ آپس میں ملی ہوئی دیواروں والا گھر یا فلیٹ ہوتا تو ہم اپنے

منصوبے کو بھول جانے پر مجبور ہو جاتے۔"

"جوگیندر پال کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ موت اس پر سایہ فگن ہونے والی ہے۔ افضل کے نام پر موبائل فون حاصل کرنے کے بعد اسے کبھی خیال نہیں آیا ہوگا کہ اس کی یہی حرکت اس کے لیے موت کا پھندا بن جائے گی۔"

"ہر مجرم کے ساتھ یہی ہوتا ہے جس گھر کو وہ اپنے لیے محفوظ خیال کرتا ہے' وہیں اسے مات ہوتی ہے۔"

"اسے یہ جان کر دکھ ہوگا کہ ایک بھنگن کی وجہ سے وہ جہنم واصل ہو رہا ہے" میں نے محظوظ ہو کر کہا۔

اول خان نے کچھ کہنے کے لیے بے ساختہ منہ کھولا مگر کچھ کہے بغیر سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"کہو' کہو!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی "تم کچھ کہتے کہتے رک گئے۔"

"کچھ نہیں۔ ذرا سا مغالطہ ہوا تھا پھر بات سمجھ میں آگئی۔ تم اس سے فون پر جو کچھ کہو گے' بم پھٹنے سے چند ثانیوں قبل ہونے والی دوسری اور آخری گفتگو میں کہو گے۔ اسے کسی کو کچھ بتانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"تم دھماکے کے لوازم کے لیے حامد کو فون کرو گے یا ہمیں اسٹیشن فور کی طرف دوڑ لگانی پڑے گی؟"

"ہمارے پاس کافی وقت ہے مگر بہتر یہی ہے کہ حامد کو بلا لیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ جوگیندر پال کے گھر میں دھماکے کے لیے پندرہ سے بیس کلومیٹر کی حد میں کام کرنے والا ریموٹ کنٹرول یونٹ کافی رہے گا" اس نے میری رائے جاننی چاہی۔

"مرنے والوں پر اپنے وسائل اتنی بے دردی سے ضائع مت کرو۔ یہ یونٹ خاصے مہنگے ہوں گے۔ ایک دو کلومیٹر کی رینج والا کوئی سستا یونٹ بھی ہمارے لیے اسی قدر کارآمد ثابت ہوگا۔ اگنیشن سے منسلک کرنے سے پہلے اس کا ٹیسٹ کیا جانا ضروری ہے۔ اسے فون پر سب کچھ بتا دینے کے بعد ڈیوائس نے کام نہیں کیا تو ساری احتیاط اور رازداری دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"تمہارے ایسے اندیشے روح تک کو لرزا دیتے ہیں۔ میں حامد کو ٹیسٹنگ کے لیے خاص طور پر کہہ دوں گا۔"

مین روڈ پر نکلنے سے پہلے اول خان نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا دی اور موبائل فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

وہ فون پر دھیمی آواز میں حامد کو ہدایات دیتا رہتا۔ میں سگریٹ سلگا کر اپنے ذہن میں آنے والے لمحات کا نقشہ جمانے میں مصروف ہو گیا۔ غیر معمولی آسانی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچنے والے کاموں کے بارے میں' میں آخری لمحے تک شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا تھا کیونکہ آسانیوں کے باعث ایسے معاملات میں کسی سنگین بھول چوک کے امکان زیادہ غالب رہتے ہیں۔

اپنی بات ختم کر کے اول خان نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی "ہم پی آئی ڈی سی کالونی کے قریب حامد کا انتظار کریں گے۔ میں نے اسے پانچ کلو طاقت والی ڈیوائس کے لیے کہا ہے۔ وہ تین چار سو گز کے رقبے میں تباہی پھیلانے کے لیے کافی ہوگی۔"

"اسے دو گز زمین میں اتارنے کے لیے کم از کم اتنے رقبے کی تباہی لازمی ہے' ضروری نہیں کہ ہم اس کی مسہری کے نیچے یا خواب گاہ میں بم نصب کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ دھماکے سے دو تین کمروں کو اڑ جانا چاہیے۔" میں نے اس کے فیصلے کی توثیق کر دی۔

اول خان ریلوے پل عبور کر کے' گاڑی کو ڈھلان سے اتارتے ہوئے' دھیرے دھیرے داہنی طرف لاتا چلا گیا۔ پھر اس نے گاڑیوں کے ہجوم میں سست روی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں وہ رک سکتا تھا۔

اس نے دوسری کئی گاڑیوں کے باہر نکلنے کی راہ مسدود کر دی تھی لیکن خود ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ اس لیے قریب ہی منڈلاتے ہوئے ٹریفک کے عملے نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے موبائل پر گھر کا نمبر ملا لیا۔

"کبھی کبھی تم بہت سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہو" رابطہ قائم ہو جانے پر میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز گونجی "ہم یہی سوچ رہے تھے کہ تم دونوں کیا کر رہے ہو گے۔ یہ بتاؤ کہ بھنگن پروجیکٹ کی کامیابی کی کوئی امید ہے یا معاملہ کہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"تمہارا اندیشہ درست ہے۔ ہم شہر کی سڑکیں ناپ کر ایک بجے سے پہلے گھر واپس پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے رات ہی سے کامیابی مشکوک معلوم ہو رہی تھی" میرے جواب سے ویرا کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی "اپنے مسائل میں گھرے ہوئے مفلوک الحال اور ناخواندہ لوگوں سے کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ افضل کی کہانی کمزور اور بودی تھی۔"

"دونوں کو جاہل قرار نہ دو۔ افضل اتنا پڑھا لکھا ضرور ہے کہ میونسپلٹی میں کلرکی کر رہا ہے۔ تمہاری صنف سے تعلق رکھنے والی کو جاہل ہی ہونا چاہیے۔ لکھ پڑھ کر کوئی بھی اس پیشے کا رخ کرنا پسند نہیں کرتا۔"

ویرا نے محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اس کا مطلب ہے کہ اس حسینہ عالم سے تمہاری ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ شہر کی کسی سڑک پر جھاڑو پھیرنے کے لیے نکلی

ہوئی ہوگی۔ مل جائے تو مجھے ضرور بتانا کہ وہ کیسی ہے اور تمہارے کس کام آسکتی ہے۔"

"ویرا! خدا کا خوف کیا کرو" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اسے تادیب کی "تعلیم اور دولت کسی کی میراث نہیں ہوتی..."

"مجھے معلوم ہے" اس نے میری بات اڑادی "کبھی کبھی تم غریبوں اور مظلوموں کے ایسے ہمدرد بن جاتے ہو کہ کامریڈ معلوم ہونے لگتے ہو۔"

"کامریڈ بننے کا فیشن اب لد گیا لیکن زمین کے حقائق آج بھی وہی ہیں..."

وہ میری بات سننے پر آمادہ نہیں تھی پھر بیچ میں بول پڑی "یہ باتیں کھانے کی میز پر موزوں رہیں گی۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ استاد کے موبائل کا کیا کیا جائے۔ رات اطمینان سے گزار لینے کے بعد ماسٹر اس سے رابطے کے لیے بے چین ہے۔ باربار گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ ہر بار درمیانی وقفہ گھٹتا جارہا ہے۔"

"وہ بجتا ہے تو بجنے دو۔ بھول کر بھی اسے ہاتھ نہ لگانا" میں نے جلدی سے کہا۔

"جب بات ہی نہیں کرنی تو فون بند نہ کردوں۔ گھنٹی ناقابل برداشت ہوتی چلی جارہی ہے۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ فون کی حالت میں ذرا بھی تبدیلی آئی تو ماسٹر کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔ جواب کے بغیر گھنٹیاں سن کر وہ یہ سمجھے گا کہ استاد سے فون کہیں گر گیا ہے یا پھر وہ خود کہیں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ تبدیلی اس کے لیے خطرے کی گھنٹی ثابت ہوگی۔ ابھی اس کا غافل رہنا ہی سودمند ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ تم اس سے بات کرنے کا مشورہ دوگے۔ جب کہیں سے کوئی پیش رفت نہیں ہورہی تو اس سے بات کرنی چاہیے۔ کچھ پتا تو چلے کہ وہ کون ہے؟"

"ہم اسی کام کے لیے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس میں دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"شاید تم بھنگن کی طرف سے ابھی تک پُرامید ہو۔ تمہاری واپسی پر یہ نتیجہ بھی سامنے آجائے گا" ویرا کی بات سن کر میں نے فون بند کردیا۔

میری گفتگو سے اول خان نے اندازہ لگالیا کہ میں نے ویرا کو اپنی کامیابی کی بھنک تک نہیں دی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا "آج تم نے ویرا کو بھی غچا دے دیا۔"

"مجبوری ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "اسے ذرا سا بھی اشارہ مل جاتا تو وہ پے درپے سوالات کرکے میرا دماغ چاٹ جاتی۔ اس وقت میں اپنا ذہن بالکل صاف اور پرسکون رکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ کام پورا ہوجائے تو ہر بات ہر ایک کے علم میں آجائے گی۔"

"میرا خیال تھا کہ تم گھر پر موجود رہ کر جوگیندر پال پر اپنا آخری وار کروگے لیکن تمہارے عزائم کچھ اور نظر آرہے ہیں" اول خان نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دھیمی آواز میں سوال کیا "دھماکے کے وقت ہمارا اس علاقے میں موجود رہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا "کیا میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"اب تم ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہو" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے براہِ راست کچھ نہیں کہا لیکن ریموٹ کنٹرول یونٹ کی رینج کو پندرہ بیس کلومیٹر سے گھٹا کر دو تین کلومیٹر کرنے کا مشورہ ضرور دیا تھا۔ یہ رینج قرب وجوار سے ہی استعمال کی جاسکتی ہے۔"

"میں کہہ کر بھول گیا۔ اسی سے تم اندازہ لگاسکتے ہو کہ جوگیندر پال کا مسئلہ کس طرح میرے اعصاب پر سوار ہے" میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر جواب دیا "میں دھماکے کے بعد ہونے والی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا بس چلتا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے شوٹ کرتا۔"

"اس کے بارے میں تم کچھ زیادہ انتہا پسندی کا مظاہرہ کررہے ہو۔ اس کے جرائم کرشن کمار سے زیادہ سنگین نہیں ہوں گے۔"

"وہ را کا ایجنٹ تھا۔ جو کچھ کررہا تھا اپنے حساب سے ٹھیک کررہا تھا۔ سفارتی کیڈر میں چھپے ہوئے بھیڑیوں سے مجھے ہمیشہ نفرت محسوس ہوتی ہے۔"

اس وقت ہمارے پاس ان سلگتے ہوئے حساس موضوعات پر بات کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم بھیڑ بھاڑ والے ایک مصروف مقام پر کھڑے ہوئے تھے جہاں ہمارا کوئی بھی لفظ یا فقرہ کسی کو ہماری طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ دونوں کو اس حقیقت کا ادراک تھا۔ ہم نے اپنی زبانیں بند کرلیں اور خاموشی سے حامد کا انتظار کرنے لگے۔

سوا دس بجے تک میں اپنے ذہن میں اٹھنے والی آندھیوں کو چھپائے سکون سے بیٹھا رہا۔ جب گھڑی کی سوئیوں نے ساڑھے دس کا رخ اختیار کیا تو میری طبیعت میں ہلکا سا اضطراب پیدا ہونے لگا۔ کسی ناگہانی حادثے یا رکاوٹ کی وجہ سے حامد کو وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی تو ہمارا پورا کھیل تباہ ہوسکتا تھا۔ اول خان میرے کچھ کہے بغیر وہ تبدیلیاں محسوس کررہا تھا۔ اس کی نظریں بھی رہ رہ کر رسٹ واچ کا طواف کررہی تھیں۔ ساڑھے دس بج گئے تو اس کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے اسٹیشن فور پر فون کیا تو پتا چلا کہ

حامد دس بجے سے پہلے وہاں سے نکل چکا تھا۔
دس بج کر پچیس منٹ پر اول خان کے چہرے پر ہیجان کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ایس ٹی ایف کی وہ گاڑی دیکھ لی جو اس وقت حامد کے استعمال میں تھی۔ حامد نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اسے اتار کر گاڑی نے دوبارہ آگے رینگنا شروع کردیا۔ اس وقت پارکنگ میں کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ حامد کے داہنے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا جھول رہا تھا۔
میری نگاہوں میں وہ بڑے بڑے، رنگین دیواری پوسٹر گھوم گئے جو دہشت گردی سے عوام کو ہوشیار کرنے کے لیے شہر کے بارونق بازاروں اور پرہجوم کاروباری علاقوں میں کثرت سے چسپاں کیے گئے تھے۔ ان میں سارا زور مشتبہ تھیلوں اور بریف کیسوں پر تھا جو تباہی کا پیش خیمہ بن سکتے تھے۔
مجھے احساس تھا کہ حامد نے مطلوبہ اشیا یک جا کر کے اسٹیشن فور سے روانہ ہونے میں دانستہ کوئی تاخیر نہیں کی ہوگی مگر پھر بھی اسے پہنچنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ اگر ہم اسے بلانے کے بجائے خود دوڑ لگاتے تو محدود وقت میں ہماری واپسی ہرگز ممکن نہ ہوتی۔
بچھمی کا دیا ہوا ڈیڑھ گھنٹا گزرنے میں بس ذرا سی دیر باقی تھی۔ حامد نے وہ تھیلا اول خان کے حوالے کیا اور نیچی آواز میں کہا ”فائیو کے جی، فائیو کلومیٹر.... آل ٹسٹڈ اوکے اینڈ ریڈی فار یوز۔“
اول خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ تھیلا میرے سپرد کرکے اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔
وہ ایک مہلک بارودی بم تھا جو کھلونے کی طرح میری گود میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ ڈالا تو وہ دو نرم چرمی پیکٹ تھے۔ میں نے بہت احتیاط سے دونوں پیکٹ نکالے اور خالی تھیلا قدموں میں ڈال دیا۔ ایک پیکٹ بڑا اور وزنی تھا۔ اسے اٹھانے کے لیے چرمی غلاف میں مضبوط دستہ لگا ہوا تھا۔ وہ اصل دھماکا خیز اور مہلک بم تھا جس کے ساتھ بم کو چلانے والے حساس لاسلکی آلات موجود ہونے چاہییے تھے۔ دوسری جیبی کیلکولیٹر کے سائز کی ایک ہلکی پھلکی ڈبیا تھی جس پر صرف تین بٹن تھے۔ سرخ بٹن پر سخت مگر شفاف پلاسٹک کا حفاظتی خول منڈھا ہوا تھا تاکہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے سرخ بٹن اچانک نہ دب جائے۔
”ریموٹ کنٹرول یونٹ جیب میں رکھ لو۔ بڑا پیکٹ اندر چھوڑنا ہوگا“ اول خان نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے مجھے بریف کیا۔
میں نے ہلکا پھلکا ریموٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ٹریفک کی بھیڑ اور ریل کے اختتام پر واقع موڑ کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار سست ہوگئی۔ کہیں سے آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں رسٹ واچ دیکھتا اور ٹریفک کی بدنظمی پر سلگتا رہا۔ آخر کار ہم اس تنگ مقام سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ پہلے سے دیکھی ہوئی گلیوں سے گزرنے کے بعد اول خان نے ایک درخت کے سائے میں گاڑی روک کر انجن بند کردیا۔
اس مقام سے جوگیندر پال عرف ماسٹر کا پیلا مکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ہمیں گاڑی اس گھر سے دور روک کر پیدل بچھمی تک پہنچنا تھا۔ رسٹ واچ پونے گیارہ بجاچکی تھی۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا، وہ تیار تھا۔ ہم دونوں بے پروایانہ انداز میں آگے بڑھنے لگے لیکن حقیقت میں ہم اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھے۔ بم والا چرمی کیس میرے بائیں ہاتھ میں جھول رہا تھا۔
وقت پورا کرنے کے لیے ہم نے رفتار دھیمی رکھی تھی لیکن بچھمی بھی ہم سے کم دباؤ میں نہیں تھی۔ اس غریب اور جاہل بھنگن کو شاید یہی احساس مارے ڈال رہا تھا کہ وہ اپنے اچھے مالک کی اجازت اور مرضی کے بغیر دو اجنبیوں کو اس کے گھر میں لے جانے والی تھی۔ موڑ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بچھمی اپنے دیے ہوئے وقت سے پہلے، سامنے والی گلی سے نمودار ہورہی تھی۔
اس نے بھی دور سے ہمیں دیکھ لیا اور اپنا رخ پیلے مکان کی طرف کرلیا۔ ہم نے اپنی رفتار قدرے تیز کرلی اور درمیانی فاصلہ کم کرکے بچھمی کے پیچھے پیچھے جوگیندر پال کے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔
احاطے کا چوبی پھاٹک مقفل نہیں تھا۔ بچھمی اسے کھول کر اندر غائب ہوگئی۔ اس نے ہمارے لیے پھاٹک کھلا چھوڑدیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہم دونوں بھی اس پھاٹک سے گزر گئے۔ اول خان نے آخر میں دونوں پٹ ملاکر اندرونی کنڈی کو خفیف سا سرکادیا تاکہ ہوا سے چوبی پھاٹک نہ کھل سکے۔ اس وقت تک بچھمی گھر کے داخلی دروازے کا قفل

کھول چکی تھی۔ ہم بڑھے اور ہمارے قدم اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے۔ پچھمی اندر جا چکی تھی اور کھلے ہوئے دروازے کے پیچھے سے ایک گراں ڈیل کتا، ہانپتے ہوئے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔

اس وقت کوئی رائفل بردار میرے سامنے ہوتا تو میں اس کی پروا نہ کرتا لیکن ایک کتے کے کھلے ہوئے، خوفناک جبڑے کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میرے پورے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ پچھمی اس کتے کی آڑ میں پناہ لے چکی تھی اور وہ کسی بھی لمحے جست لگا کر ہم پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔

تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔ فضا میں پچھمی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ کتے کو ٹونی کہہ کر پچکار رہی تھی۔ کتے نے اپنی دم کو فضا میں زور زور سے ہلاتے ہوئے رخ بدل لیا۔ لیکن ہماری نظروں کے سامنے موجود رہا جبکہ پچھمی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ سکوں۔ میں نے گمبھیر نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا پھر تقریباً بہ یک وقت ہم دونوں کے سر ہل گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو آگے جانے کا اشارہ کررہے تھے۔ کوئی پہل کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

ایک حقیر کتا ہمارے راستے کی دیوار بنا ہوا تھا اور ہم دونوں اس سے ڈر رہے تھے۔ میرا خون جوش میں آگیا۔ میں نے ہمت کرکے ایک ہی قدم بڑھایا تھا کہ وہ خبیث کتا چونک کر دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس بار اس نے اپنے حلق سے ایک ہلکی سی جارحانہ آواز بھی نکالی تھی، جس کے نتیجے میں، میں بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔ پروگرام طے کرتے ہوئے ہم نے اس دیوپیکر کتے کی موجودگی کے سنگین مضمرات کو سرے سے نظرانداز کردیا تھا۔

"جلدی اندر آؤ! مجھے دروازہ بند کرنا ہے۔ ٹونی تمہیں کچھ نہیں کہے گا" پچھمی نے کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر خوف زدہ آواز میں تیز سرگوشی کی۔

اس کا چہرہ غائب ہوگیا۔ کتا دوبارہ ہمارے سامنے تھا۔ اس کے دونوں کان کھڑے ہوئے تھے اور ہمارے سانسوں کے زیروبم کے ساتھ کسی ریڈار کے انٹینا کی طرح، اپنے محور پر چھوٹے چھوٹے جھٹکوں سے گھوم رہے تھے۔ ٹونی کے بارے میں پچھمی کی یقین دہانی مجھ پر کوئی اثر نہیں کرسکی۔ یہی حال شاید اول خان کا تھا کیونکہ اس نے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

پچھمی کو اندازہ ہوچکا تھا کہ کتے کے سامنے جانے سے ہم دونوں ہچکچا رہے تھے۔ وہ کسی تدبیر سے کتے کو دروازے کے سامنے سے ہٹا لے گئی۔ کتے کے منظر سے دفعان ہوتے ہی میرے خون کو طرارہ آگیا۔ ایک پالتو کتا مجھے زیادہ سے زیادہ کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی مگر مجھے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوچکی تھی۔ مجھ سے پہلے اول خان حرکت میں آچکا تھا اور مربیانہ انداز میں مجھے اپنے پیچھے آنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اس مرتبہ میں اول خان کے پیچھے تھا اس لیے اندرونی دروازہ مجھے بند کرنا پڑا۔ پچھمی کتے کا پٹا تھام کر اسے اندر کہیں لے جا رہی تھی۔

"تم ٹھہرو، میں اسے ایک کمرے میں بند کرکے آتی ہوں۔" پچھمی نے پیچھے مڑ کر پیغام دیا۔

جوں ہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی، میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ زیادہ بڑا مکان نہیں تھا۔ کشادہ لابی میں چار دروازے تھے اور چاروں ہی کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کمرا کسی کی خواب گاہ کے طور پر زیراستعمال تھا کیونکہ اس کا بستر شکن آلود تھا۔ میں پھرتی سے اسی کمرے میں گھس گیا۔ جو کچھ ہوا، وہ کتے کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہوا تھا۔ اس میں میرے کسی منصوبے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کمرے میں انسانی وجود کی بو رچی ہوئی تھی۔ جوتوں کے اوپر شب خوابی کا ایک دھاری دار لباس بکھرا ہوا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر موجود، مردانہ استعمال کی چیزیں بے ترتیب تھیں۔ سرہانے والی تپائی پر فون رکھا ہوا تھا۔ قالین پر اسکاچ کی ایک خالی بوتل بھی لڑھکی ہوئی تھی۔

آثار بتا رہے تھے کہ وہ جوگیندر پال کی خواب گاہ تھی۔ بم رکھنے کے لیے روئے زمین پر اس سے بہتر مقام ملنا محال تھا۔ قسمت نے اتفاق سے وہ موقع فراہم کردیا تھا۔ میں نے چشم زدن میں اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول بم، جوں کا توں مسہری کے نیچے رکھ کر دور تک کھسکا دیا اور جس تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا تھا، اسی تیزی کے ساتھ باہر نکل کر واپس اول خان کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے وہ کارروائی اتنی سرعت سے انجام دی تھی کہ پچھمی تقریباً ایک منٹ بعد کتے کے بغیر واپس آئی۔ تو اسے میری حرکت کا اندازہ تک نہیں ہوسکا۔ وہ مکان پوری طرح بند اور گفتگو کے لیے محفوظ تھا مگر ہم تینوں کے ذہنوں پر ایک خوف سوار تھا۔ پچھمی دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں بولی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں پالتو کتوں سے اتنا ڈرتے ہو۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں کچھ بھی نہ کہتا۔ میں نے اسے بند کردیا ہے۔ جلدی سے کاغذ ڈھونڈلو اور واپس چلے جاؤ۔"

"تمہیں بھروسا ہو تو ہم دونوں الگ الگ کمروں کی تلاشی لے لیں تاکہ وقت بچ جائے۔" میں نے سادگی سے

پوچھا۔

''نہیں!'' وہ اس سوال کے لیے شاید پہلے سے تیار تھی ''میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ رہوں گی تاکہ کوئی چیز اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔''

اس کی عائد کی ہوئی شرط بہت کڑی تھی۔ اگر قسمت اور کتے نے ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید بم والا چرمی پیکٹ ہمیں اپنے ساتھ واپس لے جانا پڑتا۔

لابی میں کھلنے والے کمروں میں پہلا دروازہ سادہ سے ڈرائنگ روم کا تھا۔ اس سے ملحق ڈائننگ روم میں چار کرسیوں کے ساتھ ایک چھوٹی مگر خوب صورت میز پڑی ہوئی تھی۔ ان سے نکلنے کے بعد چھمی ہمیں جوگیندر پال کی خواب گاہ میں لے گئی ''یہ میرے صاحب کا کمرا ہے۔''

''تم چیزوں کے ہلنے جلنے کی بات کر رہی تھیں۔ یہ تو پورا کمرا ہی بکھرا ہوا ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یہاں ہر چیز کی ایک جگہ مقرر ہے۔ صاحب پھیلاتے ہیں، میں ہر چیز کو سمیٹ کر واپس اس کی جگہ پر پہنچاتی ہوں۔ گھر میں سب سے مشکل کام یہی ہے۔''

ہم دونوں کمرے کے مختلف حصوں میں اِدھر اُدھر چکراتے رہے۔ چھمی دروازے کے قریب کھڑی، ہمیں دیکھتی رہی۔ میں نے ٹیلی فون سیٹ پر نمبر تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ جگہ خالی تھی۔ اس کمرے میں کچھ وقت برباد کرنے کے بعد ہم دونوں نے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

''پھر افضل کے دونوں کاغذ صاحب کے پاس ہوں گے۔'' چھمی نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا ''چوتھا کمرا خالی پڑا ہوا ہے۔ اسٹور میں ٹوٹی رہتا ہے۔ باورچی خانے میں وہ کاغذ ہو نہیں سکتے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہمیں چوتھے دروازے پر لے گئی۔ وہ ملحق باتھ روم کے ساتھ ایک خواب گاہ تھی مگر بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ جوگیندر نے وہاں اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز جمع نہیں کی تھی۔

''یہ بہت برا ہوا۔ ہم تینوں کی محبت بھی افضل کے کسی کام نہیں آسکی۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''پتا نہیں اب اس کا کیا بنے گا۔''

''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آج میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے کسی مالک سے نمک حرامی کی ہے۔''

''چھمی! تم واقعی بہت ہمدرد اور نیک دل عورت ہو۔ تم مجھے یہاں کا فون نمبر دے دو۔ میں دیکھوں گا کہ افضل کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ کل یا پرسوں میں تمہیں فون پر پوری بات بتا دوں گا۔'' میں نے باتوں کی روانی سے فائدہ اٹھا کر اپنے ذہن میں چکرانے والا سوال بھی کر ڈالا۔

''فون کرو گے!'' اس نے دھیرے سے کہا، کچھ سوچا اور پھر اپنے مختصر بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر وسط میں کچھ ٹٹولا۔ اس کا ہاتھ واپس آیا تو اس میں زپ والا ایک ننھا سا پرس موجود تھا۔ چھمی زپ کھول کر اس کے اندر کچھ تلاش کرنے لگی۔

ذرا سی محنت کے بعد اس نے کئی تہوں والا ایک چھوٹا سا کاغذ میرے سامنے کر دیا ''یہ یہاں کا نمبر ہے۔ صاحب نے خود لکھ کر دیا تھا کہ کبھی کوئی مجبوری ہو تو فون کر کے ان سے پہلے سے چھٹی لے لوں مگر میں نے آج تک کام سے کوئی چھٹی نہیں لی۔ میں دل لگا کر کام کرتی ہوں۔''

میں نے سگریٹ کے پیکٹ پر وہ نمبر نوٹ کر لیا۔ چھمی حیرت ناک طور پر ہمارے سارے مسائل حل کرتی جا رہی تھی۔

''مجھ سے بات کرنی ہو تو گیارہ بجے سے پہلے اور ایک بجے کے بعد کبھی فون نہ کرنا۔'' چھمی تاکید کر رہی تھی ''کبھی کبھی صاحب دفتر سے چھٹی کر کے ڈیڑھ دو بجے تک گھر آجاتے ہیں۔ ہفتے اور اتوار کو ان کی چھٹی ہوتی ہے۔''

''پھر ہفتے اور اتوار کو بھی فون نہ کروں۔'' میں نے چھمی کا دل رکھنے کے لیے خوامخواہ پوچھ لیا۔

''ہاں! ہولی، دیوالی اور دوسرے تہواروں پر بھی فون نہ کرنا۔'' چھمی نے دور تک کے لیے وضاحت کر دی ''اب تم جاؤ، ڈر سے میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ میں پانی پی کر کچھ دیر بیٹھوں گی تو دل ٹھکانے پر آئے گا۔ اس کے بعد میں کام شروع کروں گی۔''

میں نے اس کے لیے چند توصیفی الفاظ کہے پھر ہم دونوں نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گئے۔ ہمیں اندرونی دروازے سے رخصت کر کے چھمی نے فوراً قفل لگا لیا۔ ہم نے باہر نکل کر چوبی پھاٹک بند کیا اور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیے۔

''آج جوگیندر پال کی بدقسمتی کا دن ہے۔ ہمارے سارے کام توقع سے زیادہ آسان ہوتے چلے گئے۔'' اول خان نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''مجھے آج پتا چلا کہ تم کتوں سے ڈرتے ہو۔'' میں نے ہنسنے کی دبی ہوئی آرزو پوری کرتے ہوئے کہا ''اسے دیکھ کر تمہارے پیر زمین پر گڑ کر رہ گئے تھے۔''

اول خان بھی ہنسنے لگا ''تم بھی تو اس خوں خوار بلا سے ڈر رہے تھے۔ اصل کام اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔''

''میں؟'' میں نے حیرت سے کہا ''میں تو بالکل بھی نہیں ڈرا تھا۔ تم سے پہلے آگے بڑھا تھا۔''

''ایک قدم بڑھے تھے۔ اس کے غراتے ہی دو قدم پیچھے آگئے تھے۔ تم چل پڑتے تو مجھے حوصلہ مل جاتا۔''

"اچانک شیر بھی سامنے آجائے تو انسان ساری ہمت یک جا کرکے اس سے لڑلیتا ہے لیکن جان بوجھ کر ایک ذلیل اور خطرناک کتے کے منہ میں جانا مشکل کام ہے۔" میں نے اس کے مشاہدے سے آگاہ ہوتے ہی ہتھیار ڈال دیے "کتے کے ذکر کے بغیر آج کی کہانی ادھوری رہے گی لیکن گھر جاکر میرے اور اپنے خوف کی کہانی نہ لے بیٹھنا۔ مجھے اپنی اس کمزوری کا آج پہلی بار اندازہ ہوا ہے۔ میں جلد ہی اسے دور کرلوں گا۔"

اول خان کچھ نہ بولا ہم دونوں کم و بیش یکساں تجربے سے گزرے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ناخوش گوار واقعہ ہمارے درمیان موضوع سخن نہیں بنے گا۔ اس واقعے کی کوکھ سے جنم لینے والی ہماری کامیابی نے کم از کم میرے دل میں ندامت کے احساس کو خاصا کمزور کردیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ کر ہم کچھ دور نکلے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں یک بہ یک کبھی 'جوگیندر پال اور ٹونی کے ٹرانس سے نکل آیا ہوں۔ وہ واقعات بہت تیزی اور تسلسل کے ساتھ رونما ہوتے چلے گئے تھے۔ اس دوران میں میرا ذہن پوری طرح ان حالات کی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔ ہماری وہ مہم کامیابی سے ہم کنار ہوچکی تھی۔ جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے بنیادی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ کھیل کے اس حصے کی تکمیل کے ساتھ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوا تو مجھے یاد آیا کہ اس دن کے لیے ہم نے کچھ اور ترجیحات بھی طے کی ہوئی تھیں۔

"آج ان چکروں کی وجہ سے ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری کا کام اٹک گیا۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"صبح گھر سے نکلنے سے پہلے' میں نے اپنے گھر پر آئے ہوئے آدمی کو بریفنگ کے ساتھ تمہاری تصاویر دے دی تھیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ واقعات کا پہیا چل نکلا تو میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔ وہ کام ہو رہا ہے۔ کل صبح تک تینوں پاسپورٹ آجائیں گے۔"

"گڈ!" اول خان کی زبان سے خبر سن کر مجھے خوشی ہوئی "فرد اور تنظیم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تم اس نکتے کا ہر وقت دھیان رکھتے ہو۔"

"ایک مصروفیت کی وجہ سے دوسرا کام متاثر ہونے لگے تو میں شدید کوفت محسوس کرتا ہوں۔"

"استاد کا موبائل فون گھر میں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "دیر اجتار ہی تھی کہ اس پر بار بار کال آرہی ہے۔"

"جوگیندر' استاد جیکب سے رابطے کے لیے بے چین ہوگا۔ شاید استاد اور ارجن کے انجام کی خبر ابھی تک دبی ہوئی ہے۔"

"وہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرے ہیں۔ مجھے اس ویران علاقے میں لے گئے تھے۔ اب وہاں ان کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ کوئی مشکل سے ان تک پہنچ سکے گا۔ اس وقت تک جنگلی جانور لاشوں کو نوچ کر مسخ کرچکے ہوں گے۔"

"جوگیندر پال کی موت کے ساتھ تمہارے سر پر منڈلانے والے سب خطرات ٹل جائیں گے۔" اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا "اب تمہارے گھر کا فون نمبر صرف ماروتی کے علم میں ہے اور وہ پوری طرح تمہاری مٹھی میں ہے۔"

"وہ واقعی عجیب اور بدقسمت عورت ہے۔ اپنے شوہر کے لیے بے پناہ محبت کے ساتھ بے وفائی کا جو سنگم میں نے ماروتی میں دیکھا ہے' وہ کبھی میرے گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اب وہ بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔ موہن ہاؤس والوں کے ساتھ اس کا گزارہ ہونا مشکل ہے۔"

"زندگی تجربات کا دوسرا نام ہے۔ ماروتی کے جگائے ہوئے فتنوں کا تماشا دیکھنے کے بعد میں خود اندر سے لرز کر رہ گیا تھا۔"

"اسے روی کی موت کی خبر ملے گی تو وہ مجھے تلاش کرے گی۔ اب میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔"

"تمہارا فیصلہ مناسب ہے۔ تنہا ہوجانے کے بعد وہ تمہاری ذات میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرسکتی ہے۔ تم اس سے دور رہو گے تو وہ خود ہی مایوس ہوکر کوئی دوسرا سہارا تلاش کرلے گی۔ جوان اور خوب صورت بیواؤں کو آسانی سے ہمدرد مل جاتے ہیں۔"

اول خان نے پتے کی بات کہی تھی۔ کم سنی کی شادی کے باعث ماروتی اس وقت بھی جوان نظر آرہی تھی جب کہ میری اطلاعات کے مطابق وہ خود ایک جوان بیٹے کی ماں تھی۔ اس نے اپنی آزادیوں کی خاطر بیٹے کو میرپور خاص کے دیہی علاقے میں چھوڑا ہوا تھا جہاں اس لڑکے کو بھی اپنی خاندانی حیثیت کی بنا پر فرصت کے ساتھ ساتھ وہ تمام آزادیاں حاصل تھیں جو چڑھتی ہوئی منہ زور جوانی کے ساتھ انسان کی طلب بن جاتی ہیں۔

"مجھے ماروتی کا انجام افسوس ناک نظر آتا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا "وہ روی کے آزاد دوستوں کی صحبت میں گھر کر ایک کھلونا بن جائے گی اور پھر ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گی۔"

"یہ بہت اچھا ہے کہ چند روز بعد تم بھارت کی طرف نکل جاؤ گے۔ سلطان شاہ میرے پاس آجائے گا۔ میں عارضی

طور پر تمہارا فون بند کروا دوں گا۔ رابطے میں مسلسل ناکامی سے تھک ہار کر وہ تم سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائے گی۔"

"ارجن اور جیکب سے ٹکراؤ میں میرا چہرہ نہ بگڑا ہوتا تو میں کل ہی یہاں سے نکل جاتا!" میں نے حسرت سے کہا۔

"تم چاہو تو اب بھی اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو۔" اول خان نے تجویز پیش کی "تم کو لاہور میں رک کر آگے جانا ہے۔ تم یہ چند دن لاہور میں گزار سکتے ہو۔ جب زخم مندمل ہو جائیں تو اسلام آباد سے جلال کو لاہور بلا لینا۔ وہ تمہیں سرحد پار بھیجنے کا بندوبست کر دے گا۔"

وہ بہت موزوں تجویز تھی جس پر کسی تاخیر کے بغیر عمل کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

ہم دونوں پچھلے چند گھنٹوں کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں آئندہ کے امکانات پر باتیں کرتے ہوئے تقریباً بارہ بجے گھر پہنچ گئے۔ مجھ سے فون پر ہونے والی مایوسانہ گفتگو کے نتیجے میں ویرا چہک رہی تھی۔

"غنیمت ہے کہ تم جلد ہی لوٹ آئے۔" ویرا نے مجھ سے سامنا ہوتے ہی کہا "مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھنگن تمہارا سارا دن برباد نہ کر دے۔"

"یہ تمہاری اور ڈینی کی آپس کی گفتگو ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں گا۔" اول خان نے اس کے تبصرے پر ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا۔

اول خان کی خوش دلی نے ویرا کو مخمصے میں ڈال دیا۔ اس نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر مجھے گھورا پھر خشک لہجے میں پوچھا "اصل کہانی کیا ہے؟"

"آرام سے بیٹھ جاؤ! اصل کہانی آج شام تک ختم ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے ریموٹ کنٹرول نکال لیا۔ اول خان اسے میرے ساتھ مصروف پا کر خاموشی سے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

میں.... کچھ دیر تک ویرا کو زچ کرتا رہا۔ میں نے جوگیندر پال کے خلاف جو کامیابی حاصل کی تھی' وہ اتنی اہم تھی کہ میں اپنے مزاج پر اس کے مثبت اثرات کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ویرا کے ساتھ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی میرے چہرے سے پڑھ لیا کہ بات وہ نہیں تھی جو ویرا سمجھ رہی تھی۔ یہ ویرا کے سیمابی مزاج کی خوبی تھی کہ وہ فوراً ہی استہزائیہ انداز ترک کر کے میری خوشامد پر اتر آئی۔

جوگیندر پال تک رسائی کے سلسلے میں پچھی نے جو کردار ادا کیا' وہ ان سب کے لیے ناقابل یقین حد تک حیران کن تھا۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک ان پڑھ اور معمولی عورت ایسے اہم مجرم تک رسائی میں کوئی کلیدی کردار ادا کرنے کی اہل ہو سکتی تھی۔

"وہ اپنے مالک سے خائف تھی اور کسی قیمت پر ہم سے اتنا زیادہ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "میں اکیلا ہوتا تو اپنی کوششیں ترک کر کے ہتھیار ڈال دیتا لیکن ڈینی نے ہمت نہیں ہاری۔ پچھی کو آمادہ کرنا اسی کے بس کی بات تھی۔"

"اس طبقے کے بعض لوگ اپنے مالکوں کے بہت وفادار ہوتے ہیں مگر وہ تو میونسپل کارپوریشن میں ملازم ہے جو گیندر کے گھر کیسے پہنچ گئی؟"

پچھلی رات اس بارے میں تفصیل سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ اول خان نے پورا پس منظر دہرانے کے بعد کہا "پچھی اور ڈینی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر میں ایک عجیب نتیجے پر پہنچا ہوں۔ یہ ان پڑھ اور مفلوک الحال لوگ جیسے بھی ہوں' برے وقت میں ایک دوسرے کے بہترین ہمدرد ثابت ہوتے ہیں' ان میں کسی تعلیم اور تربیت کے بغیر ایسی طبقاتی سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ پچھی کے تیور اس وقت نرم ہوئے جب ڈینی نے اسے یقین دلا دیا کہ ہم بھی اسی کی طرح غریب اور بے سروسامان طبقے سے تعلق رکھتے ہیں..."

"تمہاری گاڑی دیکھ کر بھی اس نے ڈینی کے اس ڈھکوسلے کو تسلیم کر لیا؟" ویرا نے اول خان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ ڈینی کی چرب زبانی کا کمال تھا کہ اسے تسلیم کرنا پڑا۔ ایک بار وہ راہ پر آئی اور کام بنتا چلا گیا۔"

"خاصی سنسنی خیز صورتِ حال ہے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا "جوگیندر پال اپنے دفتر میں ہے۔ اس کی خواب گاہ میں' مسہری کے نیچے پانچ کلو بارود کی طاقت والا ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم پوشیدہ ہے جس کا ریموٹ ڈینی بے پروائی سے لیے پھر رہا ہے۔ سب کچھ تیار ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ جوگیندر دفتر سے اپنے گھر واپس پہنچ چکا ہے۔"

"یہ معلومات بھی پچھی نے فراہم کی ہیں۔ ہم اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"چار نہیں' چھ بجے!" میں نے اس کی تصحیح کی "میں چاہتا ہوں کہ ہماری پہلی کوشش ہی بارآور ثابت ہو۔ چھ بجے تک اسے اپنے معمولات سے فارغ ہو کر کمرے میں پہنچ جانا چاہیے۔ میں نے اس کے کمرے میں اسکاچ کی ایک خالی بوتل دیکھی تھی۔ شراب نوشوں کے لیے شام کا دھندلکا

دعوت انگیز ہوتا ہے۔ وہ کہیں بھی ہوں، شام ہوتے ہی اس ٹھکانے پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوجاتے ہیں جہاں سے انہیں ان کی خوراک مل سکے۔"

اچانک میز پر رکھے ہوئے اس موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی جو میں نے استاد جیکب کی لاش سے حاصل کیا تھا۔ گھنٹی کی آواز واقعی کرخت اور ناگوار تھی۔ جب تک گھنٹی بجتی رہی، سب خاموش رہے۔ وہ سلسلہ منقطع ہوا تو ویرا منہ بنا کر بولی "یہ گھنٹیاں سن سن کر میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"جب اس پر آنے والی کوئی بھی کال نہ سننے کا فیصلہ ہوچکا ہے تو تمہیں اس سے جان چھڑا لینی چاہیے تھی۔" میں نے کہا۔

"یہ تمہاری ہدایت تھی کہ فون بند نہ کیا جائے۔ جوگیندر رپال ماسٹر چونک پڑے گا۔"

"فون سے نجات حاصل کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔" ویرا کو جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا "یہ موبائل لے جاؤ اور اپنے بستر پر تکیے کے نیچے رکھ دو۔ یہ خیال رہے کہ اس کا کوئی بٹن نہ دبنے پائے۔"

"اتنی سی بات تم مجھے پہلے بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا نے میری ہدایت پر برہمی سے کہا۔

"یہ حل تم خود بھی سوچ سکتی تھیں۔ ضروری نہیں کہ میں ایسی معمولی باتیں بھی بتاتا رہوں۔"

"سوچنے میں تھوڑی سی عقل خرچ ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے جاتے جاتے گرہ لگائی "عورتیں عقل بہت کفایت سے استعمال کرتی ہیں اسی لیے کبھی گنجی نہیں ہوتیں۔ مرد بے چارے سوچ سوچ کر جوانی میں ہی گنجے ہوجاتے ہیں۔"

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میری اور اول خان کی کارگزاری سے واقف ہونے کے بعد ہر ایک بہت خوش نظر آرہا تھا۔ جوگیندر رپال کے متوقع انجام کے پیش نظر سب پرجوش تھے۔ خوش گپیوں کے دوران میں، شکم سیر ہوکر کھانا کھایا گیا اور پھر سستی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

میں نے جوگیندر رپال کے خلاف آخری قدم اٹھانے کے لیے ایک وقت کا تعین کرویا تھا جو خاصی دور تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ کو آرام کی سوجھنے لگی۔ کچھ دیر تک وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے، کسل مندی سے انگڑائیاں لیتے رہے پھر خاموشی سے اپنے اپنے کمروں کی طرف کھسک گئے۔ غزالہ عام حالات میں بھی خانہ داری کے فرائض میں مصروف رہتی تھی اور ہمارے ساتھ کم وقت گزارتی تھی۔ اس وقت وہ اول خان کی فرمائش پر چائے بنانے میں مصروف تھی۔

تخلیہ ہوتے ہی اول خان بولا "راستے میں تم نے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا تھا لیکن اب چھ بجے اس خبیث کو فون کرنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اسے بلاوجہ ایک گھنٹے کی رعایت کیوں دے رہے ہو؟ یہ کام جتنا جلد ہوجائے اتنا ہی اچھا ہوگا۔" اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس سوال نے کافی دیر سے اسے پریشان کیا ہوا تھا لیکن وہ دوسروں کے سامنے خاموش رہا تھا۔

"ہمارا نشانہ صرف جوگیندر رپال ہے۔" میں نے بتایا "اس کے ساتھ پچھی کو خراش بھی آئی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گا۔ میں نے ایک گھنٹے کی مدت ایسے کسی اتفاق کو ٹالنے کے لیے بڑھائی ہے۔ چھ بجے سے پہلے وہ وہاں سے جا چکی ہوگی۔"

"پچھی کا محفوظ رہنا بہت ضروری ہے۔" اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "میں اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔"

"وہ اپنے ٹونی کے ساتھ کسی کتے ہی کی موت مارا جائے گا۔ اس بے زبان جانور کو بچانا میرے بس سے باہر ہے۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں صوفوں پر نیم دراز ہوکر باتیں کرتے رہے۔ ویرا اور سلطان شاہ کا قیلولہ زیادہ طول نہیں پکڑسکا۔ انتظار کی اعصاب شکن کیفیت میں گہری نیند سونا محال تھا۔ ان کی واپسی کے ساتھ غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آگئی۔ تینوں نے روانگی کے لیے کپڑے تبدیل کرلیے تھے۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ سب کی نظریں بار بار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اول خان کے سوا کسی کو یہ سوال نہیں سوجھا تھا کہ جوگیندر کے مقدر کا فیصلہ کرنے کے لیے چھ بجے کے وقت کا انتظار کیوں ضروری تھا۔

پانچ بجے اول خان پر بھی اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ سب تیار تھے۔ اول خان کی گاڑی میں ہم پانچوں آسانی سے سوار ہوسکتے تھے۔ موبائل فون ساتھ لے کر ہم نے گھر کو مقفل کیا اور وہاں سے باتھ آئی لینڈ کے لیے روانہ ہوگئے جہاں جوگیندر رپال کو آنے والے بدترین وقت سے بے خبر، اپنے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کردی اور خود مجھے ریموٹ کے استعمال کا آسان طریقہ سمجھا رہا تھا۔ جوگیندر رپال کی خواب گاہ کو ہولناک دھماکے کے ساتھ اڑانے کے لیے ہمیں بہرحال اس کے گھر سے پانچ کلومیٹر کی حد میں رہنا تھا۔ اس رینج سے باہر ریموٹ کنٹرول بے کار تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیچل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ای ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا، اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرا دیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرام الٰہی قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کر لی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی جی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کر لی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سڑگشتی کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اسے اغوا کر کے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدر آباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی ماروتی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ اس کی نشاندہی کے بعد کرشن کمار کا شکار بہت آسان ثابت ہوا۔ کرشن کمار کے بعد ہری چند باقی رہ گیا تھا وہ کراچی سے فرار تھا۔ وہ ہمیں حیدر آباد کے قریب ایک ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہو کر ملا اور پوچھ گچھ کے دوران دہلی میں موجود انل بسواس نامی بھارتی افسر کا نام بتا سکا۔ ہمیں بعد میں علم ہوا کہ انل بسواس نئی دہلی میں را کے پاکستان ونگ کا سربراہ تھا۔ اسی اثنا میں روی کے ملازم شیام کی مخبری کے باعث میجر بخشی ہمارے فرضی ناموں اور ٹیلی فون نمبر سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے مظہر خان کو فون کر کے دھمکی دی۔ اس کو نہایت صفائی سے عقل و خرد سے بیگانہ کر کے بھارتیوں کے لئے بے مصرف کر دیا گیا۔ مجھے اب غزالہ کے ہمراہ بھارت روانہ ہو جانا تھا مگر ویرا نے قائل کر لیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہو گی۔ روی کو ہمارا ساتھ دینے کی سزا ملی اور اسے بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا۔ ماسٹر نامی شخص کے آدمی مجھے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ میرے مقابلے میں بہت بودے ثابت ہوئے اور کراچی سے باہر کے ویرانے میں واصل جہنم ہوئے۔ مجھے ان سے ماسٹر کا موبائل فون مل گیا۔ ماسٹر نے موبائل فون کے حوالے سے بڑی چالاکی کا ثبوت دیا تھا۔ مگر میونسپل کارپوریشن کی ایک ملازمہ کچھی کے ذریعے ہم اس کے گھر تک پہنچ گئے۔ وہ بھارتی قونصلیت کا ملازم تھا اور اس کا اصل نام جوگیندر پال تھا۔ ہم نے اس کی خواب گاہ تک رسائی حاصل کی اور وہاں محدود طاقت کا ریموٹ کنٹرول بم نصب کر دیا۔ اب ہمیں جوگیندر پال کے گھر پہنچنے کا انتظار تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اول خان کی گاڑی شہر کی سڑکوں پر تیزی سے سفر کر رہی تھی اور میرا ذہن جوگیندر کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

پچھلا دن طلوع ہوا تو ہمارے سامنے میجر بخشی کا نام تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس نے قلیل سی مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی کو اپنا راز داں بنالیا ہوگا۔ جوگیندر پال اس کا خاموش اور بہت چالاک حلیف تھا۔ اس نے ہمیں ہوشیار ہونے کا کوئی موقع دیے بغیر اپنا وار کرنے کی کوشش کی تھی۔ میجر بخشی کا انجام سامنے آنے کے بعد اس نے کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ خاموشی سے اپنی کمین گاہ میں دبکا رہا۔ اپنے کرائے کے آدمیوں کو ان کاموں پر مامور کردیا جن کو پورا کرنے کی حسرت میجر بخشی کے دل میں رہ گئی تھی۔

جیکب گینڈے اور ارجن نے روی کو شہر کے ایک معروف اسپتال سے بہت مکاری سے اغوا کیا اور ٹھکانے لگادیا۔ ان دونوں نے اپنی دانست میں مجھے بھی تقریباً مار ہی لیا تھا لیکن میرے ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ عین وقت پر ان کی بازی الٹ گئی اور میں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ صرف خود کو بچانے میں کامیابی حاصل کرلی بلکہ ان دونوں کو موت کے خونی جبڑوں میں دھکیل دیا۔

وہ سارے مرحلے طے ہونے تک جوگیندر پال کا نام پردے میں رہا۔ مجھے یا کسی اور کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کرائے کے قاتلوں کو میرے اور روی کے خون کی بو پر لگانے والا کون تھا پھر ایک سراغ ملا۔ ڈور کا سرا ہاتھ میں آنے کے بعد گتھی سلجھتی چلی گئی۔

افضل اور پچھمی محض دو نام تھے۔ بے وقعت اور غیر اہم۔ ایک میونسپلٹی کا غریب کلرک تھا' دوسری اسی شہری ادارے کی معمولی سی بھنگن۔ ان دونوں نے ہمارے ساتھ مل کر ایسا کام دکھایا تھا کہ اس وقت جوگیندر حقیقت میں پانچ کلو طاقت والے بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں پچھمی کی گفتگو ایک بار پھر تازہ کی۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کا مالک اپنے دفتر سے ڈھائی' تین بجے واپس آتا ہے۔ اسے کھانا دے کر وہ ہانڈی اور برتن وغیرہ صاف کرتی ہے اور وہاں سے روانہ ہوکر سورج ڈھلنے سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاتی ہے۔

پچھمی کی مہربانی سے میں جوگیندر کا گھر دیکھ چکا تھا۔ اس کی خواب گاہ میں لڑھکی ہوئی اسکاچ کی بوتل سے اس کے فارغ اوقات کے مشغلے کا معاملہ بھی واضح ہوچکا تھا۔ میرے تصور میں اس گھر کا ایک نیا خاکہ سر ابھارنے لگا جس میں جوگیندر پال کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد' اپنی خواب گاہ میں مسہری پر دراز ہوکر ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک عادی اور پرانا شرابی تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو خالی بوتل اس کے کمرے میں لڑھکی ہوئی نہ ملتی۔ قرینے سے کسی الماری یا خانے میں رکھی ہوئی ہوتی۔ میں اپنے تجربے اور دوسروں کے مشاہدے کی بنا پر اچھی طرح جانتا تھا کہ بے پروائی کا وہ دستور' عادی شرابیوں میں عام ہوتا ہے۔ وہ پیتے ہیں اور پھر پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں یہ غم نہیں ہوتا کہ بوتل کہاں پڑی ہے اور پیمانہ یا گلاس کہاں رہ گیا۔ نہ یہ یاد رہتا ہے کہ وہ پینے کے لیے جیتے ہیں یا جینے کے لیے پیتے ہیں۔ ان کا ہاتھ اسی وقت رکتا ہے جب پینداصاف نظر آنے لگتا ہے اور ہر چیز وہیں رہ جاتی ہے جہاں وہ ہوتی ہے۔

مجھے یقین تھا کہ دفتر سے واپسی پر پچھمی' جوگیندر کو جو کھانا دیتی ہوگی' وہ اس کا لنچ ہوتا ہوگا۔ وہ سہارے کے لیے تھوڑا بہت کھالیتا ہوگا اور پچھمی اپنے صاحب کے رات کے کھانے کا بندوبست کرکے چلی جاتی ہوگی۔ سرشام وہ پینے کا سلسلہ شروع کرتا ہوگا۔ شاید اس کے دفتر کا کوئی ساتھی بھی اس کے پاس آجاتا ہو۔ صحیح معنوں میں وہ اپنی شکم سیری مے نوشی کے بعد ہی کرتا ہوگا۔

میری چشم تصور دیکھ رہی تھی کہ وہ مسہری پر لیٹا ٹیلی وژن کے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ مشروب سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بے خبری میں بارود کا ایک پیکٹ اس کی مسہری کے نیچے پہنچ چکا ہے۔

"چھ بج رہے ہیں... کب اسے فون کرو گے؟" ویرا کے اضطراری سوال نے مجھے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔

میں نے سر جھٹک کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا "بس' صدر کے علاقے میں داخل ہوتے ہی نمبر ملالوں گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے میری تائید کی "ریموٹ کنٹرول کی رینج پانچ کلو میٹر ہے۔ وہ یہاں سے بھی کام کرے گا مگر بہتر یہی ہے کہ اس کے گھر سے ہمارا فاصلہ کم سے کم ہو تاکہ بم پھٹنے کے بارے میں شک و شبے کی گنجائش نہ رہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ اپنی ہر شام اپنے گھر پر ہی گزارتا ہو۔" سلطان شاہ نے پرخیال لہجے میں زبان کھولی "وہ کوئی بڑا افسر ہے۔ سفارتی حلقوں میں آئے دن کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی تقریب ہوتی رہتی ہے۔ تم نے اپنے کام میں دیر کی تو

ایسا نہ ہو کہ وہ گھر سے نکل جائے۔"

میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کے ذہن کی رسائی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بہت پتے کی بات کہی تھی مگر مجھے پھر بھی تشویش نہیں تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک سے محفوظ، ایک خاموش اور تباہ کن بم جوگیندر پال کی مسہری کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ وہ گھر پر نہ ہوتا تو فون پر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ ہماری وہ بھاگ دوڑ ضائع ہوتی اور ہمیں بے نیل و مرام اپنے گھر لوٹ جانا پڑتا۔

ایسی کسی ناگہانی صورت حال میں جوگیندر پال کو چوبیس گھنٹوں کی چھوٹ مل جاتی۔ ہم اپنا وہی کام اگلے دن کے لیے ملتوی کرسکتے تھے۔ اس وقت سب کچھ بظاہر ہمارے اختیار میں تھا۔ ہم اسے اتنی چھوٹ نہ دینا چاہتے تو وہیں کہیں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرسکتے تھے۔ یہ طے ہوچکا تھا کہ جب تک اس کی طرف سے فون پر جواب نہیں ملے گا، ریموٹ کنٹرول یونٹ کو نہیں چھیڑا جائے گا۔

وہ بات قابلِ فہم تھی۔ سلطان شاہ قائل ہوگیا۔ اس نے جلد از جلد صدر کے علاقے میں پہنچنے کے لیے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

صدر کی حدود شروع ہوتے ہی میں نے اپنا موبائل سنبھالا اور جوگیندر پال کا فون نمبر ملا ڈالا۔ پچھی کا بتایا ہوا وہ نمبر میں نے دل ہی دل میں اتنی بار دہرایا تھا کہ مجھے زبانی یاد ہوچکا تھا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے بزی ٹون سنائی دی اور میں نے لائن کاٹ دی۔

"فون بزی ہونے کا مطلب ہے کہ وہ گھر پر موجود ہے۔" سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

"یہ ضروری نہیں ہے۔" ویرا نے اپنا فرض گردانتے ہوئے اس کی تردید ضروری سمجھی "ہوسکتا ہے کہ اس کے بے لگام کتے نے منہ مار کر ریسیور یا پورا فون نیچے گرا دیا ہو۔ جب تک جوگیندر پال اپنے گھر نہیں لوٹے گا، فون بزی ہی ملتا رہے گا۔"

"ویرا پلیز!" اول خان کی آواز سے بے چینی مترشح تھی "ایسے کلمات زبان سے مت نکالو۔" ڈینی وقفے وقفے سے کوششیں کرتا رہے گا۔ دو تین ناکامیوں کے بعد ہی ایسا کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ابھی سے مایوسی مت پھیلاؤ۔"

جب اعصاب پر دباؤ زیادہ ہو تو انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری ہونے لگتا ہے۔ میں نے کوئی معقول وقفہ دیے بغیر دوبارہ کوشش کی اور اس مرتبہ بھی وہی بزی ٹون گنگنانے لگی اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر ویرا نے درمیان میں شرانگیزی نہ کی ہوتی تو یہ بات میں بھی سمجھ سکتا تھا کہ اگر جوگیندر اپنے فون پر کسی سے بات کررہا تھا تو اسے گفتگو کو اختتام تک پہنچانے میں کچھ وقت لگ سکتا تھا لیکن اس وقت میری ذہنی رو بھی بہک گئی تھی۔ میں نے سلسلہ منقطع کرتے ہی ری ڈائل والا بٹن دبادیا۔ میری اس کوشش کا وہی نتیجہ نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔

میں نے کسی وقفے کے بغیر وہ عمل بار بار دہرانا شروع کردیا۔ جوگیندر کا فون مسلسل بزی تھا۔ اس وقت جو کیفیت میری تھی، شاید وہی سب کی تھی۔ کسی نے مجھے روکنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے تسلسل کے بجائے کچھ وقفہ دے کر جوگیندر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس خبیث سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہو تاکہ اسے اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔

جب گاڑی پی آئی ڈی سی ہاؤس سے اگلے پل پر سے گزر رہی تھی تو میں شاید دس مرتبہ رابطے میں ناکامی سے دوچار ہوچکا تھا۔ اگلی کوشش پر دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ میرے چہرے سے اس کا اظہار ہونے لگا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ دوسروں کی پرامید نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ سب خاموش تھے مگر میں نے پھر بھی فضا میں ہاتھ اٹھا کر انہیں اشارہ کرنا ضروری سمجھا۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ میں افضل کی تلاش کے سلسلے میں ایک بار جوگیندر پال کے موبائل پر اس سے بات کرچکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی آواز پہچان لی۔ اس وقت اس کی آواز خاصی نرم تھی۔

"ہیلو جوگی!" میں نے اس کے نام کا بے تکلفانہ استعمال کرتے ہوئے شستہ انگریزی میں اسے مخاطب کیا "کیا ہورہا ہے؟"

"تم کون ہو.....؟ کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" دوسری طرف سے میرے سوال کو نظرانداز کرکے پوچھا گیا۔

"یہ تمہاری ذہانت کا امتحان ہے۔" میں نے خوش دلی سے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے!"

اول خان، سلطان شاہ کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں شاید اسے راستے کے بارے میں ہدایت دے رہا تھا۔ جوگیندر سے فون پر رابطہ ہونے کے بعد ہمارا جلد از جلد اس کے گھر کے قریب پہنچنا ضروری ہوگیا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ

کس لمحے بھڑک کر فون کا سلسلہ منقطع کردیتا اور ریموٹ کنٹرول کے فوری استعمال کی ضرورت پیش آجاتی۔ اس نکتے کو محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔
"بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرو!" ریسیور سے جوگیندرپال کی آواز خشک غراہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ "اگر مجھ سے بات کرنے کی ذرا بھی خواہش رکھتے ہو تو سب سے پہلے اپنا تعارف کراؤ ورنہ میں فون بند کردوں گا۔"
"شاید وقت نے تمہیں مغرور بنا دیا ہے ورنہ میں تمہارے لیے اتنا اجنبی نہیں ہوں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔
"اجنبی نہ ہوتے تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ میں جوگی کہلانا پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ مجھ سے بے تکلف ہیں وہ مجھے پال کہتے ہیں۔ یہ میری پہلی' آخری اور فیصلہ کن وضاحت ہے۔ نام بتاؤ ورنہ میں فون بند کرتا ہوں۔"
"میرا نام کا داؤ نہیں چل سکا مگر میرا اصل مقصد پورا ہوچکا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے گھر میں بلکہ اپنی خواب گاہ میں موجود تھا۔ اس سے کسی قسم کی راز داری برتنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ موت کی دہلیز پر کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت اس سے چند کھری باتیں کرنے کا موقع ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے خالی ہاتھ استعمال کرتے ہوئے' اپنی جیب سے ریموٹ کنٹرول یونٹ نکال لیا۔
"میں استاد جیکب کا باپ بول رہا ہوں۔ اسے تم نے کہاں بھیجا ہوا ہے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔
"م۔۔۔ میں کسی جیکب کو نہیں جانتا۔ اس کے کسی باپ کو جاننے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!" وہ لمحہ بھر کے لیے ہکلایا مگر پھر سنبھل گیا۔
"پھر تم ارجن' روی اور مظہر کو بھی جاننے سے انکار کردو گے؟" میں نے ایک ہی سانس میں اسے تین نام گنوا دیے۔
"تم نت نئے نام لے کر مجھے بلاوجہ ہراساں کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم کیا چاہتے ہو؟"
"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم ان ناموں سے ہراساں ہوئے ہو۔ ان میں سے مظہر کے سوا سب جہنم واصل ہوچکے ہیں۔۔۔۔"
"اوہ' تو کیا تم مظہر ہو؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم تو روی کے بہت بڑے سرپرست ہو۔"
میں کبھی کسی موذی کا سرپرست نہیں رہا۔ روی میرے کام آرہا تھا' میں اس سے کام لیتا رہا۔ تم نے اسے اسپتال سے اٹھا کر مروا دیا۔۔۔۔ بہت اچھا کیا۔ زمین کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا۔ اپنا بدلہ لینے کے لیے وہ بے چینی سے وہاں تمہارا انتظار کررہا ہے۔"
"تم ٹیلی فون پر گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا۔" میری دھمکی پر وہ مشتعل ہوگیا۔ "میں بخشی نہیں ہوں۔"
"یہ مجھے معلوم ہے کہ تم بخشی نہیں ہو اسی لیے بخشے نہیں جاؤ گے۔ وہ زندہ رہے گا مگر تم کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اب یہ بھی سن لو کہ میرا نام ڈینی ہے۔ میرا ہاتھ اس وقت تمہاری شہ رگ پر ہے۔۔۔۔"
اس نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ مظہر نام کا کوئی نیا آدمی میدان میں اترتے ہی اتنی پھرتی نہیں دکھا سکتا۔ اس کے پردے میں کوئی پرانا پاپی چھپا ہوا ہے۔ اب تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی گئی ہے۔" وہ انگریزی بھول کر اردو پر اتر آیا تھا۔
"تم لولے ہوچکے ہو۔" میں نے بھی اردو میں زہریلی آواز میں جواب دیا "جیکب اور ارجن تمہارے داہنے اور بائیں ہاتھ تھے۔ وہ کاٹے جاچکے ہیں۔ تم اپنی بزدلی کی وجہ سے پردہ نشین ہو۔ کبھی کھلے مقابلے پر آنے کی غلطی نہیں کرو گے۔ اس لیے میں نے تمہارا دوسرا بندوبست کیا ہے۔ تمہارے گلے میں طوق پڑچکا ہے' نقارہ بجنے کی دیر ہے۔ اس کے بعد تمہارا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔"
"تم یہ مان رہے ہو کہ بخشی کسی حادثے کا نہیں' تمہاری درندگی کا شکار ہوا ہے؟"
"درندگی کا نشانہ تم بنو گے۔ اسے محبت سے گوشمالی کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔"
"تم میرے قریب آؤ گے تو تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ یہ حرکت تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی۔"
"مجھے ہم جنسوں سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ جنس مخالف کی تلاش میں رہتا ہوں۔ تم پر میں تمہاری پچھی کو ترجیح دوں گا۔ وہ کہاں ہے؟"
"میں سمجھ گیا۔۔۔ میں خوب سمجھ رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "پچھی کا نام لے کر تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور میرے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو مگر یاد رکھو کہ یہ باتیں تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گی۔ تم میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکو گے۔"
اس سے گفتگو کے ساتھ ساتھ میری توجہ راستوں پر بھی

مرکوز تھی۔ اول خان کی رہنمائی میں سلطان شاہ ڈرائیونگ کرتا ہوا جوگیندر پال کے گھر کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ ایک موڑ کے بعد کسی بھی لمحے وہ پیلا مکان ہماری نظروں کے سامنے آسکتا تھا۔

"میرے قدم تمہیں پسند نہ آئے تو میں نئی دہلی کے انل بسواس سے سفارش کرالوں گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"تمہارا وقت قریب آگیا ہے۔" جوگیندر کی آواز سخت اور نیم ہذیانی ہوگئی "تم اپنی اوقات سے بہت زیادہ جان چکے ہو۔ میں دیکھوں گا کہ اب تم کتنی دیر زندہ رہتے ہو۔ اب یہ بخشی کا سونپا ہوا نہیں، میرا اپنا کام بن چکا ہے۔"

"تمہارا کام بنا نہیں بلکہ تمام ہونے والا ہے۔ ذرا سی ہمت کرو اور اپنی مسہری کے سرہانے کے نیچے جھانکو۔ مجھے بتاؤ کہ وہاں رکھا ہوا سیاہ چرمی پیکٹ کیا ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ خاموش ہے لیکن میری انگلی کے ذرا سے اشارے پر بول پڑے گا۔"

اس کی زبان سے مغلظات کا طوفان ابلا جو فوراً ہی معدوم ہوگیا۔ شاید وہ بوکھلاہٹ میں فون کا ریسیور پھینک کر اپنی مسہری کی طرف لپکا تھا۔ میرے ریسیور پر کچھ ناقابلِ فہم اور مبہم آوازیں آرہی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ فون کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا اور جوگیندر پال اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کے سرخ بٹن پر چڑھا ہوا شفاف پلاسٹک کا سخت خول انگوٹھے کے ناخن سے نکال دیا۔

میں نے وہ تیاری جان بوجھ کر کی تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اپنی مسہری کے نیچے سیاہ چرمی پیکٹ دریافت کرنے کے بعد جوگیندر بوکھلا کر فون پر واپس آتا لیکن یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں تھی کہ اس بھیانک خطرے کا ادراک کرتے ہی وہ پوری طاقت سے وہاں سے دوڑ لگا دیتا۔ میں اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہتا اور وہ دھماکے کی زد سے نکل جاتا۔

ریسیور پر نقل و حرکت کی آوازیں آنے کے باوجود میں نے چند ثانیوں سے زیادہ انتظار نہیں کیا۔ میں سرخ بٹن دبانے والا تھا کہ ریسیور میں جوگیندر پال کی گھبرائی ہوئی آواز گونجی "وہ کیا ہے؟ یہ پیکٹ میرے کمرے میں کیسے پہنچا؟"

وہ اس کا اضطراری سوال تھا۔ میں نے طنز سے کہا "بچھی سے پوچھ لو!"

"وہ چلی گئی۔ چار بجے چھٹی کرکے اپنے گھر چلی جاتی ہے۔" وہ فون پر باقاعدہ ہانپ رہا تھا۔

"پھر اپنے کتے ٹونی سے پوچھو!" میں نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ جواب دیا "اس پر تمہیں بہت ناز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ پھر وہ چرمی پیکٹ کس نے وہاں رکھا ہے۔ تم بہت عقل مند بن رہے ہو۔ سوچ کر جواب دو!"

"یہ اسی پنچ، حرام زادی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ تم نے بچھی کو خرید لیا ہوگا۔۔۔ بولو، تم کیا چاہتے ہو؟"

"بچھی کے بارے میں اپنی غلط فہمی دور کرلو۔ وہ بکنے والی نہیں ہے اور میں تمہاری موت کے سوا اب کچھ نہیں چاہتا۔"

گاڑی ایک خاص مقام پر رک گئی تھی۔ اس سے آگے جانا خطرناک تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد اور تھکی تھکی روشنی میں جوگیندر پال کا پیلا مکان میرے لیے ایک آسیبی منظر پیش کر رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہاں ملبے کا ایک طوفان اٹھنے والا تھا۔ سلطان شاہ نے کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے خیال سے گاڑی کا انجن بند نہیں کیا تھا۔

"نہیں!" اس کی آواز کانپ گئی "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا، میں سمجھ گیا۔ پیکٹ میں کوئی آواز نہیں ہے۔ تم نے اس میں کوئی ریموٹ کنٹرولڈ بم چھپایا ہوا ہے۔۔۔ دد۔۔۔ دیکھو، ڈینی! میرے بھائی! میں تمہاری طرح جیتا جاگتا انسان ہوں۔ ابھی ابھی میری پتلون گندی ہوگئی۔ مجھے ایسی بے رحمی سے نہ مارو، مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔۔۔"

"روی بھی تمہاری طرح جیتا جاگتا انسان تھا۔ تم نے اسے بے دردی سے مروا دیا۔ اب تم کس منہ سے اپنے لیے جان کی امان مانگ رہے ہو؟ تم اپنے کتے کے ساتھ ایک کتے کی موت مارے جاؤ گے، یہ فیصلہ اٹل ہے۔"

"میرے بھائی، میرے باپ!" ریسیور پر جوگیندر پال کی آواز رندھنے لگی "میں سمجھ چکا ہوں۔ اس بم کا ریموٹ کنٹرول تمہارے پاس ہوگا۔ تم جب چاہو گے، ایک بٹن دبا کر مجھے اڑا دو گے۔ مجھ پر رحم کرو، میں تم سے مصالحت چاہتا ہوں۔"

"تم روی کے ہی نہیں، استاد اور ارجن کے بھی قاتل ہو" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم نے ان دونوں کو جانتے بوجھتے ہوئے ایسے خطرناک کام میں لگا دیا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے۔ تمہارے سر پر کم از کم تین خون ہیں۔"

"روی کو ارجن نے مارا۔ ارجن اور جیکب کو تم نے

مارا۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔"

"شٹ اَپ! تم خونی درندے ہو۔ کلیدی رول تمہارا تھا۔ تم کو اپنے انجام کے لیے ہروقت تیار رہنا چاہیے تھا۔"

وہ مذاکرات سنتے سنتے اول خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جوگیندر پال کی زندگی کے آخری سانس تھے۔ وہ ہم سے ہونے والی گفتگو کسی کو نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اول خان ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر دانت پیستے ہوئے غرایا "وقت برباد مت کرو۔ وہ تمہیں باتوں میں الجھا رہا ہے۔ بھاگ نکلا تو ہم سب ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

اول خان کے وہ الفاظ میرے موبائل کے ماؤتھ پیس کے ذریعے جوگیندر پال کے کانوں تک پہنچ گئے اور اس نے تڑپ کر ملتجیانہ لہجے میں کہا "تم نے اپنا ہتھیار دکھا کر میرے فرار کا ہر راستہ مسدود کردیا ہے۔ میں بھاگتے ہی مارا جاؤں گا۔ مجھ سے ایسی حماقت کی توقع مت کرو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک مرتبہ میرے ساتھ بیٹھ کر روبرو بات کرلو۔"

میں نے بہت تیزی سے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ ہمارے لیے اس کی تجویز کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ اس میں خطرات ہی خطرات مضمر تھے۔ اس وقت وہ بہت بری طرح ہمارے شکنجے میں آیا ہوا تھا۔ ذرا سے اشارے کے نتیجے میں اسے جہنم واصل کیا جاسکتا تھا۔ اس سے مل بیٹھنے کی کسی بھی کوشش کے نتیجے میں اسے وقت مل سکتا تھا۔ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی اور کو ہماری راہ پر لگا سکتا تھا۔

اس بارے میں ہم ایک بدترین تجربے سے گزر چکے تھے۔ ہم نے میجر بخشی کو اپنی دانست میں ذرا بھی مہلت نہیں دی تھی مگر وہ پھر بھی جوگیندر پال کو اعتماد میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ہم ایسے کسی دوسرے جھٹکے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

"تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو، چپ کیوں ہو؟" موبائل پر قدرے توقف کے بعد جوگیندر پال کی پھنسی پھنسی اور دہشت زدہ آواز ابھری "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے مل کر تم فائدے میں رہو گے۔"

"ہم کبھی فائدے کی پروا نہیں کرتے۔ دشمن سے لڑتے ہوئے مرجائیں گے یا اسے ماردیں گے" میں نے سرد لہجے میں کہا "وہ سب یا ان کی بدروحیں تمہارا انتظار کررہی ہوں گی۔ اب تم کو جانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کی چیخ و پکار پر کوئی دھیان دیے بغیر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبادیا۔ کسی تاخیر کے بغیر فضا ایک خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ چند ثانیوں پہلے جہاں جوگیندر پال کا پہلا مکان تھا، وہاں صرف غبار، دھواں اور ملبے کے بڑے بڑے ٹکڑے اڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

دھماکے کے نتیجے میں قرب و جوار کی آبادی میں خوف وہراس پیدا ہونا یقینی تھا۔ وہاں رہنے والے کسی بھی لمحے اپنے گھروں سے باہر آسکتے تھے۔ ایسے میں ہمارا وہاں رک کر تماشا دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر گاڑی آگے بڑھادی۔

طاقت ور بارودی بم کا دھماکا بہت شدید تھا۔ اس کی آواز دور دور تک سنی گئی تھی جس کے نتیجے میں خوف زدہ لوگوں نے بوکھلا کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنا شروع کردیا تھا۔ خوف اور تجسس میں مبتلا، بھاگتے دوڑتے لوگوں کے درمیان ہماری گاڑی سست رفتاری سے آگے بڑھتی رہی۔ وہ علاقہ ہمارے لیے اجنبی تھا مگر سمتوں کے بارے میں سلطان شاہ کے اندازے سو فیصد درست نکلے۔ کچھ دیر تک متعدد گلیوں میں گھومنے اور موڑ کاٹنے کے بعد ہم دوبارہ جوگیندر پال کے مکان کے قریب جانکلے۔ وہاں پہلے مکان کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ دھماکے کے نتیجے میں پورا مکان اپنی بنیادوں سے اڑ گیا تھا۔ گرد و غبار کا طوفان ختم ہوچکا تھا اور جوگیندر کے گھر کی جگہ ملبے کا ایک اونچا ڈھیر عبرت کا نشان بنا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس ملبے کے گرد ایک ہجوم اکٹھا ہوچکا تھا۔

وہی واقعہ غریبوں کی کسی گنجان آبادی میں پیش آیا ہوتا تو وہاں جمع ہونے والوں کی تعداد دس گنا سے بھی زیادہ ہوتی۔ گرد دبتے ہی لوگ ملبے میں گھس پڑے ہوتے تاکہ کسی جاں بہ لب زخمی کو زندہ درگور ہونے سے بچاسکیں۔ مگر وہ آسودہ حال شہریوں کی بستی تھی جو ہر حال میں بس اپنی ذات میں کھوئے رہتے ہیں۔ کسی شخص کو کسی ناگہانی آفت میں گھرا ہوا دیکھ لیں تو سب سے پہلے، اشتباہ آمیز انداز میں اسی کا کوئی قصور دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کامیابی نہ ہو تو محتاط انداز میں زبانی کلامی ہمدردی کے اظہار پر اکتفا کرتے ہیں۔ انسانی ہمدردی میں بے خوف وخطر حد سے بڑھ جانا، ان کے نزدیک احمقانہ فعل ہوتا ہے۔ وہاں جمع ہونے والے سب ہی تماشائی، چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

سلطان شاہ نے جائے حادثہ سے کچھ دور گاڑی روک دی۔ جوں ہی میں نیچے اترا، اول خان نے بھی اپنی نشست چھوڑدی۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے سپاٹ لہجے میں اول

خان سے سوال کیا۔

"وہیں جہاں تم جا رہے ہو" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تمہیں اپنی کامیابی پر شبہ ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملبے میں جوگیندر اور اس کے کتے کے چیتھڑے ہی مل سکیں گے۔ ملبے میں اب کچھ بھی نہیں رہا۔"

"ایک سرسری نظر ڈال لینے میں کیا حرج ہے" میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

وہ واقعہ ایک بھری پری آبادی میں پیش آیا تھا۔ چھوٹی بڑی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے حیران و پریشان تماشائیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے سنا کہ وہ سب ہی کسی بم وغیرہ کے پھٹنے کے امکان پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

وہاں پھٹنے والے بم کا دھاکا اتنا طاقت ور اور شدید تھا کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ آواز گیس کی پائپ لائن پھٹنے یا بجلی کا شارٹ سرکٹ ہونے کی آوازوں سے یکسر مختلف تھی۔ کسی کا خیال تھا کہ مکان میں رکھا ہوا آتش گیر مادہ حادثاتی طور پر پھٹ گیا تھا' کوئی باہر سے بم پھینکے جانے کے امکان پر اظہار خیال کر رہا تھا۔ بعض لوگ جو قریب کے رہنے والے تھے' جوگیندر سے واقفیت کی بنا پر یہ بھی کہتے ہوئے پائے گئے کہ اس گھر میں دہشت گردی کے لیے ہتھیار وغیرہ بنائے جاتے ہوں گے جو کسی بے احتیاطی کی وجہ سے ایک دھماکے کا شکار ہو گئے۔

دوسرے میں حیران تھا کہ کسی نے بھی کنکریٹ اور آہنی سریوں کے ملبے میں گھسنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن قریب سے ملبے کا جائزہ لینے کے بعد لوگوں کی اس لاتعلقی کا سبب بھی سمجھ میں آگیا۔ ایک دوسرے کے سہارے ٹکے ہوئے بیم اور ٹوٹے پھوٹے ستون بہت بھیانک حالت میں تھے اور کسی بھی لمحے نیچے گر سکتے تھے۔ کوئی ان کے درمیان پھنس کر اپنی جان گنوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ دوسرا اور شاید اہم تر سبب یہ تھا کہ ملبے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ وہاں سے کسی ذی روح کی کوئی خفیف ترین آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس سکوتِ مرگ سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ دھماکے کے وقت وہ گھر خالی تھا اور اگر وہاں کوئی موجود تھا تو وہ دھماکے کے نتیجے میں راہی ملک عدم ہو چکا تھا۔ اس راستے پر جانے والے کسی کی مدد سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

جوگیندر پال کے گھر کے ملبے اور وہاں جمع ہونے والوں کی آرا کا جائزہ لے کر ہم دونوں چند منٹ بعد گاڑی میں لوٹ آئے اور فوری طور پر ہمارا گھر کی طرف واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔

"جوگیندر تمہارا سب سے آسان اور بے ضرر شکار ثابت ہوا" ویرا نے کچھ دیر بعد سکوت توڑا۔

"بخشی نے بھی تنگ نہیں کیا۔" اول خان نے کچھ کہنا چاہا مگر سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دونوں میں بہت فرق ہے۔ بخشی زندہ ہے۔ جوگیندر پال موت کی بے رحم وادیوں میں پہنچ چکا ہے۔"

"وہ ہمارا فیصلہ تھا" میں نے اول خان کا ساتھ دیا "ہم چاہتے تو اسے ذبح بھی کر سکتے تھے۔"

"جوگیندر خوش نصیب تھا" ویرا بولی "اس کے حصے میں بہت آسان موت آئی ہے۔"

"مجبوری تھی" اول نے کہا "اگر ہم اسے وقت دیتے' اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے یا مارنے سے پہلے اسے اغوا ہی کر لیتے تو ہر طرف کھلبلی مچ جاتی۔ ہو سکتا ہے کہ جوگیندر کو ہی موقع مل جاتا اور اس نے جو کچھ بخشی سے سنا تھا' اسے آگے بڑھا دیتا۔"

ہم میں سے کوئی بھی اتنا کند ذہن نہیں تھا کہ اول خان کی کہی ہوئی بات کے مضمرات کو نہ سمجھ پاتا۔ کسی بڑی بحث کے آغاز سے پہلے وہ مسئلہ وہیں ختم ہو گیا۔ سب اپنے اپنے خیالات کی دنیا میں کھو گئے۔ میرے ذہن پر اس وقت صرف ایک ہی خیال سوار تھا کہ جوگیندر پال کے ساتھ پیش آنے والے واقعے پر بھارتی کس ردِعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پاکستانی حکام کس انداز میں اس کا سامنا کرتے ہیں۔

پس پردہ اسباب کتنے ہی گمبھیر اور سنگین رہے ہوں' سامنے کی بات یہ تھی کہ دو دنوں میں دو انتہائی اہم بھارتی سفارتی اہل کار ناقابلِ توجیہہ واقعات کا شکار ہو چکے تھے۔ میجر بخشی کی یادداشت جاتی رہی تھی اور جوگیندر پال مارا گیا تھا۔ دونوں واقعات پاکستان کی سرزمین پر اور کراچی کی شہری حدود میں رونما ہوئے تھے۔ ان پر بھارتیوں کا بھٹ پڑنا بعید از قیاس نہیں تھا۔

اول خان پہلے سے ان خدشات کا اظہار کرتا رہا تھا لیکن میں نے اس نکتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی' اس وقت کام کی گرمی میں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ بات آسانی سے سنبھال لی جائے گی لیکن جوگیندر کا کام تمام ہونے کے بعد میرا ذہن تصورات سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آگیا تھا جو اتنی سہل نہیں تھی۔ بات اگر بخشی تک محدود رہتی تو بھارتی اسے شاید اتفاقی حادثہ سمجھ کر صبر کر لیتے لیکن جوگیندر کی موت کے بعد بخشی والے واقعے میں بھی جان پڑ سکتی تھی۔ یہ سوال اٹھایا جا سکتا تھا کہ کراچی میں حادثات اور دہشت گردی کے

واقعات صرف بھارتی سفارت کاروں کے ساتھ کیوں رونما ہو رہے تھے۔ بھارتیوں کو اس سوال کا مثبت اور منطقی جواب دیا جانا بہت ضروری تھا۔ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوتی تو لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

سفارتی تلخی پیدا ہونے کے نتیجے میں بھارتی سرزمین پر بھی کوئی جوابی حادثہ یا واقعہ رونما ہو سکتا تھا جس کے بعد کشیدگی میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ اس وقت ایسے تناؤ کا پیدا ہونا ہمارے لیے کسی بھی طرح سودمند نہیں تھا۔ ہمیں اپنے وطن کی سوندھی مٹی کو خیرباد کہہ کر دشمن کی سرزمین پر جانا تھا جہاں ہمارے چند بدترین دشمن چین کی بنسری بجا رہے تھے۔ دشمن کے علاقے میں اس کے خلاف کارروائی کے لیے وہ حالات کٹھن ثابت ہو سکتے تھے۔

ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں، ہم گھر پہنچ گئے جہاں چھت پر اول خان کے آدمی بدستور موجود تھے۔

"ماروتی بے چاری اب لنڈوری رہ گئی" گھر پہنچتے ہی ویرا کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی "وہ وقت بے وقت فون کر کے تمہارا سر کھاتی رہے گی اور تمہیں حیلوں بہانوں سے اپنے پاس بلاتی رہے گی۔"

"روی کے غائب ہونے کے بعد وہ بہت پریشان اور بدحواس تھی" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس وقت تم نے اسے دیکھ لیا ہوتا تو ایسے غیر ذمے دارانہ کلمات اپنی زبان سے نہ نکالتیں۔ وہ اپنے شوہر کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔"

ویرا نے لمحہ بھر کے لیے غور سے میری آنکھوں میں جھانکا پھر مسکراتے ہوئے بولی "رومان زدہ اور چاہنے والی عورتیں شوہر سمیت، ہر مرد کو اسی طرح ٹوٹ کر چاہتی ہیں کہ وہ ان کا دیوانہ ہو جاتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ماروتی کے جادو سے اب تک کیسے محفوظ ہو۔"

"وہ اس وقت تمہیں کیوں یاد آ گئی؟" اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ قصہ روی سے چلا تھا۔ ہر واقعے میں اس کا کوئی نہ کوئی کردار تھا۔ ان واقعات کی آخری تان جو گیند رپال پر آ کر ٹوٹی ہے تو روی کا یاد آنا بھی ضروری ہے۔ ہم روی تک ماروتی کے ذریعے پہنچے تھے۔ میں اس بے چاری کو کبھی فراموش نہیں کروں گی۔ کبھی کبھی تو میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں کسی بہانے سے اس سے مل کر بیٹھوں اور دیکھوں کہ وہ اندر سے کیسی عورت ہے۔"

"بھول کر بھی ایسی کوشش نہ کرنا" اول خان نے تادیبی لہجے میں کہا "اس وقت وہی باہر کی عورت ہے جو یہاں کے فون نمبر سے واقف ہے۔ ڈینی کو بھی جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا ورنہ وہ کسی بھی وقت بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ایک خوبصورت اور آزاد خیال عورت کسی کے لیے کیا خطرہ بن سکتی ہے؟"

"یہاں کا فون نمبر وہ کسی غلط آدمی کو بھی دے سکتی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جسے موقع ملا، وہ ہم پر مہلک وار کرنے سے نہیں چوکے گا۔ ماضی کے تلخ تجربات آج بھی تمہارے ذہن میں تازہ ہونے چاہئیں۔"

"تم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں ورنہ ماروتی مجھے ایسی عورت معلوم نہیں ہوتی..."

اول خان نے ویرا کی بات کاٹ دی "میری بات مان لی تو اب یہ قصہ یہیں ختم کر دو۔ میں حامد سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ وہ ہمارے مشن کے بارے میں فکرمند ہوگا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ سب کی دلچسپی کا موضوع تھا۔ اول خان نے کسل مندی سے کام لیا اور ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملا لیا۔

رابطہ قائم ہو جانے پر اول خان نے اسے بتایا "مشن پورا ہو گیا۔ میں دوستوں کے ساتھ ہوں، تمہاری کیا خبریں ہیں؟"

"سر! مجھے حالات کی نزاکت کا احساس تھا۔ میں مشن میں کوئی خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا اس لیے رابطہ نہیں کیا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے میرے پاس موہن ہاؤس کے بارے میں کچھ مشتبہ اطلاعات آ رہی ہیں جو میں..."

"موہن ہاؤس!" اول خان نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی "وہاں کی خبریں کون دے رہا ہے؟"

"سر! آپ بہت مصروف تھے۔ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اپنا ایک آدمی وہاں مامور کر دیا تھا۔"

"بہت اچھا کیا لیکن تم نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی؟" اول خان نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مجھے آپ نے بتایا تھا کہ روی کے غائب ہونے کے بعد اسپتال میں اور اس کے باہر کیا واقعات رونما ہوئے تھے۔ مظہر خان بدترین حالات سے گزرے تھے۔ میں نے سوچا کہ عورت کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ کہیں اس پر کوئی وار نہ ہو جائے" حامد کی آواز بھرپور اعتماد سے عاری تھی جیسے اسے

اول خان کی طرف سے اپنی کارروائی کی مکمل تائید کا یقین نہ ہو۔

"تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا' میں دوسرے معاملات میں الجھ کر یہ پہلو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اب بتاؤ کہ خبریں کیا ہیں؟"

"وہاں کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔ ملازمین بدحواس ہیں' کچھ دیر پہلے دو گاڑیاں وہاں سے نکل کر تیزی سے کہیں روانہ ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے آدمی کو عمارت کی نگرانی کی ہدایت کی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے گاڑیوں کا پیچھا نہیں کیا جاسکا۔"

"ملازمین سے کچھ معلوم نہیں ہوسکا؟" اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نو سر!" اسپیکر فون پر حامد کی آواز ابھری "چوکیدار گھبرایا ہوا ہے مگر اندر کے حالات سے بے خبر ہے۔ ویسے موہن ہاؤس سے جانے والی گاڑیاں عجلت میں روانہ ہوئی تھیں۔ دونوں میں کئی کئی افراد سوار تھے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اندر روی کی آخری رسوم کے لیے کافی مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

حامد کی رپورٹ سن کر میرا ذہن الجھ گیا۔ جگدیش موہن کی خودکشی کی تیسری رات آنے بھی نہ پائی تھی کہ سوگوار عورتوں کو گھر سے نکلنا پڑا تھا۔ وہ بہت عجیب بلکہ ناقابلِ فہم سی اطلاع تھی جس کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"تمہارا آدمی ابھی تک وہیں موجود ہوگا؟" اول خان میری الجھن سے بے خبر' حامد سے پوچھ رہا تھا۔

"یس سر! اس کے پاس اپرینٹس بی ٹی نائن ہے" حامد کی طرف سے جواب آیا۔

"گڈ... ویری گڈ!" اول خان بے ساختہ بول پڑا "اس کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"برنی... وہ ہمارا قابلِ اعتماد آدمی ہے۔ براہِ راست میرے رابطے میں ہے۔"

"او کے! میں دیکھتا ہوں۔ اگر بی ٹی نائن یہاں موجود ہوا تو میں خود لائن پر آتا ہوں ورنہ تم میرے موبائل پر رپورٹ کروگے" اول خان نے اپنا فقرہ مکمل کرنے کے بعد فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"میں نے بلاوجہ ماروتی کا نام نہیں لیا تھا۔ قدرت نے وہ خیال میرے ذہن میں ڈالا تھا" ویرا فوراً بول پڑی۔

"بات موہن ہاؤس کی ہورہی ہے" سلطان شاہ نے طنز سے کہا "ضروری نہیں کہ نئے قصے میں ماروتی کا ذکر شامل ہو۔"

"ذکر ہو یا نہ ہو' وہ بھی موہن ہاؤس کے مکینوں میں شامل ہے" ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

"تجسس میں مبتلا رہنے سے بہتر ہے کہ تم ماروتی کو فون کرلو" اول خان نے مجھے مشورہ دیا۔ "وہ خود تمہیں پوری بات بتادے گی۔ ویسے بھی کل اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد تم نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اب وہ بیوہ ہوچکی ہے' اسے تمہاری ہمدردی کی ضرورت ہے۔"

"ہمدردی کو بس ہمدردی تک رہنا چاہیے۔ اس سے تجاوز نہ کرنا" ویرا نے مجھے تاکید کی "وہ خطرناک بیوہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے آج صبح کے اخبارات آنے سے پہلے ہی روی کے قتل کی خبر مل گئی ہوگی۔ اب تک اسے صبر آجانا چاہیے۔"

میں نے اسے کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بس اسے گھور کر رہ گیا اور پھر موہن ہاؤس کا وہ نمبر ملانے لگا جس پر ماروتی سے براہِ راست بات ہوا کرتی تھی۔ فون کی دوسری گھنٹی پر میرے کانوں میں کسی نوجوان کی اداس سی مردانہ آواز آئی تو میں چونک پڑا۔

"ہیلو... ! کون بول رہا ہے؟ میں ماروتی سے بات کرنا چاہتا ہوں" میں نے سنبھل کر کہا۔

"چچی نہیں ہیں' تم کون ہو؟" آواز میں رچی ہوئی اداسی گہری ہوگئی اور لہجہ کھردرا ہوگیا۔

اس کی زبان سے ماروتی کے لیے چچی کا لفظ سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ یقینی طور پر جگدیش موہن کا بیٹا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر بے دھڑک جواب دے ڈالا۔ "میں مظہر خان ہوں' روی کا دوست!"

"اپنے نام کی کوئی وضاحت مت کرو!" دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز یکایک جذباتی ہوگئی "میرا نام نریش موہن ہے۔ میں جگدیش موہن جی کا بیٹا ہوں۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ تمہارا نام ہمارے لیے ایک گالی بن چکا ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے دوسروں کی طرف دیکھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے کان سے لگے ہوئے ریسیور میں آنے والی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ گئی ہو۔ میرا وہ اندیشہ بالکل بے بنیاد تھا۔ سب کے چہروں سے اشتیاق اور تجسس جھلک رہا تھا۔ ان کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" مفہوم پا جانے کے باوجود میں نریش کی پوری بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

"میں نے اپنا تعارف صرف اس لیے کرایا ہے کہ تم جان لو کہ میں اب موہن خاندان کا بڑا ہوں" اس بار اس کی

آواز استہزائیہ اور دبی دبی سی تھی۔ وہ الفاظ چبا چبا کر بول رہا تھا "اپنے گھر کی عزت اور ناموس کی حفاظت میری ذمّے داری ہے۔ میں اس پر کوئی آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر تم کو چچی سے ذرا بھی سچی یا جھوٹی محبت ہے تو اب بھول کر بھی موہن ہاؤس فون نہ کرنا۔ اسی میں ہماری اور تمہاری بھلائی ہے۔"

"تم کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا ہو، نریش! کسی نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ یہ سب۔۔۔"

"مجھے سب معلوم ہے مظہر خان!" نریش نے سخت مجروح لہجے میں میری بات کاٹ دی "کسی اور نے یہ کہا ہوتا تو میں بھی خود کو فریب دینے کے لیے، اسے جھوٹ کہہ کر اپنے دل اور ضمیر کو ہلکا رکھتا۔ دکھ اور صدمے کی بات یہ ہے کہ دو دن پہلے میں بہت چھوٹا ہوا کرتا تھا۔ اب اچانک سب سے بڑا بن گیا ہوں کیونکہ میرے بڑوں کو تم نہیں تو تمہارا نام نگل چکا ہے۔ بڑا بنتے ہی مجھ پر یہ راز کھلا ہے کہ سارے فساد کی جڑ تم ہو۔ یہ بات ہر شک اور شبہے سے بالا ہے کیونکہ یہ سب چچی نے اپنے قلم سے لکھا ہے جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

میرے ذہن کو یکے بعد دیگرے جھٹکے لگ رہے تھے۔ نوجوان نریش کی باتیں بہت کڑوی اور زہریلی تھیں مگر ان باتوں نے میرے دماغ میں تجسس کی آگ بھڑکا دی تھی۔ نریش نے میرا نام سن کر فون بند کیا نہ میں نے اس کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر ریسیور رکھا۔ میں نے بہت نرمی سے کہا "آواز سے تم اس وقت دکھی معلوم ہو رہے ہو۔ تمہاری باتیں ذومعنی ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ماروتی کہاں ہے۔ اس سے میری بات کرا دو۔"

"نہیں، مظہر خان! اب چچی تم سے کبھی بات نہیں کر سکے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو خون کی ندیاں بہ جائیں گی۔ ہم کوئی گرے پڑے لوگ نہیں، خاندانی لوگ ہیں۔ اپنی عورتوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔"

نریش کے دماغ میں بھی وہی گھمنڈ تھا جو اس کے باپ کی جان لے بیٹھا تھا۔ جگدیش کو غم تھا کہ ماروتی نے اس کا خاندانی غرور خاک میں ملا دیا تھا اور اسی صدمے میں اس نے خودکشی کرلی۔ نریش سے بھی کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اس نے کھل کر کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ماروتی زندہ تھی اور کسی خوفناک خاندانی عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا وہاں کہیں بھی ندامت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے پر تعیش اور خوابناک کمرے میں جنم لینے والی کہانی سراسر ماروتی کی ضد اور جبر کا نتیجہ تھی۔ اس میں میرا اس کے سوا کوئی کردار نہیں تھا کہ ماروتی نے حالات کا فائدہ اٹھا کر بہت بے رحمی سے مجھے بلیک میل کیا تھا۔ میں اس کے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کے سامنے سپر نہ ڈالتا تو کرشن کمار شاید کبھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔

"بات نہ کراؤ۔ یہ تو بتا دو کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" میں نے بہت تحمل سے کہا۔

"خواب آور دوا کی شیشی خالی پڑی ہوئی ہے۔ شاید پرچہ لکھنے کے بعد اس نے ساری گولیاں کھالیں" وہ غم زدہ آواز میں رک رک کر کہہ رہا تھا "ماں اوپر آئی تو وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ سب اس کی جان بچانے کے لیے اسے لے کر اسپتال بھاگے ہیں مگر میری آرزو ہے کہ چچی اب کبھی اس گھر میں زندہ نہ آسکے۔ اس کا لکھا ہوا پرچہ مجھے اس کے تکیے کے نیچے سے ملا ہے۔ وہ مرگئی تو میں پرچہ جلادوں گا ورنہ۔۔۔ ورنہ میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوگا۔۔۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" اندازہ لگالو کہ میں کس دل سے تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"یہ سب اس طرح نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔۔۔" میں نے کہنا چاہا مگر اس نے درمیان سے میری بات کاٹ دی۔

"صفائی پیش مت کرو۔ نیچے مہمان بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے کل باپ کی چتا جلائی تھی، آج چچا کا کریا کرم کرنا ہے۔ دعا کرو کہ کل چچی کی ارتھی بھی اٹھ جائے تاکہ میری ہیٹ ٹرک مکمل ہو جائے۔ یہ یاد رکھو کہ مرنے والے جھوٹ نہیں بولا اور لکھا کرتے۔ چچی نے صاف لکھا ہے کہ میرے پتا کی ضد میں تم پہلی بار اس کی زندگی میں آئے۔ چچا کے قتل کی خبر ملنے کے بعد اس نے دسیوں بار تمہیں فون کیا اور تم سے بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ وہ میرے چچا سے بہت محبت کرتی تھی مگر ساتھ ساتھ تم کو بھی چاہنے لگی تھی۔ ایسی عورتیں زندہ رہیں تو پورے خاندان والوں کے لیے کلنک کا ٹیکہ بن جاتی ہیں۔ چچی ماروتی کا مرجانا ہی ہمارے اور اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ زندگی کے کسی موڑ پر تم مجھے مل گئے اور میں نے تمہیں پہچان لیا تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پتا اور چچی نے خودکشی کی، چچا قتل ہوا، میں پھانسی چڑھ جاؤں گا۔ ایسا شاید کبھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک گھر کے لوگوں نے مرنے کے لیے ایسے الگ الگ راستے ڈھونڈے ہوں۔"

"میں تمہارے دکھ اور صدمے کو سمجھ رہا ہوں" میں نے کسی اشتعال میں آئے بغیر کہا "تم نے تھوڑی دیر پہلے خط پڑھا ہوگا۔ ابھی جذباتی ہورہے ہو مگروقت ہر زخم کا بہت بڑا مرہم ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ میں بے قصور ہوں۔"

"اپنا قصور تم اس وقت سمجھوگے جب میں تمہاری گردن' دھڑ سے الگ کردوں گا" اس کی آواز میں عجیب سی سفاکی عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے لیے تم صرف ایک نام ہو۔ میرے سامنے تمہارا کوئی پتا' ٹھکانا یا فون نمبر نہیں ہے ورنہ میں آج اور اسی وقت تم پر ٹوٹ پڑتا۔ تم گندے مسلے... تم نے میری چچی کو پلید کیا' میں تمہاری مٹی پلید کردوں گا۔ تمہاری سادھی پر روز پیشاب کیا کروں گا۔"

میرے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آسکی۔ اس نے یک لخت ٹیلی فون بند کردیا۔

میرے ایک ایک لفظ پر ان سب کے کان لگے ہوئے تھے۔ ان میں ویرا بھی تھی جو مجھے نیچا دکھانے کے ہر موقع کی تاک میں رہتی تھی اور غزالہ بھی جو میری بڑائی کے گن گاتی رہتی تھی۔ اگر وہ میری زبان سے کوئی غلط لفظ یا فقرہ سن لیتی تو یہ میں ہی سمجھ سکتا تھا کہ اس کے دل پر کیا گزرتی۔ میں نے نریش سے گفتگو کے دوران الفاظ بہت سوچ سمجھ کر منتخب کیے لیکن میرا لہجہ صورتِ حال کا تابع تھا۔ ویرا نے وہی ایک نکتہ پکڑلیا۔

"کون تھا؟ کیا کہہ رہا تھا؟ بہت مدافعانہ انداز میں تم بات کررہے تھے اس سے!"

"بھایا جی کا بڑا بیٹا' نریش موہن تھا۔ بتا رہا تھا کہ ماروتی نے خود کشی کی..."

میری زبان سے خود کشی کا لفظ سنتے ہی سب حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہوں سے اچھل پڑے اور اول خان نے بے اعتباری سے پوچھا "کیا واقعی اس نے خود کشی کرلی؟ تمہاری کسی بات سے تو ایسا ظاہر نہیں ہوا تھا۔"

"خود کشی کرلینے اور اس کی کوشش کرنے میں بڑا فرق ہے" میں نے زور دے کر کہا "ماروتی نے بھاری تعداد میں خواب آور گولیاں کھالی ہیں۔ گھر والے اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گئے ہیں مگر نریش کو امید ہے کہ وہ زندہ نہیں بچے گی۔"

"خس کم جہاں پاک" ویرا بے ساختہ بولی "اب ہمیں یہ دھڑکا نہیں رہے گا کہ کوئی ہمارے فون نمبر سے واقف ہے۔ ماروتی نے اپنے لیے انتہائی فلمی انداز کا انجام منتخب کیا ہے۔ یہ ایک بہت کامیاب المیہ کہانی ثابت ہوسکتی ہے۔ تمہارے یہاں کی عورتیں رلانے والی دل گداز فلموں پر جان دیتی ہیں۔ ماروتی پر فلم بنی تو مہینوں تک ہر شو ہاؤس فل جائے گا۔"

"ویرا!" غزالہ نے ملامت آمیز لہجے میں اسے مخاطب کیا "ایسی سنگ دل نہ بنو۔ شاید وہ بری عورت رہی ہو لیکن اس نے ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ اس نے کھلے دل سے ہمارا ساتھ دیا تھا۔"

"اس نے اچھا کیا یا برا کیا۔ یہ ایک راز ہے جس سے صرف ڈینی واقف ہے" غزالہ کی ملامت ویرا کی زبان نہ روک سکی۔ وہ غزالہ کو جواب دے کر میری طرف متوجہ ہوگئی "تم ایمان داری سے بلکہ حلفیہ بتاؤ کہ ماروتی سے تمہارے کیسے مراسم تھے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے" میں نے ہتھے سے اکھڑجانے کی اداکاری کرتے ہوئے اس پر آنکھیں نکالیں" مجھ سے غزالہ ایسے لہجے میں بات نہیں کرتی۔ تم اپنی حد سے تجاوزمت کرو۔ دماغ میں زیادہ کیڑے رینگ رہے ہیں تو جاکر ماروتی سے مل لو' ابھی وہ زندہ ہوگی۔"

ویرا نے میرے جواب کا برا منانے کے بجائے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولی "تم میرے سوال پر بھڑک گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ میں سب کو یہی سمجھانا چاہ رہی تھی۔ اس سے آگے پوچھ گچھ کا حق مجھے نہیں' صرف غزالہ کو ہے۔ میں اسے..."

سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "تم کو شرم آنی چاہیے۔ ہم ایک عورت کی موت وزیست کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں اور تم قہقہے لگا رہی ہو۔ سنگ دلی اور سفاکی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم ان سرحدوں سے باہر نظر آرہی ہو۔"

"بالکل بجا ارشاد فرمایا آپ نے!" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "شاہ صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے امریکا کی سرحد سے باہر قدم نکالتے ہی ایسی تمام دقیانوسی باتوں کو پیچھے چھوڑدیا تھا۔ اب میں ٹھوس حقائق کی دنیا میں رہتی ہوں اور ہر بات کو اسی میزان پر تولتی ہوں۔ ماروتی کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ اس نے خود کشی کی کوشش کرکے یہ ثابت کردیا کہ اس کے بارے میں میری رائے سو فیصد درست تھی۔ تم لوگوں کے طنز اور طعنوں کے باوجود' اب بھی میری دعا ہے کہ اس کی کوشش ضرور اور جلد از جلد کامیاب ہو۔"

"نریش کی بھی یہی خواہش ہے۔ وہ اپنی چچی سے بہت بدظن ہے" میں نے دھیرے سے کہا۔

"وہ اپنی چچی کو ہم سے زیادہ جانتا تھا۔ اس کی خواہش بے سبب نہیں ہو سکتی۔"

"وہ روی کو بے حد چاہتی تھی۔ اس کی موت کے بعد وہ تنہا اور بے آسرا رہ گئی" سلطان شاہ بولا "ایسی مہیب مایوسی کے عالم میں آدمی کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ ماروتی ایک کمزور عورت تھی۔ کسی کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اپنی جان پر کھیل گئی۔"

"جگدیش اس سے شاکی تھا' نریش بھی اس سے بدظن ہے۔ تم لوگ اس کا سبب کیوں نہیں سوچتے؟"

وہ ویرا کا بہت گہرا اور کاٹ دار سوال تھا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ ماروتی کی چھوڑی ہوئی تحریر کے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں نریش کے بتائے ہوئے متن کو کتنا بھی توڑ مروڑ لیتا۔ ویرا کی موجودگی میں میرا دامن بے داغ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے زہریلے تجزیوں سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ اسے ماروتی کی تحریر کی ہوا بھی نہ لگنے دی جاتی۔

"ہم تمہاری طرح ذہنی پراگندگی کا شکار نہیں ہیں۔" سلطان شاہ باقاعدہ ماروتی کے دفاع پر تل گیا تھا "جگدیش اور نریش میں باپ بیٹے کا رشتہ تھا۔ دونوں خاندانی غرور کا شکار تھے' ماروتی سے ان کی نفرت کا سبب بھی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ان کے خاندان سے باہر کی' نیچی ذات والی عورت تھی۔ روی اسے اپنوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتا تھا۔ وہ مرگیا تو ماروتی سے سایہ چھن گیا۔ روی کے بغیر وہ موہن فیملی میں سکھ سے نہیں رہ سکتی تھی۔ تاریک اور غیر یقینی مستقبل سے گھبرا کر اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

اول خان کو اصل معاملے کی سن گن تھی۔ اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "تم سب بلاوجہ اس پر مغز کھپا رہے ہو۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وہ زندہ رہتی ہے یا مر جاتی ہے' صبح تک ہر بات صاف ہوجائے گی۔ وہ ہمارے لیے زیادہ اہم نہیں تھی۔"

اول خان کا آخری فقرہ ٹیپ کا بند تھا۔ کسی نے ماروتی کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور میرے ذہن میں نریش موہن کے الفاظ گردش کرنے لگے۔ وہ تین دنوں میں اپنے تین عزیزوں کا کریا کرم کرکے ایک نئی خاندانی انفرادیت حاصل کرنے کا آرزو مند تھا۔

میرے دل کے کسی گوشے میں بھی شدت سے یہ خواہش ابھری کہ ماروتی زندہ نہ بچ سکے۔ اس نے مرنے سے پہلے جو کچھ قلم بند کیا تھا' وہ اسے کبھی سر اٹھا کر جینے نہ دیتا۔ وہ مرجاتی تو ہمیشہ کے لیے اس کا بھرم رہ جاتا۔ اس کی تحریر ایک ناسور بن کر ہمیشہ کے لیے نریش موہن کے سینے میں دفن ہوجاتی۔

اول خان نے چلتی ہوئی گفتگو میں روڑا اٹکا دیا تھا۔ کچھ دیر تک کمرے میں غیر فطری سی خاموشی چھائی رہی۔ جب گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو بات گھوم پھر کر دوبارہ ماروتی اور اس کی سسرال والوں پر آگئی۔ اس بار سب کا لب ولہجہ نرم اور مفاہمانہ تھا۔ ویرا موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنے مخالفانہ بلکہ مخاصمانہ رویّے سے دستبردار ہوچکی تھی۔

"تمہارے پاس ایس ٹی ایف کے دو اپریٹس ہوں گے۔ ذرا وہ لے آؤ۔" اول خان نے فرمائش کی۔

سلطان شاہ کام کے معاملے میں کبھی کوئی حیل و حجت نہیں کرتا تھا۔ فوراً اٹھ کر اندر چل دیا۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگالیا کہ اول خان ہم سب کو ماروتی کے بارے میں تذبذب کی کیفیت سے نکالنے کے لیے برٹی سے کچھ کام لینا چاہ رہا تھا۔

سلطان شاہ چند منٹ کے بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو چھوٹے ٹرانسسٹرز موجود تھے۔ اول خان نے اس کے ہاتھ سے ایک اپریٹس لے لیا اور جائزہ لینے کے بعد اسے آن کردیا۔ وہ کافی دنوں سے استعمال میں نہیں آیا تھا مگر اس کی بیٹری کام کررہی تھی۔ آواز کھولنے پر ہمارے کانوں میں ہلکے ہلکے ریڈیائی شور کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید حامد اور برٹی' دونوں ہی ستا رہے تھے۔

"الفا... کالنگ برٹی.... اوور!" اول خان نے اپریٹس کا بٹن دبا کر پیغام نشر کیا۔

"سر! میں لائن پر ہوں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد حامد کی آواز آئی "موہن ہاؤس میں کافی مہمان بھرے ہوئے ہیں۔ برٹی وہاں اجنبی ہے۔ میں نے اسے صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے اندر بھیجا ہوا ہے۔ اس وقت اس کا اپریٹس آف ہے۔ واپس آکر وہ رپورٹ دے گا.... اوور!"

"کوئی نئی خیر خبر؟" اول خان نے نہایت اختصار کے ساتھ سوال کیا۔

"نو سر!" حامد نے جواب دیا "برٹی کو سب کچھ عجیب اور پراسرار سا لگ رہا ہے.... اوور!"

"کچھ بھی پراسرار نہیں ہے۔ اس گھر کی ایک عورت نے زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھالی ہیں۔ وہ اسے

اسپتال لے گئے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسپتال کی کیا خبر ہے۔ عورت کے زندہ بچنے کے کیا امکانات ہیں۔۔۔ اوور!"

"سر! یہ برٹی ہی بتا سکے گا۔ میں خود اس کی رپورٹ کا منتظر ہوں۔ اوور۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود بھی اسٹینڈ بائی ہوں۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان نے اپنی بات ختم کردی۔

"تم نے اچھا کیا۔" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "یہ تجسس ختم ہونا چاہیے۔ ہمیں موہن ہاؤس سے صحیح اطلاع مل سکتی ہے۔"

"میرے ذہن میں کوئی تجسس نہیں ہے۔" ویرا نے پھر ٹانگ اڑا دی "بس اب ماروتی کے لیے دعائے خیر کرو۔"

میں کڑے تیوروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی' ایک ادا سے اپنی جگہ اٹھی اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔ ہم چاروں نے اندازہ لگایا کہ جو گیند روالے کامیاب مشن سے واپسی کے بعد وہ اپنے ہونٹ تر کرنے کی ضرورت محسوس کررہی تھی جس کے لوازم اس کے کمرے میں موجود تھے۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی اپریٹس پر ایک اجنبی مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔

"برٹی کالنگ الفانسو۔۔۔ اوور!" اس پیغام کے جواب میں دوسری طرف سے حامد فوراً لائن پر آگیا۔

"سر! یہاں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موہن ہاؤس پر موت کا سایہ پڑ رہا ہے۔ اندر ایک لاش تیار رکھی ہوئی ہے اور ذرا سی دیر پہلے اسپتال سے خبر آئی ہے کہ اسی گھر کی ماروتی نامی کوئی عورت بھی چل بسی ہے۔ اوور!" برٹی نے خبر حاصل کرنے میں کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے بتایا۔

"الفانسو ٹو الفا' سر! آپ نے برٹی کی رپورٹ سن لی ہوگی۔ اوور۔"

"کیا یہ خبر ابھی ابھی ملی ہے؟ اوور!" ماروتی کی موت کے لیے ہم سب ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھے لیکن برٹی کی دی ہوئی اطلاع پر بھی صدمے کا باعث بنی تھی۔ اول خان کو فوری طور پر کوئی معقول سوال نہیں سوجھ سکا۔

"میں اندر گیا تو مہمان انتظار اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ مجھے اتنا معلوم ہوا کہ ماروتی کو بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ میں جائزہ لے کر نکلنے کی تیاری کررہا تھا کہ اندر سے دوسری خبر آگئی۔ اسپتال سے کسی نے موہن ہاؤس فون کیا تھا۔۔۔ اوور۔"

"اندر رکھی ہوئی لاش کی کیا پوزیشن ہے۔ اوور!" اول خان نے پوچھا۔

"وہ تیار ہے۔ آنے والوں میں سخت اضطراب اور بے چینی ہے۔ لوگ سرگوشیاں کررہے ہیں کہ موت نے یہ گھر دیکھ لیا ہے۔ کل ایک موت ہوئی' دوسری لاش کے کریا کرم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اب ماروتی مرگئی۔ ضعیف الاعتقاد اور وہمی مہمانوں نے ایک ایک کرکے کھسکنا شروع کردیا ہے۔ یہی رفتار رہی تو تھوڑی دیر بعد قریبی رشتے داروں کے سوا' وہاں کوئی بھی نہیں ملے گا۔ اوور!"

"بس' تمہارا کام پورا ہوگیا۔ واپس اسٹیشن فور لوٹ جاؤ۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر اپنا اپریٹس آف کردیا۔

دنیا میں بھانت بھانت کی ہزاروں بیماریاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں وبائی امراض بھی ہوتے ہیں جو ایک سے دوسرے کو لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سیکڑوں' ہزاروں انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیتے ہیں۔ ان وباؤں اور بیماریوں سے کوئی دہشت زدہ نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کو لگتی ہیں اور کبھی کبھی اڑ کر لگتی ہیں مگر ان سے کوئی دہشت زدہ نہیں ہوتا۔ لوگ ایک دوسرے کی مزاج پرسی اور عیادت کے لیے جاتے ہیں۔ مریض کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں اور اطمینان سے لوٹ آتے ہیں۔

موت اس سے قطعی برعکس ہے۔ وہ چھوت کی کوئی بیماری نہیں ہے جو مردوں کو چھونے اور نہلانے یا میت کو کندھا دینے والوں کو لگ جائے لیکن یہ اٹل ضرور ہے۔ ہر وہ ذی روح جو پیدا ہوا ہے اور زندہ ہے' اسے ایک نہ ایک دن اور آخر کار مرنا ہے۔ کوئی ڈیڑھ دن میں زندگی کا یہ سفر طے کرلیتا ہے' کوئی ڈیڑھ سو برس بھی جیتا رہتا ہے مگر زندگی کے اس آخری موڑ سے سب ہی گھبراتے ہیں۔ موت کا ذکر آئے تو ان کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں' پیشانیاں عرق آلود ہوجاتی ہیں' جی گھبرانے لگتا ہے۔ موت کا ذکر ہو رہا ہو تو ہر سننے والے کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ موضوع جلد سے جلد بدل دیا جائے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے۔ یہ روگ ہر نفس کو اپنے چنگل میں لیتا ہے اور نگل جاتا ہے مگر پھر بھی موہن ہاؤس میں جمع ہونے والے' اپنے کمزور عقائد کی بنا پر موت سے خوف زدہ تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں تعزیت اور آخری رسوم میں شرکت کے لیے آنے والوں میں ہندوؤں کی کثرت ہوگی مگر ان میں مسلمان' عیسائی اور دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی شامل رہے ہوں گے۔ ماروتی کی خودکشی نے ان

سب میں خوف وہراس پھیلا دیا تھا۔ شاید اس وقت تک ان میں سے کسی کو بھنک بھی نہ ملی ہو کہ ماروتی نے خودکشی کی تھی۔ ان کے لیے یہی خوف کافی تھا کہ سوگ اور میت کے گھر میں ایک اور موت واقع ہوگئی تھی۔

ماروتی جیسی اور جو کچھ بھی رہی ہو' وہ روی سے محبت ضرور کرتی تھی۔ شاید وہ وفا کے مفہوم سے آشنا نہیں تھی اسی لیے جگدیش کو جلانے کی خاطر روی سے بے وفائی کی مرتکب ہوئی تھی۔ اس جیسی آزاد خیال عورتوں کے لیے وہ سب شاید ایسا ہی تھا جیسے شکم پری کے لیے کھانا کھالینا۔ جی چاہا تو گھر میں کھالیا' طبیعت مائل نہ ہوئی تو کسی بھی اچھے ہوٹل میں پیٹ بھرلیا۔ جرم اور ندامت کے کسی قابل ذکر احساس کے بغیر!

میرے لیے اس کا انجام بہت سبق آموز تھا۔ وہ واضح طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوئی تھی۔ بھایا جی کی جھوٹی انا اور پندار کو خاک میں ملانے کے لیے اس نے خود کو لٹا دیا تھا اور پھر اپنے اس کارنامے کی تفصیل سنا کر جگدیش کے دل و دماغ پر نشتر زنی کی تھی' اسے چرکے لگا کر اتنا مشتعل کیا تھا کہ آخر کار اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا تھا۔ جگدیش کی خودکشی کی پوری ذمے داری ماروتی کے سر تھی۔ اس نے جگدیش کو خودکشی کرنے پر مجبور کیا اور آخر کار خود بھی خودکشی کرکے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے پر مجبور ہوگئی اس نے جس گڑھے میں جگدیش کو دھکیلا تھا' خود بھی منہ کے بل اسی میں جاگری تھی۔

وہ ایسے مذہب اور معاشرت سے تعلق رکھتی تھی جس میں بیوہ ہونے والی عورت کو منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ ایسی عورت کو زندہ و سلامت حالت میں اپنے شوہر کی چتا میں جلا کر راکھ کرنے کو مدتوں ستی کی قبیح مذہبی رسم کا درجہ حاصل رہا۔ وقت کے ساتھ ستی کی رسم معدوم ہوگئی مگر بیوہ عورت کو منحوس قرار دینے کا تصور بدستور راسخ تھا۔ ماروتی اس اعتبار سے خوش نصیب تھی کہ اس نے بیوگی کے لمبے دن نہیں گزارے تھے۔ وہ برسوں کی سہاگن تھی۔ بس چند گھنٹوں کے لیے بیوہ ہوئی اور پھر مرگئی۔ اپنے شوہر کی ارتھی اٹھائے جانے سے پہلے اس نے اپنی جان دے دی تھی۔ اب غالب امکان یہی تھا کہ دونوں کی ارتھیاں ساتھ اٹھائی جاتیں' دونوں کی چتا ساتھ تیار کی جاتی اور دونوں کی راکھ ایک ساتھ سمیٹی جاتی۔ شوہر کے ساتھ ستی نہ ہونے کے باوجود ماروتی نے اپنے روی کی موت پر جان دے کر نئے عہد کی ایک تاریخ رقم کی تھی۔ جسے کوئی بھی واقف حال نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

"تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ افسردہ لہجے میں ویرا سے کہہ رہا تھا "جو کہتی ہو' ہوجاتا ہے۔"

"میں تمہاری طرح خوش فہم نہیں ہوں۔ حقائق کی روشنی میں اپنی رائے قائم کرتی ہوں پھر اس پر جم جاتی ہوں۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر بکھیرتے ہوئے کہا "میں خاموش رہتی تب بھی ماروتی کا انجام یہی ہونا تھا۔ چاہ کن را چاہ درپیش! یہ کہاوت تمہاری ہی ہے۔"

"پھر تو تمہارا انجام بھی بہ خیر نظر نہیں آتا۔ تمہارے ہاتھ نہ جانے کس کس کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔" اس نے اپنے چہرے پر آیا ہوا دھواں دونوں ہاتھوں سے ہٹاتے ہوئے' برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "ہم سب نے بہت سے لوگوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ غزالہ نے بھی انگلینڈ میں انسانی خون کی خوب ہولی کھیلی تھی۔ یہ ڈینی کے لیے ایک چھلاوا بن گئی تھی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے سب کچھ برباد کرکے کہیں اور نکل جاتی تھی۔" اتنی بات کہہ کر وہ یکایک سنجیدہ ہوگئی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میری زندگی کا ابتدائی حصہ مجرموں میں گزرا مگر انسان کے خون کی حرمت سے کبھی بے خبر نہیں رہی۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی بے گناہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہو۔ شی کے فیصلوں سے سرکشی اور سرتابی کرنے والے خونی بدمعاش ہوتے تھے اور وہ مارے جاتے تھے۔ بعد کی باتیں تمہارے سامنے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں مارے جانے والوں میں سے کوئی بھی جگدیش موہن جیسا بے گناہ نہیں تھا۔ اسی لیے ہم پنپ رہے ہیں۔ یہ خونِ ناحق ہوتا ہے جو اپنا رنگ دکھاتا ہے اور سرچڑھ کر بولتا ہے۔"

"جگدیش اتنا معصوم نہیں تھا کہ تم سے ایک مثال بنالو۔" سلطان شاہ آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم یہ بات بھول رہی ہو کہ بعض اوقات زبان کا زخم تلوار کے گھاؤ سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ ماروتی نہ جانے کب سے اس کے طنز اور طعنے سہہ رہی تھی' اس کی دشنام طرازیاں برداشت کررہی تھی۔ ماروتی نے اس کے سینے میں خنجر نہیں بھونکا تھا۔ اس کی بدزبانی اور بدکلامی کا اپنی زبان سے جواب دیا تھا۔ وہ عورت اتنی مضبوط تھی کہ عمر بھر ظلم سہتی رہی۔ جگدیش اتنا بودا نکلا کہ ماروتی کا ایک وار نہ سہہ سکا۔ بزدلی سے خود کو گولی مارلی!"

میں مہر بہ لب بیٹھا رہا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ دونوں آپس میں نمٹتے رہیں۔ میں بولتا تو بات بہت زیادہ الجھ سکتی تھی۔ ویرا کو

کچھ شبہات ضرور تھے مگر ان دونوں میں سے کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ماروتی نے جب بھایا جی کے سامنے زبان کھولی تو اسے کھوکھلے الفاظ کی مار نہیں دی تھی۔ ماروتی کا عمل اور بے وفائی کا ایک سفاکانہ تجربہ ان الفاظ کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

ماروتی کا واقعہ کچھ ایسا عجیب اور دل دوز تھا کہ اس کے بارے میں خبر سنتے ہی ہم سب جوگیندر پال کے تازہ واقعے کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم نے اس شام کچھ بھی نہ کیا ہو۔ بس بیٹھے ماروتی کی موت کی خبر کا انتظار کرتے رہے ہوں۔

وہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔

"اوہو.... جلال! تم کہاں غائب ہو؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی خوش دلی سے کہا "اس وقت میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا کوئی خاص بات تھی؟" میرے کانوں میں اس کی سنجیدہ اور متجسس آواز آئی۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"مگر میں نے خاص وجہ سے فون کیا ہے۔ کراچی میں اچانک لاشوں کی برسات کیوں شروع ہو گئی ہے؟"

"جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیاں زور پکڑ جائیں تو ایسا ہوتا رہتا ہے۔"

"گول مول جواب سے کام نہیں چلے گا۔" اس کی آواز تفکر آمیز تھی "شہر میں امن و امان کے حالات بہت بہتر ہیں۔ کوئی گروپ کسی کے خلاف محاذ آرا نہیں ہے۔ ایک مخصوص حلقے کے لوگ مارے جا رہے ہیں۔ میں ان کڑیوں کو یک جا کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تم کن لوگوں کے حوالے سے بات کر رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"کرشن کمار، ہری چند اور میجر بخشی تک سب ٹھیک تھا۔ تم سے جگدیش موہن کی خودکشی کے بارے میں بات ہوئی تھی مگر کل رات اس کے بھائی روی موہن کی لاش ملی ہے.... " اس کی آواز میں شکوہ پنہاں تھا جیسے اسے ہم پر کوئی شبہ ہو۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مخصوص حلقے سے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ جگدیش کے بعد روی بھی مارا گیا تو یقین رکھو کہ ان معاملات میں ہمارے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ جگدیش کی خودکشی اس کا گھریلو معاملہ تھا۔ روی کو جوگیندر پال نے مروایا ہے...."

اس بار جلال نے مضطربانہ انداز میں قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟ اس وقت میں جوگیندر کے بارے میں ہی بات کرنا چاہ رہا تھا۔ تم اس تک کیسے پہنچ گئے۔ شہر میں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"پہلے تمہیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمیں تمہاری سرکاری دشواریوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم کسی ناگزیر مجبوری کے بغیر کسی حساس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ کیا تمہیں جوگیندر پال کے انجام کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے؟"

"ڈیتی! میں یہ سب جانتا ہوں۔ مجھے تم لوگوں پر پورا اعتماد ہے لیکن میں بہت سے لوگوں کو جواب دہ ہوں۔ بخشی اور جوگیندر پال پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ تھے۔ ان کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات تھیں، کوئی ثبوت نہیں تھا۔ نگرانی کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ اب اچانک خبر ملی ہے کہ اسے اس کے گھر میں بم پھینک کر اڑا دیا گیا۔ یہ اطلاع انڈین ہائی کمشنر کے احتجاج سے ملی ہے۔ اس نے فارن سیکریٹری کو فون کیا تھا۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے کہا "یہ واقعہ چھ بج کر چند منٹ پر رونما ہوا تھا۔ ابھی سات بھی نہیں بجے اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہائی کمشنر نے احتجاج داغ دیا۔ کیا ان کی یہ کارکردگی حیران کن نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔" جلال کی آواز پر یقین تھی "ہر سفارت خانے کا اپنا سیکیورٹی نیٹ ورک ہوتا ہے۔ اہم عہدے داروں کی حفاظت کے لیے دن رات ان کی نگرانی کرائی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جوگیندر پال کی دیکھ بھال کرنے والے محافظ نے دھماکا ہوتے ہی اپنے بڑوں کو خبر پہنچا دی ہو۔ مجھے اس پر ذرا بھی حیرت نہیں ہے۔ تشویش یہ ہے کہ اب ہم کیا لائن آف ایکشن اختیار کریں؟"

چند روز پہلے اسلام آباد میں بم کا ایک دھماکا ہوا تھا۔ کئی آدمی مارے گئے تھے۔ ہم نے کیا کر لیا؟ اتفاق ہے کہ اس بار جوگیندر پال ایک دھماکے کا نشانہ بنا ہے۔ اس پر ہم ہمدردی اور افسوس کے اظہار کے سوا کیا کر سکتے ہیں؟"

"دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ میں بہت فرق ہوتا ہے ڈیتی! جوگیندر پال کے گھر کو تاک کر نشانہ بنایا گیا ہے۔ تمہارے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس

ے میں اور کچھ بھی جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے
ے۔ اس جیسا محتاط آدمی کس کی نظروں میں آگیا۔"
"یہ میجر بخشی والے واقعے کا تسلسل ہے۔ جوگیندر کو
ی طرح پتا چل گیا کہ روی شہر کے کس اسپتال میں چھپا ہوا
ے۔ اس نے کرائے کے دو آدمیوں کو وہاں بھیجا اور انہوں
نے میرے نام کا دھوکا دے کر روی کو اغوا کرلیا' اسے مارنے
ے بعد وہ دونوں اسی اسپتال سے واپسی پر مجھے گھیرنے میں
میاب ہوگئے۔ میں کل شام موت کے منہ میں جانے سے
ں بال بچا ہوں۔ وہ مجھے شہر سے دور ایک ویرانے میں لے
ئے تھے اور مجھے مار دینے......"
"لانڈھی سے آگے' ایک ویران اور غیر آباد علاقے
ے درندوں کی نوچی ہوئی دو لاشیں ملی ہیں۔ کیا وہ بھی اسی
سلسلے کی کڑیاں تھیں؟" اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات
رمیان سے اچک لی۔ "بگڑ جانے کی وجہ سے وہ دونوں لاشیں
ھی تک شناخت نہیں ہوسکی ہیں۔"
"ان میں سے ایک کا نام جیکب گینڈا عرف استاد ہے۔
سرا ارجن ہے۔ آخری لمحات پر ان کے ستاروں نے ان کا
اتھ نہ چھوڑا ہوتا تو ان کے بجائے وہاں سے میری بگڑی
ئی لاش ملتی۔ انہوں نے میرے چہرے کو اتنی بے رحمی سے
ندد کا نشانہ بنایا کہ میری صورت مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔ شاید
ں کئی دن تک بھارت کے لئے روانہ ہونے کے قابل نہ ہو
لوں۔ جوگیندر نے میرا پورا بندوبست کیا تھا۔" میں نے
پاٹ لہجے میں اسے بتایا۔
شہر میں کوئی نئی لہر نہیں چلی۔ چاروں واقعات ایک ہی
لسلے میں جڑے ہوئے ہیں" جلال کی آواز سے اطمینان
ھلک رہا تھا "مجھے غصہ تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کراچی
ں انٹیلی جنس بیورو والے سو رہے ہوں۔ انہیں سر پیر کا کچھ
لم نہیں تھا۔ مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا کہ انہوں نے تمہارے
ساتھ بدسلوکی کی۔ چہرے پر کوئی گہرا زخم تو نہیں آیا؟"
زخم کوئی نہیں ہے' نیل پڑے ہیں۔ کچھ خراشیں آئی
ں اور ورم ہے۔ بس چہرہ بگڑا ہوا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا
میں نے جان بوجھ کر وہ مار کھائی تھی۔ ایسے چہرے کے ساتھ
سفر کیا تو میں ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن کر رہ جاؤں گا۔"
"جوگیندر والے واقعے کی تفصیلات بتاؤ۔ وہ تمہارے
سامنے کیسے آگیا؟" جلال نے دوبارہ جوگیندر کا ذکر چھیڑ دیا۔
"وہ خود خم ٹھونک کر میدان میں نہیں اترا تھا" اس تک
پہنچنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ مجھے گمان تک نہیں تھا
کہ آخری سرے پر اس سے سامنا ہوگا۔ بس ہم چھان بین

کر رہے تھے ایک بھنگن کی مدد سے اس کا نام سامنے آیا تو
ہمارے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے موقع
ضائع کیے بغیر اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم نصب کردیا
تاکہ اس کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے معاملہ نمٹ جائے۔"
اپنی تمام تر تشویش کے باوجود جلال اس معاملے
میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔ بھنگن کے ذریعے عقدہ کشائی کی
بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ میری متعدد وضاحتوں کے
بعد پورے حالات اس کی سمجھ میں آئے تو وہ قائل ہوچکا تھا
کہ میں نے جو فیصلہ کیا۔ اس میں کسی ردوبدل کی گنجائش
نہیں تھی۔ جوگیندر پال کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تو وہ میرے لیے
زیادہ خطرناک ہوسکتا تھا۔ اسے سب سے بڑا یہ فائدہ حاصل
تھا کہ اسے مقامی مجرموں کا تعاون حاصل تھا۔ استاد جیکب
اور ارجن کی موت کی خبر ملنے کے بعد وہ ہمارے خلاف کسی
اور کو میدان میں اتار سکتا تھا۔
مسئلہ یہ تھا کہ سرکاری سطح پر جوگیندر پال کی موت کے
ردِعمل کا کس طرح سامنا کیا جائے۔
جب تک جلال بے خبر تھا' قدرے برہم اور مایوس تھا
لیکن تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے الجھاؤ سے
آگاہ ہونے کے بعد وہ میری اس رائے سے متفق ہوچکا تھا کہ
اس واقعے پر گول مول اور معذرت خواہانہ رویہ ہی وقت کا
تقاضا تھا۔ اگر وہ لوگ اپنی سرزمین پر کسی اشتعال کے بغیر کوئی
جوابی کارروائی کرتے تو اسے روکنا ناممکن تھا۔ جلال اس
بارے میں پوری طرح پر یقین تھا کہ ان دنوں بھارتی سرزمین
پر کوئی پاکستانی خفیہ مشن مصروف نہیں تھا اور نہ ہی کوئی
پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ کشت و خون کے کسی اندیشے سے دوچار
تھا۔ اس کے باوجود بھارتی کوئی حرکت کر گزرتے تو وہ مجبوری
تھی۔
"اس بارے میں دوسروں' خاص طور پر امریکیوں کا کیا
ردِعمل ہے؟" ایک طویل مذاکرے کے بعد میں نے جلال
سے پوچھا۔
"کوئی سرکاری طور پر ایسے واقعات کی حمایت اور
سرپرستی نہیں کرسکتا۔ ہم بھی اس واقعے کی بھرپور مذمت
کریں گے۔ ابھی تازہ ترین واقعہ ہے۔ وقت گزرنے کے
ساتھ دوسروں کا ردِعمل سامنے آئے گا۔ شاید امریکیوں کا
رویہ زیادہ سخت ہوگا۔"
"وہ کینہ پرور ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "وہ بوب
رافیل والا قصہ برسوں تک نہ بھول سکیں گے اس کی رہائی
کے لیے امریکی صدر کو بہت خفت اور سبکی اٹھانی پڑی تھی۔

جمی اور ڈیوڈ کے معاملے میں بھی ان کا وہ بغض کار فرما رہا۔ سخت پاکستانی جواب نے انہیں اور بھڑکا دیا ہوگا۔"

"پاکستان کا جوابی مراسلہ ایک شاہکار ہے۔ سارے سفارتی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے حقائق قلم بند کیے گئے ہیں کہ امریکی ناچ اٹھے ہوں گے۔ یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ بعض امریکی اہلکاروں کی غیر ذمے داری' نا اہلی اور اپنی حدود سے تجاوز کی وجہ سے بے چارہ امریکی صدر رات کو اپنی مرضی کی نیند نہیں لے سکتا۔ اسے ایسے بے ہودہ افسروں کی کھال بچانے کے لیے ناوقت اپنے آرام دہ بستر سے نکل کر دوسرے سربراہانِ مملکت کو فون کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ واقعی ہمت کا کام ہے۔" میں نے ستائشی لہجے میں اعتراف کیا "امریکی صدر نے فون پر زبانی گفتگو کر کے وہ قصہ نمٹایا تھا۔ مراسلے کے ذریعے اس واقعے کو ریکارڈ کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ وہ ضرور تلملا اٹھے ہوں گے اور جو گیندر پال کے واقعے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں گے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اعلیٰ سطح پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم کچھ بھی کرلیں' آنے والے چند سالوں تک امریکی سرد مہری برقرار رہے گی۔ امریکیوں کی اصل برہمی ہمارے جوہری اور دفاعی منصوبوں پر ہے وہ انہیں غیر پیداواری' غیر فلاحی اور بے مصرف قرار دیتا ہے۔ وہ لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی ہماری مخالفت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان سے کسی فلاح کی امید رکھنا بے سود ہے۔"

"بات ہماری مخالفت پر ختم نہیں ہوجاتی۔ وہ ہمارے سب سے بڑے حریف کے حامی' مددگار اور ہم نوا بنے ہوئے ہیں۔"

"جس دن ہمارے اس حریف کے حوصلے پست ہوگئے' بہت کچھ سنور جائے گا۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ تم نے بھارت جانے کا ارادہ کچھ دنوں کے لیے ملتوی کردیا ہے۔ میں نے تمہاری روانگی سے بہت سی اور امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔"

"مجبوری ہے۔ میں ہوش میں تھا اور مصلحت کی وجہ سے ان دونوں کے تھپڑ کھا رہا تھا۔ تم میری حالت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"ایسے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ میں خود بھی تمہیں بھارت جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" جلال نے جلدی سے کہا "مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم کب تک لاہور آنے کے قابل ہوسکو گے۔ میں اپنی مصروفیات اسی حساب سے آگے پیچھے کرلوں گا۔"

"میں اب بھی سفر کے قابل ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا "بھارت میں لوگ حیرت سے میرے زخمی چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ لاہور اپنا شہر ہے۔ وہاں مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میں کل ہی وہاں پہنچ جاؤں۔"

"کل کس وقت پہنچ رہے ہو؟" اس نے مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا "میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دیتا ہوں۔"

"یہ میرا طے شدہ پروگرام نہیں ہے۔ جب موڈ ہوا' لاہور پہنچ جاؤں گا۔ کسی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ اول خان کا خیال ہے کہ میں کراچی میں بیٹھ کر اپنا چہرہ سدھرنے کا انتظار کرتا رہا تو کسی نہ کسی معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتا رہوں گا۔ مجھے یہ وقت لاہور میں ہی گزارنا چاہیے۔"

"بالکل آجاؤ۔" اس کی آواز فراخ دلانہ تھی "اس طرح کام سکون سے اور زیادہ بہتر انداز میں ہوجائے گا۔ بیوی کو بھی ساتھ لانے کا ارادہ ہے یا پروگرام میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟"

"تبدیلی ہوئی ہے۔ بیوی کے ساتھ ویرا بھی آرہی ہے۔ اب ہم تین افراد جائیں گے۔"

"میں نے اس کا بہت ذکر سنا ہے۔ اس کے قصے بہت سے پاکستانیوں کو شرمسار کرسکتے ہیں۔ اس بہانے اس سے ملاقات ہوجائے گی۔"

"اس سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی۔ وہ ایسی بری عورت نہیں ہے۔" میں کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ایسا گول مول جواب دیا کہ جلال کو کسی بے ربطی کا احساس نہ ہو مگر ویرا تذبذب میں پڑجائے کہ جلال نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے۔

"تم دشمنوں کی بھیڑ میں گھسنے جارہے ہو۔ یہ دیکھ لینا کہ ان دونوں کی وجہ سے تمہاری الجھنوں میں اضافہ نہ ہوجائے۔ دشمن کم ظرف ہو تو عورت بہت بڑی کمزوری اور مجبوری بن جاتی ہے۔ کوئی عورت کتنی ہی دلیر کیوں نہ ہو' آخر عورت ہی ہوتی ہے۔"

"یہ بات میں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ تم لاہور آؤ گے تو اپنی سی کوشش بھی کرلینا۔"

"ٹھیک ہے۔ پروگرام طے ہوجائے تو مجھے فون پر آگاہ کردینا۔" گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

جلال سے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ مجھے
رتیوں کی طرف سے بدترین رویے کی توقع تھی۔ انہوں
جو کچھ کیا تھا وہ میرے اندازے سے کم تھا۔

○☆○

جوگیندر رپال کی موت اور ماروتی کی خودکشی کے بعد یوں
وس ہو رہا تھا جیسے ایک مدت سے رونما ہونے والے
عات کا سلسلہ یکایک ختم ہو گیا ہو۔ میدان میں ہمارے
منے کوئی حریف نہیں تھا۔ ہمارے بارے میں سینہ بہ سینہ
کرنے والی معلومات کا سلسلہ جوگیندر رپال کی ذات پر آکر
ک گیا تھا۔ یوں تو بھارتی سیکرٹ سروس "را" کے لیے کام
نے والے اور امریکی ایجنٹ ہم سب کے لہو کے پیاسے
لیکن ان کے پاس ہمارے ناموں کے سوا کوئی سراغ نہیں
۔ فون نمبر کی صورت میں جو سراغ میجر بخشی تک پہنچا تھا، وہ
ں کے سینے میں دفن ہو گیا تھا۔ جوگیندر اس کڑی کے آخری
رے پر تھا۔ اسے شاید وہ فون نمبر بھی معلوم نہیں تھا مگر وہ
ی کے اسپتال کی نگرانی کے ذریعے، خوش قسمتی سے مجھے
ساں کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جوگیندر رپال میرا کھلا دشمن تھا، ماروتی ایک مشتبہ حلیف
۔ وہ دونوں ہی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن ماضی میں پیش
نے والے کسی ایک واقعے کو دوسرے سے الگ نہیں
سکا۔ سب کچھ ایک تسلسل کے ساتھ ہوتا چلا آرہا تھا۔
میں ذرا سی گنجائش یہ تھی کہ رستم ایرانی اور پنڈت منوہر
کو کسی حد تک ایک نیا موڑ قرار دیا جا سکتا تھا۔

رستم سے ہماری ملاقات اور برائن ڈی ہنٹ کے بارے
ہوئی تھی۔ یہ عقدہ بہت بعد میں کھلا کہ بظاہر سب سے
ب تھلگ رہ کر، صاف ستھرے انداز میں کام کرنے والا
تم ایرانی بھی اسی تھیلی کے چٹے بٹوں میں شامل تھا اور
رائن کو محض اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ وہ سخت گیر اور خود
تھا۔ اپنے سامنے رستم کی دال نہیں گلنے دیتا تھا اور یہ
ب رستم جیسے جاہ پرست کو بالکل پسند نہیں تھی۔

رستم ایرانی مذہب کے اعتبار سے بہائی اور پیشہ ورانہ
ر اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد سے قریب تر تھا۔ وہ ختم
تو احتجاجی بیانات کے طوفان میں اکرم الٰہی کی فریڈم
یشنل نظروں میں آئی جس پر امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن
ری سرمایہ کاری کر رہی تھی۔ فریڈم کے معاملات کریدے
تو حیدر آباد میں قائم صحرا نامی این جی او کا نام سامنے آیا
کا کرتا دھرتا مراد ظریف تھا۔

ان دنوں پریس میں این جی اوز کی زیر زمین، ملک دشمن
سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ چھپ رہا تھا۔ فریڈم
انٹرنیشنل اور صحرا کے معاملات کی چھان بین کے دوران میں
پتا چلا کہ وہ سب افسانے نہیں تھے۔ غیر سرکاری سطح پر
چلائے جانے والے بہت سے نام نہاد فلاحی ادارے ملک
دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھے اور ان کے خلاف ایک الگ
اور خصوصی آپریشن کی ضرورت ناگزیر ہو چکی تھی۔

شاید ہم لوگ بھی ایسے اداروں کی بیخ کنی میں لگ جاتے
لیکن جب مقامی مہروں کو کٹھ پتلی کی طرح نچانے والے انڈین
کمانڈو، کرشن کمار کا نام سامنے آیا تو ہماری ساری توجہ اس کی
طرف مبذول ہو گئی۔ این جی اوز والا معاملہ جہاں تھا، وہیں رہ
گیا۔

"ہم باہر کے دشمنوں سے لڑ لڑ کر ہلکان ہوئے جا رہے
ہیں۔ آستین میں پلنے والے سانپوں کو ہم نے کھلی چھوٹ دی
ہوئی ہے۔" جب گفتگو کا سلسلہ متعدد ناموں سے ہوتا ہوا،
این جی اوز پر اٹک گیا تو سلطان شاہ قدرے برہم ہو گیا۔

"جب تک اندر سے ایسے سہارے نہ ملیں، باہر والے
کامیاب نہیں ہو سکتے۔" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

"عوام کی اجتماعی کوششوں سے اصلاح اور فلاح و بہبود
کا نعرہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ مغرب میں یہ نظریہ ستر کے
عشرے میں رائج ہوا تھا۔ ہمارے یہاں تو ابھی یہ بالکل نیا
ہے۔ اس کی بنیادیں بھی مستحکم نہیں ہوئی ہیں مگر بیرونی تخریب
کاری روز اول سے ہمارا مسئلہ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اس سلسلے میں این جی اوز بے
قصور ہیں۔ ان کو کھلی چھوٹ دے دینی چاہیے؟" سلطان شاہ
نے چیخ کر پوچھا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے
جواب دیا "میری عرض اتنی ہے کہ سارا زور ان پر نہ دو۔
صرف وہی قصوروار نہیں ہیں۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ پہلے
بے ضمیر لوگ اپنے ملک اور اپنی زمین سے انفرادی غداریاں
کرتے تھے اور چوروں کی طرح چھپتے پھرتے تھے۔ اب ان
کے سینے کے بند کھل گئے ہیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور
مراد ظریف جیسے لوگ سینہ تان کر گھومتے ہیں۔ وہ خود ہی
نہیں بکتے، اپنے سادہ لوح رضاکاروں تک کا سودا کر لیتے
ہیں۔ ایسے لوگوں کی مدد سے دشمنوں کو اپنی تخریبی سرگرمیاں
جاری رکھنے کے لیے منظم اور باقاعدہ پلیٹ فارم میسر آجاتے
ہیں۔"

"تم خود اپنی بات کی تردید کر رہے ہو۔ کیا یہ کوئی چھوٹا

ظلم ہے؟ ایک شخص اور ایک ٹیم میں بہت فرق ہوتا ہے۔"
"آپ نے تین نام لیے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی غزالہ بولنے لگی "انہیں آزادی حاصل تھی تو رستم ایرانی کے واقعے پر فریڈم انٹرنیشنل کے احتجاجی بیان بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ چھپے تھے۔ آپ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے احتجاج کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔ وہ آج تک دوبارہ سر نہیں اٹھا سکے۔"

"جاسوسی اور جوابی جاسوسی۔ دہشت گردی اور اس کی جوابی کارروائیاں۔ ان سب کی تاریخ بہت پرانی ہے۔" ویرا نے زبان کھولی۔ ایسی کارروائیاں صرف دشمنوں کے خلاف نہیں، دوستی کی آڑ میں بھی ہوتی رہی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں لقمہ دیا "امریکی ہمیشہ ہمیں اپنا دوست قرار دیتے رہے ہیں۔"

"امریکا میں بھی یہی سب ہوتا رہتا ہے۔" ویرا اس کے طنز کا برا منائے بغیر بولی "آج بھی امریکا کی جیلوں میں سیکڑوں ایسے امریکی سڑ رہے ہوں گے جن پر دشمن قوتوں کے لیے کام کرنے کے سنگین الزامات عدالتوں میں زیرِ سماعت ہیں۔"

"غداری کے واقعات دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ جب تک دنیا میں لالچ کا وجود ہے، ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ کلیدی بات وہی ہے جو ڈینی نے کہی ہے۔"

"اوہ! تو تم نے بھی کچھ کہا تھا۔" ویرا نے تمسخرانہ انداز میں اپنی بھویں اچکا کے کہا "ذرا اپنی بات دہرا دو۔"

"مجرمانہ مقاصد کے لیے کام کرنے والی این جی اوز کا صفایا ہونا ضروری ہے۔" اول خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بلاوجہ اتنی بحث ہوئی۔" سلطان شاہ منہ بنا کر بولا "میں نے بھی یہی بات کہی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب لاہور روانگی تک ہمیں کراچی میں کوئی نہ کوئی مصروفیت مل جائے گی۔" غزالہ ہنس کے بولی۔

"یہ گند صرف کراچی میں نہیں ہے۔ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔" اول خان بولا "این جی او کو ہوشیاری اور مکاری سے چلایا جائے تو یہ بہت نفع بخش دھندا ہے۔ بہت سے لوگ دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی ہوئے ہیں۔ ایسے ادارے تیزی سے دیہاتوں تک پھیل رہے ہیں۔"

"دیہی این جی اوز میں کیسے عیار اور چالاک آرگنا... کیوں نہ ہوں، وہاں زیادہ سے زیادہ مالی گھپلے اور بدعنوا... ہی ہو سکتی ہیں۔ غداری دہشت گردی اور ملک فروشی ... جرائم کے لیے شہری ٹھکانے ضروری ہیں۔" ویرا نے ا... بے لاگ رائے دی۔

"اس لیے کراچی ہی سب سے بہتر شہر نظر آتا ... ہمیں اپنے کام کی ابتدا یہیں سے کرنی چاہیے۔" میں ... ہنس کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ اب تم کراچی میں نہیں رکو گے۔ شام ... پرواز سے لاہور کے لیے روانہ ہو جاؤ۔" اول خان نے ... سے کہا "تم چاہو تو وہاں ایک دو مہینے رہ سکتے ہو۔ میں تمہیں یہاں نہیں الجھانا چاہتا۔"

"جب یہاں کام ہی نہیں رہا تو ہمارے رہنے یا نہ ر... سے کیا فرق پڑے گا؟"

"اس بارے میں مجھے تمہارے کسی مشورے ک... ضرورت نہیں۔ کام نہیں ہوتا تو تم خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شرو... کر دیتے ہو۔ جان اسمتھ اب بھی کراچی میں ہے اور اس ... فون نمبر ہم سب کے علم میں ہیں۔ اب یہاں کوئی کشت و خو... نہیں ہوگا۔"

"شاید تم جلال کی مشکلات کے بارے میں فکرمند ہو!" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"صرف جلال ہی نہیں، ان حالات کی وجہ سے ساری ایجنسیاں دباؤ میں ہوں گی۔ وزارت داخلہ پر وقت پڑا ہوا ہوگا۔ دفتر خارجہ والے بھی مشکل میں گرفتار ہوں گے۔ اند... کی کہانیاں اور ہماری مجبوریاں کسی کے علم میں نہیں ہیں۔ جوگیندر پال کا قتل اور موہن خاندان میں ہونے والی تین اموات سب کے سامنے ہیں۔ کسی کو سر پیر کا پتا نہیں ہے تو و... پریس اور میڈیا کا سامنا کس طرح کریں گے۔"

"خوب! آج تو تم بھی کوئی ذمے دار سرکاری افسر معلوم ہو رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"ہمیں کوئی نہیں اپناتا لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کو سرکاری ذرائع سے فنڈز ملتے ہیں۔" اول خان نے جذباتی لہجے میں جواب دیا "میں دوسروں کی مجبوریوں سے کبھی غافل نہیں رہتا۔"

"اگر کراچی کی سرگرمیوں میں وقفہ اتنا ہی ضروری ہے اور تم ہمیں لاہور بھیجنے پر تل گئے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ ہم وہاں کیا کریں گے۔" میں نے پوچھا "میں زیادہ دنوں تک ہاتھ پر ہاتھ

دھرے بیٹھا رہا تو اکتا جاؤں گا۔"
"لاہور میں بھی ایس ٹی ایف کا ایک یونٹ تعینات ہے۔ وہ اسٹیشن تھری کہلاتا ہے۔ میں تمہیں اسٹیشن چیف کا نام اور فون نمبر دے دوں گا۔ اسے بھی بتادوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس کی مدد کرسکو۔ ہماری فورس میں تم بہت نیک نام گردانے جاتے ہو۔"
"اول خان کے الفاظ پر غور کرو۔" ویرا نے فوراً بات اچک لی "درحقیقت تم نیک نام نہیں ہو مگر گردانے جاتے ہو۔"
"صحت بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو تم کچھ دیر کے لیے خاموش رہو۔" میں نے اسے گھور کر کہا "میں اول خان سے بات کر رہا ہوں۔"
"اول خان کے مقابلے میں یہ خود کو دوئم خانم تصور کرتی ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔
"خرافات مت بکو۔" میں نے ان دونوں کو ڈانٹا پھر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "اسٹیشن تھری کے چیف کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"
"تعارف کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ وہ یقیناً تمہیں اپنے اعتماد میں لے گا۔ باقی باتیں تم خود دیکھ لوگے۔"
"کیا لاہور میں آج کل این جی اوز کا کوئی قصہ چل رہا ہے؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
"قیاس ہے کہ ضرور چل رہا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ خالد نے اس پر دھیان نہ دیا ہو۔ میں تمہیں پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ ایس ٹی ایف کا ہر اسٹیشن کمانڈر یا چیف اپنی جگہ خود مختار ہوتا ہے اور صرف سربراہ کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باس کو بھی یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم نے لاہور میں کچھ وقت گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ خالد کو ہدایات دے گا کہ وہ لاہور میں تمہاری موجودگی سے فائدہ اٹھائے۔"
"میرا سوال لاہور کی سرگرمیوں اور مسائل کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"میں بھی یہی بتا رہا تھا۔ میں کراچی زون کے بارے میں جانتا ہوں۔ لاہور کے بارے میں خالد یا باس کو علم ہوگا۔ اسٹیشن کمانڈرز اپنی وقتی ضروریات کے تحت ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں ورنہ اپنے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔"
مجھے یاد آگیا کہ حفاظت اور رازداری کی ضروریات کے پیش نظر ایس ٹی ایف کا ہر یونٹ اپنی جگہ ایک ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی جملہ سرگرمیاں کمانڈر کی صوابدید پر منحصر ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کے کام سے حتی الامکان الگ تھلگ رہنا ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔
"لاہور کے بارے میں وہاں پہنچ کر ہی سوچا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"اس بارے میں تساہل کی ضرورت نہیں۔ وہی کرو جو کہہ رہا ہوں۔ آج شام کو تم لاہور جا رہے ہو۔"
"وہاں سے مجھے براہِ راست بھارت جانا ہے۔ تصاویر پرسوں رات تمہیں دے دی گئی تھیں۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اب تک نہیں آئے۔ ان کے بغیر وہاں جانا بے سود ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سلگانے کی کوشش کی۔
"میں حیران ہوں کہ ماروتی کی خودکشی کے بعد تمہارے لیے کراچی میں کیا دلکشی رہ گئی ہے۔" ویرا بولی۔
"تم خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے کہا "اس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی اور پھر وہ یہاں کی آخری عورت بھی نہیں تھی۔"
"تم ذاتیات پر اتر آتی ہو۔" غزالہ نے خشک لہجے میں ویرا سے شکوہ کیا "یہاں ماروتی کا کیا ذکر تھا۔"
"آخر ڈینی لاہور جانے میں کیوں پس و پیش کر رہا ہے؟ اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہونا چاہیے۔"
"سبب بننے کے لیے صرف ایک ماروتی ہی رہ گئی ہے؟" غزالہ نے برہمی سے کہا "وہ کسی بلا کی طرح تمہارے ذہن سے چمٹ کر رہ گئی ہے۔"
ویرا کو محسوس ہوگیا کہ اس کو غزالہ کے سامنے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ اس نے غزالہ کے خاموش ہونے پر شرافت سے کہا "سوری غزالہ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے مذاق سے تمہاری دل آزاری ہوگی۔ ویسے ڈینی کے تذبذب کے بارے میں میرا سوال اپنی جگہ ہے۔"
"اب تم مذاق سے ہٹ کر سنجیدہ ہوئی ہو تو میں بھی بتادوں کہ میں ایک دو روز یہاں رکنا چاہتا ہوں۔ جوگیندر کی موت کا ردِ عمل کھل کر سامنے آجائے تو میں اطمینان سے کہیں بھی جاسکوں گا۔ اس سے پہلے چلا گیا تو میرا دھیان یہیں لگا رہے گا۔"
"لاہور جا کر بھی تم کراچی سے رابطے میں رہوگے۔ فون اسی مقصد کے لیے ایجاد ہوا ہے۔" اول خان نے کہا۔
"فون کی اپنی مجبوری ہوتی ہے۔ کھل کر بات نہیں کی جاسکتی۔ ہوٹل کے فون پر سی ایس ڈی کا استعمال مشکل

ہو گا۔“

”کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ تم چاہو گے تو خالد کے دفتر میں موجود سہولتوں سے استفادہ کر سکو گے۔“

”اگر تم میری یہاں موجودگی سے اسی قدر بیزار ہو اور مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر مجبوری ہے۔“ میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

”پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کی بات درمیان میں رہ گئی۔ کل وہ سب آ گئے تھے۔ جوگیندر پال کا چکر شروع ہو جانے کی وجہ سے اسٹیشن فور پر پڑے رہ گئے۔ میں وہ سب منگوائے لیتا ہوں۔ تم غزالہ کو لے کر شام کی پرواز سے نکل جاؤ۔“

”میرے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟“ ویرا نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوال کیا۔

”تم روانگی کے موقع پر لاہور پہنچ سکتی ہو۔ فی الحال کراچی میں ہی رکی رہو۔“ اول خان نے تجویز پیش کی۔

”اس وقت تم کو بڑا مان لیا گیا ہے۔ جو چاہو‘ طے کر سکتے ہو۔“ ویرا نے میری توقع کے برعکس بات مان لی۔

جب تک بحث جاری رہی‘ اول خان کے چہرے سے کشیدگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ سب کچھ طے ہو جانے پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس وقت صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ گھر سے اپنے دفتر جاتے ہوئے‘ راستے میں ہمارے پاس رک گیا تھا کیونکہ پچھلے دن کے واقعات کے بارے میں اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعات تشویش آمیز تھیں۔ بھارتی حکام نے میجر بخشی کے واقعے پر ذرا دبے دبے ردِ عمل کا اظہار کیا تھا لیکن جوگیندر کی موت پر وہ بھڑک اٹھے تھے۔ ان کے تیز و تند بیانات سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچنے والی ہو۔

ہمارے ساتھ پروگرام طے کر لینے کے بعد اول خان اپنے دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

”ہمیں سفر کے لیے کچھ ساتھ لینا چاہیے؟“ موقع ملتے ہی غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔ وہ پیکنگ کے بارے میں فکر مند تھی۔

میں ہنس پڑا ”تن کے دو کپڑے بھی کافی ہوں گے۔ لاہور میں بازار سے ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی۔“

”ہمیں لاہور سے آگے‘ سرحد پار بھی جانا ہے۔“ اس نے فکر مندانہ آواز میں کہا۔

”وہاں کے لیے بیم گن اور اول خان کے ذخیرے کی چند انگوٹھیاں کافی ہوں گی۔ سامان لاد کر لے جانا بے سود ہے۔“

”میں نے سنا ہے کہ یہاں سے بھارت آنے جانے والے سامان سے لدے پھندے ہوتے ہیں۔ سامان کے بغیر سفر کرنے والوں کو ہر جگہ شک و شبہے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ مناسب وزن کا کم از کم ایک سوٹ کیس ضرور ہونا چاہیے۔“

”ہم سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ بھارت جانے والوں کے سامان کے بارے میں تم نے کہاں سے سن لیا؟“ میں نے ہنس کر پوچھا۔

”سننے اور پڑھنے کا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سفر کرنے والوں کے ساتھ کسٹم اور امیگریشن کے عملے کی زیادتیوں کے بارے میں آئے دن اخباروں میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ آج کل میں ایسی خبریں اور مراسلے توجہ سے پڑھتی ہوں۔“

”ایک سوٹ کیس کی تیاری ناگزیر ہے تو پھر جو دل چاہے‘ بھر لینا۔ میرے لیے کپڑوں کے تین چار جوڑے کافی ہوں گے۔“

”سی ایس ڈی بھی ضروری ہے۔“ ویرا نے یاد دہانی کرائی ”ہو سکتا ہے کہ ہم کرائے پر کوئی گھر لینے میں کامیاب ہو جائیں۔“

”لاہور میں ہم بے فکر ہو کر ہوٹل میں رہیں گے تاکہ کھانے پکانے کے چکروں میں نہ الجھنا پڑے...“

غزالہ نے میری بات کاٹ دی ”میں لاہور کی نہیں‘ بھارت کی بات کر رہی تھی۔“

”اگر کوئی راز و نیاز نہ ہو رہے ہوں تو میں اندر آ سکتی ہوں۔“ باہر سے ویرا کی آواز آئی۔

”چلی آؤ۔“ میں نے کہا اور ویرا ہماری خواب گاہ میں آ گئی۔ غزالہ کپڑوں کا ڈھیر سرکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم دونوں شام تک کے مہمان ہو۔ میں نے سوچا کہ یہ وقت ساتھ ہی گزار لیا جائے۔“ ویرا مجھے آنکھ مار کے بولی۔

”ہم چاند کے سفر پر نہیں جا رہے۔ دو تین روز میں تم بھی ہم سے آ ملو گی۔“ میں نے کہا۔

”چاند پر نہیں جا رہے لیکن یہ تمہارے ہنی مون کی تجدید ہو سکتی ہے کیونکہ تمہارے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہو گا۔“

میں ویرا کو کمرے میں غزالہ کے ساتھ چھوڑ کر باہر آ گیا۔ مجھے اپنا ذہن بہت ہلکا بلکہ خالی خالی محسوس ہو رہا تھا۔ ایک طرف شب و روز کی بھرپور مصروفیات چلتی رہی تھیں۔ اب وقت سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جوگیندر کے خاتمے کے ساتھ ساتھ سارے مسائل حل ہو چکے تھے اور ہمارے کرنے کے لیے کوئی بھی کام باقی نہیں

رہا تھا۔ جو کچھ تھا' وہ بھارت کی سرزمین پر ہی تھا۔

دوپہر میں اول خان کا فون آگیا' اس نے ساڑھے پانچ بجے والی پرواز پر ہماری نشستیں بک کروائی تھیں۔

لاہور کے راستے' ہمارا بھارت کا سفر اہم اور پرخطر تھا۔ اپنی ذات پر اعتماد کے باوجود مجھے احساس تھا کہ کسی ذرا سی لغزش کی بنا پر وہ میرا آخری سفر بھی ہو سکتا تھا۔ وہاں انل بسواس اور اس کے گرد پھیلے ہوئے را کے ایجنٹوں سے ٹکرانا آسان کام نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ روانگی سے پہلے جہانگیر کو ایک الوداعی فون کال کرلوں لیکن پھر میں نے خود ہی ارادہ ملتوی کردیا۔

جہانگیر کی فطرت میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے میرے سفر کی نوعیت کا ذرا بھی اندازہ ہوجاتا تو اس کی طرف سے سوالات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا جسے خندہ پیشانی سے جھیلنا میرے بس سے باہر تھا۔

سوا دو بجے اول خان ہم تینوں کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ لے کر آگیا۔ ان سفری کاغذات کی رو سے میرا نام مظہر خان طے پایا تھا۔ غزالہ کا نام جوں کا توں رہا تھا۔ ویرا کا نام بدل کر مس این کاویل ہوگیا تھا۔ تینوں پاسپورٹ پرانی اور ایک دوسری سے مختلف تاریخوں میں بنائے گئے تھے۔

ہم نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ اول خان کی وجہ سے ہمیں پرواز سے دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پہنچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم پانچوں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ ویرا کی غیر حاضری کے وقفوں میں' میں نے سلطان شاہ کو سمجھایا کہ وہ ہماری غیر موجودگی میں ویرا کے ساتھ مفاہمانہ رویہ رکھے تاکہ کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ ہمارے جانے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے روٹھ جاتے تو اول خان کے سوا اور کوئی ان دونوں کے درمیان صلح نہیں کرا سکتا تھا جب کہ اول خان ان سے الگ رہنے کی وجہ سے ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے بروقت واقف نہیں ہو سکتا تھا۔

چار بجے ہم روانگی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ ہمیں رخصت کرنے کے لیے سب کو ائرپورٹ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اول خان ہمیں آرام سے وہاں پہنچا سکتا تھا۔

"لاہور جا کر یہ نہ بھول جانا کہ تمہیں میرے ساتھ بھارت بھی جانا ہے۔" ویرا نے مجھ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھولنے والی بات نہیں ہے۔ پروگرام طے ہوچکا ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"تم یہ نہیں بھولو گے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا حافظہ اتنا خراب نہیں ہے لیکن لاہور میں ایسا کوئی بکھیڑا نہ پھیلا لینا کہ اسی میں الجھ کر رہ جاؤ۔ یہاں کے کام چلتے رہتے ہیں۔ تم کو آگے کے حالات پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہمارا اصل ٹارگٹ انل بسواس ہے۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

"تم فکر نہ کرو۔ میرا بگڑا ہوا چہرہ ذرا سدھر جائے تو روانگی میں تاخیر نہیں ہوگی۔"

اول خان مجھے اور غزالہ کو لے کر گھر سے روانہ ہوگیا۔ جب تک ہماری گاڑی موڑ پر نہیں گھومی' سلطان شاہ' ویرا کے ساتھ باہر کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔

"تم دونوں میاں بیوی ہو۔" اول خان عقب نما آئینے میں شاید وہ منظر دیکھتا رہا تھا۔ گاڑی گھمانے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہا تھا "سلطان شاہ کی دوستی کی بات بھی سمجھ میں آنے والی ہے لیکن یہ لڑکی' ویرا! یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اسے تم لوگوں سے ایسی انسیت ہے اور وہ اس طرح گھل مل کر رہتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہ پیچھے جھاڑ کر سلطان شاہ کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ اس سے ویرا کی ذرا بھی نہیں بنتی' تم شادی شدہ ہو۔ وہ کس امید پر تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔" میں نے جواب دیا "وہ مغربی معاشرے کے کھوکھلے پن کو بہت قریب سے دیکھ چکی ہے۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ اپنی خواہشات اور عیاشیوں کے لیے زندہ رہنے کی شدید خواہش نے انسان اور حیوان کا فرق بہت کم کردیا ہے۔ جانور بھی بے ڈھنگے پن سے یہی کرتے ہیں۔ مغرب کے بیشتر باسیوں میں نفاست اور قرینہ ہے مگر وہ اپنی ذات سے آگے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے دن بہ دن عاری ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ زندگی کا مقصد نہیں ہوتا۔"

"ذاتی ضروریات اور خواہشات حد سے بڑھ جائیں تو ہر تمیز ختم کردیتی ہیں مگر ان کی کچھ فطری حدیں بھی ہیں....."

"ویرا درویش ہوگئی ہے!" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

"کبھی کبھی میں بہت سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں۔" اول خان کی سنجیدگی برقرار رہی۔

"ہم نے اس پر کوئی جبر نہیں کیا۔ وہ اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ آئی اور رہ رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے بارے میں کچھ سوچا ہوا ہو مگر یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن اور آسودہ ہے۔ آدمی اپنی زندگی کا کوئی مقصد اور مشن متعین کرلے اور لگن کے ساتھ اس سمت میں کام بھی کرتا رہے تو دوسری چیزیں اسے نہیں ستاتیں۔ ویرا بھی اسی مرحلے اور تجربے سے گزر رہی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ اس کے سامنے کیا مقصد ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"حیرت ہے کہ یہ سوال تم کر رہے ہو!" میں نے کہا "ہمارا مشن کیا ہے؟ بس وہی ویرا کا بھی مقصد حیات بن کر رہ گیا ہے۔ وہ ہمارے لیے کام کرکے خوشی اور طمانیت حاصل کرتی ہے۔ اسی دوران میں اسے ذاتی خوشیوں کے دو لمحے میسر آجائیں تو انہیں غنیمت سمجھتی ہے۔"

"میرے مقابلے میں تم اس سے بہت زیادہ قریب ہو۔ تم کہہ رہے ہو تو میں یہ سب مانے لیتا ہوں لیکن وہ اب بھی میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ قدرت نے اپنی ہر مخلوق میں بلاوجہ ہی جنس کا امتیاز نہیں رکھا۔ مرد کی ضرورت عورت ہے اور عورت کے لیے مرد کی رفاقت ناگزیر ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے ادھورے سے رہتے ہیں۔ میں ویرا کے مشن اور جذبے کو اچھی طرح سمجھتا ہوں مگر وہ اپنے ادھورے پن کے احساس کا کیا مداوا کرسکتی ہے۔"

اول خان نے نہایت شائستگی سے وہ نازک سوال اٹھایا تھا۔ وہ ابتدا سے ہی ویرا کا مداح تھا۔ اس کے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا' ہر وقت اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا۔ خود ویرا بھی اپنی ذات میں اول خان کی اس مخلصانہ دلچسپی سے واقف تھی مگر اول خان کے اس سوال کا جواب ویرا کے پاس تھا نہ میں غزالہ کی موجودگی میں لب کشائی کرسکتا تھا۔ وہ جو کچھ تھا' محض اس وجہ سے تھا کہ ویرا شروع ہی سے مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ میرے دل کے نہاں خانوں میں اس کے لیے کبھی بھی حقیقی چاہت کے دیپ نہیں جل سکے تھے لیکن میں نے اسے ایک اچھی اور بے تکلف دوست کی طرح ہمیشہ عزیز رکھا تھا۔

ویرا کو سب کچھ معلوم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں غزالہ کی اداؤں کا اسیر ہوں۔ پھر بھی وہ مجھ سے مراسم بڑھاتی رہی۔ شاید اسے ناز تھا کہ اس کے قرب کے سحر میں مبتلا ہو کر میں غزالہ کو بھول جاؤں گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ ویرا کی غیر معمولی عنایتوں کے باوجود میرے دل و دماغ پر غزالہ کی ذات کا نقش ہلکا نہ ہوسکا۔ میری اس سرد مہری پر مشتعل ہو کر ویرا نے کم از کم دو مرتبہ میرے اور غزالہ کے درمیان فاصلوں کی طویل خلیج حائل کرنے کی سفاکانہ کوششیں کیں۔ ایک بار اسے اغوا کرکے انگلینڈ پہنچا دیا جہاں غزالہ نے اپنی ذہانت سے اس کے گرگوں کو ناک چنے چبوا دیے اور بچ نکلی۔

دوسری مرتبہ ویرا نے پھر وہی حربہ آزمایا اور غزالہ کو مشرق بعید کی طرف روانہ کردیا اور شاید وہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس کے آدمیوں کے ذریعے غزالہ کو مکاؤ کے ایک ڈان کی تحویل میں پہنچایا گیا اور جب میں ویرا کے آدمیوں کا پیچھا کرتا ہوا ڈان کے محل میں پہنچا تو وہاں ویرا کی بازی الٹ گئی۔

وہ موٹا ڈان خود کو انصاف کی توپ اور عقل کل سمجھتا تھا۔ اس نے میری کتھا سنی اور فیصلہ صادر کردیا کہ میری اور غزالہ کی شادی ہوئے بغیر وہ غزالہ کو رہا نہیں کرے گا۔ وہاں ایک مسلمان چینی مولوی نے ہم دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر ویرا کی ساری امیدوں پر اوس ڈال دی۔

ہم دونوں نے اپنی مرضی سے شادی نہیں کی تھی۔ وہ ڈان کوانگ فو کا جبر تھا جس نے ہمیں ایک رشتے میں پرو دیا تھا۔ ہماری واپسی پر ویرا نے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا۔ شاید دل ہی دل میں وہ غزالہ سے حسد کرتی ہو مگر اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا نہ ہی اس نے غزالہ کے خلاف کوئی کارروائی کی۔ اس کی ایک سادہ سی آرزو تھی کہ وہ میرے قریب رہنا چاہتی تھی۔

وہ فیصلہ صرف میرا نہیں تھا۔ غزالہ نے اس کی تائید کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اگر اپنے مخاصمانہ رویے سے تائب ہو کر ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی تھی تو ہمیں اس کو خوش آمدید کہنا چاہیے تھا۔

وہ دور تک پھیلی ہوئی ایک پرپیچ کہانی تھی جس میں کئی ناگفتنی مقام بھی آتے تھے۔ گاڑی میں غزالہ کے ہوتے ہوئے میں وہ سب اول خان کو نہیں بتا سکتا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں در آنے والے خیالات کی آندھیوں کو جھٹکتے ہوئے جواب دیا "یہ ٹیڑھا سوال ہے۔ اس کا جواب وہی دے سکتی ہے۔"

"شاید اس سوال کا جواب میں بھی جانتی ہوں" غزالہ نے اس نازک موضوع میں دخل انداز ہوکر مجھے حیران کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی "اس کی ماں مرگئی۔ باپ کو وائٹ ہاؤس میں قتل کردیا گیا۔ میں خود بھی ان تجربات سے گزر چکی ہوں اسی لیے ہمیشہ ویرا کو اس کی غلطیوں پر درگزر کرتی رہتی ہوں۔ اس سے ہر سایہ چھن چکا ہے۔ وہ ان کے قریب رہ کر خود کو بہت زیادہ محفوظ و مامون تصور کرتی ہے اور اسی لیے ہمارے ساتھ رہتی ہے۔"

غزالہ کا وہ جواب مسکت تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہورہا تھا کہ میں اس کی طرف سے سنگین خوش فہمی کا شکار تھا۔ وہ انجان ضرور بنی رہتی تھی مگر کسی بات سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے اپنی بات بہت مہذب اور محتاط پیرائے میں بیان کی تھی۔ کہیں میرے اور ویرا کے ناروا روابط کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ ویرا ہر قیمت پر میرے قریب رہنا چاہتی ہے۔ اول خان کا سوال جذبوں کی تسکین کے بارے میں تھا۔ غزالہ نے اس کا جواب تحفظ کے حوالے سے دیا تھا۔

"تم یہ جانتی ہو اور پھر بھی اسے برداشت کررہی ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں؟ اس میں کیا خرابی ہے؟" غزالہ نے جواب دینے کے بجائے سوال کرڈالا۔

"تت ... تم ڈینی کی بیوی ہو؟" اول خان اس کے اچانک سوال پر گڑبڑا گیا "کیا تمہیں برا نہیں لگتا کہ ایک آزاد خیال عورت تمہارے شوہر کو پسند کرتی ہے اور ہر قیمت پر اس کے قریب رہنا پسند کرتی ہے۔ میرے خیال میں تو یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔"

"کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے" غزالہ کے مضبوط لہجے نے میرے اوپر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

"منہ بولے بہن بھائی کی حد تک بھی بات ٹھیک ہے۔ اس سے آگے میری عقل کام نہیں کرتی۔ مجھے کہنا پڑے گا کہ تم بھی ویرا سے کم ناقابلِ فہم نہیں ہو۔"

"یہ فطرت کی بات ہوتی ہے اور ویرا تو ویسے ہی رشتوں کے مفہوم سے ناآشنا ہے۔ وہ اپنے کسی بھی پسندیدہ مرد کو اپنا بھائی نہیں بناسکتی۔ یہ اس کی سرشت کے خلاف ہوگا۔ وہ صرف دوست بن کر گزارہ کرسکتی ہے اور انہیں اپنا دوست کہتی ہے" غزالہ دھیرے دھیرے کھل رہی تھی۔ کسی تیسرے شخص کی موجودگی میں اس نے پہلی بار ویرا کے تذکرے میں حصہ لیا تھا اور میں یہ جان کر حیران ہوا جا رہا تھا کہ وہ ویرا کو کس حد تک سمجھتی تھی۔

"خیر... اگر وہ خوش ہے اور تم بھی اس کی موجودگی سے ناخوش نہیں ہو تو گاڑی ٹھیک چل رہی ہے" اول خان نے غزالہ کے پے درپے جوابات سے بوکھلا کر بات سمیٹ دی "مجھے کسی کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ویرا کے بارے میں ہم تینوں کے اپنے اپنے تحفظات تھے۔ میں اس کے بارے میں ایسے ایسے تجربات سے گزرا تھا کہ غیرضروری طور پر زبان کھولنے سے گریز کرتا تھا۔ غزالہ نے چند باتیں دہرا کر یہ واضح کردیا تھا کہ اس کے پاس عقابی مشاہدوں کا ایک خزانہ جمع تھا۔ وہ ویرا کی رگ رگ سے واقف معلوم ہوتی تھی۔ رہا اول خان تو اس کے ذہن میں نرا تجسس ہی تجسس بھرا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر کی گفتگو میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا کوئی سیدھا سا سوال کوئی بحران بھی پیدا کرسکتا تھا۔

بقیہ راستہ بھی باتیں کرتے ہوئے طے ہوا لیکن اس بار ویرا کا نام تک نہیں آیا تھا۔

لاؤنج کے سامنے گاڑیوں کی پارکنگ ممنوع تھی۔ صرف جانے والے مسافروں اور ان کے اسباب کو اتارنے کی اجازت تھی۔ ہمارے اترتے ہی ٹریفک کے سپاہی نے اول خان کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا کیونکہ پیچھے بھانت بھانت کی گاڑیاں چلی آرہی تھیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ٹریفک کا وہ معمولی سپاہی، اول خان کی لینڈرروور کی سج دھج سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس پر عام شہری نمبرپلیٹ تھی۔ سپاہی نے اسے کوئی رعایت نہیں دی۔

اول خان نے سپاہی سے ذرا سی مہلت طلب کی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر مجھے گلے سے لگایا، غزالہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

ہمارے فارغ ہوتے ہی پورٹر نے ٹرالی کو لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف دھکیلنا شروع کردیا۔

ہم چند قدم دور گئے ہوں گے کہ اچانک کہیں سے جہانگیر نمودار ہوگیا۔ وہ کچھ بولایا ہوا سا تھا۔ غزالہ کو سلام کرتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"مویشی چرنے جارہا ہے۔ اسے چراگاہ بھیجنے آیا ہوں" اس نے بائیں آنکھ دبا کے کہا "تم کہاں جارہے ہو؟ اور یہ تمہارا چہرہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟"

"کس مویشی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اس کا آخری سوال ان سنا کر دیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسافروں کی بھیڑ سے الگ ہو گیا۔

"وہی اپنی سلمیٰ خانم!" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اپنی قسمت میں کوئی اور کہاں ہے۔ بیٹے کی محبت زور مار رہی تھی۔ اب وہ دو تین ہفتوں کے لیے اپنے میکے جا رہی ہے۔"

میں نے غزالہ کو پورٹر کے ساتھ لاؤنج میں پہنچنے کا اشارہ کیا اور جہانگیر سے کہا "اب تمہارے مزے آجائیں گے۔"

"خاک مزے آئیں گے" اس نے منہ بنا کر مایوسی سے کہا "زندگی روکھی پھیکی اور بے کیف ہو جائے گی' گھر کاٹنے کو دوڑے گا۔"

"ہائیں؟ یہ تم کہہ رہے ہو۔ تم تو ہمیشہ اس سے بے زار رہتے ہو۔ اسے کوستے ہو' بد دعائیں دیتے ہو!"

"یار سمجھا کرو۔ وہ ہوتی ہے تو قدر نہیں ہوتی۔ چلی جاتی ہے تو سالی یاد آتی ہے۔ گھر میں ڈانٹنے ڈپٹنے کے لیے کوئی ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر زندگی کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ جب چاہو اور جتنی چاہو' پی لو۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوتا۔"

"بس اب دو تین ہفتوں تک عیش کرو۔ اسے بھی میکے میں رہ کر کچھ آرام ملے گا۔"

"خاک آرام ملے گا۔ ان پر سلمیٰ کی دو روٹیاں بھی بھاری پڑتی ہیں۔ ہمیشہ دو چار ہفتوں کی دھمکی دے کر جاتی ہے مگر تین چار دن میں لوٹ آتی ہے۔"

"تم سے ڈرتی ہے کہ کہیں تم اس کی لمبی غیر حاضری میں اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نہ بٹھا دو۔"

وہ ہنسنے لگا "اپنی ایسی قسمت کہاں۔ اللہ نے ایک ہی ایسی دی ہے جو چار پر بھاری ہے" پھر چونک کر پوچھا "تم کہاں ....لاہور جا رہے ہو؟"

"لاہور کے بجائے اب اسلام آباد چلا جاؤں گا۔ سلمیٰ کے ساتھ سفر سے ڈر لگتا ہے۔"

"تمہیں اس سے نہیں' غزالہ سے ڈرنا چاہیے۔ عورت کتنی ہی نازک اور خوبصورت ہو' بیوی بنتے ہی خونخوار ہو جاتی ہے۔ میرا مطلب تھا کہ ساڑھے پانچ والی پرواز سے جا رہے ہو تو سلمیٰ کا خیال رکھنا۔ وہ اکیلی سفر کر رہی ہے۔"

"یہاں سے تم نے اسے اندر بھیجا ہے۔ جہاز پر سیکڑوں مسافر ہوں گے۔ لاہور میں تمہارے سالے اسے وصول کر لیں گے۔ تمہیں اتنے چھوٹے سے سفر کے لیے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سلمیٰ ایک عاقل اور بالغ عورت ہے۔ اسے کوئی چرا کر نہیں لے جائے گا۔"

"تم نہ ملتے تب بھی وہ چلی جاتی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ جب چاہتے ہو' منہ اٹھا کر شہر سے کہیں بھی نکل جاتے ہو' تمہارا خون سفید ہو گیا ہے۔"

"اس بار غلطی معاف کر دو۔ آئندہ تم سے پوچھ کر جاؤں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کیوں اور کہاں جا رہے ہو؟" اس نے دوبارہ میرا ہاتھ تھام کر شکوہ کیا۔

"میں دوسرا ہنی مون منانے لاہور جا رہا ہوں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

اس نے زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "ہرگز نہیں۔ ویسے آئیڈیا اچھا ہے۔ پرانی بیوی کے ساتھ نیا ہنی مون! واہ!"

"آج کل اپنی آنکھیں کھلی رکھنا" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے قدرے دھیمی آواز میں کہا "آج کل میرے پرانے دشمن پھر میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم میرے گہرے دوست ہو۔ میری طرف سے مایوس ہو کر وہ تم پر کوئی وار کر سکتے ہیں۔ تمہیں ان کی طرف سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم اپنی غفلت یا حماقت کی وجہ سے کسی مشکل میں پھنس گئے تو کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔"

"تم ان چکروں پر لعنت بھیج کر کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کر لیتے۔ سکھ چین سے روزی ملتی رہے گی۔ میری بھی جان بچی رہے گی۔"

"جو ہو گیا سو ہو گیا۔ واپسی پر تمہارے اس مشورے کے بارے میں کچھ سوچوں گا۔"

میں نے اس سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا مگر وہ پھر اٹک گیا "ویرا تو یہیں کراچی میں رہے گی نا؟"

"وہ اکیلی نہیں ہے۔ سلطان شاہ بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اس پر منہ مارنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں دوستوں کے مال پر نظر نہیں رکھتا۔ بس اس سے ذرا سی دل لگی کر لیتا ہوں۔ اس وقت میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کسی گڑبڑ کے آثار نظر آئیں تو اسے فون کروں یا نہ کروں۔ وہ آخر اپنی پرانی بلیک کوئن ہے۔"

"جو چاہو' کر لینا۔ اب مجھے اجازت دو ورنہ پرواز نکل جائے گی۔" میں نے بے زاری سے کہا۔

اس نے پُرجوش معانقہ کر کے مجھے لاؤنج میں جانے کی

اجازت دے دی۔ غزالہ چیک ان کاؤنٹر سے الگ کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔

"یہ بدروح کی طرح یہاں کیوں منڈلاتا پھر رہا ہے؟" غزالہ نے اپنا ٹکٹ بھی مجھے تھماتے ہوئے پوچھا۔

"سلمٰی بھی اسی پرواز سے لاہور جا رہی ہے۔ نظر آجائے تو اس سے دور ہی رہنا۔"

وہ بڑے طیارے کی پرواز تھی اس لیے قطار میں کھڑے ہوئے مسافروں کی تعداد بھی زیادہ تھی لیکن بزنس کلاس کا ترجیحی کاؤنٹر خالی تھا۔ اکلوتا سوٹ کیس عملے کے حوالے کر کے میں نے بورڈنگ کارڈ حاصل کیے اور اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

تلاشی اور سیکیورٹی چیک کے مرحلے سے گزر کر ہم اس حصے میں داخل ہوئے جہاں مسافر طیارے کی طرف روانگی کے منتظر تھے۔ غزالہ نے دور ہی سے سلمٰی کو دیکھ لیا۔ وہ ایک اگلی نشست پر سکون سے بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی۔ ہم دونوں خاموشی سے فرسٹ کلاس لاؤنج کی طرف بڑھ گئے۔ سلمٰی اکنامی کلاس کی مسافر تھی۔ اس سے پرواز پر مڈبھیڑ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا۔ لاہور ائرپورٹ پر سامنا ہو جاتا تو اسے آسانی سے ٹالا جا سکتا تھا۔

ہم خاصی تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تھے اس لیے ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بورڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ ہم بھی جہاز پر پہنچ گئے۔ کچھ دیر بعد دروازے بند ہوئے، جہاز کے انجن چلائے گئے اور مزید کچھ دیر بعد کراچی سے ہمارا زمینی رابطہ ٹوٹ گیا۔ جہاز ڈھائی سو سے زائد مسافروں کو اپنے پیٹ میں سمیٹے، بلندی کی طرف اٹھتا جا رہا تھا۔

"جہانگیر کب تک خوف و ہراس کی زندگی گزارتا رہے گا؟" پرواز معمول پر آنے کے بعد غزالہ نے فکرمندی سے پوچھا "وہ آپ سے دوستی کی بہت بھاری قیمت ادا کر رہا ہے۔ بیٹے کے اغوا کے بعد سے وہ خوف زدہ ہے اور اسے ننھیال میں چھوڑا ہوا ہے۔ شاید سلمٰی اسی سے ملنے جا رہی ہوگی!"

"میری دانست میں اس بچے کی وہاں بہتر پرورش ہوگی۔ جہانگیر کی بری عادتوں کی وجہ سے بچے کا دور رہنا ہی بہتر ہے۔ یہاں آیا تو ہوش سنبھالنے تک بگڑ جائے گا۔"

"آپ نے شراب نوشی ہی ترک نہیں کی، اچھی بات یہ ہے کہ اب اس عادت کو بھی برا سمجھتے ہیں" غزالہ تعریفی لہجے میں بولی "شاید جہانگیر نے بھی یہ سوچ کر اپنے بیٹے کو اپنی سسرال میں چھوڑا ہوا ہے کہ اس کی موجودگی جہانگیر کی آزادیوں میں رکاوٹ بنے گی۔"

"یہ اس کے اپنے مسائل ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے، ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔ مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ ہے کہ میری وجہ سے اس کا شیر خوار بچہ اغوا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر اسے ماں باپ سے دور رہنا پڑ رہا ہے۔" میں نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"اگر یہ خطرہ ٹل جائے اور میرا خیال ہے کہ اب ایسا ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا تو جہانگیر کو اپنے بیٹے کو واپس بلانے کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔"

"میں اسے یہ مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔ فلیٹ میں رہتے ہوئے وہ اپنی بری عادات کو بچے سے پوشیدہ نہیں رکھ سکے گا۔ بچہ یہی سب دیکھ کر ہوش سنبھالے گا۔ کسی دن جہانگیر نے نشے کی حالت میں سلمٰی کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو بیٹا اپنے باپ کے مقابلے پر بھی آسکتا ہے۔"

"یہ ممکن ہے" غزالہ نے مجھ سے اتفاق کیا "اور اس کا الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ شاید جہانگیر کو ہوش آجائے۔ بچے کی محبت شراب کی طلب پر غالب آجائے اور وہ ہمیشہ کے لیے شراب پینے سے توبہ کر لے۔ اس کی زندگی سنور جائے گی۔"

"یہ ایک خوش فہمی ہو سکتی ہے۔ اس کا حقیقت میں ڈھلنے کا کوئی امکان نہیں ہے" میں نے پورے وثوق سے کہا "ایک نشے کی طلب ہوتی ہے۔ وقت ہو جائے اور شراب یا دوسرا مخصوص نشہ نہ ملے تو آدمی پر بیزاری طاری ہونے لگتی ہے، اعصاب چٹخنے لگتے ہیں، وہ چڑچڑا ہو جاتا ہے، بات بے بات پر اسے غصہ آنے لگتا ہے، ذہن ماؤف اور منتشر ہونے لگتا ہے اور آدمی ان تمام کیفیات سے چھٹکارا پانے کے لیے نشے کی اگلی خوراک لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ ڈرگ ایڈکشن کہلاتا ہے۔ دوسری طلب انسان کی اپنی خواہشات کے تابع ہوتی ہے۔ وہ پینا اور پی کر بہت کچھ بھول جانا یا فرضی تصورات میں کھو جانا چاہتا ہے۔ کسی ذہنی، جسمانی یا اعصابی طلب کے بغیر اسے مدہوش ہونے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ نشے میں حقائق سے فرار حاصل کرتا ہے۔ جہانگیر کا تعلق دوسری قسم سے ہے۔ وہ شراب نہیں چھوڑے گا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ کوئی ڈرگ اسکالر معلوم ہو رہے ہیں۔"

"نشہ بیچنے والا ہر شخص، موت کا ہر سوداگر ڈرگ اسکالر ہوتا ہے" غزالہ کے تبصرے سے میرے ذہن میں یکایک پرانی یادیں جاگ اٹھیں "یہ لوگ انسانی نفسیات سے واقف ہوتے ہیں۔ طلب اور رسد، دام اور منڈی۔ ہر چیز پر ان کی نگاہ رہتی ہے۔ مجھے یہ سب اس لیے معلوم ہے کہ میرے

ماضی کی جڑیں بھی اسی ماحول میں تھیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بہت کچھ کیا' دیکھا اور پھر سب چھوڑ دیا۔"

"ہم جہانگیر کی بات کر رہے تھے۔ آپ بھٹک کر نہ جانے کہاں پہنچ گئے۔" غزالہ نے منہ بنایا۔

"نشہ جہانگیر کو اپنی طرف نہیں بلاتا' جہانگیر نشے میں رہنا چاہتا ہے۔ بیٹے کے آجانے سے بھی اس کی یہ عادت نہیں بدلے گی۔"

"کیسی زندگی ہوگی اس بے چارے کی؟" ویرا نے ترحم آمیز لہجے میں کہا "ماں باپ زندہ ہیں' صحت مند اور باحیثیت ہیں مگر وہ ان کی شفقت اور نگہداشت سے محروم ہے۔ ایسے بچوں کی شخصیت کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔"

"مثال تمہارے سامنے ہے۔ راستے میں اول خان سے ویرا کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ ویرا سب کچھ ہے مگر ادھوری ہے کیونکہ اسے کبھی بھی باپ کا سایہ نہیں مل سکا.... اور پھر وہ بچے جنہیں ماں کی ممتا ملی اور نہ باپ کی محبت!" میں نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا آپ جہانگیر کو نہیں سمجھا سکتے؟" غزالہ نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"نہیں۔ جو شخص خود فریبی میں مبتلا ہو' کچھ نہ سمجھنا چاہے' اسے کون سمجھا سکتا ہے؟"

"آپ اس کے دوست ہیں۔ وہ آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے....." غزالہ اس کے بارے میں فکر مند ہوگئی تھی۔

"تم درست کہہ رہی ہو۔ وہ ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے۔ میں کوئی بہتر مشورہ دوں تو بلا حیل و حجت اسے مان لیتا ہے مگر شراب کے بارے میں وہ مجھ سمیت کسی کی نہیں سنتا اور نہ سنے گا۔ اسے بھول جاؤ۔ پرواز کا لطف برباد نہ کرو۔ دیکھو' یہ کیبن کس قدر خوبصورت ہے۔ موسیقی کیسی نرم اور سہانی ہے۔ کچن سے کیسی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ اب شاید مہمان داری کا آغاز ہونے والا ہے۔"

"آپ بہت چالاک ہیں۔ باتوں سے آدمی کو خوب بہلاتے ہیں۔" وہ مسکرانے لگی۔

میں نے کھڑکی سے جھانکنے کے بہانے اپنا کچھ بوجھ اس کے وجود پر منتقل کر دیا۔ کھڑکی سے باہر اور جہاز سے بہت نیچے شفق رنگ بادلوں کے پرے کے پرے تیرتے پھر رہے تھے اور غزالہ کے وجود کے حیات آفریں لمس کی مسحور کن مہک سے میرا ذہن ان بادلوں سے بہت اوپر اڑنے لگا تھا۔

کھانے پینے اور باتوں میں پتا ہی نہیں چلا کہ ڈیڑھ گھنٹا کیسے گزر گیا۔ جہاز کے کپتان نے پیجنگ سسٹم پر مسافروں کو لاہور کے موسم کا کچھ احوال بتایا' الوداع کہا اور پھر پرواز کی لینڈنگ کا اعلان کر دیا۔

جہاز سے باہر قدم رکھتے ہی طبیعت خوش ہوگئی کیونکہ لاہور کا موسم کراچی سے بہت بہتر تھا۔ رات اپنا ڈیرا ڈال چکی تھی۔ رن وے اور ایئرپورٹ کی عمارت دور تک روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ سیڑھیوں کے قریب کئی لمبی لمبی بسیں مسافروں کو ٹرمینل کی عمارت تک لے جانے کیلئے منتظر تھیں۔ فرسٹ اور بزنس کلاس کے مسافروں کے لیے اگلی سیڑھی کے ساتھ کوچز موجود تھیں۔

شاید جہاز کے کارگو ہولڈ میں سامان بار کرتے ہوئے خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ مہنگے درجوں کے مسافروں کا سامان دوسروں سے پہلے اتارا جا سکے۔ گردش کرتی ہوئی بیلٹ پر ذرا ہی دیر بعد ہمارا سوٹ کیس نظر آنے لگا۔ اس وقت تک سلمٰی کا کہیں پتا نہیں تھا۔

سوٹ کیس ٹرالی پر لدوانے کے بعد جوں ہی ہم باہر نکلے تو استقبالی ہجوم میں متعدد افراد پلے کارڈز لیے موجود تھے جن پر اردو یا انگریزی میں ان کے متوقع نام لکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ہوٹل کا پلاسٹک کا لمبا سا پلے کارڈ بلکہ پلاسٹک بورڈ بہت خوش نما تھا جس پر پلاسٹک سے تراشے ہوئے انگریزی حروف کو یکجا کر کے نام ترتیب دیے گئے تھے۔ اس تختی پر سات نام نظر آرہے تھے۔

میں نے وہ منظر سرسری انداز میں دیکھا اور ان لوگوں کے درمیان اپنا راستہ بنانا چاہا۔ اسی وقت غزالہ نے مجھے چونکا دیا۔ "پلاسٹک بورڈ پر چوتھا نام شاید آپ کا ہے۔" وہ میرا بازو دبا کر کہہ رہی تھی۔

میں نے اس تختی پر دوبارہ نظر ڈالی۔ مظہر خان جمع ایک کے الفاظ پڑھے اور مان لیا کہ غزالہ درست کہہ رہی تھی۔

ہم دونوں سے پہلے ایک اور شخص باوردی شوفر کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ وہ غیر ملکی تھا۔ اس شخص نے غور سے ہم دونوں کی طرف دیکھا' اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور زبردستی ہونٹ پھیلا دیے۔ میں نے اس کی تکلف آمیز ولایتی مسکراہٹ کا جواب دیسی مسکراہٹ سے دیا جو زندگی سے بھرپور اور ہلکی سی استہزائیہ تھی۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ اپنے خدوخال سے امریکی نظر آرہا تھا۔

پلے کارڈ پر ناموں کی تعداد زیادہ تھی۔ باوردی شوفر نے ہم تینوں کو اپنے ساتھی کے حوالے کر دیا۔

ہوٹل کے عملے کی پناہ میں پہنچنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہم پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیوروں اور ان کے ایجنٹوں کی یلغار سے بچ

گئے۔ ماضی میں' میں ان کے ساتھ کئی تلخ تجربات سے گزر چکا تھا مگر اندرون ملک سفر کرتے ہوئے ان تجربات سے مفر بھی ممکن نہیں تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کے سامنے پارکنگ لاٹ میں پی سی کی ایک کوسٹر موجود تھی جو ایک وقت میں دس سے زیادہ مسافروں اور ان کے سامان کو ہوٹل پہنچا سکتی تھی۔ جب ہمیں لانے والے نے ہمارے لیے ایک سیاہ سیڈان کار کے دروازے کھولے تو مجھے اندازہ ہوا کہ باوردی شوفر نے ہمیں کچھ زیادہ ہی وقعت دی تھی۔

"سر! آپ ادھر تشریف لے آئیں!" مجھے اور غزالہ کو پچھلی نشست پر بٹھانے کے بعد اس شخص نے سفید فام سے کہا۔

سفید فام کی پیشانی پر ناگواری کی علامات ابھر آئیں کیونکہ میزبان اسے کوسٹر کی طرف بلا رہا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ مکالمہ ہوا جو سیڈان کا دروازہ بند کیے جانے کے سبب میں نہ سن سکا۔ اس گورے کو کوسٹر میں بٹھا کر ڈرائیور واپس آیا اور اپنی نشست سنبھال کر اس نے گاڑی چلا دی۔

لاہور میں استقبال یا قیام کے بارے میں میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ پرل کانٹی نینٹل کے پلے کارڈ پر اپنا نام موجود دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ اپنے ساتھ ڈرائیور کے امتیازی سلوک کی وجہ سے وہ حیرت دوچند ہوگئی۔

"کیا یہ پرائیویٹ ٹیکسی ہے؟" گاڑی ائرپورٹ کے احاطے سے باہر نکل آنے پر میں نے پوچھا۔

"نہیں سر! یہ ہوٹل کی اسٹاف کار ہے" ڈرائیور نے ادب سے مختصر سا جواب دیا۔

"پھر اس گورے کو تم نے کوسٹر میں کیوں بٹھا دیا؟ اس گاڑی میں بھی جگہ تھی؟"

"اسٹاف کار وی آئی پی مہمانوں کے لیے ہوتی ہے سر!" ڈرائیور نے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی "اس گاڑی کے مسافروں کے لیے ہمیں ہوٹل سے خاص ہدایت ملتی ہے۔ دوسروں کو بٹھالیں تو جواب دینا پڑے گا۔ وہ گاڑی بھی ائرکنڈیشنڈ اور بہت آرام دہ ہے۔"

یہ عجیب اتفاق تھا کہ لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہمارا پہلا واسطہ ایک امریکی سے پڑا تھا۔ وہ یقینی طور پر دوران پرواز ہمارا ہم سفر رہا تھا لیکن ہم نے لاہور پہنچنے سے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ذہن کے ایک گوشے میں اس شبے نے سر ابھارا کہ کہیں وہ کراچی سے ہی ہمارے پیچھے نہ لگا ہوا ہو لیکن میں نے خود اس خیال کو مسترد کر دیا۔ لاہور ائرپورٹ سے باہر آنے تک خود ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے قیام کا پی سی میں بندوبست کیا جا چکا ہے تو کسی اور کو اس بارے میں کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ محض اتفاق تھا اور اس امریکی پر شبہ کرنا بے سود تھا۔

ہوٹل والوں کا ایک اپنا انتظام تھا۔ پورچ سے ہم اندر داخل ہوئے تو مہمان داری کے نگراں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کی میز کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر ایک وجیہہ اور نوجوان شخص بیٹھا ہوا تھا۔ نگراں نے جوں ہی مجھے مظہر خان کہہ کر مخاطب کیا' وہ شخص گرم جوشی سے میری طرف لپکا۔

"مجھے خالد احمد کہتے ہیں" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ مجھے کوئی شبہ نہ رہا کہ وہ سارا بندوبست اسی کا تھا اور وہی اسپیشل ٹاسک فورس کے لاہور یونٹ کا کمانڈر تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو نظرانداز کر کے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

وہ میری طرف سے پیش قدمی کا منتظر تھا۔ لاہوری انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کا داہنا ہاتھ میرے شانے پر سے اور بایاں ہاتھ پسلیوں پر سے ہوتا ہوا میرے جسم کے گرد جم چکا تھا۔ وہ اس کی طرف سے اپنائیت کا والہانہ اظہار تھا۔

"سر! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے کراچی سے پیغام ملا تھا کہ آپ آرہے ہیں" اس نے مجھ سے الگ ہو کر ادب سے غزالہ کو سلام کیا پھر مسرت سے سرشار لہجے میں بولنے لگا "ہوٹل میں آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔"

مجھے ہوٹل میں صرف ایک فارم پر دستخط کرنے پڑے۔ اس سے پہلے چابی آچکی تھی اور پورٹر نے ہمارا اکلوتا سوٹ کیس ٹرالی پر رکھ لیا تھا۔ ہوٹل کی لابی میں خالد سے زیادہ دیر تک بات نہیں کی جا سکتی تھی' میں نے اسے روکنے کے لیے اصرار کیا مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم کراچی سے وہاں پہنچے تھے' تھک گئے ہوں گے۔ اس لیے ہمیں آرام کی ضرورت تھی۔

وہ اگلی صبح دس بجے فون کر کے آنے کا وعدہ کر کے وہیں سے رخصت ہوگئے۔ ہم دونوں پورٹر کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ہوٹل کا کمرا حسب روایت کشادہ' روشن اور بہت آراستہ تھا۔ میں جاتے ہی مسہری پر گر گیا۔

"اوہ!" غزالہ کی مترنم ہنسی سے کمرے کے در و دیوار گنگنا اٹھے "آپ تو ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز سے واقعی تھک

گئے۔"

"خالد کا بھی کچھ نہ کچھ بھرم تو رکھنا ہے۔ مجھ سے زیادہ تم کو تھکا ہوا ہونا چاہیے" میں نے اسے بھی اپنے قریب بٹھالیا۔

"لاہور کا موسم آپ پر کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہو رہا ہے" غزالہ شوخی سے بولی۔

"کیوں نہ ہو.... یہ نور جہاں اور جہانگیر کی سرزمین ہے۔ رات گہری ہوگی تو موسم کا یہ خمار بھی بڑھ جائے گا۔ کراچی سے نکل آنے کے بعد میں خود کو بہت تروتازہ اور توانا محسوس کر رہا ہوں۔"

"تبدیلی ہمیشہ خوشگوار ہوتی ہے۔ اسی لیے مسافروں کا ہجوم دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ موسم اور ماحول کی تبدیلی کے لیے کراچی والے لاہور آتے ہیں۔ لاہور کے رہنے والے کراچی جاکر خود کو تروتازہ محسوس کرتے ہیں۔ جن کے پاس وقت اور وسائل ہیں، وہ باہر جاتے ہیں۔"

"ذرا کراچی فون کردو۔ ویرا اداس بیٹھی ہوئی ہوگی۔ تمہاری آواز سن کر بہل جائے گی۔"

"اس کے لیے میرے بجائے آپ کی آواز زیادہ اہم ہوگی۔ اس کی اداسی کو زیادہ افاقہ ہوگا۔"

موقع پاتے ہی وہ چوٹ کر گزری تھی۔ میں نے بے رحمی سے اس کے پہلو کو گدگدا دیا اور وہ ہنستی ہوئی مسہری پر لوٹ پوٹ ہوگئی۔

اس کی ہنسی تھمی تو میری ہدایت برقرار تھی۔ اسی کو کراچی کا نمبر ملانا پڑا۔

کارڈ پر مندرج نمبر ملا کر اس نے براہِ راست لائن لی اور پھر گھر کا نمبر ملالیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ اول خان سے مخاطب تھی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ اس وقت بھی ہمارے گھر پر موجود تھا۔ شاید وہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کے لیے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔

اس سے سفر کے بارے میں چند فقروں کے تبادلے کے بعد غزالہ نے ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"تم عظیم آدمی ہو" میں نے مسہری پر لیٹے لیٹے ریسیور اپنے کان سے لگا کر کہا "ان دونوں کا اتنا دھیان رکھو گے تو انہیں مہینوں بھی ہماری کمی محسوس نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ این کاویل سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کردے!"

"ابھی تم پاکستان میں ہو" اول خان نے مجھے یاد دلایا "یہاں اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی یہ بندوبست خالد کا ہے اور ہوٹل پی سی ہے۔ ہم فون پر کھل کر بات کرسکتے ہیں۔ میں ان کی دل جوئی سے زیادہ، اپنی پریشانی کے سبب یہاں رکا ہوں۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟" میں چونک کر بستر سے اٹھ گیا "وہ دونوں تو خیریت سے ہیں نا!"

"وہ دونوں بلکہ ہم تینوں خیریت سے ہیں" اول خان کی آواز مضمحل ہوگئی "بولٹن مارکیٹ پر ایک ٹائم بم ٹھیک چھ بجے پھٹا ہے۔ اسٹینڈ پر کھڑی ہوئی دو گاڑیوں کے پرخچے اڑ گئے۔ تین آدمی بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ بم ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب پھٹا جہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی۔"

وہ خبر سن کر میں لرز کر رہ گیا۔ شام کے چھ بجے بولٹن مارکیٹ کا سارا کاروباری اور دفتری علاقہ ہر طبقے کے لوگوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ٹھیلوں اور پتھاروں سے لے کر دکانوں تک میں ہجوم نظر آتا ہے۔ ایسے نازک وقت پر پھٹنے والے بم نے اگر تین افراد کو صرف زخمی کیا تھا تو وہ معجزہ ہی کہا جاسکتا تھا۔ میں نے ملول لہجے میں پوچھا "مجھے حیرت ہے کہ یہ واقعہ کراچی میں ہوا اور تم وہاں گھر پر بیٹھے ہوئے ہو۔"

"کراچی پاکستان کا دل ہے۔ یہاں بہت سی ایجنسیاں سرگرم رہتی ہیں۔ ہم وفاقی اور مقامی اداروں کے دائرہ کار میں داخل نہیں ہوتے۔ وہاں جانے سے مداخلت کا تاثر پیدا ہوگا۔ اس وجہ سے اپنے دل پر جبر کیے بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہیں خبریں تو مل رہی ہوں گی۔ یہ واقعہ کیسے ہوا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"ایسے واقعات بس اچانک رونما ہوتے ہیں۔ یہ جوگی والے واقعے کا جواب بھی ہوسکتا ہے۔"

"اسے کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے" میں نے اپنے حلق میں تلخی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"میمن گوٹھ والے واقعے کے بعد اسلام آباد میں دھماکا کیا گیا تھا۔ اب کراچی کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ واقعات یوں ہی چلتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ اس بار ایک مشتبہ شخص سامنے آیا ہے اور بہت بڑے علاقے کی ناکہ بندی کرکے اس کی تلاش کی جارہی ہے" اول خان نے بتایا۔

"وہ ہاتھ آجائے تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ ہم لوگ ایک ڈیڑھ بجے تک جاگتے رہیں گے۔"

"شرط یہی ہے کہ مجھے کچھ پتا چلے۔ بعض اوقات سرکاری ادارے بہت زیادہ رازداری سے کام لینے لگتے ہیں۔"

"یہ بھی مجبوری ہے.... لاہور میں تمہارا بندوبست بہت

شاندار تھا۔ خالد نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"کاش، تم دونوں مل کر کوئی کام کرسکو۔ تمہارے روانہ ہوجانے کے بعد مجھے خیال آیا تھا کہ تم لاہور میں کہاں رہو گے؟"

میں ہنس پڑا "ہم سب ایک دوسرے کا یوں خیال رکھتے ہیں جیسے ہمارے سوا سب ناسمجھ بچے ہوں۔ لاہور ایک ترقی پذیر شہر ہے۔ ہم آسانی سے کسی بھی ہوٹل میں قیام کرسکتے تھے۔ کہیں اب تم ہمارے کھانے پینے کا بندوبست بھی شروع نہ کردینا۔"

"میں نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ تمہارا ذہن غلط سمت میں کام کررہا تھا۔ اس وقت تمہارے لیے فائیو اسٹار ہوٹل ہی سب سے بہتر اور محفوظ ہے۔ فیملی اسٹینس رکھنے والے بہت سے ہوٹل جرائم کا گڑھ بنے ہوئے ہیں۔ لاہور سرحدی شہر ہے۔ وہاں بھارتی ایجنٹوں کی خفیہ آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔"

"تم یہ جانتے ہو پھر بھی اس کا کوئی سدباب نہیں ہوسکتا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر یہ معلوم ہو کہ کون بیرونی ایجنٹ یا دہشت گرد ہے تو مسئلہ اسی وقت نمٹ جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ واقعہ ہوجاتا ہے۔ حقائق بعد میں سامنے آتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ جعلی شناختی کارڈ پر مقامیوں والی مراعات سے فائدہ اٹھانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔"

"شاید یہ سب سے سنگین اور بنیادی سوال ہے" میں نے فکرمندی سے کہا "اسے نظرانداز کرکے غلطی کی جارہی ہے۔ افغان، ایرانی، بنگلہ دیشی... سب یہاں شناختی کارڈ بلکہ پاسپورٹ بنواکر عیش کررہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ جب تک یہ نظام درست نہیں ہوگا، امن وامان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ راوالوں کو پاکستانی بننے سے کون روک سکے گا۔ پاکستانی شناخت کو ہم نے خود بے توقیر کردیا ہے۔"

"اب اپنا خون نہ سلگاؤ۔ لاہور میں آرام کرو۔ کوئی اہم بات سامنے آئی تو میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

"آپ کراچی میں موجود ہوتے تو اسی وقت مشتبہ آدمی کا کھوج لگانے پر تل جاتے" اول خان سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سن کر غزالہ نے کہا "اسی وجہ سے اول خان کی خواہش تھی کہ آپ جلد ازجلد کراچی چھوڑدیں۔ یہاں سے آپ کچھ نہیں کرسکتے۔"

"میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ میری معلومات کے ذرائع محدود ہیں۔ بس کچھ لوگوں سے بروقت رابطے ہوجائیں تو کوئی نہ کوئی کام کی بات سامنے آجاتی ہے۔ اب اول خان خود اندھیرے میں ہے۔ میں کیا کرسکتا تھا۔ کراچی یا لاہور میں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

جوگیندر پال کی موت کے چوبیس گھنٹوں میں ہونے والا دھماکا ایک خاص سمت کی نشان دہی کررہا تھا۔ وہ بالکل وہی حکمتِ عملی تھی جو امریکیوں نے میمن گوٹھ کے نواح میں جمی اور ڈیوڈ کی موت پر اختیار کی تھی۔ انہوں نے اسلام آباد کو دھماکے کا نشانہ بنایا تھا، بھارتیوں نے کراچی کا جواب کراچی میں دیا تھا۔ شاید وہ امریکیوں کا مشورہ تھا۔ اپنے ملک میں پاکستان کے سفارتی عملے کو جوابی کارروائی کا نشانہ بناکر پیچیدگیوں میں اضافہ کرنے اور اپنے عالمی وقار کو مجروح کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ پاکستان ہی میں ابتری اور خوف وہراس کی فضا پیدا کی جائے۔

اگر بھارتی اور امریکی اس مشترکہ پالیسی پر عمل کررہے تھے تو وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔

کراچی سے ملنے والی اس خبر کے بعد میری طبیعت سے ساری بشاشت رخصت ہوچکی تھی۔ ہوٹل کے کمرے سے نکلنے پر طبیعت مائل نہیں تھی۔ دس بجے ہم نے کمرے میں ہی کھانا طلب کرلیا۔ کھانے کے دوران میں مجھے جلال کا خیال آیا۔

وہ انٹیلی جنس بیورو کا ایک اعلیٰ وفاقی افسر تھا اور اسلام آباد میں مامور تھا مگر اس کے ماتحت کراچی میں ہمیشہ فعال اور متحرک رہتے تھے۔ کراچی میں ہونے والے بم دھماکے کے سلسلے میں اسے تازہ ترین اطلاعات سے باخبر ہونا چاہیے تھا۔ میں نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم نے اس دھماکے کے محرکات کو سمجھ لیا ہوگا" میرے سوال کے جواب میں اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "یہ ان کی دیدہ دلیری اور کھلی دھمکی ہے کہ وہ ہمارے لیے مشکل مسائل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"سنا ہے کہ اس سلسلے میں کسی مشتبہ آدمی کی تلاش زوروشور سے جاری ہے۔"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ مجھ سے...." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کراچی میں نہیں، میں لاہور میں ہوں۔ سات بجے والی پرواز سے یہاں پہنچا ہوں۔"

”اوہو!“ اس کی بجھی ہوئی آواز میں تازگی عود کر آئی ”مجھے اپنا فون نمبر دو‘ پتا لکھواؤ۔ میں پہلی فرصت میں لاہور آ رہا ہوں۔ جو کھیل وہ کھیل رہے ہیں‘ وہی میرے دماغ میں بھی تھا۔ انہیں یہاں زک پہنچانے کے بجائے ان کے ملک میں مارا جائے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔ وہاں ہماری معقول نفری موجود ہے مگر ان کو مناسب رہنمائی نہیں مل رہی۔ یہ خلا تم پورا کر سکتے ہو۔“

”مجھے وہاں کا چیف سیکرٹ ایجنٹ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں میرے مزاج کا اندازہ ہے۔ چند ہفتوں بعد میرا وہاں رکنا خطرناک ہو جائے گا۔“

”ان چند ہفتوں میں تم کسی نہ کسی کو تیار کر لو گے۔ میں تمہیں جن تین آدمیوں کے نام دوں گا وہ سب دلیر اور تجربے کار ہیں۔ ملک کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے سرشار ہیں لیکن بھارتی سرزمین ان کے لیے اجنبی ہے۔ وہ وہاں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ کوئی بڑا فیصلہ کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں کوئی بھونچال آگیا تو وہ اسلام آباد کے عتاب کا شکار ہو جائیں گے۔“

میں نے زندگی میں کبھی افسری نہیں کی تھی لیکن زندگی کی پرخطر راہوں پر سفر کرتے ہوئے بہت کچھ سیکھا تھا۔ جلال کے آخری فقروں سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ان تینوں میں ہمت و حوصلے کی کمی تھی نہ قوت فیصلہ کا فقدان تھا۔ ان کے سامنے کوئی واضح پالیسی نہیں تھی۔

”تم چاہو تو میں انہیں ہٹ اینڈ رن کی تربیت دے سکتا ہوں“ میں نے جلال کو اپنے اخذ کیے ہوئے نتیجے سے آگاہ کیے بغیر کہا ”وہ اپنے دشمن کی گردن اتاریں گے اور جائے واردات سے غائب ہو جائیں گے... اپنا کوئی سراغ چھوڑے بغیر!“

”ایسی بے مقصد خوں ریزی ہماری پالیسی کا حصہ نہیں ہے۔“ اس کی طرف سے جواب آیا ”اس سے کشیدگی بڑھے گی۔“

”کیا اسلام آباد کے بازار اور کراچی کی بولٹن مارکیٹ کے علاقے میں ہونے والی دہشت گردی کو تم بے مقصد کہو گے؟“

”عام آدمی کے نزدیک یہ بے مقصد دہشت گردی ہے مگر متعلقہ فریق پیغام سمجھ گئے ہیں۔“

”بس‘ ان تینوں کو یہی بات سمجھانی ہو گی۔ عام حالات میں وہ صرف معلومات یکجا کرتے رہیں گے۔“ میں نے اس گفتگو کو وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ”تم نے مشتبہ آدمی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ کراچی میں اس بارے میں رازداری برتی جا رہی ہے۔“

”وہ کسی قسم کی نیم فوجی وردی میں تھا اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی‘ فروٹ کی خالی پیٹیوں میں گھسا ہوا تھا۔ اسے کئی آدمیوں نے دیکھا مگر یہ سمجھ کر نظرانداز کر دیا کہ وہ کوئی مناسب جائے پیشاب تلاش کر رہا ہو گا۔ دھماکا اسی مقام پر ہوا ہے۔“

”وہ کسی سیکیورٹی ایجنسی کا ملازم رہا ہو گا“ میں نے بے ساختہ کہا ”سب ہی اس قسم کی وردیاں استعمال کرتے ہیں۔“

”بڑے اداروں کے نچلے درجے کے ملازمین بھی وردیاں پہنتے ہیں۔ اب تک چار آدمی حراست میں لیے جا چکے ہیں۔ جلد ہی اس مشق کا کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اب تمہارے چہرے کا کیا حال ہے؟ سفر پر کب روانہ ہو رہے ہو؟“

”بتدریج بہتری آ رہی ہے۔ شاید تین چار دن لگ جائیں۔ یہ وقت میں ہوٹلوں میں گزارنا پسند کروں گا۔ تم نے جعلی شناختی کارڈز کے بارے میں سنا ہو گا۔ سرحد پار سے آنے والے آسانی سے ہم لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں اور کسی کو شبہ تک نہیں ہوتا۔“

”یہ چھوٹے موٹے مسائل مقامی پولیس کے لیے رہنے دو۔ ان پر اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔“

میرے لیے اس کا جواب قابل قبول نہیں تھا مگر میں نے بحث سے گریز کیا۔ بات وہیں ختم کر دی۔ ضروری نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا‘ اس کے بڑے بھی وہی سوچتے ہوں۔ ایک ذمے دار سرکاری افسر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گوشت پوست کا بنا ہوا عام انسان بھی تھا۔ اپنی رائے قائم کرنے میں وہ چوک سکتا تھا۔ ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اس نے جلد ہی لاہور آنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

وہ دن کسی نئی خبر کے بغیر ختم ہو گیا۔ ٹیلی وژن کے مختصر خبرنامے میں کراچی کے نئے سانحے کی فلم دیکھنے کے بعد ہی مسہری پر دراز ہو گیا۔

اگلے دن ہم ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد تیاری کے مراحل سے گزر رہے تھے کہ خالد کا فون آگیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ اسے غزالہ کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس خوبو کی مالک ہے۔ شاید اول خان نے بھی اسے اس بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میری بیوی ہے۔ وہ غزالہ کی دیکھ بھال اور تفریح کے لیے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ

ہوٹل لا رہا تھا۔
اس کا پروگرام یہ تھا کہ اس کی بیوی غزالہ کو لے کر لاہور کے بازاروں کی طرف نکل جائے گی اور وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے دفتر لے جائے گا۔ اس نے وہ پروگرام اتنے پرخلوص لہجے میں سنایا کہ میں اس سے اختلاف نہ کرسکا اور وہ اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ہوٹل آگیا۔ اس نے نیچے سے انٹرکام پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں غزالہ کے ساتھ کمرے سے نکل کھڑا ہوا۔
"عورتوں کو بازاروں کی سیر کا بہت شوق ہوتا ہے۔ میرے بہانے وہ اپنا شوق پورا کرے گی اور مجھے تھکا ڈالے گی" غزالہ نے راہ داری میں کہا۔
"مجبوری ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "تم بھی ایک عورت ہو۔ یہ تمہاری غلطی ہے کہ تمہیں بازاروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"مجھے بس انارکلی کا بازار دیکھنے کا شوق ہے۔ اس کی بہت تعریف سنی ہے۔"
"انارکلی پرانے لاہور کا مرکزی بازار ہے۔ شہر کے نئے علاقوں میں کھلنے والے جدید بازاروں کی بھی کافی شہرت ہے" میں نے اسے سمجھایا "آج کی سزا بھگت لو۔ میں خالد کو سمجھادوں گا۔ شاید کل تم اپنی مرضی سے دن گزار سکو۔"
"بازار جانے سے بہتر تھا کہ میں سلمیٰ کے پاس چلی جاتی" غزالہ نے حسرت سے کہا "وہ مجھے اچانک اپنے میکے میں پاکر حیران ہوجاتی۔ پتا نہیں آپ نے اسے کیوں نظرانداز کردیا۔ جہاز پر اس سے فون نمبر اور پتا ہی لے لیا ہوتا تو آڑے وقت میں اس کا سہارا لیا جاسکتا تھا۔"
غزالہ کو وہ خیال اس وقت آیا تھا۔ لاہور میں ائرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلنے تک سلمیٰ کی وہ افادیت ہم دونوں پر ظاہر نہیں ہوسکی تھی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہم لاہور میں اپنی مرضی سے وقت گزار سکیں گے جس کے لیے ہمیں کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر اول خان نے خالد احمد کو ہماری مہمان داری پر مامور کرکے ہمیشہ بیشتر آزادیاں سلب کرلی تھیں۔
نیچے خالد اپنی بیوی کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔ اس کی بیوی گوری چٹی، سبک اندام اور خوش رو تھی۔ خوبصورتی کے معیار پر وہ پوری نہیں اترتی تھی۔ اس جوڑے نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ خالد نے ہمیں اپنی بیوی سے تعارف کروانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہ فوراً ہی ہوٹل سے روانگی کے موڈ میں تھا لیکن میں نے لابی میں پڑے ہوئے صوفوں کی طرف پیشوائی کی تو وہ دونوں انکار نہیں کرسکے۔
باہمی مفاہمت کے لیے باتیں ضروری تھی۔ اسی طرح خالد کی بیوی کا مزاج سمجھ میں آسکتا تھا۔ باتوں کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے چائے طلب کرلی۔ اس دوران میں خالد کی بیوی غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوچکی تھی۔
"دفتر کی گاڑی ہمارے پیچھے پیچھے آئی ہے۔ ہم اس میں اسٹیشن تھری جائیں گے۔ فرزانہ، بیگم صاحبہ کو بازار وغیرہ لے جائے گی۔ تین بجے تک ہم چاروں واپس یہیں لوٹ آئیں گے۔" خالد پورا پروگرام طے کرکے آیا تھا۔
"میری بیوی ذرا بدذوق ہے" میں نے خالد کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہا "اس کے زیادہ تر شوق مردانہ ہیں۔ مارشل آرٹس کی شدبد رکھتی ہے اور خاصی ماردھاڑ کرلیتی ہے۔ اسے بازار لے جانا گھوڑے کو گوشت کھلانے کی کوشش کے مترادف ثابت ہوگا۔"
"آج یوں ہی چلنے دیں" خالد ہنستے ہوئے بولا "کل کے لیے کچھ اور سوچیں گے۔ آپ کی دی ہوئی مثال نئی اور انوکھی ہے۔ پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی۔ آپ کے ساتھ چند دن گزار کر شاید میری اردو بہتر ہوجائے گی۔"
"اس مثال کا اردو سے دور دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہ میری اپنی اختراع ہے۔ مدعا ظاہر کرنے کے لیے، جو کچھ ذہن میں آتا ہے بول دینا چاہیے۔ کسی نقاد نے تمہاری زبان سے یہ فقرہ سن لیا تو تمہیں بدزبان قرار دے دے گا۔" میں نے عمر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بے تکلفی سے مخاطب کیا تھا۔
میں نے دو باتیں فوری طور پر محسوس کیں۔ اول خان کی طرح خالد تفکرات میں نہیں گھرا ہوا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس کے پہناوے سے قدرے خوش حالی جھلک رہی تھی۔ فرزانہ عورت تھی اس لیے میں نے اس کے مہنگے لباس کو نظرانداز کردیا تھا۔ اسے اہمیت دی جاتی تو ان دونوں کو خاصا آسودہ حال قرار دیا جاسکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس ٹی ایف کے افسران کی یافت اتنی نہیں تھی کہ وہ متوسط طبقے سے اوپر جاسکیں۔
لابی میں بیٹھنے والوں کے لیے چائے وغیرہ کی سروس بہت مستعد تھی۔ ذرا سی دیر میں چائے آگئی۔ وہاں آس پاس دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ خالد نے ایک بار بھی میرا اصل نام نہیں لیا۔ مجھے مظہر صاحب اور غزالہ کو بیگم صاحبہ کہہ کر مخاطب کرتا رہا۔
چائے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں نے اپنی

جگہیں چھوڑ دیں۔ خالد اپنی رفتار تیز کر کے اپنی بیوی کے ساتھ ہولیا۔ غزالہ کے قدم سست ہو گئے۔ اس نے بھانپ لیا کہ خالد اپنی بیوی کو کچھ ہدایات دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''آج جہانگیر کو فون کر کے سلمٰی کا فون نمبر لے لیں گے۔''

غزالہ نے میرے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے کہا۔

''اس کا انحصار آج کے تجربے پر ہوگا۔ سلمٰی کو چھیڑا گیا تو وہ ہوٹل بھی پہنچ جائے گی۔ اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔''

ہم ہوٹل سے باہر آئے تو دونوں گاڑیاں پورچ میں موجود تھیں۔ فرزانہ نے اپنی سفید گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ خالد نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پورے احترام سے غزالہ کو بٹھایا اور ہم نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ ایس ٹی ایف کی لینڈ کروزر میں ڈرائیور موجود تھا۔ ہم دونوں اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے اور گاڑی غراتی ہوئی، ہوٹل کے احاطے سے نکل کر مال روڈ پر آ گئی۔

مال روڈ سے پل عبور کرتے ہی بائیں جانب فورٹریس اسٹیڈیم نظر آ رہا تھا اور ہم چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ آگے جا کر گاڑی درختوں کے گھنے سائے میں پھیلی ہوئی چکنی سڑک پر داہنی طرف مڑ گئی۔ ہم دونوں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھے۔

اسٹیشن تھری چھاؤنی کی حدود میں ایک دور افتادہ، عقبی ویرانے میں واقع تھا۔ وہاں کا ڈسپلن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ نام اور مقام بدلا ہوا تھا ورنہ سب کچھ وہی تھا جو میں ایک مدت سے اسٹیشن فور پر دیکھتا آ رہا تھا۔

میدان کے آخری سرے پر بنی ہوئی لمبی سی بیرک کے سامنے گاڑی روک دی گئی۔ اپنے ماتحتوں کے فوجی سلام کا جواب دیتا ہوا، خالد اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ میرے لیے یہ احساس تقویت کا باعث تھا کہ لاہور میں بھی مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کا تعاون حاصل تھا۔

''سر!'' دفتر میں پہنچنے کے بعد خالد تیزی سے میری طرف گھوما ''یہ میرا دفتر ہے۔ یہاں آ کر آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ ہوٹل اور گاڑی میں، میں نے اپنی زبان بند رکھی کیونکہ آپ کی شخصیت کو فورس کے اسٹاف سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟''

''اپنی کرسی پر بیٹھو!'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''جو بات پوشیدہ رکھنا چاہ رہے ہو، وہ اسی وقت تک چھپی رہے گی۔ جب تک میرے ساتھ تمہارا رویہ نارمل رہے گا۔ اس میں تبدیلی سرگوشیوں کو جنم دے گی۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میز کے پیچھے پڑی ہوئی بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے مقابل دوسری کرسی سنبھال لی۔

وہ میری تواضع کا خواہاں تھا مگر میں ناشتے کے بعد ہوٹل سے چائے پی کر چلا تھا۔ میں نے سختی سے اسے روک دیا۔

''سر! آج کل....'' اس نے اپنی بات شروع کی تھی کہ میں نے اسے ٹوک دیا۔

''سر نہیں، مظہر.... تم نے آپ جناب کا سلسلہ جاری رکھا تو بات پھیلے گی۔''

''بہت مشکل کام ہے'' وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا ''مگر تم درست کہہ رہے ہو۔ نظریہ ضرورت آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ آج کل لاہور کے حالات بہت بہتر ہیں مگر ہم ایک مدت سے ایک مسئلے سے دوچار ہیں۔ ایفم سے ہیروئن بنانے کے لیے ایک کیمیکل استعمال ہوتا ہے جو بھاری مقدار میں بھارت سے اسمگل ہو کر یہاں آتا ہے اور خیبر کے پار تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔''

''اسمگلنگ کی روک تھام کے لیے کئی ادارے کام کرتے ہیں۔ اس بارے میں انہیں فکر مند ہونا چاہیے۔''

''سب فکر مند ہیں۔ کئی چھوٹے موٹے اسمگلر پکڑے گئے ہیں۔ اس سے اجارہ داری قائم ہو گئی ہے۔ کیمیکل کی مارکیٹ وہی ہے، ڈیمانڈ بھی برقرار ہے۔ پہلے کئی ذرائع اسے پورا کرتے تھے۔ اب صرف ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور وہ ہر نگاہ سے اوجھل ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کیسے ہو رہا ہے۔''

مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا کہ اسٹیشن تھری والے اسمگلنگ جیسے ایک عام مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں جب کہ ان کے لیے ملکی سلامتی کے دوسرے معاملات بھی یقیناً موجود رہے ہوں گے لیکن پھر میں نے اپنی رائے بدل دی۔ اگر خالد اس بارے میں تشویش میں مبتلا تھا تو وہ یقیناً کوئی سنگین مسئلہ تھا۔ ہیروئن پورے پاکستان کے لیے ایک بھیانک لعنت تھی۔ وہ باہر ضرور بھیجی جا رہی تھی لیکن ساتھ ساتھ گزرگاہوں پر بھی فروغ پا رہی تھی۔ اگر اس پر براہِ راست قابو پانا دشوار تھا تو اس کی تیاری میں استعمال ہونے والے بنیادی کیمیکل کی آمد روک کر اس فتنے پر قابو پایا جا سکتا تھا۔

''پکڑے جانے والے اس بارے میں کیا بتاتے ہیں؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''تین چار برس پہلے تک بھاری نفع دینے والا یہ کاروبار ان ہی چند لوگوں کے قبضے میں تھا۔ پھر بہت تیزی سے ان کا

کام سکڑتا چلا گیا۔ ہیروئن پر کوئی زوال نہیں آیا تھا۔ وہ اسی پیمانے پر تیار کی جا رہی تھی۔ انہوں نے کھوج لگایا تو پتا چلا کہ ان کا کوئی پراسرار حریف پیدا ہوچکا تھا جو براہِ راست سرحدوں پر کیمیکل پہنچا رہا تھا۔"

"تم اس طرف کیوں متوجہ ہوئے؟ یہ سوال مجھے مسلسل پریشان کر رہا ہے" میں نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"ہیروئن لاہور میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ کئی نامور تعلیمی اداروں میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیاں ہیروئن پیتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ تعلیمی اداروں اور طلبا و طالبات کے معزز گھرانوں کی بدنامی کے خوف سے یہ خبریں دبادی جاتی ہیں۔ جب کوئی نشہ غریب اور مزدور پیشہ طبقے سے نکل کر پڑھے لکھے لوگوں میں اس طرح مقبول ہونے لگے تو وہ قوم کی رگوں میں سرایت کرنے لگتا ہے۔ اس ہولناک وبا نے ب... کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ ہم کب تک اپنی آنکھیں بند رکھ سکتے تھے۔"

"تم پہلے سے ان معاملات کی طرف متوجہ نہیں تھے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری سوچ بھی وہی تھی جو پہلے تم نے بیان کی ہے۔ اسمگلنگ اور چوری چکاری ہمارے شعبے نہیں ہیں۔ بعض ادارے دن رات ان ہی کے انسداد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کے کام میں مخل نہیں ہونا چاہیے مگر وہ ناکام رہے۔ وبائی لہر بڑھتی چلی گئی۔ آج لاہور کے باغات میں پارکوں میں ہزاروں میلے کچیلے اور گندے نوجوان اس نشے میں بے خبر پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں جاہلوں سے زیادہ پڑھے لکھے بچے ہیں۔ بے یار و مددگار لوگوں سے زیادہ تعداد متوسط طبقے کی ہے۔ بعض کا تعلق آسودہ گھرانوں سے ہے۔ ہم ایک سرحدی شہر میں رہ رہے ہیں۔ میرے آدمی دشمن کے ایجنٹوں کی گھات میں دن رات ایسے ٹھکانوں کا طواف کرتے رہتے ہیں جہاں کوئی بھی روپ دھار کر آسانی سے خود کو چھپا سکے۔ ان کی ہوش ربا رپورٹوں سے پریشان ہو کر میں نے تین مہینے پہلے اس کام کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن ابھی تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی۔"

مجھے معترف ہونا پڑا کہ وہ صحیح سمت میں کام کر رہا تھا۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہ اس راہ پر نہ لگتا تو اپنے فرض سے روگردانی کا مرتکب ہوتا۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیمیکل بھارت سے آتا ہے تو لاہور میں اس کے مضافات سے ضرور گزرتا ہوگا۔ پھر وہ اچانک سرحدی علاقے میں کیسے پہنچ جاتا ہے۔ راستہ بہت طویل ہے۔ صحیح دیکھ بھال کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ضرور پکڑا جائے گا۔ اس کام میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو رہی ہے۔"

"مجھے خود اعتراف ہے کہ کہیں کوتاہی ہو رہی ہے۔ مگر کہاں؟ ہم یہ اندازہ لگانے سے قاصر ہیں" اس نے بے بسی سے کہا "اچانک چیک پوسٹیں قائم کرکے شمال کی طرف جانے والا سو فیصد کارگو چیک کیا گیا ہے۔ جی ٹی روڈ پر ٹرکوں اور ٹینکروں کی لمبی لمبی قطاریں لگ گئیں مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔"

"جی ٹی روڈ کے بجائے وہ کوئی متبادل راستہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس امکان پر بھی کام ہو چکا ہے۔ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا" خالد کی آواز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے" میں نے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا "اب مجھے بھی اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔"

"میرے لیے تمہاری یہ یقین دہانی کافی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم سوچتے ہو تو تمہارا ذہن بالکل نئی راہوں پر کام کرنے لگتا ہے۔"

"یہ مبالغہ ہے۔ کامیابیاں جس کو بھی ملتی ہیں، قدرت کی مہربانی سے ملتی ہیں۔ اس میں کوشش کا دخل کم ہوتا ہے۔"

اس نے مجھے اسٹیشن تھری کی کارکردگی اور کامیابیوں کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ اس کی گفتگو میں کہیں بھی ذاتی نمود و نمائش کا دخل نہیں تھا۔ وہ جو کچھ بتا رہا تھا، جمع متکلم کے صیغے میں بتا رہا تھا۔ ایس ٹی ایف ہر قسم کے ریکارڈ سے ماورا، ایک غیر روایتی فورس تھی اس لیے خالد کے پاس کوئی ریکارڈ تھا نہ چارٹ یا گراف جو کچھ تھا، اس کے سینے میں محفوظ تھا اور زبان پر چلا آرہا تھا۔

اس نے مجھے پورے کیمپ کی سیر کرانے کی پیشکش کی جسے میں نے نرمی سے رد کردیا۔ میں پورے کیمپ میں گھومنا شروع کرتا تو فورس کے سارے کارندوں میں تجسس کی لہر دوڑ جاتی کہ ان کا کیمپ کمانڈر کسے ہر شعبے کا معائنہ کرا رہا تھا۔ ان لوگوں کا وہ تجسس میرے لیے سودمند نہیں تھا۔ میں نے بس اس کے اسلحہ خانے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان کی جمع کی ہوئی اشیا سے ملنے والی انگوٹھیوں کی طرح مجھے خالد کے اسلحہ خانے سے بھی کچھ ایسے شعبدے مل جائیں گے جو بھارت کے سفر میں میرے کام آسکیں گے مگر وہاں روایتی ہتھیاروں کے سوا کوئی غیر معمولی چیز موجود نہیں

تھی۔
مجھ سے تفصیلی گفتگو اور میرے رویے کے مشاہدے کے بعد خالد نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی تھی کہ اس کی طرف سے دیا جانے والا کوئی بھی غیر معمولی پروٹوکول میرے لیے دشواریوں کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس نے مجھے اور غزالہ کو ایس ٹی ایف کے مہمان کا درجہ دے کر ہوٹل میں ہماری رہائش کا بندوبست کردیا تھا۔

میں نے اس کے دفتر سے اول خان کو فون کیا تو وہ اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ اس وقت سی ایس ڈی میرے ساتھ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون کے ساتھ اسے استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جب میں ہوٹل کے فون سے جلال سے کھلی کھلی باتیں کرسکتا تھا تو اسٹیشن تھری سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"کچھ پتا نہیں چل رہا" میرے استفسار پر اول خان نے جواب دیا "میں جو کچھ تمہیں بتا چکا ہوں' میری معلومات وہیں تک محدود ہیں۔ شاید اوپر سے کچھ احکام آئے ہیں۔ اس معاملے کو ٹاپ سیکرٹ رکھا جارہا ہے" بات شروع ہوتے ہی خالد دفتر سے باہر جاچکا تھا۔

"اس بارے میں تم نے جلال سے کوئی بات کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تم سے بے تکلف ہے۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ہروقت کسی نہ کسی چکر میں الجھا رہتا ہے۔"

"میری اس سے رات کو بات ہوئی تھی' چار آدمی حراست میں لیے جاچکے تھے۔ ان لوگوں کو ایک مشتبہ باوردی شخص کی تلاش ہے۔"

اول خان کی بے جان سی ہنسی کی آواز آئی "اب دیکھ لو۔ تم لاہور جاکر بھی باخبر ہو۔ میں کراچی میں بیٹھا ہوا ہوں اور یہاں ہونے والی پیش رفت سے بے خبر ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ جلال اسے کوئی کام کی بات معلوم ہوسکے گی۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ اندازے کی غلطی کسی سے بھی ہوسکتی ہے" میں نے اسے دلاسا دیا۔

میرا جواب سن کر وہ جھلا گیا۔ میں نے اس سے گفتگو کو زیادہ طول نہیں دیا اور بات ختم کرکے خود بھی خالد کے دفتر سے باہر آگیا۔ وہ برابر والے کمرے میں شاید میرے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔ فوراً مجھ سے آملا۔

دو بجے میں اسٹیشن تھری سے روانہ ہوگیا۔ اس مرتبہ خالد کا ڈرائیور' اس کی دفتری گاڑی میں مجھے ہوٹل لے جارہا تھا۔

چابی کی بورڈ پر موجود تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ غزالہ اور فرزانہ کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ ہوٹل واپسی کے لیے تین بجے کا تعین کیا گیا تھا۔ فرزانہ وقت پورا ہونے سے پہلے غزالہ کی جان چھوڑنے والی نظر نہیں آتی تھی۔

چابی کے ساتھ پیغام کی ایک سلپ بھی منسلک تھی۔ اس پر جلال کے نام کے نیچے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ فون نمبر کے ساتھ کوئی کوڈ نہیں تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ لاہور پہنچ چکا تھا اور یقینی طور پر خود ہوٹل آیا تھا۔ میں کاؤنٹر سے چابی لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے بیلٹ ڈھیلی کی' پتلون میں اڑسی ہوئی قمیص باہر نکالی' جوتوں اور موزوں سے نجات حاصل کی اور مسہری پر بیٹھ کر جلال کا چھوڑا ہوا نمبر ملالیا۔

وہ کسی دفتر کا فون نمبر تھا۔ اس وقت جلال وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے مظہر خان کے نام سے پیغام چھوڑ دیا۔ اسے یاد ہونا چاہیے تھا کہ میں اپنی سفری ضروریات کے تحت اپنا نام تبدیل کرچکا تھا۔ نام یاد نہ ہوتا تو وہ ہوٹل میں میرے لیے پیغام نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

غزالہ ساڑھے تین بجے تھکی ہاری اور خالی ہاتھ واپس آئی۔ اس نے فرزانہ کو بمشکل نیچے سے رخصت کیا تھا۔ کاؤنٹر پر کمرے کی چابی نہ پاکر ان دونوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں کمرے میں واپس پہنچ چکا تھا۔ میری موجوگی کی بناپر فرزانہ کمرے تک آنے کے لیے زیادہ اصرار نہیں کرسکی تھی۔

"حیرت ہے کہ بازار میں سارا دن گزارنے کے بعد تم بالکل خالی ہاتھ واپس آئی ہو۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"میرا دماغ خراب ہوگیا۔ پورے شہر میں بازار ہی بازار پھیلے ہوئے ہیں۔ دبئی سے کراچی پہنچنے والی شاپنگ مالز اور پلازوں کی وبا لاہور میں بھی عروج پر ہے۔ ہر جگہ تماشائی بے شمار ہیں اور خریدار نایاب۔ جو پھنس جاتا ہے' دکان کا سارا خرچ اسی سے وصول کرلیا جاتا ہے۔ بلا کی مہنگائی ہے یہاں!" غزالہ بیٹھ گئی۔

"تمہیں کچھ خریدنا ہی نہیں تھا تو سستے اور مہنگے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل شوق فرزانہ کا تھا۔ تمہارے بہانے اس نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی۔"

"اس نے انارکلی سے صرف ایک دوپٹا لیا۔ وہ پورے خلوص سے مجھے لاہور کے بازار دکھاتی پھر رہی تھی۔"

"بن سنور کر آئی تھی۔ خاصی فیشن ایبل عورت ہے

اور اس نے صرف دوپٹا لیا؟"

"وہ بہت سیدھی اور پر خلوص عورت ہے۔ دونوں میاں بیوی ہم سے ملنے کے لیے بن سنور کر آئے تھے۔ آمدنی محدود اور حسرتیں لامحدود ہیں۔ وہ ذرا بھی تیزی اور طراری دکھاتی تو میں اسے کسی اسٹور میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کر خاموشی سے ہوٹل لوٹ آتی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اسے پرکھ لیا۔ خالد' اول خان کا ہم منصب ہے لیکن عمر میں اس سے بہت چھوٹا ہے۔ مجھے الجھن ہو رہی تھی کہ اس کا معیار زندگی اتنا بلند کیسے ہے۔ ذہن میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ تم نے میرے ذہن سے یہ بوجھ اتار دیا۔"

"میں ہمیشہ آپ کے لیے آسانیاں تلاش کرتی رہتی ہوں۔" وہ مسکرا دی "خالد سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟"

"میں این جی اوز کے خلاف کچھ کام کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ وہ ہیروئن کے چکر میں پریشان ہے۔"

"ہیروئن؟ ایس ٹی ایف والے کب سے اینٹی نارکوٹکس فورس میں شامل ہو گئے؟"

میں نے اسے اختصار کے ساتھ خالد کا مسئلہ سمجھا دیا۔

وہ تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولی "ان حالات میں اس کی پریشانی بجا ہے۔ میں سوچ کر آئی تھی کہ آپ کو ہیومن سوسائٹی کے بارے میں بتاؤں گی۔ آج فرزانہ نے مجھے آدھا لاہور گھمایا ہے۔ ہر طرف ان کے بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔"

"یہ ہیومن سوسائٹی کیا بلا ہے۔" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"چلتی ہوئی گاڑی سے میں جلی سرخیاں پڑھنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ عطیات کی اپیلوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی فلاحی تنظیم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی این جی او ہی ہو۔ اس پر کچھ کام کیا جا سکتا تھا لیکن اب یہ قصہ ہی ختم ہو گیا۔ ایس ٹی ایف کو کیمیکل کے اسمگلروں کی تلاش ہے۔"

"یہ بہت اہم کام ہے۔" میں نے کہا "ناخواندہ اور نیم خواندہ قبائلی ہیروئن کو کاروبار اور افیم کی پیداوار کو زراعت کا درجہ دیتے ہیں۔ اگر افیم کی کاشت کو ختم کرنا ممکن نہیں تو پھر اسے افیم تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ کیمیکل کی سپلائی لائن کاٹ دی جائے تو افیم کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کا عمل تھم جائے گا۔"

"بھارت سے راستہ بند ہو گا تو مغربی کمپنیاں اپنا کیمیکل بیچیں گی۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ اس سے ہیروئن بن رہی ہے یا کوئی اور کام لیا جا رہا ہے۔ ایٹمی پرزوں کی فروخت کے قضیے میں یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ ایک پرزے کے دس استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایٹمی استعمال بھی ہے۔ بیچنے والے کو سب معلوم ہوتا ہے لیکن بات عدالت تک جا پہنچے تو بیچنے والا انجان بن جاتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ خریدار وہ پرزے کہاں استعمال کرے گا۔ آزاد معیشت میں زہر سے تریاق تک' سب کچھ بیچنے اور خریدنے کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے۔"

"ماشاء اللہ!" میں نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "چار کا ٹولہ ٹوٹتے ہی تم بھی بولنے لگی ہو۔"

"دوسرے بولتے رہتے ہیں تو میں سن کر لطف اندوز ہوتی ہوں۔ اب کوئی اور نہیں ہے تو میں ہی آپ کی مشیر ہوں۔"

"مشیر صاحبہ! تم نے ہیومن سوسائٹی کا ذکر کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اتنے پوسٹر دیکھے تھے تو رک کر کسی ایک کو پڑھ بھی لیا ہوتا۔"

راستے میں رک کر میں اشتہار پڑھنے کھڑی ہوتی تو تماشا بن جاتی۔"

"ہیومن سوسائٹی کے بارے میں فرزانہ کی کیا رائے ہے۔ اس سے تم نے بات تو کی ہوگی۔"

"مجھے کچھ پتا ہی نہیں تو کیا بات کرتی۔ شام کو باہر نکلیں تو خود کوئی پوسٹر پڑھ لیں۔"

"اب باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔ شام ہی کو دیکھا جائے گا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور بات ٹل گئی۔

غزالہ کی زبان سے ہیومن سوسائٹی کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سے گھومنے کے لیے نکلی تھی لیکن اپنے گردوپیش سے غافل نہیں رہی تھی۔ کھلی ہوئی آنکھوں سے اپنے گردوپیش پر گہری نگاہ رکھی تھی۔ اسے جو کچھ غیر معمولی نظر آیا' وہ اس نے من و عن میرے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے این جی اوز کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔

اگر این جی اوز صرف خدمت خلق اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ ہوتیں تو وہ خسارے کا سودا تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے لیے ان میں ذرا بھی کشش نہ ہوتی۔ جہاں لوگ ہر قیمت پر اور ہر ذریعے سے پیسا بنانے پر تلے ہوئے ہوں وہاں کون اس خالص فلاحی کام کی طرف متوجہ ہوتا لیکن ملک بھر میں این جی اوز خود رو برساتی پودوں کی طرح پھیلی تھیں۔

اعی بہبود کا وہ فلاحی نظریہ پاکستان میں در آمد ہوتے ہی بہت
ول ہوا تھا۔ اس ضمن میں ہمارا واسطہ صرف دو اداروں
ے پڑا تھا اور وہ دونوں ہی پکے فراڈ اور غیر ملکی وظیفہ خور
ت ہوئے تھے۔
غزالہ نے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں سرسری طور
جو کچھ دیکھا یا پڑھا تھا وہ میرے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔
رے ذہن پر ایک طرف خالد کا بتایا ہوا مسئلہ سوار تھا اور
سری طرف ہیومن سوسائٹی کا تجسس سوار ہو گیا تھا۔ اس
ت میں خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر دراز تھا۔ رہ رہ کر
نوں مسائل میرے ذہن کو کچوکے لگا رہے تھے۔ میرے
امنے کوئی سرا نہیں تھا جس سے پیش رفت میں کوئی مدد ملتی۔
ری طبیعت مضطرب ہونے لگی۔
جب وہ ذہنی دباؤ بڑھتے بڑھتے ناقابلِ برداشت ہو گیا تو
ں نے مجبور ہو کر اسٹیشن تھری کا نمبر ملا لیا۔ خالد اپنے دیے
وئے اس نمبر پر موجود تھا۔
"مجھے امید نہیں تھی کہ یہ تمہارا فون ہوگا۔" اس کی
آواز مسرت سے لبریز تھی "ادب اور احترام کو خیرباد کہہ کر
نہیں عامیانہ انداز میں مخاطب کرنا مجھے بہت عجیب محسوس
و رہا ہے مگر مجبوری ہے کیونکہ یہ تمہارا حکم ہے اور قرین
صلحت نظر آتا ہے۔"
"تم نے کبھی این جی اوز پر کوئی کام کیا ہے؟" میں نے
وقت ضائع کرنے کے بجائے براہِ راست سوال کر ڈالا۔
"ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن پچھلے ڈیڑھ دو سالوں
یں اچانک ان کی بڑی تعداد سامنے آئی ہے۔"
"انہیں چلانے والے کچھ لوگ مخلص بھی ہوں گے مگر
میرا تجربہ ہے کہ بیشتر مال بنانے کے چکر میں ہیں۔ بیرونی ملکوں
سے ملنے والی غیر سرکاری امداد فرضی منصوبوں کی آڑ میں
ہضم کر جاتے ہیں۔ اصل سرمایہ کاری کا دو چار فیصد ہی کسی
جائز مد میں خرچ ہوتا ہوگا۔"
"انہیں چلانے والے بہت سے لوگوں کا ماضی صاف
نہیں ہے۔" اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔
"ان میں ہیومن سوسائٹی نامی کوئی ادارہ بھی شامل
ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"اس کا نام بہت اونچا جا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے
کام کے ذریعے نیک نامی کمائی ہے۔ بظاہر ان کے ہاتھ صاف
نظر آتے ہیں۔"
"وہ کس شعبے میں کام کر رہے ہیں؟ اسے چلانے والے
کون ہیں؟ مجھے یہ معلومات درکار ہیں۔"
"ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں بہت
کچھ چھپتا رہتا ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ یہ لوگ اسی طرح دل
جمعی سے کام کرتے رہے تو لوگ ان کے نام پر آنکھیں بند
کر کے عطیات دینا شروع کر دیں گے۔ پہلے انہوں نے بے
لباس لوگوں کو لباس فراہم کرنے کے نعرے سے ابتدا کی
تھی۔ پرانے کپڑے جمع کر کے موسمی ضروریات کے مطابق
ضرورت مندوں تک پہنچاتے تھے اب خوراک اور گھر کی
مرمت کے لیے امداد بھی فراہم کرتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے
سرحدی علاقوں میں ہیومن سوسائٹی کا نام بہت قدر و منزلت
رکھتا ہے۔ انہوں نے برفانی طوفان کے دنوں میں بے خانماں
افغان مہاجرین اور قبائلیوں کے لیے بہت کام کیا تھا۔"
وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا "رکنے کی ضرورت
نہیں۔ جو کچھ یاد آتا ہے' دہراتے چلے جاؤ۔ میرے لیے یہ
سب باتیں نئی ہیں۔"
"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں یہ نام کیوں آیا
ہے۔ لاہور میں کئی ایسی بدنام این جی اوز ہیں جن پر براہِ
راست ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔"
"جو بدنام ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ
نیک نامی کی آڑ میں کوئی گھناؤنا کھیل نہ کھیلا جا رہا ہو۔"
"چوہدری عظمت اور ملک اقبال اس سوسائٹی کے روح
رواں ہیں۔ دونوں تجارت پیشہ ہیں۔ چوہدری عظمت پہلے
سے آسودہ حال تھا۔ اس نے اپنے پیسے سے یہ نیک کام
شروع کیا تھا۔ ملک اقبال اس کا دوست ہے۔ اس کی مالی
حیثیت کمزور تھی۔ ان دنوں وہ بالا کہلاتا تھا۔ اب وہ بھی پھل
پھول رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے کاموں کی
خیر و برکت سے اس کا کاروبار بھی چمک اٹھا ہے۔ یہ لوگ کوئی
سرکاری گرانٹ نہیں لیتے۔ نجی عطیات سے کام چلاتے
ہیں۔ باہر سے انہیں کوئی مالی امداد ملتی ہو تو میں اس سے لاعلم
ہوں۔ یہ دونوں عبدالستار ایدھی کے بہت مداح ہیں۔"
"تم بتا رہے تھے کہ ہیومن سوسائٹی سرحدی علاقوں میں
زیادہ مقبول ہے۔ یہاں شاید ان کا کام کم ہے۔"
"ہیومن سوسائٹی کی داغ بیل لاہور میں ڈالی گئی تھی۔
اس کا ہیڈ آفس بھی یہاں ہے مگر ان کا کام سرحدی علاقے
میں زیادہ ہوتا ہے۔"
"تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی کہ یہ اپنے شہر
کے غریبوں اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر اتنی دور کام
کر رہے ہیں۔"
"کبھی غور نہیں کیا۔ شاید اس علاقے کو ترجیح دینے کا

سبب وہاں کا موسم اور بے روزگاری کی شرح ہو۔"

"مجھے یہ لوگ دلچسپ نظر آرہے ہیں۔ میں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مواد جمع کرنا چاہتا ہوں۔"

"شاید اس کام میں کوئی دشواری نہ ہو۔ جو کچھ مل جاتا ہے' وہ میں شام کو ہوٹل پہنچا دوں گا۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ اس نے شام کی اصطلاح استعمال کی تھی جو بہت طویل دورانیے کا احاطہ کرتی ہے۔ اسے آٹھ بجے کے بعد کا وقت دے کر میں نے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے بتایا کہ جلال ہماری لائن فارغ ہونے کے انتظار میں کافی دیر سے ہولڈ پر تھا۔

اس سے دو مرتبہ آنکھ مچولی ہو چکی تھی۔ وہ ہوٹل آیا تو ہم دونوں غائب تھے۔ میں نے اسے فون کیا تو وہ دفتر میں نہیں تھا۔ وہ فوری طور پر مجھ سے ملنے کا خواہاں تھا کیونکہ رات کی پرواز سے وہ اسلام آباد واپس جارہا تھا۔ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر ملاقات پر آمادگی ظاہر کردی۔

"سلسلہ چل پڑا ہے۔" غزالہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

"ہم لاہور آئے ہیں تو بیکار نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت ہے۔ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے فرزانہ کے ساتھ بازار جاکر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ ایک کام کی بات لے کر واپس آئی ہو۔"

"تھوڑی دیر میں جلال آجائے گا۔ آپ اسے اوپر بلائیں گے یا نیچے جاکر ملیں گے؟" اس نے وال کلاک پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"نیچے ملنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہاں آزادی سے بات نہیں ہو سکے گی۔ میں اسے اوپر بلاؤں گا۔ تعارف ہونے کے بعد تم کچھ دیر کے لیے نیچے چلی جانا۔ ہوٹل سے باہر نکلے بغیر تم اپنا وقت گزار لو گی۔ ہم تخلیے میں ذرا کھل کر بات کرسکیں گے۔"

"ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اس سے بھی ذکر کریں گے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"نیم دلی سے کوئی کام مکمل نہیں ہوتا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالو' اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈالو۔ میں اس نے ضرور تذکرہ کروں گا۔ کچھ معلوم ہوا یا نہ ہو' تذبذب تو ختم ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری ملاقات کی نوبت نہ آسکے۔"

اس نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر شناختی کارڈز اور پاسپورٹوں والا لفافہ میرے حوالے کردیا۔

جلال نے ہوٹل پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیا۔ ش… اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوٹل شہر کے مرکزی علاقے سے ب… قریب واقع تھا۔ انٹرکام پر اپنی آمد کی اطلاع دے کر وہ لف… کے ذریعے اوپر آیا تو میں اس کے استقبال کے لیے کمرے… دروازے پر موجود تھا۔

"تمہارا چہرہ تو واقعی بگڑا ہوا ہے۔" اس نے آتے… تحیر زدہ آواز میں تبصرہ کیا اور گلے لگ گیا "یہ دو چار دن م… کیسے ٹھیک ہوجائے گا؟"

"دیکھتے رہو۔ قوت ارادی بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مضب… ہو تو ایک مرتبہ مردہ بھی بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔"

وہ میرے ساتھ کمرے میں آگیا۔ اس نے مہذب اند… میں غزالہ کو سلام کیا تو اس کی نگاہوں میں تجسس تھا۔ وہ… دونوں سے مل لیا تھا اور رویرا کا متلاشی تھا۔

"این کاویل دو تین بعد لاہور آئے گی۔" میں نے اس… کے کسی سوال سے پہلے' دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اسے… آگاہ کیا "فی الحال وہ کراچی میں ہے۔"

"آپ دونوں باتیں کریں۔ میں نیچے سے ہو کر آتی… ہوں۔" غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"جارہی ہو تو روم سروس والوں سے چائے اور کچھ… لوازم کے لیے کہہ دینا۔" میں نے اسے ہدایت کی اور و… کمرے سے نکل گئی۔

"فون پر میں اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ تمہارا چہرہ اتنا زیادہ… متاثر ہوا ہوگا۔" وہ غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا… "تمہارے ساتھ خاصی زیادتی ہوئی ہے۔"

"اس کا کوئی غم نہیں ہے۔ ان دونوں کو میرے زخموں… کی قیمت اپنے خون سے چکانی پڑی تھی۔"

"مجھے تمہاری طرف سے ہر آن دھڑکا لگا رہتا ہے۔"… اس نے سگریٹ لگا کر ناصحانہ انداز میں کہا "ہر کام میں بے… دھڑک کود پڑتے ہو۔ تمہیں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ مار دھاڑ سے بچنے کے لیے تمہیں ہر وقت ایک دو محافظوں کے ساتھ چلنا چاہیے تاکہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔"

"بھائی! میں ماروتی سے مل کر اسپتال سے لوٹ رہا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ حرام زادے میری گھات میں بیٹھے ہوں گے۔"

"اب اسے دہرانا بے سود ہے۔ اس وارننگ کے بعد تمہیں محتاط ہوجانا چاہیے... لاؤ' تمہارے پاسپورٹ وغیرہ

کہاں ہیں۔"
میں نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لفافہ کھول کر تینوں پاسپورٹوں کا جائزہ لیا اور انہیں دوبارہ لفافے میں ڈال لیا۔ "یہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ دوسرے کام ہوجائیں گے لیکن پاکستان سے روانگی کی مہر تمہارے پروگرام کے مطابق لگے گی۔ اس میں فرق ہوا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔"
"اس بارے میں، میں تمہیں فون پر بتادوں گا۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کی کیا خیر خبر ہے!؟"
"وہ مردود شخص پکڑا گیا۔ ایک کمپنی میں دربان ہے۔ اس کے پاس وہی گھسی پٹی کہانی ہے۔ اسے ایک تھیلا چوبی پیٹیوں میں پہنچانے کے لیے ایک ہزار روپے دیے گئے تھے۔ تھیلا دینے والا اس کے لیے اجنبی تھا پھر بھی لالچ اسے لے ڈوبا۔"
"یہ لالچ اس کی زندگی برباد کردے گا۔ حیرت ہے کہ بار بار کے اعلانات کے باوجود لوگ ایسے جال میں آجاتے ہیں۔"
"بظاہر اس کا بیان درست نظر آتا ہے۔ مگر اس کا جرم اتنا سنگین ہے کہ وہ بدترین سزا کا حق دار بن چکا ہے۔ اس سے بازپرس اب بھی جاری ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسے تھیلا دینے والا کوئی مقامی تھا یا کوئی ایجنٹ۔ یہ نکتہ صاف ہو تو بھارتیوں کے عزائم کا اندازہ ہوسکے گا۔"
"ہمارے لیے ان کے عزائم کبھی نیک نہیں ہوسکتے۔ وہ بغل میں چھری رکھ کر منہ سے رام رام کرنے والے لوگ ہیں جب بھی موقع ملے گا، وار کرگزریں گے۔"
"یہ پرچہ احتیاط سے رکھ لو۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اس پر ان تینوں کا فون نمبر اور پاس ورڈ لکھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے نام اور ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ تم دہلی پہنچ کر ان سے رابطہ کرو گے تو بقیہ معلومات وہ خود فراہم کردیں گے۔"
"نام اور ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں تو پھر یہ فون نمبر بھی بدلتا رہتا ہوگا۔" میں نے اعتراض کیا۔ "پاس ورڈز تین ہیں۔ نمبر ایک ہے۔"
"یہ ان کے رابطے کا آدمی ہے۔" جلال نے پہلو بدل کر وضاحت کی "ان میں سے کوئی موجود نہ ہوا تو وہ شخص تمہیں

وقت دے دے گا۔ تم مقررہ وقت پر دوبارہ فون کرو گے تو تمہارے مطلوبہ آدمی سے بات ہوجائے گی۔"

"تین کے بجائے ایک ہی نام ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔" میں نے وہ رقعہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ کام یا کسی خطرے کی وجہ سے ان میں سے کوئی دستیاب نہ ہو۔ ایسی صورت میں تمہارے پاس متبادل رابطہ موجود رہے گا۔ ایک نام ہوا تو اس کے زیرِزمین ہونے کی صورت میں تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔ یہ تینوں ہمارے بہترین آدمی ہیں۔"

"میں کسی ایک ہی سے رابطہ رکھوں گا۔" میں نے اس کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد کہا "وہ کسی وجہ سے رابطے میں نہ آسکا تو متبادل کے بارے میں سوچوں گا۔"

"یہ تمہاری مرضی اور سہولت پر منحصر ہوگا۔ وہ تینوں ایک گندھی ہوئی ٹیم کی طرح کام کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ رہ کر نکھر جائیں گے۔"

"جانے سے پہلے ہم ان کے بارے میں پھر بات کرلیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں کیا مدد کرسکتے ہو۔"

"تمہیں اچانک ہیومن سوسائٹی کیوں یاد آگئی؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے جواب دینے سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی اور روم سروس کا ویٹر چائے کی ٹرے سنبھالے اندر آگیا۔ چائے سرو ہونے تک ہم دونوں خاموش رہے۔ ویٹر اپنا کام ختم کرکے چلا گیا تو میں نے کہا "ہیومن سوسائٹی کے بارے میں، میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔"

"اور میں نے اس میں تمہاری دلچسپی کا سبب جاننا چاہا تھا۔" اس نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں خدمت کا قائل ہوں۔ یہ لوگ بہت قرینے سے کام کررہے ہیں۔ میں خود بھی ایسی کوئی تنظیم بنانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"ڈینی!" اس نے شکایتی لہجے میں کہا "مجھے گھمانے کی کوشش مت کرو۔ فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے بعد ہیومن سوسائٹی تمہیں کیوں یاد آرہی ہے۔"

"یہاں بے کار بیٹھا ہوا ہوں۔ کچھ نہ کچھ کرتا رہوں تو وقت آسانی سے گزر جائے گا۔ فی الحال ان کی تشہیری مہم نے میری توجہ اس نام کی طرف مبذول کرائی ہے۔"

"میں ان کا لٹریچر تمہیں بھجوادوں گا۔ فرصت کے اوقات میں پڑھ ڈالنا' میں محسوس کررہا ہوں کہ لاہور پہنچنے کے بعد تمہاری ترجیحات یکایک بدل گئی ہیں۔ امریکی اور بھارتی سازشوں کو بھول کر تم چھوٹے چھوٹے مقامی معاملات کی طرف توجہ دے رہے ہو۔ کل جعلی شناختی کارڈوں کا ذکر لے بیٹھے تھے۔ آج ہیومن سوسائٹی میں دلچسپی لے رہے ہو۔"

جلال کے لب ولہجے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اول خان کی طرح وہ بھی مجھے نئے معاملات میں ملوث ہونے سے روکنا چاہ رہا تھا۔ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اس کے کچھ شبہات تھے تو وہ خود ان پر کام کررہا تھا۔ اپنی مقامی سرگرمیوں میں مجھے حصے دار بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ جس دن اس نے میری زبان سے بھارت جانے کا ذکر سنا تھا' اس کی اولین خواہش تھی کہ میں جلد از جلد پاکستان کو خیرباد کہہ کر بھارت چلا جاؤں۔ کراچی میں ہونے والے دھماکے نے اس کی خواہش میں شدت پیدا کردی تھی۔

ہمارے مفادات اتنے مشترک اور یکساں تھے کہ ہم ساری رات بھی باتیں کرتے رہتے تو موضوعات ختم نہ ہوتے لیکن اسے اسلام آباد واپسی کی فکر تھی۔ روانگی سے پہلے اسے کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔ فون پر باقاعدہ رابطہ رکھنے کا وعدہ کرکے وہ تھوڑی دیر بعد رخصت ہوگیا۔ اس سے بات کرکے مجھے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ہیومن سوسائٹی انٹیلی جنس بیورو کے لیے بھی اجنبی نہیں تھی اور وہ لوگ کسی مضبوط جواز کے بغیر کسی فرد یا ادارے میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

جلال کی واپسی کے چند منٹ بعد غزالہ کمرے میں لوٹ آئی۔ اس کا مزاج ویرا کی طرح جارحانہ نہیں تھا۔ وہ ہوتی تو آتے ہی میری اور جلال کی ملاقات کے بارے میں اپنی جرح کا آغاز کردیتی لیکن غزالہ کو اس بارے میں کوئی تجسس نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جو بات ضروری ہوگی' وہ میں خود ہی اسے بتادوں گا اور میں نے اس کے صبر کا امتحان لیے بغیر اسے اپنی اور جلال کی پوری گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"اگر وہ لوگ کچھ کام کررہے ہیں اور آپ کو ہیومن سوسائٹی سے دور رکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو الگ ہی رہنا چاہیے۔" غزالہ نے سادگی سے مشورہ دیا۔ "دو سمتوں سے کام کیا گیا تو کوئی گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے۔"

"اس نے مجھے کسی بات سے نہیں روکا۔ یہ نتیجہ میں نے خود اخذ کیا ہے۔ وہ کہہ کر گیا ہے کہ اسلام آباد سے مجھے ان کا لٹریچر بھجوائے گا۔ میں نے دانستہ اس موضوع کو ادھورا چھوڑ دیا تھا کہ اسے مزید نصیحتیں کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ

پھ کام کررہا تھا تو اس کا فرض تھا کہ مجھے کھل کر بتا دیتا۔ میں نے ہمیشہ اسے اعتماد میں لے کر کام کیا ہے۔"

"آپ میں اور اس میں فرق ہے۔" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ فری لانسر ہیں اور وہ اپنی سرکاری ذمے داریوں کے سامنے بے بس ہے"

اپنے وعدے کے مطابق خالد ٹھیک آٹھ بجے پہنچا۔ میں نے اسے بھی اوپر بلالیا۔ اس کی موجودگی میں غزالہ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے آتے ہی ہیومن سوسائٹی کے مختلف کتابچوں سے بھرا ہوا لفافہ میرے سامنے رکھ دیا "یہ ان کے دعوے ہیں۔"

"انہیں بعد میں دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیا معلومات جمع کی ہیں۔" میں نے لفافے کا سرسری جائزہ لے کر اسے واپس کردیا۔

"ان کے کاموں میں ٹرانسپورٹ کی بنیادی اہمیت ہے۔ مختلف قسم کی گاڑیوں کا بیڑا عطیات جمع کرنے کے لیے ہر وقت فعال رہتا ہے۔ چھوٹی بڑی دیہی اور شہری آبادیوں سے عطیات جمع کرکے ہیومن سوسائٹی کے مرکزی دفتر اور گودام میں پہنچائے جاتے ہیں۔ وہاں سے انہیں منزل کی طرف روانہ کردیا جاتا ہے۔"

"دیہی علاقوں سے ملنے والے عطیات کی مالیت زیادہ نہیں ہوسکتی۔ پاکستان کی بیشتر دیہی آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچے زندگی بسر کرتی ہے۔ ایسے لوگ خود مدد کے مستحق ہیں۔ وہ دوسروں کے لیے کیا دے سکیں گے۔ اہل ثروت زمین داروں کے لیے ہیومن سوسائٹی سے زیادہ اہم ان کے ہاری اور کسان ہیں۔ وہ ان کی دیکھ بھال پر خرچ کرتے ہوں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خاص طور پر دیہات نہ جاتے ہوں۔ شہروں کے درمیان پڑنے والی آبادیوں کو کھنگال لیتے ہوں۔" غزالہ نے رائے دی۔

"اور یہ تمام تر امداد پاکستان کے شمال مغربی سرحدی علاقوں کے لیے روانہ کردی جاتی ہے۔" میں نے خالد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا دعویٰ وہ خود کرتے ہیں اور حقائق بھی یہی ظاہر کرتے ہیں۔" خالد نے پورے خلوص سے کہا۔

"اس تنظیم میں اصل کردار کس کا ہے؟ تم نے اس بارے میں دو نام بتائے تھے۔"

"چوہدری عظمت اصل کرتا دھرتا ہے۔ ملک اقبال اس کا دست راست ہے۔ اپنے کاروبار کے بعد وہ سارا وقت سوسائٹی کو دیتے ہیں۔"

"چوہدری عظمت کا اصل کاروبار کیا ہے؟" میرے ذہن میں سوالات امڈنے لگے تھے۔

"آٹو پارٹس کی دو بڑی دکانیں ہیں۔ بیشتر مال باہر سے خود درآمد کرتا ہے۔ اقبال کا بھی یہی کام ہے مگر وہ عظمت سے مال لے کر بیچتا ہے۔"

"ہیومن سوسائٹی کی آمدنی کے دیگر ذرائع کیا ہیں؟"

"عطیات کے سوا کوئی دوسری مد نہیں ہے۔ لوگ باہر سے بھی رقمیں بھیجتے ہیں مگر وہ چھوٹی ہوتی ہیں۔ باہر سے کبھی کوئی بڑی رقم نہیں آئی۔"

"یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ غیر ملکی ادارے ترقی پذیر ملکوں میں ہیومن سوسائٹی جیسے اداروں کی تلاش میں رہتے ہیں اور اپنے مفادات کے لیے ان میں بھاری سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کی مثال

کت کتارے

"خدا بیگم! میں اس وقت اتنا بھوکا ہوں کہ تمہارا بنایا ہوا کیک بھی کھا سکتا ہوں۔"

"ممی! میں ماجد سے شادی ضرور کرلیتی لیکن اس میں ایک ہی بڑا عیب ہے۔ وہ دیوالیہ ہوچکا ہے۔"

"وہ واقعی رائٹرز کی فیملی ہے۔ ماں نظمیں لکھتی ہے۔ بیٹا نغمے لکھتا ہے۔ بیٹی ناول لکھتی ہے' باپ چیک لکھتا ہے۔"

"نیا باورچی رکھتے وقت یہ مت پوچھیے کہ اس نے کہاں کہاں پکایا ہے۔ یہ پوچھیے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اس کا پکایا ہوا کھاتے رہے ہیں۔

مردوں کے لیے اگر ہیر اسٹائلز کی کوئی باتصویر کتاب چھپی تو اس میں کافی صفحے خالی بھی چھوڑنا پڑیں گے۔

ہمارے سامنے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی رقمیں عظمت کو ملک سے باہر ادا کی جاتی ہوں۔"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب عظمت کے ذاتی وسائل بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہیومن سوسائٹی کا بجٹ بہت بڑا ہے۔"

"میں ان معاملات کو کسی اور زاویے سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے لیے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ عظمت کو سرحدی قبائل اور افغان مہاجروں سے کیا دلچسپی ہے۔"

"وہ عام دنیادار انسان ہے۔ نجی محفلوں میں پینے پلانے سے بھی گریز نہیں کرتا لیکن لوگ اس کے کاموں کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔"

"اس معمے کا حل آزاد نجی قبائل میں مل سکتا ہے یا پھر چوہدری عظمت کچھ بتائے گا۔ اس کا گھر کہاں ہے؟"

میرے سوال پر خالد چونک پڑا "دفتر سمن آباد میں ہے، رہائش ماڈل ٹاؤن میں۔ کیا تم کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو؟"

"نتیجے پر پہنچنے کے لیے چوہدری عظمت سے ایک ملاقات ناگزیر ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات میں تمہارے سوال کا جواب بھی سامنے آجائے۔"

"میرے سوال کا جواب!" خالد کی آواز تحیر زدہ تھی "میرا سوال تو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے بارے میں تھا۔ اس کا ہیومن سوسائٹی سے کیا تعلق نکل آیا۔"

"ابھی میں خود اس بارے میں پر یقین نہیں ہوں۔ میرے ذہن میں صرف ایک امکان سر ابھار رہا ہے!"

میری زبان سے وہ انکشاف سن کر غزالہ بھی حیرت سے اچھل پڑی تھی۔

"اگر تم ڈرائیور کے طور پر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو ہم اسی وقت چوہدری عظمت سے ملیں گے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے کہا۔

"وہ ان چکروں میں ملوث ہے تو کسی تیاری کے بغیر وہاں جانا خطرناک نہیں ہوگا۔" خالد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایسے عاجلانہ اقدام کا مشورہ ہر گز نہیں دوں گی۔" غزالہ نے بے صبری سے اس کی ہم نوائی کی۔

"ہم وہاں لڑنے مرنے نہیں جا رہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دلایا "ہم اس سے ایک اخبار کے لیے انٹرویو لینے جا رہے ہیں۔ وہ شہرت کا بھوکا ہے تو فوراً آمادہ ہو جائے گا ورنہ ہم گھر آ کر کچھ اور سوچیں گے۔"

"اخباری نامہ نگاروں کے باقاعدہ شناختی کارڈ اور وزیٹنگ کارڈ ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ کہاں سے پیدا ہوں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"یہ خالد کا دردِ سر ہے۔ ان کا بندوبست نہ ہو سکا تب بھی ہم کوشش ضرور کریں گے۔ کہہ سکتے ہیں کہ عجلت میں سب کچھ بریف کیس میں رہ گیا۔"

"اگر تم اس ملاقات کا فیصلہ کر چکے ہو تو مجھے اس میں کوئی عذر نہیں لیکن فوری طور پر کارڈز وغیرہ کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔" خالد نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

ہم تینوں کچھ دیر تک اس بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ ان دونوں کے ذہنوں میں کئی الجھنیں اور متعدد سوالات تھے۔ ان کے اطمینان کے بعد ہم نے ہوٹل کا کمرا چھوڑ دیا۔

ہمارے پاس اپنی پیشہ ورانہ شناخت کے لیے سادہ کاغذوں کے پیڈ اور قلم پنسل کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ہوٹل سے ماڈل ٹاؤن کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ ٹریفک کی بے ہنگم بھیڑ کے باوجود خالد نے آدھے گھنٹے میں ہمیں چوہدری عظمت کے گھر کے سامنے پہنچا دیا۔

وہ ایک خوب صورت تین منزلہ مکان تھا لیکن اس کا زمینی رقبہ چوہدری عظمت کے رتبے کے شایانِ شان نہیں تھا۔ تقریباً چار سو گز پر بنے ہوئے اس مکان میں ایک سے زیادہ گاڑیاں کھڑی کرنے کی گنجائش تک نہیں تھی۔

مکان کے پھاٹک پر کوئی دربان تھا نہ چوکیدار۔ میں غزالہ کو ساتھ لے کر وہاں تک پہنچا۔ لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔

کسی اندرونی حصے میں گھنٹی کا مترنم شور گونجتے ہی میں نے بٹن سے انگلی ہٹا لی۔

ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑا پھر پختہ فرش پر قدموں کی آہٹ سنائی دی جو پھاٹک تک آ کر رک گئی۔ اندر آہنی کھٹکا کھلنے کی تیز آواز کے ساتھ ہی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ کھڑکی کھلنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے روشن خلا میں موجود نسوانی پیکر کو دیکھتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔

وہ جہانگیر کی بیوی سلمٰی تھی اور ہمیں یوں اچانک اپنے دروازے پر دیکھ کر حیرت اور بے یقینی کی عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسنارزا ور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھمن راج سے بھی متعارف کرا دیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اس کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہرلال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہرلال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہرلال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہرلال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہرلال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کر لی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدرآباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدرآباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی جی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدرآباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کر لی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدرآباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اسے اغوا کر کے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ ہم نے کراچی میں رہائش پذیر جگدیش سے ملاقات کی۔ وہ خود معصوم تھا مگر اس کا بھائی روی دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ روی کی بدقسمتی کہ اس کی حسین اور خوبصورت بیوی ماروتی اپنے جیٹھ کی زبان سے لگائے ہوئے زخموں کے مداوے کے لیے مجھ سے ملی اور روی کی سلامتی اور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار تک پہنچانے کا سبب بن گئی۔ جس کے بعد ہری چند بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا اس سے پوچھ گچھ کے دوران میں انڈین سیکرٹ ایجنسی را کے اہل بسواس کا نام سامنے آیا۔ وہ دہلی میں را کے پاکستان ونگ کا سربراہ تھا۔ میجر بخشی تک ہماری سن گن پہنچ چکی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ کر دیا گیا۔ ہمارے ہاتھ لگنے سے قبل میجر بخشی نے انڈین سفارت کار جوگیندر پال کو روی اور ہمارے گٹھ جوڑ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی دکھائی اور روی کو مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے آدمیوں کا مجھ سے بھی ٹکراؤ ہوا مگر وہ میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے اور واصل جہنم ہو گئے۔ جوگیندر پال عرف ماسٹر کا موبائل فون نمبر میرے پاس تھا جس کے ذریعے ہمیں اس تک پہنچنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور اسے سیدھے سادے طریقے سے ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم دھماکے میں ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں انڈیا کے سفر کے سلسلے میں لاہور پہنچ گیا۔ وہاں ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے حوالے سے بہت پریشان پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ میں ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر خالد اور غزانہ کے ہمراہ ہیومن سوسائٹی کے کرتا دھرتا چوہدری عظمت کے گھر جا پہنچا جہاں کراچی سے لاہور آنے والی جہانگیر کی بیوی سلمیٰ کو اپنے روبرو دیکھ کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"تم دونوں .... یہاں .... لاہور میں ....؟" سلمیٰ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی جس سے بے اعتباری مترشح تھی۔ اندر سے آنے والی روشنی براہِ راست میری آنکھوں پر پڑ رہی تھی اس لیے میں اس کے چہرے کے تاثرات واضح طور پر نہیں دیکھ سکا۔

ہماری وہ ملاقات سلمیٰ کے لیے جس قدر حیران کن تھی' ہمارے لیے بھی اتنی ہی غیر متوقع تھی۔ میں ذہنی طور پر چوہدری عظمت سے ملاقات کی تیاری کر کے اس دروازے پر

پہنچا تھا مگر کسی اجنبی چہرے کے بجائے سلمیٰ کو وہاں دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ فوری طور پر ہم دونوں میں سے کوئی بھی سلمیٰ کے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ حیرت اور بے یقینی نے ہمیں عارضی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

شاید کراچی ائرپورٹ پر قدرت نے جہانگیر کو ہماری طرف دھکیلا تھا۔ ہمیں اس کی زبانی پتا چل چکا تھا کہ سلمیٰ ہمارے ساتھ ایک ہی طیارے سے لاہور جا رہی تھی۔ ہم نے اسے روانگی کے لاؤنج میں، بورڈنگ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی دیکھا اور اس سے بچ کر فرسٹ کلاس لاؤنج میں چلے گئے۔ دورانِ پرواز ہم نے دانستہ اکنامی کلاس کا رخ نہیں کیا۔ یوں ہم سلمیٰ سے سامنا کیے بغیر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

ہوٹل پہنچنے کے بعد جب خالد نے غزالہ کو اپنی بیوی کے ساتھ لاہور کے بازاروں کی سیر کے لیے بھیجنے کا ارادہ کیا تو غزالہ نے بہت شدت سے سلمیٰ کو یاد کیا۔ وہ اس سے ملاقات کا عذر پیش کر کے، لاہور کے بازاروں کی خاک چھاننے سے گلوخلاصی حاصل کرنا چاہتی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ ہم سلمیٰ کے پتے سے لاعلم تھے۔ لاہور جیسے بڑے شہر میں باہر سے آئے ہوئے کسی مہمان کا سراغ نکالنا ممکن نہیں تھا۔

شاید وہ ہمارے لیے قدرت کے اشارے تھے جنہیں ہم نے نظرانداز کر دیا۔ جہانگیر سے ملاقات ہوتے ہی ہمیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ہمارے سفر میں سلمیٰ کا کوئی نہ کوئی کردار ضرور تھا مگر ہم وہ لمحات گنوا چکے تھے۔

ہم چوہدری عظمت سے ملنے آئے تھے۔ مکان کی ڈور بیل بجانے سے پہلے میں نے پورا یقین کر لیا تھا کہ وہ اسی کا گھر تھا۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں بہت سے شبہات رینگ رہے تھے جن کا ازالہ اس سے ملاقات کے بعد ہی ہو سکتا تھا مگر سلمیٰ نے اس مرحلے پر اچانک ہمارے سامنے آ کر سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا۔ میرا ذہن ماؤف تھا مگر اس عجیب و غریب اتفاق پر میری چھٹی حس نے خطرے کا نعرہ لگا دیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ سلمیٰ کی اس گھر میں موجودگی کا عقدہ حل ہونے سے پہلے چوہدری عظمت کا نام لینا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

"تم ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی ہو!" میرے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا "ہمیں عزت سے گھر میں بٹھاؤ گی یا یہیں کھڑے کھڑے ہر بات کا جواب لینا چاہو گی۔"

سلمیٰ سٹپٹا کر ایک طرف ہٹ گئی "آؤ... اندر آ جاؤ۔ تم لوگ کراچی میں رہتے ہوئے بہت کم میرے گھر آتے ہو۔ تم کو یہاں دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آئی ہوں؟"

"چوہدری عظمت کے گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہوئے میں ابتدائی ذہنی جھٹکے سے بڑی حد تک سنبھل چکا تھا۔ میں نے کہا "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ کراچی ائرپورٹ پر جہانگیر سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے..."

سلمیٰ نے سر جھٹک کر ایک ادا سے میری طرف دیکھا اور میری بات کاٹتے ہوئے بولی "تمہیں پہلے سے معلوم تھا، پھر بھی تم جہاز پر مجھ سے نہیں ملے، میں کراچی سے یہاں تک اکیلی بور ہوتی ہوئی آئی ہوں۔"

"مل جل کر باجماعت بور ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی اکیلا بور ہو لے" میرے ذہن پر اچانک جم جانے والی برف دھیرے دھیرے پگھلنے لگی تھی۔ میں نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے خوش دلی سے کہا "ہم بزنس کلاس میں تھے اور سچ پوچھو تو دورانِ پرواز جان بوجھ کر تم سے چھپے رہے۔ ہم لاہور میں اچانک سامنے آ کر تمہیں حیران کر دینے کا پروگرام بنا چکے تھے اور شاید اپنے اس منصوبے میں کامیاب رہے ہیں۔"

سلمیٰ کا چہرہ کھل اٹھا "بعض اوقات تم ایسی حرکتیں کر گزرتے ہو کہ اپنی اصل عمر سے بہت پیچھے نظر آنے لگتے ہو۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ ابھی چل کر اپنا سامان یہیں اٹھا لاؤ۔"

"پہلے اندر لے چلو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی" میں نے مکان کی بیرونی آرائش کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے بات ٹال دی۔

وہ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اس کے در و دیوار سے مکینوں کی امارت اور خوش حالی جھلک رہی تھی۔

مختصر سا راستہ طے کر کے ہم برآمدے سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ چوہدری عظمت کے گھر کی طرح اس کا ڈرائنگ روم بھی زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس کی آرائش میں دل کھول کر پیسا صرف کیا گیا تھا۔ قالین، صوفے، پردے، چھوٹی میزیں، سب منہ سے بول رہی تھیں۔ نفیس و نازک سجاوٹی اشیا چاندی، بلور اور کرسٹل سے بنی ہوئی تھیں۔ سلمیٰ نے کمرے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی کا ازالہ کرنے کے لیے فانوس روشن کیا تو چھت سے لٹکے ہوئے سیکڑوں کرسٹل جگمگا اٹھے۔ ان کے نیلگوں انعکاس کی وجہ سے روشنی غیر معمولی حد تک تیز تھی۔

ہم دونوں میں سے کوئی دیہاتی نہیں تھا جو منہ پھاڑ کر

ثروت و امارت کے اس مظاہرے کو دیکھنے میں محو ہو کر سب کچھ بھول جاتا۔ میں نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ قدرت نے چوہدری عظمت کو دولت سے نوازا تھا تو اسے دولت برتنے کا سلیقہ اور قرینہ بھی دیا تھا۔ وہ جو بھی رہا ہو' عمدہ ذوق ضرور رکھتا تھا۔

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم دونوں لاہور میں میرے ساتھ موجود ہو۔ سچ بتانا کہ تمہیں یہاں کا صحیح پتا کس نے دیا۔ جہانگیر یہاں آتو سکتے ہیں مگر کسی کو پتا دینا یا لکھوانا ان کے لیے ناممکن ہے" وہ غزالہ کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے ہنس پڑی۔

"جہانگیر ڈفر آدمی ہے.... میں نے کہنا چاہا لیکن غزالہ نے اسی لمحے میری بات کاٹ دی۔

"آپ متضاد باتیں کہہ رہے ہیں" وہ بولی "کوئی شخص ڈفر ہو سکتا ہے یا آدمی۔ یہ دونوں متضاد صفات کسی کی ذات میں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپ سوچ سمجھ کر بتائیں کہ جہانگیر کے بارے میں کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔"

"ارے! تم دونوں کیوں میرے میاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو' انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" سلمیٰ نے احتجاج کیا۔

وہ ہمارے پہنچنے کی وجہ سے جوش اور ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی اور خود ہی موضوع سے بھٹک رہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اسے اپنی آمد کے بارے میں کوئی مربوط کہانی سنائے بغیر ہم آگے گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ اس وقت مجھے سلمیٰ سے دلچسپی نہیں تھی۔ ہم چوہدری عظمت کی تلاش میں وہاں پہنچے تھے اور میرے دل میں بہت شدت سے یہ تجسس پیدا ہو چکا تھا کہ سلمیٰ اور چوہدری عظمت کے درمیان حقیقی رشتہ دریافت کر سکوں۔

مجھے ابتدا سے ہی معلوم تھا کہ جہانگیر کی سسرال لاہور میں ہے۔ اس نے کراچی ائرپورٹ پر مجھے بتایا کہ سلمیٰ اپنے میکے جا رہی تھی۔ میں کئی مواقع پر جہانگیر کی زبان سے اس کے سالے کے بارے میں غصیلے اور تضحیک آمیز کلمات سن چکا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں نے جہانگیر کی شادی میں شرکت کی تھی نہ کبھی اس کے کسی سسرالی رشتے دار سے ملا تھا۔ اپنی اس بے خبری اور چند مبہم شواہد کی وجہ سے مجھے شبہ سا ہو رہا تھا کہ چوہدری عظمت' سلمیٰ کا بھائی تھا مگر اس کی تصدیق ضروری تھی۔

"جہانگیر ڈفر نہ ہوتا تو آج تم سے لڑنے بھڑنے کے بجائے تمہاری پرستش کر رہا ہوتا۔ اس جیسے عیب دار آدمی کے ساتھ گزارہ کرنا بہت حوصلے اور دل گردے کا کام ہے
میں نے موقع پاتے ہی اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی اور وہ مجھ سے متفق ہونے پر مجبور ہو گئی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ میری قربانیوں کے باوجود انہوں نے آج تک میری قدر نہیں کی۔"

مجھے ڈر ہوا کہ سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کی ذہنی رو گھریلو قضیوں کی طرف نہ بھٹک جائے۔ میں نے اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی بات اچک لی "میں دراصل یہ بتا رہا تھا کہ اس ڈفر نے ادھوری بات کی تھی۔ یہ بتا دیا تھا کہ تم لاہور جا رہی ہو' تمہارا پتا نہیں بتایا۔"

"اس میں ڈفر ہونے کی کیا بات ہے؟" وہ اٹھلا کر مسکرائی "انہوں نے سوچا ہو گا کہ تم لاؤنج میں یا جہاز پر مجھ سے ملو گے تو میں خود تمہیں اپنا پتا دے دوں گی۔ انہوں نے کو پتا دیا نہ تم کراچی سے یہاں تک مجھ سے ملے سوال یہ ہے کہ پھر تم سیدھے یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"ہمارے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں" غزالہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا "انہوں نے کوشش کی اور تمہارا چلا لیا۔"

سلمیٰ نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا اور چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا "تم نے کیا معلوم تھا؟"

"عجیب احمقانہ سوال کر رہی ہو" میں نے اضطراری طور پر اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا "تمہارا لاہور کا پتا معلوم کرنا تھا اور وہ مل گیا۔ اس وقت تمہارے سامنے موجود ہیں۔ تم نے ہماری تواضع کرنے کے بجائے جرح کرنی شروع کر دی ہے۔"

"تواضع کے لیے مجھے تم سے اجازت لے کر خود اندر ہو گا" اس نے جلدی سے وضاحت کی "یہاں کوئی ملازم نہیں ہے۔ ویسے تو یہ بھی میرا اپنا گھر ہے مگر میں تمہیں یہ بتا ضروری سمجھتی ہوں کہ اصولی طور پر میں خود یہاں مہمان ہوں۔ یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں ان سے ملنے کے آج صبح یہاں آئی تھی۔ رات گزار کر کل دوبارہ اپنے بھا کے گھر لوٹ جاؤں گی۔ تمہیں میرے بھائی کے گھر پہنچ چاہیے تھا۔ تم دونوں یہاں کیسے آ گئے؟"

اس کا جواب تیکھا اور بوکھلا دینے والا تھا مگر میں ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب در جواب دیا "یہ تمہارے ماموں کا گھر ہے۔ اگر تم شہر میں کہیں اور کے گھر موجود ہوتیں تو ہمیں وہیں کا پتا دیا جاتا۔ ہمیں تمہارے بھا

کے گھر کا سروے نہیں کرنا تھا۔ تم سے ملنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے انفارمرنے ہمیں اس گھر کا پتا دے دیا اور ہم براہِ راست یہاں آگئے۔ اگر تمہیں یا تمہارے ماموں کو کوئی اعتراض ہے تو ہم ابھی لوٹ جاتے ہیں۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اتنا مردم بیزار نہیں ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑدی "میں تم کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی کے ساتھ بہت زیادہ حیرت بھی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تم برا مانو، میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔"

"تم بیٹھی رہو!" غزالہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا "ہم کھانے پینے کے لیے نہیں تم سے ملنے کے لیے آئے ہیں، یہ یوں ہی مذاق کررہے ہیں۔"

غزالہ اسے روکتی رہ گئی مگر سلمیٰ نے اس کی ایک نہیں سنی۔ میرے تمسخرانہ طنز سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ باتوں میں الجھ کر وہ میزبانی کے روایتی آداب کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ وہ اندر کھلنے والے دروازے پر لٹکی ہوئی گھنٹی دار جھالروں کا ترنم بکھیرتی، غائب ہوگئی۔

"برے پھنسے!" میدان صاف ہونے پر غزالہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "چوہدری عظمت تو سلمیٰ کا ماموں نکلا۔ کیا آپ کو یہ جان کر ذرا اچنبھا نہیں ہوا کہ اس گھر میں سرے سے کوئی ملازم موجود نہیں ہے؟ آج کل تو سفید پوش لوگ بھی فیشن بگھارنے کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر کوئی جزوقتی ماسی یا ملازم رکھنے لگے ہیں۔ یہاں سرے سے میدان ہی صاف ہے۔ پتا نہیں چوہدری عظمت کیا گل کھلا رہا ہے؟"

"سلمیٰ کے دروازے پر آنے سے میں بری طرح بھڑکا تھا مگر اب مجھے پتا چل چکا ہے کہ اس گھر میں کسی ملازم کا وجود نہیں ہے۔ بات سنبھل گئی ہے۔ سلمیٰ سے دھیرے دھیرے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ شاید اس کی یہاں موجودگی ہمارے لیے سودمند ثابت ہوگی۔"

"چوہدری عظمت کوئی درویش صفت انسان ہے ورنہ پکا فراڈ ہے" غزالہ بولی۔

"درویش ایسے پرتعیش ڈرائنگ روم نہیں بناتے، نفس پرور انسان تزکیہ نفس کے معنے تک نہیں جانتے۔"

میرے لاہور پہنچنے کے بعد صرف ایک ہی مسئلہ سامنے آیا تھا۔ ایس ٹی ایف کا مقامی کمانڈر ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ کے بارے میں شدید تشویش کا شکار تھا۔ خالد نے شہر کے جو حالات بیان کیے تھے، ان کی روشنی میں اس کی تشویش اور پریشانی بالکل بجا تھی۔ مجھے اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی کا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ غزالہ کی زبانی ہیومن سوسائٹی کا نام میرے سامنے آگیا۔ وہ لاہور کی ایک مقبول اور معتبر این جی او تھی۔ اپنے سابقہ تجربات کی بنا پر میں این جی اوز کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھا۔ پاکستان کی جڑوں میں پھیلا ہوا معاشرتی ناسور میرے سامنے تھا۔ ہمارے ملک میں جائز اور ناجائز بلکہ حلال اور حرام کی تمیز کیے بغیر، ایک کثیر تعداد ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے جنون میں مبتلا تھی۔ اس جنون کی تکمیل کے لیے آئے دن نت نئے شارٹ کٹ استعمال کیے جارہے تھے۔ ایسے میں یہ بات ناقابلِ یقین لگتی تھی کہ کوئی اپنی گرہ کا سرمایہ لگاکر مفت میں دوسروں کی فلاح و بہبود کے کام میں جتا ہوا ہو۔

خالد نے ہیومن سوسائٹی کے روحِ رواں کے دعووں پر مبنی لٹریچر فراہم کیا جس میں کوئی بات قابلِ گرفت نہیں تھی۔ محض اس بنا پر چوہدری عظمت کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے شہر اور صوبے کو چھوڑ کر مخصوص سرحدی علاقوں کے رہنے والوں کے لیے فلاحی اور رفاہی منصوبے چلا رہا تھا۔

وہ تصویر کا ایک رخ تھا مگر اس بارے میں آئی بی کے جلال نے جو مبہم رویّہ اختیار کیا، وہ میرے لیے معنی خیز تھا۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ ہیومن سوسائٹی کا ریکارڈ بے داغ نہیں تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے وہ تنظیم آئی بی والوں کی نظروں میں آئی ہوئی تھی۔ ان پر کام بھی ہو رہا تھا مگر جلال مجھے اپنی معلومات میں شریک کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ میں لاہور میں ان چکروں میں الجھ گیا تو میرا بھارت کا مشن التوا میں پڑجائے گا۔

وہ نکات میرے تجسّس کو ہوا دینے کے لیے کافی تھے۔ میں خود بھی لاہور میں زیادہ طویل قیام کا خواہاں نہیں تھا۔

ہیومن سوسائٹی کے بارے میں دو، دور سے دیکھ بھال کرنے کے بجائے میں نے براہِ راست چوہدری عظمت سے ملاقات کرنے اور اس کے بارے میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے تھا۔

یہ بات طے تھی کہ چوہدری عظمت بہت مال دار آدمی تھا۔ اس کے گھر میں کسی ملازم کا نہ ہونا حیرت ناک تھا۔ اپنے گھر کے کاموں کے لیے باہر کے کسی آدمی پر اعتماد نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اس گھر میں کوئی نہ کوئی ایسی پراسرار سرگرمی جاری تھی جسے دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔ میں نے بہت دماغ دوڑایا مگر فوری طور پر ایسی کوئی بات نہیں سوجھ سکی جسے پوشیدہ رکھنے کے لیے چوہدری عظمت کو اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے۔ یہ سمجھنا حماقت کے مترادف ہوتا کہ چوہدری عظمت جیسی اسامی نے چند ہزار روپوں کا ماہانہ خرچ بچانے کے لیے اس حد تک ملازموں سے گریز کیا ہوا ہو کہ اس کے گھر پر گھنٹی بجانے والوں کے لیے اہلِ خانہ کو دروازے پر جانا پڑے۔

"آپ جس کسی کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا شروع کردیتے ہیں، وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آہی جاتا ہے" غزالہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے الزام نہ دو" میں نے پر تشویش سنجیدگی سے کہا "میں بلاوجہ کسی کا پیچھا نہیں کرتا۔ ہیومن سوسائٹی ایک این جی او ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر این جی او غلط کاموں میں ملوث ہے مگر میں آنکھیں بند کرکے ہر این جی او پر اعتبار بھی نہیں کرسکتا۔ اسی اصول کی روشنی میں مجھے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں سوچنا پڑا۔"

"بس اب چکر چل پڑا ہے چوہدری عظمت کے ستارے جلد ہی گردش میں آجائیں گے۔"

وہ گفتگو آگے جاری نہ رہ سکی۔ اندر سے قالین پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر سلمٰی چوبی جھالروں کے سروں پر لٹکی ہوئی، چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں کو جگاتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کی مختصر سی ٹرے تھی۔

"میں نے کوئی تکلف نہیں کیا کیونکہ تھوڑی دیر بعد کھانے کا وقت ہوجائے گا" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت یہ بسکٹ اور ابلے ہوئے چنے ہی کافی رہیں گے۔ کھانا بعد میں کسی دن کھالیا جائے گا" میں نے ٹرے کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا "فی الحال تم یہاں بیٹھ جاؤ اور ہمیں اپنے ماموں وغیرہ کے بارے میں بتاؤ تاکہ ان سے ملاقات ہونے پر ہم بالکل کورے ثابت نہ ہوں۔"

میں نے تکلفات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پیالی میں کچھ چھولے لے لیے۔ میرا اشارہ پاکر غزالہ نے بھی میری تقلید کی۔ سلمٰی نے اپنی بات دہراتے ہوئے تاکید کی کہ ہم کھانا کھائے بغیر وہاں سے نہیں جائیں گے۔ میں نے اس بحث کو طول نہیں دیا۔ یہ کہہ کر اس موضوع کو ٹال دیا کہ تھوڑی دیر بعد اشتہا بیدار ہوئی تو بلا تکلف اس سے کھانا لگانے کی فرمائش کردی جائے گی۔ باہمی مراسم کی گہرائی کی بنا پر اس نے میرے اس مصلحت آمیز وعدے پر بھروسا کرلیا اور چائے پینے میں مصروف ہوگئی۔

"تمہارے بھائی کا گھر بھی یہیں کہیں، آس پاس ہے؟" غزالہ نے کچھ دیر کے توقف کے بعد بات چھیڑی۔

"یہاں سے کچھ دور ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ سوچنا پڑے۔ ڈیڑھ دو کلومیٹر سمجھ لو" سلمٰی نے بتایا۔

"پھر تو تمہاری اپنے ماموں سے روز ملاقات ہوتی رہتی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"خواہش کے باوجود ایسا نہیں ہو پاتا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "میرے ماموں بہت مصروف آدمی ہیں۔"

"کیا وہ اس وقت گھر پر موجود ہیں؟" میں نے محتاط لہجے میں وہ پہلا نازک سوال کر ڈالا۔

"گئے ہوئے ہیں۔ بہت زندہ دل مگر درد مند آدمی ہیں۔ کاروبار سے فارغ ہوتے ہیں تو فلاحی کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس وقت بھی ہیومن سوسائٹی کے دفتر میں بیٹھے ہوں گے۔ ان کو دوسروں کی خدمت کرنے کا ایسا چسکا لگا ہے کہ ہم کو ان سے شکایت ہونے لگتی ہے۔"

"ایسا ہونا چاہیے" غزالہ نے کہا "وہ چوہدری ہیں۔ ہر چوہدری اپنے گاؤں یا برادری کا سردار یا مکھیا ہوتا ہے۔ اسے لوگوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔"

"پہلے ایسا ہوتا ہوگا، اب تو یہ ایک برادری کا نام رہ گیا ہے۔ جس میں سب چوہدری کہلاتے ہیں مگر کوئی کسی کا چوہدری نہیں ہوتا۔ پورے خاندان میں ایک ماموں عظمت ہی ایسے ہیں جن کے دل میں سارے جہاں کا درد بھرا ہوا ہے۔ آئے دن یہاں سے پشاور اور پھر خیبر تک دوڑ لگاتے رہتے ہیں۔"

بات ڈھب پر آرہی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا ان کا کاروبار خیبر تک پھیلا ہوا ہے؟"

"کاروبار لاہور میں ہے۔ وہاں وہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے کچھ منصوبے چلا رہے ہیں" سلمٰی نے بتایا۔

"کیوں؟ کیا لاہور اور پنجاب کے سارے غریب خوش حال ہو چکے ہیں؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہہ ڈالا۔

"یہ ان ہی کو معلوم ہوگا۔ لاہور میں بھی ان کی ہیومن سوسائٹی کا بہت نام ہے مگر وہ زیادہ کام صوبہ سرحد میں کرتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہاں خانہ جنگی سے برباد ہو کر آنے والے افغان مہاجروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ سخت موسم میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کے بارے میں سلمٰی کی معلومات سطحی تھیں۔ اس سے صرف یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ چوہدری عظمت کے بارے میں اس کے گھر اور خاندان والے کیا سوچتے تھے اور اس کے معمولات کیا تھے۔

"یہ ہیومن سوسائٹی کیا کرتی ہے؟" میں نے بالکل انجان بن کر سوال کیا۔

"بتا تو رہی ہوں کہ یہ کوئی فلاحی اور رفاہی تنظیم ہے۔ حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے!"

"حیرت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بھول رہی ہو کہ ہم کراچی سے آئے ہوئے پردیسی ہیں۔ لاہور کے بارے میں تم ہی ہمیں کچھ بتا سکتی ہو۔ ویسے یہ ہیومن سوسائٹی مال بنانے والی کوئی این جی او تو نہیں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ این جی او کیا ہوتی ہے، میرے ماموں مال نہیں بناتے، اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں۔"

"این جی او، نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا کسی بھی غیر سرکاری تنظیم کو کہتے ہیں جو تھوڑے سے مقامی چندے اور بھاری غیر ملکی امداد سے چلائی جاتی ہے۔ یہ انسانوں کی فلاح و بہبود تعلیم، صحت، صفائی اور تربیت سے لے کر پرندوں کے بچوں کی دیکھ بھال تک کے لیے بنائی جا سکتی ہے۔"

"تم میرے ماموں کا مذاق اڑا رہے ہو؟" سلمٰی نے چونک کر سوال کیا "وہ بہت خوش حال اور ایمان دار آدمی ہیں۔ انہیں ایسی لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے!"

"میں نے ان کے لیے کچھ نہیں کہا۔ تم کو بتا رہا تھا کہ این جی او کیا ہوتی ہے؟"

"اس سے پہلے تم نے یہ بھی کہا تھا کہ عظمت ماموں کی ہیومن سوسائٹی، این جی او ہو سکتی ہے۔"

"یہ میں مانتا ہوں" میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا "یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ پہلے میں نے کیا کہا تھا۔ دراصل پاکستان میں این جی اوز کو ایک تحریک کے طور پر پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ اس قدر پُرکشش اور ترغیب آمیز ہے کہ سوجھ بوجھ رکھنے والے، پڑھے لکھے اور چالاک لوگ تیزی سے اس جال میں پھنس رہے ہیں۔ کچھ ادارے واقعی کام کر رہے ہیں مگر بیشتر کا سارا زور پیسا کمانے پر ہے۔"

"میں ماموں سے ضرور پوچھوں گی مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔"

"کیا تمہیں یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ تمہارے عظمت ماموں نے اپنے گھر میں کوئی ملازم نہیں رکھا" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"پہلے اس گھر میں بھی نوکر چاکر ہوتے تھے۔ بعد میں ماموں نے ان کی چھٹی کر دی۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کو اپنے کام خود کرنے چاہئیں۔ یہ زیادتی ہے کہ پیسے کے بل پر دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا جائے۔ جو کام ملازم کرتے ہیں، وہ خود بھی کیے جا سکتے ہیں۔"

"اچھوتا خیال ہے۔ اس سے غریبوں کو بے یار و مددگار اور بے روزگار کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ قدرت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ خدا چاہتا تو ہر شخص کو یکساں امیر یا غریب بنا سکتا تھا۔ انسانوں میں آمدنی اور وسائل کی کوئی تفریق نہ ہوتی۔ کیا تم اس فرق کے بغیر زندگی اور جدوجہد کا تصور کر سکتی ہو؟"

"یہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ ماموں ہی تمہیں ان کا جواب دے سکتے ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ ان سے تمہاری ملاقات ہو سکے۔"

وہ سلمٰی کی سادگی اور بے خبری تھی کہ وہ میری اور چوہدری عظمت کی ملاقات کا بندوبست کرانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ مجھ میں اتنے انتظار کا یارا نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، چوہدری عظمت کی ذات پُرپیچ اور مشتبہ تر ہوتی جا رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ اس سے جلد از جلد میرا سامنا ہو سکے تاکہ کچھ حقائق سامنے آ سکیں۔

سلمٰی کی اس کے گھر میں موجودگی اور پھر ان دونوں کی قریبی رشتے داری نے میرے لیے ایک بڑی مشکل پیدا کر دی تھی جس کا کوئی آسان حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں لاہور کے ہوٹل میں مظہر خان کے نام سے ٹھہرا ہوا تھا۔ میں چوہدری عظمت سے کسی اور فرضی نام سے ملاقات کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا ورنہ سلمٰی ہم دونوں کا تعارف کراتی تو وہ اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر چونک سکتا تھا۔

اس وقت تک ایسا کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آیا تھا کہ چوہدری عظمت کو مجرم یا کم از کم ملزم ہی قرار دیا جا سکے

لیکن میں فضا میں خطرے کی بو سونگھ رہا تھا۔ اگر وہ غیر قانونی کاموں میں ملوث تھا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ میرے نام اور کردار سے واقف رہا ہو۔ جوں ہی اسے یہ معلوم ہوتا کہ میرا نام ڈینی ہے' وہ چوکنا ہو جاتا۔ اس سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ وہ میرے نام کے ساتھ میری شکل وصورت سے بھی واقف ہو جائے لیکن دوسرا خطرہ بدستور موجود تھا۔

سلمٰی اس کے گھر مہمان تھی۔ ہم نے اس سے اچانک سامنا ہونے پر یہ عذر پیش کیا تھا کہ ہم اسی کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے۔ سلمٰی کا مزاج میرے لیے جانا بوجھا تھا' اس کے لیے یہ فخر کی بات تھی کہ ہم نے محض اپنی کوششوں سے لاہور میں اس کے ماموں کے گھر کا پتا چلالیا تھا اور پھر اس سے ملنے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ اپنے ماموں سے ملاقات ہونے پر وہ مزے لے کر اسے بتاتی کہ کس طرح ہم اس تک پہنچے تھے۔ اپنی بھانجی کی زبان سے میرا نام سن کر چوہدری عظمت کے کان کھڑے ہو جاتے۔ اسے احساس ہو جاتا کہ وہ کہانی بے بنیاد تھی۔ اصل میں' میں اس کی راہ پر لگ چکا تھا۔ اس کا یوں ہوشیار ہونا میرے حق میں نہ ہوتا۔

میرے دل میں آئی کہ اس بارے میں سلمٰی سے بات کروں' گھما پھرا کر اسے آمادہ کرنے کی کوشش کروں کہ وہ اپنے ماموں سے میرے نام کا ذکر نہ کرے۔ وہ ایک مہمان جوڑے کی آمد کا واقعہ نہیں چھپا سکتی تھی۔ وہ بات گول کرتی تو چوہدری عظمت کے دوسرے اہل خانہ اسے آگاہ کر دیتے۔ سلمٰی چاہتی تو یہ ضرور کر سکتی تھی کہ اپنے ماموں سے میرا نام چھپا لیتی اور مجھے اس کے خلاف خاموشی سے کام کرنے کا موقع مل جاتا۔

چوہدری عظمت' سلمٰی کا سگا اور اکلوتا ماموں تھا جب کہ میرے اور سلمٰی کے درمیان کوئی مضبوط رشتہ نہیں تھا۔ جہانگیر کی زیادتیوں سے دل برداشتہ ہو کر اس نے کئی بار مجھ سے دوستی بڑھانے کے لیے پیش رفت کی مگر میں نے ہر بار سرد مہری اور رکھائی سے کام لیتے ہوئے اپنا دامن صاف بچا لیا۔ وہ میرے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ ضرور رکھتی تھی مگر میرے رویے سے ہمیشہ شاکی رہتی تھی۔ میری کسی بھی کمزور خواہش پر وہ میری نیت کے بارے میں بدگمان ہو سکتی تھی۔ ایک بار اسے شبہ ہو جاتا کہ میں کسی وجہ سے اس کے ماموں کے پیچھے لگا ہوا ہوں تو وہ چوہدری عظمت سے مل کر میرے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی تھی۔

اسے اعتماد میں لینے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کی تھوڑی سی ناز برداری کی جاتی' جھوٹی سچی تعریف وتوصیف کی جاتی اور جب اس کی عقل اس سحر میں گرفتار ہو جاتی تو رسانیت سے اسے چوہدری عظمت سے تھوڑی سی غلط بیانی پر آمادہ کر لیا جاتا مگر غزالہ کی موجودگی میں اس تدبیر پر عمل کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

مجھے وہ چند روز کا کھیل نظر آرہا تھا۔ چوہدری عظمت کی پوزیشن صاف ہو جاتی یا وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا۔ پہلی صورت میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری صورت میں سلمٰی کو مجھ سے شدید شکوہ ہوتا کہ میں نے اسے کچھ بتائے بغیر' اس کے ماموں کی ذلت اور رسوائی کا سامان پیدا کر دیا۔ جہانگیر اور سلمٰی سے میرے گہرے مراسم کی بنا پر وہ صورتِ حال بہت تلخ اور تکلیف دہ ضرور ہوتی مگر ناگزیر ہوتی۔ میں کسی مجرم کو محض اس بنا پر نظرانداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میرے عزیز ترین جگری دوست کا کوئی رشتے دار تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میں جہانگیر کو منا سکتا تھا مگر سلمٰی کے بارے میں یقین سے کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔

باتوں باتوں میں سلمٰی بتا چکی تھی کہ ہیومن سوسائٹی کے کاموں میں اپنی گہری دلچسپی کی بنا پر چوہدری عظمت عام طور پر دیر سے گھر آتا تھا۔ ہم بے فکری سے کچھ دیر وہاں بیٹھے اس سے باتیں کرتے رہے۔ میری کوشش تھی کہ اس سے اس کے ماموں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکوں لیکن چوہدری عظمت کے بارے میں وہ خود بھی زیادہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے ہمیں اپنے بھائی کے گھر کا پتا اور فون نمبر نوٹ کرایا' اصرار کیا کہ ہم وہیں منتقل ہو جائیں مگر میں نے اس کی پیش کش سختی سے رد کر دی۔ غنیمت ہوا کہ یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ شادی کے بعد ہر لڑکی اپنے گھر بار کی مالک بن کر اپنے میکے والوں کے لیے صرف ایک پسندیدہ مہمان بن کر رہ جاتی ہے۔ جب وہ اپنے بھائی کے گھر میں مہمان تھی تو یہ کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کو بھی وہاں رہنے پر مجبور کرے۔ سلمٰی ہم سے جتنی بھی مانوس رہی ہو' اس کے بھائی اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے ہم اجنبی تھے۔ وہ لوگ اپنی نجی زندگی اور گھریلو ماحول میں دو غیر متعلق افراد کی شمولیت کو کبھی پسند نہیں کر سکتے تھے۔

سلمٰی ہماری قیام گاہ کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھی۔ دو تین مرتبہ میں نے اس کا سوال نظرانداز کر دیا لیکن جب وہ مصر ہونے لگی تو میں نے ہوٹل کا نام لینے کے بجائے کہہ ڈالا کہ ہم لاہور میں کچھ ایسے لوگوں کے مہمان تھے جو اپنے ناموں اور ٹھکانوں کو بہت سختی سے پوشیدہ رکھتے

ہیں۔ وہ ہماری سرگرمیوں کے بارے میں تھوڑا بہت ادراک رکھتی تھی۔ اس مسکت جواب کے بعد اس نے اس موضوع پر کوئی سوال نہیں کیا۔
سلمیٰ کی دل جوئی کے لیے ہم نے چائے سے پہلے چھولے کھالیے تھے پھر چائے نوشی کے دوران میں بسکٹ وغیرہ بھی کھاتے رہے۔ یوں وہ تواضع اتنی بھرپور ہوگئی تھی کہ اس کے فوری بعد کھانا کھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سلمیٰ ہمارے ساتھ مزید وقت گزارنے کی خواہاں تھی مگر ہم دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے وہاں سے اٹھ گئے۔ سلمیٰ نے باہر آکر گرم جوشی سے ہمیں رخصت کیا۔ اسے دیکھ کر خالد نے ایک سعادت مند ڈرائیور کا رویہ اپنالیا تھا۔
"یہ کوشش بری طرح ناکام ہوئی ہے" گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں نے خالد کو بتایا "چوہدری عظمت میرے ایک دوست کا ماموں سسر نکلا۔ اس وقت وہ گھر پر نہیں تھا۔ گاڑی کا رخ سمن آباد کی طرف کرلو۔"
خالد کے لیے وہ اطلاع حیران کن تھی۔ اس کے ذہن میں سوالات کا ابھرنا قطعی فطری تھا۔ اس نے سمن آباد کے بارے میں کچھ کہے بغیر، ہماری ناکام مہم کے بارے میں سوال کرنے شروع کردیے۔ میں اسے جواب دیتا رہا اور گاڑی لاہور کی سڑکوں پر سفر کرتی رہی۔
اپنے ہوٹل سے ماڈل ٹاؤن میں چوہدری عظمت کی رہائش گاہ تک پہنچنے کے لیے خالد نے شاہراہ قائداعظم یا پرانے مال روڈ سے کنال بینک روڈ کا راستہ اختیار کیا تھا جو اپنے فطری حسن اور کشادہ گردوپیش کی وجہ سے لاہور کی خوب صورت ترین سڑک کہی جاسکتی ہے۔ اس سڑک پر نہر کے کنارے کنارے سفر کرنے کے بعد ہم بائیں طرف مڑے تھے لیکن سمن آباد پہنچنے کے لیے خالد نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تھا کیونکہ اس کی سمت ہوٹل سے بہت مختلف تھی۔
سمن آباد لاہور کی متوسط درجے کی ایک ستھری آبادی ہے۔ اسی کے ایک حصے میں دو منزلہ عمارت پر ہیومن سوسائٹی کا بڑا سا بورڈ آویزاں تھا۔ وہ عمارت خاصی شاندار تھی۔ اس میں داخلے کے راستے پر ایک مسلح اور باوردی گارڈ موجود تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ دفتر کھلا ہوا تھا۔
گاڑی سے اتر کر میں غزالہ کے ساتھ اس طرف چل دیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے اِکّادُکّا افراد کی آمدورفت حوصلہ افزا تھی۔ ہم سیڑھیاں چڑھ کر مختصر سے برآمدے تک پہنچے تو مسلح گارڈ نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ہم کھلے ہوئے دروازے سے گزر گئے۔ دروازہ عبور کرتے ہی ہم نے

خود کو ایک ایسی آراستہ انتظار گاہ میں پایا جہاں مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف سفید کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک فیشن ایبل لڑکی براجمان تھی۔
ہمارے داخل ہوتے ہی اس لڑکی نے مصنوعی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف دیکھا۔ مجھے اس لڑکی کی موجودگی پر حیرت ہوئی۔ جو دفاتر رات کو دیر تک کھلے رہتے ہیں، وہاں کام کرنے والی لڑکیوں کو مقررہ وقت پر چھٹی دے دی جاتی ہے اور متبادل سے کام چلالیا جاتا ہے مگر اس کے بشرے پر تکان کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ یوں تازہ دم نظر آرہی تھی جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی کام پر پہنچی ہو۔
میں نے ایک معروف اخبار کے نمائندے کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے ہوئے چوہدری عظمت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ کوائف نوٹ کرنے کے بعد انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ وہ اپنے مخاطب کو بار بار بہت ادب سے سر کہہ رہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ براہِ راست چوہدری عظمت سے بات کررہی تھی مگر اس نے گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد معذرت خواہانہ لہجے میں بتایا کہ ہیومن سوسائٹی کا سربراہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے ہمیں پہلے سے وقت طے کرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر چوہدری عظمت تک رسائی ممکن نہیں تھی۔
"میرا اندازہ تھا کہ آپ ابھی انٹرکام پر چوہدری صاحب سے بات کررہی تھیں" میں نے تلخی سے کہا۔
"نو سر!" اس نے خوش خلقی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "میں نے ان کے سیکریٹری سے بات کی تھی۔"
"اگر چوہدری صاحب، اتنے مصروف ہیں تو ہم بھی ان کا وقت خراب کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم اپنے اخبار کے قارئین کے لیے ہیومن سوسائٹی کے فلاحی کاموں کی کچھ تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔ شاید یہ معلومات ان کے سیکریٹری سے ہی مل جائیں گی۔"
"وہ دفتر سے نکلنے والے تھے۔ پھر بھی میں پوچھ لیتی ہوں" یہ کہتے ہوئے، اس نے انٹرکام پر بات کرنے لیے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے راہ داری میں ایک تنومند شخص نمودار ہوا۔ لڑکی نے گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا "شاہد صاحب جارہے ہیں۔ آپ کو کل آنا پڑے گا۔"
اندر سے برآمد ہونے والا شخص خاصا فرعون صفت

معلوم ہوتا تھا۔ انتظار گاہ اور راہ داری کے درمیان شفاف شیشے کی ایک لمبی دیوار کھڑی ہوئی تھی جس میں سے آرپار دیکھا جاسکتا تھا۔ مگر شاہد نے وہاں سے گزرتے ہوئے انتظار گاہ کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ شاہد پر نگاہ پڑتے ہی میرے دل میں نفرت کی ایک ہلکی سی لہر نے سر ابھارا تھا۔ بعض افراد کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ ان سے کوئی ربط ضبط یا واسطہ نہ ہونے کے باوجود ان سے بغض اور کینہ محسوس ہوتا ہے۔ شاہد کا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہوتا تھا۔

چند ثانیے قبل اسے بتایا گیا تھا کہ کسی اخبار کے نمائندے اس کے پاس سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے پھر بھی وہ ہمیں بری طرح نظرانداز کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ بے اختیار میرا دل چاہا تھا کہ باہر نکل کر اسے گریبان سے پکڑلیا جائے اور مار مار کر بے حال کردیا جائے۔ وہ ایک اضطراری رو تھی جس کے تحت میں استقبالیہ کاؤنٹر سے رخصت ہوا مگر چند قدم طے کرنے کے بعد مجھے احساس ہوگیا کہ ہاتھ میں کوئی سرا نہ ہونے کے باوجود شاہد سے بھڑنا قرین مصلحت نہیں تھا۔

چند منٹ کے وقفے میں ہماری واپسی کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ خالد کو اندازہ ہوگیا کہ چوہدری عظمت سے ملاقات کی ہماری دوسری کوشش بھی ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس نے ہم سے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کے بجائے پوچھا "ابھی اندر سے سیاہ سوٹ میں کون نکلا تھا؟"

"چوہدری عظمت کا سیکریٹری تھا۔ تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ اندر سے نکلا اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ہوا ہوگیا۔ شاید عجلت میں کہیں گیا ہے۔"

ہماری گاڑی حرکت میں آچکی تھی۔ میں نے کہا "ہوسکے تو ایک کوشش کرلو۔ شاید اس کا تعاقب بار آور ثابت ہوسکے۔"

"مشکل ہے" خالد نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے جواب دیا "وہ آندھی کی طرح گیا ہے' سمت صحیح ہوتب بھی اس تک پہنچنے کی امید نہیں ہے۔"

ہم خاصی دیر تک سمن آباد کی سڑکوں پر بھٹکتے رہے پھر ملتان روڈ پر نکل آئے۔ شاہد کی گاڑی کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔

"میں نے آج تک ہیومن سوسائٹی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس تنظیم کے سربراہ تک رسائی اتنی مشکل ثابت ہورہی ہے" راستے میں خالد نے کہا "اب مجھے بھی اس کی ذات میں دلچسپی محسوس ہورہی ہے۔"

وہ شہر میں نیک نام تھا۔ اس کا شمار معززین میں ہوتا تھا۔ اس بنا پر اس کے اثر و رسوخ کی وسعت پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر پوری تحقیق اور چھان بین کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالا جاتا تو لاہور کی انتظامیہ میں بھونچال آسکتا تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے خالد سے پوچھا "شاہد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"خود سر' بد دماغ اور بدمعاش قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے" اس نے بلاتوقف جواب دیا۔

"اس کے بارے میں میرا تاثر بھی یہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اصل معاملات تک پہنچنے کے لیے اسے اٹھوالیا جائے۔"

"اسے اٹھوانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سوچ لو کہ اس کا ردِ عمل بہت شدید ہوگا۔ چوہدری عظمت یہاں سے اسلام آباد تک' ہر ایک کو ہلا کر رکھ دے گا۔ میں اتنے بڑے فیصلے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔ میں لاہور میں رہتا ہوں لیکن ابھی تک میں نے ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں سنی جسے بنیاد بنا کر ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاسکے۔"

"میں بھی اور کچھ نہیں سوچ رہا۔ میرے سامنے صرف یہ بات ہے کہ ان کا دامن بالکل بے داغ ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ انہونی سی بات ہے۔ فلاحی سرگرمیوں کے اس قدر شفاف ریکارڈ سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں۔ اس قدر احتیاط اور منصوبہ بندی سے کررہے ہیں کہ ان سے معمول کی غلطیاں بھی سرزد نہیں ہورہیں۔ حیرت ہے کہ اب تک کسی نے اس بارے میں کیوں نہیں سوچا۔"

"تمہارے کہنے پر مجھے احساس ہورہا ہے کہ یہ نکات قابلِ توجہ ہیں" خالد نے اعتراف کیا۔ "ان پر کام کیا جانا چاہیے لیکن محض ان نکات کی بنا پر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے وقت درکار ہوگا۔"

خالد سے میری شناسائی پرانی نہیں تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ مگر میرے کہنے پر کوئی بڑا فیصلہ کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔ ایس ٹی ایف میں ہر اسٹیشن کمانڈر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے آزاد اور خود مختار تھا لیکن

اپنے کیے ہوئے فیصلوں کے نتائج کے بارے میں اپنے سربراہ کو جواب دہ تھا۔ غیر تحریری پالیسی سے انحراف کی صورت میں اسٹیشن کمانڈر کا گوشمالی سے بچنا ناممکن تھا۔

ملتان روڈ سے ہوتے ہوئے لوئر مال روڈ پر جا نکلے۔ اس دوران میں گاڑی میں خاموشی رہی۔ خالد نے بھی بھانپ لیا تھا کہ اس کا محتاط رویہ مجھے قدرے شاق گزرا تھا مگر وہ خود بھی اپنی ملازمت کے ضابطوں کا قیدی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ خالد احمد تھا' اول خان نہیں تھا۔ اول خان کی سب سے بڑی خامی یا خوبی یہ تھی کہ وہ میری کہی ہوئی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کر گزرتا تھا اور پھر اسے اپنے مشورے کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا میری ذمے داری بن جاتا تھا۔ یہ ہم دونوں کے مقدر کی بات تھی کہ اس طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے اول خان کو ایک موقع کے سوا کبھی ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

الحدید نامی لانچ کے ذریعے اسلحے اور ہتھیاروں کی اسمگلنگ میں ناکامی کے بعد متاثرہ فریق کے زبردست دباؤ پر اول خان کو کراچی سے تبدیل کردیا گیا تھا۔ بظاہر وہ ایک تادیبی قدم تھا لیکن میری دانست میں وہ اول خان کی عمدہ کارگزاری کا کھلا اعتراف تھا کہ اس نے ملک دشمنوں کو کراچی کا ساحل استعمال کرنے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا' ویران ساحلی علاقے کو ان کا مدفن بنا دیا تھا۔

خالد نے ہوٹل کے پورچ میں ہمیں اتارنے کے لیے گاڑی روکی تو میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کرنے کی کوشش کی مگر اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور لجاجت سے بولا "میں گاڑی پارک کر کے تمہارے کمرے میں آرہا ہوں۔ بس چند منٹ کے لیے ضروری بات کرنی ہے۔"

مجھے اس کا مافی الضمیر سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کشیدگی کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ خالد کی اپنی سوچ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وقتی طور پر مجھے اس کے رویے سے رنج ہوا تھا لیکن بعد میں' میں نے ہر ملال کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کا ہر رکن' ہر وقت میرے مشوروں پر بے چون و چرا کیے عمل کرنے کے لیے تیار رہے۔ ان لوگوں کی اپنی بھی کوئی مجبوری ہو سکتی تھی۔

غزالہ نے کاؤنٹر سے چابی لی اور ہم دونوں لفٹ کے ذریعے اپنے فلور پر پہنچ کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ جوتوں سے نجات حاصل کر کے غزالہ غسل خانے میں جا گھسی۔ میں نے ٹیلی وژن آن کردیا۔ اسی اثنا میں خالد کمرے کے دروازے پر دستک دینے اور اجازت ملنے پر اندر آگیا۔

وہ صورتِ حال خاصی دلچسپ تھی۔ خالد اپنی مجبوری پر معذرت خواہ تھا اور میں اپنی خوش فہمی پر نادم تھا۔ چند لمحوں میں دونوں کو اندازہ ہوگیا کہ بات کچھ نہیں تھی۔ بس راستے میں اختیار کی جانے والی طویل خاموشی نے ہم دونوں کو تردد میں مبتلا کردیا تھا۔ خالد ان لوگوں سے براہِ راست بھڑنے کے سوا ہر کارروائی پر آمادہ تھا اور میں بھی اس دوران میں چوہدری عظمت کو گھیرنے کے لیے کسی متبادل طریقہ کار کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

جب سوچ یکساں ہو تو پھر زیادہ بحث اور تکرار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ذرا سی دیر میں یہ طے ہوگیا کہ خالد ان لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات یکجا کر کے مجھ سے اگلے دن ملے گا اور ان معلومات کی روشنی میں ہیومن سوسائٹی والوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کا کوئی پروگرام طے کیا جائے گا۔ غزالہ لباس تبدیل کر کے غسل خانے سے برآمد ہوئی تو اس موضوع پر میری اور خالد کی گفتگو تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

خالد حساس طبیعت کا مالک تھا اور ساتھ ہی زیرک بھی۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ ہم دونوں میاں بیوی ہوٹل کے ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ وہی ہماری کل کائنات تھی۔ جب تک خالد وہاں بیٹھا رہتا۔ غزالہ بے فکری سے بستر کا رخ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے آجانے کے بعد خالد نے ہم سے رخصت ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میرے اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے نہیں رکا اور ہمیں الوداع کہہ کر واپس چلا گیا۔

"اس ساری بھاگ دوڑ کے نتیجے میں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا" کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے کسل مندی سے انگڑائی لیتے ہوئے کہا "بس سلمیٰ سے اتفاقیہ طور پر ملاقات ہو گئی ورنہ دوسرے معاملات جوں کے توں ہیں۔"

"یہ آپ کی رائے ہو سکتی ہے۔" غزالہ نے سنجیدگی سے جواب دیا "مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

میں نے اسے اشارہ کر کے انٹرکام پر ہوٹل کی روم سروس کا نمبر ملایا' اس روز کا مینو معلوم کر کے کمرے میں کھانا پہنچانے کی ہدایت کی اور دوبارہ غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا "مجھ سے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کسی موہوم سی کامیابی کا احساس ہو رہا ہے۔"

"ہوٹل چھوڑنے تک ہم چوہدری عظمت کے بارے میں نری قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اب ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ واقعی ایک پراسرار شخص ہے جس تک رسائی

آسان نہیں ہے۔ وہ سلمیٰ کا ماموں ہے مگر خود سلمیٰ بھی اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اسے مشکوک بناتی ہیں لیکن آپ نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس کے بارے میں آپ کے کیا شبہات ہیں؟"

"ابھی ہر بات غیر یقینی ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے کرسی پر دراز ہو کر کہا "خالد پریشان ہے کہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والا کیمیکل بھارت سے کس طرح پاکستان آرہا ہے۔ اگر ایس ٹی ایف جیسا ادارہ یہ کھوج لگانے میں ناکام رہا ہے تو طے ہو جاتا ہے کہ یہ کام زبردست منصوبہ بندی اور احتیاط کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ ہیروئن کی کہیں کوئی قلت نہیں ہے۔ یہ نشہ دستیاب ہے اور اس کے دام بھی معمول پر ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سرحدی پٹی میں قائم کارخانوں کو وافر مقدار میں کیمیکل مل رہا ہے۔ یہ ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے پاس ٹرانسپورٹ کے وسیع ذرائع ہیں۔ ان کی گاڑیاں نقد اور اجناس کی صورت میں دور دور سے بلکہ صحیح طور پر شاید سرحدی علاقوں سے عطیات جمع کرتی ہیں جو طویل فاصلہ طے کر کے صوبہ سرحد تک پہنچائے جاتے ہیں۔"

"اوہ! میرے خدا!" غزالہ نے میری بات درمیان سے کاٹ دی "آپ کا مطلب ہے کہ ہیومن سوسائٹی کو حاصل آزادیوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے؟ ان کی گاڑیاں پاکستان اور بھارت کے سرحدی علاقے سے کیمیکل لاتی ہیں اور خیبر کے پہاڑوں میں قائم کارخانوں تک پہنچا دیتی ہیں؟"

"ابھی میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے حقائق بتائے ہیں۔ تم نتائج اخذ کر رہی ہو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"نتائج اخذ کیے بغیر ہم آگے کام نہیں کر سکتے۔ آخر آپ میرے سامنے اتنے محتاط کیوں ہیں؟"

"سچ پوچھو تو میرا ذہن اس گتھی میں الجھا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بس ذہن میں خلش تھی کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تم نے زبان کھول کر میری یہ مشکل آسان کر دی۔ اب میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے ذہن میں کیا ہے۔ دیہی علاقوں سے عطیات لے کر لاہور آنے والی گاڑیوں کی سختی سے جانچ پڑتال کی جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور سامنے آئے گا۔ قصور سے سیالکوٹ تک سرحد کے دونوں طرف آبادیاں ہیں۔ وہ لوگ کہیں بھی کوئی لین دین کر سکتے ہیں۔"

"بھارت روانگی کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں نے بھی کچھ پڑھا ہے اور نقشے دیکھے ہیں" میری بات سن کر غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "ہماری اور بھارت کی سرحد قصور ...

نہیں بلکہ سندھ کے انتہائی جنوب میں بحیرۂ عرب اور رن کچھ سے شروع ہوتی ہے۔ پورے سندھ کی سرحد بھارت سے ملتی ہے۔ پنجاب میں بھی رحیم یار خان سے بھارتی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کام رن کچھ سے جموں تک کہیں بھی ہو سکتا ہے' پھر لاہور ہی کیوں؟"

"ہر مجرم اپنے ٹھکانے اور شہر میں شیر ہوتا ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اس بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب آپ نے چوہدری عظمت کو مجرم تصور کرنا شروع کر دیا ہے؟"

"مجبوری ہے۔ کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود واقعات اس کے خلاف جارہے ہیں۔ اسمگلنگ سندھ کے راستے بھی ہوتی ہے مگر وہاں آبادیاں بہت کم ہیں۔ راستے طویل' ریگستانی اور دشوار گزار ہیں۔ اس علاقے کے حالات مختلف ہیں۔ فوجی اور سیاسی معاملات سازگار ہوں تو دونوں طرف' سرحد کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی ہوتی ہے اور پھر وہ مہنگا کیمیکل ٹینکروں سے نہیں آتا' اس کے دو چار سو چھوٹے ڈرم بھی دولت کی برسات کر دیتے ہوں گے۔"

روم سروس کا ایک ویٹر کھانے کی ٹرالی کے ساتھ آگیا اور وہ گفتگو وہیں رہ گئی۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔ ہم دونوں کی بھوک چمکی ہوئی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبوؤں والے کھانے سامنے آتے ہی ہم نے ڈنر کا آغاز کر دیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ غزالہ کے ابتدائی فقروں سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کراچی کی کال تھی اور دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔ ویرا کو اپنی مرضی کے خلاف کراچی میں رکنا پڑا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ غزالہ سے کوئی تلخ و ترش بات نہ کہہ بیٹھے۔ میں نے بڑھ کر غزالہ سے ریسیور لے لیا۔

"... اس پر نظر رکھنا" میرے کانوں میں ویرا کی آواز آئی۔ اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ ریسیور غزالہ سے میرے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ وہ اپنی دانست میں غزالہ سے ہی بات کر رہی تھی "میں نے ڈینی کو قریب سے دیکھا ہے۔ سفر میں وہ بالکل بدل جاتا ہے۔"

"ہرگز نہیں بدلتا۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے" میں نے خوش دلی سے کہا "تم غزالہ کو میری طرف سے بھڑکانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟"

"مجھے کسی کو بھڑکانے کی ضرورت نہیں" غزالہ کے بجائے میری آواز سن کر ویرا کے لب و لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا "میں غزالہ کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ تم رفتہ رفتہ خدائی فوجدار بنتے جارہے ہو۔ جہاں جاتے ہو' کسی نہ کسی معاملے میں ٹانگ اڑا ... ہو۔ سنا ہے کہ لاہور میں بھی

تم چین سے نہیں بیٹھے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھے الہام نہیں ہوتا' یہ خبر اول خان نے دی تھی" ویرا نے چیخ کر جواب دیا "کراچی میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں اول خان کو بہت کم معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ تم کو تازہ ترین واقعات کا علم تھا۔ کچھ کیے بغیر آدمی اتنا باخبر نہیں رہ سکتا۔"

"بس ہاتھ پیر ہلانے پڑتے ہیں۔ وہ سوچتا رہ گیا۔ میں نے جلال کو فون کر لیا تھا۔"

"کراچی میں خون آشام دہشت گردی کے بعد بھارتیوں کا لب ولہجہ بدل گیا ہے۔ اگر تم نے آج کے اخبارات دیکھے ہوں تو تمہیں علم ہو چکا ہوگا کہ انہوں نے جوگیندر پال کے قتل کی ذمے داری پاکستانی ایجنسیوں پر ڈال دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بھری آبادی میں صرف ایک بھارتی اہل کار کی موت منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ اسے نشانہ بنا کر مارا گیا ہے۔"

"میں نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے لیکن ان کا یہ موقف میرے لیے متوقع تھا۔ تم اسے کیوں دہرا رہی ہو؟"

"کشیدگی بڑھنے کے امکانات ہیں۔ اس سے آگے تم خود سوچ سمجھ سکتے ہو۔ مجھے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس واقعے کو بھول جاؤ۔ بہت سی باتیں محض ریکارڈ کے لیے رسمی طور پر کہی جاتی ہیں' جو کچھ طے ہو چکا ہے اس پر عمل ہوگا۔"

"میں خود ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتی لیکن تم کو باخبر رکھنا میرا فرض تھا تاکہ بعد میں تم شکایت نہ کرو کہ میں نے تم سے دور رہ کر اپنے فرائض سے روگردانی کی ہے۔ میں الگ رہوں یا کسی کے ساتھ' میری کارکردگی یکساں رہتی ہے۔"

"اخباری اطلاعات کا دہرانا کمال نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ لاہور میں بھی اخبارات چھپتے ہیں اور ان میں وہ سب اہم خبریں ہوتی ہیں جو کراچی کے اخباروں میں شائع ہوتی ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ابھی تم نے اخبار نہ دیکھنے کا اعتراف کیا ہے" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خبر پھر خبر ہوتی ہے۔ ہر حال میں سفر کرتی ہوئی متعلقہ لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ تم یہ سناؤ کہ سلطان شاہ کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟"

"پہلے وہ اپنے کمرے میں پڑا پشتو گانے سنتا رہا۔ اب کہیں نکلا ہوا ہے۔ بس گزارہ ہو رہا ہے۔"

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس وقت تک ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے قدرے سکوت کے بعد پوچھا "جہانگیر کا کوئی فون آیا تھا؟"

"نہیں۔ وہ ہمیں کیوں فون کرے گا؟ لاہور میں بھی وہ تمہارے دماغ سے چپکا ہوا ہے۔"

ویرا کی جھلاہٹ پر میں بے ساختہ ہنس پڑا "وہ مجھے بلاوجہ یاد نہیں آیا۔ اس سے کراچی ائرپورٹ پر ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی زوجہ اسی پرواز سے لاہور آئی ہے۔ جس سے ہم نے سفر کیا تھا۔"

"پھر واقعی حیرت ہے" ویرا قائل ہو گئی "اگر جہانگیر کو معلوم ہے کہ تم شہر سے باہر ہو تو پھر اسے مجھ کو ضرور فون کرنا چاہیے تھا۔ بے چارہ ہمیشہ میرے ساتھ تخلیے کو ترستا ہے۔ مگر آج تک اسے اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا موقع نہیں مل سکا۔ پتا نہیں اس کی یہ حسرت کب پوری ہوگی۔"

"وہ اب بھی کبھی کبھی حیران ہوتا ہے کہ تم ہی بلیک کوئن کے روپ میں اس کے اوسان خطا کیا کرتی تھیں۔ اسے کئی بار تمہارے ساتھ بیٹھنے اور پینے کا موقع ملا ہے لیکن شاید یہی تصور اس کی زبان کا قفل بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تم کو بہت پسند کرتا ہے۔"

"آزاد خیال اور خوش رو لڑکیوں کے لیے ہر مرد ندیدا اور دل پھینک ثابت ہوتا ہے۔ تم اسے الزام نہیں دے سکتے۔"

"یہی خواص تم میں بھی پائے جاتے ہیں" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اطمینان سے بستر پر دراز ہو چکی تھی اور ٹیلی وژن کی طرف متوجہ تھی۔ بظاہر میرا جواب گول مول لیکن ویرا کے لیے واضح تھا۔ اس کی اداس آواز ابھری "یہ پارینہ قصے ہو گئے۔ تمہیں علم ہے کہ میں اپنے ماضی کو دفن کر چکی ہوں۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ میں نے تمہارے والدین کی تدفین کے بارے میں سنا تھا۔ آج تم نئی بات بتا رہی ہو۔"

"تم بہت بے رحم ہو۔ نشترزنی پر تل جاتے ہو تو کسی کو معاف نہیں کرتے۔ شاید ہر مرد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جہانگیر خوشامدی ہے۔ جب وہ بات بات پر کھیسیں نکال کر ہنستا ہے تو مردانگی اس کے چہرے سے مفقود ہو جاتی ہے۔"

"اب وہ خطرناک ہو گیا ہے۔ اس کا فون آجائے تو ذرا محتاط رہنا۔ میں کسی فساد کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"کیسا فساد!" میرے الفاظ نے اسے چونکا دیا "کیا اب تمہیں اس میں بھی کیڑے نظر آنے لگے یا مجھے اس سے دور رکھنا چاہتے ہو؟"

"نہ اس میں کیڑے ہیں نہ میں تمہارے بارے میں اتنا فکر مند ہوں۔ بات بس اتنی سی ہے کہ اس بار لاہور میں سلمٰی کا ماموں میری نظروں میں آگیا ہے۔ بات بڑھے گی تو سلمٰی فوراً اسے بتائے گی اور وہ تم پر چڑھ دوڑے گا۔"

"اوہ...!" اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم وہاں واقعی کچھ نہ کچھ کر رہے ہو۔ تمہارے بارے میں اول خان کی پریشانی بلاوجہ نہیں ہے۔ کل وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا لاہور جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کراچی میں رکے رہتے تو تمہاری سرگرمیاں سب کے سامنے ہوتیں۔ وہاں تم بے لگام ہو سکتے ہو۔"

"وہ عمر میں مجھ سے بڑا اور زیادہ تجربے کار ضرور ہے مگر میرا سرپرست نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میرے بارے میں اتنی تشویش میں مبتلا نہ رہا کرے۔"

"اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ سلمٰی کے ماموں کا کیا چکر ہے' تم اس سے کیسے بھڑ گئے؟"

"ابھی بھڑنے کی نوبت نہیں آئی لیکن آثار اچھے نہیں ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر سلمٰی کے ماموں کا پیچھا نہیں کیا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ میں جس شخص کی راہ پر لگا وہ بعد میں جہانگیر کا ماموں سسر ثابت ہوا۔ ابھی سلمٰی اندھیرے میں ہے۔ بات کھلے گی تو وہ بپھر جائے گی۔ میری پوری کوشش ہے کہ میں پسِ پردہ رہوں۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں سلمٰی کے ماموں سے کیا پرخاش ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں لگے ہو؟" ویرا کی آواز میں تجسس اُمڈ آیا۔

"تم بہک رہی ہو۔ میں اس کے ماموں کے پیچھے نہیں لگا۔ ایک مشتبہ شخص کے پیچھے لگا تھا۔ اس کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تو پتا چلا کہ وہ سلمٰی کا ماموں ہے۔"

"چلو... یوں ہی سہی مگر یہ تو بتاؤ کہ اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟"

"ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے اہم ترین کیمیکل کی بھارت سے اسمگلنگ پر اس کی اجارہ داری معلوم ہوتی ہے۔"

"تمہاری زبان کالی ہے۔ ابھی تم شبہ ظاہر کر رہے ہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اسے اس معاملے میں پھانس لوگے اور وہ بری طرح رگڑا جائے گا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لاہور جا کر تمہیں ان سب الجھنوں میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے الجھنیں مول لینے کا شوق نہیں ہے" میں نے ناگواری سے کہا "ہم کراچی میں رہتے ہیں اور وہاں ہیروئن استعمال کرنے والوں کے اداروں کو دیکھ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ خالد نے لاہور کا جو نقشہ کھینچا وہ کراچی سے بھی زیادہ دل دوز ہے۔ یہاں بھی ہیروئن غریب اور مزدور طبقے سے نکل کر عزت دار گھرانوں میں پھیل رہی ہے۔ پڑھے لکھے نوجوان اس نشے کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ یہ سب سن کر کوئی بے حس آدمی ہی غیر جانب دار رہ سکتا ہے۔"

"میرے لیے یہ اطلاع مزید حیران کن ہے کہ تم صرف سنی سنائی باتوں پر میدان میں کود پڑے ہو۔"

"یہ دیکھنا ضروری ہے کہ سنانے والا کون ہے۔ خالد لاہور کا اول خان ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ کسی بات پر فکر مند نہیں ہوتے۔"

"مجھے ڈر یہ ہے کہ تمہارا چہرہ آئندہ چند دنوں میں نارمل ہونے کے بجائے مزید بگڑ نہ جائے" ویرا کی آواز متاسفانہ تھی۔

"یوں کھل کر بددعائیں نہ دو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔"

یکایک ویرا کا لہجہ بدل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "تم ہوٹل میں ہو جہاں ایکسچینج ہونے کی وجہ سے سی ایس ڈی استعمال نہیں ہو سکتی پھر بھی تم بے خوف و خطر ہر بات کیے جا رہے ہو۔ میں بھی بھول گئی تھی کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ شاید تم لاہور میں اپنی گردن پھنسوانے کا مصمم ارادہ کر چکے ہو...."

"اس بارے میں اول خان مجھے کلیئرنس دے چکا ہے۔ شاید یہاں کے ایکسچینج میں کوئی ایسا خودکار نظام ہے کہ آپریٹر ایک مرتبہ کال منتقل کرنے کے بعد دوبارہ اس میں مداخلت کر سکتا ہے نہ دونوں طرف کی گفتگو سن سکتا ہے۔ تم بے فکر ہو کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال سکتی ہو۔"

"اگر تمہیں اور تمہارے اول خان کو اس سسٹم پر اتنا اعتماد ہے تو تم جانو۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تم ہم کو نظر انداز کر کے لاہور میں اپنی من مانیاں کرنے کے لیے آزاد ہو تو پھر میں بھی کسی کی پابند نہیں ہوں۔ جو ذہن میں آئے گا' کر گزروں گی۔"

"تم سنتی کب ہو؟ جو دل میں آتا ہے کر ڈالتی ہو۔ اب تمہاری کھوپڑی میں کیا لاوا پک رہا ہے؟"

"میں کوئی روگ نہیں پالتی' بے فکری کی زندگی گزارتی ہوں" اس کی طرف سے جواب آیا "مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ تم مصروف ہوگئے تو مجھے بھی ہاتھ پیر مارنے چاہئیں۔ ہم تینوں بھارت چلے گئے تو جان اسمتھ کراچی میں دبکا رہے گا۔ اسے ہراساں کرنا ضروری ہے تاکہ وہ بھی کراچی بلکہ پاکستان سے نکل بھاگے ورنہ بھارت میں کوئی لطف نہیں

آئے گا۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس کا صفایا ہونا ضروری ہے۔ اس نیک کام کے لیے پڑوسی ملک کی زمین زیادہ مناسب رہے گی۔"

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ ہم پہلے ہی طے کرچکے تھے کہ کسی طرح جان اسمتھ کو نئی دہلی کا رخ کرنے پر مجبور کیا جاسکے تو اسے وہاں ٹھکانے لگادیا جائے۔ اگر ہم تینوں پاکستان سے نکل جاتے تو اول خان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ حدود سے تجاوز کرکے جان اسمتھ کو دہشت زدہ کرسکے۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے وہ اہم نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔

ویرا وہ کام عمدگی سے کرسکتی تھی۔ ایک مرتبہ جان اسمتھ دباؤ میں آکر کراچی چھوڑ دیتا تو چند ہفتوں سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس دوران میں ہم سرحد پار کرکے بھارت پہنچ جاتے اور اس کی بے پروائی سے فائدہ اٹھا کر اطمینان سے اپنا کام کرگزرتے۔

میں نے اس کی تجویز کے بارے میں اپنی پسندیدگی چھپاتے ہوئے جواب دیا "وہ کراچی میں مقیم ضرور ہے مگر اس کو پورے جنوبی ایشیا میں سی آئی اے کے آپریشنز دیکھنے پڑتے ہیں۔ وہ بھارت اور دوسرے ملکوں کا کثرت سے سفر کرتا رہتا ہے۔ ہماری موجودگی میں دہلی ضرور آئے گا۔ اس بارے میں تمہیں کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"زحمت نہیں، میں اس کام کو اپنا فرض تصور کررہی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم مسلمانوں میں موذی کو ایذا پہنچانے کا موقع ملنے سے قبل ہی ماردینے کا نظریہ رائج ہے۔ جان اسمتھ بہت بڑا موذی ہے۔ اسے کیفرِکردار تک پہنچانے کی کوشش کو کارِثواب کا درجہ حاصل ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں کہ کوئی بات تمہارے دماغ میں گھس جائے تو اسے نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سے چھیڑچھاڑ میں تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ سلطان شاہ کے سوا کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکے گا۔ میمن گوٹھ میں پیش آنے والے واقعات کے بعد امریکی بہت محتاط ہوچکے ہیں۔ تمہارا مشتبہ سایہ بھی ان کے بھڑکنے کا سبب بن جائے گا۔"

"یہ رٹی رٹائی باتیں دہرانے کا شکریہ۔ جہانگیر کو میرا ماضی یاد رہتا ہے مگر تم ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میں تمہاری ایک کوئن رہ چکی ہوں جس کی دہشت سے عادی مجرم تک کانپ اٹھتے تھے اور کسی کو بھنک نہیں ملتی تھی کہ چست، کے لباس میں کون ان کے دماغوں پر حکمرانی کررہا ہے۔"

"میں تمہیں صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔ کسی بات سے روک سکتا ہوں، نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں۔ یاد رکھنا کہ ماضی پر زیادہ ناز کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ تم نے

جرائم پیشہ لوگوں پر حکمرانی کی تھی۔ سیکرٹ ایجنٹ ان سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے، تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔"

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم میری ضرورت محسوس کرتے ہو..." ویرا کی آواز مسرت آمیز تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں صرف اپنی نہیں، سب کی بات کررہا تھا۔ سب تمہاری زندگی اور خیریت کے خواہاں رہتے ہیں۔"

"میں دوسروں کی زیادہ پروا نہیں کرتی۔ تم کہہ رہے ہو تو میں بہت محتاط رہوں گی۔ شاید بات فون کالز تک ہی محدود رہے گی۔"

"اپنا نام بھول کر بھی استعمال نہ کرنا" میں نے تاکید کی "ڈینی اور ویرا کے ناموں سے انہیں نفرت ہے۔ جب وہ میرے خلاف دفترِ خارجہ میں شکایت کرسکتے ہیں تو تمہارے بارے میں بھی ایسا ہی شور مچاسکتے ہیں۔ اپنی شناخت ہرحال میں پوشیدہ رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بھارتی سرزمین پر آخری وقت آنے سے پہلے اسے معلوم نہیں ہوسکے گا کہ اسے ہانکنے والی کون تھی۔ شاید تمہیں کوئی تجربہ نہیں ہوا لیکن میں فیشن زدہ پاکستانی عورتوں جیسی لولی لنگڑی انگریزی بھی بہت مہارت سے بول لیتی ہوں۔"

"ویری گڈ... سلطان شاہ آجائے تو اسے میری طرف سے دعا اور پیار کہہ دینا" میں نے ہنس کر کہا۔

میرا وہ پیغام سنتے ہی ویرا چیخ اٹھی "وہ اتنا ننھا اور بھولا نہیں ہے۔ تم نے بلاوجہ اسے اپنا لے پالک بناکر سر پر مسلط کیا ہوا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مرد کی طرف سے دوسرے مرد کے لیے ایسا پیغام کہیں بھی پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔"

"تم ہر بات کا غلط مفہوم نکالنے میں ماہر ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ مجھے کتنا عزیز ہے۔ تمہیں برا لگتا ہے تو اسے میری دعا ہی پہنچادینا۔"

"پہنچادوں گی" اس کی بے پروایانہ آواز آئی "وہ جس اشتیاق سے آج کل ہیجان انگیز پشتو گانے سن رہا ہے، اس میں کمی کے لیے اسے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ اس کا انہماک دیکھ کر مجھے ہر دم اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں وہ کسی مسرت زدہ شاہین کی طرح اپنی دم کے بل ٹھمکنا شروع نہ کردے۔"

میں اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا۔ ویرا صرف [illegible] واقفیت تھی [illegible]

والے قبائلیوں سے وہ براہِ راست ان ہی کی زبان میں مذاکرات اور سودے بازی کرتی تھی۔ شاید سلطان شاہ بھول چکا تھا کہ ویرا پشتو گانوں کا پورا مفہوم سمجھتی ہے۔ اس کی یہ کمزوری اسے کسی بھی وقت ویرا کے ہاتھوں میں کھلونا بنا سکتی تھی۔

چند الوداعی فقروں کے تبادلے کے بعد ویرا سے وہ نتیجہ خیز گفتگو ختم ہوگئی۔

"ویرا آپ سے بہت لمبی گفتگو کرتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کسی طنز کے بغیر کہا۔

"وہ عادت سے مجبور ہے۔ ہر بات میں بحث ضروری سمجھتی ہے۔ تم بحث سے اپنا دامن بچاتی ہو۔ تم سے اس کی باتیں زیادہ طول نہیں پکڑتیں۔ ویسے بھی وہ دوسری عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ زیورات، کپڑوں اور خوشبوؤں کے بارے میں کبھی بات نہیں کرتی۔"

"مجھے بھی ان خرافات سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے کبھی آپ سے کسی چیز کی فرمائش نہیں کی۔"

"چلو، پھر ان خرافات کو کچھ دیر کے لیے فراموش کردو" میں ہنستا ہوا بستر پر دراز ہوگیا "تم ان کے بغیر بھی اچھی لگتی ہو۔"

○☆○

خالد صبح نو بجے ہوٹل آپہنچا۔ اس نے ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر اپنی آمد کی اطلاع دی تو اس کی آواز سے تکان مترشح تھی۔

ہم دونوں پچھلی رات کو وقت سے سوگئے تھے اور گہری نیند لے کر کافی دیر پہلے بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے خالد کو فوراً اوپر بلالیا۔ لابی کے مقابلے میں کمرے میں سکون سے بیٹھ کر ہم زیادہ بے فکری سے گفتگو کرسکتے تھے۔

خالد اوپر آیا تو اس کے چہرے پر شگفتگی مفقود تھی۔ آنکھوں پر ہلکا سا ورم آیا ہوا تھا۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ پچھلی رات اس نے بے خوابی میں گزاری تھی۔

ہوٹل میں ملنے والی سہولیات کے بارے میں ہمیں کوئی شکایت نہیں تھی مگر خالد اس بارے میں فکرمند تھا۔ وہ ہماری گفتگو کا ابتدائی موضوع تھا پھر اس نے بتانا شروع کیا کہ اس نے ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کے بارے میں رات سے ہی بھرپور پیمانے پر کام شروع کردیا تھا۔

چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کا دائرہ کافی پھیلا ہوا تھا۔ دور افتادہ مقامات سے عطیات جمع کرنا اور پھر انہیں مستحقین تک پہنچانا اس اکیلے کے بس کا کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اس کا دوست ملک اقبال برابر کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

تنخواہ دار ملازمین میں شاہد اپنے سربراہ کا معتمد خاص تھا وقت کی پروا کیے بغیر ضرورت کے ہر موقع پر پیش پیش تھا۔ عملی طور پر وہ تینوں مل کر ہیومن سوسائٹی کو چلا ر تھے۔ کام کا زیادہ بوجھ شاہد نے سنبھالا ہوا تھا کیونکہ وہ ا فلاحی ادارے کا کل وقتی اور تنخواہ دار ملازم تھا لیکن چوہد عظمت نے سب کچھ اسی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا ہوا تھا خود باقاعدگی سے ہیومن سوسائٹی کے دفتر آتا تھا۔ اس آمدورفت کے اوقات مقرر نہیں تھے۔ اس کا ایک سب بہت واضح تھا کہ وہ ہیومن سوسائٹی کے بکھیڑوں کے ساتھ کاروبار بھی چلا رہا تھا۔

خالد کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ ہیومن سوسا کے پاس گاڑیوں کا کوئی بڑا بیڑا تھا۔ ان کے پاس بند آ باڈی والے کل چار چھوٹے ٹرک تھے۔ ان میں سے تی ٹرک لاہور اور اس کے مضافات سے عطیات جمع کر بادامی باغ میں واقع ہیومن سوسائٹی کے گودام میں پہنچا تھے۔ وہاں چھانٹی کے بعد وہ استعمال شدہ ساز و سامان نئی ا اور کھانے پینے کی اجناس چوتھے ٹرک کے ذریعے صوبہ سرح کے لیے روانہ کردی جاتی تھیں۔ بقیہ سامان کرائے ٹرکوں سے بھیجا جاتا تھا جن پر سوسائٹی کے بینر لگادیے جا تھے۔

ہیومن سوسائٹی والے اس بات کی تشہیر نہیں کر تھے لیکن وہ ادارہ محکمہ سماجی بہبود میں باقاعدہ رجسٹرڈ تھا یو اسے خود بہ خود ایک این جی او کا درجہ ملا ہوا تھا۔ مخیر لوگوں طرف سے ان کو خاصی مالیت کے نقد عطیات بھی ملتے تھے بیشتر کا پورا ریکارڈ رکھا جاتا تھا لیکن بعض صاحب حیثیت او دردمند لوگ بھاری رقوم دینے کے باوجود اپنا نام ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کی یہ مجبوری حقیقی تھی۔ انکم ٹیکس گوشواروں میں اپنی اصلی آمدنی چھپانے والے یہ اہل ثرو کار خیر میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ان کے کارہائے خیر کے زیا چرچے ہونے لگتے تو ان کے لیے انکم ٹیکس کے سنگین مسائ کھڑے ہوسکتے تھے۔ جہاں لوگ خال خال ہی اپنی اصل آمدنی ظاہر کرتے ہیں۔

وہ سب مثبت پہلو تھے۔ چونکانے والی بات صرف ایک تھی کہ ہیومن سوسائٹی کے اخراجات کا محتاط تخمینہ اس کی مقامی آمدنی سے کہیں زیادہ تھا۔ ان معلومات کے حصول کے لیے خالد کو خفیہ ذرائع تک رسائی کے لیے خاصی تگ ودو کرنی پڑی تھی۔ بیرونی امداد کے بارے میں اس نے اپنی کوششوں کا آغاز کردیا تھا مگر اسے فوری طور پر کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی تھی۔ وہ معلومات کسی بھی وقت سامنے آسکتی تھیں۔ غیر ملکی ... سے زیادہ اہم بات یہ تھی ک

سازوسامان جمع کرکے لانے والے ایک ٹرک کی آمد سے پہلے شاہد بذاتِ خود بادامی باغ کے گودام میں موجود رہتا تھا اور پھر عملے کی کسی تبدیلی کے بغیر وہ ٹرک اسی رات صوبہ سرحد میں اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ کردیا جاتا تھا۔

ہیومن سوسائٹی کا کام پھیلا ہوا تھا۔ تین افراد اس کا نظام چلا رہے تھے اور وہی اس کے وسائل پر قابض تھے لیکن ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہر کام خود کرلیتے۔ انہیں اپنی ہر بڑی سرگرمی کے لیے کچھ نہ کچھ ملازموں کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ لوگ سر جھکا کر اپنے بڑوں کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن سامنے آنے والی ہر غیر معمولی بات ان کے حافظے میں محفوظ ہوجاتی تھی۔

رفتہ رفتہ وہ غیر معمولی باتیں بھی ان کے معمول میں شامل ہوگئی تھیں۔ وہ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ نہایت نیک نامی کے ساتھ چلائی جانے والی فلاحی این جی او کی آڑ میں کوئی مذموم کھیل کھیلا جارہا ہوگا۔

ایس ٹی ایف کے محنتی کارندوں نے بادامی باغ والے گودام کے چوکیداروں اور نچلے درجے کے دوسرے ملازموں کو مالی لالچ دے کر خاصی مشکل سے وہ معلومات حاصل کی تھیں جو مجھے کام آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی نظر آرہی تھیں۔

"وہ لوگ اتنا جانتے ہیں تو انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ خاص ٹرک کس علاقے سے آتے ہیں" غزالہ نے پوچھا۔

خالد کے ہونٹوں پر تھکی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی "مجھے معلوم تھا کہ یہ سوال ضرور اٹھے گا۔ اس پر میں نے خود رات کالی کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ قصور اور اس کے گردونواح سے لوٹنے والے ہر ٹرک کے لیے شاہد پہلے سے بادامی باغ والے گودام میں موجود رہتا ہے۔"

"میں قصور کبھی نہیں گیا لیکن سنا ہے کہ ان اطراف میں سرحدی گاؤں بہت قریب واقع ہیں" میں نے چونک کر کہا۔

"قصور اور بھارتی شہر فیروزپور کے درمیان کئی گاؤں آباد ہیں۔ فوجی چوکیاں بھی موجود ہیں مگر پھر بھی سرحد کے ہر انچ کی نگرانی ممکن نہیں ہوتی" خالد نے بتایا۔

"تم صرف اندازے کی بات کررہے ہو۔ اس بارے میں کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوسکی؟" میں نے سوال کیا۔

"اس ٹرک پر ہمیشہ ڈرائیور اور کلینر کی ایک ہی جوڑی ہوتی ہے۔ وہ دونوں شاہد اور چوہدری عظمت کے رازداں معلوم ہوتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ قصور سے بادامی باغ کے راستے طورخم تک آنے جانے والے مشتبہ ٹرک پر ہمیشہ وہی دونوں ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔ ... والے عطیات کی بعض رسیدوں سے لوگوں کو یہ سن گن ملی ہے کہ وہ دونوں اسی راستے پر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"آدمی وہی رہتے ہیں۔ راستہ ایک ہے۔ یہی اس قصے کی کلید معلوم ہوتی ہے" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہماری کوششوں کے ابتدائی نتائج حوصلہ شکن تھے مگر پھر جمود ٹوٹا اور باتیں سامنے آنے لگیں۔ مجھے سو فیصد یقین ہوچکا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں کوئی بہت گندا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ انہیں چھوٹ دے کر بہت بڑی غلطی کی گئی تھی۔"

"چھوٹ؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا انہیں یہاں کسی قسم کی چھوٹ بھی ملی ہوئی ہے؟"

"کیمیکل کی اسمگلنگ کا سراغ لگانے کے لیے جب بھی اچانک چوکیاں بناکر گاڑیوں کی جانچ پڑتال کی گئی، ایمبولینسوں اور رفاہی اداروں کی گاڑیوں کو بالکل نہیں چھیڑا گیا۔ یہ سب سے بڑی غلطی تھی۔ یہ چھوٹ نہ دی گئی ہوتی تو یہ لوگ بہت پہلے گرفت میں آگئے ہوتے۔"

"ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس وقت سے پہلے کوئی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا" غزالہ نے اس کے متاسفانہ لہجے پر تشفی دی "اب ان کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ ان کے لیے تمہارے ذہن میں کیا تجویز آئی ہے۔"

"جب سے حقائق سامنے آئے ہیں، میں ڈھنگ سے کوئی بات سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ رہ رہ کر غصہ آرہا ہے کہ ہیومن سوسائٹی والے ہماری ناک کے نیچے جرائم کا ارتکاب کررہے تھے اور ہم ان کو نظرانداز کیے بیٹھے تھے۔ پتا نہیں تمہاری توجہ ان کی طرف کیسے مبذول ہوگئی۔"

"ان کا وقت پورا ہوگیا تھا ورنہ ان کا نام اتفاقاً ہمارے سامنے آیا تھا" میں نے اسے بتایا "غزالہ نے شہر بھر میں لگے ہوئے دیواری اشتہاروں کا ذکر نہ کیا ہوتا تو مجھے ہیومن سوسائٹی کا خیال بھی نہ آتا۔ وہ این جی او ہے اور میں این جی اوز کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں۔ ان کے تابوت میں دوسری کیل تم نے ٹھونکی تھی۔ اگر تم ان کی غیر معمولی ایمان داری اور نیک نامی پر زور نہ دیتے تو پھر بھی میں شاید انہیں بھول جاتا۔ پاکستان میں صرف ایک ہی شخص ہے جو مفت کے مال کو اپنی پوری صلاحیتوں کے مطابق صحیح مصرف میں لاتا ہے۔ اس سے نیک نیتی میں فیصلے کی کوئی غلطی ہوتی ہو تو وہ الگ بات ہے مگر وہ مخلص آدمی ہے۔"

"آپ شاید عبدالستار ایدھی کی بات کررہے ہیں؟" غزالہ بولی "بعض لوگ تو اس پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"...میں نے ایسی بات پکڑی تھی۔ لوگ ایدھی کو نہیں

بخشتے، چوہدری عظمت کیسے اس سے آگے ہوسکتا ہے۔"

"یہ مشاہدے اور تجربے کا کمال ہے" خالد نے سر جھکا کر کہا "بات اتنی معمولی ہوتی تو کسی اور کے ذہن میں بھی آسکتی تھی۔ یہاں ایک سے ایک گھاگ افسر بیٹھا ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا انتظامی تجربہ میری کل عمر سے بھی زیادہ ہوگا۔"

"ویسے تمہاری عمر کیا ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کر ڈالا۔

"تیس برس ہونے والی ہے" اس نے میرے چبھتے ہوئے سوال کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"پھر تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے، مسلسل ایک سوال میرے ذہن پر طاری ہے کہ اتنی کم عمری میں اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن کمانڈر کیسے بن گئے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس عہدے پر ادھیڑ عمر اور تجربے کار ریٹائرڈ فوجی مقرر کیے جاتے ہوں گے۔"

"یہ کوئی پیرا ملٹری فورس نہیں ہے" خالد نے بلا توقف جواب دیا "فورس کے قیام کے مقاصد بہت محدود اور مخصوص ہیں۔ اس میں ریٹائرڈ فوجی افسروں اور جوانوں کی خاصی تعداد شامل ہے مگر مجھ جیسے متعدد کارکن باہر سے بھی لیے گئے ہیں۔"

"یہ بات پھر رہ گئی کہ ہیومن سوسائٹی کے خلاف کیا قدم اٹھانا چاہیے؟" غزالہ نے ٹوکا۔

"ہمیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔ جب بھی ان کا اگلا ٹرک قصور کی طرف جائے، ہمیں ناکا بندی کرلینی چاہیے۔ واپسی پر ٹرک رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا۔ اس میں سے کیمیکل یا کوئی بھی مشتبہ سامان برآمد ہوتے ہی ہیومن سوسائٹی کے اہل کاروں پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا، دفتر اور گودام کو سیل کیا جاسکتا ہے۔ ثبوت کی موجودگی میں کوئی اس کارروائی کے خلاف آواز نہیں اٹھاسکے گا۔"

"تم اس معاملے کو اب بھی شہری اداروں کے ذریعے نمٹانے کے بارے میں سوچ رہے ہو" میں نے پوچھا۔

"یہ دوسری ایجنسیوں کا کیس ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی ادارے اس کیس پر کام کررہے ہیں لیکن ابھی تک کسی کو صحیح سراغ نہیں مل سکا۔ ثبوت کے ساتھ سراغ ملے گا تو وہ آناً فاناً میں چوہدری عظمت اور اس کی این جی او کو تہس نہس کرکے رکھ دیں گے۔"

"یہ معاملہ طول پکڑ جائے گا" میں نے پرتشویش انداز میں کہا "ہوسکتا ہے کہ ہیومن سوسائٹی میں ہی یہ بات پھیل جائے کہ باہر کے کچھ لوگ اس کے ملازمین سے پوچھ گچھ کرتے پھر رہے تھے۔ چوہدری عظمت، ملک اقبال اور شاہد کو اس بازپرس کی ذرا بھی بھنک مل گئی تو تینوں غائب ہوجائیں [illegible]

گے۔"

"میں دوسروں کے دائرہ کار میں کیسے مداخلت کرسکتا ہوں؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"مداخلت کی بات نہیں ہے۔ تم خود مجھے بتاچکے ہو کہ لاہور میں یہ وبا بہت بڑھ چکی ہے۔ تم اس بارے میں پریشان تھے۔ اگر دوسروں کو کامیابی نہیں ہوتی تو ضروری نہیں کہ تم دور سے تماشا دیکھتے رہو۔ جرم کی سرکوبی کے لیے تم ہر وقت بڑھ کر وار کرسکتے ہو" میں نے محتاط انداز میں کہا۔

"پیشہ ورانہ دیانت کا تقاضا ہے کہ پہلے میں متعلقہ اداروں کو اپنی معلومات سے آگاہ کروں پھر ان کی اعانت اور اجازت سے کوئی قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔ ایس ٹی ایف میں ڈسپلن کے سوا کچھ بھی نہیں، میں ایک یونٹ کا کمانڈر ہوتے ہوئے اس ڈسپلن کو کیسے توڑ سکتا ہوں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ نئی سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا "قصور کی طرف ان کا ٹرک کتنے دنوں بعد جاتا ہے۔"

"کوئی وقفہ مقرر نہیں ہے" اس نے براہِ راست میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ وقفہ ایک ہفتے سے ایک ماہ تک ہوجاتا ہے۔ آخری بار ٹرک دس دن پہلے ادھر ہوکر آیا تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اگلا پھیرا کب ہوگا۔ میں نے اپنے دو آدمی قصور جانے والے راستے کی نگرانی پر مامور کردیے ہیں۔ ٹرکوں پر لکھی ہوئی اردو اور انگریزی عبارت میں ہیومن سوسائٹی کا نام نمایاں ہے۔ وہ دور سے پہچانے جاسکتے ہیں۔"

چوہدری عظمت کے ہر کام میں چالاکی اور مکاری مضمر تھی۔ لاہور سے بھارتی سرحد کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا مگر وہ قصور کے راستے کیمیکل اسمگل کررہا تھا۔ سرحد پار سے جو کچھ آتا تھا، وہ اس کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تھا۔ گودام میں شاید مال کی جانچ پڑتال کرکے اسے فوری طور پر آگے روانہ کردیتا تھا۔ شاید وہ اپنے خریداروں کی ضروریات کے مطابق مال منگواتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارتی اسمگلروں سے اس کے مواصلاتی رابطے رہے ہوں۔ چوہدری عظمت کی فون کال پر بھارتی اسمگلر مال مقررہ مقام پر پہنچادیتے ہوں۔ وہاں سے چوہدری عظمت کا دو نفری عملہ مال لاہور لے آتا ہو۔

وہ چوہدری عظمت کے گھناؤنے دھندے کا سب سے مضبوط احتیاطی پہلو تھا۔ اس کے گھر، ہیومن سوسائٹی کے دفتر یا گودام پر چھاپا مار کر کچھ برآمد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جو کچھ تھا، وہ بھارتی زمین پر تھا یا طورخم سے آگے خیبر کے پہاڑی سلسلے میں تھا۔ پاکستان کو اس کیمیکل کی گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا جارہا تھا۔ [illegible] صرف دوران سفر پکڑا جاسکتا تھا۔ شاید

خالد نے وہ سب سوچنے کے بعد اپنے آدمیوں کو لاہور اور قصور کے درمیانی راستے کی نگرانی پر لگایا تھا۔

"میری عقل بھی ماؤف ہو کر رہ گئی ہے" میں نے کچھ دیر تک ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد خالد سے کہا "شاید اول خان مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔"

خالد میری چال کو نہیں سمجھ سکا۔ سعادت مندانہ انداز میں بولا "مشورہ کرنا ہمیشہ سود مند ثابت ہوتا ہے۔"

خالد میں سب دوستانہ خوبیاں تھیں۔ وہ ہماری دیکھ بھال کر رہا تھا' میری بات مان رہا تھا مگر فیصلے کے لیے میرا کوئی مشورہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں ایک بار اس تجربے سے گزر چکا تھا اور اسے دہرانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں جو بات بیٹھ چکی تھی اسے نکالنا میرے بس سے باہر تھا جب کہ اول خان نے میرے ہر مشورے کو بے چون وچرا قبول کر کے میری عادت بگاڑ دی تھی۔

میرے ایما پر غزالہ نے آپریٹر سے لائن لے کر کراچی میں اسٹیشن فور کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ادھر سے حامد نے غزالہ کو بتایا کہ اول خان اپنے گھر سے نکل چکا تھا اور راستے میں ویرا اور سلطان شاہ کے پاس رکا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے لاہور آجانے کے بعد وہ ان دونوں کی خبر گیری کو اپنا فرض تصور کر رہا تھا۔ اس کے لیے ایک سہولت یہ تھی کہ ہمارا گھر اول خان کے گھر اور دفتر کے درمیان واقع تھا۔ وہ آتے جاتے ہوئے اپنی سہولت کے مطابق کسی بھی وقت وہاں رک سکتا تھا۔

غزالہ نے ہمارے گھر کا نمبر ملایا تو ادھر سلطان شاہ تھا۔ اس سے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد غزالہ نے اول خان کے بارے میں پوچھا اور ریسیور مجھے دے دیا۔

"سنا ہے کہ لاہور میں تم جہانگیر کے ماموں سسر سے الجھ پڑے ہو؟" میری آواز سنتے ہی اول خان نے پوچھا۔

"ویرا نے تمہارے کان بھرے ہوں گے" میں نے ہنس کر کہا "بس اس کے ستارے گردش میں آگئے تھے۔ اب بات کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ معاملہ اس کے خلاف کارروائی تک آگیا ہے مگر یہاں میرے کچھ تحفظات ہیں۔ شاید خالد کے لیے بھی کوئی قدم اٹھانا آسان نہ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے" فون پر بات کرتے ہوئے میری نظریں خالد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

اول خان حاضر دماغ شخص تھا۔ میرے تحفظات اور خالد کی مشکل کا ذکر سنتے ہی بات کی تہ تک پہنچ گیا "معلوم ہوتا ہے کہ خالد سے تمہاری بھرپور ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو سکی۔ اگر وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہے تو اسے اپنا بھی سمجھ لو گے؟"

"اس وقت ہم دونوں سر جوڑے بیٹھے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے" میں نے اسے بریف کیا۔

"ذرا مجھے تفصیل بتاؤ پھر خالد سے میری بات کرادو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس وقت کم ہے۔ تم لاہور چھوڑنے سے پہلے اس معاملے کو اس کے انجام تک پہنچانے کے خواہش مند ہوگے۔ اگر اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا تو شاید میں خالد کو سمجھا لوں گا۔"

"یہ سب تفصیل خالد سے سن لو تو بہتر رہے گا۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔ دراصل میں شاہد نامی ایک شخص کو اٹھوانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں خالد سے اب تک کوئی تازہ بات نہیں ہوئی۔ کل شام تک شواہد نہیں تھے اور خالد کو اس پر ہاتھ ڈالنے میں تھوڑا سا تامل تھا۔ اب حالات میں نمایاں تبدیلی آچکی ہے" اول خان کے لیے وہ اشارے کافی تھے۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ میں لاہور میں کیا وقت محسوس کر رہا تھا۔

خالد اور اول خان کے درمیان خاصی دیر تک بات ہوتی رہی۔ خالد کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے میں غزالہ کے ساتھ کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا جہاں سے روشنیوں میں ڈوبے ہوئے مال روڈ پر رواں ٹریفک کا خوبصورت منظر نظر آرہا تھا۔

وہ ہوٹل کا بند کمرا تھا مگر خالد اتنا محتاط تھا کہ اس نے اپنی بات ختم کرنے کے بعد مجھے ڈیڈی کے بجائے مظہر بھائی کہہ کر پکارا اور میں نے لپک کر اس سے ریسیور واپس لے لیا۔

ریسیور کان سے لگاتے ہی مجھے ویرا اور سلطان شاہ کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور اول خان ان کی بے خبری میں اسپیکر فون آن کر چکا تھا "تم سن رہے ہو کہ یہ دونوں آپس میں کس طرح لڑ رہے ہیں" دبی دبی ہنسی کے ساتھ ریسیور میں اول خان کی تیسری آواز سنائی دی "انہوں نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ میری موجودگی میں ایک آدھ جھڑپ ضرور ہوگی۔ جھگڑا یہ ہے کہ ناشتے کے برتن کون دھوئے گا؟"

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے دفتر جاؤ۔ تم سے وہیں بات ہوگی۔ یہ دونوں تمہارا دماغ بھی خراب کر دیں گے۔"

"تمہیں ہمارے معاملات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا کی آواز آئی "ہم اپنے جھگڑے خود نمٹا سکتے ہیں۔ یہ بتاؤ سلمٰی کے ماموں کا کیا بنا؟"

"کچھ دیر کے لیے خاموش اور متوجہ رہو گی تو ہر بات خود بہ خود سمجھ میں آجائے گی" وہ اول خان کی آواز تھی' وہ ویرا

"السلام علیکم!" اول خان کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ کی آواز آنے لگی "تمہاری دعائیں مل گئی تھیں۔ دیرا سے تم نے دوسری بات کیا کہی تھی؟ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے عملی طور پر مجھ تک پہنچائے گی۔ رات سے اس نے مجھے الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ۔" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے سلطان کو جواب دیا "دیرا ابھی بھول جائے گی۔"

اچانک سب آوازیں معدوم ہو گئیں۔ شاید اول خان نے بھنا کر اسپیکر فون بند کر دیا تھا۔ لمحہ بھر بعد صرف وہ بول رہا تھا "واقعات میری سمجھ میں آ گئے ہیں۔ شاہد کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چل سکے۔ بازپرس کے دوران میں اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایس ٹی ایف کا قیدی ہے تاکہ آزادی کے بعد وہ فورس کے خلاف کوئی زہر افشانی نہ کر سکے۔"

"شاہد کی آزادی کی بات کر رہے ہو" میں نے بے یقینی سے کہا "جو نتائج ہم نے اخذ کیے ہیں وہ صحیح ثابت ہو جاتے ہیں تو وہ کسی رعایت کا حق دار نہیں رہے گا۔ اسے تو مار کر کہیں دفن کر دینا ہی سب سے بہتر ہوگا۔ لوگ سمجھتے رہیں گے کہ وہ خوف زدہ ہو کر باہر بلکہ بھارت بھاگ گیا ہے۔"

"نہیں.... ایسا نہیں ہوگا" اول خان کی آواز سرد اور سپاٹ تھی "اس کے مستقبل کا فیصلہ خالد پر چھوڑ دو۔ یہ کیس بن جاتا ہے تو پاکستان کو عالمی سطح پر سرخروئی حاصل ہوگی۔ اس وقت پوری دنیا منشیات کے مسئلے سے پریشان ہے۔"

"حیرت ہے کہ فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے تجربات کے بعد بھی تم اس خوش گمانی میں مبتلا ہو۔ تم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ این جی اوز کو وہی قوتیں پروان چڑھا رہی ہیں جو تمہاری بدخواہ اور دشمن ہیں۔ وہ ہیومن سوسائٹی کی بیخ کنی پر بھی شور مچائیں گی۔"

"وہ این جی اوز میں سیاسی اور معاشی مقاصد کے حصول کے لیے سرمایہ کاری کرتی ہیں۔ منشیات کے فروغ کے تصور سے ان کی جان نکلتی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کیمیکل کا دھندا چوہدری عظمت کی ہوسِ زر کا نتیجہ رہا ہوگا۔ آدمی کے پاس دولت کا ڈھیر جتنا بڑھتا جاتا ہے' ہوس میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کاروباری آمدنی' عطیاتی فنڈز اور این جی اوز گرانٹ کے بعد اسے اپنا منہ کالا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی اس کے لیے آواز نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تمہاری اور خالد کی بات ہو گئی۔ میں اس کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کروں گا۔ مجھے صرف شاہد کے اعترافات کی ضرورت ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو ہوں' اے خالد تمہارے ساتھ پورا تعاون کرے گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ میرے فارغ ہوتے ہی خالد بولا "اول خان میری اس رائے سے متفق ہیں کہ چوہدری عظمت کو براہِ راست نہ چھیڑا جائے بلکہ تمہاری ابتدائی تجویز کے مطابق شاہد کو استعمال کیا جانا چاہیے۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد اسٹیشن تھری پہنچا دیا جائے۔ اس کے قابو میں آتے ہی تمہیں مطلع کر دیا جائے گا۔ سنا ہے کہ تمہاری بازپرس کے سامنے بڑے بڑے ضدی مجرم بے بس ہو جاتے ہیں۔"

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا کہ شاہد کے معاملے میں ہمیں کتنی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"

وہ رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ نئی سرگرمیوں کے آغاز سے پہلے کچھ دیر کے لیے آرام کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ صرف چائے پی کر کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ خالد کے ساتھ کام کرنے میں آپ کچھ دشواری محسوس کر رہے ہیں" اس کے جانے کے بعد غزالہ نے ہلکی سی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شروع سے ہی آپ دونوں کا رویہ مدافعانہ ہے۔ اس میں اول خان والی بات نہیں ہے۔"

"شروع میں اول خان بھی اتنا مددگار نہیں تھا۔ مفاہمت کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ وہ میرے بارے میں سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر کے اپنی نوکری کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ کچھ دن کے لیے ہمیں ایک ساتھ کام کرنے کا موقع ملے تو شاید یہ اول خان کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔"

ہم دونوں ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ غزالہ کی تجویز پر ہم نے کپڑے تبدیل کیے اور لاہور کی سیر کے لیے ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

لاہور کی قدیم تاریخی شہرت بلاوجہ نہیں ہے۔ پرانے شہر کی حدود میں جابجا تاریخی عمارات و یادگاریں بکھری ہوئی ہیں لیکن شہر کے مزاج سے واقفیت کے لیے سب سے بہتر مقام یادگارِ پاکستان ہے جہاں متعدد نئی اور پرانی یادگاریں ہر آنے والے کو مسحور کر دیتی ہیں۔ شاہی قلعہ' بادشاہی مسجد' مینارِ پاکستان' منٹو پارک' سب آس پاس واقع ہیں اور ان کی تفصیلی سیر کے لیے کئی دن بھی ناکافی ہیں۔ میں ٹیکسی لے کر اسی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں کی گوناگوں دلچسپیوں میں ہم بہت آرام سے اپنا وقت گزار سکتے تھے۔ جس وقت بھی تھکن محسوس ہوتی' بقیہ سیر اگلے دن کے لیے موقوف کر کے واپس آ سکتے تھے۔

ہوٹل سے روانگی کے وقت غزالہ بہت پرجوش تھی لیکن یادگار پر پہنچتے ہی اس نے لاہور کا حسین منظر دیکھنے

کے بعد ہم بادشاہی مسجد کی حدود میں داخل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ کافی وقت گزر چکا تھا۔ بادشاہی مسجد اور اس کے احاطے میں علامہ اقبال کے مزار سے لوٹتے ہوئے شام کے سائے دراز ہونے لگے تھے۔ کئی گھنٹوں تک پیدل چلنے کی وجہ سے ہم دونوں تکان محسوس کر رہے تھے۔ مسجد کے دوسرے دروازے سے نکل کر ہم واپس چل دیے۔

ہوٹل میں ہمارے لیے دو پیغام موجود تھے۔ دونوں خالد کی طرف سے تھے۔ وہ ہمارے جوابی فون کا منتظر تھا۔

کمرے میں پہنچتے ہی میں نے انسٹیشن تھری کا نمبر ملایا تو وہ وہاں موجود تھا۔

"اب میں مایوس ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کہیں دور نکل گئے تھے" اپنی ہیلو کے جواب میں مجھے خالد کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔

"زیادہ دور نہیں' بس بادشاہی مسجد تک گئے تھے۔ تمہاری کال کی توقع ہوتی تو ہوٹل میں ہی رکے رہتے۔"

"شاہد بہت اوباش اور رنگین مزاج آدمی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اسے گھیرنے کے لیے کیوں نہ کوئی رنگین جال ڈالا جائے۔ وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر' بہت آسانی سے ہمارے قابو میں آجائے گا۔ کوئی اور طریقہ اختیار کیا تو وہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے ایک بار خطرے کی بو سونگھ لی تو دوبارہ قابو میں نہیں آسکے گا" وہ بتا رہا تھا "کسی کو ملازمت کی تلاش میں ہیومن سوسائٹی بھیجا جائے تو شاہد ضرور اسے رجھانے کی کوشش کرے گا۔"

اس کی وہ تجویز سنتے ہی میں سوچ میں پڑ گیا کہ چارے کے طور پر اس کے ذہن میں کس کا نام تھا۔ میں نے بہت محتاط رہتے ہوئے پوچھا "اس کام کے لیے تم کسے بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" مجھے ڈر تھا کہ میں نے اس کی تجویز کی تائید کی اور اس نے غزالہ کا نام لے دیا تو بات بہت سنگین ہو سکتی تھی۔

"معاملہ بہت نازک ہے۔ کرائے کی کسی لڑکی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا" اس کی تمہید پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر خالد کے مزاج میں گستاخی کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ وہ میل جول اور مراتب کے آداب سے واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں سوچ رہا ہوں کہ فرزانہ کو وہاں بھیج دوں۔"

میرے دہانے سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہو گیا "میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تمہاری بیوی ایک خالص گھریلو عورت ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے ساتھ شاہد کا رویہ کیا ہو گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا! یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ غزالہ اس سے کہیں بہتر ہے۔ ہتھیار چلا لیتی ہے' مارشل آرٹس سے واقف ہے پھر بھی میں اسے یہ کام نہیں سونپ سکتا۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو زندگی بھر کے پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"بیگم صاحبہ' بالکل ناموزوں ہیں۔ ان کے بولنے سے پہلے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ لاہوری نہیں ہیں۔ کوئی خوش شکل مقامی لڑکی ہی یہ کام کر سکتی ہے" اس نے غزالہ کا نام یکسر مسترد کر دیا "میں اس تجویز کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہ رہا تھا۔ طریقہ مناسب سمجھو تو میں کسی اور کو ڈھونڈتا ہوں۔"

"اگر اس نے ہیومن سوسائٹی کے دفتر ہی کو اپنا عشرت کدہ بنایا ہوا ہے تو تجویز خطرناک ہے۔ لڑکی اسے اس کی کچھار سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ کوشش ضرور کی جانی چاہیے۔ کسی شور شرابے کے بغیر ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔"

خالد سے بات ختم ہو گئی لیکن میرے دل و دماغ پر اس کی پیشکش کے گہرے اثرات چھائے رہے۔ جب تک وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوا' شاہد کو چھیڑنے پر بھی آمادہ نہیں تھا لیکن جب اس اقدام کی افادیت اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تو وہ اسے پھانسنے کے لیے اپنی بیوی کو بھی آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ وہ مقصد سے لگاؤ کا بے مثال ثبوت تھا۔ جو لوگ اپنے کام سے مخلص ہوں' وہ مقصد کی تکمیل کے لیے نہ صرف سب کچھ کر گزرتے ہیں بلکہ اپنی جانوں پر بھی کھیل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دم قدم سے قومیں روئے زمین پر فخر سے اپنا سر بلند کر کے اس وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں اس قبیل کا آخری آدمی موجود رہتا ہے۔

سات بجے خالد نے فون پر اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ اسے اپنی خواہش کے مطابق ایسی کوئی لڑکی نہیں مل سکی تھی جسے شاہد کے لیے چارے کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔

"اس وقت شاہد کہاں ہے؟" میں نے اس کا مایوسانہ جواب سن کر پوچھا۔

"ہیومن سوسائٹی کے دفتر کی نگرانی ہو رہی ہے' ابھی وہ وہیں موجود ہے۔"

"پھر تم فوری طور پر ہوٹل آجاؤ۔ میں ہوٹل کی لابی میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"کسی تیاری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دو" کچھ پوچھ گچھ کے بغیر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"کسی تیاری کی ضرورت نہیں۔ تم لاہور سے واقف ہو اور مجھے آسانی سے اسٹیشن تھری تک بھی پہنچا سکتے ہو۔ اس وقت یہی دو بنیادی ضروریات ہیں۔"

"آل رائٹ! میں پندرہ منٹ میں تمہارے ہوٹل پہنچ رہا ہوں" اس جواب کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا۔

وہ خالد کی فون کال تھی۔ میں نے جو کچھ کہا' وہ خالد کے جواب میں کہا تھا۔ غزالہ کو گمان تک نہیں تھا کہ یوں اچانک کوئی پروگرام بن جائے گا۔ وہ ہکّا بکّا رہ گئی۔ فون بند ہونے کے بعد اس کی زبان کھل گئی "یہ آپ نے کیا کیا؟ طے ہوچکا تھا کہ آپ یہاں کس لمبے بکھیڑے میں نہیں الجھیں گے لیکن آپ ہیومن سوسائٹی کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ ملوث ہوتے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا؟"

"میں جو کچھ کررہا ہوں' اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ چکر جلدازجلد ختم ہوجائے۔ وہ اپنی بیوی تک کو میدان میں اتارنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد مناسب نہیں تھا کہ میں اپنی طرف سے کوئی پیش کش نہ کرتا۔ تم فکر نہ کرو' میں تھوڑی دیر بعد ہوٹل لوٹ آؤں گا۔"

"شاہد موم کا کوئی پتلا نہیں ہے۔ وہ جسیم' پھرتیلا اور حاضر دماغ نظر آرہا تھا۔ آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا" غزالہ فکرمند تھی۔

میں نے اپنا ہاتھ الٹ کر اس کے سامنے کردیا "یہ انگوٹھیاں دیکھ رہی ہو۔ ان کے ہوتے ہوئے وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاسکے گا۔"

"یہ انگوٹھیاں وغیرہ اس وقت کام کریں گی جب وہ آپ کو اپنے قریب آنے کا موقع دے گا۔ بظاہر وہ انجان بن کر اپنے دفتر سے نکلتا چلاگیا تھا مگر مجھے شبہ ہے کہ وہ ہم دونوں کو دیکھ چکا ہے۔ اس نے دور سے آپ کو پہچان لیا تو وہ گولی چلانے میں دیر نہیں لگائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے یوں معلوم ہورہا ہے جیسے میں خودکشی کرنے کے ارادے سے جارہا ہوں اور تم مجھے اس سے روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ خطرے کی صورت میں ہم اس سے دور رہیں گے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کریں گے۔ مجھے بھی اپنی جان بہت عزیز ہے۔"

غزالہ نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ رہی تھی کہ خالد سے پروگرام طے کرلینے کے بعد میرا پیچھے ہٹنا ممکن نہیں تھا۔ ہمارے مسائل اور اگلے پروگرام صرف ہمارے علم میں تھے۔ خالد کو ان کی بھنک نہیں ملی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میری پیشکش پر کسی تردد کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن پر بس ایک دھن سوار تھی کہ شاہد کو اغوا کرنا ناگزیر ہوچکا تھا۔ ہر قیمت پر وہ کام جلدازجلد ہونا چاہیے تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد غزالہ نے نصیحتوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ بولتی رہی۔ میں کپڑے بدلنے کے دوران میں اس کی باتیں سنتا رہا۔ تیاری مکمل ہوگئی تو اسے دلاسا دے کر میں ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔

لابی میں مجھے زیادہ دیر تک خالد کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد وہ آپہنچا۔ دروازے پر اس کی جھلک دیکھتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑدی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی خالد نے میری گود میں ایک چھوٹا سا ایرپیس ڈال کر کہا کہ میں اسے آن کردوں۔ پارکنگ لاٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اس نے میرے استفسار پر بتایا کہ وہ ٹرانسمیٹر اس کے ان آدمیوں سے رابطے کا ذریعہ تھا جو ہیومن سوسائٹی کی نگرانی کررہے تھے۔

میں نے ایرپیس آن کردیا۔ اس پر ہلکے ہلکے ریڈیائی شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ میں نے ایرپیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ذرا معلوم کرو کہ اب وہ کہاں ہے؟"

خالد نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ دوسرے سے ایرپیس کا بٹن دبا کر اپنا سوال نشر کیا۔ لائن اوور ہوتے ہی اسے رپورٹ مل گئی۔ شاہد بدستور دفتر میں تھا۔ چوہدری عظمت کا اس روز بھی دفتر میں کوئی پتا نہیں تھا۔ خالد نے پیغام سننے کے بعد گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

"تم اس سے دفتر میں ملنے کا ارادہ تو نہیں کرچکے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد خالد نے چونک کر پوچھا۔

"تمہیں مجھ سے ایسی کسی حماقت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے" میں نے ہنس کر جواب دیا "ہماری کوشش ہوگی کہ راستے میں اسے کسی ویران جگہ پر رکنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ ایک بار ہم اس کے قریب پہنچ گئے تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش کردیا جائے گا۔"

"تمہارے جسم سے پرفیوم کی خوشبو آرہی ہے۔ میرا پسینہ زیادہ بدبودار نہیں ہے پھر وہ کیسے بے ہوش ہوگا؟" اس نے ہنس کر سوال کیا۔

میں نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اسے دکھائی "اس میں نگینے کی جگہ کیپسول ہے۔ دباؤ پڑنے سے کیپسول میں بھرا ہوا سریع الاثر محلول ایک ننھی سی کھوکھلی سوئی سے گزر کر آٹو انجکشن کے اصول کے تحت اس کے جسم میں داخل ہوجائے گا۔"

"نایاب اور کارآمد انگوٹھی ہے" خالد نے حیرت اور مسرت سے کہا "ایسی انگوٹھیاں کہاں سے مل سکتی ہیں؟"

میں نے اول خان کا نام لینا مناسب نہ سمجھا "میرے پاس بھی یہ اکلوتی انگوٹھی ہے' جس دن اس کا کیپسول خالی ہوگیا' یہ ناکارہ ہوجائے گی۔ ایک دوست نے بہت پیار سے تحفے میں دی تھی۔ بازار میں کہیں دستیاب نہیں ہوگی۔"

میری تجویز سن کر خالد پرسکون نظر آنے لگا۔ اگلا موڑ کاٹتے ہوئے وہ بولا "ہمیں سب کچھ طے کرلینا چاہیے۔ میں

اسے دوسری نشست پر دھکیل کر اس کی گاڑی سنبھال لوں گا۔ تم اس گاڑی میں میرے پیچھے آؤ گے۔ اسے ہم گاڑی سمیت اسٹیشن تھری لے جائیں گے۔ اس کی گاڑی شہر میں لاوارث کھڑی ہوئی دیکھ لی گئی تو معاملہ گڑبڑ ہوجائے گا۔ حالات نے اجازت دی تو اسے گاڑی سمیت کہیں واپس چھوڑ دیا جائے گا۔“

”مجھے اس کی آزادی کی توقع نہیں ہے۔ اگر ہمارے منصوبے کا پہلا حصہ مکمل ہوجاتا ہے تو تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ شاہد کو اس کے اعترافات سمیت کس ادارے کے حوالے کیا جائے۔“

”اس کیس میں پولیس سے اینٹی نارکوٹکس فورس تک سارے سویلین ادارے دلچسپی لیں گے۔ میرا ارادہ پولیس والوں سے تعاون کرنے کا ہے۔“

”میری رائے میں یہ کیس اینٹی نارکوٹکس والوں کو جانا چاہیے تاکہ منشیات اور این جی اوز کے حوالے سے اس کی تشہیر ہوسکے۔ ایک عام پولیس کیس بننے کی صورت میں اس کی اہمیت ختم ہوکر رہ جائے گی۔“

”اس کے لیے ہمارے پاس وقت ہے۔ میری دعا ہے کہ ہم اپنی ابتدائی کوشش میں کامیاب ہوجائیں۔“

تھوڑی دیر بعد ہم ہیومن سوسائٹی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خالد نے گاڑی اس عمارت سے کچھ پہلے ایسی جگہ پارک کردی جہاں روشنی کم تھی اور پہلے سے چند گاڑیاں پارک کی ہوئی تھیں۔ خالد اور اس کے آدمیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر وہ غیر ضروری طور پر انہیں استعمال نہیں کر رہے تھے۔ جب سے خالد نے ان سے رپورٹ لی تھی، اس کے آدمیوں نے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔

”نمبر ون کالنگ فار نمبر ٹو.... اوور!“ کئی منٹ کے طویل اور بوجھل انتظار کے بعد خالد نے ٹرانسمٹر پر پیغام نشر کیا۔

”نمبر ٹو کالنگ سر!“ ایریئل پر ہلکی سی بھرائی ہوئی مردانہ آواز ابھری ”صورتِ حال ابھی تک جوں کی توں ہے۔ وہ اندر ہے۔ اس کی کالی ٹویوٹا باہر کھڑی ہوئی ہے۔ اس عمارت کے دو دروازے ہیں۔ ہم دونوں ان کی الگ الگ نگرانی کر رہے ہیں۔ ابھی تک نمبر تھری نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ادھر سے نکلا تو نمبر تھری فوراً لائن پر آکر رپورٹ دے گا۔ کچھ ہونے تک ہم دونوں اسٹینڈ بائی پر ہیں، اوور!“

”گڈ! اس پر کڑی نگاہ رکھو۔ میں قریب ہی موجود ہوں.... اوور اینڈ آل!“ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

اس رات شاہد نے ہمارے اعصاب چٹخا کے رکھ دیے۔ تقریباً نصف گھنٹا یوں ہی بے کار بیٹھے بیٹھے گزر گیا لیکن شاہد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی۔

آٹھ بجے کے بعد ایریئل پر دوسری آواز ابھری۔ بولنے والا پرسکون تھا مگر خبر ہیجان انگیز تھی۔ شاہد ہیومن سوسائٹی کے دفتر کے صدر دروازے سے باہر آرہا تھا۔

”فوراً گاڑی میں جاؤ۔ میں اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں۔ تم پروٹوکول فارمیشن لو گے اور سگنل کے بغیر کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرو گے۔ یہ بہت اہم ہے۔ اس کی گاڑی کا رخ کس سمت میں ہے، اوور!“

”گاڑی کا رخ جنوب کی طرف ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سیدھا جائے گا یا یوٹرن لے گا۔ وہ گاڑی تک پہنچ چکا ہے، اوور!“

خالد نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کرلیا اور اضطراری لہجے میں بولا ”وہ بہت تیز ڈرائیونگ کا عادی ہے۔ تم پوزیشن بتاتے رہو، اوور!“

”گاڑی چل پڑی ہے۔ وہ جنوب کی طرف چلا ہے۔ ہم بھی حرکت میں آگئے ہیں۔ آپ جہاں بھی نظر آئے، ہم پیچھے ہوجائیں گے، اوور!“

”وہ اسی طرف آرہا ہے“ خالد ٹرانسمٹر گود میں رکھ کر بڑبڑایا۔ اسی لمحے کالے رنگ کی ایک نئی ٹویوٹا بہت تیزی سے ہمارے سامنے سے گزری۔ خالد کی گاڑی بھی اچھل کر سڑک پر آگئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک تیسری بڑی گاڑی ہمارے پیچھے تھی جس کی رفتار یکایک کم کی گئی تھی۔

چند ثانیوں بعد تینوں گاڑیاں سڑک پر تیزی سے سفر کر رہی تھیں۔ عقب نما آئینوں کے زاویے خالد کی مدد کر رہے تھے مگر میں نے گردن گھما کر دیکھ لیا تھا کہ تیسری گاڑی مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔

شاہد کی کار تیزی سے گلیوں میں سفر کر رہی تھی۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جلد از جلد کسی خاص سڑک تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر کار اس کی کار بائیں طرف مڑ کر ایک کشادہ اور دو رویہ سڑک پر آگئی۔

”یہ کیمپس سے ہوتا ہوا نہر عبور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے“ خالد ایک بار پھر ایریئل پر بات کر رہا تھا ”اس کا رخ پارک ٹاؤن کی طرف ہے۔ تم کہیں بھی آگے نکل جاؤ۔ تمہیں کسی سنسان مقام پر اس کی گاڑی سے ہلکا سا تصادم کرنا ہے۔ اسے روکنے کے بعد تمہارا کام پورا ہوجائے گا، اوور!“

اس دوران میں، میں سڑک کے وسطی سبزے پر لگے ہوئے کنکریٹ کے بورڈ پر سڑک کا نام پڑھ چکا تھا۔ تینوں گاڑیاں علامہ اقبال ٹاؤن کی مین بولیوارڈ سے گزر رہی تھیں۔ چند سیکنڈ بعد جاندار ڈیزل انجن والی ایک تیز رفتار پک اپ غرائی اور اچھلتی ہوئی ہماری گاڑی سے آگے نکل

گئی۔ وہ ہمارے عین پیچھے سے نمودار ہوئی تھی اور یقینی طور پر خالد کے آدمیوں کے استعمال میں تھی۔

یونیورسٹی کیمپس کے آغاز سے پہلے ڈیزل پک اپ نے اپنا کام دکھادیا۔ وہ سڑک... اپنی کشادگی کے اعتبار سے خاصی مصروف معلوم ہوتی تھی مگر اس وقت وہاں زیادہ ٹریفک کا دباؤ نہیں تھا۔ پک اپ کے ڈرائیور نے ہلکا سا سائڈ دبایا تھا۔ اس کا پچھلا حصہ کالی ٹویوٹا کے فینڈر سے ٹکرایا۔ شاہد کی کار سڑک پر لہرائی اور پھر کنارے پر رک گئی کیونکہ پک اپ نے اس کے دوبارہ سڑک پر چڑھنے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔

پلک جھپکتے میں ہماری گاڑی بھی کالی ٹویوٹا کے قریب پہنچ گئی۔

میں نے گاڑی رکنے سے پہلے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگادی کیونکہ کالی ٹویوٹا کا دروازہ ایک بار کھل جاتا تو شاہد کو زیر کرنا مشکل ہوجاتا۔ بات بڑھتی تو سڑک پر تماشا دیکھنے والی گاڑیوں کی خاصی تعداد رک سکتی تھی۔ اس وقت تک پک اپ سے کوئی نیچے نہیں اترا تھا۔

شاہد اشتعال کے عالم میں مغلظات بک رہا تھا۔ اپنی گاڑی کا اگنیشن بند کرنے کے بعد اس نے ہینڈ بریک کھینچا ہوگا۔ اس کے بعد اسے اپنا دروازہ کھولنا نصیب نہ ہوسکا۔ جوں ہی اس نے دروازے کے لیور پر ہاتھ ڈالا میں نے گھٹنا لگاکر دروازہ وہیں روک دیا اور اترے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر شاہد کے داہنے رخسار پر ایک ہلکا سا گھونسا رسید کردیا۔ وہ ضرب برائے نام تھی۔ اصل مقصد کیپسول کا سیال اس کے جسم میں اتارنا تھا۔ اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک بہت وزنی گالی اس کے منہ میں ادھوری رہ گئی اور بیٹھے بیٹھے اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

شاہد کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی میں لپک کر ٹویوٹا کے دوسرے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس اثنا میں خالد اپنی گاڑی پارک کرکے وہاں پہنچ چکا تھا۔ میں نے شاہد کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے۔ خالد نے پائیدان سے اس کی ٹانگیں اٹھائیں اور چشم زدن میں اسے پسنجر سیٹ پر پہنچادیا گیا۔ خالد نے پورے اطمینان سے کالی ٹویوٹا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ میں پرسکون انداز میں ٹہلتا ہوا خالد کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ سب واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ سڑک پر سے گزرنے والی کسی گاڑی کے مسافروں کو گڑبڑ کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ نظر آیا کہ کسی وجہ سے تین گاڑیاں سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھیں۔

سفر کے لیے خالد نے پروٹوکول فارمیشن کا لفظ استعمال کیا تھا جب گاڑیوں نے دوبارہ پرانی ترتیب میں سفر شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ گاڑیاں پروٹوکول کے مطابق

تھی۔ ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ رہنمائی کررہا تھا' مہمان اس کی تقلید کررہا تھا۔ کارکنوں کی ڈیزل پک اپ سب سے پیچھے تھی۔

پنجاب یونیورسٹی کیمپس کے اختتام پر کینال بینک روڈ کا سگنل تھا۔ کالی ٹویوٹا وہاں سے بائیں طرف گھوم گئی مجھے سمتوں کا اتنا ادراک تھا کہ میں نے سمجھ لیا کہ اس وقت ہم مال روڈ کی طرف جارہے تھے جہاں سے اسٹیشن تھری کا راستہ بالکل سیدھا تھا۔

اسٹیشن تھری کا ڈیوٹی اسٹاف اپنی جگہوں پر مستعد تھا۔ شاید ان لوگوں کو علم تھا کہ ان کا اسٹیشن کمانڈر کسی اہم مشن سے لوٹنے والا تھا۔ چیک پوسٹ پر مامور عملے سے سلام لیتا ہوا' خالد اپنی بیرک پر پہنچا تو وہاں بھی کئی سادہ پوش افراد اس کے منتظر تھے۔

"قیدی کو سیل میں ڈال کر کالی گاڑی ورکشاپ میں پہنچا دو۔" خالد نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی اور مجھے لے کر اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔ اس وقت تک ہمارے پیچھے آنے والی ڈیزل پک اپ بھی دھیرے دھیرے کیمپ کے دوسرے حصے میں پہنچ چکی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ تمام تر خطرات کے باوجود ہمارا وہ کام بہت سبک روی سے پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

دفتر میں پہنچ کر خالد نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاکر ابتدائی کامیابی پر مبارک باد دی۔ "ایک مرحلہ کامیابی سے سرہوگیا۔ یہ بتاؤ اب کیا کرنا ہے۔"

"شاہد کو چھت سے الٹا لٹکوادو۔ کوئی شخص اس کے منہ پر ٹھنڈا پانی ڈالتا رہے تاکہ وہ جلد ہوش میں آسکے۔"

"اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہ کرلیا جائے۔" خالد نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بے سود ہے۔ وہ بہت مضبوط اور ضدی آدمی ہے۔ آسانی سے راہ راست پر نہیں آئے گا۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر جواب دیا "آنکھ کھلتے ہی خود کو الٹا لٹکا ہوا پائے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ وہ صرف طاقت کی زبان سمجھنے والوں میں سے ہے۔ نرم ونازک باتیں اس پر کوئی اثر نہیں کریں گی۔"

خالد نے انٹرکام پر کسی آدمی کو قیدی کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے کھانے کے لیے بھی ہدایات دے دیں۔

"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔ تمہیں ابھی سے بھوک ستانے لگی۔ کیا عام طور پر اسی وقت کھانا کھالیتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کھانا ہم دونوں کے لیے آرہا ہے۔ وقت ہے تو کھانے [illegible] آنے کے بعد شاید موقع نہ

مل سکے۔"

بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ خالد کا وہ خدشہ درست تھا۔ کیمپ کے لنگر خانے کا وقت ختم ہوچکا تھا پھر بھی آدھے گھنٹے کی قلیل سی مدت میں تازہ کھانا آپہنچا۔ اس کھانے میں کوئی تکلف یا آرائش نہیں تھی۔ بس تازگی اور ذائقے کا احساس ہر چیز پر بھاری تھا۔ کھانے کے بعد میں نے خالد کے فون کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا انسٹرومنٹ میرے سامنے منتقل کرکے اپنے دفتر سے نکل گیا۔

"اپنے بارے میں غزالہ کی فکر مندی کا مجھے گہرا احساس تھا۔ میں نے فوراً ہوٹل کا نمبر ملالیا۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں خیریت سے ہوں۔ مطلوبہ آدمی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔" کمرے سے رابطہ ہونے پر میں نے کہا۔

"میں واقعی بہت فکر مند تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کو آپ کی طرف سے تشویش ہورہی تھی......"

"تو کیا تم ان سے میری شکایت کررہی تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا "انہیں کیا پتا کہ لاہور میں کیا ہورہا ہے۔"

"مجھے شکایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ خود ان لوگوں کو ہر بات بتاتے رہے ہیں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ شاہد کو گھیرنے کے لیے آپ خود میدان میں نکل گئے ہیں۔ اس بات نے انہیں پریشان کردیا۔ کچھ دیر تک میں نے انہیں آپ کی خیریت کی اطلاع نہیں دی تو وہ دوبارہ فون کریں گے۔"

"اس بار فون کے اخراجات بہت بڑھ جائیں گے۔" میں نے طنز سے کہا "ویرا یا سلطان شاہ نے کیوں فون کیا تھا۔"

"ویرا بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے تالاب میں پہلا کنکر پھینک دیا ہے۔ اس نے جان کو فون کیا تھا۔"

"وہ احمق عورت ہے۔ ان معاملات کی اہمیت کو سمجھے بغیر اوٹ پٹانگ حرکتیں کررہی ہے۔ اب فون آئے تو اسے بتادینا کہ وہ کوئی زک اٹھائے گی۔"

"بہتر ہوگا کہ ایسی تلخ باتیں آپ خود اسے سنائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ بہت منہ پھٹ ہے۔"

"تم کھانا کھا کر سوجاؤ۔ مجھے دیر ہوسکتی ہے۔ میں نے خالد کے ساتھ کھانا کھالیا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

غزالہ کی یہ بات درست تھی کہ میری ویرا سے براہ راست بات ہوچکی تھی [illegible]

جان اسمتھ کو بھارت کے سفر پر مجبور کرنے کے لیے خوف زدہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے مگر پھر بھی مجھے اس کا پیغام بے وقت کی راگنی کی طرح محسوس ہوا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا وہ کم وبیش اسی وقت جان اسمتھ کو فون کرتی جب لاہور میں شاہد کو چلتی ہوئی سڑک سے اغوا کیا جارہا تھا۔ وقت کی وہ یکسانیت کسی ناپسندیدہ واقعے کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

میں نے خالد کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے تین سگریٹیں پھونک ڈالیں۔ غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ ویرا پر میری برہمی بلاجواز تھی۔ اول تو جان اسمتھ اور ہیومن سوسائٹی والوں کے درمیان اس وقت تک کوئی تعلق سامنے نہیں آیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ویرا کو قطعی علم نہیں تھا کہ میں شاہد کے خلاف کب کارروائی کرنے والا تھا۔ اگر اس نے بے خبری میں جان کو اسی وقت فون کرڈالا تھا تو یہ محض اتفاق تھا جس پر ویرا کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

چند منٹ بعد خالد واپس آپہنچا۔ آتے ہی اس نے بتایا کہ شاہد ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑدی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ الٹا لٹکا ہوا ہے مگر پھر بھی اس کا دماغ خراب ہے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے گالیاں بکنی شروع کردیں۔ اسے خاموش کرنے کے لیے میں نے دو چار تھپڑ لگائے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔" راستے میں خالد نے کہا۔

"معزز طبقے میں شامل مجرموں کے ساتھ یہ مسئلہ رہتا ہے۔ خود کو نرغے میں پاکر وہ نروس ہوجاتے ہیں اور کسی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا پھر چراغ پا ہوجاتے ہیں اور برہمی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ وہ مکافاتِ عمل سے دوچار ہوچکے ہیں۔ جب تک ان کی اعصابی مزاحمت کو بے رحمی سے کچل کر ختم نہ کردیا جائے' وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ شاہد کا تعلق اسی دوسری قسم کے مجرموں سے ہے۔"

"وہ کافی دیر سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسمانی نظام تلپٹ ہوکر رہ گیا ہوگا مگر اس کا گھمنڈ بھی برقرار ہے۔ میں نے اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کی تاکہ ابتدا سے ہی تم اس سے اپنے طور پر نمٹ سکو۔"

خالد نے وہ بات بہت سیدھے سادے انداز میں کہی تھی لیکن مجھے اس کے الفاظ میں ایک چیلنج سا محسوس ہوا۔

ہمارے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم برآمدے کا پختہ فرش طے کرکے اس کوٹھری تک پہنچ گئے جس کے دروازے پر خالد کے تین آدمی نظر آرہے تھے۔ وہ تینوں سادہ کپڑوں [illegible] مسلح نظر آرہے تھے۔ ایک شخص

نے بڑھ کر ہمارے لیے دروازہ کھولا اور ہم دونوں کوٹھری میں داخل ہوگئے۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر اسے عقوبت خانہ قرار دیا جاسکے۔ کمرے کے عین وسط میں چھت کی درمیانی کڑی سے بندھی ہوئی مضبوط رسی کے دوسرے سرے پر شاہد کی دونوں پنڈلیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ سر کے بل فضا میں بہت دھیرے دھیرے جھول رہا تھا۔ اس کی قمیص پتلون سے نکل کر گردن تک آئی ہوئی تھی۔ اس نے دامن کو گریبان میں اڑس کر اپنا چہرہ کھلا رکھا تھا مگر قمیص کا پچھلا دامن سر... سے نیچے جھول رہا تھا۔ اس کا چہرہ کافی تر تھا۔ کپڑوں پر بھی نمی نظر آرہی تھی مگر فرش صاف تھا۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے جو پانی استعمال کیا گیا تھا' اسے پونچھ کر فرش کو خشک کیا جاچکا تھا تاکہ اس سے بازپرس کے دوسرے مرحلے میں گیلا فرش کسی دشواری کا باعث نہ بن سکے۔

شاہد کے دونوں ہاتھ آزاد تھے جو اس کے شانوں سے نیچے' فرش تک جھول رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا تھا۔ رسی کے بل کے ساتھ آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے اس کا رخ ہماری طرف ہوا تو وہ تیوریوں کو چڑھائے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ دورانِ خون میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ آنکھیں بھی خون کبوتر کی طرح سرخ ہورہی تھیں جن میں نفرت اور غصے کے الاؤ روشن تھے۔

میں دروازے سے اندر داخل ہوکر دور ہی رک گیا۔ خالد میرے پیچھے تھا۔ اس کا ایک آدمی اندر آکر بغلی دیوار کے ساتھ کھڑا ہوگیا تھا۔

"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" وہ تھوک کر حقارت سے بولا "تمہارا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔ تمہاری..."

اس کی زبان سے گالیوں کا ایک طوفان ابل پڑا۔ رسی کے بل کے ساتھ اس کا جسم آہستگی سے گھوم رہا تھا مگر اس نے اپنی گردن گھما کر کینہ توز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کی ہوئی تھیں۔ میں زبان سے کچھ کہے بغیر' سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

اس نے زور لگا کر اپنے دھڑ کو فضا میں اٹھانے کی ناکام کوشش کی مگر ایک جھٹکا کھا کر رہ گیا۔ وہ اپنی حرکتوں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ بے دست و پا ہونے کے باوجود وہ حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ آزادی حاصل کرنے تک مقابلہ کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"تمہاری ہیومن سوسائٹی انسانی معاشرے پر ایک بدنما داغ ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "اس کے جرائم کی فہرست میں تمہارا نام سرِفہرست ہے۔ سوسائٹی کیا کررہی ہے؟"

اس کے پاس گالیوں کا ایک نادر ذخیرہ تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے سوسائٹی کی سرگرمیوں کے بارے میں جو غلیظ کام گنوائے وہ کسی گھٹیا فرد کے لیے تو ممکن تھے مگر کسی تنظیم یا ادارے کے لیے ان پر کاربند ہونا ناممکن تھا۔

میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے ٹھوکریں مار کر اس کے دونوں ہاتھوں پر ایسی ضربات لگائیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ "اپنے ناپاک ہاتھ میرے جسم سے دور رکھو ورنہ انہیں باندھ دیا جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی کمر پکڑ کر اس کے جسم کو پوری قوت سے گھما دیا۔ ایک تیز جھٹکے سے اس کا جسم لٹو کی طرح گھومنا شروع ہوگیا۔ کڑی سے بندھی ہوئی رسی میں بل پڑنے شروع ہوگئے۔

اسے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی' اس کے دہانے سے چند بوکھلائی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا لہرا کر اپنے بدن کی محوری گردش سے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ میں الگ ہوکر وہ تماشا دیکھتا رہا۔ چند چکروں کے بعد شاہد کے گھومنے کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں نے اس کی قمیص کا پچھلا دامن تھام کر اسے روک لیا۔ گردش رکتے ہی اس کے جسم کو دوسری طرف ہلکا سا جھٹکا لگا مگر وہ وہیں رکا رہا۔ میں دامن چھوڑ دیتا تو اس کے لٹکے ہوئے بوجھ سے رسی کے بل کھلنے لگتے اور اس کا بدن مخالف سمت میں چکرانا شروع کردیتا۔

"سوسائٹی کے دھندوں کے بارے میں بتاؤ ورنہ سزا کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں نے الٹے قدموں پیچھے سرک کر اسے اپنے ساتھ کھینچنا شروع کردیا "اگر تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو میں تمہیں پیچھے لاکر اچانک چھوڑ دوں گا۔ تمہارا بدن چکراتا ہوا جائے گا اور سامنے والی دیوار اسے محبت سے روک لے گی۔ تمہارا منہ ٹوٹتا ہے یا پسلیاں اس کا انحصار تمہاری قسمت پر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا کہ اس کمرے کی دیواریں مضبوط پہاڑی پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔"

"تم میرے ساتھ یہ ظلم نہیں کرسکتے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا "یہ کھلی ہوئی درندگی ہے۔"

میں سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا "کمال ہے! تمہیں اب بھی یقین نہیں آرہا۔ چلو پھر اصل تماشے سے پہلے ٹریلر ہی دیکھ لو۔ پوری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ دیوار سے ٹکرانے کے بعد بھی تم کسی آزاد پنڈولیم کی طرح آگے پیچھے جھولتے رہو گے۔ سائنس کی زبان میں اسے سمپل ہارمونک موشن کہتے ہیں۔ تمہاری ابتدائی ... کھنڈی کہا جاسکتا ہے۔"

میں نے اسے چند فٹ پیچھے لانے کے بعد اچانک چھوڑ دیا اور اس کا جسم چکراتا ہوا تیزی سے دیوار کی طرف ہولیا۔ اس نے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کسی اناڑی کی طرح فضا میں اپنی دونوں ہاتھ لہرانے شروع کردیے مگر اس کی وہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ شانوں سمیت دیوار سے جا ٹکرایا۔ دھماکے کی آواز اس کی تیز اور بے ساختہ چیخ میں دب کر رہ گئی۔ وہ اس ہلکی سی ضرب سے بے جان سا ہوگیا تھا۔

"یہ ٹریلر تھا۔ اگلی بار تمہیں پورے فاصلے تک کھینچ کر چھوڑا جائے گا اور یہ عمل بار بار دہرایا جائے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ تمہارے سر، چہرے، شانے اور بازوؤں کی بیشتر ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس وقت تم کچھ بتانا بھی چاہو گے تو بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری تواضع جاری رہے گی اور آخر کار تم یوں ہی سسک سسک کر مرجاؤ گے۔ تم الٹے لٹکے ہوئے ہو۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تمہاری روح کہاں سے خارج ہوگی۔"

"تم سفاک درندے ہو۔ پتا نہیں مجھ سے کیا چاہتے ہو۔" وہ ہانپتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا "میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تنخواہ دار ملازم ہوں۔ جو کام چوہدری عظمت بتاتا ہے، وہ کرڈالتا ہوں۔ تم اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ سکتے؟"

"تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ بتا ڈالو۔ چوہدری کی باری آئے گی تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔" اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی قمیص کا دامن پکڑا اور اس کے بدن کو پیچھے کھینچنا شروع کردیا۔ اس مرتبہ اس نے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ چپ رہا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کی سوچ میں تبدیلیوں کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے مزید سرد مہری اور سفاکی کے مظاہرے کی ضرورت تھی۔

میں اپنی بات کہہ چکا تھا۔ بولنے کی باری اس کی تھی۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔ میں اسے جہاں تک کھینچ سکتا تھا، کھینچ لایا پھر میں نے مزید کچھ کہے بغیر اطمینان سے اسے چھوڑ دیا۔ اس بار میں نے دانستہ رسی میں بل نہیں دیے تھے۔

وہ شاید میری طرف سے کسی وارننگ کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ جسم کے حرکت میں آتے ہی اس نے تڑپنا، بدکنا اور چلانا شروع کردیا۔

اس کا وہ ردِ عمل بعد از وقت اور بے سود تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے خوف زدہ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہتھیلیاں سامنے کردیں۔ اس کی یہ تکنیک موثر نکلی، میرا دل

اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کے لیے یقیناً اذیت ناک رہا ہوگا۔ اس کا وجود دو ڈھائی من کے قریب وزنی رہا ہوگا۔ اسے دور تک لے جاکر چھوڑا گیا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں چھپاکوں کے ساتھ دیوار سے ٹکرائیں اور جوڑ کی ہڈیاں بول گئیں۔ کہنیاں مڑتے ہی اس کا چہرہ دیوار سے جا ٹکرایا۔ ہتھیلیوں پر زور آجانے کی وجہ سے اس کے چہرے کی ضرب کی شدت میں کمی آگئی تھی مگر مجموعی طور پر وہ بکھر کر رہ گیا۔

"روکو... مجھے روکو... مجھے اس سولی سے اتار لو!" وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے گڑگڑانے لگا "میں تمہیں سب بتادوں گا۔"

"یہ کھیل دلچسپ ہے۔ اسے جاری رہنے دو اور مزید سوچ لو۔" میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ اسے مشورہ دیا "اتارنے کے بعد تمہاری نیت بدل گئی تو تمہیں دوبارہ زیادہ لمبی رسی سے لٹکایا جائے گا جسے زیادہ دور تک لے جانا ممکن ہوگا۔ اس سے تمہیں زیادہ چوٹیں آئیں گی۔"

"مجھے کچھ نہیں سوچنا۔" وہ بلبلا اٹھا "تم خونی بھیڑیے ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں کہ اللہ پاک نے انسانی خون کے ایک قطرے کی کتنی حرمت بتائی ہے۔ تم نے میرا چہرہ خون میں نہلا دیا ہے اور تمہارے دل پر کوئی اثر نہیں ہے۔"

"واہ بیٹا! اب تمہیں اللہ یاد آرہا ہے۔" میں نے زہریلی آواز میں کہا "ہیومن سوسائٹی میں تم اللہ کے بندوں کی بڑی خدمت کررہے ہو۔"

"ہم جو کچھ کررہے ہیں، کسی کا خون نہیں بہاتے۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولا "ہمارا دامن بالکل صاف ہے۔"

"قصور سے آنے والے ٹرک میں کیا آتا ہے اور کہاں بھیجا بلکہ بیچا جاتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اتاردو۔ میں ہر بات بتادوں گا۔ وہ میرے نہیں، چوہدری عظمت اور ملک اقبال کے کام ہیں۔ میں تنخواہ لیتا ہوں اور ان کی نوکری کرتا ہوں۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ تم نے بلاوجہ مجھے اپنی سنگ دلی کا نشانہ بنایا ہے۔"

میری اور خالد کی نظریں چار ہوئیں۔ دونوں کی نگاہوں میں استفسار تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے شاہد کی بدلتی ہوئی کیفیات کے بارے میں سوچا اور پھر سر کو اثبات میں جنبش دے کر کمرے سے باہر آگیا۔ خالد نے میری تقلید کی۔ میں سگریٹ سلگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خالد اپنے تینوں آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔

خالد سے ہدایات لے کر وہ تینوں کمرے میں چلے گئے، خالد میرے پاس آگیا۔

"تمہارا ... [illegible]

خوش ہوگیا۔" اس نے آتے ہی کہا "مجھے امید نہیں تھی کہ شاہد یوں پسپا ہوجائے گا۔"

"ملزم کے ساتھ ہر احتیاط کی جانی چاہیے لیکن جب جرم کا یقین ہو تو مجرم کی زبان کھلوانے کے لیے سنگ دلی کا مظاہرہ ضروری ہوجاتا ہے۔"

"کس قدر آسان اور سادہ طریقہ ہے۔ لٹکاؤ، گھماؤ، کھینچو اور چھوڑ دو۔" اس نے تصور میں محظوظ ہوتے ہوئے کہا "نتیجے کا انحصار قسمت پر ہے۔ جہاں چوٹ آنی ہے، آ کر رہے گی۔ مجرم کے کھلے ہوئے ہاتھ بھی اسے نہیں روک سکتے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ یہ کیا کہانی سناتا ہے۔ ہمیں اتنا کم وقت ملا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے خلاف ہمارا ہوم ورک نامکمل ہے۔"

"کیمیکل کی اسمگلنگ کے شواہد موجود ہیں۔ ایک فلاحی ادارے کی آڑ میں یہ کام کرنا زیادہ سنگین جرم بن جاتا ہے۔" وہ بولا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن شاہد سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے احساس ہوا تھا کہ البرٹ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت زندگی کے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے۔ کراچی یا لاہور جیسے شہر صدیوں سے جہاں ہیں، وہیں قائم ہیں۔ نیویارک والے انہیں مشرق میں تصور کرتے ہیں، انڈونیشیا والوں کے لیے یہ مغرب میں واقع ہیں۔ ہر بات کا تعین اس بات سے ہوتا ہے کہ اسے کس حوالے سے دیکھا جارہا ہے۔ اسی طرح جرم کا معاملہ تھا۔ ایک صاف ستھرے اور شفاف معاشرے میں ٹریفک سگنل کو نظر انداز کرکے آگے نکل جانا بھی جرم سمجھا جاتا ہے لیکن جہاں صحیح اور غلط کا امتیاز مٹ جائے، لوگ قانون کی پامالی کو باعث فخر سمجھتے ہوں، دولت کے حصول کی دوڑ میں جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ چکی ہو، وہاں جرائم کی تعریف اور تشریح بہت مختلف ہوجاتی ہے۔ بعض بڑے جرائم معمول بن کر رواج پانے لگتے ہیں اور کوئی انہیں قابل سزا قرار نہیں دیتا۔

شاید کچھ یہی حال ہیومن سوسائٹی کا بھی تھا۔ اگر وہ صرف کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث تھے تو جرم ضرور کررہے تھے لیکن عام آدمی کے نکتہ نگاہ سے وہ کوئی بہت بڑا یا سنگین جرم نہیں تھا۔ تجارت پیشہ لوگ ٹائر، کپڑا، قیمتی آلات اور جوتے تک اسمگل کرکے عزت اور دولت کمارہے تھے۔ چوہدری عظمت ایک کیمیکل اسمگل کررہا تھا تو وہ کوئی بڑا مجرم نہیں تھا۔ ہاں جو لوگ جانتے تھے کہ وہ کیمیکل کس طرح پاکستان کی نوجوان نسل کو کھوکھلا اور تباہ کررہا تھا، ان کے نزدیک چوہدری عظمت اور اس کے مددگار ناقابل معافی مجرم تھے۔ میرا اور خالد کا شک بھی یہی تھا کہ ہیومن سوسائٹی کے قیام کا مقصد کچھ اور

یہی وجہ تھی کہ شاہد ہماری قید میں تھا لیکن بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہوسکتی تھی کہ محض ایک کیمیکل کی اسمگلنگ کے جرم میں ہیومن سوسائٹی جیسے بڑے اور نیک نام فلاحی ادارے کو نیست و نابود کردیا جائے جس سے سیکڑوں یا شاید ہزاروں مستحقین فیض حاصل کررہے تھے۔

ہیومن سوسائٹی پر براہ راست وار کرنے کے لیے کچھ اور مواد کی اشد ضرورت تھی جو اس وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔

میری نظروں میں شاہد کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔ وہ ہیومن سوسائٹی کا تنخواہ دار ملازم ضرور تھا مگر شاید اعلیٰ ترین ملازم اور اپنے مالکان کا معتمد خاص تھا۔ وہ گھر کا بھیدی تھا جسے چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہم باز پرس کے دوران میں اس سے کیا کچھ اگلوا سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خالد کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ زخمی قیدی کو کھولا جاچکا تھا۔ اسے کوئی طبی امداد نہیں دی گئی تھی مگر اس کے زخموں کی صفائی کردی گئی تھی۔ وہ پیغام سنتے ہی میں خالد کے ساتھ دوبارہ اس مختصر کمرے کی طرف چل دیا جہاں شاہد موجود تھا۔

وہ ننگے فرش پر ہاتھ پیر پھیلائے چت لیٹا ہوا تھا۔ زخموں کی صفائی ہوجانے کے باوجود اس کے چہرے کے تازہ زخموں سے رسنے والے خون نے اسے ڈراونا بنا دیا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ ہماری آہٹوں پر اس نے متورم آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر پپوٹے بند کرلیے۔

"اداکاری سے کام نہیں چلے گا۔ اب تم کو بولنا ہے۔" میں نے سختی سے کہا "تم نے مکاری سے کام لیا تو دوبارہ ٹانگ دیے جاؤ گے۔"

"آنکھیں بند کرکے مجھے سکون مل رہا ہے۔" اس نے کمزور آواز میں کہا "میں تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

"ہمارے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ تم اپنی سوسائٹی کی کتھا سناتے چلے جاؤ جو باتیں رہ جائیں گی، وہ ہم پوچھ لیں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بتاؤں۔ تم نے مجھے پکڑا ہے تو کچھ طے کرنے کے بعد ہی پکڑا ہوگا۔ قصور والا بزنس بھی تمہارے علم میں ہے۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں، وہ ہمارے ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔ اپنی کہانی تم خود سناؤ گے۔"

"ہماری سوسائٹی بظاہر مظلوم افغانوں اور دوسرے

تھا۔" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے کچھ سوچنے کے بعد کہنا شروع کیا "تم کو معلوم ہے کہ آزاد قبائلی علاقوں میں منشیات سے ہتھیاروں تک ہر چیز کی کھلی تجارت ہوتی ہے لیکن باہر سے جانے والے ایسی چیز خرید کر لوٹیں تو انہیں پکڑلیا جاتا ہے۔ ان علاقوں میں آنے جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے لیکن ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہماری گاڑیوں اور عملے کو وہاں آنے جانے کی پوری آزادی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی روک ٹوک ہوتی ہے نہ گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ہماری سوسائٹی کو وہاں آزادانہ آمدورفت کا کھلا پرمٹ ملا ہوا ہے۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا تو میں نے فوراً اسے لقمہ دیا "افغان مہاجرین اور آزاد قبائلیوں میں دلچسپی کا معاملہ سامنے آگیا ہے۔ اس دلچسپی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالتے چلو تو بات سمٹی رہے گی۔ چوہدری عظمت یا تمہاری سوسائٹی کو ان علاقوں میں رہنے والوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی؟"

"جو لوگ دل کھول کر پیسا دیتے ہیں' وہ اپنے مقاصد کی تکمیل بھی چاہتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ امریکا کی فل برائٹ فاؤنڈیشن سے ہیومن سوسائٹی کو بھرپور گرانٹ ملتی ہے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے خالد کی طرف دیکھا پھر شاہد سے پوچھا "تمہاری رپورٹوں اور ریکارڈ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔"

"ریکارڈ پر جو کچھ ہے' وہ دنیا کے سامنے ہے۔ میں تمہیں صرف وہ باتیں بتا رہا ہوں جو تم جاننا چاہتے ہو اور وہ ریکارڈ میں کہیں نہیں ملیں گی۔"

"اس فاؤنڈیشن سے رقوم کیسے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں۔" خالد نے پوچھا۔

"گرانٹ کسی غیر ملکی بینک میں چوہدری عظمت کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے۔ یہاں کچھ رقم بے نام عطیوں کی صورت میں سوسائٹی کے فنڈ میں آجاتی ہے۔ بقیہ رقم چوہدری عظمت براہِ راست استعمال کرتا ہے۔ بیچ میں کتنی رقم غائب ہوجاتی ہے' اس کا مجھے پتا نہیں چلتا۔"

"چوہدری عظمت یہ گرانٹ کہاں اور کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے؟" شاہد کے چشم کشا انکشافات سن کر میرا تجسس بڑھ رہا تھا۔ کیمیکل کی اسمگلنگ پس پشت چلی گئی تھی۔ اس سے کہیں بڑے اور سنگین معاملات سامنے آرہے تھے جن کی ہمیں بھنک بھی نہیں ملی تھی۔

"فل برائٹ فاؤنڈیشن امریکا بچاؤ نامی ایک خفیہ پروجیکٹ چلا رہا ہے جس کا مقصد ہے کہ اگلے دس برسوں میں امریکی معاشرے سے منشیات کی لعنت کو جڑ سے ختم کردیا جائے۔ یہ پروجیکٹ جنگ' مقابلے اور قانونی انسداد کے بجائے سرمایہ کاری کے اصول کے تحت کام کررہا ہے۔ وہ لوگ جنوبی امریکا اور ایشیا کے ملکوں میں بڑے پیانے پر سرمایہ کاری کررہے ہیں۔ چوہدری عظمت کو قبائلی علاقوں سے ہیروئن کی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید کر ہیں تلف کرنے کا ہدف دیا گیا ہے۔ ہماری گاڑیاں یہاں سے امدادی سامان لے کر ادھر جاتی ہیں اور واپسی پر ہیروئن کے چند تھیلے لے کر خاموشی سے لوٹ آتی ہیں۔"

وہ بالکل نئی اطلاع تھی۔ شی ختم ہوگئی تھی مگر اس کا نظریہ زندہ تھا۔ شی ہیروئن کی مقامی پیداوار کو مقامی منڈیوں میں کھپانے کے مذموم منصوبے پر کام کررہی تھی۔ امریکا بچاؤ پروجیکٹ میں پیداوار کو تلف کرنے پر زور دیا جارہا تھا۔ دونوں کوششوں کا مقصد ایک تھا کہ اسمگلنگ کے لیے ہیروئن کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ گھٹایا جائے۔

"یہ گھپلے کا کام ہے۔ ہر مرحلے پر لاکھوں کا ہیر پھیر ممکن ہے۔ تم لوگوں کی خریدی ہوئی ہیروئن یہاں بکتی ہوگی۔" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"صاف ستھرے کام براہِ راست حکومتوں اور کاروباری اداروں کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔" شاہد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "جہاں گھپلے ہوتے ہیں' وہاں این جی اوز کو استعمال کیا جاتا ہے۔ گرانٹ دینے والوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دی ہوئی گرانٹ کا بڑا حصہ غت ربود کرلیا جائے گا اسی لیے وہ بہت بڑے بڑے فنڈ جاری کرتے ہیں۔ چوری' بے ایمانی اور غبن کے باوجود ایک بڑی رقم اصل مقصد پر خرچ ہوتی ہے۔ یہی ہم بھی کررہے ہیں۔"

"میں نے ہیروئن کی فروخت کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے سخت لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"جب قدم قدم پر چوری اور بے ایمانی کی کھلی چھوٹ ہو اور یہ یقین ہو کہ اس لوٹ مار کا کبھی حساب نہیں لیا جائے گا تو کون رک سکتا ہے۔ ہیروئن کا لین دین کچا کام ہے جس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ چوہدری عظمت کچھ ہیروئن لاہور کے دو ڈیلروں کو دیتا رہتا ہے۔"

خالد کا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا کہ لاہور کی آبادیوں میں ہیروئن کی کھپت میں یکایک اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ لوگ جو منشیات فروشی کے گھناؤنے کاروبار سے وابستہ تھے' اپنا اپنا زہر مسلسل فروخت کررہے تھے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں پہنچنے والی ہیروئن کی مقدار اضافی تھی جو ان ہی علاقوں میں بیچی جاتی ہوگی۔" بات بالکل الٹ گئی تھی۔ چوہدری عظمت ساہوکار کے بجائے پکا چور ثابت ہورہا

تھا۔ اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں، وہ موت کے سوداگروں اور منشیات فروشوں کی ٹولی میں شامل تھا۔

"اگر وہ کچھ ہیروئن دو ڈیلروں کو دیتا ہے تو بقیہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہر ایک دو مہینوں کے بعد امریکا سے فل برائٹ فاؤنڈیشن کا کوئی عہدے دار لاہور آتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال اور اطمینان کے بعد چوہدری عظمت اس کی نگرانی میں وہ ہیروئن راوی کے گدلے پانی میں یا کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیتا ہے۔ ہیروئن تلف ہوتے ہی پچھلی گرانٹ کا حساب برابر ہوجاتا ہے۔ چند روز بعد نئی گرانٹ جاری ہوجاتی ہے۔"

"اس دوران میں طور زخم پار سے آنے والی ہیروئن کہاں رکھی جاتی ہے؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"اس کام میں ہیومن سوسائٹی کی گاڑیاں اور اعتماد کے دو تین آدمی ضرور حصہ لیتے ہیں لیکن ہیروئن کہیں نہیں ہوتی۔ میں سب تھیلے چوہدری عظمت کے گھر پہنچا دیتا ہوں۔ فاؤنڈیشن کے افسر کے دورے تک سب مال وہیں جمع ہوتا ہے۔ ڈیلروں سے لین دین بھی وہ خود کرتا ہے۔"

"یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ سرمائے کی فراہمی اور ہیروئن کی خرید و فروخت۔ ابھی تک تم نے کیمیکل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ بعد کی کہانی ہے۔" وہ بے چون و چرا ہر بات بتاتا چلا جارہا تھا۔ "ہماری زبان میں وہ کیمیکل اے این ایچ کہلاتا ہے۔ اس کے بغیر ہیروئن نہیں بن سکتی اور افیم بیچنے میں کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ اے این ایچ بھارت سے چوری چھپے آتا ہے۔ حالات خراب ہوں یا سرحد پر گشت بڑھ جائے تو یہ سپلائی رک جاتی ہے۔ اے این ایچ نایاب ہوجاتا ہے۔ چوہدری عظمت کا ہیروئن بنانے والوں سے بہت گہرا تعلق ہوچکا ہے۔ وہ خود بھی ہیروئن سے دولت بٹور رہا ہے۔ اس نے کھیم کرن کے اسمگلروں سے بات کرکے اے این ایچ منگوانے کا بندوبست کرلیا۔ وہاں بھی ہماری گاڑیوں کو چھوٹ ہے۔ کھیم کرن سے چھوٹے ڈرم راتوں رات ایک گاؤں پہنچتے ہیں۔ صبح ہمارا ڈرائیور مقررہ جگہ چھپے ہوئے ڈرم اٹھالیتا ہے۔ سارے معاملات فون پر طے ہوتے ہیں۔ ان کو باہر سے پوری رقم بھیج دی جاتی ہے۔ سارا کام سرحد پار کیے بغیر ہوجاتا ہے۔"

"مال کھیم کرن سے آتا ہے۔ تمہاری گاڑی قصور تک جاتی ہے۔ وہاں سے کھیم کرن کتنی دور ہے۔"

"سرحد پر سب قصبے آس پاس ہیں۔ گاڑی کی آمد و رفت کا اصل مقصد چھپانے کے لیے اسے قصور تک بھیجا جاتا ہے۔"

وہ سارا کھیل ہی ہیروئن کے گرد گھوم رہا تھا۔ اس میں انسانیت اور انسانوں کی خدمت و فلاح کا نام ضمنی طور پر ملوث ہوگیا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ چوہدری عظمت نے ہیومن سوسائٹی کی داغ بیل اپنے پیسے سے ڈالی تھی۔ بعد میں لوگ اس پر بھروسا کرکے پیسے اور سامان دینے لگے۔"

"یہ سب رہنے دو... یہاں سب چور ہیں۔ جو تھوڑا سا کام کرتا ہے، لوگ اس کی واہ واہ کرنے لگتے ہیں۔" اس نے تلخی سے جواب دیا "چوہدری نے خود کروڑوں کا مال بنایا اور مجھے مروادیا۔ پہلے میں نے بھی یہی سب کہانیاں سنی تھیں۔ اس کے پاس نوکری کی تو پتا چلا کہ سب جھوٹ تھا۔ وہ کئی بار لمبی رقمیں لے کر ہیروئن خریدنے گیا مگر بات نہیں بنی۔ افغانوں نے اسے ہوشیار کردیا کہ وہ سرحد پار کرتے ہی دھرلیا جائے گا۔ جو امریکی اسے پیسا دے رہے تھے، وہ کام چاہتے تھے۔ چوہدری عظمت نے پشاور سے ہیروئن خریدی تو داموں میں بہت فرق تھا۔ اس وقت گرانٹ بھی کم تھی۔ اس کے لیے لمبا ہاتھ مارنا مشکل تھا پھر کسی کے مشورے پر اس نے اپنے گھر پر بورڈ لگا کر ہیومن سوسائٹی بنالی۔ اسے کسی کی بھلائی برائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ این جی اوز کے ذریعے قبائلیوں میں آزادی سے گھلنے ملنے کا پروانہ چاہتا تھا جو اسے مل گیا۔"

وہ فرش پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شاید لیٹے لیٹے تھک گیا تھا۔ اسے زیادہ تشدد نہیں سہنا پڑا تھا لیکن دیر تک الٹا لٹکا رہنے کی وجہ سے اس کے سارے عضلات رگیں اور پٹھے تناؤ کا شکار ہوگئے تھے جو بدن ڈھیلا چھوڑ کر لیٹنے کے نتیجے میں قدرے معمول پر آچکے تھے۔

"شکل و صورت اور گفتگو سے تم پڑھے لکھے نظر آتے ہو۔" خالد نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس سے کہا "سب کچھ جان لینے کے باوجود تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ تم کتنے سنگین جرائم میں ملوث ہوتے جارہے ہو۔ اعانتِ مجرمانہ بھی جرم کی طرح ایک سنگین اور قابلِ تعزیر حرکت ہے۔"

"پہلے کچھ علم نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ ہر بات سامنے آتی چلی گئی لیکن تم خود بتاؤ کہ مجھے چالیس ہزار روپے ماہانہ، سجا سجایا مکان، نئی گاڑی اور اس کا خرچ کون دے گا۔ میں صرف بی کام ہوں۔ چوہدری عظمت کے پاس گیا تو ڈھائی ہزار کی

ملازمت سے نکلے ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ اس نے چار ہزار پر کلرک رکھ لیا۔ آج میں اس کا سب سے پرانا اور پہلا ملازم ہوں جیسے جیسے اس کی لاٹری لگتی رہی وہ میرے پیسے اور سہولتیں بھی بڑھاتا چلا گیا۔ آج بھی مجھے پانچ سات ہزار سے زیادہ کی نوکری نہیں ملے گی۔"

"نئی نوکری کو بھول جاؤ۔ اب تو تمہیں وہ سارا کھایا پیا اگلنا پڑے گا جو چوہدری عظمت کی نوکری سے تمہارے حصے میں آیا ہے۔ لالچ نے اس کے ساتھ تمہیں بھی اندھا کیا ہوا تھا۔ اس پیسے نے تمہیں بہت بگاڑا ہے۔ تمہارا کردار اچھا ہے نہ شہرت نیک ہے۔ عیش و عشرت اور شراب نوشی تمہاری عادتیں بن چکی ہیں۔"

"وہ لوگ بدقسمت ہیں جو کما کما کر دوسروں کے لیے جوڑتے ہیں، اپنی ذات پر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ کمایا ہے تو اس سے اپنے لیے خوشیاں خریدی ہیں۔ چوہدری عظمت کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ مجھے بھی بچائے گا۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ سب کچھ اگلنے کے بعد تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن چکے ہو۔" خالد نے کہا۔

سلطانی گواہ کا نام سنتے ہی وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہو گیا "میں نے کوئی بیان نہیں دیا۔ میں چوہدری صاحب کے وکیل سے مشورے کے بغیر ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ تم نے سلطانی گواہ بنایا تو میں صاف مکر جاؤں گا۔ تم میری زندگی تباہ نہیں کر سکتے۔"

خالد نے بڑھ کر اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور زہریلے لہجے میں کہا "اپنی زندگی تم نے اسی دن تباہ کر لی تھی جب تم نے چوہدری عظمت کی ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب تم نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ زندگی بھر کھلا آسمان دیکھنے کے لیے ترس جاؤ گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہیں گرفتار نہیں کیا گیا، اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "لاہور کے سیکڑوں مغوی ایسے ہوں گے جن کا برسوں بعد بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ زیادہ اڑو گے تو تمہارا نام بھی ان ہی کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ نہ تمہارا جنازہ اٹھے گا نہ مزار بنے گا۔"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کون لوگ ہو۔ کبھی قانون سے ڈرا رہے ہو، کبھی موت کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ صورتوں سے تم پولیس والے لگتے ہو نہ دہشت گرد معلوم ہوتے ہو پھر کون ہو؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو کچھ کہہ چکے ہو، تمہیں اس پر قائم رہنا ہوگا ورنہ ہم تمہاری ہڈیوں کا سرمہ کر ڈالیں گے۔" خالد نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور اپنے ایک آدمی کو آواز دی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ خالد نے اسے کوئی اشارہ کیا اور اس نے ایک جیبی ٹیپ ریکارڈر اپنے نیفے میں سے نکال کر ہمارے سامنے کر دیا۔ خالد نے حقارت سے شاہد کو گھورا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس ٹیپ کی موجودگی میں تم نے کوئی قلابازی کھائی تو تمہیں اپنے انجام پر افسوس کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں مجھے بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر شاہد کے ہوش اڑ گئے۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اسے چیختا اور بڑبڑاتا ہوا چھوڑ کر ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے۔

"کمرے سے رسی ہٹا دو اور اسے رات بھر یہیں رہنے دو۔ تنگی کوٹھری میں در و دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر صبح تک خود ہی نیم پاگل ہو جائے گا۔" خالد نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ قیدی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دینے کے باوجود اس کے بشرے سے پریشانی کے آثار جھلک رہے تھے۔

"سارے حالات اور واقعات ہماری توقعات سے کہیں زیادہ سنگین ثابت ہوئے۔" میں نے اس کے دفتر میں کرسی سنبھالنے کے بعد تحیر زدہ آواز میں کہا "میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن کی خرید و فروخت جیسا مذموم دھندا چل رہا ہوگا۔"

"ان کو بے نقاب کرنے کا سارا کریڈٹ تم کو جاتا ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہاری بعض تجاویز پر مدافعانہ رویہ اختیار کیا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا مگر مجھے شدت سے احساس تھا کہ پچھلے کچھ عرصے میں لاہور میں ہیروئن کا استعمال اچانک بڑھا ہے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں آنے والی اضافی مقدار نے شہر پر بہت تیزی سے لپٹا رنگ جمایا ہے۔"

"یہ قصہ بہت عجیب و غریب انداز میں نمٹا ہے۔ سارے حقائق سامنے ہیں۔ کوئی خون خرابا نہیں ہوا۔ اصل مجرم کا نام بھی سامنے آ چکا ہے۔ اب بس اس کی گرفتاری کا

معاملہ درپیش ہے۔ چوہدری عظمت نے ایک بہت بڑا کام تن تنہا سنبھالا ہوا تھا۔"

"تم نے پہلی مرتبہ بات ہونے پر ہی شاہد کو اٹھوانے کی بات کی تھی۔ مجھے افسوس ہورہا ہے کہ اس وقت میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا۔ اب سے بہت پہلے ہم ان معاملات کو نمٹا چکے ہوتے۔" وہ مسلسل ایک خلش اور شرمندگی میں مبتلا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تھوڑی سی تاخیر ہوگئی۔ ہمیں لاہور میں کچھ وقت گزارنا ہے۔ یہ بساط اتنی جلدی لپٹ جاتی تو ہمارے لیے وقت گزارنا مشکل ہوجاتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب تم اجازت دو تو میں کسی پولیس افسر سے رابطہ کرلوں...."

"اینٹی نارکوٹکس فورس والوں کے بارے میں تم نے نہیں سوچا!" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "میں دوبارہ کہوں گا کہ اس معاملے میں ان کا کردار زیادہ موثر اور بھرپور ہوگا۔ فل برائٹ فاؤنڈیشن کا نام سامنے آنے کے بعد ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں بھی آرہی ہے لیکن میری کچھ اپنی مجبوریاں ہیں۔ اینٹی نارکوٹکس والے ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ مقامی پولیس کے ساتھ ہمیں مل جل کر رہنا پڑتا ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران ہر وقت ہمارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ذرا سی بریفنگ کے بعد چوہدری عظمت کے خلاف کارروائی کا آغاز ہوجائے گا۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کو فیصلہ کرنے میں وقت لگے گا کیونکہ وہ ایس ٹی ایف اور اس کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں۔"

"اس وقت ساری اہمیت مہلت کی ہے۔ چوہدری عظمت کو شاہد کے غائب ہونے کی بھنک مل گئی تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"پولیس کی نفری ہر وقت مستعد اور تیار رہتی ہے۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کے لیے یہ مسئلہ بھی ہوگا۔ وہ پیشگی منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ پتا نہیں ایمرجنسی میں ان کا کیا رویہ ہو۔ ہم نے ایک مرتبہ ان سے رجوع کرلیا تو پھر ہم پولیس سے مدد نہیں لے سکیں گے۔"

وہ عملی مجبوریاں تھیں جن سے خالد واقف تھا۔ اس کی ہر دلیل مضبوط اور ناقابل تردید تھی "ٹھیک ہے پھر پولیس کو ہی حرکت میں آنا چاہیے۔"

"یہ سوچ لو کہ چوہدری عظمت تمہارے ایک دوست کا ماموں سسر ہے۔ اسے کوئی شکایت نہ ہوجائے۔"

"اس دور کے تعلق سے پہلے وہ ایک ناقابلِ نفرت مجرم ہے۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی یہ پولیس آپریشن ہوگا۔ اس کی رپورٹنگ میں میرا یا تمہارا نام آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میرے دوست کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کارروائی میں میرا کوئی دخل تھا۔"

"پولیس ریڈ کتنا ہی شریفانہ ہو، لوگوں کو اس سے سنگین شکایات ہوتی ہیں۔ اس کے گھر والے رو پڑیں گے۔"

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں سلمیٰ کے بھائی کے گھر فون کرکے یہ دیکھ لوں کہ سلمیٰ کہاں تھی مگر میں نے فوراً اس خیال کو مسترد کردیا۔ ان نازک لمحات میں سلمیٰ کو چھیڑنا شکوک و شبہات کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں مکمل خاموشی اختیار کرلوں۔

چوہدری عظمت کے اہل خانہ کو کسی نامناسب زحمت سے بچانے کے لیے یہ بھی ہوسکتا تھا کہ علاقے کا گھیراؤ کرکے اسے گھر سے نکلتے وقت پکڑا جائے۔ لیکن بات وہاں ختم نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ فل برائٹ فاؤنڈیشن کے اہل کار کی آمد سے پہلے خریدی ہوئی ہیروئن اپنے گھر کے کسی حصے میں چھپاتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے گھر میں ملازمین کی خدمات کا سلسلہ بالکل ختم کیا ہوا تھا۔ اس کے گھر میں ذخیرہ کی ہوئی ہیروئن کی بھاری مقدار اس کے خلاف سب سے مضبوط ثبوت ہوتی۔ اسے برآمد کرنے کے لیے پولیس فورس کا گھر میں داخلہ اور تفصیلی خانہ تلاشی لازمی تھی۔ پولیس کو اس اقدام سے روکنا کیس کو کمزور کرنے کے مترادف ہوتا۔

میں نے سب پہلوؤں پر غور کیا۔ میں سلمیٰ کے ماموں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے جو فصل بوئی تھی، اسے کاٹنے کا وقت سر پر آچکا تھا۔ وہ ایک بھیانک مجرم تھا۔ اس سے صرف مجرموں والوں سلوک کیا جانا چاہیے تھا۔

"ہر کام روٹین کے مطابق ہوگا۔" میں نے خالد کو اپنا فیصلہ سنادیا۔ "ہر مجرم کسی نہ کسی کا ماموں یا چچا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسے کوئی رعایت نہیں دی جاسکتی۔ سب کچھ طے کرو اور پوری آزادی کے ساتھ اس پر عمل کر گزرو۔ مجھے یا کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

خالد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ مجرم کسی کا دوست یا رشتے دار نہیں ہوتا۔ وہ صرف مجرم ہوتا ہے۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور لاہور کے ڈی آئی جی

کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔
یکے بعد دیگرے اس نے تین فون نمبر ملائے لیکن ڈی آئی جی کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ چوتھے نمبر پر اس سے رابطہ ہوگیا۔
"سر! میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن تھری کا ایک کمانڈر خالد احمد بول رہا ہوں۔ میں نے پہلی بار سنا کہ ایس ٹی ایف والے اعلیٰ افسران کو اپنی شناخت کس طرح کراتے ہیں۔ خالد کہہ رہا تھا "میرا پاس ورڈ شوگر نائین تھری فور ہے۔ مجھے ایک اہم کیس میں ڈویژن کی پولیس فورس کی فوری مدد درکار ہے۔ یہ ہیومن سوسائٹی کے چوہدری عظمت کا معاملہ ہے۔ بریفنگ اور ایک قیدی دے کر میں فیڈ آؤٹ ہوجاؤں گا۔ ریکارڈ پر یہ پولیس کیس ہوگا۔"
وہ خاموش ہوکر دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے لیس سر کہتا رہا۔ ڈی آئی جی کی بات مکمل ہونے کے بعد اس نے پہلے فون کر کے ٹھیک گیارہ بجے پہنچنے کا وعدہ کرتے ہوئے فون بند کردیا۔
میں نے وہ مختصر گفتگو بہت غور سے سنی۔ خالد نے ریسیور اس طرح واپس رکھا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔
"یہ شوگر نائین تھری فور کیا ہے۔ ایسے پاس ورڈ تو کوئی بھی استعمال کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔
"یہ پاس ورڈ ہی ہماری عزت و آبرو اور کل کائنات ہے۔ اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے اس راز میں شریک کیا ہے۔ صرف ہمارے باس کو علم ہے کہ کس افسر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ فورس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس ورڈ سے لاعلم ہیں۔"
"ڈی آئی جی کو کیا پتا کہ شوگر نائین تھری فور کیا بلا ہے۔" میں نے بات چھڑ جانے پر الجھن سے پوچھا۔
"ڈویژنل سربراہوں کی سطح تک ہر سرکاری افسر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حدود میں کام کرنے والے ایس ٹی ایف کمانڈر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ یہ اطلاع ایک حساس ادارے کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس وقت تم چاہو تو تمہیں خالد احمد تسلیم کرلیا جائے گا۔ باہمی تعارف کسی اہم ضرورت کے تحت ہوتا ہے ورنہ اس پاس ورڈ کے سہارے ہر کام نکلتا چلا جاتا ہے۔ دوسرے علاقے میں یہ پاس ورڈ ناکارہ ثابت ہوگا۔"
"تمہاری اور ڈی آئی جی کی ملاقات گیارہ بجے ہوگی!" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔
"ڈی آئی جی مصروف ہے۔ عہدے اور تنخواہ میں وہ مجھ سے بڑا افسر ہے۔ بہت زیادہ بااختیار ہے مگر شوگر نائین تھری فور کی بات نہیں ٹالے گا۔ گیارہ بجے وقت دینے کا مطلب ہے کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہے۔ اس سے ملاقات میں ہر بات طے کرلی جائے گی۔"
"کارروائی دو تین بجے سے پہلے نہیں ہوسکے گی" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوگا۔"
"ایسے کاموں کے لیے وہی وقت موزوں ہوتا ہے۔ چوہدری عظمت کتنی ہی دیر سے گھر آتا ہو' اس وقت اپنے بستر میں دبکا سو رہا ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اخباری نمائندوں کی تھانوں پر یلغار دم توڑ چکی ہوتی ہے۔ صبح کے اخبار چھپنے لگتے ہیں اور اگلی صبح اس بارے میں کچھ بھی نہیں چھپتا۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تم لوگ بھی دوسروں کی طرح اخبار والوں سے ڈرتے ہو؟"
"اخبار والوں سے نہیں' ان کی غلط رپورٹنگ سے ہر ایک ڈرتا ہے۔ آخری لمحات پر ملنے والی خبریں عجلت کی وجہ سے مسخ ہوجاتی ہیں۔ بعد میں لاکھ تردیدیں آتی رہیں' پہلی رپورٹ کا تاثر دیر تک قائم رہتا ہے۔ اسی وجہ سے بڑے آپریشن رات کے تین بجے سے صبح سویرے تک ہوتے ہیں۔"
شاہد اور چوہدری عظمت کے بارے میں جو کام ہونے تھے' وہ کیے جاچکے تھے۔ اس کے بعد صرف انتظار کا صبر آزما مرحلہ رہ گیا تھا۔ خالد نے میرے تیور بھانپ لیے اور خود پیشکش کی کہ میں ہوٹل واپس آکر آرام کرنا چاہوں تو مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوادے۔
میرے لیے آرام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اصل پریشانی یہ تھی کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی تھی اور میرے رابطے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اول خان' ویرا اور جلال وغیرہ کے پاس ہوٹل کے فون نمبر تھے۔ وہاں سے غائب ہوکر میں ان کی رسائی سے باہر تھا۔ میں نے خالد کی پیشکش قبول کرلی۔
پہلے روز کے مقابلے میں اس روز میرا کردار زیادہ نمایاں اور فعال رہا تھا۔ خالد کے ماتحتوں نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ میں شاہد کے معاملے میں بہت زیادہ سرگرمی دکھا رہا تھا لیکن خالد کے محتاط اور مساویانہ رویے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ ایس ٹی ایف کے لیے میری کوئی خاص اہمیت تھی یا اسٹیشن تھری کا کمانڈر میرے سامنے خود کو کم رتبہ سمجھنے پر مجبور تھا۔ وہ سب مشاہدہ کرنے

والے لوگ تھے۔ جو کچھ دیکھتے' اس پر اعتبار کر لیتے تھے۔ ان کے لیے اسباب جاننا ضروری نہیں تھا۔

ایس ٹی ایف کے ڈرائیور نے بہت جلد مجھے ہوٹل پہنچادیا۔ میں نے اپنے فلور پر پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو غزالہ نے دروازے کے قریب آکر سوال کیا "کون ہے؟"

مجھے یقین تھا کہ کمرے میں اکیلی ہونے کی وجہ سے وہ خوف زدہ نہیں ہوگی لیکن محتاط ضرور ہوگی۔ احتیاط کرنے کی وجہ سے وہ بے فکر ہو کر آرام بھی نہیں کر سکی ہوگی۔ میں نے دانستہ اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"آپ بے فکر ہیں اور کراچی والے آپ کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں۔ ویرا تین مرتبہ آپ کے لیے فون کر چکی ہے" میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے بتایا۔

"شاید تم نے فون بل کی طرف اس کی توجہ نہیں دلائی ہوگی" میں نے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے یہ سیکھا ہے کہ ویرا سے ہلکی پھلکی اور شگفتہ باتیں ٹھیک رہتی ہیں" اس نے شرارت سے جواب دیا "کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی جائے تو وہ فوراً برا مان جاتی ہے۔ خاص طور پر وہ اخراجات کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ وہ فوراً جواب دے گی کہ اب فون استعمال کرنا چھوڑ دے گی۔"

"وہ بار بار کیوں فون کر رہی ہے؟" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔ میری نگاہیں میز پر رکھے ہوئے کھانے کے خالی برتنوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"وہ آپ کی طرف سے فکر مند ہے' جاننا چاہتی ہے کہ شاہد کے سلسلے میں کیا ہوا؟"

"تم نے اسے نہیں بتایا کہ میں شاہد سمیت اسٹیشن تھری پہنچ چکا تھا؟" میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ کسی کمرے کی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو اپنی کسی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جان اسمتھ کے واقعے کے بارے میں مجھے پوری بات نہ بتائی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ دس پندرہ منٹ میں پھر اس کا فون آئے گا۔ آپ اپنی بات کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہد نے ہتھیار ڈال کر خود کو آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ کے بشرے سے تکان کے بجائے تازگی جھلک رہی ہے۔"

میں بستر پر دراز ہو گیا "ہم نے اسٹیشن تھری پہنچتے ہی کھانا کھالیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ شاہد پر بہت زیادہ وقت برباد ہوگا۔ وہ ہماری توقع سے زیادہ سمجھدار ثابت ہوا۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ زبان کھولے بغیر اس کی گلوخلاصی نہیں ہوگی۔ اس کی کہانی آنکھیں کھول دینے والی تھی۔۔۔"

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ غزالہ زیر لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ شاید اسے یقین تھا کہ وہ کال ویرا کی ہوگی۔

میں نے کروٹ لے کر ریسیور اٹھایا تو آپریٹر لائن مجھے منتقل کر چکا تھا۔ دوسری طرف جلال تھا "تمہارے چہرے کا کیا حال ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ جوگیندر پال کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے تمہارے چہرے کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ تم سے ملاقات میں' میں اس بارے میں دانستہ خاموش رہا تھا۔"

"تم بھول رہے ہو۔ ہماری بات ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتادیا تھا کہ میں نے بازی پلٹنے کے انتظار میں دانستہ مار کھائی تھی۔ بعد میں ان دونوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ پرسوں تک میں سفر کے قابل ہو جاؤں گا۔ زخم بھرتے رہیں گے لیکن سوجن ختم ہو جائے گی۔"

"ویری گڈ!" میرا پراعتماد جواب سن کر وہ خوش ہو گیا "تم کل کنفرم کر دوگے تو میں پرسوں کے لیے تیاری کر لوں گا۔ این کا ویل کب آرہی ہے؟"

"فی الحال اس کے لگاتار فون آرہے ہیں۔ وہ خود بھی آجائے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا۔"

"پلیز! میں کہہ رہا ہوں کہ ان چکروں کو بھول جاؤ۔ یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ چوہدری کو پچھلے کافی عرصے سے اپنے سوئٹزرلینڈ کے اکاؤنٹ میں بڑے بڑے فنڈز مل رہے ہیں۔ تم رقوم دینے والوں کا نام سنو گے تو اچھل پڑو گے۔ ایک ٹیم ان معاملات پر محنت کر رہی ہے۔"

"فل برائٹ فاؤنڈیشن کے بارے میں' میں سن چکا ہوں" میں نے سکون سے جواب دے کر اسے متحیر کر دیا "یہ معلوم ہو چکا ہے تو تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ چوہدری یا اس کے کسی گرگے کو پکڑو' مار مار کر اس کے جبڑے ہلادو' وہ خود سب باتیں اگل دے گا۔"

"میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں' تمہاری تیز رفتاری کا بھی قائل ہوں مگر خدا کے لیے اس معاملے سے دور رہو۔ ہم دھونس اور دھاندلی

ے نہیں، کسی اور طریقے سے کام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ
شمن کے ملک میں تم کو اس بارے میں کوئی خوش خبری سننے کو
ل جائے۔ میں حیران ہوں کہ تمہیں اس فاؤنڈیشن کا نام
کیسے مل گیا۔ سوسائٹی کے پورے ریکارڈ میں اس کا ذکر نہیں
ہے۔ فنڈز کے مقاصد بھی واضح نہیں ہیں....“

بات بڑھ رہی تھی۔ میں اصل واقعات کو مزید چھپائے
رکھتا تو جلال میرے رویے کو اپنی توہین سمجھ کر برہم ہوسکتا
تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے نرمی سے کہا ”آج تم
ہیومن سوسائٹی کو لمبا چکر قرار دے رہے ہو۔ کل رات تم
اسے چھوٹا سا مقامی مسئلہ کہہ رہے تھے۔ تمہارے وہ الفاظ
مجھے بے جان محسوس ہوئے تھے اور میں نے اسی وقت کچھ
کام شروع کردیا تھا۔ اپنے آدمیوں کو روک لو۔ آج رات یہ
قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ چوہدری اور اس کے
حواریوں کا وقت پورا ہوچکا ہے....“

”نہیں۔“ ریسیور میں جلال کی سخت تحکمانہ آواز گونجی
”تم چوہدری عظمت سے دور رہوگے۔ میں اسے کھینچ کر
مجرموں کے کٹہرے تک لے جانا چاہتا ہوں۔ تذلیل اور
رسوائی اس کے لیے موت سے زیادہ کڑی اور بڑی سزا
ہوگی۔“

”بالکل یہی ہوگا جو تم چاہ رہے ہو“ میں نے پورے
خلوص سے اسے یقین دلایا ”تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے
واپس لانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ زندہ رہے گا اور قانون
کے شکنجے میں آئے گا۔ اگلے سورج کی کرنیں کسی حوالات کی
سلاخوں کے پیچھے اس کا استقبال کریں گی۔“

”حوالات!“ اس کی تحیر زدہ آواز ابھری ”تو کیا تم نے
پولیس سے مدد لی ہے؟ تم لاہور میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟“

اس کی آواز میں حیرت کے ساتھ تلخی بھی تھی۔ مجھے
محسوس ہوا کہ بات خطرناک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے
پوری سنجیدگی سے کہا ”لاہور میں میرے لیے سب اجنبی
ہیں۔ میں نے ایس ٹی ایف والوں کی مدد سے چوہدری عظمت
کے سیکریٹری کو اٹھوایا اور پھر حالات میرے ہاتھ سے نکل
گئے۔“

”اوہ ڈیئی‘ یہ اچھا نہیں ہوا“ اس کے الفاظ قطعی
اضطراری تھے ”مجھے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے اور کیا
ہونے والا ہے؟“

اس کے ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں اصل واقعات نہیں
دہرا سکتا تھا۔ میں نے اسے فل برائٹ فاؤنڈیشن کی گرانٹ
اور ہیومن سوسائٹی کے قیام کے محدود مقصد کے بارے میں
بتاتے ہوئے کہا ”یہ سب شاہد نے بتایا ہے اور وہ اب ایس ٹی
ایف کا قیدی ہے۔ ایس ٹی ایف کا یونٹ کمانڈر اسے آج
رات پولیس کے حوالے کردے گا۔ ہوسکتا ہے کہ رات میں
کسی وقت آپریشن ہو اور چوہدری عظمت کو اٹھوالیا جائے۔“

”تم شاہد کی پولیس کو منتقلی روک سکتے ہو؟“ جلال نے
جارحانہ آواز میں سوال کیا۔

”گیارہ بجے یونٹ کمانڈر اور ڈی آئی جی کی ملاقات طے
ہے“ میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ”وقت بہت کم رہ
گیا ہے۔ خالد اپنے دفتر سے نکل چکا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم
کہ ان دونوں کی ملاقات کہاں ہونے والی ہے۔ سب کچھ
وہیں طے کیا جائے گا۔“

”ایس ٹی ایف کے ریڈیو روم کو پیغام دو کہ وہ اپنے
یونٹ کمانڈر کو تلاش کریں۔ اس سے تمہاری بات
کرائیں۔“

”وہ میری بات نہیں سنیں گے“ میں نے بوکھلا کر بے بسی
سے کہا ”ان کے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان صرف
کا کمانڈر جانتا ہے۔“

”تم اپنی کوشش کرو۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا
ہے۔ مجھے ایک مرتبہ پھر بتادو کہ تمہاری رپورٹ کہاں تک
صحیح ہے“ چوہدری عظمت کے خلاف پولیس ایکشن کی بات
سننے کے بعد سے اس کی آواز میں بہت زیادہ اضطراب
محسوس ہورہا تھا۔

”میں پھر بتا رہا ہوں کہ یہ سب باتیں شاہد نے بتائی ہیں
اور ٹیپ پر محفوظ ہیں‘ معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے میں
نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
میرے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات محفوظ تھی کہ بازپرس
کے دوران میں شاہد نے اپنے بیان سے پھرجانے کی دھمکی
بھی دی تھی۔

”چوہدری عظمت کے بارے میں تم کچھ نہ کرسکو تو شاہد
کی منتقلی کو دوپہر تک کے لیے ضرور روک دینا۔ اس وقت
وہی سب سے اہم مہرہ ہے۔“

”برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھ لوں!“ میں نے محتاط
لب ولہجے میں کہا۔

”جلدی پوچھ ڈالو۔ وقت ہم دونوں کے ہاتھ سے نکلا
جارہا ہے۔ گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔“

”کل تک تمہارا رویہ کچھ اور تھا۔ آج تم اس کیس کے
بارے میں اتنے پریشان اور بے چین کیوں ہو۔“

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی تیزی دکھاؤ گے۔ یہ

بہت الجھا ہوا معاملہ ہے۔ چوہدری عظمت کے سوئس بینک اکاؤنٹ کے اسٹیٹ منٹ ہمارے پاس ہیں، دوسرا ریکارڈ بھی میرے دو آدمیوں کی تحویل میں ہے۔ ہم وفاق کے ملازم ہیں۔ پولیس صوبائی محکمہ ہے۔ چوہدری عظمت کو طشتری میں سجا کر ان کو پیش کردیا گیا تو کیس خراب ہوجائے گا۔ یہ بہت بڑا کیس ہے۔ اگر ہیروئن کی خرید و فروخت اور اے این ایچ کی اسمگلنگ کے بارے میں تمہاری اطلاعات درست ہیں تو چوہدری عظمت کو عدالت سے سزائے موت ہوگی، یہ معاملہ دوسروں کے لیے عبرت کا ایک شاہکار ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم فاؤنڈیشن کی بھاری گرانٹ اور ہیومن سوسائٹی کی فلاحی سرگرمیوں کے درمیان کسی تعلق کی تلاش میں الجھے ہوئے تھے۔ منشیات والا پہلو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔"

"میں اسی کلیو سے شاہد تک پہنچا تھا۔ یہ پورا چکر ہیروئن کا ہی ہے۔"

"او کے۔ تھینک یو اور خدا حافظ" وہ بہت عجلت میں تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہوئے مجھے قلق ہو رہا تھا کہ خالد سے پولیس اور اینٹی نارکوٹکس فورس کے بارے میں بحث کرتے ہوئے میں آئی بی کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی کہ جلال نے مجھ سے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس نے جس سرسری انداز میں اسے ایک چھوٹا سا مقامی مسئلہ قرار دیا تھا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ اس بارے میں کوئی قدم اٹھانے پر آسانی سے آمادہ نہیں ہوگا۔

"اب کیا چکر چل پڑا؟" غزالہ نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔

"کوئی چکر نہیں ہے۔ جلال نے اب اگلا ہے کہ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی پر کام کررہا ہے۔"

"میں خود حیران ہوں۔ ہیومن سوسائٹی کا نام سامنے آنے کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا ہے کہ یقین نہیں آتا۔ کمال کی دوسری بات یہ ہے کہ اب تک کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی ورنہ ہر معاملے میں خون خرابا ضرور ہوتا رہا ہے۔"

"نکسیر کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ شاہد کافی لہولہان ہوا ہے۔ بس یہ کہہ لو کہ قتل کی نوبت نہیں آئی۔"

"اگر چوہدری عظمت کا نام درمیان میں نہ ہوتا تو شاید یہ بھی ہوجاتا۔ اچھا ہوا کہ اس بار قانون کا سہارا لیا جارہا ہے۔"

میں نے فون پر اسٹیشن تھری کا نمبر ملایا تو خالد وہاں مو
نہیں تھا۔ میں نے اس کے بارے میں مزید کچھ پوچھنا منا
نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ گیارہ بجے ڈی آئی جی سے
شدہ ملاقات کے لیے نکلا ہوا ہوگا۔

ٹھیک گیارہ بجے خالد کا فون آگیا۔ اس کی آواز سن
میں حیران رہ گیا "اس وقت تمہیں کہیں اور ہونا چاہیے
تھا۔"

"مگر میں اپنے گھر پر ہوں" اس کی طرف سے جواب

"میں نے پونے گیارہ بجے ڈی آئی جی کے دفتر میں فون کیا تھا
وہ کسی چکر میں الجھا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں پہنچا
اس کے پی اے نے بتایا ہے کہ ڈی آئی جی نے اگلا وقت
ہونے تک گیارہ بجے والی میٹنگ ملتوی کردی ہے۔"

میں اس اتفاق پر حیران رہ گیا۔ میرے ذہن میں اس
شبہے نے سر ابھارا کہ جلال ایک وفاقی محکمے کا بڑا افسر تھا
اس نے کچھ ڈوریاں ہلا کر لاہور کے ڈی آئی جی کے لیے کوئی
ایسی ہنگامی مصروفیت پیدا کردی ہوگی کہ وہ گیارہ بجے کی مقرر
ملاقات کے لیے فارغ نہ ہوسکے۔ میں نے کہا۔ "میرے لیے
یہ خبر حیران کن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چوہدری عظمت
کے لیے آج کی رات فیصلہ کن ثابت نہیں ہوسکے گی۔"

"اس وقت یہی محسوس ہورہا ہے۔ ساری کوششیں
تمہارے سامنے ہیں۔ عین وقت پر گڑبڑ ہوگئی تو میں کیا کرسکتا
ہوں۔ پولیس افسران کے ساتھ عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے۔
ان کے لیے کہیں بھی کوئی ایمرجنسی اچانک سر اٹھا لیتی ہے
اور انہیں ہر حال میں وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔"

"یہ کوئی چال بھی ہوسکتی ہے۔ چوہدری عظمت بارسوخ
آدمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ڈی آئی جی کے دوستوں میں شامل
ہو اور وہ اپنے دوست کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ
میں نہ ہو" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک شبہے کو
الفاظ کا روپ دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

"ایس ٹی ایف کے ساتھ ایسی حرکت کا امکان نہیں ہے
کیونکہ بات بہت اوپر تک جاسکتی ہے۔ تمہارا شبہ درست ہوتا
تو میٹنگ ضرور ہوتی تاکہ پلان سامنے آجاتا۔ چوہدری عظمت
کو اس پلان کے بارے میں خبردار کرکے بھاگنے کا موقع دیا
جاسکتا تھا۔ اس محفوظ طریقے کو چھوڑ کر غائب ہوجانا مصلحت
کے خلاف ہوتا۔"

"اب اگلی اطلاع تک اس میٹنگ کو بھول جاؤ۔ قیدی
کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"اسٹیشن تھری پر محفوظ ہے اور آرام کررہا ہے۔ مجھے

اس سے زیادہ چوہدری عظمت کی فکر ہے۔ وہ نکل گیا تو مجھے بہت قلق ہوگا۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ڈی آئی جی کا غائب ہونا خالی از علت نہیں ہے۔ شاید اندرون خانہ کوئی چکر چل پڑا ہے۔ آج کی رات چوہدری عظمت پر ضرور بھاری پڑے گی۔ کہیں سے کسی کارروائی کی بھنک ملی تو میں تمہیں ضرور مطلع کروں گا۔"

"اس وقت تم ذو معنی باتیں کررہے ہو۔ پہلے ڈی آئی جی کو چوہدری عظمت کا دوست قرار دے رہے تھے' اب دوسری بات کررہے ہو۔"

"وہ بھی ایک امکان ہوسکتا تھا۔ تم نے اس کی معقول تردید پیش کی ہے۔ میں نے وہ شبہ اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ چوہدری عظمت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو' یہ یاد رکھنا کہ اب شاہد کو پولیس کی تحویل میں نہیں دیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وفاق سے اس کا کوئی طلب گار پیدا ہوجائے۔"

"وفاق سے صرف آئی بی والے اس معاملے میں دلچسپی لے سکتے ہیں" حامد کے برجستہ جواب نے مجھے حیران کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا "کل سے آئی بی کے لاہور آفس کا ایک انسپکٹر کسی اور کے ساتھ دو مرتبہ ہیومن سوسائٹی کے دفتر کے آس پاس منڈلاتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ کہیں کے چکر نہیں لگاتے۔"

وہ ہوشیار تھا اور آنکھیں کھلی رکھ کر کام کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کی دل جوئی کے لیے فوری طور پر اسے اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بتایا "تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ آئی بی والے اس کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ وہ شاہد کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں چوہدری عظمت کا بچنا محال ہے۔ آئی بی والے کسی کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر جونک کی طرح اس کی قبر تک جاگھستے ہیں۔ پتا نہیں مجھے ان کا خیال کیوں نہیں آیا۔ ان سے نہ صرف میرے بلکہ میرے کئی آدمیوں کے بھی قریبی مراسم ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر کئی مرتبہ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ لوگ بہت رازداری سے اور کم نفری کے ساتھ کارروائی کرتے ہیں اور کبھی ناکام نہیں لوٹتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا کاٹا پانی تک نہیں مانگتا۔"

میرے اور حامد کے درمیان وہی ایک بات پوشیدہ رہ گئی تھی۔ پتا نہیں یہ اتفاق تھا' ہماری خوش قسمتی یا جلال کی کوئی خوش تدبیری تھی کہ مقامی پولیس چوہدری عظمت کے معاملے میں ملوث ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ ایک بڑی الجھن دور ہوگئی تھی۔ پھیلا ہوا معاملہ دوبارہ سمٹتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"اب تم بے فکر ہوکر سوجاؤ۔ مجھے امید ہے کہ صبح تک کوئی نہ کوئی بڑی خوش خبری آچکی ہوگی۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ خوش خبری تمہارے ذریعے ملے گی" ہنسی کے ساتھ حامد کی آواز ابھری۔ اس نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مجھے آئی بی کی سرگرمیوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا یا ان سے میرے کیسے روابط تھے۔

"بالکل محسوس نہیں ہورہا کہ ہم کراچی سے بہت دور آچکے ہیں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا طنز کیا "بس نام بدلے ہیں ورنہ وہی کراچی والے شب و روز چل رہے ہیں۔ ویرا درست کہتی ہے کہ آپ جہاں جاتے ہیں' اپنے لیے کوئی نہ کوئی کام پیدا کرلیتے ہیں۔ یہ صلاحیت ہزاروں میں کسی ایک کو ملتی ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ۔ مجھے یاد ہے کہ ہم یہاں آرام اور تفریح کے لیے آئے تھے۔ ہیومن سوسائٹی کا شوشا تم لائی تھیں۔ خرابی کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ ریکٹ اتنی تیزی اور آسانی سے ٹوٹ رہا ہے۔ پتا نہیں چوہدری عظمت کے انجام پر جہانگیر کا کیا ردِعمل ہوگا۔"

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ خوش ہوگا۔ اپنے ماضی کی وجہ سے وہ سلمٰی کے سامنے کچھ دبا دبا سا رہتا ہے۔ جب اسے پتا چلے گا کہ سلمٰی کا سگا ماموں بین الاقوامی سازشی اور ہیروئن فروش ثابت ہوا ہے تو وہ کھل اٹھے گا۔ اسے سلمٰی سے اپنا ماضی چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"جہانگیر میرا بہت اچھا دوست ہے مگر ذرا کمینہ آدمی ہے۔ اس نے اپنے ماضی سے چھٹکارا پانے کے لیے بہت دیکھ بھال کے بعد لاہور کے آسودہ حال تاجر گھرانے میں شادی کی تھی لیکن دیکھ لو کہ آدمی کتنی ہی لمبی چھلانگ لگالے' آخر میں اسی مٹی میں گرتا ہے جس میں اس کا خمیر ہو۔ وہ ٹھی کے مقامی گروہ کا سرغنہ تھا۔ چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سرغنہ ہے۔ ان دونوں کے دھندے بھی حیرت ناک حد تک ملتے جلتے ہیں۔"

غزالہ نے مسہری کے سرہانے موجود سوئچ دبا کر کمرے کی روشنی گل کردی "اب سوجائیں۔ یہ باتیں صبح بھی ہوسکتی ہیں۔"

کمرے میں نائٹ لیمپ کی سبز اور ناکافی روشنی رہ گئی

تھی۔ میں نے جھنجلا کر کہا "یہ کیا کر دیا تم نے۔ مجھے جلال اور ویرا کے فون کا انتظار تھا۔"

"بس اب سو جائیں بلکہ آپریٹر سے کہہ دیں کہ کوئی بھی کال آئے، وہ پیغام نوٹ کر لے۔ ہمارے آرام میں خلل نہ ڈالے" غزالہ نے اصرار کیا۔

اس کی بات پوری ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے امید تھی کہ جلال مجھے لاہور کے ڈی آئی جی اور خالد کی ملاقات کی منسوخی کی خبر سنائے گا مگر وہ کال ویرا کی تھی "سنا ہے کہ تم نے لاہور میں بھی پر پرزے نکال لیے ہیں" میری آواز سنتے ہی وہ چہکی تھی۔

"فضولیات پر کان نہ دھرا کرو۔ تم اسی رفتار سے لاہور فون کرتی رہیں تو گن بوٹ کی فروخت سے پس انداز کی ہوئی ساری رقم کچھ دنوں میں ٹیلی فون کے محکمے کو منتقل ہو جائے گی۔ مجھے کوئی کام آتا ہے نہ نوکری کرنا میرے بس کی بات ہے۔"

"داڑھی تم نظریہ ضرورت کے تحت بڑھاتے اور منڈواتے رہتے ہو۔ زلفیں بڑھا کر پان چبانا شروع کرو گے تو خاصے مرید مل جائیں گے۔ جسے دنیا کا کوئی کام نہ آتا ہو، وہ اس دھندے میں بہت کامیاب رہتا ہے۔ نئے پنچھیوں کو پھانسنے کے لیے ایس ٹی ایف کے دس بارہ آدمی ہر وقت ہاتھ باندھے تمہارے آگے پیچھے پھرتے رہیں گے۔"

"یہ مشورے بعد میں دے دینا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت کیوں فون کیا ہے؟"

"تم نے اب تک کچھ نہیں بتایا کہ سلمیٰ کے ماموں والے قصے کا کیا بنا۔ اس معاملے میں تم بہت تیزی دکھا رہے تھے۔"

"وہ غلط آدمی ہے۔ صبح تک اس کا تیا پانچا ہو جائے گا۔ اور کل ہی تم کو لاہور پہنچنا ہے۔"

"واقعی!" اس کی سریلی آواز تحیر زدہ چیخ سے مشابہ تھی "بھارت کے لیے روانگی کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟"

"تم آجاؤ تو پرسوں نکل جائیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ لاہور چھوڑنے سے پہلے یہاں کا کام پورا ہو چکا ہے۔ ہماری روانگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"اچھا ہوا کہ میں نے بھی جان اسمتھ سے رابطہ کر لیا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی جان نکل رہی تھی" ویرا کے ایک ایک لفظ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی "میں اسے بتا رہی کہ میں ویرا لائیڈ بول رہی ہوں اور وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا" میں نے ناراضگی سے کہا "اس کو اپنا نام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ وہ میرے دعوے کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک سنسان بوتھ سے فون کیا تھا اور پھوہڑ پاکستانی عورت کی طرح غلط سلط انگریزی بول رہی تھی۔ میں نے اسے دھمکی دی ہے کہ میں جلد ہی اسے جان سے مار دوں گی۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے کوئی خبطی عورت سمجھ رہا تھا جسے کسی نے رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگا دیا ہو۔ کل صبح اور پھر لاہور روانگی سے پہلے میں اسے پھر اسی آواز میں فون کروں گی"

"بچوں جیسی حرکتیں ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر اپنی کھلی ناپسندیدگی کا اظہار کیا "ان احمقانہ حرکتوں سے وہ ڈرنے کے بجائے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ تم حواس باختہ ہو کر اوچھے حربوں پر اتر آئی ہو۔ اس کے ذہن میں بلاوجہ میرا اور تمہارا نام تازہ ہو جائے گا۔"

"ہوا کرے" وہ ڈھٹائی سے بولی "پرسوں ہم دونوں یہاں سے جا چکے ہوں گے۔ تم یہ باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ امریکیوں کے مزاج کو نہیں سمجھتے۔ میں خود امریکی ہوں۔ جانتی ہوں کہ یہ لوگ اوّل درجے کے وہمی اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ اگر یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑ گیا کہ کوئی نیم پاگل پاکستانی عورت اس کے خون کی پیاسی ہو گئی ہے تو اس کی رات کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔ یہ انگریزوں کے وہم کا مذاق اڑاتے ہیں کہ نحوست کے خوف سے ان کی کسی گنتی میں تیرہ کا ہندسہ نہیں ہوتا مگر خود تیرہویں سالگرہ منانے سے ڈرتے ہیں۔ اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تو وہ ہفتہ دس دن کی چھٹی پر پاکستان سے باہر چلا جائے گا۔"

"یہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آنے والی بات ہے۔ اسی طرح اپنا دل خوش کرتی رہو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سلمیٰ کا ماموں لاہور میں کیا گڑبڑ کر رہا تھا" اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کل آ رہی ہو تو سب پتا چل جائے گا۔ زیادہ تفصیل جاننا چاہو تو پرسوں کے اخبارات پڑھ لینا۔ اس وقت تک ہر راز طشت از بام ہو جائے گا۔"

"یہ صرف میری نہیں، اول خان اور سلطان شاہ کی بھی خواہش ہے۔ یہ دونوں کراچی ہی میں رہیں گے۔"

"بلاوجہ میرا دماغ مت چاٹو۔ اول خان خود بھی مجھے فون

کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہے کہ یہ اے این ایچ کا چکر تھا۔"
"یقین نہیں ہے تو خود اس سے بات کرلو" یہ کہہ کر ویرا نے ریسیور اول خان کو دے دیا۔ اس کی آواز سن کر مجھے سنبھل جانا پڑا۔
"میں تمہارا تہ دل سے ممنون ہوں" میں نے اس کی ہیلو سنتے ہی کہا "تم سے بات ہونے کے بعد خالد کا رویہ ایک دم بدل گیا تھا۔ نتائج سامنے آنے کے بعد وہ اپنی محتاط روی پر شرمندہ ہے اور کئی بار معذرت کرچکا ہے۔ یہ کروڑوں کا چکر ثابت ہوا ہے جس میں ہیروئن کا لین دین بھی شامل ہے۔ ان دھندوں کے لیے امریکا کی ایک مشہور فاؤنڈیشن بالکل غیر قانونی طریقے سے فنڈز فراہم کررہی ہے۔ آئی بی والے اس مشتبہ فنڈنگ پر پہلے سے کام کررہے تھے۔"
"خالد شاید کل مجھے پوری کہانی سنائے گا۔ وہ تم سے بہت مرعوب ہے لیکن تمہارے طریقہ کار سے ڈرتا ہے۔ تمہارے اچانک فیصلوں نے اسے الجھادیا تھا۔"
"خالد کے بعد تم جلال سے بھی بات کرلینا۔ چوہدری عظمت کا کیس اب اسی کو سونپ دیا گیا ہے۔"
"ویرا کیا کہہ رہی تھی؟ تم آگے کب جارہے ہو؟" اس نے ویرا کی زبان سے سنے ہوئے مکالموں کی تصدیق چاہی۔
"پرسوں ..... ویرا کو کل لاہور آنا ہے۔ میں رات کے لیے اسی ہوٹل میں کمرا بک کرادوں گا۔"
"یہ معاملہ تم خود سنبھال لینا۔ ویرا آج کل منہ زور اور گستاخ ہوگئی ہے" ہنسی کے ساتھ ساتھ اس کی آواز آئی "یہاں سے کباب میں ہڈی بننے کا عزم لے کر جائے گی۔ کہہ رہی تھی کہ جب تک لاہور میں رہے گی، تمہارے کمرے میں تیسرا بستر لگوا کر سوئے گی۔ غزالہ یہ حرکت برداشت نہیں کرے گی۔"
"اس وقت شاید وہ تمہارے آس پاس نہیں ہے" میں نے متجسس انداز میں سوال کیا۔
"تمہیں اس کا مرض معلوم ہے۔ کمرے میں گلاس بنا ہوا رکھا ہوگا۔ باربار وہاں جاتی ہے اور ایک دو چسکیاں مار کر لوٹ آتی ہے" اول خان کی آواز میں ایسی خفت تھی جیسے وہ خود کو ویرا کی اس بری عادت کا ذمے دار سمجھتا ہو "اس وقت بھی وہ وہیں گئی ہوگی۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے اس ہڈی کے بارے میں بتادیا۔ میں جلال سے بات کروں گا۔ ہوسکا تو ہم کل رات ہی لاہور سے نکل جائیں گے۔ نہ رات کو یہاں رکنا ہوگا نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوگا۔"
"فنڈز، امریکی فاؤنڈیشن اور ہیروئن کا ذکر کرکے تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی، چوہدری عظمت اب کہاں ہے؟"
"اپنے گھر میں آرام کررہا ہوگا لیکن صبح تک شاید اپنی صحیح جگہ پر پہنچادیا جائے۔ عین وقت پر ایک سنگین انتظامی الجھن پیدا ہوگئی ورنہ وہ اب تک بند ہوچکا ہوتا۔"
اول خان اس موضوع پر مزید بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ سارا کچا چٹھا سامنے آجانے کے بعد بھی چوہدری عظمت آزاد تھا۔ تحفظ کا تمام تر یقین ہونے کے باوجود میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اسے ان تمام تفصیلات سے فون پر ہی آگاہ کردیتا۔ اِدھر اُدھر کی مزید کچھ باتوں کے بعد اول نے تشنہ انداز میں فون بند کردیا۔
ریسیور رکھ کر میں غزالہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دوسری طرف کروٹ لیے، بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہولے سے اسے پکارا۔ جواب نہ دارد۔ میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میری تشویش پر وہ اپنی اداکاری برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔
"آپ فون سنتے رہیں اور مجھے سونے دیں" اس نے میرے کان میں منمنا کر شکوہ کیا۔
رات کے گہرے سناٹے میں، میں غزالہ کے دل کی دھمک اپنے بازو پر محسوس کررہا تھا۔ ہم دونوں دیر تک آپس کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کی ہوئی تھی مگر میرے کان فون کی گھنٹی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ مجھے بہت شدت سے جلال کی کال کا انتظار تھا۔
جلال کا فون آنا تھا اور نہ آیا۔ اسی انتظار میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں کچھ ہی دیر کے لیے نیند کی دیوی کی مہربان آغوش میں رہا ہوں گا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کوئی گھڑیال بج رہا ہو۔ رفتہ رفتہ وہ آواز اتنی بڑھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیوں تک کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کوئی خواب تھا یا واقعی کہیں کچھ بج رہا تھا۔ مختصر سے وقفے کے بعد فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیخی تو میں بوکھلا گیا۔ شاید فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی ہی میری بیداری کا سبب بنی تھی۔
میں نے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہوٹل کے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ اس کی روشن سوئیاں صبح کے ساڑھے تین بجا چکی تھیں۔ مجھے ہوٹل کے آپریٹر پر غصہ آگیا۔ فون

کرنے والا کوئی بھی رہا ہو' آپریٹر کو اتنی رات گئے مہمانوں کی نیند خراب کرنے کا کوئی حق نہیں تھا مگر وہ بدتمیز نہ جانے کب سے فون کی گھنٹیاں بجائے جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر غراتی ہوئی غنودہ مگر کٹ کھنی آواز میں پوچھا۔

"اوہو۔ نیند خراب ہونے پر برہم ہو۔ میں معذرت چاہتا ہوں" اپنے کان میں جلال کی آواز سن کر میرا خون کھول گیا۔ آپریٹر نے ہمارے کمرے سے کوئی جواب ملنے کا انتظار کیے بغیر کال ہمارے کمرے میں منتقل کردی تھی۔ اسے اپنی سہولت عزیز تھی۔ مہمانوں کے آرام کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

آپریٹر سے بعد میں نمٹنے کا ارادہ کرکے میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں تمہاری کال کا انتظار کرتے کرتے سویا تھا۔ شاید تم کہیں اور مصروف ہوگئے تھے۔ اس وقت اسلام آباد میں بھی رات کے ساڑھے تین ہی بجے ہوں گے!"

"میں اسلام آباد سے نہیں' تمہارے ہوٹل کی لابی سے بول رہا ہوں۔ تم سے بات ہونے کے بعد مسلسل اسی چکر میں الجھا ہوا تھا۔۔۔"

"اوہو۔۔۔ ہو۔۔۔ ہو!" اس کے انکشاف پر میرے حلق سے بے معنی سی آوازیں برآمد ہوئیں "میں کپڑے بدل کر نیچے آرہا ہوں۔ تم کافی منگوالو۔"

فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں غزالہ کی نیند پر اثرانداز نہیں ہوئی تھیں مگر میرے دہانے سے برآمد ہونے والی لایعنی آوازوں سے اس کی نیند اچٹ گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی "کیا ہوا؟ کون آگیا؟ آپ کس سے باتیں کررہے ہیں؟" اس نے مخمور لہجے میں لگاتار تین سوال کرڈالے۔

"لابی میں جلال آیا ہوا ہے۔ تم سوجاؤ۔ میں اس سے مل کر آتا ہوں" بستر چھوڑ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔

میں عجلت میں کپڑے تبدیل کرکے لوٹا تو کمرا روشن تھا اور غزالہ کچھ پریشان سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ "آپ جلدی لوٹ آئیں۔ اس کے ساتھ کہیں باہر جانا ہو تو مجھے انٹرکام پر بتادیں۔ میں انتظار کروں گی" میں چابی لے کر کمرے سے نکل گیا۔

میں لفٹ کے ذریعے لابی میں پہنچا تو جلال نے گلے مل کر تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں سے بے خوابی اور چہرے سے تکان عیاں تھی۔

"میں تمہیں اس وقت لاہور میں پاکر حیران ہوں۔ کیا لاہور اور اسلام آباد کے درمیان رات کو بھی کوئی پرواز ہوتی ہے؟" میں نے بھاپ اڑاتی ہوئی تلخ کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا" وہ سگریٹ کا دھواں بکھیرتے ہوئے بولا "گاڑی یا کوچ سے سفر میں کم از کم پانچ چھ گھنٹے صرف ہوجاتے۔ رات کو کوئی پرواز نہیں ہوتی۔ آرمی والوں کا ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آرہا تھا۔ وارنٹ وغیرہ لے کر اسی سے ڈیڑھ بجے پہنچا تھا۔ مقامی مجسٹریٹ کو نیند سے اٹھا کر ساتھ لیا اور اپنے اسٹاف کے دو آدمیوں کے ساتھ چھاپا مار کر چوہدری عظمت کو اٹھالیا۔ اس کے گھر سے بیالیس کلوگرام ہیروئن کے تھیلے برآمد ہوئے ہیں۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا "پھر میرا اندازہ صحیح تھا۔ ڈی آئی جی کی میٹنگ تم ہی نے منسوخ کرائی ہوگی۔"

"بس داؤ چل گیا۔" وہ بے پروائی سے بولا "ہم وفاق والوں کو یہ فائدہ رہتا ہے کہ ہم صوبوں کے لیے کام پیدا کرسکتے ہیں۔ مجھے میٹنگ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا پڑا۔ ڈی آئی جی کے لیے ایک کام نکال دیا۔ گیارہ بجے اس کی ائرپورٹ پر موجودگی ضروری ہوگئی تھی۔ میٹنگ خود بہ خود منسوخ ہوگئی۔"

"چوہدری عظمت اور تمہارے دونوں آدمی کہاں ہیں؟" مجھے رفتہ رفتہ سوال یاد آرہے تھے۔

"پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شاہد کو میرے حوالے کرنے کا بندوبست کرو۔ سات بجے مجھے اسی کوبرا سے واپس چکلالہ ائرپورٹ جانا ہے۔ ان لوگوں کو پہلے سے بتانا ہوگا کہ واپسی میں میرے ساتھ دو قیدی ہوں گے اور بیالیس کلو کارگو!" اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی جن ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ تم اسی وقت لاہور کے لیے دوڑ پڑو گے۔"

"ارے یار! یہی تو ہماری روزی ہے۔ اس کے لیے بھی بھاگ دوڑ نہ کریں تو پھر زندگی کا مصرف کیا ہے۔ مجھے چوہدری عظمت کی گرفتاری اور خانہ تلاشی کے وارنٹ حاصل کرنے میں وقت لگا۔ متعلقہ آدمی دستیاب تھے۔ ان کے دفتر کھلوا کر مہریں لگوانی پڑیں۔ اس مردود کا نام لاہور کے معززین کی فہرست میں شامل نہ ہوتا تو شاید میں یہ قانونی ضابطے بعد میں پورے کرلیتا لیکن اس پر تیاری کے بغیر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔"

میں نے کافی پینے کی رفتار تیز کردی۔ میں ان کے ساتھ جانے اور واپس لوٹنے کا حساب سوچ رہا تھا۔ وہ چار تھے۔ میں پانچواں ہوتا۔ شاہد کے لیے خالد کی مدد ضروری تھی۔

کافی ختم کرکے پہلے میں نے انٹرکام پر غزالہ کو اپنی نئی مصروفیت سے آگاہ کیا پھر خالد کے گھر کا نمبر ملالیا۔ ہر شریف آدمی کی طرح وہ بھی اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ تیسری

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی نیند سے بوجھل آواز سنائی دی۔ میں نے اسے اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے وقت دینے کی نیت سے غیر ضروری طور پر اس کی مزاج پرسی کی پھر اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ جلال کے نام اور عہدے سے پہلے سے واقف تھا۔ فوری طور پر اسٹیشن تھری پہنچنے پر آمادہ ہوگیا۔

جلال کے دونوں آدمی اپنی صورتوں سے شاطر اور خرانٹ نظر آرہے تھے۔ ان دونوں نے ہمیں عقبی نشست پر بٹھانے کے بعد اگلی نشستیں سنبھال لیں۔ چوہدری عظمت بے ہوشی کی حالت میں پچھلے پائیدان پر پڑا ہوا تھا۔ جلال کے جوتے اس کے سینے پر تھے۔

"اسٹیشن تھری چلو!" جلال نے ہدایت دی اور گاڑی فوراً حرکت میں آگئی۔ مال روڈ کی دمکتی ہوئی اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ چوہدری عظمت پستہ قامت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا اور اپنے سرخ وسفید اور کلین شیو چہرے سے وہ خاصا سنجیدہ اور زیرک نظر آرہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے دونوں ہاتھ ہتھکڑی کی جوڑی میں بندھے ہوئے تھے۔ اگلا سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ آہنی زیور پہن کر اپنی آزادی سے محروم ہوچکا تھا۔

بے اختیار میری نظروں میں سلمٰی کا ملول اور افسردہ چہرہ گھوم گیا۔ اپنے ماموں کی ذلت آمیز گرفتاری پر اس کا دل گرفتہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

ہمارے ہوٹل سے اسٹیشن تھری کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم خالد سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ وہ شاید اپنے عملے کو ہمارے بارے میں فون پر ہدایات دے چکا تھا۔ گاڑی کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ خالد کا دفتر مقفل تھا مگر اس سے ملحقہ انتظار گاہ کھلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک اردلی بھی موجود تھا۔

جلال کے دونوں آدمی چوہدری عظمت کے ساتھ باہر رک رہے۔ جلال میرے ساتھ انتظار گاہ میں آبیٹھا۔

"تم نے لاہور سے روانگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" سگریٹ سلگانے کے بعد جلال نے خود ہی بات چھیڑ دی۔

وہ اس فاضل وقت کا بہترین استعمال تھا۔ میں نے کہا "کل ویرا آجائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ ہم کل رات ہی نکل جائیں ورنہ ہمیں بلاوجہ چوبیس گھنٹوں تک انتظار کرنا ہوگا۔ سفر کے لیے رات کا اندھیرا زیادہ سازگار ثابت ہوگا۔"

"ویرا کے پہنچتے ہی مجھے فون کرکے کنفرم کردینا۔ تم تینوں کو کل رات سرحد پار پہنچا دیا جائے گا۔ میرے تینوں آدمیوں کے نام ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔

"ان باتوں کی تم فکر نہ کرو، روانگی کے وقت یہاں سے ہم کو کس کے ساتھ اور کیسے جانا ہوگا۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارا فون ملتے ہی اسلام آباد سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤں۔ یہاں سے میں خود تمہیں سرحد پار پہنچاؤں گا۔ ان کاموں میں رابطے کے آدمی کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ بھارتی میرے سوا کسی سے ڈیل نہیں کریں گے۔"

اس کی طرف سے وہ بات صاف ہوجانے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں ذہنی طور پر کسی اور کے ساتھ نئے سفر کا آغاز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آخری لمحات پر کسی گڑبڑ کی صورت میں یہ امکان بہرحال تھا کہ سرحد پار بھروسے کے افراد کے بجائے سادہ کپڑوں میں بھارتی فوجی یا شہری حکام موجود ہوں اور سرحد پار کرتے ہی ہمیں اپنی تحویل میں لے لیں۔ جلال بہت ذمے دار آدمی تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ایسے کسی واقعے کا امکان کم ہوجاتا۔ وہ خطرہ بھانپ کر عین وقت پر کوئی متبادل قدم اٹھانے کا صحیح فیصلہ کرسکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خالد بھی اسٹیشن فور آپہنچا۔ وہ منہ ہاتھ دھوکر پوری تیاری کے بعد آیا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے نیند سے بیداری کے آثار نمایاں تھے۔ جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں نے تپاک سے ہاتھ ملائے اور پھر باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر خالد ہمیں لے کر اس کے کمرے کی طرف چل دیا جہاں ہیومن سوسائٹی کے شاہد کو قید میں رکھا گیا تھا۔

اسٹیشن تھری کے ماحول میں ہر طرف خواب ناک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہر طرف آمدورفت کا سلسلہ بھی مفقود تھا۔ بیرک کے صرف اس حصے میں تھوڑی سی چہل پہل تھی جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ شاہد کے کمرے کی نگرانی پر موجود گارڈ نے خالد کا اشارہ پاتے ہی دروازہ کھول دیا۔ ہم نے اندر داخل ہونے سے پہلے دیکھ لیا کہ شاہد ایک پہلو کے بل ننگے فرش پر لیٹا بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ کھٹ پھٹ کی آوازیں اور آہٹیں بھی اس کی نیند میں خلل انداز نہیں ہوسکی تھیں۔

جلال نے اپنے دوسرے شکار کو دور سے دیکھا پھر باہر آکر اشارے سے اپنے ایک آدمی کو وہاں بلا لیا۔ اس دراز قامت شخص کو پہلے سے متوقع ضروریات کا اندازہ تھا۔ وہ آیا تو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا موجود تھا۔

"اسے بے ہوش کرکے گاڑی میں ڈال لو۔ یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔" جلال نے سپاٹ لہجے میں اسے

اس نے ہتھکڑیوں والی زنجیر اپنے کندھے پر ڈالی اور جیب سے سرنج اور محلول کی شیشی نکال کر انجکشن تیار کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کے اعتماد اور پھرتی سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کے لیے وہ کام نیا نہیں تھا۔ اس نے شیشی سے سیال کی کچھ مقدار سرنج میں داخل کی۔ سرنج سے ہوا کے بلبلے خارج کیے اور پھر شاہد کی آستین ہٹانے کی زحمت کیے بغیر سوئی اس کے بازو میں اتار دی۔

سوئی کی چبھن سے شاہد کے بدن میں جھرجھری پیدا ہوئی مگر اس کی نیند میں فرق نہیں آیا۔ جلال کا وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی چند لمحوں تک عقابی نظروں سے شاہد کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے جھک کر ایک ہی جھٹکے میں شاہد کے صحت مند وجود کو یوں اپنے کندھے پر لاد لیا جیسے وہ مدتوں سے صرف بوجھ ڈھونے کا کام کرتا رہا ہو۔ شاہد کو اٹھانے سے پہلے اس نے ہتھکڑیاں ایس ٹی ایف کے گارڈ کو تھمادی تھیں۔

اس کمرے میں ہمارا کام ختم ہوچکا تھا۔ محافظ وہیں رک گیا۔ ہم لوگ آئی بی کے دراز قامت باربردار کے پیچھے ہولیے۔ اس کا ساتھی چوہدری عظمت کی نگرانی کے لیے گاڑی کے قریب موجود تھا۔ ان دونوں نے مل کر بہت تیزی سے شاہد کو پچھلی سیٹ پر اس طرح ڈال دیا کہ زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ چوہدری عظمت کی طرح شاہد بھی بے ہوش تھا مگر احتیاط اور روایات کے تقاضے اپنی جگہ پر تھے۔ شاہد کو بھی ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

جلال کا کام پورا ہوچکا تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ خالد نے رسمی طور پر بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ جلال مجھے اپنے ساتھ لایا تھا اور ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے قیدیوں اور ڈکی میں موجود ہیروئن کے سربہ مہر تھیلوں کے ساتھ ائرپورٹ پر چھوڑ کر، اس کے دونوں آدمی واپسی میں مجھے ہوٹل پر اتار دیں گے مگر شاہد کو لادنے کے بعد اس گاڑی میں گنجائش نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف خالد کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نے اسے وہیں سے رخصت کردیا۔

چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کے بارے میں پیدا ہونے والی ہر الجھن رفع ہوچکی تھی۔ جلال کی بھاگ دوڑ رنگ لائی تھی اور اس کے مطلوب مجرم خوش اسلوبی سے اس کی تحویل میں جاچکے تھے۔ لاہور میں ہیروئن کی اضافی کھپت اور فراہمی کے بارے میں خالد کی پریشانی بھی دور ہوگئی تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے قدرت اچانک ہم سب لوگوں پر مہربان ہوگئی ہو اور ہماری بھارت کی طرف روانگی سے پہلے مقامی بکھیڑوں کو سمیٹنے میں ہماری مدد کررہی ہو۔

جلال وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد ہم دونوں بھی اسٹیشن تھری واپس چل دیے۔ سر پر تاروں بھرا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ بہت دیر ہوگئی تھی مگر پھر بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر نیند پوری کرنے کا موقع موجود تھا۔

خالد سے میرا تعارف لاہور پہنچنے کے بعد اچانک ہوا تھا۔ میرے بارے میں اس کی معلومات سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں جو محدود حلقوں سے سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہتی تھیں۔ میں نے ان میں اضافہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس رات پونے گیارہ بجے ہونے والی گفتگو میں، میں نے پہلی بار اسے اعتماد میں لے کر یہ بتایا تھا کہ آئی بی والوں سے میرا روابط تھے اور وہ اس بات پر ناخوش تھے کہ ہم نے چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کا کیس مقامی پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

جلال کی درون خانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ کیس پولیس کے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکا مگر خالد کو یہ علم نہ ہوسکا کہ آئی بی میں میرے مراسم کس سطح پر تھے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جلال سے میرا تعارف اول خان کی کوشش کا رہین منت تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اور جلال کے مراسم میں زیادہ قرابت پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ خالد کو حیرت تھی کہ آئی بی کے ایک اعلیٰ افسر سے میرے اتنے گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔

راستے بھر وہ اس کیس اور آئی بی کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر مجھے ہوٹل کے پورچ میں اپنی گاڑی سے اتار کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

میں برآمدے میں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔ جب خالد کی گاڑی ہوٹل کے احاطے سے نکل گئی تو میں مڑا اور ہوٹل کے صدر دروازے سے ہوٹل کی لابی میں داخل ہوگیا۔

ہوٹل کی لابی میں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔ میں سرسری نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر غزالہ پر پڑی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ میرے روانہ ہونے کے بعد اصولی طور پر اسے کمرے تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اتنی رات گئے اپنے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور ہوئی تھی تو ضرور اس کا کوئی اہم سبب تھا۔

بے اختیار میرے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں غزالہ کی طرف جارہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن نے نیچل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلو خلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ اکرام الٰہی سے ملنے والی فائل میں درج دیگر افراد یکے بعد دیگرے اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا' جلال بھی میری اس خواہش میں شریک تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکر مند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تحقیق انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت' جہانگیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کے علاقہ غیر اسمگلنگ اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا' اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کے بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ میں اسے رخصت کر کے ہوٹل واپس لوٹا تو غیر متوقع طور پر غزالہ کو کمرے سے باہر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ میں اس کی طرف جا رہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر تھی

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

غزالہ کی پوزیشن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری آمد سے ضرور بے خبر تھی مگر اس کی توجہ کسی خاص شے یا شخص پر مرکوز تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے چلتے چلتے کسی کو دیکھا ہو اور پھر ٹھٹک کر اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی ہو۔ میں تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے' متجسس نگاہوں سے اس کے گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا اور چند ثانیوں میں' میں خود بھی حیران رہ گیا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر ویرا موجود تھی۔ اس کے انداز .... سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہوٹل کی لابی میں غزالہ کی موجودگی سے بالکل بے خبر ہو۔ وہ کاؤنٹر پر رکھے

ہوئے کسی کاغذ یا فارم پر لکھنے میں منہمک تھی۔

ویرا کی ہوٹل میں موجودگی میرے لیے حیرت کا باعث تھی مگر غزالہ کی طرف سے اس کی لاتعلقی اس سے زیادہ حیران کن تھی۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے یہ بات آئی کہ ویرا نے لاہور ائرپورٹ پر اترتے ہی یا ہوٹل پہنچنے پر غزالہ کو اس کے کمرے میں فون کرکے اپنی آمد سے آگاہ کردیا ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی، میں اس سے لاعلم تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ اس طرح غزالہ کو ویرا کی آمد کی خبر مل گئی اور وہ ویرا کو اپنے کمرے میں بلانے کے بجائے' نیچے لابی میں اتر آئی۔ ایسی صورت میں ویرا کی بے خبری اور غزالہ سے لاتعلقی غیر فطری محسوس ہورہی تھی۔

میں تیزی سے بڑھتا ہوا غزالہ کے قریب پہنچا اور نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہیلو کہا۔ وہ بری طرح چونک کر میری طرف گھومی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں فکر اور تشویش کے سائے لہراتے دیکھے۔ اس کی وہ کیفیت بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ میرے مزید کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہولی۔

رات عملاً گزر ہی چکی تھی۔ وہ صبح کا پہلا حصہ تھا۔ ہوٹل کی وسیع لابی خالی خالی سی نظر آرہی تھی مگر پھر بھی وہاں اِکا دُکا شب بیدار مہمان اِدھر اُدھر بیٹھے یا چلتے پھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کی نظروں میں رہے ہوں گے۔ ایسے ماحول میں یہ بات کسی طرح میرے ذہن میں نہیں بیٹھ رہی تھی کہ غزالہ کی موجودگی کے بارے میں وہ اتنی ہی بے خبر تھی جتنا خود کو ظاہر کررہی تھی۔

''تم اس وقت یہاں لابی میں کیا کرتی پھر رہی ہو؟'' کاؤنٹر سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے دبی دبی تحیر زدہ سرگوشی میں غزالہ سے پوچھا۔

''شاید آپ نے غور نہیں کیا۔ ویرا یہاں پہنچ چکی ہے اور ہوٹل کے استقبالیہ کلرک سے باتوں کے بعد کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہے'' غزالہ نے میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''یہ کسی پرواز کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت وہ کیسے یہاں پہنچ گئی'' میں غزالہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

''کراچی سے آنے والی نائٹ کوچ سے پہنچی ہے۔ کسی خرابی کی وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوگئی تھی ورنہ وہ اس سے پہلے ہی یہاں آگئی ہوتی۔''

میں نے چونک کر غزالہ کو گھورا ''یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں۔''

''وہ ایک کمرے میں تین بستروں کا تصور لے کر یہاں آئی ہے'' غزالہ نے برا سا منہ بنا کر بتانا شروع کیا ''ہوٹل کی لیموزین سروس کے ذریعے ائرپورٹ سے یہاں پہنچی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ براہ راست ہمارے کمرے میں نہیں پہنچی۔ اس نے نیچے سے انٹرکام استعمال کرکے مجھے اپنی آمد کی خوش خبری سنائی۔ وہ ہمارے کمرے میں آنے کی اجازت طلب کررہی تھی۔ میں نے اسے سختی سے روک دیا۔ دیکھنا ہے کہ اب وہ کیا کرتی ہے۔''

''شاید تم کافی دیر سے نیچے آئی ہوئی ہو؟'' میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

''بس ابھی ابھی آئی ہوں۔ میں بہت مشکل سے اسے قائل کرسکی کہ یہاں کے حالات بھی مخدوش ہیں۔ ہم ایک چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ فی الحال اسے ہم دونوں سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ میں شب خوابی کے لباس میں مسہری پر لیٹی آپ کی واپسی کا انتظار کررہی تھی۔ ویرا سے گفتگو ہونے کے بعد میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ بال سنوارے اور پھر نیچے آگئی۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا ہے کہ وہ میرا انتظار کرنے کے بجائے کاؤنٹر پر مصروف ہے۔''

''شاید تمہاری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے اور وہ کباب میں ہڈی بننے کے بجائے اپنے لیے الگ کمرا بک کرا رہی ہے' اس نے تمہیں دیکھ تو لیا ہوگا؟''

''ہاں!'' غزالہ نے بے زاری سے جواب دیا ''وہ کراچی سے ایسے بے تکے وقت پر لاہور پہنچی ہے۔ اس کی آمد کی اطلاع مل جانے کے بعد میرا نیچے آنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس نے دور سے مجھے دیکھا مگر انجان بنی رہی اور کلرک سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔۔۔ کچھ ناراض سی لگ رہی تھی۔''

غزالہ کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ تم کو لپک کر اپنی بانہوں میں لے لیتی تو تم ناراض ہوجاتیں۔ وہ انجان بن کر الگ تھلگ رہی تب بھی تم کو اس سے شکوہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی ناراضی پانی کے ابال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ناراض ہے تو بھی تھوڑی سی دیر میں سب کچھ بھول بھال کر اعتدال پر آجائے گی۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس نے فساد پیدا کرنے کے بجائے تمہارا مشورہ قبول کرلیا۔''

''ہوں۔۔۔ اوں!'' غزالہ نے پرخیال انداز میں اپنے سر کو جنبش دی ''دیکھنا ہے کہ یہ طوفان بلا کس کمرے کا رخ کرتا

ہے۔"
میں خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ میرے لیے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ غزالہ اپنے دل میں ویرا کے لیے نرم گوشہ رکھنے کے باوجود اس کی بعض حرکتوں کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی اس لیے اس کا ملا جلا ردِعمل حیران کن نہیں تھا۔
"اس نے کتنی دیر پہلے تم سے انٹر کام پر بات کی تھی؟" کچھ توقف کے بعد میں نے پوچھا۔
"یہ سب بس پانچ سات منٹ پہلے کی بات ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ برقت آ گئے' میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ہے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ویرا آپ کی بات زیادہ توجہ سے سنتی ہے۔ میں اس درد سر سے بچی رہوں گی۔"
وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ ایسے ہوٹلوں میں گاہکوں کو بہت تیزی سے اعلیٰ ترین خدمات فراہم کی جاتی ہیں اور لوگ اس متاثر کن سروس کے لیے بہت خوشی سے بھاری دام ادا کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ ویرا ذرا سی دیر میں کاؤنٹر سے فارغ ہو گئی۔ اس کے پاس ایک ہلکے سے دستی بیگ کے سوا کوئی سامان نہیں تھا مگر پھر بھی ہوٹل کے باوردی پورٹر نے بڑھ کر وہ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا' بکنگ کلرک سے چابی لی اور پھر لفٹ کی طرف ہو لیا۔
مجھے پورا یقین تھا کہ پورٹر کے ساتھ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے ویرا نے مجھے اور غزالہ کو دیکھ لیا تھا مگر اس کی چکراتی ہوئی نظریں ہم دونوں پر سے پھسلتی ہوئی گزر گئیں۔ اگر وہ غزالہ کی کسی بات کا برا مان کر ناراض نہیں تھی تو ہم سے الگ تھلگ رہنے کی بہترین اداکاری کر رہی تھی۔
وہ پورٹر کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوئی تو میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت گراؤنڈ فلور پر دوسری خالی لفٹ بھی موجود تھی مگر مجھے اوپر جانے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہوٹل میں قیام کے لیے ویرا نے کس منزل کا انتخاب کیا ہے۔ ہم دونوں دھیرے دھیرے لفٹ کی طرف بڑھے۔ لفٹ کی پوزیشن بتانے والی بیرونی برقی پٹی پر ہندسے روشن ہو کر بجھتے رہے۔ لفٹ نچلی منزلوں سے اوپر جا رہی تھی۔ چھ کا ہندسہ روشن ہوا اور روشن ہی رہا۔ میرے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ہوٹل کی وسیع اور بلند و بالا عمارت میں ویرا کو رہائش کے لیے وہی منزل ملی تھی جس پر ہمارا قیام تھا۔
میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر دوسری لفٹ میں سوار ہو گیا۔ چھٹی منزل پر ہم لفٹ سے اترنے کے بعد اپنے کمرے کے قریب پہنچے تھے کہ برابر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے وہی پورٹر برآمد ہوا جو ویرا کے ساتھ اوپر آیا تھا۔ اس نے اپنے سر کی خلیقانہ جنبش کے ساتھ اپنی واپسی کی راہ لی اور غزالہ پھرتی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ کہیں ویرا اپنے کمرے سے راہ داری میں نہ نکل آئے۔
"اسے پورے ہوٹل میں یہی کمرا لینا تھا؟" غزالہ نے تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر گر کر قدرے غصے سے پوچھا۔
"تم جانتی ہو کہ اس کا نام ویرا ہے۔ وہ دوسروں کو چڑانے اور ان کا خون سلگانے کے فن میں مہارت رکھتی ہے۔ اس سے بھول کر بھی نہ پوچھنا کہ وہ ہمارے برابر والے کمرے میں کیوں ٹھہری ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ اتفاق نہیں ہے۔ اس نے بکنگ کلرک سے خاص طور پر ہمارے پڑوس کے کمروں کے بارے میں پوچھا ہوگا۔ اگر تم نے ویرا کی اس حرکت پر ذرا سی بھی برہمی کا اظہار کیا تو وہ خوش ہوگی کہ اس کی تدبیر کارگر رہی۔"
"وہ کہیں بھی میرے سینے پر مونگ دلنے سے باز نہیں آتی۔" غزالہ برا سا منہ بنا کے بولی۔
"غنیمت ہے کہ اس وقت وہ ہمارے کمرے میں نہیں ہے' برابر والے کمرے میں ہے۔ وہ یہیں ڈیرا ڈالنے پر اڑ جاتی تو ہم دھکے دے کر اسے باہر نہیں نکال سکتے تھے۔ اس وقت ہمیں باتیں کرنے کی آزادی کے ساتھ مکمل تخلیہ بھی حاصل ہے۔ وہ رات بھر خوار ہونے کے بعد یہاں پہنچی ہے۔ شب بیداری اور تھکن سے نڈھال ہو رہی ہوگی۔ تھوڑی سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند سو جائے گی۔"
"وہ ڈھیٹ ہے۔ کوئی گل کھلائے بغیر اتنی آسانی سے نہیں سوئے گی۔ دیکھیں' اب بھارت میں کیا گزرتی ہے۔"
"بھارت کے لیے یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ ہم سے دور اور الگ رہے گی۔" میں نے کرسی سنبھال کر سختی سے کہا "وہاں کسی غلطی یا خرمستی کی اجازت نہیں ہوگی۔ بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر غلطی کا مطلب موت ہوگا۔"
"جب بھارت پہنچیں گے تو پتا چلے گا۔ ابھی تو اسے یہاں بھگتنا ہے۔" ویرا کی غیر متوقع اور بے وقت آمد سے غزالہ چڑی ہوئی تھی۔
"آج کی رات گزر چکی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا پھیل جائے گا۔ وہ چند گھنٹے سو کر گزارے گی پھر روانگی کی تیاری شروع ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے جلال کو فون کر دینا چاہیے تاکہ وہ اندر

واپسی کی تیاری کرے۔"

"ابھی تو وہ لاہور سے زیادہ دور بھی نہیں نکلا ہوگا۔ مسافر بردار جہازوں کے مقابلے میں ہیلی کاپٹروں کی رفتار بہت کم ہوتی ہے۔ نو، دس بجے سے پہلے اس سے رابطہ قائم کرنے میں شاید ہی کامیابی ہوسکے۔"

غزالہ کی بات معقول تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہ خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چند ثانیوں بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ویرا کی تروتازہ آواز سنائی دی۔

"غنیمت ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو" ویرا کی آواز میں پرواز میں تاخیر اور سفر کی تکان کا کوئی نام ونشان نہیں تھا" تمہاری بیوی نے مجھے اپنے کمرے میں بلانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ اس وقت میں تمہارے برابر والے کمرے میں مقیم ہوں۔ تم آرہے ہو یا میں تمہاری طرف آؤں۔"

"غزالہ کو تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا۔ وہ احتیاط کا تقاضا تھا۔ اگر یہ چھوٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی تو ہم دونوں تمہارے پاس آرہے ہیں۔ مقصد ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ تم پھر ہماری جڑوں میں گھس آئی ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت ہم امرتسر میں نہیں، لاہور میں ہیں" ویرا نے قہقہہ لگا کر جواب دیا "ادھر آجاؤ تو باتیں ہوں گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ ٹھکنے والی مخلوق نہیں ہے۔ آؤ، تھوڑی دیر کے لیے اسی کے کمرے میں چلتے ہیں تاکہ اس کی زبان کی خارش دور ہوسکے۔"

ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم دونوں اس کے کمرے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنے کمرے سے باہر نکلے تو وہ دروازے میں کھڑی ہمارا انتظار کررہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے پورا دروازہ کھول کر ہمارے داخلے کے لیے راستہ پیدا کردیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں آکر خوامخواہ جہانگیر کے ماموں سسر کے پیچھے پڑگئے ہو مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اس سے خوف زدہ ہو۔ میں خاموشی سے تمہارے کمرے میں پڑ رہتی تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ تمہارے کمرے میں کوئی تیسرا فرد بھی مقیم ہے۔ آج کی رات ائرلائن والوں نے برباد کردی۔ بس اگلی رات کا معاملہ تھا پھر تو ہمیں سرحد پار نکل ہی جانا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اتنی مختصر سی مدت کے لیے بھی تم لاہور جیسے اپنے شہر میں اتنے زیادہ محتاط ہو۔"

اسے یہ بتانا قطعی ضروری نہیں تھا کہ غزالہ اپنے اور میرے درمیان اس کی موجودگی پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کے ہر سوال کا جواب گول کرتے ہوئے اس کی تصحیح پر اکتفا کیا اور کہا "پروگرام تبدیل ہوچکا ہے۔ آنے والی رات ہم بھارتی سرزمین پر بسر کریں گے۔"

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا "فون پر تو تم پرسوں روانگی کی بات کررہے تھے۔"

"وقت اور حالات کے ساتھ ایسی تبدیلیاں ناگزیر ہوجاتی ہیں" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم جہانگیر کے ماموں سسر والے قصے سے بالکل فارغ ہوچکے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم باربار چوہدری عظمت اور جہانگیر کے رشتے کا حوالہ دیے جارہی ہو" میں نے چڑ کر کہا "وہ ہماری نظروں میں آیا تو مجھے شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ جہانگیر کا کوئی قریبی یا دور کا رشتے دار ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب ہم اس کے گھر گئے اور وہاں گھنٹی بجانے پر سلمٰی نے دروازہ کھولا تھا۔"

"اوہ... تو سلمٰی بھی یہاں آئی ہوئی ہے۔" میرے انکشاف پر ویرا چونک گئی "تمہارے ہاتھوں اپنے ماموں کی درگت بننے پر وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"ہمارا اس سے سامنا ضرور ہوا تھا مگر میں نے بات بنادی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہم اس سے ملنے کے لیے وہاں پہنچے ہیں۔ اس سے اس کے ماموں کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اسے کسی قسم کا شبہ ہوسکے..."

ویرا نے میری بات کاٹ دی "یہ سب تمہاری خوش فہمی ہے۔ ایسی باتیں پوشیدہ نہیں رہتیں۔ ایک دو روز میں اسے معلوم ہوجائے گا کہ سارا کیا دھرا تمہارا تھا۔ وہ بپھر جائے گی، شاید جہانگیر کو خوشی ہو کہ تمہارے ہاتھوں اس کے ایک سسرالی رشتے دار کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر کانے آدمی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کے سارے لوگ اسی کی طرح یک چشم ہوجائیں۔ کراچی واپس لوٹنے پر تمہیں ان دونوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

میں نے خاموش رہ کر اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا پھر کہا "لاہور میں ہم گمنام ہیں۔ یہاں ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر اپنی سوجھ بوجھ سے فیصلے کرتا ہے۔ میرے مشوروں نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا اس لیے یہ کام اتفاقات کے تحت خود بہ خود آئی بی والوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ چوہدری عظمت ان کا ملزم اور مجرم ہے۔ پوری کہانی میں کہیں بھی میرا نام آنے کا امکان نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے وہ آئی بی والوں نے خود کیا ہے۔"

"مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ قصہ کیا تھا؟" ویرا نے پہلو بدلتے ہوئے مطالبہ کیا "تم نے فون پر وعدہ کیا تھا کہ لاہور آنے پر مجھے پوری بات بتاؤ گے۔"

میں نے ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں چوہدری عظمت اور ملک اقبال کی گھناؤنی سماج دشمن سرگرمیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑے وہ تفصیلات سنتی رہی۔ وہ درمیان میں پوچھتے ہوئے سوال بھی کرتی جا رہی تھی۔ اس کے لیے یہ یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ ہیومن سوسائٹی والے محض اپنی غیر معمولی تشہیر کی وجہ سے پہلے غزالہ کی اور پھر میری نظروں میں آئے تھے۔ ان کی تمام غیر قانونی سرگرمیاں اس قدر پوشیدہ اور رازدارانہ تھیں کہ ایس ٹی ایف سمیت، قانون نافذ کرنے والے سارے ادارے پریشان تھے۔ ہیروئن اور اس کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی بھاری مقدار میں فراہمی جاری تھی، اس کام میں ملوث مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا اور پھر وہ اپنے دیوار گیر اشتہاروں کی وجہ سے یکایک عتاب میں آ گئے۔

"لاہور میں مامور آئی بی کے عملے سے تمہاری شناسائی کیسے ہوگئی؟" ویرا نے سوال کیا۔

یہ بہت بڑا کیس تھا۔ اسلام آباد سے جلال ایک فوجی ہیلی کاپٹر سے یہاں آیا اور اپنے مجرموں کو لے کر چلا گیا" میں نے بتایا۔

"بہت تیزی سے سارا کام نمٹا" ویرا نے مزید حیرت ظاہر کی "مجھے اندازہ تھا کہ آئی بی والے فوج سے مل کر کام کرتے ہوں گے۔"

"شاید عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ راولپنڈی سے ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آ رہا تھا۔ کوئی فوری پرواز میسر نہ ہونے کی وجہ سے جلال بھی اسی پر لاہور آ گیا۔"

"کوبرا ہیلی کاپٹر!" ویرا نے چونک کر دہرایا "تم کہہ رہے ہو کہ وہ اس سے دو مجرموں کو بھی ساتھ لے گیا ہے؟"

"ہاں! چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سربراہ تھا۔ شاہد اس کا انتظامی سربراہ تھا۔ تیسرا بڑا مجرم ملک اقبال تھا۔ اسے آئی بی کے مقامی عملے نے اٹھا لیا ہوگا۔ سب سے زیادہ سنگین معاملہ چوہدری عظمت کا تھا۔ وہ معززین شہر میں شمار ہوتا ہے، اس کی اپنی حیثیت مسلّمہ ہے اور وہ گہرے اثر و رسوخ کا مالک ہے۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں حیران ہوں کہ کوبرا سے پائلٹ سمیت چار افراد کیسے گئے ہوں گے۔ میری معلومات کے مطابق اس میں صرف دو نشستیں ہوتی ہیں۔"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دو نشستوں کے ساتھ کارگو وغیرہ کے لیے تھوڑی بہت گنجائش ہوتی ہوگی۔ وہ دونوں معزز مسافر نہیں، مجرم تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں بے دست و پا کر کے ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں ڈال لیا گیا ہو۔ میں نے کوبرا کو پرواز کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر جلال کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں لے جائے گا۔ اگر اس کی وہ تجویز ناقابل عمل یا خطرناک تھی تو پھر اس نے کوئی متبادل ذریعہ اختیار کیا ہوگا۔"

"یہ بحث بالکل بے سود ہے" غزالہ نے لب کشائی کی "جلال ایک ذمے دار اور اعلیٰ افسر ہے۔ اسے قیدیوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ ہمارے اطمینان کے لیے صرف یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ وہ دونوں ہی نہیں، اب پوری ہیومن سوسائٹی آہنی گرفت میں ہے۔"

"پہلے مجھے صرف غزالہ نظر آئی تھی۔ اس وقت تم کہاں تھے؟" ویرا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"میں تھوڑی پہلے اسٹیشن تھری سے واپس لوٹا ہوں۔ غزالہ مجھے ہوٹل کی لابی میں ملی تھی۔"

"اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ یہ تازہ ترین قصہ ہے۔ تم نے تو فون پر بتایا تھا کہ چوہدری عظمت کا صبح تک تیا پانچا ہوجائے گا۔"

"اب صبح طلوع ہونے والی ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا

تھا" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"صبح ہونے والی ہے لیکن ہوٹل کی لابی میں شکاری عورتیں ابھی تک منڈلا رہی ہیں۔ پتا نہیں اس وقت انہیں کون منہ لگائے گا۔"
"مجھے تو وہاں ایسی کوئی عورت نظر نہیں آئی جو شکاریوں کے لباس میں ہو یا رائفل اٹھائے ہوئے ہو" غزالہ نے سوچے سمجھے بغیر اعتراض جڑ دیا۔
ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "احمق لڑکی! عورتوں کا مرغوب ترین شکار مال دار مرد ہوتا ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہی تھی۔"
غزالہ خفت آمیز لہجے میں بولی "مجھے نیچے کوئی ایسی ویسی عورت بھی نظر نہیں آئی۔"
"وہ ہر ایک کو نظر نہیں آتیں" ویرا نے اسے آگاہ کیا "ان کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے جس چشم بینا کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ تاڑنے والے دور ہی سے انہیں تاڑ لیتے ہیں۔ ویسے بھی یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ خراب چال چلن کی بدنام عورتوں کو ہوٹل کی انتظامیہ اندر پھٹکنے بھی نہیں دیتی ہوگی۔ ان کال گرلز کے سامنے سب مجبور ہوجاتے ہیں جو معززانہ وضع قطع میں یہاں آتی ہوں، چائے یا کافی کی ایک پیالی اور سینڈوچ پر چند گھنٹے گزار کر اشاروں کنایوں میں کسی شکار کو ورغلاتی ہوں اور پھر کامیابی کے دوسرے مرحلوں کی طرف پیش قدمی کرنے میں مصروف ہوجاتی ہوں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی بڑا ہوٹل اس لعنت سے محفوظ ہو۔"
"تم عورت ہو کر عورتوں میں کیڑے نکال رہی ہو۔ کیا ہوٹلوں میں سارے فرشتہ سیرت مرد آتے ہیں؟" غزالہ نے منہ بنا کر کہا "رنگین مزاج، آوارہ اور اوباش مرد گھروں میں کم ٹکتے ہیں۔ ہر وقت ہوٹلوں اور دوسری تفریح گاہوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔"
"لاحول ولا قوۃ۔ تم دونوں کن واہیات باتوں میں الجھ گئیں۔ بدفطرت لوگ مردوں میں بھی ہوتے ہیں، عورتوں میں بھی۔ یہ گھروں سے لے کر ہوٹلوں، کلبوں تک میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں باتیں کرکے تم دونوں اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔"
"چوہدری عظمت کی گرفتاری کے بعد تمہیں اخلاقاً سلمٰی سے ضرور ملنا چاہیے" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد مشورہ دیا "وہ بے قصور ہے۔ اس واقعے نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ تم کو دیکھ کر اسے کافی ڈھارس ملے گی۔"
"تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤگی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے پوچھا۔
"کیوں؟ میں کیا شرانگیزی کر رہی ہوں۔ سلمٰی تمہاری پرانی واقف کار ہے۔ تمہارے بہت پرانے دوست کی بیوی ہے۔ پریشانی اور مصیبت کے لمحات میں اس کی دل جوئی کرنا تمہارا اخلاقی فرض بنتا ہے" اس نے ذو معنی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
"اس سے ملنا چاہیے" غزالہ نے ویرا کی تائید کی "پتا تو چلے کہ اس کے کیا تاثرات ہیں۔ باہر کی طرح وہ اپنے گھر میں بھی نیک نام تھا یا گھر والوں کو اس کے گھناؤنے کاموں کا علم تھا۔"
"کوئی مجرم اپنے زیر کفالت افراد کو یہ نہیں بتاتا کہ وہ لوٹ مار، چوری اور حرام کے مال سے انہیں پال رہا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا۔
"فریڈم انٹرنیشنل، صحرا ... اور اب ہیومن سوسائٹی! ویرا خودکلامی کے انداز میں بولی "یقین نہیں آتا کہ غیر سرکاری فلاحی اداروں کی آڑ میں سب این جی اوز اتنے بڑے بڑے گھپلے کر رہی ہوں گی۔ ان تینوں واقعات نے میرے اعتبار کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔"
"سب نہیں مگر بہت سے لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فیاضی سے ملنے والے پیسوں کی چمک دمک ان لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے اور یہ ملک وقوم کے مفادات کو بھول کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم سے پہلے آئی بی والے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن ان کی توجہ سوسائٹی کے وسائل پر مرکوز تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پرانے کپڑوں اور امدادی سازوسامان کی آڑ میں منشیات اور ہیروئن سازی کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔"
"پھر بھی سلمٰی سے ملنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے اصرار کیا۔
"اس سے ملنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ چوہدری عظمت کو چند گھنٹوں قبل اٹھایا گیا ہے۔ یہ خبر آج کے بجائے کل کے اخباروں میں آئے گی۔ اس سے پہلے ہمیں کیسے پتا چل سکتا ہے کہ سلمٰی کے ماموں کو قانون کے آہنی ہاتھوں کا سامنا کرنا پڑا ہے" میں نے جواب دیا۔
اچانک غزالہ کو خیال آیا کہ ویرا، سلطان شاہ کو کراچی میں تنہا چھوڑ کر آئی تھی۔ اسے بے چینی سے ویرا کے پہنچنے کی اطلاع کا انتظار ہوگا۔ اس کے خیال دلانے پر میں نے ویرا

کے کمرے سے ہی ریسیور اٹھا کر بورڈ سے لائن لی اور اپنے گھر کا نمبر ملا لیا۔
سلطان شاہ واقعی طویل اور اعصاب شکن انتظار کے لمحات سے گزر رہا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں اس کی آواز آئی تھی۔
"ویرا آرام سے ہم لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔ آج رات کو ہم کسی وقت اگلی منزل کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"
میں نے اسے بتایا۔
"میں نے ائرپورٹ فون کیا تھا تو وہاں سے پتا چلا کہ ویرا والی پرواز سوا دو گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے اطلاع دے دی ورنہ میں انتظار کرتا رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق تمہارے ہی کمرے میں گھسی ہوئی ہوگی۔"
"کوشش کی تھی مگر ایسا نہیں ہو سکا" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے گول مول الفاظ میں جواب دیا پھر پوچھا "اول خان کہاں ہے؟"
"ویرا کو ائرپورٹ پہنچانے کے بعد وہ مجھے ڈراپ کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اس کو لاہور کے بارے میں خاصی تشویش تھی...."
"کسی تشویش کی ضرورت نہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہر کام خوش اسلوبی سے مکمل ہوا ہے۔ اب تم اکیلے ہو' اپنا دھیان رکھنا۔ موقع ملا تو چند روز بعد تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"روانگی سے پہلے ضرور فون کر لینا" اس کی آواز التجا آمیز ہو گئی "تمہارا سفر زیادہ طویل نہیں ہے مگر خطرناک ہے۔ مجھے ہر وقت پریشانی رہے گی۔ انل بکواس سے زیادہ آگے ہاتھ پیر پھیلانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ وہاں الجھ کر رہ جاؤ گے۔"
اس نے انل بسواس کے نام کی جو درگت بنائی تھی' اس پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا کہ اپنا کام جلد از جلد ختم کر کے ہم وہاں سے واپس لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ غزالہ کو اس سے جذباتی گفتگو کا موقع دیے بغیر میں نے فون بند کر دیا۔
ہم مزید کچھ دیر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ساری گفتگو گزرے ہوئے واقعات کے گرد گھومتی رہی۔ میں نے دانستہ جان اسمتھ کا ذکر نہیں چھیڑا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس کی اور ویرا کی گفتگو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کا خواہش مند تھا مگر مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ اس وقت میں نے کوئی نیا موضوع چھیڑا تو وہ نشست طول پکڑ جائے گی۔ میری خواہش تھی کہ آنے والی رات کے سفر کا آغاز ہونے سے پہلے ہم تینوں کچھ دیر کے لیے سو لیں تاکہ اگلے اہم مرحلے کے لیے تازہ دم ہو سکیں۔
میری وہ تدبیر کارگر رہی۔ کوئی نیا موضوع نہ ملنے کے سبب ویرا پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ یوں سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔
جلال کی اچانک لاہور آمد کی وجہ سے میں رات کے ابتدائی لمحات میں بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ کمرے میں جا کر بستر پر دراز ہوا تو تھوڑی سی دیر میں گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو گھڑی دن کے گیارہ بجا چکی تھی۔ کھڑکیوں پر غزالہ نے پردے کھینچ دیے تھے مگر پھر بھی کہیں کہیں سے' باہر پھیلی ہوئی' دن کی تیز روشنی جھلک رہی تھی۔ غزالہ آرام سے کرسی پر دراز اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔
"آپ صحیح کہہ رہے تھے۔ چوہدری عظمت یا ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اخبار میں کوئی خبر نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا۔
"یہ خبر نہیں آسکتی تھی" میں نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔ "رات کے دو تین بجے تک ہر اخبار کے بیرونی صفحات چھپائی کے لیے پریس میں چلے جاتے ہیں۔ اس وقت کے بعد وجود میں آنے والی خبریں صبح کے اخباروں میں شامل ہونے سے رہ جاتی ہیں۔"
"اور ویرا ابھی ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے' غزالہ نے مجھے آگاہ کیا۔
"کیا تم نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جاگتے ہی ہمیں فون کرے گی۔ دیر تک سوتی رہے تو اچھا ہے۔"
ویرا کا نام سنتے ہی مجھے جلال یاد آ گیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چوہدری عظمت کا معاملہ آسان نہیں تھا۔ حالات کے پھیر میں پڑ کر جلال نے اسے گرفتار کر لیا تھا مگر اس کی گرفتاری پر اسلام آباد میں موجود کئی جبینیں شکن آلود ہو سکتی تھیں۔ ہر طرف سے اس کی رہائی کے لیے پڑنے والے دباؤ کو نظر انداز کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ایک طرف وہ اس چکر میں پھنسا ہوا تھا اور دوسری طرف اسے ہم لوگوں کو بھارت کی سرزمین پر پہنچانا تھا۔

اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مہلت دی جائے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں نہادھوکر اسے فون کروں گا مگر اس کے حقیقی مسائل کا ادراک کرتے ہی میں نے فوری طور پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پہلی دو کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ جلال کا ڈائریکٹ نمبر مصروف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دیئے ہوئے دوسرے نمبر پر اس کے پی اے سے بات کی۔ اسلام آباد کے سفر کے موقع پر اس سے میرا تعارف ہوچکا تھا۔ حوالہ دیتے ہی وہ مجھے پہچان گیا۔ اس نے تصدیق کی کہ جلال اپنے دفتر میں موجود تھا مگر فون پر کسی سے اہم بات کر رہا تھا۔ اس موقع پر پی اے میری کال اسے نہیں دے سکتا تھا۔ چوتھی بار میں نے پھر اس کا ڈائریکٹ نمبر ملایا' اس مرتبہ رابطہ ہوگیا۔

''میں بہت بری طرح دباؤ میں آگیا ہوں'' میری آواز پہچانتے ہی جلال پھٹ پڑا ''مجھے پہلے سے تجربہ ہے کہ ہوم ورک مکمل کیے بغیر کسی مضبوط مہرے پر ہاتھ ڈالنے سے سنگین مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس وقت چوہدری عظمت میرے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے۔''

''اس ہڈی کو اگلو اور سختی سے کچل دو۔ تمہیں علم ہے کہ وہ کس قدر خطرناک اور موذی شخص ہے'' میں نے سفاکی سے کہا۔

''مجھے سب معلوم ہے۔ میں ٹیپ سن چکا ہوں۔ شاہد نے وہ سب باتیں دہرانے کے ساتھ کچھ نئے انکشافات بھی کیے ہیں۔ وہ مدد فراہم کرنے کے بہانے جوان اور خوب رو بیواؤں کو ہیومن سوسائٹی کے دفتر میں بلاکر بے آبرو کرتا تھا اور انہیں دوسرے عیاش دوستوں تک بھی پہنچایا کرتا تھا۔ ایسے دوستوں میں اہم سرکاری افسروں اور سیاست دانوں کے نام شامل ہیں۔ یہ سب درندے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھورہے تھے۔''

جلال کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے مضطرب ہوکر اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی ''تمہیں یہ سب معلوم ہوچکا ہے اور پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ تمہارا ہوم ورک نامکمل ہے۔ وہ ہیروئن کے ساتھ اپنے گھر سے پکڑا گیا ہے۔ اس کے دستِ راست کا اقبالی بیان تمہارے سامنے ہے۔ اسے تو سرسری سماعت کی کسی عدالت میں پیش کرکے ہفتے عشرے میں ہی سولی پر لٹکا دینا چاہیے تاکہ اس جیسے دوسرے بھیڑیوں کے حوصلے پست ہوجائیں۔''

''یہ سب صرف مجھے اور میرے ساتھیوں کو معلوم ہے مگر ہم سب بہت نیچے کے لوگ ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ بہت دراز ہیں وہ چوہدری عظمت کے ان گھناؤنے کرتوتوں سے ناواقف ہیں۔ یا جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں کیونکہ اس گنگا کے کسی گھاٹ سے وہ بھی فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ وہ سب اس کی رہائی کے لیے بے پناہ دباؤ ڈال رہے ہیں' سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ ایک دو آدمی کس کس کو جواب دے سکتے ہیں؟''

''ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ دولت آدمی کے ہر عیب' گناہ اور جرم پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب وقتی ریلا ہے۔ جب حقائق سامنے آئیں گے تو یہی لوگ چوہدری عظمت سے اپنے تعلق کو گالی سمجھنے لگیں گے۔''

''گڈ!'' ریسیور میں جلال کی بے ساختہ آواز ابھری ''میں بھی تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ بعد میں یہ سب ہوجائے گا مگر اس وقت کے حالات سخت مخاصمانہ ہیں۔ اس ریلے کو برداشت کرنا معمولی اعصاب والے کسی آدمی کا کام نہیں ہے۔''

''تمہارے اعصاب معمولی نہیں ہیں۔ دل گردے والا آدمی ہی اس کرسی پر بیٹھ سکتا ہے'' میں نے پھر قطع کلامی کی۔

''میں بہت اعصاب شکن دباؤ سے دوچار ہوں۔ میں پوری مزاحمت کررہا ہوں۔ میرے بڑے پوری طرح میری پشت پناہی کررہے ہیں مگر ایک شخص نے سب کو ہلایا ہوا ہے۔ شاید وہ پورے خلوص سے چوہدری عظمت کو معصوم' بے گناہ اور مخیر سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری عظمت جیسے معزز آدمی کو براہِ راست کیوں گرفتار کیا گیا۔ اگر اس کے خلاف کچھ الزامات تھے تو ان کی سمری بناکر وزارت داخلہ سے اس کی گرفتاری کی اجازت لینی ضروری تھی۔ اگر یہ گرفتاری صوبائی پولیس کے ہاتھوں ہوئی ہوتی تو اب تک نہ جانے کتنے افسر معطل یا برطرف ہوچکے ہوتے۔ چوہدری عظمت کا اثرورسوخ میری توقع سے بہت زیادہ ہے۔''

''مجھے یہ یقین دلادو کہ اسے آزاد نہیں کیا جائے گا'' میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''میں اپنی جان لڑادوں گا۔ اس موت کے سوداگر کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے منصب اور اختیار چھن جائے تو دوسری بات ہے ورنہ میں چوہدری عظمت' ملک اقبال اور شاہد کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچاکر رہوں گا۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں برآمد کی ہوئی بیالیس کلو ہیروئن ان تینوں کے ہر

حمایتی کے ہوش اڑا دے گی۔"
"اس بارے میں تم اتنے پُریقین ہو تو پھر پریشانی کس بات کی ہے۔ جو فون کرتا ہے' اسے سب سے پہلے بیالیس کلو ہیروئن برآمد ہونے کی کہانی کیوں نہیں سناتے؟"

"یہی کیا جارہا ہے مگر بعض لوگ صرف بولنا جانتے ہیں' سننے کے عادی نہیں ہوتے۔ اس کا سب سے بڑا حامی کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ چوہدری عظمت کو رہا کیا جائے۔ اس کے بعد ہی وہ کسی کی کوئی بات سنے گا۔"

"حکم ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا "اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی مقتدر آدمی ہے؟"

"کچھ لوگ مقتدر نہیں ہوتے مگر بادشاہ گر گردانے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری ملازم اور صاحب اقتدار لوگ ان کی محفلوں میں حاضری دینا باعث فخر سمجھتے ہیں" جلال کی آواز میں بلا کی تلخی اُمڈ آئی "وہ ایسا ہی ایک بددماغ آدمی ہے۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے خود کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس کے نیاز مند اور حواری بہت کچھ ہیں۔ اس کی بیشتر خواہشات کو اپنے قلم کی ایک جنبش سے پورا کردیتے ہیں۔ وہ خود چوہدری عظمت کا بھی خواہ ہے۔"

"ایسے لوگ واقعی بہت خطرناک ہوتے ہیں" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس رخ سے وار کر گزریں گے۔ تم قانون اور اپنے اختیار کی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے ہو۔ ان میں رہ کر ہر ایک کا مقابلہ کرسکتے ہو مگر اس بادشاہ گر کا مقابلہ کیسے کروگے؟ نام کیا ہے اس کا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے" ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد اس کی آواز ابھری "کل کے اخبار ذرا غور سے دیکھ لینا" اخبار والے بھی ان لوگوں کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں۔ چوہدری عظمت کی ہمدردی میں اس کا کوئی تیز و تند بیان ضرور چھپے گا۔"

میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے چند نام گھوم گئے مگر میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ ان میں سے کون سا شخص چوہدری عظمت کا ہمدرد ہوگا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ملک وقوم کا وہ درندہ صفت دشمن صحیح ہاتھوں میں تھا۔ اگر وہ کسی کمزور یا مصلحت کوش افسر کی گرفت میں آیا ہوتا تو اس وقت تک قیدوبند کی صعوبتوں سے آزاد ہوکر دوبارہ لاہور کی آزاد فضاؤں میں دندناتا پھر رہا ہوتا۔

"اگر تم اس کا نام نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر اتنا تو بتادو کہ اس کا منہ کیسے بند کروگے؟" میں نے کہا۔

"میں ایک پریس کانفرنس کی اجازت لے چکا ہوں۔ اس گروہ کو سزایاب کرانے کے لیے قانون کے ساتھ ساتھ پروپیگنڈے کا سہارا بھی لینا پڑے گا۔ اخباروں میں الزامات کی فہرست آجانے کے بعد کوئی بے غیرت شخص ہی ان کی ہم نوائی کی ہمت کرسکے گا۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی وہ کوشش ملزم کی کردارکشی اور مقدمے سے قبل عدالت پر اثر انداز ہونے کے مترادف تو قرار نہیں دی جاسکے گی۔ میرا وہ سوال شاید اس کے لیے حوصلہ شکن ہوتا۔ ان دنوں ویسے بھی اخبارات آزاد تھے۔ جس کا جی چاہتا تھا' کسی کی پگڑی اچھال دیتا تھا۔ اخباروں کو چند روز تک الزامات اور جوابی الزامات کی صورت میں سنسنی خیز اور چٹپٹی سرخیوں کا مواد ملتا رہتا تھا پھر کوئی نئی بات یا نیا اسکینڈل سامنے آجاتا تھا۔ اس حمام میں تقریباً سب ہی ننگے تھے اس لیے بات اخباری بیانات سے آگے کبھی نہیں بڑھنے پاتی تھی۔ دشمنوں یا حریفوں کی الزام تراشی پر کسی نے ہتک عزت کا کوئی مقدمہ درج کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ بات عدالت میں گئی تو ایسی کھری کھری باتیں کھل کر سامنے آئیں گی کہ اخباروں کی سرخیاں ماند پڑجائیں گی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت بری طرح الجھے ہوئے ہو مگر میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ویرا کراچی سے لاہور آچکی ہے۔"

"مجھے یاد ہے" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "یہ یہاں کے قصے ہیں جو چلتے ہی رہتے ہیں۔ میرے لیے تمہارا مشن زیادہ اہم ہے۔ تم کامیاب لوٹے تو ہم کافی دنوں تک پوری یکسوئی سے یہاں کا گند صاف کرسکیں گے ....ویرا لاہور کب پہنچی؟"

اس کا جواب سن کر میرا حوصلہ بڑھ گیا "میں اسٹیشن تھری سے ہوٹل واپس پہنچا تو وہ آچکی تھی۔"

"شاید نائٹ کوچ لیٹ ہوگئی ہوگی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ معاملہ ہر مسئلے پر مقدم ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت بتادیا۔ میں اپنی مصروفیات کو اس طرح سمیٹتا ہوں کہ شام کی کسی پرواز سے لاہور پہنچ سکوں۔ اس وقت تک یہاں کے حالات واضح ہوچکے ہوں گے۔"

"تم ہوٹل ہی آؤ گے؟" میں غیرارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"نہ آسکا تو فون کروں گا۔ کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ ہوجائے گا۔ سات بجے کے بعد تم اپنے کمرے میں موجود رہنا۔"

مجھے ریسیور پر اس کے دفتر میں بجنے والی دوسری گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کافی دیر بات کرلی تھی اور وہ گفتگو سمیٹنے کے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی ناگزیر مجبوریوں کا اندازہ لگاتے ہوئے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کردیا۔

میں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ کمرے کے دروازے پر تیز دستک کی آواز سنائی دی۔ غزالہ نے ہڑبڑا کر کرسی چھوڑی اور دروازے کی طرف تقریباً دوڑ لگادی۔ اس کے پہنچتے پہنچتے کسی نے دوبارہ دروازہ بجا ڈالا۔ غزالہ نے جوں ہی دروازہ کھولا، ویرا شب خوابی کے شکن آلود لباس میں اندر گھس آئی۔

"کیا ہو رہا تھا۔؟ کس سے فون پر لمبی باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے اندر آتے ہی وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"میں انٹر کام پر کئی بار ناکام کوشش کرچکی ہوں" وہ قدرے سنبھل کر بولی "آپریٹر سے معلوم کیا تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکا کہ فون مصروف ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو اور ریسیور کریڈل سے نیچے گر گیا ہو، میں گھبرا کر ادھر آگئی۔"

میں ہنس پڑا "بیدار ہونے سے پہلے شاید تم برے برے خواب دیکھ رہی تھیں۔ معدے میں گرانی ہو تو آدمی جاگنے کے بعد بھی دیر تک برے خوابوں کے زیر اثر رہتا ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور ریسیور بھی اپنے کریڈل پر ہے۔"

"اگر تمہارا باتھ روم خالی ہو تو میں ہاتھ منہ دھولوں؟" اس نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے سے تیار ہو کر آؤ۔ اتنی دیر میں، میں بھی تازہ دم ہو جاؤں گا۔ پھر ہم یہیں بیٹھ کر ناشتا کریں گے۔" میں اسے یہ مشورہ دیتا ہوا باتھ روم کی طرف ہولیا۔ میرے اندر جانے کے چند ثانیوں بعد کمرے کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ شاید وہ اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھی۔

میں نہا دھو کر باتھ روم سے نکلا تو ویرا عجلت میں تیار ہو کر دوبارہ ہمارے کمرے میں آچکی تھی۔ غزالہ نے مجھے مطلع کیا کہ وہ انٹر کام پر ہوٹل کی روم سروس کو تینوں کے لیے ناشتا لانے کی ہدایت کرچکی تھی۔ میں اطمینان سے ویرا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم منہ دھوئے بغیر فون پر کس سے باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے میرا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نئے دن کا آغاز کسی حجت یا تکرار سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نرمی سے کہا "جلال سے روانگی کا پروگرام طے کر رہا تھا۔"

"وہ صبح سویرے قیدیوں کو ساتھ لے کر یہاں سے گیا ہے۔ کیا شام تک آسانی سے دوبارہ لوٹ آئے گا؟"

"اس نے وعدہ تو کیا ہے۔ کوئی ناگہانی مجبوری پیش آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔

"دوبارہ فون کرکے اس سے کوئی یقینی پروگرام طے کرلو" ویرا نے مصالحانہ انداز میں مشورہ دیا "اگر وہ نہیں آرہا تو ہم آج کا باقی دن شہر کی سیر میں گزار سکتے ہیں۔ میں کئی مرتبہ لاہور آئی ہوں مگر مال روڈ اور ہوائی اڈے سے آگے کچھ نہیں دیکھا۔ سنا ہے کہ تاریخی یادگاروں اور سبزہ زاروں کے لحاظ سے لاہور تمہارا اہم ترین شہر ہے۔"

"تمہاری زبان سے لاہور کی یہ تعریف سن کر ہر لاہوری تم پر قربان ہو سکتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی رہی تو سیر و تفریح بعد میں بھی ہوتی رہے گی" غزالہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولی "اس کا آج آنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"ہم اسے پابند نہیں کرسکتے" میں نے ویرا کو سمجھایا "چوہدری عظمت کی گرفتاری پر اس کے سارے دوست اور حلیف حرکت میں آگئے ہیں۔ اس کے باوجود جلال آنے پر آمادہ ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ اسے سرحد پار کے لوگوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہوگا ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرحد عبور کرتے ہی ہم بھارت کی بارڈر سیکیورٹی فورس یا فوج کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے اعتراف کیا "یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ سفری دستاویزات مکمل ہونے کے باوجود ہم غیر قانونی طور پر سرحد پار کریں گے۔ اس بندوبست کے لیے جلال کو وقت درکار ہوگا۔"

"ہم تینوں کے پاسپورٹ وغیرہ کہاں ہیں؟" قدرے خاموشی کے بعد ویرا کو وہ سوال یاد آگیا۔

"سب کچھ جلال کے پاس ہے۔ روانگی سے پہلے پاسپورٹ ہمیں واپس مل جائیں گے۔ ان پر پاکستان سے اخراج اور بھارت میں داخلے کی مہریں لگی ہوئی ہوں گی۔ شاید تمہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ویزا پولیس رپورٹنگ سے مستثنیٰ ہے۔"

"معلوم ہے۔" ویرا بے پروائی سے بولی "ہمارے کام اور دونوں ملکوں کے کشیدہ تعلقات کی روشنی میں یہ بہت بڑی سہولت ہے۔"

اسی وقت روم سروس کی خاتون ویٹریس دستک دے کر اندر آگئی۔ باہر موجود سروس ٹرالی سے دو چکروں میں اس نے ناشتے کے اشتہا انگیز لوازم ہماری میز پر منتقل کیے اور کراکری قرینے سے سجا کر واپس لوٹ گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ جان اسمتھ سے تم نے کیوں رابطہ کیا تھا؟" ناشتا شروع کرنے کے بعد میں نے ویرا سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں جان اسمتھ کی موجودگی شروع سے میری آنکھوں میں کھٹک رہی ہے۔ ہمارے سامنے ابھی تک صرف انل بسواس کا نام ہے۔ غزالہ تمہارے ساتھ ہوگی۔ تم دونوں اس کا پیچھا کرکے اسے گھیرو گے۔ مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ میں وہاں کیا کروں گی؟"

"میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ تمہارا جانا غیر ضروری ہے۔ اس وقت تم نے یہ منطق پیش کی تھی کہ تم دور رہ کر ہم دونوں کی حفاظت کروگی حالانکہ یہ بالکل احمقانہ بات ہے۔ میرے اوپر چلائی ہوئی گولی تم اپنے سینے پر نہیں روک سکتیں۔ قسمت ہی اس گولی سے بچا سکتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ اگر تمہیں احساس ہو گیا ہے کہ بھارت میں تمہارا کوئی مصرف نہیں ہوگا تو اپنا پاسپورٹ پھاڑ کر تم اب بھی کراچی واپس جا سکتی ہو۔"

"میری واپسی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" اس نے میری بات اڑا کر کہا "مجھے ہر حال میں نئی دہلی جانا ہے۔ جلال نے ایسے کاغذات کا بندوبست کیا ہے کہ میں چاہوں تو دو چار دن بعد قانونی طور پر سرحد پار کرکے واپس آسکتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جان اسمتھ بھارت ضرور بھاگے گا۔"

"وہ بہت زیرک آدمی ہے۔ تم نے کسی خبطی مقامی عورت کا انداز اختیار کرکے اسے ویرا لائیڈ کے نام سے دھمکیاں دی تھیں۔ خود تم نے بتایا کہ وہ تمہاری بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ تم اسے یہ تاثر دینا چاہ رہی تھیں کہ تم نے کسی عورت کو رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ ایسے جال میں آنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنی اصل آواز اور انداز میں اس سے بات کی ہوتی تو وہ خوف زدہ ہو سکتا تھا۔"

"وہ جو کچھ بھی سمجھ رہا ہو' میں اس کی آواز اپنے کانوں سے سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔ میں نے تمہیں اپنی پہلی کوشش کے بارے میں بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اسے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا ہو مگر میں نے دوسری مرتبہ فون کیا تو وہ اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔ میرے تیسرے اور آخری فون نے اس کے سارے کس بل نکال دیے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں اپنی آواز بدل کر کسی مقامی عورت کی طرح ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہی تھی مگر میری ہر بات سچ' چبھتی ہوئی اور اپنے نشانے پر تھی۔ تم خود سوچو کہ اس کے لیے وہ کیسی خوف ناک صورتِ حال رہی ہوگی۔ وہ صرف آواز سن رہا تھا۔ وہ بگڑی ہوئی آواز میری نہیں تھی مگر حقائق وہ تھے جو صرف میں جانتی ہوں یا امریکا کے خفیہ اداروں کے بڑے جانتے ہیں۔ وہ دہشت زدہ ہو کر سمجھ رہا تھا کہ میرا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"یعنی کل چند گھنٹوں کی مدت میں تم نے اسے تین بار فون کر ڈالا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پہلے فون کی اطلاع دیتے ہوئے تم کو بتا دیا تھا کہ میں اسے کم از کم دو مزید فون کروں گی۔ اگر وہ واقعی امریکی ہے تو تیسرے فون پر خوف اور دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہو گیا ہوگا۔ یہ لوگ زندگی سے اس قدر پیار کرتے ہیں کہ مرنے کا تصور ہی انہیں ادھ موا کر دیتا ہے۔ وہ کبھی کراچی میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ چھٹی کی درخواست دے کر اس کی منظوری کا انتظار کیے بغیر بھاگ جائے گا۔"

"وہ اتنا دہشت زدہ ہے تو ضروری نہیں کہ دہلی کا رخ کرے۔ وہ واپس امریکا بھی جا سکتا ہے۔"

"تمہاری یہ بات وزنی ہے۔ یہ خطرہ میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا مگر سوچ بچار کے بعد میں نے اسے مسترد کر دیا۔ وہ میرے انتقام سے بچنے کے لیے بھاگے گا تو اپنے گھر یا ملک کا رخ نہیں کرے گا۔ میں لاکھ ناپسندیدہ سہی مگر امریکی شہری ہوں۔ ہر خطرہ مول لے کر وہاں اس کے سر پر پہنچ سکتی ہوں۔ کراچی سے بھاگ کر وہ کسی ایسے ٹھکانے کا رخ کرے گا جہاں میرے پہنچنے کا کم سے کم خطرہ ہو۔ آسٹریلیا اور افریقہ اس کے لیے اجنبی ثابت ہوں گے۔ اپنے دفتری کام اور تفریح کے اعتبار سے دہلی اس کے لیے موزوں ترین شہر ہے۔ میری دلی آرزو اور دعا ہے کہ وہ کراچی سے نکل کر نئی دہلی کا رخ کرے تاکہ وہاں میں اس کی کھال میں بھوسا بھر سکوں۔"

"تم یہاں سے ایک الگ پروگرام لے کر جا رہی ہو۔ جان اسمتھ وہاں مل گیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا ورنہ تم لوٹ آؤ گی یا پھر بھارت میں تفریح کرتی پھرو گی۔ تمہارا ہم سے

یا ہمارے مشن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ میرے لیے یہ باتیں خاصی تکلیف دہ ہیں۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جان اسمتھ سے میری کون سی ذاتی دشمنی ہے۔ وائٹ ہاؤس کے ڈرائیووے میں جمی لائیڈ پر اس نے فائر نہیں کیا تھا نہ اس نے میری کسی جاگیر پر قبضہ کیا ہے۔ وہ پاکستان کا، تمہارے ملک اور وطن کا دشمن ہے اس لیے میں اس کے لہو کی پیاسی ہوں۔ پاکستان میں امریکیوں کا بہت خون بہہ چکا ہے۔ تمہاری حکومت ان بڑھتے ہوئے واقعات کے نتائج سے خائف ہے اس لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ جان اسمتھ کو پاکستان سے باہر ٹھکانے لگایا جائے گا۔ وہ جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے بڑے خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ پاکستان اس کا خاص ہدف ہے۔"

اس نے رک کر اپنی چائے کی پیالی خالی کی پھر اسی زہریلے لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ تمہارا اور سب پاکستانیوں کا مشن ہونا چاہیے۔ تم کیسے الزام لگا رہے ہو کہ میں اپنا کوئی الگ تھلگ مقصد لے کر تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"مقصد اور مشن کے لیے کام کرنے والے کسی ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں۔" غزالہ ایک مرتبہ پھر دخل اندازی پر مجبور ہوگئی "تم خود کو ہر ڈسپلن سے آزاد تصور کرتی ہو۔ جانے کا ارادہ کرلیا تو کوئی تمہیں کراچی میں رکنے پر آمادہ نہیں کرسکا۔ جان کو ڈرانے پر تل گئیں تو کسی کا مشورہ کام نہیں آیا۔ اگر تم ٹھنڈے دل سے غور کرو تو یہ سب کھلی من مانی ہے۔ ہم دونوں نئی دہلی میں دن رات اٹل بسواس کی دم سے بندھے ہوئے نہیں پھریں گے۔ جان وہاں دیکھا گیا تو اس سے بھی نمٹ لیں گے....."

"یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گی۔ اسے میں زیادہ آسانی سے ذبح کرسکوں گی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "وہ میرا ہم وطن ہے۔ اسے میں زیادہ سمجھتی ہوں۔"

غزالہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی "یہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ والی بات ہے پھر تو اٹل بسواس کے شکار کے لیے کسی بھارتی کو جانا چاہیے۔ ہم دونوں بلاوجہ اتنے خطرات مول لے رہے ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ کے منہ توڑ جواب پر ویرا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ جانے کا فیصلہ کرچکی تھی اور اس کے خلاف کوئی حجت یا دلیل سننے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے فوراً ہی بات سنبھال لی۔ "تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب اس پر بحث کرنا بے سود ہے۔ ہم تینوں بھارت جائیں گے، ہمیں ایک دوسرے کے لیے نیک توقعات رکھنی چاہئیں۔"

شاید میرے لہجے میں کوئی غیر معمولی بات تھی۔ غزالہ نے لمحہ بھر کے لیے غور سے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکالیا۔ میرے جواب میں ویرا کے لیے درپردہ حمایت موجود تھی اس لیے اس نے کسی غور و فکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ خوش ہوگئی۔ اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنیں بھی فوراً صاف ہوگئیں۔

غزالہ کے دل میں ابتدا سے ہی ویرا کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کے معاملات میں وہ ہمیشہ چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتی تھی۔ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کو بھی نظر انداز کردیتی تھی لیکن میں پچھلے کچھ روز سے محسوس کررہا تھا کہ غزالہ نے ویرا کے بارے میں اپنے رویے پر نظرثانی کرلی تھی۔ وہ اسے ایک خاص حد تک ڈھیل دیتی تھی۔ ویرا اس حد سے متجاوز ہونے کی کوشش کرتی تو غزالہ اسے ٹوکنے سے نہیں چوکتی تھی۔

ان کے باہمی مراسم میں رونما ہونے والی اس تبدیلی نے میری ذمے داری بڑھادی تھی۔ پیش نظر سفر کے موقع پر مجھے ان پر کڑی نظر رکھنی تھی تاکہ ان کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا نہ ہوسکے اور ہم بھارت میں خوش اسلوبی سے کچھ دن گزارنے کے بعد لوٹ آئیں۔

مجھے وہ دونوں عزیز تھیں۔ ویرا صرف میری دوست نہیں بلکہ پاکستان کی بہت بڑی اور فعال حامی تھی جب کہ غزالہ میری چہیتی بیوی تھی۔ میں ان میں سے کسی ایک کی خاطر دوسری سے کسی زیادتی کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اس توازن کو بہت کامیابی سے برقرار رکھا ہوا تھا مگر آثار بتارہے تھے کہ ان کی وہ مفاہمت زیادہ دیر تک چلنے والی نہیں تھی۔ غزالہ کم گو اور محتاط طبیعت کی مالک تھی۔ مجھے اس کی طرف سے کسی زیادتی کا اندیشہ نہیں تھا لیکن ویرا بہت منہ پھٹ اور باتونی تھی۔ وہ ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھی۔ ویرا کی اس عادت کی وجہ سے کسی بھی وقت تلخی پیدا ہوسکتی تھی۔

ان دونوں کے درمیان بات بگڑتے بگڑتے سنبھل گئی تھی۔ انہیں جلال سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتادیا گیا تھا۔ ناشتا ختم کرنے کے بعد فاضل وقت کے بارے میں بات چھڑ گئی۔ ویرا لاہور کی سیر کرنے کی خواہش مند تھی۔

ہمارے پاس شام کے سات بجے تک کا وقت تھا۔ ان دونوں نے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کرلیا مگر میں نے ان کا ساتھ دینے سے معذرت کرلی۔ لاہور میرا اپنا شہر تھا۔ میں وہیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا مگر جوانی میں باپ کے سائے سے محروم ہونے کے بعد میرے لیے اس شہر کی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ سوتیلے بھائیوں نے نفرت کا رویّہ اپنایا اور مجھے آبائی گھر سے بے دخل کردیا۔ ماں کی ذات میرا واحد سہارا تھی۔ اس نے اپنے آخری دن بہت بے بسی اور کسمپرسی میں گزارے اور جب اس نے اپنی زندگی کی گھڑیاں پوری کرلیں تو میری نظروں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ لاہور کی زمین اور آسمان میں میرے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ نفرت، عسرت اور کچوکوں کے سوا میرے لیے کچھ نہیں تھا۔ مایوسی اور ابتلا کے اس دور میں، میں نے لاہور کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرلیا جہاں نئے شب و روز میرے منتظر تھے۔

لاہور چھوڑنے سے پہلے میں اس شہر کا کونا کونا دیکھ چکا تھا۔ ویرا کی طرح میرے دل میں شہر کی کوچہ نوردی کا کوئی شوق نہیں تھا۔

غزالہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ گھر میں ہر وقت اس طرح صاف ستھری رہنے کی عادی تھی کہ بیٹھے بیٹھے بھی اچانک کہیں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کوئی تاخیر کیے بغیر روانہ ہوسکے۔ ویرا بھی فیشن کی عادی نہیں تھی۔ قدرت نے اسے ایسے رنگ روپ سے نوازا تھا کہ وہ میک اپ کے بغیر ہی پرکشش نظر آتی تھی مگر اسے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پوری طرح تیار ہوکر آگئی۔ غزالہ اس کی منتظر تھی۔ دونوں نے مجھے الوداع کہا اور چل دیں۔ درمیانی تخلیے میں، میں نے غزالہ کو سمجھادیا کہ ویرا اس سے کوئی ہلکی بھاری بات کرے تو وہ اسے نظرانداز کردے۔

ویرا کے بارے میں مجھے امید تھی کہ وہ محتاط رہے گی۔ میری موجودگی میں وہ بہت تیزی سے بے لگام ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ میری غیر حاضری میں وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ بردباری کے ساتھ پیش آتی تھی۔ یہ اس کی ایک عجیب ذہنی گرہ تھی جسے میں نے بارہا محسوس کیا تھا لیکن اس کا کوئی سبب نہیں جان سکا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے بستر پر دراز ہوکر اخبار سنبھال لیا اور سرخیوں کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا، ریسیور اٹھایا تو ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ لابی سے اپنی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔

وہ اوپر آیا اور سلام دعا کے بعد کمرے میں میرے ساتھ بیٹھ گیا مگر اس کی متجسسانہ نگاہیں تیزی سے کمرے کا طواف کررہی تھیں۔ میں نے چند ثانیوں تک اس کی وہ بے چینی محسوس کی پھر مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم کچھ مضطرب نظر آرہے ہو۔"

"بیگم صاحبہ نظر نہیں آرہیں۔ کیا تم نے انہیں کہیں اور بھیج دیا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تفریح کے لیے نکلی ہے۔" میں نے ویرا کی آمد کا ذکر کیے بغیر اسے بتایا "اسے لاہور کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے۔"

"اوہ! پھر تو مجھے فرزانہ کو اپنے ساتھ لانا چاہیے تھا۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میرا خیال تھا کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ سے بیگم صاحبہ کی پوری رات بھی جاگتے ہوئے گزری ہوگی اور وہ دن میں آرام کریں گی۔ اس خیال سے فرزانہ کو گھر پر چھوڑ دیا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غزالہ کم گو اور تنہائی پسند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سارا دن لارنس گارڈن کے پرسکون گوشے میں بیٹھے بیٹھے گزار دے۔ اسے تمہاری بیوی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں بلاتکلف تم کو فون کردیتا۔ تم اطمینان سے بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ شہر میں کیا ہورہا ہے۔"

"آئی بی والوں نے پچھلی رات ناقابلِ یقین تیزی دکھائی ہے۔ مجھے محسوس ہورہا ہے جیسے میری اور ڈی آئی جی کی ملاقات کے التوا میں بھی کوئی پس پردہ ہاتھ کارفرما تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کے ساتھ مقامی پولیس کا رویّہ ہمیشہ بہترین اور مثالی رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گیارہ بجے شب کی طے شدہ ملاقات یوں اچانک ملتوی ہوجائے گا۔"

خالد ذہین آدمی تھا۔ واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرکے بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "تمہیں پس پردہ ہاتھ کا خیال کیوں آیا؟"

"ایک طرف ڈی آئی جی غائب ہوا۔ دوسری طرف آئی بی والوں نے براہِ راست چوہدری عظمت پر ہاتھ ڈال دیا۔ برا نہ مانو تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ایک نہیں، تم دو باتیں کہو۔" میں نے فراخ دلی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"یہ سب خدشے تم نے فون پر کل رات ظاہر کردیے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آئی بی والے چوہدری عظمت

کے کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم کو یہ سب باتیں پہلے سے معلوم تھیں اور تم ہیومن سوسائٹی کے چکر میں لاہور آئے تھے لیکن شروع میں تم نے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔ اول خان نے تمہاری آمد کی اطلاع دی تو اس نے بھی اس بارے میں کوئی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اس کی طرف سے بڑا قلق ہے۔"

"لاہور ہمارا ٹرانزٹ اسٹیشن تھا۔ ہمیں دو تین راتیں یہاں گزارنے کے بعد آگے روانہ ہونا تھا۔ ہیومن سوسائٹی کا نام بعد میں سامنے آیا۔ اس سے پہلے تم لاہور میں ہیروئن کی وبا اور سرحدی علاقے میں اے این ایچ کی وافر سپلائی کے بارے میں اپنی فکر مندی کا اظہار کر چکے تھے۔"

"میں مہینوں سے ان مسائل پر سر کھپا رہا تھا۔ یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی تیزی سے سب کچھ معلوم کرلیا۔"

"واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ ان کے بارے میں بیشتر معلومات تم نے فراہم کیں۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ این جی اوز کے بارے میں میرے تجربے نے کسی فیصلے تک پہنچنے میں میری بہت زیادہ رہنمائی کی۔ ہم نے ان کا رخ کیا' شاہد پر ہاتھ ڈالا اور پھر ساری گرہیں خود بہ خود کھلتی چلی گئیں۔ میں کراچی سے بالکل خالی ذہن کے ساتھ آیا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ اس معاملے میں قدرت نے میری رہنمائی کی ہے۔ لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ میرا خمیر اس مٹی سے اٹھا ہے اور میں اس مٹی کا مقروض تھا۔ میں یہ قرض پوری طرح اتارنے کے قابل نہیں ہوں مگر ہیومن سوسائٹی کا فتنہ ختم کرکے میں نے اس شہر میں بسنے والوں کی خدمت کی ہے۔ چوہدری عظمت اور اس کے حواریوں کے عبرت ناک انجام کے بعد کوئی مہم جو اپنے چہرے پر بھیڑ کی نقاب اوڑھ کر لاہور کے باسیوں کے لیے بھیڑیا نہیں بن سکے گا۔"

خالد حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری بات سنتا رہا۔ میری بات مکمل ہوئی تو اس نے تحیر زدہ آواز میں کہا "تمہاری ساری کہانیاں کراچی سے پھیلتی آئی ہیں۔ میں تمہیں وہیں کا رہنے والا سمجھتا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم لاہوری ہو۔ ایک چوہدری عظمت ہے۔ وہ بھی پشتوں سے یہیں کا بسنے اور رہنے والا ہے مگر اس کے کرتوت شرمناک تھے۔ اسے اپنے شہر کے نوجوانوں پر کوئی رحم نہیں آیا۔ اس نے دولت کمانے کے لیے ان کی رگوں میں ہیروئن کا زہر پھیلانا شروع کردیا۔ تم نے اس کی سرکوبی کرکے اس داغ کا ازالہ کردیا۔"

اس کے فقروں میں دور دور تک تعصب کا کوئی شائبہ نہیں تھا' بس فخر کا ایک احساس نمایاں تھا پھر بھی میں نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے اس کی بات کو آگے بڑھایا "مجھے لاہور میں پیدا ہونے پر کوئی ندامت ہے نہ کراچی میں بسنے پر ناز ہے۔ میں نے خود کو صرف پاکستانی سمجھا ہے۔ ایک غیرت مند اور بے غیرت پاکستانی میں وہی فرق ہوتا ہے جو مجھ میں اور چوہدری عظمت میں ہے۔ اس نے وقتی عزت اور دولت تو حاصل کرلی مگر اس کا انجام عبرت ناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں کھل کر تمہارے فیصلوں کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے بارے میں کہی جانے والی باتیں حقیقت سے کس قدر قریب ہیں۔ ہر شخص اس بات کا معترف ہے کہ تمہارے فیصلے بہت تیز' بروقت اور صحیح ہوتے ہیں۔ اب تک...."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کردیا "اتنے قصیدے نہ پڑھو کہ میرا دماغ خراب ہوجائے۔ تم نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اگر تمہاری مدد سے شاہد کو اغوا کرکے اس سے کڑی باز پرس نہ کی جاتی تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔"

خالد منکسرانہ انداز میں ہنسنے لگا اور بولا "اس کے اغوا میں بھی سارا کردار تمہارا تھا۔ تم ہی نے اسے اپنی گاڑی سے اترنے کا موقع دیے بغیر بے ہوش کیا تھا اور پھر سارے سوال بھی تمہارے تھے۔ تمہارے لیے چند افراد کا تحفظ اور سواریاں فراہم کرکے میں یہ سہرا اپنے سر نہیں باندھ سکتا۔"

"کوئی بھی شخص اپنی ذات کے خول میں بند رہ کر ایسے بڑے کام انجام نہیں دے سکتا' میں نے سنجیدگی سے کہا "ایسی بھرپور کامیابیاں ٹیم ورک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا ایک مخصوص اور معین کردار ہوتا ہے۔ اس کی ادائیگی میں کہیں کوئی لغزش ہوجائے تو پورا منصوبہ ناکام ہوجاتا ہے۔ پک اپ میں آنے والوں نے شاہد کی کالی ٹویوٹا کو روکنے کے لیے کسی غلط جگہ کا انتخاب کیا ہوتا تو وہاں بھیڑ لگ جاتی۔ ہم اسے اٹھانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔"

"جلال آئی بی میں بہت بڑے عہدے پر مامور ہے۔ رات گئے میں تمہاری زبانی اس کی آمد کی خبر سن کر دنگ رہ گیا۔ گیارہ بجے تک سب کچھ غیر یقینی تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ پنجاب پولیس کے ذریعے ہیومن سوسائٹی کی بیخ کنی کی جائے گی۔ صبح چار بجنے سے پہلے وہ اپنے مختصر سے عملے کے ساتھ چوہدری عظمت کو پکڑ چکا تھا۔"

"وہ قصہ نمٹ گیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے ہیڈ آفس اور دوسرے کارندوں کا کیا بنا؟"

"سب عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ آئی بی والوں نے پورے شہر میں بہت بڑا کریک ڈاؤن شروع کیا تھا۔ فضا میں اجالا پھیلنے سے پہلے ہیومن سوسائٹی کے دفاتر اور بادامی باغ والے گودام کو سیل کیا جا چکا تھا۔ اس کے سرگرم کارکن پکڑے جا چکے تھے۔ جو بچ گئے وہ خوف سے زیرزمین چلے گئے تھے۔"

"سنا ہے کہ چوہدری عظمت کی گرفتاری کے خلاف کوئی سیاسی لہر بھی اٹھی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"معززین اور شرفا کے طبقے میں چھپی ہوئی کسی کالی بھیڑ پر جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو ایسا ہی شوروغوغا بلند ہوتا ہے جوں جوں حقائق سامنے آتے ہیں، یہ شور خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا برادری سسٹم ہے جس میں ذات پات کے بجائے لوگ مال و دولت اور جاہ و حشمت کی بنیاد پر یکجا ہوتے ہیں۔ چوہدری عظمت کچھ زیادہ سرگرم سماجی رہنما تھا لیکن اب اس کی گلوخلاصی ناممکن ہے۔ آئی بی والے اپنے ملزم کو آخر تک ڈھیل دیتے ہیں اور پھر اچانک اس کے حلق میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر تم نے ان کی نقاب الٹ کر پوری کر دی۔ بیالیس کلو ہیروئن کی برآمدگی پوری دنیا میں خبروں کا موضوع بن سکتی ہے۔"

اس کی گفتگو بہت اطمینان بخش تھی۔ جلال خود براہِ راست ہیومن سوسائٹی کے معاملات میں الجھا ہوا تھا اس لیے اس کے تجزیے پر اس کے غصیلے جذبات اور جھنجلاہٹ کا غلبہ تھا مگر خالد باہر کا ایک باخبر آدمی تھا۔ ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے بارے میں اس کے اندازے غلط نہیں ہو سکتے تھے۔

"شاید تم کو یقین آ گیا ہوگا کہ میں کراچی سے ہیومن سوسائٹی کے خلاف کوئی مواد لے کر نہیں آیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

"یہ یقین پہلے بھی تھا لیکن ان بدمعاشوں کے تیز ترین انجام نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔" اس نے خفت سے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو۔ آج رات ہم اس کام پر روانہ ہو جائیں گے جس کے لیے کراچی سے نکلے ہیں۔"

وہ چونک پڑا "نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرزانہ سخت ناراض ہو جائے گی۔ وہ تمہاری دعوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ میں یہی کہنے آیا تھا کہ آج رات کا کھانا تم کو اور بیگم صاحبہ کو ہمارے گھر پر کھانا ہے۔ دعوت کھائے بغیر تم لاہور سے نہیں جاؤ گے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "رات کے اندھیرے میں ہمیں سرحد پار نکلنا ہے۔ یہ بندوبست دوسرے لوگ کریں گے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسے معاملات کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ طے شدہ پروگرام سے ذرا بھی انحراف ممکن نہیں ہے۔"

اس کا چہرہ اتر گیا۔ "سرحد پار جانے والوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ تم نے مختصر سی بات بتا کر میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ اس راہ کے مسافروں کو زادِ راہ کے طور پر خلوص دعاؤں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔" اس کی عقیدت سے لبریز نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"یہ دعائیں ہی ہم سب کو چلا رہی ہیں ورنہ ہمارے کرتوت وہی ہیں جن کا مظاہرہ چوہدری عظمت کرتا رہا ہے۔"

"خود کو اس ملعون سے نہ ملاؤ۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ ہم لوگ اپنے بارے میں کوئی ناز نہیں کرتے مگر میں اپنے اور اول خان کے بارے میں بہت عاجزی سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ دانستہ کبھی کسی غلط کام میں ملوث نہیں ہوئے۔ اس سرزمین پر کچھ ایسے لوگ ضرور باقی ہیں جن کے دم قدم سے یہاں کا کاروبار چل رہا ہے۔"

"آج رات تم چلے جاؤ گے۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ ہوٹل سے تمہاری روانگی کس وقت ہوگی۔"

"ہماری روانگی کا انحصار آگے سے طے ہونے والے پروگرام پر ہے۔ شام سات بجے کے بعد ہم کسی بھی وقت ہوٹل چھوڑ دیں گے۔"

"پھر میں چھ بجے سے پہلے فرزانہ کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ وہ تم دونوں کی بہت گرویدہ ہے۔ تم لوگوں سے اس کی الوداعی ملاقات نہ ہو سکی تو وہ کئی دنوں تک ملول و افسردہ رہے گی۔" اس نے بہت اشتیاق سے کہا۔

میں نے اپنے دل میں اس کے لیے احترام اور ہمدردی کے جذبات محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا "فرزانہ سے میرا سلام کہنا اور اسے یہاں نہ لانا۔ رازداری تمہارے لیے کوئی اجنبی لفظ نہیں ہے۔ روانگی تک ہم ہر ایک سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہتے ہیں۔ تمہیں علم ہوگا کہ لاہور میں را کے ایجنٹ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وہ سرہلا کر رہ گیا "را کے باقاعدہ ایجنٹ کم ہوں گے لیکن مخبروں کی تعداد خاصی ہے۔ سرحدوں کے قریب واقع شہروں

اور آبادیوں میں یہ مسئلہ ہر وقت درپیش رہتا ہے مگر بقائے باہمی کے نظریے کے تحت ہم انہیں نظرانداز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے مخبروں کو بھولے رہتے ہیں۔"

وہ مزید کچھ دیر بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ہماری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ اداس ہوگیا تھا۔

جاتے ہوئے وہ مجھ سے نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہوا۔ میں نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم ہمیشہ کے لیے وہاں ہجرت نہیں کررہے۔ کچھ دنوں میں اپنا مشن پورا کرکے واپس آئیں گے تو تمہاری کئی دعوتیں بھی قبول کرلیں گے۔"

اپنے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ لیے وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس سے میری رفاقت مختصر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرکے میرے مشوروں پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے اخلاق اور کردار نے مجھے متاثر کیا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد میرے دل و دماغ میں اسپیشل ٹاسک فورس کی عظمت کا نقش کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔

میں ایک بار پھر اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا اور اپنے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کا اعادہ کرنے لگا۔ لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے میں اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی اہم بات یاد آجاتی تو میں اسے تبادلہ خیال میں شامل کرسکتا تھا۔

میں نے ناشتا دیر سے کیا تھا اس لیے دو بجے تک بھی اشتہا بیدار نہ ہوسکی۔ مجھے معلوم تھا کہ زیادہ تاخیر کی صورت میں ہوٹل کا کچن بند ہوجائے گا اور مجھے لنچ گول کرنا پڑے گا جب کہ رات کے کھانے کے بارے میں کوئی بات یقینی نہیں تھی۔ اگر شام کے سات آٹھ بجے کوچ کرنا پڑتا تو بھارت کی سرزمین پر پڑاؤ کی نوبت آنے تک کھانے پینے کے بارے میں سوچنا محال تھا۔ میں نے روم سروس والوں کو اپنے لیے کوفتوں کا آرڈر دے دیا۔

میں بدستور بستر پر دراز رہا۔ اس دوران میں ناشتے کے برتن اٹھالیے گئے۔ لنچ کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی۔ اس وقت تک میرا کھانے کا موڈ نہیں بنا تھا۔ ویٹر نے جانے سے پہلے قاب کا ڈھکن اٹھاکر دوبارہ بند کردیا اور کمرا کوفتوں کی خوشبو سے بھر گیا۔

شاید وہ ویٹر کا کوئی آزمودہ پیشہ ورانہ حربہ تھا۔ اس کے باہر جانے کے بعد میں چند منٹ کے لیے بھی مسہری پر دراز نہ رہ سکا۔ کوفتوں کی خوشبو نتھنوں میں آتے ہی میری بھوک یکایک بیدار ہوگئی تھی۔ میں نے بستر چھوڑ کر کھانے کی ابتدا کردی۔

ابھی میں فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کرسی چھوڑی اور ریسیور اٹھاکر کان سے لگالیا۔

ہوٹل کی خوش آواز آپریٹر نے بتایا کہ میرے لیے کراچی سے اول خان کی کال تھی۔ میرے ایما پر اس نے فوراً کال مجھے منتقل کردی۔

"روانگی کا پروگرام طے ہوچکا ہے لیکن مجھے بھنک بھی نہیں ملنے دی کہ کب جارہے ہو!" اول خان نے شکوہ کیا۔

"تمہیں بتائے بغیر میں لاہور چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" میں نے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کھانا کھارہے تھے۔" میرے دہانے سے پیدا ہونے والی آوازیں سن کر اس نے تبصرہ کیا۔

"ہاں، لنچ ہورہا ہے۔ اس کے بعد تم سے رابطہ کرتا..." میں اپنی بات پوری نہیں کرسکا۔

"پہلے تم اطمینان سے اپنی شکم سیری کرلو۔ میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔" اس نے درمیان سے میری بات اچک لی۔

"نہیں... میں فارغ ہوچکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو، سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"میں تمہارے گھر سے بات کررہا ہوں۔ سلطان شاہ شکوہ کررہا ہے کہ تم اسے بھولے ہوئے ہو۔"

"پہلے اس سے بات کرا دو تاکہ اس کا شکوہ دور ہوجائے۔ تنہائی کی ایک رات بھی نہیں گزری کہ اس نے شکایتیں شروع کردیں۔ ویرا کے یہاں پہنچنے پر میں نے خود اسے اطلاع دی تھی۔ شاید اس وقت وہ نیند کی پینک میں تھا۔ میری اس کال کو بھول گیا۔"

"مجھے صبح والی کال یاد ہے۔" ریسیور میں سلطان شاہ کی آواز آئی۔ شاید میرا آخری فقرہ اول خان کے بجائے اسی نے سنا تھا "مجھے اکیلا رہنے کی عادت نہیں ہے۔ کبھی کبھی مجھے فون کرتے رہا کرو۔ تمہیں وقت نہ ملے تو یہ ذمے داری غزالہ کو سونپ دو۔"

"تمہیں یہ عادت ڈال لینی چاہیے کیونکہ آج رات ہم آگے روانہ ہورہے ہیں۔ وہاں سے روز فون کرنا ممکن نہیں ہوگا۔"

"اوہو، اتنی جلدی پروگرام طے ہوگیا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی وجہ سے تم کو لاہور میں رکنا پڑے گا۔"

"وہ معاملہ جلال نے سنبھال لیا ہے۔ ہم یہاں بلاوجہ وقت برباد نہیں کریں گے۔"

"یہ بتاؤ کہ جہانگیر اپنے ماموں سسر کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھ سے رابطہ کر بیٹھے تو مجھے کیا کہنا چاہیے۔"

وہ ایک اہم نکتہ تھا جو اسے یاد آگیا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور جواب دیا "انجان بنے رہنا۔ ہماری لاہور میں موجودگی کی پردہ پوشی کی ضرورت نہیں کیونکہ میں غزالہ کے ساتھ سلمٰی سے مل چکا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے ماموں کے گھر میں موجود تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جہانگیر آسانی سے جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ یہ بات تسلیم نہیں کرے گا کہ تم لاہور میں ہوتے ہوئے چوہدری عظمت کے قصے سے بے خبر تھے۔ وہ اپنی بیوی کے رشتے داروں کی بے عزتی کرکے خوشی محسوس کرتا ہے۔"

"اس کو اپنی ہانکنے دو۔ تم کو اسی کہانی پر جما رہنا ہے جو میں بتا چکا ہوں۔ لاہور بہت بڑا شہر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میں وہاں پیش آنے والے ہر واقعے سے باخبر رہوں۔ تمہارے لیے آج کا دن ذرا مشکل ہے۔ کل کے اخباروں میں پوری کہانی آجائے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کے ایما پر اس نے لاہور کی طرف دوڑ لگادی ہو۔ اپنی بیوی پر احسان جتانے کے چکر میں وہ اتنا بدحواس ہو رہا ہوگا کہ کراچی کو بھول کر مجھے لاہور میں تلاش کر رہا ہوگا۔"

سلطان شاہ ہنس پڑا "وہ تمہارا اتنا مخلص دوست ہے اور تم بے دردی سے اس کا مضحکہ اڑا رہے ہو۔"

"میں مضحکہ نہیں اڑا رہا' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اب تم اس کی زیادہ وکالت نہ کرو۔ جو کچھ بتا رہا ہوں' اس کے مطابق عمل کرو گے تو سکھی رہو گے ورنہ جہانگیر فون کرکر کے تمہاری زندگی اجیرن کردے گا۔ میری طرف سے فی امان اللہ' اب فون اول خان کو دے دو۔"

سلطان شاہ نے مجھے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور اول خان کے حوالے کردیا۔

"تم نے این کی پوری کہانی تو سن ہی لی ہوگی۔" اول خان نے پوچھا "اس نے خاصے گل کھلائے ہیں۔"

"کون این؟" میں نے روا روی اور بے دھیانی میں پوچھا۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت وہ نام میرے ذہن سے نکلا ہوا تھا۔

"کمال ہے۔ شام کو تمہاری روانگی ہے اور تم اپنی ہم سفر کا نام بھولے ہوئے ہو' اس کا پاسپورٹ مس این کاویل کے نام پر ہے۔"

"سب یاد ہے لیکن اس وقت میرا ذہن کہیں اور بھٹکا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جہانگیر سے اگلی ملاقات میں اس کے ماموں سسر کے انجام پر اس سے اظہار ہمدردی کرنا مناسب ہوگا یا وہ مبارک باد ملنے پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے گا۔"

"تم دونوں کے مراسم بہت گہرے اور پُرپیچ ہیں۔ اس کی دماغی ساخت کو تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔"

"این کاویل کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے جہانگیر کا ذکر وہیں ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس نے کل شام تک چند گھنٹوں کی مدت میں جان کو فون کیے تھے۔"

میں نے اول خان کی بات درمیان سے اڑا دی "وہ مجھے بتا چکی ہے۔ اس کی وہ حرکت احمقانہ تھی۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا۔" اس نے میرا تبصرہ سننے کے بعد زور دے کر کہا "ویرا کی وہ تدبیر سوفیصد کارگر رہی ہے۔ آج جان غائب ہے۔ دفتر اور گھر میں فون کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔"

"کیا تم نے اسے فون کیا تھا؟" میں نے چونک کر قدرے ترش لہجے میں پوچھا "کہاں سے کال کی تھی؟"

"مظہر خان! میں اتنا احمق نہیں ہوں۔" اول خان کی مزاحیہ آواز سنائی دی "ویرا نے تینوں بار مختلف پبلک بوتھ استعمال کرکے اسے پریشان کیا تھا۔ میں نے بھی پبلک بوتھ استعمال کیے تاکہ اس کے نمبر پر آبزرویشن لگا ہوا ہو تب بھی کال کرنے والے کا سراغ نہ مل سکے۔ رابطہ ہوجاتا تو میں اس کی آواز سنتے ہی ایک ہذیانی قہقہہ لگا کر فون بند کردینے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دانستہ فون نہ سن رہا ہو۔ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ ویرا کی تدبیر کارآمد رہی ہے۔" سچ یہ ہے کہ ویرا کی بچگانہ ترکیب کی کامیابی کی غیر مصدقہ خبر سن کر مجھے ذہنی کوفت ہوئی تھی۔ میری دانست میں ایک سفارت کار اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا کہ تین گمنام بلکہ دھمکی آمیز فون کالز ملنے پر اپنا گھر اور دفتر چھوڑ کر کہیں رفوچکر ہوجائے۔ جان اسمتھ صرف سفارت کار ہی نہیں' سی آئی اے کا اعلیٰ افسر بھی تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں غیر ذمے دارانہ باتوں سے گریز کرتا ہوں۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔ "میں نے

دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق کرلی ہے۔ وہ پچھلی رات سے اپنے گھر اور دفتر سے غائب ہے۔ ممکن ہو تو تم اپنے طور پر مزید چھان بین کرسکتے ہو۔''

''میرے پاس چھان بین کا وقت کہاں ہے۔ اب نئی دہلی پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ وہاں پہنچا ہوا ہے یا کراچی یا اسلام آباد میں کہیں روپوش ہے۔''

گفتگو کی ابتدا میں اول خان بہت تکلف سے کام لے رہا تھا۔ مجھے ڈنر پر بات کرنے کے بجائے کھانا کھانے کا مشورہ دے رہا تھا لیکن باتوں کا سلسلہ چل نکلا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد پانی نہیں پیا تھا۔ مجھے اپنے حلق اور سینے میں ہلکی سی جلن کا احساس ہو رہا تھا لیکن مروت میں، میں بھی خاموش تھا۔ آخر کار ہماری باتیں ختم ہوگئیں۔ اول خان نے اس سفر کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

پانچ بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئیں۔ تاریخی عمارات کی سیر میں ہمیشہ بہت پیدل چلنا پڑتا ہے۔ وہ دونوں تھکن سے نڈھال تھیں۔ ویرا مجھے اپنا چہرہ دکھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ غزالہ بھی تیز شاور کے نیچے طویل غسل کی شدید ضرورت محسوس کررہی تھی۔ ان دونوں کے لوٹ آنے کے باوجود میں ایک مرتبہ پھر تنہا رہ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم تینوں یکجا ہوسکے۔ چائے نوشی کے دوران میں وہ دونوں لاہور کی عام شہری زندگی کے بارے میں اپنے تجربات اور مشاہدات دہرا رہی تھیں جن میں دلچسپی کا خاصا عنصر موجود تھا مگر میں ان کی باتوں پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرسکا۔ روانگی کا متوقع وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ میرے اعصاب پر ہلکا سا تناؤ طاری ہوتا جارہا تھا۔ اہم اور خطرناک مہمات کے آغاز سے پہلے میری چھٹی حس ہمیشہ مجھے یوں ہی چوکنا کردیتی تھی۔

''میرے پاس اپنے ذاتی استعمال کے تین جوڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' اپنی دن بھر کی سرگرمیوں کے جائزے کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی ''تم اس سفر پر اپنے ساتھ کیا کیا لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آخری لمحات پر ہم کوئی چیز بھول جائیں۔''

''سارا بوجھ میرے اوپر نہ لادو۔ اپنی ضروریات کا تعین خود کرو کیونکہ تم کو ہم دونوں سے الگ رہنا ہے۔''

''بیزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے مشورہ طلب کررہی تھی۔ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ہونے والی تلاشی کے اندیشے سے میں کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائی۔'' ویرا نے میرے جواب پر بدکے بغیر کہا ''آپس میں مشورہ کرکے ہم بہتر تیاری کرسکتے ہیں۔''

''شاید تمہیں علم ہوگا کہ تمہاری طرح ہم بھی جہاز سے آئے ہیں اور اسی خدشے کی وجہ سے کوئی آتشیں ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لاسکے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''لیکن آتشیں ہتھیار ناگزیر ہیں۔ جلال ان کا بندوبست کرے گا یا پھر بھارت میں ان کے حصول کا کوئی ذریعہ تجویز کرے گا۔''

''اس وقت تم چبا چبا کر باتیں کررہے ہو۔'' ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی ''کیا تمہیں ہم دونوں کا باہر جانا ناگوار گزرا ہے۔''

''میں طنز نہیں کررہا تھا۔ جب سے تم آئی ہو، ہم غیر ضروری باتوں اور مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا پہلے خیال آنا چاہیے تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اپنی تیاری مکمل ہے۔ تم کیا کیا ساتھ لیے جارہے ہو؟''

''بیم گن، سی ایس ڈی اور زہریلے کیپسولوں والی چند انگوٹھیوں کے علاوہ ذاتی استعمال کا مختصر سا سامان ہے۔ کراچی میں تم نے وہ سب دیکھ لیا تھا۔''

''بیم گن اور دو انگوٹھیاں مجھے دے دو۔'' ویرا نے مطالبہ کیا ''باقی بندوبست میں خود کرلوں گی۔''

وہ ایک انار دو بیمار والا معاملہ تھا۔ ہر قسم کے دھماکے اور شور شرابے سے محفوظ بیم گن کی افادیت ہر شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے ویرا کی انفرادی ضروریات میرے ذہن میں نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ بیم گن کو اپنے آخری ہتھیار کے طور پر ہردم اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اس سے تھوڑی سی بحث ہوئی اور پھر میں نے بیم گن اس کے حوالے کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ عورت ذات تھی اور دشمن کی سرزمین پر اسے اکیلا رہ کر کام کرنا تھا۔

ساڑھے چھ بجے ویرا اپنے کمرے سے سامان بیگ میں سمیٹ کر لے آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ وہ دونوں بھی انتظار کے اضطراب کا شکار ہوتی جارہی تھیں۔ ان کے چہروں پر سنجیدگی پھیل گئی تھی، نگاہوں سے فکرمندی مترشح تھی اور زبانیں سست پڑگئی تھیں۔

ہم تینوں کی نظریں بار بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں جس کی سوئیاں اپنی مقررہ رفتار سے سفر کررہی تھیں مگر کم از کم مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس روز وقت کی رفتار ماند پڑگئی ہو۔ خدا خدا کرکے سات بجے لیکن دروازے

پر کوئی دستک ہوئی نہ فون کی گھنٹی بولی۔
"ایسا نہ ہو کہ جلال اسلام آباد میں پھنس گیا ہو۔" سوا سات بجے غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا "آپ نے بتایا تھا کہ ہیومن سوسائٹی کے سربراہ والا معاملہ خاصا نازک ہو گیا ہے۔ اس پر جلال نے ہاتھ ڈالا ہے۔ اب اپنے اقدام کے دفاع کی ذمے داری بھی اس کے سر ہوگی۔"
"ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "روانگی کی پوری تیاری کے باوجود وہ نہ آیا تو سخت کوفت ہوگی۔"
"اسے خود بھی احساس تھا کہ وہ بہت برے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔" میں نے انہیں بتایا "اس کے باوجود اس نے آنے کا یقین دلایا تھا۔ کوئی بہت ہی ان ہونی یا ناگزیر بات ہوگی تو وہ رکے گا ورنہ آج ضرور آئے گا۔"
ہم وقت گزارنے کے لیے اپنی اپنی قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے باندھ کر وہاں بیٹھا دیا گیا ہو۔ جلال نے سات بجے کے بعد کا وقت دیا تھا۔ سات بجے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ بارہ گھنٹے بعد بھی سات بجے کے بعد کا وقت ہوتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب ہم سے رابطہ کرتا۔
"تم اسلام آباد فون تو کرلو۔" کچھ دیر بعد ویرا نے اچانک مجھ سے کہا "پتا چل جائے گا کہ وہ وہیں ہے یا نکل چکا ہے۔"
نچلے عملے کے لیے اسلام آباد کے دفتری اوقات شام پانچ بجے تک ہوتے تھے لیکن ضرورت پیش آجانے پر اعلیٰ افسران اپنے ذاتی عملے کے ساتھ دیر تک دفاتر میں موجود رہتے تھے۔ میں خود جلال اور رحمان سے دفتری اوقات کے بہت بعد بات کر چکا تھا۔ مجھے ویرا کا مشورہ مناسب لگا مگر میں نے اس پر عمل درآمد کا ارادہ ساڑھے آٹھ بجے تک ملتوی کر دیا۔ اگر اسلام آباد میں چوہدری عظمت کی وجہ سے کوئی ہاچل تھی تو جلال کو ساڑھے آٹھ بجے بھی وہیں کہیں ہونا چاہیے تھا۔
ٹھیک آٹھ بجے فون کی گھنٹی یکایک بج اٹھی۔ میں نے فوراً ریسیور اٹھالیا۔
اس بار آپریٹر نے جلال کی کال کی نوید سنائی اور پھر کال مجھے دے دی۔
"میں ساڑھے آٹھ بجے تم سے آملوں گا۔" ریسیور پر جلال کی دبی دبی اور پرجوش آواز سنائی دی "تم لوگ حساب کر کے ابھی ہوٹل چھوڑ دو اور باہر نکل کر لوئر مال کی طرف

ہدایات

ہیوسٹن، ٹیکساس کے ایک ہوٹل کے کمرے میں یہ ہدایات درج تھیں۔

- مہمان چونکہ کمرے میں رکھے ہوئے پھل سچ مچ کھانا شروع کر دیتے اس لیے اب آپ کو تپائی پر پھلوں کی باسکٹ رکھی نظر نہیں آئے گی۔
- ہوٹل میں آگ لگ جانے کی صورت میں کھڑکی سے کود جائیں اور بائیں طرف مڑ جائیں۔
- تولیے سے جوتے ہرگز صاف نہ کریں البتہ اگر تولیہ کسی دوسرے ہوٹل سے چرایا ہوا ہو تو پھر اجازت ہے۔
- کمرے میں کوئی چوہا نظر آئے تو ہمیں اطلاع دیں۔ ہم بلی بھیج دیں گے۔
- بغیر سامان والے حضرات باہر جاتے وقت اپنی بیوی کو ضمانت کے طور پر کاؤنٹر کلرک کے پاس جمع کرا جائیں۔

دھیرے دھیرے چلنا شروع کر دو۔ میں خود تمہیں دیکھ کر گاڑی روک لوں گا۔"
"تم لاہور میں ہو یا اس کے مضافات سے گزر رہے ہو؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔
"میں لاہور میں ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے لیے سامان لے کر پیدل چلنا مشکل تو نہیں ہوگا؟"
"ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی تھیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم ابھی ہوٹل چھوڑ دیتے ہیں۔" میں نے اس کی آواز میں پوشیدہ ہیجان کا اندازہ کر کے اس سے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جواب دینے میں بھی اختصار سے کام لیا۔
"گڈ!" اس کی طرف سے جواب دیا "تم نکل آؤ۔ میں پہنچتا ہوں۔" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہو گئی۔
ان دونوں کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ فون پر دوسری

طرف جلال بول رہا تھا مگر میرے یک طرفہ مکالمے سن کر انہیں صحیح اندازہ نہیں ہوسکا کہ فوری طور پر ہوٹل چھوڑنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"وہ کہاں ہے؟ ہوٹل چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے؟" میرے کچھ بتانے سے پہلے ویرا سوال کر بیٹھی۔

"ہوٹل چھوڑ کر ہمیں مال روڈ کی طرف چلنا ہے۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے کہیں بھی ہم سے آملے گا۔"

میں نے تپائی پر موجود فہرست دیکھ کر ہوٹل کے کیشئر کو انٹرکام پر ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر دونوں کمروں کا حساب بنادے۔

ویرا پہلے ہی اپنے کمرے سے دست بردار ہوچکی تھی۔ ہم نے اپنے کمرے پر طائرانہ نظریں دوڑائیں' غزالہ نے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں وغیرہ دیکھیں اور ہم کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل ہی رہے تھے کہ اس فلور کے عملے کا نگراں آموجود ہوا۔

"جارہے ہیں سر؟" اس نے مسکرا کر خوش اخلاقی سے پوچھا۔ شاید اسے نیچے سے انٹرکام پر دونوں کمروں کے بارے میں بتادیا گیا تھا۔

ہماری چابی دروازے کے قفل میں لگی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے کمرے کی چابی اس کے حوالے کی اور ہم تینوں لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ غزالہ نے چلتے چلتے اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر حق خدمت کے طور پر اس کے حوالے کردیا۔

ہوٹل سے روانہ ہونے میں ہم نے بہت تیزی دکھائی اور وقت بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر پھر بھی ہوٹل کے احاطے سے نکل کر مال روڈ پر پہنچنے تک ہمیں سوا آٹھ بج چکے تھے۔ دونوں کمروں میں فراہم کی جانے والی خدمات اور فون سروس وغیرہ کی بل میں شمولیت میں چند منٹ صرف ہوئے۔ واجبات کی رقم ہم نے نقد ادا کردی اور عملے کے پورٹر کو کوئی بوجھ نہ اٹھانے کے صلے میں ٹپ دے کر باہر نکلتے چلے گئے۔

ہوٹل کے کمروں کے بند اور مخصوص ماحول سے کھلی فضا میں آتے ہی میرا ذہن سبک ہوگیا۔ آزادی اور کسی پیش قدمی کی امید نے میرے پورے وجود میں توانائی کی ایک نئی لہر سی دوڑا دی تھی۔ ذہن سے سارے وسوسے دور ہوچکے تھے اور مجھے پوری امید ہوگئی تھی کہ اس رات کا کچھ حصہ ہم بھارتی سرزمین پر گزاریں گے۔

اس وقت میں ایک خاص ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ مجھے مال روڈ پر رواں دواں زندگی کے آثار ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور جاندار نظر آرہے تھے۔ بے یقینی کے انجان راستوں پر سفر کرنے سے پہلے مجھے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے لاہور بلکہ پورے پاکستان کا حسن اور زندگی کا نکھار مال روڈ پر اتر آیا ہو۔ میں مسحور انداز میں اِدھراُدھر دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ میرے ذہن کے کسی حصے میں تاریک اور اجاڑ سرحدی ویرانے ناچ رہے تھے جن سے ہمیں کچھ دیر بعد گزرنا تھا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمیں مال روڈ سے اٹھا کر سیدھا واہگہ کی طرف لے جائے گا یا درمیان میں کوئی اور منزل بھی ہوگی" کچھ دور تک خاموشی سے چہل قدمی کرنے کے بعد ویرا نے فکرمندانہ آواز میں پوچھا۔

"اس سوال کا جواب مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں دہرا چکا ہوں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ اب واہگہ اور اٹاری کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ہم اس معروف راستے سے بھارت میں داخل نہیں ہوں گے۔"

"تاریک سرحدی پٹی عبور کرنے سے پہلے ہم اپنے فوجیوں کی گولیوں کی زد میں بھی آسکتے ہیں" غزالہ نے دھیمی آواز میں خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ امکان بھی ہے" میں نے اقرار کیا "دیکھنا یہ ہے کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے جلال نے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"وہ پہلے بھی اپنے آدمیوں کو اس راستے سے بھارت بھیجتا رہا ہوگا" غزالہ نے امید کا اظہار کیا۔ اپنے لب و لہجے سے وہ کچھ سہمی ہوئی معلوم ہورہی تھی۔

"اس بارے میں بھی میں اندھیرے میں ہوں۔ میں نے آنکھ بند کرکے اس پر بھروسا کیا ہے۔ تم دونوں میں سے کسی کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہورہی ہو تو وہ اسی وقت واپس لوٹ سکتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟" غزالہ شکایتی لہجے میں بولی "مجھے اپنی جان سے زیادہ آپ کی فکر ہے۔ مجھے ویرا کی جان بھی بہت عزیز ہے۔ جلال پر بھروسا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی سلامتی کے بارے میں سوچنے کے حق سے دستبردار ہوچکے ہیں۔ اب ہمیں واپسی تک خطرات ہی میں سے گزرنا ہے۔"

"ہتھیاروں کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بنا" ویرا نے نیا شوشا چھوڑدیا۔

”یہ سب باتیں بے سود ہیں۔ جلال کے آجانے کے بعد ہی ہمیں ان سوالوں کے جواب مل سکیں گے“ میں نے خفگی سے جواب دیا۔ ویرا چپ ہوگئی۔

ہمیں جلال نے وقت دیا ہوا تھا۔ مال روڈ کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم تینوں بار بار اپنی گھڑیاں دیکھ رہے تھے پھر مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہمیں پیچھے سے آنے والی روشنیوں سے شبہ ہوا جیسے کوئی گاڑی ہم پر چڑھنے والی ہو۔ ہم تینوں سڑک سے اچھل کر فٹ پاتھ پر ہوگئے۔ آنے والی ایک بڑی پجیرو تھی جس کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی اس وقت سڑک کے انتہائی بائیں حصے پر رواں تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔

اگلے لمحے پانچ دروازوں والی وہ نیلی پجیرو ہمارے قریب رک گئی۔ پسنجر سیٹ پر جلال براجمان تھا۔ سخت اور کھردرے چہرے والا ایک سادہ پوش شخص پجیرو کے اسٹیئرنگ وہیل پر نظر آرہا تھا۔ جلال نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ہم تینوں پچھلا دروازہ کھول کر تیزی سے پجیرو کی عقبی نشست پر سوار ہوگئے۔

”چلو!“ جلال کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ عقبی دروازہ بند ہونے کے بعد وہ گاڑی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈرائیور کی موجودگی میں جلال سے کس طرح کھل کر بات ہوسکے گی۔ جلال کو شاید ہماری اس الجھن کا احساس تھا۔ اس نے خود ہی سکوت توڑ دیا ”میں بہت مشکل سے لاہور پہنچا ہوں۔ چوہدری عظمت والی پریس کانفرنس ضرورت سے زیادہ طول پکڑ گئی تھی۔ ابھی ہم کچھ دیر انتظار کریں گے۔ دوسری طرف سے پیغام ملتے ہی سفر شروع ہوجائے گا۔ اس دوران میں آپس میں بریفنگ کرلیں گے۔“

”ہم تینوں نہتے ہیں“ ویرا نے موقع ملتے ہی اپنی بات چھیڑ دی ”کسی کے پاس چاقو تک نہیں ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہے۔ ہتھیاروں کے ساتھ سرحد پار کرنے کی کوشش جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے“ جلال نے ویرا کے غبارے سے فوراً ہوا نکال دی ”ڈالر اور دوسری کرنسی بھی جسم کے ساتھ باندھ کر اس طرح چھپالینا کہ تلاشی کی صورت میں آسانی سے اس کا پتا نہ چل سکے۔“

”تو کیا ہمیں چوروں کی طرح سرحد پار جانا ہوگا۔ تمہارا کوئی آدمی ہمارے ساتھ نہیں ہوگا؟“ غزالہ نے سوال کیا۔

”آدمی بھی ہوگا۔ بندوبست بھی ہوگا مگر احتیاط ضروری ہے۔ رات زیادہ اندھیری ہو یا آسمان پر اچانک گہرے بادل آجائیں تو راستہ بھٹکنے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ ایسی انسانی غلطیوں کے بارے میں پہلے سے سوچ سمجھ لینا زیادہ سودمند ثابت ہوتا ہے“ جلال نے ہماری طرف گردن گھما کر اپنے ڈرائیور کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ”لانس نائیک فضل داد ان راستوں کا کیڑا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان سرحدی علاقوں میں منزل پر پہنچا سکتا ہے۔ جہاں تک یہ لے جائے گا وہاں تک بھٹکنے یا راستہ بھولنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس سے آگے کے بارے میں، میں ہمیشہ بہت محتاط رہتا ہوں۔“

فضل داد کا فوجی عہدہ سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ فوجی علاقوں میں سے گزرنے کے لیے جلال نے ایک فوجی ڈرائیور کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کی موجودگی میں یہ خطرہ نہیں تھا کہ ہم اپنی سرزمین پر اپنے فوجیوں کی کسی گولی کا شکار ہوجائیں۔

پجیرو تیز رفتاری سے مال روڈ پر دوڑتی رہی۔ آخر کار شہر کی وہ خوبصورت سڑک لوئر مال کے سہ راہے سے ملی تو گاڑی بائیں طرف گھومی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بنگلے نما عمارت کے کھلے ہوئے پھاٹک میں گھوم گئی۔ گاڑی رکتے ہی جلال نیچے اتر گیا۔ ہم تینوں نے اس کی تقلید کی۔

برآمدے میں رکھی ہوئی کرسی پر ملیشیا کی وردی میں

شوقِ آوارگی

بھائی اللہ رکھا پچاس سال سے گاؤں میں ایک ہی مکان میں رہ رہے تھے۔ ایک روز اچانک وہ برابر میں خالی ہونے والے مکان میں شفٹ ہوگئے۔ گاؤں کا اکلوتا اخباری رپورٹر وجہ پوچھنے کے لیے ان کے پاس جا پہنچا۔

”بس... کیا بتاؤں....“ بھائی اللہ رکھا ٹھنڈی سانس لے کر بولے ”میرا خیال ہے وہ جو مجھ میں ایک خانہ بدوش کی روح ہے.... وہ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔“

ملبوس ایک مسلح نگہبان موجود تھا جو گاڑی کی روشنیاں پڑتے ہی کھڑا ہو چکا تھا۔ عمارت کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ نگہبان جلال کو پہچانتا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر جلال کو سلام کیا۔ ہم چاروں داخلی دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہو گئے۔

وہ ایک وسیع ہال تھا جس میں چاروں طرف متعدد کمروں کے بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ مجھے ہال میں گھستے ہی احساس ہوا تھا کہ وہ عمارت کسی دفتر وغیرہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہوگی لیکن جب جلال داہنی طرف کا دوسرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔ وہ ایک مستطیل اور کشادہ کمرا تھا جس میں تین مسہریاں پڑی ہوئی تھیں اور کمرے کی دیواروں کے ساتھ ایک پرانا سکین صاف ستھرا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"یہ ہمارا عارضی مہمان خانہ ہے" جلال نے صوفے پر بیٹھ کر اپنی جیب سے ایک ایڈریس نکالتے ہوئے بتایا "آخری پیغام آنے تک ہم یہاں رکے رہیں گے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری ہتھیاروں کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی" ویرا نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

اس نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا پھر کہا "تم اپنے طور پر کوئی بندوبست نہ کر سکو تو میرا کوئی آدمی تمہاری مدد کرے گا۔ میں نے ان سے رابطے کا نمبر ڈینی کو دے دیا ہے"

ویرا کو جواب دینے کے بعد اس کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے کون ویرا اور کون غزالہ ہے؟" میں نے جلدی سے کہا "غزالہ سے تم پہلے مل ہی چکے ہو۔"

اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ کے باوجود وہ مسکرا دیا "میرا کام بہت عجیب ہے۔ بعض نام برسوں گزر جانے کے باوجود میرے لیے صرف ایک آوازیں۔ ان سے میری بات ہوتی رہتی ہے مگر کبھی ان سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی مگر ویرا کو میں نے دیکھ لیا۔"

وہ عجیب انداز کا تعارف تھا۔ ویرا نے انتظار کیے بغیر اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے جلال نے نرمی سے تھام لیا۔ ویرا بولی "مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ تم جیسے ذہین اور حوصلہ مند افسر ہر ملک کے لیے باعث فخر اثاثہ ہوتے ہیں۔ مجھے بہت دنوں سے تم سے ملنے کا اشتیاق تھا۔"

"میں بھی تم سے ملنے خواہش مند تھا" جلال نے مصافحے میں ویرا کی گرم جوشی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "پاکستان سے تمہاری محبت چوہدری عظمت جیسے رذیل پاکستانیوں کے لیے ایک بہت سخت طمانچہ ہے۔ ڈینی کے ساتھ مل کر تم نے ہمارے ملک کی بہت خدمت کی ہے جس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا۔"

ویرا ایک ادا کے ساتھ مسکرائی اور اس نے جلال کا ہاتھ چھوڑ دیا "میں اس توقع پر ڈینی کے ساتھ جا رہی ہوں کہ تم نے ہم تینوں کی زندہ واپسی کے امکان پر اچھی طرح غور کر لیا ہوگا۔ میں نے کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن میں بے مصرف اور احمقانہ موت کے تصور سے کبھی کبھی خائف ہو جاتی ہوں۔"

"میری یہاں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ میں نے سب کچھ دیکھ بھال لیا ہے۔ کہیں کوئی خامی ہوتی تو میں ڈینی کو ہرگز روانگی کا اشارہ نہ دیتا۔ ڈینی پر میں ناز کرتا ہوں۔ یہ ہمارا قومی اثاثہ ہے۔ میں اسے بے سروسامانی کی حالت میں کھو دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے لاہور سے گزرتے گزرتے ایک ایسے سومنات کو منہ کے بل گرایا ہے کہ میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں۔ چوہدری عظمت نے پنجاب کے کئی بڑے شہروں اور سرحد کے قبائلی علاقوں میں بہت مکاری سے اپنا ایسا نیٹ ورک پھیلایا ہوا تھا کہ سرتوڑ کوششوں کے باوجود کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ آج وہ ثبوت اور دو مضبوط گواہوں کے ساتھ ہمارا قیدی ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چوہدری عظمت اور تمہاری پریس کانفرنس کا کیا بنا" چوہدری عظمت کا ذکر آ جانے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"پریس کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ اس کے حامی اور نمک خوار چوروں کی طرح منہ چھپا کر درمیان میں ہی واپس چلے گئے، کل صبح کے اخبارات لوگوں کی آنکھیں کھول دیں گے۔ دوسری اہم کامیابی یہ ہوئی ہے کہ شاہد کی طرح ملک اقبال بھی سب کچھ اگلنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ ان لوگوں نے ہیومن سوسائٹی اور ہیروئن سے اندھی دولت کمائی ہے۔ غریبوں کی نام نہاد فلاح و بہبود پر کروڑوں روپے صرف کرنے کے باوجود ان کے اثاثے اربوں میں پہنچے ہوئے ہیں جو نکلوائے جائیں گے۔"

"اس بادشاہ گر کا کیا ہوا جو چوہدری پر ہاتھ ڈالنے والوں کو کچا چبا جانے پر تلا ہوا تھا؟"

"اس کا بھی سارا گھمنڈ پاش پاش ہو گیا" جلال نے پہلو بدل کر کہا "پرائم منسٹر ہاؤس سے ہدایت آئی کہ ہیومن سوسائٹی کیس میں ہر دباؤ کو سختی سے مسترد کر دیا جائے۔ ایسی

کھلی پشت پناہی کے بعد میں ساری الجھنوں سے آزاد ہو گیا۔ اب قانون کی راہ میں کوئی طاقت حائل نہیں ہو سکتی۔ اس کے خلاف کیس اتنا مضبوط ہے کہ ایٹنی نار کوٹکس کورٹ سے اسے جلد ہی موت کی سزا سنادی جائے گی۔ وہ مکافاتِ عمل سے بچ نہیں سکے گا۔"

"ایسے لوگوں کو دوسروں کے لیے عبرت بنادینا چاہیے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن سوسائٹی چلا رہا ہے۔"

جلال متاسفانہ انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پاسپورٹوں والا وزنی لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے لفافہ کھولا تو سب سے اوپر غزالہ کا پاسپورٹ تھا۔ میں نے اس کی ورق گردانی کی تو اس کے ایک صفحے پر اسی تاریخ میں پاکستان سے واہگہ کے راستے اخراج اور اٹاری کے راستے بھارت میں داخلے کی سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ جعلی کام تھا لیکن بظاہر اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

میں نے اپنا پاسپورٹ الگ کر کے بقیہ دونوں پاسپورٹ ویرا اور غزالہ کے حوالے کر دیے۔

"تمہارے ذہنوں میں کوئی اور سوال موجود ہو تو اسے بھی صاف کرلو" جلال نے ویرا سے مخاطب ہو کر دعوت دی "روانگی کا بگل بج گیا تو پھر موقع نہیں ملے گا۔"

"جب تک میں تم سے نہیں ملی تھی، میرے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے تھے مگر ڈینی پر اعتماد تھا" ویرا نے جواب دیا "ساری بات سامنے والے پر اعتماد کی ہوتی ہے۔ ڈینی تم کو جانتا ہے اس لیے پوری طرح مطمئن تھا۔ اب میری بھی تم سے ملاقات ہو گئی ہے تو بہت سے سوالات از خود ختم ہو گئے ہیں۔"

"تم یہ ڈبا کیوں لیے بیٹھے ہو؟" میں نے جلال کی گود میں رکھے ہوئے خاموش اپریٹس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"اس پر بنگو کا پیغام آئے گا" جلال نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ اپنی روانگی کی اطلاع دے گا اور ہم یہاں سے چل دیں گے۔"

"یہ بنگو کون ہے؟" ویرا کسی بھی موقع پر سوال کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کرتی تھی۔

"یہ بریفنگ کا ایک حصہ ہے۔ تم تینوں کو سفر کی ساری طے شدہ جزئیات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئیں" جلال نے غیر ارادی طور پر اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر کہا "ان سے انحراف تم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔

صاحبِ علم

ایک صاحب قلم کی کہانی لکھ کر ڈائریکٹر کے پاس پہنچے۔ ڈائریکٹر نے کہانی کا عنوان دیکھتے ہی مسودہ واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں.... جناب! یہ کہانی پبلک میں بالکل نہیں چل سکتی۔"

"مگر آپ نے تو اسے پڑھا ہی نہیں....! پڑھے بغیر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" نئے مصنف نے حیرت سے کہا۔

"ارے جناب! اس کا تو عنوان ہی چلنے والا نہیں ہے..." ڈائریکٹر نے سرہلاتے ہوئے کہا "آپ نے اس کا عنوان رکھا ہے "دیدہ بینا..." اب مجھے اور آپ کو تو معلوم ہے کہ اس کا مطلب ہے؟ "بینا کی آنکھ..." لیکن بھلا جاہل پبلک کو کیا پتا...؟"

امرتسر میں کچھ وقت گزارنے کے بعد تم اپنی مرضی سے مطابق فیصلے کرسکو گے۔ تم کو یہ بھی طے کرلینا چاہیے کہ تمہارے درمیان باہمی رابطے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ ویرا کو تم دونوں سے الگ بلکہ دور رہنا ہوگا۔"

"میں چاہوں گا کہ ہمارے درمیان کوئی لاسلکی رابطہ رہے۔ بھارت میں ہمیں تین اپریٹس مل سکیں تو ہر مشکل آسان ہو جائے گی" میں نے کہا۔

"اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی لیکن میں اس وقت کوئی وعدہ نہیں کر سکتا... اور کوئی بات؟" اس کی مستفسرانہ نگاہیں باری باری غزالہ اور ویرا کے چہروں سے پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

ہم تینوں میں سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ ویرا کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ جلال کے آتے ہی ہمارے بیشتر سوال، اندیشے اور وسوسے خود ہی دم توڑ چکے تھے۔

"بنگو امرتسر کی زیر زمین دنیا کا ایک معروف نام ہے اور وہ پچھلے تین سالوں سے بھاری معاوضہ لے کر ہمارے لیے کام کر رہا ہے" جلال نے قدرے توقف کے بعد بنگو کے تفصیلی تعارف سے اپنی بریفنگ کا آغاز کر دیا۔ وہ نہایت نپے تلے اور تفصیلی انداز میں ہر پہلو کی وضاحت کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ سلسلہ خاصی دیر تک چلتا رہا۔ جلال کا انداز خالص پیشہ ورانہ تھا۔ درپیش مہم کا ہر چھوٹا بڑا پہلو اس کی نظروں میں تھا۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی ہمیں بھارت پہنچانے کے لیے نہیں آگیا تھا۔ اس نے بہت عرق ریزی سے اس منصوبے پر کام کیا تھا۔ اس کے ہر لفظ اور فقرے سے اس کی وہ طویل محنت جھلک رہی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں ہم سوالات بھی کرتے رہے۔ بریفنگ کی تکمیل پر ہم تینوں ایک نیا حوصلہ پا چکے تھے۔ اس دوران میں ویرا اور غزالہ نے باتھ روم میں جا کر باری باری کرنسی کو جسم کے ساتھ چھپا لیا تھا۔

"یہ محدود رینج میں طاقت ور فری کوئنسی پر کام کرنے والا ٹرانسمٹر ہے" اپنے موضوع سے نمٹ کر اس نے اپنے اپریٹس کے بارے میں بتایا "اس کا دائرہ کار صرف سو کلومیٹر ہے۔ اسی قسم کا دوسرا اپریٹس بنکو کے پاس ہے۔ اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ جوں ہی اس کے مہرے اپنی جگہیں سنبھالیں گے، وہ مجھے اطلاع دے گا اور امرتسر سے چل پڑے گا۔ پاکستانی سرحد پر گشت کرنے والوں کو اس کے بارے میں معلوم ہے۔ کوئی پاکستانی فوجی اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہوگا۔ ایک مخصوص علاقے میں گشت روک دیا جائے گا اور وہ پاکستان کی سرزمین پر ہم سے آملے گا اور اپنی گاڑی میں تمہیں بھارت لے جائے گا۔ اِدھر ہمارا بندوبست ہے۔ سرحد پار اس کا بندوبست ہوگا۔"

دس بجے کے قریب بے جان اپریٹس پر اچانک سگنل موصول ہونے لگا "بنگو کالنگ ینگ ڈیڈی.... اوور!"

وہ آواز سنتے ہی سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ بنکو کی آواز پختہ اور خاصی بھاری تھی۔ میرے ذہن میں اس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

"ینگ ڈیڈی بول رہا ہوں۔ کیا خبریں ہیں۔ ہم بالکل تیار ہیں، اوور!" جلال نے اپریٹس کا بٹن دبا کر فوراً پیغام کا جواب دیا۔

"آل سیٹ.... پرواز شروع ہو رہی ہے۔ گیارہ بجے.... زیرو پوائنٹ.... اوور!"

مکمل فقروں کے بجائے اس نے مخصوص اور شکستہ الفاظ میں اپنا پیغام دیا جو جلال کی دی ہوئی بریفنگ کی روشنی میں میرے لیے قابلِ فہم تھا۔ جلال اپنی رسٹ واچ دیکھنے کے بعد کہہ رہا تھا "اوکے.... ون اے ایم.... ٹو پی ایم.... اوور!"

وہ الفاظ ہمارے سروں پر سے گزر گئے مگر بنکو بات سمجھ گیا۔ اس نے گفتگو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

جلال کے ساتھ سب اٹھ گئے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہم تینوں کو گڈ لک کہا۔ ہم نے بھی جواب میں اس کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا پھر ہم تیزی سے باہر نکل آئے۔ لانس نائیک فضل داد نے تیجیرو کو پورچ میں واپسی کے لیے گھما کر پارک کیا ہوا تھا اور بے داغ شیشوں کو مزید چمکانے میں مصروف تھا۔

ہم چاروں کو پرانی ترتیب سے گاڑی میں سوار کرانے کے بعد فضل داد نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

میں نے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں غزالہ کے ہونٹ ہلتے دیکھے۔ شاید وہ زیرِ لب دعائیں پڑھ رہی تھی۔ میں نے بھی دل ہی دل میں سفر کے آغاز کی دعا پڑھ لی۔ ویرا سے ایسے کسی نیک کام کی توقع عبث تھی۔ وہ پوری طرح دنیا دار تھی اور دعاؤں سے زیادہ تدبیر اور عمل پر یقین رکھتی تھی۔

"اے ایم اور پی ایم کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا" گاڑی دوبارہ مال روڈ پر پہنچ جانے کے بعد میں نے جلال سے کہا۔

"یہ آپس کے بے رحمانہ کوڈ ہیں۔ اس پورے علاقے میں دونوں اطراف کی طاقت ور فوجی مواصلات کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ساری احتیاط کے باوجود کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب ہماری گفتگو سنی جا رہی ہوگی" جلال نے بے فکری سے بتایا "یہ پرواز سے بھیجے جانے والے کارگو کی تفصیل ہے۔ اے ایم سے مراد مرد ہیں اور پی ایم سے عورتوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ یہ تفصیل اسے پہلے سے بتا دی گئی تھی مگر اس وقت نفری کی دوبارہ تصدیق ضروری تھی۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کی زبان سے وہ الفاظ سننے کے بعد میں مسلسل الجھن میں مبتلا تھا کہ گیارہ بجے کا وقت مقرر ہو جانے کے بعد رات کے ایک اور دن کے دو بجے کا ذکر کیوں کیا گیا تھا۔ بھول کر بھی میرا ذہن اپنی نفری کی طرف نہیں گیا تھا۔

تیجیرو دو رویہ مال روڈ کے دوسرے ٹریک پر تیزی سے واپسی کا سفر طے کر رہی تھی۔ گاڑی میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے اعصاب کو پُرسکون رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لی تھی اور اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا کر تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑتی ہوئی دکانوں اور روشنیوں کے نظارے میں محو تھی۔

تیجیرو برق رفتاری سے سفر کرتی ہوئی اس چوراہے تک آئی جہاں الفلاح بلڈنگ سے ذرا آگے اسلامی سربراہی کانفرنس کا یادگاری مینار استادہ ہے۔ وہاں سے گاڑی ایجرٹن روڈ پر مڑ گئی۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ لاہور سے بھارت کی

سرزمین پر پہنچنے کے لیے بی آر بی نہر کو عبور کرنا ناگزیر تھا۔ پاکستانی سرحد اور شہری آبادی کے درمیان وہ تاریخی نہر ایک مضبوط دفاعی لکیر تھی۔ وہ پاکستان کی زرعی ضروریات کے ساتھ دفاعی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی تھی۔

بی آر بی نہر پنجاب اور خاص طور پر لاہور کے لیے ایک انعام ہے۔ اس سے ملنے والی ایک چھوٹی نہر لاہور شہر کے وسط سے گزرتی ہوئی دور تک چلی جاتی ہے، جس کے طفیل پورے شہر میں سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

لاہور میں زندگی اپنے شباب پر تھی اور ہم ان رعنائیوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑتے جارہے تھے۔ ریلوے کالونی سے گزرتے ہوئے ہم جی ٹی روڈ کے اس حصے پر آگئے جو شہری آبادی کے درمیان سے ہوتا ہوا شالیمار باغ کے قریب سے سرحد تک چلا جاتا ہے۔

روشنیاں کم ہوتی چلی گئیں۔ اگلی سڑک کے بعض حصوں پر روشنی ناکافی تھی لیکن گاڑی کی رفتار بتا رہی تھی کہ وہ راستے لانس نائیک فضل داد کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر سفر کرکے لاہور جم خانہ میں اپنی کامیابی کا جشن منانے کی آرزو میں بھارت کے لاتعداد فوجی بی آر بی نہر پار کرنے سے پہلے موت کی بھیانک وادیوں میں جاسوئے تھے۔ وہ قصہ پرانا ہوکر تاریخ کا ایک حصہ بن چکا تھا لیکن گاہے گاہے دہرائی جانے والی عزم و حوصلے کی یادگار کہانیوں سے تازہ ہوتا رہتا تھا۔

کچھ دیر کے سفر کے بعد ہمیں باٹا پور کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ ہم نے نہر کے رواں پانی میں ان روشنیوں کے بنتے اور بگڑتے ہوئے عکس دیکھے اور پل عبور کرکے اس سرحدی قصبے میں داخل ہوگئے جو واہگہ کی سرحد سے تقریباً ملا ہوا ہے۔

باٹا پور سے فضل داد نے راستہ اچانک تبدیل کرلیا۔ وہ آگے جانے والی سڑک کو چھوڑ کر قصبے کی گلیوں میں گھس گیا تھا۔ وہ آبادی زیادہ وسیع نہیں تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم آبادی کے عقب میں پھیلے ہوئے ویرانے میں نکل آئے جہاں کھلی فضا میں سبزے اور کھیتوں کی مہکار رچی ہوئی تھی۔ ہمارے آگے دور دور تک روشنی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

کچے اور ناہموار راستے پر خاصی دیر تک سفر کرنے کے بعد ہمیں کچھ فاصلے پر ٹمٹماتی ہوئی کچھ روشنیاں نظر آئیں اور گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔

''اب ہم خطرناک سرحدی پٹی میں داخل ہونے والے ہیں'' جلال نے اعلان کیا ''یہاں کسی پیشگی اطلاع کے بغیر کسی بھی وقت، مشین گنیں اپنے نغمے اگلنے لگتی ہیں۔ کچھ دیر تک دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہوتی ہے پھر یکایک موت کی سی خاموشی طاری ہوجاتی ہے۔ فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو کے سوا فائرنگ کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی۔ یہاں اپنا فرض انجام دینے والوں کے لیے یہی زندگی کی رونق اور دل لگی ہوتی ہے۔''

''تم ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہے ہو یا ہمارا حوصلہ بڑھا رہے ہو؟'' ویرا نے پھیکی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

''حقائق بتا رہا ہوں۔ نتیجہ تم خود اخذ کرسکتی ہو'' جلال نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

فاصلہ کم ہونے کے ساتھ وہ روشنیاں واضح ہوتی چلی گئیں۔ فضل داد نے ان کے قریب گاڑی روک دی۔ ہیڈ لیمپس اس نے دور سے ہی گل کردیے تھے۔

تین مسلح اور باوردی فوجیوں کی رائفلیں گاڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ گاڑی ان کی اپنی سرزمین سے آئی تھی اس لیے وہ بے خوف و خطر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوئی آڑ

انکشاف

مسز داؤد سیٹھ ابراہیم کے گھر پر پارٹی کے دوران میں اپنی شناسا بیگمات کو بتا رہی تھیں ''بھئی' میں اپنے بیٹے کی عادتوں کی وجہ سے اتنی پریشان تھی۔ وہ ادھر ادھر سے چیزیں اٹھا اٹھا کر پینٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیتا تھا... کہیں سے ہزار ہزار روپے نوٹ اٹھا کر رکھ لیے... کہیں سے سونے کی چوڑیاں اٹھا کر رکھ لیں... کہیں سے قیمتی گھڑی اٹھا کر رکھ لی... میں تو نفسیات کے لوکل ڈاکٹروں سے علاج کرا کرا کے تھک گئی تھی... آخر مسز کمال نے مشورہ دیا کہ نیویارک لے جاؤ' وہاں ایک بڑے مشہور ماہر نفسیات ہیں' انہوں نے بڑے بڑے مشکل کیس حل کیے ہیں۔''

''تو پھر کچھ فائدہ ہوا؟'' بیگم یزدانی نے پوچھا۔

''ہاں بھئی' کمال کا ڈاکٹر تھا وہ... یہ امریکی واقعی بڑے زبردست لوگ ہیں... اس نے تو چٹکی بجاتے میں الجھن دور کردی۔ اس نے پہلی ملاقات میں ہی بتا دیا ''مسز داؤد! آپ کا بیٹا چور ہے'' بس' اتنی سی بات تھی۔''

لینے یا دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس ناکافی روشنی سے نگاہوں کے مانوس ہونے پر میں نے دیکھا کہ وہ ایک باقاعدہ مورچہ تھا۔ جہاں دو زیرِ زمین بنکرز کی چھتوں میں سے توپوں کی نالیں جھانکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ مورچے کے ساتھ ہی وہ شاید ملٹری چیک پوسٹ بھی تھی۔

بنکرز کے ساتھ بنے ہوئے اکلوتے کمرے کی چھت وغیرہ پر کیموفلاج کے لیے خشک شاخیں اور پتے پھیلے ہوئے تھے۔

اس دوران میں جلال گاڑی سے اتر چکا تھا۔ فضل داد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ ہمیں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ ہم تینوں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ اسی وقت تینوں فوجیوں کے عقب سے کپتان کے عہدے کا ایک نوجوان افسر خالی ہاتھ نمودار ہوا اور جلال کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

کپتان کے قریب پہنچنے پر لانس نائیک فضل داد نے زمین پر زور سے پیر مار کر دھول اڑائی اور سیلوٹ پیش کر دیا۔ کپتان سر کی خفیف سی جنبش سے اس فوجی سلام کا جواب دے کر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر پہلے ہم مال روڈ کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں ڈوبے ہوئے تھے جہاں ہر شے سے زندگی جھلک رہی تھی۔ لوگ اپنی معمول کی تفریحات اور سرگرمیوں میں مصروف تھے اور ان سے کچھ دیر کی مسافت پر ان جیسے بہت سے انسان گھربار، دوستوں اور رشتے داروں، حد یہ ہے کہ جدید زندگی کی ساری آسائشوں کو بھول کر بھیانک جنگی ماحول اور ویرانے میں پوری طرح چوکس و ہوشیار بیٹھے ہوئے تھے تاکہ ان کے شہر سدا یوں ہی جگمگاتے رہیں، ان کی رونقوں کو دشمن کی نظر نہ لگے اور روزگارِ حیات روانی سے چلتا رہے۔

جلال نے شاید پہلے سے سب کچھ طے کیا ہوا تھا۔ اسے کپتان کے پاس زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس سے گفتگو کر کے وہ گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ کپتان نے پلٹ کر اپنے سپاہیوں سے کچھ کہا اور دوبارہ اپنے عارضی کمرے میں غائب ہو گیا۔

جلال اور فضل داد کے سوار ہونے کے بعد گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔

اس ویرانے کے بہت محدود حصے میں، صرف دمدموں کے آس پاس، نقل و حرکت یا زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے ورنہ ہر سو یکساں تاریکی اور ویرانی کا راج تھا۔ گاڑی زیرِ زمین دمدموں کے پاس سے آہستگی سے گزری۔ لانس نائیک فضل داد کی کوشش تھی کہ غبار کا طوفان اس کے ہم پیشہ سپاہیوں کو پریشان نہ کرے۔ کچھ آگے نکلنے کے بعد اس نے رفتار بڑھا دی۔ اس مکمل تاریکی میں گاڑی کی پارکنگ لائٹس بھی دور تک اپنا انعکاس پھیلا رہی تھیں۔

"سب کچھ طے ہو چکا تھا تو ہمیں اس مورچے پر رکنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" ویرا نے سکوت توڑنے کے لیے سوال برائے سوال کر دیا "فوجیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پیچھے سے آنے والے مسافر دوست ہوں گے۔"

"بندوبست ہو چکا تھا۔ وہ ہمارے گزرنے کے منتظر تھے مگر پھر بھی شناخت ضروری تھی۔ سرحدی لکیریں اسمگلروں اور چوروں کی آماجگاہ ہوتی ہیں" جلال نے برا منائے بغیر جواب دیا "چوہدری عظمت بھی فوجیوں کی اپنی سرزمین کا باسی ہے۔ ان کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ متوقع دوست کی آڑ میں کوئی چھپا ہوا دشمن آگے نہ نکل جائے۔ کڑی اور سنگ دلانہ جانچ پڑتال فوجی ڈسپلن کا ایک حصہ ہوتی ہے۔"

گاڑی اچھلتی اور دھچکے کھاتی ہوئی رواں رہی۔ ذرا سی دیر میں پھر ایک مورچے کے آثار نظر آئے جو ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ فضل داد نے گاڑی کا رخ قدرے موڑ لیا۔ وہ مورچے کی طرف جانے والی چڑھائی عبور کرنے کے بجائے نشیب سے گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اوپر سے کوئی گولی نہ چل جائے۔" ویرا بے ساختہ اپنے اندیشے کا اظہار کر بیٹھی۔

"یہ تمام سرحدی مورچے اور چوکیاں مضبوط مواصلاتی نظام کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پہلی چوکی نے اپنے وائرلیس یا ریڈیو سسٹم پر سب کو ہماری آمد کی اطلاع دے دی ہو گی۔ اب ہمیں زیرو پوائنٹ سے پہلے کہیں نہیں رکنا پڑے گا۔"

"تمہاری یہ عادت اچھی ہے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد جلال نے ویرا کی طرف گھوم کر کہا "حرکت اور بول چال زندگی کی واضح علامتیں ہوتی ہیں۔ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہو، مجھے بھی بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"یہ باتیں ڈینی کو سمجھاؤ۔ اسے فضول گوئی سے الجھن ہونے لگتی ہے" ویرا نے جواب دینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔

جلال ہنسنے لگا "قرینے کی بول چال اور فضول گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بے کار باتوں سے ہر معقول آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔"

"جو لوگ زیادہ بولنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کثرت سے فالتو باتیں کرتے ہیں۔ ان سے خاموشی بہتر ہوتی ہے" غزالہ

نے کہا۔

"اس وقت بھی تم خاموش رہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا" ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

گاڑی میں چاروں کے ملے جلے قہقہے گونجے اور پھر سب خاموش ہوگئے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی باہر کے سنگین اور آسیبی ماحول کے سحر سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔

راستے کا انتخاب فضل داد کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ گاڑی کی بدلتی ہوئی سمتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی پر پیچ راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنی کم سے کم فوجی پوزیشنوں سے گزرنے کی کوشش میں تھا۔ تیسرے مورچے کے بعد ہمیں کہیں زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے فضل داد نے اچانک پجیرو روکی اور انجن بند کر دیا۔

"ہم پہلے پڑاؤ پر پہنچ گئے ہیں" جلال نے کہا "یہاں ہمارا اور تمہارا ساتھ چھوٹ جائے گا۔"

میں باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے چونک کر پوچھا "ہم بھارتی سرحد سے کتنی دور ہیں؟"

"سو، سوا سو میٹر سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا۔ ہم اس وقت ایک قدرتی نشیب میں ہیں جو برسات کے موسم میں کچے تالاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک طرف خود رو جنگل ہے جس میں چھوٹے موٹے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں" جلال نے بتایا اور دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گیا۔

"بنگو ابھی تک یہاں نہیں پہنچا" ویرا نے پجیرو سے نیچے اترتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"بس آتا ہی ہوگا" جلال بولا "میرا ایریئس مسلسل آن ہے۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ اب تک رابطہ کر چکا ہوتا۔"

فضل داد نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دی تھیں اور ٹہلتا ہوا کچھ دور نکل گیا تھا۔ ہم چاروں گاڑی کے قریب کھڑے رہے۔

ایک دوسرے کے مقابل صف آرا فوجیں بلندی پر قبضہ کرنے کے لیے لڑتی ہیں کیونکہ بلندی سے ان کے فائر پاور میں خود بہ خود اضافہ ہو جاتا ہے، انہیں دور دور تک جائزہ لینے کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے مگر ہم اس وقت ایک نشیب میں چھپے ہوئے تھے جہاں ہمارے دیکھے جانے کا امکان نہیں تھا۔ ہم بالکل نہتے تھے اور کسی کے خلاف صف آرا نہیں تھے اس لیے وہی جگہ ہمارے لیے عافیت کا بہترین گوشہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی مدھم آواز سنائی دی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بار ویرا بھی خاموش رہی۔ اس نئی مشینی آواز پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن اس کے کان اسی آواز پر مرکوز تھے۔ چند ثانیوں میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ آنے والا ہماری طرح ڈیزل کی کسی جاندار گاڑی میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کے انجن کی آواز بہت دھیمی اور ہموار تھی۔

ہم اپنی سرزمین پر تھے۔ جلال کے روپ میں قانون ہمارے ساتھ تھا اس لیے ہم ڈنکے کی چوٹ پر دندناتے ہوئے زیرو پوائنٹ تک پہنچے تھے لیکن بنگو جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس کی ضروریات ہم سے بہت مختلف تھیں۔ وہ پیسے کے لالچ میں کسی چور کی طرح پرائی سرزمین پر آ رہا تھا۔

اس آواز کے تعاقب میں چاروں کی نظریں نشیب کے ایک سرے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ چند ثانیوں بعد ایک گاڑی کا چلتا ہوا متحرک ہیولا نشیب کے سرے پر نمودار ہوا اور پھر نیچے اترتا چلا آیا۔ دور سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ پیٹرول انجن والی وہ گاڑی کس ساخت کی تھی۔

آنے والی گاڑی کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ حد یہ ہے کہ پارکنگ لائٹس تک روشن نہیں کی گئی تھیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ آنے والا محض اپنی انکل سے ڈرائیونگ کر رہا تھا ورنہ اسے راستہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں وہ ہمیں نہ روند ڈالے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں دور سے ڈرائیونگ کرتے کرتے شاید اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔ اس نے ہمیں یا ہماری گاڑی کو دیکھ کر یک لخت اپنی رفتار کم کر لی۔

قریب آ کر اس نے انجن بند کیے بغیر گاڑی روکی اور ہانپتا ہوا نیچے اتر آیا۔ وہ پتلون اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جسیم اور قد آور شخص تھا۔ اس کے چڑھے ہوئے سانسوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آنے کے بجائے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا وہاں تک آیا ہو۔ آتے ہی وہ سلام دعا کے بغیر جلال سے براہِ راست مخاطب ہو گیا "راستہ بہت خراب ہے۔ ہر مرتبہ مجھے نانی یاد آ جاتی ہے..... پھر بھی میں وقت پر پہنچا ہوں۔ لاؤ، مال کہاں ہے؟"

جلال نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "پیسا آسانی سے نہیں ملتا۔ کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ واپسی پر ذرا احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم گاڑی بھگا کر دونوں عورتوں کا کچومر نکال دو۔"

میں بنگو کی گاڑی کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ وہ پیچھے

سے بالکل بند، آہنی باڈی والی ایک پک اپ تھی جس کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بمشکل دو افراد سما سکتے تھے۔ ہم میں سے کسی ایک کو ہر حال میں پچھلے ڈربے میں بند ہونا تھا۔ جلال نے خصوصی ہدایت دے کر میری تشویش کم کردی تھی۔

"خدا حافظ!" جلال یہ کہہ کر مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے ویرا سے ہاتھ ملایا پھر ہم چاروں بنگو کی پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے لپک کر آہنی باڈی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ویرا اور غزالہ نے پک اپ کی اگلی نشست کا رخ کیا تھا لیکن بنگو نے رکھائی سے انہیں ٹوک دیا "آگے کوئی نہیں بیٹھے گا۔ تینوں ادھر آجاؤ۔"

میں نے مڑ کر ناگواری سے جلال کی طرف دیکھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکا لیکن مدعا بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "بنگو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگلی سیٹ پر بیٹھنے والے ہر ایک کی نظروں میں آئیں گے۔ یہ اکیلا ہوگا تو ہر ایک سے آسانی سے نمٹتا چلا جائے گا۔ تینوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

ہمارے پاس بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تینوں اس پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوگئے۔ پچھلے حصے کی دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی اور بے آرام نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ کیبن میں عجیب ناگوار سی بدبو رچی ہوئی تھی۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد بنگو نے دھڑ سے دروازہ بند کرکے باہر سے بولٹ لگادیا۔ ہمارے گرد یکایک گہری تاریکی پھیل گئی۔ چاروں طرف سے بند اس آہنی صندوق میں ہم قید ہوگئے تھے۔

"میرے لیے ذرا زیادہ کام نکالا کرو" پک اپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہلکے شور میں باہر سے بنگو کی بے ہنگم آواز آئی "آج کل مجھے مال پانی کی ضرورت رہتی ہے۔"

جلال کا جواب میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکا۔ قدرے توقف کے بعد پک اپ نے یوٹرن لیا اور واپس روانہ ہوگئی۔ بنگو کو پانچ منٹ کے لیے بھی جلال کے پاس نہیں رکنا پڑا تھا۔

پک اپ کے چلتے ہی اندازہ ہوگیا کہ ڈرائیونگ کے بارے میں جلال کی ہدایت بے سبب نہیں تھی۔ تیجرو میں سفر کے دوران میں نے دیکھ لیا تھا کہ باٹا پور کے مضافات سے زیرو پوائنٹ تک کوئی باقاعدہ راستہ سرے سے موجود نہیں تھا۔ وہ سب کچی اور ناہموار زمین تھی۔ وہاں سے آگے بھی اسی قسم کی زمین کا تسلسل تھا۔ ایسے علاقے میں بنگو کے لیے تیز رفتاری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود ہم تینوں کا سیٹوں پر بیٹھے رہنا محال ہو رہا تھا۔

"کسی ڈھنگ کی سڑک پر پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا جوڑ جوڑ ہل جائے گا۔" ویرا جھلائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوئی پائپ یا سلاخ پکڑلو ورنہ چھت سے ٹکرا کر سر بھی پھٹ سکتا ہے" غزالہ نے شوخ آواز میں مشورہ دیا۔ وہ ذرا بھی پریشان نہیں تھی۔ سفر کا آخری مرحلہ شروع ہوتے ہی اس کی آواز حیرت ناک طور پر خوشگوار ہوگئی تھی۔ اس مرحلے کا صبر آزما انتظار ختم ہونے پر اس کے اعصاب شاید معمول پر آچکے تھے لیکن میرے تفکرات میں اضافہ ہوگیا تھا۔

پک اپ اچھلتی اور ہچکولے کھاتی ہوئی چلی جارہی تھی کہ کہیں فاصلے پر اچانک ایک فائر کی گونج سنائی دی اور پھر فضا میں متعدد ہتھیاروں سے ہونے والی فائرنگ کی آواز پھیلنے لگی۔ شاید لمبی سرحدی پٹی کے کسی مقام پر گشتی دستوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا تھا۔

"شکر ہے کہ یہ دور کی آوازیں ہیں۔ یہاں ایسی کوئی گڑبڑ شروع ہوگئی تو بنگو گاڑی چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ ہم اس آہنی تابوت میں بے موت مارے جائیں گے" ویرا ان آوازوں سے پریشان ہوکر منمنائی "ایسی کسمپرسی کی موت سے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔"

"فکر نہ کرو۔ پوری سرحد ایک ہی حریف سے ملی ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس فائرنگ کے جواب میں یہاں کا ویرانہ بھی ان بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے۔ لوہے کے صندوق میں ہم گولیوں سے محفوظ رہیں گے۔ پک اپ کو آگ لگ گئی تو اندر بھننے کا اندیشہ ہوسکتا ہے" اندھیرے میں غزالہ کی بے پروایانہ آواز ابھری۔

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے جھنجلا کر اسے ڈانٹ دیا "زیرو پوائنٹ سرحدی لکیر سے سو، سوا سو میٹر دور تھا۔ اب تک ہم بھارتی علاقے میں کافی اندر آچکے ہوں گے۔ یہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں بلاوجہ ویرا کا خون خشک کررہی ہو۔"

"میں بار بار تم کو بتا چکی ہوں کہ میں موت سے نہیں ڈرتی، بے بسی کی بے مصرف موت سے ڈرتی ہوں!" ویرا نے احتجاج کیا۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ گاڑی کے اس حصے میں ایک مرتبہ پھر خاموشی پھیل گئی۔ ہمارے کانوں میں انجن کا دھیما شور آرہا تھا یا پک اپ کے مختلف حصوں سے ابھرنے والی بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دھول اور مٹی میں اٹی ہوئی وہ پک اپ مضبوط ہونے کے باوجود خاصی پرانی تھی۔

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے پک اپ کو بریک لگائے گئے ہوں۔ پھر واقعی گاڑی رک گئی۔ اس کا انجن بند ہو گیا۔ ہمارے پورے پروگرام میں درمیان میں رکنے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ امرتسر بھی سرحد سے اتنا نزدیک نہیں تھا کہ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ جاتے۔ میرے دل کی رفتار اچانک تیز ہو گئی۔

"خوب!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد باہر سے ایک اجنبی اور حریصانہ آواز سنائی دی "آج تو نے پھر پھیرا لگایا ہے۔ لا' دو ہزار روپے ڈھیلے کر دے۔"

"آج پھر تم نے میرا راستہ روکا ہے۔ میں میجر اچاریہ سے تمہاری شکایت کر دوں گا" وہ بنگو کی تیز احتجاجی آواز تھی۔

"میں کبھی تجھے تنگ نہیں کرتا۔ آج دوسری بار تجھے روکا ہے۔ تو میجر صاحب کی خوب سیوا کرتا ہے۔ کچھ ہمارا خیال بھی رکھا کر۔ ہم لوگ الو کے پٹھے نہیں ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر یہاں جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ جلدی سے پیسے دے دے۔ پوری کمپنی دارو پی کر تجھے دعائیں دے گی۔"

"میں دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ تم اپنا حصہ میجر سے مانگو۔ میں اس کو منہ مانگی رقم دیتا ہوں۔"

"پچھلی بار بھی تو نے یہ کہہ کر ہمیں ٹال دیا تھا۔ میجر کو یہاں ولایتی شراب اور دیسی عورتیں' سب مل جاتی ہیں۔ ہم دارو کو ترستے ہیں۔ آج میں تجھے ایسے نہیں جانے دوں گا" اجنبی کی آواز میں چھپی ہوئی خباثت نے مجھے بے چین کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "پیسے دے ورنہ میں تیری گاڑی کی تلاشی لوں گا۔ تیرے جاتے وقت ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ واپسی پر تجھے روکوں گا۔"

میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ بھارتی فوج کے کسی گشتی دستے کا سربراہ تھا جس کے دماغ پر شیطان سوار ہو رہا تھا۔ اس نے جس انداز میں ولایتی شراب اور دیسی عورتوں کا ذکر کیا تھا' اس سے اس کی ذہنیت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ کوئی بد طینت اور اوباش بھارتی فوجی تھا۔ اس کی زبان سے پک اپ کی تلاش کا ذکر سن کر میں لرز گیا۔ اندھیرے میں مجھے ویرا اور غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر مجھے ان کی دہشت کا احساس تھا۔ باہر ہونے والی باتیں ان دونوں کے لیے روح فرسا تھیں۔

اگر وہ بات بڑھ جاتی تو ہماری مہم اپنے آغاز سے پہلے ہی المناک انجام سے دوچار ہو جاتی۔ شاید بھارت کے عام فوجیوں کا اخلاق اتنا گرا ہوا نہ رہا ہو مگر بنگو سے اڑنے والا بہت گندی سوچ کا مالک تھا۔ ویرا اور غزالہ کی پک اپ میں موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی اس کی شیطانی سوچ کو ایک نئی راہ مل جاتی۔ شاید وہ بنگو اور دو ہزار کو بالکل ہی بھول جاتا اور دونوں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی پر تل جاتا۔

ہم بھارت کے سرحدی فوجی علاقے میں تھے جہاں ان لوگوں کا راج تھا۔ ہم تین نہتے افراد ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے سامنے صرف ایک راہ رہ جاتی کہ ہم مزاحمت اور مدافعت کرتے ہوئے دلیرانہ موت کو اپنے گلے سے لگا لیتے۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان بہیمانہ مظالم کی خبریں اور تصویریں گھوم گئیں جو بھارتی بارڈر سیکیورٹی فورس کے افسر اور جوان کشمیری عورتوں پر ڈھاتے تھے۔ حالات کی سنگینی کے ادراک سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"صوبے دار' تم زیادتی کر رہے ہو۔ تم گاڑی کی تلاشی نہیں لے سکتے' مجھے میجر اچاریہ کے پاس لے چلو۔"

جواب میں صوبیدار کا کریہہ اور بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا "میجر صاحب شام کو نشہ کرتے ہیں تو ان کے بیٹ مین کے سوا کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی" وہ شیطانی لہجے میں بتا رہا تھا "تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سرحد پر گشت کرنے والے ہر فوجی کو بہت اختیار ہوتا ہے۔ میں اپنی ٹیم کا افسر ہوں۔ کسی سے پوچھے بغیر سب کچھ کر سکتا ہوں۔ پیسے نکال ورنہ میرے جوان ابھی تیری پک اپ کا تیا پانچا کر دیں گے۔ صبح میجر صاحب کا نشہ اترے گا تو وہ تجھے بھول چکے ہوں گے۔ تیری وجہ سے وہ اپنے صوبیدار اور جوانوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ سرحد پر دو چار آدمیوں کے مرنے پر کہیں کوئی شور نہیں ہوتا۔ ہم تجھے مار بھی سکتے ہیں۔"

ہم تینوں آہنی کیبن کے اندھیرے میں اپنے سانس روکے' دم بہ خود بیٹھے تھے۔ ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ بنگو نے آدمیوں کی اسمگلنگ کے لیے میجر اچاریہ کو کیا کہانی سنائی ہوئی تھی۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہو جاتا کہ پک اپ میں دو پاکستانی عورتیں موجود تھیں تو حالات ایک دم بگڑ سکتے تھے۔

باہر خوفناک سکوت چھا گیا جو ہم تینوں کے لیے فیصلہ کن تھا۔ پتا نہیں بنگو کیا سوچ رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ لالچ نہ کرے اور دو ہزار روپے پھینک دے۔ اس کا وہ نقصان ہم پورا کر دیتے۔ اس طرح ہماری عزت اور جانیں بچ سکتی تھیں مگر مشکل یہ تھی کہ ہم آواز تک نہیں نکال سکتے تھے۔ بنگو کو جو کچھ کرنا تھا' خود ہی سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ ہم اس سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ مجھے جلال کی ہدایت یاد تھی۔ اس نے ہمیں بنگو کے حکم کے

بغیر بولنے یا آواز نکالنے سے منع کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کی اہمیت ہمارے سامنے تھی۔

"جلدی بول!" انتظار سے اکتا کر صوبے دار دہاڑا "ہم تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔"

صوبیدار کو یہ معلوم تھا کہ اپنی کارروائی سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بات میجر اچاریہ تک جاتی تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسے گاڑی میں خواتین کی موجودگی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے لیے بہتر صورت یہ تھی کہ بنگو سے کوئی سودا طے ہو جائے۔

ہر فریق عجیب بے یقینی میں مبتلا تھا۔ شاید بنگو کو یہ صدمہ تھا کہ اس کے دو ہزار مفت میں مارے جا رہے تھے۔ اسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اپنا نقصان ہماری جیب سے پورا کر سکے گا۔

"رقم زیادہ ہے" بنگو کی شکست خوردہ آواز سن کر میری جان میں جان آ گئی۔ اس نے صوبے دار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"بس ڈیڑھ ہزار دے اور یہاں سے دفع ہو جا" صوبیدار غرایا "اگر یہ بات میجر صاحب کے کانوں تک پہنچی تو آئندہ تو میرے گشت میں یہاں سے نہیں گزر سکے گا۔"

"لو! یہ ایک ہزار رکھ لو!" بنگو کی آواز آئی "ان میں اتنی دارو آ جائے گی کہ تمہارے یہ پانچ آدمی دو دنوں تک پی سکیں گے۔"

"چل، بھاگ یہاں سے!" ایک دھماکے کے ساتھ صوبیدار کی آواز آئی۔ شاید اس نے اپنی گن کے دستے سے پک اپ کے کسی حصے پر ضرب لگائی تھی۔

انجن بیدار ہوا اور پک اپ پھر چل پڑی۔ بے اختیار ہم تینوں کے دہانوں سے لمبے سانس آزاد ہو گئے۔

"اس سفر کا آغاز اچھا نہیں ہوا" غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی۔ اس واقعے نے اس کی ساری خوش دلی رخصت کر دی تھی۔

"یہ شاید میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا" ویرا نے اس کی تائید کی "اس وقت بنگو نے ہمیں بال بال بچایا ہے۔ وہ لالچ کرتا تو ہم مارے جاتے۔ آج تک میں نے صرف سنا تھا مگر آج دیکھ بھی لیا کہ بھارتی فوجیوں کا کردار کتنا گھٹیا ہوتا ہے۔ یہ تو بالکل وحشی اور درندے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ سب بھارتی فوجی اس صوبیدار جیسے نہ ہوتے ہوں" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"یہ صرف صوبیدار کی بات نہیں ہے۔ تم نے اپنے کانوں سے سنا ہوگا کہ وہ میجر اچاریہ کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔ جب افسروں کا اخلاق اور کردار اتنا بگڑ جائے تو نیچے والوں کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکتی" ویرا نے زور دے کر کہا۔

"یہ گولی ہمارے کانوں کو چھوتی ہوئی گزری ہے۔ دعا کریں کہ ہم خیریت سے امرتسر پہنچ جائیں" غزالہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

وہ اس سفر کا اکلوتا اور ہولناک ترین واقعہ تھا۔ کچھ دیر تک ہماری ہڈیاں پسلیاں ایک کرنے کے بعد پک اپ کسی پختہ سڑک پر چڑھ گئی۔

تاریک راستوں کو عبور کرنے کے بعد جب پک اپ روشن علاقوں میں داخل ہوئی تو آہنی باڈی کی جھریوں میں سے چھن کر آنے والی روشن لکیروں سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پک اپ کو امرتسر کے مضافات میں کہیں رک جانا تھا۔ وہاں سے ہوٹل تک پہنچنے کے بارے میں جلال نے ہمیں بریفنگ دی ہوئی تھی۔

پختہ سڑک پر پک اپ کی رفتار خاصی تیز رہی پھر وہ دھیمی ہو گئی۔ کم رفتار کے ساتھ چند موڑ گھومنے کے بعد پک اپ رک گئی۔

بنگو نے انجن بند کرنے کے بعد پچھلے دروازے کا بولٹ کھولا تو ہم تینوں میں سے کوئی اس قابل نہیں تھا کہ سہارے کے بغیر پک اپ سے نیچے اتر سکے۔

میں نے جوں ہی بھارت کی سرزمین پر اپنا پہلا قدم رکھا تو میرے نتھنوں میں خاص قسم کی ایک تیز بو گھستی چلی گئی جو بھینسوں کے باڑوں میں عام طور پر رچی ہوئی ہوتی ہے۔ میرے پوچھنے پر بنگو نے بتایا کہ اس کا وہ ٹھکانا واقعی بھینسوں کے باڑے کے قریب واقع تھا۔

وہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے ایک کونے میں دو چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے کی آڑی ترچھی دیواروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی باقاعدہ پلاٹ نہیں تھا۔ شاید بنگو نے اپنی بدمعاشی کے زور پر زبردستی وہاں قبضہ کیا ہوا تھا۔ پلاٹ پر پک اپ کے برابر میں ایک پرانی کار پہلے سے کھڑی ہوئی تھی۔

اس احاطے میں ہم چاروں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ بنگو ہمیں ایک کمرے میں لے گیا اور بولا "تم دونوں کچھ دیر کے لیے یہاں رکو، میں این کو ہوٹل پہنچا کر آتا ہوں۔"

بنگو کی وہ وضاحت غیر ضروری تھی۔ جلال نے ہمیں پہلے سے بتادیا تھا کہ اس نے امرتسر میں ہم دونوں کو اولین لمحات سے ہی ویرا سے الگ تھلگ رکھنے کا بندوبست کرلیا تھا تاکہ کوئی بھی ہمیں یکجا نہ دیکھ سکے۔ شاید اسی لیے بنگو نے ہمیں اس اجاڑ پلاٹ پر پہنچایا تھا۔

اس کمرے میں ایک بستر اور دو بوسیدہ کرسیوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ بیت الخلا اور غسل خانہ کمروں سے کچھ فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں چھوڑ کر بنگو، ویرا کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے صوبیدار والے واقعے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

راستے کی صعوبت کے بعد وہ کمرا ہمارے لیے بہت آرام دہ ثابت ہوا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ اس بار بنگو پک اپ کے بجائے دوسری گاڑی لے گیا تھا۔ میں داخلی راستے کی طرف گیا تاکہ پھاٹک بند کردوں مگر وہاں پھاٹک کے نام پر کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دو ستونوں کے درمیان کھلے راستے سے کوئی بھی گاڑی اندر آجا سکتی تھی۔ بنگو بدمعاش تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ کوئی چور یا اچکا اس کے ٹھکانے میں گھسنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

بنگو واپسی پر گرانڈ ہوٹل کا کارڈ اپنے ساتھ لے آیا۔ اس نے امرتسر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے، کوئنز روڈ پر واقع اسی ہوٹل میں ویرا کو کمرا دلایا تھا۔ اس بار اس نے صوبے دار والا قصہ چھیڑ دیا۔ اس تمہید کے ذریعے وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا۔ میں اس بارے میں پہلے ہی فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے خاموشی سے ہزار روپے اس کے حوالے کردیے۔ میں نے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ جلال نے اسے ہم تینوں کی اسمگلنگ کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

"میں اسے ایک پیسا بھی نہ دیتا" راستے میں اس نے بتایا "بس عورتوں کے خیال سے میں مجبور ہوگیا۔ عورت کے معاملے میں ہمارے فوجی بہت بدنام ہیں۔"

"تم نے اچھا کیا ورنہ بات بڑھ جاتی" میں نے اصل خطرات کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا "صوبیدار بدنیت آدمی تھا۔"

"مجھے سارا ڈراین کا تھا۔ گوری عورتوں کو آزاد خیال سمجھ کر یہ لوگ ان سے زیادہ بدتمیزی کرتے ہیں" بنگو ایک بدمعاش تھا لیکن اسے عورتوں کی عزت کا پاس تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی اپنائیت اور ہمدردی عود کر آئی۔ وہ بھارتی فوج کے اس اوباش صوبیدار سے کہیں بہتر تھا جو ہماری راہ کا پتھر بن گیا تھا۔

رات خاصی ڈھل چکی تھی۔ امرتسر کی تنگ مگر روشن سڑکیں ویران اور خالی خالی نظر آرہی تھیں لیکن پھر بھی کہیں کہیں لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں روایتی سکھ سردار اور سردارنیاں تھیں اور کلین شیو مرد بھی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ بیشتر مردانہ سروں پر پگڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔

بنگو نے کوئنز روڈ سے گزرتے ہوئے ہمیں گرانڈ ہوٹل دکھایا جس میں ویرا مقیم تھی۔ وہ کوئی بڑا یا مہنگا ہوٹل نہیں تھا لیکن اکیلی عورت کے لیے محفوظ ضرور تھا۔ بنگو نے اسی سڑک کے سرے پر واقع ہوٹل آسٹوریا کے سامنے گاڑی روک دی۔ اندر پہنچنے کے بعد مجھے اس کے انتخاب کی داد دینی پڑی۔ وہ بھی صاف ستھرا اور نفیس ہوٹل تھا۔ ہمارے ویزا کے ساتھ پولیس رپورٹ سے استثنیٰ کی خصوصی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے کلرک نے اپنے رجسٹر کے اندراجات مکمل کرکے ہمارے پاسپورٹ لوٹادیے۔ بنگو نے ہوٹل کی رسید کے پیچھے اپنا فون نمبر درج کیا اور نیچے سے ہی رخصت ہوگیا۔ ہم دونوں بیرے کے ساتھ زینوں کی طرف ہو لیے۔

امرتسر میں ہمیں صرف پہلا پڑاؤ کرنا تھا۔ وہاں ہمیں کوئی کام نہیں کرنا تھا۔ بھارت میں امرتسر کو ہمیشہ حساس شہر تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہ سکھوں کی تمام سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ سکھوں کی مقدس عبادت گاہوں میں گولڈن ٹمپل کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ وہ بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ سکھ تحریک کے لیڈروں تک رسائی اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے امرتسر ایک موزوں شہر تھا مگر وہ ہمارا مدعا نہیں تھا۔

جب تک ہم سفر میں رہے، تکان کا احساس ستاتا رہا لیکن ہوٹل کا آرام دہ کمرا اور نرم بستر میسر آنے کے بعد میری آنکھوں سے نیند کافور ہوگئی البتہ بھوک کا احساس بیدار ہوگیا۔ اس وقت ہوٹل آسٹوریا میں کچھ دستیاب نہیں تھا مگر ٹپ حاصل کرنے کی امید میں ہوٹل کا ویٹر قریبی بازار سے کچھ لانے پر آمادہ ہوگیا۔ خورونوش کا بندوبست ہونے کے آثار دیکھے تو غزالہ بھی سونے کا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

ویٹر کو رقم اور ہدایات کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد میں نے اس بھارتی کرنسی کا جائزہ لیا جو ہم نے تبادلے میں بنگو سے حاصل کی تھی۔ سب نوٹ پرانے اور استعمال شدہ تھے۔ یہ خطرہ کم تھا کہ بنگو نے ان میں کوئی جعلی نوٹ شامل

کردیا ہو۔

"آپ نوٹ گن رہے ہیں۔ اس وقت پیسوں کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں نے رقم گنے بغیر جیب میں ڈال لی تھی۔ صبح ٹرین میں بکنگ کے لیے اس کی ضرورت ہوگی" میں نے بتایا۔

"تو کیا ہم اس شہر میں صرف شب بسری کریں گے؟" میرا جواب سن کر غزالہ کو حیرت اور مایوسی ہوئی تھی۔

"ہمارا یہاں رکنا صرف اس لیے ضروری تھا کہ ہم اپنی غیر قانونی آمد کو پاسپورٹ کے اندراج کے مطابق جائز بنا سکیں۔ یہاں بنگو ہماری اصلیت سے واقف ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ ہمیں تفریح کے خیال کو دل سے نکال کر صرف کام سے کام رکھنا ہوگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار والے واقعے نے آپ کے اعتماد کو متزلزل کردیا ہے" وہ مسکرا کے بولی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ عورت یا عورتوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تم عورت ذات ہوتے ہوئے اس واقعے سے اس قدر بے نیاز ہو...."

"اندھیرا تھا اور ہم آپس میں بات نہیں کرسکتے تھے۔ ہماری سرگوشیاں فوجیوں کے کانوں تک پہنچ جاتیں تو... وہ پچھلا حصہ کھول دیتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں نے جلال کی بریفنگ کے مطابق زبان بند رکھی مگر میں بدترین حالات کے لیے تیار تھی۔ فوجی جیتے جی مجھے یا ویرا کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ مسلح تھے اور تعداد میں ہم سے زیادہ بھی۔ میں نے پوری تیاری کرلی تھی۔ ذرا بھی گڑبڑ ہوتی تو میں اول خان والی زہریلی انگوٹھی کا کچھ سیال ویرا کے بدن میں اتارتی اور یہی عمل اپنے ساتھ دہرا ڈالتی۔ دونوں بیٹھے بیٹھے مرجاتیں۔ ان درندوں کو ہمارے مردہ جسموں کے سوا کچھ نہ ملتا۔"

غزالہ کی بات سن کر میں سناٹے میں آگیا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارے مذہب میں قتل یا خودکشی حرام ہے؟"

"ان حالات میں اس سے بہتر متبادل نہیں تھا۔ وہ لمحات خیریت سے گزر گئے۔ میں اپنے اس فیصلے کو بھول چکی ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس واقعے نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب میں اس کے سحر سے آزاد ہوچکی ہوں۔"

"یہ دشمن کی سرزمین ہے۔ میں امرتسر سے نکل جانا چاہتا ہوں تاکہ دوبارہ ایسے حالات پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ یہاں بنگو ہمارا رازداں ہے۔ نئی دہلی میں کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ ہمیں جلال نے بھارت بھجوایا ہے۔"

"وہاں اٹل بسواس اور شاید جان اسمتھ بھی موجود ہوگا" غزالہ نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"ہمارا اصل کام ان ہی دو ناموں سے وابستہ ہے۔ بھارت میں لمبا قیام خطرناک ثابت ہوگا۔"

"ویرا سے ہمارا رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ کیا آپ اسے یہاں چھوڑ کر آگے نکل جائیں گے؟" اسے ویرا یاد آگئی۔

"بکنگ کے بعد میں فون پر اسے آگاہ کردوں گا۔ وہ بھی اسی ٹرین سے دہلی جائے گی مگر اس کی سیٹ الگ ہوگی۔"

"میں آپ سے کبھی بحث نہیں کرتی۔ آپ جو فیصلہ کرلیتے ہیں، اسے قبول کرلیتی ہوں۔"

"یہاں سے جلد از جلد روانگی کے بارے میں بحث کا آغاز شاید میں نے کیا تھا!"

اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں "آپ مذاق کا بھی برا مان جاتے ہیں۔ خاموش بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ نوک جھوک ہی چلتی رہے۔ ہمارا وقت آسانی سے گزرتا رہے گا۔"

میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ مجھے اس تصور سے جھرجھری آگئی کہ سرحد پر صوبیدار سے معاملہ بگڑ جاتا تو وہ خاموشی سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتی۔ وہ موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچی تھی۔ نئی زندگی ملنے پر وہ میری طرف سے پرتپاک مبارک باد کی حق دار تھی۔

○☆○

گولڈن روڈ پر صبح کے وقت کافی رونق تھی۔ داڑھیوں اور پگڑیوں کی بھیڑ میں جوان اور صحت مند سردارنیاں بھی اپنے علاقائی غرور کے ساتھ سینہ تانے گھوم رہی تھیں۔ بعض قدامت پرست اور روایتی سکھ کرپانیں لگائے گھوم رہے تھے۔ میرے لیے وہ مناظر دلچسپ اور حیران کن تھے لیکن دوسروں کے معمولات میں شامل تھے۔

پچھلی رات بنگو کے ساتھ ہوٹل آسٹوریا کا سفر کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ امرتسر متوسط درجے کا ایک گنجان اور گندا شہر تھا جس کی ساری اہمیت صرف گولڈن ٹمپل کی وجہ سے تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ مشرقی تصور کے برعکس وہاں جنس کا کوئی خاص امتیاز نہیں تھا۔ مردوں کی بھیڑ

میں ہر عمر کی عورتیں بھی یوں اطمینان سے مل جل کر گھوم رہی تھیں جیسے وہ ان ہی کی برادری اور گھرانوں سے تعلق رکھتی ہوں۔
انسانوں کی بھیڑبھاڑ میں کہیں کہیں آوارہ سور بھی آزادی سے گھومتے نظر آئے۔ وہ اپنی سرخ اور لمبی تھو تھنیاں جھکائے کوڑے کے ڈھیر کریدتے بھی نظر آئے۔ انسان ان سے اور وہ انسانوں سے خاصے مانوس تھے۔
میں ان گندے اور بدبودار جانوروں سے بچتا ہوا پیدل ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں میری نگاہیں کسی ایسے فون بوتھ کی متلاشی تھیں جہاں سے میں بے فکری سے ویرا سے رابطہ کرسکوں۔ میں نے ہوٹل کے فون کو اس کام کے لیے موزوں نہیں سمجھا تھا۔ وہ اوسط درجے کا ہوٹل تھا جہاں اس بات کا امکان تھا کہ آپریٹر کسی بھی وقت گفتگو میں مداخلت کر بیٹھے۔
اپنے مطلب کا پہلا بوتھ نظر آتے ہی میں اس میں گھس گیا۔ میں نے گرانڈ ہوٹل کا نمبر ملا کر ان کاویل سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپریٹر نے خالص پنجابی میں مجھے ہولڈ کرنے کا مشورہ دیا اور لمحہ بھر بعد لائن ویرا سے ملادی۔
شاید ویرا میری کال کی توقع کررہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی مضطربانہ لہجے میں بولی "تم اس وقت میرے ہوٹل سے کتنی دور ہو؟ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہی تھی کہ تم سے کیسے رابطہ کرسکوں گی، یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔"
"میں قریب ہوں اور ریلوے اسٹیشن جارہا ہوں۔ تم بھی وہیں آجاؤ" میں نے اس کی پریشانی بھانپ کر مشورہ دیا۔
"بس میں پہنچتی ہوں۔ کچھ تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کرلینا" یہ کہہ کر ویرا نے فون بند کردیا۔
میں بھی ریسیور ہک سے لٹکا کر باہر نکل آیا۔ مجھے تشویش ہورہی تھی کہ ویرا کی پریشانی کا کیا سبب تھا۔
میں نے فٹ پاتھ پر رینگتی ہوئی بھیڑ سے الگ ہوکر اپنی رفتار تیز کردی۔ میں اپنے لباس اور خدوخال کے اعتبار سے بہت سے مقامیوں جیسا ہی تھا۔ دور سے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں کسی دوسرے ملک سے وہاں پہنچا ہوں۔ زبان کے علاوہ شہر اور اس کے راستوں سے میری عدم واقفیت میری کمزوری تھی۔ میں پنجابی زبان سمجھنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن سرداروں والی کھڑی پنجابی بولنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔
گرانڈ ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں مگر ویرا کہیں نظر نہیں آئی۔ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر اس وقت کافی بھیڑ تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں افراتفری کا سماں نظر آرہا تھا۔ میں قلیوں کے سروں پر لدے ہوئے جستی صندوقوں اور بستربندوں سے بچتا ہوا اس طرف پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا جہاں انگریزی میں غیر ملکیوں کے لیے بکنگ کی تختی آویزاں تھی۔
وہاں ویرا مجھ سے پہلے پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میری طرف چلی آئی۔ میں اسے ساتھ لے کر ایک ایسے حصے کی طرف چل دیا جہاں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔
"یہاں میں پریشان ہوگئی ہوں۔ ہر شخص کو اپنی زبان سے بے انتہا پیار ہے..."
"کیا تم صرف اس وجہ سے اتنی بوکھلائی ہوئی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر دبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"نہیں، میں چند سرپھرے لڑکوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ بلاوجہ میری مہمان نوازی پر تلے ہوئے ہیں۔ کسی معاوضے کے بغیر مجھے گولڈن ٹمپل اور شہر کی سیر کرانے کی پیشکش کرچکے ہیں۔ صبح سے تین مختلف چہرے میرے پاس آچکے ہیں۔ ان میں سے دو تو صورتوں سے ہی لوفر معلوم ہورہے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تینوں ایک ٹولی کے لڑکے ہیں۔ میں انہیں بہت اچھا سبق دے سکتی ہوں لیکن صوبے دار والے واقعے کے بعد میری طبیعت مکدر ہے۔ میں ہر الجھن سے دور رہنا چاہتی ہوں۔"
"ہمارے لیے یہ شہر موزوں نہیں ہے۔ میں اس وقت دہلی کے لیے بکنگ کرانے کے ارادے سے آیا ہوں۔"
"مجھے اندازہ ہوگیا تھا" اس نے اپنے وینٹی بیگ سے اپنا پاسپورٹ نکال کر مجھے تھمادیا "خدا کا شکر ہے کہ بنگو نے تمہیں میرے ہوٹل کا فون نمبر دے دیا۔ مجھے تمہارے ہوٹل کا نام تک معلوم نہیں ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے بالکل کٹ کر رہ جائیں گے۔"
"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا مگر تم نہ مانیں۔ ہوسکتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد یہ مسئلہ حل ہوسکے۔ یہاں تو جیسے تیسے وقت گزارنا ہی پڑے گا" میں نے اسے وہیں چھوڑا اور دوبارہ بکنگ کاؤنٹر کی طرف ہولیا۔
امرتسر سے دہلی، کلکتہ اور دوسرے شہروں کے لیے روز کئی ریل گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں۔ دہلی کے لیے بکنگ کی صورت حال اچھی نہیں تھی مگر تینوں پاسپورٹ دیکھنے کے بعد کلرک نے مجھے دو ٹرینوں کے بارے میں بتایا جن میں غیر

ملکیوں کے لیے بکنگ موجود تھی۔ میں نے اسی روز دو بجے جانے والی سپر فاسٹ ٹرین میں تینوں نشستیں محفوظ کرالیں۔ میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اپنی اور غزالہ کی برتھ مردانہ حصے میں رکھی تھی۔ ویرا کے لیے زنانہ ڈبے میں نشست لی تھی تاکہ وہ ہم سے الگ رہ سکے۔

پاکستان میں ٹرین کی نشستوں کے حصول میں ہونے والی دشواریوں کے پیش نظر وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ بھارتی فوج کے ایک صوبیدار نے ہمارے پہلے تجربے میں اپنے ملک کی صورت جس طرح مسخ کی تھی، دوسرے تجربے نے اس کا تھوڑا سا ازالہ کردیا تھا۔

امرتسر سے دو بجے روانگی کی خبر ویرا کے لیے خوش خبری سے کم نہیں تھی۔ اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ واپس لیتے ہوئے اس نے تعجب سے کہا "میں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ فرنچ، اطالوی اور جرمن بھی اپنی اپنی زبانوں کے بارے میں بہت متعصب ہیں مگر میں نے امرتسر جیسی گھٹن کہیں محسوس نہیں کی۔ غنیمت ہے کہ ہم دوپہر تک یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ امرتسر اور سکھوں کا قصور نہیں ہے۔ تمہارے سر پر ابھی تک رات والا صوبیدار سوار ہے۔"

"اوہ خدا!" ویرا نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے گہرا سانس لیا "وہ چند منٹ کی باتیں تھیں مگر میں اس بھیانک تجربے کو عمر بھر فراموش نہیں کرسکتی۔ میری عقل ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم وہاں سے کیسے نکلیں گے۔ بنکو عظیم بدمعاش ہے، اس نے پلٹ کر فالتو خرچ کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"وہ تھوڑا سا کم عظیم ہے۔ تمہیں ہوٹل پہنچانے کے بعد اس نے مطالبہ کردیا تھا جو میں نے پورا کردیا۔"

"شاید وہ سکھ نہیں ہے تب ہی اس نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرلیا۔ سرداروں کے لیے ایک وقت میں یہ دونوں کام ناممکن ہیں۔ صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرنا اور صحیح فیصلے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کرنا ان کا طرہ ہوتا ہے۔"

"یہ بنائے ہوئے لطیفے ہیں۔ سارے سکھ عقل سے اتنے عاری نہیں ہوتے" ہم نے ٹہلتے ہوئے وہ جگہ چھوڑدی۔

"جو کچھ بھی ہو، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سکھ ساری دنیا میں جہاں بھی ہیں، پسند کیے جاتے ہیں مگر اپنے شہر میں انہوں نے مجھے بیزار کردیا۔ میں اب ہوٹل میں نہیں ٹکوں گی۔ ایک بجے وہاں جاؤں گی اور بیگ لے کر سیدھی اسٹیشن پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے اپنا پاسپورٹ بیگ میں رکھ لیا ہے۔ اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ میں سفر میں سفری دستاویزات اور رقم کو اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہوں۔ بھارت میں تم نے پاسپورٹ کھودیا تو مشکلات میں پڑجاؤ گی۔ بازاروں میں گھومنے والے غیر ملکی جیب کتروں کا خاص نشانہ ہوتے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں اپنے بیگ کو بازو اور جسم کے درمیان دبا کر رکھتی ہوں۔ اسے چھینا جاسکتا ہے، چرایا نہیں جاسکتا۔"

"پھر تم آوارہ گردی کرو۔ میں واپس جاتا ہوں۔ اب ڈیڑھ بجے اسٹیشن پر ملاقات ہوگی۔"

"اب اتنی احتیاط مت کرو۔ ابھی ہم نے کام شروع نہیں کیا۔ یہاں ہمارا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔ تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گزارلو۔"

"تم یہ بھول رہی ہو کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی ہے۔ تمہاری طرح وہ بھی کسی بات سے ہراساں ہوسکتی ہے" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ہاں۔ اس کا خیال میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ تمہیں فوراً واپس جانا چاہیے۔"

اسٹیشن کی حدود سے باہر نکل کر ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ میرا رخ اپنے ہوٹل کی طرف تھا۔

غزالہ ہوٹل کے کمرے میں بہت آرام سے تھی۔ میں پہنچا تو وہ ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے میں مصروف تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے کسی نے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے اس عجیب سوال کی وجہ دریافت کرتی، میں نے اسے خود ہی بتادیا کہ ویرا کی گوری رنگت اور جاذب صورت دیکھ کر امرتسر کے کچھ لڑکے اسے شہر کی مفت سیر کرانے پر مصر تھے اور بار بار اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے پریشان کررہے تھے۔

"یہ ہوٹل کی انتظامیہ کی کمزوری ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہوتے ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا "وہاں باہر سے آنے والوں کو کسی روک ٹوک کے بغیر مہمانوں کے کمروں میں جانے کی آزادی ملی ہوئی ہوگی ورنہ ویرا کی اجازت کے بغیر کوئی ملاقاتی اس کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتا۔"

غزالہ نے تجربے کی بات کہی تھی "تم نے یہ نکتہ کیسے سمجھ لیا؟" میں اس سے سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

''شاید ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے غیر ملکیوں کے لیے یہاں خاصے گائیڈ موجود ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد یہاں بھی کوئی آیا تھا۔ اسے کاؤنٹر پر ہی روک لیا گیا۔ کلرک نے انٹرکام پر مجھ سے پوچھا اور میں نے گائیڈ کے لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا۔ یہ میرا تازہ ترین تجربہ ہے۔''

ہم لاہور سے امرتسر آئے تو سارا وہ بندوبست جلال کا تھا۔ شروع سے آخر تک اس کی دی ہوئی ہدایات کی پاسداری کی گئی تھی۔ اس بندوبست میں ایک نکتہ فراموش کر دیا گیا تھا۔ جو ویرا کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ بنگو نے ویرا کے ہوٹل کا نام اور فون نمبر ہمیں دے دیا مگر ویرا کے پاس ہمارا کوئی سراغ نہیں تھا۔ میں نے اس سوال کو ٹالتے ہوئے ویرا کو شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ مسئلہ میرے ذہن پر سوار تھا۔

امرتسر کے مقابلے میں دہلی بہت بڑا اور گنجان شہر تھا۔ وہاں ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر حالات کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہماری اس تمام مشق کا مقصد صرف اتنا ہے کہ بیک وقت ہم تینوں اپنے دشمن کی نگاہوں میں نہ آنے پائیں'' میری تشویش سے آگاہ ہونے کے بعد غزالہ نے کہا ''ہم کسی سے پنجہ آزمائی کر رہے ہوں تو ویرا دور رہ کر تماشا دیکھتی رہے۔ ضرورت پڑے تو جلال کے آدمیوں سے مدد لے لے۔ انتہائی ناگزیر مجبوری کے سوا اسے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔''

''یہی رویّہ ہم کو بھی اپنانا ہوگا۔ ہمیں غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے گریز کرنا ہوگا۔''

''بھارت میں یہ امکان بھی نہیں ہے کہ کوئی آپ کو یا ویرا کو صورت سے پہچان لے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''میری حد تک یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟'' میں نے الجھ کر سوال کیا۔

''آپ پریشان ہیں۔ سوچ رہی ہوں کہ آپ کے انداز میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں۔''

میں اس کی سادگی پر ہنس دیا ''کوشش کرو۔ شاید تمہارے دماغ میں کوئی اچھی تجویز آجائے۔''

''تجویز موجود ہے'' اس نے پورے اعتماد سے کہا ''وہ ٹرین میں ہم سے الگ رہ کر سفر کرے گی۔ دہلی پہنچ کر ہم الگ الگ کسی بڑے ہوٹل میں پہنچیں اور کمرے لے لیں۔ ہر ہوٹل میں سیکڑوں مہمان رہتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا کہ کون کس کا ساتھی ہے۔ اگر وہ احتیاط کرے گی تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔ ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں ٹھہر سکیں گے۔ ضرورت پڑنے پر موقع نکال کر ایک دوسرے سے مل بھی سکتے ہیں۔''

وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو مجھے نہیں سوجھ رہی تھی۔ میں نے اچھل کر زور سے غزالہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا ''تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی۔ ویرا مجھ سے زیادہ پریشان ہے۔ اب اسے اندازہ ہو رہا ہے کہ باتیں ملانے اور کام کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔''

''لاہور سے یہاں پہنچنے تک ہم باتیں ہی باتیں کرتے رہے ہیں یا تفکرات میں گھلتے رہے ہیں۔ اصل کام جہاں تھا' وہیں پر ہے۔''

''اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان تجربوں اور مشاہدوں سے گزرے بغیر ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایک بار ہم دہلی پہنچ جائیں تو واقعات کی رفتار خود بخود تیز ہو جائے گی۔ انل بسواس اور جان اسمتھ میں سے جو بھی پہلے گرفت میں آگیا' اسی سے کام کی ابتدا کریں گے۔''

''فی الحال آپ صرف انل بسواس کو ذہن میں رکھیں۔ پتا نہیں جان اسمتھ کہاں ہو'' چار کی ٹولی ٹوٹنے کے بعد غزالہ حقیقی معنوں میں میری مشیر اور مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے پہلے اس کی ان صلاحیتوں سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔

''ٹرین میں یا دہلی ریلوے اسٹیشن پر ویرا سے بات ہونے کا امکان نہیں ہے۔ ہمیں ابھی طے کر لینا چاہیے کہ دہلی میں ہم کس ہوٹل کا رخ کریں گے؟'' میں نے کہا۔

''یہ آپ کا کام ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ دہلی میں کون کون سے بڑے ہوٹل ہیں؟''

''ابھی ہوٹل چھوڑیں گے تو باہر کسی ائرلائن کے دفتر یا ٹورسٹ آفس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں دہلی کے صرف دو ہوٹلوں کے بارے میں جانتا ہوں۔ اوبرائے اور انٹرکانٹی نینٹل۔ اس سے آگے میری سلیٹ صاف ہے۔''

وہ گفتگو ایسی تھی جو اطمینان سے بیٹھ کر ہی کی جا سکتی تھی۔ بازاروں میں راہ چلتے ہوئے ان اہم نکات پر تبادلہ خیال ممکن نہیں تھا۔

ہم نے جب تک روانگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' یہ سوچ کر خوف آرہا تھا کہ امرتسر میں ہمارا وقت کیسے گزرے گا لیکن ٹرین کی بکنگ ہو جانے کے بعد وقت تیزی سے گزرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں ہوٹل سے اپنا

حساب بے باق کر کے روانہ ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ راستوں سے لاعلمی کے باعث ہم نے کوئی سواری لینے اور کوئنز روڈ سے دور نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔ ایک بار ہم راستہ بھٹک کر دور نکل جاتے تو وقت پر اسٹیشن پہنچنا دشوار ہوجاتا۔ ہم خراماں خراماں اسی سڑک پر چلتے رہے۔ راستے میں غزالہ نے چند دکانوں میں تاک جھانک کی مگر امرتسر کے اس بازار میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نظر نہیں آئی جسے اس شہر کی خاص سوغات سمجھ کر خریدا جاتا۔

مجھے ایک جگہ ایئرانڈیا کا بورڈ نظر آیا تو میں غزالہ کو ساتھ لے کر وہاں گھس گیا۔ وہاں فضائی سفر کے لیے ٹکٹوں کی فروخت اور اندرون ملک نشستوں کے ریزرویشن کا پورا بندوبست تھا مگر دہلی کے ہوٹلوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ ایک افسر نے ہمیں ٹورسٹ آفس یا کسی ٹریول ایجنسی سے رجوع کرنے کا قیمتی مشورہ دے کر رخصت کردیا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ دہلی میں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سب سے بہتر رہے گا۔

ہم ڈیڑھ بجے سے پہلے امرتسر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ویرا ہم سے پہلے وہاں موجود تھی۔ وہ تھکی ہوئی اور اکتائی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر ترس آگیا۔ اسے الگ ہونے کا مشورہ دینے کے بجائے میں اسے ساتھ لے کر ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔

امرتسر میں ویرا نے جیسے تیسے ایک دن گزار لیا تھا۔ ہم لوگ بنگو کی مہربانی سے بچھڑ کر یکجا بھی ہوگئے تھے مگر دہلی میں قیام کے بارے میں ویرا فکرمند تھی۔ غزالہ اسے کچھ دیر تک چھیڑتی اور ستاتی رہی۔ میں ان کی گفتگو سے بے تعلقی اختیار کیے خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ ویرا کے اس مسئلے کا حل غزالہ نے تجویز کیا تھا۔ اسے دہرانے کا حق اسی کو تھا۔ کچھ دیر کی نوک جھوک کے بعد غزالہ نے اسے مسئلے کا حل بتایا تو ویرا خوش ہوگئی۔

اسے ابتدا سے یہ شک تھا کہ دہلی کے سفر میں غزالہ اسے مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔ غزالہ نے تینوں کے ایک ہوٹل میں قیام کی تجویز پیش کرکے ان شکوک کو مٹادیا تھا۔ چائے ختم کرنے کے بعد باتوں باتوں میں ویرا کو علم ہوا کہ ٹرین میں اس کی سیٹ ہم دونوں سے الگ تھی تو وہ مجھ پر قدرے برہم ہوئی لیکن اس کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

ڈیڑھ بجے ہم پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ دھلی دھلائی، صاف ستھری ٹرین وہاں لگ چکی تھی۔ مسافروں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا تھا۔

امرتسر پہنچنے کے بعد ہم نے صحت، صفائی، معیار زندگی اور تعلیم کے اعتبار سے بھارت کا جو حال دیکھا تھا، وہ کسی بھی طرح قابل فخر نہیں تھا۔ ظاہری طور پر ان سب شعبوں میں پاکستان آگے نظر آتا تھا لیکن کہا یہ جاتا تھا کہ تعلیم اور اقتصادی ترقی کے شعبے میں بھارت آگے تھا۔ وہ کس طرح آگے تھا؟ اس بات کی کوئی شہادت اس وقت تک ہمارے سامنے نہیں آسکی تھی لیکن بھارتی ٹرین دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس شعبے میں وہ ہمیں مات دے چکے تھے۔ آرام دہ ٹرین کی ہر بوگی پر ایک باوردی کنڈکٹر گارڈ مامور تھا جو بکنگ کا یقین کیے بغیر کسی کو ڈبے میں سوار ہونے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

ریزرویشن والی بوگیوں میں صرف وہی مسافر سفر کرسکتے تھے جن کی نشستیں پہلے سے مخصوص ہوں۔ دوسرے لوگ ان کے آرام اور سہولتوں میں حارج نہیں ہوسکتے تھے۔ ہر ٹرین کے ساتھ ایک دو ایسی بوگیاں لگائی جاتی تھیں جن میں صرف ٹکٹ خرید کر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ ایسی بوگیوں کا وہی حشر ہوتا تھا جو پاکستان کی ہر ٹرین میں اور ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔

ہم نے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کے دوران میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ ہماری اور ویرا کی بوگی ایک ہی تھی۔ بکنگ کلرک نے ایک ساتھ ہونے والی بکنگ کا ازخود لحاظ کرتے ہوئے ویرا کو ہماری بوگی کے زنانہ حصے میں جگہ دے دی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ اس خطے کی معاشرتی روایات کے مطابق مسافروں سے زیادہ ہجوم ان لوگوں کا تھا جو اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ٹرین پر سوار کرانے آئے تھے۔ ٹرین میں مسافروں کی تعداد پوری ہونے والی تھی۔ پلیٹ فارم پر ریلوے کے عملے کی وہ بھاگ دوڑ شروع ہوگئی تھی جو کسی ٹرین کی روانگی سے پہلے دیکھنے میں آتی ہے۔

ہم نے ویرا کو زنانہ حصے میں بٹھایا پھر میں غزالہ کے ساتھ مردانہ کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا۔ کنڈیکٹر نے دیوار پر آویزاں فہرست میں مظہر اور غزالہ کا نام دیکھ کر ٹکٹ چیک کیے اور ہم دونوں اپنی آرام دہ جگہوں پر پہنچ گئے۔

ٹھیک دو بجے ٹرین نے آخری وسل دی اور ایک ہچکولے کے ساتھ پلیٹ فارم چھوڑ کر تیزی سے رفتار پکڑتی

چلی گئی۔
امرتسر سے دہلی تک کا سفر لمبا تھا۔ سکون کی بات یہ بھی کہ ڈبا روشن اور ہوا دار تھا۔ اس میں نشستوں سے ایک آدمی بھی زائد نہیں تھا۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی، سب ہی شامل تھے۔ بعض اپنی وضع قطع اور لباس سے الگ پہچانے جا رہے تھے۔ کوئی دوسروں پر معترض نہیں تھا۔

ہمیں رات گئے دہلی پہنچنا تھا۔ میں نے جوتے اتار کر پلیٹ فارم سے خریدا ہوا انگریزی اخبار سنبھال لیا۔ غزالہ کھڑکی کے شیشے کے ساتھ لگی باہر کے دوڑتے ہوئے مناظر دیکھنے میں محو ہو چکی تھی۔ ہماری طرح دوسرے مسافر بھی کچھ لکھنے پڑھنے یا باتیں کرنے میں منہمک ہو چکے تھے۔

وہ سپر فاسٹ ٹرین تھی۔ جالندھر اور لدھیانہ کے اسٹیشنوں سے گولی کی طرح گزر گئی۔ انبالہ پر ٹرین چند منٹ کے لیے رکی اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ باہر چمکتے ہوئے سورج کی تیز روشنی رفتہ رفتہ ماند پڑنے لگی تھی۔ سورج غروب ہوا تو ٹرین کی روشنیاں جل اٹھیں۔

دس بجے ہماری ٹرین دہلی کے مضافات اور ریلوے لائن کے اطراف میں آباد جھونپڑیوں اور کچی آبادیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دہلی اسٹیشن پر جا رکی۔

اسٹیشن کی عمارت پرانی تھی اور زبانِ حال سے اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ ہمارے پاس سامان نہیں تھا، اس لیے ہم قلی کی ضرورت سے بے نیاز تھے مگر ہمیں ویرا پر نگاہ رکھنی تھی۔ وہ بھی ہماری طرح جلد ہی باہر نکل آئی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں دیکھ چکی ہے تو میں نکاس کے راستے کی طرف ہو لیا۔

اسٹیشن کے باہر سائیکل رکشا سے ٹیکسیوں تک کا ہجوم جمع تھا۔ ہر ڈرائیور کی یہ خواہش تھی کہ وہ سامان سے لدے پھندے مسافروں کو اپنی سواری میں لاد کر ان کی منزل تک پہنچانے کی سعادت حاصل کرے۔ ہم سامان سے محروم تھے اس لیے ڈرائیوروں کی توجہ سے محروم رہے تھے۔ ہمیں از خود ایک ٹیکسی والے کو اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی وہ روانگی پر آمادہ ہو گیا۔

امرتسر سے روانگی سے پہلے ہوٹل کا تعین ہو چکا تھا۔ ویرا مسافروں کی بھیڑ میں کہیں پھنس گئی تھی مگر میں اس کی طرف سے فکرمند نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے ہوٹل پہنچ جائے گی۔

دہلی کی سڑکوں کی رونق اس وقت بھی برقرار تھی۔ کام

ابراہام لنکن نے کہا

○ جن لوگوں کو اس قسم کی کتابیں بہت پسند ہیں، انہیں یہ کتاب بہت پسند آئے گی۔ (ایک کتاب پر تبصرہ)

○ اللہ تعالیٰ کو یقیناً بے وقوف لوگ پسند ہیں تبھی اس نے وہ اتنی زیادہ تعداد میں پیدا کیے ہیں۔

○ مجھے نہیں معلوم میرے دادا کیا تھے۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ ان کا پوتا کیا ہوگا؟

○ اگر یہ چائے ہے تو براہ کرم مجھے کافی لا دیجیے اور اگر یہ کافی ہے تو براہ کرم مجھے چائے لا دیجیے۔

○ میرا تجربہ ہے کہ جن لوگوں میں کوئی برائی نہیں ہوتی ان میں اچھائی بھی کم ہی ہوتی ہے۔

○ میرے باپ نے مجھے کام کرنا سکھایا۔ کام سے محبت کرنا نہیں سکھایا۔ وہ میں نے خود سیکھا ہے۔

○ کسی بھی آدمی کی یادداشت اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ کامیابی سے جھوٹ بول سکے۔

○ سونے کی عینک پہن کر روشن سے روشن حقیقت بھی نظر نہیں آسکتی۔

○ لومڑی کے شکار کے لیے چوہے کو نہیں بھیجنا چاہیے اور وہیل مچھلی کے شکار کے لیے تکیہ لے کر نہیں جانا چاہیے۔

○ شادی نہ تو جنت ہے اور نہ جہنم.... یہ صرف تطہیر کا عمل ہے۔

○ جب آپ نے ہاتھی کو صرف اس کی پچھلی ٹانگوں سے پکڑ رکھا ہو تو پھر بہتر ہے کہ اسے بھاگ جانے دیجیے۔

○ احمقوں کو نصیحت کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔

کالج اور کاروبار کا وقت ختم ہو چکا تھا مگر لوگ تفریح کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور دہلی کا رہنے والا اور باتونی تھا۔ ہم نے اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی کہ ہم پاکستان سے آئے تھے۔ ٹریفک کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے ہم جلد ہی کناٹ پیلس میں واقع ہوٹل کے پورچ میں پہنچ چکے تھے۔ ٹیکسی سے اتر کر ہم عمارت میں داخل ہوگئے۔

ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہوٹل میں کمرے خالی تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ دہلی کے اعلیٰ ہوٹلوں میں سیکڑوں کمروں کی گنجائش ہونے کے باوجود، بعض اوقات کئی کئی دنوں تک کوئی کمرا دستیاب نہیں ہوتا۔

ہمارے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا لیکن اس پر شکوہ عمارت میں صحیح کمرے تک رسائی کے لیے پورٹر کی رہنمائی ضروری تھی۔ اس کے ساتھ لفٹ کا رخ کرنے سے پہلے میں نے غزالہ کو وہیں رک کر ویرا کا انتظار کرنے اور اس کا کمرا نمبر معلوم کرنے کی ہدایت کردی۔ ایک مرد اور عورت کی ملاقات کے مقابلے میں دو عورتوں کی ملاقات کسی کے لیے بھی قابل توجہ نہیں ہوسکتی تھی۔

پورٹر کو رخصت کرکے میں نے کمرا اندر سے مقفل کرلیا اور ٹیلی فون کے ساتھ رکھے ہوئے پلاسٹک کارڈ کا جائزہ لے ڈالا۔ دہلی میں میرے پاس کسی کا فون آنے کا امکان نہیں تھا۔ بیشتر کالز خود مجھے کرنی تھیں یا پھر فون کو انٹرکام کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ فون کے ساتھ یہ سہولت موجود تھی کہ نو کا ہندسہ ملا کر براہِ راست بین الاقوامی ڈائلنگ والی فون لائن حاصل کی جاسکتی تھی۔ اس سہولت کی وجہ سے میں آپریٹر کی مداخلت کے بغیر کسی سے بھی رابطہ کرسکتا تھا۔ اگر میں اس لائن سے سی ایل ڈی جوڑلیتا تو مجھے جلال کے آدمیوں سے ہر وقت رابطے کی آسانی حاصل ہوسکتی تھی۔ آپریٹر کی مداخلت کی صورت میں سی ایل ڈی کے ذریعے لائن خود بہ خود ڈراپ ہوجاتی۔

میں نے اپنی ضروریات اور امکانات پر دوبارہ غور کیا۔ سی ایل ڈی جوڑنے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ہوٹل کے فنی عملے کو لائن کے ساتھ کسی گڑبڑ کا اندازہ نہ ہوسکے۔ اس کے لیے عارضی کنکشن بہترین حل تھا۔ جب تک ہم میں سے کوئی کمرے میں موجود رہتا، سی ایل ڈی کی لائن فون سے منسلک رہتی۔ کمرا خالی کرنے سے پہلے اسے نکال دیا جاتا تاکہ کمرے کی صفائی اور دیکھ بھال کرنے والے عملے کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکے۔

دیوار سے ٹیلی فون انسٹرومنٹ تک آنے والا تار خاصا لمبا تھا تاکہ اسے سہولت کے مطابق بستر سے باتھ روم تک کہیں بھی منتقل کیا جاسکے۔ ہوٹل میں ٹھہرنے والے بعض اکیلے مہمانوں کی نجی یا کاروباری ضروریات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بستر میں ہوں، کھانے کی میز پر ہوں یا باتھ ٹب میں، فون ان کے قریب موجود ہونا چاہیے۔ ہوٹل کی تجربہ کار انتظامیہ نے تار کی وہ لمبائی اسی حساب سے رکھی تھی۔

میں نے تار ایک جگہ سے چھیل کر فون میں آنے والے دو میں سے ایک تار کاٹ دیا۔ تار کے دونوں سرے چھیل کر میں نے سی ایل ڈی کو ان سے جوڑ دیا۔ ضرورت کے وقت وہ فون بلا خوف و خطر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ سی ایل ڈی کو نکال کر کٹے ہوئے تاروں کو آپس میں ملا دینے سے وہ لائن اپنی اصل حالت میں آجاتی۔ میں اس کام میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سی ایل ڈی کو مسہری کے نیچے ڈالا، تار کو سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپایا اور تقریباً دوڑتا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ اپنے سوال کے جواب میں غزالہ کی آواز سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

غزالہ مسکراتے ہوئے اندر آگئی "این آگئی ہے اسے پانچ سو پندرہ نمبر کمرا ملا ہے۔" دروازہ بند کرکے وہ میری طرف مڑی لیکن میں بے پروائی سے واپس ہولیا تھا۔ وہ میرے چہرے پر رونما ہونے والے کسی تغیر سے باخبر نہیں ہوسکی۔ میں نے واپس آتے ہی دوبارہ سی ایل ڈی نکال لی۔ بڑا کام ہوگیا تھا لیکن کٹے ہوئے تاروں کو اتفاقی طور پر آپس میں ملنے سے بچائے رکھنا ضروری تھا۔ ایسا ہونے سے سی ایل ڈی ناکارہ ہوسکتی تھی۔

"ارے.... یہ آپ نے ہوٹل کے فون میں سی ایل ڈی کیوں لگادی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

میری غیر حاضری میں سی ایل ڈی کو سنبھالنے کی ذمے داری اس کے سر آسکتی تھی۔ میں نے پوری بات سمجھاتے ہوئے تار کے ایک سرے پر عارضی طور پر کاغذ کی پٹی لپیٹ کر اسے جڑنے سے محفوظ کردیا۔

"یہ ترکیب آپ لاہور میں بھی استعمال کرسکتے تھے۔" میری وضاحت سن کر غزالہ نے کہا۔

"وہاں ممکن نہیں تھا کیونکہ آپریٹر کے ذریعے ہماری کالز آتی تھیں۔ بار بار لائن ڈراپ ہونے سے ہوٹل کے عملے کی توجہ ادھر مبذول ہوجاتی۔ ویسے بھی وہاں سی ایل ڈی کی

ضرورت نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ عملے میں خالد کا کوئی آدمی موجود تھا ورنہ وہ اتنا پُراعتماد نہیں ہوسکتا تھا۔"

غزالہ کے چہرے پر سفر کی تکان غالب تھی۔ جوتے اتار کر وہ نہانے کے لیے چلی گئی اور میں نے جلال کا دیا ہوا پرچہ نکال لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں وہ رابطہ صبح تک کے لیے نہ ٹل جائے۔

میں نے بورڈ سے براہِ راست نمبر لے کر بھارت کی سرزمین پر اپنی پہلی ٹیلی فون کال ملائی۔ دہلی کے کسی نامعلوم حصے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا "ہیلو! کون ہے؟"

فون پر خلاف توقع ایک نسوانی آواز سن کر میں چونک پڑا "لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ نمبر ملانے میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا کسی خرابی کے سبب غلط نمبر ملا ہے۔ پھر بھی میں نے ایک کوشش کرنے کا اضطراری فیصلہ کرلیا "کپور تھلہ کے رئیس سے بات کرادو۔"

وہ جلال کے آدمیوں میں سے پہلے کا کوڈ تھا۔ مجھے عورت کی طرف سے کسی تیکھے جواب کی توقع تھی مگر میرے فقرے پر اس کا ردعمل غیر معمولی نہیں تھا۔ میرے کانوں میں پہلے جیسی پرسکون آواز آئی "وہ چلا گیا۔ صبح نو بجے فون کرلینا۔" کوڈ سننے کے بعد اس نے میرا نام پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"گریٹ ڈین کو بلا دو!" جلال کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق میں نے دوسرا کوڈ دہرادیا۔

"اچھا!" اس کا جواب معنی خیز تھا جیسے وہ کوئی بات سمجھ گئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "میں اسے بلاتی ہوں۔"

لائن پر سکوت چھا گیا، میں ریسیور کان سے لگائے کسی نئی آواز کا انتظار کرتا رہا۔ اچانک کمرے کی فضا.... سی ایس ڈی کے بزر سے گونج اٹھی اور لائن ڈراپ ہوگئی۔ میں سناٹے میں آگیا۔ لائن ڈراپ ہونے کا مطلب تھا کہ کسی نے درمیان میں گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں نے دہلی پہنچنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا مگر کسی نے مخل ہوکر میری کوشش ناکام بنادی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کس کی حرکت تھی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہمارا اندراج پاکستان سے آنے والے مسافروں کے طور پر کیا گیا تھا۔ سب سے قوی اندیشہ یہ تھا کہ پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم دہلی میں قدم رکھتے ہی مشتبہ تصور کرلیے گئے تھے۔ کسی سرکاری ہدایت کی روشنی میں ہوٹل کی انتظامیہ نے

ایک سفری سیلز مین کی بیوی نے طلاق کے لیے مقدمہ دائر کیا اور اس کی وجہ شوہر کی بے وفائی بتائی۔

"اس کا ثبوت؟" جج نے پوچھا۔

"جب بھی میرا شوہر کسی طویل دورے پر واپس آتا ہے، میرا گال تھپتھپاتے ہوئے کہتا ہے "ایسا لگتا ہے کہ ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں" بیوی نے بتایا۔

○☆○

میری کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری یہ خوش فہمی بے بنیاد تھی کہ میں ہوٹل میں بیٹھ کر جلال کے آدمیوں سے رابطہ کرسکتا تھا۔ ہوٹل ہمارے لیے سب سے بڑا اور خطرناک جال تھا، مجھے وہاں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

غزالہ نے باتھ روم میں سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنا غسل مختصر کرکے فوراً باتھ روم سے نکل آئی۔

"یہ سی ایس ڈی کیوں آپریٹ ہوئی تھی؟ آپ کس سے بات کررہے تھے؟" اس نے اپنی گیلی زلفیں سمیٹتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"میں پاکستان سے صرف ایک نمبر لے کر آیا تھا۔ ہوٹل کا فون مداخلت سے محفوظ نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"مطلوب آدمی مل گیا تھا یا سرے سے رابطہ ہی نہیں ہوسکا۔" غزالہ بالوں کے گرد تولیہ لپیٹ رہی تھی۔

"فون مل گیا تھا۔ ایک عورت نے اسے بلانے کے لیے کہا تھا۔ میں ہولڈ پر تھا کہ اچانک لائن کٹ گئی۔"

"اوہ.... آپ نے اس عورت کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا۔" میرے جواب پر غزالہ مضطرب ہوگئی۔

"کچھ نہیں۔ کوڈ کے بعد کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں

تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی اعتماد کا آدمی ہے۔ ایسے معاملات میں ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں بولا جاتا۔ مختصر اور کام کی بات کی جاتی ہے۔ وہ آجاتا تو اس کی بات دوسری ہوتی۔"

"ادھر آپ پریشان ہیں! اُدھر وہ خوف زدہ ہوگیا ہوگا۔ یہاں کام کرنے والے ہر وقت تلوار کی دھار پر ہوتے ہیں۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ فون کرنے والا کون تھا۔ اسے یہ بات شبہے میں ڈال دے گی کہ کسی نے فون کرکے اس کا کوڈ استعمال کیا اور اس سے بات کیے بغیر فون بند کردیا۔"

"میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اسے موت کے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل دے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت رہ رہ کر یہ اندیشہ میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا کہ دہلی میں جلال کے آدمیوں کی پوزیشن بہت نازک تھی۔ اگر وہ بند ہونے والی فون کال سے بھڑک کر بھاگ نکلا تو میرے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

میں تیزی سے یہی سب سوچتا ہوا نیچے پہنچا اور ہوٹل کی لابی میں موجود ایک فون بوتھ میں گھس گیا۔

نمبر ملتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور مجھے وہی نسوانی آواز سنائی دی۔ میں نے آواز پہچان لی مگر اس سے کوئی غیر ضروری یا بے تکلفانہ بات کرنے کے بجائے دوبارہ گریٹ ڈین سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کردی۔

اس عورت نے بھی میری آواز پہچان لی اور اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہوگیا "سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

"میں صرف گریٹ ڈین سے بات کروں گا۔ وہ موجود ہے تو اسے بلادو۔" میں نے خشک انداز میں کہا۔

"تم نے اسے ڈرا دیا۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس عورت کی آواز آئی "تمہارا فون بند ہوتے ہی وہ جلدی میں یہاں سے چلا گیا۔ میں نے تم سے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تھا مگر تم سے صبر نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے کمرے کی ایکس ٹینشن اٹھالی اور تم نے فون بند کردیا۔ اس کے بعد وہ یہاں نہیں رکا۔۔"

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ میرے ذہن میں جنم لینے والے اندیشے بے بنیاد تھے۔ ہوٹل کے عملے میں سے کسی نے فون کال میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لوگ محض پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم پر کوئی شبہ کررہے ہوتے تو وہ کال ابتدا میں ہی کٹ جاتی۔ یوں نہ ہوتا کہ ادھوری بات کے بعد درمیان سے سلسلہ منقطع ہوتا۔

وہ ایک پہلو تھا جو اس عورت کی بات سننے کے بعد میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ اصل خرابی اس عورت کے ٹھکانے پر پیدا ہوئی تھی۔ اسے یا جلال کے آدمیوں کو یہ علم نہیں تھا کہ میں اپنے فون پر سی ایس ڈی جیسی کوئی اہم اور حساس ڈیوائس استعمال کررہا ہوں گا۔ ایک لائن پر اس عورت نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا ہوا تھا۔ گریٹ ڈین نے اسی فون پر آنے کے بجائے اس لائن سے منسلک دوسرا آپریٹس سنبھالا اور سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھادیا۔ وہ بہت سیدھی اور سامنے کی بات تھی جس سے مجھے یا گریٹ ڈین کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

ذہن میں کڑیاں جڑتے ہی میں نے بیچ کی اس عورت کو مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس ایک چیز ہے۔ جو فون کال میں کسی اور کی مداخلت سے بچاتی ہے۔ اسے واپس بلاؤ۔ وہ فون ایکس ٹینشن اٹھانے کی وجہ سے بند ہوا تھا۔ آئندہ بھول کر بھی میرے ساتھ ایسا نہ کرنا۔"

"میں اسے ڈھونڈتی ہوں۔" عورت کی آواز کمزور پڑ گئی "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ اب تم ایک بجے فون کرنا۔"

"ضروری نہیں کہ وہی ہو۔ اس کے دوسرے آدمیوں میں سے کوئی مل جائے تو اسی کو بلالینا۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"مجھے معلوم ہے۔" عورت اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت سے پوری طرح واقف معلوم ہوتی تھی "میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اب تم میری لائن فری کردو۔"

میں نے فون بند کیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔

مجھے خوشی تھی کہ پبلک بوتھ سے فون کرنے کے بارے میں میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک سنگین غلط فہمی دور ہوچکی تھی۔ دوسری اور زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ را کے بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی اسی کے ملک کے خلاف استعمال ہورہی تھی۔ وہ میرے قبضے میں تھی اور میں اس کی مدد سے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ضروری رابطے کرسکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو ملیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلارہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلارہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکرمند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تحقیق انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت، جہانگیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کے علاوہ غیرا سمگلنگ اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا، اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کے بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا تھا۔ ویرا بھی لاہور پہنچ گئی، اس نے بتایا کہ وہ جان اسمتھ کو فون کرکے تنگ کرچکی ہے اور اب وہ یہاں دستیاب نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارا بھارت کا سفر شروع ہوگیا۔ جلال ہمیں سرحد تک چھوڑنے آیا جہاں سے ہم منگو کے ہمراہ امرتسر پہنچے۔ امرتسر میں ہمارا ایک روزہ قیام بغیر کسی ہنگامے کے گزرا اور ہم وہاں سے دہلی پہنچ گئے۔ میں نے دہلی پہنچتے ہی جلال کے آدمیوں سے رابطہ کرنا چاہا مگر سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ میں سنانے میں آگیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گڑبڑ جلال کے آدمی کی طرف سے ہوئی تھی، اس نے ٹیلی فون ایکس ٹینشن استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔ مجھے اب دوبارہ اس سے رابطے کا انتظار تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت کی سرزمین پر اس وقت ہم دہلی کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے ایک کمرے میں محصور تھے اور وہاں غزالہ میری مشیر تھی۔ ویرا بھی اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو پندرہ میں مقیم تھی۔ وہ سراغ غزالہ نے حاصل کیا تھا مگر ویرا کو یہ علم نہیں تھا کہ ہم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے تھے۔

امرتسر سے سپر فاسٹ ٹرین کے ذریعے، دہلی کے سفر پر روانگی سے پہلے ہم نے صرف ایک اصولی فیصلہ کیا تھا کہ بھارت جیسے دشمن ملک کے ایک اجنبی شہر میں ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں الگ الگ قیام کریں گے تاکہ باہمی رابطے میں آسانی ہو۔

اگر ویرا احتیاط کے دامن کو خیرباد کہہ دیتی تو اپنے کمرے سے ہلے بغیر، محض انٹرکام پر رابطے کے ذریعے ہوٹل کے کاؤنٹر سے یہ معلوم کرسکتی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ کے ناموں سے ہم ہوٹل کے کس کمرے میں مقیم تھے۔ کسی ناگہانی یا حادثاتی صورتِ حال کے رونما ہوئے بغیر مجھے ویرا سے ایسی کسی غیر ذمے داری کی توقع نہیں تھی۔ یہ امکان ضرور تھا کہ وہ اپنے کمرے میں کسی نہ کسی طرح رات بسر کرلیتی اور پھر ہماری تلاش میں ہوٹل کی لابی کے کسی ایسے حصے میں جم جاتی جہاں سے ہوٹل میں آنے اور جانے والے ہر شخص پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں جلال کے آدمیوں سے ابتدائی رابطہ کیے بغیر ویرا کو چھیڑنے کے حق میں نہیں تھا۔

وہ سب سوچتا ہوا، میں لفٹ کے ذریعے منزلیں طے کرکے اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نہایت اضطراب کے عالم میں میری واپسی کی منتظر تھی۔ میری ہلکی سی دستک کے جواب میں اس نے اتنی سرعت سے دروازہ کھولا کہ میں حیران رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کمرے کی تنہائی سے خوف زدہ ہوکر میری واپسی کے انتظار میں دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

''آپ کچھ کہے سنے بغیر کہاں چلے گئے تھے؟ میں پریشان ہوگئی تھی'' اس نے دروازہ بند کرتے ہی سوال کرڈالا۔

''فتور تم نے پیدا کیا تھا'' میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا ''تمہارا اندیشہ سوفیصد درست تھا۔ اچانک فون بند ہونے سے وہ خوف زدہ ہوکر اپنے ٹھکانے سے بھاگ نکلا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے کسی نے ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی ہوگی جس کی وجہ سے سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ ایسی صورت میں کمرے کا فون

مخدوش تھا۔ میں نیچے پبلک فون بوتھ تک گیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" وہ سب کچھ جان لینے کے لیے اتنی مضطرب تھی کہ مجھے ذرا سے توقف کا بھی موقع نہیں دیا۔

"اس بار پھر اسی عورت سے بات ہوئی۔ وہ شکوہ کر رہی تھی کہ میں نے گریٹ ڈین سے بات کیے بغیر فون بند کر کے اسے خوف زدہ کر دیا اور وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس ٹھکانے سے فرار ہو گیا۔ دشمن ملک کی سرزمین پر ہر سیکرٹ ایجنٹ اپنے سائے سے بھی بھڑکتا ہے۔ کپور تھلا کا رئیس موجود نہیں تھا۔ گریٹ ڈین بھاگ گیا۔ تیسرا آدمی بھی موجود نہیں تھا۔ اب وہ عورت انہیں تلاش کر رہی ہو گی۔"

"وہ عورت بھی بہت اہم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اس سے کوئی بات نہیں کی" غزالہ نے پوچھا۔

میں آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "عورت کا کوئی اہم کردار ہوتا تو جلال اس کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ بتاتا۔ ایسے معاملات میں ہدایات سے سرمو بھی انحراف کیا جائے تو براہ راست گردن کٹتی ہے۔ اس سے کم پر گلو خلاصی کا تصور بھی محال ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ جلال آپ کو عورت کے متعلق بتانا بھول گیا ہو۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پاکستان انٹیلی جنس بیورو کے تین اہم سیکرٹ ایجنٹ دہلی کی اس عورت پر اعتماد کرتے ہیں، اس کے پاس رہ رہے ہیں یا کم از کم آتے جاتے ہیں اور وہ عورت ان کے دوسرے خفیہ ٹھکانوں سے بھی واقف ہے۔ وہ بھروسے کے قابل نہ ہوتی تو یہ سب کیسے ممکن تھا؟" غزالہ کی کھوپڑی کام کر رہی تھی۔

"تم بنگو والا بھیانک تجربہ بہت جلد فراموش کر بیٹھی ہو۔ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ سے لے کر صوبیدار تک کو معلوم ہے کہ بنگو سرحد پار آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اس کی آمدورفت سے چشم پوشی کا معاوضہ بھی لیتے ہیں لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ بنگو کے ایک خفیہ پاکستانی ادارے کے ایک ذمے دار افسر سے روابط ہیں۔ پتا نہیں بنگو انہیں کیا کہانیاں سنا کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہوتا کہ بنگو کی سال خوردہ پک اپ میں تم جیسی حسین اور جواں سال خاتون موجود ہے تو وہ ہزاروں کیا، لاکھوں کی رشوت پر لات مار کر مرنے مارنے پر تل جاتا۔ وہ صرف رابطے کی عورت ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے آئی بی کے تینوں سیکرٹ ایجنٹوں کی اصلیت کا بھی علم ہو۔"

"میرے لیے یہ مان لینا مشکل ہے" غزالہ نے سہلاتے ہوئے کہا "جب ان کے اصل ناموں کے بجائے کوڈ اور خفیہ ناموں سے فون آتے ہیں تو وہ عورت بہت کچھ سمجھ سکتی ہے۔ آپ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا رہے۔"

میں خاموشی اختیار کر کے اس بحث کو وہیں ختم کر سکتا تھا لیکن اس طرح غزالہ اداس ہو جاتی۔ اسے احساس ہوتا کہ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ بھارت کے دارالحکومت، دہلی میں ہماری پہلی رات تھی۔ اس یادگار شب میں، میں غزالہ کی ناراضی مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے رسانیت سے جواب دیا "وہ کوئی شریف اور معزز عورت نہیں ہو سکتی۔ زیر زمین دنیا سے تعلق رکھنے والی عورتیں بھی مردوں کی طرح بگڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کے پاس بھانت بھانت کے جرائم پیشہ اور مشتبہ لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ آئی بی والوں نے اپنی اصلیت ظاہر کیے یا اپنے اصل کاموں کا راز فاش کیے بغیر، کسی حیلے بہانے سے اس عورت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہو گا۔ ہمیں اس کو نظر انداز کرنا ہو گا۔"

میری اس وضاحت سے غزالہ کچھ مطمئن ہو گئی۔ اس نے سہلاتے ہوئے کہا "یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہماری کسی لغزش کی وجہ سے وہ تینوں اس عورت کی تمام ہمدردیوں سے محروم ہو سکتے ہیں۔"

"بس! اب تم بات کی تہ تک پہنچ گئیں، اسی لیے میں محتاط ہوں۔"

"پھر اب کیا ہو گا؟" ذہن سے ایک الجھن دور ہو جانے کے بعد غزالہ دوبارہ اپنے بالوں کو سکھانے میں مصروف ہو گئی۔

"اس نے ایک بجے کا وقت دیا ہے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں دوبارہ اسے فون کروں گا۔"

"دوبارہ نہیں، تیسری بار!" غزالہ نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی "ایک بجے آپ کمرے سے نیچے جا کر پبلک بوتھ استعمال کریں گے تو کسی کو شبہ نہیں ہو گا؟"

"بستر اور چارپائی والے ہوٹلوں میں رات گئے کی نقل و حرکت مشتبہ سمجھی جاتی ہے۔ بڑے ہوٹلوں میں ساری رات ہر قسم کی مصروفیات جاری رہتی ہیں۔ کوئی کسی کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتا۔ ویسے مجھے نیچے جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ کمرے کا فون سی ایس ڈی کی وجہ سے محفوظ ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی "ہاں، بڑے ہوٹلوں میں زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔ ان میں بزنس مین بھی ہوتے ہیں اور بڑے افسر بھی۔ ان بڑے لوگوں کے مسائل بڑے ہوتے ہیں جو انہیں بے خوابی کے مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ رات بھر وہ خود سوتے ہیں، نہ ہوٹل کے عملے کو اپنے فرائض سے غافل ہونے کا موقع دیتے ہیں، ان کی آڑ میں کوئی ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

غزالہ کے چہرے پر اور آنکھوں میں شرارت ہی شرارت چمک رہی تھی۔ میں نے لپک کر بے ساختہ اس کے

گیلے بال نرمی سے اپنی مٹھی میں لیے اور اس کے وجود کی حلاوت و حرارت لبوں کے راستے میرے پورے وجود میں سکون کی ایک لہر کی طرح سرایت کر گئی۔

"آج کی رات ہم دہلی کے بڑے ہوٹل میں ہیں اور اسے بڑے لوگوں کی طرح گزاریں گے" میں اسے دھکیلتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔

امرتسر سے دہلی تک ٹرین کا سفر خاصا طویل تھا۔ بھارت کے عام شہری اپنی سپر فاسٹ ٹرینوں کی رفتار اور سہولتوں پر فخر کرتے ہیں مگر سفر پھر سفر ہی ہوتا ہے۔ ٹرین کی بوگی میں راستے کی دھول اور گرد و غبار نہ ہونے کے باوجود اس سفر کی تکان اپنی جگہ پر تھی جو ٹھنڈے پانی تیز دھاروں میں غسل کیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ غزالہ کے بھیگے ہوئے چہرے اور بالوں کے قریبی مشاہدے کے بعد میری غسل کرنے کی خواہش شدید تر ہو چکی تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ بولٹ کرتے ہی کپڑوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کیا اور پوری رفتار سے شاور کھول دیا۔

غزالہ بہت سمجھ دار اور سگھڑ بیوی تھی۔ میرے نہانے تک وہ میرے لیے کپڑوں کا ایک آرام دہ جوڑا تیار کر چکی تھی جو کرتے اور پاجامے پر مشتمل تھا۔ اس سفر کے لیے میں نے خاص طور پر ایسے دو جوڑوں کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں نے نہ جانے کس سے سنا تھا کہ پنجاب کے بعض علاقوں کے سوا پورے بھارت میں مرد شلوار استعمال نہیں کرتے۔ وہ پہناوا صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔

ہم تینوں غیر قانونی طور پر سرحد عبور کر کے پاکستانی سرزمین سے بنکو کے ساتھ امرتسر پہنچے تھے مگر ہمارے پاس باضابطہ پاکستانی پاسپورٹ موجود تھے جن پر بھارت کے وہ خاص ویزے بھی لگے ہوئے تھے جن کے تحت ہم بھارت کے چار شہروں میں قیام کر سکتے تھے۔ ہمیں ان شہروں میں اپنی آمد اور روانگی کا پولیس میں اندراج کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

ان سفری دستاویزات کے ہوتے ہوئے ہم اپنی پاکستانی شناخت کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ دہلی کے ہوٹل میں کمرا لیتے ہوئے بھی ہم نے اپنے پاسپورٹ متعلقہ کلرک کو دکھائے تھے۔ اس کے باوجود میری ہر شعوری کوشش تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران میں ایسا لباس اور رہن سہن اختیار کیا جائے کہ عام لوگ پہلی ہی نظر میں ہماری قومیت کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ سامان دستی اور مختصر سا تھا مگر میں نے اس میں شب خوابی کے لیے کرتے پاجامے کی شمولیت کا دھیان رکھا تھا۔ وہ کپڑے ایسے تھے کہ میں انہیں باہر آمد و رفت کے لیے بھی بلا تکلف استعمال کر سکتا تھا۔

"ہمیں ہوٹل آئے خاصی دیر ہو چکی ہے" میرے نہا کر نکلنے پر غزالہ نے مسکراتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا "اب ویرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہوگا۔ وہ کمرے میں بیٹھی ہم دونوں پر دانت پیس رہی ہوگی۔"

"ہمیں اس کا اور اسے ہمارا خیال رکھنا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی کہ وہ اسٹیشن کی بھیڑ میں پیچھے رہ گئی۔ ہمارے ساتھ ساتھ ہوٹل پہنچتی تو اسے بھی ہمارے کمرے کا نمبر معلوم ہو جاتا۔ اس کی بے خبری میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"وہ دیر سے ضرور پہنچی مگر اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں لابی میں اس کی آمد کی منتظر تھی!"

"ٹھیک ہے۔ وقت ملے گا تو نیچے لابی میں رکھے ہوئے انٹرکام سے اس سے بات کر لوں گا" میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا "ایک دو دنوں تک کمروں سے باہمی رابطہ مناسب نہیں رہے گا۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور غزالہ کی بلند آہنگ کم ان پر ہوٹل کی روم سروس کی ایک ساری پوش ویٹریس کھانے ٹرالی سمیت ہمارے کمرے میں داخل ہو گئی۔ میری مستفسرانہ نگاہیں بے اختیار غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"بھوک لگ رہی تھی میں نے آرڈر دے دیا" غزالہ نے وضاحت کی اور طرح دار ویٹریس کے ساتھ میز لگانے میں مصروف ہو گئی۔

میری کیفیت غزالہ سے مختلف نہیں تھی۔ نہاتے ہوئے بھی میرے پیٹ میں چوہے دوڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے مگر میرے ذہن میں ہوٹل کا کھانا کھانے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اتنی رات گئے بھی کناٹ پیلس میں اشیائے خورونوش کی دکانیں کھلی ہوئی ہوں گی۔ ہم دہلی کی تازہ اور کھلی ہوا میں وہاں کے ماحول سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کہیں شکم پری بھی کر لیں گے۔

غزالہ پر شاید تکان کا غلبہ تھا۔ اسے تفریح کے بجائے آسان اور سیدھا راستہ سوجھا اور وہ اس پر عمل کر گزری۔

کھانے کے دوران میں گفتگو جاری رہی۔ غزالہ کا رویّہ کبھی کبھی میرے لیے ناقابل فہم سا ہو جاتا تھا۔ وہ ویرا کی بعض حرکتوں سے نالاں رہتی تھی مگر کبھی کبھی اس کے لیے ضرورت سے زیادہ فکرمند نظر آنے لگتی تھی۔ بات ویرا سے شروع ہو کر چھلکے کھانے کے ذائقے کی طرف گھوم گئی۔ غزالہ نے دو مختلف ڈشیں منگوائی تھیں اور دونوں میں دلی کا مشہور چٹخارا مفقود تھا۔ خاص طور پر کوفتوں میں سارے مسالے موجود تھے مگر ان کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی۔

مرچ مسالوں کی اس احتیاطی کمی کا سبب جلد واضح

ہوگیا۔ بھارت میں تاریخی اور سیاحتی مقامات کی کمی نہیں تھی۔ تین ہزار سال سے زائد قدیم اس ملک میں سیاحوں کے لیے بڑی کشش تھی۔ ہر بھارتی حکومت بھی زرمبادلہ کی خطیر آمدنی کے لیے اس شعبے کی بھرپور تشہیر کرتی رہی تھی۔ یوں بھارت میں ہر سال یورپی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد آتی تھی۔ ان کے لیے دہلی اور اس کے قرب وجوار میں بہت کچھ بکھرا ہوا تھا۔ پرانا قلعہ' لودھی گارڈن' قطب مینار' لال قلعہ' جامع مسجد' چاندنی چوک' راج گھاٹ سے آگرہ کے تاج محل تک سب ہی قابل دید مقامات تھے۔ بڑی تعداد میں آنے والے گوروں کے لیے بھارت کے فائیو اسٹار ہوٹل بہت سستے تھے کیونکہ ڈالر اور پونڈ اسٹرلنگ کے مقابلے میں اس کی شرح کبھی اوپر نہیں جاسکی تھی۔ ان کی خوشنودی کے لیے مقامی کھانوں میں یورپی معیار کا پھیکا پن پیدا کرنا ناگزیر تھا۔ وہ ایک معیاری ہوٹل تھا۔ ہوٹل والے ایک وقت میں ایک ہی ڈش کے دو ذائقے نہیں بناسکتے تھے۔ ہم جیسے مسالا خوروں کو اکلوتے معیار پر گزارہ کرنا پڑا۔

وہ ہماری بنیادی ضروریات تھیں۔ ان سے فارغ ہوکر میں آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ غزالہ نے کمرے میں موجود منی بار کہلانے والے چھوٹے سے ریفریجریٹر میں سے کوکاکولا کا ٹن نکالا تو خوش ہوگئی کہ اس میں ویرا کے گزارے کے لیے بہت کچھ موجود تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ میں نے ہوٹل کی بارونق لابی کا ایک چکر لگانے کا ارادہ ظاہر کیا تو غزالہ بھی آمادہ ہوگئی۔ اس وقت تک میرے شب خوابی کے کپڑے شکن آلود نہیں ہوئے تھے۔ میں لابی میں گوروں سے مقامیوں تک کو ایسے بھانت بھانت کے لباسوں میں دیکھ چکا تھا کہ ہوٹل میں فینسی ڈریس شو کا گمان ہورہا تھا۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے نیچے چل دیے۔

گھومنا پھرنا اور زندگی کی تمام تر رعنائیوں سے لطف اندوز ہونا سیاحت کا بنیادی اصول ہے۔ ہوٹل کی بھری ہوئی لابی میں سب اسی اصول پر کاربند تھے۔ خوب صورت اور رنگارنگ جسموں سے پھوٹتی ہوئی مسحور کن خوشبوؤں' نقرئی قہقہوں اور دبی دبی آوازوں کی ملی جلی گونج سے وہاں ایک عجیب سا سماں بندھا ہوا تھا۔ ہوٹل کے کسی حصے سے موسیقی کی ہلکی لہریں ہوا کے دوش پر تیر رہی تھیں۔ یہ اندازہ ہی نہیں ہورہا تھا کہ رات اتنی گزر چکی تھی۔

بھارت ایک غیر مذہبی ریاست ہونے کا دعوے دار ہے۔ وہاں سرکاری سطح پر کھل کر ہندو اکثریت کی پشت پناہی کی جاتی ہے۔ مسلمان' سکھ اور عیسائی اقلیتیں کبھی بھی ان کے عتاب سے محفوظ نہیں رہیں۔ بابری مسجد کو شہید کردیا گیا۔ تاریخ سے انحراف کرکے قطب مینار کے سائے میں مسجد قوت الاسلام میں پوجا کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ گردوارے مسمار کیے گئے۔ گولڈن ٹیمپل کو بھارتی فوجیوں کے جوتوں سے روندا گیا۔ اس کے درودیوار میں اب بھی کہیں کہیں بھارتی سورماؤں کی چلائی ہوئی گولیاں مدفون ہوں گی۔ گرجوں کے ساتھ زندہ عیسائیوں کو نذر آتش کیا گیا۔ ان مذموم حرکتوں کے باوجود بھارتی حکومتیں ہمیشہ مذہبی رواداری اور سیکولرازم کے نعرے لگاتی رہی ہیں اور ان کے مغربی حواری اپنی آنکھیں موند کر دنیا کی اس سب سے بڑی جمہوریت کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے ہیں۔ وہ سب تلخ زمینی حقائق اپنی جگہ پر تھے۔ اس وقت میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کم وبیش ہر میز پر پیمانے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے بار میں جو کچھ ہورہا ہوگا' اس کی جھلکیاں لابی تک میں نظر آرہی تھیں۔

شراب کو دنیا کے کسی آسمانی یا خود ساختہ مذہب میں اچھا قرار نہیں دیا گیا۔ آسمانی مذاہب سختی سے اس کی تنقیص کرتے ہیں مگر بھارت میں مذہبی رواداری کے نام پر اگر کوئی حقیقی آزادی میسر تھی تو وہ صرف شراب پینے کی آزادی تھی۔ اس سے آگے رواداری کے دروازے بند تھے۔

جو چاہو اور جتنی چاہو' پیو۔ پاکستان کے برعکس بھارت

میں کھلی اجازت ہے۔ کسی ایک آدھ صوبے میں مقامی پابندی ہو تو ہو' دہلی کے اس ہوٹل میں بیشتر مہمان اور سیاح اس آزادی کے طفیل ہلکی یا گہری ترنگ میں نظر آرہے تھے۔

"یہاں تو دن نکلا ہوا ہے۔ ہم بلاوجہ اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تھے" غزالہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"یہ سیاحت کا سیزن ہے۔ گرمیاں ہوتیں تو اس وقت بھی یہاں لو چل رہی ہوتی۔ دہلی سمندر سے تقریباً ایک ہزار فٹ اونچے میدانی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں کی گرمی اور سردی دونوں ہی اپنی انتہا پر ہوتی ہیں۔ یہ ساری رونق موسم کی وجہ سے نظر آرہی ہے۔ گرمیوں میں یہاں کے ائرکنڈیشنڈ ہوٹل بھی بھائیں بھائیں کرتے نظر آتے ہوں گے" میں نے انٹرکام والے گوشے کی طرف اپنی راہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

ہم اپنی منزل تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک ویرا ہمیں اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے دور ہی سے ہمیں دیکھ لیا تھا اور پرجوش انداز میں' فضا میں ہاتھ ہلاتی ہوئی ہماری طرف چلی آرہی تھی۔ اس کے بشرے پر تشویش یا پریشانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھی' غزالہ اس کی فکر میں گھلی جارہی تھی۔ اسے یوں اچانک نمودار ہوتے دیکھا تو غزالہ کا برا سا منہ بن گیا۔ وہ جلے بھنے لہجے میں کہہ رہی تھی "یہ چین سے کہیں ٹک کر بیٹھنے والی مخلوق نہیں ہے۔ میں بلاوجہ اس کے بارے میں فکرمند ہورہی تھی۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا سے ایسے اچانک ٹکراؤ کا اندیشہ موجود تھا۔ مجھے اس کے نظر آنے پر حیرت نہیں ہوئی مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے مجھے پریشان کردیا۔ وہ ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف سے آرہی تھی جہاں بار' ریستوران اور کیفے واقع تھے۔ اس کا گورا چٹا اور دل آویز چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے' خمار کے گہرے سرخ ڈورے اس غیر معمولی تمتماہٹ کے سبب کی نشاندہی کررہے تھے۔ شاید وہ اپنے کمرے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹکی تھی۔ کمرے کے منی بار میں موجود مشروبات کو اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے ہوٹل کے بار میں جاگھسی تھی۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بار سے شکم سیر ہوکر باہر نکلی تھی اور ہم اتفاقاً اسے نظر آگئے یا پھر نشے کی رو میں ہی اسے ہماری تلاش کا دھیان آگیا تھا۔

اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے میری روح فنا ہوگئی۔ نشے کی جھونک میں وہ والہانہ انداز میں دور ہی سے ڈیئی کا نعرہ بلند کردیتی تو بہت سے لوگ چونک کر ہماری اور اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔

میں نے اسے ایسی کسی حرکت سے باز رکھنے کے لیے اضطراری انداز میں جواباً اپنا ہاتھ لہرایا اور اسے گردن سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایسی سمت میں ہولیا جہاں رونق کے باوجود تخلیے کی کچھ نہ کچھ گنجائش موجود تھی۔

بڑے بڑے' گہرے سبز پتوں والے پودوں کے گملوں کے درمیان ویرا ہمارے پاس پہنچ گئی۔

"ہائے ڈار لنگز! تم دونوں کہاں غائب ہو؟" اس نے ہمارے قریب آتے ہی والہانہ لہجے میں کہا۔ اس کے سانسوں سے اعلیٰ درجے کی اسکاچ کی تیز بو آرہی تھی۔ نشے میں ہونے کے باوجود اس کا دماغ پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس نے ہم دونوں میں سے کسی کا نام لینے کی حماقت نہیں کی۔ وہ سلیس اور شستہ اردو کے بجائے خالص امریکی لب ولہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔ اس نے اپنے دہانے سے الکحل میں رچا ہوا ایک گہرا سانس خارج کرکے اپنی بات جاری رکھی "تم دونوں کے فراق میں' میں کافی دیر سے کسی کٹی ہوئی آوارہ پتنگ کی طرح پورے ہوٹل میں چکراتی پھر رہی ہوں۔"

"تم نشے میں ہو' اپنے کمرے میں جاؤ" میں نے اسے گھورتے ہوئے' نیچی آواز مگر سخت لہجے میں حکم دیا "میں انٹرکام پر تم سے بات کروں گا۔ یہاں رکی رہیں تو تم تھوڑی دیر میں واقعی چکرانا شروع کردوگی اور تماشا بن جاؤگی۔"

"اوکے!" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ملاکر انہیں اپنے گلابی ہونٹوں سے چوما اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا "تم کہتے ہو تو واپس چلی جاتی ہوں ورنہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں الکحل کی مچھلی ہوں۔"

اس نے ہم میں سے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور ترنگ کے انداز میں اپنی لچکیلی کمر کو بل دیتی اور کولھے مٹکاتی ہوئی اس طرح واپس چل دی جیسے ہماری طرف آئی تھی۔ میں نے وہ ناگہانی بلا ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"یہ کمینی بہت اچھی اور دلیر عورت ہے مگر اپنی بے تحاشا شراب نوشی کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ماری جائے گی" غزالہ کی اس سرگوشیانہ خود کلامی سے بیک وقت غم وغصے کا اظہار ہورہا تھا۔ اسے ویرا کی حرکتوں پر غصہ تھا اور وہ اس کے متوقع انجام کی طرف سے مغموم بھی۔

"این مرگئی تو تمہارے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا" میں نے دھیرے سے غزالہ کو چھیڑا۔

"میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ اس کی موت کی آرزو کرنے لگوں۔ جس دن آپ کی ذات پر میرا اعتماد کمزور ہوا' میں ایسی کسی اخلاقی پستی میں جاگروں گی' مجھے آپ پر اور آپ کی چاہت پر ناز ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کبھی میرا یہ مان نہیں توڑیں گے۔"

دہلی کے ہوٹل کی بارونق لابی میں چلتے چلتے غزالہ نے بڑی رسانیت سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی جو وہ میرے

ساتھ برسوں کی خلوت میں بھی اپنی زبان پر نہیں لاسکی تھی۔ میرے وجود میں بہ یک وقت سیکڑوں ننھی ننھی سی سوئیاں چبھنے لگیں جو تیزی سے اور باربار اپنا مقام تبدیل کررہی تھیں۔

غزالہ کو مجھ پر اور میری چاہت پر بڑا مان تھا۔ یہ بات درست تھی کہ میں اسے ٹوٹ کر' دل وجان سے چاہتا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ میرا دامن داغ دار تھا۔ اس سے بے پناہ محبت ہونے کے باوجود میں ویرا کے چنگل میں پھنستا رہا تھا۔ شاید یہ مردانہ سرشت کا قصور تھا کہ وہ عورت سے بھی وفا کا خواہاں رہتا ہے مگر خود چوری چھپے ہرجائی پن کے کھیل کھیلتا رہتا ہے۔

مردوں سے مغلوب معاشروں میں طوائف کا وجود ابتدا سے ہی نظر آتا ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر دور میں امرا اور شرفا کی منظور نظر رہی۔ بیویاں سب جانتی اور سمجھتی ہیں کہ بالاخانوں میں یا کال گرلز کے گھر جانے والے شوہر کن دھندوں میں ملوث ہوتے ہیں مگر خاموش رہتی ہیں۔ عورت ابتدائے تاریخ سے مرد کا یہ ظلم شاید صرف اس لیے سہتی آرہی ہے کہ وہ اسے مرد کی سرشت یا فطرت ثانیہ سمجھتی ہے۔ عورتوں نے اس زیادتی سے دل برداشتہ ہوکر کبھی ایسے بازاروں کا تصور نہیں کیا جہاں بنی سنوری عورتوں اور لڑکیوں کے بجائے بانکے اور سجیلے مرد' بازار میں آنے والیوں سے اپنے جسموں کا سودا کرتے ہوں۔

میرے دماغ میں ایک آندھی سی چل پڑی تھی۔ میرے اپنے وجود میں چھپی ہوئی کوئی نادیدہ قوت مجھے پرزور ملامت کررہی تھی کہ میں غزالہ جیسی معصوم' پاک باز اور وفاشعار بیوی کے ساتھ دغا کرتا رہا ہوں۔ مگر میرا ذہن اس ملامت سے بچنے کے لیے بہت سی تاویلیں بھی گھڑ رہا تھا۔ اس کشمکش میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں تھا۔ وہ خود احتسابی کا ایک خود کار عمل تھا جو ہر باضمیر شخص کے دل ودماغ میں ہر وقت جاری رہتا ہے مگر بیشتر لوگ محض مادی کامیابیوں اور اپنی انا کی تسکین کے لیے' اپنے سانسوں کی لڑی سے جڑے ہوئے کمپیوٹر کے اس حسابی عمل کو ڈھٹائی سے نظرانداز کردیتے ہیں۔

سچ اور جھوٹ' صحیح اور غلط کو ناپنے کا پیمانہ ہر انسان کے اپنے وجود کے کسی نہاں خانے میں پیدائشی طور پر پوشیدہ ہوتا ہے مگر عورت کی ہوس' پیسے کی طمع اور زمین کے لالچ میں اس پیمانے سے رجوع کرنے والوں کی تعداد روز بہ روز گھٹتی جارہی ہے۔ اس لمحے مجھے خوشی کا ایک موہوم سا احساس بھی ہوا۔ میں کوئی مکمل انسان نہیں تھا۔ اپنے گردوپیش میں سانس لیتے ہوئے' دوسرے لاکھوں انسانوں کی طرح بہت سی خرابیوں اور خامیوں کا مجموعہ تھا۔ میرا شمار ان لوگوں میں تھا جنھوں نے پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن جیسے ہولناک نشے کو متعارف کرانے اور پھر پھیلانے کے لیے موت کے سفاک سوداگروں سے اپنی مجبوریوں کا سودا کرلیا۔ میں نے بازار میں روایتی منشیات کا مصنوعی قحط پھیلا کر ہیروئن کی متبادل پڑیاں مفت تقسیم کیں' پھر ان کے دام مقرر کیے اور یوں اس گھناؤنے کاروبار کے فروغ میں ایک ناقابل معافی کردار ادا کیا لیکن وہ سب میری بے خبری کی کہانیاں تھیں۔

جب تک میں ہیروئن کی بلاخیزی' مہلک گرفت اور تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ میں اس بھٹی کا ایندھن بنارہا لیکن جب مجھ پر ہیروئن کے بھیانک اسرار کھلنے شروع ہوئے اور میں نے اس نشے کے ماروں کا عبرت ناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تو میں بہت تیزی کے ساتھ اس جنس سے متنفر ہوتا چلا گیا۔ رفتہ رفتہ میری یہ خود آگاہی اتنی بڑھی کہ میں اپنی جان پر کھیل کر شی جیسی منظم اور بے رحم تنظیم سے بغاوت کر بیٹھا۔

میں نے انسانی سرشت کے عین مطابق غلطیاں بلکہ بھیانک غلطیاں کی تھیں مگر حقیقت کا ادراک ہونے پر ان سے تائب ہوتا چلا گیا تھا۔ میں نے موت کی سوداگری سے

قطع تعلق ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے انسداد کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ میرے دل کے کسی گوشے میں امید کا ایک دیا ٹمٹماتا رہتا تھا کہ شاید میری ان کوششوں سے میرے تاریک ماضی کا کچھ ازالہ ہوسکے۔

یہی کچھ معاملہ ویرا اور غزالہ کے ساتھ تھا۔ ویرا کے ساتھ میری دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ بے مہار دوستی تھی جس میں آزادی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ویرا نے میرے اور میرے مشن کے لیے اپنے باپ جمی لائیڈ، اس کی بنائی ہوئی شی اور امریکی معاشرے تک کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ ویرا کے اس انتہاپسندانہ رویّے کی وجہ سے میرے اور اس کے درمیان ہر فاصلہ مٹ کر رہ گیا تھا۔

جب تک میں نے مکاؤ کے ڈون کے دباؤ میں آکر غزالہ سے شادی نہیں کی تھی۔ میں ویرا کی خوشی اور خوشنودی کے لیے اس کی ہر فرمائش پر اپنا سر تسلیم خم کرتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائی دنوں میں شی کی پراسرار بلیک کوئن کو مسخر کرنا میرا بھی ایک خواب تھا اور جب ویرا کسی پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آگری تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میرا اور ویرا کا تعلق گہرا ہوتا چلا گیا۔ غزالہ میری شریک حیات بن گئی لیکن ویرا کا میری زندگی میں عمل دخل ختم نہ ہوسکا۔

میں ہوٹل کی لابی میں راستہ طے کرتے ہوئے نہ جانے اور کیا کچھ سوچتا رہتا کہ غزالہ کی آواز نے مجھے چونکادیا ”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ باربار لوگوں سے ٹکرارہے ہیں۔ کوئی گلے پڑگئی تو ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔“

اس کی سرگوشیانہ تادیب پر میں ہڑبڑاکر سنبھل گیا۔ قریب ہی دیوار گیر شیلف پر دھندلے شیشے کی رکاوٹوں کے درمیان متعدد انٹرکام رکھے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا اتنی دیر میں اپنے کمرے میں پہنچ چکی ہوگی۔

”تم نیچے کیا کرتی پھررہی تھیں؟“ انٹرکام پر رابطہ ہوتے ہی میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

”تمہاری تلاش تھی۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟“ اس نے میرے لہجے کو یکسر نظرانداز کردیا تھا۔

میں انٹرکام پر زیادہ بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد انتظار کی ہدایت کی اور کہا ”کسی انتہائی ناگزیر مجبوری کے بغیر تم نے ہمیں فون کیا تو ہم خاموشی سے اپنا ٹھکانا بدل لیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ تمہیں ہم سے دور اور الگ تھلگ رہنا ہے۔“

”تم بے فکر رہو۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے“ اس کی سرور میں ڈوبی ہوئی، بے پروایانہ آواز ابھری ”مجھے صرف روم نمبر معلوم کرنے کی حد تک تجسّس تھا۔ اب میں دور رہ کر بھی مناسب طور پر تمہاری خبرگیری کرسکوں گی۔“

”جو چاہو کرتی رہو، ہمارے سروں پر مسلّط ہونے کی کوشش نہ کرنا“ یہ کہہ کر میں نے انٹرکام بند کردیا۔

ہوٹل کے نچلے فلور پر غزالہ کا دل لگ رہا تھا۔ وہ وہاں کسی پرعافیت گوشے میں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پینے کی خواہاں تھی۔ مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں تیزی سے ایک بجے کی طرف اپنا سفر طے کررہی تھیں۔ میں اس کی فرمائش کو نظرانداز کرکے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

”وہ بات ادھوری رہ گئی تھی“ غزالہ نے اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد پوچھا ”آپ کہہ رہے تھے کہ کمرے کا فون محفوظ ہے تو پھر اس عورت سے پہلی بار بات کرتے ہوئے لائن کیوں ڈراپ ہوئی تھی؟“

”عورت نے مجھے ہولڈ کرایا تھا۔ گریٹ ڈین نے ایکس ٹنشن اٹھائی تھی۔ دوسری طرف بہ یک وقت دو لائنیں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس وجہ سے سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھادیا۔ ہوٹل والوں کی طرف سے میری کال میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی تھی۔“

”خدا کا شکر ہے کہ یہ اندیشہ بھی دور ہوگیا ورنہ آپ کو باربار کمرے سے نیچے دوڑ لگانی پڑتی“ غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ”میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ہوٹل ہی ہمارے قیام کے لیے مخدوش ہے۔ ان لوگوں نے آتے ہی ہم پر نظر رکھنی شروع کردی۔“

میں چابی کی مدد سے ہفتی قفل کھول کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

ایک بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ میں نے کسی حاجت کے بغیر، محض اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور کرسی کھینچ کر فون والی سائڈ ٹیبل کے قریب بیٹھ گیا۔ جلال کے کسی آدمی سے رابطے کے انتظار میں میرے اعصاب پر عجیب سا تناؤ طاری ہوا تھا۔

دہلی ہمارے لیے ایک اجنبی اور بے مہر شہر تھا جہاں ہمارا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہمارا فون مسلسل خاموش تھا۔ ٹھیک ایک بجے میں نے سی ایس ڈی کا سوئچ آن کرکے اسے فعال کردیا اور ایریٹس پر براہ راست لائن لے کر اس پراسرار عورت کا نمبر ملالیا جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی میرے لیے قابل اعتبار نہیں تھی۔ اس نے مجھے وقت دیا ہوا تھا اس لیے پہلی گھنٹی پر ہی اس نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا۔

وقت طے تھا۔ وہ میری آواز بھی پہچان گئی مگر اپنے کام میں اس قدر پکی تھی کہ از خود بالکل نہیں کھلی۔ پوچھا ”کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے؟“

"تم نے گریٹ ڈین سے بات کرانے کے لیے کہا تھا؟"
ں نے قدرے حیرت سے اسے یاد دلایا۔
"میں جو کہتی ہوں، وہ فون بند ہونے کے ساتھ ختم
یا تا ہے۔ تم ہزار مرتبہ بھی فون کرو تو تم کو ہزار مرتبہ کوڑ
ہو گا" اس نے ازراہِ کرم اپنے رویے کی وضاحت کر کے
ی الجھن دور کردی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی
پتا نہیں کہاں بھاگا ہے۔ مجھے کہیں نہیں مل سکا۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر گھونسا
ید کردیا ہو۔ میں نے نیم مایوسی سے پوچھا "کپور تھلے کا
س اور ریڈبل کہاں ہیں؟"
"ہاں! ریڈبل مل گیا تھا۔ لو، اس سے بات کرلو" عورت
ثبت جواب سن کر میری جان میں جان آئی اور میرے دل
دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔ بھارت کی سرزمین پر
لی جنس بیورو کے کسی سیکرٹ ایجنٹ سے میرا پہلا رابطہ
نے والا تھا۔

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کانوں میں ایک
، روکھی اور سنجیدہ مردانہ آواز گونجی "ہاں، تم آ گئے۔"
"تھوڑی دیر پہلے دہلی پہنچا ہوں اور تم سے ملنا چاہتا
۔"

تم نے سرلا کو بتایا تھا کہ تمہارا فون کسی مداخلت سے
ظ ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟" کام کی کوئی بات
ع کرنے سے پہلے ریڈبل نامی وہ سیکرٹ ایجنٹ اپنا پورا
نان کرلینا چاہتا تھا۔
"سو فیصد محفوظ ہے۔ ہم دونوں کی گفتگو میں مداخلت
تے ہی فون کی لائن خود بہ خود کٹ جائے گی۔ پہلی بار یہی
ھا۔"

"کہیں تم سی ایس ڈی تو استعمال نہیں کر رہے؟" اس
بے ساختہ وہ سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔
"تمہارا اندازہ درست ہے" میں نے اقرار کیا "تم
ے باخبر معلوم ہوتے ہو۔"

"ضرورت سے زیادہ باخبر رہنا ہماری مجبوری ہے" وہ کہہ
"اب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ را کے بعض اہم آدمی یہ
س استعمال کرتے ہیں۔ میرے لیے یہ نئی خبر ہے کہ ہم
ی ریڈ آرمی سے یہ کارآمد آلہ حاصل کرلیا ہے۔۔۔"
میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "یہ باضابطہ
یا گیا۔ را کے ایک مردے کی امانت ہے۔"
میرے نزدیک وہ وضاحت ضروری تھی ورنہ ریڈبل کے
یں یہ بدگمانی جنم لے سکتی تھی کہ اس کے بڑوں نے
ن سے آئے ہوئے ڈینی کو سی ایس ڈی فراہم کردی لیکن
لی بازی لگا کر بھارت کے جہنم زار میں کودے ہوئے

پرانے سیکرٹ ایجنٹوں کی ضرورتوں کو بالکل نظرانداز کردیا۔
آواز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریڈبل بہت خشک
مزاج آدمی ہو لیکن میرے جواب پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی
آواز ابھری پھر وہ بولا "مردے کبھی لوٹا نہیں کرتے۔ اب یہ
امانت تمہاری ہے۔ واپس جاتے ہوئے مجھے دے دینا۔ سنا
ہے کہ بہت کام کی چیز ہے۔ اس کی موجودگی سے ہمارے لیے
بہت آسانیاں پیدا ہو جائیں گی" سی ایس ڈی کے بارے میں
سن لینے کے بعد وہ کھل کر بات کر رہا تھا۔
"تم سے ملاقات کب ہوگی؟" میں نے اس کے مطالبے
کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"کل کسی بھی وقت ہم مل سکتے ہیں مگر تمہاری اور
گریٹ ڈین کی ملاقات زیادہ سودمند ہوگی۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی
متھرا کی طرف نکل گیا تھا۔ اس سے بات ہوگی تو میں اسے
فوراً واپس بلالوں گا۔ اس سے کل شام تک تمہاری ملاقات
ہو سکے گی۔"

اس کی وہ بات قابلِ فہم تھی۔ ان تینوں نے شاید آپس
میں کام بانٹے ہوئے تھے اور بھارتی سیکرٹ سروس کے
پاکستانی ونگ کے سربراہ کی دیکھ بھال شاید گریٹ ڈین کے سپرد
تھی۔ انل بسواس کے بارے میں وہی صحیح معلومات فراہم
کر سکتا تھا۔
"وقت اور مقام کا تعین کون کرے گا؟" میں نے کوئی
بحث چھیڑے بغیر سوال کیا۔
"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو اور اس شہر سے کتنے واقف
ہو؟" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔
"انٹرکانٹی نینٹل میں۔ دہلی اور مریخ ہمارے لیے یکساں
ہیں۔ یہاں سڑکیں اور راستے ہیں، وہاں شاید یہ سب نہیں
ہیں۔"

"لطف آگیا، جو سنا تھا وہ درست پایا۔ زندہ دل لوگوں کے
ساتھ زندگی کے لیے لڑنے میں مزہ آجاتا ہے" اس بار اس کی
آواز میں جذبات کی ترنگ عود کر آئی "اس کا مطلب ہے کہ
تم کناٹ پیلس کے قریب بڑا کھمبا روڈ پر ہو جو اندرا جیو
چوک والی سڑک تک جاتی ہے۔ تم اندرچوک پر ٹورسٹ
انفارمیشن سینٹر سے جانے والی سڑک پر جاؤ گے۔۔۔"
میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی "شاید تم
سمجھ رہے ہو کہ ہماری جیبیں خالی ہیں اور ہم پوری دہلی کی
سڑکیں پیدل ناپیں گے۔ یہ خیال دل سے نکال دو اور مجھے
جگہ بتاؤ۔ میں کوئی بھی سواری پکڑ کر مقررہ وقت پر اس جگہ
پہنچ جاؤں گا۔"
"اوہ، سوری!" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری
"قطب روڈ سے بائیں طرف حضرت باقی باللہ کا مزار ہے۔ یہ

مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے۔ قصاب پورہ یہاں کی مشہور بستی ہے۔ تم کل شام چھ بجے مزار کے دروازے پر پہنچ جانا۔ گریٹ ڈین وہیں ملے گا۔"

"وہاں زائرین آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو کیسے پہچانیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بائیں ہاتھ میں سبز رومال رکھنا۔ یہی پہچان گریٹ ڈین کی ہوگی۔"

"سبز رومال میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا؟" میں نے اس رنگ پر الجھ کر سوال کیا۔

"کسی بھی گل فروش کی دکان سے سبز رومال تو کیا' چادر بھی مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے' پھر تم سے بھی کبھی ملاقات ہوگی۔ کل گریٹ ڈین کو میں وہیں ملوں گا۔"

"مجھے بھی تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے" ریڈبل کی آواز آئی "جلد ہی کوئی نہ کوئی موقع نکل آئے گا۔"

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں ختم ہوگیا۔ غزالہ صرف میری گفتگو سن رہی تھی لیکن اس کے چہرے سے اس بات کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی کہ جلال کے آدمیوں کا ابتدائی سراغ کھودینے کے بعد میں ان میں سے ایک سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ کام بہت تیزی سے ہوا تھا۔ دہلی پہنچنے کے چند گھنٹوں میں مجھے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوچکی تھی اور ہم دہلی میں اپنی پہلی رات سکون سے گزار سکتے تھے۔

اس وقت میرے بدن پر شب خوابی کا بے داغ لباس تھا۔ پیٹ بھر چکا تھا۔ میں اطمینان سے بستر پر دراز ہوگیا۔

"اب تم بھی بستر پر آنے کی تیاری کرو!" میں نے غزالہ کو دعوت دی۔

"سونے کا وقت ہوگیا ہے لیکن ویرا بے چاری وسوسوں میں گھری ہوئی ہوگی۔ اسے بتادیں کہ کل کے لیے پروگرام طے ہوا ہے۔ اس وقت تک فرصت ہی فرصت ہے۔ وہ سکون اور بے فکری سے اپنا وقت گزار سکے گی" غزالہ نے بہت خلوص سے مجھے مشورہ دیا "اس کی باخبری سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑنا زیادہ بہتر ہوگا" میں نے سوچی سمجھی رائے دی "وہ ہماری مددگار بن کر یہاں آئی ہے۔ اسے ذرا بھی سن گن مل گئی تو وہ مجھ سے پہلے مزار پر پہنچی ہوئی ہوگی۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب اس کی کھوپڑی کیا گل کھلائے گی؟"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد غزالہ قائل ہوگئی۔ ویسے بھی ویرا اس وقت سرور میں تھی۔ ضرورت سے زیادہ مے نوشی کرلینے کے باوجود وہ کبھی بہکتی ہوئی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس کی زبان پر لکنت آجاتی تھی یا پھر اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی بے داغ سفیدی میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگتے تھے۔ ایسی حالت میں اس کی ذہنی رو جس راہ پر لگ جاتی تھی' لگی رہتی تھی۔ اسے اپنے مشن کے بارے میں کچھ یاد دلانا کھلی حماقت کے مترادف تھا۔

ہم نے ہوٹل میں وہ رات اسی طرح گزاری جس طرح میں نے سوچا تھا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی نائٹ لیمپ کی مدھم روشنی میں ہم دیر تک گزرے ہوئے دنوں کا جائزہ لیتے اور اپنے مستقبل کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ میں بظاہر اپنے کاموں میں منہمک رہنے کے باوجود اپنی گھریلو زندگی کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ایک سہانے اور پرسکون مستقبل کی آرزو میرے دل میں بھی پروان چڑھ رہی تھی۔

صبح سات بجے فون کی تیز گھنٹی سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ غزالہ بدستور بے خبر سو رہی تھی۔ میں بیدار ہو ہی چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میں نے فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے' پھرتی سے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے کسی خاتون کی مہذب اور شیریں آواز سنائی دی۔ وہ ہوٹل کی کسٹمر سروس کے شعبے سے معذرت خواہانہ انداز میں بتا رہی تھی کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے پاسپورٹ کے ساتھ فوری طور پر اس کے دفتر میں پہنچنا تھا۔

اس کی ہدایت پریشان کن تھی۔ میں نے ناگواری سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے میری نیند میں مخل ہونے پر معافی چاہی اور بتایا کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر دہلی کے دو پولیس افسران' ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے لیے اس کے دفتر میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی نک چڑھے مہمان کی طرح بے وقت کی اس راگنی پر برہمی کا مظاہرہ کیا تو اس خاتون نے مجھے نیچے بلانے کے بجائے دونوں افسران کو میرے کمرے تک لانے کی پیش کش کرڈالی۔

میں نے تیار ہوکر چند منٹ میں نیچے پہنچنے کا وعدہ کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

میں چابی لے کر کمرے سے نکلا تو غزالہ بے خبر سو رہی تھی۔ مجھے کسٹمر سروس کے دفتر تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ روشن اور آراستہ کمرا استقبالیہ کاؤنٹر کے عقب میں واقع تھا۔ وہاں گھومنے والی کرسی پر ایک نازک اندام اور خوش شکل خاتون براجمان تھی۔ اس کے سامنے میز کے پار دو باوردی پولیس افسران بیٹھے ہوئے تھے جو اپنے چہروں سے خرانٹ اور تجربے کار نظر آرہے تھے۔ ان کے

سامنے وہ فارم پڑے ہوئے تھے جن پر ہوٹل والے مسافروں کے دستخطوں کے ساتھ جملہ کوائف کا اندراج کرتے ہیں۔ مجھ سے پہلے تین افراد وہاں موجود تھے۔ وہ اپنے خدوخال اور چہروں پر پھیلی ہوئی تشویش سے پاکستانی مسافر معلوم ہو رہے تھے۔ ویرا کے پاس بھی این کاویل کے نام سے پاکستانی پاسپورٹ تھا مگر وہ اس وقت تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔

پختہ عمر کی خوش شکل خاتون نے ادب و احترام سے مجھے قطار میں بٹھادیا۔ میرے لیے وہ صورت حال بہت ناگہانی اور پریشان کن تھی۔ میں نے اپنے اعصابی ہیجان پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگالی اور بیزاری سے دیوار گیر تصاویر کو گھورنے لگا مگر میرے کان میز پر ہونے والی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

وہ دونوں انسپکٹر سے بڑے عہدے کے افسر تھے۔ نظر یہ آرہا تھا کہ وہ صرف کاغذات کی جانچ پڑتال نہیں کر رہے تھے بلکہ مسافروں کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے سوالات چبھتے ہوئے اور ذاتی نوعیت کے تھے۔ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے والوں سے مخاطب تھے اس لیے ان کی گفتگو میں تہذیب اور شائستگی کا عنصر بہت غالب تھا۔ میری باری آنے سے پہلے مزید تین مسافر اس دفتر میں آپہنچے۔ ان میں ویرا بھی شامل تھی۔

ہر شخص کے چہرے سے کبیدگی کے آثار مترشح تھے۔ ویرا کی آنکھوں میں نیند کا گہرا خمار تھا۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا لیکن ویرا نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے دیکھ کر بھی انجان بنی رہی اور عملے کی خاتون کے ایما پر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

پولیس افسران کے سوالات اور مسافروں کے جوابات میں ذہن نشین کرتا رہا۔ آخر میری بھی باری آگئی۔ ان دونوں افسروں نے بہت کڑی اور ناقدانہ نظروں سے میرا سرتاپا جائزہ لیا پھر ایک نے پوچھا ”آپ کیا کرتے ہیں؟“

”پاکستان میں کاروبار ہے ... پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔“ پاسپورٹ پر پیشے کے خانے میں تجارت کا اندراج تھا۔ میں نے اسی کی مناسبت سے جواب دیا۔

”پاکستان میں تین برس پرانی سوجو کی ہجارسی سی کتنے میں مل جاتی ہے؟“ دوسرے نے سوال کیا۔

”دو ڈھائی لاکھ میں ... گاڑی کی حالت پر قیمت کا انحصار ہوتا ہے۔“

”خوب۔“ پہلا افسر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک صفحے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا ”پرسوں رات اٹاری سے آئے ہو۔ یہاں کل پہنچے۔ دن کہاں گزارہ؟“ وہ آپ سے تم پر آگیا تھا۔

”رات کو امرتسر میں رک گئے تھے۔ دوپہر کو وہاں سے دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔“

”یہ غزالہ تمہاری کون لگتی ہے، مظہر خان؟“ اس نے پاسپورٹ بند کر کے سوال کیا۔ وہ حرف ز کو مسلسل ج کے طور پر ادا کر رہا تھا۔ سارا تلفظ ہندی کا تھا۔

”رشتے دار ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہا ”تاج محل دیکھنے کے شوق میں میرے ساتھ آئی ہے۔“

”سفر میں عورت ساتھ ہو تو بہت مزا آتا ہے۔ تم دونوں ایک کمرے میں ٹھہرے ہو۔“ اس نے تائیدی انداز میں پوچھا۔

”دہرا کرایہ دینے میں کیا فائدہ تھا؟ اکیلے کمرے میں اسے ڈر لگتا ہے۔ وہ میرے ساتھ ہے۔“

”تم کو پولیس رپورٹ سے چھوٹ کا ویزا کیسے مل گیا؟“ اس نے یکایک لہجہ بدل کر سوال کیا۔

”میں نے درخواست کی تھی جو منظور ہو گئی۔ کیسے ہوئی؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”بہت معصوم آدمی ہو۔ لڑکی کو تاج محل دکھانے لائے ہو مگر اسپیشل ویزا ملنے کا سبب نہیں معلوم۔ اونچے آدمی دکھائی پڑتے ہو۔ یہ لو جاؤ اور عیش کرو!“ اس نے دونوں پاسپورٹ مجھے لوٹا دیے۔

”برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں!“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا اور پھر ان کا جواب سنے بغیر اپنی بات جاری رکھی ”کچھ پتا چل سکتا ہے کہ یہ صبح سویرے کی جانچ پڑتال کیوں ہو رہی ہے۔“

”تم کو کوئی تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ خبر ملی ہے کہ کچھ خطرناک پاکستانی بھیس بدل کر ادھر گھس آئے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔“ اس نے سرسری لہجے میں جواب دیا ”اوپر سے حکم آتا ہے تو ہمیں اپنا فرض پورا کرنا پڑتا ہے۔“

اس نے دوسرے پاکستانی کو بلالیا۔ ہوٹل کی مہمان دار نے اٹھ کر مجھ سے معذرت کی ”اپنا نرم اور گداز ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مجھے رخصت کر دیا۔ میں اس دفتر سے نکل آیا مگر میرے دل میں ویرا کی طرف سے تشویش گھر کر چکی تھی۔ وہ سفید فام تھی اور پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت پہنچی تھی۔ پولیس افسران خاص طور پر اس کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ ہم نے ایک ہی ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کرتے ہوئے کسی اسپیشل چیکنگ کے امکان کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ ویرا ہم سے الگ تھلگ ضرور تھی مگر ہم تینوں کے پاسپورٹوں پر اٹاری میں داخلے کی مہریں ایک ہی وقت اور تاریخ کی تھیں۔

ں طرح ہم تینوں دہلی کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں کم و بیش
گے پیچھے پہنچے تھے۔ ان دو یکساں اندراجات کی روشنی میں
ئی بھی ذہین پولیس افسر کوئی صحیح ترین نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔
میں اوپر جانے کے بجائے ہوٹل کی لابی میں ٹک گیا اور
رے اپنے لیے کافی منگوالی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ویرا کی
سی کب تک ہوتی ہے۔ اگر بازپرس کے دوران میں اسے
ساں کیا جاتا تو میں دور سے اس کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا
۔

میری کافی کی پیالی خالی ہونے کے بعد کافی دیر گزر گئی۔
ری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ خدا خدا کرکے ویرا
دار ہوئی۔ اس کے بشرے پر سکون کی علامات تھیں۔ اس
ے چلے جانے کے چند منٹ بعد میں نے کافی کے بل پر دستخط
ے اور اٹھ گیا۔

صبح کے ان اولین لمحات میں ہوٹل اجڑا اجڑا اور بے
نق لگ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت پولیس یا
ں اور خفیہ محکمے کے دو چار سادہ پوش اہل کار وہاں آنے
نے والوں کی نگرانی کررہے ہوں گے۔ میں نے انٹرکام پر
ا سے بات کرنے کی کوئی کوشش کیے بغیر لفٹ کا رخ کرلیا۔

غزالہ کمرے میں بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے
ایس ڈی پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ آن تھی۔ میں نے ویرا کے
رے کا نمبر ملالیا۔

"خیریت ہوگئی۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے
ا کا جواب دیا "ہمیں واقعی الگ تھلگ اور محتاط رہنا
گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہیں بروقت یہ احساس ہوگیا۔ فی
ن اللہ۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس وقت
رکام پر تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع نہیں تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا
ر دہلی کی پولیس اس وقت کن کن زاویوں سے دیکھ بھال
ں مصروف تھی۔

غزالہ نے بیدار ہونے کے بعد کتھا سنی تو گویا سن ہوکر
گئی۔ اسے حیرت تھی کہ بھارتی خفیہ اداروں کو کچھ
رناک پاکستانیوں کی بھنک کیسے مل گئی۔ وہ یہ بات ماننے پر
دہ نہیں تھی کہ ان دو تین دنوں میں ہمارے ساتھ واقعی
ے پاکستانی ایجنٹ بھی بھارت میں داخل ہوئے ہوں۔ ایسا
ئی بھی پروگرام ہوتا تو جلال اسے ضرور ملتوی کرادیتا یا پھر
ں اس سے آگاہ ضرور کردیتا۔

غزالہ کو یہ دلیل بھی متاثر نہیں کرسکی کہ پاکستان اور
وستان کی روایتی چپقلش میں دونوں اطراف کی متعدد
نسیاں سرگرم رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں یہ عین ممکن تھا
ر کسی بھی ادارے کی کارروائی سے دوسری خفیہ ایجنسیاں
باخبر نہ ہوں۔ اس کی منطق یہ تھی کہ جلال آئی بی کا ایک
ذمے دار اور اعلیٰ افسر تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی پیش
رفت اس کے علم میں آنے سے پہلے بھارتیوں کو معلوم
ہوجائے۔

اس تازہ ترین واقعے پر وہ ناشتے کے بعد بھی اس قدر
کبیدہ خاطر تھی کہ میں اس کا دل بہلانے کے لیے ہوٹل سے
نکل کھڑا ہوا۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے سی ایس ڈی
الگ کرکے فون کا کٹا ہوا تار جوڑ کر سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپا
دیا تھا تاکہ ہماری غیر حاضری میں کوئی کمرے کی صفائی کرنے
کے لیے اندر آئے تو اسے فون لائن میں کسی گڑبڑ کا علم نہ
ہوسکے۔

ہوٹل کی حدود سے نکلتے ہی باہر سڑک پر ایک نئی پرہجوم
دنیا ہماری منتظر تھی۔

ہوٹل والی سڑک سے ہم کناٹ پیلس کے بیرونی دائرے
تک پہنچے تو پرشکوہ قدیم عمارات، سڑکوں، سبزہ زاروں اور ان
پر گھومنے پھرنے والے بھانت بھانت کے لوگوں نے غزالہ کو
پریشانیوں کے حصار سے فوراً باہر کھینچ لیا۔

اس چوراہے کو دہلی کا دل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شہر
کے مختلف حصوں اور سمتوں سے آنے والی گیارہ مشہور
سڑکیں اس وسیع و عریض دائرے کی اندرونی اور بیرونی گول
سڑکوں سے ملتی ہیں۔ بیرونی دائرے والی سڑک کناٹ سرکس
روڈ کہلاتی ہے جس کے شمالی حصے پر اندرا چوک واقع ہے اسی
سڑک کے بعد دائرے میں مشہور و معروف تجارتی و کاروباری
اداروں کی عمارات کا سلسلہ ہے۔ ان عمارات کے عقب
میں پھر ایک گول سڑک ہے۔ سبزے اور فٹ پاتھوں سے
آراستہ اس سڑک کا نام وسطی سرکل ہے جس کا صرف ایک
حصہ پالکا شاپنگ کمپلکس نے گھیرا ہوا ہے۔ اس نامکمل
دائرے کے بعد عمارات اور ان عمارات کے پیچھے باغ کے
گرد گھومتی ہوئی اندرونی گول سڑک ہے جس کے شمالی حصے کو
راجیو چوک کا یادگاری نام دیا گیا ہے۔

اس طرف آنے والی گیارہ سڑکوں میں سے بعض پہلے
دائرے پر ختم ہوجاتی ہیں، کچھ دوسرے دائرے سے جاملتی ہیں
اور بیشتر اندرونی گول سڑک تک جاتی ہیں۔ سڑکوں، عمارتوں،
شاپنگ سینٹروں اور کھانے پینے کی دکانوں کا یہ گورکھ دھندا
اس قدر وسیع اور پرپیچ ہے کہ نیا آنے والا اس بھول بھلیاں
میں گم ہوکر رہ جاتا ہے۔ ہم کئی بار گھومنے پھرنے کے بعد
کناٹ پیلس کے اس نقشے کو ذہن نشین کرسکے تھے۔

ہمیں دہلی میں کچھ عرصے مقیم رہ کر کام کرنا تھا اس لیے
شہر کے اس جغرافیے کو ہضم کرنا ہماری مجبوری تھی۔ ہم دیر
تک مسلسل چلتے اور ونڈو شاپنگ کرتے رہے۔ قرب وجوار

کے سینما گھروں پر لگے ہوئے دیو پیکر اشتہارات دیکھتے رہے جن میں ساری مشرقی شرم وحیا کو خیرباد کہہ کر فلمی اداکاراؤں کے جسموں کا کھلا استعمال کیا گیا تھا۔ ایک سیلف سروس ریستوران میں فاسٹ فوڈ سے شکم سیری کی اور پھر بھٹکتے ہوئے پہاڑ گنج کے ملحق علاقے میں نکل گئے۔

ہماری وہ سیر تھکا دینے والی ثابت ہوئی۔ میں غزالہ کے ذہن سے فکر اور تشویش کے سائے محو کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ چار بجے کے قریب ہم نے چترا گپتا مندر کے قریب سے ٹیکسی لی اور واپس اپنے ہوٹل کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہوٹل میں میرے پاس زیادہ وقت نہیں بچا تھا۔ صرف طویل غسل کر کے تکان اتارنے کی مہلت باقی تھی۔ غزالہ کو گرما گرم چائے منگوانے کی ہدایت کر کے میں باتھ روم میں گھس گیا۔ جسم پر نیم گرم اور ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہانے کے بعد میں نے فرحت و تازگی کی لہر محسوس کی تو تیار ہو کر غسل خانے سے نکل آیا۔

میری تیاری کے دوران میں چائے آگئی۔ چائے نوشی کے دوران میں' میں نے غزالہ کی نگاہوں سے بھانپ لیا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ مجھے اس کے مدعا کا اندازہ تھا۔ میں نے اسے ذرا سا موقع دیا تو وہ بول پڑی "کیا آپ مجھے ساتھ نہیں لے جائیں گے؟"

"یہ ناممکن ہے!" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "میں کسی دشمن سے نہیں' دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"وہ دوست ہے اسی لیے میں جانا چاہ رہی تھی لیکن میں بحث نہیں کروں گی جو آپ چاہیں گے' وہی ہوگا۔"

مجھے اس کی وہی ادا سب سے زیادہ پسند تھی۔ کبھی بلا سبب تکرار نہیں کرتی تھی۔ جو کہہ دیا' وہ مان لیا۔ میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "کمرے میں رہنا چاہو تو سی ایس ڈی آن کر کے ویرا سے بات کر لینا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اسے لائن سے کیسے جوڑا جائے گا۔"

فون لائن سے سی ایس ڈی کو جوڑنا بہت آسان تھا۔ غزالہ اثبات میں سرہلا کر مسکرا دی۔ میں چائے کی پیالی خالی کر کے اس سے رخصت ہو گیا۔

وہ بھارت کی سرزمین پر میرے مشن کا پہلا مرحلہ تھا۔ میرے پاس دفاعی ہتھیاروں کے نام پر اول خان سے لی ہوئی دو زود اثر انگوٹھیاں موجود تھیں جن میں سے ایک کے کھوکھلے نگینے میں مہلک زہر اور دوسرے میں بے ہوش کرنے والا سیال تھا۔

ہوٹل سے باہر آکر میں نے ایک ٹیکسی والے سے حضرت باقی باللہ کے مزار تک چلنے کے بارے میں پوچھا تو وہ فوراً راضی ہو گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے اس مزار تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے میں نے وقت کی گنجائش رکھ کر ہوٹل چھوڑا تھا۔ ٹیکسی والے نے مجھے منزل پر پہنچانے کی آمادگی ظاہر کر کے میرا اندیشہ ختم کر دیا تھا۔ واپسی بے سود تھی۔ میں اسی لمحے ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

ریڈ بل کے کوڈ سے پہچانے جانے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ نے مجھے تفصیل سے منزل کا پتا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے درمیان میں ہی اسے ٹوک دیا بلکہ روک دیا تھا۔ ٹیکسی حرکت میں آئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کناٹ سرکس روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ چوراہوں وغیرہ کے لیے سرکل کے بجائے سرکس کی اصطلاح میں نے پہلی بار لندن میں سنی تھی ورنہ اس سے پیشتر میرے ذہن میں سرکس کا صرف ایک ہی تصور جاگزیں تھا جس میں ہاتھی' گھوڑے' شیر' چیتے اور چند مسخرے پائے جاتے تھے۔ لندن کے مشہور پکاڈلی سرکس اور آکسفورڈ سرکس کی کوچہ نوردی کرنے کے بعد میرے اس تصور کی اصطلاح ہو چکی تھی۔ دہلی کے کناٹ سرکس روڈ نے اس اصطلاح کی پختگی کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ پکاڈلی سرکس کے جدی پشتی وارث کسی دور میں دہلی کے حکمراں بھی رہ چکے تھے۔

پہاڑ گنج سے آگے ایک چوراہے سے گزرنے کے بعد ٹیکسی قطب روڈ سے ایک ذیلی سڑک پر بائیں طرف اتر گئی۔ تھوڑی دیر بعد منزل سامنے تھی۔ وہ کوئی عالیشان اور پرشکوہ مزار نہیں تھا۔ گزرتے ہوئے وقت نے در و دیوار پر اپنے سفر کی دراڑیں تحریر کی ہوئی تھیں مگر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ لوگ وہاں مدفون بزرگ کی ذات اور کرامات کو نہیں بھولے تھے۔ گو تعداد کم تھی لیکن وہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

عقیدت مند زائرین کے لیے پھول اور چادریں وغیرہ بیچ کر اپنی روزی کمانے والے شخص کی دکان سے میں نے ریڈ بل کے مشورے کے مطابق سبز رومال خریدا۔ مزار کے داخلی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر دلی عقیدت کے ساتھ فاتحہ پڑھی' دعا کی اور سبز رومال جیب میں اڑس کر آگے چل دیا۔ میری رسٹ واچ میں صرف سوا پانچ بجے تھے۔ میں پون گھنٹے تک وہیں کھڑا رہتا تو ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

ایک اجنبی سیاح کی طرح راستوں کو ذہن نشین کرتا اور نشانیوں کو یاد کرتا ہوا' میں آگے چل دیا۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال رچا ہوا تھا کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی مگر مجھے وہاں زیادہ تر ہندو ہی ہندو نظر آرہے تھے جن میں مسلمان اپنی نمایاں شناخت کے باعث الگ پہچانے جا رہے تھے۔ میں تقریباً سیدھا چلتا ہوا تھوڑی دیر میں

باڑہ ہندو راؤ میں جا نکلا۔ وہ ہندوؤں کی ایک قدیم اور گنجان آبادی تھی جہاں عمارتوں اور مکانوں کی بیرونی دیواروں پر ہندی دیوی دیوتاؤں کی سنگی مورتیاں ابھری ہوئی تھیں۔ میں تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا صدر بازار میں جا نکلا جہاں کا ماحول اتنا ہیبت ناک نہیں تھا۔

میں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے دہلی کا جو گائیڈ میپ لیا تھا۔ اس میں تحریری مواد ضرورت سے بہت زیادہ تھا مگر شہر کے راستوں وغیرہ کے بارے میں واضح رہنمائی نہیں تھی۔ اس وقت میں ویسے بھی سیرو تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ میرے ذہن پر گریٹ ڈین سے ہونے والی ملاقات سوار تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کی پیش قدمی کے بعد میں نے مزار کی طرف واپسی کا سفر شروع کردیا۔

اس بار فاصلہ میرے علم میں تھا' نشانیاں میرے ذہن میں محفوظ تھیں۔ میں نے اپنی رفتار قدرے کم رکھی۔ سمت بھی تبدیل کرلی۔ سمتوں کے صحیح ادراک کی وجہ سے واپسی میں' میں باڑہ ہندو راؤ میں گھسے بغیر عید گاہ روڈ پر پہنچ گیا۔ اس مقام پر میں نے اپنی رفتار مزید سست کرلی۔ وہ ایک سیکرٹ ایجنٹ سے طے کیا ہوا وقت تھا جس میں ایک ایک لمحہ بہت اہم تھا۔ میں مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ایسی پوزیشن میں آچکا تھا کہ درگاہ کا داخلی دروازہ میری نظروں میں تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز تھیں لیکن میں نے اپنی چال میں بے پروائی اختیار کی ہوئی تھی۔ میری بے چین نگاہیں درگاہ کے آس پاس نظر آنے والے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ٹھیک چھ بجے ایک بغلی دیوار کی اوٹ سے جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک کسرتی بدن والا نوجوان شخص نمودار ہوا۔ دور ہی سے نظر آرہا تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک سبز رومال دبا ہوا تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے بھی مجھے اور میرے بائیں ہاتھ میں موجود سبز رومال کو دیکھ لیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے مزار کی حدود میں داخل ہوئے۔ جب میں اس کے قریب سے گزرا تو اس نے میدان صاف پاکر' میری طرف متوجہ ہوئے بغیر سرگوشی سی کی "فاتحہ پڑھنے کے بعد میرے پیچھے چلے آنا۔ ہم دونوں کہیں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

اندر پہنچ کر ہم دونوں نے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ ہم سے پہلے بھی چند عقیدت مند اندر موجود تھے۔ میں فاتحہ پڑھ لینے کے بعد گریٹ ڈین کے فارغ ہونے کے انتظار میں دست بہ دعا رہا۔ اس کے ساتھ چہرے پر ہاتھ پھیر کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کسی قریبی ہوٹل کا رخ کرے گا لیکن وہ مزار سے نکل کر ایک طرف چل پڑا اور جلد ہی ہم دونوں عید گاہ روڈ پر پہنچ گئے۔ اس سڑک پر وہ بائیں طرف مڑا تو میں اس کا اشارہ پاکر اس کے قریب ہوگیا۔

"مبارک ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ہمارے درمیان آگئے ہو۔ ہم موتا خان پارک کی کھلی فضا میں بیٹھ کر بات کریں گے" اس نے مسرت سے کہا۔

"مجھے اپنا نام بتادو تاکہ میں بھی اپنی جوابی خوشی کا اظہار کرسکوں؟" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"اپنے اصل نام ہم پاکستان میں بھول آئے ہیں" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں میرا نام گوپال ہے۔ باقی دونوں ساتھیوں کے نام ولی رام اور سنیل ہیں لیکن فون پر رابطے کے لیے ہمارے وہی تینوں کوڈ چلتے ہیں جو تمہارے علم میں ہیں۔"

"یہ نام ہندوانہ ہیں۔ ان کی وجہ سے تم کسی وقت مشکل سے دوچار ہوسکتے ہو۔"

"سب کچھ سوچ سمجھ کر یہ راستہ اپنایا گیا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں جب بھی کوئی کشیدگی پیدا ہوتی ہے تو یہاں ہر مسلمان کو شبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آج کل بھی یہاں ایسی ہی لہر چل رہی ہے۔ میجر بخشی اور جوگیندر پال والے واقعات نے انہیں مشتعل کیا ہوا ہے۔"

میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ میجر بخشی کی ذہنی ابتری کی حالت میں واپسی کے بعد بھارت میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اس کے بعد جوگیندر پال کو جس انداز میں موت سے ہم کنار کیا گیا تھا۔ وہ بھی شکوک و شبہات سے بالا نہیں تھا۔ ان دونوں واقعات پر بھارتیوں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ وہ یقینی طور پر کسی بڑی

جوابی کارروائی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔
"تمہارا کیا اندازہ ہے، یہ لوگ کن خطوط پر کام کر رہے ہوں گے" قدرے توقف کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔
"ہم بہت اندر تک کی خبروں سے لاعلم ہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ را کے پاکستانی ونگ میں آج کل دیر تک کام ہو رہا ہے۔ تم آگئے ہو تو اب ہم کو حوصلہ ملے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی سازشوں کو یہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"
وہ ہمارا ابتدائی تعارف تھا۔ ہمارے آس پاس سے دوسرے لوگ بھی گزر رہے تھے۔ احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس موضوع کو آگے نہیں بڑھایا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے موتا خان پارک پہنچ گئے۔
وہ پارک خاصا وسیع تھا۔ اسی کے ایک حصے میں عید گاہ کی مسجد بنی ہوئی تھی۔ پارک کی ایک سمت میں مصروف سڑک واقع تھی۔ گوپال نے بتایا کہ وہ رانی جھانسی روڈ کہلاتی تھی۔ پارک میں بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ گوپال مجھے اپنے ساتھ لے کر پارک کے ایک پرسکون گوشے میں جا بیٹھا جہاں ہمارے قرب وجوار میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔
"یہاں تمہارے کام کی حدود کیا ہیں؟" میں نے وہاں بیٹھنے کے بعد اس سے پوچھا۔
"ہمیں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اپنا دامن بچا کر خبریں اور دوسرا متعلقہ مواد حاصل کرتے ہیں جو مختلف ذرائع سے پاکستان بھیج دیا جاتا ہے مگر اب ہم تمہارے احکام کے بھی پابند ہیں، جو چاہو گے، کیا جائے گا۔"
"دشمن بزدل اور مکار ہو تو اسے صرف خوں ریزی سے دہشت زدہ کیا جا سکتا ہے" میں نے دھیمی اور ذو معنی آواز میں کہا۔
"ابھی تک ہم نے اپنے ہاتھ خون سے آلودہ نہیں کیے" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا "ہم اپنا کام تشدد سے دور رہ کر انجام دیتے ہیں۔ اعداد و شمار، معلومات، اہم منصوبوں کی نقول وغیرہ کے حصول پر کام کرتے رہے ہیں۔"
"ان کے ایجنٹ ہمارے شہروں میں ہر قسم کی تخریب کاری کرتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں" میں نے اسے یاد دلایا۔
"ہمیں بھی یہ خبریں ملتی ہیں تو ہمارے دل خون کے آنسو روتے ہیں مگر ہم مجبور ہیں۔ ہمیں اوپر سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ ہمیں انسانی خون کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اپنے انفرادی اشتعال کے باوجود ہم خود پر قابو رکھتے ہیں۔"
"تمہارے تحفظ کے لیے شاید یہی پالیسی سب سے بہتر ہے۔ ان کی حرکتوں کا جواب پاکستان میں دیا جا رہا ہے۔"
"مگر وہ طریقہ نقصان دہ ہے۔ اس سے ہمارے ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں کے اخباروں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا کہ پاکستان میں لاقانونیت اور دہشت گردی کا راج ہے۔ جوابی کارروائی ان کی سرزمین پر ہو تو ہم بدنامی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔"
"میں یہی مشن لے کر آیا ہوں۔ انل بسواس کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا؟" میں نے پوچھا۔
اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے تھما دیا۔
"اس کے بارے میں حاصل ہونے والی جملہ معلومات اس پرچے پر محفوظ ہیں۔"
میں نے وہ کاغذ کھولے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کھلے پارک میں بیٹھ کر وہ کاغذ پڑھنا قرین مصلحت نہیں تھا۔
"اس کے معمولات بہت بے ترتیب ہیں۔ دو مسلح محافظ ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اپنے پیشے کی وجہ سے اس کا مزاج کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ وہ کبھی کوئی خطرہ مول نہیں لیتا۔ ہر وقت محتاط رہتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی تقریب میں بھی شرکت نہیں کرتا۔"
"یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ وہ کسی قسم کے نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے۔"
"ان کی وجہ سے شاید اس تک رسائی بہت مشکل ہو۔ پاکستان کے خلاف را کی ساری منصوبہ سازی کے پیچھے اسی کا دماغ کارفرما ہوتا ہے۔ دفتر خارجہ والے اسے پاکستان کے خلاف سب سے بڑی اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔"
"اب میدان میں اترے ہیں تو اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔" اس سے بات کرتے کرتے میری ذہنی رو تازہ ترین پولیس چیکنگ کی طرف مبذول ہو گئی اور میں نے فوری طور پر اسے ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کر دیا۔
وہ چونک پڑا "یہ اچھے آثار نہیں ہیں۔ تم لوگوں کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔ دوسری پارٹی کہاں ٹھہری ہے؟"
"دوسری پارٹی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"
"میری اطلاع کے مطابق تم تین افراد ہو جو دو پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہو۔ تم اور غزالہ ایک ساتھ ہو۔ این کا ویل الگ ہے۔"

"وہ بھی اسی ہوٹل کے پانچویں فلور پر ہم سے الگ مقیم ہے" میں نے بتایا۔
"تم میں سے کسی ایک پارٹی کو فوراً ہوٹل بدل لینا چاہیے" اس نے بے ساختہ کہا "تم لوگ ایک دوسرے سے کتنی ہی دور رہو، تمہارے کاغذات میں کچھ خطرناک باتیں مشترک ہیں۔ تم نے ایک وقت میں سرحد عبور کی ہے جس کا ثبوت بھارتی امیگریشن والوں کے اندراج سے مل جائے گا۔ تمہارے امرتسر اور پھر نئی دہلی پہنچنے کے اوقات بھی کم و بیش یکساں ہیں۔ پھر تم تینوں کو پولیس رپورٹنگ سے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ ریکارڈ کی پڑتال کے دوران میں یہ باتیں کسی افسر کی نگاہ میں آگئیں تو تم تینوں کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ مشتبہ پاکستانیوں کے ساتھ ان کا رویّہ بہت سفاکانہ ہوتا ہے۔"

گوپال نے پتے کی بات کہی تھی۔ میرے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ پہلے دو نکات کے بارے میں، میں نے بھی سوچا تھا لیکن تیسرا مشترک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا جب کہ ہوٹل میں جانچ پڑتال کرنے والے ایک پولیس افسر نے مجھ سے چھوٹ کے بارے میں خاص طور سے سوال کیا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ ویرا کو اسی رات کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل کردیا جائے۔ جو غلطی سرزد ہوگئی تھی اس کا ازالہ کرنا ممکن نہیں تھا لیکن بھارت میں قیام کے اگلے دنوں کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

مجھے سوچ میں گم دیکھ کر گوپال نے تھوڑے سے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "تمہارے پاس سی ایس ڈی جیسی بے مثال ڈیوائس موجود ہے۔ ایک دوسرے سے الگ رہ کر بھی تم باہمی رابطے میں رہ سکتے ہو۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔ اس پر آج ہی عمل کرلیا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ ہتھیاروں کی فراہمی کا ہے۔"

"وہ حل ہوجائے گا" اس نے پورے وثوق سے مجھے یقین دلایا اور اس بار اپنی جیب سے ایک پیکٹ نکال کر میری طرف بڑھادیا "یہ محدود پیمانے پر کام کرنے والا ٹرانسمٹر ہے۔ اس پر تم ہر وقت ہم تینوں سے رابطہ کرسکتے ہو۔ تمہارا کوڈ جی ون ہوگا۔ میں جی ٹو ہوں۔ سنیل اور رولی رام کے لیے جی تھری اور جی فور پاس ورڈز ہوں گے۔ سرلا کے فون پر ناکامی کی صورت میں یہ رابطہ ہر وقت کارآمد رہے گا۔"

میں نے وہ اپریٹس اسی طرح رکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "اس کے بعد فون کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ بلاوجہ

حسبِ توفیق

ایک نوجوان ایک مہنگے اور فیشن ایبل علاقے کے اونچے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا اور سیلزگرل سے بولا "میں اپنی منگیتر کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ خریدنا چاہتا ہوں۔"

"یہ سلیپنگ گاؤن لے جائیں۔ چار ہزار روپے کا ہے" سیلزگرل نے مشورہ دیا۔

"نہیں... نہیں... یہ تو بہت مہنگا ہے" نوجوان بولا۔

"تو پھر یہ میک اپ کٹ لے جائیں.... ڈھائی ہزار روپے کی ہے۔"

"یہ بھی مہنگی ہے۔ اس سے کم قیمت کوئی چیز دکھائیں۔"

"یہ پرفیوم لے جائیں۔ سات سو روپے کی ہے" سیلزگرل بولی۔

"یہ بھی میری گنجائش سے زیادہ ہے۔ اس سے بھی سستی کوئی چیز دکھایئے۔" نوجوان نے فرمائش کی۔

"پھر آپ ایسا کریں.... یہاں سے کوئی چیز خریدنے کے بجائے کونے والے موچی سے اپنی منگیتر کے جوتوں میں نئی ایڑیاں لگوادیں۔" سیلزگرل نے شیریں لہجے میں مشورہ دیا۔

سرلا کو درمیان میں کیوں لایا جائے۔"

"سرلا پر ہم ایک حد تک بھروسا کرتے ہیں اور اس کے لیے اسے معاوضہ دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ تم تین نفوس ہو۔ اپریٹس ایک ہے۔ کسی ایمرجنسی میں بقیہ دو کو کوئی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس وقت سرلا کا فون کام آئے گا۔"

"کیا تم تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت وہاں موجود رہتا ہے؟" میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے سوال کر ڈالا۔

"ہر وقت نہیں لیکن دن میں کوئی نہ کوئی ہوتا ہے یا وہاں

آتا جاتا رہتا ہے" گوپال نے بتایا "دراصل سرلا اپنے شوہر کی دھتکاری ہوئی ایک آوارہ عورت ہے اور اب نائکابنی ہوئی ہے۔ اس نے دہلی میں کئی کال گرلز پالی ہوئی ہیں۔ اس کا سارا کام فون پر چلتا ہے۔ اس کے پاس فون پر افسروں اور اوباش امرا کی فرمائشیں آتی ہیں اور وہ فون پر ہی لڑکیوں کو کہیں پہنچنے کی ہدایت دے دیتی ہے۔ کسی برے وقت کی آڑ کے لیے اس نے اپنے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنایا ہوا ہے۔ ان ہی میں سے ایک کمرا ہم لوگوں نے لیا ہوا ہے۔ ہم اس کے مستقل گاہک ہیں۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

غزالہ نے ان لوگوں کے معاملات میں سرلا کی اہمیت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں صرف بیچ کی عورت تھی۔ اس کی حیثیت کا تعین ہوجانے کے بعد اگلا سوال ناگزیر ہوگیا تھا۔ میں نے پوچھا "وہ تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں کیا جانتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں... ہماری نقل و حرکت اور فون کالز سے اسے یہ اندازہ ہے کہ ہم کسی غیرقانونی دھندے میں ملوث ہیں۔ سرلا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بس اپنے پیسوں سے مطلب رکھتی ہے۔ بلاوجہ کسی تجسّس میں نہیں پڑتی۔"

"تم تینوں گوپال، سنیل اور روپی رام بنے ہوئے ہو" میں نے جھجکتے ہوئے وہ ذاتی سوال کیا "کیا تم تینوں کا مذہب ان ناموں کے مطابق ہے؟"

میرے سوال پر وہ دھیمی آواز میں ہنسا، پھر بولا "میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ ہم اپنے اصل نام پاکستان میں بھول آئے ہیں۔ میرا نام عابد علی ہے اور الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ ضرورت اور فرض کی ادائیگی کی خاطر نام بدلا ہے لیکن میں چھپ کر پابندی سے عبادات کرتا ہوں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ کسی زر خرید ہندو کے مقابلے میں، میں ایک بے لوث مسلمان سے زیادہ آزادی سے گفتگو کرسکتا تھا۔ میں نے کھل کر کہا "میں تمہارا دیا ہوا کاغذ ہوٹل جاکر دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ انل بسواس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔"

"اپنی سوچ میں تمہیں بتاچکا ہوں۔ ہمیں سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ خوں ریزی ہماری پالیسی نہیں ہے لیکن اب میں تمہارے چارج میں ہوں۔ جو ہدایت دوگے، اس پر پوری نیک نیتی سے عمل کیا جائے گا۔"

"یہاں اپنی کارکردگی کے لیے تم کس کو جواب دہ ہو؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اپنے سہ نفری مشن کا چیف ہوں لیکن اب تم کو جواب دہ رہوں گا۔ میرے پاس اپنی ضروریات کے لیے مناسب فنڈز بھی ہوتے ہیں۔"

"فنڈز کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن کچھ ہتھیار بہت ضروری ہیں۔ ہم پاکستان سے خالی ہاتھ آئے ہیں" میں نے بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیوں کا تذکرہ گول کرتے ہوئے کہا۔

"فاضل راؤنڈز کے ساتھ ریوالور مل جائیں گے" اس نے مجھے یقین دلایا "ہوسکتا ہے کہ یہ سامان رات تک تمہیں مل جائے، میں تمہیں فون پر بتادوں گا۔"

میرے ذہن میں ایریٹس کی اہمیت اجاگر ہوگئی۔ میں نے اسے بتایا "میں اپنے کمرے میں ڈائریکٹ لائن لے کر فون کرتا ہوں اور سی ایس ڈی کار آمد رہتی ہے۔ باہر سے آنے والی ہر کال آپریٹر کے ذریعے مجھ تک پہنچے گی۔ سی ایس ڈی آن ہوئی تو لائن منتقل ہوتے ہی کٹ جائے گی۔ وہ ڈیوائس آف کردی جائے تو گفتگو سن لیے جانے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ تم ضرورت پڑنے پر صرف ایریٹس استعمال کروگے۔"

وہ سیدھی سی تکنیکی بات تھی جو فوراً ہی اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ سرہلا کر رہ گیا۔

عابد علی عرف گوپال سے میری وہ ملاقات بہت اطمینان بخش ثابت ہوئی۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ بھارت کی سرزمین پر آہنی قوت اور ارادوں کے مالک، چند افراد میرے ساتھ تھے۔ میرے لیے ذرا سی کٹھن صرف ایک تھی کہ وہ لوگ بھارت کے خلاف جاسوسی پر مامور تھے۔ قتل و غارت گری ان کے مشن اور پالیسی کے خلاف تھی۔ وہ اپنے گھٹیا دشمن کے خلاف اصولوں کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے جس کی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔

سورج ڈھل گیا۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی روشنیاں جل اٹھیں۔ ہم دونوں نے پارک چھوڑ دیا۔

مجھ سے ہاتھ ملاکر گوپال رانی جھانسی روڈ کی طرف نکل گیا۔ میں آبادی میں نکل آیا۔ وہاں ایک رکشے سے سواریاں اتر رہی تھیں۔ رکشا خالی ہوا تو میں اس میں سوار ہوکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

گوپال کا سمجھایا ہوا تیسرا نکتہ رہ رہ کر میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی میں نے لابی کے انٹرکام سے ویرا کے کمرے کا نمبر ملایا۔ میں جلد از جلد اس سے مل کر معاملے کی نزاکت کو واضح کرنا چاہ رہا تھا۔ دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

مجھے تشویش ہوئی مگر میں نے یہ سوچ کر اپنا دل بہلا لیا کہ ویرا متلون مزاج تھی۔ زیادہ دیر تک ایک جگہ پڑے رہنا اور بے کاری میں وقت گزارنا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ کمرا چھوڑ کر کہیں گھومنے پھرنے نکل گئی ہو۔

اسی سوچ میں غلطاں' میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ سب سے پہلے اس نے یہ اطلاع دی کہ صبح سویرے کی ناگہانی پولیس چیکنگ نے ویرا کو فکر مند کر دیا تھا۔ اس نے بھی بالکل وہی کچھ سوچا تھا جو گوپال کے ذہن میں آیا تھا۔ ہم تینوں کے ایک ہوٹل میں رہنے کے سبب اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں کسی ایک کی وجہ سے تینوں ہی بے موت نہ مارے جائیں۔ غزالہ سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور کناٹ سرکس پر واقع ہوٹل مرینا میں منتقل ہو گئی تھی۔ نئے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد اس نے پبلک بوتھ سے فون کر کے غزالہ کو اپنے کمرے کا نمبر بتا دیا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق ویرا نے پچھلی رات کافی زیادہ شراب نوشی کی تھی۔ یہ بات امید افزا تھی کہ صبح بیدار ہونے کے وقت اس کا دماغ صحیح طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے بہت بروقت اور صحیح فیصلہ کیا تھا۔ ایک اچھی بات یہ بھی کہ اس وقت ویرا نے کسی کو اس بات کی ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ وہ اردو بولنے پر عبور رکھتی تھی۔

میں نے سی ایس ڈی آن کر کے سرلا کا نمبر ملایا۔ اس وقت تک گوپال وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ریڈبل موجود تھا۔ میں نے اسے پیغام دیا کہ وہ گریٹ ڈین کو بتا دے کہ اس کے مشورے پر عمل کیا جا چکا تھا۔

میں نے گوپال کا دیا ہوا کاغذ اور ٹرانسمیٹر نکالا تو غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔ اس نے مجھ پر سوالات کی بھرمار کر دی۔ میں مزے لے لے کر اس کے سوالوں کے تشنہ جوابات دیتا اور اسے بہلاتا رہا۔ جب وہ سوالات کر کے تھک گئی تو میں نے اسے گوپال سے ہونے والی پوری گفتگو سنا دی۔

اس کاغذ پر انل بسواس کے گھر اور دفتر کے پتے' فون نمبروں کے ساتھ موجود تھے۔ کاغذ پر اس کے تین نائٹین کے اہم ترین فرائض کے بارے میں کارآمد معلومات درج تھیں۔ ان میں سے ایک شخص دہشت گردی کے بے داغ منصوبے بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان دو بم دھماکوں کی خلش تازہ ہو گئی جنہوں نے اسلام آباد اور کراچی کی بولٹن مارکیٹ کے قریب تباہی مچائی تھی۔

اسلام آباد والا خونیں دھماکا جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ تھا جس میں شاید امریکی سی آئی اے ملوث تھی جبکہ کراچی والے دھماکے میں را کا ہاتھ تھا۔ میں نے دہلی میں را کے دفتر میں بیٹھے ہوئے نریش شرما کا نام ذہن نشین کرلیا۔ کٹھ پتلیوں کے مقابلے میں انہیں ہلانے جلانے والا منصوبہ ساز زیادہ سخت سزا کا حق دار تھا۔ میری دانست میں اس کا نام انل بسواس سے بھی اوپر ہونا چاہیے تھا۔

اس کاغذ پر تخشب نامی ایک شخص کے فون نمبر کے ساتھ مختصر سا نوٹ موجود تھا۔ وہ ممبئی کے مشہور گروہ بند داؤد جٹ کا دستِ راست تھا جو دہلی میں رہتا تھا اور مسلمانوں کا خصوصی ہمدرد تھا۔ ممبئی کی زیر زمین دنیا میں داؤد جٹ، حاجی ابراہیم اور یعقوب سیٹھ وغیرہ کے نام بہت معروف تھے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ سارے گروہ بند مسلمان تھے۔ ان کی آپس کی لڑائیاں بعض اوقات کراچی اور دبئی میں بھی اپنا رنگ دکھائی تھیں اور اخبارات میں ان کے نام اچھلتے رہتے تھے۔ میرے لیے یہ بات ہمیشہ حیران کن رہی کہ بین الاقوامی سطح پر اتنی خراب شہرت رکھنے والوں کو ممبئی پولیس نے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔

گوپال نے کچھ سوچ سمجھ کر اس کاغذ پر تخشب کا نام درج کیا تھا۔ شاید وہ کسی آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتا تھا۔

غزالہ کو کناٹ پیلس اور پہاڑ گنج کے بھرے پرے بازار اتنے پسند آئے تھے کہ وہ رات کے کھانے کے لیے باہر نکلنے پر مصر ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ باہر سے فون کر کے ہم ویرا کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں لیکن میں نے وہ خیال فوراً مسترد کردیا۔ پولیس چیکنگ کا معاملہ بالکل تازہ تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ خفیہ طور پر کس کس کی نگرانی کی جارہی تھی۔ ان حالات میں ہم تینوں کا یک جا ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

ہوٹل چھوڑنے سے پہلے میں نے پبلک بوتھ سے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا تو ویرا دوسری گھنٹی بجتے ہی لائن پر آگئی۔ اس کی آواز سن کر میں نے اس سے انگریزی میں ہی بات چیت جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

پبلک بوتھ پر سی ایل ڈی کی سہولت نہیں تھی۔ میں نے محتاط انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔

”میں ٹھیک ہوں“! انسپکٹر ڈیوڈ کا پیغام ملا ہے کہ میں رات نو بجے دہلی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں اس سے مل لوں۔ دیکھتی ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔“

”شاید یہ ہوٹل کی تبدیلی کا نتیجہ ہے“ میں نے معنی خیز لہجے میں رائے زنی کی۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میری سہولت کا معاملہ ہے۔ کناٹ سرکس پر میں خود کو ساری سہولتوں سے زیادہ قریب محسوس کرتی ہوں۔ مجھے پولیس رپورٹنگ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ پتا نہیں یہ لوگ مجھے کیوں تنگ کررہے ہیں۔“

”تمہیں رپورٹ کرنے کی چھوٹ ہے لیکن ہوٹل والے غیر ملکیوں کی آمد اور قیام کی اطلاع دینے کے پابند ہیں۔ پاسپورٹ دیکھ کر وہ مطمئن ہوجائیں گے۔ تم کو فکر مند ہونے یا پولیس والوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ سیر کرنے آئی ہو تو بے فکری سے دہلی کی سیر کرو۔ یہ شہر بہت غریب پرور اور مہمان نواز ہے۔“

”تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ سیر و تفریح کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟“ ویرا نے مبہم پیرائے میں پوچھا۔

”کسی سے ملاقات ہوئی ہے۔ کوئی خاص بات ہوگی تو تم سے بھی ملاقات ہوگی۔ فی الحال تم اپنی پیشی کی فکر کرو“ میں نے گفتگو مختصر کردی۔ سی ایل ڈی کے بغیر مجھے اس سے بات کرنا بہت خطرناک لگ رہا تھا۔

ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ میں نے ویرا سے یہ نہیں پوچھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کون تھا۔ میرے قیاس کے مطابق صبح آنے والے پولیس افسران انسپکٹر کے عہدے سے بڑے تھے۔ اگر ویرا کو بلانے والا کوئی نیا پولیس افسر تھا تو امکان یہی تھا کہ وہ سرسری پوچھ گچھ کے بعد ویرا کو رخصت کردیتا۔ دو افسروں کے لیے ذاتی طور پر دہلی کے تمام ہوٹلوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاید ان لوگوں نے آپس میں علاقے بانٹ لیے تھے اور ہر افسر اپنے علاقے کی دیکھ بھال کررہا تھا۔

غزالہ کے اصرار پر میں ہوٹل سے نکل تو آیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ گوپال کا دیا ہوا اپریٹس میری جیب میں موجود تھا۔ وہ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ میں بازار میں راہ چلتے اپریٹس استعمال نہیں کرسکتا تھا جبکہ میرے لیے وہ ابتدائی رابطے بہت اہم تھے۔ میں نے کناٹ پیلس گھومنے کا ارادہ ترک کر کے بھوک کا بہانہ کیا اور ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

آٹھ بجے میرا اندیشہ درست ثابت ہوگیا۔ میری جیب میں موجود اپریٹس کی تھرتھراہٹ بتارہی تھی کہ اس پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے بات کررہے ہوں مگر انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں تو قریب ضرور رہتے تھے۔ انہیں عام حالات میں پیغام کے تبادلے کے لیے کسی لاسلکی

آلے کی ضرورت نہیں تھی۔ جی ٹو یا گوپال ریوالوروں کی فراہمی کے بارے میں مجھے تلاش کر سکتا تھا۔

میں نے نیچی آواز میں غزالہ کو اس نئے مسئلے سے آگاہ کردیا۔ ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ کھانا ختم کیا اور ہوٹل کی طرف واپس چل دیے۔

ہوٹل کے فون سے سی ایس ڈی کو منسلک کرنا چند ثانیوں کا کام تھا مگر ٹرانسمٹر کی آزمائش بھی ضروری تھی۔ غزالہ فون لائن کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں نے ایرپیس آن کرکے جی ٹو کے لیے پیغام نشر کرنا شروع کردیا۔ وہ شاید میری کال کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے پیغام دہرانے سے قبل انتظار کا وقفہ دیا اور مجھے ایرپیس پر اس کا جواب موصول ہوگیا "جی ٹو کالنگ۔ آٹھ بجے میں نے تم سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ تم کہاں تھے؟"

"بازار میں تھا۔ واپس لوٹ کر تم سے رابطہ کررہا ہوں" میں نے لائن اوور ہونے پر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر ایرپیس بند کرکے فون پر آجاؤ۔ سی ایس ڈی اس سے زیادہ محفوظ ہے۔ اوور اینڈ آل!"

فون ملاتے ہوئے میرے ذہن میں سلطان شاہ کا خیال جنم لے رہا تھا۔ ہوٹل کی فون لائن بین الاقوامی تھی۔ میں چاہتا تو محض کوڈ ملا کر پاکستان بات کرسکتا تھا۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ملنے والی ایک عام سہولت تھی جو میری دسترس میں تھی۔

گوپال نے خود مجھے فون پر آنے کا مشورہ دیا تھا مگر پھر بھی وہ محتاط تھا۔ گھنٹی بجنے کے بعد میرے کانوں میں سرلا کی آواز آئی۔ پاس ورڈ سن لینے کے بعد اس نے کسی توقف کے بغیر ریسیور گوپال کو دے دیا۔

"ریوالوروں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ تم ہوٹل کی پارکنگ میں آجاؤ تو میں آدھے گھنٹے میں تھیلا تم تک پہنچا سکتا ہوں" گوپال کہہ رہا تھا۔

"ابھی یہ پروگرام ملتوی کردو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "میرے پہنچنے سے پہلے این کاویل ہوٹل بدل چکی ہے۔ اسے انسپکٹر ڈیوڈ نے نو بجے اپنے دفتر میں طلب کیا ہے۔ کیا پتا کہ پولیس والے ہماری طرف بھی آجائیں۔ میں ایرپیس اور سی ایس ڈی چھپانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم تیزی سے سوچتے اور فیصلہ کرتے ہو مگر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" گوپال کی آواز آئی "وہ ایک بدنام اور اوباش پولیس افسر ہے اور اکیلی آنے والی غیر ملکی عورتوں کو حیلے بہانے سے دفتر میں بلاتا رہتا ہے۔ اگر این چالاک ہے تو اسے جل دے کر جلد ہی لوٹ آئے گی۔"

"وہ جوان اور خوبصورت عورت ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور کشش سے اچھی طرح واقف ہے۔ ڈیوڈ ندیدا ہے تو وہ ایسے مردوں کو بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا جانتی ہے۔ شہر کے پولیس افسروں کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔"

"پھر بھی تمہارا فیصلہ بہتر ہے۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ پہلے احتیاط کرلی جائے۔ اگر تم ضرورت محسوس نہیں کررہے تو ہتھیاروں کی فراہمی کا معاملہ ابھی ملتوی رکھو۔ تم جب چاہوگے' یہ سامان تم پہنچا دیا جائے گا۔"

"تمہارے دیے ہوئے کاغذ پر خاصی کارآمد معلومات درج ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے۔"

"اجنبی سرزمین پر ابتدا میں ایسا ہی خلا محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں ایک مدت ہوچکی ہے۔ رابطے بھی ہیں مگر دو مہینے سے ہم راوالوں کی گرین کوبرا فائل کی تلاش میں ہیں۔ اس کی نقل ہمارے ہاتھ نہیں آرہی۔"

گوپال کا جواب سنتے ہی میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا اور میں نے پوچھا "یہ گرین کوبرا فائل کیا ہے؟"

"پاکستان کے خلاف بھارت کا کوئی انتہائی گھناؤنا منصوبہ ہے جسے ٹاپ سیکرٹ رکھا جارہا ہے۔ میری معلومات کے مطابق یہ فائل انل بسواس یا نریش شرما کی تحویل میں رہتی ہے۔ لوگ کاغذوں پر کام کرتے ہیں جو کاغذ مکمل ہوجاتے ہیں' وہ اس فائل کا حصہ بن جاتے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات میرے کان میں ڈال دی۔ اب میں اس کا دھیان بھی رکھوں گا" میں نے پرخیال انداز میں کہا "نخشب ان معاملات میں میری یا تمہاری کیا مدد کرسکتا ہے۔ تم نے اس کا نام خاص طور پر فہرست میں شامل کیا ہے۔"

"وہ بہت کچھ کرگزرے گا اور کرتا رہتا ہے۔ مگر ہمیشہ اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتا۔ شاید اسے اپنے ذرائع سے معلوم ہوچکا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ سرکاری آدمیوں سے دور رہتا ہے۔ ایسے معاملات میں پکڑا جائے تو سیدھا سیدھا غداری کا الزام سر آتا ہے۔"

"اس کے اپنے ذرائع اس قدر موثر ہیں تو وہ مجھے بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا۔"

"میرا نام لیے بغیر تم اپنی سی ایک کوشش کرلو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ انکار کردے گا' تمہارا کیا جائے گا۔"

"میں یہ ضرور کروں گا لیکن تم این کا دھیان رکھنا۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

"ڈیوڈ سے صرف ایک ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اس سے وہ خود ہی بچ سکتی ہے۔ ڈیوڈ نے اسے ٹریپ کرلیا تو میں کیا کرسکوں گا۔"

گوپال کا جواب بہت حقیقت پسندانہ تھا۔ مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گوپال قدرے وقفے کے بعد کہہ رہا تھا "نخشب کو فون کرو تو اسے دادا کہہ کر مخاطب کرنا۔ ممبئی کے بدمعاش اپنے لیے یہ خطاب سنتے ہیں تو ان کے سینے پھول کر کپّا ہوجاتے ہیں۔"

"مجھے ایک کمی شدت سے محسوس ہورہی ہے" میں نے اپنے ذہنی ابال کا رخ موڑنے کی نیت سے کہا "اعتماد کے ڈرائیور کے ساتھ مجھے ایک گاڑی مل سکے تو میرے کام کرنے کی رفتار بڑھ سکتی ہے۔ اس وقت میں خود کو ایک بھنور میں پھنسا ہوا محسوس کررہا ہوں۔"

"تم بلاوجہ یہ سوچ رہے ہو۔ ابھی تمہیں دہلی آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم بہت کچھ جان چکے ہو۔ گاڑی کل صبح سے رات تک تمہارے پاس رہے گی۔ جی تھری اسے چلائے گا۔ ضروری ہتھیار وغیرہ بھی اسی میں پڑے رہیں گے۔ اس طرح تمہارا ہوٹل کا کمرا ہر وقت صاف ستھرا رہے گا۔ جی تھری دہلی کے چپّے چپّے سے واقف ہے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے بے خطا نشانہ لگاتا ہے۔"

"صبح اسے بھیج دینا۔ وہ نیچے سے انٹرکام پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دے دے گا۔"

میں نے ویرا کے بارے میں گوپال کی بے لاگ رائے جاننے کے بعد دوبارہ اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور فون بند کردیا۔

میری رسٹ واچ سوا نو بجا رہی تھی۔ پندرہ منٹ میں ویرا کا واپس اپنے ہوٹل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بارے میں' میں غزالہ سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔ وہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے حوالے سے اس پر تنقید شروع کردیتی۔ میں اس کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔

پھر میں نے اضطراری طور پر گوپال کا دیا ہوا کاغذ نکالا اور نخشب کا نمبر ملالیا۔

تین گھنٹیوں کے بعد بھاری اور خمار میں ڈوبی ہوئی ہیلو سنائی دی۔

"میں دادا سے بات کرنے کا خواہش مند ہوں۔۔۔" میں نے ملتجیانہ لہجے میں اپنی بات شروع کی تھی کہ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"بولو' بولو! میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز میں شاہانہ فراخ دلی عود کر آئی۔

"پاکستان سے آئی ہوئی ایک لڑکی کو انسپکٹر ڈیوڈ نے اس وقت اپنے دفتر میں بلایا ہوا ہے۔ وہ اسے تنگ۔۔۔"

نخشب دادا کی زبان سے ایک موٹی سی گالی برآمد ہوئی "سالا نشے میں ہوگا۔ میں ابھی اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔"

وہ ڈیوڈ کے نشے کو برا قرار دے رہا تھا مگر ہر پیشہ ور بدمعاش کی طرح اس وقت خود نشے میں تھا۔ اس نے مجھ سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ کسی فریادی نے اس کے فون کی گھنٹی بجائی تھی اور ایک لڑکی کے لیے مدد مانگی تھی۔

"وہ پولیس افسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ چڑ کر لڑکی پر زیادہ ظلم کرگزرے۔" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

اس بار نخشب نے ایک نئی اور بے ساختہ گالی دی "میں ممبئی کا دادا ہوں۔ دلی کے لونڈے کتنے بھی بڑے افسر ہوجائیں' میرے نام سے ان کا کلیجا پھٹتا ہے۔ اس نے لونڈیا کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کا ہاتھ توڑ ڈالوں گا۔ سمجھا کیا ہے' میرا نام نخشب ہے نخشب!"

وہ منہ پھٹ' دیدہ دلیر اور شیخی خورہ تھا۔ شاید نشہ اترنے کے بعد وہ ایسا نہ رہتا ہو لیکن نشے کے عالم میں اسے چڑھانا بہت آسان تھا۔ اس وقت میں ویرا کا مسئلہ چھیڑ چکا تھا اس لیے کوئی دوسری بات مناسب نہیں تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

گوپال کا تبصرہ سننے کے بعد مجھے جو کوفت ہوئی تھی' وہ نخشب سے بات کرنے کے بعد دور ہوگئی۔ ویرا کوئی اناڑی اور گھریلو لڑکی نہیں تھی۔ عورتوں کے ہزار چلتّروں سے واقف تھی۔ اس کے گُروں میں کوئی کسر باقی رہ جاتی تو اسے نخشب کی دھمکیاں پوراکرسکتی تھیں۔

نخشب کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ اس کا نام ایک بدمعاش کے روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس نے کسی تعارف یا سفارش کے بغیر جس طرح انسپکٹر ڈیوڈ کی سرکوبی کا وعدہ کیا تھا' اس نے میرے دل میں ماضی کے سلطانہ

اور بہرام ڈاکو کی یاد تازہ کردی تھی۔ وہ امیروں اور جاگیرداروں کو لوٹتے تھے اور ضرورت مندوں کی کھلے دل سے مدد کرتے تھے۔ شاید داؤد جٹ کے دست راست کا کردار بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اپنی بدمعاشی کی کمائی اور اثرورسوخ کو وہ مظلوموں کی مدد کے لیے استعمال کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھ سے مختصر، براہ راست اور دو ٹوک بات کی تھی جس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"آپ نے اس سے بات کرلی۔ ایسا نہ ہو کہ ڈیوڈ اسے نخشب کی آلہ کار سمجھ بیٹھے!" غزالہ نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"ایسے کھلے دل کے لوگوں کے بارے میں شکوک وشبہات نہیں ہوتے۔ ڈیوڈ اپنے دل میں جو چاہے، سمجھتا رہے۔ دوبارہ ویرا کو چھیڑنے یا تنگ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ بھارت کی پوری انتظامیہ ممبئی کے بدمعاشوں سے لرزتی ہے۔"

"مگر وہ ہمارے کسی کام نہیں آسکے گا۔" غزالہ نے مستفسرانہ انداز میں کہا۔

"گوپال بتا چکا ہے کہ وہ اپنا دامن بچا کر چلتا ہے۔ سیاست اور جاسوسی کے بکھیڑوں کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔"

"پھر گوپال نے آپ کو اس کا نام کیوں دیا ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"وہ بنیادی طور پر مسلمانوں کا ہمدرد ہے۔ اپنے سر کوئی سنگین الزام آنے کا خطرہ نہ ہو تو شاید وہ کبھی ہمارے کام بھی آسکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ اس وقت اس نے ویرا کی مدد کرنے کا وعدہ کرلیا ہے ورنہ اس وقت ہمیں دہلی تو کیا، پورے بھارت میں ویرا کا کوئی ہمدرد نظر نہیں آرہا تھا۔"

"شاید ایسے ہی لوگوں کے بل بوتے پر یہاں مسلمان سر اٹھا کر چلتے ہیں ورنہ وہ ایک کچلی ہوئی بڑی اقلیت ہیں۔"

"نخشب کا سکہ پوری طرح دہلی میں چلتا ہو مگر بھارت بہت بڑا ملک ہے۔ ہر خطے کے مسلمانوں کو ایسی چھتریاں میسر نہیں آسکتیں۔ وہ لوگ لکھ پڑھ کر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر آگے بڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ نے بڑھ کر ٹیلی وژن کی دھیمی آواز بڑھا دی کیونکہ دوردرشن سے خبریں دکھائی اور سنائی جارہی تھیں۔ ملکی اور عالمی سیاسی خبروں میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جب آخر میں نیوز ریڈر نے بتایا کہ دہلی سے سڑک کے راستے شملہ جاتے ہوئے پاکستان کے تین سفارتی اہل کار ایک حادثے میں ہلاک ہوگئے تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ وہی بری خبر تھی جس کی ہر آن توقع تھی۔ بھارتی اپنے سفارت کاروں کے سیاہ کرتوتوں کا جائزہ لینے کے عادی نہیں تھے۔ بس جان کے بدلے جان لینے کے وحشیانہ روگ میں مبتلا تھے۔ مجھے یقین تھا کہ نام نہاد حادثے میں جاں بحق ہونے والے پاکستانیوں میں سے کوئی بھی سفارتی بے راہ روی میں ملوث نہیں رہا ہوگا۔ میں نے گوپال کو اچھی طرح کرید کر اندازہ لگالیا تھا کہ بھارتیوں کی درندگی کے مقابلے میں پاکستان کے ذمے دار افسر عدم تشدد کا راگ الاپے جارہے ہیں۔ ان کی پالیسیاں مدافعانہ تھیں جب کہ دشمن ہر محاذ پر بڑھ کر وار کیے جارہا تھا۔

میں وہ خبر سن کر اداس ہوگیا تھا۔ میں نے اول خان یا سلطان شاہ کو فون کرنے کا ارادہ بھی ترک کردیا مگر میرے پاس کافی وقت تھا جو کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا دس بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں پہنچے گی۔

یہ حیرت کی بات تھی کہ تھوڑی دیر پہلے گوپال سے میری بات ہوئی تھی لیکن وہ دہلی اور شملہ کے راستے میں پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے کسی مہلک حادثے سے بالکل بے خبر تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں وہ اطلاع اچانک نمودار ہوئی تھی۔ شاید بھارتیوں نے اس نام نہاد حادثے کی خبر کو جان بوجھ کر دبائے رکھا تھا۔ شاید اس دوران میں حادثے کے حقیقی اسباب کو اس قدر مسخ کردیا گیا ہو کہ کوئی ان تین افراد کو پیش آنے والے واقعے کے اصل محرک کا سراغ نہ لگا سکے۔

میں دیر تک بستر پر خاموش لیٹا اس اندوہناک واقعے پر غور کرتا رہا۔ غصے اور اشتعال میں مجھے یہ خیال بھی آیا کہ انل بسواس یا نریش شرما کو فون کرکے خوف زدہ کروں لیکن اس حرکت کے نتائج کے بارے میں سوچنے کے بعد میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ یہ بات بالکل کھل کر سامنے آچکی تھی کہ وہ دونوں بھارت کے سرکاری دہشت گردوں کے سرغنہ تھے۔ پاکستانیوں کو ہر سطح پر جانی اور مالی نقصان پہنچانا ان کا مقصد حیات بن چکا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر پیش آنے والے تازہ واقعے میں ان کا تخریبی دماغ کارفرما ہوسکتا تھا۔ میں فون کرکے انہیں شدید ذہنی اذیت میں مبتلا کرسکتا تھا لیکن یوں وہ ہوشیار ہوجاتے اور مجھے ان کی گردنوں پر ہاتھ ڈالنا دشوار ہوجاتا۔ بہتر یہی تھا کہ صبرواستقامت سے کسی مناسب وقت کا انتظار کیا جاتا۔

ان لوگوں کو سبق دینے کے لیے جلال اور اس کے آدمیوں کا اصولی فلسفہ ناکافی تھا۔ صرف میں ہی انہیں ان کی

زبان میں کچھ سمجھا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ دھیرے، دھیرے میرے وسائل یک جا ہو رہے تھے اور عمل کر گزرنے کا مرحلہ قریب آتا جا رہا تھا۔

میں اپنے حریفوں کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ ان کے کانوں میں کہیں سے بھنک پڑ چکی تھی کہ کچھ خطرناک پاکستانی ان کے ملک میں گھس آئے تھے۔ ان مشتبہ افراد کی تلاش میں شاید ہر مشتبہ شہر کی پولیس حرکت میں آ چکی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے۔ پولیس افسران کا سامنا کرنے کے باوجود ہم محفوظ و مامون تھے۔ توقع تھی کہ ویرا بھی دوسری آزمائش میں سرخ رو رہے گی۔

میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو فون کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنا چاہتا تھا۔ ویرا نے کراچی میں اس کے برعکس رویہ اپنایا تھا۔ وہ سی آئی اے کے علاقائی سربراہ کو پاکستان سے باہر ہانک کر بھارتی شکار گاہ میں اس کا ہانکا کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کراچی چھوڑنے سے پہلے دیوانگی کے انداز میں اسے پے در پے تین فون کر ڈالے تھے اور وہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔

بعد میں اول خان نے تصدیق کردی تھی کہ وہ بھیڑ نما بھیڑیا اپنے گھر اور دفتر سے غائب تھا۔ ہمیں کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا کہ وہ کہاں تھا۔ ویرا کے قہر سے بچنے کے لیے وہ اسلام آباد، دہلی، بنکاک یا پھر کہیں بھی روپوش ہو سکتا تھا۔ ویرا کی طرح میری بھی دلی آرزو تھی کہ اس نے کراچی سے دہلی کا رخ کیا ہو تاکہ اسے اس کے گہرے دوستوں کے دیس میں، انل بسواس کے ساتھ اس کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جاسکے۔

کڑیاں دھیرے دھیرے یک جا ہو رہی تھیں لیکن اس وقت تک سی آئی اے کے جان اسمتھ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

دس بجے میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ سی ایس ڈی کے تاروں کو لائن سے الگ کیے بغیر میں نے اس کا سوئچ آف کردیا۔ اس ڈیوائس کے بغیر میں نے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور جب آپریٹر نے کال ویرا کو منتقل کردی تو میں نے سی ایس ڈی آن کردی۔ وہ سادہ سی ترکیب اچانک میرے ذہن میں آئی تھی۔ میں نے آپریٹر کی دوبارہ دخل اندازی کا مناسب ترین سدِباب کرلیا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو۔ تمہاری آواز سن کر میری جان میں جان آئی ہے ورنہ میں بہت پریشان تھا۔" میں نے کہا۔

"مظہر! احتیاط سے کام لو۔ کوئی اور بھی یہ گفتگو سن سکتا ہے۔" ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اپنا کام شروع کرچکی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ لائن منتقل ہونے کے بعد میں نے ڈیوائس آن کردی ہے۔"

"وہ کوئی بدمعاش اور آوارہ پولیس افسر ہے۔ حرام زادہ نشے میں دھت تھا۔ جانچ پڑتال سے زیادہ دل لگی کررہا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" غصے سے میرا خون کھول رہا تھا۔ اس کی خاموشی مجھ سے برداشت نہ ہو سکی۔

ویرا میری کیفیت کا اندازہ کرکے ہنس پڑی "ہونا کیا تھا ... تم جانتے ہو کہ میں ایسے خبیث مردوں کو اپنی انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ وہ میری لچھے دار باتوں پر بار بار کھیسیں نکال رہا تھا اور اس کے ماتحت زیرِ لب مسکرا رہے تھے۔"

"تم نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اب وہ تمہارے ہوٹل کے چکر لگاتا رہے گا۔"

"میں خود بھی اس امکان سے ڈر رہی تھی۔ میں اسے جل دے کر وقتی طور پر جان بچا سکتی تھی لیکن پھر وہ میرے کمرے کا راستہ دیکھ لیتا۔ ان ہی خوش گپیوں کے دوران کسی کا فون آگیا جس پر ڈیوڈ کا موڈ غارت ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے دفتر سے روانہ کردیا۔ وہ کسی نخشب کو بہت گندی گالیاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ دو ٹکے کا بدمعاش ہے مگر خود کو دہلی کا مالک سمجھتا ہے۔ جس دن داؤ لگ گیا، کوئی اسے گولیوں سے بھون ڈالے گا۔"

وہ ویرا کی کہانی کا دلچسپ ترین موڑ تھا جس سے مجھے گہری دلچسپی تھی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نخشب نے نشے میں ہونے کے باوجود اپنے وعدے کا پاس کیا تھا اور ویرا کی بحفاظت واپسی کے لیے اسے کچھ کھری کھری باتیں سنائی تھیں۔

میں ویرا کو بتا دیتا کہ نخشب نے وہ فون میرے ایما پر کیا تھا تو وہ مزید تفصیل گول کر جاتی۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "کوئی دو ٹکے کا بدمعاش، انسپکٹر عہدے کے ایک پولیس افسر کو کیا دھمکیاں دے سکتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" ویرا بے پروائی سے بولی "جب تک فون پر بات ہوتی رہی، ڈیوڈ ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس نے فون بند کرنے کے بعد نخشب کی شان میں مغلظات بکنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔"

"اور اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ نخشب نے اس وقت

تمہاری واپسی کے لیے ڈیوڈ کو فون کیا تھا تو تم کیا کہو گی۔"

"میں ہنس کر یہ مذاق سن لوں گی۔ دہلی کے کسی بدمعاش کو میری آزادی یا گرفتاری سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"اس وقت میں اس لیے خوش ہوں کہ دہلی میں ہمیں ایک ایسا ہمدرد مل گیا ہے جو کسی جان پہچان کے بغیر ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"اٹھارویں صدی کی باتیں مت کرو۔ ایسے بدمعاش' چور اور ڈاکو اس وقت پائے جاتے تھے۔ آج ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔ اس سے تمہاری کوئی جان پہچان نہیں تھی تو تم اسے میری مدد کے لیے کیسے آمادہ کر سکے؟ یہ ناقابلِ یقین کہانی ہے۔"

اس نے ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ایک پاکستانی لڑکی کی مدد کی ہے۔ یقین نہ ہو تو تمہیں اس کا فون نمبر دیتا ہوں۔ شکریے کا فون کرو گی تو شاید وہ خود ہی تم سے بات کرے گا۔ مجھے بھی بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے وعدے پر عمل کر کے اپنی شہرت برقرار رکھے گا۔"

"تمہارے پاس سی ایس ڈی ہے۔ میں اس سے محروم ہوں۔ میں کسی سے آزادانہ رابطہ نہیں کر سکتی۔" میرے اصرار اور سنجیدگی پر آخر کار اسے اعتبار کرنا پڑا "میرے لیے یہ سب واقعی حیران کن ہے۔ ڈیوڈ فون پر بات کرتے ہوئے بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ فون سننے کے بعد اس کی خرافات کا سلسلہ یک لخت ختم ہو گیا اور اس نے نخشب کو برا بھلا کہتے ہوئے مجھے لوٹا دیا۔"

"آج اسے چوٹ ہو گئی لیکن وہ کسی بہانے سے پھر پلٹ سکتا ہے۔" میں نے محض ویرا کو ڈرانے کے لیے کہا "یہ یاد رکھنا کہ زخم کھایا ہوا سانپ پلٹ کر اپنا پھن ضرور مارتا ہے۔ ڈیوڈ اپنی ذلت کو آسانی سے نہیں بھلا سکے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں وہ فون آنے سے پہلے بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن تم پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے میرا خیال رکھا اور نخشب کو ڈیوڈ کی زیادتی کی طرف متوجہ کر دیا۔"

ویرا کا جواب سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کی آواز میں طنز پنہاں نہیں تھا لیکن لہجے میں ہلکی سی اجنبیت تھی۔ میں نے ذرا سختی سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں کے تجربات نے تمہاری طبیعت صاف کر دی ہے۔"

"اب تنہا رہنے کی عادت نہیں رہی۔ میرے لیے یہ بات سوہان روح بنی ہوئی ہے کہ تم اسی شہر میں موجود ہو اور مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس تلخ تجربے سے گزرنے سے پہلے میں اس کے اثرات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی تھی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر نرمی سے کہا "پیش رفت ہو رہی ہے۔ کھیل کسی بھی وقت شروع ہو سکتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمیں یہاں کے مسائل سے جلد از جلد نجات مل جائے اور ہم واپس روانہ ہو سکیں۔"

"اس وقت تم نے باتیں کر کے میرا دل ہلکا کر دیا ہے ورنہ پابندیوں سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم سے مل نہیں سکتی' فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتی.... جب تک یہاں رہنا ہے' مجھ سے سی ایس ڈی لگا کر بات ضرور کر لیا کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"میں خیال رکھوں گا۔ اب تم آرام کرو۔ ہمیں اطلاع دیے بغیر ہوٹل تبدیل نہ کر لینا۔"

میں فون بند کر کے مڑا تو غزالہ مسکرا رہی تھی۔ فون پر دھیمے لہجے میں ہونے والی باتوں سے اسے ویرا کی خیریت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

○☆○

اگلے روز انڈین ایکسپریس کے پہلے صفحے پر میرے لیے تین اہم خبریں موجود تھیں۔

پہلی خبر پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے اندوہناک حادثے کے بارے میں تھی۔ اخبار نے اس واقعے پر تین کالمی سرخی جمائی تھی۔ پولیس اور سرکاری ترجمان کے مطابق وہ حادثہ سڑک پر تیز رفتاری کے دوران اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس بدنصیب کار نے اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے ایک گہرے کھڈ میں قلابازیاں کھائی تھیں لیکن سوال یہ تھا کہ وہ ٹائر حادثاتی طور پر پھٹا تھا یا کہیں چھپے ہوئے کسی ماہر نشانے باز نے ٹائر پر قسمت آزمائی کی تھی۔ سارا اہتمام کچھ اس طرح کیا گیا تھا کہ جائے حادثہ سے پھٹے ہوئے ٹائر کے متعدد ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے جن پر کسی گولی وغیرہ کے نشان کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

کسی واقعے میں آتشیں بارودی اسلحے کے استعمال کا تعین کرنے کے لیے استعمال ہونے والی سہولتیں بھارت میں دستیاب تھیں نہ پاکستان میں۔ امریکا اور یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں یہ کام ہو سکتا تھا لیکن وہاں تک منتقلی کا عنصر ایسے ہر ٹیسٹ کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ براہِ راست قتل بہرحال نہیں تھے۔ پاکستانی سفارت

خانے نے فوری طور پر کسی منفی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ اسے حادثے کے طور پر ہی قبول کرلیا جائے گا اور تین قیمتی انسانی جانوں کے اتلاف پر کوئی نازیبا الزام تراشی نہیں کی جائے گی۔

دوسری خبر بھارت میں چند پراسرار پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کے بارے میں تھی۔ بھارت کی وزارت داخلہ کو مصدقہ خفیہ ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ کچھ پاکستانی دہشت گرد پوری تیاریوں کے ساتھ بھارتی سرزمین پر وارد ہوچکے تھے۔ امن وامان اور قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں کو چوکس رہنے کے احکام جاری کیے گئے تھے اور کئی بڑے شہروں میں مشتبہ افراد کی تلاش کا کام شروع کردیا گیا تھا۔

اس خبر میں میرا یا کسی اور کا نام نہیں تھا لیکن قیاس بتارہا تھا کہ وہ ساری ہلچل ہماری وجہ سے تھی۔ ہم تینوں پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ ہر مرحلے پر اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا تھا کہ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ اور اس کے اوباش صوبے دار سمیت، کسی کو بھارت میں ہمارے داخلے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ صرف امرتسر کا بنگو ہمارا رازداں تھا۔ خود اس کی سلامتی کا تقاضا تھا کہ وہ ہماری آمد کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتا۔ اس کے باوجود خبر نکل گئی تھی تو میں اپنی کسی خامی پر غور کرنے کے بجائے سارا کریڈٹ ان بھارتی ایجنٹوں کو دینے پر مجبور تھا جو پاکستان میں فعال تھے۔

کراچی میرا بنیادی کیمپ تھا۔ میں اسپیشل ٹاسک فورس کے تعاون سے وہیں بیٹھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ ہماری لاہور روانگی کے بعد کراچی کے محاذ پر طاری ہونے والی خاموشی نے شاید راء والوں کی صفوں میں تحریک پیدا کی اور پھر وہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ ہم کراچی سے نکل کر لاہور پہنچے ہوئے تھے۔ لاہور میں ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے معاملات میں میرا تمام کردار پس پردہ رہا تھا۔ وہ واقعہ آئی بی کے کیس کی صورت میں اخبارات اور عوام کے سامنے پیش کیا گیا تھا لیکن مخصوص زاویے سے کھوج لگانے والوں نے شاید کسی طرح پتا چلالیا تھا کہ میں ان واقعات میں شامل تھا۔

کراچی سے روانگی اور لاہور میں موجودگی کی شہادتیں مل جانے کے باوجود جب ان لوگوں کو میرا کوئی سراغ نہیں مل سکا تو انہوں نے از خود ایک مفروضہ قائم کرلیا کہ میں سرحد پار کرکے ان کے ملک میں داخل ہوچکا تھا۔

ان کے نکتہ نظر سے یہ امکان اتنا ہولناک تھا کہ انہوں نے مزید تحقیق اور تفتیش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے خفیہ اندازے آگے بڑھا دیے۔ وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پریقین نہیں تھے اس لیے اطلاعات میں میرا نام شامل نہیں تھا لیکن آثار بتارہے تھے کہ ان کا اصل نشانہ کون تھا۔

تیسری اور مختصر سی ایک کالمی خبر سب سے زیادہ حوصلہ افزا تھی۔ وہ ایشیا میں سی آئی اے آپریشنز کے چیف، جان اسمتھ کی مقامی مصروفیات کے بارے میں تھی۔ وہ بزدل اور بھگوڑا نجی دورے کی آڑ میں کراچی سے بھاگ کر واقعی دہلی آپہنچا تھا اور اعلیٰ بھارتی حکام سے ملاقاتوں میں مصروف تھا۔

میں ناشتے کے دوران ان خبروں کا مطالعہ کرتا رہا۔ انڈین ایکسپریس ایک معتبر اور جامع اخبار تھا۔ اس میں وہ سب موجود تھا جو مجھ جیسے لوگ جاننا چاہتے تھے۔ چائے نوشی ختم کرنے کے بعد میں نے اخبار کے اوراق پلٹے تو مجھے میجر بخشی کے بارے میں بھی کچھ مواد مل گیا۔ کراچی سے ممبئی منتقلی کے بعد اس کے متعدد ٹیسٹ کیے جاچکے تھے مگر دماغی اور اعصابی امراض کے ماہرین اس کی بیماری کے اسباب کا سراغ لگانے میں ناکام ہوچکے تھے۔ اس کی یادداشت کا خانہ بدستور کورا تھا۔

تین بے گناہ پاکستانی سفارت کاروں کی لاشوں کے بدلے میجر بخشی کی زندہ لاش کا سودا بہت سستا تھا۔ میجر بخشی ایک مسلمہ اور مصدقہ مجرم تھا۔ اس کے جرائم تواتر کے ساتھ میرے سامنے آتے رہے تھے پھر بھی کسی جوابی کارروائی سے بچنے کے لیے ہم نے اسے ہلاک نہیں کیا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد ایس ٹی ایف کے حامد نے مارشل آرٹس میں اپنی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بخشی کے شانوں کی کچھ ایسی رگیں دبائی تھیں کہ اس کی یادداشت صاف ہوگئی تھی۔ وہ بخشی کا عضلاتی نقصان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قابل ترین بھارتی ماہرین بھی سرجوڑ کر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

”آپ کب تک اخبار چاٹتے رہیں گے؟“ طویل انتظار سے اکتا کر غزالہ سوال کر بیٹھی۔

”بہت دلچسپ خبریں ہیں۔ پڑھو گی تو تم بھی ان میں محو ہوجاؤ گی۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بہت سے راز ابل کر خود بہ خود سامنے آجاتے ہیں۔ جان اسمتھ کسی گیدڑ کی طرح دم دبا کر کراچی سے بھاگا تھا۔ اخبار بتارہا ہے کہ وہ دہلی میں ہے۔“

"این کاویل یہ خبر پڑھ کر خوش ہو جائے گی۔" غزالہ نے کہا۔ یہ بات طے ہو چکی تھی کہ بھارت کی سرزمین پر ہم لوگ تخلیے میں بھی ایک دوسرے کا ذکر ان ناموں سے کریں گے جو ہمارے پاسپورٹوں پر لکھے ہوئے تھے۔

"اگر اس کے ہوٹل میں انڈین ایکسپریس ہی مہمانوں کو فراہم کیا جاتا ہے تو وہ ضرور یہ خبر پڑھے گی۔"

"وہ یہاں ہے مگر ہم اس تک کیسے پہنچیں گے؟" وہ سوال کرتے ہوئے غزالہ سنجیدہ ہو گئی۔

"گاڑی آجانے دو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "آج ہی سے تلاش کی مہم شروع کر دی جائے گی۔"

اس روز ہم دونوں سویرے بیدار ہو گئے تھے۔ ہم تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے مگر صرف سوا نو بجے تھے۔ جی تھری کسی بھی وقت گاڑی لے کر پہنچنے والا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ پہلے میں ان ٹھکانوں کا جائزہ لوں گا جہاں میرے متوقع شکاروں کے دفاتر یا گھر واقع تھے۔ پھر محل وقوع اور فرار کی دستیاب سہولتوں کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کروں گا۔"

"اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد یہ سب بہت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔" غزالہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"امریکا پہنچنے کے بعد بھی ایسا ہی جمود نظر آ رہا تھا مگر ایک بار راستہ بن گیا تو ہر کام سیدھا ہوتا چلا گیا۔ امریکا کے مقابلے میں یہاں کا ماحول وغیرہ ہم لوگوں کے لیے زیادہ اجنبی نہیں ہے پھر ہمیں یہاں آئے ہوئے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔"

دس بجے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے جی تھری بول رہا تھا۔ وہ گاڑی لے آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی گاڑی کا رنگ اور نمبر بتایا۔ میں نے اسے پارکنگ میں رک کر انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ ویرا کو تیاری کا اشارہ کیا اور فون پر ویرا کے ہوٹل کا نمبر ملا لیا۔

پچھلے تجربے کی روشنی میں اس بار بھی میں نے پرانی ترکیب آزمائی۔ ریسیور پر ویرا کی آواز سن کر سی ایس ڈی آن کر دی۔

"تم نے اخبار دیکھا ہو تو پڑھ لیا ہو گا کہ جان دہلی میں موجود ہے۔" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"واقعی!" اس کی تحیر زدہ آواز مسرت سے لبریز تھی "میں تھوڑی دیر پہلے سو کر اٹھی ہوں۔ ابھی اخبار دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔"

"انڈین ایکسپریس میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی جاری کی ہوئی خبر چھپی ہے۔ یہ دوسرے اخباروں میں بھی ہو گی۔ تم کو نہ ملے تو انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات دیکھ لینا۔ اب میں شہر کے سروے پر نکل رہا ہوں۔" میں نے اسے بتایا۔

"غزالہ تمہارے ساتھ جا رہی ہو گی!" ویرا نے رشک آمیز آواز میں پوچھا۔

"دوستوں کی طرف سے گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھے بھی ساتھ لے لو۔ میں تیار ہو کر پانچ منٹ میں نیچے آجاتی ہوں۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ تم پچھلی رات کے تجربے اور اپنے وعدے کو اتنی جلدی بھول جاؤ گی۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی۔"

"میں تمہاری کامیابیوں کے لیے دعاگو رہوں گی۔ ہوٹل پہنچ کر مجھے فون ضرور کر لینا۔" اس نے مجھے تاکید کی۔

"اسے بہلائے رکھنے کے لیے وہ مختصر سی فون کال ضروری تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔"

اتنی دیر میں غزالہ جوتے وغیرہ پہن کر تیار ہو چکی تھی۔ میں نے سی ایس ڈی کو فون کی لائن سے الگ کر لیا۔ غزالہ نے سی ایس ڈی اور ایریٹس اپنے وینٹی بیگ میں ڈالے اور ہم دونوں اپنا کمرا مقفل کر کے لفٹ کی طرف چل دیے۔

ہمارے کمرے میں روزمرہ استعمال کے چند جوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں سفر میں رقم اور پاسپورٹ وغیرہ ہر دم اپنے ساتھ رکھنے کا عادی تھا۔ میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرائی اور غزالہ کے ساتھ ہوٹل سے نکل گیا۔

میں نے جی تھری سے اس کی گاڑی کا رنگ اور نمبر معلوم کر لیا تھا لیکن پارکنگ لاٹ میں گھستے ہی مجھے احساس ہو گیا کہ مطلوبہ گاڑی تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ لاٹ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں میں اپنی تلاش کی ابتدا کس طرف سے کروں۔ پریشانی کے عالم میں میری ساری توجہ اپنے سامنے مرکوز تھی کہ اچانک پیچھے سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

دباؤ ہلکا اور دوستانہ تھا۔ اس میں گرفت کی سی سختی نہ تھی مگر میرے لیے وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ میں بھنا کر بہت تیزی سے گھوما تو ایک متین اور بھرا بھرا نوجوان میری نظروں کے سامنے تھا۔ میرے پلٹنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ میرے شانے پر سے گر چکا تھا۔ وہ براہ راست نہایت

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں چار ناموں والے کی تلاش ہے؟" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے کالے چور کی تلاش ہے۔ تم کون ہو اور اس بے تکلفی کا کیا مطلب تھا؟" میں نے تلخی سے کہا۔ غزالہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔

اس نے گاڑی کا رنگ اور رجسٹریشن نمبر دہرایا پھر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم چکرا جاؤ گے اس لیے میں یہیں تمہارا منتظر تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی نہیں ہوئی کیونکہ تمہارے ہونٹوں پر بھی ہنسی کھیل رہی ہے۔"

میں نے تپاک سے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر غزالہ کو سلام کیا اور ہم اس کی رہنمائی میں پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگئے۔

"تمہارے قیاس کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ تم نے ہمیں پہلی بار دیکھا اور پہچان لیا۔" میں نے کہا۔

"اپنوں کی بو دور سے آجاتی ہے۔ میں کسی باوقار جوڑے کا منتظر تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ چار ناموں والے کا کیا ذکر تھا؟ تمہاری اس بات نے ذرا سی دیر کے لیے مجھے الجھا دیا تھا۔"

"ہم تینوں کے چار نام ہیں۔" اپنے گردوپیش میں نظر دوڑانے کے بعد اس نے دھیرے سے کہا "ماں باپ اور گھر بار کے ساتھ ہم اپنا نام بھی اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں۔ میرا دوسرا نام سنیل ہے جس سے یہاں کے لوگ جانتے ہیں۔ تیسرا نام کپور تھلا کے رئیس کا ہے جو سرلا اور تم جیسے دوستوں کی پہچان کے لیے ہے۔ تم اریٹس استعمال کرو گے تو میں جی تھری کہلاؤں گا۔ یہ سب زندگی کے انوکھے کھیل ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر میں وطن کی خاک نصیب ہوتی ہے یا یہاں کی مٹی کسی اور نام سے ہمیں اپنی گود میں چھپائے گی۔"

"یار، تم جوان آدمی ہو۔ کیوں قنوطی ہو رہے ہو۔ ابھی تو تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔"

"قنوطی نہیں، بس ذرا جذباتی ہو رہا تھا۔ تم سے ملتے ہی پرسوں رات کا خیال آگیا تھا۔ تمہاری لائن ڈراپ ہوتے ہی مجھے موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ میں سرلا سے کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کسی نے میری موجودگی کا یقین کرنے کے لیے وہ فون کیا تھا۔ میں نے بھاگنے میں دیر کی تو سرلا کے گھر میں ہی مارا ڈالا جاؤں گا۔ ہماری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ابھی ہیں، اگلے لمحے کوئی گولی آئے گی اور نہیں ہوں گے۔"

"قابل رشک بات یہ ہے کہ ان سب خطروں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی تم پیچھے نہیں ہٹتے۔" غزالہ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں تمہاری اس دلیری اور عظمت کو سلام کرتی ہوں۔"

اس نے یکایک سامنے آکر ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ "مجھے شرمندہ مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر ہمارے ساتھ ہولیا "ہمیں احتیاط برتنے کا حکم نہ ہوتا تو میں دیکھتے ہی تم کو اپنے کندھے پر اٹھالیتا۔ تمہارے نام کو یہاں کے اخباروں نے لیجنڈ بنادیا ہے۔ مجھے تم سے برابری سے بات کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ گوپال یا عابد علی کی طرح وہ بھی جوان تھا۔ جلال نے بھارت میں کام کرنے کے لیے تجربہ کار اور پختہ عمر کے ایجنٹوں کے بجائے پرجوش اور جوان افراد کا انتخاب کیا تھا جو اس کی ذہانت کا کھلا ثبوت تھا۔

ہم اس کی گاڑی تک پہنچے تو میں نے اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھنا چاہا مگر اس نے مجھے روک دیا "تم پیچھے ہی بیٹھو۔ ہر ایک کی نظر سے بچے رہو گے۔ جس طرح میں مجبور ہو کر آپ جناب کے بجائے تم سے مخاطب کر رہا ہوں، اسی مجبوری کے تحت تم مجھے اپنا ڈرائیور سمجھ لو اور صرف یہ بتاؤ کہ کہاں جانا ہے۔"

اس کا پیش کیا ہوا نکتہ جان دار تھا۔ میں پچھلی نشست پر غزالہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"انل بسواس اور نریش نرما کے دفاتر اور گھر امریکی سفارت خانہ اور ان کے درمیان آنے والے مقامات دیکھنے ہیں۔" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اسے بتایا "یہ ہمارا ابتدائی جائزہ مشن ہے۔ اس کے بعد ہم کسی کارروائی کا فیصلہ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ پچھلے پائیدان کے نیچے تین بھرے ہوئے ریوالور اور فاضل راؤنڈ کے پیکٹ پڑے ہوئے ہیں۔ جب چاہو، نکال لینا۔"

گوپال کی طرح وہ بھی جوان تھا مگر اس کی گفتگو سے اس قدر اعتماد جھلک رہا تھا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح خود مختار نظر آرہا تھا۔ اگر گوپال نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ وہ اپنے مشن کا چیف ہے تو میں سنیل کو ہی ان کا بڑا تصور کرلیتا۔

"تم مہم پر نکلے ہو تو میں یہ یاد دلا دوں کہ گرین کوبرا فائل ہمارے لیے مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"گوپال مجھے بتاچکا ہے۔ یہ بھولنے والی بات نہیں ہے۔"

اب مجھے خود بھی اس فائل سے دلچسپی ہوگئی ہے لیکن اس کی وجہ سے میں ان میں سے کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ جو بھی پہلے زد میں آگیا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

"ہونا یہی چاہیے مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ دیکھو، ان ظالموں نے کل ہمارے تین آدمی مار دیے۔ یہاں کئی دن سے کھچڑی پک رہی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے اور کل انہوں نے گاڑی تباہ کرادی۔"

"بظاہر وہ ایک حادثہ تھا۔ تم ان پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے پوچھا۔

وہ ہنس پڑا "مجھ سے نہ کھیلو۔ یہ بات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا تھا۔ تم کراچی میں تھے۔ رستم ایرانی سے تمہارا سودا ہوا تھا۔ وہ ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ یہاں حادثہ ہوگیا۔ کوئی اسے قتل ثابت نہیں کرسکا۔"

میں اس کی زبان سے وہ سب سن کر حیران رہ گیا۔ "تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوگئیں۔"

"یہ سب سینہ گزٹ کی خبریں ہیں۔" وہ ہنس کر بولا "نجی محفلوں میں جب ہمارے افسر پینے بیٹھتے ہیں تو ہر ایک دوسروں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور سینوں میں چھپی ہوئی بڑی بڑی خبریں گزٹ پر آجاتی ہیں۔ یہاں کام کرنے والے دوسرے پاکستانیوں سے زیادہ باخبر رہتے ہیں۔"

اس نے مجھے لاجواب کردیا۔ واقعات کی گرد میں، میں اوبی کی موت کا قصہ یکسر بھلا بیٹھا تھا۔ سنیل نے صحیح یاد دلایا تھا کہ اوبرائن کے قتل میں مجھے جنبش کرنی پڑی تھی نہ رستم نے کراچی چھوڑا پھر بھی اوبرائن جہنم واصل ہوگیا تھا۔ نئی دہلی سے شملہ تک کام کرنے والے را کے ایجنٹوں کے لیے پاکستانی سفارت خانے کی ایک کار کو حادثے کا شکار بنانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ میں وہ نتیجہ پہلے اخذ کرچکا تھا۔ سنیل اس کی تصدیق کر رہا تھا۔

"یہ سلسلہ اب رک جانا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہمارے دامن میں آگ لگا رہے ہیں۔ ہم کو ان کے وجود میں آگ بھر دینی چاہیے۔"

"یہاں سے سول لائنز کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔" اس نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا "یہاں بہت سے سرکاری دفاتر ہیں۔ تیرتھ رام شاہ اسپتال کے پیچھے را کا ایک گمنام سا دفتر ہے جس پر کوئی بورڈ یا نشان نہیں ہے۔ نریش شرما وہیں بیٹھتا ہے۔ انل بسواس کبھی کبھی اس دفتر کا رخ کرتا ہے۔"

اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کرلی تھی۔ وہ ہمیں راستوں اور مختلف مقامات کے بارے میں بتاتا رہا پھر وہ را کے اس خفیہ دفتر کے قریب سے گزرا۔ وہ عمارت کسی طرح بھی اہم نظر نہیں آرہی تھی۔ آگے نکل کر میں نے دفتر کی اہمیت کی صرف ایک علامت دیکھی کہ دو باوردی سپاہی اپنی بندوقیں سنبھالے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دور ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ موٹی توندوں والے ان سپاہیوں نے برسوں سے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ اپنی بندوقوں سے کوئی گولی چلائی تھی۔

سنیل اپنی گاڑی دور تک لیتا چلا گیا۔ واپسی پر وہ دوبارہ را کے ذیلی دفتر کے سامنے سے گزرا تاکہ ہم عمارت کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

دوسرا جائزہ مکمل ہونے کے بعد سنیل اس علاقے سے نکل گیا۔ انل اور نریش قرول باغ کے علاقے میں رہتے تھے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے ہم چانکیہ پوری نکل جائیں گے۔ سارے سفارت خانے وغیرہ وہیں واقع ہیں۔ علاقہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔"

سنیل راستے بھر ہمیں بتاتا رہا کہ قرول باغ دہلی کا ایک بڑا رہائشی علاقہ ہے جہاں مختلف ناموں سے کئی بستیاں آباد ہیں۔ وہ پہاڑ گنج سے تقریباً ملا ہوا علاقہ تھا۔ ہمارے ہوٹل سے ان دونوں کے گھر زیادہ دور نہیں تھے لیکن دفتر کا فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ اپنے جوش میں کسی پیشہ ور گائیڈ کی طرح ہمیں بریف کرتا رہا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کی تقریر سنتے رہے۔ ایک بار غزالہ نے اس سے کچھ پوچھ لیا لیکن اپنے پہلو میں میری کہنی کا دباؤ محسوس کرکے اس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔

سنیل اور اس کی گاڑی کا سہارا میسر آجانے کے بعد میری دانست میں وہ تفصیلات غیر ضروری تھیں۔ ہم اپنے مخصوص مقاصد کے تحت دہلی آئے تھے۔ کام پورا کرکے ہمیں واپس لوٹ جانا تھا۔ اس شہر کے گلی کوچوں اور راستوں سے ہمارا تعلق کسی لاابالی سیاح جیسا تھا جو دن بھر اجنبی مقامات اور راستوں کی خاک چھاننے کے بعد شام ڈھلے جلد از جلد اس آشیانے میں پہنچنے کا آرزومند ہوتا ہے جہاں ایک صاف بستر اس کے تھکے ہوئے وجود کو اپنی آغوش میں لینے کا منتظر ہوتا ہے۔

ہمیں اپنی مہم جوئی کے سلسلے میں جہاں بھی جانا تھا، سنیل یا اس کے کسی ساتھی کے ہمراہ جانا تھا۔ راستوں

انتخاب کی ذمّے داری ان لوگوں کے سر ہوتی۔ مجھے بس یہ دیکھنا تھا کہ کس مقام پر کس نوعیت کی کارروائی زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔

انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں میں وہی فرق تھا جو ان کے عہدوں میں رہا ہوگا۔ انل بسواس کو سرکاری خرچ پر ایک بڑی سی کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ نریش شرما کا گھر ایسا تھا جیسے عام گھر ہوتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور مہمان چند قدم چل کر کسی کمرے میں داخل ہوگئے۔

اس جائزے سے فارغ ہو کر جب سنیل نے بتایا کہ قرول باغ سے چانکیہ پوری کی مسافت خاصی زیادہ ہے تو میں نے ادھر جانے کا ارادہ یک لخت منسوخ کردیا۔ امریکا دنیا کا اکلوتا بڑا اور طاقت ور ملک ہے۔ ہر جگہ اس کی سفارتی عمارتیں پُرشکوہ اور بڑی حد تک قلعہ بند ہوتی ہیں جہاں اجازت اور شناخت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہاں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دفتر اور سفارت خانے سے دور رہ کر اسے زیادہ آسانی سے پھانسا جاسکتا تھا۔

"چانکیہ پوری کی سیر کرانے کے بجائے ہمیں کسی ایسی جگہ لے جاسکو جہاں سے پاکستان فون کیا جاسکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے اس سے کہا۔

"پاکستان فون کرنے کے لیے تمہارا ہوٹل سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ وہاں تمہارے پاس سی ایس ڈی بھی موجود ہے۔" سنیل نے جواب دیا۔

"ہوٹل سے فون کیا تو وہ نمبر ریکارڈ پر آجائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل چھوڑتے ہوئے ایسا کوئی سراغ چھوڑا جائے جو ہمارے دشمنوں کے لیے کارآمد ثابت ہوسکے۔ کسی دوست یا ہمدرد کا گھر سب سے بہتر رہے گا۔ سی ایس ڈی ایک منٹ میں لائن سے جوڑی جاسکتی ہے۔"

"مگر دوسری سی ایس ڈی کہاں سے آئے گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کوئی دیوہیکل آلہ نہیں ہے۔ چھوٹی سی ڈبیا ہے۔ ہم نے اسے ہوٹل کے کمرے میں چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ غزالہ کے بیگ میں موجود ہے۔"

"پھر تم میرے ساتھ چلو۔ اس وقت گیسٹ ہاؤس خالی پڑا ہوا ہوگا۔ سرلا قابل اعتماد عورت ہے۔ کسی سے تمہاری آمد کا ذکر نہیں کرے گی۔" اس نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر گھماتے ہوئے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ اس کی نپی تلی رائے تھی۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی کے راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی سرلا کے مختصر سے بنگلے کے قریب جا رکی۔ سنیل نے انجن بند کیا، ہمیں انتظار کرنے کی ہدایت کی اور کسی ترکیب سے احاطے کا دروازہ کھول کر اندر غائب ہوگیا۔ ہمیں اندر لے جانے سے پہلے وہ اپنا اطمینان کرلینا ضروری سمجھ رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ واپسی پر سرلا بھی اس کے ساتھ دروازے پر آئے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ آیا اور ہمیں تیزی سے اندر لے گیا۔ مختصر سے برآمدے میں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہی گوپال، سنیل اور رام کا جز وقتی ٹھکانا تھا۔

"سرلا کہیں نظر نہیں آرہی۔ کیا یہ مکان بالکل خالی پڑا ہوا تھا؟" میں نے مختصر ترین اسباب پر مشتمل اس کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"اسے میں نے جان کر تم دونوں سے دور رکھا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اوٹ میں چھپی تم کو دیکھ رہی ہوگی۔ تم آرام سے فون کرلو۔ میں اندر ہوں۔ بات ختم ہوجائے تو مجھے آواز دے لینا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کردیا تھا۔

دہری مسہری، دو کرسیاں، ایک چھوٹی میز اور دیوار گیر آئینے کے سوا وہاں صرف ایک فون موجود تھا۔ سنیل نے شاید جان کر ہمیں تخلیہ فراہم کیا تھا۔ غزالہ ملحق باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے سی ایس ڈی کو تار سے جوڑنا شروع کردیا۔

میرے ذہن میں ایک کشمکش جاری تھی۔ میں فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسے فون کروں۔ سلطان شاہ سے میرا گہرا جذباتی تعلق تھا جب کہ اول خان سے کام کی باتیں معلوم ہونے کی امید تھی۔

سی ایس ڈی جوڑنے تک میں فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے بین الاقوامی کوڈ ملانے کے بعد اول خان کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ دہلی میں اس وقت دو بجے تھے۔ پاکستان کا وقت نصف گھنٹا پیچھے تھا۔ مجھے امید تھی کہ اول خان اپنے دفتر میں مل جائے گا۔

دو گھنٹیاں بجنے پر بھی جواب نہیں ملا مگر میں نے انتظار جاری رکھا۔ میں خود مشاہدہ کرچکا تھا کہ اول خان کرسی توڑنے والے افسروں میں سے نہیں تھا۔ ہر وقت اپنے لیے کام پیدا کرتا رہتا تھا اور مصروف رہتا تھا جس کے نتیجے میں بسا اوقات اس کا دفتر خالی پڑا رہتا تھا۔ وہ خود کسی بیرک، ورکشاپ یا میس میں اپنے عملے کے ساتھ کسی کام میں لگا رہتا تھا۔ اس کی طرف سے جواب ملنے میں تاخیر غیر متوقع نہیں

ی۔

تیسری گھنٹی پر جواب ملا اور اول خان میری آواز سن کر
ران رہ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی۔ کان
س گئے تھے اس آواز کو! اس وقت تم کہاں سے بات
رر ہے ہو؟"

"میں دہلی میں جلال کے آدمی کے ساتھ ہوں۔ سمجھ میں
یں آرہا کہ کل کے واقعے کا بدلہ کیسے لوں۔ جب سے وہ
ی خبر سنی ہے، غصے سے میرا خون کھول رہا ہے۔ ہم ان کے
رموں کو سزا دیتے ہیں۔ یہ ہمارے بے گناہوں کو مار ڈالتے
ں۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو!" اول خان نے مربیانہ آواز میں
ھے مشورہ دیا "ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ کوئی
پنے گریبان میں جھانکنا پسند نہیں کرتا۔ وہاں تمہاری
زیشن بہت نازک بلکہ مخدوش ہے.... تم اس وقت سی ایس
ں استعمال کر رہے ہو نا؟"

"وہ آن ہے اسی لیے میں اپنے دل کا غبار نکال
ا ہوں۔ میں اس واقعے کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

"یہاں سب تمہارے لیے فکر مند ہیں۔ یہاں خاموشی
ے۔ دشمنوں کو سانپ سونگھ گیا ہے مگر شبہ ہے کہ انہیں
ماری روانگی کی کچھ بھنک مل گئی ہے۔ زندگی ہے تو کام
تے رہیں گے۔ تم خطرہ محسوس کرو تو فوراً واپس لوٹ
ؤ۔"

"یہاں ایک بڑے کھیل کے لیے فضا سازگار ہو رہی
ے۔ جان دہلی پہنچا ہوا ہے۔ جلال کے آدمی کسی گرین کو برا
ل کی فکر میں ہیں۔ میں جمی جمائی بساط چھوڑ کر واپس نہیں
سکتا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کا کیا حال ہے۔" غزالہ باتھ
م سے واپس آکر خاموشی سے میرے قریب بیٹھ چکی تھی۔

"میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ جہانگیر نے فون پر فون
کے اس کی زندگی عذاب کر دی تھی۔ اسے خوشی ہوئی ہے
ہ اس کا ماموں سر گندے الزامات میں پکڑا گیا۔ اب وہ
ماری تلاش میں ہے تاکہ تمہارے ذریعے چوہدری عظمت
وئی بڑا احسان لاد سکے۔"

"وہ سدا کا احمق ہے۔ سلطان شاہ سے کہو کہ اسے کورا
ب دے دے!" میں نے ترشی سے کہا۔

"وہ سب کچھ کہہ چکا ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ یہ
قی سطح کا سنگین کیس ہے جس میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا مگر
ں کی ایک ہی رٹ ہے کہ وہ تم سے بات کرے گا۔ اسے
ارا پتا اور فون نمبر درکار ہے۔"

"اسے بکنے دو۔ ایسے جرائم معافی کے قابل نہیں ہوتے۔" مجھے جہانگیر پر غصہ آرہا تھا۔

"تم اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو۔ سلطان شاہ گھر میں تالا ڈال کر میرے پاس آگیا ہے۔ ایک آدمی گھر کی چوکیداری کر رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ جہانگیر بلبلا کر کئی مرتبہ گھر کے چکر بھی لگا چکا ہے۔ تم آؤ گے تو خود اسے سنبھال لو گے۔"

"جلال کی طرف سے کیا خبریں ہیں۔" میں نے وہ بات سننے کے بعد پوچھا۔

"تمہارے بارے میں اسی سے اطلاعات ملتی رہیں۔ تمہیں لے جانے والا اس کے رابطے میں رہتا ہے۔ سنا ہے کہ تم نے ایک رات امرتسر میں بسر کی تھی۔"

"سفر نے جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ وہاں رک کر آرام کرنا ضروری تھا۔"

"راستے میں کوئی ناگہانی آفت بھی آتے آتے رہ گئی تھی۔ کوئی صوبے دار گاڑی کی تلاشی لینے پر اڑ گیا تھا۔"

"وہ بہت بھیانک وقت تھا جو خوش قسمتی سے گزر گیا۔ گڑبڑ ہو جاتی تو زندگی کا سفر وہیں پورا ہو جاتا۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ میرا خیال تھا کہ اس نے واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔"

غزالہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گاڑی کھولی گئی تو وہ این کاویل کو قتل کر کے خودکشی کر لے گی۔ بھارتی صوبے دار شیطان کا بچہ بنا ہوا تھا۔ جلال کے ایجنٹ نے بہت ہوش مندی سے کام لیا۔ وہ لالچ کرتا تو بات بگڑتی چلی جاتی۔ اب اس واقعے کو بھول جاؤ۔"

خطرناک پاکستانیوں کے ملک میں گھس آنے کے بارے میں بھارت میں جو شور مچا ہوا تھا، اول خان اس کی شدت سے آگاہ نہیں تھا۔ اسے سرسری سا شبہ تھا کہ بھارتیوں کو ہماری روانگی کی کوئی بھنک مل گئی تھی۔ میں نے اس موضوع پر اس کی معلومات میں ذرا بھی اضافہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بھارت پہنچنے کے بعد وہ اس سے میری پہلی گفتگو تھی۔ میں نے اس سے کئی ناخوش گوار باتیں چھپائیں لیکن اس نے مجھے ہر بات بتادی۔ چوہدری عظمت اور اس کے شریک مجرموں کا ریمانڈ لیا جا چکا تھا۔ اگلی پیشی پر ان کے خلاف مضبوط چالان تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم کرنے سے پہلے مجھے اچانک

نخشب کا خیال آگیا اور میں نے چونک کر اس سے پوچھا "تم نے داؤد جٹ کے بارے میں کچھ سنا ہے۔"

"سنا کیا ہے۔ وہ اکثر کراچی آتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے ڈیفنس کے علاقے میں وہ کئی مکان خرید چکا ہے۔"

"اور اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔" میں نے قدرے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔

"جائیداد کی خرید و فروخت قانونی تقاضے پورے کیے بغیر ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے مکان اپنے مقامی ملازمین کے نام پر لیے ہوں۔ میری اطلاعات کے مطابق کبھی کسی ادارے نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ اپنی اسپیڈ بوٹ میں کراچی آتا ہے اور چند دن گزار کر خاموشی سے لوٹ جاتا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ ہماری رعایتوں کا حق دار ہے۔ اس کے ایک آدمی نے کل رات ہی ہمارا ایک بڑا کام کیا ہے۔"

"وہ دہلی میں کہاں سے آگیا؟ ان لوگوں کا گڑھ تو ممبئی میں ہے!" اول خان کی آواز میں حیرت پوشیدہ تھی۔

"گڑھ وہی ہے مگر دہلی میں اس کا خاص آدمی رہتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یہ لوگ اپنی غیر قانونی کمائی پر کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتے لیکن سیکڑوں غریب خاندان ان کے وظیفوں پر پل رہے ہیں۔ لڑکیوں کی شادی پر لاکھ پچاس ہزار کی مدد دینا ان کی روایت بن چکی ہے۔ کراچی کے مچھیروں میں بھی ان کی بہت خدمات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان لوگوں کا راستہ روکا گیا نہ کبھی ان سے ٹکراؤ کی نوبت آئی۔ یہ شاید اسی کا ثمر ہے کہ کوئی تمہارے کام آگیا۔ ویسے کام کیا تھا وہ؟"

"اسے رہنے دو۔" میں نے ہنس کر کہا "میں یہی چاہتا تھا کہ پاکستان میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

اول خان نے ویرا اور غزالہ کے لیے دعائیں دے کر فون سلطان شاہ کو دے دیا۔

وہ میرے روبرو ہوتا تو شاید سوالات کر کے میرا دماغ خالی کردیتا لیکن اس وقت اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ بار بار ہم تینوں کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ اس نے جہانگیر کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا اور میں نے جلد واپسی کے وعدے کے ساتھ فون بند کردیا۔

کال ختم ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی الگ کی اور تار پرانی حالت میں جوڑ دیے۔

میری ایک آواز پر سنیل لوٹ آیا۔ شاید اسے خود بھی ہمارا وہاں رکنا پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر گھر سے نکل گیا۔ واپسی پر بھی سرلا ہمارے سامنے نہیں آئی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سنیل نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے پوچھا۔ عقب نما آئینے میں وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"آج تمہاری ڈیوٹی لمبی ہوگئی ہے۔ ہمیں ہوٹل چھوڑو اور واپس جاکر آرام کرو۔"

"میری ڈیوٹی صبح سے رات تک کی ہے۔" اس نے ہن کر کہا "تمہاری ضرورت ہو یا نہ ہو، میں گاڑی کے سا ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں موجود رہوں گا کیونکہ یہ میر چیف کی ہدایت ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔"

"بے سود ہے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اب تمہارا چیف بھی مجھ کو جواب دہ ہے۔ تینوں کے لیے میری ہدایات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔ کہہ رہا ہوں کہ جاؤ تو تم کو اسی وقت واپس جانا ہوگا۔"

"سوری! یہ بات مجھے معلوم ہے مگر میں بھول گیا تھا" اس نے مسکراتے ہوئے معذرت کی۔

"کل صبح آجانا۔ اس وقت تک میں سوچ سمجھ کر ک راہ کا تعین کرلوں گا۔"

پروگرام طے ہوگیا۔ سنیل نے ہمیں ہوٹل کے پور میں گاڑی سے اتارا اور رخصت ہوگیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر میں سنیل سے جان اسمتھ کا ذکر کرنا بھول تھا۔ میں نے آخری لمحات پر امریکی سفارت خانے تک جا کا ارادہ محض اس لیے ملتوی کردیا تھا کہ وہاں گھسنا اور گھ کر کوئی من مانی کارروائی کرنا ممکن نہیں تھا۔ سنیل یا ا کوئی ساتھی آسانی سے جان اسمتھ کی قیام گاہ کا سراغ لگا تھا۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آنے کے بعد بہت کچھ جا سکتا تھا۔

وہ کام بہت اہم تھا۔ دن کا کافی حصہ باقی تھا۔ شام ہو تک جان اسمتھ کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل جا سکتی تھیں مگر مسئلہ یہ تھا کہ سنیل راہ میں تھا۔ سرلا کے گھ اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ میں نے مجبوراً ایریٹس استع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ہوٹل کا کمرا ایئرکنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے بند تھا۔ خدشہ تھا کہ اس محبوس فضا میں ایریٹس واضح ریڈیائی نشر اور وصول نہیں کرسکے گا۔ میں نے پردہ سرکا کر ایک کھ

کھولی اور اپریٹس آن کر دیا۔
اس روز میری اور سنیل کی ملاقات میں تسلسل رہا تھا۔ میں نے اسی سے رابطہ کیا۔
"آج کے انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات پر جان اسمتھ نامی ایک امریکی کے بارے میں خبر چھپی ہے۔ وہ چند روز کے نجی دورے پر دہلی آیا ہوا ہے۔ یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اوور!"
"میں ضرور معلوم کروں گا۔ آج صبح تم نے امریکی سفارت خانہ دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ آخر میں اسے منسوخ کر دیا۔ اب جان اسمتھ کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو۔ کیا یہ بھی انل کی طرح کا کوئی چکر ہے؟ اوور!"
"مجھے سنیل کا وہ سوال پسند نہیں آیا۔ باہمی مراتب طے ہو جانے کے بعد وہ سوال غیر ضروری تھا۔ شروع سے آخر تک اس کا رویہ سعادت مندانہ رہا تھا لیکن اس وقت وہ نہ جانے کیوں پٹڑی سے اتر گیا تھا۔ میں نے قدرے بے رخی سے کہا "یہ سوال اس وقت کرنا جب میرا دیا ہوا کام پورا ہو جائے۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے لاسلکی مواصلاتی رابطوں کی طے شدہ روایات سے انحراف کرتے ہوئے مزید کچھ نہیں کہا اور اپریٹس آف کر دیا۔
"میں دیکھ رہی ہوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔" غزالہ کی آواز آئی۔
میں نے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر اس سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ یہاں آنے کے بعد ہم نے اب تک کیا کیا ہے۔"
"نئی جگہ پر قدم جمانا سب سے اہم ہوتا ہے۔ آپ اس میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ ویرا، انسپکٹر ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسنے جا رہی تھی۔ میری دانست میں اسے بچا لینا ہی ایک بڑی کامیابی ہے۔"
"ہم نے کچھ نہیں کیا۔ سب کچھ جوں کا توں ہے۔ دشمن ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے تین سفارتی اہل کار قتل کر دیے گئے اور ہم بے بس ہیں۔ خلش اور بے چینی کے لیے یہ اسباب بہت کافی ہیں۔ جب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوتی، میری بے چینی بڑھتی رہے گی۔"
"آپ کام کے دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "جب محنت کے خاطر خواہ نتائج نہ ہوں تو مزاج میں خود بہ خود چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ نے سنیل سے کافی بے اعتنائی سے بات کی ہے۔ اسے آپ کے لہجے سے دلی صدمہ ہوا ہوگا۔"
"میں اسے احساس دلانا چاہ رہا تھا۔ وہ قبل از وقت اور غیر ضروری سوال کر رہا تھا۔"
"وہ ذہین اور پر خلوص لڑکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے آپ اس سے دوستانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ اب موڈ خراب ہے۔"
"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کو تبدیلی اور خالص تفریح کی ضرورت ہے۔ اس ہوٹل کی شامیں بہت دل فریب ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کر کے نیچے اتر جائیں اور مسائل کو فراموش کر دیں۔ انسان کے ذہن پر تبدیلی کے اثرات بہت خوش گوار ہوتے ہیں۔"
"تو کیا تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"میں پر سکون ہوں۔ کمرے میں لیٹ کر ٹیلی وژن دیکھوں گی۔ شاید این کا ویل کو بھی فون کر لوں۔"
"کوشش کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری تجویز کارگر ثابت ہو۔ ابھی شام ہونے میں کافی دیر ہے۔ بستر پر جگہ دو تاکہ تھوڑی دیر کے لیے میں بھی ستا لوں۔" میں نے غزالہ سے اصرار کیے بغیر کہا "چاہو تو این سے میری موجودگی میں بات کر لو۔"
"میں اس سے گپ شپ کروں گی۔ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ سنیل سے دوبارہ بات کر لیں تاکہ اس کی دل آزاری کا ازالہ ہو سکے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ وہ اب بھی آپ کے بدلے ہوئے لب و لہجے کے بارے میں سوچے جا رہا ہوگا۔"
میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر غزالہ کو کوئی جواب دیے بغیر دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔
اپنے تلخ انداز گفتگو پر میں اس سے معذرت نہیں کر سکتا تھا۔ اپریٹس پر رابطہ ہوا تو میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا "تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"
"گھر کا ارادہ تھا مگر اب سمت بدل لی ہے۔ تمہارا دیا ہوا کام مکمل کرنے کے بعد کچھ سوچوں گا۔" اس کی آواز پژمردہ تھی۔
"چلو، یہ سب سے بہتر ہے۔ میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ جان اسمتھ کے بارے میں مجھے نو بجے تک معلومات درکار ہیں۔"
"نکل کھڑا ہوا ہوں تو کام کر کے ہی لوٹوں گا۔ ہدایت دیتے ہوئے تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا تھا جیسے تم

جلد از جلد اس کی قیام گاہ کا پتا حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ میرے لیے تمہاری خوشنودی اب سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"ابھی ہم یہی بات کر رہے تھے۔ غزالہ کا خیال ہے کہ تم بہت پرجوش اور سعادت مند نوجوان ہو۔" میں نے موقع پاکر اس کی مزید حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "اسی طرح لگن سے کام کرتے رہے تو بہت جلد آگے نکل جاؤ گے۔"

"ان خیالات کے لیے میں مادام کا شکر گزار ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں کبھی مایوس نہ کروں۔"

"ویری گڈ۔ اوور اینڈ آل!" اس بار میں نے رسمی اطلاع کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ختم کردیا۔

"شکریہ!" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ کی یہ عادت بہت اچھی ہے کہ ہر مناسب مشورے کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرلیتے ہیں۔ اس وقت سنیل کے بجھے ہوئے دل میں نئی جان پڑگئی ہوگی۔ محبت کے دو بول ہمیشہ کرشمہ ساز ثابت ہوتے ہیں۔"

"شاید تم ڈیل کارنیگی کا کوئی قول دہرا رہی ہو" میں نے ازراہِ مذاق کہا۔

"اسے میں نے کبھی نہیں پڑھا۔ یہ میرا تجربہ ہے جو اب تک درست ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔"

"انسپکٹر ڈیوڈ بھی اپنی کی زبان سے ایسے دو بول سننے کے لیے ترس رہا تھا۔ میں نے ظلم کیا جو نخشب کو اس کے پیچھے لگادیا" میں نے جواب دیا اور غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے دونوں رخساروں میں گڑھے نمایاں ہوگئے تھے۔

میں کمرے میں بستر پر دراز ہوگیا۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ذہن پر عجیب سی فکرمندی سوار تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد غزالہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، تفریح کے لیے نکل جاؤں۔

پانچ بجے اپریٹس پر سنیل کا جوابی پیغام آگیا۔ جان اسمتھ، چانکیہ پوری کے علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ خبر حوصلہ افزا تھی۔ کسی گھر کے مقابلے میں ہوٹل کے کمرے تک رسائی آسان تھی۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف عملے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آدمی ایک بار اپنے حریف کے کمرے میں داخل ہوجائے تو کامیابی کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں رہتی۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بند کمرے میں کوئی آتشیں ہتھیار استعمال نہ کیا جائے جس کی پرشور آواز ایک بار مردوں کو بھی صف آرا ہونے پر مجبور کرسکتی ہے۔ کسی بے آواز ہتھیار سے حریف کو آسانی سے زیر کیا جاسکتا ہے۔

"اچھی اچھی خبریں آرہی ہیں اور آپ کو شکوہ ہے کہ اب تک کچھ نہیں ہوا" غزالہ نے کہا۔

"ہندی کی ایک پرانی کہاوت ہے کہ جب تک سوئم نہ ہوجائے، جاٹ کو مردہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہاں سوئم تو دور کی بات ہے، ہم ابھی تک دشمنوں کے انتقال کے رسمی اعلان کا انتظار کر رہے ہیں۔ بہرحال کل کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔"

چائے پینے کے بعد میں نے دھیرے دھیرے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ میں محتاط تھا کہ غزالہ کو مجھ پر طنز کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے اور وہ بے چاری زبان بند کیے پوری طرح میری مدد کر رہی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ میں مکمل تیاری کے بغیر کمرے سے نہ نکلوں۔

سات بجے میں غزالہ کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کرکے کمرے سے روانہ ہوگیا۔ ہوٹل کے کمروں تک پہنچنے کی خطرناک سہولت کے پیش نظر میں نے اسے سمجھادیا تھا کہ واپسی پر میں دروازے پر تین بار دستک دوں گا۔ اس شناخت کے بغیر وہ بے فکر ہوکر دروازہ نہ کھولے۔

باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہوٹل کی لابی اور راہ داریاں بھرنے لگی تھیں لیکن رونق کچھ پھیکی پھیکی سی تھی۔ اسے شباب پر آنے کے لیے مزید کچھ وقت درکار تھا۔

میں اکیلا تھا۔ کسی کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے تمام گوشوں میں چکراتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ آزادانہ انداز میں گھومتے ہوئے میرا ذہنی اضمحلال تیزی سے چھٹ رہا تھا۔

ویسے تو ہوٹل کے کافی ہاؤس سے ریستوران تک ہر جگہ چہل پہل تھی لیکن بار میں چیدہ چیدہ چہروں کا اجتماع نظر آرہا تھا۔ ان میں اکثریت سفید فاموں کی تھی۔ حسین چہروں اور مخمور نگاہوں والی کئی لڑکیاں وہاں اکیلی بھی نظر آرہی تھیں جنہیں آخر کار اس شام کا کوئی نہ کوئی ساتھی مل جانا تھا لیکن میرے لیے وہ بار بے مصرف تھا۔ شراب نوشی سے تائب ہونے کے بعد مجھے مے کدوں کے بوجھل ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔

جلے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو اور دھیمی مغربی موسیقی کو بار میں چھوڑ کر میں سب سے آخر میں بال روم میں پہنچا تو وہاں شام کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔ دیوار کے ساتھ آرکسٹرا موجود تھا مگر اس وقت پوشیدہ اسپیکروں پر ہلکی دھن گونج رہی تھی۔ فلور خالی تھا۔ اس کے گرد پڑی ہوئی صرف چند میزیں آباد تھیں جن پر جوڑے

براجمان تھے۔ میں جائزہ لے کر وہاں سے بھی نکل آیا۔
میرے لیے ہوٹل کا بال روم سب سے بہتر تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں مزید نصف گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں پہنچوں گا تو مہمانوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہوگی کہ کوئی خاص طور پر میری طرف دھیان نہیں دے گا۔
ہوٹل کی حدود میں اور اس سے باہر اس قدر مصروفیات موجود تھیں کہ وہاں کئی گھنٹے بھی آسانی سے گزارے جاسکتے تھے۔ میں سگریٹ پھونکتا ہوا مسلسل ٹہلتا ہی رہا اور پھر آٹھ بجے کے قریب بال روم کی طرف ہولیا۔
وہاں رنگ جمنا شروع ہوگیا تھا۔ آرکسٹرا بج رہا تھا۔ چند جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے' چوبی فلور پر ہلکورے لے رہے تھے۔ آباد میزوں کی تعداد بڑھ چکی تھی مگر بیشتر میزیں خالی تھیں۔ ان میں سے بعض پر ریزرویشن کی تختیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں عقابی نظروں سے ہال کا جائزہ لینے کے بعد ایک دورافتادہ میز کے گرد جا بیٹھا۔
بال روم کی آباد میزوں پر بھانت بھانت کی بوتلیں' پیالے اور گلاس نظر آرہے تھے مگر ہال کی کشادگی کی وجہ سے فضا میں کسی قسم کے بوجھل پن کا احساس نہیں تھا۔ ویٹر آیا اور میں نے سینڈوچز کے ساتھ کافی کا آرڈر دے دیا۔
رقص کا راؤنڈ جاری رہا۔ نئے آنے والوں میں سے کئی جوڑے فلور پر اتر گئے۔ میزیں گھرتی جارہی تھیں۔ اچانک ساز تیز چیخ کے ساتھ یک لخت خاموش ہوگئے۔ بال روم تالیوں کے دھیمے شور سے گونج اٹھا۔ ناچنے والے اطمینان سے اپنی اپنی میزوں کی طرف لوٹ آئے۔
میری ساری توجہ ہال پر مرکوز تھی۔ جب کئی افراد نے گردنیں اٹھا اٹھا کر داخلی دروازے کی طرف دیکھا تو فطری طور پر میری توجہ بھی اس طرف مبذول ہوگئی۔ وہ اجلی رنگت اور تیکھے خدوخال والی کوئی سبک اندام مقامی لڑکی تھی جو نزاکت سے اندر چلی آرہی تھی۔ اس کے جسم پر آسمانی رنگ کی ریشمی ساری اور مختصر سا بلاؤز نظر آرہا تھا۔ اس کا بلاؤز اس قدر مختصر تھا کہ اس کا اوپری جسم لباس سے تقریباً محروم تھا۔ پیٹ' کمر اور شانوں کی پردہ پوشی کے لیے ساری کا مختصر پلو ناکافی ثابت ہورہا تھا۔
اس لڑکی کو اندازہ تھا کہ متعدد نگاہیں اس پر مرکوز ہوچکی تھیں مگر وہ خود طائرانہ انداز میں یوں ہال کا جائزہ لے رہی تھی جیسے اسے کسی خاص شخص کی تلاش ہو۔ دو خالی میزوں کے درمیان رک کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ ایک مرتبہ پھر بال روم پر نظریں دوڑائیں پھر وہ میری طرف بڑھنے لگی۔ میں کبھی بھی پارسا نہیں رہا تھا لیکن کبھی آوارگی کے شوق میں بھی مبتلا نہیں رہا۔ اس دلکش اور بے حجاب لڑکی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ کچھ آگے بڑھنے کے بعد اپنا رخ تبدیل کرلے گی۔
وہ آخری میز کے قریب سے گزر کر میری میز کے قریب آکر کھڑی ہوگئی تو میں بوکھلا گیا۔
اس نے مسکراتے ہوئے بجلیاں سی گرائیں اور دھیمی' مترنم آواز میں بولی "آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دیر کے لیے یہاں بیٹھ جاؤں۔"
"ضرور بیٹھیں" میں نے خوشی سے جواب دیا "میں اکیلا بیٹھا ہوا بور ہورہا ہوں۔"
وہ ساری سنبھالتی ہوئے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی "بہت بہت شکریہ۔ اب میں آرام سے اشوک کا انتظار کرسکوں گی۔"
"یہ اشوک کون ہے؟" میں اخلاقاً سوال کرنے پر مجبور ہوگیا۔
"میرا دوست ہے۔ اس نے آٹھ بجے سے پہلے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا' مگر اب تک نہیں آیا۔۔۔"
"اچھا ہوا" میں نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا "اس بہانے مجھے آپ کی میزبانی کا موقع مل گیا۔ آپ کیا پینا پسند کریں گی؟"
"سنگل اسکاچ" اس نے بے ساختہ کہا پھر چونک کر شرمندگی سے بولی "ارے' آپ تو کافی پی رہے ہیں' پھر میرے لیے بھی کافی ہی منگوالیں۔"
وہ روکتی رہ گئی مگر میں نے اس کی پہلی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے ویٹر کو ڈی لکس اسکاچ کا نپ لانے کا آرڈر دے دیا۔ اس نے نپ پر بھی مجھے روکنا چاہا۔ وہ سنگل پیگ پر اصرار کررہی تھی مگر میں فیاضی دکھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے کہا "جو بچ جائے گی وہ اشوک کے حصے میں آئے گی۔ آپ پیتی ہیں تو آپ کا دوست بھی ضرور پیتا ہوگا۔"
"ہاں' وہ بہت شریر ہے" وہ شوخی سے بولی "مجھے یہ عادت اسی نے ڈالی ہے۔"
"مجھے رینا کہتے ہیں" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اسے تعارف کا خیال آگیا' یہ کہتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔
"میں مظہر خان ہوں" میں نے اس کا نرم اور گداز ہاتھ

دیا۔ اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔
میرے ذہن میں چرخی چلنے لگی۔ وہ پورا ہال چھوڑ کر میری میز پر آئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ بیٹھ کر اسکاچ پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تعارف کے بعد ہاتھ ملانے میں خود پہل کی تھی۔ مغرب میں بھی تعارف کرانے کے بعد عورت ہاتھ ملانے میں پہل نہ کرے تو اسے معیوب تصور نہیں کیا جاتا۔ رینا مقامی لڑکی تھی اور بہت بے باک تھی۔ وہ دانستہ مجھے بے تکلفی کی راہ دے رہی تھی۔
"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہال میں ابھی کئی میزیں خالی ہیں پھر میں آپ کے ساتھ کیوں بیٹھی ہوں؟"
"یہ بہت فطری سوال ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں کسی موزوں جواب کی تلاش میں ہوں۔"
"میں اکیلی بیٹھتی تو اگلے راؤنڈ کا اعلان ہوتے ہی لوگ ڈانسنگ پارٹنر بنانے کے لیے میرے پاس آنے لگتے۔ میں اپنے بدن پر اجنبی ہاتھوں کے لمس کو پسند نہیں کرتی۔ اس میز پر کوئی مجھے تنگ نہیں کرے گا۔ اکیلی میز پر میں انکار کرتے کرتے عاجز آجاتی۔"
میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکاری نہیں تھی۔ میں نے کہا "اگر میں ناچنے کی فرمائش کر بیٹھوں؟"
"مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔ تعارف ہوچکا ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
ویٹر آئس پاٹ' سوڈے' دو شفاف پیانوں اور نمکین مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ بلیک لیبل کانپ لے آیا۔ بوتل کے ڈھکن کی سیل توڑ کر اس نے میز سجائی اور واپس چلا گیا۔ میں نے رینا کے لیے اسکاچ کا ایک درمیانہ پیگ بنانا شروع کردیا۔ اس نے مقدار میں اضافے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔
رینا نے اپنا جام فضا میں بلند کیا۔ میں نے کافی کا کپ اٹھایا۔ رینا کا پہلا گھونٹ خاصا بڑا تھا۔ پیگ میز پر رکھنے کے بعد وہ اپنے نازک لبوں کو دانتوں میں دبا دبا کر چوسنے لگی جیسے لبوں پر رہ جانے والی اسکاچ جذب کررہی ہو۔
"برا نہ مانو تو تکلف ختم کرکے ہم سادگی سے باتیں کریں" میں نے تجویز پیش کی۔
"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ تکلف سے اجنبیت کی بو آتی ہے" وہ خوش ہو کر بولی "تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میری دعا ہے کہ اب اشوک نہ آئے۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ میں اس کے انتظار میں سوکھ رہی ہوں گی۔ تم مل گئے ہو تو یہ شام اچھی گزر جائے گی۔"
وہ رفتہ رفتہ کھل رہی تھی۔ میں معصومانہ صورت بنائے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت دانستہ مجھ سے ٹکرائی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پہلے سے میری گھات میں رہی ہو اور اسے میرے قریب آنے کا موقع نہ ملا ہو۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام غزالہ میرے ساتھ نہیں تھی اور میں اکیلا ہی بال روم میں آبیٹھا تھا۔ رینا نے اس موقع سے فائدہ اٹھالیا تھا۔
وہ کون تھی؟ اسے بھیجنے والے کون تھے؟ کیا میں پہچان لیا گیا تھا۔ میرے ساتھ یکایک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا؟ میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات اور اندیشے اڈے چلے آرہے تھے۔ تنہا باہر نکلنے سے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوتے ہوتے اچانک بڑھ گیا تھا۔
"میں اپنا پیگ ذرا تیزی سے خالی کرلوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" رینا مجھ سے پوچھ رہی تھی۔
"پیگ ہی نہیں، تم پورا نپ صاف کردو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا' میں اپنی کافی ختم کرچکا ہوں۔ کیا تمہیں کہیں جانا ہے؟"
پیگ سے ایک اور لمبا گھونٹ لے کر وہ ہنس دی "تم بہت سادہ لوح معلوم ہوتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ فلور پر اگلے راؤنڈ کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس راؤنڈ میں تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ شام کا خمار گہرا ہوجائے گا۔"
میں نے پر تشویش نظروں سے اس کے برہنہ شانوں' بازوؤں اور پیٹ کی طرف دیکھا۔ وہ نازک اندام اور متناسب الاعضا لڑکی تھی۔ عام حالات میں شاید میں ایسی کسی پیش کش سے محظوظ ہوتا لیکن اس وقت میرے ذہن میں وسوسوں کے بے شمار سنپولیے کلبلانے لگے تھے۔ وہ درجہ بدرجہ آگے بڑھتی جارہی تھی۔ بے تکلف ہونے کے ساتھ ساتھ مجھ پر اپنے بدن کا جادو چلانے کی کوشش کررہی تھی۔
فلور منیجر نے مائیک پر آکر اگلے راؤنڈ کے لیے آرکسٹرا کا اعلان کیا تو میرے کچھ بھی پلے نہ پڑ سکا۔ وہ بہت عجیب اور نازک صورت حال تھی۔ ایک معمولی اور نوجوان لڑکی نے مجھے ذہنی طور پر بکھیر کر رکھ دیا تھا۔
رینا نے پیگ میں بچی ہوئی اسکاچ اگلے گھونٹ میں خالی کردی۔ اپنا وینٹی بیگ میز پر رکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔

ناچار مجھے بھی اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔
آرکسٹرا شروع ہوگیا۔ جوڑے فلور پر جانے لگے۔ میں نے رینا کا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور بایاں بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ وہ اس لڑکی کے بدن کا پہلا لمس تھا۔ میرے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔
رقص شروع ہوگیا۔ میں نے رسمی طور پر رینا کی کمر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا مگر اس کی گرفت جارحانہ تھی۔ موسیقی کچھ اور تھی، میرے قدم کہیں اور پڑ رہے تھے۔
"تم بہت اچھے اسٹیپ لے رہے ہو" رینا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "ذرا قریب ہوجاؤ، میں وارم اپ ہوجاؤں گی۔"
رینا کو فلور پر دیکھ کر کئی من چلوں نے اپنی ساتھیوں کو لے کر جگہیں چھوڑدی تھیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ شکل وصورت اور لباس کے اعتبار سے رینا پورے بال روم میں ممتاز اور منفرد نظر آرہی تھی۔
"تم ہوٹل میں رہ رہے ہو۔ سچ سچ بتانا کہ کہاں سے آئے ہو" موسیقی کے سروں میں رینا کی دھیمی آواز میرے کانوں تک محدود تھی۔
"پاکستانی ہوں۔ تمہارا ملک دیکھنے آیا تھا لیکن اب معلوم ہورہا ہے کہ میں صرف تم سے ملنے کے لیے یہاں آیا تھا" میں نے اپنی تمام الجھنوں سے نجات پاکر ایک راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا۔
میری ہچکچاہٹ کی وجہ سے اس کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی۔ میں نے اس کے عزائم بھانپ کر اس کی حوصلہ افزائی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ وہ جلد از جلد کھل کر میرے سامنے آسکے۔ اس ترکیب سے میں تذبذب اور بے یقینی کی طوالت گھٹا سکتا تھا۔
"اس وقت اشوک آیا تو مجھے تمہاری بانہوں میں دیکھ کر کباب ہوجائے گا" وہ باربار اشوک کا نام ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہی تھی۔
"وہ لڑنے بھڑنے پر تل گیا تو میں اسے بتادوں گا کہ تم خود میری میز پر آئی تھیں۔"
"وہ اتنا دلیر نہیں ہے۔ اگلی ملاقات تک اندر ہی اندر سلگتا اور انگاروں پر لوٹتا رہے گا" وہ شراب نوشی کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ تیزی سے اسکاچ کا تقریباً ڈیوڑھا پیگ خالی کرنے کے باوجود بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی۔
"اب اس کا ذکر نہ کرنا۔ ڈانس کا سارا لطف غارت ہوا جارہا ہے" میں نے اپنی گرفت ذرا سخت کردی۔

"گڈ۔ اب تم موڈ میں آئے ہو۔ پاکستان میں تم کیا کرتے ہو؟"
"گاڑیوں کا چھوٹا موٹا کاروبار ہے۔ معقول آمدنی ہوجاتی ہے۔"
"صابر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اپنی آمدنی میں اضافے کی کوئی فکر نہیں معلوم ہوتی۔"
"آمدنی بڑھنے کی راہیں مسدود ہوں تو آدمی کو صابروشاکر ہونا پڑتا ہے۔ یہی میری مجبوری ہے۔"
"تم چاہو تو میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ تھوڑا سا کام کرکے تم بہت کچھ حاصل کرسکتے ہو" اس نے معنی خیز پیشکش کی۔
اس کی گفتگو ایک خاص ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
"تم نے جواب نہیں دیا" چند اسٹیپ لینے کے بعد اس نے مجھے ٹوکا "تم سے ملاقات ہوگئی ہے تو میں تمہارے فائدے کی بات سوچ رہی ہوں اور تم خاموش ہو۔ آج کے دور میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ جس کی جیب خالی ہے، اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"
"تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن تمہارے قدم غلط پڑرہے ہیں۔ ڈانس کا راؤنڈ پورا کرلو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"
موسیقی کی لے پر جوڑے تھرکتے اور ناچتے رہے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے موٹے اور بھدے جسموں کی وجہ سے مضحکہ خیز نظر آرہے تھے لیکن دنیا ومافیہا سے بے خبر، اپنی دھن میں مگن ناچے جارہے تھے۔ بعض چلبلے اور شوخ نوجوان باربار میرے اور رینا کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ اپنی اپنی شریک کی نظر بچاکر رینا کے بدن کے کسی دمکتے ہوئے حصے کو ہاتھ یا کہنی سے چھولیں۔ اس وقت رینا میری تحویل میں تھی۔ میں نے ایسے لڑکوں کو نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ جوں ہی وہ سرور کے عالم میں قریب آتے تھے، میں رینا کو ہلکورا دے کر ان کی زد سے بچالیتا تھا۔
وہ تشنہ آرزوؤں اور رنگین سپنوں کا رقص تھا جو خاصی دیر جاری رہا۔ بھاری بھرکم اور معمر جوڑے تھک کر ہانپنے لگے۔ بعض پیشانیوں پر ایرکنڈیشننگ کے باوجود محنت یا ندامت کا پسینہ چمک رہا تھا۔
راؤنڈ ختم ہوا۔ ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ رقاصوں کی بھیڑ میں، میں اپنا راستہ بناتا ہوا رینا کو میز پر

واپس لے آیا۔

"مزہ آگیا" رینا اپنی غزالی آنکھیں موند کر والہانہ انداز میں بولی "بہت مدت کے بعد تم جیسا منجھا ہوا ڈانسنگ پارٹنر ملا ہے۔"

"پہلا پیگ راؤنڈ کی نذر ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں دوسرے جام کی ضرورت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پلیز! بنادو" اس نے ایک ادا سے میری طرف دیکھتے ہوئے التجا کی "مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میں مدتوں سے تم کو جانتی ہوں۔ تمہارے ساتھ ہر چیز میں نیا لطف آرہا ہے۔ اسکاچ کا مزہ بھی دوبالا ہوجائے گا۔"

میں نے خاموشی سے اس کے لیے دوسرا پیگ تیار کردیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ سیال معدے میں اترنے کے بعد رینا اپنے عزائم کے بارے میں زیادہ آزادی اور روانی سے بولنا شروع کردے گی۔

"تم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے دوسرے پیگ سے ایک ہلکا سا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا" میں نے بوکھلا کر کہا "میرے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہوئی ہے۔ اس نے میری ذات میں تمہاری دلچسپی کا ذرا بھی اندازہ کرلیا تو وہ کوئی لحاظ کیے بغیر ہاتھا پائی پر اتر آئے گی۔"

"تم بہت شائستہ اور سلجھے ہوئے آدمی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟" اس نے حیرت ظاہر کی۔

"آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ تک برداشت نہیں کرتا۔ غیر عورت کے سارے نخرے اٹھالیتا ہے۔"

"اس ہوٹل کا ایک کمرا میرے پاس ہے۔ میں یہ پیگ ختم کرلوں پھر ہم اوپر چل کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟" اس بار میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"میں گریٹر کیلاش ون میں رہتی ہوں" رینا نے دہلی کے ایک مہنگے رہائشی علاقے کا نام لیا "جس دن اشوک سے ملنا ہوتا ہے تو میں کمرا بک کرالیتی ہوں۔ اس کمرے میں گزارہ ہوا وقت ہمیشہ یادگار ثابت ہوتا ہے۔ آج تم بھی یہ تجربہ کرلو گے۔"

"تم کہہ رہی تھیں کہ اشوک تمہارا دوست ہے۔ میرے اندازے کے مطابق تم شادی شدہ نہیں ہو۔ اشوک سے ایسے آزادانہ میل جول پر تمہارے ماں باپ تم کو نہیں روکتے؟" احتیاط کے باوجود میرے لہجے میں ہلکی سی ملامت در

منی اسٹوری

فریڈ کا سب کچھ تباہ ہوچکا تھا، وہ قلاش ہوگیا تھا۔ اس کی بیوی دودھ والے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ کمپنی میں ایک لاکھ ڈالر کا غبن کرکے وہ رقم ریس میں ہار چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جلد ہی اس کا غبن پکڑا جائے گا۔ وہ خودکشی کرنے دریا پر پہنچا اور پل سے چھلانگ لگانے ہی لگا تھا کہ ایک استخوانی ہاتھ نے اسے روک لیا جس پر رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بدصورت بڑھیا قریب کھڑی تھی۔ وہ بولی "کیوں خودکشی کررہے ہو؟"

فریڈ نے اپنی رام کہانی سنائی تو وہ بولی "فکر کرنے کی ضرورت نہیں.... میں چڑیل ہوں اور طلسمی طاقتوں کی مالک ہوں۔ میں تمہارے تمام مسئلے حل کردیتی ہوں۔ تم بھی میرا تھوڑا خیال کرنا..." اس نے چھڑی ہوا میں لہرائی اور بولی "تمہاری بیوی گھر واپس پہنچ چکی ہے اور تمہارے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ ڈالر جمع ہوچکے ہیں۔"

"اب مجھے تمہارے لیے کیا کرنا ہے؟" فریڈ نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرے ساتھ میرے گھر چلو اور ایک محبت بھری رات بسر کرو" بڑھیا نے فرمائش کی۔

فریڈ کو اس تصور سے کراہت تو بڑی محسوس ہوئی لیکن مجبور تھا، چلا گیا۔ صبح تک اس کے لیے گویا آزمائش کی ایک رات ختم ہوئی۔ وہ گھر جانے کی تیاری کررہا تھا تو بڑھیا نے پوچھا "تمہاری عمر کیا ہے؟"

"چالیس سال" فریڈ نے جواب دیا۔

"کافی بڑے ہوگئے ہو.... اب تک تو تمہیں معلوم ہوجانا چاہیے کہ چڑیلوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا" بدصورت بڑھیا نے ملامت سے کہا۔

آئی۔

"پاپا کی میری عمر کی لڑکیوں سے دوستی ہے۔ وہ پارٹیوں میں انہیں گھر بلاتے ہیں۔ میں انہیں نہیں ٹوکتی تو وہ مجھے کیوں روکیں گے؟ مما بے چاری فالج کی مریضہ ہیں۔ وہ اوپر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک نرس دن رات ان کے ساتھ رہتی ہے" رینا نے کسی ندامت کے بغیر بتایا "ویسے تمہیں راز کی ایک بات بتادوں' پاپا کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ میں اشوک سے ملنے جارہی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی پرانی سہیلیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے گھر سے نکلتی ہوں اور رات ہر حال میں اپنے گھر میں گزارتی ہوں۔"

میرے پاس اس کی سنائی ہوئی کہانی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ اپنے چہرے مہرے اور لباس سے آسودہ حال نظر آرہی تھی۔

وہ بہت دھیرے دھیرے پیتی رہی اور اپنے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں کئی مرتبہ وہ تضاد بیانی کا شکار ہوئی لیکن میں نے اسے کہیں نہیں ٹوکا۔ وہ بول رہی تھی اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے معدے میں اترتی ہوئی مزید اسکاچ نے اپنا رنگ جمانا شروع کردیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری کسی جرح کے بغیر وہ تھوڑی دیر بعد سچ بولنا شروع کردے گی۔

وہ کافی دیر تک اپنی رو میں کھوئی رہی۔ اچانک اسے ایک ادھورا موضوع یاد آگیا اور اس نے تنک کر کہا "تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" میں نے حیرت اور معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"میں نے تمہیں فاضل آمدنی کی پیش کش کی تھی۔ یہاں سے یہ رشتہ جڑ گیا تو تم اس بہانے دہلی آتے جاتے رہو گے۔"

"جب تک تفصیل کا پتا نہ چلے' میں کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ کام میرے بس سے باہر ہو۔"

"بہت معمولی سا کام ہوگا اور اس کا معقول معاوضہ ملے گا" رینا نے مجھے یقین دلایا۔

"تم اتنی رازداری کیوں برت رہی ہو۔ کام بتادو تاکہ میں آسانی سے فیصلہ کرسکوں۔"

وہ متذبذب نظر آنے لگی پھر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولی "ابھی اوپر چل کر بات کریں گے۔"

"میں بھی اسی لیے خاموش تھا۔ اہم باتوں پر سرعام تبادلہ خیال نہیں کیا جاتا۔"

میں نے بوتل میں بچی ہوئی اسکاچ کی طرف اشارہ کیا مگر رینا نے سختی سے انکار کردیا۔ اس نے وہ بوتل اسی طرح اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لی۔ میں نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کردیا۔ رینا اپنے پیگ سے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی رہی۔

رینا کا جام خالی ہونے سے پہلے میں بل ادا کرچکا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھی تو اس کے قدموں میں ہلکی سی ڈگمگاہٹ تھی۔ میں اسے سہارا دے کر بال روم سے باہر لے آیا اور پھر لفٹ کی طرف چل دیا۔ اس نے ہوٹل کی چوتھی منزل پر کمرا لیا ہوا تھا جس کی چابی اس کی وینٹی بیگ میں پڑی ہوئی تھی۔

ہوٹل کے سارے کمرے یکساں تھے۔ رینا نے کمرے میں پہنچتے ہی پیروں سے سینڈل اتارے اور بستر پر گر گئی۔ اس کی ساری کا پلو نیچے گر چکا تھا۔ اوپری دھڑ پر مختصر سے بلاؤز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بستر پر ہی بٹھالیا۔

"کام کے بارے میں میرے انکل ہی کچھ بتائیں گے" اس نے مخمور آنکھیں میرے چہرے پر جما کر ہلکی سی لکنت کے ساتھ کہا "تم مجھے اپنی رضامندی کا ہلکا سا اشارہ دو تو میں تمہاری اور ان کی ملاقات کا بندوبست کرسکتی ہوں۔ وہ بہت نفیس آدمی ہیں۔ تم ان سے مل کر خوش ہوجاؤ گے۔"

"تمہارے انکل!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا "وہ کون ہیں' کیا کرتے ہیں؟"

"بہت بڑے سرکاری افسر ہیں۔ صدر اور وزیراعظم سے لے کر کلرک اور چپراسی تک ان کی عزت کرتے ہیں۔"

"نام کیا ہے ان کا؟" رینا کے آخری انکشاف نے مجھے بری طرح چونکادیا تھا لیکن میں نے اپنے لہجے سے حیرت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"انل بسواس!" رینا کے وہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتے چلے گئے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زاول صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم او برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارو تی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق تینوں دو مختلف ہوٹلوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ پولیس رپورٹ سے مستثنیٰ ویزے کے باوجود مقامی پولیس نے ہم سے ہوٹل میں رابطہ کر کے پوچھ گچھ کی۔ ویرا کو پولیس ہیڈ کوارٹر بلایا گیا مگر بمبئی کے مشہور گروہ بند داود بھٹ کے دہلی میں موجود دست راست مخشب کی مدد سے اسے فوری خلاصی مل گئی۔ کراچی میں ویرا کی جانب سے دی گئی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر جان اسمتھ بھی وہاں سے بھاگ کر بھارت پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے نمٹنا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے بتایا کہ وہ لوگ گذشتہ دو ماہ سے گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں ہیں مذکورہ فائل میں پاکستان کے خلاف کسی گھناؤنے منصوبے کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ ہماری موجودگی کے دوران میں پاکستان سفارت خانے کے تین اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کر دیا گیا اس طرح انہوں نے جوگیندر پال کا حساب برابر کرنے کی کوشش کی تھی۔ را والوں کو ہماری بھارت میں موجودگی کی سن گن مل چکی تھی اور ہمیں بہت محتاط ہونا پڑا۔ میں انل بسواس تک پہنچنے کی فکر میں تھا کہ ایک بھارتی خوبرو دوشیزہ رینا میرے قریب آگئی۔ میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں تنہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں بتا رہی تھی کہ انل بسواس اس کا انکل تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

رینا بلاشبہ بہت پرکشش لڑکی تھی۔ اس کی گوری رنگت' دلکش خدوخال اور نازک سے بدن نے بال روم میں موجود بہت سے لوگوں کی توجہ مبذول کرا لی تھی۔ اس پر اس کا فیشن زدہ اور مشرقی معیار کے مطابق ناکافی لباس سونے پر سہاگے کا کام کر رہا تھا۔ وہ کوائف اس وقت کے تھے جب وہ متجسس نظروں سے پورے بال روم کا جائزہ لیتی ہوئی' خراماں خراماں میری میز کی طرف آئی تھی۔

اپنے کمرے میں موجود شاہانہ بستر پر بے پروایانہ انداز میں گرنے تک رینا میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بلیک لیبل کے تین معیاری پیگ سے زیادہ اسکاچ اس کے معدے میں اترنے کے بعد اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں اپنے سرخ ڈورے دکھا رہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس کے گداز ہاتھ کے لمس اور جسمانی قرب کی وجہ سے میرے ذہن پر ہلکی سی کہر چھانے لگی تھی۔

اس وقت تک کم از کم ایک معاملے میں رینا کے عزائم واضح ہو چکے تھے۔ اس کے تیزی سے بنتے ہوئے جال سے خود کو بچائے رکھنے کے لیے میں اس کے دعوت انگیز وجود سے نظریں چرا رہا تھا لیکن جب اس نے میرے سوال کے جواب میں انل بسواس کا نام لیا تو میں اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پا سکا بے اختیار میری نظریں اس کے حسین چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

رینا نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا کر مجھے بائیں آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "تم نے اپنی نرمی اور شرافت سے میرا دل جیت لیا ہے۔ تمہاری جگہ اشوک

ہوتا تو نشے میں دھت ہوتا اور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی کسی درندے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتا.... تم دھیمے مزاج کے مالک ہو مگر تمہارا چہرہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس وقت تم اندر ہی اندر سلگ رہے ہو۔"

وہ بہکی نہیں تھی لیکن نشے میں ضرور تھی۔ جب نگاہیں خمار سے بوجھل ہو جائیں اور زبان پر لکنت طاری ہونے لگے' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوں تو ذہن نشے کی گرفت میں آچکا ہوتا ہے۔ نشے کی رو میں رینا کا ذہن بس اسی سمت میں چل رہا تھا جدھر وہ سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میری کیفیت میں تبدیلی اس کے ہوش ربا قرب کی وجہ سے نہیں آئی تھی بلکہ اس کے انکل کے نام نے اپنے کانوں پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا تھا۔

"تم بہت اچھی اور خوبصورت ہو" میں نے اچانک پینترا بدل کر کہا "اتنی خوبصورت کہ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے تم جذبوں سے زیادہ حسین اور کانچ کی گڑیا سے زیادہ نازک ہو۔ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جاؤ' تمہارا رنگ میلا نہ ہو جائے۔"

سب عورتیں بے وقوف نہیں ہوتیں۔ بعض بہت ذہین اور طرار ہوتی ہے۔ غزالہ اور ویرا اس ذہانت کی زندہ مثالیں تھیں لیکن اس صنف میں ایک خرابی بہرحال پائی جاتی ہے۔ خوشامد اور تعریف و توصیف کے سامنے ہر عورت اور لڑکی کی عقل کوچ کر جاتی ہے اور وہ اپنے خوشامدی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا بن جاتی ہے۔

میرے نپے تلے تعریفی فقروں پر رینا کے وجود میں سویا ہوا عورت کا غرور جاگ اٹھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کی گردن تھوڑی سی تن گئی۔ اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہا۔ اس کی گرفت اضطراری طور پر ڈھیلی ہو گئی۔ اس کی انگلیاں مضطربانہ انداز میں میری ہتھیلی کی پشت پر ہل جل رہی تھیں۔ کسی خاص کوشش کے بغیر' میرا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے ہاتھ میں سے پھسل آیا۔

میرے ذہن میں پولیس والوں کی جانچ پڑتال تازہ تھی۔ جب رینا بیسیوں میزوں کو چھوڑ کر بال روم میں میرے پاس آئی تو مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے' کسی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے اور اس نے رینا کی صورت میں میرے اوپر ایک خوبصورت جال پھینکا ہے۔ اس نے اپنی آمد کی نہایت موزوں تاویل پیش کی تھی۔ وہ کسی میز پر اکیلی بیٹھی رہتی تو اسے اپنی ساتھی بنانے کے اتنے امیدوار اس کے پاس آتے کہ وہ بیزار ہو جاتی۔ میں اس کے اچانک ٹکرا جانے پر کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوا تھا۔ میرا رویہ خالص مدافعانہ رہا تھا۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے وہ کسی آسودہ حال اور روشن خیال گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے جس انداز میں اپنی مفلوج ماں اور اوباش پاپا کی کہانی سنائی تھی اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ دولت کی ریل پیل نے رینا کے باپ کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیے تھے۔ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب کر اس نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی اپنی بیٹی کسی اور کے ڈیڈی یا پاپا کی خلوتیں آباد کرنے کی عمر میں بھٹک رہی تھی!

"میں اتنی نازک بھی نہیں ہوں" رینا اٹھلا کر' رک رک کر' الفاظ کو کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اناڑی نہیں ہوں۔ اشوک نے مجھے مرد اور عورت کے رشتوں کے بارے میں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ تم بلاوجہ شرما رہے ہو۔ لوہا زیادہ تپ جائے تو یکایک پگھل جاتا ہے۔ اسے بروقت پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹھنڈا ہو کر اپنی اصل سے بہتر ہو جاتا ہے۔ تم لوہے سے زیادہ مضبوط نہیں ہو۔ اپنے ساتھ ظلم نہ کرو' میرے قریب آجاؤ۔"

"ابھی تم نے اپنے انکل کا کیا نام بتایا تھا؟" میں نے اس خوفناک نام کی اہمیت کم کرنے کے لیے انجان بن کر پوچھا۔

"انکل انل بسواس!" اس نے پر غرور لہجے میں دہرایا "میں تمہیں ان سے ضرور ملواؤں گی۔ تمہارے دن پلٹ جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کسی وقت میں تمہارے ساتھ پاکستان کی سیر کے لیے چلی جاؤں۔"

اس وقت رینا بہت کمزور ہو چکی تھی۔ نشے نے اس کی سوچ کو اتنا ماؤف کر دیا تھا کہ وہ ایک ہی رخ پر بولے جا رہی تھی پھر اس پر گہرا جذباتی ابال بھی چھایا ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ ان کمزور لمحوں میں اس سے زیادہ سے زیادہ سچ اگلوالوں۔

"انل بسواس اگر اتنا کارآمد آدمی ہے تو میں اس سے ضرور ملوں گا مگر تم مجھے ایک بات بالکل سچ بتا دو!"

"شرابی کبھی جھوٹ نہیں بولتا.... مرد نہ عورت!" اس نے پراعتماد انداز میں کہا "میں اب تک سچ بولتی چلی آئی ہوں۔ تمہیں جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لو۔ اس کا جواب سچ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔"

"تم پہلے سے کوئی پروگرام طے کر کے مجھ تک پہنچی تھیں یا محض اتفاق نے ہمیں یک جا کیا ہے؟"

"کئی بار بتا چکی ہوں اور اب پھر سن لو کہ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ اور تمہاری دسترس میں ہوں۔ اشوک بروقت آجاتا تو شاید میں نگاہ بھر کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتی۔ وہ بعد میں بھی آگیا ہوتا تو میں تمہارا شکریہ

ادا کر کے اس کے ساتھ چل دی ہوتی۔ برسوں کی دوستی کو ذرا سی دیر سویر کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا مگر آج اس کے ستارے خراب اور تمہارے عروج پر ہیں۔ وہ غائب ہے' میں تمہارے ساتھ موجود ہوں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد وہ پہنچا ہوگا تو اب کسی پاگل کی طرح مجھے پورے ہوٹل میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ آج وہ یوں ہی کانٹوں پر لوٹتا رہے۔"

"بہت سفاک اور اذیت پسند ہو تم!" میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا "اس کی پریشانی کا تصور کر کے خوش ہو رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ ہوٹل کے کاؤنٹر سے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کر کے سیدھا یہاں پہنچ سکتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ وہ لال پیلا ہوتا ہوا آیا تو میں تمہیں بھول کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔"

وہ مخمور انداز میں ہنس پڑی "اس وقت تمہارا چہرہ لال گلابی ہو رہا ہے۔ کسی لڑکی کی طرح شرما رہے ہو۔ اشوک آیا تو صدمے سے پیلا پڑا ہوا ہوگا۔ تم لڑنے بھڑنے والے نہیں ہو' وہ بزدل ہے۔ تمہارے کمرے سے جانے سے پہلے خود الٹے قدموں لوٹ جائے گا۔ وہ میرا صرف دوست ہے' منگیتر نہیں ہے۔ اسے میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے اکتا کر میں کسی وقت بھی کسی سے دوستی کر سکتی ہوں" وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک زیر لب مسکراتی رہی جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ پھر نیم مکارانہ لہجے میں بتانے لگی "وہ اس کمرے تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں ہر مرتبہ نام بدل کر ہوٹل کا کمرا بک کراتی ہوں۔ ریکارڈ میں ایک ہی نام بار بار آتا ہے تو بدنامی ہوتی ہے۔ بات پاپا کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔ آج میں نے مسز روشن کھمباٹا کے نام سے کمرا لیا ہے۔ بتاؤ' وہ کیسے پہنچے گا؟"

رینا حسین اور اوباش ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی تھی۔ اشوک کے اس کمرے تک آنے کی ہر راہ مسدود کر دی گئی۔ وہ اس کمرے میں مسز روشن کھمباٹا بنی ہوئی تھی۔ اشوک اگر آ بھی جاتا تو اسے رینا اجیت رائے کی تلاش ہوتی۔ وہ ریکارڈ کا معاملہ تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ پر رینا اجیت رائے کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ ادب ناآشنا' بے ہودہ اور جدید عاشق پورا ہوٹل چھان لیتا پھر بھی اسے رینا کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ اشوک کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ ہم دونوں رینا کے لیے ہوئے محفوظ کمرے کی دیواروں میں محصور ہو چکے تھے۔ وہاں ہماری مرضی کے خلاف کوئی اجنبی دخل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ اشوک' رینا کی زندگی میں آنے والا کوئی جیتا جاگتا کردار ہو تو ہو مگر اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں تھی جتنی رینا ظاہر کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اشوک کی کہانی بالکل بوگس تھی۔ رینا نے مجھ تک رسائی کے لیے وہ نام استعمال کیا تھا۔ رینا ایسی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ اس سے ایک رنگین ملاقات کا پیمان طے ہو جانے کے بعد کوئی جواں سال عاشق وقت کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ اشوک' توبہ شکن رینا کا قریبی دوست رہا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیکروں میں اپنے اپنے لیے لازوال آسودگیاں تلاش کرتے رہے ہوں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بات سامنے آ رہی تھی کہ وہ کہانی سچ ہونے کے باوجود' اس روز اشوک کو انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ وہ شام شاید رینا نے میرے ہی نام کی ہوئی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی وہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے لیے اس نے ہر اعتبار سے ایک مضبوط کہانی تراشی تھی۔

رینا اجیت رائے نہ جانے کب سے مجھے گھیرنے کے چکر میں تھی مگر اس شام وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکی تھی اور میں اس کے ساتھ موجود تھا۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے رینا پر اپنی نرم جرح کا رخ یکایک تبدیل کر دیا "تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟" میں نے جوتوں اور موزوں سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے بعد قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

رینا کے لیے میرا وہ سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی اور اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھالتے ہوئے بولی "میں کیا جان سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتی۔ اشوک اپنے دیے ہوئے وقت پر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے کسی پر سکون میز کی تلاش تھی۔ تم بال روم میں اکتائے ہوئے انداز میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پناہ کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔ تم نے مجھے خوش آمدید کہا اور بس....!" اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی "تم کچھ ڈھیلے ڈھیلے سے لگ رہے ہو۔ ہمت کرو اور تیاری پکڑو۔ میں رات کو دیر سے گھر جانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتی لیکن رات بھر گھر سے غائب رہنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

"تم نے واقعی مجھے مسحور کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی سیاح یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ایک اجنبی ملک میں جائے گا اور اچانک وہاں تم جیسی حسینہ سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مجھے ابھی تک یہ ایک رنگین اور سہانا خواب

محسوس ہو رہا ہے۔"

صرف ایک ٹیڑھے سوال کے بعد میرے اعتراف نے رینا کو دوبارہ بے فکر کر دیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں سنتی ہوں کہ آج کل جو بھی سمندر پار چلا جائے اور دو چار سطریں لکھنا جانتا ہو' واپسی پر اپنا پورا سفرنامہ لکھ ڈالتا ہے جس میں سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ باہر کی حسین و جمیل دوشیزائیں بس اسی کے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی تھیں۔ ادھر سیاح نے جہاز سے قدم باہر نکالا اور ادھر بنی سنوری لڑکیوں نے اس پر یلغار کر دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سیاح کے پہنچنے سے پہلے وہاں کے مرد لام پر بھیج دیے جاتے ہیں یا شرم سے مر جاتے ہیں۔"

"مبالغہ آرائیاں ضرور ہوتی ہیں" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال انداز میں جواب دیا "مگر اس میں پڑھنے والوں کا بھی قصور ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ اجنبی مرد اور عورت آپس میں ذرا سی دیر بات کر سکیں۔ ہر دیکھنے والا ان کی طرف سے شک و شبہے میں پڑ جاتا ہے۔ اس ماحول میں رہنے والوں کو ولایت کے قصے عجیب لگتے ہیں۔ وہاں تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی بھی عورت سے بات کی جا سکتی ہے۔ آدمی میں حوصلہ ہو تو تھوڑے سے ہنسی مذاق کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ ذرا سی دیر کے بعد عورت یا لڑکی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس نے کس سے بات کی تھی۔ ہم اس کی تصویر اپنے دل میں بسا لیتے ہیں اور واپسی پر نمک مرچ لگا کر اس کی کہانی سفرنامے میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ لکھنے والے کا مبالغہ اور کچھ پڑھنے والوں کی تنگ نظری..... ایسے واقعات عجیب معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"تم نے کبھی کوئی سفرنامہ لکھا تو اس میں میرا ذکر کرو گے؟" اس نے اپنی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا۔

"میں لکھنے پڑھنے والا آدمی نہیں ہوں۔ کبھی قلم پکڑنے کی ہمت ہو گئی تو تم ضرور یاد آؤ گی۔" میں نے اسے یقین دلایا اور پھر بات کو فوراً ہی دوسرے رخ پر لے آیا۔ "مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ بال روم میں بیٹھا ہوا ہر مرد تمہارے قرب کی آرزو میں مرا جا رہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے میرا انتخاب کیا۔ مجھ سے باتیں ہی نہیں کیں بلکہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے آئی ہو مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں رکی؟"

"وہاں بیٹھے ہوئے دو تین مردوں میں مجھے تم ہی سب سے بہتر اور شریف نظر آئے تھے" اس نے مسکراتے ہوئے

جواب دیا پھر بولی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری طرف سے تمہارے دل میں کوئی شک پروان چڑھ رہا ہے ورنہ اب تک تم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے، بستر پر میرے ساتھ لیٹے ہوئے ہوتے، تھوڑی دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا کہ بیوی اور غیر عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ برداشت نہیں کرتا، غیر عورت کے نخرے خوشی سے اٹھاتا ہے۔ میں تمہارے لیے غیر عورت ہوں۔ ایسی بری نہیں ہوں پھر بھی تم میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے ہو۔۔۔"

"میں تم سے نہیں، اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں پاکستانی ہوں، پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ سنا ہے کہ یہاں پاکستانیوں کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ابھی تک خود پر بہت مشکل سے قابو رکھا ہوا ہے۔ میرا دوران خون کنپٹیوں میں زور کر رہا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر بے لگام ہو گیا تو کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ ہوٹل کے کمرے سے ایک لڑکی کے ساتھ پکڑے جانے کا تصور میرے لیے بہت خوفناک ہے۔"

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہلکی سی انگڑائی لے کر ہنسی پھر بولی "تم نے مسلمانوں کا نام ڈبو دیا۔ میں نے تو سنا تھا کہ مسلمان گوشت کھانے اور عورتوں کو رجھانے کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ ان سے صبر نہیں ہوتا۔ ذرا سا موقع ملے تو بے لگام ہو جاتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ۔۔۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے" میں نے دوبارہ اس کا فقرہ درمیان سے اڑا دیا۔

"یہ بھارت ہے، کوئی اسلامی ملک نہیں ہے" اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "یہاں عورت کے ساتھ زبردستی کرنا جرم ہے۔ اگر ہم دونوں آپس میں راضی ہیں تو یہاں کا قانون ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے ابھی تک روپے پیسے کی کوئی بات نہیں کی۔ تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا باپ خوش حال آدمی ہے، میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں جو ٹکے ٹکے کے لیے منہ کالا کرتی پھروں۔ آؤ، قریب آجاؤ۔"

میں اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ میں اس گھڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب غزالہ نے مجھے کمرے سے باہر نکل کر کھلی فضا میں تھوڑی سی تفریح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت وہی تفریح رینا کی صورت میں میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

اگر میرے اپنے مقاصد نہ ہوتے تو میرے لیے سب سے آسان راہ یہ ہوتی کہ میں اسے میز پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا۔ وہ بیٹھ جاتی اور بات بڑھ جاتی تو میں اس کی ہر پیش کو ٹھکرا کر ہوٹل کے اس کمرے سے نکل جاتا جہاں میرے گرد اپنا جال مضبوط کر رہی تھی۔ میں ایک اہم م لے کر بھارت پہنچا تھا۔ اس ابتدائی مرحلے پر میں کسی معمولی بات کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ رینا سے ملاقات بعد جہاں میرے ذہن میں ایک بے نام سا خوف سرابھار تھا۔ وہیں میرا تجسّس بھی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس کی ز سے انل بسواس کا نام سن لینے کے بعد میں اس لڑکی کو نہیں چاہتا تھا۔

اس سے میری خاصی باتیں ہو چکی تھیں۔ کچھ بات ایسی تلخ بھی تھیں کہ وہ چاہتی تو برہم ہو کر مجھے اپنے کمر سے چلے جانے کا حکم دے دیتی۔ میری طرح شاید اس کی کوئی مجبوری تھی۔ وہ کسی خاص مقصد سے مجھ تک پہنچی اور وہ مقصد حاصل کیے بغیر، تہی دست واپس لوٹنا نہیں چا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں ان خطوط تجزیہ کرتا رہا پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں جوتے اتار چکا تھا۔ میں کرسی چھوڑ کر اٹھا اور ر کے فضا میں، اپنی طرف اٹھے ہوئے دونوں ہاتھ تھام لیے معدے میں اتری ہوئی شراب کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

ہوٹل کے بال روم سے شروع ہونے والی آشنائی، لمحو کا سفر طے کرتی ہوئی گہرے قرب میں تبدیل ہو گئی۔ رینا خوش شکل، خوش لباس، خوش مزاج اور خوش گفتار لڑکی تھی۔ جب تک وہ زبان سے کام لیتی رہی میں توجہ سے اس کی باتیں سن رہا پھر اس کے جسم کے دوسرے اعضا بھی جنبش میں آگئے۔ ان جنبشوں میں عجیب سی کشش اور بے آواز گنگناہٹ تھی۔ میں اس کی دسترس سے باہر تھا تو اس کے خلاف سوچ رہا تھا لیکن اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد میرے ذہن سے انل بسواس، جان اسمتھ اور دوسرا ہر نام غائب ہو گیا۔ ذہن پر بس پرکشش اور نیم وحشی سی رینا ہی رینا باقی ر گئی۔

رینا اجیت رائے اپنی عمر سے کہیں زیادہ چالاک اور تجربے کار لڑکی تھی۔ اس نے تکلف کی دیواریں گرا کر بے تکلفی کی ایک نئی دنیا کھڑی کر لی۔ اگر اس کا انل بسواس سے تعلق نہ ہوتا تو دوستی کے لیے وہ ایک اچھی ساتھی ثابت ہو سکتی تھی۔

"مجھے تمہارے خلوص پر یقین آگیا" میں نے میٹھی سی

مسکراہٹ کے بعد کہا ”اب دولت کمانے کے نسخے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”ارے! تمہیں وہ بات یاد ہے“ یکایک رینا کا چہرہ کھل اٹھا ”میں سمجھ رہی تھی کہ تم میری پیشکش کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہو۔“

”انسان کو دنیا میں سب کچھ میسر ہو لیکن دولت نہ ہو تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔“

”سب کچھ میسر ہونا ہی دولت مندی کی نشانی ہے۔ تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی“ اس نے الجھی الجھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”سب کچھ سے میری مراد تن درستی، خوب صورتی اور اچھی سیرت سے تھا۔“

”ہاں.... آں!“ وہ بے پروائی سے بولی ”انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جیب بھاری ہو تو ساٹھ سالہ بدصورت بڑھیا بھی کسی جواں سال باکسر سے عشق لڑا سکتی ہے۔ پتا نہیں بھگوان نے پیسے میں اتنی کشش کیوں رکھ دی ہے؟“

”میرا کاروبار محدود ہے۔ آمدنی بھی مختصر سی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ برسوں سے بھارت کی سیر کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا مگر اب پاکستان سے نکلنے کی ہمت کر سکا ہوں۔ ہر بار بھاری اخراجات کا خوف میرے راستے کی رکاوٹ بن جاتا تھا۔“

”آمدنی بڑھے گی تو بار بار یہاں آتے رہو گے“ اس نے زور دے کر اپنی بات دہرائی ”یہاں کیا.... پھر تو تمہاری مرضی ہو گی۔ دنیا بہت وسیع اور رنگین ہے۔ جہاں چاہو، جا سکو گے۔ یہ سودا بن گیا تو تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔“

گڑ کھانے کے بعد گلگلوں سے پرہیز حماقت کے مترادف تھا۔ میں نے والہانہ پن کی اداکاری کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ پہلے وہ سپردگی پر آمادہ تھی اور میں اس سے گریز کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے پہل کی تو وہ مچل کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

”تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے تمہارے انکل کے لیے کیا کام کرنا ہو گا؟“ میں نے کہا۔

”چھوٹے موٹے اور معمولی کام ہوں گے۔ ان کے بارے میں وہی تم کو بریف کریں گے، میں تمہیں ان سے ملوا دوں گی۔“

”انکل انل کس محکمے میں کام کرتے ہیں؟“ میں نے اسے آزمانے کے لیے پوچھا۔

”مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بس یہ جانتی ہوں کہ وہ ریسرچ کا کوئی کام کرتے ہیں جس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔“

اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر آدھا سچ بول کر کترا گئی تھی۔ ریسرچ اینڈ اینالسزونگ کے تین ابتدائی حروف لے کر ہی را (RAW) کی اصطلاح تخلیق کی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے انل بسواس کی ریسرچ کا ذکر کر دیا تھا۔ اس کی تجزیاتی مصروفیات گول کر گئی تھی۔

”پھر ان سے کب ملوا رہی ہو؟“ انل بسواس تک پہنچنے کے لیے میری طرف سے دلچسپی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

”تم رضامند ہو گئے ہو۔ اب میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد تمہاری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔“ اس نے آسودگی سے سہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک پوچھا ”اب یہ بتاؤ کہ ڈنر کے لیے کیا منگوایا جائے؟“

”تمہارے قول کے مطابق مسلمان گوشت خور ہوتے ہیں۔ میں ہوٹل میں کوفتے کھا چکا ہوں مگر بعد میں خیال آیا تھا کہ وہ جھٹکے کا گوشت ہو گا۔“

اس نے زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی پھر کہا ”ہم گائے کو پوجتے ہیں۔ تم لوگ اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہو۔ اس لیے یہاں گؤ ہتیا جرم ہے۔ مسلمان اپنی بستیوں میں چوری چھپے گائے کاٹ کر آپس میں گوشت بانٹ لیتے ہیں۔ یہاں کھلے بندوں گائے کا گوشت نہیں ملتا۔ بھارت میں اتنے مسلمان رہتے ہیں کہ ہر قرینے کے ہوٹل میں رواداری سے کام لیا جاتا ہے۔ گائے کے سوا جو بھی گوشت ملتا ہے ذبح کیا ہوا ہوتا ہے۔“

”اس رواداری میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہو گی“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”سیدھی سی بات ہے۔ مسلمان اور یہودی جھٹکے کا گوشت نہیں کھاتے، اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔“

”اس پر ہندو، سکھ اور عیسائی احتجاج نہیں کرتے؟“ میری حیرت میں قدرے اضافہ ہو گیا۔

”وہ بس گوشت کھاتے ہیں۔ ذبیحے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے ہندو بھی اب جھٹکے پر ذبیحے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ جانور تڑپتا ہے تو اس کی رگ رگ سے خون بہہ کر نکل جاتا ہے۔ جانور کا جھٹکا کر دیا جائے تو سارا خون گوشت اور رگوں میں جما رہ جاتا ہے۔ کمال ہے کہ تم صرف کوفتے کھانے کے لیے یوں بال کی کھال نکال رہے ہو۔ یہاں کی سبزیاں کھا کر دیکھو، تم حیران رہ جاؤ گے۔“

”تم بھول رہی ہو کہ میرے کمرے میں میری ساتھی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہو گی“ میں نے کھانے سے معذرت چاہی ”اب مجھے اجازت دو۔“

"وہ بیوی ہوتی تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی لیکن تم نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔ پردیس میں ایسی دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہیے" میری توقع کے برعکس اس نے بہت آسانی سے مجھے اجازت دے دی اور میں اٹھ گیا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ انل انکل سے کب ملنا ہے؟" میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

اس نے اپنے وینٹی بیگ سے کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرا فون نمبر ہے۔ چاہو تو رنگ کرسکتے ہو۔ ویسے انکل سے وقت طے ہوجانے کے بعد میں خود تمہیں فون کرکے بتادوں گی۔ یہ دھیان رکھنا کہ انکل انگریزوں سے زیادہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔"

میں نے وہ کارڈ پڑھا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس پر رینا کا پورا نام گریٹر کیلاش ون کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔

وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے کمرے کے دروازے تک آئی اور دروازہ کھولنے سے پہلے نرمی سے میرے سینے سے لگ گئی۔

میں رینا کے کمرے سے رخصت ہوکر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نے دروازہ کھولا۔ وہ متوحش اور پریشان نظر آرہی تھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ صحیح وسلامت لوٹ آئے۔ آپ کی طرف سے رہ رہ کر میرا دل ہول رہا تھا۔" جذبات کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ارے! تم اتنی کمزور دل کب سے ہوگئیں" میں نے مسکرا کر غزالہ کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی "خود مجھے تفریح کرنے کے لیے کمرے سے باہر دھکیلا تھا اور خود ہی اندیشوں میں گھر کر پریشان ہورہی ہو۔"

"میری پریشانی بلاسبب نہیں تھی" میرے بیٹھنے کے بعد اس نے بتایا "ایرئیس پر تین مرتبہ گوپال کی کال آچکی ہے۔ آخری مرتبہ میں نے آپ کا کوڈ استعمال کرکے اس سے بات کی تھی۔ وہ سخت فکرمند ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ را کی ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ہتھے چڑھ گئے ہیں... خیریت تو تھی نا؟"

میرے دل کا چور جاگ اٹھا۔ رینا کے بدن اور کپڑوں سے کسی قیمتی پرفیوم کی بھینی بھینی مہکار پھوٹ رہی تھی جو میرے جسم میں بھی رچ چکی تھی مگر غزالہ نے اس نامانوس خوشبو کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ بس مجھے گوپال کی تشویش سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے زبان کھولنے سے پہلے اپنی جیب سے رینا کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور غزالہ کی طرف بڑھادیا۔

"آر اے رائے۔ ستر ترشول مارگ۔ گریٹر کیلاش ون!" غزالہ نے بلند آواز میں رینا کا کارڈ پڑھا پھر اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "یہ کس کا کارڈ ہے؟"

"رینا اجیت رائے۔ گوپال کو کیسے پتا چلا کہ رینا' را کی ایجنٹ ہے؟" میں نے رینا کا پورا نام بتانے کے بعد پوچھا۔

"شاید اسے لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا مگر یہ پتا تھا کہ وہ را کے لیے کام کرتی ہے۔ سنیل نے واپسی پر ہوٹل کا چکر لگایا تھا۔ اسی نے گوپال کو خبر دی کہ آپ ایک خطرناک لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے بال روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

غزالہ کو وہ خبر گوپال سے نہ ملی ہوتی تب بھی میں اسے رینا کی کہانی ضرور سناتا۔ ہر تبدیلی یا امکانی خطرے کے بارے میں اس کا باخبر رہنا بہت ضروری تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں اس کہانی کے وہ حصے حذف کردیتا جن میں میرے لیے ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کی زبان سے سنیل کی رپورٹ سن کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ تینوں بہرحال آئی بی جیسے ایک منظم اور ذمے دار ادارے سے منسلک تھے جس کا اپنا ڈسپلن تھا۔ وہ مجھ جیسے عارضی مہمان کو ہر عزت وتوقعت دے سکتے تھے لیکن یہ سمجھنا غلط فہمی کے مترادف ہوتا کہ وہ اپنے ڈسپلن کو بھول کر' دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنا چیف یا سربراہ سمجھ لیں گے۔

میں نے سنیل کو بہت واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ اس وقت گوپال نہیں بلکہ میں اس کا سربراہ تھا۔ اسے گوپال کی ہدایت کو بھول کر میرے احکام پر عمل کرتے ہوئے فوری طور پر ہوٹل سے واپس لوٹ جانا تھا۔ اس نے کسی بحث کے بغیر میرے موقف کو تسلیم کرلیا تھا اور ہوٹل سے واپسی کا وعدہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرڈالا تھا۔

میں نے اس سے راستے ہی میں ایرئیس پر رابطہ کرکے جان اسمتھ کے ہوٹل کی تلاش کا نیا کام سونپا تھا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ مجھے ہوٹل سمراٹ کا پتا بتانے کے بعد سنیل نے گوپال کو نئے واقعات کی رپورٹ دی' گوپال نے اسے پورے خلوص کے ساتھ مشورہ دیا ہوگا کہ وہ دور رہ کر ہماری حفاظت کرتا رہے۔ سنیل دوبارہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل چلا آیا۔ وہاں میں رینا کے ساتھ اس کی نظروں میں آگیا۔

گوپال نے رینا کے را سے تعلق کے بارے میں غزالہ کو بتادیا تھا اور خود میری فکر میں تھا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہورہا تھا کہ رینا کو دیکھ لینے کے بعد سنیل نے میری نگرانی جاری نہیں رکھی تھی۔ گوپال کو باخبر کرکے خود بھی غائب ہوگیا تھا۔

وہ نگرانی کا سلسلہ جاری رکھتا تو اس کے ذریعے گوپال کو یہ خبر بھی مل جاتی کہ میں رینا کے ساتھ اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔

ان تینوں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ دشمن کی سرزمین پر ایک خطرناک مشن پورا کر رہے تھے۔ وہ خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوششوں میں اس حد تک کامیاب تھے کہ کسی کو ان پر شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اگر رینا کا تعلق را سے تھا تو اس سے ملاقات سے پہلے را کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ میری نگرانی کرتا رہا تھا۔ میں اس دوران میں سنیل سے ملا تھا' اس کے ساتھ دیر تک شہر میں گھومتا رہا' سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں گیا۔ ان میں سے کسی بات کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ رینا مجھ سے آ ٹکرائی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے انل بسواس تک لے جانے کی پیش کش کر ڈالی۔

وہ سب سوچ کر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ را کا کوئی ایجنٹ اتنا احمق اور اندھا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے سول لائنز کے علاقے میں را کے اس ذیلی دفتر کے قریب سے گزرتا دیکھتا جہاں نرلیش شرما بیٹھتا تھا اور اس کے کان کھڑے نہ ہوتے۔

را والوں کی طرف سے پیچھا کیے جانے کے اندیشوں کو میں نے فوراً مسترد کر دیا۔

سنیل ایک پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ہر پیشہ ور کی طرح اسے معلوم تھا کہ ایسی مہمات میں اصل اہمیت مشن کی ہوتی ہے۔ مشن کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بہت سفاکی اور سنگ دلی سے افراد بلکہ اپنے قریبی ساتھیوں تک کو قربان کر دینا پڑتا ہے۔ اسے رینا کے روپ میں میرے گرد خطرہ منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ سمجھا ہو کہ آخر کار را والے ڈینی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

اس کا وہ اندازہ ذرا بھی درست ہوتا تو ہوٹل کے بال روم میں کسی بھی لمحے بھیانک کشت و خون شروع ہو سکتا تھا۔ را اور ڈینی کے درمیان ہونے والے اس معرکے کی آگ سنیل کے دامن تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ مجھے ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا اور بے بس پا کر وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر مقابلے میں کودتا اور مارا جاتا!

سنیل کے وہ خدشات میرے ذہن میں مجسم ہوتے ہی مجھے بے اختیار وہ فوجی یاد آ گئے جنہوں نے لڑائی کے ایک مرحلے پر دشمن پر فائر کی اجازت نہ ملنے پر اپنے ہاتھ آہنی نالوں پر مار کر توڑ لیے تھے۔ فائر کی اجازت نہ دینے والے دور تک دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے صرف اپنا محاذ نہیں تھا' وہ پورے محاذ کے مفاد میں فیصلے کر رہے تھے۔ دوسری طرف توپ یا مشین گن کے پیچھے بیٹھے ہوئے مغلوب الغضب سپاہی تھے جنہیں اپنے گرد و پیش تک کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنے نشانے پر آئے ہوئے ہر دشمن کو گولیوں سے بھون دینا چاہتے تھے۔

"آپ کس سوچ میں گم ہو گئے ؟" غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہوگا؟" میں نے جلدی سے بات بنائی "وہ لڑکی اتفاقاً آئی تھی مگر مجھے اس پر شبہ تھا۔ اب تم گوپال کی کہانی سنا رہی ہو۔ وہ را کی کارکن ہے تو مجھے گردن سے پکڑ کر کہیں بھی لے جا سکتی تھی۔ تمہیں اس کی پیشکش کا یقین نہیں آئے گا۔"

"کیا آپ کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کر رہی تھی؟" غزالہ کا قیاس زیادہ دور تک مار نہیں کر سکا۔

"شاید مجھے اس پر حیرت نہ ہوتی۔ وہ کسی کام کے لیے مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "شاید کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ را والوں کو ہماری اصلیت کا علم ہو چکا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اب آپ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اپنی مرضی کے موقع پر آپ کو اچانک گھیر لیں گے۔"

غزالہ رو دینے کے قریب تھی۔ میں نے اٹھ کر اس کے دونوں بازو تھام لیے۔ "حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں' ہمت سے کام لو۔ کوئی برا وقت سر پر آ ہی گیا ہے تو وہ کسی تدبیر سے ٹل سکے گا۔ ایسی حوصلہ شکن باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"ابھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی ہے۔ گوپال ہمیں کسی طرح دہلی سے نکال دے تو ہم امرتسر جا کر بنگو سے مدد لے سکتے ہیں۔ وہ آزمایا ہوا آدمی ہے۔ پوری حفاظت سے ہمیں سرحد پار پہنچا دے گا۔"

"آرام سے بیٹھو اور پوری بات سنو" میں نے سختی سے اسے کرسی پر بٹھا دیا اور اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دشمن کے ساتھ دنیا میں کہیں ایسا سلوک نہیں کیا

جاتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اور چکر ہے۔"

"وہ را کے لیے کام کرتی ہے اور آپ کو انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔ کیا آپ کے لیے یہ دو وجوہ کافی نہیں ہیں؟"

"اس نے یہ بات بہت خوبصورتی سے کہی تھی" میں نے غزالہ کا خوف کم کرنے کے لیے رینا کی کہانی شروع سے چھیڑ دی۔

"خدا کرے کہ میرے خدشے بے بنیاد ہوں۔ کسی کو آپ پر کوئی شبہ نہ ہوا ہو مگر آپ اس بات کو کیوں بھول رہے ہیں کہ اب ہم ان کی نظروں میں آگئے ہیں۔ آپ ہر طرف سے اپنے رابطے کاٹ کر ہوٹل کے کمرے میں محصور ہو جائیں ورنہ جلد یا بہ دیر وہ اصلیت تک پہنچ جائیں گے۔"

"اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ ادھر اخباروں میں خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے آنے کی خبریں چھپیں اور ادھر رینا مجھ سے آ ٹکرائی۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکیوں کے ذریعے وہ مشتبہ پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کر رہے ہوں؟"

"ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ سب سے سنگین حقیقت یہ ہے کہ آپ کے سر پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔"

میں نے غزالہ کی وہ بات سنی ان سنی کر دی۔ میرا ذہن اس کے پچھلے فقروں سے الجھا ہوا تھا۔ رینا سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ اگر وہ پہلے میری طرف متوجہ نہیں تھے تو اس واقعے کے بعد کسی بھی وقت ہو سکتے تھے۔ ہمیں خاص طور پر ویرا سے دور رہنے کی ضرورت تھی۔

ان خیالات میں غلطاں، میں فون کی طرف بڑھا۔ سائڈ ٹیبل کے پیچھے پڑے ہوئے تاروں پر نظر ڈالی تو سی ایس ڈی غائب تھی۔

میری مستفسرانہ نگاہوں کے سامنا کرنے سے پہلے غزالہ بولی "گوپال سے بات ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی نکال دی۔ بیم گن بھی ایک دراز کے پیچھے چھپا دی۔ ہر آہٹ پر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ را والے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں گے۔"

وہ وقفے وقفے سے اپنی جو کیفیات بیان کر رہی تھی۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدترین ذہنی دباؤ سے دوچار رہی تھی۔ شاید وہ میرے بارے میں کوئی منحوس اور بری خبر سننے تک کے اندیشے میں گھلتی رہی تھی۔

میرے ایما پر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز کے پیچھے سے سی ایس ڈی نکال دی۔ میں نے وہ حسّاس آلہ جوڑ کر آف رکھا۔ پرانی ترکیب کے مطابق میں نے ہوٹل مرینا کی آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا اور ریسیور پر ویرا کی آواز سنتے ہی سی ایس ڈی آن کر دی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا فون ہوگا" میری آواز سن کر ویرا نے جواب میں خوش دلی سے کہا۔

"تم کو کچھ بری عادتیں لاحق نہ ہوتیں تو تم کسی درجے پر فائز ہو سکتی تھیں۔ اب پورے دھیان سے سن لو کہ یہ شاید میرا آخری فون ثابت ہو" غیر ارادی طور پر میری آواز کچھ دھیمی ہو گئی تھی۔ احساس ہو جانے کے باوجود میں نے لہجہ تبدیل کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی "حالات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ میں کچھ لوگوں کی نگاہ میں آگیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری نگرانی شروع ہو گئی ہو، اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"میل جول سے تم پہلے ہی گریز کر رہے ہو۔ سی ایس ڈی ہے تو فون کرنے میں کیا قباحت ہے؟"

"نگرانی کے ساتھ فون پر بھی نظر رکھی جا سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی کوئی کوشش ناکام ہو اور وہ شبہ کرنے لگیں کہ ہم اپنے فون کے ساتھ کوئی خفیہ ڈیوائس استعمال کر رہے ہیں..."

"لیکن یہ اچانک کیسے ہو گیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"لمبی کہانی ہے۔ ابھی یہ تعین نہیں ہو سکا کہ وہ مجھ پر شک کر رہے ہیں یا مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں۔ صورت حال مخدوش ضرور ہے۔"

"دونوں ایک ہی باتیں ہیں۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ تم نے دونوں باتوں کو الگ کیوں کر دیا؟"

"کہہ رہا ہوں کہ یہ لمبی کہانی ہے۔ زندگی رہی اور ملاقات ہوئی تو تفصیل بھی بتا دوں گا۔"

"شکریہ!" ویرا کی زہریلی آواز میرے کان کے پردے سے ٹکرائی "تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"اسی کے ساتھ ایک مشورہ بھی ہے۔ حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے یہاں سے لوٹ جاؤ ورنہ میرے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گی۔"

"تم سمجھ لو کہ میں لوٹ چکی ہوں۔ میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ جو مناسب سمجھوں گی، کروں گی۔"

"ضد مت کرو۔ اس وقت تم بھنور سے باہر کھڑی ہوئی ہو۔ ایک بار اس گرداب میں آگئیں تو ہوش اڑ جائیں

گے۔“

”اب تک دوسروں کے ہوش اڑاتی رہی ہوں‘ اس بار یہ تجربہ بھی سہی!“

”کل تک تم تنہائی سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم سے ہر قسم کا رابطہ ختم کرنے کے بعد تمہارا ذہنی سکون جاتا رہے گا۔ ایسی حالت میں تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو اس کی کوئی معافی نہیں ملے گی۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم کہاں ہو۔“

”فون پر اتنی طویل گفتگو مناسب نہیں ہے“ ویرا کی آواز زہر آلود تھی ”تم کو جو کہنا تھا‘ تم نے کہہ دیا۔ تمہارے خلوص کا شکریہ۔ تم کو یقین ہونا چاہیے کہ میں خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اپنی صوابدید کے مطابق بہترین فیصلہ کروں گی اور اس پر عمل پیرا ہوجاؤں گی۔ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ اب مجھے واقعی سب سے الگ رہ کر کام کرنا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو اب میں فون بند کردوں؟“

”مجھے یقین ہے کہ تم جذبات کی رو میں آکر کوئی غلطی نہیں کروگی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی“ میں نے بے بسی سے کہا۔

”جوان دل کبھی ٹھنڈے نہیں ہوتے۔ ان میں عزم اور ولولے کے الاؤ دہکتے رہتے ہیں‘ اوکے۔ گڈبائی!“

کلک کی آواز کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ ویرا سے گفتگو کی کیا نوعیت رہی ہوگی۔ اس نے بے ساختہ کہا ”مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہٹ دھرم ہے۔ آپ کی کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا۔“

”اب یہی کرنا پڑے گا“ میں نے پرتشویش لہجے میں کہا ”اس پر سر کھپانا اب بے سود ہے۔“

کہنے کو میں نے وہ بات کہہ دی تھی مگر عملی طور پر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا اپنے طور پر جو چاہتی‘ کرتی رہتی۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس کی سلامتی کی طرف سے بے فکر نہیں ہوسکتا تھا۔

غزالہ کے لیے میری یک طرفہ گفتگو کافی تھی لیکن پھر بھی ہم کچھ دیر تک اسی موضوع پر متاسفانہ انداز میں باتیں کرتے رہے۔ مجھے قلق تھا کہ ویرا نے اپنی عادت کے عین مطابق میری باتوں پر بھروسا نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کے کیڑے رینگ رہے تھے۔

اپریٹس آن تھا۔ اس پر گوپال کی بھرائی ہوئی سی آواز ابھرتے ہی ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور میں غزالہ سے اپریٹس لے کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا تاکہ عابد علی عرف گوپال کی آواز واضح طور پر سنائی دی جاسکے۔

گوپال جی ٹو تھا اور اس وقت مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا پیغام مکمل ہوتے ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دے دی۔

”تمہاری آواز سن کر میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا“ میرے جواب پر ایک گہرے سانس کے بعد گوپال کی آواز آئی ”میں تمہاری طرف سے بہت فکرمند تھا۔ ہوٹل میں اس لڑکی کا تم سے ٹکرانا خالی از علت نہیں تھا۔ وہ را والوں کے لیے کام کرتی ہے‘ اوور۔“

”فکرمندی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں مگر میں نے سنیل کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔ وہ دوبارہ ہوٹل کیوں آیا؟ اوور!“ میں نے اپنے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال اس سے کر ڈالا۔

”اس میں سنیل کی نہیں‘ میری غلطی تھی“ گوپال نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا ”اس نے مجھے تمہاری ہدایت کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے سمجھا کہ تم نے تکلف میں اسے گھر جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ واپسی سے پہلے احتیاطاً ایک بار ہوٹل کا چکر لگالے اور دیکھ لو کہ اس نے ایک خطرناک لڑکی کو تمہارے ساتھ دیکھ لیا۔ وہ بہت چالاک اور دیدہ دلیر لڑکی ہے۔ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی؟ اوور!“

میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کردیا۔ ویرا سے ترشی پیدا ہوجانے کے بعد میں دوسرا محاذ کھولنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے کہا ”تم لڑکی کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو لیکن اس کا نام لینے سے گریز کیوں کررہے ہو؟“

میری بات مکمل ہوجانے پر وہ بولا ”وہ ہر موقع پر ایک مختلف نام استعمال کرتی ہے۔ پتا نہیں تم سے کس نام سے ملی تھی۔“

”رینا اجیت رائے!“ میں نے اس کا نام دہرایا ”وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ میرے پاس اس کا وزیٹنگ کارڈ موجود ہے“ میں نے دانستہ اسے یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود رینا پر شبہ ہوچکا تھا۔ شاید یہ سنیل کی ہوٹل واپسی کا ردِعمل تھا۔ وہ لوگ باخبر تھے تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ رینا کے بارے میں ان کے ذرائع کیا اطلاعات فراہم کرسکتے تھے۔ میں نے انل بسواس کا نام بھی نہیں لیا۔

”مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں چیک کرکے دس منٹ میں

دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔ وہ کہاں سے معزز ہو گئی؟ سنیل بتا رہا تھا کہ وہ میرٹھ کے ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے۔ دہلی میں قرب وجوار کے شہروں سے آئی ہوئی ایسی ہزاروں لڑکیاں گھومتی پھرتی ہیں۔"

میں نے رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا۔ پتا دہرا دیا جو مجھے زبانی یاد ہو چکا تھا۔

"گریٹر کیلاش واقعی دہلی کا مہنگا ترین رہائشی علاقہ ہے۔" رینا کا پتا سن کر گوپال کے لہجے کا اعتماد کمزور پڑ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اگر وہ وہیں رہتی ہے تو پھر اس کی پرواز بہت اونچی ہے۔ را والے مقامیوں کو اتنے بھاری معاوضے نہیں دیتے کہ وہ گریٹر کیلاش میں رہ سکیں۔"

"اس کا باپ آسودہ حال ہے۔ مفلوج ماں گھر کی اوپری منزل پر پڑی رہتی ہے۔ نیچے باپ اپنی رنگین محفلیں سجاتا ہے۔ رینا سہیلیوں سے ملاقات کے بہانے اپنے مرد دوستوں سے میل جول برقرار رکھتی ہے۔ یہ اس کی مختصر اور پوری کہانی ہے" میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ان تفصیلات نے مجھے شبہے میں ڈال دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنیل کو دھوکا ہوا ہو۔ پھر بھی میں چیک کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا' اوور اینڈ آل!" غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکا سا طنز ابھر آیا۔ میں نے اپریٹس بند کر دیا۔

"آپ نے اسے انل بسواس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب کال کرے گا تو ضرور بتاؤں گا۔ پہلے ان لوگوں کو تھوڑا سا کام کر لینے دو۔ وہ مجھے اپنا بڑا تسلیم کر رہا ہے پھر بھی مربیانہ انداز اپنائے ہوئے ہے۔"

"ذرا سے گفتگو کے بعد شاید آپ کا موڈ خراب ہو چکا ہے ورنہ گوپال نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"بے شک نہیں کی لیکن اس سے پہلے وہ سنیل کو دوبارہ ہوٹل کا چکر لگانے کی ہدایت دے کر اپنی بڑائی جھاڑ چکا تھا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ واقعی چڑچڑے ہو رہے ہیں۔ ابھی تک اتنی سی بات کو لیے بیٹھے ہیں۔"

"تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ اب مجھے فکر ہے کہ اول خان سے کیسے بات کی جائے۔ میں یہاں سے فون نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" غزالہ چونک پڑی "اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"اب واقعات میں اچانک تیزی آ سکتی ہے۔ ممکن
کہ پاکستان فون کرنا ناممکن ہو جائے۔ میں نئی صورت ح
کے بارے میں اسے تازہ ترین بریفنگ دینا چاہتا ہوں تاک
لوگ اندھیرے میں نہ رہیں۔"

"اس بارے میں گوپال ہی کوئی مناسب مشورہ دے
گا" غزالہ نے شریر لہجے میں کہا۔

میں نے سرد نظر سے اسے گھورا اور اس کے لبوں
مچلتی ہوئی مسکراہٹ بے ساختہ قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔
خوشی ہوئی کہ وہ ذہنی دباؤ سے نکلنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

گوپال نے دس منٹ کا وقت لیا تھا لیکن اس سے پہلے
اس کی کال آ گئی۔ رابطہ ہوتے ہی وہ پرجوش آواز میں بو
پڑا "سنیل کا شبہ درست تھا۔ وہ لڑکی تم سے جھوٹ بول ر
ہے۔ ترشول مارگ کے اس بنگلے میں کلاسیکل ڈانس اکیڈ
قائم ہے جہاں باہر سے آنے والی لڑکیوں کو سستے نرخ
بورڈنگ کی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں رقص
سکھانے کے نام پر لڑکیوں کو را کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ر
بھی اسی کے کسی کمرے میں رہتی ہوگی۔ اپنے ماں باپ
بارے میں اس کی کہانی بے بنیاد ہے۔ کل تک یہ معلو
کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی کہ اکیڈمی یا اس
بورڈنگ ہاؤس میں وہ کس نام سے رہ رہی ہے۔"

"وہ چھپا ہوا کارڈ ہے۔ نام درست ہی ہوگا۔" میں
اپنی رائے ظاہر کی "اس نے گریٹر کیلاش کے مرعوب کر
پتے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فرضی امارت کی کہانی سنا
ہے۔ اگر وہ معزز اور خوش حال گھرانے سے ہوتی تب بھ
کوئی فرق نہ پڑتا۔ مجھے اس پر شبہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں لازماً شک ہونا چاہیے تھا۔ ایک اجنبی لڑ
تمہارے قریب کیوں آئی تھی۔"

"ابتدائی نکتہ یہی تھا۔ بعد میں اس نے مجھے انل بسوا
کے لیے کام کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔ وہ اسے اپنا انکل
کہہ رہی تھی۔"

گوپال میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اچھل پڑ
ہوگا۔ اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ بات تم مجھے اتنی دیر
بتا رہے ہو۔"

"تمہیں ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔" میں نے سکون
جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گڑبڑ ہو چکی ہے۔ انہوں
تمہیں پہچان لیا ہے۔" اس کی حیرت فوراً ہی تشویش میں بدل
گئی۔

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میرے بارے میں وہ اس قدر ہیجان میں مبتلا ہیں کہ پہچان لیتے تو لمبے چوڑے لاؤ لشکر کے ساتھ فوراً ہوٹل کا محاصرہ کرکے مجھے پکڑ لیتے۔ میری دل جوئی کے لیے رینا جیسی لڑکی کو نہ بھیجتے۔"

"پھر وہ تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" ہر ذہن میں پہلا سوال وہی ابھرتا تھا۔ وہ لاکھوں روپے کا سوال تھا جس کا جواب مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔

"دوسرے بڑے شہروں کی طرح دہلی بھی ایسی نوجوان لڑکیوں کی آماج گاہ ہے جہاں دور دراز کے علاقوں تک سے نوجوان لڑکیاں روز گار کی تلاش میں آتی ہیں۔ کچھ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں بیشتر کہیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ را والے ان میں اپنے مطلب کی لڑکیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کے ذریعے کام نکالنے کے معاملے میں دنیا بھر کی ایجنسیوں سے آگے ہیں۔ انہوں نے کچے ذہن کی لڑکیوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی جیسے کئی نام نہاد ادارے قائم کیے ہوئے ہیں۔" میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد وہ را والوں کے طریقہ کار کے بارے میں مجھے سمجھانے لگا "ان کی یہ حکمت عملی اکثر کامیاب رہتی ہے۔"

"یہ دوسری جنگ عظیم کا کامیاب ترین سبق ہے جو مغرب سے بھارت والوں نے سیکھا ہے۔" میں نے کہا "گھر بار اور مہذب معاشروں سے دور، بھیانک جنگی ماحول میں شب و روز بارودی دھماکوں میں گزارنے والے فوجی صنف نازک کے دیدار کو ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں تازہ دم ہونے کے لیے محاذ سے صرف تین دن کے لیے پیچھے بلا کر تازہ دم دستے آگے بھیجے جاتے تھے۔ ان دو تین چھٹیوں کو وہ اپنی زندگی کی آخری مہلت سمجھ کر بے صبری سے گزارتے تھے۔ ان کے لیے عورت صرف عورت ہوتی تھی۔ انہیں اس کی قوم، مذہب، زبان اور وفاداریوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی نرم و حیات آفریں آغوش میں پہنچ کر دونوں حریفوں کے فوجی بہک جاتے تھے اور اپنی فوج کی پوزیشنوں سے لے کر دوسرے اہم راز تک آسانی سے اگل دیتے تھے۔ زمانہ جنگ کا وہ سبق آج امن اور سرد جنگ کے دنوں میں بھی کہیں کہیں دہرایا جارہا ہے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ تمہارا مشاہدہ اور معلومات کا دائرہ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کاش ہم تمہارے اس تجربے سے بھرپور فیض اٹھا سکیں۔"

اس کے بے ساختہ جواب سے میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سنیل والے واقعے پر میرے دل میں جو کدورت پیدا ہوگئی تھی، وہ دھل گئی۔ میری انا کا ہلکا سا زخم اس کے چند نرم فقروں سے یکایک بھر گیا اور میں ان تینوں کے لیے ایک بار پھر اپنے دل میں محبت اور اپنائیت محسوس کرنے لگا۔

"تم رینا کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو تو اسے نظر انداز کیوں کیا ہوا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور گردوپیش سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر غیر ضروری بکھیڑوں میں نہیں الجھتے۔ ہم اپنی ساری توجہ اپنے اہداف پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہمیں کسی چھیڑ چھاڑ کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہمارا ڈسپلن ہے جسے تم ہماری مجبوری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"اب وہ مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ ایک اہم شخص کا نام بھی لے چکی ہے۔ اسے تمہارے دائرہ کار میں آجانا چاہیے۔"

"اس وقت وہ میری اولین ترجیح بن چکی ہے۔" گوپال نے بلا توقف جواب دیا "ایسا نہ ہوتا تو میں مضطرب کیوں ہوتا!"

"ترجیحات بدلنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو کچھ آسانی سے معلوم ہوجائے، وہ مجھے بتادینا۔ وہ بدمعاش لڑکی ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔ شاید وہی دہلی میں میری کامیابی کا زینہ بن جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کے ساتھ مل کر انل بسواس تک جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" گوپال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مجھے اس تک پہنچنا ہے۔ میں اسی کے فراق میں ہوں۔ یہ اچھی بات ہے کہ رینا میرا یہ کام آسان کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور کچھ نہیں تو مجھے اس شخص کو قریب سے دیکھنے اور کسی حد تک سمجھنے کا موقع مل سکے گا۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم وہی کریں گے جو تم چاہو گے۔" اس کی آواز میں سنجیدگی اور فکر مندی اتر آئی۔

"فی الحال تم تینوں مجھ سے دور رہو۔ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں تو اس کے اسباب واضح ہونے تک کسی کو میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے

کسی اور کی گردن کٹ جائے.... اس وقت میرا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں پاکستان بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ گفتگو ٹرانسمٹر پر ہو رہی تھی اس لیے ہم دونوں بے فکری سے کھل کر بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنی احتیاط ضرور برتی تھی کہ انل بسواس کا نام کم سے کم استعمال کیا تھا۔ ہمارے اپریٹس کی ریڈیو کوئنسی کے بارے میں گوپال مجھے بتا چکا تھا کہ وہ بڑی حد تک محفوظ تھی۔

"تم اپنے کمرے سے براہِ راست دنیا بھر کا کوئی بھی نمبر ملا سکتے ہو۔ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا فکر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میری بات ہو جائے گی مگر ہوٹل کے بل میں میرا ملایا ہوا نمبر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ نمبر دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سنیل نے سرلا کے گھر سے مجھے ایک فون کرنے کا موقع دیا تھا۔"

"اب ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ بد معاش لڑکی کے سامنے آنے کے بعد حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ اس کی بات ادھوری تھی۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے پوچھا "پاکستان سے آنے والی کال کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"رابطہ ہونے پر میں اسے بھی سی ایس ڈی پر ڈال سکتا ہوں۔" گوپال کے سوال پر میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

"پھر مجھے نمبر دے دو۔ میں پیغام دے دیتا ہوں۔ تمہارا آدمی پاکستان سے تمہارے ہوٹل فون کرلے گا۔ اس کا نمبر کہیں ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور اسے اول خان کا نام اور گھر کا فون نمبر دے دیا۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں ہوگا لیکن گوپال نے کوئی ردِ عمل ظاہر کیے بغیر کہا "میں ابھی پیغام دے دیتا ہوں۔ تم کال وصول کرنے کے لیے تیار رہنا۔ تمہارا مطلوبہ آدمی دستیاب نہ ہو سکا تو میں اپریٹس پر تمہیں بتا دوں گا۔"

"شکریہ! سنیل کو بتا دینا کہ میری اگلی ہدایت تک اسے گاڑی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ان پے در پے مصروفیات کا یہ فائدہ ہوا کہ رینا کے ساتھ اس کے کمرے میں گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحات میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ جب تک وہ خیال ذہن پر طاری تھا، میں غزالہ کے سامنے اپنے دل میں ایک مجرمانہ خلش محسوس کر رہا تھا لیکن غزالہ اور گوپال سے گفتگو کے بعد میرا ذہن ہلکا ہو چکا تھا۔

رینا اجیت رائے نہایت پُر فریب اور مکار لڑکی تھی۔ اس نے اپنی کہانی اتنے اعتماد اور روانی سے سنائی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ اس طبقے سے بہت بلند نظر آ رہی تھی جس سے اس کا حقیقی تعلق تھا۔

اگر وہ واقعی میرٹھ کے کسی معمولی گھرانے سے نکل کر فکرِ معاش میں دہلی آئی تھی تو اخلاقی پستی اور کردار کی تباہی سے قطع نظر، اس کی پیشہ ورانہ مالی کامیابی غیر معمولی تھی مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس اس کا انکل ہوتا۔ دونوں کے طبقاتی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ رشتہ ناقابلِ یقین تھا۔ شاید را کے لیے کام کرنے والی اخلاق باختہ لڑکیاں اپنے شکاروں کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے اعلیٰ افسروں کو اپنا ماموں یا چچا ظاہر کرتی تھیں۔

رینا اور انل بسواس میں کوئی رشتے داری نہیں تھی تو صرف دو امکانات باقی رہ جاتے تھے۔ انل بسواس کی نظروں میں میری کوئی غیر معمولی اہمیت ہوتی تو میرے اور اس کے درمیان فوری ملاقات متوقع تھی۔ اس اہمیت میں ذرا بھی کمی ہوتی تو رینا اپنے خود ساختہ انکل سے ملاقات کے لیے قریبی وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ انل بسواس را کا ایک بڑا اور اہم افسر تھا۔ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنا اس کے لیے مسئلہ ہو سکتا تھا۔

انل بسواس ہماری بساط کا سب سے اہم مہرہ تھا جس کا جلد از جلد پٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہم بھارت پہنچے تو ہمارے ذہنوں میں صرف اسی کا نام تھا لیکن دہلی میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد ہماری فہرست میں مزید کچھ ناموں اور کاموں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ترجیحات کے اعتبار سے انل بسواس کے بعد اس کے خصوصی ماتحت نریش شرما کا نام آتا تھا جو دہشت گردی اور اس کی منصوبہ بندی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ دہلی میں کام کرنے والے آئی بی کے ایجنٹوں کی معلومات کے مطابق وہ ان دنوں گرین کوبرا فائل پر کام کر رہا تھا۔ نریش شرما کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے ساتھ وہ اصل فائل یا اس کی نقل حاصل کرنی ضروری تھی۔

جان اسمتھ کا نام اس کے بعد آتا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں وہ سی آئی اے کے آپریشنز کا چیف تھا۔ وہ کراچی میں ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر دہلی آیا تھا اور چانکیہ

ری نامی سفارتی علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں مقیم تھا۔ سے ٹھکانے لگانا ویرا کا دیرینہ خواب تھا لیکن وہ تھوڑی دیر یلے مجھ سے ناراض ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی م کرنا ہم تینوں کے لیے مخدوش ہو سکتا تھا۔ رابطے ختم گئے تھے۔ ویرا بوکھلائی ہوئی تھی۔ میں اسے پاکستان واپسی ناقابلِ قبول مشورہ دے چکا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جان سمتھ کو بھی ہمیں ہی دیکھنا تھا۔

میں ان خیالات میں ڈوبا رہا۔ اس دوران میں غزالہ سے تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔ پھر فون کی گھنٹی نے ہمیں نکادیا۔

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی پریٹر نے مجھے بتایا کہ میرے یعنی مظہر خان کے لیے بیرون ب سے کوئی فون کال تھی۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سی ایس ڈی آن ردی۔ وہ اس آلے کے استعمال کا ایک سادہ طریقہ تھا۔ جو ھے دہلی پہنچنے کے بعد سوجھا تھا۔ سی ایس ڈی کی دو طرفہ ادیت سے فیض یاب ہوتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ واقعی ایک بے مثال آلہ تھا اور اگر بدری ناتھ اسے اپنی ن سے زیادہ عزیز رکھتا تھا تو وہ ایسا کرنے میں حق بہ جانب ا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب میں بھی تمہیں فون ر سکتا ہوں۔" اول خان نے مبہم الفاظ میں کہا "شاید تم نے ئی بندوبست کرلیا ہے۔"

"ہاں' ڈیوائس آن ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی مشکل یہ ہے کہ اب شاید میں کئی دنوں تک تم سے رابطہ نہ ر سکوں۔ تم پرسوں شام سات بجے فون کرلینا تاکہ میں ہیں تازہ ترین حالات سے باخبر کرسکوں۔"

"یہ الٹی گنگا کیوں بہہ رہی ہے؟" اول خان کی آواز رت زدہ سی تھی "پہلے ہمارے فون کرنے پر پابندی تھی۔ ب تم اپنی مجبوری ظاہر کررہے ہو۔"

"حالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ اسی کی پیدا ں ہوئی مجبوری ہے۔"

"ڈیوائس آن ہے تو آپریٹر سے کال تم تک کیسے منتقل و گئی؟ لائن ڈراپ ہوجانی چاہیے تھی۔" اول خان کو وہ نکتہ د آگیا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے جس کی طرف پہلے دھیان یں گیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے سوئچ کے استعمال کے رے میں بتادیا۔

"اس سے پہلے کہ میں باتوں میں الجھ کر بھول جاؤں' تم کو ایک ضروری مسئلے سے آگاہ ہوجانا چاہیے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے یکایک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی تھی جو اس کے نزدیک بہت اہم تھی۔

"تم کہہ ڈالو۔ میں اپنی بات بعد میں کروں گا۔" میں نے روا روی میں جواب دیا۔

"مجھے اطلاع ذرا دیر سے ملی ہے لیکن غنیمت ہے کہ مل گئی۔ کل ایک مشتبہ آدمی تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔"

"وہ کون تھا اور کیا پوچھ گچھ کر رہا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہاری رہائش کے بارے میں تصدیق کر رہا ہو۔ یہ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ جہانگیر کی آمدورفت سے بچنے کے لیے سلطان شاہ تمہارے پاس آگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ گھر پر تالا لگنے کی وجہ سے کسی پڑوسی وغیرہ کو تشویش ہوئی ہو۔ تم اس معمولی سی بات کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"یہ گلشن والے گھر کی بات نہیں ہے۔ وہ مقفل ضرور ہے مگر ایک چوکیدار وہاں رہ رہا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو چوکیدار اس کی گردن ناپ لیتا۔ یہ واقعہ اس پتے پر پیش آیا ہے جو مظہر خان کے کاغذات وغیرہ پر درج ہے۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے دانستہ پاسپورٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا لیکن بات واضح ہو چکی تھی۔ ساری اہمیت اسی بات کی تھی کہ میرے فرضی نام اور پتے کی تصدیق کی گئی تھی۔

پاکستان میں ہمارے سفری کاغذات اول خان اور جلال کے سوا کسی کے ہاتھوں میں نہیں گئے تھے۔ ان دونوں کو یا ان کے کسی آدمی کو میرے بارے میں کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ امرتسر اور دہلی کے ہوٹلوں میں اندراجات کے لیے پاسپورٹ دکھانے پڑے تھے۔ امرتسر میں کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی تھی۔ وہاں سے کوئی شوشا نکلنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

دہلی کی صورتِ حال مختلف رہی تھی۔ وہاں ہوٹل والوں نے کسی شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبر یا افواہ پھیلنے کے بعد ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی پولیس چیکنگ ہوئی تھی۔ اس چیکنگ کے دوران میں مجھ سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی

گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اس چیکنگ سے صاف بچ نکلا تھا لیکن اول خان کی دی ہوئی اطلاع کوئی اور کہانی سنا رہی تھی۔ شاید پڑتال کرنے والے پولیس افسران نے میرے کوائف نوٹ کرلیے تھے۔ ان ہی کی بنا پر کراچی میں کوائف کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

"ہم تینوں کے اندراجات حقیقی ہیں؟" میں نے فون پر سوال کیا۔

"اتنے حقیقی ہیں کہ ہر وقت ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہ نکتہ شروع سے میرے پیش نظر رہا تھا۔"

"پھر تو این کاویل اور غزالہ کے پتوں پر بھی کوئی نہ کوئی پہنچا ہوگا۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"نہیں، وہاں سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ یہ صرف تمہارا مسئلہ تھا۔"

میری ذہنی رو فوری طور پر رینا کی طرف مبذول ہوگئی۔ پچھلے روز صبح سویرے پولیس والوں نے ہوٹل کے دفتر میں پاکستانیوں کے پاسپورٹوں وغیرہ کی دیکھ بھال کی۔ شاید اسی شام کراچی میں کسی نے میرے دیے ہوئے پتے کی تصدیق کی اور پھر اگلے روز رینا مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پولیس والوں کے ذریعے میرے کوائف را والوں تک پہنچے تھے۔ وہ فیکس کی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز سے لمحہ بھر میں وہ تفصیلات پوری رازداری کے ساتھ کراچی کے بھارتی قونصل خانے یا وہاں مقیم کسی ایجنٹ کو پہنچائے جاسکتے تھے۔ کراچی والوں نے میرے نام اور رہائشی پتے کی تصدیق کردی اور فوری طور پر رینا کو میری طرف بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیوں؟ یہی وہ گمشدہ کڑی تھی جہاں آکر بات ٹھپ ہوجاتی تھی۔

رینا کی کہانی کی پرتیں بہت تیزی کے ساتھ اترتی جارہی تھیں۔ اس کی ثروت وامارت کی قلعی گوپال نے کھولی تھی۔ باقی کسر اول خان نے پوری کردی تھی۔

"اب تم میری بات پوری طرح سمجھ سکو گے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں کوئی میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے رابطے عارضی طور پر معطل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ فضا صاف ہوتے ہی تمہیں خبر کردوں گا۔" میں نے اول خان سے کہا۔ میں نے تفصیل سے دانستہ گریز کیا تھا۔

"یہ بری خبر ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہاری زندگی اور سلامتی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔"

میں بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا "تم فکر نہ ... زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت پورا ہو... سے پہلے کوئی کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہم اس ... سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے احتیاط اور اندیشوں کا ... ہوتے رہتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، بس پرسوں فون ... کرلینا۔"

"اس بارے میں مزید کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟" ... خان نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

میں تکرار سے اکتاہٹ محسوس کررہا تھا اور پھر ... بلاوجہ وسوسوں میں مبتلا کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ... وہیں ختم کرنے کے ارادے سے کہا "ابھی مجھے خود کچھ اند... نہیں ہے۔ پرسوں تک کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا تو تمہ... بتادوں گا۔"

"اس وقت میں گھر پر ہوں۔ سلطان شاہ اسٹیشن پر ر... ہے ورنہ میں اس سے تمہاری بات ضرور کراتا۔ وہ ہر و... تم تینوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔"

"میری، بلکہ سب کی طرف سے اسے دعا سلام ک... دینا۔" میں نے جواب دیا۔

اول خان نے ایک بار پھر اپنی نیک تمناؤں کا اظہ... کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

○☆○

مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ویرا کا دماغ سنک گیا۔ می... نے پورے خلوص سے اسے ہر بات بتانے اور سمجھانے ک... کوشش کی تھی لیکن اس کے اڑیل دماغ میں بس ایک با... بیٹھی ہوئی تھی کہ میں پاکستان ہی سے اسے اپنے ساتھ لا... کا مخالف تھا اور بھارتی سرزمین پر پہنچ جانے کے بعد ا... واپس بھیجنے کے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ ویرا ... تہیہ کرلیا کہ بھارت میں اپنی اہمیت منوانے کے لیے وہ اپ... طور پر کچھ نہ کچھ کرگزرے گی۔

ہمارا اور اس کا رابطہ رہا تھا لیکن اسے آئی بی والو... کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ان سے کہاں اور کیس... رابطہ ہوسکے گا۔ اسی طرح انل بسواس اس کے لیے صرف ... ایک نام تھا جس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ رینا کا نام سر... سے اس کو نہیں معلوم تھا۔ صرف یہ پتا تھا کہ کچھ خطرات ... سر اٹھا چکے تھے۔

اس شام اس نے غصے کے عالم میں اپنا کمرا مقفّل کیا اور ... مرینا ہوٹل کے بار میں جا بیٹھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح بلانوش اور بے تکلف تھی۔ اس شام ...

اس نے دل کھول کرے نوشی کی تاکہ غصے کی جھونک سے نکل سکے۔ ایک جوان اور خوب رو سفید فام لڑکی کو اتنی بے تکلفی سے مے نوشی کرتے دیکھ کر مردوں کا متوجہ ہونا فطری امر تھا۔ کئی مقامیوں نے اس کے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی لیکن ویرا نے انہیں جمنے نہیں دیا۔ وہ منہ پھٹ تھی۔ اس نے جھڑک کر انہیں اپنی میز سے بھگا دیا۔

بار کی رنگین فضا میں اپنا اکیلا پن اسے بھی کھل رہا تھا۔ کوئی معقول ساتھی مل جاتا تو نہ صرف اس کے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی بلکہ وہ بن بلائے مہمانوں کی آمدورفت سے بھی بچی رہتی۔ ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ کسی مشتبہ آدمی کے جال میں نہ پھنس جائے۔ ایسا جال کوئی مقامی ہی ڈال سکتا تھا اس لیے وہ ان کی طرف سے بھڑکی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں دور بیٹھے ہوئے ایک اطالوی نوجوان نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تو ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دہلی جیسے شہر میں وہ شائستہ غیر ملکی کسی بکھیڑے میں ملوث نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا نے جوابی مسکراہٹ سے اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ اپنا پیگ سنبھالے ویرا کی میز پر آگیا۔

وہ میلان یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ تاریخ اور قدیم تہذیبوں کے حوالے سے اسے مشرق سے دلچسپی تھی۔ وہ اپنی چھٹیاں بھارت، نیپال اور برما میں گزارنے کے ارادے سے اکیلا سیاحت پر نکلا ہوا تھا۔ صنف مخالف اس کی بنیادی ضرورت تھی۔ ویرا نے اسے اپنی قومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"تم تہذیب کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ مجھے تو اس شہر میں بدتہذیبی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا" تعارف اور رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد ویرا نے برا سا منہ بنا کر اس سے کہا۔ "میں تمہیں کافی دیر سے بار کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی تھی۔ تم نے کئی بار میرا جائزہ لیا لیکن زبردستی متعارف ہونے کی کوشش نہیں کی" وہ روانی سے اطالوی زبان بول رہی تھی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا "اوہ! تو تم کن انکھیوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ تم گردوپیش سے بے خبر ہو" وہ عام اطالوی مردوں کی طرح عورتوں کا خوشامدی اور شیخی خورہ نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا، بہت شائستگی سے کہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ ویرا اس کی مادری زبان جانتی تھی۔

"مگر اس دوران میں کئی مقامی زبردستی میرے سر پر مسلّط ہونے کی کوشش کر چکے ہیں۔ یہ اتنے ڈھیٹ ہیں کہ طنز کو بھی ہنس کر پی جاتے ہیں۔ مجھے دوٹوک الفاظ میں انہیں اپنی میز سے فوراً اٹھ جانے کے لیے کہنا پڑا۔ زیادہ دن یہاں رکے تو تم بھی ان کے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔"

"میں زیادہ دن نہیں رکوں گا۔ مجھے دوسرے شہروں اور ملکوں کی سیاحت بھی کرنی ہے۔ بس یہاں کسی کام میں اتنی اجرت مل جائے کہ آگے کا خرچ پورا ہو سکے تو میں آگے چل دوں گا۔ شہروں میں کام ملتا ہے۔ اصل زندگی دیہات اور قصبوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں پرانی روایات آج بھی زندہ ہیں۔"

ویرا کو رابرٹو نامی اس نوجوان میں زیادہ دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ اس نے پوچھا "تم اجرت پر کس قسم کے کام کرتے ہو؟"

"کوئی بھی...." اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یا جو کام مل جائے۔ میلان میں بھی میں اسی طرح اپنے سارے اخراجات پورے کرتا ہوں۔ دراصل ضرورت مند کو کام میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

رابرٹو کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ ویرا نے قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر کو روک کر مزید اسکاچ کا آرڈر دیا کیونکہ وہ میز پر رکھا ہوا کوارٹر خالی کر چکی تھی۔ ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، کہنیوں کے سہارے میز پر آگے جھک گئی "تم نے کبھی کوئی جرم بھی کیا ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"چھوٹے موٹے جرائم ہر ایک سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ میرا دامن بھی ان سے صاف نہیں ہے" البرٹو نے جواب دیا۔

"ایک چھوٹے سے جرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہی تھی۔ البرٹو کی آنکھوں میں دلچسپی کی جھلک دیکھتے ہی اس نے اضافہ کیا "تم کو اس کے لیے معقول معاوضہ مل سکتا ہے۔"

"ایک ایڈونچر سمجھ کر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ ہزار پانچ سو امریکی ڈالر کی رقم زیادہ نہیں ہوتی لیکن مقامی کرنسی میں یہ ہزاروں روپے کون دے گا؟"

"تم اطالوی ہو۔ ایسی بات نہ کرو۔ یہی رقم تمہاری کرنسی میں تبدیل کی جائے تو لاکھوں لیرا تک پہنچ جائے گی۔"

وہ پھر ہنس پڑا "یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ملک

بہت سستے ہیں۔ میری ضرورت بہت محدود سی ہے۔ یہ ایڈونچر کس قسم کا ہوگا؟"
"توبس ایک مذاق ہے۔ میں ایک پولیس افسر کو حیران کردینا چاہتی ہوں۔"
"اوہ، این! تمہیں اتنا گھما پھرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح کہو کہ کسی ہلکے سے مجرمانہ مذاق میں مجھے تمہارا ساتھ دینا ہے" وہ اپنا داہنا ہاتھ جھٹک کر بے فکری سے بولا "اس کی اجرت میں تو بس تمہاری رفاقت ہی کافی ہوگی۔ سچ پوچھو تو میرے لیے تم سے ہونے والی ملاقات ہی ایڈونچر ہے۔ تم کھلے ذہن کی امریکی لڑکی معلوم ہوتی ہو مجھے کھلے دل کے راست گو لوگ بہت پسند ہیں" رابرٹو نے پولیس افسر کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔
ویرا نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت آئی تھی۔ اس کے ذہن میں لاوا پک رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت بے رحمی سے رابرٹو کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہوتی نظر آرہی تھی۔
"میں اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ تم کس کمرے میں مقیم ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔
"میں یہاں کسی گاہک یا اسامی کی تلاش میں آیا تھا جس سے مجھے کام مل سکے" اس نے ندامت سے کہا "یہ میری قسمت ہے کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں یہاں ایک پیگ سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ تم میری حوصلہ افزائی نہ کرتیں تو اسی پیگ سے ہونٹ تر کرتے کرتے میں دو تین گھنٹے یہاں گزار لیتا۔ میرا تجربہ ہے کہ بڑے ہوٹلوں میں ایسے فراخ دل لوگ مل جاتے ہیں جو کسی معمولی کام کے لیے زیادہ اجرت دینے میں کنجوسی نہیں کرتے۔ میں تھوڑی دور ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"
ویرا کے ذہن میں خیال آیا کہ رابرٹو سے پوچھے کہ وہ کس قسم کا کام ملنے کی توقع کر رہا تھا۔ وہاں سب شرابی تھے جو تفریح اور مے نوشی کے ذریعے اپنی شام کو رنگین بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے لیکن اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے رابرٹو اپنی راہ پر آتا نظر آرہا تھا۔ وہ زیادہ کرید کر اسے بدکانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تو پھر میں سمجھ لوں کہ تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔"
"دل و جان سے!" اس نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر فدویانہ انداز میں کہا "چھوٹے ہوٹلوں میں چیک آؤٹ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ وہ رات کے حساب سے کرایہ لیتے ہیں۔ تمہارے کمرے میں ذرا سی گنجائش ہو تو میں ہوٹل سے اپنا سفری تھیلا اٹھالاؤں۔ یہ میری چھوٹی سی بچت ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری اجازت یا رضامندی کے بغیر تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"
ایسے معاملات میں ویرا ہمیشہ سے مہم جوئی کی عادی رہی تھی۔ اس نے رابرٹو کی استدعا قبول کرلی "تھیلا لے آؤ، واپسی میں کتنی دیر لگے گی۔"
رابرٹو کا چہرہ کھل اٹھا۔ پہلے وہ ایک پیگ پر مِرینا ہوٹل کے بار میں کئی گھنٹے گزارنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے ویرا کا تیار کیا ہوا دوسرا پیگ اٹھایا اور دو گھونٹوں میں اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "بس ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ میرا ہوٹل پہاڑ گنج کے سستے علاقے میں ہے۔"
اس وقت لے دے کر انسپکٹر ڈیوڈ ہی ویرا کی نظروں میں تھا۔ اسے رابرٹو کی صورت میں ایک مددگار میسر آچکا تھا۔ اس نے فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے، اپنے ذہن میں اگلے دن کا نقشہ جمانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس سے پہلے اس کے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔
رابرٹو بہت تیزی کے ساتھ بار سے رخصت ہوا تھا۔ ویرا کے پاس امریکی ڈالروں کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر رابرٹو نے اس کی مرضی کے مطابق اپنا رول ادا کیا تو وہ اسے پانچ سو ڈالر ضرور دے دے گی۔
اس وقت تک ویرا خاصی اسکاچ پی چکی تھی جس کے اثرات اس کی آنکھوں اور چہرے سے مترشح تھے۔ شاید رابرٹو کو اندیشہ تھا کہ کہیں ویرا نشے کی جھونک میں بار سے اٹھ کر نہ چل دے۔ وہ ایک بار اپنے کمرے کا رخ کرلیتی تو رابرٹو اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاتا۔ ویرا کی عنایت نے اس کی عقل پر ایسا دبیز پردہ ڈالا تھا کہ اس نے جانے سے پہلے ویرا کے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔
ویرا کو وہ خیال اس وقت آیا جب رابرٹو تقریباً ہانپتا ہوا، دوبارہ بار میں نمودار ہوا۔ اس کا سفری تھیلا شانوں کے سہارے اس کی پشت پر لدا ہوا تھا اور وہ شاید اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اس کے لیے تیسرا پیگ بنانا شروع کردیا۔
وہ آیا، سیاہ سفری تھیلا پشت سے اتار کر قدموں میں رکھا اور ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا "میں یہاں سے تقریباً دوڑتا

ہوا گیا اور آیا ہوں۔ سانس پھول گیا۔ میں نے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کرلیا ہوتا تو اس بھاگ دوڑ سے بچ جاتا۔"

"اس میں میرا قصور نہیں ہے" ویرا نے مسکرا کر اسکاچ میں برف کے ڈلے ڈالے اور تیسرا گلاس اس کے آگے بڑھا دیا۔

"یہ میرا آخری پیگ ہوگا" اس نے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "مزید پی لی تو شاید میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکوں۔"

"کس وعدے کی بات کر رہے ہو؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ رابرٹو اپنے کس وعدے کا حوالہ دے رہا تھا۔

"ایک کمرے میں ہونے کے باوجود مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس کے لیے تمہاری رضامندی ضروری ہوگی۔ دماغ پر نشے کے اثرات ہوں تو وہ جذبات سے مغلوب ہو کر سرکشی پر اتر آتا ہے۔ میں ایسے کمزور لمحات سے ڈر رہا ہوں۔"

"تم واقعی ایک نیک بچے ہو۔ یہ پیگ ختم کرکے ہم کمرے کا رخ کریں گے" ویرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ احمقانہ انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا اسے ہمراہ لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس دوران میں اس نے اپنی کج ادائیوں سے رابرٹو کو ایسا مسحور کیا تھا کہ وہ کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

دہرے شاہانہ بستر والا وہ آراستہ کمرا دیکھ کر رابرٹو مسحور ہوگیا۔ اندر پہنچنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اپنا بیگ کشادہ صوفے پر ڈال دیا "یہ میرے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ میں آرام سے سو جاؤں گا۔"

ویرا نے باتھ روم جا کر لباس تبدیل کیا۔ رابرٹو اپنے جوتے اتار کر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا کے غسل خانے سے برآمد ہوتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویرا نے اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھالی اور اسے اگلے روز کا کام سمجھانے میں مصروف ہوگئی۔

دہلی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں مامور انسپکٹر ڈیوڈ کی مصروفیات اور معمولات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے کام میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ رابرٹو نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی کیفیت ایسی ہو رہی تھی کہ ویرا اسے کسی سنگین جرم پر بھی اکساتی تو وہ شاید کوئی اعتراض نہ کرپاتا۔

ویرا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ٹل گیا ہو۔ وہ براہِ راست ایک فریق تھی اس لیے خود ڈیوڈ کے خلاف میدان میں نہیں اتر سکتی تھی۔ ایسی کوئی کوشش کرتی تو اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ ذہنی رو کے تحت کیے جانے والے لمحاتی فیصلوں کے ذریعے اس نے رابرٹو کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ کسی دشواری کے بغیر ڈیوڈ کے دفتر میں جا کر معلومات حاصل کرسکتا تھا کیونکہ غیر ملکیوں کی آمدورفت وہاں کے معمولات میں شامل تھی۔

"ہوٹل والوں کو میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا" کام سمجھ لینے کے بعد رابرٹو نے ہلکی سی تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"یہ ڈبل بیڈ روم ہے۔ میرا کمرا ہے۔ میں جسے چاہوں‘ اپنا مہمان بناؤں۔ انہیں کیا اعتراض ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ میں انہیں سنگل اور ڈبل روم کے کرائے کا معمولی فرق ادا کردوں گی۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا مربیانہ انداز میں بولی۔

"وہ درست ہے لیکن غیر ملکیوں کے لیے قوانین ذرا سخت ہوتے ہیں۔ میں اپنا ہوٹل چھوڑ چکا ہوں۔ آج کی رات کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

"اب میں کپڑے بدل چکی ہوں۔ صبح اپنے کمرے میں تمہاری موجودگی کا اندراج کرادوں گی۔ ابھی ہمیں کھانے کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ہے۔ میرے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ اب غذا طلب کر رہی ہے۔"

ویرا اسے شیشے میں اتارنے کے کئی کٹھن مراحل طے کرچکی تھی۔ کھانے کے دوران میں وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ رابرٹو‘ ویرا کے قرب سے خوش تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک ٹیلی وژن کھلا رہا پھر ویرا نے مسہری پر جا کر روشنیاں گل کردیں۔

نائٹ لیمپ کی دھیمی روشنی میں رابرٹو نے صوفے پر دراز ہو کر پشت گاہ کی طرف کروٹ لے لی۔

وہ رات بہت سکون سے گزری۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ویرا کچھ دیر تک چونکی رہی مگر رابرٹو اپنی کروٹ سے لیٹا رہا۔ مطمئن ہو کر ویرا بھی گہری نیند سو گئی۔

صبح رابرٹو پہلے بیدار ہوگیا۔ ویرا جاگی تو وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر تیار بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

"ناشتے کے لیے کہہ دو۔ میں ذرا سی دیر میں آتی ہوں"
اسے ہدایت دے کر ویرا نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے کسی ایسی خبر کی تلاش تھی جس میں میرا یا غزالہ کا کوئی ذکر ہو مگر اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔ مختلف رابطوں کے ذریعے رینا اجیت رائے کی کہانی کے خفیہ گوشے بے نقاب ہوئے تھے اور رات گزر جانے کے بعد مجھے رینا کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔

یہ سب پس پردہ باتیں تھیں جو کسی اخبار کی دسترس میں نہیں تھیں۔ رینا کے ذریعے انل بسواس سے میری ملاقات کے بعد ایسی خبریں جنم لے سکتی تھیں جنہیں ویرا اپنے قیاس کی بنا پر سمجھ سکتی تھی کیونکہ میں نے اسے رینا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

اخبار کی ورق گردانی اور مختصر غسل کے بعد ویرا آئی تو ناشتا تیار تھا۔ ناشتے کے بعد رابرٹو اپنے کام پر نکل گیا۔ ویرا وقت گزاری کے لیے اپنے ہوٹل کے قرب و جوار میں واقع ان شان دار دکانوں اور مارکیٹوں کی طرف چل دی جہاں سیاحوں کی دلچسپی کے بہت سے سامان بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ساتھ رابرٹو ویلینی کے قیام کا اندراج کرادیا تھا۔ اس طرح رابرٹو کو اپنی شناخت کے بعد ویرا کے کمرے کی چابی حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگیا تھا۔

دو بجے ویرا تھک ہار کر واپس لوٹی تو اسے کاؤنٹر سے پتا چلا کہ کمرے کی چابی بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ اس نے نیچے سے انٹرکام پر رابطہ کیا تو رابرٹو کمرے میں موجود تھا۔ یہ اتفاق ویرا کو کھٹکا کہ رابرٹو نے چابی ملنے کا استحقاق حاصل ہوتے ہی استعمال کر ڈالا تھا۔

وہ اوپر پہنچی تو رابرٹو اپنی کارگزاری کی رپورٹ کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ کا تعلق کسی دور افتادہ گاؤں سے تھا۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ اکیلا دہلی میں رہتا تھا اور بال بچوں سے ملاقات کے لیے گاہے گاہے اپنے گاؤں کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ دہلی میں اس کی رہائش کا انداز بہت عیاشانہ تھا۔ وہ خاص ضروریات کے تحت دیر تک اپنے دفتر میں بیٹھتا تھا ورنہ پانچ بجے دفتر چھوڑ کر چھ بجے تک اپنے گھر لوٹ آتا تھا جہاں شام ڈھلے اس کے بے فکرے دوستوں کی محفل جمتی تھی۔

وہ معلومات نہایت مختصر لیکن کارآمد تھیں۔ رابرٹو نے ویرا کی ہدایات کی روشنی میں ڈیوڈ کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوڈ کے ساتھ مجوزہ مذاق کے لیے اس کے گھر کا قریبی میدان نہایت موزوں تھا کیونکہ ڈیوڈ کو دفتر سے گھر پہنچنے کے لیے وہاں سے بہرحال گزرنا پڑتا تھا۔

پاکستان کی طرح بھارت میں بھی پولیس کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی لیکن وہاں وسائل سے بڑھ کر شان و شوکت کے ساتھ رہنے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ڈیوڈ نے ان وجوہ کی بنا پر ایک سال خوردہ کار رکھی ہوئی تھی اور کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔

وہ دونوں دوپہر کا کھانا باہر سے کھا کر آئے تھے۔ ہوٹل میں ہر وقت غسل کی سہولت سے استفادہ کرکے ان دونوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر پانچ بجے ہوٹل سے نکل گئے۔ روانگی سے پہلے ویرا نے رابرٹو کو اپنے مذاق کے بارے میں بتادیا تھا۔ ویرا نے وہ باتیں اتنی بے پروائی سے کی تھیں کہ رابرٹو کو کسی سنگین واقعے کے رونما ہونے کا اندیشہ تک نہیں ہوسکا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں خودرو جھاڑیوں اور گندے پانی کے جوہڑوں سے بھرے ہوئے اس متعفن میدان میں پہنچ گئے جہاں سے ایک پتلی سی سڑک قریبی متوسط آبادی کی طرف جارہی تھی۔ ویرا کی ہدایت پر ٹیکسی اس میدان سے دور چھوڑ دی گئی تھی۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ایک جگہ دبک گئے۔ اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت برائے نام تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آگے متوسط طبقے کی آبادی تھی۔ وہ لوگ نقل و حمل کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہوں جس کی گزرگاہ کسی کشادہ سڑک پر ہوسکتی تھی۔

آنے والے لمحات کا سارا انحصار رابرٹو پر تھا کیونکہ وہی انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پہچانتا تھا۔ چھ بجے کے بعد ویرا کو تشویش ہونے لگی۔ اگر فضا میں شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہوجاتا تو رابرٹو کے لیے دور سے ڈیوڈ کی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوجاتا۔ وہ آتا اور ویرا کو مورچا سنبھالنے کا کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے آگے نکل جاتا۔ ویرا کا نام نہاد مذاق اس کی ساری تیاریوں سمیت دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

سوا چھ بجے کے قریب رابرٹو نے دور سے آتی ہوئی گاڑی پہچان کر ویرا کو ہوشیار کردیا۔ ویرا جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھے بغیر آبادی کی سمت میں چلنا شروع کردیا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی اس کے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔

اس مرحلے پر جو کچھ ہوا' وہ ویرا کی توقعات کے عین

مطابق تھا۔ اس نے اپنے اندازوں پر بھروسا کرتے ہوئے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ ویرا کی شکل نہیں دیکھ سکا لیکن یہ ضرور دیکھ لیا کہ ایک فیشن ایبل غیر ملکی عورت اس ویران سڑک پر پیدل چلی جا رہی تھی۔ ویرا کو یقین تھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کا دل انسانی ہمدردی کے لطیف جذبات سے یکسر خالی تھا۔ اس نے خالص سفلی ارادوں کے تحت بریک لگائے اور گاڑی ویرا کے قریب روک دی۔ گاڑی کے انجن کی آوازوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ویرا کو اشارے مل رہے تھے۔

گاڑی رکتے ہی وہ بجلی کی سی سرعت سے گھومی اور اس نے دیکھ لیا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈیوڈ اکیلا تھا۔ وہ اسی رخ پر تھی۔ لمحے بھر کے لیے ڈیوڈ نے اس کی طرف دیکھا۔ ویرا کو پہچان کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں زہریلے کیپسول والی انگوٹھی اپنی پوزیشن میں موجود تھی۔ ویرا کا وہ ہاتھ مشینی انداز میں سیدھا ہوا، مکا انسپکٹر ڈیوڈ کے جبڑے پر پڑا اور اس کے الفاظ اس کی زبان پر ہی رہ گئے۔

اس کے جسم کو لگنے والے جھٹکے سے کلچ پر سے اس کے پاؤں کا دباؤ ختم ہو گیا۔ گاڑی شاید گیئر میں تھی۔ گاڑی اچھلی اور انجن ہچکی لے کر بند ہو گیا۔

ویرا اپنی حرکت کے انجام کی تصدیق کے لیے وہاں نہیں رکی۔ پیچھے سے کسی بھی لمحے کوئی دوسری سواری نمودار ہو سکتی تھی۔ وہ بہت سرعت سے جھاڑیوں میں گھسی اور رابرٹو کے ہمراہ اس بدبودار میدان سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔

"تم مارشل آرٹس میں واقعی ماہر ہو" رابرٹو جھاڑیوں اور جوہڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے تعریفی لہجے میں بولا "وہ بہت صحت مند آدمی ہے مگر تم نے ایک ہلکی سی ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا۔ ہوش میں آ کر اسے اپنی بے خبری اور کمزوری پر سخت ندامت ہوگی۔"

"میں نے جوش میں آ کر اسے اپنی قوت کا احساس دلا دیا ہے مگر اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ مذاق اس بے چارے کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" رابرٹو کے ہونٹوں سے بوکھلائی ہوئی آواز برآمد ہوئی "کیا اس چوٹ سے وہ مر بھی سکتا ہے؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو اور آواز نیچی رکھو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "تم نے دیکھا ہے کہ میرا مکا کتنا ہلکا تھا۔ ایسی ضرب سے آدمی تو کیا، کتا بھی نہیں مر سکتا۔ پولیس والوں کے ہزار دشمن ہوتے ہیں۔ اس کے کسی دشمن نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا تو مار ڈالے گا اور الزام ہمارے سر آ جائے گا۔"

"مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ تم ایسی باتیں کر کے میرا خون خشک کر رہی ہو۔"

"ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صرف مجھے اور تمہیں معلوم ہے۔ اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا اور اپنی زبان بند رکھنا۔ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ وہ زندہ بچتا ہے یا کوئی اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے؟"

"مم.... مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ مذاق ہے" رابرٹو نے ہکلاتے ہوئے کہا "قتل کا چکر کہاں سے نکل پڑا؟"

"میرے لیے یہ اب بھی مذاق ہی ہے مگر ہم اس کے دشمنوں کا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ ایک بار الزام عاید کر دیا جائے تو آدمی برسوں عدالتوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ ہم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو ورنہ ہم دونوں پھنسیں گے۔ کسی کے قتل میں اعانت کرنا بھی قتل کے ارتکاب جیسا سنگین جرم ہے۔ بھارت میں اس کی سزا پھانسی تک ہو سکتی ہے۔"

"اوہ خدایا! میں کس مشکل میں پھنس گیا۔ اتنے بڑے جرم میں اعانت کا خیال میرے تصور تک میں نہیں تھا۔"

سڑک پر پہنچنے تک ویرا اپنی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت اس پر اپنا دباؤ بڑھاتی رہی اور رابرٹو کی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔

اس چھوٹے سے خودرو جنگل سے باہر آنے تک ان کی حالت کافی خستہ ہو چکی تھی۔ سڑک کے کنارے کچھ دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ہوٹل تک کا سفر خاموشی سے ہوا۔ ہوٹل سے باہر ٹیکسی چھوڑ کر وہ پیدل اندر چل دیے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں" رابرٹو منمنایا

"تمہارا اندیشہ درست ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں دو ٹکے کا کوئی بھی بدمعاش اسے گولی مار دے گا۔ تفتیش کرنے والے ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا" ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

ان دونوں کی گفتگو مسلسل اطالوی زبان میں ہو رہی تھی اس لیے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عام راہ گیر ان کی باتیں سمجھ سکیں۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "تمہارے بھاگنے کے بعد مجھ پر

کوئی برا وقت آیا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ سارا منصوبہ تمہارا تھا۔ اسی لیے تم بھارت سے فرار ہوئے ہو۔ پولیس ہیڈ آفس میں کئی گواہ نکل آئیں گے جو بتائیں گے کہ تم آج صبح سے دوپہر تک پولیس ہیڈ آفس میں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرتے پھر رہے تھے۔"

"تم مجھے بے لوث تعاون کا یہ انعام دو گی؟" رابرٹو نے مجروح لہجے میں شکوا کیا۔

"میری جان! تم کو بھاگنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے اسے سمجھایا "دعا کرو کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی تو ہماری خاموشی اور رازداری ہماری جان بچائے گی۔ حالات نے ہمیں یک جا کردیا ہے تو اب میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔ دو چار دن میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ایسی پریشانیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔"

رابرٹو کو چپ سی لگ گئی۔ لابی میں داخل ہوکر ویرا نے کاؤنٹر سے چابی لی اور رابرٹو کو ایک مرتبہ پھر پچکار کر اوپر بھیج دیا۔ وہ خود پبلک فون بوتھ کی طرف چل دی۔

○☆○

چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے مگر رینا کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں اسے فون کرنا چاہ رہا تھا۔ میں اسی کوفت کے عالم میں مسہری پر دراز تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن میں ویرا کا دور دور تک کوئی خیال نہیں تھا۔ میں نے رینا کی کال کی امید میں ریسیور اٹھایا تو کانوں میں ویرا کی سرد سی آواز آئی۔

"ہیلو! کیا میں تم سے کھل کر بات کرسکتی ہوں؟" اس نے براہِ راست سوال کیا تھا "میں ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔"

میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی اور سرد مہری سے کہا "فون کیا ہے تو بات بھی کرو مگر میں نے تمہیں دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔"

اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی "وہ تمہارا آخری فون تھا۔ یہ میرا آخری فون ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" اس کی خاموشی پر میں نے سوال کیا۔

"یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ جب تک میں تم پر انحصار کررہی تھی، میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس قید سے نجات ملتے ہی مجھے راستہ نظر آنا شروع ہوگیا ہے۔ میں نے ایک کاٹھ کے الّو کی مدد سے پہلا قدم اٹھالیا ہے۔ ڈیوڈ جہنم واصل ہوچکا ہے۔"

"ویرا!" میرا لہجہ بے ساختہ غصیلا ہوگیا "یہ تم نے کیا کیا، اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"اس کی پیشی تم نے نہیں، میں نے بھگتی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قصور کتنا سنگین تھا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اس کی نیت خراب تھی مگر کسی زیادتی سے پہلے نخشب کا فون آگیا تھا اور..."

"عورت کے لیے زیادتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی" ویرا نے ایک مرتبہ پھر میری بات اڑادی "حالات کے جبر میں عورت زیادتی کو بھی خاموشی سے سہ لیتی ہے لیکن بعض باتیں ناقابل معافی ہوتی ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ میری سفید رنگت اور پاکستانی پاسپورٹ کی آڑ لے کر اس نے کس طرح میری تذلیل کی تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے، وہ اس سے برے انجام کا حق دار تھا۔ بھیڑیئے دیر تک زندہ رہیں تو ایک ایک کرکے ساری بھیڑوں کو کھاجاتے ہیں۔"

"تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی مسائل پیدا کروگی؟" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

"تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوگا۔ اگر کچھ ہونا ہے تو میرے ساتھ ہوگا، اسے میں دیکھ لوں گی۔"

ہماری منزل ایک ہے، راستے الگ الگ ہیں۔ کہیں نہ کہیں آپس کا ٹکراؤ بھی ہوسکتا ہے" میں نے اپنے غصے پر قابو پاکر اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی "تم معاملات کی نزاکت کو ذرا بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔"

"کل شام تک میری عقل واقعی ماؤف تھی۔ اس کے بعد سے میں ہر بات سمجھ رہی ہوں۔ تم مطمئن رہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گی۔ تم ایک نام اپنے ساتھ لے کر آئے ہو۔ میں بھول کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ ٹکراؤ کا خطرہ نظر آیا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گی۔"

وہ بحث کو طول دینے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے مزاج میں ضد سمائی ہوئی تھی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہ میری کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ مجھے یہ بھی نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنا ہوٹل تبدیل کرلیا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہوجائے گا۔ اس وقت ویرا میرے لیے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی تھی جسے اگلا جاسکتا تھا، نہ اگلنا آسان تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر اپنے مزاج میں نرمی لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ابھی تم کاٹھ کے کسی الّو کی بات کررہی تھیں، وہ کون ہے؟"

"کوئی بھی ہوسکتا ہے" اس وقت ویرا نے مجھے رابرٹو

و یلینی کے نام کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ یہ بعد کی باتیں ہیں کہ اس نے ہمیں اس واقعے کی پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آدمی سختی سے کوئی فیصلہ کرلے تو اس پر عمل کرنے کی راہیں خود بہ خود نکلتی چلی آتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ میں کسی ایک چہرے پر انحصار کرتی رہوں۔ حالات اور ضروریات کے مطابق کرائے کے آدمی بدلتے رہیں گے۔ غنیمت ہے کہ یہاں آتے ہوئے تم نے میری جیبیں بھردی تھیں۔"

"آدمیوں کے ساتھ تمہارے ٹھکانے بھی بدل سکتے ہیں" میں نے پہلے جواب پر اصرار کیے بغیر دوسرا سوال کیا۔

"سب کچھ ممکن ہے۔ موجودہ ٹھکانے سے میں کسی بھی وقت کوچ کرجاؤں گی" اس بار ویرا کا جواب مثبت تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جب ایک دوسرے سے کٹ کر بالکل الگ تھلگ رہنا ہے تو پھر تمہیں معلوم ہونا کیا ضروری ہے۔ ہم کہیں بھی رہیں، ہمیں اپنے مسائل کا بار خود اٹھانا ہوگا۔ ایک کی وجہ سے دوسروں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے" اس کا لہجہ سپاٹ لیکن مفہوم طنزیہ تھا۔

"جگہ تبدیل کرو تو ہم دونوں میں سے کسی کو مطلع ضرور کردینا" میں نے زچ ہوکر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فون کرنے کے بارے میں تم اپنی عائد کی ہوئی پابندی واپس لے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ وہ پابندی اس خیال سے لگائی تھی کہ تم سمجھ داری سے کام لوگی اور یہاں سے نکل جاؤگی۔ اگر تم یہاں رہنے پر مصر ہو تو آپس میں اس قدر لاتعلقی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

"اگر یہ تمہارا نیا فرمان ہے تو میں پہلے کی طرح اس کا پاس کروں گی۔ جگہ تبدیل کرتے ہی تمہیں مطلع کردوں گی۔"

اسکی گفتگو میں طنز و استہزا کی کثرت تھی مگر میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ویرا نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے صرف ایک بار ڈیوڈ کا نام لیا تھا۔ اپنی کارکردگی جتانے کے لیے وہ اس کی ناگزیر مجبوری تھی۔ اس کے بعد وہ نام دوبارہ استعمال بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح انل بسواس کا نام سرے سے نہیں لیا گیا۔ ہر مفہوم واحد غائب کے صیغے سے واضح ہوتا چلا گیا تھا۔

"میں تمہاری کامیابی اور سلامتی کے لیے دعاگو رہوں گا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میری طرف سے بھی یہی توقع رکھنا۔ میں تمہاری بدخواہ نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی تم اپنی زن مریدی کی وجہ سے میرے ساتھ زیادتیاں کرجاتے ہو" اس مرتبہ ویرا کے دل کی بات کھل کر اس کی زبان پر آگئی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے وہ الفاظ کبھی بھی غزالہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکیں گے کیونکہ وہ فون پر بات کررہی تھی۔ اس کا اگلا ہوا سارا زہر صرف میرے کانوں میں اتر رہا تھا۔

"یہ باتیں کسی وقت روبہ رو ہوں گی۔ اس وقت تمہیں ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔"

"تم واقعی بہت بے لوث آدمی ہو۔ میرا کس قدر خیال رکھتے ہو" ویرا کی آواز طنزیہ تھی۔ اس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

وہ بہت پرپیچ گفتگو تھی۔ غزالہ اس دوران میں ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھی۔ لیکن محض میرے فقروں سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکی تھی۔ بس اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ویرا نے کوئی گڑبڑ کردی تھی جس پر میں ناخوش تھا۔

"کیا ہوا؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" فون کال ختم ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بہت ہٹ دھرم ہے۔ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو ٹھکانے لگادیا" میں نے نیچی آواز میں کہا۔

"شاید اسی اطلاع پر آپ نے کہا تھا کہ اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"تم خود بتاؤ کہ این کا یہ قدم کہاں تک درست ہے۔ ایک مجاز افسر اپنے شبہات دور کرنے کے لیے کسی کو بھی طلب کرسکتا ہے اور ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہم تینوں ہی مشتبہ عزائم لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمیں بھی گوپال اور اس کے ساتھیوں کی طرح غیر ضروری کارروائیوں سے بچنا چاہیے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عدم تشدد کی پالیسی پر چل رہے ہیں۔ ہم سامنے آنے والے کی گردن اڑا دیں گے۔"

"اس نے خطرناک حرکت کی ہے۔" اس خبر نے غزالہ کو پریشان کردیا تھا "پولیس والے اپنے ایک سینئر ساتھی کا خون اتنی آسانی سے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ چند گھنٹوں میں این تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے بے ساختہ کہا "ایسا ہوا تو ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں کہ اس نے ڈیوڈ کو کہاں اور کن حالات میں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اب صبح کے اخبارات سے ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

”میں بھی اس کی خیر خواہ ہوں مگر حالات خطرناک ہیں۔ پرسوں رات ڈیوڈ نے اسے اپنے دفتر میں بلایا پھر نخشب نے ڈیوڈ کو فون پر کوئی دھمکی دی اور این کی جان چھوٹ گئی۔ صرف دو راتیں گزرنے کے بعد ڈیوڈ مارا گیا۔ مجھے تو این کے ساتھ نخشب بھی گردش کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔“

”اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اسے ڈیوڈ کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خیر خواہ اسے پہلے سے ہوشیار کردیں گے۔ وہ کہیں روپوش ہوجائے گا اور مطلع صاف ہونے تک سامنے نہیں آئے گا۔ سب سے مشکل صورت حال این کے لیے ہے۔“

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ویرا نے اپنی تازہ حرکت سے ہمیں فکر و تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

”اگر واردات کے وقت کسی نے این کو نہیں دیکھا تو اس کے بچنے کے امکانات نظر آتے ہیں۔“ غزالہ کو اندھیرے میں شاید روشنی کی کوئی کرن نظر آگئی۔

مجھے ہر طرف مایوسی نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کرکے کہا ”تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئی ہوگی۔ کسی نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو وہ اپنے ہوٹل یا پبلک بوتھ سے اتنی بے فکری سے باتیں نہیں کررہی ہوتی۔ پکڑی جاتی یا پھر اپنا پیچھا کرنے والوں سے جان بچانے کے لیے دیوانہ وار کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھاگ رہی ہوتی۔“

”پھر ہمیں اس کی طرف سے پرامید رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہم بھی پریشانیوں سے بچے رہیں گے۔“

”میں فون پر این سے جرح نہیں کرسکا لیکن تمہارے اس نظریے کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔“

”ہماری ساری دلچسپیاں این کی ذات تک محدود ہیں۔ ہم اس کی حرکت کے بارے میں ایک خاص زاویے سے سوچ رہے ہیں لیکن انسپکٹر ڈیوڈ ایک پولیس افسر تھا۔ وہ صبح سے شام تک نہ جانے کیسے کیسے لوگوں کی کیا درگت بناتا ہوگا۔ ان میں سے کوئی بھی مشتعل ہوکر اسے مار سکتا ہے۔ یہ دو چار راتوں کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ پرانا افسر ہے۔ برسوں کی نوکری میں اس نے نہ جانے اپنے کتنے دشمن پیدا کیے ہوں گے۔“

غزالہ کی وہ دلیل معقولیت پر مبنی تھی۔ اگر کسی کو یہ پتا نہیں چلا تھا کہ ڈیوڈ کو مارنے والی ایک سفید فام لڑکی یا عورت تھی تو تفتیشی افسران کے بھٹکنے کے قوی امکانات تھے۔ ڈیوڈ اگر اپنی بدمعاشیوں کے تحفظ کے لیے کوئی ریکارڈ رکھنے کا عادی تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ پتا چل سکتا تھا کہ این کاویل ایک سفید فام لڑکی ہے جو پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی آئی ہے۔ پہلے وہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں تھی۔ بعد میں ہوٹل مرینا منتقل ہوگئی۔

ان باتوں کے افشا ہونے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ گھاگ افسروں کی ساری توجہ ان طاقت ور بدمعاشوں پر مرکوز ہوتی جو ڈیوڈ کے ہاتھوں بری طرح مار کھا چکے تھے یا پھر لمبی سزائیں بھگت چکے تھے اور ڈیوڈ سے بدلہ لینے کے لیے موقع کے انتظار میں تھے۔

میں کچھ دیر تک دل ہی دل میں ان دلائل کا تجزیہ کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری فکرمندی کا بار ہلکا ہونے لگا۔ مجھے امید ہونے لگی کہ غزالہ کو نظر آنے والی روشنی کی کرن سراب نہیں تھی۔ اس میں ویرا کی نجات کا راز پوشیدہ تھا۔

ویرا کی سلامتی کے بارے میں تشویش کم ہونے کے ساتھ میرے ذہن پر رینا سوار ہونے لگی۔

پہاڑ جیسا دن گزر گیا تھا لیکن اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کی طرف سے کسی متوقع رابطے کی امید میں، میں ہوٹل کے کمرے میں بندھ کر رہ گیا تھا۔ میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میرے لیے رینا کا فون آئے اور میں اس سے بات نہ کرسکوں۔ میری نظریں ٹیلی وژن اسکرین پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن مسلسل رینا اجیت رائے کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا کے بارے میں تشویش کم ہونے سے میرے ذہن میں ایک نئی سوچ بھی جنم لے رہی تھی جو قطعی غیرارادی تھی۔ ویرا کسی بھی طرح میری حریف نہیں تھی۔ میں اس کی کامیابیوں پر خوش ہوتا تھا، وہ ہماری فتح پر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی مگر اس وقت میرے ذہن میں رشک یا حسد کی لہر سی اٹھ رہی تھی۔ وہ ہم سے عملی طور پر الگ ہونے کے بعد بھارت کی سرزمین پر کامیابی سے اپنا پہلا شکار کھیل چکی تھی جب کہ ہمارا اسکور صفر تھا۔

حالات کا فرق اپنی جگہ بہت اہم تھا لیکن وہ ذہنی رو ہی کیا جو کسی دلیل کی طرف مائل ہوجائے۔ انسپکٹر ڈیوڈ نے ویرا کی تذلیل کی۔ ویرا نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور کامیابی کے ساتھ اسے موت کی بے رحم آغوش میں دھکیل دیا۔ اس کے برعکس ہم انل بسواس کو سبق سکھانے کا عزم لے کر

پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ دہلی میں اس کا سراغ بھی مل چکا تھا لیکن ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھے۔

ہم انل کے خلاف اپنے طور پر کام کرتے رہتے تو شاید کوئی راہ مل گئی ہوتی لیکن رینا نے درمیان میں آکر ہماری رفتار سست کردی تھی۔ اس کے ذریعے انل تک پہنچ کر ہم زیادہ موثر اور تیز کارروائی کرسکتے تھے۔ اس خوش فہمی نے ایک طرح سے ہمیں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

نو بجے اس انتظار سے اکتا کر میں نے روم سروس کے ذریعے کمرے میں کھانا طلب کرلیا۔

ہم دونوں کھانے میں مصروف تھے کہ ایرپیس پر کال آنے لگی۔ میں نے فوراً میز چھوڑ دی۔

دوسری طرف گوپال تھا۔ میری طرف سے جواب ملنے پر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو یا کہیں اور رہو؟"

"کہیں اور ہوتا تو تمہاری کال کا جواب نہ دے پاتا۔ بس رینا کا انتظار ہے۔ وہ خود آئی نہ اس کا فون آیا۔"

"اوہ!" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی "تم انتظار کی کربناک کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں نے دانستہ تمہیں دن بھر نہیں چھیڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ میری کال تمہاری کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز نہ ہو۔"

"کال کرلیتے تو بہتر ہوتا۔ دن بھر ہر طرف سناٹا رہا۔ اس وقت کیسے یاد کیا ہے۔"

"شاید تمہیں باہر کی کوئی خیر خبر نہ ہو۔ پورے دہلی میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کسی نے نجف گڑھ کے نالے کے قریب انسپکٹر ڈیوڈ کو مار ڈالا ہے۔"

میں ایک لمحے کے لیے تذبذب اور بے یقینی میں پڑ گیا۔ اپنی باخبری کا اظہار کرتا تو اسے یہ بھی بتانا پڑتا کہ وہ کارروائی ویرا نے کی تھی اور وہ خبر اسی کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔ میرا پختہ یقین تھا کہ وہ ویرا کے اس اقدام کی حمایت نہ کرتا۔ میں نے حیرت سے کہا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج شام دفتر سے واپسی پر وہ ایک ویران سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ نامعلوم قاتل کا نشانہ بن گیا۔"

"افسوس کی بات ہے۔ سخت گیر پولیس افسروں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی گمنام قاتل کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے باخبر کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔"

"پرسوں ہمارے درمیان بھی اس کا نام گردش میں تھا۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ابھی تفصیلات سامنے نہیں آئیں مگر سنا گیا ہے کہ اس پر گولی وغیرہ نہیں چلائی گئی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا ہے۔"

"ہوا ہوگا۔ میں اس درجے کے لوگوں سے الجھنا حماقت سمجھتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا "مگر میرے ذہن میں ایک موہوم سا اندیشہ تھا کہ اس نے تمہاری دوسری پارٹی کو چھیڑا تھا۔ وہ سب سے آسان نشانہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بے کاری دور کرنے کے لیے اسے ہٹا دیا گیا ہو۔"

"بڑا ہدف سامنے ہو تو چھوٹے نشانوں پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔" میں نے اس کی مزید قیاس آرائی کی راہ مسدود کردی "اگر تھوڑی دیر تک رینا کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو میں خود اسے فون کروں گا۔"

"گھما پھرا کر بات کرو گے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ وہ اس کے کسی گھر کا نہیں 'ڈانس اکیڈمی کا فون نمبر ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

بات ختم ہوگئی۔ میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ رینا کے بارے میں گوپال اور اول خان کی طرف سے ملنے والی معلومات یک جا ہوکر میرے ذہن میں کھچڑی سی پکا رہی تھیں۔ اس سے وہ سب باتیں فون پر نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کی تصدیق کے لیے رینا سے میری ملاقات ضروری تھی۔

ٹرانسمٹر پر موصول ہونے والی گوپال کی کال سے ویرا کے بارے میں میری تشویش کے گھٹتے ہوئے سائے پھر دراز ہوگئے۔ دہلی ایک بڑا اور کاسموپولیٹن شہر تھا۔ وہاں روزانہ قتل سمیت بہت سے جرائم رونما ہوتے رہتے تھے۔ گوپال نے پچھلے دنوں میں کبھی بھی مجھے کسی جرم کے بارے میں باخبر کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کے بعد اس نے جو کچھ سوچا' وہ حقیقت سے قریب ترین تھا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر گوپال ان خطوط پر سوچ سکتا تھا تو دوسروں پر بھی کوئی قدغن نہیں تھی۔ جب تک ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش کوئی واضح رخ اختیار نہیں کرتی' ویرا کے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی تھی۔

ویرا اور رینا.... رینا اور ویرا۔ میرا ذہن ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کمرے میں

ٹہلنا شروع کردیا۔

"آپ بلاوجہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہے ہیں۔ اپنے ذہن پر اتنا زور نہ دیں ورنہ تھک جائیں گے۔" چند ثانیوں تک میری کیفیت دیکھنے کے بعد غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "جو ہونا تھا' وہ ہوچکا ہے۔ اب آپ ویرا کا انجام خدا پر چھوڑ دیں۔ اس معاملے میں ہم سب بے بس ہیں۔"

"میں دانستہ کچھ نہیں سوچ رہا' یہ سب انسان کے دل ودماغ میں اٹھنے والی خود رو لہریں ہوتی ہیں جنہیں روکنا بس سے باہر ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خدائی فیصلوں کے سامنے انسانی قوتیں بالکل بے بس ہوتی ہیں۔ ویرا کا وقت پورا ہوچکا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچاسکتی ورنہ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔" میں نے رک کر جواب دیا۔

یہ سب جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے اتنے پریشان کیوں ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں پھیکے انداز میں ہنس پڑا "تم کہتی ہو تو اب پریشان نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر میں ٹیلی وژن کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجھے اچانک احساس ہوا تھا کہ غزالہ میری بیوی تھی۔ اس کے سامنے کسی اور عورت' خاص کر ویرا جیسی خود سر اور بے باک عورت کے لیے میرا یوں پریشان ہونا مناسب نہیں تھا۔ ویرا کے لیے میری حد سے بڑھی ہوئی فکر مندی غزالہ کے جذبات مجروح کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

میری پھیکی ہنسی کے ساتھ غزالہ بھرپور انداز میں ہنسنے لگی "کبھی کبھی آپ مجھے بچوں کی طرح بہلانے لگتے ہیں۔ یوں کہہ رہے ہیں جیسے پریشانی کا بھی کوئی بٹن ہوتا ہے۔ اسے دبایا اور پریشانی یک دم ختم ہوگئی۔ آپ نے ویرا کو غیر ضروری طور پر اپنے اعصاب پر سوار کیا ہوا ہے۔"

میں غزالہ کو گھور کر رہ گیا۔ فوری طور پر اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارے ملک کی محبت میں سب کچھ بھول کر ہمارے ساتھ دردر کی خاک چھانتی پھر رہی ہے لیکن ہم لوگوں نے بھی اس کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" مجھے خاموش پاکر غزالہ نے اپنی بات جاری رکھی "آپ قدم قدم پر اسے روکتے ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ہر مشورے کو ٹھوکر مار کر اپنی من مانی پر تلی ہوئی ہے تو آپ کیا کرسکتے ہیں؟ کب تک اسے بچائیں گے۔ اس کی وجہ سے آپ کی قوت فیصلہ متاثر ہوگی جس سے ہم دونوں کو نقصان پہنچے گا۔"

غزالہ کی ہر بات بالکل درست تھی۔ کسی نکتے سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں کوشش کروں گا کہ اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دوں۔ تفکرات کا یہ روگ جاری رہا تو واقعی میری کارکردگی متاثر ہوگی۔"

"آپ اپنے کام کو دیکھیں۔ رینا کو فون کرلیں۔ اس سے آپ کا دھیان بٹے گا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے تجویز پیش کی۔

اس دوران میں دوردرشن سے خبریں شروع ہوچکی تھیں۔ میں نے غزالہ سے کہا کہ خبریں سننے کے بعد رینا کو فون کروں گا۔ اگر دہلی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی کوئی اہمیت تھی تو وہ خبردوردرشن پر آنی ضروری تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ملکی اور بین الاقوامی خبروں میں کہیں بھی انسپکٹر ڈیوڈ کا ذکر نہیں تھا۔

"ہم اس واقعے میں کسی حد تک ملوث ہیں اس لیے اس بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔ اخباروں سے ہی اس بارے میں کچھ پتا چل سکے گا۔" غزالہ نے ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کرنے کے بعد کہا۔

"اب مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرلینا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے کا تعلق ہمارے دشمنوں سے تھا۔ اس سے بات کرنے کے دوران میں سی ایس ڈی کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپریٹس بند تھا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پختہ نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "کون ہے؟ کیا کام ہے؟" بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں پوچھوں اور تصدیق یا تردید سننے کے بعد فون بند کردوں مگر اس موقع پر ایسی کوئی معمولی سی حرکت بھی حریفوں کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ جب تک میں رینا کی زبان سے کچھ نہ اگلوالیتا' میرا محتاط رہنا بہت زیادہ ضروری تھا۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ رینا سے بات ہوسکتی ہے؟" میں نے کسی توقف کے بغیر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہولڈ کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس جواب کے ساتھ ریسیور پر موسیقی کے مدھم سر گونجنے لگے۔

اس عورت کا لب ولہجہ خالص پیشہ ورانہ تھا جیسے وہ برسوں سے فون آپریٹر کے طور پر کام کررہی ہو۔ اس آواز میں ذرا بھی گھریلو انداز نہیں تھا۔ وہ موسیقی اس پر مستزاد تھی۔

گھروں میں ایک فون نمبر کے ساتھ متعدد ایکس ٹینشن منسلک ہوں تب بھی ہولڈ کرنے کے دوران میں موسیقی سننے یا سنانے کی کوئی سہولت نہیں ہوتی۔ وہ یقینی طور پر ٹیلی فون کا کوئی مختصر ایکس چینج یا بورڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہولڈ پر رکھ کر رینا کو تلاش کر رہی تھی۔

خاصے طویل انتظار کے بعد اچانک موسیقی کی آواز غائب ہوگئی اور رینا لائن پر آگئی "مجھے معلوم تھا کہ بے چین ہو کر تم مجھے ضرور فون کرو گے۔" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے درمیان اس کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں اپنے ہوٹل کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جلد از جلد مجھے فون کرو گی۔" میں نے شکوا کیا۔

"وعدہ ضرور کیا تھا مگر انکل بہت مصروف آدمی ہیں۔ ابھی تک میں ان سے ملاقات کا وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکی اسی لیے میں نے تمہیں فون نہیں کیا۔"

اس کے جواب میں میرے ایک سوال کا جواب مضمر تھا۔ انل بسواس کو مجھ سے ملنے کی عجلت نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے ڈینی نہیں سمجھا جا رہا تھا۔ انہیں میری اصلیت کی بھنک مل گئی ہوتی تو انل بسواس اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے مجھے ملاقات کے لیے طلب کر لیتا۔

وہ رینا سے رابطے کا پہلا فائدہ تھا۔ اس سے ملے اور بات کیے بغیر کچھ بھی سامنے نہیں آسکتا تھا۔

"اپنے انکل کو چھوڑو۔" میں نے برجستہ کہا "اگر وہ مصروف آدمی ہیں تو مجھے بھی ان سے ملاقات کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا روزگار میری ضروریات پوری کر رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کب مل رہی ہو۔" غزالہ بہت سمجھ دار تھی، مجھے کھلی گفتگو کا موقع دینے کی خاطر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

رینا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ تمہارے سر پر مسلط نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس دھان پان لڑکی سے بہت ڈرتے ہو۔ اس کی دل جوئی کی خاطر کل رات تم نے میرے ساتھ کھانا کھانے کی پیش کش ٹھکرا دی تھی۔"

"میں اسے پاکستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس پر میرا کوئی زور ہے نہ اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو میری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہیے۔ پردیس میں گرل فرینڈ کی ناراضی خاصی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ تفریح کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

"مجھے اپنے باپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں مشورہ دیتی کہ اسے ناراض کر کے بھیج دو۔ میں تمام تفریحات میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ اپنے باپ اور گھرانے کے بارے میں گھڑی ہوئی مفروضہ کہانی پر مضبوطی سے قائم تھی۔ باتوں کی روانی میں یہ نہیں بھولی تھی کہ اس نے مجھے اپنے بارے میں کیا بتایا ہوا تھا۔

وہ باپ سے ڈرنے کا بہانہ کر رہی تھی۔ میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم وعدہ کرو تو میں کل ہی اسے لوٹا دوں۔"

"اب تم تھوڑے تھوڑے کھل رہے ہو۔ دراصل جو چیز آسانی سے ہاتھ آجائے، آدمی اس کی قدر نہیں کرتا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد تم ایسے بے چین ہو رہے ہو کہ مجھے فون کر بیٹھے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔"

"مجھے گزری ہوئی باتوں کا طعنہ نہ دو۔ آگے کے بارے میں بتاؤ کہ تم سے کب ملاقات ہوگی؟"

"میں نے تمہارا نام انکل تک پہنچا دیا ہے۔ جب فرصت ہوئی، وہ وقت دے دیں گے۔" اس بار رینا کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ان سے ملوانے سے پہلے تمہاری تھوڑی سی بریفنگ ضروری ہے۔ اس کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کا ارادہ کر چکی تھی۔"

"لیکن تم نے اس بارے میں پہل نہیں کی۔ تنگ آکر مجھے فون کرنا پڑا۔" میں نے شکوا کیا۔

"تم بھی بہت بے صبرے ہو۔ شاید دنیا کے سارے ہی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ کل شام سات بجے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

اس کی پیش کش نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ اگلے دن کا وہی وقت اول خان سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی فون کال آنے پر مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں لیکن وہ گھر کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں، میں غزالہ کو بھی سمجھا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں رینا زیادہ اہم تھی۔ میری کسی ٹال مٹول سے میری عاشقانہ اداکاری میں جھول پیدا ہو سکتا تھا۔ میں نے چند ثانیوں میں فیصلہ کر کے مسرت سے کہا "نیک خیال ہے، یہ بتاؤ کہ تم کہاں ملو گی؟"

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے تمہاری بریفنگ کرنی ہے۔ اِدھر اُدھر وقت ضائع کرنے کے بجائے تم کوئی الگ کمرا لے لو۔ اسی نمبر پر فون کر کے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں موجود نہ ہوئی، تب بھی مجھے تمہارا پیغام مل جائے گا۔ میں سات بجے

تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

پچھلی شام وہ مجھ پر جال ڈالنے کے ارادے سے آئی تھی اس لیے اس نے اپنی گرہ کے پیسے خرچ کر کے ہوٹل میں کمرا لیا تھا۔ اگلی رات کا وہ سارا خرچ اس نے بہت ہوشیاری اور عیاری سے میرے سر ڈال دیا تھا۔ میری دانست میں پھر بھی وہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

اس نے جو کچھ کہا تھا' اس سے مجھے ایک نیا نکتہ سوجھ گیا جس سے میں نے فوراً ہی فائدہ اٹھانے کے ارادے سے کہا "سچ پوچھو تو یہ میرا دوسرا فون ہے۔ دوپہر کو میں نے رنگ کیا تو کسی نے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام لیا اور میں نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں فون پر غلط نمبر بھی مل جاتے ہیں۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا ہو۔ اس نے تیزی سے پوچھا "تم نے کس وقت فون کیا تھا؟ وہ آواز کیسی تھی؟"

میرا دل خوش ہو گیا کہ میں نے اچانک ہی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے دفاتر وغیرہ میں ہونے والے کھانے کے وقفوں کا اندازہ لگا کر بے پروائی سے جواب دیا "ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ آواز نسوانی تھی مگر وہ نہیں تھی جو ابھی تم سے پہلے سنائی دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گھر میں نوکروں کی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"اگر تم مجھے صحیح وقت اور آواز کے بارے میں کوئی خاص بات بتا سکو تو میں دیکھوں گی کہ وہ حرکت کس کی تھی۔" میری شکایت پر وہ شاید فکر مند ہو گئی تھی "یہاں سے فون اٹھانے والوں کو سختی سے ہدایت ہے کہ وہ کچھ بتانے میں پہل نہ کریں۔ یہ معلوم کریں کہ فون کرنے والا کیا چاہتا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" میں نے اس کے آخری فقروں پر تبصرہ کیا پھر کہا "میں جھوٹ نہیں بولتا۔ صحیح وقت نہیں دیکھا تھا۔ بس اندازہ ہے کہ ڈیڑھ دو بجے کا عمل ہوگا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ آواز تمہاری آواز کی طرح رسیلی اور لوچ دار نہیں تھی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ دہلی میں غلط نمبر نہیں ملتے جو بھی فون اٹھائے' تم اسے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تمہارے گھر سے کوئی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام کیوں لے گا؟ یہ چکر کیا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ اسے بھول جاؤ۔" رینا کی آواز دھیمی اور سخت ہو گئی۔ جیسے وہ میری جرح سے خوف زدہ ہو گئی ہو

"کل ملوں گی تو تمہیں بتا دوں گی۔"

اس نے مجھے ٹال کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کا وہ وعدہ گرہ میں باندھ لیا — وہ رینا کی کوئی بڑی کمزوری تھی۔ اس کے اسباب گوپال کے ذریعے میرے علم میں آ چکے تھے۔ میں موقع محل کی مناسبت سے وہ موضوع دوبارہ چھیڑ کر رینا سے کچھ نہ کچھ اگلوا سکتا تھا۔

"تم کہتی ہو تو فی الحال بھول جاتا ہوں۔ کل شام سات بجے' میرے ہوٹل میں؟" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"ہاں بابا' ہاں!" اس نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

مجھے اپنے وجود میں آسودگی کی لہریں سی سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر پہلے ذہنی اضمحلال اور اعصابی تناؤ کی جو کیفیات طاری تھیں' وہ رینا سے بات کرنے کے بعد اچانک دور ہو گئی تھیں۔ غزالہ کا مشورہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا تھا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ گوپال سے تھوڑی دیر قبل میری بات ہو چکی تھی۔ ویرا کا فون بھی آ گیا تھا۔ اول خان کو اگلی شام فون کرنا تھا پھر وہ کون ہو سکتا تھا جو مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں سوچتا رہ گیا اور گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' فون سننا ضروری تھا۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن لائن اس سے پہلے بے جان ہو چکی تھی۔

اس نامعلوم فون کال نے مجھے پریشان کر دیا۔ غزالہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ مجھے فکر ہونے لگی کہ ہوٹل میں اس کا اکیلے گھومنا مناسب نہیں تھا۔

چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کا شگفتہ چہرہ نظر آیا۔

"ویری گڈ!" اس نے کمرے میں گھستے ہی شگفتہ لہجے میں کہا "رینا سے بات کرنے کے بعد آپ کے چہرے پر رونق اور تازگی نظر آ رہی ہے۔"

"فون پر بات شروع ہوتے ہی تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے خفگی سے پوچھا۔

"مجھے اچانک خیال آیا تھا کہ میری موجودگی میں آپ اس سے بے تکلفی سے بات نہیں کر سکیں گے' میں باہر چلی گئی۔ میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھتی ہوں۔ آپ بلاوجہ مجھ پر آنکھیں نکال رہے ہیں۔" اس نے مجھ سے نظریں ملا کر شوخی سے کہا "کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم غلط کیسے کہہ سکتی ہو۔ ہر عورت افلاطون کی خالہ ہوتی ہے۔ تم یہاں ہوتیں تو میں ایک الجھن سے بچ جاتا۔"

"کیا اتنی سی دیر میں کوئی نئی الجھن پیدا ہوگئی؟" میری تشویش دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

"نہ جانے کس کا فون آیا تھا۔ میں سوچتا رہ گیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد فون بند کردیا گیا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "آپ بلاوجہ بہت زیادہ سوچنے لگے ہیں۔ وہ میری کال تھی۔ دو گھنٹیاں بجنے کے بعد میں نے انٹرکام بند کیا اور اوپر آگئی۔"

"اس حماقت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے برا سامنہ بنا کر پوچھا۔

"میں دیکھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کا اور رینا کا مذاکرہ جاری ہے یا ختم ہوگیا۔ گھنٹیاں بجنے کا مطلب تھا کہ فون خالی تھا اور آپ قریب نہیں تھے۔ میں اوپر آگئی۔ انٹرکام پر فون مصروف ملتا تو میں مزید کچھ دیر شاپنگ آرکیڈ کی سیر کرتی رہتی۔"

میں کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ دہلی کی آب و ہوا غزالہ کو راس آئی تھی اور اس کی عقل تیزی دکھانے لگی تھی۔

"وہ اپنے غائب ہونے کے بارے میں کیا کہانی سنا رہی تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ کل شام ہی تو ملی تھی۔ میری بے چینی کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔"

"پتا نہیں آپ کیوں اس کے فون کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے اسے کال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ اب آپ کے چہرے پر ذہنی دباؤ کے اثرات نہیں ہیں۔"

"وہ کل شام دوبارہ ملے گی۔ اس نے دو باتیں صاف کردی ہیں۔ انل بسواس کو مجھ سے ملاقات کی عجلت نہیں اور کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں واقعی کوئی گھپلا ہے۔ میری زبان سے اکیڈمی کا ذکر سن کر وہ پریشان ہوگئی تھی۔"

"اگر وہ آپ کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں تو پھر رینا کو آپ کی طرف کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"مجھے اس سے پوچھنا یاد نہیں رہا۔ کل ضرور دریافت کروں گا۔"

"آپ پھر چڑ گئے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ اس بارے میں آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"ایک وقت میں ہر بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ یہی کافی ہے کہ چند باتیں صاف ہونے کے ساتھ اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ آج کی باتوں کی روشنی میں، میں کل اس کا سارا اعتماد متزلزل کردوں گا اور وہ بہت کچھ اگلنے پر مجبور ہوجائے گی۔" میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انٹرکام والی الجھن کے باوجود آپ اپنی حکمت عملی پر غور کرچکے ہیں۔" غزالہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

"وہ انل بسواس کو میرے بارے میں بتا کر پھنس چکی ہے۔ کل میں اس سے ملاقات سے صاف انکار کردوں گا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔"

"آپ کے انکار سے رینا کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" وہ بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

"وہ انل بسواس کے دیے ہوئے وقت پر مجھے اس تک نہ لے جاسکی تو اپنی تنظیم میں اس کی پوزیشن خراب ہوجائے گی۔"

"خود کو بچانے کے لیے وہ اپنے بڑوں کو سب کچھ بتا دے گی اور وہ آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"تم بہت بھولی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ میں خود انل بسواس کا دیدار بلکہ دیہانت کرنا چاہتا ہوں۔ انکار کر کے میں رینا پر دباؤ ڈالوں گا۔ یہ افتاد اسے پریشان کردے گی۔ اس سے آگے جو کچھ ہونا ہے، اس کا انحصار رینا کے ردِعمل پر ہوگا۔"

شاید اس گفتگو سے غزالہ کے ذہن میں ایک خاکہ بننا شروع ہوگیا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ درمیان میں وہ چونک کر گاہے گاہے سوالات کرتی رہی اور میں جواب دیتا رہا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ سوچنے کی عادت کو اپنا رہی تھی۔

وہ دن اضطراب میں گزرا تھا لیکن رات بہت سکون سے کٹ گئی۔

اگلی صبح کے اخبارات کے پہلے صفحات پر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کو دو اخبارات فراہم کیے جاتے تھے۔ ان کی ورق گردانی سے پتا چلا کہ شہر کی خبروں میں ڈیوڈ کے قتل کو نمایاں مقام دیا گیا تھا۔ میں نے خبر کے ذیل میں دونوں اخباروں کا متن بہت غور اور باریک بینی سے پڑھ ڈالا مگر کہیں بھی ایسا کوئی مواد نظر نہیں آیا جس سے یہ گمان ہوتا کہ ڈیوڈ کے قتل کو دہشت گردوں کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کسی سانپ سے حاصل کیے

ہوئے سریع الاثر زہر کے استعمال کی کہانی سنا رہی تھی۔ رپورٹ کے مطابق وہ زہر متوفی کے داہنے رخسار کی جلد میں کسی سرنج وغیرہ کے ذریعے اتارا گیا تھا۔ زہر کے اثر سے لاش بہت جلد اکڑ کر نیلی ہو گئی تھی۔

گاڑی اور لاش کی حالت کے ساتھ جائے واردات نے پولیس والوں کو گمراہ کرنے میں اہم کردار ادا کیے تھے۔ وہ ایسی جگہ نہیں تھی جہاں متوفی کو کسی ضرورت کے تحت گاڑی روکنی پڑتی۔ لاش اور گاڑی کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیوڈ کو دوڑتی ہوئی کار میں نشانہ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ کھڑی ہوئی گاڑی میں اتنی تیزی سے زہر دے کر مارا گیا تھا کہ اسے مزاحمت کرنے یا ڈرائیونگ سیٹ سے ہلنے جلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ شواہد نشان دہی کر رہے تھے کہ قاتل ایسا شخص تھا جسے ڈیوڈ جانتا۔۔۔ تھا اور کسی حد تک اس پر اعتماد کرتا تھا۔ اس نے قاتل کو پہچان کر اس ویران سڑک پر گاڑی روکی اور وہ نامعلوم شخص ڈیوڈ کو ڈارٹ یا سرنج کے ذریعے شکار کرکے جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ اس نظریے کی روشنی میں شہر سے تین مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا جن سے بازپرس کی جا رہی تھی۔

میرے نزدیک وہ اخباری خبریں نہیں بلکہ ویرا کے بے داغ کارنامے کے تفصیلی اشتہار تھے جو مجھے چڑانے کے لیے اخبار کی زینت بن گئے تھے۔ اس وقت تک مجھے واردات میں رابرٹو ٹیلینی کی شرکت اور منصوبہ بندی کے بارے میں کوئی بھنک نہیں ملی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی ہمت' جرأت اور شفاف منصوبہ بندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنے اقدام کے بارے میں اس کا اعتماد بے جا نہیں تھا۔

ان خبروں کا خطرناک پہلو یہ تھا کہ ویرا کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ امریکیوں سے گٹھ جوڑ کی بنا پر وہ بھارتیوں سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اگر اسے امریکی سی آئی اے کے جان اسمتھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی تو وہ بھارتیوں کی صفوں میں دہشت پھیلانے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتی تھی۔

اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے پراسرار بم دھماکوں پر اس کا ردِعمل بہت نفرت آمیز تھا۔ وہ بھارتیوں اور امریکیوں سے ایسی جگہ ان واقعات کا بدلہ لینا چاہتی تھی جہاں وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ اس ضمن میں ویرا کے لیے دہلی سب سے زیادہ سازگار شہر تھا جہاں کی پولیس اپنے ایک پرانے افسر کے قتل کے صحیح اسباب کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی تھی۔

پولیس والے اپنی دانست میں صحیح سمت میں کام کر رہے تھے۔ ان کی بدترین غلطی کا بہترین اندازہ صرف ویرا کو تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات بظاہر ٹل گئے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ دہلی میں ویرا کو کسی بھی قسم کے وسائل میسر نہیں تھے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے شہر میں کوئی کارروائی کرتی۔ ایسے کسی اقدام کی تیاری کے لیے اسے وقت درکار تھا جو میری اور رینا کی متوقع ملاقات کے نتیجے میں کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں سنجیدگی سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ انل بسواس کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہی میں کراچی کی طرف سفر شروع کر دوں گا۔ دہلی میں مامور ایجنٹوں کی تربیت وغیرہ کے بارے میں جلال نے بڑی حوصلہ افزا باتیں کی تھیں جو لاہور کے ایک پرسکون کمرے میں بہت خوش آئند محسوس ہو رہی تھیں لیکن آئی بی کے ایجنٹوں کے عدم تشدد کے بنیادی فلسفے کو تبدیل کرنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔

وہ تینوں ہر قسم کی کارروائیوں میں میرا ساتھ ضرور دے سکتے تھے لیکن از خود کسی کشت وخون میں ملوث ہونا ان کے مزاجوں کے خلاف تھا۔ اس کا تازہ ترین ثبوت عابد علی عرف گوپال کا وہ اشتیاہ آمیز رویہ تھا جو اس نے ڈیوڈ کے قتل کے بعد ٹرانسسٹر پر گفتگو کے دوران میں اختیار کیا تھا۔ اگر وہ خون ہم میں سے کسی نے بہایا تھا تو گوپال کے نزدیک وہ ایک قابل نفرین اور غیر ضروری اقدام تھا۔

وہ خبر سن کر ابتدا میں' میں خود بھی بھڑکا تھا۔ جب ویرا نے فون پر بتایا کہ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو مار دیا ہے تو میں مضطرب ہو گیا تھا۔ اس اضطراب میں ڈیوڈ سے ہمدردی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ مجھے فکر صرف اس بات کی تھی کہ ویرا نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کھیل میں اگر فتح حاصل ہو تو میدان میں کیا جانے والا ہر فاؤل جائز قرار پاتا ہے۔ کھیل کے اس جدید اصول کے تحت میں نے دونوں اخبار پڑھنے کے بعد ویرا کے حوصلہ مندانہ اقدام کو تالاب میں پھینکے جانے والے پہلے کامیاب پتھر کے طور پر قبول کر لیا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گوپال اور اس کے دونوں ساتھی اس مرحلے پر بھی مجھ سے متفق نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ دن بھارتی سرزمین پر ویرا کی پہلی اور بھرپور کامیابی کی نوید بن کر طلوع ہوا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کے لیے وہ پورا دن گزار کر شام کے سرمئی دھندلکے کا انتظار کرنا تھا جب را کی رینا اجیت رائے اپنی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ میری بریفنگ کے لیے ہوٹل کے کسی مخصوص خلوت کدے میں

پہنچتی۔

دوپہر کو میں نے رینا سے مجوزہ ملاقات کے لیے دوسرا کمرا بک کرانے کی غرض سے ہوٹل کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ میں غیر ملکی تھا۔ میرے لیے اپنی اکلوتی سفری شناخت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بکنگ کلرک نے میرے نام پر دوسرا کمرا بک کرنے سے معذرت کرلی کیونکہ ہوٹل کا ایک کمرا پہلے ہی میرے اور غزالہ کے مشترک استعمال میں تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا باقاعدہ اندراج موجود تھا۔

میری قومیت کچھ اور ہوتی تو ہوٹل والے اضافی آمدنی کا وہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور کوئی نہ کوئی درمیانی راہ خود ہی تجویز کردیتے۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی سردمہری اور محاذ آرائی کی وجہ سے پاکستانیوں کے بارے میں ہر جگہ محتاط اور سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے سر کا بوجھ اتار پھینکوں۔ رینا کو فون پر اس پیچیدگی سے آگاہ کردوں۔ اس وقت تک یہ بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی تھی کہ وہ را کی طرف سے سرکاری طور پر میرے پیچھے لگائی گئی تھی۔ اس بارے میں ہونے والے اخراجات بھی اسے را سے ادا کیے جارہے ہوں گے۔ شاید اس نے کمرے کا ایک رات کا کرایہ اپنی جیب میں ڈالنے کے لیے وہ ذمے داری میرے سر ڈال دی تھی مگر پھر مجھے ایک متبادل راہ سوجھ گئی۔

"اگر غزالہ سے میرا جھگڑا ہوجائے تو میں کیا کروں؟" میں نے اپنی کہنیاں چوبی کاؤنٹر پر ٹیک کر بکنگ کلرک سے سوال کیا۔

"جی سر! میں سمجھا نہیں۔" وہ میرے بے تکے سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کمرا مظہر خان اور غزالہ کے نام پر ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی "وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہوجائے اور مظہر خان اس کمرے سے نکلنا چاہے تو تم یہ بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟"

"سر! یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" کلرک نے مودب لہجے میں کہا "آپ پرانا کمرا مس غزالہ کے نام پر رہنے دیں۔ وہاں سے اپنی بکنگ منسوخ کرادیں اور اپنے نام پر الگ کمرا لے لیں۔ اختلافات ختم ہوجائیں تو پرانی بکنگ ہر وقت بحال ہوسکتی ہے۔"

"بس تو پھر تم یہی کرو۔ اس وقت میرے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہے۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوکے سر!" اس نے سٹپٹا کر کہا شاید وہ نادم تھا کہ اتنی معمولی سی بات پہلے اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ روا روی میں وہ ہم دونوں کو وہی سمجھ رہا تھا جو ہم حقیقت میں تھے۔ اس طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ ہم آپس میں کیا بنے ہوئے تھے۔

اندراجات کرنے کے بعد اس نے ایک چابی منتخب کی اور پوچھا "سر! آپ کا سامان بھی نئے کمرے میں منتقل ہوگا؟"

"اسے وہیں رہنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ صورتِ حال زیادہ دیر تک جاری نہ رہے۔ نیا کمرا مجھے ایک رات کے لیے درکار ہوگا۔"

"رقم ادا کرنے کے بعد میں نے رسید اور چابی لی۔ میں نے کمروں کا وہ ہیر پھیر اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ بھارتی خفیہ ایجنسی کے مقاصد کے حصول کے لیے کیا تھا۔ میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اسی کاؤنٹر سے رینا یا کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پہلے کی طرح میرا نام اور مقصد پوچھا گیا۔ میں نے رینا کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون سننے والی کو اپنے نئے کمرے کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

آدمی سیاحت کے موڈ میں ہو تو بڑے ہوٹلوں کا آزادانہ ماحول ہمیشہ پرکشش محسوس ہوتا ہے۔ میں کچھ دیر تک لابی اور کشادہ راہ داریوں میں ٹہلتا رہا۔ پھر لفٹ کے ذریعے نئے کمرے کی طرف گیا۔ ہوٹل کے تقریباً بیشتر کمرے یکساں' صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔ جائزہ لینے کے بعد میں غزالہ کی طرف چل دیا۔

سات بجے رینا کو مجھ سے ملنا تھا۔ اسی وقت کراچی سے اول خان کا فون آنے کی توقع تھی۔ میں نے غزالہ کو سمجھانا شروع کردیا کہ اسے اول خان سے کن موضوعات پر کیا بات کرنی ضروری تھی۔ میں اسے باخبر ضرور رکھنا چاہتا تھا لیکن اس تک کسی پر تشویش خبر کی ترسیل مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے شکوک و شبہات کے بیشتر سائے ڈھل چکے تھے۔ بس ایک مہیب سایہ بہت دراز تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میں اس شام رینا سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر اور کس مقصد کے لیے ہمارے پیچھے لگائی گئی تھی۔

ہم دونوں کے پاس کوئی اور کام نہیں تھا۔ ہم سر جوڑے

ان ہی معاملات پر مغز زنی کرتے رہے۔ شام کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں کچھ دیر تک سستاتا رہا پھر میں نے رینا سے ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔

غزالہ کو میں نے نئے کمرے کی بکنگ میں پیش آنے والی دشواری سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے سب کچھ سن لینے کے باوجود مجھ سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے رینا کے لیے کس نمبر کا کمرا لیا تھا۔ میں نے بھی دانستہ نمبر نہیں بتایا۔ اپنے پچھلے تجربے کی روشنی میں میرا اندازہ تھا کہ رینا کی وہ ملاقات میری بریفنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ سرد جنگ کے ہر پیچ و خم سے گزرنے کے بعد اس ملاقات کے آخری لمحات قدرے ناشائستہ ہو سکتے تھے جن سے غزالہ کا بے خبر رہنا بہت ضروری تھا۔

پونے سات بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے نہایت خوش دلی سے دروازہ کھولا مگر یہ دیکھ کر میری پیشانی پر بل پڑ گئے کہ پھول دار بلاؤز اور جینز میں ملبوس رینا کے پیچھے ایک گراں ڈیل اور تند خو شخص ہلکا سا بریف کیس لیے کھڑا ہوا تھا۔

رینا کے ساتھ ایسے ترش رو شخص کی موجودگی میرے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں رینا کو اندر آنے کا راستہ دینے کے بجائے درمیان میں جم کر کھڑا ہو گیا۔ میری کینہ توز نگاہیں اس شخص کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں جو پیدائشی طور پر مسکرانے کی کسی بھی صلاحیت سے یکسر محروم نظر آ رہا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو اس سے کسی تصادم کے لیے تیار کر لیا تھا۔

رینا کے لیے میرا وہ ردِعمل شاید متوقع تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "یہ ناگر ہیں۔ میرے ساتھ آئے ہیں۔ چند منٹ میں چلے جائیں گے۔ تم ہمیں اندر آنے کا راستہ کیوں نہیں دے رہے۔ ان سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ کسی اجنبی کی آمد ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔" میں نے احتجاج کیا۔

"تم ہمیں اندر آنے دو۔" رینا نے مجھے آنکھ ماری۔ اس کے چہرے پر التجا ہی التجا تھی۔ ناگر اس کی پشت پر تھا اس لیے رینا کے چہرے پر رونما ہونے والی وہ تبدیلیاں نہ دیکھ سکا "یہ ایک رسمی سے کام کے لیے آئے ہیں۔"

"پھر تم دونوں اندر آجاؤ۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔" میرے ذہن پر غصے اور خوف کی ملی جلی کیفیات طاری ہو چکی تھیں۔

میں نے کمرے سے باہر جانا چاہا لیکن رینا نے بے تابی سے میرا بازو تھام لیا۔ ناگر نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود نے میرے بڑھنے کی راہ مسدود کر دی تھی۔ اسے دھکیلے بغیر میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

"مسٹر خان! اندر چلو!" ناگر کے ہونٹوں سے دھیمی مگر تحکم آمیز آواز برآمد ہوئی "میں ہنگامہ آرائی بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"چلو چلو! ضد نہ کرو!" رینا نے انگلیوں سے میرے بازوؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے مجھے نرمی سے اندر دھکیلنے کی کوشش کی "غلطی میری ہے۔ میں مصروف نہ ہوتی تو تم کو فون پر بتا دیتی کہ ناگر بھی تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ آئیں گے۔ بلاوجہ تماشا نہ بناؤ۔"

اس وقت دو ہی راستے تھے۔ میں رینا کی بات مان لیتا یا ناگر پر ٹوٹ پڑتا۔ دوسری راہ ہر صورت میں نقصان دہ تھی۔ رینا نے کوئی بات نہیں اگلی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں را کے ایجنٹ تھے۔ میرے بارے میں ان کے عزائم نیک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت ناگر سے اڑنے کی صورت میں صرف میرا نقصان ہوتا۔

"یہ زیادتی اور دھاندلی ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا کمرے میں ہو لیا۔ میرے پیچھے وہ دونوں بھی اندر آ گئے۔ میرے لیے وہ بہت سنگین لمحات تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ناگر کیا عزائم لے کر وہاں آیا تھا۔ میرا دورانِ خون بہت تیز ہو چکا تھا جس کی تپش میں اپنے کانوں میں محسوس کر رہا تھا۔

ناگر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا مجھ سے آگے نکلا اور اس نے اپنا پتلا بریف کیس ڈریسنگ ٹیبل کے ایک گوشے پر ٹکا کر کھولتے ہوئے کہا "میں تمہارے فنگر پرنٹس لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تم دونوں رات بھر ایک دوسرے سے کھیلتے رہنا۔ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

وہ ایک ہولناک انکشاف تھا۔ اس وقت تک میرا صرف نام ہی نام تھا۔ کہیں میری کوئی تصویر تھی نہ باقاعدہ فنگر پرنٹس۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رینا نے ٹھیک چلتے چلتے اچانک مجھ پر کیا وار کیا تھا۔ میں نے ناگر کے بجائے رینا سے پوچھا "یہ سب کیا چکر ہے۔ میرے فنگر پرنٹس کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"تمہیں کل انکل سے ملنا ہے۔ ہر اجنبی ملاقاتی کو ان تک رسائی سے پہلے اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔" رینا جلدی جلدی بولنے لگی۔ "وہ بہت اہم آدمی ہیں۔ یہ یقین

کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کوئی غلط آدمی ان سے ملنے نہیں جارہا۔"

وہ انل بسواس سے ملاقات کے تکلفات تھے۔ میرے لیے اس وقت سب سے بڑا سنگین مسئلہ ناگر سے نجات حاصل کرنا تھا۔ رینا سے میں بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا۔ میں نے ہلکی سے برہمی سے کہا "اگر میں اس ملاقات سے انکار کردوں تو کیا یہ ڈراما یہیں ختم ہوسکتا ہے؟"

"رینا کو قبول کرکے تم انتخاب کا یہ حق کھو چکے ہو۔" اس بار ناگر کی آواز نرم اور مصالحانہ تھی "انکل ایک بار کسی کو ملاقات کا وقت دے دیں تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ تمہارے کچھ تحفظات تھے تو تمہیں پہلے ہی رینا سے انکار کردینا چاہیے تھا۔ مجھے تمہاری رضامندی اور انکل کی توثیق کے بعد یہاں بھیجا گیا ہے۔ میں کبھی اپنا کام پورا کیے بغیر نہیں لوٹتا۔" اس نے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذوں کو دانستہ یوں پلٹا کہ میں ان کے پیچھے چھپے ہوئے بھاری ریوالور کی جھلک دیکھ لوں۔"

میں رینا پر اپنی جس دھمکی کو آزمانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا' ناگر نے اسے ناکارہ بنادیا تھا۔ انل بسواس سے میری ملاقات کو یقینی بنانے کے لیے ناگر جیسے کئی آدمی میرے کمرے پر دھاوا بول سکتے تھے۔ میں یکایک ہی بہت مشکل صورت حال میں گھر گیا تھا کیونکہ بات میرے اور رینا کے درمیان نہیں رہی تھی۔ ناگر اور اس جیسے نہ جانے کتنے افراد بیچ میں کود پڑے تھے۔ ناگر میرے سامنے تھا۔ را کے دوسرے ایجنٹ روپوش تھے۔

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ناگر نے بریف کیس میں سے دو سفید کاغذ نکالے جن پر پانچ لمبے لمبے خانے بنے ہوئے تھے پھر اس نے کالی سیاہی والا اسٹیمپ پیڈ کھول کر میری طرف سرکا دیا "داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے شروع کردو۔"

ناگر پیڈ اور کاغذوں کی طرف متوجہ تھا۔ رینا ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا اور بے چارگی سے داہنا انگوٹھا اسٹیمپ پیڈ پر رکھ دیا۔ ناگر نے شاباش کہہ کر میرا انگوٹھا اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

ایک ایک کرکے اس نے میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے بہت واضح نشانات سفید کاغذوں پر منتقل کرلیے پھر بریف کیس میں سے پلاسٹک کی ایک بند بوتل نکال کر میری طرف بڑھا دی "اس میں سے چند قطرے ہاتھوں پر مل کر پانی سے دھولو۔ سیاہی کا ایک ایک ذرہ نکل جائے گا۔"

میں نے برا سامنہ بناتے ہوئے اس سے بوتل لی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ صابن جیسا کوئی محلول تھا۔ پانی پڑتے ہی چند قطروں میں جھاگ پیدا ہونے لگے۔ میں نے چند ثانیوں تک دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور پھر پانی میں دھو ڈالا۔ ناگر کے بیان کے مطابق میرے ہاتھ پہلے سے زیادہ صاف ہوچکے تھے۔

"تھینک یو!" میرے ہاتھ سے بوتل واپس لے کر ناگر نے پہلی بار اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیا اور بوتل کو بریف کیس میں بند کرکے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ ایک بڑی بلا ٹل گئی۔" دروازہ بند ہوتے ہی رینا دونوں ہاتھ جوڑ کر منمنائی۔

"بند کرو یہ بکواس۔" میں نے مکا تان کر غراتے ہوئے کہا "مجھے اُلّو کا پٹھا مت سمجھو۔ اس بلا کو تم ہی لے کر آئی تھیں۔"

وہ سہم گئی اور روہانسی آواز میں بولی "مجھے آخر تک کچھ پتا نہیں تھا۔ میں ہوٹل آنے کے لیے نکلی تو یہ باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ اس نے بتایا کہ انکل کل دو بجے تم سے ملیں گے۔ فنگر پرنٹس اسی وقت لینے ضروری ہیں تاکہ ریکارڈ سے ان کا موازنہ کیا جاسکے۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہیں ملی کہ میں تمہیں خبر دے دیتی۔ اس سے ہر ایک گھبراتا ہے کیونکہ یہ آخری وقت پر کسی بلا کی طرح نازل ہوکر سر پر مسلط ہوجاتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرے حواس گم ہوگئے تھے۔"

شدید اشتعال کے باوجود میں نے رینا کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔ اس وقت وہی میری معلومات کا واحد ذریعہ بن سکتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنے سر پر ناگر کے طویل تسلط کی وجہ سے وہ پراگندگی کا شکار ہورہی تھی۔ وہ اس سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا تھا۔ میں جتنی دیر تک اسے دیکھتا یا گھورتا رہا' میں نے اسے سراسیمہ اور بدحواس پایا۔ اسے اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ خود کو یک جا کرکے کسی جھوٹ یا نئی کہانی کے لیے تیار کرسکے۔ اس سے بے رحمانہ سوالات کا سلسلہ جاری کرکے میں کافی سچ اگلوا سکتا تھا۔

"ساری کوششیں تمہاری تھیں۔ وہ تمہارا انکل ہے۔ اس نے ملاقات کے بارے میں تم کو کیوں نہیں بتایا؟ یہ ناگر اچانک کہاں سے درمیان میں آگیا؟" میں نے چیخنے کے

بجائے نیچی آواز میں ڈپٹ کر کہا۔

"اس سے میری کوئی رشتے داری نہیں۔ ہم لوگ احتراماً اس کا نام لینے کے بجائے اسے انکل کہتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ اسے انکل کہنے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایک بار بھی اسے قریب سے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ ایسے پیغامات دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ کبھی کبھی ناگر بھی یہ کام کرتا ہے۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ آج انکل نے تمہارے لیے اسے بھیج دیا اور میں بے بس ہوکر رہ گئی۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور کیا چکر ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

وہ مدافعانہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے سرکتے ہوئے ہکلائی "مم ... میں سب کچھ بتا رہی ہوں۔ تم اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس وقت مجھے تم ناگر سے زیادہ بھیانک لگ رہے ہو۔ ہم دس بارہ لڑکیاں ہیں جو اوپر والوں کی ہدایات پر را کے لیے کام کرتی ہیں۔"

"جھوٹ مت بکو۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ را کیا بلا ہے؟" میں سوچ سمجھ کر اس پر یلغار کر رہا تھا۔ میں نے را جیسے معروف بلکہ بدنام مخفف کو سمجھنے سے صاف انکار کر دیا تاکہ اس پر میری عام تاجرانہ حیثیت کا بھرم قائم رہ سکے۔

"یہ خفیہ بھارتی ایجنسی کا مختصر نام ہے۔ انکل اسی کے ایک شعبے کا سربراہ ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو تم سب بھارتی ایجنسی کے ایجنٹ ہو اور یہاں آنے والے بھولے بھالے پاکستانیوں کو اپنے جال میں پھانستے ہو؟"

"ہم کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ لڑکیوں سے دوستی کی ہوس میں لوگ خود ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا باپ مال دار ہے۔ تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم کو مرعوب کرنے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ بھرائی ہوئی کمزور آواز میں بولی "میرا باپ مر چکا ہے۔ میں میرٹھ میں رہنے والی اپنی بیوہ ماں اور چار بہنوں کی کفالت کے لیے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کل عزت والی نوکری کہیں نہیں ملتی۔ ہر آجر لڑکیوں کے بدن کو اپنی نظروں میں تولتا ہے۔"

"پھر یہ بھی غلط ہوگا کہ تم گریٹر کیلاش جیسے مہنگے علاقے میں رہتی ہو!" میں نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

"گھر کے بارے میں ہر بات جھوٹی تھی۔ میں نے ا خوابوں کو الفاظ کا روپ دے کر تم سے جھوٹ بولا تھا مگر میں اسی علاقے میں رہتی ہوں۔ تم تصدیق کرسکتے ہو کہ میرا د ہوا فون نمبر وہیں کا ہے۔"

"اس نمبر پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی بھی کام کرتی ہے۔" مجھے اپنے سوالات کے لیے خود بہ خود راہ مل رہی تھی۔

اس نے تھوک نگل کر خوف زدہ انداز میں اپنا سر او سے نیچے ہلایا اور قدرے توقف کے بعد کہا "دراصل و ڈانس اکیڈمی ہی ہے۔ سب لڑکیاں اس کے بورڈنگ ہاؤس کے کمروں میں رہتی ہیں لیکن ناگر کے سامنے اس کا نام نہ لینا۔ وہ مجھے کچا چبا جائے گا۔ وہ لوگ یہ ایک بات بہت سختی سے چھپاتے ہیں کہ اکیڈمی کا را سے کوئی تعلق ہے۔ یہ بات پھیل گئی تو شریف گھرانوں کی لڑکیاں ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیں گی۔"

"اس کنجر خانے میں شریف لڑکیاں کیا کرنے آتی ہیں؟"

"شروع میں، میں بھی ناچ سیکھنے کے لیے گئی تھی۔ ایک بار بہکنے کے بعد ہر لڑکی اس بھنور کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ لوگ بعض اچھی اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو بھارت سے باہر بھی بھیجتے ہیں۔"

"تم کو اکیڈمی کا نام چھپائے رکھنے کا حکم ہے لیکن یہ سب بکنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے؟"

"جو لڑکیاں دہلی میں آپریٹ کرتی ہیں، بڑوں کو ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ناگر اپنا کام کر کے مجھے چارے کی طرح تمہارے سامنے ڈال کر کیسی بے فکری سے چلا گیا۔ اس نے تمہارے بگڑے ہوئے موڈ سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میرا وقت اچھا نہیں گزرے گا۔"

"اب اگر میں تمہیں مار کر کہیں دفن کردوں تو کیا ہوگا؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میری زندگی ختم ہوجائے گی لیکن میں کل صبح واپس اکیڈمی نہ پہنچی تو تمہاری زندگی بھی جہنم بنادی جائے گی۔ را والے شکاری کتوں کی طرح تمہیں کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم کو کل دو بجے ہر حال میں انکل کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، جان سے نہیں مارو گے۔"

اسے ڈرانے دھمکانے کے چکر میں میرے اعصاب بھی متاثر ہونے لگے تھے۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر رینا کو ذرا سا وقفہ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔ میرے اشارے پر وہ بھی ڈرے سہمے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم شراب کب سے پیتی ہو؟" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے پوچھا۔
"جب سے اکیڈمی میں آئی ہوں۔" اس نے میرے لہجے کی تبدیلی پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور حریصانہ لہجے میں پوچھا "تمہاری اجازت ہو تو منی بار میں سے اپنے لیے کچھ نکال لوں؟ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے رہی ہوں۔ اس وقت مجھے شراب کی سخت ضرورت ہے۔"
میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور وہ بے صبری کے ساتھ کمرے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گئی۔
وہ ٹھنڈے پانی میں اسکاچ کا گلاس لے کر آئی تو اس کی آنکھیں میرے لیے ممنونیت کے جذبے سے لبریز تھیں۔
"کیا اکیڈمی میں آنے والی سب لڑکیوں کو شراب پینا سکھایا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ان کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "دو ہفتے تک سب لڑکیوں کو ایک ساتھ ناچ گانے سر تال، نرت اور بھاؤ سکھائے جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے کام کی دو چار لڑکیوں کو چھانٹ کر بورڈنگ اور شام کی کلاسوں میں ڈال دیتے ہیں۔ صبح آنے والیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے۔ شام کو وہاں کا رنگ دوسرا ہوتا ہے۔ الگ کی جانے والی لڑکیوں کو مردوں سے میل جول اور اونچے طبقے کی پارٹیوں کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ان میں شراب پینا بھی شامل ہے۔ اصل میں یہی لڑکیاں ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ دو ہفتوں کے بعد ان کی تنخواہ شروع ہو جاتی ہے۔ صبح آنے والیوں سے تربیت کے لیے بھاری فیس لی جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ بیچ میں بھاگ جاتی ہیں جو تربیت پوری کر لیں، انہیں اکیڈمی سند دے دیتی ہے۔"
"تم نے وہاں شام کی کلاسوں کی تربیت لی ہے۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"میرے گھر میں روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں فیس کہاں سے دیتی؟ مجھے تنخواہ کی ضرورت تھی۔ کسی نے مجھے جانچ کر الگ کر لیا اور دو ہفتے بعد میری تنخواہ لگ گئی۔ میری ماں اور بہنیں خوش ہیں کہ میں دہلی میں کوئی بڑی نوکری کر رہی ہوں۔"
"کیا تم ہوٹل میں اتفاقاً مجھ سے ٹکرائی تھیں؟" آخر کار میرے اہم ترین سوال کی باری بھی آ گئی۔
"نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا "میں دوپہر سے ہوٹل میں کمرا لے کر تمہارے فراق میں منڈلا رہی تھی۔ اشوک والی کہانی مجھے پڑھائی گئی تھی۔ میرا اصل کام تم کو انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنا تھا۔" وہ اپنے گلاس کو دوسری ہتھیلی پر گھماتے ہوئے بولی۔
"مگر کیوں؟" ہوٹل میں دوسرے پاکستانی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہیں خاص طور پر میرے پیچھے کیوں لگایا گیا؟"
"مجھے تم تک پہنچنا تھا اس لیے یہ باتیں مجھے بتائی گئی تھیں۔ اس روز صبح سویرے ہوٹل میں کوئی دیکھ بھال ہوئی تھی۔ را والوں کو خبر ملی تھی کہ ہوٹل میں ایک پاکستانی کسی غیر عورت کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ ایسے رنگین مزاج پاکستانیوں کی گھات میں رہتے ہیں جو گھر کی ہانڈی چھوڑ کر پرائی پلیٹوں میں منہ ڈالنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ تمہارے اوپر اسی وقت سے کام شروع ہو گیا تھا۔"
"ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں دوپہر میں میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"میری باری دوپہر میں آئی تھی۔ را والوں نے کراچی سے تمہارے نام پتے کی تصدیق کی تھی۔ انہیں یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ نام اور بھیس بدل کر پاکستانی جاسوس دہلی میں

منڈلاتے پھر رہے ہوں گے۔ اس چھان بین سے نام پتا بدلنے والے پکڑے جاتے ہیں۔ جب کراچی سے خبر آئی کہ تمہارا نام، پتا سب کچھ ٹھیک ہے تو تمہیں لبھانے کی ذمے داری میرے سر پر ڈال دی گئی۔ یہ پوری اور اصل کہانی ہے۔"

رینا کی بتائی ہوئی باتیں فکر انگیز تھیں۔ را والے اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کے عادی نہیں تھے۔ وہ زمین پر رہ کر حقائق کے مطابق کام کرتے تھے۔ انہیں بس ذرا سی اس بات نے میری طرف متوجہ کیا تھا کہ میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ بھارتی ریکارڈ پر نہیں تھا پھر بھی ہم دونوں ہوٹل کے ایک کمرے میں ساتھ رہ رہے تھے مجھے یاد آیا کہ مجھ سے پوچھ کچھ کرنے والے پولیس افسر نے اس موضوع پر مجھ سے ذرا کھل کر بات کی تھی۔ شاید اسے را کی ضروریات کا علم تھا اور اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ مجھ جیسے اوباش پاکستانی کے کوائف را کے علم میں آنے ضروری تھے۔

رینا اپنی دانست میں شروع سے ہی را کے لیے کام کررہی تھی لیکن وہ ہر مرحلے پر میری مددگار اور معاون ثابت ہورہی تھی۔ اس نے میرے ذہن سے یہ خوف حرفِ غلط کی طرح یکسر مٹادیا تھا کہ دہلی میں مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیا گیا تھا اور را والے آخری وار کرنے سے پہلے میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل، کھیل رہے تھے۔

میں ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک عام سا پاکستانی تھا جسے وہ اپنے کچھ مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

میں کچھ دیر تک اس کی بتائی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ وہ اس دوران میں اپنے گلاس سے شغل کرتی رہی۔ مجھے رینا سے اپنے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ چارے کی لڑکی ہوتے ہوئے وہ گرین کوبرا فائل کے بارے میں کچھ بتاسکتی۔ وہ اعلیٰ ترین سطح کا ایک ٹاپ سیکرٹ تھا جس کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھے انل بسواس یا نریش شرما تک رسائی کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنی اگلی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے مجھے رینا سے مزید کچھ کھلی کھلی باتیں کرنے کی ضرورت تھی۔

"آج ناگر نے میرے ساتھ مجرموں جیسا جو سلوک کیا ہے۔ اس نے مجھے ہر ایک سے بدظن کردیا ہے۔ اب مجھے انل بسواس سے ملنے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہے" کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد میں نے رینا سے دوبارہ بات چھیڑ دی۔

"مجبوری ہے۔ وہ وقت دے چکا ہے۔ تم کو ہر حال میں اس سے ملنا پڑے گا" رینا نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ میری طرف سے شدید برہمی اور کشیدگی کے مظاہرے کے باوجود وہ سب کچھ درگزر کردینے پر آمادہ نظر آرہی تھی۔

"میں اس سے نہیں ملتا۔ ہوٹل چھوڑ کر دو چار روز کے لیے کہیں روپوش ہوجاتا ہوں۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا؟" اپنی تجویز کے سنگین نتائج و عواقب سے آگاہ ہونے کے باوجود میں نے محض رینا کا جواب سننے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

"تم پھنس چکے ہو۔ تمہارے فنگر پرنٹس ریکارڈ پر آگئے ہیں اور بھی بہت سا مواد ہے۔ تم کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھارت سے نہیں نکل سکو گے۔ وہ بہت منظم اور سفاک ہیں۔ جیسے ہی تم سامنے آؤگے، وہ تمہیں پکڑلیں گے۔ اس کے بعد تمہارے انجام کا تصور کرنا مشکل ہے۔"

"ظلم اور بربریت کی بات الگ ہے۔ مجھے دن دہاڑے قتل کیا جاسکتا ہے۔ قانونی طور پر وہ میرا کیا بگاڑلیں گے؟" میں نے اسی سے پوچھا۔

"قانونی طور پر میں تمہارے خلاف سب سے مضبوط فریادی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ مجھے آگے لائیں گے۔"

اس کے انکشاف نے مجھے چونکادیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، تم کیا فریاد کروگی؟"

"پرسوں شام تم مجھے بہلا پھسلا کر اس ہوٹل کے ایک کمرے میں لے گئے اور ڈرا دھمکا کر میری آبرو لوٹ لی۔ میں پہلے بھی بتاچکی ہوں کہ بھارت میں یہ سنگین جرم ہے۔"

"تم میرے خلاف یہ شکایت کیوں کروگی؟ مجھ سے تمہیں کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔"

"انکل اور ناگر مجھے کوئی بھی قدم اٹھانے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"جان پر بن گئی تو میں بھی یہ الزام قبول کرنے سے انکار کردوں گا۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکے گا۔"

رینا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا گلاس خالی کیا اور بولی "میں نے پرسوں شام کے لیے جو کمرا مسز روشن کھمباٹا کے نام سے لیا تھا، اس میں دو گھنٹے تک خودکار کیمرے لگتے رہے تھے۔ را کے تین

آدمیوں نے کسی فلمی ہدایت کار کی طرح وہ وقت میرے ساتھ گزارا تھا اور بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ مجھے کمرے اور بستر کے کن حصوں تک محدود رہنا تھا۔ را والے کچا کام نہیں کرتے۔ کمرے میں گزاری ہوئی اس شام کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کیمرے کی پوشیدہ آنکھ نے محفوظ کرلیا ہوگا۔ تم اس گواہی کو نہیں جھٹلا سکو گے۔"

رینا کے سینے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا۔ وہ خبر سن کر میرا ذہن یکایک ماؤف ہونے لگا۔ مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ ابھرتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

"میں تمہارے انکل سے ضرور ملوں گا۔" حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "میں اپنا اصل فیصلہ پاکستان پہنچنے کے بعد کروں گا۔ وہاں انل بسواس اور را والوں کا کوئی بس نہیں چلے گا۔"

"ابھی تمہیں دیکھنا ہے کہ انکل تمہیں کیا کام سونپتا ہے۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ انکل سے کھل کر بات کرلینا۔ وہ دس نیم دل کارکنوں پر ایک پرجوش ایجنٹ کو ترجیح دینے والا آدمی ہے۔ وہ تمہیں سمجھائے گا لیکن مجبور نہیں کرے گا۔ اس سے جو کچھ طے ہوجائے، اس سے انحراف نہ کرنا ورنہ وہ پاکستان میں بھی تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تجوری میں رکھی ہوئی فلم کی نقلیں تمہارے گھر والوں اور رشتے داروں تک پہنچا دی جائیں گی۔"

"وہ اس قدر کینہ پرور ہے تو میرے انکار کو بھی گستاخی سمجھے گا اور کوئی کمینی حرکت کر گزرے گا۔"

"وہ پختہ عمر اور روشن خیالات والا آدمی ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کا قائل ہے۔ دیواروں میں سینگ نہیں اڑاتا۔ یہ سب میرے مخلصانہ مشورے ہیں کیونکہ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ان مشوروں پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تمہارا ہے۔"

میرے ذہن میں گرین کوبرا فائل کا نام ابتدا سے چکرا رہا تھا لیکن رینا سے تازہ ترین گفتگو کے بعد اپنی فلم کا نام اس سے اوپر آگیا تھا۔ انل بسواس سے وہ فلم واپس حاصل کرکے اسے تلف کیے بغیر میں کبھی بھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

را والوں نے بہت غیر محسوس انداز میں مجھے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

رینا نے میری اجازت سے اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کرلیا۔ نئے حالات کی روشنی میں میرا ذہن بہت دور تک کام کررہا تھا۔ را والوں کے بچھائے ہوئے جال کے نتیجے میں مجھے اپنی خوش گوار ازدواجی زندگی میں تلخیاں گھلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

یہ درست تھا کہ را والوں نے مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچانا تھا۔ اول خان کی ماہرانہ پیش بینی کے سبب وہ مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے اور انہوں نے مظہر خان کی فلم تیار کی تھی مگر فلم کسی بھی نام سے ہو، چہرے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے رینا کے مسلسل اصرار پر ہتھیار ڈالے تھے۔

"آج اس کمرے میں کتنے کیمرے چھپائے گئے ہیں؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بھڑک کر رینا سے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں ہے۔ اس روز میں نے کمرے کی بکنگ کرائی تھی اس لیے وہ بندوبست ہوگیا۔ وہ را والوں کی ابتدائی ضروریات تھیں۔ آج یہ کمرا تم نے بک کرایا ہے۔ شروع سے تمہاری تحویل میں ہے۔ یہاں ایک کیل تک نہیں لگائی گئی مگر ناگر کی آمد کی وجہ سے میری طبیعت بجھ کر رہ گئی ہے....."

"بس آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب پرسوں کے کسی واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"تم بلاوجہ اتنی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کچھ بولتے رہو تاکہ میں بھی تمہیں مناسب مشورے دے سکوں۔ تم یقین کرو کہ میں تم سے شرمندہ ہوں اور تمہارے ردِعمل کو فطری سمجھ کر بھول چکی ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔"

میں ایک مدت سے خود کو ہر قسم کے ریکارڈ سے بچاتا چلا آرہا تھا۔ حد یہ تھی کہ امریکی سی آئی اے بھی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود میری ایک مبہم سی تصویر سے زیادہ کچھ

حاصل نہیں کرسکے تھے مگر را والوں نے ایک ہی جھٹکے میں میری پوری فلم بنا ڈالی تھی۔ اور فنگر پرنٹس بھی لے لیے تھے۔ اگر انہیں میرے اصل نام کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا تو ان کے پاس مجھ جیسے ازلی دشمن کا مکمل ترین ریکارڈ موجود تھا۔

"تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میری فلم انل بسواس کی تجوری میں رکھی ہوئی ہوگی؟" میں نے رینا سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں" رینا ایک گھونٹ لے کر بولی "کہا جاتا ہے کہ اہم ترین ریکارڈ کے بارے میں وہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھتا ہے اور ضرورت ختم ہونے پر اپنے ہاتھوں سے ضائع کرتا ہے۔ آج کل وہ تمہاری طرف متوجہ ہے تو اس نے تمہاری فلم بھی اپنی تحویل میں رکھی ہوئی ہوگی۔ تم سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی تو شاید وہ اسے تلف کردے گا۔"

"میں بے یقینی کے اس عذاب سے بچنا چاہتا ہوں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اس سے وہ فلم کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟"

"وہ اسے تلف کرسکتا ہے لیکن تمہیں نہیں لوٹائے گا۔ اس سے یہ مطالبہ بھی نہ کر بیٹھنا۔ وہ میری طرف سے بدظن ہوجائے گا کہ میں نے اندر کی یہ باتیں تمہارے کانوں میں پھونک دیں۔ وہ اپنے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی غیر ذمے داری کو سنگین جرم تصور کرتا ہے۔"

"تم سیکرٹ ایجنٹ نہیں' بیچ کی ایک لڑکی ہو۔ اسے تم سے زیادہ توقعات نہیں ہوسکتیں۔"

"ملک کے لیے خفیہ کام کرنے والا ہر شخص اس کے نزدیک سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بس درجوں کا فرق ہوتا ہے۔ مجھ جیسی لڑکیوں کو تم سب سے نچلے درجے کی ایجنٹ قرار دے سکتے ہو۔ تم دیکھ لو کہ تمہارے لیے انکل کے منصوبے کا پہلا پتھر میری کارکردگی پر جمایا گیا ہے۔ پرسوں میں تمہارا دل لبھانے اور تمہیں انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو آج ہم دونوں کو ان تمام دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔"

وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں پہلی بار یہ بات ابھری کہ رینا ہی اس فساد کی اصل جڑ تھی۔

"میں ہر قیمت پر وہ فلم واپس لینا چاہتا ہوں" میں نے محتاط لہجے اور دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

"کل تم کھلے دل سے انکل سے مل لو۔ اسے بتادو کہ تم اس کے لیے کام نہیں کرسکتے۔ دیکھو' وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔"

"میرے انکار کے بعد بھی تم مجھ سے ملتی رہوگی؟" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"یہ اقرار یا انکار تمہارے اور انکل کے درمیان ہوگا۔ جب تک مجھے تمہارے بارے میں کوئی نیا حکم نہیں ملے گا' میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

اس کے ذریعے صرف کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام اس کی بھول' غلطی یا میری چالاکی سے پہنچا تھا۔ اس کے سوا رینا نے ہر بات رضاکارانہ طور پر مجھے بتائی تھی۔ ساتھ ہی یہ اصرار بھی کرتی رہی تھی کہ میں ان میں سے کئی باتوں کا ذکر انل بسواس سے نہ کروں۔ اس کی وہ باتیں دوغلی اور ہلکی تھیں۔

میرا ذہن ایک مرتبہ پھر الجھنے لگا۔

انل بسواس ٹھنڈے خون والا ایک بے رحم حریف تھا۔ رینا مجھے اس سے کھل کر بات کرنے پر اکسا رہی تھی۔ مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ انل بسواس مجھے اپنے کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد آسانی سے بھول جائے گا۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ میں بھارت سے پاکستان لوٹنے کے بعد وہاں کے افسرانِ بالا کو اس کا کچا چٹھا بتادوں کہ وہ دہلی میں سیاحتی ویزا پر آئے ہوئے پاکستانیوں میں سے بعض کو خوبرو لڑکیوں کے ذریعے پھانس کر پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

میرا تجربہ میرے سامنے تھا۔ مجھ سے پہلے وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو پھانس چکا تھا۔

اس نے دہلی سے شملہ کے راستے پر تین پاکستانی سفارت کاروں کو نہایت سفاکی سے اپنے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اس کے لیے مجھ جیسے ضدی پاکستانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردینا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔ فرق صرف یہ ہوتا کہ مجھے ڈینی نہیں' مظہر خان سمجھ کر مارا جاتا۔ رینا کے مشوروں میں اس سنگین امکان کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا۔

یکایک مجھے محسوس ہونے لگا کہ رینا اجیت رائے وہ نہیں تھی جو بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بہت معصومیت کے ساتھ میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل' کھیل رہی تھی جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے۔ کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آرزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آرزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مالتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کردیا گیا۔ را والوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین وسنگین تنہائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملواسکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ رینا کا انکل تھا۔ میں اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کرکے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہوکر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ڈیوڈ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کردیا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل، کھیل رہی تھی۔ جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے، کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اس وقت تک میں نے رینا کے بارے میں منفی خطوط پر کچھ نہیں سوچا تھا۔ پچھلی ملاقات سے اس وقت تک، وہ مسلسل میرے ذہن پر سوار رہی تھی لیکن اس کے بارے میں سرے سے کچھ سوچنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

میں صرف اور صرف انل بسواس کے چکر میں پاکستان سے دہلی پہنچا تھا۔ وہی میرا اکلوتا ہدف تھا۔ اس کی زد میں کوئی اور بھی آجاتا اور میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوجاتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہوتی۔ دہلی پہنچنے کے بعد آئی بی کے ایجنٹوں کے ذریعے مجھے نہ صرف انل بسواس کا سراغ مل گیا بلکہ میں نے اس کا ایک دفتر اور گھر بھی دیکھ لیا مگر اہم ترین مسئلہ اس مکار تک رسائی کا تھا۔

رینا اجیت رائے بالکل غیر متوقع انداز میں اس منظر نامے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ آئی اور پھر آتے ہی میرے ذہن پر چھاتی چلی گئی۔ اس نے نازوادا اور اپنے تمام تر جسمانی حسن کا جادو جگا کر میرے دل ودماغ کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس کی بول چال میں عیاری اور مکاری کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ وہ بولتی بھی تو ایسی سادگی اور معصومیت سے بولتی تھی کہ اس کی کہی ہوئی ہر بات پر بے اختیار یقین کرلینے کو جی چاہتا تھا۔

رینا کو میں نے اپنے جال میں نہیں پھنسایا تھا۔ وہ ازخود

میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے بارے میں اس نے جو کہانی سنائی، وہ بظاہر ہر شک و شبے سے بالا تھی پھر جب اس نے اتفاقی انداز میں مجھے انل بسواس سے ملوانے کا ذکر چھیڑا تو میں فطری طور پر اس کے جال میں پھنس گیا۔ اس کی ذات پر اپنے سارے شکوک و شبہات کے باوجود میں نے اسے اہمیت دینے کا فیصلہ کرلیا۔

میں انل بسواس تک پہنچنے کے سلسلے میں حد سے زیادہ پریشان تھا۔ رینا نے مجھے اس سے ملوانے کی براہِ راست پیش کش کی تو میں نے اسے تائید غیبی سمجھتے ہوئے دل ہی دل میں فوراً قبول کرلیا۔ رینا کے ساتھ کچھ نمائشی پس و پیش ضروری تھا تاکہ اسے میرے عزائم پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد میں نے رینا کی تجویز کے مطابق انل بسواس سے ملنے پر اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اس پورے قصے میں انل بسواس کی ذات اتنی طاقت ور اور ترجیحی حیثیت رکھتی تھی کہ مجھے رینا کے کردار پر دھیان دینے یا اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میری سوچ کا ہر زاویہ انل بسواس پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

اگر اس وقت رینا اکیلی آئی ہوتی تو میرے ذہن میں کوئی شبہ سر نہ ابھارتا لیکن وہ غیر متوقع طور پر ناگر جیسے درشت رو پیشہ ور کے ساتھ آئی تھی جس کا رویہ کسی بھی طرح حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آیا تھا جیسے مجھے کوئی قاتل یا مجرم سمجھ رہا ہو۔ اسی انداز میں اس نے میرے فنگر پرنٹس لیے بس اتنی مہربانی ضرور کی کہ جاتے ہوئے نرمی کے دو بول بول گیا تھا۔

ناگر کی آمد نے صورتِ حال کو یکسر بدل دیا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ رینا نے بند کمرے میں اپنے ساتھ میری قلم بندی کا راز افشا کرکے مجھے خوف زدہ یا بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تک وہ مجھے ایک عام، خانہ دار پاکستانی سمجھ رہی تھی جو بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کی نظروں میں اپنی روح فرسا تذلیل سے بچنے کے لیے کوئی بھی کام کر گزرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

وہ بیک وقت دو سمتوں میں کام کر رہی تھی۔ میں انل بسواس کی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تو کہیں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ بھارت میں قیام کے دوران میں میرے اور رینا کے مراسم بھی جوں کے توں برقرار رہ سکتے تھے لیکن انل بسواس سے کسی اختلاف کی صورت میں میرا مار دیا جانا رینا اجیت رائے کے مفاد میں تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے مقاصد کے بارے میں مجھے گوپال سے اطلاع مل گئی تھی۔ میں نے جب اپنی اطلاع کی بنیاد پر ایک پانسہ پھینکا تو رینا بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اکیڈمی سے را والوں کی وابستگی کا معاملہ بھارت میں بھارتیوں سے بھی چھپایا جا رہا تھا۔ رینا کی دانست میں راز کی اس بات کا میرے علم میں آنا بہت خطرناک تھا۔

رینا کی باتوں سے مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا کہ اگر انل بسواس کو یہ پتا چل جاتا کہ رینا کے ذریعے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی والی بات مجھ تک پہنچی تھی تو شاید وہ رینا کی کھال میں بھس بھروا دیتا۔ اس سے ہونے والے مذاکرات میں اس کی بس وہی ایک کمزوری کھل کر میری سامنے آسکی تھی۔

رینا کو صرف دو صورتیں قبول ہوسکتی تھیں۔ میرے اور انل بسواس کے درمیان مفاہمت ہو جاتی یا پھر وہ مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیتا۔

اس کی ساری گفتگو کا محور یہ تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے ایک مخصوص زاویے سے گفتگو کروں۔ بات کو کسی ایسے رخ پر نہ ڈالوں جس کا کوئی تیسرا انجام بھی ممکن ہو۔ میں نے اپنے تیوروں کی ساری نرمی اور گرمی دکھانے کے باوجود اس وقت تک یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں تفریح کے لیے بھارت آئے ہوئے ایک معمولی پاکستانی تاجر سے زیادہ کوئی اہمیت رکھتا تھا۔ وہاں میرے لیے اسی وقت تک زندہ اور آزاد رہنے کی کوئی امید باقی رہتی جب تک میں مظہر خان سمجھا جاتا جس لمحے ان بھیڑیوں کو یہ شبہ ہوتا کہ میں نے روپ بدلا ہے تو وہ میرے لہو کے پیاسے ہو جاتے۔

''کہاں کھو گئے؟'' رینا اجیت رائے نے مجھے خاموش پاکر ایک ادا سے ٹوکا۔

''سوچ رہا ہوں کہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ بھارت کی سیر مجھے بہت مہنگی پڑ گئی۔''

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ میرے لب و لہجے کی تندی زائل ہونے کے بعد اس کا کھویا ہوا اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہو چلا تھا یا پھر وہ اس قسم کی کامیاب ترین اداکاری کر رہی تھی۔ وہ بولی ''شاید تم نے سنا ہوگا۔ کسی نے کہا ہے، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اگر تم اپنی پتنی کے ساتھ آئے ہوتے تو کوئی بھول کر بھی تمہاری طرف دھیان نہ دیتا۔ یہ گڑبڑ اس وجہ سے ہوئی کہ گھالہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے نہ بہن بیٹی ہے نہ ماں پھر بھی وہ تمہارے ساتھ ایک کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ ساری بات یہاں سے شروع ہوئی ہے۔ اب فیصلہ تمہاری مرضی پر

ہے۔"

وہ بالکل بجا تھی۔ ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی چیکنگ کے لیے آنے والے پولیس افسروں نے اس انکشاف میں گہری دلچسپی لی تھی اور ان میں سے ایک نے خاص طور پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اونچے آدمی دکھائے پڑتے ہو۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی تیز آواز پر گہری نیند سے بیدار ہوکر ان دونوں کے روبرو پہنچا تھا۔ ہوٹل کی کسٹمر سروس والی خاتون کے ذریعے مجھے پتا چل چکا تھا کہ وہ پولیس افسران پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی جانچ پڑتال کے ذریعے یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ ان میں کوئی مشتبہ دہشت گرد نہیں تھا۔ میری چھٹی حس اس وقت خوابیدہ تھی یا ذہن سست تھا کہ میں پولیس افسر کے طنزیہ تبصرے میں پنہاں طنز کو یکسر نہ سمجھ سکا۔

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس وقت تک یہ واضح ہوچکا تھا کہ میں نے اپنے اور غزالہ کے لیے ایک کمرے کا انتخاب کرکے سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ مجھے اس سے دور رہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میرے اور اس کے نام پر الگ الگ کمروں کی بکنگ ضروری تھی تاکہ کوئی اجنبی محض ہوٹل کے ریکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر میرے اور اس کے درمیان کسی تعلق کے بارے میں نہ جان سکے۔

میری وہ پشیمانی اور خیال آرائی بہت زیادہ بعد از وقت تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے اس کے نتائج کا سامنا کرنا تھا۔

انل بسواس کا نام میرے وجود میں تلخیاں گھول رہا تھا۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ہونے والی ساری ریشہ دوانیوں اور دہشت گردیوں کے پیچھے انل بسواس کا ذہن کار فرما تھا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہونے کی وجہ سے ہمارا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ہم تینوں اس فتنے کو اسی کے وطن کی سرزمین پر کچلنے کا عزم لے کر لاہور سے نکلے تھے لیکن یہ ہمارے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک ذرا سی بھول کے نتیجے میں ہم اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے پھیلائے ہوئے ایک بھیانک جال میں پھنستے ہوئے نظر آرہے تھے۔

خطرات کے مہیب بادل میرے اور غزالہ کے سروں پر سایہ فگن تھے۔ ویرا ہم سے الگ تھی اور اس خطرے سے بچی ہوئی تھی۔ اس نے بظاہر پوری کامیابی اور صفائی سے انسپکٹر ڈیوڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ہم ایک بھارتی چیونٹی کو بھی نہیں مار سکے تھے اور دلدل میں جا اترے تھے۔

اس موڑ پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ بہت منظم اور سازشی انداز میں کھیل کھیلا گیا تھا۔ سارا کمال رینا کا تھا جو ایک حسین اور بگڑی ہوئی رئیس زادی کے روپ میں مجھے اپنے دام میں الجھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحے ایک تصویری فیتے پر محفوظ تھے۔ ناگر دھونس اور دھمکی کے ذریعے میرے فنگر پرنٹس لے جاچکا تھا۔ ملاقات کے روپ میں اگلے روز، دو بجے مجھے انل بسواس کے سامنے پیش ہونا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس مجوزہ ملاقات یا پیشی کو یقینی بنانے کے لیے انڈین سیکرٹ سروس والوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کردیا ہوگا تاکہ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں روپوش نہ ہوسکوں۔ رینا نے مجھے ایسی کسی کوشش کے سنگین نتائج سے آگاہ ضرور کردیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ پرانی گاڑیوں کا ایک خوف زدہ پاکستانی تاجر اس آگاہی کو کوئی اہمیت دیتا۔ را والے اس امکان کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔

"بات شروع ہوگئی ہے تو اب اپنے انجام تک ضرور پہنچے گی۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ نہ سوچو۔ کل دو بجے انکل سے مل لو۔ رام بھلی کرے گا۔" رینا نے گہری سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"دیکھو رینا! اب تک تم بہت کچھ بتا چکی ہو۔ میں عام لڑکیوں کے ہاتھوں بے وقوف بن جانے والا آدمی ہوں مگر آہستہ آہستہ یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ میں را والوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ انہوں نے میری اور تمہاری وڈیو فلمیں بنالی ہیں۔ اب وہ مجھے بلیک میل کریں گے کہ میں ان کے لیے کام کروں، پاکستان سے غداری کروں، ان کا جاسوس بن جاؤں۔ یہ سب کروں تو ٹھیک ہے۔ پاکستان والے کبھی نہ کبھی مجھے پکڑ کر جیل میں سڑا دیں گے۔ نہ کروں تو تمہارا انکل مجھے مروا دے گا۔ یہ..."

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ مارنے والا آدمی نہیں ہے۔" رینا نے میری بات کاٹ کر اصرار کیا "تم میری بات ہی نہیں سمجھ رہے...."

اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں بول پڑا "تم خود کو سیکرٹ ایجنٹ کہہ رہی ہو اور مجھے الٹی پٹی

بڑھا رہی ہو۔ مجھے تو اب یہ فکر ہے کہ میں نے پاکستان جا کر انکل کے بتائے ہوئے کام شروع کیے تو پاکستان کی ایجنسیوں سے کب تک بچا رہوں گا۔ بھارت کی طرح' وہاں بھی غداری کرنے والوں کا حشر بہت خراب ہوتا ہے۔"

اس کے چہرے پر طمانیت کا ایک گہرا رنگ آکر گزر گیا۔ وہ بے پروائی سے بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے ٹھیک فیصلہ کرلیا ہے اور اب ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غداری وڈاری کچھ نہیں ہوتی جو لوگ دال' چاول' آٹے اور گھی تیل میں ملاوٹ کرتے ہیں وہ سب سے بڑے غدار ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی گالی تک نہیں دیتا۔ لوگ پیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں' سامنے ان کی عزت کرتے ہیں۔ کوئی دو چار باتیں ایک آدھ کاغذ اِدھر اُدھر کرکے اپنی روزی کماتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ مجھے دیکھو! بتاؤ' میں کہاں سے گھس گئی؟ میرا کیا بگڑا؟ میں پچھلے مہینے اپنی ماں سے ملنے گئی تھی تو سارے رشتے دار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ مجھے دہلی کا پانی خوب راس آیا ہے۔ میرے اوپر جوبن ٹوٹ کر برس رہا ہے۔ یہ سب پیسے کی برکت ہے جو مجھے آسانی سے مل رہا ہے۔ پہلے ہم سب فاقوں سے مر رہے تھے تو کوئی ایک وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھتا تھا۔ تم نے انکل کی بات مان لی تو تمہارے دن پھر جائیں گے۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "تم میرٹھ سے دہلی آئیں تو ایک معصوم لڑکی تھیں۔ دہلی سے میرٹھ لوٹیں تو عورت بن چکی تھیں۔ یہ تجربے اور من کی ٹھنڈک کی رونق ہوتی ہے جو عورت کے چہرے پر برستی ہے۔ لڑکا' مرد بن کر بھی فکر مند رہتا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا "تم سچ کہتے ہو۔ من کی ٹھنڈک کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ تم سے ہونے والی پرسوں کی ملاقات میرے دل میں ایک کسک بنی ہوئی ہے مگر آج تمہاری نظریں کچھ بدلی ہوئی سی ہیں۔"

"جس وقت تم نے ناگر کے ساتھ اس کمرے میں قدم رکھا' خرابی کا آغاز ہوگیا تھا۔ تمہاری زبان سے پرسوں کی باتیں سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آرہا ہے کہ میں اسی وقت تم کو کیوں نہیں سمجھ سکا۔ اب مجھ سے کسی حماقت کی توقع نہ رکھو۔ تم نے کافی باتیں کرلیں' یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

"میں اس وقت واپس ہاسٹل گئی تو مذاق بن جاؤں گی۔"

اس نے افسردگی سے بات آگے بڑھائی "میں رات گئے لوٹنے کے ارادے سے آئی تھی۔"

"لڑکیاں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ جائیں تو سب سکھ کا سانس لیتے ہیں۔" میں نے چوٹ کی۔

"یہ گھر والوں کی باتیں ہیں۔ ہم سب دربدر رہیں۔ باہر گزارا ہوا وقت ہمارا رتبہ بڑھاتا ہے۔"

"نہیں رینا' سوری!" میں نے سختی سے کہا "تمہیں ابھی اور اسی وقت جانا ہوگا تاکہ میں سکون سے کچھ سوچ سکوں۔"

"میں تمہاری سوچ میں رکاوٹ نہیں ڈال رہی۔ تم اپنے کمرے میں جا کر خوب سوچو۔ مجھے یہاں پڑا رہنے دو۔ جب رات خوب گہری ہوجائے گی تو میں چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے واپس چلی جاؤں گی۔ تم آج کی رات کے لیے کمرے کا کرایہ دے چکے ہو۔"

"کرایہ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا انکل میرا یہ نقصان پورا کردے گا مگر تم چلی جاؤ کیونکہ یہ کمرا میرے نام پر ہے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ مجھ سے جان چھڑانے کے بعد تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور کو یہاں پھانس لاؤ۔"

"مظہر!" اس کی آواز میں کرب اور شکوا امڈ آیا "میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں۔ وعدہ کرتی ہوں کہ ایک بار اس کمرے سے قدم باہر نکالا تو دوبارہ اندر نہیں آؤں گی۔ بس مجھے چند گھنٹے یہاں گزار لینے دو۔"

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بارہ بجے تک کا وقت دیتا ہوں۔"

میرے فیصلے کی وہ تبدیلی مصلحت آمیز تھی۔ میرے اور اس کے درمیان بگاڑ پیدا ہو چکا تھا لیکن اس بگاڑ کا ایک حد سے تجاوز کرنا میرے لیے سود مند نہیں تھا۔ اس کے ذریعے انل بسواس سے پہلی ناگزیر ملاقات کے بعد میں اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر سکتا تھا۔

وہ تیزی سے جھکی اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے میری داہنی ہتھیلی کی پشت چوم لی "اوہ! تم کتنے اچھے ہو!"

"میں بہت برا ہوں۔" اپنی جلد پر اس کے گداز ہونٹوں کا سلگتا ہوا لمس محسوس کرتے ہی میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا "مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش مت کرو۔ تم ایک مقصد کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھیں، اسی تک محدود رہو۔ آگے مت بڑھو۔"

"مقصد لے کر ضرور آئی تھی لیکن تم نے میرے دل کو گھائل کر دیا۔ جی چاہتا ہے تم کو دیکھتی رہوں، تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"یہ شراب کا اثر ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "نشہ اترے گا تو تمہارا دل انکل سے باتیں کرنے کو چاہے گا۔ میرے ساتھ یہ اداکاری مت کرو اور اتنا بتا دو کہ کل دو بجے مجھے انل بسواس کے پاس لے جانے کے لیے ناگر کے علاوہ اور کتنے آدمی اپنے ساتھ لاؤ گی۔"

"تم زبان کے بہت کڑوے ہو۔ بولتے ہو تو دل کو چیر کر رکھ دیتے ہو۔ کل میں ایک بجے اکیلی آؤں گی اور لابی سے تمہیں انٹرکام پر بتا دوں گی۔" اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا "غلطی میری ہے کہ تمہاری ذات کے جادو میں آکر میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دی۔"

کچھ دیر کے لیے مجھے بھی شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہی تھی لیکن اس کا ہر سچ مجھے یہ احساس دلانے کے لیے تھا کہ میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ وہ صرف اور صرف ایک بات سے خوف زدہ تھی کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ دہلی کے تفریحی علاقوں میں دل پھینک یا پاکستانی سیاحوں کی تلاش میں بھٹکنے والی را کی ایک کال گرل تھی۔ اس کے لیے کال گرل کی اصطلاح اس مفہوم میں غلط تھی کہ اسے اس کے گاہک نہیں بلاتے تھے۔ وہ خود ہی موزوں شکار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی تھی۔ وہ اس کی مستقل ڈیوٹی تھی جس کے لیے را والے اسے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے فنڈز سے بھاری ماہانہ مشاہرہ دیتے تھے۔

اصلیت کھل جانے کے بعد میری نظروں میں اس کی ذرا بھی وقعت نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی جذباتی شکایت پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ کرسی چھوڑ کر سرد مہری سے ہاتھ ہلایا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

رینا اجیت رائے سے میری پہلی ملاقات کا اختتام بہت امید افزا اور سنسنی خیز تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی ردوکد کے بغیر بہت آسانی سے انل بسواس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر دوسری ملاقات نے اس خوش فہمی پر پانی پھیر کر مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں را والوں کے بچھائے ہوئے جال سے کیسے نکل سکوں گا۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد انل بسواس کے خلاف کارروائی کا امکان معدوم ہوتا نظر آرہا تھا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ انداز مخصوص اور طے شدہ تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی دروازے کا قفل کھول دیا۔ دروازہ کھلا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار کو چھیڑا اور اندر داخل ہو گیا۔

"اسے سات بجے آنا تھا اور آپ آٹھ بجنے سے پہلے لوٹ آئے۔ کیا رینا نہیں آئی؟" غزالہ اپنے تجسس پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی۔

"وہ سات بجے ہی آئی تھی۔ اب بھی کمرے میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ میں کام کی باتیں کر کے لوٹ آیا۔" میں یہ کہتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنی آسانی سے آپ کو واپس لوٹنے دیا۔" غزالہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال تھا کہ وہ آزاد خیال عورت ہے۔ آپ کو روک لے گی اور میں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہوں گی۔"

میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "مجھے ہمیشہ تمہارے جذبات کا احساس رہتا ہے۔ پچھلی بار وہ اچانک مجھ سے ٹکرائی تھی۔ آج میں ذہنی تیاری کے ساتھ اس سے ملا تھا مگر آج کی ملاقات اس اعتبار سے مایوس کن تھی کہ وہ مجھے گھیر چکی ہے۔"

"اس کے ساتھ کوئی قد آور اور درشت رو شخص بھی آیا تھا۔" غزالہ کے اس تائید طلب سوال نے مجھے حیران کردیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میرے ذہن میں اضطراری طور پر اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ میرے روانہ ہونے کے بعد وہ چھپ کر کہیں سے نگرانی کرتی رہی ہوگی۔ رینا اور ناگر کے میرے پاس پہنچنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی ہوگی۔"

"اپریٹس پر گوپال کی کال آئی تھی۔" غزالہ نے سادگی سے جواب دے کر مجھے دل ہی دل میں شرمندہ کردیا "وہ بتا رہا تھا کہ آج رینا را کے ایک بہت خطرناک ایجنٹ کے ساتھ ہوٹل پہنچی ہے۔ اس کے عزائم نیک نظر نہیں آتے۔ آپ اس سے بات کرلیں، وہ بہت فکر مند تھا۔"

غزالہ کے ذہن میں ترجیحات بہت واضح تھیں۔ اس نے میری اور رینا کی ملاقات کی تفصیلات کریدنے کے بجائے گوپال کی کال کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا تھا اور یوں موضوع سخن یکایک ہی تبدیل ہوگیا تھا۔

میرے ذہن پر اول خان سوار تھا کیونکہ سات بجے کراچی سے اس کی فون کال آنی تھی۔ اول خان سے وہ پروگرام طے ہونے کے بعد رینا نے بھی ملاقات کے لیے وہی دن اور وقت دے دیا تھا۔ "سات بجے اول خان کا فون آیا تھا؟ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"فون آیا تھا۔ وہ بہت فکر مند تھا۔ یہاں کام کرنے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ حالات اور واقعات کو جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے مطابق اپنی خفیہ رپورٹیں اسلام آباد بھیجتے ہیں۔" وہ بتانے لگی "وہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو ستانے والا انسپکٹر ڈیوڈ پراسرار طور پر کیسے مارا گیا۔"

"دنیا بہت زیادہ سکڑ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں حقائق دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ ویرا کی وہ حرکت بہت خطرناک تھی۔"

"ویرا اپنا راگ الاپ چکی۔ آپ نے بلاوجہ اسے اپنی جان کا روگ بنالیا ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ہلکی سی ترشی اتر آئی "یہ دہلی پولیس کی نااہلی ہے کہ وہ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ جب انہیں ویرا سے تفتیش کا خیال نہیں آیا تو آپ کو اور اول خان کو کیوں تشویش ہے۔"

"تشویش نہیں، بس تھوڑا سا قلق ہے کہ اس نے ہمیں اعتماد میں لیے بغیر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ وہ یوں بچی ہوئی ہے کہ ایک پولیس افسر صبح سے شام تک دسیوں خطرناک ملزموں اور مجرموں سے ملتا جلتا ہے۔ اس بھیڑ میں کسی کو ویرا کا خیال نہیں آیا ورنہ وہ اب تک پس زنداں ہوتی۔ بہرحال، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وقت گزر گیا، خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمیں اس پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔"

"وہ آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا تھا۔ دس بجے دوبارہ فون کرے گا۔" غزالہ نے بتایا ہے۔

"وہ احمق اور جذباتی آدمی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "بیرون ملک سے آنے والی فون کالز کی کثرت ہمارے لیے درد سر بن سکتی ہے۔ پاکستان سے چند گھنٹوں میں دو فون کالز! خدا کی پناہ! اول خان آخر کیا چاہتا ہے۔"

"وہ مخلص دوست ہے۔ آپ کی خیریت کے سوا اور کیا چاہ سکتا ہے۔" غزالہ مجھے چڑانے والے انداز میں مسکرائی "آپ کے سارے خیر خواہ ایسے ہی ہیں۔ وہ پاکستان میں رہ کر آپ کے غم میں گھلا جارہا ہے، ویرا آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے دم چھلے کی طرح لگی لگی یہاں آپہنچی ہے اور اب رابرٹو ڈیلینی جیسے سادہ لوح اطالوی نوجوان کو اپنی فیاضیوں سے بہرہ ور کررہی ہے۔ ایک آپ ہیں کہ ان کے جذبات کا احترام کرنے کے بجائے ان پر غصہ دکھا رہے ہیں۔"

اس کے موڈ میں وہ تبدیلی اچانک رونما ہوئی تھی۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، بس خشم ناک نگاہوں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

میرے لیے گوپال زیادہ اہم تھا کیونکہ وہ دہلی میں تھا اور مقامی حالات سے خاصا باخبر بھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اور اس کے آدمی میری فکر نہ کریں۔ مجھ سے دور رہیں لیکن اس نے اپریٹس پر غزالہ کو ناگر کے بارے میں بتا کر یہ ثابت کردیا کہ آئی بی والے میری طرف سے غافل نہیں تھے۔ اپنی ذات کے بارے میں میری بے پروایانہ ہدایات کو نظر انداز کرکے وہ اپنے بڑوں کے احکام پر عمل کررہے تھے۔ ان کے لیے میں وی آئی پی کا درجہ رکھتا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ میری نظروں سے دور رہ کر میری حفاظت کررہے تھے۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب ان کو اس بارے میں مزید کوئی ہدایت دوں گا نہ تاکید کروں گا۔

کمرے کے دروازے کا قفل چیک کرکے میں نے اپریٹس سنبھالا اور گوپال سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ عابد علی عرف گوپال شاید کہیں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کے، جی ٹو کے پاس ورڈ پر اس کے لیے وقفے وقفے سے تین پیغام نشر کیے مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ

موقع پاتے ہی، پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے گا۔
یہی ہوا۔ چند منٹ بعد اس کی کال آگئی۔ وہ کسی ایسی کھلی جگہ پر تھا جہاں ایریئس نکالنا بھی مشکل تھا۔ اس نے ایک گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ایک کھلا پیغام نشر کیا تھا کیونکہ اسے کال کا سگنل ضرور مل چکا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ولی رام، سنیل اور مجھ میں سے کس نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔
"جی ون کالنگ!" میں نے ہلکے ریڈیائی شور میں اس کی آواز سننے کے بعد کہا "میں تمہیں تلاش کررہا تھا۔"
"اس سے پہلے مجھے تمہاری فکر تھی۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" میری آواز سن کر اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"اپنے کمرے میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ ناگر چند منٹ بعد ہی واپس چلا گیا تھا۔"
"وہ لڑکی زہریلی ہے۔ تم اس کی معصومیت سے دھوکا کھا گئے۔ تمہارے ساتھ کوئی بہت خطرناک داؤ کھیلا جارہا ہے۔"
"مجھے معلوم ہے۔" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ہم دشمن تک پہنچنے کی فکر میں تھے لیکن دشمن خود ہی ہمارے سامنے کھلتا جارہا ہے۔ یہ آنکھ مچولی خطرناک ضرور ہے لیکن اس طرح ہمارا کام شاید آسان ہوجائے گا۔"
"تم چیف ہو۔ میں تمہارے تجزیے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن رینا کے ساتھ ناگر کی موجودگی کی خبر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ دو بدترین دشمن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک غافل ہوگا۔"
"وہ لوگ غافل نہیں، بہت ہوشیار ہیں مگر پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔
"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔
"وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی پاکستانی کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ مظہر کا قصور یہ ہے کہ وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ پولیس چیکنگ کے دوران میں یہ بات بھارتی حکام اور را والوں کے علم میں آچکی ہے۔"
شاید تمہاری یہ بات درست ہو۔" میرے جواب سے اس کی الجھن پوری طرح دور نہیں ہوسکی "رینا عام طور پر رنگین مزاج پاکستانیوں کے گرد منڈلاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے۔ یہ بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے ورنہ پہلے ہم اسے را کی ایک اوباش کارکن سمجھتے تھے۔"
"یہ بتاؤ کہ ناگر کو دیکھ کر تم یا تمہارے آدمی اتنے پریشان کیوں ہوگئے تھے۔"
"وہ اپنے ساتھیوں میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا تعلق را کے کمانڈوز گروپ سے ہے۔ یہ گروپ بلیک کیٹس کہلاتا ہے۔ اس کا آنا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔ وہ تم سے ملا تھا یا باہر ہی سے واپس لوٹ گیا؟"
گوپال اس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔
غزالہ میرے قریب کھڑی، بہت توجہ سے دو طرفہ گفتگو سن رہی تھی کیونکہ اس وقت تک میرے اور اس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔
"وہ آیا، ملا اور چلا گیا۔" میں نے اپنے فنگر پرنٹس کا تذکرہ دانستہ گول کردیا۔ وڈیو فلم بہرحال شجرِ ممنوعہ تھی۔
"ایں...!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کے آنے کا مقصد کیا تھا؟"
"رینا چارے کے طور پر استعمال کی جانے والی ایک معمولی لڑکی ہے۔ ناگر اپنے بڑے کی نمائندگی کررہا تھا۔ مجھے کل دو بجے انکل سے ملنا ہے۔"
"اوہ! کل دو بجے! لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ ناگر سے تم نے کچھ تو پوچھا ہوگا۔"
"وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ مجھے اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔"
"انہیں بھنک بھی مل گئی کہ تم کون ہو تو معاملہ اچانک بہت سنگین ہوجائے گا۔"
"میں اپنی مرضی سے اس کے پاس نہیں جارہا۔ وہ لوگ خود میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اس ملاقات سے بچنے کی کوئی محفوظ صورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں پورے خلوص سے اس پر عمل کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا "میں اس ملاقات میں مضمر خطرات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔"
"آج پانسہ بالکل پلٹ چکا ہے۔" اس کی سپاٹ آواز آئی "ناگر کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ را والے تمہاری ذات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کل انکل سے تمہاری ملاقات طے ہوچکی ہے۔ یہ را کا گھر ہے۔ وہ یہاں ہزار پا بلا کی طرح ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر انہوں نے تم کو تاک لیا ہے تو تم

انہیں جل دے کر کہیں بھی نہیں جا سکو گے۔ وہ اپنے منحرفین کو بہت بے رحمی سے کچل ڈالتے ہیں۔"

"میں خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اسی لیے میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی ہوٹل سے نکاس کے راستوں کی نگرانی ہو رہی ہو اور میں ہوٹل سے نکلوں تو میرا پیچھا کیا جائے، کہیں نکل بھاگنے کی کوشش کروں تو وہ مجھے روک دیں۔"

"تم واقعی بہت جلد صحیح نتائج اخذ کرتے ہو۔ مجھے یہی سب خیالات پریشان کر رہے ہیں مگر میں یہ باتیں دہراتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں تم پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ تمہاری نیک نیتی پر مجھے پورا یقین ہے۔ شاید انسپکٹر کی موت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں۔"

میرے آخری سوال پر وہ چونک پڑا "نن .... نہیں تو! تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"یہ مقامی نوعیت کا ایک واقعہ تھا۔ اس کی بازگشت اسلام آباد اور کراچی میں سنائی دے رہی ہے۔"

"تم خود سوچو۔ وہ برسوں سے یہاں کام کر رہا تھا۔ اس کی بدمعاشیاں اور چیرہ دستیاں کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ عورتوں کا رسیا تھا۔ اس کے افسروں کو بھی معلوم تھا کہ وہ اکیلی گھومنے والی مشتبہ غیر ملکی لڑکیوں سے اپنا خراج وصول کرتا تھا مگر اس کی مجموعی کارکردگی کی بنا پر اس کی ایسی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کی جاتی تھی۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک رات اس نے این پر ڈورے ڈالنے کی ناکام کوشش کی اور اگلی شام وہ مارا گیا۔"

"تو کیا تم این پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"اس پر شبہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا "بس یہ ڈر ہے کہ اس واقعے سے اس کی پوزیشن مخدوش ہو گئی ہے۔"

"اور تم نے اپنی رپورٹ میں بھی یہ اندیشہ ظاہر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" وہ میرے شبہے کی تائید کرنے پر مجبور تھا "ہم جو کچھ دیکھتے، سنتے اور محسوس کرتے ہیں، اسے آگے بڑھا دیتے ہیں۔"

"اپنی رپورٹ بھیجتے ہوئے تم نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ تفتیشی افسران ان خطوط پر نہیں سوچ رہے۔ وہ کچھ مشتبہ افراد کو حراست میں لے چکے ہیں۔"

"یہ پولیس کا روایتی طریقہ کار ہے۔ اکثر وہ سست رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہیں۔ کوئی معاملہ ان کے ریکارڈ پر زندہ ہو تو وہ دس برس بعد بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ میں ناکامی کے بعد وہ کسی بھی وقت تفتیش کا رخ بدل سکتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا تو اس میں وزن تھا۔ میں نے پوچھا "پھر تمہاری کیا تجویز ہے؟"

"این کو یہاں سے لوٹ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ تفتیش کی زد میں آئے۔ اسے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ نوے دن کا ویزا لے کر آئی ہے۔ چند روز بعد واپسی اسے بلاوجہ شبہات کی زد میں لے آئے گی۔"

"واپسی کے لیے بیماری کا عذر سب سے مضبوط ہے۔ ویسے بھی کسی جواز کے بغیر کسی سیاح سے پوچھ گچھ نہیں ہوتی خاص طور پر واپس جانے والوں کی زیادہ جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔ وہ آج کل میں آرام سے نکل سکتی ہے۔ خطرات سے لڑنے کے بجائے انہیں ٹالنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔" میں نے پر خیال آواز میں کہا "میں کوشش کروں گا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ رابرٹو ویلینی نامی ایک اطالوی لڑکا اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔" گوپال کی آواز سے جھجک مترشح تھی۔

"وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے۔" میں نے ترشی سے وہ بات وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "این کا کوئی پرانا شناسا ہے۔"

"اوکے! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" گوپال نے وہ بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی "کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رینا کیا کہتی ہے؟"

اس نے میرے ایک اشارے پر ویرا اور اس کے اطالوی ساتھی کو بھول کر بالکل نیا سوال کیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی پر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے دوستانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں اپنے مطلب کی لڑکیاں تلاش کرتے ہیں۔ خوب رو، جوان اور ضرورت مند یا شوقین لڑکیاں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ انہیں بھرپور آوارگی کی تربیت دینے کے بعد وہ میدان میں اتار دیتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" میری تصدیق پر وہ خوش ہو گیا "اب ہم ان کے اس اڈے کو جلد ہی تباہ کردیں گے۔"

"تباہ کردو گے!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم لوگ تو

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہو۔ خون خرابا تو دور کی بات ہے، غیر ضروری تصادم سے بھی گریز کرتے ہو پھر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو کیسے تباہ کرو گے؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جس کو جو مشن سونپا جاتا ہے وہ تن، من، دھن کی بازی لگا کر اسی مشن پر کام کرتا ہے۔ نتائج حاصل کرتا ہے یا پھر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ ہم بلاوجہ اِدھر اُدھر اُلجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسا کرنے سے اصل ہدف دور ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا کام کچھ بھی ہو، اس کا بنیادی مقصد ایک ہوتا ہے۔ اپنے وطن کے خلاف دشمن کی کارروائیوں کو روکنا اور اس کی دہشت گرد ایجنسیوں کی قوت کو توڑنا۔ را والے اگر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں نیا خون حاصل کر رہے ہیں تو زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یہ کھیل بند ہو جائے گا۔"

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں مگر تم اس اکیڈمی کے خلاف کیا کرو گے؟"

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ یہاں رہ کر ہم نے کچھ مراسم استوار کیے ہیں، کچھ دوست بنائے ہیں۔ ان میں سے کسی تیز طرار صحافی کو کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے پیچھے لگا دیں گے۔ جب اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع میں اکیڈمی کی مذموم کہانیاں، رینا جیسی لڑکیوں کی تصاویر کے ساتھ چھپیں گی تو پورے بھارت میں تہلکہ مچ جائے گا۔ باشعور شہری لرز کر رہ جائیں گے کہ را والے ان کی بہو بیٹیوں کو کیسی بے رحمی سے اپنی بھٹی کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اکیڈمی اور را کی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی۔ پریس والے بہت ضدی اور انا پرست ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔"

"را ان کا قومی ادارہ ہے۔ وہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔" میں نے اپنا شبہ ظاہر کیا۔

"شاید را پر وہ ہلکا ہاتھ رکھیں۔ اکیڈمی بہرحال بند ہو جائے گی۔ اس کا براہِ راست نقصان را کو ہوگا۔ یہی ہمارا بنیادی مشن ہے۔ یوں سمجھو کہ تم نے اکیڈمی کے اصل کردار کا راز فاش کر کے ہمارے بنیادی مشن کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔ اس کہانی کا بنیادی نکتہ یہ ہونا چاہیے کہ را کے شہزادوں نے اپنی ہم جنگی تنظیم کو نائٹ کلب میں بدلنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اپنے عشرت کدوں میں محصور ہو کر آگ اور خون کا بارودی کھیل بھارتی دوشیزاؤں کو سونپ دیا ہے۔ وہ نظروں کے تیر چلا کر اور حسن کی بجلیاں گرا کر دشمنوں کو گھیرنے میں لگی رہتی ہیں۔ را کے شہزادے کیمروں کی آنکھ سے ان کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔"

"کیمروں کی آنکھ!" میری زبان سے روانی میں بہہ نکلنے والے ان الفاظ نے اسے حیران کر دیا "تو کیا ان لڑکیوں کی پس پردہ سرگرمیوں کی فلم بندی بھی ہوتی ہے؟"

وہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ میں اس تجربے سے گزر چکا تھا مگر اس واقعے کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوشِ بیان میں مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور عابد علی عرف گوپال نے میری وہ بات فوراً پکڑ لی تھی۔ میرے پاس اس کا جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "رینا اجیت رائے یہی کہتی ہے۔ ہر لڑکی پوشیدہ اور خود کار کیمروں کی نگرانی میں اپنے شکار سے پہلی ملاقات کرتی ہے۔ شکار زیادہ پھڑپھڑانے اور جال توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو بعد میں ان کیمروں کی بنائی ہوئی وڈیو فلمیں اس کو بلیک میل کرنے کے کام آتی ہیں۔"

"پریس کے لیے یہ بہت سنسنی خیز سراغ ہوں گے۔" گوپال کی خوشی دوبالا ہو گئی "وہ ایسی خبریں سونگھتے پھرتے ہیں۔ تم جلد ہی اخباروں میں اپنی کارگزاری کے تصویری فیچر دیکھو گے مگر اپنی والی بات نہ بھولنا۔ میں اس کے لیے فکر مند ہوں۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ختم ہونے کے بعد غزالہ نے مضطربانہ انداز میں میرا شانہ پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "یہ آپ کے اندازے ہیں یا یہ ساری باتیں رینا نے آپ کو بتائی ہیں؟" اس کی آواز سے اس کی تشویش اور گھبراہٹ عیاں تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی بات پر یقین کیے بغیر اسے آگے نہیں بڑھاتا۔ یہ سب رینا کے اعترافات ہیں۔"

"میں خوش تھی کہ آج آپ انل بسواس کی گردن تک پہنچنے کی خوش خبری لے کر آئیں گے لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا ہے۔"

"یہ ٹھوس زمینی حقائق ہیں جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ رینا سے آج کی ملاقات میں میری ہر خوش فہمی رفع ہو گئی ہے۔"

"ناگر کیسا آدمی ہے؟ آپ کے ساتھ اس کا رویّہ کیسا تھا؟" غزالہ کی آنکھوں سے ہراس نمایاں تھا۔

''بہت تند خو اور درشت رو آدمی ہے۔ اس کا رویہ توہین آمیز تھا۔ وہ زبردستی میرے فنگر پرنٹس لے گیا ہے۔''
''آپ کے فنگر پرنٹس۔۔۔!'' وہ بے ساختہ تقریباً چیخ پڑی ''اب وہ پاتال میں بھی آپ تک پہنچ جائیں گے۔''
میں نے اسے سمجھایا کہ اس کا وہ خوف عارضی طور پر بے بنیاد تھا۔ ناگر نے جو کچھ کیا' وہ مظہر خان کے ساتھ کیا تھا۔ ڈینی کا نام اس وقت بھی پردے میں تھا۔
کئی منٹ بعد میری وضاحتیں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ آخر اس نے کہا ''آپ نے یہ بات گوپال کو نہیں بتائی۔''
''میں چیف ہوں۔ یہ میرا صوابدیدی حق ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''ناگر نے میری خاصی تذلیل کی تھی۔ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی اس توہین کی کہانی کی خود تشہیر کروں۔ یہ تفصیل سن کر وہ بے چارہ بھی تمہاری طرح پریشان ہو جاتا۔''
غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ شاید اس کے وجود میں سوئی ہوئی بیوی کی چھٹی حس یکایک بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا ''کیا آپ کی اور رینا کی پہلی ملاقات بھی خفیہ کیمروں کی نگرانی میں ہوئی تھی؟''
میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ غزالہ کا وہ سوال ٹیڑھا اور نازک تھا۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا ''رینا انکار کرتی ہے۔ کیمرے اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب بلیک میلنگ کا مواد دستیاب ہونے کی امید ہو۔ میرے اور اس کے پہلے مذاکرات میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی۔''
میں نے اپنی دانست میں اپنا بھرپور دفاع کرلیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ غزالہ دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔ وہ ذہین اور بردبار عورت تھی جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ بہت آسانی سے ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ وہ بہت پہلے شاید ہر بات سمجھ چکی تھی مگر یہ اس کی بردباری اور رواداری تھی کہ اس نے مجھ سے اس بارے میں قطعی کوئی جرح نہیں کی۔ میں نے جواب دیا' اس نے اسے من و عن تسلیم کرلیا۔
''کل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' چند ثانیوں کی گمبھیر اور معنی خیز خاموشی کو غزالہ نے توڑا۔
''رینا کے پاس سے واپس آنے کے بعد سوچنے سمجھنے کا موقع کہاں ملا ہے۔ اول خان سے بات کرلوں تو انل بسواس سے ملاقات کے بارے میں کوئی ذہنی تیاری کروں گا۔ یہ طے ہے کہ میں وہاں کوئی ہتھیار لے کر نہیں جاؤں گا۔''
''جب اس کے اجنبی ملاقاتیوں کے فنگر پرنٹس لیے جاتے ہیں تو اس کے سامنے پیشی سے قبل تفصیلی جامہ تلاشی بھی ہوتی ہوگی۔ وہاں ہتھیار لے جانا خود کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے محافظ ہر ہتھیار برآمد کرلیں گے۔''
''وہ صرف روایتی ہتھیار برآمد کرسکتے ہیں۔'' میں نے محض مشورے کے لیے بات آگے بڑھائی ''میری انگلیوں میں پہنی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں پر وہ کوئی شبہ نہیں کرسکیں گے۔''
''وہ ان کا کوئی بہت اہم اور اعلیٰ افسر ہے۔ اس کے ماتحت آپ کے جسم پر موجود ہر چیز کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہر فکر سے بے نیاز ہو کر بالکل صاف ستھرے جائیں۔ اس ملاقات میں وہ انگوٹھیاں کس کام آئیں گی۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ان کے خلاف زہر استعمال کرکے میں نہیں بچ سکوں گا لیکن انل بسواس کا مطالبہ بہت زیادہ سنگین اور شدید ہوا تو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بہتر ہوگا کہ میں ایک دلیر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح انگوٹھی کا زہر اپنے اوپر استعمال کراوں۔''
وہ اپنی جگہ چھوڑ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی ''جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو دیکھ دیکھ کر میں نے زندہ رہنا سیکھا ہے۔ آپ کی زبان سے ایسی مایوسانہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیوں میرے دل کو بوجھل کررہے ہیں؟''
''بہترین امیدوں اور توقعات کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میری ان باتوں کو مایوسی کا نام نہ دو۔ یہ حالات کا بے خوفی سے سامنا کرنے کی دلیرانہ اہلیت ہے۔ را والے ایذا رسانی کے ایسے ایسے نادر آلات استعمال کرتے ہیں کہ متعدد ممالک کے افسران ان سے تربیت لینے کے لیے دہلی' ممبئی اور کولکتہ آتے رہتے ہیں۔''
''آپ کہہ رہے تھے کہ اول خان سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچیں گے مگر ابھی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا شروع کردیا۔'' وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے مغموم ہنسی کے ساتھ بولی ''بڑے فیصلوں میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہوتی۔''
''ہم دونوں بلکہ شاید پانچوں بہت معمولی اور عام سے انسان ہیں مگر تم تاریخ اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ سارے اہم اور تاریخ ساز فیصلے عجلت میں یا اچانک کیے گئے۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا ''اول خان،

کے فون کے انتظار میں‘ میں اپنے ذہن کا سوئچ بند کرنے سے قاصر ہوں۔“

”ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔“ غزالہ نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا ”اس کا فون دس بجے آئے گا۔“

”انتظار کی کوفت سے بہتر ہے کہ میں اسے فون کرلوں۔“ میں نے جلی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اپنا فیصلہ صادر کردیا ”را والے ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں لیکن ہم جہنم مکانی‘ بدری ناتھ کی سی ایس ڈی کی وجہ سے ہر خطرے سے محفوظ رہ کر فون استعمال کرسکتے ہیں۔“

”ہم بری طرح پھنسے ہوئے ہیں لیکن غنیمت ہے کہ ہمیں رابطے کی دو سہولتیں میسر ہیں۔ سی ایس ڈی اور ٹرانسپونڈر کے بغیر ہم گھٹ کر رہ جاتے۔“

غزالہ کی بات پر میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اول خان کو فون پر میری آواز سن کر حیرت ہوئی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہماری خیریت دریافت کی پھر سی ایس ڈی کے فعال ہونے کی یقین دہانی چاہی۔ ان دونوں نکات پر مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنے مدعا پر آگیا۔

اس کی تشویش کے اسباب وہی تھے جو میں سمجھ رہا تھا۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ زبانی کلامی طور پر مجھے گوپال اور اس کے ساتھیوں کا چیف بنا دیا گیا تھا لیکن وہ لوگ ایک ایسے مستحکم ادارے سے وابستہ تھے جس کے ڈسپلن کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ میری ہر بات سنتے تھے بلکہ عزت و احترام سے سنتے تھے مگر کرتے وہی تھے جو ان کے بڑوں نے پہلے سے انہیں ذہن نشین کرایا ہوا تھا۔

جب سے میرا جلال سے تعارف ہوا تھا‘ اس نے اور اس کے آدمیوں نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ نازک لمحات میں مجھے پل پل کی اہم خبریں فراہم کی تھیں۔ معلومات کی فراہمی کا وہ تسلسل بھارت کی سرزمین پر بھی برقرار تھا۔ اس سے آگے ان کا اور میرا طریقہ کار مختلف ہوجاتا تھا۔ وہ اپنے ضابطوں کے پابند تھے۔ ان سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے۔ ہر شخص اپنے قول اور فعل کے لیے کسی نہ کسی بڑے کو جواب دہ تھا جب کہ میرے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ میں کسی ضابطے کا پابند تھا‘ نہ کسی کو جواب دہ تھا۔ میری سب سے بڑی قوت اس حقیقت میں پوشیدہ تھی کہ اول خان سے جلال تک‘ ہر شخص کو میرے خلوص اور نیت کی راستی پر گہرا یقین تھا۔ میں جو کچھ بھی کرگزرتا تھا‘ اس پر مجھ سے کوئی بازپرس کرنے کے بجائے اس کا جواز فراہم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتی تھیں۔

اول خان لاہور سے ہماری روانگی کے بعد سے بااختیار لوگوں سے مسلسل قریبی رابطوں میں تھا۔ ان ذرائع سے وہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھیں جو گوپال مجھے تھوڑی دیر پہلے بتا چکا تھا۔ اول خان کو ویرا کی سرگرمیوں اور میری سلامتی کے بارے میں سنگین اندیشے لاحق تھے۔

میں نے اس سے بھی وہی کچھ دہرایا جو میں گوپال سے کہہ چکا تھا۔ اول خان سے میرا گہرا اور جذباتی تعلق تھا اس لیے مجھے لفاظی اور زیادہ وضاحتوں سے کام لینا پڑا لیکن اس ساری گفتگو کا خلاصہ وہی کا وہی تھا۔ اس میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگلے دن میری اور انل بسواس کی ملاقات ہونے والی تھی۔

خاصی بحث و تمحیص کے بعد اس کے لب ولہجے میں اعتدال پیدا ہوا تو میں نے اس سے سلطان شاہ کے بارے میں دریافت کیا۔

”وہ آج صبح سے غائب ہے۔ اس کے سر پر اس شخص کو تلاش کرنے کا بھوت سوار تھا جس نے تمہارے پاسپورٹ پر درج پتے پر پہنچ کر مظہر خان کے بارے میں معلومات جمع کی تھیں۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔“ اول خان کی افسردہ آواز ابھری۔

”تم نے اسے کیوں نہیں روکا؟ اتنے بھرے پرے شہر میں ایک بے نام و نشان شخص تک پہنچنا ناممکن ہے۔“ میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔

”میں نے سب کچھ بتایا اور سمجھایا تھا۔ کل رات دیر تک میرے اور اس کے درمیان بحث ہوتی رہی۔ آخر میں وہ لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا تھا۔“ اول خان فون پر بتا رہا تھا ”میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ صبح ناشتا کرتے ہی خاموشی سے اسٹیشن فورسے نکل جائے گا۔“

اول خان کا عذر جائز تھا۔ وہ سلطان شاہ کو زنجیروں سے باندھ کر نہیں روک سکتا تھا۔ اسے صرف سمجھا سکتا تھا اور یہ فرض اس نے یقیناً پورا کیا تھا۔ میں نے کہا ”یہ تم نے پریشان کرنے والی خبر سنائی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا اور کب واپس لوٹے گا۔“

”میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کپڑے وغیرہ ساتھ لے کر گیا ہے۔ کامیابی یا مکمل ناامیدی سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔ میں نے اپنے پورے اسٹاف کو حکم دے دیا ہے کہ وہ شہر میں کہیں بھی نظر آجائے تو اسے

اٹھالیا جائے۔۔۔"

"گڈ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم نے یہ ہدایت کب جاری کی تھی؟"

"شام تک میں اس کی واپسی یا کسی پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر میں نے چھ بجے یہ حکم دیا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں کراچی میں نہیں تھا لیکن اول خان پوری فرض شناسی کے ساتھ سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی گشتی نفری سلطان شاہ کو زیادہ دیر تک شہر کی گلیوں میں نہیں بھٹکنے دے گی۔ اسے جلد ہی اسٹیشن فور کے محفوظ کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔

"جب بھی اور جہاں سے بھی موقع ملا، میں کل تمہیں فون کرلوں گا۔ تم کوشش نہ کرنا کیونکہ آنے والا دن مجھے ذرا بھاری نظر آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"فون ضرور کرلینا۔ آدم خور شیر نے تمہیں اپنی کچھار میں بلایا ہے تو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ میرا دھیان تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"ساری بات مہلت کی ہے۔ مہلت ملی تو ضرور فون کروں گا۔ مجھے ابھی سے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔"

"غزالہ کو بریف کردو۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو شام ڈھلنے سے پہلے وہ مجھے مطلع کردے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ تم اپنی مہم پر نکل گئے تو وہ تمہارے لیے دوسری دفاعی لائن کا کام سرانجام دے گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا جو میرے قریب سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لہجے میں زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو غزالہ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ تم میری سرخ روئی کے لیے دعا کرتے رہو۔"

"تم اور جلال کے وہ آدمی جو اس وقت دشمن کی سر زمین پر ہیں، سب وطن اور اپنی مٹی کے لیے جانیں لٹانے والے گمنام سپاہی ہیں۔ اول خان تم سب کو سلام کرتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سب کی کامیابی کا آرزو مند ہے۔"

اس کی آواز فرط جذبات سے دل گرفتہ ہونے لگی۔ اپنے دیس کی فضاؤں سے آنے والا وہ محبت بھرا پیغام سن کر میرا دل بھی بھاری ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

○☆○

ویرا اپنے کمرے کی نرم اور آرام دہ مسہری پر دراز تھی اور ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ لیے، دلچسپی سے رابرٹو کی طرف دیکھے جا رہی تھی جو مسہری سے کچھ دور رکھے ہوئے صوفے پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم کب تک کسی جوان بیوہ کی طرح یوں اداس بیٹھے رہو گے؟" جب کافی دیر تک رابرٹو دیلینی کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تو ویرا کو مجبور ہو کر اسے ٹوکنا پڑا "تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کمرے میں تم تنہا نہیں ہو۔"

رابرٹو نے دونوں ہاتھ گرا کر اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس کے بال منتشر تھے، آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں، چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی "میں اس گھڑی کو کوس رہا ہوں جب میں مرینا بار میں اپنا گلاس لے کر تمہاری میز پر آیا تھا۔ مذاق ہی مذاق میں تم نے مجھے مروا دیا۔ جب سے تمہارا ساتھ ہوا ہے۔ میں ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا۔ آنکھ لگتے ہی خواب میں پھانسی کا پھندا نظر آنے لگتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے اسے صرف بے ہوش کیا تھا۔۔۔"

"تم یہ جملہ پچاسویں مرتبہ کہہ رہی ہو۔ یہ ساری مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔" رابرٹو نے بھنا کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم کو ایک ذمے دار پولیس افسر سے ایسا گھٹیا مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کا انجام قتل بھی ہو سکتا تھا؟"

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ وہ مار ڈالا جائے گا۔" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"تم نے اسے بے ہوش کرتے ہی یہ خدشہ ظاہر کردیا تھا کہ شہر میں اس کے ہزار دشمن تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں کوئی اسے مار بھی سکتا تھا اور اگلے دن کے اخباروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی۔ تمہاری زبان کالی ہے۔ اب تک میں اس امید پر خاموش تھا کہ شاید تم میری جان چھوڑ دو مگر تم نے ڈرا دھمکا کر مجھے اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے۔ آج مجھے تمہارے شکنجے میں آئے تیسری رات ہے۔ میں آزادی چاہتا ہوں۔"

"تم ریسرچ اسکالر کے بجائے کسی پرائمری اسکول کے طالب علم جیسی باتیں کررہے ہو۔" ویرا نے منہ بنا کر سرد مہری سے جواب دیا "تم کو علم ہے کہ میں کیا کچھ چاہتی ہوں مگر اسے حاصل نہیں کرسکتی؟ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔"

"خدا مجھے سیدھی راہ پر چلا رہا تھا۔ تم نے شیطان بن کر مجھے بہکایا ہے۔" رابرٹو نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "کل اور آج کے اخباروں میں آچکا ہے کہ پولیس والوں نے قتل

کے شعبے میں کئی آدمیوں کو پکڑ لیا ہے۔ میرا یا تمہارا دور دور تک ذکر نہیں ہے لیکن تم مجھے ڈرائے جا رہی ہو۔"

"دیکھو رابرٹو! مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ دانت پیستے ہوئے تم بالکل بندر جیسے ہو جاتے ہو۔ تم مسلسل میری شامیں برباد کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کی تھی۔ تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں ایک پولیس افسر کے ساتھ چھوٹا سا مجرمانہ مذاق کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تمہاری بدنصیبی تھی کہ کسی اور نے اسے مار دیا۔ مجھے خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر تم کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمیں بھارت میں ایک ساتھ رہنا ہے اور ساتھ ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ اپنا موڈ درست کرو تاکہ ہم یہ وقت بہتر طور پر گزار سکیں۔ اپنے ساتھ تم نے مجھے بھی ناقابلِ برداشت کرب میں مبتلا کیا ہوا ہے۔"

رابرٹو چند ثانیوں تک متوحش نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی مگر غصیلی آواز میں غرایا "تم شرافت سے میری جان نہیں چھوڑو گی تو میں خاموشی سے تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہیں بھی نکل جاؤں گا۔"

ویرا اس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گئی۔ ویرا کو دھمکی دے کر وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی ایسی کسی کوشش کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔ ویرا نے کاٹ دار لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہ سن لو کہ تمہارے تیور دیکھ کر میں نے کل ہی تمہارے سفری تھیلے سے تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ اڑا لیا تھا۔ اب یہ دونوں چیزیں میرے قبضے میں ہیں۔ اس کے باوجود تم بھاگ نکلے تو کسی جہاز کی دم سے نہیں لٹک سکتے۔ بکنگ کے بغیر تمہارا نکلنا محال ہوگا۔ تم کو اپنے سفارت خانے سے دوسرا پاسپورٹ لینا ہوگا۔ اس سے پہلے میں پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کر لوں گی۔ تم ضمیر کا بوجھ تو سمجھتے ہو نا؟ میں....."

رابرٹو نے اعصاب زدہ انداز میں اس کی بات اڑا دی "اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم سارا الزام میرے سر تھوپ دو گی۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ تم چور اور جھوٹی ہو۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ تم کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جانا چاہیے۔"

"گڈ!" ویرا نے برافروختہ ہوئے بغیر زہریلے لہجے میں کہا "میں بھی یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ میری الزام تراشی کے بعد وہ تمہیں فرار ہونے سے پہلے پکڑ لیں گے۔ تم مجھ پر الزام لگاؤ گے۔ بات الجھ جائے گی۔ سچ کا فیصلہ عدالتوں میں ہوتا ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوگا، ہم دونوں جیل میں سڑتے رہیں گے۔ تم کو ڈبونے کے لیے میں اپنی زندگی بھی تباہ کر لوں گی۔ میرے بدن کے رازداں بن کر تم اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتے۔"

"تم بہت مکّار اور صورت حرام لڑکی ہو۔" رابرٹو اپنے کانوں کو چھو کر کراہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسی شیطان صفت نکلو گی تو بھول کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتا۔"

"اب سبق مل گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا میں خاموشی پھیل گئی۔ رابرٹو دہشت زدہ تھا اور اندر سے کھول رہا تھا۔ ویرا اس کی حالت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ وہ رابرٹو بیلینی کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کے ایک سوچے سمجھے اور مسلسل عمل سے گزار رہی تھی تاکہ اسے کسی اگلے کام کے لیے آمادہ کر سکے۔ وہ اسے اپنے مقدر کی یاوری سمجھ رہی تھی کہ اسے کام کا ایک آدمی مل گیا تھا۔ اسے وہ کسی بھی قیمت پر اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟" کچھ دیر بعد رابرٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"انتظار اور صرف انتظار۔" ویرا نے دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "مطلع صاف ہوتے ہی تم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ بات تم پرسوں شام سے کہہ رہی ہو۔" بے اعتباری سے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ ہماری صرف رات بے یقینی کے عالم میں گزرے گی۔ اگلی صبح کی اخباری اطلاعات سے سب کچھ سامنے آجائے گا اور ہم ہنسی خوشی اپنی اپنی راہ لیں گے۔ پتا نہیں اب تمہیں کس منحوس گھڑی کا انتظار ہے۔"

"ایسے واقعات کی گرد ہفتے عشرے میں بیٹھتی ہے۔" ویرا نے رسانیت سے کہا "تم مزید دو تین دن صبر کر لو۔"

"کس لیے....؟ آخر کس لیے....؟" رابرٹو پھر ہتھے سے اکھڑ گیا "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم یہاں کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میں ریسرچ کے لیے اس ذلیل ملک میں آیا تھا۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمہیں کوئی فکر ہے نہ کہیں آتی جاتی ہو۔ بستر توڑتی اور مجھے سلگاتی رہتی ہو۔ تم آج ہی یہاں سے کیوں نہیں نکل جاتیں؟ میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ مجھے صرف یہ سمجھا دو کہ ہم اس کمرے میں پڑے، کیوں سسک رہے ہیں۔ میں دو تین دن صبر کر لوں گا۔"

"تمہاری خاطر میں یہ ساری احتیاط کر رہی ہوں۔" ویرا

نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ان مشرقی ملکوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ آج کل ہر طرف کڑی چھان بین ہو رہی ہوگی۔ کوتوالی میں کئی پولیس والوں نے تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے دیکھا ہوگا۔ تمہاری ایک جھلک دیکھتے ہی ان کی یادداشت تازہ ہو سکتی ہے۔ کسی نے تم کو دیکھ لیا تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"میں مارا جاؤں گا نا؟" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم میرے راستے کی دیوار کیوں بنی ہوئی ہو؟"

"ہائے ....! تم کتنے معصوم ہو" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں افسوس کا اظہار کیا "تم پکڑے گئے تو میں جانتی ہوں کہ پولیس کا ظالمانہ تشدد دس منٹ سے زیادہ نہ سہ سکو گے۔ جھٹ میرا نام لے دو گے۔ بتاؤ کہ پھر یہ مسئلہ کس کا ہوگا؟ میرا، تمہارا یا ہم دونوں کا؟"

"حجت میں تم طاق ہو۔ تم سے جیتنا مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو مگر میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک قلاش آدمی ہوں۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ چراتے ہوئے تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے سفری تھیلے میں کوئی قیمتی چیز یا رقم نہیں ہے" رابرٹو کی آواز پھر دھیمی ہو گئی۔ ویرا نے اس کا ذہن اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ وہ کوئی بھی ایک رویہ اختیار نہیں کر پا رہا تھا۔ کبھی گرمی دکھا رہا تھا اور کبھی ہتھیار ڈال دیتا تھا۔

ویرا نے مسہری پر پہلو بدل کر سگریٹ سلگائی۔ سوچنے کے انداز میں اس کے چند گہرے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتی رہی پھر چونک کر رابرٹو سے بولی "اگر تم میرا ایک کام کر سکو تو میں ہر خطرہ مول لے کر تمہیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دے سکتی ہوں۔"

رابرٹو کی وحشت زدہ اور سرخ آنکھوں میں امید کی چمک جاگ اٹھی اور وہ اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا "کیا کام ہے وہ؟ تم نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ شاید اب میں تمہارے ایک اشارے پر جہنم میں بھی چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

"میں تم سے اتنا بڑا کام نہیں لوں گی" ویرا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ ایک معمولی سا کام ہے۔"

"میرے اعصاب پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔ ان پر مزید زور نہ ڈالو۔ جلدی بتاؤ کہ وہ کیا کام ہے؟"

"تمہیں میرا ایک بند لفافہ میرے ایک دوست تک پہنچانا ہے۔ اس کی طرف سے لفافہ مل جانے کی اطلاع کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

"مجھے منظور ہے" رابرٹو نے بے تابی سے اقرار کر ڈالا "تم جس بے رحمی سے میرے ساتھ کھیلتی رہی ہو اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا بتایا ہوا کام اتنا آسان اور سادہ نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی نہ کوئی پیچ ضرور ہوگا۔ پھر بھی میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے تم پر رحم کھا کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یہی انتظار تھا کہ ہر خطرہ ٹل جائے تو میں خود وہ لفافہ اپنے دوست تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد میں فوراً بھارت سے نکل سکتی تھی۔ میں اب تک اسی کے لیے رکی ہوئی ہوں۔"

"وہ لفافہ اسی قدر اہم ہے تو تم نے ڈیوڈ سے جان لیوا مذاق کرنے سے پہلے اسے اپنے دوست تک کیوں نہیں پہنچایا؟" دباؤ کم ہوتے ہی رابرٹو ویلینی کے دماغ نے صحیح سمت میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لفافے میں صرف پیغام نہیں، کوئی اور چیز بھی ہے جو میں نے ڈیوڈ کو بے ہوش کرنے کے بعد اس کی جیب سے نکالی تھی" ویرا نے بات بنائی۔

"پھر اسے تم ہی نے کوئی سریع الاثر زہر دے کر مارا ہوگا تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اس اہم چیز کے غائب ہونے کا شور نہ مچا سکے۔"

"یہ لغو بات ہے لیکن میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ تم ایسا سمجھتے رہو۔ اس سے تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ تم میرے شریک کار تھے اور کوتوالی کے متعدد سپاہی ڈیوڈ کی ذات میں تمہاری دلچسپی کی گواہی دے سکتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ڈوبیں تو مجھے ضرور اپنے ساتھ لے ڈوبو گی؟" رابرٹو نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "اب ان باتوں میں کچھ نہیں رہا۔ اس وقت میں بری طرح تمہارے شکنجے میں آیا ہوا ہوں۔ تم اب کام کے بارے میں بتاؤ۔"

"تم نے چانکیہ پوری کا علاقہ دیکھا ہوگا۔ کل تمہیں اسی علاقے میں واقع ہوٹل سمراٹ میں جانا ہوگا۔"

"وہ ہوٹل میں نے باہر سے دیکھا ہوا ہے۔ اپنی مفلسی کے باعث میں اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔"

"یہ تمہاری بے وقوفی تھی۔ یہاں کے لوگوں کی سوچ عجیب ہے۔ یہ مفلس ترین گورے کو بھی لکھ پتی سمجھتے ہیں۔ اس کے ہر پہناوے کو فیشن سمجھ کر توقیر کی نظر سے دیکھتے

ہیں۔"
"فکر نہ کرو۔ میں بے دھڑک تمہارے دوست تک پہنچ جاؤں گا" رابرٹو نے یقین دلایا "اپنے دوست کا نام بتاؤ۔"
"ابھی سوا نو بجے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اسی وقت ہوٹل سمراٹ کا ایک چکر لگا کر اس کا کمرا دیکھ لو......"
"اس کی کیا ضرورت ہے؟" رابرٹو نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے کون سا اسے مارنا یا بے ہوش کرنا ہے۔ لفافہ دینا ہے' وہ پہلے سے کمرے کا جائزہ لیے بغیر بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ تم اس کا نام بتادو تو میں ابھی ہوٹل سمراٹ فون کرکے اس کے کمرے کا نمبر معلوم کیے لیتا ہوں۔"
"بھول کر بھی یہ حماقت نہ کرنا" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "احتیاط ضروری نہ ہوتی تو مجھے اور تمہیں اب تک حالات سازگار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔"
"مجھے اس کا نام بتاؤ اور میرا ٹکٹ اور پاسپورٹ مجھے لوٹادو۔" رابرٹو نے بے صبری سے مطالبہ کیا۔
"تمہاری دونوں چیزیں کام پورا ہوتے ہی تمہیں لوٹادی جائیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اس کا نام میں تم کو صبح بتاؤں گی۔"

رابرٹو نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن فون کی گھنٹی کی چیخ نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

○☆○

مرینا ہوٹل کی آپریٹر نے جوں ہی میری کال ویرا کو منتقل کی' میں نے سی ایس ڈی آن کردی۔
میری آواز سن کر وہ تحیر آمیز خوشی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی "مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا کہ یہ تمہاری آواز ہے۔"
"یہ میری ہی آواز ہے اور میری یہ فون کال بہت اہم ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا "تمہارا اطالوی دوست کہاں ہے؟"
"یہیں صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے میں اردو بول رہی ہوں۔"
"تم کیا کررہی ہو۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"فی الحال صرف آرام کررہی ہوں اور سوچنے میں مصروف ہوں کہ اگلے شکار کو کیسے چارہ ڈالا جائے۔" اس نے مبہم سا جواب دیا۔
"میں چاہتا ہوں کہ تم اگلے شکار کو بھول جاؤ اور فوری طور پر وطن لوٹ جاؤ۔" میں نے پوری سنجیدگی سے اپنی تجویز پیش کردی۔
"کس وطن کی بات کررہے ہو؟ میں تو خانہ بدوش ہوں۔ امریکا سے نکلنے کے بعد اب جہاں پڑاؤ کرلیتی ہوں' وہی میرا عارضی وطن بن جاتا ہے۔"
"میں اس وطن کی بات کررہا ہوں جس کا اندراج تمہارے پاسپورٹ پر ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"کیوں؟ اس وقت تمہیں میری واپسی کا خیال کیوں ستا رہا ہے؟"
"حالات الجھ گئے ہیں۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں۔ کل مجھے اس نے طلب کیا ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے تھے۔" میں نے انکشاف کیا۔
"اوہ!" ریسیور پر اس کی بے ساختہ سیٹی گونجی "تمہاری بات مبہم ہے۔ فون پر زیادہ تفصیل نہیں پوچھی جاسکتی۔ کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟"
"ناممکن ہے!" میں نے سختی سے کہا "اس وقت ان گنت خفیہ آنکھیں میری نگرانی کررہی ہوں گی۔ میری اور تمہاری ملاقات ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ میری بات

سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت سخت الجھن اور اضطراب کے عالم میں ہوں۔"

"اچانک یہ بری خبر سنا کر تم نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں ورنہ کل میں ایک اور وار آزمانے کا قصد کر چکی تھی۔ اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم کل کس پر اور کون سا وار آزمانے والی تھیں؟"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے فون کر لیا۔ اب میرا کل کا پروگرام ملتوی سمجھو۔ ایک دن میں دو محاذوں کا کھلنا مناسب نہیں ہے۔ میرا داؤ چل جاتا تو کل جان کا قصہ بھی نمٹ جاتا۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آ گیا "اتنا تیز نہ چلو۔ تیز رفتاری میں بہت بری طرح ٹھوکر لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت تمہارا ساتھ دیتی رہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی ناکامی کے نتائج پر غور ضرور کر لینا چاہیے۔"

"مجھے زیادہ مشورے نہ دو۔ آنے والی ملاقات پر دھیان دو۔ تم بھیڑیوں کے بھٹ میں جا رہے ہو۔ تم کو وہاں خالی ہاتھ جانا ہوگا۔"

"خالی ہاتھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کم از کم دو انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود ہوں گی۔"

"انگوٹھیاں....!" ویرا کی تحیر زدہ آواز ابھری "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ میں بھی جان کو انگوٹھی کا تحفہ بھیجنے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔ میری تدبیر کارگر ہو جاتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے لگا لیتا۔ میرے پیغام پر عمل کرتے ہی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں سرایت کر جاتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زن سے کوئی گولی میرے کان پر سے گزری ہو۔ میں نے گوپال کے مشورے پر ویرا کو فوری واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے وہ فون نہ کیا ہوتا تو اگلے دن ہم دونوں اپنے ہاتھوں سے خود کو تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

ویرا کسی مفروضہ پیغام کے ساتھ زہریلے نگینے والی انگوٹھی اس امید پر جان اسمتھ کو بھجواتی کہ وہ اس کے نگینے کو دبائے گا اور دباتے ہی موت کے گھاٹ اتر جائے گا مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ کوئی عام آدمی نہیں، سی آئی اے کے آپریشنز کا علاقائی سربراہ تھا۔ وہ اس پھندے میں پھنسنے سے پہلے انگوٹھی کی اصلیت جان لیتا اور یوں دہلی میں سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی۔ میں بے خبری کے عالم میں دو بجے انل بسواس کے دروازے پر پہنچتا تو اس کے باخبر اور دوربین محافظ میرے پاس سے اسی قسم کے دو انگوٹھیاں برآمد کر لیتے۔ ان دونوں انگوٹھیوں کا راز کھلنے کے بعد کہیں کوئی گنجائش نہ رہتی۔ ویرا کے ساتھ جو ہوتا، سو ہوتا، میرے کریا کرم کا بندوبست ضرور ہو جاتا۔

"ویرا! یہ تم کہہ رہی ہو۔" حیرت اور صدمے سے چند ثانیوں تک گنگ رہنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی کتنے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ جان جیسا گھاگ شخص کبھی بھی اس دھوکے میں نہیں آ سکتا تھا۔ شاید پچھلی کامیابی کے خمار سے تمہارا ذہن ابھی تک ماؤف ہے۔"

"انگوٹھی کے ساتھ میں اسے مختصر تحریری پیغام بھیجتی کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پاکستان کی ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کی مائیکرو فلم پوشیدہ ہے۔ وہ کیپسول کو انگلی سے دبا کر پھاڑ دے تو وہ نایاب فلم اسے مل سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ پوکھران میں جاری بھارتی تیاریوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے لیکن بلوچستان کے پہاڑی ویرانوں کے بارے میں امریکی سیٹلائٹ بھی کچھ معلوم نہیں کر سکے۔ یہ امریکیوں کی کمزوری ہے۔ وہ بے ساختہ میرے مشورے پر عمل کر گزرتا۔"

"اس کے پیشہ ورانہ تجسس اور اضطراری ردعمل کو مدنظر رکھ کر تم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا۔ تم یہ بھول گئیں کہ پہلے وہ ایک عیش کوش اور بزدل شخص ہے بعد میں سی آئی اے کا زونل چیف ہے۔ تمہارا انکشاف اس کی بزدلی کو دلیری میں نہیں بدل سکتا تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا ساتھی بھاگ نکلنے کے لیے بے چین ہے۔" ویرا کی آواز دھیمی اور مصلحت آمیز ہو گئی "اس سے پہلے کہ وہ رسیاں تڑوا کر بھاگ جائے، میں اس سے یہ بڑا کام لینا چاہ رہی ہوں۔ میں نے عجلت میں فیصلہ کیا تھا جسے میں واپس لے چکی ہوں۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

"تم اس قدر بے پروا ہو مگر تمہارے عزائم کے تصور سے میرے بدن میں اب تک پھریریاں سی دوڑ رہی ہیں۔ میں کوئی اور بات کیا کروں!"

"تم نے مجھے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے مشورے کے لیے کوئی میسر نہیں تھا۔ جسے پھانسا ہے وہ دہشت میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں بقراط جیسے دانش مند سے بھی فیصلے کی غلطی ہو سکتی ہے۔ تمہیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ میرا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے نہ میں تمہارے خلاف کوئی

کام کرنے کی نیت رکھتی ہوں۔"

"چند روز خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم میں سے کسی کے لیے کوئی نئی مشکل پیدا نہ ہو۔ ایک بار میں موجودہ نازک سچویشن سے نکل جاؤں تو پھر کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔" اس وقت تم دشمن کے خیموں کو جلا ڈالنے کے جوش میں اپنا دامن بھی آگ میں دینے جارہی تھیں۔ یہ نہ بھولو کہ اب ہم ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے ہیں۔ ہم تمہاری زندگی کے خواہاں ہیں۔ تمہاری زندگی اتنی سستی نہیں ہے کہ اسے کسی جان' ذک یا جینی کے لیے داؤ پر لگادیا جائے۔"

"ذرا ایک بار پھر کہو۔" میرے کان میں اس کی مسرت آمیز سرگوشی ابھری "کیا تم واقعی میری ضرورت محسوس کرتے ہو؟"

میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی غزالہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا پھر متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے ریسیور میں کہا "میں بھی تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بقیہ تینوں کے بارے میں بھی میں یہ دعوا کرسکتا ہوں۔"

اس کی آواز سے خوشی کافور ہوگئی "میں بھول گئی تھی کہ تم نے سب کی بات کی ہوگی۔ الفاظ کا ہیر پھیر بعض اوقات انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جوان ہی دھوکوں کی دنیا میں رہ کر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں پھر بھی ان کے خوابوں کی تعبیرانہیں نہیں ملتی۔ خیر' اب تم اطمینان رکھو۔ میں اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ اپنے شکار سے مل لو تو مجھے اطلاع دینے کی زحمت ضرور کرلینا۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اطالوی طوطا تمہارے قفس کی تیلیاں توڑ کر اڑ جانے کے لیے بے چین ہے۔ اسے تم کیسے روکو گی؟"

"اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ میں نے زیادہ زبردستی کی تو وہ کوئی ہنگامہ کھڑا کردے گا۔ میں نے اسے اتنا زیادہ ڈرا دیا ہے کہ وہ ڈیوڈ کے بارے میں مر کر بھی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانا چاہے گا تو چلا جائے گا۔ اب میں اسے نہیں روکوں گی۔"

"وہ چلا گیا تو تم نیا مشیر' مددگار اور آلہ کار کہاں سے لاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنس دی "اسے میں نے ہوٹل کے بار میں تاکا تھا۔ وہ نہ سہی اور سہی۔ اکیلی رہ گئی تو کسی اور کو پکڑلوں گی۔ تمہیں

معلوم ہے کہ ایسے معاملات میں مجھے ڈان مرسیانو نے خصوصی تربیت دی تھی۔ آج تک میں نے جس مرد پر توجہ دی ہے اسے اپنے قدموں میں جھکایا ہے۔ تم واحد سنگ دل آدمی ہو جو جھکنے کے بجائے جھکانا اور رلانا جانتے ہو۔ میں نے بھی تمہیں اپنے لیے چیلنج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی رہی تو ایک نہ ایک دن تم بھی اپنی بے رخی پر پشیمان نظر آؤ گے۔"

اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں اسے اس موضوع پر کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "یہ باتیں چلتی رہیں گی۔ یہ کال بہت لمبی ہوگئی ہے۔ اجازت ہو تو میں فون بند کردوں۔"

"میں تمہاری اگلی کال کا کل شام انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر ویرا نے خود ہی فون بند کردیا۔

"یہ آج کی اہم ترین فون کال تھی۔" ریسیور رکھ کر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے غزالہ کو بتایا۔

"ویرا بہت خطرناک عورت ہے۔" اس کے عزائم کے بارے میں سن کر غزالہ کانپ اٹھی "اس کی مہم جویانہ فطرت کسی دن ہم سب کو لے ڈوبے گی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے خبط میں مبتلا رہتی ہے اور اسی دھن میں بعض اوقات غلط فیصلے کرجاتی ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس وقت اس نے بات کو طول دینے کی کوشش کیے بغیر اپنی غلطی مان لی۔ اب دن کا اختتام سمجھو اور انٹرکام پر روم سروس والوں کو کھانا لانے کے لیے کہہ دو۔ پیٹ بھر لینے کے بعد آدمی کو دور کی سوجھنے لگتی ہے۔ ہم بھی نیم اندھیری خواب گاہ میں بستر پر دراز ہوکر کل کے بارے میں کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہماری وہ رات بستر پر بے آرامی سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزری۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرے دل و دماغ پر انل بسواس کا خیالی پیکر چھایا جارہا تھا۔ میں ویرا کی طرح اندھا دھند فیصلے کرنے کا عادی ہوتا تو جذبات کی رو میں بہہ کر انل بسواس کو پہلی ملاقات میں ٹھکانے لگا کر اپنی آزادی، سلامتی اور زندگی کو داؤ پر لگا دیتا۔ ایسی کوئی بھی حرکت مصلحت کے خلاف ہوتی۔ ایک پاکستانی قاتل کے طور پر میرا نام خوب اچھالا جاتا۔ بات سے بات نکلتی تو شاید یہ راز بھی کھل جاتا کہ مظہر خان، ڈینی کا دوسرا روپ تھا۔ ان واقعات کے سنگین نتائج پاکستان کے لیے بہت بھاری پڑ سکتے تھے۔

اگلی صبح میں ناکافی نیند لینے کی وجہ سے ذہنی انتشار اور پراگندگی کا شکار تھا۔ میں نے بے دلی سے اخبارات کا سرسری جائزہ لیا اور انہیں ایک طرف ڈال دیا۔ دل میں امنگ اور ولولہ نہ ہونے کے باوجود میں نے غزالہ سے ہنسی مذاق جاری رکھنے کی کوششیں کیں تاکہ مقررہ وقت تک میرا ذہن پوری طرح فعال ہوسکے۔ وہ تیار ہوئی تو میں نے اس کے ساتھ ہوٹل کے ہال میں جاکر بھرپور ناشتا کیا۔ خالی معدے میں پسندیدہ خوراک پہنچنے کے بعد رفتہ رفتہ میری ذہنی یکسوئی بحال ہونے لگی۔

ویرا ہم سے الگ تھی مگر میرا اور غزالہ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ انل بسواس سے ملاقات میں اگر کوئی مخاصمانہ فضا پیدا ہوتی تو غزالہ کے لیے اس کے اثرات سے بچنا ناممکن تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی جسے کسی بہلاوے سے نہیں ٹالا جاسکتا تھا۔

دوبارہ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے اپنے اسباب کی فہرست کو ذہن میں دہرایا۔ کمرے میں چند چیزیں ایسی تھیں جن کی موجودگی بجائے خود جرم تھی۔ اس فہرست میں اول خان کے خزانے سے لیے ہوئے چند چھوٹے شعبدے، بم گن اور گوپال کا دیا ہوا ایریئس شامل تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ کمرے میں ان چیزوں کو کہیں بھی نہیں چھپایا جاسکتا تھا۔ ہوٹلوں کے کمرے عام طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ محض ایک نظر میں ہوٹل کی ملکیت اور مہمان کے اسباب کا تعین ہوسکے۔ باتھ روم کا فلش ٹینک کسی زمانے میں محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ پلاسٹک کی تھیلیوں میں محفوظ کرکے کوئی بھی کاغذ، آلہ یا آتشیں ہتھیار ان میں ڈال دیا جاتا تھا لیکن بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے پانی کی وہ مختصر سی ٹنکی اپنی افادیت کھوچکی تھی۔ ہر تفتیشی افسر اس پر ایک نظر ڈالنا اپنا بنیادی فرض سمجھنے لگا تھا۔

میں نے جی ٹو سے ایریئس پر رابطہ کیا۔ شاید وہ اپنی ہر مصروفیت ترک کرکے میرے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ گوپال نے پہلی کال پر جواب دینے کے ساتھ ہی مجھے بتایا کہ را کے متعدد ہرکارے ہمارے ہوٹل کے اندر اور باہر دیکھے جارہے تھے۔ ان کی سرگرمیاں پراسرار اور محدود سی تھیں۔ کسی نے ہمارے فلور پر یا کمرے میں رسائی کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں ہوٹل چھوڑنے سے پہلے، عارضی طور پر کچھ چیزیں یہاں سے ہٹادینا چاہتا ہوں۔ ان میں ایریئس بھی شامل ہے۔ یہ امانتیں لینے کے لیے تم کسی کو بھیج سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات مکمل ہونے کے بعد، اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا "تم بہت دوراندیش ہو۔

بی تھری تمہارے ہوٹل سے بہت قریب ہے۔ شاید وہ ہماری یہ گفتگو بھی سن رہا ہو۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت دیتا ہوں۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تمہاری چیزیں لے آئے گا۔...بی تھری! کیا تم لائن پر ہو۔ اوور!"

آخری پیغام اس نے سنیل کے لیے نشر کیا تھا۔ میں خاموش رہا۔ میرے ایرپیس پر فوراً سنیل کی آواز ابھری "میں موجود ہوں اور ہدایت سن چکا ہوں۔ تم کہو تو میں چند منٹ میں بی ون کے کمرے تک پہنچ سکتا ہوں۔ اوور۔"

اس بار بھی میری خاموشی ضروری تھی۔ گوپال نے سنیل کو فوری طور پر میرے پاس پہنچنے کا حکم دے کر دوبارہ مجھ سے رجوع کیا تو میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے الوداعی فقرے کے ساتھ ایرپیس آف کر دیا۔

اس گفتگو سے پہلے میں نے غزالہ کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ وہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور گلابی ہونٹوں پر خوف کی ہلکی سی سفیدی جھلکنے لگی "آپ کے ان اقدامات سے مجھے خوف آرہا ہے جیسے ہماری کشتی ڈوبنے والی ہو اور اس پر سے بوجھ ہلکا کیا جارہا ہو!"

"یہ صرف احتیاطی اقدامات ہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "وہ کسی وجہ سے مجھے وہاں روک لیں اور کسی کو تمہارے پاس بھیجیں تو انہیں یہاں کوئی مشتبہ چیز نہیں ملنی چاہیے۔ کوئی اعصاب شکستہ شخص ایسی جزئیات پر غور نہیں کرتا۔ تم کو میرے یا اپنے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"خدا اس رینا کو غارت کرے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔" غزالہ نے ثابت کر دیا کہ وہ اول اور آخر ایک عورت تھی۔

ہوٹل کے ریکارڈ پر میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اسی ایک نکتے سے بات کا بتنگڑ بنا تھا اور را والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حقیقت یہ تھی کہ غزالہ میری بیوی تھی، اس کی دل جوئی کرنا میرا فرض تھا۔ میں نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گرم جوشی سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور وہ میرے شانے پر سر رکھ کر سراپا سپردگی بن گئی۔ فرط جذبات سے اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے لیکن اس کے لب خاموش تھے۔

خوں خوار دشمن کی جبری دعوت پر اس کی کچھار میں جانے سے پہلے وہ میری اور غزالہ کی آخری ہم آغوشی تھی جو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ بی تھری اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مستعد تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے جھپٹ کر دروازہ کھولا تو سنیل گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

اس نے مجھے اتنا وقت نہیں دیا تھا کہ میں مطلوبہ چیزیں نکال کر یکجا کر لیتا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا اور چند منٹ میں سب چیزیں اس کے حوالے کر دیں جو بہت آسانی سے اس کی جیبوں میں سماگئیں اور وہ مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر کمرے سے لوٹ گیا۔

"نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ ہمارے سارے محفوظ مواصلاتی رابطے ٹوٹ چکے ہیں اور الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی جوابی مسکراہٹ تیر گئی "اب ایک ایک لمحہ بھاری گزرے گا۔"

ہم چائے نوشی اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کمرے میں بیٹھ کر رینا کی کال کا انتظار کرنے کے بجائے ایک بجے سے پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ جاؤں گا۔ میرا اصل ٹکراؤ انل بسواس سے تھا مگر اس تک پہنچنے سے پہلے میں رینا کو بھی یہ جتا دینا چاہتا تھا کہ میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کے پیدا کیے ہوئے چیلنج کو اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ قبول کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ہوٹل کی لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خود کار دروازہ کھلنے پر میں لفٹ سے باہر نکلا تو قریب ہی رینا ایک صوفے پر ایسی جگہ لیے بیٹھی تھی کہ ہوٹل کی اوپری منزلوں کی طرف ہونے والی آمدورفت پر نظر رکھ سکے۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"تم دس منٹ پہلے ہی نیچے آگئے۔ آؤ اب کسی کونے میں بیٹھ کر چائے یا کافی پیتے ہیں۔"

"ہمیں ایک بجے روانہ ہونا ہے۔ چائے وغیرہ کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں سے تیرتھ رام اسپتال تک کا فاصلہ دس پندرہ منٹ کا ہے۔ ڈیڑھ بجے بھی نکلے تو وقت سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ ایک بجے ہمیں یکجا ہونا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے انکل کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ اپنی جگہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے کی طرف ہو لیے جہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک ویٹر ہمارے سر پر آموجود ہوا۔ میرے

ایما پر رینا نے اسے چائے کچھ لوازم کے ساتھ لانے کی ہدایت کی اور پھر میری طرف متوجہ ہو گئی "کل رات تم نے میری بہت بے عزتی کی۔ مجھے کمرے میں پڑا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔"

"وہ تمہاری خواہش تھی۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ اس کمرے سے چلی جاؤ مگر تمہاری ڈانس اکیڈمی میں عزت کے پیمانے ہی نرالے ہیں۔ جلد لوٹ آنے والی لڑکیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ راتیں دوسروں کے شبستانوں میں گزارنے والیوں کو عزت دی جاتی ہے۔"

"میں نے تم سے التجا کی ہے کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو بھول جاؤ۔" وہ عاجزانہ لہجے میں گڑگڑائی "اگر انکل کو یہ بھنک مل گئی کہ میرے ذریعے اکیڈمی کا نام تمہارے کانوں تک پہنچا ہے تو وہ مجھے سزا ضرور دے گا۔ ایسے معاملات میں وہ بہت سفاک اور اصول پرست ہے۔"

میں نے اس کا وہ کمزور پہلو اپنی گرہ میں باندھا ہوا تھا۔ اس کی منت و سماجت کا کوئی اثر لیے بغیر میں نے کہا "وہاں میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن میری جان پر بن آئی یا کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ تم نے میرے سامنے کیا کچھ اگلا ہے۔ تم اس کی وفادار ہو نہ میری۔ خطرناک لڑکی ہو اور دونوں کو ڈبل کراس کر رہی ہو۔ اب مجھے تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں رہا۔"

"میں غدار نہیں ہوں۔ تم یقین کرو کہ راستے وفاداری میری سرشت بنتی جا رہی ہے۔ اکیڈمی کے بارے میں تمہیں کوئی فون پر بتا چکا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے تمہارے سوال کی تصدیق کی تھی۔ میں نے بلاوجہ تمہیں جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ میں شروع سے اب تک را کے لیے کام کر رہی ہوں جس میں تمہارا مفاد بھی پوشیدہ ہے۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں گوپال کو ٹپ دے چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ چند روز میں اس نام نہاد ادارے کے خلاف بھرپور اخباری مہم چل پڑے گی جس کے نتیجے میں را والے خام افرادی قوت بلکہ نسوانی قوت کے حصول کے ایک ذریعے سے محروم ہو جائیں گے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں اس مہم کے آغاز سے پہلے انل بسواس کو یہ جتاتا کہ مجھے اکیڈمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

یہ میرے ذہنی انتشار کی علامت تھی کہ ایک طرف میں نے اکیڈمی کا حوالہ دے کر رینا اجیت رائے کو پھنسوانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور دوسری طرف گوپال کو اکیڈمی کے پیچھے لگا دیا تھا۔ رینا نے اکیڈمی کو بھول جانے کی التجا کر کے یکایک میری یادداشت تازہ کر دی تھی۔ میرے پاس گوپال سے فوری طور پر رابطہ کرنے اور اکیڈمی کے معاملے کو اچھالنے سے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ملاقات کے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ یہ ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا کوئی بھی ذکر کرنے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دوں۔ اس ضرورت کا احساس ہوتے ہی میں نے رینا پر احسان جتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے مفاد کی بات مت کرو۔ کل میں نے تم سے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے انل بسواس سے ملاقات اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مالی مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا "مجھے ڈرا دھمکا کر آج کی ملاقات پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"تمہیں مجبور نہیں کیا گیا یہ ہماری مجبوری ہے۔" اس نے زور دے کر انکسار سے کہا "اس کی طرف سے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب تم چھٹی ہونے تک وہاں نہیں پہنچے تو ہم سب کی شامت آ جائے گی۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا "چھٹی ہونے کے بعد کیا مجھے ویران دفتر میں ذبح کروانے کا ارادہ ہے؟ یہ دو بجے چھٹی کا وقت کیا ہے؟"

اس نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا اور میری طرف جھک کر بولی "اب تم ہر بات پر شبہ کر رہے ہو۔ را کے بیشتر دفاتر فوجی اوقات کار پر عمل کرتے ہیں۔ صبح سات بجے سے دو بجے تک کسی وقفے کے بغیر کام ہوتا ہے۔ دو بجے کے بعد صرف وہی لوگ رکتے ہیں جنہیں اہم اور فوری نوعیت کے معاملات نمٹانے ہوں۔ یہ اعزاز کی بات ہے کہ انل بسواس نے ایک دن کے التوا کے بجائے آج اپنے اوقات کار کے بعد تمہیں بلایا ہے۔"

"واقعی بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسی ہولناک اور جبری مہمان داری کا رواج پٹھانوں تک میں نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ مجھے توقع تھی کہ اکیڈمی کے بارے میں وہ خود ہی دوبارہ بات چھیڑے گی اور ایسا ہی ہوا۔

چائے آجانے کے بعد وہ دھیمی اور خوشامدانہ آواز میں بولی "تم اکیڈمی کا نام نہیں لوگے نا؟" میں نے خشمگیں نظروں

سے اس کی طرف دیکھا اور وہ جلدی جلدی بولنے لگی "تم نے شکایت کی تو میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے انجام سے را کا ہر ایجنٹ ڈرتا ہے۔ اس نے کوئی بڑی سزا نہ دی تو میں ملازمت سے ضرور برطرف کردی جاؤں گی۔ میری بیمار ماں دواؤں کو ترستی رہے گی، گھر والے بھوکوں مرنے لگیں گے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ میں کسی بالا خانے کا کوٹھا سنبھال لوں۔ بھگوان کے لیے، مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ مجبوری تھی۔ ہم نے چند گھنٹے ایک دوسرے سے بہت قریب رہ کر گزارے....."

اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ گرا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے نہ بولنا۔ دواؤں کے لیے ترستی ہوئی ماں کے نام پر میں اکیڈمی کو بھول رہا ہوں۔ تم نے کچھ اور باتوں کے بارے میں بھی کہا تھا کہ میں انکل سے ان کا ذکر نہ کروں ورنہ وہ سمجھے گا کہ تم نے را کی اندر کی باتیں مجھے بتادی ہیں۔"

"وہ اکیڈمی کی اہمیت کو دھندلانے کی کوششیں تھیں۔ تم ہر بات دہرا سکتے ہو۔ تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے وہ سب بتانا ضروری تھا۔" اس نے مسرت سے کہا۔ میرے وعدے پر اس کے ستے ہوئے چہرے پر رونق آگئی تھی۔

ہم نے خاموشی سے چائے ختم کی۔ ایک بج کر بیس منٹ پر رینا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چائے کا بل اسی نے ادا کیا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک بات گونج رہی تھی کہ انکل بسوا سے ملاقات کے لیے ہمیں سول لائنز کے علاقے میں تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں جانا تھا۔ وہ مقام میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ را کے اس دفتر کا سربراہ نریش شرما تھا۔ انکل بسوا اس گمنام دفتر میں کبھی کبھار دیکھا جاتا تھا۔

سنیل کے ساتھ اس دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ را کا وہ ذیلی دفتر کسی پرشکوہ عمارت میں نہیں تھا۔ وہ پرانی دہلی کے قدیم سرکاری دفاتر کی طرح ایک غیر محفوظ اور سال خوردہ سی عمارت تھی جس کی ذرا سی اہمیت کا اظہار صرف اس بات سے ہوتا تھا کہ وہاں دو موٹے اور کاہل الوجود، باوردی سپاہی اپنی بندوق سمیت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھے گئے تھے۔

باہر پارکنگ لاٹ میں ایک قدرے نئی اور اچھی گاڑی کھڑی تھی۔ جب رینا نے چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو میں تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا "دہلی کے عام شہری اس گاڑی کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میرٹھ کی ایک بے یار و مددگار لڑکی کی ملکیت میں ہے۔"

"مجھے ڈرائیونگ سکھائی گئی ہے مگر میں بسوں میں سفر کرتی ہوں۔" اس نے آزردگی سے کہا "یہ سرکاری گاڑی آج خاص طور پر تمہاری وجہ سے دی گئی ہے۔ اگر آج تم نے سچے دل سے مجھے معاف کردیا اور میری ملازمت جاری رہی تو اگلے ایک دو برسوں میں تمہاری کرپا سے اپنی گاڑی بھی خرید لوں گی۔"

"اس وقت تم اکیلی مجھے لینے آئی ہو؟" میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تین گاڑیوں میں کم از کم سات مسلح اور چاق و چوبند محافظ چوری چھپے ہماری حفاظت کرتے ہوئے آئیں گے۔" اس نے نگرانی کی جگہ حفاظت کا لفظ استعمال کرتے ہوئے مجھے بتایا "یہ وہ پروٹوکول ہے جو ہمارے وزیروں کو بھی نہیں ملتا۔"

گاڑی حرکت میں آگئی۔ میرے ذہن پر سکون اور سناٹے کی ایک عجیب سی کیفیت محیط ہونے لگی۔

"تم نے میرا مان رکھا ہے تو اب تمہیں ایک بہت ضروری بات بتادوں۔" چند ثانیوں تک بے چین نظر آنے کے بعد رینا نے جھجکتے ہوئے سکوت توڑا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ونڈ شیلڈ سے سڑک پر نظریں جمائے رہا۔ مجھے خاموش پاکر رینا نے ٹوکا "تم نے جواب نہیں دیا۔"

"تمہاری پوری بات سن کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔ ابھی تمہاری بات ادھوری تھی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"انکل سے محتاط رہ کر بات کرنا۔ ٹیڑھے کام قبول کرتے ہوئے آدمی کا ہچکچانا اور گھبرانا فطری ہوتا ہے۔ اپنے انکار کو اس حد سے آگے نہ لے جانا۔ اگر تم اس کے لیے کام نہ کرنا چاہو تو یہ بات اپنے دل میں رکھنا۔ اس پر ظاہر نہ کرنا۔ اسے یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے دھوکا دو گے۔" اس نے نپی اور شرمسار آواز میں کہا۔

وہ بار بار روپ بدلنے والی ایک عجیب لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ مجھ سے نگاہیں چار کرنے کے بجائے سڑک کی طرف متوجہ تھی جس پر ٹریفک کا دباؤ بہت زیادہ نہیں تھا۔

"پچھلی ملاقات میں تم نے اصرار کیا تھا کہ انکل افہام و تفہیم سے کام لینے والا آدمی ہے۔ مجھے اس سے بالکل کھل کر بات کرنی چاہیے۔ اب بالکل ہی مختلف مشورہ دے رہی

ہو۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا "میری تم سے یہ تیسری ملاقات ہے۔ ہر مرتبہ تم نے ایک نئی کینچلی بدلی ہے۔ میں تمہاری کس بات پر اعتبار کروں؟ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے آخری لمحے تک تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو۔"

"پہلے میں تم کو بہکا رہی تھی کیونکہ میرا ٹارگٹ یہی تھا۔ مجھے تم کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر انکل تک لے جانا تھا۔ تم اس سے ڈانس اکیڈمی کا ذکر کر کے میرے لیے خطرات پیدا کر سکتے تھے۔ میرے لیے محفوظ راستہ یہ تھا کہ میں تم کو انکل سے لڑوا دوں اور وہ مشتعل ہو کر تمہارا کام تمام کر دے۔ تم اس کی شرائط مان لیتے تو تمہیں اس کے سامنے اکیڈمی کا ذکر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں بچی رہتی۔ میں نے ان مقاصد کے تحت برین واش کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔"

"پھر اب یکایک تمہارے عزائم میں تبدیلی کیوں آ گئی؟" میں نے برافروختہ ہو کر پوچھا۔

"اپنی آواز دھیمی رکھو۔ تم نے میری بیمار ماں کے نام پر اکیڈمی کو فراموش کرنے کا وعدہ کر کے میرے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا ہے۔ تم بہت عظیم کردار کے مالک ہو۔ تم جیسے نیک لوگوں کو گناہوں کی اس دھرتی پر زندہ رہنا چاہیے تاکہ ہم سب کی روزی روزگار کا سلسلہ چلتا رہے۔"

"میں اس سے انکار کر دیتا تو وہ مجھے مروا ڈالتا؟ اس نے اسی لیے دفتر کی چھٹی کے بعد مجھے بلایا ہے؟"

"غیر ملکیوں کے قتل سے دیس کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں سڑکوں پر آئے دن جان لیوا حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ آج تم اسے ٹکا سا جواب دے کر آتے۔ کل پرسوں تک کوئی گاڑی کسی بھی جگہ اتفاقاً تمہیں کچل دیتی۔ تمہاری عظمت دیکھ لینے کے بعد میں تمہیں ایسے دردناک انجام کی طرف نہیں دھکیل سکتی۔" آخر کار رینا نے کھل کر وہی بات کہہ دی جو شروع سے میرے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہی ہو۔ سڑک پر زیادہ گاڑیاں نہیں ہیں۔ میری طرف دیکھ کر اپنی بات دہراؤ۔"

اس نے گردن گھما کر مجروح اور نادم نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر بعد دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہو گئی اور دھیرے دھیرے بولنے لگی "اب مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خوف بھی نہیں ہے کہ تم اپنے قتل والی بات کسی کو بتا دو گے۔ تم پردیسی ہو۔ پڑوس سے آئے ہو۔ میں بدن کی بھینٹ دے کر تمہارا دل نہیں جیت سکی لیکن تم نے اپنی ایک بات سے مجھے اپنی داسی بنا لیا ہے۔ میں گاڑی نہ چلا رہی ہوتی تو اسی وقت تمہارے پیر چھو لیتی۔" اس نے اپنا بایاں ہاتھ میرے داہنے گھٹنے پر رکھ دیا۔

رینا نے تین ملاقاتوں میں تین رنگ بدلے تھے۔ اس کی اداکاری اتنی کامیاب تھی کہ اپنے تمام تر تحفظات کے باوجود میں کھل کر اس پر اپنے کسی شبہے کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے بول رہی تھی۔ قدرت نے انسان کے دل کا خمیر کسی عجیب شے سے اٹھایا ہے۔ آدمی سنگ دلی اور بے مہری پر تل جائے تو بڑے سے بڑے احسان کو نظرانداز کر کے اپنے محسن کو آنکھیں دکھانے لگتا ہے۔ وہ معقولیت پر مائل ہو تو کسی کی ذرا سی مہربانی اس کے دل کو کچے موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ وہ سوچ سوچ کر گھنٹوں روتا ہے اور کوئی ہم نفس میسر ہو تو اپنی رقت سے اسے بھی خوب رلاتا ہے۔

رینا پر اس وقت دوسری کیفیت طاری تھی۔ میں نے اسے مزید چھیڑنے کا ارادہ دانستہ ترک کر دیا۔ را کے سات مسلح بھیڑیے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ رینا جذبات کی رو میں بہہ کر ذرا بھی بکھرتی تو وہ چونک پڑتے اور کوئی نئی کہانی ان کی بسواس کے کانوں تک پہنچ جاتی۔

کناٹ پیلس سے آگے ریلوے پل عبور کر کے رینا قطب روڈ پر گاڑی دوڑا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہماری مسافت زیادہ نہیں تھی۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے، رینا سول لائنز کے جنوبی علاقے میں داخل ہوئی جہاں داہنی طرف کملا نہرو پارک میں غدر کی یادگار سر اٹھائے کھڑی تھی اور ہماری منزل بائیں ہاتھ پر تھی۔ رینا نے گاڑی اس طرف موڑی تو میں نے دیکھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی ٹریفک کی بھیڑ بہت کم رہ گئی تھی۔ ان میں کم از کم دو گاڑیاں ایسی تھیں، جنہیں میں نے رینا کے پیچھے پیچھے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

آخر رینا نے اپنی گاڑی را کے اس دفتر کے قریب روک دی جس پر کوئی بورڈ یا تحریر نہیں تھی۔ پہرے پر مامور دونوں باوردی سپاہیوں نے بیزاری سے رکنے والی گاڑی کی طرف دیکھا لیکن اپنی کرسیوں سے ہلنے کی زحمت نہیں کی۔ رینا نے اپنا دروازہ لاک کیا اور مجھے ساتھ لے کر تیزی سے عمارت کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ ہمارا پیچھا کرنے والی تینوں گاڑیوں کا اس وقت تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

اس وقت پونے دو بجے تھے۔ را کا وہ دفتر پوری طرح آباد تھا۔ باہر سے وہ عمارت قدیم نظر آتی تھی لیکن اندر کا

سماں بہت بدلا ہوا تھا۔ میں نے راہ داری طے کرتے ہوئے شیشے کی کئی دیواروں کے پیچھے کمپیوٹر اور ان سے منسلک مشینوں پر متعدد مردوں اور عورتوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا تو احساس ہوا کہ میں واقعی بھارت کے کسی اہم اور حساس ادارے کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔

اس طویل راہ داری کے بند اختتام پر داہنی طرف والے کمرے کے دروازے پر انگریزی اور ہندی میں لکھی ہوئی انل بسواس کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ اس کے سامنے بائیں سمت والے کمرے پر نریش شرما کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ رینا مجھ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ سیدھی انل بسواس والے کمرے میں جا گھسی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مقررہ وقت سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے براہِ راست انل بسواس کے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ اس خیال نے لمحاتی طور پر میرے ذہن میں وسوسہ پیدا کردیا کہ رینا، انل بسواس سے اتنا قریب اور بے تکلف تھی تو وہ میری خیر خواہ کیسے ہوسکتی تھی۔

جب میں اس کی تقلید میں اس دروازے میں ہچکچاتے ہوئے داخل ہوا تو میرا وسوسہ خود بہ خود ختم ہوگیا۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی میز کے پیچھے منحوس چہرے والا، تند خو ناگر براجمان تھا۔ رینا اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی دیکھ لیا تھا کہ میز کافی بڑی ہونے کے باوجود اس کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ اگر رینا بیٹھی رہتی تو مجھے مجبوراً کھڑے ہوکر وقت پورا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا۔ ناگر کے دفتر میں دو اندرونی دروازے تھے۔ ایک کھلا ہوا اور دوسرا بند تھا۔ بادی النظر میں وہ دونوں بھی کمرے ہی تھے۔ میں ناگر کی میز کے قریب پہنچا تو ناگر نے بیٹھے بیٹھے سرد مہری سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا "اچھا ہوا کہ تم وقت سے ذرا پہلے آگئے۔ صاحب پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم کو تھوڑی دیر کے لیے انتظار گاہ میں بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارے لیے چائے منگواتا ہوں۔"

میرے پہنچتے ہی رینا کرسی سے اٹھ گئی تھی لیکن اس نے میرے بیٹھنے کے لیے جگہ خالی نہیں کی تھی۔ میں نے ناگر کے اشارے پر کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو فرشی قالین سے آراستہ کشادہ اور آرام دہ کمرا نظر آیا جہاں بیٹھ کر مجھے انل بسواس سے ملاقات کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ناگر کے دفتر کا بند اندرونی دروازہ انل بسواس کے کمرے میں کھلتا تھا۔ ناگر کی مرضی کے بغیر کوئی انل بسواس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"مجھے چائے کی حاجت نہیں ہے۔ میں سگریٹ نوشی میں اپنا وقت گزار لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں جارہی ہوں۔" رینا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تمہیں یہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا۔ ملاقات کے بعد ناگر تمہاری واپسی کا بندوبست کردیں گے۔"

میرا خیال تھا کہ رینا آخر تک میرے ساتھ نہ سہی تو آس پاس ضرور موجود رہے گی۔ اس کی فوری واپسی کی اطلاع سے مجھے ہلکی سی مایوسی ہوئی۔ میں نے ناگر کے کریہہ وجود اور درشت چہرے پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ رینا سے ہاتھ ملا کر انتظار گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وسیع ہال خالی تھا۔ وہاں ایک وقت میں دس سے زائد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ شاید انل بسواس نے اسی وجہ سے اپنے پی اے کی میز کے مقابل صرف ایک کرسی رکھوائی تھی۔

را بھارت کی ایک خفیہ ایجنسی تھی۔ اس کے لیے ہزاروں افراد کام کرتے تھے اور ہر فرد کے فرائض میں انفرادی رازداری ضروری تھی۔ ناگر کے پاس ایک وقت

میں ایک شخص کی نشست کے بندوبست کی وجہ سے اس راز داری کے پامال ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

پچھلی رات میں نے نہایت اضطراب کے عالم میں گزاری تھی۔ صبح میرا ذہن الجھا ہوا تھا مگر انل بسواس سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ میرا اعصابی دباؤ خود بہ خود ختم ہوتا چلا گیا تھا۔ را کے دفتر میں پہنچنے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

میں دانستہ ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ناگر مجھے نظر نہ آسکے۔ میں نے رینا اجیت رائے سے مصالحت کرلی تھی، انل بسواس سے ملاقات کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا مگر ناگر کی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ کوئی مفاہمت پیدا کرنے کے لیے میرے دل میں گنجائش نہیں تھی۔

چند منٹ بعد ناگر کے کمرے میں ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ناگر اپنی میز کے عقب سے نمودار ہو کر ایک طرف لپکا۔ اس کے کمرے میں ایک گونجیلی اور رعب دار آواز سنائی دی ''میں فائلیں دیکھ لوں، مقررہ وقت پر اسے اندر بھیج دو۔''

شاید آنے والے کو راستے میں ہی میرے پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

۔۔ انل بسواس کا سامنا کرنا تھا جو میرے [illegible] سے ٹکرایا۔ اس پرشکوہ آواز کی بنیاد پر میرے ذہن میں خود بہ خود انل بسواس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

دو بجنے میں پانچ منٹ پر ناگر مجھے متکبرانہ انداز میں پکارنے کے بجائے اٹھ کر انتظار گاہ کے دروازے پر آیا اور سرد آواز میں بولا ''آؤ!''

میرے پہنچنے تک وہ دوبارہ اپنی گھومنے والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔ میں اس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو!'' اس نے اکلوتی کرسی کی طرف اشارہ کیا ''تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟''

''ہوٹل میں ہے۔'' میں نے بے پروائی سے مختصر سا جواب دیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی مجھے کوفت ہو رہی تھی۔

''تمہیں وہ ساتھ لانا چاہیے تھا۔'' اس نے قدرے سختی سے کہا ''یہاں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''وہ اتنا ضروری تھا تو تم فنگر پرنس کے ساتھ ہی لے آتے۔'' میں نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر بے اعتنائی سے جواب دیا ''مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ اس ملاقات کے لیے پاسپورٹ ساتھ لانا ضروری تھا۔''

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ مہربان نظر آنے کی کوشش میں بھی نامہربان نظر آتا۔ میرے دونوں جوابات نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ میز پر رکھی ہوئی فائلوں کو الٹنے پلٹنے میں مصروف ہو گیا۔

ہم دونوں کے درمیان خاموش اور سرد جنگ جاری تھی۔ وہ مجھے کوئی اہمیت دینے سے گریز کر رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور اس کی نب کو ناخن پر ٹکا کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور کا وجود نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ کہیں بھی میری جامہ تلاشی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ٹھیک دو بجے ناگر کے کمرے میں کسی گھنٹی کا ہلکا سا بزر بولا۔ وہ اضطراری انداز میں کرسی سے اٹھ گیا اور بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے بھنچی آواز میں غرایا۔ ''قلم جیب میں رکھو اور اندر جاؤ۔ صاحب بلا رہے ہیں۔''

میرے لیے وہ بہت نازک اور کڑا وقت تھا لیکن ناگر کے خلاف میرے ذہن میں جو شورش چل رہی تھی۔ وہ اپنا رنگ لے آئی۔ قلم جیب میں اڑا کر میں نے غیر ارادی طور پر اسے آنکھ ماری اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، میں دروازہ کھول کر ملحق کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور سیاہ رنگ کی بڑی میز پر صرف ایک دہری ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ بند کمرے کی فضا میں ائرکنڈیشنر کی ہلکی ہلکی گھوں گھوں کے ساتھ خوش گوار ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔ میز کے پیچھے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک صحت مند، دراز قامت اور پختہ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کنپٹیوں کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ شفاف عدسوں کے پیچھے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں عجیب سی دیوانی چمک تھی جو نگاہیں چار ہونے پر مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بڑھتی ہوئی عمر کی وجہ سے اس کی پیشانی کشادہ ہو گئی تھی اور چندیا پر چند بال رہ گئے تھے۔

مجموعی طور پر وہ بردبار اور باوقار شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی گونجیلی آواز میں بولا ''بیٹھ جاؤ!''

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے چند کاغذوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا ''تمہارا نام مظاہر خان ہے۔''

''مظہر خان!'' میں نے رسانیت سے اس کی تصحیح کی ''آپ کے پی اے نے مجھ سے شاید اسی لیے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔ مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ ہوٹل ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔'' موقع پاتے ہی میں نے ناگر کے غیر ضروری مطالبے کی غیر محسوس انداز میں شکایت کر ڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری پوری بات سنی ہی نہ ہو۔ ایک ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر دھیمی مگر بارعب آواز میں بولا ”ناگر! کیا ہمیں مظہر خان کے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہے؟“

مجھے خوشی ہوئی کہ میری حرکت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ناگر کی گوشمالی ضروری تھی۔ اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور مزید کچھ کہے بغیر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اس بار وہ میری طرف متوجہ ہوگیا ”میرا نام انل ہے۔ اب تک تمہیں بتادیا گیا ہوگا کہ ہمارا نیٹ ورک را کے نام سے کام کرتا ہے۔“

”جی....!“ میں نے مرعوب ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ”میں پریشان ہوں کہ را کو میری ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔“

”ضروری نہیں کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ تم کراچی میں رہتے ہو؟“ اس کے لب ولہجے میں شائستگی بہت غالب تھی۔

میرا جواب اثبات میں پاکر اس نے دوسرا سوال کیا ”پرانی گاڑیوں کا لین دین کرتے ہو؟“

”جی ہاں!“ اس بار بھی میرا جواب تائیدی تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی ملازمت کے لیے انٹرویو دے رہا ہوں۔ انل بسواس نے ایک بال پن سنبھال لیا تھا اور اپنے کاغذوں پر کچھ نوٹ کرتا جارہا تھا۔

”پڑوسیوں کے تعلقات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ اس نے کاغذوں سے نظریں اٹھاکر پوچھا۔

”اچھے ہونے چاہئیں...“ میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا ”اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کاروباری آدمی ہوں، سیاست سے دور رہتا ہوں۔“

”تمہاری تعلیم کتنی ہے؟“ وہ ایک مرتبہ پھر ذاتی نوعیت کا سوال کر بیٹھا۔

”گریجویٹ ہوں۔“ میں نے اس بار سچ بتادینے میں تامل نہیں کیا۔

”تم ایک اجنبی لڑکی کو گھمانے پھرانے کے لیے اپنے ساتھ لائے ہو۔ عورتوں کے رسیا معلوم ہوتے ہو؟“

”جی ہاں....“ اقرار کرتے ہی میں نے بوکھلا کر تصحیح کی ”جی نہیں!“

اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی پھر اس نے کہا ”من پسند خوراک کھانا، نفیس ترین لباس پہننا اور خوب صورت لڑکیوں سے دوستی کرنا ہر جوان اور زندہ دل آدمی کی فطری آرزوئیں اور امنگیں ہوتی ہیں۔ لوگ ان فطری خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کیوں ہچکچاتے ہیں؟ زندگی بار بار نہیں صرف ایک بار ملتی ہے۔ اسے بھرپور انداز میں نہ گزارنا اپنے پیدا کرنے والے بھگوان، خدا، اللہ یا گاڈ کی ناشکری ہے۔“

وہ اس کا تائید طلب بیان تھا۔ میں اس کے خاموش ہونے پر بس سرہلا کر رہ گیا۔

”ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی“ اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ”بھوکے اور بے مایہ لوگ ان چیزوں کو خرافات قرار دے کر رہبانیت سے ملتا جلتا کوئی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنی بے مائیگی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کچھ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے تم ہو۔ ان کا ہاتھ پڑ جائے تو اپنے جوہر خوب دکھاتے ہیں ورنہ حسرتوں کی چنگاریوں میں دبے سسکتے رہتے ہیں۔ ان کا آئیڈیل وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں سب کچھ میسر ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے سے من پسند خوشیاں نچوڑتے رہتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری آمدنی کیا ہے؟“

اپنی تقریر کے آخر میں اس نے پھر ایک ذاتی سوال کر ڈالا تھا۔ وہ میری ذات کو ہدف بنا کر اپنے مذاکرات کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ میں نے سرجھکا کر کہا۔ ”یہ کوئی لگا بندھا

کاروبار نہیں ہے لیکن سال میں آٹھ دس ہزار کا اوسط آجاتا ہے۔"

"ہر شخص کی کچھ نہ کچھ گھریلو اور خاندانی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے یہ رقم کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ ڈال دیا جائے تو اس کے پیٹ کی آگ نہیں بجھائی جا سکتی۔ تم پاکستان سے کتنی بار سیاحت کے لیے نکلے ہو؟"

"میں پہلی بار بھارت آیا ہوں" میں نے اس کے سوال کا گول مول جواب دیا۔ جس میں سچ بھی تھا اور جھوٹ بھی۔ سچ یہ تھا کہ میں واقعی پہلی بار بھارت گیا تھا۔ جھوٹ یہ تھا کہ میں نے اپنے دوسرے سفروں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"تم عالم شباب میں ہو۔ دنیا دیکھنے اور زندگی کی لذتیں سمیٹنے کی یہی عمر ہوتی ہے۔ ایک بار زندگی کے سائے ڈھلنے لگیں تو اس زوال کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا تم اپنی عمر کے اس سنہرے دور کو زیادہ بار آور بنانے کے خواہش مند نہیں ہو؟" اس کی چمکیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"یہ خواہش ہر دل میں ہوتی ہے مگر منزل ہر ایک کو نہیں ملتی" میں نے اسے راہ دی۔

"میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری منزل تمہاری منتظر ہے۔ تم چاہو تو کوئی غیر معمولی محنت کیے بغیر پچیس ہزار روپے کی خطیر ماہانہ رقم کما سکتے ہو۔ یہ اضافی آمدنی تمہاری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دے گی۔"

"میں را کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں" میں نے الجھے الجھے، خائفانہ انداز میں جواب دیا "میں را کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ جو کچھ سنا اور پڑھا ہے وہ ڈراونا ہے۔ پاکستان میں را کے لیے کام کرنے والے ہر شخص کو غدار قرار دیا جاتا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات بہت آسانی سے اگل دی۔ اب مجھے تم کو سمجھانے میں آسانی رہے گی۔ تم را کے لیے نہیں، ایک عظیم انسانی مشن کے لیے کام کرو گے۔ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانا بہت بڑی خدمت ہے۔ اس سمت میں تمہارا کیا ہوا چھوٹا سا کام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تمہارے کئی سمجھ دار ہم وطن یہ خدمت کر رہے ہیں اور اس سے خود بھی فیض حاصل کر رہے ہیں۔"

"میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "لوگ کام اور نیت کو نہیں دیکھتے۔ صاف بات یہ ہے کہ پاکستان میں را کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں جو کچھ کروں گا، را کے لیے کروں گا۔ کسی کو یہ سن گن مل گئی تو میری بقیہ زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"تم را کی بات کرتے ہو!" اس کی آواز میں ہلکی سی تیزی آگئی "یہاں پاکستان کی سات خفیہ ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔ کشمیر سے مدراس تک ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر پھر بھی ان کے آدمی بھیس بدل کر اور ہر خطرہ مول لے کر یہاں آتے ہیں اور خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنی کسی حماقت کی وجہ سے بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے پھر بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔ اس کی جگہ کوئی نیا اور زیادہ پرجوش پاکستانی یہاں آجاتا ہے۔ وہ اپنے گھر بار اور بیوی بچوں سے دور رہ کر اتنا نہیں کماتے جتنا تم اپنے گھر اور شہر میں بیٹھے بیٹھے کما لو گے۔"

"وہ عزت کے کام ہیں یا سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستان میں رہ کر را کے لیے کام کرنا غداری ہوگا۔ میں شاید یہ بوجھ نہ اٹھا سکوں۔ مجھے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے آپ کی لگائی ہوئی قیمت بہت زیادہ ہے۔ یہ میں ادا نہیں کر سکوں گا۔"

میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا کہ میں اس کی شخصیت سے مرعوب اور مسحور ہو چکا تھا اس لیے میں نے براہ راست اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا لیکن کن انکھیوں سے یہ جائزہ ضرور لے لیا کہ میرے دوٹوک جواب پر اس کے چہرے پر غصے کی ایک ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

"میں تمہیں پھر سمجھا رہا ہوں کہ تمہاری سوچ غلط ہے" اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے، تحمل سے اپنی بات جاری رکھی "ہماری دنیا تیزی سے سمٹ رہی ہے۔ فاصلے گھٹ چکے ہیں۔ وقت کا پیمانہ بدل گیا ہے۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں ہے۔ جس میں سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ان سب کو عزت اور رواداری کے ساتھ رہنا چاہیے، میں تم سے اسی مشن کے لیے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم نفرت کے سوداگروں کے خلاف محبت کے پیغام بر بن کر کام کرو گے۔ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے۔ تمہاری کھال پر را کا ٹھپا لگایا جائے گا نہ تمہیں را سے کوئی رابطہ رکھنا ہوگا۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو گے اور اپنی رپورٹیں کراچی کے ایک نمبر پر فیکس کرتے رہو گے۔ کسی کو کچھ کہنا ہوگا تو وہ خود تم سے رابطہ کرلے گا۔ اس میں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

اس کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ وہ کراچی سے میرے کوائف کی تصدیق کرانے کے بعد مطمئن ہو چکا تھا کہ میں ایک عام پاکستانی تھا اور وہ اسی بنیاد پر مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے سامنے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ سنبھل سنبھل

کرنہایت منطقی انداز میں اس سے اتفاق یا اختلاف کررہا تھا۔

میں چند ثانیوں تک سرجھکائے خاموش بیٹھا رہا جیسے اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہوں۔ وہ صبر کے ساتھ میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے بھرائی ہوئی، معذرت خواہانہ آواز میں کہا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"مگر میں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہاری بریفنگ کا مقصد یہی تھا کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے' رینا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بہت بڑے اور کھلے دل کے افسر ہیں۔ اسی لیے میں کھل کر آپ سے بات کررہا ہوں۔ میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ پہروں میں رہتے ہوں گے۔ جگہ جگہ میری تلاشی ہوگی تب کہیں آپ سے ملنے کی نوبت آئے گی مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کی سادگی نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"رینا بہت خوبصورت اور محنتی لڑکی ہے۔ وہ جس کار میں تمہیں لائی تھی' اس میں آلہ لگا ہوا تھا۔ تمہارے پاس بارود کا پٹاخہ بھی ہوتا تو الارم بج جاتا۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارے فنگر پرنٹس لینے کے بعد میرے آدمی غافل ہوگئے ہیں۔ مجھے تمہارا آخری جواب چاہیے تاکہ میں ان کو کسی دوسرے کاموں سے لگا سکوں۔"

میں پرسکون تھا۔ اس کا سکون دھیرے دھیرے رخصت ہو رہا تھا۔ میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں..."

"نہیں!" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "کان کھول کر سن لو کہ میں یہاں آنے والے ہر پاکستانی پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی کام کا آدمی ہوتا ہے جسے احتیاط سے منتخب کرکے میرے کسی دفتر تک لایا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ میرے آدمیوں سے انتخاب میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ میرے نہیں، تمہارے مستقبل کا معاملہ ہے۔ اسے تباہ کرلو یا بنالو۔ فیصلے کا اختیار تم کو ہے۔ تم کو فخر کرنا چاہیے کہ میں نے بھارت میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں صرف تمہیں ملاقات کی عزت دی ہے۔ لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور تم تذبذب میں مبتلا ہو۔"

"جو سات پاکستانی ایجنسیاں یہاں کام کررہی ہیں' وہ ہندوستان میں بھی کام کرتی ہوں گی۔ میرے لیے یہ تصور ہی لرزا دینے والا ہے کہ وہ میرے پیچھے لگ جائیں۔ مجھے را کا ایجنٹ قرار دے کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں۔"

"تم اتنے بے وقوف نہیں ہو۔ رازداری کے کام رازداری سے کرسکتے ہو اور خود کو ہمیشہ بچائے رکھ سکتے ہو۔"

"انل صاحب! میں شرمندہ ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خوش قسمتی کی دیوی نے خود میرے دروازے پر دستک دی ہے۔ میں اس کی تلاش میں نکلا ہوتا تو شاید یہ موقع ضائع نہ کرتا۔ میں اب بھی گومگو کے عالم میں ہوں۔ اگر آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں تو شاید میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں ورنہ..."

"مظہر خان! میرا نام انل بسواس ہے۔ میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں" اس کی آواز سخت اور تادیبی ہوگئی "تم اس بھاری پتھر کو چوم کر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ بوجھ تم کو اٹھانا ہوگا۔ اپنی اور رینا کی پہلی ملاقات کو یاد کرو۔ اس کے موتی جیسے بدن کو چھوتے ہوئے تم نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا تھا تو اب کیوں وقت کے طلب گار بنے ہوئے ہو؟ اپنے اندر سوئے ہوئے اس حیوان کو جگاؤ جو زن اور زر کا حریص ہے۔ عورتوں کے رسیا پیسے پر بھی لپکتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ تم کیوں میرا وقت برباد کررہے ہو۔"

میں اندازہ لگائے بیٹھا تھا کہ وہ مجھے آمادہ کرنے کے لیے آخری حربے کے طور پر میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر کرے گا لیکن اس نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے لب و لہجے

سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا اور آخری لمحات پر رینا نے میرے اس اندیشے کی تصدیق کی تھی کہ میرے لیے انل بسواس کے چنگل سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں اسے برہم کرکے نکلتا تو اگلے چند گھنٹوں یا چند دنوں میں دہلی کی کسی بھی سڑک پر میری زندگی کا آخری باب لہو رنگ تحریر میں لکھا جا سکتا تھا۔ اپنے سارے پس و پیش کے باوجود میں نے آخر میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں مگر میں اس کی زبان سے وڈیو فلم کے بارے میں کچھ نہیں اگلوا سکا تھا۔ پتا نہیں انل بسواس نے ترپ کے اس پتے کو کس وقت کے لیے بچا رکھا تھا۔ میں اس بارے میں زیادہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس سے کچھ طے ہو جانے کے بعد آگے بڑھنے کے روشن امکانات نظر آ رہے تھے۔ اس وقت تک مجھے یہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ انل بسواس مجھ سے را کے لیے کیا کام لینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن میں وہ باتیں گھوم رہی تھیں لیکن میں نے اپنا چہرہ یوں لٹکایا ہوا تھا۔ جیسے میرے ذہن پر مایوسی اور ناامیدی نے حملہ کیا ہوا ہو۔

"بولو۔ تم خاموش کیوں ہو؟" انل بسواس نے کاٹ دار آواز میں مجھے ٹوکا۔

میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔ مغموم انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کھلی چراگاہوں کی طرف ہر چوپایہ لپکتا ہے۔ رینا بھٹکتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی تو وہ ایک مالدار گھرانے کی رنگین مزاج لڑکی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ اس چراگاہ کے گرد مجھے را کی غیر محسوس باڑھ کا سایہ بھی نظر آ جاتا تو میں ادھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ واقعی حسین اور توبہ شکن لڑکی ہے۔ اس نے مجھے گھیر لیا۔ کل دوسری ملاقات میں اس نے بتایا کہ وہ اور ناگر را کے لیے کام کرتے ہیں اور آپ کے ماتحت ہیں۔"

"یہ سب فضولیات نہ دہراؤ۔ مجھے ان لمحوں کا سارا احوال معلوم ہے" اس نے مجھے بولنے سے روک دیا "رینا حسین ہی نہیں، بہت ذہین لڑکی ہے۔ وہ اپنے کسی شکار پر مہربان ہو کر کھلتی ہے تو اس کے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے۔ اپنے ناز و انداز اور اداؤں کی مار سے اسے نڈھال کر دیتی ہے۔ شکار کو ہوش آتا ہے تو وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ خود کو بے بس پاتا ہے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت تم بھی اسی پوزیشن میں ہو۔"

"پھر آپ کی پوچھ گچھ بے سود ہے۔ مجھے ہر حال میں را کے لیے کام کرنا ہے تو مجبوری ہے۔"

"میں جبر نہیں کرتا۔ نیم دلی سے کام کرنے والوں کو میں را کے لیے گالی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنے لیے پرجوش اور دلیر افراد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارا دل میرے کام پر مائل نہیں ہے تو ابھی چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یا ناں میں تم کو ابھی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔"

"میں دل لگا کر کام کروں گا۔ میں وقت کی مجبوری کی بات کر رہا تھا" میں نے جلدی سے کہا۔

"دل تم نے رینا سے لگایا ہے، کام میرے لیے کرو گے۔ کام میں دل لگی میں برداشت نہیں کرتا" اس نے گہری سنجیدگی سے تادیب کی۔

"مجھے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

اس نے ایک بار پھر انٹرکام کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن دبا کر بولا "شرما جی! ذرا اندر آ جاؤ۔ نیا پنچھی اپنے ڈھب پر آ گیا ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "تم دو اور دو چار کے چکر میں رہنے والے خاصے بے خبر پاکستانی معلوم ہوتے ہو مگر اخبار ضرور پڑھتے ہو گے۔"

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی "سرسری نظروں سے دیکھتا ہوں، تفصیل میں نہیں جاتا۔"

"اخبار پڑھنے کی عادت ڈالو۔ لوگوں سے ملتے جلتے رہو۔ سرکاری اور فوجی افسروں سے دوستیاں کرو" انل بسواس نے پہلی بار اپنی بڑی سی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جھولتے ہوئے کہا۔ "ان سے جو کچھ سنتے اور سمجھتے ہو، اس کے نوٹس تیار کرو اور فائلیں کرو۔"

مجھے انل بسواس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مایوسی ہوئی۔ وہ بہت معمولی نوعیت کا عام سا کام تھا جس میں خیال آرائی اور گمراہ کرنے کی کافی گنجائش موجود تھی۔ شاید وہ کوئی خاص ہدف دینے سے قبل میری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

اسی وقت ناگر کے کمرے کی طرف کھلنے والے بند دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک پستہ قامت مگر چاق و چوبند شخص قلم اور پیڈ لیے اندر آ گیا۔

"بیٹھو شرما جی!" انل بسواس نے کہا "یہ مظہر خان ہے پاکستانی ہے۔ رینا کا عاشق ہے۔"

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ بھارت کے شہر دہلی میں مجھے را کے دفتر میں اپنے دو بد ترین دشمنوں کے ساتھ یوں رو بہ رو بیٹھنے کا موقع مل سکے گا۔ ان میں سے ایک را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ تھا' دوسرا اس کا دستِ راست تھا جو دہشت گردی کے امور میں خاص مہارت رکھتا تھا۔

نریش شرما نے ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا اور سرانداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اب یہ ہمارا آدمی ہے'' انل بسواس کی بات جاری تھی ''یہ ہمارے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ پر کام کرے گا۔ ادائیگی اور کام کا طریقہ تم طے کرلو۔ ان باتوں کو دھیان میں رکھنا جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ یہ بڑے ناگ کے سلسلے میں بھی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

میرا دل اچانک اچھل کر حلق میں آگیا۔ گوپال نے کسی کرین کوبرا نامی فائل کا ذکر کیا تھا۔ انل بسواس بڑے ناگ کی بات کر رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں کوئی گہرا اور قریبی رابطہ تھا کیونکہ نسلی طور پر انگریزی اور اردو الفاظ کا تعلق سانپوں سے ہی تھا۔

''یس سر!'' نریش شرما نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''پاکستان میں ایک پاکستانی ہی زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے۔ وہاں مذہبی اور قومی رواداری کا جو حال ہے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ تعصب کی وجہ سے ہمارے آدمی بہت جلد مار کھا جاتے ہیں۔''

''یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی ہیں'' انل بسواس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''دوسری قوموں کی بات چھوڑو' پاکستان کی چھوٹی قومیتیں ہر وقت پنجابی اکثریت سے نالاں نظر آتی ہیں۔ مسلمان ہندو کو بعد میں برداشت کرے گا' وہ دوسرے عقیدے والے مسلمان کو نہیں بخشتا۔ بھارت میں فرقہ وارانہ فساد میں اتنے مسلمان نہیں مرتے جتنے پاکستان میں ہر سال مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہ باتیں تم کو ناگوار گزریں مگر حقیقت یہی ہے۔''

''ان حالات پر ہر درد مند پاکستانی خون کے آنسو روتا ہے'' میرے پاس اس سے اتفاق رائے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

''یہ مگرمچھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ ملک تمہارے خدا نے دیا ہے اور وہی اسے چلا بھی رہا ہے ورنہ ہر پاکستانی اسے لوٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہے۔ پتا نہیں تم میری پیشکش قبول کرتے ہوئے کیوں جھجک رہے تھے۔ تم اپنے ملک کو نہیں لوٹو گے۔ اس کے نام پر ہم سے پچیس ہزار روپے مہینہ وصول کرو گے۔''

''بار بار اس کا ذکر نہ کریں' میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے کس بات کے لیے اتنی بڑی تنخواہ دی جائے گی۔ سنی سنائی باتیں تو اخباروں اور ان میں چھپنے والے

بین السطور

پارٹی میں ایک خاتون دوسری خاتون کو بتا رہی تھیں ''میرے باس نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی تحفے میں دی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے...''

''بہت خوب'' دوسری خاتون نے کہا۔

''میرے باس نے مجھے ڈیفنس میں بنگلا بھی لے کر دیا ہے۔ اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے...'' پہلی خاتون نے مزید بتایا۔

''بہت خوب... بہت خوب!'' دوسری خاتون نے کہا۔

''انہوں نے مجھے ایک ہنڈا اکارڈ اور ڈرائیور بھی دیا ہے.... اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے...'' پہلی خاتون بولیں۔

''بہت خوب.... بہت خوب!'' دوسری خاتون نے سرہلایا۔

تب پہلی خاتون نے پوچھا ''اور تم سناؤ.... آج کل کیا کر رہی ہو؟''

''میں آج کل تمیز اور شائستگی سکھانے والی کلاس اٹینڈ کر رہی ہوں۔ وہاں سب سے پہلے یہ سکھایا جاتا ہے کہ جب آپ کہنا چاہیں ''کیوں بے پر کی چھوڑ رہی ہو؟'' تو اس کی جگہ ''بہت خوب... بہت خوب'' کہنا چاہیے۔'' دوسری خاتون نے بتایا۔

○☆○

مضامین اور کالموں کے ذریعے ہر ایک کے علم میں آجاتی ہیں۔ آپ کے سفارت کار ان کے تراشے دہلی بھیج سکتے ہیں۔"

"بہت سی باتیں ہمیشہ سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ کاغذ پر کبھی نہیں آتیں" نریش شرما نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم تمہیں رقم دیتے رہیں گے۔ کوئی خاص ٹارگٹ سامنے آیا تو تمہیں اس کے بارے میں بتادیا جائے گا۔"

"ابھی انل صاحب نے کسی بڑے ناگ کا ذکر کیا تھا۔ کیا میں اس بارے میں کچھ کرسکتا ہوں؟" میں نے اپنے تجسس کے تحت سوال کیا۔

"تم نے میرا دل خوش کردیا" انل بسواس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "مجھے ایسے کارکن پسند ہیں جو بڑھ کر ذمے داریاں سنبھالیں، اپنی باری آنے کا انتظار نہ کریں۔ بڑے ناگ کے بارے میں اگر تم کوئی مدد کرسکے تو تمہیں تنخواہ کے علاوہ ایک بڑا انعام بھی مل سکتا ہے۔"

"مجھے کچھ بتادیا جائے تو میں اس بارے میں سرتوڑ کوشش کروں گا۔" میں نے منافقانہ خلوص سے کہا۔

"وہ بہت زہریلا ناگ ہے۔ اچانک نمودار ہوکر ڈستا ہے اور غائب ہوجاتا ہے" نریش شرما اپنے افسر کا اشارہ پاکر مجھے بتانے لگا "ہم اپنے ذرائع سے اس تک پہنچنے کی ہر کوشش میں ناکام ہوچکے ہیں۔ وہ زیادہ تر کراچی میں روپوش رہتا ہے۔"

"اس کا کوئی نام ضرور ہوگا؟" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ڈینی! وہ بدنام عالمی دہشت گرد ہے۔ بہت سرد مہری اور سفاکی سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ اس سے ہم ہی نہیں، امریکی بھی نالاں ہیں۔"

"ڈینی...!" میں نے سوچتے ہوئے دہرایا "یہ نام کبھی میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"شاید تم اشتہارات نہیں دیکھتے" نریش شرما نے کہا "خبروں میں اس کا نام نہیں نہیں آتا۔ ہمیں شبے سے زیادہ یقین ہے کہ اسے بعض پاکستانی ایجنسیوں کی بھرپور حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ جرائم کرتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ کبھی اپنے قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔"

"تم اشتہارات کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے یاد دلایا۔

"ہاں!" اسے اپنی ادھوری بات فوراً یاد آگئی "خبروں میں اس کے نام کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جاتا ہے مگر امریکیوں نے اسے اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس نے امریکا کے سفارت کاروں کے خلاف سنگین اور قابلِ نفرت جرائم کیے ہیں جن میں کئی خوں ریزیاں بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں امریکی سفارت خانے نے اس کی گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے کئی بار اخباروں میں انعامی اشتہار چھپوائے ہیں مگر ان کے جواب میں کسی نے ان سے تعاون نہیں کیا۔"

میں نے سوچنے اور اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کی جیسے کسی بھولی بسری کہانی کو یاد کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ نریش پرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر میں چونکا جیسے وہ بات یاد آگئی ہو "کچھ کچھ یاد آرہا ہے۔ اس کے ساتھ کسی امریکی عورت کا نام بھی تھا۔ ان دونوں پر کئی ملین ڈالر کا انعام تھا۔"

"بالکل وہی اشتہار تھے۔ ان میں کیے ہوئے امریکی اعلان آج بھی برقرار ہیں۔ ہماری پیشکش اس کے علاوہ ہے۔"

"وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر امریکی کیوں انعامی رقم دیں گے؟" میں نے نریش سے پوچھا۔

"وہ ہمارے ہاتھ لگے یا امریکیوں کے۔ بات ایک ہی ہے" انل بسواس نے اپنی بھاری آواز میں وضاحت کی "ہم سب اس خبیث کے ہاتھوں عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا مشترکہ مقصد صرف ایک ہے کہ وہ کسی کی بھی گرفت میں آجائے یا مارا جائے تاکہ اس کی بے مہار دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ اس کی وجہ سے ہمارے سفارت کار اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ فعال ہوتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔"

"پھر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی نہ کوئی مضبوط ایجنسی اسے پال رہی ہے" ان کے دلوں میں اترنے کے لیے میں نے ان کی پسندیدہ بات کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہورہی تھی کہ وہ اس قدر طاقت ور اور دراز دست ہوتے ہوئے، ایک فرد سے اس قدر خوف زدہ تھے۔

"تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس بات کو چھپانے کی کوشش کررہا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی قریب میں ڈینی کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی کے خوف سے تین امریکی سفارت کار پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کرچکے ہیں" نریش شرما نے کہا۔

وہ اس کی غلط فہمی تھی۔ شاید امریکیوں نے دوسروں سے یہ بات چھپائی ہو مگر مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے پاکستان

کے دفتر خارجہ سے باضابطہ طور پر یہ شکایت کی تھی کہ ان کے سفارت کار پاکستان کا رخ کرتے ہوئے گھبرانے لگے تھے اور اگر وہ صورت حال قابو میں نہ کی گئی تو پاکستان میں امریکی سفارتی عملے کی تعداد میں کمی کرنا پڑے گی۔ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ایسے حالات سے سفارتی مراسم کو سخت نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔

مجھے ان پر اپنی معلومات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نریش شرما کی مبالغہ آرائی پر خاموش رہا۔

''تم بھارت میں کب تک رکے رہو گے؟'' انل بسواس نے مجھ سے پوچھا۔

''کم از کم دو ہفتے کا پروگرام ہے۔ ابھی آگرہ، ممبئی اور کلکتہ بھی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرا مشورہ ہے کہ اپنا تفریحی پروگرام مختصر کردو۔'' اس نے گمبھیر سنجیدگی سے اپنی رائے دی ''تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان لوٹ کر اپنا کام شروع کردینا چاہیے۔ تم ایک لڑکی کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں مفت میں تمہیں رینا جیسی لڑکی انعام میں ملی ہے۔ کچھ کارگزاری دکھانے کے بعد تم جب چاہو گے۔ تم کو ویزا مل جائے گا۔ اگلی بار تنہا یہاں آنا ہر شہر میں رینا جیسی حسین اور جوان لڑکیاں فخر کے ساتھ تمہاری میزبانی کریں گی۔''

انل بسواس ادھیڑ عمر، سنجیدہ اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ وہ ایسے اہم عہدے پر مامور تھا کہ بھارتی صدر اور وزیراعظم بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے اپنی قوم کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی پیشکش کررہا تھا، اس سے مجھے صدمہ ہوا۔ اس کی سفید کنپٹیوں کے نیچے مجھے اس کا باوقار چہرہ یکایک کالا اور مکروہ نظر آنے لگا۔

مگر وہ انل بسواس نہیں بول رہا تھا۔ را کا شہرہ یہی تھا کہ وہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر جاسوسی اور تخریب کاری کے غیر روایتی طریقے استعمال کررہے تھے۔ وہ ہر شعبے میں خوب رو لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ میں ان کی بے شرمی کے اس تجربے سے ذاتی طور پر گزر چکا تھا۔

''اگلی بار میں یقیناً اکیلا آؤں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنی ساتھی کو تاج محل دکھا کر واپس لے جانے پر آمادہ کرسکوں۔''

''ممبئی اور کول کتا کو بھول جاؤ۔ آگرہ گھوم کر لوٹ جاؤ۔'' انل بسواس نے تاکید کی ''ہمیں وہاں تم جیسے کسی آدمی کی سخت ضرورت ہے۔ چند روز پہلے ڈینی نے ہمارے جوگیندر پال نامی ایک سفارت کار کو اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم کے ذریعے دھماکے میں اڑا دیا۔ میجر بخشی نامی دوسرے اہم سفارتی افسر پر ایسا سفاکانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمارے بہترین ڈاکٹر اسے صحت یاب کرانے میں ناکام ہوچکے ہیں۔ پاکستان میں متعین ہمارا سفارتی عملہ سخت خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔''

''میں واپس جاکر غزالہ سے بات کروں گا۔'' میں نے اس کی تشویش پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے، پر خلوص انداز میں یقین دلایا۔

''آگرہ یہاں سے صرف دو سو کلو میٹر دور ہے۔'' نریش شرما نے میری رہنمائی کی ''تم صبح جاکر شام کو واپس آسکتے ہو۔ آگرے میں تاج محل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

''سنا ہے کہ پورے چاند کی رات میں تاج محل کا حسن قابل دید ہوتا ہے۔ ہم شام کو جاکر سویرے وہاں سے لوٹ آئیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ غزالہ چاند کی چودھویں رات تک انتظار کرنے کی ضد نہ کرے۔'' میں نے چودھویں رات کا ذکر وقت لینے کے لیے چھیڑا تھا تاکہ وہ مجھے فوری واپسی پر مجبور نہ کرسکیں۔

''شرما جی! تم مظہر کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔'' انل بسواس نے گویا ملاقات کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے کہا ''اپنے ریکارڈ سے اسے امریکی اشتہار دکھا دو۔ دوسرے اخباری تراشے بھی اس کی یادداشت تازہ کرسکتے ہیں۔ یہ کام کرنے پر آمادہ ہوچکا ہے تو ہمیں اس کی صلاحیتوں کو پوری طرح پرکھ لینا چاہیے۔''

نریش شرما کے ساتھ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ انل بسواس نے بیٹھے بیٹھے میری طرف داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اس کا کشادہ اور بھرا بھرا ہاتھ بہت تپاک سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کے بدن کا وہ پہلا لمس میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ میرے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں زہریلی انگوٹھیاں موجود تھیں۔ ذرا سے اشارے پر میں کسی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں اتار سکتا تھا۔ وہی زہر نریش شرما کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہوتا مگر پھر میں بند گلی میں گھر جاتا۔ میرے نکاس کی کوئی راہ نہ رہتی۔ باہر بیٹھا ہوا ناگرا اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے دو بڑوں کی اچانک موت کے بعد مجھے را کے اس دفتر سے نکل جانے دیتا۔

وہ سرور اور خواب و خیال کی ایک وجدانی لہر تھی جو چند لمحوں کے لیے میرے ذہن پر طاری ہوئی پھر میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا۔ انل بسواس نے مجھے عزت ضرور دی تھی مگر

اس نے میرے تپاک کے جواب میں کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

انل بسواس سے ہاتھ ملانے کے بعد میں نریش شرما کی تقلید میں اس نیم روشن دفتر سے نکل آیا۔

نریش نے ناگر کے پاس رکنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا راہ داری میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے میری اور ناگر کی نظریں چار ہوئیں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں غصہ بلکہ اشتعال جھلکتا ہوا نظر آیا۔ اس بار میں نے مزید طیش دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری وجہ سے اسے اپنے باس سے ڈانٹ سننا پڑی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے الجھنے کی کوئی نئی کوشش نہیں کرے گا۔

میری اور انل بسواس کی وہ ملاقات کافی دیر جاری رہی۔ اس وقت ڈھائی بج رہے تھے اور عمارت میں سکوت و سناٹے کا راج محسوس ہو رہا تھا۔ انسانوں کی موجودگی کی بے آواز رونق اس وقت مفقود تھی۔

رینا کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق دو بجے اس دفتر میں چھٹی ہو چکی تھی۔ را کے عملے کے بیشتر افراد اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ شاید گنے چنے لوگ اس عمارت میں باقی رہ گئے تھے جن میں میرے دونوں بڑے شکار بھی شامل تھے۔ وہ میری دسترس میں تھے مگر میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نریش شرما کے کمرے کا راستہ بھی اس کے پی اے کے کمرے سے گزرتا تھا۔ اس کا پی اے ایک ادھیڑ عمر اور منشی نما شخص تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ نریش کے ملاقاتیوں کے لیے کوئی علیحدہ انتظار گاہ نہیں تھی۔ اس کے پی اے کے کمرے میں ہی قرینے سے چھ آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اپنے منصب اور میری معلومات کے مطابق انل بسواس را کے اس دفتر کا سربراہ تھا۔ ناگر اس کا ذاتی نائب تھا مگر انتظامی طور پر دوسری حیثیت نریش شرما کو حاصل تھی۔ میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس دفتر میں افسران کی خدمت کے لیے اردلیوں اور چپراسیوں کی ریل پیل نہیں تھی۔ اسٹاف کی تعداد کو شاید اہلکاروں کی استعداد بڑھا کر محدود رکھا گیا تھا۔ ہر افسر کو اپنا کام خود کرنا ہوتا تھا۔ کم تنخواہوں والے مجبور اور بے کس ملازمین کی کمی را کے رازوں کی حفاظت کی ایک کلید بھی سمجھی جا سکتی تھی۔

"رام بابو! تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو" نریش نے اپنے پی اے کے قریب رک کر کہا "میں ذرا دیر تک بیٹھوں گا۔"

"پھر سرکار، میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ پتا نہیں آپ کو کب میری ضرورت پڑ جائے" رام بابو نے فرماں بردار ماتحت کی طرح جواب دیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ سارے ضروری کاغذات اندر میرے پاس موجود ہیں" نریش نے رام بابو کی حوصلہ افزائی کی۔

"بہت اچھا سرکار۔ میں اپنی میز سمیٹے لیتا ہوں" رام بابو کا جواب سن کر نریش اپنے کمرے میں گھس گیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کا دفتر بھی سادہ تھا۔ میز، کرسیوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، وہ ایک آہنی تجوری تھی جو کمرے کے ایک گوشے میں دو آہنی الماریوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید وہی تجوری گرین کوبرا فائل کا مدفن اور مخزن تھی کیونکہ انل بسواس کے دفتر کی سپاٹ دیواروں کے ساتھ مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں اہم کاغذات اور فائلیں وغیرہ رکھی جا سکیں۔

"تم کیا پیتے ہو؟" میز کے پیچھے اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر نریش شرما نے دوستانہ لہجے میں ہنستے پوچھا۔

"میں چائے اور ٹھنڈے پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اس وقت اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے اپنی ایک مقفل دراز کھول کر شراب کا ایک شفاف پائنٹ نکالا۔ سفید بوتل میں سفید شراب تھی جو جن ہو سکتی تھی یا پھر واڈکا۔ "شراب کے بغیر شباب سے لطف اندوز ہونا ایسا ہی ہے جیسے چمچے سے قورمہ کھایا جائے" وہ اپنا گلاس بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بڑی نادر مثال دی ہے تم نے" میں خواہ مخواہ ہنس دیا۔ انل بسواس کی بارعب شخصیت کے ساتھ میں نے آپ جناب کا تکلف برقرار رکھا تھا جو اس کے رتبے کے پیش نظر ضروری تھا۔ مگر نریش شرما سے میں نے ابتدا سے ہی قدرے بے تکلفی رکھی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر میں خود کو زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

"قورمے کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو ہر حال میں برقرار رہتا ہے مگر اس کو خمیری روٹی یا شیرمال کے ساتھ کھایا جائے تو بات کچھ اور ہو جاتی ہے" اس نے جن میں ٹانک واٹر ملاتے ہوئے کہا "یہی حال شباب کا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی تم رینا کو پوری طرح دریافت نہیں کر سکے۔"

انل اور نریش جس روانی سے رینا کے تذکرے کر رہے تھے' اس سے پتا چل رہا تھا کہ اس جیسی لڑکیوں کو را نے صرف "سرکاری کاموں" کے لیے ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ ایسی لڑکیاں فاضل اوقات میں را کے افسروں کی شامیں رنگین بنانے اور ان کی خلوتوں کو آباد کرنے کے کام بھی آتی تھیں۔ ملک و قوم کی خدمت کے وہ دعوے دار دل کھول کر اپنی قوم کی آبرو سے کھیل رہے تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

نریش شرما کی میز کی درازیں اور میز کے ساتھ لگے ہوئے بڑے سے سائڈ ریک کے خانے اس کی ضرورت کی ہر چیز سے لیس تھے۔ اس نے اپنی کرسی سے ہلے بغیر گلاس تیار کرکے جن کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ وہ عادی شرابی تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ اتنے خمار میں آسکتا تھا کہ میرے ساتھ روانی سے باتیں کرتا رہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے سرکاری دفتر میں بیٹھا پی رہا تھا۔

"رینا تمہارے دفاتر میں بہت زیادہ مقبول معلوم ہوتی ہے۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچنے کے بعد کہہ ڈالا۔

"پتا نہیں یہاں کتنی رینائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم سے اس کی بات اس لیے ہو رہی ہے کہ تم صرف اسی کو جانتے ہو" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اگلی بار یہاں آؤ گے تو تم کو دوسری لڑکیوں سے بھی ملوا دیا جائے گا۔ تم بیٹھو' میں ذرا کام کی فائلیں لا تا ہوں۔"

اس نے اپنا گلاس وہیں چھوڑا اور پتلون کی داہنی جیب کو ٹٹولتا ہوا آہنی تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تجوری ایسے رخ پر رکھی ہوئی تھی کہ میں اس کے دروازے نیم وا ہونے کے باوجود اندر کا جائزہ نہ لے سکا۔ نریش تجوری کے سامنے جھکا ہوا اپنے مطلوبہ کاغذات تلاش کر رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن نریش وہیں مصروف رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی ضرورت کے کاغذات نہ مل رہے ہوں۔ اس دوران میں اس نے کئی فائلیں وغیرہ نکال کر قالین پر ڈال دی تھیں۔ میں خاموش بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت صبر ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ غیر ضروری طور پر بولنے سے گریز کرکے میں نریش شرما سے بہت کچھ جان سکتا تھا۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ گرین کوبرا فائل اسی کی تحویل سے مل سکتی تھی۔

آخر نریش نے تجوری بند کرکے مقفل کر دی۔ اس نے فائلوں کا ایک بندھا ہوا بنڈل نکال کر ہر کاغذ تجوری میں واپس محفوظ کر دیا تھا۔ بنڈل لے کر وہ اپنی میز پر لوٹ آیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "ڈیفی کے تراشوں کی فائل میں نے امریکی ریکارڈ کے ساتھ رکھی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ شاید ان پاکستانی فائلوں میں مل گئی ہو" اس نے بنڈل کا بند کھول کر اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور فائلیں دیکھنے لگا۔

وہ پاکستان سے متعلق را کی فائلیں لیے بیٹھا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار بچپن میں سنی ہوئی وہ پہیلی گونج اٹھی جو ماں اکثر مجھ سے پوچھا کرتی تھی۔ چار گھڑے' رس کے بھرے۔ چور تکے' لے نہ سکے۔ اس پہیلی کا جواب گائے بھینس کے تھن ہوتا تھا جو میں ہمیشہ بھول جاتا تھا اور ماں میرا مذاق اڑایا کرتی تھی' خوش ہوتی تھی کیونکہ اس بہانے میں اس کی باتوں میں بہلا رہا کرتا تھا۔

اس وقت کی صورت حال پر وہ پہیلی پوری طرح صادق آرہی تھی۔ فائلیں میرے سامنے تھیں' شاید ان میں گرین کوبرا فائل بھی تھی۔ میں اس پلندے کو ندیدی نگاہوں سے تک رہا تھا لیکن انہیں نریش شرما سے چھین لینے پر قادر نہیں تھا۔

انل بسواس سے میری وہ ملاقات ضرورت سے زیادہ بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ملاقات سے پہلے رینا اپنی مکاریوں سے تائب ہو کر میری خیر خواہ بن چکی تھی۔ میں نے انل بسواس کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھ لیا تھا۔ وہ پاکستان کے خلاف را کی سرگرمیوں کا ناخدا تھا۔ اس تک پہنچنا میرا اور پاکستانی ایجنسیوں کا خواب تھا۔ اسے اور نریش کو دیکھ لینے کے بعد میں موقع پا کر کسی بھی وقت اپنی کاری ضرب لگا سکتا تھا۔

"اجازت ہو تو میں سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے نریش کی محویت میں دخل اندازی کی "شاید تم بھول گئے کہ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"پیو' پیو" اس نے پلندے سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا "شراب نہیں تو سگریٹ ہی پیو۔ اس وقت میں تمہارے لیے تراشوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔"

"اپنے رام بابو سے مدد لے لو" میں نے سگریٹ اور ماچس نکال کر اسے مشورہ دیا۔

"یہ تجوری شجر ممنوعہ ہے۔ اسے میرے اور بڑے صاحب کے سوا کوئی نہیں کھولتا۔ بے چارہ رام بابو کچھ نہیں کر سکتا۔"

وہ فائلیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ میری عقابی نگاہیں اسی

طرف جمی ہوئی تھیں۔ میں فائلوں پر لکھی ہوئی خفیہ تحریریں پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس وقت تک صرف ایک فائل کا جلی عنوان میری نظروں میں آسکا تھا۔ اس پر سرخ مارکر سے پی اے ای سی ون لکھا ہوا تھا۔

وہ را کے دفتر میں محفوظ کی ہوئی ٹاپ سیکرٹ فائلیں تھیں۔ میرے ذہن میں انگریزی کے وہ حروف تیزی سے گھومتے رہے۔ اسی کے ساتھ میں پاکستان کے ان اہم قومی اداروں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کی کارکردگی اور پیش رفت میں بھارت غیر معمولی دلچسپی لے سکتا تھا۔ وہ ایٹمی دھماکوں سے پہلے کا کشیدہ دور تھا جب عالمی قوتیں دونوں فریقوں کو ایٹمی کلب میں شمولیت سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کررہی تھیں۔

یکایک میرے ذہن میں روشنی سی کوند گئی۔ وہ انگریزی حروف پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا مخفف ہوسکتے تھے۔ ون شاید اس فائل کا نمبر تھا۔ میرے وجود میں ہیجان برپا ہوگیا۔ حوصلہ کرنے اور ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی۔ فائلوں کا وہ پورا پلندہ میرے قبضے میں آسکتا تھا۔

پھر پلاسٹک کی ایک سفید فائل نرلیش شرما کے ہاتھوں سے لرزی۔ فائل پر جی سی کا دو حرفی اور خاصا بڑا کمپیوٹر پرنٹ چسپاں تھا جسے دور سے بھی پڑھا جاسکتا تھا۔ وہ دونوں حروف گرین کوبرا کے سوا کسی اور فائل سے متعلق نہیں ہوسکتے تھے۔ پتا نہیں اس فائل میں کیا تھا۔ میں اپنے اصل روپ میں ان کے لیے بڑا ناگ تھا۔ بڑے ناگ اور گرین کوبرا میں کوئی معنوی یا لفظی مطابقت نہیں تھی۔ الفاظ کی نسلی یکسانیت پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی۔ میرے اضطراب میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔ سب کچھ جان لینے اور چھین لینے کی خواہش میرے دل ودماغ میں زور پکڑتی جارہی تھی مگر اس کا ممکنہ انجام میری آرزوؤں کی لگام بنا ہوا تھا۔

وہ پتلی اور موٹی، کل گیارہ فائلیں تھیں جو ایک جگہ بندھی ہوئی تھیں۔ دسویں فائل دیکھ کر نرلیش شرما نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اتنی دیر سے اسی فائل کی تلاش میں جھک ماررہا تھا۔ اس نے دوسری فائلوں کو بے پروائی سے ایک طرف سرکادیا اور مطلوبہ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

انل بسواس کے قول کے مطابق نرلیش اپنے ڈھب پر آئے ہوئے ایک نئے پنچھی کو اس کے نئے کام پر بریفنگ دینے کی تیاری کررہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام پاکستانی کو را کے اندرونی ریکارڈ سے کوئی واقفیت یا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ میں خود اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان پر قابو پائے بیٹھا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے نرلیش کو یہ شبہ ہوتا کہ میں اس کے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

نرلیش را کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ وہ بے وقوف، غبی یا بے پروا نہیں تھا۔ اس کی ذہانت ہر شک وشبے سے بالا تھی۔ وہ اپنے مخصوص کاموں میں ماہر تسلیم کیا جاتا تھا جس کی گواہی گوپال بھی دے چکا تھا۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ اسے بلکہ اس کے بڑے کو بھی میری اصلیت کا ادراک نہیں ہوسکا تھا۔ ان دونوں نے مجھے اپنا مہمان بناکر اپنے دفتر میں بلایا اور بٹھایا ہوا تھا اور مجھ سے میری تلاش میں مدد کے خواہاں تھے۔

ان کے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ اول خان نے میرے لیے کراچی کے جس نام، پتے اور پیشے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ فرضی نہیں تھا۔ خود مجھے بھارت پہنچنے تک علم نہیں تھا کہ میرے کاغذات کی تیاری میں اول خان نے اتنی احتیاط سے کام لیا ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب را والوں نے اپنے ذرائع سے ان کوائف کی تصدیق کرنے کے بعد رینا اجیت رائے کو میرے پیچھے لگادیا۔ وہ بجا طور پر مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے۔ اول خان نے میری روانگی کے بعد اصلی مظہر خان کو اس کے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل کردیا تھا۔ وہ ذہانت اور دوربینی کی پیکار تھی جس میں اول خان فتح یاب رہا تھا اور را کے اعلیٰ دماغ مار کھاگئے تھے۔

نرلیش شرما نے وہ فائل مجھے دکھانے سے پہلے، اپنے اطمینان کے لیے اس کی ورق گردانی شروع کردی۔ اس میں صرف اخباری تراشے نہیں تھے۔ ان کے درمیان سفید اور گدلے اوراق بھی لگے ہوئے تھے جو اخباری کاغذ سے بہت مختلف تھے۔ درمیان میں اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لیا اور پھر امریکی اشتہار کا تراشا کھول کر فائل میرے سامنے کردی۔ دوسرے اوراق کو اس نے اپنے ہاتھوں سے اس طرح دبالیا تھا کہ کاغذ اڑنے کی وجہ سے وہ میری نظروں میں نہ آسکیں۔

وہ بڑا اشتہار میں زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ اس میں ویرا کی پرانی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس حوالے سے کوئی اور اسے نہیں پہچان سکتا تھا مگر میرے لیے وہ تصویر اجنبی نہیں تھی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ را والوں کا ریکارڈ مکمل اور بھرپور تھا۔ ہم دونوں کھڑی ڈھلان کے سب سے اوپری کنارے پر اٹکے ہوئے اپنی جیت اور بقا کی لڑائی لڑرہے تھے۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمیں آناً فاناً

میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی تھی جہاں ناکامی، مایوسی اور موت کی سسکاریاں مارتی ہوئی اتھاہ دلدلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"یہ اشتہار آج بھی موثر ہے۔ ڈینی کا قصہ نمٹ جائے تو ویرا خود تباہ ہوجائے گی" نریش شرما نے کہا اور میں پھر لرز کر رہ گیا۔

نریش شرما نے بہت عارفانہ انداز میں میرا اور ویرا کا نام لیا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ ناوانستگی میں ہم سے ایک سنگین غلطی ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے غزالہ کا نام تبدیل کیا جانا بہت ضروری تھا۔ جو لوگ میرے لہو کے پیاسے تھے وہ بہت باخبر تھے۔ میرے اور ویرا کے ناموں کے ساتھ یہ بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی کہ میری بیوی کا نام غزالہ تھا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ کسی نے اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔

میری گردن صرف اول خان کی ہوشیاری کی وجہ سے بچی ہوئی تھی۔ راوالوں کو مکمل یقین تھا کہ میں مظہر خان تھا۔ انہیں میری ذات اور شناخت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ غزالہ کی طرف ضرور متوجہ ہوتے۔ ان کی نظروں میں، میں مظہر خان تھا اس لیے وہ کوئی بھی غزالہ ہوسکتی تھی۔ غزالہ بہت عام نام تھا۔ اس کی اپنی جگہ کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری عرفیت کے حوالے سے وہ عام نام یکایک بہت زیادہ اہمیت اختیار کرلیتا تھا۔

مجھے انل بسواس کے خود غرضانہ مشورے میں اپنا مفاد نظر آنے لگا۔ حالات بہت تیزی سے اپنا رخ تبدیل کررہے تھے۔ غزالہ کا نام ایک نیا خوف بن کر میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا۔ ڈھلان کے سرے پر میرے پیروں کے نیچے سے ایک اور پتھر نکل کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ پوزیشن مخدوش تر نظر آنے لگی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ہم کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر، خاموشی سے پاکستان لوٹ جاتے اور نئی تیاریوں کے ساتھ دشمن کے گڑھ پر پلٹ کر حملہ کردیتے۔

"کاش، میں اس معاملے میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتا" میں نے اشتہار پڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری لاٹری ہوگی" نریش اوراق کو دبوچے کھڑا رہا۔ میں نے اشتہار پڑھ لیا تو اس نے احتیاط سے فائل بند کی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے لیے وہ موضوع اچانک وحشت ناک ہونے لگا تھا۔ نریش نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگایا تو میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے پوچھا "برا نہ مناؤ تو ایک بات پوچھ لوں؟"

"ایک نہیں، دو باتیں پوچھو۔ اب تم اپنے آدمی ہو" اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا را کے افسروں کو اپنے دفاتر میں شراب نوشی کی اجازت ہے؟" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے گلاس رکھ کر تیز نگاہوں سے مجھے گھورا پھر بولا "میں دفتری اوقات کے بعد نچلے میں کبھی کبھی جن لے لیتا ہوں۔ دیکھنے میں یہ شراب پانی جیسی ہوتی ہے۔ اس کی بو بھی بہت کم ہوتی ہے۔ پیتے ہوئے میں زیادہ انہماک سے کام کرتا ہوں۔ باہر جاکر تم ڈھول نہ پیٹ دینا۔ تم جیسے مہمانوں کے لیے ہمیں چھوٹ ہے کہ چاہیں تو دفتری اوقات میں بھی ضرورت کے تحت شراب سے میزبانی کرسکتے ہیں۔ ہمارا کام دوسرے سرکاری دفتروں سے بہت مختلف ہے۔"

"ابھی رام بابو اور تمہارے بڑے صاحب اپنے اپنے دفتروں میں موجود ہیں؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"رام بابو کی ایک بیٹی بیمار رہتی ہے۔ چھٹی کے بعد وہ مشکل سے دفتر میں رکتا ہے۔ اب تک اپنے گھر کا آدھا راستہ طے کرچکا ہوگا۔ بڑے صاحب خود کسی کے کمرے میں نہیں آتے، جس سے کوئی کام ہو، اسے انٹرکام پر اپنے کمرے میں بلاتے ہیں.... سمجھ گئے پوری بات؟"

اس کے سرد لہجے نے مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کردیا۔ انل بسواس کے مقابلے میں وہ بہت دوستانہ مزاج کا مالک تھا۔

"اگر پورا دفتر خالی ہوگیا تو مجھے ہوٹل کون پہنچائے گا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"باہر آسانی سے ٹیکسی مل جاتی ہے، میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ناگر تمہارا انتظار کرے گا۔ تمہاری واپسی کا بندوبست اس کی ذمے داری ہے۔"

"تمہارا گلاس خالی ہونے کے بعد میں واپسی کی اجازت چاہوں گا" میں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی فائلوں کے رنگ ذہن نشین کرتے ہوئے کہا۔

"صرف اشتہار دیکھ لینے کے بعد کام ختم نہیں ہوا۔ میں تمہیں وہ موضوعات بتانا چاہتا ہوں جن پر تمہاری توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔"

"ضرور بتاؤ، اس سے میرا کام آسان ہوجائے گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"سب سے پہلے ایک اہم بات سن لو۔ ہمارے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ہم اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ چھان بین کے بعد کسی سے معاہدہ کرلیتے ہیں تو پھر اس کی پوری

پاسداری کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے مقاصد اور وعدوں سے انحراف کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اس کی سزا صرف ایک ہوتی ہے۔"

"را کا نام سامنے آجانے کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی تھی" میں نے نرمی سے کہا۔

نریش نے اس ناخوشگوار نکتے پر مزید کچھ نہیں کہا۔ پرخیال لہجے میں بولا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک آبادی اور رقبے میں پاکستان سے بہت بڑا ہے۔ ہماری ضروریات اور ترجیحات بڑی ہیں لیکن پاکستان کی ہر تیاری میں ہمیں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ہمیں پاکستان کی ایٹمی تیاریوں پر بہت زیادہ تشویش ہے۔ فوجوں کی تعداد، ان کے زیر استعمال ہتھیاروں کی تفصیل، ٹینکوں اور توپوں کی صحیح تعداد، فضائی بیڑے کی صلاحیت، آبدوزوں کا دائرہ کار، بڑے سیاسی لیڈروں کے نجی رجحانات..... یہ سب ہماری دلچسپی کے موضوعات ہیں۔"

"تمہیں پاکستان کے سیاسی اور دفاعی منظرنامے کی ہر تفصیل درکار ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم سمجھ دار ہو، اس میں ہر بات آجاتی ہے۔ ہمارے عزائم نیک ہیں لیکن بہت بڑا بھائی اپنے بہت چھوٹے بھائی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی برابری کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ پاکستان کا رویہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس میں بہتری کے وقفے بہت مختصر رہے ہیں۔"

"انل صاحب نے جوگیندر پال کے گھر بم پھٹنے کا ذکر کیا تھا۔ وہ واقعہ میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ میجر تجشی والے واقعے سے میں بے خبر ہوں۔ وہاں ایسے واقعات ہوتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی کوئی نہ کوئی جوابی قدم اٹھایا جاتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھارت عدم تشدد اور اہنسا کے اصولوں پر کاربند ہے۔ ہم جوابی کارروائی نہیں کرتے" اس نے شراب کا ایک گھونٹ لے کر مکاری سے کہا "یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایسی عملی کارروائیوں سے مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے ایسی توقعات نہ باندھ لی جائیں" حملہ کے راستے میں مرنے والے پاکستانی سفارت کاروں کے بارے میں، میں سوچ کر رہ گیا۔

وہ ہنس پڑا "ایسا نہیں ہوتا۔ ضرورت پڑجاتی ہے تو ہم آدمی ایسے کام انجام دیتے ہیں" ہنستے ہوئے اس کے سفید دانت بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ میرے مستقل رابطے کس سے رہیں گے؟"

"صبر سے کام لو۔ وقت آنے پر ہر بات بتادی جائے گی۔ سب سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان کب لوٹ رہے ہو۔"

"میں کل شام تک بتادوں گا۔ مجھے کس سے اور کیسے رابطہ کرنا ہوگا؟ رینا مجھے الگ ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"

اس نے اپنی دراز سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرے دفتر اور گھر کے فون نمبر ہیں۔ تم رات بارہ بجے سے پہلے کہیں بھی فون کرسکتے ہو۔"

وہ بہت سادہ وزیٹنگ کارڈ تھا جس پر نریش شرما کے نام اور دونوں فون نمبروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے کارڈ کو دونوں طرف سے دیکھا پھر حیرت سے کہا "اس پر تمہارا عہدہ، دفتر کا نام یا گھر کا پتا، کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میرا دفتر تم نے دیکھ لیا، گھر قرول باغ میں ہے۔ بڑے صاحب کے بعد میں اس دفتر کا دوسرا بڑا ہوں" اس نے میرے تجسس سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ناگر نے میرے فنگر پرنٹس لیے تھے۔ رینا نے بتایا ہے کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی تھی۔"

"اس بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میری معلومات ادھوری ہیں۔ میں دہلی میں ہوں۔ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوں۔ تمہارے لیے ان چیزوں کی کیا افادیت ہے؟"

"یہ طے ہوچکا تھا کہ تمہیں ہمارے لیے کام کرنا ہے" نریش نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "تم ہمیشہ دہلی میں نہیں رہو گے۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر اپنا کام شروع کرنا ہے۔ اپنے گھر پہنچ کر تم ہم سے منحرف ہوگئے تو یہ دونوں چیزیں ہمارے کام آئیں گی۔"

"تم انہیں میرے خلاف استعمال کروگے؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی بے آرامی کی اداکاری کی۔

"تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو انہیں استعمال کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ دونوں چیزیں محفوظ رہیں گی۔ تمہاری وعدہ خلافی کی صورت میں ویڈیو کی نقلیں کراچی میں پھیلادی جائیں گی۔ وہاں ایسی فلموں کی بہت مانگ ہے۔ اس میں تمہاری فطری تصویریں ہیں۔ فنگر پرنٹس کے ذریعے تم دنیا کے کسی بھی گوشے میں پہچان لیے جاؤ گے۔ یہ دونوں چیزیں اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں۔ تمہاری نیت صاف ہے تو تم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"میرا ایسی چیزوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں نے فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے کہ فلمیں اور فنگر پرنٹس' دونوں چیزیں خطرناک ہوتی ہیں۔ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو میری زندگی حرام ہوسکتی ہے۔" میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ دونوں چیزیں کس کے قبضے میں تھیں۔ میں سیدھا کوئی سوال کرتا تو نریش شرما کے کان کھڑے ہوجاتے۔ میں گھما پھرا کر اپنے سوال کا جواب لینے کی کوشش کررہا تھا۔

"را کا سارا اثاثہ ریکارڈ ہی ریکارڈ ہے" نریش نے کہا "یہاں ہر چیز صحیح مقام پر صحیح آدمی کی تحویل میں ہوتی ہے۔ جس دن اس نظام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی' سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔ اس بارے میں تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی بازی کا ہر کارڈ اس کی ناگزیر ضرورت کے وقت کھیلنا جانتے ہیں۔"

"یہ تمہارے پیشے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ میں امید کرسکتا ہوں کہ تم ان چیزوں کی حفاظت کروگے۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ چیزیں میرے پاس ہیں جو تم مجھ سے امید باندھ رہے ہو؟" اس نے شاطرانہ انداز میں پوچھا پھر کہا "مگر تم مطمئن رہو۔ وہ چیزیں جس کے پاس بھی ہیں' پوری طرح محفوظ ہیں" اپنی بات پوری کرکے اس نے اپنا گلاس خالی کردیا۔

وہ بہت چالاک تھا' اپنی سادہ لوحی برقرار رکھتے ہوئے اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ میں نے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت تک سارے معاملات ہموار اور صاف ستھرے انداز میں چل رہے تھے۔ میرا زیادہ اصرار اسے میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا۔

اس نے فائلوں کو احتیاط سے یکجا کرکے مضبوط فیتے میں باندھا اور بنڈل اٹھا کر دوبارہ تجوری کی طرف چل دیا۔

مجھے رینا نے بتایا تھا کہ انل بسواس اہم کاغذات اور اشیا کے بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا ہے لیکن اس کے دفتر میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں وہ اپنا ذاتی ریکارڈ وغیرہ محفوظ کرسکے۔ ویسے بھی وہ اس دفتر میں کبھی کبھار آتا تھا۔ اس کا اصل آفس را کے مرکزی دفاتر میں تھا جو دہلی کے کسی اور علاقے میں واقع تھے۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میری ذات سے تعلق رکھنے والی دونوں چیزیں نریش کی تجوری میں ہوسکتی تھیں۔

پاکستان کی فائلیں تجوری میں مقفل کرنے کے بعد نریش روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ اپنا کمرا اس نے خود مقفل کیا۔

رام بابو کا کمرا خالی تھا۔ طویل راہداری سنسان نظر آرہی تھی۔ اس کے آخری سرے پر ایک چوکیدار کرسی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔

نریش مجھے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تو ناگر اکیلا بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ نریش کمار کے لیے اپنی کرسی سے اٹھنا اسے ناگوار گزرا۔

"بڑے صاحب بیٹھے ہیں یا چلے گئے؟" نریش نے رسمی طور پر اس سے پوچھا۔

"تم دونوں کو رخصت کرنے کے چند منٹ بعد وہ چلے گئے تھے۔ میں یہاں مکھیاں مار رہا ہوں" وہ بےزاری سے بولا۔

"مظہر کو اس کے ہوٹل پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم۔" نریش نے اسے نوید سنائی۔

"صاحب کہہ کر گئے تھے" ناگر نے نریش کی بات کی اہمیت ختم کرتے ہوئے کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "آؤ!"

ناگر اور پھر نریش نے باری باری انل بسواس کے کمرے کا دروازہ دیکھا جو مقفل تھا پھر ہم تینوں ایک ساتھ باہر چل دیے۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے ہمیں دیکھا تو اپنے ہاتھ میں موجود چابیوں کا وزنی گچھا ہلاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ درمیان میں ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر سلام کیا اور آگے نکل گیا۔

"ہمارے جانے کے بعد شاید یہی اس عمارت میں رہ جائے گا" میں نے روا روی میں کہا۔

"ہاں' یہ محکمے کا چوکیدار ہے۔ خالی کمروں میں تالے ڈالنے کے بعد چھت پر چلا جاتا ہے۔ وہیں اس کا کمرا ہے۔" نریش نے جواب دیا۔

میرے ذہن میں چرخہ چلنا شروع ہوگیا۔ نریش ایسے موڈ میں تھا کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکتی تھیں لیکن ناگر کی موجودگی میں میرا خاموش رہنا زیادہ بہتر تھا۔

دونوں موٹے سپاہی اپنی وردیاں اتار کر' کرسیاں برآمدے میں لے آئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دن رات وہیں مامور رہتے ہوں۔ دن بھر کرسیاں اور رات میں چارپائیاں توڑنے کے نتیجے میں ان کا کاہل اور بےزار ہونا قابل فہم تھا۔ ان کی زندگیوں میں اکتادینے والی یکسانیت نظر آتی تھی۔ ان کی بندوقوں کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ ان سے برسوں سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ کسی ہلچل اور ہنگامے کے بغیر وہ دونوں اپنی بندوقوں کی طرح زنگ آلود

ہو رہے تھے۔
اس عمارت کے لیے کوئی باقاعدہ پارکنگ نہیں تھی۔ شام کے دراز ہوتے ہوئے سایوں میں عمارت کے ساتھ دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ نریش ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ناگر کے بیٹھنے کے بعد میں اس کی ماروتی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
نریش تیزی کے ساتھ گاڑی نکال کر لے گیا۔ ناگر کی گاڑی کا سیلف پھنس رہا تھا۔ اس کے روانہ ہونے سے پہلے دونوں سپاہی برآمدے سے اٹھ کر عمارت کی بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے نیم پختہ کمرے کی طرف ہو لیے کیونکہ را والوں کے چوکیدار نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔
مہذب ملکوں اور شہروں میں کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کے لیے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی ضرورت نہیں ہوتی، بس رسمی سی دیکھ بھال کافی سمجھی جاتی ہے۔ وہاں وہ بندوبست موجود تھا۔ اندر سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد عمارت میں ایک نگراں موجود تھا۔ باہر دو سپاہی اپنے کمرے میں پڑے سوتے رہتے۔ عمارت کی حفاظت کے لیے ان کی موجودگی کا بھرم ہی کافی تھا۔ مگر مجھے را والوں کی وہ بے پروائی عجیب محسوس ہو رہی تھی۔
اس عمارت میں کوئی خزانہ محفوظ تھا نہ حساس دفاعی تنصیبات تھیں۔ جو کچھ تھا وہ کمپیوٹروں کی یادداشت یا پھر فائلوں، الماریوں اور تجوریوں میں محفوظ تھا۔ جن لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی، انہیں روکنے کے لیے وہ حفاظتی بندوبست بہت ناقص بلکہ ناکارہ تھا۔

ناگر اپنی گاڑی کو برا بھلا کہتا اور اس سے ناگفتہ مادری رشتے جوڑتا، سیلف لگاتا رہا۔ اس کے چڑچڑے پن کا دراک کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ جوں ہی انجن بیدار ہوا، ناگر نے غصے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔
"کیا مجھ سے کچھ ناراض ہو؟" چند منٹ گزر جانے کے بعد میں نے رسانیت سے پوچھا۔
"تم نے انکل سے میری شکایت کر کے اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں" وہ میری طرف دیکھے بغیر غرایا "اس وقت تم اس کے مہمان ہو اس لیے میں تمہیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ناگر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔ میں جلد ہی تمہیں دیکھ لوں گا۔"
اس نے آخری فقرہ کہہ کر اپنی حیثیت کا بھرم توڑ دیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے انکل یا صاحب کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد بھارت چھوڑ دوں۔ وہ دوسروں پر خود کو جو کچھ بھی ظاہر کرتا رہا ہو، انل بسواس کا منہ چڑھا اور چہیتا معتمد ہرگز نہیں تھا۔
"او ہو۔ تم تو واقعی ناراض ہو۔ میں نے تمہاری شکایت نہیں کی تھی۔ برسبیل تذکرہ مجھے بتانا پڑا کہ تم میرے پاسپورٹ کی حاجت محسوس کر رہے تھے۔"
"تم نے اندر جانے سے پہلے مجھے آنکھ ماری تھی۔ تمہارے دل میں کوئی بدمعاشی سر اٹھا رہی تھی، اندر جا کر تم نے رنگ دکھا دیا۔"
"تم مجھے دس دفعہ آنکھ مار لینا مگر مجھ سے یوں منہ نہ پھیرو۔ اب میں تمہارا ساتھی بن چکا ہوں۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔"
"میرے منہ مت لگو اور چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ گاڑی سے یہیں اتار دوں گا" اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔
میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی سمت کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں میرا ذہن مسلسل سوچنے میں مصروف تھا۔
چار بجے میں اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو غزالہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ میری گلوخلاصی میں اتنا کم وقت لگے گا۔
"آج کی ملاقات نے نقشہ بدل دیا ہے" میں نے پرجوش لہجے میں اسے بتایا "انل بسواس اور نریش شرما سے ملاقاتیں ہوئیں اور گرین کوبرا فائل کا سراغ بھی مل گیا ہے۔ اگر میرا منصوبہ کارگر رہا تو ہم پوری سرخ روئی کے ساتھ کل بھارت سے نکل جائیں۔"
"کل؟" حیرت سے غزالہ کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں "یہ کیسے ممکن ہے؟"
"سب ممکن ہے۔ آج رات ہم شاید ہوٹل چھوڑ دیں اور آگرہ روانہ ہو جائیں۔ صبح کی پہلی پرواز سے ہم امرتسر پہنچیں گے اور ٹرین سے لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے صبح دس گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹرین اٹاری اور واہگہ کے راستے لاہور کے لیے روانہ ہوتی ہے۔"
"ہم آگرہ کیوں جائیں گے؟ یہ سب کیسے ہو گا؟ ویرا کا کیا بنے گا؟" میرے انکشافات نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔
"ویرا کے بارے میں مجبوری ہے۔ سی ایس ڈی ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ میری نگرانی جاری ہے یا ختم کر دی گئی ہے۔ جب تک یہ بات صاف نہیں ہوتی، میں نیچے جا کر پبلک بوتھ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا کوئی نہ

کوئی آدمی میرے آس پاس منڈلانا شروع کردے گا۔"
"منڈلا تا رہے۔ اشاروں کنایوں میں وہ بات سمجھ لے گی۔ اسے معلوم ہے کہ آج آپ کی ایک اہم ملاقات ہونے والی تھی" اس نے زور دے کر کہا پھر اسے اپنا پہلا سوال یاد آگیا "یہ آگرے کا ذکر اچانک کیسے نکل آیا۔ حالات میں کوئی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے تو اس میں آگرہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"
"ان کے لیے ہم ہوٹل چھوڑ کر آگرہ کے لیے روانہ ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ آج کی رات تمہیں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں بسر کرنی پڑے۔ اس پروگرام پر اسی وقت عمل ہوسکے گا جب میرا گوپال، سنیل یا ولی رام سے کوئی رابطہ ہو۔ ان کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔"
"آپ کی ہر بات الجھی ہوئی اور میری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ چکے ہیں تو کھل کر مجھے بتایئے کہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ خفگی سے بولی "ہم کن لوگوں کے لیے آگرہ روانہ ہوں گے؟"
مجھے احساس ہوا کہ وہ حق بجانب تھی۔ میں ناگر کے ساتھ سفر کے دوران میں جو کچھ سوچتا چلا آیا تھا، میں نے وہی بولنا شروع کردیا تھا۔ ان باتوں میں بظاہر کوئی ربط نہیں تھا مگر میرے ذہن میں درمیانی کڑیاں جنم لے چکی تھیں "را والے چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر ان کے لیے کام کرنا شروع کردوں" میں نے بہت اختصار سے اپنی بات شروع کی "میں نے وقت لینے کے لیے ان سے بہانہ کیا کہ تم بھرپور چاندنی رات میں تاج محل دیکھنا چاہتی ہو۔ انل بسواس کا دباؤ ہے کہ چاندنی رات کا انتظار کرنے کے بجائے ہم جلد از جلد آگرے کا چکر لگائیں اور واپس چل دیں۔"
اپنی رو میں بات کرتے کرتے میں چونک پڑا۔ میں نے پچھلے تین گھنٹوں کے بارے میں غزالہ سے ایک لفظ نہیں پوچھا تھا۔ جوش اور ہیجان کے عالم میں اپنی کتھا چھیڑ دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا "میرے جانے کے بعد کسی نے تم کو ستانے یا کمرے میں دخل انداز ہونے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟"
"مجھے مداخلت کا خوف لاحق تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آپ اپنی بات پوری کریں۔"
"بعد میں صورتِ حال اچانک بدل گئی...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
غزالہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف گوپال تھا۔
اس کی آواز سن کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اس روز مقدر میری یاوری کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نیچے سے بول رہا ہوں۔ جاتے ہوئے سات نفری بھیڑ تمہارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اب میدان صاف ہے۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں ہے۔"
"میں بہت بے چینی سے اس پیغام کا انتظار کررہا تھا۔ امانتیں لے کر فوراً اوپر آجاؤ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر کہا۔
"ابھی ہمارا ایک جا ہونا مناسب نہیں۔ سنیل سامان لا رہا ہے۔ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر خود تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"
"میں انتظار کروں گا۔ آج ہمارا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ سی ایس ڈی ٹیلی فون لائن سے جوڑے بغیر گفتگو کو طول دینا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔
غزالہ میرے مکالموں سے اس گفتگو کا متن سمجھ گئی تھی۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے کہا "حالات میں اچانک تبدیلی آگئی...."
"ہاں۔" میں نے دوبارہ بات شروع کردی اور اسے گرین کوبرا فائل کے بارے میں بتادیا۔
"یعنی پچھلے تین گھنٹوں میں تین اہم ترین ہدف خود بخود آپ کے سامنے آگئے۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔
"میرا خیال ہے کہ ان میں گرین کوبرا فائل سب سے زیادہ اہم ہے۔ گوپال نے میرا ساتھ دیا تو آج ہم اسے حاصل کرسکتے ہیں۔ پتا نہیں کل وہ فائل کہاں ہو۔"
"گوپال ضرور ساتھ دے گا۔ وہ لوگ آپ سے پہلے اس فائل کی تلاش میں ہیں۔"
"گرین کوبرا سمیت وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل ہے۔ تجوری میں اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ وہ سب حاصل کرسکتے ہیں۔"
"مجھے نرلا کے ساتھ چھوڑ کر آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔
"اس پروگرام میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تینوں شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں بہت کام آئیں گے۔ سی ایس ڈی آجائے تو میں این کا ویل کو ہوشیار کردوں گا تاکہ وہ بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جائے۔"

"یعنی ہم گیارہ فائلوں پر قناعت کرکے یہاں سے رخصت ہوجائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ را والوں کی تیار کی ہوئی ہر فائل ہوشربا ہوگی۔ فائلوں سے محرومی ان کے لیے انل یا نریش کی موت سے زیادہ مایوس کن ثابت ہوگی۔ گرین کوبرا ان کے ٹاپ سیکرٹ کے طور پر ہینڈل کی جارہی ہے۔"

"گوپال سے گفتگو کے بعد تعین ہوسکے گا کہ تینوں میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے۔" غزالہ اپنے شانے اچکا کے بولی۔

اس گفتگو کے دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ پہلی دستک ہونے پر میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو سنیل کا مسکراتا ہوا آسودہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میری بخیریت واپسی پر وہ بہت شاداں نظر آرہا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔ تم موت کے جبڑوں میں سے واپس آئے ہو۔" مجھے ایک مختصر سی تھیلی دیتے ہوئے اس نے تہنیتی لہجے میں کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ میں نے دروازہ دوبارہ مقفل کردیا۔ میرے اہم ترین ہتھیار مختصر سی محرومی کے بعد واپس آچکے تھے۔

میرے ذہن میں ترجیحات خود بخود طے ہوچکی تھیں۔ سب سے پہلے مجھے ویرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ وہ فوراً دہلی چھوڑ دے۔ اگر رابرٹو ویلینی کو اس وقت تک ویرا نے روکا ہوا تھا تو اس کو بھی ویرا کی جبری رفاقت سے آزادی مل جانی چاہیے تھی۔

میں نے سی ایس ڈی کو چھلے ہوئے تاروں سے جوڑ کر مرینا ہوٹل کا نمبر ملایا۔ ویرا اپنے کمرے میں موجود اور میری طرف سے کسی اطلاع کی منتظر تھی۔ اس کی آواز سن کر میں نے بدری ناتھ سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں اس سے مل آیا ہوں۔ واقعات نے بہت تیزی سے نیا رخ اختیار کیا ہے۔ ہم کل یہاں سے نکل جانے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ ہوسکے تو تم آج ہی امرتسر کی طرف نکل جاؤ۔ اطالوی احمق کو ابھی تک روکا ہوا ہے تو اسے بھی رخصت کردو۔"

"ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا ہے تو میں کیوں نہ رابرٹو کو داؤ پر لگادوں۔ میں نے ابھی تک اسے الجھایا ہوا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہاری تجویز احمقانہ ہے۔ وہ اس دام میں نہیں آئے گا۔ انگوٹھیوں کا راز فاش ہوجائے گا اور ہم ان خاموش ہتھیاروں کے استعمال سے محروم ہوجائیں گے۔ تم آخر اپنی عقل پر زور دینے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنا سمجھنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ایسے موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔ وہ ہمارے ساتھ اسی شہر میں ہے۔ ہمیں اس کو یہیں پیوند خاک کردینا چاہیے۔" ویرا کے لب و لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ یہ نادر موقع ہے مگر تم کوئی ڈھنگ کی راہ نکالو۔ میں بڑھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"اب سوچنے اور کوئی نیا منصوبہ بنانے کا وقت نہیں رہا۔ تم امرتسر کی طرف روانگی کا فرمان سناچکے ہو۔"

"تم خود اس تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ایک مرتبہ تم اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ تو اس پر انگوٹھی استعمال کرکے اطمینان سے واپس لوٹ سکتی ہو۔ جب تک کوئی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا‘ اس کا انجام دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔"

"میرے چہرے اور بالوں سے لے کر بدن تک میں بہت تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا اور شور مچانا شروع کردے گا۔ میں نے سب سے پہلے اسی امکان پر غور کیا تھا مگر اس کے نتائج روح فرسا نظر آئے تو میں نے کسی ساتھی کی تلاش شروع کی تھی۔"

"ساتھی سے تم ہر کام لے سکتی ہو مگر جو کام تم نے سوچا ہوا ہے وہ بودا ثابت ہوگا۔ میرے دعوے پر یقین نہ ہو تو تجربہ کرکے دیکھ لو مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم آئندہ کبھی رازداری کے ساتھ انگوٹھیاں استعمال نہیں کرسکیں گے۔ ڈیوڈ کے معاملے میں تم ان کا کمال دیکھ چکی ہو۔"

"مجھے بھی یہ خدشہ تھا۔" اس نے پہلی بار اعتراف کیا "مگر مجھے کامیابی اور ناکامی کے امکان برابر نظر آرہے تھے۔"

"مجھے ننانوے فیصد ناکامی ہی ناکامی نظر آرہی ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔

"میں سوچتی ہوں۔ تم بھی غور کرو۔" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں رات کی آخری ٹرین سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہمارے پاس کئی گھنٹے ہیں۔"

"میرے ذہن میں کوئی متبادل تجویز آگئی تو ضرور فون کروں گا۔" میں نے غزالہ پر نظر ڈال کر کہا "تم آج یہ شہر ضرور چھوڑ دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آخری ٹرین کسی وجہ سے نکل گئی تو میں

رات ریلوے ویٹنگ روم میں گزار لوں گی مگر شہر میں واپس نہیں آؤں گی۔" ویرا نے مجھے یقین دلایا "میں تمہاری ہدایتوں اور مشوروں کو ہمیشہ بہت اہمیت دیتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے نکلو گے۔"

"کوشش یہ ہے کہ کل امرتسر سے تمہارے ہم سفر بن سکیں گے۔ آگے کا حال کاتب تقدیر ہی جانتا ہے۔"

مسائل نے یکایک یلغار کی تھی مگر وہ رفتہ رفتہ حل ہوتے جارہے تھے۔ گوپال سے ابتدائی رابطہ ہوگیا تھا۔ سی الیس ڈی، بیم گن اور اپریٹس کی واپسی عمل میں آچکی تھی۔ ویرا اپنی تجویز سے دستبردار ہونے اور امرتسر روانہ ہونے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ مجھے گوپال سے بات کرکے آخری فیصلے کرنے تھے۔

"شاید تمہیں قلق ہورہا ہوگا کہ آج تم بیکار بیٹھی رہو گی۔" میں نے غزالہ سے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ رات کی مہم میں میری شمولیت سے مدد ملنے کے بجائے شناخت کے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔"

میں اس کے بے لاگ تجزیے پر حیران رہ گیا۔ میں نے وہ بات سوچی ضرور تھی مگر اسے بتائی نہیں تھی۔ اس نے از خود وہ دور رس نتیجہ اخذ کرلیا تھا۔ میں نے کہا "تم بہت دور تک سوچتی ہو۔ اسی لیے بحث کی نوبت نہیں آتی۔ چاہو تو تمہارے لیے ایک بڑا کام نکالا جاسکتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے یہاں بیکار رہ کر وقت نہیں گزارا۔" اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔

"جان اسمتھ یہاں ہے اور ہم بھی یہاں ہیں۔ اس کے ناپاک خون سے پاکستان کی سرزمین کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے سزایاب کرنے کا یہ سنہرا موقع ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ میں نے فون پر ویرا سے جو کچھ کہا تھا، غزالہ نے بھی سنا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے سے پوری بات سمجھ گئی۔ بولی "کام بنا ہوا تو چند منٹ میں سارا کھیل نمٹ جائے گا۔ بات نہیں بن سکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے لوٹ آؤں گی۔ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

"کمرا نمبر تین سو دس۔ ہوٹل سراٹ۔ چانکیہ پوری۔" میں نے جان اسمتھ کا ٹھکانا بتا دیا۔

"آپ گوپال سے بات کرلیں۔ اس کے بعد میں خاموشی سے ٹیکسی میں نکل جاؤں گی۔ کام ہوگا یا نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں مجھے کسی اور کی مدد کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اندھیرا پھیلنے سے پہلے لوٹ آؤں گی تاکہ آپ کے اگلے پروگرام خراب نہ ہوں۔"

"ویری گڈ! میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اٹھ کر بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور وقت بچانے کے لیے اسی وقت اپنی مہم پر روانگی کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ روانگی کے لیے تیار ہوتی رہی۔ میں اپریٹس آن کیے گوپال کی کال کا انتظار کرتا رہا۔ ساڑھے چار بجے وہ لائن پر موجود تھا۔

"میری طرف سے واپسی مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو کوئی بڑا چکما دے کر آئے ہو۔ سب کو تمہاری واپسی کے بارے میں تشویش تھی۔ یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم نے خالی ہاتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔" پاس ورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے خوشی سے لبریز آواز میں کہا۔

"وہ جو کچھ چاہتے تھے اس پر رضامند ہونے کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں نے سمجھوتا کرلیا۔"

"کیسا سمجھوتا؟ وہ تم سے کیا چاہ رہے تھے؟" گوپال نے پوچھا۔

"میں پاکستان میں رہ کر ان کے لیے کام کروں گا۔ وہ مجھے پچیس ہزار روپے ماہانہ معاوضہ دیں گے۔"

"ویری گڈ۔ تمہیں مزید مبارک ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان سے تمہارے کوائف کی تصدیق کروانے کے بعد اب وہ تمہیں مظہر خان سمجھ رہے ہیں۔"

"ہاں! لطف بلکہ لطیفہ یہ ہے کہ وہ ڈینی کی تلاش کے سلسلے میں میری مدد کے خواہاں ہیں۔ اس کی گرفتاری یا موت کی صورت میں مجھے نہ صرف امریکی انعام دلوائیں گے بلکہ را والے بھی لاکھوں روپے کا انعام دیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وقت انہیں بتائے گا کہ دہلی اور واشنگٹن والوں کی یہ بھاری رقوم ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔" گوپال کی آواز میں ہلکا سا افتخار نمایاں تھا "تمہاری زندگی اس سے ہزار گنا بڑے انعاموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور یہ ہمیشہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رہے گی۔"

"اب تمہارے لیے ایک پیچیدہ سوال ہے۔ تم کو سوچ سمجھ کر اس کا جواب دینا ہوگا۔" میں نے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی بساط کے مطابق تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"گرین کوبرا، انل بسواس اور نریش شرما۔ ان تینوں میں سے ایک کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو تمہاری پہلی

ترجیح کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"گرین کوبرا فائل۔" اس کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا "اس وقت اس فائل نے سب کو الجھایا ہوا ہے۔"

"یہ کمپیوٹر کا دور چل رہا ہے۔" میں نے اس سے کوئی نئی بات اگلوانے کے ارادے سے کہا "آج کل فائلوں کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ بات کمپیوٹر کو سمجھے بوجھے بغیر کہہ دی جاتی ہے۔" اس نے واقعی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "اس پر سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ انسانی ذہن اور انگلیوں کا محتاج ہے۔ یہ وہی بتاتا اور دکھاتا ہے جو اس میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی اپج پیدا نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ را والوں نے گرین فائل کا سارا مواد کمپیوٹر پر محفوظ کرلیا ہوگا مگر اس سے ہمارے لیے فائل یا اس کی نقل کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی ہمارے لیے پہلی ترجیح کا درجہ رکھتی ہے۔ اٹل اور نرلیش کو بعد میں بھی دیکھا جاسکتا ہے.... تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔"

"تینوں سامنے ہیں۔ ایک پر ہاتھ ڈالا تو بقیہ دو کو فی الحال بھولنا ہوگا۔"

"بس پھر اپنی ساری توجہ گرین کوبرا فائل پر مرکوز کردو اور مجھے بتاؤ کہ ہم اسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات وہ فائل کہاں محفوظ رہے گی۔ وہ کل کہاں ہوگی، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں آج رات ایک عمارت میں نقب لگانی ہوگی۔ مقدر نے ساتھ دیا تو گرین کوبرا فائل کے ساتھ بہت سا اہم ترین مواد ہمارے ہاتھ آجائے گا۔"

میری اس اطلاع نے اسے سنسنی اور ہیجان میں مبتلا کردیا "تفصیل بتاؤ۔ اس کے لیے ہم آگ میں کودنے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

میں نے اسے اپنے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ایک نپا تلا اور خاص رخ اختیار کرچکی تھی۔ غزالہ اپنی مہم پر روانگی کے لیے تیار ہوچکی تھی۔ اس معاملے میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھ سے روانگی کی اجازت چاہی اور میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

غزالہ نے قریب آکر میری داہنی کنپٹی پر ہاکا سا بے آواز بوسہ لیا اور جان اسمتھ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے سنگلاخ عزم کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں گوپال کو نرلیش شرما کے دفتر میں گھسنے کے بارے میں بتاتا رہا۔

کام یکایک اور بہت تیزی سے شروع ہوا تھا۔ ہمارے پاس صرف وہی ایک رات تھی اور ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہ سب سمیٹ لینا تھا تاکہ سکون اور یک سوئی کے ساتھ اگلی صبح واپسی کے سفر کا آغاز کرسکیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں، فسانہ ہوتے ہوئے

(جمال احسانی)

مشہور مصنف جناب ابو ضیاء اقبال 18 مئی بروز جمعہ 2001ء کی صبح اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم گزشتہ چند سال سے شدید بیمار تھے۔ جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی تمام مصروفیات کا سلسلہ منقطع تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قلم کاری کے جوہر دکھائے۔ ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے ان کی رفاقت خاصی طویل تھی۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی نہیں بھر سکتا۔ ادارہ ان کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ رب کریم انہیں اعلیٰ درجات سے نوازے، ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے...... آمین

(ادارہ)

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رانفیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی رودی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد رودی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ رودی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کروا دیا گیا۔ را والوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین و سنگین تنہائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ رینا کا انکل تھا۔ میں اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کر کے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظفر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہو کر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ڈیوڈ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کر دیا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل' کھیل رہی تھی۔ بعد میں اس نے اقرار کیا کہ وہ واقعی مجھے انل بسواس سے بھڑوا کر میرا کام تمام کروانا چاہتی تھی۔ وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے انکشافِ راز سے ہراساں تھی اس لیے اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لیے مجھے انل بسواس کے ہاتھوں مروانا چاہتی تھی۔ ویرا کی کارروائی کی بازگشت اسلام آباد تک میں سنی گئی اور میں نے اسے محتاط ہونے کی ہدایت کی۔ انل بسواس سے ملاقات طے ہونے کی خبر نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ جان اسمتھ سے بھی نمٹ لینا چاہتی تھی مگر میری تادیب پر اس نے اپنے ارادے کو موخر کر دیا۔ میں را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما' دونوں سے ملا۔ انل مجھے پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے بظاہر قدرے تامل کے بعد میں نے قبول کر لیا۔ میری خواہش پر "ذیبی" کی تلاش کا بڑا کام بھی میرے سپرد کر دیا گیا۔ شرما کے دفتر میں بہت کچھ تھا جس میں گرین کوبرا فائل' اٹامک انرجی کمیشن فائل اور میری اپنی فائل۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی ہوئی اور میں نے اسی رات وہاں نقب لگا کر یہ سارا مواد اڑا لینے کا منصوبہ بنا لیا۔ ہمارے پاس صرف ایک رات تھی' اسی میں غزالہ نے جان اسمتھ کو بھی اپنا نشانہ بنانا تھا اور مجھے اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں گوپال کے ساتھ پروگرام طے کر کے فارغ ہوا تو غزالہ کو ہوٹل سے گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگائی اور پھر اپنی جگہ چھوڑ کر ہوٹل کے کشادہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف روانہ کر دیا تھا کیونکہ اس امریکی درندے کو شکار کرنے کے لیے ہم میں سے وہی سب سے زیادہ موزوں تھی مگر غزالہ کے جاتے ہی میرے ذہن میں فکر و تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ اگر

غزالہ کسی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام رہتی، جان اسمتھ تک پہنچنے یا اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہوتی اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آتی تو اس مایوسی کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کیا جاسکتا تھا لیکن میرے ذہن پر حملہ آور ہونے والے خوف کے دوسرے سائے زیادہ مہیب تھے۔

غزالہ کی وہ مہم ناکامی سے زیادہ بڑے کسی خطرے سے بھی دوچار ہوسکتی تھی۔ جان اسمتھ کا بال بھی بیکا نہ ہوتا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے غزالہ کی زندگی سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتی تھی۔ یہ ایسا خوف تھا کہ اس نے مجھے اندر سے بے چین کردیا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی کمین گاہ کی طرف جانے کی تجویز غزالہ نے پیش نہیں کی تھی۔ ویرا سے گفتگو کرنے کے بعد اس خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا تھا کہ جان اسمتھ ان دنوں کراچی سے بھاگ کر دہلی آیا ہوا تھا۔ سفارتی مراسم میں پیدا ہونے والی متوقع پیچیدگیوں کی بنا پر ہم پاکستان میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بھارت کی سرزمین پر اسے اس کی مذموم سرگرمیوں کی قرار واقعی سزا دینا خاصا سہل تھا۔ سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے دیکھنا ضروری ہوگیا تھا۔

ویرا نے رابرٹو ویلینی کے ذریعے جو طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ بالکل بودا اور غیر یقینی تھا۔ اس کی کامیابی کا ذرا بھی امکان نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ خدشہ قوی تھا کہ جان اسمتھ کو زہریلی انگوٹھیوں کا راز معلوم ہوجاتا اور ہم اپنے اس حربے کے آزادانہ استعمال کی سہولت سے محروم ہوجاتے۔ ہمارے پاس بیم گن جیسا خوفناک ہتھیار موجود تھا جو دشمن کے وجود سے لے کر فولادی چادر تک کو لمحوں ہی لمحوں میں گلا دینے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر خرابی یہ تھی کہ ہمارے ہر قابلِ ذکر دشمن کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہم بیم گن سے لیس تھے۔ کہیں بھی اسے استعمال کیا جاتا تو دشمنوں کو فوراً ہماری موجودگی کا علم ہوجاتا اور وہ اپنے سارے وسائل ہماری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

بیم گن کے برعکس بے ہوش کرنے یا ہلاک کرنے والے زہریلے سیال سے بھری ہوئی انگوٹھیاں بہت غیر روایتی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا شکار ہونے والے کے بارے میں یہ پتا ضرور چل جاتا کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن زہر دینے کا طریقہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا اور تازہ ترین ثبوت یہ تھا کہ ویرا نے دہلی پولیس کے انسپکٹر ڈیوڈ کو ایسی ہی ایک انگوٹھی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن دہلی پولیس انگوٹھی کے راز تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

رابرٹو ویلینی کے ذریعے کوئی انگوٹھی جان اسمتھ تک پہنچ جاتی تو وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر، پراسرار انداز میں ملنے والی انگوٹھی کا شکار ہوجاتا۔ وہ تجسس اور احتیاط کے ساتھ انگوٹھی کا جائزہ لیتا اور بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا۔ وہ بات جان اسمتھ تک محدود نہیں رہتی۔ اس کے بھارتی حلیفوں کو بھی معلوم ہوجاتا کہ دہلی میں کچھ لوگ اپنے دشمنوں کو مارنے کے لیے زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں استعمال کررہے تھے۔

بھارت میں پہلے ہی نامعلوم اور خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر پھیلی ہوئی تھی۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ را اور سی آئی اے والے یک جا ہوکر مغز زنی کرتے تو ان کے لیے صحیح نتیجے پر پہنچنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ نئے انکشاف کی روشنی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش یکایک کوئی نیا رخ اختیار کرلیتی اور ویرا کی یہ دھمکی حقیقت کا روپ دھار لیتی کہ دہلی کی کوتوالی کے بعض اہلکاروں کو ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرنے والا اطالوی نوجوان یاد آجاتا۔

جان اسمتھ پر طبع آزمائی ضروری تھی۔ رابرٹو ویلینی کو استعمال کرنے کے بارے میں ویرا کی تجویز ناقابلِ عمل تھی۔ ویرا بذاتِ خود جان اسمتھ کا رخ کرتی تو دور ہی سے پہچانی جاسکتی تھی۔ یہ سب امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے ذہن میں ان تمام واقعات اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ نظر آنے والے حالات کی روشنی میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ غزالہ کے روانہ ہوجانے کے بعد مجھے اس فیصلے میں مضمر خطرات کا بہت شدت سے احساس ہورہا تھا۔

وقت سدا سے ایک ہی رفتار سے چلتا چلا آیا ہے لیکن تشویش اور اضطراب کے ان لمحات میں مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وقت کا پہیہ رک رک کر، بہت سست رفتار سے چل رہا ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو غزالہ کو کامیابی یا ناکامی کی ہر دو صورتوں میں دو گھنٹے کے اندر اندر جہانگیر پوری کے علاقے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح خود پر قابو رکھ کر وہ دو گھنٹے گزارنے تھے۔

ٹہلتے ٹہلتے میں اچانک ٹیلی فون کے پاس رک گیا۔ ذہن میں ایک رو سی آئی تھی کہ میں ویرا سے رابطہ کروں اور اسے

بتاؤں کہ غزالہ شکار کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس کی طرف روانہ ہوجائے تاکہ جان اسمتھ سے دور رہ کر ضرورت کے لمحات میں غزالہ کی مدد کرسکے مگر میں نے فوراً ہی وہ ارادہ منسوخ کردیا۔ ہوٹل کے اطراف میں ویرا کی موجودگی کسی نئے مسئلے کو جنم دے سکتی تھی۔

○☆○

ویرا نے گلاس سے اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور پھر غصیلی نظروں سے رابرٹو کو گھورنے لگی "شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ میں نے تمہیں بہت برداشت کرلیا۔ آج کی رات میں آزاد رہ کر بسر کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" رابرٹو نے الجھی الجھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم نے ذرا سی دیر میں اپنا فیصلہ کیوں بدل دیا؟ تم صبح میرے ذریعے ایک بند لفافہ ہوٹل سمراٹ میں کسی کو بھجوانے والی تھیں۔"

ویرا خاصے ناکافی لباس میں مسہری پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی۔ مسہری کی سائیڈ ٹیبل پر اس کی مے نوشی کے لوازم موجود تھے جبکہ رابرٹو ٹیلیفون ٹیلی ویژن کے سامنے صوفے پر اداس بیٹھا ہوا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصاویر چل پھر رہی تھیں لیکن آواز نہ تھی۔

"میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بزدل اور زن مرید شخص ہو۔ لڑکیوں کو اُلّو بنا کر مفت میں اپنا وقت رنگین بنانے کے عادی ہو۔ عملی طور پر کوئی بھی کام کرنے کے اہل نہیں ہو۔"

"میں ہر کام کرسکتا ہوں۔" رابرٹو نے احتجاج کیا "یونیورسٹی میں میرا شمار دس بہترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ دس بیس کتابوں سے نقل کرکے بہتیرے طلبا عمدہ مقالے تیار کرلیتے ہیں۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا "ایسے منظورِ نظر شاگرد جب عملی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔"

"اسے نقل نہیں، تحقیق کہتے ہیں۔ کسی موضوع پر تحقیق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ میرے نزدیک نقل، نقل ہی رہتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کب جارہے ہو؟"

"میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں۔ تمہارا لفافہ مطلوبہ شخص تک پہنچانے کے بعد کل صبح چلا جاؤں گا۔ آج کی شب مجھے اپنی ریشمیں زلفوں کے سائے میں گزار لینے دو۔ پچھلی تین راتوں سے تم نے مجھے اپنا کھلونا بنایا ہوا ہے۔ ہنستی کھیلتی ہو، اکساتی ہو اور پھر دل توڑ دیتی ہو....."

"بکواس مت کرو۔" ویرا اس پر غرائی "تھوڑی دیر پہلے میں نے تم کو بلاوجہ اپنے بدن کا رازداں قرار نہیں دیا تھا۔ میں نے تم کو بہت زیادہ قرب سے نوازا ہے۔"

"اپنی غلط بیانی مت کرو!" رابرٹو نے کراہتے ہوئے کہا "تم پیاسے کو کنویں کی منڈیر تک ضرور لے گئی ہو لیکن پانی سے بھرا ہوا ڈول اس کے ہاتھوں سے چھین کر کنویں میں الٹ دیتی ہو۔ اسے اپنی پیاس نہیں بجھانے دیتیں، تشنگی اور بڑھا دیتی ہو۔ میں جب سے تمہارے اس کمرے میں آیا ہوں، سلگ اور سسک رہا ہوں۔ اس وقت بھی دیکھ لو کہ تم نے بے پروائی سے کتنا کم اور بے ڈھنگا لباس پہنا ہوا ہے۔ میری جگہ جو بھی اس کمرے میں ذرا سی دیر کے لیے آئے گا تمہارے بدن کا رازداں بن جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوں۔ تمہیں کچھ دیر کے لیے مہربان دیکھنا میری حسرت ہے۔ اسے پورا کردو۔"

"میں ہر شخص کو اس کی حد بلکہ اوقات میں رکھتی ہوں۔" ویرا نے دوسرا گھونٹ لے کر بے رخی سے کہا "میں نے پہلے ہی دن اندازہ لگالیا تھا کہ تم بہت زیادہ دلیر اور قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ میں بہادر مردوں کی قدر کرتی ہوں۔ بزدلوں سے دور رہتی ہوں۔"

"تم مجھے بار بار بزدلی کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟ میں نے اب تک تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے....."

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات اڑا دی "یہ تمہاری سب سے بڑی بزدلی ہے کہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے، اپنی انا کی پروا کیے بغیر میرے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔ تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو میرے بال پکڑ کر دو تھپڑ لگاتے اور اپنی راہ ہولیتے۔"

حیرت اور بے یقینی سے رابرٹو کی آنکھیں پھیل گئیں "اب تم حد سے تجاوز کررہی ہو۔ میں دس بار جاچکا ہوتا مگر تم نے دھمکیاں دے کر مجھے یہاں رکنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔"

"پھر میری فرماں برداری کا دعویٰ کیوں کررہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں کہ جاؤ تو اب چلے جاؤ۔"

بات رابرٹو کی برداشت سے تجاوز کرگئی۔ اس نے ایک

جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں جا رہا ہوں۔ میرا پاسپورٹ اور ٹکٹ کہاں ہے؟"

ویرا نے اطمینان سے مسہری کے گدے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور رابرٹو کی دونوں چیزیں نکال کر اپنے قدموں کی طرف اچھال دیں "میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں تم نے کہیں زبان کھولنے کی حماقت کی تو میرے ساتھ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" رابرٹو نے اپنی سفری دستاویزات بے صبری سے مسہری پر سے اٹھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "میں یہ بات اٹلی پہنچ کر بھی یاد رکھوں گا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ خوب صورت اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکیاں درحقیقت کتنی مکار اور سنگ دل ہوتی ہیں۔"

"اگر بھولے سے کبھی شادی کر ہی لو تو اپنی ہونے والی اولادوں کو بھی اپنے تجربے سے آگاہ کر دینا۔" ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر، مسکراتے ہوئے کہا "یہ راز کی باتیں ہیں۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی مرد کے علم میں آتی ہیں۔"

رابرٹو ویلینی زندگی کے سرد و گرم کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر برداشت کر لینے والا ایک روایتی سیاح تھا۔ اس نے بس ایک نظر بھر کر ویرا کی طرف دیکھا، جھک کر اپنا اکلوتا سفری تھیلا اٹھایا، پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کی بغلی جیب میں رکھا اور تھیلا کندھے پر لٹکا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"او کے۔ گڈ بائے فار ایور۔" کمرے کے بند دروازے پر اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر ویرا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

دروازہ قدرے آواز کے ساتھ بند ہوا۔ وہ آواز سنتے ہی ویرا نے کسی بازی گر کی طرح اچھل کر مسہری چھوڑ دی۔ وہ دیر سے شراب نوشی کر رہی تھی لیکن عملی طور پر خمار کے اثرات سے عاری نظر آ رہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔

فون پر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی وہ رابرٹو ویلینی سے اپنا پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ نئی تبدیلیوں کے بعد حالات اچانک کوئی خطرناک رخ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایسا کوئی نازک موڑ آنے سے پہلے اسے رابرٹو سے الگ ہو کر ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔

ویرا کا آدھا گلاس باقی تھا۔ اس نے گلاس کے برابر میں رکھی ہوئی بوتل پر نگاہ ڈالی اور اس میں بچی ہوئی اسکاچ بھی گلاس میں انڈیل لی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے وہ گلاس اور بوتل میں موجود شراب کا آخری قطرہ تک اپنے معدے میں اتارنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر تیار ہوتی رہی۔ اپنے بدن سے اتارا ہوا، جالی کا مختصر لباس اپنے تھیلے میں ڈالا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گنی چنی چیزیں سمیٹیں اور پھر رومال کی مدد سے ہر اس چیز کو صاف کرنے میں مصروف ہو گئی جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ سکتے تھے۔

اس کا آخری کام خاصا طویل اور صبر آزما ثابت ہوا۔ رہ رہ کر اسے کمرے کی متعدد اشیا یاد آتی رہیں جنہیں وہ استعمال کرتی رہی تھی۔ آخر میں باتھ روم کے واش بیسن وغیرہ پر لگی ہوئی پانی کی ٹونٹیوں کے دستے صاف کر کے وہ مطمئن ہو گئی۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے اس نے کاؤنٹر پر انٹرکام کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اس کا حساب فوری طور پر تیار کر لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دستی بیگ سنبھال کر اپنا کمرا چھوڑ دیا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو لابی میں چند قدم آگے بڑھتے ہی اسے ایک ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ رابرٹو ویلینی نے اس کا کمرا چھوڑ دیا تھا مگر ہوٹل کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ وہ پاؤں پسارے، ایک صوفے میں ڈھیر تھا۔ اس کا سفری تھیلا اس کی گود میں رکھا ہوا تھا جسے اس نے اپنی چہیتی اولاد کی طرح دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

ویرا اس وقت رابرٹو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنا راستہ بدل لے لیکن سیدھا چلتے چلتے، اچانک مڑ جانے پر وہ کئی متعجب نگاہوں کا مرکز بن سکتی تھی۔ وہ دل کڑا کر کے سیدھی بڑھتی چلی گئی۔ قریب پہنچنے پر اسے اندازہ ہوا کہ رابرٹو آنکھیں بند کیے، صوفے پر اونگھ رہا تھا۔

وجہ

ایک صاحب نے ویٹر کو بلا کر شکایت کی "میرے سوپ میں ایک پتا تیر رہا ہے؟"

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جناب!" ویٹر نے اطمینان سے جواب دیا "دراصل ہر بڑے شہر میں ہمارے ریستوران کی شاخیں ہیں۔"

ویرا کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں محبوس مگر ویرا سے دور رہنے کی وجہ سے شاید وہ ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ خواب گاہ میں جلنے والے زیرو واٹ کی ناکافی روشنی میں حسرت بھری نگاہوں سے ویرا کو دیکھنے اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہنے کی وجہ سے وہ یکایک نیند سے مغلوب ہوگیا تھا۔

ویرا دبے قدموں اس کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر پر پہنچی۔ ضروری اندراجات کے بعد اس نے اپنے ذمے واجب الادا رقم ادا کی۔ اس دوران میں عملے نے ٹال مٹول کر کے اتنا وقت لے لیا تھا کہ ویرا کے فلور پر مامور روم سروس کے عملے سے یہ تصدیق ہوسکے کہ ویرا کے چھوڑے ہوئے کمرے میں ہوٹل کی ملکیتی ہر چیز صحیح سلامت تھی۔ وہ تصدیق نہ ہونے کی صورت میں ویرا کے ذمے واجب الادا رقم میں متناسب اضافہ ہوسکتا تھا۔

ویرا ہوٹل سے نکلی تو کناٹ پلیس کا علاقہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی بھیڑ تھی جس میں ہر رنگ اور نسل کے شوقین سیاح بھی نظر آرہے تھے۔ مقامی فن' صناعی اور دست کاری کے شاہکاروں سے لدی پھندی' وکٹورین طرز کی اونچی دکانوں اور مارکیٹوں میں بھی خریداروں اور شائقین کی بھیڑ تھی۔

ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوٹل چھوڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات جم کر رہ گئی تھی کہ میں نے اسے دہلی سے فرار کی ہدایت کی تھی۔ اس نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور رات کی آخری ٹرین سے امرتسر روانہ ہونے کا ارادہ تھا لیکن ہوٹل سے نکلنے کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنا درمیانی وقت کہاں گزارے۔

ہوٹل مرینا سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ایک ٹیکسی رینگتی ہوئی قریب سے گزری اور ویرا نے بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے روک لیا۔

دہلی میں ٹیکسیاں میٹر کے حساب سے کرایہ لیتی ہیں لیکن متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے مقامی ان میٹروں پر اعتبار نہیں کرتے کیونکہ ایک ہی فاصلے کے لیے ہر ٹیکسی کا میٹر الگ کرایہ بتاتا ہے۔ اس لوٹ مار کے انسداد کے لیے قوانین موجود ہیں لیکن ان کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔ ویرا مقامی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں خاصی رقم موجود تھی۔ ڈرائیور نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے' جھک کر عقبی دروازہ کھولا۔ اس کی طرف سے وہ ویرا کی گوری چمڑی یا شاید خوب صورتی کے لیے خراجِ عقیدت تھا۔ ویرا بے نیازی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کرلیا۔ اس وقت وہ ہوٹل مرینا اور اس کی لابی میں اونگھتے ہوئے رابرٹو ویلینٹی سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

کناٹ پلیس کی پرہجوم سڑک پر گاڑی چند ثانیوں تک رینگتی رہی۔ وہاں شہر کے مختلف علاقوں سے آنے والی دس سے زائد سڑکیں یک جا ہوتی تھیں۔ ڈرائیور کو بہت جلد فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کہاں سے مڑنا ہے۔ جب ویرا نے اپنی منزل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو ڈرائیور نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اس سے سوال کیا۔ ویرا چونک پڑی۔ اس وقت اس کے ذہن پر یہ خلش سوار تھی کہ جان اسمتھ دہلی میں موجود ہونے کے باوجود مفت میں چھوڑا جارہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہوٹل سمراٹ کا نام لے دیا اور ٹیکسی کی رفتار میں ہلکی سی تیزی آگئی۔

ڈرائیور ہندی میں کچھ بڑبڑایا۔ چند ٹھیٹ الفاظ کو چھوڑ کر بقیہ الفاظ وہی تھے جو اردو میں بولے جاتے ہیں۔ مفہوم ویرا کے لیے واضح تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈرائیور اپنے ماں باپ کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے پانچویں جماعت سے آگے نہ پڑھنے دیا اور بے چارہ انگریزی میں کورا رہ گیا۔ اسے جھنجلاہٹ تھی کہ قسمت سے ایک میم کی سواری ملی تھی تو وہ اس سے بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

ویرا ابتدا سے ہی اردو سے انجان بنی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر مقامی حیران رہ جائے گا۔ وہ بات زیادہ پھیلتی تو ویرا کی اصلیت کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ بظاہر لاتعلق بنی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

دہلی میں اچھی بات یہ تھی کہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے سڑکوں اور اہم مقامات کے نام انگریزی اور ہندی میں نمایاں مقامات پر کندہ یا لکھے ہوئے تھے۔ وہ بہت معمولی اور بنیادی سہولت تھی جو سیاحوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ وہ شہر کے کسی ٹھگ کے چنگل میں پھنسے بغیر کسی نہ کسی طرح اپنی راہ تلاش کرسکتے تھے۔

ٹیکسی کناٹ پلیس سے نکل کر جان پاتھ نامی سڑک پر سفر کرتی رہی۔ اسی سڑک پر ونڈسر پلیس کا چوراہا گھومتے ہوئے ڈرائیور نے استفہامیہ انداز میں انڈیا گیٹ کا نام لیا۔ ویرا سمجھ گئی کہ ڈرائیور اسے شہر کی سیر کرانے اور کرایہ بڑھانے کی فکر میں تھا۔

ویرا کے ذہن میں کوئی خاص کام یا منصوبہ نہیں تھا۔ وہ خود وقت گزاری کے موڈ میں تھی۔ اس نے فوراً ایس کہہ

دیا۔

ٹیکسی ونڈسر پلیس سے فیروز شاہ روڈ پر گھوم گئی۔ ویرا کو سمت اور راستوں کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ ٹیکسی کستوربا گاندھی مارگ سے ہوتی ہوئی انڈیا گیٹ کے حسین اور جگمگاتے ہوئے علاقے میں داخل ہوگئی۔ ڈرائیور اپنی گوری مسافر کی رہنمائی کے جوش میں، ہاتھ ہلا ہلا کر مختلف نام لیتا رہا جن میں جنگی یادگار، میوزیم، آرٹ گیلری اور بچوں کے پارک وغیرہ کے نام اہم تھے۔

اس بار ٹیکسی شاہ جہاں روڈ پر نکلی تو ویرا سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ہندوؤں نے اپنے بے مثال تعصب کے باوجود نہایت مکارانہ مصلحت اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنی سرزمین پر مسلمانوں کی طویل حکمرانی کے نقوش کو تہس نہس کرنے کے بجائے سڑکوں اور یادگاروں وغیرہ کے پرانے نام تک برقرار رہنے دیے تھے تاکہ آنے والوں کو اپنی مذہبی رواداری سے مرعوب کرسکیں۔ دوسری طرف پاکستانیوں کی جذباتی حماقتوں کا یہ عالم تھا کہ آئے دن سڑکوں، بستیوں اور مقامات کے ناموں کو تبدیل کیا جاتا تھا۔

وہ ویرا کا ذاتی تجزیہ تھا جس سے کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ پاکستانی یا بھارتی نہیں تھی۔ پیدائشی طور پر امریکی نژاد تھی اور ہر امریکی کی طرح اس کی کہی ہوئی بات بھی توجہ کی مستحق تھی۔

دہلی کے ایک حصے کے اس مختصر سے سفر میں ویرا نے مسلمان زعما کے ناموں پر متعدد سڑکیں دیکھیں۔ اورنگ زیب روڈ، صفدر جنگ روڈ اور کمال اتاترک روڈ سے گزرنے کے بعد ٹیکسی چانکیہ پوری کے جدید علاقے میں داخل ہوگئی جو یقیناً مسلمانوں اور انگریزوں کی طویل حکمرانی کے بعد بسایا گیا تھا اور وہاں ہر طرف ہندوانی ناموں کا تسلط تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے ٹیکسی ہوٹل سمراٹ کے پورچ میں گھمانی چاہی تھی کہ ویرا نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔

وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ جان اسمتھ کی کمین گاہ کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ وہ براہِ راست ہوٹل میں داخل ہو کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے فٹ پاتھ کے کنارے، ٹیکسی ڈرائیور کو دو سو روپے دے کر فارغ کردیا۔ وہ رقم کرایے سے بہت زیادہ تھی۔ توقع سے زیادہ انعام پا کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے واپسی کے بارے میں پوچھا۔ اس کا ایک لفظی سوال انتظار کے بارے میں تھا۔

ویرا نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر اندازہ لگالیا تھا کہ چانکیہ پوری دہلی کے روسا اور سفارتی معززین کا علاقہ تھا جہاں صرف کار نشینوں کا ہی گزر ہوسکتا تھا مگر ہوٹل کی حدود میں ٹیکسی وغیرہ کی آمدورفت یقینی تھی۔ بس ایک نکتہ تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے پیش آنے پر وہاں سے روانگی کے لیے فوری طور پر کوئی گاڑی دستیاب ہوسکے۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں ایسی کوئی ہنگامی ضرورت پوری نہیں ہوسکے گی۔ جب بھی ٹیکسی ملے گی، اپنے وقت پر ملے گی۔

ویرا نے ڈرائیور کو رکنے کا عندیہ دے دیا اور اشاروں کی مدد سے سمجھا دیا کہ وہ باہر رکنے کے بجائے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں ویرا کی واپسی کا انتظار کرے۔

اس بار ڈرائیور نے سخت انداز میں نو، نو کی تکرار کی اور ویرا کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

”ویٹ.... اونلی ویٹ!“ ویرا نے ہاتھ سے دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہائے رام!“ ڈرائیور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بے بسی سے بڑبڑایا ”اس سسری کو کون سمجھائے کہ پارکنگ کا میدان بہت بڑا ہے۔ اس کے پتا جی بھی اپنی سمادھی چھوڑ کر باہر نکل آئیں تو ہماری گاڑی بٹیا کو نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔“

ڈرائیور کی مجبوری اور بے بسی پر ویرا نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بمشکل اپنے حلق کی گہرائیوں میں دفن کیا۔ ڈرائیور کی پریشانی بالکل جائز تھی۔ وہ ویرا کے فائدے کی بات سوچ رہا تھا لیکن اسے ضبطِ تقریر میں لانا اس بے چارے کے بس سے باہر تھا۔

ویرا ہندی اور اردو سے نابلد بنی ہوئی تھی اس لیے اپنی تفہیم کے اظہار سے قاصر تھی۔ بس کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے شانے اچکائے اور دوبارہ ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے، کرلو میں نے خود کو تمہارے سپرد کردیا ہے۔

ادھیڑ عمر ڈرائیور نے بہت مسرت آمیز انداز میں ٹیکسی کا دروازہ بند کیا اور پھرتی سے اپنی نشست پر پہنچ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔

پارکنگ لاٹ کا میدان واقعی بہت وسیع تھا اور اس کا بیشتر حصہ اس وقت خالی تھا مگر وہاں آنے والی گاڑیوں کے تسلسل سے صاف ظاہر تھا کہ ایک دو گھنٹے بعد وہاں گاڑیوں کا ایسا ہجوم جمع ہوجائے گا کہ محض اندازے سے کسی کار یا ٹیکسی کو تلاش کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ ویرا دل ہی دل میں ٹیکسی ڈرائیور کی پیشہ ورانہ دوراندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

ڈرائیور نے پارکنگ کے پہلے واضح بورڈ کے قریب ٹیکسی پارک کردی۔ ویرا نیچے اتری تو ڈرائیور اس کی یاد دہانی کے لیے بورڈ کی طرف تاکیدی اشارے کررہا تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنا مختصر سادستی بیگ گاڑی میں ہی ڈال دیا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈرائیور بے ایمان نہیں تھا اگر اس کے دل میں کوئی کھوٹ آ بھی جاتا تو اس بیگ میں ویرا کے دو تین جوڑوں اور زنانہ استعمال کی چند ذاتی اشیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرے مشورے کے مطابق اس نے نقدی اور پاسپورٹ کو اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی بیلٹ میں محفوظ کیا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ لہرا کر ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ہوٹل سمراٹ کے روشنیوں میں نہائے ہوئے پورچ کی طرف چل دی۔

اس وقت تک ویرا کا ذہن بالکل صاف تھا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہ اپنے عزائم کو خیرباد کہہ چکی تھی مگر پھر بھی ہوٹل سمراٹ کی حدود میں موجود تھی!

○☆○

جان اسمتھ کے بارے میں میری تجویز سن کر غزالہ دل ہی دل میں جھوم اٹھی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ میں نے بھارت جیسے مکار اور سفاک ملک میں ایک اہم مشن اسے سونپنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جان اسمتھ ہم سب کے لیے ایک ایسا روگ بن گیا تھا جسے کاٹ کر اپنے وجود سے جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان کی سرحدوں میں رہتے ہوئے ہم اس روگ کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ دہلی میں وہ پہلا اور شاید آخری موقع تھا کہ ہم پاکستان کے خلاف سی آئی اے کے بین الاقوامی آپریشنز کی سربراہی کرنے والے جان اسمتھ کو موت کی اس بھیانک دلدل میں اتار سکیں جس کا وہ مستحق تھا۔

غزالہ کے لیے اس اہم ترین ذمے داری کو سرانجام دینا ایک اعزاز سے کم نہیں تھا۔

اس نے ہوٹل سے ذرا دور نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل سمراٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے جوش اور جذبے کے ساتھ میری تجویز قبول کی تھی۔ اسے کچھ سوچنے یا سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے اشاروں کنایوں میں اسے یہ بتا دیا تھا کہ جان اسمتھ، ویرا کو پہچانتا تھا جبکہ غزالہ اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس اجنبیت سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت آسانی سے جان اسمتھ کا قرب حاصل کرسکتی تھی جس کے نتیجے میں ہمارے اس ازلی دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہوسکتا تھا۔

ٹیکسی کے سفر میں چند منٹ گزرنے کے بعد غزالہ کو احساس ہوا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی اس منزل سے قریب ہوتی جارہی تھی جہاں موت سایہ فگن ہونے والی تھی۔ اس کا جوش ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ خود کو آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

میری اور اس کی مختصر سی گفتگو میں بین السطور جو مفہوم پنہاں تھا، وہ اس کے ذہن میں پوری طرح سمایا ہوا تھا۔

جان اسمتھ اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ امریکی سیکرٹ سروس کا ایک اہم اور ذمے دار عہدے دار تھا جسے اپنے سازشی فرائض کی انجام دہی کے لیے کراچی جیسے حساس شہر میں مامور کیا گیا تھا۔ کراچی میں ویرا نے پے در پے دو دھمکی آمیز فون کرکے اتنا حواس باختہ کردیا کہ بھڑک کر کراچی سے بھاگ نکلا کیونکہ کراچی ان دنوں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ایک ہولناک مقتل و مدفن بنا ہوا تھا۔

جان اسمتھ سے پہلے کئی امریکی ایجنٹ کراچی میں مارے جاچکے تھے جن میں ڈیوڈ اور جمی کے نام سب سے تازہ تھے۔ ان سے پہلے جان اسمتھ کا پیش رو بھی اسی طرح بوکھلا کر کراچی سے دہلی فرار ہوا تھا۔ اس کے نویں منزل کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی چہیتی کتیا سلطان شاہ کی کارروائی کا نشانہ بنی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو خوف لاحق ہوگیا تھا کہ سارے حفاظتی انتظامات دھرے رہ جائیں اور کسی وقت وہ بھی اپنی کتیا کی طرح بے موت مارا جائے گا۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس کی موت لکھی جاچکی تھی۔ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جاتا، موت کا بے رحم آہنی چنگل اسے اپنی گرفت میں لے لیتا۔

یہ اس کی موت کا بہانہ تھا کہ ان ہی دنوں رستم ایرانی ہماری نگاہوں میں آیا اور اس نے ایک معقول رقم کے عوض یہ بندوبست کردیا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں بے رحمی سے کچل دیا جائے۔

غزالہ کے ذہن میں وہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ تازہ تھا۔ ٹیکسی میں ہوٹل سمراٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے تاریخ خود کو دہرانے جارہی ہو۔ پہلے رستم ایرانی نے اپنے بھارتی دوستوں کے ذریعے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروایا تھا۔ اس بار غزالہ خود جان اسمتھ کا کام تمام کرنے والی تھی۔

جان اسمتھ کراچی سے دہلی پہنچنے کے بعد ذہنی اور نفسیاتی طور پر خود کو محفوظ تصور کررہا تھا۔ وہ ایک تنہا مرد تھا۔

ویرا اسے بارہا بتا چکی تھی کہ ہر جواں سال اور جوان دل امریکی رنگینی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی یا سیاحت کے سلسلے میں دور دراز کے سفر کرنے والے امریکی مرد بلکہ اکثر اوقات عورتیں بھی زیادہ دیر تک تنہا رہنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ لوگ جہاں موقع پاتے ہیں' اپنے عارضی پڑاؤ کے لیے وقتی رفاقتیں پیدا کرلیتے ہیں اور اگر ایسا کوئی امکان نظر نہ آئے تو دوستیاں خرید بھی لیتے ہیں جہاں فریق ثانی کے وقت پر صرف ان کا تصرف ہوتا ہے۔ جسموں کے یہ کھلاڑی جذبوں کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ وقت پورا ہوجانے پر خاموشی سے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

غزالہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہوٹل سمراٹ کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے جان اسمتھ سے رابطہ کرے گی اور اسے پھسلائے گی۔ اگر جان اسمتھ کی وہ شام کسی بھارتی دوشیزہ کے نام نہ ہوتی تو قوی امکان تھا کہ غزالہ کی رسیلی باتیں سن کر وہ اسے اپنے کمرے میں مدعو کرلیتا۔

غزالہ ایک بار خاموشی سے اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی تو اس کا ہاتھ جان اسمتھ کی شہ رگ تک پہنچ جاتا۔ مخصوص انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا زہر ذرا سے اشارے سے جان اسمتھ کے بدن میں اترتا اور وہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا۔

جان اسمتھ کی بے آواز موت کے بعد غزالہ کے لیے اس کے کمرے سے نکل کر ہوٹل سمراٹ سے فرار ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

ایک طرف جان اسمتھ کا بھیانک نام تھا۔ دوسری طرف اس کا اتنا سہل انجام نظر آرہا تھا۔ خوف اور بے یقینی سے غزالہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اس کے ذہن میں واقعات کی کڑیاں تیزی سے جڑنے لگیں۔ ہم بھارت کی رسوائے زمانہ را سے اس کی اپنی سرزمین پر برسرپیکار تھے۔ گو اس وقت تک ہمیں ڈیوڈ کی بے مقصد موت کے سلاوہ کوئی عملی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن ہم کامیابیوں کی سمت میں خاصی پیش رفت کرچکے تھے۔

مجھے رینا اجیت رائے اور پھر ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ تک رسائی حاصل ہوچکی تھی۔ وہ مجھ سے میری تلاش میں مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اس کا دست راست نریش شرما تھا جسے آخری درجے کا دہشت گرد اور کارِ اعظم کہا جاتا تھا۔ وہ اس قدر احمق اور غیر ذمے دار ثابت ہوا تھا کہ اس نے پاکستان سے تعلق رکھنے والی' را کی گیارہ خفیہ فائلیں بے پروائی سے اپنی میز پر پھیلالی تھیں۔

بھارتی سیکرٹ سروس میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی لیکن انہوں نے میری سرگرمیوں کو اس طرح نظرانداز کیا ہوا تھا جیسے وہ مجھے بالکل بے ضرر اور نکما تصور کررہے ہیں۔

غزالہ کو خیال آرہا تھا کہ انل بسواس' نریش شرما اور ناگر سے ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد میں نے فون اور اپرٹیس پرویرا' اول خان اور گوپال سے طویل رابطے کیے تھے جن میں کسی کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان میں دن رات فعال رہنے والے را کے کارندے اپنے ملک میں افیم کھاکر سوئے ہوئے ہوں۔

غزالہ تنہا تھی۔ ان لمحات میں اسے وہ سب غیر فطری اور بھیانک محسوس ہوا۔ وہ ڈرنے لگی کہ وہ سب ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ را والے ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے واقف تھے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ہماری رسیاں دراز کی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں کھل کر سامنے آنے کا موقع دے رہے تھے' ہماری سرگرمیوں کی نگرانی کررہے تھے۔ جوں ہی ہم کسی بڑی کامیابی سے قریب تر ہوتے' وہ شکاری عقابوں کی طرح حملہ آور ہوکر ہمیں نیست و نابود کردیتے۔

غریب الوطنی' تنہائی اور رات کے اترتے ہوئے اندھیرے نے غزالہ کو بے حال کردیا۔ وہ اپنے دل کی تیز دھڑکنیں اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔ اسے اپنی پیشانی پر پسینے کی خوف میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی بوندیں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ لی تو وہ اسے ہوٹل سمراٹ کے بجائے کسی تھانے میں پہنچادے گا۔

غزالہ کا وہ اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غزالہ کی زبان سے ٹھیٹ ہندی اور سنسکرت الفاظ سے پاک' شستہ اردو سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ پاکستانی تھی۔ سفر کے آغاز میں ادب سے وہ سوال پوچھ کر ڈرائیور نے اپنا رہا سہا شبہ بھی دور کرلیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ٹیکسی میں اندھیرا تھا اگر باہر کی روشنیوں کے انعکاس میں ڈرائیور غزالہ کی عرق آلود پیشانی یا چہرے پر اڑنے والی ہوائیاں دیکھ لیتا تو فوری طور پر کوئی نئی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔

غزالہ نے پھرتی سے اپنے وینٹی بیگ سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پونچھ ڈالی۔

خیالات کی رو ڈرائیور کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے غزالہ کے ڈراؤنے اندیشوں کا تسلسل ٹوٹ گیا مگر اندر کا اضطراب کم نہ ہوسکا۔

دور سے ہوٹل سمراٹ کی کثیر المنزلہ عمارت نظر آتے ہی غزالہ نے ارادہ کیا کہ ٹیکسی چھوڑنے کے بعد وہ ہوٹل کے پبلک بوتھ سے مجھے فون کرے گی اور اپنے ذہن میں آنے والے نئے خطرات کی نشان دہی کرے گی لیکن ٹیکسی رکنے تک وہ اپنا ارادہ منسوخ کر چکی تھی۔

اسے گمان ہوا کہ اس کی منفی باتیں سن کر میں سمجھ بیٹھوں گا کہ منزل پر پہنچ کر وہ جان اسمتھ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو گئی ہے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو را والوں تک پہنچنے کا قوی امکان تھا۔ میں اس خطرے کو نظرانداز کیے' بے خبری کے بازار میں بیٹھا ہوا تھا تو غزالہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی دانست میں ہر احتیاط سے کام لیتی اور مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہر بات اپنے سینے میں محفوظ رکھتی تاکہ را والوں کو ہمارے ہوشیار ہونے کا علم نہ ہو پاتا۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد غزالہ نے پورچ میں لمحہ بھر کے لیے رک کر خود کو سنبھالا اور پھر ہوٹل سمراٹ کی پر شکوہ لابی میں داخل ہو گئی جہاں رات کو بھی روشنیوں اور رونق نے دن کا سماں باندھا ہوا تھا۔

غزالہ کی دانست میں اس کا کام مختصر تھا اور اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ جان سے رابطہ کرنے سے پہلے اپنے اوسان یک جا کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ راہداری میں نصب علامتوں کے سہارے خواتین کے واش روم کی طرف ہولی۔ آئینے کے سامنے پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی منتشر ہو چکی تھی۔ اسے اپنے وینٹی بیگ کے ہلکے سے سہارے کی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے اڑے اڑے بال دوبارہ جمائے۔ چہرے کو تر و تازہ کیا اور ہوٹل کے ریستوران میں جانے کے بجائے استقبالیہ کاؤنٹر سے ذرا آگے پڑے ہوئے صوفوں میں سے ایک پر نیم دراز ہو گئی۔ راستے بھر اپنے خیالات اور اندیشوں سے لڑتے لڑتے وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ اپنا آخری قدم اٹھانے سے پہلے گرم چائے کی ایک پیالی اس کے لیے بہت زیادہ محرک اور معاون ثابت ہو سکتی تھی۔

چائے کی پیالی ختم کر کے غزالہ صرف اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک اس نے ویٹر کو بل ادا نہیں کر دیا۔ اب وہ خود کو توانا اور چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ وہ لابی کے اس حصے کی طرف چل دی جہاں ہوٹل کے اندرونی رابطوں کے لیے متعدد انٹر کام رکھے ہوئے تھے۔

بڑے ہوٹلوں میں کمرے کا نمبر ہی انٹر کام کا نمبر بھی ہوتا ہے۔ غزالہ نے پورے اعتماد سے تھری ون زیرو ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور دیر تک بجتی ہی رہی۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اوہ! میری غریب بچی۔'' اپنے قریب ایک ہمدردانہ نسوانی آواز سن کر غزالہ اس بری طرح چونکی کہ ریسیور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ پھولے ہوئے نتھنوں والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا نچلا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا اور آنکھوں پر نیم تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ غزالہ کے شانے پر رکھ دیا ''ریسیور رکھ دو۔ اپنا وقت برباد مت کرو۔'' وہ رواں انگریزی بول رہی تھی۔

غزالہ نے مسحور ہو کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ مسلسل اجنبی عورت کو گھورے جا رہی تھی۔ اس عورت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی جسے غزالہ کوئی مفہوم پہنانے سے قاصر تھی۔

''آؤ۔ میرے ساتھ آؤ!'' غزالہ کو متحیر دیکھ کر اس عورت نے اسے پچکارا ''اور خود پر قابو رکھو۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔''

غزالہ بے اختیار گہرا سانس لے کر اس کے ساتھ ہولی۔ اس بار اس نے اجنبی عورت کو پہچان لیا تھا۔ وہ ویرا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

''یہ تم ہو!'' غزالہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے تحیرزدہ آواز میں سرگوشی کی ''تم نے کیا سوانگ رچایا ہوا ہے؟ تم یہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟''

''تم کو ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ویرا نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا ''میں کافی دیر سے یہاں جھک مارتی پھر رہی ہوں۔ پہلے اطمینان سے کہیں بیٹھتے ہیں پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھو۔''

حالات کی روشنی میں ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا۔ بھارت کی سرزمین پر بلکہ دہلی میں وہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ غزالہ سمجھ رہی تھی کہ ویرا نے مستقل طور پر اپنے حلیے میں وہ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں اور شاید اسی بنا پر وہ میری ہدایات کو نظرانداز کر کے بے خوفی سے ہوٹل سمراٹ میں گھومتی پھر رہی تھی جہاں اس کا شناسا' جان اسمتھ قیام پذیر تھا۔ غزالہ سوچتی رہی مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔

غزالہ اس ہوٹل سے بالکل بھی واقف نہیں تھی۔ ویرا اسے کافی شاپ میں لے گئی جہاں خال خال میزوں پر گاہک نظر آ رہے تھے۔ وسیع و عریض اور نیم روشن ہال کی بیشتر

منی اسٹوری

سفری سیلزمین البرٹ طویل دورے سے اپنے گاؤں واپس آیا تو اسے اپنا چھوٹا بھائی جم گاؤں کے پیٹرول پمپ پر ہی کھڑا مل گیا۔ دونوں بھائی گرم جوشی سے ملے پھر البرٹ نے پوچھا "میرے پیچھے کوئی خاص واقعہ تو نہیں ہوا؟"

"کوئی خاص نہیں.... بس تمہارا کتا مرگیا ہے۔" جم نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"کیسے....؟ میرا کتا کیسے مرگیا؟" البرٹ نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت کھالیا تھا" جم نے بتایا۔

"گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت...؟" اب البرٹ کے حیران ہونے کی باری تھی "وہ اسے کہاں سے مل گیا؟"

"تمہارے باڑے میں سے.... جو آگ لگنے کی وجہ سے سارے کا سارا جل گیا تھا۔ گھوڑا اور دوسرے مویشی بھی اندر ہی جل کر مرگئے۔"

"میرا باڑا جل گیا...؟ مگر کیسے؟" البرٹ چلایا۔

"جب تمہارے مکان کو آگ لگی تو کچھ چنگاریاں باڑے پر بھی آن گری تھیں" جم نے بتایا۔

"میرے گھر کو آگ لگ گئی...." البرٹ اب اور زیادہ وحشت زدہ ہوکر چلایا "یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟"

"وہ.... اصل میں تابوت میں رکھی ہوئی موم بتیوں میں سے ایک قالین پر گرگئی تھی اور قالین نے آگ پکڑلی" جم نے بتایا۔

"اوہ میرے خدا...!" البرٹ کی وحشت بڑھ گئی "تابوت کس کا تھا؟ کون مرگیا تھا؟"

"تمہاری ساس" جم نے جواب دیا۔

"مگر کیسے...؟ وہ تو ہٹی کٹی تھی۔"

"وہ صدمے سے مرگئی کیونکہ تمہاری بیوی مزارعے کے ساتھ بھاگ گئی تھی" جم نے بتایا۔

البرٹ دھپ سے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولا "میرا سر چکرا رہا ہے.... میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...."

"تو پھر میں دوبارہ شروع سے بتاتا ہوں..." جم خلوص سے بولا "ہوا یوں کہ تمہارا کتا مرگیا..."

میزیں غیر آباد تھیں۔

"برا وقت آگیا ہے۔" ویرا ایک دور افتادہ میز کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی "نودولتیوں کو شراب کی ایسی لت لگی ہے کہ شام ڈھلے کوئی ٹی یا کافی شاپ کا رخ نہیں کرتا۔ یہاں ویرانی ہے۔ بار میں جگہ نہ ہونے کے باوجود لوگ گھسے چلے آرہے ہیں۔ ابھی شام گہری نہیں ہوئی مگر بار کے دروازے پر بندش کی تختی آویزاں کردی گئی ہے۔"

"اس شہر والوں پر تمہارا سایہ پڑچکا ہے۔" غزالہ نے نیچی آواز میں طنز سے کہا "شراب میں پانی اور پانی میں شراب ملا کر پیتے ہیں۔ چائے اور کافی سے ان کا بھلا نہیں ہوتا۔ تم نے بھی مجبور ہوکر اس گوشے کا رخ کیا ہے۔"

ویرا نے میز منتخب کی اور دونوں نے اس کے گرد کرسیاں سنبھال لیں۔ انہیں بٹھانے کے لیے فوراً ہی سانولے رنگ کی ایک پرکشش اور نوجوان ویٹرس مسکراتی ہوئی آپہنچی۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ جوڑے کے بجائے عورتوں کی جوڑی اس کی مہمان ہوئی تھی۔

"کھولتی ہوئی تلخ اور لذیذ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس مگر پندرہ بیس منٹ بعد۔" ویرا نے کسی نک چڑھی بیوہ کے انداز میں ویٹرس کو حکم دیا۔

"یس مادام!" ویٹرس نے ویرا کے آرڈر پر سر کو خم دیا اور اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"مجھے وحشت ہورہی ہے۔ اب تم بولنا شروع کردو۔" تخلیہ ہوتے ہی غزالہ نے بے صبری سے کہا۔

"میں ہوٹل چھوڑ چکی ہوں اور مظفر کے حکم پر آج

رات امرتسر جا رہی ہوں۔" ویرا رک کر سگریٹ سلگانے لگی۔
"انہوں نے تو شاید یہ بھی کہا تھا کہ تم اس ہوٹل کا رخ نہ کرنا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔
"یہ نہیں کہا تھا۔" ویرا نے فضا میں شہادت کی انگلی لہرا کر کہا "اس نے مجھے جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا اور میں اس مردود سے دور ہوں۔"
"پھر تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو؟" غزالہ اس سے ٹکراؤ ہونے پر بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔
"تم یقین کرو کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ ہوٹل سے نکلی تو میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھی تو ڈرائیور کو غیر ارادی طور پر اس ہوٹل کا نام بتا دیا۔ یہاں آ کر میں خود حیران تھی کہ جب جان کو نہیں چھیڑنا تو میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ بس کسی نادیدہ غیبی قوت نے مجھے اس طرف دھکیلا تھا۔ میں یہاں سے روانہ ہونے کے لیے پر تول رہی تھی کہ تم زنانہ واش روم سے نکلتی نظر آئیں اور میں تمہارے پیچھے ہو لی۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ قدرت نے مجھے تم سے ملاقات کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ تم یہاں کس لیے آئی ہو؟"
"وہ تمہیں پہچانتا ہے۔ میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔"
غزالہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر معنی خیز لہجے میں کہا "لیکن میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس شکل میں اس کے فرشتے بھی تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔"
ویرا دھیرے سے ہنس پڑی "تم اناڑی ہو۔ وہ کھلاڑی اور گھاگ ہے۔ پہلی نظر میں اس سوانگ کو سمجھ جائے گا۔"
"مجھے تمہارے اس بہروپ میں کوئی خامی نظر نہیں آ رہی۔ تم نے یہ سب کیسے کیا ہے؟"
"یہاں پہنچ کر مجھے خوف ہوا کہ جان سے اچانک سامنا ہو گیا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔ میں نے اپنے قیمتی بال پین کا اسپرنگ توڑ کر اپنے دونوں نتھنوں میں پھنسایا ہوا ہے۔ نچلے ہونٹ اور مسوڑھے کے درمیان چیونگم کی ہلکی سی تہ چپکی ہوئی ہے۔ چشمہ بیگ میں پڑا رہتا ہے۔ یہ سب عارضی اور ریڈی میڈ بندوبست ہے جو زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔
"مجھے وقت گزارنا تھا۔ میں ہوٹل کے مختلف حصوں میں چکراتی پھرتی رہی۔ وہ کافی دیر سے بار میں بیٹھا ہوا ہے۔"
"تم مل ہی گئی ہو تو کوئی تدبیر سوچو۔ اب اسے بار سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانا چاہیے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔
"اس کا رخ بار کاؤنٹر کی طرف ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ وہاں بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا ہے۔ بہت اوباش آدمی ہے۔ شاید کسی کو ساتھ لے کر ہی اپنے کمرے کا رخ کرے گا۔" ویرا دانستہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
غزالہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی اور بولی "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتی۔"
"کیوں؟ کیا مظہر کے ساتھ کوئی اور پروگرام بھی طے ہو چکا ہے۔" ویرا نے چونک کر پوچھا۔
غزالہ سنبھل گئی۔ وہ ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں بولنا چاہتی تھی "پروگرام نہیں ہے۔ دیر ہو گئی تو وہ پریشان ہوں گے۔"
"بہت خوش نصیب ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "ایک میں ہوں کہ برسوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہوں مگر میرے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا۔"
"اب تم بہک رہی ہو۔" غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے ٹوک دیا "وہ تمہارے لیے بھی فکرمند تھے۔ انہوں نے ہر خطرہ مول لے کر تم سے کل اور آج بات کی ہے۔ پتا نہیں تم اتنی اہم باتوں کو کیوں نظرانداز کر دیتی ہو اور مظلوم بننے کی کوشش کرتی ہو۔"
سانولی ویٹرس آئی۔ ٹھنڈے پانی کا جگ اور دو ڈھکے ہوئے گلاس میز پر سجا کر چلی گئی۔
"آج تم آفت لگ رہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے خاموشی کا وقفہ توڑا۔
"این! بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خرافات میں وقت برباد کرنے کے بجائے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔"
"یہ بے ہودگی نہیں، مسئلے کے حل کی نشاندہی ہے۔" ویرا کے غیر متوازن ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار رہی۔
"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔
"بار میں جا کر اپنی قسمت آزماؤ۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ خبیث تمہیں نظرانداز نہیں کر سکے گا۔"
غزالہ کو ویرا کی زبان سے وہ تجویز ہتک آمیز سی محسوس

ہوئی حالانکہ جان تک رسائی حاصل کرنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہوتا تب بھی غزالہ کو کال گرل کے انداز میں اس سے باریابی کی اجازت لینی پڑتی۔ وہ بار میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے اچانک روبہ رو اداکاری کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس وقت ویرا کی تجویز کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

"میں شراب نہیں پیتی۔ جب سے وہ تائب ہوئے ہیں مجھے الکحل کی بو سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ کام تم بہتر انداز میں کرلوگی۔"

"میری اصل صورت دیکھتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوجائے گا اور وہ میرے اوپر بوتل پھینک مارے گا۔ موجودہ بہروپ میں وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ ہر اوباش اور رنگین مزاج مرد کسی نہ کسی حد تک جمال پرست بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو رجھانے اور پھانسنے کے لیے صرف عورت کا وجود کافی نہیں ہوتا۔" ویرا نیچی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی "عورت کا کوئی رنگ روپ اور جوبن بھی ہونا چاہیے۔ میں تمہاری قصیدہ خوانی نہیں کررہی۔ یہ حقیقت ہے کہ تم ایک مکمل اور بھرپور نسوانی پیکر ہو۔ کوئی وجہ ہے کہ مظہر نے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔ میری بات مانو تو دیر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی آوارہ لڑکی اس کی نظر میں سما جائے، تم بار میں جاکر اپنا داؤ کھیل جاؤ۔ باتوں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ذرا سی دیر کی بات ہے۔ تم اس کے کمرے سے سرخ رو ہوکر لوٹوگی۔"

ویرا کی ہر بات درست اور وزنی تھی۔ اس سے ہونے والی اتفاقیہ ملاقات کے نتیجے میں غزالہ کا تنہائی کا ہراس دور ہوچکا تھا۔ اسے ایک ہمدرد، ہم خیال اور ہم نوا ساتھی مل گئی تھی جس کی سوچ کا دھارا بھی اسی جیسا تھا۔ ویرا اسے نہ ملی ہوتی تو شاید وہ از خود اتنی آسانی سے کوئی فیصلہ نہ کرپاتی اور تذبذب کا شکار ہوجاتی۔ وہ غزالہ کے ذاتی اور نسوانی وقار سے زیادہ ملک کی سلامتی اور تحفظ کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ ایک مدت سے اکھنڈ بھارت کے منصوبے پر کاغذی اور عملی کام کررہے تھے جس میں افغانستان سے نیپال اور برما تک کسی اور ملک کے پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جان اسمتھ ان سفاک منصوبہ سازوں کا سرخیل تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کئی چھوٹی قوموں کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتے تھے۔

جان اسمتھ جیسے موذی کے خاتمے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگایا جا سکتا تھا۔ غزالہ نے بس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر وہ موازنہ کیا پھر ویرا سے بولی "مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنے سے انکار نہیں مگر میں وہاں جاکر کیا کروں گی۔ میں نے زندگی میں کبھی شراب نہیں چکھی۔"

"وہاں جاکر شراب نوشی ضروری نہیں۔ تم محض فریش لیمن یا لائم ٹانک پی کر بھی وہاں خاصا وقت گزار سکتی ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ بار میں یہ آرڈر دے کر مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "شاید ماضی کے تجربات تمہارے ذہن سے نکل چکے ہیں۔"

"کمرے کی بات اور تھی۔ بار میں اس کے علاوہ بھی کئی غیر ملکی بلکہ امریکی ہوں گے۔ میں اسے کیسے پہچانوں گی؟"

"شاید اس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ بہت ندیدا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اکیلا دیکھ کر کسی شکاری کی طرح تمہاری طرف لپکے گا۔ وہ وجیہہ اور دراز قامت آدمی ہے۔ بال لمبے اور سنہرے ہیں۔ سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ

اس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔"
"اور تم بتا رہی ہو کہ بار کے دروازے پر داخلہ روکنے کی تختی لگادی گئی ہے۔" غزالہ کا لہجہ تائید طلب تھا۔
"میزیں خالی ہونے کے ساتھ تختی ہٹتی رہے گی۔ تم اپنی جگہ تو چھوڑو!"
"ویٹرس کافی لا رہی ہے۔" غزالہ نے نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہنا چاہا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اسے بھاڑ میں ڈالو۔ میں سب دیکھ لوں گی۔ تم نے ارادہ کرلیا ہے تو وقت برباد مت کرو۔ فوراً چلی جاؤ۔"
غزالہ کو آمادہ پاکر ویرا ایکا یک ہی پرجوش ہوگئی۔ اس کے لہجے میں ایسا پُرخلوص تحکم تھا کہ غزالہ نے مشینی انداز میں اپنی کرسی چھوڑ دی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کافی شاپ کے دروازے کی طرف چل دی۔
وہ ہوٹل کی راہ داریوں سے بار کی طرف جاتے ہوئے عجیب سا محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ضرورت کے تحت بہت سے کردار ادا کیے تھے لیکن کسی اخلاق باختہ اور پیشہ ور لڑکی کا بے باکانہ کردار ادا کرنے کا وہ پہلا موقع تھا۔
غزالہ نے دور سے دیکھا کہ بار کا دروازہ بالکل صاف تھا۔ وہاں داخلہ روکنے کے لیے کوئی تختی آویزاں نہیں تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی افراد اندر گئے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اِکّا دُکّا افراد اندر سے برآمد ہوتے بھی نظر آئے۔ بار کے دروازے پر کھڑا ہوا باوردی ملازم آنے جانے والوں کے لئے مہذب انداز میں دروازہ کھول رہا تھا۔
غزالہ کے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ اگر دروازے پر کوئی تختی ہوتی تو اسے دور ہی سے اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑتا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک نوجوان جوڑا بار میں داخل ہوا۔ اس بار دروازہ بند ہوتے ہی باوردی ملازم نے اچانک شیشے کے دروازے پر سرخ تختی لٹکادی۔ جلی انگریزی تحریر کے مطابق ہوٹل کی انتظامیہ بار میں گنجائش ختم ہونے کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے نئے مہمانوں سے معذرت خواہ تھی۔

وہ سب اس طرح ہوا کہ غزالہ کو اپنی سمت بدلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ دروازے سے دو قدم دور ٹھٹکی تو تختی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ شیشے کے دروازے میں سے صاف نظر آرہا تھا کہ بار کی تمام میزیں آباد تھیں اور متعدد مرد و زن اپنے جام سنبھالے بار کاؤنٹر کے قرب و جوار میں موجود تھے۔ نئی رکاوٹ سے غزالہ کو اتنی خفت ہوئی کہ وہ مزید کچھ نہ دیکھ سکی اور داہنی طرف مڑگئی۔ اچانک بار کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کے ملازم نے اسے پکارا۔ "مس! مس! تم کو گورا صاحب بلا رہا ہے.... وہ خود آرہا ہے۔"
غزالہ کے آس پاس کوئی دوسری لڑکی موجود نہیں تھی۔ اس نے رک کر غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تو وہ باوردی ملازم دروازہ کھول کر بار سے باہر آچکا تھا اور اندر سے ایک دراز قامت سفید فام تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی طرف آرہا تھا۔ غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی گورے نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چند لمحوں میں غزالہ کے قریب آپہنچا۔
غزالہ نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ لمبے لمبے سنہرے بالوں والے اس وجیہہ سفید فام کے بائیں کان کی لو غائب تھی۔ غزالہ کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کے قدم ہوٹل کے چمکتے ہوئے فرش پر گڑ کر رہ گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ویرا نے عورتوں کے بارے میں جان اسمتھ کی حرص و ہوس کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی تھی۔
"مس! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اکیلی ہو۔" جان اسمتھ غزالہ کے قریب رک کر نیم سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تم واقعی اکیلی ہو تو میری میز کی دوسری کرسی شاید تمہارے لئے خالی ہے۔ میں تمہاری مہمان داری کرکے فخر محسوس کروں گا۔" جان نے اپنا اپنا ہاتھ غزالہ کی طرف بڑھادیا۔
غزالہ کے ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ اس وقت روئے زمین کا بدترین آدمی تھا۔ وہ یکایک پتھر کی طرح جذبات سے عاری ہوگئی۔ اس نے ہلکی سی تحیر زدہ مسکراہٹ کے ساتھ جان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لے لیا اور مسحور کن آواز میں کہا "میرا نام کملا ہے اور میں واقعی اکیلی ہوں۔ حیرت ہے کہ اس بھیڑ میں بھی تمہاری ایک کرسی خالی ہے۔"
"وہ تمہارے لئے ہے۔" جان نے ہنس کر انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا "میری میز پر صرف دو کرسیاں ہیں۔ مجھے دیر سے کسی اچھی ساتھی کی تلاش تھی۔ تم کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ شاید میں تمہارا انتظار کررہا تھا۔"
"مگر میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گی کہ مجھے تمہارے جیسے کسی ساتھی کی تلاش تھی۔" غزالہ نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔ وہ بھول چکی تھی کہ وہ ایک نرم و نازک عورت ہے۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پتھر کی طرح ہے اور اسے اپنے نیچے آئے ہوئے دشمن کو کسی پتھر ہی کی طرح کچل کچل کر مار ڈالنا

ہے۔

جان اسمتھ کے لئے غزالہ کی وہ حوصلہ افزائی کافی تھی۔ اس نے غزالہ کو بار کی طرف چلنے کا اشارہ کر کے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

بار کے دروازے پر معذرت کی تختی بدستور موجود تھی مگر دربان نے جان اسمتھ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ بار کی خنک فضا تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ جان اسمتھ اسے اپنے ہمراہ کونے کی ایک مختصر میز کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آمنے سامنے صرف دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

بار کا ہال کافی شاپ سے زیادہ وسیع اور آباد تھا۔ فضا میں دھیمی انسانی آوازوں کی گونج رچی ہوئی تھی جو پوشیدہ اسپیکروں سے خارج ہونے والی مغربی موسیقی پر حاوی تھی۔ کہیں کہیں سے ابھرنے والی نسوانی قہقہوں کی آوازیں اس ماحول میں نقرئی گھنٹیوں کے ترنم کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت غزالہ کی توجہ گرد و پیش کے ماحول سے زیادہ اپنے شکار پر مرکوز تھی۔

"تم کیا پیو گی؟" جان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا پھر چونک کر بولا "میں تم کو بتانا بھول گیا۔ میرا نام جان.... جان اسمتھ۔ لیکن تم مجھے صرف جان کہہ سکتی ہو۔ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں سے یہ نام بہت بھلا لگے گا۔"

"میں صرف فریش لیمن جوس لوں گی۔" غزالہ نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شراب نہیں پیتی۔"

"فریش لیمن!" جان کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "ایسے بے ضرر مشروب کے لئے تم بار کی طرف آئی تھیں؟"

"میں اپنی ساتھی کی تلاش میں تھی۔" جان کے غیر متوقع سوال پر غزالہ کو بروقت جواب سوجھ گیا۔ "وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور شراب کی رسیا ہے۔ اس کی تلاش میں یہاں جھانکنے کا ارادہ کیا تھا...."

"تو پہلے اسے دیکھ لو۔" جان نے اس کی بات کاٹ کر پیشکش کی۔ "پھر ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تم مل گئے ہو تو اب اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔" غزالہ نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر جواب دیا۔ وہ جان کے ساتھ رسمی تکلفات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے جلد از جلد اسے کمرے کی طرف ہانکنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے غزالہ کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی ہونی ضروری تھی۔

ویٹر دیکھ چکا تھا کہ جان کی میز پر ایک لڑکی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ وہ آیا اور فریش لیمن کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"تم بہت خوب صورت.... بہت ہی زیادہ خوب صورت ہو۔" جان نے میز پر غزالہ کا ہاتھ تھام کر سحر زدہ آواز میں کہا "تمہاری بڑی بڑی آنکھیں اس قدر نشیلی ہیں کہ شراب نہ پینے کے باوجود تم نشے میں چور نظر آتی ہو۔ آج کی شام میرے ساتھ بسر کر سکتی ہو؟"

بات بہت تیزی سے سمٹ کر راہ پر آ گئی تھی۔ غزالہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچنے کے بجائے ہنستے ہوئے کہا "شام بسر کرنے کے لیے تمہیں ہوٹل میں کمرا بک کرانا ہوگا۔"

جان کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر گلاس سے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لیا اور دھیمی آواز میں بولا "میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ تنہائی میں کمرے کا نرم بستر مجھے کانٹوں کی طرح چبھتا ہے۔ تم ساتھ چلو گی تو میرے لیے خوشی اور راحت کا ہر دروازہ کھل جائے گا۔"

"ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی۔" غزالہ نے شوخی سے اسے یاد دلایا "شاید تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ دوستی کے یہ مرحلے دھیرے دھیرے طے ہوتے ہیں۔"

جان نے غزالہ کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی "تم دوستی پر رضامند ہو تو میں بھی تمہیں حیران کردوں گا۔ تمہاری جیسی لڑکی کی دوستی پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ ہوٹل میں ماری ماری پھرنے والی سڑی بسی لڑکیوں کے سوکھے بدن سے مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

فریش لیمن جوس آتے ہی غزالہ کو اپنا ہاتھ جان کی گرفت سے نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوس بہت ٹھنڈا اور فرحت بخش تھا۔

"تم نے مجھ سے دوستی کا دم بھرا ہے۔" جان عجلت میں اپنا گلاس ختم کر کے بھرائی ہوئی آواز میں دوبارہ بولنے لگا "میں جانتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کی ایسی دوستیاں بے غرض نہیں ہوتیں۔ تمہارا نکھرا ہوا چہرہ دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کسی مسئلے سے دو چار ہو لیکن غریب ایشیائی ملکوں میں ہر ایک کو ڈالروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں دو چار ہزار ڈالر نقد دے سکتا ہوں۔ بس چند روز کے لیے سب کو بھول کر میری ہو جاؤ...."

غزالہ کی طرف سے خوشی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔ جان سے ہونے والی گفتگو پر اس کا چہرہ پہلے ہی شرم سے گلنار

ہو رہا تھا۔ اس نے جان کی بات کاٹ کر کہا ”تم بہت اچھے اور فراخ دل آدمی ہو۔ آج تک اتنی بڑی رقم اکٹھی میرے ہاتھ نہیں آئی۔ میرے بہت سے ادھورے خواب پورے ہو جائیں گے۔“

”یہ اس خطے کے ہر ایشیائی ملک کا المیہ ہے۔ یہاں غربت کی وجہ سے لاکھوں کلیاں پھول بننے سے پہلے مرجھا جاتی ہیں۔“

جان کے لیے ویٹر خاموشی سے اسکاچ کا اگلا گلاس لے آیا تھا۔ غزالہ نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ گلاس ختم ہونے تک ان دونوں کو بار میں بیٹھنا تھا۔ غزالہ نے مایوسانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی ”ہمارے سارے وسائل فوج اور توپیں کھا جاتی ہیں۔ غریب کے پیٹ کی آگ کیسے بجھے گی۔“

”بھارت مجبور ہے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف چین کی دہشت ہے تو دوسری طرف پاکستان کا جنگی جنون۔ بھارت نے جس دن اپنے دفاع سے غفلت برتی، یہ دونوں دشمن اسے پیس ڈالیں گے۔“ جان نے نئے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر پُر خیال انداز میں کہا پھر جھنجلا کر بولا ”ان دونوں کی بربادی کا وقت قریب آ گیا ہے مگر یہ وقت ان خشک باتوں کا نہیں ہے۔ پہلے جیسی رومانی باتیں کرو۔ میں چند لمحوں پہلے اپنے بدن میں پھریریاں سی محسوس کر رہا تھا۔“

”میں کہاں، وہ باتیں تو تم ہی کر رہے تھے۔“ اس کے ہوش و حواس زائل کرنے کے لیے غزالہ ایک ادا سے ہنس کر بولی ”یہ سب خلوت کی باتیں ہیں جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ بھرے بار میں بیٹھ کر ہم بلاوجہ اپنے دلوں کو بوجھل کرتے رہیں گے۔ شراب تم اپنے کمرے میں بھی پی سکتے ہو۔“

”تم خوب صورت ہی نہیں، ذہین بھی ہو۔“ جان نے کھلے دل سے غزالہ کی تعریف کی ”میرے دل کی بات کہہ کر تم نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ اپنے اپنے گلاس خالی کر کے ہم یہ بار چھوڑ دیں گے۔ عیش و نشاط کا اگلا دور اب میرے کمرے میں شروع ہو گا جہاں کوئی تیسرا نہیں ہو گا۔“

وہ دونوں اپنے اپنے گلاس سے چسکیاں لیتے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ جان کی آنکھوں میں ہولناک شیطانی چمک رقصاں تھی اور غزالہ کسی مکّار لومڑی کی طرح اپنی گرفت میں آتے ہوئے جان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پوشیدہ سوئی کے لیے جان کی گردن ہی سب سے موزوں تھی۔

جان کے اشارے پر ویٹر بل لے آیا۔ اس نے ان کاغذوں پر دستخط کیے، گلاس سے آخری گھونٹ لیا اور ویٹر کو ٹپ میں دس ڈالر کا کرارا نوٹ دے کر کرسی سے اٹھ گیا۔ غزالہ اس کا ساتھ دینے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شکار اتنی آسانی سے اور خوشی خوشی سوئے مقتل چل دے گا جہاں خاموش موت اس کی گھات لگائے دبکی ہوئی تھی۔

بار سے لفٹ کی طرف جاتے ہوئے جان نے اپنا ہاتھ غزالہ کی کمر کے گرد ڈالنے کی کوشش کی اور غزالہ کسمسا کر اس سے دور ہو گئی ”بے صبری کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں گی۔ ایشیا ابھی اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہے۔“

جان خفت آمیز انداز میں ہنس کر اپنے دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا ”یہاں کے لوگوں کے پاس بہت زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے کے بجائے دوسروں کی ٹوہ لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔“

غزالہ کی نظریں ویرا کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ آگے اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جان کے تابوت میں آخری کیل غزالہ کو خود ٹھونکنی تھی پھر بھی اسے ویرا کے سہارے کی تلاش تھی اور ویرا کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اپنے دونوں نتھنوں میں اسپرنگ اور نچلے ہونٹ کے پیچھے چیونگم لگا لینے کے باوجود وہ جان کی نظروں سے قطعی اوجھل تھی لیکن غزالہ کو یقین تھا کہ وہ کہیں سے ان دونوں کو ضرور دیکھ رہی ہو گی۔

اتفاق سے لفٹ میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ غزالہ کو جان سے مزید معاشی کی توقع تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی جان نے بے تابی سے غزالہ کو اپنی بانہوں میں لینا چاہا تو غزالہ نے انجان بن کر اس کی پسلیوں میں اپنی کہنی مار دی۔ جان اپنی پیش دستی بھول کر کراہتا ہوا دہرا ہو گیا۔ غزالہ بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے بے ساختہ اس پر جھک پڑی۔ اتنی دیر میں لفٹ اپنا مختصر سفر طے کر کے رک گئی۔

جان اپنی داہنی پسلیاں سہلاتا ہوا لفٹ سے نکلا اور مسکراتے ہوئے بولا ”میری یہ چوٹ یاد رکھنا۔ تمہیں بہت پیار اور محبت سے اس کا ازالہ کرنا ہو گا۔ کمرے میں پہنچ کر بھی تم کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح بھڑکتی رہیں تو اس شام کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔“

"میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔" جان کے رہائشی فلور کی راہداری میں پہنچ کر غزالہ خود کو بہت مطمئن محسوس کر رہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ اتفاق سے میری کہنی لگ گئی ورنہ میں تمہیں ناراض کر ہی نہیں سکتی۔ ہزاروں ڈالروں کی نوید سنا کر تم نے مجھے خرید لیا ہے۔" غزالہ نے بائیں انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر گھما لیا تھا۔

پتلون کی عقبی جیب میں اڑسی ہوئی چابی نکال کر جان نے تین سو سویں کمرے کا قفل کھولا اور غزالہ کو اندر جانے کی راہ دے دی۔

غزالہ کے پیچھے وہ اندر آیا اور دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا "یہ دیکھو، خالی مسہری تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے وجود کی منتظر ہے۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر گھناؤنی مسکراہٹ لیے، خطرناک عزائم سے غزالہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ حوصلے سے اپنی جگہ کھڑی رہی اور سرد آواز میں بولی "دیکھو جان، میں ڈینی کی ستائی ہوئی عورت ہوں...."

"ڈینی!" فرطِ حیرت سے جان اسمتھ کا منہ کھل گیا "وہ خبیث یہاں کہاں سے آگیا؟ تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

جان رک چکا تھا۔ غزالہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ مجھے بہت تنگ کرتا ہے کیونکہ وہ میرا شوہر ہے۔"

"تو تم انڈین نہیں ہو؟" جان کے چہرے پر غصے کی علامات ابھر آئیں۔ غزالہ خالی ہاتھ تھی اس لیے وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔

غزالہ اس کے روبرو رک گئی۔ جان اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں پاکستانی ہوں۔ ویرا نیچے کسی اچھی خبر کی منتظر ہے۔ اب تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ ہو سکے تو اپنی کوئی آخری دعا پڑھ لو۔"

"تم ذلیل عورت ہو۔ میں تمہیں فنا کر دوں گا۔" وہ غضب ناک لہجے میں غراتا ہوا غزالہ سے لپٹ گیا۔ وہ ایسے کسی وار کے لیے تیار تھی۔

غزالہ نے بایاں ہاتھ اس کی گردن پر رسید کر دیا "اب جہنم میں جا کر سوچنا کہ مجھے کیسے فنا کرو گے۔"

غزالہ کے جسم پر جان کی گرفت مضبوط ہونے سے پہلے دم توڑ گئی اور چند لمحوں میں اس کا بھاری وجود کسی بے جان تودے کی طرح غزالہ کے ہاتھوں میں آگیا۔ غزالہ نے کسی تیز دھمک سے بچنے کے لیے جان اسمتھ کی لاش کو سہارا دے کر آہستگی سے فرشی قالین پر ڈال دیا۔

"کیا رشید صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے...؟" ایک پڑوسی نے تشویش زدہ لہجے میں دوسرے پڑوسی سے کہا "ان کے گھر کی تمام لائٹس آج کل دن رات جلتی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا اس مہینے کا بجلی کا بل ذرا زیادہ آئے" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

"وہ کیوں؟" پہلے پڑوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل رشید صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی تھیں اور رشید صاحب نے دو چار دن پہلے فون پر انہیں بتایا ہے کہ وہ تو روز رات کو گھر پر لیٹے کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے تھے۔" دوسرے پڑوسی نے وضاحت کی۔

وہ غزالہ کا اصل اور بنیادی کام تھا۔ مشن مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک لمحہ بھی برباد نہیں کیا۔ پھرتی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل آئی۔ ہفصی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر اس نے یہ بندوبست کر دیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد باہر سے چابی کے بغیر دروازہ نہ کھولا جا سکے۔

راہداری دونوں سروں تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اطمینان تھا کہ کسی نے اسے جان اسمتھ کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ جان اسمتھ کی لاش دریافت ہونے سے پہلے اسے ہوٹل سمراٹ سے بہت دور نکل کر دہلی کی پُرہجوم دنیا میں کھو جانا تھا۔

وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو اس کی متلاشی نظروں نے چند ثانیوں میں ویرا کو دیکھ لیا جو ایک ستون کی اوٹ سے برآمد ہو رہی تھی۔ میدان صاف ہو چکا تھا۔ اس ہوٹل میں ویرا کو صرف ایک شخص پہچان سکتا تھا جو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے ویرا کو اشارہ کیا اور سیدھی ہوٹل کے دروازے کی طرف چل دی۔

لفٹ سے پورچ تک کا فاصلہ طویل تھا۔ ویرا راستے میں ہی غزالہ سے آملی۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں پیغامات

کا تبادلہ کیا۔ غزالہ کے بشرے پر پھیلی ہوئی آسودگی اس کی کامیابی کی غمازی کر رہی تھی پھر وہ دونوں پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیں۔

پورچ میں آنے جانے والوں کی بھیڑ اور تیز روشنیوں کی زد سے نکل کر غزالہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں لوٹ آئی۔ اس گھناؤنے شخص کے ساتھ میرے آخری چند منٹ بہت کٹھن گزرے۔ وہ لفٹ میں مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔"

"اس وقت خوشی سے میرا سینہ پھولا ہوا ہے۔" ویرا کی آواز خوشی سے لبریز تھی "میں نے یہاں آکر کچھ بھی نہیں کیا مگر میرا وقت رائگاں نہیں گیا۔ مجھے یہ پتا چل گیا کہ تم نے بڑے موذی کا کام تمام کردیا ہے۔"

غزالہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں اس کی بروقت موجودگی سے غزالہ کو کتنا سہارا ملا تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ جو کچھ طے کیا تھا' وہ عجلت میں طے کیا تھا۔ وقت بچانے کے لیے غزالہ مجھ سے کوئی بات کیے بغیر اس وقت ہمارے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی جب میں اپرینس پر گوپال سے رات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف تھا۔ اس عجلت میں یہ نکتہ سرے سے فراموش کردیا گیا تھا کہ جان اسمتھ اپنے کمرے میں موجود نہ ہوا تو غزالہ اسے کیسے پہچانے گی اور کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نہ ملی ہوتی تو غزالہ کچھ دیر تک ہوٹل سمراٹ میں بھٹکنے کے بعد مایوس ہو کر لوٹ آتی۔

ویرا نے اسے وقت پر مناسب ترین مشورہ دیا تھا۔ جان اسمتھ کی نشان دہی کی تھی اور پھر اسے ہوٹل کے شراب خانے سے نکال کر کمرے تک لے جانے کی وہ راہ سجھائی تھی' جو غزالہ اپنے طور پر شاید اختیار نہ کرپاتی۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس کی کامیابی میں ویرا پوری طرح شریک تھی لیکن اس نے اس بارے میں زبان کھولنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اپنی کارگزاری کے بارے میں بے خبر رہنا ویرا کے لیے سود مند رہنا تھا۔ دوسری صورت میں وہ شیخیاں بگھار کر دوسروں کا جینا اجیرن کرسکتی تھی۔

ان دونوں کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے تک ہوٹل سمراٹ کی حدود میں کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ غزالہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا نے اپنی ٹیکسی کو واپسی کے لیے روک کر دور اندیشی اور دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ ان دونوں کے لیے ہوٹل سمراٹ سے جلد از جلد لوٹ جانا بہت ضروری تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے اپنے سفری کپڑوں کا تھیلا ٹیکسی میں چھوڑ دیا تھا اور ٹیکسی ڈرائیور تھیلا لے کر نہیں بھاگا تھا بلکہ ایمانداری سے اپنی سواری کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئیں اور ٹیکسی روانہ ہوگئی۔ نیم روشن پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنا ریڈی میڈ میک اپ خاموشی سے ختم کردیا تھا۔

"کسی خطرے کا امکان نہیں ہے پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں ایک جگہ نہ اتریں۔" کچھ دیر کے بعد ویرا نے انگریزی میں کہا۔

"مجھے کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میں دوسری سواری لے لوں گی۔" غزالہ نے کہا پھر پوچھا "تمہیں یہ قابل اعتماد ڈرائیور کہاں مل گیا۔"

"غریب اور انگریزی سے نا بلد آدمی ہے۔ یہ دو سو روپے کی ممنونیت ہے کہ وہ میرا انتظار کرتا رہا۔ اس کی موجودگی میں ہم انگریزی میں بے تکلفی سے بات کرسکتے ہیں۔"

"اپنے قرینے سے کچھ پڑھا لکھا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے شبے کا اظہار کیا۔

ویرا ہنس کر بولی "شاید چند جماعتیں پڑھی ہیں مگر انگریزی میں کورا ہے۔ بے چارہ راستے بھر ہندی یا اردو میں اپنی بے بسی پر بڑبڑاتا رہا تھا کہ مجھ سے انگریزی کے چند فقرے بھی نہیں بول سکتا۔ اس کے بارے میں تم فکر مند کیوں ہو۔"

"ذہن میں چند نکیلے سوال چبھ رہے ہیں..." غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ویرا درمیان میں بول پڑی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ پتا نہیں اب حالات کیا رخ اختیار کرلیں اور ہماری اگلی ملاقات کب ہو۔"

"یہ طے ہے کہ آج بلکہ تھوڑی دیر پہلے والے واقعے کا انکشاف پوری دہلی کو ہلا ڈالے گا۔" غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔ ان کی صفوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور کوئی تمہارے ملک پر الزام نہیں لگا سکے گا۔ تمہارے شکار کو تمہاری اصل قومیت پر کوئی شبہ تو نہیں ہوا تھا؟"

"وہ غیر ملکی تھا۔ مقامی ہوتا تو فوراً پہچان لیتا۔ اس کے لیے اردو اور ہندی یکساں تھیں۔ شروع سے آخر تک اسے کوئی شبہ نہیں ہوا مگر آخر میں' میں نے خود اسے بتا دیا کہ میں کون ہوں اور میرے شوہر کا کیا نام ہے۔"

"خوب!" ویرا تعریفی لہجے میں بولی "اس کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرنے میں آسانی ہوئی ہوگی۔ یہ ہر مقتول کا حق ہوتا ہے کہ اسے اپنے قاتل اور قتل کے سبب کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو۔"

کچھ دیر کے لیے ٹیکسی میں خاموشی چھاگئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اچانک ویرا کو خیال آیا اور اس نے غزالہ کو ٹوک دیا "تمہارے ذہن میں چبھنے والے کچھ نکیلے سوالات درمیان میں رہ گئے۔"

"ذرا ذاتی نوعیت کی بات ہے پھر بھی میں جاننا چاہتی تھی کہ ایک اطالوی مرد تمہارے ساتھ کیوں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے جھجکنے کے باوجود اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"کچھ پوچھے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا۔" ویرا نے برا منائے بغیر سکون سے جواب دیا "تم شادی شدہ ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد اور عورت کیوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ابھی تم نے اپنے شکار کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"تمہارا جواب واضح نہیں ہے۔ اگر تمہاری اور اطالوی کی رفاقت کا سبب وہی تھا جو میری سمجھ میں آرہا ہے تو مجھے صدمہ ہے۔"

ویرا نے یوں قہقہہ لگایا جیسے وہ غزالہ کے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "میں اپنی کسی کمزوری کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔ میرا ماضی کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں کہ خود کو دوسروں کے لیے کھلونا بنا دوں۔ وہ مرد تھا اور میری خوشامدوں میں لگا رہا مگر میرے لیے اس کی حیثیت ایک آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ آج وہ اپنے سینے پر سنگین محرومی کا داغ لے کر رخصت ہوا تھا۔"

"بس، بس۔" غزالہ نے ٹیکسی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں گرمجوشی سے ویرا کا ہاتھ دبایا "میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہتی تھی۔ میرے ذہن پر مسلسل ایک خلش سوار تھی۔"

"یہ صرف تمہاری خلش تھی یا تمہارے شوہر کو بھی اس بارے میں کوئی تشویش لاحق تھی؟" ویرا کی آواز میں اشتیاق اور تجسس اُمڈ آیا۔

"اس بارے میں ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ایمان داری سے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اطالوی کے بارے میں اسے تم سے زیادہ خلش ہوگی۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا ہوگا، جل بھن رہا ہوگا مگر اس نے مجھ سے اس بارے میں کبھی کھل کر بات نہیں کی۔ وہ بہت سفاک اور سنگ دل آدمی ہے۔ بے رحمی سے اپنے اور دوسروں کے جذبات کو کچل کر مطمئن نظر آنے کی اداکاری کرتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اسی کو سلگانے کے لیے اس اطالوی کو الجھایا تھا۔ میں اسے جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کی کوششوں کے باوجود تنہا نہیں ہوں۔ جب چاہوں اپنے گرد بھونرے جمع کرسکتی ہوں لیکن وہ بے حس بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس نے اس بارے میں تم سے بھی کوئی بات نہیں کی۔"

"تمہاری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن تمہاری ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنی ذات سے زیادہ ان کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ حد یہ ہے کہ بعض کام صرف انہیں جلانے کے لیے کرتی ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔"

"تمہارے الفاظ سے خلوص اور اپنائیت کی مہک آرہی ہے مگر پھر بھی تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہارے ساتھ اس موضوع پر بحث نہیں کرسکتی۔ اس بات کو یہیں چھوڑ دو مگر اسے یہ ضرور بتا دینا کہ میں نے اس کی ہر بات مان لی ہے۔ اطالوی کو رخصت کردیا ہے اور رات کی آخری ٹرین سے یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی۔"

"تمہارے دونوں فیصلے بہت مناسب ہیں۔ ہمارے لیے یہ ملک اور شہر اب مخدوش ہو چلا ہے۔"

"تم لوگوں کا اگلا منصوبہ کیا ہے؟" ویرا نے اپنا پچھلا سوال نئے زاویے سے دہرایا۔

غزالہ پھر انجان بن گئی "ہوٹل پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ آج دو بجے ہونے والی ملاقات کے بعد اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ ہم دونوں آپس میں کوئی تبادلہ خیال کرتے۔ وہ مصروف تھے اور پھر میں ادھر نکل آئی۔"

"اوہ! شاید ہم انڈیا گیٹ کے علاقے میں پہنچنے والے ہیں۔" ویرا نے ونڈ شیلڈ کے پار نظر آنے والی روشنیوں سے چونک کر کہا "تم یہیں مجھ سے الگ ہوجانا۔ زندگی رہی تو پھر اگلے کسی پڑاؤ پر ہماری ملاقات ہوگی۔"

ویرا کے ایما پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک مناسب مقام پر روک دی۔ غزالہ نے اپنا وینٹی بیگ اٹھایا اور اسے الوداع کہہ کر ٹیکسی سے اتر گئی۔

کناٹ پلیس تفریح سے زیادہ سیاحوں کی خریداری کا مرکز تھا۔ شاید انڈیا گیٹ شہر کا سب سے بڑا تفریحی مرکز تھا۔

غزالہ نے پہلی مرتبہ وہ علاقہ دیکھا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ضرور اس مقام پر رکتی لیکن جان اسمتھ کے قتل کے بعد وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ میں نے اپنی ساری کشتیاں جلا کر بھارت کی سرزمین پر اپنی بھرپور کارروائیوں کا آغاز کردیا تھا۔ اس مرتبہ وقت کا معمولی سا زیاں بھی ہماری سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

غزالہ نے انڈیا گیٹ سے دوسری ٹیکسی لی اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تو کامیابی کا جوش و جذبہ اس کے چہرے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی ورنہ وہ جتنی دیر باہر رہی تھی، میرا ایک ایک لمحہ انتظار کے غیر یقینی کرب اور بے چینی میں گزرا تھا۔

مجھے اس سے فوری طور پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کامرانی کی تحریر پڑھ لی تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

دہلی میں جان اسمتھ کی موت ہماری بہت بڑی کامیابی تھی۔ آئی بی کے ڈپٹی ڈائریکٹر جلال کو اس کی طرف سے تشویش تھی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ ایک ایسا خوفناک مگرمچھ تھا جس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی صورت میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہوسکتا تھا۔ جلال کے وہ سارے تحفظات پاکستان کی سرحدوں تک محدود تھے۔ ہم نے جان کے خلاف جو کچھ کیا تھا، پاکستان سے باہر کیا تھا۔ اس کا کام ایسی رازداری کے ساتھ تمام کیا گیا تھا کہ بھارتی اور امریکی حکام اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود پاکستان کو اس واردات میں ملوث نہیں کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے پھر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے اندیشوں کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کا بنیادی خوف یہ تھا کہ را والوں سے براہِ راست سامنا ہونے کے باوجود ہمارے کام غیر معمولی آسانی کے ساتھ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ نریش شرما نے پاکستان کے بارے میں را کی فائلیں میرے سامنے رکھ دی تھیں اور میں فون کے ساتھ ایریٹس کے بے دریغ استعمال کے باوجود کسی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

غزالہ صرف ایک سمت میں سوچ رہی تھی جو منفی تھی۔ پورے حالات و واقعات پر اس نے گہری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ہمارا کام سہل ہونے کا پہلا سبب یہ تھا کہ رینا رائے سے انل بسواس تک، کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں ڈینی تھا۔ وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کرچکے تھے کہ میں مظہر خان تھا اور کراچی کے پتے پر موجود نہیں تھا۔ ان کے نزدیک مظہر خان سیاست سے بے خبر، کاروبار اور تفریح میں مگن رہنے والا ایک رنگین مزاج پاکستانی تھا جسے رینا اجیت رائے نے آسانی سے اپنے دام میں پھانس لیا تھا۔

نریش شرما نے بھی مجھے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ را کی پاکستان والی فائلوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا، خفیہ اور مخفف حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ایک عام پاکستانی تو کیا کوئی بھارتی شہری بھی ان بند فائلوں پر نظر ڈال کر کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نریش شرما نے اسی یقین کی بنا پر میرے سامنے ان فائلوں کو اوپر نیچے کیا اور مطلوب کاغذات بلکہ اخباری تراشے دکھانے کے بعد فائلیں دوبارہ محفوظ تجوری میں مقفل کردیں۔

یہ میری خفیہ معلومات اور باخبری کا نتیجہ تھا کہ میں نے ایک ہی نظر میں ان بند فائلوں کا متن بھانپ لیا۔ اس میں نریش شرما کی کسی بے پروائی، غیر ذمے داری یا حماقت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

غزالہ کا دوسرا نکتہ میرے آزادانہ مواصلاتی رابطوں کے بارے میں تھا۔ جہاں تک گوپال کے دیے ہوئے ایریٹس کا تعلق تھا، وہ آئی بی کے ایجنٹوں کا محفوظ آلہ تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر کام کرتا تھا۔ اس پر ہونے والی بات چیت کو را والے اسی صورت میں پکڑ سکتے تھے جب انہیں کسی نیٹ ورک کے فعال ہونے کا شبہ ہوتا اور وہ چوبیس گھنٹے ہر فری کوئنسی کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ وہ بہت دشوار کام تھا۔ کہیں سے کوئی سراغ حاصل کیے بغیر کوئی بھارتی ایجنسی محض اتفاقاً ہی ہماری بات چیت پکڑ سکتی تھی۔ کوئی تیسرا امکان خارج از قیاس تھا۔

فون کے بارے میں غزالہ کے شبہات سی ایس ڈی کی وجہ سے بے بنیاد تھے۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا تھا اور اس وقت پھر بتایا کہ سی ایس ڈی ایک ایسا آلہ تھا جس کی موجودگی میں صرف دو لائنیں ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتی تھیں۔ تیسری لائن بعد میں شامل ہوتی تو لائن از خود ڈراپ ہوجاتی۔ رابطہ ہونے سے پہلے کوئی درمیان میں موجود ہوتا تو مطلوبہ رابطہ سرے سے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ تیسری لائن کا پہلا ہندسہ ملاتے ہی سی ایس ڈی خودکار طریقے سے وہ رابطہ کاٹ دیتی۔ حد یہ تھی کہ سی ایس ڈی والے فون سے ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ کیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

بدری ناتھ نے مجھے بتا دیا تھا کہ را والوں نے اپنے استعمال کے لیے جاپان کی ریڈ آرمی سے کچھ سی ایس ڈی خریدی تھیں جو را کے بعض اہم ترین عہدے داروں کے استعمال میں تھیں۔ وہ را کا بہت خفیہ ہتھیار تھا۔ وہ اس کی اہمیت اور کارکردگی سے بخوبی واقف تھے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں مقیم مظہر خان نامی پاکستانی بھی چوری چھپے سی ایس ڈی سے استفادہ کررہا تھا۔

مجھے غزالہ کو مطمئن کرنے کے لیے خاصی مغززنی کرنا پڑی مگر آخرکار ہربات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولی "گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را والی بات شاید ایسے مواقع کے لیے کہی جاتی ہے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہوکر رہ گیا تھا۔ اب اندازہ ہورہا ہے کہ آج کل ہمارے ستارے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ جان اسمتھ کے مرنے تک مجھے اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا کہ اچانک مسلح افراد کا کوئی جتھا نمودار ہوگا اور ہتھیاروں کی زد پر مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"جان کو کامیابی سے مار لینے کے بعد تمہارے یہ اندیشے ختم ہوجانے چاہییں تھے۔"

"جب نہیں لیکن آپ سے بات کرلینے کے بعد اب میں بہت مطمئن ہوں۔ آپ کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلینے کے بعد تحفظ اور عافیت کا ایک نیا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ آپ یقین کریں کہ ان ذرا ذرا سی باتوں نے سفر کی تنہائی میں مجھے دہلایا ہوا تھا۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ویرا کی بکواس کا کیا جواب دیا جائے۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "میں نے آپ کو ہربات من وعن بتادی ہے۔ وہ آپ کی طرف سے خطرناک خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس میں آپ کا کیا بگڑتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ رابرٹو کو جگہ دے یا کسی البرٹ سے دوستی کرے، مجھے اس کے بارے میں سوچنے اور اپنا خون سلگانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے مفروضوں پر خود ہی سوچتی اور کڑھتی رہتی ہے۔ میں اس پر ترس کھانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔"

"بس یہی کرتے رہیں۔ یہ نہ بھولیں کہ وہ ہم لوگوں کی ہر ہمدردی اور محبت کی حق دار ہے۔"

"ہمدردی کی بات ٹھیک ہے لیکن میری محبت پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"اب صرف ایک بات رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے....." اس نے چالاکی سے موضوع تبدیل کردیا۔

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی "میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں لیکن اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہاں سے کراچی فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اب تم سامان سمیٹو۔ ہمیں جلد از جلد ہوٹل چھوڑنا ہے۔"

ہمارے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی کپڑے وغیرہ سمیٹنے شروع کردیے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے ایریئس پر جی تھری سے رابطہ کیا۔ وہ ہوٹل کے قریب اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ گوپال نے اسے مسلسل ہماری دیکھ بھال اور حفاظت پر مامور کیا ہوا تھا۔

"میدان بالکل صاف ہے۔ شام کو تمہاری واپسی کے بعد سے اب تک کوئی مشتبہ آدمی ادھر نہیں آیا۔" سنیل نے مجھے بتایا۔

"تم تیار رہو۔ ہم تھوڑی دیر میں باہر آرہے ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"چلے آؤ۔ میں تیار ہوں۔ ہر ایک کی نگاہیں اب تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔"

"اوکے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے رابطہ منقطع کردیا۔

اس بار ہم ہوٹل کا کمرا ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے تھے۔ میں نے فون کی لائن سے سی ایس ڈی الگ کرکے تاروں کو اس صفائی سے جوڑ دیا کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے۔ غزالہ سامان سمیٹ چکی تھی اور میرے اشارے کی منتظر تھی۔

میں نے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر ہم دونوں وہاں سے نکل گئے۔

میں نے کاؤنٹر پر براہِ راست چابی دے کر اپنا حساب طلب کیا تو کلرک کو ہماری اچانک روانگی پر قدرے حیرت ہوئی۔ میں نے دانستہ اسے بتادیا کہ ہم نے آج رات ہی آگرہ جانے کا پروگرام بنالیا تھا تاکہ تاج محل دیکھ سکیں۔

میرے پاس نریش شرما کے دفتر اور گھر کے فون نمبر موجود تھے لیکن میں اس مرحلے پر را کے کسی اہل کار سے رابطہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ نریش کو مجھ سے جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکا تھا۔ اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا میری ذاتی ذمے داری تھی۔ میں نے روا روی میں ہوٹل کے کلرک کے کان میں یہ

بات ڈال دی تھی کہ میں تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جارہا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر راوالے جستجو کرتے تو وہ بات ان کے علم میں بھی آجاتی۔ نریش شرما یہی سمجھتا کہ میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے غزالہ کو اسی رات آگرہ لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔

وہ میرے نازک مفروضے تھے۔ اگر بات جان اسمتھ کے قتل تک محدود رہتی تو شاید وہ مفروضے کارآمد رہتے کیونکہ میں نے نریش شرما سے اگلی شام تک کا وقت لیا ہوا تھا۔ وہ اس انتظار میں رہتا کہ میں آگرہ سے واپس دہلی پہنچنے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بظاہر ایسا ہونا مشکل نظر آرہا تھا کیونکہ آنے والی رات کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہوا تھا۔

سب کچھ میرے ارادوں کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو دہلی کے انتظامی حلقوں کے لیے اگلی صبح بہت بھیانک ثابت ہونے والی تھی۔ تمام خفیہ ادارے بیک وقت حرکت میں آجاتے۔ ہر مشتبہ شخص کو بے رحمی سے پکڑلیا جاتا۔ ان حالات میں میرا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں آنے کا قوی امکان تھا۔ میں راوالوں کے لیے ذرا بھی مشتبہ قرار پاتا تو میرا ہر مفروضہ ریت کی دیوار کی طرح برباد ہوجاتا۔

○☆○

سنیل ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا تو وہاں گوپال اور رولی رام پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں مجھے اپنے اس کمرے میں لے گئے جو ان کا عارضی ٹھکانا بنا ہوا تھا۔ سنیل، غزالہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

ہمارے درمیان رسمی باتیں ہورہی تھیں کہ سنیل بھی ہمارے ساتھ آملا۔ اس نے بتایا کہ سرلا، غزالہ کو ساتھ لے کر کسی اور محفوظ ٹھکانے کی طرف جارہی تھی جہاں سے وہ صبح چار بجے واپس لوٹ آتی کیونکہ چھ بجے ہمیں دہلی سے امرتسر روانہ ہونے والی پرواز پکڑنی تھی۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' گوپال نے سنیل کی رپورٹ سن کر کہا۔ ''آج کی رات بھابی کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو یہ گھر سب سے پہلے عتاب کا نشانہ بنے گا۔''

گوپال بہت نیچی آواز میں بول رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کمرے میں صرف ایک بلب کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بقیہ دو بلب بند تھے۔ دونوں کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اس روشنی کو بھی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

غزالہ کی سرلا کے ساتھ روانگی کی خبر سن کر مجھے خالی پن کا احساس ہوا لیکن میں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ انٹیلی جنس بیورو کے وہ تینوں محنتی کارندے میرے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مجھے آنکھیں بند کرکے ان کے ہر فیصلے پر اعتماد کا اظہار کرنا تھا۔

''اس آپریشن میں صرف ہم چاروں شریک ہوں گے۔'' میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا ''اپریٹس پر چاروں کے کوڈ جوں کے توں رہیں گے۔ جی تھری اور جی فور کسی ایس او ایس سگنل کے بغیر اندر نہیں آئیں گے۔''

''میں تمہاری ہدایات کے مطابق ان کی بریفنگ کرچکا ہوں۔'' گوپال نے کہا ''ہتھیار، آتش گیر سیال، دستی بم اور دھوئیں کے بم دو جگہ بانٹ دیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان کا جائزہ لے سکتے ہو۔''

''تم تینوں ذمے دار افراد ہو۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ میں ایک بار پھر بتادوں کہ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہمارا کوبرا مشن نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں کسی آتشین یا بارودی ہتھیار کے استعمال کی باری آئے گی۔''

وہ تینوں تفہیمی انداز میں اپنے سر ہلا کر رہ گئے۔

''راوالے صرف آج کی رات غافل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات کے آخری لمحات میں ان کی صفوں میں ہلچل پیدا ہوجائے کیونکہ جان اسمتھ نامی ایک امریکی سفارت کار کی لاش ہوٹل سراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقفل ہے۔ اس کی لاش دریافت ہونے کے بعد پوری سرکاری مشینری حرکت میں آجائے گی۔ یہ دھول بیٹھنے تک تم لوگوں کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

میرے انکشاف پر وہ تینوں متحیر نظر آئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے پر گوپال نے پوچھا ''وہ کراچی سے یہاں آیا ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے مارا گیا؟''

''تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ رضائے الٰہی میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اس کی موت کا صحیح سبب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتائے گی۔''

''تم انل کے پاس سے لوٹنے کے بعد سے ہوٹل میں تھے۔'' سنیل کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرگوشی برآمد ہوئی ''بھابی کو ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں کہیں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ کیا یہ ناقابلِ یقین کام انہوں نے سرانجام دیا ہے۔''

''بھول جاؤ کہ غزالہ کہیں گئی تھی۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''اب جان اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''وہ ایک ہُوا تھا۔ ہمیں اس کی گرد تک سے دور رہنے

کا حکم دیا گیا تھا۔" ولی رام نے زبان کھولی۔
"اس کے اسباب کچھ اور تھے۔ وہ اب بھی برقرار ہیں۔ اس معاملے سے کسی پاکستانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"وہ مارا گیا' رات کو را کے دفتر میں واردات ہوگی۔ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والے ان واقعات کے بعد اپنی اچانک روپوشی کے لیے تم نے کیا جواز سوچا ہوا ہے۔" گوپال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔
"واقعات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ ہم نے آج کی رات انتظار میں ضائع کردی تو پتا نہیں کل را کی فائلیں کہاں ہوں گی۔ میں نے نریش سے کل شام تک کا وقت لیا ہوا ہے۔ بس یہ امید ہے کہ افراتفری میں وہ اتنی جلدی میری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ ہم صبح سویرے امرتسر کی طرف پرواز کرنے میں کامیاب ہوگئے تو شام ہونے سے پہلے لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' وہ ہوتا رہے۔ میں ان کے ہاتھ نہیں آسکوں گا۔"
"یہ بات کھل جائے گی کہ تم مظہر خان نہیں' ڈپٹی تھے۔" گوپال کی آواز مزید دھیمی ہوگئی "وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے کہ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے نکل گئے۔"
"یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ان کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوگی تو وہ یہاں کام کرنے والوں پر دھیان نہیں دیں گے۔ انل کہہ رہا تھا کہ بھارت سے مقبوضہ کشمیر تک سات پاکستانی ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔"
"شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔" گوپال نے محتاط انداز میں جواب دیا "میں صرف اپنے آدمیوں سے واقف ہوں۔"
"مگر میں ان سے بھی ناواقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دہلی میں ہماری آخری ملاقات ہو۔ مجھے ان کے ناموں کا علم ہونا چاہیے۔"
"سنیل کا نام پرویز احمد ہے۔ ولی رام کو عبداللہ کا نام استعمال کیے ایک مدت بیت چکی ہے۔ میں اپنا نام پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مگر گمبھیر مسکراہٹ تیر گئی۔
وہ کمرا مختصر ضرور تھا مگر ان کی ضروریات کی حد تک کافی تھا۔ عبداللہ نے چائے بنانے کے لیے برقی کیتلی آن کردی۔
ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ گیارہ بجے تک چائے کے دو دور چلے۔ اس درمیان میں یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ جو کچھ طے ہوا تھا' میرے اور نریش شرما کے درمیان طے ہوا تھا۔ اگر اسے بھی راستے سے ہٹادیا جائے تو بہت سی

اظہار محبت

مغربی ملکوں میں اب اظہار محبت یوں بھی ہوتا ہے۔

"ڈارلنگ! یہ تم کن جھنجھٹوں میں پھنسی ہوئی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں یہاں سے کہیں دور.... بہت دور لے جاؤں۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو جس کے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلیں.... ننھے منے معصوم بچوں کی ہنسی کی چہکار سے در و دیوار جھوم اٹھیں.... اور.... اور...."

"ہاں.... ہاں.... کہو نا.... خاموش کیوں ہوگئے...."

"اور پھر اگر حالات اجازت دیں تو ہم شادی بھی کرلیں۔"

باتیں پردے میں رہ سکتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ امکان بھی تھا کہ را والوں کے میری طرف متوجہ ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے۔
میں نے سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد اس تجویز کو مسترد کردیا۔ ایک وقت میں کئی اقدامات سے معاملات بہت زیادہ الجھ جاتے۔ یہ بھی سوچا جاتا کہ وہ دو یا تین افراد کا کام نہیں تھا۔ کسی بڑی جماعت نے منظم پیمانے پر ایک ہی وقت میں یا آگے پیچھے ہر طرف ہاتھ پیر چلائے ہیں۔ دہلی میں سرگرمی سے ان لوگوں کی تلاش شروع ہوجاتی۔ جو میرا ساتھ دے رہے تھے۔
پھر آئی بی والے اصولی طور پر غیر ضروری الجھاووں سے دور رہنے کے عادی تھے۔ وہ نریش شرما کے قتل میں براہِ راست ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوتے۔ میری حیثیت ان کے رسمی سربراہ سے زیادہ نہیں تھی جس کا بس بھرم ہی بھرم تھا۔ اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک مستقل اور باضابطہ ادارے کے پکے ملازمین باہر سے آئے ہوئے کسی مطلق العنان سربراہ کی بالادستی قبول نہیں کرسکتے تھے جو اپنے اقدامات کے لیے اپنے ضمیر کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں جواب دہی اور سرزنش کے ضابطے سختی سے نافذ العمل تھے۔

ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کی تلاش تھی۔ اس کے حصول کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھے اس لیے یہ ممکن ہو سکا تھا کہ رات کی کارروائی میں وہ تینوں بھی میرے ساتھ بھرپور انداز میں شریک ہوں۔

بات گھوم پھر کر وہیں آگئی جہاں تھی۔ پہلے سے جو طے ہو چکا تھا' اس رات کے لیے وہی کافی تھا۔

ان تینوں سے ہونے والی باتوں کے نتیجے میں ایک نیا امکان ابھر کر سامنے آیا تھا۔ فوری طور پر کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوتا کہ جان اسمتھ کے قتل کے سلسلے میں پاکستان پر الزام تراشی کرے لیکن یہ خطرہ بہرحال برقرار تھا کہ دہلی سے میرے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہوتی جس کے نتیجے میں را والوں کو یہ سراغ مل جاتا کہ میں مظہر خان کے نام سے ان کے سینوں پر مونگ دل کر پاکستان واپس لوٹ چکا تھا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ انکشاف را والوں کے زخموں پر کیسی نمک پاشی کرتا۔ وہ مشتعل ہو کر میرے خلاف ایک نئی اور بھرپور پروپیگنڈا مہم شروع کر سکتے تھے جس کی آڑ میں پاکستان کو دل کھول کر بدنام کیا جاتا۔ ایسی حرکت کی صورت میں را والوں کی ذلت اور رسوائی یقینی تھی۔ ہر طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا کہ وہ اپنے گھر میں ایک بدترین دشمن کی پراسرار آمد اور روانگی سے بے خبر کیوں رہے۔

مجھے اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوششوں میں ان کے چہروں پر کالک بکھر جاتی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ میری پس پردہ کارروائیوں سے واقف ہونے کے بعد اپنی معلومات کو پھیلانے کے بجائے سختی سے دبائے رکھیں گے اور جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں میرا نام نہیں اچھالا جائے گا۔

ان کے بزدل کارندے شاید خوف زدہ ہو کر پاکستان میں بھی سست پڑ جاتے۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے خلاف محدود اور بدترین کارروائی پر اکتفا کیا جائے۔ آگ کو زیادہ پھیلانے کی کوشش میں ہمارا دامن بھی آتش زدگی کا شکار ہو سکتا تھا۔

گیارہ بجے پرویز اور عبداللہ نے نہایت خاموشی سے وہ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ دونوں کھلے ہوئے منہ والے دو وزنی تھیلے بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے جن میں ضروری ہتھیار اور دستی گولے وغیرہ موجود تھے۔

میرے پاس بیم گن کی صورت میں اکلوتا اور اہم ترین ہتھیار موجود تھا جو راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے عابد بھی اٹھ گیا۔ کمرے کی روشنی گل کر کے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ عابد نے خاموشی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ سرلا کے گیسٹ ہاؤس پر اس وقت رات کی خوابناک خاموشی راج کر رہی تھی۔ دفاتر وغیرہ میں دن بھر محنت کرنے والے مکین اگلی صبح کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے گہری نیند سو چکے تھے۔ عابد احاطے کا پھاٹک کھول کر میرے ساتھ باہر آگیا۔

عابد سر جھکا کر نیم تاریک سڑک پر ہو لیا۔ میں چند قدم کے فاصلے سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ میں ان کا رسمی سربراہ تھا لیکن شہر سے ناواقف ہونے کی بنا پر قدم قدم پر ان کی رہنمائی کا محتاج تھا۔

چند منٹ تک چلنے کے بعد ہم مکانوں کی قطار پیچھے چھوڑ کر ایک میدان میں نکل آئے جہاں گہری تاریکی میں دو گاڑیوں کے ہیولے نظر آرہے تھے۔

پرویز اور عبداللہ ان گاڑیوں کے قریب موجود تھے۔ ہتھیاروں کا ایک ایک تھیلا دونوں گاڑیوں میں رکھ دیا گیا تھا۔

عابد نے پرویز سے چابی لی اور اگلی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اس کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ پرویز اور عبداللہ کو دوسری گاڑی میں ہمارے پیچھے آنا تھا۔ ان کو ہماری دوسری دفاعی لائن کے طور پر کردار ادا کرنا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے اور وہ اسی ترتیب سے حرکت میں آگئیں۔ عابد نے ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر بہت سست رفتار سے میدان کا مختصر حصہ عبور کیا اور سڑک پر آنے کے بعد ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ دوسری گاڑی ہم سے خاصی دور ہو چکی تھی۔

میں نے دہلی کی شہری زندگی کی رعنائیاں کناٹ پیلس میں دیکھی تھیں اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ وقت زیادہ نہیں تھا۔ رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک شہر میں خاصی سرگرمیاں برقرار رہتی تھیں۔ یہ گوپال کا مشورہ تھا کہ ہمیں شہر میں سناٹا پھیلنے سے پہلے ہی اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹ آنا چاہیے۔ وقت کا وہ انتخاب خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت اہم تھا۔ زیادہ رات گئے شہر میں پولیس کی مسلح جماعتوں کا گشت شروع ہو جاتا تھا جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

اس رات ہماری منزل تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں واقع تھی۔ عابد علی عرف گوپال درمیانی رفتار سے شہر کے خوابیدہ علاقوں سے گزر رہا تھا جہاں سڑکوں پر ٹریفک کا دباؤ نہ

ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہاں مامور سپاہی ہمارا راستہ نہیں روکیں گے۔" عابد نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ دن میں اپنی کرسیوں سے ہلنے جلنے میں کسل مندی سے کام لیتے ہیں۔ اس وقت بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔ وہ بیدار ہوئے تب بھی میں انہیں خاموش رکھنے کا بندوبست کرلوں گا۔ مجھے اصل خطرہ چھت پر رہنے والے چوکیدار کی طرف سے ہے۔ پتا نہیں وہ چھت پر ٹہلتا رہتا ہے یا گدھے گھوڑے بیچ کر بے خبری کی نیند سوجاتا ہے۔"

ہمارے کام کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب ہم نے امرتسر کے ایک شخص کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سرحد عبور کرکے بھارتی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس لمحے کے بعد اس سمت میں مسلسل کام ہوتا رہا۔ شطرنج پر بچھائے ہوئے مہرے نپے تلے انداز میں اپنی جگہیں بدلتے رہے۔ بازی رفتہ رفتہ ایک مخصوص صورت اختیار کرنے لگی۔ اس روز انیل بسواس اور نریش سے میری ملاقات کے بعد بات بالکل ٹل گئی تھی۔ ہمیں اپنے ہدف کے لیے بڑھ کر دشمن پر وار کرنا تھا یا پھر کامیابی سے ہمیشہ کے لیے دور ہوجانا تھا۔

عابد علی نے تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قرب و جوار کا پہلے سے جائزہ لیا ہوا تھا۔ دہلی کے سنسان راستوں سے ہوتا ہوا وہ آخری آبادیوں سے گزرا اور پھر اس علاقے میں داخل ہوگیا جہاں مختلف عمارات میں سرکاری دفاتر وغیرہ قائم تھے۔

وہ علاقہ اس وقت دور تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ دہلی کے بہت سے حصوں میں زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں مگر دفتری عملے کی روانگی کے بعد سے معدوم ہونے والی سرگرمیاں اس علاقے میں بالکل دم توڑ چکی تھیں۔ جگہ جگہ آوارہ کتوں کی ٹولیاں رات کے بقیہ حصے کے لیے بلند آہنگ مذاکرات میں مصروف تھیں۔ مجھے وہ ماحول اپنے مشن کے لیے بہت سازگار نظر آرہا تھا۔

"میں نے شام کو ادھر کا چکر لگا کر جائزہ لے لیا تھا۔" عابد علی نے مجھے آگاہ کیا "اگلے درخت کے نیچے میں گاڑی چھوڑ دوں گا۔"

اس وقت ہم جس مقام پر تھے وہاں سے را کے دفتر والی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت صاف نظر آرہی تھی۔ صرف اس کا برآمدہ روشن تھا۔ برآمدے اور ٹمٹماتے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں بظاہر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ کار سے عمارت تک کا فاصلہ ہمیں الگ الگ رہ کر پیدل طے کرنا تھا۔

بے اختیار میری نظریں عمارت کی چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں اونچی منڈیر کے پیچھے مجھے کوئی انسانی ہیولا نظر نہیں آیا۔ اگر را والوں کا چوکیدار جاگ رہا تھا تو بھی وہ چھت کا گشت نہیں لگا رہا تھا۔

عابد نے گاڑی تناور درخت کے سائے میں روک دی۔ میں اپنی سمت کا دروازہ مقفل کرکے نیچے اتر آیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت کی طرف چل دیا۔ عابد ہتھیاروں والا تھیلا شولڈر اسٹریپ کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکا رہا تھا۔

اس وقت میں پوری طرح چوکنا تھا اور میری نگاہیں اپنی منزل کی طرف مرکوز تھیں۔ ذرا سا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے عمارت سے ملحق وہ نیم پختہ کمرا نظر آنے لگا جہاں میں نے دونوں سپاہیوں کو شام میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کمرے کی میالی دیواروں میں دروازے کا تاریک خلا دور سے صاف نظر آرہا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ دونوں موٹے اور کاہل سپاہی شاید اپنی شکم سیری کے بعد بے خبری کی نیند سوئے ہوئے تھے۔

تاخیر

دو جوڑے اتفاقاً ایک ساتھ ہنی مون منانے ایک ہی ہوٹل میں پہنچے۔ کمرا لینے کے بعد دن بھر وہ گھومتے پھرتے رہے۔ رات کو ہوٹل پہنچ کر وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے لفٹ کے قریب کھڑے تھے کہ لائٹ چلی گئی۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ سیڑھیوں کے راستے اپنے اپنے کمروں میں پہنچے۔ ایک دولہا نے کپڑے بدلے اور سونے سے پہلے طویل دعا مانگی۔ جونہی اس نے دعا ختم کی لائٹ آگئی۔ یہ دیکھ کر اسے جھٹکا لگا کہ اس کے بیڈ پر دوسرے دولہا ارشد کی بیوی بیٹھی تھی۔

وہ گھبرا کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تو ارشد کی بیوی بولی "کوئی فائدہ نہیں.... ارشد صاحب سونے سے پہلے دعا مانگنے کے عادی نہیں...."

ہر طرح چاق و چوبند ہونے کے باوجود میری چال تھکی تھکی سی تھی تاکہ دور سے کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ کوئی تھکا ہارا شخص اپنے کام سے دیر گئے واپس لوٹ رہا تھا۔ اپنی مہم کے اس فیصلہ کن مرحلے پر میں نے ہر احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں رک کر مڑا تو عابد تھیلا اپنی پشت پر لادے اسی قابلِ رحم حالت میں پیچھے چلا آ رہا تھا۔

سپاہیوں کے کمرے سے کچھ پہلے میں نے رک کر سن گن لی لیکن آس پاس کسی متنفس کے موجود ہونے کے آثار نہیں تھے۔ بس قریبی جھاڑیوں سے کچھ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کے سوا زندگی کی ہر علامت مفقود تھی۔ مطمئن ہو کر میں آگے بڑھ گیا۔

دیوار سے لگ کر میں نے بس ایک لمحے کے لیے اندر جھانکا۔ فضا میں دونوں سپاہیوں کے تیز اور ہموار سانسوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ اگلے لمحے میں پنجوں کے بل خاموشی سے اس تاریک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی اور دروازے کے راستے پڑنے والے بیرونی انعکاس کے سبب میری بینائی کام کر رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر بستر والی کھردری چارپائیوں پر دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ تیسرے درجے کے شہری اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازم تھے جن کے لیے زندگی میں کسی آسائش کا تصور نہیں تھا۔ وہ ہر معاملے میں کم سے کم پر قناعت کر کے سکون سے زندہ رہنے والے خوش نصیب انسان تھے۔

ان کی دونوں بندوقیں مجھے چوبی کواڑ کے پیچھے کھڑی ہوئی مل گئیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بندوقیں بہت پرانی اور از کار رفتہ تھیں۔ ضرورت کے وقت شاید ان سے ایک فائر بھی ممکن نہیں تھا پھر بھی وہ بندوقیں تھیں اور کسی احتیاط کے بغیر اس کھلے ہوئے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں سے کوئی بھی چور یا اُچکا انہیں آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔

دہلی میں امن و امان کی صورتِ حال قابلِ رشک تھی یا پھر ان موٹے سپاہیوں کی خوش نصیبی تھی کہ کسی نے ان کی بندوقوں پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سرکاری طور پر بدستور مسلح تھے۔

سوئے ہوئے سپاہیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ صورِ اسرافیل سے کم کوئی آواز انہیں نہیں جگا سکے گی۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ کسی گڑبڑ کے نتیجے میں ان کی آنکھ کھل جاتی اور ان میں سے کوئی بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی بندوق سے ہوائی فائر داغ دیتا۔

ان کا بیدار ہونا اور پھر اس کے بعد کسی بندوق کا چل جانا بہت مشکل تھا مگر میں اس رات کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کوئی ذرا سی گڑبڑ بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ میں وہ انگوٹھی تھی جس کے نگینے میں بھرا ہوا زہر آنِ واحد میں کسی کو موت کی آغوش میں دھکیل سکتا تھا۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جس کا سیال ان سپاہیوں کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔

اول خان نے مجھے اسٹیشن فور پر بتا دیا تھا کہ ان انگوٹھیوں کے سیال جسم کے کسی حصے میں بھی اتارے جاتے، دورانِ خون میں شامل ہوتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے بائیں ہاتھ والی انگوٹھی کے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر ایک سپاہی کی کھلی ہوئی پنڈلی اس ہاتھ کی گرفت میں دبوچ لی۔

نگینے کے خول سے نمودار ہونے والے سوئی نے اپنا کام دکھا دیا۔ پنڈلی کو ایک بہت ہلکا جھٹکا لگا اور وہ ساکت ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ صبح کا اولین اجالا پھیلنے سے پہلے وہ اپنی چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

پھر میں نے وہی عمل دوسرے سپاہی پر دہرایا اور کمرے سے نکل آیا۔

عابد ہتھیاروں کے تھیلے سمیت پہنچ چکا تھا۔ وہ اس کونے میں دبکا ہوا تھا جو اصل عمارت اور نیم پختہ کمرے کے اتصال سے وجود میں آیا تھا۔

"دونوں بے ہوش ہو چکے ہیں۔ میں دروازے پر جا رہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی اور آگے بڑھ گیا۔

میں زینے طے کر کے اس عمارت کے قدیم برآمدے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک کپڑے میں لپٹی ہوئی بیم گن جیب سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ چکی تھی۔

عمارت کا صدر دروازہ بند اور مقفل تھا۔ گو وہ عمارت پرانی تھی لیکن میں شام کو ہی دیکھ چکا تھا کہ صدر دروازے میں بہت مضبوط ہفتمی قفل لگا ہوا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس قفل کے ساتھ دروازے میں اوپر اور نیچے کے بولٹ بھی لگے ہوئے ہوں۔

برآمدے کی چھت میں لگا ہوا ایک بلب روشن تھا۔

عمارت کے صدر دروازے پر زیادہ دیر تک میری موجودگی، اس روشنی کی وجہ سے مخدوش ہو سکتی تھی۔ میں نے بیم گن کے نوزل پر کپڑے کی موٹی تہ لپیٹی اور اسے قفل کے وسط میں رکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹریگر دبادیا۔ کپڑے کی وجہ سے لیزر شعاعوں کی نیلگوں روشنی نہ پھیل سکی۔ میرے نتھنوں میں کپڑا سلگنے کی تیز بو آئی اور میں نے بیم گن ہٹالی۔

روشن برآمدے میں وقت اہم ترین مسئلہ تھا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے بولٹوں کے مقام پر بیم گن فائر کرنے سے پہلے دروازے کا بیرونی دستہ گھمایا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازہ کھل گیا۔ میں پھرتی سے عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس وقت عمارت میں مکمل اور بے روح سناٹا چھایا ہوا تھا۔ طویل راہداری ویران پڑی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں جلتے ہوئے اِکا دُکا بلب اتنی روشنی پھیلا رہے تھے کہ وہ راستہ اندھیرے میں نہیں ڈوبا ہوا تھا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو کر بیم گن لے رہا تھا کہ موقع پا کر عابد بھی اپنے تھیلے سمیت اندر گھس آیا۔ اس نے آتے ہی دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اوپر والا بولٹ لگادیا۔ میں سلگتا ہوا کپڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل چکا تھا۔

وہاں چھایا ہوا سناٹا اس قدر مہیب تھا کہ طویل آہنی بولٹ کے سرکنے کی مدھم سی آواز بھی بہت واضح تھی۔

"میدان بالکل صاف ہے۔" عابد نے میرے کان میں سرگوشی کی تو جوش سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

ہم دونوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد پرویز اور عبداللہ کو اپنا کام شروع کردینا تھا۔ وہ دونوں عمارت کے پہلوؤں تک آتے اور اطمینان کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں صدر دروازے سے قریب ترین محفوظ مقام پر لے آتے تاکہ واپسی پر ہم تیزی سے فرار ہو سکیں۔

میں نے راہداری کے آخری سرے کی طرف پیش قدمی شروع کردی جہاں بائیں ہاتھ پر نریش شرما کا کمرا واقع تھا۔

بیم گن میرے ہاتھ میں تھی۔ میں پھونک پھونک کر پنجوں کے بل قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ دونوں طرف کے دروازے بند تھے اور ان پر روایتی طرز کے مضبوط تالے جھول رہے تھے۔ دفتروں کا تسلسل درمیان میں ٹوٹ گیا۔ اس طرف عملے کے لیے زنانہ اور مردانہ واش روم وغیرہ بنے ہوئے تھے اور ایک جگہ سے چھت پر جانے کے لیے زینہ نکالا گیا تھا۔

وہ حصہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ کمروں کا سلسلہ شروع

اہلیت

ایک صاحب نوکری کے لیے انٹرویو دینے پہنچے۔

تمام مطلوبہ کام جاننے کے علاوہ ان کے پاس دس سال کا تجربہ بھی تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا "ان سب باتوں کے علاوہ میں اڑنا بھی جانتا ہوں۔"

ایک بڑے بیوروکریٹ ان کا انٹرویو لے رہے تھے۔ انہوں نے گویا بادل ناخواستہ کہا "ٹھیک ہے...اڑ کر دکھایئے۔"

وہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور بڑے سے کمرے میں اڑنے لگے۔ چھت سے ذرا نیچے نیچے انہوں نے تین چار چکر لگائے پھر فراٹے سے نیچے اتر آئے۔

بیوروکریٹ ناک سکیڑتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولے "ہاں... ٹھیک ہے.... آپ جہاز کی نقل کرلیتے ہیں... لیکن یہ بتایئے اس کے علاوہ آپ کو اور کیا آتا ہے؟"

ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں کے پیچھے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ عمارت میں کوئی موجود نہیں تھا۔ آخر کار میں نریش شرما کے دفتر تک پہنچ گیا۔ کہیں سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی وجہ سے عابد نے تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کیا اور مجھ سے آملا۔

رام بابو اور نریش کے دفاتر کے مشترکہ دروازے پر بھی وزنی تالا جھول رہا تھا۔

"ہٹو۔ میں ذرا سی دیر میں اسے کھول لوں گا۔" عابد نے سرگوشیانہ آواز میں پیش کش کی۔ اسے بیم گن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے بیم گن بلند کر کے اسے دکھائی اور چشم زدن میں تالے کے دونوں سرے پگھلا کر کاٹ دیے۔ تالے کا یو نما سرا چھپکے میں لٹکا رہ گیا۔ نچلے وزنی حصے کو میں نے فرش پر گرنے سے پہلے لپک لیا۔

"اوہ!" عابد کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرسراہٹ آزاد

ہوئی "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لیزر گن ساتھ لیے پھر رہے ہو۔"

میں نے بائیں ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے خاموشی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ ہم نے رام بابو کے دروازے پر چوکیدار کا لگایا ہوا قفل کاٹ دیا تھا۔ اس سے آگے نریش کے کمرے کا اندرونی دروازہ تھا۔ وہ تیسرا قفل کاٹنے کے بعد ہم اس تجوری کے سامنے ہوتے جس میں را کے پاکستانی ونگ کا اہم ترین ریکارڈ موجود تھا۔

ابتدا میں میرا پروگرام یہ تھا کہ عابد باہر راہداری میں رک کر نگرانی کرے گا اور میں اندر جا کر نریش شرما کی تجوری کاٹ کر اس میں سے کام کی ہر چیز نکال لوں گا لیکن عابد کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے باہر روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں آزردہ کردینے والا خیال آسکتا تھا کہ میں اسے غیر ضروری چوکیداری میں الجھا کر اہم ترین کام تن تنہا سرانجام دینا چاہ رہا تھا۔

ایک طرف عابد علی کی دلداری کا خیال تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ عمارت کی نچلی منزل پر کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہمارے کاموں میں مخل ہوتا۔

میں نے عابد کو باہر روکنے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ وہ میرے ساتھ رام بابو کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس مہم میں وہ میری واحد اور بدترین غلطی تھی جو بعد میں میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گئی۔

انل بسوا س کے اندرونی دروازے کی طرح نریش شرما کے دفتر کے دروازے پر بھی ہفتمی قفل تھا۔ میں نے بیم گن کی مدد سے اسے بھی ناکارہ کردیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں وزنی فولادی تجوری ہماری منتظر تھی۔ میں نے کمرے کا ایک بلب روشن کردیا۔

عابد پُر اشتیاق انداز میں تیزی کے ساتھ تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا اور میرے وہاں پہنچنے سے پہلے جھک کر اس کے حفاظتی تالوں کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ خطرناک تجوری معلوم ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے چھیڑتے ہی کوئی الارم بج اٹھے۔" عابد نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بیم گن آزمانی پڑے گی۔ اس کے نیلگوں شعلوں کی پتلی دھار الارم وغیرہ کے تاروں کو بھی جلا کر راکھ کردے گی۔ ان کے بجنے کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"میری خواہش تھی کہ میں اس کے پیچیدہ تالے پر طبع آزمائی کروں۔" عابد نے کہا "میں نے قفل شکنی میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔"

"اس وقت مہارت آزمانے یا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو، ہمیں اپنا کام مکمل کرکے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر ہونے کی صورت میں کوئی ناگہانی الجھن سامنے آسکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

عابد نے کسی حیل و حجت کے بغیر میری بات مان لی اور قد آدم تجوری کے سامنے سے ہٹ گیا۔

میں نے تجوری کے تالے پر بیم گن فائر کرنے کے لیے اپنی جگہ قدرے تبدیل کی۔ اس وقت ہم دونوں کی پوری توجہ تجوری پر مرکوز تھی کہ اچانک کمرے کی فضا ایک درشت آواز سے گونج اٹھی "ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو!"

ہم دونوں بری طرح چونک کر پلٹے اور یہ دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے کہ نریش کے دفتر کے دروازے پر درشت رو اور تند خو ناگر بڑے بور کا ایک پستول سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کینہ توز، عقابی نظریں ہم دونوں پر مرکوز تھیں۔

میری اس سے دو ملاقاتیں ہوچکی تھیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ انتہائی مکّار، کینہ پرور اور سفّاک شخص تھا جس کی نظروں میں انسانی وقار یا خون کی ذرا بھی حرمت نہیں تھی۔ میرے لیے وہ اجنبی نہیں تھا لیکن عابد کا اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس کی للکار میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ عابد نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور قالین پر گرا کر بے اختیار دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

"سنا نہیں تم نے!" مجھے متردد دیکھ کر ناگر اپنے پستول کی نال ہلا کر غرایا "میں گولی ماردوں گا۔ اپنی گن پھینک دو۔"

بیم گن لوہے اور بارود کا ٹھوس مجموعہ نہیں تھی جسے بے احتیاطی سے ناگر کے حکم کی نذر کردیا جاتا۔ اس کی بیرل میں نہایت حساس الیکٹرونک نظام پوشیدہ تھا جو ٹریگر سے اشارہ ملتے ہی لیزر شعاعوں کی تیاری کا عمل شروع کردیتا تھا اور وہ مہلک نیلگوں شعاعیں بیرل کے سرے پر لگے ہوئے نوزل سے نکل کر بہت تیزی سے اپنے ہدف پر جاپڑتی تھیں۔ تیز جھٹکا لگنے سے گن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

میں نے جھک کر بیم گن قالین پر ڈال دی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے کیونکہ ناگر کی طرف سے تیسری وارننگ گولی کی صورت میں آنے کا قوی امکان تھا۔

"میں فنگر پرنٹس لینے کے لیے ہوٹل میں تمہارے پاس آیا تھا تو تمہارے چہرے سے حرامی پن جھلک رہا تھا۔" ہم دونوں کو غیر مسلح کردینے کے بعد ناگر قدرے پرسکون ہوگیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر دفتر میں آچکا تھا اور اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے کہہ رہا تھا "میں نے انکل کو بتا دیا تھا کہ تم خطرناک آدمی نظر آتے ہو۔ تم پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا لیکن انکل مجھ سے زیادہ اپنے مخبروں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم کو یہاں دیکھ کر اسے اپنے غلط فیصلے پر دکھ ہوگا۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ہم عمارت میں داخل ہوئے تو اس کا صدر دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے کوئی خفیہ طور پر اندر نہیں آیا تھا۔ ہمارے آجانے کے بعد پرویز اور عبداللہ باہر چوکس تھے۔ انہیں جل دے کر ناگر کیا کوئی تیس مار خاں بھی اندر نہیں آسکتا تھا پھر پتا نہیں وہ خبیث کسی بد روح کی طرح اچانک کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔

اس وقت ہم دونوں اس کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ اسے زیر کرنے کے لیے اس کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کا صحیح ترین اندازہ لگانا ضروری تھا۔ اس کی کسی کمزوری سے کھیل کر ہم اپنی نجات کی کوئی راہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ہمارا کھیل ختم ہوچکا تھا۔ آخری مرحلے کی اس ناکامی کے بعد قید و بند کی بدترین صعوبتیں مجھے اپنا مقدر بنتی نظر آرہی تھیں۔ یہ امکان بہت روشن تھا کہ ایک بار میں را والوں کے چنگل میں پھنس جاتا تو پھر مظہر خان والا بہروپ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ را والوں کو اس وقت تک میں نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ میری سفری دستاویزات کے پس پردہ حقائق اور میری محتاط و کامیاب اداکاری کے باعث را والے مجھے مظہر خان سمجھتے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے کسی مرحلے پر میرے اس دعوے پر شبہ نہیں کیا تھا لیکن نریش شرما کے دفتر میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد میرے ہر دعوے کی دھجیاں اڑ جاتیں۔

را ایک ٹھوس، سخت کوش اور طاقت ور تنظیم تھی۔ مجھ پر شبہ ہوتے ہی ان کے سارے وسائل متحرک ہوجاتے۔ میری سخت جانی کے مقابلے میں ان کے تمام تر تشدد کی ناکامی کے باوجود میری اصلیت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ را والے چند دنوں میں ہر بات کا کھوج نکال لیتے۔ ان کے لیے یہ بات قابلِ افتخار ہوتی کہ انہوں نے ہر ایجنسی کو ننگی کا ناچ نچانے والے ڈینی کو بہت آسانی سے ایک چوہے دان میں پھانس کر پکڑلیا ہے۔

خوش گماں

ایک صاحب نے اپنی سیکریٹری کو بیوی کے نام خط ڈکٹیٹ کرایا۔ بیوی ان دنوں میکے گئی ہوئی تھی۔ خط کے آخر میں انہوں نے جملہ ڈکٹیٹ کرایا "اینڈ آئی لو یو!"

سیکریٹری جب خط ٹائپ کرکے لائی تو اس میں یہ جملہ نہیں تھا۔ صاحب نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو سیکریٹری معصومیت سے بولی "اچھا.... تو وہ بھی لکھنا تھا؟ میں سمجھی تھی وہ جملہ ڈکٹیشن میں شامل نہیں ہے۔"

وہ را والوں کی کوئی اجتماعی کارکردگی نہ ہوتی۔ میں نے اس تنظیم میں رینا اجیت رائے سے لے کرانل بسواس تک کو کامیابی سے اپنی ذات کے فریب میں مبتلا رکھا تھا۔ ان کڑیوں میں بس ناگر والی کڑی کمزور رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے ردِعمل اور مشاہدوں کو ضروری اہمیت نہیں دی تھی اور وہی میرے راستے کی دیوار بن کر سامنے آگیا تھا۔ میں اسے جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ میری خوش نصیبی ہوتی۔ اگر اس کی کامیابی کے نتیجے میں مارا یا قید کرلیا جاتا تو اس کارنامے کا سہرا صرف اور صرف ناگر کے سر ہوتا۔ اس وقت ناگر کامیابی کے اس احساس سے خاصا مغلوب تھا۔

ناگر کی اچانک مداخلت کی وجہ سے میں خود کو اچانک ایک بند گلی کے سرے پر پا رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ مختلف اور متضاد خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں لیکن میری نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اپنے مکّار اور سفاک حریف کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"تم شام کو میرے ساتھ یہاں سے چلے گئے تھے پھر اس وقت مقفل عمارت میں کیسے موجود ہو؟" میں نے مرعوب ہونے والے انداز میں پوچھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ میں دشمن پر رحم کھانا نہیں جانتا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں انکل کا پی اے یا کوئی معمولی کلرک ہوں۔ میرا تعلق بلیک کیٹس کی فارمیشن سے ہے ہم سب سیاہ بلّے کہلاتے ہیں جو خوں خوار اور خون آشام

ہوتے ہیں۔ ہم جیسے کمانڈوز کے لیے بند دروازوں اور تالوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ کامیابی اور ناکامی مقدر سے ملتی ہے لیکن ایک کمانڈو کہیں گھسنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔"

اس کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر اپنی برتری کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ہرزہ سرائیاں وہ انل بسواس کو نہیں سنا سکتا تھا مگر میرا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ سب بتانے میں اسے کوئی عار نہیں تھا کیونکہ وہ مسلح تھا اور ہم دونوں نہتے ہو چکے تھے۔ اس کی چلائی ہوئی دو گولیاں چند ثانیوں میں ہمارا کام تمام کر سکتی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی خفیہ راستے سے عمارت میں آئے ہو۔" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"دفتر میں چھٹی ہو جانے کے بعد نریش کی خاص اجازت کے بغیر کوئی ملازم دوبارہ اندر نہیں آسکتا۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے۔ چوکیدار دروازے پر تالا لگا سکتا ہے لیکن دوسری جگہیں اس کی نظروں میں نہیں ہیں۔ میں زنانہ اسٹاف ٹوائلٹ کے ایک کھلے ہوئے روشن دان سے اندر آیا تھا اور پچھلے تین گھنٹوں سے یہاں بیٹھا ہوا بیزار ہو رہا تھا۔ میں نے تمہاری نظریں پڑھ لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم یہاں آنے میں دیر نہیں کرو گے۔"

نریش کے اور میرے درمیان جو کچھ مذاکرات ہوئے اور جو واقعات رونما ہوئے، وہ ناگر کے علم میں نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے کس بنا پر میری واپسی کی ایسی مضبوط آس باندھ لی تھی۔ وہ باتیں کرنے، شیخیاں بگھارنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آمادہ تھا۔ میرے لیے وہ رجحان بہت اچھا تھا۔ اس طرح بدترین اور خطرناک لمحات دور ہوتے جا رہے تھے۔ وقت ٹل رہا تھا اور مجھے ناگر پر کوئی حربہ آزمانے کے لیے محض مناسب وقت اور موقع کی تلاش تھی۔ وہ از خود مجھے وقت دینے پر آمادہ تھا۔ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔

"تم سے میری زیادہ بات نہیں ہوئی پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج یہاں ضرور آؤں گا۔"

"چھٹی حس!" اس نے فخر سے جواب دیا "پانچ حواس لنگڑوں، لولوں اور معذوروں میں بھی کام کرتے ہیں۔ جس شخص کی چھٹی حس کام نہ کرتی ہو اسے سیکرٹ ایجنٹ بننے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کو وقت سے پہلے بہت سی چیزوں سے آگاہ کر دیتی ہے۔ میں رینا کے ساتھ ہوٹل میں تم سے ملا تو مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بن رہے تھے۔ تمہاری چمک دار آنکھوں سے بلا کی مکاری ٹپکتی ہے۔ یہ ماننے والی بات نہیں تھی کہ رینا نے آسانی سے تمہیں شیشے میں اتار لیا ہو گا۔ تم نے آج دفتر میں مجھے آنکھ مار کر ظاہر کر دیا کہ انکل سے ملتے ہوئے تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا "میرا دل صاف تھا۔ نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا پھر میں کیوں انل بسواس سے خوف زدہ ہوتا۔ وہ بہت گہرا اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

اس کی خاموشی بے سبب نہیں تھی۔ ایک ہاتھ سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لینے کے بعد وہ پھر بولنے لگا "اندر جا کر تم نے نہ جانے کیا زہر اگلا ہو گا کہ انکل نے انٹر کام پر اپنے مخصوص انداز میں مجھے ذلیل کر دیا۔ وہ تم سے مطمئن تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ انکل اور نریش میرے اندیشوں کو نظر انداز کر کے تمہیں اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں۔ پاکستان میں کام کرنے کے لیے وہ ایک مدت سے کسی ذہین اور محنتی پاکستانی کی تلاش میں ہیں۔ یہ ان کی شدید ضرورت ہے۔ وہ دونوں تمہاری صورت میں اپنا خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اپنے معیار کے مطابق وہ تم سے مطمئن ہیں۔ جو کچھ کرنا تھا، مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔"

"تمہاری دور اندیشی اور فرض شناسی قابلِ داد ہے۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی نیت سے کہا "پھر بھی یہ باتیں ایسی نہیں تھیں کہ تم یہ سمجھ لیتے کہ میں آج دوبارہ ادھر کا رخ کروں گا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر بولا "تم مجھے مشتعل مزاج اور لڑنے بھڑنے والا آدمی سمجھ رہے ہو مگر میں ضرورت کے وقت زبان بند کر کے اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ میں تمہاری ایک ایک بات اور حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کے بارے میں نریش سے پوچھا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے میں دیر لگائی۔ تم سمجھے کہ سیلف پھنس رہا ہے اور میں اس پر الجھ رہا ہوں مگر میں تم کو دیکھ رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے دیکھا، بہت غور سے دونوں سپاہیوں کو دیکھتے رہے جو اپنے کمرے میں جا رہے تھے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں وہ حیوانی چمک تھی جو شکار کو اپنے سامنے دیکھ کر درندوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں رنگے

ہاتھوں دھر لینے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم ہمارے آنے سے پہلے اس عمارت میں موجود تھے۔"

"میں اب تک تین گھنٹے برباد کر چکا ہوں۔ تم نہ آتے تو مجھے بہت مایوسی ہوتی۔ انکل کو فون پر یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے تم کو نریش شرما کی بدنام تجوری کا جائزہ لیتے ہوئے عین موقع پر پکڑلیا ہے۔ یہاں تم کیوں آئے تھے؟"

ناگر بلیک کیٹس کا مشہور کمانڈو تھا جسے اس کے ساتھی خونی بھیڑیا کہتے تھے۔ یہ بات تربیت کے دوران ہر کمانڈو کے ذہن میں کوٹ کوٹ کر بھردی جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بہت برتر اور اعلیٰ ہے۔ یہی سوچ ناگر کی تھی۔ انل بسو اس کو بڑا تسلیم کرنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ وہ بہرحال اپنے ونگ کا سربراہ تھا لیکن میرے بارے میں انل کے رویے پر وہ خوش نہیں تھا۔ نریش شرما بھی عہدے کے اعتبار سے ناگر سے برتر تھا لیکن ذہنی طور پر ناگر اسے اپنا بڑا نہیں مانتا تھا۔

میں نے دوپہر کو نوٹ کرلیا تھا کہ ناگر، نریش شرما کی کہی ہوئی بات کو نظرانداز کردیتا تھا یا پھر اپنے طور پر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش ضرور کرتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان مفاہمت نام کی کسی شے کا وجود نہیں تھا۔

ناگر نے اپنے دل کا غبار خاصی حد تک ہلکا کرلیا تھا۔ اس وجہ سے اسے ہماری وہاں آمد کا سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوگیا تھا۔ اس سوال کے جواب پر میں اپنی کسی نئی کہانی کی بنیاد رکھ سکتا تھا۔

ناگر اس وقت تک کسی سانپ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر ہماری طرف متوجہ تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بھی وہ ہماری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میں اس کے سوال کا جواب دینے کے لیے موزوں الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ عابد بول پڑا۔

"مجھے پیشاب کرنے کی حاجت محسوس ہورہی ہے۔" اس نے خوف زدہ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہیں کرلو!" ناگر نے زہریلی آواز میں کہا "تھوڑی دیر بعد تمہارے ناپاک خون کا دھبّا اس نشان کو چھپالے گا۔"

عابد کی وہ اداکاری میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ ایک منجھا ہوا اور پیشہ ور پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ صورتِ حال کے اس اچانک بگاڑ پر اس کا فکرمند ہونا بالکل فطری تھا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"اتنی سنگ دلی سے کام نہ لو۔ میں گردوں کا مریض ہوں۔ زیادہ دیر تک مثانے کا دباؤ نہیں سہہ سکتا۔" اس سفید جھوٹ پر میں عابد کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

ناگر نے قہقہہ لگایا "اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ اب تمہاری پیشاب کی نالی مضبوط ڈوری سے کس دی جائے گی اور تمہیں خوب پانی پلایا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں تم بلبلا کر بہت کچھ بتانا شروع کردو گے۔"

"ابھی تم میرا خون بہانے کی بات کررہے تھے۔ اب تشدد کی باتیں کررہے ہو۔ تمہارے عزائم کیا ہیں؟" عابد نے سہمی اور الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کسی کو ماردینا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ بڑوں نے کہا ہے کہ دشمن کی کوئی کمزوری معلوم ہوجائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سانڈ کی دم کو کس کر بل دیے جائیں تو وہ تھوڑی دیر میں ڈکرانا بھول کر بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔"

"تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا نام گوپال ہے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ یہ شخص دو سو روپے معاوضے پر مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔"

"بکومت۔" ناگر نے جھلا کر اسے جھڑک دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے پوچھا تھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

گفتگو میں عابد کی بروقت مداخلت سے مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ میں نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"وڈیو فلم!" ناگر کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا تم کو علم نہیں ہے کہ یہ را کا دفتر ہے۔ یہاں سے کسی چیز کا نکال لے جانا آسان نہیں ہے۔"

"سب معلوم ہے۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا "میں نے وہ فلم واپس مانگی تھی لیکن تمہارے بڑوں نے صاف انکار کردیا۔ میں پاکستان کے عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ میری اور رینا کی فلم میرے خاندان میں پہنچ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ برباد ہوجاؤں گا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری اس بکواس پر یقین نہیں کرسکتا۔" ناگر نے غصے سے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ اس تجوری میں سے کیا تلاش کرنے آئے ہو۔"

عابد کی دخل اندازی کے نتیجے میں ملنے والی مہلت میں مجھے یکایک وہ راہ سوجھی تھی۔ میں نے ناگر کے ہر الزام کو سختی سے مسترد کرکے اپنی اس کہانی پر جما رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے بے چارگی سے کہا "تم مانو یا نہ مانو۔ حقیقت یہی

ہے۔"

اس نے سگریٹ قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور ترشی سے پوچھا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہے۔"

ناگر کے کہے ہوئے اس سوال میں میرے شبے کی تصدیق پنہاں تھی۔ میں نے کمزور آواز میں بتایا "خود نریش شرما نے کہا تھا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ کبھی غلط ہاتھوں میں نہیں جائے گی۔ اسے اسی وقت استعمال کیا جائے گا جب میں را سے انحراف کروں گا۔"

نریش نے ہرگز یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ میری اور رینا کی وڈیو فلم اس کے پاس یا اس کی تجوری میں محفوظ تھی مگر ناگر کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا پھر بھی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی اس فلم کے سوا نریش کے دفتر میں موجود کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اتنے چھوٹے سے کام کے لیے کوئی اتنا بڑا خطرہ مول لینا..."

"تم را کے آدمی ہو۔ ہر بات کو اپنے انداز میں نہ سوچو۔ شرفا کے لیے عزت بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"مجھے پٹیاں پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" ناگر کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے کہا "تمہاری عزت اسی وقت خراب ہوگئی تھی جب تم نے اکیلے کمرے میں رینا کے بدن سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ یہ کہو کہ تم اپنے کرتوت چھپانا چاہتے ہو۔ ایسی جھوٹی عزت بیکار ہوتی ہے۔ وہ آج مٹی میں مل کر رہے گی۔"

"تم آگئے ہو تو اب میں کان پکڑتا ہوں کہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" ایک واضح موقف اختیار کرلینے کے بعد میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "اس بار تم معاف کردو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے یکایک بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کی اداکاری شروع کردی تھی۔

"یہ ناممکن ہے۔ تم پکے پاکستانی ایجنٹ ہو اور ہمیں ڈبل کراس کررہے ہو۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "ابھی لمبی رات باقی ہے۔ دفتر کے لوگ ساڑھے چھ بجے سے آنا شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے میں اپنا پورا اطمینان کروں گا۔ اپنے ساتھی کو اس ڈوری سے جکڑ کر بے دست و پا کردو۔" وہ ہدایت دیتے ہوئے ناگر نے اپنی جیب سے نائلون کی مضبوط ڈوری کی ایک لچھی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

میں نے بس ایک نظر ناگر کا جائزہ لیا اور لچھی کو فضا میں لپکنے کے لیے آگے بڑھا۔ میرا اور ناگر کا درمیانی فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ رسی پکڑتے پکڑتے میں اچانک اس سے لپٹ گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ناگر کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔ اسے ابتدا سے ہی ہم دونوں مغلوب اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ نہتا ہونے کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی اس سے ٹکرانے کی جرأت کرسکے گا کیونکہ اس کے ہاتھ میں لوڈ کیا ہوا پستول موجود تھا۔

وہ دراز قامت اور صحت مند تھا۔ ابتدائی جھٹکے سے فوری طور پر سنبھل گیا۔ گالیاں بکتے ہوئے اس نے اپنے دونوں بازوؤں کا زور لگانا شروع کردیا تھا۔ اپنے ہاتھ آزاد کراتے ہی اس نے میرے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ میں اس طوفانی ضرب سے اپنا چہرہ بچانے میں ضرور کامیاب ہوگیا لیکن گردن کی جڑ میں وہ گھونسا پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

میرے کمزور پڑتے ہی وہ جوابی وار کر بیٹھا۔ اس کے بھاری وجود کے ٹکراتے ہی میں لڑکھڑا کر زمیں بوس ہوگیا۔

اس نے غیر متوقع طور پر ڈوری کی لچھی میری طرف اچھالی تھی۔ اگر مجھے چند ثانیوں کی مہلت بھی مل گئی ہوتی تو میں پہلے تصادم میں اس کا کام تمام کردیتا۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ قوی تھا لیکن اول خان سے ملی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں کے سامنے ناگر تو کیا کوئی ہاتھی بھی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے گرانے کے بعد ناگر تیزی سے میرے سینے پر چڑھ آیا۔ وہ میرا گریبان پکڑنا چاہ رہا تھا۔ اسی لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ شیشے کا وزنی پیپر ویٹ ناگر کی پیشانی سے ٹکرایا۔ عابر کا پھینکا ہوا وہ پیپر ویٹ ناگر کو مجروح کرنے کے بعد قالین پر لڑھک گیا۔ ناگر میرے گریبان کو بھول کر اپنی پیشانی تھامنے پر مجبور ہوگیا جہاں سے شدید درد کے ساتھ خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

میں نے اس کے پُرگوشت بازو پر پوری آزادی کے ساتھ داہنے ہاتھ کا ہلکا سا مکا رسید کردیا۔ اس مہلک مکے کا اصل مقصد اسے ضرب لگانا نہیں تھا بلکہ انگوٹھی کا قاتل زہر ناگر کی رگوں میں اتارنا تھا۔

وہ زہر میرا آزمودہ تھا۔ ناگر میرے سینے پر چڑھے چڑھے ہلکا سا لہرایا اور پھر بے جان ہو کر بائیں طرف لڑھک گیا۔ اس

کی پیشانی سے بہنے والے خون نے اس کی قمیص کو رنگ ڈالا تھا لیکن میرے کپڑوں پر اس کے گندے خون کی چھینٹ تک نہیں آئی تھی۔

جب تک ناگر بول رہا تھا، مجھے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کو ٹھکانے لگاتے ہی میں پھرتی سے گرد آلود قالین سے اٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" عابد نے حیرت سے پوچھا "کیا تم اس موذی کو یوں ہی بے ہوش پڑا رہنے دوگے؟ یہ ہوش میں آتے ہی کوئی نیا گند پھیلانا شروع کردے گا۔ یہ کوئی معجزہ ہوا ہے کہ ہمیں اس سے نجات مل گئی..."

"یہ بے ہوش نہیں ہوا۔ نرگباش یعنی جہنم واصل ہوچکا ہے۔ یقین نہ ہو تو نبض اور دل کی دھڑکن دیکھ لو۔"

"مگر یہ کیسے ہوگیا؟" عابد کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں "پیپرویٹ کی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ تم نے تو اسے بس رسمی سا مکا مارا تھا۔"

"ناگر کے لیے وہی کافی تھا" میں نے انگوٹھی کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا "اب ہمیں اپنا کام تیزی سے سمیٹ لینا چاہیے۔"

عابد پھر بھی مطمئن نہ ہوسکا۔ اس نے ناگر کے گٹھری کی طرح پڑے ہوئے وجود کی نبض دیکھی۔ ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر خوشی سے مغلوب ہوکر میرے پاس آگیا "وہ مردود واقعی مرچکا ہے۔"

"ناگر ایک ناگہانی مصیبت بن کر ہمارے سروں پر نازل ہوا تھا مگر اب اس کی لاش ہمارے لیے ایک انعام بن سکتی ہے" میں نے اسے مزید خوش خبری سنائی۔

عابد اسی لمحے سب کچھ جان لینے پر مصر تھا مگر میرے لیے وقت بہت قیمتی ہوچکا تھا۔ میں جلد از جلد اس ویران اور منحوس عمارت سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے صبر کرنے کا مشورہ دے کر اپنی توجہ تجوری پر مرکوز کردی۔

بیم گن کی اگلی ہوئی نیلگوں دھار آہن و فولاد کی بدترین دشمن تھی۔ تجوری کا تالا ذرا سی دیر میں رال بن کر بہہ گیا مگر فوری طور پر تجوری نہ کھل سکی۔ دروازے میں قفل سے کوئی اور نظام بھی منسلک تھا جو اپنی جگہ برقرار تھا۔ میں نے عابد کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

عابد کے تھیلے میں قفل شکنی کے اوزاروں پر مشتمل ایک تھیلی موجود تھی۔ اس نے تھیلی قالین پر الٹ دی اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

عابد کو بیم گن کی حیران کن کارکردگی دیکھنے کا شوق تھا اور وہ میرے سر پر مسلط تھا مگر مجھے اس کی مہارت سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑھ کر ناگر کی لاش کا جائزہ لیا۔ اس کا دم نکلنے کے بعد اس کی پیشانی کے زخم سے خون کا بہاؤ رک چکا تھا۔

ناگر کو مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہڈیوں کے جوڑ اس وقت تک نرم اور گرم تھے جب میں نے پنڈلیاں پکڑ کر ذرا سا زور لگایا تو اس کی سکڑی ہوئی لاش فرش پر پھیل کر سیدھی ہوگئی۔ میں اسے ٹانگوں سے گھسیٹتا ہوا عابد کے پیچھے اور تجوری کے اتنے قریب لے آیا کہ ہم دونوں کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

تالا کٹ چکا تھا لیکن تجوری کا وزنی دروازہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔ شدید محنت کے باعث عابد پسینوں میں نہا چکا تھا مگر دروازے میں جنبش کے آثار نہیں تھے۔ میں نے نریش کے دفتر کا پنکھا کھول دیا تاکہ حبس اور گرمی کا احساس کم ہوسکے۔

عابد نے اپنی ناکامی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر مجھے احساس تھا کہ ابتدا میں اس کا مشورہ نہ مان کر میں نے غلطی کی تھی۔ تجوریوں میں عام تالے استعمال نہیں ہوتے۔ چابی کے لیور کے ذریعے کئی پوشیدہ بولٹ اور کھٹکے وغیرہ حرکت میں آتے ہیں جو دروازے کو اس کی جگہ منجمد کردیتے ہیں۔ میں نے عجلت میں تالا پگھلا کر وہ نظام درہم برہم کردیا تھا۔ اگر عابد کو پہلے ہی کسی تدبیر سے تالا کھولنے کا موقع دیا جاتا تو پورا میکانزم حرکت میں آتا اور دروازہ آسانی سے کھل جاتا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھنس گئے ہیں" میں نے عابد کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"دیر ہورہی ہے مگر دروازہ ضرور کھلے گا" اس نے اپنی آستینوں سے پیشانی اور چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہو تو میں بیم گن سے دروازے کے قبضے کاٹ دوں" میں نے اس کی رائے جاننا چاہی۔

"دروازے کی طرح قبضے بھی بہت موٹے ہوں گے۔ وہ اندر پوشیدہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گن کا چارج ختم ہوجائے اور قبضے پوری طرح نہ کٹیں۔ گرین کوبرا فائل کے لیے میں اس سے بھی بڑا چیلنج قبول کرسکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں نے نریش شرما کی میز کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

نریش کی میز پر رکھے ہوئے کاغذ قطعی غیر اہم تھے۔ وہ اپنا ہر ضروری کاغذ مقفل رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ اہم

منصب پر فائز ایک ذمے دار افسر کے لیے ایسی احتیاط ضروری سے بڑھ کر ناگزیر تھی۔ اس کی میز کی درازیں مقفل تھیں۔

کمرے کے قالین پر خون کے داغ اور وہاں ناگر کی لاش کی موجودگی میں یہ بات چھپنے والی نہیں رہی تھی کہ را کے اس دفتر میں کچھ لوگ چوری چھپے گھسے تھے۔ ویسے بھی جلے اور کٹے ہوئے تالوں سے لے کر مجروح تجوری تک 'مداخلتِ بے جا کے متعدد شواہد موجود تھے۔ میں نے دفتری اسٹیشنری کی مدد سے زور آزمائی کر کے نریش کی درازوں کے تالے توڑ دیے۔

تین درازوں میں سے نچلی دراز میں نریش کے ذاتی استعمال کی اشیا موجود تھیں۔ ان میں جن کی دو نصف بوتلیں سب سے نمایاں تھیں۔ کچھ کیمرے سے لی گئی شرمناک تصاویر کے رنگین پرنٹ تھے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ساری تصاویر دیکھ ڈالیں۔ ان میں ایک جگہ رینا نظر آئی لیکن مرد کوئی اجنبی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ان تازہ تصاویر میں میرا اور رینا کا کوئی پرنٹ نہیں تھا۔

اوپر کی دونوں درازیں کاغذات اور فائلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے نریش کی کرسی پر بیٹھ کر ان کی ورق گردانی شروع کر دی۔

کاغذوں کی تاریخوں اور ان پر مندرج خفیہ احکام یا تبصروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نریش شرما کی رواں سرگرمیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی تحریر میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی۔ جو کچھ لکھا ہوا تھا' ہندی میں تھا یا انگریزی کے مہمل الفاظ اور فقروں پر مشتمل تھا۔ شاید وہ ان لوگوں کا دفتری کوڈ تھا جسے باہر کا آدمی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تھا۔

میں پورے انہماک سے ان تحریروں کا جائزہ لیتا رہا پھر اچانک ہی چند ٹائپ کیے ہوئے کاغذ میرے ہاتھ میں آ گئے۔ وہ سات اوراق تھے۔ ان کے متن اور ترتیب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی رپورٹ کی نقل تھی۔ ان ساتوں کاغذوں کی پوری عبارت میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی لیکن بعض الفاظ اور فقروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کاغذات پاکستان' بنگلہ دیش' سری لنکا اور نیپال کے بارے میں تھے۔

کہا یہ جاتا تھا کہ را والوں نے پاکستان کے بارے میں ایک علیحدہ اور بھرپور ونگ قائم کیا ہوا تھا۔ پاکستانی ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی تھی۔ انل بسواس اس ونگ کا سربراہ تھا۔ اس اعتبار سے نریش شرما کو بھی اسی ونگ سے متعلق ہونا چاہیے تھا۔ اس کی درازوں میں نیپال وغیرہ کے بارے میں کاغذات کا موجود ہونا تعجب خیز تھا۔

مجھے یاد آیا کہ انل بسواس اس عمارت میں ہر روز نہیں آتا تھا' کبھی کبھی ادھر کا رخ کرتا تھا۔ شاید نریش شرما عہدے میں اس سے کم تھا مگر اپنی جگہ دہشت گردی کا خصوصی ماہر تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارت کے پڑوسی ملکوں میں ہونے والی دہشت گردی کی ہر واردات کے تانے بانے وہی تیار کرتا ہو اور پھر ان کے ایکشن پلان متعلقہ افسران کو بھجوا دیتا ہو۔

وہ سب باتیں بعد میں بھی سوچی جا سکتی تھیں۔ میں نے وہ ساتوں کاغذات تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی پلندا واپس درازوں میں ڈال دیا۔

میں اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ نریش شرما کے دفتر میں اس کی میز اور تجوری کے سوا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس پر طبع آزمائی کی جا سکے۔ وقت گزاری کے لیے میں اس کمرے سے نکل کر رام بابو کے دفتر میں گیا۔ وہاں رکھی ہوئی بے وقعت چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور راہداری میں نکل گیا۔ راہداری اپنے آخری سرے تک بدستور سنسان پڑی ہوئی تھی۔

اپنے جائزے سے فارغ ہو کر میں واپس لوٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈیڑھ انچ موٹی فولادی چادر سے بنا ہوا تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

عابد علی پسینوں میں نہایا ہوا' گریبان کے بٹن کھولے' پنکھے کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

''آج اس تجوری نے میرا خون پی لیا'' میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا ''دروازے کے چاروں کونوں پر ایک انچ موٹی سلاخیں ہیں جو لیوروں کے ذریعے تالے سے جڑی ہوئی ہیں۔ تالا بند ہونے پر یہ سلاخیں گہرے سوراخوں میں بیٹھ جاتی ہیں' انہیں نکالنے میں پسینے آ گئے۔''

''تالا پگھلایا نہ گیا ہوتا تو شاید تم یہ کام آسانی سے کر لیتے'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا'' اس نے انکسار سے جواب دیا ''یہ بہت ضدی اور پرانا تالا تھا۔ سہ رخی چابی والے تالے بہت مشکل سے کھلتے ہیں۔''

عابد علی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس نے تجوری کھول لی تھی مگر میری واپسی سے پہلے کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔

میں اسے لے کر تجوری کی طرف بڑھ گیا جو دور سے

خاصی بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔
نریش شرما نے اس روز دفتر چھوڑنے سے پہلے پاکستانی فائلوں کے پلندے پر کام کیا تھا۔ فیتے میں کسی ہوئی وہ گیارہ فائلیں وسطی خانے میں سب سے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے جاتے ہی وہ بنڈل پہچان کر عابد کے حوالے کردیا۔
عابد بے تابانہ انداز میں وہ بنڈل لے کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے گرین کوبرا فائل دیکھنا چاہتا تھا۔
تجوری میں نئی اور پرانی فائلوں کا ایک انبار جمع تھا لیکن گرین کوبرا فائل کے بعد میری ترجیحات کی فہرست میں وڈیو فلم سب سے اوپر آچکی تھی۔
جو کچھ ہوچکا تھا' اسے مٹانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر تجوری کے کاغذات باہر نکالنے شروع کردیے۔
فائلوں کے علاوہ تجوری میں کئی چھوٹے بڑے ڈبے اور متعدد آلات بھی نظر آرہے تھے۔ میں کسی لحاظ کے بغیر سامنے آنے والی ہر چیز باہر نکالتا اور قالین پر ڈھیر کرتا رہا۔ قالین پر ڈالنے سے پہلے میں اس فائل یا چیز کا سرسری جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔
"یہی ہے.... بالکل یہی ہے" میرے کانوں میں عابد علی کی مسرت سے لبریز آواز آئی۔
"کیا مل گیا جو اتنا خوش ہورہے ہو؟" میں دانستہ انجان بن گیا۔
"مظہر بھائی! یہی گرین کوبرا فائل ہے' وہ جی سی کے دو حرفی کمپیوٹر پرنٹ والی سفید فائل لے کر میرے پاس آگیا۔
"بس' یہ تمہاری ہے۔ بقیہ دس فائلوں میں بھی بہت اہم مواد ملے گا۔ اب مجھے اپنے کام کی چیز کی تلاش ہے۔"
"تمہارے اور ناگر کے درمیان کسی فلم کے بارے میں بات ہورہی تھی؟" عابد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"میری اور رینا کی فلم" میں نے اختصار سے کہا "یہ بات بس اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ غزالہ بھی ایسی کسی فلم کے وجود سے لاعلم ہے۔"
"تم فکر نہ کرو۔ بھول کر بھی یہ ذکر میری زبان پر نہیں آئے گا۔ میں اسے تمہارا کوئی چکما سمجھ رہا تھا۔"
"آدمی خطا کا پتلا ہے" میں نے افسردگی سے کہا "کچھ دیر کے لیے میں بھٹک گیا تھا۔ وہ لمحے وڈیو کے فیتے پر قید کرلیے گئے۔"
"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ رینا جیسی لڑکیاں طوائفوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ ایسے حربوں سے لیس ہوکر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتی ہیں کہ وہ ان کے جال میں بے بس ہوکر رہ جاتا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی زاہد خشک بھی ہوتا تو پھنس گیا ہوتا۔"
عابد کے الفاظ میں میرے لیے دلاسا تھا۔ میں پھر تجوری کی طرف متوجہ ہوگیا۔
قالین پر کاغذات' فائلوں' ڈبوں اور آلات کا ڈھیر پھیل کر ناگر کی لاش تک پہنچ رہا تھا۔
عابد نے گرین کوبرا فائل کا جائزہ لینے کے بعد گیارہ فائلوں کو یکجا باندھ کر نریش کی میز پر رکھ دیا تھا اور نیچے بیٹھا اس انبار کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا تھا جو میں نے لگایا تھا۔
"میں پرویز یا عبداللہ سے بات کرلوں" بیٹھے بیٹھے اس نے چونک کر کہا۔
"کیوں؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ان کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"
"ہمیں اندر آئے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت ہوچکا ہے۔ وہ دونوں پریشان ہورہے ہوں گے" عابد نے وضاحت کی۔
میں نے سرہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ اپنے اپریٹس پر ان میں سے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
عابد کی پہلی کوشش کے جواب میں جی تھری کی طرف سے جوابی پیغام آگیا۔
"آل ویل.... کچھ دیر لگے گی۔ اپنی جگہ تیار اور اسٹینڈ بائی رہو' اوور اینڈ آل۔"
اپنے آدمیوں کو پیغام دے کر وہ دوبارہ نریش شرما کے بکھرے ہوئے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگیا۔
جیسے جیسے تجوری کا شیطانی پیٹ خالی ہورہا تھا۔ میری مایوسی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اچانک عابد نے قدرے اونچی آواز میں نعرہ مارا "مل گئے!"
اس پراسرار اور خوف آور ماحول میں عابد کی وہ اضطراری حرکت حیران کن تھی۔ میرے ہاتھ سے ایک ڈبا چھوٹ گیا۔
"حیرت ہے کہ تم نے یہ دونوں کاغذ نہیں دیکھے۔ یہ تمہارے اصل فنگر پرنٹس ہیں" عابد اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے دو کاغذ میرے پاس لے آیا۔
کاغذ شناسا تھے۔ ان پر سیاہی سے دس انگلیوں کے نشان بھی ثبت تھے لیکن تحریر میرے لیے اجنبی تھی۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ فنگر پرنٹس میرے ہی تھے یا عابد کسی اور کے

فنگر پرنٹس سے دھوکا کھا رہا تھا۔
کسی فائل سے نوچے ہوئے وہ کاغذ میں نے اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان کا موازنہ اپنی انگلیوں کے سروں سے کرنے لگا۔

وہ بہت مشکل کام تھا۔ عابد نے میرے تذبذب کو بھانپ لیا اور کہا "کسی وہم میں نہ پڑو۔ دونوں کاغذوں پر دیوناگری رسم الخط میں تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ! تو تم ہندی بھی پڑھ لیتے ہو" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا جو تائید طلب تھا۔

"ہندی اور سنسکرت۔ دونوں کے لیے یہی رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ ایک فائل میں دوسرے کاغذوں کے ساتھ مزید دس بارہ افراد کے فنگر پرنٹس موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی پاکستانی نہیں ہے' زیادہ تر نیپالی ہیں۔"

"نیپالی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ہوسکے تو ان کے کاغذ بھی نکال لو۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس قوم کی کوئی مدد کرسکو۔ را والے ان پر کچھ زیادہ مہربان معلوم ہو رہے ہیں۔ میں نے نریش کی دراز سے سات کاغذ نکالے ہیں۔ ان میں زیادہ تر نیپال کے بارے میں ہے۔"

"نیپال کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش میں ہیں۔ شاہ بریندرا سخت آدمی ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے را والے اس کے شاہی محل میں اپنے آدمی پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ راجاؤں اور رانیوں کی بن بیاہی بیٹیاں چھٹیاں منانے کے لیے آئے دن کھٹمنڈو جاتی رہتی ہیں۔ را کی شہ پر بھارت کے سارے راجواڑوں میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ولی عہد کس کی بیٹی کے جال میں پھنستا ہے۔"

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے لیے نیپال کے مستقبل سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی وڈیو فلم کا تھا جو نہیں مل رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں میں سے وہ ڈبا اٹھالیا جو عابد کا غیر متوقع نعرہ سن کر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ڈبا بڑا لیکن وزن میں خاصا ہلکا تھا۔ اسے کھولتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہوگئیں۔

اس ڈبے میں وڈیو فلموں کے کیسٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں تجوری کو بھول کر' اپنے پھیلائے ہوئے ڈھیر سے دور ہٹ آیا۔

عابد علی ایک فائل سے نیپالیوں کے فنگر پرنٹس نکال رہا تھا۔ میں نے کچھ دور بیٹھ کر ان کیسٹوں کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

وہ کیسٹ ترتیب اور قرینے سے ڈبے میں لگے ہوئے تھے مگر اوپری قطار میں ہر کیسٹ کے ڈبے کے پشتے پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ان کی نشان دہی کے لیے انگریزی یا کسی اور زبان کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

میں اس وقت ایک سنگین ذاتی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہنی پراگندگی کا شکار تھا مگر قدم قدم پر ہندی زبان کے سامنے اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے ساختہ یہ خیال آیا کہ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ مل جانے کے باوجود اہم سرکاری دفاتر میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دفتر کا سارا ریکارڈ انگریزی میں رکھا جاتا تھا۔ اول تو بیشتر سرکاری ملازمین کی انگریزی ناقص تھی کچھ نو آموز ایسے بھی تھے جو سنگین غلطیاں کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ظالمانہ مذاق کا نشانہ بنتے تھے۔ دوئم یہ کہ ان میں سے کوئی انگریزی سے پیچھا چھڑانے کا آرزومند نہیں تھا۔

وہ بات بہت معمولی اور اہم تھی۔ اگر پاکستانی دفاتر میں بھی قومی زبان رائج ہوتی تو دیوناگری کے عادی' بھارتی سیکرٹ ایجنٹ پاکستانی دفاتر میں اپنی مطلوبہ دستاویزات تک رسائی میں سنگین دشواریاں محسوس کرسکتے تھے۔

میں نے جھنجلا کر کیسٹوں کا پورا کارٹن قالین پر الٹ دیا۔

کیسٹوں کی پرشور کھڑکھڑاہٹ سن کر عابد نے سر اٹھایا اور کیسٹوں پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا۔

"کسی ایک پر بھی انگریزی میں کچھ نہیں لکھا تھا" میں نے اس ڈھیر میں سے مزید چند کیسٹ دیکھ کر کہا۔

"یہ کام مجھ پر چھوڑ دو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "زبان کے معاملے میں ہندو بہت متعصب ہیں۔"

میں نے سگریٹ سلگائی اور وہ کام اسے سونپ کر اٹھ گیا۔ چند ثانیوں تک اسی دفتر میں ٹہلنے کے بعد میں نے نریش کی کرسی سنبھال لی۔

سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ نریش کے دفتر میں ہم اس بری طرح الجھ جائیں گے۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ سرلا' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلی گئی تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں ہوتی تو میری واپسی میں تاخیر ہونے پر فکر اور تشویش سے ہلکان ہوجاتی۔

تھوڑی دیر بعد عابد نے وہ کیسٹ تلاش کرلیا جس پر

ہندی زبان میں میرے اور رینا کے نام کے مخفف تاریخ کے ساتھ درج تھے۔ عابد سے وہ کیسٹ لے کر میں کچھ دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ مجھے رہ رہ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی سنگین غلطی کی تھی کہ دشمنوں کے پاس مجھے بلیک میل کرنے کا ٹھوس مواد آگیا تھا۔ اگر وہ کیسٹ نہ ملتا تو میں ذہنی طور پر کبھی پرسکون نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے جائزہ لینے کے بعد وہ کیسٹ فائلوں کے ڈھیر پر اچھال دیا۔

"ابھی تم اس کے لیے اتنے مضطرب ہو رہے تھے۔ اب اسے یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟" عابد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اس کمرے کی امانت ہے۔ اسے یہیں رہنا چاہیے" میں نے اپنے فنگر پرنٹس والے کاغذ بھی پھاڑ کر اسی طرف اچھال دیے۔

عابد دوبارہ کیسٹوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔

"یہ سب گند ہے۔ اب اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"پچھلے دنوں ایک وزیر یہاں آئے ہوئے تھے جو کھلی محفلوں میں دل کھول کر شراب پیتے تھے اور پھر سرور میں آکر لڑکیوں اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے" اس نے ندامت آمیز لہجے میں بتایا "باخبر حلقوں میں افواہیں تھیں کہ را والوں نے ان کی بعض رنگین راتوں کی خفیہ فلم بندی کی ہے۔"

عابد کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا جس میں اس دور کے ایک شوقین وزیر کا تاریک نام نمایاں تھا۔

"ضروری نہیں کہ اس فلم پر وزیر کا پورا نام لکھا ہوا ہو۔ اس کی فلم مخفف کے حساب سے تلاش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"کسی کیسٹ پر کوئی نام نہیں ہے۔ سب پر مخفف ہیں لیکن مجھے اس وزیر کے پورے نام کا علم نہیں ہے۔ بعض مخفف چار حرفی تک ہیں" عابد نے بے چارگی سے کہا "ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو وہ فلم ہمارے ہاتھ آنی چاہیے۔"

"کیا تم اس شخص کے لیے یہ فلم حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" عابد کی آواز تلخ اور حقارت آمیز ہو گئی "آئی بی ملکی سیاست میں دخل نہیں دیتی۔ ہم سیاست دانوں سے دور رہتے ہیں۔ مجھے اس سے نہیں، اپنے ملک سے ہمدردی ہے۔ شاید یہ فلم دیکھ کر وہ آئندہ کے لیے آوارگی سے توبہ کرلے۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد نہ کرو۔ وہ تائب ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگلے دورے تک اس فلم کو بھول جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عابد نے تلخی سے کہا "ویسے بھی اسے ہر شام دورے پڑتے ہیں، شراب کے دورے.... میں نہیں چاہتا کہ اس کی فلم یہاں رہے۔ پچاس سے زیادہ کیسٹوں کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں ہے۔"

میں نے نریش کی کرسی چھوڑ دی اور نرمی سے کہا "یہ سارے کیسٹ اس ڈھیر میں ڈال دو۔"

اس نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ ناگر کی چتا ہے جو نریش کی تجوری کا پیٹ خالی کر کے تیار کی گئی ہے۔ جاتے ہوئے ہم اسے آگ لگا دیں گے۔ اس آگ میں سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا۔ بچی ہوئی راکھ را والوں کے کسی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے متعدد کیسٹ اٹھاتے ہوئے کہا "ہر سراغ مٹا دینے کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

ہم نے وہاں سے زیادہ ریکارڈ ساتھ نہیں لیا۔ عابد اور اس کے بڑوں کے لیے گرین کوبرا فائل بہت زیادہ اہم تھی۔ ہمیں اس کے ساتھ پاکستان سے تعلق رکھنے والی مزید دس فائلیں مل گئی تھیں۔ دو فائلیں بھارت اور سی آئی اے کے باہمی تعلق کے بارے میں تھیں۔

میں نے ناگر کے خون میں لتھڑے ہوئے بے جان چہرے پر نظر ڈالی۔ پیشانی کی ضرب، آگ اور زہر کے ملے جلے اثرات کے بعد شاید کوئی سرجن یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی موت کس وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

پنکھے کی ہوا سے اڑنے والے بعض کاغذ ناگر کی لاش پر آ گئے تھے۔ میں چند ثانیوں تک عبرت کا وہ منظر دیکھتا رہا۔

بڑے کارٹن میں سے برآمد ہونے والے تمام کیسٹ کاغذات اور فائلوں کے ڈھیر پر ڈالنے کے بعد عابد تیزی سے اپنے تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ٹھہرو۔ تم اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوک دیا "ہم کوئی دستی بم استعمال نہیں کریں گے۔"

"دو چھوٹے آتش گیر بم تجوری اور اس ڈھیر میں چھپا دو" عابد نے ملتجی انداز میں کہا "کاغذوں کو تم بے شک آگ لگا دو۔ حرارت پا کر یہ دونوں بم کچھ دیر بعد ہلکی سی آواز

کے ساتھ خود پھٹ جائیں گے اور ہر طرف آگ پھیل جائے گی۔"

میں نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز منظور کرلی۔ اس ڈھیر میں موجود ہر چیز کو جلا کر راکھ کردینے کے لیے آتش زنی کا وہ متبادل اور موثر طریقہ ہمارے لیے سودمند تھا۔ چند ثانیوں میں عابد نے اپنے تھیلے میں سے دو چھوٹے بیضوی گولے نکال لیے۔

ایک گولا تجوری کے نچلے خانے میں رکھ دیا گیا۔ دوسرا فائلوں کے ڈھیر میں دبادیا گیا۔ اس سے ذرا دور ناگر کی لاش مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے فرشی قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ قالین کا ہر ریشہ آگ کے لیے بہت زیادہ پرکشش تھا۔

میں پہلی فرصت میں بیم گن اپنے جیب میں ڈال چکا تھا۔ عابد نے بھی اپنا ریوالور قالین پر سے اٹھالیا تھا۔ اس نے آخری بار کمرے کا جائزہ لیا اور ناگر کا بڑے بور کا پستول میگزین سمیت اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور پنکھے کا سوئچ آف کردیا۔

عابد اور اس کے آدمی دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا اور اپنے ملک کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے جس میں ان کے لیے ہر آتشیں ہتھیار بہت بیش قیمت تھا۔

عابد نے شولڈر اسٹریپ کے ذریعے بیگ کندھے پر لادا۔ میں نے دیا سلائی جلائی۔ اس سے ایک کاغذ کو آگ دکھائی اور پھر تیزی سے جلتا ہوا وہ کاغذ فائلوں وغیرہ کے انبار پر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کاغذوں نے بھی آگ پکڑلی۔ ہم کمرے کا بلب بجھائے بغیر باہر نکل آئے۔ ساری فائلیں عابد کے قبضے میں تھیں۔

ناگر ایک بگولے کی طرح ہمارے اس مشن میں دخل انداز ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کچھ درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا لیکن آخر کار وہ ایک کتے کی سی موت مارا گیا تھا۔ عمارت کا چوکیدار شاید چھت کے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری واپسی کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہوئے ہم محتاط اور متفکر تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم پنجوں کے بل تقریباً دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچے، بولٹ گرایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس وقت برآمدہ بالکل تاریک تھا۔ پرویز اور عبداللہ نے موقع پاکر وہاں جلنے والا بلب توڑ دیا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں سپاہیوں کے کمرے کے پیچھے موجود تھیں۔ پرویز نے تاریکی میں سے ہلکی سی شسکاری دی۔ عابد تیزی سے اسی طرف ہولیا۔

"دونوں سپاہی گہری نیند میں مدہوش ہیں" پرویز نے تاریکی میں سے نمودار ہوکر بتایا۔ "عمارت کے دوسرے پہلو پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور یہاں سے نکل چلو" عابد نے تیز سرگوشی میں ہدایت کی اور اپنے کندھے سے لٹکا ہوا ہتھیاروں کا تھیلا اسے تھمادیا۔

فائلوں کے ساتھ کاغذ وغیرہ گاڑی میں ڈال کر عابد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور چند ثانیوں بعد ہم اسی ترتیب میں وہاں سے روانہ ہوگئے جس ترتیب میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے وہاں پہنچے تھے۔

کچے میدان سے سڑک پر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ عمارت کے آخری سرے والے کمرے کی کھڑکی کے بند شیشوں کے پیچھے دبے دبے شعلوں کی سرخی لپک رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دور لگی ہوئی آگ کا انعکاس ان شیشوں پر پڑ رہا ہو۔

"شاید دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی ناگر کی ہوگی" چند ثانیوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد عابد نے سکوت توڑا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے جو اسے یہاں کھینچ لائی۔ را والوں کو صحیح صورت حال سمجھنے میں اب کافی وقت لگے گا" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"یہ بات تم نے اسے مارنے کے بعد بھی کہی تھی، میرا اندازہ ہے کہ اس کی موت سے معاملہ اور زیادہ سنگین ہوجائے گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "یہ غلط فہمی اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ عمارت کے چوکیدار سے لے کر انل بسواس تک کسی کو علم نہیں کہ وہ زلیش کے دفتر آیا تھا۔ کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر مہم جوئی پر نکل پڑنا اسی لیے خطرناک ہوتا ہے۔"

"یہ اس کی غلطی تھی لیکن وہ را کا قابلِ اعتماد اور پرانا آدمی ہے۔"

"ہے نہیں بلکہ تھا" میں نے اس کی تصحیح کی "یہی بات ہر ایک کو الجھادے گی۔ اسے کسی چور کی طرح عمارت میں داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات کبھی سامنے نہیں آسکے گی کہ وہ زنانہ واش روم کے روشن دان سے عمارت میں کودا تھا۔ صدر دروازے کا کھلا ہوا دروازہ اس کی آمد کے راستے کی نشان دہی کرے گا۔ ابتدائی طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ سپاہیوں کو بھی اسی نے بے ہوش کیا تھا۔"

"مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بڑے اسے جانتے ہیں، وہ یہ سوال ضرور اٹھائیں گے۔"

"کسی کے جاننے سے حقائق نہیں بدل سکتے" میں نے اس کی الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ابھی تمہیں سوچنے کا وقت نہیں ملا۔ میں اس امکان پر مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ نریش کے دفتر میں ناگر کی سوختہ لاش کی موجودگی را کو ہلا کر رکھ دے گی۔"

"میں بہت پریشان اور الجھا ہوا ہوں۔ ذرا مجھے بھی سمجھادو کہ تمہارے دماغ میں کیا خاکہ بن رہا ہے؟"

"ناگر را سے منحرف ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے خرید لیا تھا اور وہ بہت کامیابی سے اپنے دہرے کردار کو چھپا کر اپنے افسروں کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔"

"یہ حقیقت نہیں تمہارا قیاس ہے!" عابد نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"میرا قیاس بھی نہیں ہے۔ یہ وہ کہانی ہے جو کل صبح تیار ہوگی۔ ناگر کے خریدار را کے اہم ترین ریکارڈ تک رسائی چاہتے تھے جو نریش کے دفتر کی تجوری میں محفوظ تھا آج رات موقع پا کر ناگر انہیں اپنے دفتر کی طرف لے آیا۔ اس کی نگرانی میں سپاہیوں کو بے ہوش کیا گیا، تالے کاٹے گئے اور دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں کی کامیابی بے داغ تھی۔ ناگر ان کے خلاف اکلوتا گواہ تھا۔ اسے زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان خریداروں کو اپنے وعدے کے مطابق اسے بھاری معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ اسے مار کر وہ ہر گواہی سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ ان کی بڑی رقم بھی بچ جاتی۔ ناگر کی مدد سے نریش کے دفتر میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ناگر کو مار دیا۔ صورتِ حال کو پیچیدہ بنانے کے لیے دفتر میں آگ لگائی اور خاموشی سے فرار ہو گئے۔"

"بہت لرزہ خیز اور جاندار کہانی ہے۔ سب کڑیاں آپس میں مربوط نظر آتی ہیں" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"یہ ابتدائی نظریہ ہوگا۔ وہ اسی سمت میں اپنا کام شروع کریں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ ہوتا رہے گا۔"

"یہاں کی سیاسی فضا میں سارا الزام پاکستان پر آئے گا۔" عابد کو خیال آیا۔

"انل بسواس کہہ چکا ہے کہ اسے بھارت میں سرگرم پاکستانی ایجنسیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ پاکستانیوں یا چینیوں پر شبہ کر سکتے ہیں مگر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ ان کا ایک اہم آدمی منحرف ہو رہا تھا۔ خریدار اس کا سودا کر رہے تھے اور بھارت کی تمام ایجنسیاں سوئی ہوئی تھیں۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ ناگر نے پیسے کے لالچ میں سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم بہت دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے میں اپنے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہوتا ہوا محسوس کر رہا ہوں" وہ بولا۔

"تمہارے وہ گمنام ساتھی جو بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آئے ہوئے ہیں، کسی حد تک دباؤ میں آجائیں گے لیکن ان پر بھی ہاتھ نہیں ڈالا جا سکے گا کیونکہ ان کی نقل و حرکت پر بھارتیوں نے پہلے سے نظر رکھی ہوئی ہے" میں نے بتایا۔

"اور ہم تینوں کا گرفت میں آنا بدقسمتی کے سوا کچھ نہیں ہوگا" اس نے میری بات آگے بڑھائی "ہم نے ابھی تک خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے کیونکہ ہم غیر ضروری طور پر سامنے آنے اور ہاتھ پیر چلانے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پروگرام بنالیا تھا لیکن ایسی شان دار کامیابی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی" میں نے اپنے دل کی بات عابد سے کہہ ڈالی "ناگر نے ناگہانی طور پر درمیان میں کود کر ہم سب کے لیے متعدد آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔"

"را کے دفاتر میں کئی دنوں تک صفِ ماتم بچھی رہے گی۔ را جیسی مضبوط ایجنسی کے ایک پرانے افسر کی غداری معمولی بات نہیں سمجھی جا سکتی۔ جب تک کوئی سرا ان کے ہاتھ آئے گا، تم پاکستان واپس جا چکے ہو گے۔"

"ناگر نے اس ڈور کو ایسا الجھایا ہے کہ کسی کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آئے گا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"اچھا ہے کہ یہ لوگ اپنی آگ میں خود جلتے رہیں۔ ان ہندوؤں نے اپنے چاروں طرف بسے ہوئے پڑوسیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ افسوس اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ امریکا جیسی اکلوتی سپر پاور ان کی ہم نوا بنی ہوئی ہے" عابد نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"شاید امریکا کو بھارت سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی چین سے نفرت ہے۔ چین کے خلاف دونوں کے مفادات مشترک ہیں۔ اس ایک نکتے پر امریکا بھارتیوں کی ہر جائز اور ناجائز بات کی حمایت کرتا ہے" عابد کا ان موٹی موٹی سیاسی حقیقتوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔

"پھر تو امریکا اور بھارت کو نیپال کا ہمدرد ہونا چاہیے۔ وہ ہمالیہ میں چین کا قریب ترین پڑوسی ہے" عابد نے دلیل پیش کی۔

"وہ بہت چھوٹا ملک ہے۔ ایسی مفاہمت بڑے اور

طاقتور ملکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر سو فیصد درست ہوتی ہے۔ دونوں بڑوں نے مل کر کئی برسوں سے اس خطے میں چھوٹی قوموں کا جینا اجیرن کیا ہوا ہے" عابد نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر کہا "پاکستان چھوٹی قوموں میں سب سے بڑا ہے اس لیے زیادہ عتاب میں رہتا ہے۔"

"بنگلہ دیش کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہے" میں نے اسے یاد دلایا "وہاں بھارتی ریشہ دوانیاں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ رائے عامہ ایک قابل لحاظ پاکستان کے ساتھ قریبی مراسم کا مطالبہ کرنے لگی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ نیپال جیسے چھوٹے اور امن پرور ملک میں را اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تھوڑی دیر پہلے تم اس بارے میں کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟"

"یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بھارت میں شاہ بریندرا کو ان کے رجحانات اور جھکاؤ کی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا۔ ہر حربے میں ناکام ہونے کے بعد را نے شاہ کے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کردیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ولی عہد کو بھی نہیں بخشا جا رہا۔ لمبی منصوبہ بندی کے تحت کوشش کی جا رہی ہے کہ بھارت کے کسی بارسوخ گھرانے کی کوئی دوشیزہ ولی عہد کی بیوی بننے میں کامیاب ہو جائے۔"

"کچھ کاغذات اور فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ سات کاغذ میری جیب میں ہیں" میں نے ہنس کر کہا "انہیں پڑھ کر بھارت کے عزائم کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ تم نے گرین کو برا فائل دیکھی ہے، اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"اس میں ہندی ہے نہ انگریزی۔ ہر کاغذ کرپٹوگرافی میں ہے۔ ایسی خفیہ تحریریں ہر ایک نہیں پڑھ سکتا" اس نے انکشاف کیا "اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان تحریروں کا ایک ایک لفظ پڑھ لیں گے۔ اس کے بعد کچھ سامنے آئے گا۔"

عابد کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے مایوسی سی ہوئی۔ بہت کچھ جان لینے کا شوق جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"یہ سب فائلیں وغیرہ تم کس طرح پاکستان بھجواؤ گے؟" میں نے رسمی طور پر پوچھ لیا۔

"ہم پاکستان کے سفارتی عملے سے دور رہتے ہیں ورنہ سفارتی ڈاک کا تھیلا ہر اعتبار سے محفوظ رہتا ہے۔"

"تم نے ایک عام سی بات بتا دی۔ میں نریش شرما کے دفتر سے حاصل کیے ہوئے ریکارڈ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

وہ چونک پڑا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "معاف کرنا۔ میں کسی اور خیال میں کھو گیا تھا۔ تم آج امرتسر اور پھر وہاں سے لاہور جا رہے ہو۔ ان فائلوں وغیرہ کی اہمیت کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہارے ذریعے یہ جلال صاحب تک پہنچیں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا کیونکہ عابد کی تجویز اتنی سادہ اور سہل نہیں تھی۔

پیش گوئی

چوہدری احمد دین نے اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے وقت راستے میں دیکھا، ایک کم عمر لڑکا ایک ٹھیلے کو دھکیلتے ہوئے پہاڑی عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھیلے پر کئی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ ازراہ ہمدردی چوہدری احمد دین نے اس کے ساتھ مل کر دھکا لگانا شروع کیا۔ دونوں کو پہاڑی عبور کرنے میں دانتوں پسینے آ گئے۔ دوسری طرف پہنچ کر احمد دین ہانپتے ہوئے بولے "تمہیں اتنا وزن کس نے دے کر بھیجا تھا؟"

"میرے باپ نے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اس نے سوچا نہیں کہ وزن تمہاری بساط سے بہت زیادہ ہے؟ تم اکیلے بھلا اسے پہاڑی کے دوسری طرف کیسے لا سکتے تھے؟" احمد دین نے ناگواری سے کہا۔

"ابا نے کہا تھا، تم ٹھیلا لے کر روانہ تو ہو جاؤ... راستے میں ضرور کوئی بے وقوف کا بچہ مل جائے گا جو تمہارے ساتھ لگ جائے گا" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

○☆○

وہ اپنی دانست میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس ریکارڈ کا دیر تک بھارت میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ ان فائلوں اور کاغذوں کو جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مجھے وہ کام اپنے سر لینے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن میں خود را والوں سے چھپ کر پاکستان فرار ہو رہا تھا۔ میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میرے پاس اس قدر مختصر سامان تھا کہ اس میں گیارہ فائلوں اور بہت سے کاغذوں کا چھپانا ممکن نہیں تھا۔

دہلی سے امرتسر اور پھر اٹاری تک مجھے کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آسکتی تھی۔ جب تک میں بھارتی سرزمین چھوڑ کر پاکستان کی سرحد میں داخل نہ ہو جاتا، مجھے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ ان فائلوں میں بیشتر کاغذات سرکاری تھے جو را کے لیٹر ہیڈ پر چھپے یا لکھے ہوئے تھے۔ اگر کہیں میرے سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کی نوبت آجاتی تو میرے لیے اس سوال کا جواب دینا ناممکن ہوتا کہ را کے سرکاری کاغذات میری تحویل میں کیوں تھے؟

وہ ریکارڈ مجھ سے چھن سکتا تھا اور اس کی وجہ سے میری عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ وہ کاغذات اتنے خطرناک تھے کہ جس غیر متعلقہ آدمی کی تحویل میں پکڑے جاتے وہ اپنی قومیت سے قطع نظر ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

میں نے عابد کی وہ تجویز سن ضرور لی مگر اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ان کاغذات کو عابد کی ذمے داری بنا کر اپنی جان نہیں چھڑانا چاہتا تھا بلکہ پوری نیک نیتی کے ساتھ ان فائلوں وغیرہ کو جلد از جلد پاکستان بھجوانے یا لے جانے کا خواہاں تھا۔ اس بارے میں سوچے سمجھے بغیر کیا جانے والا کوئی بھی غلط فیصلہ ہم میں سے کسی کے گلے کی ہڈی بن سکتا تھا۔

ہمیں را کے دفتر سے روانہ ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر گردن پیچھے گھمائی تو سڑک تاحد نظر ویران پڑی ہوئی تھی۔

"جی تھری اور جی فور کہاں غائب ہو گئے؟" میں نے متوحش لہجے میں عابد سے پوچھا۔

"یہ بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "یہ طے ہو چکا تھا کہ ہماری کامیاب واپسی پر وہ سیدھے اپنے ٹھکانے کی طرف نکل جائیں گے۔ ہم کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے قریب نہیں رہنا چاہیے۔"

"اچھا فیصلہ تھا مگر میرے علم میں آنا چاہیے تھا۔ اب ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اپنی ناپسندیدگی کا خفیف سا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم گیسٹ ہاؤس ہی جائیں گے" اس کی آواز سے بدستور ندامت جھلک رہی تھی۔

میں نے روشن ہندسوں اور سوئیوں والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ میں نے نرمی سے کہا "گیسٹ ہاؤس کے بجائے کیوں نہ اسی ٹھکانے کا رخ کیا جائے جہاں سرلا، غزالہ کے ساتھ گئی ہوئی ہے۔"

"چار بجنے والے ہیں" عابد نے ڈیش بورڈ کی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم ادھر پہنچیں اور وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے لیے نکل چکی ہوں۔ ویسے بھی وہ ٹھکانا میرا دیکھا بھالا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت گیا تھا۔ شاید اس وقت یادداشت میرا ساتھ نہ دے سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر گیسٹ ہاؤس ہی چلو۔ وہاں سے تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے لیے نکلنا ہوگا۔ ہمارے ٹکٹ کہاں ہیں؟؟"

"صبح کی پرواز پر دونوں نشستیں کنفرم ہیں۔ ٹکٹ ائرپورٹ پر تیار ملیں گے۔"

ہم دونوں خاموش ہو کر اپنی اپنی سوچوں میں ڈوب گئے۔ گاڑی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر وہ خدشات سر ابھارنے لگے تھے جن کا ذکر میں غزالہ کی زبان سے سن چکا تھا۔

ہم پاکستان کے بدترین دشمن ملک کی سرزمین پر تھے اور اس کی رسوائے زمانہ سیکرٹ سروس، را سے برسرپیکار تھے۔ را والے اتنے مکار اور چالاک لوگ تھے کہ اپنے سائے تک سے بھڑکتے تھے اور کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے لیکن میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس اور نریش شرما کی عقلوں پر برف جم گئی ہو یا پھر وہ اپنے گھر میں ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ پراعتماد ہیں۔

بھارت میں ہماری پے در پے کامیابیاں قابلِ فخر تھیں لیکن ان میں تشویش کا ایک بھیانک پہلو بھی پنہاں تھا۔ ہر دلیل، جواز اور واقعات کے پیچ و خم کے باوجود مجھے اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھارتیوں کی وہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔ وہ طوفان ہماری واپسی کے سفر کے کسی بھی مرحلے پر سر اٹھا سکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژوون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو نصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں بڑی چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اٹل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ بھنک مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "نیو مین سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کامون سر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی نے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے نیو مین سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی تو نصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اٹل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں اٹل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ کوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود اٹلو تھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کا باقی حصہ خاموشی سے طے ہوگیا۔ میں اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، عابد علی اپنی کسی فکر میں غلطاں تھا۔

رات بیت چکی تھی۔ دہلی کی فضاؤں میں صبح کے فسوں خیز اندھیرے کا ابتدائی دور تھا۔ میری رسٹ واچ چار بجا چکی تھی۔ اس وقت دہلی کی سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ اس سکوت کو بس کہیں کہیں آوارہ کتوں کی آوازیں برہم کررہی تھیں۔

پورے شہر کی طرح سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس پر بھی رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس گھر کے مختلف کمروں میں رہنے والے، اپنی دن بھر کی مصروفیات سے تھک ہار کر نیند کی دیوی کی محبت بھری آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ سرلا یا اس کی گاڑی کا دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

ہم اس مختصر سے بنگلے کا دروازہ کھول کر دبے قدموں احاطے میں داخل ہوئے۔ عابد علی نے را کے دفتر سے اڑائی

ہوئی فائلوں کا پلندہ پوری احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ یوں اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا جیسے ذرا سی بھی بے پروائی کی صورت میں وہ فائلیں اس کی تحویل سے نکل کر کھلی فضا میں تحلیل ہوجائیں گی۔

''سرلا ابھی تک نہیں لوٹی۔'' اپنے کمرے کا تالا کھولنے کے بعد عابد علی بڑبڑایا ''تمہاری امرتسر کی پرواز نہ نکل جائے۔''

''میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے نیم روشن کمرے میں ایک کرسی سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

عابد نے فائلوں کا بنڈل پوری احتیاط سے مسہری کے نیچے اس طرح چھپا دیا کہ کسی آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑسکے پھر وہ ہمہ تن میری طرف متوجہ ہوگیا ''اب روانگی کے آخری لمحات پر تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''اس وقت میرا دہلی سے غائب ہونا مناسب نہیں ہے۔ آج رات کے بارے میں ہر الزام میرے سر پر ڈال دیا جائے گا۔''

میرا جواب سن کر عابد نے کھڑے کھڑے بے چینی سے پہلو بدلا اور کہا ''دہلی میں تم کہاں رہو گے؟ خود کو را والوں سے کیسے بچاؤ گے؟''

اس کا اضطراب دیکھ کر میں دھیرے سے مسکرا دیا ''اس وقت تم انسانی نفسیات کو بھول رہے ہو۔ اگر میرے ہاتھ صاف ہیں اور میں نے یہاں کوئی جرم نہیں کیا تو مجھے را والوں سے بچنے اور چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے خوفی سے ان کا سامنا کروں گا۔''

''نہیں۔ نہیں۔ میں تمہیں ایسی احمقانہ دلیری دکھانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ میرے جواب نے اسے پریشان کردیا تھا۔

اس کے اضطراری جواب پر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ میں نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا ''تم میرے ارادے کو احمقانہ دلیری قرار دیتے ہوئے شاید یہ بھول گئے کہ اس وقت میں تمہارا چیف ہوں اور تم تینوں مجھ کو جواب دہ ہو۔''

''مجھے تمہارے رتبے سے ذرا بھی انکار نہیں ہے۔'' اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی ''تم ہمیں حکم دو تو ہم تمہارے ایک اشارے پر اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے ہیں لیکن غلطی ہر حال میں غلطی ہوتی ہے جس کا ارتکاب انسانوں سے ہوتا ہے۔ میں غلطی کی نشان دہی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ تم را والوں کو نہیں جانتے۔ یہ بے جان پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ ان کے تشدد کے تصور سے سب لرزہ...

براندام رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کو اس قدر طویل اور کرب ناک بنا دیتے ہیں کہ آدمی سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔''

''تم بھول رہے ہو کہ اس وقت میں ان کا زرخرید انفارمر ہوں۔ انل بسواس کے درجے کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے منتخب کیا ہے۔ وہ اس اہم نکتے کو فراموش کرکے مجھے بَلی کا بکرا نہیں بنائیں گے۔''

عابد نے بے چینی سے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور مجھ سے سوال کیا ''ان آخری لمحات پر اپنا سارا پروگرام تبدیل کرکے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟''

''میرا یعنی ڈینی کا نام بے داغ رہے۔'' میں نے سگریٹ سلگا کر سکون سے جواب دیا ''میں نہیں چاہتا کہ میری اچانک روپوشی کے بعد دہلی کے باخبر حلقوں میں میرے بارے میں ناگفتہ کہانیاں عام ہوں۔ یہ کہا جائے کہ مظہر خان دونلا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو پاکستان کے لیے کام کررہا تھا مگر اس نے انل بسواس کے ذریعے را کو ڈبل کراس کیا' اس کے اہم رایکارڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور سب کچھ تباہ کرنے کے بعد اچانک دہلی سے غائب ہوگیا۔''

''یہ کہانی اسی طرح بنے گی۔ تمہارے رک جانے سے ان کی سوچ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تم بلاوجہ ایک بھیانک خطرہ مول لینے کی کوشش کررہے ہو۔ میں تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔'' عابد علی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

''تمہارا خیال ہے کہ وہ خاصی محنت سے ہاتھ آئے ہوئے ایک پاکستانی انفارمر کو خود اپنے ہاتھوں سے ضائع کردیں گے۔''

''وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں کہ چند گھنٹوں بعد نریش شرما کے دفتر میں آتش زنی اور ناگر کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دہلی میں پھیل جائے گی۔ ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر جلتی پر تیل کا کام کرے گی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ جلد از جلد ان وارداتوں کے مجرموں کو پکڑلیں۔''

اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''ابھی انہوں نے تم سے ابتدائی بات چیت کی ہے۔ ان کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہوسکتی۔ تم دہلی اور دوسرے شہروں میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں سے ایک ہو۔ اپنے ایک خوفناک مجرم کا سراغ لگانے کے لیے انہوں نے تمہاری ہڈیوں کا تیل بھی نکال دیا تو انہیں کوئی قلق نہیں ہوگا۔ بڑا ہدف حاصل کرنے کے لیے چھوٹے مہرے بہت بے رحمی سے پیٹ دیے یا پٹوا دیے

جاتے ہیں۔"

"میں اپنے ہوٹل سے یا دہلی سے غائب پایا گیا تو ان کی تمام توجہ میری طرف مبذول ہو جائے گی۔ انل بسواس سے لے کر بھارت کی وزارت خارجہ تک کے لیے یہ ایک آسان کہانی ہو گی کہ مظہر خان نامی ایک پاکستانی دہشت گرد، ہر بھارتی ایجنسی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دہلی پہنچا اور اپنا کام پورا کر کے اچانک یہاں سے غائب ہو گیا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ناگر نے غیر متوقع طور پر درمیان میں کود کر کئی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میری دانست میں ناگر کی وجہ سے تمہارے لیے خطرات کم نہیں ہوئے بلکہ اور بڑھ گئے ہیں۔" وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا "یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے کسی طرح اسے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسے استعمال کر کے نریش شرما کے دفتر میں گھسے اور پھر کام نکلنے کے بعد اسے بھی مار دیا۔"

"میں ایسے احمقانہ نظریات کی پروا نہیں کرتا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "رینا اجیت رائے گواہ ہے کہ ناگر سے مجھے پہلی ملاقات میں نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے دفتر میں میری اس سے ہلکی سی تلخی ہوئی۔ انل بسواس کو معلوم ہے کہ میں نے اس سے ناگر کی شکایت کی تھی۔ وہ سب ناگر کے ساتھی ہیں اور اس کی کینہ پرور فطرت سے واقف ہیں۔ وہ ان میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ ناگر سب کچھ بھول کر اچانک میرے ہاتھوں بک گیا ہو گا۔"

"تم نریش سے بھی کہہ چکے تھے کہ تم آگرہ جا کر غزالہ کو تاج محل دکھاؤ گے اور پھر جلد از جلد پاکستان واپس لوٹ جاؤ گے۔" چند لمحوں کی پر تشویش خاموشی کے بعد عابد علی نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں نے اسی ارادے سے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑا تھا۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "مگر اب میں نے چال بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اس کو بتانا چاہیے تھا کہ میں آگرہ جا رہا ہوں.... پھر اس سے وہ رابطے بھی معلوم کرنے تھے جو کراچی یا پاکستان میں مجھے استعمال کرنے تھے۔ یہ سب نہیں ہوا۔ گرین کوبرا فائل کے لیے ہمیں اچانک اور خاموشی سے ہوٹل چھوڑنا پڑا۔ اب ہم اسی طرح خاموشی سے دوبارہ اسی ہوٹل میں پہنچ جائیں گے۔ را والے ہماری طرف آئے تو ہمیں اپنی پرانی جگہ پر موجود پائیں گے۔"

"مظہر خان! یہ معاملہ اب اتنا سیدھا نہیں رہا۔" اس نے اصرار کیا "تم نے اپنا حساب بے باق کر کے ہوٹل چھوڑا تھا۔ یہ بات ہوٹل کے ریکارڈ پر ہو گی۔ تمہاری واپسی تم کو اور زیادہ مشتبہ بنا دے گی۔ رات سے اب تک کے وقت کا تم کیا حساب دو گے؟"

"بس یہی مسئلہ سب سے اہم ہے اور اس کا ایک مسکت جواب موجود ہے۔ ہم اس شہر میں اجنبی سیاح ہیں۔ ہم کناٹ پلیس اور انڈیا گیٹ وغیرہ میں گھومتے رہے اور پھر اتنے تھک گئے کہ آگرہ روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ دہلی سے امرتسر کی پرواز پر تم نے میرے اور غزالہ کے لیے مسٹر اور مسز بلی کے چوپڑہ کے نام استعمال کیے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ ہمارا امرتسر کی طرف فرار ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔"

"را جیسے ادارے بہت سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ ثبوت اور گواہی پر نہیں چلتے۔ بس کسی کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہو جائے تو اسی پر کارروائی کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ بقیہ کمی تھرڈ ڈگری کے تشدد سے پوری کر لی جاتی ہے۔"

"مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں آہنی اعصاب کا مالک نہیں ہوں۔" میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "میں نے راستے میں اپنے اقدام کے نتائج کے بارے میں خاصا غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ میرا یہاں رکنا میرے لیے سود مند ہو گا۔ میں نے فرار یا روپوشی کی راہ اختیار کی تو مظہر خان اور غزالہ کا نام جھنڈے پر چڑھ جائے گا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے ممنوعہ بن جائے گی اور میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو۔" عابد علی نے تھک کر ہتھیار ڈال دیے "میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ را والے تمہارے ساتھ جو بدسلوکی کریں گے، اسے روکنا ہمارے بس سے باہر ہو گا۔ ہم پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ کیسی ہی ناگزیر مجبوری کیوں نہ ہو، کھل کر سامنے نہیں آ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ بس دعا ضرور کرنا کہ میرا فیصلہ درست ثابت ہو۔"

"کاش! میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھا سکتا۔" وہ جذبات سے قدرے مغلوب ہو کر بولا "میرا رواں رواں تمہاری کامیابی کا آرزو مند ہے لیکن میرے دل میں اندیشوں کے سنپولیے کلبلا رہے ہیں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہ فیصلہ تم کو اذیتوں میں ڈال دے گا۔"

وہ عابد علی کا آخری اور بھرپور حربہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کی پشت پر ہلکی سی تھپکی دی اور کہا "تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب مزید کچھ نہ کہنا۔ ویرانوں کا سفر کہنے

والے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کریں لیکن بات پوچھ گچھ سے آگے نہیں بڑھے گی اور چند روز کے بعد مجھے ایک بار پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے اور انجن بند ہونے کی ہلکی آوازیں آئیں جو رات کے گہرے سناٹے میں کافی نمایاں تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ، سرلا دیوی کے ساتھ واپس لوٹ آئی ہوگی مگر عابد علی کے چہرے کے وحشت انگیز تاثرات دیکھ میں بوکھلا گیا۔

"خاموشی سے باہر رینگ آؤ!" کمرے کی بند فضا میں عابد کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں تک پہنچی "یہ سرلا کی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں ہے۔ ہمیں چھپ کر دیکھنا ہوگا کہ ایسے نامناسب وقت پر کون یہاں آیا ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ پر نہیں رکا۔ بات پوری کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی بات حق بجانب تھی۔ اس وقت خطرے کے کسی بعید ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کسی تردد کے بغیر خاموشی سے اس کی تقلید کی۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو وہ برآمدے میں روشن اکلوتا بلب بند کر چکا تھا۔

احاطے کا دروازہ کھل رہا تھا ہمارے پاس مزید مہلت نہیں تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، دیوار سے چپک گئے۔

تاریکی میں متحرک تاریک تر نسوانی ہیولا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ وہ آواز عابد کے لیے نئی تھی۔ ہم دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ غزالہ کس کے ساتھ اور کیوں آئی تھی اس لیے میں نے اپنی زبان سختی سے بند رکھی۔ اسی اثنا میں گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور وہ ہیڈ لیمپس روشن ہونے کے بعد تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دل میں اندیشے بیدار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے میں نے یہ دیکھا کہ غزالہ کی چال ہموار تھی پھر جانے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں، میں نے اس کے لباس کو صحیح حالت میں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بد حال کر دینے والی کسی آفت سے گزرے بغیر لوٹ آئی تھی۔

غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹیکسی سے آئی تھی۔ نہ جانے دہلی کا وہ کون سا شریف ٹیکسی ڈرائیور تھا جس نے غزالہ جیسی خوب رو اور جواں سال عورت کو منہ اندھیرے اس کے دیے ہوئے صحیح پتے پر پہنچا دیا تھا.... غزالہ نے وہ گیسٹ ہاؤس دیکھا ہوا ضرور تھا مگر اسے اس کا پتا کیسے معلوم ہوا.... سرلا دیوی خود کہاں رہ گئی تھی.... غزالہ کو واپسی کا سفر تنہا کیوں کرنا پڑا؟

چند ثانیوں میں وہ متعدد سوالات میرے ذہن میں ابھر آئے۔ گیسٹ ہاؤس کا احاطہ مختصر سا تھا۔ چند لمحوں بعد میں غزالہ کے سامنے تھا۔

برآمدے میں تاریکی پھیلتی دیکھ کر غزالہ کو گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے خاموشی اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے میں لے گیا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے عابد علی بھی کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔

"سرلا کہاں رہ گئی؟ تم اکیلی کیوں آئی ہو؟" دروازہ بند کرتے ہی عابد نے سوال کر ڈالے۔

"سڑک پار کرتے ہوئے، سرلا کی ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ فکر مت کرو۔ خیریت ہو گئی۔ اس کی بائیں پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے۔ کوئی اور کاری زخم نہیں آیا۔ وہ راج گھاٹ اسپتال میں ہے اور میں سیدھی وہیں سے آ رہی ہوں۔"

غزالہ نے ایک ہی سانس میں ہر بات کہہ ڈالی۔
ہنڈلی ٹوٹنا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر دوسری الجھنیں طاری تھیں اس لیے عابد علی نے بھی اس اطلاع کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور قدرے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا "عجیب عورت ہے وہ.... کوئی حادثہ ہوگیا تھا اور وہ ہوش و حواس میں تھی تو فون تو کر سکتی تھی۔"
"یہ ڈیڑھ بجے کا واقعہ ہے۔" غزالہ نے تھکے ہارے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا "اس نے مجھے یہاں کا فون نمبر دیا تھا۔ میں تین بجے تک بار بار پبلک فون سے نمبر ملاتی رہی لیکن یہاں سے کوئی جواب نہیں ملا...."
"ہاں!" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا "ہم پونے چار بجے کے قریب یہاں واپس آئے تھے۔"
"اس بے چاری کو اپنی چوٹ سے زیادہ میری واپسی کی فکر تھی۔" غزالہ نے ترحم آمیز لہجے میں بتایا "اسے یہ معلوم تھا کہ مجھے چار بجے تک یہاں واپس پہنچ جانا چاہیے۔ اس نے ایمرجنسی ڈیوٹی سے واپس جانے والے ایک ڈاکٹر کی خوشامد کر کے مجھے واپس بھجوایا ہے۔ راستے میں وہ بتا رہا تھا کہ مجھے پہنچانے کی وجہ سے اس کے گھر کا فاصلہ دس گیارہ کلو میٹر بڑھ گیا۔ وہ بہت ہی شریف اور مہذب آدمی تھا۔"
"سرلا کی گاڑی کہاں ہے....؟ یہ پولیس کیس تو ضرور بنا ہوگا۔" عابد فکر مند ہوگیا۔
"سرلا کی گاڑی بازار کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی وہ خود کر سکے گی۔ اسے ٹکر مارنے والا گاڑی سمیت موقع سے بھاگ گیا تھا۔" غزالہ بتا رہی تھی "لوگوں نے اٹھا کر اسے قریبی اسپتال تک پہنچا دیا۔ وہ بڑا اسپتال ہے مگر وہ پولیس کیس نہیں لیتے۔ سرلا نے اودھم مچا دیا کہ اس کا خون ضائع ہو رہا ہے۔ اسے پولیس رپورٹ نہیں، صرف طبّی امداد چاہیے۔ بھاگنے والا کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے سرلا سے ایک تحریر پر دستخط لینے کے بعد اسے تھیٹر میں پہنچا دیا۔ پلاسٹر اور دواؤں کے اثر سے تھوڑی دیر بعد اس کی حالت بہتر ہوگئی تھی۔"
"تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ چھ بجے کی پرواز سے تمہیں امرتسر جانا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"اس نے پوچھا نہ میں نے بتایا۔" غزالہ نے وضاحت کی "وہ بے چاری زخمی ہونے کے بعد بھی میری واپسی کے بارے میں فکر مند تھی۔"
"اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ چار بجے تم دونوں چلے جاؤ گے۔" عابد نے کہا "اس سے امرتسر یا آگرے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔"
"بات ذرا بے رحمانہ ہے۔" میں نے غور سے عابد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "لیکن تم اجازت دو تو ہم ہوٹل سے اپنی غیر حاضری کے جواز میں سرلا والے حادثے کو استعمال کر ڈالیں۔ راج گھاٹ اسپتال سے تصدیق ہو جائے گی کہ غزالہ کی سہیلی وہاں زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔"
"نہیں، میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ سرلا کو غزالہ کا نام نلنی بتایا گیا تھا۔" اس نے کہا۔
"وہ شروع سے آخر تک مجھے نلنی ہی کہتی رہی۔" غزالہ نے فوراً عابد کے بیان کی تصدیق کر دی۔
وہ اہم ترین نکتہ تھا۔ سفری دستاویزات اور ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام غزالہ تھا۔ سرلا دیوی اسے نلنی کے نام سے پہچانتی تو شبے کی ابتدا ہو جاتی اور پھر بال کی کھال نکلنی شروع ہو جاتی۔ میں نے وہ خیال اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔
"تم اپنی بات پر قائم ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فائلوں کا بندوبست مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" عابد نے کہا۔
"مجبوری ہے۔ ذرا بنڈل نکالو۔ میں ایک نظر دیکھ تو لوں کہ ان میں کیا کچھ ہے۔" میں نے خواہش ظاہر کی۔
"آپ لوگوں کے مشن کا کیا رہا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"مکمل ترین کامیابی حاصل ہوئی۔" میں نے آسودہ لہجے میں اسے بتایا "ڈرین کوبرا فائل کے ساتھ پاکستان سے متعلق بہت سا اہم ریکارڈ ہاتھ آیا ہے۔ را والوں کا اہم ترین ریکارڈ اب تک جل کر خاک ہو چکا ہوگا۔ اسی ملبے میں ناگر کی خاکستر لاش بھی ہوگی۔"
"ناگر....!" غزالہ کے دہانے سے دبی دبی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "وہ وہاں کہاں سے آگیا۔"
"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کی موت اسے وہاں کھینچ لائی تھی۔"
اسی اثنا میں عابد مسہری کے نیچے سے فائلوں کا بندھا ہوا بنڈل لے آیا۔
"یہ سب ہو چکا ہے تو اب وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی مضطربانہ آواز آئی "اب ہمیں جلد از جلد دہلی سے نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی ان مصروفیتوں میں امرتسر کی پرواز ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ ساڑھے چار بج چکے ہیں۔"

میں نے فائل کے اوراق سے نظریں اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کہا "اب امرتسر کو بھول جاؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ فی الحال دہلی میں رک کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کریں گے۔ نئی کامیابی کے بعد پروگرام کی یہ تبدیلی ضروری ہو گئی تھی۔"

حیرت سے غزالہ کی بڑی بڑی اور نشیلی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں اور اس نے تقریباً بے اعتباری سے دہرایا "آپ یہیں ٹھہریں گے۔ کیا اس طرح ہم غیر ضروری خطرات کو دعوت نہیں دیں گے؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن مظہر اس سے متفق نہیں ہیں۔" عابد علی کو اپنی بات ایک مرتبہ پھر دہرانے کا موقع مل گیا۔

غزالہ نے اس بے چارے کی امیدوں پر اسی لمحے اوس ڈال دی۔ اس نے کسی تذبذب کے بغیر کہا "اگر آپ نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر درست ہی ہوگا۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے لیکن بے چاری این کا ویل اس تبدیلی سے پریشان ہو جائے گی۔"

این کا ویل کے ذکر پر عابد علی چونکا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا "کیوں؟ اسے کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے؟"

"وہ رات کی ٹرین سے امرتسر کے لیے نکل چکی ہوگی۔ صبح وہاں پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گی۔"

"یہ اس کی غلطی ہوگی۔ میں نے مل جانے کا سرسری تذکرہ کیا تھا۔ اس سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا تھا۔ ہم نہ پہنچے تب بھی اسے اٹاری کے راستے لاہور کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ ہماری اور اس کی ڈیں آپس میں بندھی ہوئی نہیں ہیں۔"

"این کب تک امرتسر پہنچے گی۔" عابد علی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہ ریلوے شیڈول سے معلوم ہو سکے گا' اسے بتا دیا گیا تھا کہ آج رات اسے ہر حال میں دہلی سے نکل جانا ہے۔" میں نے فائلیں دوبارہ باندھتے ہوئے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ رات کی آخری ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل گئی ہوگی۔"

"یہ فائلیں آپ لوگ را کے دفتر سے لائے ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ان میں کیا مواد ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر فائل میں کرپٹوگرافی استعمال کی گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ ان فائلوں کو پڑھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہر لفظ' فقرہ اور نقشہ خفیہ زبان میں ہے جسے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین پڑھ سکیں گے۔" عابد نے تبصرہ کیا "ہم صرف را کے نام اور مونوگرام کو سمجھ سکتے ہیں۔"

مجھے یاد آ گیا کہ نریش شرما کے دفتر میں' میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں سرگرداں تھا اور عابد علی عرف گوپال ان کار آمد فائلوں میں اپنا سر کھپا رہا تھا جس کی تلاش آئی بی والوں کے لیے اولین ترجیح کا درجہ رکھتی تھی۔

"تمہیں این کے امرتسر پہنچنے کے وقت میں یکایک کیوں دلچسپی پیدا ہو گئی؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اگر اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے تو میری ایک مشکل آسان ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"تم کو اندر کی ہر بات معلوم ہے۔ اس کے رنگ و روپ پر نہ جاؤ۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ امریکی ضرور لگتی ہے مگر اس کا دل ہم سب سے زیادہ پاکستانی ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں اور خرابیوں کے باوجود وہ پاکستان کے لیے اپنی جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھتی ہے۔"

"پھر میں چھ بجے والی پرواز سے خود امرتسر جاتا ہوں۔" دہلی سے ویرا کی واپسی کا پروگرام سن لینے کے بعد وہ اچانک بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "این ایسی عورت ہے کہ میرے لیے امرتسر میں اس تک پہنچنا دشوار نہیں ہوگا۔ وہ کہیں بھی نہ ملی تو امرتسر سے واہگہ کی طرف جانے والی ٹرین پر ضرور مل جائے گی۔ میں یہ فائلیں ایک تھیلے میں ڈال کر اسے دے دوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ فائلیں ہمارے ہاتھ آ گئی تھیں تو ان کا زیادہ دیر تک بھارت میں رہنا خطرناک تھا۔ حالات کسی بھی وقت پلٹا کھا سکتے تھے اگر کسی وجہ سے وہ فائلیں ہمارے ہاتھ سے نکل جاتیں تو ہم میں سے کوئی بھی عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

"تم ضرور کوشش کرو۔ ہم دونوں اس پرواز پر نہیں جا رہے۔ تمہیں جگہ مل جانی چاہیے۔"

"کوئی اپنی نیند خراب کر کے اتنے سویرے' مہنگا ہوائی سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے سیٹ آسانی سے مل جائے گی۔ یہ پرواز ان لوگوں کے لیے ہے جو چند گھنٹے امرتسر میں گزار کر لاہور کی طرف سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"این سفید فام ہے۔ اس پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ لاہور میں اسے اس ذمے داری سے جلد از

جلد سبکدوش کردیا جائے۔"
"دہلی سرحد سے دور ہے اور پھر صدر مقام ہے۔ یہاں ہم بہت محتاط رہتے ہیں۔ امرتسر اور لاہور والوں کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ واہگہ یا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر جلال صاحب خود اپنی سے وہ تھیلا لے لیں۔"
"یہ بندوبست ہر اعتبار سے بہتر اور شاندار رہے گا۔" میں نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔
ان اہم فائلوں کو پاکستان پہنچانے کی وہ راہ عابد کو اچانک سوجھی تھی۔ اس نے اپنے بے سرو سامان کمرے میں تھیلا تلاش کرنا شروع کردیا۔ وہاں ان لوگوں کی ضروریات بہت محدود اور مختصر تھیں اس لیے کوئی تھیلا وغیرہ نہیں مل سکا۔ شاپنگ بیگ اس قدر ہلکا اور غیر محفوظ تھا کہ زیادہ دیر تک گیارہ فائلوں کا بوجھ نہیں سہار سکتا تھا۔ کہیں بھی تھیلے کی تیلی سی پرت پھٹتی اور سارے خفیہ کاغذ بکھر کر رہ جاتے۔
اس موقع پر غزالہ کی نسوانی ذہانت کام آئی۔ اس نے ایک تکیے کا غلاف اتار کر عابد کے سامنے پیش کردیا۔ غلاف میں نہ صرف ساری فائلیں سما گئیں بلکہ مضبوطی سے لپٹ بھی گئیں۔ عابد نے اس غلاف کو مضبوطی سے باندھا، شاپنگ بیگ میں ڈالا اور پھر ایک چرمی دستی بیگ میں محفوظ کرلیا۔
وہ اس تھیلے کے ساتھ امرتسر کی طرف سفر کرنے کے لیے تیار تھا۔ ہم دونوں کو اپنے مختصر اسباب کے ساتھ ہوٹل واپسی کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔
عابد کے لیے اس وقت بھی صرف گرین کوبرا فائل اہم ترین تھی جس کے حصول کے لیے اسے اپنے افسران بالا کی طرف سے ہدایت ملی ہوئی تھی۔ دیگر دس فائلوں کی افادیت کا اسے حقیقی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس پورے پلندے کے لیے بار بار صرف جی سی کا کوڈ استعمال کررہا تھا۔
امرتسر میں عابد کو جی سی والا تھیلا دیرا کے حوالے کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنا کام پورا کرتے ہی وہ اگلی پرواز سے دہلی واپس لوٹ آئے گا۔ اس دوران میں وہ اپنی گاڑی پوری بے فکری سے دہلی ایرپورٹ پر چھوڑ سکتا تھا۔
اس وقت حالات کچھ ایسی نہج پر آگئے تھے کہ وہ دہلی سے اپنی غیر حاضری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں کو بریف کرنا تھا۔ سرلا دیوی حادثاتی طور پر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ اس کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی کیونکہ دہلی میں ان کا خفیہ ٹھکانا اور باہمی رابطہ اسی کے ذریعے چل رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے ایرٹیس ناگزیر ضرورت کے تحت ہی استعمال کرتے تھے کیونکہ عام اور کھلی ہوئی جگہوں پر اس کی نمائش ناممکن تھی جبکہ فون ہر وقت اور ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔
وہ بھارت میں مامور انٹیلی جنس بیورو والوں کے اپنے انتظامی معاملات تھے جن سے کسی نہ کسی حد تک میرا تعلق بھی استوار ہوچکا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عابد کے لیے یہ بات اہم تھی کہ میں ایک خطرناک فیصلہ کرچکا تھا۔
اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر، مجھ سے کھلے الفاظ میں معذرت کرلی تھی کہ میرے اندازوں کے برعکس اگر میرے ساتھ کوئی سختی کی گئی تو وہ یا اس کے ساتھی میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے پھر بھی میری سلامتی کی طرف سے غافل اور لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔
تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں نے سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس کو الوداع کہہ دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ عابد ہمیں ہمارے ہوٹل کے قریب چھوڑ کر تیزی سے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوجائے گا تاکہ وقت ضائع کیے بغیر امرتسر میں دیرا تک پہنچ سکے۔
گیسٹ ہاؤس سے ہوٹل کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے عابد کو سختی سے منع کردیا کہ وہ دیرا کو ہمارے پروگرام میں تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ اگر اس کی کھوپڑی میں یہ بات سما جاتی کہ ہم اسے بھارت سے روانہ کرکے بے فکری سے اپنا کام جاری رکھنا چاہتے ہیں تو وہ خاص طور پر میری طرف سے بدگمان ہوجاتی اور اسی لمحے لاہور جانے کا ارادہ ترک کرکے دہلی واپس لوٹنے کی تیاری شروع کردیتی۔
ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے ہم کناٹ پلیس کے ایک حصے میں الگ ہوگئے۔ عابد اپنی گاڑی میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں تھکے ہارے سیاحوں کی طرح خراماں خراماں ہوٹل کی راہ ہو لیے۔
کناٹ پلیس کی جگمگاتی ہوئی دکانیں بند ہوچکی تھیں، ساری رونقیں دم توڑ چکی تھیں مگر پھر بھی وہ علاقہ سنسان نہیں ہوا تھا۔ کہیں کہیں کوئی شب بیدار جوڑا یا کوئی بہکا ہوا شرابی مست خرامی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ شہر کے ان مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے دہلی کے بلدیاتی عملے کے متعدد مرد و زن اپنی جھاڑو تھیں سنبھالے سڑکوں پر نکل آئے تھے تاکہ اگلی صبح کے بازار سجنے سے پہلے پچھلے روز کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ٹھکانے لگاسکیں۔
ہم ہوٹل کے روشن مگر خوابیدہ پورچ میں داخل ہوئے تو

باوردی دربان نے دور ہی سے اندازہ لگالیا کہ ہوٹل کے تھکے ہارے مہمان واپس آرہے ہیں۔ اس کے ایما پر ایک نوجوان اور باوردی پورٹر دروازہ کھول کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے مختصر تھیلے اپنی تحویل میں لے لیے۔ وہ بوجھ زیادہ نہیں تھا مگر اس وقت مجھے گراں گزر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہوٹل کا مستعد عملہ اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے اتنا چوکنا رہتا تھا۔

مسافروں سے معقول ٹپ کی امید اپنی جگہ ایک محرک تھی لیکن اس کے باوجود وہ سروس متاثر کن تھی۔

رات اپنے آخری سانس پورے کرکے دم توڑ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح کا ملگجا اجالا' رات کے گھور اندھیروں کو نگل جانے والا تھا۔ ان لمحات میں ہوٹل کے عملے پر بھی تکان اور سستی طاری ہوچکی تھی مگر مجھے دیکھتے ہی کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجالی تھی۔ غزالہ کاؤنٹر سے ذرا دور رک گئی تھی۔

وہ لڑکی میرے لیے اجنبی تھی مگر نوید یہ تھی کہ ہوٹل میں کمرے دستیاب تھے۔ میرے مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ کمرا بھی خالی تھا جو پچھلی شام تک ہمارے تصرف میں تھا۔ بظاہر ہوٹل میں میرا وہ قیام پچھلے قیام کا تسلسل تھا لیکن اس لڑکی کی حد تک سب کچھ نیا تھا۔ اس بار میں نے پچھلی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمروں کی فرمائش کی۔

میرے پرانے کمرے سے ملحق کوئی کمرا خالی نہیں تھا مگر لڑکی نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے غزالہ کے لیے اسی فلور کا ایک قریب ترین کمرا بک کردیا۔ مختصر سی رسمی کارروائی کی تکمیل کے دوران میں لڑکی پر منکشف ہوا کہ پچھلی شام ہم اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ غیر ملکی بلکہ شاید پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ بتانا ضروری تھا اس ہوٹل میں قیام سے پہلے ہم کہاں رہ رہے تھے۔

ہم ہوٹل کے چیک ان ٹائم سے پہلے بلکہ علی الصباح ہوٹل پہنچے تھے اور ہم پر گزری ہوئی رات کا کرایہ ادا کرنا واجب تھا یوں اصولی طور پر اس ہوٹل میں ہمارا قیام مسلسل ہوگیا۔ بس درمیان میں بکنگ کی تنسیخ اور تجدید کا مختصر دورانیہ تھا جو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھا۔

الگ الگ کمروں کی تجویز مجھے بروقت سوجھی تھی۔ میں نے وہ بات غزالہ کو بتائی تو اس کا منہ بن گیا "اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کمروں کے در و دیوار تکنے کے لیے تو یہاں نہیں آئے۔ میں آپ کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"جہاں چاہو' رہ لینا۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ نہ بھولو کہ پاسپورٹ کے مطابق ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ ہمارے ایک کمرے میں قیام کی وجہ سے چیکنگ کے دوران میں ایک پولیس افسر اور پھر رینا اجیت رائے ہماری طرف متوجہ ہوئی تھی۔"

وہ تلخ تجربہ یاد آتے ہی غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی "آپ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور وہ بھی بلاجواز نہیں ہوتا۔"

پورٹر ہمارے سفری تھیلے لیے 'لفٹ کے پاس ہمارا منتظر تھا۔ مختصر سے باہمی مذاکرات کے بعد ہم اسی طرف ہولیے۔ ہمیں ہم دونوں کے کمروں تک پہنچانے کے بعد پورٹر نے بخشش لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت غزالہ میرے کمرے میں تھی۔

کمرے کے خنک اور خواب آور ماحول میں پہنچتے ہی رات بھر کی لمبی بھاگ دوڑ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ ناگر سے ہونے والی دست بہ دست لڑائی میں آنے والی چند اندرونی ضربات کی تکلیف بھی سر ابھار رہی تھی مگر میں ناگر کے قتل اور را کے ایک ونگ میں آتش زنی کے بعد پولیس یا کسی ایجنسی کا پہلی بار سامنا کرنے تک بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔

میری کوشش تھی کہ میرے کمرے میں کوئی مشتبہ چیز موجود نہ ہو۔ میں نے اپنے بیگ میں سے بیم گن اور عابد کا دیا ہوا اپریٹس نکالا اور غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔ وہ چیزیں وہاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

"آپ سی ایس ڈی بھول گئے۔" میرے کمرے سے نکلتے ہوئے غزالہ نے یاد دلایا۔

"محفوظ رابطے کے لیے وہ آلہ ناگزیر ہے۔ اسے میں نے دانستہ روک لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت ایسی ہر چیز خطرناک ہے۔ آنے والے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ آئیں گے۔ آپ کو کم از کم اگلا چوبیس گھنٹوں تک بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ این جا چکی ہے۔ عابد بھی شہر چھوڑنے والا ہے۔ آپ کو کس سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ غزالہ کا آخری سوال واقعی جان دار تھا۔ میں سی ایس ڈی لینے کے لیے واپس مڑ گیا۔

ہوٹل کے ایک ہی فلور پر واقع میرے اور غزالہ کے کمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ بیش قیمت فرنیچر میں کوئی

ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ تینوں چیزیں چھپائی جاسکیں۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد میں ایک گوشے میں سے فالس سیلنگ کا بڑا سا ٹکڑا اوپر اٹھانے میں کامیاب ہوگیا جو شاید برقی تاروں اور ایئرکنڈیشننگ کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے مضبوطی سے نہیں جوڑا گیا تھا۔

یہ خطرہ تھا کہ ہوٹل کا فنی عملہ کسی شکایت کی صورت میں اس مقام تک پہنچ جاتا لیکن میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ ابتدائی خطرناک وقت پورا ہونے تک ہم میں سے کوئی ہوٹل والوں سے کسی قسم کی شکایت نہیں کرے گا۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ دوسرے کمروں کی شکایت کے ازالے کے لیے ہمارے کمروں کے کسی حصے کی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت محسوس کی جاتی۔

غزالہ نے اپنا کمرا مقفل کیا۔ ہم دونوں نے پرانے کمرے میں لوٹ کر باری باری شب خوابی کے کپڑے پہنے اور خنک فضا میں آرام دہ بستر پر ڈھیر ہوگئے۔

میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہا پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گھنٹیاں ہی گھنٹیاں بج رہی ہوں اور کچھ نامعلوم لوگ میرے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کررہے ہوں۔

ابتدا میں شاید وہ خواب کا حصہ تھا لیکن وہ خواب حقیقت پر اتنا حاوی تھا کہ میری نیند زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور آنکھ کھل گئی۔

میرا کمرا واقعی آوازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک طرف فون کی گھنٹی مسلسل بجے جارہی تھی۔ دوسری طرف کوئی خاصی تیز آواز میں میرے کمرے کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے بے اختیار غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ چادر اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے میں فیصلہ نہ کرسکا کہ پہلے کدھر توجہ دوں۔ فون میرے قریب بلکہ سرہانے بج رہا تھا اس لیے میرا ہاتھ خود بہ خود ریسیور کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری طرف جو کوئی بھی تھا، پھٹ پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہوتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ ریسیور اٹھالیا گیا تھا۔ میری کوئی آواز سننے سے پہلے ہی اس نے بولنا شروع کردیا "ابھی تک کہاں مرا ہوا ہے..... دروازہ کھول ورنہ میرے ساتھی دروازہ اکھاڑ دیں گے۔"

وہ غراہٹ سنتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی غنڈا گردی اور دیدہ دلیری میرے تصور سے باہر تھی۔ میں جن لوگوں کی زد میں آیا ہوا تھا، ان سے کچھ بھی بعید از قیاس نہیں تھا۔ وہ ہر قسم کی درندگی اور زبردستی کے مظاہرے پر قادر تھا۔

مجھے یقین ہوگیا کہ وہ را کا کوئی آدمی تھا جو ہوٹل کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے مجھے بیدار کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اوپر اس کے ساتھی میرے کمرے کے دروازے پر موجود تھے۔ میرے لیے دروازہ کھولنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

میں را والوں کی طرف سے ایسے کسی بھی وحشیانہ ابتدائی ردِعمل کے لیے تیار تھا۔ ان کا خونی بھیڑیا اپنے ہی ایک دفتر میں عبرت ناک موت مارا جاچکا تھا۔ ان کا اہم ترین ریکارڈ آگ کے بے رحم شعلے چاٹ گئے تھے۔ کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح وہ کہیں بھی پھن مار سکتے تھے۔

اگر میں کمرے کا دروازہ کھولنے میں تاخیر کرتا تو وہ شاید دروازہ نہ اکھاڑتے لیکن ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لے کر ماسٹر کی کے ذریعے تالا کھلوا سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے بستر چھوڑا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی دو صحت منداور جوشیلے نوجوان اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہوجاؤ۔" مسلح نوجوان اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر تیزی سے غرایا۔

وہ دونوں خاصے مشتعل نظر آرہے تھے۔ میں نے خاموشی سے اس حکم پر عمل کرڈالا۔ اس دوران میں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی کسی توقف کے بغیر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

اس دوران میں غزالہ کی نیند بھی اچٹ چکی تھی۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی "یہ کیا طوفانِ بدتمیزی پھیلا ہوا ہے.... تم کون ہو اور کس کی اجازت سے کمرے میں آئے ہو.... یہاں کے سامان کو کیوں الٹ پلٹ رہے ہو؟"

"بک بک مت کرو اور خاموش بیٹھی رہو۔" میرے کانوں میں دوسرے شخص کی آواز آئی "ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر تم نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری ٹھکائی کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

اس کا وہ جواب تلخ اور بدتمیزی پر مبنی تھا مگر میں نے اپنے دماغ کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس جواب میں ایک دل خوش کن پیغام چھپا ہوا محسوس کیا۔ اس نے غزالہ کی ٹھکائی کے ساتھ مجبوری کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غزالہ کے ساتھ تشدد کرنے کا

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی طرف سے کوئی مزاحمت کی جاتی تو وہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاتے۔

غزالہ کی ذہانت سے مجھے امید تھی کہ اس نے بھی نو وارد کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ لیا ہو گا اور اس کی روشنی میں محتاط رویہ اختیار کرے گی تاکہ اسے ان کی طرف سے کسی زیادتی کا خطرہ پیدا نہ ہو۔

غزالہ نے اس دوران میں شاید یہ دیکھ لیا تھا کہ میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور دیوار سے منہ لگائے کھڑا تھا۔ اپنی پوزیشن کی وجہ سے مجھے علم نہیں تھا کہ کمرے میں کیا کارروائی ہو رہی تھی۔ غزالہ نے مجھے ان کے عزائم سے باخبر کرنے کے لیے بلند آواز میں کہا "تم نے پورا کمرا بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"ہمیں تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔" دوسرے نے درشت آواز میں جواب دیا "ہم اپنا کام خود کر لیں گے۔ تم خاموش کھڑی رہو۔ ہمارا وقت برباد نہ کرو ورنہ تم ایک ہی ضرب میں کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

یہ قدرت کی طرف سے ایک انعام تھا کہ ان دونوں کا تعلق مردوں کے اس قبیلے سے تھا جو عورتوں کے بارے میں صاف ستھری سوچ رکھتا ہے ورنہ اس وقت تک را کے بارے میں جو کچھ سامنے آیا تھا، وہ بہت کریہہ اور گھناؤنا تھا۔

بھارت کی سب سے زیادہ فعال خفیہ ایجنسی را کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں بھارت کی سول اور فوجی ایجنسیوں کی مایوس کن کارکردگی اور اس کے نتیجے میں نیفا میں چین کے ہاتھوں بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی کہ نئی بنیادوں پر نئے خون کے ساتھ کسی خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی جائے تاکہ آئندہ ایسی فاش غلطیوں کا اعادہ نہ ہو سکے۔

را کے کھاگ بانی نے اس کام کی ابتدا پیشہ ورانہ بنیادوں پر کی تھی لیکن جلد ہی را کا چلن بدلنا شروع ہو گیا اور اس کے بڑوں نے گرد و پیش کے ملکوں میں بڑھتے ہوئے معاشرتی اختلاط اور بے راہ روی کی بنیادوں پر عورتوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہندو مذہب اور معاشرت میں ہمیشہ سے مرد کو ناقابلِ شکست برتری حاصل رہی ہے۔ عورت کو تیسرا اور سب سے نچلا درجہ دیا جاتا ہے۔ رنڈوے مرد کو معاشرے میں پوری عزت دی جاتی تھی لیکن چند عشروں پہلے تک بیواؤں کو منحوس اور بدقسمت قرار دے کر اپنے شوہروں کی چتا میں زندہ جل مرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جدید بھارت میں وہ شرمناک مظاہر خال خال باقی رہ گئے تھے لیکن عورت کی ذلت و تحقیر کا سلسلہ جاری تھا۔ بہت سے خاندان بیواؤں کو اپنے لیے نیک شگون نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو سسرال والے قبول کرتے تھے نہ میکے والے کوئی جگہ دینے کو تیار ہوتے تھے۔

ایسی مجبور اور بے سہارا عورتوں کے گزارے کے لیے پورے بھارت میں جابجا اناتھ آشرم قائم تھے جہاں ایسی عورتوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان آشرموں میں پنڈت، پنت، مہنت اور پجاری خوب صورت اور جوان بیواؤں کے وجود سے اپنی شاموں کو حسین بناتے تھے۔ یہ واقعات کھلے راز کی طرح ہر بھارتی کے علم میں تھے لیکن کوئی اس ظلم پر احتجاج نہیں کرتا تھا کیونکہ ان کے دھرم میں عورت ایک پست مخلوق تھی جسے مرد کی خدمت، خوشی، عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اپنے شوہروں کو نگل جانے والی عورتوں کے لیے پورے ہندو سماج میں ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا!

ہندوؤں کا وہ نظریہ بہت خاموشی کے ساتھ را کی صفوں میں سرایت کر گیا جو کام بھارت کی ایک سندر ناری اپنے ناز نخروں کے بل پر کر سکتی تھی اسے کئی سورما مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔ را والوں نے حسین و جمیل اور پرشباب بھارتی لڑکیوں کو اپنی بھٹی کا ایندھن بنانا شروع کر دیا۔

وہ عورتوں سے کام لے رہے تھے لیکن مذہبی اور عملی طور پر عورت کی برتری کے ذرا بھی قائل نہیں تھے۔ یہ بھارت کے کچلے ہوئے اور مظلوم طبقوں کی خوش قسمتی تھی کہ اندرا گاندھی ان کے کثیر ووٹوں سے ملک پر حکمرانی کرتی تھی لیکن بھارت میں ایک عام عورت کو خاص حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

را میں کبھی کوئی عورت کسی قابل ذکر منصب تک نہیں پہنچ سکی تھی مگر بھارت کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ را کی نچلی سطح پر عورتوں بلکہ لڑکیوں سے بے زبان بکریوں کے ریوڑ کی طرح کام لیا جاتا تھا جو شکار کرنے کے چکر میں بار بار اپنی آبرو کی پامالی سے دوچار ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے شکاروں کی شکار ہی نہیں ہوتی تھیں، ان کے بڑے افسران بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔

آوارگی اور بے آبروئی کے ایسے شرمناک فلسفے پر عمل کرنے والی ایک بھارتی ایجنسی سے تعلق رکھنے والے ان افراد کا یہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ غزالہ کے ساتھ میں نے بھارت میں رک کر ایک بھیانک اور روح فرسا خطرہ مول لیا تھا۔ میری نیت

صاف تھی۔ شاید اسی لیے وہ دونوں مہمان ہمارے کمرے میں آئے تھے ورنہ ان کی جگہ ایسے درندے بھی آسکتے تھے جو مجھ سے کوئی بات کرنے سے پہلے غزالہ کو زبردستی ہوٹل سے اٹھالے جاتے۔

دوسرا شخص کمرے کی تلاشی لیتا رہا۔ چند منٹ بعد مسلح نوجوانوں نے اپنے ریوالور کی سرد نال میری گردن سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے میری جامہ تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے کچھ برآمد ہوا' نہ کمرے میں کچھ مل سکا۔ آخر کار مجھے ہاتھ نیچے گرا کر ان کا سامنا کرنے کی اجازت مل گئی۔

"تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" مسلح نوجوان نے اپنا فرمان سنایا۔

"کہاں اور تم کون لوگ ہو؟" میں نے نرم لہجے میں رسانیت سے پوچھا۔

"ہم سرکاری آدمی ہیں۔ تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔" اس نے اٹل لہجے میں گول مول سا جواب دیا۔

"اوہ! تو تم انہیں گرفتار کرنے آئے ہو؟" غزالہ نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"میں نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ پوچھ گچھ کے نتیجے میں اس کی نوبت بھی آجائے۔"

میرے ساتھ شاید غزالہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دونوں را کے اہل کار تھے اور مجھے لے جانے کے لیے مکاری سے کام لے رہے تھے۔

ہم دونوں بھارتی سرزمین پر غیر ملکی تھے۔ اپنے پاسپورٹوں کے حوالے سے ہمارا یہ استحقاق بنتا تھا کہ بھارتی پولیس یا کوئی اور ایجنسی ہمیں کسی الزام میں گرفتار کرے تو تحریری طور پر ہمارے مقامی سفارت خانے کو گرفتاری اور اس کے اسباب سے فوراً آگاہ کرے تاکہ ہمیں قانونی امداد فراہم کی جاسکے۔ اس ذمے داری سے بچنے کے لیے وہ گرفتاری کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کررہے تھے لیکن درحقیقت مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے۔

"عورت! کان کھول کر سن لو۔" غیر مسلح نوجوان نے اپنی ناکام تلاشی کا سلسلہ ختم کرکے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا "میں الفاظ کے ہیر پھیر میں نہیں پڑتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہم مظہر کو پکڑ کرلے جارہے ہیں۔ تم نے اس بارے میں کسی کے سامنے زبان کھولی تو تمہارا حشر اچھا نہیں ہوگا۔ کوئی بھی پوچھے تو اسے یہی بتانا کہ مظہر چند روز کے لیے کہیں گیا ہوا ہے۔ جلد ہی لوٹ آئے گا۔"

"مگر یہ کہاں ہوں گے؟ مجھے ان کی خیر خبر کیسے ملے گی" غزالہ نے بجا طور پر ہراساں ہوکر سوال کیا۔

"تمہیں یہ سب جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لوٹ آئے تو سمجھ لینا کہ سب خیریت ہے ورنہ ایک ہفتے تک انتظار کرنے کے بعد اپنے پاکستان واپس چلی جانا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہم تمہیں بہت بڑی ڈھیل دے رہے ہیں" اس شخص نے کہا۔

غزالہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہوگئیں "تو تم انہیں لے جاکر مارنے کا ارادہ رکھتے ہو" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "تم سب پاکستانی مسلے بہت خطرناک ہوتے ہو۔ دیکھنا ہوگا کہ چھان بین میں کیا سامنے آتا ہے۔"

غزالہ کو ایسے مرحلے کا پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھی وہ اصل صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو نہ پاسکی اور جذبات کی رو میں آکر ان کی خوشامدوں پر اتر آئی۔ میں اندازہ کرچکا تھا کہ اپنی مسلسل ناکامی پر جھلا کر وہ انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے گی۔ اس پر وہ دونوں مشتعل ہوسکتے تھے جب کہ میں ان کی کسی ناراضی یا برہمی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہمارا دامن صاف ہے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیں گے" میں نے غزالہ کو دلاسا دیا اور پھر مسلح آدمی سے مخاطب ہوگیا "چلنا ہے تو جلدی چل دو۔ دیر ہوگی تو غزالہ بکھرتی چلی جائے گی۔"

اس نے غیر ضروری طور پر میرا گریبان پکڑ کر مجھے دروازے کی طرف دھکا دیا "بالکل شرافت اور خاموشی سے چلنا۔ ذرا بھی گڑبڑ کی تو گولی ماردوں گا۔ اس وقت ہمارے سروں پر خون سوار ہوچکا ہے۔"

میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں ان دونوں سے پہلے کمرے سے باہر نکلا تو راہ داری میں ان کا تیسرا ساتھی ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ تینوں را کے تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھے۔ کمرے سے باہر آتے ہی دو آدمی میرے دائیں بائیں ہولیے۔ تیسرا پیچھے آنے لگا۔

اسی ترتیب کے ساتھ ہم تینوں لفٹ سے نیچے پہنچے، ہوٹل کے استقبالیہ ہال اور برآمدے کو عبور کیا اور پھر پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیے۔ لوگ میرے شب خوابی کے لباس کی وجہ سے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم چاروں کو

دیکھ رہے تھے۔
"کم از کم مجھے یہ تو بتادو کہ میرے اوپر کیا الزام یا شبہ ہے" عمارت سے نکل جانے کے بعد میں نے کہا۔
"خاموشی سے چلتے رہو" ایک نے میری پسلیوں میں کہنی مار کر جواب دیا۔
میں اپنے طے شدہ عزائم کے تحت بھیگی بلی بنا رہا۔ وہ مجھے زندہ دیکھ کر میرے اوپر کتنا ہی جبر و تشدد کر لیتے، میری ان کامیابیوں کا حساب بے باق نہیں کر سکتے تھے جو میں نے را کے ذیلی ونگ میں حاصل کی تھیں۔
پاکستان کے بارے میں را کی اہم ترین فائلیں ان کے ریکارڈ میں سے اڑالی گئی تھیں لیکن نریش شرما کے دفتر میں ہونے والی آتش زدگی کے باعث ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ دفتر میں آگ لگنے سے پہلے وہاں سے کیا کچھ اڑالیا گیا تھا۔
عابد وہ فائلیں لے کر دہلی سے امرتسر کی طرف پرواز کر گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ ویرا کو تلاش کر کے فائلوں کا تھیلا اس کے حوالے کر چکا ہو گا اور ویرا اس مال غنیمت کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہی ہو گی۔
مجھے ان فائلوں کے متن کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میرے لیے صرف اتنا جاننا کافی تھا کہ ہماری آئی ایس آئی ان گیارہ میں سے گرین کوبرا نامی صرف ایک فائل کے حصول کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی۔ میں نے کوئی قیمت ادا کیے بغیر وہ فائل حاصل کر لی تھی اور اس کامیابی کے بعد رضاکارانہ طور پر ابتدائی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا کیونکہ اس کے بعد میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جمنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کا روشن ترین پہلو یہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں ڈینی کا نام نہیں ابھر سکتا تھا۔
پارکنگ لاٹ میں ان کا ایک ساتھی سیاہ رنگ کی ایک پک اپ کے ساتھ موجود تھا جس کے پچھلے حصے میں ہر طرف سے بند آہنی کیبن بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو افراد مجھے لے کر پچھلے کیبن میں سوار ہو گئے۔
کیبن کا دروازہ دوبارہ بند ہونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ پک اپ کے اس حصے میں صرف دو نشستیں تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ دو محافظوں کی موجودگی میں مجھے کوئی نشست نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے پک اپ کے فرش پر بیٹھ گیا۔
دروازہ بند ہونے کے بعد آہنی قید خانے میں خاصی تاریکی پھیل گئی۔ اس کی بغلی دیواروں میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے چھت کے قریب ایسے بلائنڈز لگے ہوئے تھے جن کی ترچھی پٹیوں میں سے زیادہ روشنی کا گزر ممکن نہیں تھا۔
"یہ صورت سے بالکل بے گناہ یا پھر پرلے درجے کا حرامی معلوم ہوتا ہے۔" پک اپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے پہلی بار میرے بارے میں کوئی رائے زنی کی۔
"نریش بابو کے سامنے ذرا سی دیر میں اس کی ساری اداکاری ڈھل جائے گی" دوسرے نے قہر بار آواز میں کہا "عقل کام نہیں کرتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟"
پک اپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔ چند ثانیوں تک گاڑی سست روی سے چلتی رہی پھر اس کی رفتار بڑھ گئی۔
پک اپ کے پچھلے حصے میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔ بند آہنی دیواروں کے پار کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ مجھے کن راستوں سے لے جایا جا رہا تھا۔ شہر میں کئی دنوں کے قیام کے باوجود دہلی میرے لیے اتنا اجنبی شہر تھا کہ ایک نظر میں راستے کو ذہن نشین کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔
وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے اطمینان سے سگریٹیں پی رہے تھے۔ کافی دیر تک شہر کی مصروف سڑکوں پر سفر کرنے کے بعد جب پک اپ نے مزید تیز رفتاری اختیار کی تو ان میں سے اچانک کسی کی لات چل پڑی۔ وہ ٹھوکر میری داہنی ران پر پڑی۔ ضرب شدید نہیں تھی لیکن میں نے نہایت سرعت سے وہ ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ لی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ دونوں نچ کے آدمی تھے اور مجھے نریش بابو تک پہنچانے کے کام پر مامور کیے گئے تھے۔ غالب گمان یہ تھا کہ وہ نریش شرما کے لیے نریش بابو کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔
مجھ پر وار کرنے والے کو میری طرف سے کسی جوابی وار کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پیر پکڑ کر زور لگایا تو وہ بے خبری میں اپنی نشست سے پھسل کر پر شور آواز کے ساتھ پک اپ کے فرش پر آ رہا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اپنی جگہ سے جست لگا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔
پک اپ کے اس حصے میں گھور اندھیرا نہیں تھا اس لیے دوسرے محافظ کو خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی مدد کرنے کے لیے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔
اس کا ردِ عمل اضطراری تھا جب کہ میں اس کی طرف

سے کسی مداخلت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے اس کے بھاری وجود کو دونوں ہاتھوں پر روک کر اپنے نیچے دبے ہوئے شخص کے چہرے اور اوپری دھڑ پر دے مارا۔ بے ساختہ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

میرے سہمے سہمے اور منکسرانہ رویے کی وجہ سے وہ مجھے بزدل اور کمزور تصور کر رہے تھے۔ میں نے آناً فاناً میں اوپر والے کے چہرے پر کئی مکے رسید کیے اور اچھل کر ان دونوں سے الگ ہو گیا' وہ دونوں غراتے اور مغلظات بکتے ہوئے فرش سے اٹھے تھے۔

"د.... دیکھو' اب میرے قریب نہ آنا" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "لات مار کر پہل تم نے کی تھی' میرا تم سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس وقت تک ان میں سے ایک میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے انکشاف پر اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا "تم نے لات ماری تھی اسے؟"

"ہاں' یہ ذلیل شخص اسی قابل ہے۔ سالے نواب کے بچے سے ایک لات برداشت نہیں ہوئی میری!"

"بس!" میرے قریب آیا ہوا شخص ہاتھ اٹھا کر پک اپ کے جھٹکے سے قدرے لہرایا اور اپنی سیٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا "وجے! اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس کا دماغ نریش بابو ہی درست کریں گے۔"

وجے کے ساتھی کے وہ الفاظ میرے اندازے کی تائید کر رہے تھے۔ ان دونوں کو میری توڑ پھوڑ کی کھلی آزادی نہیں دی گئی تھی۔

"نریش بابو دوسری لائن کے آدمی ہیں۔ وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاتے" نیم تاریک کیبن میں وجے کی غراتی ہوئی آواز گونجی "اپنا کام پورا کرنے کے بعد وہ اسے ہمارے ہی حوالے کریں گے۔ پھر سالے سے گن گن کر بدلے چکاؤں گا۔"

"میں خود بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ تمہاری غلطی کی وجہ سے میں نے بھی اس کے مکے کھائے ہیں۔"

"اس کا حساب تو میں اسی وقت لوں گا" وجے کی غضب ناک آواز گونجی اور وہ میری طرف بڑھ آیا۔

میں نے ان دونوں کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس دلا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں سے پٹ کر وہ ذلیل ہو چکے تھے مگر میں ہر حال میں ان کا قیدی تھا۔ میری زیادہ مزاحمت کی صورت میں وہ گولی مار کر مجھے معذور بھی کر سکتے تھے۔ بعد میں نریش سے کوئی بھی بہانہ کر سکتے تھے۔ یہی غنیمت تھا کہ میری جوابی کارروائی پر انہوں نے وقتی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا ورنہ وہ دونوں اپنے دو مزید ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے اچھا سبق سکھا سکتے تھے۔

اس بار وجے میرے قریب آ کر ذرا سا ٹھٹکا۔ میں دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں لٹکائے' آہنی کیبن کے ایک کونے سے ہوا کھڑا تھا۔ وجے کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا۔ میں نے ذرا بھی جنبش نہیں کی اور کیبن شڑاپ کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔

میرا چہرہ دونوں طرف سے آہنی دیواروں کی اوٹ میں تھا۔ میرے رخسار پر وجے کا بھرپور تھپڑ نہیں پڑا مگر پھر بھی اس ضرب پر میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔

"یہ تمہاری اوقات ہے" وجے غرایا "اب ہمارے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اسٹریچر پر نریش بابو کے سامنے لے جائے جاؤ گے۔"

مصلحت یہ تھی کہ میں خاموش رہتا۔ میں نے بات آگے نہیں بڑھائی۔

میرے ذہن میں یہ بات پوری طرح جم چکی تھی کہ وہ لوگ میرے ساتھ جو کچھ بھی کر لیتے' اپنے خسارے کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک یوں ہی کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے کے بعد میں اسی گوشے میں بیٹھ گیا۔ وہ سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شاید وہ لوگ مجھے دہلی کے آباد اور مرکزی علاقوں سے نکال کر کسی مضافاتی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔

بند اور نیم تاریک وین میں مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں شب خوابی کے لباس میں' ناشتے سے محروم بیٹھا رہا۔ پھر پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ سست روی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پک اپ ٹھہر گئی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

گاڑی رکتے ہی وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے اور سختی سے میری آنکھوں پر ایک سیاہ پٹی کس کر باندھ دی۔ میں نے اس بار بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے پک اپ سے نیچے اتارا۔ میں نے اپنے بدن اور بازوؤں پر مزید کئی اجنبی ہاتھوں کے لمس محسوس کیے اور پھر کئی قدموں کی ملی جلی دھمک کے ساتھ ہمارا جلوس چل پڑا۔ انہوں نے میرے ہاتھ باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اس وقت رہنمائی کے لیے صرف ایک شخص نے میرا بازو تھاما ہوا تھا [illegible] قدم [illegible] میں پڑے۔ نیچے

نیم پختہ فرش کی آہٹیں تھیں اور کھلی ہوا کے جھونکے بتا رہے تھے کہ ہم کسی میدان یا احاطے میں سے گزر رہے تھے۔
ٹھوس اور پختہ فرش پر انسانی قدموں کا آہنگ بدل گیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد کھلی ہوا ختم ہوگئی۔ جوتوں کی آواز گونجنے لگی۔ ہم کسی عمارت میں داخل ہو چکے تھے جہاں متوقع طور پر نریش شرما میرا منتظر ہو سکتا تھا۔
کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں سیڑھیاں اترنا پڑیں۔ قیاس بتا رہا تھا کہ وہ مجھے کسی تہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ زینے ختم ہونے کے بعد ہم مزید بیس قدم چلے ہوں گے کہ میرا بازو چھوڑ دیا گیا اور کسی نے زور سے مجھے آگے دھکیل دیا۔
میں بے خبری میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا۔ میرے دونوں ہاتھ آگے پھیل گئے تاکہ میں کسی ناگہانی رکاوٹ سے اپنے جسم اور چہرے کے تصادم کو بچا سکوں۔ کسی چیز سے ٹکرائے بغیر میں سنبھل کر رکنے میں کامیاب ہوگیا۔ سنبھلتے ہی میں نے اپنی آنکھوں پر کسی سیاہ پٹی اوپر اٹھائی اور فوراً پلٹ کر دیکھا تو مضبوط چوبی دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔
اس تہ خانے میں قدرتی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ چھت میں دو ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ ان روشنیوں کے بعد میری نظر ایک انسانی چہرے پر پڑی اور میری روح تک کانپ کر رہ گئی۔ اس کی چمک دار آنکھوں میں عجیب دہشت اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر میلا لباس تھا۔ وہ دیوار کے سہارے اکڑوں بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔
میں نے جوں ہی اس کی طرف پیش قدمی شروع کی، وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑا "نہیں، نہیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں انٹر سروسز کا آدمی ہوں۔ پاکستان اپنا ایٹم بم بنا چکا ہے۔ یہ سارا کام زیر زمین تجربہ گاہوں میں ہوتا ہے..."
وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ میں رک کر ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"ڈرو نہیں" اس کا ہذیانی دورہ ختم ہونے پر میں نے نرمی سے کہا "میں ان میں سے نہیں ہوں، ان کا قیدی ہوں۔"
وہ چیختے رہنے کے بعد تھک کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان اس نے کہا "میں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتا.... سب آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر میں برسوں سے یہیں قید ہوں۔ پتا نہیں میری فیملی کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ بچے کیا کر رہے ہوں گے۔ تمہیں کچھ پتا ہے ان کا؟"
"نہیں، میرے دوست! میں کچھ نہیں جانتا" اسے جواب دیتے ہوئے میرے وجود میں رقت کی ایک لہر سی دوڑ گئی "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"
"کوئی میری مدد نہیں کر سکتا.... کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا اور کسی بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔
میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ گیا، مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ طویل قید اور تشدد کی وجہ سے اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا تھا، اس کے کپڑے میلے تھے لیکن بدن سے زیادہ بدبو نہیں آرہی تھی۔ شاید اسے کبھی کبھار نہانے کا موقع دیا جاتا تھا تاکہ اس کے پاس آنے والے بھارتیوں کو ناقابلِ برداشت بدبو کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی سے پوچھا "کیا تم پاکستانی ہو؟"
اس نے رونا یکلخت ترک کر دیا۔ سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک اور ویران تھیں "اتنے برس ہوگئے، اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کون ہوں مگر خدا کی قسم، ایٹم بم میں نے نہیں بنایا۔ اب مجھے نہ مارنا۔ میری ہڈیوں کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔ مجھے ایک بار میرے بیوی بچوں سے ملا دو۔"
میں را والوں کی قید میں آکر فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن اس نامعلوم شخص کی حالت نے مجھے فکر مند کر دیا۔
چند ثانیے یوں ہی گزر گئے پھر دیوار میں پوشیدہ کسی اسپیکر سے ایک انسانی آواز گونج اٹھی "مظہر خان! میں نریش شرما بول رہا ہوں۔ اس سیل میں موجود وحشی انسان کے روپ میں شاید تم نے اپنا مستقبل دیکھ لیا ہوگا۔ تم جو کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔ تمہاری ہر آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ خفیہ کیمرے کی آنکھ سے میں اس وقت تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہوں۔"
"میں یہ سب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔
"سچ جاننے کے لیے۔ سچ نہ اگلنے والوں کا جو انجام ہوتا ہے، اس کی ایک مثال تمہارے ساتھ بیٹھی ہے۔"
"میں تمہیں ہر بات سچ سچ بتا چکا ہوں۔ اب تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے گھبرا کر سوال کیا۔ کوئی پوشیدہ کیمرا

میرے چہرے پر مرکوز تھا اس لیے صداکاری کے ساتھ بہترین اداکاری بھی میری ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔

"ناکر سے تمہارے کیسے مراسم تھے؟" نریش براہِ راست اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔ اس نے حال کے بجائے ماضی کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"بہت تند خو اور کینہ پرور آدمی ہے" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حال کے صیغے میں جواب دیا "کل اس سے میری دوسری اور آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے فنگر پرنٹس لینے کے لیے رینا کے ساتھ میرے ہوٹل میں آیا تھا۔"

"جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں اندر کی کہانی جاننا چاہتا ہوں" نریش کی آواز سرد ہوگئی۔

"ہمارے درمیان کوئی خفیہ رابطہ نہیں ہے" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا "رینا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بلیک کیٹس کا بہترین کمانڈو ہے اور اس کے ساتھی اسے خونی بھیڑیے کے نام سے جانتے ہیں۔ اس جیسے خطرناک اور پیشہ ور آدمی کے ساتھ میرے کیا مراسم ہو سکتے ہیں۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ وہ مجھے پسند کرے گا نہ میں نے اس کے لیے کسی پسندیدگی کا جذبہ محسوس کیا۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھ گچھ سے آزاد ہو چکا ہے۔ اسی لیے تمہاری ضرورت محسوس کی گئی ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہ سے اچھل پڑا "کیا وہ مر گیا؟ کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا۔"

"میرے لیے افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ مرا نہیں، اسے مارا گیا ہے اور ایسی جگہ مارا گیا ہے جہاں اسے موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"تو کیا تم اس کے قتل کے سلسلے میں مجھ پر کوئی شبہ کر رہے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"اتنے معصوم مت بنو۔ دوستوں اور مخبروں کو ایسے طریقوں سے نہیں بلوایا جاتا۔"

"مجھے یہ خبر تمہاری زبان سے ملی ہے۔ کل اس نے مجھے ہوٹل پر اتار دیا تھا۔ اس کے بعد میری اور اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم میرے دفتر میں دوبارہ کب پہنچے تھے؟"

"نریش جی! خدا کا خوف کرو" اس بار نریش کی سرد مہری پر میری آواز واقعی کانپ گئی "مجھے دوبارہ تمہارے دفتر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کوئی معمولی دفتر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ را کے حفاظتی حصار کو توڑ کر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ تم مجھ پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟"

"میں جھوٹوں سے سچ اگلوانا جانتا ہوں۔ تم نے ابھی تک اپنے قیدخانے کا جائزہ نہیں لیا۔ فرش میں خاص فاصلوں پر چار فولادی شکنجے گڑے ہوئے ہیں۔ ان میں تمہاری کلائیاں اور پنڈلیاں باندھ دی جائیں گی اور دباؤ رفتہ رفتہ بڑھایا جائے گا۔ چاروں ہڈیاں چور چور ہو کر پگھلا ہوا گودا باہر بہنے سے پہلے تمہاری قوت برداشت جواب دے جائے گی اور تم چیخ چیخ کر سچ بولنے لگو گے۔ یہ ترکیب میں نے دوسرے مرحلے کے لیے بچا رکھی ہے۔"

"تم مجھے گھیر کر کسی وجہ سے مارنا چاہتے ہو تو سامنے آؤ اور میرے سر یا سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ دوستی اور ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے سہانے وعدے کرنے کے بعد تم آج ایک دم کیوں بدل گئے ہو؟ کیوں میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہو؟"

"تم سے ملاقات میں سب کچھ طے ہو جانے کے بعد پلوں کے نیچے سے یکایک بہت سا پانی گزر گیا۔ جو کچھ ہوا، اسے آسانی سے کیا کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اپنا مجرم درکار ہے اور تم اس خاکے کے لیے سب سے موزوں امیدوار ہو۔"

"نریش جی! میں پرانی گاڑیوں کا بیوپار کرنے والا ایک غریب تاجر ہوں" میں نے روہانسی آواز میں کہا "مجھے بتاؤ کہ میں ناکر کو کیوں مارتا۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا تھا مگر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہمیں بہت سے لوگ پسند نہیں آتے۔ کچھ سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو مار دیتے ہیں، پہلے تم نے مفت میں مجھے پچیس ہزار روپے ماہوار آمدنی کا لالچ دے کر خریدا اور اب میری جان کے درپے ہو رہے ہو۔"

"ہوش میں رہ کر کل کی کہانی سناؤ۔ مجھ سے ملنے کے بعد تم کیا کرتے رہے اور کہاں کہاں گئے؟" دیوار سے نریش کا فرمان سنائی دیا۔

میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے ہلچل سی مچی۔ اسے ہم لوگوں کے ہوٹل چھوڑنے اور پھر واپس آنے کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا یا وہ اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ میری وہ بے یقینی اسی لمحے تک برقرار رہی اور پھر زائل ہوگئی۔ اگر وہ بے خبر تھا تب بھی وہ واقعہ ہوٹل کے ریکارڈ پر تھا۔ جلد یا بدیر نریش کے علم میں آسکتا تھا۔ میری طرف سے اسے چھپانے کی کوشش میرے حق میں مضر ثابت ہوسکتی تھی۔ فیصلہ

لمحات آ چکے تھے۔ اس بار مجھے کچھ نہ کچھ سچ بولنا تھا۔
"تمہارے پاس سے لوٹنے کے بعد میں دیر تک آنے والے خوشگوار دنوں کے بارے میں سوچتا رہا" میں نے پر خیال انداز میں کہنا شروع کیا "مجھ جیسے بے بساط آدمی کے لیے ہر مہینے پچیس ہزار روپے کی اضافی آمدنی بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ رازداری کی وجہ سے میں اپنی ساتھی کو بھی اس خوشی میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ تم مجھے جلد از جلد پاکستان واپس بھیجنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے روانگی کے لیے آج شام تک کا وقت دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات کو ہی آگرہ اور تاج محل کی سیر کر لی جائے۔ میری تجویز پر وہ بھی راضی ہو گئی اور آٹھ بجے کے قریب ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔"
الفاظ میرے ذہن میں برجستہ جنم لے رہے تھے۔ میری کوشش یہ تھی کہ اس گفتگو میں غزالہ کا ذکر اس کے نام کے بغیر ہو۔ اس وقت را کے تمام اہل کار زخم خوردہ تھے۔ غزالہ کے نام کے ذرا سے اشارے پر نریش شرما کا ذہن ڈینی اور ویرا کی طرف جا سکتا تھا۔
اپنی اس احتیاط کے ساتھ میں نے اپنی مفروضہ کہانی جاری رکھی "میرا ارادہ تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم کناٹ پلیس گھومیں گے پھر میں کہیں سے فون کر کے تمہیں بتا دوں گا کہ ہم اس وقت آگرہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ ضرورت پڑنے پر میں نے اپنی ساری جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن تمہارا کارڈ نہیں ملا۔ تمہیں اطلاع دیے بغیر میں دہلی چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دفتر کا وقت ختم ہوئے مدت بیت چکی تھی۔ تمہارے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا۔ مجبور ہو کر میں نے آگرہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا مگر ہم دونوں کے ذہنوں پر تاج محل سوار تھا۔ ہم نے ہوٹل کے بند کمرے میں لوٹنے کے بجائے دہلی کی کھلی فضا میں آزادی کا کچھ رومان پرور وقت گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم ایک ساتھ گھومتے رہے۔ جامع مسجد اور لال قلعہ کے بعد ہم دریا گنج سے ہوتے ہوئے کناٹ پلیس واپس پہنچے تو رات بہت گہری مگر خوش گوار ہو چکی تھی۔ ہم دونوں کناٹ پلیس کے مرکزی سبزے میں جا کر لیٹ گئے۔ ہمیں اس وقت ہوش آیا جب وہاں سناٹا ہو گیا اور بھٹکے ہوئے شرابیوں وغیرہ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔ تھکے ماندے ہم ہوٹل لوٹ آئے۔ نئے سرے سے بکنگ کرائی اور کمرے میں پہنچ کر بستر پر ڈھیر ہو گئے۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے نیند سے بیدار کر کے کمرا کھلوایا تھا اور تم دیکھ رہے ہو گے کہ میں اس وقت ناشتا کیے بغیر، سونے کے کپڑوں میں اس قید خانے میں بیٹھا ہوا ہوں۔"
"تمہاری یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں" میرے خاموش ہونے پر نریش کی آواز گونجی۔
اس کا وہ دعویٰ اس قدر پُر اعتماد تھا کہ میں سناٹے میں آ گیا مگر فوراً ہی سنبھل کر کہا "تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اگر تم مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو تمہیں اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ موت سے زیادہ میں سسکتی ہوئی زندگی سے ڈرتا ہوں۔"
"تمہاری ہر بات بے سروپا ہے کیونکہ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والوں نے میرا دیا ہوا کارڈ وہاں سے برآمد کیا ہے۔"
نریش نے وہ بات پورے وثوق سے کہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ بلف کر رہا تھا۔ اس کا دیا ہوا کارڈ میں نے بیم گن وغیرہ چھپانے سے پہلے، اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر غزالہ کے باتھ روم کے کموڈ میں بہا دیا تھا۔
"تم بالکل غلط کہہ رہے ہو" اس بار میں نے پُر زور لہجے میں احتجاج کیا "وہ وہی کارڈ ہے تو میں اسے پہچان لوں گا۔ میں نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے اپنے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لکھا تھا۔ تم اور تمہارے آدمی اس بارے میں مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"
نریش نے وہ بات وہیں گول کر دی اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ بتا رہے ہو کہ تم کل رات آٹھ بجے سے آج صبح پانچ چھ بجے تک کناٹ پلیس کے قرب و جوار کے علاقوں کی کوچہ نوردی کرتے رہے۔ کیا یہ بات مانی جا سکتی ہے؟؟"
"نہ مانو۔ مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹھکانے لگانا چاہتے ہو۔"
اس بار نریش شرما کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دو تین بار اسے پکارا پھر بھی جواب نہیں ملا۔ شاید اس نے تہ خانے کا ساؤنڈ سسٹم بند کر دیا تھا۔
مجھے ناشتے کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن اعصابی تناؤ کے عالم میں سگریٹ کی طلب شدت سے ستا رہی تھی۔ میری اور نریش کی گفتگو کے دوران میں تہ خانے کا دوسرا قیدی احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے ہماری باتیں سنتا رہا پھر فرش پر ایک گٹھری کی صورت میں لیٹ کر سو گیا۔
اس قیدی کی باتیں بے ربط اور مجنونانہ تھیں لیکن ان سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ وہ کوئی بدنصیب پاکستانی تھا جسے انٹر سروسز انٹیلی جنس کا رکن ہونے کے شبہے میں را

والوں نے پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے بارے میں کچھ ایسی باتیں اگلوانا چاہتے تھے جو سرے سے اس کے علم میں نہیں تھیں۔ اس کے چہرے کی مرجھائی ہوئی کھال اور بے رونقی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ایک طویل مدت سے سورج کی روشنی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

وہ اس قید خانے میں اپنی قید کا ایک بڑا حصہ گزار چکا تھا جبکہ میرے لیے اس قید کی ابتدا تھی۔

ایک طرف نریش شرما نے میری توجہ فرش پر گڑے ہوئے فولادی شکنجوں کی طرف مبذول کرائی تھی جن کے وحشیانہ اور آخری حد تک استعمال کی صورت میں کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف اس نے مجھے یہ بتا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرا مستقبل پرانے قیدی جیسا ہو سکتا تھا۔

نریش کی ان دونوں باتوں میں تضاد تھا۔ ایک راستہ براہ راست اذیت ناک موت کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسری راہ جسمانی تشدد کے بجائے ذہنی اور نفسیاتی مار کی نشان دہی کر رہی تھی جس میں جان کے فوری زیاں کا اندیشہ نہیں تھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ نریش کیا چاہ رہا تھا اور مجھے اس قید خانے میں پہنچانے کا کیا مقصد تھا؟

یہ بات طے تھی کہ پچھلی رات دہلی میں رونما ہونے والے واقعات نے اس مرکزی شہر کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اخبارات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مقفل کمرے میں پڑی ہوئی جان اسمتھ کی لاش دریافت ہو چکی تھی یا وہ قتل پردۂ راز میں تھا مگر یہ ضرور طے تھا کہ را کے ایک ونگ میں رات گئے رونما ہونے والے واقعات صبح کے اخبارات میں جگہ نہ پانے کے باوجود پورے شہر کے علم میں آ چکے ہوں گے اور انتظامیہ کی طرف سے شہر بھر میں مشتبہ افراد کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا گیا ہوگا۔

اگر نریش شرما نے اسی عمومی کریک ڈاؤن کے تحت مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا تو مجھے جلد رہائی ملنے کی امید تھی۔ میرے ذہن میں دھیرے دھیرے کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ اگر را والوں کے پاس میرے خلاف واضح ثبوت ہوتے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر مجھے گرفتار کر کے فخریہ انداز میں سارے قانونی تقاضے پورے کر ڈالتے۔ انہوں نے اس طریقے سے گریز کیا تھا۔ وجے نے میرا کمرا چھوڑنے سے قبل غزالہ کو دھمکی دی تھی کہ اس نے میری گرفتاری کے بارے میں زبان بھی کھولی تو اس کا اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

بظاہر یہی امکان قوی نظر آ رہا تھا کہ میں نے پچھلے دن را کے دو بڑوں سے ملاقات کی تھی اور میں ایک کمزور سا پاکستانی تھا جسے انہوں نے اس کی رنگین مزاجی کی بنیاد پر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ اس بنا پر افراتفری میں نریش نے مجھے اٹھوا لیا تھا۔ وہ ان لوگوں کی ایک لگی بندھی حکمت عملی تھی کہ ہر نئے قیدی کو ابتدا میں ہی ایسے شدید ذہنی جھٹکوں سے دوچار کیا جائے کہ اصل بازپرس کی ابتدا ہونے سے پہلے اس کی ساری مزاحمتی صلاحیتیں دم توڑ جائیں اور حوصلہ جواب دے جائے۔ پراسرار انداز میں میرے تشدد آمیز اغوا کے بعد انہوں نے ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے مجھے اس خوف آور تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں پہلے سے ایک پرانا قیدی سسک رہا تھا۔

ایسے ناخوش گوار اور حوصلہ شکن حالات میں خوش گمانی بھی ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں اس کے سہارے آنے والی دشواریوں کا پرعزم مقابلہ کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے اٹھ کر تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سورج کی روشنی اور وافر مقدار میں ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے تہ خانے کی فضا میں سیلن اور ہلکی سی بدبو رچی ہوئی تھی جسے دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ تہ خانہ اپنے رقبے کے اعتبار سے خاصا کشادہ تھا جس میں چار آہنی شکنجوں کے سوا ایذا رسانی کا کوئی آلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیم گولائیوں کی ساخت کے جبڑوں والی ہر بانک پر سوکھے ہوئے خون کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ را کے نمائشی آلات نہیں تھے۔ گاہے گاہے انہیں استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

چھت پر روشنیاں کچھ اس انداز میں نصب کی گئی تھیں کہ فرش روشن ہونے کے باوجود چھت اور اس سے ملحقہ دیواروں کا بالائی حصہ اندھیرے میں تھا۔ میں کوشش کے باوجود تہ خانے میں نصب اسپیکر، مائیکروفون اور خفیہ ویڈیو کیمروں کا سراغ نہیں لگا سکا۔

تہ خانے کے ایک گوشے میں بغیر دروازے کا باتھ روم تھا جہاں پانی کی ٹونٹی میں اس وقت بھی پانی آ رہا تھا۔ تنہائی کی اس سخت قید میں وہ باتھ روم ایک نعمت معلوم ہوتا تھا جو را کے افسروں نے غلطی سے قیدیوں کو فراہم کر دیا تھا۔ مجھے اس کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

عجلت اور بھگدڑ میں میری رسٹ واچ بھی ہوٹل میں رہ گئی تھی۔ میں اس اجاڑ اور وحشت انگیز تہ خانے میں تنہا بھٹکتا رہا۔ میرا ساتھی فرش پر اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اس

نے دوبارہ اٹھنے بلکہ پہلو بدلنے تک کا نام نہیں لیا تھا۔ اس مہیب تنہائی سے گھبرا کر میں کئی مرتبہ مضبوط چوبی دروازے تک گیا اور وہاں رک کر دوسری طرف کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ دروازے کے پار گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

نریش شرما اپنے ساؤنڈ سسٹم پر مجھ سے پوچھ گچھ کر کے غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دوسری ہنگامی مصروفیات میں الجھ کر کہیں وہ مجھے بھول ہی نہ گیا ہو۔

میرے اندازے کے مطابق دوپہر کے بعد چوبی دروازہ کھلا۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ آنے والے تعداد میں دو تھے۔ ایک سب مشین گن لیے دروازے پر کھڑا رہا دوسرا ایک گول پلیٹ لیے میری طرف بڑھ آیا۔ اس پلیٹ میں چائے کی ایک شکستہ پیالی اور تین خشک ٹوسٹ رکھے ہوئے تھے۔

''جلدی ناشتا کرلو۔ تمہیں پیشی پر جانا ہے۔'' اس نے پلیٹ میرے حوالے کرتے ہوئے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے اس خبیث کی طرف دیکھا اور پلیٹ لے لی۔ چائے پھیکی اور ٹھنڈی تھی لیکن کچھ نہ ہونے سے بہرحال بہتر تھی۔ میں نے سوکھے ہوئے باسی ٹوسٹ چائے میں ڈبو کر اپنے حلق سے اتارے تو انہوں نے پیالی سے چائے کی آخری بوند تک چوس لی۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے میرے آگے سے دونوں برتن اٹھالیے۔ ساتھ ہی مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اپنے بدنصیب ساتھی پر نظر ڈالی۔ وہ بدستور سویا ہوا تھا۔ میں اپنے نئے میزبان سے آگے دروازے کی طرف ہولیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار میری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی مگر میری وہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چوبی دروازہ باہر سے مقفل کرنے کے بعد گن مین اپنی گن تانے ہوشیار کھڑا ہو گیا اور پلیٹ والے نے میری پیشانی پر چڑھی سیاہ پٹی بے رحمی سے آنکھوں پر کھینچ دی۔

اس بار میرا سفر مختصر ثابت ہوا۔ مجھے تہ خانے سے نکال کر اسی عمارت کے کسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے لانے والے دونوں آدمی مجھے وہیں رکنے کی ہدایت دے کر واپس لوٹ گئے، جاتے ہوئے انہوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس وقت کمرے میں میرے سوا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ میرے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے جھجکتے ہوئے اپنی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی۔

وہ کمرا واقعی ہیبت کدہ تھا۔ وہاں دیواروں کے ساتھ ایذا رسانی کے متعدد چھوٹے بڑے مشینی اور برقی آلات لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ را والوں نے وہاں اپنے شکار کی انگلیوں سے لے کر اس کے پورے وجود تک کو بھیانک اذیتوں سے گزارنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں برقی جھٹکے دینے کے آلات کے ساتھ، چھت سے خون آلود تار اور رسیاں بھی جھول رہی تھیں۔

اس کمرے کا ایک دروازہ وہ تھا جس سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ بغلی دیوار میں تھا۔

یہ سوچ کر میرے ذہن پر خلجان سا طاری ہونے لگا کہ تھوڑی دیر بعد مجھے ان میں سے کسی اوزار کے سپرد کیا جانا تھا۔

را کے کام کرنے کے ڈھنگ نرالے تھے۔ وہ عیش و عشرت کے ساتھ اذیت کی انتہا سے کام لے رہے تھے۔ ایک طرف حسین اور دلکش بھارتی دوشیزاؤں کی اداؤں کے رنگین جال تھے جن میں پھنسنے والے بھول کر بھی کسی اذیت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس حسین اور مسحور کن کھیل کے اختتام پر اذیت و عقوبت کے وہ حیوانی آلات اور حربے تھے جن کے سائے میں انسان عیش و آرام کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔

تہ خانے کے مقابلے میں وہ کمرا زیادہ صاف ستھرا اور اہم نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی نگرانی کے خفیہ آلات اور کیمرے ضرور نصب ہوں گے۔ میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان چیزوں کو قریب سے چھو کر دیکھوں لیکن میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ میں اپنی کسی حرکت سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا کہ میں ان کے شعبدوں کی نمائش سے مرعوب ہو گیا تھا۔

اس کمرے میں گھومنے اور جھولنے والی دو آرام دہ کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں مگر میں نے ان کا رخ نہیں کیا۔ جب تک را والے کھل کر میری حیثیت کا تعین نہیں کر دیتے تھے، میں خود کو بدترین آزمائشوں کے لیے تیار رکھنا چاہتا تھا۔

میرا وہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور نریش شرما سبک روی سے چلتا ہوا اندر آگیا اور سیدھا ایک آرام کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کا چہرہ گمبھیر نظر آرہا تھا۔

''اب تم کیا کہتے ہو؟'' کرسی پر چند ثانیوں تک جھولتے رہنے کے بعد نریش نے پوچھا ''تہ خانے اور اس کمرے کی سیر

کرنے کے بعد تمہارے خیالات میں کوئی نہ کوئی مثبت تبدیلی ضرور آئی ہوگی۔ اس وقت تم زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ہو۔ تمہارا ایک سچ تمہارے لیے زندگی کی نوید بن سکتا ہے۔"

"میں سچ تمہیں بتا چکا ہوں۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں اپنے ہر انجام کے لیے تیار ہوں" میں نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"اپنے وطن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ اچانک ایک غیر متعلق سوال پوچھ بیٹھا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں" میں نے انجام سے بے خوف ہو کر بلا توقف کہہ ڈالا۔

"ہم سے پچیس ہزار روپے ماہانہ کا سودا کرنے کے بعد بھی تم اپنے اس دعوے پر قائم ہو؟" نریش شرما کی طرف سے اعصاب شکن سوالات کا سلسلہ جاری تھا اور میں پوری بے خوفی سے اسے مسکت جوابات دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں نے کوئی سودا نہیں کیا۔ اگر اب تم اسے سودا کہتے ہو تو اس کے لیے مجھے میری ویڈیو فلم کی بنا پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"سودا نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟ تم رقم لوگے اور ہمیں معلومات فراہم کروگے" اس نے ویڈیو فلم کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔

"اسے تم نے کروڑوں انسانوں کی فلاح و بہبود اور پُرامن بقائے باہمی کا منصوبہ قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس پر قائم رہنے پر تیار رہو؟" نریش شرما نے پوچھا۔

"اس وقت تم نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف کردی ہے۔ پہلے تم نے ناگر کے قتل سے بات شروع کی تھی۔ مجھے اس کا قاتل قرار دیا تھا اور اب سمجھوتے اور سودے کی بات کررہے ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں دھیمے سے ہنسا پھر بولا "تم یہ سب سمجھ لیتے تو اس وقت میری جگہ پر ہوتے۔ سوال کرنے کے بجائے صرف جواب دیتے رہو۔ اسی میں تمہارا مفاد ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے دوسرے کاموں کو بھی دیکھنا ہے۔"

"جب تک تم اپنے وعدے سے نہیں پھرتے، میں اپنی کہی ہوئی ہربات کی پاسداری کروں گا۔"

"ناگر سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ تھا؟" اس نے ایک مرتبہ پھر یکایک سوالات کا رخ بدل دیا۔

"تم یہ سوال کسی بھی طرح کرلو، میرا پہلا جواب برقرار رہے گا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو اپنے انکل سے پوچھ لو۔ میں نے ان سے ناگر کی سخت گیری کی شکایت کی تھی۔ ملاقات کے وقت وہ مجھ سے بلاوجہ میرا پاسپورٹ مانگ رہا تھا۔ اس سے میرے گٹھ جوڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تمہارا بہت پرانا اور نامور آدمی تھا۔ اسے تمہارے خلاف کسی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"انکل کو ان معمولی باتوں کے لیے فرصت نہیں ہے۔ ان کا نام درمیان میں مت لاؤ۔ تم خوش نصیب ہو کہ تم کو ان سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا ورنہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے مدت سے صرف ایک نام ہیں۔"

"تم میری باتوں پر اعتبار نہیں کررہے۔ سوال گھما پھرا کر کررہے ہو اس لیے مجھے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ہوٹل واپس لوٹنے کی رعایت دے رہا ہوں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد نریش شرما کے ہونٹوں سے وہ الفاظ برآمد ہوئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تن مردہ میں جان سی پڑ گئی ہو مگر میں نے خود پر قابو رکھا اور پتھر کے کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ یاد رکھنا کہ بعض پیچیدہ ترین معاملات میں ابھی تمہاری کلیرنس نہیں ہوئی ہے۔ آنے والے دنوں کے اخبارات سے تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ تم کیسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔ اب تم میری اگلی ہدایات تک دہلی میں رکے رہوگے۔ یہ نہ بھولنا کہ تمہاری ویڈیو فلم ہمارے قبضے میں ہے۔ اسے ہر وقت تمہارے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"میں اس رعایت کے لیے تمہارا ممنون ہوں" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ایک بار پھر التجا کروں گا کہ میری فلم مجھے دے دو۔ میں کبھی تم سے سرکشی نہیں کروں گا۔ پتا نہیں تم اتنی جلد مجھ سے بدگمان کیوں ہوگئے ہو؟"

"اس فلم کو بھول جاؤ۔ وہ اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ ہے" اس نے پرغرور لہجے میں کہا۔

میں اس کے کھوکھلے دعوے پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے دوسرے اہم ریکارڈ کے ساتھ میں اس فلم کو نذرِ آتش کرچکا تھا اور وہ بدستور اس فلم کے نام پر مجھے فریب دینے پر تلا ہوا تھا۔

"رینا ایک لڑکی تھی۔ ابھی تم یہاں رہو گے تو ہماری اور لڑکیاں بھی تم سے ملتی رہیں گی۔ شرط یہ ہے کہ تمہارا دامن صاف ہو۔ یہ بات ہم بہت جلد معلوم کرلیں گے۔ تم کو

اندازہ ہو چکا ہو گا کہ یہاں ہمارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔"

اس کی وہ ہرزہ سرائی میں نے خاموشی سے سن لی پھر نرمی سے کہا "اب مجھے اپنا نیا کارڈ دے دو۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا کوئی آدمی براہِ راست تم کو پیغام دے گا۔ تمہیں مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تمہاری ترجیحات ہو سکتی ہیں لیکن میرے لیے بہتر یہی ہوتا کہ کسی آڑے وقت کے لیے تمہارے فون نمبر میرے پاس رہتے۔"

"تم پر اب کیا آڑا وقت آ سکتا ہے۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا "یہاں تم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔"

"یہ آلات دوسروں کو ڈرا سکتے ہیں۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اس لیے میں مطمئن تھا مگر مجھے اس بوڑھے پر ضرور دکھ ہے جو نہ جانے کب سے تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔"

"اسے ہم نے سرحدی علاقے میں سے دس سال پہلے پکڑا تھا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "ہمارے ذرائع کے مطابق وہ آئی ایس آئی کا ایک جے سی او ہے جو سادہ لباس میں ہمارے علاقے کی ریکی پر آیا ہوا تھا۔ وہ بہت سخت جان ہے۔ تشدد نے اس کا دماغ الٹ دیا مگر اس نے کچھ اگل کر نہیں دیا۔ اب وہ اول فول باتیں کرتا ہے جو اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اب ہم اس کا دماغی علاج کر رہے ہیں۔"

"وہ دس سال سے تمہارا قیدی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے دل میں اس قیدی کے لیے عزت و احترام کے جذبات امڈنے لگے۔

"ریکارڈ پر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہمارے بھی ایسے کئی بے نام و نشان قیدی پاکستان کے قبضے میں ہیں۔ وہ چھوڑے جائیں گے تو ہم اسے بھی آزاد کر دیں گے ورنہ یہ اسی تہ خانے میں اپنی زندگی کے باقی دن پورے کرے گا۔"

"تمہارے فون نمبروں کی بات ادھوری رہ گئی۔" بدنصیب قیدی کے نازک موضوع کو آگے بڑھانے کے بجائے میں نے دوسری بات چھیڑ دی "تم عارضی طور پر مطمئن ہو گئے ہو مگر دہلی کے نئے حالات میں کوئی دوسری ایجنسی مجھے تنگ کر سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آئے ہوئے پاکستانیوں کو ہر وقت شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

"ہم دوسروں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔" یہ کہتے ہوئے نریش نے کرسی چھوڑ دی "اگر کسی اور نے تمہارا رخ کیا تو تمہیں اپنے طور پر اسے مطمئن کرنا ہو گا۔ اس بارے میں را تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔"

وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اسی دروازے سے وہ دونوں آدمی نمودار ہوئے جو مجھے تہ خانے سے نکال کر وہاں تک لائے تھے۔ ایک نے میرے ہاتھ سے پٹی لے کر دوبارہ میری آنکھوں پر باندھ دی۔

وہ مجھے اس کمرے سے لے کر چلے تو مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میری اگلی منزل کیا ہو گی۔ نریش شرما نے میری مشروط آزادی کا فرمان ضرور سنا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس پر کب سے عمل کیا جائے گا۔

جب مسافت بڑھ جانے کے باوجود زینے اترنے کا مرحلہ نہیں آیا تو مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ مجھے دوبارہ خوف آور تہ خانے میں نہیں ڈالا جا رہا تھا۔ چند منٹ تک چلنے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر کھلی ہوئی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس کیے تو میرا خوش ہو گیا کہ میں اس عمارت سے باہر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں سوار کرا دیا گیا جس کے قریب پہلے سے چند افراد موجود تھے۔

گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ گاڑی وہی تھی جو مجھے لانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ گاڑی اگر وہ نہیں تھی تو بڑی حد تک اس سے مماثل ضرور تھی لیکن اس بار مجھے واپس لے جانے والے چہرے نئے تھے۔

○☆○

وہ لوگ مجھے ہوٹل کے کمرے سے زبردستی اٹھا کر لے گئے تو غزالہ کے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔ اسے میرے ساتھ اپنا مستقبل بھی مخدوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ عورت ذات تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بد فطرت مرد عورت کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں تو کہاں تک جا سکتے ہیں۔

ان اندیشوں کی روشنی میں اسے یہ سن کر اطمینان ہوا تھا کہ مجھے لے جانے والوں نے اسے مکمل زبان بندی کی ہدایت کی تھی۔ غزالہ نے وجے کے اس حکم پر یوں عمل کیا کہ میرے جانے کے بعد اسی کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی جو میرے نام پر بک تھا۔ وہ کمرا جو غزالہ کے نام پر لیا گیا تھا، بدستور مقفل رہا۔

مجھے غزالہ کی حالت کا اندازہ تھا۔ میرے بدن پر موجود کپڑے روایتی معنوں میں سلیپنگ سوٹ کے زمرے میں نہیں آتے تھے لیکن [illegible] میں ملبوس ہو کر

پورے ہوٹل میں گھوما جاسکے۔ مجھے واپس چھوڑنے والوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی سے اتار دیا تھا۔ میں عقبی راستے سے ہوٹل میں داخل ہوا اور گردو پیش کو یکسر نظرانداز کرتا ہوا انٹر کام کارنر کی طرف چلا گیا۔ انٹر کام پر میں نے غزالہ کو اپنی واپسی کی اطلاع دی اور لفٹ کا رخ کیا۔

میں اسے باخبر نہ کرتا تو وہ میری دستکوں پر اپنا اطمینان کیے بغیر کمرے کا دروازہ نہ کھولتی اور مجھے دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔ انٹر کام پر بات کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دروازے سے لگی میری منتظر تھی۔ دبیز قالین والی راہداری میں میرے قدموں کی ہلکی سی دھمک پر اس نے دروازے میں خفیف سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور پھر میرے لیے دروازہ پوری طرح وا کردیا۔ میرے اندر پہنچتے ہی وہ والہانہ انداز میں میرے گلے لگ گئی۔

را والے مجھے بستر سے اٹھا کر بھوکا پیاسا لے گئے تھے۔ غزالہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ میرے لیے جائے جانے کے بعد اس نے بھی ناشتے کے بارے میں نہیں سوچا۔ فکرو تشویش کے عالم میں یوں ہی بیٹھی میری خیرو عافیت سے واپسی کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی تھی۔

میں نے را کے نامعلوم ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ روکھا سوکھا ناشتا کرلیا تھا مگر غزالہ نے اسی وقت روم سروس کو کھانا لانے کی ہدایت کردی۔

دن کے تین بج رہے تھے۔ میری طبیعت پر تکان اور کسل مندی طاری تھی۔ میں غزالہ کو چند منٹ تک انتظار کا مشورہ دے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ را کے زیرزمین قید خانے کے بے در اور تاریک باتھ روم کے مقابلے میں ہوٹل کا کشادہ باتھ روم ایک نعمتِ غیر مترقبہ کے مترادف تھا۔ میں دیر تک پانی کی تیز دھاروں میں نہاتا رہا۔ لباس تبدیل کرکے میں باہر نکلا تو گرم گرم کھانا میرا منتظر تھا۔

''آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس نے میرے اوسان خطا کردیے۔ وہ آپ کو کیوں لے گئے تھے؟'' کھانے کے دوران غزالہ نے پوچھا۔

''یہ ہونا ضروری تھا۔ نہ ہوا ہوتا تو مجھے بے چینی سے ان کی آمد کا انتظار رہتا۔ دن میں' میں ان سے ملا۔ رات کو ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ کسی بھی سبب اور ثبوت کے بغیر ان کا میری طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔''

''آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا کہ آپ ان کی طرف سے کسی کارروائی کا انتظار کررہے تھے۔'' غزالہ نے شکوا کیا۔

''میں ایسی باتیں بتا کر تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ میری سنائی ہوئی کہانی میں کہیں ذرا بھی جھول ہوتا تو وہ مجھے عقوبتوں میں مبتلا کرکے سچ اگلوانے کے جنون میں مبتلا ہوجاتے۔''

''مجھے اس وقت یہ واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح محسوس ہورہے ہیں۔'' وہ پھریری لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی ''آپ نے ان سے جو کچھ بھی کہہ دیا ہو' حقائق اپنی جگہ برقرار رہیں۔ سارا منصوبہ آپ کا تھا' اس پر عمل بھی آپ نے ہی کیا پھران کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔''

''میرے جانے کے بعد سے تم نے یہ کمرا خالی تو نہیں چھوڑا تھا؟'' میں نے چونک کر غزالہ سے سوال کیا۔

''میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا۔'' اس نے یقین دلایا پھر کہا ''آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ را والے ہمارے کمرے میں بگ لگا سکتے ہیں۔ صدیوں پرانا محاورہ اس دور میں سچ ثابت ہورہا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ آئندہ ہم ان واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی وقت پوچھ لو۔''

''مجھے آپ کی واپسی پر بے حد خوشی ہے مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہے کہ آپ نے انہیں کیسے مطمئن کردیا۔''

''یہ سب انسانی نفسیات اور حاضر دماغی کا کھیل تھا۔'' میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا ''سب سے پہلی اور مضبوط حقیقت یہ تھی کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ہم دونوں کی ہوٹل واپسی ہماری بے گناہی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ را کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کے بعد کوئی بھی یوں منظر عام پر رہنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ نرلیش کے دفتر کے واقعے میں میرا کوئی حصہ ہوتا تو مجھے فوراً روپوش ہوجانا چاہیے تھا۔''

''یہی بات ہے تو وہ آپ کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟'' وہ بولی ''آپ کی ہوٹل میں موجودگی کا یقین کرلینے کے بعد انہیں خاموش رہنا چاہیے تھا۔''

''وہ بہت بڑی واردات ہے اور یہ ان کا ملک ہے۔ یہاں وہ بے پناہ اختیارات کے مالک ہیں۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے تھے پھر انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑنے کے بعد منہ اندھیرے دوبارہ یہاں واپس آئے ہیں۔''

”ہوٹل سے ہماری طویل غیر حاضری ہمیں مشکوک بنانے کے لیے بہت کافی تھی۔ مجھے اس بارے میں پریشانی تھی۔“

میں نے جو کچھ نریش کو بتایا تھا اختصار سے غزالہ کے سامنے دہراتے ہوئے کہا ”یہ واقعی بہت مشکل کام تھا۔ اس نے میرے کمرے سے اپنا کارڈ ملنے کی بات کر کے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ وہ میرے اعتماد کو متزلزل کرنے کی ہر کوشش کر رہا تھا۔ میں نے وہ کارڈ خود ضائع کیا تھا اس لیے اپنی بات پر اڑ گیا۔ شاید وہ دوسرا نکتہ تھا جس نے نریش کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا ورنہ وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔“

”یہ بات آپ نے پہلے سے سوچی ہوئی تھی اور اسی لیے نریش کا کارڈ تلف کر دیا تھا!“ اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ”میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا صرف ایک موقع ملنا تھا۔ میں اس موقع پر کہیں بھی لڑکھڑاتا تو وہ مجھے بری طرح پھانستے چلے جاتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ہوم ورک کامیاب رہا۔“

”اب ہمارے لیے میدان صاف ہو چکا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا دل یہی کہتا ہے۔ نریش پوری طرح مطمئن نہ ہوتا تو مجھے کسی قیمت پر واپس آنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس نے مجھ پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ہدایت کی ہے کہ میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔“

غزالہ کچھ اداس ہو گئی۔ را والوں پر وار کرنے کے بعد مجھے دہلی سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔“

”میں بھی اپنی خوشی سے یہاں نہیں رکا۔ حالات اور مصلحتوں نے مجھے مجبور کیا ہوا ہے۔ وقت اور حالات کسی کی خواہشوں کے اسیر نہیں ہوتے۔ ان کے آگے انسان کو جھکنا پڑتا ہے ورنہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔“

”آج کے اخبار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ شاید دیر سے سامنے آنے والے واقعات اخباروں میں جگہ نہیں پا سکے۔“

”لیکن ان کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب وہم و گمان سے باہر کے واقعات اچانک رونما ہونے لگتے ہیں تو بڑے بڑے قابل افسروں کی انتظامی صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور وہ بدحواسیوں کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ضمیمے آ گئے ہوں ورنہ شام کے اخبار سنسنی خیز کہانیاں چھاپیں گے۔ افسرانہ بدحواسیوں نے اب تک شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہو گا۔ واپسی پر مجھے ہوٹل کی لابی خالی خالی نظر آئی تھی۔“

باتوں ہی باتوں میں ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر سگریٹ سلگائی تو مجھے را کا دس سال پرانا قیدی یاد آ گیا۔

”تمہارا کیا خیال ہے۔“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے غزالہ سے پوچھا ”دہلی میں رہ کر ہم نے اب تک کیا قربانیاں دی ہیں۔“

”قربانیاں تو شاید نہیں دیں لیکن بہت بڑی کامیابیاں ضرور حاصل کی ہیں۔ این کا ویل آپ کی مرضی کے خلاف یہاں آئی تھی۔ اس نے بھی ہم سے الگ رہنے کے باوجود بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔“

”ہم ایک دوسرے کی قصیدہ خوانیاں کر کے اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں مگر آج میں را کے عقوبت خانے میں ایک ایسے پاکستانی قیدی سے ملا ہوں جسے دیکھ کر مجھے اپنی کامیابی ہیچ نظر آنے لگی ہے۔ وہ عزم اور حوصلے کی ایک ناقابلِ شکست چٹان ہے۔“

”اس نے آپ کو متاثر کیا ہے تو وہ ضرور کوئی بڑا آدمی ہو گا۔“ غزالہ کی آنکھوں میں اشتیاق ابھر آیا۔

”مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پاکستانی ہے۔ وہ دس سالوں سے را والوں کی قید میں ہے۔ ان کا ذہنی اور جسمانی تشدد سہہ رہا ہے۔ ان کی بربریت کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے مگر اس نے اپنے سینے میں دفن کوئی راز اگل کر نہیں دیا۔ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔“

”ہمیں اس پاکستانی کی عظمت کو سلام کرنا چاہیے۔“ غزالہ نے دھیمے سے کہا ”اس نے اپنے بارے میں آپ کو کچھ تو بتایا ہو گا۔“

”وہ اپنے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ نریش کہتا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کا کوئی جونیر کمیشنڈ آفیسر ہے۔ اپنے تشدد سے اس کا ذہنی توازن بگاڑنے کے بعد اب وہ اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”ہمارا ملک ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں سے زندہ ہے ورنہ ہماری صفوں میں ملک کو لوٹنے اور بگاڑنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔“

غزالہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو روزِ اول

سے اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے سارے وسائل بروئے کار لاکر ہر طرف مایوسیوں کا ایسا زہر پھیلایا تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد حبِ وطن کو خیرباد کہہ کر آندھی کے بیر لوٹنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

وہ ایک قومی المیہ تھا جس کے انسداد کے لیے بہت سی سطحوں پر کوششیں کی جارہی تھیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی تحریص، ترغیب یا لالچ کے بغیر اپنی ذات میں ڈوب کر اس مشق کو خاموشی سے آگے بڑھا رہے تھے۔ ان میں را کے قیدی کا نام سرفہرست تھا۔

میری وہ صبح را والوں نے برباد کردی تھی۔ کچھ دیر قیلولہ کرنے کے بعد میں نے اخبار سنبھال لیا۔

اخبار کی تہیں بتا رہی تھیں کہ کسی نے اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غزالہ بستر چھوڑتے ہی ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی تھی۔ اس نے شاید اخبار کے بیرونی صفحات دیکھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پچھلی رات دہلی میں جو واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ اخبارات کے پہلے صفحے پر جگہ پانے کے مستحق تھے کوئی احمق اور نوآموز صحافی بھی ان کی اہمیت کو گھٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اخبار میں واقعی ان واقعات کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں اخبار کی ورق گردانی کرتا رہا پھر اندر کے قومی صفحات پر ایک چنگھاڑتے ہوئے عنوان نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

قومی عزت نیلام گاہ پر۔ وہ اس تصویری فیچر کا عنوان تھا۔ اس کے نیچے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے نام کے آگے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

وہ ایک تصویری اور تیز و تند فیچر تھا جس میں عابد علی عرف گوپال کے منصوبے کے مطابق نہایت بے رحمی سے اکیڈمی کے چیتھڑے اڑائے گئے تھے۔

مضمون پڑھنے سے قبل میں نے متعلقہ تصاویر کا جائزہ لیا۔ وہ ان مظلوم لڑکیوں کی تصاویر تھیں جو باعزت روزی کمانے کا عزم لے کر تربیت کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں داخل ہوئیں اور را کے بعض عیاش طبع افسروں کی جنسی آزمائشوں کا نشانہ بننے کے بعد دربدر ہوگئیں کیونکہ ان افسروں نے ان لڑکیوں کو اپنے مقاصد کے لیے مسترد کردیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں اپنی تربیت مکمل کرسکیں نہ را کے معیار پر پوری اتر سکیں اور پیٹ کا جہنم سرد کرنے کے لیے دنیا کے اس قدیم ترین کاروبار کا ایک حصہ بن گئیں جس میں ذاتی زینت و آرائش کے سوا مزید کسی سرمایہ کاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وہ تینوں کال گرلز دہلی میں مقیم تھیں لیکن ان کا تعلق بھارت کے دور دراز علاقوں سے تھا۔ فیچر کے ساتھ رینا اجیت رائے یا کسی ایسی لڑکی کی تصویر نہیں تھی جو باقاعدگی سے را کے لیے کام کررہی ہو۔

میں نے پوری توجہ سے وہ باتصویر اخباری فیچر پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس میں نام لیے بغیر سرکاری ایجنسیوں کا گھناؤنا کردار بیان کیا گیا تھا۔ کسی خوف کے باعث کھل کر را کا نام لینے سے پرہیز کیا گیا تھا۔

سوالات وہی اٹھائے گئے تھے جو ہمارے ذہنوں میں ابھرے تھے۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے فروغ کے نام پر بعض اہم سرکاری افسران ہندو قوم کی عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ ان کے لیے عزت و حمیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی دلکش اور نوعمر بھارتی لڑکیاں اہم غیر ملکی شخصیات اور خاص طور پر پاکستانیوں کا دل بہلانے پر مجبور تھیں۔ وہ بے غیرتی کی انتہا تھی۔ دہلی کے ایک صاف ستھرے علاقے میں وہ گندہ کھیل کس کے ایما پر کھیلا جارہا تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے طریقہ واردات کے بارے میں وہ ساری تفصیلات فیچر میں سمودی گئی تھیں جو رینا کے ذریعے میرے اور پھر عابد کے علم میں آئی تھیں۔ ان کی جزئیات میں کمی بیشی ہوگئی تھی مگر خلاصہ وہی تھا۔

میرا خیال تھا کہ بھارت میں صحافیوں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ وہ پوری بے خوفی کے ساتھ حقائق بیان کرسکتے تھے مگر اس فیچر نے ان کی مجبوریوں اور را کی دہشت کی پول کھول دی تھی۔ اخبار نویسوں کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے پیش نظر تالاب میں پھینکا جانے والا وہ پہلا پتھر بہت وزنی تھا جس کی پیدا کی ہوئی ہلچل پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس رپورٹ میں را کا نام نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح تھا۔ بھارت کے باخبر حلقے آسانی سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ اس رپورٹ میں بھارت کی کس خفیہ ایجنسی کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

بھارت میں را والوں کے لیے برے وقت کا آغاز ہوچکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھارت کا ایک قومی ادارہ تھا جس کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہونا کسی حکومت کے بس میں نہیں تھا لیکن رائے عامہ کے دباؤ کے تحت ان کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان کی بے لگام آزادیاں محدود ہوسکتی تھیں اور ساکھ تو یقیناً مجروح ہونا ہی تھی۔

میں نے پورا فیچر پڑھ کر اخبار ایک تپائی پر ڈال دیا۔
جب تک گمبھیر مسائل سر اٹھائے کھڑے تھے۔ مجھے بیم گن سمیت اپنے ہر ہتھیار سے خوف آرہا تھا لیکن مطلع قدرے صاف ہونے کے بعد مجھے شدت سے سی ایس ڈی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس آلے کی موجودگی میں، میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں سنیل یا ولی رام سے رابطہ کرکے بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس غزالہ کے کمرے میں چھپائے گئے تھے۔ وہ کمرا بکنگ کے بعد سے غیر آباد اور مقفل تھا۔ یہ فرض کرلینا حماقت سے کم نہ ہو تا کہ را والے ہوٹل میں غزالہ کے نام پر الگ کمرے کی بکنگ سے بے خبر ہوں گے۔

نریش کو ہوٹل سے ہماری روانگی اور دوبارہ آمد کا علم تھا تو وہ بات بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکی ہوگی۔ صبح سے را والوں کو کافی وقت مل چکا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر غزالہ کے کمرے میں خفیہ صوتی اور تصویری آلات نہ چھپا دیے ہوں۔ اگر ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو پھر ہمیں بہت محتاط رہ کر اس کمرے میں داخل ہونا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کمرے کا باتھ روم خفیہ کیمرے کی محدود رینج سے ہر حال میں محفوظ ہوگا۔

○☆○

عابد علی بروقت ائرپورٹ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ امرتسر ایک حساس سرحدی شہر تھا۔ وہ میرے جعلی نام پر بنے ہوئے ٹکٹ پر وہاں کا سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے ائرلائن کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو چھ بجے والی پرواز پر نشستیں دستیاب تھیں۔

وہ بھارت میں گوپال کے نام سے رہ رہا تھا۔ اس نے اسی نام سے ٹکٹ بنوالیا۔

آئی بی کے وہ تینوں آدمی بھارت میں ہروقت خطرات کی زد میں تھے اس لیے بعض بنیادی ضرورتوں سے ہروقت لیس رہتے تھے۔ عابد کی کار میں ضرورت کی متفرق چیزوں سے بھرا ہوا ایک بریف کیس موجود تھا۔ اس نے اپنی گاڑی ائرپورٹ کے مخصوص حصے میں پارک کرنے کے بعد وہ بریف کیس خالی کیا اور گیارہ فائلوں کا شاپنگ بیگ اسی طرح بریف کیس میں ڈال لیا تھا۔

گنتی کے اعتبار سے فائلوں کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ بہت وزنی نہیں تھیں۔ ٹکٹ بنوانے کے بعد عابد پر ایک نئی فکر سوار ہوگئی۔ اگر وہ بریف کیس کو دستی سامان کی صورت میں اپنے ساتھ لے جاتا تو بریف کیس کو اسکیننگ مشین سے گزارا جاتا۔ اگر را کا کوئی لیٹر ہیڈ مشین کی اسکرین پر واضح ہو جاتا تو عابد کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ الیکٹرونک مشین کی جانچ پڑتال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر لے جانے کے بجائے مقفل کرکے بورڈنگ کاؤنٹر پر دے دیتا۔ اس طرح وہ بریف کیس سرسری دیکھ بھال کے بعد دہلی سے امرتسر پہنچ سکتا تھا۔

اس متبادل طریقے میں خرابی یہ تھی کہ بریف کیس کا وزن کم ہونے کی وجہ سے کاؤنٹر کا عملہ شک و شبے میں پڑ جاتا۔ ہوائی سفر کرنے والے مسافروں میں یہ رجحان عام ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کر سامان کے انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے قدرے بھاری سامان بھی اپنے ساتھ کیبن میں لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یوں وہ جہاز سے اترتے ہی ائرپورٹ سے باہر نکلنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔

عابد کا ہلکا اور اکلوتا بریف کیس سامان کے طور پر وصول ضرور کرلیا جاتا لیکن پھر اس کی خصوصی پڑتال ضرور ہوتی۔ خاصے تذبذب کے بعد عابد نے وہ بریف کیس اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

تلاشی کے مرحلے پر جب اس کا بریف کیس مشین سے گزارا گیا تو وہ متجسس ہو کر پہلے سے ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے اسکرین اسے نظر آتی رہے۔ اسکرین پر مختلف اشیا کے دھندلے خاکے نظر آئے۔ اس کے بریف کیس کے اندر ایک چوکور خانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بریف کیس مشین سے گزر کر پٹے پر چلتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے وہ مرحلہ سر ہونے پر اپنے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور لاؤنج کی طرف چل دیا۔

وہ عابد کے سفر کا اہم ترین مرحلہ تھا جو آسانی سے سر ہوگیا۔

ساڑھے آٹھ بجے عابد امرتسر کے کوئنز روڈ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ پچھلی بار وریا گرانڈ ہوٹل میں ٹھہری تھی۔

امرتسر میں زندگی کی رونق اور چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ پوری، پراٹھوں، دودھ، لسی کی دکانیں اور ہوٹل وغیرہ کھل گئے تھے لیکن بازار بند پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دکان پر رک کر سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور سرسری انداز میں سوال کیا تو اسے پتا چلا کہ دہلی سے رات کو روانہ ہونے والی آخری ٹرین کافی دیر پہلے امرتسر پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ٹرین کا سفر کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

ویرا امرتسر پہنچ چکی تھی تو سڑکوں پر ماری ماری پھرنے کے بجائے آرام کی غرض سے ہوٹل کی طرف ہی گئی ہو گی۔

وہ سگریٹ سلگا کر گرانڈ ہوٹل کی طرف چل دیا۔

یہ ہر سیاح اور مسافر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ اجنبی شہر میں نئے تجربات کا خطرہ مول لینے کے بجائے پرانے تجربے سے استفادہ کرتا ہے۔ اس توقع پر عابد نے گرانڈ ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرا لیا تاکہ ہوٹل میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کر سکے۔

پہلے اس نے ارادہ کر لیا کہ بریف کیس کو کمرے میں محفوظ کر کے ہوٹل کی رہائشی منزلوں کا چکر لگاتا ہوا دوبارہ ہال میں آ بیٹھے لیکن پھر اس نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ یہ ممکن تھا کہ ویرا نیچے آنے کے بجائے اپنے کمرے میں پڑی آرام کرتی رہتی اور وہ ہال میں بیٹھا مکھیاں مارتا رہتا۔

اسے بنگو کی ہر حال میں ضرورت تھی۔ اس نے اپنی ڈائری دیکھ کر ایک مقامی نمبر ملایا۔ دوسری طرف ایک معمر آدمی تھا۔

”مجھے بنگو سے ضروری کام ہے۔ کیا تم اسے بلا سکتے ہو؟“ عابد نے نرمی سے کہا۔

”صبح صبح کیا کام پڑ گیا اس سے۔ ابھی تو وہ سویا ہوا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد فون کر لینا۔ میں اسے بلاتا ہوں۔“ ناگواری سے جواب دے کر فون بند کر دیا گیا۔

بنگو امرتسر میں آئی بی کا خاص آدمی تھا جو اپنے اپریٹس پر کسی بھی وقت ان کے لاہور آفس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ ویرا کے ساتھ اہم ترین بھارتی فائلوں کی روانگی کی اطلاع جلال تک پہنچانے کے لیے بنگو سے ملنا ضروری تھا۔ وہ پرانا مقامی آدمی تھا۔ ذرا سی دیر میں معلوم کر سکتا تھا کہ دہلی سے آئی ہوئی ایک میم شہر کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہے۔

بنگو اپنی آمدنی کے لیے الٹے سیدھے دھندے کرنے کا عادی تھا لیکن دنیا دکھاوے اور شوق کے لیے غیر ملکی سیاحوں خصوصاً عورتوں کو شہر کی سیر کرانے کے لیے امرتسر کے اچھے ہوٹلوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کے ہر سوال کا جواب کسی عذر یا شبہے کے بغیر مل سکتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد عابد نے دوبارہ اسے فون کیا۔ ابتدا میں اس کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ عابد کا کوڈ سن کر وہ راہ پر آ گیا

”گرانڈ ہوٹل آؤ اور یہ معلوم کرتے آنا کہ این کا ویل کہاں ٹھہری ہے۔ وہ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچی ہے۔ میں یہاں گوپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔“

”این کا ویل؟“ اس کی آواز سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی

”یہ کون ہے؟“

”اسے کچھ دن پہلے تم ایک اور جوڑے کے ساتھ لائے تھے۔ وہ گرانڈ میں ہی ٹھہری تھی۔“ عابد نے اسے یاد دلایا۔

”بہت زوردار اور مست عورت ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر نکلتا ہوں۔“ یادداشت تازہ ہونے پر وہ لفنگا خوش ہو گیا

”کیا اسے واپس بھی پہنچانا ہے۔“

”نہیں۔“ عابد نے اس کی امیدوں پر اوس ڈال دی ”وہ ٹرین سے جائے گی۔ اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔“

”تم فکر نہ کرو۔ بنگو ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی ہے۔ تم سے کچھ نہ کچھ مال تو مل ہی جائے گا۔“

فون کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ عابد اپنا ایک اہم کام کر چکا تھا۔ کمرے میں بند رہ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ نیچے چل دیا۔ نئے شہر اور وہاں کے رہنے والوں کے نت نئے طور طریقے اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھے۔

وہ نہایت دلچسپی سے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے چائے پی رہا تھا کہ بنگو آ پہنچا۔ اس سے عابد علی کی کافی مدت پہلے ایک سرسری ملاقات ہوئی تھی لیکن دونوں نے پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ بنگو ہاتھ ہلا کر کاؤنٹر پر رک گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے سردار سے چند سیکنڈ گفتگو کرنے کے بعد وہ عابد کی میز پر آ گیا۔

”وہ بائیس نمبر کمرے میں ہے۔“ اس نے عابد سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انکشاف کیا۔

”ویری گڈ!“ عابد خوش ہو گیا۔ وہ اسی ہوٹل میں ہوتے ہوئے ویرا کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بنگو نے لمحہ بھر میں وہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

وہ دونوں چائے نوشی کے دوران گپ شپ کرتے رہے۔ بنگو سے پتا چلا کہ اس روز امرتسر سے لاہور کے لیے ٹرین تیسرے پہر روانہ ہونے والی تھی۔ عابد کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اپنا اپریٹس ساتھ ہی لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اٹھ گئے اور عابد کے کمرے کی طرف چل دیے۔

کمرے میں پہنچتے ہی بنگو نے اپنی جیب سے مختصر سا اپریٹس نکال کر عابد کے حوالے کیا اور خود اطمینان سے ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

عابد... کمرے کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی کے قریب گیا اور اور اپریٹس آن کر کے اپنا پیغام نشر کرنے لگا ”الفا کالنگ فار الیس او الیس... اوور!“

ان لوگوں کا وہ ایمرجنسی کوڈ تھا۔ اگلے ہی لمحے جواب

مل گیا" ڈین ریسیونگ... کیا بات ہے؟ اوور!"

وہ آواز عابد کے لیے اجنبی تھی مگر کوڈ سے اسے علم ہوگیا تھا کہ آئی بی کے لاہور آفس کا ریڈیو روم آفیسر اس سے مخاطب تھا۔

"گردوارے سے آج سفید پجارن گرین کوبرا کے ساتھ نکل رہی تھی۔ چیف لاہور میں بندوبست کریں۔ پیغام صاف ہے؟ اوور۔"

"بالکل سر! ہر لفظ ریکارڈ ہوگیا۔ یہ پیغام میں ابھی ریلے کردوں گا۔ اوور!" بھارت کی سرزمین سے موصول ہونے والے پیغام پر ریڈیو آفیسر بہت زیادہ مستعد ہوگیا تھا۔

"اوور اینڈ آل!" کوئی غیر ضروری بات کیے بغیر عابد نے سلسلہ منقطع کردیا اور لوٹ کر اپریٹس بنگو کے حوالے کردیا۔

"تمہارے دونوں کام ہوگئے۔ مجھے کتنا مال ملے گا؟" بنگو نے ندیدے پن سے سوال کیا۔

"دو کام کون سے؟" عابد نے کڑے تیوروں سے پوچھا "میں نے صرف ایک کال کی ہے۔"

"میں نے این کے کمرے کا بھی پتا چلایا ہے۔" بنگو نے دانت نکال دیے "وہ بھی تمہارا ایک کام تھا۔ میرے بغیر تم امرتسر کے سارے ہوٹل چھانتے پھرتے پھر بھی تمہیں کوئی نہ بتاتا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں چٹکی بجاتے میں ہر کام سیدھا کردیتا ہوں۔"

"تمہاری یہ عادت بہت خراب ہے کہ تم ہمارے ہر آدمی سے زیادہ پیسے اینٹھنے کی کوشش کرتے ہو۔" عابد نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بنگو کی طرف بڑھادیا۔

بنگو نے وہ نوٹ پھرتی سے لے کر یوں اپنی جیب میں اڑسا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں عابد وہ نوٹ واپس رکھ لے گا اور ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "تم لوگ بھی تو کبھی کبھی آتے ہو۔ روز آتے جاتے رہا کرو تو سو پچاس میں بھی میرا گزارا ہوجائے گا۔ میں نے چیف سے بھی کہا ہوا ہے کہ وہ میرے لیے زیادہ کام نکالا کرے۔ لمبی بے کاریوں سے میری طبیعت اکتانے لگتی ہے۔"

"بس اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ اور کام کرنا ہے۔" اپنا کام نکالنے کے بعد عابد نے ہنس کر کہا۔

"اجازت ہو تو این کو سلام کرتا جاؤں۔" بنگو نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سفر سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ اس وقت آرام کررہی ہوگی۔"

بنگو نے دونوں ہاتھ جوڑے اور کمرے سے چلا گیا۔

اس نے عابد کی کسی بات کا برا نہیں منایا تھا۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی تھا۔

اس کے جانے کے بعد عابد چند منٹ انتظار کرتا رہا پھر مسہری کے نیچے سے فائلوں والا بریف کیس لے کر کمرے سے نکل آیا۔ اس کا رخ ہوٹل کی دوسری منزل کی طرف تھا جہاں بائیسویں کمرے میں ویرا کے قیام کی اطلاع ملی تھی۔

کمرا نمبر بائیس کے بند دروازے کے سامنے عابد نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے ویرا کی تیز آواز گونجی۔ وہ دستک دینے والے کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ عابد نے دوبارہ دستک دی۔

اس بار ویرا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ بریف کیس کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنے روبرو پاکر حیران رہ گئی۔

دہلی میں ویرا کا آئی بی والوں سے کہیں سامنا یا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہمارا ساتھ دینے والوں کے کیا نام تھے جبکہ عابد اور اس کے دونوں ساتھی ویرا کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔

"تم کون ہو؟ کیا میں تم کو جانتی ہوں؟" ویرا نے خشک اور جارحانہ لہجے میں عابد سے سوال کیا۔ عابد نے محسوس کیا کہ وہ کسی بھی خطرے کی صورت میں فوری طور پر اپنا دروازہ بند کرنے کے لیے تیار تھی۔

عابد نے تیزی سے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور میدان صاف پاکر سرگوشی میں جواب دیا "میں دوست ہوں۔ دہلی سے ڈینی کی امانت لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندر آنے کی اجازت دو تاکہ میں تمہارے شبہات دور کرسکوں۔"

ویرا نے براہِ راست عابد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

"شکریہ!" عابد تیزی سے اندر داخل ہوگیا۔ ویرا دروازہ بند کرچکی تھی اور کسی ہرنی کی طرح بھڑکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"تمہیں میرے کمرے کا پتا کیسے چلا...؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں بھارت میں ڈینی نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتی۔" ویرا کے تیور بدستور جارحانہ تھے۔

"میں بھول گیا تھا۔ وہ مظہر خان اور غزالہ ہیں۔ تم ویرا نہیں این کا ڈیل ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکلی ہو۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں تلاش کیا ہے۔ اس بریف کیس میں اہم ترین فائلیں ہیں۔ یہ

تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جانی ہیں۔" عابد نے بریف کیس اس کی طرف بڑھایا۔

"اسے دور رکھو!" ویرا غرائی۔ وہ بجا طور پر بہت زیادہ محتاط تھی "اس میں کوئی آتش گیر مادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے خود کھولو۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر ہی موم ہو جائے گی مگر وہاں معاملہ دیگر تھا۔ ویرا اتنی آسانی سے اس پر اعتبار کرنے والی نہیں تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہمارے طے شدہ پروگرام میں کسی نئے آدمی کی شمولیت یا فائلوں کو پاکستان لے جانے کے معاملات سرے سے شامل نہیں تھے۔

عابد نے بریف کیس میز پر رکھ کر کھولا۔ شاپنگ بیگ میں سے تکیے کے غلاف کا بنڈل پھر اس میں سے فائلوں کا پلندہ نکال لیا "تم دیکھ سکتی ہو کہ اس میں ان فائلوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا جلد از جلد پاکستان پہنچنا ضروری ہے۔ اسی لیے میں دہلی سے یہاں آیا ہوں۔"

اس وقت تک ویرا بند دروازے کے پاس کھڑی رہی تھی۔ فائلیں دیکھ لینے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کرسی پر آبیٹھی اور بولی "بیٹھ جاؤ! کیا تم جلال کے آدمی ہو؟"

عابد نے اثبات میں سرہلا دیا "اب تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچی ہو۔"

"مظہر اور غزالہ کہاں ہیں؟ ان کو آج یہاں پہنچ کر مجھ سے ملنا تھا۔ ان کے بجائے تم کیسے آگئے۔"

"وہ دونوں دہلی میں پھنسے ہوئے ہیں۔" عابد نے میری خواہش کے مطابق یہ بات ویرا سے چھپالی کہ میں نے اپنی واپسی کا ارادہ خود ملتوی کر دیا تھا "جب تک مطلع صاف نہیں ہوتا، وہ دہلی سے نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر مجھے بھی واپس دہلی پہنچ جانا چاہیے۔ تم ان فائلوں کو پاکستان بھیجنے کا کوئی اور بندوبست کرلو۔"

ویرا کا وہ ٹکا سا جواب سن کر عابد کی کھوپڑی گھوم گئی۔ وہ ویرا سے ایسی سرد مہری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ان کے لیے میں نے ڈینی کے ساتھ پچھلی رات کالی کی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر را کے دفتر میں نقب لگائی اور یہ کاغذات نکال لیے۔ میں ڈینی کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں۔ تم دہلی نہیں، لاہور جاؤ گی۔"

"تم کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" ویرا اس کے آخری فقرے پر بگڑ گئی "میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔۔۔۔"

"تم درست کہہ رہی ہو۔" عابد نے گڑبڑا کر اس کی بات کاٹ دی "انسپکٹر ڈیوڈ کے قصے میں پولیس ایک غیر ملکی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ انہیں نوجوان اطالوی مرد کے ساتھ سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ جان اسمتھ بھی مارا گیا ہے۔ اس وقت دہلی ایک چوہے دان کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ جو وہاں گیا پھنس جائے گا۔" ویرا کو دہلی واپسی سے روکنے کے لیے عابد برجستگی سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا گیا۔

حقائق اس کے بیان کے برعکس تھے۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے معاملے میں کوئی پیش رفت ہوئی تھی نہ پولیس کو کسی جوڑے کی تلاش تھی اور جان اسمتھ کی لاش تو اس وقت تک دریافت بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سراٹ کے ایک نفیس کمرے میں مقفل پڑی ہوئی تھی۔

وہ اس کی حاضر دماغی تھی کہ اس نے حالات کو سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ میرے اور اس کے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ ویرا کو اولین فرصت میں دہلی بلکہ بھارت سے نکل جانا چاہیے۔

"ان دونوں کے دہلی سے نکلنے میں کیا رکاوٹ ہے؟" ویرا نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں را کی نظروں میں آگئے ہیں۔ انہیں جل دے کر دہلی سے نکلنا مشکل ہے۔ ریلوے اسٹیشن یا کسی ہوائی اڈے کا رخ کرتے ہی وہ دھر لیے جائیں گے۔"

"وہ ایسی بھیانک مشکل میں ہیں۔ تم انہیں چھوڑ کر امرتسر آگئے ہو اور مجھے پاکستان بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا متوحش نظر آنے لگی۔

"میرے دو آدمی اس وقت بھی دہلی میں ہیں۔ میں یہ بریف کیس تمہارے سپرد کر کے پہلی دستیاب پرواز سے دہلی لوٹ جاؤں گا۔ ان کی خبر گیری میں کوتاہی ہوئی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ لوں گا۔ تم کو اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ بے یارو مددگار نہیں ہیں۔"

"تم نے کاغذوں کی گھنٹی میرے گلے میں باندھ دی ہے۔ اگر تم انہیں بھیجنے کا متبادل بندوبست کرلو تو میں ہر خطرہ مول لے کر دہلی واپس جانا چاہوں گی۔" ویرا نے بے چینی سے کہا۔ عابد کی زبان سے ہم دونوں کے مسائل کی مبالغہ آمیز کہانی سن کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"کوئی اور راہ ہوتی تو میں ہرگز یہاں تک نہ دوڑا چلا آتا۔ یہ را کے سرکاری کاغذات ہیں۔ انہیں لے کر گھومنا بھی خطرناک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق سفر جاری رکھو اور ان دونوں کے لیے دعا کرتی رہو۔ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ویرا کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ فائلوں کے گرد کسا ہوا فیتہ کھولنے لگی۔

عابد بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے یہ فکر ہو رہی تھی کہ اس سے ملاقات کے نتیجے میں ویرا نے کوئی نئی قلا بازی کھائی تو اس کی الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی اور میرے سامنے وہ جواب دہی نہیں کر سکے گا۔

ویرا نے کئی فائلوں کے متعدد اوراق دیکھے مگر مندرجات میں سے کچھ اس کے پلے نہ پڑ سکا لیکن را کے شان دار لیٹر ہیڈز اور ان پر لگی ہوئی متعدد مہریں ان کاغذات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے فائلوں کو دوبارہ فیتے میں باندھتے ہوئے عابد سے پوچھا۔

"کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ بیشتر کاغذ پاکستان کے بارے میں ان کی معلومات اور منصوبوں کے بارے میں ہیں بلکہ پوری گیارہ فائلوں کے موضوع یہی ہیں۔ فائلوں کے درمیان رکھے ہوئے کاغذوں پر ان نیپالیوں کے فنگر پرنٹس اور کوائف ہیں جو اپنے ملک میں را کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"نیپال کے بارے میں کاغذوں کی تمہارے لیے کیا اہمیت ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ ہمارا دوست ملک ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے کون کون سے شہری غداریاں کر رہے ہیں۔ را کے دفتر میں ایسا بہت سا ریکارڈ تھا جسے لانا اور پھر پاکستان منتقل کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ ہم نے بقیہ ریکارڈ کو آگ لگادی۔"

"ہائیں...!" ویرا چونک پڑی "تم لوگوں نے را کے دفتر کو آگ لگادی؟"

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ پچھلی رات دہلی میں بہت کچھ ہوا ہے۔ اس آگ میں بلیک کیٹس کے ایک سینئر کمانڈو کی لاش بھی جلی ہوگی۔ اس مہم سے نمٹتے ہی ڈینی نے مجھے ایئرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ واپس دہلی جاؤں گا تو پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"تم رک رک کر باتیں بتا رہے ہو۔ ان سے خوشی کے ساتھ تشویش بھی ہو رہی ہے۔ میں یہ ریکارڈ اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔ جن چیزوں کے لیے تم دونوں نے اتنے جتن کیے ہیں۔ انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آخرکار میں تمہیں پوری صورتِ حال سمجھانے میں کامیاب ہو گیا" ویرا کے ان الفاظ پر عابد کی جان میں جان آئی۔

"اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ یہ کاغذات آج چلے جائیں گے۔ دو چار روز میں دہلی کی کوئی حوصلہ افزا صورت سامنے نہ آئی تو میں دوبارہ دہلی کے سفر کے بارے میں سوچوں گی۔"

ویرا نے اسے یقین دلایا "تم چاہو تو اسی وقت واپس جا سکتے ہو۔"

عابد نے ویرا کی اس اجازت کو غنیمت جانا اور اسی وقت روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے اور ویرا کے مذاکرات زیادہ دیر تک جاری رہے تو وہ کسی بھی لمحے کوئی نئی بات شروع کر دے گی۔ اس کی نظروں میں ویرا بہت سیماب صفت عورت تھی جس کے مزاج میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر چیز کو ہر وقت متحرک دیکھنے کی خواہاں رہتی تھی۔

○☆○

خطرات بہت گمبھیر اور سنگین تھے مگر انہیں مول لیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے غزالہ کے کمرے کے باتھ روم سے سی ایس ڈی نکال کر بقیہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑیں اور اپنے کمرے میں واپس آکر اسے ٹیلی فون لائن سے منسلک کر دیا۔

نریش شرما سے ہونے والی آخری ملاقات نے مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت میرے پاس صرف سرلا کا فون نمبر ایسا تھا جہاں رابطہ کرنے میں زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے طور پر ہوٹل سے پاکستان کا کوئی نمبر نہیں ملاؤں گا۔ اس میں سب سے سنگین خطرہ یہ تھا کہ بیرون شہر یا بیرون ملک ملایا جانے والا ہر نمبر مستقل طور پر ریکارڈ پر آجاتا تھا۔

سرلا کے نمبر پر سنیل سے میری بہت مبہم اور مختصر بات ہوئی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ صبح را والے مجھے ہوٹل سے اٹھا لے گئے تھے۔ محض چند گھنٹوں بعد وہ فون پر میری آواز سن کر دہل کر رہ گیا تھا۔ اس سے مجھے پتا چلا کہ عابد امرتسر سے دہلی واپس آچکا تھا۔ بہ مشکل چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

"بہت مختصر گفتگو ہوئی!" غزالہ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ میری آواز سن کر ڈر گیا تھا اور مجھے بات ختم کرنے کا مشورہ دے رہا تھا" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی کل یا پرسوں ہی اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں پریشان تھی کہ آپ کی فون پر خاصی کھلی کھلی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود کہیں سے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ یہ بات ناقابلِ یقین سی معلوم ہوتی ہے۔"

"جن لوگوں کو اس ڈیوائس کا ذاتی تجربہ نہیں ہے، وہ اس کی پوری افادیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس وقت یہ ہمارے لیے بیم گن سے زیادہ اہم ہوگئی ہے" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اس کے بعد گوپال والے اپریٹس کی باری آتی ہے، سنیل بتا رہا تھا کہ وہ امرتسر سے لوٹ آیا ہے۔"

"کمال ہے۔ بہت جلد واپس آگیا۔ ہوسکتا ہے کہ ابھی تک آگے روانہ نہ ہوئی ہو۔"

"یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا ہوائی سفر ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وہ کامیاب ہو کر لوٹا ہے۔"

"اسے وہاں کیا کرنا تھا جو کامیابی یا ناکامی کا سوال ہو۔ ایک بریف کیس ہی تو ویرا کو دینا تھا" غزالہ منہ بنا کر بولی۔

"گوپال ہمارے پاس سے گیا تھا۔ وہ ہمارے پہنچنے کی توقع کر رہی ہوگی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے اپنے سوالات سے گوپال کو زچ کر دیا ہوگا۔"

"ہر ایک سے الجھنا اچھی عادت نہیں ہے۔ سب اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ کسی دن کوئی سرپھرا ٹکرا گیا تو اس کا دماغ درست کر دے گا اور وہ رونے بیٹھ جائے گی۔ وہ یہ حقیقت ہر وقت بھولی رہتی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"

میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔ اس وقت غزالہ کی ذہنی رو ویرا کے خلاف چل رہی تھی۔ جب وہ اس کی حمایت پر آمادہ ہوتی تھی تو اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیش کر دیتی تھی۔

سات بجے ہم دونوں کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور میں نے ہی اٹھایا۔

"تم کچھ دیر کے لیے مجھ سے کہیں مل سکتے ہو؟" میری آواز پہچان کر بلا کسی تمہید کے سوال کیا گیا اور میں نے بھی وہ نسوانی آواز پہچان لی۔

"شاید تمہیں تازہ ترین واقعات کے بارے میں علم نہیں ہے۔ میں اپنے طور پر گوشہ نشین ہو چکا ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے اسی لیے ملاقات ضروری ہے۔ نیچے ریستوران میں آجاؤ۔"

"پھر بہتر یہ ہوگا کہ تم میرے کمرے میں آجاؤ۔ میں اس وقت باہر نکلنے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے بہانہ پیش کیا۔

"میں ابھی آرہی ہوں" رینا نے یہ کہہ کر انٹرکام بند کر دیا۔

غزالہ کی استفہامیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں

"رینا نیچے سے بات کر رہی تھی۔ وہ ملنے کے لیے یہاں آرہی ہے" میں نے اسے بتایا۔

"پھر شاید مجھے اپنے کمرے میں چلا جانا چاہیے" اس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رینا سے آزادانہ گفتگو کے لیے غزالہ کا جانا ضروری تھا مگر میں نے اس کی تردید کی "ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو اس سے ملنے کے بعد چلی جانا۔"

رینا اجیت رائے ذرا سی دیر میں ہمارے کمرے میں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بنی سنوری تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ کے چہرے سے ساری خوش مزاجی رخصت ہوگئی۔ اس نے سردمہری سے رینا سے ہاتھ ملایا اور آخری گھونٹ میں اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کرسی سے اٹھ گئی "آپ رینا سے بات کریں، میں آتی ہوں۔"

وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے رخصت ہوگئی۔ رینا کہہ رہی تھی "مجھے ڈر تھا کہ تمہاری دوست بھڑک جائے گی، اسی لیے میں تم کو نیچے بلا رہی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ تم چلی جاؤ گی تو وہ خود ہی من جائے گی۔ تم اس وقت بہت خوش گوار موڈ میں ہو۔"

"رنگین مزاج اور کھلنڈرے مرد کبھی اداس چہروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے" بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے شام کے دو مڑے تڑے انگریزی اخبار نکال کر میرے سامنے ڈال دیے۔ "کچھ ان میں موجود ہے اور مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے ایک اخبار کھولا اور اس کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں را کے پاکستان ونگ میں صبح سویرے آتش زنی کی نمایاں خبر موجود تھی۔ اس میں ناگر کی موت کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ میں نے کہا "جو بات نریش شرما نے مجھ سے کہی تھی اس کا خبر میں کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ تمہارا ناپسندیدہ آدمی بھی دفتر کی آگ میں جل گیا۔ اس کی موت کی خبر دبادی گئی ہے کیونکہ اس کی وفاداریوں کے بارے میں یکایک کئی سوال اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔"

"نریش بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ ناگر سے میرا کیا گٹھ جوڑ تھا" میں نے اسے بتایا۔

"ہم سب کو ایسے کسی آدمی کی تلاش ہے اور وہ کوئی پاکستانی ایجنٹ ہی ہوسکتا ہے۔ اس وقت دہلی میں بہت سے پاکستانی عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ شکر ادا کرو کہ تمہاری جان آسانی سے چھوٹ گئی کیونکہ تمہارے بارے میں میری رپورٹ ریکارڈ پر ہے کہ تم ایک بے فکرے اور دل پھینک آدمی ہو۔ تمہارے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ تم ناگر سے کوئی سازباز کرتے۔ پرسوں اس سے تمہاری پہلی ملاقات ہوئی تھی جس میں وہ کسی گینڈے کی طرح تمہارے سر پر سوار ہوگیا تھا۔"

رینا اپنی ایجنسی میں بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اس کی اپنے بڑوں تک بھی رسائی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بے بنیاد نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا "تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی میری جان نہیں چھوٹی۔ نریش شرما نے اگلی ہدایت تک مجھے دہلی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"را جیسے بڑے اداروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ الزام لگاکر اچانک واپس نہیں لیا جاتا۔ اگر تم اب بھی عتاب میں ہوتے تو شاید میں تمہاری طرف نہ آتی۔ میں بالکل بے فکر ہوکر یہاں آئی ہوں۔ پتا نہیں تم ریستوران میں آنے سے کیوں ڈر رہے تھے۔"

"میرے لیے را کا نام بہت ڈراؤنا ہے۔ نریش نے چند گھنٹوں میں مجھے ایسے مناظر دکھائے ہیں کہ میں اب تک خوف زدہ ہوں" میں نے اس کے دماغ میں اپنی بے گناہی کا تصور راسخ کرنے کے لیے پھریری لے کر کہا۔

"اسے ایک فلم سمجھ کر بھول جاؤ۔ ابھی ناگر اور آگ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ چار بجے ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں امریکی سفارتی افسر کی لاش دریافت ہوئی ہے۔ وہ کراچی سے چند ہفتوں کی چھٹی پر دہلی آیا ہوا تھا۔"

"اب پھر نیا چکر چلے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں موت کا کوئی آسیب گھس آیا ہے جو اپنے تماشے دکھاتا پھر رہا ہے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے انکل کی بات مان لی۔ بس اب پاکستان جاکر اپنا کام شروع کرنے کی تیاریاں کرو۔"

"میں تیار ہوں مگر نریش کی اجازت کے بغیر اب میں دہلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دبی دبی جذباتی آواز میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟"

"ابھی تک تو یہ اندازہ ہورہا ہے کہ تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے آئی ہو" میں نے اس کے سوال کے جذباتی پہلو کو یکسر نظرانداز کردیا۔

"تم نے میری بیمار اور بوڑھی ماں پر ترس کھاکر میری نوکری بچانے کا وعدہ کیا تھا تو میں نے تمہیں انکل کی سفاکی سے ہوشیار کیا تھا" اس نے اسی جذباتی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ اس وعدے کو پورا کرکے تم نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔"

"معاف کردو!" میں نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑدیے "تمہارے پہلے احسان کی جو ویڈیو فلم بنی تھی، اس نے مجھے غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب میں تمہارے دوسرے احسان کا بوجھ نہیں اٹھاسکوں گا۔ ویسے بھی میری فرینڈ ہمیں بہت زیادہ دیر تک خلوت میں نہیں رہنے دے گی۔ وہ کمرے کی چابی ساتھ لے گئی ہے۔ دروازہ کھول کر اچانک اندر آجائے گی۔"

اس نے ہنسنا شروع کیا اور پھر شوخی سے دیر تک ہنستی چلی گئی۔ ہنسی رکنے پر اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "وہ اپنی چابی سے تالا کھول سکتی ہے۔ تم چاہو تو اندر سے دروازہ بولٹ کرلو۔ وہ تالا کھول کر بھی اندر نہیں آسکے گی۔"

"میں بتاچکا ہوں کہ میں اب اس غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہارا کمرا ہے۔ میں تمہیں بتاچکی ہوں کہ میرے لیے ہوئے کمرے میں فرصت سے کیمرے لگائے گئے تھے۔ یہاں کچھ نہیں ہوسکتا" اس کی آنکھوں میں دعوت انگیز شوخی اور شرارت جھلک رہی تھی۔

"کمرا کوئی بھی ہو" میں نے کان پکڑلیے ہیں کہ بھارت میں اب پرائی عورت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، میرے لیے میری ساتھی کافی ہے۔"

"ویری گڈ!" اس کا لہجہ یکایک تبدیل ہوگیا۔ چہرے پر

بھی سنجیدگی طاری ہوگئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے مذاق کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نریش کے دفتر میں لگنے والی آگ میں تمہارا ویڈیو کیسٹ بھی جل گیا ہے کیونکہ آج بیلا سنگھ نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے۔ وہ اس وقت بنی سنوری اسی ہوٹل کے نچلے فلور پر چکراتی پھر رہی ہے۔ اسے بہت شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

بات واضح ہونے کے باوجود میں ایسا بن گیا جیسے رینا کی باتوں نے مجھے الجھادیا ہو "میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"تمہاری فلم جل کر ضائع ہوگئی۔ تم نئے پنچھی ہو۔ نریش جی نے پوچھ کچھ کرکے اپنا اطمینان کرلیا کہ ناگر کا اور تمہارا کوئی میل نہیں تھا۔ اب تم پاکستان جاکر را سے منحرف ہوجاتے ہو تو تمہیں بلیک میل نہیں کیا جاسکتا۔ نریش جی نے تمہیں دہلی میں روک کر بیلا سنگھ کو تمہارا نام دے دیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ وہی کھیل کھیلے گی جو میں نے پہلی ملاقات میں کھیلا تھا۔ کمرا اور کیمرے تیار ہوں گے' تمہاری اور بیلا کی فلم تیار ہوتے ہی تمہیں پاکستان جانے کی اجازت مل جائے گی۔ تم جیسے کام کے آدمی کو ہم کھونا نہیں چاہتے۔ ہر حال میں اپنا کارکن بنانا چاہتے ہیں" آخری دو فقرے اس نے شاید را کی طرف سے ادا کیے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ بیلا سنگھ کو میرے پیچھے لگایا گیا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"وہ بھی اکیڈمی کے ہاسٹل میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پہلی بار میں نے تم پر ڈورے ڈالے تھے۔ تمہارا نام ملتے ہی وہ میرے پاس آئی تھی۔ وہ تمہاری عادتوں اور کمزوریوں کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔"

میرا سر واقعی چکرا گیا۔ اپنی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود نریش شرما کا ذہن پوری صلاحیتوں کے ساتھ منفی سمتوں میں کام کررہا تھا۔

"تم یہ سب مجھے بتاکر اپنی تنظیم سے غداری نہیں کررہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"بات ہم دو کے سوا کسی تیسرے کو پتا چل گئی تو یہی کہا جائے گا۔ میں تمہیں ہوشیار کرکے تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ اتار رہی ہوں۔ تم میری اس نیک نیتی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو۔ میں نے اپنے دل اور ضمیر کا بوجھ اتار دیا ہے۔"

"بیلا سنگھ کے بارے میں مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ سکھنی ہے۔ ہمارے گروپ کی سب سے زیادہ سڈول اور خوبصورت لڑکی ہے۔ جدھر سے گزرتی ہے' نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ بہت بے باک اور منہ پھٹ ہے۔ شریف اور ڈرپوک قسم کے دفتری ساتھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"خوبصورت اور بے باک تو تم بھی ہو" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تم نے مجھے مسحور کردیا تھا۔"

"اس وقت تم بے خبر تھے۔ اب میں تمہیں ہوشیار کررہی ہوں۔ اسے دیکھ کر تم مجھے بھول جاؤ گے۔"

"اس مخبری پر تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے کئی باتیں صاف کردی ہیں۔ اگر تم مجھے یہ سب نہ بتاتیں تب بھی بیلا سنگھ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ میں عہد کرچکا ہوں کہ اب یہاں کی ہر عورت کے تریا چلتر سے دور رہوں گا۔"

"تم چاہو تو اسی وقت نیچے جاکر اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ گلابی ساڑھی میں شعلۂ جوالہ بنی گھوم رہی ہے۔"

"اسے گھومنے دو۔ ایک دو روز میں وہ خود ہی تھک جائے گی۔ میں شام کو نیچے جانا چھوڑدوں گا۔ وہ میرے لیے کب تک مہنگے کمرے کرائے پر لیتے رہیں گے؟ ایسی کوششوں پر را والے ایک حد سے زیادہ سرمایہ کاری نہیں کریں گے۔"

"یہ سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری پچھلی غلطی کو معاف کردیا ہوگا" اس نے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے تمہاری ہر غلطی کو اسی وقت معاف کردیا تھا جب تم نے مجھے اپنی ماں کے بارے میں بتایا تھا۔ کاش میری اور تمہاری ویڈیو فلم واقعی جل گئی ہو۔ اس طرح میری لغزش اور تمہاری خطا کا ہر ثبوت مٹ جائے گا.... اب تم مجھے امریکی سفارتی افسر کے بارے میں بتاؤ' تمہاری وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"تم کراچی میں پرانی گاڑیوں کے لین دین میں کھوئے رہتے ہو۔ اخبار پڑھتے رہتے تو جان اسمتھ کا نام تم کو بھی معلوم ہوتا۔ وہ نیپال سے بھارت اور ایران تک میں سی آئی اے کی ساری سرگرمیوں کا نگراں ہے اور کراچی میں رہتا ہے..."

مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم بھی را کی کوئی باخبر عہدے دار نہیں ہو۔ تمہیں اس کے بارے میں یہ باتیں کیوں کر معلوم ہیں؟ ایسے خفیہ عہدے دار ہمیشہ کسی نہ کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں کام کرتے ہیں۔

ان کے بارے میں اخباروں میں کچھ نہیں چھپتا۔"
"آج دوپہر تک مجھے اس کا نام تک معلوم نہیں تھا"
اس نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جب کوئی بڑا آدمی قتل ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ہر بات بہت تیزی سے کھلتی اور پھیلتی ہے۔ ہماری را بھی بھارتی سی آئی اے ہے۔ ہمارے عہدے دار ایسی باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔ ان سے پتا چلا ہے کہ جان ہفتہ بھر پہلے اپنی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی آیا تھا۔ کل شام تک وہ ہوٹل کے بار میں بیٹھا ہوا تھا پھر غائب ہوگیا۔ دن بھر اس کے لیے فون آتے رہے لیکن اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چار بجے دہلی میں امریکی سفارت خانے کا فرسٹ آفیسر ہوٹل سمراٹ پہنچا۔ اس کے ایما پر ماسٹر کی سے جان کا کمرا کھولا گیا تو دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ مسہری کے قریب وہ مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اندازہ ہے کہ پچھلی رات اسے اپنے بستر پر سونا نصیب نہیں ہوسکا کیونکہ مسہری کا بستر بے شکن تھا۔"
"را کے دفتر میں آگ اور ناگر کے قتل کی طرح یہ بھی بہت بڑی واردات ہے۔ اس کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں" میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔
"لاش پر کوئی زخم ہے نہ لاش نیلی ہوئی ہے۔ موت کا اصل سبب پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آئے گا۔"
"پھر تم نے اسے قتل کیسے قرار دے دیا۔ وہ دل کے دورے سے بھی مرسکتا ہے" میں نے اعتراض کیا۔
"میں سنی سنائی باتیں بتا رہی ہوں۔ وہ دل کا مریض نہیں تھا۔ پہلا دورہ اتنا شدید نہیں ہوتا کہ آدمی چند قدم چل کر اپنے بستر پر پہنچنے سے پہلے مرجائے۔"
"اگر یہ اس کی قدرتی موت تھی تب بھی عبرت ناک ہے کہ وہ مرنے کے بعد رات بھر یوں ہی پڑا رہا۔"
رینا سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں اول خان کی بتائی ہوئی یہ بات گردش کررہی تھی کہ اس کی نادر و نایاب انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں ایسے کم یاب زہر بھرے گئے تھے جو لاش کی فطری حالت پر اثرانداز ہوئے بغیر اپنا کام دکھاتے تھے لیکن تفصیلی پوسٹ مارٹم کے بعد ان کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ ہر قاتل نگینے کا زہر یکساں نہیں تھا۔
"موت کسی کی بھی ہو اور کیسی ہی ہو، اپنے ساتھ عبرت لے کر آتی ہے کہ زندگی کا آخری انجام یہ ہونا ہے پھر بھی مردے کی آخری رسوم انجام دینے والے زندہ لوگ ذرا سی دیر کے بعد یہ بات بھول کر اپنی بے ایمانیوں اور مکاریوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔"
میرے لیے رینا اجیت رائے کی آمد بہت خوش آئند تھی۔ اس کی آمد کی اطلاع پانے کے بعد میرا ردعمل بھی غزالہ سے مختلف نہیں تھا لیکن اس کی باتیں سننے کے بعد مجھے خوشی ہوئی تھی کہ را کے اندرونی حلقوں تک رسائی رکھنے والی اس لڑکی کے دل میں میرے لیے ممنونیت کے جذبات موجود تھے۔ بظاہر وہ بری لڑکی تھی لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی خوابیدہ تھی جو میرے رویے سے بیدار ہوچکی تھی۔
دہلی میں میرے قیام کے دوران میں اس کا آتے جاتے رہنا میرے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے ذریعے ملنے والی اندر کی خبروں کی روشنی میں مجھے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کی تیاری میں زبردست مدد مل سکتی تھی۔
"ہمارے درمیان ایک سمجھوتا ہوچکا ہے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے مراسم کی ابتدا کو بھول کر ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ تم پر میرا کوئی جبر نہیں ہے لیکن تم سے مل کر مجھے ہر وقت خوشی ہوگی۔"
"میری شامیں ہوٹل میں گزرتی ہیں۔ اگر تمہاری ساتھی کو اعتراض نہ ہو تو میں روزانہ شام کو سلام دعا کے لیے وقت نکال سکتی ہوں۔"
"وہ فراخ دل اور کھلے ذہن کی عورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر کڑھ رہی ہو لیکن واپس آنے کے بعد جب صحیح صورت حال کا اندازہ لگائے گی تو اسے تمہاری آمدورفت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"
"ہمارے ملنے کے لیے تمہارا کمرا ہی بہتر رہے گا۔ ریستوران میں ہم کھل کر باتیں نہیں کرسکتے تھے۔"
"میں نے محض اسی وجہ سے تمہیں اوپر بلایا تھا۔ آئندہ غزالہ بھی تمہارے ساتھ بیٹھی رہے گی۔"
"اب میں چلتی ہوں۔ مجھے شکار پر نکلنا ہے" وہ اٹھلاتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی "آج ہم نے بہت دیر تک باتیں کرلی ہیں، اس لیے میں کل نہیں آؤں گی۔"
"میں اصرار نہیں کروں گا۔ بس جان کی موت کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا رہے گا۔"
وہ ہنس پڑی "اب مجھے اپنا مخبر نہ بناؤ۔ کل کے اخباروں میں سب کچھ آجائے گا ورنہ ٹیلی وژن پر دیکھ لینا۔ وہ ناگر

نہیں تھا کہ اس کی موت کے کسی گوشے پر پردہ ڈالا جاسکے۔"
"مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی ناگر کو پسند نہیں کرتی تھیں؟" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔
"اسے پسند نہیں کرتی تھی مگر اس سے ڈرتی تھی۔ وہ واقعی بہت برا آدمی تھا۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ آگ کی تپش سے اس کا پیٹ پھول کر پھٹ گیا تھا اور ہڈیاں تک جل کر کوئلہ ہوگئی تھیں۔ شاید اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوسکے گا۔"
رینا اجیت رائے نے چلتے چلتے پھر ایک اچھی خبر سنادی تھی۔ ناگر کی موت کے اسباب کا سامنے نہ آنا ہر حال میں بہتر تھا۔
"کل کب آؤ گی؟" دروازے پر پہنچ کر میں نے دانستہ سوال کیا۔
"میں کل کے لیے منع کرچکی ہوں۔ کل کی شام یہ ہوٹل بیلا سنگھ کے نام رہے گا تاکہ وہ تمہارے لیے اپنے سارے جتن کر ڈالے۔ وہ کل مایوس ہوگئی تو میں پرسوں آؤں گی۔ آج وہ میری آمد سے بے خبر ہے۔ اسے پتا چل گیا میں ہر شام تمہیں کمرے میں گھیر کر بیٹھ جاتی ہوں تو وہ اوپر میری شکایت کردے گی۔ میں اسے اپنی طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ تم میری مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"
میں نے دروازے سے اسے رخصت کردیا۔ وہ بے خوف تھی مگر میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔
اس کے جاتے ہی میں نے غزالہ کے کمرے کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ میں نے اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی۔ اپنے کمرے کی چابی اٹھائی اور دروازہ مقفل کرکے اس کی طرف چل دیا۔
میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی "میں سمجھی تھی کہ وہ خوبصورت ناگن ابھی بھی آپ کے سر پر مسلط ہے۔ آپ یہاں کیوں آگئے؟" اس نے مجھے اندر آنے کی راہ دیتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ کام ہے" میں نے اختصار سے جواب دیا۔
"ہم نے طے کیا تھا کہ پرانا کمرا کسی بھی وقت خالی نہیں چھوڑیں گے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں ہے۔" غزالہ نے کہا۔
مجھے وہ بھولی ہوئی بات فوری طور پر یاد آگئی "میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ تم وہاں چلی جاؤ" میں نے کمرے کی چابی اس کی طرف بڑھادی۔

غزالہ چابی لے کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلی وژن چلتا رہا۔ میں نے فالس سیلنگ میں چھپائی ہوئی تھیلی نکال کر ڈھیلے ٹائل کو احتیاط سے اس کی جگہ پر واپس ٹکا دیا۔ ٹیلی وژن بند کرکے میں نے وہ کمرا چھوڑ دیا۔
غزالہ میرے ہاتھ میں وہ تھیلی دیکھ کر پریشانی سے بولی "ابھی دشمنوں کو اس کمرے کی تلاشی لیے ہوئے آدھا دن بھی نہیں گزرا اور آپ تیزی سے فیصلے کیے جارہے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کی اس وقت کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"
"رینا نے بہت حوصلہ افزا باتیں بتائی ہیں۔ حالات شاید اتنے خراب نہیں ہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔"
"رینا شروع سے اب تک کئی روپ بدل چکی ہے۔ مجھے اب اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔"
"اس سے براہ راست میرا رابطہ رہا ہے۔ تم میری بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرتی رہی ہو تو تمہیں اس وقت بھی مان لینا چاہیے کہ میں نے درست رائے قائم کی ہوگی۔ وہ اپنے ابتدائی کردار پر بہت زیادہ شرمندہ ہے۔"
"این شاید ٹھیک کہتی ہے کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت مظلوم بن کر آپ کی ہمدردیاں حاصل کرسکتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔
گفتگو ایسے رخ پر چلی گئی کہ مجھے اپنی اور رینا کی گفتگو دہرانی پڑی۔ اس درمیان میں غزالہ سوالات بھی کرتی رہی۔ آخر کار وہ میری رائے سے متفق ہوگئی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس سے بات ہونے کے بعد بیم گن اور ایرپیس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"
"سی ایس ڈی میں فون استعمال کرنے کے لیے لایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ گوپال اتنی جلدی لوٹ آئے گا۔ یہ اطلاع فون کے ذریعے ملی تھی۔ اب گوپال سے رابطے کے لیے ایرپیس استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون پر زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا۔"
"حیرت ہے کہ اس نے اب تک آپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اپنے ساتھیوں سے معلوم ہوچکا ہوگا کہ آج صبح کیا ہوا تھا؟"
"وہ لوگ ڈرے ہوئے ہیں اور احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ میں خود اس تجربے سے گزرا ہوں اس لیے میرا خوف کم تھا۔ اگر رینا نہ آتی تو میں اب بھی تمہارے کمرے سے یہ تھیلی نکالنے کی کوشش نہ کرتا۔ ان کو یہ سب معلوم نہیں ہے۔ وہ رابطہ نہیں کریں گے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود گوپال سے بات

کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''اپریٹس صرف اسی کام آسکتا ہے'' میں نے مسکرا کر کہا ''بیم گن اس لیے لے آیا کہ یہ اکیلی وہاں نہ پڑی رہے۔''

اس اثنا میں غزالہ وہ اخبار اٹھا چکی تھی جو رینا لائی تھی۔ میں نے بڑھ کر ٹیلی وژن کھول دیا۔

اس وقت نو بجے تھے۔ صحیح وقت شاید ایک آدھ منٹ اوپر رہا ہوگا۔ کیونکہ ایک انگریزی چینل سے خبریں آرہی تھیں۔

وہ بھارت کا ہی کوئی اسٹیشن تھا۔ پہلی خبر فلسطینیوں کے ایک ماتمی جلوس پر اسرائیلیوں کی وحشیانہ فائرنگ کی تھی جس میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اگلی خبر ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کی پراسرار موت کے بارے میں تھی۔ خبر کے الفاظ نپے تلے تھے۔ وہی پوزیشن برقرار تھی کہ موت کے اسباب کے تعین کے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کیا جارہا تھا۔ پورے خبرنامے میں را کے دفتر میں آگ لگنے کا ذکر نہیں تھا۔ شاید دن کے ایک دو خبرناموں کے بعد اس واقعے کو بلیٹن سے نکال دیا گیا تھا تاکہ غیر ضروری طور پر اس واقعے کی تشہیر نہ ہو۔

میرے اشارے پر غزالہ نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کردیا۔ میں نے کمرے کے اندرونی سرے پر جاکر اپریٹس آن کردیا۔

میرے دوسرے پیغام کے جواب میں عابد فوراً لائن پر آگیا۔ اس کی آواز دبی دبی اور ہذیانی تھی ''میں سن رہا ہوں۔ یہ تم کیا کررہے ہو۔ اسے بند کرکے کہیں دور پھینک دو۔ اس وقت تم سنگین خطرات سے دوچار ہو..... اوور!''

''سہ پہر تک میں تم سے زیادہ دہشت زدہ بلکہ سکتے کی حالت میں تھا۔ اب یہ جمود ٹوٹ چکا ہے۔ خطرہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تمہارے کام کی کیا رپورٹ ہے۔ اوور۔''

''وہ دہلی واپسی پر مصر ہوگئی تھی۔ بہت مشکل سے اسے مال آگے لے جانے پر آمادہ کیا ہے۔ تم اتنے مطمئن کیوں ہو؟ اوور۔''

''کچھ خبریں ملی ہیں جن سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کس سمت میں سوچ رہے ہیں۔ سرلا کا کیا حال ہے اوور۔''

''وہ پلاسٹر اور دواؤں کے ساتھ گھر آگئی ہے۔ کیا تم نے اس کی خیریت جاننے کے لیے رابطہ کیا ہے؟ اوور۔''

''مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ یہاں سے کب جانا پڑجائے۔ اس سے پہلے میں آخری کام کی تیاری کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے ملاقات ضروری ہے۔'' میں نے اپنی بات مکمل کرکے خاموشی اختیار کی اور اس نے ریڈیو ٹرانس مشن کے روایتی اصول کے تحت بولنا شروع کردیا۔

''اس وقت تم ہوٹل کے جزیرے میں گھرے ہوئے ہو۔ ہم وہاں سے نکل چکے ہیں۔ دور سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ جب تک ہم اپنا اطمینان نہیں کرلیتے، ایسی ملاقات خطرناک ہوگی۔ تم دو چار روز کے لیے اس رابطے کو بھی بھول جاؤ۔ مناسب وقت پر میں خود ملنے کی کوئی راہ نکال لوں گا۔''

میں نے خشک لہجے میں وہیں بات ختم کردی۔ غزالہ قریب کھڑی شاکی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اپریٹس آف ہوتے ہی وہ بول پڑی ''میں اس کی ہم خیال ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمارے دشمن کتنے خطرناک ہیں۔ وہ لوگ یہاں بہت عرصے سے رہ رہے ہیں۔ اس اونچ نیچ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔''

''یہ تجربے وغیرہ کی بات نہیں ہے۔ طریقہ کار کا فرق ہے۔ وہ دامن بچا کر چلنے کے عادی ہیں۔ میں کانٹوں کو روند دینا چاہتا ہوں۔''

''یہ خودکشی کا راستہ ہے۔ میں آپ کو اس پر نہیں چلنے دوں گی۔'' غزالہ نے قدرے سختی سے کہا اور میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے میری اجازت پاکر کال ملادی۔ میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی۔

''میں معافی چاہتا ہوں۔'' دوسری طرف سے عابد کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی ''شاید میرے مشورے تمہیں گراں گزرے ہیں مگر میں التجا کررہا ہوں کہ اب بھول کر بھی اپریٹس استعمال نہ کرنا۔ ابھی ابھی جی فور نے اطلاع دی ہے کہ شہر میں کئی ریڈیو اسکیننگ وینز حرکت میں آگئی ہیں۔ ہر وین اپنے حیطہ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی گفتگو کو پکڑ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک بار ہماری گفتگو سن لی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اور تمہیں نہیں بچا سکے گی۔''

''اس اہم اور بروقت اطلاع کا شکریہ۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''یہ اندھیرے میں چلائے جانے والے تیر ہیں جو بھی ان کی زد میں آگیا، واقعی مارا جائے گا۔ اب میں اپریٹس استعمال نہیں کروں گا۔''

''یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر والوں کی گاڑیاں ہیں۔ شہر میں چھپے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں کا کھوج لگانے کے لیے کبھی

کبھار گشت پر نکلتی رہتی ہیں۔" وہ فون پر وضاحت کر رہا تھا "آج آرک (ARC) کی سب گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔"

"ہوسکے تو اپنی دوسری ایجنسیوں کے آدمیوں کو بھی خبردار کردو۔" میں نے مشورہ دیا "ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں پکڑے جائیں۔"

"میں سخت فکرمند ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔" اس کی آواز سے وحشت اور تشویش جھلک رہی تھی۔

"فون پر بھی زیادہ بات نہ کرنا۔ اس وقت خاموشی اور پسپائی سب سے بہترین راہ ہے۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ میں اپنا پیغام واضح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فی امان اللہ۔" اس نے فون بند کردیا۔

"وہ چند لمحے پہلے یہی بات اپنے طور پر کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے ماننے سے انکار کردیا تھا۔" ریسیور رکھتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہلکی سی طنزیہ آواز آئی۔

"دونوں باتوں میں بہت فرق تھا۔ پہلے وہ میرے ذاتی مفاد اور بچاؤ کے لیے تجویز پیش کر رہا تھا۔ اگر انہیں ہم پر شبہ ہوتا تو آرک کی گاڑیاں شہر پر یلغار نہ کرتیں۔ ایک وین خاموشی سے ہوٹل کے آس پاس کھڑی کردی جاتی اور ساری گفتگو پکڑی جاتی۔ وہ پورے شہر کے گشت پر نکلے ہیں۔ اس وقت انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو پیغام رسانی کے لاسلکی ریڈیائی آلات استعمال کر رہے ہیں۔ یہ ایک عمومی خطرہ ہے۔ اپریٹس کا استعمال جاری رکھنے کی صورت میں ہم پھنس سکتے ہیں۔ میں ہر معقول بات کو کسی حیل وحجت کے بغیر تسلیم کرلیتا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اسے بروقت صحیح اطلاع مل گئی اور اس کی بات آپ کی سمجھ میں آگئی۔"

آرک ایک نیا نام تھا جو میرے سامنے آیا تھا۔ را والوں کا پورا نام ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ تھا۔ آرک ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کا مخفف تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بھارت کے سربرآوردہ لوگ جاسوسی اور سراغ رسانی کے لیے ریسرچ یا تحقیق کی آڑ استعمال کرنے کے شوقین ہوں۔

میرے نزدیک ان کی نئی مہم کی سمت بالکل صحیح تھی۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے خیال میں غیر ملکی ایجنٹوں کا کوئی گروہ شہر میں اچانک فعال ہوگیا تھا۔ ایسے زیر زمین گروہوں کے اراکین حفاظتی نکتہ نظر سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بکھرے

ہوئے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ پیغامات کے تبادلے کے لیے مخصوص فری کوئنسی والے اپریٹس استعمال کرتے ہیں۔ ان کو پکڑنے کا بہترین ذریعہ ریڈیو فری کوئنسی اسکینر ہی ہوسکتے تھے جنہیں وہ میدان میں لے آئے تھے۔ آئی بی والوں کی کارکردگی قابل تعریف تھی کہ آرک والوں کا وہ قدم ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ دہلی جیسے وسیع وعریض شہر میں وہ کل تین نفوس تھے مگر ہر قابلِ ذکر موقع پر وہ عقابی انداز میں آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

میرے اور غزالہ کے درمیان ہلکی سی کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ حالات کے دباؤ نے اس کے اعصاب پر خاصا منفی اثر ڈالا تھا۔ وہ خاموشی سے شام کا اخبار چاٹنے جا رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آرک والے اپنی گاڑیاں کب تک شہر میں گھماتے رہیں گے۔

فون کی تیز گھنٹی نے ہم دونوں کو بری طرح چونکا دیا۔ عابد سے ذرا سی دیر پہلے اپریٹس اور پھر فون پر بات ہوچکی تھی۔ میں نے اسے رابطہ محدود ترین کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے سوا میں کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ کراچی کی کال نہ ہو۔

مجھے کراچی سے رابطہ کیے تیسرا دن تھا۔ سلطان شاہ مفرور تھا۔ اسے اس شخص کی تلاش تھی جو کراچی میں را کے لیے کام کر رہا تھا اور جس نے مظہر خان کے پتے پر جا کر میرے مفروضہ کوائف کی تصدیق کی تھی۔ اول خان طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون کرسکتا تھا۔

ہم دونوں حیران اور خائفانہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی نے فون کی طرف بڑھنے میں پہل نہیں کی تھی۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی میں نے غزالہ کو کال سننے کی ہدایت کی اور اس نے تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے ریسیور اٹھالیا۔

اس نے دھیمی آواز میں کچھ پوچھا پھر ہولڈ کرنے کا مشورہ دے کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے کہا "آپ کے لیے نریش کا فون ہے۔"

میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور ریسیور غزالہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو! میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ماؤتھ پیس میں کہا۔

"تم کمرے میں گھسے کیا کر رہے ہو.... میں تو سمجھا تھا کہ تم نیچے زندگی کے مزے لوٹ رہے ہوگے۔" نریش نے بے تکلفانہ آواز میں کہا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ

ہلکے سے سرور میں آیا ہوا تھا۔

"کمرے سے نکلنے کی طبیعت نہیں چاہ رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے؟"

"کیوں؟ تم تو خاصے زندہ دل اور رنگین مزاج آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا؟"

"جب سے تم نے رہا کیا ہے، کمرے سے باہر جانے کا موڈ نہیں بن رہا۔ رہ رہ کر وہ شکنجے اور اوزار نگاہوں میں گھوم رہے ہیں جو تم نے دکھائے تھے۔"

"وہ سب لوہا، لکڑ اور تاروں کا ڈھیر تھا۔ اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟"

"نریش جی! آج میں نے تمہارے دو مہمان خانوں میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزارا ہے۔ اس کی دہشت شاید کئی مہینوں تک میرے ذہن سے زائل نہ ہو سکے۔" میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں کہا "آنکھیں موندتا ہوں تو دس سال پرانا قیدی میرے تصور میں قہقہے لگانا شروع کر دیتا ہے۔"

"تم ڈرپوک اور کمزور دل کے آدمی ہو۔ تمہیں وہ سب دکھایا گیا تھا۔ تمہیں کسی مشین میں ڈالا تو نہیں گیا۔" اس کے بے پروایانہ قہقہے کے بعد آواز آئی۔

"ان سب سے زیادہ بھیانک تمہاری باتیں تھیں۔ وہ میرے ذہن میں گونج رہی ہیں۔ میں یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ تم مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے اپنی کسی دھمکی پر عمل کر گزرتے تو میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ حالت رفتہ رفتہ ہی اعتدال پر آئے گی۔"

"وہ سب بہت ضروری تھا۔" اس بار نریش شرما کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی "تم کو برے انجام کا خوف دلانے کے لیے وہ سب دکھانا ضروری تھا۔ اس میں تمہاری بھلائی تھی۔ سچ اور جھوٹ کو اسی طرح پرکھا جاتا ہے۔ پرکھے بنا تم کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔"

اس کے الفاظ میں میری نجات کا بالکل وہی پیغام تھا جو ریتا مجھے سنا چکی تھی مگر میں نے اسے نظرانداز کر کے انجان بنتے ہوئے کہا "ابھی میں چھوڑا کہاں گیا۔ تم نے مجھے دہلی میں قید کر دیا ہے۔"

"دہلی بہت بڑا شہر ہے۔ تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔ مہینوں گھومتے پھرتے رہو گے تب بھی تمہارا دل نہیں بھرے گا۔ تم دہلی کے بجائے اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"قید خانہ چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قید، قید ہی ہوتی ہے۔" میں اس کی گفتگو کے رخ کا اندازہ کر چکا تھا۔ میں نے وہ جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھرپور اداسی سمیٹ لی۔

"کمرے کی بے جان دیواریں اور اپنی فرینڈ کا چہرہ دیکھ کر تم اکتا جاؤ گے۔ تم نے اپنی ایک شام اپنے ہاتھوں برباد کر لی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "شام کو تمہارے ہوٹل میں پریوں کے جمگھٹ ہوتے ہیں۔ سندر چہروں، تیکھے بدن اور شوخ اداؤں والی رنگین تتلیاں ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ کل شام ان میں گھل مل جاؤ۔ کوئی نہ کوئی پری تم پر مہربان ہو جائے گی۔ دو تین گھنٹوں میں تمہاری ساری اداسی اور مایوسی کافور ہو جائے گی۔ تم کو ایک بار پھر اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔"

"میں کوشش کروں گا مگر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں خود اس مایوسی سے نکلنا چاہ رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ تم نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے میرے وجود میں سے زندگی کا سارا جوش اور ولولہ نچوڑ لیا ہے۔"

اس بار نریش شرما کی ہنسی متکبرانہ تھی "میں نے کچھ نہیں کیا اور تم مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو!"

"میں مانتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوا تک نہیں مگر دل سے دماغ تک سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"آج تمہارا تجربہ زیادہ ہے۔ کل تک تم بہتر ہو جاؤ گے۔ میری بات یاد رکھنا۔ کل کمرے سے ضرور نکلنا۔" اس نے تاکید کی۔

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے نیم دلانہ لہجے میں جواب دیا۔

نریش نے فون بند کر دیا۔ اس سے براہِ راست بات کر کے میرے ذہن کا بوجھ مزید ہلکا ہو گیا تھا۔

"وہ آپ کو کہاں جانے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔" غزالہ نے دھیرے سے پوچھا۔ "وہ میرے جوابات غور سے سنتی رہی تھی۔ اس نے بالکل صحیح اندازہ لگا لیا تھا مگر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ مجھے پریوں اور تتلیوں کے جھرمٹ میں کھو جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہو گیا ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں نچلی منزل کی رنگینیوں سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کروں۔"

"جب ہی آپ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے جا رہے تھے۔ اسے یہ احمقانہ مشورہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

”یہی ایک نکتہ قابلِ غور ہے۔ اس وقت اس کی ساری گفتگو کا یہی ایک محور تھا۔“

”آپ نے شروع سے بہت اچھا موقف اختیار کیا ورنہ وہ آپ کو مجبور کر دیتا۔“

”مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ کل کے لیے اس نے بہت اصرار کیا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ اس نے آپ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔“ وہ ترشی سے بولی ”دیکھتی ہوں کہ وہ مردود آپ کو کس طرح بہکاتا ہے۔ اس نے ذرا بھی ٹیڑھی بات کی تو میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔“

”یہ مردانہ کھیل ہیں۔ انہیں مردوں تک رہنے دو۔ تمہاری پوزیشن نازک ہے۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ را والے تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ ایک بار وہ تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہارے نام کے حوالے سے شاید انہیں میری عرفیت بھی یاد آ جائے۔ وہ بہت خطرناک موڑ ہوگا۔“

”آپ کو رنگ رلیوں پر مجبور کر کے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟“ غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا اور پھر ایک حد تک غزالہ کو اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ”رینا نے مجھے بتا دیا تھا کہ نریش شرما نے بیلا سنگھ نامی ایک لڑکی کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے بلیک میل کرنے کا مواد تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ میں پاکستان پہنچنے کے بعد اپنے کیے ہوئے وعدوں سے منحرف نہ ہو سکوں۔ بیلا نے میری تلاش میں اپنی پوری شام برباد کرنے کے بعد نریش کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دی ہوگی۔ نریش اس وقت نشے کی جھونک میں ہوگا۔ اس نے میرا ہمدرد اور ناصح بن کر مجھے فون کر ڈالا۔“

”پھر تو رینا بھی آپ سے اسی مقصد کے تحت ٹکرائی ہوگی۔“ غزالہ نے نتیجے پر چھلانگ لگا دی۔

”اس کا بھی یہی مقصد تھا۔“ میں نے اقرار کیا ”مگر وہ مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود ناکام رہی۔“

”بیلا سنگھ!“ غزالہ نے دانت پیس کر وہ نام دہرایا ”یہ کوئی سکھ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔“

”ہوگی۔“ میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا ”اب کھانے اور سونے کی فکر کرو۔ اس کے بارے میں کل سوچا جائے گا۔“

اس نے فوراً ہی فون پر روم سروس والوں کو کھانے کا آرڈر دیا اور دھیمی آواز میں ایک ٹیلی وژن اسٹیشن لگا دیا۔

”آپ فون پر اس سے بات کر رہے تھے تو آپ کے چہرے سے بھی اندر کا کرب جھلک رہا تھا۔ نریش کے ظالمانہ حربوں نے آپ کو واقعی پریشان کر دیا ہوگا۔“

میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی ”ہوٹل واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے سنگین نتائج کا اندازہ تھا۔ اگر مجھے عملی تشدد بھی سہنا پڑتا تو میں اس کے لیے تیار تھا۔ مجھے تشویش ضرور تھی لیکن دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔“

اس وقت ہوٹل کے مطبخ کی سرگرمیاں شاید اپنے شباب پر تھیں۔ تلی ہوئی مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل کھانا میری توقع سے پہلے تیار ہو کر ہمارے سامنے آ گیا۔ ہم دونوں نے پوری طرح سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر ٹیلی وژن کے پروگرام دیکھتے رہے پھر روشنیاں گل کر کے بستر پر دراز ہو گئے۔

میری پچھلی رات کی نیند پوری نہیں ہو سکی تھی۔ میں جلد ہی خواب کی فسوں خیز وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلا دن خبروں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ایک طرف اخبار میں تفصیلات موجود تھیں۔ دوسری طرف ٹیلی وژن پر بھی مزید خبریں آ گئی تھیں۔

را والوں نے اپنے دفتر کی آتش زدگی میں کچھ ریکارڈ کے ساتھ ناگر کے جل مرنے کا اعتراف کر لیا تھا۔ صبح کے اخبارات میں وہ خبر اپنی جزئیات کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔ اس بار بھی را نے دو باتیں چھپالی تھیں۔ نریش کی تجوری کے توڑے جانے اور ریکارڈ نکالنے کا ذکر کیا تھا نہ ناگر کے سوختہ جسم پر تشدد کی علامات کی نشان دہی کی گئی تھی۔ پوری خبر میں کچھ ایسا تاثر دیا گیا تھا جیسے وہ منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی منظم واردات کے بجائے کوئی اتفاقی سانحہ رہا ہو۔

رات گئے پوری عمارت میں صرف ناگر کی موجودگی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس ونگ کے بعض افسران دیر تک بلکہ ساری ساری رات بھی اپنے دفاتر میں کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس بات کا کہیں ذکر نہیں تھا کہ ناگر جس کمرے میں پایا گیا، وہ اصل میں نریش شرما کا دفتر تھا۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انل بسواس نے اپنے ادارے کو جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچانے کے لیے دو فقروں میں وہ کمزور کہانی تیار کی تھی اور قومی مفاد کے نام پر پریس سے اپیل کی تھی کہ اس واقعے پر غیر ضروری قیاس آرائی سے گریز کیا جائے۔

بھارتی پریس پر را کا ایسا خوف طاری تھا کہ انل بسواس کی اپیل پر پوری تندہی سے عمل کیا گیا تھا۔ اخبار نے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ہر جھول کے ساتھ سرکاری کہانی من و عن اخبار میں چھاپ دی تھی۔ یہ ضرور

لکھ دیا گیا تھا کہ اعلیٰ حکام نے صحافیوں کو آتش زدہ حصے سے دور رکھا تھا اور اس کی تصاویر بنانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ ناگر کے پوسٹ مارٹم کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

دوسری خبر جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں تھی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا تھا۔ اس کی موت کے صحیح وقت کا بھی تعین کردیا گیا تھا۔ وہ ہوٹل سمراٹ کا ایک مقبول مہمان تھا اس لیے وہاں کے عملے کے دو افراد نے بتایا کہ بار کے رش میں اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر کسی مقامی خاتون کو اپنی میز پر بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کے ساتھ بار میں بیٹھا شغل کرتا رہا پھر عورت کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

بھارتی حکومت نے اپنی سرزمین پر ایک اہم امریکی افسر کے قتل پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا اور پاکستان کا نام لیے بغیر یہ الزام لگایا تھا کہ جان اسمتھ کا قتل خطے کی ایسی قوتوں کی سازش تھی جو بڑھتی ہوئی امریکی اور بھارتی دوستی کو پسند نہیں کرتیں۔

تیسری خبر آرک کی دیو ہیکل گاڑیوں کے گشت کے بارے میں تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کی تلاش میں آرک والے اپنی کمین گاہوں سے دہلی کے اہم اور مرکزی علاقوں میں نکل آئے تھے۔ اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گشتی ریڈار سے مشابہ گاڑیاں تھیں جو کسی مغربی ملک نے بھارت کو فراہم کی تھیں۔

اس بارے میں اخبار کا اداریہ سب سے اہم تھا۔ اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ چند روز پہلے پاکستان سے بھارت میں گھس آنے والے دہشت گردوں کے بارے میں خبریں مل جانے کے باوجود بھارتی سلامتی کے ذمے دار ادارے ان کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس گروپ کا ایک فرد بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔ یہ تحقیق کی جانی ضروری تھی کہ وہ محض افواہ تھی جو مخصوص عزائم کے تحت پھیلائی گئی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی تھا۔

اگر وہ اطلاع حقیقت پر مبنی تھی تو یہ جاننا ناگزیر تھا کہ خفیہ ادارے کہاں سوئے ہوئے تھے، پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر بروقت کیوں نہیں مل سکی اور انہیں سرحد عبور کرتے ہوئے کیوں نہیں پکڑا گیا۔ نہ صرف یہ کہ خطرناک تخریب کار بھارت کی سرزمین پر دندناتے پھر رہے تھے بلکہ انہیں اتنی آزادی ملی ہوئی تھی کہ وہ بھارت کے صدر مقام میں اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔

اخبارات نے اس امر پر گہرے افسوس اور ملامت کا اظہار کیا تھا کہ بھارت میں نہ صرف سرکاری اہل کاران دہشت گردوں کی زد میں آئے ہوئے تھے بلکہ دوست ملکوں کے مہمان بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں تھے۔

وہ ایک علامتی اداریہ تھا اور دہلی کے واقعات پر مقامی شہریوں کے ردِّعمل کی ترجمانی کررہا تھا۔ شاید دوسرے اخبارات نے بھی پچھلے دن کے واقعات کو اسی رنگ میں لیا ہو۔ ایسی مزید رسوائی سے بچنے کے لیے را والوں نے پہلے سے رازدارانہ اور مدافعانہ طور طریقے اختیار کیے ہوئے تھے۔

"سب کیا دھرا پاکستانی دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے وہ اداریہ پڑھنے کے بعد کہا "ان لوگوں کی کارروائیوں سے بھی یہی ظاہر ہورہا ہے کہ وہ چند پاکستانیوں کو ان معاملات میں قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"ان کی یہ سوچ غلط نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ان پر ہماری حقیقت نہیں کھلی ہے اس لیے وہ نامعلوم پاکستانی دہشت گردوں کا ذکر کررہے ہیں۔ ہمارے دہلی پہنچتے ہی ان کی صفوں میں کھلبلی مچی تھی اور شہر کے ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی کڑی جانچ پڑتال شروع ہوگئی تھی۔"

"ہاں.... آں...." غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا "یہ اچھی بات نہیں ہے کہ انہوں نے صحیح سمت میں سوچنا شروع کردیا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو وہ لوگ کسی بھی وقت ہم کو اپنے جال میں جکڑ کر بے بس کردیں گے۔ اب آپ کو یہاں سے نکلنے کے بارے میں سنجیدہ ہوجانا چاہیے۔"

"میں بھی یہاں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اصل کام پورا ہوتے ہی یہاں سے روانگی کی تیاری کرلی جائے گی۔"

"اتنا کچھ کرلینے کے بعد آپ کس اصل کام کی فکر میں ہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں اپنی توقع سے زیادہ بڑھ کر کامیابیاں حاصل کرلی ہیں اور ہر کام ایسے بے داغ طریقے سے انجام دیا گیا ہے کہ آپ سے قریبی رابطوں کے باوجود را والے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"یہ ساری آزادی محض اس وجہ سے میسر ہے کہ اول خان نے منصوبے کی بنیاد کا پہلا پتھر بالکل صحیح انداز میں اور مضبوطی سے جمایا تھا۔ اگر ابتدا میں کراچی سے یہ تصدیق نہ

ہوئی ہوتی کہ میرا نام اور کوائف بالکل درست ہیں تو شاید ہم ہاتھ پیر ہلانے سے پھر دھر لیے گئے ہوتے۔"

"اور آپ بھی ان کو یہ باور کرانے میں اب تک کامیاب رہے ہیں کہ آپ کراچی میں پرانی گاڑیوں کا لین دین کرنے والے ایک چھوٹے تاجر ہیں جسے ہر وقت فاضل آمدنی کی شدت سے ضرورت رہتی ہے.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی نگاہ میں اصل کام کیا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم یاد کرو کہ ہم جلال کی اس خواہش پر یہاں آئے تھے کہ انل بسواس کا قصہ تمام کردیا جائے تاکہ پاکستان کے خلاف را والوں کی سرگرمیاں ایک طویل عرصے کے لیے دم توڑ جائیں۔ وہ کام ابھی تک باقی ہے۔" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی "اس اعتبار سے تو ہم اب تک تہی دست ہیں۔ جان اسمتھ کے خلاف ہمارے دلوں میں گہرا بغض و عناد تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ این کی دھمکیوں سے خائف ہو کر کراچی سے بھاگا اور یہاں آگیا پھر ہم نے اسے مار لیا۔ گرین کوبرا مشن کے بارے میں یہاں گوپال نے بتایا۔ اسے پورا کرنا ان لوگوں کا کام تھا۔ اسے آپ نے ضرورت سے زیادہ آسان بنادیا۔ یہ ضمنی کامیابیاں تھیں۔ اصل کام واقعی باقی ہے۔"

میں نے اسی کی تکمیل کے لیے پاکستان واپس لوٹنے کا ارادہ ملتوی کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ وطن لوٹ رہا ہوں۔ مجھے قرائن وہی نظر آرہے تھے جو اب سامنے آئے ہیں۔ میں اس وقت چلا جاتا تو سارا کیا دھرا ہمارے سر تھوپ دیا جاتا اور میں آسانی سے دوبارہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے قابل نہ رہتا۔ دعا کرو کہ میرا مظہر خان والا بہروپ چند روز تک کامیابی سے چلتا رہے۔"

"این کے چلے جانے کے بعد یہاں ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں۔ جن میں سے تین آئی بی والے ہیں۔ ہم سب دل و جان سے ایک دوسرے کی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ اس وقت اپنے اصل کام کی وضاحت کر کے آپ نے میرے ذہن سے بوجھ ہٹادیا ہے ورنہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آپ نے کسی واضح مقصد کے بغیر یہاں رکنے کا خطرہ مول لیا ہے اور اب ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

"کسی اہم مقصد کے بغیر اس وقت یہاں رکنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ میرے سامنے ایک ہدف تھا اور اب تک ہم اسی سمت میں کام کرتے چلے آئے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ ہم اپنی بڑی کامیابی سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔"

"کل سہ پہر تک ہمارا بدترین وقت تھا اور آپ ذہنی صعوبتوں سے گزر رہے تھے۔ اس کے بعد سے ہم اسی کمرے میں بند ہیں۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ آپ کو اپنی بڑی اور فیصلہ کن کامیابی کے بارے میں یہ خوش گمانی کیوں ہو رہی ہے؟"

اس کے معصومانہ سوال پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اپنی ساری ذہانت اور بے خوفی کے باوجود وہ کبھی کبھی بہت عامیانہ اور گھریلو سطح پر آجاتی تھی۔ میں نے کہا "تم رینا اجیت رائے کی آمد اور اس کی فراہم کی ہوئی پیشگی معلومات کو بھول گئیں۔ ہمارا دن واقعی بہت خراب گزرا لیکن شام سے حالات بہت تیزی سے ہمارے حق میں استوار ہوتے جا رہے ہیں۔ بیلا سنگھ میری تلاش میں ہے اور نریش شرما مجھے کمرے سے نکلنے پر مجبور کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑی اور مثبت تبدیلی ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔" غزالہ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے میری تائید کی "آپ کے ذہن میں ہر بات سلسلے وار محفوظ رہتی ہے۔ میں ہر بات کو اس کے اپنے سیاق و سباق میں دیکھتی ہوں۔ میرے لیے نریش کی وہ ترغیب آمیز باتیں بے غیرتی اور آوارگی سے زیادہ اہم نہیں تھیں۔"

"دن گزر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے شام آجائے گی۔ اگر میں اپنے کمرے میں رکا رہا تو مجھے یقین ہے کہ نریش دوبارہ مجھے فون کرے گا۔ اس کے لیے میرا بیلا سنگھ کے ساتھ مل بیٹھنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مجھے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھا "بیلا سنگھ بھی رینا کی طرح جوان اور دلکش لڑکی ہوگی۔"

اسے وہ سب بتانا غیر ضروری تھا جو رینا نے بیلا سنگھ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا اس سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر نریش کا فون آیا تو پھر اس سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"یہاں آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے اوپر اعتبار ہے تو آپ کو نریش سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔ رینا جیسی لڑکی آپ کو نہیں بہکا سکی تو بیلا سنگھ کے سامنے بھی آپ کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ عورت اسی وقت شیر ہوتی ہے جب اس کے سامنے والا مرد کمزور پڑنے لگتا ہے۔ مجھے آپ پر بھروسا ہے۔

میری طرف سے آپ کو کھلی اجازت ہے۔ آپ جب چاہیں، بیلا سنگھ سے مل سکتے ہیں۔ میں آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن سچ بات یہ تھی کہ اس کی نئی فراخ دلانہ پیش کش پر میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ پچھلی رات اس نے نریش کی تجاویز پر جس سخت ردِّعمل کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

○☆○

سات بجے نریش شرما کا فون آگیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ آپریٹر کے ذریعے کال ملنے کے سبب مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس وقت میرے ہوٹل میں نہیں تھا بلکہ کہیں اور سے بات کر رہا تھا۔

"ارے! تم آج پھر اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے ہو!" میری مزاج پرسی کے جواب میں نریش شرما کی تحیر زدہ آواز ابھری "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ سے بات ہو گی اور تم نیچے کہیں رنگ رلیاں منا رہے ہو گے۔"

"میں نے کئی بار تیار ہو کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا ہے مگر ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے کیا ہو گیا۔"

"کچھ نہیں ہوا۔ تم شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو۔ اس وقت تمہیں سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تم جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔ میں ٹھیک آٹھ بجے تمہارے ہوٹل کی لابی میں پہنچوں گا اور ہم کچھ دیر کے لیے بار یا ریستوران میں بیٹھیں گے۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

نریش نے اس بار بات کا رخ بدل دیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ "تم لابی میں مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔"

"اوکے۔ گڈ لک!" ریسیور میں نریش کی مسرت آمیز آواز ابھری اور ہلکی سی کلک کے ساتھ لائن بے جان ہو گئی۔

"اس وقت آپ کسی بحث کے بغیر رضامند ہو گئے۔ اس نے آپ کے کان میں کیا پھونکا تھا۔" غزالہ نے خوش گوار حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کے لیے آٹھ بجے آرہا ہے۔" میں نے کہا "میں جانتا تھا کہ وہ ضرور فون کرے گا۔"

"اس نے ابھی تک آپ کو اپنی مخصوص لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میری بات لکھ لیں کہ بیلا سنگھ اس کے ساتھ ہو گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ میرے مزید انکار سے وہ مشتعل ہو جاتا۔ اپنے ڈپریشن کی وجہ سے میں تفریحات میں حصہ لینے سے انکار کر سکتا ہوں لیکن نریش سے ملنے سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنا پینترا بدلا ہے۔ میں بے بس ہو گیا تھا۔"

میں نے فوراً ہی شیو کر کے کمرے سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔

پونے آٹھ بجے میں نے کمرا چھوڑ دیا۔ نریش کے آنے

سے پہلے میں ہوٹل کی کھلی فضا میں کچھ وقت گزار کر نئے فیصلے کرنا چاہتا تھا۔

میں لابی کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ بیلا سنگھ کتنی ہی حسین اور شوخ وشنگ کیوں نہ ہو، میں اس سے دور رہوں گا۔

اپنے دیے ہوئے وقت سے پانچ منٹ پہلے نریش ہوٹل کی لابی میں نظر آیا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں ادھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہاتھ ہلایا۔ اس کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے اپنا رخ میری طرف تبدیل کرلیا۔

"بہت فٹ اور شاندار نظر آرہے ہو۔" اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا چہرہ لٹکا ہوا ہوگا۔ آنکھوں میں ویرانی تیر رہی ہوگی۔"

"پچھلی سہ پہر کورا کے عقوبت خانے میں وہ خاصے بھیانک اور خشک روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس وقت بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام کر ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ وہ میرے ساتھ ہوٹل کے بار میں بیٹھ کر ایک آدھ پیگ پینے کا خواہاں تھا۔ اسے اپنے دفتر میں ہونے والی ملاقات میں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں شراب نوشی نہیں کرتا پھر بھی اس نے بار کا رخ کیا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کی تجویز قبول کرلی۔

"کمرے سے نکل کر تم نے اپنے موڈ میں خوش گوار تبدیلی محسوس کی ہوگی۔" اس نے بار کے ایک گوشے میں بیٹھنے کے بعد کہا۔

"مجھے احساس نہ دلاؤ۔" میں نے دھیرے سے کہا "میں کافی دیر سے نیچے بیٹھا اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کررہا تھا۔"

ویٹر آگیا۔ نریش نے اپنے لیے جن کانپ اور میرے لیے لیمن جوس کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں بتایا تھا۔ ہمارے آدمی اسے کھوچکے ہیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد تمہیں یہ پتا چلانا ہے کہ وہ اس وقت کہاں روپوش ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بہت زیادہ اہم ہوگئی ہے۔"

"یہ بات تم مجھے پہلی ملاقات میں بتاچکے تھے۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔

"معلومات فراہم کرنے اور سراغ لگانے میں بہت فرق ہے۔ اب تمہیں ذرا زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔" اس نے وضاحت کی۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پرخلوص لہجے میں اسے یقین دلایا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "اسے رکھ لو۔ یہ تمہارا پہلا پیشگی معاوضہ ہے۔ یہ بھارتی پچیس ہزار ہیں کیونکہ تم یہاں ہو۔ اگلی ادائیگیاں پاکستانی کرنسی میں ہوں گی۔ کوئی نہ کوئی تم کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتا رہے گا۔"

"ہوسکے تو مجھے وہ فون یا فیکس نمبر بھی دے دو جس پر مجھے رپورٹ دینی ہوگی۔"

"رقم کے ساتھ ایک کاغذ پر دونوں نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا رابطہ فیکس پر رہے گا۔ فون انتہائی ناگزیر مجبوری کے لیے ہے۔ اس سے پانچویں گھنٹی کے بعد جواب ملے گا۔ تم کنکٹ کے کوڈ سے اپنا تعارف کراؤ گے تو متعلقہ آدمی سے تمہاری بات ہوجائے گی۔"

ویٹر ایک چمکتی ہوئی ٹرے میں مشروبات لے آیا اور ادب سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔

"میرے لیے جن اور ٹانک کا ایک زوردار پیگ بنادو۔" نریش نے اسے ہدایت کی۔

وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں نریش کی نگاہیں ہر طرف دوڑتی رہیں۔ ویٹر کے جاتے ہی نریش نے اپنا گلاس اٹھاکر میری خوشیوں کا جام تجویز کیا اور گلاس لبوں سے لگالیا۔ میں نے لیمن جوس کے گلاس سے پہلا گھونٹ حلق میں اتارلیا۔

"ارے! یہ تتلی کہاں بھٹک رہی ہے!" نریش نے اچانک بے ساختگی سے کہا اور اپنا گلاس میز پر رکھ کر بہت تیزی سے بار کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے شیشے کی دیوار سے دیکھا کہ وہ بار سے نکل کر تیزی سے بھرے بھرے بدن والی ایک دراز قامت لڑکی کے پیچھے گیا تھا جس کے بدن پر گلابی ساڑی موجود تھی۔ رینا کے بیان کے مطابق پچھلی شام بیلا سنگھ گلابی ساڑی پہنے ہوٹل میں موجود تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ نریش چونکنے کی اداکاری کرکے جس تتلی کے پیچھے لپکا تھا، وہ بیلا سنگھ ہی تھی۔

ان دونوں کے درمیان سب کچھ پہلے سے طے ہوچکا تھا مگر نریش نے مجھے پھانسنے کے لیے وہ ڈراما رچایا تھا۔

میں بیلا سنگھ کے استقبال کے لیے تیار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسٹرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انھیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آسٹرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاچھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارولی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملواسکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تندخو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے بآسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے درپے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے ہندوستان سے فوری روانگی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ عابد علی نے را کے دفتر سے ملنے والی فائلیں امرتسر میں ویرا کے حوالے کردیں تاکہ وہ انہیں پاکستان لے جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری کارروائی را کی صفوں میں بھونچال پیدا کردے گی جس کی لپیٹ میں ہم بھی آسکتے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے ہوٹل سے اٹھوالیا گیا اور ہلکی سی پرتشدد اور نفسیاتی پوچھ گچھ کے بعد مجھے گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ نریش نے مجھے کلیئر تو کردیا مگر یہ پابندی لگادی کہ میں اس کی اجازت کے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا اجیت رائے نے بتایا کہ میری ویڈیو فلم ضائع ہونے کے باعث نریش نے دوسری لڑکی کو میرے پیچھے لگادیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میری ویڈیو دوبارہ بنائی جاسکے۔ میں محتاط تھا اور نریش مجھے بیلا سنگھ نامی سکھ لڑکی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

نریش شرما ہوٹل کے بار سے نکل کر بہت تیزی سے گلابی ساڑی والی لڑکی کے قریب پہنچا پھر وہ دونوں تحیر زدہ تپاک سے یوں ایک دوسرے سے ملے جیسے ان کی وہ ملاقات کافی عرصے بعد اور اتفاقاً ہوئی ہو۔

بھرے بھرے اور گداز جسم والی وہ دراز قامت لڑکی چونک کر نریش کی طرف گھومی تھی اور ان دونوں نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تھے۔

میں نے نریش کے جاتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ لڑکی بیلا سنگھ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ نریش نے اسے پچھلے روز میرے پیچھے لگایا تھا۔ بیلا سنگھ کی وہ شام بالکل بے

...تجبہ رہی تھی۔ اس کے بارے میں رینا اجیت رائے نے مجھے
...وقت ہوشیار کردیا تھا۔ میں دانستہ اس لڑکی سے دور رہنے کی
...شش کررہا تھا۔ وہ جال نریش کا پھیلایا ہوا تھا۔ وہ خود
...شش کرتا رہا تھا کہ میں اپنے کمرے سے نکلوں تا کہ بیلا
...ھ مجھے اپنے حسن اور اداؤں سے مسحور کرکے اپنے کنج
...فیت میں لے جاسکے جہاں اس کے لیے عافیت ہی عافیت
...ی مگر میرے لیے سنگین ترین خطرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

نریش نے براہِ راست ہوٹل پہنچ کر یہ واضح کردیا تھا کہ
...س کے لیے میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کتنی اہم تھی۔ یہ
...تہ اس کے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا کہ میں رینا کی
...ردیاں جیتنے میں کامیاب ہوچکا تھا اور را کی بہکائی ہوئی اس
...ور لڑکی نے قبل از وقت مجھے نریش اور بیلا سنگھ کے کھیل
...ہ آگاہ کردیا تھا۔

وہ دونوں را کے تجربے کار ایجنٹ تھے۔ بیلا سنگھ شاید
...ہ پرانی نہ رہی ہو مگر نریش ایک خرانٹ سیکرٹ ایجنٹ
...۔ وہ یہ بات فراموش کرہی نہیں سکتا تھا کہ میں بار کی شیشے
...دیوار سے اس کی اور بیلا کی طرف دیکھ رہا ہوں گا۔ ان
...درمیان سب کچھ طے تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے انداز
...بے ساختگی سے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ
...کے درمیان ہونے والی وہ ملاقات پہلے سے طے شدہ
...ں تھی۔

میرے لیے وہ سب بہت تشویش ناک تھا مگر پھر بھی میں
...ی اداکاری پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ اس
...ت میرے نزدیک ایک ہی پیمانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر وہ لڑکی
...ھ تھی تو وہ ڈراما مجھے پھانسنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔
...ی اور تھی تو نریش کے ابتدائی ردِ عمل پر یقین کیا جاسکتا

وہ دونوں چند ثانیوں تک ہوٹل کی روشن اور کشادہ
...اری میں کھڑے ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کرتے
... پھر شاید نریش شرما کی دعوت پر وہ لڑکی، اس کے ساتھ
...ی طرف چل دی۔ نریش نے بے تکلفی سے اپنا بازو اس
...ر کے گرد حمائل کردیا تھا۔

ایک دوسرے سے یوں ہی جڑے ہوئے وہ بار میں
...ل ہوئے تو تقریباً سارے ہی رندوں کی نگاہیں ان کی
...اٹھ گئیں۔

...یلا سنگھ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ قدرت نے اسے
...ب کے نین نقشے اور متناسب بدن سے نوازا تھا جسے اس
...پنی کوششوں سے بہت دل نواز حدود میں رکھا ہوا تھا۔
...کے بدن کے نشیب و فراز میں کہیں بھی کوئی غیر ضروری
تجاوز نظر نہیں آرہا تھا۔ کمر کی آخری حد پر بندھی ہوئی ساڑی
اور سینے کی بالائی حد پر کسے ہوئے ننھے سے بلاؤز کے درمیان
اس کا پیٹ کسی شکاری کتیا کی طرح بالکل کمر سے لگا ہوا تھا۔
بلاؤز آستینوں سے محروم تھا اور اس کی سڈول، مرمریں
بانہیں چلتے ہوئے بار بار ساڑی کے پلو سے الجھ رہی تھیں۔
مغرب میں عورتوں کی بے لباسی یا زیادہ محتاط الفاظ میں کم
لباسی فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے بدن پر جتنا کم کپڑا ہوتا
ہے وہ اسی قدر آزاد خیال اور مقبول ہوتی ہے لیکن نریش کے
ساتھ بیلا کو گلابی ساڑی اور بلاؤز میں دیکھ کر صحیح معنوں میں
اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عورت یا لڑکی اپنے جوبن کی نمائش پر
تل ہی جائے تو گزوں کپڑا بھی اس کے بدن کو پوری طرح
چھپانے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔

میں نے نریش سے ہونے والی باتوں میں اسے یہ تاثر دیا
تھا کہ میں را کے دفاتر میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ہیبت
ناک واقعات کے نتیجے میں ایسے شدید ڈپریشن کا شکار ہوا تھا
کہ زندگی کی کسی بھی رنگینی اور تفریح کی طرف دل مائل
نہیں ہورہا تھا مگر اس لڑکی کا دلکش سراپا اور پھر اس کے
یاقوتی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی بے حجاب مسکراہٹ دیکھتے ہی مجھے
پھریری سی آگئی۔

اگر رینا نے مجھے اس کی اصلیت کے بارے میں پہلے
سے نہ بتایا ہوتا تو نریش کو ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی اور
ہوٹل کے رومانی ماحول میں بے خبری میں اس لڑکی کا شکار
ہوجاتا۔ وہ ایک ادا کے ساتھ فرش پر ہلکورے سے لیتی،
میزوں کے درمیان اپنا راستہ بناتی ہوئی، نریش کے ساتھ
میری میز پر آگئی۔

میں نے بوکھلا کر لیمن جوس کا گلاس میز پر رکھا اور...
بدحواسی کا مظاہرہ کرتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے ان
دونوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس لمحے سے پہلے
میں نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

”مظہر خان! اس سے ملو۔ یہ میرے دوست بھگوت سنگھ
کی بیٹی بیلا سنگھ ہے۔ بہت بے مروت اور خود سر لڑکی ہے۔
آج مہینوں بعد میری نظر اس پر نہ پڑ گئی ہوتی تو یہ یہاں سے
سیدھی نکلتی چلی جاتی۔۔۔۔ اور یہ مظہر خان ہے۔ میرا دوست!“

بیلا سنگھ نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ میری
طرف بڑھایا۔ عورت کی پہل پر ہاتھ ملانا ہر معاشرے میں مرد
کی مجبوری بن جاتا ہے۔ میں نے اس ریت پر عمل کیا۔ بیلا
سنگھ نے میرا ہاتھ بہت مضبوطی سے اپنی گداز اور حرارت
آمیز ہتھیلی میں بھینچ لیا۔

”نریش انکل جب ملتے ہیں، مجھے ایسے ہی کانٹوں میں

گھسیٹتے ہیں۔" بیلا سنگھ ہنستے ہوئے میرے سامنے اپنی صفائی پیش کررہی تھی "ان کا اپنا حال یہ ہے کہ کبھی گھر پر نہیں ملتے۔ جب فون کرتی ہوں، پتا چلتا ہے کہ دفتر میں ہیں یا کسی میٹنگ میں گئے ہوئے ہیں۔"

بیلا سنگھ نے مصافحہ خاصا طویل کردیا۔ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مرد ہمیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، ایک آدھ مرد کی آنکھوں سے کینہ بھی جھلک رہا تھا۔ جارح مزاج رکھنے والے بہت سے مرد اسی فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ کسی خوب رو عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں لیکن جب کسی حسین عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ بے تکلف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اندر ہی اندر جلنے اور کڑھنے لگتے ہیں۔

میرے ہاتھ کو کئی پر زور اور پرجوش جھٹکے دینے کے بعد بیلا نے آزادی بخشی اور خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مظہر خان خشک آدمی ہے۔ بار میں بیٹھ کر لیمن جوس پی رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پیو گی؟" مجھے متاثر کرنے کے لیے نریش شرما اپنی تیسرے درجے کی ماتحت کے سامنے بچھا جارہا تھا۔ میں اس کی چال کو سمجھ رہا تھا۔ اس خبیث نے بیلا سنگھ کی شخصیت کو زیادہ اثر انگیز بنانے کے لیے اپنے کسی نام نہاد دوست کی بیٹی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے رویّے سے مجھے یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ بیلا کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے انکل نریش سے خاصی بے تکلف ہو۔" میں نے ایک چبھتی ہوئی بات بہت سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہہ ڈالی۔

"یہ بڑے شریر انکل ہیں۔" بیلا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے نریش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جب جی چاہتا ہے، انکل بن کر بات بے بات پر اپنا بڑا پن جتانے لگتے ہیں اور ان کا اپنا موڈ ہو تو دوست بن جاتے ہیں۔" اس بار بیلا کا زندگی سے بھرپور لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"ایک ڈبل اسکاچ، سوڈے کے ساتھ!" نریش نے بیلا کے جواب کا انتظار کیے بغیر ویٹر کو آرڈر دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد بیلا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ کوئی ہلکا پھلکا ڈرنک تم کو کھلنے نہیں دے گا۔ اسکاچ تمہیں بہت مرغوب ہے۔"

"تم مجھے نہ روکتے تو میں اپنے کمرے میں جا کر منی بار سے اسکاچ ہی لینے کا ارادہ کررہی تھی۔۔۔"

"دیکھ لو، ہم نے تمہارے من کی بات پڑھ لی۔ ایسے انکل کسی کسی کے نصیب میں آتے ہیں۔" نریش نے اس کی بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔

بیلا سنگھ اپنی ملائم اور مخروطی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر آگے جھک آئی اور تقریباً سرگوشیانہ آواز میں بولی "سچ پوچھو تو مجھے بار جیسی کھلی جگہوں پر بیٹھ کر پیتے ہوئے بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ سارے مردوں کی ندیدی اور بھوکی آنکھیں تیروں کی طرح اپنے بدن میں اترتی ہوئی لگتی ہیں۔ شراب میں کیا برائی ہے؟ مرد پیتے ہیں، عورتیں بھی پیتی ہیں مگر یہ بات سب کو بری لگتی ہے کہ کوئی عورت ان کے بجائے دوسروں کے ساتھ شراب پیئے۔"

نریش نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "شراب کی برائی مظہر سے نہ پوچھنا۔ ابھی تقریر شروع کردے گا۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔ پرسوں ہی دلی آئی ہوں اور اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ میری مانو تو اوپر میرے کمرے میں چلو۔ پینے پلانے کا مزہ آجائے گا۔ اپنوں میں بیٹھ کر بے فکری سے پینے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" وہ دونوں میری توقع سے بہت پہلے، نہایت ہوشیاری سے گفتگو کو اپنے مطالب کے رخ پر لے آئے تھے۔ بیلا سنگھ کی تجویز پر نریش کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

بیلا سنگھ کی وہ تجویز میرے حق میں نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے کیمرے میری اور اس کی خلوت کے منتظر ہوں گے۔ میرے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر نریش نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "شہر میں کل سے بھونچال آیا ہوا ہے۔ نو بجے پولیس کمشنر کے دفتر میں ایک اہم اجلاس ہے۔ مجھے ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ میں بے مروت ہوں یا تم بہت زیادہ مصروف آدمی ہو۔" بیلا سنگھ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تم بہت چالاک ہوگئی ہو۔ اپنے مطلب کی بات فوراً پکڑ لیتی ہو۔" نریش ہنس کر بولا "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جارہا۔ مظہر یہ شام تمہارے ساتھ گزارے گا۔ یہ بہت دل پھینک اور خوش باش آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ ہر وہ سلوک کرسکتی ہو جو میرے ساتھ کرتی رہی ہو۔ یہ تھوڑے سے ڈپریشن کا بھی شکار ہے۔ تمہاری رفاقت میں تھوڑا سا وقت گزار کر اسے بھی سکون ملے گا۔"

ان دونوں نے اتنی خوب صورتی اور چالاکی سے مجھے اپنے دام میں گھیرا تھا کہ میرے لیے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ نریش کی ذو معنی باتوں میں بہت سے مفہوم پنہاں تھے مگر ظاہر کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بیلا سنگھ کا ساتھ دینے سے انکار کرتا تو وہ دونوں میرے پیچھے پڑ جاتے کہ میں انہیں ذرا سا

وقت دینے سے کترا رہا تھا۔ خود کو ان کے چنگل میں بے بس پا کر میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

اسی جھلاہٹ میں اچانک مجھے یاد آیا کہ نریش نے مجھے اپنے کمرے سے ہوٹل کی نچلی منزل تک بلانے کے لیے کسی بہت ضروری گفتگو کا بہانہ کیا تھا۔ میں نے قدرے تیزی سے کہا "تم یہ بھول رہے ہو کہ ہم دونوں کچھ ضروری باتوں کے لیے......"

"مظہر خان! باتوں کا کیا ہے۔ باتیں تو زندگی بھر ہوتی رہیں گی۔ بیلا جیسی لڑکی روز روز نہیں ملے گی۔" نریش نے بازاری انداز میں اپنی بائیں آنکھ دبا کے کہا "باتیں ہم کل یا پرسوں بھی کرلیں گے۔ تم بیلا سنگھ کی مہک سے محروم رہ گئے تو عمر بھر پچھتاتے رہو گے۔ یہ آج رات یہاں ہے۔ کل پتا نہیں کہاں ہوگی۔"

"انکل!" بیلا سنگھ نے اٹھلا کر ناراضی سے کہا "میں چمن میں لگی ہوئی کوئی بے بساط کلی نہیں ہوں جس کا رس ہر آوارہ بھونرا چوستا ہے اور اڑ جاتا ہے۔ میری تم سے دوستی ہے۔ تم چلتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں چلتی ہوں۔ تمہارا یہ قنوطی دوست تو مجھے بھی آزردہ کردے گا۔"

اسی وقت ویٹر ڈبل اسکاچ لے آیا۔ نریش نے اہتمام سے اس میں سوڈا ملایا۔ بیلا سنگھ نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر گلاس اٹھالیا۔

وہ جام بیلا سنگھ کے نام تجویز ہوا۔ تینوں نے اپنے لب تر کیے اور گلاس دوبارہ میز پر رکھ دیے۔ نریش جن پی رہا تھا۔ بیلا سنگھ کے لیے اسکاچ آئی تھی اور میرے لبوں پر لیمن جوس کا ترش ذائقہ تھا۔

"یہ قنوطی نہیں، بہت زندہ دل آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ دہلی میں تمہارے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ اجنبیوں سے تم دور بھاگتی ہو۔ اگر مجھے میٹنگ میں نہ جانا ہوتا تو میں ضرور تم دونوں کا ساتھ دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے جانے کے بعد مظہر تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"سمجھ لو!" بیلا سنگھ نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر سرہلاتے ہوئے کہا "میں پرسوں آئی تھی۔ آج دہلی میں میری تیسری اور آخری رات ہے۔ صبح دس بجے میں ممبئی چلی جاؤں گی۔ پتا نہیں پھر کب آنا ہو۔"

بیلا سنگھ، نریش سے مخاطب تھی مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے اپنا ساتھ دینے پر اکسارہی تھی۔ وہ دونوں را کے پختہ کار ایجنٹ تھے۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے اس پر عمل پیرا ہونے کے گر بھی جانتے تھے۔

"میں تم سے ملنے کے لیے ممبئی آجاؤں گا لیکن آج

انکوائری

کوئٹہ میں رہنے والے ایک صاحب بلوں کی ادائیگی میں بڑے بے پروا تھے۔ کبھی ان کی بجلی کٹ جاتی، کبھی فون کٹ جاتا، کبھی گیس اور کبھی پانی۔

ایک بار موسم سرما میں انہوں نے پانی کی ٹونٹی کھولی تو پانی نہیں آیا۔ پانی کے محکمے کو فون کرکے بولے "بھائی صاحب! ذرا ریکارڈ چیک کرکے بتائیے گا کہ میرا پانی کٹ گیا ہے یا سردی کی وجہ سے پائپوں میں جم گیا ہے؟"

شام تمہیں اور مظہر کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ دہلی میں تم دونوں پردیسی ہو اس لیے تمہیں خود ایک دوسرے کی میزبانی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔" بولتے بولتے وہ رک کر دھیرے سے ہنسا جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہا ہو پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کباب میں ہڈی کا وجود کوئی پسند نہیں کرتا۔ پتا نہیں میری تجویز قبول کرنے میں تمہیں کیا تذبذب ہے۔"

"مجھے کوئی تذبذب نہیں رہا۔" بیلا سنگھ نے خوش دلی سے کہا "میرے دماغ میں ایک بات آئی تھی۔ وہ میں نے کہہ ڈالی۔ تم نے مجھے سمجھایا اور میں سمجھ گئی لیکن تمہارے دوست کے چہرے پر ابھی تک تشویش کی پرچھائیاں ناچ رہی ہیں۔"

"آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔" میرے ذہن میں غزالہ کے الفاظ گونجے "اگر آپ کو اپنے اوپر اعتماد ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔" ان فقروں میں ایک عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا۔

رینا اجیت رائے نے میری بے خبری میں ایک انوکھا سوانگ رچا کر مجھے اپنے دام میں الجھایا تھا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی سازش کا شکار ہوگیا تھا لیکن اس بار اسی رینا نے مجھ پر مہربان ہو کر مجھے بیلا سنگھ کی طرف سے خبردار کردیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بیلا سنگھ غیر معمولی حد تک حسین اور پرکشش تھی لیکن وہ کوئی شیرنی نہیں تھی جو تنہائی میں موقع پا کر مجھے پھاڑ کھاتی۔ میں اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کے ہر حربے کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ خیالات بہت تیزی سے میرے ذہن میں آکر گزر گئے اور میں نے بیلا سنگھ کی گہری آنکھوں میں براہ راست جھانکتے

ہوئے کہا "میری تشویش میرے اپنے مسائل کے بارے میں ہے۔ میں نریش کی غیر موجودگی میں تمہاری میزبانی کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا۔"

اس وقت شاید میرے چہرے کے تاثرات نے بھی میرے سوچے سمجھے الفاظ کا ساتھ دیا تھا۔ بیلا سنگھ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پر غرور اور فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"آدمی کو زندگی بس ایک بار ملتی ہے۔" نریش خوش دلی سے کہہ رہا تھا "میں آواگون کے چکر میں ذرا بھی یقین نہیں رکھتا۔ سچ پوچھو تو میں بارہا سوچتا رہا ہوں کہ میں پچھلے جنم میں کیا تھا اور کون سے ایسے اچھے کام کیے تھے جن کے صلے میں آج مجھے ایک انسان کی آتما اور اسی کا شریر ملا ہوا ہے پر کچھ یاد نہیں آتا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ہر جنم کے اپنے اپنے دکھ سکھ ہوتے ہیں جن کا آپس میں کوئی ناتا نہیں ہوتا۔ جو عیش کرسکتے ہو وہ کرڈالو۔ زندگی سے خوشیاں اس طرح نچوڑ لو جیسے گنا پیلنے کی مشین گنے سے رس نچوڑتی ہے۔ تم دونوں کا مل بیٹھنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔"

اس وقت تک نریش نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا، کھل کر کہنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی کوششیں میرے لیے حیرت ناک تھیں۔ وہ اپنے دفتر کی آگ میں میری اور رینا کی فلم گنوا بیٹھا تھا اور اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ اس کے طور طریقے دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چلتے چلتے میرے کان میں وہ ناگفتنی باتیں نہ کہہ ڈالے جو وہ بیلا سنگھ کے سامنے بہرحال مجھ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس سہ فریقی ملاقات کو مختصر کرنے کے لیے میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر لیمن جوس کا گلاس خالی کرڈالا۔

ان دونوں کی مشترکہ کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد اس شکارگاہ کی طرف ہانک سکیں جہاں خفیہ کیمرے میرے منتظر تھے۔ میری تقلید میں ان دونوں نے بھی اپنے گلاس تیزی سے خالی کردیے۔ بیلا سنگھ بعد میں آئی تھی۔ ڈبل اسکاچ معدے میں اترتے ہی اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے ابھر آئے۔ اسے اپنا پیگ ختم کرنے میں جو ذرا سی دیر ہوئی وہ نریش کے کام آئی۔ اس نے ٹپ میں بچی ہوئی جن گلاس میں نکال کر ایک گھونٹ میں ختم کردی۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل کا بار تھا جہاں تجربے کار ویٹر ساقی گری پر مامور تھے۔ ہم تینوں کے قرینے سے ہمارے ویٹر نے اختتام کا اندازہ لگالیا اور چمکتی ہوئی چھوٹی سی نقرئی تھالی میں رکھے ہوئے چرمی فولڈر میں بل لے آیا۔

نریش شرمارا کا شہزادہ تھا۔ مجھے پھانسنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس اعتبار سے وہ اس وقت کارِ سرکار پر تھا اور اخراجات بھی سرکار ہی کے سر جانے تھے۔ اس نے بل دیکھنے کی زحمت کیے بغیر سو روپے کے تین نوٹ نقرئی تھالی پر رکھ دیے۔ بیلا نے اپنا بیگ شانے سے لٹکالیا تھا اور کرسی چھوڑدی تھی۔

"ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں۔" بار سے نکل آنے کے بعد نریش نے رک کر کہا "ٹریفک صاف مل گیا تو میں میٹنگ میں بروقت پہنچ جاؤں گا ورنہ دیر ضرور ہوگی۔ میں تم دونوں کے لیے دعاگو ہوں۔ دونوں خوش رہو اور ایک دوسرے کو خوش کرسکو۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔"

اس نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور عجلت میں ایک طرف چل دیا۔ اس کا رخ عقبی راستے کی طرف تھا۔ بیلا سنگھ مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے لفٹ کی طرف ہولی۔

بیچ کا آدمی جاچکا تھا۔ اس وقت شکار اور شکاری براہِ راست ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔ میں نے بیلا سنگھ کی پیشوائی پر پہلی چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہیں کیا اور برجستہ کہا "میں بھی اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اوپر جانے کے راستے کدھر واقع ہیں۔"

عام پری چہرہ لڑکیوں کی طرح اس کی بھی عقل موٹی تھی یا پھر وہ دانستہ میرے طنز کو پی گئی اور دیدہ دلیری سے بولی "یہ اور اچھی بات ہے۔ ہم دونوں زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے۔"

"تم نریش کو انکل کہتی ہو لیکن اس کے ساتھ تمہارے تعلقات میں بہت زیادہ بے تکلفی بلکہ بے حجابی ہے۔ ہمارے مشرقی ماحول میں یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔" میں نے اس کے تمتمائے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈال کر ہلکے سے طنز کا دوسرا نشتر چلایا۔

"نریش کو تم پر ضرورت سے زیادہ بھروسا ہے۔ اس نے بے تکلفی کی ابتدا کی تھی۔ مجھے بھی کہنا پڑا۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم دونوں کی باتوں کا انداز کچھ اور ہوتا۔ نریش سے میری گہری دوستی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسے انکل کہنا میری مجبوری ہے کیونکہ وہ میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔ میرے اور اس کے مراسم بعد میں استوار ہوئے۔" نشے کا ہلکا سا سرور آجانے کے باوجود وہ اپنی کہانی پر جمی ہوئی تھی۔

میرے دل میں آیا کہ اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور رینا اجیت رائے کے بارے میں سوال کرکے اسے حیران کردوں لیکن ایسا کرنا میری اپنی سلامتی کے منافی ہوتا۔ وہ مجھ سے دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں انجان بن کر اس کے جانے بوجھے حربوں سے اپنا بچاؤ کرتا رہوں۔ وہ مجھے بے خبر سمجھ کر مجھ پر اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتی رہے اور آخر کار نریش شرما کو اپنی ناکامی کی خبر سنانے پر مجبور ہوجائے۔

ہم لفٹ میں داخل ہوئے تو ہمارے ساتھ مزید دو افراد سوار ہوگئے۔ مطلوبہ فلور پر لفٹ رکتے ہی بیلا سنگھ متانت سے باہر نکل گئی۔

"یہ بری بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ تم اچھی لڑکیوں کے قدر داں ہو۔" راہداری طے کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ نریش نے میرے سامنے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی تھی۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔

"تم سے ملاقات ہونے سے پہلے نریش نے تمہارا غائبانہ تعارف کرادیا تھا۔" وہ ہنس کر بولی "دیکھنے میں تم ایسے کلاکار نہیں دکھائی دیتے۔"

وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ بیگ میں سے چابی نکال کر اس نے قفل کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میرے بدن میں سنسناہٹ کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ مجھے ہوٹل کے ایسے ہی کمرے میں رینا کے ساتھ گزارے ہوئے وہ لمحات یاد آگئے تھے جو ویڈیو ٹیپ پر محفوظ ہوکر نریش شرما کی تحویل میں چلے گئے تھے۔

میں نے بڑی جاں گسل جدوجہد کے بعد اپنی کج روی کے اس اٹل ثبوت کو ضائع کیا تھا جس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے نریش شرما نے بیلا سنگھ جیسی مہوش کو میرے سامنے لا ڈالا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ امتحان میرے لیے سخت ثابت ہونے والا تھا۔

"نریش نے بتایا تھا کہ تم پاکستانی اور مسلمان ہو اسی لیے شراب نہیں پیتے۔ مجھے مدت سے کسی مسلمان لڑکے سے دوستی کا ارمان تھا۔" کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہی تھی "آج نریش کی میٹنگ کی وجہ سے میری یہ حسرت پوری ہوجائے گی۔"

"بات صرف دوستی کی تھی تو ہم ہوٹل کے بار یا ریستوران میں بیٹھ کر بھی یہ مقصد حاصل کرسکتے تھے۔ کمرے میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کمرے کی الگ بات ہے۔ مجھے اپنے بدن پر چھ گز کی یہ ساڑی بوجھ لگ رہی تھی۔ ہوٹل کے کسی بھی حصے میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھوں کی ذرا سی جنبش سے گلابی رنگ کی وہ خوب صورت ساڑی اپنے بدن سے الگ کرکے مسہری پر اچھال دی۔

میں نے زیر لب لاحول پڑھی۔ بیلا سنگھ واقعی بہت بے حجاب لڑکی تھی۔ ساڑی کے نیچے اس نے اسی رنگ کا پیٹی کوٹ پہنا ہوا تھا مگر اس کی وہ حرکت ہر اعتبار سے اخلاق اور شائستگی کے منافی تھی۔ ان چند لمحوں میں وہ میری نظروں میں اپنا رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھی۔

وہ ایک تربیت یافتہ اور پیشہ ور لڑکی تھی مگر اسے اپنے حسن و جمال پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ تھا۔ وہ مردوں کو رجھانے کے جمالیاتی فن سے آگاہ نہیں تھی۔ اپنے جسم کی بے جا نمائش سے ہوس زدہ افراد کے حواس کو مختل کردینے کے اکلوتے اور گھٹیا طریقے میں ماہر تھی۔

"یہ تمہارا کمرا ضرور ہے لیکن اب اس حد سے تجاوز نہ کرنا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ آواز میں کہا "اتنے بے حجاب حسن سے گھن آنے لگتی ہے۔"

اس کے ہونٹوں سے دعوت انگیز مسکراہٹ یکایک غائب ہوگئی اور تیوری پر کئی بل پڑگئے "تم کیا کہہ رہے ہو!"

"تم نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے بیلا!" میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہا "میں تم سے بہت زیادہ پر وقار رویے کی توقع کررہا تھا۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں کہا "ساڑی سے مجھے الجھن ہورہی تھی۔ وہ میں نے اتار دی۔ میرا بدن اب بھی پہلے کی طرح کپڑوں میں چھپا ہوا ہے۔ تم بلاوجہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میں نے خاصی اسکاچ پی ہوئی ہے۔"

اس کی بودی دلیل احمقانہ تھی۔ اس نے اپنا ڈبل پیگ تیزی سے ضرور ختم کیا تھا مگر اس کا نشہ گہرا نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی عادی شرابی کے لیے وہ مقدار اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ نہیں تھی مگر میں اسے وہ باتیں نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے میرے ماضی کا علم نہیں تھا۔ ان دنوں میں مظہر خان بنا ہوا تھا جو شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایسے شخص کو شراب نوشی پر کوئی حتمی رائے دینے کا حق نہیں تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔" میں نے اس کے

عذرا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایک پیگ سے اتنا نشہ ہو گیا ہے تو اب اور نہ پی لینا۔ تم نے کمرے سے باہر نکل کر غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا تو میرے لیے تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

اس کا منہ بن گیا اور وہ تیزی سے بولی "تم اتنے سیدھے نہیں ہو جتنے صورت سے نظر آتے ہو۔ خود شراب نہیں پیتے تو مجھے بھی منع کر رہے ہو۔ میں دل کھول کر پینے کے لیے ہی تو کمرے میں آئی تھی۔ یہ مت بھولو کہ میں تمہاری طرح مسلمان نہیں ہوں۔"

میں اسے برہم کیے بغیر اپنا دامن بچانا چاہ رہا تھا۔ میں نے خوش دلی سے جواب دیا "تم مسلمان نہیں ہو لیکن مسلمان سے دوستی کی شوقین ہو۔ میں نے یہ مشورہ تمہارے تن کے رہے سہے کپڑوں کے بچاؤ کے لیے دیا ہے۔ تم اپنے بلاؤز اور پیٹی کوٹ پر تشدد نہ کرنے کا وعدہ کرو تو تھوڑی بہت پی سکتی ہو۔"

وہ لپک کر میرے بدن سے آ لگی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "سچ سچ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں۔ تم مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟"

"میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ نریش میرا دوست ہے اور تم اس کی دوست ہو۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔"

"اس نے تمہیں کھلی چھوٹ دی ہے۔ میں تم سے دوستی کے لیے تیار رہوں پھر تم کیوں ڈر رہے ہو۔" اس نے مچل کر پوچھا۔

"میں بس اپنے انجام سے ڈرا ہوا ہوں۔ یہ خوف کل سے میری نس نس میں بیٹھ چکا ہے۔ اس سے پہلے تم ملی ہوتیں تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔" میں نے کوئی راہ نہ پا کر اسی کہانی پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لیا جو میں دو مرتبہ نریش کو سنا چکا تھا۔

"کل تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" اس نے مضبوطی سے میرا بازو تھام کر پوچھا۔ وہ میرے اتنے قریب تھی کہ میں اس کے گرم گرم سانسوں میں رچی ہوئی، الکحل کی تیز بو اپنے نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

"میں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا ہوں۔ نریش کو یہ قصہ معلوم ہے۔"

"تم بار بار نریش کا نام کیوں لے رہے ہو؟" وہ جھلا کر بولی "پہلے مجھے اس کی امانت قرار دے رہے تھے۔ اب اسے اپنا گواہ بنا رہے ہو۔ وہ ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ تم اسے بھول جاؤ۔ اب جو کچھ ہونا ہے وہ میرے اور تمہارے درمیان ہوگا۔ نریش یا کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"آرام سے بیٹھو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "نشہ ہونے کی وجہ سے تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ تم اچھی اور دلکش لڑکی ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں کچھ دیر اور یوں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے تو میرا خوف دب جائے گا۔"

وہ اس وقت نریش شرما کی کٹھ پتلی تھی جو اپنا کام پورا کرنے کے لیے ہر راہ اختیار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرے جواب میں اس کے لیے امید کی ایک کرن پوشیدہ تھی۔ اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر میرا مشورہ مان لیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے دوسری کرسی سنبھال لی۔

وہ کچھ دیر تک سکون سے کرسی پر بیٹھی مجھ سے میرے تلخ تجربے کے بارے میں سوالات کرتی رہی مگر میں ہر بار اسے خوب صورتی سے ٹالتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا مگر میں سختی سے اپنی زبان بند رکھ کر بیلا سنگھ کے ذریعے را کے بڑوں کو یہ پیغام پہنچانا چاہ رہا تھا کہ میں ان سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ تھا۔ میری اس خاموشی کا دوسرا اور بالواسطہ مفہوم یہ تھا کہ مجھے بیلا سنگھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ نریش شرما کے ذریعے متعارف ہونے کے باوجود میں اسے را کی لڑکی نہیں سمجھ رہا تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد بیلا سنگھ نے منی بار کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی دو چھوٹی بوتلیں نکال لیں۔ اس نے اپنی کرسی میرے قریب کھسکائی اور مے نوشی کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔ میرے لیے اس نے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل کھول دی تھی۔

بیلا سنگھ میں استقامت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ بار بار مجھے چھیڑنے اور اکسانے والی حرکتیں کرتی رہی مگر اس وقت میرے حیوانی جذبات شاید ٹھوس برف کی طرح منجمد ہو چکے تھے۔ اس کے حرارت آگیں وجود کے لمس سے بھی میرے اعصاب پر جمی ہوئی وہ برف نہ پگھل سکی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں بیلا سنگھ جیسی خوب صورت، دل فریب اور بے حجاب لڑکی کے سامنے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے میں کامیاب تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ پہلی بوتل کی ساری اسکاچ اپنے آخری قطرے تک بیلا کے معدے میں اتر گئی۔

اس کی زبان بھاری ہوتی جارہی تھی، اس کے دہانے سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے، آنکھوں میں خمار کی گہری سرخی اتر آئی تھی اور بھرے بھرے رخسار انجان جذبوں کی تمازت سے کشمیری سیبوں کی طرح دہکنے لگے تھے۔ میں اسے میٹھی میٹھی اور دل لبھانے والی باتوں میں الجھائے رہا۔

میری طرف سے نا امید ہو کر وہ بکھر جاتی۔ میں نے اس کی امید کو زندہ رکھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنی برتری کے کسی لمحے کی آرزو میں وہ پیتے پیتے اس حد کو پہنچ جائے کہ مدہوش ہو جائے اور میں اسے چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے نکل جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں انگاروں کے بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔ مجھے اپنا کمرا چھوڑے دو گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔

غزالہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے مجھے کھلی اجازت دی تھی کہ میں نریش سے ندامت کی خاطر بیلا سنگھ سے مل لوں لیکن وہ میری مشرقی بیوی تھی۔ اس کے اعصاب ایک حد تک انتظار کا دباؤ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک بھی سکتا تھا۔ خیالات کی رو غزالہ کی طرف ہوتے ہی میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی مجرمانہ اضطراری کیفیت طاری ہونے لگی۔

بیلا سنگھ نے دوسری بوتل کا آغاز کیا تو وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے جھومنے لگی۔

"بہتر ہوگا کہ اب تم بستر پر پہنچ جاؤ۔" میں نے پورے خلوص سے اسے مشورہ دیا۔

"تم بھی آجاؤ!" اس عالم میں بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں تھی۔

"تم چلو، میں بھی آجاؤں گا۔" میں نے اسے ایک بار پھر دلاسا دیا۔

وہ میری باتوں میں آگئی۔ اس نے کرسی چھوڑنے کی کوشش کی لیکن اپنے قدموں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ نشے کی جھونک میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بے طرح گر کر خود کو مجروح کر لے گی۔

میں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اس نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔ اس کے ذہن میں بھڑکنے والے وحشی جذبات کی حرارت اس کے لوچ دار وجود میں رچی ہوئی تھی مگر میں نے اسے یوں سنبھل کر کرسی سے اٹھایا جیسے وہ ایک جاگتی بیلا سنگھ کے بجائے مرمریں تراشا ہوا کوئی ٹھنڈا اور بے جان سنگی بت ہو۔ میرا خیال تھا کہ اس کے ذہن پر الکحل کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی۔ نشے کی گہرائی کا اظہار اس کے ہر لفظ اور ہر حرکت سے ہو رہا تھا لیکن اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں سلگتی ہوئی فرض کی چنگاری معدوم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے قریب پا کر اس نے والہانہ انداز میں دست درازی کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

وہ مدہوش تھی مگر میں پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ وہ اندھی بازی کھیل رہی تھی جبکہ میں سوچے سمجھے انداز میں اس ملاقات کو ایک مخصوص انجام تک پہنچانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈگمگاتی ہوئی چال کی وجہ سے میرے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا مگر میں کشاں کشاں اسے مسہری کی طرف لے گیا۔ یہ احساس میرے ذہن میں کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہا تھا کہ اس مسہری کے بعض حصے خفیہ کیمروں کی زد میں تھے۔ میں خود کو ہر حال میں ان کیمروں کی آنکھوں سے بچانا چاہ رہا تھا۔

میں نے بیلا سنگھ کو مسہری تک پہنچا دیا۔ وہ اس قدر بدحال تھی کہ بستر کی نرمی محسوس کرتے ہی اس پر دراز ہو گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ تشنہ انداز میں فضا میں میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اسے بستر پر پہنچانے کے بعد میں اس کی طرف سے بے پروا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا گلاس اس کے سرہانے والی تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اپنا گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی بے سدھ ہو جائے گی۔

میں دوبارہ کرسی پر آبیٹھا اور سکون سے سگریٹ سلگا لی۔ بیلا سنگھ کو میں نے یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ مزید مے نوشی کر کے خود کو سنبھال سکتی تھی۔

اس نے کروٹ بدل کر تپائی پر سے گلاس اٹھا لیا۔ کچھ شراب بستر پر چھلکی، کچھ اس کے معدے میں اتر گئی۔

وہ ایک عجیب اور عبرت آموز تماشا تھا۔ میں نے کھلی مزاحمت کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز اختیار کر کے نریش شرما کی ایک شرمناک سازش کو ناکامی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے تحفظ کے نام پر چلنے والی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی تربیت یافتہ بیلا سنگھ اپنے آقا کی خواہش کی تکمیل کے لیے مضطرب تھی۔ وہ دبی دبی ہذیانی سرگوشیوں میں مجھے پکار رہی تھی۔ را کے ٹکڑوں پر پلنے والی وہ بھارتی لڑکی عورت کے نام پر ایک شرمناک داغ بنی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز پر الکحل کے اثرات اتنے غالب

ہوگئے کہ اس کی آواز گھٹتے گھٹتے معدوم ہوگئی۔
اس کے بدن کی اضطراری جنبشیں اپنے آخری سانسوں پر تھیں۔ میں نے کرسی چھوڑ کر متجسس نگاہوں سے کمرے کی چھت اور دیواروں کا جائزہ لیا لیکن یہ سراغ لگانے میں ناکام رہا کہ را کے ماہرین کے نصب کیے ہوئے خود کار ویڈیو کیمرے کہاں پوشیدہ تھے۔
میں نے اپنے لباس پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی پھر مسہری کے قریب جاکر بیلا سنگھ کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی دلنشیں آنکھوں پر پپوٹوں اور پلکوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ وہ مے نوشی کی ہوس میں مدہوشی کی گہری دلدل میں اتر چکی تھی۔ میں خاموشی سے مڑا اور بیلا سنگھ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے قفل کا وہ بٹن دبا دیا تھا جس سے بند دروازہ اندر سے مقفل ہوجاتا تھا۔ باہر سے کوئی چابی استعمال کیے بغیر بیلا سنگھ کی مدہوشی میں مخل نہیں ہوسکتا تھا۔
اس وقت میری رسٹ واچ رات کے گیارہ بجانے والی تھی۔ را اور نریش شرما کا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے مجھے تین گھنٹوں تک ان تھک محنت کرنا پڑی تھی!

○☆○

غزالہ نے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر مجھے نریش اور بیلا سنگھ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی لیکن میرے روانہ ہونے کے بعد کمرے کی تنہائی میں وسوسوں کے ناگ اس کے ذہن میں اپنے پھن لہرا کر اسے خوف زدہ کرنے لگے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصے میں بزدل نہیں رہی تھی۔ اپنی آبرو اور جان کے دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود اس نے بہت دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا تھا اور اپنے کئی سخت جان حریفوں کے لہو کی ہولی کھیل کر خود کو بدترین خطرات سے بچائے رکھا تھا لیکن اس وقت وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے کسی بری گھڑی کے بارے میں ستانا شروع کردیا تھا۔
وہ کمرے کے فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتی اور سوچتی رہی۔ اسے کہیں کوئی خامی محسوس نہیں ہوئی۔ را والے مجھے سراسیمہ بلکہ دہشت زدہ کرنے کے لیے اپنا ہر کارگر نفسیاتی حربہ آزما چکے تھے۔ نریش شرما نے مجھے شدید ذہنی جھٹکوں سے گزارنے کے بعد اپنی کڑی اور بے رحمانہ پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس دوران میں مجھے ذلت بھی سہنا پڑی مگر میں نے اپنا دل کڑا کرکے اپنی ہر تحقیر کو خاموشی سے سہہ لیا۔ نریش میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ جو میرے مظہر خان والے معصومانہ بہروپ سے میل نہ کھاتی ہو۔
را کے دو عقوبت کدوں میں چند گھنٹوں کی اذیت ناک قید وہ قیمت تھی جو میں نے ناگر کے قتل اور را کی گیارہ فائلوں کے حصول کے لیے ادا کی تھی۔ وہ قیمت ہر اعتبار سے بہت معمولی تھی۔ آخر کار مجھے آزادی مل گئی تھی۔
پہلے رینا اجیت رائے نے ہمارے کمرے میں پہنچ کر مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ تھوڑی سی پر تشدد اور تکنیکی طور پر خالص نفسیاتی باز پرس کے نتیجے میں مجھے را سے کلیرنس مل چکی تھی۔ بعد میں نریش شرما کی دوستانہ فون کال نے رینا کی سنائی ہوئی نوید پر تصدیق کی مہر ثبت کردی۔
رینا نے اپنی ملاقات میں مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اس میں سے جستہ جستہ باتیں غزالہ کے علم میں آچکی تھیں۔ اسے یہ احساس تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانسنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے مشورے سے میں نے ایک سوچا سمجھا راستہ اختیار کیا تھا جس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اکلوتا اور بدترین خطرہ صرف یہی تھا کہ میں بیلا سنگھ کی اداؤں کا شکار ہوجاتا' وہ مجھے موم کرلیتی اور میں اس کی بانہوں میں پگھل جاتا۔
وہ غزالہ کے مان اور پندار کی شکست ہوتی کہ اس کے ہوتے ہوئے اور اس سے وعدہ کرلینے کے بعد میں را کی ایک فاحشہ کے سحر میں آجاتا مگر غزالہ وہ چوٹ کھانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرچکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نریش شرما بہت موذی افسر تھا۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا تھا' اس سے آسانی سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوتا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ میری' نریش اور بیلا سنگھ کی سہ فریقی ملاقات میں کیا ہونے والا تھا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ میں خود سے نہ بھکا تو نریش شرما مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کرسکتا تھا۔
غزالہ میری اس مجبوری کو قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ وہ مجبوری اس کی خلش اور پریشانی کا سبب نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی چھٹی حس اس سے کہیں زیادہ سنگین اور بڑے خطرے کی نشان دہی کررہی تھی مگر غزالہ ان غیبی اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔
وہ سوچتی رہی اور اس سے زیادہ پریشان ہوتی رہی۔ وقت بہت سست رفتار سے رینگ رہا تھا۔ میں پونے آٹھ بجے کمرے سے نکلا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے غزالہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے مجھے گئے ہوئے گھنٹوں بیت چکے ہوں۔ پونے نو بجے کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تو وہ حیرت اور

خوف سے اچھل پڑی۔ دستک دینے کا میرا انداز وہ جانتی تھی۔ اس وقت دروازے پر کوئی اجنبی آیا ہوا تھا۔

غزالہ کی چھٹی حس کی للکار یکایک واضح ہو گئی۔ وہ خطرناک گھڑی سر پر آچکی تھی جسے اس کا وجدان پہلے سے محسوس کر رہا تھا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی اور گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا "کون ہے۔"

"نریش شرما!" باہر سے آنے والی آواز سن کر غزالہ کے فرشتے کوچ کر گئے "دروازہ جلدی کھولو!"

وہ بدخواہوں کی فہرست میں نریش کے نام پر خط تنسیخ پھیر چکی تھی۔ اگر وہ میری طرف سے واقعی مطمئن ہو چکا تھا تو اس وقت دروازے پر دستک کیوں دے رہا تھا۔ اس نے مجھے نیچے بلایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اوپر غزالہ کمرے میں اکیلی ہوگی۔ اکیلی عورت سے اس کو کیا کام ہو سکتا تھا۔ غزالہ سر سے پیر تک کانپ کر رہ گئی۔ شاید نریش شرما دہری بلیک میلنگ کے چکر میں تھا۔ اس نے بیلا سنگھ کو میرے سر پر مسلط کردیا تھا اور خود غزالہ کے دروازے پر آپہنچا تھا۔

غزالہ کے وجود کی گہرائیوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اگر نریش کے عزائم ناپاک تھے تو وہ قابل معافی نہیں تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ، جان اسمتھ اور ناگر کے بعد اس کو بھی جہنم کے سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔

اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ آنے والا پستہ قامت اور تندرست شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی "میں تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

غزالہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ مردوں کی نظروں اور لب و لہجے کو خوب پہچانتی تھی۔ اس کے اندر چھپی ہوئی عورت نے اسے بتادیا کہ آنے والا اس کا دوست نہیں تھا۔ ساتھ ہی وہ اس کی آبرو کا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔ غزالہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے راہ دے دی۔

اندر آتے ہی اس نے ٹیلی ویژن کی روشن اسکرین کو دیکھ کر تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا پھر پلٹ کر غزالہ سے گویا ہوا "تم ٹیلی ویژن دیکھتی ہو تو اخبار بھی ضرور پڑھتی ہوگی۔ تم کو معلوم ہوگا کہ پرسوں رات گئے دہلی میں کیا کچھ ہوا ہے۔"

نریش شرما کی عقابی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم را کے افسر ہو۔" غزالہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مظہر خان سے ساری پوچھ گچھ کر چکے ہو۔ وہ ابھی تک تم سے دہشت زدہ ہے۔ سوتے میں بڑبڑانے لگا ہے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم کو معلوم ہے کہ مظہر خان اور را کے بیچ کیا معاملہ ہوا ہے۔" نریش نے غزالہ کی بات سنی اَن سنی کردی۔

"یہ تمہیں اور اسے معلوم ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں مجھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تم سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا تھا۔ تم یہاں موجود ہو پھر وہ کہاں گیا۔ اس کو تمہارے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"یہ ایک رنگین ہوٹل ہے۔ اسے ایک جاننے والی مل گئی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے تمہارا دھیان آگیا۔" نریش شرما نے میری طرف سے غزالہ کے کان بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم اس کی دوست ہو۔ تم سے مجھے کچھ جوابات درکار ہیں۔"

وہ گفتگو کھڑے کھڑے ہو رہی تھی۔ غزالہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی "اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور بتادوں گی۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"سنو لڑکی!" نریش کا لہجہ اچانک درشت ہو گیا "مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ پہلے تم دونوں اسی کمرے میں رہ رہے تھے۔ پرسوں رات تم نے یہ ہوٹل چھوڑ دیا۔ پہاڑ جیسی رات گزار کر تم دونوں صبح سویرے واپس آئے تو تمہیں الگ الگ کمروں کی ضرورت کا احساس ہو چکا تھا۔ ابھی میں کافی دیر تک تمہارے کمرے کا دروازہ پیٹتا رہا مگر وہ ویران تھا۔ مجبور ہو کر میں اس دروازے پر آگیا اور کی ہول میں سے جھانک کر میں نے اندازہ لگالیا کہ اندر کوئی موجود ہے اور واقعی تم موجود ہو۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہو تو مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو؟"

"رات تم دونوں نے کہاں اور کیسے گزاری؟" نریش نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"اگر تم یہ بات مظہر خان سے پوچھنا بھول گئے تھے تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ ہم آگرہ جانے کے ارادے سے یہاں سے نکلے تھے۔" غزالہ نے پل بھر میں اندازہ لگالیا تھا کہ نریش کو بہت دیر سے یہ خیال آیا تھا کہ غزالہ کے بیان سے میری بتائی ہوئی تفصیلات کی تصدیق یا تردید حاصل کی جائے۔

شاید دفتر میں آگ لگنے اور ناگر کے جل مرنے کے باعث اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بیک وقت ہم دونوں سے الگ الگ پوچھ گچھ کرتا تو ہماری کہانیاں مختلف ہوتیں اور ہم اپنے ہی بیانات کے تضاد میں پھنس جاتے لیکن

وہ ابتدائی مرحلے میں غزالہ کو نظرانداز کرنے کی سنگین غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس کی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رہی تھی۔ میں نے بازپرس کے دوران میں جو کچھ نریش کو بتایا، اپنی رہائی کے بعد غزالہ کو بھی بتادیا تھا۔ غزالہ نے اپنی کہانی وہیں سے اٹھائی تھی جہاں سے میں نے شروع کی تھی۔ وہ سوچتی اور تیزی کے ساتھ بولتی چلی گئی۔ اس کی یادداشت قابل رشک تھی اس لیے اس نے دہلی کے تفریحی مقامات کی اس ترتیب میں بھی فرق نہ آنے دیا جو میں پہلے ہی بیان کرچکا تھا۔ اس سے پہلے اس نے یہ واضح کردیا کہ آگرہ جانے کا پروگرام کسی اہم فون کی وجہ سے ٹل گیا۔ مظہرخان کسی آدمی سے بات کیے بغیر دہلی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس آدمی کا کارڈ مظہرخان سے کہیں گم ہوچکا تھا۔

نریش شرما نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک اور پنسل نکال لی تھی۔ وہ غزالہ کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ تیزی سے نوٹ بک پر کچھ لکھتا جارہا تھا۔

غزالہ نے کناٹ پلیس کے مرکزی سبزہ زار میں اپنی تفریح کے اختتام کے بارے میں بتایا۔ نریش نے ایک گہرا سانس لے کر نوٹ بک بند کی اور جیب میں ڈال لی۔

"ایک بار پھر سوچ لو کہ تم سچ بول رہی ہو۔" نریش نے غزالہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس ہم دہلی کی کھلی فضا میں گھومنا پھرنا چاہ رہے تھے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا "سیاحوں کا مقصد تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر تمہیں سب کچھ اسی ترتیب سے بتانے کی پوری کوشش کی ہے جس ترتیب سے ہم نے وہ جگہیں دیکھی تھیں پھر بھی میرے اور مظہرخان کے بیان میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہاں کے بازاروں اور علاقوں کے نام اجنبی ہیں۔ ہم سے سمجھنے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے؟" نریش نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ہم میاں بیوی نہیں ہیں پھر بھی ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ تم لوگوں کو شبہ تھا کہ مظہرخان مجھے پاکستان سے بھگا کر لایا ہے۔" غزالہ نے بہت خوب صورتی سے یہ بات گول کردی کہ وہ میرے بارے میں را کے منصوبوں سے پوری طرح واقف تھی۔

"یہ باتیں مظہرخان سے بھی پوچھی اور ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ میں نے تمہارے بیان کا ڈکٹیشن لے لیا ہے۔ مظہر کو پتا نہیں ہے کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ اب تم دونوں کی کہی ہوئی باتوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ ذرا سا بھی جھوٹ سامنے آیا تو تم دونوں رگید دیے جاؤ گے۔ مظہر دیکھ چکا ہے کہ جھوٹوں سے سچ اگلوانے کے لیے ہمارے پاس کیسے کیسے اوزار اور ہتھیار موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر روح تک کانپ اٹھتی ہے۔"

"تم مظہر کے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے ہو۔ وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا مگر پریشان رہتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم فون پر اس کے دوست اور خیرخواہ بنے ہوئے تھے اور اب مجھ سے آنکھیں بدل کر بات کررہے ہو۔ تمہاری ان باتوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"بھارت میں ایک کہاوت ہے کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔" نریش نے کہا "یہ بات ذرا کڑوی ہے لیکن سچی ہے۔ ہم جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔ تمہارے بیان کے بغیر ہمارا کام ادھورا تھا۔ اب جو فیصلہ ہوگا، اسی کی روشنی میں ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ غزالہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک گئی مگر نریش نے مڑ کر دوالوداعی کلمات کہنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ دروازے سے نکل کر راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اس سے پشت ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ نریش شرما کی غیرمتوقع آمد نے اسے ہراساں کردیا تھا۔

نریش اپنی زبان کا سارا زہر اگل کر لوٹ گیا۔ غزالہ کے دل و دماغ کی دنیا درہم برہم ہوگئی۔ تھوڑی دیر پہلے خوش گمانیوں کی جو فسوں خیز فضا پیدا ہوئی تھی، نریش کی آمد سے مسموم ہوچکی تھی۔ دہلی میں غزالہ کو کچھ بھی یقینی نظر نہیں آرہا تھا۔ فریب در فریب کا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ اس کا کلیدی نکتہ نریش نے بڑی وضاحت سے بیان کردیا تھا کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔

نریش سے مل کر وہ اتنی پراگندہ خاطر ہوئی تھی کہ فوری طور پر گرم گرم چائے کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کررہی تھی لیکن اس میں ایک بار پھر دروازہ کھولنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اس نے روم سروس سے رابطہ کرنے کے بجائے کولڈڈرنک کی ایک بوتل منی بار سے نکال کر کھول لی۔

اس وقت تک را کے بارے میں جو تجربات غزالہ کے سامنے آئے تھے، ان سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ را والے چالاک، مکار، سفاک اور خون آشام ضرور تھے مگر غیرمعمولی ذہانت سے محروم تھے۔ جو ایسے حساس شعبے کی کامیابی کے

لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں بیٹھے ہوئے، پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے تینوں افراد درندہ صفت اور خون آشام نہیں تھے لیکن بلا کی ذہانت اور پھرتی کے مالک تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ بھارت والے کشمیر میں اور اپنی سر زمین پر پاکستانی آئی ایس آئی اور آئی بی وغیرہ کے مضبوط زیر زمین نیٹ ورک کا واویلا مچاتے رہتے تھے مگر کسی پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہتے تھے۔ ان کے آدمی پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی اور بربریت کے بدترین مظاہرے کرنے میں کامیاب ضرور ہوجاتے تھے لیکن ذہانت سے عاری اور ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے پکڑے جاتے رہتے تھے۔

نریش شرما نے ہر وہ کام کر ڈالا تھا جو مجھے اور غزالہ کو گھیرنے کے لیے ضروری تھا مگر وہ اقدامات بے ربط تھے۔ فیصلہ صحیح تھا تو اس پر عمل کرنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا گیا تھا اور صحیح وقت پر کیے جانے والے فیصلے زیادہ صائب نہیں تھے۔

شاید اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ اس خالص حربی پیشے میں انہوں نے رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ جیسی ابرو باختہ لڑکیوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ اس حکمت عملی سے ان کے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، ان کے اپنے جنگی ڈسپلن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ وہ طریقے جاری رہے تو آنے والے چند سالوں میں را کے دفاتر اور مراکز عیاشی کے گڑھ بن جائیں گے۔

نریش کی آمد سے پہلے تک غزالہ کی یہ خوش فہمی تھی کہ را والوں نے اپنی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا ہوا تھا مگر نریش نے اس کی یہ غلط فہمی دور کردی تھی۔ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد را کے ذمے دار کسی بھی مشتبہ فرد کو نظر انداز کرنے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے۔ بس نریش سے ٹائمنگ کی ایک سنگین غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ جس کا سارا فائدہ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اصولی طور پر اسے ہم دونوں سے ایک وقت میں الگ الگ پوچھ گچھ کرنی چاہیے تھی۔ آپس میں کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کے بیانات میں زمین و آسمان کا تضاد ہوتا اور ہمارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا۔

بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر ان دنوں ہمارے ستارے یاور تھے کہ نریش شرما بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نکتے کو فراموش کرگیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ را کے دفتر میں آتش زدگی کی واردات کو ناگر کی موجودگی نے بہت پیچیدہ بنادیا تھا۔ نریش شرما کو ہم پر براہ راست کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے عمومی جانچ پڑتال میں مجھے ایک کمزور نشانہ سمجھ کر اٹھوالیا تھا۔

مجھ سے کی جانے والی پوچھ گچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی لیکن را کے لیے میرے کردار کا دوسرا رخ اہم تھا۔ پاکستان میں زرخرید پاکستانیوں کے ذریعے مخبری اور دہشت گردی ان کی حکمت عملی میں شاید سنگ میل کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ بات انہیں معلوم تھی کہ بھارت آنے والا ہر پاکستانی بے ضمیر اور بکاؤ مال نہیں ہوتا۔ ان میں خال خال ہی کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ ان سے معاملات طے کرتے ہوئے یہ خدشہ رہتا ہوگا کہ کسی وقت دباؤ کے تحت وہ را کے لیے کام کرنے پر آمادگی ظاہر کردیں اور سرحد پار کرتے ہی اپنے ملک اور قوم کی محبت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ضمیر فروشی سے تائب ہوجائیں۔

رینا اجیت رائے کے ساتھ بنائی جانے والی میری ویڈیو فلم کا معاملہ غزالہ کے علم میں نہیں تھا مگر میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانس کر مجھے بلیک میل کرنے کا مواد حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ غزالہ کو اندازہ تھا کہ ایسا مواد را کی ضرورت بن گیا تھا تاکہ میں پاکستان واپس پہنچنے کے بعد را سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکوں اور وہ مجھے اطمینان سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرسکیں۔

را کے بارے میں سوچتے سوچتے غزالہ کی ذہنی رو بیلا سنگھ کی طرف بہک گئی۔ مجھے کمرے سے گئے کافی وقت ہوچکا تھا۔ نریش مجھ سے ملنے کے بعد غزالہ کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے یہ شوشا بھی چھوڑ دیا تھا کہ میں ہوٹل میں کسی جاننے والی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کو خلش ہونے لگی کہ میں بیلا سنگھ کے ساتھ اتنی دیر تک کن مذاکرات میں مصروف تھا۔

بیلا سنگھ کو مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ غزالہ کو ان حالات کا علم نہیں تھا جو پیچھے رونما ہورہے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک سیدھی سی بات جمی ہوئی تھی۔ اگر میں بیلا سنگھ سے اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہوجاتا تو زیادہ وقت برباد کیے بغیر کمرے میں واپس پہنچ جاتا۔ میری واپسی میں غیر معمولی تاخیر غزالہ کے لیے اس تلخ حقیقت کی عکاس تھی کہ میرے ارادے کمزور ثابت ہوئے تھے، بیلا سنگھ جیت گئی تھی۔

بدترین شکست کے احساس سے غزالہ کے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔

آسیبی خیالات اس کے ذہن پر یلغار کر رہے تھے۔ کمرے کی تنہائی میں کوئی اس کا رفیق یا غم گسار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا مظلوم اور تنہا محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کر رہی تھی۔

بے خیالی میں اس کا ہاتھ اپنے داہنے رخسار کی طرف گیا تو اپنی انگلیوں پر نمی محسوس کرکے وہ چونک پڑی۔ اس نے ہڑبڑا کر چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کے دونوں رخسار تر تھے۔ نہ جانے کب سے اس کی غزالی آنکھوں سے آنسوؤں کے بے آواز موتی بہے چلے جا رہے تھے۔ اس نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ اور پھر آنکھیں خشک کیں۔ آئینے میں اسے اپنا عکس کمزور اور دھندلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس کا احساسِ بے بسی یکایک غصے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ اسی وقت مسلح ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلے اور بیلا سنگھ کو ہوٹل کے کسی کمرے میں ڈھونڈ نکالے۔ وہ میری موجودگی یا بعد کے خطرات کی پروا کیے بغیر بیلا سنگھ کو جہنم واصل کر دینا چاہتی تھی۔

اس کے خیالات کی وہ غضب ناک رو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ دروازے پر ہلکی سی دو مانوس دستکیں سن کر وہ چونکی اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مجھے اپنے سامنے پا کر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

میں سرعت سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔

سہارا ملتے ہی غزالہ کے صبر اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ میری بانہوں میں سسکیوں کے ساتھ بلک کر رو پڑی۔

"کیا بات ہے۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہو؟ میں تو تمہارے حوصلے پر ناز کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ.... وہ کمینی بیلا سنگھ آپ کو لے کر ہی بیٹھ گئی تھی .... میں...."

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔ "تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ وہ عادی شرابی ہے۔ میں اسے باتوں سے بہلاتا رہا اور اب وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہے۔ نرلیش اور بیلا کا پورا منصوبہ فلاپ ہو گیا۔"

وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکلی اور میرے رو بہ رو کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر چہرہ کھل اٹھا تھا اور پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر اندر کی خوشی مسکراہٹ بن کر ناچ اٹھی تھی۔ اس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سچ بتائیں کہ آپ میرا دل رکھنے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہے؟"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں اس سے دور رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں جو کچھ کرتا ہوں، اس میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے بیلا کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اسے ہوش آئے گا تو وہ کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔"

"آپ واقعی عظیم ہیں۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "ذرا سی دیر پہلے میں بیلا کے بارے میں سوچ سوچ کر سلگ رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کہیں سے بھی تلاش کرکے مار ڈالوں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی عقل سے عاری ہو جاتی ہو۔ تم نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس جال کو توڑ دوں گا۔"

"نرلیش یہاں آیا تھا۔" غزالہ کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں بہ یک وقت کئی سنسنی خیز اور وحشت ناک خیالات آئے تھے۔ میں نے اس کا وہ مختصر فقرہ سنتے ہی اس پر سوالوں کی بھرمار کر دی۔

غزالہ میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کے بارے میں تجسس میں مبتلا تھی۔ میں نرلیش کی آمد کے بارے میں فکرمند تھا۔ غزالہ کو خیال آیا کہ اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ وقت کافی گزر چکا تھا۔ باتوں سے پہلے روم سروس کو کھانے کا آرڈر دے دینا ضروری تھا۔

روم سروس کو انٹرکام پر آرڈر دے کر غزالہ نے مجھے نرلیش کی کہانی سنانی شروع کر دی۔

کھانا آیا اور کھانے کے دوران میں بیلا سنگھ کا ذکر چلتا رہا۔ اس لڑکی کے بارے میں غزالہ کا تجسس قابلِ فہم اور بالکل فطری تھا مگر اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے غزالہ مجھ سے پچھلے تین گھنٹوں کے ایک ایک لمحے کا حساب لینے پر تلی ہوئی ہو۔ رینا کے برعکس بیلا سنگھ کے معاملے میں میرا دامن بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کی کسی بات کا بُرا منائے بغیر اس کے تمام سوالوں کے جواب دیتا چلا گیا۔

ہماری وہ شام بہت بوجھل اور ناخوش گوار گزری تھی۔ مسائل نے سر ضرور اٹھایا تھا مگر ان پر قابو پا لیا گیا تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ نرلیش میرے اور غزالہ کے بیانات میں کوئی جھول دریافت نہیں کر سکے گا اور یوں ہماری تشویش کا آخری پہلو بھی صاف ہو جائے گا۔

"دیکھنا ہے کہ اب بیلا سنگھ کی ناکامی پر نریش کا ردّعمل
...یا رہتا ہے۔ اس معاملے میں آپ کو گھیرنے کے لیے اس
...نے سرتوڑ کوششیں کی تھیں۔" بستر پر پہنچنے کے بعد غزالہ نے
...تے ہوئے کہا "آپ نے ان پر پانی پھیر دیا۔"
نریش شرمانے بہت صحیح نشانہ لے کر اپنی کمان سے تیر
...ایا تھا لیکن وہ خطا ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پاس
...ے سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس شام میں نے اس کے
...مشورے پر عمل کیا تھا۔ کمرے سے نکل کر نیچے اترا' اس
...ے ساتھ بار میں بیٹھا' بیلا سے خوش دلی سے ملا اور نریش کے
...نے کے بعد بیلا کے ساتھ اس کے کمرے میں بھی چلا گیا۔
...ر کمرے کی کہانی سے اخلاقی طور پر اس کا کوئی تعلق نہیں
...نا چاہیے تھا۔

باتیں کرتے کرتے ہم دونوں گہری نیند سو گئے۔ پہلے
...زالہ کی آنکھ لگی پھر میں بھی نیم تاریکی میں دیواروں کو
...ورتے گھورتے سو گیا۔

گہری نیند سے رات گئے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور
...دار ہوتے ہی اس خلل کا سبب سمجھ میں آگیا۔ میرے
...رہانے رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں مسلسل
...بجے جا رہی تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی آواز
...ی نامانوس تھی کہ غزالہ کی نیند بھی اچٹ گئی۔

"ہیلو! کیا بات ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر نیند سے
...جھل آواز میں غرا کر پوچھا۔

"سر! باہر سے آپ کی فون کال ہے۔" ہوٹل آپریٹر کی
...ذب آواز آئی "میں آپ کی نیند خراب کرنے پر معافی
...اہتی ہوں۔"

"صبح کے چار بجے فون کرنے کا کون سا وقت ہے۔" میں
...پھر کر کہا "کہہ دو کہ میں سو رہا ہوں۔"

"سر! میں نے اس وقت کال ٹرانسفر کرنے سے معذرت
...ہی تھی۔" وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن وہ بات
...نے پر مصر ہیں۔ خود کو را کا افسر بتا رہے ہیں۔ ان کی
...حیثیت جاننے کے بعد میں انکار نہیں کر سکی۔"

آپریٹر کی زبان سے را کا نام سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا
...جیسے کسی نے میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی ہو۔
...یں نے بے جان لہجے میں کہا "کال ملا دو۔"

کلک کی آواز کے ساتھ کال مل گئی۔ میں نے نرمی سے
...پوچھا "کون بول رہا ہے؟"

"آج تم نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ مجھے منہ
...کھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" میرے کان میں نریش کی
دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔ میں بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

نریش کی آواز سن کر میرا رہا سہا خمار بھی کافور ہو گیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے جو تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"ابھی بیلا سنگھ کا فون آیا تھا۔ تم نے اس شریف لڑکی کی حد سے زیادہ توہین اور تذلیل کی ہے۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"توہین!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم مجھ سے قسم لے سکتے ہو کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ نشے میں کچھ بہک گئی تھی پھر بھی میں نے اس کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ جب وہ سو گئی تو میں اسے چھیڑے بغیر اس کے کمرے سے نکل آیا۔"

"وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ اسے غم و غصہ ہے کہ تم اس سے یوں بچ رہے تھے جیسے اسے چھوت کی کوئی غلیظ بیماری ہو۔"

"یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آگ و تیل یک جا ہو جائیں تو شعلوں کو بھڑکنے سے روکنا کتنا مشکل

ہوتا ہے۔ بیلا واقعی بہت مہربان اور آزاد خیال لڑکی ہے مگر میرے دماغ پر یہ بات طاری تھی کہ وہ تمہارے دوست کی بیٹی ہے اور تمہیں انکل کہتی ہے۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔ تم نے میری اور اس کی بے تکلفی دیکھ لی تھی۔ خود اس نے تمہیں بتایا کہ وہ میری دوست ہے مگر تم کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھے۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہوئی تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ بیلا نے میرا سارا ڈپریشن دور کردیا تھا۔ میں اس کی مے نوشی سے فائدہ اٹھا کر ایسی کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ بعد میں مجھے تمہارے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔"

"مجھے پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ ایک معزز اور شریف لڑکی جب خود کو کسی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو دیکھ بھال کر کرتی ہے۔ اس کی دعوت کو ٹھکرانا اس کو ذلیل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔" میرے تجاہلِ عارفانہ پر وہ بھنا کر برہمی سے کہہ رہا تھا۔ میں اس کے وہ الفاظ سن کر سناٹے میں آگیا۔

نریش شرما ایک پڑھا لکھا اور ذمے دار بھارتی افسر تھا مگر اس نے بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا کردی تھی۔ وہ بیلا سنگھ کو ایک شریف اور معزز لڑکی قرار دے رہا تھا۔ اس کی آبرو کے تحفظ کو اس کی توہین اور تذلیل قرار دے رہا تھا۔ شاید اپنے منصوبے کی ناکامی نے اس کے دماغ پر منفی اثرات ڈالے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ تم میرے کردار اور شرافت کی تعریف کرو گے۔ اگر میرے محتاط رویّے سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے تو میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔"

"تم نے بیلا کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی ہے اس کا ازالہ لفظوں سے ہونا ناممکن ہے۔" نریش کا لہجہ گہری ملامت لیے ہوئے تھا۔ اس نے فون پر اپنی بات جاری رکھی "تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کے صرف چار روپ ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عزت اور احترام کی حق دار ہوتی ہے۔ ماں، بیٹی، بہن اور بیوی۔ ان کے سوا عورت بس ایک کھلونا ہوتی ہے۔ جب اور جیسے ہاتھ لگ جائے، اس سے کھیلنا چاہیے۔ عورت خود بھی یہی پسند کرتی ہے۔ بیلا کی رضا پاکر بھی تمہارے دماغ پر برف جمی رہی تو یہ تمہاری اور میری بدقسمتی ہے۔ میں تمہیں عقل سے اتنا عاری نہیں سمجھتا تھا۔"

"نریش! تم جذباتی ہوکر آگ لگانے والی باتیں کررہے ہو۔ میری بیوی ہر ایک کی بیوی یا بہن نہیں ہوسکتی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مرد اس کے لیے بھیڑیے بن جائیں۔ چار کے سوا سارے رشتوں کے احترام کی دھجیاں اڑادیں۔" اس بار میں نریش کی ہرزہ سرائی پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرسکا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "شاید تم عیال دار ہو۔ تم کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ تمہارا انوکھا فلسفہ معاشرے کو ان کے لیے جہنم بنادے گا۔ یہ سب ..."

"خاموش رہو!" نریش کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ میری بات کاٹ کر کہہ رہا تھا "مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے اسے اتنا دل برداشتہ کردیا ہے کہ اسے اپنے وجود اور زندگی تک سے نفرت ہوگئی ہے۔"

میں بالکل خاموش رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بے غیرت یہ حکم صادر نہ کردے کہ میں معذرت کرنے کے بجائے اسی وقت دوبارہ بیلا سنگھ کے کمرے میں جاؤں اور عملی طور پر اپنی زیادتی کا بھرپور ازالہ کروں تاکہ بیلا کی زخمی انا کو قرار مل سکے۔

"خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی دہاڑ سنائی دی۔

"ابھی تم نے خاموش رہنے کا حکم دیا تھا۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "تم اتنی تیزی سے آنکھیں بدلتے ہو کہ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔"

"اور مجھے دوبارہ تم پر شک ہونے لگا ہے۔" اس کی زہریلی آواز آئی "تم اتنے شریف اور سیدھے نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ تم انتہائی چالاک اور مکار آدمی ہو۔ مجھے ازسرِنو دیکھنا پڑے گا کہ تم کون ہو اور ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

نریش کی باتوں نے یکایک ایک خوف ناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایسی دہلانے والی باتیں نہ کرو۔ میں اپنی مرضی سے تم سے نہیں ملا۔ میں تو انکل انل بسواس سے ملنے پر بھی تیار نہیں تھا مگر ناگر اور رینا نے مجھے بتایا کہ انکل جسے ملاقات کا وقت دے دیں اسے ہر حال میں اس سے ملنا پڑتا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو اس کے آدمی مار پیٹ کر مجھے زبردستی اس کے پاس لے جائیں گے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کیا کھیل کھیل سکتا ہوں۔"

"اب انکل ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔" اس نے یہ نہیں کہا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی کی خبر انل بسواس کو بھی مشتعل کردے گی۔

"تم نے انکل کا ذکر کہاں نکال لیا!" میں نے بوکھلائی

ی خوف زدہ آواز میں کہا ''آج جو کچھ ہوا' وہ میرا تمہارا
ر بیلا سنگھ کا معاملہ ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ میں بیلا سے
نوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔''

شاید نریش کو اسی لیے احساس ہوگیا کہ غصے اور روانی
یں اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری سے
سنگھ کی سرکاری حیثیت کو پوشیدہ رکھ کر پورے ڈرامے کو
تی طور پر ہونے والی نجی ملاقات کا روپ دیا ہوا تھا۔ اس
س انل بسواس کا نام لانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میری بات
ری ہونے تک اسے ایک موزوں جواب سوجھ گیا اور
رے خاموش ہونے پر اس نے قلابازی کھائی ''تم جیسے دو
ک کے آدمی کے لیے انل بسواس کے لیے کوئی وقت نہیں
ے۔ میں اپنی بات کر رہا تھا کیونکہ تم نے مجھے بیلا کے حقیقی
ل کا درجہ دے کر ساری گڑبڑ کی ہے۔ بیلا تمہاری صورت
ھنے کی روادار نہیں ہے۔ ویسے بھی اسے صبح کی پرواز سے
مبئی چلے جانا ہے۔ اب میں تمہیں تمہاری گستاخی کی کوئی
ی سزا دوں گا۔''

یکایک لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خالی خالی نظروں
ے ریسیور کا جائزہ لیا پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

''پلان کی ناکامی نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی
ی۔'' غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس میں ذرا سی بھی حیا ہوتی تو وہ اس واقعے کو خاموشی
ے پی جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ را کے افسروں کی ذہنی سطح
ت اور گھٹیا ہے۔ ابھی اس کا اضطراری ردِعمل سامنے
ہے۔۔۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔''
ں نے تشویش سے کہا۔

''ان کی سوچ گھٹیا ہے اسی لیے یہ پڑوسی ملکوں میں
شت گردیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی جان
ید بیونٹی سے زیادہ حقیر ہے۔'' غزالہ نے میری ہاں میں ہاں
ی۔ وہ مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر میری اور نریش کی گفتگو کا
ن ۔۔ہ گئی تھی ''اگر وہ واقعی انل بسواس کو درمیان میں
لے آتا ہے تو یہ معاملہ سنگین ہوجائے گا۔ مجھے اب یہاں
شت ہو رہی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''وہ روانی میں انکل کا ذکر کر گیا تھا۔ بعد میں اس نے
ت بدل دی مگر یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ یہ سب
ں بسواس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہوچکا ہوگا
نریش شرما کے دفتر میں لگنے والی آگ میں کیا کچھ تباہ ہوا
ے۔'' میں بے دھیانی میں رینا والی ویڈیو فلم کا ذکر کرنے ہی
ا تھا کہ مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے
ت گھماتے ہوئے کہا ''پاکستان میں جوابی قدم اٹھانے کے

موقع

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا۔ اسے جو کام کہا جاتا' نہایت سعادت مندی سے کر دیتا۔ ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے پاس سگریٹ ختم ہوگئے۔ اس نے سو کا نوٹ کتے کو دے کر سگریٹ لینے بھیج دیا۔ کتا ایک گھنٹے تک واپس نہ آیا تو مالک اس کی تلاش میں نکلا۔ کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا' کتا ایک ریستوران میں بیٹھا چکن تکا کھا رہا تھا اور کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔

مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوا کیا ''اس سے پہلے تو تم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کام بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمے داری سے کیا۔ یہ آج تمہیں کیا ہوگیا؟''

کتا اطمینان سے بولا ''اس سے پہلے آپ نے کبھی پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیے تھے نا۔۔۔!''

لیے اسے کسی مضبوط' نئے اور مقامی مہرے کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے پوری طرح بے بس کیے بغیر یہاں سے نہیں جانے دے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ رینا اور بیلا کے بعد اب کس کی باری آتی ہے۔''

''ان کا یہ حربہ دو مرتبہ ناکام ہوچکا ہے۔'' غزالہ نے پر خیال انداز میں کہا ''تیسری بار وہ اسے نہیں آزمائیں گے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' میں نے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا ''ابھی صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔ کچھ دیر کے لیے سونے کی کوشش کرو۔ صبح تازہ دم ہو کر اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔'' میں نے کمرے میں جلتا ہوا نائٹ لیمپ بھی بجھا دیا۔ گہرا اندھیرا سونے کے لیے زیادہ مدد گار ثابت ہوسکتا تھا۔

کچھ دیر تک کمرے کی فضا میں گہرا سکوت چھایا رہا پھر غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی ''جان! آپ سو رہے ہیں؟''

''کوشش کروں گا تو سو جاؤں گا۔ ابھی منحوس نریش سر پر سوار ہے۔'' میں نے اس کی طرف پہلو بدل کر جواب دیا ''کیا

تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں! اندھیرے سے خوف آ رہا ہے۔" اس نے سہمی ہوئی آواز میں اقرار کیا "نائٹ لیمپ جلا لیں۔"

میں نے ٹٹول کر بستر کے کنارے پر جھولتا ہوا سوئچ تلاش کیا اور دھیمی روشنی والا بلب آن کر دیا۔ گھپ اندھیرے سے مجھے بھی الجھن ہو رہی تھی۔

○☆○

ویرا نے عابد علی کے ساتھ اپنے ہوٹل میں اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔ اس کی شناخت کا صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ وہ بھارت جیسے موذی ملک میں ڈینی، ویرا اور غزالہ کے اصلی اور فرضی ناموں سے پوری طرح واقف تھا اور اپنے ساتھ کوئی مصیبت لے کر نازل نہیں ہوا تھا۔ وہ عابد کے ساتھ آخر تک سرد مہری سے پیش آئی۔ بس اس وقت ذرا سی گرم جوشی ہوئی جب اسے یہ پتا چلا کہ ہم لوگوں نے را کے ایک دفتر کو نذرِ آتش کر دیا تھا اور اس آگ میں را کا ایک سینئر کمانڈو بھی زندہ یا مردہ حالت میں جل گیا تھا۔

اس نے عابد کو کسی تواضع کے بغیر رخصت کر دیا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ عابد اگر کسی اہم اور خفیہ مشن پر دہلی سے امرتسر آیا تھا تو اسے ویرا کے پاس ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ جانا چاہیے تھا تاکہ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس کے بارے میں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔

عابد کے جانے کے بعد ویرا نے اس کی لائی ہوئی فائلیں کھول ڈالیں۔ بیشتر کاغذات کا تعلق را سے تھا۔ فائلوں میں کچھ سادہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تحریریں اور نقشے بھی تھے۔ ان تحریروں کا رسم الخط ہندی یا انگریزی تھا۔ ویرا ہندی رسم الخط سے نابلد تھی لیکن انگریزی حروف سے ترتیب دیے گئے الفاظ بالکل مہمل اور بے ربط تھے۔ عام آدمی ان سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکتا تھا۔

کافی دیر تک سر کھپانے کے بعد ویرا نے ان فائلوں کو اسی طرح بند کر دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فائلوں کی اہمیت کے بارے میں عابد نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ خفیہ زبان میں تیار کی ہوئی وہ فائلیں پاکستان میں بیٹھے ہوئے ماہرین کے لیے سنسنی خیز ثابت ہو سکتی تھیں۔

وہ پاکستان سے اپنے سفری سامان کا ایک تھیلا لے کر روانہ ہوئی تھی اور امرتسر کے ہوٹل میں بھی اس کا اثاثہ اسی تھیلے تک محدود تھا۔ اسے فکر دامن گیر ہونے لگی کہ اس تھیلے میں فائلوں کے بنڈل کو چھپانا ناممکن نہیں تھا۔

اسے پاکستان یا اس خطے کے کسی اور ملک میں ٹرینوں سے سفر کا زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس نے امرتسر سے دہلی اور پھر وہاں سے واپسی کے سفر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ مغرب کے برعکس بھارتی باشندے.... زیادہ سازوسامان لاد کر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس بار ...... اسے ٹرین ہی کے ذریعے پاکستان اور بھارت کی حساس سرحد عبور کرنی تھی پھر اس کے پاس را کا خفیہ ریکارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا مختصر سامان اسے جانچ پڑتال کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس کا کوئی نہ کوئی تدارک ضروری تھا۔

ٹرین کی روانگی میں خاصا وقت تھا۔ ویرا نے اسی وقت ہوٹل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہوٹل میں اپنے مختصر قیام کا حساب بے باق کر کے وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی جو کسی حد تک اس کا دیکھا بھالا تھا۔ مختلف دکانوں پر کافی وقت اور رقم برباد کر کے وہ اسٹیشن پہنچی تو اس کے ساتھ درمیانی سائز کا ایک خاصا وزنی سوٹ کیس موجود تھا۔ اس میں بیشتر نئے ملبوسات اور بھارتی دستکاری کے نمونے بھرے ہوئے تھے جو دہلی کے کناٹ پلیس کی دکانوں کے مقابلے میں امرتسر میں سستے تھے۔

اس کا سفری تھیلا اور را کی فائلوں والا غلاف اسی سوٹ کیس میں سما گیا تھا۔

ویرا نے وہ تیاری بھارتیوں سے بچنے کے لیے کی تھی۔ وہ اپنے رنگ وروپ اور خدوخال کی وجہ سے مقامیوں سے بہت ممتاز تھی۔ ہر مرحلے پر اس کے پاکستانی پاسپورٹ کو حیرت سے دیکھا گیا لیکن کسی نے مذاق میں بھی معترض ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ نہایت اطمینان سے کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر گئی۔ اسے کہیں اپنا سوٹ کیس کھول کر دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

ٹکٹ اس نے اسٹیشن پہنچتے ہی خرید لیا تھا۔ ایک قلی کے ساتھ وہ اپنی نشست تک پہنچ گئی۔ وہ زنانہ ڈبا تھا جس میں اس وقت کم سواریاں تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

واپس جانے والی پاکستانی عورتوں کے ساتھ اس ڈبے میں سفر پر نکلی ہوئی بھارتی عورتیں بھی تھیں جن کے لباس اور بولیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھارت کے مختلف علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

ویرا بھارت کے اس سفر میں مسلسل انگریزی بولتی رہی

تھی۔ اس نے کہیں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ اردو جانتی ہے۔ اپنی اصلیت کا راز برقرار رکھنے کے لیے اس کی وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

بوگی میں گرمی، پسینے اور عورتوں، بچوں کے ملے جلے شور وغل نے ویرا کو خاصا پریشان کیا لیکن اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس کے لیے سوٹ کیس کی حفاظت اس کی ہر تکلیف پر مقدم تھی۔ وہ بیٹھی عورتوں سے مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتی رہی یا اپنی طرف حیرت سے دیکھنے والے بچوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے وقت گزاری کرتی رہی۔ اس کا ذہن ان مسائل میں الجھا ہوا تھا جو اس کی دانست میں ہمیں پیش آرہے ہوں گے۔

آخر کار ٹرین میں ہل چل شروع ہوگئی۔ پلیٹ فارم پر قلیوں اور مسافروں کی نقل و حرکت میں تیزی آگئی تھی۔ بوگی میں ریلوے کے اہل کاروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کوئی ٹکٹ چیکر تھا تو کوئی بوگی کے مختلف حصوں میں بجلی کی سپلائی دیکھ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ مرحلے تمام ہوئے اور ٹرین حرکت میں آگئی۔ امرتسر کے پلیٹ فارم کو پیچھے چھوڑ کر ٹرین شہری آبادی کے درمیان سے گزرنے لگی۔ انجن سیٹیاں اور ہچکولے دیتا ہوا ٹرین کی رفتار بڑھا رہا تھا۔ پھر ٹرین آبادی سے ملحق ان میدانوں میں سے گزرنے لگی جہاں ٹریک کے دونوں طرف دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ حدِ نظر تک لہلہاتی ہوئی فصلیں، اس خطے کی زرخیزی کا کھلا اظہار تھیں۔

سفر تیزی سے جاری رہا۔ میدانوں اور چھوٹے چھوٹے دیہی اسٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ٹرین ویرا کو لمحہ بہ لمحہ اس سرحدی لکیر سے قریب لیے جارہی تھی جس کے پار ویرا کو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ وہ اپنے تھے اور اپنوں میں کسی قسم کا ذرا سا خوف نہیں ہوتا۔

نہ جانے وہ سفر کتنی دیر جاری رہا۔ ویرا کی نگاہیں کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے مناظر پر مرکوز تھیں مگر ذہن مسلسل میری اور غزالہ کی متوقع پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا۔

پھر ٹرین کی رفتار دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔ مسافروں میں اضطراب کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ ان کی باتوں سے ویرا کو پتا چلا کہ اٹاری کا ریلوے اسٹیشن آنے والا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کا آخری اسٹیشن تھا۔ ٹرین وہاں سے رینگتی ہوئی آگے بڑھتی اور واہگہ پہنچ جاتی۔ اس سے آگے لاہور تھا۔

وہ بھارت سے پاکستان جانے والوں کی ٹرین تھی۔ لوگ اپنے ساتھ جو کچھ لے جارہے تھے، خرید کر لے جارہے تھے۔ انہوں نے اپنی وہ بھاری رقمیں بھارت کے شہروں اور بازاروں میں خرچ کی تھیں۔ اٹاری پر ایک مرتبہ پھر چیکنگ کا آغاز ہوا۔ سرسری سی دیکھ بھال کے بعد بھارتی عملہ ٹرین سے اتر گیا۔ کسی افسر نے ویرا سے سوٹ کیس کھولنے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ وہ خوش تھی کہ میری بھیجی ہوئی امانت بھارت سے بحفاظت باہر نکالنے میں تقریباً کامیاب ہوگئی تھی۔

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر ہر بوگی کے سامنے امیگریشن اور کسٹم کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ امیگریشن والے پاسپورٹوں پر بھارت سے اخراج کی مہریں لگا رہے تھے۔ کسٹم والے اپنا کام نمٹا رہے تھے۔ ان سے نمٹنے کے بعد مسافر پاکستان سے آئی ہوئی خالی ٹرین میں سوار ہو رہے تھے جو انہیں لاہور پہنچا دیتی۔ ویرا بھی اس پاکستانی ٹرین میں بیٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھارت کو چھوڑ کر اپنے گھر میں آگئی ہو اور جب وہ ٹرین اٹاری سے پاکستان کی طرف چلی تو ناقابل بیان کامیابی کے احساس سے ویرا کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

اٹاری سے واہگہ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دونوں سرحدی لکیروں کے درمیان نومینز لینڈ کی پٹی تھی۔ ٹرین نے

وہ فاصلہ رینگتے ہوئے طے کیا۔ اسے دور سے پاکستان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آیا۔ تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سرسبز و ہلالی پرچم خود اس کے وطن کا ہو۔

درمیانی پٹی عبور کرنے کے بعد انجن نے تیز سیٹی بجائی اور ٹرین رفتار پکڑنے لگی۔ لاہور کی مضافاتی آبادیوں اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ٹرین نے کچھ دیر بعد لاہور ریلوے اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر جا کر دم لیا۔ ٹرین رکنے سے پہلے ہی قلیوں کی فوج نے ٹرین پر دھاوا بول دیا۔ ویرا پلیٹ فارم کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے بیٹھی بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتی رہی۔

کچھ دیر تک بوگی میں ہڑبونگ کا سماں رہا۔ قلیوں کے بعد عورتوں کے ساتھ سفر کرنے والے مرد بھی اندر گھس آئے۔ کوئی عجلت میں اپنا سامان سمیٹ رہا تھا' کوئی قلیوں سے مول تول کر رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر منڈلاتے ہوئے غول اس کے علاوہ تھے۔ ویرا حیران تھی کہ جب ٹرین کا سفر لاہور پر ہی ختم ہو جانا تھا تو وہ بدنظمی کیوں تھی مگر اسے زیادہ دیر تک حیران ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ جلال اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اچانک ہی اس کے سامنے آموجود ہوا "ویلکم ہوم! گریٹ لیڈی۔"

"تم.... تم اتنی تیزی سے مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" ویرا نے حیرت اور مسرت سے اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا اور گرم جوشی سے جلال کا ہاتھ تھام لیا۔

"اٹاری سے ہمارے انفارمر نے بتادیا تھا کہ تم کس بوگی میں ہو۔" جلال نے آس پاس کا میدان صاف پاکر انگریزی میں سرگوشی کی "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

ویرا نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کردیا۔ اس وقت تک بوگی تقریباً خالی ہوچکی تھی۔ دروازے پر کچھ بھیڑ باقی رہ گئی تھی۔

جلال کے ساتھ آئے ہوئے شخص نے ویرا کا وزنی سوٹ کیس اٹھالیا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے تمہارے ساتھ چند جوڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس سوٹ کیس میں کیا بھرلائی ہو؟" جلال نے سوٹ کیس کو اپنی نگاہوں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

"یہ را کے گناہوں کا بوجھ ہے جسے چھپانے کے لیے مجھے بہت کچھ خریدنا پڑا۔" ویرا نے جواب دیا۔

وہ تینوں بوگی سے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ جلال نے ویرا سے پاسپورٹ لے کر اپنے آدمی کے حوالے کردیا۔ وہ سوٹ کیس سمیت تیز تیز قدموں سے آگے ہولیا۔

"ٹرین سے امیگریشن تک ممنوعہ علاقہ ہے جہاں عام آدمی داخل نہیں ہوسکتے۔" ویرا جلال سے کہہ رہی تھی "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ٹرین پر آجاؤ گے۔"

"یہاں بھارت سے آنے والوں کے سامان کا کھلا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے۔ تمہارے سامان کو اس مرحلے سے بچانے کے لیے میرا اندر آنا ضروری تھا۔" جلال بولا "یہ بتاؤ کہ امرتسر یا اٹاری میں تو کچھ نہیں ہوا۔ جی سی محفوظ ہے نا!"

"وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل جس طرح مجھ تک پہنچا تھا' ابھی تک اسی حالت میں ہے۔"

ویرا اس پلیٹ فارم سے باہر نکلنے والی پہلی مسافر تھی۔ جو لوگ اس سے پہلے امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ چکے تھے وہ کسٹم کے مرحلے میں پھنسے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر مسافر اپنے سامان کے بارے میں پریشان تھا اور اس کی کوشش تھی کہ قلیوں وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسا جوڑ توڑ کرلیا جائے کہ سامان کھولنے کی نوبت نہ آئے۔ جن لوگوں کا سامان کھل گیا تھا' وہ سخت بولائے ہوئے تھے کیونکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرے اور باندھے گئے سوٹ کیسوں سے نکلا ہوا سامان دوبارہ ان میں سمانا آسان نہیں تھا۔

اسٹیشن سے باہر جلال کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ جلال کا ہمراہی ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے ویرا کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ ویرا' جلال کی طرف سے پہل کی منتظر تھی مگر وہ محتاط تھا۔ معاملہ اس قدر نازک تھا کہ وہ اپنے دونوں آدمیوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لاہور کی بارونق اور پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے ویرا کو اپنائیت کے عجیب سے احساس نے مسحور کیا ہوا تھا۔ اس نے بھارت کی سرزمین پر ہر لمحہ تلوار کی دھار پر رہ کر گزارا تھا۔ ہر وقت یہ احساس ستاتا رہا تھا کہ وہ دشمن ملک میں آئی ہوئی ہے۔ بازار اور سڑکوں وغیرہ پر کوئی سرسری طور پر اس کو دیکھ لیتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھور رہا ہو مگر لاہور پہنچنے کے بعد وہ ان تمام تفکرات سے آزاد ہوچکی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک رہائشی مکان کے پورچ میں رک گئی۔ وہ اس مکان سے مختلف تھا جہاں وہ پچھلی بار رکی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی ایک مودب ملازم ان کی پیشوائی کے لیے موجود تھا۔ وہ انہیں ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں لے گیا جہاں ائرکنڈیشنر کی خنکی رچی ہوئی تھی۔

جلال نے اسے چائے لانے کی ہدایت کی۔ اس کے جاتے ہی ڈرائیور ویرا کا سوٹ کیس لے آیا۔

جلال گرین کوبرا فائل دیکھنے کے لیے اتنا مضطرب تھا کہ اس نے کوئی اور بات شروع کرنے سے پہلے ویرا کو وہ فائل نکالنے کے لیے کہا۔ ویرا نے سوٹ کیس کے قفل کھول کر نئے کپڑوں کے نیچے دبا ہوا گیارہ فائلوں کا تھیلا جوں کا توں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

جلال نے بے تابی سے شاپنگ بیگ میں سے غلاف کا تھیلا اور تھیلے میں سے فائلوں کا بنڈل نکال لیا۔ اس نے.... سرسری طور پر اوپر کی فائلوں پر نگاہ ڈالی اور درمیان میں سے گرین کوبرا فائل برآمد ہوتے ہی اس کی آنکھیں کامیابی اور مسرت کے احساس سے دمک اٹھیں۔

ویرا کی طرح جلال کے لیے بھی ہر تحریر اجنبی تھی جسے آئی بی والوں نے اپنے طور پر کوڈز کا نام دیا ہوا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ نہ صرف گرین کوبرا فائل ہاتھ آگئی تھی بلکہ مزید دس اہم فائلیں بھی اڑالی گئی تھیں۔

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" جلال نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں ویرا سے کہا "یہ ریکارڈ ہمارے ہاتھ آنے سے دور رس نتائج حاصل ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے خلاف بھارتیوں کی ہر منصوبہ بندی کی کچھ نہ کچھ تفصیلات ان فائلوں میں موجود ہوں۔ اٹامک انرجی کمیشن اور بجلی گھروں والی فائلیں میں نے پہچان لی ہیں بقیہ سات فائلیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ ان پر ہمارے ماہرین روشنی ڈال سکیں گے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔" ویرا ہنس کر بولی "میں نے امرتسر سے یہاں تک صرف قاصد کا کام کیا ہے۔ مجھے یہ بنڈل تمہارے عابد علی نامی ایجنٹ نے پہنچایا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ دہلی میں را کے ایک دفتر کو آگ لگادی گئی ہے۔"

"تو کیا تم دہلی میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر ہو!" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کل رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے روانہ ہوئی تو بظاہر سب کچھ نارمل تھا مگر ڈینی کو حالات بگڑتے نظر آرہے تھے۔ اسی نے مجھے جلد از جلد دہلی سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔ امرتسر میں آج عابد نے دو باتیں بتائی تھیں۔ اس آگ میں ان کا کوئی سینئر کمانڈو بھی مرا ہے۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے لیکن اسلام آباد میں دوسرے ذرائع سے خبریں آتی رہتی ہیں۔ شاید اب ڈینی پوری طاقت سے میدان میں کود پڑا ہے۔ وہ آگ پاکستانی

فائدہ

جعفر صاحب نے اپنی بیگم سے مشورہ طلب انداز میں پوچھا "اگر ہم وجاہت کو سائیکل لے دیں تو تمہارے خیال میں اس کی شرارتیں کم ہوجائیں گی؟"

"یقیناً" بیگم جعفر نے جواب دیا "کیونکہ پھر وہ زیادہ بڑے رقبے پر پھیل جائیں گی۔"

ونگ میں لگی تھی۔ اس نے فائلیں اڑانے کے بعد ان کے دفتر ہی کو نذرِ آتش کردیا تاکہ اصل واردات کا علم نہ ہوسکے۔"

"کیا یہ تمہارے آدمیوں کا کام نہیں ہوسکتا؟ تم ڈینی کا نام بہت یقین سے لے رہے ہو۔" ویرا نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنا دامن بچا کر مدافعانہ انداز میں کام کرتے ہیں۔ انہیں کئی مہینوں سے گرین کوبرا ٹاسک ملا ہوا تھا۔ وہ ایسی جارحانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جلال نے پریقین لہجے میں کہا "یہ سو فیصد ڈینی کی کارروائی ہے۔ اس کے دماغ میں لاوا پک رہا ہوگا اسی لیے اس نے تمہیں بروقت دہلی سے روانہ کردیا۔ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد اس نے عقل مندی کی کہ یہ فائلیں اپنے پاس نہیں روکیں۔ تمہاری روانگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں بھیج دیں۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ آخری لمحے تک کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

جلال نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ آخری لمحات پر تیزی سے فیصلہ کرتا ہے اور اس پر عمل کر گزرتا ہے۔ تمہارے لیے سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ کل رات ہی جان اسمتھ کو سمراٹ ہوٹل کے ایک کمرے میں مار دیا گیا۔"

ویرا حیرت سے چونک کر صوفے سے اچھل پڑی۔ جان اسمتھ سے شاید اسے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "اس کے قتل میں میرا بھی کچھ حصہ تھا مگر وہ کارنامہ اصل میں غزالہ نے سرانجام دیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں رہتے ہوئے ہربات سے باخبر ہو۔"

"اس کی لاش آج سہ پہر دریافت ہوئی ہے۔ وہ بھارت

میں بہت کسمپرسی کے عالم میں مارا گیا ہے۔" ویرا کا انکشاف سن کر جلال کا جوش ٹھنڈا ہو گیا "وہ ہمارے راستے کا ایک بھاری پتھر تھا جسے یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس کی قضا اسے کراچی سے دہلی کیسے لے گئی۔"

چائے نوشی کے دوران بھی وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا نے اسے انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔ جلال کا خیال تھا کہ ہم لوگوں نے بہت تیزی کے ساتھ دہلی میں یادگار کارنامے انجام دیے تھے۔ ایک انل بسواس کا کام اور تمام ہو جاتا تو پاکستان میں ایک لمبے عرصے کے لیے سکون ہو جاتا کیونکہ بھارتی سازشوں کے پیچھے اسی کا دماغ کام کرتا تھا اور گرین کوبرا فائل بھی اسی کی تخلیق تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پچھلی رات دہلی کے حکمرانوں پر بہت بھاری گزری ہے۔" ویرا اس سے تبادلہ خیال کر کے بہت مسرور تھی۔

"یہ ڈینی کے لیے بھی آڑا وقت ہے۔ ہمیں اس کے لیے دعا گو رہنا چاہیے۔" جلال نے پُرتشویش لہجے میں کہا "وہ ہمارے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے پورا کر کے دم لیتا ہے۔ بھارت سے اس کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بے چین ہو گئی "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ ڈینی اور غزالہ کا کیا حال ہے۔ میں ان سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" جلال اس کا ارادہ بھانپ کر بوکھلا گیا "ان کے لیے یہ دو تین دن بہت ہولناک ہیں۔ میرے آدمی بھی دور ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت کسی کی ذرا سی لغزش ان کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔ ویسے بھی ڈینی ہوٹل میں نہیں ہے۔ را والے اسے لے گئے ہیں۔" جلال نے نہ چاہتے ہوئے بھی آخری فقرہ کہہ ڈالا۔

وہ بری خبر سن کر ویرا دہل گئی۔ سفاکی اور بربریت میں را والوں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ویرا اندر کے پیچ و خم سے ناواقف تھی اس لیے اس کا پریشان ہونا فطری تھا۔ جلال نے اسے سمجھایا بجھایا اور تسلی دے کر چلا گیا۔ اسے را کی فائلوں کو فوری طور پر اسلام آباد روانہ کرنا تھا تاکہ ان پر کام شروع ہو سکے۔

ویرا کو جہاں ٹھہرایا گیا وہ چار کمروں والا ایک مہمان خانہ تھا۔ ان کمروں کے ساتھ ڈرائنگ روم، کھانے کا کمرا اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں بند رہی۔ میرے بارے میں جلال سے تشویش ناک خبر سننے کے بعد اس کا دل بجھ گیا تھا۔

جلال نے ویرا کے بارے میں مہمان خانے کے عملے کو خاص ہدایات دے دی تھیں۔ ویرا کی فرمائش پر ایک خدمت گار نے بہت نفاست سے کمرے کی چھوٹی میز پر مے نوشی کے لوازم سجا دیے۔ ویرا نے اسے بتا دیا کہ وہ نو بجے کمرے میں ہی کھانا کھائے گی۔

ویرا امرتسر سے بہت ہلکے دل کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ اس کے ذہن پر صرف ایک فکر تھی کہ عابد کی لائی ہوئی فائلیں پوری احتیاط کے ساتھ لاہور پہنچ جائیں۔ اس نے اپنی وہ ذمے داری اچھی طرح پوری کر لی تھی لیکن لاہور پہنچنے کے بعد وہ میرے بارے میں یکایک بہت زیادہ فکر مند ہو گئی تھی۔

رات گئے اسے فون پر جلال کی طرف سے فون پر اچھی خبر بھی مل گئی کہ را والوں نے چند گھنٹوں کے بعد مجھے رہا کر دیا تھا۔ میری چال ڈھال اور چہرے مہرے سے تشدد کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ دہلی میں گڑبڑ اور خفیہ اداروں کی حد سے بڑھی ہوئی غیر معمولی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے وہ خبر تاخیر سے ملی تھی۔

ویرا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے سر پر آئی ہوئی مصیبت ٹل گئی تھی۔ وہ اپنی رات سکون سے گزار سکتی تھی۔

جلال بہت مصروف آدمی تھا۔ اگلے روز وہ ویرا کی طرف نہیں آ سکا لیکن شام میں اس نے فون پر ویرا سے تفصیلی گفتگو کر کے ویرا کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔ میرے بارے میں اس کے پاس کوئی نئی خبر نہیں تھی کیونکہ میں ہوٹل کے کمرے میں بند تھا۔ اس کے آدمی بھی دہلی میں یکایک زیر زمین چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سارے مقامی رابطے ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی جو وہاں کے پُرخطر حالات میں ضروری تھی۔

ویرا کے دماغ میں جلال کی یہ بات جم گئی تھی کہ میرے اور غزالہ کے لیے دو تین دن بہت خطرناک تھے۔ دوسرا دن ختم ہونے والا تھا۔ اسے امید تھی کہ اگلا دن بھی خیریت سے گزر جائے گا اور وہ مجھ سے براہِ راست رابطہ کر کے مجھ سے میری واپسی کے بارے میں بات کر سکے گی۔ اس نے کراچی فون کر کے اول خان اور سلطان شاہ کی خیریت معلوم کرلی لیکن ان دونوں سے بات نہ ہو سکی۔

اسے یا جلال کو شاید یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لیے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کی ریڈیائی

آوازوں کو پکڑنے والی گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ ان کے حرکت میں آنے کی وجہ سے دہلی کے باہمی رابطے ٹوٹ گئے تھے۔

دہلی کے واقعات کے بارے میں کراچی کے اخبارات میں جو کچھ شائع ہو رہا تھا۔ وہ ظاہری خبروں پر مبنی تھا۔ بھارتی حکام کی سخت گیری اور رازداری کی وجہ سے اخباری قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔ ان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے دہلی کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہو اور ہر طرف نامعلوم دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوں جنہیں بھارتی حکام پاکستانی ایجنٹ قرار دے کر اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اس نے لاہور میں اپنی دوسری رات جیسے تیسے بسر کرلی۔ جلال نے اسے دہلی سے آئی ہوئی فائلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور ایک ملاقات کے بعد سے مسلسل غائب تھا۔ اس کی یہ بات ویرا کو یاد تھی کہ میرے لیے دو تین دن اہم تھے۔ اس کی دانست میں دو دن گزر چکے تھے۔ وہ تیسرے دن کا آغاز تھا جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس کے کمرے میں موجود فون براہ راست تھا۔ وہ اس سے اندرونی اور بیرونی، ہر کال ملا سکتی تھی۔ پہلے اس نے میرے ہوٹل کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا پھر اسے اول خان کا خیال آگیا۔ اس بارے میں وہ کوئی بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔

اول خان اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے خود ہی ویرا کی کال وصول کی اور اس کی آواز سن کر خوش ہو گیا "واپسی مبارک ہو۔ کل مجھے پتا چل گیا تھا کہ تمہارا فون آیا تھا مگر تم نے اپنا نمبر نہیں چھوڑا۔ میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ ڈینی اور غزالہ کے بارے میں مجھے سخت تشویش ہے۔"

"مجھے بھی یہی پریشانی ہے۔ ان دونوں نے مجھے وہاں سے نکال دیا اور خود بری طرح پھنس گئے ہیں۔" ویرا نے فون پر کہا "میں ڈینی کو فون کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"تم لاہور میں ہو۔ دہلی میں را پر مصیبت ٹوٹ چکی ہے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ گرین کوبرا فائل بھی اسلام آباد پہنچ چکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ تم لوگوں نے دہلی سے اسلام آباد تک کھلبلی مچا دی ہے۔ ہر محکمہ فعال اور متحرک ہو گیا ہے۔۔۔"

ویرا نے اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس میں اتنی سی تصحیح کرلو کہ ابھی تک میرا کردار بہت معمولی قاصد کا رہا ہے۔ شاید ڈینی کا دماغ الٹ گیا ہے۔ وہ انجام سے بے پروا ہو کر بڑے بڑے قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔ اسے دھیرے دھیرے کام کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک وقت میں کئی محاذ کھول لیے ہیں۔ کسی بھی لمحے وہ دلدل میں پھنس جائے گا۔ اب اسے ہر قیمت پر واپس لوٹ آنا چاہیے۔ ورنہ وہ ان درندوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"میں اسے فون کر کے یہی باتیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے تحمل سے کہا "تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"اس کے پاس سی ایس ڈی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی پر تشویش آواز آئی "موجودہ حالات میں اس سے رابطہ نقصان دہ بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ رسک لینا پڑے گا۔ وہاں سے کئی بڑی خبریں آچکی ہیں لیکن انل کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈینی اب اس کی گھات میں لگ گیا ہو۔ یہاں سے وہ اسی کی ذات کو اپنا مشن بنا کر روانہ ہوا تھا۔"

"میں ایک محتاط کوشش کیے لیتی ہوں۔ فضا صاف نہ ہوئی تو وہ خود فون بند کر دے گا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہماری نیت صاف ہے۔ تم پورے خلوص سے اللہ کا نام لے کر یہ کام کر ڈالو۔ میں نتیجے کا منتظر رہوں گا۔"

"سلطان شاہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" ویرا نے اپنی پہلی بات مکمل کرنے کے بعد جلدی سے پوچھا۔

"وہ کراچی میں را کے مخبر کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے غائب ہو گیا تھا۔ میرے آدمی اگلے دن اسے تلاش کر کے مشکل سے واپس لائے تھے۔ اب اسے اپنی

حماقت کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ اسٹیشن فوریر رہ رہا ہے۔"
اول خان نے ایک سانس میں پوری تفصیل بتا ڈالی۔

"اس چوزے کو میری طرف سے دعا کہہ دینا۔" ویرا نے فون بند کردیا۔

اس کے پاس جلال کا کوئی پتا یا ٹھکانا نہیں تھا۔ اول خان نے اسے دہلی فون کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر بھی وہ اپنی کوشش کے انتہائی منفی مضمرات پر غور کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور گھنٹی بجا کر اپنے لیے کافی طلب کرلی۔

سگریٹ ختم ہونے تک ویرا مجھے فون کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر دہلی میں میرے ہوٹل کا نمبر ملایا۔

سلسلہ ملنے پر ہوٹل کی آپریٹر لائن پر آگئی۔ مخصوص گھنٹی نے اسے ہوشیار کردیا کہ وہ بیرون ملک سے کال تھی۔

"میں فرانس سے میری بول رہی ہوں۔ مظہر خان سے بات کرا دو!" ویرا نے شستہ انگریزی میں کہا۔ آپریٹر نے اسے ہولڈ پر منتقل کیا۔ ویرا کے کان میں مترنم موسیقی گونجنے لگی۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میری آواز سننے کی منتظر تھی۔

○☆○

اچانک فرانس سے میری نامی کسی خاتون کے فون کے بارے میں اطلاع ملتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سمجھ میں نہیں آسکا کہ یکایک فرانس میں میری کون سی خیر خواہ پیدا ہوگئی تھی۔ صبح کے چار بجے نریش کے فون نے میری طبیعت مکدر کی تھی اور اس وقت وہ خاتون لائن پر موجود تھی۔

میں نے بادل ناخواستہ آپریٹر سے لائن ملانے کے لیے کہہ دیا۔ کال ملنے پر جوں ہی میں نے انگریزی لب و لہجے میں ویرا کی آواز سنی، میں مزید بوکھلا گیا۔ میں نے سرعت سے سی ایس ڈی آن کی اور ماؤتھ پیس میں غرایا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے مجھے؟"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ موسم بہت خراب ہے۔ جلد از جلد واپسی کی فکر کرو۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہتی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" میں نے بدستور انگریزی میں کہا "میں اپنے برے بھلے کو خود بہتر..."

میں نے اس کی قطع کلامی کی تھی اور میرے الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز کے ساتھ لائن اچانک بے جان ہوگئی تھی۔

ابتدائی طور پر میں سناٹے میں آگیا۔ ویرا نے مجھے فون کرکے فاش غلطی کی تھی۔ نریش نے کھل کر مجھ پر اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا۔ یقینی طور پر اس کے کسی آدمی کی طرف سے میری گفتگو سننے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

"کون تھا... کس کا فون تھا؟" بزر کی آواز پر غزالہ نے چونک کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ سی ایس ڈی کی کارکردگی اور اس کے بزر کے بولنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

"این نے ہوشیار بننے کی کوشش کی تھی۔ اب دیکھو کون سی نئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور پھرتی سے سی ایس ڈی کو فون لائن سے الگ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے نریش کا کوئی آدمی اچانک کمرے کے دروازے پر آجائے گا۔

میں نے سی ایس ڈی کو محض اس خیال سے لائن سے منسلک چھوڑ دیا تھا کہ گوپال، سنیل یا ولی رام میں سے کوئی مطلع صاف پاکر فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرے تو مجھے اس سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ جب تک آرک کی عفریت نما گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر گشت کررہی تھیں، ان میں سے کوئی اپریٹس استعمال کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ویرا پاکستان سے مجھے فون کرڈالے گی۔

"وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میری زبان سے ویرا کا مفروضہ نام سن کر غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔

"تشویش زدہ لہجے میں مجھے جلد واپسی کا مشورہ دے رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا "سمجھتی ہے کہ میں نادان ہوں جو یہاں رکا ہوا ہوں۔"

"یہ بہت برا ہوا۔ آپریٹر ضرور چونکی ہوگی کہ آپ کے لیے پاکستان سے فون کیوں آیا ہے۔" غزالہ مضطرب ہوگئی۔

"یہ غنیمت ہوا کہ اس نے پاکستان کے بجائے فرانس کا نام لیا۔ اپنا نام بھی این کی جگہ میری بتایا۔ پھر بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نریش نے رات کو جھلا کر دوبارہ ہماری نگرانی شروع کرا دی ہے۔" میں نے سی ایس ڈی سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں ڈال دی۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ آپریٹر کی حرکت ہو۔ اسے معلوم ہے کہ منہ اندھیرے را کے ایک اعلیٰ افسر نے آپ کو فون کیا تھا..."

"رات والی آپریٹر جاچکی ہے۔ اس وقت کوئی اور لڑکی ڈیوٹی پر ہے۔" میں نے غزالہ کی بات درمیان سے اڑا دی۔ "اس طبقے میں سرگوشیوں کا مرض عام ہے۔ جانے والی

نے رات کا قصہ سب کو سنا دیا ہوگا۔ آٹھ گھنٹے تک جم کر ڈیوٹی دینے والیوں کے لیے دوسروں کی سن گن لینا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ ایک پاکستانی مرد اور سفید فام عورت کی گفتگو آپریٹر کے لیے پرکشش ہوسکتی ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غزالہ کی بات میں وزن ضرور تھا مگر ویرا کے فون نے مجھے فکر مند کردیا تھا۔

اپنی تشویش اور فکر مندی پر غالب آنے کے لیے میں نے تازہ اخبار اٹھالیا۔ اس روز ذہنی پراگندگی کی وجہ سے میں اخبار پر نظر بھی نہیں ڈال سکا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر دو روز پہلے رونما ہونے والے واقعات کی نمایاں بازگشت موجود تھی۔ دہلی میں ہر طرف تلاطم کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔ بھارتی حکام کی طرف سے پاکستانی دہشت گردوں پر الزام تراشی کے نتیجے میں شہری حلقوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تھا۔ ایک مخالف سیاسی رہنما نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ دہلی کے حکمراں شہر کو پاکستانی دہشت گردوں کے حوالے کرکے خود عیش کررہے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے مسلح نگہبان مامور تھے اور دل بہلانے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں تربیت پانے والی لڑکیوں کی کھیپ موجود تھی۔ وہ انتہائی شرمناک صورت حال تھی جس سے اصل حکمراں غافل تھے۔

ایک اور نمایاں خبر چونکا دینے والی تھی۔ آرک کی گاڑیوں کے گشت کے نتیجے میں دہلی کے مختلف علاقوں سے تین مشتبہ افراد پکڑے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جو جامع مسجد سے ملحقہ آبادی میں اپنے وائرلیس ٹرانسمٹر پر کسی سے گفتگو کررہا تھا۔ آرک والوں نے دوران گفتگو ہی اسے دھرلیا تھا۔ بقیہ دو افراد اس کی نشان دہی پر پکڑے گئے تھے اور وہ دونوں مقامی تھے۔

اصل ملزم بھی مقامی ہونے کا دعوے دار تھا لیکن حکام کو اس کے بیان پر شبہ تھا۔ اس کی اصل شہریت کے بارے میں کڑی چھان بین شروع کردی گئی تھی۔

اس وقت صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ دہلی میں بڑے پیمانے پر کارروائیوں کو آغاز ہوچکا تھا لیکن ہر افسر اور ایجنسی کو مجرموں کے اس بے نام و نشان گروہ کی تلاش تھی جو شہر میں خوف و ہراس پھیلا رہا تھا۔ دو دن گزر جانے کے باوجود کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کسی بڑے گروہ کا کام نہیں تھا۔ وہ غلط سمت میں کام کررہے تھے اس وجہ سے میری اور آئی بی کے آدمیوں کی جان بچی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نریش شرما کی ست شاہی کا نتیجہ تھا۔ اس نے کسی دلیل اور ثبوت کے بجائے مجھ کو محض اس وجہ سے رگڑنا

ضروری سمجھا تھا کہ میں آتش زنی سے چند گھنٹے قبل اس کے دفتر میں موجود تھا۔

بیلا سنگھ والے قصے کا ان معاملات سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے را کا پکا مخبر بنانے کی کوششوں کا ایک حصہ تھا۔

مجھے یوں نظر آرہا تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، دہلی کے کچھ مقامی لوگ اس چکی میں ضرور پس جائیں گے۔ آرک والوں کے ہاتھ لگنے والے تین افراد بھی اسی قبیل کے معلوم ہوتے تھے۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے ان کا دور پار کا بھی تعلق نہیں تھا لیکن وہ حالات کے بھنور میں پھنس چکے تھے۔ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں والے اپنے بہیمانہ تشدد کے ذریعے ان سے من مانے جرائم کا اعتراف کرانے پر قادر تھے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ پکڑے جانے والے تین افراد میں سے ایک کے پاس سے ٹرانسمٹر... برآمد ہونے کی کہانی سنائی گئی تھی۔ اگر اس میں ذرا بھی صداقت تھی تو امکان یہی تھا کہ وہ پاکستان کی کسی خفیہ سروس کا آدمی ہوگا۔ جو آئی بی والوں سے رابطے میں نہ ہونے کی وجہ سے آرک کی گاڑیوں کی یلغار سے واقف نہ ہوسکا۔ شہر کے نازک حالات کے بارے میں اپنے لاسلکی آلے پر کسی سے بات کرتا رہا، کسی گشتی گاڑی کے حساس ترین آلات پر اس کی باتیں سنی گئیں اور پھر ریڈیائی اخراج کے سمت نما کی مدد سے اسے پکڑلیا گیا۔ وہ خطرات سے ذرا بھی زیادہ باخبر ہوتا تو طویل گفتگو کرنے کے بجائے ضروری اور مختصر ترین پیغامات کا تبادلہ کرکے، تیزی سے اپنی جگہ بدل لیتا۔ آرک والے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے باوجود اس کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

پکڑا جانے والا کون تھا۔ اس سوال کا جواب مجھے صرف آئی والے فراہم کرسکتے تھے جن سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔

گیارہ بجے ایک مرتبہ پھر نریش کا فون آگیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے خشک لہجے میں حکم دیا "تم دونوں تیاری کرلو۔ بارہ بجے رینا آرہی ہے۔ اس کے ساتھ تم دونوں کو ایک خاص مقام پر پہنچنا ہے۔"

"تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔" میں نے اس کے لہجے کی رکھائی محسوس کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا "چاہو تو مجھے زندگی سے بیزار کرسکتے ہو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ بیلا کے معاملے میں جو کچھ ہوا، اس میں بدنیتی کے بجائے غلط فہمی کا دخل تھا۔ مجھے معاف کردو!"

"وہ قصہ یاد دلا کر مجھے طیش نہ دلاؤ جو کہا جارہا ہے اس پر

ی کرو۔" اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے
ر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔

"اب شاید کوئی نیا چکر شروع ہونے والا ہے۔" غزالہ
نریش کے نادر شاہی حکم کے بارے میں سن کر کہا "نریش
ر دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اب تو اس نے اپنا کام
کو سونپا ہے۔ آپ کو کچھ بتا کر وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی
ی مارے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت ہم بے بس ہیں۔ ہمیں اس
ر حکم ماننا پڑے گا۔"

ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے اور پھر چند گھنٹوں بعد
آنے کے بارے میں نریش نے ہم دونوں سے یکے بعد
ے پوچھ گچھ کر کے ایک بڑی غلطی کی تھی۔ میرے اور
لہ کے بیان میں کہیں کوئی تضاد نہیں رہا تھا۔ مجھے شبہ
ہا تھا کہ نریش کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کسی نئی باز
ی کے لیے اس نے ہم دونوں کو ایک ساتھ طلب کیا تھا۔
ں سے بیک وقت لیکن الگ الگ لے جا کر سوالات کیے
تے اور جوابوں کا موازنہ کر کے نریش اپنا آخری فیصلہ
ر کر دیتا۔

میں اپنے ذہن پر زور دیتا رہا کہ ایسا کون سا نکتہ تھا۔
پر ہم دونوں تضاد بیانی کے جال میں پھنس سکتے تھے لیکن
ایسی کوئی بات یاد نہیں آسکی۔ غزالہ ہر راز میں میری
کی شریک تھی۔ صرف ایک بات اس کے علم میں نہیں
کہ را والوں نے میری اور رینا کی ویڈیو تیار کر لی تھی جسے
نے آئی بی والوں کے ساتھ مل کر خاموشی سے نذر آتش
یا تھا۔ وہ ایسی بات تھی جس کی بنا پر نریش میری گرفت
ں کر سکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں غزالہ سے بھی مشورہ کر لیا۔
چاہتا تھا کہ کوئی بات رہ گئی ہو تو اس پر ہم رینا کی آمد سے
ایک دوسرے کو بریف کر لیں تاکہ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو
ں غزالہ بھی کسی مبہم نکتے کی نشان دہی سے قاصر رہی۔

کچھ دیر بعد غزالہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی "میں دس
منٹ میں واپس آتی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو؟" میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"اپنے کمرے کی خیر خبر لے کر آتی ہوں۔" اس نے ہنس
کر کہا "کل شام سے میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم بلا وجہ اس کمرے کا کرایہ ادا
کر رہے ہیں۔ اب ہر بات کھل چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ
ایک ہی کمرے میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اب دوسرے
کمرے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسے واپس کر دینا

ایک نوجوان نے جذبات کی ترنگ میں آکر اپنی
دوست سے کہا "میں ابھی اور اسی وقت تمہارے
خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکتا ہوں۔"
"خبردار..... جو تم نے ایسا کیا.... میں تھپڑ کھینچ
ماروں گی" لڑکی بگڑ کر بولی۔

چاہیے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے چلنے دیں۔" غزالہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی
"اب رینا آپ کی انفارمر ہے۔ وہ آتی ہے تو میں اطمینان
سے اس کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ وہ کمرا چھوڑ دیا تو مجھے
اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار روز میں ہم
دونوں کمرے چھوڑنے کے قابل ہو سکیں۔"

"نریش نے صاف کہہ دیا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر
ہم دہلی سے نکلے تو کہیں بھی پکڑے جائیں گے۔"

"کیوں نہ ہم کسی پرواز سے لاہور یا کراچی نکل جائیں۔
ہمارے سفری کاغذات مکمل ہیں۔"

"یہ دوست ملکوں کے شہریوں کے لیے ممکن ہوتا ہے۔
ہمارے پاسپورٹوں پر اٹاری سے داخلے کی مہریں ہیں۔ اسی
راستے سے واپس جانا ہوگا۔ ہوائی سفر کے لیے خاص اجازت
لینے کی ضرورت ہوگی۔" غزالہ کو جواب دیتے ہوئے میرا
ذہن پاکستان واپسی کے تیسرے راستے کے بارے میں سوچنے
میں مصروف تھا۔

"پھر مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی "ہمیں اپنی
تقدیر پر شاکر رہنا ہوگا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ رینا کے ساتھ مجھے چند منٹ کے
تخلیئے کی ضرورت ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس سے کوئی
کارآمد بات اگلوا سکوں۔" میں نے آواز لگائی۔

"آپ فکر نہ کریں؟" اس نے مڑ کر جواب دیا "میں تیار
ہونے کے بہانے دوبارہ چلی جاؤں گی۔"

میں نے نریش شرما کی نئی ہدایات میں پوشیدہ خطرات
کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مجھے اچانک تین ضروری
اشیا یاد آگئیں۔ عابد عرف گوپال سے ملا ہوا ایرپیس، بیم گن
اور سی ایس ڈی۔ وہ تینوں چیزیں ہم کسی کمرے میں نہیں
چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد را والے دوبارہ کمروں
کی تلاشی لینے کا ارادہ کر لیتے تو ہم اپنی تحویل میں موجود ان
چیزوں کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواز پیش کرنے سے
قاصر رہتے۔

انل بسواس سے ملاقات کے وقت میری جامہ تلاشی

نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ بتا دیا گیا تھا کہ مجھے لانے والی کار میں اسلحے کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔ وہ آلہ بیم گن کو ضرور پکڑلیتا۔ اس سے واسطہ نہ پڑتا تو کسی منزل پر جامہ تلاشی کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی میں ایک مرتبہ پھر آئی بی والوں میں سے کسی کی مدد طلب کرتا اور وہ تینوں چیزیں ان کے حوالے کرکے مطمئن ہوجاتا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ رینا کسی وقت بھی آسکتی تھی۔ بیلا سنگھ والے قصے میں اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مخلص تھی لیکن میں غیر ضروری طور پر اسے اپنے کسی راز میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ فون سے سی ایس ڈی منسلک کرکے سرلا کے نمبر پر فون کرنا اور پھر اس آلے کو واپس نکالنا چند لمحوں کا کام نہیں تھا۔ دوسری طرف شہر میں منڈلاتی ہوئی آرک کی گاڑیوں کی موجودگی میں اپریٹس استعمال کرنا ناممکن تھا۔ میں مخمصے میں پڑگیا۔

میں اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اچانک ٹرانسمٹر پر کال سگنل آنے لگا اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔

وہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی طلب صادق کا کمال تھا کہ ٹوٹا ہوا رابطہ اچانک بحال ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور اپریٹس اٹھا کر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت جی ٹو یعنی عابد لائن پر تھا۔ جوں ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی، وہ کھل اٹھا۔

"تمہاری احتیاط رائگاں نہیں گئی۔ پچھلی رات گئے، آرک کی گاڑیاں واپس بلالی گئیں۔ میں نے آج اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اس کی بات پوری ہوجانے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"تم سے کافی قریب ہوں۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ تمہارے ہوٹل میں ان کا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے ساتھ کیا چکر چلایا جارہا ہے۔ باہر کوئی آدمی نہیں ہے لیکن ایک بڑا ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے" اس کی احتیاط کے مدنظر میں نے بھی را کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "ہوسکے تو جلد از جلد دوسرے کمرے پر آجاؤ۔"

"اس وقت یہ خطرہ مول نہ لیا جائے تو بہتر ہوگا" اس کی آواز سے ہچکچاہٹ مترشح تھی۔

"یہ ناگزیر ہے۔ بارہ بجے ایک روح نازل ہونے والی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں پرانی تھیلی تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

بات اشاروں کنایوں میں ہورہی تھی لیکن عابد میرا مفہوم پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا "میں دوسرے کمرے میں پہنچ رہا ہوں۔ تھیلی تیار رکھو۔"

میں نے اپریٹس آف کیا۔ دراز سے ایک موٹی تھیلی نکالی۔ بقیہ دونوں اشیا بھی قریب ہی موجود تھیں۔ میں نے انہیں یک جا کرکے غزالہ کے نمبر پر انٹرکام کیا۔ ادھر سے جواب ملتے ہی میں نے اسے اپنے کمرے میں واپس بلالیا۔

وہ آئی تو میں نے دروازے پر ہی وہ تھیلی اسے تھمادی "اس میں پرانا سامان ہے۔ گوپال تمہارے دروازے پر آرہا ہے، اسے دے دینا۔"

غزالہ تھیلی لے کر الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ ذہین تھی، میری بات فوراً سمجھ گئی۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ پتا نہیں عابد کہاں تھا کہ غزالہ دس منٹ بعد اپنا بوجھ ہلکا کرکے واپس آگئی۔

"آپ نے دور کی بات سوچی۔ مجھے ان چیزوں کا خیال بھی نہیں رہا تھا" اس نے آتے ہی کہا پھر حیرت سے پوچھا "گوپال چراغ کے جن کی طرح اچانک کہاں سے نکل آیا؟ اس سے تو آپ کا ہر رابطہ ختم ہوچکا تھا۔"

غزالہ اس کی آمد کی تفصیل سن کر خوش ہوگئی۔ اس کی دانست میں وہ ایک اچھا شگون تھا۔

ہم دونوں بیٹھے پوری شدومد سے حالات و واقعات پر باتیں کررہے تھے کہ غزالہ چونک کر بولی "کل رات آپ کی جیب میں ایک پھولا ہوا لفافہ موجود تھا۔ اس میں کچھ ایسے کاغذات تو نہیں ہیں جو آپ کے لیے دشواری کا باعث بن جائیں۔"

"تم نے خوب یاد دلایا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "عورتوں میں اپنے شوہروں کی جیبیں ٹٹولنے کی جو عادت پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی سودمند بھی ثابت ہوتی ہے۔ میں اپنی پہلی تنخواہ کے اس لفافے کو بالکل بھول گیا تھا۔"

"پہلی تنخواہ کا لفافہ!" وہ متعجب ہوکر بولی "میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔"

"نریش نے بیلا سنگھ کی آمد سے پہلے مجھے پچیس ہزار روپے کا وہ لفافہ دیا تھا۔ یہ را کی طرف سے میری پیشگی تنخواہ ہے۔ اس لفافے میں رقم سے زیادہ اہم وہ کاغذ ہے جس پر کراچی کا ایک فون نمبر اور دوسرا فیکس نمبر لکھا ہوا ہے..."

"وہ آپ کو رابطے کے لیے دیے گئے ہوں گے" غزا...

ئے ایک بار پھر اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔
"فیکس نمبر پر مجھے رپورٹیں بھیجنی ہیں۔ فون نمبر انتہائی ایمرجنسی کے لیے ہے۔ جلال کے لیے دونوں نمبر دلچسپ ثابت ہوں گے۔"
"ہم دلی میں ہیں مگر ہنوز دلی دور است والی مثال کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ لوٹیں گے تو جلال یا کسی اور سے ملاقات ہوگی۔"
"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری واپسی کا مرحلہ قریب آنے والا ہے۔"
"کیا آپ نے اس کام سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کے لیے پرسوں دہلی میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا؟"
اس نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ کام میرے سر پر سوار ہے۔ کام کیسے ہوگا؟ یہ مجھے معلوم نہیں مگر میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہم آخری کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"
"واقعات اچانک اور تیزی سے رونما ہورہے ہیں۔ ... رینا اور ناگر کے ذریعے آپ کی طلبی ہوئی تھی تو میں اپنی گھڑی کی خیر مانگ رہی تھی۔ اس وقت یہ سوچنا ممکن نہیں تھا کہ اس طلبی کے نتیجے میں آپ کو وہ زبردست کامیابیاں حاصل ہوں گی مگر اس رات یکایک نقشہ پلٹ گیا۔"
"وہ کمال کی رات تھی۔ کاش! ایک بار پھر ویسی ہی خوش نصیبی ساتھ دے جائے۔ ہر قصہ نمٹ جائے گا۔"
غزالہ نے رینا کے استقبال کے لیے میرے کمرے میں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے بتادیا کہ وہ رینا کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے سامنا ہونے پر زبان سے غیر ارادی طور پر کوئی تلخ بات نکل گئی تو فضا ابتدا سے ہی کشیدہ ہوجائے گی۔
مجھے رینا سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ میں نے غزالہ کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔
"مجھے رہ رہ کر این کا خیال آرہا تھا۔ پتا نہیں اس بے چاری نے کیا سوچ کر آپ کو فون کیا ہوگا" غزالہ نے پھر مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلادی۔
"میں خود حیران ہوں۔ میں اس سے مختصر سی گفتگو ضرور کرتا مگر سی ایس ڈی نے لائن بند کردی۔ پتا نہیں کس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی تھی" میرے ذہن میں ایک نئی خلش تازہ ہوگئی۔ "این سوچ رہی ہوگی کہ میں نے غصے میں فون کردیا۔"
"وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے۔ آپ اپنی بات پوری کرکے فون بند کرتے۔ لائن اچانک ڈراپ ہوئی تھی۔ آپ کا فقرہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کسی نے درمیان میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے" غزالہ نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے وضاحت سے جواب دیا۔
"اگر وہ آپریٹر کی شرارت تھی تو ناقابلِ معافی ہے مگر میں کچھ کر نہیں سکتا۔"
"وہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو نریش ضرور اس ادھوری کال کا ذکر کرتا" غزالہ بولی "اس نے این کے بعد آپ سے بات کی تھی۔"
میرے ذہن میں ایک نئے خدشے نے سر ابھارا "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری طلبی اسی ادھوری گفتگو کے بارے میں ہو۔ اس نے علیحدگی میں تم سے اس بارے میں پوچھا تو تم اسے کیا بتاؤگی؟ میری کون ہے اور اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"
اس کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی اور وہ بوکھلا کر بولی "م..... مجھے کیا پتا۔ جو کچھ آپ بتائیں گے' وہ کہہ دوں گی۔"
"بات سے بات نکل آئی ہے تو اپنا ذہن صاف کرلو" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ خالی الذہنی ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ حیرت ہے کہ میں خود بھی این کی فون کال کو فراموش کربیٹھا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ نہ کچھ طے ہوجانا چاہیے تھا۔"
"ہوسکتا ہے کہ نریش اس بارے میں کوئی ذکر نہ کرے۔ اس نے ہمیں کسی اور مقصد سے بلایا ہو۔"
"سب کچھ ہوسکتا ہے مگر ہمارا ہوم ورک مکمل ہونا چاہیے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میرے اور این کے درمیان ہونے والی بات کسی نے نہیں سنی۔ مداخلت ہوتے ہی لائن کٹ گئی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ کوئی فون آیا تھا مگر تم تفصیل سے بے خبر ہو۔ میں نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا بلکہ ٹال دیا۔"
"مگر آپ یہ جواب نہیں دے سکتے۔ آپریٹر نے آپ کو میری کے بارے میں بتایا تھا۔"
"میری کہانی یقیناً مختلف ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں کبھی ملی ہو مگر میں اسے بھول چکا ہوں۔"
"اسے کیسے پتا چلا کہ آپ دہلی کے اس ہوٹل میں مقیم

ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے نگاہیں چار کر کے جرح کی۔
"ویری گڈ!" میں اس کے سوال پر خوش ہوگیا "باہمی بریفنگ اور تبادلہ خیال کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ لاجواب کردینے والا سوال ہے۔"
"مگر آپ کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی معقول جواب ضرور ہونا چاہیے۔"
"اس بارے میں وہ نامعلوم میری ہی کچھ بتا سکے گی" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے میرے بارے میں پاکستان سے کوئی سراغ ملا ہو مگر پھر بھی یہ بات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسے دہلی جیسے بڑے شہر میں میرے ہوٹل کا علم کیسے ہوا۔ این نے مجھے واقعی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"
"پھر یہی موقف بہتر ہے کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ کو شبہ ہے کہ وہ کال فرانس کے بجائے دہلی سے کی گئی تھی۔ وہ کوئی ماڈرن کال گرل بھی ہوسکتی ہے۔ جو آپ سے فون پر وقت لینا چاہ رہی تھی۔ اس کا مدعا جانتے ہی آپ نے اسے ڈانٹ کر فون بند کردیا۔"
"ایک بار پھر ویری گڈ!" میں نے اٹھ کر بے اختیار غزالہ کی پیشانی چوم لی "یہ سب سے بہتر جواب ہوگا۔ ہوٹل کی آپریٹر اگر غیر ملکی کال پر اصرار کرتی ہے تو کرتی رہے۔"
"اب مجھے ایک اور بات یاد آرہی ہے۔ اگر شروع سے مداخلت ہو رہی ہوتی تو سی ایس ڈی آن کرتے ہی لائن بند ہوجاتی۔ آپ کے اور میری کے درمیان ایک دو فقروں کے تبادلے کی نوبت بھی نہ آتی۔ جو کچھ ہوا، ذرا سی تاخیر سے ہوا۔ یہ آپریٹر ہی کی شرارت ہوسکتی ہے۔ اس میں را کا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ وہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو ابتدا سے ایک ایک لفظ سننے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کرتے، بیچ میں مخل نہ ہوتے۔"
"اس وقت تمہارا دماغ تیزی سے کام کررہا ہے" میں نے اعتراف کیا "یہ بہت باریک نکتہ ہے اور شاید سب سے مضبوط بھی۔ اتنی دماغ سوزی کے بعد ہمیں یہ فرض کرلینا چاہیے کہ نریش اس فون کال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔"
"یہ میرا نہیں، آپ کا کمال ہے۔ یہاں ہر وقت آپ کے ساتھ رہ کر میں بھی بال کی کھال اتارنے کی عادی ہوتی جارہی ہوں۔ میں نے یہ ذکر اپنی تشویش سے شروع کیا تھا۔ پتا نہیں وہاں کیا حال ہے۔ ہمیں سلطان شاہ کے بارے میں بھی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔"
"این اپنی ساری خامیوں کے باوجود فرض شناس ہے۔ اس نے واپس پہنچتے ہی کراچی والوں کی خبر گیری کی ہوگی۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ مجھ سے واپسی کے لیے اصرار نہ کرتی۔ اس وقت ساری توجہ اپنی کھال بچانے پر مرکوز رکھو۔ ہم یہاں ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اعصاب کی بھیانک جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہیں بھی چوک گئے تو مارے جائیں گے اور کوئی ہمیں بچانے کے لیے آگے نہیں آئے گا۔"
وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اٹھ گئی "کبھی کبھی آپ کی باتیں مجھے لرزہ براندام کردیتی ہیں۔"
"یہ یہاں کے ٹھوس زمینی حقائق ہیں۔ ہم موت کے جبڑوں میں رہ رہے ہیں۔ بھٹکنے پر نکیلے دانتوں تلے کچلے جائیں گے۔"
"میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "وہ کسی بھی لمحے یہاں ہوگی۔"
اس وقت بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔
رینا اجیت رائے نے اس روز وقت کی پابندی کا ریکارڈ قائم کردیا۔ ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولنے پر اسے اپنے سامنے موجود پایا۔
دروازے پر رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ اندر آتے ہی اس کی متلاشی نظریں کمرے میں چکرانے لگیں "غزالہ کہاں ہے۔ کیا ابھی تم دونوں تیار نہیں ہو؟" اس نے اپنے ہندی لب ولہجے میں ہلکی سی حیرت سے پوچھا "میں صحیح وقت پر آئی ہوں۔"
"وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی ہے۔ چند منٹ بعد ہم یہاں سے چل دیں گے۔ ہمیں جانا کہاں ہے؟" میں نے کہا۔
وہ کسی تعرض کے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی "اس نے اپنا پرس گود میں رکھا اور دھیرے سے بولی "آج تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلاوا ہے۔"
"تم کچھ سنجیدہ بلکہ فکرمند نظر آرہی ہو، خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔
"بیلا سنگھ کی ناکامی نے ہر ایک کو مشتعل کیا ہوا ہے۔ ایسے میں تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلایا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔"
"کیا وہاں کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آسکتی ہے؟" میں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔
"کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بار میں خود اندھیرے میں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے حکم ملا اور میں یہاں آگئی۔"

"وہاں ہمیں کس سے ملنا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرتی ہوئی گہری تشویش پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"دفتر میں آگ لگنے کے بعد آج کل نریش بابو کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔ پہلے تم اس کے پاس جاؤ گے' بعد کا مجھے پتا نہیں۔"

"تمہارا انکل بھی وہیں بیٹھتا ہوگا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"دہلی میں ان کے کئی دفتر ہیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کب کہاں بیٹھیں گے۔ ہمارے ہیڈ آفس میں بھی ان کا دفتر ہے۔"

"اگر سفر لمبا نہ ہو تو ہم کچھ وقت یہیں گزار لیں" میں نے تجویز پیش کی "ہمیں نریش سے کس وقت ملنا ہے؟"

"سفر لمبا ہے۔ کناٹ سرکل سے ہم کستوربا گاندھی روڈ پر نکلیں گے پھر ذاکر حسین روڈ سے ہوتے ہوئے لودھی روڈ پر مڑیں گے۔ وہیں ہمارا ہیڈ آفس ہے۔ راستے میں ہمیں انڈیا گیٹ سے بھی گزرنا ہوگا۔ یہ سب راستے بھیڑ بھاڑ والے ہیں۔ دیر سویر ہو سکتی ہے پھر بھی تم چند منٹ لے لو۔"

"آج تم کچھ سوگوار ہو۔ مجھے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہی ہو جیسے میرا انجام برا ہونے والا ہو" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جو کچھ بھی ہے' مجھے کھل کر بتا دو۔ میں حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر سکوں گا۔"

"آثار اچھے نہیں ہیں" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر میں پھر کہہ رہی ہوں کہ ابھی تک میں خود تمہارے بلاوے کے سبب سے بے خبر ہوں۔ میری بھگوان سے دعا ہے کہ تم پر کوئی برا وقت نہ آئے کیونکہ تم سے ہمدردی کر کے میں گمبھیر خطرہ مول لے بیٹھی ہوں۔ تم کو چار چوٹ کی مار پڑی تو تم کھایا پیا تک اگل دو گے۔ اس میں میرا نام بھی آئے گا" اس نے خوف زدہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں اور خاموش ہو گئی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر میرے وجود میں خوف کے بجائے مزاحمت کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔ رینا نے آنکھیں کھولیں اور اپنی بات جاری رکھی "تمہارا جو ہونا ہے سو ہو کر رہے گا مگر میں بنا موت ماری جاؤں گی۔ ہم لوگوں میں غداری کی سزا بہت کٹھن ہوتی ہے۔ میری اور تمہاری فلم مل گئی۔ بیلا اپنے جوبن اور سولہ سنگھار کے ساتھ بھی تم کو نہ جھکا سکی۔ اب نریش بابو جھلایا ہوا ہے کہ تم کو کیسے قابو کرے۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اب تم سے اپنی ہار کا بدلہ لے گا۔"

وہ جو کچھ چاہتا تھا' چابک کے زور پر حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے میری رضامندی ضروری تھی۔ رینا کی باتیں سنتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ دروغ مصلحت آمیز کی طرح ضرورت پڑنے پر چاہے کچھ بھی کر لوں لیکن نریش کے گھناؤنے مقاصد پورے نہیں ہونے دوں گا۔ وہ بلیک میلنگ کے ایک رکیک اور گھٹیا حربے کو بلاوجہ انا کی جنگ میں تبدیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ تو ناکامی ہی اس کا مقدر ہونے والی تھی۔ اس لڑائی میں مجھے خاک ہونا منظور تھا' سپر ڈالنا گوارا نہیں تھا۔

چند منٹ بعد رینا نے بے چینی سے غزالہ کے بارے میں پوچھا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی لمحے ایک اندیشے سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

رینا کو یقینی طور پر کچھ علم نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ اس کا قیاس تھا۔ اگر اس قیاس میں ذرا بھی حقیقت تھی تو غزالہ کی وجہ سے میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ درندے مجھے زیر کرنے کے لیے غزالہ کو ڈھال کے طور پر استعمال کر سکتے تھے۔ میں اس بارے میں آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ غزالہ کو اسی وقت فرار کی راہ پر لگا دوں اور خود رینا کے ساتھ چل دوں مگر میں نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر اپنی جاں سوزی سے جو بساط سجائی تھی' اسے ایک جذباتی فیصلے سے تباہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حقیقت صرف نریش یا اٹل بسواس کے علم میں تھی۔ رینا کے اندازے زیادہ قابل اعتبار نہیں تھے۔ اس کے اندازے پر مشتعل ہو کر ہوش کے بجائے جوش میں آ جانا میرے لیے تباہ کن ہو سکتا تھا۔

میری ایک دستک پر غزالہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ دونوں عورتوں نے سرد مہری سے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر اتر کر ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلنے کے بعد مجھے راوالوں کے بگڑے ہوئے موڈ کا اگلا ثبوت مل گیا۔

پچھلی بار اٹل بسواس نے مجھے اپنے دفتر بلوانے کے لیے رینا کو ایک شاندار کار دے کر ہوٹل بھیجا تھا لیکن اس دفعہ رینا کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ وہ ہوٹل آ کر خالی ہونے والی کسی ٹیکسی کے انتظار میں برآمدے کے کنارے پر رک گئی۔ رینا کو خود بھی ان تبدیلیوں کا احساس تھا۔ وہ نہ صرف خاموش تھی بلکہ مجھ سے نظریں چار کرنے سے بھی دانستہ گریز کر رہی تھی۔

ایک ٹیکسی اپنے اکلوتے سفید فام مسافر کو اتار کر جوں ہی خالی ہوئی، رینا ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ رینا نے ڈرائیور کو لودھی روڈ چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور نے میٹر گرا کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"میں تم دونوں کو ایک بات بتا دوں کہ آج کی ملاقات بہت اہم ہے" ٹیکسی کناٹ سرکل گھوم کر سیدھی سڑک پر آئی تو رینا نے پیچھے مڑ کر ناصحانہ لہجے میں کہا "کوئی کڑوی کسیلی بات ہو جائے تو خاموشی سے پی جانا اور۔۔۔ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آج ہم برف کے بن جائیں گے" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "مگر یہ تو بتا دو کہ ہمیں کہاں لے جا رہی ہو۔"

"را کے ہیڈ کوارٹرز میں نرلیش سے ملنا ہے" میں نے غزالہ کے کان میں سرگوشی کی "آج رینا کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے۔"

ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں محتاط تھے۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ میں کھڑکی سے باہر اس بارونق سڑک کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ جس پر کہیں کہیں انگریزی اور ہندی زبانوں میں کستوربا گاندھی مارگ لکھا ہوا تھا۔

سڑک سیدھی اور پرہجوم تھی مگر ٹریفک کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کافی دور چل کر ٹیکسی نے ایک چوراہا عبور کیا۔ اس سے آگے انڈیا گیٹ کے آثار نمایاں تھے جو بتدریج واضح ہوتے چلے گئے۔ آخر ٹیکسی انڈیا گیٹ کے قلب میں رینگنے لگی۔ اس بھیڑ بھاڑ سے نکلتے ہی ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ کا آغاز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم دہلی گالف کورس کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ رینا کی مہربانی تھی کہ وہ ہمیں راستے میں آنے والی اہم عمارتوں اور یادگاروں وغیرہ کے بارے میں بتاتی چلی آ رہی تھی۔

گالف کورس ختم ہوتے ہی ٹیکسی چوراہا گھوم کر داہنی طرف مڑ گئی۔ وہ لودھی روڈ تھا۔

"بس اس اونچی بلڈنگ کے آس پاس گاڑی روک لینا" رینا نے آگے نظر آنے والی کنکریٹ اور شیشے کی ایک کثیر المنزلہ عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

ڈرائیور کم گو تھا۔ سر ہلا کر رہ گیا اور پھر اس نے اس پرشکوہ عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی جس پر ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ کے ابھرے ہوئے جلی حروف آویزاں تھے۔ وہ بھارت میں چلنے والے ایک متوازی نظام حکومت کا اعصابی مرکز تھا۔

رینا نے میٹر کے مطابق کرایہ ادا کر کے ڈرائیور کو فارغ کر دیا۔

"یہ تیرہ منزلہ عمارت اور اس کے تہ خانے، سب را کے استعمال میں ہیں" رینا نے پختہ فٹ پاتھ پر پیش قدمی کرتے ہوئے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔

"انل اور نرلیش کس منزل پر ہوتے ہیں؟" میں نے رواروی میں پوچھ لیا۔

"ساتویں منزل پر!" رینا نے گردن گھما کر مجھے گھورتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔ یہاں انکل کا نام ادب سے لو۔ ہمارے کسی آدمی نے ایسا ادھورا نام سن لیا تو وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔"

انل بسوا اس کا نام ادب سے لینے سے بہتر تھا کہ زبان بند کر لی جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

عمارت کے برآمدے میں دو باوردی اور توانا گن مین موجود تھے۔ شیشے کی دیوار پر سرخ حروف میں نمایاں ہدایت درج تھی کہ عمارت میں داخلے سے پہلے شناخت ناگزیر تھی۔ را کے ہیڈ کوارٹرز کا طول و عرض اور بلندی دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہاں سیکڑوں افراد کام کرتے ہوں گے مگر سخت ترین حفاظتی انتظام کی وجہ سے وہاں لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

رینا نے ازخود ایک گن مین کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور اسے ہم دونوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے مزید دو گن مین موجود تھے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی انہوں نے ہمارے کپڑوں وغیرہ پر دستی آلہ پھیر کر ہماری جامہ تلاشی لی اور یہ اطمینان کر لیا کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ اس کلیرنس کے بعد ہمیں ایک کاؤنٹر کی طرف جانا پڑا جہاں پختہ عمر کی ایک بنی سنوری خاتون کاؤنٹر پر کمپیوٹر اور دوسرے آلات سجائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رینا کا کارڈ لے کر ایک مشین میں ڈالا۔ کارڈ برآمد ہونے کے بعد اس نے کمپیوٹر پر اس کے کوائف کا اندراج شروع کر دیا۔

وہاں رینا کو صرف دو باتیں بتانا پڑیں۔ اول یہ کہ وہ ساتویں منزل پر نرلیش شرما کے پاس جا رہی تھی۔ دوئم یہ کہ ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔

را کی عمارت پر باہر سے انگریزی میں لکھی ہوئی تحریریں
نمایاں نظر آرہی تھیں۔ لیکن عمارت میں گھستے ہی میں نے
دیکھا کہ دفاتر وغیرہ کی نشان دہی کرنے والی ساری تختیاں
صرف ہندی میں لکھی ہوئی تھیں۔ دفاتر کے اس جنگل میں
ہندی سے لاعلمی کے سبب کوئی اجنبی آسانی سے کسی کو تلاش
نہیں کر سکتا تھا۔

تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قریب واقع را کا پاکستانی ونگ
حفاظتی معاملات میں جس قدر یتیم تھا، اس کا صدر دفتر اس
سے کہیں زیادہ قابلِ رشک حفاظتی حصار میں گھرا ہوا تھا۔
اس عمارت کے بارے میں کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جا سکتا
تھا کہ مسلح نگہبانوں کی اجازت کے بغیر وہاں پرندہ بھی پر نہیں
مار سکتا تھا۔ اس عمارت کے اس حصے میں کوئی خفیہ کارروائی
کرنے کا تصور محال تھا۔

اوپر جانے والے کشادہ زینوں کے ساتھ ہی دو لفٹیں
لگی ہوئی تھیں۔ رینا ہمیں لے کر ایک خود کار لفٹ میں
ساتویں منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ تلاشی اور پھر شناخت
کے آخری مرحلے کے بعد کاؤنٹر والی خاتون نے مجھے اور غزالہ
کو کلپ والے دو کارڈ دیے تھے جو ہم نے اپنے سینوں پر
آویزاں کر لیے تھے۔ وہ کارڈ بھی ہندی میں تھے۔ دہلی میں
ہندی کے ساتھ نظر آنے والی دوسری بڑی زبان صرف
انگریزی تھی۔ اردو کو اس سرزمین سے شاید دیس نکالا مل چکا
تھا۔

وہ عمارت رینا کے لیے بھی زیادہ مانوس نہیں تھی۔
ساتویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی ہمیں اس کمرے میں ایک
چاق وچوبند گن مین کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کمرے سے مختلف
سمتوں میں تین لمبی راہ داریاں نظر آرہی تھیں۔ رینا نے
رک کر ہندی میں لکھے ہوئے بورڈ کا جائزہ لیا اور پھر وسطی راہ
داری میں داخل ہونے لگی تو گن مین نے تینوں کو روک لیا۔
اس نے ایک مرتبہ پھر رینا اور غزالہ کے دستی بیگ کھول کر
تلاشی لی اور یوں ہم راہ داری میں داخل ہوگئے۔

یہ بہت غنیمت ہوا تھا کہ مشکل لمحات میں عابد نے خود
ہی مجھ سے رابطہ کر لیا تھا اور میں نے اپنی تینوں اہم اشیا اس
کے حوالے کر دی تھیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہمیں وہ چیزیں
اپنے ساتھ لانا پڑ جاتیں تو کڑی تلاشی کے دوران میں وہ پکڑی
جاتیں۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری اور نریش کی ملاقات
کھٹائی میں پڑ جاتی اور بیم گن کی وجہ سے ہمارے خلاف ایک
اور سرگرم محاذ کھل جاتا۔

رینا کمروں میں لگی ہوئی تختیاں دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی
رہی پھر ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہم دور رک گئے۔ رینا
نے میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے نیچی آواز میں
کچھ بات کی اور اس کی ہدایت کی روشنی میں ہمیں اپنے
ساتھ لے کر ایک الگ انتظار گاہ میں چلی گئی۔

وہ عمارت زیادہ پرانی نہیں تھی مگر کمروں کی صفائی وغیرہ
دیکھ کر یہ ماننا پڑتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال کا نظام بہت موثر
تھا۔

ہم تینوں نریش سے ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھ
گئے۔ میرے لیے پاکستانی ونگ کے بعد وہ را کا دوسرا دفتر تھا۔
دونوں عمارتوں کی ساخت اور انتظام میں زمین اور آسمان کا
ایسا نمایاں فرق تھا کہ میں مرعوب ہوگیا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ
وہاں درودیوار کے بھی کان ہوں گے۔ ہماری ہر آواز عمارت
کے کسی نگہبان کے کمرے میں سنی جارہی ہوگی اور شاید
پوشیدہ کیمروں کے ذریعے ہماری حرکات وسکنات کا بھی
مشاہدہ کیا جارہا ہوگا۔

وقت گزرتا رہا۔ جب ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے کافی دیر
ہوگئی تو میں سکوت توڑنے پر مجبور ہوگیا "ہمیں کب تک
انتظار کرنا ہوگا؟"

"میں نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی ہے۔ تمہاری وجہ
سے میں بھی بندھ گئی ہوں۔ تمہیں بلایا جائے تو میں بھی کچھ
لوگوں سے دعا سلام کرلوں" وہ بولی۔

"تم اکثر یہاں آتی رہتی ہوگی؟" غزالہ نے کہا "یہ
عمارت واقعی بہت شاندار ہے۔"

رینا نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا
"بلا ضرورت کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ نیچے والوں کے پاس
میری آمد کی پیشگی اطلاع نہ ہوتی تو میں اپنے شناختی کارڈ کے
باوجود اوپر نہیں آسکتی تھی۔ میں دوسری مرتبہ یہاں آئی
ہوں۔"

"جو کچھ تم بتا رہی ہو وہ خفیہ معلومات کے زمرے میں
آتا ہے" میری متحیر آواز نیچی تھی۔

"میں اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتی۔ یہ
باتیں ہر آنے جانے والے کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔"

کمرے میں ایک بار پھر سکوت پھیل گیا۔ میں محتاط تھا کہ
کہیں کوئی ممنوعہ سوال میری زبان پر نہ آجائے۔

تقریباً چالیس منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد
ایک نوجوان ماتحت نے انتظار گاہ میں آکر ہم دونوں کو
ملاقات کا مژدہ دیا۔

"کیا میری ضرورت پیش آئے گی؟" رینا نے ہمارے

ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا۔
"تم سنی صاحب سے مل لو۔ ملاقات ختم ہوگی تو میں تمہیں بتادوں گا" نوجوان نے کہا اور دروازے سے نکل کر راہ داری میں ایک طرف چل پڑا۔
میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں نرلیش سے ملاقات کے لیے اسی کمرے میں لے جایا جائے گا جہاں رینا نے ایک شخص سے ابتدائی گفتگو کی تھی لیکن نوجوان اس کمرے سے آگے بڑھا چلا جارہا تھا۔ رینا ہمارے پیچھے انتظار گاہ سے نکل کر دوسری طرف چل دی تھی۔
ایک بند دروازے کے سامنے وہ رک گیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اس نے وہ پٹ اندر کھول دیا۔ اس کے سر کی جنبش پر میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ غزالہ میری تقلید کررہی تھی۔
اندر گھستے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ابتدا سے توقع کررہا تھا کہ میری ملاقات نرلیش سے ہوگی لیکن وہاں روشن میز کے پیچھے نیم تاریکی میں انل بسواس کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ اس کے سامنے نرلیش بیٹھا ہوا تھا۔ انل بسواس را کی اندھیری اور پراسرار دنیا کا ایک کلیدی مہرہ تھا۔ شاید اسی لیے اسے زیادہ روشنی پسند نہیں تھی۔ اس کی میز پر تیز روشنی والا ایک بلب اس طرح روشن تھا کہ میز کی سطح پر رکھی ہوئی ہر چیز نمایاں تھی لیکن وہ روشنی پوری طرح انل بسواس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔
"گڈ آفٹرنون!" میں نے لمحہ بھر کے لیے سلام اور نمستے پر غور کرنے کے بعد کہا۔
"آفٹرنون!" اس نے بزرگانہ لہجے میں جواب دیا "آؤ بیٹھ جاؤ۔"
ہم دونوں نے نرلیش کے مخالف سرے پر کرسیاں سنبھال لیں۔
"لڑکی! تم سلام دعا کے آداب سے شاید بالکل نابلد ہو" انل بسواس نے تیکھی اور پرشکوہ آواز میں غزالہ کو ٹوک دیا۔
"میں نے سلام کیا تھا۔ شاید آواز آپ تک نہ پہنچی ہو" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں سفید جھوٹ بولا۔ وہ نرلیش کے بجائے ایک مرعوب کن اور اجنبی شخص کو صدر کرسی پر براجمان پاکر کچھ پریشان ہوگئی تھی کیونکہ اس نے پہلی بار انل بسواس کو دیکھا تھا۔
انل بسواس اس وقت بھی ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ عینک کے شفاف شیشوں کے پیچھے اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں مسلسل متحرک تھیں۔ سر کے اڑے ہوئے بال اور سفید کنپٹیاں اس کے ذاتی وقار میں

"تم ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ آخر تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟"
"اسی لیے کہ میں ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہوں۔"

اضافہ کررہی تھیں۔ میں نے پہلی بار اندازہ لگالیا تھا کہ قدرت نے اسے فیاضی کے ساتھ ایسی ذاتی خوبیوں سے نوازا تھا کہ وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی اپنے مخاطب کو مسحور کرلیتا تھا۔ غزالہ یکایک اس سے سامنا ہونے پر پریشان تھی۔
"تمہیں یہاں کوئی بے آرامی تو نہیں ہوئی؟" کمرے کی فضا میں انل بسواس کی باوقار آواز گونجی۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کی عقابی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
وہ تعارف کرانے کا کوئی موقع تھا نہ اس کی نوبت آئی مگر نرلیش اور اجنبی کے طور طریقوں سے شاید غزالہ اندازہ لگاچکی تھی کہ وہ اچانک کس کے سامنے پہنچادی گئی تھی۔ اس نے دبی دبی آواز میں کہا "میں کئی بار ذہنی تکلیف سے گزری ہوں مگر شاید یہ سب ضروری تھا۔"
"ہاں، مجھے علم ہے" اپنے سوال کا غیر متوقع بلکہ مہذب اور منہ توڑ جواب پاکر بھی انل بسواس کا موڈ خراب نہیں ہوا تھا "اعتماد کے رشتے استوار کیے جاتے ہیں تو ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہاں کچھ ایسے واقعات ہورہے ہیں کہ کچھ بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا..... تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے مظہر کی کیا بات ہوئی ہے۔"
"نہیں!" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر بے ساختہ کہا "میں نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ سمجھ میں آیا ہے کہ کسی رشتے کے بغیر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا پڑجائے تو دونوں کو الگ الگ رہنا چاہیے۔ ساتھ رہنے سے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔"
غزالہ بہت جرأت مندی کے ساتھ انل بسواس کا سامنا کررہی تھی۔ اس نے اپنا وہی موقف برقرار رکھا تھا جو اس نے نرلیش کو بتایا تھا۔ میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اپنی باری کے لیے میں انل بسواس کی توجہ کا منتظر تھا۔
"اب شکوک و شبہات کی دھند صاف ہوچکی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تمہارا یہ تفریحی دورہ برباد ہوا ہے۔ کل رات کے بعد ہماری طرف سے تم دونوں کو آزادی ہوگی۔ جب چاہو دہلی چھوڑ سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جاؤ یا واپسی کا سفر اختیار

کرلو۔"

"میں آپ کی ممنون ہوں" غزالہ نے سرجھکا کر کہا "اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہ بہت بڑی رعایت ہے۔"

"تم برابر کے کمرے میں بیٹھو" اس نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غزالہ کو ہدایت کی "میں تمہارے دوست سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

غزالہ نے ایک انوکھی حرکت کی۔ اٹھ کر سرجھکایا اور سے آداب کہہ کر اندرونی بند دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ انل بسواس کے ہونٹوں پر توصیفی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے انل بسواس کو برہم نہیں کیا تھا۔ اس سے گفتگو ختم کرکے خوشگوار فضا میں رخصت ہورہی تھی۔

بغلی دروازہ دوبارہ بند ہوجانے کے بعد انل بسواس میری طرف متوجہ ہوگیا "اس لڑکی سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ یہ پاکستان سے تمہارے ساتھ یہاں چلی آئی مگر تم کو اس پر اتنا بھروسا نہیں ہے کہ اسے اپنے اور ہمارے تعلق کے بارے میں بتاسکو' کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"مرد کمزور ہو تو عورت حاوی رہتی ہے" میں نے فلسفہ بگھارا "یہ سعادت مند دوست ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ میں اسے خوش رکھتا ہوں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ کسی بحث میں نہیں پڑتی۔"

"وہ خوبصورت لڑکی ہے" نریش نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "تمہاری ہم خیال بن جائے تو ہم اس کے بارے میں بھی غور کرسکتے ہیں۔"

"اپنی یہ تجویز اپنے کسی اور ملاقاتی کے لیے محفوظ رکھو۔" میں نے شائستگی سے کہا "میں اسے ایسے کسی کام میں ملوث کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ بات غیر ضروری ہے" میرا ردِّعمل دیکھ کر انل بسواس نے شاطرانہ انداز میں نریش سے کہا "تمہیں مظہر کی سوچ کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں نے خاصی محنت کے بعد سے قائل کیا تھا کہ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا کام کسی سے غداری نہیں' انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔"

وہ ایک مذموم اور گھناؤنے کام کو نفیس الفاظ کے لبادے میں پیش کررہا تھا۔ میں نے اسے یہ یاد دلانے سے گریز کیا کہ اس عظیم انسانی خدمت پر آمادہ کرنے کے لیے اس نے مجھے اس ویڈیو فلم کی تشہیر کی دھمکی دی تھی جو رینا کے ساتھ میرے کمزور ترین لمحوں کی گواہ تھی۔

وہ دونوں را کے بڑے افسر تھے اور دونوں اوّل درجے کے خبیث تھے۔ وہ بھارتی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کو رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے روپ میں آبرو کی نیلام گاہ پر چڑھائے بیٹھے تھے اور غزالہ کو بھی اسی عینک سے دیکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ یہ بھول رہے تھے کہ ایک دن ان کی جواں سال لڑکیوں کے ساتھ کوئی طالع آزما افسر وہی کھیل' کھیل سکتا تھا۔

شاید میں نریش کو کوئی سخت جواب بھی دے بیٹھتا لیکن انل بسواس نے غزالہ کو اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنا کر میرا منہ بند کردیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری پیدا کی ہوئی کسی تلخی کے نتیجے میں معاملات پھر الجھ جائیں اور ہماری واپسی کا مرحلہ التوا کا شکار ہوجائے۔

"تمہیں پہلے مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی ہے" انل بسواس اس بار مجھ سے مخاطب تھا "تم کو تمہارا کام سمجھادیا گیا ہے۔ رابطے کے نمبر تمہارے پاس ہیں اور تم ہماری فیلڈ فورس کا ایک بازو بن چکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم پاکستان واپس لوٹنے کے بعد ہمارے اس اعتماد کو مجروح نہیں کروگے۔"

"مجھے معلوم ہے" میں نے سرجھکا کر معصومانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑی "میری اور رینا کی ویڈیو خوف کی ایک تلوار بن کر مجھے ہمیشہ تمہارا تابع رکھے گی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کمزور نہیں ہے۔ تم اہم باتوں کو یاد رکھتے ہو" انل بسواس نے سپاٹ لہجے میں کہا جیسے اس نے ویڈیو فلم کی راکھ کو یکجا کرکے مجھے بلیک میل کرنے کا مواد دوبارہ تیار کرلیا ہو۔

"سر! اگر اجازت ہو تو میں مظہر خان سے اپنے دل کی ایک بات کہہ ڈالوں؟" نریش نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور کہو۔ تمہیں میں نے اسی مقصد کے لیے اس وقت اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے" انل بسواس نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تم اتنے مضبوط مرد نہیں ہو جتنا بنتے ہو!" نریش نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "مجھے تمہاری مردانگی پر بھی شک ہے۔ جو شخص بیلا جیسے حسنِ بے پروا کو مناسب انداز میں خراج تحسین پیش نہ کرسکے اسے مرد نہیں کہا جاسکتا۔"

"میری اور رینا کی فلم دیکھ لو۔ تمہارا یہ شک دور ہوجائے گا" اس بار میں اپنے کاٹ دار جواب کو زبان پر نہ روک سکا۔

"یہ کس بیلا کا ذکر ہے؟" انل بسواس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"میری ایک دوست ہے۔ جوان، بے حد حسین اور پرکشش بدن۔ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں پی کر بہک گئی تھی۔ نرلیش کسی بزدل کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگ آیا۔"

"تم مجھے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ساری غلطی تمہاری تھی۔ میں نے اسے تمہارے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف کیا تھا۔"

"مجھ پر الزام نہ لگاؤ" انل بسواس کے سامنے ذمے داری سے بچنے کے لیے نرلیش نے تیزی سے کہا "میں نے اشاروں کنایوں میں تمہیں سب بتادیا تھا۔ میں تمہیں بیلا کے ساتھ وقت گزارنے کی ترکیبیں کاغذ پر لکھ کر نہیں دے سکتا تھا۔"

"جو وقت گزر گیا اس پر بحث کرکے اپنا وقت برباد مت کرو" انل بسواس نے ہاتھ اٹھا کر وہ بات وہیں ختم کردی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی پر شاید انل بسواس نے نرلیش سے بازپرس کی تھی۔ اس نے اپنے افسر کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے میری موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن میں نے کھل کر ذمے داری اسی پر ڈال دی تھی۔

"اب واپسی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انل بسواس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ابھی یہ مژدہ ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری دوست آگرہ جانے پر آمادہ ہوجائے۔ اگلے دو تین دنوں میں، میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"پاکستان میں تمہاری ضرورت ہے۔ تم کو شاید ڈینی کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"نرلیش نے اپنے پرانے دفتر میں مجھے ریکارڈ دکھا کر واقف کردیا تھا۔ میں سب سے پہلے اسی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ زندہ یا مردہ ... کسی بھی حالت میں مطلوب ہے" انل بسواس کے چہرے پر سختی ابھر آئی "تم نے اسے تلاش کرلیا تو یہ تمہاری یادگار کامیابی ہوگی۔ تم تصور نہیں کرسکتے کہ بھارت سے امریکا تک میں تمہارے مرتبے اور وقار میں کتنا اضافہ ہوجائے گا۔ بھاری مالی فائدہ اس کے علاوہ ہوگا۔"

"میں اس کی تلاش میں اپنے سردھڑ کی بازی لگادوں گا" میں نے منافقانہ خلوص سے جواب دیا۔

اس روز سب کچھ میری توقع کے خلاف ہورہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے را کے ہیڈ کوارٹرز کی کوئی جھلک دیکھنے کا موقع مل سکے گا لیکن اس وقت میں ایک مہمان کے طور پر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ نرلیش کے بجائے انل بسواس سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس ملاقات کے بارے میں میرے بہت سے تحفظات تھے اور میں ان کی پیش بندیاں کرتے کرتے ذہنی دباؤ میں آچکا تھا لیکن انل بسواس نے دوران گفتگو کوئی نازک موضوع نہیں چھیڑا تھا۔

ویرا کے فون کے بارے میں کچھ پوچھا گیا نہ ہم کو کسی جبر کا نشانہ بنایا گیا۔ سارے اندیشے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملاقات کا کیا مقصد تھا۔ اس وقت تک ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے انل بسواس نے ہمیں اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنانے اور را کے ساتھ میری وفاداری کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہمیں بلایا ہو۔

مجھے بس ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ انل بسواس کے بغلی دروازے سے گزرنے کے بعد غزالہ کو کسی ناگہانی افتاد کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ ہمارے مذاکرات کا نیم دوستانہ ماحول میرے ایسے اندیشے کی نفی کررہا تھا لیکن غزالہ کے اٹھ جانے کے بعد میں اس ملاقات کے جلد از جلد خاتمے کا خواہاں تھا۔

اس وقت میرے اور غزالہ کے ہاتھوں میں موجود دو دو زہریلی انگوٹھیاں ہمارے کل ہتھیاروں کا درجہ رکھتی تھیں۔ سرخ کیپسول والی انگوٹھی جان لیوا زہر خارج کرتی تھی اور سبز دنیلے رنگ کے کیپسول میں پوشیدہ نوک کے ذریعے کسی دشمن کو فوری طور پر بے ہوش کیا جاسکتا تھا۔ میں اس بند کمرے میں اپنے دو دشمنوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں انہیں چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اس عمارت کے مضبوط حفاظتی انتظامات کو دیکھتے ہوئے، یہ بات یقینی تھی کہ میرا وہاں سے بچ نکلنا محال تھا۔

نرلیش میرے لیے ایک بالکل نیا نام اور کردار تھا جس سے میں دہلی پہنچنے کے بعد متعارف ہوا تھا لیکن انل بسواس کے بارے میں، میں جلال کے نظریات سے اچھی طرح واقف تھا۔ انل بسواس را کا ایک اعلیٰ دماغ اور بہترین منصوبہ ساز تھا جو پاکستان کو مسلسل نقصان پہنچا رہا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر را اور اس کی سازشی کارروائیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ جلال کی یہی شدید خواہش میرے بھارت کے سفر کی بنیاد بنی تھی اور میں صدق دل سے اس کی تکمیل کا خواہاں تھا۔

انل بسواس سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویّہ بھی مجموعی طور پر بہتر رہا تھا۔ نریش نے میرے ساتھ براہِ راست زیادتیاں کی تھیں اور یہ بات طے تھی کہ اسے ان معاملات میں انل بسواس کی مکمل خوشنودی حاصل تھی پھر بھی میرے ذہن میں انل بسواس کے خلاف گہرا عناد رچا ہوا تھا۔ اگر مجھے اپنے شکار کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو میں کسی تردد کے بغیر انل بسواس کی گردن دبوچنے کو ترجیح دیتا۔

اس نے میرے اصل روپ کے بارے میں اپنی جس نفرت کا اظہار کیا تھا اس کی بنا پر اسے ٹھکانے لگانے کی میری خواہش شدید تر ہوگئی تھی۔

"میں پاکستان میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا" انل نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور گھنٹی بجادی۔

دروازے سے اس کا نوجوان ماتحت اندر آگیا۔ وہ مہذب اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا لیکن ظاہری طور پر انل بسواس کے اردلی کے کام کررہا تھا۔

"ان دونوں کو میٹنگ روم میں پہنچادو" انل بسواس نے اس کو ہدایت دی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا "وہاں رینا کی آمد کا انتظار کرنا۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے جانا مشکل ہوگا۔"

میں اٹھ گیا۔ انل بسواس اور پھر نریش نے مجھ سے پرتپاک انداز میں مصافحے کیے اور میں اردلی سے پہلے بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس چھوٹے کمرے میں غزالہ ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کمرے سے نکاس کے لیے انل بسواس کا کمرا دوبارہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دوسری طرف ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر ہم راہ داری میں نکلے تو میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ راہ داری میں کھلنے والا دروازہ باہر سے بالکل سپاٹ تھا۔ اس پر کوئی لیور یا دستہ نہیں تھا۔ شاید اسے صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ راہ داری کی سمت سے وہ دروازہ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

انتظار گاہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں بٹھا کر وہ نوجوان لوٹ گیا۔ رینا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس عمارت میں ہم کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے اس لیے خاموشی سے رینا کا انتظار کرتے رہے۔ کنکریٹ کی راہ داری میں قدموں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ لوگ آتے جاتے رہے لیکن رینا نہ آئی۔

"یہ کہاں رہ گئی" ڈھائی بجے غزالہ پُرتشویش انداز میں بڑبڑائی "ایسا تو نہیں کہ ہمیں بھول کر کسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"

"وہ ایسی غیر ذمے دار نہیں ہوسکتی۔ اسے معلوم ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ لوٹنا ہے" میں نے غزالہ کو تسلی دی مگر میں خود پریشان تھا کہ وہ کہاں غائب تھی۔ انل بسواس سے بہ مشکل دس منٹ کی ملاقات کے لیے ہمیں ہوٹل سے نکلے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہوچکے تھے۔ میں مضطربانہ انداز میں سگریٹ سلگا کر دروازے میں کھڑا ہوگیا۔

اس عمارت میں بلکہ اس فلور پر بھی دفاتر کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا مگر ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ دفاتر کی آوازیں در و دیوار تک محدود تھیں۔ اسی طرح غیر ضروری طور پر راہ داری میں گھومنے والے بھی نایاب تھے۔ اچانک کوئی اپنے ہاتھ میں کوئی کاغذ یا فائل تھامے کسی دروازے سے برآمد ہوتا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا کسی دوسرے دروازے کے پیچھے غائب ہوجاتا۔

وہ تماشا دیکھتے دیکھتے میں جلد ہی تھک گیا۔ میں نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں رینا سب سے پہلے گئی تھی۔ وہ دروازہ مقفل تھا۔ مجھے یاد آیا کہ را کے دفاتر صبح سات بجے کھلنے کے بعد شاید دو بجے بند ہوجاتے تھے۔ لوگ چلے گئے تھے اور ہم دونوں احمقوں کی طرح رینا کی واپسی کے منتظر تھے۔

میں جھلا کر مڑا ہی تھا کہ وہ دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی واپسی میں تاخیر پر کسی برہمی کا اظہار کرتا، وہ خود معذرت کرنے لگی کہ پرانے ساتھیوں سے باتوں میں اسے وقت کا احساس نہیں رہا۔ جس کے لیے وہ شرمندہ تھی۔

اس کی آواز سن کر غزالہ بھی کمرے سے نکل آئی اور ہم تینوں واپس چل دیے۔

"اس وقت تم کن ساتھیوں سے بات کررہی تھیں۔" میں نے منہ بنا کر پوچھا "میرا خیال ہے کہ دو بجے یہاں چھٹی ہوچکی ہے۔"

"یہاں کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔ دن رات لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا "یہاں رات ہوتی ہے تو امریکا میں دن نکل رہا ہوتا ہے۔ دنیا سے رابطے میں رہنے کے لیے ہیڈ آفس دن رات کام کرتا ہے۔ علاقائی شعبوں میں ایک مقررہ وقت پر چھٹی ہوجاتی ہے۔"

"اگر تمہارے ساتھ کی مجبوری نہ ہوتی تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر نکل گیا ہوتا۔"

"ناممکن تھا۔ جو جس کے ساتھ آتا ہے اسی کے ساتھ

گی۔" اس کی بے چین آنکھیں کسی خالی ٹیکسی کے انتظار میں چکرا رہی تھیں۔
نریش کی ہدایت پر ہمیں بارہ بجے اپنے ہوٹل سے باہر ہانکا گیا تھا۔ رینا چار بجے کے بعد واپسی کی خبر سنا رہی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ را والے ہماری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ہمارے دونوں کمروں میں گھسے ہوئے تھے۔ انہیں ایک مرتبہ پھر کسی مشتبہ سراغ کی تلاش تھی۔
واپسی کے لیے رینا نے مختلف راستہ اختیار کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس علاقے میں جا بجا غیر ملکی مشن اور بین الاقوامی اداروں کے دفاتر قائم تھے۔ میرے استفسار پر رینا نے بتایا کہ وہ دہلی کا لودھی اسٹیٹ کا علاقہ تھا جسے اپنی سیاسی اور سفارتی اہمیت کی بنا پر دہلی کا قلب کہا جا سکتا تھا۔
لودھی اسٹیٹ میں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عالی شان عمارتوں کے سائے سے گزرتی ہوئی ٹیکسی نے کچھ دیر بعد ہمیں انڈیا گیٹ کے علاقے میں اتار دیا۔
"ہاں۔ تم کیا بتا رہی تھیں؟" غزالہ نے ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی رینا سے سوال داغ دیا۔
رینا نے اسے گھور کر کہا "صبر سے کام لو۔ بات لمبی ہے۔ کہیں سبزے پر بیٹھ کر کی جائے گی۔"
وہ ایک وسیع علاقہ تھا جو سرسبز قطعات، عمارات اور یادگاروں سے بھرا ہوا تھا۔ رینا ہمیں امر جیوتی نامی جنگی یادگار کے سائے میں پھیلے ہوئے وسیع سبزہ زار میں لے گئی جہاں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر کوئی گوشہ عافیت تلاش کر سکتے تھے۔
انل بسواس سے ملاقات کے چکر میں ہم تینوں کا دوپہر کا کھانا گول ہو چکا تھا۔ باقاعدہ لنچ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ غزالہ نے راہ میں آنے والی دکانوں اور ٹھیلوں سے کچھ نمکین اور چٹپٹی چیزیں خرید لیں جو ہماری آتش شکم سرد کر سکتی تھیں۔
"تم میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ تم چاٹ کھانے کے ساتھ بات بھی کر سکتی ہو۔" ایک صاف ستھرے کونے میں بیٹھنے کے بعد بھی جب رینا نے زبان نہیں کھولی تو مجھے اس کی بے پروائی پر غصہ آنے لگا۔
"پہلے تم یہ بتاؤ کہ آج کی ملاقات کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے۔" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔
"تمہارے انکل نے ہمیں یہ بتانے کے لیے بلوایا تھا کہ کل ہماری نظر بندی کی آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ہم آزاد ہوں گے۔"

واپس جاتا ہے۔ یہ یہاں کا حفاظتی پروٹوکول ہے۔" وہ بولی۔
"یہاں ایسے ملاقاتی بھی آتے ہوں گے جن کے ساتھ را کا کوئی آدمی نہیں ہوتا۔ ان کا کیا بنتا ہے؟" غزالہ نے اس کی تاویل پر اعتراض جڑ دیا۔
"ان کے لیے پہلے سے پیچیدہ ہدایات دی جاتی ہیں۔ واپسی پر ان کا میزبان خود نیچے آکر انہیں کلیر کراتا ہے۔"
"کیا تمہیں یہ طریقہ تکلیف دہ اور غیر ضروری محسوس نہیں ہوتا؟" غزالہ نے پوچھا۔
"شاید تھوڑا سا تکلیف دہ ہے مگر انتہائی ضروری ہے۔ اس عمارت میں آنے اور یہاں سے جانے والے ہر فرد کے لیے را کا کوئی نہ کوئی افسر یا اہلکار ذمے دار ہوتا ہے۔ اتنی احتیاط نہ کی جائے تو دشمنوں کا کوئی بھی ایجنٹ ملاقاتی بن کر اندر گھسے اور من مانی تخریب کاری کر کے خاموشی سے نکل جائے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔" وہ فخریہ لب و لہجے میں را کی حفاظتی پالیسی کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ مثبت باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔
"یہ بندوبست را کے دوسرے دفاتر میں کیوں نہیں ہے۔" میں نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
"پاکستان ونگ میں کچھ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا تم کو معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس نے محتاط الفاظ میں کہا "اب وہاں بھی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔"
ہم را کے دفتر آئے تو رینا خاموش اور شرمسار تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس وقت خاصی بے چین نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جیسے وہ کچھ بتانا چاہ رہی ہو لیکن نہ بتا پا رہی ہو۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عمارت سے باہر نکل کر ہم آزادی سے بات کر سکتے تھے۔
آتے ہوئے اس عمارت میں غیر معمولی رونق تھی نہ جاتے ہوئے کسی ویرانی کا احساس ہوا۔ سب کچھ جوں کا توں تھا۔ رینا نے گراؤنڈ فلور کے کمپیوٹر پر مہمانوں سمیت اپنی واپسی کا اندراج کرایا اور ہم خنک عمارت سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچ گئے۔
"معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی نئی یا چونکانے والی بات تمہارے علم میں آئی ہے۔" فٹ پاتھ پر پہنچ کر میں نے نیچی آواز میں تبصرہ کیا۔
اس نے بے اختیار میری پسلیوں میں اپنی کہنی ماری "ابھی چپ رہو۔ تم چار بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں جاؤ گے۔ ہم انڈیا گیٹ پر اتر کر کہیں بیٹھیں گے تو یہ باتیں ہوں

”ہوسکتا ہے کہ تمہیں بلانے کا یہ سبب بھی ہو مگر اتنی سی بات فون پر بتائی جاسکتی تھی۔“

”منہ کھول کر بات کرو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“

”کچھ وقت ہوٹل سے لودھی اسٹیٹ پہنچنے میں برباد ہوا پھر چالیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ ڈھائی بجے سے پہلے دوبارہ تم سے نہ ملوں۔ اب بتایا گیا ہے کہ تم دونوں کو چار بجے کے بعد ہوٹل پہنچنا چاہیے۔ ان باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔“

”ہمیں چار گھنٹے تک ہوٹل سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔“ غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ”شاید ہمارے کمروں کی تلاشی لی جارہی ہے۔“

”وہ بھرا پرا امکان نہیں، ہوٹل کا کمرا ہے اس کی تلاشی کے لیے پندرہ بیس منٹ کافی ہیں۔“

”اوہ! تو کیا ان کمروں کو بگ کیا جارہا ہے؟“ میں نے چونک کر سوال کیا۔

”تم واقعی شیطانی دماغ کے مالک ہو۔“ رینا تھکے ہوئے انداز میں ہنس دی ”میں نے ہیڈ کوارٹرز میں اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ مجھے تجسس تھا کہ تم دونوں کو دیر تک کیوں روکا جارہا ہے۔ اب اس کمرے میں بہت محتاط رہنا۔ وہاں مائیکرو فونز کے ساتھ کیمرے بھی لگائے جارہے ہیں۔“

”کیمرے!“ غزالہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا ”ہم وہاں بم تو نہیں بنا رہے۔ جو کیمروں کی ضرورت ہو۔“

”تھوڑی دیر کے لیے تم چپ رہو۔“ میں نے غزالہ کو خاموش کردیا ”یہ سنگین معاملہ ہے۔ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”حیرت ہے کہ تم بات کی تہ تک نہیں پہنچے۔“ رینا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”بیلا سنگھ ناکام ہوچکی ہے مگر را کو تمہارے خلاف کچھ مضبوط مواد درکار ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہورہا ہے کہ یہ تیاریاں تمہاری اور غزالہ کی ویڈیو فلم کے لیے ہیں۔ تم دونوں جہاں بے تکلف ہونے کی کوشش کروگے، خودکار کیمرے چل پڑیں گے۔“

”سور کے بچے!“ میں مٹھیاں بھینچ کر غرایا ”اب وہ اتنی پست سطح پر آگئے ہیں۔“

”یہ ان کی ضرورت ہے۔ شاید تم دونوں کو آزادی کی خبر اسی نیت سے دی گئی ہے۔ تم دونوں دہلی میں اپنی آخری دو راتوں کو یادگار انداز میں منانا چاہو گے اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ اب وہ کمرا تمہارے لیے قید خانہ بن جائے گا۔“

رینا کی بتائی ہوئی تفصیل سمجھ میں آتے ہی غزالہ کا چہرہ فق ہوگیا ”کیا انہوں نے دونوں کمروں میں کیمرے لگائے ہیں؟“

”اس وقت یہ کام جاری ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ انہوں نے ایک کمرا منتخب کیا ہے یا دونوں کمروں میں کام ہورہا ہے۔“

”وہ ہمارے سانسوں کی آوازیں ریکارڈ کرلیں گے، تصویریں بنائیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں ابھی ہوٹل پہنچتے ہی کمرے بدلوالوں گا بلکہ ہوٹل ہی تبدیل کرلوں گا۔ وہ کہاں تک میرا پیچھا کریں گے۔“ میں نے غصے سے بپھر کر کہا۔

”بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔“ رینا نے گھبرا کر میری آستین تھام لی ”ابھی تک انہیں مجھ پر شبہ نہیں ہوا کہ میں نے بیلا سنگھ کے بارے میں تمہیں پہلے سے خبردار کردیا تھا۔ تم نے آج کمرے تبدیل کیے تو ہر بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔ میں برباد ہوجاؤں گی۔ میرے ساتھ تم بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں پڑجاؤ گے۔“

”تم چاہتی ہو کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے ان کے جال میں پھنس جائیں!“ غزالہ نے نرمی سے پوچھا۔

”میں تمہیں پھنسوانا نہیں چاہتی۔ تم دونوں میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دو راتیں ان ہی کمروں میں گزارلو۔ ایک دوسرے سے دور رہو۔ فون پر بھی محتاط رہو۔ میں تم سے نہیں ملوں گی۔ تم کوئی غلط قدم اٹھائے بغیر ان کے نئے منصوبے کو ناکام بناسکتے ہو۔“

اس وقت طبیعت کے اچانک ابال نے شاید میرے ذہن کو ماؤف کردیا تھا کہ ایک سامنے کی بات میرے دماغ میں نہ آسکی۔ رینا کی رائے صائب تھی۔ ہمیں کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرنے یا کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تقریباً چالیس گھنٹوں کی احتیاط کے بعد ہم انہیں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی نیک نیتی تھی تو اگلی رات کے بعد ہمیں آزادانہ نقل و حرکت کی چھوٹ مل جانی چاہیے تھی۔

خرابی یہ تھی کہ ان کا تعلق را سے تھا۔ ان کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ رینا خود اس اندیشے کا اظہار کرچکی تھی کہ انہوں نے ہمیں دو راتوں کے لیے اچھے موڈ میں لانے کے لیے وہ مفروضہ خوش خبری سنائی تھی۔ میں نے رینا کی متبادل تجویز پر چند ثانیوں تک غور کیا اور اس کے لہ

میرا دل ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ بری لڑکی بہت نیک جذبے سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی جبکہ میں نے اس پر کوئی بڑا احسان نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف اتنا وعدہ کیا تھا کہ میں را میں کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں مجھے اس سے پتا چلا تھا.... تاکہ اس کی ملازمت پر کوئی آنچ نہ آئے اور وہ اپنی بیمار ماں کے علاج کے لیے روزگار سے لگی رہے۔

وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن اس نے رینا کے دل کے نہاں خانوں کو کچھ اس طرح چھیڑا تھا کہ اس کے بعد سے وہ مسلسل میرے کام آرہی تھی۔ میں یہ سوچ کر لرز اٹھا تھا کہ را والے میری بے خبری میں میری اور غزالہ کی خلوت کی فلم بندی کی تیاری کر چکے تھے۔ رینا کام نہ آتی تو میرے لیے را کے کھودے ہوئے اس گندے اور گہرے گڑھے سے بچنا محال تھا۔

رینا کی تجویز متبادل نہیں تھی۔ وہ میری نجات کا واحد راستہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں بھارت میں رہتے ہوئے، را کے کسی خارش زدہ کتے سے بھی کھلی محاذ آرائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے اس کے اثرات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

اگلے چالیس گھنٹوں کے لیے ہمیں سب کچھ بھول کر یہ یاد رکھنا تھا کہ میرا نام مظہر خان تھا اور وہ غزالہ تھی۔ ہماری زبانوں پر آئی بی، اول خان، ویرا اور ڈینی جیسے ممنوعہ نام نہیں آنے چاہییے تھے۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور راپرٹس سے میں نے روانگی سے پہلے نجات حاصل کر لی تھی۔ فون کے استعمال میں سخت احتیاط ضروری تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے ہمارے معمولات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

اہم ترین نقصان یہ تھا کہ آئی بی کے تینوں آدمیوں سے میرا ہر قسم کا رابطہ منقطع ہو جاتا۔ وہ لوگ نئے حالات سے بے خبر تھے۔ ان کو یہ بتانا ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں کیونکہ کمرے میں ابھرنے والی ہر بات سنی یا ریکارڈ کی جا رہی ہوگی۔

اس چکر میں مجھے انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا کام ادھورا رہتا نظر آرہا تھا۔ میں اس کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنی جان پر کھیل کر ہر کام کر سکتا تھا لیکن دہلی کے پُر پیچ اور اجنبی راستوں کو جاننا میرے لیے ناممکن تھا۔ شہر میں اپنے کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے کسی رہنما کی ضرورت تھی۔ ایسا آدمی آئی بی کا کوئی رکن ہی ہو سکتا تھا۔

اندازہ

ایک نہایت وہمی مریض دوڑتا اور ہانپتا کانپتا ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا اور بولا "ڈاکٹر صاحب! مجھے جگر کی ایک مہلک بیماری لاحق ہوگئی ہے...." اس نے بیماری کا نام بتایا۔

ڈاکٹر صاحب منہ بنا کر بولے "کیا بے وقوفی کی بات ہے ...! تمہیں بھلا ٹیسٹ وغیرہ کے بغیر کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ بیماری ہے .... کیونکہ اس میں نہ تو درد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے۔"

"انہی باتوں سے تو میں نے اندازہ لگایا ہے" مریض بولا۔

"اب یہی کیا جائے گا۔" میں نے نرمی سے رینا کو جواب دیا "تم غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھو۔ میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔" رینا نے پریشان ہو کر پوچھا پھر مدد کے لیے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"اب میں ہوٹل کے فون سے بے فکر ہو کر بات نہیں کر سکتا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا "بس ایک دو فون کر کے آتا ہوں۔"

غزالہ بھانپ گئی کہ میں کسے فون کرنے جا رہا تھا۔ اس نے رینا سے سفارش کی "انہیں جانے دو۔ یہ تمہاری بات مان چکے ہیں۔ کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

میں ایک طرف ہو لیا جہاں دور سے ایک فون بوتھ لگا ہوا نظر آرہا تھا۔

قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ وہ کارڈ فون تھا۔ آس پاس ایسی کوئی دکان نہیں تھی جہاں سے فون استعمال کرنے کے لیے کارڈ خریدا جاتا۔ مجھے خاصی دور پیدل چلنا پڑا۔ کارڈ خریدنے کے بعد مجھے قریبی فٹ پاتھ پر بھی ایک بوتھ نظر آیا لیکن اس کے قریب لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میں سڑک کے فون پر کسی آئی بی ایجنٹ سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں کارڈ جیب میں ڈال کر پہلے بوتھ کی طرف لوٹنے لگا۔

وہاں میدان صاف تھا۔ میں نے سلاٹ میں کارڈ لگا کر

سرلا کا نمبر ملالیا۔
پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا سنیل تھا۔
"گوپال کہاں ہے۔ مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "ہمارے ہوٹل کے کمرے خطرناک ہوگئے ہیں۔ ہمیں وہاں سے ہٹا کر بگ اور کیمرے لگائے جارہے ہیں۔ اب کوئی مجھ سے وہاں رابطہ نہیں کرے گا۔ میں اس وقت ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔"
"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہوٹل کے قرب وجوار میں موجود ہو۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہوگا۔"
"تلاش کرو اور اسے اسی نمبر پر رہنے کے لیے کہہ دو۔ میں رات سے پہلے دوبارہ فون کروں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"
"تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے میں من وعن اس تک پہنچا دوں گا۔"
"سب سے پہلے مجھے بنگو کے رابطے درکار ہیں۔ وہ کہاں اور کیسے قابو میں آئے گا۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔
"یہ اسی سے معلوم ہوسکے گا۔" سنیل کی آواز سے شرمندگی کا اظہار ہورہا تھا۔
"میں کسی وجہ سے دوبارہ فون نہ کرسکوں تو اسے یہ ضرور بتادینا کہ وہ کل رات گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ایک گاڑی کے ساتھ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود رہے اور ہمارا انتظار کرے۔ وہاں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ اسے خود ہمیں پہچاننا ہوگا۔"
"میں اسے بتادوں گا۔ کیا تم نے یہاں سے نکل جانے کا کوئی منصوبہ بنالیا ہے؟" وہ میرا پیغام سن کر شاید پریشان ہوگیا تھا۔
"ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ جو ضروری باتیں یاد آرہی ہیں وہ دہرا رہا ہوں۔ ہر بات بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"
"تم دو منٹ بعد دوبارہ فون کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" سنیل کی آواز پرجوش ہوگئی۔
وہ فون پر اپریٹس کا نام نہیں لینا چاہ رہا تھا مگر میں سمجھ گیا کہ شہر کی سڑکوں سے آرک کی گاڑیاں ہٹائے جانے کے بعد انہیں رابطوں کی آزادی میسر آگئی تھی۔ وہ لاسلکی رابطے کے ذریعے ذرا سی دیر میں پتا چلا سکتا تھا کہ گوپال اس وقت کہاں تھا۔
میں فون بند کرکے بوتھ سے باہر آگیا اور سگریٹ سلگا کر چہل قدمی کے انداز میں ایک طرف ہولیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کئی باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہورہی تھیں جن کے تجزیے کے لیے گوپال سے رابطہ ضروری تھا۔
پندرہ بیس قدم دور جانے کے بعد میں واپس ہولیا۔ اپریٹس پر گوپال کا پتا لگانے کے لیے چند لمحے کافی تھے۔ بوتھ کے قریب میں نے ادھ جلی سگریٹ زمین پر پھینک کر مسل دی اور اندر داخل ہوکر دوبارہ سنیل کا نمبر ملالیا۔
"وہ دوپہر سے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس وقت وار میموریل کے ویران گوشے میں بینچ پر بیٹھا ہوا ہے اور تم کو دیکھ رہا ہے۔ بوتھ سے نکل کر تم نے سگریٹ سلگائی تھی اور ٹہلنے لگے تھے۔"
"ویل ڈن۔ اگر اس سے رابطے میں دقت نہیں ہورہی تو اسے میری طرف بھیج دو۔ میں اس کا منتظر ہوں۔"
فون بند کرکے میں باہر نکلا تو میری متجسس نظریں دور دور تک دوڑ رہی تھیں پھر میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سرسبز میدان کے ایک دور افتادہ گوشے سے فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ یوں اپنے چہرے کے قریب اٹھایا ہوا تھا جیسے کسی جیبی ٹرانزسٹر سے کان لگا کر خبریں یا کمنٹری سننے کی کوشش کررہا ہو۔ میں نے انگڑائی لینے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کا اشارہ دیا۔ گوپال کے ہاتھ فوراً پہلوؤں پر جھول گئے۔
ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے درمیان میں یکجا ہوگئے۔ دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے کھلے پارک میں دھوپ کی تیزی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ لوگوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سایہ دار جگہوں پر کہیں کہیں لوگ بیٹھے سستا رہے تھے جن میں بعض سفید فام سیاح تھے۔
"تم ان کے ہیڈ کوارٹرز کس لیے گئے تھے؟" قریب آتے ہی عابد نے حیرت سے پوچھا "میرا دم نکل گیا تھا۔ تم پونے تین گھنٹے بعد وہاں سے نکلے تھے۔"
"ہمیں لے جایا گیا تھا۔ کل ہماری قید کی آخری رات ہے۔ اگلی صبح ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔"
شاید سنیل نے اسے ہوٹل کی گڑبڑ کے بارے میں بتادیا تھا۔ اس کا اگلا سوال اسی بارے میں تھا۔ میں نے اختصار سے اسے سب بتادیا۔
"تم سی ایس ڈی مجھے دے چکے ہو۔ ہوٹل میں فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" باتوں کے دوران وہ مجھے اسی محفوظ گوشے کی

ف لے جا رہا تھا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ مجھے بھی پورے
ان میں وہ سایہ دار جگہ زیادہ موزوں نظر آ رہی تھی۔

"مہلت پوری ہوتے ہی انل کو مارنا اور یہاں سے نکل
۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ مجھے پروا نہیں
ں۔"

"ہوٹل میں ایسی سخت نگرانی کا بندوبست ہو رہا ہے تو وہ
ل کے باہر بھی تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم ان
ے۔"

میں تلخی سے ہنس پڑا اور اس کی بات کاٹ کر بولا "وہ جو
ہ چاہتے ہیں، انہیں میرے کمرے یا بستر سے مل سکتا ہے۔
ر وہ پیچھا نہیں کریں گے۔ اس وقت کوئی میرے تعاقب
ں لگا ہوا ہوتا تو تم شاید بھول کر بھی میرے قریب نہ
تے۔"

"ہاں!" اس نے اعتراف کیا "کسی نے تم تینوں کا پیچھا
ں کیا۔ میرا خیال تھا کہ تم واپس ہوٹل جاؤ گے۔ یہاں
تے میں کیوں اتر گئے۔"

"یہاں اترنے کے بعد ہی یکایک میری معلومات میں
افہ ہوا ہے۔ رینا مجھے ہیڈ کوارٹرز میں کچھ بتا سکتی تھی نہ
تے میں بات کرنے کا موقع تھا۔"

"اوہ! تو یہ تازہ ترین معلومات ہیں جو تم تک پہنچی
۔" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سمیٹ
کہا۔

"یہ مجبوری بھی تھی کہ اسے ہم کو چار بجے تک ہوٹل
دور رکھنا ہے۔ میں کل رات ہی انل پر وار کرنا چاہتا
ں!"

"کل کے بجائے پرسوں پر رکھو۔" اس نے مشورہ دیا
ن کی نیت جو بھی ہو۔ تم کو دیا ہوا وقت سکون سے پورا کرنا
ہیے۔ تم نے اپنی واپسی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ انل پر کہاں وار کیا جائے
"

"رات کے وقت اسے گھر پر ہی گھیرا جا سکتا ہے۔ قرول
کے علاقے میں تم اس کا گھر پہلے ہی دیکھ آئے تھے۔"

وہ واقعی آئی بی کا ذہین آدمی تھا۔ میں نے کہا "میں نے
ر ضرور دیکھا تھا مگر میں اپنے طور پر دوبارہ وہاں پہنچ سکتا
ں نہ وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی محفوظ راستہ اختیار کر سکتا
ں۔ اس رہنمائی کا فریضہ تم کو انجام دینا ہوگا۔"

"وہ سب ہو جائے گا۔" عابد کے مختصر سے بے پروایانہ
ب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ لوگ بھارت میں کسی بھی غیر

عادت

ایک دعوت میں ایک ٹی وی اناؤنسر کو آخر میں مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تو اس نے یوں خطاب کیا۔

"خواتین و حضرات! کھانا خانساماں اور نوکروں کے تعاون سے پیش کیا گیا.... مین اسپانسر تھے اہل خانہ خورشید صاحب.... ان کے ساتھ دیگر اشتراک میں شامل تھیں ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادیاں.... اب ضیافت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔ امید ہے اگلے ماہ پھر اسی وقت، اسی جگہ ملاقات ہوگی.... تب تک کے لیے خدا حافظ۔"

ضروری تصادم سے بچ کر صرف اپنا کام پورا کرنے کی پالیسی پر سختی سے کاربند تھے۔ اس میں غیر ضروری تشدد یا دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ را کے پاکستان ونگ میں جو کچھ کیا وہ بھی اسی پالیسی کے مطابق تھا۔ ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کے حصول کا ہدف دیا گیا تھا۔ ناگر نے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور عابد نے اس موذی رکاوٹ کو دور کرنے میں پوری مستعدی سے میرا ساتھ دیا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا وہ شہادتیں مٹانے اور چوری کو چھپانے کے لیے ضروری تھا۔ نرلیش کے دفتر میں بھڑکنے والی آگ کے شعلے سب کچھ نگل گئے تھے۔ را والوں کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ ان کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا تھا۔

اگر عابد، انل بسواس کے قتل میں میرا ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھا تو وہ بھی اس کا ہدف رہا ہوگا۔ ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں تھا کیونکہ انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کی تجویز نے سب سے پہلے جلال کے ذہن میں جنم لیا تھا اور اس کا شمار آئی بی کے بڑوں میں ہوتا تھا۔

"تم یہ بتاؤ کہ اس واقعے کے بعد تم کہاں پناہ لو گے۔" عابد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پناہ لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم رات کی

پرواز پر امرتسر کے لیے میرا اور غزالہ کا ٹکٹ تیار رکھو گے۔ ہم قرول باغ سے سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائیں گے۔"

"امرتسر سے آگے کا سفر خطرناک ہو سکتا ہے۔ انہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ وہ اٹاری پر تمہیں پکڑ لیں۔"

"ہم جس طرح آئے تھے اسی طرح رات کے اندھیرے میں سرحد پار نکل جائیں گے۔ اس کام میں بنگو ہماری مدد کرے گا۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "تم نے پہلے ہی سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم انل کے قتل کے بعد چند گھنٹوں میں سرحد پار کر لیتے ہو تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔"

"یہ کام تمہارے مشورے کے مطابق پرسوں کر لیا جائے گا لیکن تم کل رات ہوٹل کی پارکنگ میں مجھ سے ضرور ملو گے تاکہ باقی تفصیلات طے کی جا سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ راضی ہو گیا "میں اس کے گھر کا قریب سے جائزہ بھی لے لوں گا۔ ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس موذی کے سوا کسی اور کو خراش بھی نہ آئے۔ اس کے گناہوں کی سزا اس کے گھر والوں کو نہیں ملنی چاہیے۔"

"اس معاملے میں میں تم سے زیادہ نرم دل ہوں۔" میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا پھر رینا اور غزالہ کی طرف ہو لیا۔

میں نے ان سے ٹیلی فون کال کے بہانے کافی وقت لے لیا تھا۔

میں عابد سے ملاقات کر کے واپس لوٹا تو وہ دونوں اپنی شکم پری سے فارغ ہو چکی تھیں اور باتوں میں مصروف تھیں۔ انہیں سرے سے یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ میں کتنی دیر کے بعد فون کر کے واپس لوٹا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی رینا نے پوچھا "تم فون کر آئے؟"

"ایک جگہ بات ہو گئی۔ دوسرا موجود نہیں تھا۔" میں نے منہ لٹکا کر کہا "اس کے لیے از سرِنو کوشش کرنی پڑے گی۔"

"تمہارا کمرا خطرناک ہو گیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ تم دن رات اسی میں قید رہو۔ دن کا وقت باہر کی فضا میں گھوم پھر کر گزارو اور رات گئے سونے کے لیے اس کمرے میں پہنچ جاؤ۔ کسی سے بات کرنے کے لیے ہوٹل میں اور اس سے باہر جگہ جگہ پبلک فون بوتھ موجود ہیں۔ تمہارے دو دن ایسے گزر جائیں گے کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" رینا نے اپنی دانست میں مجھے اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔

"اب یہی کرنا ہو گا۔ چار بج رہے ہیں۔ کیوں نہ واپسی کی فکر کی جائے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

رینا نے اپنی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہاں سے ہم دونوں کو ہوٹل جانا تھا۔ رینا نے پوری ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں چار بجے تک ہوٹل سے باہر روک لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چاہے تو ہمارے ساتھ ہوٹل جانے کے بجائے وہیں سے اپنی راہ ہو لے لیکن وہ اپنی ڈیوٹی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہم تینوں سبز میدان سے قریبی سڑک تک آئے اور ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں کل کسی وقت تم سے ملنے آؤں گی۔ تم ہوٹل میں کب مل سکتے ہو؟" راستے میں رینا نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "کل کیا کام ہے تمہیں؟"

"کام کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ معمول میں کوئی فرق آئے۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بار تم سے مل چکی ہوں۔ کل ہمیں مل بیٹھنے کا آخری موقع ملے گا۔ اس کے بعد پتا نہیں کہ تم کہاں ہو گے۔ ہماری شاید اگلی ملاقات ہی نہ ہو۔"

"شام کو چار سے چھ بجے کے درمیان میں ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے کر دیا۔

"اور ہاں!" رینا کو اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "یہ یاد رکھنا کہ تم نے آج کی ملاقات میں ہونے والی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔ سارا وقت ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہمارے درمیان رسمی شناسائی کے حوالے سے یہ بات بہت ضروری ہے۔"

"تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی اہم ثابت ہو سکتی ہیں۔"

ایک مرتبہ پھر ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ مشینی سواری ہمیں تیزی کے ساتھ دہلی کے کناٹ پلیس کی طرف لیے جا رہی تھی جہاں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے دو کمروں میں را والوں نے ہمارے لیے نئے چوہے دان تیار کیے ہوئے تھے

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر' داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ذون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو نملیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاچھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی رودی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارو تی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد رودی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لٰہذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ رودی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی تو نملیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملواسکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگاکر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بناہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چِتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کردیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہوچکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگادیے گئے۔ ہم رینا اجیت رائے کی ہمراہی میں ہوٹل واپس جارہے تھے جہاں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے نصب ہوچکے تھے۔

رینا ہمیں ٹیکسی سے ہوٹل کے برآمدے میں اتار کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ اپنے بڑوں کی ہدایت کے مطابق اس نے ہمیں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سے را کے صدر دفتر پہنچایا۔ ہماری طے شدہ ملاقات جلد ختم ہوجانے کے باوجود ڈھائی بجے تک ہمیں وہاں اپنے انتظار میں روکے رکھا۔ وہاں سے نکلی تو چار بجے تک ہمیں انڈیا گیٹ کی "سیر" کراتی رہی۔ اس نے ہر کام دیے ہوئے شیڈول کے مطابق سرانجام دیا تھا۔

رینا اجیت رائے بھارتی سیکرٹ سروس کی ایک خوبرو کارکن تھی مگر میں نے اپنے ایک فیصلے سے اس کی ہمدردیاں جیت لی تھیں۔ بھارت کی دشمن سرزمین پر اس وقت وہ ہماری سب سے بڑی ہمدرد اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔

میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا جاچکا تھا۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور را کے درمیان قریبی رابطوں کے بارے میں رینا نے کسی قسم کی تصدیق کی تھی۔ یوں رینا کی ملازمت اور مستقبل پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ مجھ سے محض اسی تعاون کی خواہاں رہی تھی۔

وہ مطلب پورا ہوجانے کے بعد رینا کو مجھ سے مزید کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ اگلی رات گزرنے کے بعد ہمیں را والوں کی طرف سے آزادی کی خوش خبری سنادی گئی تھی۔ وہ چاہتی تو ہمارے سامنے اپنی زبان بند رکھتی' ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور چار بجے کے بعد ہمیں ہوٹل پہنچادیتی۔ اس پر ہمارا کوئی اخلاقی زور تھا نہ ہمیں شبہ تھا کہ وہ ہم سے کوئی بات چھپا رہی تھی۔ ہم آسانی کے ساتھ بھارتی سیکرٹ سروس والوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے۔

مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے رینا کے ساتھ جس انداز میں ہمدردی اور یک جہتی کا اظہار کیا تھا' وہ براہِ راست اس کے دل پر اثر انداز ہوا تھا۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں اور پابندیوں سے تجاوز کرکے مسلسل ہماری مدد کرتی چلی آرہی تھی۔ اگر وہ ہمیں نہ بتاتی کہ ہمیں اپنے کمروں سے دور رکھ کر وہاں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون نصب کیے جارہے ہیں تو ہمارے فرشتوں کو بھی اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہوٹل کا برآمدہ طے کرتے ہوئے وہ خیال میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ ہم آزاد اور کھلی فضا کو خیرباد کہہ کر ایک ایسے قید خانے کی طرف پیش قدمی کرنے پر مجبور کردیے گئے تھے جہاں ہماری ہر حرکت اور آواز دشمنوں کی دسترس میں تھی۔

"مجھے کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت ہورہی ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی دھیمی اور تشویش زدہ آواز آئی۔

"مگر یہ مجبوری ہے۔ اگلے اڑتیس' چالیس گھنٹوں تک ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"گونگا اور بہرا بن کر رہنا میرے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہمیں رینا سے زیادہ خود کو بچانا ہے۔ انہیں یہ بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو ان کی سازش کا علم ہوچکا ہے' ہمیں آپس میں معمول کے مطابق بولنا چالنا ہوگا تاکہ وہ اطمینان سے بیٹھے ہمارے کمزور لمحوں کا انتظار کرتے رہیں۔"

"ہم کیا باتیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "اس وقت ہمارے ذہنوں میں جو کچھ موجود ہے' اس کا زبان پر آنا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اس وقت میں گفتگو کے موضوعات کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے لگا ہوا وال کلاک شام کے ساڑھے چار بجانے والا تھا۔ ہمارے کمروں کی چابیاں کی بورڈ پر موجود تھیں۔ را والوں نے اپنے مقررہ وقت میں کام پورا کرکے چابیاں ہوٹل کے عملے کو لوٹادی تھیں۔

دونوں چابیاں لے کر ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

غزالہ کے لیے ہوٹل میں لیا ہوا اضافی کمرا ابتدا سے ہی ہمارے کسی خاص مصرف میں نہیں تھا۔ اس نے اپنی چابی بیگ میں ڈال لی۔ اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے اپنے دروازے کا قفل کھولا تو ہر نشیب و فراز پر غور کرلینے کے باوجود میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ دشمن کے نصب کیے ہوئے خفیہ کیمروں کی زد میں شب و روز گزارنے کا تصور کسی بھی طرح امید افزا نہیں تھا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر چوکنا ہوگیا تھا۔ کمرے میں ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ موجود تھی۔ بستر پر نئی اور بے داغ چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے روم سروس کے عملے نے اپنے معمول کے مطابق پوری چابک دستی اور مہارت سے کمرے کی صفائی اور تزئین کی تھی۔

کہیں بھی کسی افراتفری یا تلاشی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ را والوں نے ہماری غیر حاضری میں صرف آلات کی تنصیب کا کام نہیں کیا ہوگا بلکہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے کمرے کی بھرپور تلاشی بھی لی ہوگی۔ وہ لوگ آخری لمحے تک ہر پہلو کو پرکھنے کے عادی تھے۔ نریش شرما نے غزالہ سے پتے کی بات کہی تھی کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ شاید ان کی حکمتِ عملی کا بنیادی پتھر وہی نکتہ تھا جس پر عمل کرکے وہ کامیابیاں حاصل کرتے تھے۔

رینا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، اس سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے اپنی پیشہ ورطوائف کی ناکامی کے بعد میری اور غزالہ کی خلوت کی مصروفیات کی فلم بندی کا تہیہ کرچکے تھے۔ ان کے نصب کیے ہوئے کیمرے بہت زیادہ حساس اور خودکار ضرور ہوسکتے تھے لیکن ان کا دائرہ پورے کمرے پر محیط نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا کے ساتھ ہونے والے پہلے رنگین وسنگین تجربے کے بعد مجھے اس کی زبانی معلوم ہوچکا تھا کہ خفیہ کیمرے بستر کے مخصوص حصوں پر مرکوز کیے گئے تھے اور رینا نے اپنی ہر بے اعتدالی کے باوجود مجھے بستر کے ان حصوں تک محدود رکھنے کی کامیاب کوششیں کی تھیں۔

را والوں کو رینا کے کمرے میں وہ دقت پیش آسکتی تھی تو میرے کمرے کی صورتِ حال بھی مختلف نہیں ہوسکتی تھی۔ بستر پر پہنچنے کے بعد ہی ہم دونوں ان کے لگائے ہوئے کیمروں کی زد میں آسکتے تھے۔ میں نے کمرے میں گھستے ہی دہری اور شاہانہ مسہری کے اوپر، فالس سیلنگ کی طرف دیکھا اور اس میں مجھے آسانی کے ساتھ وہ دو چھوٹے سوراخ نظر آگئے جو پہلے وہاں موجود نہیں تھے۔

کمرے کی چھت سے نیچے لگے ہوئے بڑے بڑے آرائشی ٹائلوں کے درمیان ایسی نفاست سے وہ سوراخ کیے گئے تھے کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دونوں سوراخوں میں کیمروں کے عدسوں کی چمک مفقود تھی۔ ان لوگوں نے کنکریٹ کی چھت اور فالس سیلنگ کے درمیان خلا کی تاریکی میں اپنے خودکار کیمرے اس طرح چھپائے تھے کہ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی ان کے عدسوں سے منعکس نہیں ہوسکتی تھی۔

ایسے نازک کام میں را والوں سے کسی اناڑی پن کی توقع عبث تھی۔ کیمرے پوری احتیاط اور مہارت سے چھپائے گئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں جدید انفراریڈ کیمرے رہے ہوں گے جو موہوم سی روشنی میں بھی واضح فلم بندی کرلیتے ہیں۔ ایسے کیمروں کی کارکردگی، تاریکی میں انسانی آنکھ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کمرے کی روشنیاں گل کرکے ہم بھی ان کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے رک کر اپنا وہ جائزہ مکمل کیا اور پھر تھکے ہارے انداز میں، جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوگیا۔

غزالہ سنبھل کر ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

مسہری پر میں کیمروں کی زد میں تھا۔ میں نے پہلو بدلتے ہوئے فالس سیلنگ کے دونوں خوف آور سوراخوں پر نظر ڈالی لیکن منقش اور سفید ٹائلوں میں بنے ہوئے سوراخوں کے پار پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" میں نے انڈین سیکرٹ سروس والوں کو سنانے کے لیے کسل مندانہ آواز میں غزالہ سے کہا "یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میں لودھی اسٹیٹ سے پیدل چلتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"شاید آپ کے ذہن پر بوجھ ہے۔ ذہن بوجھل ہو تو بدن بھی تکان کا شکار ہونے لگتا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"را والوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بار بار میری طلبی کیوں ہورہی ہے۔"

"یہ آپ کے اور ان کے معاملات ہیں، جن سے میں پوری طرح باخبر نہیں ہوں.... بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم میرے ساتھ نہ آئی ہوتیں تو کچھ بھی نہ ہوتا۔" میں نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"آج آپ پریشان ہیں لیکن کل خوش تھے کہ نریش سے دوستی آپ کے دن پھیردے گی۔" غزالہ کی آواز میں مصنوعی طنز ابھر آیا۔

غزالہ کو وہ جواب برجستہ اور برمحل سوجھا تھا۔ مجھے را والوں کو گمراہ کرنے کا ایک نادر موقع مل گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم کو معلوم ہے کہ را والے میری طرف متوجہ ہوچکے ہیں لیکن خرابی یہ ہے کہ نریش بار بار تیور بدل رہا ہے۔ کبھی وہ میرا ہمدرد اور دوست نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی دلائی ہوئی امیدوں میں میرے لیے سہانے مستقبل کا پیغام ہوتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ سفاک دشمن کا بھیانک روپ دھار لیتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہورہا

ہے۔ وہ رہ رہ کر میری طرف سے بدگمانی کا شکار کیوں ہو رہا ہے۔ آج اس نے مجھے آزادی کی نوید سنائی ہے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کل کی رات گزرنے سے پہلے حالات کیا کروٹ لیں گے۔ میں اپنی دنیا میں مگن رہنے والا ایک عام سا آدمی ہوں جسے تمہاری زلفوں کے گھنیرے سائے میں آسودگی ملتی ہے مگر نریش مجھ پر شبہ کرتا ہے جیسے میں کوئی تخریب کار یا دہشت گرد ہوں۔ وہ مجھ سے ایسے لہجے میں پوچھ گچھ کرتا ہے کہ میری روح کانپ اٹھتی ہے۔"

"شاید اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ وہ اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہے۔" غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا "پچھلے کئی دن سے یہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ را کے ایک دفتر میں آگ لگی' ان کا ایک بڑا افسر وہاں جل کر مر گیا پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک امریکی عہدے دار مار ڈالا گیا۔ نریش سرکاری افسر ہے۔ وہ دباؤ میں آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذمے داروں کا کھوج لگانا اس کے فرائض میں شامل ہو۔"

"اب بات چھڑ ہی گئی ہے تو تم یہ بتاؤ کہ اس نے مجھے اپنا ٹارگٹ کیوں بنایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سیدھی سے بات ہے۔ دہلی میں تم غیر ملکی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پاکستانی ہو....

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "اس وقت دہلی میں ہزاروں غیر ملکی اور سیکڑوں پاکستانی موجود ہوں گے۔ وہ ان سب کو بھول کر بار بار مجھے کیوں تنگ کرنے لگتا ہے۔ اس ایک تلنتے نے میرا سکون غارت کیا ہوا ہے۔"

"وہ آپ کو ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی دوسرے پاکستانیوں سے بھی پوچھ گچھ کر رہے ہوں۔ آپ اس سے رابطے میں ہیں اس لیے وہ آپ کو خود ٹٹول رہا ہے۔ اگر وہ آپ کے دن پھیرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے آپ کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کا حق حاصل ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تمہاری برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"مجھ سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ رینا ہمارے ساتھ تھی اس لیے میں نے آپ سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ورنہ میں حیران تھی کہ آج مجھے کیوں بلایا گیا تھا۔ میں نے سارا وقت آپ کے انتظار میں اخبار بینی کرتے ہوئے گزارا۔ مجھ سے کسی نے سلام دعا تک نہیں کی۔"

"انل بسواس بہت گھاگ اور تجربے کار آدمی ہے۔ وہ تم کو دیکھنا اور پرکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے تم سے چند باتیں کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا کسی اور کو تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس نے میرے بارے میں اپنا اطمینان کر لیا' ہمیں کل رات آزادی کے بارے میں بتا دیا' آپ سے کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"شاید میں ابھی تک ڈیپریشن کے غلبے سے نہیں نکل سکا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "نریش نے مجھے پچھلی بار اس قدر دہشت زدہ کیا تھا کہ میں ابھی تک ہر بات کو اسی تسلسل سے دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ کے اس ڈیپریشن نے سب کچھ خراب کر دیا ہے۔ ہم یہاں تفریح کے لیے آئے تھے لیکن اب کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہتے ہیں۔ بستر پر بھی میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ بیزاری سے کروٹ بدل لیتے ہیں۔"

"میں خود بھی اپنی اس حالت سے خوف زدہ ہوں۔" میں نے اعتراف کرنے کے انداز میں جواب دیا "میرے جذبات سرد ہو چکے ہیں اور ذہن کسی تفریح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی ایک واقعہ انسان کو اس طرح منجمد اور بے حس کر سکتا ہے۔"

"جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اسے ایک خواب سمجھ کر بھولنے کی کوشش کریں۔ ہم دہلی میں دو تین راتوں کے مہمان ہیں۔ ہمیں یہ وقت خوش گوار انداز میں گزارنا چاہیے۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں انڈین سیکرٹ سروس کے ان روپوش کارندوں کے لیے امید کا پیغام پوشیدہ تھا جو ہماری مسہری پر لگے ہوئے پوشیدہ کیمروں سے کام لینے پر مامور تھے۔ میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میں خود بھی اس ٹرانس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ دعا کرو کہ یہ جمود ٹوٹ جائے۔"

جب تک ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں نہیں پہنچے تھے' پریشان تھے کہ صوت وصورت کو چرا لینے والے خفیہ آلات کی موجودگی میں ہم کیا کر سکیں گے لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میرا مقصد واضح تھا اور غزالہ بھی اتنی کند ذہن نہیں تھی کہ اس مقصد کے حصول میں میرا ساتھ دینے کی کوشش میں ناکام رہتی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

میں نے جوتے اتار دیے۔ کچھ دیر بعد غزالہ بھی بستر پر آ گئی۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اس کٹھن مرحلے پر انڈین

سیکرٹ سروس کے کارندوں کو چڑانے اور سلگانے کی ایک بے داغ راہ نکال لی تھی۔
ان لوگوں کے لیے ہم دونوں میاں بیوی نہیں، ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ صحت و جوانی اور آشنائی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے کی فسوں خیز خلوت بھی میسر تھی مگر ہم نے درمیان میں مناسب فاصلہ برقرار رکھا تھا اور گفتگو کا موضوع میرے ڈیپریشن کے گرد گھوم رہا تھا۔
غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں خاموشی سے تازہ حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔
انل بسواس اور نریش شرما سے کئی ملاقاتیں ہونے کے بعد، را کے دفتر میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ شکوک و شبہات سے دھندلائی ہوئی فضا میں مجھے گھیرنے کے دوران میں انڈین سیکرٹ سروس کے ذمے دار اہل کاروں کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ مظہر خان کے بہروپ میں ڈینی ان کے روبرو موجود تھا۔ انہیں مظہر خان کی اصلیت پر شاید شک ہوا ہو اور انہوں نے اپنے طور طریقوں سے اس کی تصدیق کرلی ہو لیکن بھول کر بھی ان کا ذہن میرے اصل نام کی طرف نہیں گیا تھا۔
محتاط انداز میں میرے ساتھ مراسم بڑھاتے ہوئے انہوں نے دہلی اور قرب و جوار کے علاقوں میں اپنے اس گمنام دشمن کی تلاش جاری رکھی تھی جو ناگر کے قتل، را کے دفتر میں آتش زنی اور جان اسمتھ کے خون کا ذمے دار تھا۔
ان وارداتوں کے بارے میں، میں نے رینا سے بھی کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ را کے بڑے عہدے دار کیا سوچ رہے تھے لیکن مقامی اخبارات میں آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جان کے پراسرار قتل اور را کے دفتر میں آگ لگنے کے واقعات کے بارے میں الگ الگ تفتیش کی جارہی تھی۔ بظاہر وہ دونوں واقعات بے ربط تھے۔ ان میں کسی مشترکہ ہاتھ کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔
اگر انہیں کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ڈینی کسی بدلے ہوئے روپ میں ان کی سرحدوں میں گھس آنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو پھر وہ دو ہی نہیں، دہلی میں رونما ہونے والے سارے تخریبی اور مجرمانہ واقعات میری ذات سے منسوب کردیتے۔
وہ دہلی میں ڈینی کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انل بسواس اور نریش شرما اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو بروئے کار لاکر یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ میں پرانی گاڑیوں کا ایک عیاش طبع پاکستانی کاروباری تھا جو کھل کر رنگ رلیاں منانے کے لیے اپنی داشتہ کے ساتھ دہلی آیا ہوا تھا۔
اپنی دانست میں انہوں نے پچیس ہزار روپے ماہانہ کے عوض مجھے خرید لیا تھا۔ مخبری اور جاسوسی کے ایسے معاملات میں عموماً سرمایہ ہی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ ضمیر فروش مخبر اپنی قیمت پر خریداروں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ خریدار مل جاتا ہے تو ذرا سے مول تول کے بعد کہیں نہ کہیں بات طے ہو جاتی ہے۔ کھرے کاموں کے برعکس ان کھوٹے کاموں میں زبان پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ دونوں فریق یہ جانتے ہیں کہ طے شدہ امور سے انحراف کی صورت میں کسی کو کوئی فیض حاصل نہیں ہو سکے گا۔ مخبر کو مقررہ معاوضہ نہ ملا تو وہ دشمن کے لیے جوابی مخبری شروع کردے گا۔ مخبر نے غداری کی تو اس کے خریدار ہر قیمت پر اس تک پہنچ کر اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ یہ خوف تلوار بن کر ان کے سروں پر لٹکتا رہتا ہے اور اس کے سائے میں دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں۔
مگر میرے بارے میں را کا رویہ کچھ زیادہ ہی مختلف تھا۔ شاید انہوں نے میری زبان پر اعتبار تو کرلیا تھا مگر وہ میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد تیار کر کے مجھے بہت زیادہ بے دست و پا کردینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔
نریش شرما نے میری اور رینا کی بہکی ہوئی خلوت کی ویڈیو فلم بنا کر اپنے اس مقصد میں عملی طور پر کامیابی حاصل کرلی تھی لیکن اپنے دفتر کی آگ میں وہ فلم گنوا دینے کے بعد اس نے مجھے بیلا سنگھ کے ذریعے دوبارہ پھانسنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے کسی مرحلے پر یہ اعتراف نہیں کیا کہ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی مگر اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے اس کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔
مجھے اور غزالہ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوٹل سے ہٹانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہمارے دونوں کمروں میں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون لگوا دیے تھے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں اس شدت سے مجھے بلیک میل کرنے کا خواہاں تھا۔
اس کا وہ اضطراب کسی غیر معمولی نکتے کی نشاندہی کر رہا تھا جو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔
میں اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کی زد میں بے فکری سے اپنی مسہری پر دراز تھا۔ میں نے اپنی ساری توجہ اسی ایک نکتے پر مرکوز کردی۔
دوسری سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد مجھے یوں

محسوس ہوا جیسے میرے ذہن کے بعض دریچے یکایک کھل گئے ہوں۔

وہ میرے اوپر اپنی گرفت کو ہر اعتبار سے مضبوط اور فول پروف بنانے کا آرزو مند تھا تاکہ میرے انحراف کا کوئی بعید از قیاس امکان بھی باقی نہ رہے۔ ایسی گرفت کی خواہش اس بات کی غماز تھی کہ اس کی نظروں میں میری بہت زیادہ اہمیت تھی۔ را کے لیے ایک اجنبی بلکہ پاکستانی کی ایسی اہمیت اسی وقت ہوسکتی تھی جب اسے کوئی بڑا کام سونپنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہو۔

ایک بڑے کام کا ذکر انل بسواس اور نریش شرما کرچکے تھے۔ وہ ڈینی کی تلاش میں میری مدد کے خواہاں تھے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جو صیغہ راز میں رہا ہو۔ امریکا، بھارت اور پاکستان میں خفیہ ریاستی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ دونوں ممالک مجھے اپنا بڑا دشمن قرار دے کر ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لیے نریش شرما مجھے گھیرنے کی خصوصی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

وہ کام کسی خوف ناک تخریبی نوعیت کا ہوسکتا تھا جسے سرانجام دینا بھارتی ایجنٹوں کے بس سے باہر ہو۔ اس کی انجام دہی کے لیے را کو کسی زرخرید پاکستانی مخبر کی تلاش تھی جو ہر قیمت پر اپنے آقاؤں کے حکم کی بجا آوری کے لیے مجبور ہو۔

یہ را والوں کی کھلی بد قسمتی تھی کہ ایسے کسی نامعلوم مگر نازک اور اہم کام کے لیے قرعہ فال میرے نام نکلا تھا۔ یہیں پر بس نہیں ہوئی تھی۔ مزید طرہ یہ تھا کہ مجھے بھارت میں رینا اجیت رائے جیسی لڑکی مل گئی تھی جو ہر قیمت پر میرا ساتھ دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میری اور غزالہ کی وہ گفتگو جاری رہی جو را کے کارندے ریکارڈ کررہے تھے۔ غزالہ بڑی شدّومد کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ مجھے اپنے ڈیپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ہوٹل کے کمرے سے باہر گزارنا چاہیے جہاں قدم قدم پر انسان کا دل موہ لینے والی رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بحث برائے بحث تھی جس میں جیت غزالہ کی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے مسہری چھوڑ کر باہر نکلنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مجھے امید تھی کہ ہمارے کمرے میں ایک زبردست جال بچھانے کے بعد را کے ایجنٹ اپنی کامیابی کی امید میں بیٹھے رہیں گے اور دہلی کے بازاروں میں ہمارا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

باہر شام کا دھندلکا پھیل چلا تھا۔ ہوٹل میں ڈوبتے اندھیروں کے ساتھ زندگی کی رعنائیاں طلوع ہورہی تھیں۔ روشنیاں اور بیش قیمت فانوس جگمگا اٹھے تھے لیکن ہوٹل کی اس کائنات میں سارا حسن صرف وجودِ زن سے تھا۔ ہمارے گردوپیش میں پھیلے ہوئے ماحول میں سے صنفِ نازک کو منہا کرنے کے بعد چشمِ تصور عجیب ویرانی سی دیکھ رہی تھی جس میں کوئی کیف تھا نہ کوئی رنگ۔

ہمارے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ ہمیں اپنے کمرے سے دور رہ کر صرف اور صرف اپنا وقت استعمال کرنا تھا۔ ہم نے مست خرامی کے انداز میں ہوٹل کے بار، ریستوران، بال روم اور ٹی شاپ کا ایک چکر لگایا پھر ایک طرف سے باہر نکلتے چلے گئے۔

دہلی کی وہ شام خاصی خوش گوار تھی۔ کناٹ پلیس روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دکانوں اور گزرگاہوں پر کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ انسانوں کے اس سمندر میں رنگ رنگ اور بھانت بھانت کے لوگ تھے جو بے پروائی سے اپنی اپنی بولیاں بولتے گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں یورپ کے سفید فام بھی تھے اور کوچینن ومدورائے کے گہری گندمی چہروں والے لوگ بھی نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں بے اختیار ایک خواہش ابھری کہ میں اس شخص کا ٹھکانا دیکھوں جو جامع مسجد کے علاقے میں ٹرانس میٹر استعمال کرتے ہوئے، آرک والوں کی مدد سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ہمارا اس ٹھکانے تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میرے قدم غیرارادی طور پر اس شمالی راستے کی طرف بڑھ گئے جو رام لیلا گراؤنڈ سے ہوتا ہوا جامع مسجد کی طرف جاتا تھا۔

پرانی دہلی کی گنجان آبادیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد جامع مسجد کے نواح میں پہنچ گئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے اقتدار کی وہ پُرعظمت نشانی زمانے کے سردوگرم کے باوجود اسی شان سے سربلند تھی۔ جذباتی غلبے کے عالم میں ہمارے قدم اٹھتے رہے لیکن جب ہم مسجد کے ملحق علاقوں میں پہنچے تو مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر میری نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

اپنی وضع قطع اور لباس سے مسلمان الگ پہچانے جارہے تھے۔ ہر طرف رونق اور گہما گہمی تھی مگر بیشتر چہروں پر عسرت وتنگ دستی کی نشانیاں ثبت تھیں۔ ٹھیلوں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں سے تنگ اور خستہ حال مکانوں تک ایک ہی کہانی نظر آرہی تھی۔

شاید وہیں کے کسی تنگ مکان کے فراخ دل مکینوں کی پناہ سے آرک والوں نے اس شخص کو پکڑا تھا جو ٹرانس میٹر استعمال کر رہا تھا۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک اسی علاقے میں گھومتے رہے۔ اسی دوران میں موقع پا کر میں نے غزالہ کو ایک ہوٹل میں بٹھایا اور خود ایک قریبی پبلک بوتھ پر جا پہنچا جہاں سے میں غزالہ پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ کوئی ایمرجنسی نہ ہوئی تو اول خان اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوگا۔ میں نے کارڈ لگا کر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر مجھے اول خان کی پُرسکون ہیلو سنائی دی جو یکایک ہیجان آمیز ہو گئی "ہیلو... یہ... یہ تم بول رہی ہو! کہاں ہو؟" شاید فون پر انٹرنیشنل کال ملنے کی مخصوص بیپ نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس کا دھیان براہِ راست میری طرف گیا تھا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ابھی تو صرف تمہارے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں کہاں بولا تھا..."

"تت... تم کہاں ہو...؟ خیریت سے ہو نا؟" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"میں وہیں ہوں۔ سب کچھ ٹھیک رہا تو شاید پرسوں لوٹ آؤں۔ اس گدھی سے کہہ دینا کہ اب مجھے فون کرنے کی حماقت نہ کرے۔"

"اس نے سنگین غلطی کی تھی اور پھر خود ہی سہم گئی۔ وہ ابھی تک پہلے پڑاؤ پر ہے۔" اول خان مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا رہا تھا "اس کے لائے ہوئے تحفوں نے ہر ایک کو حیران کر دیا ہے۔ وہاں اس کی زبردست آؤ بھگت ہو رہی ہے۔"

"زندگی رہی تو اب ملاقات ہی ہوگی۔" میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

ویرا نے میری کے نام سے مجھے فون کر کے واقعی سنگین حماقت کی تھی۔ اسے ایسی غلطی کے اعادے سے روکنا ضروری تھا۔ میں نے دہلی کی سیر کے دوران میں موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا ورنہ ہوٹل سے ایسے کسی رابطے کا تصور ہی محال تھا۔

مزید کچھ وقت اس علاقے میں گزار کر ہم واپس ہو لیے۔ ٹھیلوں اور پھیری والوں کی مخصوص صدائیں دور تک ہمارا پیچھا کرتی رہیں۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ جان بوجھ کر اس علاقے میں آئے تھے۔" واپسی میں غزالہ نے کہا۔

"دہلی میں کچھ دن گزار لینے کے بعد اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند گنے چنے راستوں کو سمجھ سکوں پھر بھی قرول باغ میں انل کے گھر تک پہنچنا میرے بس سے باہر ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"ہماری یہ سیر اس مجاہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے تھی جو اس علاقے میں آرک والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ شاید اس کی گرفتاری کے بعد ہی آرک والوں نے اپنی اسکیننگ وینز دہلی کی سڑکوں سے ہٹائی ہیں۔"

"واقعات کی کڑیاں بھی خوب ملتی ہیں۔" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "آرک کی گاڑیاں گشت پر رہتیں تو گوپال آپ سے ایرٹیس پر رابطہ نہ کرتا۔ رابطہ ہوتے ہی آپ نے اسے بروقت بلا لیا ورنہ اس بار سی ایس ڈی وغیرہ ضرور را کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگ جاتی۔"

"اور ہماری کھالوں میں بھس بھر دیا گیا ہوتا۔" میں نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "بعض اوقات چھوٹے چھوٹے واقعات بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے کو علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کے عتاب کا فیض کس کس تک پہنچا ہے۔"

"بھارت کو اپنی طاقت اور تنظیم پر گھمنڈ ہے۔ آپ نے ان کے گھر میں گھس کر را اور دوسرے نشانوں پر جو چوٹ لگائی ہے اس پر وہ بلبلا اٹھے ہیں۔ دم کچلے ہوئے خوں خوار کتے کی طرح ہر ایک کو پھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ ان کا زخم تازہ ہے مگر انتقام لینے کے لیے کوئی ہدف سامنے نہیں ہے۔ اگر وہ بے چارہ نہ پکڑا جاتا تو یہ کھسیانی بلی ابھی تک کھمبا نوچ رہی ہوتی۔"

"اب تک انہوں نے اپنے تشدد سے اسے زندہ درگور کر دیا ہوگا۔ نریش کے دفتر کی آگ را کے ہر افسر کے سینے میں بھڑک رہی ہوگی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "کرتا کوئی اور ہے اس کا نتیجہ کسی اور کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

"کیا اس سے آپ کے کاموں کا اخلاقی جواز کمزور نہیں ہو جاتا؟" غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا "کام کرنے اور نتیجہ بھگتنے والوں کا تعلق ایک ہی فرق سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے مشن کے حصول کے لیے ہر ایک کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ تم یہ دیکھو کہ میں نے اپنے لیے کچھ

نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے میدان میں اترا ہوا ہوں جو پکڑا گیا وہ بھی ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار تھا مگر اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر تھا اس لیے پکڑا گیا۔"

"یہاں ان واقعات کو دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے۔" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"اپنے سیکیورٹی میٹ ورک کی ناکامی پر وہ کس طرح پردہ ڈال سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا "ہم اپنے ہدف کے حصول کے لیے کوششیں کررہے تھے اور وہ اپنے فرض سے غافل تھے۔ گرین کوبرا اور دوسرا ریکارڈ اڑا لینے کے بعد اپنی کارروائی کی پردہ پوشی کے لیے دفتر کو آگ لگانا ہماری ضرورت بلکہ مجبوری تھی۔ ناگر نے ایک ذمے دار افسر کے بجائے کسی آوارہ سانڈ کی سی حرکت کی اور درمیان میں کود پڑا۔ وہ نہ مارا جاتا تو ہم مرتے۔ یہ کسی بھی طرح دہشت گردی نہیں تھی۔ مار کھانے والے یہی کہتے رہیں گے جو وہ کہہ رہے ہیں۔"

غزالہ نے دہلی کی سڑکوں پر راستہ طے کرتے ہوئے جان اسمتھ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ امریکی سفارتی افسروں کی بھیڑ میں چھپا ہوا، سی آئی اے کا وہ خونی بھیڑیا کس قدر موذی اور خون آشام درندہ تھا جو کراچی میں بیٹھ کر پورے جنوبی ایشیا کے گلے میں امریکی غلامی کا طوق پہنانے کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

"حیرت ہے کہ سرکاری طور پر ابھی تک کسی نے کھل کر پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی۔" راہ گیروں کی بھیڑ سے نکل آنے کے بعد غزالہ نے کہا۔

"ثبوت کے بغیر وہ کسی کا نام نہیں لیں گے کیونکہ اس طرح خود ان کی تحقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوگا کہ پاکستانی دہشت گرد دہلی آئے۔ را کے دفتر کی تلاشی لے کر آگ لگائی اور لوٹ گئے مگر را والے ان کی پونچھ کا بال بھی نہیں پکڑ سکے تو انہیں کس لیے پالا جارہا ہے۔"

جب سے ہم نے اپنے دشمنوں کے خلاف کامیاب کارروائیاں کی تھیں، ہم دونوں کو آپس میں کھل کر تبادلہ خیال کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے تک غزالہ آس پاس کا میدان صاف پاکر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ خدشے اور تحفظات باقی تھے جو میں نے دلائل کی مدد سے دور کردیے۔ جب ہم ہوٹل کی حدود میں داخل ہوئے تو پچھلے واقعات کے بارے میں دونوں کی تشنگی دور ہوچکی تھی۔

رات گہری ہورہی تھی۔ ہوٹل میں زندگی کی حرارت آفریں رونقیں عروج پر تھیں۔ ہم دونوں نے وہ پوری شام پیدل چلتے چلتے گزاری تھی۔ غزالہ کے ایما پر ہم کچھ دیر کے لیے ہوٹل کی لابی میں ٹک گئے اور اس نے ویٹر کو چائے کا آرڈر دے دیا۔

مجھے اور غزالہ کو ہوٹل کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے ہم نے لابی کا ایک ایسا گوشہ منتخب کیا تھا جہاں زیادہ روشنیاں نہیں تھیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم آنے جانے والوں کی نظروں سے محفوظ تھے مگر خود ان کا جائزہ لے سکتے تھے۔

بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی اچانک میری نظر سنیل پر پڑی۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں لابی سے گزر رہا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسی وقت ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور بے فکری سے ایک طرف چلا جارہا تھا۔ اسی وقت ویٹر نے چائے کے برتن ہمارے سامنے سجادیے۔

سنیل کی نگاہوں میں تجسس یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں تھا، اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیں یا کسی اور کو تلاش کررہا تھا۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے لابی میں نمودار ہوا اور سیدھا چلتا ہوا ایک طرف غائب ہوگیا۔

"یہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" غزالہ نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"ہم یہاں ہیں اس لیے وہ بھی یہاں نظر آرہا ہے۔ اسے اندازہ ہے کہ ہم یہیں کہیں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس نے کسی بھی قسم کے رابطے کے فقدان کی وجہ سے دانستہ اپنی رونمائی کرائی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آئی بی والے ہمارا اتنا زیادہ خیال رکھ رہے ہیں۔"

"پھر تو ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی وہ ہمارے پیچھے رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"اس کے نمودار ہونے کے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے اس کے خیال کی تائید کی۔

"حیرت ہے، میرے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلا کہ کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں بھی بے خبر رہا۔ ہم وقت گزاری کے لیے نکلے تھے۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا اس لیے میں نے آگے پیچھے کی کوئی پروا نہیں کی۔"

"یہ نہ کہیں۔" غزالہ نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "اگر ابھی کوئی آکر پوچھے کہ آپ نے پبلک بوتھ سے کسے فون کیا تھا تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

"کوئی بھی بہانہ کیا جاسکتا ہے۔ راستے میں اچانک مجھے فون کرنے کا خیال آگیا تھا۔"

میں نے روا روی میں غزالہ کی بات اڑادی مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آئندہ مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اگر سنیل ہماری بے خبری میں ہمارا پیچھا کرسکتا تھا تو را کا کوئی ایجنٹ بھی کامیابی سے ہمارا تعاقب کرسکتا تھا۔ ہمیں اپنا اگلا دن بھی دہلی میں گزارنا تھا۔ اس دوران میں میری کوئی بھی غفلت میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ ہم کو ہر صورت میں را کے بھیڑیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنا تھا۔

چائے ختم کرکے ہم نے لابی چھوڑ دی اور اپنے کمرے کی طرف ہولیے۔

دہلی کی جامع مسجد کے علاقے کی سیر کے دوران میں ہم شکم سیر ہوچکے تھے۔ کھانے کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ غزالہ نے نیچی آواز کے ساتھ ٹیلی ویژن آن کردیا اور لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی ویژن کی نشریات میں پچھلے واقعات کی گہری بازگشت موجود تھی۔ خبروں میں تصدیق کردی گئی تھی کہ رنگے ہاتھوں پکڑا جانے والا شخص بھارتی شہریت کا جھوٹا دعوے دار تھا۔ تفصیلی بازپرس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی تھی کہ ماضی میں وہ بھارت کے کسی شہر میں نہیں رہا تھا۔ اس کے بچپن اور لڑکپن کے شناسا نہیں تھے۔ وہ سختی سے اپنے بیان پر اڑا ہوا تھا مگر بھارتی حکام اپنے طور پر اس کی صحیح شہریت کا سراغ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔

ہماری مسہری کے اوپر، فالس سیلنگ کے دونوں شگافوں کے پیچھے چھپے ہوئے کیمرے شاید بیدار تھے اور ہم سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد وقت گزارنے کے لیے ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی ویژن بند کیا، غزالہ نے کمرے کی روشنیاں گل کردیں۔ وہ شہر کی سیر میں شاید زیادہ تھک گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئی لیکن میں مضطربانہ انداز میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ میرے لیے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ پوشیدہ کیمروں کے ذریعے را کے ایجنٹ ہماری خلوت میں دخل انداز ہوچکے تھے۔

نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ شاید یہ محاورہ درست نہ ہو لیکن شدید اضطراری کیفیت کے باوجود رات کے آخری لمحات میں میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو غزالہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوسکتی تھی مگر اس وقت میری ذہنی کیفیت نہ جانے کیا تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ غزالہ تیار ہوکر سکون سے ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ اسے خبر تک نہیں ہوئی کہ میں جاگ چکا تھا۔ اسے اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہم دونوں میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے ذریعے میں پچھلی شام کو ہی پاکستان والوں کو پیغام دے چکا تھا کہ وہ مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔ آئی بی والے پل پل کی صورتِ حال سے باخبر تھے۔ وہ مجھے فون کرنے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ میری دانست میں وہ کال نریش یا رینا کی ہوسکتی تھی۔

اپنے اس مفروضے کے ساتھ میں نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر نے لائن پر نریش کی موجودگی کی خبر سنائی اور میری رضا پاتے ہی لائن ملادی۔

"میرا خیال تھا کہ تم سو رہے ہوگے مگر تمہاری آواز بہت ترو تازہ ہے۔" میری آواز سنتے ہی نریش فون پر چہکا۔

میرے لیے اس کی خوش دلی حیران کن تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے کیمروں کے بندوبست کی ناکامی پر جھلایا ہوا ہوگا۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "گیارہ بجنے والے ہیں۔ میں کافی دیر پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت ناشتا کررہا تھا۔"

"ویری گڈ! یہ بتاؤ کہ اب تمہارے ڈپریشن کا کیا حال ہے؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"کل میں نے خاصا وقت شہر میں گزارا۔ اس سے موڈ تبدیل ہوا ہے مگر ایک تشویش اپنی جگہ برقرار ہے۔ شاید ایک آدھ دن میں وہ بھی دور ہوجائے گی۔" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر فی البدیہہ ایک شوشا چھوڑ دیا۔

وہ مجھ سے براہِ راست یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ میں پچھلی رات غزالہ سے دور کیوں رہا تھا مگر اس نے میری توقع کے مطابق میری بات پکڑلی اور رازدارانہ آواز میں پوچھا "خیریت تو ہے؟ تشویش کس بارے میں ہے تم کو؟"

"کوئی نفسیاتی گرہ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے بھی اپنی آواز دھیمی کرلی جیسے نریش مجھے غزالہ سے زیادہ عزیز اور قابلِ اعتماد محسوس ہوتا ہو۔ "میری گرل فرینڈ مجھ سے شاکی ہوگئی ہے۔ ہم یہاں ہنسنے کھیلنے کے لیے آئے تھے مگر اب

طبیعت اس کی طرف راغب نہیں ہو رہی۔"
میں نے اسے وہی بتایا تھا جو وہ میری اور غزالہ کی ریکارڈ کی ہوئی گفتگو کی صورت میں شاید پہلے ہی سن چکا تھا۔ ریسیور پر ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "تم بہت ڈرپوک آدمی ہو۔ یہ کمزوری قابلِ رحم ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں ایک سنیاسی سے ملوا سکتا ہوں۔ اس کے پاس دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اس کے نادر نسخوں سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔"
انڈین سیکرٹ سروس کا وہ ذمّے دار افسر اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے آمادہ تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہا "آج یہاں ہماری آخری رات ہے۔ میں جلد از جلد پاکستان جا کر ہی۔۔۔"
"پاکستان جانے کی تمہیں کیا جلدی ہے؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے نریش کی اضطراری آواز سنائی دی "دو چار دن میں تم بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔"
"تم سے پیشگی تنخواہ لے لینے کے بعد میرے سر پر تمہارے کام کا بوجھ سوار ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے گھر اور ماحول میں لوٹ کر مجھے کسی علاج معالجے کی ضرورت نہ رہے۔ میں خود ٹھیک ہو جاؤں۔ سچ پوچھو تو اب یہاں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"
"میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔" نریش کا لہجہ خشک اور مایوسانہ ہو گیا۔ "تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم دہلی کے بارے میں خراب تاثرات لے کر نہ جاؤ۔ یہ مہمان نوازوں کا شہر ہے۔ میرا کام دو چار دن بعد بھی شروع ہو سکتا ہے۔"
"نہیں نریش!" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کوئی مرض نہیں، نفسیاتی گرہ ہے۔ جو تمہاری بدسلوکی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میں جب بھی تمہارا سامنا کرتا ہوں میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہے۔ ذہن پر عجیب اور بے نام خوف سوار ہو جاتا ہے۔ اس ماحول سے نکلتے ہی میں سدھر جاؤں گا۔ میرا یہاں سے لوٹ جانا ہی میرے اور تمہارے مفاد میں ہے۔"
میرے اس جواب میں خاصی تلخی موجود تھی جو نریش کی بڑائی کے اظہار میں شاید معدوم ہو گئی تھی۔ اس کی آواز یکایک پُرغرور ہو گئی۔ "مظہر! تم بلاوجہ مجھے بدنام کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ دلی کے تیسرے درجے کے چور اور اچکے بھی اس سے زیادہ ذہنی اور جسمانی تشدد ہنستے کھیلتے سہہ لیتے ہیں۔ تم تو ذرا سی پوچھ گچھ میں ہی پینیدے کے بل بیٹھ گئے۔"
"تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔" میں نے نرم آواز میں اعتراف کیا "چور اور اچکے ہر بات اور مار سہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ڈھیٹ ہو چکے ہوتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں ایک عزت دار کاروباری آدمی ہوں۔ وہ میری زندگی کا پہلا تلخ تجربہ تھا جو میرے دماغ کی نسوں میں بیٹھ چکا ہے۔"
شاید میری کہی ہوئی بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی بوجھل آواز آئی۔ "یہ سچ تمہیں انکل انل کے سامنے اگلنا چاہیے تھا۔ وہاں تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ میری بات کو الزام بنا کر جھٹلایا۔ اب مان لو کہ تم نے بیلا سنگھ کو میرے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف نہیں کیا تھا بلکہ تم اس کا کچھ بگاڑنے کے قابل ہی نہیں تھے۔"
"اس وقت مجھے خود اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ اپنی ساتھی کے شکوے کے بعد میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم چاہو تو میں یہ بات تمہارے انکل کے سامنے بھی دہرا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے دوست کی بیٹی والے قصے سے اس کا بھی کوئی تعلق ہے۔"
"انکل کا اس معاملے سے کیا واسطہ!" اس کی جھلّائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی "میں تمہیں یہ جتا رہا تھا کہ وہاں تم نے جھٹ اپنی اور رینا کی فلم کا طعنہ دیا تھا۔ اب کچھ اور سنا رہے ہو۔"
اسے ساگانا یا مشتعل کرنا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ میں نے جھٹ ہتھیار ڈال دیے۔ "اس وقت میں غلطی پر تھا۔ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ تم جس طرح چاہو، میں اپنی تضاد بیانی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ویڈیو آج بھی ہمارے قبضے میں ہے۔"
"یہ بات میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔" میں نے جلدی سے کہا "پتا نہیں تم بار بار اس کا حوالہ کیوں دیتے ہو۔"
"ایک عزت دار کاروباری آدمی کو اس کے کمزور لمحوں کا احوال بار بار یاد دلانے سے اس کا حافظہ مضبوط رہتا ہے۔ تم نے ہم سے کیے ہوئے معاہدے سے ذرا بھی منہ پھیرا تو کراچی کی ہر ویڈیو شاپ سے دس دس روپے کرائے پر تمہاری یہ فلم دستیاب ہو گی۔"
"یہ بات بھی تم پہلے بتا چکے ہو اور میں اسے ذہن نشین کر چکا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے سمجھوتا کیا

ہے۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ہمارے معاملات اس حد تک نہ پہنچے ہوتے جہاں آج نظر آرہے ہیں۔" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بعض باتوں کا بار بار دہرانا اچھا ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ طنز میں لتھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت خبیث اور بدفطرت آدمی تھا۔ اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے بلیک میلنگ پر تلا ہوا تھا اور پھر بلیک میل کرنے کے لیے بار بار ایک ایسی فلم کا حوالہ دے رہا تھا جو ناگر کی ہڈیوں کے ساتھ نریش ہی کے دفتر میں جل کر خاک ہو چکی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ میں اسے فلم کے انجام کے بارے میں اپنی معلومات کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ مجھ سے حقیقت چھپا کر مسلسل جھوٹ بولے جا رہا تھا۔

مجھے یکایک احساس ہوا کہ مجھ سے تازہ ترین گفتگو کے بعد وہ جھوٹ اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ جب تک اسے یہ امید تھی کہ وہ جلی ہوئی فلم کا کوئی متبادل حاصل کرلے گا، وہ پر امید تھا۔ میرے اوپر بیلا سنگھ کا وار ناکام ہونے کے بعد وہ جھلا کر پھٹ پڑا تھا مگر پھر اس کے شیطانی دماغ نے میرے کمرے میں خفیہ کیمرے نصب کرنے کی راہ نکال لی اور میرے ساتھ اس کا رویہ خوشگوار ہو گیا۔

اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کے سائے میں ہم نے عافیت کی ایک رات گزار لی تھی۔ کام کوئی مواد نہ ملنے پر شاید اس نے متجسس ہو کر مجھے فون کیا اور اس بار میں نے اس کے گھناؤنے کھیل کی طوالت ختم کرنے کے لیے اسے ایک بالکل نئی کہانی سنا ڈالی جس کی روشنی میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے وہ کہانی مایوس کن ثابت ہوئی تھی۔

ایسی صورت میں وہ جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ ریتا اجیت رائے کے روپ میں اس نے میری طرف پہلا تیر چلایا تھا ٹھیک نشانے پر لگا تھا مگر اس کے دفتر میں لگنے والی آگ نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔

میرے خلاف اس کے پاس ایسا کوئی مواد نہیں رہا تھا جس کے سہارے مجھے بلیک میل کیا جاسکے۔ اپنی تیسری کوشش کی طرف سے ناامید ہونے کے بعد اس کے سامنے وہی ایک راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ جھوٹ پر جم جائے اور مجھے پہلی فلم کی دھونس دیتا رہے۔

"تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا دل خوش کر رہے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ مجھے اپنی کمزور پوزیشن کا اندازہ ہے۔"

"آج دہلی میں تم اپنی آخری رات گزارنے کے پابند ہو۔ کل صبح تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو واپس لوٹ جاؤ۔" میرے عاجزانہ جواب سے تسکین پاتے ہی اس نے وہ بات کہہ ڈالی جس کا میں دیر سے منتظر تھا۔

انل بسواس نے پچھلے دن را کے صدر دفتر میں غزالہ سے وہی بات کہی تھی مگر مجھے بھروسا نہیں تھا کہ وہ لوگ آخر تک اپنے اس فیصلے پر قائم رہیں گے۔ نریش نے میری طرف سے ناامید ہونے کے بعد وہ بات دہرائی تھی تو اس میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور تھا۔

"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا اور تمہارے انکل کا شکر گزار ہوں۔ شاید ہم کل کا دن شاپنگ میں گزاریں گے۔ پرسوں میں تمہارے مشن کی تکمیل کے لیے دہلی سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ڈینی میرا سب سے پہلا ہدف ہوگا۔" آخری فقرے کا اضافہ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

"کاش تم اس عفریت کو اپنے کسی جال میں پھانس سکو!" دکھتی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی وہ حسرت بھرے لہجے میں بول اٹھا "تم سوچ نہیں سکتے کہ یہ کام کر کے تم اپنے لیے کیا مقام پیدا کرو گے۔"

آزادی کا مژدہ سنا کر پہلے اس نے مجھے خوش کیا تھا۔ ڈینی کو گرانے کا عہد دہرا کر میں نے اسے خوش کر دیا۔ یوں تلخیوں سے گزرنے والی ہماری وہ گفتگو ایک بہتر انجام کے ساتھ ختم ہو گئی۔

اس کال پر غزالہ کی خاموشی خطرناک ثابت ہوتی کیونکہ ہمارے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز کہیں سنی اور ریکارڈ کی جا رہی تھی۔ غزالہ کو اس نازک صورت حال کا مکمل ادراک تھا۔ میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو غزالہ نے بے ساختہ پوچھا "کیا نریش سے بات ہو رہی تھی؟"

"بہت صحیح اندازہ لگالیا تم نے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا میں نے اس کا نام لیا تھا؟"

"نام بھی لیا تھا مگر میں نے آپ کے بعض جواب سنے ہیں۔ کیا اب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے؟"

"مسئلہ کوئی نہیں ہے۔ وہ میرے ڈیریشن کی طرف سے فکر مند تھا۔ ساتھ ہی یاد دلا رہا تھا کہ پاکستان لوٹنے کے بعد میں اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو فراموش نہ کروں۔ مجھے بار بار کی یہ تکرار اچھی نہیں لگتی۔ اس پر ذرا سی بحث ہو گئی تھی۔"

"را والوں سے آپ کے کیا وعدے ہوئے ہیں؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی سے پوچھا

کہ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا۔
"کوئی وعدے نہیں ہوئے۔" میں نے سنبھالا لے کر اسے جواب دیا "یہ مردانہ باتیں ہیں۔ تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
"میں خود بھی آپ سے کچھ نہیں پوچھتی۔ اس وقت آپ کی یک طرفہ باتیں سنی ہیں تو دل میں تجسس جاگ اٹھا۔ را کا قصہ شروع سے چل رہا ہے لیکن میں نے اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔"
"یہ بھارت کی باتیں ہیں۔ انہیں تم یہیں بھول جاؤ گی۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تم نے کسی کے بھی سامنے را کا نام لیا تو یہ سمجھ لینا کہ میرے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔"
"یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے صرف اپنی اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ اس سے آگے آپ کیا کرتے ہیں، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"
ناشتے کے بعد ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ ساری گفتگو را والوں کو سنانے کے لیے تھی جو ہمارے کمرے میں مائیکرو فون لگا کر کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ یہ بات ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں ہوٹل کے کمروں میں اپنا کم سے کم وقت گزارنا تھا۔ اس لیے غزالہ نے تجویز پیش کی کہ ہم بازار کا ایک چکر لگا لیں تاکہ اگلے دن کے لیے خریداری کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور میں فوری طور پر رضامند ہو گیا۔
دہلی میں ہم دونوں کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا جسے دکھانے کے لیے ہمیں زیادہ تیاری یا خوش پوشی کے کسی نفیس مظاہرے کی ضرورت ہوتی۔ ہم ذرا سی دیر میں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔
ہوٹل سے نکلنے کے بعد ایک مرتبہ پھر کناٹ پلیس کے علاقے نے ہمارے قدم روک لیے۔ شہر میں سیر و تفریح کے متعدد مراکز موجود تھے جن کی اپنی اپنی خوبیاں تھیں مگر کناٹ پلیس کی بات ہی اور تھی۔ وہاں سے بارہا گزرنے کے باوجود میں اس پرشکوہ علاقے میں ہر مرتبہ ایک نئی کشش محسوس کرتا تھا جو دوسرے علاقوں میں مفقود تھی۔
خریداری کا ذکر ایک بہانہ تھا ورنہ ہمیں اس روز بھی باہر کوئی کام نہیں تھا۔ ہم کافی دیر تک کناٹ پلیس کی دائرہ در دائرہ عمارتوں کی اونچی اونچی راہداریوں، پرشوکت برآمدوں اور شاندار دکانوں میں گھومتے رہے۔ اس دوران میں غزالہ تھوڑی بہت خریداری بھی کرتی رہی۔ میں نے اس بات پر کڑی نگاہ رکھی تھی کہ وہ کوئی بھاری چیز نہ خریدنے پائے۔ زیادہ بھاری سازو سامان ہماری واپسی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔
کناٹ پلیس سے جامع مسجد ایک سمت میں تھی تو قرول باغ کا علاقہ دوسری طرف تھا۔ میں نے سوچا کہ اگلی رات ہمیں اپنے بڑے شکار کے لیے اس طرف جانا تھا۔ کیوں نہ اسی وقت وہاں کا ایک چکر لگا لیا جائے۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ میں اس آبادی میں انل بسواس کا بڑا گھر پہچاننے میں کامیاب ہو جاؤں جو سنیل ایک بار مجھے دکھا چکا تھا۔
سنیل کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق نریش شرما بھی اسی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا گھر چھوٹا تھا جبکہ انل بسواس کو اپنے بڑے عہدے کی بنا پر ایک وسیع کوٹھی ملی ہوئی تھی جہاں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔
"ہمیں اسی طرف چلنا چاہیے۔" میری تجویز سن کر غزالہ خوش ہو گئی "یہاں ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہو سکے تو ہمیں ان دونوں کے گھروں میں گھس کر مواقع کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے۔"
"ایسا کوئی خیال دل میں نہ لانا۔ اب وہ ہم دونوں کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کے گھروں میں گھسے تو اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔"
"پھر تو ہمیں ادھر کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے اتفاق سے ہمیں قرول باغ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ ہمارے کل کے مشن کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"
وہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ ایک وسیع رہائشی علاقہ ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی کے گھر نہیں پہنچ سکتے۔ بس ذرا اس علاقے سے آشنائی ہو جائے گی۔ شہر میں لوگ بھانت بھانت کے حلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ہم بھی بڑے چھجوں والے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے خرید لیتے ہیں۔ سرسری نظر میں ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پہچان سکے گا۔"
"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔
"ادھر نہیں۔ یہ کل والا راستہ ہے جو جامع مسجد کی طرف جاتا ہے۔ آج ہمیں اس طرف جانا ہے۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ گھما دیا۔
کناٹ پلیس سے نکل کر ہم اندر ہی اندر پہاڑ گنج کے گنجان اور بارونق علاقے میں اتر گئے۔ پہاڑ گنج کو دہلی میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم شہر کے اس حصے سے اتنا قریب رہ رہے تھے۔
مجھے یاد تھا کہ جب میں آئی بی والوں سے اپنی پہلی ملاقات کے لیے حضرت باقی باللہ کے مزار پر گیا تھا تو نئی دہلی کا ریلوے اسٹیشن میرے داہنے ہاتھ پر پڑا تھا۔ وہاں سے

گزرتے ہوئے رکشا والے نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا تھا کہ سڑک کے بائیں طرف پہاڑ گنج کا علاقہ تھا۔

پہاڑ گنج میں دہلی کی قدیم اور جدید تہذیب کے شاہکار یکجا نظر آتے ہیں۔ عمارتوں سے انسانوں تک میں یہ خوشگوار اور انفرادی تضاد نظر آتا ہے۔ کسی گائیڈ کی مدد کے بغیر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہاں کھڑی ہوئی عمارتیں کس دور کی عکاسی کررہی ہیں۔

پہاڑ گنج سے نکلتے ہی ہمیں ایک دکان کے نام کے نیچے انگریزی میں جھنڈے والان لکھا ہوا نظر آیا۔ وہ شاید اس آبادی کا نام تھا۔ اس سے آگے قرول باغ کا زندگی سے معمور رہائشی علاقہ واقع تھا۔

اپنی اس طویل پیدل مہم میں ہم جھنڈے والان سے سیدھے بندھو گپتا روڈ پر جا نکلے۔ ہمارا مقصد قرول باغ کی سڑکیں ناپنا نہیں تھا۔ میں اس علاقے کا ناقدانہ سروے کرنا چاہ رہا تھا۔ دہلی پبلک لائبریری سے آگے نکلتے ہی میں بائیں طرف مڑ گیا۔

ہم نے باتیں کرتے ہوئے اور راستے میں نظر آنے والے ہر قابل ذکر مقام میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے اپنا وہ سفر خراماں خراماں طے کیا تھا اس لیے ہمیں ہوٹل سے وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی ورنہ میرے اندازے کے مطابق وہ مسافت ڈھائی تین کلو میٹر سے زیادہ نہیں تھی۔ پیدل وہاں تک پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ ہمارے بدترین دشمن ہمارے پڑوس ہی میں رہ رہے تھے۔

ہم نے راستے میں بڑے ہیٹ اور دھوپ کے سستے چشمے خرید لیے تھے۔ دہلی کی تپتی ہوئی گرمی میں وہ چیزیں ذرا بھی اجنبی نہیں تھیں۔

بازاروں کی حد تک ہر بات ٹھیک تھی۔ کسی نے ہمیں ٹوکا نہ کچھ کہا لیکن قرول باغ میں گھسنے کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ متوسط طبقے کے مکانوں کے باہر موجود لوگ دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور دبی آوازوں میں آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔

"آپ ان باتوں پر دھیان نہ دیں۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "یہ بہت اچھی بات ہے کہ دلی کے باسی ابھی اس معاشرتی بیگانگی کے شکار نہیں ہوئے ہیں جو کراچی میں عام نظر آتی ہے۔ انہیں تجسس ہے کہ ان کے علاقے میں کون آیا ہے اور کس تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کراچی میں چور اور ڈاکو تک دندناتے ہوئے آتے ہیں اور اپنا شکار کھیل کر لوٹ جاتے ہیں۔ جس پر وہ ناگہانی افتاد ٹوٹتی ہے وہی اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ دوسرے معصوم تماشائی بنے رہتے ہیں اور کبھی زبانی ہمدردی سے آگے نہیں بڑھتے۔"

"اس وقت تم کسی معاشرتی اسکالر کی طرح تقریر کررہی ہو۔"

"تیز مشاہدہ رکھنے والا ہر حساس آدمی اپنے ماحول کا اسکالر ہوتا ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں کہہ رہی تھی "ہمیں اپنے علاقے میں دیکھ کر ان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی اور یہ بے حس بنے بیٹھے رہتے تو مجھے صدمہ ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم یہاں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کریں تو تھوڑی دیر میں اپنے دونوں حریفوں کے دروازوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم یہاں اس مقصد سے نہیں آئے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ شوخی سے ہنس پڑی "میرا بھی یہ ارادہ نہیں ہے۔ میں ایک مثال دے رہی تھی۔"

کسی بھی آبادی میں نووارد افراد کا تجسس اور ان کا متلاشی انداز مقامیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ ہم تیسری گلی سے گزر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے کئی نوعمر اور ادھیڑ عمر افراد کی نظریں ہمارے اوپر مرکوز ہوچکی تھیں۔

میں نے بھی دور سے ان کے تیور بھانپ لیے اور اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس ٹولی کو یکسر نظرانداز کرکے تیزی سے آگے نکلتا چلا جاؤں گا۔

"تم بھی ان کی طرف نہ دیکھنا۔" میں نے غزالہ کو خبردار کیا "یہ بھیڑ گلے پڑ سکتی ہے۔"

"نہیں دیکھوں گی مگر مجھے ان کی نظروں میں ہمدردانہ تشویش نظر آرہی ہے۔"

"بک بک مت کرو۔ ہمارے لیے صرف دو بھارتی ہمدرد کافی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں تلخی سے کہا۔

ہم نے اپنی گردنیں سیدھی کیں اور تیز تیز قدموں سے ان کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کئی ہم سے مخاطب ہونے کے متمنی تھے مگر ہماری توجہ نہ پاکر ان کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

لیکن ان میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ وہ ہمارے پیچھے لپکتا ہوا چند لمحوں میں ہمارے ساتھ ہولیا۔

"بھیا! پردیسی لگتے ہو' کس کا گھر ڈھونڈ رہے ہو؟" اس نے کھیسیں پھیلا کر بہت نرمی سے پوچھا۔

میں نے دھوپ کے چشمے کے تاریک شیشوں کی اوٹ سے اسے گھورا۔ وہ ایک سادہ لوح آدمی تھا۔ اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اطمینان سے کہا "ہم بھگت سنگھ کا گھر ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اس کے چہرے پر ناچنے والی مسرت دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ مسرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا "وہ تو پیچھے والی گلی میں رہتے ہیں۔ ریلوائی میں منشی کا کام کرتے ہیں۔ آؤ' میں تمہیں ان کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت گھر پر ان کے بال بچے ہوں گے۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے شام ڈھلے واپس آتے ہیں۔"

اس نے ایک ہی سانس میں معلومات کا دریا بہا دیا تھا جو میرے لیے سود مند ثابت ہوا۔ میں نے تحمل اور سنجیدگی سے کہا "ہمارے بھگت سنگھ تیل کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا ریلوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔"

وہ بے چارہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے جوابی وار میں اسے چت کر دیا تھا۔

چند ثانیوں تک اپنا سر کھجانے کے بعد اس نے پوچھا "ان کے مکان کا نمبر کیا ہے؟"

"نمبر نہیں معلوم مگر گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد اس کا گھر تلاش کر لیں گے۔"

"آگے جا کر تم الٹے ہاتھ پر مڑو گے تو وہاں پیپل کے نیچے شطرنج کی بازی چل رہی ہوگی۔ وہ لوگ سب کو جانتے ہیں۔ تمہیں دوسرے بھگت سنگھ کے گھر بھیج دیں گے۔ کوئی بھی بچہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

اس سے گلو خلاصی کی امید ہوتے ہی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا' اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

غزالہ اس صورت حال سے خاصی محظوظ ہوئی تھی۔ چند قدم دور نکل آنے کے بعد بولی "شطرنج بازوں کے گھیرے میں پھنس گئے تو وہ آپ کو بھگت سنگھ نامی کسی تیل فروش تک پہنچائے بغیر ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ ہو لیا یہاں کا جائزہ' میری مانیں تو اسی وقت یہاں سے نکل جائیں۔ زبردستی ہمدردیاں لوٹنے والے لوگ کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔"

"آثار یہی بتا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے آبادی کے قلب میں گھسنے کے بجائے وہاں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

وہاں سے زبردستی نکل بھاگنے کا بنیادی سبب یہ خوف تھا کہ ہمارا کوئی خود ساختہ ہمدرد ہمیں ہمارے مطلوبہ گھر تک پہنچانے کے لیے ہمارے گلے پڑ جاتا تو ہم مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ ہم جن گھروں کا جائزہ لینے کی نیت سے قرول باغ کے علاقے میں آئے تھے' ان کے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔

اس کے ساتھ میرے ذہن پر ایک اور فکر بھی سوار تھی۔ پچھلے دن طے ہونے والے پروگرام کے مطابق رینا اجیت رائے کو چار اور چھ بجے کے درمیان ہم سے آخری ملاقات کے لیے آنا تھا۔

رینا کی دلیل یہ تھی کہ وہ پہلے بھی مجھ سے ملتی رہی تھی۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری دن اس معمول کا اعادہ ضروری تھا تاکہ اس کے بڑوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔

نریش شرما کے آدمیوں نے میرے کمرے کو جس انداز میں میرے لیے مخدوش بنا دیا تھا وہ رینا سے پوشیدہ نہیں تھا بلکہ وہ خبر اسی کے ذریعے میرے علم میں آئی تھی۔ رینا اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیتی تو ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے کمروں سے ہٹانے کے بعد را والوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے۔

رینا اپنی پوزیشن کو شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے آ رہی تھی۔ اس کے لیے میرا کمرا ہی سب سے بہتر تھا جہاں کہی جانے والی ہر بات کہیں نہ کہیں سنی جا رہی تھی۔ مجھ سے مخصوص نکات پر بات کر کے وہ اپنے دامن سے رہے سہے شبہات کے داغ بھی آسانی سے دھو سکتی تھی۔ میں رینا کی اس ترجیح میں دخل انداز ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اس وقت رینا کا تحفظ ہمارے اپنے تحفظ کے لیے ضروری تھا۔ نریش شرما کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ ہماری اس لڑکی سے کوئی ملی بھگت تھی تو وہ بہت آسانی سے وہ اسباب سمجھ سکتا تھا جن کی بنا پر میں اس کے بچھائے ہوئے ہر جال سے بچتا رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں صرف رینا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی را کی بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اپنی خوب صورتی اور خوش کلامی کی وجہ سے را کے عیاش طبع افسروں میں بھی بہت مقبول تھی۔ اعلیٰ افسران سے اپنے قریبی مراسم کی وجہ سے وہ تقریباً ہر اہم بات سے باخبر رہتی تھی۔ اس میں شاید اس کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا تھا ورنہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں طے کی جانے والی ہر اہم بات اس لڑکی کے علم میں آتی چلی جائے۔ وہ میری ہمدرد بن چکی تھی اس لیے اپنی تنظیم میں رہتے ہوئے ہر وقت ایسی باتوں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی تھی جو کسی بھی طرح میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ وہ اپنی بھرا انتفا نہیں کرتی رہی تھی۔ ہر جتن کر کے مجھے خطرے سے قبل از

وقت آگاہ بھی کر دیتی ہے۔

را کی صفوں میں جوان، خوب رو اور کج ادا لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ وطن کی سلامتی کے لیے اپنی آبرو لٹا دینے کے پر فریب نعرے کے ذریعے انڈین سیکرٹ سروس نے معاشی بدحالیوں میں گھری ہوئی ایسی لڑکیوں کی ایک پوری فوج پالی ہوئی تھی۔ ان میں سے بیلا سنگھ کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ کسی بھی اوباش صفت مرد کو رینا اور بیلا میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو وہ رینا اجیت رائے پر دوسری نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر بیلا سنگھ کے قدموں میں سر جھکا دیتا۔

اپنی بے شرمی اور آوارہ مزاجی سے قطع نظر، بیلا سنگھ واقعی غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

مگر یہ رینا اجیت رائے کی یا پھر میری خوش قسمتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس کی طوائفوں کے اسکواڈ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے نریش شرما کو بیلا سنگھ اور دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں رینا اجیت رائے زیادہ مرغوب تھی۔ شراب کے بعد اسے جب بھی شباب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، وہ رینا کو اپنی خلوت میں بلا لیتا تھا۔

رینا درونِ پردہ میری خیر خواہ تھی۔ نریش شرما عملی طور پر میرا سب سے بڑا حریف تھا۔ میرے بارے میں انل بسواس کے ہر منصوبے کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا، اس لیے میرے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہوتا تھا۔

اس وقت تک رینا اور نریش کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس ناک دوستی میرے لیے سودمند ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ رینا اپنی آخری ملاقات میں مجھے کچھ نہ کچھ نیا مواد ضرور فراہم کرے گی۔

کچھ دیر تک قرول باغ کی گلیوں اور آبادی میں بھٹکنے کے بعد ہم ایک مصروف سڑک پر نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران میں، میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس خوش حال اور آباد علاقے میں بڑے مکانوں پر بھی کہیں مسلح گارڈ نظر نہیں آئے تھے۔ چھوٹے گھر عام طور پر تنخواہ دار دربانوں کی ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ قرول باغ کے کشادہ گھروں کے پھاٹکوں پر کہیں کہیں ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ چوکیدار ضرور نظر آئے جن کا کام شاید صرف اتنا تھا کہ مکینوں اور ان کے مہمانوں وغیرہ کی آمدورفت کے لیے بڑے پھاٹک کھول کر بند کر سکیں۔

اس زمانے میں شہری آبادیوں میں انفرادی تشدد اور دہشت گردی کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ دنیا کے بڑے اور گنجان آباد شہروں کی بات تو ایک طرف، کراچی جیسے شہر میں متمول شہری خود کو اپنے گھروں میں محفوظ تصور نہیں کرتے تھے۔ ہر آن کسی چور، ڈاکو، قاتل یا اغوا کر کے اٹھالے جانے والوں کی مداخلت کا خطرہ ان کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹکتا رہتا تھا۔

ان خطروں سے بچاؤ کے لیے گھروں پر مسلح حفاظتی گارڈ مامور کیے جانے لگے تھے۔ اس رجحان کا جہاں فائدہ تھا وہاں ایک بڑا نقصان بھی تھا کہ ایسے گارڈ اپنے آقاؤں کی ثروت اور تمول کا نشان سمجھے جانے لگے تھے۔ کسی بھی گھر پر مسلح گارڈ کا اشتہاری وجود دیکھ کر سماج دشمن عناصر فوری طور پر سمجھ لیتے تھے کہ اسامی تگڑی ہے۔ مکین اپنی چار دیواری میں محفوظ رہتے تھے مگر اس سے باہر نکلتے ہی ان کے لیے دوسرے خطرات شروع ہو جاتے تھے۔

میرے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ دہلی یا کم از کم قرول باغ کے معززین کے گھروں میں مسلح گارڈ رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ شاید وہی ایک مشاہدہ میری اس کوچہ نوردی کا حاصل تھا۔

انڈین سیکرٹ سروس والوں کو ہمارے کمروں میں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ مجھے اور غزالہ کو یہ فکر نہیں تھی کہ ہم وہاں سے زیادہ دیر غائب رہے تو وہ کمرے میں کوئی زیادہ گڑبڑ کر دیں گے۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور ایرٹیس کا کمرے میں وجود نہیں تھا۔ وہ تینوں خطرناک چیزیں میں پہلے ہی سینتل کے حوالے کر چکا تھا۔

واپسی میں ہم پہاڑ گنج کے ایک صاف ستھرے اور مختصر سے نہاری ہوٹل میں بیٹھ گئے جہاں چبوترے میں گڑی ہوئی جناتی دیگ پر ایک بارلیش نوجوان آستینیں چڑھائے بیٹھا ہوا تھا اور ہوٹل سے باہر تک کی فضا نہاری کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

عمدہ نہاری کے لیے بچھیا کا گوشت لازمی خیال کیا جاتا ہے جبکہ بھارت میں آباد ہندو اکثریت گائے کو اپنی ماتا مان کر پوجتی ہے۔ عقائد کے اس سنگین تضاد کی وجہ سے بھارت میں گائے کے ذبیحے پر پابندی چلی آ رہی ہے مگر سنا یہی جاتا کہ ذائقے اور چٹخارے کے شوقین مسلمان ہر خطرہ مول لے کر چوری چھپے اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ دہلی کے مسلمان محلوں میں پوشیدہ طور پر گائے کا ذبیحہ ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں سارا گوشت گھروں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور کہیں گئو ماتا کی ہتیا کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

میں نے فرض کر لیا کہ اس نہاری ہوٹل کے مالکان بھی اپنی نہاری کا خام مال ایسے کسی ذریعے سے حاصل کرتے ہوں گے۔

نہاری واقعی بہت لذیذ تھی جس میں چٹپٹے مسالے استعمال کیے گئے تھے۔

”دہلی آکر ہم نہاری نہ کھاتے تو اپنے ساتھ بڑا ظلم کرتے“ شکم سیر ہونے کے بعد غزالہ نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے کہا۔

”جو نعمت جس کے لیے لکھ دی گئی ہے وہ اس سے ضرور فیض یاب ہوتا ہے“ میں نے ہنس کر جواب دیا۔

میری کوشش تھی کہ ہم رینا سے طے کیے ہوئے وقت سے پہلے ہوٹل پہنچ جائیں لیکن پیدل چلنے کے خبط میں ہمیں ذرا سی دیر ہوگئی۔ چار بجے ہم کاؤنٹر سے چابی لے رہے تھے تو ہمارے لیے کوئی پیغام تھا نہ رینا کا دور دور تک کوئی سراغ نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں چابی لے کر سیدھے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

”آپ کی چہیتی ابھی تک نہیں آئی۔ آپ بلاوجہ اس کی پریشانی کی طرف سے فکرمند تھے“ راستے میں غزالہ نے ہنس کر کہا۔

”اس نے چار بجے کا نہیں، چار اور چھ بجے کے درمیان کا وقت دیا تھا“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”پھر رات کو گوپال بھی آئے گا“ غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ”آپ کو اس سے بہت کچھ طے کرنا ہے۔“

دراصل گوپال ہی اس دن کا اہم ترین ملاقاتی تھا کیونکہ مجھے اس سے مل کر انل بسواس کے خاتمے کے منصوبے کی جزئیات طے کرنا تھیں اور پھر اسی کو دہلی سے ہماری روانگی کا بندوبست کرنا تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا۔

ساڑھے چار بجے رینا اجیت رائے نے لابی کے انٹرکام سے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں اسے فوری طور پر اوپر بلا لیا۔

”اب میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟“ غزالہ نے رینا کی آمد کی خبر سن کر سوال کیا۔

”ضروری نہیں ہے۔ اب اس کے رویے میں بہت سنجیدگی آگئی ہے“ میں نے کہا۔

”پھر بھی وہ آپ سے بے تکلف ہے۔ میں بیٹھی رہی تو وہ آپ سے کھل کر بات نہیں کرسکے گی۔“

غزالہ کا نکتہ وزنی تھا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”ابھی بیٹھی رہو۔ وہ آئے تو اس سے مل کر چلی جانا۔“

ذرا سی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی اور میری اجازت پا کر رینا کمرے میں آگئی۔ اپنے معمول کے مطابق

اس نے گہرا اور شوخ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کا لباس بھی صنف مخالف کے لیے خاصا پرکشش تھا کیونکہ اس میں سے رینا کے بدن کے بعض حصے جھلک رہے تھے۔

اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور بے تکلفی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

غزالہ نے خوش خلقی سے اس کی مزاج پرسی کی اور پھر معذرت کرکے کمرے سے چلی گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تم ٹھیک چار بجے یہاں پہنچ جاؤ گی۔ میں دہلی میں آوارہ گردی کا پروگرام مختصر کرکے ٹھیک وقت پر واپس لوٹ آیا تھا۔"

"مجھے بریفنگ لینے میں دیر ہوگئی" اس نے منی بار کی طرف جاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"کیسی بریفنگ!" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ میں پریشان ہوگیا تھا کہ اس نے کمرے میں چھپے ہوئے آلات کی موجودگی سے واقف ہونے کے باوجود ایک ممنوع موضوع پر بات چھیڑ دی تھی۔ اگر اسے میرے بارے میں کوئی بریفنگ دی گئی تھی۔ تو اسے باہر جانے کے بعد اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

"نریش جی کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ تمہارے ساتھ سر کھپاتے۔ میں بہت سی باتوں سے واقف ہوں۔ جو رہ گئی تھیں، وہ مجھے بتادی گئی ہیں" اس نے چھوٹے سے ریفریجریٹر کے پاس کھڑے کھڑے اپنے لیے ڈرائی جن کا ایک گلاس تیار کرتے ہوئے جواب دیا "دہلی سے جانے سے پہلے تمہارا پورے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ تم پاکستان لوٹنے کے بعد یکسوئی سے اپنا کام سرانجام دے سکو۔"

"کل تمہارے انکل اور نریش کی بریفنگ کے بعد بھی یہ ضرورت باقی تھی۔"

وہ اپنا گلاس لے کر دوبارہ صوفے پر لوٹ آئی "بات ہوگی تو تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا۔"

"پھر تم کس انتظار میں ہو؟ بلاوجہ تجسس پھیلانے کے بجائے براہِ راست شروع ہوجاؤ۔"

"اف!" وہ منہ بنا کر تیکھی چتون کے ساتھ بولی "تم تو ہونٹ بھی تر نہیں کرنے دو گے۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور گلاس ہاتھ میں تھامے دوبارہ صوفے سے اٹھ گئی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ مار کر میری پشت پر ایک ہلکی سی چٹکی لی اور ڈھٹائی سے میری مسہری پر نیم دراز ہوگئی۔

"کچھ تھکی ہاری معلوم ہو رہی ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "شاید بریفنگ نے تمہارے ننھے سے دماغ پر زیادہ اثر ڈالا ہے۔"

"کوئی سہولت میسر ہو اور آدمی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو ناشکرا کہلاتا ہے۔ تمہاری پخ جا چکی ہے۔ میری مانو تو تم بھی یہیں مسہری پر آجاؤ۔" مسہری پر وہ خفیہ کیمروں کی زد میں آئی ہوئی تھی جبکہ میں اس رینج سے باہر تھا۔ وہ اپنے مکالموں سے انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں کو سنا رہی تھی کہ اس نے الوداعی ملاقات میں مجھے ایک مرتبہ پھر اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں تمہارے نریش نے میرے دماغ کی کون سی کل مروڑی ہے کہ اب زندگی کی ہر رنگینی سے دل اچاٹ ہوگیا ہے۔"

"یہ نئی خبر ہے" وہ تعجب آمیز آواز میں بولی "میں پہلی بار تم سے ملی تھی تو تمہارا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تم جیسا بھوکا درندہ میرے معاملے میں اتنا سرد کیسے ہوگیا؟"

"ہونے والی بات کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ باتیں نریش کو معلوم ہیں۔ اپنی نئی کمزوری کی وجہ سے مجھے نریش کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اس سے پوچھو گی تو وہ تمہیں ہر بات ہر بات بتادے گا۔"

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نریش نے تمہارے دماغ کی کوئی کل مروڑی ہے۔ کیا اس نے تمہیں مجھ سے دور رہنے کی ہدایت دی ہے" اس نے چونک کر اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ یہ پیچیدہ کہانی ہے۔ اس نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ بس تم اسی سے بات کرلینا۔ اس وقت میں تمہاری زبان سے کوئی بریفنگ سننے کا منتظر ہوں۔ تم باتوں کے دوران بھی شراب نوشی کا شغل جاری رکھ سکتی ہو۔"

اس نے ڈرائی جن اور ٹانک واٹر کے محلول کا گلاس اپنے نرم و نازک اور آتشیں لبوں سے ہٹایا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی "بات ذرا کچھ زیادہ لمبی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔"

"تم کہیں سے بھی شروع کردو۔ ساری کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر مجھ سے پوچھا "تم جان اسمتھ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"کون جان اسمتھ!" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا "یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"

"یہ وہی امریکی ہے جو ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں مردہ پایا گیا تھا۔" رینا نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"اوہ!" میں نے ایسی صداکاری کی جیسے رینا کی زبان سے حوالہ سنتے ہی مجھے ہربات یاد آگئی ہو "جو کچھ اخبارات میں آیا ہے' وہی میرے علم میں بھی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہتی ہوں" رینا نے اصرار کیا۔ اس نے بستر پر اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

"وہ ایک امریکی سفارتی افسر تھا جو تعطیلات پر دہلی آیا ہوا تھا۔ یہاں اسے مار دیا گیا مگر اس سے میری بریفنگ کا کیا تعلق ہے" میں نے اس کے اصرار پر اپنے وجود میں بے چینی اور اضطراب کی ایک گہری لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ایسا نہیں تھا" رینا کے اگلے فقرے نے میرے ذہن میں بڑھتا ہوا دباؤ کم کردیا۔ وہ بتا رہی تھی "جان امریکا کی ڈپلومیٹک کور کا رکن ضرور ہے مگر اس کا اصل تعلق امریکی سی آئی اے سے ہے۔ ان لوگوں کو امریکا سے باہر اپنا کام کرنے کے لیے اکثر ایسی سفارتی آڑ کی ضرورت پڑجاتی ہے۔"

"یہ گہرے راز کی باتیں ہیں' تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم لوگوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا ہو" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں! تمہارے لیے یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اعتماد پیدا ہوسکے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نریش یا انکل کے لیے کام نہیں کروگے۔ تم دنیا کی بڑی اور مضبوط ترین قوموں کے مشن کو آگے بڑھاؤ گے' جن میں امریکا سرفہرست ہے اور....."

"مگر امریکا کا ایک بڑا افسر تمہارے شہر میں بہت بے بسی کی موت مارا جاچکا ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس کے انجام سے حوصلے کے بجائے عبرت حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ پاکستانی ایجنٹوں کی کھلی دہشت گردی تھی۔ ان کو" میں نے ایک مرتبہ پھر معصومانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "کیا ا ر ے کے پاکستانی قاتل پکڑ لیے گئے؟"

"وہ پکڑے نہیں گئے کیونکہ دہشت گردی کی کوئی شناخت نہیں ہوتی' وہ کھل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ سایوں کی طرح خاموشی سے نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کاری وار کرکے دوبارہ اپنے بلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کے لیے جس سفاکانہ خوں ریزی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ہر مہذب طاقت گریز کرتی ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ را کے دفتر میں آتش زنی اور جان کے قتل میں پاکستانی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ بھارت کی سرزمین پر کوئی اور قوت اتنی دیدہ دلیری سے سازشیں نہیں کرسکتی۔"

وہ اداکاری کو بھول کر ایک جذباتی ہوگئی تھی۔ ایک بھارتی اور وہ بھی را کی ایجنٹ ہونے کے ناتے' اسے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے گفتگو کو مخصوص دائرے میں محدود رکھنے کے لیے جلدی سے کہا "تم امریکا کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے جارہی تھیں۔"

"جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی سے نمٹنے کے ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کررہا تھا۔" اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لینے کے بعد کہنا شروع کیا "پاکستانی خفیہ ایجنسیاں بہت خطرناک اور طاقت ور ہیں۔ ان کی دریردہ

حمایت سے کچھ لوگ جان اسمتھ کے خون کے پیاسے ہو گئے اور اس نے خطرے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کراچی سے عارضی پسپائی اختیار کی۔ بظاہر وہ چند روز کی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی کی محفوظ فضاؤں میں آیا تھا اس لیے مقامی حکام نے اس کی حفاظت کے لیے کوئی غیر معمولی بندوبست نہیں کیا۔ یہ سنگین چوک تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ اسے زہر دے کر مار دیا گیا۔"

وہ بات اخباروں میں نہیں آئی تھی۔ اس کی زبان سے زہر کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں مزید جاننے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ میں نے پوچھا "کیا اسے کھانے میں زہر دیا گیا تھا؟"

"یہ تفتیش ہو رہی ہے۔ اس کے معدے کی آلائش میں انتہائی سریع الاثر زہر پایا گیا ہے جو صرف خیبر کے پہاڑوں میں پائے جانے والے سانپ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ خیبر کا سانپ ہوٹل کے کمرے میں گھس گیا ہو۔ سراغ کے عملے نے کمرے کا کونا کونا چھان لیا۔ وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ وہ خطرناک زہر کسی بیرونی طریقے سے اس کے بدن میں اتار گیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔"

"کیا یہ سب بھی تمہاری تازہ بریفنگ میں بتایا گیا تھا؟" میں نے نیک نیتی سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ قدرے چڑ گئی اور تیزی سے بولی "احمقانہ باتیں مت کرو۔ اہم واقعات سے ہم لوگ اپنے طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بریفنگ کچھ اور تھی۔ تم بار بار دخل اندازی کر کے مجھے اس موضوع سے ہٹا رہے ہو۔"

"سوری رینا! میں کوشش کروں گا کہ اب کوئی غیر متعلقہ سوال نہ کروں۔"

"میں تمہیں جان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس وقت وہ پاکستان کے خلاف سب سے مضبوط مہرہ تھا جو ہماری فیصلہ کن چال سے پہلے پٹ گیا مگر جلد ہی کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ اس نے پورے خلوص سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ پاکستان دنیا بھر میں ریاستی دہشت گردی کا سرخیل ہے۔ آئی ایس آئی کے ذریعے وہ لوگ منتخب دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتے ہیں، انہیں پالتے ہیں، وسائل کی ایسی بھرمار کرتے ہیں کہ جلد ہی وہ خود کفیل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو پڑوسی ملکوں میں ہانک دیا جاتا ہے۔ بھارت، کشمیر اور افغانستان ان کی توجہ کے خاص ملک ہیں۔"

"اب تم صرف پاکستان کی بات کر رہی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی کا تذکرہ کیا تھا" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں اسی طرف آ رہی تھی۔ پاکستان کی ان کامیابیوں سے دنیا میں دوسرے دہشت گردوں کو تقویت مل رہی ہے۔ افغانستان میں جہاد کا نعرہ لگا کر روسیوں کو بری طرح مارا گیا۔ مجاہدوں کو برداشت کرنا اور ان کو مالی اور فوجی امداد فراہم کرنا امریکا کی مجبوری بن چکا تھا۔ روس افغانستان میں خاک چاٹ کر اپنے زخموں کو سہلاتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس جنگ کے بھاری معاشی بوجھ اور سیاسی بحران نے روس کا تیاپانچا کر دیا۔ آج افغانستان کی سرزمین پر روسی اور امریکی ہتھیاروں سے لیس، دنیا کا سب سے بڑا اسلامی لشکر موجود ہے جو ہر وقت جہاد کے جوش میں کھویا رہتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم ہیں" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہاری سمجھ میں آ جائے گا" اس نے مجھے تسلی دی اور اپنی بات جاری رکھی "ایک طرف عالم اسلام کی طرف سے جہاد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلم دنیا کے پڑوسی ممالک بھیانک دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے اور امریکا نے حالات کے رخ کو بھانپ کر اس ابہام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جان اسی منصوبے پر کام کر رہا تھا۔"

"تم نے بہت بے رحمی سے جہاد اور دہشت گردی کو یکجا کر دیا" میں نے احتجاج کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو۔ تمہیں میری بات بری لگے گی۔ میں ہندو ہوں، میں تمہارے دھرم کو نہیں مانتی اس لیے جہاد کو بھی نہیں مانتی۔ یہ بتاؤ کہ جہاد کے نام پر پاکستان سے ہتھیار اور گولا بارود لے کر کشمیر پر چڑھائی کرنے والوں کو میں کیا نام دوں؟ انہیں دہشت گرد نہیں تو کیا کہوں؟"

"یہ دوسروں کے مذہب پر رکیک حملہ ہے۔ تم جہاد کی روح کو سمجھے بغیر ایسی باتیں کر رہی ہو۔"

"مظہر! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اس لیے ہندو ہوں۔ مجھے جہاد کی روح کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ کچھ لوگ مرنے مارنے کا ارادہ کر کے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور ان کے حریفوں پر موت راج کرنے لگتی ہے۔ یہ میری نہیں، ساری غیر مسلم دنیا کی سوچ ہے۔ تم مجھ سے بحث کر سکتے ہو۔ شاید مجھے قائل یا خاموش بھی کر دو لیکن امریکا اور پوری دنیا کو کون سمجھائے گا؟ میں تم سے صرف اپنی نہیں، امریکا اور اس کے سارے حلیفوں کی بات کر رہی ہوں۔"

کوئی سخت بات کہہ کر اسے بھڑکانا مناسب نہیں تھا۔ وہ عالمی فتنوں کی بات کر رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں چھپے ہوئے زہر کو اپنے بڑوں کی ہدایت پر میرے سامنے اگل رہی تھی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ خاموش رہ کر اس کی ہر بات سنتا

رہوں اور اعتراض کر کے اسے ناراض نہ کروں تاکہ کسی بڑی اور ہولناک عالمی سازش کا تانابانا میرے سامنے آسکے۔ میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا جسے گنوانا مناسب نہیں تھا۔

"اپنے مذہب سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے" میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "یہ سب باتیں میری برداشت سے باہر ہیں لیکن تم مجھے دوسروں کی سوچ کے بارے میں بتا رہی ہو تو میں ہر بات سننے پر مجبور ہوں، تم اپنی بات جاری رکھ سکتی ہو۔"

"امریکا دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ ملک ہے" اپنے مشروب کا ایک بڑا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ بولنے لگی "ان کا ملک دو طرف سے وسیع سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ ان کو بجا طور پر یہ زعم ہے کہ باہر سے کوئی ان پر حملہ آور نہیں ہو سکتا مگر وہ اپنے ہم مذہبوں کے لیے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کی طرف سے سخت فکر مند ہیں۔ انہیں مستقبل کا نقشہ بھیانک نظر آرہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان جہادی قوتوں کو کھلی چھوٹ دی گئی تو مستقبل میں دنیا اسلامی غلبے میں آجائے گی۔"

"یہ ان کا گمان ہے۔ وہ بھول گئے کہ خلیج کی جنگ میں سب سے پہلے دو مسلمان ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔"

"وہ ایک واقعہ تھا۔ دوسرے واقعات میں تسلسل ہے۔ یورپ میں بحران چل رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلم باغی سر اٹھا رہے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیلی، بارود کے ڈھیر پر جی رہے ہیں۔ آئے دن فلسطینی مجاہد ان کے فوجیوں کو مارتے رہتے ہیں۔ کشمیر میں سب سے برا حال ہے جہاں غیر مسلم اپنی زمین پر اجنبی بنا دیے گئے ہیں۔ امریکا بہت غور اور تشویش سے یہ سب دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عالمی پیمانے پر جہادی قوتوں کی سرکوبی کا وقت آپہنچا ہے۔"

"تو کیا امریکا مجاہدوں کے خلاف کسی بڑی جنگ کی تیاری کر رہا ہے؟"

"یہ نکتہ امکانات سے خارج نہیں ہے۔ پہلے مرحلے میں جہادی قوتوں کے خلاف فضا سازگار کی جارہی ہے۔ بعض دہشت گردوں کو بیانات کے ذریعے مجاہدوں کا ساتھی قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف معروف مجاہد رہنماؤں پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے ذریعے انہیں اور ان کے اقدامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"یعنی امریکی عالمی پیمانے پر برین واشنگ کا عمل کر رہے ہیں؟"

"تم چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔ امریکی اپنی دانست میں دنیا کو نئے عالمی خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔"

"اس سے تلخیاں بڑھانے کے سوا اور کیا مقصد حاصل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ہوم ورک ہے۔ دنیا میں روزِ اول سے دہشت گردیاں ہوتی آئی ہیں۔ جب تک کاروبارِ حیات جاری ہے، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ ایک مرتبہ رائے عامہ سازگار ہوگئی اور امریکیوں کو عالمی حمایت ملنے کا یقین ہوگیا تو یہ دہشت گردی کے کسی بھی بڑے واقعے کو بنیاد بنا کر ان دہشت گردوں کے خلاف بھرپور محاذ کھول دیں گے جن کا یہ من مانا امیج بنا رہے ہیں۔"

"امریکا کا مخالف کیمپ بھی نادان نہیں ہے جو ان چالوں کو نہ سمجھ سکے۔"

"سمجھتے رہیں۔ ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔ عالمی میڈیا پر یہودی قابض ہیں۔ وہ اسرائیلی مفادات کی وجہ سے امریکا کے ساتھ ہیں۔ وہ مخالفانہ آوازوں کو سختی سے دبا دیں گے پھر وہی ہوگا جو امریکا چاہتا ہے۔"

"ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہو کر کوئی امریکا کے خلاف بھی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"انہیں یقین ہے کہ امریکا کی سرزمین ایسے ہر خطرے سے محفوظ ہے پھر بھی اگر ایسا ہو ہی گیا تو وہ کرۂ ارض پر جہادی قوتوں کا آخری دن ہوگا۔ امریکا ان کے خلاف میدانِ عمل میں کود پڑے گا۔ وہ دوسروں کے خلاف ہونے والی کسی بڑی دہشت گردی پر جہادی قوتوں کو للکارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے اپنے اوپر کوئی قیامت گزر گئی تو وہ جوشِ انتقام میں پاگل ہو کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"وہ دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کر کے غلطی کر رہے ہیں۔ انہیں جہاد سے خوف کیوں ہے؟"

"یہ سبق شاید انہوں نے تاریخ سے سیکھا ہے۔ آج کے خلائی اور مواصلاتی دور میں دنیا کا ہر غیر مسلم، مجاہدوں

سے خوف زدہ ہے کیونکہ جہاد کا فلسفہ ہی عجیب و غریب ہے۔ تم مسلمان اپنے اللہ کی راہ میں لڑ کر زندہ رہو تو غازی ہوتے ہو' لڑتے لڑتے مرجاؤ تو شہید کے رتبے پر امر ہوجاتے ہو۔ یہ فلسفہ ہر مجاہد کو زندگی اور موت سے بے پروا بنادیتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے جانیں قربان کرنے کا ایسا درس دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا۔"

"تم مجھے یہ بتا کر دہشت زدہ کرنا چاہ رہی ہو کہ امریکا مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر لڑائی کی تیاری کررہا ہے' کیونکہ وہ مجاہدین سے خائف ہے۔"

اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "شاید اگلی لڑائی قرونِ وسطٰی کی صلیبی جنگوں کو بھی مات کردے گی۔"

اور اس منصوبے میں بھارت بھی شریک ہے؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ہم شریک نہ ہوتے تو مجھے یہ سب معلوم نہیں ہوسکتا تھا" اس کا جواب بہت سیدھا سا تھا۔

"اس جنگ جوئی سے بھارت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"پوری بات اوپر والوں کو معلوم ہوگی مگر ایک نتیجہ بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ ہمارے گرد دوستوں کی بھیڑ ہے۔ پڑوسیوں میں پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کی ساری ایٹمی سرگرمیاں پراسرار اور ہمارے خلاف ہیں۔ جب جنگ کا بگل بجے گا تو پاکستان بھی اس کی زد میں آئے گا۔ یہ مسلمان ملک ہے۔ کشمیر کے نام پر دل کھول کر مجاہدوں' باغیوں اور دہشت گردوں کی بھاری امداد کرتا رہتا ہے۔ اس کا سر کچلے بغیر جہاد کے فلسفے سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی جس دن پاکستان کا وجود ختم ہوا' پورے علاقے میں سکون ہوجائے گا پھر اس علاقے میں صرف بھارت کے نام کا ڈنکا بجے گا۔"

"علاقے میں اپنی بالادستی کے لیے تم ایک عالمی سازش کا ایندھن بننا گوارا کرلوگی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دوست! یہ مجبوری ہے۔ جب دشمن سیدھے راستے سے قابو میں نہ آئے تو اس کی پیٹھ میں چھری گھونپ دو۔ ہم کب تک اپنے سپاہیوں کی لاشیں اٹھاتے رہیں گے۔"

"یہ راز کی باتیں ہیں۔ تم نے میرے سامنے کیوں اگل دیں۔"

"یہ راز کی باتیں نہیں ہیں۔ دہلی اور کول کتا کی سڑکوں پر ٹہلنے والے بھی جانتے ہیں کہ اب ہم دل وجان سے امریکا کے پیچھے ہیں۔ ہر بھارتی جانتا ہے کہ امریکا کی مدد کے بغیر ہم پاکستان کے بھیجے ہوئے نام نہاد مجاہدوں کا صفایا نہیں کرسکتے۔ جہاں دوچار پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے ہیں' وہاں یہی سب باتیں ہوتی ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں سب کچھ ہے مگر انہیں یہ پتا نہیں کہ اس پر عمل کیسے ہوسکے گا۔ میں نے تمہیں صرف یہی ایک بات بتائی ہے۔"

"تمہیں یہ اندیشہ نہیں کہ میں یہاں سے لوٹ کر یہ کہانی کسی اور کو سنادوں گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "ضرور سنا دینا۔ لوگ فکشن کو شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ سب اسے تمہاری ذہنی اختراع قرار دیں گے۔ کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ شاید پاکستانی کچھ اور سوچتے ہوں کیونکہ وہ مسلمان اور جہاد کے حامی ہیں۔ یہاں بھارت میں لوگ دونوں سے چڑتے ہیں اور آپس میں وہی باتیں کرتے ہیں جو امریکا طے کرچکا ہے۔"

"تم نے اپنے قیمتی وقت کا ایک قابلِ ذکر حصہ بریفنگ دینے میں صرف کیا۔" میں نے ہلکے سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا واقعی نریش نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ یہ سب باتیں مجھے بتادی جائیں۔" اس سے یہ سوال کرتے ہوئے میں واقعی حیران تھا۔

"ہاں۔" اس نے گلاس سے گھونٹ لے کر میرے سوال کا جواب دیا۔

"اس طرح وہ کیا مقصد حاصل کرنے کی توقع کررہا ہے؟"

"ہمارے نیٹ ورک میں تمہارے اعتماد کو بڑھانا تاکہ تم ہم سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکو۔"

"اس یقین دہانی کے لیے کیا میری اور تمہاری وہ وڈیو فلم کافی نہیں ہے جو اس کے قبضے میں ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر پوچھا۔

"شاید میں نے کبھی تمہیں بتایا ہو کہ ہماری صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں جو دل وجان سے کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ انکل کسی سے زبردستی کام لینے کے قائل نہیں ہیں۔ کام سے اکتائے ہوئے ایجنٹ کو وہ گھر بھیجنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے۔"

"اس موقع پر یہ بات دہرا کر تم مجھے کیا جتانے کی کوشش کررہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تک تمہارے دماغ پر وڈیو فلم کا دباؤ ہے۔" اس نے دعوت انگیز اور شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اب تمہیں پتا چلا ہے کہ تم خوش قسمتی سے ایسے نیٹ ورک کا حصہ بن گئے ہو جسے امریکا جیسی منظم سپرپاور کی سرپرستی حاصل ہے تو تم دباؤ سے آزاد ہوکر نئی لگن سے کام کروگے۔ انکل ایسے کارکنوں سے محبت کرتے ہیں۔"

"تم جیسی کارکنوں سے انکل کیا' ہر ایک محبت کرسکتا ہے۔ اتنے ذرا سے کام کے لیے عالمی سیاست کو گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" مجھے اندازہ تھا کہ میرے ان الفاظ

میں سرکشی کی بو موجود تھی مگر میں نے بلا جھجک وہ بات کہہ ڈالی۔ میری وہ ہلکی پھلکی سرکشی گفتگو سننے والوں کے لیے طمانیت کا باعث ہوتی کہ میں اپنی آوازوں کے پیچھے ان کی خفیہ سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

پتھر ہوگئے ہو مگر باتیں اب بھی رنگین ہیں۔" ریتا نے اپنا گلاس خالی کرکے ہلکی سی انگڑائی لی۔

"میں خود اپنے جمود سے اکتا گیا ہوں۔ اپنے رنگ میں زندگی کا مزہ لوٹنا چاہتا ہوں مگر نریش کی خوف ناک آنکھیں میرے جذبات پر ناگ بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"کیا نریش نے تم کو کچھ کہا ہے؟" ریتا نے چونک کر پوچھا۔

"تم باخبر رہتی ہو تو تمہیں اس تشدد کا بھی علم ہونا چاہیے جس سے مجھے گزرنا پڑا تھا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے معلوم ہے۔ مردانہ کھیل میں مردوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"بس اسی نے میرا بیڑا غرق کیا ہوا ہے۔" میں نے اکتا کر کہا پھر فوراً ہی پوچھا "ہمارے ساتھ باہر چلو گی؟"

"آج دہلی میں تمہارا آخری دن ہے۔ تم چاہو گے تو ضرور باہر چلوں گی۔"

"پھر میں غزالہ کو بلائے لیتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

ریتا اجیت رائے نے میرے بک کیے ہوئے کمرے میں بیٹھ کر جو طویل گفتگو کی تھی اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوگیا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی سے میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اسے مخصوص پیغام کے تحت میرے پاس بھیجا گیا تھا۔

میری دہلی سے روانگی سے ایک دن پہلے سامنے آنے والی وہ قلابازی میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔ میں ریتا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکلنے کے بعد ہی اس بارے میں کھل کر کوئی بات کر سکتا تھا۔

○☆○

وہ دن کا وقت تھا مگر کمرے میں دن کے اجالے کی بھرپور رسائی نہیں تھی۔

غزالہ نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو کھڑکیوں کے دبیز پردے سے چھن کر اندر آنے والی ناکافی روشنی میں اسے کسی خطرے کا ادراک نہیں ہوسکا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر باتھ روم کا بند دروازہ تھا۔ اس گزرگاہ نے مختصر سی راہ داری کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ جوں ہی آگے بڑھی تو اس کی نظر ایک خبیث انسانی چہرے پر پڑی۔ وہ شخص اپنے سر کو دونوں ہتھیلیوں میں لٹکائے مسہری پر اس طرح دراز تھا کہ اس کا چہرہ داخلی راستے کی طرف تھا۔ وہ ہونٹوں پر گندی مسکراہٹ لیے اپنی چمک دار نگاہوں سے غزالہ کو تکے جا رہا تھا۔

غزالہ کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس نے الٹے قدموں لوٹ جانا چاہا لیکن مسہری پر لیٹے ہوئے شخص نے اس کے خیالات بھانپ کر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ اندر آجاؤ۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔"

غزالہ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس تنومند اور دراز قامت شخص کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ نے اسے گھور کر دیکھا اور غراتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور میرے بند کمرے میں کیسے گھسے ہو؟"

"رام قسم، ناراض ہو کر تو اور زیادہ زوردار لگ رہی ہو۔" وہ لوفرانہ انداز میں بولا "اندازہ لگاؤ کہ ہم کون ہو سکتے ہیں۔"

اس کے تیور گندے تھے۔ غزالہ کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ لفنگا اس کے سامنے تھا، دروازہ اس کی پشت پر تھا۔ وہ پلٹ کر دوڑ لگاتی تب بھی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ وہ لوفر لپک کر دروازہ کھولنے سے پہلے اسے دبوچ لیتا اور وہ اس کی بری گرفت میں پھنس جاتی، اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ اس کا اجنبی سے دور اور ہوشیار رہنا ہی اس کے لیے سودمند ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم ایک خبیث اور غلیظ آدمی ہو۔" غزالہ نے غصے کی زیادتی سے اپنے نچلے ہونٹ کا ایک گوشہ چباتے ہوئے جواب دیا "ایک عورت کے کمرے میں چور کی طرح گھسنے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہوسکتا جس طرح آئے ہو، اسی طرح کان دبا کر نکل جاؤ ورنہ میں ہوٹل والوں کو بلاتی ہوں۔"

"چلے جائیں گے مگر پہلے ہمارا دل تو ٹھنڈا کردو۔ دو روز سے تمہیں دور ہی دور سے دیکھ رہے ہیں اور ہاں! شور شرابا نہ کرنا۔ لوگ آئیں گے تو بلاوجہ تمہارا تماشا بن جائے گا۔ سیر سپاٹے کے لیے دیس بدیس میں اکیلی نکلنے والی لڑکیوں کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ میں اکیلی نہیں ہوں۔" غزالہ غصے سے اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اجنبی نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ تمہارا ایک یار بھی ہے۔ وہ اپنی لونڈیا کے ساتھ مزے اڑا رہا ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ موج کرو۔ ہم تو اسی لیے آئے تھے کہ اپنے ساتھ کچھ تمہارا

بھی دل خوش کردیں گے۔ آؤ! آرام سے یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرہلا کر مسہری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

غزالہ کا ذہن اس وقت بھی بہت تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ کمرے میں پیش قدمی کرنے کے بعد آسانی سے نکل بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ فون دسترس سے باہر تھا۔ شور مچاتی تو آس پاس کے کمروں میں رہنے والے ضرور متوجہ ہوتے لیکن سب سے پہلے ہوٹل کا عملہ اندر آتا اور وہ لوگ ہوٹل کو کسی بدنامی سے بچانے کے لیے وہ معاملہ کمرے میں ہی رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ عورت ذات تھی۔ اس وقت سنگین خطرے میں گھر گئی تھی۔

اس وقت تک غزالہ یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی کہ اس کے کمرے میں گھس آنے والا شخص کون تھا۔ اس کے آنے کا مقصد اس کی نگاہوں اور باتوں سے سامنے آچکا تھا۔ غزالہ کو ویرا کی زبانی یہ معلوم تھا کہ مغرب کے آزاد معاشرے میں یہ ہوتا رہتا تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والی اکیلی خواتین کے دروازوں پر رات گئے مدہوش اور بدنیت مرد دستک دیتے ہیں۔ دروازہ کھلنے پر ذرا سا بھی حوصلہ افزا جواب ملے تو وہ خوشامدانہ انداز میں' ہزار معذرتوں کے ساتھ کچھ ایسی کہانیاں تراشتے ہیں کہ عزت و آبرو کو سب کچھ نہ سمجھنے والی خواتین اپنے وقت کو "بہتر" انداز میں گزارنے کے لیے انہیں اندر بلانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ باکردار مغربی عورتیں اول تو رات گئے اپنا دروازہ ہی نہیں کھولتیں۔ یہ غلطی کر بھی ڈالیں تو اجنبی چہرے کو اپنے رو بہ رو پاکر سختی سے جھڑک دیتی ہیں۔

معاً غزالہ کو انڈین سیکرٹ سروس یاد آگئی۔ وہ لوگ مسلسل میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ صبح میں نے فون پر نریش شرما کو ایک کہانی سنا کر بالواسطہ طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا پیچھا ترک کردے کیونکہ پتھروں سے جتنا بھی سر پھوڑ لیا جائے' تیل برآمد نہیں ہوتا۔

وہ مجھ سے مایوس ہوچکے تھے۔ اس شام رینا میرے پاس آنے والی تھی۔ شاید نریش کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ رینا کی موجودگی میں غزالہ کمرا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں لگ گئے۔ ادھر رینا میرے کمرے میں پہنچی اور ادھر ایک بدمعاش غزالہ کے خالی کمرے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں کیمرے نصب تھے اور ان کا رخ مسہری کی طرف مرکوز تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہوتا کیمروں کی زد سے محفوظ نہ رہ پاتا۔

اس شخص کی پوری کوشش تھی کہ وہ غزالہ کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانس لے۔ را کے دوسرے ایجنٹوں کے برعکس وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے اس کی کوششیں کراہیت آمیز حد تک بھونڈی اور بازاری تھیں۔ شاید را والوں نے معاوضہ دے کر عارضی طور پر اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ دہلی کا کوئی بازاری غنڈا سہی لیکن را والوں کی پشت پناہی کی وجہ سے اس وقت شیر بنا ہوا تھا۔ غزالہ دیکھ چکی تھی کہ اس فائیو اسٹار ہوٹل کی انتظامیہ را کے اختیارات کے سامنے بے بس تھی۔ وہ ہوٹل کے عملے کو بلانے میں کامیاب ہوجاتی تو ان سے کسی منصفانہ ہمدردی کی کوئی امید نہیں تھی۔ شاید غزالہ کو ہی شرمسار ہونا پڑتا۔ اس نے بہت سرعت سے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طور پر اس بدمعاش سے نمٹنے کی کوشش کرے گی۔

"تم میرے کمرے سے جاتے ہو یا میں تمہارا کوئی اور بندوبست کروں۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"ایک بار میرے قریب آجاؤ پھر میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔" اس نے فضا میں دونوں ہاتھ پھیلا کر فلمی انداز میں کہا۔

اسی لمحے غزالہ کے پیروں میں گویا اسپرنگ لگ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے فضا میں اڑتی ہوئی اپنے شکار پر جا پڑی۔ اس کے دونوں پیر پوری قوت سے اس غنڈے کے سینے پر پڑے تھے۔ وہ ایک دبی دبی غراہٹ کے ساتھ قالین پر دور جا گرا اور غزالہ دوسری طرف نکل گئی۔

غزالہ مارشل آرٹس میں کامل مہارت رکھتی تھی لیکن اسے اپنے جوہر آزمائے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے کمرے میں زیادہ دیر تک دھما چوکڑی جاری رہی تو کوئی نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوجائے گا۔

اپنے قدموں پر توازن درست کرتے ہی وہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف پلٹ پڑی۔ اس لمحے جو کچھ ہوا' بہت تیزی سے ہوا اس لیے غزالہ کو اپنی انگلی میں موجود وہ انگوٹھی استعمال کرنے کا خیال نہیں آیا جو اس کے شکار کو چشم زدن میں بے ہوش کرسکتی تھی۔ اس نے غضب ناک انداز میں اپنی داہنی ہتھیلی پوری طرح کھول کر فضا میں بلند کی' اس کا شکار سنبھل کر قالین سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ غزالہ نے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر اس پر دوسرا وار کردیا۔

ندیدے بدمعاش کی کنپٹی پر غزالہ کی نرم و نازک ہتھیلی کی کھڑی ضرب اس قدر شدید تھی کہ وہ اٹھنے سے پہلے ایک ہچکی لے کر فرش پر دوبارہ ڈھیر ہوگیا۔

ہچکی کے ساتھ اس کے معدے سے کسی دیسی شراب کا تیز اور ناقابل برداشت بھپکا برآمد ہوا جس نے کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا مکدر کردی۔

غزالہ نے بجلی کی سی سرعت سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں غصے کی وجہ سے اس کی ضرب شدید نہ ہوگئی ہو۔ اس نے جھک کر بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کی نبض دیکھی جو چل رہی تھی اور پھر اسے ٹھوکر مار کر مسہری پر آگئی۔

وہ ایک سنگین اور اہم واقعہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کو کمرے میں لگے ہوئے حساس مائیکروفونز کے ذریعے یہ علم ہوچکا ہوگا کہ ان کا بھیجا ہوا بدمعاش اپنے مقصد کے حصول میں بُری طرح ناکام ہوچکا تھا۔ اس کی مدد کے لیے کسی بھی لمحے را والے دروازے پر دستک دے سکتے تھے۔

غزالہ کے لیے وہ مرحلہ جاں گسل تھا۔ اس نے ہمت اور حوصلے سے کام لے کر اپنے ایک موذی دشمن کو زیر کرلیا تھا لیکن اس کے اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ وہ ایک دشمن ملک میں درندہ صفت دشمنوں میں گھری ہوئی تھی جو میرے اور اس کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس عافیت کے کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور سہارے کی ضرورت تھی جس کے لیے اس کے ذہن میں صرف میرا نام گونج رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ میں نے محض انسانی ہمدردی کے جذبے کا بھرپور اظہار کرکے را کی صفوں میں رینا کو اپنا مطیع بنالیا تھا۔ غزالہ کے کڑے وقت میں' میں رینا سے اپنی آخری ملاقات میں مصروف تھا جس میں بہت سی اہم باتیں میرے علم میں آنے کا امکان تھا۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد ہم کبھی ان معلومات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ خلوت میں ہونے والی میری اور رینا کی ملاقات سے ملک کا مفاد وابستہ تھا جب کہ دوسری طرف غزالہ کی ذات خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

وہ سوچتی رہی۔ اس کے لیے کوئی ایک فیصلہ کرنا محال ہو رہا تھا۔ آخر اس نے تن بہ تقدیر ہوکر سینے پر پتھر رکھ لیا۔ ملک کے سامنے فرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ مرجاتی تو پاکستان کی کوئی بھی بیٹی اس کی جگہ لے سکتی تھی لیکن پاکستان کے کسی نقصان کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔ اگر ملک کو کسی قربانی کی ضرورت تھی تو وہ اپنا لہو دینے کے لیے تیار تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ انٹرکام کے ذریعے بھی میری اور رینا کی گفتگو میں مخل نہیں ہوگی۔

دہلی کے خبیث غنڈے کا بھاری وجود کسی بے جان لاش کی طرح کمرے کے قالین پر پڑا ہوا تھا۔ کسی غیر ضروری ناگہانی آفت سے بچنے کے لیے اس کا وہاں سے ہٹایا جانا ضروری تھا۔ غزالہ کے بدن میں بجلی سی سرایت کرگئی۔ اس کے سامان میں کوئی قابلِ ذکر چیز موجود نہیں تھی۔

اس نے درازوں وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس وقت اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہر چیز کو الٹ پلٹ رہی تھی۔ آخر کار اسے کاٹن ٹیپ کا وہ مضبوط رول مل گیا جو ہوٹل والوں نے اپنے مہمانوں کی ازاربند وغیرہ کی ضروریات کے لیے کپڑوں کی الماری کے ایک خانے میں رکھا ہوا تھا۔

وقت کی رفتار یک بیک سست ہوگئی تھی۔ غزالہ کو ایک ایک لمحہ صدیوں سے زیادہ بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کاٹن ٹیپ کی مدد سے بے نام بدمعاش کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لے جاکر جکڑ دیے پھر بے ہوش قیدی کے پیر بھی ملا کر سختی سے باندھ دیے تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی آزادی کے ساتھ نقل وحرکت نہ کرسکے۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے اپنی کارگزاری کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر اس بندھے ہوئے نیم مردہ کو باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا۔

اس وقت غزالہ نے بے مثال استقامت سے کام لیا۔ ایک طرف اسے را کے مددگاروں کی دخل اندازی کا دھڑکا لگا ہوا تھا دوسری طرف وہ خود اعصابی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس کے لیے قیدی کے بھاری وجود کو گھسیٹنا دشوار ہو رہا تھا۔ اسے باتھ روم میں پہنچانے تک اس کا سانس بری طرح پھول گیا اور وہ ہانپنے لگی۔

بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں بند کرکے وہ ریفریجریٹر کی طرف آئی اور ٹھنڈے پانی کے دو گلاس غٹاغٹ چڑھا گئی۔ پانی پینے سے ذرا سا سکون ملا تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندا۔ وہ اپنے تھیلے سے روئی کا پیکٹ لے کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسی۔

اس نے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں روئی کا آدھے سے زیادہ پیکٹ قیدی کے حلق تک ٹھونس دیا اور دوبارہ باتھ روم سے نکل آئی۔

وہ مشینی اور غیر ارادی طور پر وہ سب کرتی چلی آرہی تھی۔ اس نے قیدی کو اس بری طرح بے بس کردیا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اپنی نجات کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ میرے فارغ ہونے کے بعد بھی اس سے کیسے چھٹکارا پایا جائے گا۔

اپنے کمرے میں کچھ دیر تک ٹہلنے کے بعد وہ تھک کر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کے کان انٹرکام کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اسے پوری امید تھی کہ رینا سے مذاکرات ختم ہوتے ہی میں اس سے رابطہ کروں گا اور اس کی مشکل آسان ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

اسے اپنا قیدی گلے کی ہڈی بنتا نظر آرہا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ کمرے سے نکال کر ہوٹل کی راہ داری میں ڈالا

جا سکتا تھا۔ اس کام کے لیے میدان صاف ہونا ضروری تھا۔ رات گئے ہوٹل کے عملے اور مہمانوں کی بے خبری میں وہ کام کیا جا سکتا تھا لیکن اصل خطرہ را کے ایجنٹوں کی طرف سے تھا۔ انہوں نے غزالہ کی تذلیل کے لیے اپنے کرائے کا آدمی اندر بھیجا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک وہ ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کے کمرے سے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔ جوں ہی وہ کسی کو بھاری انسانی وجود کے ساتھ غزالہ کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھتے، اچانک سامنے آکر ہم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیتے۔ غزالہ کو میری آمد کے بعد بھی وہ مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

وقت سسک سسک کر گزرتا رہا۔ غزالہ ہولناک اندیشوں کی دلدل میں ڈوبتی اور ابھرتی رہی۔ اپنی توہین اور اجنبی کے جارحانہ تیوروں پر مشتعل ہو کر غزالہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا جا رہا تھا کہ اس نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔

میں اس پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر رینا کو کریدنے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی بے چینی ہر لمحے بڑھتی جا رہی تھی جو رفتہ رفتہ تشویش میں بدل گئی تھی۔ اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور غزالہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی اور خوف زدہ نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ طویل انتظار سے اکتا کر آخر کار را کے ایجنٹ اپنے آدمی کی تلاش میں اس کے دروازے پر آپہنچے تھے۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تب بھی اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ دروازہ نہ کھولتی تو وہ دروازہ توڑ کر اندر آنے پر قادر تھے۔

وہ اٹھی تو اس کی پنڈلیوں میں ہلکی سی لرزش موجود تھی۔

"کون ہے؟" اس نے بند دروازے کے قریب پہنچ کر کمزور آواز میں سوال کیا۔

"روم سروس، میڈم!" باہر سے ایک مہذب مردانہ آواز سن کر غزالہ کے کھوئے ہوئے اوسان قدرے بحال ہوئے اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

بیرونی راہداری میں سروس ٹرالی موجود تھی۔ اس کے سامنے ایک نوجوان ویٹر چائے کی ٹرے اٹھائے موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اسے اندر آنے کی راہ دیے بغیر سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"میڈم! آپ کا دو چائے کا آرڈر تھا" اس نے سٹپٹائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں غزالہ کے شانوں کے پیچھے کمرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں نے کوئی آرڈر نہیں دیا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے" غزالہ نے بے رخی سے جواب دیا اور دروازہ بند کر کے اس سے پشت لگا دی۔

"کمال ہے۔ انٹرکام پر تو کمرے کا یہی نمبر بتایا تھا" اس کے کانوں میں باہر سے ویٹر کی بڑبڑاہٹ آئی "خیر، دیکھا جائے گا۔"

غزالہ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی پھر تھکے ہوئے انداز میں چل کر ایک صوفے پر جا گری۔ گزرے ہوئے واقعات نے ذرا سی دیر میں اسے اندر سے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے روح محسوس کر رہی تھی۔

غزالہ کو یقین تھا کہ ویٹر کی بڑبڑاہٹ اسے دھوکا دینے کے لیے تھی۔ وہ ہوٹل کا ویٹر نہیں، ویٹر کے روپ میں را کا کوئی آدمی تھا جو چائے کے بہانے کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کی نیت سے بھیجا گیا تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ غزالہ نے اس کی آمد سے پہلے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں منتقل کر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پڑا رہتا تو دروازہ کھلتے ہی اس کا نگاہوں میں آنا یقینی تھا۔

غزالہ اپنی جگہ فکرمند تھی اور را والے اپنی جگہ تشویش میں مبتلا تھے۔ ان کی طرف سے ویٹر کے روپ میں چھیڑ چھاڑ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ غزالہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تن تنہا کتنی دیر تک ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کر سکے گی۔

اچانک اس کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ غزالہ دیر سے اسی سہانی آواز کی منتظر تھی۔ اس کے وجود کی ساری توانائیاں سمٹ کر اس کی ٹانگوں میں مرکوز ہو گئیں اور اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔

○☆○

میری آواز سن کر غزالہ نے کانپتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ میں فوری طور پر اس کے کمرے میں پہنچوں، وہاں گڑبڑ تھی۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ گڑبڑ تھی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا جبکہ ہمارے دونوں کمرے ایک فلور پر واقع تھے۔

لمحہ بھر میں میرے ذہن میں کئی امکانات ابھرے اور خود ہی معدوم ہو گئے۔ وہ واقعہ کچھ بھی رہا ہو، اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ غزالہ صحیح سلامت تھی اور مجھ سے بات کرنے کے قابل تھی۔ اپنے کمرے میں اسے ایک ہی خطرہ ہو سکتا تھا کہ نشے میں چور کوئی پڑوسی بار بار اسے تنگ کر رہا ہو اور وہ دروازہ کھولتے ہوئے ڈر رہی ہو۔

وہ دہلی کا کوئی نہاری ہوٹل نہیں بلکہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ وہاں ایک سے ایک بگڑا رئیس آتا تھا۔ ایسے لوگوں سے الجھنا یا انہیں سمجھانا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت سرکاری گواہ کے طور پر میرے ساتھ رینا کی موجودگی سودمند ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں کچھ بھی رہی ہوں لیکن وہ را کی تنخواہ دار ضرور تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے سرکاری کارڈ کی ایک جھلک ہی غزالہ کو ستانے والے کا نشہ ہرن کردے گی۔

میں نے رینا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ کے بند دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی میں نے اونچی آواز میں اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔ مدعا یہ تھا کہ اسے کوئی غلط فہمی نہ ہو بلکہ میرے پہنچنے کا اطمینان ہوجائے۔

دروازہ کھلا اور غزالہ بلک کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں اسے اپنی بانہوں میں لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ رینا نے ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

کافی دیر تک غزالہ کی سسکیوں اور آنسوؤں کا سلسلہ نہیں رک سکا۔ اس دوران میں اس نے جب دوسری بار باتھ روم کی طرف اشارہ کیا تو رینا کے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اس نے اندر کا منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ تو شاید مرچکا ہے۔ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے؟" اس نے پلٹ کر سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کے انکشاف پر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو دیکھ کر میں نے بھی وہی سوچا جو رینا کے ذہن میں آیا تھا۔ کسی نے تشدد کے بعد اسے مار کر وہاں ڈال دیا تھا۔ غزالہ کسی ضرورت کے تحت باتھ روم میں گئی تو اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئی۔ اسی اثنا میں، میں نے اسے فون کرلیا۔

غزالہ اس وقت شدید جذباتی بحران سے دوچار تھی مگر اسے یہ یاد تھا کہ اس وقت را پر کسی قسم کا شبہ ظاہر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس نے کسی بھی قیاس آرائی سے بچتے ہوئے بہت اختصار کے ساتھ پورا واقعہ ہمیں سنادیا۔

"مگر اس مردود کو تمہارے کمرے کی چابی کہاں سے مل گئی؟" غزالہ کی روداد سن کر رینا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سب بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ اس سے نجات کیسے ملے گی؟" غزالہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میرے سینے سے الگ ہوچکی تھی مگر اس نے مضبوطی سے میرا داہنا بازو تھاما ہوا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں میرے بازو میں گڑی جارہی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت رینا کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔ بے دست وپا قیدی کو دیکھ کر وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھی کیونکہ اس کی خوبصورت آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو" رینا نے غزالہ کی پشت پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیا "سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔"

وہ سیدھی فون کی طرف گئی اور براہ راست کوئی فون نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ میں غزالہ کو تسلی تشفی دیتا رہا مگر میرے کان رینا کی طرف لگے ہوئے تھے۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر رینا نے اتنی نیچی آواز میں گفتگو کی کہ میں کوشش کے باوجود واضح طور پر کوئی لفظ نہیں سن سکا۔ اپنی گفتگو ختم کرکے وہ ہماری طرف گھومی اور بولی "قیدی کو یہیں چھوڑ کر باہر چلو۔ را والے خود اسے اٹھالے جائیں گے اور پوچھ گچھ کرلیں گے۔"

میرے لیے وہ بڑی خبر تھی لیکن غزالہ سکتے کے سے عالم میں تھی۔ میں نے اس کے رخساروں پر تھپڑ لگا کر اسے ہوش دلایا اور اسے اس کمرے سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"یہاں نہیں، اب کچھ دیر کے لیے ہوٹل سے باہر نکل چلو" رینا نے میرے کمرے کے دروازے پر رک کر مشورہ دیا "غزالہ کا دل بہل جائے گا۔"

چند ثانیوں پہلے خود میں نے رینا کے ساتھ وہی پروگرام طے کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ غزالہ کی مدد کرے تاکہ وہ ہاتھ منہ دھوکر ہمارے ساتھ باہر جانے کے قابل ہوسکے۔ رینا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر غسل خانے میں گھس گئی۔

ہمارے صرف کمرے بک کیے گئے تھے لیکن ہوٹل کی عمارت سے باہر آنے تک تینوں کی زبانیں بند رہیں۔ اس وقت تک مجھے صحیح حالات کا علم نہیں تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غزالہ پر ناکام مجرمانہ حملے کی کوشش کو را کی سرپرستی حاصل ہوگی۔

"آج تم نے کمال کردیا" ہوٹل سے باہر نکلتے ہی رینا تعریفی لہجے میں بول پڑی "میں تمہیں ایک عام سی خانہ دار لڑکی سمجھتی تھی مگر تم تو چھپی رستم نکلیں۔ تم نے مرلی جیسے فیل پیکر کو اتنی آسانی سے کیسے زیر کرلیا۔"

رینا کے الفاظ پر میں چونک پڑا "مرلی؟ تو کیا تم اس حملہ

آور کو جانتی ہو؟"

رینا نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "میں وہاں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی مگر اب بتا رہی ہوں کہ غزالہ کے قیدی کو دیکھ کر مجھے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ مرلی باڑہ ہندو راؤ کا ایک معمولی بدمعاش ہے۔ جو کبھی کبھی ہمارے لیے کام کرتا ہے۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے تمہارے بڑوں نے بھیجا ہوگا۔" غزالہ نے آزردہ آواز میں کہا "وہ اس طرح وہاں شیر بنا ہوا تھا جیسے وہ اسی کا کمرا ہو۔"

میری کھوپڑی گھوم گئی اور میں نے زہریلی آواز میں رینا سے پوچھا "یہ کس کی حرکت تھی؟ اس بارے میں تم نے کس سے بات کی تھی؟"

"میری رسائی نریش تک ہے۔ وہ مرلی کی ناکامی کی خبر سن کر گالیوں پر اتر آیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں اس حرکت سے بالکل بے خبر تھی۔"

رینا کو اپنے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کا اضطراری ردِّعمل دیکھ کر اس کی بے گناہی پر ایمان لا چکا تھا۔ نریش شرما اپنی ہر شکست کے بعد کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح پلٹ پلٹ کر بھیانک وار کر رہا تھا۔ یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے کوئی من پسند کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ بہت ذلیل شخص ہے۔ میں اسے فنا کر دوں گا" میں نے طیش میں آکر غراتی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔

"اپنے اوپر قابو رکھو" رینا نے ہراساں ہو کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "ہم کھلے بازار میں نکل آئے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

اچانک مجھے یاد آگیا کہ بھارت کی سرزمین پر میں ڈینی نہیں، مظہر خان بنا ہوا تھا جو ایک مصلحت کوش اور ڈرپوک کاروباری شخص تھا۔ میں نے سنبھل کر کہا "میں جانتا ہوں کہ چیونٹی بھی اپنے گھر میں شیر ہوتی ہے لیکن برداشت کی حد ہوتی ہے۔"

"شاید قصور میرا ہے" رینا مایوسانہ لہجے میں بولی "مجھے تم کو نہیں بتانا چاہیے تھا کہ میں مرلی کو جانتی ہوں۔ میں اپنی زبان بند رکھتی تو تم اسی بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہوتے کہ بے ہوش قیدی سے آرام سے جان چھوٹ گئی ورنہ وہ گلے کا ہار بن جاتا۔"

"رینا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے مجھے سمجھایا "اس کمینے کے منہ لگنا بیکار ہے۔ ہم یہاں رکے تو وہ اسی طرح ہماری راہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"میری نہیں تو اپنی غزالہ کی بات ہی مان لو" رینا نے میری خوشامد کی۔

میں نے کچھ نہیں کہا مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے کمرے کی بکنگ واپسی پر منسوخ کروا دوں گا۔ بھول چوک میں وہ کمرا کسی بھی وقت میرا یا غزالہ کا مدفن بن سکتا تھا۔

خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رینا سے نہ رہا گیا اور وہ غزالہ سے دوبارہ پوچھ بیٹھی "دیکھنے میں تم دھان پان سی لڑکی ہو جو ذرا سی تیز ہوا سے اڑ سکتی ہو۔ تم نے مرلی کو اتنی آسانی سے بے ہوش کر کے کیسے باندھ ڈالا؟"

غزالہ کو جوش میں آکر شیخی بگھارنی چاہیے تھی مگر وہ ایسی کسی حرکت کے مضمرات سے آگاہ تھی۔ ویسے بھی وہ رینا کو زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا "بس وہ دھوکے میں کھڑا رہ گیا اور میرا ہاتھ صحیح جگہ پڑ گیا ورنہ آج میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اصل کہانی وہ ہوش میں آنے کے بعد سنائے گا۔ جو مجھ تک پہنچ جائے گی" رینا نے ہماری افسردگی دور کرنے کے لیے شوخی سے کہا "تم بلاوجہ انکسار سے کام لے رہی ہو۔"

غزالہ پھیکے انداز میں ہنس پڑی "کبھی کراٹے سیکھا تھا' آج وہی کام آگیا۔ وہ آسانی سے کرنے والا نہیں تھا۔"

"ایک طرف اس نے غزالہ پر رکیک وار کر کے منہ کی کھائی' دوسری طرف تمہیں میرے پاس بھیج دیا" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ دنیا بھر کی سیاسی کہانیاں سنا کر مجھے کیا جتانا چاہ رہا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔ وہ لومڑی کی طرح مکار مگر بھیڑ کی طرح بزدل افسر ہے۔ اس کے دماغ کے کسی کونے کھدرے میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ تم پاکستان جا کر اپنی باتوں سے پھر گئے تو کیا ہوگا۔ اس کے پاس تمہاری کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وہ تمہیں بلاوجہ دھمکا رہا ہے۔ امریکا اور بھارت کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کے کھیل کی کہانیاں سن کر تم رعب میں آجاؤ گے اور خاموشی سے کٹھ پتلی بنے رہو گے۔ ہم پہلے بھی کئی پاکستانیوں کو پھانس چکے ہیں لیکن تم کو پتا نہیں کیوں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے" اس نے تفصیل سے بتایا۔

میرے دل کی بات دہرا کر اس نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ زمانہ شناس لڑکی تھی۔ ہر بات موقع محل کی مناسبت سے کرتی تھی۔ نریش شرما کی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے

ہوئے اس نے بہت خوبصورتی سے میری اور اپنی ویڈیو فلم کا ذکر گول کیا تھا۔

میرے سامنے وہی چند باتیں تھیں جن کی وضاحت کے لیے ہمارا ہوٹل سے باہر نکلنا ضروری تھا۔ وہ وضاحتیں سامنے آنے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوگیا اور ہم خوش دلی کے ساتھ اپنے قرب وجوار کی دلچسپیوں میں محو ہو کر نئے سرے سے کناٹ پلیس کی سیر میں مصروف ہوگئے۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ہم گھاس کے ایک قطعے میں جا بیٹھے۔

گفتگو کرنے کی آزادی میسر آتے ہی غزالہ نے پھر نرلیش کا ذکر نکال لیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس قدر ہولناک تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اسے اپنے ذہن سے محو کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے اسے رینا کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے سیر حاصل تبادلۂ خیال کا موقع دینے کے لیے سگریٹ سلگائی اور نرم گھاس پر دراز ہوگیا۔

"پچھتانے کے بجائے یہ سوچو کہ آج تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی سبکی ہوئی ہے۔ جب انکل کو پتا چلے گا کہ آج کیا ہوا ہے تو نرلیش انہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

کچھ دیر بعد میرے کانوں میں رینا کی آواز آئی۔ وہ غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اس کی سبکی میرے زخم کو مندمل نہیں کرسکتی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ عورت ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔" وہ غزالہ کی مرجھائی ہوئی آواز تھی۔

"اس کا پڑھایا اور سمجھایا ہوا آدمی اپنے قدموں پر چل کر تمہارے کمرے میں پہنچا تھا۔ تم اندازہ لگاؤ کہ جب اسے بے ہوشی کی حالت میں اسٹریچر یا کندھوں پر لاد کر لے جایا گیا ہوگا تو نرلیش کے دل پر کیسے سانپ لوٹے ہوں گے۔ تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر بدلہ لیا ہے۔"

"ایک زخم لگانے سے دوسرا زخم نہیں بھرتا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور میں نے آنے والے کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا۔ وہ ضرور سر پیٹ رہا ہوگا مگر میری خلش اپنی جگہ پر ہے۔ یہ رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگی۔"

"تم بھی مظہر خان کی طرح حساس طبیعت کی مالک معلوم ہوتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ تمہارے دشمن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اسے ہر طرف ناکامی کا سامنا ہے۔ اسے سب سے بڑا دھچکا اس وقت لگے گا۔ جب مظہر پاکستان جا کر چند دن بعد اسے آنکھیں دکھائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" میں نے لیٹے لیٹے جواب دیا "میں اسے آنکھیں دکھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ کی رقم معمولی نہیں ہے۔ جب تک وہ انکار نہیں کرے گا، میں اس ذلیل اور کمینہ فطرت شخص کے لیے کام کرتا رہوں گا۔"

میرے جواب پر رینا حیران رہ گئی "تمہارا یہ ارادہ ہے تو اس کے سارے جتن بے سود ہیں۔ پتا نہیں وہ کیوں کانٹوں پر منہ مار رہا ہے۔"

سب کچھ ہونے کے باوجود یہ بات طے تھی کہ رینا اجیت رائے اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے مجبوریوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ را کی ملازمت اس کی مجبوری تھی۔ ایک مرتبہ وہ طوق پہن لینے کے بعد اپنی مرضی سے اسے اتار پھینکنا اس کے بساط سے باہر تھا۔ اسے زندگی بھر ان کا غلام رہنا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے کسی لغزش کی بنا پر معتوب یا معزول کردیا جاتا۔ غزالہ کی طرح رینا بھی ایک عورت تھی۔ را کے درندے عورت کو نکیل دے کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔

جب تک رینا ان کی صفوں میں شامل تھی، اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ کمزور عورت اپنے بڑوں کے سامنے کسی بھی لمحے اعصاب شکن تجربات سے گزر سکتی تھی۔ ایسے کمزور لمحوں میں وہ دنیا کا ہر سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتی۔ اپنے بچاؤ کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اپنے بارے میں یہ بات اس کے ذہن میں راسخ کردوں کہ میں مظہر خان تھا جس کے لیے طاقت ور سے ڈرنا اور ہر قیمت پر چار پیسے کمانا زندگی گزارنے کے سنہرے اصول تھے۔

رینا کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ را کے دفتر کی آگ اور جان اسمتھ کے قتل جیسے بڑے کاموں میں ہمارے کوئی ہاتھ کار فرما تھے پھر بھی شاید اس نے اپنے دل میں میرے لیے کوئی بڑا مقام بنایا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے بزدلانہ جواب سے رینا کے اس تصور کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ یکایک خاموش ہوگئی تھی۔

میں اس کی کوئی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مفادات کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اسے مزید کچھ سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ غزالہ کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کرتی رہی پھر واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کل دہلی میں ہمارا آخری دن ہے۔" اسے رخصت کرنے سے پہلے غزالہ نے یاد دلایا "ملنے کے لیے آؤ گی؟"

"کوشش کروں گی مگر وعدہ نہیں کرتی" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

میں نے اس سے آنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ غزالہ

کے بعد اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور وہ بوجھل قدموں سے ایک طرف چل دی۔
ہم دونوں پارک میں کھڑے چند ثانیوں تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر مڑ کر اپنی راہ ہولیے۔
"آپ نے آخر میں پیسے کے لیے اپنا لالچ ظاہر کر کے بلاوجہ اس بے چاری کو مایوس کر دیا۔ اسے آپ کے انہوں نے خیالات سن کر صدمہ ہوا تھا" غزالہ نے میرے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے سے کہا "آپ پیسے کی پروا بھی نہیں کرتے پھر بلاوجہ اسے یہ جتانے کی کیا ضرورت تھی؟"
"خاموشی سے چلتی رہو۔ اپنی ضروریات کو میں بہتر طور پر سمجھتا ہوں" میں نے نرمی سے جواب دیا۔
تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے غزالہ کے کمرے کی بکنگ منسوخ کروانے کے بعد اس کا نام اپنے ساتھ درج کروالیا۔ میرے ایما پر کلرک نے کمرے سے مختصر سا سامان نکالنے کے لیے چابی غزالہ کے حوالے کر دی۔
ہم اوپر پہنچے تو روم سروس والوں کو انٹرکام پر ایک کمرا خالی ہونے کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ میں نے غزالہ کے کمرے میں گھستے ہی باتھ روم میں جھانکا تو وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پا قیدی وہاں سے غائب تھا۔ شاید را والے پہلی فرصت میں اسے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔
غزالہ نے اپنا اسباب سمیٹا۔ پورٹر نے اس کے دونوں تھیلے اٹھائے اور ہم نے اس کمرے کو خیرباد کہہ دیا۔
ہم نے جب سے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھا تھا' حالات کو کسی ایک جگہ قرار نہیں تھا۔ صورتِ احوال پل پل میں اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ کبھی یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے دشمن کے خلاف اپنی لڑائی فیصلہ کن انداز میں جیت لی ہے اور کبھی ہمیں اپنا انجام سامنے نظر آتا تھا۔
نریش کمار کو دیے ہوئے پروگرام کے مطابق دہلی سے ہماری روانگی میں کم و بیش پورے ایک دن کا وقفہ حائل تھا۔ نریش نے اس وقفے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے جو ناکام وار کیا تھا اس نے مجھے ذہنی اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ نریش پے در پے کئی چوٹیں کھا کر بھی نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ہر بار نئے زاویے سے حملہ کر رہا تھا اور توقع یہ تھی کہ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں پھر کوئی نہ کوئی حرکت کرے گا۔
ہوٹل کے کمرے میں ہم انڈین سیکرٹ سروس کے نصب کیے ہوئے خفیہ آلات کے اسیر تھے اس لیے آپس میں کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے لیکن دونوں ہی اپنی اپنی جگہ فکر و تشویش میں مبتلا تھے غزالہ کا تجربہ تازہ اور زیادہ گمبھیر تھا اس لیے اس کی تشویش بھی زیادہ گہری تھی۔
آٹھ بجے غیر متوقع طور پر نریش شرما کا فون آگیا۔ آپریٹر کی زبان سے اس کا نام سن کر میں چونک پڑا۔
"سنا ہے کہ آج کسی بدمعاش نے تمہاری ساتھی کے کمرے میں گھس کر اس سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی" رینا نے اس معاملے پر غزالہ کے کمرے سے براہ راست نریش سے گفتگو کی تھی اور اسی کے ایما پر ہمیں قیدی کو چھوڑ کر باہر نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے یہ تصدیق بھی کی تھی کہ مرلی اکثر را والوں کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ اس کی ناکامی کی خبر سن کر نریش شرما غصے میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں اس کے انجان بننے کا کوئی جواز نہیں تھا۔
اس کا وہ سوال سن کر میرا خون کھول اٹھا مگر میں اس کو کوئی منہ توڑ جواب دینے سے قاصر تھا۔ میں نے بہت زیادہ تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "کاش' تم نے سننے کے بجائے وہ منظر دیکھا ہوتا۔ میری ساتھی کی خوف سے آدھی جان نکل گئی تھی۔"
"مگر وہ بہت دلیر اور مردمار لڑکی ہے۔ میں نے تمہارے مجرم کو دیکھا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ چوہے کی طرح اس لڑکی سے پٹ گیا۔"
"ظالم اور مظلوم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جب مظلوم اپنی بقا کے لیے لڑنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو بھی پلک جھپکتے میں زیر کر لیتا ہے۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اپنے دشمن پر غالب آنے کے بعد وہ دیر تک آنسوؤں سے روتی رہی تھی۔"
"میری طرف سے اسے دلاسا دینا کہ میں اس کے مجرم کو قرار واقعی سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ قید میں ہے۔ اس کے ہوش میں آتے ہی اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔"
"اس تعاون کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں" اس سے ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے حلق میں تلخی گھلنے کا احساس ہو رہا تھا۔
"غزالہ سے یہ ضرور پوچھنا کہ اس نے مجرم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟"
"میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔ اس نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔ وہ نچلے طبقے کا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بڑے ہوٹلوں وغیرہ کا رخ کرنے سے کتراتے ہیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت غزالہ کے کمرے کا رخ کیا ہو۔ وہ مقفل کمرے میں پہلے سے گھسا ہوا تھا۔"

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے افسوس ہے کیونکہ اب دہلی میں تم دونوں ہمارے مہمان ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہم لوگوں کی ذمے داری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ جو ہو گیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ ہمدرد بن کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے پاس اس کی مکاری کو درگزر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ اس بار میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ اسی قدر گھٹیا کردار کا مالک تھا کہ اس سے ہر ملاقات اور گفتگو کے بعد میرے دل میں اس سے نفرت کا جذبہ مزید گہرا ہو جاتا تھا۔ انل بسواس اس سے کہیں بڑا افسر تھا اور شاید ساری منصوبہ بندیوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہوتا تھا لیکن اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس کے خلاف بغض و عناد کو ہوا دیتی ہو۔

نریش نے میرے کسی جواب کی توقع میں صرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی اختیار کی اور میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر دوبارہ اپنی بات شروع کردی "آج کی رات گزارنے کے بعد تم ہماری طرف سے کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہوگے۔ واپسی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"یہ رات گزر جائے، کل کسی بھی وقت ہم نکل جائیں گے" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں سوچا؟" اس کی آواز تحیرزدہ سی تھی۔

"اس میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے" میں نے اس کے تجسس کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "ہمیں پولیس رپورٹ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ سفری کاغذات مکمل ہیں۔ اسٹیشن جاکر ٹکٹ لیں گے اور ٹرین میں سوار ہو جائیں گے۔"

"اس بارے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتا دینا" اس نے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"مگر کہاں اور کیسے؟" میں نے بے ساختہ کہا "اب میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تمہارا دیا ہوا پہلا کارڈ میں نے تلف کر دیا تھا۔"

"اوہ!" میرے کانوں میں اس کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز گونجی "میں آج کل خود بھی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہوں۔ وقت نکال کر کل صبح تم سے رابطہ کرلوں گا۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ اگلے دن ہمارا خریداری کا پروگرام تھا جس سے میں نے اسے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔

"نریش کا فون تھا" میں نے وہ گفتگو ختم ہونے کے بعد معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ تمہارے ساتھ پیش آنے والے افسوسناک واقعے پر اپنے دکھ اور ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا۔"

میری طرح غزالہ بھی اس وقت کیمروں کی زد سے باہر تھی۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے انگوٹھے سے فرش کی طرف اشارہ کیا جو نریش پر لعنت کے مترادف تھا مگر میری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنے اس جذبے کا اظہار نہیں کرسکی "یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ دوبارہ بات ہو تو میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کر دینا۔"

وہ کمرا میرے لیے قیدخانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اس رات گوپال سے میری ملاقات طے تھی۔ میں نے اسے کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ باہمی رابطوں کے سنگین بحران کی وجہ سے وہ اندھیرا پھیلتے ہی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکا ہوگا۔

اس وقت میرے ذہن پر ایک نئی فکر بھی سوار تھی کہ عابد علی عرف گوپال سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے غزالہ کو کہاں چھوڑا جائے۔ کچھ دیر قبل رونما ہونے والے سنگین واقعے کے بعد میں اسے کمرے میں تنہا چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجھے اس بارے میں فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ کمرے کے مقابلے میں ہوٹل کے بھرے پرے گراؤنڈ فلور پر غزالہ زیادہ محفوظ رہتی۔ لابی سے لے کر ریستوران اور کافی شاپ تک متعدد بارونق مقامات تھے جہاں وہ کسی دشواری کے بغیر کافی وقت گزار سکتی تھی۔

"آؤ، ذرا نیچے چلتے ہیں۔ کمرے کی بند فضا میں مجھے گھٹن محسوس ہو رہی ہے" فیصلہ کرتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

غزالہ تیار تھی۔ ہم دونوں کمرا مقفل کر کے دوبارہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"تم ہوٹل میں کہیں وقت گزار لو۔ میں گوپال سے ملاقات کر کے واپس آتا ہوں" میں نے لفٹ کا انتظار کرتے ہوئے غزالہ کو بریف کیا۔

"میں سمجھ گئی تھی کہ آپ اسی ملاقات کے ارادے سے نکلے ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پہلے ہی سوچ چکی ہوں کہ کچھ دیر تک ونڈو شاپنگ کرنے کے بعد ریستوران میں بیٹھوں گی۔ آپ کو واپس آنے میں دیر سویر ہو گئی تب بھی میں آسانی سے وہاں وقت گزار سکوں گی۔"

لفٹ آگئی۔ اس میں اوپری منزلوں کے تین افراد سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہم بھی گراؤنڈ فلور پر پہنچ گئے۔

لفٹ سے نکل کر میرا براہِ راست پارکنگ لاٹ کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ را والوں کی طرف سے کوئی نگرانی نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک غزالہ کے ساتھ ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں دکانوں کی سیر کرتا رہا پھر خاموشی سے اس سے الگ ہوکر ٹہلتا ہوا ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

پارکنگ لاٹ روشن تھی۔ میں نے رک کر گاڑیوں کے ہجوم پر نظریں دوڑائیں اور عابد علی کو دیکھ لیا۔ وہ سر جھکائے ایک گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا مگر وہ ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ایسے مواقع پر برتی جانے والی کوئی احتیاط اس نے نظر انداز نہیں کی تھی۔ مجھے کوئی اشارہ کرنے کے بجائے اَن جان بن گیا تھا۔ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

شاید اس نے کن انکھیوں سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میں نے سیاہ رنگ کی اس گاڑی کی پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ وہاں کئی گاڑیوں میں ایک سے زیادہ افراد بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ وہ سب غالباً ڈرائیور تھے جو اپنے مالکان کی واپسی کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ ہم دونوں وہاں رکے رہتے تو شاید کسی کی نگاہوں میں نہ آتے لیکن عابد علی مجھ سے زیادہ محتاط تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔ ایک جگہ رکے رہنے کے مقابلے میں دورانِ سفر تبادلہ خیال کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اسے اختصار سے نریش کی تازہ ترین حرکت کے بارے میں بتادیا۔

اس نے میرے ان اندازوں کی دوبارہ تائید کی کہ را کی طرف سے میری یا غزالہ کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔ اس نے سنیل کے ساتھ اپنی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ان دونوں میں ایک شخص ہر وقت ہمارے آس پاس رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ شہر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اس نے انل بسواس کے گھر کا قریب سے جائزہ لے کر یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس گھر میں تین ملازمین سمیت جملہ سات نفوس کی رہائش تھی۔ وہاں کارروائی کے لیے رات کے دو بجے کا وقت منتخب کیا گیا تھا تاکہ کسی طرف سے مداخلت کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ میرے اور غزالہ کے ساتھ وہ تینوں اس مہم میں شریک ہونے والے تھے۔

وہ مجھے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کرکے بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔ توقع یہی تھی کہ ہم کسی بڑی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اپنے شکار کو آسانی کے ساتھ جہنم واصل کردیں گے۔

”میں اس پروگرام میں ذرا سی تبدیلی چاہتا ہوں“ اس کی پوری بات ختم ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم کھل کر بتاؤ‘ میں تمہارے تجربے کا قائل ہوچکا ہوں۔ یقیناً تم نے اس پلان میں کوئی کمی محسوس کی ہوگی“ عابد علی نے خلوص سے دعوت دی۔

”اس منصوبے پر اسی طرح عمل ہوگا۔ بسواس کے ساتھ اب نریش شرما بھی میرا ہدف ہے۔ کل رات اس کا بھی کام تمام ہونا چاہیے“ میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا۔

اس نے گاڑی چلاتے چلاتے چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو پھر دبی زبان سے بولا ”ایک رات میں دونوں کام ذرا مشکل ہوجائیں گے۔“

”میں مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔ تم لوگ مجھ سے زیادہ کٹھن وقت گزار رہے ہو۔ ہمیں مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر ہدف پر نگاہ رکھنی چاہیے۔“

”میں ابھی کام شروع کردوں گا۔ کل رات سے پہلے ہم ایک اور ملاقات میں پورے خاکے پر بات کرلیں گے“ اس نے سعادت مندی سے کہا۔

”دن کی روشنی میں ہمارا ایک ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ تم آج ہی کے وقت آجانا۔ ہم ہوٹل چھوڑدیں گے اور دو بجے سے پہلے ہر بات طے کرلی جائے گی۔“

”ٹھیک ہے“ اس نے میری تجویز بلا تامل قبول کرلی ”آٹھ بجے سے دو بجے تک ہمارے پاس کافی وقت ہوگا۔ میں نے صبح سات بجے کی پرواز پر تم دونوں کی امرتسر روانگی کا بندوبست کرلیا ہے۔ مقدر نے ساتھ دیا تو قرول باغ سے ہم سیدھے ایرپورٹ جائیں گے۔“

”گڈ!“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”ان واقعات کے بعد میں یہاں رکنا پسند کروں گا۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔ دہلی کی بارونق سڑکوں پر عابد علی کی گاڑی تیزی سے اپنا راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھی جارہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ٹمی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو نصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی‘ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا‘ اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا‘ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتادھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی‘ کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا‘ اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے‘ ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او ”ہیومن سوسائٹی“ فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتادھرتا جہانگیر کا ماموں سرچوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی تو نصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تندخو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کردیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہوچکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگادیے گئے۔ رینا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہوا۔ نریش بری طرح جھنجلایا ہوا مگر بے بس تھا۔ چاروناچار اس نے ہمیں بھارت سے روانگی کی اجازت دے دی۔ اس دوران میں رینا نے ایک ملاقات کے دوران میں مجھے بتایا کہ انل بسواس اور نریش شرما بڑی طاقتوں کے ایما پر یہ تمام کام انجام دے رہے ہیں۔ نریش شرما سے رہائی کا مژدہ سنتے ہی میں نے آخری وار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے گوپال عرف عابد علی سے ملاقات کی اور اس سے حتمی کارروائی کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت بلکہ دہلی میں میرا مزید قیام خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ یہ بات میں نے عابد علی کو بھی بتادی تھی کہ انل بسواس اور نریش شرما سے نمٹنے کے بعد میں دہلی میں رکنا پسند نہیں کروں گا۔ وہ خود بھی اسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے قرول باغ سے ہمیں براہِ راست ائرپورٹ پہنچانے کا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔

پہلے ہمارا پروگرام صرف انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا تھا مگر اس شام نریش شرما نے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے غزالہ پر جو اوچھا اور گھناؤنا وار کیا تھا' اس کے بعد پروگرام میں تبدیلی آچکی تھی۔

"انل بسواس کے ساتھ نریش کا نام شامل ہوجانے کے بعد تم کچھ فکرمند ہوگئے ہو۔" گاڑی میں سکوت کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو توڑتے ہوئے میں نے زبان کھولی۔

"ان دونوں کو ایک وقت میں نشانہ بنانا ممکن نہیں ہے۔ میں اسی الجھن میں پڑا ہوا ہوں۔" عابد نے متردد لہجے میں جواب دیا۔

"وہ عیال دار ہیں۔ الگ الگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم ان کو بیک وقت نشانہ بنانے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟"

"وہ دونوں را کے بڑے افسر ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا "اگر درمیان میں زیادہ وقت ہوا تو پہلے مارے جانے والے کے اہلِ خانہ فوری طور پر دوسرے کو فون وغیرہ پر اس واقعے سے آگاہ کردیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عابد کی وہ دلیل بہت اہم تھی۔ اسے کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنی تمام تر ذاتی پرخاش کے باوجود میں نے نریش شرما کو دوسرے نمبر پر رکھا تھا۔ انل بسواس ہمارے لیے زیادہ اہم تھا۔ پہلے اس کا کام تمام ہونا چاہیے تھا۔ اس کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی نریش شرما اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور جلد از جلد جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں اسے اس کے گھر پر گھیرنے کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس کے گھر پر جمع ہوجانے والی بھیڑ میں نریش پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔

"اس وقت تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے سڑک سے توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"فی الحال یہ ارادہ ملتوی کردو اور قرول باغ کی طرف چلو۔ میں ان دونوں کے گھروں پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

عابد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس سرہلا کر رہ گیا۔

اس کا اٹھایا ہوا نکتہ غور طلب تھا۔ میری دانست میں اس پر جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ہوٹل کے بجائے قرول باغ کا رخ کرنے کی صورت میں ہمیں آپس میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس دوران میں نئے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

"ان دونوں کے گھروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟' قدرے خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"مشکل سے چند منٹ کی پیدل مسافت ہے۔ گاڑی میں ہو تو یہ فاصلہ اور کم ہوجاتا ہے۔ اصل خطرہ ٹیلی فون کی طرف سے ہے۔ ٹیلی فون پر ہر مسافت سمٹ جاتی ہے۔ لمحہ بھر میں دوسرے کو اپنے ساتھی کا حشر معلوم ہوجائے گا اور وہ چوکنا ہوجائے گا۔"

"ابھی تک وہ دونوں بہت ذہین اور سفّاک ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں ان کا جائزہ لینا شروع کیا "جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی احمقانہ غلطی کرتے ہوئے ہمارے دام میں آ پھنسیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عابد نے پُرخیال انداز میں میری خود کلامی کی تائید کی "یہ ذہانتوں کا خون آشام تصادم ہے۔ بلاشبہ را والے بہت ذہین ہیں لیکن ابھی تک تم اپنے عمل اور فیصلوں سے خود کو ان سے کہیں زیادہ ذہین ثابت کرتے چلے آرہے ہو۔ تم سے بڑھ کر غزالہ نے اپنے کمال دکھائے ہیں۔ وہ جان اسمتھ کو جہنم واصل کر آئی اور را والے ابھی تک اس نامعلوم عورت کی تلاش میں ہیں جس کے ساتھ جان نے ہوٹل کا بار چھوڑا تھا۔ اس کا نیا شکار مرلی تھا۔ اس کا انجام را والوں کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہے گا۔ ویسے اب اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

باتیں کرتے کرتے عابد کو اچانک ہی غزالہ کا خیال آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ بند دیواروں کی تنہائی میری یا اس کی محافظ نہیں بن سکتی۔ میرے کمرے میں وہ کسی نئے وار کا نشانہ بن سکتی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے ریستوران میں اپنا وقت گزار رہی ہوگی۔"

میرے جواب پر عابد سوچ میں پڑگیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی "میں نے بھابی کو زیادہ قریب سے نہیں دیکھا۔ اسے سمجھنے اور پرکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ تم کو اس پر پورا اعتماد ہے نا؟"

عابد علی کا وہ سوال بہت تلخ بلکہ ناشائستہ تھا۔ میرا خون کھول اٹھا۔ وہ غزالہ پر شبہ ظاہر کررہا تھا۔ میں نے برداشت سے کام لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بس اتنا کہا "کیا تمہارے لیے صرف یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ وہ میری بیوی ہے۔"

"میں جانتا ہوں' سب کچھ جانتا ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا

"میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں ہے پھر بھی میں بہت سے تلخ تجربات سے گزرا ہوں۔ معتبر اور باوقار نظر آنے والی بعض عورتیں کچھ خاص قسم کے مردوں کے لیے حیرت ناک طور پر اپنے دل میں نرم گوشے رکھتی ہیں۔ ان کے خوابوں کا مرد مجسم ہو کر سامنے آجائے تو وہ اپنے ہر پندار اور سارے اصولوں کو لات مار کر اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں....."

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات شروع کردی "وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہے۔ یہ کمزوریاں مغرب کی ان شہزادیوں میں پروان چڑھتی ہیں جو نگرانیوں میں پلتی بڑھتی ہیں۔"

وہ دھیمی آواز میں ہنس پڑا "تم ذہن تک کو پڑھ لیتے ہو۔ اس وقت میں اس برطانوی شہزادی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اپنے اصطبل کے ایک سائیس کے ساتھ عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔"

"غزالہ اس شہزادی سے بہت مختلف اور دوسروں کے لیے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔" میں نے خشک اور سرد لہجے میں کہا "کمرے کی تنہائی سے نکل آنے کے بعد وہ بہت اچھی طرح اپنی حفاظت کرسکتی ہے۔ تم اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔"

وہ بس چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انل اور نریش میں سے تمہارے لیے کون سا شکار زیادہ اہم ہے۔"

"انل کا نام ہماری لسٹ میں سب سے اوپر تھا۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"گڈ!" وہ میرے لہجے کا برا منائے بغیر خوش دلی سے بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے کے بعد منصوبہ بنانا ذرا آسان ہوجائے گا۔"

عابد نے مجھ سے غزالہ کے بارے میں جو کچھ پوچھا وہ ذاتی طور پر میرے لیے ناگوار تھا لیکن پیشہ ورانہ اعتبار سے ان باتوں کی خاصی اہمیت تھی۔

یہ شاید قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے جو سدا سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ عام طور پر مرد عورت کا پیچھا کرتے ہیں اور ڈورے ڈال کر اسے اپنے چنگل میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ صنف نازک کسی مرد کو تاک کر اس کا پیچھا کرتی ہو۔ عورت اگر رینا اجیت رائے یا بیلا سنگھ ہو تو اپنی ملازمت کی مجبوریوں کے تحت مجھ جیسے مرد کے پیچھے لگ جاتی ہے یا پھر وہ عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی سج دھج پر معمولی سی سرمایہ کاری کرکے رنگین مزاج مردوں سے اپنے قرب کا بھاری خراج وصول کرتی ہیں۔ ان دو قسموں کے سوا کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بعض مردانہ خواص اور عادتوں پر دل وجان سے فدا ہوتی ہیں۔ انہیں اپنی پسند اور معیار کا مرد کہیں بھی نظر آجائے تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کی خوشنودی کے حصول میں مصروف ہوجاتی ہیں۔

دہلی میں اس وقت ہم زندگی کے ایک بدترین موڑ سے گزر رہے تھے۔ اس مہم میں ہماری ذرا سی لغزش نہ صرف ہمیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی بلکہ بھارت کی سرزمین پر کافی لمبی مدت کے لیے آئی ایس آئی کے کسی ایجنٹ کا کام کرنا ناممکن ہوجاتا۔ وہ محض پانچ زندگیوں کا معاملہ نہیں تھا جن میں تین آئی بی والے تھے۔ چوتھی اور پانچویں ذات میری اور غزالہ کی تھی۔ ہم پانچوں کی جانوں سے کہیں بڑھ کر آئی بی کی کارکردگی اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہمارے خیرخواہوں کی پالیسی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ ہماری کامیابی ان کے لیے شاید اتنی زیادہ سود مند نہ ہوتی جتنی تباہ کن ہماری ناکامی ہوتی۔

وہ پوری ہوش مندی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کے نازک لمحات تھے۔ اس وقت عقل و دانش کا دامن چھوڑ کر کسی جذباتی کج بحثی میں پڑنا مناسب نہیں تھا۔ عابد نے اسی جذبے کے تحت پورے خلوص سے غزالہ کے بارے میں ایک تلخ سوال کیا تھا۔ اس میں اس کی کسی بدنیتی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ خرابی وہی تھی جس کا اعتراف عابد خود کرچکا تھا کہ اسے غزالہ سے مل بیٹھنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس کے ٹیڑھے سوال کا جواز قدرے تاخیر سے میرے ذہن میں آیا۔ اس سے پہلے میں بہت سخت لہجے میں عابد کو اس کے سوال کا جواب دے چکا تھا۔ عابد کو اپنے سوال کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ اس نے میری جارحانہ تلخ نوائی کو بڑی متانت سے برداشت کرلیا تھا اور گفتگو اس موضوع سے آگے نکل چکی تھی۔

کسی رہے سہے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے میں بلاوجہ ہی دھیمے سے ہنسا پھر بولا "یہ ترجیح طے ہوجانے میں تمہیں کیا آسانی نظر آرہی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اب ہم لوگوں کو سب سے پہلے اور ہر قیمت پر انل بسواس کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ نریش کی باری اس کے بعد آئے گی۔ ویسے بھی انل اپنے عہدے کے اعتبار سے نریش سے کہیں بڑا افسر ہے۔ اولیت اس کا حق ہے۔"

"میں قرول باغ کے علاقے کا چکر لگا کر دیکھ چکا ہوں کہ وہاں بڑے گھروں میں بھی مسلح چوکیدار رکھنے کا رواج نہیں

ہے....“ میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ عابد علی ایک گہرا سانس لے کر بے اختیار بول پڑا تھا۔
”اوہ! تو دن میں تم یہ جائزہ لینے کے لیے اس بستی میں گئے تھے۔ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے سنیل پریشان ہو گیا تھا کہ تم اس طرف کیوں جا رہے تھے۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ تم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہو۔ کام کے دوران تمہاری کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوتی۔“
اس کی بات مکمل ہو جانے پر میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنی ادھوری بات چھیڑ دی ”تم بتا رہے تھے کہ انل بسواس کے گھر میں تین ملازمین سمیت کل سات نفوس رہتے ہیں۔ ہو سکے تو مجھے ان کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دو۔“
”ملازمین میں ایک ادھیڑ عمر عورت ہے جو شاید گھر کی صفائی اور برتن وغیرہ دھونے کے کام کرتی ہوگی۔ دوسرا باورچی ہے جو کسی کسی وقت چوکیدار کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ تیسرا آدمی ہر فن مولا ہے۔ مالی کا کام کرتا ہے‘ دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے اور گھر کی گاڑی بھی چلاتا ہے۔ جب وہ گھر پر نہیں ہوتا تو اس کی جگہ خانساماں چوکیداری کے فرائض سنبھال لیتا ہے۔ وہ دونوں کمزور اور بزدل نظر آتے ہیں۔“
”جو لوگ ہر فن مولا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہر کام ادھورا چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں انل کے ملازموں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے۔ ساری رکاوٹ بقیہ چار افراد کی طرف سے پیدا ہو سکتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ انل بسواس کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیتے ہوئے اس کے گھر والوں کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ وہ ہماری راہ میں حائل ہوں تو ان کے ساتھ کم از کم طاقت استعمال کی جائے۔“
”میں بھی عیال دار ہوں۔ اپنے مجرموں کے بیوی بچوں سے دور رہنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتا ہوں۔ آدمی ہر برا کام ان کے لیے کرتا ہے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ ویسے بھی انل کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہماری حریف ایجنسی کا بڑا منصوبہ ساز ہے۔“
”میری نظروں میں وہ عام مجرموں سے زیادہ گھٹیا آدمی ہے۔ جو شخص اپنا کام آسان بنانے کے لیے اپنی قوم کی جوان اور خوب صورت مگر مجبور لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کا عادی ہو چکا ہو‘ اس کا ضمیر مر چکا ہوتا ہے۔ وہ طوائفوں کے کسی دلال سے بھی گیا گزرا آدمی ہے۔“
”اس کی ذہنیت پر مجھے بھی دکھ ہے۔ تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ گھر کے چار مکینوں میں انل اور اس کی بیوی کے علاوہ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی ہیں۔ وہ دونوں یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔“
”بیٹیاں!“ میں عابد کی وہ بات سن کر چونک پڑا ”دو جوان بیٹیوں کا باپ ہو کر وہ را کے دفتر میں ایسے گھناؤنے کھیل کھیل رہا ہے!“
”دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اپنے گریبان میں کبھی نہیں جھانکتے۔“
”اوہ!“ میں نے فوری خیال کے تحت کہا ”اس کے بارے میں بحث کر کے ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہمیں کل رات کے بارے میں اپنے مشن کا کوئی نہ کوئی ابتدائی خاکہ ضرور سوچ لینا چاہیے۔“
”تم ہوٹل چھوڑ دو گے اس لیے غزالہ بھی ہمارے ساتھ رہے گی۔ وہ پرویز اور عبداللہ کے ساتھ نگرانی کے مشن پر رہے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہراول میں رہوں گا۔ وہ تینوں ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے‘ صرف ناگزیر ضرورت پڑنے پر ہمیں کمک فراہم کریں گے۔“
”تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ میں خود بھی غزالہ کو پس منظر میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔“
”ہم نے انل کا گھر اندر سے نہیں دیکھا۔ بالا بالا جو کچھ معلوم ہو سکا وہ حوصلہ افزا ہے۔ شاید ہم اپنا کام آسانی سے مکمل کر لیں لیکن انل کے گھر والے اس واقعے میں ضرور ملوث ہوں گے۔ مجھے یہ فکر ستا رہی ہے کہ انہیں نریش یا را کے کسی اور افسر سے رابطہ کرنے سے کیسے روکا جائے۔“
”یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ را اور اس کے افسروں کو دنیا کی بہترین مواصلاتی سہولتیں دستیاب ہیں۔ ان کے خفیہ باہمی رابطوں کی کہانیاں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں مگر مجھے یہ یقین ہے کہ انل نے اپنے گھر والوں کو ان

سہولتوں کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔ اس گھر کی نفری میں سے انل کو منہا کردیا جائے تو وہ چھ نفوس بھارت کے عام شہری ہو کر رہ جاتے ہیں جنہیں صرف فون پر رابطے کی سہولت میسر ہوگی۔"

عابد نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی اپنی پیشانی پر مار کر کہا "تم بہت جلد صحیح نتیجہ اخذ کرلیتے ہو۔ میں انل کے استعمال میں موجود مواصلاتی آلات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ اس کے زیر ہوجانے کے بعد وہ آلات کوئی استعمال نہیں کرسکے گا۔"

"قرول باغ میں بھی ٹیلی فون کے تاروں کا وہی حال ہے جو کراچی اور لاہور میں نظر آتا ہے۔ انل بسواس کے گھر کی لائنیں باہر سے کاٹ دی جائیں تو مسئلہ بڑی حد تک حل ہوجائے گا۔" میں نے اپنی تجویز پیش کردی۔

"یہی کرنا ہوگا۔ اس کے بعد بس موبائل فون رہ جاتا ہے۔ اس بارے میں ہم بے بس ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی رسک لینا ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "خطرہ مول لیے بغیر کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

انل بسواس پہلے سے ہمارے نشانے پر تھا اس لیے عابد اور اس کے آدمیوں نے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلی تھیں لیکن نریش شرما کے بارے میں ہم تاریکی میں تھے کیونکہ اس کے مستقبل کے بارے میں میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی فیصلہ کیا تھا۔

دونوں ہدف ہمارے سامنے تھے لیکن اس وقت اپنی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آخری نتائج حاصل کرنے کے لیے ہمیں درمیانی رات ہوٹل میں گزارنی تھی۔

انل اور نریش کے اقوال کی روشنی میں وہ را کی نگرانی میں بسر ہونے والی ہماری آخری شب تھی۔ نریش میرے خلاف اپنا جو ہتھیار گنوا بیٹھا تھا، اس کے متبادل کے حصول کے لیے اس نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔ وہ مجھ پر اور غزالہ پر اپنا ہر ہر وار آزما چکا تھا لیکن قدرت نے شاید ناکامی اس کے مقدر میں لکھ دی تھی۔

جس وقت عابد نے مجھے قرول باغ کی بستی میں پہنچنے کی خبر سنائی، میرا ذہن ایک نئے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ را والوں نے مجھے اور غزالہ کو بہت چالاکی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے سے کئی گھنٹوں تک دور رکھ کر وہاں فلم بندی کے خفیہ آلات نصب کیے تھے۔ اس وقت بھی ہمارا کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم دونوں رینا کے ساتھ باہر نکل کر انہیں ایک اور موقع فراہم کرچکے تھے۔ پتا نہیں ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر را والے کیا کچھ کر گزرے تھے۔

وہ مسئلہ میرے ذہن پر زیادہ دیر تک سوار نہیں رہ سکا۔ رینا کی آمد سے پہلے بھی ہم نے کافی وقت باہر گزارا تھا۔ را والوں کو جو کچھ کرنا تھا، وہ کر گزرے تھے۔ ہمیں بلیک میل کرنے والے مواد کے حصول میں ناکامی کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے تھے کہ ہماری مسہری میں کوئی خود کار بم نصب کردیتے لیکن ایسا کرنا ان کے اپنے مفاد میں نہیں تھا کیونکہ وہ مجھے اپنے مخبر بلکہ ایجنٹ کے طور پر زندہ رکھ کر پاکستان میں مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہ رہے تھے۔

"کونے سے دوسرا مکان نریش کا ہے۔" عابد نے گاڑی ایک گلی میں گھماتے ہوئے داہنی طرف خفیف اشارہ کرکے کہا اور سست رفتار سے گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا۔

وہ مکان واقعی چھوٹا سا تھا۔ احاطے اور عمارت کی دیواروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ نریش شرما کی اپنی گاڑی بھی بمشکل گھر کے اندر پارک ہوتی ہوگی۔ پھاٹک کی چوڑائی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ نریش اپنی گاڑی گھر کی حدود میں رکھنے کا عادی تھا۔

ذرا سی دیر میں ہم قرول باغ کے چھوٹے مکانوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ میں خاص طور پر نوٹ کر رہا تھا کہ اپنی تلاش کے دوران ہم آبادی کی ان گلیوں تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

گھروں کے باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں اور لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے عابد کی گاڑی کی رفتار سست تھی پھر بھی ہمیں انل کا مکان جلد نظر آگیا۔ وہ کونے کا مکان تھا جس کے احاطے میں کئی گھنے درخت موجود تھے۔ میں نے مختصر سے جائزے میں اندازہ لگالیا کہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انل بسواس کا مکان ہر قسم کی واردات کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ کم از کم باہر سے گھر کے اندر کودنے یا گھسنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

ہوٹل کا کمرا مخدوش ہوجانے کی بنا پر میں نے اپنی تین اہم ترین چیزیں آئی بی والوں کے حوالے کردی تھیں۔ ان میں سے عابد علی کی دی ہوئی امانت تھی جس کی افادیت اگلی رات کے بعد ختم ہونے والی تھی۔ جب تک میں دہلی میں تھا، اس کا دیا ہوا محدود رینج کا اپریٹس میرے لیے بہت کارآمد تھا۔ میں نے اس کی مدد سے بعض نازک مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ دہلی سے واپس جاتے ہوئے وہ اپریٹس ان لوگوں کو

لوٹانا تھا۔
بقیہ دو اشیا مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز تھیں۔ ان میں سے ایک وہ بیم گن تھی جو شی کے ایک مقتول آئی مین کی یادگار تھی۔ وہ ہمہ گیر افادیت رکھنے والا ایک نادر ہتھیار تھا جو ہمیشہ میرے کام آتا تھا۔ دوسری سی ایس ڈی تھی جو را والے بدری ناتھ کی یادگار تھی۔
واپسی کے سفر کے دوران میں نے عابد کو تاکید کی کہ اگلی رات وہ ان چیزوں کو اپنے ساتھ لانا نہ بھولے۔
ہمارے درمیان بہت سی اہم اور غیر اہم باتیں ہوتی رہیں پھر اس نے مجھے کناٹ پلیس کے ایک محفوظ مقام پر اتار دیا۔
عابد کی گاڑی آگے نکل جانے کے بعد میں ہوٹل کی طرف ہولیا۔
اس وقت ہونے والی گفتگو میں عابد نے اپنے ساتھیوں کے اصل نام استعمال کیے تھے۔ میں سنیل سے کئی مرتبہ ملا تھا مگر رام سے شاید ایک بار ملنے کی نوبت آئی تھی۔ میں تعارف ہوجانے کے باوجود ان دونوں کو ان کے مفروضہ ناموں سے پہچانتا تھا۔ کوشش کے باوجود مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان میں سے کون عبداللہ تھا اور کس کا نام پرویز احمد تھا۔ وہ سوال رہ رہ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کھٹک رہا تھا اور میرے لیے مستقل بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔
ہوٹل میں سب کچھ جوں کا توں تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ دہلی میں میری آخری رات تھی اس لیے مجھے سب کچھ بدلا بدلا اور نکھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں بے پروایانہ انداز میں ہوٹل کی روشن اور بھری پری راہ داریوں سے ہوتا ہوا ریستوران میں پہنچ گیا جہاں غزالہ سکون سے ایک میز کے گرد براجمان تھی۔
اسے وہاں بیٹھے کافی دیر ہوچکی تھی لیکن اس نے چند ہلکی پھلکی اشیا منگوانے پر اکتفا کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
چند ثانیوں بعد مسکراتی ہوئی خوب رو ویٹرس ہمارے سروں پر مسلط ہوگئی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ غزالہ میرے انتظار میں وہاں بیٹھی وقت گزار رہی تھی۔ ریستوران کا مینو کارڈ پہلے سے غزالہ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے روانی کے ساتھ آرڈر لکھوا کر ویٹریس کو رخصت کردیا۔
"اس سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟" غزالہ نے کہنیوں کے سہارے میز پر جھک کر پوچھا۔
"آئی بی والوں سے مل کر مجھے ہمیشہ تقویت کا احساس ہوتا ہے ورنہ ہم دونوں اس شہر میں بالکل اجنبی ہیں۔" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔
"اجنبی ضرور ہیں مگر دشمنوں کے چنگل سے محفوظ ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اپنے کمرے میں پیش آنے والے واقعے کے اثرات آہستہ آہستہ اس کے ذہن سے مندمل ہوچکے تھے اور وہ دوبارہ نارمل ہوچکی تھی۔
"ہمیں جیسے تیسے آج کی رات گزارنی ہے۔ کل شام ہم اس ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں گے۔" میں نے اس کے لب ولہجے پر اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "اس سے پروگرام طے ہوگیا ہے۔ کل ان دونوں کا وقت بھی پورا ہوجائے گا۔"
"آپ کن دونوں کی بات کررہے ہیں؟" اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔
"وہی دونوں جو ہمارے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔"
"پہلے آپ نے ایک کے بارے میں طے کیا تھا۔" اس نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔
"تمہارے آج کے خوفناک تجربے کے بعد دوسرا بھی فہرست میں آگیا ہے۔"
"ویری گڈ۔" میری اطلاع پر وہ خوش ہوگئی "یہ باتیں ہمیں یہیں نمٹا لینی چاہئیں۔ ہوٹل کے کمرے میں ہم پابند اور مجبور ہوجاتے ہیں۔"
"کمرے میں لگائے جانے والے آلات ایک طرح ہمارے لیے مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ ان پر ریکارڈ کی ہوئی آوازیں سننے والا ہر دشمن مطمئن رہے گا کہ ہم اس کی ناپاک سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ واپسی پر تمہیں اپنے تجربے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے۔ وہ تمہارا ردِعمل سننے کے لیے بے چین ہوں گے۔"
غزالہ کا منہ بن گیا "اس تجربے کے بارے میں بات کرنا تو درکنار، میں سوچنا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کی بات درست ہے۔ مجبوری کے عالم میں آدمی کو زہر کی گولی بھی نگلنا پڑتی ہے۔ میں آپ کی ہدایت یاد رکھوں گی۔"
ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں زبان بندی پر مجبور تھے۔ کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ اگر ہم نے اس دن کا بڑا حصہ ہوٹل سے باہر رہ کر نہ گزارا ہوتا تو ہمارے دلوں میں ایک بھڑاس سی موجود ہوتی جسے ہوٹل کے ریستوران میں نکالا جاتا لیکن اس وقت ہمارے درمیان صرف اور صرف اگلی رات کی مہم زیرِ غور تھی۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں کے بارے میں جو کچھ دیکھا اور سوچا

تھا' اس میں غزالہ کو شریک کرتا چلا گیا۔
کھانے کے دوران بھی ہم دونوں اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو خوشی تھی کہ دشمن کی تمام تر گھاتوں کے باوجود ہماری روانگی کا پروگرام سوچے سمجھے' مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔
"بڑے گھر میں سات افراد ہوتے ہیں۔ چھوٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" اس نے کہا۔
"اس کے بارے میں گوپال سے پہلی بار بات ہوئی ہے۔" میں نے بتایا "میرا خیال ہے کہ وہ آج رات ہی بہت کچھ معلوم کرلے گا۔"
"وار کرنے سے پہلے حریف کی پوزیشن اور نفری کے بارے میں صحیح اطلاعات موجود ہوں تو حملہ ناکام ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔"
میں اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا "تم اس طرح بات کررہی ہو جیسے ہمارا غنیم کے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ ہونے والا ہے۔"
"کہیں ذرا سی لغزش ہوگئی تو آناً فاناً میں لشکر بھی جمع ہوجائے گا۔ یہ شہران کا ہے۔ یہاں کی انتظامیہ اور پولیس ان کی ہے۔ ایک اشارے پر وہ سب پوری آبادی کا محاصرہ کرلیں گے۔ آخری کامیابی حاصل ہونے تک ہمیں دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔"
"یہ میرا اصول ہے جسے تم دہرا رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں کررہی ہے۔"
اس بار وہ شوخی سے ہنس دی اور باتوں کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔
میرے ذہن پر مسائل کا بوجھ کچھ زیادہ تھا۔ ایک وقت میں بہت کچھ کرنا اور سہنا پڑ رہا تھا جب کہ غزالہ اتنے زیادہ دباؤ میں نہیں تھی۔ اسے جان اسمتھ کا نیا تلا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ اس نے اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر' بہت کامیابی سے اسے جہنم واصل کردیا تھا اور بے فکر ہوکر بیٹھ گئی تھی۔
میں نے اسے آئی بی والوں کے اصل ناموں کے بارے میں اپنی الجھن سے آگاہ کیا تو اس نے کسی توقف کے بغیر مسئلہ حل کردیا۔
سنیل کا اصل نام پرویز احمد تھا۔ اس سے ابتدائی رابطے کے لیے کپور تھلا کے رفیس کا کوڈ دیا تھا۔ عبداللہ دہلی میں ولی رام بنا ہوا تھا۔ ان دونوں سے اگلی رات میری آخری ملاقات ہونا تھی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں اپنے آڑے وقت کے ان فرض شناس ساتھیوں کو ان کے اصل ناموں سے الوداع نہ کہہ سکوں۔
ریستوران سے نکل کر ہم نے کچھ وقت ہوٹل میں گھومتے ہوئے گزارا۔ دوبارہ کمرے میں پہنچے تو رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔
"آج کا دن میں اپنی زندگی میں کبھی فراموش نہیں کرسکوں گی۔" کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتوں میں غزالہ نے اچانک میری ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ ریستوران کا ڈنر تمہیں بہت زیادہ پسند آیا ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔
"ایسے ہزار ڈنر بھی اس تجربے کو نہیں بھلا سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ میرے نیم تاریک کمرے میں کسی خوں خوار درندے کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔ اس کا مکروہ شیطانی چہرہ جب بھی یاد آتا ہے' میں لرز کر رہ جاتی ہوں۔"
"تم بار بار اس کا ذکر کیوں نکال لیتی ہو۔" میں نے ہلکی سی ترشی سے کہا "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے اچھے اور برے واقعات پیش آتے ہیں۔ ناخوشگوار یادوں کو اس طرح ذہن پر نقش کرلیا جائے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔"
"ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ ڈراؤنا واقعہ میرے ذہن سے محو ہوجائے مگر اس وقت اسے بھلانا ممکن نہیں ہے۔ باہر گھومتے پھرتے ہوئے میں کھل کر آپ سے بات نہیں کرسکی تھی۔ کمرے کی تنہائی میسر آئی ہے تو وہ خیال مکڑی کے جالے کی طرح پھر دماغ پر چھا گیا ہے۔"
"اس منحوس اور مردود شخص کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر بات کرلو۔ بار بار کے اس تذکرے سے مجھے چڑ ہونے لگی ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش کررہی ہو" میں نے بے زاری سے کہا۔
"آپ بلاوجہ ناراض ہورہے ہیں۔ بھلا میں آپ کو کیا جتانے کی کوشش کروں گی" غزالہ کی آواز میں آزردگی سمٹ آئی۔
"میں تمہیں اپنے ساتھ دہلی لایا تھا۔ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ تمہاری حفاظت کرنا میری ذمّے داری ہے جسے میں پورا نہیں کرسکا۔"
"آپ بلاوجہ اتنی دور کی بات سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے قسم لے لیں جو میرے دل میں یہ خیال بھی آیا ہو۔ میں نے آپ کی ذات کو اپنا سہارا بنایا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ میرا یہ فیصلہ غلط نہیں تھا۔ رہا وہ واقعہ تو وہ کسی کے ساتھ

بھی پیش آسکتا ہے۔"

"مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اس کو کیسے زیر کیا ہوگا" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "وہ بہت مضبوط اور قد آور تھا۔"

"مجھے خود پتا نہیں کہ وہ سب کیسے ہوگیا۔ اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر میرے دماغ پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔ بس ایک خیال تھا کہ اپنی عزت بچانے کے لیے اسے ماردوں یا خود مرجاؤں۔ اسے کمرے کے قالین پر بے سدھ پڑا ہوا دیکھ کر مجھے دوبارہ ہوش آیا تھا۔"

"نریش شرما بہت خطرناک اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے حملہ آور کو اپنے آدمیوں کی مدد سے خاموشی سے اٹھوالیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لینے کی نوبت آجاتی تو بات پولیس تک ضرور پہنچتی اور ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہوجاتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خود کو اس بھیڑیے کے سامنے پاکر میری عقل ماؤف ہوگئی تھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس پر ٹوٹ پڑی۔"

"وہ ناکام ہوگیا۔ تم نے اپنے سے طاقت ور دشمن کو حیرت ناک آسانی سے زیر کرلیا۔ بات پولیس تھانے تک نہیں پہنچی اور یہ قصہ خاموشی سے نمٹ گیا۔ ان پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی تو تمہیں خود بہ خود صبر آجائے گا۔"

"وہ نشے میں دھت نہ ہوتا تو شاید اتنی آسانی سے مار نہ کھاتا" غزالہ اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے موڈ میں آچکی تھی۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا کہ وہ نشے میں دھت تھا۔"

"رہ رہ کر باتیں یاد آرہی ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ آئندہ آپ میری زبان سے یہ تذکرہ نہیں سنیں گے۔"

"اگر وہ نشے میں تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غلطی سے تمہارے کمرے میں گھس گیا ہو۔"

"اب آپ مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ بڑے ہوٹلوں میں ایک کمرے کی چابی سے دوسرے کمرے کا تالا ہرگز نہیں کھلتا۔ وہ خطرناک ارادے سے جان بوجھ کر میرے کمرے میں چھپا تھا۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ میں بہت بڑے خطرے سے بال بال بچی ہوں۔"

"نریش کا خیال تھا کہ اس شخص نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہوگا اور تم پر فدا ہوگیا۔۔۔"

"فدا ہونے والے ایسی اوچھی اور خطرناک حرکتیں

نہیں کرتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر چڑچڑے انداز میں کہا "نریش سنکی ہے جو ایسی باتیں سوچ رہا ہے۔ وہ را کا بڑا افسر ہے۔ اس آدمی کی تھوڑی سی گوشمالی کرے تو وہ سارا سچ اگل دے گا۔"

غزالہ کے آخری فقروں پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہاں چور اور کوتوال' دونوں ملے ہوئے تھے۔ کون کس کی گوشمالی کرتا۔ مرلی اور نریش کی ملی بھگت سے قطع نظر غزالہ کی بات سوفیصد درست تھی۔ اگر نریش شرما کا دامن ذرا بھی صاف ہوتا تو اسے کوئی قیاس آرائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رنگے ہاتھوں بلکہ بے ہوشی کی حالت میں غزالہ کے باتھ روم سے پکڑا جانے والا مجرم اس کے قبضے میں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں اس سے ہر بات اگلوا سکتا تھا۔

"اب نریش جانے اور اس کا قیدی جانے۔ ہمیں ان پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے اکتا کر کہا۔

"کئی راتوں سے آپ کا رویہ عجیب سا ہو گیا ہے" غزالہ نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھ سے دور اور کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ آج میں ڈری ہوئی ہوں۔ ویسے بھی شاید یہ دہلی میں ہماری آخری رات ہو۔ آج ہم ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔"

نریش شرما کی امیدوں کے دم توڑتے ہوئے چراغ کی لو کو غزالہ نے یکایک بھڑکا دیا۔ اس کے الفاظ کا ایندھن اس چراغ کو پوری رات فروزاں رکھنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ کے وہ معنی خیز فقرے فوری طور پر نریش تک پہنچا دیے جائیں گے۔

"میں پوری کوشش کروں گا" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا "بند کمرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس خلوت میں کوئی تیسرا خلل انداز ہونے کی جرائت نہیں کر سکتا مگر تمہیں میری بگڑی ہوئی کیفیت کا علم ہے۔ میں خود بھی دہلی کی فضاؤں میں تمہارے وجود کی خوشبو سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں مگر خدا کے لیے مجھ پر جبر نہ کرنا۔ تمہارے لیے میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یوں سمجھ کو لہ مجھے کوئی عارضی ذہنی بیماری لگ گئی ہے۔"

"میں جانتی ہوں.... میں سب جانتی ہوں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس گفتگو میں وہ سارے پیغام پنہاں تھے جو میں ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے نریش تک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہوٹل کی رہائشی منزلوں سے نیچے اور ہوٹل کے باہر زندگی کی ساری ہنگامہ آرائیاں جاری وساری تھیں لیکن بند کمرے میں وقت کافی ڈھل چکا تھا۔ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ٹیلی وژن دیکھنے کے بعد میں ساڑھے گیارہ بجے بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ رات بھی ہم دونوں نے پچھلی رات کی طرح محتاط رہ کر گزار دی۔ کمرے میں چھپے ہوئے تصویر کشی کے آلات کا خوف ہم دونوں کے لاشعور پر اتنا حاوی تھا کہ نیند کے دوران میں کروٹ وغیرہ لیتے ہوئے ہمارے جسموں کا کوئی حصہ ایک دوسرے سے چھو جاتا تھا تو دونوں چونک کر بیدار ہو جاتے تھے۔

خدا خدا کر کے دہلی میں ہماری وہ آخری اور صبر آزما رات بھی ڈھل گئی۔ کھڑکیوں پر تنے ہوئے پردوں کے پیچھے دن کا دھندلایا ہوا' موہوم سا اجالا نمودار ہوتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا اور نئے دن کی نئی سرگرمیوں کے لیے تازہ دم ہونے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں باتھ روم سے نکلا تو غزالہ بھی بیدار ہو چکی تھی اور بہت خوش تھی۔

مجھے توقع تھی کہ نریش مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ناشتے کے بعد ہم دونوں کیمروں کی زد سے بچ کر اپنا سامان مختصر سے سوٹ کیس اور تھیلے میں یک جا کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا۔

آپریٹر نے میری توقع کے برعکس لائن پر انل بسواس کی موجودگی کی اطلاع دی اور میری ہدایت پاتے ہی لائن ملا دی۔ انل کی اس کال کی اطلاع پاتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری اور غزالہ کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

"تم نے ہمارا دیا ہوا وقت خوش اسلوبی سے گزار لیا ہے۔ اب تم اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو۔ یہ میرا وعدہ تھا جو آج پورا ہو گیا" اس کی آواز دھیمی اور پُرسکون تھی۔ میرا مشاہدہ تھا کہ وہ نریش شرما کے مقابلے میں زیادہ متحمل مزاج تھا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ شکوک و شبہات کی دھند سے گزرنے کے بعد آخر کار تم میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہو" اس وقت انل بسواس نے گفتگو کا آغاز انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے بھی اسی زبان میں جواب دیا جو آپ اور تم کے کسی نازک امتیاز سے عاری تھی۔

"یہاں تمہارے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئی بھی ہوں گی" وہ میرے تشکر آمیز کلمات کو نظرانداز کر کے کہہ رہا تھا "یہ

موجودہ حالات اور ہمارے طریقہ کار کی مجبوریاں ہیں جن پر میں معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے ساتھ کچھ وقت گزار کر تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ رازداری اور تحفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔"

"میں بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔ میں نے کچھ سیکھا بھی ہے۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تمہارے عظیم مقاصد کے لیے کام کر کے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔"

"یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تم کو فخر کا احساس ہوگا۔ تم دنیا کی دو بڑی اور عظیم قوتوں کے ساتھی ہو۔ کل رینا نے اس بارے میں تمہیں آخری بریفنگ دے دی ہوگی۔"

"رینا کی بتائی ہوئی ہر بات خیال انگیز تھی۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے یہ سب بتانا ضروری سمجھا۔ میں یہ باتیں جانے بغیر بھی تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ میرے لیے ہزاروں روپے ماہانہ کی اضافی آمدنی بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"ابتدا میں تم اس کام کو اپنے ملک اور قوم سے غداری تصور کر رہے تھے!" وہ فون پر بھی میرے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ جذباتی باتیں تھیں" میں نے خفّت آمیز لہجے میں جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ باتیں کتنی ہی دلکش اور اثر آفریں ہوں، وہ انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتیں۔ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر قدم پر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر تم میری خدمات نہیں خرید رہے۔ تمہارے سامنے اس پورے خطّے کے باسیوں کی بہبود اور بقا کا ایک واضح منصوبہ ہے۔"

"یہ باتیں سمجھنے میں شاید یہ خوف بھی کارفرما ہے کہ تمہاری اور رینا کی ایک وڈیو فلم برلیش کے قبضے میں ہے۔"

"مجھے اس فلم کی فکر ہے۔ دوسروں کی طرح میں بھی اپنے اس چہرے کی تشہیر پسند نہیں کرتا جسے میں نے ہر ایک سے چھپایا ہوا ہے" میں نے کمرے میں غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی "میں تم سے ایک التجا ضرور کروں گا کہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ وڈیو مجھے واپس لوٹا دینا۔"

میری اور انل کی گفتگو کی نزاکت بھانپ کر غزالہ نے ازخود مجھے تخلیہ فراہم کردیا تھا اور غالباً کسی ضرورت کے بغیر باتھ روم میں چلی گئی تھی۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ذرا سی دیر میں ایک فلم

سے کئی کیسٹ تیار کیے جاسکتے ہیں۔ ایک فلم واپس لے کر بھی تمہیں اس کے خوف سے نجات نہیں مل سکے گی۔"

"تم سے مل کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تم قول کے پکے ہو۔ جو کہتے ہو' اس پر پوری سچائی سے عمل کرتے ہو اور جو کچھ نہیں کرنا چاہتے' اس کے بارے میں سرے سے بات ہی نہیں کرتے۔ میرے اطمینان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم میری التجا قبول کرلو۔"

انل بسواس لاکھ باراں دیدہ اور خرانٹ سہی مگر ایک انسان تھا۔ میری خوشامدانہ باتوں پر اس نے کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا لیکن اس موضوع کو وہیں سمیٹتے ہوئے صرف اتنا وعدہ کرلیا کہ وہ میری فرمائش پر غور کرے گا۔

اپنی حکمتِ عملی کے تحت میں اسے یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر پوری طرح بے بس ہوچکا تھا۔

انل کے روبہ رو نہ ہونے کی وجہ سے میں اس کے ردِّعمل کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھا لیکن اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ ہماری روانگی میں رخنہ اندازی کی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔

"دہلی میں قیام کی پابندی ختم ہونے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ریسیور پر سنائی دینے والے' انل بسواس کے سوال نے مجھے چونکادیا۔

"ہوسکتا ہے کہ کل ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوجائیں" میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"میری نیک تمنائیں اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" انل بسواس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

بھارتی سیکرٹ سروس میں انل بسواس کا منصب بہت اعلیٰ تھا۔ گو نریش شرما براہِ راست اسی کو جواب دہ تھا مگر ان دونوں کے مراتب میں بہت زیادہ فرق تھا۔ میں حیران تھا کہ اس وقت نریش کے بجائے انل نے کیوں فون کیا تھا۔

اگر نریش اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں دہلی سے باہر تھا تب بھی وہ فون کے ذریعے آسانی سے مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اس کی جگہ اچانک انل بسواس کا سامنے آنا اس بات کی دلیل تھا کہ ہمارے معاملے کو ہمارے اندازے سے زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔

جب تک ہم دہلی میں رہنے کے پابند تھے' معاملات نریش کی سطح پر چلتے رہے لیکن وہ پابندی ختم ہوتے ہی انل ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ میرے پاس اس سے یہ سوال کرنے کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ اس نے مجھے عزت افزائی کے قابل کیوں سمجھا تھا۔ ایک خطرناک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دہلی سے روانگی کے موقع پر را والے ہماری کڑی نگرانی شروع کردیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم کب اور کس ذریعے سے دہلی سے روانہ ہوں گے۔

میں ان باتوں پر جتنا غور کرتا رہا' اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بظاہر آسان نظر آنے والے معاملات یکایک وحشت ناک رخ اختیار کرتے جارہے تھے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ میں اس کمرے میں غزالہ سے کھل کر بات کرسکتا تھا نہ فون پر عابد یا اس کے کسی ساتھی سے بات کرسکتا تھا۔

میں نے انل بسواس کو... ایک طرف سے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اپنی روانگی کے حتمی پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا جبکہ عابد سے سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ مجھے اور غزالہ کو رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑدینا تھا۔ ہمارا بقیہ وقت کہاں اور کن حالات میں گزرتا' اس کا انحصار عابد علی کے پروگرام پر تھا۔ رات کے دو بجے ہمیں آئی بی والوں کے تعاون سے قرول باغ میں اپنا سب سے بڑا آپریشن شروع کرنا تھا۔ اس کام سے نمٹتے ہی ائیرپورٹ روانگی کا منصوبہ طے ہوچکا تھا۔

اگر اس وقت انل بسواس کا غیر معمولی فون نہ آیا ہوتا تو میں طے کرچکا تھا کہ ہم اپنے اکلوتے سوٹ کیس کے ساتھ ہوٹل کو باقاعدہ خیرباد کہیں گے اور وہاں سے عابد کے ساتھ نکل جائیں گے لیکن انل سے گفتگو کرنے کے بعد میں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔

سامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلنے کا مطلب دہلی سے روانگی کا کھلا اعلان ہوتا۔ شاید بل بنانے سے پہلے ہی ہوٹل کی انتظامیہ را کے نامزد کیے ہوئے کسی افسر کو ہماری روانگی کی خبر دے دیتی اور ہمیں اتنی دیر کے لیے الجھالیا جاتا کہ را کے ایجنٹ ہوٹل پہنچ کر ہمارے تعاقب کی تیاری کرسکیں۔ وہ بہت خطرناک صورتِ حال ہوتی۔ دہلی میں آئی بی کے تینوں ایجنٹ ایک مدت سے پوشیدہ رہ کر اتنی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کسی کو کانوں کان بھی ان کے وجود کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ ہماری اعلانیہ روانگی کی صورت میں ہمیں ہوٹل سے لے جانے والا آدمی یقینی طور پر را کے ایجنٹ کی نگاہوں میں آجاتا۔

اس لغزش کے دوررس اثرات کو میری نگاہیں بھانپ رہی تھیں۔ ایک طرف انل اور نریش کے خلاف ہمارا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہوتا۔ اس میں ہم سب لوگوں کی

جانوں کے اتلاف کا سنگین خطرہ پنہاں تھا۔ دوسری طرف دہلی میں آئی بی کے فعال وجود کا راز فاش ہوجاتا جس کے نتیجے میں اس پاکستانی ایجنسی کے لیے برسوں تک دہلی میں قدم جمانا ممکن نہ ہوتا۔ دیر تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ تھا جس کا ترک کردینا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔

دوسری اور درمیانی راہ یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم انل بسواس اور نریش شرما کو بھول کر صرف اپنی کھال بچانے کی کوشش کریں۔ عابد علی اور اس سے طے کیے ہوئے پروگرام کو یکسر فراموش کردیں۔ رات کو آٹھ بجے ہمارے نہ پہنچنے کی صورت میں عابد بلبلا کر ہم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ کرتا تو اسے بتادیا جاتا کہ حالات اچانک کتنے مخدوش ہوگئے تھے۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے باضابطہ طور پر دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاتے۔

وہ درمیانی راہ سب سے بہتر اور محفوظ تھی۔ اس میں ہماری جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا' نہ دہلی میں آئی بی کا نیٹ ورک ٹوٹنے کا کوئی خطرہ پوشیدہ تھا مگر میرا دل اس سمجھوتے کی طرف مائل نہیں تھا۔ ہم نے دہلی میں قیام کے دوران میں کئی اہم کامیابیاں حاصل کرلی تھیں لیکن میں پاکستان سے انل بسواس کو جہنم واصل کرنے کا جو مشن لے کر نکلا تھا وہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔

انل بسواس میرا بنیادی اور اہم ترین شکار تھا۔ نریش شرما کا گھناؤنا کردار دہلی پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سنگین ذاتی زیادتیاں کی تھیں۔ شاید میں اس کی وہ تمام سفاکیاں بھول کر اسے معاف کردیتا لیکن اس نے پچھلے روز غزالہ کے ساتھ جو حرکت کی تھی اس کے بعد وہ میرا ناقابلِ معافی مجرم بن چکا تھا۔

ایک طرف مشن کی تکمیل کی تڑپ اور انتقام کی پیاس تھی اور دوسری طرف بھیانک ناکامیوں کی دلدل نظر آرہی تھی۔ غزالہ نے باتھ روم سے آنے کے بعد مجھ سے فون کے بارے میں پوچھا اور میں نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر اسے انل بسواس کی میٹھی اور مصالحانہ باتوں کے بارے میں بتادیا۔ اس سے آگے بولنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس وقت بھی ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں سنی جارہی ہوں گی۔

غزالہ نے مجھ سے زیادہ سوالات نہیں کیے مگر وہ میری آنکھوں سے جھانکتی ہوئی تشویش دیکھ کر خود بھی پریشان ہوگئی تھی۔

پھر میرے ذہن میں تیسرے خیال نے سر ابھارا۔ ہمیں کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان سے ہم بہت مختصر اور ضروری سامان لے کے ساتھ آئے تھے جو ایک سفری تھیلے میں سماسکتا تھا۔ بقیہ سامان غزالہ نے مقامی بازاروں سے خریداری کے شغل میں جمع کیا تھا۔ وہ سامان ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا۔ جان ومال کے زیاں کے اس نازک موڑ پر وہ سامان سوٹ کیس سمیت کمرے میں چھوڑ کر ہم خاموشی سے فرار ہوجاتے تو را والوں کے ہوشیار ہونے تک ہمیں خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ جب تک وہ حالات کا صحیح اندازہ لگا کر میدانِ عمل میں اترتے' ہم ان کی دسترس سے بہت دور' پاکستانی سرزمین پر پہنچ چکے ہوتے۔

وہ خیال اس قدر سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھا کہ میں نے فوراً ہی دراز میں پڑے ہوئے کاغذوں وغیرہ کی دیکھ بھال شروع کردی۔ میرے حساب اور اندازے کے مطابق ہوٹل میں میرے حساب میں اتنی رقم جمع تھی جو کم از کم اگلے دو دن کے کرائے اور دیگر اخراجات کے لیے کافی تھی۔ حساب کی اس صحت مند پوزیشن میں ہوٹل کی انتظامیہ کو یہ پروا بھی نہ ہوتی کہ ہم ہوٹل سے نکلنے کے بعد رات کو واپس آتے ہیں یا گول ہوجاتے ہیں۔

اس طریقے پر عمل کرنے میں اکلوتی خرابی یہ تھی کہ ہماری پراسرار روپوشی پر را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کی صفوں میں ہلچل مچ جاتی۔ نہ جانے کیا کچھ کہا اور سمجھا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مظہر خان کے روپ میں میرا دوبارہ بھارت آنا ناممکن ہوجاتا۔

را کے دفتر کو آگ لگادینے کے بعد میں نے ایسے حالات سے بچنے کی کوشش کی تھی اور آخری لمحات پر بھارت سے اپنے فرار کا معاملہ کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کردیا تھا۔ وہ وقت کچھ سازگار تھا۔ حالات کچھ مختلف تھے اس لیے میرا وہ فیصلہ درست ثابت ہوا تھا مگر انل بسواس کے فون کے بعد میری بچھائی ہوئی پوری بساط بکھرتی نظر آرہی تھی۔ فیصلہ کن لمحات سر پر تل گئے تھے۔ مجھے ہر خطرہ مول لے کر اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور پھر بھارت سے نکل بھاگنا تھا۔ میں فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو بھارت سے ہماری زندہ وسلامت واپسی ایک خواب بن سکتی تھی۔

میں نے مسہری سے دور رہ کر اشاروں کنایوں سے غزالہ کو کمرے سے باہر نکلنے کی ضرورت کا احساس دلایا اور اس نے فوری طور پر ہوٹل سے نکلنے کی تیاری شروع کردی۔ وہ میرے تیور دیکھ رہی تھی اور میری زبان سے کوئی اہم فیصلہ

سننے کی منتظر تھی۔
"کیوں نہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں؟" اس نے نگرانوں کو سنانے کے لیے تجویز پیش کی۔
"تم سارے قابلِ ذکر بازار دیکھ چکی ہو۔ خریداری کر کے کافی کاٹھ کباڑ جمع کرلیا ہے۔ اسے ڈھونا میرے لیے مصیبت بن جائے گا" میں نے بے زاری سے کہا۔
"ہم روز روز دہلی نہیں آئیں گے" غزالہ نے میری خوشامد کی "میری خاطر چلے چلیں۔"
"تمہاری خاطر یہاں تک آیا ہوں تو بازار بھی جانا پڑے گا۔ عورت کے لیے انسان کو نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر اس کے بشرے پر چھائی ہوئی تشویش اس کی ہنسی کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔
غزالہ کبھی بھی بناؤ سنگھار کی عادی نہیں رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔ میں اس سے پہلے ہی تیار بیٹھا ہوا تھا۔ چند ہلکے پھلکے فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہم دونوں نے کمرا چھوڑ دیا۔

○☆○

میرے اعصاب پر ہلکی سی کشیدگی طاری تھی اور میں ٹیلی وژن کے سامنے اکیلا بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔
غزالہ پندرہ منٹ پہلے مجھے الوداع کہہ کر اپنے مختصر سفری تھیلے سمیت کمرے سے جاچکی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پونے آٹھ بجے مجھے بھی اس کمرے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا تھا جس کے بام و در میں را والوں نے خفیہ خبر گیری کے جدید اور حساس آلات چھپائے ہوئے تھے۔
وہ عجیب سا دن تھا۔ صبح انل بسواس کی اکلوتی فون کال آنے کے بعد انسٹرومنٹ مستقل طور پر خاموش تھا۔ پتا نہیں نریش شرما کہاں جا سویا تھا۔ صبح میں غزالہ کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو اسے اپنے نئے فیصلوں سے آگاہ کرتے ہوئے بھی میری بے چین نگاہیں تیزی سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں مگر اس روز تلاش کے باوجود مجھے آئی بی کے کسی آدمی کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔
حقیقت وہ نہیں تھی جو میں تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس کے فون کے بعد ہر ایک نے مجھ سے کنارا کشی اختیار کرلی ہو۔ عابد علی سے پچھلی رات جو کچھ طے ہوا تھا، مجھے اسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔
سگریٹ ختم کر کے میں نے ایش ٹرے میں مسل دی اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں نے ٹیلی وژن بند کردیا۔
چند ثانیوں تک میں اسی جگہ کھڑا رہا پھر میں نے آخری بار درازوں وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ وہاں سے جاتے ہوئے میں ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جو میری اصل شخصیت تک رسائی کے لیے را والوں کے کام آسکے۔
غزالہ نے پوری ذمے داری کے ساتھ درازوں کی صفائی کی تھی۔ ان میں را والوں کے لیے کچھ نہیں تھا۔ الماری کے نچلے خانے میں وہ چھوٹا سا نیا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا جس میں غزالہ کی خریداری کا سارا سامان اپنی پیکنگ سمیت بھردیا گیا تھا۔ میرے لیے وہ سوٹ کیس اپنے ساتھ لٹکائے پھرنا ممکن تھا اور نہ میں اپنی روانگی کا اعلان کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بے چینی کے عالم میں اپنے سوچے ہوئے وقت سے کئی منٹ پہلے کمرا چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور لفٹ کی طرف ہولیا۔ میرے ہاتھ میں میرا ہلکا بریف کیس موجود تھا۔
گراؤنڈ فلور پر میں نے چابی کاؤنٹر پر دی تو کسی کو یہ خیال نہیں آسکا کہ میں دوبارہ وہ چابی لینے کے لیے نہیں آؤں گا۔
عابد سے میری ملاقات کا وقت آٹھ بجے طے ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر چابی دینے کے بعد میں وقت گزارنے کے لیے بغلی راہ داری میں گھس گیا جہاں بڑے بڑے شوکیسوں والی متعدد سجی سجائی دکانیں خریداروں کو دعوت دے رہی تھیں۔
نئی سگریٹ سلگا کر میں شیشے کی ان دیواروں کے اس پار دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا کیونکہ عابد میرے پروگرام میں ہونے والی تبدیلی سے بالکل بے خبر تھا۔ غزالہ مجھ سے الگ ہوچکی تھی۔ میں نے اپنے بدترین اندیشوں کے پیشِ نظر اس کا پاسپورٹ اس کے حوالے کردیا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ کسی ناگہانی افتاد کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو اسے بھارت سے نکلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔
ٹھیک آٹھ بجے میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں داخل ہوا تو عابد علی اپنی گاڑی کے ساتھ ایک ممتاز اور روشن مقام پر موجود تھا۔ اس کی نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی ایک جھلک دکھاتے ہی وہ جھک کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ میں غائب ہوگیا۔ میں توقف کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں پارکنگ لاٹ طے کر کے پیش قدمی کرتا رہا۔
میں نے عابد کے برابر والی نشست سنبھالی تو وہ اگنیشن آن کرتے ہوئے تشویش زدہ آواز میں بولا "بھابی کہاں ہے؟ تم اکیلے کیوں آئے ہو؟"

اس روز کسی کی طرف سے ہمدردی اور فکرمندی کے وہ پہلے بول تھے جو میرے کانوں میں پڑے اور مجھے گہری آسودگی کا احساس ہوا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے اتنی زیادہ اجنبی نہیں تھی۔ وہاں کچھ لوگ تھے جنہیں میری اور غزالہ کی سلامتی کی فکر تھی۔

"وہ کناٹ پلیس پر ٹورسٹ آفس کے قریب والی گلی میں ہمارا انتظار کرے گی" میں نے اسے بتایا "تم یہاں سے نکلو۔ آج حالات نے غیر متوقع انداز میں ایک نئی قلابازی کھائی ہے۔ سنوگے تو حیران...."

"ضرور سنوں گا" اس نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "مگر تمہارا سامان کہاں ہے؟ کیا وہ بھی تم نے اس بے چاری کے سرلادیا؟"

"ہم جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس جائیں گے۔ میرے پاس بریف کیس ہے اور اس کے پاس ایک ہلکا سفری تھیلا۔ سوٹ کیس اور دوسرا سامان ہم نے ہوٹل کے کمرے میں ہی چھوڑ دیا ہے۔"

وہ غزالہ کو میرے ساتھ نہ پاکر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ میری بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا "تو کیا تم وہ سامان لینے کے لیے دوبارہ ہوٹل آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم دماغی طور پر غیر حاضر ہو۔ تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ ہم نے وہ سامان چھوڑدیا ہے اور اس کے بغیر واپس جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟ اچانک ایسی کیا تبدیلی رونما ہوگئی کہ تم نے اپنا پروگرام بدل دیا۔"

میں نے جواب میں انل بسواس کی کال کا قصہ چھیڑدیا۔ وہ مجھے ٹوکے بغیر' پورے انہماک اور تشویش کے ساتھ وہ کہانی سن رہا تھا۔

"تمہارا فیصلہ بہت صائب تھا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں ہر شخص صحیح فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوتا" میری بات مکمل ہوجانے پر اس نے کہا "اب تمہارے لیے سامان کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ بغیر سازوسامان کے سفر کرنے والے مسافروں کو شک اور تشویش کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہاری بات ان مسافروں پر صادق آتی ہے جو بیرون ملک لمبے سفر پر جارہے ہوں۔ ہمیں دہلی سے امرتسر تک کے فضائی سفر کے لیے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے آگے کے سفر کے بارے میں تم جانتے ہو کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں کبھی ان جزئیات کو نظرانداز نہیں کرتا" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری کوشش ہوتی ہے کہ نقل وحرکت کے دوران میں ایسی ہر بات سے گریز کروں جس کی وجہ سے میری ذات دوسروں سے الگ نظر آنے کا اندیشہ ہو۔"

"تم پیشہ ور آدمی ہو۔ میں ایک من موجی فری لانسر ہوں۔ دونوں میں کوئی نہ کوئی فرق ہونا چاہیے۔" میں نے وہ بات مذاق میں اڑادی۔

"نرلیش کا کیا رہا؟" چند ثانیوں کے مختصر سے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ دو ملازم رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں ہمیں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ دونوں ملازموں کے ساتھ اس کا بیٹا بھی اوپری منزل پر بنے ہوئے کمروں میں سوتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ میں نے اچانک تمہارے سر پر بوجھ ڈال دیا ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ تم لوگ اپنے طور پر یہاں جو کچھ کرتے ہو' اس میں خون خرابے کا عنصر نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ تم کو یہ ناگوار کام بھی انجام دینا پڑے گا۔ اب ہمارے سامنے ایک کے بجائے دوشکار ہیں۔"

"فرض سمجھ کر انجام دیا جانے والا کوئی کام ناگوار نہیں ہوتا" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "انل کے لیے ہمیں خاص ہدایات ملی ہوئی ہیں۔ ہم جب سے بھارت آئے ہیں' ہمیں پہلی بار کسی کو ٹھکانے لگانے کی ذمّے داری سونپی گئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے کا بھی کام تمام ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ مشن بہت مشکل اور پُرخطر ہے۔ آج رات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو مجھے یہ محسوس ہوگا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس جارہا ہوں۔"

"ویری گڈ!" وہ خوش ہوکر بولا "تمہارے ان فقروں سے میری جان میں جان آئی ہے کہ آج کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر' تم نے ہر قیمت پر پاکستان لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب تمہاری روانگی ناگزیر ہوچکی ہے۔ تم یہاں رکے رہے تو پانی سر سے اونچا بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے دہلی میں آج اپنی کشتیاں جلادی ہیں۔ واپسی کے بجائے آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سفر پاکستان کی سرحد آنے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔"

وہ کناٹ پلیس کی گول سڑک پر پہنچ گیا۔ ٹریفک کے شور میں ہماری آوازیں دبنے لگیں اور میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس وقت میری نگاہیں بے چینی سے دہلی ٹورسٹ آفس اور غزالہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

دہلی میں قیام کے دوران میں بارہا اس علاقے میں گھومتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ کسی علاقے میں پیدل گھومنے اور سواری میں بیٹھ کر سفر کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ساری عمارتیں اور سڑکیں وہی تھیں مگر عابد کی گاڑی سے مجھے ہر چیز نئی اور بدلی بدلی سی نظر آرہی تھی۔

کناٹ سرکس روڈ کا بہت بڑا دائرہ طے کرتے ہوئے عابد کی گاڑی کئی چوراہوں سے گزری اور پھر مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر دہلی ٹورسٹ آفس کا نمایاں بورڈ نظر آگیا۔

"گاڑی کی رفتار کم کرلو" میں نے اضطراری لہجے میں اسے مشورہ دیا "غزالہ یہیں کہیں کھڑی ہمارا انتظار کررہی ہوگی۔"

درحقیقت مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ دہلی کے اس سیاحتی دفتر کے آس پاس کوئی گلی نہیں تھی۔ وہ دفتر ٹھوس اور وسیع عمارت کے تقریباً وسط میں واقع تھا جب کہ میں نے غزالہ کو قریبی گلی میں اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنی اس غلطی کا ادراک ہوتے ہی مجھے تشویش سی ہونے لگی مگروہ تشویش زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ لوگوں کے رنگارنگ ہجوم میں مجھے غزالہ نظر آگئی۔ وہ دوسرے بہت سے سفید فام سیاحوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ کھڑی کوئی نقشہ پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کے فطری انداز سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اس علاقے سے نکلنے سے پہلے صحیح سمت کے تعین کے لیے کوشاں ہو۔

وہاں ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ غزالہ دور سے ہماری گاڑی کو میری موجودگی کی وجہ سے پہچان لیتی' اسے میرا انتظار تھا۔ میں نے عابد کو بتایا کہ میں غزالہ کو دیکھ چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی رینگتی ہوئی گاڑی سڑک کے کنارے سے لگا کر روک لی۔ میں پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ عابد علی نے اپنی گاڑی کا انجن رواں رہنے دیا تھا تاکہ ٹریفک کا کوئی سپاہی غلط پارکنگ پر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ گاڑی آگے بڑھادے۔

غزالہ اپنا سفری تھیلا شانے سے لگائے بظاہر نقشہ بینی میں مصروف تھی لیکن وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی گاڑی سے نکل کر سڑک عبور کرنے کی کوشش کی' اس نے مجھے دیکھ لیا اور نقشہ موڑ کر اپنے تھیلے کی ایک جیب میں اڑستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے بڑھتے ہی میں سڑک کے وسط سے گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ میری رفتار سست تھی' غزالہ بہت تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ عابد کی گاڑی غلط جگہ پر رکنے پر کوئی اعتراض ہونے سے پہلے غزالہ میرے پیچھے پیچھے گاڑی تک آئی اور عابد کو سلام کرتی ہوئی پچھلی نشست پر سوار ہوگئی۔ عابد نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ٹورسٹ آفس کے آس پاس کوئی گلی نہیں ہے۔ میں پریشان ہوگئی تھی کہ کہاں رک کر آپ کا انتظار کروں" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ ہم نے کسی دشواری کے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔"

"یہاں بھی اندھیر ہے۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے چھاپے جانے والے مفت نقشے نایاب ہیں۔ فٹ پاتھ پر کتابچے بک رہے ہیں جن میں نقشے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہ دھڑادھڑ بک رہے ہیں۔ مجھے بھی وقت گزارنے کے لیے چالیس روپے میں ایک کتابچہ لے کر اس میں سے نقشہ نکالنا پڑا۔"

"اس وقت ہم ان فضولیات میں پڑنے کے لیے یک جا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے" میں نے اس کی غیر ضروری وضاحت پر تادیب کی۔

غزالہ نے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔ اس نے اس بات پر برا نہیں منایا تھا کہ میں نے عابد کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اسے ٹوک دیا تھا۔

"تمہارے دونوں ساتھی اس وقت کہاں ہیں؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"وہ اپنے ٹھکانے پر تیار بیٹھے ہیں۔ ایک بجے وہ ہمارے ساتھ آملیں گے" عابد نے بتایا۔

"ابھی تو سوا آٹھ ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ یہ ہم کہاں گزاریں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ہمارا کہیں بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے سڑکیں یا کھلی جگہیں زیادہ محفوظ رہیں گی۔ ہماری ضرورت کی ہر چیز گاڑی میں موجود ہے۔ بھرے ہوئے پستول' تین ایریئس اور شکاری چاقو پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیم گن اور سی ایس ڈی ڈیش بورڈ کے خانے میں ہیں۔"

"میری دونوں چیزیں مجھے دے دو" میں نے کہا "آخری لمحات کی افراتفری میں وہ یہیں نہ رہ جائیں۔"

عابد نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھول دیا۔ میں نے

اندھیرے میں بیم گن کا لمس محسوس کرلیا۔ وہ دونوں چیزیں پلاسٹک کے تھیلے میں محفوظ تھیں۔ میں نے تھیلی قدموں میں خالی کی، بیم گن اپنی جیب میں ڈالی اور سی ایس ڈی کو بریف کیس میں رکھ دیا۔

عابد سے پچھلی رات پروگرام طے کرتے ہوئے مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ ہمارے یک جا ہونے اور دشمن پروار کرنے کے درمیان خاصا طویل وقفہ حائل تھا۔ میں نے اپنی ضروریات کے تحت اس وقت کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ غزالہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے احساس دلایا تھا کہ ہمیں اگلے پانچ چھ گھنٹے دہلی کی کوچہ پیمائی کرتے ہوئے گزارنے تھے۔

ہوٹل سے ہم دونوں کا دیر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ شام کی پُرہجوم رونقوں میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ رات گہری ہونے لگتی تو ہوٹل کے باہر چہل پہل میں کمی آجاتی جس کی وجہ سے ہماری مشتبہ نقل وحرکت کسی کی نگاہوں میں آسکتی تھی۔ ویسے بھی ہم نے دو دنوں سے سرشام ہوٹل سے نکلنے کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ اگر ہماری کوئی دیکھ بھال ہو رہی تھی تو ہماری فیصلہ کن روانگی کو بھی ہمارے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر نظرانداز کیے جانے کا امکان موجود تھا۔

دوسری طرف قرول باغ کی گنجان آبادی تھی جہاں ہر بڑے شہر کی طرح رات کی ویرانی دیر سے اپنے ڈیرے جماتی تھی۔ ہمیں انل اور نریش کے خلاف قدم اٹھانے کے لیے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب دہلی کی اس آبادی کے بیشتر مکین گہری نیند سوچکے ہوں اور رات کے اندھیرے میں ہمارے سایوں کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی نہ ہو۔

ان دونوں مجبوریوں کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل تھا جسے جیسے تیسے گزارنا ہی تھا۔

"ذرا عقب نما آئینے پر نگاہ رکھنا" میں نے اپنے خیالوں کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشے کے تحت عابد سے کہا "بے خبری میں ہمارا پیچھا نہ کیا جارہا ہو۔"

"ابھی تک میدان صاف ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے آج تم ضرورت سے کچھ زیادہ محتاط ہو" عابد بولا۔

"تم پارکنگ لاٹ میں ہمارا انتظار کر رہے تھے، تمہارے دونوں ساتھی اپنے ٹھکانے پر ہیں۔ جب پیچھے دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو تفکرات ستانے لگتے ہیں۔ را والے بالکل گھامڑ اور عقل سے کورے نہیں ہیں۔ کیا پتا کہ پابندی کی آخری رات ختم ہوتے ہی انہوں نے ہماری نگرانی شروع کردی ہو۔ ہم اپنی دانست میں انہیں جل دے کر نکل آئے ہیں لیکن ہمارے پاس اپنے اندازوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم دونوں کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم ایک دوسرے سے الگ ہوکر ہوٹل سے روانہ ہوئے ہو اور وہاں صرف ولی رام موجود تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک آدمی کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ اس نے بھابی کو چھوڑ کر تمہارے اترنے کا انتظار کیا ہوگا۔ آٹھ بجے تمہیں پارکنگ لاٹ تک پہنچانے کے بعد وہ سرعت سے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوگیا ہوگا۔ دشمن کا کوئی آدمی تمہاری نگرانی کررہا ہوتا تو ولی رام مجھے ضرور اطلاع دیتا تاکہ میں تم سے دور رہ سکوں۔ اس کی خاموشی کا مطلب ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ شاید بھابی کا پیچھا بھی نہیں کیا گیا۔ ولی رام نے اپنی جگہ چھوڑنے بغیر یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ کوئی مشتبہ آدمی بھابی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔"

"وہ آٹھ بجے میری دیکھ بھال کررہا تھا اور چند منٹ میں اپنے ٹھکانے پر سنیل کے پاس پہنچ گیا" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا "کہیں تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کررہے؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا" عابد نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا "آج وہ دونوں اپنے مستقل ٹھکانوں پر نہیں ہیں۔ کسی بھی اہم مشن سے پہلے ہم لوگ عارضی طور پر اپنے ٹھکانے بدل لیتے ہیں تاکہ ہماری آمدورفت کے اوقات کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ آج وہ تمہارے ہوٹل کے قریب ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر قسمت نے ہم سب کا ساتھ دیا تو وہ تمہیں ایئرپورٹ پہنچانے کے بعد اپنے اپنے مستقل ٹھکانوں کی طرف جائیں گے۔"

ان لوگوں نے میری توقع سے زیادہ منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ نئی مصروفیات میں الجھ کر انہوں نے ہماری دیکھ بھال کا سلسلہ ترک نہیں کیا تھا۔ عابد کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ انل بسواس کے فون کے بعد میرے بارے میں را کی حکمت عملی میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے جال میں آیا ہوا بے بس مخبر سمجھ کر میرے حال پر چھوڑ دیا تھا اور شاید یہی ان کی سب سے سنگین چوک تھی۔

سنیل اور ولی رام یعنی پرویز اور عبداللہ کا سستے ہوٹل میں منتقل ہونا آئی بی والوں کی پیشہ ورانہ منصوبہ بندی کا واضح

ثبوت تھا۔ ہر کام سے فارغ ہو کر صبح کے چار پانچ بجے وہ واپس اسی ہوٹل میں پہنچتے تو شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے۔ عابد نے بہت سادگی کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اس رات کے مشن سے نمٹنے کے بعد ان دونوں کا ہوٹل واپسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ہوٹل سے اپنا حساب بے باق کر کے نکلتے اور کام پورا ہونے کے بعد ان کمین گاہوں کی طرف لوٹ جاتے جہاں انہوں نے ان دنوں اپنے پیر جمائے ہوئے تھے۔

عابد ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے پیشے میں فضول گوئی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے گاڑی میں سوار ہونے کے بعد عابد نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ کوزے میں سمندر کے مترادف تھا۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ ہماری وہ رات رائیگاں نہیں جائے گی۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ عابد اپنی گاڑی شہر کے پُرہجوم اور بارونق حصوں سے دور لے جا رہا تھا۔ میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

جوں ہی گاڑی ٹریفک کے ہجوم سے باہر نکلی، عابد نے غزالہ سے پچھلے پائیدان میں رکھا ہوا تھیلا مانگ لیا۔ تھیلا خاصا وزنی تھا۔ عابد کو اس حقیقت کا احساس تھا۔ اس نے تھیلا لینے کے لیے گاڑی کی رفتار کم کرلی تھی مگر اس سے پہلے میں نے غزالہ سے وہ تھیلا لے کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔

"اس میں سے ایک ایریئس مجھے نکال دو" عابد نے مجھ سے فرمائش کی۔ میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اس میں پستول، بھرے ہوئے فاضل میگزین، کچھ بڑے چاقو اور ایریئس موجود تھے۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر ایک ایریئس نکالا اور خاموشی سے عابد کی طرف بڑھا دیا۔ عابد نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

عابد نے ایریئس آن کیا اور اسے اپنے منہ کے قریب لا کر دھیمی آواز میں بولنا شروع کر دیا "ا یپل تھری ٹو ون.... بی ٹی سکس۔"

اس نے مہمل بلکہ بے ربط الفاظ، حروف اور ہندسوں کا استعمال کرتے ہوئے دو مرتبہ وہ پیغام نشر کیا اور پھر دوسری طرف سے اسی ناقابل فہم، جناتی انداز میں جواب موصول ہونے لگا جو عابد کے نشر کیے ہوئے پیغام سے زیادہ طویل تھا۔

دونوں طرف سے باری باری نشری سوال جواب ہوتے رہے۔ چند ثانیوں بعد عابد نے ایریئس آف کر کے مجھے لوٹا دیا۔

ایریئس پر ریڈیائی شور کی وجہ سے دوسرے فریق کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی جو میری شناخت میں نہیں آسکی۔

"مبارک ہو!" میرے سوال کرنے سے پہلے عابد نے مجھ سے کہا "ولی رام نے تصدیق کر دی ہے کہ ہوٹل میں دشمن کی طرف سے تمہاری نگرانی نہیں ہو رہی تھی۔ آخری لمحات تک وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ تمہیں میری طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔"

اس نے محض میری تشویش دور کرنے کے لیے عبداللہ سے وہ رابطہ کیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کیا اس وقت ایریئس کا استعمال خطرناک نہیں تھا؟"

"اس کوشش میں موہوم سا خطرہ تھا۔" اس نے اعتراف کیا "مگر بات وہی ہے کہ خطرات مول لیے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔"

"شہر میں ہونے والے واقعات کے بعد را والوں کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہیں پوری سرگرمی سے اپنے مجرموں کی تلاش ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی خفیہ ریڈیائی رابطے ان کی دیکھ بھال کی زد میں آئے ہوئے ہوں۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کیا۔

"دشمن کے علاقے میں کام کرنے والے، ہم جیسے بوریا نشین افراد اور سرکاری ایجنسیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہم اپنا ہر کام خاموشی اور رازداری سے انجام دینے کی فکر میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہر کارروائی کا طمطراق سے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں تاکہ حریف کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کر سکیں۔ آرک والوں کی اسکیننگ وینز دہلی کی سڑکوں پر گشت کے لیے نکلی تھیں تو ہمیں بروقت ان کی اطلاع مل گئی تھی۔ جامع مسجد سے ایک بدنصیب کو پکڑنے کے بعد ان کی وہ سرگرمیاں دم توڑ چکی ہیں۔"

"وہ بڑے پیمانے کی کوشش تھی۔" غزالہ نے ہماری باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ اس وقت وہ اپنی گاڑیوں سے کام لے رہے ہوں۔ دوسرے ذرائع سے بھی ریڈیائی رابطوں کی کڑی نگرانی کی جا سکتی ہے۔"

"یہ مواصلاتی رابطوں کا زمانہ ہے۔ آئے دن نت نئے آلات سامنے آتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً غافل نہیں ہوں گے لیکن گفتگو پکڑنے والے غیر متحرک آلات کتنے ہی حساس کیوں نہ ہوں، ان کی رینج محدود ہوتی ہے اور اس وقت ہم حرکت میں ہیں۔ وہ شاید ہمیں نہ پکڑ سکیں۔"

"تم متحرک ہو مگر عبداللہ اور پرویز ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہیں۔ وہ گرفت میں آسکتے ہیں۔" میں نے اعتراض کیا۔

"وہ ایریئس کے ساتھ ایسا آلہ استعمال کر رہے ہیں جس

کی وجہ سے ان کی پوزیشن کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس بندوبست کے باوجود میں نے اس سے کوڈ ورڈز میں بات کی ہے۔ یہ ہم سب کی سلامتی اور بقا کا معاملہ ہے۔ ہم نے احتیاط کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"ایسا کوئی آلہ ہے تو وہ مجھے بھی دیا جاسکتا تھا۔ اس کے بجائے مجھے آپریٹس کا استعمال ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے ہنس پڑا "اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔ وہ آلے سے زیادہ ایک پیچیدہ سرکٹ ہے جسے مہارت کے بغیر آپریٹس سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گھروں میں استعمال ہونے والی عام بجلی سے کام کرتا ہے اس لیے میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے وہ آلہ آسانی سے جوڑ لیا ہوگا۔ اس کا بندوبست صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارا رابطہ نہ ٹوٹے۔"

"ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کیا کریں گے؟" اس کی بتائی ہوئی تفصیلات میرے لیے دلچسپ ثابت ہو رہی تھیں۔

"ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ اس آلے کو سمیٹ لیں گے کیونکہ باہر عام برقی رو میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے استعمال نہیں کرسکیں گے۔ کھلی فضا میں نکل آنے کے بعد وہ حرکت میں ہوں گے۔ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی ہوگی۔ وہ اس آلے کی ضرورت سے بے نیاز ہوچکے ہوں گے۔"

عابد علی کے پاس میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ اول تو وہ یہ اطمینان کرچکا تھا کہ دہلی میں ریڈیائی پیغامات پکڑنے کی ہنگامی کوششیں دم توڑ چکی تھیں اور اگر معمول کی سرکاری کوششوں سے کوئی خطرہ تھا تو وہ تینوں اس کا پیشگی تدارک کرچکے تھے۔

دہلی کے اجنبی اور قدرے خالی راستوں پر کافی دیر تک ڈرائیونگ کرنے کے بعد عابد نے اپنی گاڑی ایک خوب صورت اور روشن پارک کے قریب روک دی جہاں تفریح اور ہوا خوری کے لیے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔

بچوں کی بھاگ دوڑ اور چیخ وپکار سے اس پارک کی فضا میں رونق تھی پھر بھی وہاں بھیڑ اور گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ عابد ہم دونوں کے ساتھ پارک کے ایک خالی گوشے میں گھاس پر جابیٹھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس روشن فیملی پارک کو قدسیہ گارڈن کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس پارک میں ستانے سے پہلے عابد نے شہر کی سڑکیں ناپنے میں کم وبیش ایک گھنٹا گزار دیا تھا۔

وہ آئی بی والوں کے ساتھ دہلی میں ہماری آخری رات تھی۔ ان کی سرگرمیوں، دہلی کے حالات اور پاکستان کے بارے میں بھارتی رویّے کے سلسلے میں میرے ذہن میں تشنگی موجود تھی۔ جب سے ہم لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے، ہمیں فرصت سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اور کھل کر باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اپنے آخری اور فیصلہ کن شکار سے پہلے ملی ہوئی ایک مہلت میں میری طرح عابد بھی دل کھول کر بول رہا تھا۔

مجھے ان لوگوں کی سرگرمیوں کے دائرۂ کار کے بارے میں زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرے سوالات کم اور محدود تھے جبکہ عابد میرے مشن سے پوری طرح واقف تھا۔ ہمارے قیام کے دوران میں بعض واقعات کے بارے میں اسے صرف ابتدائی اطلاع دی گئی تھی اور پھر منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے ذہن میں ان حالات و واقعات کے بارے میں گہرا تجسّس موجود تھا۔ وہ مجھ سے کرید کرید کر سوالات کر رہا تھا۔

ہماری باتوں کا رخ پچھلی شام کے اس واقعے کی طرف ہوگیا جس میں نریش کی پشت پناہی سے مرلی نے غزالہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

اس واقعے میں غزالہ کا کردار اتنا حاوی تھا کہ رینا اجیت رائے کی کہی ہوئی خوف ناک باتیں پس منظر میں معدوم ہوگئی تھیں۔ پچھلی رات کو عابد سے ہونے والی ملاقات میں، میں نے اسے صرف غزالہ اور مرلی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میرا ذہن ان نکات کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا جو رینا نے کم وبیش اسی دوران میں مجھے سنائے تھے۔

"وہ ایک معجزہ ہوا تھا" عابد نرم اور ٹھنڈی گھاس پر پہلو کے بل لیٹا ہوا کہہ رہا تھا "آج سنیل نے باڑہ ہندو رائے میں جاکر مرلی دھر کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ لرزہ خیز ہیں۔ وہ بہت اوباش اور کمینہ آدمی ہے۔ اپنے کسرتی تن وتوش کے ساتھ طاقت ور بھی ہے۔ شریف لوگوں کے ساتھ بدمعاش بھی اس کے منہ لگنے سے گھبراتے ہیں۔ وہ کئی آدمیوں کو بری طرح ادھیڑ چکا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بھابی نے اس جیسے فیل پیکر کو کیسے زیر کرلیا۔"

"وہ معجزہ ہی تھا" میں نے کہا "جس وقت غزالہ اپنے کمرے میں مرلی دھر کا مقابلہ کررہی تھی، رینا میرے کمرے میں پہنچی ہوئی تھی۔..."

''اوہو....!'' اس نے استعجابیہ انداز میں میری بات کاٹی ''تم نے اس کے بارے میں پہلے کوئی ذکر نہیں کیا۔''

''اس وقت غزالہ کا تجربہ ہر دوسری بات پر حاوی تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے ایما پر مجھے ایک بالکل نئی کہانی سنائی ہے۔''

''را والے غیر ضروری چکروں میں نہیں پڑتے۔ رینا کی نئی کہانی کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔''

''بالکل واضح مقصد تھا۔ وہ مجھے اس حقیقت سے مرعوب کرنا چاہ رہے تھے کہ بھارت کو دنیا کی اکلوتی سپرپاور کی پشت پناہی ہے۔ را والے جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں امریکی پوری طرح ان کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں کو دنیا بھر میں منظم ہونے والی اسلامی جہادی تنظیموں سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کا منصوبہ کم و بیش تیار ہے۔ کسی بھی مناسب موقع پر وہ ان تنظیموں کے خلاف ایسا لرزہ خیز کریک ڈاؤن شروع کریں گے کہ کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔''

''جہادی تنظیمیں ظلم کے خلاف لڑ رہی ہیں یا پھر آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان سے بھارت یا کسی اور ملک کو کیا تکلیف ہے۔''

''جہاد مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ اور فرض ہے۔ وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کو جہاد کے فلسفے سے خوف آتا ہے۔ لڑ مرنے کا ایسا جذبہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے نام پر نکلنے والے مجاہد زندگی اور موت سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ ماریں یا خود مر جائیں' دونوں صورتوں میں خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں جہاد کی یہ فکر تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہادی قوتوں کو نئی صدی کا سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہوں۔''

''رینا تم کو یہ باتیں بتانے کے لیے آئی تھی؟'' عابد کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''ہاں' اسے ہدایت دی گئی تھی کہ مجھے یہ باتیں بتا دے تاکہ میں سپرپاور کے ساتھ بھارت کے گٹھ جوڑ سے مرعوب ہو جاؤں اور ان سے انحراف کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکوں۔ اس نے میرے کمرے میں پوشیدہ آلات کی پروا کیے بغیر کھل کر یہ باتیں کی تھیں۔ کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس طرح نریش کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ بھارتیوں کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے۔ امریکی اپنی مادی دنیا میں مست رہنے والے لوگ ہیں۔ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے عالمی رجحانات کس سمت میں جا رہے ہیں۔ یہ دیہاتی کے کمبل کو لوٹنے کے لیے شہر میں میلہ لگانے والی بات ہے۔''

''شاید ان لوگوں نے یہ بات بڑھا چڑھا کر پیش کی ہو مگر اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔'' میں رینا کی باتوں کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''دراصل یہ بھارتیوں کا اپنا خوف ہے۔'' عابد نے چند ثانیوں کے بعد کہا ''تم گہرائی میں دیکھو تو تمہیں ان باتوں کی تہ میں بھارتیوں کے ان تلخ تجربات کی جھلک نظر آئے گی جو کشمیر میں ان کا مقدر بنے ہوئے ہیں' یہ جھگڑا روزِ اول سے چل رہا ہے۔ مزاحمت بھی چل رہی تھی لیکن جہاد کا نظریہ پچھلے برسوں سے عام ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے مجاہدوں کا بھی شور مچایا جا رہا ہے۔ بھارت کی پوری کوشش ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جان و مال کی پروا کیے بغیر لڑنے والوں کو دہشت گرد قرار دلوا دے....''

''بھارت ہمیشہ انہیں دہشت گرد اور تخریب کار ہی کہتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی بات امریکا کہنے لگے تو اس میں وزن ہوگا۔ یہ بھارت کا ایک خواب ہے جو شاید کبھی پورا نہ ہو۔''

''میں سیاست سے دور رہتا ہوں اس لیے یہ سیاسی باریکیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ رینا کی نئی باتوں سے خطرے کی بُو آ رہی تھی۔ شاید بھارت کے مزاج اور موسم میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی ہے جو ہمارے لیے تشویشناک ثابت ہوگی۔''

''یہ باتیں اسلام آباد کے ذمّے داروں کو ضرور بتا دینا۔'' عابد نے پُرتشویش لہجے میں کہا ''مدت سے یہاں رہنے کے باوجود ہم ایسی معلومات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔''

میرے لیے یہ باتیں جاننا دشوار تھا۔ نریش شرما میری فلم کھو دینے کے بعد اپنے اس نقصان کے ازالے کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے اس بوکھلاہٹ میں کچھ ایسی باتیں میرے کانوں تک پہنچا دی تھیں جو ناقابلِ یقین ہونے کے باوجود اہم تھیں۔

''میری رسائی جلالل تک ہے۔ میں اسے پوری رپورٹ دوں گا۔ اس سے آگے دیکھنا اس کا کام ہوگا۔''

''یہ نہ سوچو۔'' عابد نے جلدی سے کہا ''ہم بھارت میں رہتے ہیں مگر ہمیں پاکستان کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ تمہاری رسائی دور تک نہیں ہے۔ تمہاری

بات اعلیٰ ترین سطح پر سنی جاتی ہے۔ اس پر غور و فکر ہوتا ہے۔ یہ پالیسی کی مجبوری ہے کہ تمہیں پورا پروٹوکول نہیں دیا جاتا اور بڑے عہدے دار تم سے دور رہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں جس شخص کو امریکی سرکار... قاتل اور دہشت گرد قرار دے چکی ہو' اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے بڑے انعامات کا اعلان کر چکی ہو' اسے کوئی بھی کھل کر تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ جاننے کے باوجود مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے ہیں کہ میں نے پاکستان بلکہ کراچی میں روپوش رہ کر دن رات ٹھکانے تبدیل کیے ہیں تاکہ قانون کے محافظوں سے بچ سکوں۔"

"ان تلخیوں کو دل سے نکال دو۔ عہدوں کی دستار میں بندھے ہوئے سر ضابطوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انہیں ایسے قدم اٹھانے پڑ جاتے ہیں جن سے وہ نفرت کرتے ہیں۔"

"میرے دل میں کوئی تلخی ہے نہ شکوا۔ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہا تھا بلکہ تمہیں بتا رہا تھا کہ میں کیسے کیسے مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔"

"یہ مرحلے صرف اس وجہ سے آئے کہ تم امریکیوں کی نفرت کا نشانہ بنے ہوئے ہو۔"

"بھارتی اور امریکی' دونوں ہی میرے لہو کے پیاسے ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان میں ہاتھ روکنے کی ہدایت ملنے کے بعد ہم نے دہلی میں جان اسمتھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر رینا کی سنائی ہوئی کہانی میں ذرا سی بھی صداقت تھی تو اس کے سنائے ہوئے ماسٹر پلان کا خالق وہی شخص تھا۔"

"یہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی کی علامت ہے کہ پاکستان میں تم نے اسے چھوڑے رکھا مگر وہ اپنی موت کی تلاش میں خود بھاگا بھاگا ہوا دہلی آپہنچا۔ ایسے اتفاقات شاذونادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے تم کو ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑا۔ بھابی جیسی معصوم' بے ضرر اور کمزور عورت نے بہت آسانی کے ساتھ اس سفید فتنے کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔"

جب تک ہم دونوں کے ذہن الجھنے ہوئے تھے۔ ہم ادھر ادھر کی بے ربط باتیں کر رہے تھے۔ قدسیہ گارڈن کے پُر فضا ماحول میں بے فکری میسر آتے ہی بات سے بات نکلنے کا سلسلہ چل پڑا۔ وہ میری اور عابد کی پہلی اور آخری ملاقات تھی جس میں اس قدر کھل کر تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔

غزالہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہمارے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کی ہر بات سن رہی تھی لیکن ہماری گفتگو میں دخل انداز نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزارنے کے لیے عابد علی نے بہت موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ شاید لوگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سرِ شام ہی وہاں آجاتے تھے۔ جیسے جیسے رات بھیگتی جا رہی تھی' لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں وہاں سے واپس جا رہے تھے۔

گیارہ بجے تک وہاں نظر آنے والی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ ہم نے آدھا وقت بہت آرام سے گزار لیا تھا۔ اس سے آگے درپیش کاموں میں ہمیں رات کالی کرنی تھی۔ جبکہ ہمارے معدے خالی تھے۔ رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑنے کی وجہ سے ڈنر کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

کام سے پہلے شکم سیری ضروری تھی۔ ہم اپنی جگہیں چھوڑ کر باغ میں سے گزرنے والی روشن سڑک پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ایک قریبی بازار میں ہم تینوں الگ ہوگئے۔ وہ عابد کی تجویز تھی۔ وہ ہر طرف سے اپنا اطمینان کر چکا تھا مگر پھر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ دہلی میں ہمارے قیام کے آخری مرحلے پر ہم تینوں کا سرِعام یک جا ہونا اس کی دانست میں قرین مصلحت نہیں تھا۔

کھانے کے لیے ہم نے چالیس منٹ کا وقت طے کیا تھا جو کافی سے زیادہ تھا۔ وہ وقت پورا ہوتے ہی ہمیں ہر قیمت پر جمع ہو کر اس بازار سے روانہ ہو جانا تھا۔

عابد ہم سے الگ ہوتے ہی ایک تنگ سی گلی میں گھس کر غائب ہوگیا۔ غزالہ سیدھی چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔

غزالہ نے کچھ دور جانے کے بعد ایک معمولی سے ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ میں نے سڑک عبور کی اور دوسری طرف دہی بڑوں اور پکوڑوں کے ایک کیبن کے گرد' فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہوگیا۔ غزالہ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے میں نے باقاعدہ ڈنر کا ارادہ منسوخ کر دیا تھا۔

وہ صاف ستھرا کیبن معمولی تھا لیکن شہر غیر معمولی تھا۔ میں نے جو کچھ منگوایا اس کا ذائقہ بہت لذیذ تھا۔ مجھے بے اختیار کسی کی کہی ہوئی یہ بات یاد آگئی کہ دہلی کا ہر باسی کھانے کا شوقین اور چٹورا ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دکان دار ذائقوں کا معیار برقرار رکھنے پر مجبور تھے۔

کھانے کا وقفہ میری توقع کے برعکس بہت تیزی سے گزر گیا۔ غزالہ ہوٹل سے نکلتی ہوئی نظر آئی تو میں نے سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس لالہ جی کو پیسے ادا کیے اور واپس چل دیا۔

عابد شاید تنگ گلی کے نکڑ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم دونوں کے کار تک پہنچنے سے چند لمحوں پہلے وہ نمودار ہوا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم تینوں کے درمیان خود بہ خود ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں گاڑی دوبارہ سڑکوں پر رواں تھی۔

''اب وقت کم رہ گیا ہے۔ یہ تیزی سے گزر جائے گا۔ غزالہ کو ایک بجے ہم سے الگ ہو جانا ہے۔ ہمیں ایک مرتبہ اپنے کاموں کو دہرا لینا چاہیے۔'' میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر سلگتا ہوا ٹوٹا کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

ایک بجے پرویز اور عبداللہ دوسری گاڑی میں قرول باغ کی آبادی سے باہر ملیں گے۔ تمہیں کسی ایمرجنسی کے لیے پستول اور اپریٹس اپنے ساتھ رکھنا ہے۔'' عابد نے غزالہ کو بتانا شروع کیا ''تم یہ دونوں چیزیں لے کر ان کی گاڑی میں چلی جاؤ گی۔ اپنا سفری بیگ اور مظہر کا بریف کیس بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہیں اپنے ساتھ لینے کے بعد وہ انل بسواس کے مکان کا ایک چکر لگا کر اس علاقے سے نکل آئیں گے۔ دو بجنے میں پانچ منٹ پر عبداللہ ایک خاص مقام پر بجلی کے تاروں پر لوہے کے نرم اور لچک دار رسّے کا لنگر پھینکنے لگا۔ تاروں میں شارٹ سرکٹ سے زوردار روشن دھماکا ہوگا اور علاقہ تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ اس دوران میں تم پرویز کے ساتھ گاڑی میں رہو گی۔ عبداللہ کے لوٹ آنے کے بعد تینوں انل کے مکان کے باہر موجود رہنا تاکہ میری اور مظہر کی کارروائی میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد تم تینوں پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتے رہو گے۔ نریش کے کام کا انحصار ہم دونوں کی صوابدید پر ہوگا۔''

''اس مہم میں میرا کوئی کردار نہیں ہے۔'' غزالہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا۔

''علاقے کی بجلی اڑانے کے لیے ایک آدمی کافی ہے۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتی ہو؟'' عابد نے کہا۔

غزالہ لاجواب ہو گئی۔ اس وقت اسے احساس ہوا ہوگا کہ کسی تجویز پر معترض ہونا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ متبادل تجویز دینے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔

''تم نے انل بسواس کے فون کے تار کٹوانے کا ذکر نہیں کیا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''بجلی اڑانے کے بعد تار کاٹ دیے جائیں گے۔'' عابد نے جواب دیا ''وہ دونوں دن کی روشنی میں ادھر جا چکے ہیں۔''

''میرے لیے ٹرانسمٹر... کی کیا افادیت ہے؟ یہ بلاوجہ کا بوجھ بنا رہے گا۔'' غزالہ نے کہا۔

''ضروری نہیں کہ سارا کام ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوتا چلا جائے۔ پولیس کی کسی گشتی گاڑی سے اچانک سامنا ہو سکتا ہے یا کوئی اور بدترین صورتِ حال رونما ہو سکتی ہے۔ اگر تم ان دونوں سے بچھڑ جاتی ہو تو دہلی میں تمہارا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے گا۔ ایسے ناگہانی حالات میں تم اپریٹس پر ہم سے رابطہ کر سکو گی اور ہم تم تک پہنچ جائیں گے۔ ہم تینوں کا ہر حال میں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ تم دونوں کو صبح کی پرواز سے دہلی سے نکل جانا ہے۔''

عابد کی وہ باتیں کچھ ہیجان خیز تھیں۔ مجھے اپنے خون میں تھوڑی سی حرارت محسوس ہونے لگی۔

''علاقے میں اندھیرا کر کے شاید ہم اپنے لیے دشواریاں پیدا کر لیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری انل بسواس تک رسائی مشکل ہو جائے۔'' عابد کے بنائے ہوئے منصوبے پر غور کرنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا ''اندھیرے میں غلطی کا زیادہ امکان ہوگا۔''

''رات کے دو بجے دیوار کود کر اس کے گھر میں گھسنا آسان کام نہیں ہے۔ اجالے میں کسی نے دیکھ لیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔''

انل بسواس کے گھر سے باہر منڈلانے والا وہ خطرہ اندر پیش آنے والی دشواریوں پر حاوی تھا۔ میں نے چپ سادھ لی۔

عابد کو یاد آیا کہ ہمارے ہوائی سفر کے ٹکٹ اسی کے پاس تھے۔ اس نے اپنی جیب سے دونوں ٹکٹوں کا لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا ''اگر بدقسمتی سے میں مارا گیا یا پکڑا گیا تو اب تم دونوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح بروقت ائرپورٹ پہنچ ہی جاؤ گے۔''

''ایسے منحوس کلمات منہ سے نہ نکالو۔'' غزالہ نے تادیبی انداز میں کہا ''بعض اوقات قبولیت کی گھڑی بھی آجاتی ہے۔''

عابد نے زبردستی ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا ''تم بھابی ہو کر بھی اندر سے ایک وہی عورت ہو۔ سچ یہ ہے کہ عورت' عورت ہی رہے تو اچھی اور باوقار لگتی ہے۔ اس وقت تم نے میرا

دل خوش کردیا۔ اب میں کوئی منفی بات نہیں سوچوں گا۔"
عابد نے اپنی گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی بھروائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر ہلکی اور درمیانی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ سڑکیں ٹریفک سے خالی ہوچکی تھیں۔ خال خال ہی کوئی گاڑی یا ٹیکسی وغیرہ تیزی سے آتی یا جاتی ہوئی نظر آجاتی تھی۔

"اب ہم اپنی مطلوبہ سڑک پر آگئے ہیں۔" ایک بجنے سے چند ثانیوں پہلے عابد نے اعلان کیا۔ اس وقت اس کی گاڑی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ فاصلے تیزی سے سمٹتے رہے پھر عابد کو وہ سرخ گاڑی نظر آگئی جس میں اس کے ساتھیوں کو اس سے ملنا تھا۔ اس نے رفتار کم کردی۔

عابد کی گاڑی بس لمحہ بھر کے لیے سرخ کار کے پیچھے رکی۔ غزالہ تیار تھی۔ گاڑی تھمتے ہی نیچے اتر گئی اور عابد نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ سرخ گاڑی غزالہ کے سوار ہونے کے انتظار میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ میں مڑ کر دور تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر سڑک کے گھماؤ کے ساتھ وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

"اگر تمہارا پروگرام وہی ہے جو تم نے ابھی بتایا تھا تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے غزالہ کو دوسری گاڑی میں کیوں منتقل کردیا۔ وہ ہمارے ساتھ رہتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کام پورا ہونے کے بعد تم ذرا سا بھی وقت ضائع کیے بغیر ہمیں ائرپورٹ پہنچاسکتے تھے۔ اب تمہیں ایک مرتبہ پھر کہیں نہ کہیں رک کر غزالہ کو واپس اس گاڑی میں لینا ہوگا۔"

"کام ہوتا چلا گیا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں رکوں گا۔ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ جائیں گی اور تم دونوں کو وہاں چھوڑ کر لوٹ آئیں گی۔" اس نے کہا۔

"پھر بھی یہ ردوبدل میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ ڈالا۔

"تم نے یہ فرض کرلیا ہے کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جائے گا جیسا سوچا گیا ہے۔ یہ سوچو کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہوگئی تو کیا ہوگا۔ غزالہ اس گاڑی میں اکیلی ہوگی۔ اسے شہر کے راستوں کا علم نہیں ہے۔ وہ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اسے ہر حالت میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو گڑبڑ ہونے کی صورت میں اسے قرول باغ کی بھول بھلیوں جیسی آبادی سے نکال کر ائرپورٹ یا کسی اور محفوظ مقام تک پہنچاسکیں۔ میں نے اس بات کو شروع سے آخر تک دھیان میں رکھا ہے۔ ہر قدم ناپ تول کر اٹھایا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو سرخ گاڑی کے تینوں سوار محفوظ رہیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"محفوظ رہنا یا نہ رہنا، بعد کی بات ہے۔ اس میں مقدر کی یاوری کا بہت دخل ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ وہ باہر نسبتاً بہتر حالات میں رہیں گے۔ بات بگڑ جائے تو انہیں وہاں سے فرار ہونے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ وہ ہمارے اور اپنے لیے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"

میں نے اسے ہر طرح سے ہلا جلا کر دیکھ لیا لیکن وہ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس کے کیے ہوئے فیصلوں میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غوروخوض کرکے را کے دو اہم افسروں پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسے کسی ردوبدل کے لیے قائل کرنا آسان نہیں تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کے استعمال میں موجود گاڑی کرائے کی تھی جو ایک فرضی نام پر لی گئی تھی۔ ہتھیاروں کے تھیلے کے سوا اس نے یہ احتیاط رکھی تھی اس گاڑی میں ایسی کوئی چیز نہ رہے جو اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شناخت میں مددگار ثابت ہوسکے۔ مدعا یہ تھا کہ حالات بگڑنے کی صورت میں ہم دونوں گاڑی کی پروا کیے بغیر وہاں سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف فرار ہوسکیں۔ کسی گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ہم ٹرانسمٹر پر ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔

وہ ایک طرح سے عابد علی کا شہر تھا اس لیے اس رات کی منصوبہ بندی کا بیشتر بوجھ اس نے خود سنبھالا ہوا تھا۔ شاید اس نے اپنے اوقات کار کے بارے میں کئی مرتبہ ریہرسل کرلی تھی کیونکہ وہ ایک مختلف راستے سے دوبارہ قرول باغ کی حدود میں داخل ہوا تو دو بجنے میں صرف سات منٹ باقی تھے۔

ہماری گاڑی انل بسواس کے گھر سے دور تھی کہ اچانک کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ فضا میں لمحے بھر کے لیے شعلوں کی خون آشام سرخی ابھری اور فوراً معدوم ہوگئی۔ ہمارے آس پاس کے مکان بدستور روشن تھے۔ عبداللہ بجلی کے تاروں پر اپنا کام دکھا چکا تھا مگر میں حیران تھا کہ قرب وجوار کے مکان کیوں روشن تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ دھماکے کے بعد آبادی کو اندھیرے میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

"شاید اس علاقے کی سپلائی کسی اور لائن سے ہے۔" عابد نے رائے دی۔ گاڑی چل رہی تھی۔ اگلے لمحے آبادی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا حصہ ہمارے سامنے آگیا۔

میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اس میں رکھی ہوئی دو ٹارچیں نکال لیں۔ پستول، فاضل میگزین اور شکاری چاقو پہلے ہی ہماری جیبوں میں منتقل ہوچکے تھے۔ مجھے

محسوس ہو رہا تھا کہ اس مہم کے لیے ہم دونوں ضرورت سے زیادہ مسلح ہو چکے تھے۔

عابد نے اپنی گاڑی کے بریک لگاتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیے۔ ہم انل بسواس کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ مجھے سرخ گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ لوگ اپنا کام پورا کرنے کے بعد کہیں اوٹ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ اتفاقی طور پر ان کی موجودگی کا راز فاش نہ ہو سکے۔

گاڑی رکتے ہی ہم دونوں نیچے اتر گئے اور دروازے مقفل کیے بغیر انل بسواس کے مکان کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھ گئے۔

اس آبادی کا بیشتر حصہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بند گھروں کے در و دیوار میں سوئے ہوئے مکین شاید برقی شارٹ سرکٹ کا دھماکا سننے سے قاصر رہے تھے۔ کہیں بھی نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں نے دیوار کے سائے میں رک کر لمحہ بھر کے لیے عابد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سفید و سیاہ ڈھیلے تاریکی میں چمک رہے تھے۔ میری طرح وہ بھی دیوار پھاندنے سے پہلے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اچھل کر دیوار کے اوپری حصے پر ہاتھ جمائے اور پھر اپنے وجود کو اوپر سمیٹنا شروع کر دیا۔

میری بھری ہوئی جیبیں اس وقت ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھیں مگر اپنے لادے ہوئے اس بوجھ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں زور صرف کر کے دیوار پر پہنچا اور پل بھر میں دوسری طرف کود گیا۔ میں نے اپنے جوتوں کے نیچے پختہ فرش کے بجائے مٹی کی نرمی محسوس کی تھی۔ میں زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے قریب ہی دھمک کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو میرے پیچھے عابد بھی اندر کود چکا تھا۔ وہ بجلی اڑانے کے بعد مہم کا پہلا مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

انل بسواس کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے مکان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ کہیں سے کسی نقل و حرکت کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ہماری پیش قدمی کے لیے میدان سازگار تھا۔

اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ عابد نے اپنے ذرائع سے بہت سی معلومات کر لی تھیں لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اس شب خون کے آغاز سے پہلے عابد نے کمان سنبھالی ہوئی تھی لیکن عملی کارروائی کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے ہو لیا تھا۔

اندر سے تاروں کی چھاؤں میں یہ نظر آ رہا تھا کہ احاطے اور عمارت کی دیواروں میں خاصا فاصلہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس چار نفری خاندان کے تینوں ملازمین احاطے میں بنے ہوئے سرونٹس کوارٹرز میں رہتے اور سوتے ہوں گے۔ اگر وہ تینوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے تو ان کے آرام میں خلل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ سے عابد کو اشارہ کیا اور پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ایک ہی سانس میں اصل عمارت کے سائے میں پہنچ گیا۔

دیوار کے ساتھ لگے لگے میں نے سرکتے ہوئے داخلی راستے تک رسائی حاصل کی۔ وہ بند تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر بغلی دیوار کی طرف ہو لیا۔ کچھ آگے بڑھتے ہی مجھے مکان کے پچھلے حصے میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے دو کمرے نظر آ گئے جو ملازمین ہی کے استعمال میں ہو سکتے تھے۔

بغلی دیوار کی پہلی دو کھڑکیاں بند تھیں۔ تیسری کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں رکے بغیر وہاں پہنچ گیا۔ اس کھلی ہوئی کھڑکی میں جالی کے پٹ اندر سے بند تھے۔ گھر میں مکھیوں اور مچھروں کا داخلہ روکنے کے لیے فلائی پروفنگ ضروری تھی۔ میں نے جالیوں میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف پھیلی ہوئی گہری تاریکی کی وجہ سے کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی خواب گاہ ہے۔

ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اندر گھسے بغیر مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گرد آلود جالی پر ہاتھ لگایا تو وہ نائیلون کے بجائے کسی دھات کی محسوس ہوئی۔ میں نے پتلون کی بائیں جیب سے عابد کا لایا ہوا چاقو نکال کر کھول لیا۔

جالی کا ایک حصہ چاقو کی نوک سے کاٹنے میں خاصی آواز پیدا ہوئی۔ رات کے گہرے سناٹے میں المونیم کے تاروں کے کٹنے کی وہ آواز آسانی سے کسی کی نیند میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں نے مزید جالی کاٹنے کے بجائے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ ذرا سی کوشش کے بعد چٹخنی تلاش کرنے اور کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ جالی دار پٹ کے قبضے بے آواز تھے۔ پٹ کھلتے ہی میرے داخلے کا راستہ پیدا ہو چکا تھا۔ میں نے سر اوپر کر کے اندھیرے میں نظریں گاڑ دیں۔

وہ ایک بڑا کمرا تھا جہاں دو کشادہ مسہریوں پر نسوانی ہیولے محو خواب نظر آ رہے تھے۔ میں نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں کی کہ وہ انل بسواس کی بیٹیوں کی خواب گاہ تھی۔ وہ چڑھتی ہوئی جوانی کے خمار میں ڈوبی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔

میں کھڑکی سے گزر کر کمرے کے فرش پر اتر گیا جو دبیز قالین میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ ان معصوم لڑکیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ وہ بعد میں کسی کھٹکے سے بیدار ہو کر ہمارے لیے ایک مصیبت کھڑی کرسکتی تھیں۔ ان کا بے ہوش ہوجانا ہمارے حق میں بہتر تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں خدمات انجام دینے والے تینوں ملازمین بیرونی کمروں میں پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ گھر میں موجود موبائل فون یا کسی دوسری مواصلاتی سہولت کو صرف اہل خانہ استعمال کرسکتے تھے۔ دو لڑکیاں ہمارے سامنے سو رہی تھیں۔ انہیں بے ہوش کرنے کے بعد گھر میں انل بسواس اور اس کی بیوی رہ جاتی۔ انل کے بارے میں ہم خون آشام عزائم لے کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد یا اس سے پہلے اس کی بیوی کو بھی بے ہوش کردیا جاتا تو ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا یہ خطرہ ٹل جاتا کہ انل کے قتل کی اطلاع نریش شرما کو مل جائے گی اور وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہوشیار ہوچکا ہوگا۔

میں پنجوں کے بل چلتا ہوا مسہری کے قریب گیا۔ اس پہلی مسہری پر لیٹی ہوئی لڑکی کے پیر ہلکے کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر وہ ہاتھ مضبوطی سے لڑکی کی نرم پنڈلی پر جما دیا۔

پنڈلی پر میری گرفت کے دباؤ سے نگینے میں پوشیدہ مائیکرو سرنج کے ذریعے سریع الاثر سیال لڑکی کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے سوتے سوتے ایک تیز جھرجھری لی۔ لمحے بھر کے لیے میں خوف زدہ ہوگیا کہ شاید وہ سیال کے اثر انداز ہونے سے پہلے میرے ہاتھ کا لمس محسوس کرکے جاگنے والی تھی۔ وہ بیدار ہوجاتی تو اپنے کمرے میں دو اجنبی سایوں کو موجود پاکر دہشت سے چیخنا شروع کردیتی اور ہمیں وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ جانا پڑتا۔

ذرا سے انتظار نے میرے خوف کو بے بنیاد ثابت کردیا۔ جھرجھری لینے کے بعد لڑکی کا بدن ساکت ہوگیا۔ اول خان کا دیا ہوا تحفہ اس نازک موقع پر بے مثال انداز میں میرے کام آیا تھا۔ عابد میرے قریب کھڑا وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اسے میرے پاس موجود انگوٹھیوں کا راز معلوم نہیں تھا۔ بار بار آنکھیں پھاڑنے کے باوجود وہ کچھ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

ایک لڑکی کی بے ہوشی کی طرف سے مطمئن ہو کر میں دوسری مسہری کی طرف بڑھا تو عابد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"تم ان کے پیر کیوں پکڑ رہے ہو؟" وہ میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ آواز میں منمنایا "کوئی لڑکی اٹھ گئی تو قیامت کھڑی کردے گی۔"

میں نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر انگوٹھی والے ہاتھ سے دوسری لڑکی کا داہنا پیر تھام لیا جو پائنتی کی طرف میرے قریب تھا۔

پیر کی جلد کو چھوتے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ تلوے کی سخت جلد میں سیال کا ایک قطرہ اتارنے کے لیے سخت تر گرفت کی ضرورت تھی۔ میں نے لڑکی کے پیر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ظالمانہ حد تک بڑھا دیا۔ وہ بھی آنکھیں کھولے بغیر دھندلکوں کی اسی دنیا میں پہنچ گئی جہاں اس کی بہن پہلے سے موجود تھی۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ دونوں بے ہوش ہوچکی ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں عابد کو بتایا۔

"مگر کیسے.... تم نے ان کے پیر اور پنڈلی پر کیا عمل کیا ہے؟" میری کارروائی کے سحر میں گرفتار ہو کر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ ہمیں انل بسواس کی تلاش تھی۔

"برہمن کی کنواری کنیّا کے چرن چھو لیے جائیں تو وہ لاج سے بے ہوش ہوجاتی ہے۔ آؤ، آگے چلو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ انل بسواس کے گھر میں آسانی سے گھس آنے کے بعد میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہوچکا تھا۔ وہ مہم یکایک مجھے بہت سہل نظر آنے لگی تھی۔

دو خالی کمروں کا سرسری جائزہ ناکام رہا۔ ایک ڈرائنگ روم تھا۔ دوسرا سونے کا کمرا تھا مگر خالی تھا۔ گھر میں ہر طرف گہرے اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے مجھے سنبھل کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے بھی میں نے ٹارچ استعمال نہیں کی تھی۔ جب تک اس گھر میں انل بسواس زندگی کے سانس لے رہا تھا، احتیاط ضروری تھی۔

تیسرے تاریک کمرے میں گھستے ہی میرا دل خوش ہوگیا۔ مسہری پر شب خوابی کے کپڑوں میں ملبوس دو سائے ایک دوسرے کے جسموں پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی فضا میں رچی ہوئی خنکی اور مخصوص بو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بجلی اڑنے سے پہلے کمرے کا ائرکنڈیشنر چلتا رہا تھا۔

انل اپنے ملک، اپنے شہر اور سب سے بڑھ کر اپنے گھر

میں تھا۔ وہ درندہ صفت، سفاک اور بے غیرت شخص یہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کی بُو پر لگ کر اس کی خواب گاہ تک میں پہنچ جاؤں گا۔ وہ بے خبری اور اطمینان کی گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسروں کے آرام اور سکون کو تہس نہس کر دینے والے شخص کی وہ بے فکری میرے لیے قابل رشک تھی۔ اس نے غزالہ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی، اس کا ہولناک انتقام لینے کے لیے اس کے گھر میں دو جوان اور شاید خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں مگر میں جوش انتقام میں اپنی سطح سے گر کر انل بسواس کے گندے مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی بیٹیاں اس کے جرائم میں شریک نہیں تھیں اور میں را کا کوئی بھیڑیا نہیں تھا جو باپ کے کرتوتوں کی سزا اس کی بیٹیوں کو دینے پر مل جاتا۔

انل بسواس اور اس کی بیوی کے سونے کا انداز بہت والہانہ تھا۔ ادھیڑ عمری کے آخری مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی انل اپنی خانگی زندگی میں خلوص اور وفا کا پیکر نظر آرہا تھا۔ اس کی ساری بے رحمی اور سفاکی اپنے گھر سے باہر والوں کے لیے تھی۔

میں کچھ دیر تک تذبذب میں مبتلا رہا۔ فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے انل بسواس کی زندگی کا چراغ گل کروں یا اس کی بیوی کو بے ہوش کروں۔

آخر میں نے اس کی بیوی کو منتخب کرلیا۔ وہ دشمن کی خاص الخاص عورت تھی۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی سوچا جاتا، وہ کم تھا۔ را کے اصولوں کے تحت وہ بدترین تحقیر اور تذلیل کی سزا وار تھی مگر میں نے اس کی جوان بیٹیوں کو معاف کر دیا تھا تو وہ ادھیڑ عمر عورت میرے کس کام کی تھی۔ میں اس کے جسم کو چھونا بھی بُرا سمجھ رہا تھا۔ میری مجبوری یہ تھی کہ عورت کی عافیت کے لیے اس کا بے ہوش ہو جانا اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لیے اس کے جسم کے کسی نرم اور نازک حصے کو چھونا بلکہ پکڑنا ضروری تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اس کی بیٹی پر تجربہ کر چکا تھا کہ تلوے کی سخت کھال انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے لیے ایک امتحان بن سکتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو جھٹکا اور انل بسواس کی بیوی کی برہنہ پنڈلی پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ اس کی پنڈلی پر رویں کی جگہ بال اگے ہوئے تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

عورت کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کا ایک ہاتھ انل بسواس کے سینے پر تھا۔ ہاتھ کی شدید اضطراری حرکت سے... ہڑبڑا کر انل بسواس گھگیاتا ہوا نیند سے بیدار ہو گیا "کک... کیا ہوا نینی... کیا بات ہے...؟"

"خاموش!" میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

میری سفاکانہ آواز پر وہ چونک کر بستر سے اٹھ گیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی خواب گاہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی بیوی کے سوا کوئی اجنبی بھی موجود ہے "تت... تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

میری دھمکی کارگر رہی تھی۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ وہ دہشت زدہ ہو کر اچانک چیخنا چلانا شروع نہ کر دے۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخص تھا۔ میری آواز کی سختی کو سننے کے ساتھ شاید اس نے میرے پستول کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔

"بوجھنے کی کوشش کرو کہ میں کون ہوں!" میں نے استہزائیہ لہجے میں اسے دعوت دی۔ وہ اتفاقیہ طور پر ہوش میں آگیا تھا اور اس کے تینوں اہل خانہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے تو اس موذی سے تھوڑی دیر کے لیے کھیل لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"تم... تم تو شاید مظہر خان ہو۔" اس کی تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری "تمہاری آواز میری سنی ہوئی ہے۔"

"تمہاری یادداشت واقعی قابلِ رشک ہے۔ مجھے آج کل اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم کو میرے گھر میں گھسنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" تعارف ہوتے ہی اس کی آواز غصیلی ہوگئی۔ اس کے اندازوں کے مطابق مظہر خان ایک بزدل اور حریص شخص تھا۔ وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آنے کی غیر ارادی کوشش کر بیٹھا تھا "میں تمہارے پیر توڑ دوں گا۔"

"تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی سات گولیاں تمہارا بدن چھلنی کر دیں گی۔"

"تم حقیر پاکستانی کیڑے... تمہاری یہ مجال کہ میرے گھر میں گھس کر مجھ کو دھمکیاں دے رہے ہو۔"

"تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے۔ میری اور رینا کی فلم لوٹا دو۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

مجھے مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لینے کے بعد وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ اس نے میرے مطالبے کو نظر انداز کر کے پوچھا "میری بیوی کے ساتھ تم نے کیا حرکت کی تھی۔ نینی نے مجھے کیوں جھنجوڑا تھا اور اب بے سدھ کیوں پڑی

ہوئی ہے۔"

"تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی شخص کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس کے جسم پر مردوں جیسے بال تم ہی برداشت کر سکتے ہو۔"

"شٹ اَپ، یو سن آف اے بچ!" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر حلق کے بل غرایا۔

عابد خود پر قابو نہ پاسکا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے اندھیرے میں اپنی جگہ چھوڑی اور انل بسواس کا جبڑا سہلا دیا۔ وہ مار کھا کر کراہتا ہوا مسہری پر ڈھیر ہو گیا۔

"تم کو یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" وہ مسہری پر پڑے پڑے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے نکلتے ہو۔"

"رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ بھی کسی کی بیٹیاں اور ہونے والی بیویاں ہیں۔ تم نے ان کو دن رات کھلونا بنایا ہوا ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں تم ایک حقیقت بھی نہیں سن سکتے۔ لعنت ہے تم پر اور تمہارے سرکاری عہدے پر۔ تم کو تو کسی طوائف کا دلال ہونا چاہیے تھا۔"

"تم دو ہو۔ اس وقت جو چاہو، کہہ سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ابھی بھی تم میری مٹھی میں ہو۔ میں تمہیں فنا کر دوں گا۔"

وہ یہ کہتا ہوا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

میں سنبھل کر آگے بڑھا اور پستول کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر رکھ دی "کتے کے بچے! اس سے پہلے میں تجھے مار دوں گا۔"

"نن.... نہیں۔ تت.... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ہمیں کون روکے گا؟ اس وقت تو ہمارے رحم و کرم پر ہے۔" میں نے پستول کی نال سے اس کی پیشانی کو پیچھے جھٹکا دے کر کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تمہاری فلم تمہیں ہر جگہ بدنام کر دے گی۔" اسے خطرے کا ادراک ہونے لگا تھا۔

"یہ تیری اور نریش کی بدقسمتی ہے کہ وہ فلم ناگر کی چتا میں جل گئی اور اب اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ تم دونوں دیوانہ وار اس فلم کا متبادل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے لیکن کچھ حاصل نہیں کر سکے۔ تیرا وقت پورا ہو چکا ہے....."

"نہیں۔ تم مجھے نہیں مارو گے۔" اس نے ہذیانی انداز میں میری بات کاٹ دی۔

"پھر یہ نیک کام کون کرے گا؟" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا "میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

"شاید میں دھوکا کھا گیا۔ اس وقت تمہارے اندر چھپا ہوا درندہ بول رہا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا تھا۔ تم خطرناک آدمی ہو۔"

"میں وہی ہوں جس کے نام نے تم سب کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ مرنے سے پہلے تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تو بھارت میں ڈینی کا پہلا شکار بننے والا ہے۔"

"ڈے.... اے.... اے.... نی.... ای!" اس کے منہ سے بمشکل میرا نام برآمد ہوا "تم ڈینی ہو؟"

اس کی آواز یکایک کھوکھلی اور بے روح ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں اپنے داہنے گھٹنے سے ضرب لگائی اور وہ کسی زخمی پاڑے کی طرح بلبلاتا ہوا، مسہری سے ٹکرا کر فرشی قالین پر گر گیا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

"زیادہ تشدد مت کرو۔" عابد نے میرے شانے کے قریب سرگوشی کی "یہ اچانک چیخ پڑا تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ اندھیرے میں وہ کہیں سے کوئی ہتھیار بھی نکال سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے گولی چلا دے اور ہم یہاں گھر جائیں۔"

عابد کے اندیشوں میں وزن تھا مگر میں حالات پر پوری طرح قابو پا لینے کے بعد اس کھیل کو اتنی جلدی ختم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

"مکاری بند کر اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

میرا نام سننے کے بعد وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کسی ریچھ کی طرح دونوں ہاتھ بھی شانوں تک اٹھا لیے تھے مگر ہتھیلیاں آگے گری ہوئی تھیں۔ عابد نے اپنی ٹارچ کا رخ فرش کی طرف کر کے اسے روشن کر دیا جس سے پورے کمرے میں اجالا پھیل گیا۔

"مجھے مار کر تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" انل بسواس رو دینے والی آواز میں کہہ رہا تھا "میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں اپنے فرض سے مجبور ہو کر تمہارا پیچھا کرتا رہا ہوں۔ میرے بعد میری جگہ آنے والے بھی تمہیں تلاش کرتے رہیں گے۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس کی موت پاکستان کے خلاف مکارانہ سازشوں اور منصوبوں کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہو چکی تھی۔ میں نے سرد لہجے میں کہا "زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنی زندگی کی قیمت لگا دے۔ ہو سکتا

ہے کہ کوئی سودا بن جائے۔"
"میں تمہیں کئی لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ یہ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہے۔" انل بسواس نے پیشکش کی۔
"ایسی رقمیں میری ٹھوکروں میں پڑی رہتی ہیں۔ پیسے کے علاوہ کوئی اور بات کر۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"پپ.... پیسے کے بعد شاید تم کو عورتوں کا شوق ہے۔ دہلی کی جس عورت پر ہاتھ رکھ دو گے اسے تمہاری باندی بنادوں گا۔"
"تجھے ہوش ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو دہلی کا کوئی مطلق العنان راجا نہیں ہے۔"
"میری ایجنسی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم آزما کر دیکھو۔ جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے وہ اچانک جبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔" میری باتوں سے اس کے دل میں امید کی کرن جاگ اٹھی تھی۔
"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تو اپنی بات پر قائم رہے گا؟" میں نے زہریلے انداز میں پوچھا۔
"اگر تم نے پردھان منتری کی بیٹی مانگ لی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ وہ میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔" اس نے بے چارگی سے جواب دیا۔
"میری طلب صرف تیرے اختیار میں ہے۔ تو دو بیٹیوں کا باپ ہے۔ زندگی چاہتا ہے تو ان کے بارے میں بات کرلے۔"
"نہیں ڈینی، یہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی باپ اس طرح اپنی بیٹیوں کا سودا نہیں کرسکتا۔"
"پھر مرنے کے لیے تیار ہوجا!" میں نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دے کر کہا۔
"ٹھہرو...." اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے امتحان میں مت ڈالو۔ مجھ سے کچھ اور لے لو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔
"تو نے مرلی دھر کو غزالہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ صرف خون سے ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ تیرا خون یا تیری آبرو کا خون۔ یہ فیصلہ تجھ کو کرنا ہے اور اسی وقت کرنا ہے۔ میں تجھ جیسے شاطر کو وقت نہیں دوں گا۔"
"میری بچیاں کہاں ہیں؟" اسے جیسے اچانک ہی ان دونوں کا خیال آگیا۔
"وہ اپنے کمرے میں تیری نینی کی طرح بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔" میں نے بتایا۔ اس کے سوال پر مجھے گمان ہوا تھا کہ یکایک اس کی پدرانہ غیرت جاگ اٹھی تھی۔
"وہ بے ہوش پڑی ہیں تو تم مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے بولا "میں تمہارے ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہوں۔ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ دو اور ان کے کمرے میں جاکر جو چاہو کرلو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"
"انل بسواس! تم بالکل بکواس کر رہے ہو۔ میں تیری اور نریش کی طرح بے غیرت نہیں ہوں جو کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاؤں۔ نہ میں مرلی دھر کی طرح بے ضمیر ہوں کہ کسی کے ساتھ جبر اور زبردستی کروں۔ دل رضامندی سے بہلتا ہے۔ تیری اجازت کے بغیر میں ان کلیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"
کمرے میں خنکی ہونے کے باوجود انل بسواس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا۔ پرائی عورت کو ذلیل، رسوا اور بلیک میل کرنے والے کو قدرت نے خود اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف موت اپنا دہانہ کھولے کھڑی تھی اور دوسری طرف ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں زندگی کی امید، بس ایک موہوم سی امید نظر آرہی تھی۔
کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا۔ میں چند ثانیوں تک اپنے یا انل بسواس کے سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ انل کی کمزور آواز نے اس اعصاب شکن سکوت کو حیرت ناک انداز میں توڑا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے چہرے پر کالک مل کر تم مجھے زندہ چھوڑ دوگے۔"
"یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "میری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے ابھی تک تیری بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"
"نہیں، نہیں۔ میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ تم جھوٹے اور مکار ہو۔" وہ جھنجلا کر بے بسی سے بولا۔
"تو چاہے تو میں بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"
"پھر اپنے خدا کی قسم کھا کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد تو مجھے نہیں مارے گا۔" اس بار وہ فرطِ جذبات میں تم سے تو کے صیغے پر اتر آیا تھا۔
میں مسلسل اس کی تحقیر کرتا چلا آرہا تھا۔ میں نے اس کی جذباتی خطا کو درگزر کردیا اور اس کے کہنے کے مطابق قسم کھالی "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے تیری آبرو کا خون کیا تو پھر تجھے نہیں ماروں گا۔" عابد حیرت سے یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرا

دماغ الٹ گیا ہو۔

"میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اب میں زندہ رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو اپنی قسم نہیں توڑے گا۔ جا اور میرا منہ کالا کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرلے۔"

میں یہی دیکھنا چاہ رہا تھا کہ را کا وہ مردار خور اپنی جان بچانے کے لیے کہاں تک گر سکتا ہے۔ اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا پھر بھی اس بے غیرت کے الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنا پستول عابد کی طرف اچھال کر انل بسواس پر ٹوٹ پڑا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے مار کھانے کے بعد اس مرتبہ ضرور شور مچائے گا۔ میں نے سب سے پہلے اس کی گردن اور دہانے پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے اور پھر اس کی پیشانی پر اتنی زوردار ٹکر رسید کی کہ وہ تیورا گیا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا۔ میرے لیے اسے سنبھالے رکھنا دشوار تھا۔ میں اس کے ساتھ قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس دوران میں، میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دہانے پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور وہ اپنا منہ آزاد کرانے کے لیے زور صرف کر رہا تھا۔

اس زور آزمائی میں شاید میرا کوئی وار سخت پڑ گیا یا پھر نگینے کا سیال کسی طرح اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اچانک اس کی ساری جدوجہد توڑ گئی اور وہ کسی بے جان لاش کی طرح میری بے رحمانہ گرفت میں جکڑا رہ گیا۔

اس کی بے ہوشی کا پورا یقین کرنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا اور قالین سے اٹھ گیا۔

عابد میری مدد کرنے کے ارادے سے میرے قریب آپہنچا تھا مگر اس کے دخل انداز ہونے سے پہلے ہی انل بسواس کا قصہ نمٹ گیا۔

"تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کر اپنی قسم توڑی ہے۔" عابد علی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میں حیران تھا کہ تم کو قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے بے نقاب کرنے کے لیے وہ سب ضروری تھا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ اس پر حملہ کر کے میں نے قسم نہیں توڑی۔"

"تمہیں اس کو مار ڈالنا ہے۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ اسے نہیں مارو گے۔"

"وہ قسم مشروط تھی۔ میں نے اس کی بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ان لڑکیوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کا باپ واقعی قابلِ نفرت ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کے لیے اپنی بیٹیوں کے آنچل کا سودا کرلے، اسے زمین کا بوجھ بن کر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتا چلا آیا تھا۔"

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسے سر کے پچھلے حصے سے گولی مار کر اس طرح ہلاک کروں گا کہ گولی اس کا پورا چہرہ پھاڑ کر باہر نکل جائے۔ اس کی بگڑی ہوئی ہیبت ناک لاش ہی را کے رنگیلے شہزادوں کے لیے عبرت آموز ہو سکتی تھی مگر اس کے حادثاتی طور پر بے ہوش ہونے کے بعد تکیوں وغیرہ میں دبا کر پستول چلانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈالا اور تیز پھل والا لمبا شکاری چاقو جیب سے نکال لیا۔

اس کی گردن کی شہ رگ کو کاٹنے سے ذبیحے کی ایک علامتی مماثلت پیدا کی جا سکتی تھی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت سے الٹا کیا اور اس کے گھٹنوں کے پیچھے سے گزرنے والی دونوں شہ رگیں کاٹ دیں۔ انل بسواس بے ہوش تھا لیکن کٹی ہوئی رگوں سے بہنے والی خون کی دھاروں کے نتیجے میں اس کے بدن میں وقفے وقفے سے اکڑاؤ اور ڈھیلے پن کی کیفیات رونما ہونے لگیں۔ عابد ٹارچ روشن کر کے میری مدد کر رہا تھا۔

میں نے انل بسواس کے کمرے سے ملحق باتھ روم میں جا کر چاقو کو اچھی طرح دھویا، ہاتھ صاف کیے اور وہاں سے نکل آیا۔

انل بسواس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر ہم دونوں اسی راستے سے عمارت سے باہر نکل گئے جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے علاقے کے ساتھ انل کا مکان بھی گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کی طرف حسب سابق سکوت کا راج تھا۔

ہم احاطے کی دیوار پھاند کر اندر گھسے تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ آہنی پھاٹک کی کنڈی کھول کر میں نے باہر جھانکا اور ذرا سی دیر میں ہم انل بسواس کے گھر کی حدود سے نکل کر اپنی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے۔

"میرے منصوبے کی بنیادی بات یہ تھی کہ ہم کہیں بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔" گاڑی آگے بڑھانے کے بعد عابد نے نیچی آواز میں کہا "یہاں ہمیں بہت دیر ہوگئی۔"

"وقت گزارنا ناگزیر تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ را میں کیسی گھٹیا ذہنیت کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انل بسواس پاکستان کے خلاف خطرناک منصوبوں کا خالق قرار دیا جاتا ہے مگر اس کا یہ عالم تھا کہ وقار کی موت کو گلے لگانے کے

بجائے ایسی زندگی کی التجائیں کر رہا تھا جس سے شاید اسے خود بھی کچھ دنوں بعد گھن آنے لگتی۔"

"یہ اندر کی کہانی ہے جو تم نے اپنا دل بہلانے کے لیے سن لی۔ دنیا کو کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ حد یہ ہوگی کہ اس کی بیٹیاں بھی اپنے باپ کی میت سے لپٹ کر زار و قطار روئیں گی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا کہ ان کے بے حیا باپ کا مرجانا ہی ان کے لیے سود مند تھا۔"

"کچھ سامنے آئے یا نہ آئے' اس کی موت عبرت ناک رہے گی۔ چند گھنٹوں بعد دہلی میں ایک کہرام مچ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے ان تینوں کو کس طرح بے ہوش کیا تھا؟" عابد کو اچانک وہ واقعات یاد آگئے "تم نے ان کی پنڈلیوں اور پیروں کی کون سی رگیں دبائی تھیں؟"

میں غیر ضروری طور پر کسی کو اپنا راز داں بنانے کا قائل نہیں تھا لیکن عابد علی کی بات مختلف تھی۔ اس نے بہت کڑے وقت میں اور ہر قسم کے خطرات مول لے کر اس طرح ہمارا ساتھ دیا تھا کہ میرا دل اسے کوئی چکما دینے پر مائل نہیں تھا۔ میں نے رسانیت سے اسے انگوٹھی کے بارے میں بتا دیا۔ مہلک زہر والی انگوٹھی کا تذکرہ میں نے گول کردیا۔ وہ انگوٹھیاں دہلی میں دو مواقع پر استعمال ہو چکی تھیں۔ پہلی مرتبہ ویرا نے انسپکٹر ڈیوڈ کو اس کی مدد سے ہلاک کیا تھا اور دوسری بار غزالہ نے جان اسمتھ کو انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بنایا تھا۔

"یہ نایاب انگوٹھی ہم لوگوں کے پاس بھی ہونی چاہیے۔" اس نے رشک آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا "اس کا شکار کتنی دیر میں ہوش میں آتا ہے؟"

"اس کا انحصار استعمال ہونے والے سیال کی مقدار اور بحالی کی کوششوں پر ہوتا ہے۔ عام طور پر بے ہوشی کے اثرات چار گھنٹے تک برقرار رہتے ہیں۔"

"بہت ہی مناسب وقفہ ہے۔" اس نے مسرت سے کہا "انل بسواس کی بیوی اور بیٹیوں میں سے کوئی صبح کے چھ بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ انل کے قتل کی خبر پھیلنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹا لگ جائے گا۔ اس وقت تک ائر انڈیا کا جہاز تمہیں لے کر دہلی سے کافی دور جا چکا ہوگا۔"

"اس خوش فہمی میں تم یہ بھول رہے ہو کہ ابھی نریش شرما باقی ہے۔ وہاں کامیابی ہونے کے بعد ہم کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔"

"انل کے گھر میں دیر ہونے سے بھابی سمیت ہر ایک کو تشویش ہوئی ہوگی۔" اس نے فوراً ایک نئی بات شروع کردی۔

"کسی کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ تم میرے ساتھ تھے اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ انہوں نے ہماری خیریت سے واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا ہوگا۔" میں نے مسکت جواب دیا اور وہ خاموش ہوگیا۔

انل بسواس ہمارا اس رات کا پہلا اور سب سے اہم شکار تھا۔ وہاں کام نمٹانے کے لیے اوقات کا تعین ہمارے اختیار میں تھا اس لیے علاقے میں بجلی کے بریک ڈاؤن وغیرہ کی پیشگی منصوبہ بندی کرلی گئی تھی۔ وہاں کام نمٹانے میں صرف ہونے والے وقت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے نمٹنے کے بعد ہمیں نریش شرما کی طرف جانا تھا۔ اس کی نوبت کس وقت آتی۔ اس بارے میں پہلے سے اندازہ لگانا محال تھا۔ دوسرے یہ خوف بھی تھا کہ نریش کو انل کے قتل کی خبر مل گئی تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دوسری مہم کے لیے صرف ہدف ہمارے سامنے تھا۔ کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جا سکی تھی۔ میں نے رائے دی کہ ہم براہ راست نریش کے گھر جانے کے بجائے آبادی سے نکل جائیں۔ انل کے تینوں پس ماندگان کو کامیابی سے بے ہوش کرنے کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ انل بسواس کے قتل کی اطلاع تیزی سے پھیل جائے گی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا' مکمل

خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر عابد اپنی گاڑی باہر نکال لے جاتا تو سرخ کار والے بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر ہو لیتے۔

راستہ بدل جانے کی بنا پر ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ میرے اور عابد کے پروگرام میں کوئی تبدیلی آچکی تھی۔ دونوں گاڑیاں کسی سنسان مقام پر رکتیں اور ذرا سی دیر میں نریش کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرلی جاتی جس میں برقی رو کے تعطل کی گنجائش ہوتی۔

عابد نے کھلے دل سے مجھے بتایا کہ نریش کے لیے صرف مارنے اور بھاگ نکلنے کے ہنگامی پروگرام پر کام کیا گیا تھا۔ وقت کی تنگی کے خوف سے یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ نریش کے مکان کی بجلی کس سمت سے اڑائی جاسکے گی۔

مختصر وقت میں یہ معلوم کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ نریش شرما کے مکان کو بجلی فراہم کرنے والے تار کس سرکٹ سے منسلک تھے۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ سراغ لگالیا جاتا تو اتنی رات گئے لچک دار آہنی لنگر فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

عابد کے پیش کیے ہوئے وہ عذر معقول اور قابلِ قبول تھے۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

نریش شرما کا مکان چھوٹا اور کونے سے دوسرا تھا۔ عابد نے گاڑی گلی میں لے جانے کے بجائے باہر ہی کھڑی کردی۔

میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو تین بجنے والے تھے۔ انل بسواس کے گھر میں گھسنے کے بعد وقت اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا چلا گیا تھا کہ ہمیں یا کم از کم مجھے اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔

ہم قرول باغ میں آبادی کے جن حصوں سے گزرے تھے وہاں رات کے گہرے سکوت اور سناٹے کا راج پایا تھا۔ علاقے کے سارے سفید پوش شرفا سوچکے تھے یا اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔ قرب و جوار سے کبھی کبھار آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے بعد فضا پر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا۔

تاریکی میں ہم نے بہت آسانی سے اپنا کام کرلیا تھا مگر نریش شرما کی گلی میں اِکّا دُکّا مکانوں کے گیٹ لیمپ روشن تھے۔ رات کے گھور اندھیرے میں ان روشنیوں کا انعکاس دور تک پھیل رہا تھا۔

میں عابد کے ساتھ چہل قدمی کے انداز میں گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر میری تشویش میں اضافہ ہوگیا کہ نکڑ سے دوسرے مکان کے دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا اور یہی مکان نریش شرما کا تھا۔ بڑے کے مقابلے میں وہ چھوٹا شکار مجھے دشوار تر نظر آنے لگا۔

روشنی کی وجہ سے ہم زیادہ دیر تک اس گھر کے سامنے نہیں رک سکتے تھے۔ بے خوابی کا کوئی مریض اپنی کھڑکی سے جھانکتا تو ہمیں وہاں دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا۔

”دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہیں۔“ میں نے دھیمی آواز میں عابد سے کہا ”میں جاتے ہی اندر کود جاؤں گا۔ تم باہر رک کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا۔“

عابد کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں ”اگر تم دیکھ لیے گئے تو کیا ہوگا؟“

انل بسواس کو کامیابی سے مار لینے کے بعد میرا دل شیر ہوچکا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا ”جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ زیادہ خطرہ ہوا تو ہم گاڑی کی طرف دوڑ لگا دیں گے۔“

ہتھیاروں کی وجہ سے ہماری پھولی ہوئی جیبیں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں مگر ہتھیاروں کی موجودگی ناگزیر تھی۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ہم ایک دو ہوائی فائر کرکے دشمن اور اس کے محلے داروں کو خود سے دور رہنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

نریش شرما کے گھر کے سامنے پہنچتے ہی میں پوری دیدہ دلیری سے دیوار پر چڑھا اور کودنے کے بجائے آہستگی سے اندر اتر گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کودنے کی ہلکی سی دھمک بھی قریبی کمروں میں سن لی جائے گی اور کوئی گھر سے باہر نکل آئے گا۔

اندر کودنے بلکہ اترنے کے لیے میں نے ایسا پُراعتماد طریقہ اختیار کیا تھا جیسے گھر کا کوئی فرد دیر سے آنے کی صورت میں 'اپنے بڑوں کی باز پرس سے بچنے کے لیے' چھپ کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ میں نے چند لمحوں تک انتظار کیا لیکن کہیں سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس رات مقدر پوری طرح میری یاوری کررہا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ عابد پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہوگا۔ میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے بیٹھے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

گیٹ کے سامنے نریش کمار کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی کے پچھلے حصے اور دروازے کے درمیان اتنی کم جگہ تھی کہ میرے اندازے کے مطابق ذیلی دروازے کا پٹ پوری طرح کھولنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی جگہ ضرور بن سکتی تھی کہ آنے جانے والے آسانی سے دروازے سے گزر سکیں۔

مکان کی اگلی دیوار اور احاطے کے درمیان چند فٹ کا مختصر سا فاصلہ تھا۔ گیٹ کے سامنے البتہ پورچ بنا ہوا تھا۔ اس طرف مکان کی دیوار اتنی پیچھے چلی گئی تھی کہ اندر گاڑی پارک کرنے کی گنجائش نکل آئی تھی۔ مکان کا رقبہ مختصر تھا مگر اسے پوری چابک دستی سے استعمال میں لایا گیا تھا۔

میں وہ جائزہ لیتا ہوا کار اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں پہنچ

گیا۔ یہ میری چھٹی حس تھی کہ وہاں پہنچ کر میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ذیلی دروازے کا کنڈا اندر سے مقفل نہیں تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اسے جھٹکے سے اٹھا کر ہولے سے سرکانا چاہا لیکن زنگ کی سی آواز پیدا ہوئی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ نیچے کرلیا۔ اس بار میرے کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے کنڈا اٹھانے کی وہ آواز بہت پُر شور محسوس ہوئی تھی جو کسی مکین کو ہوشیار کرنے کے لیے کافی تھی مگر اندر کوئی ردّ عمل نہیں ہوا۔

کنڈا جہاں تھا' وہیں رکا ہوا تھا۔ شاید آہنی پٹ میں کوئی ٹیڑھ پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے رواں ہونے کے بجائے پھنسا ہوا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں زور لگا کر پورا کنڈا سرکا دیا۔ کنڈا کھلتے ہی آہنی دستہ نرمی سے نیچے آگیا۔ میں نے پٹ کے نچلے حصے میں انگلیاں پھنسا کر اسے اندر کھینچا۔ اس بار بھی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی اور ذیلی دروازے میں خلا بڑھنے لگا۔

عابد علی باہر بہت مخدوش پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔ میں گھر کے احاطے میں داخل ہوچکا تھا۔ میری طرف سے خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پٹ کھلتے ہی عابد تیزی سے آگے آیا اور دروازے سے اندر گھس آیا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے اندر آتے ہی پلٹ کر' احتیاط سے پٹ بند کردیا۔ میں گاڑی اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ عابد علی اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر گھر میں کوئی ہوشیار تھا تو وہ گیٹ لیمپ کی روشنی میں اسے یقیناً دیکھ چکا تھا۔

عابد نے پٹ بند کرتے ہی اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ مار کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میری نیت اسے کسی خطرے میں جھونکنے کی نہیں تھی۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جو سامنے ہے وہی پیش قدمی کی ابتدا کرڈالے۔

اس وقت عابد پوری طرح چوکنا اور مستعد تھا۔ اس نے بھی موقع کی نزاکت بھانپ لی تھی۔ پر میرا اشارہ پاکر اس نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی.... اور پختہ فرش پر محتاط قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کے عقب سے نکل گیا۔

وہ بس ایک لمحے کے لیے مجھے نظر آتا رہا پھر گاڑی کی اوٹ میں غائب ہوگیا۔ عابد کی پیش قدمی کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آنے تک میرا اپنی جگہ سے اٹھنا مناسب نہیں تھا۔ میں اضطراری طور پر اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹکا کر سجدے کی حالت میں نیچے جھکتا چلا گیا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ گاڑی کے نیچے سے مجھے عابد کے بڑھتے ہوئے محتاط قدم صاف نظر آرہے تھے۔ اس سے آگے مکان کے داخلی دروازے کا نچلا حصہ بھی نظر آرہا تھا جو بند تھا۔

عابد علی کے بڑھتے ہوئے قدم بند دروازے کے پاس رک گئے۔ شاید وہ دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کررہا تھا۔ میں سانس روکے نتیجے کا انتظار کرتا رہا۔ عابد کی کامیابی کی صورت میں مجھے دروازہ اپنی جگہ سے ہلتا ہوا نظر آجاتا۔ کئی لمحے گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا پھر اچانک ہی دروازے کا پٹ ایک جھٹکے سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ دروازے کی جگہ نمودار ہونے والے خلا میں مجھے دو ننگے مردانہ پاؤں نظر آرہے تھے جن کے اوپر سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا ڈھیلا پاجامہ جھول رہا تھا۔

"ہینڈز اَپ!" دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں تیز اور تحکم آمیز آواز آئی "حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

وہ آواز سو فیصد نریش شرما کی تھی اور نشے یا نیند کے خمار سے بوجھل سی تھی۔ مجھے اپنی کمین گاہ سے ان دونوں کی پنڈلیوں کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ اس سے اوپر کیا ہورہا تھا' وہ میرے علم میں نہیں تھا۔ غیر متوقع طور پر نریش کی آواز سن کر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ یہ بہت برا ہوا تھا کہ عابد علی رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تھا۔ اس کی ناکام کوششوں کے بعد گھر کا دروازہ یوں اچانک کھولا گیا تھا کہ اسے اپنے پستول سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

"تم سعادت مند چور معلوم ہوتے ہو۔" اس بار نریش شرما کی استہزائیہ آواز ابھری "شرافت سے اپنا پستول مجھے دے دو۔ تمہاری جیبیں بھی بھاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہتھیار یا نقب زنی کے آلات بھرے ہوئے ہیں۔ آج تم کو سب کھایا پیا یاد آجائے گا۔"

ننگے پاؤں اپنی جگہ سے آگے بڑھے۔ دونوں حریفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ شاید نریش شرما بڑھ کر عابد علی سے پستول لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تک اس نے نریش کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ جس حالت میں پکڑا گیا تھا۔ اس حالت میں اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ مسلح حالت میں کسی اجنبی کی گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والا اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے سوا کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

عابد علی سے اس کا بھرا ہوا خود کار پستول لینے کے بعد نریش شرما الٹے قدموں پیچھے لوٹ گیا کیونکہ قدموں کا درمیانی فاصلہ اس بار خاصا بڑھ گیا تھا۔

"اب ہاتھ گرائے بغیر اندر آؤ اور پیر سے دروازہ بند کردو۔" نریش نے اگلا حکم جاری کیا۔ میں اس کا ایک ایک

لفظ سن رہا تھا۔ اپنے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینے پر وہ بہت زیادہ پُر اعتماد نظر آرہا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ اس نے عابد علی کے اندر آنے کے طریقے کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میری ابتدائی کوشش کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آہنی آواز نے نریش کو اپنے دروازے کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ کسی تاریک کھڑکی کے پیچھے سے عابد علی کو اپنے گھر میں گھستے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ ذیلی دروازے میں کوئی ہضمی قفل نہیں تھا جسے باہر سے کھولا جاسکے۔ اس پٹ کا کنڈا اندر سے کھولا گیا تھا۔ اگر نریش شرما نے اسے دروازے سے اندر آتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہوجاتا تھا کہ اندر سے کنڈا کس نے کھولا تھا؟

وہ نکتہ واضح طور پر عابد علی کے کسی ساتھی کی نشاندہی کرتا تھا جو اس وقت بھی گھر میں موجود تھا۔ نریش شرما' عابد علی کو گھیر کر مطمئن ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے پوری واردات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔ پھاٹک پر پیدا ہونے والی آواز پر وہ چونکا اور کوئی آتشیں ہتھیار لے کر اپنے صدر دروازے کے پیچھے جم گیا تاکہ آنے والے کا استقبال کرسکے۔ وہ اتنا گاؤدی نہیں تھا کہ سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود دوسرے آدمی کی موجودگی کے خطرے کو نظر انداز کردیتا۔

عابد علی کے قدم بڑھنے لگے۔ وہ دروازے سے گزر گیا۔ شاید وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے پکڑے جانے کے باوجود میں محفوظ تھا۔ جب تک ہم دونوں میں سے ایک بھی بچا ہوا تھا' دوسرے کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ گلوخلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

عابد علی نے اندر پہنچنے کے بعد اپنی ایڑی سے دروازہ بند کردیا۔ وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا جو بند ہوچکا تھا۔ وہاں رک کر میں نے لمحے بھر کے لیے اندر کے منظر کے بارے میں سوچا اور فوری مداخلت کا فیصلہ کرلیا۔ دیر ہونے کی صورت میں نریش شرما کو اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا اور وہاں ایک بڑا تصادم ناگزیر ہوجاتا۔

میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر ذرا سا زور دیا اور ذیلی پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر بدل چکا تھا۔ عابد علی مکان کے اندرونی حصے میں میری طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ نریش شرما اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔

میں اندر گھسا ہی تھا کہ نریش شرما بہت تیزی سے میری طرف گھوم گیا۔ دروازہ کھلنے سے آواز ہوئی تھی نہ میں نے کوئی آہٹ پیدا کی تھی۔ شاید پشت سے باہر کی تازہ ہوا کے آنے والے جھونکے نے نریش شرما کو خطرے سے خبردار کیا تھا۔ وہ اپنے ریوالور سمیت میری طرف پلٹا تھا۔ شاید وہ فائر بھی کرڈالتا لیکن بدقسمتی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مجھے پہچان کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے اعتباری امڈ آئی۔

''مظہر....!'' اس کے ہونٹوں سے تحیرزدہ آواز نکلی۔

اس کی پل بھر کی وہ جھجک اس کے لیے شکست کا پیغام بن گئی۔ عابد علی کو مہلت مل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے جست کرکے کسی عقاب کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کے پورے وجود کو اپنے مضبوط توانا بازوؤں کی گرفت میں دبوچ لیا۔ نریش کا ریوالور والا اٹھا ہوا ہاتھ مجہول ہوکر اس کے پہلو میں جھول گیا۔

''منہ سے آواز نہ نکالنا!'' میں نے نیچی آواز میں دھمکی دی ''تمہاری بیوی' بیٹے اور ملازموں میں سے جو بھی ادھر آیا' بے موت مارا جائے گا۔ اس وقت ہمارے پانچ آدمی تمہارے احاطے میں موجود ہیں اور میں تم سے فلم کا سودا کرنے یہاں آیا ہوں۔''

اسے خاموش رکھنے کے لیے وہ سب کہنا ضروری تھا۔ میری زبان سے نام نہاد فلم کا ذکر سن کر اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی تھی اس پرانے جھگڑے میں اس کی جان کے زیاں کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جو کچھ ہونا تھا' زبانی کلامی طور پر ہونا تھا۔

نریش اس وقت بالکل بے بس ہوچکا تھا۔ اس نے مکّاری سے کام لیتے ہوئے اپنا ریوالور قالین پر چھوڑ دیا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس جھٹکے سے گولی نہیں چلی ورنہ سارا کھیل بگڑ جاتا۔

عابد علی نے اس کا داہنا ہاتھ مروڑ کر پشت سے لگایا اور اس کی شرٹ کی جیب سے اپنا پستول نکال کر اسے آگے دھکیل دیا۔ ''اب بتاؤ کہ تم میری کیسی مزاج پرسی کا ارادہ کرچکے تھے؟''

''تم چپ رہو۔'' نریش شرما نے خفگی سے کہا ''یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ مظہر کے سامنے آنے کے بعد صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا۔''

''یہاں کھڑے رہنے کے بجائے اپنی خواب گاہ میں چلو۔ یہ باتیں سکون سے وہاں بیٹھ کر ہوں گی۔''

''وہاں میری بیوی سو رہی ہے۔ میں اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔ آؤ' ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔''

وہ چلنے سے پہلے اپنا ریوالور اٹھانے کے لیے جھکا تو عابد نے للکار کر اسے روک دیا۔ نریش شرما زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عابد نے اس کے ریوالور پر قبضہ کرلیا۔ اس اثنا میں، میں اندر آکر دروازہ بند کرچکا تھا۔ ہم دونوں نریش کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

نریش شرما ہم سے پہلے ایک صوفے پر آرام سے پھیل کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ہمیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی۔ عابد سامنے چلا گیا۔ میں نے دانستہ نریش کے بائیں ہاتھ والا صوفہ سنبھال لیا۔

"تم اس فلم کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے لیے تم میرے گھر تک آنے کی ہمت کروگے۔" نریش نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"فلم کی واپسی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے میری شناخت ہوسکتی ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پھیکے اور بے جان انداز میں ہنس دیا "ایسی بڑی بڑی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ تم غزالہ سے بہت ڈرتے ہو۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ڈینی کی کوئی تصویر تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ میں اس فلم کو تمہارے ریکارڈ کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔"

"ڈینی!" اس نے حیرت سے کہا "اس وقت اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟ تم اپنی بات کرو۔"

"وہ فلم اس لیے اہم ہے کہ میں ہی ڈینی ہوں۔" سرد لہجے میں یہ انکشاف کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سکڑ گئے اور آنکھوں میں بے اعتباری سی سمٹ آئی "مجھے آج صبح تک شبہ تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بننے کی کوشش کررہے ہو مگر انکل نے میری بات سختی سے مسترد کردی۔ تم ڈینی ہو تو پھر غزالہ کے ہاتھوں مرلی دھر کے پٹنے کا معما بھی حل ہوگیا۔ میں حیران تھا کہ ایک عام عورت فلائنگ کک کیسے لگاسکتی ہے؟"

"فلم.... میں فلم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا۔ میں اس پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "شاید تم یقین نہ کرو لیکن اس فلم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ میرے دفتر کی آگ میں ناگر کے ساتھ جل گئی تھی۔"

فلم کے بارے میں اس نے پہلی بار سچ بولا تھا۔ اس سے مزید گفتگو بے سود تھی۔ میں نے سرسری انداز میں بیم گن کا رخ اس کی طرف کردیا۔

"بند نال والا یہ کون سا ہتھیار ہے؟ اس کا رخ میری طرف سے ہٹالو۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے بائیں پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ نیلگوں شعلوں کی پتلی سی دھار فضا میں تیرتی ہوئی نریش شرما کی جلد، پسلیوں اور دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ جس حالت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی حال میں بیٹھا رہ گیا۔ آخری لمحوں کی گھبراہٹ اس کے چہرے پر منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔

"تم نے اس پر اپنا بہت قیمتی وار ضائع کیا۔ یہ حرام زادہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔" عابد علی نے افسردگی سے کہا۔

"شور شرابے اور وقت کے ضیاع سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا میں راولوں سے اکتا گیا ہوں۔ یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑدی۔

عابد علی نے ڈرائنگ کی ساری روشنیاں گل کردیں۔ نریش شرما کی لاش کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہم دونوں باہر آگئے۔

انل بسواس کے مقابلے میں نریش شرما کے گھر کا ماحول مختلف تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس کے گھر والوں یا ملازمین میں سے کوئی بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے بیدار نہیں ہوگا مگر ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ مشن شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ انل کی موت کی خبر ذرا سی دیر میں پھیل جائے گی۔ وہ کام پورا ہوا تو ہمیں اس طرف سے صبح تک کے لیے بے فکری ہوگئی۔ میں اس بات کو یقینی بنانا چاہتا تھا کہ نریش شرما کی موت کی خبر بھی ہمارے امرتسر کے لیے روانگی تک دبی رہے۔

نریش کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بے حجابی سے اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوب صورت اور متناسب الاعضا عورت تھی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ ایک جوان بیٹے کی ماں ہوگی۔ وہ سوئی تو نریش کی بیوی تھی، بیدار ہونے پر یہ انکشاف اس کے لیے دل دوز ہوتا کہ وہ بیوہ ہوچکی تھی مگر وہ مقدرات تھے جو اٹل ہوتے ہیں۔ نریش نے میرے اور غزالہ کے ساتھ مخاصمانہ اور ہتک آمیز رویہ اختیار کرکے خود کو اس انجام کا سزاوار بنایا تھا۔

عابد علی کی خواہش پر میں نے انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر اسے دے دی۔ اس نے انگوٹھی انگلی میں پہنے بغیر، اس کا نگینہ نریش کی بیوی کے بازو پر رکھ کر دبایا اور اس عورت کا

بدن پھڑکتے ہی اس نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس عورت کی نیند کم از کم چار گھنٹوں کے لیے گہری ہو چکی تھی۔

"واقعی یہ نایاب انگوٹھی ہے۔" اس نے انگوٹھی کی بناوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آئیڈیا مل گیا ہے۔ میں بات کروں گا۔ شاید یہ انگوٹھیاں بنوائی جاسکیں۔"

"میں غیر یقینی حالات سے نہ گزر رہا ہوتا تو یہ انگوٹھی اسی وقت تمہاری نذر کردیتا۔ پتا نہیں مجھے کب اور کہاں اس کی ضرورت پڑجائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا" اس نے بوکھلا کر انگوٹھی فوراً مجھے لوٹادی "ہر اچھی چیز کی تعریف کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مانگی جارہی ہے۔"

"ابھی اوپر چار شکار اور باقی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چاہو تو ان پر آزمانے کے بعد مجھے واپس دے دینا۔"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے انگوٹھی واپس لے لی "اس کا استعمال میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ ہے۔"

جب تک نریش شرما زندہ تھا' میں شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اس خبیث نے عین وقت پر عابد علی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر مجھے مزید ذہنی اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد میں خود کو بالکل ہلکا اور تر و تازہ محسوس کررہا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہورہا تھا کہ اس چھت کے نیچے میرا ایک مقتول بھی موجود تھا۔ عابد علی کی باتوں سے بھی ایسا ہی ظاہر ہورہا تھا۔

وہ دہلی میں ہماری آخری اور بہترین رات تھی۔ میں نے جلال کے دیے ہوئے ہدف سے کہیں زیادہ مقاصد حاصل کرلیے تھے۔ نریش شرما کے قتل میں بیم گن کے استعمال کے سوا میں نے کہیں ایسا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا جس کی بنا پر یہ واقعات میری ذات سے منسوب کیے جاسکیں۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے جانشین محض میری بھارت سے روانگی کی بنا پر ان دونوں کا خون میرے کھاتے میں ڈال دیتے۔ ان کی وہ ساری کارروائیاں مظہر خان کے نام پر ہوتیں۔ انہیں دہلی میں میری یعنی ڈینی کی موجودگی کا سراغ اس صورت میں مل سکتا تھا جب ان کے ماہرین نریش شرما کے دل پر بیم گن کے مہلک وار کا فیصلہ صادر کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔ ہر دو صورت تو میری صحت اور سلامتی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان فیصلوں سے بہت پہلے میں پاکستان کی آزاد فضاؤں میں پہنچ چکا ہوتا۔

نریش شرما نے اوپر کی منزل پر بہت قرینے سے چار کمرے بنوائے تھے۔ ان میں سب سے کشادہ اور آراستہ کمرا اس کے بیٹے کے استعمال میں تھا جو اس وقت وہاں گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اس لڑکے کی عمر کسی طرح اٹھارہ' بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ماں کی طرح مجھے اس پر بھی ملال ہوا کہ وہ اپنے باپ کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے کم عمری میں ہی یتیم ہوچکا تھا۔ وہ عالمی اور علاقائی رقابتوں کا بھیانک کھیل تھا جس میں انفرادی جذبوں اور ہمدردیوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جس کو جہاں موقع ملتا تھا' وہ اپنے حریف کو پیس ڈالنے پر مل جاتا تھا۔

عابد علی نے اس لڑکے کے بعد تینوں ملازموں کی نیند کو بھی گہری بے ہوشی میں بدل دیا۔ نریش شرما کا نام عمل کی دنیا سے نکل کر ایک بھولا ہوا خواب بن چکا تھا۔ عیاشی' مکاری' آوارگی اور بے غیرتی کا وہ سدا بہار پیکر اپنے دن پورے کرچکا تھا۔ اس کے گھر میں ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ ہم وہاں سے واپس چل دیے۔

عابد کا ابتدائی اندازہ یہ تھا کہ ہمیں قرول باغ میں بدترین معرکے پیش آنے والے تھے جن میں ہمارا نقصان بھی ہوسکتا تھا۔ ان دونوں معرکوں سے نمٹنے کے بعد شاید ہمیں افراتفری کے عالم میں ائرپورٹ کی طرف بھاگنا پڑتا۔ اس کی تیاریوں میں ایسے امکانات کو ملحوظ رکھا گیا تھا لیکن نتائج اس کی بلکہ میری توقعات کے بھی برعکس نکلے تھے۔

ہر کام خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جاچکا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچایا جائے۔ اس بارے میں عابد نے میری رائے طلب کی تو میں پوری طرح اس کا ہم خیال تھا۔ اس نے قرول باغ سے نکلنے کے بعد گاڑی ایک ایسے راستے پر ڈال دی جہاں ہمیں رک کر سامان اور سواریوں میں ردوبدل کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

اس وقت صبح کے پونے چار بجے کا عمل تھا۔ شہر کی ساری سڑکیں تقریباً ویران اور سونی پڑی ہوئی تھیں۔ آبادی سے باہر واقع سڑک پر کچھ دور نکلنے کے بعد عابد علی نے اپنی گاڑی روک کر انجن بند کیا اور پھر گاڑی کا بونٹ اوپر اٹھادیا۔ چند منٹ بعد دوسری گاڑی بھی ذرا دور آکر رکی تو عابد نے اشارہ دے کر اسے قریب بلالیا۔ گاڑی کا بونٹ دیکھ کر وہ تینوں یہ سمجھے کہ عابد کی گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی تھی۔

"گاڑی ٹھیک ہے اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ آج کے دونوں مشن مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئے

ں۔" عابد نے انہیں بتایا۔

"وہ دونوں بہت آسانی سے مار کھا گئے۔" غزالہ نے یرت سے کہا "مجھے تو ہر لمحہ پُر شور تصادم کا دھڑکا لگا ہوا ما۔"

"قسمت ہم دونوں کا ساتھ دے رہی تھی۔" عابد علی نے خوش دلی سے کہا "نریش نے مجھے چوہے دان میں پھانس ا تھا۔ مظہر کی حاضر دماغی کی وجہ سے میں عین وقت پر اس کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا ورنہ اس وقت تک ہاں پولیس کی بھاری نفری پہنچ چکی ہوتی۔"

"کیا اسے انل کے قتل کی خبر مل گئی تھی؟" عبداللہ نے ضطراری لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ دونوں خبریں ابھی تک دبی ہوئی ہیں۔ صبح ونے سے پہلے کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔" ان تینوں کو جواب دینے کی ذمے داری عابد نے نبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب کھڑا اطمینان سے گریٹ نوشی کا لطف لے رہا تھا۔

وہ تینوں اصل معاملات اور واقعات سے بالکل الگ ھلگ رہے تھے اس لیے ان کے ذہنوں میں بہت سے والات مچل رہے تھے۔ عابد نے انہیں مختصر الفاظ میں خلاصہ انے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ وہ دونوں ائرپورٹ کے بجائے پنے ٹھکانوں پر واپس جائیں گے اور وہ خود مجھے اور غزالہ کو ئرپورٹ چھوڑے گا۔ ان تبدیلیوں پر عمل کرنے کے لیے ستے میں رکنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ غزالہ مجھ سے لگ ہو کر پریشان تھی۔ وہ خبر سنتے ہی وہ سرخ گاڑی سے میرا یف کیس اور اپنا سفری تھیلا نکال لائی اور میں ان دونوں سے تشکر آمیز الوداعی ملاقات میں مصروف ہو گیا۔

اس پڑاؤ میں غزالہ کی منتقلی..... سب سے زیادہ اہم ھا۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد عابد کے دونوں ھی گاڑی گھما کر واپس روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد عابد نے ں بونٹ گرا دیا اور ہماری گاڑی ایک مرتبہ پھر حرکت میں ئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ اب پاکستان پہنچنے تک تم انل بسواس یا یش شرما کا نام نہیں لو گی۔" میں نے غزالہ پر واضح کیا "اس ڑی سے اترنے کے بعد ہم ان ناموں کو بھول جائیں ے۔"

"مرنے والوں کو بھولنا پڑتا ہے مگر میں حیران ہوں کہ یہ سیابیاں اتنی آسانی سے کیسے مل گئیں۔" غزالہ نے تعجب کا مار کیا۔

"کوئی آسانی نہیں تھی۔ افسانہ طرازی کے لیے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن تمہیں یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ ان دونوں سے تمہاری توہین کا بدلا لے لیا گیا ہے۔"

"یہ احسان جتانا ضروری نہیں ہے۔" عابد نے ہنستے ہوئے کہا "انل روزِ اول سے تمہارا ہدف تھا۔ ہاں، نریش کا نام تم نے پچھلی رات کو شامل کیا تھا۔"

"یوں ہی سہی۔ تجویز جس کسی کی رہی ہو، مرلی دھر کو بھیجنے والا نریش کمار ہی تھا۔"

ہم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ عابد علی بہت اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وقت ہونے کی وجہ سے وہ ایک لمبا راستہ طے کر کے ائرپورٹ جا رہا تھا۔ صبح کے ٹھیک پانچ بجے اس کی گاڑی ائرپورٹ پر پہنچ چکی تھی۔ اس دوران میں، میں بیم گن کو اپنے بریف کیس میں منتقل کر چکا تھا۔

غزالہ سے اس نے رسمی سلام دعا کی مگر مجھ سے وہ بہت تپاک سے بغل گیر ہوا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "وطن کی قدر یہاں رہ کر ہو رہی ہے۔ ہم وہاں کی ہوا کو ترس گئے ہیں۔ تمہاری ذات میں وطن کی خوشبو ملی تھی لیکن تم بھی ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اپنی دعاؤں میں ہم لوگوں کو کبھی نہ بھولنا۔"

"میں نے تمہیں اور تمہاری پُرخطر زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میں نے یہاں ایک ایک لمحہ اس یقین کے سہارے گزارا ہے کہ تم تینوں کی مخلص ٹیم میری طرف سے کسی وقت غافل نہیں رہی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"میری عمر ان ہی کاموں میں گزری ہے مگر میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دشمن پر سبقت حاصل کرنے کے لیے تیزی سے بروقت اور صحیح فیصلے کر کے تم نے ہمیشہ مجھے حیران کیا ہے۔" وہ گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

"انسان اپنے کام سے مخلص ہو اور اس کے دل میں کچھ نہ کچھ سیکھنے کی جوت روشن ہو تو وہ زندگی بھر ہر ایک سے سیکھتا رہتا ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے کہ لوگ ہر لمحے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔" میرے لیے پُرجوش جوابی رویے کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے ہمیں ائرپورٹ کے لاؤنج کے سامنے اتارنے کے بجائے اپنی گاڑی پارکنگ ایریا کے سرے پر روکی تھی جہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نفس نہیں تھا۔ ہم تینوں نے کچھ دیر تک وہیں کھڑے آپس میں باتیں کیں۔ اس نے غزالہ سے ان زحمتوں کے لیے معذرت چاہی جو اسے دہلی

میں قیام کے دوران کسی نہ کسی سبب سے جھیلنا پڑی تھیں۔ ان مسائل میں آئی بی والوں کا کوئی ہاتھ تھا' نہ ان کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں وہ واقعات رونما ہوئے تھے پھر بھی عابد اخلاقی طور پر نادم نظر آرہا تھا۔ وہ دوبارہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور پھر افسردہ انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں غزالہ کے ساتھ وہیں کھڑا' اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ ہم دونوں کے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا اور پرواز میں خاصا وقت بھی باقی تھا۔ ہم وہاں سے ٹہلتے ہوئے ملکی پروازوں کی روانگی والے لاؤنج کی طرف چل دیے۔

وہ محفوظ فضائی سفر کا زمانہ تھا مسافروں کے دستی سامان کو مشینوں سے گزار کر جانچا جاتا تھا لیکن چیک ان کاؤنٹر پر ائر لائن کے عملے کے حوالے کیے جانے والے اسباب کو جوں کا توں آگے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس عمل میں اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ پرواز سے کوئی ایسا مسافر غائب نہ ہونے پائے جس کا سامان جہاز پر بھیجا جاچکا ہو۔ اگر بورڈنگ کارڈ کے اجرا کے بعد کسی وجہ سے کوئی مسافر رہ جاتا تو پھر تفصیلی پڑتال کی نوبت آتی تھی اور جہاز سے ایسے گمشدہ مسافر کا سامان اتار لیا جاتا تھا۔

میں اس وقت بھارت کی ایک اندرون ملک پرواز سے سفر کرنے والا تھا۔ میرے بریف کیس میں کاغذات وغیرہ کے ساتھ بیم گن بھی موجود تھی اس لیے مجھے اپنے ذہن میں ان باتوں کو تازہ کرنے کی ضرورت تھی۔

بیم گن میرے لیے ایک بیش قیمت ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ اس سے میں کسی بھی قیمت پر رضاکارانہ طور پر دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بات عابد علی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بیم گن پہلی مرتبہ دیکھی تھی لیکن وہ لیزر گن اور اس کے استعمال کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ اس نے کسی مرحلے پر مجھے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہوائی سفر میں مجھے اس کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ شاید اس نے یہ سوچ کر اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی تھی کہ میں اس کے مشورے پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاؤں کہ وہ احتیاط کے بہانے مجھے بیم گن دہلی میں چھوڑنے کا مشورہ دے رہا ہے۔

ہم پاکستان سے بھارت کے لیے روانہ ہوئے تو بیم گن میرے قیمتی اثاثے میں شامل تھی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران مجھے کسی مرحلے پر فضائی سفر کی ناگزیر ضرورت پیش آئے گی۔ انل بسواس اور شرما کے دہرے قتل کے بعد وہ ناگزیر صورت حال رونما ہوچکی تھی اپنے تحفظ کے لیے جلد از جلد دہلی سے دور نکل جانے کے لیے فضائی سفر کرنا میری مجبوری بن چکا تھا۔

میں بیم گن والے بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کی کوشش کرتا تو مشینی جانچ پڑتال کے دوران بیم گن اسکرین پر نظر آجاتی اور میں مشکل میں پڑجاتا۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ بورڈنگ کاؤنٹر پر اپنا مقفل بریف کیس ائرلائن کے عملے کو سونپ دوں گا تاکہ وہ حفاظت سے امرتسر تک پہنچ سکے۔ اس وقت اس میں بیم گن کے ساتھ سی ایس ڈی جیسی اہم اور کارآمد چیز بھی موجود تھی۔

یہ بات ذرا عجیب سی ہوتی کہ کوئی مسافر اپنے بریف کیس کو بھی اپنے ساتھ جہاز کے کیبن میں نہ لے جانا چاہے لیکن بالکل انوکھی اور نرالی نہیں تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں کے فضائی سفر کے دوران میں نے ایسے خبطی لوگ بھی دیکھے تھے جو محض کوئی بھاری کتاب بھی اپنے سامان کے طور پر ہاتھ میں لے جانے سے گریز کرتے تھے۔ میری وہ تدبیر قدرے غیر معمولی مگر بالکل محفوظ تھی۔

لاؤنج میں ائرانڈیا کے تین کاؤنٹرز پر میری امرتسر کی پرواز کا نمبر روشن تھا لیکن کاؤنٹر بند تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ قریبی اسنیک بار کی طرف چل دیا۔

پچھلی رات میں نے غزالہ پر نظر رکھنے کے لیے ڈنر کے نام پر محض دہی بڑے کھانے پر اکتفا کیا تھا۔ دہی بڑے کب کے ہضم ہوچکے تھے۔ میرا خالی معدہ احتجاج کررہا تھا جب کہ پرواز کی روانگی میں کم از کم دو گھنٹے باقی تھے۔ اس وقت کا بہترین استعمال یہی تھا کہ کچھ پیٹ پوجا کرلی جائے۔

ائرپورٹ کی پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی لیکن وہاں مسافروں وغیرہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ماحول میں عجیب اور خواب ناک سی اداسی تیر رہی تھی رونق جہاں بھی ہو' انسانوں کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ جہاں انسانوں کے سوا سب کچھ ہو' وہ جگہ ویرانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ آدم بیزاروں کا میراق ہوتا ہے کہ وہ ایسی جگہوں کو پُرسکون اور رومان پرور قرار دے کر وہاں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔

ہم دونوں نے صاف ستھرے اسنیک بار میں کافی کے ساتھ اچھا خاصا ناشتا کرڈالا۔ دہلی سے اپنی روانگی کے اس آخری مرحلے پر مجھے یاد آیا کہ دہلی میں اپنے قیام کے دوران ہم کسی بھی دن حلوہ پوری کے روایتی مقامی ناشتے سے لطف

اندوز نہیں ہو سکے تھے۔ بھارت کے اس تاریخی شہر میں ہمارا سارا وقت بے یقینی کی سولی پر گزرا تھا۔ حالات ہر لمحے ایسی خطرناک کروٹیں لیتے رہے تھے کہ میرا ذہن ایسی کسی تفریح، تبدیلی یا عیاشی کی طرف نہیں بھٹک سکا تھا۔

نریش شرما اور انل بسواس روز اول سے میرے لیے مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کی خبر نما افواہ کے بعد بھارتی پولیس نے جس چھان بین کی ابتدا کی تھی، اس کے نتیجے میں را والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے پھر انہوں نے مجھے ایک دن کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں پاکستان سے را کے ایک ونگ کے سربراہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ لے کر دہلی میں وارد ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں دہلی میں مامور را کے ایجنٹوں کے تعاون سے اپنی مہم کا آغاز کرتا، را والے خود میری طرف متوجہ ہو گئے۔

ابتدا سے آخری لمحات تک میرے اور ان کے درمیان بلی اور چوہے کا کھیل ہوتا رہا۔ کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا کہ وہ منظم انداز میں مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور کبھی یہ خوش فہمی ہونے لگتی تھی کہ میں کامیابی سے انہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت اس رات تک قائم رہی تھی۔ ان دونوں کے کامیاب قتل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان کے بارے میں میرے شبہات بے بنیاد تھے مگر خوش فہمیاں بے بنیاد نہیں تھیں۔

ہم ناشتا کر کے اسنیک بار سے دوبارہ لاؤنج میں پہنچے تو اجڑے اجڑے کاؤنٹر آباد ہو چکے تھے مگر مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

میں نے ایک خالی کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنی طرف متوجہ پا کر اسی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کاؤنٹر پر ہماری پرواز کا نمبر موجود تھا۔

لڑکی نے دلکش مشینی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور دونوں ٹکٹ کھول کر بورڈ پر بورڈنگ کو آف ڈالنے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا بریف کیس سامان کا وزن کرنے والی مشین پر رکھ دیا۔ مسافروں کا سامان مشینی پٹے پر منتقل کرنے والے لوڈر نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اپنا بریف کیس یوں ہی مشین پر رکھ دیا تھا یا میں اسے جہاز کے کارگو ہولڈ میں بھجوانا چاہتا تھا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ بریف کیس بھیج دیا جائے۔

لوڈر نے بریف کیس کے ہینڈل کے ساتھ ٹیگ باندھا اور اس کا نچلا حصہ الگ کر کے لڑکی کے سامنے رکھ دیا جو میرا بورڈنگ کارڈ تیار کرنے میں مصروف تھی۔ ذرا سے انتظار کے بعد بریف کیس کے ٹیگ کے ساتھ دونوں بورڈنگ کارڈز مل گئے۔ میرا بریف کیس متحرک پٹے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔

بظاہر وہ ایک معمولی سا مرحلہ تھا مگر میں اس کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ ہمارے ساتھ کوئی سوٹ کیس وغیرہ ہوتا تو بیم گن اور سی ایس ڈی کو آسانی سے اس میں چھپایا جا سکتا تھا۔ محض بریف کیس کی وجہ سے ائرلائن کے عملے میں کسی کو شک ہو سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کاؤنٹر سے گزر جانے کے بعد میرے بریف کیس کو نہیں چھیڑا جائے گا اور وہ پوری حفاظت سے ہمارے ساتھ امرتسر پہنچ جائے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اس پرواز کے لیے بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت تک لاؤنج میں خاصے مسافر آ چکے تھے مگر وہ تعداد تسلی بخش نہیں تھی۔

میں اس مرحلے کے لیے دیر سے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی پہلی کھیپ کے ساتھ ائر انڈیا کے طیارے میں سوار ہو گیا۔ ٹرالی سے دو انگریزی اخبارات لیتے ہوئے ہم دونوں اپنی جڑی ہوئی نشستوں پر پہنچ گئے۔

پچھلے کئی دن سے مجھے دہلی کے اخباروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ طیارے میں آرام سے بیٹھ کر میں نے ورق گردانی کی تو اخبار کے اندرونی صفحات پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون موجود تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں بھارتی اخباری نمائندوں کی مہم جوئی عابد علی کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔ میں نے اس مضمون کا سرسری جائزہ لے کر اندازہ لگایا کہ مضمون کا لب و لہجہ بہت تلخ، تنقیدی اور جارحانہ تھا۔

بھارت میں اپنے مشن کے دوران میں میری بے یقینی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد ہر بات واضح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ میں آ رہی تھی اور میرے دل میں فخر و انبساط کے جذبات امڈ رہے تھے۔

میں دہلی میں اپنے مشن سے بہت کامیاب و کامران ہو کر لوٹ رہا تھا۔ میری آمد را والوں کے لیے بہت بھاری ثابت ہوئی تھی۔ ہر طرف ان کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ پہلے ان کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی سنگین واردات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ اپنے بہت سے ریکارڈ اور

ناگرجیسے کامیاب افسر سے محروم ہوگئے۔ وہ اس چوٹ سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ چانکیہ پوری کے سراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی لاش برآمد ہونے کی خبر آگئی۔
اس محاذ کے سرد ہونے سے پہلے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا سویا ہوا فتنہ بیدار ہوگیا اور را کا گھناؤنا کردار زبردست تنقید کی زد میں آگیا۔ ان لوگوں کے پوشیدہ زخم عام بھارتیوں اور اخباری دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔
وہ را کی بدبختیوں کی پرانی داستان تھی۔ اس کے دو نئے باب پچھلی رات کی تاریکی میں لکھے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ انل بسواس اور نریش شرما کے قتل کا انکشاف را کے ساتھ بھارتی حکومت کو بھی ہلا کر رکھ دے گا اور را کی کارکردگی بھارتیوں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن جائے گی۔
میری رسٹ واچ پونے سات بجا رہی تھی۔ جہاز تیزی سے بھرتا جارہا تھا۔ کیبن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی ملی جلی، ہیجان انگیز سرگوشیاں اور آوازیں گونج رہی تھیں مگر میرا ذہن قرول باغ کے دو مکانوں اور ان کے بدنصیب مکینوں میں الجھا ہوا تھا۔
ان دونوں گھروں کے ناہنجار سربراہ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ان گھروں میں بے ہوش ہونے والے نفوس میں سے چند کو ضرور ہوش آچکا ہوگا۔ گھنٹوں سے دبی ہوئی خبر ایک آتشین بگولے کی طرح پھیلتی جارہی ہوگی۔ جب تک را کے بڑے اس واردات کے بارے میں کچھ سمجھنے میں کامیاب ہوتے، ہمارا جہاز دہلی کی سرزمین کو چھوڑ کر فضا میں بہت اوپر جاچکا ہوتا۔
میں ایک ایک لمحہ گن کر گزار رہا تھا۔ خدا خدا کرکے جہاز کے دروازے بند ہوئے۔ بورڈنگ کے ریکارڈ کے مطابق ہر مسافر طیارے میں آچکا تھا اور جہاز میں لادے جانے والے اسباب کی دوبارہ زمینی جانچ پڑتال کا خطرہ ٹل چکا تھا۔
جہاز کے انجن چل پڑے۔ اپنے شیڈول کے مطابق طیارہ بروقت حرکت میں آیا اور کسی بڑے مشینی عفریت کی طرح ٹارمک پر مست خرامی کرتا ہوا اس رن وے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے دوڑ لگا کر اسے فضا میں بلند ہونا تھا۔ دہلی میں نئی صبح طلوع ہوچکی تھی۔ مشرقی افق سے کافی اوپر چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں جہاز کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے براہِ راست کیبن میں بیٹھے ہوئے مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ سب بہت روح پرور اور اطمینان بخش ثابت ہورہا تھا۔
تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد، رن وے کے سرے پر رکے ہوئے طیارے نے جھرجھری لے کر دوڑنا شروع کردیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز نے زمین چھوڑ دی اور فضا میں تیزی سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ دہلی کا مطلع صاف تھا لیکن کہیں کہیں ہلکے سرمئی بادلوں کے پرے تیرتے پھر رہے تھے۔ چند ثانیوں بعد طیارہ ان بادلوں کو چیرتا ہوا اوپر نکل گیا۔
دہلی کا قیام میرے لیے زندگی کا ایک بھیانک اور روح فرسا تجربہ تھا۔ زمین سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں ان حالات سے بخیر و خوبی نکل آنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔
جہاز میں کچن کی سرگرمیوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ دہلی سے امرتسر کی پرواز زیادہ طویل نہیں تھی اس لیے جہاز کے مقررہ بلندی پر پہنچتے ہی فضائی میزبانوں نے اپنا کام شروع کردیا۔ سینڈوچ، پیسٹریز اور چائے یا کافی پر مشتمل ہلکا پھلکا ناشتا فراہم کیا جارہا تھا۔
وہ مختصر سا دور تھا جو جلد ہی ختم ہوگیا۔ برتن وغیرہ تیزی سے سمیٹے گئے۔ کچھ دیر بعد لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔
دہلی کی ہلچل میں ڈوبی ہوئی سنسنی خیز فضاؤں سے دور، وہ شہر میرے لیے امان کا باعث تھا۔ گزرے ہوئے تلخ دنوں کی صرف یادیں باقی رہ گئی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ امرتسر میں بنگو معقول آمدنی کے لالچ میں مجھ سے پورا تعاون کرے گا اور ہم جلد ہی سرحدی لکیر عبور کرکے پاکستان میں داخل ہوجائیں گے۔
امرتسر کا ایرپورٹ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دہلی سے روانگی کے بعد وہاں اترتے ہی یہ احساس ہوا تھا جیسے ہم شہر سے کسی گاؤں میں آگئے ہوں۔ طیارے سے اترنے کے بعد مجھے اپنے بریف کیس کے انتظار میں عمارت کے اس حصے میں رکنا پڑا جہاں سامان کی آمد متوقع تھی۔
سامان کی پہلی کھیپ میں میرا بریف کیس شامل نہیں تھا۔ مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ذہن میں عجیب سے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔
”ہمیں آرام سے بیٹھ جانا چاہیے۔“ غزالہ نے مشورہ دیا ”ہم جہاز کے ابتدائی مسافروں میں شامل تھے اس لیے آپ کا بریف کیس سب سے آخر میں آئے گا۔“
وہ سیدھی سی بات کئی بار میرے تجربے میں آچکی تھی مگر ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں اس نکتے پر غور نہیں کرسکا تھا۔

مسافروں کا سامان جس ترتیب سے جہازوں میں لادا جاتا ہے' عام طور پر سفر کے اختتام پر اس سے الٹی ترتیب میں اترتا ہے۔ میں سگریٹ سلگا کر غزالہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف ہولیا۔

تاخیر کا سبب سمجھ میں آجانے کے بعد میری پریشانی میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔ میری نگاہیں طیارے سے آنے والے سامان پر جمی ہوئی تھیں۔ خدا خدا کرکے میرا بریف کیس نظر آیا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اسے حاصل کرلیا۔ بریف کیس صحیح حالت میں تھا اور اس کا قفل بدستور لگا ہوا تھا۔

ائیرپورٹ سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو گرانڈ ہوٹل کا پتا بتادیا۔ وہ ہوٹل میرا دیکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سکون سے وہاں اپنا وقت گزار لیں گے۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک نوجوان سردار تھا جس کی زبان ٹیکسی سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ وہ راستے بھر مسلسل بولتا اور امرتسر کے بارے میں اپنی معلومات کے گن گاتا رہا۔ ہمیں اس نے ہوں ہاں کرنے سے زیادہ بولنے کی مہلت نہیں دی۔

گرانڈ ہوٹل پہنچنے پر ہمیں بولنے کی اس مشین سے نجات ملی اور ہم ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے میں دو فیصلے کر چکا تھا۔ سب سے ضروری یہ تھا کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمرے لینے تھے تاکہ دہلی جیسے کسی تلخ تجربے کا اعادہ ہونے کی نوبت نہ آئے دوسری ضروری بات یہ تھی کہ ہوٹل کے عملے کو اپنے اصل عزائم سے بے خبر رکھنے کے لیے دو تین دن قیام کرنے ارادہ ظاہر کیا جائے۔

دہلی سے نکل آنے کے بعد میں جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن امرتسر سے آگے کا سفر میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اپنے خلاف را والوں کا نیٹ ورک متحرک ہونے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنے پاسپورٹ کے ذریعے پاکستان لوٹنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری روانگی کا تمام تر دارومدار میری اور بنگو کی پہلی ملاقات کے نتائج پر تھا۔

کاؤنٹر کلرک نے بہت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہوٹل میں کئی کمرے خالی تھے۔ اس کے مشورے پر ہم نے دوسری منزل کے ایک دوسرے سے ملحق دو کمروں کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

ہم دونوں نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کیا تھا تاکہ ہماری دہلی سے روانگی کی فوری تصدیق نہ ہوسکے لیکن ہوٹل کے ریکارڈ میں اندراج کے لیے جو کوائف درکار تھے' وہ ہم فرضی ناموں کے ساتھ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے اطمینان سے دونوں پاسپورٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔

میرے دل میں یہ چور تھا کہ ہم کسی قابلِ ذکر سامان کے بغیر سفر کر رہے تھے۔ اس پر کسی کو بھی شک ہوسکتا تھا۔ ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کے دوران میں نے باتوں میں کاؤنٹر والے کو یہ جتادیا کہ ہم پاکستان واپسی سے پہلے اپنی ساری خریداری امرتسر سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آگرہ سے دہلی روانگی کے دوران ہمارے سامان سے بھرا ہوا سوٹ کیس بس کے کارگو ہولڈ سے کہیں غائب ہوگیا تھا۔

کاؤنٹر والے سردار جی نے ہماری ہمدردی میں بھارتی چوروں کو خاصا بُرا بھلا کہا۔ جوشِ خطابت اور روانی میں وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر دو تین گالیاں بھی دے گئے۔ وہ ان کی طرف سے ہمدردی کے اظہار کا فطری اور روایتی طریقہ تھا جس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہ ہونے کے باوجود ہوٹل کا پورٹر ہمیں کمرے دکھانے کے لیے دوسری منزل تک گیا۔ غزالہ نے اسے دس روپے دے کر خوش کردیا۔

ہم دونوں پچھلی رات آٹھ بجے سے دربدر تھے۔ دہلی کا ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہمیں کہیں رکنے یا آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ نہا دھوکر تازہ دم ہوسکے۔ میں نے اپنی جیب سے عابد کا دیا ہوا رقعہ نکالا اور کمرے میں موجود انسٹرومنٹ پر براہِ راست فون لائن لے کر بنگو کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

پہلی کوشش میں ہی نمبر مل گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے' جواب کے انتظار میں گھنٹیاں گنتا رہا۔ تیسری گھنٹی کے بعد میرے کانوں میں ایک تھکی ہوئی اور بیزار سی مردانہ آواز آئی۔ "ارے' صبح صبح کون ہے؟ کیا کام ہے؟"

"بنگو کو بلادیں۔ اس سے ضروری کام ہے۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بنگو سالا دو دن سے غائب ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔ شاید اسے پولیس والوں نے پکڑلیا ہے۔" دوسری طرف سے اسی لہجے میں جواب آیا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اگر بنگو کسی چکر میں پکڑا گیا تھا تو امرتسر ہمارے لیے مخدوش ہوچکا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہم آسمان سے گر کر اچانک کھجور میں اٹک گئے ہوں۔

(جاری ہے)

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ٹمی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آمزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتادھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار ننگرپارکر کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں بری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ بھنک مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتادھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس پی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملواسکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظفر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تندخو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگاکر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے بآسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے درپے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کردیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہوچکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگادیے گئے۔ رینا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہوگیا۔ نریش بری طرح جھنجلایا ہوا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر ایک غنڈے کے ذریعے غزالہ کی بے حرمتی کی کوشش کی مگر غزالہ نے اپنی مشاقی و مہارت سے اس غنڈے کو زمین چاٹنے پر مجبور کردیا۔ نریش کے اس اقدام نے میری اس سے نفرت میں اضافہ کردیا۔ اسی وقت انل بسواس نے مجھے فون کرکے میری آزادی کا مژدہ سنایا اور میں نے آخری شکار کھیلنے کی تیاریاں مکمل کرلیں۔ اب میں صرف انل بسواس کو نہیں بلکہ نریش شرما کو بھی نرک بھجوانے کا خواہش مند تھا۔ ہمارے ستارے یاور تھے اور دہلی میں ہمارے قیام کی آخری رات کو دونوں کا قصہ پاک کرادیا گیا۔ ہم دہلی سے امرتسر پہنچے اور میں نے بنگو سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گزشتہ دو دنوں سے غائب تھا اور شبہ تھا کہ اسے پولیس نے پکڑلیا ہوگا۔ میرے قدموں تلے زمین نکلنے لگی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

دوسری طرف سے پولیس کے ہاتھوں بنگو کی گرفتاری کا امکان ظاہر ہوتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ چند ثانیوں کے لیے میرے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت معدوم ہوگئی۔ ذہن کی گہرائیوں میں بس ایک ہی خیال جم کر رہ گیا تھا

کہ دہلی سے کسی نہ کسی طرح نکل آنے کے باوجود ہم دونوں امرتسر میں پھنس گئے تھے۔

میرے مخاطب نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں بھی سکتے کے عالم میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ میری خاموشی سے اکتا کر وہ بیزار صفت شخص فون بند کرسکتا تھا۔ میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھالا لے کر فوراً ہی بولنا شروع کردیا۔ ”بنگو کے بارے میں تم کو کچھ تو معلوم ہوگا؟“

میں روانی میں وہ سوال کر بیٹھا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں مل سکے گا۔ کھیلے کے کام کرنے والے ہر قیمت پر رازداری برقرار رکھتے ہیں اور غیر ضروری طور پر کسی کو اعتماد میں نہیں لیتے۔ دہلی میں انٹیلی جنس بیورو کے تینوں ایجنٹ سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے‘ اس کا فون استعمال کرتے تھے اور دہلی پہنچنے کے بعد میں نے اپنا پہلا پیغام اسی کے ذریعے عابد علی تک پہنچایا تھا مگر پھر بھی سرلا آئی بی والوں کی اصلیت اور ان کے اصل کام سے بے خبر تھی۔ شاید بنگو بھی اس شخص کو درمیانی رابطے کے لیے استعمال کررہا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بنگو کی ساری مصروفیات سے باخبر رہا ہو۔

”وہ سالا پکّا چار سو بیس ہے۔ اپنے باپ کو بھی کچھ بتانے والا نہیں ہے....“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ میں نے جلدی سے اس کی بات درمیان سے اچکتے ہوئے وضاحت کی ”وہ تمہارے علاقے کا آدمی ہے۔ اسے پولیس نے پکڑا ہے تو وہ آس پاس کے کسی تھانے میں ہوگا۔ کیا تم پتا نہیں چلا سکتے کہ وہ کہاں بند ہے۔“

”وہ مجھے سسکا سسکا کر مہینے میں پانچ سو روپلّی دیتا ہے۔ اتنے پیسوں میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔“ اس کے لہجے میں بیزاری بدستور موجود تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ بنگو کے بارے میں اضطراب محسوس کرکے وہ پیسوں کے لالچ میں مبتلا ہوگیا تھا۔

”تم فکر نہ کرو۔ اس کا پتا چلا سکو تو میں تمہیں معقول انعام دوں گا۔“ میں نے اسے دانہ ڈالا۔

”نہیں!“ اس کی آواز میں بیزاری کے بجائے خوف عود کر آیا ”بنگو بہت ظالم اور دست دراز آدمی ہے۔ وہ اپنے گاہکوں سے کسی کا لین دین پسند نہیں کرتا۔“

”اسے ہوا بھی نہیں لگے گی کہ میں نے تم کو کچھ دیا ہے۔“

”یہ نہیں ہوسکتا‘ میں تم کو پہچانتا ہوں نہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ بنگو ہم دونوں کی پہچان کا آدمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بات نہیں بنے گی۔“

”تم اپنا پتا بتا دو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں آجاتا ہوں۔“

”کیا پتا کہ اس وقت تک وہ بھی آجائے۔ اس نے تم کو میرے پاس دیکھ لیا تو میری کھال گرا دے گا۔“ وہ بنگو سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔

”وہ کہاں سے آجائے گا؟ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اسے پولیس نے پکڑلیا ہے۔“ میں نے تنک کر کہا۔

”یہ میرا خیال تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور چکر میں لگا ہوا ہو۔ تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں بتادوں گا۔“

”اور وہ آج بھی نہ آیا تو کیا ہوگا؟“ میں نے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”رام جانے.... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

”رگھوبیر.... گرانڈ ہوٹل۔ اس کو یہ دو باتیں بتادینا۔ میں بے چینی سے اس کا انتظار کررہا ہوں۔“

”تم فکر نہ کرو۔ میں اپنا کام پورا کرتا ہوں۔ اس کے آتے ہی تمہارا پیغام اسے مل جائے گا۔“

میں نے فون بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

ہم نے دہلی میں اپنا کام بہت مہارت اور صفائی سے انجام دیا تھا۔ ہماری کامیابی میں دہلی کے سماجی اور معاشرتی حالات کا گہرا دخل رہا تھا۔ دہلی کے شہری ماحول میں بہت سی تبدیلیاں آجانے کے باوجود‘ شہر کی پرانی آبادیوں میں تحفظ کا گہرا احساس جاگزیں تھا۔ ایسی آبادیوں میں رہنے والے امرا اور بڑے افسران بھی اپنے گھروں کے دروازوں پر مسلح نگہبانوں کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے غزالہ کے ساتھ ایک روز پہلے اس آبادی کا چکر لگا کر یہ اندازہ لگالیا تھا۔ انل بسواس کے گھر پر ایک دو مسلح محافظ ہوتے تو شاید ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ ان سے تصادم کی صورت میں ہماری ناکامی کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا تھا۔

نریش شرما‘ انل بسواس سے بہت نچلے درجے کا آدمی تھا اس لیے اس کا گھر زیادہ بڑا تھا نہ وہاں کسی چوکیدار وغیرہ کی تعیناتی کی کوئی گنجائش یا ضرورت تھی۔ ہم نے ان دونوں گھروں میں پوری بے فکری سے اپنا کام کیا تھا۔ اپنا شکار کھیلتے ہوئے میں نے پوری احتیاط رکھی تھی کہ دونوں مقتولین کے اہل خانہ میں سے کسی کو زبردستی یا زیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ میں نے عابد کے ساتھ مل کر صرف اتنا اہتمام کیا تھا کہ انہیں بے ہوش کردیا تھا۔ انل بسواس کے گھر میں وہ

کارروائی بھی پوری طرح نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے ملازم گھر سے الگ تھلگ بنے ہوئے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔

ان سب کی بے ہوشی صبح کے اجالے کے ساتھ ختم ہوجانی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ سب سے پہلے انل بسواس کے ملازم نیند سے بیدار ہوئے ہوں گے اور گھر میں آنے پر ان کو علم ہوا ہوگا کہ ان کا آقا ان کا ساتھ چھوڑ کر نرک کی دہکتی ہوئی آگ اور سسکارتی ہوئی دلدلوں میں اتر چکا ہے۔

ان دونوں کی موت کی خبر جب تک شہر میں پھیلتی، ہماری پرواز دہلی سے دور نکل گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دہرے قتل کی وہ وارداتیں را کے ساتھ دہلی کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیں گی اور تمام تر وسائل دستیاب ہونے کے باوجود وہ فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ انل اور نریش کی بدقسمتی کے کیا محرکات تھے۔

ان لوگوں کی وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم رہنے والی نہیں تھی۔ جوں ہی بعض نکات واضح ہوتے، وہ اپنی ساری توجہ میری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

دہلی میں چند روز کے دوران میں بہت سے ہولناک واقعات رونما ہوئے تھے جن میں کچھ یکسانیت تھی۔ وجوہ کچھ بھی رہی ہوں مگر یہ بات یقینی تھی کہ را والے اپنی ساری مغز زنی کے باوجود اسی یکسانیت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں انسپکٹر ڈیوڈ کی موت زہریلے نگینے والی انگوٹھی کے استعمال کے نتیجے میں ہوئی تھی پھر ناگر کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں نے اسی قسم کی دوسری انگوٹھی استعمال کی۔ یہ اور بات تھی کہ ناگر کی مجروح لاش آخر کار بھیانک شعلوں میں جھلس گئی اور شاید اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین نہیں کرسکی۔ اسی رات غزالہ نے سی آئی اے کے زونل چیف پر تیسری انگوٹھی آزمائی۔ سمراٹ ہوٹل کے بند کمرے میں پائی جانے والی جان اسمتھ کی لاش کے بارے میں صحیح کہانی اخبارات میں آچکی تھی کہ وہ جلد کے ذریعے بدن میں اترنے والے زہر کے اثرات سے مرا تھا۔

را والوں کے لیے یہ بات سنسنی خیز اور خاصی بھیانک ہوتی کہ انل بسواس کو بالکل اسی طریقے سے مارا گیا تھا جس سے جان اسمتھ اور ڈیوڈ کو ہلاک کیا گیا تھا۔ محض وہ ایک نکتہ ان تمام واقعات کی کڑیوں کو یکجا کرنے کے لیے کافی تھا۔ بس ایک نریش ایسا تھا جو بیم گن کا نشانہ بنا تھا ورنہ ان دونوں گھروں میں بے ہوش کیے جانے والوں پر بھی ہولناک انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں چھپے ہوئے غیر مہلک زہر استعمال کیے گئے تھے۔

بیم گن کے بارے میں یہ بات تمام عالمی ایجنسیوں کے علم میں آچکی تھی کہ شی کے بڑوں کا وہ ہتھیار میرے اور ویرا کے قبضے میں تھا۔ محض بیم گن کے استعمال کی بنا پر را اور سی آئی اے والے کئی بار میری اور ویرا کی جارحانہ کوششوں کے بارے میں صحیح اندازے لگا چکے تھے۔

اس بار نریش کی لاش دہلی میں ڈینی کی موجودگی کا کھلا اعلان ثابت ہوتی اور میری تلاش میں ہر طرف ہلچل مچ جاتی۔ ان کے لیے یہ انکشاف حیرت ناک ہوتا کہ بھارت کی سرزمین پر میں صرف بیم گن سے نہیں بلکہ ہلاک کردینے اور طویل بے ہوشی طاری کردینے والے زہروں سے بھی لیس تھا۔

اس وقت ان لوگوں کے سامنے کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔ میں ان کی نظروں میں بھی زیادہ مشتبہ نہیں رہا تھا لیکن اپنے دو اہم افسروں کو خاموشی سے گنوا دینے کے بعد را کے ذمے دار یہ سوچ سکتے تھے کہ ان کا وہ مقام اور وہ شخصیات بدترین انجام سے دوچار ہوئیں جن سے مظہر خان نامی پاکستانی کا رابطہ تھا۔

مجھے رینا اجیت رائے اور ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ میں بلایا گیا اور قلیل سی مدت میں اس عمارت کا اہم ترین حصہ پر اسرار آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ اس آگ میں را والوں نے اہم ریکارڈ کے ساتھ ناگر جیسا کامیاب ایجنٹ بھی کھو دیا۔ انل اور نریش، مظہر خان کے معاملے پیش پیش تھے اور وہ دونوں بھی مار دیے گئے۔

ان واضح امکانات پر توجہ مبذول ہوتے ہی را والے مظہر خان کی تلاش میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف دوڑ پڑتے جہاں سے میں پچھلی شام نکل چکا تھا۔ ہمارا وہ خاموش ترین فرار ہمارے دشمنوں کے شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا۔ ڈینی اور مظہر خان کے دہرے ناموں کا راز فاش ہوجاتا اور ہر طرف ڈینی کی تلاش کا ایک کہرام برپا ہوجاتا۔

میری منصوبہ بندی میں رازداری کو ابتدا سے اولین اہمیت حاصل رہی تھی۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں وہاں سے نکل کر کس طرف گیا تھا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں بار بار اس بات کا اظہار کرتا رہا تھا کہ غزالہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ بات نریش کے ذریعے اس کے دفتری ساتھیوں کے علم میں بھی آچکی تھی تو مجھے ہوٹل اور دہلی سے غائب پاکر وہ براہِ راست آگرہ کا رخ کرتے۔

عابد علی نے ہم دونوں کے لیے دہلی سے امرتسر کے فضائی سفر کے لیے ٹکٹ بنوانے میں انتہائی ہوش مندی سے کام لیا تھا۔ وہ ٹکٹ مظہر خان اور غزالہ کے بجائے دو مقامی اور فرضی ناموں پر بنوائے گئے تھے۔ دہلی سے روانہ ہونے والی پروازوں کے ریکارڈ سے کوئی سراغ نہ ملنے کے باوجود را کے ہیجان زدہ افسران سرحد پر بھی اپنی توجہ مرکوز کر دیتے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ساری کارروائیاں بہت تیزی سے عمل میں آنا تھیں۔

ہمارے لہو کے پیاسے ہمارے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہم ان کے ہوش میں آنے سے پہلے کھلے بندوں فضائی سفر کر کے دہلی سے سیکڑوں میل دور آ چکے تھے۔

دشمن کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی صف بندی کرنے کی کچھ نہ کچھ مہلت مل چکی تھی۔ اس امر کے سارے واضح امکانات موجود تھے کہ ڈینی اور کسی بھیانک قاتل کی تلاش میں کوئی سرا ہاتھ میں نہ ہونے کے باوجود انہوں نے مظہر خان کا نام سرِ فہرست رکھ لیا ہو۔ را تیسرے درجے کی کوئی گئی گزری تنظیم نہیں تھی۔ وہ لوگ پیشہ ور اور اپنے کاموں میں ماہر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے مقابلے میں ان کے ستاروں نے ان کی یاوری نہیں کی تھی اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہی، چند روز کی قلیل سی مدت میں وہ میرے ہاتھوں مار پر مار کھاتے چلے گئے تھے۔ یہ بات ان میں سے کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ مظہر خان جیسا دل پھینک اور ڈرپوک پاکستانی ایک خونخوار بھیڑیا بن کر ان کے اہم آدمیوں کو جہنم واصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وہ جب تک غافل تھے، میری زنجیر لمبی تھی لیکن ایک بار میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کے بعد وہ بہت تیزی کے ساتھ، میرے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان کا پہلا قدم یہ ہوتا کہ وہ بھارت کی سرحدوں سے نکلنے والے ہر زمینی اور فضائی راستے پر مامور عملے کو مظہر خان اور غزالہ کے کوائف سے آگاہ کر دیتے تاکہ ہم ان کی آنکھوں میں مزید دھول جھونک کر بھارت سے فرار نہ ہو سکیں۔

وہ نتائج اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی بصیرت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دو اور دو چار جیسی سیدھی باتیں تھیں جو سامنے نظر آ رہی تھیں۔ ایسے وقت میں جب را اور بھارت کی دوسری تمام ایجنسیوں کی نگاہیں سرحدوں کی کڑی نگرانی پر مرکوز ہو چکی ہوں، ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے قانونی طریقے سے سرحد پار کرنے کا خطرہ مول نہیں

حیرانی

مفتوحہ علاقے کی ایک لڑکی اپنی سہیلی کو بتا رہی تھی "کل دشمن کا ایک فوجی میرے گھر میں گھسا.... اس نے تلوار ڈھال اور زرہ بکتر اتار کر خاموشی سے ایک طرف رکھی.... میری عزت لوٹی... پھر اسی طرح ایک لفظ کہے بغیر رخصت ہو گیا۔ خدا ہی بہتر جانے وہ چاہتا کیا تھا؟"

لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ سراسر موت اور تباہی کا راستہ ہوتا۔

میرے ذہن میں وہ خدشات پہلے سے موجود تھے جو ہمارے امرتسر پہنچنے کے بعد مستحکم ہو چکے تھے۔ اسی بنا پر میں نے بھارت کی سرزمین سے نکل کر پاکستان پہنچنے کے مشن میں بنگو سے مدد لینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بنگو دو روز سے اپنے ٹھکانے سے غائب تھا۔

اس نئی صورتِ حال نے مجھے ذہنی طور پر بُری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ ہم امرتسر کے گرانڈ ہوٹل میں تن بہ تقدیر ہو کر پڑے رہیں اور بنگو کی واپسی کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

میں اسی گہری فکر میں غلطاں تھا کہ غزالہ تازہ دم ہونے کے بعد اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

وہ نئی افتاد سے بے خبر تھی اس لیے اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی جھلک رہی تھی۔ اس نے میرے کمرے میں آتے ہی کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنے سب کام پورے کر لیے لیکن اب مجھے یہاں رکنے کے تصور سے وحشت ہو رہی ہے۔ اگر بنگو راضی ہو جاتا ہے تو ہمیں اسی وقت اگلے سفر پر نکل جانا چاہیے۔"

میں نے اداس اور ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور جواب میں سہلاتے ہوئے بولا "بنگو غائب ہے۔ میں نے تمہارے جاتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دو دنوں سے کہیں نکلا ہوا ہے۔ اس کے آدمی کو خدشہ ہے کہ کہیں اسے پولیس نے نہ دھر لیا ہو۔"

میری زبان سے وہ بری خبر سنتے ہی غزالہ کا چہرہ دھواں ہو گیا "یہ کیا بری خبر سنا رہے ہیں آپ!" اس کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"ضروری نہیں کہ خوش نصیبی ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیتی رہے۔ سب کچھ جتنی آسانی سے ہوتا چلا آ رہا تھا اس سے

میری چھٹی حس جاگ اٹھی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ پچھلی رات سے چکرا رہا تھا۔"

"مگر یہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہمارے لیے اب تک سرحدیں بند ہوچکی ہوں گی اور جگہ جگہ چوہے دان لگادیے گئے ہوں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر چوری چھپے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ یہ کام جلد از جلد ہونا ضروری ہے ورنہ امرتسر ہمارے لیے مقبرہ بن جائے گا۔" وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

"پاکستان اور بھارت کی سرحد کے دونوں طرف کڑا پہرا رہتا ہے۔ بنگو جیسے کسی جانے پہچانے شخص کی رہنمائی کے بغیر ہم ادھر کا رخ بھی نہیں کرسکتے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں کوئی متبادل راہ سوجھ رہی ہے تو وہ بتادو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا بھی دماغ کام نہیں کررہا لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہوٹل ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ سرحدیں بند کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے۔ ہمارے بارے میں سرحدی حکام کو بریف کرنے کے ساتھ ہی شہروں میں چھاپے مارنے شروع کردیں گے۔ ہم یہاں ہر لمحہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔"

غزالہ نے درست بات کہی تھی۔ اس نے صحیح خطرے کی نشان دہی نہیں کی مگر صحیح سمت کی نشان دہی ضرور کی تھی۔ ہم نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کرکے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا مگر گرانڈ ہوٹل میں کمروں کے حصول کے لیے جو کوائف درکار تھے' ان کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ میں نے فرضی ناموں کی الجھن میں پڑے بغیر دونوں پاسپورٹوں کی مدد سے کمرے بک کرالیے تھے۔

غزالہ کی زبان سے آخری فقرہ ادا ہوتے ہی مجھے اپنی گردن سولی کے حلقے میں جاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ نچلی سطح سے اوپر تک کا اصول ہے کہ تفتیش کے دوران کسی مجرم کا سراغ نہ مل رہا ہو تو ہر کمزور اور مشتبہ شخص کو گھیرے میں لے کر پکڑلو۔ اسی اصول کے تحت میرے خلاف را کی کارروائی کا آغاز ہوچکا تھا۔ ان کے لیے میں سب سے بڑا مشتبہ ملزم ہوسکتا تھا جسے پکڑنے کے لیے سارے وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔

مجھے یقین ہورہا تھا کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صرف سرحدی اہلکاروں کو ہدایات دینے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا۔ وہ ہمارے خلاف اخباروں میں خبریں اور اشتہار چھپوا سکتے تھے۔ ان خبروں اور اشتہاروں کی اشاعت میں تاخیر ہونے کا امکان تھا اس لیے غالب خطرہ یہ تھا کہ ہمارے بارے میں بھارتی شہریوں کا نیٹ ورک استعمال کرنے کے لیے وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اعلان کرادیں گے۔

وہ دونوں بہت موثر اور طاقت ور ذرائع تھے۔ ذرا سی دیر میں پورے بھارت میں ہمارے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا جاسکتا تھا۔ ریڈیو اور ٹی وی کی رسائی ہر گھر' دفتر اور ہوٹل تک تھی۔ وہ اعلان سننے کے بعد گرانڈ ہوٹل کا بکنگ کلرک خاموشی سے پولیس کو مطلع کردیتا کہ مطلوبہ مجرم اس کے ہوٹل میں مقیم تھے۔

اس مخبری کے بعد ہمارا انجام کیا ہوتا۔ اس کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

"بنگو کا انتظار کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طور پر کوئی کام کا آدمی تلاش کرنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ وہ میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھی کی نئی لہر سے بالکل بے خبر تھی۔

وہ ہمارے پورے حالات پر غور کیے بغیر مشورہ دے رہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ دنیا کے بیشتر سرحدی شہروں میں ایسے پیشہ ور اسمگلر موجود ہوتے ہیں جو بھاری معاوضہ لے کر انسانوں اور سازو سامان کو خفیہ راستوں سے سرحد پار پہنچادیتے ہیں۔ عام آدمی تو انہیں تلاش کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا مگر ہم پہلے ہی مخدوش حالات میں گھرے ہوئے تھے۔ امرتسر جیسے اجنبی شہر میں اپنی بے خبری کی بنا پر کسی غلط آدمی سے ٹکرا جاتے تو آن واحد میں ہمارا کام تمام ہوسکتا تھا۔

بنگو کی پراسرار گمشدگی نے ہمیں اچانک ایک بند گلی میں دھکیل دیا تھا جہاں سے نکاس کی کوئی راہ نہیں تھی۔

میں نے خاموشی سے غزالہ کی بات سنی اور اپنی جگہ چھوڑ دی "کمرے سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے بھاگ نکلنے کی تیاری کرو۔"

میری سرگوشیانہ آواز سن کر وہ سراسیمہ ہوگئی "کیوں....؟ بیٹھے بیٹھے آپ کو اچانک کیا ہوگیا؟"

"ہوٹل میں ہم نے اپنے پاسپورٹ دکھا کر کمرے لیے ہیں۔ کسی بھی وقت دوردرشن سے اعلان ہوگا کہ مظہر خان اور غزالہ نامی ایک پاکستانی جوڑا دہلی میں اہم افسروں کو قتل کرکے بھاگا ہے۔ بھارتی شہری ان کی طرف سے ہوشیار رہیں اور جہاں بھی انہیں دیکھیں' پولیس کو مطلع کردیں۔ صحیح خبر دینے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ ذرا تصور کرو کہ ہم

یہاں بے خبر بیٹھے ہیں۔ یہ اعلان نشر ہوا تو ہم کہاں ہوں گے؟" میں نے نیچی آواز میں اسے بتایا۔

غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "ہمیں یہ بات پہلے سوچ لینی چاہیے تھی۔ ہم سے بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے۔"

"شدید دباؤ میں بہت سی اہم باتیں توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔" میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر سہلاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ بنگوا چانک غائب ہو جائے گا۔ میں اسے ایک فضول اور کاہل شخص سمجھ رہا تھا جو صرف آئی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ میرے ذہن میں اس خطرے نے کبھی سر نہیں ابھارا تھا کہ انل اور نریش کی موت کا راز کھلتے ہی راوالے میرے اور تمہارے فرضی ناموں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیں گے۔"

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ وہ اتنی سرعت سے ہمیں اتنی زیادہ اہمیت دیں گے۔ جن دونوں سے آپ کا براہِ راست رابطہ تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دوسروں کے لیے فیصلے کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے ناموں کی باری ضرور آئے گی مگر میرا خیال ہے کہ اس میں وقت لگے گا۔"

"پھر ہمیں گھبرا کر ہوٹل سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اگر بنگو لوٹ آیا تو ہمارے لیے پریشان ہوتا پھرے گا۔ میں نے اس کے آدمی کو یہیں کا پتا دیا ہے۔"

"نہیں!" وہ بوکھلا کر بولی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آپ کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا ہے تو اب ہم یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ فیصلے کی ذرا سی لغزش ہماری موت کا سبب بن جائے گی۔"

وہ میری زندگی کا بہت سنگین اور نازک موڑ تھا۔ میں نے ہمیشہ خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور کبھی حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالی تھی لیکن اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری خود اعتمادی ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور میں یکایک بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

غزالہ نے بڑے فیصلے میں وقت لگنے کی امید دلائی تو میں ہوٹل سے فرار کا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کوئی خطرہ مول نہ لینے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے دوبارہ تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اندر کی ٹوٹ پھوٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں امکانات کا موازنہ کرنا شروع کر دیا۔

میری کمان سے ایک تیر نکل چکا تھا جسے واپس لانا

میرے بس سے باہر تھا۔ گرانڈ ہوٹل کے رجسٹر پر یہ حقیقت ریکارڈ ہو چکی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ اس ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں۔ اس رجسٹر کے نذر آتش ہونے کے بعد بھی یہ بات ہوٹل کے کلرک کے دماغ میں جمی رہتی کہ پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والا ایک مسلمان جوڑا اس کے ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ شاید اسے نام بھی یاد رہ جاتے کیونکہ اس سے میری کچھ ذاتی گفتگو بھی ہوئی تھی جو آگرہ سے دہلی تک بس کے سفر کے دوران ہمارے اسباب کی فرضی گمشدگی سے متعلق تھی۔

ہم ہوٹل میں رکے رہتے تو ایک بھیانک خطرہ ہر لمحے میرے اعصاب پر سوار رہتا۔ ہماری لاعلمی میں ٹی وی وغیرہ پر ہمارے خلاف کوئی اعلان نشر ہوتا اور مقامی پولیس ہوٹل کے عملے سے اطلاع ملتے ہی وہاں دھاوا بول کر ہمیں رنگے ہاتھوں دھرلیتی کیونکہ بیم گن اور سی ایس ڈی جیسی دو نایاب چیزیں میری تحویل میں تھیں جن سے میں دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ ان کی موجودگی کے بارے میں بھارتی پولیس کو کوئی قابلِ قبول کہانی سنا سکتا تھا۔

ہم پاکستانی تھے۔ بھارتی پولیس کے مغلوب کیے ہوئے مجرموں کی حیثیت میں ہمارے ساتھ جو بھی بدسلوکی ہوتی وہ ناقابلِ برداشت ہوتی۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ میرے مقابلے میں غزالہ کی جو تذلیل ہوتی اسے سہنا میرے یا اس کے لیے ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ شاید وہ اس سے پہلے خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔

دوسری راہ ہوٹل سے فرار کی تھی۔ میں ہوٹل کا رجسٹر چرا سکتا تھا نہ کلرک کے دماغ سے اپنا نام کھرچ سکتا تھا۔ اعلان کے نتیجے میں مخبری ہوتی تو امرتسر کی پولیس ہماری واپسی کی گھات میں ہوٹل کا محاصرہ کر کے بیٹھ جاتی اور دن بھر بیٹھی رہتی۔ جب ہم رات گئے تک واپس نہ لوٹتے تو ان کے کان کھڑے ہوتے اور شہر میں ہماری تلاش کی مہم شروع ہو جاتی۔ جس کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات مساوی تھے۔

ہوٹل سے فوری فرار کے نتیجے میں ہمیں دس بارہ گھنٹوں کی مہلت مل سکتی تھی جو مقامی پولیس ہمارے انتظار میں گزار چکی ہوتی۔ اس کے بعد یہ بات پورے بھارت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی کہ دہلی کی خوں ریزیوں میں مطلوب جوڑا امرتسر میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے بعد وہ متوسط درجے کا سرحدی شہر ساری توجہات کا مرکز بن جاتا۔ اگر ہم بدقسمتی سے اس شہر میں پھنسے رہ جاتے تو پھر ہمارا نکلنا محال ہو جاتا۔

فرار میں ایک نقصان یہ ہوتا کہ بنگو سے رابطے کی امید کمزور پڑ جاتی۔ میں نے کمرے میں چہل قدمی کرتے ہوئے، چند سگریٹیں پھونکنے کے بعد یہ سوچا کہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد میں کہیں سے دوبارہ فون کر کے بنگو کے بیزار صفت ساتھی کو صرف اتنا بتا دوں کہ میں ہوٹل چھوڑ کر خریداری کے لیے بازار میں نکلا ہوا تھا۔ بنگو لوٹ آئے تو اسے روک لیا جائے۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ رابطہ برقرار رکھ سکتا تھا۔

میں جتنا غور کرتا گیا، خطرات کے مہیب سائے اسی قدر گمبھیر ہوتے چلے گئے۔ ہوٹل میں رکنا ہر صورت میں مضر تھا۔ وہاں سے نکل جانے میں بھی کئی خطرے مضمر تھے لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے عافیت کی ایک بہتر راہ تھی۔

ہم دونوں نے اپنے مختصر اثاثے سمیٹے، غزالہ نے اپنے کمرے کا چکر لگایا اور پھر ہم دونوں دوسری منزل سے نیچے چل دیے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے سردار جی نے شناسائی کے انداز میں دور ہی سے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا مگر میں اس مردود سے غافل نہیں تھا۔ اس کی غلیظ نگاہیں غزالہ پر زیادہ مرکوز تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرا نام بھولے تو بھول جائے، غزالہ جیسی پرکشش خاتون کا نام مہینوں نہیں بھول سکتا تھا۔

میں نے دونوں کمروں کی چابیاں اس کے سامنے ڈالیں اور پھر ہم دونوں اپنے مختصر دستی سامان کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"خیر سے تم دونوں کی واپسی کب تک ہو گی؟" پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

"بازار سے دیر سے آئیں گے۔" میں نے پلٹ کر جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

امرتسر بڑے شہروں کی طرح دیر سے بیدار ہونے والوں کا شہر نہیں تھا مگر پھر بھی وہ وقت وہاں کے بازاروں کے لیے نامناسب تھا۔ کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر بیشتر بازار بند تھا۔

میں نے گرانڈ ہوٹل چھوڑ دیا تھا جہاں ہم دونوں کے مختصر قیام کا ریکارڈ موجود تھا۔ میں اس ہوٹل اور اس سڑک سے جلد از جلد دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ہمارا کوئی سراغ حاصل کرنے کا امکان باقی نہ رہے لیکن راستے میں ایک فون بوتھ پر نظر پڑتے ہی میرے قدم رک گئے۔

قریبی دکان سے فون کارڈ خرید کر میں نے بوتھ سے بنگو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہی پرانی آواز سنائی دی۔

"میں رگھوبیر بول رہا ہوں۔ بنگو آیا؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر براہِ راست سوال کیا۔

"نہیں۔ ابھی تک وہ آیا نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ تم فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام مجھے یاد ہے۔۔۔۔"

"میں اس کے انتظار میں بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اب

بازار جارہا ہوں۔"

"پھر میں اس سے کیا کہوں؟" میرے جواب پر وہ شاید الجھ گیا۔

"بس اسے روک لینا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"آ گیا تو ضرور روک لوں گا۔ ہمیشہ وہ کام کے انتظار میں رہتا ہے۔ آج پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کام آیا ہے تو وہ غائب ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کردیا۔

اس بار میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کررہا تھا۔ شاید کسی موٹی رقم کا لالچ ایک مرتبہ پھر اس کی نیت پر غالب آرہا تھا مگر میں نے پچھلی گفتگو میں یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت ڈرپوک اور کم از کم میرے لیے ناقابلِ اعتبار آدمی تھا۔ وہ بنگو سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اس کی ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ پر میری اور اپنی گفتگو اس کے سامنے دہرا دیتا اور بنگو میری طرف سے بدظن ہوکر شاید میرا ساتھ دینے سے بھی انکار کردیتا۔

میرے لیے بنگو کی سب سے بڑی افادیت یہ تھی کہ وہ بھارتی سرزمین پر شاید پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا واحد غیر مسلم ایجنٹ تھا۔ بظاہر وہ آئی بی کا تنخواہ دار نہیں تھا۔ اسے ہر کام کا ایک لگا بندھا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے پوری حفاظت اور ذمے داری کے ساتھ ہمیں لاہور کے مضافات سے اپنی تحویل میں لینے کے بعد امرتسر پہنچایا تھا۔ اس کے پاس آئی بی والوں کا دیا ہوا ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر موجود تھا جس پر وہ ضرورت کے وقت جلال یا اس کے کسی آدمی سے بات کرسکتا تھا۔ اس سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے یہ تسلی ہوجاتی کہ جلال کو فوری طور پر یہ معلوم ہوجاتا کہ دہلی میں کہرام برپا ہونے سے پہلے ہم دونوں بحفاظت امرتسر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیانی راستوں کے بارے میں اس کی واقفیت مستند تھی۔ وہ ایسے کسی خفیہ راستے سے ہمیں نکال لے جانے کے بارے میں بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔ سفر کے وقت کے تعین کے لیے اس کی صوابدید پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کیا جاسکتا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک امرتسر کی سڑکوں اور فٹ پاتھوں

پر پیدل چلتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ شہر زیادہ وسیع نہیں تھا۔ گرانڈ ہوٹل سے بہت زیادہ دور نکلنا شاید ممکن نہیں تھا لیکن تنگ راستوں اور گنجان بازاروں کا سلسلہ میری توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔

گرانڈ ہوٹل سے زیادہ سے زیادہ دور نکلنے کی کوششوں میں، میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ میں ان بھرے پرے اور بارونق راستوں سے دور نہ بھٹکوں جہاں دوسروں کے درمیان ہماری انفرادیت نمایاں نہ ہو اور ہم کسی کی مخصوص توجہ سے بچے رہیں۔ اس کوشش میں ہمیں کئی بار پیچ در پیچ گلیوں میں بھی بھٹکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد لسی کی ایک اونچی اور بڑی سی دکان کو تیسری بار اپنی نگاہوں کے سامنے پایا تو میں چونک پڑا۔ مجھے احساس ہوا کہ امرتسر کی اس کوچہ نوردی میں بھٹک کر میں سمتوں کا احساس کھو بیٹھا تھا اور بار بار ایک ہی بھول بھلیاں میں چکرا تا پھر رہا تھا۔

بھٹکنے کی وجہ سے مجھے امرتسر کی وسعت کی خوش فہمی ہو رہی تھی لیکن لسی کی ایک ہی دکان کے سامنے سے تیسری بار گزرنے کے بعد میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ امرتسر میرے ابتدائی اندازے کے مطابق زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ میں نے اپنی غلطی سے اس شہر کو بڑا بنا دیا تھا۔

اس مٹر گشت یا کوچہ نوردی میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً تمام ہی ہوٹل مردانہ تھے لیکن خریداری کے لیے اپنی سکھنیوں کے ساتھ نکلنے والے سرداروں کی سہولت کے لیے کئی ہوٹلوں کے باہر واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ وہاں فیملی کیبن دستیاب تھے۔ ہندی میں لکھی ہوئی تحریریں میرے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔ بھارت سے اردو کو مدت پہلے دیس نکالا مل چکا تھا لیکن امرتسر آنے والے غیر ملکیوں اور خصوصاً عیال دار پاکستانیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت سی دکانوں اور ہوٹلوں کے بورڈ انگریزی میں بھی لکھے ہوئے تھے۔ میرا سارا مشاہدہ ان انگریزی تحریروں تک محدود تھا۔

بازار میں بے مقصد بھٹکنے کا احساس ہوتے ہی مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا اور یکایک تکان بھی محسوس ہونے لگی۔ میں سب سے پہلے نظر آنے والے اس ہوٹل میں گھس گیا۔ جہاں فیملی کیبن کی موجودگی کا اشتہار نمایاں تھا۔

وہ ہوٹل بس واجبی سا تھا۔ ہوٹل میں رکھے ہوئے ڈیک کے ذریعے اسپیکروں پر جگجیت سنگھ کا مشہور پنجابی گانا گونج رہا تھا جس میں منہ زور جوانی کے سامنے ململ کی کرتی کے چار دن میں بول جانے کا بازاری تذکرہ موجود تھا۔ شاید غزالہ کے احترام میں وہ گانا روک کر کیسٹ فوراً آگے بڑھا دیا گیا۔ میں میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ان نام نہاد کیبنوں کی طرف بڑھ گیا جن کے ادھورے پارٹیشن فرش سے کم از کم ایک فٹ بلند تھے۔

پردے کے نام پر ایک میلے چیتھڑے سے گزر کر ہم اندر بڑی ہوئی چار میں سے دو کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ گرانڈ ہوٹل سے افراتفری میں فرار کے بعد اس وقت وہ کیبن غنیمت نظر آرہا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی کیسوں اور غزالی آنکھوں والے ایک نوخیز سکھ لڑکے نے پانی سے بھرا ہوا اسٹیل کا جگ اور دو گلاس میز پر رکھے اور ہمہ تن سوال بن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خواجہ سراؤں والی پھیکی سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

گرانڈ ہوٹل والے سکھ کلرک کے مقابلے میں وہ لڑکا قطعی بے ضرر نظر آرہا تھا بلکہ خود نقصان اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے بس ایک بار اس کی طرف دیکھا اور شرمندہ ہو کر اپنی نظریں جھکالیں۔ عجلت میں مجھے کچھ اور نہ سوجھ سکا۔ میں نے چائے اور بسکٹوں کا آرڈر دے کر اسے ٹال دیا۔

لڑکا چلا گیا تو مجھے بے اختیار سلطان شاہ یاد آگیا۔ مجھے را کے چنگل میں پھنسوانے والے آدمی کی تلاش میں خود غائب ہو کر اس نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا تھا مگر غنیمت یہ ہوا کہ اول خان کے آدمیوں نے بروقت اسے تلاش کر کے اسٹیشن فور پہنچا دیا تھا جہاں وہ خیریت سے اور پرسکون تھا۔ وہ را اور بھارتیوں کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی بلکہ انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ وہ ان کی توہین اور تذلیل کے ہر موقع سے استفادہ کرنا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ غزالہ کے بجائے وہ امرتسر کے اس ہوٹل میں میرے ساتھ ہوتا تو ویٹر کے فرائض انجام دینے والا سکھ لونڈا اپنا مطلوب نقصان اور اس سے منسلک فوائد اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔

میرا خیال تھا کہ دیرا کے پاکستان پہنچ جانے کے بعد سلطان شاہ کی وحشت اور تنہائی کے احساس میں کمی آچکی ہوگی۔ جب تک ہم اپنا سفر مکمل کر کے کراچی پہنچیں گے، وہ اور اعتدال پر آچکا ہوگا۔

چائے نوشی کے دوران میں میرا ذہن بار بار دہلی اور اسلام آباد کے درمیان بھٹکتا رہا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا اور بعد میں یہ بات میرے تجربے میں بھی آچکی تھی کہ دہلی میں مامور، آئی بی کے ایجنٹ پاکستانی سفارت کاروں سے دور بلکہ بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ پاکستانی مشن کے تمام چھوٹے بڑے اراکین ہمہ وقت بھارتیوں کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ ان سے میل جول رکھنے میں یہ خطرہ

تھا کہ آئی بی والے دشمنوں کے سامنے بے نقاب ہوجاتے اور کوئی سفارتی مراعات حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تصور صعوبتوں کا نشانہ بن جاتے۔

آئی بی والوں کی محتاط روی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی رپورٹوں کی ترسیل اور ہدایات کی وصولی کے لیے اپنے انتہائی خفیہ مگر آزاد ذرائع استعمال کرتے تھے۔ ان ٹھوس زمینی حقائق کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارا سفارت خانہ ان کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ دہلی میں انل اور نریش کی موت کی خبر سنتے ہی انہوں نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ کارروائی کس سمت سے کی گئی تھی۔

وہ ہر لحاظ سے ایک بہت بڑا واقعہ تھا جس کی خبری اہمیت بھی تھی۔ اس پر رپورٹ لکھنے کا انداز مختلف اور رازدارانہ ہوسکتا تھا لیکن دوسروں کی طرح پاکستانی سفارت کاروں کو وہ خبر اپنے ملک تک پہنچانے کا حق حاصل تھا جسے استعمال کیا گیا ہوگا۔

وہ کسی بھی طرح رکنے والی خبر نہیں تھی۔ صرف جلال کو معلوم تھا کہ میں انل بسواس کی موت کا اہم ترین مقصد اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ خبر سنتے ہی وہ سمجھ لیتا کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنا ہدف حاصل کرلیا ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی اسے میری اور غزالہ کی فکر ہوجاتی۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو اسے ہم دونوں کی تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کرسکے۔ اپنے پاس موجود ٹرانسمٹر کی وجہ سے صرف بنگو وہ خبر آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو مجھے بنگو کے لیے دوسرا فون کیے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ میں نے چائے کی اپنی پیالی خالی کرکے غور سے غزالہ کی طرف دیکھا اور پوچھا ”میں کچھ دیر کے لیے تمہیں اکیلا چھوڑ دوں تو تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟“

”کھلے ہوٹل میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کسی نے میری تنہائی سے فائدہ اٹھا کر بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو مجھے کوفت ہوگی۔ اس نازک وقت میں، میں کوئی ہنگامہ کھڑا کرکے اپنی ذات کو تماشا اور دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے اطمینان سے کرسی چھوڑ دی ”مجھے خوشی ہے کہ تمہیں حالات کی نزاکت کا گہرا ادراک ہے۔ مجھے تمہارے خوف اور کوفت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے آدمی کو فون کرکے ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔“ دھیمی آواز میں اسے مطلع کرنے کے بعد میں ہوٹل کے کیبن سے نکل گیا۔

اس ہوٹل میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک پبلک بوتھ موجود تھا۔ دوسری طرف فون کی پہلی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھالیا گیا۔ اس بار وہ پرانی اور بیزار آواز نہیں سنائی دی۔ بولنے والا کوئی پُرجوش اور جوان آدمی تھا۔ وہ آواز سن کر میں لمحے بھر کے لیے تذبذب میں پڑگیا۔ کہیں وہ کوئی غلط آدمی نہ ہو۔ اس سے بنگو کے بارے میں سوال کرنے سے کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔

میں بیزار آواز والے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ مجھے بنگو سے رابطے کے لیے صرف فون نمبر دیا گیا تھا۔ آدمی کی کوئی اہمیت ہوتی تو عابد علی نے اس کے بارے میں مجھے ضرور بریف کیا ہوتا۔ اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اگر گڑبڑ ہوئی تھی تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پرانی اور بیزار آواز والا آدمی غلط رہا ہو۔ فون پر رابطہ برقرار تھا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا مدعا ظاہر کردیا ”بنگو کو بلا دو!“

وہ اپنے کام کو سمجھنے والا ہوشیار آدمی تھا۔ مجھ سے کوئی جرح کرنے سے پہلے اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا ”میں بنگو ہی بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟“ اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری مگر محتاط تھی۔

میرے لیے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی کہ ہماری پاکستان واپسی کی سب سے مضبوط کڑی مل چکی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا ”میں رگھوبیر ہوں۔ تم دو دن سے کہاں تھے؟ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ فون پر میں پہچان ہی نہیں سکا کہ تم بول رہے ہو۔“

عابد نے مجھے بتایا تھا کہ بنگو کے لیے رگھوبیر کوئی نام نہیں تھا۔ اس ظاہری نام میں ایک مکمل خفیہ پیغام پنہاں تھا کہ اس کے دوستوں سے تعلق رکھنے والا کوئی آدمی بھارت کے کسی اور شہر سے امرتسر آیا ہوا تھا اور اس سے جلد از جلد ملنے کا خواہاں تھا۔

”صبح سے تم دو بار فون کرچکے ہو۔ دونوں بار تمہارے پیغام الگ الگ تھے۔ اس وقت تم کہاں ہو؟“ اس نے میرے سوالوں کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

”میں یہاں کے علاقوں اور بازاروں سے واقف نہیں ہوں۔ بس یہ معلوم ہے کہ جس ہوٹل میں ہوں، اس کے بورڈ پر پروپرائٹر کا نام سردار گلاب سنگھ لکھا ہوا ہے....“

بنگو نے میری بات کاٹ دی اور جلدی سے بولا

"گلابے کا ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم وہیں ٹھہرو۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں.... مگر سنو! میں تمھیں کیسے پہچانوں گا؟ کیا میں نے کبھی تم کو دیکھا ہوا ہے؟"

"یہ فون کی خرابی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "میں تمھاری آواز پہچان سکا نہ تم نے میری آواز پہچانی۔ چند روز پہلے تم ہی مجھے دو عورتوں کے ساتھ لائے تھے اور راستے میں ایک صوبے دار کو...."

"بس بس۔ مجھے یاد آگیا۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا "میں آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔ تم بھی خیال رکھنا۔ اس وقت میرا دماغ کچھ سنکا ہوا ہے۔ ایک لمبے بکھیڑے سے نمٹ کر آیا ہوں۔ تمھارا پیغام نہ ملا ہوتا تو اب تک لمبی تان کر سو گیا ہوتا۔"

میں نے اسے ملنے کی یقین دہانی کرائی اور فون بند کردیا۔

درمیانی آدمی نے بنگو کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ میرے لیے بہت ہولناک تھے کیونکہ انل اور نریش کے قتل کے بعد بنگو ہمارے فرار کا اکلوتا وسیلہ تھا۔ اگر وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوگیا ہوتا تو ہم دونوں ناقابلِ بیان مشکلات میں گھر جاتے۔ اس وقت فون پر بنگو سے بات کرکے مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ ذہن سے ناامیدی کے بادل چھٹ گئے تھے اور میں اپنی مہم کے آخری مرحلے کے بارے میں ایک مرتبہ پھر اپنے دل کی گہرائیوں میں نیا جوش اور ولولہ ابھرتا محسوس کررہا تھا۔

اس وقت تک مجھے کہیں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ را والوں نے میرے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر کوئی ہمہ گیر مہم شروع کردی ہے۔ دہلی میں جو کچھ ہورہا تھا، غالباً روایتی سرکاری انداز میں ہورہا تھا۔

بنگو سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے کسی بات کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ اگر را والے مظہر خان اور غزالہ کے خلاف کوئی اعلان کر بھی ڈالتے تو کم از کم آنے والی رات تک ہم بالکل محفوظ رہتے۔ بات گرانڈ ہوٹل کے عملے تک پہنچ جاتی اور انھیں پتا چل جاتا کہ را کے مطلوب قاتل اور پاکستانی دہشت گرد اسی صبح ان کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں تو وہ خالی اور مقفل کمروں میں کوئی تیر نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر حال میں رات گئے تک ہماری واپسی کا انتظار کرتے۔ یوں ہمارے پاس بھارت کی منحوس سرزمین چھوڑنے کے لیے کافی وقت تھا۔ جب تک ہوٹل والے ہماری واپسی سے مایوس ہوکر یہ خبر پھیلاتے کہ پاکستانی دہشت گرد کچھ دیر کے لیے ان کے ہوٹل کے الگ الگ کمروں میں قیام کرنے کے بعد امرتسر کے پُرہجوم بازاروں میں کہیں گم ہوچکے تھے، ہم شاید پوری حفاظت سے پاکستان واپس پہنچ چکے ہوتے۔

بنگو نے مجھ سمیت کسی کو بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے مرعوب نہیں کیا تھا۔ وہ جسیم اور قد آور ضرور تھا لیکن ذہانت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی وہ محض اپنی فرماں برداری کے سہارے آئی بی کے مضبوط نیٹ ورک کا ایک پرزہ بنا ہوا تھا۔ ابتدا میں اسے ہمارے مشن میں ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں تھی لیکن ہماری واپسی کے منصوبے میں اس نے یک بیک کلیدی اور ناگزیر حیثیت اختیار کرلی تھی۔

ہوٹل کے کیبن میں میرے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے بھانپ لیا کہ مجھے کوئی اہم کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نیچی آواز میں بول پڑی "آپ کا چہرہ تر و تازہ نظر آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنگو کا کوئی سراغ مل گیا ہے۔"

"اس کی گرفتاری کے خدشے سے میری جان نکلی ہوئی تھی۔ وہ کسی لمبے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ اب لوٹ آیا ہے اور آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ رہا ہے۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے اسے بتایا "میں فون پر اسی سے بات کرکے آرہا ہوں۔"

"اپنے بارے میں کیا بات ہوئی؟ را والے کیا سوچ رہے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ آئے گا تو کچھ پتا چلے گا۔"

ہم نے گرانڈ ہوٹل چھوڑنے کے بعد امرتسر میں بے مقصد آوارہ گردی کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزار دیے تھے اور وقت کا پتا نہیں چلا تھا لیکن بنگو کے انتظار میں ایک ایک لمحہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وقت کی رفتار اچانک سست ہوگئی ہو۔

اس بار کیبن کے داخلی راستے پر پڑا ہوا پردہ برائے نام تھا۔ غزالہ نے اپنی پشت اس طرف کرکے رسمی سے پردے کا اہتمام کرلیا تھا مگر میں نے اپنی کرسی دانستہ ایسے رخ سے رکھی تھی کہ ہوٹل میں آنے جانے والے میری نظروں میں رہیں۔

خدا خدا کرکے وہ وقت گزر ہی گیا۔ بنگو اپنے دیے ہوئے وقت سے چند منٹ پہلے ہی گلابے کے ہوٹل میں آپہنچا تھا۔

"وہ آگیا!" میں نے زیرِ لب اضطراری سرگوشی میں

غزالہ کو مطلع کیا۔ اس کے چہرے پر جوش کی ہلکی سی سرخی پھیل گئی مگر اس نے مڑ کر اپنے پیچھے دیکھنے کی حماقت نہیں کی۔

بنگو اس وقت آدھی آستین والی، سیاہ رنگ کی چست ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر پی کیپ جمی ہوئی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والی دھوپ کی عینک جمی ہوئی تھی۔ اس حلیے میں اس نے خود کو بلاوجہ ہی نمایاں کیا ہوا تھا۔

بنگو اس ہوٹل کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کے اندر گھستے ہی کئی افراد نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس خبیث کی آنکھوں پر سیاہ عینک منڈھی ہوئی ہونے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ لہرایا۔ غنیمت ہوا کہ اس نے دیکھ لیا اور سر کی خفیف سی جنبش سے جوابی اشارہ کر کے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تو وہ باہر رکنے کے بجائے ہمارے کیبن کی طرف آتا۔

اس کے تیوروں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کاؤنٹر والے سے ہی بات کر کے واپس لوٹ جائے گا۔

''وہ شاید یہاں اپنی رونمائی کے لیے آیا ہے۔'' غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا ''ہمیں اس کے پیچھے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

میں پہلے ہی اپنی جیب ٹٹول رہا تھا اور ہوٹل سے اٹھنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا ''تم اس کے پیچھے چلو۔ میں بل ادا کر کے آتا ہوں۔''

بنگو ہاتھ لہرا کر ہوٹل سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔ غزالہ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہموار رفتار سے ہوٹل سے نکلتی چلی گئی۔ میں کاؤنٹر پر رک گیا۔ شاید کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ بنگو کی آمد اور روانگی سے ہمارا کوئی تعلق تھا۔

میں ہوٹل سے نکل کر داہنی طرف ہولیا۔ اس وقت تک بازار کی رونق اپنے شباب پر آچکی تھی۔ اس بھیڑ میں دراز قامت بنگو نمایاں نظر آرہا تھا۔ غزالہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہی تھی۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کر دی پھر درمیان سے غزالہ کو اپنے ساتھ لیتا ہوا بنگو کے پہلو میں پہنچ گیا۔

''گڈ! بس یوں ہی میرے ساتھ چلے آؤ۔'' بنگو نے

فوراً کہا۔ وہ بھیڑ میں چلنے کے باوجود اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھا۔

مزید کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک قریبی گلی میں مڑ کر ایک صاف ستھری اور مقفل گاڑی کے قریب رک گیا جو پچھلی بار مجھے اس کی تحویل میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھا۔ غزالہ پیچھے سوار ہو گئی۔ گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور وہ آگے چل پڑی۔

"ہمارا ہوٹل میں ملنا مناسب نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میرا اشارہ سمجھ لیا ورنہ مشکل ہو جاتی۔ وہاں کوتوال کے دو ٹاؤٹ بیٹھے ہوئے تھے۔" گاڑی کے حرکت میں آنے کے ساتھ بنگو کی زبان چل پڑی "یہ سالے بہت حرامی اور کائیاں ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں پولیس سے بچ بچا کر کچھ ہیر پھیر کرتا رہتا ہوں۔ تم دونوں کو میرا گاہک سمجھ کر زبردستی ہزار' پانچ سو روپے لے مرتے۔ انہیں دیکھ کر میں نے تم سے ملنے کا پروگرام تبدیل کر دیا تھا۔"

"میں نے اسے یہ جتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس سے ملنا ہماری مجبوری تھی۔ وہ اگر پولیس کے ٹاؤٹوں کو دیکھ کر بگٹٹ دوڑ پڑتا تو اس تک پہنچنے کے لیے ہم بھی دوڑ لگانے پر مجبور ہو جاتے۔ میں بردباری کے ساتھ سر ہلا کر بولا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں غائب تھے؟"

"وہ میرے اپنے دھندے تھے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے کورا جواب دے دیا۔

"ہمارا فوری طور پر واپسی کا ارادہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہاری تلاش تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ آخر اس نے زبان کھولی "اس کام میں دو چار دن لگیں گے۔ پرسوں میری گاڑی مال سمیت پکڑی گئی تھی۔ میں اسی کو چھڑانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔ اب میں نے بہت زور لگایا تو بارڈر سیکیورٹی فورس والوں سے کل تک پیچھا چھوٹ سکے گا۔"

وہ ایک نئی اور بری خبر تھی۔ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "بارڈر سیکیورٹی فورس تو کشمیر میں ہوتی ہے۔ تم اپنی گاڑی میں وہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"کشمیر میں ان کے لیے بہت کام ہے لیکن ان کے کچھ دستے مشرقی پنجاب میں بھی ہیں۔ گاڑی میں دو ڈھائی لاکھ کا مال لدا ہوا ہے۔ میں اس بارے میں بہت پریشان ہوں۔"

"یہ کیسے ہوا کہ گاڑی پکڑی گئی اور تم آزاد ہو۔"

میرے لیے سرحدی اسمگلنگ کا وہ واقعہ نیا تھا۔

"میں گاڑی سمیت پکڑا گیا تھا۔ دس ہزار دے کر نکلا ہوں۔ گاڑی کا معاملہ طے نہ ہوا تو بی ایس ایف والے اپنے ریکارڈ میں یہ دکھا دیں گے کہ اسمگلر زبردست فائرنگ کے بعد رات کے اندھیرے میں گاڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"تم اتنی مال دار اسامی نہیں ہو پھر تمہارے پاس دو ڈھائی لاکھ کا مال کہاں سے آ گیا؟" پیچھے سے غزالہ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"وہ میرا نہیں' پارٹی کا مال ہے۔ جو نقصان ہو گا وہ پارٹی کے سر جائے گا۔"

"پھر اس بارے میں تم کیوں پریشان ہو؟" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت ہمارے مسئلے کا حل اس کی پریشانی سے منسلک ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مجرمانہ مسائل میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

"یہ اس دھندے کا بنیادی اصول ہے۔ پکڑے جانے والے مال پر کسی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنتی تو سمجھو کہ پارٹی کا مال گیا' میری پک اپ گئی۔ اپنی رہائی کے لیے دس ہزار پلے سے دینے پڑے۔ اس سے میری ساکھ خراب ہو گی۔ آگے کام ملنا بند ہو جائے گا۔ میں بھوکوں مر جاؤں گا۔"

"بی ایس ایف سے تمہاری کیا سودے بازی چل رہی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ پچیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ پارٹی بیس پر اٹک گئی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اڑے ہوئے ہیں۔"

"پانچ ہزار اپنی گرہ سے ڈال دو۔ تمہاری پک اپ کسی طرح ساٹھ ستر ہزار سے کم کی نہیں ہو گی۔ سمجھ لینا کہ پانچ ہزار اس کے دے دیے!"

"اپنی رہائی کے دس ہزار میں نے قرض ادھار لے کر پورے کیے ہیں۔ میں بالکل کنگال ہو چکا ہوں۔ میری جیب میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو میں اب تک یہ قصہ صاف کر چکا ہوتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا "تم یہ بتاؤ کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو۔ شاید تم نے گرانڈ ہوٹل کا نام بتایا تھا۔ میں تمہیں وہاں اتار دیتا ہوں۔ تم آرام کرو۔ میں کوئی جگاڑ کرتا ہوں۔ تمہیں پہنچانے کے بعد ماسٹر سے جو مال ملے گا' میں اس میں سے اپنا قرضہ ادا کر دوں گا۔"

میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی اختیار کر کے اس کے کہے ہوئے الفاظ اپنے ذہن میں گھمائے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماسٹر کا لقب اس نے جلال کے لیے استعمال کیا تھا۔

ہمیں لاہور کے مضافات سے امرتسر تک پہنچانے کا معاوضہ اسے جلال سے ملا تھا۔ اس لیے وہ یہ بات فرض کرچکا تھا کہ ہمیں واپس پہنچانے کا معاوضہ اسے کام کی تکمیل ہونے پر، پاکستانی سرزمین پر ادا کیا جائے گا۔ تیسری اور اہم بات یہ تھی کہ وہ گرانڈ ہوٹل کو ہماری عارضی قیام گاہ سمجھے بیٹھا تھا جب کہ میں اس عمارت کے قرب و جوار میں جانے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ ہم سے کچھ دیر کے لیے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو ہمیں بھینسوں والے باڑے میں یا کسی اور ٹھکانے پر پہنچا دو۔"

"اس ٹھکانے پر بھینسوں کے گوبر کی تیز بدبو واقعی کبھی کبھی ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔" اس نے میرے استہزائیہ تبصرے کا برا منائے بغیر کہا "اپنی ایک کشمیری رکھیل بھی ہے۔ اس کا گھر بہت صاف ستھرا ہے مگر جب سے مفلسی نے میرا گھر دیکھا ہے، میری رانی نے مجھے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پرانے ٹھکانے پر ہی چلنا ہوگا۔"

اس وقت امرتسر میں ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی شدید ترین ضرورت تھی۔ اس تحفظ کے لیے میں ہر سمجھوتا کرسکتا تھا "اسی طرف رخ موڑ لو۔ وہاں بیٹھ کر ہم زیادہ سہولت کے ساتھ بات کرسکیں گے۔" میں نے اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات میں، میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت حریص اور لالچی شخص تھا۔ اپنی شاہ خرچیاں پوری کرنے کے لیے اسے ہر وقت پیسے کی ضرورت رہتی تھی۔

میں کھل کر اس سے بات کرتا تو وہ اپنا تمام خسارہ پورا کرنے کے لیے مجھے لمبا چونا لگا سکتا تھا۔ جلال اس کا مستقل گاہک تھا۔ بنگو اس کا لحاظ کرتا تھا اور شاید اس سے دبتا بھی تھا۔ اسے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ مجھ سے ہونے والے لین دین کا فائنل حساب جلال ہی کرے گا۔

"تم دہلی سے یہاں صبح ہی کو پہنچے ہوگے۔ وہاں سے کس وقت چلے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بنگو نے پوچھا۔

وہ ایک نازک سوال تھا۔ میں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے ہم پرسوں نکلے تھے مگر راستے میں انبالہ میں رک گئے تھے۔ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"تم گرانڈ ہوٹل میں کمرا لے چکے ہو۔ وہ ایک رات کا کرایہ لیتے ہیں۔ تم آرام سے وہاں رہ سکتے تھے۔ ادھر کیوں

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

آشنائی

اداکار افضل خان عرف جان ریمبو جہاز میں سفر کررہے تھے۔ ایک صاحب بہت دیر سے انہیں گھور رہے تھے۔ آخر بولے "آپ جان ریمبو ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ فلموں میں کام کرتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ لاہور میں رہتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

تب وہ صاحب خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے بولے "اوہو.... اب میں نے آپ کو پہچان لیا.... آپ وہی ہیں جن کی شادی صاحبہ سے ہوئی ہے۔"

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

نہیں جارہے؟"

اس بار بنگو جیسے قابلِ اعتماد آدمی سے جھوٹ بولنا مناسب نہیں تھا۔ وہ امرتسر کا پرانا شہری تھا۔ لوگوں سے اس کے روابط بہت وسیع تھے۔ وہ ذرا سی کوشش کرکے گرانڈ ہوٹل کے عملے سے ہمارا سارا کچا چٹھا معلوم کرسکتا تھا۔ میں نے کہا "بس ایک چوک ہوگئی جس کی وجہ سے وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں آتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی لیکن واپسی میں ہمیں احتیاط سے کام لے کر اپنی شناخت چھپانی تھی تاکہ کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم امرتسر سے گزرے ہیں۔ سفر کی تکان میں یہ بات میرے دماغ سے نکل گئی اور ہم نے ہوٹل والوں کو اپنے پاسپورٹ دکھا دیے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تو میں نے بوکھلا کر ہوٹل چھوڑ دیا۔"

"کام میں کچے ہو۔" اس نے مربیانہ انداز میں کہا "تمہارا نام اور پاسپورٹ نمبر ہوٹل کے رجسٹر پر آگیا ہے۔ اب تم وہاں رہو یا نہ رہو، یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ تم امرتسر آئے تھے۔ ایسے کاموں میں بہت سمجھ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نانی یاد آجاتی ہے۔"

میں فدویانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا "بس ہونے والی

بات تھی جو ہو گئی۔"
میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ گرانڈ ہوٹل میں قیام کے بعد میری سوچ میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی تھی اور مجھے را کی کسی اشتہاری مہم کے نتیجے میں اپنے پکڑے جانے کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا تھا۔ میرے کوائف گرانڈ ہوٹل کے ریکارڈ پر ضرور باقی رہ گئے تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے کے بعد میں بے خبری میں گرفتاری کے کسی خوفناک خطرے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ اطمینان ہی کافی تھا۔
"تم چاہو تو میں ہوٹل کے رجسٹر سے تمہارا نام اڑوا سکتا ہوں۔" بنگو نے سوچتے ہوئے کہا۔
"یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میرے سر پر سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔" میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔
"مگر ہوٹل سے ملنے والی آدھی رقم میری ہوگی۔" اس نے شرط عاید کردی اور پوچھا "تم نے وہاں کتنے پیسے جمع کرائے تھے؟"
"تین ہزار۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نام اڑانے کے ساتھ وہ تمہیں آدھی رقم بھی لوٹا دیں۔"
"ہوٹل والوں کو اپنے کرایے پر بھاری ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ گرانڈ ہوٹل میں میرے جاننے والے ہیں۔ تمہیں چھوڑنے کے بعد میں ہوٹل جا کر بکنگ کینسل کرا دوں گا۔ آدھی رقم مجھے مل جائے گی۔ آدھی ہوٹل والوں کی جیب میں چلی جائے گی۔ رجسٹر پر تمہارے نام اور پاسپورٹ وغیرہ پر سفیدہ پھیر دیا جائے گا۔ اس پر وہ کسی نئے گاہک کا نام چڑھا لیں گے۔ ہوٹلوں کے ریکارڈ میں ایسی بھول چوک اور غلطیاں چلتی رہتی ہیں۔"
فوری طور پر مجھے اس کی تجویز ہر اعتبار سے بے داغ اور قابلِ عمل نظر آئی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہیر پھیر کے ذریعے ٹیکس بچانے کی کوشش کر کے ہوٹل والے ایک جرم میں ملوث ہو جاتے۔ میرا اور غزالہ کا نام منظرِعام پر آنے کے بعد انہیں یاد آتا کہ ہم دونوں ان کے ہوٹل میں کچھ دیر تک قیام کے بعد خاموشی سے فرار ہو گئے تھے تو ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہوتے۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں مشتبہ انداز میں ردوبدل کر کے وہ شریکِ جرم ہو چکے ہوتے۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھول کر بھی یہ بات اپنی زبانوں پر نہ لاتے کہ بھارتی سرکار کو مطلوب پاکستانی دہشت گرد جوڑا ان کے ہوٹل میں بھی دیکھا گیا تھا۔
میری وہ خوش امیدی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔
بنگو کی تجویز کی پُرزور تائید کرنے سے پہلے ہی مجھے اس تجویز کا تاریک ترین پہلو نظر آ گیا۔
اس وقت کی صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہتی تو صرف ایک خطرہ تھا۔ یہ بات ہر طرف پھیل جاتی کہ ہم دونوں گرانڈ ہوٹل گئے تھے لیکن اس کے بعد کہاں غائب ہو گئے۔ یہ سراغ کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ بنگو کی تجویز پر عمل کرنے کے بعد صورت حال بالکل برعکس ہو جاتی۔ ہوٹل سے باہر کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ ہم نے کچھ دیر کے لیے وہاں پناہ لی تھی مگر ہوٹل والوں کو یہ معلوم ہوتا کہ بنگو ہمارے ساتھ ملا ہوا تھا۔ ہوٹل چھوڑ دینے کے بعد بھی ہم اس کے رابطے میں تھے۔ امرتسر میں اس کی مشکوک سرگرمیاں بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس کی گردن دبوچ کر اسے تیسرے درجے کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو وہ کھایا پیا تک اگل دیتا۔
اس کے سینے میں صرف ہمارا راز پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ آئی بی اور جلال کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ ان کے اہم ترین آپریشنز میں مڈل مین کا کردار ادا کر چکا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کی تحویل میں آئی بی سے ملا ہوا وہ طاقت ور ایریٹس موجود تھا جو سو کلومیٹر کے حیطۂ عمل میں مواصلاتی رابطے کے کام آ سکتا تھا۔
بھارت کے خفیہ اداروں کے لیے آئی بی والوں کا وہ لاسلکی نشری آلہ اجنبی نہیں ہو سکتا تھا۔ بنگو کے لیے یہ جواب دہی مشکل ہو جاتی کہ پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا ایک حسّاس آلہ اس کی تحویل میں کب، کیوں اور کیسے آیا۔
وہ گرانڈ ہوٹل سے ہمارے فرار کے اصل پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے وہ خطرات اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔
"گرانڈ ہوٹل کو بھول جاؤ۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ڈیڑھ ہزار روپے کی کشش تمہیں کسی نادیدہ دلدل میں لے ڈوبے گی۔ یہ کوئی بڑا کھیل بھی ہو سکتا ہے۔"
"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں کوئی بڑا کھیل شروع ہو چکا ہے۔" بنگو نے میری بات پر پوری طرح دھیان دیے بغیر کہا "میں نے تم سے اسی لیے پوچھا تھا کہ تم دہلی سے کب آئے ہو۔ سنا ہے کہ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ پچھلی رات کو را کے پانچ چھ بڑے افسر مار دیے گئے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلا۔"
اس کی زبان سے پانچ چھ افسروں کے قتل کا ذکر سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید میری واپسی کے بعد بھی آئی بی کے تینوں ایجنٹوں نے اپنی

اپنی کارروائیاں جاری رکھی تھیں جن کے نتیجے میں وہ تعداد دو سے بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ گئی تھی۔

"یہ بات تم نے کہاں سے سن لی؟" میں نے پُرہیجان لہجے میں بنگو سے سوال کیا۔

"ابھی تک ریڈیو یا ٹی وی پر کوئی خبر نہیں آئی۔ سنا ہے کہ سرکار بدنامی سے بچنے کے لیے خبر دبا رہی ہے لیکن ہر طرف زبردست افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کوئی پاکستانی ایجنسی ہاتھ دھو کر را اور اس کے نامی گرامی افسروں کی تباہی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

خبریں دبائی جاتی ہیں تو افواہیں اسی طرح پھیلتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ بنگو کے اس بیان میں حقیقت کا سرا دور تک دستیاب نہیں تھا۔

"اتنی بڑی خبر آسانی کے ساتھ نہیں دبائی جا سکتی۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ صرف افواہ ہو سکتی ہے۔" اسے جھٹلاتے ہوئے میں خود اپنے الفاظ کا کھوکھلا پن محسوس کر رہا تھا کیونکہ انل اور نریش کو میں خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر آیا تھا۔

"افواہیں اتنے زور سے گردش میں نہیں آتیں۔ امرتسر میں ہر شخص یہی کہانی سنا رہا ہے۔ تم کو اس بارے میں زیادہ معلوم ہونا چاہیے۔" اس نے نیچی آواز میں کہا۔

"وہاں کچھ ہوا ہے تو دہلی والوں کو معلوم ہوگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انبالہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ایسی کوئی افواہ نہیں تھی۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

اس بار ہم بند آہنی پک اپ کے بجائے کار سے سفر کر رہے تھے اس لیے راستے ہمارے سامنے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ بنگو کی کار اس کے ٹھکانے کے قرب و جوار میں پہنچ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے نتھنوں میں وہ بو گھسنے لگی جو گایوں اور بھینسوں کے باڑوں کے آس پاس پائی جاتی ہے۔ ہم لوگ بنگو کے محفوظ ٹھکانے سے لحہ بہ لمحہ قریب ہوتے جا رہے تھے اور وہ اپنے ماحول سے بے پروا، میرے ساتھ اس افواہ پر بحث میں مصروف تھا۔

ایک ناہموار سڑک اور پھر دھول میں اٹی ہوئی گلی سے گزرنے کے بعد بنگو کی کار اس وسیع احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ جہاں ہم نے اپنے قدموں سے پہلی بار بھارت کی زمین کو چھوا تھا۔ وہ احاطہ اپنی مختصر تعمیرات کے ساتھ جوں کا توں موجود تھا۔ احاطے میں داخلے کا راستہ بدستور کسی پھاٹک یا رکاوٹ سے محروم تھا۔

پچھلی بار ہم وہاں پہنچے تو ہمیں سرحد پار کرانے والی خستہ حال پک اپ سے پہلے ایک پرانی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢✢

ایک شہری کو کچھ دیر کے لیے دیہی علاقے میں ایک کھیت کے قریب رکنا پڑا۔ اس نے دیکھا ایک دیہاتی رسی کا ایک ٹکڑا لیے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے یونہی تجسس کے تحت پوچھ لیا "بھائی صاحب! یہ آپ کیا لیے کھڑے ہیں؟"

"یہ موسم کا حال معلوم کرنے کا آلہ ہے" دیہاتی نے جواب دیا۔

"کمال ہے...." شہری حیرت سے بولا "ایک رسی کے ٹکڑے سے بھلا موسم کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"

"بہت آسان طریقہ ہے..." دیہاتی نے جواب دیا "جب یہ ادھر ادھر ہلنے لگتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تیز ہوا چل رہی ہے اور جب یہ گیلا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے۔"

➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪➪

اس روز وہاں کسی دوسری گاڑی کا وجود نہیں تھا کیونکہ بنگو کی کہانی کے مطابق اس کی پک اپ بارڈر سیکیورٹی فورس نے پکڑی ہوئی تھی۔

بنگو ہمیں اپنے ساتھ لے کر اس مختصر کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک بستر اور دو سال خوردہ کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ افواہ نہیں ہے۔" بنگو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا اور مجھے تم سے ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے دہلی کی خبروں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اب میں باہر جاؤں گا تو دیکھوں گا۔ ہو سکتا کہ شام کے اخباروں میں کوئی بات چھپی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پاکستانی ہو اور تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھی یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"تم اور ہم، آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر ہماری حکومتیں ایک دوسرے کے لہو کی پیاسی ہیں۔ وہ ایک

دوسرے کے خلاف ایسے الزامات لگاتی رہتی ہیں۔ تم کو اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ میں دو روز پہلے دہلی سے نکلا تو وہاں خوں ریزی کا ایسا کوئی منصوبہ نہیں بن رہا تھا۔ اس قدر اہم لوگوں کو ٹھوک کے بھاؤ مارنے کے لیے بہت لمبی منصوبہ بندی، مشق اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں غزالہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ کمرے میں تیسری کرسی نہ ہونے کی وجہ سے بنگو مسہری کے سرے پر ٹک گیا تھا۔

"جو ہونا ہے وہ ہو گیا۔ ہم کو اس سے کیا لینا۔ اب تم اپنے مطلب کی بات کرو۔ کل تک تم کو یہیں رک کر انتظار کرنا ہوگا۔ تم اس کے لیے تیار ہو تو میں بی ایس ایف والوں سے پک اپ چھڑانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارا کام ہمارے مطلب سے زیادہ اہم ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں گاڑ کر کہا "ایمانداری سے بتاؤ کہ ماسٹر سے تمہیں ایسے کاموں کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟"

"وہ بہت نرم دل اور سخی آدمی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" اس نے چالاکی سے گول مول جواب دیا۔

"شاید تمہارے بھگوان نے تمہارا کام بنانے کے لیے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے کھل کر بتاؤ کہ ہمیں امرتسر پہنچانے کے لیے تمہیں ماسٹر نے کتنی رقم دی تھی۔ یہ بات مجھے اس سے بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"آتے ہوئے، گوری چمڑی والی این کاویل بھی تمہارے ساتھ تھی۔ مجھے اس پھیرے کے پندرہ ہزار ملے تھے۔ تم چاہو تو میرے ایریئس پر کوشش کر سکتے ہو۔ ماسٹر مل گیا تو اسی سے بات ہو جائے گی۔ وہ جو کہے، وہی دے دینا۔ میں ابھی ایک گھنٹے میں اپنی پک اپ چھڑا لاؤں گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ تمہیں کچھ رقم پیشگی مل سکتی ہے۔ لاؤ ایریئس نکالو۔" اس کی تجویز سن کر مجھے اپنے اوپر کچھ غصہ آیا کہ میں بنگو کی تحویل میں ایریئس کی موجودگی سے باخبر تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے ذریعے امرتسر میں بیٹھے بیٹھے آئی بی والوں سے بات کی جا سکتی تھی پھر بھی میں اسے بھولا ہوا تھا۔

بنگو نے پھیرے کی بات کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا ورنہ وہ سیدھا سیدھا پانچ ہزار روپے فی کس کا حساب تھا۔ اس کی بات بھی اپنی جگہ درست تھی کہ آدمی ایک ہو یا پانچ، اس کے لیے سفر کی طوالت اور خطرات کی سنگینی یکساں ہوتی ہے۔

بنگو مسہری کے سرے سے اٹھا اور ہمارے کمرے سے نکل کر برابر والے کمرے کے بند دروازے پر جا رکا۔

"اس کا مل جانا ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں ہے۔" غزالہ نے اس کی غیر موجودگی میں دھیمی آواز میں کہا۔

"ذہن کو دھار سی لگ گئی ہے۔" میں نے اعتراف کیا "دہلی کی افواہوں کے بارے میں ابھی جلال سے پتا چل جائے گا۔"

"عملی طور پر ہم ابھی تک بھارت میں ہیں لیکن بنگو سے مل کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم لاہور پہنچ چکے ہوں۔" غزالہ بولی۔

"یہ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی ہے۔ اگر بنگو کو پتا چل جائے کہ دہلی کی خوں ریزی میں ہمارا ہاتھ تھا تو اس کا رویّہ بدل جائے گا۔ اگر انہوں نے ہماری گرفتاری میں مدد لینے والوں کے لیے کوئی بڑا انعام مقرر کر دیا تو بنگو کی نیت بھی ڈانواڈول ہو جائے گی۔ یہ پیسے کا بڑا لالچی ہے۔"

بنگو کی اس علاقے میں بہت زیادہ دھاک تھی یا پھر وہ بہت ہی کنگال آدمی تھا کہ اس کے احاطے میں کوئی پھاٹک نہیں تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ غیر مقفل رہتا تھا۔ دوسرے کمرے کا مقفل دروازہ بھی اتنا کمزور تھا کہ ایک لات میں اپنی جگہ چھوڑ سکتا تھا پھر بھی کوئی وہاں ناجائز تصرف یا چوری چکاری نہیں ہوتی تھی۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس نے آئی بی کا مخصوص ایریئس بے پروائی سے کہیں نہیں ڈالا ہوا تھا بلکہ احتیاط سے مقفل کمرے میں رکھا ہوا تھا۔

اسے ایریئس پر آئی بی کے کسی پاکستانی دفتر سے رابطے کے لیے اپنا خصوصی پاس ورڈ استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ پاس ورڈ اس کے لیے بہت اہم تھا جسے صیغہ راز میں رکھنا ضروری تھا۔ شاید اسی احتیاط کی وجہ سے اس نے احاطے میں کسی سے رابطہ قائم کیا پھر ایریئس کو بائیں ہاتھ میں اپنے چہرے کے قریب کیے کمرے میں آ گیا۔

"اب میں ایریئس رگھوبیر کو دے رہا ہوں.... اوور!" دوسری طرف کی پوری بات سن لینے کے بعد بنگو نے کہا اور ایریئس مجھے تھما دیا۔

لمحے بھر کے لیے لائن پر پُرشور ریڈیائی توقف برقرار رہا پھر میرے کانوں میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی "بی ایل تھری اسپیکنگ۔ تمہارا کیا حال ہے رگھوبیر۔ اوور!" میرے

لیے وہ آواز نئی اور نامانوس تھی۔
"میں ٹھیک ہوں اور واپسی کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ بنگو سے کیا ڈیل ہوگی۔ اس وقت وہ مجھ سے کافی دور چلا گیا ہے.... اوور!" میں نے کن انکھیوں سے بنگو کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
بنگو نے خود تخلیے سے فائدہ اٹھا کر تنہائی میں ایرٹیس پر رابطہ کیا تھا اور یوں اپنا پاس ورڈ ہم دونوں سے بچائے رکھا تھا۔ وہ اس لاسلکی گفتگو میں میری ضرورت سے باخبر تھا۔ اس کے سامنے میں اپنے نامعلوم مخاطب سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں نے وہی بات بی ایل تھری کو بتادی تھی۔
"دس ہزار.... ویسے جو کچھ مانگتا ہے' دے دو۔ ہر شخص خیریت سے تمہاری واپسی کا خواہاں ہے۔ تم کو ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ دہلی سے پیغام ملا ہے کہ دو مہروں کے پٹ جانے کے بعد وہاں خوفناک انتقامی فضا بنتی چلی جارہی ہے اور کھل کر سارا الزام ڈینی پر لگایا جا رہا ہے.... اوور!"
بنگو کے تعاون کے باوجود مجھے دہلی کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ بنگو امرتسر میں پانچ چھ افراد کے قتل کی افواہوں کی کہانی سنا رہا تھا۔ فضا میں اضطراب اور بے یقینی کا راج تھا لیکن لاہور میں بیٹھا ہوا انٹیلی جنس بیورو کا کوئی افسر تازہ ترین حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے تصدیق کردی تھی کہ دہلی میں صرف دو افراد مارے گئے تھے۔ آئی بی والوں نے دہلی سے میری واپسی کے بعد مزید کوئی غیر ضروری کارروائی نہیں کی تھی۔
یہ بات عابد علی مجھے کئی بار بتا چکا تھا کہ بھارت میں وہ لوگ غیر ضروری معرکہ آرائی اور ہیجان خیزی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ اپنے محدود مقاصد کے حصول پر مرکوز رکھتے تھے۔ بے مقصد خوں ریزی ان کے فرائض میں کبھی بھی شامل نہیں رہی تھی۔ لاہور والا عابد کی اس بات کی تصدیق کر رہا تھا۔
مجھے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی تھی کہ دونوں حکومتوں میں سخت کشیدگی کے باوجود لاہور والے دہلی کے تازہ ترین حالات سے باخبر تھے اور مجھے مشورہ دینے کی پوزیشن میں تھے۔ ان کو یہاں تک معلوم تھا کہ میں رگھوبیر کے پاس ورڈ کے ساتھ واپسی کا سفر طے کر رہا تھا۔
اس نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں مجھے بتا دیا تھا کہ اس وقت میری واپسی ہر چیز پر مقدم تھی۔ مجھے بنگو کے ہر مطالبے کو قبول کرلینا چاہیے تھا۔ دل ہی دل میں' میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی برا جمان تھا کہ بنگو کم و بیش مستقل بنیادوں پر جلال کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ کہیں میں اپنے اکلوتے کام میں فیاضی کا مظاہرہ کرکے ہمیشہ کے لیے شرحوں کو بگاڑنے کا سبب نہ بن جاؤں۔
مجھے اس کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بھارتی حکام نے اپنی بے خبری اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا تھا۔ گو ان کا لگایا ہوا وہ الل ٹپ الزام حقیقت کے عین مطابق تھا لیکن اس کے لیے کوئی جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا۔
"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے بی ایل تھری کو جواب دیا "کیا میں جلال سے بات کر سکتا ہوں۔ اوور!"
اس وقت میرے ذہن میں ہلکی سی جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ ایرٹیس پر ہونے والی ریڈیائی گفتگو سو فیصد محفوظ نہیں تھی۔ دہلی میں' میں اس تجربے سے گزر چکا تھا کہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر یعنی آرک کی ایک بھاری اور بکتر بند اسکیننگ وین نے گشت کے دوران میں جامع مسجد کے علاقے سے ایک نامعلوم ایجنٹ کو ٹرانسمٹر استعمال کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا تھا۔ گفتگو میں ہر احتیاط لازمی تھی لیکن میں نئے حالات کی پیش بینی نہیں کرسکا تھا ورنہ اس وقت جلال کا نام لینے کے بجائے کوئی متبادل کوڈ استعمال کیا جا سکتا تھا۔
"چیف اس وقت مرکز میں ہیں۔" بی ایل تھری کی آواز ابھری "ان سے بات ہونی ممکن نہیں ہے۔ تم میرے مشورے پر پورا اعتماد کرسکتے ہو۔ اوور۔"
"مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" میں نے جلدی سے کہا "تمہاری فارمیشن کا ہر آدمی میرے لیے قابل قدر ہے۔ میں چیف سے کچھ ذاتی معاملات پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اوور!"
"تم ایک خون آشام جال میں گھرے ہوئے ہو۔ گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ خطرات گمبھیر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وقت اپنی ساری توجہ اپنی واپسی پر مرکوز رکھو۔ حالات ساز گار رہے تو تمہیں جلد ہی چیف سمیت ہر ایک سے ملنے کا موقع مل جائے گا.... اوور!"
"اس دردمندی کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اوور!" میں جذبات سے مغلوب آواز میں اس سے آگے نہ بول سکا۔

اس کے کہے ہوئے چند پُر خلوص جملوں نے میرے دل کے نہ جانے کون سے تار چھیڑ دیے تھے۔ میرا دل اس کے لیے واقعی ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ اس نے کبھی مجھے دیکھا تھا نہ مجھ سے ملا تھا پھر بھی وہ میری سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔ ہم دونوں کے جذبات کم و بیش یکساں تھے کیونکہ ہمارا مقصد ایک تھا۔ اس وقت ہم دونوں وطن کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اپنے دیس کی پُرسکون فضاؤں میں بیٹھا ہوا تھا اور میں دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ مقصد کی یکسانیت نے ہم دونوں کو لمحہ بھر میں ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والے رشتے سے منسلک کردیا تھا۔

"اب ایریئس بنگو کو دے دو۔ میں اس سے بات کرلوں اوور!" میرے کان میں بی ایل تھری کی آواز آئی۔

بنگو اس وقت بھی کمرے سے باہر تھا لیکن احاطے میں ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آگیا۔ اس بار وہ مجھ سے ایریئس لے کر کمرے سے باہر نہیں گیا۔

"میں پوری کوشش کروں گا لیکن یہ بتادوں کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے میں یہاں سے نہیں نکلوں گا۔" بنگو نے چند لمحوں تک بی ایل تھری کی بات سننے کے بعد کہا "رات کا اندھیرا ایسے کاموں کے لیے مہربان اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دن کے اجالے میں ہر طرف خطرات ہی خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ اوور!"

اس کے بعد وہ زیادہ تر دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا اور درمیان میں مختصر جواب دیتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نو بجے کے قریب زیرو پوائنٹ پر پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا اوور!" آخر میں اس نے کہا اور وہ کال منقطع کردی گئی۔

"کیا تم سرحد پار کرنے سے پہلے یہ ایریئس ضرور استعمال کرتے ہو؟" میں نے بنگو سے پوچھا۔ اسے ایریئس پر آئی بی کے کسی اہل کار سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی ذات میں میرے اعتماد میں قابل قدر اضافہ ہوا تھا۔

"میں دوسروں کے لیے مال لاتا یا لے جاتا ہوں تو سب کچھ میری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "ماسٹر کے کاموں کے لیے پلان بنانا پڑتا ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ماسٹر کون ہے اور کیا کرتا ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"پیسے پورے اور بروقت ملتے رہیں تو کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میرا اندازہ ہے کہ چیف اپنے آدمی یہاں جاسوسی کے لیے بھیجتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ لوگ صرف دو کاموں کے لیے کوئی بھی سرحد پار کرتے ہیں۔ جاسوسی یا پھر اسمگلنگ۔"

"ہم لوگ اسمگلر بھی ہوسکتے ہیں۔" میں نے شوشا چھوڑا۔

"مظہر خان! میں اتنا نادان نہیں ہوں۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اسمگلر خالی ہاتھ کبھی سفر نہیں کرتے۔ ہر پھیرے میں لمبا مال اِدھر اُدھر کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے لیے میں نے آج تک کوئی کھیپ نہیں نکالی۔ ان باتوں کو رہنے دو اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ بے خبری میں جلال کا آلہ کار نہیں بنا ہوا تھا۔ اس موضوع پر بنگو سے مزید گفتگو کیے بغیر میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا' سوچ سمجھ کر کر رہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر' محنت سے کوئی کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر وقت آسانی سے پیسوں کے حصول کے چکر میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس نے اپنے اخراجات بہت زیادہ بڑھائے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ اکیلا تھا' اس کا وہ ٹھکانا بے سروسامانی کا شاہکار تھا مگر میرا دل کہتا تھا کہ بنگو جیسا عیاش طبع شخص اپنے شب و روز بدبو میں گندھے ہوئے اس اجاڑ احاطے میں نہیں گزار سکتا تھا۔

وہ اس احاطے کو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ایک اڈے کے طور پر استعمال کرتا تھا اور ہم جیسے مہمانوں کو بھی اس سے آگے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کی زندگی کا ذاتی روپ کہیں زیادہ حسین اور رنگین ہونا چاہیے تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو خوب صورت عورتوں' شراب اور جوئے کا رسیا تھا۔ وہ تینوں شوق ایسے تھے کہ انہیں پورا کرنے کے لیے قارون کا خزانہ بھی کم پڑ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ناجائز ذرائع سے بھاری رقوم کمانے کے باوجود تنگ دستی کے عذاب میں مبتلا نظر آتا تھا۔

اس نے اپنے لیے زندگی کی جن راہوں کا انتخاب کیا تھا' وہاں کردار اور ضمیر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک گھٹیا اور خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے اپنی ذات اور اپنے وطن سمیت سب کچھ بیچ سکتا تھا لیکن روز مرہ کی زندگی میں اس کی کوئی نہ کوئی افادیت بہرحال تھی۔ وہ کسی اور کے نہیں تو میرے اور جلال کے کام آرہا تھا۔ امرتسر کے نواحی علاقوں کے اسمگلروں کی خدمت کر رہا تھا اور اپنی آمدنی سے نہ جانے کس کس کے روزگار کا وسیلہ بنا ہوا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دہری زندگی گزار رہا تھا۔ تیسرے درجے کے بدمعاش کے طور پر وہ اجاڑ احاطہ اس کا مسکن تھا۔ فرصت کے لمحات وہ یقینی طور پر کسی آراستہ عشرت کدے میں گزارتا ہوگا جہاں اسے زندگی کی ساری آسائشیں دستیاب تھیں۔

"پی ایل تھری نے بتایا ہے کہ تم مجھے مال دوگے۔" مجھے خاموش پاکر بنگو نے ٹوکا۔ غزالہ اپنا بیگ کرسی پر چھوڑ کر کمرے سے جا چکی تھی۔

"تمہارے حساب سے دو آدمیوں کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ ہمیں لانے کے لیے تم نے پانچ ہزار فی کس لیے تھے۔" میں نے کہا۔

"میں نے اس پھیرے کے پندرہ ہزار لیے تھے۔ تم سے بھی وہی لوں گا۔" اس نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔

"دس ہزار تو تم نے اپنی رہائی کے لیے دیے اور پانچ ہزار بی ایس ایف والوں کو دوگے۔ پندرہ ہزار کا نقصان مجھ سے پورا کرنا چاہ رہے ہو!"

"نقصان تمہارے سامنے ہے۔ قسمت سے تم آگئے ہو تو مجھے سودا کرنے کا پورا حق ہے۔"

"اور اگر میں تمہیں پیشگی کچھ بھی نہ دے سکوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟ تم ہمارا کام کروگے؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"بنگو کام سے کبھی انکار نہیں کرتا۔ آگے آمدنی کی امید ہو تو میں کسی سے قرض لے کر بھی اپنا کام چلا سکتا ہوں۔"

"بس، تو پھر ماسٹر ہی تمہارا معاوضہ طے کرے گا اور ادائیگی بھی وہی کرے گا۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہہ ڈالا۔

وہ پُراعتماد انداز میں ہنسا اور بولا "ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ماسٹر کتنا دریا دل آدمی ہے۔ میں اسے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ مجھے پندرہ کیا، بیس ہزار دے دے گا۔ وہ مرد کا بچہ ہے۔ اسے کام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ پیسے کی پروا نہیں کرتا۔"

"تم پیسے کی بات اسی سے کرلینا۔ اب تم پک اپ واپس لانے کی تیاری کرو۔" میں نے کہا۔

"پانچ ہزار کے لیے مجھے نہ جانے کس کس کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پی ایل تھری کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ تم میری طرح کنگلے نہیں ہو۔ مجھے کم سے کم پانچ ہزار تو دے دو تاکہ میں اپنے منحوس دوستوں کا منہ دیکھنے سے بچ جاؤں۔ پیسے مل جائیں تو میرا وقت بھی بچے گا۔"

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر بریف کیس اپنی گود میں رکھ کر کھول لیا۔

میں نے ہزار کے نوٹوں والی گڈی سے گن کر پہلے پانچ ہزار اور پھر پندرہ نوٹ الگ کرلیے۔ بنگو اپنی ذات میں جیسا بھی تھا۔ ہمارے لیے اپنے ملک اور قوم کو بھولے بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری خاطر اپنے ملک سے جو غداری کی تھی، اسے اس کا انعام ملنا چاہیے تھا۔

میں نے بریف کیس بند کرکے پندرہ ہزار روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

نوٹ گنے بغیر ہی اسے رقم کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے اختیار میرا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک پیدا ہوچکی تھی۔ "تم مجھی دیوی کے اوتار معلوم ہوتے ہو۔" وہ نوٹوں کو چومتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "آج مجھے یقین ہوگیا کہ سخی کا دوست سخی ہوتا ہے اور سوم کا سوم۔ تم آڑے وقت پر میرے کام آئے ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میری دعا ہے کہ تم سدا کامیاب اور کامران رہو۔"

بظاہر وہ اس کی خوشامدانہ باتیں تھیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک ایک لفظ اپنے دل سے ادا کررہا تھا۔

"میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہو۔ میں پک اپ نکلوانے کے بعد گودام میں مال اتاروں گا۔ واپسی پر تمہارے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آؤں گا۔ مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" اس نے میرے دیے ہوئے نوٹ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

باتھ روم سے غزالہ کی واپسی سے پہلے وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی مال سے لدی ہوئی ایک پک اپ زیادہ دیر تک بی ایس ایف والوں کے قبضے میں رہی تو چوری ہوتے ہوتے اس کا آدھا مال غائب ہوجائے گا۔

اسے رخصت کرکے میں دوبارہ کمرے میں آگیا۔ احاطے میں پھیلی ہوئی سورج کی تیز روشنی دھیرے دھیرے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر تیز دھوپ اور دھول میں اٹا ہوا احاطہ دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں کسی کھلے میدان میں سایہ دار جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دروازے کے پٹ بند کردیے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ بھی لوٹ آئی۔ اس کے بال نم تھے۔

"تم صبح ہوٹل میں نہائی تھیں تو یہاں دوبارہ غسل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"مجھے بنگو کے قرب سے وحشت ہو رہی تھی اس لیے میں کمرا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ یہ مجھے گھناؤنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے اپنے گیلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اس پر پیار آرہا ہے۔ اس وقت وہی ہماری واپسی کی کلید ہے۔"

"کلید ضرور ہے مگر بھدی اور کریہہ ہے۔" وہ ہنس کر بولی "اس سے کب تک ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔"

"وہ اپنی پک اپ کے مسئلے سے نمٹ لے تو پورا دن اسی کے ساتھ گزرے گا۔ رات بلکہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہماری روانگی قرین مصلحت نہیں ہوگی۔"

"بی ایل تھری بنگو کے بارے میں کیا بتا رہا تھا۔" غزالہ اپنے بال سمیٹ کر بستر پر میرے قریب بیٹھ گئی۔

"آئی بی والے اس پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرتے ہیں۔ انہیں اس کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو اسے اپرنٹس نہ دیا جاتا۔"

"اور رقم کا کیا بنا؟ وہ پیسوں کے لیے سخت پریشان تھا۔"

"میں نے پندرہ ہزار روپے دے دیے۔ وہ خوشی سے نہال ہوگیا۔" میں نے بتایا۔

"اب یہ بوجھ بھی آپ کے سر آگیا۔ پندرہ ہزار روپے کم نہیں ہوتے۔ ہمارا یہ خرچ آئی بی کو ادا کرنا چاہیے تھا۔"

"بعض اوقات تم بہت چھوٹی باتیں سوچنے لگتی ہو۔ میں چاہوں تو جلال سے لاکھوں روپے لے سکتا ہوں۔ وہ منہ نہیں موڑے گا۔ تم کو یاد نہیں کہ رستم والے قصے میں، میں نے اپنے پاس سے جو خطیر رقم ادا کی تھی، وہ اول خان سے ایک چیک کی صورت میں واپس مل گئی تھی۔

"اول خان کی اور بات ہے۔ جلال کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"رقم جلال ہی دیتا۔ میں نے یہ ادائیگی بنگو کی خوشنودی کے لیے کی ہے۔ اب وہ دل و جان سے ہمارے لیے کام کرے گا۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میں کیسے ذہنی کرب سے گزر رہا ہوں۔ یہاں ہمارا ایک ایک لمحہ خوف میں گزر رہا ہے۔ پتا نہیں ہمارے دشمنوں کو کب مظہر خان کا خیال آجائے۔"

"آپ بلاوجہ اتنا سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں نے سرسری طور پر ایک بات کہہ دی تھی۔ ویسے بھی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم بہت خطیر تھی۔ شاہانہ خرچوں کے باوجود اس میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی ہے۔"

"شاید وہی میری زندگی کا یادگار موڑ تھا۔ وسائل کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ کمانے کی فکر نہ ہو تو ہر شخص بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔"

"ہر شخص والی بات بالکل غلط ہے۔" اس نے مسکرا کر اعتراض کیا "دنیا میں لاکھوں کروڑپتی ہیں لیکن وہ دن رات ارب پتی بننے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی کو ملک اور قوم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ کارناموں کا تعلق نیت اور حوصلے سے ہوتا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ انسان کے کچھ بننے یا کچھ بھی نہ بننے کا انحصار اس کی نیت اور ارادوں پر ہوتا ہے۔ بنگو کی مثال ہمارے سامنے تھی۔ وہ منصوبہ بندی، سازشوں اور جوڑ توڑ میں مہارت رکھتا تھا۔ محض اپنے ان خواص کی بنا پر وہ ایک کامیاب ترین سیکرٹ ایجنٹ بن سکتا تھا لیکن اس کی وہ سوچ ہی نہیں تھی۔ وہ سہل پسند اور کاہل آدمی تھا۔ کسی پُرخطر پیشے میں جانے کے بجائے ذلتوں کی دلدل میں جا گرا تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہوچکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ہماری دشمن قوم کا فرد ہونے کے باوجود ہمارا ہمدرد اور خیرخواہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آخرکار انتہائی ذلت کی موت مارا جائے گا۔ اس کے کرتوتوں پر اس کا کوئی ہم نسب فخر نہیں کرسکتا تھا۔

جب تک بی ایل تھری سے رابطہ نہیں ہوا تھا، میں اپنے سفر کے بارے میں بہت سے تحفظات کا شکار تھا۔

دو پڑوسی ملکوں کے درمیان خوش گوار تعلقات ہوں تو سرحدی پٹی پر مامور نگرانوں اور فوجیوں کی زندگی بہت خوش گوار ہوجاتی ہے۔ وہ شہری پولیس کے انداز میں اپنی گشتی ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں اور پکنک جیسے رنگا رنگ ماحول میں اپنے شب و روز گزارتے ہیں لیکن جب دونوں طرف مخاصمانہ جذبات عروج پر ہوں تو یہ ماحول انتہائی کشیدہ اور خون آشام ہوجاتا ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان ایسی سرحدی تلخیاں شاید کبھی بھی کم نہیں ہوسکی تھیں۔ دونوں سرحدوں کے محافظ دن رات حالتِ جنگ میں رہنے کے عادی تھے اور پتا کھڑکتے ہی شاید بھڑک کر فائرنگ شروع کردیتے تھے۔ ہمیں امرتسر سے لاہور پہنچنے کے لیے پہلے بھارت اور پھر پاکستان کے خطرناک فوجی علاقوں سے گزرنا تھا۔ اگر بنگو سے

اندازے کی کوئی سنگین غلطی نہ ہوتی تو وہ ہمیں آسانی کے ساتھ بھارتی فوجیوں سے بچالے جاتا۔ وہ انہیں جل دینے کے طریقوں سے واقف تھا اور ان سے لین دین کرنے کے گر سے بھی واقف تھا۔ پاکستانی علاقے میں اس کی یہ برتری ختم ہوجاتی کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ملک تھا۔

اگر وہ کسی پیشگی بندوبست کے بغیر پاکستان کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتا تو کہیں بھی پاکستانی فوجیوں کے نرغے میں آسکتا تھا۔ وہ اسے للکارتے اور وہ فرار ہونے کی کوشش کرتا جس کا نتیجہ بارودی آگ کی برسات کی صورت میں برآمد ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ تصور سوہانِ روح تھا کہ دشمن کی سرحد پار کرنے کے بعد ہم اپنی زمین پر اپنے ہی رکھوالوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ بی ایل تھری سے بنگو کی تفصیلی بات ہونے کی بعد مجھے یہ اطمینان ہوچکا تھا کہ پاکستان کے ایک ذمے دار افسر کو ہمارے پروگرام کا علم ہوچکا تھا۔ اس کی متوقع پیش بندیوں کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہمارے مارے جانے کے اندوہناک امکانات ختم ہوگئے تھے۔

"جب سے بنگو نے دہلی میں پانچ چھ افسروں کے قتل کی افواہ سنائی ہے۔ مجھے عابد اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تشویش ہو رہی ہے۔" غزالہ نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑا "بعض اوقات ضرورت سے زیادہ پُرجوش ہونا مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا اور چونک کر بولا "میں اس بارے میں تم سے بات کرنا بھول ہی گیا تھا۔ بی ایل تھری نے تصدیق کی ہے کہ دہلی میں صرف دو آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ انل اور نریش ہی ہوسکتے ہیں۔"

غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا "میں اس وقت اسی نکتے پر سوچ رہی تھی۔ ذہن میں ایک خیال یہ بھی آرہا تھا کہ کہیں بے ہوش کیے جانے والوں میں سے تین چار ڈوز کی زیادتی کی وجہ سے نہ چل بسے ہوں۔ یہ بات آپ نے بنگو کو بھی نہیں بتائی۔"

"اس کے لیے دو یا چھ کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے کہا "ویسے بھی وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جلال اور اس کے ساتھی دہلی کے معاملات میں اتنی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ تم ایئرپیس پر دونے والی دو طرفہ باتیں سن رہی تھیں۔ حیرت ہے کہ تم نے دہلی میں دو مہروں کے پٹنے کی بات نہیں سنی۔"

"اس وقت میری توجہ بنگو پر مرکوز تھی جو ایئرپیس آپ کے حوالے کرتے ہی سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اصل وجہ

مغرب میں بعض دکانوں پر لگے ہوئے بورڈز کے مضامین قابل غور بھی ہوتے ہیں اور قابل داد بھی۔ ایک دکان جس پر ان خواتین کی ضرورت کا سامان ملتا تھا جو ماں بننے والی تھیں.... اس پر بورڈ لگا تھا۔

"بہتر تو یہی تھا کہ اس رات آپ ٹی وی ہی دیکھتی رہتیں۔"

ایک دکان پر لکھا تھا "خواتین کے لیے یہاں پر ہر چیز دستیاب ہے.... سوائے مردوں کے۔"

جوتوں کی ایک دکان پر لکھا تھا "اندر آیئے.... جوتا حاضر ہے۔"

فرانس میں ایک دکان پر لکھا تھا "یہاں انگریزی اور فرانسیسی بولی جاتی ہے اور کیش زبان سمجھی جاتی ہے۔"

ایک نرسری پر لکھا تھا "ہمارے ہاں کے پودے بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ بس پانی دیجیے اور چھاؤں میں بیٹھ جایئے۔"

نیویارک کے سے باہر ایک بورڈ لگا تھا "اب آپ نیویارک سے نکل رہے ہیں۔ سانس لینا شروع کردیجیے۔"

مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سمجھ داری سے کام لے گا۔"

بنگو سے ملاقات اور پھر بی ایل تھری سے بات ہونے کے بعد ہمارے ذہنوں میں واپسی کا ایک واضح نقشہ ترتیب پاچکا تھا۔ ہم دونوں بنگو کی واپسی کے انتظار میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک باہر سے کوئی بھی مخل نہیں ہوا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بنگو آس پاس رہنے والوں سے کوئی میل جول نہیں رکھتا تھا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق سوا گھنٹے میں لوٹ آیا۔ احاطے میں اس کی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ

پک اپ کے بجائے اسی گاڑی سے واپس آیا تھا جس میں ہمیں اس اڈے تک لایا تھا۔

وہ اپنے ہاتھ میں کئی اخبارات لیے گاڑی سے برآمد ہوا اور ہاتھ لہراتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں وزنی شاپنگ بیگ تھا۔

"دہلی میں صرف دو افسر مارے گئے ہیں۔" اس نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے اس انداز میں اعلان کیا جیسے چھ کے بجائے محض دو افراد کے قتل کی خبر سے اسے مایوسی ہوئی ہو۔ "میں تمہارے لیے شام کے انگریزی اخبار لے آیا ہوں۔"

میں نے ہندی اخباروں میں سے چار صفحوں کا انگریزی اخبار الگ کیا۔ اس کی شہ سرخی میں میری اصل عرفیت موجود تھی۔

اس اخبار نے اپنے قارئین میں سنسنی پھیلانے کے لیے قاتل ڈینی دہلی میں' کی سرخی جمائی تھی۔ میں نے کھڑے کھڑے وہ خبر پڑھنی شروع کردی۔ غزالہ متجسس انداز میں میرے ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔

میرے تعارف کے لیے اخبار نے پاکستانی ایجنسیوں کے پالے پوسے ہوئے سفّاک قاتل کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ صبح سات بجے انل بسواس کی لاش دریافت ہوئی تھی۔ اس کے پندرہ منٹ بعد یہ خبر آئی کہ نریش بھی اسی رات موت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا۔

بھارتی سرجنوں نے میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی دکھائی تھی اور دونوں لاشیں دریافت ہونے کے ایک گھنٹے میں یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ نریش کمار کی موت لیزر شعاعوں کے ذریعے اس کے دل میں ہونے والے سوراخ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ خبر میں بیم گن کے لیے لیزر گن کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔ را کے ذمے دار افسروں کا کہنا تھا کہ وہ جدید ترین اور مہلک ہتھیار ڈینی کی خاص پہچان بنا ہوا تھا۔ نریش کے قتل میں لیزر گن کا استعمال اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے بھارت میں گھس آنے کی خبریں درست تھیں۔ ڈینی اپنے گروہ کے ساتھ دہلی میں موجود تھا اور خاموشی سے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے میں مصروف تھا۔

خبر میں دہلی کی انتظامیہ کو ملامت کی گئی تھی کہ ہوٹلوں کی کڑی چھان بین اور پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کے باوجود وہ ڈینی جیسے مجرم کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہی تھی اور دہلی میں مرکزی حکومت کی ناک کے نیچے دہشت گردی کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

اخباری نمائندے کے مطابق یہ نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ اگر نریش کو مارنے کے لیے لیزر شعاعیں استعمال نہ کی گئی ہوتیں تو دہلی میں کسی کو علم نہ ہوتا کہ ڈینی اپنے مخصوص اہداف لے کر دہلی پہنچا ہوا ہے۔

دہلی پولیس کے ایک بڑے افسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی استدعا کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک قتل میں ڈینی نے دانستہ لیزر گن استعمال کی تھی تاکہ اس طرح وہ دہلی میں اپنی موجودگی کا اعلان کرکے اعلیٰ سرکاری افسروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا سکے۔

سانپ نکل چکا تھا اور دہلی کی انتظامیہ لکیر پیٹنے میں مصروف تھی۔ ڈینی کی بربریت کا متوقع نشانہ بننے والے سرکاری افسروں اور سرکردہ لیڈروں کے لیے فوری طور پر مسلح محافظوں کی ٹکڑیاں مامور کردی گئی تھیں اور دہلی کے اہم سرکاری علاقوں میں جنگ کا سا سماں نظر آنے لگا تھا۔

اخبار میں ایک طرف میری موجودگی کا اعلان تھا۔ دوسری طرف دہلی میں بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کی اطلاعات تھیں۔ سارے جرائم میرے سر تھوپ دیے گئے تھے اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ ساری کارروائیاں دہلی کے مسلمانوں کے خلاف نہیں تھیں مگر اخبار میں اس بدترین مذہبی امتیاز کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں نے بہت غور سے اخبار کے چاروں صفحے دیکھ ڈالے لیکن مجھے کہیں بھی مظہر خان اور غزالہ کے نام نظر نہیں آئے۔ شہر میں ایک نامور مجرم کی موجودگی کے ہراس میں مبتلا ہوکر اعلیٰ افسروں نے چھوٹے موٹے مشتبہ افراد کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

وہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی تائید تھی۔ اشارے مل رہے تھے کہ ہم دونوں کو حفاظت کے ساتھ امرتسر بلکہ بھارت سے نکل جانے کی مہلت مل چکی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جوں ہی کسی افسر کو یہ خیال آگیا کہ ڈینی کسی غیر معروف روپ میں دہلی کی عام آبادی میں روپوش ہے تو سب سے پہلے مظہر خان کا نام اس کی توجہ کا مرکز بنے گا اور پھر ہر طرف اسی نام کا شہرہ ہوجائے گا۔ میں نے اخبار ختم کرکے ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ سالا ڈینی بھی کوئی چھلاوا لگتا ہے۔" بنگو نے بدمزگی سے کہا "اخبار والوں نے اسے بلاوجہ ہیرو بنایا ہوا ہے۔ ہر دو چار مہینے بعد اس کے نام کی سرخیاں لگتی ہی لگتی ہیں۔ کبھی وہ پاکستان میں ہمارے آدمی مار دیتا ہے' کبھی امریکا میں ان کا پیچھا کرتا ہے اور اب تو حد ہوگئی کہ وہ دہلی میں دندنا رہا ہے اور اسے پکڑ کر اس کا سر کچلنے کے بجائے اس کے نام سے

شریف لوگوں کو ڈرایا جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پولیس، را اور سی آئی ڈی میں سب نامرد ہو گئے ہیں۔"

"یہ سب سرکاری افسروں کا ڈراما ہے۔" غزالہ نے وثوق سے اسے مزید گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ اپنی کھال بچانے کے لیے ایسے نام اور کردار گھڑتے رہتے ہیں تاکہ ہر ٹیڑھا جرم اس کے سر ڈال کر آرام سے بیٹھے رہیں اور کوئی ان سے بازپرس نہ کرے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ کبھی ڈینی کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"بھاڑ میں ڈالو ڈینی کو۔ اپنی پیٹ پوجا کی فکر کرو۔" اس نے اپنے لائے ہوئے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

بنگو احاطے میں بنے ہوئے باورچی خانے سے پلیٹیں لے آیا۔ غزالہ نے کھانا نکالا اور جس کو جہاں جگہ ملی اس نے وہیں بیٹھ کر اپنی شکم پری شروع کر دی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم ڈینی ڈراما شروع ہونے سے پہلے دہلی سے نکل آئے۔" بنگو نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "پولیس والے اب مسلمانوں کا دہلی سے نکلنا مشکل کر دیں گے اور تم دونوں صرف مسلمان نہیں، پاکستانی بھی ہو۔ وہ تمہارے کپڑے تک اتروا دیتے۔"

"ہمیں ڈینی اور اس کے چکروں سے کیا لینا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "تم آج ہمیں یہاں سے نکال دو پھر جو ہوتا ہے 'ہوتا رہے۔"

"سب اُلّو کے پٹھے ہیں۔" بنگو اس ذکر میں دلچسپی لے رہا تھا "میری بات لکھ لو کہ کسی اور نے لیزر گن استعمال کرکے ڈینی کو مروانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اتنا بے وقوف نہیں ہوتا کہ واردات کے بعد اپنے خلاف کوئی کھلا ثبوت بھی چھوڑ دے۔"

"پھر تمہاری دانست میں یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟" میں نے اسے اکسایا۔

"لیزر گن، انفرا ریڈ چشمے اور دوربینیں پہلے فلموں میں دکھائی جاتی تھیں اب سنا ہے کہ امریکا میں عام ہیں۔ ڈینی کے پاس ایک گن ہوگی۔ سی آئی اے والے چاہیں تو سو گنیں لا سکتے ہیں یہ ان ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ وہ پکے حرامی ہیں۔"

"وہ را کے افسروں کو کیوں ماریں گے؟ ان سے سی آئی اے کی گہری دوستی ہے۔"

"امریکی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ اپنے مطلب کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انل بسواس اور نریش نے سی آئی اے والوں کا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا ہو

مکالمے

○... ایک صاحب نے ایک نہایت خوب صورت لڑکی کو دفتر میں ملازم رکھتے ہوئے کہا "جب تم یہاں دوسرے کارکنوں کی تیز تیز سانسوں کی آوازیں سننے کی عادی ہو جاؤ گی تو پھر تمہیں کام میں زیادہ دشواری محسوس نہیں ہوگی۔"

○... ایک خاتون ایک صاحب سے کہہ رہی تھیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک نہایت رومینٹک شوہر ہیں لیکن اس وقت آپ غلط اپارٹمنٹ میں آ گئے ہیں..."

اور انہوں نے دونوں کو اس طرح مروا دیا کہ الزام ان کے س نہ آئے۔ تمہیں پورے اخبار میں کہیں سی آئی اے کا نام نہیں ملے گا۔"

"تم بلاوجہ ان باتوں میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" غزال نے اس کی جذباتی اور احمقانہ تاویل پر کہا "یہ بتاؤ کہ تمہاری پک اپ کہاں ہے۔"

"تئیس ہزار میں سودا بن گیا۔" اس نے فخر سے بتایا "میری جیب گرم تھی۔ میں نے دو ہزار توڑ لیے۔ نوٹ دیکھ کر بی ایس ایف کے کرنل کی رال ٹپکنے لگی تھی۔ گاڑی گودام میں خالی ہو رہی تھی ہے۔ میرا آدمی اسے لے آئے گا۔ میں تم دونوں کی وجہ سے جلدی لوٹ آیا۔"

"تمہارا آدمی پک اپ لے کر یہاں آئے گا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پھر اور کہاں جائے گا۔ میرے پاس گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے یہی ایک جگہ ہے۔" اس نے شانے اچکا کے جواب دیا۔

"جب تک ہم دونوں یہاں ہیں، اپنے آدمیوں کو دور رکھو۔ ہم کسی کے سامنے آنا پسند نہیں کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ کوئی کمرے میں نہیں آئے گا۔ باہر سے گاڑی چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو میں باہر جا کر اس سے مل لوں گا۔" بنگو نے تسلی دی۔

"کیا رات کو ہمیں اسی پک اپ سے سفر کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ ایسے کاموں کے لیے میرے پاس وہی ایک گاڑی ہے۔" بنگو نے بے چارگی سے کہا "اس سفر میں

تمہیں بے آرامی تو ہوگی مگر پیچھے کے لوہے کے کیبن کی وجہ سے وہ محفوظ ہے۔ سفر بھی زیادہ لمبا نہیں ہے۔"

"پرسوں تم پکڑے گئے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ آج پھر دھر لیے جاؤ۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"آج تو میں نئی شان کے ساتھ جاؤں گا۔" اس نے اپنا سینہ پھلا کے کہا "پک اپ کا سودا ہونے کی وجہ سے کرنل سے میری دوستی ہوگئی ہے۔ رات کی راہ داری کے لیے میں نے اسے ہزار روپے دے دیے ہیں۔ اس کی ایک گاڑی ہمیں سرحد تک پہنچائے گی۔ بی ایس ایف والے مال بنانے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"تم نے اسے بتا دیا ہے کہ آج تم دو آدمیوں کو سرحد پار لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"گاڑی لے جانے کی بات ہوئی ہے۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ اسے خالی لے جاؤں یا اس میں ہیروئن بھرلوں۔"

"جانتے ہو کہ منوں ہیروئن کی مالیت کتنی بنتی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بی ایس ایف والے ہم سے زیادہ کائیاں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کروڑوں کا مال لے جانے کے لیے کوئی ایسی پھٹیچر پک اپ استعمال نہیں کرے گا۔ بڑے کاموں میں تیز رفتار والی نئی اور طاقت ور فور وہیل ڈرائیو گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔"

"تو کیا تم نے جان بوجھ کر اپنی پک اپ کو خراب حالت میں رکھا ہوا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کون کہتا ہے کہ میری پک اپ خراب حالت میں ہے" اس نے تیزی سے سوال کیا پھر خود ہی بولنے لگا "اس کا انجن بہت جان دار اور اچھی حالت میں ہے۔ باڈی میں نے کم پیسوں میں بنوائی ہے۔ بارڈر والے مال نہیں دیکھتے گاڑی دیکھتے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے کبھی دو چار ہزار روپے سے زیادہ کی امید نہیں کی۔ لینڈ کروزر ہو تو لاکھوں سے نیچے بات نہیں ہوگی۔ ان سالوں کی ذہنیت بہت خراب ہوتی ہے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے کہ کبھی مقدر نے ساتھ دیا تو بھی پھیروں کے لیے گاڑی نہیں بدلوں گا۔ اسی کو ٹھیک ٹھاک کرالوں گا۔"

کھانے اور باتوں سے فارغ ہونے کے بعد بنگو اٹھ گیا۔ "تم دونوں آرام کرو۔ میں برابر والے کمرے میں ہوں، کوئی ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

وہ بدمعاش ضرور تھا مگر تہذیب سے یکسر عاری نہیں تھا۔ اس نے ہمارے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے کمرے سے ٹل کر نہایت شائستگی کا ثبوت دیا تھا۔

"شام کو دارو پینے کا ارادہ ہو تو میرے کمرے میں آجانا" اس نے دروازے پر رک کر مجھے دعوت دی "آج میں نے تین ولایتی بوتلیں منگوائی ہیں۔ یہاں سے شہنشاہ بن کر سفر پر روانہ ہوں گے۔"

تین بوتلوں اور شہنشاہی کا ذکر سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "بنگو! آج تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنی بادشاہی کی ترنگ میں کسی سے الجھ پڑو اور ہمارا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے۔"

وہ رک کر ہنسنے لگا "بس، اتنی سی بات سے ڈر گئے۔ تم نے آج کے کام کے پیشگی پیسے دے کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔ شوق کا کیا ہے، وہ واپس لوٹ کر بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوکھے مسلمان ہو۔"

میں نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بولٹ کیا اور مسہری پر دراز ہو گیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے لیٹ چکی تھی۔

بنگو کا لایا ہوا کھانا ذائقے میں لذیذ اور مقدار میں وافر تھا اس لیے میں نے شکم سیر ہو کر کھایا تھا۔ خلوت اور سکون میسر آتے ہی میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں اونگھتے اونگھتے نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

غزالہ نے جھنجوڑ کر مجھے بیدار کیا تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ باہر دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا کیونکہ راہوار مشرق اپنے دن بھر کے سفر کے آخری مرحلے پر تھکے تھکے انداز میں غروب ہو رہا تھا۔

میں نے ہڑبڑا کر مسہری چھوڑی اور کمرے سے نکل کر غسل خانے کی طرف ہو لیا۔ بنگو اپنے کمرے کے سامنے، کھلے آسمان تلے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی پک اپ واپس آچکی تھی اور اس کے وعدے کے مطابق دور دور تک کوئی چوتھا متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

میں غسل خانے سے نکلا تو بنگو اپنی کرسی سمیت غائب تھا۔ اس کے روشن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے کے بجائے وہیں چلا گیا۔ وہ کمرا زیادہ صاف اور آراستہ تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ بنگو نے ہم دونوں کو وہاں آرام کرنے کی دعوت نہیں دی۔

بنگو زمانہ شناس آدمی تھا۔ میرے تیور بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "میں تم کو یہی کمرا دیتا مگر میں نے سوچا کہ غزالہ برا نہ مان جائے۔ دراصل ان تصویروں کی وجہ سے میں نے

تم دونوں کو برابر والے کمرے میں رکھا تھا۔"

اس کے توجہ دلانے پر بات میری سمجھ میں آگئی۔ اس کمرے کی تین دیواروں پر مردوں اور عورتوں کی بڑی بڑی رومانی تصویریں آویزاں تھیں۔ ان رنگین تصاویر کی عریانیت کسی بگڑے ہوئے مرد کے ذوق نظر کی تسکین کا سبب بن سکتی تھی لیکن غزالہ جیسی خانہ دار عورت کے لیے وہ تصویریں خاصی فحش تھیں۔ بنگو نے سوچ سمجھ کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ اس کے کمرے کی فضا میں الکحل کی ذرا بھی بو نہیں تھی۔ اس کی منگوائی ہوئی تینوں بوتلیں الماری پر رکھی ہوئی تھیں۔

"اب نکلنے کی تیاری کرو۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو تم دونوں رات کا کھانا لاہور میں کھاؤ گے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے کہا۔

"ہمیں تیار ہی سمجھو" یہ کہہ کر میں مسکراتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

ہمیں کسی فیشن شو میں نہیں، اپنے وطن واپس جانا تھا۔ وہ مرحلہ اس قدر اہم تھا کہ اس میں ہماری تیاری کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہم جیسے اور جس حالت میں تھے، اسی میں سفر پر روانہ ہو سکتے تھے۔ میں نے بال سنوار کر موزے اور جوتے پہنے پھر ہم دونوں اپنے دستی سامان کے ساتھ باہر آگئے۔ میرے آواز لگانے پر بنگو بھی اپنے کمرے کی روشنی گل کر کے باہر آگیا۔ اتنی دیر میں باہر خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے احتیاط کے طور پر بیم گن بریف کیس سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

غسل خانے کی دیوار پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں بنگو نے دونوں دروازے مقفل کیے اور ہم تینوں پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔

وہ دیکھنے میں ہی باربرداری کی بدوضع گاڑی معلوم ہوتی تھی۔ سفر کی ابتدا سے ہی احتیاط ضروری تھی اس لیے ہم دونوں پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوگئے اور بنگو نے دروازہ بند کر دیا۔ کھلی فضا کے مقابلے میں اندر گہری تاریکی تھی۔

چند ثانیوں بعد پک اپ کا انجن تیز غراہٹ کے ساتھ بیدار ہوگیا۔ وین نے وسیع احاطے میں یوٹرن لیا اور پھر ناہموار زمین پر سست روی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ ہمیں جھٹکے لگنے کے اندیشے کی وجہ سے بنگو تیز رفتاری کے جوہر دکھانے سے گریز کر رہا تھا۔

بنگو نے ہمیں ایک ایسے مکان میں رکھا تھا جہاں بھینسوں وغیرہ کے باڑے سے آنے والی بدبو کا راج تھا۔ پک اپ کے عقبی کیبن میں دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی لمبی نشستیں نہ ہوتیں تو وہ بھی مویشیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اس میں عجیب ملی جلی سی بساند رچی ہوئی تھی۔

جب تک وہ پک اپ امرتسر کے بارونق علاقوں سے گزرتی رہی، ہمیں باہر کی آوازیں وغیرہ سنائی دیتی رہیں۔ باڈی کی جھریوں سے چھن کر کیبن میں آنے والی ناکافی روشنی بھی اس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہو رہی تھی۔ رونق اور آبادی کے وہ سارے آثار تھوڑی دیر میں ختم ہوگئے۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی ایک سمت میں سفر کیا جائے تو امرتسر کی شہری حدود زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکیں گی۔

ویرانے میں پک اپ کافی دیر تک پختہ سڑک پر دوڑتی

سچ بیانی

رفاہی تنظیم کے صدر شہر کے امیر ترین مگر کنجوس ترین شخص کے پاس چندے کی اپیل لے کر پہنچے۔ کروڑپتی نے کہا "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری نوے سالہ والدہ پچھلے پانچ سال سے اسپتال میں داخل ہیں۔ میری ایک بیوہ بیٹی جس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ میرے پانچ نکمے بھائی ہیں جنہوں نے لاکھوں کے قرضے سر چڑھا رکھے ہیں....اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ مدد پہلے اپنوں کی کی جاتی ہے۔"

"اوہ....مجھے معلوم نہیں تھا، آپ اتنی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں" رفاہی تنظیم کے صدر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

کروڑپتی نے روانی میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ خود سوچیں کہ جب میں نے ابھی تک ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی تو آپ کی کیا مدد کروں گا؟"

رہی۔ ہم دونوں، آمنے سامنے کی لمبی نشستوں پر، پائپ
تھامے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"مجھے یہ پورا سفر ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا ہے" کچھ دیر بعد غزالہ نے سکوت توڑا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم بھارت جا کر را والوں کے حلق میں ہاتھ ڈالیں گے اور مختصر سی مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کر کے لوٹ آئیں گے۔"

"خوابوں کے بجائے حقیقت کی دنیا میں رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ ہم اس کے سب سے خطرناک مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ دعا کرو کہ تھوڑی دیر بعد یہ امتحان خیروخوبی سے مکمل ہو جائے۔ بھارت کی زمین کا آخری انچ بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بنگو کی باتیں امید افزا تھیں۔ وہ اس سفر کے لیے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل کو ایک ہزار روپے پیشگی دے چکا ہے۔ وہ اسی راہ سے گزرے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ سفر خیروخوبی سے کٹ جائے گا۔ میں ابھی سے خود کو پاکستان میں محسوس کر رہی ہوں۔"

میں نے اس کی خوش فہمی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری خواہشات غزالہ سے مختلف نہیں تھیں۔ سب باتیں بھی میرے سامنے تھیں لیکن امرتسر کی شہری حدود سے نکلتے ہی میرے دل پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہونے لگا تھا جو کسی ناگہانی خطرے کی آمد کا اعلان تھا۔

پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ پختہ سڑک ختم ہونے والی تھی۔

گاڑی ہلکے سے جھٹکوں کے ساتھ مڑ کر کچے راستے پر اتر گئی۔ چاروں طرف سے بند آہنی کیبن میں محصور ہونے کی وجہ سے میں باہر کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس اندازے ہی اندازے قائم کیے جا سکتے تھے۔ میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ ہمیں اگلے ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پاکستانی علاقے میں اس زیرو پوائنٹ پر پہنچ جانا چاہیے تھا جہاں جلال گاڑی کے ساتھ ہمارا منتظر ہوتا۔

بند کیبن کی فضا میں یکایک خنکی کا احساس تیرنے لگا۔ شاید گاڑی آبادی اور ویرانوں کو پیچھے چھوڑ کر کسی خودرو سرحدی جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔

پک اپ کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی۔ ہچکولوں سے پتا چل رہا تھا کہ بنگو اسٹیئرنگ پر خاصی محنت کر رہا تھا۔ سفر جاری رکھنے کے لیے اسے بہت تیزی سے اور بار بار گاڑی کا رخ موڑنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ سفر کے کسی خطرناک زون میں داخل ہو چکا تھا جہاں گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں نظر آنے کی حد میں کمی ہو جانے کی صورت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ اچانک سامنے آتی ہے اور راستہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

کئی بار گاڑی اتنی تیزی سے گھومی کہ ہم دونوں اپنی جگہوں سے پھسل کر فرش پر گرتے گرتے بچے مگر ہم نے اُف تک نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ بنگو ہمیں دانستہ ہلکان نہیں کر رہا تھا۔ وہ رف ڈرائیونگ اس کی مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"ہالٹ!" باہر انجن کے یکساں شور میں اچانک کوئی کرخت انسانی آواز گونجی۔

وہ آواز اتنی اونچی اور تحکمانہ تھی کہ بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ نہ جانے کون چیخا تھا اور کس پر چیخا تھا۔ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ ہماری پک اپ بدستور اسی بے ڈھنگے انداز میں آگے ہی آگے رواں تھی۔

اونچی آواز کی بازگشت معدوم ہونے کے بعد خوف اور فضا پر وہی مہیب سناٹا چھا گیا جس میں پک اپ کے انجن کے شور کے سوا کوئی اور ہلچل نہیں تھی۔

"ہالٹ!" وہی آواز اس بار نیم وحشیانہ انداز میں گونجی۔ میں اپنی جگہ تن کر بیٹھ گیا۔

پک اپ چلتی رہی۔ اس بار للکار کی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں سے لگاتار دو فائروں کی مہیب آواز سنائی دی۔ ان فائروں کا منبع ہماری پک اپ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ان دو دھماکوں کے ساتھ ٹائر پھٹنے کا تیسرا دھماکا سنائی دیا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے قیامت سی آ گئی ہو۔

پک اپ کو ٹائر پھٹنے سے زبردست جھٹکا لگا اور پھر وہ اچھلتے اچھلتے اچانک رک گئی۔ بنگو نے اس کا انجن بند کر دیا تھا۔

میں نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے تیزی سے نیچے اترنے کا ارادہ کیا مگر آہنی دروازے پر ہاتھ لگتے ہی یاد آیا کہ وہ دروازہ باہر سے بولٹ تھا۔ اس مضبوط بولٹ کو ہٹائے یا کاٹے بغیر ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

"خدا خیر کرے!" غزالہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تشویش زدہ آواز برآمد ہوئی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے فائر کر کے ہماری گاڑی کا اگلا ٹائر پھاڑا گیا ہے۔"

"فائر سے پہلے کسی نے بنگو کو دو مرتبہ للکارا تھا" میں

نے ہیجان آمیز سرگوشی میں کہا "اس حرام زادے نے وارننگ کی پروا نہیں کی۔"

"ایسے جارحانہ انداز میں صرف سرحدی محافظ ہی روک سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم سرحد کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"اس وقت سرحد، جنت اور جہنم، سب ہی قریب ہیں۔" میں نے اضطراری انداز میں پچھلے دروازے پر زور لگایا جو بے سود تھا۔

"رکو اور ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس بار کوئی وحشیانہ انداز میں چیخا تھا "ورنہ میں برسٹ مار کر گرا دوں گا۔"

پک اپ کا انجن بند ہونے کے ساتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ہر طرف گہرا اور مہیب سناٹا تھا جس میں ہر آواز اپنی اصل شدت اور تاثر کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔ باہر سے بنگو کے سانس کی آواز تک نہیں آئی۔ فضا دو افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں پھر وہ تھم گئیں۔

"اوئے! ماں کے خصم! تو نے ہمارا کاشن نہیں سنا تھا؟" ایک اجنبی آواز کرخت پنجابی لہجے میں گونجی۔

"انجن کے شور میں میرے کان کام نہیں کر رہے تھے۔" پہلی بار بنگو کی سہمی ہوئی اور مدافعانہ آواز سنائی دی۔

"ابھی تیری ہر چیز کام کرنے لگے گی۔" وہ دوسری زہریلی آواز تھی "ادھر سرحدی جنگل میں کہاں جا رہا ہے۔"

"میں نے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل بھوشن سے اجازت لی ہوئی ہے۔"

"کرنل اور جنرل مت بک۔ یہ بتا کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ ایجنٹ ہے پاکستان کا؟" پہلی کرخت آواز گونجی۔

گفتگو کے تیور یکایک بہت خوفناک ہو گئے تھے۔ بدقسمتی بنگو کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر غلط آدمیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ میں نے بے چین ہو کر ایک مرتبہ پھر دروازے پر طبع آزمائی کی لیکن کوئی چیز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جب تک باہر کا فولادی کنڈا لگا ہوا تھا ہم دونوں میں سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

دونوں نوواردوں کے درشت لب و لہجے نے شاید بنگو کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا "مم۔۔۔میں۔۔۔کک۔۔۔کسی کا ایجنٹ نہیں ہوں۔"

"پھر ادھر اپنی ماں کی گود میں جا رہا تھا۔" کرختگی سے کہا گیا "یا تیرا باپ بیٹھا ہے وہاں بفرزون میں۔"

"دد۔۔۔دیکھو میرے ماں باپ تک مت پہنچو۔ تم نے ٹائر پھاڑ کر پہلے ہی میرا نقصان کر دیا ہے۔"

"ابھی ٹائر پھاڑا ہے تو نے زبان نہیں کھولی تو سب کچھ پھاڑ دیں گے۔" کرخت آواز والا دہاڑا۔

"تم مجھے کرنل بھوشن کے پاس لے چلو۔ وہاں میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا۔" بنگو نے اصرار کیا۔

زمین پر وزنی قدموں کی مختصر سی چاپ سنائی دی پھر فضا بنگو کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے بڑھ کر بنگو کے جسم کے کسی حصے پر شدید ضرب لگائی تھی۔ میں پک اپ کے آہنی کیبن میں محبوس تھا۔ مجھے باہر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، جو کچھ تھا بس میرے اندازے تھے۔ ان کی بنا پر بھی میں کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھا۔

"کہاں جا رہا تھا اور گاڑی میں کیا ہے؟" بنگو کی چیخ تھمنے پر کرخت آواز گونجی۔

"میں مر گیا۔" بنگو اذیت ناک آواز میں کراہتے ہوئے بولا "گاڑی میں کچھ نہیں ہے۔ تم خود پچھلا دروازہ کھول کر دیکھ لو۔"

"پہلے اس کی تلاشی لے لو۔ خطرناک ارادے سے نکلا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہوگا۔" زہریلی آواز میں مشورہ دیا گیا۔

کچھ دیر کے لیے فضا میں خاموشی چھا گئی۔ شاید بنگو کی جامہ تلاشی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

"بڑا ناز ہے تجھے اپنی نشانہ بازی پر گھر سے صرف چاقو لے کر نکلا ہے۔" کرخت آواز میں طنز سے کہا گیا۔

فضا میں چٹاخ کی پُرشور آواز گونجی۔ اس زوردار تھپڑ کو بنگو خاموشی سے پی گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "چاقو

رف پلٹا۔ غزالہ اسے زمین پر گرائے رکھنے کی جان توڑ
ؤششوں میں اس کے سینے پر سوار تھی۔
"ہٹو۔ الگ ہٹ جاؤ۔" میں نے سختی سے غزالہ کا شانہ
بڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔
وہ شاید میرے ہاتھوں پہلے فوجی کا انجام دیکھ چکی تھی۔
پھل کر اس کے ناپاک وجود سے الگ ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے
ں نے دوسرے فوجی کے چہرے کے رخ سے اس کے دماغ پر
نگوں شعاعوں کی دھار ماری۔ دھاتوں کو پگھلا بلکہ جلا دینے
ی حرارت رکھنے والی شعاعیں اس کے دائیں چہرے سے
تی ہوئی پار نکل گئیں اور وہ بھی کسی اذیت کے بغیر پل بھر
ں اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا۔
دہشت سے بنگو کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں وہ بے یقینی
ے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔
"تت... تم... تت... تم تو تم... ڈ... ڈیبی ہو!" اس کے
نٹوں سے اٹکتی اور سرسراتی ہوئی ایک خوف زدہ سرگوشی
آمد ہوئی۔
"ان دونوں کو رائفلوں سمیت پک اپ میں ڈالو اور
ری طور پر یہاں سے چل دو۔ فائرنگ سن کر ان کے ساتھی
ھر آنکلے تو نئی مصیبت ہمارے گلے پڑ جائے گی۔" میں نے
کراتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ خوف اور بے یقینی کا
اب سر سے اترتے ہی میں خود کو بالکل نارمل اور ہلکا
سوس کر رہا تھا۔
غزالہ نے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی روشن ٹارچ اٹھائی
ر پھر دونوں خود کار رائفلیں اٹھا کر پک اپ میں ڈال دیں۔
"اس وقت میرے ہاتھ قابو میں نہیں ہیں۔" بنگو نے
رسراتی ہوئی شکستہ آواز میں کہا "میں نے تمہیں درندے کی
رح ان دونوں کو مارتے دیکھا ہے۔ تمہارے پاس لیزر گن
ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ڈیبی ہوگے۔"
"لاش اٹھاؤ۔" اس بار میں نے سختی سے کہا "ہمیں جلد
جلد آگے بڑھنا ہے۔"
بادل ناخواستہ اس نے ایک لاش کے دونوں پیر تھام
ے۔ وہ دونوں فوجی صحت مند اور توانا تھے۔ ان کی لاشوں کو
نچی پک اپ میں منتقل کرنے کے لیے غزالہ کو بھی ہمارا
تھ دینا پڑا۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے
ے۔ لاشیں چڑھانے کے بعد ہم نے تیزی سے پھٹا ہوا اگلا
ر بھی تبدیل کر لیا۔
"تم ڈیبی ہو نا؟" بنگو نے ایک مرتبہ پھر مجھ سے سوال
یا اور میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔

ان واقعات کے بعد بنگو حواس باختہ ہو چکا تھا۔ وہ
ڈرائیونگ کیبن میں اکیلا ہوتا تو ہمیں کسی حادثے سے دوچار
کر سکتا تھا۔ میں علیحدگی میں غزالہ کو سمجھانے کے بعد بنگو
کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے چوں تک نہیں کی۔
غزالہ پچھلے کیبن میں دونوں لاشوں کے ساتھ موجود تھی۔
میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ لاشوں کی تلاشی
لے کر رائفلوں کے فاضل میگزین بھی یکجا کر لے اور
ضرورت پیش آنے پر گولی چلانے سے دریغ نہ کرے۔
"اب ہم کدھر جائیں گے؟" بنگو نے انجن اسٹارٹ
کرنے سے پہلے پوچھا۔
"پروگرام کے مطابق چلتے رہو ہمیں ہماری منزل پہ
پہنچانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہوگے۔" میں نے
کہا۔
"یہ لاشیں تم پاکستان میں اتار لوگے نا؟" اس نے انجن
اسٹارٹ کر کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"انہیں میں نے نہیں بلایا تھا۔ لاشیں مل گئی ہیں تو یہ
پاکستان جائیں گی تم کو ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی
ضرورت نہیں ہے۔"
بنگو نے پارکنگ لائٹس روشن کر کے پک اپ آگے
بڑھا دی اس وقت ہم خاصے گنجان جنگل میں تھے۔
چند منٹ بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ اتنی ناکافی روشنی میں
گاڑی چلانا کس قدر مشکل کام تھا۔ وہ بنگو ہی تھا جو اپنے غیر
معمولی مشاہدے کی مدد سے پک اپ کو ہر لمحے کسی درخت کے
تنے یا بڑے پتھر سے ٹکرانے سے بچا رہا تھا۔
کچھ دیر بعد دور سے گولیاں چلانے کی آوازیں آئیں تو
بنگو بولا "اتنی فائرنگ ہونے کے باوجود ان کا کوئی ساتھی
ادھر نہیں آیا۔"
"سرحدی علاقوں میں بلا وجہ بھی گولیاں چلتی رہتی ہیں
کبھی کبھی یہ لوگ اپنی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے خیالی
سایوں پر بھی گولیاں چلا دیتے ہیں پھر یہ بہت لمبی سرحد ہے۔
گشتی پارٹیاں ایک دوسرے سے کافی دور رہتی ہیں۔ دور سے
یہ پتا چلانا مشکل ہوتا ہے کہ کہاں فائرنگ ہوئی ہے۔"
"یہ بی ایس ایف والے نہیں ہیں کیونکہ ان کی وردیاں
الگ ہوتی ہیں۔ پتا نہیں یہ کہاں سے ادھر نکل آئے۔"
"کبھی کبھی شامت بھی انسان کو گھیر کر کسی خاص مقام پر
پہنچا دیتی ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟"
"فکر مندی کی بات ہے میں اکثر ادھر آتا رہتا ہوں۔
اس راستے پر واقع ساری چوکیاں بی ایس ایف والوں کی

ہیں۔"

"کیا ہم وہاں سے گزر آئے ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ دس پندرہ منٹ بعد ہم وہاں سے گزریں گے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے۔" اس نے بتایا "میرے راستے میں صرف ایک چوکی آئے گی۔"

"کسی کھلی جگہ پر گاڑی روک لینا۔" میں نے اس کا جواب سننے کے بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "اس چوکی کے قریب سے گزرنے سے پہلے مجھے پچھلے دروازے کا بندوبست کرنا ہے۔ میں نے لیزر گن سے اس کا بولٹ کاٹ دیا تھا۔"

"تم واقعی حیران کن آدمی ہو میں ڈر رہا تھا کہ دونوں فوجی تمہیں اور غزالہ کو آسانی سے پکڑ لیں گے۔ لوگ تمہارے نام سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ اب بات میری سمجھ میں آ رہی ہے کہ تم را والوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے دہلی گئے تھے۔ جس روز ابن کا ویل امرتسر سے نکلی اس سے پہلی رات را کے ایک دفتر کو آگ لگائی گئی تھی۔ وہاں ان کا ایک آدمی بھی مرا تھا۔ آج تم جا رہے ہو اور صبح دہلی میں را کے دو افسر مرے ہوئے تھے۔ سچ سچ بتا دو کہ تم دہلی سے آئے تھے یا انبالہ سے۔"

"میں بار بار اپنی کہانیاں بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو سوچتے رہو۔"

اس نے ایک کھلی جگہ پر گاڑی روک دی۔ میں نے اتر کر غزالہ سے خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ پچھلا دروازہ جھٹکوں سے بار بار کھل رہا تھا۔ وہ اندر سے اسے تھامے بیٹھی تھی اسے ڈر تھا کہ کسی غلط موقع پر دروازہ خود بہ خود کھل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

"لاشوں کے جوتوں سے لمبے فیتے کھول لو اور دروازے کے پٹ اندر سے باندھ لو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "تم کنارے پر بیٹھ کر سفر کرتی رہیں تو کسی جھٹکے سے خود بھی لڑھک کر نیچے آ جاؤ گی۔ آگے ہمیں بی ایس ایف کی ایک چوکی سے بھی گزرنا ہے۔"

"ویری گڈ۔ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں خود بھی دروازہ تھامے تھامے پریشان ہو گئی تھی۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

ہم ذرا سی دیر کے لیے وہاں رکے رہے۔ غزالہ نے دروازے کے پٹ فیتوں سے باندھ لیے تو میں نے باہر سے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور دوبارہ بنگو کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس دوران میں گاڑی کا انجن چلتا رہا تھا۔ بنگو نے دوبارہ گاڑی چلا دی۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا وہ گڑبڑ کے باوجود ہمارے حق میں رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے دونوں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرنی پڑی تھی۔ اگر میں ان لاشوں کو وہیں چھوڑ دیتا تو اگلی صبح تک یہ کہانی عام ہو سکتی تھی کہ ڈینی دہلی میں انل اور نریش کا کام تمام کرنے کے بعد اسی راہ سے پاکستان فرار ہوا تھا۔ دہلی والوں کی سوچ کے مطابق بیم گن یا لیزر گن کا استعمال میری کہیں بھی موجودگی کا کھلا ثبوت تصور کیا جاتا۔

اس راہ سے گزرنے والوں کے بارے میں کڑی چھان بین ہوتی تو بنگو کا نام ضرور سامنے آ جاتا۔ اس کی گرفتاری سے میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ذمے داروں کو ضرور تشویش ہو سکتی تھی۔

بھارتی سرزمین پر اپنے اس آخری سفر کے دوران میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان باتوں پر سوچ بچار کر کے کوئی صحیح فیصلہ کر پاتا۔ جب میں نے ان لاشوں کو پک اپ میں لادنے کا فیصلہ کیا تو میرے سامنے دو اہم ترین نکات تھے۔ اول یہ کہ کوئی دوسری گشتی پارٹی ان لاشوں کو دریافت کر کے پوری سرحدی پٹی پر ہائی الرٹ کی صورت حال پیدا نہ کر سکے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ میں بنگو اور ان دونوں لاشوں کے مستقبل کا فیصلہ جلال سے مشورے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ اگر جلال کی رائے میں ان لاشوں کا بھارتی سرزمین پر پایا جانا ہر خطرے سے خالی ہوتا تو بنگو اپنی واپسی کے سفر میں ان لاشوں کو کہیں بھی پھینک سکتا تھا۔

وہ باتیں اپنی جگہ پر تھیں۔ جب سے بنگو نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچانا تھا اس کی طرف سے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ فوجیوں کے مقابلے کے دوران جو کچھ ہوا' وہ بہت تیزی سے اور غیر ارادی طور پر ہوتا چلا گیا۔ میں نے مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال کی کیونکہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار موجود نہیں تھا مگر بنگو نے اسی بیم گن کو اہم ترین اشارہ سمجھ کر مجھے ڈینی کہنا شروع کر دیا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کے لیے بنگو کی افادیت مسلمہ تھی۔ امرتسر یا اس کے قرب و جوار میں اس کا کوئی متبادل تلاش کرنا آسان نہیں تھا مگر وہ بنیادی طور پر بھارت کا ایک جرائم پیشہ شخص تھا جو کسی بھی وقت قانون کی گرفت میں آ سکتا تھا۔ وہ میرے خلاف ایک مضبوط چشم دید گواہ بن گیا تھا۔ بھارتی نژاد اس اکلوتے گواہ کا وجود میرے لیے پریشان کن تھا۔

والے اسے کسی بھی وقت میرے خلاف میدان میں اتار تے تھے۔

بنگو کی زندگی اور موت کا بہتر فیصلہ جلال ہی کر سکتا تھا۔

"میری جیب میں ساڑھے چار ہزار روپے پڑے ہوئے ، وہ ان دونوں میں سے کسی کی جیب میں ہوں گے۔" کافی کی خاموشی کے بعد بنگو نے شکوا کیا۔

"فکر نہ کرو۔ ان کی جیبوں سے ملنے والی ساری نقدی یں دے دی جائے گی۔" میں نے اسے اطمینان دلایا۔

"تین دن سے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے ۔ وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "پتا نہیں قسمت کی دیوی رے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ بس ایک اچھی بات ئی ہے میں نے تم کو پہچان لیا ہے۔ تمہارا نام پڑھتے پڑھتے ے بھی تم کو دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا۔

"میں تم پر صرف رحم ہی کر سکتا ہوں۔ مجھ کو پہچاننے میں سنگین غلطی کر رہے ہو۔"

"مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میرے تھ اس چھکڑے میں سفر کر رہے ہو مگر میں اپنے دل کی بات بں ٹال سکتا۔"

تمہارا یہ دل کسی وقت تمہیں مروا دے گا۔ تمہیں اس ے بہکائے میں نہیں آنا چاہئے۔"

اچانک بنگو نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کر یے اور رفتار بھی بڑھا دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا ۔ اسے بی ایس ایف کی چیک پوسٹ نظر آ گئی تھی۔ میں نے ی نظریں سامنے گاڑ دیں۔ چند ثانیوں بعد مجھے بھی اگلی چوکی ی روشنیاں نظر آ گئیں۔

"چوکی کے لیے اس جنگل میں بجلی کہاں سے آ گئی!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بی ایس ایف کنگال فورس ہے مگر اس کے اہل کار مال رہیں۔ یہ فورس سرحدوں کے لیے بنی ہے جہاں یہ خوب ماتے ہیں اور چوکیوں کا عملہ اپنے ذاتی چندے سے جنریٹر لگا اہے تاکہ مزے سے ڈیوٹی پوری کر سکے۔"

"فورس کا یہ حال ہے کہ تو پھر بھارت کا اللہ ہی نگہبان سکتا ہے۔ یہ لوگ ملک کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔"

"کھا رہے ہیں لیکن ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اس کا کچھ بں بگڑتا۔ یہ کچھن خاص خاص چوکیوں کے ہیں۔ بعض ہوں پر حالات بہت خراب ہیں۔"

چوکی کی روشنیوں کے ابھرنے اور ڈوبنے کا سلسلہ ختم گیا۔ ہموار راستہ آ جانے کے سبب چوکی مسلسل ہماری نظروں کے سامنے تھی۔ دور سے کسی گاڑی کے انجن کا شور سن کر ایک رائفل بردار فوجی اپنے دفتر نما مورچے سے باہر نکل آیا تھا اور ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

بنگو نے مناسب فاصلے سے گاڑی کی رفتار کم کرنی شروع کر دی۔ باہر کھڑے ہوئے اہل کار نے آگے جھک کر شاید رینگتی ہوئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالی اور ہمارے رکنے سے پہلے ہی ہمیں آگے جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ اپنے مورچے میں غائب ہو گیا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بی ایس ایف والے ہم کو نہیں روکیں گے۔"

بارڈر سیکورٹی فورس والوں کی اس اکلوتی چیک پوسٹ سے آگے درختوں کا سلسلہ چھدرا ہوتا چلا گیا تھا لیکن خودرو پودوں اور جھاڑیوں نے زمین کو اپنی آغوش میں چھپایا ہوا تھا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد بنگو نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔

"میرے لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں تم ڈرائیونگ کیسے کر رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ ان راستوں کا تجربہ ہو گیا ہے اور میری آنکھیں بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔"

"یہاں کانٹے دار جھاڑیاں بھی چھپی ہوئی ہوں گی۔ کوئی ٹائر پنکچر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔ اسپیئر ٹائر پہلے ہی لگ چکا ہے۔"

"میری گاڑی پرانی ہے مگر پانچوں ٹائر نئے ہیں۔ چھوٹے موٹے کانٹوں کو یہ خود روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آج پہلی بار میری پک اپ کا ایک ٹائر پھاڑا گیا ہے ورنہ برسوں سے اس میں پنکچر تک نہیں ہوا۔" اس نے فخر سے مجھے بتایا۔

"آج تمہارے ستارے گردش میں ہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جب تک اگلے دو ٹائر سلامت رہتے ہیں، میں گاڑی چلاتا رہوں گا اور تمہیں منزل پر پہنچا دوں گا۔"

ہیڈ لیمپس گل ہونے کے بعد پک اپ کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی۔ فضا میں جنگلی بھیڑیوں، سوروں اور دوسرے جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ بی ایس ایف کی چیک پوسٹ کی روشنیاں کافی پیچھے رہ گئیں تو بنگو نے بتایا کہ ہم پاکستان میں داخل ہو چکے تھے۔

"یہاں دور دور تک ایک جیسا ویرانہ پھیلا ہوا ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ نئی سرحد شروع ہو گئی ہے۔"

"اس علاقے میں بہت سی سرحدوں کا زمین پر وجود نہیں

ہے۔ وہ کاغذوں پر بنی ہوتی ہیں یا سینوں میں محفوظ ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی نالی کی نشانی رکھی ہوئی ہے اسے ہم نے ابھی ابھی عبور کیا ہے۔"

میرے اعصاب پر ایک فرحت انگیز سرور سا چھانے لگا۔ دشمن کی سرزمین سے اپنی خاک پر لوٹ آنے کا احساس بہت عجیب اور کسی حد تک رقت آمیز تھا۔ وطن کی وہ ہوائیں میرا استقبال کر رہی تھیں جن کے لیے عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ مدتوں سے ترسے ہوئے تھے۔

"یہاں سے زیرو پوائنٹ کا فاصلہ کتنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہیڈ لیمپس روشن کرلوں تو پانچ منٹ میں وہاں پہنچ سکتے ہیں مگر میں پاکستان میں گھسنے کے بعد ڈرتا ہوں۔"

"ماسٹر سے بات ہونے کے بعد تمہیں نہیں ڈرنا چاہئے۔ یہاں سب کو پتا ہوگا کہ آج رات تم آنے والے ہو۔"

"ماسٹر بھی یہی کہتا ہے پھر بھی میرا ڈر دور نہیں ہوتا۔ سنا ہے کہ پاکستانی فوجیوں کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا ہے۔ یہ لین دین بھی نہیں کرتے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بعض باتوں پر اسے قائل کرنا دشوار تھا۔

وہ راستہ بہت خراب اور سخت ناہموار تھا۔ پک اپ کو شدید جھٹکے لگ رہے تھے اگر بنگو گاڑی کے ہیڈ لیمپس بھی روشن کرلیتا تو بھی اس راستے پر زیادہ رفتار سے گاڑی چلانا ممکن نہیں تھا۔ وہ لمبے موڑ کاٹ کر دھیرے دھیرے بڑھتا رہا پھر اچانک ہی ہم ایک ٹیلے کے سر پر جا نکلے۔ آگے ایک بڑا نشیب پھیلا ہوا تھا، تاروں بھرے آسمان کی خوابناک روشنی میں اس وسیع نشیب کے وسط میں ایک تیجیرو کا ہیولا نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب تین افراد ہمارے منتظر تھے۔

ویرانے کا یہ سماں میرے لیے جذبات آفریں تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔

بنگو نے اپنی پک اپ آہستگی سے نشیب میں اتاری اور پھر اس کی رفتار میں قدرے اضافہ کردیا۔

پک اپ رکتے ہی میں نیچے اترا تو جلال والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ "تم واقعی بہت عظیم ہو۔" وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں میرے کان میں کہہ رہا تھا "تم نے ہم سب کے سر فخر سے بلند کردیے۔"

غزالہ کو سفر کے اختتام کا علم نہیں تھا۔ بنگو نے پیچھے جا کر اسے باہر آنے کی ہدایت کی۔ کچھ کھٹ پٹ ہوئی اور غزالہ بھی دروازہ کھول کر نیچے آگئی۔ جلال نے پک اپ کے پیچھے جا کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور خوش آمدید کہا تھا۔

"یہ اندر کیا پڑا ہے۔" جلال نے پک اپ کے آہنی کیبن میں جھانکتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا" ان کا سامان بھی اتارلو۔"

"یہ سامان نہیں، دو لاشیں ہیں ماسٹر! بنگو نے بوجھل آواز میں کہا "ڈینی استاد نے انہیں لیزر گن سے مارا ہے۔"

"ڈینی!" جلال نے بوکھلا کر دہرایا اور میری طرف دیکھا "تمہارے سفر میں ڈینی کہاں مل گیا۔"

"یہ احمق مجھے ڈینی سمجھ رہا ہے کیونکہ میں نے اسپارک پلگ مشین سے دو بھارتی فوجیوں کو مارا ہے۔" میں نے جلال کا بازو دبا کر کہا۔

"اوئے۔ ویری گڈ" جلال دھیرے سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا " بنگو! میں تم کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

"یہ بتاؤ کہ اب ان لاشوں کا کیا کرنا ہے۔" بنگو نے جلال کے تبصرے کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

"آؤ میں تمہیں پوری بات سمجھاتا ہوں۔" میں جلال کو ایک طرف لیتا چلا گیا۔ خلافِ معمول غزالہ بھی ہمارے ساتھ چلی آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"راستے میں، میں نے دونوں لاشوں کی تلاشی لی تھی۔ ایک فوجی کی جیب سے کافی رقم اور ایک ٹرانسمٹر ملا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں رقم نہیں گن سکی۔"

میں نے جلال کو اختصار سے اپنے نظریات اور خدشات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"اس کا سیدھا سا حل ہے۔" جلال نے چند ثانیوں کے بعد جواب دیا "لاشیں روک لو۔ بنگو کو جانے دو۔ وہ ہمارے لیے بہت کار آمد ہے۔"

"وہ ایک آدھ روز میں دھر لیا جائے گا۔ اس کی پک اپ کی باڈی فوجیوں کے چلائے ہوئے راؤنڈز سے چھلنی ہوچکی ہے۔ جنگل میں پڑے ہوئے گولیوں کے خول اس مقام کی نشان دہی کردیں گے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ شاید وہاں کچی زمین پر بنگو کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان بھی موجود ہوں۔"

"یہ بات مختلف ہوگئی۔ ذرا مجھے سوچنے دو۔" جلال نے

شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔

"وہ پکڑا گیا تو زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔" غزالہ نے رائے دی "ہر ایجنسی بدمعاشوں سے پوچھ گچھ کے لیے بہت سخت رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کے خلاف شہادتیں بھی ہوں گی۔ وہ اپنی پک اپ کو کہاں لے جائے گا۔ وہ پورے امرتسر میں اپنے نمونے کی اکلوتی گاڑی ہوگی۔"

"اس سے ہم بہت زیادہ کام نہیں لیتے لیکن جب بھی لیا ہے' اس سے بڑا کام ہی لیا ہے۔ تمہارے بھارت کے سفر کے دوران اسے زیادہ اہمیت ملی ہے۔ اگر وہ تمہاری سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے تو میں بے دریغ اسے اڑا دوں گا۔" جلال نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اور ان دونوں لاشوں کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پہلے ہمیں بنگو سے نمٹ لینا چاہیے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"پہچاننے سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دہلی میں بہت سے لوگ مظہر خان کے روپ میں قریب سے دیکھ چکے ہیں۔ ان میں را کی کئی لڑکیاں بھی ہیں جو مجھے دور سے پہچان لیں گی۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا ہے۔ صرف مجھے پہچان لینے کی وجہ سے وہ ان باتوں کی کڑیاں ملا لے گا۔ اسے چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ آئی بی اور عابد علی سے لے کر این کا ویل تک کی پول کھول کر رکھ دے گا۔ وہ تمہارے کئی بڑے کاموں میں ملوث ہو چکا ہے۔"

"پھر بھی میرا فیصلہ برقرار ہے۔ آؤ!" وہ مڑ کر گاڑیوں کی طرف ہولیا جہاں بنگو اس کے دونوں آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"فوجی کی جیب سے ملنے والی رقم بنگو کو دے دو۔" جلال نے غزالہ کو ہدایت کی اور اس نے جیب سے نوٹ نکال کر بنگو کو دے دیے۔

اپنی رقم سے زیادہ پیسے پاکر بنگو کا چہرہ کھل اٹھا "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ماسٹر دریا دل آدمی ہے۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ میرے دل میں بنگو کے لیے ہمدردی کے جذبات اُمڈے چلے آرہے تھے مگر وہ گردنیں کاٹنے کا کھیل تھا۔ اسے چھوڑا جاتا تو دوسرے کئی اہم افراد مارے جاسکتے تھے۔ نہ جانے کتنے راز دشمنوں تک پہنچ جاتے۔

"میرا اپریٹس واپس دے دو۔" جلال نے بنگو سے مطالبہ کیا۔

"کیوں؟" وہ پریشان ہوگیا "میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا؟"

"چند روز میں تمہیں نیا اپریٹس مل جائے گا۔" جلال نے اسے سمجھایا "اس اپریٹس کی فری کوئنسی بھارتیوں نے پکڑلی ہے۔ اس کا استعمال جاری رکھا تو بھارتی کسی وقت ساری باتیں سن لیں گے اور تم بے موت مارے جاؤ گے۔ یہ تبدیلی بہت ضروری ہے۔"

بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ تیزی سے اپنی پک اپ کی طرف گیا اور ڈیش بورڈ پر سے اپریٹس اٹھالایا۔

جلال نے ٹرانسمٹر لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہا "آج کے کام کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ واپسی میں سرحد پار کرکے دونوں لاشیں کہیں بھی گرا دینا۔ چاہو تو ان کی رائفلیں تم اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔"

بنگو نے بے ساختہ اپنے کان پکڑلیے "نہیں بابا۔ میرے پاس سے کبھی فوجی رائفل کیا' اس کی گولی بھی نکل آئی تو میں مارا جاؤں گا۔ رائفلیں وغیرہ تم رکھ لو۔"

جلال کے اشارے پر دونوں فوجیوں کے ہتھیار پک اپ سے نکال لیے گئے۔ بنگو نے اسے تاکید کی کہ اس کے لیے جلد ہی کوئی نیا کام نکالا جائے اور پھر انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس دوران میں جلال کا اشارہ پاکر اس کا ایک آدمی پجیرو سے ایک بھاری گن نکال چکا تھا۔

بنگو نے سب کی طرف ہاتھ لہرایا۔ جلال نے اس کے اشارے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اچانک جلال کے آدمی نے اپنی گن کی نال سیدھی کی اور وہ ویرانہ ایک ہولناک برسٹ سے لرز اٹھا۔ پلک جھپکتے میں کئی گولیاں ونڈ اسکرین کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی بنگو کے جسم اور چہرے کے کئی حصوں میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اس کی پک اپ اچھلی اور ایک ہچکی لے کر بند ہوگئی۔

فضا اچانک اداس اور بوجھل ہوگئی۔ بنگو کے ناگزیر انجام پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ہمارا پانچ نفری قافلہ پجیرو میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو چکا تھا۔

"کیا وہ تینوں لاشیں اسی طرح پڑی رہیں گی؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی چیک پوسٹ پر بتا دوں گا۔ وہ گاڑی ان تین لاشوں سمیت کل بھارتیوں کو لوٹا دی جائے گی۔"

"بھارتیوں کو کیوں؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"گاڑی بھارت سے پاکستانی علاقے میں آئی تھی۔" جلال نے دھیمی اور پر خیال آواز میں کہنا شروع کیا "جوانوں نے اسے للکارا۔ اس نے رکنے کے بجائے بھاگنے کی کوشش کی اور گاڑی پر فائر کھول دیا گیا۔ ڈرائیور کے مرنے کے بعد پتا چلا کہ پک اپ کے پچھلے حصے میں دو نہتے فوجیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"وہ کیسے مارے گئے۔" میں نے سوال کیا۔ میں جزئیات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"ہم نے سب کچھ امانت کے طور پر رات بھر کے لیے روک لیا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں بھارتی خود سر کھپائیں گے۔ اگر وہ لیزر گن کا نشانہ بنے تو وہ گن کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔ ہماری سب سے بڑی سچائی یہ ہوگی کہ تین بھارتیوں کی لاشیں پاکستانی علاقے سے ان کے ایریا کمانڈر کے حوالے کی جائیں گی۔ اس معاملے میں شور مچا کر بھارتیوں کو خفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہیں گے کہ دونوں فوجیوں کی لاشیں میلوں دور کیسے پہنچ گئیں۔"

"یہ اونچ نیچ تم زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہو۔ میں ان حربی معاملات سے نابلد ہوں۔"

گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ دہلی میں میری اور آئی بی کی مشترکہ کامیابیوں کا خمار بنگو کے خون سے پھیکا پڑ گیا تھا۔

جلال کے دونوں آدمیوں میں سے ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ دوسرا اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلال ہم دونوں کے ساتھ بجیرو کی پچھلی نشست پر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال اپنے آدمیوں کی موجودگی میں کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ مجھے اس کے کہے ہوئے یہ الفاظ بھلائے نہیں بھولتے تھے کہ ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری طور پر کوئی بات نہیں کرتا اور نہ کسی کو اپنے رازوں میں شریک کرتا ہے۔

جلال کے دونوں آدمیوں کا تعلق بھی آئی بی سے رہا ہوگا لیکن ان کے لیے یہ سب جاننا ضروری نہیں تھا کہ میں دہلی کس لیے گیا تھا اور میں نے وہاں کیا تیر مارے تھے۔ ان دونوں نے ہماری واپسی پر بنگو کی زبان سے جو کچھ سن لیا تھا، ان کے لیے وہی کافی تھا۔

آرمی کی پہلی چیک پوسٹ پر جلال گاڑی رکوا کر نیچے اتر گیا۔ چوکی پر مامور ایک افسر نے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک دھیمی آوازوں میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ جلال کے ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فوجی افسر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جواب میں اس کا مخاطب سر ہلاتا رہا۔ اسے بریفنگ دے کر جلال نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور واپس لوٹ آیا۔

کھیتوں اور میدانوں میں ہمارے سفر کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا۔

واپسی میں، میں نے بھارتی علاقے میں سفر کا خاصا حصہ بنگو کے ساتھ اگلے کیبن میں بیٹھ کر طے کیا تھا اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ پورے بھارتی علاقے میں ہم بی ایس ایف کی صرف ایک چیک پوسٹ کے پاس سے گزرے تھے جبکہ پاکستانی علاقے میں جگہ جگہ چوکیوں اور مورچوں کا ایک مربوط جال پھیلا ہوا تھا۔

اس تضاد کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ بنگو چوروں کی طرح چھپ کر سفر کر رہا تھا اس لیے وہ چوکیوں والے معروف راستے کو چھوڑ کر جنگل اور ویرانوں سے گزرتا ہوا سرحد تک پہنچا تھا۔ اس نے صرف ایک مقام پر چوکی کے قریب سے گزرنے کا خطرہ مول لیا تھا جہاں قدرتی زمینی رکاوٹوں کی وجہ سے شاید کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ہمارا بھارتی دستوں سے واسطہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جبکہ جلال اپنی سرزمین پر پورے قانونی اختیار کے ساتھ اور ڈنکے کی چوٹ پر مجھے واپس لے جا رہا تھا۔ اسے چور راستے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سرحدی پٹی کے سب سے بہتر راستے پر سفر کر رہا تھا اس وجہ سے ہمیں جا بجا پاکستانی فوجی چوکیاں نظر آرہی تھیں۔

اس فرق کا دوسرا سبب جغرافیائی بھی ہو سکتا تھا۔ بھارتی جنگل اور ویرانے میں چوکیوں کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان کے سرسبز اور ہموار میدانی علاقے میں، مقامی آبادی کے تحفظ کے لیے قابل ذکر فوجی موجودگی ضروری تھی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" لمبے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"آج تم لاہور میں ہمارے مہمان رہو گے۔" گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جلال کی آواز ابھری "لاہور کے ماڈل ٹاؤن کے ایک آرام دہ گھر میں تمہارے قیام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"مگر میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد کراچی لوٹ

جاؤں۔" میرے ذہن میں اول خان اور سلطان شاہ کے پیکر ناچ رہے تھے۔

"جب تک ہم لاہور پہنچیں گے، صرف نائٹ کوچ کا وقت باقی رہ جائے گا۔ اس پرواز پر پوری رات کالی ہو جاتی ہے۔ تمہیں کراچی جانے کی اتنی ہی عجلت ہے تو رات لاہور میں گزار کر صبح کی پہلی پرواز سے کراچی لوٹ جانا۔ وہاں تمہیں کیا کام ہے؟"

"یہ کام سے واپس آئے ہیں۔ اب آرام کریں گے۔" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "دراصل انہیں اپنے چہیتوں سے بچھڑے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ یہ اب جلد از جلد ان کے درمیان پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ میں خود بھی ان لوگوں کو بہت زیادہ مس کر رہی ہوں۔"

غزالہ کی وضاحت پر جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اگر تم ویرا کی بات کر رہی ہو تو وہ ابھی تک لاہور میں ہی موجود ہے۔ اور......"

میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "صرف ویرا نہیں، میں سب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں بھی یہی بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ شام کی پرواز سے لاہور آ چکا ہے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا پھر لاہور میں رات گزاری جا سکتی ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے اور تینوں ہنسنے لگے۔

سرحدی میدانی علاقہ پیچھے چھوڑ کر ٹیجیرو لاہور کے مضافات میں داخل ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں گزرتے رہے پھر ہم باٹا پور میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک قصبہ ہے لیکن وہاں زندگی کی چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔

ہم گاڑی میں کسی اہم موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ جلال سے انگریزی میں کچھ کہوں لیکن میں ہمت نہ کر سکا۔ اس کے دونوں آدمی اس کے لیے معمولی نوعیت کے کام کر رہے تھے لیکن اپنی صورتوں سے پڑھے لکھے، مہذب اور جہاں دیدہ نظر آ رہے تھے۔ وہ انگریزی سے واقف ہوتے تو مجھے ان کے سامنے خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایسا نہیں تھا کہ جلال کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر اس کے قابل اعتماد اور محنتی کارندے تھے۔ اسی لیے وہ میرے استقبال کے لیے انہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بات صرف احتیاط کی تھی اور میں حد سے بڑھی ہوئی اس احتیاط میں گھٹن کا شکار ہونے لگا تھا۔

خدا خدا کر کے ٹیجیرو لاہور کی حدود میں داخل ہو گئی۔ ماحول اور راستوں کی رونق میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

جس وقت ٹیجیرو ماڈل ٹاؤن کے ایک بڑے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے رکی تو میری رسٹ واچ میں تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ ایک مسلح اور باوردی دربان نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے باہر جھانکا اور ٹیجیرو کو پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور گاڑی کو سبک رفتاری سے ڈرائیو وے میں پورچ تک لیتا چلا گیا۔

شاید اندر والوں کے کان کسی گاڑی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ غزالہ کے بعد میں پوری طرح گاڑی سے اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ اندر سے سلطان شاہ تقریباً دوڑتا ہوا برآمدے میں نمودار ہوا اور پھر رکے بغیر، بڑھ کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ویرا بھی آ گئی۔ اس نے اسی تپاک سے غزالہ کا استقبال کیا۔ ٹیجیرو ہمیں پورچ میں اتار کر آگے بڑھ گئی۔

اس وقت لاہور کے اس وسیع و عریض مکان کے برآمدے میں مختصر سے جشن کا سا سماں ہو گیا تھا۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی ہو رہی تھی، گلے شکوے کیے جا رہے تھے، پوچھ گچھ شروع ہو گئی تھی مگر ہر لفظ اور فقرے میں خلوص ہی خلوص تھا۔

"راستے میں ڈینی سے میری بات نہیں ہو سکی۔" جلال نے اپنی بھاری آواز میں خوش دلی سے وضاحت کی "ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ تم لوگ مدتوں سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے۔ میں تمہارے درمیان زیادہ دیر تک دیوار نہیں بنوں گا۔ ڈینی سے چند منٹ بات کر کے چلا جاؤں گا۔"

اس کی دخل اندازی پر مجھے احساس ہوا کہ ہم پانچوں برآمدے میں ہی اٹک کر رہ گئے تھے۔ میں نے سب کو اندر چلنے کا مشورہ دیا اور سلطان شاہ کی پیشوائی میں ہمارا قافلہ اس ستھرے اور پرشکوہ مکان میں داخل ہو گیا۔

اس وقت ہمارے درمیان کوئی اجنبی نہیں تھا۔ ویرا دہلی والے مشن میں بڑی حد تک ہماری شریک کار رہی تھی۔ جلال جانتا تھا کہ میرے اور سلطان شاہ کے درمیان برادرانہ مراسم استوار تھے۔ میں اس سے اور اول خان سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔ اس نے چلتے چلتے میرے برابر میں آ کر محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور نیچی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں بارڈر پر تم کو کھل کر مبارک باد نہیں دے

سکا۔ تم نے دہلی میں جو کچھ کیا ہے اسے سوچ کر ہی مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ انل بسواس جیسے چیف موذی کو اس کے شہر بلکہ گھر میں گھس کر مارنا بہت دل گردے کا کام تھا۔ وہ پیغام ملا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم اپنے مشن میں سرخ رو ہو چکے ہو۔"

"یہ صرف ڈینی کا کام نہیں تھا۔ اس میں تھوڑا بہت میرا ہاتھ بھی تھا۔" ویرا نے شوخی سے جلال کی تصحیح کی۔

"تم نے بھی لاجواب کام کیے ہیں لیکن تمہیں اپنی کارکردگی پر مناسب ترین خراج تحسین پیش کیا جا چکا ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈینی کے آنے سے میری اہمیت کم نہیں ہو سکتی۔ میں نے..." ویرا نے بولنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں، ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے جان اسمتھ کو ہوٹل میں تلاش کرنے اور پھر جہنم واصل کرنے میں غزالہ کی مدد کی تھی اور تم ہی نے را والوں کا کچھ اہم ترین ریکارڈ بھارت سے لاہور پہنچایا ہے۔ میرے آنے کے بعد سے تم یہ باتیں کئی بار دہرا چکی ہو۔"

"اچھا...!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ڈینی کو دیکھ کر اب تم بھی شیر ہو رہے ہو۔ یہ باتیں میں نے بتائی تھیں یا تم نے پوچھی تھیں!"

"ویرا، پلیز!" جلال نے ہاتھ اٹھا کر استدعا کی "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں کے یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ تم لوگوں کو ابھی تک ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ ڈینی دہلی میں کیا کر کے آیا ہے۔" میں نے محسوس کیا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے جلال کے لہجے میں ہلکی سی لجاجت موجود تھی جو اس کے جھکاؤ کی غمازی کر رہی تھی۔

"ابھی تم بتا چکے ہو کہ ڈینی نے انل بسواس کا کام تمام کر دیا ہے۔" ویرا نے اپنی گردن ترچھی کر کے جلال کو یاد دلایا۔

"ڈینی یہاں سے اس کام کا بیڑا اٹھا کر نکلا تھا اور اسے پورا کر کے لوٹا ہے۔ میرے آدمی تین برس سے وہاں رہ رہے ہیں مگر وہ انل کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے تھے۔ یہ کام بے خوف منصوبہ بندی اور حوصلے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"تمہارے محکمے کو اس کارنامے پر ڈینی کو تمغہ دینا چاہیے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"دکھ اسی بات کا ہے کہ سرکاری طور پر میرا محکمہ کچھ نہیں کر سکتا۔" جلال کی آواز متاسفانہ ہو گئی "معاملہ صرف بھارت کا ہوتا تو ہمیں پروا بھی نہ ہوتی لیکن ڈینی نے بدقسمتی سے امریکیوں سے بھی دشمنی مول لی ہوئی ہے۔ آج کی دنیا میں کوئی امریکا کے کسی دشمن کو اپنے گلے لگانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ امریکی ایسے تکبر میں مبتلا ہیں کہ اپنے دشمن کو چھوڑ کر سب سے پہلے اس کے ہمدرد کا نرخرا چبا ڈالیں گے۔"

"یہ بات تم کس حیثیت میں کہہ رہے ہو۔" ویرا ایکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"مم... میرا مطلب ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے، پالیسیوں کے مطابق ہوتا ہے۔" جلال بوکھلا کر بولا۔

ویرا نے اس کی بوکھلاہٹ پر زوردار قہقہہ لگایا اور کہا "میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ میں خود امریکی ہوں اور اپنی قوم کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ یہ بہت بزدل ہوتے ہیں مگر اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر عالمی دادا گیر بلکہ بدمعاش بن چکے ہیں کیونکہ ان کے ظلم کی کہیں کوئی داد یا فریاد نہیں ہے۔"

"تم بات کسی اور طرف لے جاتی ہو۔" اس بار جلال کچھ جھلا کر بولا "میں ڈینی کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے بلکہ تم تینوں کے کارناموں پر نیچے سے اوپر تک سب بہت خوش ہیں۔ گرین کوبرا فائل کے ساتھ آنے والے ریکارڈ اور انل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد بھارتی سازشوں کو شدید دھچکا لگا ہے اور وہ پندرہ بیس سال پیچھے چلے گئے ہیں مگر اس کے باوجود، مجھ سمیت کوئی بھی، تمہیں یا تم لوگوں کے کارناموں کو سرکاری طور پر نہیں اپنا سکتا۔ امریکا ڈینی کا دشمن ہے۔ وہ اس سے کسی کی دوستی برداشت نہیں کرے گا۔"

"دہلی میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے تمہاری دوسری مجبوریوں کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ ہم نے اس مشن کا بیڑا کسی انعام یا تعریف کے لالچ میں نہیں اٹھایا تھا۔ یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کر دیا۔ ہمیں صلے کی تمنا ہے، نہ ستائش کی پروا۔"

جلال کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور اس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ تم چاروں اور تمہارے ساتھ پانچواں اول خان ہے۔ تم سب بہت احترام اور عزت کے قابل ہو۔ میں نے ابھی جو کچھ بتایا وہ ہماری سرکاری پوزیشن ہے۔ میں اپنے بڑوں اور چھوٹوں کی طرف سے تمہارا ممنون ہوں۔ نجی سطح پر تمہیں ہر قسم کی مراعات حاصل رہیں گی۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھتا چلا گیا لیکن غزالہ دروازے

سے اندر داخل ہو کر ایک طرف کھڑی رہی۔

"غزالہ! تم بھی بیٹھ جاؤ" جلال نے وسیع ڈرائنگ روم کے خالی صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"امرتسر سے یہاں تک کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے۔ پک اپ میں بیٹھے بیٹھے میرا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے اپنی کمر سیدھی کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ!" جلال نے معذرت خواہانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا "میں تمہیں تمہارا کمرا دکھاتا ہوں۔"

"تم بیٹھو' میں غزالہ کے ساتھ جا رہا ہوں" سلطان شاہ نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں۔

وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلا ہی تھا کہ ویرا نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی "کمر میں زیادہ درد ہے تو ڈینی کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہاری کمر دبا دے گا۔"

"غزالہ کی کمر سے زیادہ اس وقت تمہارا گلا دبانے کی ضرورت ہے۔ ڈینی کو وہیں رہنے دو" سلطان شاہ نے مڑ کر جواب دیا اور وہ دونوں راہداری میں غائب ہو گئے۔

"گرین کوبرا فائل میں پاکستان' بنگلا دیش' سری لنکا اور نیپال کے خلاف بھارت کے سازشانہ عزائم کا تفصیلی روڈ میپ موجود ہے" جلال نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے بتانا شروع کیا "دوسرے کاغذات بھی بہت اہم ہیں۔ اس پلندے نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بھارت کے مذموم اور جارحانہ عزائم ہماری توقعات سے کہیں زیادہ ہیں۔ گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات کا ملنا' انل بسواس کا کانٹا ہٹانے سے زیادہ اہم اور ضروری تھا۔"

"مگر مجھے اس بارے میں بریف نہیں کیا گیا تھا" میں نے دبے الفاظ میں شکوا کیا۔

"یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ تم جیسا اجنبی دہلی میں چند روز گزارنے کے بعد یکایک را کے حلق میں ہاتھ ڈال دے گا۔ اس بار ہر بات انہونی ہوئی ہے۔"

"اس میں ہماری منصوبہ بندی سے زیادہ حالات کا دخل تھا۔ جو کچھ سامنے آ رہا تھا' اس کی روشنی میں ہم تیزی سے فیصلے کرتے چلے گئے" میں نے کہا۔

"جان اسمتھ کو بھی بروقت ہٹایا گیا ہے" جلال بولا "گرین کوبرا پلان میں اس کے نام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس خطے میں ناپسندیدہ حکومتوں کو گرانے کے لیے جوڑ توڑ اور ڈالروں کے بے دریغ استعمال کا گندہ کھیل کافی آگے تک لے جا چکا تھا۔"

"تم یہ مان لو کہ وہ محض میری وجہ سے مارا گیا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں اسے خوف زدہ کر کے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کراچی سے بھاگنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ دہلی پہنچتا اور نہ غزالہ کے ہاتھوں مارا جاتا۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے" اسے شرافت پر مائل پا کر میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "صرف یہی نہیں بلکہ ویرا کسی پروگرام کے بغیر سہراٹ ہوٹل پہنچی۔ غزالہ پریشان تھی کہ وہ جان اسمتھ جیسے اجنبی کو اتنے بڑے ہوٹل میں کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نے اس کی بھرپور مدد کی اور وہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد جہنم واصل ہو گیا۔"

"تم لوگوں نے دہلی کے اس دورے میں سارے بت گرا دیے۔ انل کے ساتھ تم نے دوسرے کس آدمی کو مارا ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"وہ عہدے میں انل بسواس سے بہت کم تر ہے۔ اسے انل کا سینئر کلرک سمجھ لو۔ گرین کوبرا فائل سمیت ریکارڈ کی فائلوں کا ایک انبار اس کی تجوری میں دفن تھا۔ وہ سب لانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے دفتر کو آگ لگا دی تھی۔ جو کاغذ ہمارے کام نہیں آ سکتے' وہ ان کے کام کیوں آئیں!"

"اس آگ میں ان کا ایک ایجنٹ بھی جل کر مرا تھا۔" جلال کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دہلی میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کی اطلاعات میں گہرائی نہیں تھی۔ اسے ہر بات معلوم تھی لیکن اندر کے پیچ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آدمی تمہیں تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں بتاتے" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"غنیمت یہ ہے کہ وہ بڑے واقعات سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس رابطے کا کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہے" جلال نے سگریٹ کا کش لے کر فضا میں کثیف دھواں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "فون اور فیکس استعمال نہیں کر سکتے۔ دہلی اور پاکستان کے کسی سرحدی شہر کے درمیان رابطے کے لیے دستی اپریٹس دستیاب نہیں ہیں۔ وہاں سے ابھی تک انل اور نریش کے بارے میں خبر نہیں آ سکی۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے 'سفارتی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔"

"دنیا کے ہر ملک میں ڈپلومیٹک بیگ کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ دشمن بھی کسی کی سفارتی ڈاک کا تھیلا نہیں کھولتے" میں نے کہا "وہ اپنی رپورٹیں دہلی میں واقع پاکستانی

ہائی کمیشن کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب سے سہل طریقہ ہے۔"

جلال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ہائی کمیشن کے ایک ایک ملازم کی دن رات نگرانی ہوتی ہے۔ میرے آدمی ان سے دور رہتے ہیں ورنہ وہ بھی بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ مکمل رازداری کے ساتھ دہلی میں تین برس گزارنا آسان کام نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی مجبوری ہے" میں نے کہا "میری خواہش تھی کہ ہمیں وہاں سے پل پل کی خبریں ملتی رہیں۔ میں نے اپنی دانست میں اپنا کام پورا کرلیا جب تک ان کا ردّ عمل سامنے نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ ہم کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔"

"ذرا صبر سے کام لو۔ پچھلی رات کو تم نے انہیں مارا' صبح ان کی لاشیں دریافت ہوئیں۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے اور وہ تمہاری تلاش میں نکل پڑے ہیں۔ یہ ان کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔"

"اگر وہ بیم گن کے استعمال پر اتنا زیادہ دھیان دے رہے ہیں تو اب انہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ نریش کے دفتر کی تجوری لیزر سے کاٹی گئی تھی۔ نریش لیزر سے مارا گیا۔ انل کو اس کے ساتھ مارا گیا مگر اسے ختم کرنے کے لیے زہر استعمال کیا گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ زہر اور لیزر گن ایک ہی فریق یا شخص استعمال کررہا ہے۔ وہ سارے الزامات میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"یہ حقائق ان کے ہوش اڑادیں گے" جلال نے زور دے کر کہا "ایک شخص دہلی میں بیٹھا ان کی بنیادیں کھوکھلی کررہا تھا اور وہ غافل بیٹھے ہوئے تھے۔"

"میرے سر پر ایک الزام ہو یا دس خون عائد کردیے جائیں' کیا فرق پڑتا ہے۔ اب میں باہر آچکا ہوں۔ جب تک بھارت میں پھنسا ہوا تھا' ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھارہا تھا۔"

"تم اپنی اس حکمتِ عملی میں بھی پوری طرح کامیاب ہوگئے۔ را والے احمق نہیں ہیں۔ اگر را کے پاکستانی ونگ کی تجوری سالم ہوتی اور دفتر کو آگ لگادی گئی ہوتی تو انہیں زیادہ تشویش نہ ہوتی۔ کٹی ہوئی تجوری سے سارا ریکارڈ نکالے جانے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنے والے کسی خاص چیز کی تلاش میں تھے۔ وہ چیدہ چیدہ ریکارڈ اپنے ساتھ لے گئے اور باقی ردی کے ڈھیر کو ان کے ایجنٹ کی چتا میں بدل

مقام شکر

انسان ہرحال میں کسی نہ کسی بات پر خدا کا شکر ادا کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کے ذمے کچھ قرض ہے اور آپ اسے ادا نہیں کرپارہے ہیں تو آپ کو اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ وہ آدمی نہیں ہیں جس کا آپ کے ذمے قرضہ ہے...!

دیا۔"

"سونے پر سہاگا یہ کہ یہ سب ڈینی کا کیا دھرا ہے" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کل کی سفارتی ڈاک سے بڑے بڑے بھارتی اخبار آئیں گے۔ میں ایک دو تمہیں بھجوادوں گا۔ ان سے تمہیں دہلی کی تازہ ترین خبریں مل جائیں گی" جلال نے اپنی جگہ چھوڑدی "مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ابھی میرا دل نہیں بھرا مگر مجبوری یہ ہے کہ گیارہ بجے مجھے دفتر خارجہ کے ایک اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ میں وقت نکال کر ذرا فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا تاکہ تم سے کچھ سیکھ سکوں۔ بے داغ منصوبہ بندی اور تیز فیصلے کرنے کی تمہاری صلاحیتیں قابلِ رشک ہیں۔"

باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی جیب میں سے ایک مڑا ہوا لفافہ نکالا اور میری طرف بڑھادیا "یہ رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے" میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"میرے جانے کے بعد دیکھ لینا۔ ابھی اسے اپنی جیب میں رکھ لو" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کاغذی لفافے میں کوئی کاغذ ہی تھا۔ وہ میرے لیے کوئی پیغام ہی ہوسکتا تھا۔ میں نے روا روی میں لفافہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

جلال کے برآمدے میں اترتے ہی سرکاری نمبرپلیٹ والی گاڑی پورچ میں رینگ آئی۔ جلال ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں سوار ہوا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

"کھول کر تو دیکھو' لفافے میں کیا ہے؟" تخلیہ ہوجانے پر ویرا نے مجھے اکسایا۔

"تمہارے رشتے کا پیغام بھی ہوسکتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا

کہ آج جلال کی نظروں میں تمہارے لیے کوئی عجیب سی بات تھی۔"
اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا جیسے میرے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "تم واقعی عقاب کی سی نگاہیں رکھتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تھوڑی سی راہ دی تھی۔ اب وہ مجھ سے بے تکلف ہونا چاہ رہا ہے مگر میں اس سے کھنچ گئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا ہوگا۔"
ہم دونوں ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ نئے موضوع میں انہماک کے باعث لفافے کا معاملہ محو ہوگیا۔
"جب تمہیں اس سے مراسم نہیں بڑھانے تھے تو اسے راہ کیوں دی تھی؟ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤگی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت کی۔
"میرے اوپر آنکھیں نہ نکالو" وہ غرائی "پہلے پوری بات سن لو۔ میں ٹرین سے فائلیں لے کر لاہور پہنچی تو وہ بہت جذباتی ہورہا تھا۔ اس نے مجھے سینے سے لگاکر کہا کہ وہ مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ بلاوجہ پارسا بننے کی کوشش کررہا تھا۔"
"اس میں آگ لگنے کی کیا بات تھی۔ مجھے اس کی بات پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ بہت شریف اور باکردار آدمی ہے۔"
"نامحرم عورت کو بہن اور بیٹی قرار دینا گالی کے برابر ہوتا ہے" وہ تنک کر بولی۔
"امریکا میں ہوتا ہوگا۔ مشرق میں یہ رشتے محبت اور احترام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔"
"میں امریکا میں پلی اور بڑھی ہوں۔ تم کو یہ موٹی سی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جب تم کسی خوبصورت عورت یا لڑکی کو بہن کہتے ہو تو اسے یہ جتانے کی کوشش کرتے ہو کہ تم اسے اپنی محبوبہ بنانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے جلال کی یہی بات بری لگی تھی۔"
"سبحان اللہ ۔۔۔ کیا انوکھی منطق ہے تمہاری" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "یہ اس کا قصور نہیں بلکہ تمہارے دماغ کا گند ہے۔"
"ہوا کرے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں یہ بتارہی تھی کہ میں نے اسی وقت اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی کو ستانے کا ارادہ کرلیتی ہوں تو کس حد تک جاسکتی ہوں۔ میں کراچی جانے کے بجائے یہیں جم کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس سے جڑ کر بیٹھتی رہی۔ بات کرتی تو اس پر اتنا جھک جاتی کہ بے چارہ اپنے چہرے پر آنے والے میرے گرم گرم سانسوں سے پریشان ہوجاتا۔ جوں ہی وہ پگھلا میں انجان بن گئی۔ اب اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ کس طرح میرے قریب آئے۔ اسے سلگاکر مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"
"یہ بے ہودہ حرکتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہوچکی ہے۔"
"تم جو چاہو کہتے رہو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا شغل ہے اس سے مجھے تسکین ملتی ہے۔ یہ جاری رہے گا۔"
اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ غزالہ کو وہ شاید اس کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔
"اوہو۔ یہاں تخلیے میں کیا ہورہا ہے" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مسرت سے پوچھا "بھائی جلال کہاں ہیں؟"
"وہ چلا گیا" ویرا چٹکی بجاکر بولی "میں ڈینی کو اسی کا قصہ سنارہی تھی۔ اب وہ مجھے بہن کہہ کر پشیمان ہے۔"
"دیکھو! یہاں ہم اسی کے مہمان ہیں۔ یہاں خفیہ مائیکروفونز وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی "اگر تمہاری اس فضول گوئی کی بھنک اس کے کانوں میں پڑگئی تو اسے صدمہ ہوگا اور ہمارے آپس کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ کوئی بھی اپنی کردار کشی برداشت نہیں کرے گا۔"
"میں تمہیں بتاکر اپنا دل ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم خاموشی سے اسے دیکھتے رہنا۔ میں غزالہ سے اس بارے میں بالکل بات نہیں کروں گی۔"
میں نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگالی۔
"وہ لفافہ تو کھولو" قدرے توقف کے بعد وہ چونک کر بولی "اپنا پیٹ ہلکا کرتے ہی اسے بھولا ہوا موضوع یاد آگیا تھا۔"
"یہ کس لفافے کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔
"یہ ہے!" میں نے لفافہ جیب سے نکالتے ہوئے اسے جواب دیا۔
لفافے کا فلیپ اسکاچ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ہلکا پھلکا کاغذ ہی تھا۔ میں نے ٹیپ ہٹاکر لفافہ کھولا اور اندر نگاہ ڈالی تو بھونچکا رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔
جلال کے لفافے میں رکھا ہوا اکلوتا کاغذ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

دشمن کے پکّے جاں بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بناپر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ذیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پر اسرار ہلاکت کے بعد ائزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو نصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاچھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی رودی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مار وتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد رودی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ رودی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور با آسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بناپر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بناپر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑالیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم پاکستان پہنچے جہاں ویرا اور سلطان شاہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم اپنی قیام گاہ پر تھے اور جلال مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک لفافہ مجھے دے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لفافہ کھولا اور اندر رکھے کاغذ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ مار دیا ہو۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے وہ کاغذ لفافے میں نکالے بغیر دیکھا۔ وہ کوئی اہم کاغذ نہیں تھا۔ نیشنل بینک کی مقامی شاخ کا بیئرر چیک تھا جس پر دس لاکھ روپے کی خطیر رقم درج تھی۔ کوئی بھی شخص اپنے دو دستخطوں کے ساتھ وہ چیک بینک میں پیش کر کے دس لاکھ روپے نقد حاصل کرسکتا تھا۔

میرے ذہن میں بے اختیار غزالہ کے وہ الفاظ گھوم گئے جو اس نے امرتسر میں بنگو کو رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں کہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ امرتسر سے ہماری غیر قانونی واپسی کے لیے بنگو کو ادا کی جانے والی رقم جلال اور اس کے محکمے کے سر ہونی چاہیے تھی۔ غزالہ اپنی عملی زندگی میں بہت

فراخ دل اور بے پروا تھی۔ امرتسر میں پتا نہیں کیوں وہ چھوٹی بات اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔ اس کے خود غرضانہ خیال سے اتفاق نہیں کیا تھا اور حساب کتاب کرنے کا... کوئی موہوم ترین خیال بھی اپنے ذہن میں لائے بغیر .بنگو کو پندرہ ہزار روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے تھے۔

دوسری طرف وہ چیزیں جلال کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ہم آئی بی کی کسی مالی اعانت کے بغیر قومی مقاصد میں اس کے محکمے کی اعانت کر رہے تھے اور اس مد میں ہونے والے تمام اخراجات خود برداشت کر رہے تھے۔ اس نے شاید بھارت کے سفر میں ہونے والے ہمارے بھاری اخراجات اور خدمات کے صلے میں خطیر رقم کا وہ چیک مجھے دیا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے سچا پاکستانی تھا۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا اسی ملک کے طفیل تھا۔ اگر میں اس ملک کی بقا اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اپنی ساری جمع پونجی کے ساتھ اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتا تو اپنی زمین اور مٹی کا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سراسر میرا اور میرے وطن کا معاملہ تھا۔ جلال یا کسی اور کو اس کی قیمت لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

وطن سے محبت کا وہ سبق میں نے اپنا بہت کچھ کھو دینے کے بعد سیکھا تھا۔ اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے انسانیت سوز سلوک کے سائے میں' میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ بھوک' پیاس اور غربت کے دکھ جھیلے اور اپنی سگی ماں کی صحت یابی کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ لاہور میں میرے لیے زمین تنگ ہو گئی تھی اور آسمان بہت دور تھا۔ میری ماں اپنے جوان بیٹے کی وہ بے بسی اور بے کسی زیادہ دن نہ دیکھ سکی اور ایک دن خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کے سانس کی لڑی ٹوٹتے ہی میری وہ وزنی زنجیر بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کی مٹی سے باندھا ہوا تھا۔ ماں کے سوگ میں کسی اندھے' گونگے اور بہرے روگی کی طرح میں نے نہ جانے کتنا وقت چلتے چلتے گزارا اور پھر اپنے غدار شہر کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کراچی میرے لیے اجنبی شہر تھا لیکن اس شہر نے شی کے ذریعے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بظاہر سوسائٹی فار ہیروئن ایزیڈیکیشن منشیات کے انسداد کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس کا سرغنہ جمی لائیڈ تھا جو ویرا کا بن بیاہا باپ بھی تھا۔ شی نے میری ہر مالی ضرورت فراخ دلی سے پوری کی اور میں نے مغ[illegible] بچائے رکھنے کے لیے ابتدا میں مفت اور پھر کوڑیوں کے دام کراچی میں ہیروئن پھیلانی شروع کر دی۔ اس وقت میں اچھے اور برے کی تمیز کھو کر صرف دولت حاصل کرنے کا خواہاں تھا کیونکہ اسی کی محرومی کے سبب میری ماں قبل از وقت منوں مٹی تلے جا سوئی تھی مگر جب میں نے اپنی آنکھوں سے ہیروئن کی ہولناک تباہ کاریاں دیکھیں تو میرا رُواں رُواں کانپ اٹھا۔ وہ میری زندگی کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے میری کایا کلپ شروع ہوئی۔ میں نے شی اور اس کے مفادات کے خلاف تن تنہا ایک خفیہ جنگ شروع کر دی جو بڑھتے بڑھتے ایک کھلی لڑائی میں بدل گئی۔ میرے ارادے نیک تھے اس لیے مقدر میری یاوری کرتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے منشیات فروشوں کی ایک گن بوٹ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا جسے نامعلوم مجرموں یا شاید بحری قزاقوں کے ہاتھ فروخت کر کے میں نے اتنی بڑی رقم کمائی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ ایک مدت سے ہونے والے فراخ دلانہ اخراجات کے باوجود اس خزانے میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی۔ بھارت کے سفر میں بھی وہی رقم بلکہ اس کا ایک حقیر سا حصہ میرا زاد راہ رہا تھا۔ میں نے اسی میں سے .بنگو کو پندرہ ہزار روپے کی معمولی سی رقم دے کر اپنے اور غزالہ کے لیے گویا نئی زندگی خریدی تھی۔ میری دانست میں جلال پر اس کا کوئی بار نہیں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو...؟ لفافے سے کاغذ باہر کیوں نہیں نکالتے!" سلطان شاہ نے شاید میرے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر مجھے ٹوک دیا۔

میں نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافے میں سے چیک نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "لو! جلال کی دی ہوئی گالی تم بھی پڑھ لو۔"

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے وہ چیک میرے ہاتھ سے اچک لیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "اوہ خدا! یہ تو ایک ملین روپے کا چیک ہے۔ تم اسے گالی کہہ رہے ہو۔"

سلطان شاہ بھی لپک کر ویرا کے شانے سے جا لگا۔ نیشنل بینک کے چیک کی تحریر پڑھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔

"یہ گالی ہے۔" میں نے زور دے کر جتایا "میں نے کسی انعام یا معاوضے کے لالچ میں بھارت کا سفر نہیں کیا تھا۔"

"یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم حریص یا معاوضے کے طلب گار تھے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آئی بی والوں نے [illegible] کے کارناموں کا

اعتراف کیا ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ بے یقینی سے کہا۔
"میں یہ چیک پھاڑ کر، اس کے پرزے اسی لفافے میں جلال کو لوٹا دوں گا۔" میں نے اداسی سے کہا۔
"تم پاگل ہوگئے ہو۔" ویرا نے وہ چیک جلدی سے تہ کرکے اپنے بلاؤز میں اڑسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "سرکار سے انعام میں چند روپے تو بڑی بات ہے، ایک روکھا سوکھا صداقت نامہ لینے کے لیے لوگ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے ہیں۔ اپنی انا کا خون کرکے ہرایرے غیرے کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں تاکہ گلے میں کوئی تمغا یا فائل میں کوئی سرٹیفکیٹ سجا سکیں اور تم ہو کہ اتنے بڑے انعام کو ٹھکرا رہے ہو۔"
"تم کو انعام اور مہربانی کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ دبوچ کر سختی سے کہا۔
"مہربانی مطالبہ کرکے طلب کی جاتی ہے۔ تم نے جلال سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ازخود تمہیں انعام دیا ہے۔" ویرا نے کہا۔
"اس نے کچھ نہیں دیا۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "وہ معزز، شریف اور ذمے دار افسر ضرور ہے مگر تنخواہ دار ہے۔ وہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا۔ یہ چیک سرکار کی طرف سے آیا ہے۔"
"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" ویرا اس کی بات ختم ہوتے ہی بول پڑی "جلال اور اس سے اوپر والے سب لوگ سرکاری ملازم ہیں جن کو عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار بھی خود کو مالک و مختار اور شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ جلال اس غیر مہذب معاشرے کا انتہائی مہذب افسر ہے۔ وہ کوئی احسان جتائے بغیر خاموشی سے لفافہ دے کر چلا گیا۔ اسے امانت دی گئی تھی۔ وہ اس نے تمہیں پہنچا کر امانت داری کی ایک روشن مثال قائم کی ہے۔"
اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور بولا "وہ چاہتا تو خود بھی یہ بیئرر چیک کیش کروا سکتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ایک بہت خوش گوار اور اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ چیک کے پرزے اس کا دل توڑ دیں گے۔"
"سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔" میرے کچھ بولنے سے پہلے ویرا کی زبان ایک مرتبہ پھر چل پڑی "پتا نہیں انعام کی اس تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہو گا جو اب تمہیں بھارت سے لوٹتے ہی چیک ملا ہے۔ اسے لوٹا کر تم نہ جانے کس کس کی محنت پر پانی پھیر دو گے... یہ..."
"بس!" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "تم دونوں اپنی اپنی بولیاں بولتے رہو گے یا میری بھی کچھ سنو گے۔ تم دونوں کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ چیک پھاڑنے سے جلال کو واقعی دکھ ہو گا۔ میں شکریے کے ساتھ چیک اسے لوٹانا چاہتا ہوں۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"
میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر ویرا استہزا کے ساتھ ہنسی اور بولی "میں ہرگز نہیں دوں گی۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے اسے کہاں محفوظ کیا ہے۔ ہمت ہے تو نکال لو۔"
"آج تمہارے دماغ میں کچھ کیڑے رینگ رہے ہیں۔ مجھے تاؤ نہ دلاؤ ورنہ میں تم سے چیک چھین لوں گا۔"
"وہ چیک صرف تمہارا نہیں ہے۔ اس پر میرا اور غزالہ کا بھی حق ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی "میں تم جیسی ساہوکار نہیں ہوں جو اتنی بڑی رقم کو ٹھکرا دوں۔ میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جب سے پاکستان آئی ہوں، تمہارے رحم و کرم پر پڑی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کو ڈرا دھمکا کر اپنا ہم نوا بنا لو گے مگر میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ اس چیک کی رقم میرے کام آئے گی۔"
"میں اس سے زیادہ رقم تمہیں دے دوں گا، چیک مجھے دے دو۔" میں نے نرمی سے کہا "یہ چیک قبول کرنے سے میرا پندار ٹوٹ جائے گا کہ میں جان و مال سے اپنے وطن کی خدمت کر رہا ہوں۔ ضد مت کرو۔ میں بہت دور تک سوچ رہا ہوں۔"
"تمہارا یہ پندار اس وقت مجروح کیوں نہیں ہوا جب تم نے اول خان سے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" ویرا نے جل کر پوچھا۔
"وہ انعام یا معاوضہ نہیں تھا۔ وہ رقم میں نے رستم علی کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے نقد ادا کی تھی اور اول خان نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ مجھے میری رقم واپس دلائے گا۔ وہ بالکل مختلف معاملہ تھا۔ اسے جلال سے مت ملاؤ۔"
"میں تمہاری ان من گھڑت باتوں میں نہیں آؤں گی۔ جلال سے کہہ دوں گی کہ تم سے وہ چیک میں نے لے لیا ہے۔ میں نے پاکستان کی خاطر امریکا کو چھوڑا ہوا ہے۔ دنیا جہان سے لڑتی پھر رہی ہوں۔ پاکستان پر میرا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ جلال میری بات رد نہیں کر سکے گا۔ وہ عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہ اور مراعات لیتا ہے۔ ایک انعام لینے کا

ت مجھ کو بھی ہے۔"

"جلال کے رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
سلطان شاہ نے جوش و خروش سے اس کی تائید کی "اس نے یہ رقم اپنی جیب سے نہیں دی۔ یہ ہم لوگوں کی خدمات کا انعام ہے۔ ڈینی ہمارا سربراہ ہے اس لیے چیک اس کو دیا گیا۔ اسے تذبذب ہے تو ہم سب چیک کے حق دار ہیں۔"

"اے.... ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرو ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ یہ چیک صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو بھارت کے مشن پر گئے اور را کے سومنات کے کئی بڑے بت گرا کر سرخ روئی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔"

ویرا کی چال بازی پر سلطان شاہ گڑبڑا گیا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا "ابھی تم نے خود کہا تھا کہ سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔ پتا نہیں انعام کی تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہوگا۔ اب تم بھارت جانے والوں کی...."

"ہاں ہاں۔ وہ میری اور ڈینی کی بات تھی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کو قائل کرنے کے لیے میں بہت سی بے سروپا باتیں کر جاتی ہوں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ دس لاکھ کے انعام پر اب تمہاری رال ٹپک رہی ہے۔"

سلطان شاہ کی طبیعت میں لالچ نام کو نہیں تھا۔ بات کچھ ایسے رخ پر چلی گئی کہ وہ روانی میں سب کا ذکر کر بیٹھا جس کا جواز خود ویرا نے ہی فراہم کیا تھا۔ ویرا کی قلابازی اور پھر الزام تراشی پر سلطان شاہ کی کھوپڑی سنک گئی اور وہ بھنّا کر بولا۔ "دس لاکھ تو کیا میں دس کروڑ پر بھی پیشاب نہیں کرتا۔ میں...."

ویرا نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور سلگانے والے انداز میں بولی "کرو گے کیسے؟ تمہارا تو مثانہ ہی خراب ہے۔"

"لعنت ہے تم پر اور تمہاری حمایت کرنے والے پر۔"
سلطان شاہ پیر پٹخ کر دبی دبی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کان مروڑتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھ سے خطا ہوئی جو میں نے ڈینی کے بجائے تمہارا ساتھ دیا۔"

ویرا کے بے رحمانہ تبصرے سے سلطان شاہ کا دل ایسا خراب ہوا کہ وہ پھر وہاں نہیں رکا۔ بکتا جھکتا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ویرا نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے مزید اشتعال دلانے کے لیے بے پروایانہ انداز میں مسکراتی رہی۔ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو ویرا نے ہلکی سی انگڑائی لی اور مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "یہ اس قدر احمق آدمی ہے کہ میں آسانی سے اسے اپنی انگلیوں پر نچالیتی ہوں۔ اس وقت میں اسے بھگانا چاہ رہی تھی اور دیکھ لو کہ وہ کتنی آسانی سے خود ہی چلا گیا۔ ویسے میں اس کی ہزار خوشامدیں کر لیتی تب بھی وہ یہاں سے نہ ہلتا۔"

"تم اس کے ساتھ بہت بے دردی سے پیش آتی ہو۔ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے اس کا دل کھٹا ہو جائے گا۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"میں جب چاہوں گی، ذرا سی دیر میں اسے منالوں گی۔" ویرا نے پورے اعتماد سے جواب دیا "میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور اس کی کمزوریاں جانتی ہوں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم جلال کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا شکار تھیں۔ اس نے اگر تمہیں بہن کہہ دیا ہے تو تم کیسی ہی بدمعاشی پر اتر آؤ، وہ تم پر بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس ٹائپ کے افراد اپنے جذبات پر کنٹرول کے معاملے میں بہت سنگ دل ہوتے ہیں۔ اپنے ہر قسم کے جذبات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں مگر اپنے مردانہ وقار اور کردار پر آنچ نہیں آنے دیتے۔"

"خوب.... اس وقت میری ساری باتیں سن رہے تھے۔ اب اس کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔"

"سلطان شاہ کے لوٹ آنے کی وجہ سے میں خاموش ہونے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ تمہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"وہ اتنا عظیم آدمی ہے تو تم اس کا چیک لوٹانے پر کیوں مصر تھے؟" ویرا نے پوچھا۔
"دو الگ الگ باتوں کو ملانے کی کوشش نہ کرو۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"
اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اپنی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے چیک کہاں رکھا ہے۔ نرمی اور محبت سے اسے نکال لو۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔" دھیمے اور مخمور لہجے میں بولتے بولتے یکایک اس کی آواز سرگوشیانہ ہوگئی "میں تمہاری طلب میں اندر سے پھنکی جارہی ہوں۔"
"اوہ!" اس بار میرے طنز کی باری تھی۔ میں نے کہا "تو یوں کہو کہ تمہارے دماغ میں گرمی چڑھی ہوئی ہے۔ جلال تمہارے لاشعور میں کہیں چپکا ہوا ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنے اوپر رینگتا نظر آرہا ہے۔ اس وقت تم نے مجھے بلاوز سے دوسری مرتبہ چیک نکالنے کی دعوت دی ہے۔"
"اب زیادہ نہ بولو۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "مجھ سے پہلے تم نے اس کی نظروں میں عجیب سی بات کا ذکر چھیڑا تھا۔"
"وہ مذاق کی بات تھی اور تم اسے لے اڑیں۔ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ لفافے میں تمہارے رشتے کا پیغام تھا تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ جلال تم سے شادی کا خواہاں ہے؟"
"میں ضرورت کے بغیر جھوٹ نہیں بولتی۔ مردوں کا ذہن میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔
"بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے بھارت سے گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات وہاں سے لاہور پہنچا کر اتنا اہم کام سرانجام دیا ہے کہ وہ تمہارا حد سے زیادہ احترام کرنے لگا ہے اور مجھے یہی بات عجیب محسوس ہوئی تھی۔ یہ قصہ ختم ہوچکا ہے۔ اس پر بحث میں میرا وقت برباد مت کرو۔"
وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے قریب آبیٹھی اور میرا ہاتھ اپنے گداز ہاتھ میں تھام کر ملتجی آواز میں بولی "تم مجھے بہت ترساتے ہو۔ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"
"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں اچھل کر اس سے دور ہوگیا "ہم روح کو منجمد کردینے والے بھیانک خطرات سے گزر کر کچھ دیر پہلے ہی محفوظ سرحد میں داخل ہوئے ہیں۔ دو بھارتی فوجیوں کی ادھڑی ہوئی لاشیں اور بنگو کا عبرت ناک انجام میرے اعصاب پر سوار ہے۔ ذرا کچھ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔"
"تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری خدمت کروں گی۔ بس....."
"کچھ نہیں۔" میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "میری سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ چیک مجھے لوٹا دو۔"
وہ سرسری مطالبہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا انکار کردے گی لیکن اس نے ذرا بھی توقف کیے بغیر اپنے کھلے گریبان سے بلاوز میں انگلیاں ڈال کر، مڑا ہوا چیک نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔
"چیک ملنے کا مطلب ہے کہ تم میری ہم خیال ہوچکی ہو؟" میں نے تحیر آمیز بےیقینی سے کہا۔
"میری رائے میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ میری دانست میں چیک واپس نہیں ہونا چاہیے۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ میں یہ چیک جلال کو لوٹا دوں گا پھر تم نے اسے واپس کیوں کردیا؟"
"تاکہ تمہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس رقم پر میری نیت خراب ہوگئی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ شی میں، میں کروڑوں روپوں میں نہیں ڈالروں میں کھیلتی تھی۔"
"مجھے سب کچھ یاد ہے اسی لیے میں بھی تمہارا احترام کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"آئندہ یہ نہ کہنا۔" ویرا یکایک بھڑک اٹھی "ایسی باتیں مجھے دوستوں کی زبان سے زہر لگتی ہیں۔ کسی لڑکی کو جیتے جی درگور کرنا ہو تو اس کا احترام کیے جاؤ۔ اس کے اندر بھڑکنے والی آگ کے طوفانی شعلوں کا درماں کرنے کے بجائے اس کی پوجا شروع کردو۔ وہ سسک سسک کر مرجائے گی۔ مجھے کسی عزت اور احترام کی ضرورت نہیں۔ میں صرف محبت کی پیاسی ہوں اور تم سے جواب میں یہی چاہتی ہوں۔ اپنا احترام کسی اور کے لیے اٹھا رکھو۔"
میں پُرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرا کوئی کڑوا کسیلا جملہ اسے مزید بھڑکانے کا سبب بن سکتا تھا۔
"خاموش کیوں ہو؟ میں اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔" خاموشی کا وقفہ طویل ہوجانے پر وہ اضطراری انداز میں بول پڑی۔
"میرا جواب کانوں سے سننے کے بجائے اپنے دل سے محسوس کرنے کی کوشش کرو۔ تم خود مطمئن ہوجاؤ گی۔" میں نے سنجیدگی سے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
"مجھے تم ہمیشہ سے بہلاتے آئے ہو۔ اپنی زبان سے اقرار کردیا کھل کر انکار کردو۔" اس نے ضد کی۔

"ہر نشیب و فراز کے باوجود ہماری دوستی برسوں سے برقرار ہے۔ اپنے بارے میں شکوے کرتے ہوئے تم یہ بات بالکل بھول جاتی ہو کہ غزالہ سے شادی ہوجانے کے بعد میری پوزیشن نازک ہوگئی ہے۔ اب میں پہلے کی طرح آزاد پنچھی نہیں رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اب تمہاری ان حیلہ سازیوں کو خوب سمجھنے لگی ہوں۔ مجھ سے کتراتے ہو تو غزالہ کی آڑ لے لیتے ہو۔ جب مہربان ہونے کا موڈ ہوتا ہے تو اسے یکسر نظرانداز کردیتے ہو۔ وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ تمہارے سامنے زبان نہ کھولنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میری اور تمہاری دوستی سے بے خبر ہے۔ بیوی بننے کے بعد ہر لڑکی کی چھٹی حس بہت تیز ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی نظروں سے تاڑ لیتی ہے کہ اس کے آس پاس کیا کھیل ہورہا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "بھارت یاترا میں شاید تمہارے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہوگیا ہے جو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کررہی ہو۔ یہ سب جانتی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ غزالہ کی چشم پوشی کا بھرم برقرار رہنا چاہیے۔"

وہ یکایک اداس ہوگئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور تھکی ہوئی آواز میں بولی "کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں تپتے ہوئے صحرا میں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی میرے ہاتھ نہ آئے گا۔ اس تھکا دینے والی بھاگ دوڑ میں میرا سایہ تک میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کی حالت میں احسان فراموشی کی مرتکب ہورہی ہو۔" میں نے اسے ٹوکا "ہم چاروں ایک خاندان کی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ اول خان ہماری فیملی کا پانچواں رکن ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ دلی میں غزالہ تمہارے لیے کتنی فکر مند تھی۔"

"مجھ سے جہالت کی باتیں مت کرو۔" ویرا برہم ہوکر بولی "مغرب میں یہ سب بکھیڑا نہیں ہوتا مگر مشرق میں ماں باپ اپنی بیٹیوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں پھر بھی کوئی اپنی بیٹی کو عمر بھر اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ اکثر اوقات آسودہ گھرانوں کی لڑکیاں اپنے میکے کی ساری آسائشوں کو تج کر غریب اور متوسط طبقے کے گھروں میں بہو بننا قبول کرلیتی ہیں۔ جانتے ہو کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔"

"مجھے اپنے بے ہودہ فلسفوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"یہ کوئی فلسفہ نہیں' اس روئے زمین کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لڑکی کسی کی بہن اور بیٹی بن کر سدا سکھی نہیں رہتی۔ تنہائی کا زہریلا ناگ اسے چپکے چپکے اور اندر ہی اندر ڈستا رہتا ہے۔ عورت کسی کی بیوی یا کم از کم محبوبہ بن کر ہی خود کو مکمل محسوس کرتی ہے۔"

"تم کو کس نے روکا ہے؟ تم شادی کے لیے آمادگی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے ایک سے ایک رشتہ تلاش کرسکتا ہوں۔"

"شادی تنہائی کا اکلوتا حل نہیں ہے۔ میں بارہا تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے دوسری راہ کا انتخاب کیا ہے۔ تمہاری شادی سے پہلے تم کو چاہتی تھی اور میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر پورے خلوص سے قائم ہوں۔"

"ویرا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ میں لمبے سفر سے تھکا ہارا واپس آیا ہوں۔" میں نے اس کے قریب ہوکر اسے سمجھایا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور میں بے ساختہ احمقانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"ویری گڈ!" ویرا کو میری مسکراہٹ میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ وہ یکایک خوش ہوگئی اور میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی "کبھی کبھی عہدِ وفا کی تجدید ہوتی رہے تو مجھے دلی سکون رہتا ہے ورنہ میں مضطرب ہوجاتی ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے باک' خود غرض اور احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم نے نہیں دیکھی ہوگی" اس نے سنجیدگی سے کہا "تم میری محبت ہو اور غزالہ تمہاری محبت ہے۔ اس عجیب تکون میں تم میری زندگی کا حاصل ہو۔ جب بھی تم سے دور ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے' مجھے اپنی زندگی بے روح اور پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں قتل کردوں یا اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں۔"

آخری فقرے پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ اس نے میرے روبرو پہلی مرتبہ اپنی اس سفاکانہ سوچ کا اظہار کیا تھا۔ میں اس کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کے اعتراف سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ اس کی تحکمانہ اور قابضانہ ذہنیت مایوسی کی انتہا پر پہنچنے کے بعد کوئی بھی ایسا گل کھلا سکتی تھی کہ جس سے سب کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔

وہ جوان، حسین، خوش کلام اور خوش بدن ضرور تھی مگر میرے لاشعور کے کسی کونے کھدرے میں ابتدا سے اس کے کسی بھیانک ردِعمل کا خوف پل رہا تھا۔ شاید اسے میرا عذرِ لنگ قرار دیا جائے مگر اس خوف کی وجہ سے میں نے ہمیشہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا پسند تھا نہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کا خون بہانا گوارا تھا۔ پُرامن بقائے باہمی کے لیے یہ ضروری تھا کہ ویرا کے انتہا پسندانہ جذبات کو محبت سے مغلوب رکھا جائے۔

وہ میرے منہ سے انکار یا اقرار سننے پر تلی ہوئی تھی لیکن گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تو وہ اس گورکھ دھندے میں اپنا مطالبہ بھول گئی۔ ہم دونوں خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے اس ڈرائنگ روم سے باہر نکلے تو راہ داری خالی پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ براہ راست برآمدے میں اور دوسرا اس اندرونی راہ داری میں کھلتا تھا۔

"تمہاری نظریں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" راہ داری میں چند قدم بڑھنے کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"ہر طرف سناٹا ہے۔ یہاں کسی نہ کسی معاون یا خدمت گار کو موجود ہونا چاہیے تھا" میں نے کہا۔

ویرا نے مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے فضلو کہہ کر کسی کو پکارا اور قریبی ڈرائنگ روم کے حریری پردوں کے پیچھے سے ایک ادھیڑ عمر اور باریش شخص اچانک نکل آیا۔

"ہم کمرے میں جا رہے ہیں۔ کھانا لگوانے کی تیاری کرو۔" ویرا نے اسے طلب کیا تھا اس لیے کوئی کام بتانا بھی ضروری تھا۔ ویرا کی ہدایت پر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر فضلو دوبارہ اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"آئی بی کے ڈرائیور، خانساماں اور فراش بھی پُراسرار ہیں" فضلو کے چلے جانے پر ویرا نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا "ویسے ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج نظر آتا ہے لیکن جب کسی کو پکارو، کوئی نہ کوئی آدمی کسی جن کی طرح کہیں سے نکل آتا ہے۔"

"یہ خطرناک بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضلو نے میری اور تمہاری باتیں سن لی ہوں۔"

"اپنے بڑوں کے حکم کے بغیر وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جلال کو ہم پر پورا بھروسا ہے۔"

اس خوبصورت مکان میں کل چار بیڈ روم تھے۔ ویرا مجھے میرا اور اپنا کمرا باہر سے دکھاتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ غزالہ کے کمرے میں گھسا، اس کا مغز چاٹ رہا ہوگا کیونکہ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سب سے زیادہ تشنگی اسی کو ہو سکتی تھی۔

کمروں کے تعین سے ویرا باخبر تھی۔ اس نے غزالہ کے لیے مخصوص کیے ہوئے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سلطان شاہ کی اجازت پا کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض کمرا تھا جہاں مسہری کے سوا ایک گوشے میں چار نشستوں والا صوفہ سیٹ بھی موجود تھا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کے گیلے بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کے سوالات کا سامنا کرنے سے پہلے اس نے غسل کر کے سفر کی دھول اور تکان سے نجات حاصل کر لی تھی۔

"گریٹ ... واقعی تم گریٹ ہو!" مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ وفورِ جذبات سے بے قابو ہو کر میری طرف لپکا اور پھر میرے گلے میں جھول گیا۔

"ارے ... یہ کیا حرکت ہے۔ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔" میں اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا گیا۔

سلطان شاہ کو بھی فوراً احساس ہو گیا کہ وہ ہیں بدن نہیں تھا۔ وہ والہانہ انداز میں میرے رخساروں کے بوسے لے کر الگ ہو گیا۔

"سب کچھ ہماری توقع سے بڑھ کر شاندار رہا لیکن بنگاہ کے انجام پر بہت دکھ ہوا" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔

"بنگو کو کیا ہوا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔ ملاقات ہونے کے بعد اس نے ہماری مہم کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے وہ مکمل تاریکی میں تھی۔

"پاکستان پہنچنے کے بعد اسے مار دیا گیا" میں نے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اسے کس نے مارا؟" ویرا نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا "وہ ہمارے لیے بہت کارآمد تھا۔ جلال نے بتایا تھا کہ امرتسر سے وہی تم کو پاکستان لا رہا تھا۔"

"ہمیں اسی نے پہنچایا تھا مگر راستے میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ وہ مجھے پہچان گیا۔ اس کی پک اپ کی لوہے کی باڈی بھارتی فوجیوں کی چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی اور دو فوجی مارے جا چکے تھے۔ وہ امرتسر جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا" میں نے اس بار ذرا وضاحت سے بتایا۔

"وہ انٹیلی جنس بیورو والوں کا بہت پرانا اور پکا انفارمر

ا۔ پکڑا بھی جاتا تو کچھ نہ اگلتا۔ کیا اسے تم نے مار ڈالا؟"
ویرا کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"وہ سیکرٹ ایجنٹ نہیں، تیسرے درجے کا بدمعاش تھا
جو پیسے کے لالچ میں جلال کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کے
بارے میں جلال نے میرے مشورے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ
کیا اور آئی بی کے ایک آدمی نے اسے اڑا دیا۔ اسے نہ مارا
جاتا تو امرتسر پہنچنے کے بعد وہ ہم سب کو مروا دیتا۔"
"تمہارا نام پہلے ہی جھنڈے پر چڑھا ہوا ہے۔ وہ تمہارا
مزید کیا بگاڑ سکتا تھا؟" ویرا کی ہمدردیاں بدستور بنگو کے
ساتھ تھیں۔
مجھے معلوم تھا کہ جب تک ویرا کو اپنے سوال کا تسلی
بخش جواب نہیں ملے گا، وہ بار بار سوال کر کے تنگ کرتی رہے
گی۔ میں نے اسے تفصیل سے وہ سارا پس منظر بتادیا جو بنگو
کے قتل کے فیصلے کے پس پشت کارفرما تھا۔ درمیان میں اس
نے چند سوال بھی کیے جن کے مسکت جوابات موجود تھے۔
گفتگو مکمل ہونے پر وہ اس خیال سے متفق ہو چکی تھی کہ
بنگو کو مارنے کا فیصلہ ناگزیر تھا مگر ہم سب کی طرح وہ بھی
اس بھارتی بدمعاش کے انجام پر دل گرفتہ سی تھی۔
"بنگو بہت اہم آدمی تھا" میں نے آخر میں کہا "وہ نہ
ہوتا تو مکمل ترین رازداری کے ساتھ ہمارا بھارت میں داخلہ
ناممکنات میں سے تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ کرین
کوبرا فائل اور را کا دوسرا اہم ترین ریکارڈ بروقت بھارت
سے نکال کر پاکستان پہنچا دیا گیا اور ہم دونوں کی بہ سلامت
واپسی اس کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی مگر یہ بہت بھیانک
کھیل تھا جو انسانی لہو کا طلب گار تھا۔ اسے نہ مارا جاتا تو
ہماری صفوں میں سے نہ جانے کون کون مارا جاتا۔ سب سے
زیادہ خطرہ عابد علی اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانوں کو
ہوتا۔ وہ تین برس سے پوری احتیاط کے ساتھ دہلی میں رہ
رہے ہیں اور ان کے دامن بے داغ ہیں۔ بنگو کے پکڑے
جانے کے بعد وہ کسی بھی لمحے چیونٹیوں کی طرح مسل دیے
جاتے۔ را والے اپنے جہنم رسیدہ افسروں کے جوشِ انتقام
میں اس وقت خونی بھیڑیے بنے ہوئے ہوں گے۔"
"یہ مجبوری تھی، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب
کوئی اور بات کرو" ویرا نے مضمحل آواز میں کہا۔
"فکر نہ کرو۔ میں نے غزالہ سے ہر بات پوچھ لی ہے۔ پتا
نہیں تم ڈرائنگ روم میں اتنی دیر تک ڈینی سے کیا باتیں کرتی
رہی ہو" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ان
دونوں کو اب آرام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ میں تم کو ان
کی پوری کہانی سُنا دوں گا۔"
"مجھے ٹال کر اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش مت کرو۔"
ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں ان کی کہانیاں ان
کی زبان سے سننا چاہتی ہوں۔"
"بہت سی باتیں تمہیں معلوم ہیں کیونکہ تم خود دہلی میں
موجود تھیں" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا "درمیان کی جو
باتیں رہ گئی ہیں، وہ میں پوچھ چکا ہوں۔"
"تم چغد ہو" ویرا جل کر بولی "مجھے جان اسمتھ کے قتل
کے سوا کچھ معلوم نہیں...."
"پھر اللہ تم پر رحم کرے" سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر
بزرگانہ انداز میں بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد
تم باجی اللہ والی بن گئی تھیں۔"
"کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتے" ویرا نے
درشتی سے کہا۔
"کوشش کروں تو شاید رہ سکتا ہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ میں کوشش کیوں کروں۔ جب تم نے دہلی میں ہوتے
ہوئے ڈینی اور غزالہ کا ہاتھ بٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی تو
میں بھی بس اللہ پر توکل کیے لیتا ہوں۔ وہ صرف ایک بار آدمی
کی زبان بند کرتا ہے اور یہ بندش قیامت تک کے لیے ہوتی
ہے۔"
"خاموش نہیں ہو سکتے تو کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہی
ہو جاؤ۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک نیا خیال آیا ہے۔"
ویرا نے زچ ہو کر کہا۔
"راگ، راگنیاں اور خیال یہاں الاپنے کی کیا ضرورت
ہے۔ کراچی جا کر یہ شوق پورے کر لینا" سلطان شاہ اسے عاجز
کرنے پر تل گیا تھا۔ "یہاں تم...؟"
ویرا کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کوئی
سنجیدہ بات کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے تیکھی نظروں
سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر
یکایک یوں خاموش ہو گیا جیسے اس کی چابی ختم ہو گئی ہو۔
"تھینک یو ڈارلنگ!" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا
"اسے تم ہی خاموش کرا سکتے تھے۔"
"میں اپنی مرضی سے خاموش ہوا ہوں۔ مجھے کسی نے
نہیں گھورا تھا" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"تم اپنی بات شروع کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ
تمہارے ذہن میں اب کیا خیال آیا ہے؟" میں نے ویرا سے
کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اپنا کھیل تم نے خود بگاڑا ہے ورنہ

ڈینی کا نام بھولے سے بھی سامنے نہ آتا" ویرا بولی۔

"بدترین حالات میں پھنس جانے کے بعد آدمی کے حواس زائل ہوجاتے ہیں اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے..." غزالہ نے کچھ کہنا شروع کیا مگر ویرا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تنقید نہیں کررہی۔ ڈینی کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ مشکلات میں گھر جانے کے بعد اس کا ذہن زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوچکا' اس کو واپس لوٹانا ناممکن ہے لیکن اپنے فیصلوں اور کارکردگی کا جائزہ لے کر کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے تو ہمیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں تمہاری بات سننے سے پہلے کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے ہر مرحلے پر اپنی حیران کن صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ زندگی اور موت کے دوراہے پر ان سے بہتر فیصلے کوئی نہیں کرسکتا۔"

"یہ بحث بے کار ہے تم بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم بھارت میں را کے مزید دس آدمیوں کو مار دیتے تب بھی انڈین پریس میں تمہارا نام نہیں آسکتا تھا۔ تم نے نریش شرما کو بیم گن سے ہلاک کرکے مسئلہ شروع کیا۔ لیزر گن یا بیم گن کا ذکر سامنے آتے ہی سب کا ذہن ڈینی کی طرف مبذول ہوگیا۔ تمہارے اس ہتھیار سے تمہارے دشمن دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھارت کی سرزمین پر اس انوکھے ہتھیار کا پہلا استعمال تھا۔ بات واضح ہوگئی کہ ڈینی دہلی میں ہے اور نریش شرما کا قاتل ہے۔"

ویرا سانس لینے کے لیے رکی تو غزالہ جھٹ بول پڑی "وہ بھارت میں بیم گن کا پہلا نہیں' دوسرا استعمال تھا۔"

"میں جلال سے سن چکی ہوں کہ را کے پاکستانی ونگ میں نریش کی تجوری اسی سے کاٹی گئی تھی لیکن لوہے کی کسی تجوری کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا۔ آگ میں سب کچھ جھلس کر برباد ہوگیا تھا۔ ناگر کی لاش بھی جل کر کوئلہ ہوگئی ہوگی۔ یہ سمجھا گیا ہوگا کہ تجوری گیس کٹر سے کاٹی گئی تھی۔ اب نریش کا معاملہ سامنے آیا ہے تو اس تجوری کے جلے ہوئے حصوں پر بھی کام ہوگا اور یہ بات سامنے آجائے گی کہ تجوری مقفل کرنے کے پورے میکانزم کو انتہائی شدید حرارت سے پگھلایا گیا تھا۔ اتنی حرارت لیزر شعاعیں ہی پیدا کرسکتی ہیں۔" ویرا نے ایک باقاعدہ نظریہ قائم کرلیا تھا۔

"وہ تجوری پر سر کھپا کر نتائج اخذ کرتے رہیں۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" غزالہ نے تنک کر پوچھا۔

"چند روز میں وہ پتا چلالیں گے کہ ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ تھا۔ اگر نریش پر بیم گن استعمال نہ ہوتی تو ڈینی کا نام پردے میں رہتا۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے۔ وہ خبیث مزاحمت پر تُل گیا تھا۔ اس نے آئی بی کے ایک آدمی کو پکڑلیا تھا" میں نے اپنے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا "انگوٹھی کا زہر استعمال کرنے کے لیے اس کے قریب جانا ضروری تھا۔ مجھے اپنے قریب پاتے ہی وہ کوئی گڑبڑ کرسکتا تھا۔"

"اگر آئی بی کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ تھا تو وہ نہتا نہیں رہا ہوگا۔ وہ اسے گولی ماردیتا۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

"اور فائر کی پُرشور آواز کے نتائج تم بھگت لیتیں!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "ویرا! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں نے مجبوری کی حالت میں' بہت سوچ سمجھ کر' بیم گن استعمال کی تھی۔ اسے کسی اور ترکیب سے مارنے یا زیر کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہمارا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہوجاتا۔"

"چلو' مان لیا کہ وہاں تم مجبور تھے لیکن ویران سرحد کی جنگل میں کیا مشکل درپیش تھی۔ تم نے بھارتی فوجیوں پر بھی بیم گن چلادی۔"

"وہاں سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ وہ بنگو کو مار دیتے تو ہم اسی جنگل میں بھٹک جاتے اور ان کے ساتھی ہمیں پکڑلیتے۔ بس جو کچھ ذہن میں آتا چلا گیا' میں اس پر عمل کرتا چلا گیا۔"

"میں چشم دید گواہ ہوں۔" غزالہ بولی "وہ بہت بڑی اور ناگہانی مصیبت تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ ہم پک اپ کے آہنی پنجرے میں ہی پھنسے رہ جائیں گے لیکن ان کے حواس قائم تھے۔ اگر یہ بیم گن سے دروازے کا بیرونی کنڈا نہ کاٹتے تو بھارتی فوجیوں نے ہمیں زیر کرلیا تھا۔"

"وہاں ایکشن ہورہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا "دونوں فوجیوں کے سروں پر خون سوار تھا۔ وہ بے تحاشا گولیاں برسا رہے تھے۔ انہیں جہنم واصل کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی جاتی تو وہ مرتے مرتے بھی ہمیں گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی شدید مجبوریوں کے عالم میں بیم گن استعمال کی ہوگی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔

"بھارت میں مجھے قدم قدم پر احساس تھا کہ بیم گن کا

استعمال میری موجودگی کا اشتہار بن سکتا ہے۔ میں حتی الامکان اس کے استعمال سے بچتا رہا لیکن اس بار بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔" میں نے ویرا کو بتایا "جب میں نے تمہیں رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکل جانے کی ہدایت کی تو میں بھی صبح کی پہلی پرواز سے امرتسر جانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ آئی بی والوں نے میرے اور غزالہ کے ٹکٹ بنوالیے تھے مگر میں نے محض اپنا نام اچھلنے کے اندیشے کی وجہ سے دہلی چھوڑنے کا ارادہ عین وقت پر ملتوی کردیا۔ جان اسمتھ کی موت اور نریش کے دفتر میں نقب زنی کے بعد میرا وہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"امرتسر میں عابد فائلوں کا پلندا لے کر آیا تو میں حیران ہوئی تھی کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی پھر ایک اجنبی میرے کمرے پر کیسے پہنچ گیا۔"

ویرا کسی عذر کے بغیر میری کہی ہوئی ہر بات مانتی جارہی تھی اور ساتھ ہی وہ درمیانی کڑیاں بھی جوڑتی جارہی تھی جو ہمارے درمیان کھلا رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک خلش کا سبب بنی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی "اس وقت تم غائب ہوجاتے تو اودھم مچ جاتا کہ یہ سب کیا دھرا مظہر خان کا ہے۔ رات میں اپنا کام دکھاتے ہی وہ ہوٹل سے بھاگ گیا۔ را والوں نے ان معاملات میں تم کو پریشان تو کیا ہوگا۔"

"را والے زمین پر شیطان کے چیلے ہیں۔ میں اس وقت تمہیں صحیح وسلامت نظر آرہا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ میں دہلی میں عیش کرتا رہا ہوں۔ شدید ترین ذہنی تشدد کے ساتھ میں نے نریش کے ہاتھوں مار بھی کھائی ہے۔ اس کے ہر بے رحمانہ تھپڑ پر میرا خون کھول اٹھتا تھا مگر میں سر جھکائے پٹتا رہا تاکہ وہ مجھے پکا بزدل سمجھتا رہے۔"

"اس سؤر کے بچے نے تم کو تھپڑ لگائے تھے۔" سلطان شاہ صدمے اور حیرت سے بولا۔

"انتہائی کرارے اور ایسے زوردار کہ میری آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"آپ کا صبر رائگاں نہیں گیا۔ اس سے ہونے والی آخری ملاقات میں آپ نے سارے بدلے چکا دیے۔" غزالہ بولی "یہ باتیں آپ نے مجھ سے بھی چھپائے رکھیں۔"

"یہ سن کر تمہارا حوصلہ ٹوٹ جاتا۔ آدمی مشکل حالات میں گھرا ہوا ہو تو حوصلہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم سن رہی ہو۔" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مخاطب کیا "یہ سارے روگ اپنی جان پر لیے دشمنوں سے لڑتے رہے اور تم کہہ رہی ہو کہ انہوں نے غلطیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں آج بھارتی پریس میں ان کے نام کا چرچا ہورہا ہے۔"

"میں کہہ رہی تھی!" ویرا نے بھویں چڑھا کر، ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اب میں اپنے الفاظ واپس لے چکی ہوں۔"

"نریش سؤر کا بچہ تھا۔ وہ اپنے صحیح انجام کو پہنچا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے سے مغلوب لہجے میں کہا "وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی ایک پاکستانی کو مار رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے سامنے ڈینی موجود ہے تو دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہوجاتا۔"

"سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔" میں نے ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے زبان کھولی "وہ لوگ ڈینی سے ڈرتے ہیں اور مظہر خان کو ایک بزدل چوہا سمجھ رہے تھے۔ نریش کو بس اتنا شبہ تھا کہ کہیں مظہر خان کسی پاکستانی ایجنسی کے لیے کام نہ کررہا ہو۔"

"تم نے واقعی وہاں بہت دکھ اٹھائے۔ ان حالات میں جو کچھ تم نے کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔" ویرا نے پہلی بار کھل کر اعتراف کیا۔

"میں مانتا ہوں کہ بیم گن کے استعمال نے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے اور یکایک انہیں ہوش آگیا کہ ڈینی ان کی صفوں سے بہت قریب گھوم رہا ہے۔" ویرا کی فراخ دلی دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی عار کے بغیر کھلے دل سے حقیقت تسلیم کرلی "را والے غبی اور عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ ان کے قریب رہ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی تربیت میں ذہانت، چالاکی اور مکاری کے جوہروں کو نکھارنے پر خاصا زور دیا جاتا ہے۔ بیم گن کا غلغلہ نہ اٹھتا تو انہیں واقعات کی کڑیاں جوڑنے میں کچھ وقت ضرور لگتا مگر وہ جان لیتے کہ دہلی میں ہم لوگ ہی ان کی پشت پر پیاز کتر کر چلے گئے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ ڈینی اور مظہر خان کے درمیان تعلق جوڑنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" غزالہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"شاید اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" یہ پیش گوئی کرکے میں نے سگریٹ سلگالی۔

اسی لمحے غزالہ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر فضلو کا گمبھیر چہرہ نظر آیا۔ وہ میز تیار ہونے کی خبر لایا تھا۔

جب تک ہم بھارت کی سرزمین پر اپنی بقا کی جدوجہد

رہے تھے' بھوک اور پیاس کا دور دور تک نام و نشان نہیں
تھا لیکن بنگو کی زبان سے پاکستانی علاقے کا سفر شروع ہونے
کی خبر سنتے ہی میری بھوک شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ اپنے
پرانے ساتھیوں کے حد سے بڑھے ہوئے جوش و خروش کی
وجہ سے میں نے اپنی اس خواہش کو دبا لیا تھا لیکن فضلو کا
اعلان سننے کے بعد بھوک کا احساس میری برداشت سے باہر
تھا۔ میں نے نئی جلائی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی
اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ تینوں بھی میری تقلید میں خاموشی
سے میرے پیچھے ہو لیے۔

میز پر انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز بھاپ
اڑاتی ہوئی قابیں سجی ہوئی تھیں اور فضا خوشبوؤں سے بھری
ہوئی تھی۔ جلال کو میری اور غزالہ کی آمد کی پیشگی اطلاع مل
گئی تھی۔ اس لیے اس نے ہماری استقبالیہ دعوت کے
اہتمام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کمی تھی تو بس اتنی کہ
ہمارا میزبان اس دعوت میں موجود نہیں تھا۔

ابتدا میں میز پر تھوڑی سی ہلچل ہوئی لیکن پھر پلیٹیں
بھرنے کے ساتھ سکون ہوتا چلا گیا اور ہم چاروں خاموشی سے
کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"ابھی تک تم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔" پیٹ میں
کچھ چارا پڑ جانے کے بعد ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو
کر کہا۔

"اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سب کھانے بہت
لذیذ ہیں۔" میں نے لقمہ نگل کر جواب دیا۔

"یہ بات مجھے بھی معلوم ہے۔ میں کھانے کی نہیں'
کمرے کی بات کر رہی تھی۔" ویرا نے میری تصحیح کی۔

"کمرے کو کیا ہوا؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے تجسس
کے ساتھ سوال داغ دیا۔

"سب کو معلوم ہے کہ ڈینی اور غزالہ کے درمیان میاں
بیوی کا رشتہ ہے پھر بھی جلال نے دونوں کی شب خوابی کے
لیے یہاں الگ الگ کمرے مخصوص کیے ہیں۔"

"اچھا!" غزالہ نے چونک کر سر اٹھایا اور بولی "تمہیں
یہ بات کس نے بتائی؟"

"میں یہاں تم دونوں سے سینئر ہوں۔" ویرا نے بات
شروع کی لیکن سلطان شاہ نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا
دی۔

"یہاں قیام کے سلسلے میں' میں بھی ان دونوں سے سینئر
ہوں۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" اس نے اعتراض کیا۔

"کان اور آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں کچھ معلوم ہو۔"
ویرا نے منہ بنا کر کہا "ویسے بھی تمہیں آئے ہوئے چند گھنٹے
ہوئے ہیں۔ میں کئی دنوں سے یہاں رہ رہی ہوں۔ یہاں کام
کرنے والوں سے میری خاصی جان پہچان اور بے تکلفی ہو گئی
ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ہر ایک سے
زبردستی بے تکلف ہونے پر تُل جاتی ہو بلکہ اس کے سر پر
سوار ہونے لگتی ہو۔"

"خاموش ہو جاؤ!" میں نے اکتا کر سلطان شاہ سے التجا
کی "تم دونوں اپنی بحث میں بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے
ہو۔ ذرا سکون سے کھانا کھا لینے دو۔"

"الگ الگ کمروں کے بندوبست کے بارے میں
تمہاری کیا رائے ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا
نے پھر شوشا چھوڑ دیا۔

"ضروری نہیں کہ ہر کام جلال نے خود کیا ہو۔" میں نے
بے پروائی سے کہا "اس نے اپنے ماتحتوں کو دو مہمانوں کی
آمد کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور انہوں نے دونوں کے
لیے الگ الگ کمرے مخصوص کر دیے۔ یہ ضروری نہیں ہے
کہ ہم الگ الگ رہیں۔ ہم دونوں ایک کمرے میں ہی رات
بسر کریں گے۔"

"ہوں۔ اوں!" ویرا نے ہنکارا بھرا پھر بولی "اپنی اپنی
سوچ ہے۔ میرے نزدیک یہ بات اہم ہے کہ جلال نے اس
بندوبست میں ذاتی دلچسپی نہیں لی اور سارا کام اپنے آدمیوں
پر ڈال دیا۔"

"تمہاری آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی ہے۔"
سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ڈینی کو جلال کے خلاف
اکسانے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کا وہ تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ جلال نے
ویرا کو ایک خوب صورت' کج ادا اور دل نواز دوشیزہ کی سی
پذیرائی دینے کے بجائے اسے بہن قرار دے دیا تھا۔ جلال کی
اس مشرقی گستاخی پر ویرا بری طرح چڑی ہوئی تھی۔ وہ دانستہ یا
لاشعوری طور پر جلال کے خلاف زہر اگلنے پر تل گئی تھی۔ یہ
بات ویرا کے سوا ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کر لی تھی اور
کوئی بھی اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا مگر میں نے اس
وقت سلطان شاہ کی تائید میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔
مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی ہوتے
ہی وہ فوراً بے لگام ہو جائے گا۔

ہم چاروں خاصے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوئے تھے
اس لیے کھانے کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چلتا رہا

لیکن کوئی بھی نکتہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ غزالہ کچھ زیادہ خاموش تھی مگر ویرا خوب چہک رہی تھی۔ غزالہ کی چھٹی حس نے شاید اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ اس شام ویرا میرے اوپر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بات ویرا نے خود ہی کہی تھی کہ شوہروں کے بارے میں بیویوں کی نگاہیں عقابی ہوتی ہیں۔ وہ ایک نظر میں بھانپ لیتی ہیں کہ ان کا شوہر کس کھونٹے کے گرد منڈلا رہا ہے لیکن پھر بھی ویرا غیر محتاط تھی۔ مجھ سے بے تکلف ہونے اور ہاتھا پائی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہی تھی۔

ویرا کی وہ بے ساختہ اور بہت زیادہ بے تکلفانہ ادائیں مجھے برانگیختہ کر رہی تھیں۔ میں پتھر یا فولاد کا بنا ہوا کوئی بے جان مجسمہ نہیں تھا۔ جیتے جاگتے اور بہتے ہوئے گرم لہو سے سرشار ایک انسانی پیکر تھا۔ ویرا کے گداز اور حسین سراپا کے ہر لمس سے میرے بدن میں گدگدیاں سی دوڑ رہی تھیں لیکن غزالہ کی غیر معمولی خاموشی مجھے ویرا کی شوریدہ سری کا جواب دینے سے روکے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آئی بی کے مہمان خانے میں میری وہ اکلوتی رات سکون سے گزر جائے۔

ویرا نے سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ روکا مگر وہ میز پر جمی رہی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے ازراہِ مروت میز پر بیٹھی ہوئی تھی مگر اس کا موڈ کچھ ایسا خطرناک ہو رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی بھی اس کے تیوروں کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک میز کے گرد بیٹھے رہے۔ ویرا کے تیکھے اور معنی خیز جملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ یہ کرسیاں زیادہ دیر تک ہمارا بوجھ نہیں سہہ سکیں گی۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اتنا بھاری نہیں ہے کہ یہ کرسیاں ٹوٹ جائیں۔" ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"ہم بھاری نہیں ہیں۔ ہماری باتیں ہم سے زیادہ بھاری ہیں۔" سلطان شاہ نے فوراً لقمہ دیا۔

غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ سلطان شاہ بھی کرسی سے اٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ ویرا نے آخر میں اپنی کرسی چھوڑی تھی۔

میں نے کھانے کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن غزالہ اس سے پہلے اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میں نے اسے روکنا چاہا کہ ہم کچھ دیر کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے مگر ویرا نے صاف انکار کر دیا۔ "ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں مہمان بن کر آئے ہوں۔ بیڈ روم میں بے تکلفی سے لیٹنے بیٹھنے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔"

ویرا کے اس اصرار کے بعد مزید کچھ کہنا بے سود تھا۔ ہم چاروں دوبارہ غزالہ کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ہمیں وہاں بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ فضلو نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر کراچی سے آئے ہوئے فون کے بارے میں اطلاع دی۔ اس وسیع و عریض مکان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں لیکن بیڈ رومز میں فون کی لائنیں نہیں تھیں۔ صرف ڈرائنگ روم میں ایک انسٹرومنٹ موجود تھا۔

کراچی سے فون کی اطلاع پاتے ہی میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں سے اول خان ہی فون کر سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنے قلیل سے وقفے میں اسے کیسے پتا چل گیا کہ ہم لاہور کے اس فون نمبر پر مقیم تھے۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر تپائی پر رکھا ہوا ریسیور اٹھا کر صرف ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے اول خان کی زندگی سے بھرپور آواز گونجنے لگی "مبارک ہو، آج میرا رواں رواں خوش ہے کہ تم دونوں خیر و عافیت سے اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔"

"تمہیں اس خفیہ پروگرام کی سن گن کیسے مل گئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آج صبح سے میرا دل تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں نے مضطرب ہو کر چیف کو اسلام آباد فون کیا تو اس نے بتایا تھا کہ تم دونوں آج رات کسی بھی وقت لاہور واپس آ سکتے ہو۔ چند منٹ پہلے جلال سے میری بات ہوئی تو اس نے تمہارا یہ نمبر دے دیا۔"

"جلال سے تمہارا کہاں رابطہ ہو گیا؟" اول خان کے جواب پر میری حیرت دوچند ہو گئی۔

"وہ اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم بہت بروقت وہاں سے نکل آئے۔ اس وقت میں نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک اعلان سن کر جلال کو فون کیا تھا۔ بھارت میں تمہاری اور غزالہ کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔"

"کیا تم نے یہ اعلان اپنے کانوں سے سنا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری

رت میں اضافہ کر رہا تھا۔
"جب سے تم بھارت گئے تھے' میں آل انڈیا ریڈیو
باقاعدگی سے سن رہا تھا۔ یہ اعلان کچھ دیر پہلے میں نے خود سنا
ہے۔" اس نے بتایا۔
"یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں ریڈیو وغیرہ
کوئی خبر نشر ہوتی۔" میں نے ہنستے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔
"ضروری نہیں تھا مگر تمہارا مشن بہت اہم تھا۔ میرا
وجدان کہہ رہا تھا کہ تم کامیاب رہو گے۔ تمہاری ہر
کارروائی کی خبریں بھارتی ریڈیو اور ٹیلی وژن نے نشر کی ہیں۔
ا کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی خبر میں دوردرشن پر سنی
ں۔"

بھارت میں رہتے ہوئے میرے شب و روز اتنے
مصروف اور کٹھن تھے کہ میں ان باتوں پر دھیان نہیں دے
سکا تھا۔ ریڈیو اس دور میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔ شہری
علاقوں میں ریڈیو کی نشریات سننا ضروری نہیں رہا تھا کیونکہ
ٹیلی وژن پر خبر اور تصاویر کے انضمام نے ہر چیز پر سبقت
حاصل کرلی تھی۔ ریڈیو دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں
کے باسیوں کا شغل بن کر رہ گیا تھا۔ دہلی میں ہمارے پاس اتنا
وقت نہیں تھا کہ ہم ٹیلی وژن سے چپکے بیٹھے رہتے۔ اپنی
کارگزاریوں کا ردِعمل جاننے کے لیے ہمارا تمام انحصار دہلی
سے شائع ہونے والے دو انگریزی روزناموں پر تھا جو انٹرکانٹی
نینٹل ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافروں کو بلا قیمت کمروں
میں فراہم کیے جاتے تھے یا کمرے کے کرائے میں شامل تھے۔
مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اول خان ہمارے بارے
میں بہت زیادہ فکر مند تھا۔ اپنے ذاتی ذرائع کے ساتھ ساتھ
ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے بھی ہمارے بارے میں خبریں
حاصل کرتا رہا تھا۔ میرے لیے یہ خبر بہت اہم تھی کہ نریش
اور انل بسواس کی ہلاکت کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہی دہلی کے
تفتیشی اداروں کی توجہ میری اور غزالہ کی طرف مبذول
ہو چکی تھی۔
"میں دوردرشن اور آل انڈیا ریڈیو کی زہر فشانی سے
بے خبر ہوں مگر یہ بات ذو معنی ہے کہ بھارتیوں نے پورے زور و
شور سے مظہر خان اور غزالہ کی تلاش شروع کردی ہے۔
انہوں نے ریڈیو پر اس تلاش کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا۔"
میں نے پوچھا۔
"بھارت میں ہونے والی دہشت گردی کی کئی بھیانک
وارداتوں کی چھان بین کے لیے تم دونوں کو اہم ملزم قرار دیا
گیا ہے۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ آج تم نے
بھارت کو خیرباد کہا اور آج ہی بھارتی ایجنسیوں کو تم دونوں کا
خیال آگیا۔"
"شاید تمہیں را کے انل بسواس اور نریش شرما کے
بارے میں پتا نہیں چل سکا۔" میں نے کہا۔
"صبح سے وہ خبر ٹیپ کے بند کی طرح بار بار دہرائی جا رہی
ہے۔" اول خان کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا
"ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کی خبر سننے کے بعد ہی مجھے
تم دونوں کی سلامتی کی طرف سے فکر لاحق ہوئی تھی۔ ان
جیسے موذیوں کو مار کر بھارت سے نکل آنا آسان کام نہیں
تھا۔"
"مجھے نئی خبر کی تفصیل بتاؤ۔ کیا جلال کو معلوم ہے کہ
بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کردی ہے۔"
"جلال باخبر نہ ہوتا تو مجھے صدمہ ہوتا۔ ایسی اطلاعات
سے واقف رہنا اس کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔"
"اپنے اعلان میں انہوں نے مظہر خان کو کس روپ میں
پیش کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"مظہر خان پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی میں مقیم تھا۔ وہ
اسے پاکستانی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔" اول خان
نے بتایا۔
"دوسری طرف انہیں ڈینی کی تلاش ہے جس نے اپنی
لیزر گن سے نریش شرما کو مار دیا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں
کہا۔
"ہاں' یہی ایک نکتہ ہے جو حوصلہ افزا ہے۔ ابھی تک
وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ رہے ہیں۔ میں
نے ان کا ہر نشریہ غور سے سنا ہے۔ بھارتی حکام نے ابھی تک
ایسی کوئی بات نہیں کی ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ وہ ڈینی اور
مظہر خان کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ
باتیں میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ تم نے دہلی میں
اپنی بساط لیسے پھیلائی تھی کہ وہ ابھی تک اس ابہام کا شکار
ہیں۔"
"یہ لمبی کہانی ہے۔ آج کی رات گزر جانے دو۔ کل
کراچی آؤں گا تو سب کچھ بتادوں گا۔"
"دہلی سے لاہور تک تمہارا سفر کیسا رہا؟" اول خان
سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔
"ہولناک!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا "یہ
کہانی بھی کل سن لینا۔ دو بھارتی فوجیوں نے ہمیں موت کے
دہانے تک پہنچا دیا تھا۔"
"میں تمہیں ایک بات بتادوں!" اول خان کی آواز میں

یک بہ یک گہری سنجیدگی آ گئی "اس بار بھارتیوں کا لب ولہجہ خطرناک ہے۔ وہ دہلی میں پیش آنے والے واقعات کو زور دے کر اور تکرار کے ساتھ عالمی دہشت گردی کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔"

"مجھے یہ سن گن مل چکی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس گفتگو کو یاد کرتے ہوئے جواب دیا جو میرے اور رینا اجیت رائے کے درمیان ہو چکی تھی۔ "اس وقت بھارتی حکمراں بہت خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ دہشت گردی کے خلاف پائے جانے والے عالمی غم وغصے کو بھرپور انداز میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ رویّہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔" اول خان کی آواز پُر تشویش ہو گئی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ دہلی میں آج صبح تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ہمارے لیے سود مند نہیں تھا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اوہ...! تم نے تو اچانک بہت لمبی جست لگا دی۔" ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی "وہاں جو کچھ ہوا' اس کے لیے ایک مدت سے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ تم نے چند دنوں میں ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کے اثرات برسوں تک محسوس کیے جائیں گے مگر ہمارا حریف بہت خطرناک ہے۔ وہ اپنی اس ہزیمت میں بھی سرخ روئی کے پہلو تلاش کرنے کی تگ ودو کر رہا ہے۔ وہ ان واقعات سے سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ ان کی حرکتوں کا کوئی نہ کوئی سدباب کرنا پڑے گا۔ ہر ہوشیار قیادت اپنے حریفوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر کے عاجزانہ رویّہ اختیار کرنے کے بجائے دبنگ ہو کر جارحانہ انداز میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔" میں نے اس کی تشویش کی نوعیت سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے ملک کے ان دشمنوں سے ہر محاذ پر لڑ سکتا ہوں لیکن سیاسی لڑائی میرے بس سے باہر ہے۔"

ریسیور پر اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "میں اپنا اور تمہارا موازنہ نہیں کر رہا لیکن ہماری کمزوریاں کم وبیش یکساں ہیں۔ مجھے بھی سیاست کے نام سے الجھن بلکہ وحشت ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ سچ بولنا اور جوڑ توڑ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ نہ کہو۔ دشمن کے چنگل میں پھنس جانے کے بعد ہر فریب سے کام لینا پڑتا ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا "سیاسی جوڑ توڑ میں کوئی حصہ لیے بغیر میں ہزاروں بار جھوٹ سچ اور جوڑ توڑ سے کام لے چکا ہوں۔ اس کے بغیر زندگی بہت دشوار ہو جاتی ہے۔"

"یہ متنازع بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کب آ رہے ہو؟" اول خان نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"میں نے کہا ناکہ ہم کل کراچی پہنچ رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اول خان دھیرے سے ہنس دیا "ویرا واپس آ کر لاہور میں بیٹھ گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی وہاں لمبا قیام کرو گے۔"

"ویرا کی بات مختلف ہے۔ فائلیں اور را کے کاغذات لانے والے قاصد کی حیثیت سے لاہور میں اس کی ضرورت سے زیادہ آؤ بھگت ہو رہی تھی اس لیے اس کا یہاں دل لگا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ بھی ہمارے ساتھ کراچی لوٹ آئے۔"

"تمہاری غیر حاضری میں اس کا چراغ جل رہا تھا۔ تمہارے لوٹ آنے کے بعد صورتِ حال مختلف ہو جائے گی۔ اب وہ لاہور میں کیا کرے گی۔"

"یہ سوال اسی سے کرنا۔" اس سے مزید چند منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر سلسلہ ختم ہو گیا۔

"دہلی میں را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کو ہوش آ گیا ہے۔" میں نے ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہوں میں چھپے ہوئے سوال کو پڑھ کر ان کے زبان کھولنے سے پہلے کلیدی نکتہ بتا دیا۔ "وہاں مظہر خان اور غزالہ کی تلاش کی مہم شروع ہو چکی ہے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "بس انہوں نے ذرا سی تیزی دکھائی ہے۔"

"اول خان کو یہ اطلاع کیسے مل گئی؟ جلال نے تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"جلال مصروف آدمی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا کہ جلال اس بات سے واقف ہے کہ بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کر دی ہے۔"

"یہ اس کے دفتر کا کون سا وقت ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر حیرت سے کہا۔

"ذمے دار سرکاری ملازم کے دفتر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو وہ دفتر میں موجود ہوتا ہے۔" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا "سارے سرکاری افسر تمہاری طرح گھڑی دیکھ کر کام کرنے لگیں تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔" سلطان شاہ کو سنانے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی "تم نے یہ نہیں بتایا کہ جلال اور اول خان کو اطلاع ملنے کے کیا ذرائع ہیں۔ دہلی میں موجود آئی بی والوں کے رابطے اتنے مؤثر تو نہیں ہیں کہ وہ پل پل کی خبریں اپنے بڑوں کو پہنچاتے رہیں۔"

"اول خان ہماری فکر میں آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سنتا اور دیکھتا رہا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "آئی بی والے بھی بھارتی نشریات کو مانیٹر کرتے ہوں گے۔ ہمیں ان فضول باتوں پر سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کافی ہے کہ اب وہ ہماری راہ پر لگ گئے ہیں۔"

"تو کیا انہوں نے واقعات کی ساری کڑیاں جوڑ لی ہیں؟" سلطان شاہ نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ بس ایک بات واضح ہے کہ ابھی تک وہ ڈینی اور مظہر خان کو الگ الگ شخصیات سمجھ رہے ہیں۔" میں نے بتایا۔

"تم نے یہ کیسے فرض کرلیا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صحیح اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کے معمولی انعام کا اعلان کیا ہے۔"

"آپ کے لیے امریکیوں نے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔" غزالہ نے فخر سے یاددہانی کرائی۔

"آثار یہ بتاتے ہیں کہ میرے ہم وطنوں کی وہ رقم ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ عام انسانوں کی طرح ڈینی بھی لازوال نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا وقت پورا ہوگا مگر اس میں اس کے لہو کے پیاسوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوگا۔ یہ اپنے فطری انجام سے دوچار ہوگا۔" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

کچھ دیر تک وہ محفل غزالہ کے کمرے میں جمی رہی پھر ویرا کے ایما پر چاروں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ جہاں بڑی اسکرین والا رنگین ٹیلی وژن موجود تھا۔ خبرنامے کا وقت بہت پہلے نکل چکا تھا لیکن گیارہ بجے اہم خبروں کی نشریات متوقع تھیں۔ باتوں باتوں میں وہ وقت بھی گزر گیا۔ گیارہ بجے کی مختصر اور اہم خبروں میں چند مقامی اور عالمی واقعات کا ذکر تھا۔ بھارت میں رونما ہونے والے واقعات

وغیرہ وغیرہ

آفاقی صاحب، بٹ صاحب اور خان صاحب کا ہانگ کانگ جانے کا پروگرام بنا تو آفاقی صاحب نے ایک ہوٹل کو پیشگی ٹیلی گرام دے دیا۔

"ہمارے لیے ٹاپ فلور پر ایک سوئٹ بک کردیا جائے جہاں سے نظارہ بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہو... سوئٹ تین کمروں پر مشتمل ہو.... اس میں تمام آسائشیں موجود ہوں... فرنیچر نیا اور آرام دہ ہو... وغیرہ وغیرہ... وغیرہ۔"

جب وہ مذکورہ ہوٹل پہنچے تو انہیں ان کا سوئٹ دکھایا گیا۔ واقعی بہت عمدہ تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں تین خوبصورت لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

"یہ کون ہیں؟" آفاقی صاحب نے منیجر سے پوچھا۔

"یہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ ہیں..." منیجر نے جواب دیا۔

اور ان کے سرکاری ردِعمل کا کوئی نشان نہیں تھا۔ پاکستانی وزارت اطلاعات اور نشریات کے ذمے داروں کو ان خفیہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا جو بعض افراد کے تعاون سے بھارت میں جاری تھیں۔

خبریں ختم ہوتے ہی غزالہ اٹھ گئی۔ میں نے اس کا ساتھ دیا۔ امرتسر سے لاہور تک کے سفر کا شدید ذہنی اور جسمانی دباؤ اس وقت بستر کی ضرورت کا احساس دلا رہا تھا۔ شاید ویرا اور سلطان شاہ کو بھی ہماری تھکن کا احساس تھا۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں غزالہ کے ساتھ اسی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دشمن کے ملک میں بھیانک شب و روز گزارنے کے بعد ہمیں اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی رات یک جا ہو کر بسر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

"مظہر خان اور غزالہ کی تلاش پر پچاس ہزار روپے کے انعام سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی حکام کو ہمارے اس

روپ پر شک ہو چکا ہے۔" غزالہ باتھ روم میں کچھ وقت گزار کر شب خوابی کے حریری لباس میں برآمد ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور ذہن میں ایک نیا خیال موجود تھا۔
"کسی شبہے کے بغیر تلاش شروع نہ ہوتی۔ انہیں جلد از جلد کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہوگا ورنہ بھارت میں را کی ساکھ بری طرح تباہ ہو جائے گی۔" میں نے کہا "اس وقت وہ پوری مستعدی سے ہر مشتبہ نام کا پیچھا کریں گے۔"
"میں نے یہ بات بھری چوپال میں نہیں چھیڑی ورنہ وہاں ہر ایک اپنی بولی بولنا شروع کر دیتا۔ آخر انہیں مظہر خان پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔"
"پس پردہ واقعات کو بھول کر سوچو تب بھی تم کو ان کی تلاش کا جواز مل جائے گا۔" میں نے بستر پر اپنے پہلو میں غزالہ کے لیے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا "مظہر خان کو را نے اپنا مخبر بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ نریش شرما اور راٹل بسواس سے قریبی رابطے میں تھا۔ ان دونوں نے اپنی بساط کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ مظہر خان کوئی جعلی نام نہیں تھا۔ نریش نے اپنے ذہنی اور جسمانی حربے آزما کر دیکھ لیے تھے مگر مظہر خان کی زبان سے کوئی منفی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر نریش اور راٹل کی موت کا راز کھلنے کے ساتھ یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مظہر اور غزالہ نے اس واقعے سے پچھلی رات اپنے ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ آگرے میں ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اٹاری پر ان کی پاکستان واپسی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ دہلی میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ ان ناموں کو مشتبہ بنانے کے لیے یہ مواد کافی ہے۔"
"ایک طرف بھارتیوں نے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا ہے۔ دوسری طرف وہ مظہر خان کو تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں؟" غزالہ نے ایک ادا کے ساتھ مسہری پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔
"مظہر خان سے رابطہ رکھنے والے را کے دونوں افسر جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ ان کے سفاکانہ قتل کی تحقیقات کرنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کام ایک دو آدمیوں نے سرانجام دیا ہوگا۔ ان کے دماغوں میں ڈینی کا گروہ گھسا ہوا ہے۔ وہ ڈینی کے ساتھ اس کے گروہ کے کارندوں کی بھی تلاش میں لگے ہوئے۔ وہ ہر اس شخص پر ہاتھ ڈال دیں گے جو ان کی دانست میں دشمن سے ذرا سا بھی تعاون کر سکتا تھا۔ ان میں مظہر خان کا نام اب سرفہرست ہے۔"
"بعض اوقات آپ واقعات کا اتنا اچھا تجزیہ کرتے ہیں کہ وکیل معلوم ہونے لگتے ہیں۔" غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں ابھی تک ان دونوں باتوں کو ملا کر سوچ رہی تھی تو خوف آ رہا تھا۔ آپ کی وضاحت کے بعد یہ خوف کم ہو چکا ہے۔"
"خوف! اب ہم پاکستان کی محفوظ سرحدوں میں ہیں۔" میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر پوچھا "یہاں تمہیں کس بات کا خوف ہے۔"
"یہ نہ کہیں، رسل و رسائل اور مواصلات کی سہولتوں نے آج کی دنیا کو واقعی ایک بڑے عالمی گاؤں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی کہیں بھی محفوظ نہیں ہے۔ خون کے پیاسے کسی کے لہو کی بو لگ پر جائیں تو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"
"آج ارسطو زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے بے بنیاد خوف کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اس کے گلابی رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔
"میرا خوف بے بنیاد نہیں ہے۔ آپ کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب جلال امرتسر کے بنگلو کو خرید سکتا ہے تو را والے بھی آپ کے خلاف کسی پاکستانی کو خرید سکتے ہیں۔ معاشروں کے لحاظ سے غداروں کی تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے مگر یہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔"
غزالہ کا وہ اندیشہ بلا جواز نہیں تھا۔ وہ کم بولتی تھی لیکن جب بھی زبان کھولتی تھی، اس کی ہر بات کی پشت پر تجربہ کارفرما ہوتا تھا۔
"اور مجھے دہلی میں رہنے والے مظلوم مسلمانوں کی بھی فکر ہے۔" چند ثانیوں تک میرے سینے کے بالوں سے کھیلتے رہنے کے بعد غزالہ منمنائی "مشتبہ آدمیوں کی تلاش میں ان غریبوں کی شامت آ جائے گی جن کا کوئی والی وارث نہ ہو، لمبی مدت کے لیے بھارتی جیلوں میں سڑا دیے جائیں گے۔"
"بھارت میں یہ بربریت آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ حد ہے کہ کشمیر میں ہونے والے واقعات کی سزا بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی دی جاتی ہے۔ پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں پر ایک قوم اور ان کے مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں ہم سب مجبور ہیں۔ بھارت کی ان زیادتیوں کو نوشتہ دیوار سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے۔ جب تک دونوں حکومتوں کے

...ان مفاہمت کی فضا پیدا نہیں ہوتی‘ ایسے واقعات ہوتے ...گے۔"

"ساری گڑبڑ مفاہمت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔" ...نے کہا "جس دن دوستی ہوگئی‘ سب جھمیلے ختم ہوجائیں ..."

"تم نے دہلی کے مسلمانوں کا ذکر کرکے میری ذہنی رو کو ...سے اتار دیا ہے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "مظہر ...کے مشتبہ قرار پانے کے بعد سب سے زیادہ خطرہ رینا ...رائے کو ہے۔ یہ بات را کے ریکارڈ میں موجود ہوگی کہ ...ش کے ایما پر وہ مجھ سے کئی بار ملی تھی۔"

"پھر تو بیلا سنگھ کی باری بھی آنی چاہیے۔" غزالہ میری ...ن) سے رینا کا ذکر سن کر خوش نہیں ہوئی۔

"بیلا سنگھ کو میں نے اپنے قریب آنے یا بے تکلف ...نے کا موقع نہیں دیا تھا۔" میں غزالہ کو کیسے بتاتا کہ ان ...اں سے میرے مراسم کی نوعیت مختلف تھی۔ بے خبری میں ...کے ساتھ میری ویڈیو فلم بنا لی گئی تھی جب کہ بیلا اپنی ...شوں میں بری طرح ناکام ہوئی۔

"آپ نے تو رینا کے بارے میں بھی کہا تھا کہ وہ ناکام ...تھی۔" غزالہ نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں گڑبڑا گیا۔ اپنی خانگی زندگی کے امن وسکون کو ...ار رکھنے کے لیے میں نے اپنے اور رینا کے مراسم کے ...پہلو غزالہ سے مخفی رکھے تھے۔ میں نے جلدی سے ...ب دیا "وہ دونوں میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد حاصل ...نے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ بیلا کے بارے میں‘ ...وشیار تھا۔ میں نے شروع سے اسے منہ نہیں لگایا تھا مگر ...جھ سے کچھ بے تکلف ہوگئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ ...نے کئی نازک مواقع پر ہماری بہت مدد کی تھی۔

غزالہ کھلکھلا کر معصومیت سے ہنس پڑی "آپ تو ...ے ذرا سے سوال پر اس طرح گھبرا گئے جیسے میں نے آپ ...کی چوری پکڑلی ہو۔"

اس نے وہ بات مذاق میں کہی تھی مگر مجھے یوں محسوس ...یسے وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہو۔ بیوی ہونے ...تے سب کچھ جان گئی ہو لیکن انجان بن رہی ہو۔ میں ...س سے نظریں چرالیں اور اس نے بھی اپنے مذاق کو ...ینے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے بھارت میں میرے متعلق سب سے ...حساس حیثیت کی مالک تھی۔ اس سے میرے سامنے ...ایک لغزش ہوئی تھی کہ اس نے دہلی کی کلاسیکل ڈانس

جدید لغت

ادھیڑ عمری... جب عورت کے سفید بال سیاہ ہونے لگتے ہیں۔

ماہر نفسیات... وہ شخص جو اس وقت تک آپ کی بات نہایت توجہ سے سنتا ہے جب تک آپ احمقانہ اور بے سروپا گفتگو کرتے ہیں۔

ٹپ... وہ تنخواہ جو ہم دوسروں کے ملازموں کو دیتے ہیں۔

سڑک... وہ بے ہودہ راستہ جو اس طرف نہیں مڑتا جس طرف عورت گاڑی موڑتی ہے۔

اکیڈمی سے اپنے تعلق کا اقرار کیا تھا اور پھر میرے جال میں پھنس گئی تھی۔ آئی بی کے عابد علی نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس اکیڈمی میں رقص کی تربیت دینے کے بہانے حسین وجوان سال بھارتی دوشیزاؤں کو داخلے دیے جاتے ہیں اور ہر کھیپ میں سے مجبور و بے سہارا آوارہ مزاج لڑکیوں کو چھانٹ کر الگ کرلیا جاتا تھا۔ انہیں مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے فن کی خصوصی تربیت دے کر میدان میں اتارا جاتا تھا۔ میں نے اپنی ان معلومات کی روشنی میں رینا کو دبایا اور اس نے نہ صرف سب کچھ اگل دیا بلکہ اپنی کہانی بھی سنا ڈالی۔

اپنی خفیہ معلومات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا میری ضرورت تھی مگر بعد میں رینا کی دہشت دیکھتے ہوئے میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں اس کی کہی ہوئی باتیں نریش یا انل بسواس کے سامنے دہرانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو وہ میرے قدموں میں آگری۔ اس نے مجھے میری زبان بندی کے لیے اپنی بیمار ماں کی علالت کا واسطہ دیا۔ اسے اپنی ماں کے علاج اور گھر چلانے کے لیے را کی نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس پر احسان جتاتے ہوئے خاموش رہنے کا وعدہ کرلیا۔

رینا میری اس خاموشی کے لیے میری ایسی احسان مند ہوئی کہ را کے مفادات کو بھول کر میری ہمدرد بن گئی۔ اس نے کئی مواقع پر مجھے یقینی خطرات سے بچایا۔ اس سے راہ و رسم برقرار رکھنا میرے لیے سود مند تھا اس لیے دہلی میں قیام کے دوران میں وہ مسلسل مجھ سے ملنے کے لیے آتی رہی۔ ہماری وہ ملاقاتیں ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی تھیں لیکن ان

ملاقاتوں میں ہونے والی باتیں ہمارے درمیان محفوظ رہتی تھیں۔

کثرت سے ہونے والی ان ملاقاتوں کے حوالے سے رینا کی ذات را والوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔ وہ میری احسان مند اور وفادار ضرور تھی مگر ایک کمزور لڑکی تھی۔ ذرا سے تشدد یا کسی کڑے نفسیاتی حربے کے سامنے ہتھیار ڈال سکتی تھی۔ اگر وہ زبان کھول بیٹھتی تو را کے گھاگ افسران اس کے دیے ہوئے اشاروں سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے تھے کہ ڈینی ہی مظہر خان کا روپ دھار کر دہلی پہنچا تھا اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر را کا اہم ترین ریکارڈ لے اڑا تھا۔

ڈینی اور مظہر خان کی دہری شخصیت کا راز کھلنے کے بعد جہاں نریش اور انل کے قتل کی گتھیاں سلجھ جاتیں وہیں را کے بڑوں کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رسوا کن مواد بھارتی اخبارات میں کیسے پہنچا تھا۔

میں نے اس بارے میں جتنا غور کیا' میری تشویش میں اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ را والے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ باتیں نہیں جان سکتے تھے جو رینا ذرا سی دیر میں اگل دیتی۔ میرے رازوں کی حفاظت کے لیے اس لڑکی کا شکوک و شبہات سے بالا رہنا ضروری تھا۔

کمرے میں غزالہ نے اندھیرا کیا تو میرے اندیشے سایوں کے ڈراؤنے روپ دھار کر کمرے کے در و دیوار پر ناچنے لگے۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ میں را والوں کی دسترس سے بہت دور' پاکستان پہنچ چکا تھا' سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور اپنی بھرپور توجہ غزالہ کے سحر انگیز سراپا پر مرکوز کردی۔

○☆○

جلال کو معلوم ہوچکا تھا کہ بھارتیوں نے مظہر خان کی تلاش شروع کردی تھی مگر وہ اسلام آباد میں نہ جانے کن چکروں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ لاہور میں موجود اس کے عملے نے ہم چاروں کے لیے کراچی واپسی کی نشستوں کا بندوبست کیا اور تیسرے پہر ہم کراچی ائرپورٹ پر اتر گئے۔

کراچی کے قائداعظم ائرپورٹ پر طیارے سے کھلی فضا میں نکلے بغیر ہم گینگ وے سے ائرپورٹ کی خوب صورت اور جدید عمارت میں داخل ہوئے اور اپنا سامان لینے کے مرحلے سے گزر کر باہر آئے تو لوگوں کی بھیڑ میں اول خان کا جوش سے تمتمایا ہوا چہرہ الگ ہی نظر آرہا تھا۔

دوسروں کے عزیز اور دوست صرف لاہور سے آئے تھے لیکن اول خان کے تین شناسا جان لیوا خطرات کی دلدل عبور کرتے ہوئے دہلی سے براستہ لاہور' کراچی پہنچے تھے اس لیے اس کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ میرے باہر نکلتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرے رخساروں پر یوں چٹاچٹ بوسے دیے کہ قریب کھڑے ہوئے بہت سے پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ کئی خواتین اور مردوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ مجھے خفت کے ساتھ خود کو اول خان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرنا پڑی مگر وہ شیر نر دنیا ومافیہا سے بے خبر' اپنے جوش و جذبے کے پُرخلوص اظہار میں مصروف رہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہ اپنی غیر فوجی یونیفارم میں نہیں تھا ورنہ وہاں زیادہ بڑا تماشا بن جاتا۔

ائرپورٹ کی عمارت کے باہر انتہائی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کرنے کے بعد اول خان واپس مڑا۔ میرا اور غزالہ کا سامان صرف دستی تھا۔ دہلی سے روانگی کے وقت دیرا بھی کم وبیش اتنے ہی اسباب کی مالک تھی لیکن اس نے لاہور میں اپنے چند روزہ قیام کے دوران میں کپڑوں اور اپنی ضروریات کی دوسری اشیا کی خریداری کرکے درمیانی سائز کا ایک سوٹ کیس تیار کرلیا تھا۔ سلطان شاہ کراچی سے ایک چھوٹا سوٹ لے کر ہم سے ملنے کے لیے لاہور پہنچا تھا۔ اس مشترکہ اسباب کی مقدار اتنی تھی کہ ایک عدد ٹرالی کا جواز پیدا ہوگیا تھا۔

قائداعظم ائرپورٹ کی نئی عمارت کے برآمدے کے آخری سرے پر وی آئی پی حضرات اور اہم سرکاری عہدے داروں کے لیے مخصوص قطار میں اول خان کا ڈرائیور اس کی بڑی جیپ لیے ہمارا منتظر تھا۔

جیپ ہمیں لے کر روانہ ہوئی تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ گاڑی شارع فیصل پر آئی تو میرے ذہن میں چبھتا ہوا نکتہ سوال بن کر میری زبان پر آگیا "ہمیں لاہور کے مہمان خانے میں پہنچانے کے بعد جلال نے دوبارہ ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"وہ اسلام آباد میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔ دہلی پولیس نے اس کے ایک آدمی کو سمراٹ ہوٹل کی عمارت میں مشتبہ انداز میں گھومتے ہوئے دھر لیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے سخت فکرمند ہے۔" اول خان کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"کون پکڑا گیا؟ وہاں آئی بی کے صرف تین آدمی ہیں۔" میں نے اپنا سوال بھول کر پوچھا۔

"تم ان تینوں کے نام دہراؤ تو شاید مجھے یاد آجائے۔ میں نے نام پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میرے لیے یہ خبر زیادہ اہم ہے کہ دہلی میں ایک پاکستانی ایجنٹ کے ستارے گردش میں آچکے ہیں۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ساری اہمیت اس کی قومیت کی ہے۔"

"عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ!" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے آئی بی کے تینوں ایجنٹوں کے نام دہرائے۔

"شاید عبداللہ ہے۔ دہلی میں وہ ولی رام کے نام سے رہ رہا تھا۔" اول خان کا جواب سن کر میرا دل بوجھل ہو گیا۔

"میں نے اس سے تمہارا نمبر لیتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں فون کروں گا۔" وہ بے فکر ہو گیا ہو گا کہ میں تمہیں تازہ ترین خبروں کے بارے میں بتادوں گا۔ پاکستان لوٹ آنے کے بعد تم عبداللہ کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ جلال اپنے اس آدمی کی رہائی کے لیے فکر مند ہے۔"

"میں کچھ نہیں کرسکتا تو جلال یہاں بیٹھ کر اس کے لیے کیا کرے گا۔ میں نے ان تینوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ عبداللہ بھارتی پولیس کے ہاتھوں مرجانا گوارا کرلے گا مگر اپنی زبان نہیں کھولے گا نہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں کچھ بتائے گا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ مارا گیا تھا۔ وہ جگہ بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ عبداللہ کو ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت پورا ہو چکا اور اس کی اجل اسے وہاں لے گئی ہے۔"

"ایسے بے رحمانہ کلمات اپنی زبان سے مت نکالو۔" ویران شاہ نے میرے اندیشے پر سہم کر کہا "پاکستان کو ایسے جاں فروش سپوتوں کی ضرورت ہے۔"

"یہاں ان کے کئی آدمی آئی بی والوں کی نظر میں ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اسلام آباد میں سفارتی افسر کے بھیس میں کام کرنے والے را کے ایک ایجنٹ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے شاید اس طرح عبداللہ کی جان بچ سکے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" ویرا مایوسانہ آواز میں بولی "سفارتی افسر کی شناخت ہو جانے کے بعد اسے حراست میں نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک بدر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بین الاقوامی سفارتی قانون ہے۔ اس کی گرفتاری سے عبداللہ کی خلاصی نہیں ہوگی۔"

"مجھے ان باریکیوں کا علم نہیں ہے۔" اول خان نے ذرا سے جھنجلا کر کہا "مجھے اتنا معلوم ہے کہ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے کسی جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے۔"

عبداللہ کی گرفتاری کی بُری خبر کی صورت میں مجھے یہ

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں خوبصورت، حسین اور خوشگوار ترین سمجھا جاتا ہے۔

مجھے تم سے محبت ہے۔

کھانا لگ چکا ہے۔

میں نے سب کچھ معاف کر دیا۔

دوپہر تک پڑے سوتے رہو۔

ریزگاری تم رکھ لو۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں سب سے ناگوار، دل شکن اور اداس کر دینے والے سمجھا جاتا ہے۔

مجھے یہ خرید دو۔

کار میں پیٹرول ختم ہو گیا۔

بل ادا نہیں کیے جاسکے۔

رقم ناکافی ہے۔

صرف بیرونی استعمال کے لیے۔

معلوم ہو چکا تھا کہ جلال کس الجھن میں گرفتار تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

شارع فیصل سے کارساز روڈ اور پھر نیشنل اسٹیڈیم سے ہوتے ہوئے ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا ایک سادہ پوش مگر مسلح سنتری پہرے پر مامور تھا جس نے اول خان کو دیکھتے ہی ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔

گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہی مجھے نجات اور آزادی کا ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم دہلی میں اپنا خون آشام مشن مکمل کرکے اپنے ملک اور اپنے گھر میں واپس آچکے تھے۔ اس وقت وہ سب ایک خواب سا معلوم ہو رہا تھا۔

"عبداللہ والی خبر سننے کے بعد تم اداس اور خاموش ہو گئے ہو۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اداس ہی نہیں، میں اس جاں باز کے لیے دل گرفتہ ہوں۔" میں نے پرخیال آواز میں جواب دیا "آج کل کے دور میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر مادر وطن کی خدمت کرنے

والوں کا کال ہے۔ اگر عبداللہ کو کچھ ہوا تو اس کا بوجھ میں اپنی گردن پر بھی محسوس کروں گا۔"

"تمہاری گردن اتنی مضبوط نہیں ہے کہ تم اس پر دنیا جہان کا بوجھ لادتے پھرو۔" ویرا نے قدرے ترشی سے کہا "سارا قصور اس کا ہے۔ جان اسمتھ جہنم واصل ہو چکا تھا تو عبداللہ وہاں کیا کرنے گیا تھا۔ اب جلال کو اپنے آدمیوں سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ نرلیش اور رانل کے گھروں کے چکر لگانا شروع نہ کردیں۔ ان دونوں کی کلبلاتی ہوئی بدروحیں ایک عذاب بن کر آئی بی کے رہے سہے دونوں آدمیوں کو بھی نگل سکتی ہیں۔"

"وہ تفریح یا خودکشی کے ارادے سے وہاں نہیں گیا ہوگا۔" میں نے ویرا کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "میں ان تینوں کے بارے میں ایسی تلخ اور ناروا زبان برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ تینوں اپنے کاز کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے دہلی میں رہ رہے ہیں۔ عبداللہ کسی کام سے ہی وہاں گیا ہوگا۔"

"تم دونوں عورتوں کے لوٹ آنے سے یہ گھر دوبارہ آباد ہوگیا ہے۔ کچن میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ جلدی سے چائے لے آؤ۔" اول خان نے دخل اندازی کی۔

اس کی فرمائش پر ویرا نے ملتجی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ نے جھٹ اپنی نظریں ایک تصویر پر مرکوز کردیں۔

ناچار ویرا کو ہی باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔ وہ برا سا منہ بنا کر زیر لب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

دہلی میں پچھلے چند دنوں میں جو کچھ ہوا، اس کا نچوڑ اول خان کے علم میں تھا مگر وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ہم نے وہاں کے بدترین مخاصمانہ ماحول میں وہ بڑی بڑی کامیابیاں کیسے حاصل کرلیں۔ واقعات کے دھارے سے الگ ہو کر وہ نتائج حیران کن ہی نہیں، محیرالعقول نظر آتے تھے۔ ہماری کامیابیوں میں بعض چھوٹی چھوٹی جزئیات نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا جنہیں الگ سے یاد کرکے بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے اول خان کی تسلی کے لیے جستہ جستہ نکات پر اس کے لیے سوالوں کے جوابات دینے شروع کردیے۔

ویرا بھارت میں ہماری ہم سفر ضرور رہی تھی لیکن دہلی میں حفاظتی نکتہ نظر سے اسے ہم دونوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا پڑا تھا۔ وہاں اس سے ہمارا گہرا رابطہ بھی نہیں رہا تھا اس لیے اس کی ذہنی کیفیت اول خان سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ اس نے لاہور میں ایک رات کے قیام کے دوران میں بہت کچھ جان لیا تھا مگر پھر بھی اس کی تشنگی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ چائے کی ٹرے لا کر جلد ہی ہماری گفتگو میں شامل ہوگئی۔

"را والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔" چائے نوشی کے دوران میں دہلی کے واقعات کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مظہر خان کا ذکر نکلا تو ویرا نے کہا "تمہارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ آئی بی والے پس پردہ رہ کر تمہاری بھرپور مدد کررہے تھے۔ تمہاری مکاری کی وجہ سے رینا بلاوجہ تمہارے احسان کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھی۔ تم ایک کے بعد دوسری کامیابی حاصل کرتے چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ را کے رسوائے زمانہ اور خطرناک ترین ایجنٹ، ناگر کی عقل پر پردہ پڑ گیا اور وہ اپنے کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر آگ میں کود پڑا اور تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی جلی ہوئی لاش نے معاملہ بہت الجھا دیا ورنہ تمہارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا......"

"اس تقریر سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بیزاری سے پوچھا۔

"را والوں کا دماغ چل پڑا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اب وہ تمہاری کارروائی کے بخیے ادھیڑ ڈالیں گے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے جوڑے کی تلاش شروع کردی ہے۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ڈینی کے ستارے گردش میں آگئے ہیں تو آنے دو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تک یہ لوگ بھارت میں تھے، انہیں ہر بات کی فکر تھی۔ پاکستان آنے کے بعد یہ ہر فکر سے بے نیاز ہوچکے ہیں۔"

"یہاں را والوں کے اپنے آدمی ہیں۔ ان کے زرخرید مخبر بھی ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا "وہ ذرا سی محنت کرکے یہ کھوج نکال لیں گے کہ مظہر خان نے کبھی پاکستان سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ اس کے نام اور جعلی پاسپورٹ پر کسی اور نے بھارت کا سفر کیا تھا۔"

"سفر اور اس کے مقاصد پورے ہوگئے۔ اب یہ ساری تگ و دو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹنے کے مترادف ہوگی۔" میں نے ہنس کر ویرا کو جواب دیا اور پھر ایک فوری خیال کے تحت چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "میری اس مہم کی کامیابی کا سنگِ بنیاد تم نے جانے سے پہلے کراچی میں رکھ

دیا تھا۔"

"تم کہہ رہے ہو تو درست ہی کہہ رہے ہو گے۔" اول خان نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"جانے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا پاسپورٹ اس قدر اہمیت اختیار کرجائے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "را والوں نے مجھے ایک دل پھینک پاکستانی سمجھ کر میرے اوپر ہاتھ ڈالا تھا۔ اگر پاکستان سے میرے سفری کوائف کی تصدیق نہ ہوتی تو وہ میری طرف سے اچٹ جاتے اور مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیتے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات تھی کہ میرے پاسپورٹ کے اندراجات حقیقت سے قریب ہوں۔"

"پاکستان اور بھارت کی روایتی دشمنی ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔" اول خان نے پہلو بدل کر جواب دیا "تم ایک خاص مشن پر بھارت جا رہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خوف سوار تھا کہ اپنا کام کرنے کے دوران میں بھارتی پولیس یا کسی اور خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگ گئے تو کیا ہوگا۔ اس اندیشے کی وجہ سے میں نے مظہر خان کو تلاش کرلیا تھا۔"

"وہ کون ہے اور کہاں ہے؟" میں نے متجسس ہو کر سوال کیا۔

"یہ مجھ سے پوچھو۔ وہ حقیقی وجود رکھتا ہے اور اس وقت گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"یہ کیا حماقت تھی کہ اس کے کوائف کی انکوائری کرنے والے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"بس، معاملہ تازہ تھا۔ تمہاری مخدوش پوزیشن کا علم ہوتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی۔" اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلا؟" میرے تیور مزید سخت ہوگئے۔

"اتنا پتا چلا کہ مظہر خان اپنا گھر مقفل کر کے کہیں چلا گیا ہے۔ اس کی چھان بین کرنے والے کا سراغ نہیں ملا۔"

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ یہاں کسی بے نام نشان شخص کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں گری ہوئی پانی کی ایک بوند کی تلاش میں جھک مارنا۔" دیرا نے سخت اور ناصحانہ انداز میں اس سے کہا "شاید تمہیں اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"کوئی مظہر خان کا دوست بن کر اس کے گھر پہنچا تھا اور

ارادہ

ایک صاحب غصے کے عالم میں گھر سے نکلے۔

ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔

"کہاں چلنا ہے جناب؟" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"کسی اونچی پہاڑی پر لے چلو اور وہاں سے ٹیکسی سمندر میں گرادو .... میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں" جواب ملا۔

پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرکے چلا گیا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر دونوں کی بات کاٹ دی۔

"وہ مظہر خان ہے۔ اکیلا رہتا ہے اور پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی غلط بات نہیں بتائی تھی۔"

"میری روانگی کے بعد وہ کہاں غائب ہوگیا اور اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنے اصلی پاسپورٹ کے ذریعے دبئی چلا گیا اور اب وہیں ہے۔ سال چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔"

"میری وجہ سے تم نے اس بے چارے کو بلاوجہ دبئی کے تپتے ہوئے ریگ زار میں بھیج دیا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دبئی اب ریگستان نہیں، گل و گلزار بن چکا ہے۔ وہاں کی آسائشوں اور تفریح گاہوں کی کشش ہر سال یورپ سے لاکھوں سیاحوں کو وہاں کھینچ لاتی ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کیا "اسے میں نے کہیں نہیں بھیجا۔ وہ میرے گاؤں کا آدمی ہے۔ اس کا ایک رشتے دار دبئی میں پرانی گاڑیوں اور انجن والی کشتیوں کا

کاروبار کرتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے مظہر خان کو وہاں بلایا ہے۔ وہ وہاں سیٹ ہو گیا تو کراچی کا مکان بیچ دے گا اور وہیں رہ جائے گا۔ اس کی کہانی میرے ذہن میں تھی۔ تمہارے بھارت کا پروگرام بنا تو میں نے اسی کا نام استعمال کر ڈالا۔ غزالہ کو تمہاری بیوی بن کر سفر نہیں کرنا تھا۔ اس لیے میرا کام اور آسان ہو گیا۔ کسی اکیلے آدمی کے پاس پیسے کی فراوانی ہو تو وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کسی کو بھی اپنا ہم سفر بنا سکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں اول خان کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ بھارت سے میری واپسی کے بعد را کا کوئی مقامی ایجنٹ میرے دھوکے میں اصلی مظہر خان کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ دبئی میں ہر خطرے سے محفوظ تھا۔

"بعض اوقات ذرا ذرا سی باتیں اچانک اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔" وہ بولا "میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر وقت حقیقت سے قریب رہ کر چلوں۔"

"تم بھارت میں را والوں کی ایسی کی تیسی کر آئے۔ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی پر کیچڑ اچھال کر انہیں ان کے ملک میں رسوا کر دیا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"بس، تمہارے اور ویرا کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہے پھر حج کر کے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میری بات پر ویرا اچانک بدک گئی۔ "میری نہیں، اپنے آوارہ سانڈ کی فکر کرو۔ اس کے ہاتھ پیلے بلکہ نیلے اودے کر دو۔ میں شادی وادی کے جھنجٹ میں نہیں پڑوں گی۔"

"یہ مذاق کر رہے ہیں۔ تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہی ہو۔" غزالہ نے معصومانہ سنجیدگی سے چٹکی لی۔

"میں ایک مدت سے تم سب لوگوں کے تیور دیکھ رہی ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی سلطان شاہ کی طرح اکیلا اور بے سہارا سمجھ کر مجھ پر ترس کھانے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اپنی ذات میں انجمن ہوں....."

سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا "بے بنیاد دعوے مت کرو۔ تم کو تین دفعہ تولا جائے تو مشکل سے ایک انجمن بنے گی۔ انجمن اپنی ذات میں ویرا ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔"

"تم نے پھر میرے منہ لگنے کی کوشش کی۔" ویرا اس پر غرائی۔

"ابھی تم مجھے کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے تمہیں کون سے سینگ مارے ہیں جو تم مجھے سانڈ بنا رہی تھیں۔"

"جس دن مجھے سینگ مارنے کی کوشش کی، سینگ توڑ دوں گی۔"

"اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"کیا حال چال ہیں؟" ریسیور پر جلال کی تھکی تھکی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ سنا ہے کہ اسلام آباد میں کسی مصروفیت نے تمہیں گھیر لیا ہے۔" میں نے کہا۔

نہیں، اب میں کراچی میں ہوں۔" جلال کی مضمحل آواز آئی۔

"اوہ! تم کب آئے۔ اس وقت کہاں ہو۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں؟" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"بنگو کا خون شاید رنگ لا رہا ہے۔ کل رات تمہارا استقبال کرتے ہوئے میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ اب سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا لیکن پچھلی رات ہی دہلی سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ میں عبداللہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

"مقدر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا "وہ بہت پُرعزم اور جی دار لڑکا ہے۔ ساری صعوبتوں کو سہہ کر آخر کار سرخ رو رہے گا۔ اس کا معاملہ اب اللہ پر چھوڑ دو۔ اس کے بارے میں زیادہ فکر مند ہو کر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اسے کس الزام میں پکڑا گیا ہے۔"

"ابتدا میں کوئی الزام نہیں تھا۔ وہ محض شبے میں پکڑا گیا تھا۔ تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں، میں اندھیرے میں ہوں۔"

"وہ سمراٹ ہوٹل کی طرف گیا ہی کیوں تھا۔ وہ اس وقت تفتیشی ایجنسیوں کا گڑھ بنا ہوا ہو گا۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہو گا۔ کوئی مجبوری اسے وہاں لے گئی ہو گی۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کراچی کیوں آیا ہوں۔"

"کسی نہ کسی کام سے یا پھر ہم سے ملنے کے لیے آئے ہو گے۔" میں نے روا روی میں کہہ دیا۔

"را والوں کے ساتھ امریکی سی آئی اے بھی کھل کر

میدان میں آگئی ہے، انہیں ڈپٹی اور مظہر خان کی تلاش ہے۔"

جلال کا وہ انکشاف خطرناک تھا "را اور سی آئی اے کا اشتراک پرانی بات ہے مگر اس وقت ان کا یک جا ہونا ہمارے لیے سخت خطرناک ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں جنم لینے والے اندیشے کو بلا کم و کاست الفاظ کے روپ میں ڈھال دیا۔

"آج شام چار بجے مجھے ایک اہم اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔" جلال نے اطلاع دی "سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اس اجلاس میں شرکت کے لیے استنبول سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس بار ان کے تیور جارحانہ نظر آرہے ہیں۔"

"تم پہلے ہی محتاط تھے۔" میں نے بے ساختہ کہا "تم نے کل رات کہہ دیا تھا کہ ذاتی طور پر پاکستان کا ہر انتظامی افسر ہمارا خیر خواہ اور دعاگو ہے لیکن سرکاری سطح پر ہمیں کہیں کوئی سرپرستی نہیں مل سکے گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس اجلاس میں تم کھل کر میرا دفاع نہیں کرسکو گے۔"

"میں مخمصے میں پڑ گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شام کو کیا ہوگا۔"

"اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے تم جہاں تک انہیں چکر دے سکتے ہو، دیتے رہو۔ تمہارے سر پر کوئی عذاب آنے لگے تو جو چاہو کر گزرنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوا نہیں ہوگا۔ بس اتنی گزارش ضرور ہے کہ مجھے اجلاس کے نتیجے سے آگاہ کردینا تاکہ میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کرسکوں۔"

"میری اس کال کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم فوری طور پر زیر زمین چلے جاؤ۔ کسی کو یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ تم بھارت سے لوٹ آئے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور پھر چونک کر کہا "رات تم نے جو چیک دیا تھا، وہ ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں کسی کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا واجب الادا قرض تھا جو سیکرٹ فنڈ سے خاموشی سے لوٹا دیا گیا۔ اس سرکاری فنڈ کا کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا ہے نہ اس کا آڈٹ ہوتا ہے۔ مجاز اتھارٹی اپنی صوابدید کے مطابق ہر حق دار کو ادائیگی کرتی ہے اور بس!"

"مجاز اتھارٹی کو الہام نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہوگا۔ تم نے ہماری نشان دہی کی۔ اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار رہوں۔"

غلط فہمی

ہالی ووڈ میں ایک چھوٹی اداکارہ کو ایک فلم میں اہم رول مل گیا۔ فلم میں اس کی "کامن لا میرج" ہوچکی تھی۔ اداکارہ اپنے رول کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پارہی تھی۔ آخر ڈائریکٹر اسے ایک طرف لے گیا اور بولا "تمہیں معلوم ہے کامن لا میرج کسے کہتے ہیں؟"

اداکارہ نے نفی میں سرہلایا تو ڈائریکٹر بولا "اس میں مرد اور عورت بالکل میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں لیکن کاغذات میں اس شادی کا اندراج نہیں ہوتا اور قانونی طور پر دونوں کسی قسم کے حقوق کے پابند نہیں ہوتے۔"

"اوہ.... اچھا...." اداکارہ کھل اٹھی "میں سمجھتی تھی اسے منگنی کہتے ہیں۔"

"یہ سب لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ صرف تمہارا حق یا انعام ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے وہ تذکرہ وہیں گول کردیا۔ میں نے کن انکھیوں سے ان چاروں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ویرا سب سے زیادہ خوش تھی کہ میں نے اس کا مشورہ مان کر جلال کا دیا ہوا وہ چیک قبول کرلیا تھا جو اس وقت تک کیش نہیں کرایا گیا تھا۔

"آج لاہور چھوڑنے سے پہلے تم میں سے کوئی نیشنل بینک گیا نہ تم نے وہ چیک میرے کسی آدمی کو دیا۔" جلال فون پر کہہ رہا تھا "اسے پہلی فرصت میں کیش کرالینا کیونکہ فنڈ کا سارا انحصار بینک اسٹیٹ منٹ پر ہوتا ہے۔ چیک تمہاری جیب میں پڑا رہا تو بیلنس کی رقم کہیں اور کام آجائے گی۔"

"اس سنہرے مشورے کے لیے تمہارا مزید شکریہ!" میں نے ہنس کر کہا۔

اس وقت جلال اپنی الجھنوں میں گرفتار تھا جن کا تعلق ہم لوگوں کی سلامتی سے بھی تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

فون پر میری یک طرفہ گفتگو سن کر ان چاروں نے اندازہ لگالیا تھا کہ جلال سے میری بات چیت کا موضوع

خوشگوار نہیں تھا۔
"کیا کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا؟" سوال کرنے میں ویرا نے پہل کی تھی۔
"وہی پرانا مسئلہ ہے۔ میرے خلاف امریکی ایک بار پھر سرگرم ہو رہے ہیں۔ آج شام سی آئی اے کا کوئی ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی پہنچنے والا ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کیا شگوفے کھلاتا ہے۔ ہم لوگ بے فکری سے کبھی بھی وقت نہیں گزار سکتے۔"
"امریکی بدمعاش ہیں۔" ویرا برہم ہو کر بولی "پاکستانی افسروں کو انہیں کورا جواب دے دینا چاہیے۔ ان میں ہمت ہے تو وہ خود ڈینی کو تلاش کر کے پکڑ لیں۔ اس معاملے میں پاکستان ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"
"ملزموں کے بارے میں رائے عامہ کتنی ہی ہمدردانہ کیوں نہ ہو' سرکاری سطح پر ایسا رویّہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ملک کے ملزموں کو دوسرے ملکوں میں پناہ ملنے لگے تو یہ دنیا جرائم سے بھرے ہوئے ایک خوفناک جنگل میں تبدیل ہو جائے۔"
"لیکن ڈینی پر کیا الزام ہے؟" ویرا جوش میں آ گئی "اپنے ملک اور معاشرے کے دشمنوں کو چن چن کر مارنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہر محب وطن شہری کر سکتا ہے۔"
"مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں خود نئی اطلاع سے پریشان ہوں۔ امریکیوں کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ہو گا۔"
اول خان یا اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ خاصی دیر تک اس مایوس کن صورت حال پر تھکے تھکے انداز میں بات ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ مجھے یقین تھا کہ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی میں ہونے والے اجلاس میں اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ پاکستانی حکام ڈینی کو تلاش کر کے امریکیوں کے حوالے کر دیں تاکہ وہ گن گن کر مجھ سے اپنے بدلے چکا سکیں۔
چلتے وقت میں نے دس لاکھ روپے کا چیک اول خان کو دے دیا۔ وہ ایسے وسائل رکھتا تھا کہ کراچی میں بیٹھے بیٹھے لاہور کے بینک سے وہ رقم حاصل کر سکے۔
اول خان کو رخصت کر کے ہم چاروں ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

○☆○

کراچی کے کمشنر ہاؤس کے ایک سجے سجائے اور آراستہ کمرے میں بڑی سی میز کے پیچھے پانچ ادھیڑ عمر اور سنجیدہ افراد گمبھیر چہروں کے ساتھ خاموش بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے یا پھر اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذوں میں سر کھپا رہے تھے۔ ان ہی میں جلال بھی تھا جو شاید عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب کے سامنے چائے یا کافی کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔
وہ بظاہر کھانے کی میز نظر آ رہی تھی۔ جس کے گرد بارہ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ سات کرسیاں اس وقت خالی پڑی ہوئی تھیں۔
کمشنر ہاؤس کی عمارت کے گرد اس شام غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا تھا۔ معمول کے مطابق ڈیوٹی انجام دینے والے مسلح پولیس گارڈز کے علاوہ رینجرز کا ایک دستہ بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے عمارت کے گرد پہرے پر مامور تھا۔ وہ اہتمام دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ عمارت میں کوئی خاص کام سرانجام دیا جا رہا تھا۔
"اس سے پہلے بھی امریکی آتے جاتے رہے ہیں۔ وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈینی کی تلاش میں مصروف ہیں مگر انہیں اپنی کوششوں میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔" ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان نے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے نرم اور متحمل لہجے میں کہا "اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔"
"ایم آئی اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "اس معاملے میں صرف سویلین ادارے ہی کچھ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی یہاں پانچ اداروں کے سینیر نمائندوں کی موجودگی ضروری سمجھی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امریکی اب بڑے پیمانے پر کام کا آغاز کرنا چاہتے ہوں۔"
"امریکی اپنی دانست میں ہر کام کا آغاز بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔" انٹر سروسز انٹیلی جنس کے کرنل غفور نے قدرے بیزاری سے کہا "یہ اور بات ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے بیشتر کاموں کا انجام پھُس پھُسا اور بے معنی ہوتا ہے۔"
تقریباً سب کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کراچی کے آئی جی نے بات آگے بڑھائی "شاید دہلی کے واقعات نے انہیں پریشان کر دیا ہے۔ وہاں کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں جان اسمتھ کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔"
"جان اسمتھ یہاں نہیں مرا۔" کرنل شعبان نے تیکھے لہجے میں کہا "یہاں سے وہ اپنے پیروں سے چل کر دہلی گیا تھا۔

وہاں مارا گیا ہے۔ امریکیوں کو اگر کچھ کرنا ہے تو انہیں دہلی جانا چاہیے۔ یہاں آکر وہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے۔ انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایجنسی ڈینی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اس کے بارے میں ہمارا ریکارڈ بھی بے داغ ہے۔"

شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا "جلال کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آئی بی والوں کو اس کی کچھ خیر خبر ہے۔"

"کیوں جلال! تم کیوں خاموش ہو؟" کرنل غفور نے جلال کو ٹوکا۔ وہ پانچوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا اور آپس میں کسی حد تک بے تکلف نظر آرہے تھے۔

"میں خاموش نہیں ہوں۔ کچھ سوچ رہا ہوں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے اپنا دفاع کیا۔

"ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم ہو سکے۔" آئی جی نے لقمہ دیا اور سب ہنس پڑے۔

"حیرت ہے!" کرنل غفور نے چونک کر کہا "آج یہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی نمائندہ نظر نہیں آرہا۔"

"یہ کون سی فورس ہے؟" کرنل شعبان نے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... کم آن یار کرنل!" آئی جی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "اب اتنے بھولے نہ بنو...."

کرنل شعبان نے اس کی بات کاٹ دی "جس چیز کا ہمارے ریکارڈ پر کوئی وجود نہ ہو۔ اس کے بارے میں انجان بنا رہنا ہی سود مند ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ہم ڈینی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اسی طرح ایس ٹی ایف کے وجود سے بھی بے خبر ہیں۔"

"میں اس میٹنگ میں نہیں تھا مگر میں نے سنا ہے کہ کافی عرصہ پہلے امریکیوں سے ہونے والی ایک میٹنگ میں ایس ٹی ایف کا اول خان اپنے ایک مشتبہ ماتحت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔" کرنل شعبان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جلال نے اس کی تائید کی "امریکی ان دنوں ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہو رہے تھے۔ ان کی فرمائش پر مجبور ہو کر ایس ٹی ایف کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔ وہ میٹنگ قطعی آف دی ریکارڈ تھی۔"

"وہ میٹنگ آف دی ریکارڈ تھی تو تمہیں اس کا حوالہ نہیں دینا چاہیے۔" کرنل غفور نے جلال کو یاد دلایا۔

جلال کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے علم تھا کہ اس وقت وہ اپنے اپنے شعبوں کے تجربے کار

سچائی

کچھ لوگوں کا خیال ہے اچھی عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنا ماضی بتادیں۔ ایک میاں نے سچ بولتے ہوئے بیوی کو بتادیا کہ میں ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا رہا ہوں تو اس کی بیوی نے بھی بتادیا کہ وہ بھی ایک سائیکاٹرسٹ، ایک جرنلسٹ، دو انجینئروں اور ایک بزنس مین کے پاس جاتی رہی ہے۔

(خوشاب سے شان وشوکت کا تحفہ)

ماہرین کے درمیان موجود تھا۔ اگر وہ کوئی دلیل دینے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ عذر گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ پیش آسکتا تھا۔ وہ چاروں مل کر اس کی ٹانگ کھینچنا شروع کردیتے۔

"جان الیش کوف یہاں کتنے دن قیام کرے گا۔" شاہد رانا نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ہمیں صرف آج کی میٹنگ میں اس سے ملنا ہے۔ اس کے بعد وہ یہاں رہے یا چلا جائے۔ یہ ہمارا دردسر نہیں ہوگا۔" کرنل شعبان نے بتایا۔

گھڑی کی سوئیاں چار بجنے کا اعلان کررہی تھیں۔ وہ پانچوں اپنے مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد کمشنر ہاؤس کے دراز قامت اور باوردی دربان کے ساتھ دو امریکی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دربان انہیں پہنچا کر دروازے سے ہی لوٹ گیا۔

امریکیوں نے دور ہی سے ہیلو ہائے کے گرم جوش نعرے بلند کیے۔ وہ دونوں اس اجلاس کے بیشتر شرکا سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ شاید اپنی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے

سلسلے میں ان کی باہمی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ امریکیوں کی طرف سے گرم جوشی کے اظہار کے نتیجے میں انہیں پُرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ کرنل شعبان نے جان اور لیری کا جلال سے تعارف کرایا۔ جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا اور لیری اس کا چیف کلرک۔

وہ دونوں اپنی جگہیں سنبھال رہے تھے کہ کمشنر ہاؤس کا باوردی خانساماں چائے اور دیگر لوازم کی ٹرالی لے آیا۔ اس نے میز پر سے خالی پیالیاں اٹھائیں اور پھر ٹرالی پر سے سامان اتار کر میز پر سجانے میں مصروف ہو گیا۔ جب تک ساتوں افراد کو ان کی پسند کے مطابق چائے یا کافی پیش کی گئی' ذاتی مزاج پرسیوں اور خوش گپیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ملازم کے واپس جانے کے بعد اس کمرے کی فضا یکایک تبدیل ہو گئی۔

"دہلی میں جان اسمتھ کے روح فرسا قتل کی خبر تم لوگوں نے سن لی ہوگی۔" جان الیش کوف نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بات شروع کی "میں اس کے قاتل کی تلاش کے مشن پر نکلا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اپنے دوستوں کے تعاون سے ہم اس مہم میں کامیابی حاصل کرلیں گے۔"

"جان اسمتھ کو مرے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں۔" کرنل شعبان نے رسانیت سے کہا "تمہاری اب تک کی پیش رفت کیا ہے۔"

"کل تک ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ کل انڈین سیکرٹ سروس نے کچھ سراغ فراہم کیے ہیں۔ بھارت میں ڈینی سرگرم عمل ہے۔ اس کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت بیم گن کا استعمال ہے۔ اس نے را کے ایک ذمے دار افسر کو بیم گن سے ہلاک کیا ہے۔"

"تو یوں کہو کہ تمہیں را کے مجرم کی تلاش ہے۔" شاہد نے وقفہ پاکر کہا۔

"نہیں۔ اس واردات سے کچھ دیر پہلے را کے ایک کلیدی عہدے دار کو زہر کی سوئی استعمال کرکے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔" جان نے اپنی بات جاری رکھی "ان دونوں مقامات پر بقیہ افراد پر ایسی سریع الاثر سوئیاں استعمال کی گئیں جن کے ذریعے جسم میں اترنے والا مواد انسان کو کئی گھنٹوں کی طویل مدت کے لیے بے حس و حرکت کر دیتا ہے۔ اس سراغ سے یہ ثبوت مل گیا ہے کہ بیم گن اور زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات میں ڈینی ملوث ہے۔"

"تم نے اب تک جان اسمتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ہمیں را والوں کے انجام سے زیادہ ہمدردی نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"سچ پوچھو تو را کے دو افسروں کے مختلف انداز میں مارے جانے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔" جان نے بے لاگ انداز میں کہا "اسی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دہلی میں ہونے والی ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ ہے۔ جان اسمتھ کو ڈینی اور رویرا نے ایک سازش کے ذریعے مارا تھا۔"

"تم نے اتنا بڑا نتیجہ اتنی آسانی سے کیسے اخذ کرلیا؟" کرنل غفور نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں ابتدا سے بتاؤں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کو سننے کے بعد پتا چلا ہے کہ ویرا فون پر آوازیں بدل بدل کر مجنونانہ انداز میں جان کو دھمکیاں دے رہی تھی کہ وہ بہت جلد اس کا نرخرا چیر دے گی اور اسے مار دے گی۔ وہ نیم پاگل اور مہم پسند لڑکی ہے۔ قتل و غارت گری ہمیشہ اس کا شوق رہا ہے۔ جان خوف زدہ ہو کر چھٹی پر دہلی چلا گیا وہاں شاید ڈینی بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔" جان الیش کوف نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اپنا گلا تر کیا اور پھر تفصیل بتانے لگا "ڈینی نے زہریلی سوئی استعمال کرکے جان کو اس کے ہوٹل کے کمرے میں مار ڈالا۔ وہ طریقہ نیا تھا اس لیے ہم بھٹکتے رہے لیکن کل علی الصباح انل اور نریش کی لاشیں ملنے کے بعد را والوں نے زبردست کارکردگی دکھائی اور پتا چل گیا کہ ڈینی بھارت میں اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے بیم گن کے ساتھ زہریلی سوئیاں بھی استعمال کر رہا ہے۔"

جلال کے سوا بقیہ چاروں افراد کے لیے وہ بالکل نئی کہانی تھی۔ وہ توجہ سے جان کی بات سنتے رہے۔

"یہ براہِ راست ثبوت نہیں ہے پھر بھی یہ تعین ہو جاتا ہے کہ جان کا قاتل کس فریق سے تعلق رکھتا تھا۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"آج صبح سویرے ایک سرحدی مقام پر پاکستانی فوج نے تین بھارتیوں کی لاشیں بھارتی فوج کے حوالے کی ہیں۔" جان نے پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد بات جاری رکھی "وہ تینوں بھارتی ہیں۔ ایک امرتسر کا غنڈا ہے۔ دو بھارتی فوجی ہیں۔ فوجیوں کو بیم گن سے مارا گیا ہے۔ غنڈے کو اس کی پک اپ میں مارا گیا ہے۔ وہ مشتبہ انداز میں سرحدی علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی گاڑی میں بھارتی فوجیوں کی لاشیں لے کر پاکستان کیوں آیا تھا۔"

"یہ سب واقعات بھارت میں ہوئے۔" جلال نے قدرے مضطرب ہو کر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے

جڑ

ایک خاتون اپنی بیٹی کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ بیٹی صبح اٹھتی تھی تو اس کا سر بھاری ہوتا تھا۔ کئی ڈاکٹروں سے علاج کرا چکی تھیں۔ آخر ایک مشہور اسپیشلسٹ کے پاس لے گئیں۔

"کیا آپ کی بیٹی سوتے وقت دودھ پیتی ہے؟" اسپیشلسٹ نے معائنے کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔

"بس... یہی تو بیماری کی جڑ ہے..." ڈاکٹر صاحب فوراً بولے "بچی دودھ پی کر سوتی ہے۔ کروٹیں بدلتی ہے تو دودھ سے مکھن نکل آتا ہے۔ مکھن چربی میں بدل جاتا ہے۔ چربی شوگر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ شوگر، الکحل بن جاتی ہے۔ چنانچہ بچی صبح اٹھتی ہے تو اس کا سر بھاری ہوتا ہے۔"

اتنی آسانی سے اصل کہانی تک پہنچ جائیں گے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ اسی کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔" جان نے اپنی پیالی خالی کر دی۔

"بنگو والا واقعہ ریکارڈ پر ہے۔" کرنل غفور نے جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "جس وقت اسے للکارنے کے بعد گولیوں کی باڑ ماری گئی، پک اپ میں دو لاشوں کے سوا کوئی اور متنفس نہیں تھا۔ صرف بنگو تھا اور وہ مارا گیا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، ڈیئر کرنل!" جان نے بہت رسانیت سے کہا "دونوں فوجی بیم گن کی لیزر سے مرے ہیں۔ یہ اس مخدوش علاقے میں ڈینی کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ وہ دہلی سے نکلا اور امرتسر ہوتا ہوا سرحدی ویرانے میں پہنچ گیا۔ وہ پاکستانی فوج کے ہاتھ نہیں آیا پھر کہاں گیا؟"

جلال کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی جا رہی ہے۔ اپنے فیصلے کرتے ہوئے اسے ایک لمحے کے لیے بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ میرا کوئی حریف اتنی آسانی سے کڑیاں ملا لے گا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ہمارے بیان پر یقین

اطلاع ملی ہے کہ سرحد پر ایسا واقعہ ہوا ہے۔ اس کی تفتیش کے لیے تمہیں بھارت کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"یہ واشنگٹن کا فیصلہ ہے۔" جان نے اپنا رخ جلال کی طرف گھمالیا "بھارتی ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے لیکن ہمیں ڈینی کا ٹریک مل گیا۔ جب تک وہ دہلی میں رکا رہا، زہر میں بجھی ہوئی سوئیاں یا زہرا انجیکٹ کرنے کا طریقہ استعمال کر کے اپنے حریفوں کو قتل اور بے ہوش کرتا رہا۔ شاید دہلی کے ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے کسی مشتبہ فرد کی تلاش میں ڈیوڈ نامی پولیس افسر نے اس کی کسی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ بھی بدن میں زہر سرایت ہونے کی وجہ سے مر گیا۔ ڈینی خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ دہلی کی انتظامیہ اس کے وجود سے بے خبر رہی۔ اپنے قیام کے آخری مرحلے پر اس نے نریش کو مارا تو فاتحانہ انداز میں اپنی موجودگی کا اعلان کرنے کے لیے بیم گن استعمال کر ڈالی۔ یہ ہر بڑے مجرم کی نفسیات ہوتی ہے کہ اسے اس کے کارناموں سے پہچانا جائے۔ ڈینی اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب پورے بھارت میں اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اور تم اسے ڈھونڈنے کے لیے کراچی آئے ہو۔" جلال نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"لینگلے میں سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھے ہوئے ماہرین نے ان تھک عرق ریزی کے بعد مجھے یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی منظوری صدر نے دی ہے۔" جان نے فخر آمیز لہجے میں بتایا "ان کی متفقہ رائے ہے کہ بھارت میں اب ڈینی کا سایہ بھی نہیں مل سکے گا۔ اتل اور نریش کو مارنے کے بعد ڈینی امرتسر پہنچا اور مقامی غنڈے کے ذریعے سرحد پار نکل گیا۔ اس کی گاڑی کو راستے میں روکنے کی کوشش کی گئی ہو گی مگر اس نے مزاحم ہونے والے دونوں فوجیوں کو بیم گن سے اڑا دیا۔ ان کی لاشیں پک اپ میں لادیں اور اپنا سفر جاری رکھا۔"

"وہ پک اپ چلانے والا بنگو نامی بدمعاش پاکستانی فوج کی فائرنگ سے مرا ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "ڈینی اس پک اپ میں تھا تو وہ کہاں گیا۔"

جلال کا ذہن اس وقت پوری سرعت سے کام کر رہا تھا۔ جان کی تفتیشی کہانی سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں اور گلا خشک ہونے لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ پاکستان اور بھارت کی سرحد سے ہزاروں میل دور، فیرفیکس کے لینگلے نامی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین

نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے قدرے برہمی سے کہا۔

"میری بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان کا لہجہ ملتجیانہ ہوگیا "ڈینی ایک ملزم بلکہ مجرم ہے۔ اس کے ہاتھ بہت سے بے گناہ امریکیوں اور دوسروں کے خون سے داغ دار ہیں۔ وہ ہمارا یا تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہمیں سر جوڑ کر اپنے اس مشترکہ دشمن کا کھوج نکالنا ہوگا۔"

اس کا لب ولہجہ اس قدر مفاہمانہ تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ سب سر ہلا کر رہ گئے۔

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں روح کو منجمد کر دینے والا بھیانک سکوت طاری ہوگیا جسے کرنل شعبان نے غیر ارادی طور پر اونچی آواز سے توڑا "اگر تمہارے اس نظریے کو درست مان لیا جائے تو اب ڈینی کہاں ہو سکتا ہے۔"

"یہاں!" جان نے اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے میز کی چوبی سطح ٹھونکتے ہوئے کہا "وہ پاکستانی شہری ہے۔ یہ ملک اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ رنگ، نسل، زبان اور اپنے خدوخال کی بنا پر وہ یہاں عام لوگوں میں گھل مل کر بے فکری سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی کوئی واضح اور نئی تصویر نہیں ہے جسے ہم لوگوں کے لیے مشتہر کرکے انہیں خبردار کر سکیں۔ ہم نے اس کے بارے میں خبر دینے والے کے لیے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اسے اور اس کے خاندان کو امریکی شہریت اور باعزت روزگار کی ضمانت دی ہے مگر ہماری یہ ساری کوششیں ناکام رہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اسے ٹریک ڈاؤن کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم سب کچھ کہے جا رہے ہو لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمارے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پاکستان کیسے پہنچ گیا۔" شاہد رانا نے بھی نرمی سے کہا۔

"اوہ ڈیر! میں بار بار التجا کر رہا ہوں کہ میری کسی بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان نے خوشامدانہ انداز میں کہا "میں کسی پر کوئی الزام تراشی نہیں کر رہا۔ سب کی کوششیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن ڈینی انہیں ناکام بنا کر پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بنگو کی پک اپ سے کچھ دور پہلے اتر چکا ہو۔ اسے پاکستانی علاقے میں اتارنے کے بعد بنگو واپس جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے اور ویرانے کی یکسانیت کی وجہ وہ ذرا سا بھٹکا اور تمہارے فوجیوں کی نگاہ میں آگیا۔"

"اگر بنگو اور ڈینی کا یہی پروگرام تھا تو وہ بھارتی فوجیوں کی لاشیں اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے تھے؟" جلال نے پوچھا۔

"لاشیں چھوڑ دی جاتیں تو وہ بھارتی فوج کے کسی دستے کی نگاہ میں آجاتیں۔ پوری سرحد پر کھلبلی مچ جاتی اور بنگو کی واپسی کی راہ مسدود ہو جاتی۔"

"امرتسر پہنچنے کے بعد بنگو ان لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگاتا؟" جلال نے عاجلانہ انداز میں اگلا سوال داغ دیا۔

جان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی باتیں سن کر پانچوں پاکستانی افسر مضطرب سے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے لاشیں امرتسر لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واپسی پر وہ انہیں کسی بھی گڑھے میں پھینک دیتا اور بھاگ نکلتا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ اسے لاشوں کی دریافت کے خطرے سے دور اور امرتسر کے قریب پہنچا دیتا۔ یہ ایک نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لینگلے میں بیٹھے ہوئے افسروں نے بہت عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد یہ کہانی تیار کی ہے۔ اس میں ہر سوال اور ہر امکان کا تحریری تجزیہ کیا گیا ہے۔ میں تم کو اسی کے مطابق جواب دے رہا ہوں۔ سب اس فائل میں لکھا ہوا ہے، خود پڑھ لو۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے بریف کیس میں سے سرخ رنگ کی ایک فائل نکال کر میز پر ڈال دی۔

جلال کا دماغ چند ثانیوں کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ جان حرف بہ حرف صحیح کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے لمحوں ہی لمحوں میں خود پر قابو پایا اور بولا "تم بتا رہے ہو کہ را والوں نے کل تمہیں انل اور نریش کے قتل کے طریقوں سے آگاہ کیا اور آج تم کراچی میں اپنے بڑوں کی تیار کی ہوئی جامع رپورٹ لیے بیٹھے ہو۔ اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گیا؟"

جان کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اس بھیانک واردات پر بہت سا کام کیا جا چکا تھا۔ کچھ کڑیاں غائب تھیں۔ گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملنے کے بعد سب کام آسان ہو گیا۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" کرنل غفور نے جان الیش کوف سے سوال کیا۔

"ڈینی کی تلاش۔ میں دہلی کا ایک چکر لگاؤں گا پھر یہاں ڈیرا ڈال دوں گا۔ میں پاکستان سے بھرپور مدد کا خواہاں ہوں۔"

"ابھی تم اپنے بڑوں کے تیار کیے ہوئے ایک نظریے پر

بات کر رہے تھے۔ اب ہمیں زمینی حقائق پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے'' کرنل شعبان نے سگریٹ سلگا کر ایسے سرد لہجے میں کہا کہ جلال چونک پڑا۔

''کیا زمینی حقائق ان باتوں سے مختلف ہیں جو میں کرتا رہا ہوں؟'' جان نے پوچھا۔

''خاصے مختلف بلکہ شاید تلخ بھی ہیں'' کرنل شعبان کے لہجے کی سرد مہری برقرار رہی۔

''اس وقت میں ہر بات سننے کے موڈ میں آیا ہوں۔ ہمارے دلوں میں اگر کچھ تلخیاں ہیں تو آج انہیں ڈھل جانا چاہیے'' جان نے کھلی رواداری کا مظاہرہ کیا۔

''آج تم بہت نرم اور دھیمے لہجے میں بات کر رہے ہو۔ آج سے پہلے امریکیوں کا لب و لہجہ تلخ ہوا کرتا تھا'' کرنل شعبان نے فیصلہ کن انداز میں لب کشائی کی ''ڈینی کے بارے میں مختلف امریکی حلقے شروع سے اس بات کے شاکی رہتے ہیں کہ پاکستان کی بعض ایجنسیاں در پردہ ڈینی کی پشت پناہی کرتی ہیں۔''

''ایک شخص پے در پے جرائم کرتا چلا جائے اور قانون کی گرفت سے مسلسل بچتا رہے تو ایسے شکوک و شبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔''

''ایسے چالاک مجرم ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں افراد ایسے ہوں گے جو برسوں سے قانون کو مطلوب ہیں لیکن کبھی گرفت میں نہیں آتے۔ ان کے بارے میں کیا کیا جاتا ہے۔''

''گرفتاری ہونے تک ان کی سرگرمی سے تلاش رہتی ہے۔ ڈینی کے خلاف پاکستان میں صرف ایک بار بھرپور مہم کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی ہے۔ یہاں اسے مفرور مجرم قرار دیا گیا ہے نہ اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کو ترغیب دلانے کے لیے کوئی انعام مقرر کیا گیا ہے۔''

''بس، میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم بھی نرم لہجے میں الزام تراشی کے ارادے سے آئے ہو۔ پاکستان کو انعام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'' کرنل شعبان نے کہا۔

''میں الزام تراشی نہیں کر رہا۔ تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں'' جان بولا۔

''تمہارے ایک ملین ڈالر کے انعام کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تم نے بارہا مقامی اخباروں میں ڈینی اور ویرا کے خلاف اشتہار چھپوائے ہیں۔ ان کا کیا نتیجہ نکلا؟ اتنے بڑے انعام کے اعلان بعد کسی چھوٹے انعام کا اعلان مضحکہ خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے غریب ملک کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ کسی ایک شخص کی گرفتاری کے لیے کروڑوں روپے کا انعام مقرر کیا جا سکے۔ تمہاری یہ دلیل بالکل بودی اور بے وزن ہے۔''

''ہم ڈینی اور مظہر خان کے بارے میں پاکستان کی مدد چاہتے ہیں'' جان کا لہجہ سنجیدہ اور سخت ہو گیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ اس کا صبر و سکون رخصت ہوتا جا رہا تھا۔

''مظہر خان!'' کرنل غفور نے چونک کر پوچھا ''یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''یہ مشتبہ پاکستانی ہے جو باقاعدہ ویزا پر اٹاری کے راستے بھارت میں داخل ہوا تھا۔ دہلی میں وہ را والوں کی نگرانی میں تھا۔ انل اور نریش کے قتل والی رات وہ اپنی گرل فرینڈ سمیت اچانک دہلی سے غائب ہو گیا۔ ہوٹل کے ریکارڈ سے لیے گئے کوائف میرے پاس موجود ہیں۔''

''را والے اس کی نگرانی کر رہے تھے تو وہ کیسے غائب ہو گیا'' شاہد رانا نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

''یہ مجھے دہلی پہنچ کر معلوم ہوگا'' جان نے خفت آمیز لہجے میں کہا ''وہ مشتبہ ہے۔ ابھی اس کے جرائم کا تعین ہونا باقی ہے۔''

''یہ تو جانتے ہوگے کہ وہ کس سلسلے میں مطلوب ہے!'' جلال نے موقع ملتے ہی جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

وجہ تاخیر

ایک بڑے بزنس مین کے انتقال کے کئی دن بعد جب اس کے دفتری سامان کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک خط بھی تھا جو پوسٹ ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس کی مستعد اور فرض شناس سیکریٹری نے خط پوسٹ کر دیا لیکن خط کے آخر میں تاخیر کی وجہ بیان کرنا بھی بہتر سمجھا۔ اس نے خط میں باس کے دستخط سے پہلے یہ لائن ٹائپ کی!

''یہ خط ارسال کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ خط لکھنے کے بعد میرا انتقال ہو گیا تھا۔''

''شبہ ہے کہ اس نے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے'' جان نے بتایا۔
''سوری جان!'' کرنل غفور نے دوٹوک لہجے میں کہا ''تم مظہر خان کے کوائف ہمیں دے دو۔ ہم اپنے طور پر اس کی چھان بین کریں گے لیکن تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ را سے ہماری دیرینہ رقابت ہے۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہمارے بدترین حریف کو کوئی فائدہ پہنچ سکے۔''
''سرد جنگ کا یہی سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے'' لیری نے پہلی مرتبہ پُر تشویش انداز میں اپنی زبان کھولی ورنہ وہ خاموشی سے ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔
''تم ڈینی کے لیے یہ عذر کیوں پیش نہیں کرتے؟ اس نے بھی را والوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔'' جان نے اعتراض کیا۔
''اس پر تم نے جان اسمتھ کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ ماضی میں بھی اس پر کئی امریکیوں کے قتل کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ امریکا ہمارا دوست ملک ہے۔ اس کی مدد کرنے کے لیے ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں'' کرنل غفور بولا۔
''اور اگر وہ امریکیوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں ملوث پایا گیا تو تم اسے ہمارے حوالے کردو گے؟''
''تمہارا یہ سوال مفروضے پر مبنی ہے'' کرنل شعبان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''ہم کسی جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ شہادتیں سامنے آنے کے بعد ہی تم لوگوں سے تعاون کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''
''اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نیت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں!'' جان کا لہجہ پہلی بار تلخ ہوگیا۔
''مجبوری ہے جان!'' کرنل غفور نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا ''وقت نے ہمیں بہت کچھ سکھادیا ہے۔''
''دیکھو کرنل! تم صرف اپنے آس پاس دیکھتے ہو۔ ہم امریکی پوری دنیا کے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ ڈینی اور اس کے مددگار رفتہ رفتہ اس خطے کے لیے خطرہ بنتے جارہے ہیں۔ اب ان کی سرکوبی کا وقت آگیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکی حکومت روئے زمین کے کسی بھی حصے میں موجود ہر امریکی کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی ضامن ہے۔ ہم اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ ہم نے عبرت کی ایسی کئی مثالیں قائم کی ہیں کہ اپنے ایک دو یا چار مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے چند سو یا چند ہزار بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی اڑادیا۔ کسی بھی امریکی پر حملہ امریکا پر حملہ تصور کیا جاتا ہے اور جان اسمتھ بہت بڑا امریکی تھا۔ یہ محض دوستی اور رواداری کی بات ہے کہ میں یہاں میز پر بیٹھا تم سے مساویانہ انداز میں بات کررہا ہوں ورنہ ہمارے پاس اپنے مجرموں سے نمٹنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔''
جان الیش کوف نے تاؤ میں آکر اپنے لب و لہجے سے نرمی کا نقاب نوچ ڈالا تھا۔ وہ وہی زبان بول رہا تھا جو اس کے پیش رو بولتے چلے آئے تھے۔ جان کے روپ میں آنے والی اس ڈرامائی تبدیلی پر وہ پانچوں حیران رہ گئے۔ وہ سب کھاگ اور تجربے کار افسر تھے۔ انہوں نے اندازہ لگالیا کہ آخر کار جان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس پر مزید نشتر زنی کی جاتی تو وہ آپے سے باہر ہوکر اس اہم میٹنگ کو ناکام بنا سکتا تھا۔
آپس میں کوئی تبادلۂ خیال کیے بغیر وہ پانچوں بہ یک وقت ایک ہی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔
''اس بات سے کسی ہوش مند شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج امریکا دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہے'' جلال نے سرہلاتے ہوئے کہا ''اب تم سنجیدہ ہوگئے ہو تو میں بھی پوری سنجیدگی سے تم کو بتا رہا ہوں کہ ہم بھارت پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ امریکا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ تم ان کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کیے بغیر، اپنے طور پر ہم سے کوئی بات کرو گے تو ہم کو پوری طرح اپنا مددگار پاؤ گے۔''
''ان کی بدنیتی اسی ایک بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مظہر خان ان کی نگرانی کے باوجود نکل گیا اور وہ ہم سے اس کی گرفتاری کے خواہاں ہیں'' کرنل غفور نے کہا۔
''یہ صرف اکسانے والی حرکتیں ہیں'' جان نے اعتراف کیا ''اگر وہ اتنا ہی خطرناک تھا تو اسے دہلی میں دبوچ لیا جاتا مگر ڈینی بھارت کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی مسئلہ ہے اس کے لیے تم لوگوں کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تمہاری مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ناممکن ہے۔''
بات بگڑتے بگڑتے سنبھلنے لگی تھی۔ جلال نے جان کی نظریں بچا کر کرنل شعبان کو اشارہ کیا اور وہ بولا ''کھل کر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟''
''ہمیں ڈینی کے خلاف اشتہار دیے ایک مدت ہوگئی ہے اور اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت سبکی کی بات ہے۔ اپنے وقار کی بحالی کے لیے ہم ضروری

سمجھتے ہیں کہ اب اپنے سارے وسائل استعمال کریں اور اسے زندہ یا مردہ پکڑ لیں۔"

"اپنے وسائل کے بارے میں تم جانتے ہو۔ ہمیں ہمارا رول بتاؤ" کرنل شعبان نے کہا "شاید ہم کچھ کر سکیں۔"

"ہمیں ڈینی کی واضح تصاویر، فنگر پرنٹس اور اس کی آواز کا ٹیپ درکار ہے" جان نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

کرنل شعبان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "اس تک رسائی ہو جائے تو اس بکھیڑے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پکڑ ہی نہ لیا جائے۔"

"یہ بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر اسے پکڑنے والی بات ہے" شاہد رانا نے کہا۔

"وہ یہاں کا شہری ہے۔ کسی نہ کسی سرکاری ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے" جان نے اصرار کیا۔

"ڈینی کے مقابلے میں اس کی ان نشانیوں کی کیا افادیت ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"ساری کوششیں اسے زیر کرنے کے لیے ہیں۔ زمین سے تقریباً چار سو کلومیٹر کی بلندی پر ہمارے کئی سیٹلائٹ گردش کر رہے ہیں۔ ہر سیٹلائٹ نوے منٹ میں ایک مرتبہ پاکستان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ ڈینی کی تصویریں اس نظام میں ڈال دی جائیں تو چند روز میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ... اب سمجھ میں آیا کہ تم کیا چاہ رہے ہو؟" کرنل غفور کے منہ سے نکلا "بدقسمتی سے ہماری کسی ایجنسی کے پاس ڈینی کا کوئی مصدقہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وہ ایک سائے کی طرح بے آواز نمودار ہوتا ہے اور اپنی کارروائی کر کے چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کا کوئی ریکارڈ ضرور دفن ہو گا لیکن ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ وہ ریکارڈ کس نام سے ہو گا۔ اس کا اصل نام تنویر علی بتایا جاتا ہے۔ اسے ڈینی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ پتا نہیں اس نے کس نام سے بھارت کا سفر کیا ہو گا۔"

"تم لوگ مظہر خان کو بھی ضرور دیکھو" جان کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہو گئی "میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ معلومات سی آئی اے کی تحویل میں رہیں گی۔ را یا کسی اور بھارتی ایجنسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔"

اس بارے میں کچھ کرنا یا نہ کرنا ان لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا۔ انہوں نے وہ موضوع ختم کرنے کے لیے سر ہلا دیے۔ جان شاید ان کی آمادگی کا ہی منتظر تھا۔ اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے کمپیوٹر پر چھپے ہوئے ایک کاغذ کی نقول نکال کر ساتوں کو تقسیم کر دیں۔

اس کاغذ پر مظہر خان اور غزالہ کے پاسپورٹوں کے کوائف لکھے ہوئے تھے۔

"یہ غزالہ کون ہے؟" جلال نے کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

"را والوں کا کہنا ہے کہ وہ مظہر کی گرل فرینڈ تھی مگر ہم اس لڑکی کو اس کے نام کی وجہ سے اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ ڈینی کی بیوی کا نام بھی غزالہ ہے۔ ایک موہوم سا امکان ہے کہ ڈینی نے مظہر خان کا نام اختیار کر کے را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہو اور وہ آلو کے پٹھے، دال خور ابھی تک اس لڑکی اور ڈینی کی بیوی کے نام کی مماثلت سے غافل ہیں۔"

پیشہ ورانہ لگن اور تجربہ یکجا ہو جائے تو بڑی سے بڑی گتھی پلک جھپکتے میں سلجھ جاتی ہے۔ جان نے ایک لمحے میں اس رمز کو پا لیا تھا جو را والے ہفتہ بھر بلکہ اس کے بعد بھی بھولے ہوئے تھے۔ وہ دوسری سمتوں میں اپنی کارگزاری دکھا رہے تھے لیکن اصل نکتے کو نظر انداز کیے بیٹھے تھے۔

جلال کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس بار امریکیوں کے عزائم خطرناک تھے۔ وہ نئی لگن کے ساتھ میری اور غزالہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ زمین سے خلا تک، اپنے سارے وسائل کو میرے خلاف آزمانے پر تل گئے تھے۔

"تم فکر نہ کرو۔ اب مظہر خان کا نام بھی ہماری لسٹ پر رہے گا۔" کرنل غفور نے جان کو یقین دلایا۔ وہ اس بارے میں مخلص تھا کیونکہ مظہر خان کی اصلیت سے، ان ساتوں کی بھیڑ میں جلال کے سوا کوئی واقف نہیں تھا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بتا دوں۔ را والوں کے شبہات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں" میٹنگ کے مقامی شرکا کو تعاون پر آمادہ پا کر جان نے اپنی بات آگے بڑھائی "مظہر خان کے نام کی طرف متوجہ ہونے کے بعد انہوں نے بہت تیزی سے اپنا کام آگے بڑھایا ہے۔ اس کا اور غزالہ کا پاسپورٹ اسپیشل پولیس کی پڑتال میں دیکھا گیا تھا۔ اس ریکارڈ کے مطابق وہ دونوں پندرہ تاریخ کو اٹاری کی سرحد سے بھارت میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاسپورٹ نمبروں اور ناموں سے تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ اٹاری کے امیگریشن ریکارڈ کے مطابق پندرہ یا اس سے چند روز پہلے اور بعد کی تاریخوں میں اس نام کے پاکستانی وہاں سے نہیں آئے۔ ان کے پاسپورٹوں پر امیگریشن کی مہریں جعلی تھیں۔ پتا نہیں وہ

دونوں کس طرح بھارت میں داخل ہوئے تھے۔"

"اور واپس جانے والے مسافروں کا امیگریشن ریکارڈ کیا کہتا ہے" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"وہ بھی سپاٹ ہے۔ زمینی، فضائی اور سمندری ریکارڈ میں کہیں ان دو ناموں کا اندراج نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک بھارت میں پھنسے ہوئے ہوں" کرنل شعبان نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ سوچنا سراسر خود فریبی کے مترادف ہے۔ اگر ڈینی ہی نے مظہر خان کا روپ دھارا ہوا تھا تو وہ بنگو کی مدد سے سرحد پار کرچکا ہے" جان نے اپنے ان الفاظ سے جلال کی رہی سہی خوش فہمی بھی رفع کردی۔ اس کے اخذ کیے ہوئے نتائج حقیقت سے قریب ترین تھے۔

جلال کا اندازہ تھا کہ جان کو دہلی میں ذرا سا بھی سہارا مل گیا تو وہ وہاں تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد بالکل صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور میری تلاش کی امریکی مہم میں یکایک بے انتہا تیزی پیدا ہوجائے گی۔

"ہم اپنی سرحدوں میں آنکھیں کھلی رکھیں گے۔ تم بھارت میں دیکھ لو۔ ہوسکتا ہے کہ جلد ہی کوئی راہ نکل آئے" آئی جی نے جان کی آمد کے بعد پہلی مرتبہ زبان کھولی کیونکہ ان تمام پس پردہ واقعات کے بارے میں اس کی معلومات سب سے زیادہ ناقص تھیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ماضی میں ہمارے درمیان کافی تلخیاں رہی ہیں" جان نے اپنا بریف کیس سمیٹتے ہوئے کہا "اس میں کمی لانے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی مگر میں اس عزم کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ پاکستان اور پاکستانیوں کے تعاون سے ہم جلد از جلد ڈینی کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کردیں گے۔"

"برابری اور احترام کی فضا میں ہم اپنے کام کو بہتر انداز میں آگے بڑھا سکیں گے" کرنل شعبان نے خوبصورت الفاظ میں اسے پیغام دیا کہ وہ بالادستی اور برتری کا خمار اپنے ذہن سے جھٹک دے تو اسے کسی نہ کسی حد تک قبول کیا جاسکتا تھا۔"

"یہاں میری ٹیم صرف لیری تک محدود ہے۔ تم کو ہم دونوں سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" جان نے مفاہمانہ لہجے میں یقین دلایا۔

"اب تم بھارت کب جارہے ہو؟" کرنل غفور نے گویا اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"جلد از جلد" جان نے اپنی کرسی چھوڑ دی "مجھے کمپیوٹر پر لینگلے سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔ میں چارٹرڈ پرواز سے آیا ہوں۔ جس وقت بھی فرصت مل گئی، دہلی کے لیے نکل جاؤں گا۔ اس میٹنگ کے بعد دہلی میری اگلی منزل ہے۔"

چائے یا کافی کی صرف ایک پیالی پر وہ مذاکرات ختم ہوگئے۔ دوسرے لوازم میز پر دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساتوں افراد، کرنل غفور کی پیشوائی میں کمشنر ہاؤس کے اس آراستہ کمرے سے نکل آئے۔ برآمدے میں پہنچ کر جان اور لیری نے تشکر آمیز کلمات ادا کرتے ہوئے اپنے پانچوں میزبانوں سے پُرتپاک الوداعی مصافحے کیے اور چند سیڑھیاں اتر کر اپنی بڑی سی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ان کو رخصت کرتے ہوئے جلال فیصلہ کرچکا تھا کہ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہیے۔

○☆○

ہم سب کو بہت بے چینی سے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔ اس نے فون پر جو ذو معنی باتیں کی تھیں، ان کی وضاحت وہی کرسکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے اول خان بھی اپنی

دفتری مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے گھر آگیا تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ تجسس تھا کہ شہر میں امریکیوں کے ساتھ ایسا کون سا اجلاس ہو رہا تھا جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کی نمائندگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

جلال اپنی میٹنگ سے فارغ ہو کر سوا چھ بجے ہمارے گھر آپہنچا۔ میں نے خود دروازہ کھول کر اس کا استقبال کیا۔

اس کا چہرہ اترا ہوا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ ہم سب اس کی آمد کے پس منظر سے واقف تھے اس لیے رسمی گفتگو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ ڈرائنگ روم میں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے پوری تفصیل سے اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔ وہ تفصیل اس قدر دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ ہم پانچوں کوئی مداخلت کیے بغیر پورے انہماک سے اس کی کہانی سنتے رہے۔

''وہ ایک دو روز میں دہلی سے لوٹ آئے گا۔ زیادہ دیر تک اسے ٹالنا ممکن نہیں ہوگا'' اجلاس کی تفصیل سنانے کے بعد جلال نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے محکمے کے ڈسپلن کے خلاف نہیں جاسکتے۔ تمہیں اوپر سے کیا ہدایات ملی ہیں؟'' میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

''میرا پورا محکمہ تمہاری کارکردگی کا معترف ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وضاحت میں تمہارے سوال کا جواب پنہاں ہے۔''

''یہ تمہاری بات ہے مگر وہاں اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی پالیسی کیا رہے گی؟'' اول خان نے سوال کیا۔

''ہم آپس میں ایک دوسرے کی محکمہ جاتی پالیسی پر بات نہیں کرتے'' جلال نے سنجیدگی سے جواب دیا ''مگر میں نے ان سے ذاتی گفتگو میں یہ محسوس کیا ہے کہ تمہارے تازہ ترین کارناموں سے باخبر ہوئے بغیر وہ سب تمہارے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں۔ پولیس کے محکمے سے بات پھیل سکتی ہے اس لیے شاید آئی جی کو اعتماد میں نہ لیا گیا ہو مگر دوسرے وقت گزارنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے نہیں بہلے گا۔''

''اسلام آباد کے باخبر حلقوں میں یہ خبر گشت کرنے لگی ہے کہ را کا کچھ اہم ترین ریکارڈ پاکستان کے ہاتھ لگ چکا ہے'' اول خان نے اسے بتایا۔

''میں جانتا ہوں۔ ایسی بڑی خبریں زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہتیں۔ ہمارے جوابی اقدامات سے بہت کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے چند روز میں گرین کوبرا فائل کا نام بھی باہر نکل جائے۔ امریکی ان باتوں سے بے خبر نہیں رہیں گے۔ تم نے بہت اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔''

''سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے کا توڑ سوچنا ہوگا۔ اگر ہم ڈینی سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ را کے پاکستانی ونگ کا مسروقہ ریکارڈ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم نے اس پر کام بھی شروع کردیا'' اول خان بولا۔

''ہر دور میں فری لانس سیکرٹ ایجنٹ پائے جاتے ہیں'' ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''یہ کہا جاسکتا ہے کہ گرین کوبرا فائل ایسے کسی ذریعے سے خریدی گئی ہے۔''

''بھارتی جانتے ہیں کہ وہ فائل نریش کے دفتر میں محفوظ تھی جو آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ وہاں سے وہ فائل ڈینی ہی نکال سکتا تھا...''

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی ''میرا خیال ہے کہ ہم اس مسئلے پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔ ویرا کی تجویز بہت معقول ہے۔ اپنے تحفظ کی وجہ سے فری لانسر عام طور پر سامنے نہیں آتے ورنہ وہ مار دیے جائیں۔ مسروقہ ریکارڈ اور معلومات کا سودا بیچ کے آدمی کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دوسری ایجنسیوں کو بھی اس بارے میں بریف کردیا جائے تاکہ امریکیوں کو ہر طرف سے ایک ہی کہانی سننے کو ملے۔''

''اگر تم ویرا کی اس تجویز کی حمایت کررہے ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں'' جلال نے خلوص سے جواب دیا ''اس معاملے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو سارے اثرات تمہاری ذات پر پڑیں گے۔ میرے لیے تمہارے رائے سب سے مقدم ہے۔''

میں نے دیکھا کہ جلال کی شفاف نظروں میں ویرا کے لیے کوئی جھکاؤ نہیں تھا۔ وہ بہت اعتماد اور بے باکی سے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کررہا تھا۔ اپنی ذات میں جلال کی عامیانہ دلچسپی کے بارے میں ویرا نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع یا پھر مخمور دماغی کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے وقار یا منصب کے منافی کوئی حرکت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''یہ طے کرلو۔ دوسری طرف جان کو دہلی میں راہ سے ہٹانے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''نہیں ... میرے آدمی ایسے کسی کام میں ملوث نہیں

ہوسکتے" جلال نے میرے اندازے کے مطابق انکار کردیا "عبداللہ ویسے ہی بھارتیوں کے عتاب میں آیا ہوا ہے۔ پرویز اور عابد اس کے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان ہیں۔ اس پر بہیمانہ تشدد ہو رہا ہے۔"

عبداللہ کے بارے میں وہ خبر سن کر میرا دل بھاری ہوگیا۔ بھارت کی سرزمین پر وہ تینوں بہرحال اجنبی تھے۔ انہوں نے وہاں قیام کے دوران میں اپنے جو رابطے استوار کیے تھے وہ زیادہ پرانے نہیں تھے۔ جب تک حالات ٹھیک چل رہے تھے، ان کے بہروپ برقرار تھے لیکن قانون کے شکنجے میں آنے کے بعد جب عبداللہ کے ماضی کو کھنگالا گیا ہوگا تو وہ یہ بتانے سے قاصر رہا ہوگا کہ بھارت میں تین برس سے پہلے اس کا کیا ماضی تھا اور وہ کہاں سے آیا تھا۔

وہ دہلی میں موجود آئی بی کے ہر ایجنٹ کی زندگی کا سب سے کمزور گوشہ تھا۔ ایک بار بارہ برس کی چکی کا ایندھن بننے کے بعد ایسے ٹیڑھے سوالوں سے نجات ناممکن تھی۔

"بھارتی ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسے جاسکیں گے" اول خان نے جلال کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اپنے ملک میں جان اسمتھ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد بھارتی مزید حماقت نہیں کریں گے۔ وہ دوسرے جان اور لیری کے لیے حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست کریں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ جان کو میں خود دیکھوں گا۔

"اسے تمہارے بارے میں مطلوب کوائف تو نہیں دیے جاسکتے لیکن کچھ دنوں تک بہلائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔ وہ بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان معمولی باتوں سے ہی کوئی بڑا فائدہ اٹھالے۔ جب تک وہ یہاں رہتا ہے، تم کو بہت محتاط بلکہ زیر زمین رہنا چاہیے۔"

"اگر یہ تمہاری ہدایت ہے تو میں اسے مان لوں گا۔ مشورہ ہے تو میں شکریے کے ساتھ یہ بتانا چاہوں گا کہ میں وقت اور حالات کے تحت اپنے فیصلے کروں گا اور تم کو جوابی مشورہ دوں گا کہ اس دوران میں تم مجھ سے دور رہو۔ میں بھی تمہاری آئی بی سے الگ تھلگ رہوں گا۔"

"تم نے را سے جو کاغذات اڑائے تھے۔ ان کے سرسری مطالعے سے پہلی یہ بات سامنے آئی ہے کہ پڑوسی ملکوں کی سیاسی قیادت کو زیر کرنے کے لیے را تیزی کے ساتھ اس علاقے میں سی آئی اے کے ساتھ تعاون بڑھائے گی اور دو طرفہ مفادات کے اہداف کی نشاندہی کرے گی جس میں

گزارش

ایک اسکاٹ نے مرتے وقت اپنے عزیز ترین دوست سے کہا "اسکاچ کی وہ بوتل جو میں نے پچاس برس سے بچاکر... اور چھپاکر رکھی ہوئی ہے.... میں چاہتا ہوں.... میرے مرنے کے بعد وہ تم میری قبر پر چھڑک کر خالی کردو..."

"میں تمہاری وصیت پر ضرور عمل کروں گا...."

دوسرے اسکاٹ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس اسکاچ کو چھڑکنے سے پہلے اپنے گردوں کی چھلنی سے گزار لوں؟"

سخت گیر سیاسی لیڈروں کا قتل بھی شامل ہے۔"

میں گرین کو برا فائل اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے کاغذوں کو بھولا ہوا تھا۔ جلال نے ان کا ذکر چھیڑا تو مجھے نیپال یاد آگیا "ان کاغذوں میں نیپال کے بارے میں بھی کافی مواد تھا۔ وہاں را کیا کرنا چاہ رہی ہے؟"

"وہ ایک افسوسناک باب ہے۔ نیپال میں بی بکرم شاہ بریندرا کی مضبوط حکومت کو را والے انتہائی غیر دوستانہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کھٹمنڈو کے شاہی محل میں خونی انقلاب لانے کے لیے محل کی حفاظتی فوج میں اپنے کافی آدمی شامل کردیے ہیں۔ وہاں سے کسی بھی وقت کوئی بری خبر آسکتی ہے۔ سب سے پہلے شاہ کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔"

"طاقت اور سازشوں کے بل پر کسی پڑوسی ملک کی حکومت کو اس طرح گرانا کیا بربریت نہیں ہے؟" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوال کیا۔

"بربریت اور کھلی جارحیت ہے" ویرا نے اس کی تائید کی "امریکی ایجنسیاں اس سازش سے بے خبر نہیں ہوں گی مگر انہوں نے زبان اور آنکھیں بند کرلی ہیں۔"

"یہ سب اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ ہم نے اپنا پیغام شاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ شاہ کو جان کا خوف دلا کر بھارت کے ہمدردوں نے اپنے ایسے مضبوط حصار میں لے لیا ہے کہ ہمارا پیغام درمیان میں روک لیا گیا۔ شاہ کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کے گرد منڈلاتے

ہوئے لوگ کیا گل کھلا رہے ہیں۔"

"ایسے نازک وقت پر کوئی ایلچی ہی وہ حصار توڑ کر شاہ کو ہوشیار کر سکتا ہے" اول خان بولا۔

"یہ کوشش جاری ہے مگر ڈر ہے کہ مفاد پرست ٹولہ ایسی درخواست بالا ہی بالا رد کر دے گا" جلال نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"عجیب بے بسی ہے" میں نے مایوسی سے کہا "سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"وہ دور کی بات ہے۔ تم اپنا معاملہ دیکھ لو۔ بھارتیوں نے امریکیوں کے ساتھ مل کر تم کو ایسا بھیانک مجرم بنا دیا ہے کہ ہم تمہاری حمایت میں زبان نہیں کھول سکتے ورنہ وہ ہم پر عالمی دہشت گردی کی پشت پناہی کا الزام عائد کر دیں گے۔"

"بھارت اتنی بڑی طاقت نہیں ہے۔ امریکا اسے اپنے مذموم عزائم کے لیے پال پوس رہا ہے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "وہ اس کی ہر جائز اور ناجائز روش پر مکمل چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں مایوسانہ سوچ کی چغلی کھا رہی ہیں" میں نے ویرا سے کہا "اگر ہم ان حالات کو من وعن تسلیم کر لیں تو پھر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اپنے ملک کو حالات کے بے رحم اور ناموافق دھارے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تاکہ جو کچھ اگلے دس برسوں میں ہونا ہے' وہ پانچ سالوں میں ہو جائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ویرا نے جلدی سے کہا "کوششیں ہر حال میں جاری رہنی چاہئیں مگر حالات امید افزا نہیں ہیں۔"

"ابھی تک تم صرف ناموں پر غور کر رہی ہو۔ تم نے ان کی اہمیت کے بارے میں نہیں سوچا" میں نے طنز سے کہا "را والے اپنے پالیسی ساز سے محروم ہو چکے ہیں۔ انل بسواس را میں منصوبہ سازی کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جان اسمتھ سی آئی اے کا منصوبہ ساز دماغ تھا۔ وہ جنوبی ایشیا کے لیے اپنے ایک مہلک منصوبے کے ساتھ کراچی میں وارد ہوا تھا اور دہلی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اپنے دو اعلیٰ دماغوں سے محروم ہونے کے بعد را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ کم از کم دس پندرہ سال پیچھے چلا گیا ہے۔"

"تم صحیح کہہ رہے ہو۔" جلال نے جھٹ میری بات کی تائید کی "پاکستان کے ہر ہوش مند خیر خواہ کو ان دونوں کے عبرت ناک انجام سے خوشی ہوئی ہو گی۔"

"جلال نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ جان الیش کوف نے اپنے مرنے والے ساتھی کو بہت بڑا امریکی قرار دیا تھا" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ہر مرنے والے کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہی جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ جلال کی طرف متوجہ ہو گئی "ابھی تم جان الیش کوف کی بھی بہت زیادہ تعریفیں کر رہے تھے اور اس کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے تھے۔"

"وہ چالاک اور مکار پیشہ ور آدمی ہے۔ میں نے اس کی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تفتیش کے فن کو بہت مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ سی آئی اے کی من مانیوں کے خلاف بغض و عداوت رکھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی کھل کر اس سے اختلاف نہیں کر سکا تھا۔"

"اس میں صلاحیتیں ہیں۔ اگر اسے اپنی کارکردگی کے جوہر دکھانے کا موقع ملے تو وہ شاید اپنے پیش رو کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔" ویرا بولی۔

"دنیا میں بڑے بڑے نامور لوگ مر گئے لیکن کاروبار زندگی کبھی نہیں رکا۔" اول خان نے کہا "بلکہ دنیا دن بدن ترقی ہی کر رہی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کے ناگہانی مارے جانے سے اس کے کام کو دھچکا لگتا ہے۔ سی آئی اے ایک مدت تک جان اسمتھ کا نقصان نہیں بھلا سکے گی۔ اس نے اپنے مہرے سجائے ہوئے تھے۔ یہ بات صرف اس کے ذہن میں محفوظ تھی کہ اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے کس مہرے سے کیا کام لینا ہے۔ شاید نئے آنے والے کو جان کی چھوڑی ہوئی فائلوں سے یہ پتا چل جائے کہ اب اسے کن خطوط پر کام کرنا ہے لیکن ہر کام کے لیے موزوں آدمیوں کے انتخاب میں اسے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہو گا۔"

"یہ بات قابلِ فہم ہے۔ ہر مرنے والے کی اپنی کوئی نہ کوئی افادیت ہوتی ہے۔" ویرا نے تسلیم کیا۔

"میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ را میں انل بسواس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "اس شخص کی ذات سے پاکستان کو بہت سنگین خطرات لاحق تھے۔"

"ہم نے ان دونوں سے چھٹکارا ضرور حاصل کر لیا لیکن اب حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے اپنے خول میں محصور ہونے اور سمٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کیا اس طرح ان

ائدوں کے اثرات کم نہیں ہو جاتے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت بحث برائے بحث کر رہی ہو ورنہ یہ بات تمہیں بھی معلوم ہوگی کہ بڑی کامیابیوں کے ند تعطل کے ایسے وقفے ضرور آتے ہیں۔" جلال بولا۔

ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی "میں واقعی تم ہ گوں کو ٹٹول رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ بھارت کی سر زمین پر حاصل ہونے والی کامیابیاں بے مثال تھیں۔ کسی کی لوئی بھی کوشش ان کامیابیوں کی اہمیت کم نہیں کر سکتی۔"

"یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ اب کیا کیا جائے۔" ملطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"یہ تینوں بھارت میں بہت محنت کر کے آئے ہیں۔ وسری طرف جان نئے عزم کے ساتھ میدان میں اتر چکا ہے۔ میرا یہ مشورہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ تم لوگوں کو اپنی سرگرمیاں معطل کر کے کچھ دنوں کے لیے زیر زمین چلا جانا چاہیے تاکہ کچھ آرام کر سکو۔" جلال نے اپنی بات دہرائی۔

میں نے جلال کے مشورے کے اعادہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اپنے ذہن میں نئی راہِ عمل مرتب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جلال کو کراچی میں کچھ اور کام در پیش تھے سب سے پہلے اسے اپنے چیف کو اجلاس کے بارے میں بریف کرنا تھا۔ صولی طور پر اسے وہ کام اجلاس ختم ہوتے ہی اور پہلی زصت میں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ہماری کہانی میں ایک نئے اور طاقت ور حریف کی شمولیت پر ایسے ہیجان کا شکار ہوا کہ سب کچھ بھول بھال کر ہماری طرف دوڑا چلا آیا۔ اس کی کراچی آمد ہنگامی طور پر ہوئی تھی کیونکہ اس کا پہلے سے کوئی روگرام طے نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کراچی آ ہی گیا ہے ز لگے ہاتھوں صدف مینشن کے بعض معاملات بھی نمٹا لے۔ ن مصروفیات کے پیشِ نظر اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ہم سب کے مشترکہ اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور عجلت میں ہم سے رخصت ہو گیا۔

"جلال نے ہمیں کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے منہ لٹکا کر کہا "نئے جان کی آمد کی خبر نے دہلی میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا خمار کرکرا کر دیا ہے۔ پتا نہیں اب آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے۔"

"دن چڑھیں گے تو سب خود بخود سامنے آ جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تم پاکستان لوٹ آئی ہو۔ تمہیں پنی آزادی کا مزہ کرکرا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی

بری عادتوں کے مطابق عیش کرو اور بے فکر رہو۔ جو ہو گا، اسے دیکھنے والے بہت ہیں۔"

ویرا نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی "سورج ڈوب رہا ہے۔ دل میں امنگیں جوان ہو رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم مولوی ہو چکے ہو۔ میں تمہیں پینے پلانے پر اصرار نہیں کروں گی لیکن میرے ساتھ تو بیٹھو گے نا۔"

میں مے نوشی میں جہانگیر جیسے گدھے کے ساتھ بھی بیٹھ جاتا تھا اور محض سگریٹیں پھونک کر اس کے جناتی گلاسوں کی تعداد گنتا رہتا تھا۔ ذہنی طور پر ویرا اس سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے وعدہ کرلیا کہ اول خان سے مذاکرات سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا۔

سورج کے ڈوبنے اور امنگوں کے جاگنے کے بارے میں ویرا نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ماضی میں جب میں بھی بلا کا مے نوش ہوا کرتا تھا۔ مجھے بارہا یہ تجربہ ہوا تھا کہ کھلی فضاؤں میں اندھیرے کی چادر محیط ہوتے ہی شراب کی طلب بیدار ہونے لگتی تھی اور جب تک اعصاب کی تپش کو کندنی سیال کی ٹھنڈک فراہم نہ کی جائے، یہ طلب لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

ویرا ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس نہیں آئی بلکہ اپنے ڈرائنگ روم میں جا گھسی جسے اس نے اپنے ستھرے ذوق کے مطابق سجایا ہوا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دوسرا گوشہ سنبھال لیا۔

سلطان شاہ کافی دنوں تک تنہا رہا تھا۔ اول خان اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے اسے خاطرخواہ وقت نہیں دے پاتا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج میں چڑچڑے پن کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی عود کر آئی تھی۔ اپنی اسی رو کے تحت وہ بھڑک کر اس نابکار بھارتی ایجنٹ کی لاحاصل تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا جس نے راوالوں کے لیے کراچی میں مظہر خان کے کوائف کی تصدیق کی تھی۔

لاہور میں جلال کے مہمان خانے میں رات بھر کے قیام کے دوران سلطان شاہ اپنی خواب گاہ میں اکیلا محصور رہا تھا اس لیے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا کوئی کھلا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے کراچی پہنچنے کے بعد کچھ ابتدائی وقت اول خان کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد جلال کا فون ہمارے اعصاب پر سوار رہا۔ ہم لوگ جلال کی آمد کے انتظار میں مسلسل اس کی دی ہوئی اطلاعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ کو پہلی بار فرصت میسر آئی تھی اور وہ دل کھول کر اس سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ وہ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ جب اس نے مجھے اول خان کے ساتھ گفتگو میں منہمک پایا تو خاموشی کے ساتھ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے کھسک گیا۔

"جان اسمتھ امریکی سی آئی اے میں بہت اہم پوزیشن کا حامل تھا۔ اس کے قتل کے ردِعمل میں امریکیوں کی غیر معمولی سرگرمی میرے لیے متوقع تھی۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"مجھے بھی یقین تھا کہ اس کی موت پر وہ خوف زدہ ہو کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ دہلی کے واقعات کے بارے میں اتنی سرعت سے میرا نام ابھر آئے گا۔"

"اس میں ان لوگوں کے کمال سے زیادہ تمہاری بے احتیاطی کا دخل ہے۔" اول خان نے اپنی دوٹوک رائے صادر کردی۔ "میں نے تمہاری کہانی بہت غور سے سنی تھی اور اب جلال کی زبانی بہت کچھ سنا ہے۔ یہ سارا فتور بیم گن کے استعمال سے پھیلا ہے۔ سی آئی اے والے تو پھر بھی ذہین ہوتے ہیں۔ تم نے بتایا تھا کہ بنکو نے تمہیں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر خوف زدہ ہونے کے باوجود، پہچان لیا تھا۔ دہلی اور پھر امرتسر کے مضافات میں پھیلے ہوئے سرحدی جنگل میں بیم گن کے استعمال سے تمہاری گزرگاہوں کی نشان دہی ہوگئی اور بات تیزی سے آگے بڑھ گئی۔"

"دونوں مواقع پر میرے لیے احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کسی متبادل طریقے کے استعمال کے لیے میرے ذرا سے تذبذب کی قیمت صرف اور صرف میری زندگی ہوتی ہے۔ میں بیم گن استعمال نہ کرتا تو حریفوں کے جوابی وار سے میرا بچنا محال ہو جاتا۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"جو کچھ ہو گیا اس پر کفِ افسوس ملنا بے کار ہے۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر ملنے کے بعد مجھے دلی خوشی ہوئی تھی کہ روئے زمین سے ایک بہت بھاری فتنے کا صفایا ہو گیا اور اب اس بارے میں کبھی پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی جاسکے گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔"

"یہ سب مقدرات کی باتیں ہیں جو اٹل ہوتی ہیں۔ انہیں بدلنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ یہ واقعی ہماری

بدقسمتی ہے کہ بھارت کی سرزمین پر کھیلی جانے والی خون کی ہولی کا داغ بھارتیوں کی پیشانی کو آلودہ کرنے کے بجائے ہمارے دامن کو داغ دار کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"نیا جان اپنی پوری تھیوری تحریری شکل میں لے کر آیا ہے!" اول خان کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"یہ جان کا کمال نہیں ہے۔ جلال بتا چکا ہے کہ وہ رپورٹ فیئر فیکس کے علاقے میں بیٹھے ہوئے امریکی عہدے داروں نے سنی سنائی باتوں کی مدد سے مرتب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی ان کی کوشش قابل تعریف ہے۔ جائے واردات سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اتنی صحیح رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔"

"ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ اس کامیابی میں امریکیوں کی صلاحیتوں سے زیادہ میری بے احتیاطی کا دخل ہے۔"

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا "سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سنی ہوئی ہر بات یاد رکھتے ہو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"جان کی تحقیقات کو روکنا ضروری ہوگیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس کی کامیابی سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

"اس کے کام میں روڑے اٹکانا آسان ہے مگر بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ پاکستان میں اب کسی امریکی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اسی فیصلے کی وجہ سے ہم جان اسمتھ سے دور رہے تھے۔ اس کی موت اگر اسے دھکیل کر دہلی نہ لے جاتی تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"جان الیش کوف بھی دہلی جارہا ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم وہاں سے واپس آچکے ہیں اور آئی بی کے ایجنٹ کسی قیمت پر اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"رینا اجیت رائے دہلی میں تمہاری سب سے بڑی ہمدرد اور دوست تھی۔ کیا تم اس سے کوئی کام نہیں لے سکتے؟"

"وہ بے خبری میں میری آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے میرے اوپر شبہ بھی ہوجاتا تو وہ ہرگز میرے قریب نہ آتی اور اب تک تو وہ بے چاری بھی عتاب میں آچکی ہوگی۔ وہ دلکش اور جوان ضرور ہے مگر جذباتی لڑکی ہے۔ میرے ایک ذرا سے احسان سے مغلوب ہوکر میری ہمدرد، غم گسار اور رازدار بن گئی تھی۔ را کے باراں دیدہ بھیڑیوں نے اسے بھارت ماتا پر ڈینی کے ظلم وستم کی اندوہناک کہانیاں سنانی شروع کردیں تو وہ رو رو کر سب کچھ اگلتی چلی جائے گی اور پھر اپنی چمڑی ادھڑوا لے گی۔"

"میری خواہش ہے کہ جان کے خلاف کچھ نہ کچھ کیا جائے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور کہا "یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ آج کے اجلاس میں ایس ٹی ایف شریک نہیں تھی اس لیے تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ ہمارے ہاتھ بھی بندھ جائیں ہمیں کچھ نہ کچھ کرگزرنا چاہیے" اس نے میرے تبصرے کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"میرے ذہن میں کچھ کھچڑی سی پک رہی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ میں نے اسے کہیں ملنے کے لیے آمادہ کرلیا اور اس نے اپنی جگہ کسی اور امریکی بندر کو بھیج دیا تو میں دھوکا کھا جاؤں گا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"وہ سی آئی کا بہت پرانا افسر ہے اور ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا ہے۔ وہ افغانستان پر روسیوں کی یلغار کے زمانے میں پاکستان آتا جاتا رہتا تھا اور کافی عرصے پشاور میں مقیم رہا تھا۔" میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ پہلی نظر میں اسے پہچان لوں گا۔"

"شاید اسی لیے میٹنگ میں شریک ہونے والے پاکستانی افسروں سے اس کی بے تکلفانہ جان پہچان تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جلال نے اس کے پاکستان میں پچھلے قیام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کے پاس وقت کم تھا اور سر پر زیادہ مسائل سوار تھے بھول گیا ہوگا۔"

"پشاور میں جان کیا کرتا رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"افغانستان میں درپردہ کئی امریکی ایجنسیاں افغانیوں کی دل کھول کر مدد کررہی تھیں۔ انہیں ہتھیار، گولا بارود اور رسد فراہم کی جارہی تھی۔ باہر سے آنے والے عرب اور دوسرے ایشیائی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی اور پہاڑوں میں موجود قدرتی سرنگوں کے جال کو ایسے ناقابل شکست بنکر وغیرہ میں تبدیل کیا جارہا تھا جہاں محصور ہوکر لمبی مدت تک روسیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ان سرگرمیوں کے لیے سرمایہ درکار تھا۔ سی آئی اے کے فنڈز جان تقسیم کرتا تھا۔"

"پھر تو وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے بڑی حد تک واقف ہوگا" میں نے رائے زنی کی۔

"یقیناً واقف ہے۔ اسی لیے اس کو پاکستان بھیجا گیا ہوگا۔ اجنبی چہروں کے مقابلے میں شناسا افسر زیادہ سہولت سے کام کرلیتے ہیں۔"

"جلال نے یہ بات خاص طور پر بتائی تھی کہ آج کے اجلاس کی فضا شروع سے آخر تک دوستانہ تھی۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"

"ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت جان کہاں ہوسکتا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت امریکی قونصل خانے میں ہو۔ وہاں عام طور پر دیر تک کام ہوتا ہے۔ جلال بھی کہہ رہا تھا کہ اسے کمپیوٹر پر اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کرنا ہے۔ قونصل خانے میں ساری سہولتیں دستیاب ہوں گی..... یہ تو بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال اسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔ سی ایس ڈی کی موجودگی میں 'میں کھل کر اس سے بات کرسکوں گا۔"

"کیا بات کروگے؟" اول خان نے صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"اس کا انحصار اس کے موڈ اور رویے پر ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ فون پر آجائے۔"

"تو پھر قونصل خانے سے ہی ابتدا کرو۔ اس وقت تمہارے تینوں ساتھی بھی یہاں سے ٹلے ہوئے ہیں۔"

"ویرا اب ذرا بے شرم ہوگئی ہے۔ کسی بھی لمحے اپنے گلاس سمیت ناگہانی ٹپک پڑے گی۔ وہ غلط وقت پر آگئی تو اس کی مداخلت سے سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"اسے دیکھ لو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے شغل میں مگن ہو" اول خان نے مسکراتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

میں ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ دونوں جوش و خروش سے باتوں میں مصروف تھے۔

"آؤ! تم بھی آجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اور اول خان کے رازونیاز ختم ہوگئے ہیں" دروازے پر میری جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ دھیمی آواز میں چہکا تاکہ اس کی آواز اول خان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے "اس وقت غزالہ مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بتا رہی ہے، تم نے بہت سنگ دلی

سے اس بے چاری کا دل توڑا ہے۔"

"تم غزالہ سے دبلی کی حکایتیں سنتے رہو۔ ابھی میں مصروف ہوں اور مزید کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں" میں نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا۔

"باتوں میں مزہ آ رہا ہے۔ جب تک خود نہیں بلاؤ گے، ہم دونوں میں سے کوئی تمہاری اور اول خان کی خلوت میں مخل نہیں ہو گا۔"

'وری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تم دونوں ہی سعادت مند بچے ہو۔"

انہیں نمٹا کر میں ویرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اندر پھیلی ہوئی مشرقی موسیقی کا دھیما دھیما آہنگ باہر راہ داری میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس میں یہ خاص خوبی تھی کہ وہ مے نوشی کا شغل شروع کرنے سے پہلے اپنے دروازے کا پٹ بند کر لیتی تھی۔

میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد بند دروازے پر دستک دی، ویرا نے یہ جانے بغیر کہ دروازے پر کون ہے 'اندر آ جاؤ' کی ہانک لگا دی۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ نہیں تھا۔ ذرا سے دباؤ سے اندر کھلتا چلا گیا۔

ویرا خاصے بے حجابانہ بلکہ اشتعال انگیز لباس میں اپنی مسہری پر اسکاچ کا گلاس لیے نیم دراز تھی اور دھیمی آواز میں کیسٹ پلیئر چل رہا تھا۔ اپنے دروازے پر مجھے دیکھ کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا اور گلاس میری طرف بلند کر کے بولی "آج میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم اپنے وعدے کا پاس کرو گے اور اپنا کچھ وقت میرے ساتھ ضرور گزارو گے۔ دیکھو، آج میں نے تمہارے لیے خاص طور پر یہ شان دار کپڑے پہنے ہیں..."

"میں تم سے کچھ دیر کی اجازت لینے آیا تھا" میں نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں مزید دس پندرہ منٹ کے لیے اول خان کے ساتھ مصروف ہوں۔ اس سے نمٹ کر تمہارے پاس آؤں گا۔"

"میں انتظار کر لوں گی" اس نے خوشی سے میری معذرت قبول کر لی "تم اطمینان سے اس سے بات ختم کر لو۔"

"ان کپڑوں میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکل آنا" میں نے بالواسطہ طور پر اس کی طرف سے عدم مداخلت کی یقینی دہانی چاہی "تماشا بن جاؤ گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ پاکستان میں اتنی مدت گزار کر اب مجھے بھی اپنے بدن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں اور کسی لڑکی کو غیر ضروری طور پر اپنے بدن کی نمائش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ امریکا اور مغرب کا گندا دستور ہے کہ وہاں مرد مستور رہتے ہیں اور عورتیں کھلی پھرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی دانش ور بھی ہو جاتی ہو۔ بس میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں" میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور دروازہ بند کر کے واپس ڈرائنگ روم کی طرف ہو لیا۔

ڈرائنگ روم میں اول خان کے سامنے کراچی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد رکھی ہوئی تھی۔ اس نے ڈائریکٹری سے امریکی قونصل خانے کے فون نمبر نوٹ کر لیے تھے۔

میں نے گھر پہنچنے کے بعد سی ایل ڈی کو پہلی فرصت میں فون لائن سے جوڑ دیا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سنبھالا اور ایک براہ راست نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔ دفتری اوقات ختم ہو جانے کی وجہ سے اس وقت ٹیلی فون کے سوئچ بورڈ سے جواب ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔

پانچویں گھنٹی بجنے کے بعد دوسری طرف سے جواب دینے کی ریکارڈنگ مشین چل پڑی۔ وہ خالص امریکی لب و لہجے میں ریکارڈ کیا ہوا ایک نسوانی معذرتی پیغام تھا جس کے آخر میں مخاطب سے اپنا نام اور پتا چھوڑنے کی درخواست کی گئی تھی۔ میں نے پورا پیغام سن کر فون بند کر دیا۔

دوسرے نمبر سے فوری طور پر جواب مل گیا۔ پچھلا نمبر ملاتے ہوئے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ رابطہ قائم ہو جانے پر عربی لب و لہجے میں انگریزی بولوں گا۔ مقامی آواز کو شاید زیادہ اہمیت نہ دی جاتی، امریکی یا کسی یورپی لہجے کی نقل میرے لیے دشوار ہوتی کیونکہ میرا گفتگو کو طول دینے کا ارادہ تھا۔

"میں عبدالماجد الحسینی بول رہا ہوں۔ مجھے مسٹر جان ایشکوف سے بات کرنی ہے" میں نے روانی سے کہا۔

"یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر کا وقت ختم ہو چکا ہے" خشک امریکی لہجے میں جواب دیا گیا۔

اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جان کو نہیں جانتا یا وہ دفتر میں نہیں ہے۔ میں نے اصرار کیا "بات بہت ضروری ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمہیں زحمت دی۔ ہو سکے تو اس سے میری بات کرا دو۔"

"میں نے دو باتیں بتائی ہیں۔ یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر پانچ بجے بند ہو چکا ہے۔ میرا سوا بیشتر لوگ جا چکے ہیں۔"

"پھر جان سے کہاں رابطہ ہو سکے گا؟" میں نے کسی

میابی کی امید میں سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں اس نام کے کسی ملازم سے واقف نہیں ہوں" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کو گھورا، کریڈل دبا کر لائن منقطع کی اور نمبر ری ڈائل کرنے والا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو!" اس مرتبہ وہ بھنائی ہوئی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ جان ایشکوف تمہارے دفتر میں ملازم نہیں ہے" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر خوشامدانہ لہجے میں اپنی بات شروع کر دی "مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ آج شام استنبول سے کراچی پہنچے گا اور میرا نام سن کر مجھ سے بات کرنے پر ضرور آمادہ ہو جائے گا۔"

"تمہیں اس سے کیا کام ہے؟" اس بار میرے مخاطب نے کوئی دوٹوک جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ میں کسی کو نہیں بتا سکتا" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "یہ سمجھ لو کہ جان اسی سلسلے میں یہاں آیا ہے، میں اس کا کام آسان کر سکتا تھا۔"

وہ قونصل خانے کا کوئی باخبر ملازم تھا۔ میرے آخری جملوں میں پنہاں اشارے کو بلا تامل بھانپ گیا کہ میں ڈینی یا ظہر خان کے سلسلے میں کوئی بات جان تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا کیونکہ جان صرف ان دونوں کی تلاش میں کراچی آیا تھا "اپنا فون نمبر لکھوا دو۔ جان چاہے گا تو تم سے رابطہ کر لے گا" اس نے ہدایت دی۔

"میں ایک چھوٹے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہاں صرف کاؤنٹر پر ایک فون ہے۔ جس پر رازداری سے بات نہیں ہو سکتی۔ میں ویسے بھی ایک کوچہ گرد سیلانی ہوں۔ اگر جان نے فون کیا اور میں ہوٹل میں موجود نہ ہوا تو میرا اور اس کا بھاری نقصان ہو جائے گا۔ اس وقت بھی میں ایک پبلک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔"

"سوری! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اب تیسری بار فون کر کے میرا وقت برباد نہ کرنا" اس نے دوبارہ فون بند کر دیا۔

میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس امریکی کا رویہ سراسر سرد مہری اور بے اعتنائی پر مبنی تھا مگر اس نے جو گفتگو کی تھی وہ بے معنی نہیں تھی۔ اگر جان اس وقت قونصل خانے میں موجود ہوتا تو شاید وہ اس سے میری بات کرا دیتا۔ میرے فون نمبر پر اس کے اصرار سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ جان وہاں موجود نہیں تھا۔

ثبوت

فلم کے پریس شو کے بعد ایک نئے اداکار نے پرجوش لہجے میں ایک فلمی نقاد سے پوچھا "آپ نے میری فلم دیکھی؟"

"لگتا تو یہی ہے...." فلمی نقاد نے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ سر میں کافی درد ہو رہا ہے۔"

اول خان کی یہ بات قرین قیاس نہیں تھی کہ جان کو محض فون یا کمپیوٹر کی وجہ سے قونصل خانے میں بیٹھنا پڑا ہوگا۔ وہ سہولتیں اوسط درجے کے بیشتر گھروں میں بھی پائی جاتی تھیں۔ جان کی عارضی قیام گاہ میں ان کا فقدان نہیں ہو سکتا تھا۔

"اب جان کو شہر میں کہاں ڈھونڈا جائے؟" اول خان نے فکرمندی سے کہا "کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے کی بہت سی عمارتیں امریکیوں کے زیر تصرف ہیں۔"

میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ وہ اس وقت دہلی جانے کے ارادے سے عارضی طور پر کراچی آیا تھا لیکن اس نے مشترکہ اجلاس میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ دہلی سے واپسی پر وہ کراچی میں طویل قیام کرے گا تاکہ ڈینی کے فتنے کا سدباب کر سکے۔

ہمارا سابقہ تجربہ اس بات کا گواہ تھا کہ امریکا سے آنے والے افسروں کے لیے نئے مکان حاصل کرنے کے بجائے ان محفوظ گھروں کے استعمال میں تسلسل کو اولیت دی جاتی تھی جو پہلے سے کسی اور امریکی کے استعمال میں رہے ہوں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ مارا گیا تھا تو چند روز بعد جان اسمتھ کو اس کا جانشین بنایا گیا تھا اور وہ اسی فلیٹ میں مقیم تھا جہاں اوبرائن رہتا تھا۔ جان اسمتھ کی موت کے بعد وہ فلیٹ خالی ہو چکا تھا۔ جان ایشکوف اگر اس کی جگہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس کے لیے جان اسمتھ کے سجے سجائے فلیٹ سے بہتر قیام گاہ کا ملنا مشکل تھا۔

"وہاں کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" اول خان نے میرے اس خیال سے واقف ہونے کے بعد کہا "تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔"

اس مکان کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا نام لے کر وہ نمبر ملالیا۔ دوسری گھنٹی بجنے کے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ رابطہ قائم ہوا لیکن لائن فوراً ڈراپ ہو گئی اور میرے کان میں دوبارہ فون کی ڈائل ٹون گونجنے لگی۔

"کسی نے فون اٹھایا تھا لیکن بات ہونے سے پہلے لائن کٹ گئی" میں نے اول خان کی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں بتایا "میں دوبارہ کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ وہ فلیٹ غیر آباد نہیں ہے۔ خدا کرے جان ہی وہاں موجود ہو" اول خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

میرے دوسرے تجربے کا انجام بھی مختلف نہیں تھا۔ لائن ملی اور فوری طور پر کٹ گئی۔ اس بار میں چوکنا تھا۔ میں نے اپنے بیڈ روم میں واضح طور پر سی ایل ڈی کے بزر کی آواز سنی تھی۔ اس وقت میں ایک مشکل سے گزر رہا تھا اس لیے میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور اپنے کان سے لگائے ڈائل ٹون سنتا رہا پھر بات سمجھ میں آگئی۔

میرے ریسیور پر ڈائل ٹون لوٹنے کا مطلب تھا کہ جان کی طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ سلسلہ ملتے ہی سی ایل ڈی اپنا کام دکھا رہی تھی۔ اس کے فعال ہونے کا راز مجھے جلال کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کا ذکر کیا تھا جس پر ویرا کی دھمکی آمیز کالز ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ شاید ویرا کے پہلے فون کے بعد جان نے وہ بندوبست کیا تھا کہ ریسیور اٹھاتے ہی ٹیپ ریکارڈر بھی چل پڑے اور دونوں طرف کی آوازیں مقناطیسی فیتے پر محفوظ ہو جائیں۔ اس صورت میں ایک نمبر پر بیک وقت دو کنکشن مل جاتے تھے۔ ریسیور اور ٹیپ ریکارڈر کے ایک ساتھ فعال ہونے پر سی ایل ڈی خطرے کی گھنٹی بجا کر لائن کاٹ رہی تھی۔

مجھے تیسری بار ریسیور اٹھاتے دیکھ کر اول خان بولا "بار بار وقت کیوں خراب کر رہے ہو؟ یہ دو مرتبہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے؟"

اول خان میرا قابل اعتماد شریک کار تھا۔ ہر کارروائی کے بارے میں اس کا اطمینان بھی ضروری تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہنی تجزیے میں شریک کرلیا۔

"بعض اوقات تمہاری ذہانت کمال کرتی ہے۔ یہ باریک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا" اس نے کہا۔

"بس مجھے یہ یاد آگیا کہ اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے جڑے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا ذکر آیا تھا ورنہ میں بھی الجھا رہتا کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے؟"

"بات واضح ہو گئی ہے تو اب نمبر ملانے سے پہلے سی ایل ڈی آف کر دو تاکہ تیسری مرتبہ لائن ڈراپ نہ ہو" اس نے مشورہ دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنی جگہ چھوڑ دی "مسئلہ حل ہو گیا تھا اس لیے دماغ پھر کند ہو گیا۔"

میں نے اپنے بیڈ روم میں جا کر سی ایل ڈی کو آف کیا اور دوبارہ اول خان کے پاس لوٹ آیا۔

"کال ریکارڈ ہو گی" کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم یہاں کے بجائے باہر کے کسی بوتھ سے بات کرو" اول خان نے سوچ سمجھ کر مشورہ دیا۔

"گفتگو ضرور ریکارڈ ہو گی مگر جان کو ہمارے نمبر کا علم نہیں ہو سکے گا" میں نے کہا کیونکہ ان دنوں سی ایل آئی کی سہولت رائج نہیں ہوئی تھی۔

"امریکی ٹیکنالوجی دنیا سے بہت آگے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس کا بھی کوئی بندوبست کرلیا ہو۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔"

"آؤ! پھر باہر ہی چلتے ہیں" میں نے اس سے بحث کرنے کے بجائے اس کی تجویز مان لی۔ اول خان کی گاڑی گھر سے باہر کھڑی ہوئی۔ ہم اس میں قریبی بازار کی طرف چل دیے۔ پہلا فون بوتھ نظر آتے ہی اول خان نے گاڑی روک دی اور میرے ساتھ نیچے اتر آیا۔

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں گلشن اقبال کے بجائے کسی اور علاقے کا فون بوتھ استعمال کرنا چاہیے" میں نے کہا اور پھر اس کی بے ساختہ ہنسی میں شریک ہو گیا۔

بوتھ میں داخل ہو کر میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جان کا نمبر ملایا۔ پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی عجلت میں ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مردانہ ہائے گونج اٹھی۔ وہ خالص امریکی طرز کی ہیلو تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور اول خان کی مشترکہ جدوجہد رائگاں نہیں گئی تھی۔ ہم اپنے مطلوب آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فونائی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارو تی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ علم نہیں تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سرچوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہوگئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور با آسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوبرو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جھوٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑالیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہوگئی۔ میری ویڈیو ضائع ہوچکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال نے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ریسیور پر امریکی لب و لہجے میں ایک مردانہ آواز سن کر میرے ذہن میں جو ہیجان برپا ہوا تھا۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے برقرار رہا پھر میں الجھ گیا۔ میں جذبات کی روانی میں جان الیشکوف سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا مگر میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ میں اس سے کس حیثیت میں بات کروں گا۔

میں نے قونصل خانے میں جان کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا اور انگریزی بولتے ہوئے عربی لب و لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا کہ میں اپنے کردار کا وہی تسلسل برقرار رکھوں۔ جان جس وقت اپنے دفتر سے رجوع کرتا تو اسے وہاں سے بتایا جاتا کہ کسی عبدالماجد نے اپنا کوئی

فون نمبر چھوڑے بغیر اس سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی تھی پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے اصل نام سے اس سے بات کروں۔ میں اس سے کہہ سکتا تھا کہ میں بھارت سے بول رہا ہوں۔ اپنے اصل نام کو استعمال کرتے ہوئے میں جان سے زیادہ کھل کر بات کر سکتا تھا۔

اپنے دوسرے خیال کو میں نے فوراً مسترد کر دیا۔ اس میں کئی خطرات مضمر تھے۔ ٹکنالوجی کے میدان میں امریکیوں کی ترقی اور مکمل بالادستی کے متعدد ثبوت میری نگاہوں میں آچکے تھے۔ چند ثانیوں قبل اول خان اندیشہ ظاہر کر چکا تھا کہ جان سے بات کرنے کے لیے گھر کا فون استعمال کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس وقت سی ایل آئی کی سہولت دستیاب نہ ہونے کے باوجود یہ شبہ تھا کہ امریکی اپنے جدید آلات کی مدد سے ہر اس نمبر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جہاں سے انہیں فون کیا جائے۔ ایک اور اہم تر نکتہ یہ تھا کہ جہنم واصل ہونے سے قبل اوبرائن ڈی ہنٹ نے میرا سراغ لگانے کے لیے ساؤنڈ یا وائس اسکیننگ کے حساس ترین آلات استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں میں بھٹکنے والی کروڑوں آوازوں میں کسی ایک آواز کو نہایت آسانی سے پکڑ کر یہ بتا سکتے تھے کہ بولنے والا اس وقت کہاں موجود تھا۔ اپنے ان آلات کی کامیابی کے لیے اوبرائن نے میرے بہروپ سے دھوکا کھا کر ہزاروں ننھے ننھے چپس میرے حوالے کر دیے تھے جنہیں شہر کے مختلف علاقوں میں بکھیرنا تھا۔

ریت، مٹی اور کنکروں میں مل جانے کے بعد ان چپس کو الگ سے شناخت کرنا ناممکن تھا۔ وہ جہاں ڈالے جاتے، وہیں پڑے رہتے اور اپنے قرب و جوار کی آوازیں فضا میں نشر کرتے رہتے۔ ان صوتی اشاروں کو وائس اسکیننگ کے آلات پر مانیٹر کیا جاتا جہاں اوبرائن نے بہت چالاکی سے میری آواز محفوظ کی ہوئی تھی۔ جوں ہی اس کے آلات یہ نشان دہی کرتے کہ مطلوبہ آواز والا آدمی شہر کے کسی حصے میں موجود ہے، وہ ایک اشارہ کرتا اور امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا خوفناک کمانڈو اسکواڈ اپنے تمام تر ہتھیاروں سمیت میری طرف دوڑ پڑتا۔

وہ اوبرائن عرف اوبی کا ایک بھیانک منصوبہ تھا۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ سارے چپس میرے ہاتھ آگئے اور میں نے ان حساس مواصلاتی سنگ ریزوں کو تباہ کر دیا۔ اس وار سے بچ نکلنے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں اپنے اصل نام سے ان کے سامنے نہ آؤں ورنہ وہ میری آواز کا مزید ریکارڈ جمع کر لیتے۔

رابطے کی دو ناکام کوششوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ جان ایشکوف کے فون سے ٹیپ ریکارڈر منسلک تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر دوسری لائن پر آتا تھا اور سی ایس ڈی لائن منقطع کر دیتی تھی۔ تیسری بار پبلک بوتھ میں سی ایس ڈی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے رابطہ ہو گیا تھا۔

محض اپنی صوتی شناخت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے میں نے اسی لمحے عبدالماجد الحسینی والے کردار کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد عربی لہجے سے مغلوب انگریزی میں جواب دیا "اور جان ایشکوف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جان کے لیے وہ اجنبی نام شاید بے ضرر تھا۔ اس نے کہا "میں جان بول رہا ہوں۔ جان ایشکوف!"

"میں نے سنا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر استنبول سے کراچی آئے ہو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میرے اس اظہارِ خیال نے اسے چونکا دیا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"جو شخص تمہارے نام اور موجودہ فون نمبر سے واقف ہو سکتا ہے وہ اور کچھ بھی جان سکتا ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں بات ٹال دی "اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری معلومات کہاں تک درست ہیں؟"

"تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" لمحے بھر کی خاموشی کے بعد جان کی متردد آواز ابھری "اب تمہارا تفصیلی تعارف حاصل کیے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میں تمہارا ہمدرد اور دوست ہوں۔" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" اس نے اعتراض جڑ دیا "یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا بھی کچھ فائدہ ہو سکے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سعودی ہو؟" دوسری طرف سے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"سعودی نہیں، میں یمنی ہوں۔" میں نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔

"کس نیٹ ورک کے لیے کام کرتے ہو؟" جان نے اپنی

باقاعدہ جرح کا آغاز کردیا تھا۔
"میں کسی نیٹ ورک کے چکر میں نہیں پڑتا۔ صرف اپنے فائدے کے لیے کام کرتا ہوں۔"
"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم اپنے نام سے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔" جان نے قیاس آرائی کی۔
"تمہارا اندازہ درست ہے۔ الحمداللہ' میں مسلمان ہوں۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔
"غیر ملکیوں کے لیے پاکستان کسی بھی طرح ایک پُرکشش ملک نہیں ہے۔ یہاں غربت ہے۔ سماجی پابندیاں بے شمار ہیں۔ الکحل کا استعمال خلافِ قانون ہے پھر تم یہاں کیا کررہے ہو؟"
"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ یہ اشارہ تم خود بھی دے چکے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔
"میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں ایک بے فکر سیلانی ہوں جسے شراب سے کوئی رغبت نہیں ہے۔"
"میں نہیں مان سکتا۔ پاکستان میں پائے جانے والے بیشتر عرب اور دوسرے غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی مشن سے وابستہ ہیں۔ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"
"ان میں میرا شمار ہوتا تو تم میرے نام سے ضرور واقف ہوتے۔ وہ تمہارے چہیتے اور پالے ہوئے ہیں۔"
دوسری طرف سے جان ایشکوف کی تلخ سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا "تم مسلمان لوگ استنجا کرتے ہو نا۔ اس کے لیے آس پاس سے کوئی بھی کنکر پتھر اٹھاتے ہو اور اسے استعمال کرنے کے بعد بے پروائی سے ایک طرف اچھال دیتے ہو۔ بعد میں بھول کر بھی اسے یاد نہیں کرتے۔ القاعدہ والے ہمارے استنجے کے پتھر تھے۔ افغانستان میں روسیوں کا سر کچلنے کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ القاعدہ کے حریفوں سے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھی۔ ہم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا....."
"تم نے ان کی پشت پر صرف ہاتھ نہیں رکھا' بہ نفسِ نفیس ان کی اوٹ میں موجود تھے۔" میں اس کی بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔
"ہم جس پر مہربان ہوتے ہیں' اس پر اپنی فیاضیوں کے سارے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اسے زمین سے اٹھا کر اپنی سطح پر لے آتے ہیں۔ جب ہم اپنا کوئی مشن پورا کرنے کے لیے نکلتے ہیں تو مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ تم گزری ہوئی باتوں کے طعنے نہ دو۔ کل ہم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پروان چڑھایا تھا اور آج ہم ان کے لہو کے پیاسے ہیں کیونکہ یہ لوگ ہمارے احکام ماننے کے بجائے اپنی من مانیاں کرنے پر تل گئے ہیں۔ جب موقع ملا' ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"
"یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔
"میں کسی کو کچھ نہیں سناتا۔ تم نے القاعدہ کو ہمارا پالا ہوا کہہ کر مجھے مشتعل کیا تھا۔"
"ان کا حوالہ تم نے دیا تھا۔ بات کی ابتدا میں نے نہیں کی تھی۔" میں نے اپنی یعنی عبدالماجد الحسینی کی صفائی پیش کی۔
"پاکستان میں آوارہ گردی کرنے والے بیشتر غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی نیٹ ورک سے منسلک ہیں۔ ایسے کسی مضبوط رابطے کے بغیر تم کو وہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں جو تم جانتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"
"میں صرف اور صرف اپنے لیے کام کرتا ہوں۔ مہینوں سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لیے سرگرداں ہوں۔"
"وہ خبیث ذہنی بھی کسی بہت مضبوط نیٹ ورک کا آدمی ہے۔ ہر بار چھلاوے کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"
"سب کچھ نہ سہی تب بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا "وہ غاروں میں نہیں' کھلی زمین پر رہتا ہے۔"
"اگر تم نے اسے پکڑوا دیا تو دس لاکھ ڈالر تمہارے ہوں گے۔" میری توقع کے عین مطابق وہ مضطرب ہوگیا۔
"اگر کہہ کر تم نے شرط عائد کردی۔" میں نے خشک لہجے میں اعتراض کیا "اسے پکڑنا یا نہ پکڑنا تمہارا کام ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"
"اس وقت سب سے اہم سوال یہی ہے کہ وہ مردود کہاں ہے۔" جان نے روانی میں جواب دیا۔
"مقام کا تعین کرو اور رقم لے آؤ۔ میں بتادوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"امریکی وعدہ خلاف نہیں ہوتے۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہوتے ہی تم کو پوری رقم ادا کردی جائے گی۔"
اس بار میں ہنس پڑا "امریکی شاید سب سے بڑے جھوٹے اور دغا باز ہوتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا تھا کہ آج تم اپنے ہی بنائے ہوئے نیٹ ورک کی اینٹ سے اینٹ بجا

دینے پر تل گئے ہو کیونکہ اشتیجے کے ان ڈھیلوں سے تمہارا کام نکل چکا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم واقعی کسی نیٹ ورک کے آدمی نہیں ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ جان کی آواز آئی "تم نے کبھی کسی مشن پر کام کیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ساری اہمیت مقصد کی ہوتی ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں آنے والا ہر مہرہ بے رحمی سے پٹوا دیا جاتا ہے۔ کمزور مہرے خود ہی پٹتے چلے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں ہمارے مقاصد کی بساط سمٹ رہی ہے۔ ہدف بدل گئے ہیں۔ ایسے میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔ اسے دغابازی نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو میں بھی تم پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ دس لاکھ ڈالر بڑی رقم ہوتی ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھے جعلی نوٹ تھما دو اور میں دھر لیا جاؤں۔ تمہاری دی ہوئی کرنسی کی اصلیت کی تصدیق ہونے کے بعد میں تمہیں اپنی معلومات سے آگاہ کروں گا۔"

"تم بلاوجہ بات بڑھا کر تلخی پیدا کر رہے ہو" یک بیک اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ڈینی تک پہنچنے کے لیے تمہاری کیا کچھ نازبرداریاں کی جا سکتی ہیں۔ مجھ پر نہیں تو میری حکومت پر اعتبار کرو اور بتا دو کہ وہ جہنم کا کندہ کہاں ہے۔"

"وہ تمہارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور تم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو۔" میں نے اپنے تصور میں اس کی مضطربانہ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کن دوستوں کی بات کر رہے ہو۔ ہم پاکستانیوں کو بھی اپنا دوست تصور کرتے ہیں۔"

میں ہنس پڑا "یہ تمہارا ایک اور جھوٹ ہے۔ تمہارے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ تم پاکستان میں پاکستانیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے آئے ہو۔ روانی میں تم نے دوستی کی رٹی رٹائی بات دہرا دی۔ یہ بھول گئے کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔"

"یمن کے آدھے سے زیادہ لوگ ہمارے دوست ہیں۔" دوسری طرف سے ڈھٹائی سے کہا گیا "ایک روز پورے یمن پر ہمارے دوستوں کا راج ہوگا۔"

"میں سیاسی نہیں، معاشی میدان کا آدمی ہوں۔ کسی بدمعاشی کے بغیر اپنی روزی کمانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم گول مول الفاظ میں اپنے خدشات اور تحفظات کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہونے کی صورت میں تمہیں چوبیس گھنٹوں

خبردار

اداکاری کی خواہش مند ایک نئی لڑکی کی ایک ڈائریکٹر سے ملاقات طے ہوئی تو ایک پرانی واقف حال نے اسے خبردار کیا۔ "سوچ سمجھ کر اس کے پاس جانا۔ اس شخصیت کی شہرت بہت خراب ہے۔ سنا ہے اکیلے کمرے میں اگر کوئی لڑکی اس کے پاس پہنچ جائے تو کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے مجھے خبردار کر دیا..." نئی امیدوار نے شکرگزارانہ لہجے میں کہا "میں اب کوئی پرانا اور بے کار سا جوڑا پہن کر جاؤں گی۔"

کے اندر اندر انعام کی پوری رقم تمہاری سہولت کے مطابق مل جائے گی۔"

"تصدیق ہو جانے کے باوجود تم مجھے یہ بری خبر سنا سکتے ہو کہ میری دی ہوئی اطلاع غلط ثابت ہوئی۔"

"شاید میں ایسی بے ایمانی کراؤں۔ میری حکومت ایسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اسے اپنی ساکھ ایک ملین ڈالر سے زیادہ عزیز ہے۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ میں اس وقت امریکی حکومت کے بجائے جان ایشکوف سے مخاطب ہوں۔"

"اس وقت میری حیثیت امریکی حکومت کے بااختیار نمائندے کی ہے..."

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "اور تم اپنی بے ایمانی کے امکان کو خود تسلیم کر چکے ہو۔"

"تم بلاوجہ حجت کر رہے ہو۔" وہ میری جرح سے زچ ہو کر بولا "اب تک تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔"

"میں نے تمہیں بتانے کے ارادے سے ہی فون کیا تھا مگر تم نے اپنی باتوں سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں۔"

"اپنے دل سے ہر بدگمانی جھٹک دو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔"

"فون پر میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "تم مجھ سے مل لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں

مجھے بھروسے کی کچھ پرچھائیاں نظر آجائیں اور میں تمہیں اپنی معلومات میں شریک کرنے پر آمادہ ہوجاؤں۔"

"پاکستان میرے لیے ایک نیا ملک ہے۔ میں یہاں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یوں تم سے نہیں مل سکتا۔"

"پھر مجبوری ہے۔ میں تمہاری شرائط پر کوئی تعاون کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تم کوئی تعاون نہیں کر رہے۔" ریسیور پر اس کی تیز آواز ابھری "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ ہم نے ان معلومات کی بولی لگائی ہوئی ہے اور تم ہمارے مقرر کیے ہوئے داموں پر اپنی معلومات بیچنا چاہتے ہو۔ یہ بالکل کھلا ہوا سودا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ میں یہ سودا اپنے اطمینان کے بعد ہی کروں گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر جان ایشکوف کی بھاری آواز ابھری "ٹھیک ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں اس معاملے میں کسی پیش رفت سے پہلے تم سے ملنے کا خواہاں ہوں۔"

"کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟" جان نے فیصلہ کن لہجے میں سوال کیا۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا "کراچی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہاں آتا جاتا رہا ہوں۔ پشاور میں میرا قیام خاصا طویل رہا ہے۔"

"تم نے اچانک پشاور کا ذکر کیوں نکال لیا؟" وہ موقع فراہم کر رہا تھا تو مجھے گفتگو کو طول دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔

"یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب پاکستان میں کراچی کے سوا کوئی اور بین الاقوامی ہوائی اڈا نہیں تھا۔ پشاور اور دوسرے عالمی شہروں کے درمیان آمدورفت کے لیے مجھے بار بار کراچی میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ میں اس شہر سے خاصی حد تک واقف ہوں۔"

"تم نے بندرگاہ کو شہر سے ملانے والا نیٹی جیٹی کا پل ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر اعتراف کرلیا۔

"تم نے بیچ لگژری ہوٹل کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ کراچی کا بہت پرانا اور اچھا ہوٹل ہے۔"

"یہ نام کانوں کو مانوس معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنا مدعا بتاؤ۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہارے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔" میرے کانوں میں اس کی اضطراری آواز گونجی۔ میرے اطمینان سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"ایک راستہ نیٹی جیٹی کے پل کے اوپر سے گزرتا ہے۔ دوسرا بیچ لگژری ہوٹل کی طرف سے پل کے نیچے آتا ہے۔" میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "اس دوسرے راستے پر سمندری کھاڑی کے کنارے مندر بنا ہوا ہے۔ تم کل رات نو بجے مجھے اس مندر کے آس پاس مل جاؤ۔"

"کل رات کے بجائے تم آج ہی وہاں کیوں نہیں آجاتے۔" اس نے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں اس کے اضطراب کا سبب سمجھ رہا تھا۔ میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بے پروائی سے کہا "آج میں مصروف ہوں۔ یہ ملاقات کل ہی بہتر رہے گی۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کل دن میں مجھے دہلی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میں اپنی روانگی ملتوی نہیں کرسکتا۔ تم آج کے لیے وقت نکالو۔"

کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ جالال کی فراہم کی ہوئی معلومات اور جان کے عذر سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ اس کی دہلی روانگی کا پروگرام طے پاچکا تھا۔ میری تلاش کے سلسلے میں اسے لینگلے میں سی آئی اے کے افسران سے کمپیوٹرائزڈ رابطے کرنے تھے، وہ ہوچکے تھے۔ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے مقاصد حاصل کرلینے کے بعد وہ اپنے چارٹرڈ طیارے سے دہلی روانگی کے لیے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ میری ٹیلی فون کال کے نتیجے میں اسے غیر متوقع طور پر اہم ترین معلومات حاصل ہونے کی امید ہوگئی تھی اس لیے وہ اپنے اگلے پروگرام کو خراب یا متاثر کیے بغیر مجھ سے جلد از جلد ملنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔

"بہت مشکل ہوگا۔" میں نے بلاوجہ معذوری ظاہر کی "آج رات مجھے اپنے مالی وسائل کی بہبود کے لیے کچھ جستجو کرنی ہے۔"

"آج کی مصروفیات سے تمہیں کتنی آمدنی کی امید ہے؟" اس کی آواز میں بلا کا تجسس اُمڈ آیا۔

"ڈیڑھ دو لاکھ روپے تو مل ہی جائیں گے۔" میں نے سوچ سمجھ کر تیر اپنے نشانے پر پھینکا "میں پاکستان میں آوارہ گرد عرب کے طور پر پہچانا جانا پسند نہیں کرتا۔ اپنے گزارے کے لیے آمدنی کے کچھ نہ کچھ ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ تم

سے رابطہ بھی میری ان ہی کوششوں کی ایک کڑی ہے۔"
"اپنی آج کی مصروفیات منسوخ کردو۔" جان نے بے تابی سے کہا "نو بجے مندر کے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں اپنے پاس سے دو لاکھ روپے دے دوں گا۔ یہ رقم تمہارے انعام میں سے نہیں کاٹی جائے گی۔ میرے لیے وقت بہت قیمتی ہے۔"
"مجھے پہلے سے یہ اندازہ ہوگیا ہوتا تو میں ڈیڑھ دو لاکھ کے بجائے دس پندرہ لاکھ کی بات کرتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"تم نے یہ موقع گنوا دیا۔ میں تمہیں دو لاکھ سے ایک روپیا بھی اوپر نہیں دوں گا۔ یہ بھی خاصی بڑی رقم ہے۔"
"قطعی بڑی رقم نہیں ہے۔ اسے ڈالروں میں تبدیل کرو گے تو یہ بہت زیادہ سکڑ جائے گی۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔ آمدنی کے ذرائع کی تلاش میں گھاٹ گھاٹ گھومتا رہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پیچھے میں بھی دہلی چل دوں۔ اس وقت میرے لیے دس لاکھ ڈالر کا حصول سب سے زیادہ ضروری ہے۔"
"میں دہلی میں زیادہ دیر تک نہیں رکوں گا۔ اپنا کام ختم کرتے ہی دوبارہ کراچی لوٹ آؤں گا۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔
"ابھی ہماری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم نے اپنی وعدہ خلافیوں کی داغ بیل ڈال دی۔" میں نے شکایت کی۔
"کیسی وعدہ خلافی؟ تم مجھ پر بلاوجہ الزام تراشی کیوں کر رہے ہو؟" پہلی بار اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔
"تم نے چوبیس گھنٹوں میں رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر ہم آج رات نو بجے مل لیتے ہیں تو یہ مدت کل رات کے نو بجے ختم ہوجائے گی۔ اب تم سنا رہے ہو کہ اس وقت تم دہلی میں بیٹھے ہوئے ہو گے تو میری رقم کون ادا کرے گا؟"
"اس وقت تم جان ایشکوف سے نہیں، امریکی حکومت کے ایک طاقت ور نمائندے سے بات کر رہے ہو۔ میں کراچی سے چلا گیا تب بھی یہاں میرے اختیار اور وعدوں کا تسلسل برقرار رہے گا۔ کوئی دوسرا آدمی میرے وعدے پورے کرے گا۔"
"میں اس تک کیسے رسائی حاصل کروں گا؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"تم آج آنے پر اپنی آمادگی ظاہر کرو تو سب کچھ ہوجائے گا۔"
میں یوں خاموش ہوگیا جیسے تذبذب کا شکار ہوگیا ہوں پھر میں نے نیم دلی سے کہا "ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں گا۔"
"گڈ!" جان کی آواز سے فتح کی مسرت جھلک رہی تھی "سب کچھ طے ہوگیا ہے تو اتنا اشارہ تو دے دو کہ وہ کس شہر میں ہوگا۔"
میں پانچوں سروسز کے نمائندوں کے ساتھ جان ایشکوف کی ملاقات کا تفصیلی احوال، جلال کی زبانی سن چکا تھا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ لینگلے نامی امریکی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ ڈینی دہلی میں را اور سی آئی اے کے کلیدی عہدے داروں کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد امرتسر کے زمینی راستے سے بنگلو کے ذریعے پاکستان پہنچ چکا تھا۔ ان کی قائم کی ہوئی یہ رائے اس قدر ٹھوس اور مستحکم تھی کہ انہیں کسی بھی طرح بہکانا یا بھٹکانا ممکن نہیں رہا تھا پھر بھی میں نے جان کے چٹکی لینے کا فیصلہ کرلیا۔
"اگر اس وقت میں یہ کہوں کہ وہ دہلی میں تمہارے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے تو...."
"اوہ نو!" اس کی غراتی ہوئی آواز نے میری بات کاٹ دی "اگر تمہاری معلومات کا یہ حال ہے تو میں نے بلاوجہ تم پر اپنا قیمتی وقت برباد کیا۔"
"یہ بات اتنی ناممکن نہیں ہے۔ تم اسے اتنی سختی سے کیوں مسترد کر رہے ہو.... ویسے یہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے کہا۔
"مذاق بھی کچھ قرین قیاس ہونا چاہیے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرا ہے وہاں اس نے اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑے ہیں۔ اس حرام زادے کا خیال ہے کہ اس طرح وہ ہمیں اور بھارتیوں کو دہشت زدہ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ یہ اس کی بھول ہے۔ وہ دہلی میں تھا اور پھر امرتسر سے پاکستانی علاقے میں نکل گیا۔ ہمارے پاس اس بارے میں ناقابلِ تردید واقعاتی شہادتیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔" جان ایشکوف کا نرم لہجہ یک بیک تلخ ہوگیا تھا۔
"میں اس کی کمین گاہ کے بارے میں قبل از وقت زبان کھول کر اپنے ہاتھ نہیں کٹوا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر، اس کی دی ہوئی گالی کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بھارت سے پاکستان آچکا ہے اور میں تم سے اپنے اسی علم کی قیمت وصول کرنا چاہتا ہوں۔"
"تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ ہمارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کی تلاش

میں بھٹک رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی دوستوں سے مراد بھارت والے تھے!" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کہی ہوئی بات یاد آنے پر وہ چونک پڑا تھا۔
"ظاہری طور پر تم ہر ایک کو اپنا دوست قرار دیتے ہو لیکن اپنی پالیسی کے ذریعے بہت سے دوستوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی تیاری کرتے رہتے ہو۔ تفصیل سنو گے تو تم خود حیران ہو جاؤ گے کہ ڈینی یہاں کن ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"
میں نے جان بوجھ کر وہ پینترا بدلا تھا۔ جان کے لہجے کی تلخی ایک مرتبہ پھر تجسس میں بدل گئی "میں یہی پوچھ رہا تھا۔ مجھے کوئی اشارہ تو دے دو کہ وہ کہاں ہے؟"
"نہیں جان! میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے سختی سے کہا "تم عیاری سے کام لے کر مجھ سے ہر بات اگلوانا چاہ رہے ہو لیکن تم نے اب تک اپنے اس نمائندے کا نام، پتا اور فون نمبر نہیں بتایا جو تمہارے دہلی جانے کے بعد مجھے انعام کی رقم ادا کرے گا۔"
"اگر تم باخبر ہو تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں آج ہی استنبول سے کراچی پہنچا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ میرے خاص خاص آدمیوں میں سے کون موجود ہے اور کون چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ مکمل رازداری کے ساتھ اتنی بڑی نقد رقم ادا کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے ہر ایک پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"
"پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں آج رات تم سے ملنے پر آمادہ ہو جاؤں تو تم مجھے رقم دینے والے کے بارے میں بتا دو گے۔"
"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری کو سمجھ گئے ہو گے۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔
"یہ یاد رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے ساتھی تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"
"ابھی تک تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا کسی نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر تمہارے خوں خوار ساتھی کہاں سے نکل آئے۔"
"ہم چند گہرے دوست ہیں جو ایک دوسرے کے جاں نثار ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "ہم کسی تنظیم کے رکن نہیں ہیں۔"
"تم گہرے اور کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی لمبی مفاہمت ہو سکے۔"
"یہ یاد رکھنا کہ دس لاکھ ڈالر مل جانے کے بعد مجھے پیسے کی زیادہ پروا نہیں رہ جائے گی۔" میں نے اسے تادیب کی "کسی نے میری یہ رقم روکنے کی کوشش کی تو میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔"
"میں یہ سب جانتا ہوں۔ اس طرح کے کاموں میں یہی سب ہوتا ہے۔ تم نے میرا بہت وقت لے لیا۔ باقی باتیں اب رات کو ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میں تم کو کیسے پہچانوں گا؟" اس نے اپنی جانب سے گویا گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔
"ہم لوگ گمنامی میں درویشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں رات کو سرخ رنگ کی پرانی سوزوکی کیری میں آؤں گا جس کے سیاہ ہڈ کے اوپر سبز رنگ کا بلب جل رہا ہوگا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ تمہاری کیا شناخت ہوگی؟"
"سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ جینز کے ساتھ میرے سر پر سیاہ پی کیپ ہوگی۔" اس نے بتایا پھر پوچھا "تم اکیلے آؤ گے یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"
"یہ میرے موڈ پر منحصر ہے۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں سوزوکی کیری چلاؤں گا۔ میرے برابر والی سیٹ خالی ہوگی۔"
"او کے آب ڈل مے جد! نو بجے مندر کے پاس ملاقات ہوگی۔ گڈ لک!" دوسری طرف سے کریڈل کی کلک سن کر میں نے فون بند کر دیا۔
"خدا کی پناہ۔ تم اس سے یوں باتیں کیے جا رہے تھے جیسے کئی دنوں سے ان مکالموں کی ریہرسل کرتے رہے ہو۔ وہ بھی تمہاری باتیں سن رہا تھا۔" میرے فارغ ہوتے ہی اول خان نے گہرا سانس لے کر تحیر زدہ لہجے میں کہا۔
"دراصل وہ گفتگو کے آغاز میں ہی گہرے تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا "اس کے ذہن میں چھپا ہوا زہر اگلوانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ گفتگو کو طول دیا جائے۔ وہ باتیں کرنے پر آمادہ تھا اس لیے بات جاری رہی۔"
"ایک اجنبی کے فون پر سی آئی اے کے ایک منجھے ہوئے ڈپٹی ڈائریکٹر کا یوں فریب کھانا بہت عجیب محسوس ہو رہا ہے" اول خان اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔
"اپنی دانست میں اس نے کوئی فریب نہیں کھایا بلکہ چالاکی سے کام لیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ڈینی اس کا مرغوب ترین موضوعِ سخن ہے" میں نے اسے یاد دلایا "اگر یہ لوگ ایسی

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خودنوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابی شکل میں 4 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ 60 روپے ♦ ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

اس دلچسپ ترین سلسلے کا پانچواں اور چھٹا حصہ جنوری 2002ء میں شائع ہو رہا ہے

ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر سے آج ہی مطلع فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

باتوں پر دھیان نہ دیں تو انہیں کسی بھی معاملے کا سراغ تک نہیں ملے گا۔ بعض اوقات ایسے رابطے بہت سود مند ثابت ہوتے ہیں۔"

"اسے فون کرنے تک تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ کیا تم اس سے ملنے جاؤ گے؟" اول خان نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ضرور جاؤں گا۔ اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے تم سے تمہاری ساری نشانیاں پوچھ لی ہیں۔ اس کے میرینز یا کمانڈوز دور سے ہی تمہیں باڑ پر لے لیں گے۔ یہ بہت خوں ریز اور مہلک تصادم ثابت ہو سکتا ہے۔" اول خان کی آواز سے گہری تشویش نمایاں تھی "ہمارے دوستوں نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میرا لڑنے مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ بھی اپنی کھال میں رہے گا۔"

"میں تمہاری اس خوش فہمی کا سبب ضرور جاننا چاہوں گا۔" اول خان بولا۔

"وہ بہت چالاک اور خرانٹ آدمی ہے۔ میں اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ مجھے اُلّو بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے میری باتوں پر اعتبار نہیں کیا ہوگا...؟"

"پھر اس نے تم سے اتنی لمبی بات کیوں کی؟" اول خان نے درمیان میں سوال کر ڈالا۔

"اسے کوئی سرا ملنے کی موہوم سی امید ہوئی ہوگی۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "مجھ سے ملاقات ہونے سے پہلے وہ میرے خلاف کوئی براہِ راست کارروائی نہیں کرے گا۔"

اول خان کی نظریں قریبی گلیوں اور راستوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سر ہلا کر بولا "ہاں، اسے کوئی شبہ ہو بھی چکا ہو تو تم سے ملے بغیر اسے یہ اندازہ کیسے ہو سکے گا کہ تم سچے ہو یا جھوٹ بول کر اسے بے وقوف بنا رہے ہو، وہ تم سے ملے بغیر کوئی منفی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"بس یہی ایک نفسیاتی نکتہ ہے جہاں مجھے اس پر برتری حاصل ہے۔ وہ ڈینی کے بارے میں ہر قیمت پر کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میں نے یہ امید دلا کر اسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے نہیں جانتا، میں تمہاری مدد سے اسے دور سے پہچان سکتا ہوں۔"

"تم نے اسے اپنی جو شناخت بتائی ہے وہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کالے ہڈ والی سرخ سوزوکی کیری جس کے اوپر سبز بلب لگا ہوا ہو، کہاں سے آئے گی؟ ایسی گاڑی تم نے کہاں دیکھ لی تھی؟"

"گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بتاؤں گا" میں نے ہنس کر کہا کیونکہ ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے اور اول خان نے اپنی گاڑی باہر روک دی تھی۔

"تم عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والے آدمی ہو" وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑایا "بعض اوقات ایسی باتیں کرتے چلے جاتے ہو جن کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔ بعد میں ان کی اہمیت سامنے آتی ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

وہ مبالغانہ تبصرہ میری تعریف میں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔

ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھلا تو ان تینوں کے اُڑے اُڑے اور پریشان چہرے دروازے کے پیچھے تھے۔

"کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں مر گئے تھے؟" ویرا نے غرّاتی ہوئی غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے ہلکے سرخ ڈورے یہ بتا رہے تھے کہ وہ سُرور کے عالم میں تھی۔ ہم دونوں نے خاموشی سے گھر سے نکل کر اس کا موڈ غارت کر دیا تھا۔

"بے چارے ڈینی پر آنکھیں مت نکالو۔ ہم جان ایلش کوف کو فون کرنے کے لیے ایک پبلک بوتھ تک گئے تھے" میرے کچھ بولنے سے پہلے اول خان بزرگانہ انداز میں بول پڑا۔ "اب ہمیں اندر آنے کا راستہ بھی دو گی یا یوں ہی اڑی کھڑی رہو گی؟"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ آپ دونوں کہاں گئے تھے" غزالہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "جانے سے پہلے کسی کو تو کچھ بتا جاتے تاکہ ہم تینوں کو پریشانی نہ ہوتی۔ ہم سب آج کل بدترین خطرات سے دوچار ہیں۔ دشمن پوری قوت کے ساتھ میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ آپ دونوں کو اچانک غائب پا کر ہمارے ذہنوں میں بُرے بُرے خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔ مجھے بھارتیوں سے کبھی خوف نہیں آیا لیکن امریکیوں سے ڈر لگتا ہے وہ بہت سفّاک اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں۔"

"وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے دھواں بنا کر تو نہیں اڑا سکتے تھے" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ وہ یہ بھی کر سکتے ہیں۔ لیزر سے چلنے والے جدید ترین ہتھیار دھاتوں تک کو چشم زدن میں بھاپ بنا کر اُڑا دیتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے سامنے انسانوں

کے آبی بدن کی کوئی حقیقت نہیں ہے" ویرا نے فضا میں اپنی شہادت کی انگلی نچاکر کہا۔

"کم از کم اس وقت ایسا نہیں ہوا تھا" میں نے تلخی سے کہا "تم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی موج اُڑا رہی تھیں۔ تمہیں اپنے عشرت کدے سے باہر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"سلطان شاہ اور غزالہ کو تمہارا ہوش تک نہیں تھا" ویرا نے ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم نے کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور تم نہیں آئے تو میں تمہاری تلاش میں باہر نکلی۔ میری آوازیں سن کر ان دونوں کو بھی ہوش آگیا۔"

"یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ڈکرانے کی آوازیں سن کر ہم چونکے تھے" سلطان شاہ نے سنجیدہ روئی سے ویرا کی تائید کی۔

"اگر میں اس وقت ڈکرا رہی تھی تو اس وقت تم رینگ رہے ہو" ویرا مشتعل ہو کر بولی۔

"اس وقت تمہارے سر پر لال پری سوار ہے" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا "تم کو سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو کہہ سکتی ہو۔"

"لال گلابی پری سے میرا کچھ نہیں بگڑتا" ویرا نے برہمی سے کہا "میں پوری بوتل پی کر بھی تم سے زیادہ ہوش مند رہتی ہوں۔ کسی کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر دنیا ومافیہا سے بے خبر نہیں ہو جاتی۔ میرے منہ لگنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

"الکحل کی بو والے منہ کی قربت سے مجھے متلی ہونے لگتی ہے" سلطان شاہ اسے چڑانے پر تل گیا۔

مجھے فضا میں فساد کے آثار منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ویرا اپنے ہوش وحواس میں تھی لیکن کسی حد تک مخمور تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو بہک جاتی تو اسے سنبھالنا کافی دشوار ہو سکتا تھا۔ میں نے تیزی سے کہا "تم لوگ ہمیشہ اپنی بے وقت کی راگنی الاپنے میں مصروف رہتے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ ہم دونوں جان ایشکوف سے فون پر بات کرنے کے لیے باہر گئے تھے۔ تمہاری نظروں میں اول خان کی دی ہوئی اس اطلاع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں سی ایس ڈی استعمال کر کے تم زیادہ مطمئن رہ سکتے تھے" ویرا نے مجھ سے کہا۔

میں ویرا کی احمقانہ تجویز کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اول خان نے خشک لہجے میں مجھے ٹوک دیا "وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ان بے سروپا باتوں میں نو بج جائیں گے۔ تم اس رنگین سوزو کی کیری کے بارے میں کچھ بتانے جارہے تھے؟"

"بس، ذرا ایک بات بتادو" سلطان شاہ نے التجا کی "نو بجے کی کیا اہمیت ہے۔ یہ بات میرے علم میں آجائے تو تم دونوں کی بقیہ باتیں خود بخود میری سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔"

"ڈینی نے پہلے سے کچھ طے کیے بغیر جان ایشکوف سے فون پر فی البدیہہ بات کی ہے اور اس سے نو بجے تینتی تینتی کے مندر کے قریب ملنے کا پروگرام طے کیا ہے۔ اب یہ اس سوزو کی کیری کے بارے میں بتائے گا جس میں اسے وہاں پہنچنا ہے۔"

اول خان مشینی انداز میں اپنی بات پوری کر کے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کالے ہڈ والی کسی سرخ سوزو کی کیری کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ میری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی کمین گاہ سے نکل کر شہر کے کسی کھلے مقام پر آئے اور ہم وہاں اس کی خبر لے سکیں۔ نو بجے وہ میری بتائی ہوئی سوزو کی کیری ڈھونڈ رہا ہوگا اور میں تمہاری شناخت کے ذریعے اس کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔ بے خبری میں اس کی ایسی گوشمالی ہوگی کہ وہ اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔"

"جلال نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "پاکستان کی سرزمین پر اسے کوئی گزند پہنچا تو ہمیں خواہ مخواہ امریکیوں کی بڑھتی ہوئی مخاصمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مارا جانا امریکیوں کے اشتعال کا سبب بن سکتا ہے۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسے مار پیٹ کر کے چھوڑ دیا گیا تو امریکی محتاط رہ کر زبان کھولیں گے۔ انہیں میری تلاش کے لیے مقامی مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

"جلال ضرور برہم ہوگا۔ تمہارا یہ منصوبہ اس کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔"

"مجھے اس سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے زور دے کر کہا "میں فری لانسر ہوں۔ اگر جان ایشکوف میری سرکوبی کے لیے اتنا سرگرم ہے تو پھر مجھے بھی اپنا دفاع کرنے اور اسے روکنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس واقعے کے بعد میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ شہر میں کہیں

روپوشی اختیار کراوں گا۔ جلال تم میں سے کسی سے رابطہ کرے تو کہہ دینا کہ میں غائب ہو چکا ہوں۔ مجھ سے رابطہ کیے بغیر تم کچھ کہنے سے معذور ہو۔"

"اچھی طرح سوچ لو" اول خان نے مجھے تادیب کی "یہ تمہارے اندازے ہیں جو غلط بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"جان سے بات کرنے سے پہلے میں نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اس کے بعد اپنے منصوبے پر مسلسل غور کرتا رہا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ میں امریکیوں کے حوصلے توڑنے میں کامیابی حاصل کراوں گا۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو" وہ اپنے کھل کر میری تائید کی "جو مارتا ہے' امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ڈرنے والوں کو یہ پوری قوت سے دباتے چلے جاتے ہیں اور آخر کار اسے بند دیوار سے لگا دیتے ہیں۔"

"وہ بچے گا مگر زندہ رہے گا" میں نے اپنے ذہن میں منصوبے کے خدوخال مرتب کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ دہلی کے میراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی ہلاکت کے بعد اس کا جانشین اس واقعے سے عبرت حاصل کرے گا۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے کہ وہ تمہارے جال میں پھنسنے کے لیے اکیلا ہی مقررہ مقام پر پہنچے گا۔ یقینی طور پر کچھ لوگ پوشیدہ رہ کر اس کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو وہ خاموش تماشائی نہیں بنے رہیں گے۔ تم پر آگ اور بارود کی برسات کر دیں گے۔"

"ان کا جواب دینے کے لیے ہمارے پیچھے بھی مسلح نفری موجود ہو گی... چونکو نہیں۔ وہ تمہاری ٹاسک فورس کی نفری ہی ہو سکتی ہے۔ جب ہم ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہوں گے تو جان کے آدمی اسے گولی لگ جانے کے خوف سے نشانہ لے کر فائرنگ نہیں کریں گے۔ وہ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے صرف ہوائی فائرنگ کر سکتے ہیں۔ میں اسے ماروں گا اور اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلوں گا۔"

"سمجھانا میرا فرض ہے۔ جو میں نے پورا کر دیا" اول خان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "میرے مشوروں کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اس معاملے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو الگ تھلگ رکھا گیا ہے اور میرے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اگر تم من مانی پر تل گئے ہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے مجبور ہوں۔ تم سے دوستی ہو جانے کے بعد میں نے ایک بار بھی تمہیں پیٹھ نہیں دکھائی۔"

"تمہارے اسی تعاون کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں ورنہ میرے خون کے پیاسوں نے مجھے بہت پہلے ہی پس ڈالا ہوتا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جان کے خلاف اس کارروائی کے نتائج آنے پر تمہاری رائے بدل جائے گی۔ اگر اس موقع پر پولیس زخمی جان کی مدد کو پہنچ سکے تو کام مزید آسان ہو جائے گا۔"

"پولیس والوں کے اپنے ہی رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ایسے افسران میرے رابطے میں ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں لیکن جوش میں وہ وقت سے پہلے آنکلے تو تمہارا پورا منصوبہ ٹھپ ہو جائے گا۔ تم جان کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گے۔ پولیس کی مداخلت سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"واقعہ ریکارڈ پر آجائے گا۔ جان کے لیے یہ بتانا دشوار ہو گا کہ وہ رات کے اندھیرے میں اس سنسان مقام پر کس پراسرار مقصد کے لیے آیا تھا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جب تک وہ اپنی شناخت ثابت کرے۔ پولیس اس کی جامہ تلاشی لے کر دو ڈھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم برآمد کر چکی ہو گی۔ اسے یہ بتانا ہو گا کہ وہ اتنی بڑی رقم لے کر وہاں کس چور' قاتل یا اسمگلر سے سودا طے کرنے آیا تھا۔"

یکایک اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولا "یہ اس واقعے کا سب سے جان دار پہلو ہو گا۔ وہ شکایت کرنے کے بجائے مدافعانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ امریکی حکومت نے کراچی کو اپنے آدمیوں کے لیے مخدوش شہر قرار دیا ہوا ہے اور انہیں غیر ضروری طور پر پبلک مقامات کا رخ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ان ہدایات میں اجنبیوں اور دور افتادہ یا ویران مقامات سے دور رہنے کا سخت مشورہ بھی شامل ہے۔"

"انگریزی اخبارات میں چند ہفتوں قبل چھپنے والا وہ اشتہار میرے ذہن میں تازہ ہے۔"

"لیکن تم کو وعدہ کرنا ہو گا کہ تم اسے نہیں مارو گے" اول نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"یہ بات میں بار بار واضح کر چکا ہوں۔ پیر کے نیچے بار بار دبنے کے بعد چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹ لیتی ہے۔ طاقت کے اعتبار سے امریکیوں کا مقام بہت بلند ہے۔ دوسرے جان کے خون پر وہ تھنجلا کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں۔"

"ان کے لیے ایک امریکی کے بدلے دس پانچ ہزار معصوم اور بے گناہ شہریوں کو مار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔ بحرِ ہند میں لنگر انداز کسی بھی جنگی جہاز سے وہ ایک میزائل فائر کریں گے اور اپنے انتقام کی وحشیانہ آگ کو سرد کر لیں گے۔"

"مائی ڈیئر سر! تم اتنی وضاحتیں کیوں کر رہے ہو؟ میں یہ

سب جانتا ہوں" میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"آپ نے بھارت سے واپس آتے ہی پھر پاگل کتے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا شروع کردیا" سب کچھ طے ہوتا ہوا دیکھ کر غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی "یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ بڑھ چڑھ کر خطرات مول لینے لگے ہیں۔"

"جان ایشکوف کو میں نے استنبول سے نہیں بلایا ڈارلنگ! وہ خود یہاں آیا ہے اور میرا متلاشی ہے۔"

"یہ اس کا حق ہے" غزالہ نے زور دے کر کہا "دہلی میں مرنے والے اپنے ساتھی کے قاتل تک پہنچنے کی کوششیں کرنا اس کا فرض ہے۔ آپ بلاوجہ اس سے کیوں الجھنا چاہ رہے ہیں۔ آپ اسے اپنا سر کھپانے دیں اور خود خاموشی سے روپوش ہوجائیں۔"

"تم جانتی ہو کہ ایسا کرنا میرے مزاج کے خلاف ہوگا۔ وہ میری جان کا دشمن ہے۔ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کا حق مجھ سے نہ چھینو۔"

"آپ روپوش ہوجائیں گے اور ہم تینوں یہیں رہتے رہیں گے؟" چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"اس بارے میں اول خان سے پوچھو۔ اس کی رائے زیادہ صائب ہوگی" میں نے کہا۔

"تم تینوں کے یہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل شہر میں رینجرز کے دستوں کے حفاظتی گشت کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی آڑ میں میرے آدمی دور رہ کر تم تینوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اس وقت سارا زور صرف ڈینی کی ذات پر ہے۔"

"ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ لوگ ہماری طرف بھی متوجہ ہوسکتے ہیں" ویرا نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "یہ بات اب کھل چکی ہے کہ ہم چاروں یک جا رہ کر ڈینی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے نام تک معلوم ہیں۔"

"انہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ بس ہماری کمین گاہ کا علم نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے امید افزا پہلو کی نشان دہی کی۔

"ہمیں عجلت اور گھبراہٹ میں الٹے سیدھے فیصلے کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے حتمی طور پر اپنا فیصلہ صادر کردیا "ڈینی آج رات جان ایشکوف سے اپنی مجوزہ ملاقات کے بعد یہاں نہیں آئے گا۔ بقیہ سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ حالات سازگار ہونے پر کچھ اور سوچا جائے

گا۔“

”تم کہاں جاؤ گے؟“ ویرا نے پوچھا۔ باتوں میں الجھ کر وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کی مے نوشی کا دور ناتمام رہ گیا تھا۔

”ہمیں تمہارے پتے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں تم سے مشورہ کیا جا سکے۔“

”میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بقراط سے کم نہیں ہو“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”ہمیں اس موضوع پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں“ سلطان شاہ بولا ”ویسے یہ سامنے کی بات ہے کہ اس وقت ڈینی کے لیے اسٹیشن فور ہی سب سے محفوظ ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ وہاں اول خان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔“

”اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی“ اول خان نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ”اسپیشل ٹاسک فورس ایک بے ضابطہ ادارہ سہی لیکن اس کا ڈسپلن بہت زیادہ سخت ہے۔ میں سارے معاملات میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے کسی کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ وہ چاہے تو مجھے اسٹیشن فور سے اٹھا کر بھی پھینک سکتا ہے۔ میں اخلاقی اور منصبی طور پر اسے اپنی ہر اہم کارروائی سے باخبر رکھنے کا پابند ہوں۔“

”یہ تمہاری فرض شناسی ہے مگر ہم لوگ جانتے ہیں کہ تمہارا چیف بھی ڈینی کی صحیح سوچ اور فیصلوں کا معترف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔“

”یہ سب باتیں اس وقت تک درست تھیں جب تک ایس ٹی ایف کا وجود سیغہ راز میں تھا۔ یہ موجود ہے مگر ریکارڈ اور فائلوں پر اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امریکی جان چکے ہیں کہ یہاں دستور سے ماورا ایک طاقت کام کر رہی ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھٹک گیا تو وہ اپنی ساری توجہ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں پر مرکوز کر دیں گے۔ وہ اس قدر بالادست ہیں کہ ان کے سامنے شدت سے بے بسی کا احساس ہونے لگتا ہے۔“

”ان میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو تم ان کے قصیدے پڑھ رہے ہو؟“ ویرا کو اپنی قوم کی وہ تعریف پسند نہیں آئی۔

”یہ قصیدے نہیں، آج کے زمینی حقائق ہیں“ اول خان نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ”اسٹیشن فور کی جانچ پڑتال کے لیے انہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خلا میں زمین کے مدار پر گھومتے ہوئے مصنوعی سیارچوں میں لگے ہوئے حساس کیمروں سے دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی شخص یا چیز کی واضح تصویریں لے سکتے ہیں۔ روایتی طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ خلا سے کسی زمینی ریگستان میں گری ہوئی سوئی تک کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ آج کے اجلاس میں جان ایشکوف نے سب حاضرین کو امریکا کی ان صلاحیتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اپنے اسی بے مثال مواصلاتی نیٹ ورک کے ذریعے ڈینی کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں ڈینی کی تصاویر، فنگر پرنٹس اور دوسرے ڈیٹا کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ ریکارڈ اپنے کمپیوٹروں میں ڈال دیا تو ڈینی کے کھلے آسمان تلے آتے ہی مواصلاتی کیمرے اپنے زمینی اسٹیشنوں کو اطلاع دے دیں گے کہ مطلوبہ آدمی اس وقت فلاں مقام پر موجود ہے۔ اس کے بعد ہونے والی کارروائی کا انحصار امریکیوں کی مرضی پر ہوگا۔ وہ اس نشانے پر راکٹ داغیں، میزائل چلائیں، طیارے سے بمباری کریں یا کوئی چاق و چوبند زمینی دستہ بھیج کر اپنے شکار کو زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔“

”غزالہ جھرجھری لے رہی تھی۔“ ویرا نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا پھر یک بہ یک سنجیدہ ہو گئی ”تم نے بہت بھیانک منظر کشی کی ہے۔ اگر یہ سب درست ہے تو روئے زمین کا کوئی کونا امریکیوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ گھر بیٹھے سب کچھ جان لیتے ہیں۔“

”اکلوتی سپر پاور ہونے کے اسی زعم نے ان کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اور وہ ہر ایک پر غراتے رہتے ہیں“ سلطان شاہ بولا۔

”سوال یہ ہے کہ دنیا کے سارے ممالک اس بات پر احتجاج کیوں نہیں کرتے کہ امریکی سیارے ان کے اوپر سے گزرتے ہیں یا ان پر ٹھہرے ہوئے ہیں“ غزالہ نے پوچھا۔

”ساری گڑبڑ یہ ہے کہ خلا تک دنیا کے چند گنے چنے ممالک کی رسائی ہے اور ایک عالمی معاہدے کے تحت خلا پر کسی جغرافیائی حد کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں کو خلا میں امن کے نام پر من مانی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ زمین کے گرد پھیلے ہوئے فضائی غلاف کی کل اونچائی ڈھائی سو میل ہے جبکہ ساری فضائی سہولتیں دس پندرہ میل سے زیادہ اوپر نہیں جاتیں کیونکہ بلندی بڑھنے کے ساتھ ایندھن کو جلانے والی آکسیجن کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے میں کون ڈھائی سو میل سے آگے خلا میں جائے گا۔“

”تمہیں اس بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔ اس وقت امریکا کے گن گا رہے ہو؟“ ویرا نے ہلکے سے استہزا کے ساتھ کہا۔

"یہ بہت موٹی موٹی اور بنیادی باتیں ہیں جو شاید سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہوں گے۔ یہ باتیں کسی باریکی یا تکنیکی الجھن کے بغیر سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلے ان خلائی ترقیوں میں روس، امریکا کا سب سے بڑا حریف ہوا کرتا تھا۔ جب سے امریکا نے مجاہدوں کی بھاری مالی اور فوجی مدد کرکے اسے افغانستان میں جوتے لگوائے ہیں، میدان خالی ہوگیا ہے اور امریکا اس میدان میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔"

"جلال نے اجلاس میں جان کا جو رویہ بتایا ہے وہ آنے والے دنوں میں بھیانک واقعات کی غمازی کررہا ہے۔ القاعدہ اور اس کی قیادت کو سی آئی اے نے جان جیسے افسروں کے ذریعے پال پوس کرتوانا کیا ہے۔ اب وہ ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ یہ تیور اچھے نہیں ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"اس وقت آپ اپنی ساری توجہ اپنے تحفظ پر مرکوز رکھیں۔" غزالہ نے چڑ کر کہا "سی آئی اے دنیا کی ایک ہزار پایا ہے جو جگہ جگہ اپنے پنجے گاڑے بیٹھی ہے۔ وہ ہر جگہ امریکی مفادات کے لیے کام کررہی ہے اور اس کے لیے مہرے آگے پیچھے کرتی رہتی ہے۔ آپ کو ان باتوں میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"غزالہ کا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر خود کو بچانا ہے۔ دوسری باتوں کو بھول جاؤ۔" اول خان نے کہا۔

"آج رات کی مہم پر ہم تینوں میں سے کون کون تمہارے ساتھ جائے گا؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ مطلع صاف ہونے تک تم تینوں میرے سائے سے بھی دور رہو گے۔" میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری کمک کے طور پر ایس ٹی ایف کے کچھ مسلح آدمی پیچھے رہ کر حالات پر نظر رکھیں گے۔" سلطان شاہ نے لب کشائی کی "ہم تینوں ان کی صف میں شامل ہو کر آسانی سے خود کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری واپسی بھی ان کے ساتھ ہوگی۔"

"نہیں۔ میں اس کے خلاف ہوں۔" اول خان نے سختی سے کہا "ڈینی کو متوقع خطرات کا صحیح ادراک ہے۔"

"ہم تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کریں گے؟" ویرا کی نظروں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کال سینسنگ ڈیوائس کی ڈبیا میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ جہاں سے موقع ملا، تم لوگوں سے رابطہ کرلوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اب سات بجنے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تیاری کرو اور مجھے تخلیہ فراہم کردو۔" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "وقت کم رہ گیا ہے۔ مجھے نو بجے کے بے داغ پروگرام کے لیے کئی جگہ بات کرنی ہوگی۔ علاقہ پولیس کی شمولیت کا مرحلہ شاید سب سے دشوار ہوگا۔"

میں صوفے سے اٹھ گیا۔ اول خان کی بے لاگ ہدایت کے بعد ڈرائنگ روم میں کسی کے رکنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اب تم جا ہی رہے ہو تو کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ بیٹھو۔" ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہی ویرا نے غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، ڈھٹائی سے میرا بازو تھام کر مطالبہ کردیا "بھارت کی تنہائی نے میرے ذہن میں خاصا غبار بھردیا ہے جس کا اب صاف ہونا ضروری ہوگیا ہے۔"

میں نے بے چارگی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر مجھے اجازت دے دی۔

"میرے لیے بس اتنی تیاری کردو جتنی دہلی کے لیے کی تھی۔" میں نے ویرا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے غزالہ سے کہا "میرے بیگ میں سی ایس ڈی رکھنا نہ بھولنا۔"

"سب ہوجائے گا۔ مرے کیوں جارہے ہو۔" ویرا نے میرے بازو میں چٹکی لے کر سرگوشی کی۔

میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا "کبھی کبھی تم مجھے سب کے سامنے تماشا بنادیتی ہو۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں ذبح کرنے نہیں لے جارہی ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر مظلومیت کیوں طاری کرلی ہے۔"

"میرا یہ ردِعمل فطری ہے۔ تمہاری محبت سے بھی عجیب طرح کی سفاکی اور برتری جھلکتی ہے جو کبھی کبھی خوف زدہ کرنے لگتی ہے۔"

اس بار وہ پُرغرور انداز میں زیادہ زور سے ہنسی تھی۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور دھیرے سے بولی "ابھی ایسی محبت کے اظہار کا وقت نہیں ہے۔ تم بار بار یہ بات بھول جاتے ہو کہ جب میں نے پہلی بار تمہیں پسند کیا تھا تو میں ویرا نہیں بنی تھی، تمہاری بلیک کوئن ہوا کرتی تھی جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کے پیشاب خطا ہوجاتے تھے۔ تم یہ سوچ کر خوش ہورہے ہو گے کہ تم نے بلیک کوئن کا

دل جیت لیا اور مجھے اس احساس سے لذت مل رہی تھی کہ میں اپنے ایک اور پسندیدہ مرد کو اپنے قدموں میں جھکانے میں کامیاب ہوگئی۔ مردوں کو رجھانا، اپنی خلوت میں لانا اور دل بھر جانے پر انہیں ٹھوکر مار کر نکال دینا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔"

اس نے میرے اندر پہنچنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کرلیا تھا۔

"تم کو اپنے ماضی پر شرم آنی چاہیے۔ پتا نہیں کہ تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو کہ ان باتوں کو فخر سے یاد کرتی ہو۔" میں نے ملامت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں وہی بنی جو میرے ناجائز باپ نے چاہا تھا۔ تم بھی میرے اسی ماضی کی دریافت ہو۔ غزالہ سے تمہاری شادی ہوجانے کے باوجود مجھے اپنے اس انتخاب پر کوئی ملال نہیں ہے۔ تم نے مجھے میرے ماضی سے نکال کر ویرا بنایا ہے۔ میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔"

وہ دروازے کی اوٹ میں یوں میرا راستہ روکے کھڑی تھی کہ باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول دیتا تو پٹ میرے پہلو سے ٹکرا کر رک جاتا اور آنے والا ہم دونوں کو اس حالت میں روبہ رو کھڑا ہوا نہ دیکھ پاتا۔

"معلوم ہے..... مجھے معلوم ہے۔" میں نے جھلا کر کہا "تم یہ بات موقع بے موقع کیوں جتاتی رہتی ہو؟"

"تاکہ تمہارا حافظہ تازہ رہے۔ تم غزالہ کے سحرانگیز وجود کی حرارت میں ڈوب کر مجھے بالکل فراموش کردیتے ہو اور میں اکیلی پڑی، رقابت کے انگاروں پر لوٹتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اچانک والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں گھسالیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔" میں نے اس کے جوان و رعنا وجود کی تپش سے گھبرا کر کہا "دروازہ مقفل نہیں ہے۔ کوئی آگیا....."

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی اور ایک گہرا سانس لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں نے تمہیں دھکیل کر دروازے سے لگا دیا ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اُف! کس قدر سکون مل رہا ہے تمہیں خود سے اتنے قریب پاکر۔"

میری چھٹی حس محسوس کرچکی تھی کہ اس کے تیور خراب ضرور تھے مگر بہت زیادہ خراب نہیں تھے۔ بات حد سے زیادہ بڑھنے کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے اس خوب صورت بلا سے سختی برتنے کے بجائے نرمی سے اپنی بانہوں میں لیا اور الگ کردیا۔

وہ زبان سے کچھ کہے بغیر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدم تھکے تھکے سے تھے۔ میں بھی خاموشی سے صوفے پر الگ تھلگ جا بیٹھا۔ تپائی پر اسکاچ کی نصف بوتل کے ساتھ گلاس اور آئس پاٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے لیے نیا پیگ تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"تم یہاں اپنا شوق پورا کرنے کے ارادے سے آئی ہو۔ مجھے بلاوجہ کیوں روکا ہوا ہے؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی میں سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہاری موجودگی سے میرے دل کو ڈھارس سی ملتی ہے۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھے رہو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا!"

"بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ سب سے زیادہ اول خان بگڑے گا۔ وہ آیا ہوا ہے اور میں اسے اکیلا چھوڑ کر تمہارے ساتھ کمرے میں بند ہوگیا ہوں۔"

"وہ کیوں بگڑے گا۔ اس نے تو خود تخلیئے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" ویرا تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"تخلیئے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اسے عضو معطل سمجھ کر بھول جاؤں۔ فون سے فارغ ہو کر وہ مجھ سے مشورہ کرنا چاہے گا۔"

"تمہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔" گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

"تمہارا واحد اور اکلوتا مرض تنہائی ہے۔ میری بات مانو تو اپنا گھر بسالو۔ تمہاری ہر پریشانی دور ہوجائے گی۔"

"میں گھر بھی بسالوں مگر پسند کا کوئی مرد کہاں ہے!" اس نے عجلت میں گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر حسرت سے کہا "تم سے دل لگایا تو مکاؤ کے ڈون نے تمہاری اور غزالہ کی شادی کرادی۔ اگر اول خان کنوارا ہوتا تو میں اس سے شادی کرلیتی۔"

اس کا جواب سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ لاہور میں جلال اس کے سر پر سوار ہوگیا۔ اس وقت ویرا نے پہلی بار اول خان کے لیے کسی قسم کی ذاتی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "اول خان تمہیں اچانک کیسے یاد آگیا؟"

"مجھے مضبوط، بانکے اور سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کرنے والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ ان کی انا کو ختم کرکے جھکانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ایک بات تم بھول رہی ہو۔" میں نے طنز سے کہا "تمہاری پسند کے مرد کا شادی شدہ ہونا بھی ضروری ہے۔"

"یہ لاشعوری اتفاق ہو سکتا ہے یا شاید مرد کی مردانگی پر شادی کے بعد ہی صحیح نکھار آتا ہے۔" اس نے کسی شرمندگی کے بغیر جواب دیا "شادی شدہ مرد ایک عورت کی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

"تم بہت تخریبی ذہن کی مالک ہو۔" میں نے ملامت سے کہا "ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنا گھر بسانے کے لیے کسی نہ کسی کا گھر اجاڑو گی۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت کا فلسفہ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ یہ مرد کے ساتھ بعض عورتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں اٹھ گیا "میں نے تمہیں کافی وقت دے دیا۔ تمہارے معدے میں اترنے والی تازہ الکحل اب نیا رنگ دکھا رہی ہے۔ تم پیو۔ میں اول خان کو دیکھتا ہوں۔"

وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو اول خان فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے ٹھٹک کر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا اور میں خاموشی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

وہ کسی کو ٹھیک سوا نو بجے مندر کے پاس پہنچنے کی تاکید کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔

"سب کچھ طے ہو گیا۔" اول خان نے فون پر بات ختم ہونے کے بعد مجھے آگاہ کیا "پولیس وہاں ٹھیک سوا نو بجے مداخلت کرے گی۔ تمہیں بہت کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے غائب ہونا ہے۔ تمہیں نکلنے میں تاخیر ہوئی تو پولیس تمہیں بھی دھر لے گی۔ تم نے وقت سے پہلے کام دکھا دیا تو جان اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا اور یہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکے گا۔"

"اگر تمہارا بندوبست پکا ہے تو سب کچھ ذرا سی دیر میں ہو جائے گا۔" میں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا "ہم کو یہاں سے آٹھ بجے نکل جانا چاہیے کیونکہ فاصلہ بہت لمبا ہے۔"

"وہ علاقہ ساڑھے آٹھ بجے سے میرے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آ جائے گا۔" اول خان نے بتایا "وہاں کوئی بھی غیر معمولی نقل و حرکت دیکھنے میں آئی تو وہ وائرلیس ٹرانسمٹر پر فوراً مجھے خبر دے دیں گے۔ انہیں سختی سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ جان بھی کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس کے آدمی پہلے سے اپنے مورچے سنبھال لیں گے۔ وہ کتنا ہی ڈفر ہو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ عبدالماجد الحسینی سے ملنے میں اس کے لیے کوئی خطرہ پوشیدہ نہیں ہے۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے۔" اول خان نے میری تردید کیے بغیر اپنے خدشے کا اظہار کیا "دونوں طرف سے عقابی نگاہیں رکھنے والے تجربے کار آدمی میدان میں اتارے جائیں گے اس لیے ڈر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی نو بجے سے پہلے بھانپ لیں گے۔"

"نو بجے سے پہلے وہ آپس میں ٹکرا گئے تو پورا کھیل تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"فائرنگ میں پہل نہ کرنے کا حکم دے کر میں نے اسی خطرے کا تدارک کیا ہے۔ اگر انہوں نے کسی بنا پر ایک فائر بھی کر دیا تو وہ پُرسکون ساحلی علاقہ بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گا۔" اول خان پر تشویش لہجے میں بولا۔

روانگی کا وقت سر پر چلا آ رہا تھا۔ اول خان نے چائے کے لیے آواز لگائی تو غزالہ دوڑی چلی آئی۔ ویرا اس وقت جن جہانوں کی سیر کر رہی تھی وہاں تک اول خان کی آواز کی رسائی نہیں تھی۔

اول خان کی سرکاری گاڑی بہت بہتر حالت میں تھی اور تیز رفتار تھی۔ اس کے پیشہ ورانہ فرائض کی نوعیت کی وجہ سے نشستوں کے نیچے ہتھیاروں اور فاضل میگزین کا خاصا ذخیرہ موجود رہتا تھا۔ طے یہ پایا کہ اس مہم میں اسی کی گاڑی استعمال کی جائے۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے باہر نکل چکے تھے۔ اس وقت تک ویرا کی آنکھوں کا خمار گہرا ہو چکا تھا مگر اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمیں الوداع کہنا بھول جاتی۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ اسے شادی شدہ مردوں کی لشکاری کے نام سے مخاطب کروں مگر از خود وہ ارادہ بدل دیا۔ اس نازک مرحلے پر وہ بھڑک اٹھتی تو فضا خاصی مکدر ہو سکتی تھی۔

اول خان نے اس رہائشی بلاک کی اندرونی گلیوں سے گاڑی مین روڈ پر نکالی اور ہم تیزی سے یونیورسٹی روڈ پر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت شہر سے آنے والے راستوں پر گاڑیوں کا ہجوم ہو گا لیکن شہر جانے والی گاڑیوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان اپنی رفتار برقرار

نہ رکھ سکا۔ ٹریفک کی بھیڑ میں مجموعی رفتار سے تجاوز کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"وہاں دو پل ہیں۔" راستے میں، میں نے اپنی منزل کا نقشہ ذہن میں جماتے ہوئے کہا "پرانے متروک پل کے بائیں جانب مندر ہے۔ جس کی سیڑھیاں سمندری پانی تک چلی گئی ہیں۔ اس سے اوپر نیا پل ہے جہاں دن رات کودی کا بھاری ٹریفک رواں رہتا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں ہوں گے؟"

"دونوں جگہ۔" اول خان کا جواب تسلی بخش تھا۔ "وہ سب گداگروں اور ہیرو ئنچیوں کے روپ میں وہاں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ نیا پل ان کا بہترین مورچا ثابت ہوگا۔ وہاں سے ان کی نگاہوں اور ہتھیاروں کی رینج میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔ میرے آدمیوں پر گولی چلائی گئی تو جان کے ساتھیوں میں سے ایک بھی بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

"ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔" آج کی رات گولیوں کے تبادلے کے بغیر سب کچھ نمٹ جائے تب ہی ہم خود کو کامیاب سمجھ سکتے ہیں۔"

مصروف پل کے کنارے چادروں اور کمبلوں میں لپٹے ہوئے گداگر جو اپنی گدڑیوں میں آتشیں ہتھیار چھپائے موقع کے منتظر ہوں اور پل کی بلندی سے دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اول خان کے زرخیز ذہن کا شاندار منصوبہ تھا جو جنگی اعتبار سے ناقابل شکست تھا۔

ہماری گاڑی مولوی تمیز الدین خان روڈ سے ہوٹل بیچ لگژری کی طرف گھومی تو ٹریفک کا بہاؤ اچانک کم ہوگیا۔ اس وقت نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اول خان نے راستے میں طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی گاڑی ہوٹل بیچ لگژری کے احاطے کے سامنے والی فٹ پاتھ کے کنارے پارک کردی۔ وہاں سے چند منٹ کا بقیہ راستہ ہمیں پیدل طے کرنا تھا۔

"میں نے بہت سی مہمات سر کی ہیں لیکن آج میں عجیب سی سنسنی محسوس کررہا ہوں۔" مندر کی طرف جانے والے راستے پر چلتے ہوئے اول خان بولا۔

"میری دانست میں آج تو سرے سے کوئی مہم درپیش ہی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اپنی اس رات کی منزل کے قریب پہنچ کر میں خود کو بہت ہلکا اور پرسکون محسوس کررہا تھا۔ ذہن پر چھائے ہوئے تفکرات کے بادل اچانک چھٹ گئے تھے اور ہر نکتہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔

"یہی تو چکر ہے۔ ہمیں کسی کو اٹھانا ہے نہ مارنا ہے۔ بس ذرا سی بے ضرر ہاتھا پائی کرکے لوٹ آنا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔"

"ہوا کرے لیکن اللہ کی رضا سے پورا ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

راستہ زیادہ لمبا نہیں تھا۔ خم دار سڑک کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم مندر کے قریب پہنچے تو ہمارے درمیان فاصلہ پیدا ہوچکا تھا۔ اول خان آگے چلا جارہا تھا۔ میں اس سے چند قدم پیچھے، مستانہ انداز میں سگریٹ پیتا ہوا چل رہا تھا۔

اس خم دار سڑک سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ متروک پل سے گزرتی ہوئی شاید کسی اگلی ریلوے لائن پر ختم ہورہی تھی۔ ہم دونوں اسی ترتیب سے آگے پیچھے چلتے ہوئے مندر سے آگے نکلے۔ اول خان ایک منڈیر پر بیٹھ گیا۔ میں بلاوجہ پان سگریٹ والے کیبن کے پاس جارکا۔

میری رسٹ واچ ٹی وی کے وقت سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں نو بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا۔ جان ایشکوف یا کسی اور سفید فام کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں دکان دار سے سگریٹ لے کر اس کے پیسے ادا کررہا تھا کہ اول خان کی سیٹی کی مخصوص آواز سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے اس آواز پر فوراً پلٹنے کی حماقت نہیں کی۔ دکان دار سے اپنا لین دین مکمل کرکے میں بے پروایانہ انداز میں گھوما تو سڑک کے کنارے ایک پیلی ٹیکسی کے قریب مجھے ایک دراز قامت اور تندرست سفید فام کھڑا نظر آیا۔ وہ جان ایشکوف کی بتائی ہوئی نشانیوں کے عین مطابق سر سے پیر تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگھریالے بالوں والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن پر شاید قمیص شلوار رہی ہوگی۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا اس لیے مجھے اس کا پورا لباس نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جان ایشکوف نے اس مہم کے لیے ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مقامی مکرانی کی ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔

جان ایشکوف ٹیکسی سے اتر کر متجسسانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی بھٹکا ہوا فراخ دل سیاح سمجھ کر آس پاس سے دو بچے اور ایک شخص ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں تیزی سے اپنے شکار کی طرف بڑھ گیا۔

میرے خدوخال کسی بھی طرح یمنی نہیں تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی بھڑکے گا۔ اسے وہاں سرخ سوزوکی کیری کی تلاش تھی جس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"جان! میں عبدالماجد الحسینی کا آدمی ہوں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

نخوت سے اس کی بھویں تن گئیں اور اس نے میرے

بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے امریکی لہجے میں کہا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ اس طرف تمہارا منتظر ہے۔" میں نے سمندر کی پانی پر چمکتی ہوئی ریلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہینڈز اپ یو باسٹرڈ!" اچانک میرے کانوں کے نیچے کالے امریکیوں والے مخصوص لب ولہجے میں ایک تیز سرگوشی گونجی اور قمیص شلوار میں ملبوس امریکی میرے پہلو سے آلگا۔ اس کی جیب میں چھپے ہوئے پستول یا ریوالور کی بے رحم آہنی نال میرے کولھے میں چبھ رہی تھی۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ طلسماتی طور پر اچانک خالی ہو چکی تھی۔ مجھے اپنے ہتھیار کی زد پر لینے والا کوئی مقامی مکرانی نہیں، خالص امریکی کالا تھا جس نے تیزی سے بولتے ہوئے ہر لفظ کا آخری حصہ حلق ہی میں روک لیا تھا۔ وہ واقعی بہت پھرتیلا تھا اور اس انداز میں مجھ سے لگا کھڑا تھا کہ تحیرزدہ بھکاریوں کو بھی بدلی ہوئی سنگین صورتِ حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔

"گو.... گٹ لوسٹ!" جان اینشکوف نے بھکاریوں کی طرف زور سے ہاتھ لہرا کر اپنا ایک پیر سڑک پر مارا اور وہ تیزوں ڈر کر دور بھاگ گئے۔

میں نے کالے کے حکم پر اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے کے بجائے اپنے جسم سے ذرا آگے بڑھا کر ہتھیلیاں پھیلا دی تھیں۔ میری نگاہیں بہت تیزی کے ساتھ اول خان کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکا تھا۔

"بات نہ بگاڑو۔ یہاں سے ہٹ کر ہم بات کر سکتے ہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھ رہی ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

کالا اپنے کام میں ماہر تھا۔ وہ اس دوران میں میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیر کر یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میرے لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں تھا۔ اس نے میری جامہ تلاشی ایسی ماہرانہ چابک دستی سے لی تھی کہ کسی دیکھنے والے کو اس کی اصل کارروائی کا اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا۔

"اب اسی طرح میرے ساتھ چلتے رہو۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میرے ساتھی کی بے خطا گولی تم کو جہنم میں پہنچا دے گی۔" اس بار جان غرایا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں خود بھی ایسے کسی گوشے میں پہنچنے کا خواہاں تھا جہاں اندھیرے میں کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

میں جان کے ساتھ چل رہا تھا۔ کالا میرے بدن سے الگ ہو گیا تھا مگر قدموں کی چاپ بتا رہی تھی کہ وہ ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

ہم اینٹوں کی شکستہ دیوار پار کر کے اس راستے پر بڑھ گئے جس کے دونوں طرف پائپ کی مضبوط ریلنگ چمک رہی تھی اور نیچے سمندر کا گہرا گدلا پانی موجود تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں کسی طرح جان کو کسی ریلنگ کے تاریک حصے تک لے جا سکوں۔

میرے ذہن میں گھڑی کی سوئیاں بھی ناچ رہی تھیں۔ وہ کھیل شروع ہوئے تقریباً دو منٹ ہو چکے تھے۔ صرف تیرہ منٹ بعد مقامی پولیس کو وہاں آ جانا تھا۔ مجھے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکلنا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کس حرامی دغاباز کا ذکر کر رہے تھے۔" ایک نیم تاریک حصے سے گزرتے ہوئے جان نے سفاکی سے کہا۔

"کالے بڈ والی لال سوزوکی کیری خراب ہو گئی ہے۔ عبدالماجد اس پل کے نیچے سے گزرنے والے پائپوں پر....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے سے تیز چیخ اور دھمک کی آواز سن کر میرے ساتھ جان بھی بری طرح چونک پڑا۔

ہم دونوں ایک ساتھ پیچھے گھومے اور یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا کہ اول خان نے نیم تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عقب سے سیاہ فام امریکی پر مارشل آرٹ کا کوئی خطرناک وار کیا تھا جس کے نتیجے میں سیاہ فام کوئی قابلِ ذکر آواز پیدا کیے بغیر تیورا کر نیچے ڈھیر ہو گیا تھا۔

اول خان کالے کو ڈھیر کرنے کے بعد رکا نہیں۔ دو لمبے ڈگ بھر کر ہمارے سر پر آ پہنچا "سیدھے ہو کر چلتے رہو ورنہ تمہیں بھی اس حشر کا سامنا کرنا ہوگا۔" وہ جان اینشکوف کو گھورتے ہوئے انگریزی میں غرایا۔ اس کی آواز میں پتہ ایسی تاثیر تھی کہ جان کچھ کہے بغیر ایڑیوں پر گھوما اور میرے ساتھ ہولیا۔

وقت تیزی سے گزرا جا رہا تھا۔ ہماری مہلت لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہی تھی۔ سوا نو بجے پولیس کو دخل انداز ہونا تھا۔ میں تیزی سے ریلنگ کی طرف ہولیا۔

"تم کون ہو؟" صورتِ حال تبدیل ہونے کے بعد جان کے لب ولہجے میں پہلی بار فکر و تشویش کا عنصر ابھر آیا۔

"عبدالماجد الحسینی کا ایک ادنیٰ خادم۔ سیدھے چلتے رہو۔ وہ تمہارا منتظر ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم سب فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ تم یمنی ہو نہ عرب۔ یہ سب مقامیوں کا چلایا ہوا کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" وہ بہت فکرمند تھا۔

"ہمارے گروہ میں عرب، امریکی، اطالوی اور مقامی۔ سب شامل ہیں۔ ہم ایک برادری کی طرح کام کرتے ہیں۔"

میں نے اسے الجھائے رکھنے کے لیے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں خود الجھا ہوا تھا۔ اول خان کے چھپے ہوئے مسلح آدمیوں کی موجودگی میرے علم میں تھی۔ میرے لیے یہ ماننا ناممکن تھا کہ جان وہاں صرف ایک آدمی کے ساتھ آیا ہوگا۔ اس کی حفاظت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ آدمی آئے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں جان اور کالے پر لگی ہوئی ہوں گی۔ کالا گرا دیا گیا تھا اور جان ہم دونوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ اس کے آدمی اس نازک موڑ پر کیوں خاموش تھے؟ ان کی وہ پراسرار خاموشی مجھے اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس وقت جان کے آدمیوں کی خاموشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آرہا تھا کہ کالے کو گرائے جانے کے بعد بھی ہماری پیش قدمی کی سمت وہی تھی جس کا انتخاب ان دونوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ شاید جان کے پوشیدہ محافظ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ کالے کے گر جانے کے بعد بھی حالات جان کے کنٹرول میں تھے۔ ان کے لیے کالے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس وقت جان کی سلامتی اور اس کے مشن کی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہر چیز پر مقدم تھی۔ شاید جان نے انہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہوئی تھی اور وہ اس وقت تک چھپے رہتے جب تک انہیں جان کے پھنسنے کا شبہ نہ ہوتا۔

ہم ریلنگ کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ مجھے وہاں سے اول خان کی کار تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ اول خان نے جان کی پشت سے مجھے اشارہ کیا اور پنجوں کے بل تیزی سے واپس ہولیا۔

جان خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"تم وعدہ خلافی کر کے اپنے ساتھ مسلح آدمی لائے ہو اس لیے عبدالماجد الحسینی نے آخری لمحات پر تم سے ملنے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔" میں نے اس ساری مشق کے جواز کے طور پر غرا کر اسے بتایا "مجھے سبق سکھانے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی میں نے فضا میں اچھل کر اس کی ناک پر ایک ٹکر رسید کی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے جھکا پھر اس نے اپنے الٹتے ہوئے وجود کو سہارا دینے کے لیے پائپ کی موٹی ریلنگ تھام لی۔ اسی لمحے کہیں سے کوئی فائر ہوا۔ میرے پاس اس کی سمت دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس ابتدائی فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے اس ساحلی ویرانے میں تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔

ماحول یکایک گمبھیر ہو گیا۔ فضا میں آگ کی لکیریں ادھر سے ادھر تیر رہی تھیں مگر کسی گولی کا رخ ہم دونوں کی طرف نہیں تھا۔ گولیاں برسانے والے ہر فریق کو یہ خوف لاحق تھا کہ ٹارگٹ شوٹنگ کی صورت میں اس کی گولی حریف کے بجائے حلیف کو نہ چاٹ جائے۔

میں نے جھکتے ہوئے جان ایشکوف کی ٹانگوں کے درمیان سے، پیچھے سے ہاتھ گزارا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے، اسی ہاتھ کی ہتھیلی سے ریلنگ تھام کر پوری قوت سے اپنے بازو کو اوپر اچھالا۔ جسم کے نازک حصوں پر پڑنے والی اس شدید ضرب پر جان کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز تھی۔ اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے، ریلنگ ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ فضا میں سمندر کے پرسکون پانی پر اڑتا ہوا آگے جانے لگا۔

اسی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی گولی بجلی کے تار سے ٹکرائی۔ فضا میں تنا ہوا تار ٹوٹنے کا ترنم، تاروں کے آپس میں ٹکرانے کے ہولناک تڑاقوں سے دب گیا۔ تار ٹکرانے سے فضا میں شعلے کوند رہے تھے اور پگھلا ہوا تار شراروں کی صورت میں گر رہا تھا۔ علاقے میں جلنے والی روشنیاں کئی بار دھیمی اور تیز ہوئیں پھر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے جان کے قدم زمین سے اکھاڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر واپسی کی دوڑ لگا دی تھی۔ فائرنگ کے بھیانک شور اور برقی دھماکوں میں جان کی دہشت زدہ چیخیں بہت نمایاں تھیں۔ میں نے ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں جان کے پانی میں گرنے کا پُرشور چھپاکا سنا۔

جلال نے میرے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ میں پاکستان میں اس سازشی کے خلاف کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن میں دل کھول کر اس کی تذلیل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کھاڑی میں سمندر متلاطم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ بیشتر امریکیوں کی طرح جان بھی تیرنا جانتا ہوگا اور کسی نہ کسی طرح قریبی کنارے تک پہنچ جائے گا جہاں کسی بھی لمحے پولیس پہنچنے والی تھی۔ کھارے اور گندے سمندری پانی میں نہائے ہوئے جان ایشکوف اور پولیس افسران کی ملاقات خاصی دلچسپ ثابت ہو سکتی تھی۔

فضا میں اندھیرا پھیلتے ہی فائرنگ کا زور بڑھ گیا۔ دونوں فریقوں میں سے شاید کوئی کسی کے نشانے پر نہیں رہا تھا مگر دونوں طرف سے دل جمعی کے ساتھ گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔

میں اندھیرے میں کئی جگہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ سڑک کے قریب پہنچنے تک میرے کانوں میں ان

خوف زدہ چیخوں کی آوازیں بھی آنے لگیں جو وہاں پھنس جانے والے راہ گیروں اور تماشائیوں کی دہشت کا نتیجہ تھیں۔

سڑک پر آنے کے بعد میری رفتار تیز ہوگئی۔ میں بگٹٹ دوڑے جارہا تھا۔ اول خان مجھ سے ذرا پہلے بھاگا تھا۔ اسے اندھیرا ہونے سے پہلے خاصی دور نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا ہوگا۔

وہ شاید دوڑ کا چیمپئن رہ چکا تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کرکے سست رفتار سے میری طرف واپس آرہا تھا۔ میں نے دور سے گاڑی پہچان لی۔ اول خان نے بھی ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مجھے دوڑ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا اور میرے قریب گاڑی روک دی۔ میں دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ گاڑی نے تیزی سے یو ٹرن لیا اور پھر روشنیوں سے آراستہ ہوٹل کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں اس وقت بھی فائرنگ کا شور گونجتا سنائی دے رہا تھا لیکن اس کی شدت میں خاصی کمی آگئی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" مولوی تمیزالدین خان روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"چہرے پر ایک ٹکر رسید کرکے سمندر میں پھینک دیا۔ سالے کے ہوش ٹھکانے آگئے ہوں۔"

"اسے پانی خاصا گیلا اور ٹھنڈا محسوس ہوا ہوگا" اول خان نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

"کالو مکرانی کو دیکھ کر میں پریشان ہوگیا تھا" کچھ دیر بعد اول خان بولا "وہ کسی چیتے کی سی پھرتی اور سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر تمہارے پیچھے پہنچا تھا۔"

"پہلے میں اسے مکرانی سمجھا تھا۔ وہ بولا تو پتا چلا کہ اس کا تعلق کالے امریکیوں سے ہے۔"

"یہ جان کی چالاکی تھی کہ وہ اسے اپنا ڈرائیور بناکر قمیص شلوار میں وہاں لایا۔ وہ زبان نہ کھولتا تو ہر دیکھنے والا اسے مقامی ہی سمجھتا" اول خان نے کہا "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی احتیاطی تدابیر دھری رہ گئیں اور تمہارا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اوسان خطا ہونے کے بعد وہ پولیس والوں کو کیا کہانی سناتا ہے اس کے کالے ساتھی کو کئی گھنٹوں سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔"

"ہماری روانگی تک فضا میں فائروں کا شور گونج رہا تھا۔ تمہارے آدمی وہاں کیوں رکے ہوئے تھے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"انہوں نے نو بج کر چودہ منٹ پر فائرنگ روک کر واپسی کی راہ اختیار کرلی ہوگی۔ رہے سہے فائر جان کے آدمی کررہے ہوں گے۔ بجلی کے تار ٹوٹنے کے بعد ان کی ہر راہ مسدود ہوگئی تھی۔ ان کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ سمندری کھاڑی میں گرنے کے بعد جان کدھر گیا؟"

"مندر میں اندھیرا ہوگیا تھا مگر اس طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کی روشنیاں رہنمائی کررہی تھیں۔ جان ضرور نکل آیا ہوگا۔"

"تم نے جو کچھ سوچا تھا' اسے پورا کرلیا" اول خان نے کہا "اب اس بارے میں زیادہ نہ سوچو' وہاں کیا ہوا ہوگا؟ یہ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوجائے گا۔"

"اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تم سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں گھر پر ملوں گا' یہ بتاؤ کہ اب تم کہاں جاؤ گے" اول خان نے مجھ سے جوابی سوال کرڈالا۔

"میں محسوس کررہا ہوں کہ جان کی آمد کے ساتھ ہماری انتظامیہ پر امریکی دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں انتظامی سطح پر کچھ نہ کچھ سرگرمیاں شروع ہوجائیں گی۔ میرا ہوٹلوں سے دور رہنا میرے لیے سودمند رہے گا۔"

"ہوٹل کے سوا تم کہاں جاؤ گے؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"میرا ارادہ مکمل آرام کرنے کا ہے۔ بیماری کا بہانہ کرکے چند روز کے لیے کسی اسپتال میں رہوں گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے" اول خان میرے انکشاف پر خوش ہوگیا "اسپتال میں سب سے الگ تھلگ رہ کر تم ہر قسم کی سرگرمیوں سے دور رہوگے۔ روپوشی کے لیے گمنام بن کر کسی اسپتال میں جانا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔ تم نے اپنے لیے کس اسپتال کا انتخاب کیا ہے؟"

"تم مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پاس اتار دینا۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ مجھے کہاں جانا چاہیے" میں نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے اس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" اس نے فوری طور پر سوال داغ دیا۔

"میں دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا تو یہ بات بھی بتادوں گا" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

اول خان مجھے میری کسی متوقع منزل پر اتارنے کے لیے مصر تھا مگر میں اپنے ابتدائی فیصلے پر قائم رہا۔ آخر اس نے ریلوے پل عبور کرنے کے بعد مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے سامنے اتار دیا۔ مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے پرتپاک انداز میں مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور آگے روانہ ہو گیا۔

میرے پاس میرے مختصر سے سامان پر مشتمل تھیلا تھا جسے میں نے کندھے پر لٹکا لیا۔ میں نے ایک ہوٹل پر بیٹھ کر گرما گرم چائے کی ایک پیالی پی، سگریٹ سلگائی اور وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے روپوشی کے نئے تجربے کے لیے سول اسپتال کا رخ کرنا چاہیے۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس سے سول اسپتال کا فاصلہ اتنا کم نہیں تھا کہ اسے آسانی سے پیدل طے کیا جا سکے مگر میں اپنی رو میں مگن پیدل چلتا رہا۔ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے چندریگر روڈ کے چوراہے تک سیدھا چلتا ہوا میں شاہین کمپلیکس تک پہنچا۔ وہاں سے سڑک عبور کر کے ایس ایم لا کالج والے نکڑ سے داہنی طرف گھوم کر برنس روڈ کی سمت میں چل دیا۔ اتنی دور تک پیدل چلنے کی وجہ سے میرے بدن میں خاصی حرارت پیدا ہو چکی تھی۔

ایم اے جناح روڈ پر جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے والی سڑک اختیار کر کے میں ذرا سی دیر میں سول اسپتال کے ایمرجنسی کے شعبے میں پہنچ گیا۔

غنیمت تھا کہ ان دنوں شہر میں قتل و غارت گری کا دور دورہ نہیں تھا ورنہ اسپتال زخمیوں اور جاں بہ لب مریضوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایمرجنسی اور حادثات کے شعبے میں اس وقت صرف چند مریض تھے۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد میری بھی باری آ گئی۔

اسپتالوں اور بیماریوں سے کبھی میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر نے باری آنے پر مجھ سے مرض کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بے اختیار اپنڈکس کا نام لے دیا۔

نوجوان ڈاکٹر میرا جواب سن کر مسکرانے لگا ”تم کو کیسے معلوم ہوا کہ تمہیں اپنڈکس کی شکایت ہے؟“

”پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے“ میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

”ہاتھ لگا کر بتاؤ کہ کس جگہ درد ہو رہا ہے؟“ ڈاکٹر نے وہ سوال کر کے مجھے ایک امتحان سے دوچار کر دیا۔

مجھے اپنڈکس کے محل وقوع کا پتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے سوال کا فوری جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے پیٹ پر ایک جگہ ہاتھ رکھ دیا۔

ڈاکٹر نے اپنے نرم ہاتھ سے میری بتائی ہوئی جگہ دبائی اور میں تکلیف ہونے کی اداکاری کر کے کراہنے لگا۔ ڈاکٹر نے میری پتلون میں سے قمیص باہر نکالی اور نرمی سے میرے پیٹ کے مختلف حصوں کو دبانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس نے میری پسلیوں کے نیچے اور پیٹ کے نچلے حصے کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد مجھے بستر سے اٹھایا اور اپنی مختصر سی میز کے پیچھے کرسی پر جا بیٹھا۔

”تمہیں اپنڈکس کیا، کوئی بھی تکلیف نہیں“ نوجوان ڈاکٹر نے اپنی تشخیص کا نچوڑ ایک جملے میں سمیٹ کر مجھے حیران کر دیا ”ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ریاحی درد وغیرہ ہو۔ بازار سے یہ دو گولیاں لے کر پانی سے نگل لو۔ آرام آ جائے گا۔“ اس نے نام اور عمر پوچھ کر نسخے پر اندراج کیا اور نسخہ میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر پیناڈول لکھی ہوئی تھی۔

”مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھے اسپتال میں داخل کر کے اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جائے“ میں نے اپنی خواہش ظاہر کی۔

”میں نے اچھی طرح دیکھ بھال کر کے ہی اپنی رائے دی ہے“ اس نے خشک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا ”اسپتال کے بستر ضرورت مند مریضوں کے لیے ہیں۔ شوق یا خواہش پر کسی کو یہاں داخل نہیں کیا جا سکتا۔“

”میں پھر بھی یہ چاہوں گا کہ مجھے رات بھر کے لیے یہاں رکھ لیا جائے۔ بڑے ڈاکٹر نے بھی یہی رائے دی تو میں گھر چلا جاؤں گا“ میں نے اصرار کیا۔

”بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی کوئی رائے دینے سے پہلے مجھ سے جواب طلب کریں گے کہ میں نے تمہیں کیوں داخل کیا۔ تمہیں اسپتال میں داخلے کا ایسا ہی شوق ہے تو تم کسی پرائیویٹ اسپتال چلے جاؤ۔ تمہاری جیب میں پیسے ہیں تو وہ تمہیں داخل کر لیں گے۔“

وہ نوجوان ڈاکٹر اچھے اخلاق اور کردار کا مالک تھا۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت بھی شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے پرائیویٹ اسپتال کی راہ سجھا کر میری مشکل آسان کر دی تھی۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے مسئلے کے حل کے لیے سول اسپتال کا رخ کیا تھا۔

میں وہاں سے نکلا اور خون بیچنے والوں اور ان کے دلالوں کی بھیڑ سے نکل کر قریب سے ایک رکشا پکڑ لیا۔ ان دنوں شہر میں ایک بہت بڑے پرائیویٹ اسپتال کے نام کا

ڈنکا بج رہا تھا۔ میں نے رکشا ڈرائیور کو اسی اسپتال کا نام بتادیا۔
شہر کی سڑکوں پر رواں ٹریفک کے ہجوم میں چابک دستی سے اپنا راستہ بناتے ہوئے رکشا ڈرائیور نے بہت جلد مجھے اسپتال کی پرشکوہ عمارت میں پہنچادیا۔
وہاں بھی میں ابتدائی طبی دیکھ بھال کے مرحلے سے گزرا۔ ڈاکٹر اپنی تشخیص سے زیادہ میری شکایت پر دھیان دے رہا تھا۔ اس نے میری مفروضہ تکلیف کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دی لیکن میری خواہش کے احترام میں مجھے اسپتال میں داخلے کا مژدہ سنادیا۔ اس کی رائے تھی کہ میرا پیچیدہ مسئلہ تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد ہی حل ہو سکتا تھا۔
اسپتال میں داخلے کی باری آئی تو معلوم ہوا کہ وہاں جنرل وارڈ سے وی آئی پی روم تک کمروں کی پوری رینج حاضر تھی۔ میں نے پرائیویٹ روم کو ترجیح دی۔ اسپتال بہت شاندار تھا اور اس کے پرائیویٹ روم کا کرایہ اچھے ہوٹل کے یومیہ کرائے سے ذرا ہی کم تھا۔
اسپتال میں دس ہزار روپے جمع کرانے سے بھی کام چل سکتا تھا مگر میں نے بیس ہزار روپے دے دیے کیونکہ مجھے کئی دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حساب میں وافر رقم موجود ہوئی تو مجھے میری مرضی کے خلاف اسپتال سے رخصت نہیں کیا جائے گا۔ داخلے کے لیے میں نے نئے نام اور پتے کا سہارا لیا تھا۔
نووارد مریضوں کے لیے اسپتال کے آراستہ کمرے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ رقم ادا کرنے کے چند منٹ بعد ہی مجھے راہ داری اور پھر لفٹ کے ذریعے میرے پرائیویٹ روم میں پہنچادیا گیا جہاں ایک فرد کی ضرورت اور آسائش کے لیے بہت کچھ دستیاب تھا۔ میرے لیے اس کمرے میں ٹیلی وژن اور فون کی موجودگی زیادہ اہم تھی۔
مجھے حقیقت میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سول اسپتال کے نوجوان ڈاکٹر کی طرح اس اسپتال کے ڈاکٹر نے بھی اس رمز کو پالیا ہوگا۔ مجھ سے اسپتال میں داخلے کے پیسے لے لیے گئے تھے لیکن علاج معالجہ اگلی صبح تک التوا میں رہے گا۔
میں بے داغ، سفید چادر والے سرجیکل بیڈ پر آرام سے دراز ہو کر ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ایک پختہ عمر والی خوش شکل نرس اپنے وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بہت سا طبی سازوسامان موجود تھا۔
وارڈ بوائے سامان لگانے میں مصروف ہو گیا۔ نرس مجھ سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں ڈیوٹی ڈاکٹر کمرے میں آگیا۔ اس نے سر سے پیر تک میرا تفصیلی جائزہ لیا، مجھ سے بہت سے سوالات پوچھتا اور میڈیکل فائل پر نوٹ لیتا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد نرس نے اپنا کام شروع کیا۔
پہلے ایک سرنج میں میری کلائی کی نس سے خون کا نمونہ لیا گیا جو مختلف تجربات کے لیے لیبارٹری میں جانا تھا۔ سفید ٹائلوں سے آراستہ باتھ روم میں موجود شیشی میں یورین کا سیمپل دینے کی ہدایت کی گئی پھر مجھے بستر پر لٹا کر میرے بائیں ہاتھ کی نس میں کینولا اتار دیا گیا۔ اس اثنا میں وارڈ بوائے نے ڈرپ کی بڑی سی تھیلی اسٹینڈ سے لٹکادی تھی۔
"آپ کے ساتھ کمرے میں کوئی مددگار نہیں رہے گا؟" نرس نے ڈرپ کے قطروں کو میرے دورانِ خون میں رواں کرتے ہوئے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"آپ جیسے مخلص اور پیشہ ور عملے کی موجودگی میں کسی اور کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔
اپنا کام مکمل کر کے اس نے مجھے کچھ ہدایات دیں، عملے کو طلب کرنے والی گھنٹی کے بارے میں بتایا اور وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مرد مریضوں کے کمروں میں ہر نرس کسی وارڈ بوائے کو اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جاتی ہوگی تاکہ کوئی مریض اس سے ضروری یا غیر ضروری چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔
میری خواہش پوری ہو چکی تھی۔ میں مریض بن کر امریکیوں کے کسی نئے عتاب اور نگاہوں سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کمرے میں تنہائی میسر آنے پر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ جان کو سمندری کھاڑی میں پھینکنے کے بعد سوا دو گھنٹے کا وقت بہت تیزی سے گزر گیا تھا۔
میں نے اپنے سرہانے تپائی پر رکھا ہوا فون بستر پر اٹھالیا۔ بایاں ہاتھ ناگہانی ڈرپ کی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور گردن اور شانے کے درمیان دبا کر داہنے ہاتھ سے اول خان کے گھر کا نمبر ملالیا۔
اول خان فوراً ہی میری آواز پہچان گیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہو؟"
میں نے اسپتال کا نام اور اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد کہا "میں باقاعدہ مریض بنادیا گیا ہوں۔ اس وقت ڈرپ کا

قیدی ہوں اس لیے سی ایس ڈی نہیں لگا سکا۔"
اول خان میرا اشارہ بھانپ گیا "لگالو تو مجھے ضرور بتانا ..... تم اچھے خاصے تھے۔ تمہیں ڈرپ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"
"مجھے نہیں، اسپتال والوں کو اس کی ضرورت تھی۔ یہ مریض کو مرعوب کرتی ہے اور بل بڑھانے میں قطرہ قطرہ مدد دیتی ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ مجھے یوں باندھ کر بستر پر ڈال دیا جائے گا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈرپ میں کچھ دوائیں بھی ملائی گئی ہیں۔"
"یہ سب کیا ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ تم واقعی بیمار پڑ جاؤ۔ یہاں تم نے اپنا پورا نام درج کرایا ہوگا۔"
وہ اول خان کا ڈھکا چھپا سوال تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اسپتال میں کس نام سے مقیم ہوں۔ میں نے جواب میں اپنا مفروضہ نام دہرادیا "یہاں میرا وقت تو سکون سے گزر جائے گا لیکن یہ علاج معالجہ خطرناک ہے۔ کھانے پینے کی دوائیں ہوں تو آدمی نظر بچا کر تلف کردے۔ یہ براہِ راست ڈرپ اور انجکشنوں پر اتر آئے ہیں۔"
"تم نے یہاں کس مرض کے سلسلے میں رجوع کیا تھا؟" اول خان نے سوال کیا۔
"اپنڈکس کی شکایت کی تھی۔ اب وہی گلے پڑتی نظر آرہی ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔
"تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اپنڈکس کو ڈاکٹر غیر ضروری بند آنت قرار دیتے ہیں جو کسی بھی وقت اچانک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بہت سے لوگ کسی تکلیف کے ہونے سے پہلے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس تھیوری کے تحت تمہارا آپریشن بھی کردیا جائے" اول خان یکایک فکر مند ہوگیا۔
"یہ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔ میں سوچنے کے لیے دو چار دن کی مہلت لے لوں گا۔ اس وقت تک فضا بدل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اس قصے کا کیا رہا؟"
"ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھا کر اس کی طبیعت صاف ہوگئی تھی۔ اس نے پولیس کو ماجد کے فون سے لے کر آخر تک کی کہانی بلا کم و کاست سنادی۔ وہ باتیں بھی دہرادیں جو تم نے اس سے ماجد اور اس کے گروہ کے بارے میں کہی تھیں۔ اب پولیس ماجد یمنی کی تلاش میں ہے۔"
"اس خادم کے بارے میں موصوف نے کیا زہر اگلا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"تم کو ماجد کا خطرناک مقامی ساتھی کہا ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ دیکھے گا تو پہچان لے گا۔"
"پھر تو اس نے ان دو لاکھ روپوں کے بارے میں بھی بتادیا ہوگا جو اس کی جیب میں تھے۔"
"بتایا ہے لیکن یہ شکایت کی ہے کہ اسے بچانے والوں میں سے کسی نے لاکھ کی ایک گیلی گڈی اس کی جیب سے نکال لی۔"
"وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ پولیس کو دیکھتے ہی اسے لمبی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ جھوٹ بولتا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جاتا۔ اس نے سچ بول کر اپنی جان بچائی ہے۔"
"دوسرا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب پولیس کو ماجد کو بھی تلاش کرنا ہوگا" اول خان کی آواز آئی۔
"یہ تازہ اور اہم واقعہ ہے۔ اچھا ہے کہ ان کی توجہ اس کی طرف مبذول رہے" میں نے امید ظاہر کی۔
"ناک سوجنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ چہرے پر پڑنے والی ٹکر نے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی۔"
"اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے تھا۔ اگر اس کا ساتھی اتنا پھرتیلا نہ ہوتا تو میں اس کا چہرہ مزید بگاڑ دیتا۔"
"زیادہ اونچی پرواز مت کرو" اول خان کی آواز دھیمی اور سخت ہوگئی "وہ لوگ فون کے ساتھ ایسے آلات استعمال کررہے ہیں کہ انہیں فون کرنے والے کا نمبر تک معلوم ہوجاتا ہے۔ وہ اسے کالر لائن آئڈنٹی فیکیشن کہتے ہیں۔ اس نے پولیس کو گلشن اقبال کے اس پبلک بوتھ کا فون نمبر دینے کا وعدہ کیا ہے جہاں سے اس کے بقول ماجد نے اسے فون کیا تھا۔"
"پبلک بوتھ کا بھی کوئی فون نمبر ہوتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ بات میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"
"ہر فون کا کوئی نہ کوئی نمبر ہوتا ہے۔ پبلک بوتھ کے نمبر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کا غلط استعمال نہ ہوسکے لیکن ان کے سی ایل آئی سسٹم پر اس پبلک بوتھ کا فون نمبر آگیا ہوگا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس سے باہر سے رابطہ کیا گیا تھا۔"
"سی ایس ڈی کے بغیر یہ باتیں خطرناک ہیں۔ تم کب تک جاگ رہے ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔
"آج سونے والی رات نہیں ہے۔ ابھی مجھے اسلام آباد کے ردِعمل کا انتظار ہے" اول خان نے بتایا۔
"پتا نہیں جلال کراچی میں ہے یا اسلام آباد واپس لوٹ گیا۔ اس سے تمہارا رابطہ ہوجائے تو بہت سی خبریں مل سکتی ہیں۔"

"اس وقت میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ وہ بے حد مصروف آدمی ہے۔ اگر گھر پر آرام کر رہا ہے تو مجھے دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ صبح میں اس کے دفتر میں بات کروں گا تاکہ اندر کی کوئی سن گن مل سکے۔ وہ بہت زیادہ باخبر آدمی ہے۔"

"اپنی طرف سے آج والے واقعے کا ذکر نہ چھیڑنا۔ اسے شبہ ہو جائے گا کہ ہم نے اس کی درخواست کو نظرانداز کر دیا اور جان سے الجھ گئے۔"

"اس کا انحصار اخبارات پر ہے۔ اگر اس واقعے کو نہیں دبایا جاتا اور اخبارات میں خبریں لگ جاتی ہیں تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر رہنا میری پیشہ ورانہ ذمے داریوں میں شامل ہے۔ دوسری صورت میں، میں محتاط رہوں گا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔ میں ڈرپ کے جنجال سے اپنی جان چھڑا کے سی ایس ڈی لگانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔"

"تمہارا دوبارہ فون نہ آیا تو صبح میں تم سے ملنے کے لیے اسپتال آؤں گا۔"

"مجھے ایک اٹنڈنٹ کو دن رات اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر تم گھر کا سکون چھوڑ کر یہاں کچھ وقت گزارنا چاہو تو اس وقت بھی یہاں آسکتے ہو۔ ہوٹل کے بجائے اسپتال میں روپوشی کا تجربہ میرے لیے خوشگوار نہیں رہا۔ مجھے ابھی سے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"رات کو میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندرونِ خانہ واقعات کوئی اور رخ اختیار کر لیں۔ ایسی صورت میں چیف کسی بھی وقت مجھ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کر سکتا ہے۔ میں رات کو گھر سے غائب رہا تو اسے خاصی کوفت ہوگی۔"

وہ اپنی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی آمد کے لیے اصرار نہیں کیا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون پر اول خان سے بات کرنے کے بعد مجھے خاصا سکون محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سینے سے ایک بوجھ سا اتر گیا ہو۔ میرے لیے یہ احساس بھی طمانیت کا باعث تھا کہ جان کو زک دینے کے بعد میں تنہا نہیں رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے کم از کم اول خان کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے شہر کے کس اسپتال میں پناہ لی تھی۔

گھٹن کے اندرونی احساس سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں کچھ دیر تک بستر پر دراز کچھ سوچتا رہا پھر میں نے اسپتال کے عملے میں سے کسی کو بلانے کے لیے اپنے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا دی۔ اس اسپتال میں طبی علاج اور پیشہ ورانہ دیانت کا جو بھی معیار رہا ہو، ذاتی دیکھ بھال کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر کے بعد ایک نیا مردانہ چہرہ میرے کمرے میں آموجود ہوا۔ وہ اپنے طور طریقوں سے میل نرس کے بجائے وارڈ بوائے نظر آرہا تھا۔

"سسٹر کو بلاؤ۔ مجھے سخت الجھن اور وحشت ہو رہی ہے۔" میں نے اس سے کہا اور وہ الٹے قدموں لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانی نرس کے ساتھ آگیا۔ نرس کے ہونٹوں پر نرم اور مہربان مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"سسٹر! مجھے ڈرپ سے سخت وحشت اور گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اسے نکال دو!" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی احتجاج کیا۔

وہ میرے بستر کے قریب آگئی اور ڈرپ کی نلکی کو چھیڑتے ہوئے بولی "اس میں ایسی کوئی دوا نہیں ہے جس سے آپ کو گھبراہٹ ہو۔ صبح تک آپ کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ طاقت کے لیے رات بھر یہ ڈرپ چلے گی۔ ہو سکتا ہے کہ صبح ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد آپ کے آپریشن کا فیصلہ کر لیں۔"

اس کے آخری فقرے نے میرے اوسان خطا کر دیے "میں آپریشن نہیں کرواؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب جو فیصلہ چاہیں کر لیں مگر وہ مجھے میری مرضی کے خلاف آپریشن تھیٹر میں نہیں لے جا سکیں گے، میں کسی کو اپنے بدن پر نشتر زنی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"یہ صرف میرا خیال ہے۔" وہ جلدی سے بولی "ہو سکتا ہے کہ سرے سے آپریشن کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آپریشن کے لیے مریض کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس وقت آپ کی بہتری کے لیے ڈرپ دی جا رہی ہے۔"

"ڈرپ میں سرنج سے کچھ دوائیں بھی شامل کی گئی تھیں۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "وہ کیا تھیں؟"

"ایک درد ختم کرنے والی دوا تھی۔ دوسری دوا سے آپ کو آرام سے نیند آجائے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"میرا سارا درد ختم ہو چکا ہے۔" خواہش کے باوجود میں اسے یہ نہ بتا سکا کہ میرے پیٹ میں کہیں کوئی درد نہیں تھا

"مجھے مسکّن دوا کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں خود ہی سوجاؤں گا۔ تم یہ ڈرپ نکال دو۔ اس نے مجھے مریض بنادیا ہے۔ اس کام میں دیر نہ کرو۔"

اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر بولی "میں ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتی۔ آپ ذرا سا صبر کریں۔ میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی اور میں فکر مند ہوگیا۔ جس طرح سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں پالا جاسکتا تھا اسی طرح اسپتال میں رہ کر ڈاکٹر سے الجھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مصیبت میری اپنی لائی ہوئی تھی اور میں جانتا تھا کہ اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج ممکن نہیں تھا۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

مریضوں کی ذاتی دیکھ بھال کی اعلیٰ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ نرس جلد ہی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر دوبارہ میرے کمرے میں آگئی اور میرا بلڈ پریشر اور نبض چیک کرنے لگی۔

ڈاکٹر مجھے ڈرپ اور اس میں ملی ہوئی دواؤں کی افادیت سمجھانے پر مصر رہا اور میں کسی پیچیدہ نفسیاتی مریض کی طرح اپنی الجھن، وحشت اور گھبراہٹ کے اظہار پر زور دیتا رہا۔ اسپتال کے عملے کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ سیل ٹوٹنے کے بعد ڈرپ اور دواؤں کی پوری قیمت میرے بل کا حصہ بن چکی تھی۔ ڈرپ اور دواؤں کے جملہ برے اور بھلے اثرات کا شکار میں ہو رہا تھا۔ میری بڑھتی ہوئی بحث سے ڈاکٹر کا منہ بن گیا اور اس نے نرس کو ڈرپ نکالنے کا ناخوشگوار حکم دے دیا۔

"آپ یوں ہی من مانی کریں گے تو علاج اور افاقہ کیسے ہوگا؟" ڈاکٹر نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے کھانے اور پینے کی دوائیں دے دیں۔ ان پر میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"ڈرپ آپ کی خواہش پر روکی گئی ہے۔ اب آپ سونے کی کوشش کریں۔ صبح ڈاکٹر امجد آپ کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے متبادل دوائیں دے دیں۔ وہ میں استعمال کرلوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں نے بہترین علاج تجویز کیا تھا۔ میں اس سے کم پر سمجھوتا نہیں کرسکتا۔ یہ میرے پیشہ ورانہ اصول کے خلاف ہے۔ آپ صبح تک درد وغیرہ برداشت کریں۔ ڈاکٹر امجد آپ کو دیکھ کر اپنی رائے دیں گے۔ درد بڑھنے لگے تو بلا تکلف مجھے دوبارہ بلالیں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

اس دوران میں نرس ڈرپ بند کرکے اس کی نلکی کو کینولا سے الگ کرچکی تھی۔ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے پیچھے رک کر مجھ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے بدن کے کسی حصے میں دور دور تک کسی قسم کے درد یا تکلیف کا وجود نہیں تھا جسے برداشت کرنا پڑتا۔ میری ایک شکایت کو مفت کے سول اسپتال میں سرے سے مسترد کردیا گیا تھا اور اس مہنگے اسپتال میں اسی شکایت کو من وعن تسلیم کرکے پیچیدہ علاج کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ وہ ہمارے معاشرے کا ایک بھیانک اور تکلیف دہ رخ تھا جو جان ایشکوف کی بدولت میری نظروں میں آگیا تھا۔ یہ ہوس زر کی انتہا تھی کہ طب کے مقدس پیشے میں بھی پیسے کے حصول کی ہوس رکھنے والی کالی بھیڑیں در آئی تھیں۔

کپڑے کے مضبوط ٹیپ کے نیچے کینولا کی نرم اور لچک دار سوئی، میرے بائیں ہاتھ کی ایک نس میں بدستور اتری ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر تک مسہری پر پڑا اپنی اس گھائل نس کو دھیرے دھیرے سہلاتا رہا پھر میں نے بستر چھوڑ دیا۔

میں نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا، سگریٹ سلگائی اور اپنے مختصر تھیلے کی طرف متوجہ ہوگیا جس میں سی ایس ڈی موجود تھی۔

میں نے سی ایس ڈی پر اپنے نئے تجربات کے بعد اسے ٹیلی فون لائن سے جوڑنے کا عمل اور ریڈی میڈ طریقہ دریافت کرلیا تھا۔ چند لمحوں میں سی ایس ڈی والی ڈبیا تاروں کے ذریعے لائن سے منسلک ہوکر میرے تکیے کے نیچے پہنچ چکی تھی۔ اس کا ہر وقت میری دسترس میں رہنا ضروری تھا تاکہ میں ضرورت پیش آنے پر بلا تاخیر اسے آن یا آف کرسکوں۔ شہر میں اپنے ساتھیوں سے محفوظ رابطے کے لیے اس آلے کا استعمال میرے لیے ناگزیر تھا۔

امریکا کی سرزمین پر میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والے بدری ناتھ کی ہڈیاں تک اس وقت تک گل سڑ کر ناپید ہوچکی ہوں گی۔ را کا وہ گھاگ ایجنٹ اپنی ساری چالاکیوں سمیت نیست و نابود ہوچکا تھا مگر اس کی دی ہوئی سی ایس ڈی اس وقت بھی کارآمد تھی۔ بدری کے کرتوت ایسے نہیں تھے کہ اسے زیادہ دنوں تک یاد رکھا جاتا لیکن سی ایس ڈی کے حوالے سے وہ مردود اکثر مجھے یاد آتا رہتا تھا جس کے ساتھیوں نے ایک عرصے سے میرا جینا اجیرن کیا ہوا تھا۔

مجھے کھانے کی قطعی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اسپتال کی

نرس اپنی گفتگو کے دوران مجھے یہ اشارہ دے چکی تھی کہ اگلی صبح میری متوقع سرجری کی وجہ سے میرا کھانا پینا بند کرکے مجھے صرف ڈرپ پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ کمرے میں عملے کے کسی فرد کی رضاکارانہ آمد کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں نے دروازہ بولٹ رہنے دیا اور نائٹ لیمپ روشن کرکے کمرے کی دونوں ٹیوب لائٹس گل کردیں۔

وہ بندوبست کرکے میں نے اپنی دانست میں ہر بیرونی مداخلت کے خلاف باڑ کھڑی کردی تھی۔ کمرے میں کوئی ایش ٹرے موجود نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کمرے میں تمباکو نوشی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ میں نے کمرے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ ختم کی اور اس کا سلگتا ہوا آخری سرا باتھ روم کے کموڈ میں تلف کرکے دوبارہ بستر پر پہنچ گیا۔

میں نے اول خان سے دوبارہ رابطہ کرنے کے ارادے سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میرے ذہن میں غزالہ کا معصوم اور فکرمند چہرہ مجسم ہوگیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ میرے بارے میں فکرمند ہوگی۔ میں نے فوری طور پر گلشن اقبال میں اپنے گھر کا نمبر ملالیا۔

گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا اور میری آواز سن کر اس کے لب و لہجے میں عجیب والہانہ سی مسرت سمٹ آئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا دل کہہ رہا تھا کہ اتنی دیر سے آنے والی یہ کال آپ ہی کی ہوسکتی ہے۔ آپ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"سی ایس ڈی کو فعال کرتے ہی میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ میں بالکل خیریت سے ہوں اور ایک اسپتال میں ہوں۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"اسپتال میں! مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر شاید اسے گہرا جھٹکا لگا تھا۔ پل بھر میں ہی اس کی آواز سے ساری بشاشت رخصت ہوگئی تھی۔ گھر میں کسی کو یہ علم نہیں تھا میں نے اس مرتبہ روپوش ہونے کے لیے کس قسم کے ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا اس لیے غزالہ کا اسپتال کا نام سن کر چونکنا فطری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے اسپتال کے کمرے کو اپنی خفیہ کمین گاہ کے طور پر منتخب کیا ہوگا۔ میری زبان سے اسپتال کا ذکر سن کر اسے اندیشہ ہوا ہوگا کہ میں جان ایشکوف سے تصادم میں مجروح ہوگیا تھا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اسے دلاسا دیا "میں ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔ اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ہوٹل کے بجائے اسپتال کے کمرے میں آگیا ہوں۔ میری تلاش میں کوئی ادھر کا رخ نہیں کرسکے گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں" اطمینان کے ایک گہرے سانس کے بعد غزالہ کی پرسکون آواز آئی "میں کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ میرا خیال مسلسل آپ کی طرف لگا ہوا تھا۔ آپ کے نو بجے والے کام کا کیا رہا؟"

سوال کرنے کے بارے میں وہ محتاط تھی مگر میں لائن پر سی ایس ڈی کے استعمال کی وجہ سے بے خوف تھا۔ میں نے کھل کر کہا "اس کی ٹھکائی کرکے میں نے اسے بحیرہ عرب کے گندے ساحلی پانی میں پھینک دیا۔ وہ اپنی اس ہزیمت کو زندگی بھر نہیں بھلا سکے گا۔ اس پوری کارروائی میں اول خان اور اس کے آدمیوں کا کردار بے مثال تھا۔ ان لوگوں کے بغیر جان کو گھیرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خبیث امکانی خطرات کا اندازہ لگا کر اپنی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔"

"شاید کچھ ہلچل شروع ہوگئی ہے۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے آپ کے لیے جلال کا فون آیا تھا۔"

"تم نے اسے کیا جواب دیا؟" میں نے عجلت میں غزالہ کی بات درمیان سے اچک لی۔

"میں نے کہہ دیا کہ آپ نے اس سے ملاقات کے بعد گھر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ میں آپ کے پتے ٹھکانے سے بے خبر ہوں۔"

"شاباش!" میں نے اس کی تعریف کی "اس وقت تمہارا بیان سوفیصد درست تھا۔ یہ یاد رکھنا کہ مرد کے ساتھ اچھی عورتوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے۔ اب بھی اپنے اسی بیان پر قائم رہنا' اسے یہ ہوا نہ لگنے دینا کہ میں نے فون پر تم سے بات کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ جان کے بارے میں ناخوشگوار جرح کرے گا کیونکہ وہ اپنی سرکاری مجبوریوں کا قیدی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں میری زبان سے کوئی تلخ بات نکلے۔ ہم دونوں کا ایک دوسرے سے چند روز تک دور رہنا ہی بہتر ہے۔"

"آپ کے لیے وہ بہت کام کا آدمی ہے اور آپ کی عزت کرتا ہے۔ آپ کے اور اس کے درمیان کوئی بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔"

"کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہوگی۔ دو چار دن میں جان کا قصہ دب جائے گا تو اس کے ذہن میں کھلی ہوئی تلخیاں خود بہ خود کم ہوجائیں گی۔ اس وقت میں اس کے سارے گلے شکوے دور کردوں گا مگر ابھی معاملہ تازہ ہے۔ وہ مجھ پر برس پڑے گا۔"

''بہتر تو یہی ہے کہ آپ اس سے دور رہیں۔ اتفاق سے کوئی رابطہ ہو جاتا ہے تو آپ صاف انکار کر دیں کہ آپ کا اور جان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔''

''اول تو میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ یہاں کسی میں اتنا دل گردہ نہیں ہے کہ جان کے رہتے کسی امریکی کو جال میں گھیر کر اس کی ناک کی ہڈی توڑ سکے۔ کسی نہ کسی وقت اسے دوسرے ذرائع سے پتا چل جائے گا کہ میں نے ایس ٹی ایف کے تعاون سے یہ کام کیا تھا۔ اس کی نظروں میں میری ساکھ گر جائے گی۔''

''آپ بالکل صحت مند آدمی ہیں۔ آپ کو اسپتال میں کس احمق نے لے لیا؟'' غزالہ کی چونکی ہوئی آواز آئی۔

''بعض پرائیویٹ اسپتالوں میں مریض کے مرض کے بجائے اس کی جیب دیکھی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ شافی کہہ کر میرا باضابطہ علاج شروع کر دیا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان کی لگائی ہوئی ڈرپ سے نجات حاصل کی ہے تاکہ فون لائن سے سی ایس ڈی جوڑ سکوں۔''

''آپ کس پرائیویٹ اسپتال میں ہیں؟'' غزالہ کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''میں نام نہیں لوں گا۔ وہ بڑے لوگ ہیں۔ مجھ پر ازالہ حیثیت عرفی کا بھاری دعویٰ دائر کر دیں گے'' میں نے کہا ''اصولاً تم کو ان باتوں سے بے خبر رہنا چاہیے تاکہ تمہیں دوسروں کے سامنے جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔''

''سلطان شاہ میرے سامنے بیٹھا ہوا بہت توجہ سے ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس سے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔''

''اس سے کہو کہ ہماری باتوں کے بجائے ویرا پر توجہ دے۔ وہ کسی کنوارے مرد کی طرف مشکل سے راغب ہوگی۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہے وہ سلطان شاہ کو بھی بتایا جا سکتا ہے۔''

''یہ کنوارے مرد کی بات کہاں سے نکل آئی'' غزالہ نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔ وہ میرے اور ویرا کے درمیان تخلیے میں ہونے والی باتوں سے بے خبر تھی اس لیے اس کا وہ سوال فطری تھا۔

''یہ میری رائے تھی۔ اسے سلطان شاہ تک نہ پہنچا دینا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ اور وجیہہ مرد ویرا کی کمزوری ہیں۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہوگی۔ آج اس نے کچھ زیادہ پی ہوئی ہے۔ جب بھی نشے کی جھونک سے ذرا باہر نکلتی ہے' جھومتی جھامتی کمرے سے باہر آتی ہے اور آپ کی خیر خبر لینے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں لوٹ جاتی ہے۔ وہ آج زیادہ خوش ہے یا پھر ڈپریشن دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ نارمل بہرحال نہیں ہے۔''

''یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو کسی دن شراب نوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا'' میں نے دکھ سے کہا۔

''مشکل یہ ہے کہ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آپ کی بات بھی نہیں مانتی۔''

''اسے بھی میرے بارے میں بریف کر دینا اور یہ بتا دینا کہ میں اس کی بلانوشی سے ناراض ہوں۔''

''میں ضرور بتا دوں گی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پتا نہیں وہ کس مٹی کی بنی ہوئی ہے؟''

وہ جو بھی مٹی رہی ہو' بہت زرخیز' خوشبودار اور دل آویز تھی مگر میں وہ باتیں غزالہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

''جلال کا دوبارہ فون آجائے تو میں اسے کیا بتاؤں؟'' غزالہ نے گفتگو کا اختتام قریب محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی ذرا سی دیر پہلے بتایا ہے کہ زبان نہ بدلنا' جو کہہ چکی ہو' اسی پر قائم رہنا۔ اسے یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کسی گھر یا ہوٹل کے بجائے اسپتال میں پناہ گزین ہوں۔ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر مجھ تک پہنچ جائے گا۔'' میں نے اسے تاکید کی۔

''آپس کے معاملات آپ دونوں جانیں۔ میں آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گی۔''

کچھ دیر بعد غزالہ سے گفتگو ختم ہو گئی۔ لاہور سے ہماری کراچی آمد کے بعد جو کچھ ہوا' وہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہمارا اس دن کا ابتدائی حصہ نارمل انداز میں گزرا تھا مگر جان کے ساتھ ایجنسیوں کے نمائندوں کے مشترکہ اجلاس کے بعد جلال نے براہ راست ہمارے پاس پہنچ کر حالات کا رخ یکسر بدل دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ امریکی دباؤ کے تحت متوقع طور پر شروع ہونے والی میری تلاش کی مہم سے محفوظ رہنے کے لیے میری روپوشی ناگزیر ہو گئی تھی۔ میں نے بھی وہ فیصلہ اسی بنا پر کیا تھا لیکن جلال کے چلے جانے کے بعد ہم نے جان کے خلاف جو منصوبہ بنایا اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد میرا جلال سے بچنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا یہی سب سوچتا رہا' مجھے معلوم تھا کہ اول خان مجھے از خود فون نہیں کرے گا۔ وہ اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میں اپنی ڈرپ سے نجات حاصل کر کے فون سے سی ایس ڈی جوڑوں اور پھر اس سے رابطہ کروں۔

بدیسی حساب سے رات کے بارہ بجے دن اور تاریخ کی
تبدیلی عمل میں آگئی۔ اپنی رسٹ واچ کے ڈائل پر نگاہ پڑتے
ہی مجھے اول خان کا خیال آگیا اور میں نے اس کا فون نمبر
ملالیا۔

"میں بہت بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کررہا تھا۔"
اول خان مجھے ہیجان آمیز لہجے میں بتارہا تھا "کیا تم نے سی
ایس ڈی لگالی ہے؟"

"اسے لگائے بغیر میں تمہیں ہرگز فون نہ کرتا۔ ہماری
آپس کی باتیں خطرناک ہوتی ہیں جو کسی دشمن کے کانوں میں
پڑجائیں تو ہمارے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہیں۔"

"جلال بہت سرگرمی سے تمہیں تلاش کررہا ہے۔ میں
نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"وہ مجھ سے کیا چاہ رہا ہے؟" میں نے پر تشویش لہجے میں
پوچھا۔

"میں اسے زیادہ نہیں کرید سکا۔ ہم دونوں ایک
دوسرے سے بات کرتے ہیں تو ہماری افسرانہ انا آڑے آنے
لگتی ہے۔ میں پوچھتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ وہ ازخود کچھ بتانے
سے گریز کرتا ہے۔ ویسے وہ اس وقت بہت خوش اور اچھے
موڈ میں تھا۔" اول خان بھی وہ بات بتاتے ہوئے خاصا خوش
تھا۔

اس کی پہلی بات قابل فہم تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی
تنظیموں کے ذمے دار افسر تھے۔ فرق یہ تھا کہ جلال ایک
دستوری ایجنسی سے وابستہ تھا جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا
وجود ہر قانون سے ماورا تھا۔ دونوں کی جداگانہ ذمے داریاں
تھیں۔ ان کے درمیان کھلی گفتگو میں یہ جھجک مانع رہتی تھی
کہ وہ کہیں اپنی حدود سے تجاوز کرکے دوسرے کے محکمہ جاتی
رازوں کے بارے میں نہ پوچھ بیٹھیں اور دوسری طرف سے
جواب دینے سے انکار کردیا جائے۔ اس کی دوسری بات
حیران کن تھی۔ اگر وہ جان ایشکوف والے معاملے سے
واقف ہوچکا تھا تو اس کا موڈ خراب ہونا چاہیے تھا۔ موڈ کی
بہتری سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس واقعے سے بے خبر تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کا شمار ملک کے حساس ترین خفیہ
اداروں میں ہوتا تھا۔ یہ ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ ملک کے
داخلی یا خارجی محاذ پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہو اور آئی بی کے
اہم کارپردازان اس سے بے خبر رہے ہوں۔

"تم نے اس کی مسرت کے سبب کے بارے میں کوئی
اندازہ تو لگایا ہوگا؟" میں نے شہ دی۔

"اندازے اسی وقت لگائے جاسکتے ہیں جب کھلی کھلی
باتیں ہوں۔ اس کی جگہ تم سے بات ہورہی ہوتی تو میں جھٹ
پوچھ لیتا کہ اس وقت کیوں چہک رہے ہو؟"

"اس نے گھر پر بھی فون کیا تھا۔ میں نے غزالہ کو سختی
سے منع کردیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائے۔ اس سے دوچار دن
بعد ہی ملنا بہتر ہوگا۔"

"اس نے کہا ہے کہ تم جہاں بھی ہو، اس سے رابطہ
کرو۔ اس نے تم تک یہ پیغام پہنچانے کی ذمے داری مجھے
سونپی ہے۔"

"پھر مجھے پورا یقین ہے کہ جان کی ناک ٹوٹنے کا اہم
عالمی واقعہ اس کے علم میں نہیں ہے۔" میں نے پورے وثوق
سے کہا۔

"یہ نہ ماننے والا مفروضہ ہے۔" اول خان نے بے تکلفی
سے میری رائے مسترد کردی "آئی بی اور آئی ایس آئی کو
حکومت کی نگراں آنکھیں کہا جاتا ہے۔ جان جب سے کراچی
پہنچا ہے، سب سے بڑا موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ آج کا واقعہ
پولیس کے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ جلال اس
سے بے خبر ہو۔"

"اگر اس نے مجھ سے ذرا سی بھی تلخی سے بات کی تو میں
پھٹ پڑوں گا اور ہمارے مراسم میں ہمیشہ کے لیے دراڑ
پڑجائے گی" میں نے محتاط لب ولہجے میں کہا "میں اسی لیے
اس سے سامنا یا کوئی رابطہ کرنے سے گریز کررہا ہوں۔"

"اس کے برعکس وہ ہر قیمت پر جلد از جلد تم سے بات
کرنے کا خواہاں ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گا۔ میرے پاس اس کے
اسلام آباد کے نمبر نہیں ہیں" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا۔ ابھی کراچی میں ہے اور رات
کے دو بجے تک صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب رہے
گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ اگر وہ کراچی میں تھا تو سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اتنا بے خبر ہوتا۔

"مجھے صدف مینشن کے نمبر لکھوادو۔ میں اس نکتے پ
غور کروں گا۔ اگر مناسب ہوا تو اس سے بات کروں گا" میں
نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اول خان میرے فون کا منتظر تھا اس لیے صدف مینشن
کے تین فون نمبر اپنے ساتھ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے فوری طو
پر وہ نمبر مجھے نوٹ کرادیے۔

"اس سے تمہیں اسلام آباد کے ردعمل کے بارے م
بھی کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"اس کا اسلام آباد جانا ہی نہیں ہوا تو کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ وہاں سے خبریں لیک ہونے میں ذرا دیر ہوتی ہے لیکن ایک بار یہ سلسلہ چل نکلے تو ہر طرف سے خبروں، افواہوں اور بھروں کا ایک ریلا چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے شاید ہمیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔"

اول خان کی وہ بات منطقی تھی۔ رات کو آنے والی بڑی خبریں متعلقہ اہم افسروں کو ان کے گھروں یا دفتروں میں ملتی تھی جہاں بیشتر نچلا عملہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ دن کے اجالے میں بھرپور دفتری سرگرمیوں میں چپراسی اور چوکیدار تک کھلے کانوں سے اپنے افسروں کی بہت سی خفیہ باتیں سن لیتے تھے اور دوسروں پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے یا پھر فطری تجسس سے مجبور ہوکر ان خبروں کو کچھ مسالے کے ساتھ آگے بڑھادیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خبروں اور افواہوں کا طوفان دفتری اوقات میں زیادہ زور پکڑتا تھا۔ ان کو پھیلانے کے لیے کلرکوں اور بابوؤں کے پاس مفت سرکاری ٹیلی فون کی سہولت بھی دستیاب ہوتی تھی جس پر پسندیدہ رابطے کیے جاسکتے تھے۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا لیکن اس کا اپنے دفتر سے رابطہ تو برقرار ہوگا" میں نے کہا۔

"یار، کچھ ہوتا تو وہ خود ہی اگل دیتا۔ مجھے بلاوجہ اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی!" میری مسلسل جرح سے اول خان کچھ چڑ گیا "میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کرتا جس کا جواب نفی میں ملنے کا امکان ہو۔ تمہاری اور اس کی بات اور ہے۔ تم سے اس کی یاری ہوگئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا انتظار جاری ہے" میں نے اس کی طبیعت کی بدمزگی کا اندازہ لگاتے ہی موضوع بدل دیا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔ اگر تم جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلو تو بعد میں مجھے بھی گفتگو سے آگاہ کردینا۔" وہ بولا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ مجھے کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ میں اس مرحلے پر جلال جیسے ہمدرد دوست سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔"

اسپتال کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطے قائم ہوتے ہی خبریں ملنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ غزالہ اور اول خان سے ہونے والی باتوں کا نچوڑ یہ تھا کہ جلال خوشگوار موڈ کے ساتھ کراچی میں موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی پراسرار خوشی کے بارے میں، میں نے دو مفروضے قائم کرلیے تھے۔ اول یہ کہ دہلی کے حکمرانوں کی گرفت میں آئے ہوئے عبداللہ کو کسی نہ کسی طرح آزادی مل چکی تھی۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ وہ جان والے واقعے سے بے خبر ہو۔

وہ میرے ساتھ اس قدر مخلص تھا کہ میں اپنے اندر اس کی آرزو کو مسترد کرنے کی ہمت نہیں پارہا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے ایک صحیح فیصلہ کرہی لیا۔ جلال میری تلاش میں سرگرداں تھا تو مجھے اس کو فون کرلینا چاہیے تھا۔ جب تک وہ ڈھنگ سے بات کرتا، گفتگو جاری رہتی اور جوں ہی وہ جان کے حوالے سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا، میں اس سے بحث کرنے یا الجھنے کے بجائے فون بند کردیتا۔ اسے میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے اگلا رابطہ اسی وقت ہوتا جب میری خواہش ہوتی۔

نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن کی پرہول اور آسیبی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ اس کے اندرونی حصے کا ماحول پراسرار، نیم تاریک اور اس قدر اجاڑ رکھا گیا تھا کہ اندر قدم رکھتے ہی وحشت اور ڈراؤنے پن کے آسیبی سائے اعصاب پر مسلط ہوجاتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ جلال اس عمارت کے گراؤنڈ فلور کے اس دفتر میں بیٹھا ہوا ہوگا جہاں مناسب دفتری ماحول اور سازوسامان دستیاب تھا۔

کچھ دیر تک سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا ڈالا۔ اس پر عمل کرنے کی صورت میں کسی خرابی کا امکان نہیں تھا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا جلال تھا۔ اس کی آواز سے واقعی شگفتگی جھلک رہی تھی۔

"خیریت تو ہے؟ اس وقت تم کچھ سرور میں معلوم ہورہے ہو ورنہ دن بھر کی تھکن آواز کی ساری تازگی نچوڑ لیتی ہے" میں نے کہا۔

"اوہو.... تو آخرکار تمہارا سراغ مل ہی گیا" میری آواز پہچان کر وہ شاید حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"تمہارے مشورے کے مطابق مفرور ہوں اور ایک خفیہ ٹھکانے پر مقیم ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا "تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"بس، میں کراچی میں ہی رک گیا ہوں اور تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تم کتنی دیر میں اپنے گھر پہنچ سکتے ہو۔"

"گھر!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا جان ایشکوف والا قصہ اتنی جلدی نمٹ گیا؟"

"فی الحال اسے بھول جاؤ" ہلکے سے قہقہے کے ساتھ

جلال کی آواز آئی "سیانا کوا ہمیشہ گو کھاتا ہے۔ اس نے یہاں آتے ہی زبردست دوڑ لگانے کی کوشش کی تھی اور ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا ہے۔ اب ان لوگوں کی توجہ تمہاری ذات سے ہٹ کر کہیں اور مرکوز ہوگئی ہے۔"

"وہ خاصا سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے۔ اسے دیکھے بھالے بغیر اتنی تیز دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں روانی میں کہہ گیا۔

"سنجیدہ اور متین!" اس بار جلال کے حیران ہونے کی باری تھی "اس خبیث کو تم نے کب اور کہاں دیکھ لیا؟"

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا "میں اسے کہاں دیکھتا۔ میں تو تم سے سنی سنائی باتیں دہرا رہا تھا۔"

"وہ حقیقت میں نہیں، محاورتاً دوڑا تھا" جلال نے مطمئن ہو کر کہا "اس کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی زقند میں آسمان سے تارے توڑ لے گا۔"

وہ جان سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی ناکامی کی کوئی تازہ ترین خبر سنا رہا تھا لیکن اس نے نیٹی جیٹی والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ ادھر میں خود چند گھنٹوں میں اسپتال کے خشک ماحول سے بیزار ہوگیا تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "میں گھر پہنچ کر تمہیں فون کردوں گا لیکن تم کو وعدہ کرنا ہوگا کہ کسی بات پر مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی تم سے جھگڑا کیا ہے؟" اس نے افسردہ آواز میں پوچھا۔ شاید میری شرط سن کر اسے رنج ہوا تھا۔

"پہلے نہیں کیا مگر اب امکان نظر آرہا ہے۔ تم..."

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بیچ میں بول پڑا "بس تم گھر پہنچو۔ وہاں آمنے سامنے بات ہوگی۔ کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"کچھ دیر ہوگی۔ میرے میزبان کچھ مختلف قسم کے ہیں۔ اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے مہمان کو کھال اتارے بغیر گھر نہیں جانے دیتے۔"

"یہ کون بدمعاش ہیں۔ مجھے بتاؤ، میں ابھی آکر تمہیں لے جاتا ہوں" میری بات پر وہ برہم ہوگیا۔

"نن.... نہیں" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "تمہیں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آئندہ کے لیے ان سے مراسم استوار رکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ زبردستی میرے مدد کے لیے آنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور فون بند کردیا۔

کریڈل دبا کر میں نے اول خان کا نمبر ڈائل کیا تاکہ اسے اپنی نجات کی خوش خبری سنادوں مگر اس کی لائن مصروف تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک انتظار کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اول خان کا فون بدستور مصروف تھا۔ شاید وہ کسی سے ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔ میں بستر پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ پوری سگریٹ پھونک کر میں نے تیسری کوشش کی تو رابطہ ہوگیا۔

"ابھی جلال کا فون آیا ہوا تھا" اس نے مجھے ایک لفظ سے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میری آواز پہچانتے ہی اپنی بات شروع کردی "اس نے مجھے اسی وقت تمہارے گھر بلایا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بھی تھوڑی دیر میں وہیں پہنچ رہے ہو؟"

"میں نے بھی تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ جلال نے کیا گورکھ دھندا شروع کردیا ہے" میں نے کہا۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے پھر سب سامنے آجائے گا۔ تم اس اسپتال سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟"

"کوشش کرتا ہوں۔ وہ زبردستی مجھے نہیں روک سکتے" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہوچکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اسپتال کے صاف ستھرے کاریڈور میں خوابناک روشنیوں کا راج تھا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی دو وردی پوش نرسیں سفید پریوں کی طرح نظر آرہی تھیں۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ اسپتال میں آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر کا کمرا اسی طرف تھا۔

میں نے ڈاکٹر کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ایک صوفے پر نیم دراز ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسکرین کا رخ مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اسکرین پر کیا پروگرام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر میری صورت دیکھتے ہی سنبھل کر صوفے پر سیدھا ہوگیا اور ریموٹ کنٹرول دبا کر ٹیلی وژن آف کردیا۔ میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کے تاثرات دور سے پڑھ سکتا تھا۔

"میں اسپتال سے چھٹی چاہتا ہوں" میں نے اس کی پیش کش کا انتظار کیے بغیر اس کی میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔

"کیوں؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں

''کیا آپ صبح تک ڈاکٹر امجد کا انتظار نہیں کریں گے۔''
''صبح میں شہر کے کسی بہتر اسپتال سے رجوع کروں گا'' میں نے بہتر پر زور دے کر کہا۔
''کیا یہاں آپ کو کوئی شکایت ہے؟'' میرے تیور دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔
''یا تو مجھے ڈرپ میں ملا کر دوائیں دی جا رہی تھیں۔ ڈرپ نکالنے کے بعد مجھے لاوارث چھوڑ دیا گیا ہے۔ یوں ہی پڑے رہنا ہے تو میں اپنے گھر پر زیادہ آرام سے رہوں گا۔''
''آپ کو صبح تک تو ہر حال میں انتظار کرنا ہوگا۔ ہمارا اکاؤنٹس آفس صبح نو بجے کھل کر پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔''
''مگر میں نے رات کے دس بجے کے قریب بیس ہزار روپے جمع کرائے تھے'' میں نے تلخی سے کہا۔
''مریضوں کی سہولت کے لیے کیشیئر چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے۔ یہاں ہر وقت مریض آتے رہتے ہیں۔''
''آنے والے مریضوں کی سہولت کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے تو جانے والے مریضوں کے لیے بھی کوئی بہتر بندوبست ہونا چاہیے۔''
''دیکھئے! میں ڈاکٹر ہوں۔ مریضوں کو دیکھتا اور علاج تجویز کرتا ہوں۔ ان انتظامی امور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسپتال کا انتظامی عملہ بھی صبح نو بجے آتا ہے۔ آپ کی شکایت کا جواب وہی لوگ دے سکیں گے۔ یہ رات آپ یہاں بسر کر لیں کیونکہ آپ ابھی جائیں یا صبح جائیں، آپ کو ایک رات کے روم چارجز ادا کرنے ہوں گے'' میری باتوں پر ڈاکٹر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی مگر وہ پڑھا لکھا ڈاکٹر تھا۔ اس کی گفتگو تہذیب اور شائستگی کی حدود میں رہی۔

اپنی محدود ذمے داریوں کے بارے میں اس کا بیان درست تھا۔ میں نے اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور نرمی سے کہا ''میں یہاں بہت مضطرب اور بے آرام ہوں۔ فی الحال میرا آپریشن کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں اسی وقت گھر جانا چاہتا ہوں۔''
''آپ ڈسچارج فارم پر دستخط کر کے اپنے رسک پر واپس جا سکتے ہیں'' ڈاکٹر نے سپاٹ لہجے میں خوش خبری سنائی ''ڈپازٹ کی رسید احتیاط سے رکھیں۔ صبح آپ کا حساب بن جائے گا۔ پانچ بجے سے پہلے کسی بھی وقت آئیں اور رسید دکھا کر بقیہ رقم واپس لے لیں۔''
''میں یہی چاہ رہا تھا'' میں نے ممنونیت سے کہا ''مجھے اپنا آرام پیسوں سے زیادہ عزیز ہے۔''
دس منٹ بعد میں اسپتال سے نکل کر باہر سڑک پر پہنچ چکا تھا جہاں ٹیکسیاں اور رکشے موجود تھے۔ اسپتال کا کمرا چھوڑنے سے پہلے... میں ٹیلی فون لائن سے سی ایل ڈی نکال کر محفوظ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اسپتال سے ہمارے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ موسم خوشگوار ہوتا تو رات کے سکون اور سناٹے میں وہ راستہ پیدل بھی طے کیا جا سکتا تھا مگر وہ رات خنک تھی۔ میں نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔
میری بائیں ہتھیلی کی پشت پر کینولا کی سوئی سے چھیدی جانے والی نس پر لگا ہوا ٹیپ اسپتال کی اکلوتی نشانی کے طور پر میرے ساتھ تھا۔

میں نے اول خان کو اپنی واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا تھا، غزالہ کو خبر نہیں دی تھی مگر جب ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تو میں اپنے گھر کی مکمل روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خوابیدہ آبادی میں ہمارا گھر روشنیوں کے ایک جزیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ٹیکسی کا انجن بند ہونے کی آواز سن کر سلطان شاہ دروازے پر آ گیا۔ میں ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے پلٹا تو وہ تینوں ہی پھاٹک کے پاس میرے منتظر تھے۔

ویرا کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی باوقار مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مے نوشی کی کثرت کے باوجود اس نے اس وقت اپنے اعصاب پر قابو پایا ہوا تھا ''ویری گڈ! اوث کے بدھو گھر کو آئے'' مجھے دیکھ کر اس نے برمحل تبصرہ کیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔
''جلال کا فون آیا تھا۔ وہ بھی پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اسے فون کر دوں کہ آپ آ گئے ہیں'' غزالہ یہ کہہ کر دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔
''یہ سب کیا ہو رہا ہے'' سلطان شاہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا ''پہلے تمہیں بھگا دیا گیا۔ اب تم لوٹ آئے ہو، جلال بھی آ رہا ہے...''
''جلال ہی اس راز پر سے پردہ اٹھائے گا'' میں نے اسے جواب دیا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا ''آج تم نے پھر کم وقت میں بہت زیادہ پی ہے۔ آئینے میں صورت دیکھی ہے اپنی؟''
''تم آ گئے ہو تو تمہاری آنکھوں کے آئینوں میں اپنی تصویر دیکھوں گی'' وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''اس سے پہلے میں خود فراموشی کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔''
''اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ زیادہ پی کر شاعری کرنے لگتی ہے'' سلطان شاہ چڑ کر بولا ''میری اور

غزالہ کی مشترکہ رائے تھی کہ اس سوئے ہوئے جن کو نہیں اٹھائیں گے۔ پتا نہیں یہ ہماری آوازیں سن کر کیسے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔"

"تمہاری آوازیں سن کر قبر سے مردے بھی باہر آسکتے تھے" ویرا نے اسے گھور کر تلخی سے کہا "ذینی کی واپسی کی خبر سن کر تم اس بری طرح چیخے تھے کہ میں گھبرا گئی تھی۔"

"بس، اب زیادہ تکرار نہیں ہوگی" میں نے ہاتھ اٹھا کر مداخلت کی "جلال سے پہلے اول خان بھی آرہا ہے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں یہاں کوئی تماشا نہیں بننا چاہیے۔"

"سب کے یک جا ہونے کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اجلاس ہونے والا ہے" ویرا نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے چٹکی بجا کر کہا "میں دس منٹ میں بالکل فریش اپ ہوکر واپس آتی ہوں۔ ان دونوں کو یہاں پہنچنے میں اتنا وقت تو لگے گا۔"

وہ مڑی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

"اسے اپنی خواب گاہ کے باتھ روم میں جاکر نہانے کی ضرورت تھی۔ یہ کچن میں کیا کرنے گئی ہے" میں نے قدرے اونچی آواز میں خود کلامی کی۔

"نہانے سے پہلے وہ لیموؤں پر ہاتھ صاف کرے گی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "کبھی اسے جن میں نچوڑنے کے لیے لیمو کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی اسکاچ کا نشہ ہرن کرنے کے لیے لیموؤں کا شربت پیتی ہے۔ جب فرج کھولتا ہوں، لیمو غائب ہوتے ہیں۔"

غزالہ بھی آگئی۔ اس نے خواب گاہ کے انسٹرومنٹ سے جلال کو فون کردیا تھا، میری غیر متوقع واپسی پر اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ویرا کی واپسی اور جلال کی آمد سے پہلے اول خان آگیا کیونکہ وہ ہمارے گھر سے قریب، جمشید روڈ پر رہتا تھا جب کہ جلال کو نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن سے ہمارے گھر کی دوڑ لگانی تھی۔ ہمارے اس اجلاس کا اہم ترین شریک وہی تھا۔

موسم سرد تھا اور رات گہری ہوچکی تھی۔ ڈرائنگ روم بند ہونے کے باوجود موسم کے اثرات سے متاثر تھا۔ غزالہ نے کسی فرمائش کے بغیر چائے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اول خان اور سلطان شاہ نے خلوصِ دل سے اس کی تائید کی اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال والے آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوڑیں گے" اول خان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "ایسے لالچی لوگ اپنے چنگل میں پھنسنے والے مریضوں کے خدائی خیر خواہ بن جاتے ہیں اور آسانی سے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"میں نے بیس ہزار روپے گروی رکھوا کر آزادی حاصل کی ہے۔ اس رقم کا حساب کل ہوگا" میں نے کہا۔

"رقم کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ میں نے تمہارا چیک لاہور بھجوادیا ہے۔ کل لاہور میں چیک کیش ہوتے ہی ایک آدمی یہاں نقد رقم دے دے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے" اول خان نے پوچھا۔

"میرا کہیں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ سارے پیسے جہانگیر کی بیوی کے پاس پڑے ہوئے ہیں۔ یہ پیسے اپنے اکاؤنٹ میں ڈال لینا۔ اس میں سے دو لاکھ تمہارے ہیں" میں نے کہا۔

"میں اس میں سے ایک روپیا نہیں لوں گا۔" اول خان نے برہمی سے کہا "وہ رقم تم چاروں کی ہے۔ تم کو مبارک ہو۔ مجھے اپنے کام کی باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ میرے لیے وہی کافی ہے۔ میں یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا۔ کسی بدخواہ کو بھنک مل گئی تو میرے کردار پر حرف گیری کا سلسلہ چل نکلے گا۔"

"پھر وہ رقم گھر پر رکھ لینا" میں نے اپنی تجویز پر اصرار کیے بغیر اس سے گزارش کی "مطلع صاف ہوگا تو یہ پیلٹ بھی سلمٰی کے پاس رکھوادوں گا۔"

"کافی دنوں سے گولڈن فارمیسی کے سیٹھ اور اس کی بیوی کی کوئی خیر خبر نہیں ملی" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"بھارت جانے سے پہلے میں ان سے ملا تھا۔ اب آیا ہوں تو دوسری ملاقات ہوگی۔ تم بھول رہے ہو کہ سلمٰی مجھے لاہور میں بھی ملی تھی۔"

"اوہ! یاد آگیا۔ چودھری عظمت سلمٰی کا سگا ماموں تھا" وہ چونک کر بولا "اس کی گرفتاری پر وہ تم سے بہت ناراض ہوگی۔"

"میں نے لاہور میں ہی اسے بتادیا تھا کہ میں بے بس ہوں۔ اس کے ماموں کے گھر سے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد ہوئی تھی۔"

غزالہ ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ سینڈوچ وغیرہ بھی بنا لائی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بلاوجہ تکلف کیا تھا لیکن جب دور شروع ہوا تو ذرا سی دیر میں سینڈوچ صاف ہوگئے۔ غزالہ کے حصے میں ایک ٹکڑا بھی نہیں آسکا تھا جبکہ میری سوئی ہوئی اشتہا جاگ اٹھی تھی اور مزید خوراک کی طلب گار تھی۔

وہ دور ختم ہونے سے پہلے جلال آگیا۔ وہ پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا بن سنور کر آگئی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اتنی مہارت سے اپنی آنکھوں پر ہلکا سا میک اپ کیا تھا کہ اس کی مخمور آنکھوں کی سوجن بالکل چھپ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ نشے سے بدحال نظر آرہی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے تم فون پر چہک رہے تھے۔ اس وقت اداس اور خاموش ہو" میں نے جلال کو ٹوکا۔

"اس وقت میں اپنے موڈ کی بحالی کے لیے عمدہ چائے کی ایک پیالی کی ضرورت محسوس کررہا ہوں" جلال نے فرمائش کی اور اپنی بات جاری رکھی "چلتے چلتے ایک بری خبر ملی ہے۔ بھارتی درندوں کا تشدد سہتے سہتے آخر کار عبداللہ شہید ہوگیا۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ بہت محنتی اور جوشیلا کارکن تھا۔ بہیمانہ تشدد کی وجہ سے اس کے دونوں گردوں سے خون رواں ہوگیا اور وہ جاں بحق ہوگیا۔"

ڈرائنگ روم کی فضا یکلخت پرسوز ہوگئی۔ وہ انکشاف میرے لیے شدید صدمے کا باعث تھا کیونکہ میں نے دہلی میں رہتے ہوئے بہت قریب سے عبداللہ عرف ولی رام کی ذاتی خدمات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی شہادت نے یقینی طور پر عابد اور پرویز کے حوصلے توڑ دیے ہوں گے۔

اول خان نے "فاتحہ" کہہ کر دعا کے لیے دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا دیے۔ سب نے اس کی تقلید کی۔ ان میں غیر مسلم ویرا بھی شامل تھی۔ ویرا کو آنکھیں موند کر ہاتھ اٹھائے دیکھ کر بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ فاتحہ کے نام پر وہ کیا پڑھ رہی تھی لیکن اس گمبھیر فضا میں ویرا سے ایسا کوئی سوال کرنے سے جلال کے نازک جذبات مجروح ہوسکتے تھے۔ میں نے زبان نہیں کھولی مگر دل ہی دل میں ویرا کی اداکاری کی داد دیتا رہا۔

فاتحہ کے بعد غزالہ نے ٹی پاٹ پر سے ٹی کوزی اتاردی اور جلال کے لیے چائے بنانے لگی۔ جلال کہہ رہا تھا "آج میں بہت خوش تھا۔ مجھے پہلی بار تجربہ ہوا کہ امریکی کتنے بزدل ہوتے ہیں مگر آخری اطلاع نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شہید عبداللہ کے لیے میرا دل اداس ہے۔"

"اس کی قربانی رایگاں نہیں جائے گی، اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا" سلطان شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم سب کو اس کی موت کا گہرا دکھ ہے" اول خان نے لب کشائی کی "جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔ ہمارا یہ غم مرنے والے کو واپس نہیں لاسکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قربانی سے ہم کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں ماضی کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

جلال نے غزالہ کی پیش کی ہوئی پیالی سے گرم اور تازہ چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر کہا "آج کسی یمنی نے جان کو سخت مار لگائی ہے۔ وہ اپنے..."

جلال اصل حقیقت سے بے خبر تھا اور فاخرانہ انداز میں اس واقعے کا ذکر کرنے جا رہا تھا۔ اول خان نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس یمنی کا نام عبدالماجد الحسینی تھا۔ اس نے ڈینی کے بارے میں انعامی معلومات دینے کے لیے نو بجے جان کو نینی جینئی والے مندر کے پاس بلایا پھر ناک توڑ کر اسے گہری کھاڑی میں پھینک دیا۔"

"اوہ!" جلال کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا یہ تم لوگوں کا کوئی پلاٹ تھا؟"

"یہ عبدالماجد الحسینی ہے" اول خان نے میری طرف اشارہ کیا۔

جلال نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور بولا "مجھے یہ جان کر خوشی کے ساتھ افسوس بھی ہوا ہے کہ تم نے یہ شاندار منصوبہ بناتے ہوئے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔"

"یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں تھا۔ ڈینی نے اسے چھیڑنے کے لیے فون نمبر آزمائے تھے۔ باتیں شروع ہوئیں تو یہ یکایک کسی اور ٹریک پر چل پڑا۔ اس کی باتیں حیران کن تھیں۔ جان شیشے میں اترتا چلا گیا اور یوں بیٹھے بٹھائے ایک سلسلہ چل نکلا۔"

"تم نے اسے آس پاس کے کسی پبلک بوتھ سے فون کیا تھا؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کے فون سے ٹیپ یا کوئی اور آلہ منسلک تھا۔ یہاں سے سی ایس ڈی نے اس کی نشاندہی کی تو ہم پبلک بوتھ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس نے اپنی اور عبدالماجد کی پوری گفتگو کا ٹیپ کراچی کے ڈی آئی جی کو دیا ہے" جلال نے بتایا "مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ عبدالماجد کی تلاش میں ہے اور ہر قیمت پر اس تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔"

"اس نے تمہیں تصادم کا کیا سبب بتایا ہے؟" میں نے ایک نتیجے پر پہنچ کر سوال کیا۔

"عبدالماجد اس سے مل لیتا۔ وہ ماجد کو دینے کے لیے دو لاکھ روپے بھی اپنے ساتھ لایا تھا لیکن جان سے پہلے وہاں

مورچے سنبھالنے والے امریکی کمانڈوز ماجد کی نظروں میں آ گئے۔ وہ خود غائب ہو گیا۔ اس کے کسی آدمی نے جان کو گھیر کر اس کی درگت بنادی۔"

"تم میں سے کسی کو اس کی کہانی کمزور یا بودی محسوس نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"مضبوط اور مربوط کہانی ہے۔ اس میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ کراچی میں کام کرنے والے تمام عرب گروپوں کے سرغنوں کو پکڑ کر ان سے ماجد کے بارے میں کڑی بازپرس کی جائے اور وہ جہاں بھی ہے' اسے قابو میں کرلیا جائے کیونکہ وہ چالاک آدمی ڈینی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی "یہ ایک اتفاق ہے کہ کسی ارادے کے بغیر ایسی کہانی بن گئی جس کا تانابانا مضبوط ہے۔ اسے سمندری کھاڑی میں پھینکنے سے پہلے میں نے اسے بتایا تھا کہ ماجد کے نہ ملنے اور اس سے بدسلوکی ہونے کا کیا سبب ہے۔ میری وہ بات بھی اس نے ذہن نشین کرلی۔"

"میرے لیے یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔ ناولوں اور کہانیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جان جیسے کھاگ کھلاڑی کا دھوکا کھانا ناقابلِ فہم ہے" جلال بے اعتباری سے بولا "میری یہ شکایت اب بھی باقی ہے کہ اس پلان کے بارے میں تم لوگوں نے آخر تک مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

"تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ناول اور کہانیاں آسمان سے نہیں اترتیں۔ گردوپیش کے واقعات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ شکایت رہ جاتی ہے تو بات وہی ہے کہ یہ پلان نہیں تھا۔ شروع سے آخر تک' سب کچھ بلا سوچے سمجھے ہوتا چلا گیا۔ تمہاری سخت ہدایت تھی کہ جان سے دور رہا جائے۔ پاکستان میں جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اپنے فی البدیہہ پلان پر قدم بہ قدم عمل کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ ہم تمہاری ہدایت سے انحراف کررہے ہیں۔ تفصیلات تمہارے علم میں آتیں تو تم سختی سے ہمیں روک دیتے۔ اب ہماری کارروائی کے مثبت نتائج سامنے آچکے ہیں تو تم ہماری بے اعتمادی پر اپنے قلق کا اظہار کررہے ہو۔"

جلال نے بہت غور سے میری بات سنی اور سرہلا کر بولا "شاید تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔ نتائج سامنے آنے سے پہلے شاید میرا رویہ کچھ اور ہوتا۔"

"کیا تم محض اس وجہ سے پرجوش تھے کہ جان اور اس کے سرپرستوں کی توجہ ماجد یمنی کی طرف مبذول ہوگئی ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں! ڈینی سے ان کی پرانی پرخاش ہے پھر بھی وہ دوسرے نمبر پر چلا گیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ ماجد کراچی میں ہے۔ مقامی انتظامیہ اسے جلد پکڑ لے گی۔"

"اسے گھیرنے کے لیے امریکی کمانڈوز بھی بھیس بدل کر نکل پڑے ہوں گے" سلطان شاہ نے اظہار خیال کیا۔

"وہ کمانڈوز باہر سے نہیں آئے۔ ان کا تعلق قونصل خانے کے حفاظتی عملے سے ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر لوٹ چکے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ نیٹی جیٹی پر جان کی ناک ٹوٹنے کے سوا کسی کا خون نہیں بہا۔ گولیوں کے دھواں دھار تبادلے کے بعد پولیس پہنچی تو وہاں صرف گولیوں کے خول جا بہ جا بکھرے ہوئے تھے۔ کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔"

"ان لوگوں نے ماجد کو پکڑنے کا بوجھ مقامی انتظامیہ کے سر ڈال دیا ہے۔ خود جان کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے دلچسپ بات یہی ہے۔ وہ اس واقعے سے اتنا خوف زدہ ہوا ہے کہ آج رات ہی یہاں سے بھاگنے پر تل گیا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے میں نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کردیا اور تمہاری تلاش شروع کردی تاکہ تم سب کو بریف کرسکوں۔ یہاں پتا چلا کہ تم مجھ سے دو ہاتھ آگے چل رہے ہو۔"

"یہاں ماجد پکڑا گیا تو اس کا کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سننے کے بعد ماجد کی گرفتاری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ جان کو خواہش تھی کہ اسے پکڑ کر ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے عرب گروہوں سے اس کے قریبی مراسم معلوم ہوتے ہیں" جلال نے بتایا۔

"آج شام تک امریکی چراغ پا تھے .... پاکستانی حکام کی نیک نیتی پر شکوک وشبہات کا اظہار کررہے تھے۔ اب اچانک ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ جان اپنا کام مقامی انتظامیہ کو سونپ کر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہے" میں نے سوال کیا۔

"نیٹی جیٹی کے واقعے نے انہیں بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے۔ ایک بار پھر سختی سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ نقل وحرکت میں سخت ترین احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایات کے باوجود اہم امریکی افسر اور سفارت کار بار بار دور افتادہ ویرانوں میں جاکر مصائب کیوں مول لے رہے ہیں۔ ان کے عزائم مشکوک نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ

مقامی انتظامیہ کے لیے بھی امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ وہ اپنی غیر ذمے دارانہ نقل و حرکت اور پراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے نامعلوم اور ناپسندیدہ عناصر کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں تلخی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امریکی اپنے افسروں کی حرکتوں کی پردہ پوشی کے لیے پاکستانیوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے لگتے ہیں" جلال نے وضاحت سے صورت حال بیان کر دی۔

"یہ سوال کس نے اٹھائے ہیں؟" میں نے دھیمی مگر پرخیال آواز میں پوچھا۔

"دفتر خارجہ اور وزارت داخلہ والے امریکیوں پر سخت برہم ہیں۔ حالات نے انہیں اپنی برہمی کے اظہار کا کھلا موقع فراہم کر دیا ہے۔ رات کے گیارہ بجے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کر کے ایک بہت سخت مگر خفیہ احتجاجی مراسلہ دیا گیا ہے کہ امریکی اہل کار پاکستان کے امن و امان کو برباد کرنے والی حرکتوں میں ملوث ہو رہے ہیں۔"

جلال کی وہ وضاحت سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہو۔ میں نے کہا "ان کے خلاف ثبوت ہیں اس لیے انہوں نے خاموشی سے پسپائی اختیار کر لی ہے تاکہ ان کے کرتوتوں پر پردہ پڑا رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس واقعے کی دھول بیٹھ جائے گی تو وہ نئی مہم جوئی شروع کر دیں گے۔"

"یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جب تک ان کی نیت صاف نہیں ہوگی، ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم جیسے عام لوگ ان کے خلاف صف آرا ہو کر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ آج تو کراچی کی پولیس نے بھی بروقت کارروائی کی اچھوتی مثال قائم کر دی۔ جان کو بھیگے ہوئے چوہے کی طرح کھاڑی کے گہرے اور نمکین پانی سے نکالا گیا تو پولیس پہلے سے اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کا ساتھی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ پانی میں ڈبکیاں کھا کر وہ اتنا بدحواس ہو چکا تھا کہ اسے کوئی جھوٹ نہ سوجھ سکا۔ اس نے سارا سچ اگل دیا۔" جلال کہہ رہا تھا "اس بکھرے بکھرے سچ کی کڑیاں ہم لوگوں نے سر جوڑ کر ملائی ہیں۔"

"تمہاری آپس کی باتوں سے بہت کچھ سمجھ میں آ گیا ہے۔" ویرا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پھر بھی کئی باتیں وضاحت طلب ہیں۔"

"اس وقت صرف ایک ہی بات وضاحت طلب ہے۔ تم نے شہید عبداللہ کے لیے فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر کیا پڑھا تھا۔" سلطان شاہ نے اچانک وہ غیر متوقع سوال کر ڈالا۔ جلال سمیت ہر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب کی نگاہیں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

"میں نے عبداللہ کے لیے اپنی عقیدت اور احترام کے اظہار میں علامتی طور پر تمہارے ساتھ ہاتھ اٹھائے تھے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو گھورنے کے بعد سکوت توڑا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا پڑھ رہے تھے مگر عیسائیوں کا خدا بھی تمہارے خدا کی طرح نیتیں دیکھتا ہے۔ اس وقت میری دعا تھی کہ خدا دوسرے جہان میں اسے اپنے انعامات اور لطف و کرم سے نوازے اور اس کے پس ماندگان کو صبر و استقامت کے ساتھ یہ سانحہ برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔"

"ویری گڈ ویرا۔۔۔!" جلال بے ساختہ بول پڑا "اپنے شہید ساتھی کے لیے میں تم سے اس سے بہتر دعا کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔"

"دراصل خدا ایک ہی ہے۔ یہ ہماری عقلوں کا فتور ہے کہ ہم نے اسے اللہ، خدا، گاڈ، بھگوان اور نہ جانے کیا کیا بنایا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتماد سے کہا "خدا ایک ان دیکھی اور سب سے بالادست قوت کا نام ہے جو زندگی کی خالق اور خاتم ہے۔ اس نکتے پر سب متفق ہیں۔ اس سے آگے مذہبوں اور پھر فرقوں تک کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کر کے دعا کی تھی۔"

"مزید ویری گڈ!" سلطان شاہ سب سے پہلے بول پڑا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مذہبی معاملے پر تمہاری سوچ اتنی واضح ہوگی۔" اس کے لب و لہجے میں ویرا کے لیے تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے اس کی توصیف کر کے اپنے سوال کی ندامت کو دھو دیا تھا۔

"تم اس وقت صدف مینشن میں بیٹھے کیا کر رہے تھے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"کئی معاملات تھے۔ سب سے اہم ایک تازہ قیدی تھا جو دو سال سے ایک بھارتی سفارتی افسر کا انفارمر بنا ہوا ہے۔ اس کا اعترافی بیان لینے کے بعد اس کی گرفتاری ڈکلیئر کر دی جاتی۔ اس اقدام کے نتیجے میں عبداللہ کے بچ جانے کی امید کی جا رہی تھی مگر ہمیں تاخیر ہو گئی۔ را نے اپنا کام دکھا دیا۔"

"اب اس قیدی کا کیا بنے گا؟" غزالہ نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسے دسیوں آدمی ہماری نظروں میں ہیں مگر بڑی مچھلیوں کے شکار

کے لیے ان سے چشم پوشی برتی جاتی ہے۔ ہر ملک میں یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ بھارتیوں کی قید میں زندہ رہتا تو ہم بھی سودے بازی کے لیے اسے نہ چھوڑتے۔''

''عبداللہ کو مارنے والا کون ہے؟'' میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

''ابھی مجھے اس کی شہادت کی ابتدائی خبر ملی ہے۔ ایک دو روز میں یہ بات بھی معلوم ہوجائے گی۔''

''جس طرح امریکیوں نے عبدالماجد الحسینی کے خوف میں مبتلا ہو کر ڈینی کو پس پشت ڈال دیا ہے' تم امریکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنے بھارتی دشمنوں کو نہ بھلا دینا۔ ان سے نمٹنا ہماری پہلی ترجیح ہے کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ نقصان وہی پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے امریکیوں کے ذہنوں کو ہماری طرف سے زہر آلود کیا ہوا ہے۔''

''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اور اسی لیے میں تمہاری تلاش میں تھا۔ امریکی دباؤ میں عارضی کمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بھارتیوں کو رگڑ دینا چاہیے۔'' اس بارے میں جلال کا رویّہ ابتدا سے ہی جارحانہ تھا۔ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بھارتی کہاں کہاں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

''میرا اندازہ تھا کہ تم نے ہمیں عبدالماجد والے قصے سے آگاہ کرنے کے لیے بلایا ہے۔'' ادل خان بولا۔

''ساری بات وہیں سے شروع ہوئی ہے۔ کراچی سے جان کے قدم نہ اکھڑتے تو میں ڈینی کو بلانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ڈینی کی ذات کو جان نے اپنے لیے خصوصی موضوع بنایا ہوا ہے۔ اس کی اپنی رگڑائی نہ ہوگئی ہوتی تو وہ ڈینی پر عرصہ حیات تنگ کرسکتا تھا۔''

وہ دونوں غیر ضروری باتوں کی طرف بھٹک رہے تھے۔ میں نے جلال کو مخاطب کرکے کہا ''بھارتیوں کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''ان کو عبداللہ کی شہادت کا جواب جلد از جلد ملنا چاہیے۔ اس کے اصل قاتل کا سراغ ملتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کام شروع کردو۔'' اس نے کہا۔

''میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے' زور دے کر کہا۔

''مجھے کچھ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نریش نے تمہیں جو کام سونپا تھا وہ شروع ہوجانا چاہیے۔''

''اس نے مجھے جو فون اور فیکس نمبر دیے تھے ان پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش شاید اب کامیاب نہ ہو۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نتائج کچھ بھی ہوسکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوشش کا آغاز کردینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ کامیابی مل ہی جائے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دہلی سے امرتسر اور پھر لاہور کے راستے کراچی پہنچتے ہی واقعات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا تھا کہ مجھے پیچھے دیکھنے یا سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ کراچی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہمیں شہر میں آئے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے خلاف مسائل نے سر اٹھانا شروع کردیا تھا۔ واقعات کی وہ لہر جس حیرت ناک تیزی سے اٹھی تھی' اس سے کہیں زیادہ تیزی سے معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

اسپتال میں پناہ لیتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے کم از کم ایک آدھ ہفتے کے لیے وہاں محصور ہونا پڑے گا لیکن وہاں چند گھنٹے بسر کرنے کے بعد ہی جلال کی طرف سے خطرہ ٹلنے کا سگنل موصول ہوگیا اور میں گھر لوٹ آیا۔ وہ سب ناقابلِ یقین سا تھا اور مجھے ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

ان واقعات کے ساتھ ساتھ مجھے یہ یاد تھا کہ کراچی میں بھارتی سفارتی کیڈر میں کوئی ایک ایسا فرد چھپا ہوا تھا جو پاکستان کے خلاف را کے مذموم عزائم کو آگے بڑھانے کے لیے کام کررہا تھا۔ نریش نے مجھے دہلی میں ایک ماہ کا پیشگی مشاہرہ دے کر اپنا پابند کرلیا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق مجھے اپنی رپورٹ اس نمبر پر فیکس کے ذریعے بھیجنی تھی۔ ٹیلی فون نمبر پر کسی بہت ہی اہم اور ناگزیر ضرورت کے وقت رابطہ کرنا تھا۔

جب تک میں دہلی میں تھا وہ باتیں اپنی جگہ اٹل تھیں۔ خود میرا منصوبہ تھا کہ میں کراچی واپس جاتے ہی اوٹ پٹانگ یا پھر اخباری اطلاعات پر مبنی رپورٹیں اس نمبر پر فیکس کرکے غداروں کی صف میں اپنی جگہ بناؤں گا اور پھر ان کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے دہلی بلکہ امرتسر سے نکلنے کے بعد حالات تیزی سے بدلتے چلے گئے۔ انل اور نریش کی لاشوں کی دریافت نے دہلی میں ایک طوفان کھڑا کردیا۔ پاکستان کے خلاف را اور امریکی سی آئی اے کا گٹھ جوڑ نیا نہیں تھا۔ امریکی گرگوں کے تعاون سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ میں دہلی میں ہونے والی خوں ریزیوں میں سرگرم کردار ادا کررہا تھا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد میں امرتسر کے راستے پاکستان فرار ہوگیا تھا۔

بیم گن کا استعمال بھارت میں میری موجودگی کا ناقابل تردید ثبوت قرار پایا۔ را والوں کی تفتیش کا آخری موڑ یہ تھا کہ انہوں نے ڈینی کے ساتھ مظہر خان کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق انہیں یہ شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات میں سرد مہری، مغائرت اور کشیدگی کا دور چل رہا تھا۔ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ بھارت کے مطالبے پر پاکستانی حکام مجھے گردن سے دبوچ کر ان کے حوالے کردیتے۔ بھارتیوں کی وہ ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری طور پر امریکی حرکت میں آگئے۔ جان ایشکوف بجلی کی سی سرعت سے ایک طیارہ چارٹر کرکے استنبول سے کراچی آپہنچا اور اس نے پاکستانی ایجنسیوں سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری کا مطالبہ کردیا۔

بھارتیوں نے مظہر خان کا نام مطلوب افراد کی فہرست میں ڈال دیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس نام سے بھیجے ہوئے کسی ٹیلیکس پر یقین کرلیں گے پھر بھی ان سے رابطے کی ایک کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ جلال نے اس نمبر کی نشان دہی کے سوا کوئی بات نہیں کی تھی لیکن ایک اشارہ ملتے ہی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اگر میں اپنے پہلے ہی پیغام میں یہ واویلا مچا دیتا کہ میرے بھارت سے نکلتے ہی میرے ساتھ ظالمانہ امتیاز برتنا شروع کردیا گیا تھا۔ را کا تنخواہ دار ہوتے ہوئے مجھے مشتبہ قرار دے دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پاکستان میں میری آزادانہ نقل و حرکت مخدوش ہوگئی تھی اور میں کراچی میں روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا تھا تو را کے مقامی گماشتے کے دھوکا کھا جانے کی امید ہوسکتی تھی۔

جلال نے مجھ سے تفصیل سے بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کا مدعا بھی یہی تھا کہ ایک کوشش کرلینی چاہیے۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ہوتا۔ نشانے پر لگ جاتا تو کامیابی کے دروازے کھل جاتے ورنہ خطا ہونا اس کا مقدر تھا۔

"ہمارے کراچی پہنچتے ہی جو چکر چل پڑا وہ تمہارے سامنے ہے۔" میں نے جلال سے کہا "مہلت ملنے پر میں اس ٹیلیکس نمبر پر ایک کوشش ضرور کروں گا۔"

"اس کوشش کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ایک

طرفہ رابطہ ہے۔" ویرا بولی "ڈینی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ انہوں نے مظہر خان کے بھیجے ہوئے فیکس کو اہمیت دی ہے یا اسے مسترد کر کے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا ہے۔"

جلال کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے کہا "بظاہر ویرا کا اعتراض درست نظر آتا ہے۔ لیکن فیکس وصول کرنے والا اپنے بھی کچھ نہ کچھ ذرائع رکھتا ہوگا۔ ایسے لوگ ناقابلِ یقین ذرائع سے رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔"

"رابطہ کرنے سے پہلے ہمیں اس پر بھی غور کر لینا چاہیے۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بچگانہ باتیں مت کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "جب رابطہ کیا جائے گا تو یہ سب سوچ لیا جائے گا۔"

میں نے ویرا کو خاموش کر دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا حل اسی وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔

میں ان لوگوں سے تبادلہ خیال کیے بغیر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میرے پہلے فیکس کا متن کسی رپورٹ کے بجائے میری داد و فریاد پر مشتمل ہوتا۔ سیدھی سی بات تھی کہ میں اس پیغام کے آخر میں یہ اضافہ کر دیتا کہ میں ایک مقررہ وقت پر فون کروں گا تاکہ مزید ہدایات لے سکوں۔

پہلے سے وقت کا تعین کر کے فون کرنے سے زلیش کی وہ شرط پوری ہو جاتی تھی کہ وہ ٹیلی فون ناگزیر ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے۔ مقررہ وقت پر کی جانے والی میری فون کال کے ساتھ ہونے والے سلوک سے پتا چل جاتا کہ را والے مظہر خان پر کس حد تک بھروسا کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے وہ فیصلے میری ذات تک محدود رہے۔ اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور عبدالماجد والا قصہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

اس واقعے کی پوری تفصیلات میرے علم میں تھیں یا اول خان ان کا چشم دید گواہ تھا۔ جلال کی معلومات پولیس رپورٹ تک محدود تھیں۔ ان کوائف میں ماجد کی جگہ میرا نام رکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ بقیہ تینوں افراد نے ہمارے تبادلہ خیال میں دخل اندازی نہیں کی تھی مگر ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات چکرا رہے تھے۔

"سچ پوچھو تو یہ قصہ بہت دلچسپ ہے۔" کچھ دیر کے سوال جواب کے بعد جلال نے اول خان سے کہا "میرے ذہن میں بھی کئی تشنہ سوال ابھر رہے ہیں۔ تم ایک دفعہ شروع سے آخر تک کے واقعات دہرا ڈالو۔ ہم سب کی تسلی ہو جائے گی۔"

ویرا اور سلطان شاہ نے پرزور انداز میں جلال کی تجویز کی تائید کی۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق خاموش بیٹھی مسکراتی رہی اور اول خان نے سی ایس ڈی والے فون کے ذریعے جان کے گھر سے رابطے میں ناکامی سے قصے کی ابتدا کر دی۔

سب لوگ انہماک اور گہری دلچسپی سے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیل سن رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں ابتدا سے آخر تک میرا شریکِ کار رہا تھا لہٰذا اس نے جزئیات کو بھی نظرانداز نہیں کیا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا ذہن میں اپنے اس پیغام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مجھے زلیش دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنا تھا۔

اول خان کی وہ روداد ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک سوالات اور تعریف و تحسین کا سلسلہ چلتا رہا پھر جلال مجھ سے اجازت لے کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو رابطے کے لیے ہمارے گھر کا فون نمبر دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ صدف مینشن کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنے کے لیے اس کی وہ کال ضروری تھی۔

فون پر گفتگو کے آغاز میں چند ثانیوں کے لیے اس کا لہجہ تیز ہوا پھر اسے خیال آیا کہ وہ اپنے دفتر میں نہیں، ہم لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ اس کی آواز فوری طور پر اعتدال پر آ گئی۔ کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد وہ ہمارے درمیان لوٹ آیا۔ اس کے چہرے سے افسردگی جھلک رہی تھی۔

"جب تم یہاں آئے تو اداس تھے۔ اب ایک بار پھر افسردگی نے تمہارے چہرے پر ڈیرے ڈال دیے ہیں۔" اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ماتحت جب اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں تو مجھے شدید کوفت ہوتی ہے۔ عبداللہ کی موت کی خبر سن کر میرے آدمی اشتعال اور غصے میں تھے۔ میرے یہاں آنے کے بعد انہوں نے قیدی پر دل کھول کر تشدد کیا ہوگا۔ تیورا کر گرنے سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔" جلال نے بتایا۔

"جو کچھ ہو گیا اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "تم بلاوجہ اپنا خون ساکھا رہے ہو۔ غصہ تھوک دو۔ انتقام اور اشتعال انسانی خمیر کا حصہ ہے۔ بھارتیوں کے ہاتھوں اپنے ایک ساتھی کی موت کی خبر پا کر ان کا طیش میں آ جانا فطری تھا۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ڈسپلن ایسے جذبوں کو لگام دینا سکھاتا ہے۔ مجھے اس انتقام سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ابھی

یہ بھی پتا چلا ہے کہ عبداللہ کو مارنے والے کا نام ونود ہے اور اسے پاکستان میں سیکنڈ سیکریٹری کے طور پر نامزد کیا گیا ہے۔ اسلام آباد سے اس کے کاغذات کی منظوری ملتے ہی اسے پاکستان بھیج دیا جائے گا۔"

"عبداللہ کے خون کا انتقام اسی سے لینا چاہیے پھر تو تمہارا قیدی مفت میں مارا گیا۔"

"صبر کا نتیجہ ہمیشہ بہتر نکلتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ عبداللہ کا قاتل جلد از جلد پاکستان آئے تاکہ میں اس سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔"

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اپنے آدمیوں سے بات کرکے جلال کا موڈ بدر ہو گیا تھا۔ وہ جلد از جلد صدف مینشن پہنچ کر ذاتی طور پر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا اس لیے وہ محفل ختم کردی گئی۔ جلال نے غزالہ کے سوا سب سے باری باری گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور ہم سے رخصت ہو کر واپس روانہ ہو گیا۔

اس نے جاتے جاتے مجھے تاکید کی تھی کہ حالات کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے گھر لوٹنے کی آزادی مل گئی تھی لیکن احتیاط کے طور پر مجھے بہت زیادہ محتاط رہ کر اپنی نقل و حرکت کو اہم ترین کاموں تک محدود رکھنا تھا۔

میں اول خان کے ساتھ جلال کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آیا تھا۔ اول خان نے خنک فضا میں اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں زور زور سے رگڑ کر حرارت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہیں سے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دوسروں کو الوداع کہنے کے لیے اندر جاتا تو اس کا مزید وقت برباد ہو سکتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنے بیوی بچوں کو بھول کر تن دہی سے دن رات کاموں میں لگا رہتا تھا۔ میں نے اسے بھی رخصت کردیا۔

میں ان دونوں کو روانہ کرکے گھر میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے ویرا اور سلطان شاہ کی تیز آوازیں آرہی تھیں۔

"مہمانوں کے جاتے ہی تم دونوں نے ہنگامہ کیوں کھڑا کردیا؟" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی

آواز میں مداخلت کی۔
"میں نے صرف اتنی سی بات پوچھ لی تھی کہ یہ اس وقت کس کے لیے بن سنور کر آئی تھی اور یہ ناراض ہوگئی۔" سلطان شاہ نے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔
"تم کون سے میرے باپ یا شوہر لگتے ہو کہ یہ سوال کررہے ہو!" ویرا آنکھیں نکال کے غرائی۔
"تم دونوں بلاوجہ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ مخلصانہ کوشش کرو تو تمہارے درمیان ان میں سے کم از کم ایک رشتہ پیدا ہوسکتا ہے۔" میں نے ان کے مکالمے سن کر ہنستے ہوئے اپنی رائے صادر کردی۔
"تم اسے ڈانٹنے کے بجائے ہنس رہے ہو۔ یہ ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔ کیا باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے حلیہ درست کرنا بننا سنورنا کہلاتا ہے!"
"قطعی نہیں کہلاتا لیکن اس وقت تم نے کمال کردیا۔ آنکھوں کے میک اپ نے تمہاری بلانوشی کے اثرات کی بہت اچھی طرح پردہ پوشی کی ہوئی ہے۔"
"بس میں نے بھی یہی بات کہنی چاہی تھی۔" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "الفاظ ذرا مختلف تھے۔ یہ بگڑ گئی حالانکہ اس میں بگڑنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ کہہ دیتی کہ مہمانوں کے استقبال کی تیاری کی ہے اور بات ختم ہوجاتی۔"
میں سلطان شاہ کی معصومیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب تم نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔ اپنی کھال میں رہا کرو۔ کسی وقت تلخیاں اتنی بڑھ جائیں گی کہ زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"
"ڈینی کی باتیں غور سے سنو اور گرہ سے باندھ لو!" ویرا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے، سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کے مشورے نظرانداز کرنے والوں کو میں نے سر پکڑ کر روتے دیکھا ہے۔"
ویرا ایک ادا سے اپنی کمر کو بل دے کر، فضا میں ہاتھ لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے عارضی طور پر اپنی مے نوشی کے ثبوت ختم کردیے تھے لیکن شراب کا خمار اس کے ذہن پر بدستور سوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس وقت وہ بستر کی طلب میں بے چین ہوگی۔
"ویرا کے سامنے تم ہمیشہ مجھے دبانے کی کوشش کرتے ہو۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے شکوا کیا "تمہارے اس رویے سے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔"
"عورت کی حمایت کرنا ہر مرد کی مجبوری ہوتی ہے۔" سلطان شاہ کی شکایت پر غزالہ نے جواب دے کر مجھے چونکا دیا "جب عورت ویرا جیسی ہو تو اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"
غزالہ کی حمایت پاکر سلطان شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔
چند منٹ بعد وہ بھی اٹھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ ہم دونوں کو آرام کی ضرورت تھی۔
اپنی خواب گاہ میں سونے کی تمام تیاریاں کرکے میں بستر پر دراز ہوا تو میرا ذہن ایک بار پھر جان کی طرف بھٹک گیا۔
میں نے اس کو فون کرتے ہوئے کسی مخصوص مقصد کے تحت عبدالماجد کا نام استعمال نہیں کیا تھا۔ میں اس سے کسی غیر ملکی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جان نے میرے یمنی ہونے کے اعتراف پر برجستہ القاعدہ کا نام لیا تھا جو ان دنوں کھل کر منظرعام پر نہیں آئی تھی لیکن اس کی سرگرمیوں کا ہر طرف شہرہ تھا۔ ماجد کے نام اور شخصیت میں جان کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی حالات کے کسی نئے رخ کی نشان دہی کررہی تھی۔
وہ سی آئی اے کا ایک بڑا افسر تھا۔ اسے صرف میری گرفتاری کے لیے پاکستان بھیجنا قرین قیاس نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی خطرناک اور وسیع پلان لے کر آیا تھا جس میں میری سرکوبی کا مشن بھی شامل ہوسکتا تھا۔ ماجد یمنی کا نام سامنے آنے پر اس نے جس تیزی سے اپنی توجہ اس نام پر مرکوز کی تھی، وہ اس کے مذموم اور پوشیدہ عزائم کی نشان دہی کررہی تھی۔ ماجد کے مقابلے میں اس نے عارضی طور پر میرا نام پس پشت ڈال دیا تھا۔
وہ کن مقاصد کے لیے کراچی آیا تھا اور ماجد تک رسائی حاصل کرکے کیا کرنا چاہتا تھا، اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔
رات کے آخری پہر میں اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہوکر میں اس بارے میں صرف دماغ سوزی کرسکتا تھا، کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا تھا۔
میں نے پہلو بدل کر غزالہ کے نرم شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تو اس کے بدن میں کوئی جوابی جنبش نہیں تھی۔ عورت ہونے کے ناتے وہ مجھ سے زیادہ تھکی ہاری تھی اور بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔
میں نے اس کی نیند میں خلل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جان کی پس پردہ سرگرمیوں میں الجھ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست، تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر ملک کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی‘ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا‘ اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا‘ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتادھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار ناپھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی‘ کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا‘ اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے‘ ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سرچوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہوگئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور باآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑالیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ میری ویڈیو ضائع ہوچکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈینی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں‘ میں نے اس سے پرتصادم ملاقات کی اور را سے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح پاکستان سے خوف زدہ ہو کر بھارت فرار ہونے والا تھا۔ جلال نے میری اس کارروائی کی تعریف کی مگر اپنی بے خبری کا شکوا کیا لیکن میں اسے قائل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حالات بظاہر قابو میں تھے مگر ان پر یک سوئی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

صبح ناشتے کی میز پر ہم چاروں خوشگوار موڈ میں جمع تھے۔ رات کی تشویش اور پریشانی میں اندھیرا چھٹنے کے ساتھ نمایاں کمی آچکی تھی۔ میں نے بھی را کے مقامی ایجنٹ سے رابطے کے لیے ایک راہ متعین کرلی تھی۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے

پیش رفت کی کوئی نہ کوئی راہ سامنے آسکتی تھی۔
"مجھے رہ رہ کر خیال آرہا ہے کہ تم نے جان ایلش کوف کو مار بھگانے کے لیے مار دھاڑ سے بھرپور، تیسرے درجے کی فلموں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" ویرا نے چائے کی پیالی سے ایک گرم گرم گھونٹ اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔
"تم جو چاہو کہہ لو مگر تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ڈینی کا وہ طریقہ سو فیصد کامیاب رہا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔
"بات ابھی بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ جان کوئی گھٹیا بدمعاش نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ سی آئی اے کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ ایسے عامیانہ جھانسے میں کیسے آگیا؟" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس احمق کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اسے گھیرنے والوں نے اسے جان سے کیوں نہیں مارا۔ سمندری کھاڑی کے ٹھہرے ہوئے گندے پانی میں ڈبو کر کیوں چھوڑ دیا۔ یہ اس واقعے کا سب سے اہم اور مرکزی نکتہ تھا۔"
"بہت سی باتیں تم کہہ کر بھول جاتی ہو۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "اپنے سوال کا جواب تم بارہا خود دے چکی ہو۔"
"اگر تم کچھ یاد دلا سکو تو میں تمہاری ممنون رہوں گی۔" ویرا سنجیدگی سے بولی۔
"اس وقت تم اس بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو؟" غزالہ نے سنجیدگی سے پوچھا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا اور اب نتائج ہمارے سامنے ہیں جان بوکھلا کر کراچی سے فرار ہونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اپنے ذہن کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے؟"
"میں نے ان واقعات پر خاصا غور کیا ہے۔ سی آئی اے کے ایک خرانٹ ڈپٹی ڈائریکٹر سے ایسی ناقص کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"
"یہ نکتہ تمہارے ذہن میں کب آیا؟" سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔
"ابھی صبح کی بات ہے۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا "منہ دھوتے ہوئے بھی یہ باتیں میرے ذہن پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔"
"خرابی یہی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے تشویش سے کہا "رات کو تم گہرے سُرور میں تھیں۔ اسی وقت اپنے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے مار لیتیں تو تم کو اس وقت اپنے دماغ پر زور نہ دینا پڑتا۔ ہم رات کو ہی اس موضوع پر سر کھپا چکے ہیں۔"

مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ کے اس کڑوے کسیلے جواب پر ویرا چراغ پا ہوجائے گی لیکن وہ خلافِ توقع پرسکون رہی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔"
"اگر تمہارے دل میں یہ احساس زندہ ہے تو تم مے نوشی کی بُری عادت سے تائب کیوں نہیں ہوجاتیں!" غزالہ نے بڑی دردمندانہ آواز میں کہا۔
"یہ میرے بس سے باہر ہے۔" ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی "یہ شاید میری زندگی کی کسی بڑی ناکامی کا ثمر ہے کہ شراب میرے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔" غزالہ کو جواب دیتے دیتے اس کی نگاہیں شکایتی انداز میں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے سنہرے خواب ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی کا مقصد اور محور تصور کرتا ہے۔ اگر کسی کے یہ خواب ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائیں تو وہ پوری زندگی میں کبھی نہیں سنبھل سکتا۔ شاید میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ میں نے جسے چاہا تھا اسے پالیتی تو شاید آج میں ایک بالکل مختلف لڑکی ہوتی۔ ایسا نہیں ہوسکا اور آج میرا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"مجھے خوشی ہے کہ آج تم کسی آڑ موڑ کے بغیر بے لاگ انداز میں اپنی ذات کا تجزیہ کررہی ہو۔" سلطان شاہ کی آواز میں بھی تحیر زدہ سی ہمدردی سمٹ آئی "تم نے اپنی پوری بات میں صرف ایک جگہ تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیا ہے ورنہ سب سچ ہے۔"
"اس وقت میرا موڈ بالکل مختلف ہے۔ میں نے کوئی بات غلط نہیں کی۔" ویرا سگریٹ کا پیکٹ کھول کر سگریٹوں کے سروں کو گھمانے لگی۔
"یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ آج بھی خود کو لڑکی کہتی ہو ورنہ تم ایک تجربے کار عورت کے روپ میں ڈھل چکی ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی۔
"تم خوش ہو تو یہی سمجھ لو۔" ویرا نے ایک سگریٹ منتخب کرکے اپنے یاقوتی ہونٹوں میں دبالی۔
"آج میرے لیے حیرتوں کا دن ہے۔" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں سلطان شاہ کی خوشی عزیز ہوگئی ہے۔"
"بس اسی سے اندازہ لگالو کہ وہ کون خوش نصیب ہے

جسے ویرا نے پسند کیا ہوگا مگر وہ اس کا نہ ہو سکا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تم ہر بات سے واقف ہو۔ کم از کم تم تو ایسی باتیں مت کرو۔" ویرا نے مجھ سے شکوا کیا "سلطان شاہ واقعی مجھے بہت عزیز ہے مگر اس میں کہیں کسی آنچ کی کمی ہے۔ یہ میرا تو کیا، کسی بھی معقول لڑکی کا محبوب نہیں بن سکتا۔"

"سن لیا تم نے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جلد از جلد اس آنچ کی کسر پوری کرنے کی کوشش کرو پھر تمہاری بھی لاٹری نکل سکتی ہے۔" میری پوری کوشش یہ تھی کہ ویرا کے موڈ پر طاری ہونے والی سنجیدگی کو گمبھیر رخ اختیار نہ کرنے دوں۔

"میں اپنی ذات میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے خفت آمیز، مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "اگر جوہری کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہو تو اسے کوہ نور جیسے بے مثال ہیرے میں بھی کئی عیب نظر آئیں گے۔"

"ہیرا!" ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "مکمل ہونے کا ایسا بڑا دعویٰ تو ڈینی کو بھی نہیں ہوگا۔ جو ہر لحاظ سے تم سے افضل ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے ڈینی سے بھڑانے کی کوشش مت کرو۔" سلطان شاہ خفگی سے بولا۔

"ہاں، یہ دوستانہ فضا خراب نہیں ہونی چاہیے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مفاہمانہ انداز میں مداخلت کی "اس چھت کے نیچے ایسے خوشگوار لمحات بہت کم میسر آتے ہیں۔"

ویرا نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر بولی "میرا سوال غت ربود ہو گیا۔ جان ایلش کوف کی کھوپڑی پر رات کو برف کیوں جم گئی تھی۔"

"ڈینی تک رسائی کی امید نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز کر دیا اور وہ اپنی دانست میں پوری تیاری کر کے دوڑ لگا بیٹھا۔" سلطان شاہ نے ایک فقرے میں جواب دیا۔

"مان لیا۔" ویرا نے سگریٹ کے سرے سے خیالی راکھ جھاڑ کر اتفاق کیا "وہ جوش اور ہیجان میں بہت سی باتیں نظر انداز کر بیٹھا لیکن مندر کے پاس اپنی ناک کی ہڈی تڑوانے کے بعد اس کو سوچنا چاہیے تھا کہ اسے دغا دی گئی ہے۔ اس کے بجائے اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ کیوں؟"

"یہ تم گاہے گاہے بتاتی رہتی ہو کہ امریکی بنیادی طور پر بزدل ہوتے ہیں۔ مار کھانے کا اندیشہ ہو تو اپنے حریف کا جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" اس بار غزالہ نے اسے یاد دلایا تھا۔

"چلو، یہ بھی مان لیا جائے تو اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر عبدالماجد کی تلاش میں کیوں ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ ڈینی کی حاضر دماغی اور برجستہ گوئی کا کمال ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "سمندر کے کھارے اور ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے باوجود جان کے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آسکا کہ وہ عبدالماجد کی کسی سازش کا نشانہ بنا ہے۔"

"نظر بھی آرہا ہے۔" ویرا اپنا سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی "اگر جان اتنا نڈر ہے تو اسے سرے سے سی آئی اے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پتا نہیں وائٹ ہاؤس میں بیٹھے ہوئے کن گدھوں نے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر اس کی تقرری کی منظوری دی ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھنا سب سے بہتر تھا۔ میں نے گزرے ہوئے دنوں میں امریکی سی آئی اے کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم کی تھیں ان میں یہ نکتہ سرِفہرست تھا کہ وہ امریکا میں حکومت در حکومت بلکہ ایک متوازی حکومت کی حیثیت سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ امریکی صدر کو سی آئی اے کے سربراہ کے تقرر کا اختیار تھا اور ہر امریکی صدر اپنے اس اختیار کے استعمال میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ اس سے آگے سی آئی اے کا اپنا نظام تھا۔ اس کا ڈائریکٹر اپنی صوابدید سے تقرر، ترقی اور نئی بھرتیوں کے بارے میں فیصلے کر سکتا تھا۔ اس کے لیے فیصلے کرنا آسان تھا لیکن کسی فیصلے کو واپس لینا دشوار تھا کیونکہ سی آئی اے کے ہر رکن اور ایجنٹ کو امریکا کے وفاقی ملازم کی حیثیت سے بہت سے تحفظات میسر تھے۔ وہ سی آئی اے کا اندرونی کھیل تھا جس میں وائٹ ہاؤس والوں کا بھی زیادہ عمل دخل نہیں رہا تھا۔

اچانک بج اٹھنے والی ڈور بیل نے میری خاموشی کا بھرم رکھ لیا۔ سلطان شاہ اٹھ کر دروازے تک گیا۔ گھر میں آنے جانے والوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری اس نے رضاکارانہ طور پر سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ واپس آیا تو اول خان اس کے ساتھ تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" پرتپاک سلام دعا اور مزاج پرسی کے بعد اول خان نے ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا جان ایلش کوف بھی مر گیا؟" ویرا نے چونک کر طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

”ایسی بد دعائیں نہ مانگو۔“ اول خان نے اسے گھورتے ہوئے تادیب کی ”وہ کراچی میں بلکہ پاکستان میں کہیں بھی مارا گیا تو سیاسی سطح پر شدید مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔“

”پھر تم کس خس کی کمی کی خوش خبری سنا رہے تھے؟“ ویرا اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑی۔

”تم پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دیتی ہو۔“ اول خان نے ہلکی سی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”میں تم لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کراچی ائرپورٹ سے صبح چار بجے اس کا طیارہ دہلی کی طرف پرواز کر گیا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔“

”بہت ہی کمینہ اور بزدل نکلا یہ جان بھی۔“ ویرا نے نفرت سے کہا۔

”شاید جان نام کے سارے امریکی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ڈرپوک، خود غرض اور عیش کوش!“ سلطان شاہ بولا۔

”کم از کم جان اسمتھ اور جان الیش کوف کی حد تک تمہاری بات درست معلوم ہوتی ہے۔“ غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

”جان نے یہاں سے جانے سے پہلے مجھے نظرانداز کر دیا۔ اب اس کی توجہ ماجد یمنی پر مرکوز ہے۔ اس کی تلاش کا کام بھی مقامی پولیس اور ایجنسیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دن بے فکری کے مزے لے سکتا ہوں۔“ میں نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جواب دیا۔

”اس بھول میں نہ رہنا۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اپنے طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سر پر سوار ہو جائیں گے کہ ہم نے ان کے مطلوبہ آدمی کی تلاش کے سلسلے میں کیا کامیابی حاصل کی۔“ اول خان بولا ”خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر ذمے داری تھوپ دینے کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔“

”یہاں کی ایجنسیاں ان کی ملازم نہیں ہیں۔“ ویرا نے بھی سے کہا ”ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں برسوں کا وقت اور بھاری سرمایہ خرچ کر کے انہوں نے کیا کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کے پاس ڈینی کے بارے میں کوئی ریکارڈ تک نہیں ہے۔“

”ان فضول باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ یہ یاد رکھو کہ را اور سی آئی اے والوں کو تین افراد کی تلاش ہے۔ ڈینی، مظہر خان اور ماجد یمنی۔“ اول خان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان کے نزدیک تینوں خطرناک اور خونی مجرم ہیں۔ ان تینوں شخصیات کا الگ الگ برقرار رہنا ضروری ہے۔“

”ماجد یمنی کا اب روئے زمین پر کہیں سراغ نہیں ملے گا۔“ میں نے بے پروائی سے ہنس کر جواب دیا ”وہ نظریۂ ضرورت کی ایک اضطراری پیداوار تھی۔ وہ عمر بھر اسے ڈھونڈتے رہیں، اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ مجھے دوبارہ یہ نام استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”اسے ہم بھی بھول جائیں گے....“ اول خان نے اطمینان سے اپنی بات شروع کی لیکن میں قطع کلامی کر بیٹھا۔

”تم بار بار اپنا ذکر کیوں کر رہے ہو؟ کمشنر ہاؤس میں جان سے ہونے والی ملاقات میں تم تھے نہ تمہاری ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ پھر تم بلاوجہ اپنی گردن کیوں پھنسا رہے ہو۔“

”میں ایم آئی، آئی بی، آئی ایس آئی، ایف آئی اے اور پولیس فورس کو خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ ہم سب ایک مشین کے کل پرزے ہیں جنہیں مل جل کر چلنا ہوتا ہے۔ جب ہمارے سامنے امریکیوں یا بھارتیوں جیسے حریف ہوں تو ہمیں زیادہ گہرے اتحاد کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔“

اس کی بات سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

”لیکن ڈینی اور مظہر خان کے ناموں کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ وہ دونوں زندہ حقیقت ہیں۔“

”جان اور لیری کو ٹال دینے کے بعد تمہیں یہ نام کیوں یاد آ رہے ہیں۔“ سلطان شاہ نے پوچھا ”اس بارے میں تو جلال نے بھی ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی حالانکہ وہ جان کے ساتھ کمشنر ہاؤس کے اجلاس میں خود شریک تھا۔“

”اس کے بعد سے کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ کل جان ان دونوں کا طلب گار تھا۔ آج بھارتی وزارت داخلہ نے دہلی میں باضابطہ طور پر ہمارے سفیر سے مطالبہ کیا ہے کہ بھارت کے ان دونوں مجرموں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔“

”مظہر خان کے بارے میں صاف انکار کر دو۔“ میں نے اول خان کو مشورہ دیا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ اول خان نے بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا ”تم نے اس نام پر دہلی تک کا سفر کیا تھا۔ تمہارے پاسپورٹ کے کوائف انہوں نے فراہم کیے ہیں۔ ایک باضابطہ پاکستانی شہری کے بارے میں ہم کیسے اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں۔“

”تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مظہر خان غیر قانونی طور

پر بھارت میں داخل ہوا تھا۔" میں نے کہا "اس کے پاسپورٹ پر بھارتی امیگریشن کی جعلی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اصلی پاسپورٹ بھارتیوں کے پاس نہیں ہے اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ وہ مہریں جعلی تھیں۔ خود ان کو یہ حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب وہ اپنی اٹاری پوسٹ کے ریکارڈ کی دیکھ بھال کریں گے اور انہیں وہاں سے مظہر خان اور غزالہ نامی پاکستانیوں کے داخلے کا اندراج نہیں ملے گا۔"

"تم سوچتے ہو تو واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔" اول خان نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"مظہر خان نے قانونی طور پر سرحد عبور کی یا غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوا' یہ بعد کی بات ہے۔ دہلی میں اس کی موجودگی کا اظہار کرکے بھارتیوں نے اپنے گلے میں ہڈی اٹکالی ہے۔ پہلے وہ بتائیں کہ مظہر خان کس راستے سے بھارت سے باہر نکلا۔ اس کے اخراج کے اندراجات دکھائیں۔ اس کے بعد ہی مظہر خان کے بارے میں پاکستان پر کوئی ذمے داری عائد کی جاسکے گی۔ وہ دہلی میں تھا۔ اگر اس کی واپسی کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے تو ایک پاکستانی کے غائب ہونے کی ذمے داری بھارتیوں پر ہے۔ وہ بتائیں کہ وہ کہاں ہے' اسے کس جیل یا تھانے میں رکھا گیا ہے۔ پاکستان ان سے اپنے شہری کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔"

"گریٹ.... واقعی تم گریٹ ہو۔ یہی موقف غزالہ کے بارے میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" پوری بات سمجھتے ہی اول خان خوشی سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا "کاش جان والے اجلاس میں دوسروں کے ساتھ تم بھی موجود ہوتے تو جان اور لیری کے بخیے ادھیڑ ڈالتے۔ یہ بات ابھی تک کسی کے ذہن میں نہیں آئی ہے۔"

"مظہر خان کے پُراسرار طور پر اغوا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کراچی چھوڑنے کے بعد سے اب تک اس کا گھر ویران اور مقفل پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے پُرجوش لہجے میں کہا "بات زیادہ بڑھائی گئی تو اس کے پڑوسی بین الاقوامی ایجنسیوں کے کارندوں کو بتائیں گے کہ جانے کے بعد وہ واپس نہیں لوٹا۔"

"زیادہ بغلیں نہ بجاؤ۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ را یا سی آئی اے والے اتنے احمق نہیں ہیں کہ محض ریکارڈ چھاننے میں لگے رہیں۔ وہ سخت پاکستانی جواب کے سامنے جھک جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ مظہر خان' غزالہ کو لے کر چوری چھپے پاکستان چلا گیا ہے۔"

"اس سے پاکستان کی اخلاقی پوزیشن مستحکم ہوگی۔" اول خان ویرا کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "حکومتیں قانون کی عمل داری اور سر بلندی کی علامت ہوتی ہیں اور ہر لاقانونیت ان کی پیشانی کا داغ بن جاتی ہے۔ وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ ایک مشتبہ پاکستانی جوڑا دہلی میں روز اول سے را کے بڑے اور ذمے دار افسروں کی نگرانی میں تھا' اچانک کوئی جادوئی چراغ استعمال کرکے بھارت سے کیسے غائب ہوگیا۔ میں نے ڈینی کی بتائی ہوئی ہر بات ذہن نشین کرلی ہے۔ اب دیکھ لینا کہ دہلی میں ہمارے سفیر کو دیا جانے والا مراسلہ بھارتیوں کے گلے پڑجائے گا۔ ڈینی نے اپنی چشم کشا باتوں سے ایک گائیڈ لائن فراہم کردی ہے۔ اس میں بہت سی باریکیاں ہمارے وہ بزرجمہر تلاش کرلیں گے جو دن رات قانون کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں۔" اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا اور بولا "اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے دل کی ہر بات تمہارے سامنے رکھ دیتا ہوں تو مجھے چین ملتا ہے۔"

"را والوں کو کراچی میں مظہر خان کے پتے کا علم ہے۔" غزالہ بولی "اس تصدیق کے بعد ہی نریش نے آپ پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں شروع کی تھیں۔ شروع میں اسے بھنک بھی مل جاتی کہ کراچی کے پتے پر مظہر خان کا وجود نہیں ہے تو آج کی کہانی بالکل مختلف ہوتی۔"

"بالکل!" میں نے اس کی تائید کی "را والے اپنے ان ہی ذرائع سے یہ معلوم کرلیں گے کہ مظہر خان ابھی تک اپنے گھر واپس نہیں پہنچا۔ ان ساری کامیابیوں کی داغ بیل اول خان کی ڈالی ہوئی ہے۔ میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہ رکھا جاتا تو یہ قدم قدم پر پریشان کرتیں۔"

"اب عبدالماجد یمنی غائب ہوگیا۔ مظہر خان کو بھارتیوں نے کہیں قید کیا ہوا ہے۔ تینوں میں سے صرف ڈینی رہ جاتا ہے۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ بہت مشکل شکار ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ بات را سے سی آئی اے اور موساد تک' سبھی جانتے ہیں۔"

"وقتی طور پر ہم نے مسائل کا تدارک کرلیا ہے لیکن ہم اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے۔ ان پر اگلا وار کرنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے

پوچھا۔

"سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک فون اور فیکس نمبر ڈیڈی کے پاس موجود ہے۔ اسی کو دیکھنا چاہیے۔" ویرا بول اٹھی۔

اول خان کے اس سوال کے نتیجے میں میرے ذہن میں ایک بے نام سا تاریک دھبا نمودار ہوا تھا لیکن مجھے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا کے پُریقین جواب نے میرے ذہن کو اس تاریک دھبے پر مرکوز نہ رہنے دیا اور بات آگے بڑھ گئی۔

"تم نے فیکس پر بھیجے جانے والے پیغام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیا ہوگا۔" اول خان نے پوچھا۔

خاکہ میرے ذہن میں تیار تھا۔ میں نے وہ چند نکات ان چاروں کے سامنے دہرائے۔

وہ بہت سیدھی سی بات تھی۔ دہلی کے قیام کے دوران میں انل اور نریش سے میری مفاہمت ہوگئی تھی۔ ایک طے شدہ معاوضے پر مجھے ان کے لیے پاکستان میں کام کرنا تھا۔ یہ کام اتنا پکا تھا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی مگر میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی مجھے بھارت میں اشتہاری مجرم قرار دے کر شور مچا دیا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ را والے مجھے کس بڑے شکار کے لیے اپنا چارا بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"فیکس میں یہ بات ضرور لکھ دینا کہ تم کسی مقررہ وقت پر فون کرو گے تاکہ کھل کر بات کر سکو۔" ویرا نے تاکید کی۔

فیکس محض ایک ابتدائی کوشش تھی۔ میرا اصل مقصد یہی تھا کہ میں نریش کے دیے ہوئے فون نمبر پر کسی سے کھل کر بات کرنے میں کامیابی حاصل کرلوں۔ ویسے بھی فون کی سہولت ہر جگہ میسر تھی جب کہ فیکس عام نہیں تھا۔ اس پر رابطہ کرنے میں سب سے پہلا خطرہ رازداری کو لاحق ہوتا کیونکہ فیکس مشین کا مالک پیغام پر سرسری نظر ڈال کر بھی محض اتفاقاً کوئی اہم نکتہ ذہن نشین کر سکتا تھا۔

امریکی سی آئی اے میری ذات کے حوالے سے کسی شناخت کے لیے تڑپ رہی تھی۔ میں نے ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اپنا پیغام تحریر کیا تو مجھے اندازہ تھا کہ میری تحریر بھی میری شناخت کا ایک ذریعہ بن سکتی تھی۔ اس پیغام کا من و عن دشمن کے ہاتھوں میں پہنچنا مخدوش تھا۔

میرے اس اندیشے سے آگاہ ہوتے ہی ویرا اور سلطان شاہ نے کھلے دل سے پیشکش کی کہ فیکس پر بھیجنے کے لیے وہ میری تحریر کی نقل کر دیں مگر میرے ذہن میں ایک خدشہ جنم لے چکا تھا۔ میں اپنے کسی ساتھی کی تحریر کا نمونہ بھی را کے کسی ایجنٹ کو بھیجنے کا روادار نہیں تھا۔

میں انگریزی میں لکھا ہوا پیغام ٹائپ کرانے کے لیے اول خان کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

کراچی کے حسن اسکوائر پر سوک سینٹر کی عمارت ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ متعدد شہری دفاتر کے اردگرد درخواستیں لکھنے اور ٹائپ کرنے والے صبح سے شام تک روزگار کی آس میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس علاقے میں کسی ٹائپسٹ کا ملنا دشوار نہیں تھا مگر پارکنگ کے لیے جگہ ڈھونڈنا محال تھا۔ اول خان نے سوک سینٹر کی عقبی سڑک کے ایک دور افتادہ مقام پر اپنی گاڑی کھڑی کی اور ہم پیدل بارونق دفتری علاقے کی طرف ہو لیے۔

ایک خستہ حال سوزوکی میں میز پر ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کا پلندا میری نظروں کو بھلا معلوم ہوا۔ ہمیں دیکھ کر کرسی والے شخص نے مصروف نظر آنے کی کوشش کی مگر ہمارے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر اسے اپنی نام نہاد مصروفیت ترک کر کے ہماری طرف متوجہ ہونا پڑا۔

میں نے اپنا لکھا ہوا کاغذ اسے دیا۔ اس نے فوراً ٹائپ رائٹر پر سفید کاغذ چڑھانا شروع کر دیا۔

"اس کی کتنی نقلیں بنیں گی۔ پتا کس کا ہوگا؟" اس نے رٹے رٹائے جملے دہرائے۔

"پتا کسی کا نہیں ہوگا۔ بس یہ مضمون ٹائپ کردو۔" اول خان نے خشک لہجے میں کہا "نقل کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"کم از کم ایک کاپی ٹائپ کروالیں۔ کاربن اور ایک کاغذ کا کشن ملتا ہے تو حروف صاف چھپتے ہیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

ہم نقل تلف کر سکتے تھے۔ میں نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کر دی۔

اس پیغام کا متن مبہم سا تھا۔ ٹائپ کرنے والے نے پیشہ ورانہ انداز میں کئی مقامات پر ردوبدل کا مشورہ دیا جسے میں نے مسترد کر دیا۔ را والوں کے لیے وہ سطور لکھتے ہوئے میں نے خیال رکھا تھا کہ کوئی اجنبی ٹائپسٹ کسی اہم بات سے آگاہ نہ ہو سکے۔

ٹائپنگ مکمل کرنے کے بعد اس نے کاغذ مشین سے اتارے بغیر مجھے پیغام پڑھنے کا مشورہ دیا تاکہ کسی غلطی کی اصلاح کی جا سکے۔ میں چھپے ہوئے کاغذ پر جھکا تو پہلی ہی سطر میں املا کی چار غلطیاں موجود تھیں۔ پورا مضمون غلطیوں سے

بھرا ہوا تھا مگر مفہوم بہرحال اپنی جگہ برقرار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے غلطیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا تو ہمارا کافی وقت برباد ہو جائے گا۔ میری رضا پا کر اس نے کاغذ رول سے اتارے، اپنا کاربن نکالا اور دو مطبوعہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیے۔

غلطیوں سے بھری ہوئی ان چند سطروں کی ٹائپنگ کا معاوضہ پچیس روپے طلب کیا گیا۔ بیس اصل کے اور پانچ روپے کاربن کاپی کے۔ میرے لیے رقم کی کبھی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی لیکن بے ایمانی اور دھوکے بازی میری برداشت سے باہر تھی۔ اپنے کسی ناخوشگوار ردِ عمل کے مظاہرے سے پہلے مجھے خیال آ گیا کہ غلطی میری تھی۔ میں نے ٹائپسٹ کو کام سونپنے سے پہلے پیسے طے نہیں کیے تھے۔ کام کرنے کے بعد اس نے جو کچھ مانگ لیا تھا، وہ دینا ضروری تھا۔ ویسے بھی وہ گردشِ روزگار کا ستایا ہوا ایک پریشان حال سفید پوش تھا۔ میں نے پچیس روپے کے بجائے پچاس روپے کا نوٹ اسے تھمایا اور اس کے ہاتھ سے وہ کاربن پیپر لے لیا جو میرے کام میں استعمال ہوا تھا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کاربن پرانا تھا پھر بھی اس پر میرے پیغام کے کسی لفظ یا حصے کے پڑھے جانے کا احتمال تھا۔ میں نے کاربن پیپر کو اپنی مٹھی میں سمیٹا اور بقیہ پیسوں کی واپسی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیا۔

چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے کاربن پیپر اور پیغام کی نقل کے پرزے پرزے بکھیر کر فضا میں اڑا دیے۔

"تم فطری طور پر بہت زیادہ محتاط آدمی ہو۔" آنے جانے والوں کی بھیڑ سے دور نکل کر اول خان نے معترفانہ انداز میں کہا "میں بھول کر بھی پرانے اور سڑے ہوئے کاربن کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ شاید یہی عقابی نظریں تمہیں ان دیکھے خطرات سے بچاتی چلی آ رہی ہیں۔"

"اب مسئلہ فیکس مشین کا ہے۔" گاڑی میں واپسی کے دوران میں نے کہا۔

"قریب ہی کسی دکان سے فیکس کر لو۔ دس روپے میں کام ہو جائے گا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"پی سی او سے بھیجے گئے ہر فیکس پر دوسری طرف شناختی لائن بھی جاتی ہے۔ اسے بند کرانے پر بھی خدشہ رہے گا کہ دکان دار نے ہدایت پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ را کے آدمی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اسے شہر کے کس علاقے سے فیکس کیا گیا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"پھر تم یہ پیغام مجھے دے دو۔ میں دفتر سے فیکس کر دوں گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ یہ کہاں سے فیکس کیا گیا ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"احتیاط کے طور پر سی ایل ڈی بھی لے لینا۔ ویسے فیکس پر کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہوگا۔"

میں نے دور تک سوچ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ نزلیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنے کے لیے گلشن اقبال کے علاقے کا کوئی پبلک فیکس آفس استعمال نہ کیا جائے۔ پچھلے روز ہم نے اپنی ہر احتیاط بروئے کار لاتے ہوئے گھر کے بجائے ایک پبلک کال آفس سے جان الیش کوف کو فون کیا تھا۔ وہ وہی موقع تھا جب میں نے عبدالماجد کے روپ میں اس سے بات کی تھی۔ بعد میں جلال نے رات گئے بتایا تھا کہ جان نے نہ صرف اس پبلک بوتھ کا نمبر معلوم کر لیا تھا بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا مکمل ٹیپ بھی حکام کو دے دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد دوبارہ یہ بات سامنے آتی کہ را کے کسی آدمی کو گلشن اقبال ہی سے فیکس کیا گیا تھا تو وہ علاقہ دشمنوں کی نگاہوں میں آ جاتا اور ہمارے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا۔

اول خان اس وقت فیکس کے چکر میں ہماری طرف آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ فیکس لینے کے بعد مجھے دروازے پر اتار کر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو جائے گا لیکن گھر پہنچنے کے بعد میں نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔ گھر میں تینوں افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں خواب گاہ کی خلوت میں بیٹھ کر ہم زیادہ آزادی اور بے فکری سے بات کر سکتے تھے۔

اول خان کا میرے ساتھ خواب گاہ میں آنا معمول سے ہٹا ہوا عمل تھا۔ ویرا ایسے معاملات میں بہت کائیاں تھی۔ وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی اور چند ثانیوں بعد ہی کمرے میں آ کر ہم دونوں کے ساتھ جم گئی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو۔ کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر خشک لہجے میں کہا۔

"میں غزالہ سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں۔ وہ بہت حوصلے والی لڑکی ہے۔ کام سنبھال لے گی۔" مجھے سلگانے کے لیے اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس وقت شاید تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے!" اول خان نے میرے تیور بھانپ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ تمہاری منکسر مزاجی ہے کہ ایسا کہہ رہے ہو۔" ویرا ڈھٹائی سے بولی "ورنہ میں اپنے فرض سے غافل نہیں

ہو سکتی۔ تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے مہمان بن کر آتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری آمد کو نظرانداز کرکے ہم سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔"

"اول خان کی میزبانی کے لیے میں یہاں موجود ہوں۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا "تم جاکر اپنا کام کاج دیکھو۔ کوئی ضرورت ہوئی تو میں آواز دے کر تمہیں بلا لوں گا۔"

"نہیں!" وہ اٹھلا کر بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم تکلف کرو گے۔ مجھے آواز نہیں دو گے۔"

اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ میں نے زچ ہو کر کہا "میں قطعی تکلف نہیں کروں گا۔ خدا کے لیے اس وقت تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تخلیے میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو نا کہ تم مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" اس نے مجھے چڑانے کے لیے کرسی کے دونوں بازو تھام لیے۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم ویرا کے سامنے نہیں کر سکتے؟" اول خان نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش میں کہا اور ویرا نے اس کی بات اُچک لی۔

"خدا تمہارا بھلا کرے۔ تم نے حق بات کہہ دی ہے۔ جب ہمارا رہنا سہنا اور مرنا جینا ایک ساتھ ہے تو آپس میں ایسی پردہ پوشیوں کی کیا ضرورت ہے؟"

اپنی ذہنی رو کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں، میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی۔

اول خان نے بلاوجہ بزرگانہ انداز میں ویرا کو سمجھانا شروع کردیا "اس طرح ہر جگہ ٹانگ اڑانا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا تو تمہیں ایسی دخل اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح بلاوجہ کی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

ویرا کے دماغ پر اس وقت تجسس اور شرارت کا بھوت سوار تھا۔ وہ معصومانہ سنجیدگی کے ساتھ یوں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئی جیسے اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اول خان نے اپنی لمبی چوڑی اصلاحی تقریر کے بعد پوچھا "میری یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آ رہی ہیں نا۔"

"بالکل۔" ویرا نے سرہلا کر اقرار کیا "میں نے انہیں گرہ سے باندھ لیا ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔"

"شاباش! تو اب باہر جاؤ۔ میں ڈینی کی باتیں سن کر یہاں سے جلد نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں نے آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرلیا ہے مگر اس وقت یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" ویرا مچل گئی "یہ میری توہین ہوگی کہ ڈینی مجھے اپنے کمرے سے نکال دے۔"

میں ویرا کا کہا ہوا ہر زہریلا لفظ سن رہا تھا مگر گونگا اور بہرا بنا ہوا، خاموشی سے اپنی سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ اس کا آخری جواب سن کر میں نے اسے یکسر نظرانداز کردیا اور اپنی کرسی کا رخ گھما کر اول خان کے بالکل سامنے ہوگیا۔

"میرے ذہن میں ایک بات بار بار بچھو کے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔" میں نے معتدل لہجے میں اپنی بات شروع کی "تم اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اچانک ہی عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا مگر یہ نام اسی لمحے جان کی توجہ کا ایسا مرکز بنا کہ اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ماجد تک پہنچنا چاہ رہا ہے۔ آخر اس نام میں ایسی کیا تاثیر تھی؟"

اول خان نے فوری طور پر میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوچتے ہوئے بولا۔ "فون پر تمہارے یعنی ماجد کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"بالکل پوچھا تھا۔" میں نے اقرار کیا "بعد میں اس نے القاعدہ والوں کے لیے گندی اور ہتک آمیز زبان بھی استعمال کی تھی۔ میرے کان اس نام سے ضرور آشنا ہیں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امریکی ان سے اتنی نفرت کرنے لگے ہوں گے۔"

"یہ جنگ اور سرد جنگ کے کرشمے ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر سوچتے ہوئے جواب دیا "افغانستان میں روسیوں کی سرکوبی کے لیے لڑنے والوں میں ایک گروپ القاعدہ بھی تھا۔ اس وقت امریکی دل کھول کر ہر روس دشمن طاقت کی مدد کر رہے تھے۔ اس لڑائی میں کہیں کہیں امریکی بھی شریک تھے۔ وہ اور القاعدہ والے افغان سرزمین پر روسیوں سے شانہ بشانہ لڑے تھے مگر روس کی روسیاہی کے بعد حالات پلٹ گئے۔ راستے جدا ہوگئے۔ امریکی القاعدہ والوں کے خلاف ہو چکے ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ افغانستان کے عدم استحکام سے فائدہ اٹھا کر القاعدہ کے حامی برسر اقتدار آگئے تو اس سرزمین پر امریکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے

گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت جان ایش کوف ہی افغانستان کے معاملات کا نگراں ہو اور اپنے جوڑ توڑ کے ذریعے وہاں القاعدہ کی راہ روکنے کی کوششیں کر رہا ہو۔"

"اس میں ماجد یمنی کے کردار کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ ان سیاسی نکات میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"کہا جاتا ہے کہ القاعدہ میں عرب اور یمنی بڑی تعداد میں ہیں۔ تم نے جان سے ڈینی کے بارے میں مخبری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ شاید اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ ماجد القاعدہ کا کوئی اہم آدمی ہے جس پر ہاتھ ڈال کر وہ دہرا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"اچانک سامنے آنے والے ایک سائے سے ایسی کیا امیدیں وابستہ کی جا سکتی تھیں؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اسے امید ہو گئی ہو گی کہ ماجد کے ذریعے ایک طرف وہ ڈینی کا سراغ لگا سکتا ہے اور دوسری طرف القاعدہ کی شکست و ریخت کے عمل میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ یہی خوش فہمیاں اس کے لیے ایک آسیبی جال بن گئیں اور وہ تمہاری باتوں کے پھندے میں الجھ کر نیٹی جیٹی کے مندر تک پہنچ گیا۔ واقعات کی کڑیاں صرف اسی امکان کی نشان دہی کرتی ہیں ورنہ جان آسانی سے فریب کھانے والا آدمی نہیں تھا۔"

اس وقت تک ویرا بالکل خاموشی سے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی زبان کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی مفاہمانہ خاموشی کی وجہ سے میرے وجود میں انگڑائیاں لیتا ہوا اشتعال سرد ہو چکا تھا مگر اس مرحلے پر ویرا نے اپنی خاموشی توڑ کر مجھے چونکا دیا "اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو چند باتیں میں بھی کہہ ڈالوں۔"

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر آ کر رک گئیں اور میں نے ویرا کے چہرے پر سنجیدگی کی پرچھائیں دیکھ کر اسے بولنے کا اشارہ کر دیا۔

"میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اتنا احمق کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے۔ اسے یکایک اپنی دہری کامیابی کا خواب نظر آنا شروع ہو گیا تھا اور وہ اسی چکر میں ڈینی کے ہاتھوں سمندری کھاڑی میں جا گرا۔ میں اس بات کی چشم دید گواہ ہوں کہ شی میں میرے باپ کے اقتدار کے زمانے سے افغان علاقہ امریکیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ڈینی محض ایک فرد کے طور پر ان کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن افغان علاقے ایک طویل عرصے سے خفیہ امریکی پالیسیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا سود مند ثابت ہوا۔" میں نے اول خان سے کہا "ہم سب کے ذہنوں میں کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات پل رہے تھے جواب صاف ہو رہے ہیں۔"

"اب بات واقعی قابلِ فہم ہو گئی ہے کہ ماجد یمنی کے فرضی نام نے اچانک اتنی اہمیت کیوں اختیار کر لی کہ ڈینی پسِ پشت چلا گیا۔" ویرا بولی۔

"سچ سچ بتانا کہ جان سے فون پر بات کرتے ہوئے تمہارے ذہن میں ماجد اور یمن کے نام کیوں آئے تھے۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے کوئی نہ کوئی فرضی نام لینا تھا۔ میں یہ سب بتا چکا ہوں۔ مقامی نام کو جان اہمیت نہ دیتا۔ غیر ملکی نام میں اس کے لیے کشش ہوتی۔ مغربی نام اپنا کر میں اس لب و لہجے میں زیادہ دیر تک انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں مار کھا جاتا۔ جان کے عربی داں ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں عرب بن گیا۔"

"عرب ممالک کی تعداد کم نہیں ہے۔ تم نے خود کو یمنی بتانا کیوں پسند کیا؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ وہ نہلے پر دہلا تھا۔ اس نے میرے سعودی ہونے کا قیاس کیا تھا۔ میرے لیے اس کی تردید ضروری تھی۔ جواب آں غزل کے طور پر میرے ذہن میں یمن کا نام آ گیا۔"

"بس اس کے ستارے گردش میں آ گئے تھے اس لیے ڈینی کا ذہن بالکل صحیح سمت میں کام کرتا چلا گیا۔" ویرا نے کہا۔

"آج کل القاعدہ بڑی حد تک گمنام ہے۔ اس تنظیم کے خلاف امریکیوں کی نفرت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ ایک تہلکہ خیز نام بن کر ابھرنے والی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی "جان کی باتوں میں اب مجھے مستقبل کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ اس وقت فیر فیکس میں کیا ہو رہا ہو گا۔" ویرا بڑبڑائی۔

میرا ذہن فوری طور پر اول خان کو دیے ہوئے فیکس کی طرف گیا لیکن زبان کھولنے سے پہلے مجھے یاد آ گیا کہ وہ امریکی قصبہ سی آئی اے کا گھر تھا۔ میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد پوچھا "وہ لوگ بہت محنت سے صحیح سمت میں کام کر رہے

ہیں۔ میرے بارے میں ان کے بیشتر اندازے درست ہیں۔"
"اس سے مجھے انکار نہیں۔ وہ لوگ یہ سن کر اپنے سر پیٹ لیں گے کہ جان اسمتھ کے بعد جان ایش کوف بھی کراچی سے ڈر کر دہلی بھاگ گیا ہے۔ سی آئی اے کے منصوبہ ساز اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے کراچی میں قدم جمانا چاہ رہے ہیں اور ان کے بھیجے ہوئے بھیڑیے' بھیڑوں کی طرح ممیاتے ہوئے دہلی کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔"
"ان کی یہ افراتفری ہمارے لیے مفید ہے۔ وہ یک سوئی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" اول خان نے کرسی چھوڑ دی۔
ہم دونوں نے دروازے تک آکر اسے رخصت کیا۔
"کبھی کبھی تم مجھ سے بہت زیادہ بیزار نظر آنے لگتے ہو۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے راہداری میں دبی زبان میں شکایت کی "میں اب تمہیں اتنی زیادہ بری لگنے لگی ہوں تو میں یہاں سے اپنا منہ کالا کر لوں؟"
"تم پہلے بھی منہ کالا کرتی رہی ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ محاورہ ذرا احتیاط سے استعمال کیا کرو۔"
اس نے سلگ کر اپنی چٹکی سے میرے بازو کی جلد مروڑ کر رکھ دی۔ راہداری طے کرکے ہم سلطان شاہ کی نشست کے قریب پہنچ چکے تھے اس لیے ویرا کو جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ مجھے گھورتی رہ گئی۔
"فیکس کب تک بھیج دیا جائے گا؟" غزالہ نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ چولہوں کی حدت سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔
"اول خان اپنے دفتر میں پہنچتے ہی یہ کارِ خیر کر گزرے گا۔ کچھ خطرات نہ ہوتے تو میں اسی وقت کسی پبلک فیکس سے وہ پیغام بھیج دیتا۔"
"بالکل ٹھیک ہے۔ فریق ثانی کو اتنا وقت ملنا چاہیے کہ وہ پیغام ملنے کے بعد سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر سکے۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"بکواس مت کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہر وقت اوندھی باتیں کرتے رہتے ہو۔"
"میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟" سلطان شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر احتجاج کیا۔
"دشمن سے غلط فیصلے کی امید رکھو۔" ویرا نے چٹکی بجا کر اسے آنکھ ماری "دشمن کا کوئی بھی صحیح فیصلہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔"
"میرا بھی یہی مطلب تھا۔" سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا "میں دشمن کے ایسے کسی غلط فیصلے کی بات کر رہا تھا جو ہمارے لیے صحیح ثابت ہو۔"
سلطان شاہ کی اس انوکھی توجیہہ پر غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گھر کی فضا یک بیک خوشگوار ہو گئی۔
مجھے امید تھی کہ اول خان میرا پیغام بارہ بجے سے پہلے را کے نامعلوم ایجنٹ کو فیکس کردے گا جبکہ میں نے اپنے پیغام میں سات بجے فون کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس طرح فریق ثانی کو کسی بھی قسم کی ذہنی تیاری کرنے کے لیے پورے سات گھنٹے کا وقت دستیاب تھا۔
نریش نے دہلی میں مجھے رابطے کے جو نمبر دیے تھے وہ دونوں شہر کے سول لائنز کے علاقے یا اس کے مضافات سے تعلق رکھتے تھے جس کا اظہار ان نمبروں کے تین ابتدائی ہندسوں کی یکسانیت سے ہوتا تھا۔ جب سے ہم لاہور کے راستے کراچی پہنچے تھے' اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ سکون سے بیٹھ کر اپنی پچھلی کارگزاری کا جائزہ لیا جائے اور پھر کچھ نکات پر تحقیق و تفتیش کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ مجھے وقت ملا ہوتا تو یہ پتا چلانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دونوں فون نمبر کس کے نام پر تھے اور عملی طور پر کس کے تصرف میں تھے۔
کراچی میں بھارتی قونصل خانہ کم و بیش اسی علاقے میں' فاطمہ جناح روڈ پر واقع تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ نمبر قونصل خانے کے نہیں ہوسکتے تھے۔ دہلی میں نریش نے میری اداکاری سے جو بھی فریب کھایا ہو' وہ یہ سنگین غلطی نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے ایک پاکستانی مخبر کو خفیہ سفارتی رابطوں کی کسی کڑی سے آگاہ کردے۔
جان سے گفتگو کے لیے استعمال کیے جانے والے پبلک فون بوتھ کے نمبر جان کے ہاتھ لگ جانے سے میرے اعتماد کو دھچکا لگا تھا۔ اس زمانے میں سی ایل آئی کی سہولت کے بارے میں نہیں سنا گیا تھا مگر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ کم از کم... کراچی میں مقیم اہم امریکی افسران میں سے بعض کو اس سہولت تک رسائی حاصل تھی۔ ایسی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بھی مشکوک ہوجاتی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق وہ آلہ دورانِ گفتگو کسی تیسرے فریق کی مداخلت کا مکمل ترین انسداد کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی کہ سی ایس ڈی ہمارے فون نمبر کو کسی قسم کی شناخت سے بھی محفوظ رکھ سکتی تھی۔
اس آلے کے بارے میں میرا تجربہ یہ تھا کہ اس کا استعمال کرتے ہوئے ہم کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آئے تھے جبکہ ہم اس آلے کی مدد سے امریکی اور بھارتی سفارتی

افسروں سے بھی رابطے کرتے رہے تھے پھر مجھے یاد آیا کہ ویرا
نے بھی اسی آلے کے سائے میں جان اسمتھ کو پے در پے
فون کرکے اتنا خوف زدہ کیا تھا کہ وہ دہلی کی طرف بھاگ نکلا
تھا۔ اگر اس نے ویرا کے فون نمبر کا سراغ لگالیا ہوتا تو اسے
کراچی سے بھاگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فون کا مجرمانہ
استعمال ہر اعتبار سے خلافِ قانون تھا۔ جان اسمتھ کے ایک
اشارے پر کراچی پولیس ذرا سی دیر میں ویرا کو ہمارے گھر
سے اٹھا کر لے جاسکتی تھی۔

جان اسمتھ کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ دوسری
طرف جان ایش کوف نے پبلک بوتھ کا نمبر پکڑ لیا تھا جبکہ وہ
اسی گھر میں رہ رہا تھا جہاں جان اسمتھ کا قیام تھا۔ ان دونوں
کا فون بھی ایک ہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمارے گھر پر سی
ایل ڈی نصب تھی جبکہ پبلک بوتھ اس آلے سے محروم تھا۔
شاید اس زمانے میں نمبر پکڑنے کے لیے سادہ آلات کے
بجائے کوئی ایسی مشین استعمال کی جاتی تھی جو سی ایل ڈی
کے حساس آلے سے نہیں بچ سکتی تھی۔

ویرا اور جان والے واقعات یاد آنے کے بعد مجھے سی
ایل ڈی کی کارکردگی کی طرف سے دلی اطمینان تو ہو گیا مگر میں
نے فیصلہ کرلیا کہ پہلی فرصت میں جلال یا اول خان کے
ذریعے مزید معلومات حاصل کروں گا۔ اپنے تحفظ کے لیے
مرا سی ایل ڈی کی کارکردگی سے پوری طرح باخبر ہونا بہت
ضروری تھا۔

عارضی دلی اطمینان ہو جانے کے باوجود میں مزید تصدیق
ہونے تک اپنا فون یا موبائل فون کسی دشمن سے رابطے کے
لیے استعمال کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ
سارا دن بیکار رہ کر گزارنا میرے لیے مشکل تھا۔ میں نے
جلالہ اور ویرا کو امورِ خانہ داری میں مصروف چھوڑا اور
سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے تک کسی چون
و چرا کے بغیر میری ہدایات پر عمل کیا لیکن سفر کا آغاز ہونے
کے بعد اس کا تجسس سوالات کی صورت میں اس کی زبان پر
تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اس وقت کہاں اور کس
ارادے سے جا رہا تھا۔

میرا کوئی خفیہ پروگرام نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک اسے
مذاق میں ٹالتا رہا پھر اسے بتادیا کہ میں اولڈ ٹاؤن کے کسی
پبلک بوتھ سے نریش کے دیے ہوئے نمبر پر فون کرنا چاہ رہا تھا
اور شام کے سات بجے سے پہلے اس فون نمبر کے بارے میں
آگاہی حاصل کرسکوں۔

میرا ساتھی بننے سے پہلے سلطان شاہ ایک ٹرانسپورٹ
کمپنی میں کام کرتا رہا تھا۔ اسے ہلکی اور بھاری گاڑیوں کی
ڈرائیونگ پر کامل مہارت حاصل تھی۔ وہ سڑکوں پر رواں،
بھانت بھانت کی گاڑیوں کے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہوا اولڈ
ٹاؤن کی طرف بڑھتا رہا۔

"اس علاقے میں پہنچ کر ہمیشہ میری پرانی یادیں تازہ
ہو جاتی ہیں۔" کھارادر کی تنگ سڑکوں پر گاڑی چلاتے ہوئے
سلطان شاہ نے جذباتی لہجے میں کہا "میں جس زمانے میں
سیٹھوں کے لیے کام کررہا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے
اپنے وطن کی خدمت کرنے کا ایسا بڑا موقع ملے گا۔"

"یہ دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں ورنہ ان دنوں تم واقعی
محنت کررہے تھے۔ آج کل تو ہم لوگ وقت گزار رہے
ہیں۔" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا "را اور سی آئی
اے والے گھامڑ نہیں ہیں کہ بلاوجہ دن رات تمہارے پیچھے
لگے ہوئے ہیں۔ میں دہلی میں تمہارے کاموں کے بارے میں
سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ را کے دفتر
میں گھسنا ہی دل حوصلے کا کام تھا۔ تم نے تو ان کے غرور کو
خاک میں ملا دیا۔ گرین کوبرا کے ساتھ نہ جانے کیا کیا نکال
لائے، ناگر کو مار ڈالا اور ان سالوں کے دفتر کو آگ تک لگا
دی۔ وہ تمہارے گن گاتے رہے۔"

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے
اسے سمجھایا "جو لوگ اپنی کامیابیوں پر زیادہ ناز کرتے ہیں وہ
رفتہ رفتہ اپنے سنہرے ماضی میں رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں
اور پھر اپنے اردگرد کے حالات سے غافل ہوتے چلے جاتے
ہیں۔ یہ روش انہیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔"

"میں نے بھی تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا اور کیا
ہے لیکن تم نے میری زبان سے کبھی اس بارے میں ایک لفظ
نہیں سنا ہوگا۔ میں ہمیشہ تمہاری اور دوسروں کی بات کرتا
ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "یہ مرض
ویرا کو ہے کہ وہ ہر وقت اپنے راگ الاپتی رہتی ہے۔"

"پھر ویرا درمیان میں آگئی!" میں نے ہنس کر اسے ٹوکا
"کسی وقت تو اسے بھلا دیا کرو۔"

"تم نے غور نہیں کیا۔ وہ واقعی اپنے ماضی کے تذکروں
میں زیادہ مگن رہتی ہے۔"

"اسے معاف کردیا کرو۔ وہ بہت بدنصیب لڑکی ہے۔
اس نے بے مثال عروج کے بعد ایسا زوال دیکھا ہے کہ اب
اپنی [illegible] محرومیوں کا

شکار رہتے ہیں اور اپنے ماضی کی کامیابیوں کے تذکرے سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔"

میرے ایما پر سلطان شاہ نے ایک قریبی پبلک بوتھ کے قریب گاڑی روک لی۔ بوتھ خالی تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلاٹ میں کارڈ لگایا اور ڈائل ٹون ملنے پر اللہ کا نام لے کر اپنا مطلوبہ نمبر ملالیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی۔ میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن لائن پر کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی۔ دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں متذبذب انداز میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا رہا۔ گھنٹیاں بجنے کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی موجود نہیں تھا یا پھر وہ فون خراب تھا۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد میں نے مایوس ہو کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بوتھ چھوڑنے سے پہلے میں نے احتیاط سے نمبر ملانے کی دوسری کوشش کی مگر اس کا بھی وہی نتیجہ رہا اور میں ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ناکام واپس آئے ہو۔" سلطان شاہ نے میرے بشرے سے اندازہ لگا کر آہستگی سے کہا۔

"کوئی جواب نہیں مل رہا۔ ہو سکتا ہے کہ مظہر خان پر شبہ ہو جانے کے بعد را کے ایجنٹ نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ہے تو پھر اول خان کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

اس بار میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے خیال آیا کہ فون نمبر پر رابطے میں ناکامی کے بعد مجھے فیکس نمبر پر بھی ایک کوشش کرلینی چاہیے تھی۔ بہت سے لوگ اپنے ایک ہی فون نمبر کو فون اور فیکس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رابطہ نہ بھی ہوتا تو ریسیور پر فیکس کی مخصوص آواز سن کر کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا۔ اس دوسری کال کے لیے میں کوئی اور بوتھ بھی استعمال کر سکتا تھا مگر پہلی ناکامی نے میرے ذہن پر کچھ جھلاہٹ سی طاری کر دی تھی۔ میں نے اسی وقت اول خان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

سلطان شاہ کو گھر کی طرف واپسی کی ہدایت دے کر میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا اور میری آواز سن کر خوش دلی سے چہکنے لگا۔ "تم کہاں گھوم رہے ہو؟ میں نے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ تم کسی سے کچھ کہے بغیر باہر نکلے ہوئے ہو۔ میں نے تمہارے لیے ویرا کو پیغام دے دیا تھا۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا۔"

"میں ابھی تک گھر سے باہر ہوں۔ اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے نریش والے فون نمبر پر رابطہ کرنے کے ارادے سے نکلا تھا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ فیکس کا کیا رہا؟" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"فیکس چلا گیا۔ میں نے تمہارے گھر فون کرکے ویرا کو یہی اطلاع دی تھی۔" اول خان نے بتایا پھر پوچھا "فون مصروف تھا یا اس پر کوئی ریکارڈنگ چل رہی ہے؟"

"مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو اس نمبر کی چھان بین پر لگایا جانا چاہیے۔"

"میں نے ٹی اینڈ ٹی والے شہزاد کو اس کام پر لگا دیا ہے۔ یہ نمبر کس کے نام پر ہیں، کس کے استعمال میں ہیں اور اس وقت ان کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ سب باتیں شام سے پہلے معلوم ہو جائیں گی۔ مجھے ان باتوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ سات بجے سے پہلے ہمارا باخبر ہونا ضروری ہے۔"

وہ واقعی دور اندیش اور فرض شناس افسر تھا۔ اسے بہت زیادہ بتانے اور سکھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدھے مسائل میں وہ ہمیشہ ہر پہلو کو نگاہ میں رکھتا تھا۔ جہاں جوڑ توڑ، جھوٹ، فریب اور سازشوں کا معاملہ ہو، وہاں وہ چکرا جاتا تھا پھر بھی صحیح سمت میں پیش قدمی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا تھا۔

اول خان سے فون پر مختصر سی گفتگو کر لینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"وہ دونوں فون اور فیکس نمبر تمہیں دہلی میں نریش نے دیے تھے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "ان کے بارے میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ نمبر کراچی میں مقیم 'را' کے کسی ایجنٹ کے استعمال میں ہیں۔ اس بارے میں تم کو کسی تردّد میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ان پتوں پر پہنچو اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دو۔ ایسے معاملات میں مدافعانہ پیش قدمی کے بجائے جارحانہ پیش رفت ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے اس کے مشورے کا برا منائے بغیر جواب دیا "اگر یہ نمبر بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کے استعمال میں ہیں تو بات اتنی سادہ نہیں رہے گی۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

اپنے تازہ مسائل میں سر کھپاتے ہوئے ہم دونوں دو بجے سے پہلے گھر پہنچ گئے جہاں دونوں خواتین کچن کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہماری واپسی کی منتظر تھیں۔

ویرا نے اپنے مزاج کے مطابق کچھ برہمی کا اظہار کیا کہ میں اسے کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر کہاں گیا تھا اور ویرا کا منہ پھول گیا۔

کھانے کی میز پر ویرا میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ منہ ماری کرتی رہی۔ سلطان شاہ نے میرا رویّہ دیکھ کر ویرا کو چڑانا اور نظرانداز کرنا شروع کردیا۔ اس بے چارے کو ایسے سنہری مواقع بہت کم ملتے تھے جب میرا وزن ویرا کے بجائے اس کے پلڑے میں ہو۔

ساڑھے تین بجے اول خان وفورِ جوش سے تمتمایا ہوا آپہنچا۔ اس کے آدمی نے نریش کے دیئے ہوئے دونوں مقامی نمبروں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی تھیں۔

فیکس نمبر کراچی کے بھارتی قونصل خانے کے ایک مقامی ملازم چندن گرنانی کے نام پر تھا جو سول لائنز کے علاقے میں متوسط درجے کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ فون نمبر پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پیچھے ایک پرانی عمارت میں واقع ایک وکیل کے دفتر کا تھا۔ اس وکیل کا نام سنی کمار تھا۔ وہ محکمہ جاتی معلومات تھیں۔ ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں برسوں سے وہ اندراجات اسی طرح چلے آرہے تھے۔ دونوں نمبر فعال تھے اور ان کے بل ادا کیے جارہے تھے۔ اول خان کے آدمی نے متعلقہ ایکس چینج کے سوئچ روم سے بھی چیک کرلیا تھا کہ ان میں سے کسی نمبر میں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔

"فیکس نمبر کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ چندن گرنانی را کا ایجنٹ ہے اور اپنی فیکس مشین پر مقامی مخبروں سے رپورٹیں وصول کرتا ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔" اول خان نے سرہلاتے ہوئے اس کی تائید کی "اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہے۔ اسے کسی نہ کسی چکر میں گھیر گھار کر پکڑا جاسکتا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے نتیجے میں کسی بڑی پیچیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"پولیس کی مدد سے اس کے پاس سے چرس یا ہیروئن برآمد کروائی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ بھی مشورہ دینے میں پیچھے نہیں رہا "منشیات رکھنے کے جرم میں اسے آسانی سے دس پندرہ دنوں تک کسی حوالات میں رکھا جاسکتا ہے۔ وہاں کی خاطر تواضع اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔"

"یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ بیشتر سفارتی ملازمین کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ اس خانہ پری کے بغیر چندن گرنانی کو پکڑا گیا تو بھارتی شور مچادیں گے۔ وہ اپنے اس اہم آدمی کو اتنی آسانی سے نہیں بھلائیں گے۔"

"چندن بیچ کا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ فیکس لے کر کسی اور کو پہنچاتا ہوگا۔" غزالہ نے کہا "یہ نہ بھولو کہ فون نمبر کسی اور کا ہے۔"

"چندن بیچ کا آدمی ہے تب بھی کارآمد ہے۔ وہ بہت کچھ بتا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"تم نے سنی کمار کے فون کے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اول خان کو ٹوکا۔

"اس کی نوبت ہی کہاں آئی۔ سب نے چندن پر مغززنی شروع کردی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ معلومات حاصل ہوتے ہی میں نے اپنے آدمیوں کو تصدیق کے کام پر مامور کردیا۔ چندن کے گھر والے اندرون سندھ رہتے ہیں۔ وہ فلیٹ میں اکیلا رہتا ہے۔ جمعہ کی رات کو عمرکوٹ جاتا ہے اور اتوار کی شام کو واپس لوٹ آتا ہے کیونکہ پیر سے جمعہ تک اسے مسلسل پانچ دن دفتر جانا ہوتا ہے۔ اس کے فلیٹ میں بھی وہی سب ہوتا ہے جو رنگین مزاج اکیلے مردوں کے گھروں میں ہوسکتا ہے۔"

"اس کے معمولات بہت معقول ہیں۔" ویرا پھر بول پڑی "اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے' اس کی غیر حاضری میں فلیٹ کی تلاشی لے کر بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ سب بعد میں سوچا جائے گا۔ پہلے سنی کمار کی کہانی سن لو۔" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "وہ ایک ادھیڑ عمر ہندو وکیل ہے۔ نچلی عدالتوں میں فوجداری کیس لیا کرتا تھا لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے کئی مہینوں سے دفتر نہیں آرہا۔ اس نے اپنے عملے کو چھٹی دے دی ہے اور وہ دفتر کئی مہینوں سے مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"اسی لیے فون نمبر پر گھنٹیاں بج رہی تھیں اور جواب نہیں مل رہا تھا۔" سلطان شاہ نے کڑی سے کڑی ملائی۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا "اول خان بتا رہا ہے کہ وہ دفتر کئی مہینوں سے بند ہے۔ نریش اس بات سے بے خبر نہیں ہوگا۔ اس نے تین چار روز پہلے مجھے یہ فون نمبر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دفتر بند ہو یا کھلا' فون پر کسی نہ کسی سے بات ہوسکتی ہے۔"

"لیکن تم کو کوئی جواب نہیں ملا۔" سلطان شاہ نے استقامت کے ساتھ اعتراض کیا۔

"فون کے بارے میں نزلیش کی ہدایت تھی کہ اسے صرف ایمرجنسی میں استعمال کیا جائے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "فیکس کے برعکس فون کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ میرے دیے ہوئے وقت پر کوئی جواب دیتا ہے یا گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔"

"اگر وہ دفتر بند ہے تو کون تمہاری کال کا جواب دے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ابھی بتایا ہے کہ فون نمبر دیتے وقت نزلیش کو بھی معلوم رہا ہوگا کہ سنی کا دفتر کئی ماہ سے بند ہے۔ میں فیکس پر پیشگی بتا چکا ہوں کہ میں سات بجے فون پر رابطہ کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی میری بات سننے کے لیے موجود ہو۔"

"سات بجے میرے آدمی سنی کے دفتر کی خفیہ نگرانی کریں گے۔ اگر تمہاری مجوزہ فون کال سننے کے لیے کوئی وہاں آتا ہے تو اس پر گہری نگاہ رکھی جائے گی تاکہ ضرورت پیش آنے پر اسے قانون کی آہنی گرفت میں لیا جاسکے۔" اول خان نے بتایا۔

"اگر یہ محض ایک تجویز ہے تو مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔" میں نے کہا "اپنے آدمیوں کو اسی وقت ہدایات دے دو۔ سات بجے چندن پر بھی نظر رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہی اپنے گھر سے نکل کر سنی کے دفتر میں گھس جائے۔"

"سنی کے دفتر کے اردگرد میرے آدمی منڈلا رہے ہوں گے۔ چندن کے بارے میں، میں ابھی کہے دیتا ہوں۔" اول خان اپنی بات پوری کرکے فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جب تک اول خان فون پر بات کرتا رہا، کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ فون پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دے کر فارغ ہوا تو ویرا بولی "ابھی ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ نزلیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس بھیج کر تم نے ایک سنگین غلطی کی ہے۔"

غلطی کا ذکر آتے ہی اول خان ہمہ تن گوش ہوگیا "یہ قدم سب کے مشورے سے اٹھایا گیا ہے۔ اب تمہیں اس میں کیا غلطی نظر آرہی ہے۔"

"بھارتی تمہاری حکومت سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری اور حوالگی کا مطالبہ کررہے ہیں۔ کل طے ہوا تھا کہ مظہر کی پاکستان واپسی سے یکسر انکار کرکے بھارت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی قید میں موجود مظہر نامی پاکستانی کو واپس کرے یا پھر اس کی واپسی کے کوائف سے آگاہ کرے۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آں!" اول خان نے عجلت میں کہا "پوری بات کہو، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"سرکاری طور پر تم لوگوں کا مشورہ یہی تھا کہ تمہاری حکومت مظہر کی یہاں موجودگی سے صاف انکار کردے۔" ویرا نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

"اب آگے بھی بکو گی یا تمہاری سوئی یہیں اٹکی رہے گی۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"سرکاری سطح پر یہ جواب دیا جاچکا ہے۔ جوابی مراسلہ پڑھ کر بھارتی سفیر بوکھلا گیا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"اور اب ڈینی بلکہ مظہر نے فیکس بھیج دیا جو پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی موجودگی کا کھلا ثبوت ہے۔ بھارتی اس فیکس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔" ویرا نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

اول خان کے لیے ویرا کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ شاید بہت اہم تھا۔ اس نے ویرا کو براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔

"جب بھارتیوں کے جواب کے بارے میں بات ہورہی تھی تو یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "میں نے فیکس کا پیغام لکھتے ہوئے اس بات کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک کہیں بھی میرا نام نہیں ہے۔"

"میں مانتی ہوں کہ تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنا نام نہیں لکھا، خط بھی تمہاری تحریر میں نہیں ہے بلکہ ٹائپ کیا گیا ہے مگر اس کا متن صاف نشاندہی کررہا ہے کہ خط یا فیکس کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"

"فیکس اصل تحریر کی فوٹو کاپی ہوتی ہے جس کی کوئی قانونی وقعت نہیں ہوسکتی۔ بھارتی اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لیے خود ہی وہ پیغام ٹائپ کرکے ایک نمبر سے دوسرے کو فیکس کرسکتے ہیں اور پھر اسے ثبوت کے طور پر نچا سکتے ہیں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا "تمہارا اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔ فیکس کا سہارا لے کر پاکستان کے موقف کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو بھارتیوں کو منہ کی کھانا پڑے گی۔"

"یہ تمہاری ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے کہ تم فیکس کی اصلیت سے منحرف ہورہے ہو۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

"بھارتیوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا تو وہ ضرور یہ قدم اٹھائیں گے ورنہ ایسی حماقت کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے فیکس کے استعمال کا یقین کرلیا جائے تو وہ اس کا متن کہاں لے جائیں گے؟ اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک پاکستانی شخص را کا تنخواہ دار مخبر بنا ہے اور بھارتی حکومت اچانک ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ کیا وہ یہ الزام ازخود اپنے سر لے لیں گے کہ وہ جاسوسی کرانے کے لیے پاکستانیوں کو خریدتے ہیں۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" ویرا اپنی جگہ پر اڑی ہوئی تھی۔

"ضرور ہوتا ہے لیکن کوئی بھی حکومت بروقت اپنی ان حرکتوں کا اعتراف نہیں کرتی۔ دس بیس برس گزرنے کے بعد ان رازوں پر سے پردہ اٹھتا ہے کہ ماضی میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ اس وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"ہر ملک میں برے یا بھلے قوانین ہوتے ہیں۔" اول خان نے میری حمایت میں کہا "ان کے تحت سرکاری رازوں کا افشا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ قوانین درحقیقت ایسے سرکاری کاموں کی بھی پردہ پوشی کرتے ہیں جو معروف معنوں میں قابلِ تعریف قرار نہیں پاتے۔"

"میں بلاوجہ بحث میں نہیں پڑتی۔" ویرا نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی جو میں نے تم لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب اس کے فائدے اور نقصان کا اندازہ تم کو لگانا ہے۔ مجھے ڈینی کا آج والا فیکس گلے پڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"تم کو زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" سلطان نے اس کا مضحکہ اڑایا "ڈینی اور اول خان تم سے زیادہ سمجھ دار آدمی ہیں۔ اگر ان کی دلیلیں بھی تمہیں مطمئن نہیں کرسکیں تو تم بے فکر ہو جاؤ۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔" ویرا نے اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر جلے بھنے لہجے میں کہا "اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچتے۔ جو تمہارے آقا کہہ دیں' رٹے ہوئے طوطے کی طرح وہی دہرانا شروع کردیتے ہو۔"

"گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است۔" سلطان کو وہ ثقیل فارسی محاورہ نہ جانے کیسے یاد تھا "خدا کا شکر ہے کہ میری کھوپڑی میں کچھ نہ کچھ تو بھرا ہوا ہے۔ تمہارا سر تو خالی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتی ہو۔"

"اب تم دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" اول خان نے سختی سے کہا "ہمیں ان خرافات میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔"

ان دونوں نے کینہ توز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں۔ وہی اس وقت کی ضرورت تھی۔

پانچ بجے اچانک جلال آ پہنچا۔ ہم پانچوں نے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"میں نیپا میں ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر واپس جارہا تھا تو سوچا کہ راستے میں تم لوگوں سے بھی مل لوں۔" اس نے اپنی غیر متوقع آمد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اب کورم پورا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آگئے۔" اول خان نے کہا "اس وقت ہم لوگ فون اور فیکس کے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"کسی اور موضوع پر بات چل نکلنے سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ سی ایس ڈی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" میں نے جلال سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "پتا نہیں تمہیں یہ سوال کیوں یاد آگیا۔ دراصل اس وقت نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن میں سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ جاپانی افسروں سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے جو میرے ذہن میں تازہ ہے۔ گاڑی میں اس اپریٹس کے بارے میں خفیہ لٹریچر بھی پڑا ہوا ہے۔"

"نیپا میں جاپانی افسر کیا کررہے ہیں۔" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ پاکستان کا قومی تربیتی ادارہ ہے۔" جلال نے اسے بتایا "وہاں بہت سے غیر ملکی افسر بھی تربیت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ سینئر حکام وہاں دعوت پر لیکچر دینے آتے ہیں۔ وہ جاپانی وہاں مواصلات کے موضوع پر تربیتی لیکچر دینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ بات حیران کن ہے کہ آج ہی تمہیں ان سے سی ایس ڈی کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"جب سے مجھے اس کے بارے میں پتا چلا تھا' میں اس کے حصول کے لیے سرگرداں تھا۔ اب ریڈ آدمی والوں سے سی ایس ڈی بنانے کے حقوق ایک جاپانی کمپنی نے خرید لیے تھے تو اس آلے کا حصول ذرا آسان ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے [illegible]

"ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سی ایس ڈی را والوں کے استعمال میں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔
"ہرگز نہیں۔" جلال نے پورے وثوق سے تردید کی "پتا نہیں بدری ناتھ کو یہ آلہ کہاں سے مل گیا تھا۔"
"تم جلال سے سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔
"یہ بات یقینی ہے کہ سی ایس ڈی دو طرفہ ٹیلی فونک گفتگو میں کسی تیسرے فریق کی مداخلت سے بچاتی ہے لیکن نمبر ٹریس کرنے والے آلات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یہ بہت اچھی بات ہے کہ کوئی بھی کارآمد نکتہ تمہارے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم یہ بات نہیں بھلا سکے کہ جان نے گلشن اقبال کے اس پبلک کال آفس کا نمبر ٹریس کرلیا تھا جہاں سے تم نے اس سے بات کی تھی۔"
"اس واقعے نے مجھے بہت زیادہ محتاط بنادیا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔
"سی ایس ڈی ایک لاجواب ڈیوائس ہے جو ایک وقت میں صرف دو لائنوں کو ملائے رکھتی ہے جوں ہی تیسری لائن یا تیسرا سرکٹ جڑنے کی کوشش کرتا ہے، سی ایس ڈی لائن کو ڈراپ کردیتی ہے۔ یہ اس کے کام کرنے کا اصول ہے۔" جلال نے سہل الفاظ میں اپنی معلومات کا بیان شروع کردیا "فون کی گھنٹی بجنے پر نمبر کا سراغ لگانے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی سرکٹ ضرور استعمال ہوتا ہے۔ یہ تین سرکٹ یک جا نہیں ہوسکتے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ نمبر کا سراغ نہیں مل سکے گا۔" میں نے اس سے یقین دہانی چاہی۔
"میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ جاپانی کمپنی نے نمبروں کا سراغ لگانے والے پیچیدہ اور بھاری آلات بنائے ہیں۔ ننھی سی سی ایس ڈی انہیں ناکارہ کردیتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آج تمہیں اچانک سی ایس ڈی کی کارکردگی کی تصدیق کرنے کا خیال کیوں آگیا۔"
"سات بجے میں را کے مقامی ایجنٹ کو فون کروں گا۔ سی ایس ڈی محفوظ ہے تو یہ کام گھر سے کیا جائے گا۔ اس بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ ہوا تو میں کسی دور افتادہ پی سی او کے استعمال کو ترجیح دوں گا۔ کوئی خطرہ ہرگز مول نہیں لوں گا۔"
"تمہاری لائن کے آدمی کو اسی قدر محتاط ہونا چاہیے۔ تم دہلی سے بلاوجہ صحیح سلامت واپس نہیں آئے۔ تمہاری غیر مبہم سوچ ہر جگہ تمہاری ڈھال بنتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بے خوف ہو کر سی ایس ڈی کے ساتھ اپنا فون استعمال کرو۔ ویسے بھی ٹیلی مواصلات کے شعبے میں را والے امریکیوں بلکہ ہم پاکستانیوں سے بھی پیچھے ہیں۔" جلال نے خوش دلی سے کہا "وہ اپنا پورا زور لگادیں پھر بھی تمہاری گرد کو نہیں پہنچ سکیں گے۔"
"اس وقت تم نے یہاں آکر ایک بڑا مسئلہ حل کردیا ہے ورنہ چھ بجے میں گھر سے نکل جاتا۔" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔
"تم سات بجے فون تو کررہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ یہ پروگرام کیسے بن گیا؟" جلال نے کہا۔
میں بولنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان نے اسے میرے فیکس اور اس کے بارے میں اختیار کی جانے والی جزوی احتیاطی تدابیر کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔
"ویری گڈ!" اول خان کے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا "اس سے زیادہ مکمل اور بے داغ منصوبہ بندی انسانی بساط سے باہر ہے۔"
"مگر ویرا کو کچھ اعتراضات ہیں۔" اول خان کھلے دل کے ساتھ اسے پوری طرح اپنے اعتماد میں لینے پر آمادہ تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں وہ باتیں دہرا دیں جن پر ویرا معترض تھی۔
"ان باتوں میں وزن ہے۔" جلال نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تیر ہماری کمان سے نکل چکا ہے۔ اسلام آباد میں آج صبح ہی بھارتی سفیر سے مظہر خان اور غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کا سخت مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ....."
اس بار اول خان نے اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "تم نے وہ فیکس نہیں پڑھا۔ اسے پڑھ لو پھر تم کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکو گے۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر جلال کی طرف بڑھا دیا۔
کاغذ کھول کر جلال نے اپنی نگاہیں تحریر پر مرکوز کردیں۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے خاموشی سے کم از کم دوبارہ وہ پورا مضمون پڑھا پھر بولا "تحریر بہت نپی تلی ہے۔ اس میں کہیں مظہر یا غزالہ کا نام نہیں آیا بلکہ را کی حرکتوں کی پول کھولی گئی ہے کہ وہ بھارت جانے والے پاکستانیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان کے خلاف شور کھڑا کردیتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے بڑوں میں ذرا بھی عقل ہے تو اس فیکس کی نقل کو منظرِ عام پر لانے کی حماقت نہیں کریں

گے۔“

اول خان کھل اٹھا ”ویرا کے اعتراض پر میرا اور ڈینی کا جواب حرف بہ حروف یہی تھا۔“

”نہیں ویرا!“ جلال نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”جو کچھ ہوا ہے‘ بالکل صحیح سمت میں ہوا ہے۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کی فہم و فراست پر ناز ہونا چاہیے۔“

”میری بھی یہی آرزو ہے کہ سب کچھ صحیح ہوا ہو۔ مجھے ایک شبہ ہوا تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی کر دی۔ امید اب بھی یہ ہے کہ میرا شبہ غلط ثابت ہو۔“

”میں نے ان دونوں نمبروں کی چھان بین پر اپنے آدمی لگا دیے ہیں۔“ قدرے توقف کے بعد جلال نے بتایا۔

”میرے آدمی کسی حد تک یہ کام کر چکے ہیں۔“ اول خان نے وہ وضاحت کرتے ہوئے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا ”اس وقت میرے آدمی سنی کے دفتر اور چندن کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی میں میرے اور تمہارے آدمی آپس میں ٹکرا جائیں۔“

”اس کا امکان کم ہے۔ ایجنسیوں والے کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف والے نیم فوجی تو دور سے نظر آجاتے ہیں۔“ جلال نے اطمینان سے کہا پھر پوچھا ”یہ سنی اور چندن کون ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے بریف تو کر دو۔“

اول خان اسے اپنے آدمیوں کی کارگزاری سے آگاہ کرنے لگا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے کاموں میں بہ یک وقت دو ایجنسیوں کی گہری دلچسپی کسی بھی وقت کسی ناگہانی سانحے کا سبب بن سکتی تھی‘ اس بارے میں جلال کی خوش گمانی حقیقت سے بہت دور تھی۔

اول خان کی روداد سن کر جلال نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ”تمہارے سامنے شام کے سات بجے کا ٹارگٹ موجود تھا۔ تمہارے آدمیوں نے تیزی سے کام کیا ہے۔ تمہارے کیے ہوئے بندوبست کے نتیجے میں سات بجے تک بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کو ہٹالینا چاہیے....“

میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور جلدی سے کہا ”باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ نیک کام فوراً کر ڈالو۔ اس بارے میں تمہارا اطمینان مجھے پریشان کر رہا تھا۔“

جلال ہنستا ہوا فون کی طرف بڑھ گیا جو گوشے میں تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

جلال کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں نمبر دو ہندوؤں کے نام پر تھے اور ان میں سے ایک بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا۔ فون پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آیا تو تھکی ہوئی آواز میں بولا ”یہ حقیقت بہت الم ناک ہے کہ بھارتی سفارت کار زیادہ تر پاکستانی ہندوؤں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ وہ خود کو سیکیولر کہتے ہیں لیکن اپنے ہم مذہب پاکستانیوں کا استحصال کرتے ہیں۔ سنی شاید بچ جائے لیکن اب چندن کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔“

”اسے بھارتیوں نے زبردستی اپنے جال میں نہیں پھانسا ہوگا۔“ ویرا نے سرد مہری سے کہا ”آج کل کے نوجوان راتوں رات دولت مند بننے کے چکر میں برے اور بھلے کی تمیز کیے بغیر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ انہیں اس لالچ کے منفی پہلوؤں کا بھی علم ہوتا ہے۔ چندن کو اپنے برے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

”را والے بہت کمینے ہیں۔“ میں نے نفرت سے کہا ”وہ لوگوں کو پھانسنے کے لیے لالچ کے ساتھ گندی بلیک میلنگ کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ دہلی میں‘ میں نے بہت قریب سے ان کی ایسی حرکتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے پھندے میں آیا ہوا شکار بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔“ میں نے اپنے ذاتی تجربے کو دانستہ مشاہدے کا نام دے دیا تھا۔

”تم نے دہلی میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے خلاف جو محاذ کھولا تھا۔ وہ بہت کامیاب رہا ہے۔“ جلال نے چونک کر مجھے بتایا ”بہت بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں رقص کی تربیت لینے کے لیے وہاں جاتی تھیں۔ ان میں سے کئی بے راہ رو لڑکیوں کو را کے عیاش افسروں نے تباہ کر دیا۔ اخباروں نے ایسا طوفان کھڑا کیا کہ اکیڈمی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ خبریں ہیں کہ اکیڈمی کے معاملات کی تحقیقات کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن مقرر کیا جانے والا ہے۔“

”ایک نہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا۔ میری کوششوں سے اکیڈمی وقت سے ذرا پہلے اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس کام میں عابد علی نے میری بہت مدد کی تھی۔ اسے میں نے مواد فراہم کیا تھا۔ اخباری مہم کی ابتدا صرف اور صرف اس کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔“

”ان تینوں کی ٹیم بہت عمدہ تھی۔ وہ پوری رازداری کے ساتھ دہلی میں اپنے کام کیے جا رہے تھے۔“ جلال نے افسردگی سے کہا ”عبداللہ کی شہادت سے ان کی ٹیم کمزور پڑ چکی ہے۔ اب میں عابد اور پرویز پر کئی ہفتوں تک کسی کام کا بوجھ نہیں ڈال سکوں گا۔ اس وقت ان دونوں کی اولین ضرورت صرف

اور صرف بقا ہے۔"
"موت ہر ذی روح کا مقدر ہے اور اس کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ یہ اپنے وقت سے پہلے آتی ہے نہ آنے میں دیر کرتی ہے۔" اول خان نے گمبھیر آواز میں کہنا شروع کیا "جب یہ باتیں اس قدر یقینی ہیں تو انسان کو ہمیشہ بہتر سے بہتر انجام کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنے ملک کے لیے شہادت کے درجے پر فائز ہونے والے خوش نصیب ہوتے ہیں ورنہ لوگ تو بستر پر لیٹے لیٹے یا حادثے میں کچل کر مرجاتے ہیں۔ میرے سینے پر بھی اپنے بہت سے بے جگر ساتھیوں کی شہادت کے داغ ہیں مگر یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ وہ مرے نہیں، شہید ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر تم بھی عبداللہ کی شہادت پر صبر کرو۔ اللہ اس کے درجات بلند کرے اور اس کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

وہ عبداللہ کے لیے دعاؤں کا اعادہ تھا مگر نا مناسب نہیں تھا۔ جلال کو اس دلاسے کی ضرورت تھی۔

غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لائی تو جلال خوش ہو گیا۔ "یہ تم نے ثواب کا کام کیا۔ میں سات بجے ڈینی کی فون پر بات ہونے تک یہیں بیٹھوں گا۔ اس وقت مجھے چائے کی ضرورت تھی۔"

چائے کے بہانے جلال کا پروگرام واضح ہو گیا۔ اس وقت تک میں تذبذب کا شکار تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کب تک بیٹھا رہے گا۔ اس سے یہ پوچھنا مناسب نہیں تھا کہ وہ کب تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہے گا۔

"تم چندن والے معاملے میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہے ہو؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"تم بہت مصروف آدمی ہو۔ اسلام آباد میں ہر وقت تمہاری ضرورت رہتی ہے۔ اپنے شہر کو چھوڑ کر تم کراچی میں آئے ہو تو یہاں تم کو بہت سے ضروری کام ہوں گے مگر میرے اور چندن کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کے لیے تم نے ہر کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری ساری بھاگ دوڑ کے صرف دو ہدف ہیں۔ سی آئی اے اور را کی سرگرمیاں۔"

"مگر تم نے ہمیں امریکیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سی آئی اے کے خلاف تم کیا کر رہے ہو؟"

"شاید میں تمہیں اپنی بات نہیں سمجھا سکا۔ ہم سی آئی اے کی سازش کا توڑ کرنے کے لیے [illegible]

ان سے صرف نظر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ یہاں جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہمیں اپنی ریاست کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کے تاروپود بکھیرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہم اس حق کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں مگر امریکیوں کے ساتھ ایسے براہ راست تصادم سے حتی الامکان گریز کر رہے ہیں جس میں ان کا خون بہنے کا امکان ہو۔ تمہیں بھی میں نے خون ریزی سے روکا ہے۔ تم نے ماجد یمنی کا ساتھی بن کر جان کی ناک توڑ دی۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلا۔"

"مجھ سے تمہارا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا "اب بات واضح ہو گئی ہے۔ میں کھلے دل کے ساتھ اپنے فیصلے کر سکوں گا۔"

"را کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ گھٹیا دشمن ہیں۔ میں ان سے ان ہی کی سطح پر لڑتا ہوں۔ انہیں گھیرو، رگیدو اور مار ڈالو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہو گی۔ میں تو اب اس دن کے انتظار میں ہوں۔ جب عبداللہ کا ونود نامی قاتل پاکستان آئے گا۔ اس نے عبداللہ کے گردوں سے خون بہایا تھا۔ میں اس کے بدن کے ریشے ریشے سے خون کی دھاریں بہادوں گا۔ ہم اپنے آدمیوں کے خون کا بدلہ بہت سفاکی سے لیتے ہیں۔" جلال کا لہجہ سرد اور خوف ناک ہو گیا۔

"ایسی لڑائیوں میں یہی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اگر مجھے تمہاری آزردگی کا پاس نہ ہوتا تو نیٹی جیٹی سے جان کی بھی لاش ہی ملتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا "زخمی کر کے چھوڑنے کے مقابلے میں دشمن کو مارنا آسان ہوتا ہے۔"

"میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک ہمیں اپنی آسانی کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں مل جاتا۔"

"تم نے اب تک گرین کوبرا اور دوسری فائلوں کے بارے میں کوئی بڑی خبر نہیں سنائی۔" اول خان نے اچانک ایک نیا ذکر نکال لیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دہلی سے ڈینی کی نکالی ہوئی ساری فائلیں بہت اہم ہیں۔ اسلام آباد والے آنے والے کئی برسوں میں بھارت کے اس خفیہ ریکارڈ تک رسائی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہ ڈینی کی اسی خدمت کا صلہ ہے کہ کمشنر ہاؤس میں ہونے والے اجلاس میں جان کو بری [illegible] پاکستانی ایجنسی کے

نمائندے نے ڈینی کے خلاف اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اصولی نکات کی آڑ لے کر ڈینی کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ سرکاری سطح پر یہ بہت بڑا انعام ہے۔"

"اس انعام کی بات کرو جو تم چیک کی صورت میں دے چکے ہو۔" انعام کے ذکر پر مجھے اس کا دیا ہوا چیک یاد آگیا "اول خان اس میں سے ایک روپیا بھی لینے کا روادار نہیں ہے۔ اسے بتاؤ کہ یہ بھی اس انعام میں سے حصہ لینے کا حق دار ہے۔"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم پانچوں کے ذاتی معاملات بہت نازک ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دوں گا۔ سرکار نے وہ رقم تمہیں سونپ دی ہے۔ اپنی صوابدید کے مطابق تم جسے چاہو اپنا حصے دار بنا سکتے ہو۔ کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اگر ڈینی اس انعامی رقم کا ایک حصہ تم کو دینا چاہے تو تمہارا کیا ردِعمل ہوگا؟" اول خان نے موقع پا کر جلال سے براہِ راست پوچھ لیا۔

"میں شکریے کے ساتھ انکار کردوں گا۔" جلال نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اور اس کا سبب کیا ہوگا؟" اول خان نے اگلا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"میں سرکار کا باقاعدہ تنخواہ دار ہوں۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اس کے لیے بھاری ماہانہ مشاہرہ اور مراعات لیتا ہوں۔ وہ انعامی رقم ڈینی اور اس کے ان بے لوث ساتھیوں کے لیے ہے جنہیں سرکار کچھ نہیں دیتی پھر بھی وہ تن، من، دھن سے سرکار کے کاموں کو آگے بڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔"

اول خان نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "میرے انکار کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اب تم اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔"

"تمہاری حیثیت ذرا مختلف ہے۔" جلال نے اول خان کی تردید کرکے مجھے حیران کردیا "میں نے تمہارا مقصد بھانپ لیا تھا اسی لیے میں نے اپنے واسطے باقاعدہ تنخواہ دار کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ ایس ٹی ایف کا کوئی کاغذی یا قانونی وجود نہیں ہے۔ یہ آئین سے ماورا ایک فورس ہے جسے ناگزیر ضرورتوں کے تحت کھڑا کیا گیا ہے۔ تم لوگ بے قاعدہ تنخواہ دار ہو۔ تمہارے کوئی سروس رولز ہیں نہ تمہاری ملازمتوں کو کوئی تحفظ حاصل ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کب ایس ٹی ایف توڑ دی جائے۔ تم لوگ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے لو، حکومت تمہیں کوئی انعام یا اعزاز نہیں دے سکتی کیونکہ تمہارے وجود سے آگے تمہاری کوئی شناخت نہیں ہے۔"

"بولو...!" میں نے اول خان کو گنگ پا کر ٹوکا "اب تم کیا کہتے ہو۔"

"میں اپنے فرض کی دنیا میں مگن رہنے والا مسلمان ہوں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "مجھے کسی انعام کی فکر ہے نہ اعزاز کی تمنا۔ جب تک ایس ٹی ایف قائم ہے اور مجھے کسی سیکرٹ فنڈ سے تنخواہ مل رہی ہے، میں باہر سے ایک پیسا بھی قبول نہیں کروں گا۔"

"یہ ایک مسلمان اور پٹھان کے الفاظ ہیں۔" جلال نے مجھ سے کہا "اب تم واقعی کچھ نہ کہنا۔"

"اب بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" میں نے اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی۔ جلال کے سامنے اس بارے میں کھلی کھلی بات کرکے میرے ذہن سے بوجھ اتر گیا تھا۔

"فائلوں کا ذکر پھر درمیان میں رہ گیا۔" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد اول خان نے جلال کو یاد دلایا۔

"وہ فائلیں واقعی بہت اہم ہیں اور متعلقہ افراد اور ادارے ان پر کام کررہے ہیں۔ میں بھارت سے لائے ہوئے اس ریکارڈ کا امین تھا۔" جلال بتانے لگا "میں نے وہ امانت جوں کی توں آگے بڑھا دی۔ حکومتوں میں فردِ واحد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ افراد کی متعدد ٹیمیں مل کر کسی بھی نظام کو چلاتی ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے حصے کا کام پورا کردیا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ان فائلوں پر کیا کام ہورہا ہے۔ جیسے جیسے اوپر سے نئے احکام آئیں گے، اندازہ ہوتا جائے گا کہ فائلوں میں کیا تھا۔ مجھے چند موٹی موٹی باتوں کا علم ہے کہ نیپال پر بھارت کی بُری نظر ہے۔ وہ وہاں کے شاہ کو مروا کر اپنی پسند کے مہروں کو اقتدار میں لانا چاہتا ہے تاکہ نیپال کو اپنی طفیلی ریاست بنالے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف وہ اسرائیل کے تعاون سے بیک وقت کئی منصوبوں پر کام کررہے ہیں۔ پاکستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو بھڑکانے کے لیے بے دریغ سرمایہ اور ہتھیار فراہم کررہے ہیں۔ گرین کوبرا فائل میں بھارت کے ان تمام گھناؤنے منصوبوں کے بلیو پرنٹ موجود ہیں۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ہمیں کہاں کیا کرنا ہے۔"

"یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا "آج کی حقیقت یہ ہے کہ ہم چندن مہاراج کے فراق میں بیٹھے ہیں۔"

"اس سے تم کن خطوط پر بات کرو گے؟" جلال نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"شروع سے آخر تک مظلوم مظہر بنا رہوں گا۔ اسے یقین دلانا چاہوں گا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوں مگر شرط یہ ہے کہ میرے خلاف بنی ہوئی معاندانہ فضا کو صاف کیا جائے۔ یہ کام دہلی والے کر سکتے ہیں۔" میں نے اپنے منصوبے کا خلاصہ پیش کر دیا۔

"کاش میں تمہارے ساتھ اس کی گفتگو بھی سن سکتا۔" جلال نے حسرت سے کہا۔

"بلکہ ہم سب سن سکتے ہیں۔" اول خان نے خوش ہو کر کہا "ایسے مواقع کے لیے یہاں اسپیکر فون بھی موجود ہے۔"

"وری گڈ۔ اس کی باتیں اسی کی زبان سے سننے میں مزہ آئے گا اور آج میں پہلی بار خود بھی سنوں گا کہ ڈینی کی... قلابازیاں کیا ہوتی ہیں۔" جلال مسرت سے بولا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے بوکھلا کر ان دونوں کی مخالفت کی "کسی کو ذرا سی بھی چھینک یا کھانسی آگئی تو وہ بھڑک جائے گا۔ یہ اس سے میرا پہلا رابطہ ہے۔ اگر آج اسے میری نیت پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم اپنے گلے گھونٹ لیں گے، کوئی آواز نہیں نکلنے دیں گے۔" ویرا بھی جوش میں آگئی۔

"نہیں!" میں نے بے بسی سے کہا "تم لوگ بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ ذرا سی گڑبڑ سارا کام بگاڑ دے گی۔"

"ڈینی!" جلال نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا "میں ذمے داری لیتا ہوں۔ کوئی مداخلت یا گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تم اسپیکر فون منگوالو۔"

"جب سب لوگ وعدے کر رہے ہیں تو آپ کیوں اڑے ہوئے ہیں۔" غزالہ نے ان لوگوں کی سفارش کی "اس کے باوجود کچھ ہو ہی جاتا ہے تو اسے بھی سنبھال لیا جائے گا۔ چندن ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جائے گا۔"

میں ان لوگوں کو اسپیکر فون کے استعمال سے باز رکھنے کے لیے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا مگر میرے انکار کا اصل سبب یہ تھا کہ کہیں دورانِ گفتگو چندن اس ویڈیو فلم کا تذکرہ نہ نکال لے جس کے فیتے پر میری اور رینا اجیت رائے کی خلوت کی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس فلم کو نریش کے دفتر میں نذرِ آتش کر دیا تھا مگر را والے مسلسل اس فلم کی موجودگی پر مصر تھے اور مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے گاہے گاہے اس کے حوالے دیتے رہے تھے۔

چندن اس بھری محفل میں وہ ذکر چھیڑ دیتا تو بعد میں میرے لیے وضاحتیں کرنا دشوار ہو جاتا۔

میرے خلاف وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ ایک سلطان شاہ خاموش تھا لیکن اس بشرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ نے لمبے تار سے جڑا ہوا اسپیکر فون کونے سے اٹھا کر میرے قریب والی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

"تم لوگوں کے پاس ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود رہتی ہے۔ تمہارے کام کرنے کے سمٹے سمٹائے طریقوں سے میرا دل بہت خوش ہوتا ہے۔" جلال نے جاپانی اسپیکر فون سیٹ اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے بات اسپیکر فون تک آگئی ہے تو ہمیں ڈینی اور چندن کی باتیں ریکارڈ کرنے کا بندوبست بھی کر لینا چاہیے۔" ویرا نے تجویز پیش کی "یہ ٹیپ بعد میں چندن کے خلاف کام آسکتا ہے۔ تمہیں ثبوت حاصل کرنے کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اول خان نے میری طرف دیکھا اور کہا "تم سی ایس ڈی استعمال کرو گے۔ کیا ریکارڈنگ ممکن ہوگی؟"

"ہمیں ٹیلی فون لائن سے براہِ راست ریکارڈنگ کی ضرورت نہیں۔" ویرا کے ذہن میں تجویز موجود تھی "سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر موجود ہے جس پر یہ دن رات پشتو گانے سنتا رہتا ہے۔ اسپیکر فون کی آوازیں اس پر صحیح ریکارڈ ہو جائیں گی۔"

"تمہارے کمرے میں بھی ٹیپ ریکارڈر موجود ہے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم اس پر اداس غزلیں سن کر روتی رہتی ہو۔ وہ کیوں نہیں لے آتیں!" جلال کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ اپنے ردِعمل کے اظہار میں بڑی حد تک محتاط رہا تھا۔

"دونوں میں سے کوئی بھی ٹیپ ریکارڈر آجائے گا۔" بات بڑھتی ہوئی محسوس کر کے غزالہ نے مداخلت کی "اس نکتے پر بحث غیر ضروری ہے۔"

بھارتی سرزمین پر اپنے خون کے پیاسوں کی بھیڑ میں رہ کر را کے خلاف کام کرنے کے تجربات بہت سنسنی خیز اور روح فرسا تھے۔ وہاں صحیح کام کرتے ہوئے بھی مجھے نتائج کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی گڑبڑ ہو گی اور ساری بساط سمٹ جائے گی۔ میں دہلی میں ہر قدم اپنی آخری بازی سمجھ کر اٹھاتا تھا اور مثبت نتائج کسی

اگلے کام کے لیے حوصلہ بڑھا دیتے تھے لیکن اپنے شہر اور اپنے گھر میں بیٹھ کر را کے کارندوں کے خلاف سوچنے اور کام کرنے کی بات ہی مختلف تھی۔

میرے ذہن میں چندن سے گفتگو کا ایک مبہم سا خاکہ موجود تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ میری اور اس کی گفتگو ان ہی خطوط پر جاری رہتی۔ سارا انحصار اس کے رویے پر تھا۔ وہ اپنے مقاصد کے پیش نظر کسی بھی رخ پر بات چیت کر سکتا تھا۔ میرے اور اس کے مفادات متصادم تھے۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ مجھے شدید دباؤ کا احساس دلانے کے لیے ہر اس منفی بات کا ذکر کرتا جو میرے خلاف جا سکتی تھی۔ اس میں میری اور رینا کی آتش زدہ ویڈیو فلم سرفہرست تھی۔

وہ فلم نریش کے شیطانی منصوبے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور بلاشبہ نہایت شرمناک رہی ہوگی۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ میں عابد علی کے ساتھ اس فلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پھر اسے نریش کے دفتر کی آگ میں جلا دیا تھا۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری لمحات تک را والوں نے اس فلم کی تباہی کو مجھ سے چھپایا اور مجھے اس کی تشہیر کی دھمکیاں دیتے رہے۔ میں ان کی وہ گیدڑ بھبکیاں سن کر سہمنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میں ان مردودوں کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں نے ان کے دفتر میں نقب لگا کر اپنے ہاتھوں سے وہ فلم تباہ کر دی تھی۔ انہوں نے اپنا بھرم برقرار رکھنے کی ناکام کوشش کی اور میں دانستہ خاموش رہا۔

وہ دہلی کی گھاتیں اور باتیں تھیں۔ نریش جہنم واصل ہو چکا تھا اور کراچی میں میرا واسطہ چندن سے پڑنے والا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ نریش نے اسے میرے بارے میں ہر بات بتا دی ہو مگر ویڈیو فلم والا معاملہ بہت اہم اور کلیدی نوعیت کا تھا۔ میں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا کہ چندن اس معاملے سے بے خبر ہوگا اور دوران گفتگو سرے سے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔ را والوں کی دانست میں وہ ان کا ٹرمپ کارڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہر لمحے زیر کر سکتے تھے۔

ان سب نے یک زبان ہو کر مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور میرا ذہن اپنی اس ناموجود فلم میں اٹک کر رہ گیا تھا جس کا حوالہ چندن کی زبان سے متوقع تھا۔

وہ فون پر اس فلم کے بارے میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ ان باتوں کو سن کر میرے ساتھیوں کے ذہنوں میں کیسے کیسے زہریلے سوال ناگوں کی طرح پھن کاڑھ کر ابھر سکتے تھے۔ میں ان کے جواب میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ میرا ذہن مسلسل ان ہی نکات میں الجھا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ اپنے کمرے سے ٹیپ ریکارڈر اٹھا لایا تھا۔

وہ لوگ پورے جوش و خروش سے اپنا ساؤنڈ ریکارڈنگ سسٹم جما رہے تھے۔ جلال نے اسپیکر فون پر اپنے کسی آدمی سے کچھ باتیں کیں۔ وہ گفتگو ریکارڈ کر کے بعد میں ٹیپ سنا گیا تاکہ آواز کی کوالٹی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ وہ سب ان کاموں میں لگے ہوئے تھے اور میں خاموش بیٹھا اپنے خیالوں میں گم تھا۔

اپنے انہماک میں دوسروں نے میری طرف توجہ نہیں دی لیکن ویرا ہریل میرے طور طریقوں پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ سلطان شاہ کے کیسٹ ریکارڈر پر اسپیکر فون کی آوازوں کی ریکارڈنگ کے نتائج سننے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا بات ہے؟ تم اچانک خاموش ہو گئے ہو۔ کیا ہماری کسی بات سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے۔"

"ایک چھوٹے سے کام میں اتنے اہم افراد لگے ہوئے ہیں۔ میری کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ صرف خاموشی نہیں، کوئی اور بات ہے۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "جب سے اسپیکر فون کی بات ہوئی ہے، تم کو چپ لگ گئی ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" جلال نے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے تبصرہ کیا "وہ آگ اور خون کی ہولی تھی۔ دہلی میں ڈینی کا ایک ایک لمحہ تلوار کی تیز دھار پر گزرا تھا۔ کئی مواقع پر میرے آدمی اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ ایسے روح فرسا حالات میں انسان اپنی بقا کے لیے جھوٹ اور سچ کے نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتا ہے۔ اپنے دشمنوں کا اعتماد جیتنے کے لیے ڈینی کو ہم سب کے خلاف نہ جانے کیا کیا زہر اگلنا پڑا ہوگا۔ اس کی خلوتوں میں را کی بھیجی ہوئی حسین اور بے باک لڑکیاں آئی ہوں گی اور اسے ان کو یقین دلانا پڑا ہوگا کہ یہ ان کے رجھانے میں آ گیا ہے۔ حسن جب کھلی ہوئی فیاضیوں پر اتر آئے تو تھوڑی دیر کے لیے پارسا بھی اپنی پارسائی بھول کر درندوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈینی تو ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک مجبور اور محصور قیدی تھا جو اپنی زندگی اور آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ سب بڑی ناگفتہ کہانیاں ہوں گی، پتا نہیں چندن کو اس کے بڑوں نے کیا کچھ بتایا ہوا ہے۔ وہ گفتگو کے دوران میں ان میں سے کوئی بھی بات چھیڑ سکتا ہے۔ شاید ڈینی کو یہی فکر کھائے

جارہی ہے۔"

جلال کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں۔ وہ آئی بی کا ایک باراں دیدہ اور سمجھ دار افسر تھا۔ حالات اور ان کی پیدا کی ہوئی مجبوری کا صحیح ترین ادراک رکھتا تھا۔ اس نے میرے دل میں پلنے والے اندیشوں کو اپنی زبان پر لا کر میری تشویش میں بڑی حد تک کمی کردی تھی مگر میں ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں کھل کر یہ اعتراف نہیں کرسکتا تھا کہ جلال نے میری دکھتی ہوئی رگوں کی صحیح نشان دہی کی ہے۔

میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ چھوٹی موٹی باتیں بھی میرے لیے پریشان کن ہیں لیکن میری خاموشی کا سبب عبداللہ کی موت ہے۔ مجھے اچانک اس کا خیال آگیا تھا۔"

"یہ ہم سب کے لیے مشکل اور اہم وقت ہے۔ اس کی باگیں تمہارے ہاتھ میں ہیں۔" جلال نے سیدھا ہو کر کہا "اس وقت اپنے ذہن سے ہر بات جھٹک دو اور اپنی پوری توجہ چندن پر مرکوز رکھو۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے شیر ہو کر بات کرو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کی کہی ہوئی چھوٹی موٹی باتوں پر ہم میں سے کوئی تم سے ذاتی نوعیت کے سوال نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ مجھ سے عام سی گفتگو کررہا تھا لیکن اس کے نپے تلے فقروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے مسئلے کی تہ تک پہنچ گیا تھا اور رواروی کا انداز اختیار کرکے مجھے بنیادی یقین دہانیاں کرا رہا تھا۔

"ہاں یہ ہمارا وعدہ ہے!" اول خان اور سلطان شاہ نے یک زبان ہو کر جلال کی تائید کی۔

"اور تم دونوں کا کیا خیال ہے؟" جلال نے باری باری غزالہ اور ویرا کی طرف دیکھا۔

"میں دہلی میں ان کے ساتھ تھی۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کے کرب کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی مجبوریاں میرے سامنے تھیں۔ رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے جیتے جاگتے فتنے میری نظروں کے سامنے ناچتے پھرتے تھے۔ میں کوئی ناروا سوال کرکے ان کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"اور تم!" اس بار جلال کی چبھتی ہوئی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتی اور ڈینی تو مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔" ویرا نے کھل کر کوئی وعدہ کرنے کے بجائے گول مول سا جواب دیا۔

اس گفتگو اور وعدے وعید کی کوئی عملی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو' اتنا ضرور ہوا کہ میرے سر پر سوار بوجھ ہلکا ہو گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جارہا تھا' تیاریاں مکمل تھیں۔ چائے کا دوسرا دور چلا اور پھر فیصلہ کن گھڑی سر پر آگئی۔

جلال اضطراب کی سی کیفیت میں تھا۔ سات بجتے ہی اس نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگائی تاکہ میری اور اس کی گفتگو کے دوران جلال کو

ماچس پر دیا سلائی رگڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔
میں نے اسپیکر فون کا بٹن آن کر کے نریش کا دیا ہوا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔
پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا میں بھاری اور گمبھیر ہیلو گونج اٹھی۔ سنی کے مقفل دفتر سے آنے والی وہ اجنبی آواز سن کر سب پر جوش نظر آنے لگے۔
"میں مظہر بول رہا ہوں.... مظہر خان۔ تم کون ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔
"میں وہی ہوں جس سے تم بات کرنا چاہ رہے ہو۔ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ تمہارا کہیں پتا نہیں ہے۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ سخت ہو گیا۔
"میں دہلی میں تھا تو سکون سے تھا۔ یہاں آیا ہوں تو زمین اور آسمان میرے دشمن ہیں۔ ہر ایک میرے خون کی بُو پر لگا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ دہلی والوں نے میرا کون سا قصور پکڑ لیا ہے کہ ایک دم میرے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔"
"قانون سے بھاگنے والوں کو روئے زمین پر کہیں بھی سکھ، چین اور قرار نہیں ملتا۔ اسی وقت اپنی روپوشی ختم کر دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو...."
"مگر کیوں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں پوچھا "میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟"
"تم دہلی سے اچانک غائب ہو گئے تھے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔
"میں پاکستان آیا ہوں۔ میں نے نریش کو بتا دیا تھا۔ خود وہ بھی چاہتا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس آ کر تمہارے ساتھ کام شروع کروں۔"
"سب کچھ صحیح ہے مگر تم کسی سے مل کر یا کسی کو بتا کر نہیں آئے۔ تم نے کسی چور اور مجرم کی طرح اچانک ہوٹل چھوڑ دیا۔"
"مجھے کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرا دل گھبرایا اور میں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ صبح کی پہلی ٹرین سے ہم روانہ ہو گئے۔"
"تم کو معلوم ہے کہ دہلی میں اسی رات نریش اور رانل کو مار دیا گیا!" آواز میں کوڑے کی سی مار عود کر آئی تھی۔
"معلوم ہے!" میں نے رو دینے والی آواز میں کہا "مگر میرا اس سے کیا واسطہ؟ وہ دونوں خود ہی پکڑ پکڑ کر مجھے بلواتے تھے۔ میں ایک بے قصور اور شریف آدمی ہوں...."
"زیادہ مظلوم بننے کی کوشش مت کرو۔" اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "امرتسر اور اٹاری میں چھان بین کی گئی تھی۔ وہاں ہمارے آدمی تمہارے منتظر تھے مگر تم کہیں نظر نہیں آئے۔ تم کس راستے سے سرحد پار نکلے تھے؟"
"اور کون سا راستہ تھا میرے پاس؟ میں اٹاری سے لاہور پہنچا تھا۔" میں نے تحیر زدہ سادگی سے کہا۔
"تم جھوٹے ہو۔ ہمارے کارندے اتنے اندھے نہیں ہو سکتے کہ تم دونوں کو نہ پہچانتے۔ ان میں سے دو نے تم کو دہلی میں دیکھا ہوا تھا۔"
"مجھ پر الزام تراشی مت کرو۔" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو۔ اس پر اٹاری سے نکاسی کی مہر ہے۔"
"تم مسلسل روپوش ہو۔ جب تک سامنے نہیں آؤ گے، یہ تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ خود کو مقامی قانون کے حوالے کر دو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"مجھ پر ایسے بھیانک الزامات ہیں کہ پولیس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
"وہ تمہیں نہیں مار سکتے۔ جب تک ہمارے دو آدمیوں کا اصل قاتل نہیں ملتا، تم زندہ رہو گے۔"
"پولیس والے زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ ان کا قیدی مرجانا چاہتا ہے لیکن موت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ تم مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے دہلی میں بھی بہت مار کھائی ہے۔ اب مجھ میں اور زیادہ پٹنے کی سکت نہیں ہے۔"
"اس وقت تم کہاں روپوش ہو؟" قدرے توقف کے بعد سوال کیا گیا۔
"یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے نریش سے ایک مہینے کی تنخواہ لے کر میں نے اپنی زندگی اسے بیچ دی تھی۔ ڈراؤنی موت کے خوف سے میری رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔"
"تم حالات کا شکار ہوئے ہو۔" اس بار بولنے والے کا لہجہ قدرے ہمدردانہ ہو گیا تھا "اگر تم بے قصور ہو تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ تم پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہے ہو تو اپنا پاسپورٹ لے کر کسی بڑے اخبار کے دفتر میں چلے جاؤ اور خفیہ معاملات کے سوا انہیں ہر بات بتا دو...."
"اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ میری شامت آجائے گی۔ بہت سے اخبار والے پولیس سے بھتا لیتے ہیں اور ان کے لیے مخبری کرتے ہیں۔ میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تو اخبار میں میری سنائی ہوئی کہانی کا ایک لفظ بھی نہیں آئے گا،

میں مفت میں دھر لیا جاؤں گا۔"
"کچھ نہیں ہوگا۔" اس بار وہ جھلا گیا "اس وقت کسی نہ کسی طرح یہ بات ظاہر ہونا ضروری ہے کہ تم زندہ ہو اور پاکستان میں ہو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"
وہ مجھے پرانی کاروں کا ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر چالاک بننے کی کوشش کررہا تھا مگر میں اس کی مکاری سمجھ رہا تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی مقامی ہندو تھا مگر اس کے قونصل خانے کے دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مظہر کے بارے میں پاکستان نے بھارت سے جوابی مطالبہ کردیا تھا جس کا بھارتی حکمرانوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے پیش کرسکتے تھے نہ ان کے کسی ریکارڈ میں میری واپسی کا اندراج تھا۔ اس وقت ان کے لیے ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ پاکستان میں میری موجودگی ثابت کی جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ نامعلوم شخص مجھے کراچی پولیس یا کسی اخباری دفتر سے رجوع کرنے پر مجبور کررہا تھا۔ کسی بھی ذریعے سے ایک بار یہ خبر سامنے آجاتی کہ میں کراچی میں موجود تھا تو بھارتیوں پر آیا ہوا شدید سفارتی دباؤ یک لخت ختم ہوسکتا تھا۔
اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھ سے میری واپسی کا راستہ پوچھ لیا تھا۔ میں اس کے ہر ٹیڑھے کا سوال کا سیدھا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے میرے دعوے کے جواب میں یہ انکشاف کرکے مجھے حیران کردیا تھا کہ جب میں امرتسر میں بنگو کا مہمان بنا ہوا تھا تو را کے ایجنٹ اٹاری سے واپس جانے والے پاکستانیوں کی بھیڑ میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اگر میں نے سرحد پار کرنے کے لیے بھول کر بھی اٹاری کا رخ کیا ہوتا تو وہاں موجود بھارتی گدھوں کے چنگل میں پھنس گیا ہوتا۔
"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تمہارے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھے اپنے کس کھیل میں ایک مہرے کی طرح استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی جان بہت عزیز ہے۔ میں اپنے رشتے داروں کی پناہ میں زیادہ محفوظ ہوں۔ مجھے کچھ دن سکون سے گزار لینے دو۔"
"پھر تم نے مجھے فیکس پر اپنی فریاد کیوں بھیجی تھی؟"
دوسری طرف سے غرا کر سوال کیا گیا۔ سوال سے ظاہر ہورہا تھا کہ بولنے والا چندن تھا۔
"میرا خیال تھا کہ یہ سارا چکر شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ میں تم سے رجوع کروں گا تو میرا مسئلہ حل ہوجائے گا۔"
"میں تمہیں حل بتا رہا ہوں مگر تم اپنی احمقانہ ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"
"تمہارے بتائے ہوئے حل پر میرا دل نہیں ٹھک رہا۔ اس وقت میں سامنے آیا تو مارا جاؤں گا۔"
"تم کو مجھ پر بھروسا ہونا چاہیے۔ میں تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔
"میں نے کہا نا کہ تمہاری نیت پر مجھے شک نہیں ہے۔ بس میرا دل نہیں مان رہا۔"
"تو کان کھول کر سن لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ میرا حکم ہے۔ اب مشورہ نہیں رہا۔"
"میں تمہارے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم لوگوں سے پیشگی رقم لے چکا ہوں لیکن پہلے اپنی چمڑی بچاؤں گا۔"
"میں تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔" بولنے والے کی آواز سرد اور تحکمانہ ہوگئی "تم نے چوبیس گھنٹوں میں اپنی روپوشی ختم نہ کی تو تمہارا حشر خراب کردیا جائے گا۔"
"افہام و تفہیم کے بجائے اب تم دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہو۔" میں نے رو دینے والی آواز میں شکوا کیا۔
میرے بزدلانہ خوف کا اندازہ کرکے وہ شیر ہوگیا "بس چوبیس گھنٹے۔ یہ یاد رکھنا۔ کل شام سات بجے تک تم منظرعام پر نہ آئے تو تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی سیکڑوں نقلیں کراچی کی دکانوں میں پھیلا دی جائیں گی۔ اس کے بعد کے ہولناک نتائج کا تم اندازہ کرسکتے ہو۔"
"نہیں۔ تم ایسا نہیں کروگے۔ تم کیوں مجھے تباہ کرنے پر تل گئے ہو۔"
"یہ بات تمہیں دہلی میں بتا دی گئی تھی۔ ان لوگوں کو

معلوم تھا کہ رقم لینے والے سرحد پار کرنے کے بعد اپنے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے آدمیوں کا حافظہ تازہ کرنے کا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم نے جب بھی میرے کسی حکم سے سرتابی کی، فلم کی تشہیر تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"کچھ دن گزر جانے دو۔ یہ ڈھول بیٹھ جائے گی تو میں خود بخود سامنے آجاؤں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم احمق نہیں ہیں کہ تمہاری سہولت کے وقت کا انتظار کریں گے۔ چوبیس گھنٹے بعد فلم بازار میں آجائے گی۔ اسی کے ساتھ ہی ہمارے آدمی تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ یہ نا سمجھنا کہ میرے حکم کے سرتابی کرکے تم زیادہ دیر روپوش رہ سکو گے۔ میرے آدمی تمہیں تمہاری کمین گاہ سے نکال کر کسی گندے تھانے کے سامنے ڈال دیں گے۔"

"میں اخبار پڑھتا رہا ہوں۔ تم لوگوں کی اصل دشمنی کسی ڈینی سے ہے۔ تمہیں اس کی تلاش تھی۔ دہلی والے بلاوجہ میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟"

"اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ڈھنگ کی کوئی بات کی ہے۔" میرے سوال پر اس کے لہجے میں یکایک تبدیلی اور نرمی آگئی "ڈینی اوّل درجے کا حرامی اور کتے کا پلا ہے۔ دہلی میں سارا گند اسی کا پھیلایا ہوا ہے۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ جس وقت وہ دہلی کی ایک بستی میں خون ریزیاں کررہا تھا، اسی وقت تم دہلی چھوڑ رہے تھے۔ وہ پاکستانی ہے۔ تم بھی پاکستانی ہو۔ شبہات کا رخ تمہاری طرف ہوگیا۔ میں تم کو یقین دلا رہا ہوں کہ یہ عارضی حالات ہیں۔ وقت کے ساتھ تمہیں ہر پریشانی سے نجات مل جائے گی۔"

"جب تک ڈینی ہاتھ نہیں آئے گا، میرے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔ اس کی دی ہوئی گالیوں کو میں نے خندہ پیشانی سے نظرانداز کردیا تھا جس پر جلال کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوگئی تھیں۔

"اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کون کون اس کا پیچھا کررہا ہے۔"

اس مرحلے پر جلال سے صبر نہ ہوسکا، اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے وہ مجبور تھا اس لیے ہاتھوں کے تیز اشاروں اور لبوں کی خاموش جنبشوں سے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میرا ذہن اپنی اور اس کی گفتگو پر مرکوز تھا۔ جلال کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

"تمہارے ہر مشورے پر میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم مجھے کہیں مروا دو گے۔"

"یہ تمہارا وہم اور اندر کا خوف ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" بولنے والے کی آواز مزید نرم اور ناصحانہ ہوگئی۔ اپنے شکار کو شیشے میں اترتا ہوا محسوس کرکے اس نے مفاہمت کی راہ اپنالی تھی۔

"وقت کم ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔" میرا وہ جواب سنتے ہی جلال مسرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ شاید وہ اپنے مضطربانہ اشاروں سے مجھے وہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "چوبیس گھنٹے کا وقت بہت کم ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ تم دلدل میں دھنستے چلے جاؤ گے۔ تم جتنی جلد فیصلہ کرلو، تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمہیں چوبیس کے بجائے اڑتالیس گھنٹے دے سکتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی وقت اسی کے لیے سب کچھ تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا نام اور پتا میری نظروں میں آچکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مستعد آدمی دونوں پتوں کی نگرانی کررہے تھے۔ میری وہ فون کال ختم ہونے کے بعد ذرا سی دیر میں علم ہوجاتا کہ سنی کمار کے مہینوں سے مقفل دفتر میں اس شام کون داخل ہوا تھا۔ اس کا مسلسل تعاقب جاری رہتا۔ جوں ہی ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے، اول خان یا جلال کے آدمی اس نامعلوم شخص کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیتے جو اس وقت سنی کے دفتر میں چھپا، مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہا تھا۔

"تم مجھے وقت دے دو تاکہ میں بے فکر ہوکر کسی فیصلے پر پہنچ سکوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد فیصلہ کرلوں۔ امید یہی ہے کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل کرلوں۔ تم نے ویڈیو فلم کا ذکر کرکے مجھے لرزہ براندام کردیا ہے۔ میرا منہ کالا ہوجائے گا۔ میں کسی سے ملنے جلنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

میری مجبوریوں کا حسرت بھرا بیان مکمل ہوتے ہی اسپیکر فون پر رعونت آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ تمہیں ہر وقت یہ یاد رہنا چاہیے کہ دہلی والوں نے تمہیں بہت مضبوطی سے دوستی کے بندھن میں باندھا ہے۔ ہم سے منحرف ہوکر تم زیادہ دیر تک چین سے آزاد نہیں رہ سکتے۔"

"رفتہ رفتہ یہ باتیں میری سمجھ میں آتی جارہی ہیں۔" میں نے آزردہ سی آواز میں کہا "میں اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے تمہیں فون پر اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

"ہرگز نہیں!" اسی لمحے جواب آیا "تم بھول رہے ہو کہ تمہیں یہ فون نمبر ایمرجنسی کے لیے دیا گیا ہے۔"

"میرے لیے اپنے فیصلے سے بڑی کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"آج تمہارا پہلا فون تھا اس لیے میں نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا۔" وہ کہہ رہا تھا "ورنہ مجھ سے رابطے کے کچھ اصول ہیں۔ اس نمبر پر فون چھ بجے کے بعد وصول کیا جاتا ہے اور بارہ گھنٹیوں کے بعد میں ریسیور اٹھاتا ہوں۔"

"بارہ گھنٹیوں کے بعد کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس حیرت میں میری صداکاری کا کوئی دخل نہیں تھا۔

"میں کسی غلط آدمی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص بارہ گھنٹیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ دو چار گھنٹیاں بجا کر فون بند کر دیتا ہے۔ اتنا صبر وہی کرتا ہے جو میرا خاص آدمی ہوا اور اسے مجھ سے کوئی ضروری کام ہو۔ تم کو بھی ان باتوں کو یاد رکھنا ہوگا" "میں بارہ گھنٹیوں کے بعد فون نہ اٹھاؤں تو تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں موجود نہیں ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا مگر آج تو تم نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا تھا۔" میں نے اس کی ابتدائی وضاحت کے باوجود وہ سوال دہرایا۔

"اس لیے کہ یہ تمہارا پہلا فون تھا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم نے اپنے فیکس میں فون اور وقت کا ذکر کر دیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ٹھیک سات بجے آنے والا فون تمہارا ہو سکتا ہے۔ تم نے فیکس میں فون کا ذکر نہ کیا ہوتا تو آج مجھ سے کسی قیمت پر تمہاری بات نہیں ہو سکتی تھی۔"

"سات بجے سے پہلے تم سے رابطے کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں اس سے اس کا پورا طریقہ کار اگلوانے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم مجھے ہر وقت فیکس کر سکتے ہو۔" اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا "اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ فون کے لیے شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک کی پابندی ہے۔"

"فیکس پر میں اپنی بپتا سنا سکتا ہوں۔ تمہارے مشورے نہیں سن سکتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت ہم نے فون پر جتنی باتیں کر لیں وہ پچاس فیکس بھیج کر بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔" میرے پاس اسے قائل کرنے کے لیے مضبوط نکتہ موجود تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ وقت اور بارہ گھنٹیاں۔ یہ دو باتیں مجھ سے براہِ راست رابطے کے لیے ضروری ہیں۔"

"کیا تم اب بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ تم آواز سے مجھے شناخت کر لو گے۔ یہ فون میں ہی اٹھاتا ہوں۔ کسی اور کی اس تک رسائی نہیں ہے۔" اس نے لمحے بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "جب تم منظرِ عام پر آجاؤ گے تو میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اس وقت تم میرا نام بھی جان لو گے۔"

مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ چندن گرنانی نہیں، کوئی بہت زیرک اور چالاک بھارتی تھا جو اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے چندن گرنانی کا فیکس نمبر استعمال کر رہا تھا۔ چندن کا کام بس اتنا تھا کہ وہ اپنی مشین پر آئے ہوئے پیغامات اس تک پہنچا دے۔

"اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ میری اور تمہاری بات ہوئی ہے۔ اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنا کام اور حوصلہ دکھاؤ۔ میں کام

کے آدمیوں کی بہت قدر کرتا ہوں۔"
"پھر مہلت میں مزید چند گھنٹوں کا اضافہ کردو۔" میں نے اس سے بلاوجہ فرمائش کی "مجھے پرسوں کی ساری شام مل جائے تو بہتر ہوگا۔ چھ بجے تم فون پر آتے ہو' سات بجے تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہوجائے گا۔ اس میں کچھ نہ کچھ گنجائش ہونی چاہیے۔"
"میری کہی ہوئی بات اٹل ہوتی ہے۔ فیکس پر تم ہروقت مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرسکتے ہو۔ تمہیں فون کے وقت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"
وہ چالاک اور حاضر دماغ شخص تھا۔ میں نے اپنی نیم رضامندی کے اظہار کے ساتھ فون بند کردیا۔ سلطان شاہ نے بھی ٹیپ ریکارڈر آف کردیا۔
"شان دار!" جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پرجوش انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا اور پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "اپنے دشمن سے ایسی لچھے دار باتیں تم ہی کرسکتے ہو۔ اس کے لیے بہت ٹھنڈے ماتھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہونے والی بات تم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔"
"اس وقت پاکستانی مطالبہ ان کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔ کوئی مخالفانہ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے مظہر کا درجہ ابھی تک ایک معزز پاکستانی شہری کا ہے۔ ہر ضابطے کی رو سے اس کے بارے میں جواب دہی بھارتی حکومت کا فرض ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی "وہ بس یہ چاہ رہا تھا کہ ڈینی گھڑی کی چوتھائی میں اپنا سینہ ٹھونک کر میدان میں کود جائے تاکہ بھارتیوں کی پیشانی سے مظہر کی گمشدگی کا داغ مٹ سکے۔"
"میں اس سے اسی نکتے کے گرد کھیل رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"میرا خیال ہے کہ میں بھی تحمل سے اس کے ساتھ اتنے کامیاب مذاکرات نہیں کرسکتا تھا۔" جلال خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا "تمہارا ایک ایک لفظ سفید جھوٹ تھا مگر اس پر حقیقت کا گمان ہورہا تھا۔ وہ اُلّو کا پٹھا چکرا کر رہ گیا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریکارڈر میں سے ہماری گفتگو کا کیسٹ نکال لیا۔
"بھارتی کسی بھی طرح بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ بہت ذہین' تجربے کار اور مکّار ہوتے ہیں۔" اول خان بولا "یہ ڈینی کا کمال ہے کہ جب وہ ہمارے شیر کے سامنے آتے ہیں تو اس کی باتوں کے ہیر پھیر میں پڑ کر ساری چوکڑیاں بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ڈینی کے مخاطب نے کوئی بے وقوفی نہیں کی لیکن ڈینی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس سے بہت کچھ اگلوالیا۔"
"دیکھنا ہے کہ ڈینی سے بات کرنے والا کون تھا۔ اگر یہ چندن تھا تو مجھے حیرت ہے۔ وہ اپنی باتوں سے پکا بھارتی معلوم ہورہا تھا۔" ویرا نے کہا۔
"اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی سی وعدہ خلافی کرلوں۔" اچانک، جلال نے مجھ سے پوچھا۔
"مجھے معلوم تھا کہ بعد میں یہ مرحلہ بھی آئے گا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وعدہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسے نباہنا سب سے مشکل کام ہے اور تم تو وعدہ کرنے والوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔ تم اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئے۔"
"اگر تم برا مان رہے ہو تو پھر جانے دو۔" جلال نے شائستگی سے کہا "تم بالکل صحیح پہنچے ہو۔"
"یہ بھارتیوں کی سطح کی گھٹیا باتیں ہیں۔" میں نے ان لوگوں کو سوالات کی اجازت دے کر بھڑوں کا چھتا چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ از خود انہیں بتانا شروع کردیا "میں غزالہ کو اپنی بیوی بنا کر نہیں لے گیا تھا مگر اسے اپنے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ دہلی میں اتنی سی بات را والوں کے لیے پرکشش بن گئی۔ انہوں نے کچھ لڑکیوں کو میرے پیچھے لگادیا۔ رینا نامی ایک لڑکی مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے ایسے کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہوگئی جہاں پہلے سے کیمرے چھپے ہوئے تھے۔ را والے اب تک جس فلم کی دھمکیاں دے رہے ہیں' وہ بنی ضرور تھی لیکن را کے دفتر میں دوسرے ریکارڈ کے ساتھ جلادی گئی۔ وہ اس کے تلف ہونے کا اعتراف کرنے سے گریزاں ہیں۔ میں انہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے وہ وڈیو کیسٹ اپنے ہاتھوں سے جلایا تھا۔"
"پھر تم بلاوجہ کیوں ان سے دب رہے ہو؟" ویرا نے بھڑک کر پوچھا۔
"مصلحت!" میں نے دھیرے سے جواب دیا "میں ان کی صفوں میں شامل رہ کر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان کی خوش فہمی دور کردوں تو وہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اس وقت را والوں کا سارا زور اسی فلم پر تھا۔"
"ہاں۔" اول خان نے اقرار کیا "محنت سے استوار کیے ہوئے رابطے اتنی آسانی سے ختم نہیں کیے جاسکتے۔ ان کی خوش فہمی کو برقرار رہنا چاہیے۔"
"ذرا اپنے آدمیوں کو دیکھو۔" جلال نے چونک کر اسے یاد دلایا "سات بجے کون سنی کے دفتر میں گیا تھا۔"
اول خان نے فون پر شاید اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے

رابطہ کیا۔ میری معلومات کے مطابق وہاں بیٹھا ہوڈیوٹی افسر شہر بھر میں ایس ٹی ایف کے کارکنوں کی جملہ سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا کیونکہ ہر ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو وہاں ضرور سنی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر رکن وقفے وقفے سے وہاں اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتا رہتا تھا۔

اول خان فون پر بات کر کے مڑا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے شکست خوردہ آواز میں بتایا کہ اس کے آدمی سنی کے دفتر کے قریب بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ سہ پہر سے اس وقت تک کوئی اس مقفل دفتر کے پاس نہیں پھٹکا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا ''سات بجے میں نے خود اس دفتر کے فون نمبر پر بات کی ہے۔ تم سب اس کے گواہ ہو۔''

''شاید تم ذہنی طور پر کہیں اور ہو۔'' جلال نے کہا ''مقابلہ را والوں سے ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔''

''پھر یہ لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''سنی کے دفتر کا فون نمبر کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔''

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں ''تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ چندن کے گھر اور سنی کے دفتر میں ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ بیمار سنی کمار کے فرشتوں کو کچھ پتا نہیں اور اس کا فون را والے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ لائن یقینی طور پر چندن کے گھر پر استعمال کی جا رہی ہے۔''

''تمہارے آدمی وہیں موجود ہیں۔ کسی سے کہو کہ تالا کھول کر دیکھے۔ کیا سنی کا فون ڈیڈ پڑا ہوا ہے۔'' ویرا بولی۔

اگلی کسی کارروائی سے پہلے وہ یقین دہانی واقعی ضروری تھی۔ اول خان کا اپنے آدمیوں سے براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسٹیشن فوری اپنے ڈیوٹی افسر کو ہدایات دیں اور ہمارے ساتھ باتوں میں شریک ہو گیا۔

''میں سمجھ رہا تھا کہ سنی کی را والوں سے ملی بھگت ہے مگر اب حالات کا دوسرا رخ سامنے آ رہا ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا ''سنی اپنے گھر پر بیمار پڑا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کے فون کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جا رہی ہے۔''

''وہ بے گناہ نہیں ہو سکتا۔'' سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ جلال سے اختلاف رائے کی جسارت کی اور جلال کی تیوریوں پر ہلکا سا بل آ گیا۔

''تم اسے گناہ گار کیسے قرار دے رہے ہو؟'' جلال نے اس سے پوچھا۔

''پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔ فون کا بل بر وقت ادا نہ ہوتا تو فون کبھی کا کٹ چکا ہوتا۔ اگر سنی یا اس کا کوئی آدمی باقاعدگی سے بل ادا کرتا ہے تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ فون دفتر کے بجائے کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔''

جلال نے سر ہلایا اور سوچ میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے وہ کمزور اعتراض اتنی سنجیدگی سے اٹھایا تھا کہ کوئی فوری طور پر اس کے منفی پہلو پر توجہ نہیں دے سکا۔ میں نے ان لوگوں کا تجسس دور کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی۔

''بولنے سے پہلے کچھ سوچ بھی لیا کرو۔'' ویرا کی آواز پر سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سلطان شاہ سے کہہ رہی تھی۔ ''فون کے بل میں اسی وقت اضافہ ہوتا ہے جب اس سے کوئی کال کی جائے۔ کال وصول کرنے میں کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ اگر وہ لوگ اتنے چالاک ہیں کہ سنی کا فون چرا کر استعمال کر رہے ہیں تو وہ اسے صرف پیغام وصول کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہوگی کہ اس نمبر سے کوئی فون نہ کیا جائے۔ سنی بے خبری میں ہر ماہ لائن رینٹ وغیرہ ادا کر رہا ہے۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' جلال نے ویرا کی تصدیق کی ''ہم اس امکان کو کیوں بھول رہے ہیں۔ یہ امکان ہی نہیں حقیقت ہو سکتی ہے۔''

ویرا کے مربوط اعتراض پر سلطان شاہ کا چہرہ خفت سے

کمال

ایک صاحب فخر سے دوسرے صاحب کو بتا رہے تھے ''میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں مگر آج بھی میں ڈیوٹی سے واپسی پر بس سے اترتا ہوں تو میری بیوی میرے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے۔''

''یہ کون سی خاص بات ہے...'' دوسرے صاحب بولے ''میری شادی کو بیس سال ہو چکے ہیں مگر میری بیوی کا بھی اب تک یہی معمول ہے۔''

تیسرے صاحب بولے ''میرا خیال ہے میں آپ دونوں حضرات سے زیادہ داد کا مستحق ہوں۔ میں بھی بس اسٹاپ پر اترتا ہوں تو بیوی میرے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے... اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔''

سرخ ہوگیا اور اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔
"حیرت ہے کہ ایسی سامنے کی بات فوری طور پر کسی کے ذہن میں نہیں آسکی۔" جلال بڑبڑایا۔
جلال کی فرمائش پر غزالہ ایک مرتبہ پھر سب کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ اس مرتبہ ویرا بھی اس کے ساتھ کچن کی طرف گئی تھی۔
رات کے اس ابتدائی پہر میں سنی کے ویران اور مقفل دفتر میں گھسنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ساری اہمیت صرف ایک بات کی تھی کہ اول خان کے آدمی قفل شکنی میں کتنے ماہر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور سے کال آگئی۔ اول خان کے آدمیوں نے قفل شکنی کے بعد دفتر کو پہلے کی طرح دوبارہ لاک کردیا تھا۔ مہینوں کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے دفتر کا فون بالکل بے جان تھا۔
"اگر اتنی چھان بین نہ کی جاتی تو سنی کھلا مجرم نظر آرہا تھا۔" جلال نے ہلکی سی غصیلی آواز میں کہا "اگر یہ لائن چندن کے فلیٹ میں پائی گئی تو میں اس باسٹرڈ کو ادھیڑ ڈالوں گا۔"
"ایک کام میں دو ایجنسیاں لگ جائیں تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔" میں نے جلال سے کہا "لائن کے سراغ پر تم کسی کو مامور کرو گے یا اول خان کے آدمی کام کرتے رہیں؟"
"میں نامعقول قسم کی دخل اندازیوں کا قائل نہیں ہوں۔" جلال نے جواب دیا "اول خان کی ٹیم کام کررہی ہے وہی کرتی رہے لیکن رزلٹ آج رات ہی مل جائے تو بہتر ہوگا۔"
"میں تمہاری بے چینی کو سمجھ رہا ہوں لیکن یہ کام کل کے لیے ٹال دیا جائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے تجویز پیش کی۔
"آج رات اور کل میں کیا فرق ہے؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔
"چندن یا فون چرانے والے نے کال کے لیے چھ بجے کا وقت دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دن بھر اپنے ٹھکانے سے غائب رہتا ہے۔ چھ بجے ہر حال میں لوٹ آتا ہے اور پھر رات وہیں بسر کرتا ہے۔ دن میں وہ باہر ہوگا۔ ہر چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے گی۔"
"بالکل مناسب تجویز ہے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے مگر تاروں کے سہارے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نمبر کہاں لیا گیا ہے۔ اس گھر یا دفتر کی چھان بین کل دن میں کرلی جائے گی۔"
اول خان کے آدمیوں کو وہ کام سرانجام دینا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمہ تن خدمت بنا رہتا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں خاموش ہوگیا۔
ہم سب نے جلال کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے پاس ہمیشہ اپنی مصروفیات کا عذر موجود رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر فون اور فلیس والا پراسرار معاملہ درپیش نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اتنا وقت نہیں گزار سکتا تھا۔
ہمارے گھر سے اسے نشتر روڈ پر صدف مینشن کی طرف جانا تھا۔ اس نے یہ بتا کر ہم سب کو حیران کردیا کہ وہ ساری رات صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب ہوگا۔
صدف مینشن کی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر معقول دفتری سہولیات سے قطع نظر وہ ایک اجاڑ اور آسیبی عمارت تھی جہاں جا بہ جا چھوٹے بڑے قید خانے بنے ہوئے تھے۔ آئی بی والے اس عمارت کو اپنے انٹروگیشن سیل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں پرانے اور ضدی مجرموں کو قید میں رکھ کر ایسے نفسیاتی اور جسمانی تشدد سے گزارا جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔
"اس قید خانے میں تم ساری رات کیا کرتے رہو گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ضرورت پڑتی ہے تو وہاں دن رات کام ہوتا ہے۔ اس وقت بھی وہاں چند اہم قیدی موجود ہوں گے جن کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے ہیں۔ ان سے تفتیش کے لیے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔" اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ وہ سفاکانہ حقائق بیان کرڈالے۔
"خدا تمہاری حالت پر رحم کرے۔ اعصاب زدہ قیدیوں کی چیخوں میں وہاں گہری نیند سونا بھی دشوار رہے۔"
"یہ زندگی کے روپ ہیں جو پل پل میں بدلتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہم سب کو الوداع کہا اور روانہ ہوگیا۔
اول خان کا ارادہ تھا کہ سنی کے گم شدہ ٹیلی فون کنکشن کا سراغ لگانے کے لیے وہ خود متعلقہ علاقے میں پہنچ جائے جہاں محکمے کے افراد اس کی مدد کرکے لائن کے دوسرے سرے تک پہنچ سکیں گے مگر میری دانست میں اس کی وہ بھاگ دوڑ غیر ضروری ہوتی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ٹیلی فون کے محکمے میں کھمبوں پر کام کرنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال متروک ہوچکا تھا۔ لائن مین سائیکلوں پر

پہنے علاقے میں گھومتے رہتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی تھی، جوتے اتار کر بندروں کی طرح کھمبوں پر چڑھ کر اپنا کام پورا کر لیتے تھے۔

ان تکلیف دہ تماشوں میں محکمے کی مالی زبوں حالی کا دخل ہو یا نچلے ملازمین کی سہل پسندی کا، ایک بات طے تھی کہ ایسی مشقیں اول خان جیسے بردبار اور متین آدمی کے لیے ممکن نہیں تھیں۔ وہ تکنیکی کام تھا جسے متعلقہ اہل کار خوبی سے نجام دے سکتے تھے۔

اول خان نے ہمارے گھر سے ٹی اینڈ ٹی والے آدمی سے بات کی۔ ٹیلی فون لائن کی ایسی دیدہ دلیرانہ چوری کی شکایت سن کر وہ حیران ضرور ہوا مگر اس نے بتایا کہ شہر میں جھولتے ہوئے تاروں کے درمیان میں کہیں سے لائن کا متوازی طور پر چوری ہونا انوکھا نہیں تھا۔ ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے۔

اول خان صبح سے اپنے گھر سے نکلا ہوا تھا۔ دفتر کا چکر لگا کر وہ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آیا تھا۔ اس کی بیوی بچے کراچی میں تھے اور اس کی توجہ کے حق دار تھے۔ جب اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کوئی بھی اسے روکنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

''خدا کا شکر ہے کہ ایک ایک کرکے دونوں رخصت ہوگئے ورنہ میرا تو دم سوکھ رہا تھا۔'' اول خان کے چلے جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''ان کی موجودگی سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑ رہا تھا؟'' سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

''میری شام خراب ہو رہی تھی۔'' ویرا نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا ''شام ہوئی اور رات آگئی لیکن غضب خدا کا کہ میرے منہ میں ایک بوند بھی نہیں گئی۔ سب بے فکر ہو کر یوں فرصت سے بیٹھے ہوئے تھے جیسے انہیں دنیا میں دوسرا کام ہی نہ ہو۔''

''باتیں کام کے سلسلے میں تھیں۔ یہاں گپ شپ نہیں ہو رہی تھی۔'' غزالہ نے اسے تادیب کی۔

''میں اس وقت کسی سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' ویرا نے اٹھتے ہوئے کہا ''پینے کے تصور سے ہی مزاج میں بلا کی نرمی اور ملنساری آجاتی ہے۔'' میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دانستہ مجھے کندھا مارا اور رک کر سرگوشی کی ''تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں آجانا ورنہ میں بھری محفل میں سوالوں کی بھرمار کردوں گی۔''

وہ میرا جواب سنے بغیر لہراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

''یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟'' سلطان شاہ نے میرے قریب آکر رازداری سے پوچھا۔

''وہ اول فول بکتی رہتی ہے۔ تم اس کے چکروں میں نہ پڑو۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔

ہم لوگوں نے کافی لمبا وقت بیٹھ کر گزارا تھا۔ میں اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے کمرے میں جاکر بستر پر دراز ہوگیا۔

معاملات آگے بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے، خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے، موہوم سراغوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ مار دھاڑ یا کسی مقابلے کا دور دور تک امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ساری پیش رفت اطلاعات کے میدان میں ہو رہی تھی۔

میں نے را کے نامعلوم ایجنٹ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے فیکس کے موضوع پر دانستہ بات نہیں کی تھی۔ میں مظہر کے روپ میں جس ذہنی سطح کا مظاہرہ کر رہا تھا، اس کے لیے ایسی دور کی باتیں موزوں نہیں تھیں۔ یہ را والوں کی اپنی صوابدید تھی کہ وہ میرے بھیجے ہوئے اس پیغام کو کس طرح استعمال کرتے۔

بستر پر لیٹے لیٹے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ اول خان نے اپنے آدمیوں سے سنی کے دفتر کی نہ صرف خیر خبر لے لی تھی بلکہ تلاشی تک لے ڈالی تھی لیکن چندن کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ سات بجے وہاں کی کیا صورتِ حال تھی۔

سوچتے سوچتے مجھے غنودگی کی لہر نے آلیا لیکن میری وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ کسی نے میرے داہنے پیر کا انگوٹھا جھنجوڑ کر مجھے بیدار ہونے پر مجبور کردیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو میرے پیروں کے قریب ویرا کھڑی دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' میں نے غرا کر کہا ''کسی کے بیڈ روم میں یوں گھس آنا بہت بے ہودہ حرکت ہے۔''

''غزالہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں بند ہوتی تو میں ہرگز اندر نہ آتی۔ وہ اپنے بے بی فرینڈ کے ساتھ باہر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔'' ویرا پر میری پھنکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا چاہتی ہو؟'' میں نے کہنیوں کے بل اٹھ کر پوچھا۔

''غزالہ اور سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے سامنے اپنی جوڑی بنائی ہوئی ہے۔ میں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔ تھوڑی دیر

کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ تو باتیں کریں گے۔"

میں اسے سخت سست کہنے والا تھا کہ مجھے اس کی دھمکی یاد آگئی۔ میں اس کے کمرے میں نہ جاتا تو غزالہ کے سامنے میری اور رینا کی وڈیو فلم کا ذکر چھیڑ کر میرے لیے خاصی خفّت اور پریشانی کا سامان پیدا کرسکتی تھی۔

"چلو!" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ دیا۔

"اپنی نشیلی آنکھوں پر تھوڑا سا ٹھنڈا پانی مارلو تو تمہارے دماغ کی گرمی کم ہوجائے گی۔" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے مشورہ دیا۔

میں ویرا کے مشورے کو ٹھکرا کر اسی حالت میں جانے پر آمادہ تھا لیکن پھر مجھے خیال آگیا کہ اس کی بے سروپا باتوں پر غصہ دکھا کر میں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس کا بہترین علاج یہ تھا کہ اسے ہنس ہنس کر سلگایا جائے۔

میں رخ بدل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا ارادہ منہ دھونے کا تھا لیکن ہتھیلیوں پر ٹھنڈے پانی کا لمس محسوس کرکے طبیعت غسل پر مائل ہوگئی۔

میں تازہ دم ہوکر غسل خانے سے نکلا تو میرا موڈ تبدیل ہوچکا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے سرے پر رک کر غزالہ اور سلطان شاہ سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور پھر ویرا کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"تم آتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹ رہی ہیں۔" ویرا نے مسکرا کر کہا۔

"تمہاری کوئی توانائی کہیں نہیں کھوئی۔ بس کبھی کبھی حواس کھو جاتے ہیں۔ آج زیادہ نہ پی لینا۔"

اس نے مجھے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی اپنے گلاس سے کھیلتی اور کچھ سوچتی رہی۔

"بت کی طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ میں یہاں تمہارا رخ روشن دیکھنے کے لیے نہیں آیا۔ بلایا گیا ہوں۔" میں نے جل کر اسے ٹوکا۔

"ہم لوگ جس سمت میں جارہے ہیں، تم اس سے مطمئن ہو؟" اس کی زبان سے وہ گہرا اور سنجیدہ سوال سن کر میں حیران رہ گیا۔

"شروع سے ہماری سمت ایک ہی ہے۔ اس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ پہلے ہم اپنے طور پر کام کرتے تھے۔ اول خان ہمارا معاون اور تمہارا دست راست ہوا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اور شاید بہت غیر محسوس طریقے سے یہ سب بدلتا جارہا ہے۔ اپنی ابتدا کے مقابلے میں آج ہمارا رخ بہت زیادہ بدلا ہوا ہے۔"

"یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میں نے الجھ کر اسے مشورہ دیا۔

"میرا احساس ہے کہ اب ہم دو پاکستانی ایجنسیوں کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ایک طرف ایس ٹی ایف ہے اور اب آئی بی کے ضابطے جگہ جگہ ہماری راہ روک رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمیں مشورے دیتے ہیں۔ اپنی وسیع تر معلومات کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا راستہ کبھی نہیں روکتے۔"

"تم میری طرح واقعات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیتے اس لیے ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی دلیل کے حق میں ایک بھی مثال نہیں دے سکتیں۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"جان ایلش کوف کی تازہ ترین مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہم اسے جہنم واصل کردینا چاہتے تھے۔ جلال نے ہمیں روک دیا۔ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اسے تم کیا کہو گے؟ اب ہم قدم قدم پر اس کی اجازت کے محتاج ہوتے جارہے ہیں۔"

"ہم اب بھی اپنی من مانی کرسکتے ہیں۔ وہ حکومتی حلقوں کا قریبی آدمی ہے۔ اس نے ہمیں یہ سمجھانا چاہا تھا کہ جان یا کسی اور اہم امریکی کو مار کر ہم پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کریں گے بلکہ سنگین مسائل کھڑے کردیں گے۔ ہمارا نصب العین اس ملک کی سربلندی ہے۔ ہم نے اس کی بات مان لی۔"

"تم نے اسے چھوڑ دیا لیکن کوئی عام بدمعاش اسے گولی مار دیتا تو تم یا حکومت کیا کرلیتی؟"

"قیاس آرائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اپنے خیالی گھوڑوں کو لگام دو۔ بدمعاش کسی کو بلاوجہ نہیں مارتا۔ مارتا ہے تو سولی پر بھی لٹک جاتا ہے۔ جلال ہمارے ایسے انجام سے خوف زدہ ہے اسی لیے ہمیں سمجھاتا اور روکتا رہتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ جان اسمتھ دہلی میں مارا گیا اور امریکی اس کے قاتل کو یہاں تلاش کررہے ہیں۔"

ویرا اپنے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر ہنس پڑی "امریکی کچھ نہیں کررہے۔ وہ بزدل ہیں۔ ڈر کر بھاگ گئے اور تلاش کا طوق تمہاری پولیس کے گلے میں ڈال گئے۔"

"جان بھاگا ہے۔ اس کا چیف کلرک، لیری اب بھی

کراچی میں موجود ہے۔"
"لیری کراچی میں ہے۔" ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں "توہم اس کو کیوں نہیں رگڑ دیتے۔"
"اس وقت ہماری توجہ را پر مرکوز ہے۔ فی الحال لیری کو بھولی رہو۔ وقت آنے پر اس کے بارے میں بھی بات ہوجائے گی۔"
"ایسے لوگ بار بار تمہارے نشانے پر نہیں آئیں گے۔ سی آئی اے میں چیف کلرک کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا۔
"نہیں ویرا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کھلی دہشت گردی ہوگی۔ اگر تم لیری کو صرف اس لیے مار دینا چاہتی ہو کہ وہ سی آئی اے میں چیف کلرک ہے تو پھر کون محفوظ رہے گا۔ ہر ممتاز امریکی تمہارے نشانے پر ہوگا۔ ہماری لڑائی ان سے ہے جنہوں نے ہم کو ڈسا ہے۔"
ویرا کی پیشانی پر بل آگئے۔ "پھر تم نے جان ایلش کوف کو اسی نظریے کے تحت چھوڑا ہے۔ اس کے عزائم زہریلے ہیں مگر اس نے ابھی تک پاکستان کو عملی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تمہارے لیے یہ اس کی بے گناہی بلکہ معصومیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"
"اب تم طنز کلامی پر اتر آئیں۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔ میرا دشمن ہے میں بھی اس کا دوست نہیں بن سکتا۔"
اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ اور لیا پھر بولی "چھوڑو.... یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری ویڈیو فلم کا کیا چکر ہے۔ اتنی اہم بات تم نے آج تک مجھ سے چھپائی ہوئی تھی۔"
مجھے خوشی ہوئی کہ ایجنسیوں کے آلہ کار بننے والی بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یا خامی یہی تھی کہ وہ جس موضوع پر اپنی بات منوانے میں ناکام ہوجاتی تھی، اسے جھٹ بدل دیتی تھی تاکہ اسے زیادہ خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خفت یا ندامت سے اس کی اناپسندی مجروح ہوتی تھی۔
"اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں تھی۔ فلم ان کے قبضے میں ہوتی تو میں ضرور اس کا ذکر کرتا۔ ایک چیز جو بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہوگئی، اس کا ذکر کرنا بے سود ہے۔"
"یہ رینا اجیت رائے کون تھی؟" ویرا کے سینے میں تجسس اور اشتیاق کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"ایک خوب رو اور بے کس لڑکی تھی جو اپنی بیمار ماں کے علاج کی خاطر را کے بھیڑیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔"
"خاصی خوب صورت تھی؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرکے پوچھا۔
"خاصی سے بھی کچھ زیادہ!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم اندازہ لگاسکتی ہو کہ میں کیسے امتحان سے گزرا ہوں گا۔"
"مجھ سے بے پر کی ہانکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم شروع سے ہی عاشق مزاج ہو۔"
"بلاوجہ کی الزام تراشی نہ کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم میرے کتنے معاشقوں سے واقف ہو؟"
"تم اب سدھرنے کی کوشش کررہے ہو تو اتنے پارسا نہ بنو۔ اپنے بارے میں تم میرے تجربات کو نہیں جھٹلا سکتے۔"
وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو جھٹلانا ناممکن تھا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے ٹی میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے اس کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ اسباب کچھ بھی رہے ہوں، ویرا کے معاملے میں میرا دامن صاف نہیں تھا۔
"کیا تمہیں ان تلخ باتوں کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔
"میں تو رنگین باتیں کررہی تھی۔ اس میں تلخی تم نے گھولی ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر والہانہ انداز میں کہا "اب سچ سچ بتادو کہ رینا کا کیا قصہ تھا۔"
"وہ آگ اور تیل کا کھیل تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خلوت میں بھی مجھے نہیں بہکا سکے گی مگر وہ را کی تربیت یافتہ تھی۔ شکار کو اپنے شکنجے میں کسنے کے فن میں طاق تھی۔ جب تیل اوپر سے نیچے بہہ رہا ہو تو ڈھلان میں دم توڑتے ہوئے انگارے بھی یکایک بھڑک اٹھتے ہیں۔ میں یکایک کمزور لمحوں میں گھر کر رہ گیا۔"
"اور پوشیدہ کیمروں نے تمہاری اور رینا کی فلم بنالی؟" ویرا نے مخمور اور دھیمی آواز میں پوچھا۔
"لاحول ولا قوۃ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور جھلاتے ہوئے انداز میں کہا "ہاں، انہوں نے فلم بندی کرلی۔ بعد میں رینا نے یہ بات خود مجھے بتادی۔ جب دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق ہوگئی تو میں نے وہ فلم نیست ونابود کردی۔"
"رینا کو اپنے محکمے کا راز تم کو بتانے کی کیا ضرورت

تھی؟" میری برہمی بھی اس کا تجسس دور نہ کر سکی۔

"تم اتنی باریکیوں میں جاؤ گی تو یہ کہانی کئی دنوں تک ختم نہیں ہوگی۔ میں نے اسے شیشے میں اتار لیا تھا۔ وہ لڑکی میرے بہت کام آئی ہے۔"

"رینا اجیت رائے!" ویرا نے سختی سے دہرا دیا "اس وقت میرے دل میں رقابت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسی وقت دہلی پہنچ کر اس کمینی کا چہرہ لہولہان کر دیتی۔ اسے تمہارے قریب آنے کی ہمت کیسے ہوئی۔"

میں اس کے لب و لہجے پر یکایک سنبھل گیا۔ مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ ویرا نہیں رہی تھی۔ اس کے وجود میں سوئی ہوئی 'انا پرست اور منتقم مزاج بلیک کوئن جھرجھری لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ بلیک کوئن اپنے پسندیدہ مرد پر کبھی کسی اور لڑکی کا سایہ پڑنا پسند نہیں کرتی تھی۔

"میرے معاملے میں اس کی پسند یا مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بڑوں نے اسے حکم دے کر میری طرف دھکیلا تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر رہی تھی۔"

"میں نے اس لڑکی کا نام اپنے دل پر نقش کر لیا ہے۔" ویرا نے خلا میں تکتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہا "جب بھی موقع ملا' میں اس لڑکی کو نہیں بخشوں گی۔"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ میرے اور رینا کے بارے میں کوئی بات جان کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا اور وہ اپنے حواس میں نہیں رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر صوفے پر اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

ویرا نشے میں ہرگز نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی گھنی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔ گلابی پپوٹے بار بار اس کی نیلگوں آنکھوں کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے شانے پر میرے ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے ویرا نے پوری کوشش سے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ایک آسودہ سی بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تیر گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

چند منٹ تک ہم دونوں اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ بس میں اپنے بازو پر اس کے دل کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا مجھ سے باتیں کرتے کرتے کسی ٹرانس میں چلی گئی ہو۔ چند منٹ بعد اس نے کسمسانا شروع کیا اور پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت ویرا کے دائیں ہاتھ میں تھما ہوا خالی گلاس اس کی گود میں تھا۔ اپنے ٹرانس سے باہر آتے ہی اس نے غیر ارادی طور پر اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور خالی گلاس پر نگاہ پڑتے ہی تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی "اوہ! گلاس خالی ہو گیا۔ مجھے کیا ہوا تھا؟ تم میرے پہلو میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

ویرا کو کچھ یاد نہیں تھا کہ پچھلے چند منٹوں میں وہ کس کیفیت سے گزری تھی۔ وہ اس پر شیزوفرینیا کا واضح حملہ تھا جس کا مظاہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دہری شخصیت کی مریضہ تھی یا شدید ڈیپریشن اور صدمے کے باعث اس ذہنی حملے کا شکار ہو گئی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے فرمائش کی' میں تمہارے پہلو میں آ بیٹھا اور تم میرے شانے پر سر رکھ کر ذرا اونگھ گئیں۔"

"ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی بات ہو رہی تھی۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی تھی۔ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔ میں رینا کی طرف سے اس کا ذہن ہٹانا چاہ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اس حسین بھارتی جاسوسہ کے بارے میں سوچتی رہی تو دوبارہ صدمے سے دوچار ہو جائے گی۔

"ہاں' ہم پہلے آزاد تھے جو چاہتے تھے' کر گزرتے تھے۔ میں کہتی ہوں کہ اب ان ایجنسیوں سے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔"

"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں۔ دوسروں سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ اچانک کنارہ کشی مناسب نہیں ہوگی۔"

اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے سلطان شاہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ چکا تھا۔

"اول خان کا فون ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اطلاع دی اور میں بلا توقف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو غزالہ فون پر مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں خان! کیا خبریں ہیں۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہی پوچھا۔

"بہت لمبا کیس ہے..." میرے کانوں میں اول خان کی

جو شیلی آواز آئی ''اس کام میں ٹی اینڈ ٹی کا کوئی آدمی بھی چندن کا شریک ہے۔ سنی والے پول میں فون کی لائن غائب ہے۔ اس لائن کو کیبنٹ سے ہی چندن کے گھر کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔''

''تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ اطلاع درست ہے!'' میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''چندن کے گھر کے قریبی کھمبے سے انسٹرومنٹ لگا کر دیکھا گیا ہے۔ سنی کے دفتر کے نمبر پر کی جانے والی کال کی گھنٹی وہاں بج رہی ہے۔''

''پھر چندن کو اس کے گھر سے اسی وقت اٹھالینا چاہیے۔ اسے مہلت مل گئی تو کام بگڑ سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ چاہو تو تم جلال سے بھی مشورہ کرسکتے ہو۔''

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے الفاظ گونج اٹھے اور میں نے چڑ کر کہا ''تم ہر بات میں جلال کو درمیان میں کیوں لانے لگے ہو۔ وہ اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کا پابند ہے۔ یہ ایک سفارت کار کا معاملہ ہے۔ وہ اوپر سے کلیرنس کے بغیر کوئی کارروائی نہیں ہونے دے گا....''

''تم بھول رہے ہو کہ وہ خود بھی چندن کی طرف سے بہت مشتعل ہے۔'' اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا۔

''ایک سرکاری ملازم کا ذاتی اشتعال اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے محکمے کا ڈسپلن توڑ کر پالیسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ایک مثالی سرکاری ملازم ہے۔ اس وقت ہمیں روک دے گا۔''

''اس نے جان کے معاملے میں بھی شکوا کیا تھا۔'' اول خان نے دبی زبان سے کہا ''وہ ہم سے ناراض ہوسکتا ہے۔''

''میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم جلال کو نظرانداز کردو گے۔'' سلطان شاہ نے کہا جو میرے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

''میں اسے نظرانداز نہیں کررہا' مشکلات سے بچا رہا ہوں۔ ہم اس سے جان الیش کوف کے بارے میں مشورہ کرتے تو وہ ہمیں ہرگز آگے نہ بڑھنے دیتا۔ تم نے دیکھا کہ بعد میں وہ ہمارے اقدام پر خوش تھا۔ اس کی بے خبری ہمارے اور اس کے لیے سودمند ثابت ہوئی۔''

''بار بار ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ اس سے مشورہ نہ لیں۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیں تاکہ وہ چندن کے اٹھائے جانے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کرسکے۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اپنے فیصلوں کے لیے آپ اس کے مشوروں کے پابند نہیں ہیں۔''

غزالہ نے بہت معقول رائے دی تھی۔ ہم لوگوں سے قریبی مراسم کے حوالے سے یہ جلال کا حق بنتا تھا کہ اسے کسی اہم پیش رفت سے قبل از وقت یا کم از کم بروقت آگاہ کردیا جائے۔ میں نے اسے فون کرنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال میری مزاج پرسی کررہا تھا۔

''بہت لمبی عمر ہے تمہاری۔'' میں نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا ''ابھی تمہارا ذکر خیر ہورہا تھا۔ میں نے تمہیں فون کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر تمہارا فون آگیا۔''

''یار! میں اپنے چکروں میں کچھ زیادہ ہی الجھ گیا ہوں لیکن تمہاری بھی فکر ہے۔ وہ فون والے معاملے کی رپورٹ ملی یا نہیں۔''

''لائن چندن کے گھر میں جارہی ہے۔ میں نے اسی وقت اسے اٹھالینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' جلال کے کہنے سننے سے پہلے میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔

''اسے اٹھالو۔'' جلال کے وہ الفاظ سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ نازک سفارتی معاملہ ہے۔ میں اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی آدمی ادھر نہیں پھٹکے گا۔ میری مانو تو اول خان اور اس کے آدمیوں کو بھی الگ تھلگ رکھو۔ اس کام میں کسی ایجنسی کا نام نہیں آنا چاہیے۔''

جلال کے وہ الفاظ ہولناک تھے۔ وہ چندن کے قصے کو ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چندن کی رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسے قید میں رہنا تھا یا اپنے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔

''یہ کام میں خود کروں گا۔'' میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد جواب دیا ''مگر میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اسے اس کی کمین گاہ سے نکالنے کے بعد میں اسے خان کے ہی حوالے کروں گا۔ وہاں اس کی بہترین خاطر تواضع ہوتی رہے گی۔''

''چندن بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے کوئی نیا گل کھلایا ہے۔ وہ کسی رعایت کے قابل نہیں ہے۔''

''کیا کوئی مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے؟'' میں نے چونک کر

پوچھا۔
"رات آٹھ بجے اطلاع ملی ہے کہ لیری کل صبح جلد از جلد ایجنسیوں کے نمائندوں سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف کے نمائندے کو بھی اجلاس میں شامل کیا جائے کیونکہ اسے ڈینی اور مظہر کے بارے میں کچھ نئے شواہد ملے ہیں۔"
"لیری!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا سی آئی اے کا یک چیف کلرک ایسی کسی ملاقات کی خواہش کرنے کا حق رکھتا ہے۔"
"حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس نے رسمی طور پر درخواست کی ہوگی۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ہم ان لوگوں کی درخواست کو بھی اہمیت دینے پر مجبور ہیں۔ میرا بس چلے تو میں ذاتی طور پر اس ملاقات سے صاف انکار کردوں۔ ویسے امریکی پروٹوکول میں کلرک کا عہدہ خاصا اہم ہوتا ہے۔"
"تو انکار کیوں نہیں کردیتے۔" میں نے دانستہ وہ سوال کرڈالا۔
"سول سرونٹ کی ذات کچھ نہیں ہوتی۔ وہ حکم کا بندہ ہوتا ہے۔ یہ اجلاس کل گیارہ بجے کراچی میں ہونا ہے اور میں یہاں موجود ہوں اس لیے مجھ کو اپنے محکمے کی نمائندگی کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ بقیہ لوگ بھی شاید وہی ہوں گے جو اپنے پر فریب دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" جلال کے جواب میں اس کے اندر کا کرب پنہاں تھا۔
"ایس ٹی ایف کی طرف سے کون آئے گا؟" میں نے پوچھا۔
"کوئی بھی آسکتا ہے۔ یہ اسلام آباد والوں کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے جواب سے بیگانگی مترشح تھی۔
"جان نے لیری کو جان بوجھ کر یہاں چھوڑا ہے تاکہ اس کے اشاروں پر وہ تمہیں ستاتا رہے۔"
"معلوم یہی ہوتا ہے۔ اجلاس کا چکر اچانک کھڑا ہوا ہے۔"
"ایس ٹی ایف غیر آئینی تنظیم ہے۔ اس کے نمائندے کس حیثیت میں آسکتے ہیں؟"
"یہ پہلے بھی ہوچکا ہے۔ اجلاس آف دی ریکارڈ ہوگا۔ امریکیوں کو ٹیکنالوجی میں ایسی برتری حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سی قوموں کو زچ کیا ہوا ہے۔ وہ دوستی کا احسان جتا کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں اچھالتے ورنہ اس کے وجود اور سرگرمیوں سے خاصی حد تک باخبر ہیں۔"
"پھر معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ فال اپنے خان کے نام ہی نکلے گا۔ اس سے ابھی ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ اجلاس سے بے خبر ہے۔"
"اگر اسے شریک ہونا ہے تو آج رات کسی ذریعے سے اسے پیغام مل جائے گا۔"
"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چندن اور کل کے اجلاس میں کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"
"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ صبح تم نے چندن کو فیکس بھیجا اور شام کو لیری نے مشترکہ اجلاس کا مطالبہ پیش کردیا۔ یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی چیز مشترک ضرور رہے۔"
"اجلاس کو تم دیکھ لینا۔ میں چندن کی خبر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔
"جو کچھ بھی ہوتا ہے، مجھے باخبر ضرور رکھنا۔ آج میری رات صدف مینشن میں ہی کالی ہوگی۔"
"سارا قصہ ہی نمٹ گیا۔" میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو خوش خبری سنائی "وہ میرا فیصلہ سن کر خوش ہوگیا۔ ہم چندن کو اٹھائیں گے۔"
"وہ چندن کی گرفتاری میں مدد نہیں دے گا؟" ویرا نے پوچھا جو میری بات سنتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔
"وہ الگ رہے گا۔ اس کے مشورے پر اول خان کو بھی دور رکھا جائے گا۔" میں نے ان لوگوں کو مزید خوش خبری سنائی۔
ایک مرتبہ پھر سرگرمی سے باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت تک ویرا اپنے جذباتی بحران پر قابو پاکر نارمل ہوچکی تھی۔ اس نے زیادہ شراب نہیں پی تھی اور کمزوری کے کسی اظہار کے بغیر پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔
وہ تینوں میری اور جلال کی کہی ہوئی ہر بات جان لینے کے خواہش مند تھے کیونکہ اس بات چیت نے جلال کی طرف سے میرا دل کسی آئینے کی طرح صاف کردیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد اول خان بھی تیسری مرتبہ ہمارے گھر آپہنچا۔ اسے میری اور جلال کی گفتگو کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ماحول میں گھٹن اور تلخی کی امید لے کر آیا تھا۔ اس نے ہم چاروں کو خلاف توقع ہشاش بشاش پایا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔
بعد میں اسے یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ جلال نے میرے فیصلے کی مکمل توثیق کردی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی

ہوئی خوشی کو اعتدال میں لانے کے لیے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ ہم سے دور رہے گا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ عملی کاموں میں بھرپور حصہ لے کر اسے ہمیشہ عجیب سی آسودگی ملتی تھی۔

"پھر اب تمہارا کیا پلان ہے؟" سب کچھ سن لینے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اس سے پہلے مجھے تمہاری بریفنگ کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے اس آپریشن سے دور رکھ سکتے ہو لیکن میری فورس کے جوانوں کو ہر وقت اپنی دسترس میں پاؤ گے۔" اس نے فخر سے بتایا "اس وقت بھی میرے دو آدمی چندن کے گھر سے دور رہ کر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ عام طور پر وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے مگر آج اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے۔ گھر میں ان کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہے۔"

"تمہارے وہ دونوں آدمی وہاں سے کب لوٹیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ صبح آٹھ بجے آنے والوں سے اپنی ڈیوٹی بدلیں گے۔ میں ابھی انہیں احکام دیے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔"

"جلال تجربہ کار آدمی ہے۔ اس کا مشورہ ہے کہ ان اطراف میں کسی ایجنسی کا کوئی آدمی موجود نہیں ہونا چاہیے۔"

"جلال کے بارے میں یہی بات میں نے کہی تھی تو تم ناراض ہوگئے تھے ذرا سی دیر میں تمہاری سوچ میں تبدیلی کیسے آگئی۔" اول خان نے ہنس کر پوچھا۔

"اس کے بارے میں میری سوچ ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے۔" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس وقت کسی نے میرے دماغ میں زہر بھر دیا تھا۔"

"میں اس کے دیے ہوئے مشورے کو رد نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ان دونوں کو نہ چھیڑو۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے وہاں سے لوٹ جائیں گے بلکہ تم چاہو تو یہ بندوبست بھی ہو سکتا ہے کہ تم راستے میں کہیں رک کر چندن کو ان کے حوالے کر دو۔ ان کے پاس نئی کرولا موجود ہے۔"

"جب انہیں تماشائی بنا رہنا ہے تو ان کی موجودگی کی کیا افادیت ہے۔" میں نے اس کی تجویز کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"خدانخواستہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔" اول خان نے پورے خلوص سے کہا اور میں نے اس کی بات مان لی۔

ہم لوگوں کو کراچی میں ایک ساتھ کوئی بڑی مہم سر کیے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موقع پر ویرا ہمارے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن وہ کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اس نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور ہم تینوں سر جوڑ کر پروگرام طے کرنے لگے۔

"اس چکر میں تم اول خان کو لیری والے اجلاس کے بارے میں بتانا بھول گئے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا اور میں اول خان سے معذرت کر کے اس نئے مسئلے کے بارے میں بتانے لگے۔

جلال سمیت کوئی بھی اس اجلاس سے خوش نہیں تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ امریکی اس حکمتِ عملی کے ذریعے خود کو خفیہ اداروں کے سروں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے ردِ عمل میں وہ ان ایجنسیوں کے سرگرم تعاون سے محروم ہو سکتے تھے۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اول خان کو اپنے ذرائع سے اجلاس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس نے یہ فرض کر لیا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کے لیے کسی اور کو منتخب کر لیا گیا تھا۔

اول خان اپنی جان بچ جانے سے خوش تھا۔ اس کے شب و روز ہمارے درمیان گزرتے تھے۔ اگر اسے اجلاس میں شریک ہونا پڑتا تو اس کے لیے لیری کے اگلے ہوئے زہر کو ہضم کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ ایک سیدھا اور سچا پاکستانی تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اشتعال کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل سکتی تھی جو نقصان دہ ثابت ہوتی۔

ہم دونوں کافی دیر تک نئے مسائل پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ظاہری طور پر صرف ایک امکان نظر آ رہا تھا جس کی نشان دہی جلال کر چکا تھا۔ میں نے مظہر کی حیثیت سے چندن کو ایک فیکس بھیجا' اس نے وہ آگے بڑھا دیا۔ وہ تیز رفتار مواصلاتی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے ذرا سی دیر میں معلومات ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے حکام کے لیے وہ فیکس اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ مظہر خان بھارتیوں کو جُل دے کر کسی طرح پاکستان نکل گیا تھا اور حالات سے پریشان ہو کر وہ کراچی میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔

فیکس کے متن کی وجہ سے وہ ثبوت پاکستانیوں کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھارتیوں نے اپنے امریکی

آقاؤں سے مدد لے لی تھی اور وہ فیکس دکھا کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ مظہر خان کراچی میں موجود تھا۔ پاکستانی حکام اسے پکڑنے میں دانستہ بے پروائی برت رہے تھے۔

دہلی میں جان کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا وہ فیکس دوبارہ کراچی آگیا تھا اور اس بار لیری کی تحویل میں تھا۔ شاید لیری نے اسی ثبوت کی بنا پر پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

میں نے اپنے مشن کے لیے رات کے بارہ بجے کا وقت منتخب کیا تھا۔ اس وقت سول لائنز کے رہائشی علاقے میں اتنا سناٹا ہوجانا چاہیے تھا کہ ہمیں چندن کو اس کے فلیٹ سے نکال کر واپس روانہ ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

میرے ایما پر اول خان نے فون پر صدف مینشن سے رابطہ کر کے جلال کو اس پروگرام سے آگاہ کردیا۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو رات کے ایک بجے تک چندن کو ہر حال میں اسٹیشن فور پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے فون پر براہِ راست مذاکرات ہوئے تو جلال کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اول خان کو سرے سے اجلاس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ فکر مند تھا کہ ایس ٹی ایف کی طرف سے اجلاس میں شرکت کے لیے کسی نئے آدمی کو نامزد کیا گیا تو شاید وہ لیری کے سوالوں کا کامیابی سے سامنا نہ کرسکے مگر وہ اس بارے میں بے بس تھا۔ ایس ٹی ایف کے چیف تک کسی کی بھی رسائی نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کرنے کا عادی تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پاس بلاتے ہوئے یہ عندیہ دے دیا تھا کہ میں چندن کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرچکا تھا اس لیے وہ اپنے ساتھ ایک اپریٹس بھی لیتا آیا تھا جو چندن کے گھر کی نگرانی کرنے والوں سے رابطے کے لیے کارگر تھا۔ اس نے ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے اپریٹس پر چارلی ون کے کوڈ پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور تفصیل سے آگاہ کردیا کہ چارلی تھری کے کوڈ سے ایک شخص بارہ بجے میدان میں اترنے والا ہے۔ ان دونوں کو چندن کے گھر سے دور اور الگ تھلگ رہ کر چارلی تھری کی ہدایات کا انتظار کرنا ہوگا۔

چارلی ون کو وہاں صرف نگرانی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی مہم جوئی اس کے لیے نئی چیز تھی۔ اسے اس کا محدود کردار سمجھانے میں اول خان کو خاصی دیر لگ گئی لیکن جب اس نے اپنی ہدایات کا سلسلہ مکمل کر کے اپریٹس آف کیا تو اس کا اطمینان [illegible]

میری اور اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اس کے آدمی کسی مرحلے پر میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔

”مجھے بہت عجیب محسوس ہورہا ہے کہ تم دونوں ایک مہم پر جارہے ہو اور میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔“ اول خان نے اپریٹس میرے حوالے کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آج کی مہم بہت آسان ہوگی۔ شاید سرے سے کوئی مزاحمت ہی نہ ہو۔ تم کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔“ میں نے اسے تسلی دی۔

”اس بھول میں نہ رہنا کہ چندن نے اپنے فلیٹ میں کسی لڑکی کو بلایا ہوا ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگا۔“ اس نے مجھے آگاہ کیا ”اگر وہ واقعی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو سوتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہے۔ ایسے لوگ رنگین مزاج اور بہت

سفاک ہوتے ہیں۔ میں اسٹیشن فور پہنچ کر تمہارے لیے دعاگو رہوں گا۔"

"تمہیں اب گھر جانا چاہیے۔ اسٹیشن فور پر تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ قیدی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کرکے ہم بھی گھر آجائیں گے۔ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا صبح کی جائے گی۔"

"تم گھر آؤ یا کہیں اور جاؤ، میں قیدی کے پہنچنے تک اپنے دفتر میں رہوں گا۔ تمہارا مشن مکمل ہونے کے بعد میں اپنے گھر یا آرام کے بارے میں سوچوں گا۔" اس نے دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارے پاس ایسے وسائل ہیں کہ گھر پر رہ کر بھی تم پل پل کے حالات سے باخبر رہ سکتے ہو....."

اول خان نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا "مشن تمہارا ہے۔ اس کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تم کو ہے۔ اب تم میرے فرائض میں دخل اندازی مت کرو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کس وقت کیا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں ان فرائض سے روگردانی نہیں کرسکتا۔"

"اول خان کی بات اصولی ہے۔" ویرا نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "دونوں اپنے اپنے کام دیکھو۔ دوسرے کے کام میں خلل مت ڈالو۔"

اس گفتگو کے بعد وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں رکا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کا دل بوجھل ہورہا تھا۔ اس وقت اسے دہری مار پڑی تھی۔ میں نے جلال کے ایما پر اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کردیا تھا۔ دوسری طرف اسے اگلے دن کے اجلاس میں نمائندگی کے سلسلے میں نظر انداز کردیا گیا تھا۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا مگر میں جانتا تھا کہ آدمی زبان سے کچھ بھی کہتا رہے، اس کی پیشہ ورانہ انا کو اسی وقت تسکین ملتی ہے جب اس کے سر پر بھاری ذمے داریوں کا بوجھ ڈالا جائے۔ اس بار ایس ٹی ایف کے بڑے نے کسی اور کو اس بوجھ کا اہل سمجھ لیا تھا۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد میں نے اپنی تیاری کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ سلطان شاہ بہت خوش تھا کہ اس بار اسے ویرا پر فوقیت دی گئی تھی۔ وہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

دونوں عورتیں بہت حوصلہ مند اور اپنی حفاظت کے معاملے میں خود کفیل تھیں پھر بھی انہیں گھر میں محصور رہنے کی ہدایات دے کر پونے بارہ بجے میں سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑکیں اس وقت دور تک خالی نظر آرہی تھیں۔ سلطان شاہ نے مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھانی شروع کردی۔

اس وقت ایس ٹی ایف کے دو آدمی میری مدد کے لیے شکار گاہ کے اطراف میں موجود تھے۔ ان سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ میں نے اپریٹس آن کرکے چارلی ون کے لیے پیغام نشر کیا تو وہ اسی لمحے لائن پر آگیا۔ ریڈیو سگنلز کے شور میں اس آواز کو شناخت کرنا مشکل تھا۔

"ہم نکل چکے ہیں اور اس وقت جیل کے قریب سے گزر رہے ہیں۔ ادھر کی کیا پوزیشن ہے.... اوور!" میں نے اپنے مخاطب سے پوچھا۔

"گھر میں سکون اور خاموشی ہے سر! روشنیاں جل رہی ہیں۔ لڑکی ابھی بھی اندر ہے۔ سی جی اس کے ساتھ ہے.... اوور!"

"واپسی پر تم ہمارے پیچھے آؤ گے۔" میں نے اسے ہدایت کی "قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی سڑک پر رک کر تم مجھ سے سامان لو گے اور پھر تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاؤ گے.... وہاں چیف صاحب تمہارا انتظار کریں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

ہمارا سفر تیزی سے جاری رہا۔ میرے ذہن میں اول خان کا بتایا ہوا نقشہ محفوظ تھا۔ ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس سے آگے نکل کر بغلی گلی میں مڑے تو رات کے بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور اس سڑک پر دور تک سناٹے کا راج نظر آرہا تھا۔

کاروباری علاقے سے ملحق ہونے کی وجہ سے دن کے اوقات میں وہ سڑک گاڑیوں کے ہجوم سے ایسی اٹی ہوئی ہوتی تھی کہ وہاں سے گزرنا محال ہوجاتا تھا مگر اس وقت وہاں ویرانی کا راج تھا۔ سڑک کے کناروں پر کہیں کہیں اکادکا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

میں اپنے بائیں ہاتھ پر عمارتیں گن رہا تھا۔ وہ شہر کا قدیم علاقہ تھا۔ وہاں کی دفتری اور رہائشی عمارتیں بھی پرانی ساخت کی تھیں۔ جدید طرز کی کثیر المنزلہ عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ وہاں اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ساتویں عمارت سے ذرا آگے گاڑی روک دی۔

اس سڑک پر آتے ہی میں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ

وہاں عمارتوں پر الگ الگ چوکیدار مامور نہیں تھے۔ علاقے کے مکینوں نے اپنے مال و اسباب کے لیے شاید کسی گشتی چوکیدار پر انحصار کیا ہوا تھا۔ جو اس وقت آس پاس نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم دونوں بیک وقت اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر گاڑی سے نیچے اترے۔ میری متجسس نگاہیں اول نمبر کے دونوں آدمیوں کی تلاش میں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن ان کا کہیں پتا نہیں تھا۔

ساتویں عمارت کے عین مقابل، چار دیواری میں گھرا ہوا ایک خالی پلاٹ گھور سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس پی ایف کے آدمیوں نے اسی پلاٹ کی تاریکی میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے مطلوبہ مکان پر آسانی سے نظر رکھ سکتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ہم ایک خطرناک زون میں داخل ہو چکے تھے جہاں ہمارا کسی حریف کی نظروں میں آنا مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ وقت کے تیز ترین استعمال کے لیے میری نگاہیں بے چینی سے ساتویں عمارت اور اس کے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ احاطے کی دیوار سے محروم ایک پرانی سی چار منزلہ عمارت تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابتدا میں تین منزلہ رہی ہوگی۔ اس کی چھت پر واقع چوتھی منزل بعد میں تعمیر کی گئی تھی کیونکہ اس کی ساخت بقیہ تین منزلوں سے یکسر مختلف اور قدرے جدید طرز کی تھی۔

بادی النظر میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اس عمارت کے داخلی زینوں کے ساتھ، ہر منزل پر دو رہائشی فلیٹ واقع تھے جو اگر کشادہ نہیں تھے تو تنگ بھی نہیں کہے جا سکتے تھے۔ کمروں کے سائز کا اندازہ سڑک کی سمت میں کھلنے والی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ہو رہا تھا۔ عمارت کی ابتدائی تین منزلوں کی اونچائی مروج معیار سے زیادہ تھی۔ اونچی چھتوں والے ان کمروں میں تازہ ہوا کی مناسب گردش کے لیے بنائے ہوئے روشن دان خاصے منفرد نظر آ رہے تھے۔

ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ روشن کھڑکیوں اور روشن دانوں پر مضبوط آہنی گرل کا جال نظر آ رہا تھا۔ اس رکاوٹ کی موجودگی میں یہ امکان نہیں رہا تھا کہ گراؤنڈ فلور پر واقع چندن کے فلیٹ کی کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ہم اطمینان سے اندر داخل ہو سکیں۔

میرے لیے زیادہ دیر تک گاڑی کے قریب کھڑا رہ کر سوچنا خطرناک تھا۔ ہم دونوں کسی نادیدہ نگہبان کی نظروں میں آ سکتے تھے۔

نقصان

ماہر نفسیات "مبارک ہو، آپ کا علاج ہو گیا۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔"

دماغی مریض "کیا فائدہ ایسے علاج کا.... آپ کے پاس آنے سے پہلے میں فرانس کا بادشاہ تھا۔ اب میں ایک عام آدمی ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں بیم گن کے استعمال کا خیال آیا۔ ہم اس کی مدد سے بہت تیزی سے کسی تاریک کھڑکی کی گرل کاٹ سکتے تھے مگر اس عمل میں کئی خطرات پوشیدہ تھے۔ رات کی گہری تاریکی میں بیم گن کی تیز نیلگوں روشنی کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔ اندھیرے میں چمکنے والی وہ غیر معمولی روشنی کسی کی بھی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتی تھی۔ وہ امکان خارج ہونے کے بعد واحد صورت یہ رہ جاتی تھی کہ چندن کے فلیٹ میں اس کے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔

میں سر کی ہلکی سی جنبش سے سلطان شاہ کو اپنی تقلید کا اشارہ کرتا ہوا عمارت کے اس راستے کی طرف بڑھ گیا جہاں سے زینے اوپری منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔ اس جگہ ایک بلب روشن تھا جو اس مختصر سی جگہ کی تاریکی دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا دروازے پر دستک دینے کا ارادہ ہے؟" میرے ساتھ بڑھتے ہوئے سلطان شاہ نے ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔

"اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔ اس خطرناک مرحلے پر یکایک میرا سکون بحال ہو چکا تھا اور شاید مزاح کی حس بھی جاگ اٹھی تھی۔

"دروازہ توڑ دو۔ اسے ہوشیار کر کے گھر میں گھسنا شامت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بات میرے ذہن میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ خاصا گنجان آباد علاقہ تھا جہاں متوسط طبقے کے قانون پسند شرفا رہتے تھے۔ اگر چندن کو زیر دام آنے سے پہلے خطرے کا ذرا بھی ادراک ہو جاتا تو وہ شور مچا کر ایک ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔ اس کی ایسی کوئی ہنگامہ آرائی ہمارا پورا

منصوبہ ٹھپ کر سکتی تھی۔

میں نے جوں ہی عمارت کی حدود میں قدم رکھا' میرے ذہن میں اچانک ایک محفوظ ترکیب آ گئی۔

وہ عمارت پوری طرح آباد ضرور تھی لیکن فلیٹوں کے مکین اپنے دروازوں پر بیٹھے ہوئے نہیں ہو سکتے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر اپنی آرام دہ خواب گاہوں میں سو چکے ہوں گے جو جاگ رہے تھے' وہ بھی اپنے گھر کی حدود میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوں گے۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی ہم دونوں کو چندن کے فلیٹ کے دروازے پر موجود پا کر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا۔

دوسری طرف چندن کے فلیٹ کی اندرونی صورت حال بھی میرے پیش نظر تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو عمر کوٹ چھوڑ کر کراچی میں رضاکارانہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے گھر ضرور جاتا تھا لیکن اس کی حرکتوں سے اس کی اوباشانہ طبیعت کا کھلا اظہار ہوتا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی کہ اس رات چندن نے اپنی دل بستگی کے لیے ایک لڑکی کو اپنے فلیٹ میں بلایا ہوا تھا۔ شراب اور شباب کی دستیابی نے اس کی سرگرمیوں کو یقینی طور پر خواب گاہ کے آرام دہ بستر تک محدود کیا ہوا ہوگا۔ ایسے میں اس کے فلیٹ کے داخلی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جاتی تو اس کے متوجہ یا ہوشیار ہونے کا امکان نہیں تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رینگ گیا۔ میں معمول کی رفتار سے راستہ طے کرتا ہوا چندن کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو میرا ہاتھ بیم گن کے سرد آہنی دستے پر جم چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر رک کر دوسرے فلیٹ کے بند دروازے اور اوپری زینوں پر نگاہ ڈالی پھر سرعت سے بیم گن کا نوزل ہضمی قفل کے کی ہول پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ چند ہی لمحوں بعد بیم گن دوبارہ میری جیب میں منتقل ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ نے احتیاط سے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس رات چندن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ اپنی کسی خوش بدن مہمان کی بھرپور پذیرائی میں ڈوب کر وہ دروازے کو اندر سے بولٹ کرنا بھول گیا تھا۔

میں نے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا۔ روشن راہداری سے کوئی متنفس نظر نہیں آیا لیکن ایک طرف سے کسی کے ابکائیاں لینے کی آواز آئی۔ چشم زدن میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ کھانے اور پینے میں بے اعتدالی چندن پر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ کہیں مدہوش پڑا قے کر رہا تھا۔ وہ گھر میں گھسنے کا بہترین موقع تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ بے آواز قبضوں پر پٹ گھومتے ہی ہمارے داخلے کی راہ ہموار ہو گئی۔ ہم دونوں پھرتی سے اندر گھس گئے۔ سلطان شاہ دروازہ بند کر کے بولٹ کرنے کے لیے رکا اور میں اتنی دیر میں ابکائی کی آوازوں کے سہارے چندن کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

کمرے میں ہلکی اور خواب ناک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کنگ سائز کی آرام دہ مسہری پر مرمریں بدن والی ایک نیم برہنہ لڑکی شرمناک حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور کمرے کی فضا الکحل اور جلتے ہوئے تمباکو کے دھوئیں کی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ قالین پر لڑھکی ہوئی اسکاچ کی خالی بوتل ان دونوں کی گزری ہوئی مصروفیات کی داستان سنا رہی تھی۔

کمرے میں اس لڑکی کے سوا کوئی متنفس نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں موندے مدہوش پڑی ہوئی تھی۔ چندن باتھ روم میں گھسا الٹیاں کر رہا تھا۔ خواب گاہ کے نرم قالین پر میں بہت تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے سے ملے ہوئے روشن غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ اپنے بدن پر صرف ایک ڈھیلا نیکر پہنے واش بیسن کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

چندن کی نم آلود آنکھوں نے واش بیسن پر لگے ہوئے آئینے میں میرا عکس دیکھا تو اس کے چہرے پر یکایک خوف کی زردی پھیل گئی۔ اس نے تیزی سے میری طرف پلٹنا چاہا مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ وہ نشے میں تھا اور میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے واش بیسن کے سامنے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کے حلق سے بس ایک مختصر سی بے معنی آواز نکلی اور پھر اس کے ہاتھ پیر جواب دیتے چلے گئے۔ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑا کر باتھ روم کے سفید ٹائلوں والے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے چندن کے بدن میں اترنے والے سریع الاثر سیال نے اسے دیکھتے ہی دیکھتے پچھاڑ دیا تھا۔

میرے لیے چندن کا وہ انجام اتنا پُریقین تھا کہ میں نے اسے چھونے یا چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے فارغ ہو کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف پلٹا تو سلطان شاہ بہت برے برے منہ بناتا ہوا چندن کی خوش بدن مگر بے شرم مہمان کے برہنہ تن کو چادر سے ڈھانپ رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"وہ مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے تو بلاوجہ اس سے کیوں چھیڑچھاڑ کررہے ہو؟" میں نے دانستہ سلطان شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ چندن کے فلیٹ میں گھسنے سے پہلے میں جس شدید اعصابی دباؤ میں مبتلا تھا' وہ یکایک ختم ہوچکا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس مشن کے اصل حریف کے زیر ہوتے ہی میری ظرافت کی سوئی ہوئی حس بیدار ہوچکی تھی۔

"میں چھیڑرہا ہوں!" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دبی دبی سرگوشی کی "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ بے شرم کیسی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔"

"تم درست کہہ رہے ہو" میں نے دھیمی آواز میں اطمینان سے جواب دیا "میں نے بھی اسے دیکھا تھا مگر بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کردیا اور اپنے اہم شکار کی طرف بڑھ گیا۔ تم نے اسے دیکھا تو بس اسی میں الجھ کررہ گئے۔"

"اسے بھی کسی نہ کسی کو دیکھنا تھا۔" سلطان شاہ نے لڑکی کی برہنہ پنڈلیوں پر چادر کا ایک گوشہ ڈالتے ہوئے اس بار قدرے بے پروائی سے جواب دیا "ہم دونوں ایک شکار پر پل پڑتے تو یہ سراسر وقت کا ضیاع ہوتا۔"

"چندن بے ہوش ہوچکا ہے۔ اب ہمیں ان دونوں کو یہاں سے نکال کر گاڑی میں پہنچانا ہے" وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے اپنے مذاق کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ میری دانست میں وہ اگلا کام اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔

"میں چندن کو کندھے پر لادلیتا ہوں۔ تم لڑکی کو اٹھالو" سلطان شاہ نے جھٹ تجویز پیش کردی۔

میرے سرسری مذاق کے جواب میں اس کی وہ تجویز بری نہیں تھی۔ لڑکی کے نازک سراپا کے مقابلے میں چندن کا وجود خاصا بھاری تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا اور میں چندن کی بے ہوشی کے بعد والی صورتِ حال کا ذہنی تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

ہم اس گلی کی ساتویں عمارت کے زیریں فلیٹ میں موجود تھے۔ ہماری گاڑی عمارت کے قریب موجود تھی اور عمارت کے گرد کوئی احاطہ نہیں تھا' باہر دھندلائی ہوئی ناکافی روشنی بلکہ بڑی حد تک تاریکی کا راج تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اور شہر کے کاروباری علاقے کے قلب میں رہنے والے بیشتر شرفا اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے۔ باہر کسی گشتی چوکیدار کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ کم ہی تھا کہ کوئی ہمیں دو بے حس و حرکت ہیولوں کے ساتھ چندن کے فلیٹ سے نکل کر گاڑی تک جاتے ہوئے دیکھ لیتا اور شور مچادیتا۔ ایسی کوئی نازک پوزیشن پیدا ہونے کی صورت میں تاریک پلاٹ کے احاطے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے کارکن ہماری مدد کے لیے میدان میں کود سکتے تھے۔ وہ پیشہ ور لوگ تھے۔ لڑنے بھڑنے اور صاف بچ نکلنے کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہوائی فائرنگ کرکے یا کسی اور حرکت کے ذریعے ایسی ہڑبونگ مچاسکتے تھے کہ ہمیں اپنی کار تک پہنچنے میں کسی مداخلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

میں نے سلطان شاہ کے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ برہنہ لڑکی کو میں بستر کی چادر میں سمیٹ کر آسانی سے باہر لے جاسکتا تھا۔ اسی لمحے میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم فرشی قالین میں گڑ کررہ گئے۔

میں بیم گن سے دروازے کا قفل کاٹ کر فلیٹ میں داخل ہوا تو لڑکی چندن کی پلائی ہوئی شراب اور اپنے شباب کے نشے میں اتنی مدہوش تھی کہ اسے فلیٹ میں ہم دونوں کے داخلے کا علم ہوسکا تھا نہ وہ ہمیں دیکھ لینے کے قابل تھی۔ وہ ایک آبروباختہ اور شاید پیشہ ور لڑکی تھی جو چندن کا دل بہلانے کے لیے اس رات وہاں آئی ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ فلیٹ میں کون لوگ آئے تھے اور چندن کو کیوں اٹھاکر لے گئے۔ وہ سوفیصد ایک غیر متعلقہ فریق تھی جو محض اپنی بدقسمتی کی وجہ سے وہاں آن پھنسی تھی۔ ہمیں اپنے کام کے سلسلے میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ اسٹیشن فور کے اہل کاروں کے لیے وبال بن سکتی تھی۔

میرے خیالات کی دوسری رو اتنی قوی تھی کہ میں نے اسی لمحے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ سلطان شاہ باتھ روم کے دروازے پر کھڑا میرے اشارے کا منتظر تھا۔ میں لڑکی کو بھول کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میں لڑکی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا" مجھے باتھ روم کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ مچل گیا "اسے تم اٹھاکر لے جاؤ گے۔"

"بک بک مت کرو" میں نے نیچی آواز میں اسے ڈانٹا "لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد کسی کو کچھ نہیں بتاسکے گی۔"

"تم آگے چلو' میں بے ہوش مرد کو کندھے پر لاد کر لاتا ہوں" سلطان شاہ نے مستعدی سے کہا۔

لڑکی کا کانٹا دور ہو جانے کے بعد چندن کو پشت پر لاد کر باہر لے جانا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے صفائی سے اپنی گاڑی کی پچھلی نشست تک لے جاسکتے تھے۔ کوئی ہماری جھلک دیکھ بھی لیتا تو یہ سمجھ کر نظرانداز کر دیتا کہ دو مددگار کسی مریض یا شرابی کو سہارا دے کر عمارت سے لے جا رہے ہیں۔

چند لمحوں میں چندن کا وجود ہمارے شانوں کے سہارے درمیان میں جھول رہا تھا۔ ہم دونوں نے پیش قدمی شروع کی تو چندن کے بے جان پیر فرش اور پھر قالین پر نرمی سے گھسٹ رہے تھے۔

نکاس کے دروازے کے قریب میں ذرا آگے نکل کر ترچھا ہو گیا۔ فلیٹ چھوڑنے سے پہلے میں نے لحہ بھر کے لیے اپنا سر دروازے سے باہر نکال کر عقابی نظروں سے قرب وجوار کا جائزہ لیا اور میدان صاف پا کر آگے بڑھ گیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں کنکریٹ کے فرش پر چندن کے ننگے پیر گھسٹنے کی آواز خاصی نمایاں تھی۔ چندن کا قد ہم دونوں سے خاصا دبتا ہوا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو ہدایت کی "اسے اوپر اٹھاؤ۔ پیر زمین پر نہ لگنے پائیں۔"

اس نے چند ثانیوں کے لیے رک کر زور لگایا۔ میں نے بھی کوشش کی مگر ہم دونوں اس وزنی لاش کو فضا میں معلق نہ کر سکے۔

زینوں والے بند اور قدرے روشن گلیارے سے کھلی فضا میں نکلتے ہی میرا بدترین اندیشہ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آگیا۔

اس عمارت میں کوئی چوکیدار نہیں تھا مگر علاقے میں رات کو گشت کرنے والا چوکیدار دور سے چلا آرہا تھا۔ داہنی طرف دور سے سڑک پر اس کے ڈنڈے کی آواز آرہی تھی۔

"تیز چلو" میں نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "اس کے پہنچنے اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

ہم عمارت سے نکل کر بائیں طرف کھڑی ہوئی کار کی طرف مڑے تو چوکیدار ٹھیک ہماری پشت پر تھا۔ اس سڑک پر پھیلی ہوئی دھندلی روشنی میں شاید اس نے دور ہی سے دو افراد کے کندھوں پر جھولتے ہوئے تیسرے آدمی کو دیکھ لیا جس کے بدن پر کپڑوں کے نام پر صرف ایک نیکر نظر آرہا تھا۔ پختہ سڑک پر چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈا مارنے کی آوازوں میں یک بیک تیزی آگئی اور اسی کے ساتھ میرے تنفس کی رفتار بڑھنے لگی۔

میں نے رک کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے اور مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس پوری قوت مجتمع کر کے چند قدم دور کھڑی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت وہ مختصر سا فاصلہ مجھے میلوں پر محیط نظر آنے لگا تھا۔ میری شدید ترین خواہش تھی کہ اس کارروائی میں کوئی بے گناہ ہمارے ہاتھوں مجروح نہ ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ امکان تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔

مشتبہ صورتِ حال نے شاید چوکیدار کے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا اور اس کے قدموں کی قریب آتی ہوئی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اس نے سڑک پر ہماری طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

ہم اپنی کار تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے دروازے ہم نے دانستہ مقفل نہیں کیے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اس فرض شناس اور بے جگر چوکیدار پر لعنت بھیجی اور پچھلا دروازہ کھول کر چندن کے جسم کو بے دردی سے اندر ڈال دیا۔

سلطان شاہ اپنے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہی تقریباً دوڑتا ہوا گاڑی کے گرد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک فضا میں ٹھک کی ایک دبی دبی مگر واضح آواز سنائی دی' فضا میں ایک انسانی کراہ گونجی اور کوئی بھاری وجود دھم سے زمین پر گر گیا۔

پیچھے سے آنے والی وہ علامتی آوازیں اس قدر پُراسرار تھیں کہ میں بے ساختہ پیچھے مڑنے پر مجبور ہو گیا۔

چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈے کی آوازیں یکایک مفقود ہو چکی تھیں۔ وہ ایک سکڑے ہوئے وجود کی صورت میں ہم سے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر سڑک کے کنارے پڑا ہوا تھا اور ایک دبلا پتلا شخص اپنے ہاتھ میں رائفل لیے دبے قدموں سے تاریک پلاٹ کے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلح اور منحنی شخص نے کسی بندر کی سی پھرتی سے احاطے کی دیوار عبور کی اور پھر اندر کی تاریکی اسے نگل گئی۔

محاذ پر پیدا ہونے والی ہلچل ختم ہو چکی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کے کسی چھپے ہوئے کارکن نے چوکیدار کو ہم سے دور رکھنے کے لیے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل کر اس کی کھوپڑی پر اپنی آہنی رائفل کا دستہ بجا دیا تھا۔

میرے لیے قیدی کے ساتھ وہاں رکنا خطرناک تھا۔ جو

کچھ ہوا تھا' وہ ہمارے حق میں تھا۔ میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی گاڑی نے تیزی سے یوٹرن لیا اور پھر اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

بے چارہ چوکیدار بدستور سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کا موٹا اور لمبا ڈنڈا لڑھک کر اس سے دور چلا گیا تھا۔

"یہ کون پڑا ہوا ہے؟" چوکیدار کے قریب سے گزرتا ہوا سلطان شاہ تحیرزدہ آواز میں سوال کر بیٹھا۔ شاید وہ چندن کو سنبھالنے میں اتنا زیادہ منہمک تھا کہ اس نے اپنے عقب سے آنے والے صوتی تاثرات پر سرے سے دھیان نہیں دیا تھا۔

"گلی میں گشت کرنے والا رات کا چوکیدار معلوم ہوتا ہے" میں نے پیکٹ میں سے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"یہ اندازہ اس کے موٹے اور بھاری ڈنڈے سے میں نے بھی کرلیا تھا۔ وہ سڑک پر بے سدھ کیوں پڑا ہوا ہے؟ اسے کس نے ماردیا؟"

"پتا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا" میں نے مختصر سا جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوکیدار کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' مجھے بھی اس کا صحیح علم نہیں تھا۔ جو کچھ تھے میرے اندازے تھے۔ میں ان اندازوں کی بنا پر کوئی جواب دے کر بات کو طول نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا تھا' اس کا صحیح جواب اول خان ہی دے سکتا تھا مگر میں اپنے قیاسات کی بنا پر دل میں ایس ٹی ایف والوں کی مستعدی کا معترف ہوچکا تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے' بروقت حرکت میں آتے تھے اور دشمن پر کاری ضرب لگا کر لوٹ جاتے تھے۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ کبھی کسی مہم میں ان کی شمولیت یا مداخلت کی وجہ سے مجھے کسی خسارے سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ اس وقت بھی ان کا کوئی آدمی غیبی تائید کی صورت میں اچانک نمودار رہا تھا۔ اگر علاقے کا چوکیدار ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا تو خاصی الجھن اور بدمزگی پیدا ہوسکتی تھی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ ہماری کارروائی کا ایک چشم دید گواہ پیدا ہوجاتا' جس کے ذریعے چندن کے پُرتشدد اغوا کی کہانی آناً فاناً پھیل سکتی تھی۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" مین روڈ پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"تمہارے سوال کا صحیح جواب اول خان سے ملاقات ہونے پر مل سکے گا" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس اس کا دیا ہوا ایرپیس موجود ہے۔ اس پر چارلیوں سے بات کیوں نہیں کرلیتے۔"

میں کام میں الجھ کر چارلی ون اور ٹو سے رابطے کی سہولت کو سرے سے نظرانداز کر بیٹھا تھا۔ اس کے یاد دلاتے ہی میں نے ڈیش بورڈ کے نچلے خانے سے ایرپیس نکالا اور اس پر چارلی ون کے لیے پیغام نشر کردیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میرا کوڈ چارلی تھری مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف سے بلا تاخیر جواب مل گیا "چارلی ون سر! ہم لوگ آپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ درمیان میں کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔ ہماری گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس آپ کو اپنے عقب نما آئینے میں نظر آرہے ہوں گے۔۔۔ اوور!"

ایرپیس سے ابھرنے والی آواز سلطان شاہ کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر چارلی ون کی بات کی تائید کرڈالی۔

"ویری گڈ!" میں نے سلطان شاہ کا جواب سننے کے بعد کہا "اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ چوکیدار کے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"سر! آپ لوگوں کے باہر آنے سے پہلے ہی ہم نے اس کا ڈنڈا بجانے کی آواز سن لی تھی اور اس کو عمارت کی طرف آتا ہوا دیکھ کر مضطرب ہوگئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کی تو میں نے اسے وہیں روک دینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ بہت گڑبڑ پھیلا سکتا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کے پیچھے پہنچ کر سر پر رائفل کی بٹ سے ضرب لگائی اور کام بن گیا۔ وہ آپ سے ٹکرا جاتا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔"

"تم دونوں کہاں چھپے ہوئے تھے؟" میں نے اس سے وہ رسمی سا سوال بھی پوچھ ہی لیا۔

"ساتویں بلڈنگ کے سامنے ایک ویران پلاٹ کے اندھیرے میں ہم نے پناہ لی تھی۔"

"اوکے۔ تم اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ قیدی کو تمہاری گاڑی میں ڈالنے کا پروگرام اب ختم سمجھو" میں نے وہ آخری ہدایت دے کر سلسلہ وہیں ختم کردیا۔

"کیا قیدی کو اسٹیشن فور کے بجائے صدف مینشن لے جانا چاہ رہے ہو؟" ایرپیس پر بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"تمہارے ذہن میں یہ اچھوتا خیال کیسے آگیا؟" میں

نے پر مزاح انداز میں پوچھا۔

"قائداعظم کے مزار کے پیچھے چندن کو ان کی گاڑی میں منتقل کرنے کا پروگرام تم نے کسی وجہ سے منسوخ کیا ہوگا۔"

میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے کہا "چندن گرنانی سے بازپرس کے لیے صدف مینشن اس شہر کی بہترین عمارت ہے' وہاں ملزموں سے پوچھ گچھ کے لیے تشدد سے کہیں زیادہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جاتا ہے جس کے لیے خصوصی عملہ موجود ہے۔ میں نے ان کے ساتھ وقت گزار کر ان کے طور طریقوں کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ اندر کے بھیانک اور نیم تاریک آسیبی ماحول میں گھستے ہی آدمی کا دل بیٹھنا شروع ہوجاتا ہے۔"

"تم نے صدف مینشن کی بات شروع کردی' میں چندن کی پوزیشن جاننا چاہ رہا تھا" اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔

"میں تمہیں پورا پس منظر سمجھانا چاہ رہا ہوں تاکہ تم اس موضوع پر بار بار سوالات کرکے مجھے تنگ نہ کرو" میں نے ترشی سے جواب دیا "مجھے انتخاب کرنے کا موقع میسر ہوتا تو میں چندن کو سیدھا صدف مینشن لے جاتا لیکن جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تاکہ بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے بچ سکے۔ یہ مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اپنے قیدی کے لیے اسٹیشن فور کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"تو اب تم خود اسٹیشن فور تک دوڑ لگانے کا ارادہ کرچکے ہو؟" اس نے دوبارہ قطع کلامی کی۔

"جب اول خان قیدی کے انتظار میں' اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وہاں بیٹھا رہ سکتا ہے تو ہمیں وہاں جانے میں کیا قباحت ہے؟"

"کچھ بھی نہیں" وہ میرے جارحانہ لہجے پر بوکھلا گیا "اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خود قیدی کو اس کے پاس لے جائیں۔"

"میرے فیصلے کا اخلاق سے دور کا بھی سروکار نہیں ہے۔ ایسے کاموں میں اخلاقیات پر غور کرنے والے بے دردی سے ماردیے جاتے ہیں۔ چندن ہاتھ آگیا ہے تو اب میں جلد از جلد اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔ شاید اول خان بھی اسی نیت سے اپنے دفتر میں جما ہوا ہے۔"

سلطان شاہ نے واپسی کے لیے ایم اے جناح روڈ کے بجائے شارع فیصل کا راستہ لینا پسند کیا۔ مجھے اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ چندن پچھلے حصے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا اور میرا ذہن آنے والے حالات وواقعات میں الجھا ہوا تھا۔

رات گئے شہر کی معروف سڑکیں بھی خالی خالی نظر آرہی تھیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں اسٹریٹ لائٹس کی تیز روشنی اور ہورڈنگز کی چکاچوند شہر کی خوبصورتی کو اجاگر کررہی تھی مگر کراچی کے باسی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اوپری لیپاپوتی باہر سے آنے والے مہمانوں کی دلفریبی کے لیے تھی ورنہ پرانے اور نئے شہر کے بہت سے علاقے ہروقت گندگی' سیلن اور تاریکی کی آماجگاہ بنے رہتے تھے۔

سلطان شاہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے ہوتا ہوا شاہراہ قائدین پر نکلا اور پھر قائداعظم کے مزار کی عقبی سڑک پر ہولیا۔ وہ وہی مقام تھا جہاں ہمیں اپنے متروک پروگرام کے تحت رک کر قیدی کو اول خان کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا۔

شہر کے باسیوں کے لیے رات گہری ہوچکی تھی مگر سبزی منڈی پر زندگی کی ساری چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ دور دراز کے زرعی علاقوں اور مضافات سے پھل اور سبزیاں لانے والے بھانت بھانت کے ٹرکوں نے ٹریفک کے قوانین کی پروا کیے بغیر یونیورسٹی جانے والی سڑک تقریباً بند کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح خود کلامی کے انداز میں پک اپ اور ٹرک والوں کو برا بھلا کہتا اپنا راستہ بناتا رہا۔

آخر کار ہم اپنے گھر کے قریب سے گزر گئے۔ راستے بھر مجھے بس ایک خوف دامن گیر رہا تھا کہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا نہ ہوجائے۔ ہم اپنی گاڑی میں اوپری تن سے برہنہ چندن کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتے تھے۔ حسن اسکوائر کے چوراہے سے آگے نکلتے ہی میرا وہ خوف یکلخت کافور ہوگیا۔ پولیس کے خوف میں مبتلا ہوکر میں یہ بات بالکل فراموش کر بیٹھا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی اپنی نئی کرولا میں ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے ان کی موجودگی کافی تھی۔

ایس ٹی ایف والے فوجی تھے نہ شہری' ان کے وجود سے لے کر ان کی سرگرمیوں تک' سب کچھ اس قدر خفیہ تھا کہ ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ نہیں تھا پھر بھی سینہ گزٹ کے ذریعے چلنے والی زبانی ہدایتوں کی بنا پر ایک خصوصی درجے کے ہر انتظامی افسر کو ان کا غائبانہ تعارف حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف والے جب بھی کہیں کھل کر سامنے آتے تھے تو ہر نفری ان کی موجودگی کا احترام کرتے ہوئے موقع سے ٹل

جانے کو ترجیح دیتی تھی۔

یونیورسٹی روڈ ختم ہوگیا۔ ہم صفورا گوٹھ سے آگے نکل کر چھاؤنی کی حدود کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے ہمیں ایک ملٹری چیک پوسٹ سے گزرنا تھا۔

معاً میرے ٹرانسمیٹر پر چارلی ون کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ میں نے اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی گاڑی ہم سے آگے نکال لے جانے کے خواہاں تھے تاکہ چیک پوسٹ پر وقت ضائع نہ ہو۔ ہم رکے بغیر‘ ان کے پیچھے چیک پوسٹ سے گزر جائیں۔

میں نے اس تجویز سے فوری اتفاق کرلیا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کی اور اسے بائیں طرف دبالیا۔ ایس ٹی ایف والوں کی کرولا زن سے ہم سے آگے نکل گئی۔

ایس ٹی ایف کے اہل کار فوجی جوانوں کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ وہ رکے بغیر‘ محض رفتار قدرے کم کرکے آگے نکل گئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے ان میں سے کسی نے فوجی سنتری کو ہماری گاڑی کے بارے میں بتادیا تھا اس لیے ہمارے گزرنے تک رکاوٹ اٹھی رہی۔ فوجی نے بھی ہمیں ہاتھ کے اشارے سے گزر جانے کا سگنل دے دیا تھا۔

جس طرح فوج میں کور اور ڈویژن سے لے کر یونٹ کی سطح تک ہر چھوٹے بڑے گروپ کا اپنا حفاظتی نظام ہوتا ہے اسی طرح ملٹری چیک پوسٹ سے آگے ہر حسّاس علاقے میں داخلے کے لیے شاید جابجا رکاوٹیں موجود تھیں مگر ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ ہمیشہ کی طرح ہمارے لیے کھلی ہوئی تھی۔

کھلے میدان میں گونجنے والی انجنوں کی آوازیں دور سے بیرکوں میں سنی جارہی تھیں۔ ہماری گاڑیاں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچیں تو وہ پہلے سے اپنی بیرک کے برآمدے میں کھڑا ہمارا انتظار کررہا تھا۔ اس سے ہماری آخری ملاقات کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا مگر وہ مجھ سے یوں تپاک سے ملا جیسے برسوں بعد ہماری ملاقات ہورہی ہو۔

وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے دفتر کی طرف لے گیا۔ اس کے آدمی اسے فوجی سلام کرکے ہماری گاڑی میں پڑے ہوئے قیدی کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ قیدی کو اپنے ٹھکانے پر لانے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟

”تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے آدمیوں کے ساتھ ہم یہاں کیوں چلے آئے“ میں نے اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے قدرے حیرت سے کہا۔

”میں خود چندن کے انتظار میں یہاں نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو تم سے سوال ضرور کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ تجسس تمہیں چین سے گھر نہیں بیٹھنے دے گا۔ تمہاری اور چارلی ون کی گفتگو میرے ریڈیو روم میں سنی گئی تھی اور مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ تم یہاں آرہے ہو۔“

میں نے محسوس کیا کہ پچھلی ملاقات کے مقابلے میں اس وقت اول خان کا موڈ خوشگوار تھا لیکن میں اس سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کرکے اس کی انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ را اور امریکی سی آئی اے کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے وہ عقدہ خود بخود کھل گیا۔ ایس ٹی ایف کے باس نے خود فون کرکے اول خان کو ہدایت کی تھی کہ وہ صبح چیف کلرک لیری کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں ایس ٹی ایف کی غیر رسمی نمائندگی کرے۔

اپنے پچھلے تجربے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اول خان نے اپنے باس سے یہ اجازت لے لی تھی کہ اگر وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکے۔

”اب چندن کب تک ہوش میں آئے گا؟“ میں نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

”اس پر زہر کے توڑ آزمائے جارہے ہوں گے۔ کسی بھی لمحے کوئی خوش خبری مل سکتی ہے“ اول خان نے بتایا۔

”میرا خیال ہے کہ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا ہم دونوں کو خود کرنی چاہیے“ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا ”تم فکر نہ کرو۔ یہ نیک کام ہم ہی سرانجام دیں گے۔ میرے آدمی صرف اسے ہوش میں لانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنی آنکھیں کھولے گا‘ میرے آدمی مجھے خبر کردیں گے اور ہم اس کے سر پر مسلّط ہوجائیں گے۔“

”پھر ٹھیک ہے“ میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ اول خان کے کرسیوں والے کرخت مردانہ دفتر میں وہ نرم صوفہ نیا اضافہ تھا۔

”ابھی تک کسی کو کانوں کان بھی بھنک نہیں ملی ہے کہ چندن پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل ہونے والی ہے“ اول خان نے اپنے اردلی کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا ”میرا خیال ہے کہ صبح تک ہر طرف یہی بے خبری چھائی رہے گی۔“

”شاید اتنی دیر تک یہ خبر صیغہ راز میں نہیں رہے گی“ مجھے اس کی رائے سے اختلاف تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔

”اسے تم خاموشی سے اٹھا لائے۔ چوکیدار کو کسی مداخلت کا موقع نہیں مل سکا اور اسے ڈھیر کردیا گیا۔ صبح سے پہلے کس کو معلوم ہوگا کہ چندن غائب ہوچکا ہے؟“

”تم اس کی گرل فرینڈ کو بھول رہے ہو....“ میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

”اوہ.... اسے تو میں بھول ہی گیا‘ اس کا کیا حشر ہوا؟“

”اپنا حشر وہ خود خراب کرچکی تھی۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی“ یہ کہہ کر میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی ”اس کا بدن بے لباس تھا۔ سلطان شاہ نے بس اتنا کیا کہ اس کے ننگے بدن کو چادر سے ڈھانپ دیا۔“

”ہوں....اوں!“ اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سرہلا کر ایک طویل ہنکارا بھرا اور بولا ”وہ لڑکی خبر پھیلا دے گی۔“

”اس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے“ سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ”اگر وہ بے غیرت مسلمان تھی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں بھی نظر آئی‘ اس کا نرخرا دبادوں گا۔ بعد میں جو ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔“

”اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا ”اس بات پر تاؤ کھانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایک مسلمان لڑکی کسی غدار ہندو کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ آوارہ مردوں اور عورتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اس جھنجٹ میں پڑے بغیر صرف اور صرف جذبات سے بھٹکتے ہوئے جوان جسموں کے طلب گار ہوتے ہیں یا دولت کے حریص۔ ان دو کے سوا انہیں کسی تیسری بات سے غرض نہیں ہوتی۔ مذہب کی بنیاد پر کسی کی آوارگی پر مشتعل ہونا سراسر غلط ہے۔ آوارگی کسی کی بھی ہو‘ قابلِ نفرت ہے۔“

”خوب!“ اول خان نے ہولے سے دوبار تالیاں بجائیں ”تم اچھی تقریر کرلیتے ہو۔ لڑکی کے بارے میں میری بات رہ گئی۔“

”میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھا تھا کہ بعد میں دروازہ بند کردیا جائے“ میں نے اسے بتایا ”مگر وہ لڑکی رات بھر بے ہوش نہیں رہے گی۔ رات میں کسی وقت اس کا نشہ اترے گا تو وہ اپنے بوائے فرینڈ کو گھر سے غائب پاکر پریشان ہوجائے گی۔ وہ دیوانہ وار اسے ڈھونڈے گی۔ ناکامی کے بعد اپنا سامان سمیٹ کر خاموشی سے وہاں سے فرار ہوجائے گی تاکہ چندن کی گمشدگی کے سلسلے میں اس پر کوئی الزام نہ آسکے۔“

”الزام نہ بھی آیا تو اسے تفتیش میں ضرور شامل کیا جائے گا اور چھوٹے اخبار تصویروں کے ساتھ اس کا نام اچھالیں گے۔“ سلطان شاہ بولا۔

”پھر چندن کے اغوا کی خبر کون پھیلائے گا؟“ اول خان کا وہ سوال منطقی تھا۔

”چوکیدار ہوش میں آتے ہی پورے محلے میں اودھم مچادے گا اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت تک چندن کی گرل فرینڈ اس کے فلیٹ میں ہو یا جاچکی ہو‘ پڑوسیوں کی مدد سے یہ بات کھل جائے گی کہ چندن اپنے فلیٹ سے غائب ہے“ میں نے جواب دیا۔

”کھل جائے.... اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسے تم اٹھالائے ہو۔“

اسی وقت اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا اور ہم تینوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

ہم جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ہمارے قیاسات پر مبنی تھا۔ اصل حالات وقت گزرنے کے ساتھ واضح ہوسکتے تھے۔ چندن کے ہوش میں آنے کے انتظار میں ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے لیکن میں اس دوران میں بھی ان سوالات کو اپنے ذہن میں یک جا کررہا تھا جو چندن سے پوچھے جانے تھے۔

چندن کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا اور پاکستانی شہریت کا حامل تھا۔ حب الوطنی کا جذبہ اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اسی وجہ سے دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے بڑے افسران رازدارانہ مراسلت کے لیے اس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرتے تھے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے را کے نیٹ ورک میں چندن گرنانی کی جو بھی حیثیت رہی ہو‘ ایک بات طے تھی کہ اس کے فون یا فیکس پر کوئی غیر معمولی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

وہ میرا اندازہ نہیں تھا بلکہ حقائق اس کی تصدیق کررہے تھے۔ وہ پوری بے فکری کے ساتھ ایک بیمار ہندو وکیل کا فون نمبر چرا کر استعمال کررہا تھا۔ اس نمبر پر وہ صرف مخصوص اوقات میں کالز وصول کرتا تھا۔ غیر متعلقہ کالز سے بچنے کے لیے اس نے یہ اصول اپنایا ہوا تھا کہ بارہ گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاتا تھا۔ اسے کوئی غیر معمولی مواصلاتی

تحفظ دستیاب ہوتا تو اسے بارہ گھنٹیوں والی شرط عائد کرنے اور دوسرے کا فون چرا کر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب میں نے چندن کے گھر فون کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ وہاں پائی جانے والی صورتِ حال کے بارے میں کچھ اندازہ لگا سکوں۔ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسی نے میرے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا اور میں نے اول خان کی میز پر رکھا ہوا فون اپنے قریب کھسکا لیا۔

ریسیور میں پہلی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ریسیور اٹھالیا گیا۔

چندن گھر پر نہیں تھا۔ کسی اور کو بارہ گھنٹیوں والے اصول کا علم نہیں تھا۔ وہاں جو کوئی بھی تھا اس نے تجسّس، اضطراب اور نامعلوم خوف سے مغلوب ہو کر دوسری گھنٹی پر فون کا ریسیور اٹھالیا تھا پھر میرے کان میں ایک سرسراتی ہوئی، خوف زدہ نسوانی آواز گونج اٹھی "ہیلو۔۔۔ !کون بول رہا ہے؟" آواز میں خمار کے گہرے اثرات رچے ہوئے تھے۔

"تمہارے منحوس عاشق کا والد بزرگوار!" میں نے تلخی سے کہا "تم اب تک وہیں مری ہوئی ہو۔"

شراب کے اثرات اس کے ذہن سے صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ میرے پُر اعتماد لب ولہجے سے نہ جانے کیا سمجھی کہ مرعوب ہوگئی اور ریسیور پر اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ میں یہاں پھنس کر رہ گئی ہوں۔ باہر گڑبڑ ہوگئی ہے۔ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اگر تم کچھ کرسکتے ہو تو رام کے لیے جلد از جلد یہاں آکر مجھے نکال لو۔ میں بھول کر بھی دوبارہ چندن سے نہیں ملوں گی۔"

اس نے بھول کر بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ چندن اس وقت کہاں اور کس حال میں تھا۔ نشے کی گرفت میں ہونے کے باوجود اسے صرف اپنی فکر تھی۔ دوسری اہم تر بات یہ ہوئی کہ میں اس کی زبان سے رام کا نام سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشتعال سے روکنے کے لیے مذہب اور آوارہ مزاجی کے حوالے سے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا مگر چندن کی گرل فرینڈ کی زبان سے رام کا لفظ سنتے ہی میری تجسّس کی رگ بھڑک اٹھی اور میری زبان بے ساختہ چل پڑی "تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون ہو؟"

"میرا نام شہزادی ہے، میں ایک غریب ہندو لڑکی ہوں۔" اس نے درمیان میں میلوں فاصلہ ہونے کے باوجود گویا میرا ذہن پڑھ کر جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈک کی ایک فرحت انگیز سی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس سے مجھے مزید کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے فون کرنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ مضروب چوکیدار کے کھڑے کیے ہوئے ہنگامے کی وجہ سے شہزادی، چندن کے فلیٹ میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔

"جس طرح بھی ہوسکے وہاں سے نکل بھاگو ورنہ آدھے گھنٹے بعد تم زندہ نہیں رہو گی۔" میں نے ڈراؤنی آواز میں اسے دھمکایا۔

"تت ۔۔۔ تم کون ہو؟ چچ ۔۔۔ چندن کہاں ہے؟" میری دھمکی سن کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پہلی مرتبہ ڈھنگ کے سوال کیے۔

میں نے اس کے سوالوں کے جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔

"کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ پر تجسّس انداز میں پوچھ بیٹھا۔

مجھے اس کے سوال کا سبب معلوم تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش سی تھی جو محض نام سے دور نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ ایک عام سا نام تھا جو مذہب کی عکاسی نہیں کرتا۔ کئی مسلمان شہزادیوں کے سوا میرے ذہن میں اس بانکی عورت کی یاد بھی تازہ تھی جو نام کی شہزادی ہی تھی مگر داؤد کے دفتر میں صفائی کا کام کرتی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "غصہ تھوک دو۔ اس کا نام شہزادی ہے اور وہ ہندو ہے۔ چندن نے مرنے سے پہلے جو کچھ کیا، اپنی ہم مذہب کے ساتھ کیا۔ تم کو اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"حیرت ہے کہ وہ لڑکی بہت جلد ہوش میں آگئی۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ بارہ کیا، پچاس گھنٹیوں کے بعد بھی تمہیں چندن کے فلیٹ سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"شبہ مجھے بھی تھا مگر حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میری کوشش بار آور ثابت ہوئی۔"

"لڑکی سے بات کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے مذہب کے بارے میں جان کر تمہارے دل کی پھانس نکل گئی۔ دوسری طرف ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اب یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چندن کے سرپرستوں کو صبح ہونے سے پہلے

اس کے اغوا ہو جانے کی خبر مل جائے گی۔" میں نے کہا۔
"ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوگا۔ یہ بات طے ہے کہ صبح کے آف دی ریکارڈ اجلاس میں لیری کسی بڈھے طوطے کی طرح وہی باتیں دہرائے گا جو را اور سی آئی اے کے مفاد میں جاتی ہیں۔ اجلاس میں کچھ تلخی ترشی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد چندن کے اغوا کی خبر نکلتی تو بھارتی اسے کسی انتقامی کارروائی کا نام دے سکتے تھے۔" اول خان نے کہا۔
"وہ تنگ نظر اور متعصب ہیں۔ اب بھی کچھ نہ کچھ گند پھیلائیں گے۔" سلطان شاہ نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔
"گند اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان اس گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا "اس وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک مقامی ملازم ہماری قید میں موجود ہے۔"
"اسے بھارتی قونصل خانے کا مقامی ملازم نہیں، پاکستان کا غدار کہو۔" سلطان شاہ نے نفرت اور حقارت سے جواب دیا اور جذباتی انداز میں فرشی قالین پر ہاتھ مار کر اپنی بات جاری رکھی "اس زمین نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، ہم اپنی جانیں نثار کر کے بھی اس کا کوئی حصہ نہیں لوٹا سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مٹی کا قرض اتارنے کے بجائے اسی مٹی کے سودے چکانے لگتے ہیں۔"
"چندن سے ملو گے تو یہ باریکی بھی تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" میں نے نرمی سے کہا اور سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور کے گارڈ روم سے اردلی کے ذریعے یہ خبر آئی کہ قیدی ہوش میں آرہا تھا۔
ہم تینوں اس اہم ترین خبر کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ چندن کے ہوش میں آجانے کے بعد ہمارے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اول خان کی قیادت میں ہم بیرک کے اس مخصوص کمرے کی طرف چل دیے جہاں چندن کو لے جایا گیا تھا۔
عام حالات میں فوجیوں کے معمولات بہت لگے بندھے ہوتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا آغاز صبح سویرے ہو جاتا ہے۔ اس لیے فوجی آبادیوں اور چھاؤنیوں میں رات کا سکوت جلد ہی اتر آتا ہے۔ اس وقت ایس ٹی ایف کے پورے کیمپ میں روح پرور سناٹے اور خاموشی کا راج تھا مگر اول خان کے دفتر والی بیرک کے آخری سرے پر خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

ان دنوں ایس ٹی ایف والے کسی وردی کے بجائے عام شہری لباس استعمال کر رہے تھے مگر اس لباس میں بھی ایسی خوش گوار یکسانیت تھی کہ مجھ جیسے قریبی لوگ انہیں دور سے پہچان سکتے تھے۔ ان میں سے تین افراد اپنے بھرے ہوئے ہتھیار ہاتھوں میں لیے برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے ایڑیاں بجا کر اپنے چیف کو سیلیوٹ کیا اور اول خان انہیں جواب دیتا ہوا کھلے ہوئے اکلوتے دروازے میں داخل ہو گیا۔
اس کمرے میں قدم رکھتے ہی مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ چندن کو کسی بستر پر ڈال کر ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہوگی مگر مسہری پر لگا ہوا بے داغ اور سفید بستر خالی تھا۔ چندن کنکریٹ کے کھردرے فرش پر اکڑوں بیٹھا خوف زدہ نظروں سے ان دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پورا فرش گیلا ہو رہا تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پانی کی ایک بالٹی، ڈونگے سمیت رکھی ہوئی تھی۔ چندن کے سر کے بالوں سے نیکر تک ہر چیز پانی میں نہائی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوش میں لانے کے لیے اسے فرش پر ڈال کر اس کے منہ اور بدن پر دل کھول کر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تھا۔
"سر!" کمرے میں موجود ایک آدمی نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "جب سے یہ ہوش میں آیا ہے، اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ تم لوگ کون ہو اور اس وقت میں کہاں ہوں۔" اس وقت چندن کی نظریں میرے اور اول خان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔
"تم لوگ کیوں نہیں بتاتے۔" چندن غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ غرایا "میرا کیا جرم ہے۔ تم لوگ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ تم میرے ساتھ کوئی من مانی نہیں کر سکتے۔"
"سفارتی افسر سے پہلے تم پاکستانی شہری ہو۔" اول خان نے اپنے آدمیوں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہاری سرگرمیاں ....."
اول خان راست گو آدمی تھا۔ وہ چندن کو سب کچھ صحیح بتانے جا رہا تھا۔ میں نے چندن کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ ڈھیٹ اور ضدی قسم کا آدمی تھا۔ اسے آسانی سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں تھا۔ اسے کوئی چکما دے کر سچ بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور اس کے کہے ہوئے الفاظ کے تسلسل کو برقرار

رکھتے ہوئے جواب دیا "تمہاری سرگرمیاں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ تمہاری طرح ہم بھی پاکستانی ہیں۔ ہمیں یہاں اپنے طور طریقوں سے زندہ رہنے کا پورا حق ہے۔ جب یہاں کا قانون ہماری راہ نہیں روکتا تو تم کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

"مجھے پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اگر تم از خود تعارف پر مصر ہو تو پھر یہ بھی سہی۔" میں نے سرہلا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا جو چندن کے قریب کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ ہم لوگوں نے اسے ادھیڑنے کے بجائے مذاکرات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

سلطان شاہ اس سے بہت زیادہ ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ چندن تعارف کا مفہوم سمجھتا' سلطان شاہ کی لات چل گئی۔ اکڑوں بیٹھے ہوئے چندن کی ٹانگوں کے درمیان سے وہ ٹھوکر اس بری طرح اس کے بدن کے نچلے حصے پر پڑی کہ وہ ایک بے ساختہ اور کربہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

سلطان شاہ کی دوسری ٹھوکر نے اس کی داہنی پسلیاں ادھیڑ ڈالیں۔ چندن نے یہ اندازہ لگانے میں تاخیر نہیں کی کہ اس کے ستارے بری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ صحت مند اور جی دار آدمی تھا۔ پنجوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر حیرت ناک سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ سلطان شاہ چاہتا تو اس پر تابڑ توڑ وار کرکے اسے فرش سے اٹھنے مہلت نہ دیتا لیکن وہ چندن سے کھلا مقابلہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

چندن کے اٹھتے ہی وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا۔ اگر اسے موقع مل گیا ہوتا تو وہ یقیناً چندن کا جبڑا ہلا کر رکھ دیتا لیکن اسی لمحے یہ نکتہ واضح ہوا کہ چندن باکسر بھی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں چہرے کے سامنے لاکر سلطان شاہ کا وار روک لیا۔

سلطان شاہ اس ناکامی پر جھنجلا کر غضب ناک ہوگیا۔ چندن کو موقع مل گیا اور اس نے سلطان شاہ کے بائیں جبڑے پر ایک جان دار مکا رسید کردیا۔

وہ ضرب شدید تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ کو تارے نظر آگئے ہوں گے۔ حریف سے مار کھا کر وہ بپھرے ہوئے انداز میں بڑھا اور نتائج کی پروا کیے بغیر چندن کو بے رحمی سے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس بار بدقسمتی سے چندن کے دونوں ہاتھ بھی اس کی گرفت میں پھنس گئے تھے۔ وہ عجیب سچویشن بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ہاتھ استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے وحشیانہ انداز میں چندن کے چہرے پر زوردار ٹکر رسید کی۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی اور اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔

اس بار سلطان شاہ نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے کئی ٹکریں مار کر چندن کو حواس باختہ کردیا۔ میں غور سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس خون ریز مقابلے میں سلطان شاہ نے ایک گھونسے کے سوا کوئی مار نہیں کھائی تھی لیکن ان دونوں کے چہرے خون میں تر ہوچکے تھے۔ چندن بری طرح لہولہان ہوچکا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے جان دار خون نے سلطان شاہ کے چہرے کو بھی رنگین کردیا تھا۔

چھ سات ٹکروں میں ہی چندن کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے اور سلطان شاہ کی گرفت سے نکل جانے کے لیے سارے جتن کرڈالے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وقت سلطان شاہ جونک بن کر اس سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس وقت را کے ایک اہم ایجنٹ سے برسرپیکار تھا اس لیے اس کے سر پر خون سوار ہوچکا تھا۔ ذرا سی دیر میں چندن نڈھال ہوگیا۔ عارضی طور پر اس میں مقابلے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اسے سانس لینے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرکے مزید کچھ دیر کے لیے سلطان شاہ کا مقابلہ کرلیتا۔ وہ سلطان شاہ سے کم تر نہیں تھا لیکن اس کے جذبے کا مقابلہ کرنا چندن کی بساط سے باہر تھا۔

"اسے چھوڑ دو!" میری دخل اندازی سے، پہلے اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "ورنہ یہ مرجائے گا۔"

سلطان شاہ کا جوش و خروش اپنی جگہ مگر وہ ڈسپلن کے مفہوم سے اچھی طرح آشنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پوچھ گچھ کیے بغیر چندن کو مار ڈالنا ہمارے مفاد میں نہیں تھا۔ اول خان کے حکم پر اس نے کسی روبوٹ کی طرح عمل کیا اور چندن کو چھوڑ دیا۔

وہ سنگ دلانہ گرفت سے رہائی پاتے ہی کئی بار لڑکھڑایا لیکن کسی نہ کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑا رہنے میں کامیاب ہوگیا۔

"جاؤ اور جاکر ہاتھ منہ دھولو۔ اس کے خون کے چھینٹوں نے تمہارا چہرہ گندا کردیا ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔

"یہ ہمارا ہلکا سا تعارف ہے۔ اب شرافت سے بتاتے چلے جاؤ کہ یہاں تم کیا بدمعاشیاں کررہے ہو۔" میں نے

چندن سے کہا۔
"میں کچھ نہیں کررہا۔ ایک معزز سفارتی افسر کے ساتھ یہ زیادتیاں تمہیں مہنگی پڑیں گی۔" اس نے فرش پر خون تھوکتے ہوئے جواب دیا۔
"اس بھول میں نہ رہنا کہ تم پولیس یا کسی ایجنسی کے قبضے میں ہو۔ ہم اپنے شکار کو قانون اور عدالتوں میں لے جانے کا کھیڑا نہیں پالتے۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور بارودی گولیوں سے انہیں عملی جامہ پہنادیتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں تم کیا کررہے ہو۔"
خون آلود پیشانی اور چہرے پر اس کی آنکھیں بھیانک انداز میں پھیل گئیں "تم ڈینی کے ساتھی ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔
"ساتھی نہیں، ہم اس کے خون کے پیاسے ہیں۔" میں نے اس کا سوال سنتے ہی قلابازی کھانے کا فیصلہ کرلیا۔
"ہم بھی اس کے دوست نہیں ہیں۔ دونوں کا مقصد ایک ہے پھر تم مجھے کیوں اٹھالائے؟"
اول خان کے آدمی ہم لوگوں کے لیے کمرے میں تین کرسیاں لے آئے، میں اول خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ منہ دھونے اور خون کے داغ صاف کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔
"وہ ہمارا شکار ہے۔ کوئی دوسرا اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔"
"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم نے بلاوجہ مار مار کر میرا اتنا خون بہادیا۔ اس سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔"
"دشمنی ہے نہ دوستی۔ ہمیں ایک ملین ڈالر کی انعامی رقم کی سخت ضرورت ہے۔"
"پھر تو ساری بات ختم ہوگئی۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے جواب دیا "ہمیں ڈینی کی ضرورت ہے۔ تمہیں رقم کی۔ ہم لوگ مل جل کر کام کرسکتے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اس چکر میں تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے۔"
وہ خاصا سخت جان تھا۔ ناک، پیشانی اور رخساروں کے زخموں سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ رنگا ہوا تھا۔ ان زخموں میں تکلیف کا ہونا بھی ایک فطری امر تھا لیکن کام کی بات نکلتے ہی اس نے گویا اپنے زخموں کو یکسر فراموش کردیا تھا۔
اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ یہ واقعی سوچنے والی بات تھی کہ ہمیں ڈینی کی تلاش تھی تو ہم نے اس پر کیوں ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کے اگلے رویّے کا انحصار کلی طور پر میرے جواب پر ہوتا۔
میں ذرا سی دیر کے لیے الجھا پھر مجھے ایک کہانی سوجھ گئی "تم کسی مظہر کو جانتے ہو؟ اس کا نام مظہر خان ہے۔" میں نے پوچھا۔
میری زبان سے مظہر خان کا نام سن کر وہ چونک پڑا "تم اسے کیسے جانتے ہو؟" الٹا اسی نے مجھ سے سوال کردیا۔
"وہ شہر میں ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے سن گن مل گئی اور میں نے خاموشی سے اسے اٹھوالیا۔ بندوں کو اٹھوانا میرا پرانا اور خاص کام ہے۔ وہ بہت بزدل اور کم ہمت آدمی نکلا۔ چار چوٹ کی مار پڑی تو اس نے سب اگل دیا اور ہم تمہارے گھر پہنچ گئے۔"
"سالا، حرام زادہ!" چندن کے منہ سے بے ساختہ نکلا "میرے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا؟"
"تم را کے ایجنٹ ہو۔ وہ بھی دہلی کے کسی انل اور نریش کے لیے کام کررہا تھا مگر وہ دونوں مار دیے گئے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہنا شروع کیا "کراچی میں وہ تم کو جواب دہ ہے مگر جان کے خوف سے روپوش تھا۔ روپوشی کے باوجود وہ ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے اس کا فون اور فیکس پر رابطہ تھا۔"
"فون اور فیکس کی بات درست ہے مگر اس کو میرا نام اور پتا معلوم تھا نہ اس نے کبھی مجھے دیکھا پھر تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" مار کھانے کے بعد اس کے اوسان بحال ہوچکے تھے اور اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔
اسی وقت سلطان شاہ منہ ہاتھ دھوکر واپس آیا اور خاموشی سے تیسری کرسی پر بیٹھ گیا۔
چندن کے بدن میں خاصا صحت مند خون دوڑ رہا تھا۔ بہ مشکل چند منٹ گزرے ہوں گے لیکن اس کے تکلیف دہ زخموں سے خون کا رساؤ بند ہوچکا تھا۔ ہر زخم کے دہانے پر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے یہ نشاندہی کررہے تھے کہ اس کا مختصر سا چہرہ کم از کم چار مقامات سے پھٹ گیا تھا۔
میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اغوا کرکے تاوان وصول کرنے والے ایسے سراغوں پر کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ تمہارا فون نمبر جعلی ہے۔ وہ سنی کمار نامی کسی وکیل کے دفتر کا فون نمبر ہے۔ سنی بیمار ہے اس کا دفتر مہینوں سے بند پڑا ہوا ہے۔ فیکس نمبر تمہارے نام اور پتے پر ہے۔ وقت اور کچھ پیسے

خرچ کرکے ہم نے تمہیں تلاش کرلیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہم سے کوئی چوک ہوئی ہے یا تم کچھ نہیں جانتے۔“

”میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔“ چندن نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ”تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو..... اگر برا نہ مانو تو میرے لیے بھی ایک کرسی منگوالو۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں‘ بیٹھ کر تم سے اطمینان سے باتیں کرسکوں گا۔“

میرے چہرے پر رضامندی کے آثار دیکھ کر اول خان نے ایک آدمی کو آواز دے کر کرسی لانے کی ہدایت دے دی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں نے چندن کو شیشے میں اتارنے کے لیے تشدد کے بعد فریب دہی کی راہ اختیار کرلی تھی جو بار آور ہوتی نظر آرہی تھی۔

”مظہر میرے لیے کام کررہا ہے لیکن وہ بہت بزدل آدمی ہے۔ کسی بھی قیمت پر سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ڈینی سے پہلے میں اس کا کھوج لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔“ کچھ توقف کے بعد چندن نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

”کمال ہے۔ وہ تمہارا آدمی ہے اور تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو!“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میں نے کہا ناکہ وہ میرا آدمی ضرور ہے مگر اس وقت ڈرا ہوا ہے۔ سمجھ رہا ہے کہ سامنے آیا تو پکڑا جائے گا....“

”آدمی بلاوجہ خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اس کے خوف کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔“ میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر سوال کیا تاکہ میری کہانی میں کوئی جھول باقی نہ رہے۔ چندن مجھے اپنی توقع سے زیادہ چالاک اور بے خوف نظر آرہا تھا۔

”دہلی میں پیش آنے والے کچھ واقعات کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔“ چندن نے مجھے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے ڈینی اور مظہر سے الگ‘ کوئی تیسری شخصیت ہی تصور کررہا تھا۔

”یہ پوچھ گچھ را والے کریں گے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ان کی شدید ترین خواہش یہی ہے کیونکہ مظہر کی دہلی موجودگی کے آخری لمحات میں اچانک ان کے دو اہم افسر مار دیئے گئے۔“

”وہ ان وارداتوں کا کھوج لگانا چاہتے ہیں!“ میں نے تفہیمی انداز میں سہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ فطری بات ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے امید نہیں تھی کہ مظہر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ وہ سرے سے غائب ہوجاتا تو ہم سب کو یہ یقین ہوجاتا کہ وہ ڈینی کے ساتھیوں میں سے ہے اور دہلی میں را کو نقصان پہنچانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔“

”تو کیا اب تمہارا یہ خیال بدل چکا ہے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”اب ہم تذبذب کے عالم میں ہیں۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کا خوف دور ہوجائے تو وہ سامنے آجائے گا۔ میں نے اسے سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے کچھ مہلت بھی دے دی ہے۔“

”پھر بھی تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اسی وقت ایک آدمی چندن کے لیے کرسی لے آیا۔ وہ ہولے سے کراہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”تمہارے دماغ پر ایک ملین ڈالر سوار ہیں اس لیے یہ باریک باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ یہ سب ڈینی تک پہنچنے کی کڑیاں ہیں۔ اپنی کامیابی کے لیے ہم امریکیوں سے زیادہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا۔

”یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مظہر کراچی میں ہے تو را والے اس سے کیسے پوچھ گچھ کریں گے۔“ میں نے اسے کریدنے کی کوشش جاری رکھی۔

”اس وقت ڈینی کے خلاف ہم سی آئی اے سے مل کر کام کررہے ہیں۔ مظہر ہمارے ہاتھ نہ آیا تو اسے یہاں کی پولیس پکڑلے گی۔ را کی طرف سے سی آئی اے والے اس سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ پہلی شرط یہی ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ آئے۔ تم اس کے پیسے کھرے کیوں نہیں کرلیتے۔“

”تمہاری یہ باتیں سن کر مجھے ملال ہورہا ہے کہ ہماری پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے یہ سب معلوم ہوتا تو میں ایک ملین سے پہلے بھی لمبا ہاتھ مارلیتا۔ مظہر کے لیے پانچ سات لاکھ روپے دے سکتے ہو؟“ میں نے حریصانہ انداز میں پوچھا۔

”اسے لے آؤ۔ میں تمہیں دس لاکھ نقد کی گارنٹی دیتا ہوں۔“ چندن نے بے چینی سے پیش کش کی۔

”اوہ!“ میں نے اپنے دہانے سے ایک تاسف انگیز سی ساختہ سی آواز نکالی ”پھر تو میرا بھاری نقصان ہوگیا۔“

”کیوں؟ کیا تم نے پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا؟“ چندن مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

”چھوڑنے میں کیا رکھا تھا۔ اسے پھر اٹھالیتا۔ میرا

اصول ہے کہ میں اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں چھوڑتا۔ اچھی طرح نچوڑنے کے بعد میں نے اسے مار ڈالا۔"

"یہ تم نے کیا غضب کیا!" چندن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "وہ بہت کام کا آدمی تھا۔"

اس کی باتوں سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ مجبوری کے تحت یا لاعلمی میں پاکستان سے غداری نہیں کر رہا تھا۔ وہ را کے اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ اس کو لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر لیے جا رہا تھا۔

"تم مجھے اپنے کسی بڑے افسر سے ملواؤ۔ تم لوگ دل والے معلوم ہوتے ہو۔ پیسا ملتا رہے تو میں بہت جلد ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"میں کسی سے کم نہیں ہوں۔" چندن نے سر اٹھا کر جواب دیا "جب سے حالات خراب ہوئے ہیں کراچی میں ہم دو آدمی رہ گئے ہیں جو مقامی مخبروں سے کام لیتے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ تم کو چوپڑہ جی سے ملوا سکتا ہوں۔ ہم تینوں مل بیٹھ کر ہر بات طے کر لیں گے۔"

چوپڑہ جی۔ وہ بھارتی قونصلیٹ میں سفارتی بھیڑوں کے درمیان چھپے ہوئے را کے ایک سفاک بھیڑیے کا نیا نام تھا جو چندن کی زبانی سامنے آیا تھا۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے پوچھا "تمہارے یہ چوپڑہ جی کون ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔"

"وہ قونصل خانے کے انفارمیشن آفیسر ہیں۔ میں کل ہی تمہیں ان سے ملوا دوں گا.... تم یہ بتاؤ کہ مظہر کی لاش کہاں ہے۔" اس کے ذہن پر مظہر کا نام بری طرح سوار تھا کہ وہ کسی طرح اسے بھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"میوہ شاہ کی ایک پرانی قبر میں اس کی بے کفن لاش پڑی ہوئی ہوگی۔" میں نے پروایانہ سفاکی سے جواب دیا۔

"اب ہمارے درمیان دوستی ہوگئی ہے۔ میں ہر صورت میں تمہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔ تم اس کی لاش نکال کر لے آؤ۔ میں تمہیں اس کے بھی دو لاکھ روپے دلوا دوں گا۔" اس نے کسی نئے خیال کے تحت پیش کش کی۔

میرے لیے وہ چونکنے کا موقع نہیں تھا۔ اس کی سوچ کا ہر دھارا بھارت کے رخ بہہ رہا تھا۔ مظہر خان کی لاش بھی بھارتیوں کے لیے کار آمد تھی۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر مظہر اور غزالہ کی واپسی کے لیے جو دباؤ ڈالا ہوا تھا اس کے خاتمے کے لیے مظہر کی لاش بھی کافی تھی۔ اس کی کراچی میں موجودگی ثابت ہوتے ہی بھارتی حکومت دباؤ سے نکل جاتی۔ وہ بہت دور کی بات تھی جو چندن نے بیٹھے بیٹھے سوچ لی تھی۔

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تو سنا تھا۔ تم مرے ہوئے مظہر کی بولی دو لاکھ لگا رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی کمیشن تو نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمیشن بیچ کے آدمی لیتے ہیں۔ میں مالک بن کر تم سے سودا کر رہا ہوں۔ تمہیں پوری رقم ملے گی۔"

شرافت سے کام لے کر اس سے جو کچھ اگلوایا جا سکتا تھا وہ سامنے آچکا تھا۔ میں نے پینترا بدل کر کہا "مظہر کی لاش بھارتیوں کی ضرورت ہے۔ تم پاکستانی ہو۔ مالک کیسے بن گئے۔ تمہاری حیثیت بیچ کے ایک ذلیل اور بے [illegible] آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ بھڑک کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئی تھیں "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"اب تک تمہارے ساتھ ڈراما ہو رہا تھا۔" سلطان شاہ نے موقع غنیمت جان کر زبان کھولی "اصل اور صحیح باتیں یہی ہیں۔"

"تم سب فراڈ ہو۔ مجھے گھیر کر دہشت زدہ کر رہے ہو۔ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" وہ بوکھلا کر تقریباً چیخ پڑا۔

اس کے تیوروں سے نظر آرہا تھا کہ میرے تیور بدلتے ہی وہ بری طرح وحشت زدہ ہوگیا تھا اور موقع پاتے ہی دروازے کی طرف دوڑ لگا سکتا تھا۔ میں نے پھرتی سے بیم گن اپنی جیب سے نکالی اور کرسی سے اٹھ کر اس پر تان لی۔

وہ کسی کی پروا کیے بغیر دوڑ پڑا۔ میں نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔

اس سے پہلے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی جوان عقاب کی طرح اس پر جھپٹتا۔ میں نے نیکر کے نیچے سے جھانکتی ہوئی اس کی داہنی پنڈلی پر بیم گن فائر کر کے اپنے ہاتھ کو دائیں سے بائیں طرف خفیف سی جنبش دی اور دوڑتے دوڑتے اس کی وہ پنڈلی گھٹنے سے کٹ کر برآمدے میں اچھل کر دور جا گری۔ چندن چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

ایک طرف چندن کی کٹی ہوئی زندہ پنڈلی فرش پر پھدک رہی تھی، دوسری طرف چندن کا حال ابتر تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ اس کے ساتھ یکایک کیا ہوگیا تھا۔ بیم گن کے ننھے سے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں لیزر شعاعوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس کی داہنی ٹانگ کے دو کر دیے تھے۔

اس کے گرنے پر ہم تینوں بھی باہر نکل آئے۔ ایس ٹی

ایف کے چاروں آدمی حیرت اور بے یقینی سے چندن کی تڑپتی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہے تھے۔
"اسے اندر گھسیٹ لاؤ۔" میں نے ہدایت کی "پنڈلی بے جان ہو جائے تو اسے کہیں ٹھکانے لگا دینا۔"
"تم سب سفّاک درندے ہو" گھسیٹے جانے پر چندن بلبلا اٹھا "اپنے آدمیوں کے بل پر مجھ اکیلے کو ہراساں کر رہے ہو۔"
"ان لوگوں کے نام بتاؤ جو یہاں تمہارے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔
"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم حرامیوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم سب بھی ڈینی کے چیلے چانٹے لگتے ہو" وہ کراہتے ہوئے غرایا۔
سلطان شاہ نے اس کے جلے ہوئے گھٹنے پر ٹھوکر ماری۔ وہ تڑپ اٹھا۔ لیزر شعاعوں نے اس کی جلد سے ہڈیوں تک کو اس نفاست سے کاٹا تھا کہ سب کچھ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ اس زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں نکلی تھی مگر سلطان شاہ کی ٹھوکر پڑتے ہی اس سیاہ زخم سے خون جاری ہو گیا۔
"تم کسی چیلے سے نہیں، ابھی تک ڈینی عرف مظہر خان سے ہم کلام تھے۔" سلطان شاہ نے کاٹ دار لہجے میں اسے مطلع کیا۔
"ڈ... ڈ... ڈینی!" چندن کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی اور وحشت ناک آواز برآمد ہوئی۔ اس نے اپنا خون آلود چہرہ فرش سے اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر مایوسی سے گردن ڈال دی "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میرا کھیل ختم ہو گیا۔"
"میں نے تم سے نام پوچھے تھے" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔
"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے تم مسلمانوں سے نفرت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی مجھ سے نفرت کرتے ہو اور مجھے مار دو گے۔"
"ہم تم سے نفرت نہیں کرتے مگر تمہاری غداری سے ضرور نفرت کرتے ہیں" میں نے بیم گن کو اپنی انگلی پر نچاتے ہوئے تحمل سے جواب دیا۔ "تم پاکستان کے اکلوتے ہندو نہیں ہو۔ یہاں سندھ، پنجاب اور پورے پاکستان میں شاید لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ وہ آرام سے اپنی روزی کماتے ہیں اور سکھ چین سے رہتے ہیں۔ وہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ زمین نے ان کو اپنی امان میں لیا ہوا ہے۔ تمہارے جیسی حرکتیں کوئی مسلمان کرے گا تو وہ بھی ہماری اتنی ہی نفرت کا نشانہ بنے گا۔ اپنی حرکتوں کی بات کرو، مذہب کو بیچ میں نہ لاؤ۔"
"مجھ سے بکواس مت کرو۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے" وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخا "ہند، ہندو کا تھا، ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔ تم مسلے باہر سے آئے ہوئے حملہ آور ہو۔ تمہارا اس مٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تمہیں اور تمہارے ناپاکستان کو مسل دیں گے۔"
مجھ سے پہلے سلطان شاہ طرارے میں آ گیا اور اس نے بڑھ کر چندن کے محتاج وجود کو ٹھوکروں پر رکھ لیا "کتے! تو اتنی دیر سے ہمیں گالیاں دے رہا تھا مگر ہم برداشت کر رہے تھے۔ اب تو نے ہمارے وطن کو گالی دی ہے تو میں تجھے نہیں بخشوں گا، تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"
اس کے بدن پر نیکر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔ شہزادی کی حرارت آگیں اور نرم و نازک آغوش سے نکل کر وہ اچانک اسٹیشن فور کی اس سنگلاخ کوٹھری میں پہنچ گیا تھا جہاں اس پر رحم کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی ہر ٹھوکر سے اس کا بدن ادھڑتا جا رہا تھا۔ ننگے بدن پر نیل اور تازہ زخم نمودار ہو رہے تھے۔
چندن تکلیف اور اذیت سے تڑپتا اور بلبلاتا رہا لیکن اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹا۔ وہ چیخ چیخ کر ہمیں اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دے رہا تھا، کوس رہا تھا۔ وہ ندامت کے اظہار پر آمادہ تھا نہ معافی کا طلب گار تھا۔ اس کے بارے میں میرا اولین اندازہ آخر کار صحیح ثابت ہو رہا تھا۔
چندن پٹتے پٹتے نڈھال نہیں ہوا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ شاید اسے امید رہی ہوگی کہ اس کی جگر خراش چیخیں سن کر کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچے گا اور ہم اسے یوں ہی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسٹیشن فور کی حدود میں فولاد سے بنے ہوئے جوانوں کا نشیمن تھا جن کے دل اپنے دشمنوں کے لیے پتھر تھے۔
آخر کار سلطان شاہ اسے مارتے مارتے تھک گیا اور ہانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔
میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ چندن کو زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ کچھ بھی نہ اگلتا۔ اسے باتوں کا فریب دے کر جو کچھ اگلوا لیا گیا تھا وہی کافی تھا۔ اگر اس کی لاش لیری والا اجلاس شروع ہونے سے پہلے منظر عام پر آ جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔
"اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے اسے کیفرِ کردار کو پہنچا دو۔"

میں نے دھیرے سے سلطان شاہ سے کہا۔
اس نے اپنی سرخ اور سلگتی ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر اپنی نظریں جھکالیں۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا جو چندن کے اغوا کی مہم سر کرنے کے لیے اس نے گھر سے اپنے ساتھ لیا تھا۔

چندن کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کسی رازداری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی میں نے سلطان شاہ کو نیچی آواز میں ہدایت دی تھی مگر قدموں کی بڑھتی ہوئی آہٹیں سننے کے لیے شاید چندن کے کان زیادہ حسّاس ہو چکے تھے۔ اس نے میری کہی ہوئی بات سن لی اور اس کی زبان سے غلیظ گالیوں کا ایک ثقیل دریا بہہ نکلا۔

سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست ہوئی تو اس کی زبان پر ہمارے لیے ماں کی آخری گالی تھی جو موت کی ہچکی میں ادھوری رہ گئی۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے فرش پر تڑپا اور پھر بے جان ہو گیا۔

"آج میں نے جتنی گالیاں چندن سے کھائی ہیں، اتنی زندگی بھر نہیں کھائی ہوں گی" سلطان شاہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"ہر بات کبھی نہ کبھی زندگی میں پہلی بار ہوتی ہے" اول خان نے پیٹھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی "آدمی ماں کے پیٹ سے کوئی تجربہ لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ چندن کی دی ہوئی ان گالیوں میں ہم بھی حصے دار تھے، تم اکیلے نہیں تھے۔"

"اس منحوس کی لاش کو اب کسی گٹر میں پھینک دینا چاہیے" سلطان شاہ نے حقارت سے مشورہ دیا۔
"گٹر بند ہو جائے گا اور شہر میں گندگی پھیلے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "سب سے پہلے اس کی داہنی ران کا کچھ حصہ کاٹنا ہوگا۔ پھر یہ لاش کسی کنڈی دان میں ڈال دیں گے۔"

"اس مردے کی ران کا کیا، کیا جائے گا؟" اول خان نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔
"میں امرتسر والی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ مشتعل ہو کر میں اس پر بیم گن فائر کر بیٹھا۔ یہ غلطی تھی۔ چندن کی لاش جوں کی توں پھینکی گئی تو جھلسا ہوا گھٹنا بہت کچھ ظاہر کر دے گا اور ہمارے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔"

دونوں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اتفاق کیا۔

اول خان قدرے جھلا بھی گیا کہ ایسی اہم مگر ٹیڑھی باتیں اسے کیوں نہیں سوجھتیں۔
اول خان نے اپنے آدمیوں کو چندن کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں۔ لاش سے الگ کیے جانے والے تازہ حصے کو داہنی ٹانگ کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر دفن کرنا تھا تاکہ اس کا کبھی بھی سراغ نہ لگایا جا سکے۔ قطع برید کے بعد لاش کو شہر کے کسی کوڑے دان میں ڈال دینا تھا۔
میں مردوں کی بے حرمتی کا کبھی بھی قائل نہیں رہا تھا۔ مرنے کے بعد بڑے سے بڑے حریف سے بھی دشمنی ختم ہو جاتی تھی لیکن چندن کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کا لیزر سے جلا ہوا گھٹنا جسم سے الگ نہ کیا جاتا تو پوسٹ مارٹم میں وہ راز فاش ہو جاتا۔ اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو بھارت کے سفارتی افسران سے پوشیدہ رکھنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ ایک بار یہ بات منظر عام پر آجاتی کہ چندن کی ٹانگ بیم گن سے کاٹی گئی تھی تو کراچی میں میری تلاش کی مہم ایک مرتبہ پھر زور پکڑ جاتی جس کے نتیجے میں میری آزادیاں بری طرح متاثر ہو سکتی تھیں۔
سب کچھ طے ہو جانے کے بعد اسٹیشن فور میں ہم تینوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اول خان سے رخصت چاہی تو اسے اچانک صبح کا اجلاس یاد آگیا۔
"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو" اول خان نے کہا۔
"میری دلی آرزو ہے کہ میں لیری کے زہریلے خیالات اپنے کانوں سے سنوں لیکن بھارتیوں کے زخم تازہ ہیں۔ میں ابھی دہلی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں کسی نے پہچان لیا تو میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی" میں نے فکر مندی سے کہا۔
اول خان ہنس پڑا "معلوم ہوتا ہے کہ چندن گرنانی کو جہنم واصل کرتے ہی تمہارے ذہن پر نیند نے حملہ کر دیا ہے" اس نے یہ کہہ کر اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور بات جاری رکھی "اس وقت ڈھائی بج رہے ہیں، یہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے۔"
"میں واقعی تھک گیا ہوں اور غنودگی محسوس کر رہا ہوں" میں نے اعتراف کیا۔
"وہاں لیری کے سوا سب اپنے آدمی ہوں گے۔ تم کو کون پہچانے گا؟ آج کل تمہارے کئی نام چل رہے ہیں، لیری کے لیے ایک نیا نام اور سہی!" وہ بولا۔
"ابھی میں چلتا ہوں۔ صبح فون پر بات ہو جائے گی" میں

نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آٹھ بجے تم کو فون کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

اس سے رخصت ہو کر ہم دونوں واپس روانہ ہو گئے۔

○☆○

کمشنر ہاؤس میں بڑی ٹیبل کے گرد ہم سات نفوس بیٹھے ہوئے تھے جن کو لیری کا انتظار تھا۔ ان میں آئی بی کا جلال بھی شامل تھا۔

وہ آف دی ریکارڈ اجلاس لیری کی خواہش پر بلایا گیا تھا اس لیے اس کی آمد سے پہلے کارروائی کے آغاز کا امکان نہیں تھا۔

"میں نے غیر رسمی اجلاسوں میں بارہا شرکت کی ہے۔ یہ آف دی ریکارڈ میٹنگز کا سلسلہ میرے لیے نیا ہے" کرنل غفور نے میز پر ہاتھ ٹکا کر الجھن آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں لیری یہاں آکر ایسی کون سی بات کہنا چاہتا ہے جو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی۔"

"یہ لیری کے موضوع سے زیادہ اسپیشل ٹاسک فورس کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے" آئی جی نے کہا "تقریباً ایک سال پہلے امریکیوں نے ایسے آف دی ریکارڈ اجلاس کی درخواست کی تھی جسے قبول کرلیا گیا تھا۔ آج وہی واقعہ دہرایا جارہا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کی وجہ سے آف دی ریکارڈ اجلاس!" کرنل غفور نے حیرت سے کہا "بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یار سیدھی سی بات ہے" کرنل شعبان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف ہمارے آئین اور قانون سے ماورا فورس ہے جسے کسی فرد واحد نے تخلیق کیا ہے۔ ریکارڈ پر اس کا کہیں وجود نہیں ہے مگر امریکی اپنے انتہائی ترقی یافتہ ذرائع کی وجہ سے اس کے وجود سے باخبر ہیں۔ وہ سرکاری طور پر ہمارے انکار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غیر سرکاری طور پر اس کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ باقاعدہ اجلاس میں ایس ٹی ایف نہیں بلائی جاسکتی کیونکہ بات ریکارڈ پر آجائے گی۔ امریکیوں کو اس فنی مجبوری کا اندازہ ہے۔ لیری نے ایس ٹی ایف کے نمائندے سے کھل کر بات کرنے کے لیے اس بے قاعدہ اجلاس کی تجویز سوچی ہے۔"

کرنل شعبان کے جواب سے سب مطمئن ہو گئے مگر میرے لیے وہ وضاحت قابلِ قبول نہیں تھی، جان ایش کوف کے دہلی کی طرف فرار کے بعد لیری کی طرف سے اس غیر معمولی اجلاس کا سبب کچھ اور ہی تھا جس پر اس کی آمد کے بعد بات ہوسکتی تھی۔

اس اجلاس کے سب شرکا میرے لیے اجنبی تھے۔ میں جلال کی زبانی ان کے پچھلے اجلاس کی روداد سن چکا تھا جس میں ان کے ناموں سے آگاہی حاصل ہوگئی تھی۔ اس وقت جلال خود بھی وہاں موجود تھا۔ مگر میری طرف سے یوں اجنبی بنا ہوا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا ہو۔ میری ذات کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے اس کا وہ رویّہ بہت ضروری تھا۔ وہ لوگ اول خان سے پہلے سے متعارف تھے۔ اس نے مجھے کرنل داور کے نام سے مجھے ان لوگوں سے متعارف کرایا تھا۔

میرے نام کے ساتھ کرنل کا فرضی عہدہ لگانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اجلاس کے دوسرے شرکا میرے ساتھ برابری سے بات کرسکیں۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ تعارف کے بعد ان میں سے کسی نے میرے بارے میں کوئی بات کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ حد یہ تھی کہ دونوں حاضر سروس کرنلوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میرا تعلق فوج کے کس یونٹ اور شعبے سے رہا تھا یا میں کہاں سے ریٹائر ہوا تھا۔

میں ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان کے پیش کیے ہوئے نظریے پر کوئی رائے زنی کرتا تو سب کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوسکتی تھی جبکہ میں اس اجلاس میں خود کو نمایاں کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سی آئی اے کا لمبا تڑنگا چیف کلرک، لیری ہف اپنے ایک مددگار کے ساتھ آپہنچا۔

اجلاس میں اس کا سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ پاکستانیوں کے رویے میں گرم جوشی مفقود تھی۔ اس بارے میں پہلے سے کوئی تبادلہ خیال نہیں ہوا تھا۔ بس سب کے دلوں میں لیری کے خلاف بغض کا جذبہ تھا جو سرد مہری کی صورت میں سامنے آگیا تھا۔

اول خان سے ہاتھ ملا کر لیری رک گیا اور تعارف کے بعد بولا "ہائے اولڈ بوائے۔ تم گریٹ ہو۔ میری آرزو ہے کہ امریکا کوئی غیر جمہوری ملک ہوتا اور میں وہاں بھی تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس جیسا کوئی یونٹ بنا سکتا۔"

"تمہیں نازاں ہونا چاہیے۔" اول خان کے سٹپٹا جانے پر میں نے گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا اور کہا "امریکی اپنی جمہوریت کے گن گاتے ہیں مگر ان کی ناک کے نیچے ایس ٹی ایف سے ہزار درجے زیادہ خود مختار طاقت ہر وقت فعال رہتی ہے۔"

"وہ کون سی طاقت ہے؟" لیری اول خان کا ہاتھ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گیا "کیا میں تمہارا تعارف حاصل کر سکتا ہوں؟"

"کرنل داور فرام ایس ٹی ایف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور لیری کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی داہنی ہتھیلی میں تھام لیا۔ رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے' لیری نے مصافحے میں اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ میں نے گرم جوشی کی آڑ میں اس کے ہاتھ کو بے طرح دبا کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گراں ڈیل امریکی سی کر کے رہ گیا۔

"میں سی آئی اے کی بات کر رہا تھا۔ تمہاری تنظیم بہت طاقت ور اور فعال ہے۔" مزاج پرسی کے بعد میں نے اپنی بات مکمل کر دی۔

"اوہ' نو!" اس نے اپنے سر کو زور سے بائیں طرف جھٹک کر کہا "سی آئی اے ایک جمہوری ملک کا مضبوط آئینی ادارہ ہے۔"

"ادارہ آئینی ہے مگر میں اس کی سرگرمیوں کی بات کر رہا تھا۔" میں نے کہا اور ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "سرکاری رازوں کے قوانین کے تحت مقرر کی ہوئی مدت ختم ہونے کے بعد جو باتیں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سی آئی اے ایشیا' افریقہ اور جنوبی امریکا میں اپنے مینڈیٹ سے بڑھ کر سازشیں کرتی رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ سی آئی اے پر بعض امریکی صدور کی درونِ خانہ مخالفت کا الزام بھی ہے۔"

لیری نے اپنی خفت چھپانے کے لیے کھسیایا ہوا ایک بے جان قہقہہ لگایا اور بزرگانہ انداز میں میری پشت پر ہاتھ مار کر بولا "سی آئی اے کے بارے میں تم شاید بہت پڑھتے رہتے ہو۔ ہمارے یہاں اظہارِ خیال کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مصنف رائی کا پہاڑ بنا کر سی آئی اے کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ ان میں حقیقت سے کہیں زیادہ افسانے ہوتے ہیں۔ تم جیسے ذمے دار اور عملی افسر کو ایسی ردّی کتابوں سے دور رہنا چاہیے۔"

مجھے جواب دیتا ہوا وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ اس کا مددگار اس کے بائیں ہاتھ پر تھا۔

"تم نے آج زیادتی کی ہے۔" کرنل شعبان نے لیری سے شکوہ کیا "آج میرے کئی اہم اپائنٹ منٹ تھے۔"

"کرنل داور نے اپنی باتوں سے اس زیادتی کا بدلہ لے لیا ہے۔" لیری نے دانت نکال کر خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری زہر میں ڈوبی ہوئی گفتگو اس کے دل میں تیر بن کر اتر گئی تھی۔

"میں نے بدلہ نہیں لیا۔ تم نے پاکستان کو بالواسطہ طو[ر] پر غیر جمہوری ملک قرار دے کر بات چھیڑی تھی۔ میں [نے] صرف اس کا جواب دیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "[تم] ہمارے مہمان ہو اور بہت معزز ہو۔ ہمارا اصول ہے کہ ک[وئی] بھی ہمارا مہمان ہو تو ہم اس کی بے توقیری نہیں کرتے۔"

لیری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے سختی سے پوچ[ھا] "کیا اب تم بالواسطہ طور پر مجھے کتا نہیں کہہ رہے۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "می[ں] صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ہم کسی کتے کی تحقیر نہیں کر سکتے [تو] تم جیسے معزز اور محترم مہمان سے کیسے بدلہ لے سکتے ہیں۔ تمہاری خام خیالی ہے۔ بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دو۔"

لیری آیا تو فضا قدرے تلخ مگر خوشگوار تھی۔ میری او[ر] اس کی جھڑپ ہوتے ہی فضا کا رنگ بدل گیا۔ یوں محسو[س] ہو رہا تھا جیسے میرے اور لیری کے سوا سب کو سانپ سونگھ گ[یا] ہو۔ کوئی بھی اس نازک بحث میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ جلال کی پر امید نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میری نیت پاکستان کو غیر جمہوری ریاست قرار دینے [کی] نہیں تھی۔" موقع کی نزاکت بھانپ کر لیری وضاحت پر ا[تر] آیا "میں نے بس اتنی سی خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش ام[ریکا] میں بھی کسی کے ہاتھ اتنے کھلے ہوئے ہوتے کہ وہ ایس [ٹی] ایف جیسی کوئی آزاد فورس بنا سکتا۔"

"اس خواہش کے اظہار کے لیے یہ جگہ مناسب نہی[ں] تھی۔" اسے پسپائی پر آمادہ پا کر کرنل شعبان نے زبان کھو[لی] "تم کو وائٹ ہاؤس کے صدر نشین کے سامنے یہ بات کہ[نی] چاہیے۔"

"چھوڑو شابان۔" لیری پھیکے انداز میں ہنس دیا "[ہمارا] صدر کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ کانگریس اور سینیٹ [کے] سامنے مجبور ہے۔ سب کہیں نہ کہیں بندھے ہوئے ہیں۔ [تم] میں سے جس کسی کو میری بات سے تکلیف پہنچی ہو' میں ا[س] سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"میں بھی اپنی کسی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خو[اہ] ہوں۔" اخلاقی طور پر مجھے کہنا پڑا لیکن میرا لہجہ روکھا تھا۔

"تم یہ دیکھو کہ امریکا پاکستانیوں کی کتنی عزت کر[تا] ہے۔" لیری نے معافی تلافی کے باوجود اپنی معذرت کا سلس[لہ] جاری رکھا "پاکستان سرکاری طور پر ایس ٹی ایف کے وج[ود] سے انکار کرتا ہے اور ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہار[ے] اس موقف کا احترام کرتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہم نے کب[ھی]

ایس ٹی ایف کا نام نہیں لیا۔ آج کا یہ آف دی ریکارڈ اجلاس پاکستان کے بارے میں ہماری نیت اور عزائم کا کھلا ثبوت ہے۔"

"کم آن لیری!" جلال نے بے تکلفی سے کہا "اب اس موضوع کو زیادہ نہ کھینچو۔ غنیمت ہے کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہم پاکستانی اپنی مجبوریوں کے تحت بہت سی باتوں پر سمجھوتے کرلیتے ہیں لیکن بے حس نہیں ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آج تم نے ہم سب کو کس تقریب میں بلایا ہے۔"

لیری کے اشارے پر اس کے مددگار نے پتلا سا چرمی بریف کیس اپنے قدموں سے اٹھا کر میز پر لیری کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اپنی حکومت کی ہدایت پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ ڈینی اور مظہر کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔" لیری نے سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حکومت تو خطرے کی بو پاتے ہی دہلی کی طرف چل دی۔ اب یہاں تم کو ایسی احمقانہ ہدایات کون دے رہا ہے۔" کرنل غفور نے پوچھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لیری کو خود سے کم تر اور جونیئر گردان رہا تھا جو شاید اس کا حق بھی تھا۔

بے ساختہ ہنسی میں لیری نے سب کا ساتھ دیا پھر سنجیدگی سے بولا "جان بہت اہم مشن پر دہلی گیا ہے مگر وہ ہر وقت مجھ سے رابطے میں ہے۔ وہ میرے اور واشنگٹن کے درمیان رابطے کی اکلوتی اور سب سے مضبوط کڑی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہاں امریکی سفیر کے تابع ہوں۔"

"را اور سی آئی اے والے ان دونوں پر کام کر رہے ہیں۔ مہینوں بلکہ ڈینی کے خلاف سالوں میں کچھ نہیں کیا جاسکا۔ ہم دو دنوں میں کیا کرسکتے ہیں۔" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"کوئی اشارہ... کوئی سراغ... کوئی امید! مجھے تم لوگوں کی طرف سے کسی خوش خبری کی توقع تھی۔"

"کچھ ہوا ہوتا تو بات تم تک پہنچ جاتی۔" فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے کہا "تمہارے دیے ہوئے کام پر ہم سب مل کر کام کررہے ہیں۔ تم سے رابطے کی ذمے داری میری ہے۔ کہیں سے بھی کوئی خبر جنم لے گی تو وہ مجھ تک پہنچے گی۔ میں تمہیں مطلع کردوں گا۔"

"اور تم کیا کہتے ہو؟" اس بار لیری براہِ راست اول خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ایس ٹی ایف کو آج پہلی بار یہاں بلایا گیا ہے۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اول خان نے اسے دو ٹوک جواب دے دیا۔

"میرے لیے سب ایجنسیاں برابر ہیں۔" لیری نے کسی بات کی تمہید باندھی "اب میں جو کچھ کہنے جارہا ہوں اس سے مجھے کسی کی تحقیر یا تعریف مقصود نہیں ہے۔ یہ پیشہ ورانہ رموز ہیں جنہیں ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایس ٹی ایف ماورائے قانون طاقت ہے۔ اپنے دشمنوں کو ان کی کمین گاہوں سے کھینچ کر نکالنے اور کیفرِ کردار تک پہنچانے کے سلسلے میں اس کی شہرت بے مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ایس ٹی ایف ڈینی پر کام شروع کردے۔"

"ڈینی کے بارے میں ریکارڈ بالکل کورا ہے..." میں نے بات شروع کی مگر لیری درمیان میں بول پڑا۔

"ڈینی اور ایس ٹی ایف میں کم از کم ایک بات مشترک ہے۔ دونوں آج کی زندگی کی اٹل حقیقتیں ہیں مگر ریکارڈ پر ان کے بارے میں کچھ دستیاب نہیں ہے۔"

"تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ ایس ٹی ایف کے کسی

کارندے نے ڈینی کا روپ دھارا ہوا ہے!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جو بھی یہ کہتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ڈینی کی ایک تاریخ ہے۔ شی کے سربراہ نے پاکستان میں ہیروئن پھیلانے کے لیے اسے استعمال کیا تھا۔ وہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ امریکا کے صدارتی ریکارڈ میں برسوں سے اس کا نام چلا آرہا ہے۔ ہم یعنی سی آئی اے والے دیر سے اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔"

"اور ہم اب اس کے پیچھے لگیں گے۔" اول خان نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے بات مکمل کر دی۔

"اس پر ایس ٹی ایف نے پہلے ضرور کام کیا ہوگا۔" لیری نے امید ظاہر کی۔

میں نے میز کے نیچے اول خان کی ران دبائی اور بھرپور نفی میں سرہلا دیا "ایس ٹی ایف کا ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکستانی مفادات کے خلاف کام کریں یا اس کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ ڈینی کے خلاف ابھی تک ایسی کوئی شکایت یا شہادت سامنے نہیں آئی۔"

"یہ ڈینی کی مکاری ہے کہ خون کی ہولی کھیلنے کے باوجود ایس ٹی ایف سے دور رہتا ہے مگر تم ایک فرد نہیں، فورس ہو۔ تم صرف پاکستانی نہیں ہو۔ اس دنیا کے شہری بھی ہو۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں دنیا سکڑ اور سمٹ کر ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کے ہرباسی کا تم پر حق ہے۔ تم کو دوسروں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"لیری! یہ سب پڑھانے کی کوشش مت کرو اور اپنے ہدف تک محدود رہو۔ یہ بات چھڑ گئی تو بہت دور تک چلی جائے گی۔ ویت نام سے عراق تک امریکا کیا کرتا رہا ہے؟ اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے اس نے کیا کیا تباہی نہیں پھیلائی۔ کیا عراق میں امریکی بمباری سے مارے جانے والے بھوکے پیاسے اور شیر خوار بچوں کا امریکی فوجوں پر کوئی حق نہیں تھا؟ کیا وہ اس گلوبل ولیج کے رہنے بسنے والے نہیں تھے؟ اخلاقیات کا اگر اطلاق کر رہے ہو تو سب پر یکساں کرو۔ ایس ٹی ایف کو ہدف نہ بناؤ۔"

"کرنل داور! تم ذرا سی بات پر تلخ اور جذباتی ہو رہے ہو۔" اس بار لیری جھلا کر جوابی الزام تراشی پر اتر آیا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں امریکا اور امریکیوں کے خلاف نفرت کا غبار بھرا ہوا ہے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔" کرنل غفور نے سختی سے کہا "ایسی تلخیاں پچھلے اجلاس میں بھی پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ شریک نہیں تھا۔۔۔"

"وہ پالیسی اختلافات تھے۔" لیری نے کرنل غفور کی بات کاٹ دی "آج کھل کر۔۔۔"

"خاموش رہو!" آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر لیری کو خاموش کر دیا "تم نے کرنل غفور کی بات کاٹی ہے۔ پہلے اسے بات پوری کرنے دو۔"

لیری کسی بندر کی طرح منہ چلا کر رہ گیا مگر اس کی زبان نے جنبش نہیں کی۔

"اس وقت صرف ڈینی کا مسئلہ درپیش تھا۔" کرنل غفور نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "آج تم نے خود بات کو پھیلایا ہے۔ کرنل داور نے جو کچھ کہا، تمہاری باتوں کے جواب میں کہا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضرور دو۔"

"میں ویت نام کی جنگ کے خاتمے کے بعد اپنی جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوا ہوں۔" لیری نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "عراق اور کویت کی جنگ میں سی آئی اے کے دوسرے لوگ کام کر رہے تھے۔ میں ان سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہوں۔"

"یہ تمہارا عذر لنگ ہے۔" شاہد بولا "بات حکومتوں اور ان کی حرکتوں کی ہو رہی ہے۔ تم خود کو درمیان میں کہاں لے آئے۔ تاریخ میں ملکوں کے نام چلتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ملک میں کون سی پارٹی برسراقتدار تھی یا وائٹ ہاؤس میں کون صدر تھا۔"

"آج میری عقل ماؤف ہے یا تم سب میری ٹانگ کھینچنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اب ہمیں فضولیات سے نکل کر کام کی بات کرنی چاہیے۔"

"میں تمہیں یہ صائب مشورہ کافی دیر پہلے دے چکا تھا۔" جلال نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے کام کی بات ہی شروع کی تھی مگر ہم موضوع سے بھٹک گئے۔" اس نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک کاغذ نکالا اور اپنی بات جاری رکھی "اس وقت مظہر خان اور غزالہ کا جوڑا ہمارے لیے ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔ پاکستان نے باضابطہ طور پر بھارت سے ان دونوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ بھارتیوں کو کامل یقین ہے کہ وہ دونوں خاموشی سے سرحد پار کر کے پاکستان واپس آچکے ہیں۔"

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"ہم پاکستان اور بھارت، دونوں کے دوست ہیں۔ ہم

کسی ایک کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔“

”حل ناممکن ہے۔“ اول خان نے اعتماد سے کہا ”دونوں موقف متضاد ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹا ہے اور جھوٹے کو جھوٹا کہنا چاہیے۔“

”یہ مشورہ بہت آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا شاید سب سے کٹھن کام ہے۔“ لیری بولا ”مجھے آج ایک شہادت ملی ہے کہ مظہر کراچی میں روپوش ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی موقف غلط ہے؟“ شاہد نے جھٹ سوال داغ دیا۔

”یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ مظہر نے تمہاری آنکھوں میں بھی اسی طرح دھول جھونکی ہو جس طرح وہ بھارتی ایجنسیوں کو فریب دے کر بھارت سے نکل آیا ہے۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ تم سب کوشش کرو تو وہ گرفت میں آسکتا ہے۔“

اول خان میرے ساتھ دم سادھے بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

”اس کی تلاش کی کوششیں جاری ہیں۔ تم اپنی شہادت پیش کرو۔ شاید اس سے ہمیں کوئی رہنمائی مل سکے۔“ کرنل غفور نے بے نیازی سے کہا۔

”یہ ایک متنازع شہادت ہوسکتی ہے کیونکہ اس فیکس کاپی میں مظہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کا ذکر بھی ہے۔ اس سے را پر پاکستان میں مداخلت کا الزام آتا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اس فیکس کے متن کی وجہ سے یہ اجلاس آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے تاکہ اس فیکس کی بنیاد پر پاکستان بھارت کو کوئی سخت احتجاجی مراسلہ نہ بھیجے۔ اگر تم لوگوں کو یہ شرط قبول ہے تو میرے پاس فیکس کی نقلیں موجود ہیں۔“

میرے بدترین اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ہم نے چندن کرناتی کو بہت کم مہلت دی تھی مگر اس نے اسی سے فائدہ اٹھا کر فیکس کی نقل اپنے آقاؤں کو ارسال کردی تھی۔ وہ متن نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا لیری کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا اور اس وقت زیر بحث تھا۔

سب خاموش بیٹھے رہے۔ کانفرنس کے ہر شریک کو اس پراسرار فیکس کا متن جاننے کا تجسس تھا۔

”یہاں ہونے والی ہر بات سرکاری سطح پر بے وقعت ہوگی۔ تم فیکس دکھاؤ۔“ خاصی طویل اور گمبھیر خاموشی کے بعد جلال نے سکوت توڑا۔

لیری کے مددگار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک کاغذ پکڑا دیا۔

وہ میرے اسی بے نام و نشان خط کی نقل تھی جو میں نے چندن کو فیکس کیا تھا۔

”یہ کل دوپہر کسی نامعلوم مقام سے بھیجا گیا اور آج تمہارے پاس ہے۔“ کرنل غفور نے خط پڑھ کر کہا۔

”ہاں۔ مجھے شبہ ہے کہ مظہر را کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ وہ تم میں سے کسی کا آدمی تو نہیں تھا؟“ لیری نے پوچھا۔

سب انجان بن کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سب سے زیادہ معصومیت اول خان کے چہرے پر تھی۔

”خط کے آخر میں کسی کا نام نہیں ہے مگر مضمون سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو تم نے کہی ہے۔“ کرنل شعبان نے اپنی رائے دی اور کہا ”آج کل ہمارے ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھی ہوئی ہے پھر بھی را والے آگ بجھانے کے بجائے بھڑکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حرکتیں تلخیاں بڑھاتی ہیں۔ کاش ہم یہ خط استعمال کرسکتے۔“

”نہیں!“ لیری نے سختی سے کہا ”کسی مراسلت میں اس کا ذکر نہیں آئے گا۔“

”را والے روایتی ڈگر سے ہٹ کر مقامیوں میں گھسنے اور انہیں خریدنے کی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ شاید یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج صبح سویرے ایک کوڑے دان سے بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کی لنگڑی لاش برآمد ہوئی ہے۔“ آئی جی نے قدرے برہمی سے وہ انکشاف کرکے سب

اتفاق رائے

فیملی ڈاکٹر ایک گھنٹے سے کمرے کے اندر مریض کے معائنے میں مصروف تھا۔ بیوی بچے دوسرے کمرے میں بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ ڈاکٹر کیا خبر لے کر آتا ہے۔ آخر ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوا اور مریض کی بیوی کے پاس پہنچ کر بولا ”میں اس وقت آپ کے شوہر کو جس حالت میں دیکھ کر آرہا ہوں.... مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔“

”مجھے تو وہ کبھی بھی ٹھیک نہیں لگے.... لیکن کیا کروں.... بچوں کی خاطر گزارا کر رہی ہوں۔“ بیوی نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

کو حیران کردیا "ان کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

آئی جی کی بات پر ہر شخص چونک پڑا۔ لیری بھی چندن کے قتل سے بے خبر تھا۔ ہال میں سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ ہر شخص ایک ہی سانس میں آئی جی سے بہت کچھ پوچھ لینے کی کوشش کررہا تھا۔

آئی جی کے بیان کے مطابق کوڑا اٹھانے والی ایک گاڑی کے عملے نے شہر کے کوڑے دان میں سات بجے وہ لاش دیکھی تھی جس کی داہنی ٹانگ ران کی ہڈی کے وسط سے کٹی ہوئی تھی۔ اس خبر نے ہر طرف سنسنی پھیلا دی۔ لاش کے بدن پر صرف نکر موجود تھا۔ جراحی کے مصنوعی عمل سے محرومی کے سبب متوفی غیر مسلم نظر آرہا تھا۔ تمام تھانوں کو کھڑکانے کے بعد پتا چلا کہ پچھلی رات سول لائنز کے علاقے میں رہنے والوں نے پولیس کو کسی گڑبڑ کی رپورٹ دی تھی۔ تفتیش کے نتیجے میں بھارتی سفارت خانے کا ایک افسر اپنے رہائشی فلیٹ سے غائب پایا گیا تھا۔ وہ سراغ اس وجہ سے مل گیا کہ فلیٹ کا تالا کسی باریک گیس کٹر سے ناکارہ کردیا گیا تھا۔

یہ بہت غنیمت ہوا کہ آئی جی نے گیس کٹر کی اطلاع دی تھی۔ کسی کا دھیان بیم گن کی طرف نہیں گیا تھا۔

آئی جی کو دفتر سے نکلنے کے بعد فون پر بتایا گیا تھا کہ لنگڑے مردے کو چندن گرنانی کے نام سے شناخت کرلیا گیا تھا۔

میں مسلسل گہری نظروں سے لیری کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نئی خبر نے اسے پریشان ضرور کردیا تھا مگر چندن کے نام پر اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" لیری نے پوری بات سننے کے بعد مضطربانہ آواز میں کہا "اس واقعے سے پاکستان اور بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ بھارتی حکومت نے اس واقعے پر تحمل اور بردباری سے کام نہ لیا تو بھارت میں فسادات بھی پھوٹ سکتے ہیں۔"

"لاش بہت بری اور ادھڑی ہوئی حالت میں ملی ہے۔" آئی جی کہہ رہا تھا "مرنے والا اوباش اور رنگین مزاج تھا۔ ابھی تفتیش شروع نہیں ہوئی مگر ابتدائی اندازہ ہے کہ یہ رقابت کا کوئی چکر بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے اس بات پر حیرت ہورہی ہے کہ تم نے یہ اہم واقعہ اتنی دیر سے بتایا۔" لیری نے آئی جی سے کہا۔

"میں امن و امان کے مسئلے پر یہاں رپورٹ دینے نہیں آیا تھا۔" آئی جی نے ترشی سے جواب دیا "تمہاری بات سننے کے لیے آیا تھا۔ اگر تم نے را کی طرف سے مظہر کو خریدنے والا فلیکس نہ دکھایا ہوتا تو شاید میں اس واقعے کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ کراچی میں روز جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ان خبروں سے صرف خوف و ہراس پھیلتا ہے۔ تفتیش میں کوئی مدد نہیں ملتی۔"

"اگر تم میری جسارت کو اپنے فرائض میں مداخلت تصور نہ کرو تو میں چندن والے قصے سے پوری طرح باخبر رہنا چاہوں گا۔" اس بار لیری نے غیر معمولی نرمی اور شرافت سے اپنی فطری خواہش کا اظہار کیا "اس سے مجھے اپنے مشن میں مدد ملے گی۔"

"میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش ضرور کروں گا۔" آئی جی نے بھی نرمی سے اسے ٹال دیا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے۔" لیری نے اپنا گلا صاف کرکے کہا "جس شہر میں ماجد یمنی، ڈپی اور مظہر جیسے لوگ آزادی سے دندناتے پھر رہے ہوں اس شہر میں مجھ سمیت کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"تم کھلے دل سے ہمارا ساتھ دو۔ ہم انہیں پکڑلیں گے۔" شاہد رانا بولا۔

"ہم کھلے دل سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں نے بھارتیوں کی مرضی کے خلاف ایک خفیہ فلیکس کی کاپیاں تمہیں لادیں۔ تم ہم لوگوں سے اور کیا چاہتے ہو۔"

"یہ کاپیاں تم نے آف دی ریکارڈ دی ہیں۔ انہیں آن ریکارڈ کردو پھر دیکھو کہ پوری سازش کے تانے بانے کس طرح سامنے آتے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" لیری نے سختی سے انکار کردیا "تم اس مضمون کو بھارتیوں کے گلے کا ڈھول بنادو گے اور اسے دنیا جہان میں بجاتے پھرو گے۔"

"دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت دوسرے ملکوں میں کیا کررہا ہے۔"

"آج کے ماحول میں سب نے ایک دوسرے کے ملکوں میں جاسوسی کے لیے اپنے جال بچھائے ہوئے ہیں۔" لیری نے جلال کی دلیل رد کردی "پتا نہیں بھارت میں تمہارے کتنے آدمی کام کررہے ہوں گے اور تم نے کس کس کو خریدا ہوگا۔"

"ہم پھر غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہیں۔" شاہد نے لیری کو ٹوکا "تم یہ بتاؤ کہ جان دہلی سے کب آرہا ہے۔"

"تم کو جان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" لیری نے اسے

گھورتے ہوئے سوال کیا۔
"اگر تم ماجد یمنی کی گرفتاری میں ذرا بھی دلچسپی رکھتے ہو تو جان کو جلد از جلد یہاں ہونا چاہیے۔"
"ماجد یمنی آج بھی ہماری پہلی ترجیح ہے۔ اسے ہم نہیں بھول سکتے۔ اس کے لیے جان کیا کر سکتا ہے۔"
"اسے تم نے نہیں دیکھا۔ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ ہم نے کئی مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا ہے۔ وہ یمن اور دوسرے عرب علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے کاغذات میں مطلوب نام نہیں ہے۔ اگر ماجد کے کاغذات کسی اور نام سے بنے ہوئے ہیں تو کوئی اسے نہیں پہچان سکتا۔ صرف جان اسے شناخت کر سکتا ہے۔ وہ یہاں سے غائب ہے۔ اس کے انتظار میں ہم ان لوگوں کو غیر معینہ مدت تک قید نہیں رکھ سکتے۔"
"ہاں، جان کو یہاں ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے ملزم کو شناخت کر سکے۔" آئی جی نے شاہد کی تائید کی۔
"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کی تصویریں مجھے بھجوا دو۔ وہ جان کو پہنچا دی جائیں گی۔"
"تصویروں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" آئی جی نے زور دے کر کہا "جان کا یہ بیان ریکارڈ میں موجود ہے کہ جائے واردات پر روشنی کم تھی اور اسے غور سے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے میں وہ تصویروں سے دھوکا کھا جائے گا۔ ملزم سامنے آئے گا تو وہ آسانی سے اسے پہچان لے گا۔"
"وہ کسی وقت واپس آسکتا ہے۔ میں اسے یاد دہانی بھی کرادوں گا مگر میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ آج ایک بھارتی کے قتل کے بعد تمہارا شہر غیر ملکیوں کے لیے مخدوش ہو گیا ہے۔ کوئی بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔"
"سب سے پہلے اپنی غلط فہمی دور کرلو۔" آئی جی نے نرمی سے کہا "چندن گرنانی ہندو ضرور تھا مگر وہ پاکستان کا شہری تھا۔ بھارت سے اس کا صرف اتنا تعلق تھا کہ وہ ان کے قونصل خانے میں ملازم تھا۔ رہی غیر ملکیوں کے تحفظ کی بات تو تم دونوں دو دن سے یہاں ہو اور بالکل محفوظ ہو۔"
"یہ قسمت کی بات ہے۔" لیری نے کسی پس و پیش کے بغیر کہا "مجھ سے پوچھو کہ میرا کیا حال ہے۔ ہر وقت کہیں سے گولی آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ میں ہوٹل میں اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھ پر حملہ نہ کردے۔"

وجہ دلچسپی

پروفیسر صاحب نے میڈیکل کے ایک نوجوان طالب علم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے .... زچگی کے باب کو تم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے اور دوسرے مضامین کے نمبروں کی نسبت اس میں بہت اچھے نمبر لیے ہیں؟"
"سر....! بات یہ ہے ..." نوجوان اسٹوڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب میں دل کی بیماریوں کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے وہم ہونے لگا تھا جیسے میں خود بھی دل کا مریض ہوں۔ جب میں دمے کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ مجھ میں بھی دمے کی علامات موجود ہیں۔ السر کے بارے میں پڑھتے وقت تو مجھے اچھا خاصا یقین ہونے لگا کہ مجھے بھی السر ہے .... زچگی واحد مضمون ہے جسے میں نے اطمینان اور بے فکری سے پڑھا ہے۔"

مجھے بے اختیار روبرا کا قول یاد آگیا۔ وہ بار بار کہتی رہتی تھی کہ امریکی نرے بزدل ہوتے ہیں جہاں جیت کا یقین ہو وہاں شیر ہوتے ہیں۔ پٹنے یا بازی برابر رہنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے میں عار نہیں سمجھتے۔
"میں جانتا ہوں۔" شاہد نے ہنس کر کہا "تمہاری حفاظت کے لیے برابر کے کمرے میں دو امریکی میرین کمانڈوز رہ رہے ہیں جو تم سے پہلے باہر نکل کر گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں پھر دروازے پر خاص انداز میں دستک دے کر تمہیں میدان صاف ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔"
"اوہ!" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "تو تمہارے آدمی میرے نگرانی کررہے ہیں۔"
"مجبوری ہے۔" شاہد نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کے کہا "تم وی آئی پی ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہمارے فرائض میں شامل ہے۔"
"تم چاہو تو تمہارے کمرے کے باہر پولیس گارڈز بھی مامور کیے جاسکتے ہیں۔" آئی جی نے اس پر تفریحاً فقرہ کسا۔
"تو.... تھینک یو!" لیری نے برا مان کر سختی سے کہا

”میرے لیے امریکی گارڈز ہی کافی ہیں۔“

”آج کے اجلاس میں تم ہمیں صرف اشتعال انگیز فلیکس دکھانے آئے تھے!“ جلال نے اس کے تیور بھانپ کر موضوع ہی بدل دیا۔

”ہاں۔ اصل مقصد یہی تھا۔ مگر ماجد یمنی اور ڈینی کے بارے میں یاد دہانی بھی ضروری ہے۔“

”میں پھر کہوں گا کہ سی آئی اے یا امریکی حکومت محض بھارتیوں کی خوشنودی کے لیے مظہر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔“ میں نے دانستہ کہا ”اس کی ضرورت بھارتیوں کو ہے، تم کو نہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ را کا زر خرید آدمی ہے تو ہم اس کے پیچھے پاتال تک جائیں گے مگر تم اس معاملے میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔“

”اس پر دہلی میں پیش آنے والے واقعات میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔“ لیری نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”تم پچھلے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت اس موضوع پر خاصی ناخوشگوار بحث ہوئی تھی۔ وہ ہماری بھی ضرورت ہے کیونکہ ہمیں جان اسمتھ کے قاتل کی تلاش ہے۔ اس کے لیے ہم ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ جان دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں اپنے ہم نام کے قتل کی کڑیاں بھی یک جا کرنے کی کوشش کرے گا۔“

”اس کے لیے کراچی کے مقابلے میں دہلی زیادہ مخدوش ہے۔ شاید وہ بھول رہا ہے کہ اس کے ہم نام سے پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ نامی ایک اور اہم امریکی افسر دہلی میں حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔“

”کرنل داور! امریکا اور امریکیوں کے بارے میں تمہارے مشاہدے قابل رشک ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑ دی۔ وہ سات پاکستانی افسروں کے درمیان گھر کر بہت زیادہ بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔

”ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ مثبت سے زیادہ منفی پہلوؤں پر نگاہ رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔“ میں نے ہنس کر جواب دیا۔

”اسی لیے مجھے ایس ٹی ایف سے بہترین امیدیں ہیں۔ ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بعد اب چندن کا قاتل بھی تمہارے لیے چوتھا چیلنج بن گیا ہے۔“

”وہ ہمارا کام ہے۔“ آئی جی نے اس کی تصحیح کی ”ایس ٹی ایف والے پولیس کے فرائض میں دخل اندازی نہیں کرتے۔“

ہم ساتوں نے کانفرنس روم کے دروازے پر لیری اور اس کے مددگار کو رخصت کیا۔ لیری نے جاتے ہوئے ہم سے فلیکس کی نقول واپس نہیں لی تھیں۔

کرنل غفور فوری طور پر چلا گیا۔ دوسرے افراد دروازے پر کھڑے خوش گپیاں کرتے رہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جلال کو ایک طرف لے گیا۔

”آج تم نے اس موٹے کے بخیے ادھیڑ کر میرا دل خوش کر دیا۔“ بھیڑ سے دور نکل آنے پر جلال نے مسرت سے کہا۔

”یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ آئی جی کو مشورہ دو کہ چندن کے قتل کو رقیبانہ انتقام کا رخ دینے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری رنگین لمحات شہزادی نامی کسی لڑکی کے ساتھ گزارے تھے۔“ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

”بس، میں سمجھ گیا۔ یہاں زبان پر قابو رکھو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی وقت گھر آؤں گا۔“

ہم دونوں دوبارہ اپنے ساتھیوں میں آملے۔ رفتہ رفتہ سب وہاں سے روانہ ہو گئے۔ بس آئی جی دروازے پر کھڑا رہ گیا۔ شاید اسے تازہ مذاکرات کے بارے میں کمشنر سے کچھ مشورے کرنے تھے۔

”یہ بہت برا ہوا کہ تم اپنی جارحانہ باتوں کی وجہ سے لیری ہف کی نظروں میں آ گئے۔ اس نے چلتے چلتے طنزیہ انداز میں تمہاری تعریف کی تھی۔“ کمشنر ہاؤس کی حدود سے گاڑی باہر نکال لے جانے کے بعد اول خان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

”وہ سب باتیں ناگزیر تھیں۔ وہ لاجواب ہو گیا تھا۔“ میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا ”اب گھر جا کر یہ بات نہ دہرا دینا۔ غزالہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ وہ مجھ سے شاکی رہتی ہے کہ میں ہر وقت خود سے خطرات مول لیتا رہتا ہوں۔ میں لیری کی ناراضی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔“

”وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں چھان بین شروع کروا دے گا۔ اسے تمہارا سروس ریکارڈ نہ ملا تو بہت بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ کرنل داور کی ذات فوری طور پر شکوک و شبہات کی زد میں آ جائے گی۔“ اول خان اس بارے میں واقعی پریشان تھا۔

”مظہر کے نام سے میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے تم نے ایسی باتوں کا خاص دھیان رکھا تھا۔“ میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران سوچنے کے بعد کہا ”را والے میرے کوائف کی اس تصدیق سے دھوکا کھا گئے تھے۔ کیا اس بار تم نے ایسی کوئی احتیاط نہیں کی؟“

”میں نے اتنی ہی احتیاط کی ہے جتنی پاسپورٹ کے معاملے میں کی تھی۔ کرنل داور سکسٹی نائین فیلڈ کا افسر تھا جو ریٹائرمنٹ لینے کے بعد پچھلے کئی سال سے فوجی فاؤنڈیشن کی ایک فیکٹری میں کام کررہا ہے۔“

”بس، تو پھر یہی کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ساری عمر کسی فیکٹری میں کام کرتا رہے۔ اس موقع ملا اور وہ اس فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر اسپیشل ٹاسک فورس میں آگیا۔ اب تم کیوں فکر مند ہو رہے ہو۔“

”سی آئی اے والے سور ہوتے ہیں۔“ اول خان نے سڑک پر نظریں جمائے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ”وہ بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی نقل حاصل کرسکتے ہیں۔ اس میں داور کی تصویر بھی ہوگی۔“

”تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔“ میں نے اس سے اتفاق کیا ”اس علاقے میں اپنے تلخ تجربات کی بنا پر وہ بہت زیادہ محتاط ہوسکتے ہیں۔ ان سے ہربات کی توقع کی جاسکتی ہے مگر تم کو اس بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بھی ریٹائرڈ فوجی ہو۔ فوج میں تمہارے گہرے مراسم ہوں گے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ریکارڈ میں کرنل داور کی تصویر بدلوا دو کیونکہ کرنل داور والا رول کچھ طول پکڑ سکتا ہے۔“

”مجھے اسی بات کی پریشانی ہے۔ اس نے تمہارا نام اور چہرہ ذہن نشین کرلیا ہے۔ مظہر کی طرح کرنل داور کو کہیں غائب نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو آرمی ریکارڈ میں کسی قسم کا ردو بدل ناممکن ہے۔ کسی طرح یہ کام کرلیا جائے تو خطرہ یہ ہے کہ تمہاری تصویر ہمیشہ کے لیے ریکارڈ پر آجائے گی۔“

”تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتے ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا ”ضروری نہیں کہ ریکارڈ میں میری اصل تصویر ہی جائے۔ تصاویر اور کوائف کا مرحلہ ہر ملازمت کی ابتدا میں چلتا ہے اور ریٹائرمنٹ تک وہی ریکارڈ برقرار رہتا ہے۔ مجھ سے ملتی جلتی کوئی بھی تصویر چلے گی۔ آج سے دس پندرہ برس پہلے میں آج سے بہت مختلف رہا ہوں گا۔“

”اوکھلی میں سر دیا ہے تو اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میرے ذہن میں ایک خطرہ سر ابھار رہا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کردیا۔ اب ہم مل بیٹھ کر اس کا کوئی نہ کوئی تدارک بھی کرلیں گے۔“

ہم دونوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ گاڑی تیزی سے واپسی کے سفر پر گامزن تھی۔

○☆○

انکشاف

معروف اداکارہ نے تھانے میں رپٹ لکھوائی کہ چوہدری صاحب نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔

”چوہدری صاحب نے آپ پر مجرمانہ حملہ کب کیا؟“ تفتیشی افسر نے پوچھا۔

”پچھلے ہفتے“ اداکارہ نے جواب دیا۔

”تو پھر آپ نے رپورٹ پچھلے ہفتے کیوں درج نہیں کرائی؟“ تفتیشی افسر نے حیرت سے کہا۔

”اس وقت تک ان کا دیا ہوا چیک ڈس آنر ہو کر بینک سے واپس نہیں آیا تھا“ اداکارہ نے جواب دیا۔

پچھلی رات ہم چندن کے اغوا کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تو ہمارا ابتدائی پروگرام یہ تھا کہ چندن کو اس کے گھر سے نکالیں گے اور قائداعظم کے مزار کے عقبی سڑک پر پھیلے ہوئے سناٹے میں قیدی کو ایس ٹی ایف والوں کے حوالے کرکے گھر لوٹ آئیں گے۔

اسٹیشن فور میں بیٹھا ہوا اول خان خود ہی قیدی سے نمٹ لیتا۔ ہم دونوں بروقت اپنی اپنی خواب گاہوں میں پہنچ جاتے مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہوسکا۔ کچھ میرا فطری تجسس تھا اور دوسری طرف اخلاقیات کی پاس داری کہ ہم دونوں خود ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہوگئی کہ سلطان شاہ تھک ہار کر سوچکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش تھی یا اسے بھی نیند آگئی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو وہ بظاہر غفلت کی گہری نیند سوئی ہوئی تھی، صرف غزالہ ہم دونوں کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر میں نے پسنجر سیٹ پر سوئے ہوئے سلطان شاہ کو جگایا تو وہ گھر میں گھستے ہی بستر کی طرف ہولیا۔

غزالہ مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ میں گھر سے کسی مہم کے لیے نکلتا تو میری سلامتی کے لیے دعاگو رہتی تھی۔ میں صحیح وسلامت لوٹ آتا تو خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ میں نے سرسری طور پر اسے چندن

کے عبرت ناک انجام کے بارے میں بتا دیا۔
چائے کے ساتھ ایک سینڈوچ لے کر میں بھی سونے کے لیے چلا گیا۔ صبح آٹھ بجے اول خان کا فون آیا تو ویرا بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ غزالہ میرے اور سلطان شاہ کے لیے ناشتا تیار کر چکی تھی۔ فون پر بات ہونے کے چند منٹ بعد اول خان راستے سے مجھے لیتا ہوا کمشنر ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔
ہم کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکا تھا کہ ان واقعات کے بارے میں بیٹھ کر کوئی بات کرتے۔ میں اجلاس سے نمٹ کر اول خان کے ساتھ گھر پہنچا تو ویرا اپنی پوری تیاری کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔
"غنیمت ہے کہ تمہیں گھر آنے کا خیال آ گیا" گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے ویرا کی نشترزنی کا سامنا کرنا پڑا "رات کو کہاں رہ گئے تھے؟"
"اول خان کے ساتھ مجرا دیکھنے چلا گیا تھا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" میں نے سلگ کر پوچھا۔ غصہ مجھے اس بات پر آیا کہ سلطان شاہ اس کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ وہ پوری مہم میں میرا شریکِ کار رہا تھا۔ ویرا نے میری غیر حاضری میں اس سے سب کچھ پوچھ لیا ہوگا پھر بھی وہ میرے سامنے انجان بن رہی تھی۔
"تمہیں معلوم ہے کہ میں تم دونوں کے لیے کتنی پریشان تھی" ویرا نے احسان جتانے کی کوشش کی "تم اپنا موبائل فون بھی گھر پر بھول گئے تھے۔"
"تمہاری پریشانی کا اندازہ تمہاری گہری نیند سے ہو گیا تھا" میں نے گہرے طنز سے کہا مگر میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔ میں موبائل فون بھولا نہیں تھا۔ دانستہ گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے شیطانی آلے کی جہاں بہت زیادہ افادیت تھی، ایک خرابی بھی تھی۔ اگر فون کھلا ہوا ہے تو آدمی کہیں بھی ہو، پکڑا جاتا ہے۔ ہمہ وقت رابطے کی وہ آزادی بعض نازک مقامات پر تکلیف دہ ہو سکتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ چندن کے اغوا میں ایسے کئی نازک مقامات آئیں گے۔ اگر کسی غلط موقع پر موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تو سارا کیا دھرا رہ جائے گا۔
"تم گھر سے کچھ طے کر کے جاتے ہو اور باہر جا کر ارادے بدل لیتے ہو۔ تم کو اندازہ ہے کہ غزالہ تمہارے لیے کتنی فکرمند رہتی ہے" اپنی بات کا منہ توڑ جواب سنتے ہی ویرا نے غزالہ کو بھی اس بحث میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔
"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"
ویرا کی مستفسرانہ نظریں غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔
"میری طرف سے تم دونوں بھاڑ میں جاؤ۔ میرا کیا جاتا ہے" غزالہ کے خوشگوار ردِعمل پر ویرا بھڑک اٹھی "یہ رات کو میرے ساتھ بیٹھی اس طرح ٹسوے بہا رہی تھی جیسے تھوڑی دیر میں تمہاری تدفین کی خبر آنے والی ہے۔ اب دانت نکال رہی ہے۔"
"ویرا!" اول خان نے تادیبی لہجے میں اسے پکارا "مہذب لب و لہجہ اختیار کرو۔ تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔"
ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "رات کو کیا ہوا تھا؟"
تم کو سلطان شاہ نے ہر بات بتا دی ہوگی، میرا دہرانا ضروری نہیں ہے۔"
"میں نے ان دونوں کو ہر بات بتا دی ہے" سلطان شاہ نے جھٹ میری تائید کی "ویرا کو اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ہم نے چندن کی گرل فرینڈ کو کیوں چھوڑ دیا؟ وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے اس نادر اندیشے کا سبب کیا ہے؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔
"میں عورت ہوں اور عورتوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ تمہیں دیکھ کر اسے اپنی جان خطرے میں نظر آئی اور اس نے اداکاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے مکر سے تم کو فریب دے دیا۔ وہ کہیں بھی تمہیں پہچان لے گی" ویرا نے دعوے سے کہا۔
"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اسے اپنے نازک دماغ سے جھٹک دو۔ وہ اس بری طرح مدہوش تھی کہ اسے اپنے تن کے کپڑوں کا بھی ہوش نہیں تھا۔"
"وہ نمفو مینیا کی مریضہ رہی ہوگی۔ ایسی عورتوں کو بے لباس ہو کر ہی سکون ملتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔
"تم نے کیا بے ہودہ باتیں شروع کر دیں" سلطان شاہ نے چڑ کر اسے ٹوک دیا "وہ رات کی باتیں تھیں۔ رات گئی بات گئی۔ اس وقت یہ دونوں لیری سے مل کر آ رہے ہیں۔ وہاں ہونے والی باتیں اس وقت سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

ویرا نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور مجھ سے کہا "تم نے چوپڑہ کے بارے میں کیا، کیا؟"

"کچھ خدا کا خوف کرو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ہم رات گئے واپس آئے۔ صبح سویرے کانفرنس میں چلے گئے۔ کچھ کرنے کا وقت کہاں تھا میرے پاس۔"

"ہوسکا تو اسے میں دیکھوں گی" وہ پرخیال انداز میں بولی "اب بتاؤ کہ لیری کو کیا تکلیف ہے؟"

"میرے بھیجے ہوئے فیکس نے یکایک بین الاقوامی اہمیت حاصل کرلی ہے" میں نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"وہ بے وقعت خط جس میں ٹائپنگ کی بے شمار غلطیاں ہیں؟" ویرا نے حیرت سے تائید چاہی۔

"چند گھنٹوں کی مدت میں وہ فیکس چندن سے لیری تک پہنچ گیا۔ وہ اندیشے درست ثابت ہوئے کہ بھارتی اور امریکی اس خط کو مظہر کی کراچی میں موجودگی کا کھلا ثبوت قرار دے رہے ہیں اور شدت سے اس کی گرفتاری کا مطالبہ کررہے ہیں" میں نے بتایا۔

"یہ باتیں چلتی رہیں گی" اول خان نے بلند آواز میں غزالہ سے کہا "تم ذرا ہلکے پھلکے ناشتے کا بندوبست کرلو!"

غزالہ اول خان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس فیکس کے بارے میں ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے۔ چندن کی موت کی صورت میں ہم نے اس سے فائدہ اٹھالیا مگر اب خطرہ سامنے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مظہر اور غزالہ کی واپسی کے بارے میں پاکستان کا مطالبہ بھی مسترد کردیا جائے گا" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ فیکس کو اس کے حساس متن کی وجہ سے آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے۔"

"اوہ! تو وہ اجلاس اسی لیے آف دی ریکارڈ تھا" ویرا نے چونک کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"لیری کو ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بارے میں ایس ٹی ایف سے بہت توقعات ہیں" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کچھ دنوں بعد اس میں چوتھا نام بھی شامل ہوجائے گا۔ آج تم کس نام سے میٹنگ میں گئے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"کرنل داور!" اول خان نے جواب دیا "ڈینی نے آج لیری کو بری طرح رگید کر رکھ دیا۔ کرنل داور اس کی نظروں میں آچکا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم آزادانہ نقل وحرکت کرسکتے ہو۔

افسانچہ

ایک خوب صورت لڑکی شام کے وقت ایک پارک سے گزر رہی تھی کہ فوارے کے قریب سے اس نے ایک دھیمی اور فریادی سی آواز سنی "ذرا سنیے.... ذرا سنیے۔"

وہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک مینڈک اس سے مخاطب تھا۔ مینڈک دردبھری آواز میں مزید بولا "اے پیاری لڑکی! حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ملک کا شہزادہ ہوں لیکن ایک جادوگرنی نے جادو کے زور سے مجھے مینڈک بنادیا ہے۔ اگر تم جیسی کوئی حسین لڑکی ایک رات نہایت پیار محبت سے مجھے اپنے ساتھ رکھے تو میں دوبارہ انسان کے روپ میں آجاؤں گا۔ یہی اس جادو کا توڑ ہے۔ خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور ایک رات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

لڑکی کو اس پر ترس آگیا۔ وہ اسے گھر لے آئی۔ پیار سے اپنے ساتھ رکھا۔ بستر میں اپنے ساتھ سلایا۔ صبح وہ مینڈک واقعی ایک خوش شکل نوجوان بن گیا۔

اس افسانچے کا المناک پہلو یہ ہے کہ لڑکی کی ماں نے لڑکی کی سنائی ہوئی اس کہانی پر یقین نہیں کیا۔

میرا مشورہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے اسٹیشن فور پر ہی منتقل ہوجاؤ۔ ہم لوگ اپنی دیکھ بھال خود کرلیں گے۔"

"تم کو اس کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ تم جانتے ہو کہ دشمنی کے معاملے میں امریکی کتنے گھٹیا ہوتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"میں خود اس اجلاس میں پس منظر میں رہنا چاہ رہا تھا مگر اس کی باتیں اشتعال انگیز تھیں۔"

"تم نے جلدبازی سے کام لیا" اول خان نے زبان کھولی "وہاں تم اکیلے نہیں تھے۔ دوسرے افسر بھی اس کی کھال ادھیڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ امریکیوں کے حاکمانہ سلوک کی وجہ سے کوئی بھی ان کو پسند نہیں کرتا۔ تم خاموش رہتے تو

کوئی نہ کوئی اسے ضرور منہ توڑ جواب دیتا۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب ہمیں خود کو آنے والے حالات کے مقابلے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ اس مرتبہ یہ لوگ اپنے ملزموں کو پکڑنے کا قصد کر کے میدان میں اترے ہیں اور کوئی بڑی چوٹ کھائے بغیر میدان سے نہیں بھاگیں گے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا۔

"اور چندن کے تاریخی الفاظ بھی یاد رکھنا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں بھارتی سوچ کا نچوڑ سمو دیا تھا۔"

"نشے میں مار کھا کر بھی وہ ایسی باتیں کرنے کے قابل تھا!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہند ہندو کا تھا، ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔"

"پھر تو امریکا بھی ریڈ انڈین کا ہونا چاہیے۔ سفید فام قوموں کے لوگ وہاں یورپ، برطانیہ اور آسٹریلیا سے گئے تھے" ویرا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"یہ آگ لگا دینے والی پر تشویش باتیں ہیں۔ وقتی طور پر اس نفرت کو کتنا ہی دبا لیا جائے، یہ کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ ضرور دکھائے گی" اول خان کی آواز پر تشویش تھی۔

"بھارتی ریاست اور قیادت کی پھیلائی ہوئی یہ نفرت آئے دن اپنا کام دکھاتی رہتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا "وہاں ہندو مسلم فساد ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں انتہا پسند ہندوؤں نے ایودھیا میں رام مندر بنانے کے لیے بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پچھلے مہینے بڑودہ میں چالیس مسلمان مار دیے گئے۔ یہ سب اسی نفرت کا شاخسانہ ہے جس کے بیج بھارتی قیادت بوتی رہتی ہے۔"

"ہندو کا فلسفہ اب رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتا جارہا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "دنیا میں بہتیرے مسلمان ملک ہیں لیکن بھارت کو کسی سے پرخاش نہیں ہے مگر وہ پاکستان کو ہر قیمت پر نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے۔ اس بھارتی سوچ کے پیچھے خالص ہندو ذہنیت کارفرما ہے۔"

"اور وہ ہندو ذہنیت کیا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"روایتی ہندوانہ انا۔ یہ احساس آج بھی ان کے دل میں کچوکے لگاتا ہے کہ مسلمان باہر سے آئے اور ایک طویل مدت تک ان پر راج کر گئے۔"

"ان پر تو انگریزوں نے بھی راج کیا تھا۔ وہ ان سے محبت کیوں کرتے ہیں؟" ویرا بات بڑھانا جانتی تھی۔

"انگریز آیا اور چلا گیا۔ اس نے بھارت میں اپنا کوئی وطن نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے عروج کے بعد زوال دیکھا اور آخر میں پاکستان بنالیا۔ متعصب ہندو پاکستان کو اپنے لیے گالی تصور کرتے ہیں۔ یہ ملک انہیں ہر وقت اس دور کی یاد دلاتا رہتا ہے جب وہ مسلمانوں کی غلامی کر رہے تھے۔ وہ اس علامت کے دشمن ہیں۔"

"ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے پُرعزم لہجے میں کہا "وہ اپنی سی پوری کوششیں کرتے ہیں مگر ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ ابھی اٹل، نریش اور ناگر کی چتاؤں کی راکھ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اب چندن کی ارتھی تیار رہے۔ یہ پے در پے ناکامیاں آخر کار ان کے حوصلے پست کر دیں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ سیاست اور تاریخ میں الجھ رہے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "یہ ہمارے موضوع نہیں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج کے مسائل کیا ہیں۔ سبب کچھ بھی ہو، مسائل اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہی پڑتا ہے۔"

"اور اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میز پر ناشتا تیار ہے۔" غزالہ نے آکر اعلان کیا۔ سب اٹھ گئے۔

ناشتے کی میز پر وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا رہا۔ اپنے بارے میں لیری کی کہی ہوئی باتیں رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ جذبات کی رو میں آکر میں نے اجلاس میں اس کی اچھی خاصی سرکوبی کر ڈالی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے سوچنے پر اندازہ ہو رہا تھا کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ اپنی ذات کو درپیش خطرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہاں احتیاط ضروری تھا۔

"لیری کا یہاں سے بھاگنا ضروری ہو گیا ہے۔" کھانے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"اس میں کیا رکھا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں بند نہیں رہ سکتا۔ اس پر چھوٹا موٹا مصنوعی حملہ کرا دو۔ خود بھاگ جائے گا۔" ویرا نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔

"احمقانہ باتیں تم سے سیکھنی چاہئیں۔" سلطان شاہ کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "ابھی سن چکی ہو کہ ہر وقت دو امریکی کمانڈو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مصنوعی حملے میں حصہ لینے والے مفت میں ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں۔" اول خان نے تجویز پیش کی "انہوں نے کسی بے نام و نشان گاڑی میں دو تین مرتبہ اس کا تعاقب کیا تو وہ خوف زدہ

ہو جائے گا۔ تم نے دیکھا کہ اس نے آئی جی کی طرف سے پولیس گارڈز کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ وہ یہاں اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہے۔ اسے یہ خوف دامن گیر ہو جائے گا کہ نامعلوم قاتل یا دہشت گرد اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تجویز معقول ہے مگر امریکی کمانڈوز گھبرا کر کوئی کارروائی کر بیٹھے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"زیادہ سے زیادہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کریں گے۔ ایسی گولیاں کبھی نشانے پر نہیں لگتیں۔ اندھا دھند فائرنگ کا مقصد صرف ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اول خان کے آدمی فرار کی راہ اختیار کر لیں گے۔" ویرا اپنی تجویز سے دست بردار ہو کر اول خان سے متفق ہو گئی۔

"بس ایک ڈر ہے کہ کہیں یہ حرکت جلال کی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی جلال۔" ویرا تنک کر بولی "میں پوچھتی ہوں کہ تم اس کے اسیر کیوں ہو گئے ہو۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "ہم لوگ کوئی کام اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ ہمارا ہر قدم اپنے ملک کے لیے اٹھتا ہے۔ اگر ہماری کسی کارروائی سے ملک کے کاز (CAUSE) کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ہمیں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔"

"بنیادی طور پر مجھے تعاقب کا مشورہ اچھا لگا۔ یہ اس پر دباؤ ڈالنے کی بے ضرر ترکیب ہے۔" میں نے کہا۔

"جلال سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" اس بار سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا بن گیا "جان ایش کوف والے معاملے میں بھی تم نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ بعد میں وہ تمہاری کارکردگی کے بارے میں جان کر خوش ہو گیا تھا۔ لیری کے لیے بھی اسی نسخے پر عمل کر ڈالو۔"

میں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہو گیا "مجھے خوشی ہے کہ تم کارآمد مثالیں یاد رکھتے ہو۔"

"مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کے بولا "تمہارے اور ویرا کے اختلافات کو رفع دفع کرانے کے لیے بہت کچھ یاد رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" غزالہ بولی "تمہاری اور ویرا کی ایک پل بھی نہیں بنتی۔ اس وقت تم اس کے چہیتے بن رہے ہو۔"

"پھر میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دوں۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"میں شام تک تمہیں فون پر بتا دوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دے دو۔ لیری عجلت میں شاید کوئی قدم نہ اٹھائے۔"

وقت کی تنگی کی وجہ سے اول خان گھر سے دفتر جانے کے بجائے سیدھا میری طرف آگیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمشنر ہاؤس جا سکے۔ اس نے ہمارے گھر سے اپنے دفتر فون کر لیا تھا مگر وہ دفتر سے اتنی طویل غیر حاضری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی معمول کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دفتر میں اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے اجازت لے کر اپنے دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

ویرا کو اپنی ذاتی ضروریات کی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ وہ ہمیشہ تنہا باہر نکلنے پر اصرار کرتی تھی لیکن ان دنوں میں نے ذرا سخت رویہ اختیار کر لیا تھا اور اسے اکیلا باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ جب سے جان نے گلشن کے اس پبلک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر پکڑا تھا جہاں سے میں نے ماجد بن کر اس سے بات کی تھی، میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ ان دنوں ساری ملکی ایجنسیاں ہمارے ساتھ تھیں لیکن مجھے ڈر تھا کہ دشمن کے ہرکارے اس بوتھ کے قرب و جوار میں ماجد یمنی کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔

ویرا میرے اصرار پر سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کسی قریبی بازار کی طرف چلی گئی۔

میں ان دونوں کو رخصت کر کے واپس لوٹا تو غزالہ الماری کھولے کپڑوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نرم قالین پر دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے پہنچا اور اچانک اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ کے حلق سے ایک اضطراری چیخ آزاد ہو گئی۔ میری حرکت سے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھنے سے پہلے شاید میرے لمس کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے اس کی بے ساختہ چیخ زیادہ بلند آہنگ نہیں ہو سکی تھی۔

"کیا آپ نے ان دونوں کو اس لیے ایک ساتھ بازار بھیجا ہے؟" اس نے میری بانہوں سے نکل کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی کبھی میں ان دونوں کے تسلّط سے اکتا جاتا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"آپ بہت بے مروت ہیں۔ آپ چلے جاتے ہیں تو وہ دونوں پل پل آپ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

"اور تم بے فکری سے اپنا منہ لپیٹ کر سو جاتی ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے فضا

میں چاندی کی بہت سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"وہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ بھی کبھی بہت رکھائی سے انہیں جھڑک دیتے ہیں۔ وہ بچے نہیں ہیں۔ پتا نہیں کس دل گردے سے آپ کی جھڑکیاں برداشت کرلیتے ہیں۔ سگے بہن بھائی بھی آپ کو شاید اتنا پیار نہیں دے سکتے تھے۔" باتیں کرتی ہوئی وہ بستر پر جا بیٹھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غزالہ نے میرا کوئی دبا ہوا زخم کرید دیا ہو۔ بچپن میں، میں نے گھر کی خوشی دیکھی تھی نہ میرا لڑکپن بے فکری سے گزرا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد سوتیلے بھائیوں کے سلوک نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ جس طرح راندہ درگاہ کیا تھا، وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔

غزالہ نے نادانستگی میں بہن بھائی کا ذکر کرکے میری ان تلخ یادوں کے تار چھیڑ دیے تھے۔

"آپ دہلی سے سرخ رو لوٹنے کے بعد بھی بہت مصروف ہیں۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے تلخ ماضی سے لوٹتے ہوئے پوچھا "کیا مجھے پنشن پر چلا جانا چاہیے؟"

"میں کہا یہ جا رہا تھا کہ انل بسواس کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد را کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار اور ابتری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اور یہ چندن کہاں سے آگ آیا؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"انل کے قتل کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ اسی واقعے کی دھول ہے جو اب تک اڑ رہی ہے۔ انل کے پس ماندگان کو اس کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ ابھی انہیں ناکامی کا پہلا گھاؤ لگا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ یوں ہی ہر وقت مصروف رہیں گے۔"

"میں نے ہر وقت گھر میں رہنا شروع کردیا تو تم میری صورت دیکھ دیکھ کر اکتا جاؤ گی۔" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"آپ کی صورت میرے دل پر نقش ہے۔ اسے میں ایک پل کے لیے بھی نہیں بھلا سکتی۔"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم نے دہلی میں ایک مرحلہ نہیں، کئی کٹھن معرکے کامیابی سے سر کرلیے۔ اب حالات و واقعات میں پہلے جیسی تیزی نہیں رہے گی۔ زندگی کا کوئی نہ کوئی خوشگوار معمول بن ہی جائے گا۔"

ازراہ کرم

ایک امریکی نے اپنی بیوی کی بے وفائی کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں۔ سراغ رساں نے اسے اس کی بیوی اور آشنا کی کچھ تصویریں کھینچ کر ثبوت کے طور پر لا کردیں۔ امریکی نے دوسرے روز تصویریں آشنا کے سامنے رکھتے ہوئے غصے میں غرا کر کہا "یہ دیکھو....اس تصویر میں تم میری بیوی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھے ہو....اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیٹھے پی رہے ہو...اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیڈ روم میں ہو...تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آشنا نے تصویریں دیکھ کر سرہلایا پھر تیسری تصویر اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے....یہ میں لے لوں گا....اس کے مجھے پندرہ پرنٹ نکلوا دو۔"

"بس مجھے اسی دن کا انتظار ہے۔ انل اور جان کا قصہ پاک ہوا تو دوسرا جان یہاں آگیا۔ وہ بھاگا تو لیری سر پر سوار ہے۔"

"یہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج شہر کے کسی دوسرے حصے سے لیری کو بھی فون کرلوں۔"

"جان فلیٹ میں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا "اسے وہاں بہت سی سہولتیں دستیاب تھیں جن کے سہارے اس نے پبلک بوتھ کے نمبر کا سراغ لگالیا تھا لیکن لیری ہوٹل میں رہ رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

مجھے یاد تھا کہ جان نے نہ صرف پبلک بوتھ کا فون نمبر بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ بھی حکام کے حوالے کردیا تھا۔ لیری کو ایسی کوئی سہولت دستیاب نہیں تھی۔ میں نے کہا "یہ دونوں بازار سے لوٹ آئیں تو میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر خاموشی سے نکل جاؤں گا۔"

"آپ اس سے کیا بات کرنے کا ارادہ کررہے ہیں؟"

"وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات کی جائے۔ میں نے صرف ایک بات سوچی ہوئی ہے کہ اس سے بات کرتے ہوئے میرا نام عبدالماجد ہوگا۔" میں نے ہنس کر

کہا۔

وہ خوش ہوگئی "یہ سب سے بہتر رہے گا۔ اس پر دہرا دباؤ پڑے گا۔ ایک طرف ایس ٹی ایف والے اس کا پیچھا کریں گے، دوسری طرف ماجد یمنی کا فون ہوگا۔ وہ حواس باختہ ہوجائے گا اور زیادہ دیر یہاں نہیں ٹکے گا۔"

"لیری چلا جائے گا تو ہمارا وقت سکون سے گزرے گا۔ سی آئی اے والوں کی تسلی کے لیے ہماری ایجنسیاں کاغذی خانہ پری کرتی رہیں گی۔"

"آپ نے اپنی یہ تجویز ویرا کے سامنے نہیں رکھی۔" غزالہ نے پوچھا۔

"وہ کچھ چڑچڑی اور بددماغ ہوگئی ہے۔ ہر بات میں بحث کا پہلو نکال لیتی ہے اس وقت وہ موجود نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اطمینان سے ایک فیصلہ کرلیا۔ وہ بحث پر آمادہ ہوجاتی ہے تو اسے سمجھانا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"اس کی عادتیں آپ نے بگاڑی ہیں۔ ہمیشہ اس کی اتنی نازبرداریاں کرتے ہیں کہ اس کی جگہ کوئی اچھی بھلی عورت ہو تو اس کا بھی دماغ خراب ہوجائے۔"

"میں تو تمہاری بھی نازبرداریاں کرتا ہوں۔ تمہارا دماغ کیوں خراب نہیں ہوتا۔"

"آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے سامنے آپ مجھے نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔"

"چلو اب خیال رکھوں گا۔ سب کے سامنے تمہیں اپنی گود میں اٹھالوں تو برا نہ منانا۔"

"اب میں تماشا بھی نہیں بننا چاہتی۔" وہ ہنس دی۔

ویرا کچھ بتا کر نہیں گئی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آئے گی۔ جب دو بج گئے تو مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ اس تشویش میں بھڑکی ہوئی بھوک بھی دب کر رہ گئی۔

وہ دونوں گاڑی لے کر گئے تھے۔ واپس آکر گیٹ پر ہارن بجاتے اور ہمیں ان کی آمد کا علم ہوجاتا مگر ڈھائی بجے میرے اضطراب کا یہ عالم ہوگیا کہ میں باربار دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ان دونوں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

پونے تین بجے گیٹ کے قریب ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ انجن کی آواز نامانوس تھی مگر میں نے دروازے کی طرف دوڑ لگادی۔ میں دروازے کا بولٹ کھول رہا تھا تو ڈوربیل بج اٹھی۔ ویرا یا سلطان شاہ سے اتنی تہذیب کی توقع نہیں تھی۔ اپنے دروازے پر وہ دونوں گاڑی سے اترے بغیر ہارن بجانے کے عادی تھے۔

میں باہر نکلا تو پھاٹک پر جلال موجود تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا مگر مجھ سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگئی کہ وہ میری پریشانی کو تاڑ گیا اور اس بارے میں سوال کر بیٹھا۔

میں اسے ویرا اور سلطان شاہ کی واپسی میں تاخیر کے بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ گلی کے سرے مجھے ان کی کار مڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے بات ٹال دی "کچھ نہیں۔۔۔ آؤ تم اندر چلو۔ وہیں بیٹھ کر گپ شپ ہوگی۔"

میں نے پھاٹک کھلا چھوڑ دیا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وہ دونوں بھی اندر آگئے۔

میرا خیال تھا کہ ویرا نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی مگر سلطان شاہ کے ہاتھ میں صرف ایک شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

ویرا تھکے ہوئے انداز میں جلال سے دعا سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ میں غلط وقت پر آیا ہوں۔" اس آمدورفت پر جلال نے ندامت سے کہا۔

تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو۔ تم نہ آئے ہوتے تو میں ان دونوں کی تلاش میں نکل کر کھڑا ہوتا۔ یہ بہت دیر میں واپس آئے ہیں۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کلینک میں دیر ہوگئی۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ایک لڑکے نے چلتی موٹر سائیکل پر ویرا کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اس کا پیر مڑ گیا تو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ گیا۔ وہاں دیر ہوگئی۔"

"پرس اور لڑکے کا کیا ہوا؟" جلال نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پرس بچ گیا۔ اس کا اسٹریپ ویرا کی کلائی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے جھٹکے سے اس کا پیر مڑ گیا۔ لڑکا موٹر سائیکل پر فرار ہوگیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ سلطان شاہ اس واقعے کی بدمزگی اور ویرا کی تیمارداری سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ غزالہ جلال سے مل کر سب سے پہلے کچن میں چلی گئی تھی۔

"اگر تمہیں ویرا سے کوئی بات کرنی ہے تو کرلو۔ میں انتظار کرلوں گا۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کہا۔

"واقعے کی تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے..."

"یار اس کی مزاج پرسی ہی کرلو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "بے چاری کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔"

"موچ آئی ہوتی تو وہ اپنے قدموں پر چلتی ہوئی یہاں تک نہ آتی۔ تم سناؤ کیا خبریں ہیں۔"

"آج کا میلہ تم نے لوٹ لیا۔ تمہاری کاٹ دار باتوں نے سب کے دل موہ لیے۔ اب لیری کو بھی تمہاری فکر ہے۔"

"اس کو شروع سے میری فکر ہے۔ وہ تین ناموں سے مجھے تلاش کر رہا ہے۔ تم کس نام کی بات کر رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کرنل داور۔ اس نے بہت مکّاری سے کام لیتے ہوئے کرنل شعبان سے تمہارا سروس ریکارڈ مانگا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سرعت سے جوابی وار کی تیاری شروع کر دے گا۔ کرنل شعبان نے اسے کیا جواب دیا؟"

"کورا جواب دیا ہے کہ خفیہ ریکارڈ کسی کو فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ لیری نے کوئی جوابی وار نہیں کیا۔ اس نے شعبان سے کہا کہ داور بہت ذہین اور طرار آدمی ہے۔ اس کا سروس ریکارڈ دیکھ کر سی آئی اے میں اس کی جگہ پیدا کی جاسکتی ہے۔"

میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنس پڑا "یہ خدا کی قدرت ہے کہ مجھے سی آئی اے میں لینے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔"

"شعبان کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ یہ لیری کا بلف ہے۔ وہ دھوکے سے تمہارے مکمل کوائف حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔"

"تو کیا اس کو مجھ پر شک ہو گیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ جلال کے الفاظ پر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"اسے شک ہی کہیں گے۔ وہ تمہیں ڈپٹی نہیں سمجھ رہا بلکہ اس بات سے نالاں معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کے بارے میں تلخ سوچ رکھنے والے ایک شخص کو ایس ٹی ایف میں جگہ کیوں دی گئی ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"شعبان کے انکار کے بعد وہ ریکارڈ تک رسائی کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کرے گا۔"

آمد کا مقصد

متحدہ کمیونسٹ روس کے زمانے میں وہاں کا ایک کتا خفیہ طور پر سرحد عبور کر کے مغربی جرمنی کے ایک کتے کے ہاں مہمان کے طور پر آگیا۔ مغربی جرمنی کے کتے نے دم ہلا کر اسے خوش آمدید کہا اور چبانے کے لیے اسے ایک ہڈی پیش کی۔ روسی کتا نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "میں یہ ہڈی نہیں کھاؤں گا۔ ہمارے ہاں کی کمیونسٹ ہڈیاں زیادہ لذیذ ہوتی ہیں۔"

میزبان کتے نے ذرا مرعوب ہوتے ہوئے کہا "اچھا... تو میرے پیالے سے تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"نہیں... میں یہ بھی نہیں پیوں گا.... ہمارا کمیونسٹ دودھ زیادہ مزے دار اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے" روسی کتے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اچھا... تو پھر میرے دڑبے میں تھوڑی دیر آرام ہی کرلو" میزبان کتا خوش خلقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"نہیں.... میں ایک سرمایہ دار کتے کے دڑبے میں آرام نہیں کر سکتا۔"

"اگر تم میری کوئی بھی چیز قبول نہیں کر سکتے تو پھر یہاں آئے کس لیے ہو؟" میزبان کتے نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک آدھ دن بھونکنے کے لیے..." روسی کتے نے جواب دیا۔

"اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ شعبان کا کہنا ہے کہ اس نے بات ختم کر دی۔"

"اول خان نے کانفرنس میں معتبر بنانے کے لیے میرے نام سے پہلے کرنل کا دم چھلا لگا دیا ورنہ کسی فرضی نام سے ہی کام چل سکتا تھا۔"

"اول خان نے بہت ذہانت سے کام لیا۔ سیکیورٹی کے معاملے میں امریکی بہت سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔

غنیمت ہے کہ اس نے ایس ٹی ایف کے دو نمائندوں کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں اول خان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر چونک پڑا تھا۔“

”وہاں دوسروں کی طرح تم بھی مجھ سے اجنبی بنے ہوئے تھے۔“

”اجنبی نہ بنا ہوتا تو اب مجھ پر ہر طرف سے سوالوں کی یلغار ہو رہی ہوتی۔“

”ذرا سی شناسائی اتنا زیادہ بوجھ نہیں بنتی۔“ میں نے بے اعتباری سے کہا۔

”تم آرام سے گھر میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتے ہو۔ اجلاس کے بعد سب فون پر ایک دوسرے سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہر ایک کو پورا یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو بنے ہوئے تھے مگر کوئی یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ ڈینی ہر خطرہ مول لے کر بہروپ میں لیری کے سامنے پہنچ گیا۔“ جلال نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

”اب میرے لیے تمہارا کیا حکم ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”پچھلے ڈیڑھ دو ہفتوں میں تم نے بہت کام کرلیا۔ اب کچھ دن آرام کرلو۔ چاہو تو چھٹی پر مری کی طرف نکل جاؤ۔“ اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”ذرا آگے جاؤ گے تو بھوربن کے حسین پہاڑوں میں تمہیں زندگی کا لطف آجائے گا۔“

”اب طبیعت ایسے عیش و آرام کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ تم یہ بتاؤ کہ لیری یہاں سے کب واپس جا رہا ہے۔“

”لیری بہت فرصت سے آیا ہے۔ فی الحال وہ کہیں نہیں جائے گا۔ وہ خاصا بڑا ایجنڈا لے کر پاکستان آئے تھے مگر جان کو ماجد کی وجہ سے عجلت میں دہلی بھاگنا پڑ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ لیری کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ کب پاکستان لوٹتا ہے۔“

”میں نے سنا تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ سی آئی اے کا بہترین دماغ تھا جسے مخصوص مقاصد کے لیے کراچی میں تعینات کیا گیا تھا“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”وہ دہلی میں پیش آنے والے ایک حادثے میں مارا گیا مگر سی آئی اے کی سرگرمیوں میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی، اس کی جگہ جان اسمتھ نے لے لی۔ یہ...“

”اداروں میں یہی ہوتا ہے۔ کارکردگی کا تسلسل کسی نہ کسی سطح پر برقرار رہتا ہے مگر یہ دیکھو کہ اوبی لاکھوں ڈالر مالیت کا ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم یہاں لایا تھا۔ سنگ ریزوں جیسے کروڑوں چپس شہر کی مٹی میں بکھیر دیے جاتے اور وہ دفتر میں بیٹھے بیٹھے آوازوں کی پہچان سے یہ معلوم کرلیتا کہ اس کے مطلوب آدمی کہاں کہاں موجود ہیں۔ تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنے کے لیے وہ ایک بھیانک جال تھا۔ اوبی کے مرتے ہی وہ کھیل ختم ہوگیا۔ اس کے لائے ہوئے کمپیوٹر اور ساؤنڈ اسکینر نہ جانے کہاں پڑے سڑ رہے ہوں گے۔“

جلال کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اوبرائن نے مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھ کر اپنے اعتماد میں لے لیا تھا اور ڈینی کی تلاش کے لیے الیکٹرانک چپس کی ایک تھیلی مجھے بھی دی گئی تھی۔ اس وقت میں کرنل جمال دستی کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ میرے ادا کیے ہوئے معاوضے پر رستم ایرانی نے اوبرائن کو دہلی کے حادثے میں مروایا تھا۔

جلال کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ تبدیلیوں کے ساتھ کارکردگی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن کام کا تسلسل ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔ اوبرائن کے مرتے ہی اس کا منصوبہ ترک کردیا گیا تھا۔ اس کے جانشین نے اپنی استعداد کے مطابق دوسری سمتوں میں کام شروع کردیا تھا۔

آئے دن ہونے والی ان تبدیلیوں سے سی آئی اے کی کارکردگی بہت بری طرح متاثر ہوئی۔ اس کا سارا فائدہ ہمیں پہنچ رہا تھا۔

”یہ ملک پہلے بھی موجود تھا۔ یہاں امریکا کے مفادات بھی تھے مگر سی آئی اے اتنی سرگرم نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کیا قیامت آئی ہے کہ پاکستان ہر ایک کی توجہ کا نشانہ بن گیا ہے۔“ میں نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

”روس کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور سیاست کے محور بالکل بدل چکے ہیں۔ شاید امریکا نے محسوس کرلیا ہے کہ اس پورے خطے کی مانیٹرنگ کے لیے پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں سب سے زیادہ محفوظ اور موثر ہیں“ جلال نے اپنے تجزیے اور مشاہدے کی روشنی میں جواب دیا۔

”اگر امریکا کے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں تو وہ ہمارے خلاف بھارت کو کیوں شہ دیتا ہے؟“

”ہم پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے“ جلال کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تیر گئی ”جو قومیں کسی مول بکنے کے لیے آمادہ نہ ہوں، انہیں ایسے حربوں سے جھکا دیا جاتا ہے۔“

”پھر سیدھی سی بات یہ ہوئی نا کہ امریکا کو بھارت ہم سے زیادہ عزیز ہے؟“

”بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے“ جلال کے پاس میری تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

”امریکی ہماری شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں تو

ہم انہیں جوتے کیوں نہیں مارتے۔ ان کی راہ میں کیوں بچھے جا رہے ہیں" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔
جلال نے میری آنکھوں میں جھانکا اور اپنا سر جھکا لیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہو۔ یہ بہت زیادہ عزت والی راہ نہیں ہے لیکن ہم مجبور ہیں کہ اپنی بقا کے لیے اسی راہ پر چلتے رہیں۔"
"میں ہمیشہ مجبوریوں کا ذکر سنتا ہوں لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ مجبوری کیا ہے۔ ہم نے کون سا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں ہمیں ٹکے ٹکے کے امریکیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"
"آج میری ایک بات سن لو اور اسے گرہ میں باندھ لو" اس بار جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں چھوٹائی اور بڑائی یا کمزوری اور شہ زوری کا قائل نہیں ہوں۔ چیونٹی کا کوئی وجود نہیں ہوتا مگر وہ پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ ہاں، کوئی دور سے پھونک مار کر چیونٹی کو اڑا دے تو وہ بے چاری کچھ نہیں کر سکتی۔ ہم اسی حقیقت کے قیدی ہیں۔ ہم ہر وقت امریکا کی دسترس میں ہیں جب کہ امریکا کی سرزمین ہماری رسائی سے باہر ہے۔ میری اس بات پر جتنا غور کرو گے، نئے نئے مفہوم پاتے چلے جاؤ گے۔ تم لیری سے بہت بدظن نظر آ رہے ہو۔ تم نے اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو مار کر بھگا دیا لیکن خدا کے لیے اسے ہاتھ نہ لگانا۔"
"ہاتھ تو کیا میں اسے پیر بھی نہیں لگاؤں گا" میں نے حقارت سے کہا۔
"یہ ہاتھ، پیر، انگلی یا گھونسے کی بات نہیں ہے۔ تم اس پر ہتھیار بھی نہیں اٹھاؤ گے" جلال نے اصرار کیا۔
"وہ مردار خور امریکی گدھ ہے۔ میں اس پر اٹھانا چاہوں تب بھی کچھ نہیں اٹھے گا۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارا مہمان جب تک یہاں ہے، محفوظ رہے گا۔"
"وقت کی چکی بہت بے رحم ہوتی ہے۔ اس کا پاٹ چلتا ہے تو اس میں سب کچھ پس کر رہ جاتا ہے" جلال نے میری دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ وقت یکساں نہیں رہے گا۔ قدرت نے فرعون کے محل سے موسیٰ کو اٹھایا تھا، نمرود کو ایک مچھر نے مارا تھا، آج کے عفریت کو سمندروں کی پناہ حاصل ہے مگر اس میں اندر سے ایسا بھونچال اٹھے گا کہ سب کچھ نہیں تو اس کا بہت کچھ تباہ ہو جائے گا۔"
اسی وقت ویرا ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ نمودار ہو گئی۔ اگر سلطان شاہ نے اس کا پیر مڑنے کے بارے میں پہلے سے نہ بتا دیا ہوتا تو اس خفیف سی لنگڑاہٹ کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔
"یہ کس عفریت کا ذکر خیر ہو رہا تھا؟" ویرا نے آتے ہی پوچھا۔ شاید اس نے جلال کے کہے ہوئے آخری فقرے سن لیے تھے۔
"تمہارے وطن کے پھیلائے ہوئے شر کا تذکرہ ہو رہا تھا" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا۔
"تم امریکا کے خلاف ہو یا امریکیوں کے دشمن ہو؟" ویرا نے جلال سے پوچھا۔
"امریکیوں سے دشمنی ہوتی تو تم سے بھی دوستی نہ ہوتی" جلال نے چالاکی سے جواب دیا۔
"میری نگاہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی ملک کا مزاج اس کے شہریوں سے بنتا ہے اور پھر امریکا میں سب سے زیادہ جمہوریت پائی جاتی ہے۔ وہاں عوام کی مرضی کے خلاف تنکا بھی نہیں ہلایا جا سکتا اس لیے آج امریکا جو کچھ ہے وہ امریکیوں کی خواہش کے عین مطابق ہے۔"
"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم خود امریکی ہو، ہم اتنے سفاک نہیں ہیں" جلال بولا۔
"تم مجھے سفاک کہہ رہے ہو؟" ویرا نے شکایتی لہجے میں کہا۔
"جو کچھ امریکی ہیں، تم بھی وہی کہلاؤ گی۔ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھنے کے باوجود تم بدقسمتی سے امریکی ہو۔"
"ماں باپ امریکی تھے۔ میں وہیں پیدا ہوئی، وہیں ہوش سنبھالا مگر میری تعلیم و تربیت یورپ میں ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ امریکیوں کو قبول تو کر لیتے ہیں مگر اپنے دل کی گہرائی میں پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک عجیب المیہ ہے اور امریکی تھنک ٹینک اس پر کبھی غور نہیں کرتے۔"
"ایک زمانے میں ہم سب موت کے سوداگر ہوا کرتے تھے" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "نشے کے خواص سے ہم سے زیادہ کون واقف ہوگا۔ نسلی، علاقائی یا فوجی برتری کا

گھمنڈ بھی ایک نشے کی طرح ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ اترتا ہے یا پھر کوئی حادثہ اسے ہرن کردیتا ہے۔ امریکی ابھی اپنی بڑائی کے نشے میں چور ہیں۔ انہیں ہر طرف بونے انسان اور حقیر و فقیر ملک نظر آتے ہیں۔ کسی دن کوئی بڑا حادثہ ہوگا جو ان کی انا پر کاری ضرب لگائے گا یا ان کی ساکھ تباہ کردے گا پھر یہ اونچی مسند سے ہم سب کی برابری کی سطح پر اتر آئیں گے۔"

غزالہ نے کھانے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔ جلال لنچ سے فارغ ہوکر آیا تھا لیکن ہم سب کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میز پر آگیا۔

وہ بحث ڈرائنگ روم سے کھانے کی میز پر منتقل ہوگئی۔ اس بار سب لوگ اس میں شریک تھے۔

اپنے ملک اور ہم وطنوں کے بارے میں ہمیشہ کی طرح ویرا کا رویہ بہت سخت بلکہ جارحانہ تھا۔ جلال اپنی مجبوریوں کی وجہ سے نرم گوشہ رکھنے پر مجبور تھا۔ بقیہ افراد کا رجحان ان دونوں کے بین بین تھا۔

اس وقت فضا بہت سازگار تھی اور میں کھل کر بات کرسکتا تھا مگر میں نے لیری کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ اس راز میں صرف غزالہ کی شراکت ہی کافی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اول خان کو اعتماد میں لیا جاسکتا تھا۔

جلال نے اس دوران میں لیری کی اس چھان بین کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جو وہ میرے بارے میں کررہا تھا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہمارے اعصاب پر امریکا سوار ہو اور ہم امریکا زدہ ہوگئے ہوں" کھانے کے درمیان میں سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم قریب سے ان کا سلوک دیکھ رہے ہیں اس لیے کچھ زیادہ حساس ہوگئے ہیں" ویرا نے جواب دیا۔

"ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ملک اتنا ہی خراب ہے تو دنیا بھر سے لاکھوں افراد وہاں کیوں جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں وہ اس کے گن گاتے ہوئے کیوں واپس آتے ہیں؟" سلطان شاہ نے سادگی سے وہ سوال پیش کرکے سب کو چونکا دیا۔

"وہ اپنے ملک کو جنتِ ارضی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر طرف شان و شوکت اور تمول کا دور دورہ ہے" ویرا بتانے لگی "لوگ امریکا کی بے جا تعریف نہیں کرتے۔ وہاں کی ان رونقوں کے لیے دنیا کے دوسرے ملکوں کو اجاڑنے کی کوششیں قابل نفرت ہیں۔ میں ان کو برا کہتی ہوں۔"

سلطان شاہ کو وہ مسکت جواب ویرا ہی دے سکتی تھی۔ ہم میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس نکتے پر روشنی ڈال سکتا کیونکہ کسی نے امریکی معاشرے کو اتنے قریب سے دیکھا اور پرکھا نہیں تھا کہ اس پر کوئی حکم لگا سکتا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے" سلطان شاہ، ویرا کی بات آسانی سے ماننے والا نہیں تھا "یہ قابل نفرت کوششیں کون کررہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے ان کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں اب بھی کہوں گی کہ جان نکل گیا تو کوئی بات نہیں۔ ہمیں لیری کو ماردینا چاہیے۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی "دوسروں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ کسی سیکرٹ ایجنٹ کی اپنے مشن میں ناکامی اور نامرادی اس کی موت بن جاتی ہے۔ یقین رکھو کہ لیری یہاں سے خالی ہاتھ جائے گا۔ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔"

"مگر اب چوپڑہ کی باری ضرور آئے گی۔" ویرا کی آواز پر عزم ہوگئی۔

میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث بنی کہ ویرا نے جلال سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی بات مان کر لیری کے بجائے چوپڑہ کا ذکر نکال لیا تھا۔

"وہ تمہارا کھلا شکار ہے۔ اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

کھانے کا دور ختم ہوتے ہی جلال اجازت لے کر اٹھ گیا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو میز پر روک کر اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ باہر آگیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ موقع نکال لیا" احاطے میں نکل کر جلال نے سرگوشی کے انداز میں کہا "کرنل داور کے سروس ریکارڈ میں تصویر کی تبدیلی کے امکان پر ضرور غور کرلینا اور لیری سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہونا۔ میں اس وقت تم کو یہی دو باتیں بتانے آیا تھا۔"

"میں دونوں باتیں اپنے دل پر نقش کرچکا ہوں" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر جواب دیا۔

"کراچی میں میرا کام ختم ہونے والا ہے۔ آج کی آخری پرواز سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

میں نے تپاک سے گلے مل کر اسے الوداع کہا اور وہ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر تیزی سے روانہ ہوگیا۔

میں اندر واپس لوٹا تو وہ تینوں کھانے کی میز سے ڈرائنگ

روم میں واپس آچکے تھے۔
"چوپڑہ کے بارے میں تم جلال سے کیا کہہ رہی تھیں؟" میں نے بیٹھتے ہی ویرا سے سوال کردیا۔
"اسے میں دیکھوں گی۔ تم اس سے دور رہو گے" ویرا نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔
"تم کیا کرنا چاہ رہی ہو۔ اگر تمہارا منصوبہ قابل عمل ہوا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا" غزالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا" اس نے ہنس کر کہا "یہ اطمینان رکھو کہ میں تم تینوں سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔"
"میں تم سے یہی یقین دہانی حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"
"ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ قونصل خانے میں انفارمیشن آفیسر ہے۔ دوسرے کوائف کی چھان بین کے بعد اندازہ ہوگا کہ اس پر کسی سمت سے حملہ کرنا سود مند ہوگا۔"
"یہ چھان بین بھی تم خود کرو گی یا چھلنی ہمیں تھمادو گی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔
"یہ کام سب مل کر کریں گے۔ ضروری ہوا تو اول خان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔"
میں ان لوگوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ گلے پڑ جاتے اور مجھے تخلیہ میسر نہ آنے دیتے۔ میں نے اپنے سر میں درد کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں گھس کر اس وقت دروازہ بند کرنا مناسب نہیں تھا۔ غزالہ باہر مصروف تھی۔ ویرا موقع غنیمت جان کر کمرے میں بھی آسکتی تھی۔ میں خاموشی سے اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ویرا کے ذہن پر کوئی تجسس سوار ہو تو وہ باہر سے ہی اندازہ لگالے کہ میں سونے کی کوشش کررہا تھا۔
میرا ارادہ اداکاری کرنے کا تھا لیکن کھانے کے بعد بستر کی نرم آغوش میسر آئی تو میری آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں۔ ان میں نیند نہیں تھی اور میرا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس کیفیت میں چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔
"ڈینی! کیا تم واقعی سو رہے ہو؟" وہ ویرا کی شرارت آمیز آواز تھی۔
غنیمت یہ تھا کہ اس نے دروازے پر رک کر وہ سوال کیا تھا۔ مجھے جھنجوڑا نہیں تھا۔ میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میری سماعت قالین پر ویرا کی دور ہوتی ہوئی نرم آہٹوں کی منتظر تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مایوس ہو کر جلد واپس لوٹ جائے گی۔ ویرا نے مزید ایک بار میرا نام پکارا اور پھر واپس چلی گئی۔
جب مجھے اس کی واپسی کا یقین ہوگیا تو میں نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا کی۔ دروازہ خالی تھا۔ اگلے ہی لمحے غزالہ اندر آگئی۔ میں پہلے سے کمرے میں موجود تھا اس لیے غزالہ نے اپنے معمول کے مطابق دروازہ بند کرکے تالے کی ناب دبادی۔ میں نے فوراً بستر چھوڑ دیا۔
"مجھے حیرت تھی کہ آپ کو اس وقت نیند کیسے آگئی؟" غزالہ نے خوش ہو کر کہا۔
"یہ ویرا سے بچنے کی ترکیب تھی۔ میں اول خان سے لیری کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"یوں کہئے کہ آپ نے اپنے لیے تخلیے کا بندوبست کیا ہے۔" اس نے شوخی سے کہا اور بستر پر آگئی۔
میں نے قریب ہی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا کر اول خان کے دفتر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔
دوسری طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر یہ مایوس کن اطلاع ملی کہ اول خان اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔
جب سے موبائل فون کی سہولت عام ہوئی تھی، وہ اوقات کار میں باہر نکلتے ہوئے اپریٹس کے ساتھ موبائل فون بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔ وہ کسی اور کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔
اپنی مجبوری کے اظہار کے ساتھ اس نے چند لمحوں کے لیے معذرت چاہی تاکہ کسی گوشے میں جاسکے پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہوگیا۔
"مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟" میں نے تمہید اٹھائی۔
"تم کھل کر بات کرسکتے ہو۔ میرے پاس وقت ہے اور تنہائی بھی۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے۔"
"اس سفید موٹے کے پیچھے اپنے آدمی لگادو" میں نے سی ایس ڈی کی سہولت زیر استعمال ہونے کے باوجود لیری کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "انہیں دور اور اس سے زیادہ محفوظ رہ کر صرف اس کا پیچھا کرنا ہے۔"
"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار تم میری تجویز سے متفق ہوگئے ہو" اول خان کی آواز مسرت آمیز تھی "زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے بعد میرے دو آدمی گاڑی سمیت اس کے ہوٹل پر پہنچ جائیں گے۔ ان کی حکمت عملی کیا ہوگی؟"
"میں نے تمہاری تجویز حرف بہ حرف قبول کرلی ہے۔

سب کچھ اس کے مطابق ہوگا۔"
"تمہارے یہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہیں۔ ابھی ابھی مجھے ایک اچھی خبر ملی ہے۔"
"چھوٹا آلہ کام کر رہا ہے۔ تم بے فکر ہو کر خبر سنا سکتے ہو۔"
"مقتول کے بدن پر برسنے والی سلطان شاہ کی ٹھوکروں نے زبردست کام دکھایا ہے۔ اس تشدد آمیز واردات کو پولیس رقابت کا نتیجہ قرار دے رہی ہے۔ مقتول کے کئی لڑکیوں سے گہرے مراسم تھے، تفتیش اس سمت میں جا رہی ہے۔"

اول خان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اس بارے میں جلال سے بات کی تھی۔ شاید جلال نے میری خواہش آئی جی تک پہنچادی تھی۔ یہ بات مقامی انتظامیہ کے مفاد میں تھی کہ چندن کے قتل کو کسی سازش کے بجائے ذاتی انتقام کا نتیجہ قرار دے دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہر سطح پر بہت سی دشواریوں سے بچا جا سکتا تھا۔

"ویری گڈ۔ یہ بہت بڑی خبر ہے" مجھے اندازہ تھا کہ اول خان کے آدمیوں کی ماہرانہ مدد کے بغیر چندن کی لاش سے بیم گن کے اثرات ختم کرنا آسان نہیں تھا۔ چندن کے لیزر سے کٹے ہوئے گھٹنے سے اوپر' ران کا ایک حصہ الگ ہونے کے بعد ہی یہ ممکن تھا کہ اس واردات میں میرا نام ملوث کیے بغیر اسے رقیبانہ واردات کا نام دیا جا سکے۔ اس لاش پر بیم گن کے استعمال کا کوئی بھی نشان باقی رہ جاتا تو وہ یہ باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ قتل میں میرا یعنی ڈینی کا ہاتھ تھا۔

"اور اب میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں گا" میں نے قدرے توقف کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھا "میں تھوڑی دیر بعد کسی پی سی او سے موٹے کو فون کروں گا۔"

"یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ لوگ جدید ترین آلات کے مالک ہیں۔ تم پھنس سکتے ہو" اول خان کا اضطراری جواب آیا۔

"میں نے ہر نشیب و فراز پر غور کر لیا ہے۔ بھگوڑا اپنے گھر میں تھا۔ وہاں اسے ہر چیز میسر تھی۔ موٹا ہوٹل میں ہے۔ وہاں کچھ نہیں ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں فون کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"
"یہ پرانی کال کا ایکشن ری پلے ہوگا۔ میں وہی نام استعمال کروں گا۔"

"اوہ!" ریسیور پر اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس صورت میں صرف ایک کامیابی حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ خائف ہو جائے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگ جائے۔ میں اسے کہیں نہیں بلاؤں گا۔ برے انجام سے ڈرا کر فون بند کر دوں گا۔"

"یہ اور بھی بہتر ہوگا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اس سے ... آڑنے کا ارادہ کر چکے ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ وہ فون سے خوف زدہ ہو کر ہوٹل سے نکلے تو کوئی پر اسرار گاڑی اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ یہ دونوں واقعات یک جا ہو جانے کے بعد شاید دوبارہ اپنے ہوٹل کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔"

"یہ بالکل درست حکمت عملی ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

"تمہیں اس کے کمرے کا نمبر معلوم ہو تو بتا دو ورنہ نام سے بھی کال مل جائے گی۔"

"روم نمبر مجھے نہیں معلوم۔ میں ذرا سی دیر میں فون کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔"

"میں صرف دس منٹ انتظار کروں گا پھر گھر سے نکل جاؤں گا" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

"اب میں اپنے بدن میں حرارت سی محسوس کر رہا ہوں" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دشمن کی پسپائی آسان نظر آنے لگے تو ہر لڑاکے کا دل بڑھ جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ بولی۔

"میری واپسی تک تم ویرا کو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گی" میں نے اسے تاکید کی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میری شامت نے دھکا نہیں دیا ہے جو میں اسے کچھ بتاؤں۔ وہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائے گی کہ میں نے آپ کے جانے سے پہلے اسے پوری بات کیوں نہیں بتائی۔ میں نیکی برباد گناہ لازم والا کوئی کام نہیں کرتی۔"

صرف پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اول خان نے آئی جی سے لیری کے کمرے کا نمبر لے لیا تھا۔

ویسے تو کسی بھی ایجنسی کے نمائندے کے دل میں لیری کے لیے ہمدردی نہیں پائی گئی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ آئی جی ان لوگوں سے کچھ زیادہ ہی نالاں تھا۔ وہ ہر اس کام میں بھرپور تعاون کر رہا تھا جو لیری اور اس کے ساتھیوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر سکے۔

اول خان سے بات ہو جانے کے بعد میرا گھر میں رکنا بے سود تھا۔ میرے بدن پر صبح والے کپڑے بدستور موجود تھے۔ مصروفیات کے تسلسل میں مجھے ان سے نجات حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے جوتے پہنے اور اپنی

خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔

باہر ویرا سلطان شاہ کے ساتھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی رازونیاز میں مصروف ہو۔ مجھے سر سے پیر تک تیار دیکھ کر اس نے طنز سے پوچھا "بڑی تیاری کے ساتھ نکلے ہو' کہاں کا ارادہ ہے؟"

"تم کو اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہارا اس وقت کمرے میں گھسنا خالی ازعلت نہیں ہے۔ میں نے سلطان شاہ کو بتادیا تھا کہ تم باہر آکر کوئی نیا گل کھلاؤ گے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں ورنہ میں تمہیں گھر سے باہر نہیں جانے دوں گی۔"

سلطان شاہ نے میرے الفاظ پر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ وہ اس وقت ایسے حلیے میں تھا کہ مزید کسی تیاری کے بغیر فوری طور پر میرے ساتھ روانہ ہوسکتا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میرے پاس وقت کم ہے۔ بحث مت کرو۔ واپس آنے کے بعد بات ہوگی۔"

ویرا کی ضدیں اپنی جگہ پر تھیں لیکن وہ کام میں کبھی رخنہ اندازی نہیں کرتی تھی۔ اس وقت میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے یہ احساس دلادیا کہ میرے پیش نظر کوئی اہم معاملہ تھا۔ اس نے منہ لٹکا کر کہا "واپسی پر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے سرعت سے دروازے کی طرف ہولیا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے تھا۔

میرا گاڑی چلانے کا قطعی کوئی موڈ نہیں تھا۔ میں نے چابی سلطان شاہ کے حوالے کردی۔

"میں بالکل خالی ہاتھ ہوں" اس نے اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے بتایا "کہو تو اندر سے ریوالور ساتھ لے لوں؟"

"ہم کسی چاند ماری میں حصہ لینے نہیں جارہے جو ہتھیار کی ضرورت ہو۔ بس اب یہاں سے نکل کر ائرپورٹ کی طرف چل دو۔"

میرے رویّے سے سلطان شاہ بھی الجھن کا شکار ہوگیا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے پوچھا "ائرپورٹ! وہاں کیا کام ہے؟"

"صرف ایک فون کرنے کے لیے میں یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہوں۔ مجھے یکسو ہو کر کچھ سوچنے دو۔ بار بار سوال کر کے میرا دماغ مت چاٹو" میں نے ہلکی سی برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس نے چپ سادھ کر گاڑی باہر نکال لی۔

میں نے ائرپورٹ کا نام سمت کے تعین کے لیے لیا تھا لیکن گلشن اقبال سے راشد منہاس روڈ عبور کرنے تک ہمارا علاقہ تبدیل نہیں ہوسکا۔ راشد منہاس روڈ ختم ہونے کے بعد شارع فیصل تک ایسا کوئی بازار نہیں تھا جہاں پی سی او کی سہولت میسر ہو اور یوں ایک دور افتادہ پی سی او کی تلاش میں ہم ائرپورٹ کی حدود میں داخل ہوگئے جہاں لوگوں کی سہولت

کے لیے جابجا فون بوتھ موجود تھے۔

ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں گاڑی مقفل کرنے کے بعد ہم دونوں ٹرمنل کی عمارت کی طرف چل دیے۔

"شاید اب تک تم نے ہر بات سوچ لی ہوگی" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی "کہیں تم لیری کو تو فون نہیں کررہے؟"

سلطان شاہ انتہائی دلیر شخص تھا مگر مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے کسی غیر معمولی مظاہرے کی کبھی توقع نہیں رہی تھی۔ اس نے براہِ راست لیری کا نام لے کر مجھے حیران کردیا۔ میں نے کہا "میں اسی کو فون کروں گا مگر تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟"

"تمہاری اور ویرا کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم کوئی ٹیڑھا کام کرنے کا ارادہ کرچکے ہو۔ میدان ہر طرف سے صاف ہے۔ چوپڑہ کا ابھی تک صرف نام ہی نام لے دے کر صرف لیری رہ جاتا ہے۔ تم نے فون کا ذکر کیا تو میرے ذہن میں جان اور ماجد کی لڑائی کا منظر گھوم گیا۔"

"بس!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ کام کررہا ہے۔"

ائرپورٹ ٹرمنل کی عمارت میں نچلے فلور پر بین الاقوامی آمد والے حصے میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ میں ایک خالی بوتھ میں گھس گیا۔ سلطان شاہ میرے قریب ہی کھڑا ہوگیا تاکہ میری یک طرفہ گفتگو سن سکے۔ ائرپورٹ پر ایک سے زیادہ افراد کا یوں بوتھ کے قریب جمع ہونا معیوب نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ یہ تھا کہ اسے بوتھ خالی ہونے کا منتظر سمجھ کر کوئی غیر متعلقہ شخص ادھر کا رخ نہ کرتا اور میں آزادی سے اپنی بات مکمل کرلیتا۔

میں نے لیری کے ہوٹل کا نمبر ملا کر آپریٹر کو لیری کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ ریسیور پر چند ثانیوں کے لیے موسیقی کے سر گونجے پھر لیری کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دو گھنٹیوں کے بعد ریسیور میں ہیلو کی بھاری آواز گونجی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"لیری! تم کو یاد ہے کہ کراچی کے ایک ساحلی علاقے پر جان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اس کے اعصاب کو شکستہ کرنے والا سوال کیا۔

"تت... تم کون ہو؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں ہکلا کر پوچھا۔

"میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ جان کے چلے جانے کے بعد اب تم میری زد میں ہو" میں نے سرد آواز میں کہا۔

"مگر کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" اس کی آوا
میں خوف عود کر آیا۔

"تم بہت کچھ بگاڑنا چاہتے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم کو اب تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی..."

"سنو! اگر تم ماجد یمنی ہو تو تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ جان کے چلے جانے کے بعد میں تم کو بھول چکا ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر گڑگڑایا۔

ویرا کے قول کے عین مطابق لیری نے اپنے روایتی قومی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ میری باتوں سے ڈر کر وہ بزدلانہ جھوٹ پر اتر آیا تھا۔ میں نے اسے پھٹکار دیا "یہ اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی مجھے پہچان لیا۔ تم اول درجے کے جھوٹے ہو۔ مجھے تمہاری ہر سرگرمی کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں چاہتا تو جان کے بجائے سمندری کھاڑی سے اس کی لاش بھی برآمد ہوسکتی تھی مگر میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوں۔ یقین کر کہ میں تمہارے خلاف کچھ نہیں کررہا۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ ہوٹل کے کمرے میں تم محفوظ ہو۔ جان اپنے قدموں سے چل کر میرے پاس آیا تھا۔ تم کو میرے آدمی اٹھا کر میرے سامنے لائیں گے پھر میں دیکھوں گا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات پوری کرکے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ لیری میری دھمکیوں کے جواب میں کوئی باوقار رویّہ اختیار کرے گا اور اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے مجھے اس پر خاصی محنت کرنی پڑے گی مگر وہ میری توقع سے کہیں زیادہ بودا ثابت ہوا۔ میرے پہلے فقرے کے جواب میں اس نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔

"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بعد تم نے ذرا سی دیر میں فون بند کردیا۔ کچھ مزہ نہیں آیا۔" میرے باہر نکل آنے پر سلطان شاہ نے کہا۔

"مجھے خود بھی لطف نہیں آیا۔ میں نے اپنے ذہن میں خاصی لمبی گفتگو کی تیاری کی ہوئی تھی۔"

"اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہاں رک رہے گا یا بھاگ جائے گا۔"

"وہ رکنے والا نظر نہیں آتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ دہشت سے اس کی پتلون گیلی نہ ہوگئ ہو۔"

"تم سے بات ہونے کے بعد اس کا ہوٹل میں رکنا محال

ہوجائے گا۔ اپنا بستر بوریا سمیٹ کر وہ قونصل خانے کا رخ کرے گا۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ اپنے میرین کمانڈوز کے ساتھ نکلے گا تو ایک گاڑی اس کا پیچھا کرے گی۔ وہ مزید خوف زدہ ہوجائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اول خان کی تجویز قبول کرلی تھی!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"چلنے سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں بند ہوکر اول خان سے یہی بات کی تھی۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا "اس کے دو آدمی اب تک ہوٹل کے باہر اپنے مورچے سنبھال چکے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے یہاں سے بھگانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنی کھال بچانے کے لیے یہ مشق ناگزیر ہوگئی تھی۔ وہ یہاں بیٹھ کر میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے موڈ میں آگیا تھا۔"

گھر سے نکل آنے کے بعد میں فوری طور پر واپس جانے کے بجائے کھلی فضا میں وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے کچھ دیر کے لیے کلفٹن کے ساحلی علاقے کی سیر کا مشورہ دیا اور گاڑی کا رخ تبدیل کردیا گیا۔

راستے میں ہم دونوں کے درمیان حالات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ معاملات رفتہ رفتہ کچھ ایسا رخ اختیار کرتے جارہے تھے جو ہمارے لیے کسی طرح سودمند نہیں تھا۔

ہم دونوں نے کلفٹن کے ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پی اور تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

ہم تھوڑی دور ہی نکلے ہوں گے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرا دھیان ویرا کی طرف گیا۔ شاید اس نے طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون پر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو خلاف توقع دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"اس وقت دو اہم اور تازہ ترین خبریں ہیں۔" میری آواز سنتے ہی اول خان نے فون پر کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "کراچی میں اس کوڑے دان کی ایک قریبی عمارت میں بم پھٹا ہے جہاں سے چندن کی لاش ملی تھی۔۔۔"

"اوہ!" اس بری خبر پر میں اپنے بے ساختہ ردِعمل پر قابو نہیں پاسکا "یہ لوگ ایک بار پھر درندگی پر اتر آئے۔ دھماکے میں جانی نقصان ضرور ہوا ہوگا۔"

تکلیف دہ

"کل رات میری لکڑی کی ٹانگ میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث بنی۔"

"لکڑی کی ٹانگ بھلا تکلیف کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟"

"میری بیوی نے وہ میرے سر پر دے ماری تھی۔"

"ابھی کچھ علم نہیں۔ یہ واقعہ چند منٹ پہلے پیش آیا ہے۔ ابھی میرے آدمی معلومات جمع کررہے ہیں۔۔۔"

"اور دوسری خبر کیا ہے؟" میں نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"لیری کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسے تھوڑی دیر پہلے سخت حفاظتی انتظامات میں ہوٹل سے دل کے اسپتال میں لے جایا گیا ہے۔"

وہ اہم خبر تھی مگر دھماکے کی اطلاع نے اس کی اہمیت کو بہت زیادہ گھٹادیا تھا۔

ہم نے لیری کو ہاتھ نہ لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن وہ ناگہانی طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوچکا تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ موت کی دہشت نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کردیا ہوگا۔

"اس کی بھی خیر خبر رکھو اور کوئی نئی بات معلوم ہو تو مجھے موبائل پر بتادو۔" میں نے فون پر کہا "میں اس وقت کلفٹن کے علاقے سے گزر رہا ہوں۔ ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہوسکتی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میرے آدمی دونوں جگہ مامور ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ تم سے بات ہوتے ہی اسے دورہ پڑا تھا مگر وہ اپنے کمرے میں بے یارومددگار پڑا رہا۔ شاید اسے اسپتال لے جانے میں دیر ہوچکی ہے۔"

وہ اول خان کی خوش گمانی تھی۔ حقیقت کا علم کچھ دیر بعد ہی ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں خبریں اول خان کی طرف سے آئی تھیں اس لیے ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ میری اور اول خان کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے بھاری دل کے ساتھ اسے وہ دونوں خبریں سنادیں۔

"یہ دھماکا صاف بتا رہا تھا کہ اس میں را والوں کا ہاتھ ہے۔" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا "مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ مار کھانے کے بعد وہ کوئی نہ کوئی گندی حرکت کر گزریں گے۔"

"یہ دھماکا ایک دو روز بعد ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ چندن کے قتل کے نتیجے میں دہشت گردی کی گئی ہے۔ ایسے واقعات اضطراری طور پر رونما نہیں ہوتے۔ ان کی پہلے سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو وہ اہم نکتہ سمجھانے کی کوشش کی "اول خان سے بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ را والوں چندن کے قتل پر جوابی کارروائی کی ہے مگر ذرا سے تجزیے کے بعد مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ وہ کئی روز پہلے سے اس دھماکے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ یہ دلیل بہت وزنی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انہوں نے دھماکے کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیوں کیا جہاں سے آج صبح چندن کی لاش ملی ہے۔"

"یہ ایک اتفاق ہے۔" میں نے پورے یقین سے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ چندن کی لاش ملنے کے بعد وہ علاقہ پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ آس پاس کی رہائشی اور دفتری عمارتوں کے مکین بھی خوف زدہ ہو کر چوکنا ہوگئے ہوں گے۔ ایسے میں را کے کسی ایجنٹ کو وہاں گھس کر بم نصب کرنے کے لیے بڑا دل گردہ درکار تھا۔ لوگ کسی بھی مشتبہ شخص کو بہت آسانی سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتے۔"

"اوہو۔ تمہاری اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ بم کل شام یا رات کو ہی نصب کیا جا چکا تھا۔ آج وہ اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"حالات اسی سمت میں رہنمائی کر رہے ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا "یہ را والوں کی بے مقصد دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں اس سے وہ کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔"

"تمہارے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ اگر اس خون آشام دھماکے کا چندن کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا۔ تمہارے منہ سے یہ خبر سن کر دل میں یہ مجرمانہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ ہم نے چندن کو مار کر را والوں کو جوابی دہشت گردی پر اکسایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ را کے بھیڑیے کسی وجہ کے بغیر ہی معصوم شہریوں کے خون کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔"

"یہ میرا خیال ہے۔ آنے والے چند گھنٹوں میں اس کی تائید ہو جائے گی۔ ہمارے لیے اطلاعات کے دوسرے ذرائع سے کہیں زیادہ ایس ٹی ایف والے کارآمد ثابت ہوں گے۔"

"تو کیا وہ دھماکے والے مقام پر موجود ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اول خان کو ان ہی سے خبر ملی ہے۔ اس کے دو آدمی لیری کے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں۔"

"لیری والی خبر عبرت ناک ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا لیکن قدرت کی مار سے وہ نہیں بچ سکا۔"

"دل کے دورے میں بروقت طبی امداد کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ اول خان کا خیال ہے کہ وہ کافی دیر تک ہوٹل کے بند کمرے میں پڑا تڑپتا رہا ہے۔ اسے اسپتال لے جانے میں خاصی تاخیر ہوئی ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہوا ہو۔" سلطان شاہ نے حسرت سے کہا "جب تک دشمن اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچے، دل کو چین نہیں ملتا۔ میں جب بھی جان کے بارے میں سوچتا ہوں، میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"دعا کرو۔ تمہاری یہ خلش بھی شاید دور ہو جائے۔" میں نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

اس نے خاموش ہو کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

"گاڑی گھر کے بجائے صدر کی طرف لے لینا۔" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے ہدایت دی "ہم اس طرف آئے ہوئے ہیں تو ذرا اپنی نظروں سے ان کی بربریت کا جائزہ لے ڈالیں۔"

سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا "اس اندوہناک بم دھماکے کے بارے میں اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ اس بار ویرا بول رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ جلال اسلام آباد سے دو بار میرے لیے فون کر چکا تھا۔

میں نے ویرا کا مختصر پیغام سن کر فون بند کر دیا۔ میری گمبھیر آواز سن کر ویرا نے بھی بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ موقع محل کا اندازہ لگا کر ہی وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی تھی۔ کام کے وقت اسے کام کے سوا کچھ اور نہیں سوجھتا تھا۔

مجھے جلال کے دفتر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے موبائل فون پر وہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی اثنا میں موساد کے ایجنٹ رستم ایرانی کے انجام پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔

اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں مارے گئے۔ رخصت ہوتے ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سسر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہوگئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور با آسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل وڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی وڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی وڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہوگئی۔ میری وڈیو ضائع ہوچکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیبی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیبی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں' میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہوگیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کردیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جاچکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا تھا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہوجاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری وڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیبی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر دھمکیاں دیں جس کے نتیجے میں آخری اطلاع یہ آئی کہ لیری ہف کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ اسپتال میں داخل تھا۔ مجھے پیغام ملا کہ جلال مجھ سے فون پر فوراً بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جلال کا فون نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

جلال سے فون پر رابطہ کرنے کی دو کوششیں ناکام ہوگئیں۔ اس کا فون مصروف تھا۔

”پتا نہیں اس وقت کون اس کے فون سے چپکا ہوا ہے!“ میں غصے اور ہیجان کے عالم میں بڑبڑایا۔

''غصہ کرکے بلاوجہ اپنا خون نہ کھولاؤ۔'' سلطان شاہ نے نرمی سے مجھے مشورہ دیا ''وہ مصروف آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بھی کراچی کی خبریں مل چکی ہوں۔ اتنی اہم اطلاعات ملنے کے بعد وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔''

سلطان شاہ کی بات اپنی جگہ پر درست تھی۔ میں نے تحمل سے لمحے بھر کے لیے اس کے فقروں پر غور کیا اور چند لمحوں میں میری جھلاہٹ خود بخود کافور ہو گئی۔

کراچی ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جہاں کا نظم و نسق چلانے کے لیے ذمے دار اور خود مختار انتظامیہ موجود تھی۔ وہ لوگ شہر کے ہر گوشے میں رونما ہونے والے برے اور بھلے واقعات اور ان کے محرکات سے پل پل باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے لیکن را اور سی آئی اے کی زیر زمین سرگرمیوں کے بارے میں کراچی کی شہری انتظامیہ پوری طرح باخبر نہیں تھی۔ لیری ہف کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں شامل انسپکٹر جنرل آف پولیس کو سی آئی اے کی پاکستان دشمن کارروائیوں کے بعض پہلوؤں سے واقفیت حاصل ہو چکی تھی مگر وہ اس بڑے کھیل کے ہر مہلک پہلو سے باخبر نہیں تھا۔

میرا اپنا قیاس تھا کہ سرکاری صفوں میں صرف جلال ہی ایسا افسر تھا جسے ہر بات کا علم تھا۔ دوسری ایجنسیوں کو بھی یہ معلوم تھا کہ آئی بی والے ہر سطح پر ان معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ کراچی کی کسی عمارت میں مہلک دھماکا ہونے کے بعد جلال کے پاس فون کالز کا تانتا بندھ گیا ہو۔ کراچی ملک کا دھڑکتا ہوا دل تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی ذرا سی بدامنی اور لاقانونیت دردمند پاکستانیوں میں تشویش کی لہر دوڑا دیتی تھی۔

''تم اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھو اور فون مجھے دے دو۔'' قدرے توقف کے بعد ابھرنے والی' سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا ''میں وقفے وقفے سے اس کا نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔''

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں نے خاموشی سے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس وقت میرا ذہن غصے سے کھول رہا تھا۔ مجھے بھارتی درندوں کی اس بربریت پر سخت غم و غصہ تھا کہ سازشوں کے میدان میں ہمارے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد وہ ہر بار معصوم اور بے گناہ پاکستانی شہریوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے تھے اور اپنی نفرت کی قربان گاہ پر چند پاکستانیوں کے خون کی بھینٹ چڑھانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ صدر کی عمارت میں ہونے والا بم دھماکا چندن کی موت کا شاخسانہ نہیں تھا۔ اس کی کڑیاں دہلی میں ہونے والی خون ریزی سے ملتی تھیں۔

دہلی جیسے شہر میں جہاں ذہین ترین بھارتی افسر اور کارندے ہر وقت اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد بیٹھے رہتے تھے' یکے بعد دیگرے متعدد اہم ترین خفیہ ایجنٹ مار دیے گئے۔ اسی شہر میں' ان کی ناک کے نیچے' سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر بے بسی کی موت مار دیا گیا اور بھارتی اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود اپنے کسی ملزم کو نہیں پکڑ سکے۔ اپنی اس شرمناک ناکامی پر وہ کھسیائے ہوئے تھے اور کسی کھسیانی بلی کی طرح پاکستان میں بے مقصد دہشت گردی کرکے کھمبا نوچنے کی مثال قائم کر رہے تھے۔

سلطان شاہ کوشش کرتا رہا لیکن اسے بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایک بار اس نے جلال کا فون انگیج ہونے کی ٹون سن کر موبائل بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی اور میں نے لمحہ بھر کے لیے سڑک پر سے اپنی توجہ ہٹا کر اس کے ہاتھ سے فون تقریباً چھین لیا۔

مجھے توقع تھی کہ شاید جلال نے ہی مجھ سے موبائل فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن میں نے بٹن آن کیا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

''کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔'' میری آواز سنتے ہی اس نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کر دی ''عمارت میں موجود تین افراد کو معمولی زخم آئے ہیں۔ انہیں مرہم پٹی کرکے اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔''

''ویری گڈ۔'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے جواب دیا ''ابتدائی خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔''

''مجھے اندازہ تھا کہ تم پریشان ہو گئے ہو گے اس لیے میں نے تمہیں فون کرنا ضروری سمجھا۔ اس وقت تم کہاں سے گزر رہے ہو؟''

''میں سبیل والی مسجد کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس وقت میں معلومات اکٹھی کر رہا ہوں۔ نمٹ کر سیدھا گھر آؤں گا۔''

میں نے اس کی بات کاٹ دی کیونکہ میرے ذہن میں ایک اہم سوال چکرانے لگا تھا ''اگر یہ دھماکا اس قدر ہلکا تھا تو پھر اس میں را والوں کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی حادثاتی دھماکا رہا ہو۔ اپنی توجہ اس نکتے پر بھی مرکوز رکھو۔''

''بم ڈسپوزل اسکواڈ کے چیف آفیسر نے جائے واردات سے روسی ساخت کی ٹائمنگ ڈیوائس کے تباہ شدہ ٹکڑے

یک جا کیے ہیں۔" اول خان نے پر وثوق آواز میں کہا "حادثاتی دھماکے کی بات سرے سے خارج از امکان ہے۔ یہ دربات ہے کہ بم نصب کرنے والوں سے جگہ کے انتخاب یں کوئی غلطی ہوئی ہو۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں گھر آؤں گا تو مل بیٹھ کر اس پر غور کریں گے۔ اب میں فون بند کررہا ہوں۔"

مجھے اس کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کا ادراک تھا۔ ہماری گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔

جمشید روڈ سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ کی کوشش بار آور ہوگئی اور جلال کا فون مل گیا۔ اس نے دوسری طرف کی گھنٹی سنتے ہی موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں کیا ہوا ہے۔" رابطہ ہونے پر ابتدائی رسمی کلمات کے بعد میرے کان یں جلال کی ہیجان زدہ آواز گونجی۔

"شاید تم صدر کے علاقے میں ہونے والے دھماکے کی بات کررہے ہو۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"صدر کے مصروف رہائشی علاقے کی ایک عمارت میں م پھٹا ہے۔ ابتدائی خبر بہت ہولناک تھی۔ اسلام آباد میں سب دہل کر رہ گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تازہ ترین خبریں ریشان کن نہیں ہیں۔ اس دھماکے میں دو مردوں کے ساتھ یک عورت مجروح ہوئی ہے۔ ان کے زخم زیادہ گہرے یا خطرناک نہیں ہیں۔ کیونکہ بم کا دھماکا پانی کے پمپ کے پاس ہوا جو عمارت کے بیرونی حصے میں لگا ہوا تھا۔"

تازہ ترین خبروں کے سلسلے میں وہ اول خان سے پیچھے نہیں تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے حکمراں دوسرے شہروں کے حالات سے پل پل باخبر رہتے تھے۔

"ان کا یہ وار بہت اوچھا ثابت ہوا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"پانی کے زیر زمین ٹینک کی چھت بیٹھ گئی اور وہ اب بھرے ہوئے سوئمنگ پول میں بدل چکی ہے۔ خبریں بتا رہی ہیں کہ یہ کوئی حادثہ نہیں، دہشت گردی ہے۔ کام تیزی سے ہوا ہے۔ وہاں سے کچھ اہم پرزے ملے ہیں جو ٹائم بم کی نشان دہی کررہے ہیں۔"

"اب تک تمہیں......" میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن جلال نے میری بات کاٹ دی۔

"ذرا ہولڈ کرو۔ ہاٹ لائن پر کال آرہی ہے۔" اس نے کہا اور پھر اس کی آواز پس منظر میں چلی گئی۔ میں نے اپنے فون پر ہاٹ لائن کی گھنٹی کی آواز واضح طور پر سنی تھی۔

میرے کانوں میں جلال کی دبی دبی اور غیر واضح آوازیں آرہی تھیں۔ اس کے الفاظ قابل فہم تھے نہ مفہوم سمجھ میں آرہا تھا البتہ اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کی دھیمی سے گونج سے یہ واضح ہورہا تھا کہ ہاٹ لائن پر آنے والے پیغام نے اسے حیران کردیا تھا۔

میری توقع کے برعکس وہ جلد ہی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "تمہیں معلوم ہے کہ لیری کو ہارٹ اٹیک ہوگیا!" اس کے ایک ایک لفظ سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"تم نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تو میں تم سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم دیکھ لو۔ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا لیکن قدرت نے اسے معاف نہیں کیا۔ وہ اس وقت کارڈیو ویسکولر اسپتال میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں کوما کی حالت میں بے سدھ پڑا ہوا ہے۔ مجھے یہ خبر ابھی ابھی کراچی کی ہاٹ لائن پر ملی ہے۔"

"یہ خبر مجھے بھی مل چکی ہے۔ اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پہلے میں نے اس سے فون پر بات کی تھی تو وہ اپنی آواز سے پوری طرح صحت مند معلوم ہورہا تھا۔ دور دور تک ایسی علامت نہیں تھی کہ اس پر ہارٹ اٹیک ہوگا مگر خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے......"

"ذرا ایک منٹ!" جلال نے بے تابانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی "ابھی تم نے کیا کہا؟ ڈیڑھ گھنٹے پہلے تم نے اسے فون کیا تھا۔"

"ہاں! میری اس سے کافی دیر تک بات ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا۔

"وہ کہاں تھا؟" میرے کانوں میں جلال کی متجسانہ آواز گونجی۔ شاید اس کے اندر چھپا ہوا سیکرٹ ایجنٹ جاگ اٹھا تھا۔

"وہ بری طرح خوف زدہ ہے۔ اپنے ہوٹل کے کمرے کے سوا اور کہاں ہوسکتا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا تھا!" جلال کی آواز سے ملال مترشح تھا۔

"چھیڑ چھاڑ تو کیا' میں نے اس کا سامنا تک نہیں کیا۔ بس ماجد یمنی کے نام سے اس سے کچھ مذاکرات کیے تھے۔"

"اوہ!" فون پر جلال کی بے ساختہ اور مضطربانہ آواز ابھری "تم نے ضرور اسے دھمکیاں دی ہوں گی۔"

"میں بے بس تھا۔ اس کے سوا اور کیا کرسکتا تھا۔ وہ تمہارا مہمان ہے۔ تم کو اس کی سلامتی کی فکر ہے۔ میں نے

تمہارے جذبات کا پاس کیا اور اسے للکارنے کا ہر ارادہ ترک کردیا۔ مجھے کم از کم شیخ چلی کی طرح کھوکھلی دھمکیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا حق تو حاصل تھا۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم سے کیا حرکت سرزد ہوئی ہے۔" جلال کا لہجہ خشک تھا "اس سے تمہاری بات مکمل ہوگئی تھی؟"

"وہ خوشامدوں پر اتر آیا تھا۔ اس کے دل کی باتیں شاید دل میں رہ گئی ہوں۔ میں نے اسے اپنا پورا پیغام پہنچا دیا تھا۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری گفتگو کے اختتام پر فون بند کرنے میں پہل کس نے کی تھی.... تم نے یا لیری نے؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اسے آخری دھمکی دے کر خود فون بند کردیا تھا۔"

"بس تو پھر تم نے ہی اسے اسپتال پہنچایا ہے۔" جلال کی آواز یکایک پرجوش ہوگئی۔

"تم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر میرے اوپر اتنا بڑا الزام لگا دیا!" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اس فیصلے پر پہنچا ہوں۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔

اگر میری دھمکیوں کی دہشت سے اس پر ہارٹ اٹیک ہوا تھا تو یہ واقعی میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں نے پرسکون رہ کر اس سے پوچھا "اگر مناسب سمجھو تو اپنی سوچ سمجھ سے مجھے بھی آگاہ کردو۔"

"سارا فتور ایک فون کا ہی تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز ابھری "موٹے کے پاس ایک فون آیا تھا۔ اس کے دس منٹ بعد اس کے لیے دوسری کال آئی تو آپریٹر نے دیکھا کہ موٹے کی ایکس ٹینشن مسلسل مصروف تھی۔ اس نے دوسری کال کرنے والے سے معذرت چاہی تو اس نے اصرار کیا کہ آپریٹر چند ثانیوں کے لیے موٹے کی پہلی کال میں مداخلت کرکے اس کا پیغام دے دے۔ آپریٹر نے انکار کردیا۔"

"وہ اس کی بدمعاشی تھی" میں نے بے ساختہ کہا "آپریٹر اپنے طور پر ہر ایک کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ کوئی مداخلت کی فرمائش کرے تو انکار کردیتے ہیں۔"

"اس سے ساکھ مجروح ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں کسی کو مہمانوں کی فون کالز سننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دوسری کال کرنے والا امریکی قونصل خانے کا فرسٹ سیکریٹری تھا۔ اس نے غصے میں امریکی کمانڈوز سے کال ملوالی۔ اس کے ایما پر ایک میرین کمانڈو نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر موٹے کے دروازے پر دستک دی پھر دروازہ پیٹ ڈالا مگر جواب ندارد۔ نیچے ہوٹل کے سوئچ بورڈ پر موٹے کی ایکس ٹینشن بدستور مصروف تھی۔ وہ صورت احوال تشویش ناک تھی۔ ہوٹل میں سنسنی پھیل گئی اور ہوٹل کا جنرل منیجر بھی دوڑا ہوا موٹے کے دروازے پر آن پہنچا۔ ماسٹر کی سے دروازہ کھولا گیا تو موٹا جان کنی کے عالم میں مسہری سے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اس کے فون کا ریسیور سائڈ ٹیبل کے ساتھ جھول رہا تھا۔"

"حیرت ہے کہ تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہو اور اتنے باخبر ہو" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ کراچی میں مامور میرے عملے کی کارگزاری ہے۔ موٹے کے ہارٹ اٹیک کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔"

"اور تمہارے آدمیوں کو کھلی آزادی ہے۔ وہ سرکاری طور پر ہر جلی اور خفیہ بات جاننے کا حق رکھتے ہیں۔"

"میرے ذہن میں یہ رپورٹ سنتے ہی پوری بات واضح ہوگئی کہ تم سے بات کرتے ہی اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھاری بھرکم وجود رکھنے کے باوجود وہ بالکل بودا نکلا" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری "تم کو معذرت خواہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے اس سے دور رہ کر اسے محض اپنی باتوں سے اتنا دہشت زدہ کردیا کہ وہ لب گور جا پہنچا۔ اس حالت میں وہ مر بھی جائے تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہیں ہوگا۔"

"اب میں مطمئن ہوں۔ اچھا ہوا کہ مجھے تمہارے خیالات سے آگاہی حاصل ہوگئی ورنہ یہ خبر سن لینے کے بعد میں پریشان تھا۔"

مجبوری

اسمبلی کے ممبران کیفے ٹیریا میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ ایک ممبر نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا "خفیہ شادیوں کے بارے میں آج اسمبلی میں بل پیش کیا گیا ہے۔ اس کا کیا کرنا ہے؟"

"میرا خیال ہے ادائیگی تو کرنی ہی پڑے گی"

دوسرے ممبر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"تم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تمہارے ٹیلی فونک تشدد کا شکار ہوا ہے" جلال کی آواز ابھری۔
"اول خان کو شبہ تھا۔ تم نے ہر بات سیاق و سباق کے ساتھ بتا کر اس کے شبہات کی تصدیق کردی ہے۔"
"تو کیا اسے پوری رپورٹ نہیں مل سکی تھی؟" جلال نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"وہ لوگ پس منظر میں محتاط رہ کر کام کرتے ہیں اس لیے کبھی کبھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اسے تفصیلات کا علم ہوگیا ہوتا تو اس کی بات شبہے تک محدود نہ رہتی۔ وہ تمہاری طرح کھل کر میرے اوپر الزام عائد کردیتا۔"
جلال ہنس پڑا "میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی۔ تم چاہو تو میں تمہیں اس کارنامے پر باقاعدہ مبارک باد پیش کرسکتا ہوں۔"
"غنیمت ہے کہ تم نے باضابطہ کی جگہ باقاعدہ کا لفظ استعمال کیا ہے" میں نے برجستہ کہا "ورنہ میں اسے تمہاری سرکاری مبارک باد سمجھ سکتا تھا۔"
"سرکار کا نام بھی نہ لینا۔ میری سرکاری مجبوریوں سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"
اس گفتگو میں ہم دونوں کے دلوں کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ معلومات کے تبادلے کے بعد گفتگو کا وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔
ہم دونوں گھر واپس پہنچے تو ویرا ڈرائنگ روم میں بساط بچھائے غزالہ کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل اتنی خاموشی سے کھولا تھا کہ ان دونوں کو کانوں کان ہماری آمد کا علم نہیں ہوسکا تھا۔
"یا منظر العجائب!" سلطان شاہ نے ان دونوں کے عقب میں پہنچ کر بلند آہنگ نعرہ لگایا اور وہ دونوں چونک کر اچھل پڑیں۔
"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم دونوں لڑاکا بلیوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے کے بجائے ایسا امن پسندانہ کھیل، کھیل رہی ہو جو صبر اور تحمل کا سبق دیتا ہے" سلطان شاہ نے ان کے ردعمل کی پروا کیے بغیر اپنی بات پوری کردی۔
سلطان شاہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ویرا کا منہ بن گیا اور اس نے بھنا کر بساط الٹ دی۔
"یہ کھلی بے ایمانی ہے" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مات ہونے والی تھی۔"
"شہ پر شہ پڑ رہی تھی" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا "دو تین چالوں میں قصہ نمٹنے والا تھا۔"

"تم لوگوں کی شطرنج میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں یورپین اسٹائل کی عادی ہوں" ویرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بتاؤ کہ اس وقت تم دونوں کہاں سے آرہے ہو' گھر سے بہت رازداری کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ تین گھنٹوں میں کیا تیر مار کر آئے ہو؟"
"آپ کی جلال سے بات ہوگئی؟" کسی کے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے سوال کر ڈالا "وہ آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔"
"اس سے بات ہوگئی۔" مجھ سے کیے ہوئے سوال کا جواب سلطان شاہ نے دیا پھر وہ ویرا سے مخاطب ہوگیا "ہم نے تیر نہیں مارا لیکن لیری کو اسپتال پہنچا آئے ہیں۔ امید ہے کہ وہ وہاں سے اوپر کا ٹکٹ کٹوا لے گا" اس دوران میں ہم دونوں صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔
"تم لیری کے پیچھے گئے تھے!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس کے چہرے سے نظر آرہا تھا کہ سلطان شاہ کے انکشاف سے اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔
"میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس وقت مجھ سے زیادہ وہ ماجد یمنی سے خوف زدہ ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں نے فون پر اسے دھمکانے کے لیے یہی نام استعمال کیا تھا۔ اس اقدام کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔"
"یہ تو کہہ رہا ہے کہ لیری اسپتال پہنچ گیا۔" ویرا نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔
"درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اسے ذرا دھمکا کر فون بند کردیا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی کہ اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ریسیور کریڈل پر رکھ دیتا۔ اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ کوما کی حالت میں چلا گیا۔"
"اتنی سی دیر میں یہ سب ہوگیا اور تمہیں اپنے فون کا صحیح نتیجہ بھی معلوم ہوگیا؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"یہ خبر اسلام آباد تک پہنچ چکی ہے۔ جلال کے آدمی لیری کے ہوٹل بلکہ کمرے میں موجود ہیں۔"
"اس کو آپ موٹا کہہ رہے تھے تو وہ تومند اور گراں ڈیل رہا ہوگا۔ وہ اس قدر کمزور دل کا آدمی ہے کہ آپ کی باتوں سے اسے ہارٹ اٹیک ہوگیا۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔
"وہ ڈینی کی ہولناک باتیں تھیں جن میں لیری کے لیے دردناک موت کا پیغام پنہاں تھا۔ تم وہ مختصر اور خون آشام باتیں سن لیتیں تو تمہارا بھی نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ راستے میں مجھے بھی سلطان شاہ سے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ تینوں مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔ میں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ان کی جرح کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

ان کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ دشمن کی طرف سے صدر کی عمارت میں کیا جانے والا دھماکا اپنے نتائج کے اعتبار سے بری طرح ناکام رہا تھا۔ لیری کے ہارٹ اٹیک کے اسباب پر جلال نے کافی روشنی ڈال دی تھی۔ اس بارے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا تھا مگر بم دھماکے کے بارے میں بہت سی باتیں تشنہ تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اول خان اپنی مصروفیات سے نمٹ کر ہماری طرف آئے گا تو وہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تم لیری کے شکار پر نکل گئے تھے تو میں گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوئی تھی یا صرف شطرنج کھیل رہی تھی۔" وہ طویل گفتگو ختم ہونے کے بعد ویرا نے چہکتے ہوئے کہا "میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ بھارتی قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر میرا شکار ہوگا۔ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"کیا تم یہاں بیٹھ کر اس پر جادو ٹونے آزما رہی تھیں!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"تلخ کلامی کر کے فضا کو مکدر کرنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "میں پورے خلوص دل سے لیری کی موت کے لیے دعا گو ہوں۔ تم چوپڑا کے وصال کی دعا کرتے رہو۔ میں اسے زیادہ دیر تک جہنم سے دور نہیں رہنے دوں گی۔"

"کیا کوئی طلسماتی کرسٹل بال تمہارے قبضے میں آگیا ہے جس پر تم بیٹھے بیٹھے باہر کی خبریں لے رہی ہو۔" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"میں نے تمہیں باہر کی کوئی خبر نہیں سنائی۔ تم کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے خود کہا تھا کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں نہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کا اصل نام بدھو لعل چوپڑا ہے۔ اسے بڑوں کا رکھا ہوا نام پسند نہیں ہے اس لیے وہ اب بی ایل چوپڑا بن گیا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ کراچی میں مقیم ہے۔" ویرا نے چوپڑا کے بارے میں اپنی معلومات کا انکشاف کر کے ہم تینوں کو چونکا دیا۔

"تم نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا پھر یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں!" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کرسٹل بال۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائی "سلطان شاہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔"

غزالہ کے بیان کی روشنی میں یہ بات واضح تھی کہ ویرا ان معلومات کے حصول کے لیے گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس نے یقینی طور پر فون استعمال کیا تھا۔ ایک مدت سے اس کے محدود رابطے ہماری نظروں میں تھے۔ ان میں کوئی ایسا باخبر نہیں تھا جو اسے بدھو لعل والی بات بتا دیتا۔ ہم نے اس پر ہر حربہ آزما لیا لیکن ویرا اپنی معلومات کے حصول کا ذریعہ ظاہر کرنے پر رضامند نہیں ہوئی۔

"میرے اوپر جمود طاری ہونے لگا تھا۔" ہمارے بہت زیادہ اصرار پر اس نے سنجیدگی سے کہا "اب میں نے اپنے خول سے باہر آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تم لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر کچھ کر گزروں اور اس کے نتیجے میں ماری جاؤں تو مجھے معاف کر دینا۔"

"اور نہ ماری گئیں تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے خفگی سے کہا۔

"میری کامیابی تمہارے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"تم الگ راہ کا انتخاب کر کے غلطی کر رہی ہو۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ابھی تک ہم ایک ساتھ چلتے آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی رو میں تم کسی غلط یا بالکل مخالف سمت میں چل پڑو۔"

"چوپڑا میرا پہلا تجربہ ہوگا۔ میں ناکام ہو گئی تو پھر پرانی راہ پر لوٹ آؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا اور کیسا تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

"بہت جلد کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا۔ میں تمہیں اپنی کوششوں کے نتائج سے آگاہ کرتی رہوں گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کسی پرانے آدمی سے رابطہ ہو گیا ہے۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "کسی کسی وقت تم سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ تمہارے اندازے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔"

میں نے مزید کچھ نہیں کہا، خاموشی اختیار کر لی۔ میرا مزید اصرار ویرا کو ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف مائل کر سکتا

تھا۔

دوپہر کو اول خان تھکا ہارا آیا اور آتے ہی نڈھال ہوکر صوفے پر گر گیا۔

"آج چولیں ہل کر رہ گئیں۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "آج سمجھ میں آیا کہ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار کس کو کہتے ہیں۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ لیری جیسے ہٹے کٹے اور جان دار مسٹنڈے کو اچانک دل کا دورہ کیسے پڑ گیا۔"

"وہ زمانے ہوا ہوئے جب ادھیڑ عمری اور موٹاپے کے سبب دل کے دورے پڑتے تھے۔" ویرا نے جھٹ جواب دیا "اب تو دھان پان اور نوجوان عمر کے لوگوں کو دل کے دورے پڑتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک کا کوئی وقت ہوتا ہے اور نہ معیار۔ کوئی بھی کسی وقت اس کی زد میں آسکتا ہے۔"

"یہاں سے امریکا تک رابطے ہو رہے ہیں تاکہ یہ پتا چلایا جاسکے کہ دورہ پڑنے سے پہلے وہ فون پر کس سے بات کر رہا تھا۔۔۔"

"احمقانہ بات ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "وہ باہر کی کال ہوتی تو آپریٹر پہلے ہی بتا دیتی۔ لوکل کال کا سراغ ملنا ناممکن ہے۔" میری بات سو فیصد درست تھی کیونکہ اس زمانے میں فون پر سی ایل آئی کا تصور رائج نہیں ہوا تھا۔

"سب سے زیادہ امریکی افسران بولائے ہوئے ہیں۔ یہ موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"یہ خدا کا قہر ہے جو ان پر نازل ہوا ہے۔ انہوں نے ایران سے اپنے قیدی چھڑانے کے لیے خوف ناک کمانڈو مشن بھیجا تھا۔ صحرا میں ان کی گاڑیوں میں تصادم ہو گیا۔ تیز ہواؤں کے سبب دیوہیکل ہیلی کاپٹر فضا میں ٹکرا کر تنکوں کی طرح پاش پاش ہو گئے۔ وہ بھی قدرت کی سزا تھی۔ امریکی جب زمین پر بسنے والے انسانوں کو اپنے زعم میں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حقیر سمجھنے لگتے ہیں تو قدرت انہیں ایسے تھپڑ لگاتی ہے مگر ان کی عقلیں طاقت کے نشے سے ماؤف ہیں۔ یہ آج تک اس غیبی سبق کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

"تمہاری باتیں عبرت آموز ہیں۔" اول خان نے سرہلاتے ہوئے کہا "یہ ضروری نہیں تھا کہ لیری کو دل کا دورہ پڑ جاتا۔ وہ جان کنی کے طویل عذاب سے گزر کر تھوڑی دیر پہلے ٹھنڈا ہو گیا۔ ہمارے ڈاکٹروں نے اسے دیکھتے ہی بتا دیا کہ اس کا بچنا محال ہے۔"

"میری دعا قبول ہو گئی۔" ویرا نے خوش ہو کر کہا "اب تم سب میرے شکار کے لیے بددعا کرتے رہو۔"

"تمہارا شکار کون ہے؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"خرافات پر دھیان نہ دو۔ میں نے وہ بات وہیں اڑا دی۔ جو نظر میں آجائے وہی شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب لیری کی لاش کہاں ہے۔"

"وہ حادثاتی دورے کا شکار ہوا ہے۔ اس کا پوسٹ مارٹم ضروری ہے لیکن امریکی اہل کار زبردستی اس کی لاش اسپتال سے لے گئے۔ وہ بحرین کے امریکی اسپتال میں لیری کی لاش کا پوسٹ مارٹم کریں گے تاکہ ایف بی آئی موت کے صحیح اسباب کا تعین کیا جاسکے۔" اول خان نے بتایا۔

"صحیح اسباب کیا ہوں گے۔ اسے زہر دیا گیا نہ قتل کیا گیا۔" ویرا نے شانے اچکا کے کہا "وہ اسٹروک کا شکار ہوا ہے۔"

"امریکی بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔ ان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ خوف جاگزیں ہے کہ لیری کی موت میں ڈینی یا ماجد یمنی کا ہاتھ ہے۔" اول خان نے اپنے اس مشاہدے سے محظوظ ہوتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں بتایا۔

"ان کا یہ خوف بے بنیاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "یہ قدرت کا دستِ انتقام تھا جس نے لیری کی گردن دبوچی لیکن اس کی اصل بنیاد ڈینی کے فون نے ڈالی۔ یہ فون نہ کرتا تو شاید لیری اس وقت بھی زندہ ہوتا۔"

"اس کی مختصر سی کہانی ختم ہو گئی۔" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کی "وہ آیا، ہم سے ملا اور مر گیا۔ اب بم دھماکے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ٹائم بم واٹر پمپ کے ساتھ کل رات سے موجود تھا۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا "اس وقت تک ہم اپنے ٹھکانوں پر تھے۔ ہم نے چندن گرنانی کے فلیٹ کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے نہیں جوڑا جاسکتا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ ٹائم بم وہاں گزشتہ رات سے نصب تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اس کے لیے فلیٹوں کی زندگی کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ پمپ کی دیکھ بھال اور زیر زمین ٹینک سے پانی اوپر چڑھانے کی ذمے داری کسی ایک مکین کی ہوتی ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ پچھلی شام پمپ کی مرمت کا کچھ کام ہوا تھا۔ اس نے رات کو پمپ چلایا تو وہاں لکڑی کا ایک گندا ڈبا رکھا ہوا تھا۔ وہ سمجھا کہ مستری کچھ بھول گیا ہے۔ اس نے ڈبے کو نہیں چھیڑا۔ وہ دیکھنے میں بے وقعت نظر آرہا تھا۔ بم ڈسپوزل

اؤ والوں کو ٹائمنگ ڈیوائس کے ٹکڑے اسی چوبی ڈبے
باقیات سے لگے ہوئے ملے ہیں۔ کسی نے پچھلی رات کو
ع غنیمت جان کر وہ بارودی ڈبا وہاں رکھ دیا۔“
”بظاہر یہ دیوانگی معلوم ہوتی ہے۔ اس دھماکے کے
کوئی مقصد کارفرما ہوتا تو دھماکا تباہ کن اور مہلک ہوتا
“غزالہ بولی مگر سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
”ہمارے ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ بم
ھماکے اور چندن کے انجام میں کوئی تعلق نہیں ہے۔“
نے کہا ”ہوسکتا ہے کہ دہشت گردوں سے جگہ کے
اب میں غلطی ہوگئی ہو یا پھر وہ اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچنے
ناکام رہے ہوں تو انہوں نے واپس بم لے جانے کے بجائے
ے کہیں نہ کہیں استعمال کر ڈالا۔“
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ اول خان نے اس کی تائید کی
ہونا تھا‘ وہ ہوگیا۔ اب لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔“
”تم نے ابھی تک عبداللہ کے قاتل کے بارے میں کوئی
یں سنائی۔“ ویرا کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔
عبداللہ جو اپنے مشن کی انجام دہی کے لیے دشمن کی
ٹن پر ولی رام بنا ہوا تھا‘ ناگہانی بھارتی درندوں کی گرفت
آ گیا تھا۔ وہ انٹیلی جنس بیورو کا ایک ہونہار کارکن تھا۔
نے دہلی میں میری بہت مدد کی تھی۔ جلال بھی دہلی میں کام
ے والے تینوں آدمیوں کی دل وجان سے قدر کرتا تھا۔
اللہ کے پکڑے جانے کی خبر نے اسے دل گرفتہ کردیا تھا۔
ٹن یہ خبر آئی کہ را والوں نے عبداللہ پر بہیمانہ تشدد کے
ے ریکارڈ توڑ دیے۔ ان کے ونود نامی درندے نے
للہ کو ایسی مار ماری کہ اس بے چارے کے دونوں گردوں
خون رواں ہوگیا۔ زخمی گردوں کے ساتھ عبداللہ زیادہ
ک زندہ نہ رہ سکا اور بھارتیوں کی قید میں خالقِ حقیقی سے
ا۔

اس کی موت کی خبر ملنے کے بعد جلال نے عہد کیا تھا کہ
للہ کا قاتل جس وقت بھی پاکستان آیا‘ وہ اس سے عبداللہ
نون کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق
کو جلد ہی پاکستان آنا تھا۔ بعد میں اول خان نے بھی یقین
لائی تھی کہ پاکستان میں ونود کا تبادلہ ہوتے ہی وہ ہم
کو مطلع کردے گا۔ واقعات کے بہاؤ میں وہ بات سب
ذہنوں سے نکل گئی مگر ویرا ونود کو نہیں بھولی تھی۔
”شاید اس کی شامت اسے یہاں لا رہی ہے۔“ اول
نے جواب دیا ”تم کو صحیح وقت پر اس کا خیال آیا ہے۔ وہ
دہلی سے اسلام آباد پہنچے گا۔ دیکھنا ہے کہ سفارت خانہ

اسے کہاں تعینات کرتا ہے۔“

”دراصل ویرا نے ہم لوگوں سے الگ ہوکر بھارتیوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا ہے۔“ سلطان شاہ میرے گھورنے کے باوجود بولنے سے باز نہیں آیا۔ ”پہلے یہ بدھو سے نمٹنے گی پھر شاید ونود کی باری آئے گی۔“

”یہ میں کیا سن رہا ہوں؟“ اول خان نے ویرا پر آنکھیں نکالیں ”اور یہ بدھو کون ہے؟“

”اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔“ ویرا خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی ”بدھو لعل‘ چوپڑا کا اصل نام ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اکیلی اس کا کام تمام کروں۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ پاکستان میں تم لوگ ہی میرے دوست اور رشتے دار ہو۔“

اول خان عام طور پر میری ہر بات کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا کرتا تھا لیکن ہمارے گروپ میں اپنی عمر کی وجہ سے اسے ایک خصوصی درجہ حاصل تھا۔ وہ بوڑھا نہیں تھا مگر پھر بھی ہم سب کسی بزرگ کی طرح اس کا احترام کیا کرتے تھے۔

میری دانست میں سلطان شاہ نے بہت بھونڈے انداز میں اس کے سامنے ویرا کی شکایت پیش کی تھی۔ ویرا کا ندامت آمیز رویہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ لوہا گرم تھا۔ اس پر اسی وقت چوٹ پڑنی ضروری تھی۔ وہ لمحات ہاتھ سے نکل جاتے تو کسی دلیل سے ویرا کو سمجھانا محال تھا۔

”ہم لوگوں نے تم کو کبھی نہیں روکا۔“ میں نے سر جھکا کر کہا ”دہلی میں تم نے بہت کچھ کیا۔ یہاں بھی تمہارے کارنامے کم نہیں ہیں پھر تم چوپڑا کو سب سے الگ تھلگ کیوں کرنا چاہ رہی ہو۔ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ سب مل کر اسے گھیریں گے۔ مارنے کا وقت آیا تو تلوار تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔“

”لیری بھی ہم سب کا مشترکہ حریف تھا لیکن تم نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر‘ خاموشی سے اسے مار دیا۔“

اول خان کو شبہ ہوچکا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ویرا کا جواب سنتے ہی وہ مسئلے کی جڑ تک پہنچ گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا اس کے ہلکے سے ناصحانہ قہقہے سے گونج اٹھی ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اسے کسی نے نہیں مارا۔ ڈینی نے اسے صرف فون کیا تھا۔ وہ تو اپنی موت آپ مرا ہے۔“

”فون کرنے کے لیے یہ دونوں مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے۔“ ویرا نے شکوہ کیا۔

”نہیں ویرا‘ تمہاری شکایت میں کچھ مزہ نہیں آیا۔“ اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ”یہ تم

کو بھی لے جاتے تو غزالہ کے پاس کون رہتا۔ آج کل کے مخدوش حالات میں کسی کو بھی گھر میں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کسی کھلے مقام پر پبلک بوتھ پر ایک سے دوسرا آدمی، تو چل جاتا ہے، چار کی بھیڑ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن جاتی۔ اگر تم نے اتنی سی بات کو اپنے دل میں جگہ دے دی ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے۔"

"تم عمر میں ہم سب سے بڑے ہو۔ میں روانی میں کبھی کبھی کوئی غلط بات کہہ جاتی ہوں لیکن دل سے تمہاری عزت کرتی ہوں۔" اول خان کی موزوں ملامت پر ویرا کا لب و لہجہ مزید نرم بلکہ مدافعانہ ہو گیا "تم سچ سچ بتاؤ کہ اس بارے میں مجھے سرے سے اعتماد میں نہ لینے کا کیا جواز تھا۔"

اول خان کی گمبھیر اور مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔" میں نے وہ معاملہ وہیں رفع دفع کرنے کے لیے کھلے جھوٹ کا سہارا لیا "میرے لیے وہ معمولی سی بات تھی۔ واپسی پر میں ویرا کو سب کچھ بتا دیتا۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری فون کال لیری کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔"

"ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ ڈینی کی کال کے نتیجے میں لیری جہنم کے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔" اول خان نے کہا۔

"اوہ... تو تمہیں معلوم تھا کہ ڈینی اسے فون کرے گا؟" ویرا نے حیرت سے بے ساختہ کہا۔

"مجبوری تھی۔" اول خان سے پہلے مجھے بولنا پڑ گیا "جس وقت میں نے لیری کو فون کیا، اول خان کے دو آدمی فرضی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں اس کے ہوٹل کے باہر موجود تھے۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ وہ فون پر ہونے والی باتوں سے ڈر کر ہوٹل سے بھاگے تو اول خان کے آدمی خاموش تعاقب کر کے اسے مزید ڈرائیں تاکہ وہ بھی جان کی طرح، پہلی فرصت میں کراچی سے بھاگ جائے۔ اس کی بدقسمتی سے تعاقب کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ وہ اسپتال پہنچ گیا۔"

"اور وہاں سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو گیا۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا "تم بلاوجہ اسے دل میں لیے بیٹھی ہو۔"

"میں کیوں اسے اپنے دل میں لیے بیٹھوں۔" ویرا نے تنک کر کہا "میرے حساب سے تو وہ آسان موت مر گیا۔ اس کا انجام چندن سے برا ہونا چاہیے تھا۔"

"آئندہ خیال رکھیں گے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں چوپڑا جی کا اصل نام کس نے بتایا؟" میں نے اول خان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ہاں، یہ بات تو میں بھی بھول گیا۔" اول خان چونک کر بولا "بدھو لعل بڑا انوکھا نام ہے۔"

"پرانے زمانے میں ناموں میں زیادہ بکھیڑا نہیں ہوا کرتا تھا جو بچہ جیسا نظر آتا، اس کا ویسا ہی نام رکھ دیا جاتا۔ بدھو لعل، محمد شریف، گلاب خان، منگل سنگھ وغیرہ وغیرہ۔" ویرا سے جھگڑا نمٹ جانے پر سلطان شاہ یکایک اچھے موڈ میں آ گیا تھا۔

"یہ بات اور ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے لوگ اپنے ناموں کے مخفف اختیار کر لیتے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" اول خان نے ان دونوں کی فہمائش کی "اس وقت ڈینی کا ایک سوال باقی رہ گیا۔ کیوں بھئی ویرا! بدھو لعل کا انکشاف کس نے کیا تھا؟"

فضا کچھ ایسی سازگار ہو چکی تھی کہ ویرا، اول خان کی بات ٹال نہ سکی اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی "مجھے اپنے تھیلے کی صفائی کرتے ہوئے پرانی ڈائری کا ایک بوسیدہ ورق مل گیا تھا جس پر شی کے نمک خواروں کے کئی نام اور فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک جوشی نام کا ہندو بدمعاش تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ ایک لمبی مدت گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی پرانے ٹھکانے پر رہ رہا ہے اور اس کا فون نمبر بھی تبدیل نہیں ہوا۔"

"تو کیا تم نے براہِ راست اسی سے پہلا رابطہ کیا تھا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ آج کی نہیں، دہلی جانے سے پہلے کی بات ہے۔" ویرا نے بتایا "میں نے باری باری ہر نمبر آزمایا تھا۔ کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بس جوشی سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اس سے بلیک کوئین کی حیثیت سے بات کی تھی اور یہ جان کر میرا سینہ فخر سے پھول گیا کہ جوشی پہلے کی طرح میرا وفادار اور خادم تھا۔ میں نے اس کے مالی حالات کریدے تو اس نے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ شی کے برے دنوں کا آغاز ہونے سے پہلے اس نے ہیروئن کی آمدنی سے اولڈ کراچی میں ایک پرانی جائداد خرید لی تھی جس کا کرایہ اس کی گزر اوقات کے لیے بہت کافی تھا۔ اسے میری مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ میرے ہر کام کے لیے دل و جان سے تیار تھا۔"

ویرا کی زبان سے جوشی کی کہانی سن کر ہم سب حیران رہ گئے۔ جرائم کی زیر زمین دنیا میں ایسا شاذو نادر ہی ہوتا ہے کہ کسی نامی گرامی بدمعاش پر برا وقت آ جانے کے باوجود اس کا

کوئی پرانا ساتھی اس سے وفاداری کا دم بھرتا رہے۔ وقت بدلنے کے بعد ہر بدمعاش اپنے بڑوں سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ موقع ملے تو اپنے سابق باس کے مدِمقابل آنے سے بھی نہیں چوکتا۔

اس کی بے مثال وفاداری میرے لیے سبق آموز ہے۔ اول خان پر اس کہانی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ "اس نے تمہیں چوپڑا کے بارے میں کیا بتایا؟"

"ڈینی کے چلے جانے کے بعد غزالہ کچن میں مصروف ہوگئی تو میں نے آج اسے دوبارہ فون کیا تھا۔" ویرا بتانے لگی "میرا خیال تھا کہ وہ مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کے لیے چند روز کی مہلت مانگے گا مگر وہ چوپڑا کا نام سنتے ہی سب کچھ بتاتا چلا گیا۔"

"ایک پرانے ہیروئن فروش کا بھارتی سفارت کار سے کیا تعلق ہو سکتا ہے!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے بھی حیرت ہوئی مگر جوشی کے جواب نے مجھے مطمئن کردیا۔" ویرا بولی "اس نے ہیروئن کے پیسے سے جہاں جائداد بنائی وہاں مذہب میں بھی سرمایہ کاری کی تھی۔ اس نے ایک مندر کی مرمت اور آرائش میں دل کھول کر پیسا لگایا تھا۔ چوپڑا بھارتی نہیں بلکہ پاکستانی ہندو ہے اور بھارتی قونصل خانے کا بہت پرانا ملازم ہے۔ وہ کلرک کے عہدے سے ترقی کرکے آج افسر بنا ہوا ہے۔ وہ شروع سے بہت سرگرم سماجی کارکن رہا ہے۔ وہ اس مندر کی کمیٹی کا عہدے دار تھا جہاں جوشی نے پیسا لگایا تھا۔ یوں ان دونوں میں بہت پرانی دوستی ہے۔"

"چوپڑا تو کہانی در کہانی ثابت ہو رہا ہے۔ اس کا خاندان کہاں رہتا ہے۔" اول خان نے سوال کیا۔

"اندرون سندھ کہیں کے رہنے والے لوگ ہیں۔ کراچی میں وہ اکیلا رہتا ہے۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"ایک خوب صورت عورت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ہاؤس میڈ رکھی ہوئی ہے۔ ان کے رہن سہن سے لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ آپس میں شادی کرچکے ہیں۔ آپس کی جنگوں میں جب بھی سفارت خانہ بند ہوا ہے، چوپڑا کبھی بھارت نہیں گیا۔ کراچی میں اپنے سوشل ورک میں لگا رہا یا اس عورت کی نازبرداریاں کرتا رہا۔"

سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ تھا۔ یہ چلن ہر مذہب میں عام ہے کہ لوگ رشوت، چوری اور بلیک میں کمائی ہوئی رقم سے اپنے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے عبادت گاہوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ویرا کے پرانے نمک خوار نے ہیروئن کی کمائی سے مندر کو سجا اور سنوار کر اپنی عاقبت سدھارنے کی کوشش کی تھی اور اسی کے صلے میں اسے بدھو لعل چوپڑا جی سے خاص قرب حاصل ہوا تھا جو برسوں بعد ہمارے کام آنے والا تھا۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اس ملک کے بیشتر پڑھے لکھے نوجوانوں کی طرح، ابتدا میں میرا مستقبل بھی تاریک تھا۔ خانہ بدوشی، بھوک اور بے روزگاری کے ہولناک طوفان میں کہیں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی اور پھر میں یکایک شی کے بڑوں کی نگاہوں میں آگیا اور یوں ہیروئن کی سوداگری کے طفیل میری خوش حالی کا سورج تیزی کے ساتھ طلوع ہوتا چلا گیا۔ اگر اس مرحلے پر مجھے شی کے روزگار کا سہارا نہ ملا ہوتا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میں کہاں اور کیا ہوتا۔

یہ سراسر بدقسمتی کی بات تھی کہ علم و ہنر کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، ہاں عیب کے بہت سے خریدار، بھری جیبوں کے ساتھ بازار میں گھوم رہے تھے۔

میرے کانوں میں کافی دنوں بعد ہیروئن کے الفاظ گونجے تھے۔ آخری مرحلہ اس وقت پیش آیا تھا جب میں نے این جی او کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت کرنے والی ایک موٹی اسامی کو پکڑوایا تھا اور وہ شخص اتفاق سے جہانگیر کا سسرالی بزرگ ثابت ہوا تھا۔

ڈینی، جہانگیر، داؤد اور نادر۔ وہ شی کے عروج کے دنوں کے بڑے نام تھے جن کے ڈنکے ہر خفیہ بازار میں بجتے تھے۔ میں ان تینوں کا خفیہ مقامی سربراہ تھا اور مجھے اپنے اہم کارندوں کے بارے میں پوری خبریں دستیاب ہوتی تھیں۔ اس وقت میں نے ویرا سے گفتگو کے دوران میں اپنے ذہن پر بہت زور ڈالا لیکن جوشی کا نام کھنگالنے میں ناکام رہا۔

ویرا نے شاید میرے بشرے سے میری الجھن بھانپ لی اور مسکراتے ہوئے بولی "بلاوجہ اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ کھوپڑی چٹخ جائے گی۔ جوشی کو میں نے اس وقت دریافت کیا تھا جب تم شی سے منحرف ہوچکے تھے اور میں تمہارے خون کی بو پر لگی ہوئی تھی۔"

ویرا کے انکشاف پر میرا ذہنی تناؤ اچانک دور ہوگیا اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں اسی الجھن میں تھا کہ جوشی کا نام میرے لیے اجنبی کیوں ہے۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کے بارے میں بہت کم باتیں

ئی ہیں۔" سلطان شاہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس
بات اڑا دی۔
"مجھے جو کچھ معلوم تھا' میں نے بتادیا۔ اس کے گھر کا پتا
ہ گیا ہے۔ کہو تو وہ بھی بتادوں' چوپڑا آرام باغ کے سامنے رہتا
ہے۔"
"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" سلطان شاہ نے
وچتے ہوئے کہا "ہم امریکیوں سے کھلا تصادم مول لینے سے
ی رہے ہیں لیکن بھارتیوں کے معاملے میں ایسی کوئی مجبوری
بھی نہیں ہے پھر چندن کے قتل کو رقابت کا شاخسانہ قرار
ینے میں کیا عقل مندی پوشیدہ ہے۔"
"اس سے پولیس کا کام آسان ہوجائے گا۔ ہماری
زادیاں متاثر نہیں ہوں گی۔" میں نے جواب دیا "یہ
طرات نہ ہوتے تو ہمیں اس کی ران کٹوانے کی ضرورت
یں تھی۔ گھٹنے پر بیم گن کے زخم کے ساتھ اس کی لاش
پھینک دیتے۔ ساری دنیا کو معلوم ہوجاتا کہ اسے ڈینی نے مارا
ہے۔ یہ نکتہ تمہیں اس وقت کیوں یاد آیا؟"
"ہم یہاں بیٹھے چوپڑا کے خلاف منصوبہ بندی کر رہے
ں۔ ایک دو روز میں اس کی گردن کا منکا بھی توڑ دیا جائے
اس کی موت کا سبب کیا ہوگا؟" اس نے پوچھا۔
"یہ سب ظاہری باتیں ہیں۔ بھارتی مرکز بھی اس کہانی
یقین نہیں کریں گے کہ چندن کو اس کے کسی رقیب نے مارا
ہے۔ انہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ وہ کیوں مارا گیا ہے اور کچھ
یا نہ ہو' وہ یہ بات جانتے ہیں کہ مظہر کو چندن کے رابطوں کا
تھا۔ مظہر نے چندن کو ایک فیکس بھیجا مگر اپنی روپوشی ختم
ی کی۔ وہ سمجھ چکے ہوں گے کہ چندن کو مظہر یا اس کے کسی
تی نے مارا ہے۔ ان کو پیغام مل چکا ہے۔"
"اور چوپڑا کی موت بھی اسی کھاتے میں جائے گی؟"
"یقیناً۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "چندن اور
پڑا ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔ چوپڑا کی لاش ملنے کے بعد
الی رہی سہی خوش گمانی بھی ختم ہوجائے گی۔"
"تم سے جوشی نے یہ ضرور جاننا چاہا ہوگا کہ تمہیں چوپڑا
سے کیا کام پڑ گیا۔" اول خان نے یکایک ایک نیا سوال کر
...
"یہ فطری سوال تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں بتادیا
جوشی کی طرح چوپڑا بھی میرا پرانا واقف کار ہے مگر بدقسمتی
میرے پاس اس کا کوئی نمبر یا پتا نہیں ہے۔ ایسے معمولی
لات کو سنبھالنا میرے لیے مشکل نہیں ہوتا۔"
"وہ زیر زمین دنیا کا پرانا آدمی ہے۔ اس کے وہ رابطے

اب بھی برقرار ہوں گے۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ بلیک کوئین کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے بہت بڑا انعام مقرر ہے۔" اس بار سلطان شاہ کو نیا سوال سوجھا تھا۔

"انعام ویرا الائیڈ کی گرفتاری پر ہے۔ امریکی اشتہاروں میں کہیں شی کی بلیک کوئین کا ذکر نہیں ہے کیونکہ شی امریکی صدر کے ذہن کی پیداوار تھی۔ یہ بات گنے چنے لوگوں کو معلوم ہے کہ میں بلیک کوئین بھی ہوا کرتی تھی۔ ہر کس وناکس کو اس راز کی خبر نہیں تھی۔"

"مگر یہاں بیٹھے ہوئے ہر فرد کو اس حقیقت کا علم ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے شوشا چھوڑا۔

"اس کا سبب صرف ڈینی کی ذات ہے۔ اس نے میرے رازوں کو افشا کرنے اور مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دشمنی کے دور میں ہم ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔"

"اور آج تم دونوں کی دوستی قابلِ رشک ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "تم دونوں کے درمیان پائے جانے والے خلوص و محبت کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ماضی میں تم دونوں میں ایسی خون آشام دشمنی رہی ہوگی۔"

"خلوص کی بات ٹھیک ہے لیکن محبت کا لفظ یہاں مشکوک معلوم ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے پرتشویش لہجے میں اعتراض کیا "اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی محبت بھی پائی جاتی ہے تو اس سے میری موکلہ غزالہ کے حق کو زک پہنچتی ہے۔"

سلطان شاہ نے وہ اعتراض کچھ ایسے انداز میں کیا کہ سب بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہوگئے۔

"چندن اور چوپڑا کے بارے میں ابھی ڈینی نے جو کچھ کہا، میں اس کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔" چند ثانیوں بعد اول خان نے دوبارہ وہ موضوع چھیڑ دیا "ہم یہاں پیش آنے والے واقعات کو کتنا بھی کیموفلاج کریں، بھارتیوں کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ ان کے اہم ترین آدمی کیوں مارے جارہے ہیں اور ان خون ریزیوں کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ احتیاط کا دامن سرے سے چھوڑ دیں۔"

"میرا اصل سوال یہی تھا۔" سلطان شاہ نے زور دے کر کہا "تم نے یہ بات ذرا مختلف انداز میں کہی ہے۔"

"حتی الامکان احتیاط ہر صورت میں لازم ہے۔ ہم دیدہ دلیری سے کام لیں گے تو وہ اپنے ملک میں جوابی کارروائیاں شروع کردیں گے۔ ان کو ہر قسم کے بہیمانہ اقدامات کا کھلا جواز مل جائے گا۔ ہمیں اپنے ان سفارت کاروں کا خیال رکھنا ہوگا۔ جو ہر وقت بھارت میں رہ کر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

"بھارتی اس بارے میں ہمیشہ انتہا پسند ثابت ہوئے ہیں۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "وہ اکثر کسی اشتعال انگیزی کے بغیر کسی نہ کسی پاکستانی سفارت کار کو اغوا اور تشدد کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ آج تک ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکا۔"

"یہ سنگین بدقسمتی ہے۔" اول خان نے سرجھکا کر متاسفانہ انداز میں کہا "دنیا بھر میں سفارت کاروں کو ویانا کنونشن کے تحت بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ اس معاہدے کی روشنی میں یہ امکان نہیں ہے کہ سفارتی اہل کاروں کو ذرا بھی گزند پہنچے۔ اگر کوئی ملازم قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے سدِّباب کے لیے ایک واضح طریقہ کار موجود ہے۔ شکایت ملنے پر متعلقہ ملک اپنے ملازم کے خلاف کارروائی کرنے کا پابند ہے۔ کسی ملک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر غیر ملکی سفارتی عملے کو ہراساں کرے یا تشدد کا نشانہ بنائے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ باتیں یک طرفہ ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق ہم پر بھی ہوتا ہے۔" غزالہ نے نرمی سے اعتراض کیا۔

"ہم بڑی حد تک ان قوانین کا احترام کرتے ہیں۔" اول خان نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"پھر چندن کو کیوں مار دیا گیا؟" غزالہ نے سوال کیا

"ہمیں اس کی مذموم حرکتوں پر سخت احتجاج کرنا چاہیے تھا۔"

اول خان غزالہ کے اٹھائے ہوئے اس مضبوط نکتے پر بوکھلا گیا مگر میں نے سختی سے کہا "تم بلاوجہ بال کی کھال نکال رہی ہو۔ اس کا جرم ثابت تھا مگر ہمارے پاس اس کے خلاف بہت زیادہ ثبوت نہیں تھے۔ چندن کے گھر میں سنی کمار کے فون کی مسروقہ لائن کی موجودگی کو پاکستانیوں کی سازش قرار دے دیا جاتا کیونکہ ٹیلی فون کی لائنیں ڈالنے کا کام بہرحال پاکستانی ادارہ اور عملہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے کرتوت ہمارے سامنے تھے اور وہ پاکستانی تھا۔"

"اس سے پہلے بھارتی قومیت رکھنے والے سفارتی ملازم بھی ہماری توجہ کا نشانہ بنے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کے انداز میں کہا "بھارتیوں پر اعتراض کرتے ہوئے ہمیں اپنے دامن پر نظر ڈال لینی چاہیے۔"

"سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے آج تک کسی بے گناہ بھارتی کو بلاوجہ پریشان نہیں کیا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا "صرف ان لوگوں کی سرکوبی کی ہے جو مصدقہ طور پر ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ بھارتی حکام اندھے ہوکر بے گناہ پاکستانیوں اور بھارتی مسلمانوں کو مارتے اور ہراساں کرتے ہیں۔"

"یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔" ویرا نے کہا "مرنے والوں کے جرائم کے بارے میں ہم جانتے ہیں یا گنتی کے چند بھارتی حکام جانتے ہوں گے۔ بھارتی پریس میں ہر مرنے والے مجرم کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"مجھے تمہاری اس بات سے مکمل اتفاق ہے۔ یہ مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے۔" میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا "اس کا نچوڑ یہ ہے کہ ہمارا کام مکمل ترین احتیاط کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔ احتیاط اور رازداری کے ذریعے ہم کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ جہاں ہم نے احتیاط کا دامن چھوڑا، ہمارے ہاتھ اپنے ہم وطنوں کے خون سے آلودہ ہوجائیں گے۔"

"وہ خون ہمارے نہیں بلکہ بھارتیوں کے ہاتھوں سے ٹپکے گا۔" ویرا نے میری بات میں گرہ لگائی۔

دنیا بھر میں منظم جرائم کے خلاف ایک طوفان برپا ہے۔ شور مچایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گروہ بند اپنی طاقت اور سازشوں کے بل پر دنیا بھر میں ہر روز اربوں ڈالر لوٹ لیتے ہیں۔ اس خطیر رقم میں جہاں چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، فراڈ اور ادوان کی بڑی رقمیں شامل ہوتی ہیں وہاں سب سے بڑا حصہ منشیات کی غیر قانونی تجارت کا ہوتا ہے۔ یہ رقم ہر روز دنیا بھر کے باسیوں کے قانونی حسابات سے منہا ہو کر زیر زمین دنیا میں گردش میں آجاتی ہے جہاں ان رقوم کا بڑا حصہ شراب و شباب اور جوئے کی پرشکوہ محفلوں پر خرچ ہوتا ہے یا پھر اپنی طاقت میں مہیب اضافے کے لیے جدید ترین ہتھیاروں اور مواصلاتی آلات کی خفیہ خریداریوں پر صرف ہوتا ہے۔

وہ جرائم عالمی ذرائع ابلاغ کی نظروں میں ہیں۔ ان کے بارے میں روزانہ اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں لیکن جرائم کے سب سے بڑے عالمی نیٹ ورک کے بارے میں شاذ و نادر ہی کوئی خبر منظر عام پر آتی ہے۔ وہ سفارتی جرائم کا شعبہ ہے جو دن رات فعال ہونے کے باوجود عام آدمی کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

یہ ایک طے شدہ عالمی حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے خفیہ ادارے جہاں دوسرے راستے اختیار کرتے ہیں وہاں وہ اپنے ملک کے سفارتی کیڈر کو بھی استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اس رواج سے دنیا کا کوئی ملک مستثنیٰ نہیں ہے۔ سفارت کاروں کے بھیس میں چھپے ہوئے سیکرٹ ایجنٹ دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر ہر ملک کی اہم اور خفیہ ترین دفاعی اور معاشی معلومات تک رسائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

کم و بیش ہر ملک کے حکمراں جانتے ہیں کہ سفارتی مراعات کی آڑ میں ان کے ملک میں دندناتے والے سیکرٹ ایجنٹ کون ہیں اور اپنے ملک کی طرف سے کیا اہداف لے کر وارد ہوئے ہیں۔ ان کی جملہ سرگرمیوں پر محتاط انداز میں نگاہ رکھی جاتی ہے اور ایک مخصوص حد تک ان کے کاموں میں مداخلت نہیں کی جاتی۔ ایسی سرگرمیوں کو نظرانداز کرنا ہر ملک کی مجبوری ہے کیونکہ وہ بھی کہیں نہ کہیں ٹانگ اڑائے بیٹھا ہوا ہے۔

دوست ملک ایک دوسرے کے سیکرٹ ایجنٹوں سے اسی رواداری سے پیش آتے ہیں۔ کہیں وہ حد سے متجاوز ہونے لگیں تو انہیں چھیڑنے کے بجائے ان کے مخبر یا مقامی رابطے کو تاک کر راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے اور ان کا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو مخبر کے روپ میں بڑھاوا دیا جاتا ہے اور وہ غیر ملکی جاسوسوں کو غلط اور فرضی معلومات فراہم کرکے گمراہ کرنے کا مقدس قومی فریضہ انجام دینے لگتے ہیں۔

یہ مہذب دنیا میں جینے اور پنپنے کے سنہرے اصول ہیں۔ جن پر مشرق سے انتہائے مغرب تک، ہر ملک نیک نیتی سے کاربند ہے لیکن پاکستان اور بھارت کے درمیان دشمنی کی ریت ہی انوکھی ہے۔ بھارت کے کسی اہم سیاسی رہنما کو چھینک بھی آتی ہے تو دہلی کے حکمرانوں کو اس میں آئی ایس آئی اور آئی بی کی سازشیں نظر آنے لگتی ہیں۔ بھارتی سفارت کار بین الاقوامی ادب اور آداب کو بالائے طاق رکھ کر ہر قیمت پر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ مقامی سطح کے گھٹیا جرائم میں ملوث ہونے سے بھی نہیں چوکتے۔ جس کا نتیجہ سیاسی اور سفارتی تلخیوں کی صورت میں آئے دن سامنے آتا رہتا ہے۔

دہلی کی سرزمین پر انل اور نریش کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی پوری ذمے داری بھارتی پولیس اور حکام کے سر جاتی تھی۔ اسی طرح جان اسمتھ اور ناگر کا خون بھی ان کی نااہلی کا ثبوت تھا۔ اگر امن و قانون کے محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد ہوتے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو وہاں کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ بھارتی پولیس افسر نے

جب اپنی ابتدائی چھان بین میں مجھے مشکوک اور اوباش سمجھ لیا تھا تو انتظامی قاعدے کی رو سے مجھے اسی وقت بھارت سے نکال دیا جانا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے ڈھیل دے کر را والوں کے سپرد کردیا پھر وہاں وہ سب ہوتا چلا گیا جس نے بھارتیوں کے اوسان خطا کردیے۔

اگر بھارت میں نامعلوم اور خطرناک دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبروں پر بھارتی پولیس محتاط رویّہ اختیار کرتی تو اسے کسی مشکوک غیر ملکی کو بھارت کی سرزمین پر نہیں ٹکنے دینا چاہیے تھا مگر ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہم نے اپنے کام پورے کرلیے۔ یہ بھارتیوں کی ہٹ دھرمی اور بے شرمی تھی کہ انہوں نے اپنی نا اہلی کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے پاکستان پر کیچڑ اچھالنی شروع کردی۔

وہ ان کی طرف سے نئی محاذ آرائی کی ابتدا تھی جس کا خمیازہ انہیں چندن کی موت کی صورت میں بھگتنا پڑا تھا۔ اگلی باری چوپڑا کی آسکتی تھی۔

○☆○

ویرا کے ساتھ مصالحت ہوجانے کے بعد چوپڑا کے بارے میں چھان بین کا کام اول خان کو سونپ دیا گیا۔ چوپڑا کا پورا نام اور پتا موجود تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ دو گھنٹے کی قلیل سی مدت میں ان کی رپورٹ ہم تک آگئی۔

چوپڑا خاندان برصغیر کی تقسیم سے پہلے میرپور خاص میں مقیم تھا۔ وہ نچلی ذات کے ہندو تھے۔ ان کا ماضی عسرت و افلاس کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستانی علاقوں میں بسی ہوئی ہندو آبادی میں ذات پات کا تعصب کمزور ہوا تو ان کو لکھ پڑھ کر ابھرنے کے مواقع مل گئے۔ یوں بدھو لعل میٹرک پاس کرکے بھارتی قونصل خانے میں ڈاک وصول کرنے والے کلرک کی حیثیت سے ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ شادی شدہ اور دو لڑکوں کا باپ تھا۔ اس کا پورا گھرانا میرپور خاص میں مقیم تھا۔ اس کے بچے بھی وہیں پڑھ رہے تھے۔ وہ بدچلن اور آوارہ نہیں تھا لیکن اپنی فطری ضروریات اور گھر سے دوری کی بنا پر اس نے کراچی میں رہنے والی ایک خوب صورت کرسچین لڑکی سے دوستی کرلی تھی۔ بعد میں اس نے لڑکی کو اپنے گھر میں ہی ڈال لیا۔ وہ لڑکی عام طور پر دن رات گھر میں رہتی تھی۔ چوپڑا کی ساری ذاتی ضروریات کا وہ دھیان رکھتی تھی۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی تصدیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ جوشی نے اپنی بلیک کوئن کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا' اس نے بلا کم و کاست ویرا کو بتادیا تھا۔ خرابی بس ایک ہوئی کہ اول خان کے بھیجے ہوئے آدمی لڑکی کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ خلافِ معمول گھر کا دروازہ مقفل تھا اور وہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی وہ واپس نہیں آئی تو وہ اول خان کے آدمی اس کا دیدار کیے بغیر لوٹ آئے۔

میرے لیے وہ نکتہ اہم تھا کہ دن رات گھر میں رہنے والی لڑکی بہت دیر سے گھر سے غائب تھی لیکن ویرا کی نظروں میں اس بات کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ گھر کا سودا سلف لینے کے لیے بازار کی طرف نکلی ہوگی' دیر سویر سے گھر لوٹ آئے گی۔ ویرا کی وہ تاویل قرین قیاس تھی۔ گھر میں اکیلی رہنے والی عورت کو گھربار کے ساتھ بازار بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اپنی تشویش کو غیر ضروری سمجھ کر نظرانداز کردیا۔

ویرا تن تنہا وہ معرکہ سر کرنے کے چکر میں تھی لیکن اس نے جلد ہی مان لیا کہ ایک سے دو کا ہونا زیادہ بہتر رہے گا۔

اپنے کسی بھی دشمن سے مقابلے کے لیے ہمارے پاس بیم گن سے زیادہ موثر کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن اس کے استعمال میں سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ اس کا استعمال فوری طور پر پہچان لیا جاتا تھا۔ بیم گن کا نام آتے ہی حریفوں کی صفوں میں شور مچ جاتا کہ ذیئی واردات کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ کسی بھی مقام پر بیم گن کے استعمال کو میرے نام سے نتھی کردیا گیا تھا۔

میرے ایما پر ویرا نے بیم گن کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی' ہلاک اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھیوں کی موجودگی میں ویرا کو زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی اس نے مہم جوئی کے وہ لوازم اپنے ساتھ لے لیے جو اس کے اور سلطان شاہ کے لباسوں میں چھپائے جاسکیں۔

چوپڑا کے خلاف مہم میں شناخت کا پوشیدہ رہنا از بس ضروری تھا۔ ان دونوں نے گاڑی چھوڑ دی اور چھ بجے ہم کو الوداع کہہ کر گھر سے رخصت ہوگئے۔

سڑک پر پہنچ کر ویرا نے ٹیکسی لی اور ان دونوں کے سفر کا آغاز ہوگیا۔

ٹیکسی ڈرائیور اپنی وضع قطع سے انگریزی سے نابلد' ایک سادہ لوح اور باریش نوجوان تھا۔ ویرا نے جمود توڑنے

کے لیے سلطان شاہ سے انگریزی میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور وہ اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

انگریزی ویرا کی مادری اور پدری زبان تھی۔ سلطان شاہ بھی میرے ساتھ نگر نگر کی خاک چھاننے کے بعد اچھی خاصی انگریزی بولنے پر قادر تھا۔ ان دونوں کے درمیان فوری طور پر مشاورت اور تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

باتوں ہی باتوں میں سلطان شاہ کو خیال آیا کہ وہ دونوں چوپڑا کے انجام کے بارے میں ایک متفقہ نتیجے پر پہنچ چکے تھے لیکن لڑکی کے بارے میں انہوں نے سرے سے کچھ نہیں سوچا تھا۔ چوپڑا کے معاملے میں بھی وہی مسئلہ درپیش تھا جو چندن کے فلیٹ میں پیش آیا تھا۔ وہاں ہماری مشکل خود بخود آسان ہوگئی تھی کہ چندن کی گرل فرینڈ شراب کے نشے میں اس حد تک مدہوش تھی کہ کچھ دیکھنا یا سننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس کے اخلاقی گناہ جو بھی رہے ہوں وہ چندن کے جرائم میں اس کی شریک کار نہیں تھی۔ ہم بلاوجہ اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پر آمادہ نہیں تھے اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چندن کو اٹھا لے آئے تھے لیکن چوپڑا کی ہاؤس میڈ کا معاملہ مختلف تھا۔

بظاہر وہ چوپڑا کی مستقل داشتہ تھی۔ یہ امکان کم تھا کہ وہ دونوں شام کو خوب شراب پی کر بہکنے کی عادت میں مبتلا ہوں۔ ویسے بھی شام تک وہ لڑکی بازار گئی ہوئی تھی۔ یہ امکان نہیں تھا کہ بازار سے لوٹتے ہی وہ شراب پی کر نشے میں اتنی دھت ہوجائے کہ ان کے پہنچنے تک اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے۔

”وہ بالکل بے قصور ہے۔ اس پر میرا ہاتھ نہیں اٹھ سکے گا۔“ اس مسئلے پر خاصا غور کرنے کے بعد سلطان شاہ نے تشویش سے کہا۔

”میں کب کہہ رہی ہوں کہ اسے مار ڈالو۔“ ویرا نے تنک کر کہا ”ہم اپنی کارروائی کا کوئی چشم دید گواہ چھوڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔“

”یہ بہت بڑا نکتہ ہے۔ ہمیں گھر سے نکلنے سے پہلے اس پر غور کرلینا چاہیے تھا۔“ سلطان شاہ کا لہجہ متاسفانہ تھا۔

”گھر میں غور کرنے سے کیا فرق پڑجاتا جو یہاں کھلی فضا میں نہیں ہے۔“

”یہاں ہم ڈیبی اور غزالہ کی ذہانت سے محروم ہیں۔ کبھی کبھی غزالہ بھی بہت دور کی کوڑی لاتی ہے۔“

”بس، رہنے دو۔ وہ دونوں بھی اس مشکل کا کوئی آسانی سے حل نہیں نکال سکتے تھے۔“

”یہ تم کہہ سکتی ہو۔ میں ان دونوں کی عقل و دانش کا دل سے قائل ہوں۔“

”ان کے قصیدے پڑھنے کے بجائے مسئلے کا حل سوچو۔ ہم ہر لمحے اپنی منزل سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔“

”ٹیکسی والا ہمیں چوپڑا کے فلیٹ میں نہیں اتارے گا۔ اسے فارغ کرکے بھی ہم کہیں بیٹھ کر سر کھپا سکتے ہیں۔“

”مگر وقت کے زیاں کا کیا فائدہ! میں کہتی ہوں کہ ابھی اور اسی وقت کوئی حل سوچو۔“

”صرف میں نے سوچنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا تم بھی اپنی نرم و نازک کھوپڑی پر تھوڑا سا زور دو۔“ سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا ”میں ویسے بھی گن پوائنٹ پر سوچنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”تم میرا دماغ خراب کررہے ہو۔ اس سے بہتر تھا کہ میں اکیلی گھر سے نکل کھڑی ہوتی۔“

”ایک پیدائشی خرابی کو بلاوجہ میرے سر منڈھنے کی کوشش نہ کرو۔“

”اس لڑکی کی بات تم نے نکالی تھی!“ ویرا نے چڑ کر اس پر الزام لگایا۔

”خدا کا شکر کرو کہ مجھے بروقت اس کا دھیان آگیا ورنہ عین موقع پر مسئلہ سامنے آتا تو دونوں کے ہوش اڑجاتے۔“

کیسے....؟

ایک صاحب ہوٹل میں پہنچے تو کلرک نے کہا ”کمرا تو کوئی خالی نہیں ہے لیکن رات گزارنے کے لیے میں آپ کو ڈائننگ ہال میں چارپائی ڈلوادیتا ہوں۔ وہاں دوسری طرف چارپائی پر ایک عورت بھی موجود ہے لیکن اگر آپ بتی نہیں جلائیں گے تو اسے آپ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

اس شخص نے ہامی بھرلی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ گھبرایا ہوا دوڑا دوڑا کلرک کے پاس آیا اور بولا ”وہ عورت تو مردہ ہے۔“

”مجھے تو معلوم ہے....“ کلرک نے اطمینان سے بولا ”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟“

"وقت پر جو ہوتا دیکھ لیا جاتا۔ تم نے اس کا ذکر کر کے میرا ذہن مکدر کردیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دے کر یہ سمجھ لو کہ طوفان ٹل گیا ہے۔ چوپڑا کے گھر میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اس ہلکی پھلکی جھڑپ کے بعد ان دونوں نے بظاہر خاموشی اختیار کرلی مگر ان کے ذہن اسی لڑکی کے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ چوپڑا کے گھر میں جاؤں گا یا باہر رک کر تم کو کور دوں گا؟" تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ نے رسانیت سے پوچھا۔

"بیٹھے بٹھائے تم کو اچانک یہ خیال کیوں آگیا؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے شروع سے آخر تک تمہارا ساتھ دینا ہے تو میں بھی کچھ سوچوں ورنہ بلا وجہ دماغ تھکانے سے کیا فائدہ۔ تم اکیلی گھر میں گھسیں تو تم وہی کرو گی جو تمہارے دماغ میں سمائے گا۔ میری ہر بات تمہارے لیے ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔"

"ذمے داری سے بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ ہم دونوں کو شروع سے آخر تک ایک ساتھ رہنا ہے... اور ہاں، یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ ہم دونوں کا پہلا مشترکہ مشن ہے۔ ناکامی ہوئی تو ہمیں ڈینی... کے سامنے سخت خفت اٹھانی پڑے گی۔"

"یہ واقعی مجبوری ہے۔ اب کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔" سلطان شاہ پرخیال انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ لڑکی ان کے گلے کی ہڈی تھی۔ جسے مارا جاسکتا تھا نہ اپنے خلاف چشم دید گواہ بنا کر زندہ چھوڑا جاسکتا تھا۔ میں ان دونوں کی جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ لڑکی سے سامنا ہوتے ہی، کسی عقاب کی طرح جھپٹ کر اس کو بے ہوش کردیا جائے۔ اسے اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی کا چہرہ وغیرہ ذہن نشین کرسکے۔

کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد سلطان شاہ نے وہی تجویز پیش کرڈالی "میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو کم سے کم وقت میں بے ہوش کردیا جائے۔ اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی اس سلسلے میں سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوگی۔"

"میں بھی اسی راہ پر سوچ رہی تھی۔ یہ ہمارے مسئلے کا اکلوتا حل ہے۔" ویرا نے اس کی بھرپور تائید کی۔

"مگر تم اس تک کیسے پہنچو گی؟ اس بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ہمیں اس لڑکی کے سامنے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ چوپڑا نے اسے ظاہری طور پر ہاؤس میڈ کی حیثیت دی ہوئی ہے۔ وہ خود گھر میں ہو یا نہ ہو، دروازہ لڑکی ہی کھولے گی۔ تم کو اسی لمحے اس پر وار کرنا ہوگا۔ ورنہ مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔"

اس بار ویرا نے مفاہمانہ خاموشی اختیار کرلی۔ سلطان شاہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔

آرام باغ کے قریب انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور باغ کے سرے پر واقع ایرانی ہوٹل کے سامنے والی گلی کی طرف پیدل چل دیے۔

جوشی نے ویرا کو چوپڑا کے گھر کا پتا لکھوا دیا تھا۔ اس کی کوئی واضح پہچان نہیں بتائی تھی۔

پنساری کی دکان سے انہیں مول چند بلڈنگ کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ چوپڑا اس کے دو نمبر فلیٹ میں مقیم تھا۔ خاصی سیدھی سی بات تھی کہ وہ نچلی منزل کا فلیٹ ہونا چاہیے تھا مگر قدیم طرز کی اس عمارت کے قریب پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ اس سہ منزلہ عمارت کے ہر فلور پر دو فلیٹ واقع تھے جن کے نمبر اوپر سے شروع ہوئے تھے۔ گراؤنڈ فلور پر پانچ اور چھ نمبر والے فلیٹ واقع تھے۔

سلطان شاہ نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ شہر کے رواج کے مطابق مول چند بلڈنگ کی چھت بھی آباد تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہاں بھی دوسری منزلوں کی طرح دو خاندان آباد تھے یا پوری چھت کسی ایک کنبے کے تصرف میں تھی۔

عمارت کی قدامت باہر سے ہی ظاہر تھی لیکن اندر گھسنے پر اندازہ ہوا کہ عمارت کے مکین نفیس الطبع تھے۔ راہداری میں اور سیڑھیوں پر کہیں بھی گندگی یا کوڑے کا نام و نشان نہیں تھا مجموعی طور پر عمارت صاف ستھری اور پرسکون محسوس ہورہی تھی۔ فلیٹوں کے داخلی دروازے چوبی اور دہرے چوپٹ والے تھے۔ جن پر باہر کی طرف کنڈی چھلکے لگے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان معمولی باتوں کو نوٹ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے تیسری منزل پر پہنچے تو دو نمبر فلیٹ کے دروازے پر جھولتا ہوا وزنی قفل ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

بے ساختہ ان دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ کھلے ہوئے فلیٹ میں ان کے شکار کے ملنے کی امید ہوسکتی تھی لیکن بند فلیٹ میں ان کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ دونوں تیزی سے زینے اترنے لگے۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کا کسی سے سامنا ہوا نہ اترتے ہوئے کوئی ان سے ٹکرایا۔ پتلی سی راہداری عبور کر کے وہ دونوں بلڈنگ سے دور چل دیے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" ویرا نے کھسیائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

"ڈینی نے پہلے ہی شبے کا اظہار کیا تھا کہ لڑکی کا گھر سے غائب ہونا تشویش ناک ہے۔ تم نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"ڈینی کی زبان کالی ہے۔ وہ جب کوئی بد فال منہ سے نکالتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔" ویرا نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"وہ سہ پہر سے ہی شاید واپس نہیں لوٹی۔ اول خان کے آدمیوں نے ایک گھنٹے تک اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا۔ وہ کہاں چلی گئی۔" سلطان شاہ واقعی فکر مند تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج اس کی خریداری کی فہرست لمبی ہو گئی ہو۔" ویرا اپنے اضطراب کو بہانوں میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دو نفری گھرانے کے لیے کیا خریداری ہو سکتی ہے۔ مجھے کوئی گھپلا نظر آرہا ہے۔ ادھر کا رخ کرنے سے پہلے ہمیں یقین کر لینا چاہیے تھا کہ وہ دونوں گھر میں موجود ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آج ہمیں بے نیل و مرام واپس جانا ہوگا۔"

"ابھی صرف جھٹپٹا ہوا ہے۔ آگے لمبی رات پڑی ہے۔ بس انتظار کروں گی۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی سے پہلے چوپڑا لوٹ آئے۔"

"ایسا ہوا تو ہماری ساری محنت وصول ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا "لڑکی کے جھنجٹ کا سامنا کیے بغیر ہم اسے مار لیں گے۔"

وہ دونوں بار بار عمارت میں داخل ہو کر چوپڑا کے فلیٹ کا جائزہ نہیں لے سکتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ ان دونوں کے چہروں سے واقف نہیں تھے۔ ان کے سامنے اکا دکا مردوں اور عورتوں کی عمارت میں آمدورفت ہوئی مگر انہیں علم نہیں ہو سکا کہ ان میں مطلوب افراد شامل تھے یا نہیں۔

ایسی صورت میں ان کا زیادہ دیر تک وہاں رکنا مخدوش تھا۔ وہ علاقے کے کسی بھی باسی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ باہمی مشاورت کے بعد وہ دونوں ٹہلتے ہوئے برنس روڈ کی طرف چل دیے۔

"مجھے آج کا کھیل ٹھپ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔" گلی سے نکل آنے کے بعد ویرا نے پہلی بار اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔

"عجلت اور انا پسندی کے زعم میں آج تم سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ مجھے ان باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

"ایک گھنٹے بعد تم اوپر جا کر ان کے فلیٹ کا دروازہ دیکھو گے۔ اگر وہ مقفل نہیں ہوا تو مجھے راہداری کی گیلری سے اشارہ کر دینا۔ میں اوپر پہنچ جاؤں گی ورنہ تم نیچے آجانا۔"

"آگے فریسکو کی مشہور دکان ہے۔ میں تمہیں وہاں کی گرم گرم جلیبیاں کھلاؤں گا تو تمہارا ذہن بہتر کام کرے گا۔"

"آج ہمارا دن نہیں ہے۔" ویرا نے مایوسی سے جواب دیا "ہر کام الٹا ہو رہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ آج نہیں تو کل چوپڑا کی باری آجائے گی۔" سلطان شاہ نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا۔

"میں دور تک سوچ رہی ہوں۔ اگر لڑکی کا غائب ہونا ایک اتفاق ہے تو اب اس کو لوٹ آنا چاہیے۔ چوپڑا کو دفتر چھوڑے کافی دیر ہو چکی ہوگی...."

غلطی

ایک امریکی نوجوان کالج میں داخلے کا فارم بھر رہا تھا۔ جب وہ اس خانے پر پہنچا جس میں والد کا نام درج کرنا تھا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے مراد اس کا سگا باپ تھا یا سوتیلا۔ چنانچہ اس نے خانے میں لکھ دیا "غیر یقینی" لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ یہ کچھ عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اس نے ساتھ نوٹ لکھا "میرے پیدا ہونے کے بعد میری ماں نے شادی کر لی تھی۔"

پھر اسے احساس ہوا کہ بات اب بھی کچھ صحیح طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی چنانچہ اس نے لکھا۔

"لیکن میری ماں نے یہ شادی میرے باپ سے نہیں کی تھی۔"

"اب تم ہر بات کو منفی زاویے سے دیکھ رہی ہو۔"
سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی "وہ اپنے قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر ہے۔ ایسے مصروف لوگوں کا دفتر آنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ ان کی واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں آسکتا۔"

"ڈینی کی طرح کبھی کبھی میرا وجدان بھی کام دکھانے لگتا ہے۔ آج کوئی کامیابی حاصل ہوگئی تو میں اسے بونس سمجھوں گی۔"

شام گہری ہوچکی تھی۔ سڑکوں، مکانوں اور دکانوں کی بیشتر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ اس وقت فریسکو کی دکان پر خاصا ہجوم تھا۔ سلطان شاہ نے ویرا کو آگے بڑھا دیا۔ ان دونوں نے فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے ہو کر جلیبیاں اور سموسے کھائے پھر آگے نکل گئے۔

ویرا کے لیے کراچی کبھی بھی اجنبی شہر نہیں رہا تھا مگر اس نے برنس روڈ کے علاقے کی کبھی اتنی تفصیلی سیر نہیں کی تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں رچی ہوئی برنس روڈ کی خورد و نوش کی دنیا کی سیر میں اس کے لیے ایک نیا مزہ تھا جو چوپڑا کے تصور سے بار بار کر کرا ہو رہا تھا۔

سست روی سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد دوبارہ مول چند بلڈنگ کے نواح میں پہنچ گئے۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ویرا ایک تاریک گوشے میں کھڑی رہی۔ سلطان شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ اس نے ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر زینے طے کیے اور تیسری منزل پر یہ دیکھ کر اس کا منہ لٹک گیا کہ چوپڑا کا فلیٹ بدستور مقفل تھا۔

وہ اس منزل پر رکے بغیر الٹے قدموں نیچے اترتا چلا گیا۔

"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسی بری نامرادی کا منہ دیکھا ہے۔" سلطان شاہ سے بری خبر سننے کے بعد ویرا نے آزردگی سے کہا "یہ سب ڈینی کی کالی زبان کا اثر ہے۔ وہ گئی اور ایسی گئی کہ اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔"

"بار بار ڈینی کو الزام نہ دو۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارا وجدان کچھ بتا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے اس پر ہلکا سا طنز کیا۔

ویرا کا موڈ اچھا نہیں تھا پھر بھی وہ اس طنز کو خاموشی سے پی گئی۔

○☆○

ویرا اور سلطان شاہ کے رخصت ہونے کے بعد غزالہ کی مہربانی سے چائے کا ایک دور چلا پھر اول خان رخصت ہوگیا۔ اس نے چلتے چلتے مجھے تاکید کی تھی کہ ویرا اور سلطان شاہ کے واپس لوٹتے ہی میں موبائل فون پر اسے ان کی مہم کے نتیجے سے آگاہ کردوں۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد اس وسیع و عریض گھر میں ہم دونوں کے لیے خلوت ہی خلوت تھی۔ میرے دماغ پر غزالہ سے قرب کا سرور سوار ہونے لگا۔ اس وقت میرے ذہن پر کوئی فکر سوار نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اپنی مرضی کے مطابق یادگار اور خوشگوار وقت گزارا پھر ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھ گئے۔

آٹھ بجے تک میرے اعصاب پرسکون رہے۔ گلشن اقبال سے آرام باغ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا۔ اگر حالات سازگار رہتے تو ان دونوں کو اپنا اصل کام نمٹانے کے لیے محض چند منٹ درکار ہوتے۔ میرے حساب سے انہیں آٹھ بجے تک کامیاب و کامران واپس لوٹ آنا چاہیے تھا۔

وال کلاک کی سوئیاں آٹھ سے آگے سرکیں۔ ان کے سفر کے ساتھ میری پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ویرا اپنے ساتھ موبائل فون نہیں لے گئی تھی اس لیے ان دونوں سے رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

ساڑھے آٹھ بھی بج گئے۔ پرخوف اندیشوں اور وسوسوں کی وجہ سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، اعصاب پر سخت دباؤ آیا ہوا تھا، ذہن میں عجیب اور ہولناک اندیشے سر ابھار رہے تھے۔ دوسری طرف میرے کان باہر سے آنے والی ہر آہٹ پر جمے ہوئے تھے۔

"آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کو ایک مدت کے بعد اس طرح آوارگی کا موقع ملا ہے۔ کوئی نہ کوئی گل کھلا کر واپس آئیں گے۔" غزالہ نے میری دل جوئی کے لیے کہا۔

"تم بھی ان کی طرف سے پریشان ہو۔ تمہارے خشک ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان مسکراہٹ نظر آرہی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

غزالہ عورت ذات تھی مگر وہ بہت حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ مسلسل مجھے باتوں میں لگائے رکھنے کی کوششیں کرتی رہی۔ آخر کار نو بجے سے ذرا پہلے ہمارے گھر کے باہر کوئی گاڑی رکنے اور اس کا انجن بند ہونے کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر دروازہ کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ وہ دونوں بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

ویرا کنڈا گھما کر پھاٹک سے اندر آچکی تھی۔ سلطان

شاہ بھی ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے اندر آ گیا۔
"ساری بھاگ دوڑ اکارت گئی۔ وہ دونوں اپنے فلیٹ کو مقفل کر کے کہیں غائب ہو چکے ہیں۔" ویرا نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا۔
"میرا ماتھا پہلے ہی ٹھنکا تھا۔" میں نے ان دونوں کے ساتھ گھر کی راہداری میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا "کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"
"کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے ایک صوفے پر دراز ہو کر بے پروائی سے کہا "ویرا کا خیال ہے کہ تمہاری زبان کالی ہے۔"
"پیش بینی کرنے والوں کے لیے ایسا خطاب مناسب نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ ان دونوں کا مشن غیر متوقع طور پر ناکامی سے دو چار ہوا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ دونوں صحیح و سلامت گھر واپس آ گئے تھے۔
"اس وقت اول خان کے آدمی کہاں ہوں گے؟" ویرا نے اچانک سوال کیا۔
"کون سے آدمی؟" میں نے پوچھا۔
"وہی جو چوپڑا کے بارے میں چھان بین کر کے آئے تھے۔" ویرا نے قدرے تیزی سے کہا۔
"وہ معلومات حاصل کر کے لوٹ آئے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کم از کم صبح تک اس فلیٹ کی نگرانی کروائی جائے تاکہ یہ پتا چل سکے کہ ان دونوں میں سے کوئی لوٹ کر گھر کا رخ کرتا ہے یا وہ زیر زمین چلے گئے ہیں۔"
"تم یہ بندوبست کرلو۔ میں ذرا جوشی سے بات کروں گی۔" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔
"اب سب سے زیادہ اہمیت جوشی کی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا "یہ سوچنے کی بات ہے کہ تم نے اس سے چوپڑا کے بارے میں بات کی اور وہ اپنی ہاؤس میڈ سمیت گھر چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔"
"یہ بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے۔ میں اپنے طور پر اسے ٹٹولنا چاہتی ہوں۔"
"وہ تمہارا معتمد تھا۔ تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ بدقسمتی سے وہ میرے لیے اجنبی ہے۔ کس ٹائپ کا آدمی ہے وہ!"
"اپنے کام سے کام رکھنے والا اور بہت زیادہ وفادار۔ اس زمانے میں تم اسے حکم کا غلام بھی کہہ سکتے تھے۔"
"وقت انسان میں بہت سی تبدیلیاں لے آتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"آج بلکہ برسوں سے میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی مگر آج ٹیلی فون پر اس کا لب و لہجہ سعادت مندانہ تھا۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہوگا۔ میں نے مایوسی اور بددلی کے ساتھ اس کا ذکر چھیڑا تھا اور جوشی نے از خود اس کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔"
"وہ اس وقت تم سے کھلے دل سے بات کر رہا تھا لیکن اب بات الجھ گئی ہے۔ چوپڑا کی روپوشی نے جوشی کو مشکوک بنا دیا ہے۔ تم کو اس سے سنبھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم سے پھر گیا ہے تو تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔"
"میں سی ایس ڈی کی مدد سے اس سے اسپیکر فون پر بات کروں گی تاکہ تم اس کی گفتگو بھی سن سکو۔"
"تم تھک ہار کر واپس آئی ہو۔ تازہ دم ہو لو پھر اس سے بات کر لینا۔ اس سے پہلے میں اول خان کو بریف کر دوں۔"
ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور اٹھلا کر بولی "تم مہربان ہوتے ہو تو میری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ تازہ دم ہونے کے لیے مجھے غسل کے بعد تھوڑی سی لینی پڑے گی۔"

"تم اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر کیا گل کھلاتی ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد تم باہر آؤ تو تمہارے ہوش و حواس بحال ہوں اور تم جوشی سے ذہانت سے بات کر سکو۔"

"دس پندرہ منٹ میں، میں بوتل خالی نہیں کر سکتی۔" اس نے برا ماننے کی اداکاری کی "ایک دو پیگ میری عقل اور ذہانت کو دھار لگا دیتے ہیں۔"

"بس اب جاؤ۔" سلطان شاہ فضا میں ہاتھ لہرا کر بیزاری سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ دھار زیادہ باریک نہ ہونے پائے۔"

وہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کی ہلکی دھمک سننے کے بعد سلطان شاہ نیچی آواز میں بولا "تم دونوں کمال کے آدمی ہو۔ اس وقت ویرا بہت زیادہ حساس اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ تم ناکامی کے حوالے سے اس پر ذرا سی بھی تنقید کرتے تو وہ پھٹ پڑتی۔ تم نے سرسری انداز اختیار کر کے اسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ ورنہ وہ راستے بھر کڑھتی اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتی آئی ہے۔"

"میں نے کوئی اداکاری نہیں کی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "کامیابی اور ناکامی مقدر کا ایک حصہ ہوتی ہے لیکن زندگی بار بار نہیں ملتی۔ ہم دونوں تمہاری سلامتی کے لیے بہت فکر مند تھے۔"

"میں نے بہت غور کیا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ چوپڑا ایکایک کہاں غائب ہو گیا۔"

"اندرونِ سندھ نہ چلا گیا ہو۔" غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا اور میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے اپنے ایک پرانے دوست کے کہے ہوئے فقرے یاد آ گئے۔ وہ ایک مشترک نوبیاہتا دوست کی طویل غیر حاضری کو ہمیشہ اندرون سندھ روانگی قرار دیتا تھا کیونکہ اس کی سسرال کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔

سلطان شاہ بھی لباس تبدیل کرنے کے لیے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے میری ہنسی کا سبب نہیں پوچھا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں نے اول خان کی تلاش شروع کر دی۔ وہ دفتر یا گھر میں موجود نہیں تھا۔ موبائل فون پر اس سے رابطہ ہو گیا۔

"ویرا کے مشن کا کیا بنا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال داغ دیا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کی اطلاع تمہارے آدمی دے چکے تھے۔ بدھو کا بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے تک گھر پر تالا جھول رہا تھا" میں نے بتایا۔

"اوہ! تو تمہارا اندیشہ درست نکلا۔ تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہ کیوں غائب ہو گئے؟"

"کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ میرے دماغ پر ان دونوں کی فکر سوار تھی۔"

"وہ غائب تھے تو ان کے گھر کا رخ کرنے والوں پر حملہ بھی ہو سکتا تھا۔ تمہاری تشویش بجا تھی۔ انہیں تو کچھ نہیں ہوا۔"

"وہ کوئی زک اٹھائے بغیر لوٹ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کوئی آدمی اس گھر پر مامور کر دو۔"

"میں اسی وقت آدمی لگا دوں گا لیکن چوپڑا کو خطرے کی بھنک مل گئی ہے تو وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

"لیکن کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے نیٹ ورک میں چوپڑا کا اہم مقام ہے۔ اس کے گھر پر خاصا اہم ریکارڈ ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ اسے نکال لے جانے یا وہیں تلف کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

اول خان میری رائے سے فوراً متفق ہو گیا "سیکرٹ ایجنٹ کا گھر بھی اس کا آدھا دفتر ہوتا ہے۔ جس نے بھی ادھر کا رخ کیا، رنگے ہاتھوں دھر لیا جائے گا۔ اگر تمہارا مشورہ ہو تو اس خفیہ نگرانی میں علاقے کی پولیس کو بھی شریک کر لیا جائے تاکہ مجرم کی گرفتاری براہِ راست ریکارڈ پر جا سکے۔"

"یہ بات میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ یہ خیال رکھنا کہ نگرانی کا پروگرام قبل از وقت فاش نہ ہونے پائے۔"

"چوپڑا کے نکل جانے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس بار یہ لوگ بہت چوکنا ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔"

"بس اب ہمارا موبائل فون پر رابطہ رہے گا۔" میں نے گفتگو کے اختتام کا عندیہ دیا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا کرو گے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ اندرونِ سندھ چلا گیا ہو۔" میں نے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

اول خان اس مکالمے کے پس منظر سے واقف نہیں تھا اس لیے میری بات کا اصل مفہوم سمجھے بغیر بولا "اگر وہ میرپور خاص کی طرف فرار ہوا ہے تو وہاں بھی بہت آسانی سے گھیرا جا سکتا ہے۔ آج کل ایس ٹی ایف کا ایک یونٹ اس علاقے میں بھی مامور ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "یہ بات وہ بھی جانتا ہے کہ اس کے دشمن اس کے فلیٹ کے بعد اس کے آبائی گھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔ ابھی تک میرا ذہن ماؤف تھا۔ تم بھی کچھ غور کرو۔ اس کے بارے میں بعد میں بات ہوگی۔"

اول خان سے بات ختم ہونے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ ان دنوں حالات کچھ عجیب سی نہج پر جارہے تھے مشکل نظر آنے والے شکار لقمہ تر ثابت ہوئے تھے۔ جان اسمتھ جیسے خطرناک حریف کو غزالہ اور ویرا جیسی دھان پان سی عورتوں نے دہلی میں آسانی سے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ انل بسواس اور نریش شرما اپنے بڑوں کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے ہر تحفظ سے محروم نکلے اور ممیاتے ہوئے بکروں کی طرح میرے ہاتھوں مارے گئے لیکن چوپڑا جیسا آسان حریف یکایک بہت دشوار روپ دھارتا جارہا تھا۔ مجھے نظر آرہا تھا کہ اسے گھیرنے کے لیے ہم لوگوں کو کوئی بڑا جال پھیلانا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا بن سنور کر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ قدرت نے اسے بہت فیاضی کے ساتھ رنگ و روپ اور حسن سے نوازا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا میک اپ بھی کرلیتی تھی تو بہت نمایاں نظر آنے لگتی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھوں کی گہری چمک چغلی کھا رہی تھی کہ اس نے غسل کے بعد اپنے پسندیدہ مشروب کے ایک دو پیگ ضرور لیے تھے۔

"غزالہ کے ساتھ فارغ بیٹھے ہوئے ہو۔" اس نے آتے ہی میرے اوپر فقرہ کسا "معلوم ہوتا ہے کہ اول خان سے تمہاری بات ہوگئی۔"

"میں نے اپنے حصے کا کام پورا کرلیا ہے۔ تم اپنا کام شروع کردو۔" میں نے اسپیکر فون کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"چوتھے کو بھی بلالو۔ وہ درمیان میں آکر گڑبڑ کردے گا۔" ویرا نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد مجھے توجہ دلائی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی اور اگلے ہی لمحے سلطان شاہ دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے آپہنچا۔ وہ اس وقت اپنی قمیص کے بٹن لگا رہا تھا۔

"برا منائے بغیر مجھے بریف کردو کہ چوپڑا کے بارے میں اس سے کیا کہو گی۔" میں نے ویرا کو فون کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر ٹوکا۔

"کہنا کیا ہے۔ اسے بتانا پڑے گا کہ چوپڑا اپنے گھر سے غائب ہے۔ اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گی۔" وہ بولی۔

"یہ سنگین غلطی ہوگی۔ تم کو اس سے یہ اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں کہ تم چوپڑا سے ملنے کے لیے مری جارہی ہو۔ وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ اس سے خوشگوار ماضی کے حوالے سے بات شروع کرو۔ اس کا ذہن صاف ہے تو وہ ان یادوں میں بہہ جائے گا۔ دورانِ گفتگو تم سرسری طور پر اس سے یہ پوچھ سکتی ہو کہ اس کے دیے ہوئے فون نمبر پر چوپڑا کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اس سے آگے وہ خود بولے گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" ویرا کو میرا ساتھ دینا پڑا "وہ گھر پر نہیں ہے تو فون کون اٹھائے گا۔"

"بس پھر بسم اللہ کرو۔" سلطان شاہ نے نہایت متانت سے مشورہ دیا۔

ویرا نے فون کو غیر ضروری طور پر مزید کھسکایا اور اسپیکر فون آن کرکے جوشی کا نمبر ملالیا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اسپیکر پر ایک پختہ اور مضبوط مردانہ آواز گونجی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس شخص کی عمر پینتالیس سال سے کم نہیں تھی۔

"میں بلیک کوئن بول رہی ہوں ڈیر۔ تم کیا کررہے تھے۔" ویرا نے ہم سب کو آنکھ مار کر رجھانے والی آواز میں

مختصر مختصر

○— ایک کار کا نیا ماڈل اتنا آرام دہ ہے کہ اس میں ایک بٹن دبانے سے سب کام ہوجاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بٹن کو دبانے کے لیے بھی ایک بٹن موجود ہے۔

○— شوہر نے گھر میں داخل ہوکر بیوی سے کہا "مجھے وہ رقم دے دو جس کے بارے میں، میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی بھی حال میں مجھے مت دینا۔"

○— گولف بہت اچھا کھیل ہے۔ اس میں آدمی یہ خطرہ محسوس کیے بغیر پیدل چل سکتا ہے کہ کوئی گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے گی۔

○— کل اتنی سردی تھی کہ پانی کے گلاس میں پڑے ہوئے میرے دانت بجتے رہے۔

○☆○

لہا۔

"گڈ ایوننگ مادام!" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ فوراً مودبانہ ہوگیا "کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔"

"تم سے بات کرنے کے بعد میرے ذہن میں ماضی کی یادوں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے ماضی میں رہ رہی ہوں۔"

"میں تمہارا ایک عاجز خادم ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آج کل تم کیسی زندگی گزار رہی ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب تمہارے نام سے شہر کے بڑے بڑے بدمعاش تھراتے تھے۔ تم شعلہ بن کر اچانک کہیں بھی نمودار ہوتی تھیں اور سب کچھ خاکستر کرکے واپس لوٹ جاتی تھیں۔"

"وہ ماضی اب ایک سہانا خواب بن کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے ایک گہری سانس لے کر اداسی سے کہا "اب میں یہاں انسانوں کے سمندر میں ایک عام سی عورت کی طرح زندگی بسر کررہی ہوں۔ بازار میں نکلتی ہوں تو بے توقیر آدمی مجھے کندھے اور کہنیاں مارتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"بھگوان کسی کا بنا ہوا وقت نہ بگاڑے۔" جوشی کی آواز فرطِ جذبات سے مرتعش تھی "دوپہر کو تم نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ مجھے یہ سن کر دکھ ہوا ہے۔ میں نے تمہارا رعب اور دبدبہ دیکھا ہوا ہے۔ جس عورت سے ایک جہان کانپتا رہا ہو اس کی یہ بے توقیری عذاب سے کم نہیں ہے۔"

"کبھی کبھی ماضی کی یادیں یلغار کرتی ہیں تو میں اداس ہوجاتی ہوں ورنہ اپنے حال میں خوش رہتی ہوں۔ میں نے اپنے پرشکوہ ماضی کی سب یادیں تلف کردی ہیں۔ آج ایک پرانا کاغذ ہاتھ آگیا تو میں تم سے رابطہ کر بیٹھی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ برسوں کے بعد بھی میرا پرانا فون نمبر چل رہا ہے۔ اس وجہ سے مجھے تم سے ہم کلام ہونے کا موقع مل گیا۔ تم مجھے بتاؤ کہ کہاں رہ رہی ہو۔ میں خود تمہارے قدموں میں حاضری دوں گا۔ میں نے برسوں تمہارا نمک کھایا ہے' میں مرتے دم تک تمہارے احسانات فراموش نہیں کرسکتا۔"

جوشی بہت چالاک اور مکار آدمی تھا اور شاید بلا کا صداکار بھی تھا۔ اس کے جذباتی فقروں پر شاید ویرا کا سینہ فخر سے پھول گیا ہو مگر میرے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ جب اس نے ویرا سے اس کا پتا دریافت کیا تو مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ جانے بوجھے انداز میں گفتگو کو ایک خاص رخ پر لے جا رہا تھا مگر میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر میں ویرا کو۔۔۔ لقمہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کررہا تھا۔

"میں نے تم سے چوپڑا کا فون نمبر لیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ اسے فون کیا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔" ویرا بولی۔

"وہ گھر پر نہیں ہوگا۔ لڑکی شاید سو رہی ہوگی۔ مگر مادام! وہ شی میں تو کبھی نہیں تھا۔ اسے تم کیسے جانتی ہو۔"

"وہ میرا دوست تھا۔ دوستوں کی بات اور ہوتی ہے۔ اس سے میں کھل کر بات کرسکتی ہوں۔ تم میرے کارکن تھے۔ یہ تمہاری بڑائی ہے کہ تم آج بھی میرا ادب اور لحاظ کرتے ہو مگر میں تمہارے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ رتبوں کا حجاب ہمیں ایک دوسرے سے کبھی بے تکلف نہیں ہونے دے گا۔"

"تم مجھے اپنا پتا بتاؤ۔ میں چوپڑا کو وہیں لے آؤں گا۔" اس نے بہت خوب صورتی کے ساتھ ذرا سی دیر میں ویرا سے دوسری بار اس کا پتا طلب کرلیا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر وہ گھر پر نہیں ہے تو میں اسے کہیں نہ کہیں ڈھونڈ لوں گا۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کو فون نہیں کیا۔" ویرا نے اس کی پیشکش کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

"ایک بار نمبر ملایا تھا۔ میں اسے تمہارے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا مگر اس سے بات نہیں ہوسکی۔" جوشی کا لہجہ مخلصانہ تھا مگر مجھے اس میں منافقت کی بو آرہی تھی۔ وہ اتنا سیدھا اور وفادار نہیں تھا جتنا ویرا سمجھ رہی تھی۔

"اس وقت میرے پاس پرانے لوگوں کے صرف دو نمبر ہیں۔ تمہارا اور چوپڑا کا۔ چوپڑا کا نمبر بھی تمہارا دیا ہوا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے لیے چوپڑا زیادہ عزیز ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ میں رات گئے تم کو پھر فون کروں گی۔ کسی پرانے دوست سے مل کر ہی میرے دل کا غبار ہلکا ہوسکے گا۔"

"تمہارے ایک اشارے پر میں تمہارے پیر بھی چاٹ سکتا ہوں۔" جوشی نے ذو معنی لہجے میں خوشامد کی انتہا کردی۔ وہ ویرا کو جتا رہا تھا کہ اس کا دوست نہ ہونے اور ایک مرد ہونے کے باوجود وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنے پر آمادہ تھا "تم مجھے صرف اپنا پتا بتا دو۔ میں تمہاری گود خوشیوں سے بھر دوں گا۔"

"تم بار بار میرے پتے کے لیے اصرار کررہے ہو مگر میں مجبور ہوں۔" اس بار ویرا کو ناچار کہنا ہی پڑا "میں اس وقت ایک معزز گھرانے کی مہمان ہوں۔ وہ لوگ تمہارے طبقے کے

کسی آدمی کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کریں گے۔ وہ میرے کسی مرد ملاقاتی کو بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔ یہ ایک قدامت پسند، مسلمان گھرانا ہے۔ اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ تم مجھے چوپڑا کا کوئی سراغ بتا دو۔ میں اس سے پروگرام طے کر کے ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی۔ وہاں تم بھی پوری آزادی کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آسکو گے۔"

اسپیکر فون پر جوشی کے گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مادام! میں نے ہمیشہ تمہیں سر سے پیر تک سیاہ اور چست لباس میں دیکھا۔ میری آنکھیں تمہاری دید کے لیے ترس رہی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے ایک پرانے غلام کی آرزو پوری کرنے کے لیے باہر کہیں مجھ سے مل لو۔ تمہارے اس دوسرے فون نے مجھے بے کل کر دیا ہے۔"

"آج تم چوپڑا کی تلاش جاری رکھو۔ وہ نہ ملا تو میں کل کچھ سوچوں گی۔ مجھے تمہاری تڑپ کا پورا پورا اندازہ ہے۔ ان دیکھی چیزوں کو دیکھ لینے کا جذبہ بہت منہ زور ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانا کبھی کبھی آدمی کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔" جوشی کو وہ جواب دیتے ہوئے ویرا کے ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

"میں اس کے گھر فون کروں گا۔ یہ کوشش تم خود بھی کر سکتی ہو۔ صبح میں اس کے دفتر سے پتا کروں گا۔ وہ دیر تک گھر سے غائب رہنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ لڑکی بھی غائب ہے تو پھر یہ تشویش کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اور وہ اپنے قدموں پر چل کر گھر پہنچنے کے قابل نہ رہے ہوں۔" ویرا کی کمین گاہ کا پتا حاصل کرنے میں ناکامی کا یقین ہو جانے کے بعد جوشی نے پہلی بار اپنی چرخی کو الٹے رخ پر گھمانا شروع کر دیا۔

"زبان سے ایسے برے کلمات نہ نکالو۔" ویرا نے اسے تادیب کی "اس سے میرا ملنا ضروری ہے۔"

"اپنا پتا نہیں بتا رہی ہو تو یہ بتا دو کہ آج کل تم کیا کر رہی ہو۔ نشے کی دنیا پر راج کرنے والی شی کو اچانک کیا زوال آگیا اور تم ہم لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اچانک کہاں غائب ہو گئیں۔" پتے سے مایوس ہونے کے بعد جوشی کو یکایک دوسرے سوال یاد آنے لگے تھے۔

"میں گوشہ نشین ہوں۔ شی کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظریں کھا گئیں۔ میری اور سپر آئی مین کی سلطنت تباہ ہو گئی۔ میں دنیا بھر میں اپنے دشمنوں سے مردانہ وار لڑتی رہی لیکن میرے ساتھی رفتہ رفتہ دغا دیتے چلے گئے۔ جب میں اکیلی رہ گئی تو میں نے لوٹ کر یہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ میری اپنی جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی تو میں تم لوگوں کی کیا خبر گیری کر سکتی تھی۔ تم لوگوں کی وفاداری کا صلہ یہ تھا کہ جس کے پاس شی کا جتنا مال تھا وہ اسی کا ہو گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، تم میرے قریب تھے۔ تم کو بھی بہت مال ملا ہوگا۔ میں نے کڑا وقت بھی گزارا لیکن پلٹ کر کبھی تم لوگوں سے ایک تنکا تک طلب نہیں کیا۔"

ویرا کی وہ مختصر سی کہانی اتنی اثر انگیز تھی کہ چند لمحوں کے لیے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خاص بات یہ تھی کہ ویرا نے اپنی کتھا میں میرا یعنی ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔

"دشمنوں نے ہم پر بعد میں وار کیا۔ میں نے سنا ہے کہ اس سے پہلے ڈینی نے شی سے غداری کی تھی۔ وہ تالاب میں پھینکا جانے والا پہلا پتھر تھا۔ سب سانس روک کے اس کے حشر کا انتظار کرتے رہے۔ جب اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تو سب گیدڑوں نے یک جا ہو کر شیر پر حملہ کر دیا اور شی کا شیرازہ بکھر گیا۔"

"میں نے جان بوجھ کر ڈینی کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ تمہارے آنے سے پہلے کی بات تھی۔ شی پر ساری تباہی اسی کی لائی ہوئی تھی۔ اس نے جس کام کی ابتدا کی تھی، دوسروں نے اسے مکمل کر دیا۔" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تمہارا بدترین دشمن تھا۔ تم نے اس کی خیر خبر ضرور رکھی ہوگی۔ اب وہ کہاں ہے؟" جوشی نے پوچھا۔

"یہ ماضی کی بھولی بسری کہانیاں ہیں۔ اب انہیں بھول جاؤ۔ ڈینی سے تمہیں کیا لینا ہے" ویرا نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"مادام! اب اس میں وہ دم خم نہیں رہا ہوگا۔ اس کی گرفتاری پر پچاس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر ہے۔" جوشی نے ملتجیانہ آواز میں کہا۔

ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جو بات میں کافی پہلے سے سمجھ رہا تھا وہ یکایک ویرا کی سمجھ میں بھی آگئی "جوشی! میرا خیال ہے کہ تم بہت گھما پھرا کر بات کر رہے ہو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

ویرا کے بدلے ہوئے اور ترش لب و لہجے سے جوشی سہم گیا۔ اسپیکر فون پر اس کی خوف زدہ آواز ابھری "ایک غلام اپنی مالکن سے کیا چاہ سکتا ہے مادام! یہ میرا فون نہیں ہے۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم آدھے دن میں مجھے دوسری بار فون کرو گی۔ میں سنی سنائی باتیں کر رہا تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ مفت میں ہاتھ

آجائے تو کیا برا ہے۔ میری نسلیں عیش کریں گی۔"
بات کھلتے کھلتے رہ گئی۔ ویرا کے غصے کا اندازہ کر کے جوشی نے یکایک بات گھمادی۔ میں وہ سب سمجھ رہا تھا لیکن ویرا کے منہ میں الفاظ گھسیٹرنے سے مجبور تھا۔ خاموشی سے دم سادھے بیٹھا ان دونوں کے ٹیلی فونک مذاکرات سنتا رہا۔
"تم ہر قیمت پر چوپڑا کو تلاش کرو" ویرا تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تمہاری بلیک کوئن ابھی اتنی مفلس نہیں ہوئی کہ انعام کے لالچ میں پولیس سے اپنے دشمنوں کی مخبری پر اتر آئے۔ ڈینی جہاں بھی ملا' میں اس سے اپنا حساب خود بے باق کروں گی۔ تم چوپڑا کو ڈھونڈو۔"
"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا" اسپیکر فون پر جوشی کی ہراساں آواز ابھری۔
"میں بارہ بجے پھر فون کروں گی۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے چوپڑا کا سراغ لگالیا تو بلیک کوئن تمہیں اپنی آغوش میں سجالے گی" ویرا نے بٹن دبا کر فون بند کردیا۔
"تمہارے دیدوں کا پانی مرگیا ہے" سلطان شاہ نے فون بند ہوتے ہی اسے ملامت کی "ہم تینوں کی موجودگی میں اسے غیر ضروری کھلی پیشکش کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔ کیا ہوگیا ہے تم کو؟"
ویرا ڈھٹائی سے مسکرادی "یہ نفسیاتی حربے ہوتے ہیں۔ اپنے مقابل کے جذبات اور احساسات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ان کا استعمال بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ بات تم نہیں سمجھ سکوگے کیونکہ ابھی بالغ نہیں ہوئے ہو' جس دن ایسی باتیں سمجھنے لگے پارس ہوجاؤ گے۔"
"یہ سراسر بے شرمی تھی۔ یہ باتیں میری برداشت سے باہر ہیں" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر برہمی سے شکایت کی۔
"ایسے کاموں میں بعض اوقات اپنی سطح سے نیچے آنا پڑتا ہے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ویرا' جوشی کی ذہنیت سے واقف ہے۔ اس نے اسی کے مطابق گفتگو کی ہے۔ یہ باتیں ہی باتیں تھیں۔ تم دیکھ لینا کہ وہ قابو میں آگیا تو ویرا ہی اسے جوتے لگائے گی۔"
"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔
"میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم صرف جوشی کی بات کر رہے ہیں" میں نے ویرا سے تائید چاہی۔
"تو کیا آپ چوپڑا کے ساتھ اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟" اس بار غزالہ قدرے متحیر نظر آئی تھی۔
"تم نے اس کی گفتگو سنی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"
"بلیک کوئن کے لیے اس کا رویہ بہت فدویانہ تھا" سلطان شاہ نے زہریلی آواز میں کہا "وہ اس کے پیر چاٹنے کے لیے تیار ہے۔ خوشیوں سے اس کی گود بھرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس کو اور کیا چاہیے۔"
"ویرا نے اپنے آخری فقرے میں اس کی ان ہی آرزوؤں کی تعبیر دکھانے کی کوشش کی تھی جس پر تمہارا منہ بن رہا تھا" میں نے کہا۔
"جوشی کبھی بھی بہت زیادہ چالاک نہیں رہا۔ وہ دی ہوئی ہدایات پر سختی سے کاربند رہنے والا آدمی ہے۔ اس وقت اس کی باتیں الجھی الجھی سی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور کی سکھائی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔"
"اس نے میرے اوپر مقرر کی ہوئی انعامی رقم کا ذکر کردیا۔ کیا وہ اتنا ہی بھولا ہے کہ اسے تم پر مقرر کی ہوئی رقم کا علم نہیں!" میں نے تلخی سے پوچھا۔
"اب تم جذباتی ہو رہے ہو" ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا "یہ بات شاید تم نے ہی کہی تھی کہ امریکیوں نے ویرا لائیڈ کو پکڑوانے پر انعام مقرر کیا ہے۔ ان کی تشہیر میں کہیں بھی بلیک کوئن کا ذکر نہیں آیا کیونکہ اس علاقے میں ہیروئن کی کھپت کے لیے شی اور اس کے مہرے امریکی صدر نے تخلیق کیے تھے۔"
"عام آدمی کو شاید علم نہ ہو کہ شی کی بلیک کوئن ویرا لائیڈ ہوا کرتی تھی۔ جوشی خود تمہارا ساتھی تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس راز سے واقف نہ ہو۔"
"میں معذرت اور پورے خلوص سے کہوں گی کہ اس وقت تمہارا حافظہ تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔ یہ راز کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مفاہمت کے جذباتی لمحات میں' میں نے خود تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ اس سے پہلے میں تمہارے لیے صرف بلیک کوئن ہوا کرتی تھی۔"
"یہ اس وقت کی باتیں تھیں۔ بعد میں تمہارے دہرے روپ کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا" میں اپنی بات پر اڑا رہا۔
"تم یہ بات کہہ سکتے ہو۔ مجھے اس کا غم نہیں" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "میں جوشی کا دفاع نہیں کر رہی مگر یہ بات جانتی ہوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک ان پڑھ بدمعاش ہے۔

ضروری نہیں کہ وہ ہر پسِ پردہ راز سے باخبر ہو۔"

"تم جو چاہو کہتی رہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے اور اب اس کے اشارے پر تم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"میں تمہارے اس تجزیئے سے سوفیصد متفق ہوں۔ اس کی گفتگو میں میرا پاٹیپ کا بند بنا ہوا تھا۔ میں نے اس بارے میں اس کی بدنیتی بھانپ لی تھی۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد میں نے اسے ایسا جواب دیا کہ اس کے لیے مزید اصرار کی گنجائش نہیں رہی۔"

"تم دونوں نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے۔ واقعات کی کڑیاں ملاؤ گے تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔" ویرا بولی۔

"جوڑ توڑ کرنے اور کڑیاں ملانے میں تم دونوں زیادہ ماہر ہو۔ مجھے اس مشقت میں نہ ڈالو" سلطان شاہ نے کھلے دل سے کہا۔

"جوشی کے لیے میرا آج صبح کا فون بہت غیر متوقع اور سنسنی خیز ثابت ہوا" ویرا نے سمجھانے والے انداز میں اپنی بات شروع کی۔ "میرے ذرا سے استفسار پر اس نے چوپڑا کے بارے میں بہت کچھ بتادیا۔ مجھے اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ میرے بارے میں چوپڑا کو ضرور بتائے گا۔ میں نے اس بارے میں اسے کوئی ہدایت نہیں دی۔ اس وقت چوپڑا اپنے دفتر میں رہا ہوگا۔ وہ جوشی کے مندر کی کمیٹی کا رکن ہے۔ دونوں میں گاڑھی چھنتی ہے۔ جوشی نے جوش میں آکر چوپڑا کو دفتر فون کیا ہوگا کہ شی والی بلیک کوئن اس سے ملنے کے لیے بے چین ہے اور چوپڑا کے کان کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ وہ را کا آدمی ہے۔ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ویرا لائیڈ اور بلیک کوئن ایک شخصیت کے دو رخ ہیں۔ اس نے یہ بات جوشی کو نہیں بتائی مگر اسے اکسایا کہ وہ کسی طرح بلیک کوئن کی کمین گاہ کا پتا چلالے تو پچاس لاکھ ڈالر مفت میں ہاتھ آسکتے ہیں کیونکہ بلیک کوئن 'ڈینی تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے۔ جوشی کے لیے وہ تصور سحر انگیز تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔"

"اوہ!" غزالہ اس کا فقرہ مکمل ہونے پر بے ساختہ بول اٹھی "تم ٹھیک کہہ رہی ہو' یہ سب اسی طرح ہوا ہوگا۔"

"چوپڑا کے لیے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "یہ اچھی بات نہیں تھی کہ ویرا اسے تلاش کررہی تھی۔ جوشی نے اسے یہ بتادیا ہوگا کہ اس نے اپنی بلیک کوئن کو چوپڑا کے گھر کا پتا اور فون نمبر دے دیا ہے۔ جوشی کے لیے اپنا گھر مخدوش ہوچکا تھا۔ اس نے وہاں سے غائب ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ دفتر سے فون کرکے اپنی داشتہ کو بھی گھر سے نکل جانے کی ہدایت دے دی اور یوں میدان صاف ہوگیا۔"

"اب چوپڑا ویرا کی گھات میں لگا ہوا ہے" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

"را والے ہم سب کو فنا کردینا چاہتے ہیں" میں نے کہا "چوپڑا نے جوشی کو یہی تاثر دیا ہے کہ بلیک کوئن کے ذریعے ڈینی کو پکڑوایا جاسکتا ہے۔ جوشی کی نگاہیں صرف ڈینی پر مرکوز تھیں۔ شاید اسے یہ علم نہیں ہے کہ ڈینی اور بلیک کوئن' دونوں پر انعامی رقوم مقرر ہیں۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے ہاتھ آجائے تو وہ دوسرا خود بخود زیر ہوجائے گا۔ اس وقت چوپڑا کسی بہت بڑی کامیابی کا منتظر ہوگا۔ اس کے لیے ہم دونوں کی مالیت ایک کروڑ ڈالر ہے۔ عزت اور شہرت اس کے علاوہ ملے گی۔"

"یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا ہے" سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے 'پر تشویش انداز میں کہا "میرے لیے اپنے ذہن پر اتنا زور دینا ممکن نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس ذہن ہوتا تو اس پر زور دیتے' ذہن ہی نہ ہو تو زور کیا دو گے؟" ویرا نے اس کی بات پکڑلی۔

"تم زیادہ نہ بولو تو بہتر ہوگا۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "تم نے جوشی سے جس بازاری انداز میں باتیں کی ہیں' اس سے میری طبیعت مکدر ہوگئی ہے۔"

"میری باتیں اتنی ناگوار لگ رہی تھیں تو خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے' یہاں بیٹھے مزے کیوں لے رہے تھے؟" ویرا نے تنک کر کہا۔

"اسپیکر فون کی وجہ سے بیٹھا رہ گیا۔ تم عام فون پر بات کررہی ہوتیں تو میں اسی لمحے تمہارا بائیکاٹ کردیتا" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم دونوں نے پھر اپنی خرافات کا سلسلہ شروع کردیا" میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے سرزنش کی "کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم اس وقت کس نازک موڑ پر پھنسے ہوئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم کہیں بھی نہیں پھنسے۔ بس ایک مقابلہ ہے جو چل رہا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ہاں.... یہ آنکھ مچولی سی چل رہی ہے" سلطان شاہ کو

بھی بولنے کا موقع مل گیا۔ "ہم کو چندن گرنانی کے بعد چوپڑا کی تلاش تھی لیکن وہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ وہ جوشی کے ذریعے ویرا پر اپنا جال پھینکنے کے چکر میں ہے۔ ویرا ہمارے ساتھ بیٹھی عیش کر رہی ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑا مگر سب اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سارے کھیل میں ہم سے ایک بنیادی غلطی سرزد ہو چکی ہے" غزالہ کی آواز میں رچی ہوئی گہری سنجیدگی نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ رفتہ رفتہ تم بھی کھلتی جا رہی ہو اور مشترکہ مسائل پر اپنا سر کھپانے لگی ہو" ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تم کو چوپڑا کے معاملے میں سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی راہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی" غزالہ نے براہِ راست اسی سے کہا۔

"چوپڑا پر ہاتھ ڈالنے کے لیے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی ضرورت تھی" ویرا نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"چوپڑا کوئی روپوش مجرم نہیں تھا جو کسی خفیہ پناہ گاہ میں چھپا ہوا تھا۔" غزالہ نے اپنی بات کی وضاحت کی "وہ ایک قونصل خانے کا ملازم ہے۔ شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ہم اپنے طور پر بہت آسانی سے اس کا کھوج نکال سکتے تھے۔ وہ بے خبری کے عالم میں رہتا اور ہم خاموشی سے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیتے۔"

"واہ! کیا بات کی ہے تم نے!" سلطان شاہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا "یہ سنگین غلطی صرف ویرا کی ہے۔ تم ہم سب کو کیوں موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو؟"

"میں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا رہی۔ ہماری کامیابیاں اور ناکامیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔ ہم سارا الزام کسی ایک کے سر نہیں تھوپ سکتے۔"

"یہ تمہاری زیادتی ہے۔" غزالہ کے مصلحت آمیز بیان پر سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا "اس بار ویرا نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا سارا بار اسی کے سر جانا چاہیے تاکہ یہ آئندہ ایسی حرکتوں سے باز رہ سکے۔"

"گزرے ہوئے واقعات کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کا محور نہ بناؤ۔ ان سے سبق سیکھ کر، آنے والے واقعات پر نگاہ رکھو۔" میں نے انہیں ٹوکا۔

"میرا خیال تھا کہ میں جوشی کو اپنے ماضی کے سحر میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں مگر وہ میری توقع سے بڑھ کر مکار اور خود غرض ثابت ہوا۔" ویرا افسردگی سے کہہ رہی تھی "مجھے امید نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہو گا۔ میں نے پرانا ساتھی سمجھ کر اندھیرے میں تیر چلایا تھا جو خطا ہو گیا۔"

"خطا ہو جاتا تب بھی غنیمت تھا۔ وہ تیر لوٹ کر تمہارے سینے کی طرف آیا ہے۔" سلطان شاہ بولے بغیر نہیں رہ سکا "خدا کا شکر کرو کہ قبلہ اول خان نے بروقت ہماری تم سے صلح کرا دی۔ تم جوشی پر انحصار کر کے آگے بڑھی ہوتیں تو اب تک تمہاری چٹنی بن گئی ہوتی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ دن میں ویرا سے فون پر بات کرتے ہوئے جوشی کے دماغ میں کوئی سازش نہیں تھی۔ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب رابطہ ہونے پر چوپڑا نے اسے پچاس لاکھ ڈالر کا سبز باغ دکھایا اور اپنے جال میں پھانس لیا۔" غزالہ نے کہا۔

"اب ان فضول باتوں پر سر کھپانا بے سود ہے۔" میں نے ایک مرتبہ پھر وہ موضوع وہیں ختم کرنے کی کوشش کی مگر ویرا نے میری بات اچک لی۔

"میری غلطی کے نتائج سامنے آ چکے ہیں۔ اب ہمیں اس کا توڑ نکالنا چاہیے۔" وہ بولی۔

"بس آج رات کا انتظار کرو۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "بارہ بجے تم اسے فون کرو گی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے کوئی رابطہ نہ ہونے کی کہانی سنائے گا۔ یہ جھوٹ اب اس کی مجبوری بن چکا ہے۔ چوپڑا اس سے پل پل کی خبریں لے رہا ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے دفتر کی عمارت میں ہی چھپا ہوا ہو۔"

"بات کرتے کرتے تم بھی پٹڑی سے اترنے لگے ہو۔" ویرا نے ہنس کر کہا "ابھی تم نے رات کے انتظار کا مشورہ دیا تھا۔ رات کو کیا کرو گے؟"

"جوشی کی سرکوبی ناگزیر ہو گئی ہے۔ ابھی بات اس کی ذات تک محدود ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو شہر کے سارے بدمعاش اور شہدے سر اٹھانے لگیں گے۔ مجھے تمہاری اور اس کی گفتگو کا انتظار ہے۔ وہ ہوش میں نہ آیا تو پھر ہم آج رات کو ہی اسے اٹھا لیں گے۔"

"یہ عبرت کا مقام ہے۔" سلطان شاہ آنکھیں موند کر بڑبڑایا "صبح تک ہمارا مقابلہ امریکی سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے تھا۔ عالمی رجحانات اور سازشوں کی بحثیں ہو رہی تھیں اور اس وقت ہماری اوقات یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کے

بد معاشوں کی شورش پر قابو پانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے۔ اے عورت! تو چاہے تو مرد کو انتہائی بلندیوں تک لے جاسکتی ہے اور جب چاہے اسے چشم زدن میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔"

"اب مجھے تمہاری زبان کی خارش دور کرنے کے لیے کوئی مرہم تلاش کرنا ہوگا۔" ویرا نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم بولنے پر آتے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں زہر فشانی سے نہیں روک سکتی۔ میں اپنی غلطی مان چکی ہوں تو اب تم وہی لکیر کیوں پیٹے جارہے ہو۔"

"مجھے شرمندگی اس بات کی ہے کہ میں بھی تمہارے چکر میں آکر روندا گیا۔ بلاوجہ گھر سے تمہارے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ چوپڑا کو مارنے کے بجائے نری جھک مار کر گھر لوٹ آیا۔"

حالات نے یک لخت بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ سی آئی اے اور را وغیرہ پس منظر میں چلی گئی تھیں اور جوشی کی حقیری سی ذات پورے منظر پر چھاگئی تھی۔ سلطان شاہ کا یہ کہنا درست تھا کہ ایک ذرا سی جذباتی لغزش نے ہمیں کہیں سے کہیں لا پھینکا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔ غزالہ کے ساتھ خلوت میں گزارے ہوئے سکون بخش لمحوں کا سرور میرے اعصاب پر حاوی تھا۔ میں جوشی پر اپنے خیالات مرکوز کرکے اس سرور کو غارت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں جو خلش تھی' ناکامی کی یاد کے لیے وہی کافی تھی۔

دونوں عورتیں اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں کیونکہ رات کے کھانے کا وقت ہوچکا تھا۔ سلطان شاہ کو ان دنوں اپنی مادری زبان کے گانوں سے گہرا شغف ہو چلا تھا۔ شاید یہ ویرا کے پڑوس میں کمرا ہونے کے ثمرات تھے کہ آخر کار سلطان شاہ کو ساز و آواز سے رغبت ہوگئی تھی۔

میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کسی نہ کسی حیلے بہانے سے غزالہ کو کچن میں اکیلا چھوڑے گی اور اپنے کمرے میں محصور ہوجائے گی۔ جوشی کو فون کرنے سے پہلے اس نے محض اپنے لب تر کیے تھے۔ کھانے سے پہلے اپنا کوٹا پورا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔ جس دن وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے اس معمول سے ہٹنے پر مجبور ہوجاتی تھی' اس کی بھوک اڑ جاتی تھی۔

اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے اول خان کو فون کردیا۔ مجھے اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں اخلاقی طور پر اسے اپنے عزائم سے آگاہ رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

جوشی کے بارے میں اس نے میری پوری بات تحمل سے سنی اور میرے پروگرام سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کے بعد بولا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل امریکیوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ قسمت کہیں بھی ان کا ساتھ نہیں دے رہی۔"

"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ جوشی کے مقابلے میں وہ موضوع میرے لیے دلچسپ تھا۔

"لیری کی لاش بحرین لے جانے کے لیے امریکیوں نے اپنے انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز سے دو انجنوں والا ایک مال بردار طیارہ منگوایا تھا۔" اول خان فون پر بتانے لگا "کراچی سے بحرین کی طرف جاتے ہوئے اس جہاز کے ایک انجن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت طیارہ گوادر پر پرواز کررہا تھا۔ اسے انٹرپرائز پر واپس ہوکر لینڈنگ کی ہدایت نہ کی جاتی تو جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہوجاتا۔"

"لیری کی لاش کے لیے سمندر کی تہ ہی بہترین مدفن ثابت ہوتی۔ یہ بصیرت والوں کے لیے عبرت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا "ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا مگر وہ مکافاتِ عمل کی گرفت میں آگیا۔ قدرت کی پکڑ اتنی سخت ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اس سے آزاد نہیں ہوسکا۔"

"لیری کی ناگہانی موت نے اپنے اور پرائے' سب بھونچکا رہ گئے ہیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے اچانک کیا ہوگیا۔"

"ہم لوگوں کے سوا صرف جلال کو اصل کہانی کا علم ہے۔ وہ ذہین اور سمجھ دار فرد ہے۔ اپنی زبان بند رکھے گا۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"میں بارہ بجے سے پہلے تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اول خان نے مجھے مطلع کیا۔

"تمہیں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ جوشی سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے کہا "تم اپنے گھر پر رہو۔ تمہاری حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات پر تمہارے بیوی بچے ہمیں کوستے ہوں گے۔"

"ہم سب صبر و قناعت والے بندے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بہت گہری بات کہہ گیا "میری ہر واپسی پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ انہیں تو معلوم ہے کہ میرے فرائض خطرناک ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی دن میں ان سے رخصت ہوکر دوبارہ زندہ نہ لوٹ سکوں۔ میں جب بھی گھر لوٹتا

ہوں' وہ خوش ہو جاتے ہیں۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ صابر اور قانع لوگ ہی اسپیشل ٹاسک فورس میں اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے تھے۔ وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اسے آسانی سے اٹھا لاؤ گے مگر رات گئے کہاں لے جاؤ گے۔" اول خان فون پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس مہم میں درپیش مشکلات کی نشان دہی کر رہا تھا "راستے میں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے آمنا سامنا ہو گیا تو تمہارے لیے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر تم آجاؤ۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

جوشی ہندو ضرور تھا مگر اس عیال دار بدمعاش کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا کہ اسے اس کے گھر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا۔ شی کے اس پرانے نمک خوار کے لیے باز پرس اور تھوڑی سی گوشمالی ہی کافی تھی۔

رات کو بارہ بجنے سے چند منٹ پہلے اول خان ہمارے گھر آ پہنچا۔ وہ چوپڑا اور جوشی کے معاملات میں زیادہ ملوث نہیں رہا تھا اس لیے اسے ہماری کوفت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے فون پر میری پوری بات سن لینے کے بعد کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا بلکہ اچانک لیری کی لاش لے جانے والے جہاز کی کہانی چھیڑ دی تھی۔

امریکیوں کی ہر شکست ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتی تھی۔ ان دنوں شاید عالمی رجحان بھی یہی تھا۔ امریکی حکمرانوں کے تکبر آمیز بیانات اور حد سے بڑھے ہوئے احساسِ برتری کی وجہ سے ان کے دوست بھی دل سے انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ امریکا کی سلطنت دنیا کی واحد سپر پاور تھی اس لیے اس کی ہر کامیابی کو ایک مجبوری سمجھ کر رسمی طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے لیکن امریکا کی تضحیک' تذلیل اور توہین کے ہر واقعے پر دنیا بھر میں عوامی سطح پر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ہم لوگ عالمی دھارے سے الگ نہیں تھے۔ ہمارے جذبات بھی دوسروں جیسے ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے میں صرف وہی لوگ امریکا کے گن گایا کرتے تھے جن کو ذرائع ابلاغ میں اپنی ساکھ زیادہ عزیز تھی یا پھر وہ بقراط تھے جن کے گھروں کے چولہے امریکا سے ملنے والے ڈالروں سے روشن ہوتے تھے۔

اول خان نے آتے ہی پھر مال بردار جہاز کا قصہ چھیڑ دیا "اس کریش لینڈنگ میں مال بردار جہاز کا ہوا باز اور انٹرپرائز کے رن وے اسٹاف کا ایک آدمی خاصا زخمی ہوا ہے۔ انٹرپرائز کے رن وے کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"اب لاش کہاں ہے؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کریش لینڈنگ کرنے والا جہاز پرواز کے قابل نہیں تھا۔ زخمی لاش کو دوسرے طیارے سے بحرین روانہ کر دیا گیا۔"

"زخمی لاش؟" سلطان شاہ نے حیرت سے وہ انوکھی اصطلاح دہرائی "کیا یہ لاشیں بھی زخمی ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔" اول خان نے اس سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا "کریش لینڈنگ میں تابوت کے بند کھل گئے۔ جھٹکوں سے لیری کی گردن ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک اسی بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز پاکستانی ساحل سے پچاس ناٹیکل میل دور' کھلے سمندر میں لنگر انداز تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ وہ اس علاقے میں امریکیوں کی اشتباہ آمیز سرگرمیوں کا ایک اور ثبوت تھا۔

وہ بحری' بری اور فضائی محاذوں پر پوری طرح سرگرم تھے۔ فضائی قوت اور صلاحیت میں ان کو ایسی برتری حاصل تھی کہ فضا کی محفوظ ترین بلندیوں میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں کچھ جاننا آسان نہیں تھا۔

بارہ بجے ویرا نے جوشی کے لیے فون کرنے کا ذکر کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے آزاد فضاؤں سے پکڑ کر زمین پر ٹیک دیا ہو۔

جوشی ایک جاہل بدمعاش تھا۔ شی کی شکست و ریخت کے آخری مرحلے پر آندھی کے بیروں کی طرح ایک بڑی دولت اس کے ہاتھ آئی تھی پھر بھی وہ مزید دولت اور بلیک کوئن کے قرب کا خواہاں تھا۔ وہ اس کی کال کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔

اس نے اسپیکر فون پر بات کرتے ہوئے ویرا کو بتایا کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود چوپڑا سے کسی قسم کا رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

"چوپڑے سے تمہاری گہری دوستی ہے۔ مندر میں وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم اس کے ٹھکانے سے بے خبر ہو۔"

"مادام! تم کیسی باتیں کر رہی ہو!" جوشی کی مجروح آواز ابھری "میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"وہ تمہارا دوست اور ہمراز ہے۔ تم اس کی باتیں مجھ سے چھپا رہے ہو۔" ویرا نے کھل کر اس پر الزام لگا دیا۔

"تم میری نیت پر شبہ کر رہی ہو۔ میں تم پر اپنی ہر دوستی

قربان کر سکتا ہوں۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے اپنا پتا یا ٹھکانا بتا دو۔ جیسے ہی میرا چوپڑا سے رابطہ ہوگا' میں اسے اپنے ساتھ لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"اب اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تم مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"تم تک پہنچنا اور تمہاری خوشنودی حاصل کرنا اب میری دلی آرزو ہے۔ مجھ پر شک نہ کرو۔"

"تم بار بار میرا پتا جاننے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ تمہاری بدنیتی کا کھلا ثبوت ہے۔ چوپڑا کہیں چھپ کر تم کو میرے خلاف اکسا رہا ہے۔ شاید تم کو نہیں معلوم کہ وہ را کا ایجنٹ ہے۔ بہت بے رحمی سے تمہیں استعمال کرے گا' اپنا کام نکالے گا اور پھر سرد مہری سے تمہاری گردن کٹوا دے گا۔"

"وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔" جوشی نے بے ساختہ کہا "تم یقین کیوں نہیں کرتیں کہ اس سے میری کوئی ملی بھگت نہیں ہے۔ جس طرح وہ تمہارا پرانا دوست ہے اسی طرح میری اور اس کی پرانی دوستی ہے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے۔ میں اسے بھارتی سرکار کا نوکر سمجھتا ہوں۔"

"تم انجان بن کر میرے قہر کو دعوت دے رہے ہو۔" ویرا لو اس کی پر فریب باتوں پر غصہ آنے لگا "تمہیں معلوم ہے ابلیک کوبن اپنے کسی معتوب کو موت سے کم سزا نہیں دیتی تھی۔ میں گوشہ نشین ضرور ہو گئی ہوں مگر آج بھی اپنی مرضی اور فیصلے کو نافذ کرنے کی پوری قوت رکھتی ہوں۔"

"مجھے یہ سب معلوم ہے۔ یہ باتیں دہرا کر تم مجھے خوف زدہ کیوں کر رہی ہو؟" اسپیکر فون پر اس کی پھنسی پھنسی آواز گونجی۔

"تم ہر بات سمجھ چکے ہو۔ چوپڑا میری تلاش میں لگا ہوا ہے اور میں اس کی فکر میں ہوں۔ تم ہم دونوں کے بیچ کے آدمی ہو۔ تم نے میرے بجائے چوپڑا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم کو بہت جلد اپنے اس فیصلے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

جوشی فون پر مادام' مادام کہتا رہ گیا لیکن ویرا نے اس سے مایوس ہو کر فون بند کر دیا۔

"تم نے صحیح کیا کہ اسے ہر بات جتا دی۔" میں نے ویرا سے کہا "وہ آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" اول خان سر ہلاتے ہوئے بولا "میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اس کی آواز سے اندازہ لگایا ہے کہ یہ عادی شرابی اور خوشامدی آدمی ہے۔ ہر طاقت ور کو جھک کر سات سلام کرے گا۔ کمزور کا خون پی جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے جلدی سے کہا "وہ ویرا کے پیر تک چاٹنے پر آمادہ تھا۔"

سلطان شاہ نے وہ بات اتنی سرعت سے اول خان کے کانوں میں ڈالی تھی جیسے تاخیر کی صورت میں اسے اپنا پیٹ پھٹنے کا ڈر ہو۔ سب ہنسنے لگے اور خفت سے ویرا کا چہرہ سرخ بھبوکا ہو گیا۔ اس نے غصے سے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے کہا "بعض اوقات تم گھٹیا حرکتوں پر اتر آتے ہو۔"

"میں بڑھیا سے گھٹیا تک' ہر شخص کے مرتبے کا پورا خیال رکھتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اس بار کسی نے ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ ویرا نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

"چوپڑا روپوش ہو کر اپنی سرگرمیوں کا ثبوت دے چکا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے بولنا شروع کیا "ویسے بھی ویرا کے سوا کوئی جوشی کو نہیں پہچانتا۔ ہو سکتا ہے کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد ویرا بھی پہلی نظر میں اسے نہ پہچان سکے۔ تم لوگوں میں سے کسی کا جوشی کی طرف جانا مناسب نہیں۔ میں اپنے کسی آدمی کو ساتھ لے کر اسے اٹھا لاؤں گا۔"

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر کسی نے اول خان کی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"لیکن تم اسے لے کر سیدھے اسٹیشن فور کی طرف نکل جاؤ گے؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔

"تم چاہو تو ادھر بھی آ سکتے ہیں۔" میں سمجھا کہ وہ مجھ سے مذاق کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ وہ بے ہوش ہوگا۔ چاہو تو کچھ دیر کے لیے اسے یہاں لایا جا سکتا ہے۔"

"راستے سے مجھے ساتھ لیتے جانا۔ را کے ہر مددگار کو مارنے میں عجیب لذت ملتی ہے۔"

"جوشی کو شاید را کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" اس سے شدید ناراض ہونے کے باوجود ویرا نے اس کی وکالت کی "وہ چوپڑا سے اپنی دوستی نبھا رہا ہے۔"

"دوستی نبھا رہا ہے تو اسے ڈینی پر مقرر کیے ہوئے پچاس لاکھ ڈالروں کے خواب کیوں آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے

طنز سے پوچھا۔
"وہ تھمنی بات ہے۔" ویرا نے جواب دیا "رقم اتنی بڑی ہو تو ہر ایک کی رال ٹپک سکتی ہے۔"
اول خان نے روانگی کے ارادے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

○☆○

بمبئی بازار کی وہ سڑکیں اور گلیاں جہاں دن میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے، سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ دکانیں بند ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ پتھاروں اور فٹ پاتھ پر رکھے ہوئے سامان پر رسیوں سے مضبوط ترپالیں بندھی ہوئی تھیں۔ عمارتوں کی سیڑھیوں اور بند دکانوں کے تھڑوں پر کہیں کہیں فلیٹوں کے مکین بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔
اول خان نے اپنے اندازے سے جیپ ایک جگہ روک دی اور طاہر کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ طاہر اس کا ایک قابل اعتماد ماتحت تھا جو ہر آڑے وقت میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان نے اس مہم کے لیے زیادہ نفری کو اپنے ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔
علاقے میں خورونوش اور پان کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر ان کے سمٹنے کا وقت ہو چلا تھا۔ اول خان کے ایک آدمی نے سرِ شام ہی جوشی کے گھر کا محل وقوع دیکھ لیا تھا۔ اس وقت تک جوشی کو اغوا کرنے کا کوئی معاملہ زیر غور نہیں آیا تھا مگر اول خان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اسے جلد یا بدیر اس گھر کا رخ کرنا ہوگا۔ اس نے احتیاط کے طور پر اپنے ایک آدمی کو علاقے کے سروے کے لیے بھیج دیا۔ اس وقت اول خان کی وہی احتیاط اس کے کام آ رہی تھی۔
ایک ڈھلوان سڑک چڑھ کر وہ دونوں جوں ہی داہنی طرف کی نیم تاریک گلی میں مڑے، سامنے پھیلی ہوئی تاریکی میں سے ایک ہیولا دوڑتا ہوا نکلا اور گلی کے دوسرے سرے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں کہیں مدغم ہو گیا۔
"ہوشیار رہنا۔ یہاں آثار اچھے نہیں ہیں۔" اول خان نے طاہر کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔
وہ دونوں محتاط انداز میں اس گلی میں آگے بڑھتے رہے جس کے دونوں طرف کئی منزلہ پرانی عمارتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس گلی کا ابتدائی سرا نیم تاریک تھا لیکن آگے گہری تاریکی کا راج تھا۔ رہائشی فلیٹوں سے آنے والا روشنیوں کا انعکاس گلی میں پھیلے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔
دوسری گلیوں کے برعکس آبادی کے اس حصے میں سناٹا تھا۔ گھروں سے باہر کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ اول خان کو وہ سناٹا غیر فطری لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب لوگ کسی نامعلوم خوف سے اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ہوں۔
ایک عمارت سے اچانک ایک پستہ قامت شخص ان دونوں کے سامنے آ گیا۔ وہ محتاط نہ ہوتے تو ان کا پستہ قامت سے ٹکرا جانا یقینی تھا۔
پستہ قامت نے رک کر چمکتی ہوئی خشک نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا پھر پوچھا "تم کون ہو۔ یہاں رہنے والے تو نہیں ہو؟"
"ہم جوشی سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر پیش کر دیا۔
"خدا خیر کرے۔" پستہ قامت خود کلامی کے انداز میں بولا "اتنی رات کو اس سے کیا کام پڑ گیا؟" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر دوبارہ بولا "پتا ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے؟"
"ہاں، ہمیں پیلی بلڈنگ کی پہلی منزل پر جانا ہے۔" اس نے اپنی منزل کی طرف اشارہ کیا۔
"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" پستہ قامت یہ کہہ کر کہیں اور جانے کے بجائے دوبارہ اسی عمارت میں گھس گیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔
"یہ شاید ہمیں چیک کرنے کے لیے باہر نکلا تھا۔" طاہر نے پر تشویش آواز میں کہا۔
"معاملہ گڑبڑ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جوشی کے گھر کی حفاظت کی جا رہی ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کی۔
وہ دونوں پیلی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ فضا اچانک ایک فائر کے دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی آس پاس رہنے والوں کی کئی دہشت زدہ چیخیں تاریک فضا میں تیر گئیں۔ اول خان کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ گولی کہاں سے آئی تھی اور کدھر گئی۔ اس نے طاہر کا ہاتھ تھاما اور دیوانہ وار دوڑ کر قریب ترین دیوار سے چپک گیا۔
گلی میں پھیلا ہوا اندھیرا یکایک گہرا ہو گیا۔ مکانوں کی روشنیاں بہت تیزی کے ساتھ بجھا دی گئی تھیں تاکہ اندھیرے میں تاک تاک کر گولیاں چلانے والے نامعلوم حملہ آوروں کی نشانے بازی سے بچا جا سکے۔ وہ بہت خوفناک صورتِ حال تھی۔ وہ دونوں کھلی فضا میں تھے۔ دشمن کو ان کی پوزیشن کا اندازہ تھا جب کہ وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔ کچھ دیر کے لیے اول خان کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

پہلے فائر کے بعد فضا پر کئی سیکنڈ تک بھیانک سکوت چھایا رہا۔ جوشی کی رہائشی اور ملکیتی عمارت اور ان کے درمیان محض ایک دروازے کا فاصلہ تھا' اس درمیانی بلڈنگ کے سامنے سے گزر کر وہ پھرتی سے اپنی مطلوبہ عمارت میں داخل ہو سکتے تھے۔

"میں جارہا ہوں..... تم بعد میں آنا۔" اول خان نے ذرا سے انتظار کے بعد سرگوشی کی اور اسے مضطرب چھوڑ کر حرکت میں آگیا۔

وہ عمارت کے سائے سے باہر نکلا ہی تھا کہ فضا دوسرے اور پھر تیسرے فائر سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ فضا میں ایک گھٹی گھٹی بے ساختہ چیخ گونجی۔

دوسری گولی اول خان پر چلائی گئی تھی۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ گولی اس کے بائیں شانے پر سے گزر کر سڑک سے اچٹ گئی۔ تیسرا فائر طاہر نے کیا تھا۔ اس نے دوسرے فائر کا شعلہ بروقت دیکھ لیا تھا۔ اول خان پر جوشی کی بلڈنگ کے سامنے والی عمارت کی پہلی منزل سے گولی چلائی گئی تھی۔ طاہر کا نشانہ بے خطا رہا۔ اس نے فلیٹ میں چھپے ہوئے حملہ آور کو زخمی کردیا تھا۔

تیسرے فائر کے بعد بس چند لمحوں کے لیے سکون رہا پھر فضا میں فائرنگ کا شور بھرتا چلا گیا۔ اول خان طاہر کے ساتھ ایک قریبی عمارت میں گھس کر راہداری کی دیوار سے چپک گیا۔

وہ اول خان کے لیے نیا کھیل نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی گولا بارود اور ہتھیاروں سے کھیلتے ہوئے گزری تھی۔ اس نے پہلا راؤنڈ چلتے ہی اندازہ لگالیا کہ تیسرے فائر کے بعد کم از کم چار مختلف ہتھیاروں سے وحشیانہ فائرنگ کا آغاز کیا گیا تھا۔ فائرنگ کے ساتھ فضا خوف زدہ عورتوں اور بچوں کی بے ساختہ چیخوں سے بھی لرز رہی تھی۔

اول خان کے ذہن میں ایک تیز رفتار فلم چل پڑی۔ ویرا نے اسے بتایا تھا کہ شی کے بکھرنے پر جوشی کو اتنا مال ہاتھ آیا تھا کہ وہ اپنی پرانی سرگرمیوں سے تائب ہو کر شریفانہ زندگی کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اپنی گزر اوقات کے لیے جائداد کے کرائے پر انحصار کرنے لگا تھا۔ اول خان کے پاس ویرا کی ان باتوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دوسری طرف ان باتوں پر شبہ کرنے کا بھی کوئی سبب نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسی شام ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے جوشی کی بلڈنگ کا ایک چکر لگایا تھا۔ اگر جوشی کی شہرت خراب ہوتی یا وہ خطرناک آدمی ہوتا تو اول خان کا بھیجا ہوا آدمی یہ باتیں ضرور نوٹ کرتا۔ اس کی فراہم کی ہوئی معلومات میں ایسا کوئی نکتہ نہیں تھا جو اول خان کو چونکنے پر مجبور کردیتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی غیر معمولی تیاری کے بغیر جوشی کے اغوا کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

ان نامعلوم لوگوں کی طرف سے تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی۔ فائرنگ کے دھماکوں کی تعداد کے مقابلے میں پختہ سڑک پر آکر معدوم ہونے والے شعلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔

جوشی اور اول خان کے درمیان کسی تیسرے فریق کی مداخلت خارج از امکان نہیں تھی۔ اس وقت چوپڑا کی وجہ سے را والے جوشی میں دلچسپی لے سکتے تھے۔ وہ جوشی کو چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ چارے پر منہ مارنے والے کو شکار کرنا چاہتے تھے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ چارہ اٹھا کر چل دے۔

باہر سے ایک بند راہداری میں آجانے کے بعد وہ دونوں عارضی طور پر محفوظ ہو گئے تھے مگر اول خان جانتا تھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ نامعلوم حملہ آور اپنے ہتھیار سنبھال کر عمارتوں سے باہر نکلیں گے اور پوری گلی میں پھیل جائیں گے۔

"یہاں سے نکل بھاگو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔" اول خان نے خطرے کا ادراک کرتے ہی طاہر سے کہا اور وہ دونوں دروازے سے باہر نکل آئے۔

دروازے سے باہر رک کر اول خان نے اپنا پستول سیدھا کیا اور دیوار کے ساتھ دوڑتے ہوئے فضا میں گولیاں برسا دیں۔ اپنی اس حرکت سے وہ فریق ثانی کو کچھ دیر کے لیے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا تعاقب نہ کیا جاسکے۔

اول خان کے پستول سے پہلی گولی چلتے ہی فضا پھر گولیوں کے شور سے گنگنا اٹھی۔ حریفوں کو میگزین لوڈ کرنے کی مہلت مل چکی تھی۔ انہوں نے دھواں دھار فائرنگ شروع کردی۔

اول خان نے صرف چار فائر کیے۔ وہ دونوں ویران گلی میں دیواروں کے ساتھ ساتھ سیدھے بھاگے جارہے تھے۔ انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اول خان کی ترکیب کارگر رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں فائرنگ کے اعصاب شکن شور کو پیچھے چھوڑ آئے۔ آخر کار فائرنگ بھی تھم گئی۔ شاید ان کے حریفوں کو ہوش آگیا تھا کہ وہ یک طرفہ طور پر اپنے میگزین برباد کیے جارہے تھے جس

کا کوئی نتیجہ نہیں تھا۔

"مجھ سے دور رہ کر گاڑی تک پہنچو۔ اب یہ علاقہ مخدوش ہوگیا ہے۔" اول خان نے دوڑ لگانے کا سلسلہ ترک کردیا کیونکہ آگے اسٹریٹ لائٹس کا سلسلہ بحال نظر آرہا تھا۔

جوشی کے گڑھ سے فرار کے لیے انہوں نے وہ راہ نہیں لی تھی جس سے وہ اپنی منزل تک پہنچے تھے۔ اس علاقے کی ساری گلیاں یکساں تھیں۔ دور سے ابھرنے والے فائرنگ کے شور کی وجہ سے پورا علاقہ دور تک ویران ہوچکا تھا۔ صورتِ حال جاننے کے لیے لوگ اپنے فلیٹوں کے برآمدوں میں لٹکے ہوئے تھے۔ وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ اول خان کو اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ راستہ بھٹک کر ایک دوسری سے ملی ہوئی متعدد بند گلیوں کی بھول بھلیوں میں پھنس چکا تھا لیکن اس کے ذہن میں سمت کا احساس باقی تھا۔ وہ کہیں بھی رکے بغیر تیزی سے چلتا رہا اور کافی دیر بعد وہ اس سڑک پر نکلنے میں کامیاب ہوگیا جس پر اس نے جیپ پارک کی تھی۔

وہ دونوں اپنی جیپ سے بہت دور نکلے تھے اور مزید بھٹک سکتے تھے مگر سمت کے احساس نے اول خان کی رہنمائی کی اور قدرے لمبی پیدل مسافت طے کرکے وہ جیپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ روشنی میں سامنے آنے پر طاہر نے دیکھا کہ اس کے چیف کے چہرے پر دور دور تک شکست کا ملال نہیں تھا' وہ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔

شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں نامعلوم شوریدہ سروں کی وہ کارروائی اول خان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ جیپ اسٹارٹ کرکے وہ سیدھا علاقے کے تھانے میں پہنچ گیا۔ وہاں رات کے گشت کی وجہ سے کچھ ویرانی سی تھی۔ ایس ایچ او کا کمرا بند پڑا ہوا تھا مگر جب اول خان نے ایک سب انسپکٹر کو اپنی شناخت کرائی تو وہ کمرا کھول کر ان دونوں کو اندر بٹھا دیا گیا۔ تھانے میں یکایک ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی۔

اس وقت رات کا سوا بجا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تھانے دار پوری وردی میں آموجود ہوا۔ اول خان اس وقت عام شہری لباس میں تھا مگر تھانے دار اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے آتے ہی اول خان کو سلیوٹ پیش کردیا۔

"میں اپنی فورس کے ایک مجرم تک پہنچنا چاہ رہا تھا لیکن وہاں کچھ مسلح آدمیوں نے محاصرے کی سی فضا پیدا کی ہوئی ہے۔" اول خان نے رسمی تعارف اور ابتدائی گفتگو کے بعد پولیس افسر کو بتایا "ابھی میں بھاری فائرنگ سے بچ کر نکلا ہوں۔ مجھے دوبارہ وہاں جانے کے لیے نفری درکار ہے۔"

"آدمی کیا۔ سر! وہ اسی کے ساتھی ہوں گے۔ ابھی چل کر انہیں دیکھ لیتے ہیں۔" افسر نے اپنی قابلیت بگھاری۔

تھانے میں زیادہ نفری موجود نہیں تھی۔ روزنامچے میں اندراج کے بعد' دو افسروں اور دو سپاہیوں کے ساتھ وہ پولیس موبائل میں دوبارہ جوشی کے گھر کی طرف چل دیے۔ اول خان نے اپنی جیپ تھانے میں ہی چھوڑ دی۔ تھانے دار اول خان کے ساتھ موبائل کی اگلی نشست پر بیٹھا واردات کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا۔

مین روڈ سے ڈھلوان سڑک پر مڑتے ہوئے تھانے دار نے موبائل کا سائرن آن کرا دیا تاکہ لوگوں کو جائے واردات پر پولیس کی آمد کا علم ہوجائے۔

اگلا موڑ گھومتے ہی انہیں ایک اور پولیس موبائل نظر آگئی جو پہلے سے وہاں پہنچی ہوئی تھی۔

اس وقت وہ تنگ گلی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پولیس کے آتے ہی سب لوگ گھروں سے باہر نکل پڑے تھے۔ گلی میں پھیلا ہوا اندھیرا بڑی حد تک دور ہوچکا تھا کیونکہ لوگوں نے رضاکارانہ طور پر اپنے فلیٹوں کی بیرونی روشنیاں جلا دی تھیں۔

پہلی موبائل کا انچارج ایک اے ایس آئی تھا۔ اپنے تھانے دار کو غیر متوقع طور پر جائے واردات پر موجود پاکر وہ مستعد نظر آنے لگا۔ پہلی پارٹی نے وہاں پہنچتے ہی تین لڑکوں کو باندھ کر موبائل میں ڈال دیا تھا۔ تین سپاہی جوشی والی بلڈنگ سے عورتوں کو لا رہے تھے۔

"سر کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہوا۔" اے ایس آئی اپنے تھانے دار کو بتا رہا تھا۔ یہاں کچھ دیر تک دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی۔ شور سنتے ہی ہم یہاں پہنچے تو فائرنگ ختم ہوچکی تھی مگر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی بلڈنگ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ کچھ مسلح بدمعاش وہاں سے جوشی نام کے ایک ہندو کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔"

اول خان' اے ایس آئی کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ جوشی کی بلڈنگ سے اس وقت واقعی عورتوں اور بچوں کے رونے پیٹنے کی صدائیں آرہی تھیں۔

جب تک اول خان اس گلی میں موجود تھا' جوشی کے گھر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اگر اس کہانی میں ذرا سی بھی حقیقت تھی تو پھر یہی ممکن تھا کہ را کے پالے ہوئے

بدمعاش اسے اٹھا لے گئے ہوں۔ اول خان سوچ میں پڑ گیا۔ ان کو یہی کچھ کرنا تھا تو وہ اس کے پہنچنے سے پہلے بھی کر سکتے تھے۔ اغوا میں تاخیر کا سبب کیا تھا؟

جوشی کی بلڈنگ سے دو برہنہ عورتیں روتی اور بین کرتی ہوئی باہر آئیں تو اول خان چونک پڑا۔ ان کے پیچھے بندوق بردار سپاہی عمارت سے نکل رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے سپاہی عورتوں کو کہاں لا رہے ہیں؟" اس نے براہ راست اے ایس آئی سے پوچھا۔

"سر! تھانے میں ان کا بیان قلم بند ہوگا۔ ان میں سے ایک کے مرد کا اغوا ہوا ہے۔" اے ایس آئی نے جواب دیا۔ تھانے دار کے دبے دبے رویے سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اول خان کوئی دبنگ آدمی یا بڑا افسر تھا۔

"عورتوں کو گھر میں واپس بھیجو!" اول خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اور لیڈی پولیس کو بلا کر عورتوں سے ان کے اپنے گھر میں بیان لو۔ یہ مظلوم کی دادرسی کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اسی کو ہانک کر تھانے میں لے جاؤ۔"

اے ایس آئی نے پریشان اور استفسار طلب نگاہوں سے تھانے دار کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی ٹوپی اتار کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اس وقت وہی کرو جو صاحب کہتے ہیں۔ عورتوں کو ان کے گھر میں واپس بھیج دو۔ کاغذ پرچہ بعد میں ہوتا رہے گا۔"

"اس وقت نہیں، تھانے دار صاحب! بعد میں بھی عورتوں کو تھانے میں نہیں بلایا جائے گا۔" اول خان نے سختی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر!" اول خان کو جواب دے کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا "اوئے! سن لیا تم سب نے، کان کھول کر۔"

"سر! آپ کا مجرم کہاں ہے، اب اسے پکڑ لیں۔ ہمارے ساتھ آپ کیوں اپنی رات کالی کرتے ہیں۔" اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھانے کے بعد تھانے دار دوبارہ اول خان کے پاس آگیا۔

"میرا مجرم جوشی ہی تھا..." اول خان نے بتانا چاہا مگر تھانے دار نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"اوئے بیڑا غرق۔" تھانے دار نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اور وہ اسی کو اٹھا کر لے گئے۔"

"وہ پہلے سے اس کی گھات میں یہاں چھپے ہوئے تھے۔ پہلے مجھ پر فائر کھولا۔ میں راستے سے ہٹ گیا تو وہ اسے نکال لے گئے۔"

"جوشی کوئی بڑا مجرم تھا سر؟" تھانے دار نے گھگیا کر پوچھا۔

"بس اب تمہارا کام سیدھا ہوگیا۔ جرم اور مدعی تمہارے سامنے ہے۔ کاغذوں میں میرا ذکر لانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے مجرم کی تلاش شروع کر دو۔ وہ ہاتھ آجائے گا تو تمہیں مغوی کے بارے میں ہر بات معلوم ہو جائے گی۔" اول خان نے اسے کورا سا جواب دے دیا۔

"سر! میں شرمندہ ہوں کہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ گرفتاری کے ڈر سے جوشی اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ نکل گیا۔ مجرم ہر حال میں مجرم ہوتا ہے۔ اس پر برا وقت آجائے تو وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ عورتوں کو ذرا سا رگڑا دیا جائے تو وہ سب اگل دیں گی۔"

"نہیں۔ عورتوں پر زیادتی نہیں ہوگی۔ میں اس بات پر نگاہ رکھوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ بات یہیں ختم ہوگئی۔ میں اس واقعے کے بارے میں تمہارے ڈی آئی جی کو بھی بتاؤں گا۔ ہم لوگ کہیں اور مداخلت کرتے ہیں تو اوپر والوں کو بھی اطلاع ضرور دیتے ہیں۔"

"سر! آپ فکر ہی نہ کریں.... ہمارے پاس دوسرے طریقے بھی ہیں۔ ایک دو روز میں سچ سامنے آجائے گا۔"

شکار ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تھانے دار نے اپنی سہل کوشی میں جوشی کے فرار کا ذکر کرکے ایک نئے نظریے کو جنم دیا تھا۔ اس کی بات بہت زیادہ قرین قیاس تھی۔ خود کو بارود کی برسات میں پا کر جوشی اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اپنے ہمدردوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ ایسی صورت میں اس کی عورتوں کا رونا پیٹنا فراڈ ہونا چاہیے تھا۔

جلال نے ان عورتوں کو دور سے دیکھا تھا۔ ان کی گریہ وزاری میں بناوٹ کا کوئی دخل نہیں تھا۔

ایک قوی امکان یہ بھی ابھر رہا تھا کہ میدان صاف ہونے کے بعد را کے مسلح افراد محض مزاج پرسی کے لیے جوشی کے پاس گئے ہوں۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ اس کی روانگی خوف و ہراس اور افراتفری کے عالم میں ہوئی اس لیے عورتوں کو پتا نہیں چل سکا کہ کیا ہوا۔ مسلح افراد عجلت میں تھے۔ وہ جوشی کو اپنے ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ اس کے گھر سے نکل گئے۔

تھانے دار موٹی اور روایتی سوچ رکھنے والا پولیس افسر تھا لیکن اس نے اپنے تجربے کی بنا پر اول خان پر سوچ کے نئے دریچے کھول دیے تھے۔ اس نے احترام کے ساتھ ادھیڑ

عمر پولیس افسر کو الوداع کہا اور اسی کی موبائل میں پولیس ڈرائیور کے ساتھ تھانے کی طرف چل دیا تاکہ وہاں سے اپنی جیپ لے سکے۔

○☆○

طاہر کو راستے میں ڈراپ کرکے اول خان سیدھا ہمارے گھر آپہنچا۔

ویرا اپنے کمرے میں تھی۔ غزالہ سو چکی تھی مگر سلطان شاہ میرے ساتھ بیٹھا کسی خبر کا منتظر تھا۔

خبر سے پہلے خبر ساز کو اپنے روبرو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ بے ہوش جوشی اس کی جیپ کے پچھلے حصے میں پڑا ہوا ہوگا مگر اول خان کے سپاٹ اور سرد چہرے نے میری ہر خوش امیدی پر اوس ڈال دی۔

وہ تھکے ہارے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ہمہ تن گوش ہوگئے۔

"جوشی کا نام ویرا کی ایک غیر محتاط فون کال کے نتیجے میں ہمارے سامنے آیا تھا۔" اول خان نے اپنی پوری روداد سنانے کے بعد کہا۔ "اب وہ دھیرے دھیرے اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ وہ کوئی ایسی بات جانتا ہے جو را یا کم از کم چوپڑا کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"تم نے یہ رائے کیسے قائم کرلی؟" سلطان شاہ نے پر تجسس لہجے میں سوال کیا۔

"میرے لیے یہ مان لینا دشوار ہے کہ جوشی نے اپنی حفاظت کے لیے اپنی بلڈنگ کے گرد مسلح آدمی جمع کیے ہوئے تھے۔" اول خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ چوپڑا سے مسلسل رابطے میں ہے۔ اس نے چوپڑا کو بلیک کوئین کے تیسرے فون کی رپورٹ دی تو اس نے اندازہ لگالیا کہ بات بگڑ چکی ہے۔ ویرا کسی بھی وقت جوشی پر ہاتھ ڈال دے گی۔ اس نے فوری طور پر کرائے کے بدمعاشوں کا ایک مسلح جتھا اس کے گھر پر مامور کردیا تاکہ کوئی بھی جوشی سے ملنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔"

"تم بتارہے ہو کہ آخر میں وہ لوگ اسے اغوا کرکے لے گئے۔ یہ کام تمہارے پہنچنے سے پہلے بہت خاموشی سے انجام دیا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے انہیں اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن گھاگ تھانے دار نے روا روی میں ایک نکتہ اٹھا کر میری سوچ کا رخ بدل دیا۔"

میرے استفسار پر اول خان نے تفصیل سے نیا نظریہ پیش کردیا جس کی داغ بیل تھانے دار نے ڈالی تھی۔

"یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔" میں نے اعتراف کیا "چندن گرنانی کو گھیر لینے کے بعد ہم مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ آج کوئی اچھی خبر نہیں ملی۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" اول خان بڑبڑایا "چوپڑا روپوش تھا۔ اب جوشی بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔"

"اگر جوشی کوئی اہم بات جانتا ہے تو یہ سمجھ لو کہ اب اس کی زندگی خطرے میں ہے۔" سلطان شاہ نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"چوپڑا اس کا پرانا دوست ہے۔ وہ اسے نہیں مرواسکتا۔" اول خان نے بے یقینی سے کہا۔

"سلطان شاہ کا اندیشہ درست ہے۔" میں نے تائیدی لہجے میں کہا "یہ نہ بھولو کہ چوپڑا کسی کا دوست ہونے سے پہلے را کا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اگر جوشی اپنی معلومات کی بنا پر چوپڑا یا را کے لیے خطرہ بن سکتا ہے تو اسے نہیں پالا جائے گا۔ وہ سفاکی سے اپنے دوست کی گردن کاٹ دے گا۔"

"کچھ دیر کے لیے میں تمہاری بات مان بھی لوں تو فوری طور پر ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چوپڑا چند روز انتظار کرے گا۔ کوئی اپنے جگری دوست کو ایسی سرد مہری سے نہیں مار سکتا۔ اس کے لیے برف جیسے ٹھٹھرا دینے والے خون اور پتھر جیسے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے آدمی چوپڑا پر کام کررہے ہیں۔ ایک دو روز میں پتا چل جائے گا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے کن مقامیوں سے روابط ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم جوشی کو اس کے قبضے سے چھڑانے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"جوشی کوئی اہم بات جانتا ہے تو اس کا ہماری تحویل میں آنا ضروری ہے۔ یہ محض ایک معروضی بات ہے۔ مجھے اس بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ وہ جوشی کو مارنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے یہ سنہرا موقع ہے۔ وہ اسے ضائع نہیں کریں گے۔"

"تم کس موقع کی بات کررہے ہو؟ جوشی ان کے قبضے میں ہے۔ وہ جب تک چاہیں اس کی خاطر مدارات کریں اور جب چاہیں اس کے دل میں سوراخ کردیں۔ ان کے لیے آج سے کئی مہینوں تک موقع ہی موقع ہے۔" اول خان نے کہا۔

"شاید میں اپنی بات واضح نہیں کرسکا۔ میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "آج صبح سویرے ایک کچرا کنڈی سے چندن کی لاش ملی۔ کل جوشی کی لاش ملتی ہے تو ان واقعات کو کراچی میں ہندوؤں کے منظم قتل کی سازش کا نام دیا جائے گا۔ کوئی

بھول کر بھی یہ نہیں سوچے گا کہ جوشی کے قاتل را کے بھارتی ہندو ہوں گے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان یکایک بہت زیادہ مضطرب ہوگیا۔ "وہ اسے جلد از جلد مار دیں گے۔ موجودہ لمحے میں ان کا دامن بے داغ رہے گا۔ ہمیں جوشی کو ان کے قبضے سے نکالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے ورنہ ہم اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

"ہم بے بس ہیں۔ کیا کرسکتے ہیں؟ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اسے کہاں لے گئے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔" اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سلطان شاہ بول پڑا۔

"ساری گفتگو سن لینے کے بعد تم یہ کہہ رہے ہو تو اس کا کوئی سبب بھی ہوگا۔" میں نے کہا۔

"انہیں جوشی کو مارنا ہوتا تو وہ اسے لاد کر کیوں لے جاتے۔ اتنے بکھیڑے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے پروردہ غنڈوں کے ہاتھ لمبے ہیں۔ وہ جوشی کو اس کے گھر میں گولی مار کر لوٹ آتے۔ ذرا سی دیر میں قصہ ختم ہو جاتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہم نے چند مفروضے قائم کیے ہیں جن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ جوشی کو اغوا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنی جان کے خوف سے خود ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ ان بدمعاشوں کو جوشی کو ناپسندیدہ ملاقاتیوں سے بچانا تھا۔ پہلے انہوں نے گولیاں برسا کر اول خان کو اس سے دور رہنے پر مجبور کیا۔ جب وہ ان کے ساتھ چلا گیا تو ملاقاتیوں کا مسئلہ سرے سے ختم ہوگیا۔"

"پھر یہ کہو کہ جوشی اپنی مرضی سے موت کے فرشتے کی طرف گیا ہے۔ ان بدمعاشوں کو اسے مارنے یا اغوا کرنے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ وہ خود بھاگنے پر آمادہ ہوا تو بدمعاشوں کو اپنا کام آسان ہوتا نظر آیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر نکل گئے۔" سلطان شاہ نے تفہیمی انداز میں کہا۔

"اب تم صحیح لائن پر سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "جب تک جوشی اپنے گھر پر تھا، سارا معاملہ جوشی اور چوپڑا کے درمیان تھا۔ چوپڑا نے دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے جوشی کے خلاف کوئی سخت فیصلہ نہیں کیا۔ اس کے اوکے لیے بدمعاش بھیج دیے۔ اب بات چوپڑا سے آگے نکل چکی ہے۔" میں اس موضوع پر ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنی چاہ رہا تھا کہ جوشی کی رہائی کی کوئی راہ سوجھ سکے مگر ہر راہ مسدود نظر آرہی تھی۔

"چوپڑا سے آگے کیوں؟ وہ اب بھی چوپڑا کے آدمیوں کے قبضے میں ہے۔" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تنظیمی اداروں میں ہر فرد کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "چوپڑا بھی کسی کو جواب دہ ہے۔ وہ شخص جوشی کے بارے میں ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو کر کوئی منطقی فیصلہ کرے گا۔"

"تمہاری دانست میں ایسا منطقی فیصلہ جوشی کی موت پر منتج ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"یقیناً!" میں نے زور دے کر کہا "را کا کوئی ذمے دار آدمی باہر کے ایک ایسے آدمی کا زندہ رہنا پسند نہیں کرے گا جو را یا اس کے کسی اہم عہدے دار کے بارے میں کوئی کلیدی بات جانتا ہو۔ جوشی کے گھر کے باہر مسلح بدمعاشوں کی دھواں دھار فائرنگ نے یہ ثابت کردی ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔"

"کاش ہمیں تھوڑا سا وقت مل گیا ہوتا۔ اس وقت

ہمیں یہ پتا چل جائے کہ چوپڑا شہر کے کس بدمعاش سے ملتا رہا ہے تو مسئلہ حل ہوجائے گا۔" اول خان نے کف افسوس ملتے ہوئے حسرت سے کہا۔

"تمہارے کسی آدمی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"میں نے انہیں آج شام کام پر لگایا تھا۔ انہیں وقت کہاں ملا؟"

"ایسے خفیہ رابطوں کا کھوج لگانا بہت زیادہ مشکل ضرور ہوتا ہے' ناممکن نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان کو ترغیب دی۔

"مشکل کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ تم کہہ رہے ہو کہ صبح جوشی کی لاش مل سکتی ہے کیونکہ بھارتیوں کے لیے یہ وقت سازگار ہے۔"

"کیوں نہ جلال سے مدد لی جائے؟" سلطان شاہ کی اس تجویز سے میں اچھل پڑا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "آئی بی والے مشتبہ سفارت کاروں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہ ان کے فرائض کا حصہ ہے۔ وہ ہماری طرح بے خبر نہیں ہوسکتے۔"

"کبھی کبھی تم بہت کام کی بات کرجاتے ہو۔" میں نے سلطان شاہ کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا "اس وقت ہمیں جلال سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا۔"

"اس سے رابطہ کیسے کرو گے؟" اول خان بھی اچانک چاق و چوبند نظر آنے لگا۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوگا۔ وہ مصروف اور محنتی آدمی ہے۔ دن بھر کا تھکا ہارا ہوگا۔ رات کے سوا دو بجے اسے جگانا ظلم ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ مصروف اور محنتی ہونے کے ساتھ فرض شناس بھی ہے۔ پورا مسئلہ سمجھ لے گا تو ہنسی خوشی یہ ظلم برداشت کرلے گا۔ اس نے ایسی کسی ناگزیر ضرورت کے لیے مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دیا ہوا ہے۔"

اس کے دفتر کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ گھر کا نمبر مجھے ڈائری میں دیکھنا پڑا۔ جوشی کو بچانے کی ایک راہ نظر آجانے کے بعد میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسلام آباد کے کوڈ کے ساتھ جلال کے گھر کا نمبر ملالیا۔

میں ریسیور اپنے کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پہلی اور دوسری گھنٹی بھی بج گئی۔ میں بے چین ہونے لگا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ بہت صبر آزما تھا۔ دوسری طرف مجھے یہ احساس کھائے جارہا تھا کہ میں جلال اور شاید اس کی بیوی کی گہری نیند میں مخل ہورہا تھا۔

تیسری گھنٹی کے بعد ریسیور میں جلال کی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہیلو کی طویل آواز گونجی تو خوشی سے میرا دل اچھل پڑا "میں کرنل داور بول۔۔۔"

اس نے جھلائی ہوئی آواز میں میری بات درمیان سے کاٹ دی "کک۔۔۔ کرنل داور! کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟"

اس کا وہ خوابیدہ سوال خاصا زہریلا تھا۔ نیند کی جھونک میں اسے یہ یاد نہیں آسکا تھا کہ میں نے اسی نام سے لیری سے ملاقات کی تھی۔

"تم مجھے ڈینی کے نام سے جانتے ہو۔" میں نے اس کی تلخ نوائی کا برا منائے بغیر تعارف کی سیدھی راہ اختیار کرلی۔

"اوہ! ڈینی ڈیئر۔۔۔ یار معاف کرنا۔ میں نیند کی جھونک میں تھا۔ میری بیوی فون کی ہلکی سی آواز پر جاگ جاتی ہے لیکن میں گدھے گھوڑے بیچ کر سوتا ہوں۔ اس نے مجھے جھنجوڑ کر بہت مشکل سے اٹھایا ہے۔ ناوقت آنے والے فون میں خود سنتا ہوں۔ کہو کیا حال ہے تمہارا؟"

اس کی معذرت اور خوش کلامی نے مجھے پانی پانی کردیا۔ میں نے ندامت سے کہا "میں تمہاری اور بھابی کی نیند خراب کرنے پر دونوں سے معافی چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے ذہن سے نیند کا خمار اتر گیا ہو تو میں تم سے انڈین قونصل ہاؤس کے بی ایل چوپڑا کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"یار' نیند تو تمہاری آواز سنتے ہی ہوا ہوگئی تھی۔ یہ وہی ہے نا جو وہاں انفارمیشن آفیسر ہے؟"

"تمہاری یادداشت قابل رشک ہے۔" میں نے اسے سراہا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آج کل اس کا زیرزمین دنیا کے کس آدمی سے میل جول ہے۔"

"اس وقت مشکل ہے۔ صبح دفتر کا ریکارڈ دیکھ کر بتاسکوں گا۔" میرے زیادہ تر آدمی اسی بیگار میں لگے رہتے ہیں کہ کون کہاں جارہا ہے' کن کن لوگوں سے مل رہا ہے۔"

"دیر ہوجائے گی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا "وقت کی اہمیت نہ ہوتی تو میں اتنی رات گئے۔۔۔"

"بس بس' سمجھ گیا۔" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ لی "مجھے صرف آدھا گھنٹا دے دو۔ میں کافی کی ایک کڑک پیالی پی کر اپنے دفتر جاتا ہوں۔ ریکارڈ دیکھ کر وہیں سے تم کو فون کروں گا۔ بدقسمتی سے ریکارڈ صاف ہوا تب بھی ہماری بات ضرور ہوگی۔ اوکے۔۔۔ بائے۔"

اس نے اپنی بات پوری کرکے فون بند کردیا۔ مجھے اس

سے ممنونیت کے اظہار کا موقع تک نہیں مل سکا۔
"بہت شاندار آدمی ہے۔" جلال کا پیغام سن کر اول خان نے خوشی سے کہا "سول سروس میں ایسے بے لوث افسروں کی تعداد بہت کم ہے۔"
"سب افسر اس کی طرح فرض شناس ہو جائیں تو اس ملک کی قسمت بدل سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔
"کچھ نہیں ہو سکتا۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود تحقیقی بنیادوں پر ہمارے قومی زوال کے اسباب اور ترجیحات کا تعین نہیں کیا جا سکا۔ ہر آنے والا الگ راگ الاپتا ہے۔ عوام، بیوروکریسی اور تاجروں سے لے کر عدالتی نظام تک کو ذمے دار قرار دیا جا رہا ہے لیکن سدھار کے لیے کچھ نہیں ہو سکا۔"
"صرف دو باتیں ہیں۔" میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں اٹھا کر کہا "اس ملک میں سارا مسئلہ قانون کے احترام کا ہے۔ بیوروکریسی کرپشن کو بھول کر قانون کے بھرپور نفاذ میں سخت اور فعال ہو جائے۔ عدالتوں میں سزا اور جزا کا منصفانہ نظام تیز ہو جائے تو ہر چیز حیرت ناک تیزی سے سدھرتی چلی جائے گی۔"
اول خان کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں "بہت گہرا اور صحیح تجزیہ ہے تمہارا۔ ہر خرابی کی جڑیں ان ہی دو چیزوں سے ملتی ہیں۔ ٹریفک کا سپاہی قانون کی پاس داری سے زیادہ اپنی بالائی آمدنی میں دلچسپی لیتا ہے اس لیے ہر جگہ ٹریفک کا نظام درہم برہم ہے۔ ٹیکس چرانے والے بھاری سزاؤں کے خوف سے آزاد ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے ہر جرم کی ایک واجبی سی ماورائے قانون قیمت ہے۔ جسے چکا کر وہ سرخرو رہیں گے۔ ملک کی آمدنی اور خوش حالی میں اضافہ کیسے ہوگا؟"
"ابھی تک میں نے صرف دو آدمی دیکھے ہیں جن کے دامن داغ دار نہیں ہیں۔ ایک تم اور دوسرا ڈیفی۔" سلطان شاہ نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "اب تیسرا آدمی جلال ہے۔ ان کے سوا ہر ایک گندا ہے۔"
"تم ویرا اور غزالہ کو بھول گئے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"غزالہ گھریلو عورت ہے۔ ویرا سیماب صفت ہے۔ ہیر پھیر اس کے خمیر میں شامل ہے۔ پتا نہیں کب بے ایمانی پر اتر آئے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "اس کے بارے میں، میں یقین سے کچھ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"
اس کی بات پر ہم دونوں ہنس پڑے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔
"جلال اس وقت کافی پی رہا ہوگا۔ ہم خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "اس وقت عورتوں کو جگانا مناسب نہیں ہے۔"
سلطان شاہ ایسی چھوٹی موٹی خدمات کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔ مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ کسی کام میں عار نہیں سمجھتا تھا۔ بے جھجک ہو کر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتا تھا۔

"اس وقت سلطان شاہ نے ہماری بہت بڑی مشکل آسان کردی۔" سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔

"دعا کرو کہ جلال کا ریکارڈ صاف نہ ہو۔" اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "میرے لیے یہ آدھا گھنٹا بہت دشوار ثابت ہوگا۔"

"جب تک سلطان شاہ نے جلال کا نام تجویز نہیں کیا تھا، میرے ذہن پر مایوسی کی گہری گھر چھائی ہوئی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ جوشی کچھ اہم رازوں کو اپنے سینے میں چھپائے اس دنیا سے رخصت ہوجائے گا۔ را کے سفاک قاتل کسی قیمت پر اسے زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس وقت دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ جب سلطان شاہ نے چوپڑا کے خفیہ رابطوں کے سلسلے میں جلال کا نام تجویز کیا تو میرے دل ودماغ میں امید کی ایک نئی کرن جگمگا اٹھی۔

میں نے جلال سے بات کرکے سلطان شاہ کی تجویز کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنادیا تھا لیکن اس کے بعد میں تذبذب، بے یقینی اور اعصابی تناؤ میں مبتلا ہوگیا تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ آدھے گھنٹے بعد جلال مجھے کیا خبر سنانے والا تھا۔

جلال کا دیا ہوا نصف گھنٹے کا وقت تین بج کر سات منٹ پر ختم ہونا چاہیے تھا۔ وہ انتظار کی گھڑیاں تھیں جو بہت تھم تھم کر گزر رہی تھیں۔ جلال سے گفتگو ختم کرکے ہم نے آپس میں بہت سی باتیں کرلی تھیں لیکن گھڑی میں صرف تین منٹ گزرے تھے۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے وقت گزارنے کے لیے اول خان کو چھیڑا "خاموش رہ کر یہ آدھا گھنٹا گزارنا بہت دشوار ہوجائے گا۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جلال نے ہمیں کراچی کے کسی بدمعاش کا نام دے دیا تو ہم کیا کریں گے؟" اس نے اپنی محویت ختم کرکے بتایا۔

"پھر ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ میں بھی تمہارا ساتھ دے سکوں۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

چوپڑا بھارتی ملازم ہے۔ وہ روپوشی کے لیے قونصل خانے کی عمارت بھی استعمال کرسکتا ہے لیکن جوشی ایک عام شہری ہے۔ وہ لوگ اسے اپنی سرکاری عمارت میں لے جانے اور پھر وہاں سے ٹھکانے لگانے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

"تمہاری بات درست ہے لیکن تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کررہے ہو؟"

"وہ جب تک ایک زندہ قیدی ہے، ان ہی لوگوں کی تحویل میں رہے گا جو اسے اس کے گھر سے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اگر میں کہیں غلطی کروں تو تم مجھے بلا تکلف ٹوک دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ایسے معاملات میں، میں کسی کی غلطی معاف نہیں کرتا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"اب اگر جوشی زندہ ہے تو ان لوگوں کے درمیان ہوگا۔ اگر جلال ہمیں کوئی نام دے دیتا ہے تو ہمیں فوری طور پر حرکت میں آنا ہوگا۔"

"صرف حرکت میں آنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں اپنی پوری قوت کے ساتھ کارروائی کرکے پہلے ہی ہلے میں کامیاب ہونا پڑے گا۔ ایسا نہ کرسکے تو ہم اپنی جیتی ہوئی بازی ہار جائیں گے۔ ان کو جوشی کو ٹھکانے لگانے کا موقع مل جائے گا۔"

"ہماری اپنی طاقت اور نفری بھی کافی ہے لیکن پولیس کو ساتھ لینے میں ہمیں وردیوں کا سہارا بھی مل جائے گا۔" اول خان نے جھجکتے ہوئے کہا "یہ میرا تجربہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگ اجنبی اور نامانوس سادہ پوشوں کے مقابلے میں پولیس سے خوف کھاتے ہیں۔"

"پولیس کا نام بھی نہ لینا۔" میں نے تیزی سے کہا "ان کا ایک لگا بندھا طریقہ کار ہوتا ہے۔ وہ تمہاری ہدایت پر اپنی گاڑیوں کے سائرن اور چکراتے ہوئے لیمپ بند کرلیں تب بھی کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرگزریں گے جس سے مجرموں کو پولیس کی آمد کا علم ہوجائے گا۔ پولیس والے اپنے مسلح دشمنوں کو للکار کر مقابلے پر کودنے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ خاموش حملے میں بھاری جانی اتلاف کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہمیں بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ ان کے سروں پر پہنچنا ہوگا۔"

"گڈ!" اول خان مطمئن ہوکر بولا "یہ بات طے ہوگئی کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے، اپنے بل بوتے پر کرنا ہے اور......"

"میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "تمہاری ساری نفری اور قوت ملیر چھاؤنی میں مرکوز ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ جوشی کو کہیں دور نہیں لے جایا گیا ہوگا۔ اسے شہر کی حدود میں رکھا گیا ہوگا تاکہ چوپڑا چاہے تو آسانی سے اس تک رسائی حاصل کرسکے۔ وقت بچانے کے لیے تم اپنی فورس کو شہر کے کسی منتخب علاقے میں کیوں نہیں بلا لیتے۔ ہم جلال کا پیغام ملتے ہی وہاں پہنچ کر آپریشن کا آغاز کردیں گے۔"

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا "تم جذباتی ہورہے

ہو۔ اس وقت ہم صرف امکانات پر بات کر رہے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جلال کا ریکارڈ صاف ہو اور وہ کوئی نام دینے کے بجائے ہم سے معذرت کر لے۔ اتنی زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں۔ میرا اسٹرائیک یونٹ صرف پانچ منٹ کے نوٹس پر کہیں بھی روانگی کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس میں تین تیز رفتار گاڑیاں، دس بہترین نشانے باز اور ہر قسم کے ہلکے، بھاری اور درمیانی بارودی ہتھیار شامل ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے ہدف تک پہنچنے میں دیر نہیں ہوگی۔"

میں نے اپنے نکتے پر اصرار نہیں کیا۔ رات کے سوا تین بجے پورا شہر سو جاتا ہے۔ شب بیدار رندوں کی محفلیں شاید جاگتی ہوں لیکن شہر بھر کی سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں جن پر تیز رفتاری سے سفر کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ میں نے نرمی سے کہا "اپنے کاموں سے تم زیادہ واقف ہو۔ میں ہر طرف سے وقت بچانا چاہ رہا ہوں۔ اگر تم اسپیشل ٹاسک فورس کے انتظامات سے مطمئن ہو تو مجھے اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تم کو یہ بتا دوں کہ ان لوگوں پر ذرا بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔ وہ سب مادر فروش ہیں۔ چند ٹکوں کے لیے دشمن کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو بھی نشانے پر آیا، بے رحمی سے بھون ڈالا جائے گا۔ امان صرف جوشی کے لیے ہوگی جو ہمارا اصل ہدف ہے۔"

"اب وہ خبیث بھی ان ہی کا ساتھی نظر آ رہا ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

"اس سے ہمیں پوچھ گچھ کرنی ہے۔ یہ اگلوانا ہے کہ چوپڑا کے لیے وہ یکایک اتنا اہم کیسے ہو گیا۔ اس کے بعد تو اسے بھی چندن کے پاس پہنچنا ہے۔"

ان باتوں سے میرے دل کا بوجھ ذرا ہلکا سا ہو گیا اور میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا "اس بار عالم بالا میں ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھی ہے۔ اتنی نفری ہو گئی ہے کہ وہ وہاں را اور سی آئی اے کے جہنمی شعبے قائم کر سکیں۔"

اول خان کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

اسی وقت سلطان شاہ ٹرے میں بھاپ اڑاتی ہوئی کافی کے تین مگ تیار کر کے لے آیا۔ ہم دونوں نے خلوص دل سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے مگ لے لیے۔ اگر وہ ہمت نہ کرتا تو ہمیں اتنی رات گئے وہ لطف میسر نہیں آ سکتا تھا۔

"کچن میں تم دونوں کی باتوں کی مسلسل بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔" سلطان شاہ نے اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا "مجھے ہٹا کر تم دونوں کیا مذاکرات کر رہے تھے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کے لیے تمہیں ہٹانے کی ضرورت پیش آتی۔" اول خان نے جلدی سے وضاحت کی "اس وقت جلال کی اگلی فون کال موضوعِ سخن تھی۔ اس کا جواب حوصلہ افزا ہوا تو ہمیں فوری طور پر حرکت میں آنا پڑے گا۔"

"اور دونوں عورتیں یوں ہی گہری نیند سوتی رہیں گی۔" سلطان شاہ نے برجستہ سوال کیا۔

"جب انہیں چائے یا کافی بنوانے کے لیے نہیں اٹھایا تو مہم جوئی کے لیے کیوں چھیڑا جائے گا؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"صبح ویرا کو علم ہوگا تو وہ بپھر جائے گی۔" سلطان شاہ نے اپنی دانست میں مجھے ہوشیار کیا۔

"اس کی گنجائش نہیں ہے۔" میں نے اس کا خدشہ مسترد کر دیا "اس وقت وہ اتنے گہرے نشے میں ہوگی کہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکے گی۔"

"اس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔" اول خان نے اپنے مگ سے کافی کا گھونٹ لے کر جواب دیا "تم لوگوں کے ساتھ رہ کر اس میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ کیا تم نے کبھی اس کی مے نوشی چھڑانے کی کوشش کی ہے؟"

"کوشش کر کے اسے کسی کام پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کوئی عجیب مخلوق ہے۔ اپنی رو پر عمل کرتی ہے۔ جب تک وہ خود شراب نوشی ترک نہ کرنا چاہے، کوئی اسے اس کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔"

اچانک رات کے سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز کسی آسیبی چیخ کی مانند گونج اٹھی بے ساختہ میری نظریں وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں جہاں تین بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔ جلال نے اپنے دیے ہوئے وقت کی ڈیڈ لائن سے ٹھیک دو منٹ پہلے فون کر لیا تھا۔

میں نے دوسری گھنٹی بجنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"حیرت کی بات ہے۔" فون اٹھاتے ہی میرے کان میں جلال کی مضمحل سی آواز آئی "چوپڑا کا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔ حالیہ دنوں میں اس کا کسی مشکوک مقامی آدمی سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ بہت احتیاط سے کام کرنے والوں میں سے ہے۔"

میرے لیے جلال کا وہ جواب حوصلہ شکن تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا "کیا اس کے حوالے سے جوشی کا نام بھی تمہارے ریکارڈ پر نہیں ہے؟"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی رہی پھر جلال کی آواز ابھری "ہاں، مل گیا۔ اس کا تفصیلی حوالہ ہے۔ وہ دونوں اپنے علاقے کی ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان ہیں۔ ان کے قریبی مراسم ہیں۔ جوشی ماضی میں ایک بدنام اور مشہور منشیات فروش رہ چکا ہے۔ کراچی میں ہیروئن کے فروغ میں وہ بہت پیش پیش تھا۔ شبہ ہے کہ وہ شی یا ایسی ہی کسی دوسری زیر زمین سینڈیکیٹ کا رکن تھا۔ اس کا ماضی کھنگالا گیا لیکن وقت گزر جانے کی وجہ سے کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آسکی کہ وہ کراچی میں ہیروئن فروشوں کے کس گروہ کے لیے کام کر رہا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ گوشہ نشین ہو......"

میں نے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی "ایک منٹ ٹھہرو۔ کیا تم مجھے کسی فائل کے اقتباسات سنا رہے ہو؟"

"فائلیں اب فرسودہ ہو چکی ہیں۔" ہلکی سی، بے جان ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "اس وقت میں کمپیوٹر پر جوشی اور چوپڑا کا ریکارڈ دیکھ رہا ہوں۔ چوپڑا کی وجہ سے جوشی ہماری نگاہوں میں آیا تھا پھر اس کے بارے میں کچھ چھان بین کی گئی تو پتا چلا کہ وہ اپنے ماضی سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مذہب اور مندر کے معاملات میں اس کا سارا وقت گزر جاتا تھا۔"

اس بار میں نے جلال کی گفتگو میں دخل اندازی نہیں کی اور وہ بولتا رہا۔

"وہ معمولی درجے کا بدمعاش ہوا کرتا تھا۔ نامعلوم لوگوں کی مضبوط پشت پناہی سے اس کی دھاک جمتی چلی گئی لیکن مالی طور پر وہ کبھی آسودہ حال نہیں رہا۔ یہ حیرت ناک بات ہے کہ منشیات فروشی سے تائب ہوتے ہی اس کے پاس پیسے کی ریل پیل ہوتی چلی گئی اور اس نے کراچی کے قدیم علاقے میں کئی جائدادیں خرید لیں۔ آج اس کا گزارہ صرف کرائے پر ہے۔ وہ اتنا خوش حال ہے کہ دل کھول کر اچھے کاموں میں سرمایہ کاری کرتا ہے۔"

جلال نے کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ جوشی کے بارے میں ان ہی کوائف کی تصدیق کی تھی جو ویرا ہمیں بتا چکی تھی۔

"اتنی رات گئے تمہیں اچانک جوشی اور چوپڑا کیسے یاد آگئے؟" اپنی معلومات دہرانے کے بعد جلال نے سوال کیا۔

"ان دونوں نے ہماری رات کالی کی ہوئی ہے۔" دونوں اچانک غائب ہوگئے ہیں۔" میں نے اسے مختصراً بتایا۔

"غائب ہوگئے ہیں؟" اس نے حیرت سے دہرایا "کہاں سے؟"

"چوپڑا کے گھر پر تالا پڑا ہوا ہے۔ جوشی کو کچھ نامعلوم آدمی گولیوں کی برسات میں اٹھا لے گئے۔" میں نے کہا "اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ اس بارے میں صبح تفصیل سے باتیں ہوں گی۔ اس وقت ہم ان دونوں کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔"

"کوئی مہم درپیش ہو تو پھر میرے لیے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بستر سے نکل آنے کے بعد میری صبح ہو چکی ہے۔ میری پروا کیے بغیر تم اپنی کہانی سنا ڈالو۔" جلال نے پرزور لہجے میں اصرار کیا۔

"امریکیوں کے مقابلے میں تم نے ہمیں بے دست و پا کر دیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "ان کے بعد ہمارے سامنے صرف بھارتی رہ گئے ہیں۔ ہم پرامن بقائے باہمی کے دعوے دار ہیں اس لیے بے گناہ بھارتیوں کے خون کی ہولی نہیں کھیل سکتے۔ مشتبہ بھارتیوں میں بدھو لال چوپڑا کا نام سرفہرست ہے جو ہمیں چندن گرنانی نے بتایا تھا۔ ہم اس کی بو پر لگے ہوئے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر کہیں روپوش ہو گیا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ جوشی نے اسے پناہ دی ہوئی ہے۔" جلال نے بے صبری سے سوال کیا۔

جلال کے اس اندازے کی تردید کے لیے مجھے پوری کہانی سنانی پڑی۔ اختصار کے ساتھ وہ واقعات دہراتے ہوئے مجھے بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ ویرا نے اپنے طور پر کوئی تیر مارنے کے چکر میں جوشی کو فون نہ کیا ہوتا تو وہ بکھیڑا اتنا نہ پھیلتا۔ ہم آسانی کے ساتھ چوپڑا کے گھر کا سراغ لگا کے، خاموشی سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے اور قصہ زمین بر سر زمین ہی نمٹ جاتا۔ ہمیں رات گئے جلال کو بستر سے نکال کر دفتر کی طرف نہ دوڑانا پڑتا۔

"یہ تمہاری ویرا بھی آفت کی پرکالہ ہے۔" میری پوری بات سن لینے کے بعد جلال کے تحسین آمیز تبصرے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "جہاں ہاتھ ڈالتی ہے، کچھ نہ کچھ گند

نکال کر سامنے لے آتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ جوشی اسی کی دریافت ہے۔ وہ اس کا سراغ نہ نکالتی تو تم بدھو کو مار کر خوش ہوجاتے' وہ سنپولیا خاموشی سے پروان چڑھتا رہتا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ وہ کیا گل کھلا رہا ہے۔"

"تمہاری یہ بات درست ہے۔" مجھے ہچکچاتے ہوئے اعتراف کرنا پڑا "وہ سامنے ضرور آگیا ہے مگر اس کی وجہ سے الجھنیں بڑھ گئی ہیں۔"

"بعد کی پریشانیوں سے یہ الجھنیں بہتر ہیں۔ اس وقت ایک کے بجائے دو حریف تمہارے سامنے ہیں۔ تم کسی بھی وقت ان دونوں کو اپنے نشانے پر لے لو گے۔" جلال ویرا کی کارکردگی کی تعریف پر تلا ہوا تھا۔

"بس، تم دعا کرتے رہو۔ میں نے بلاوجہ ہی تمہاری نیند برباد کی۔" میں نے مضمحل سی آواز میں جواب دیا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" جلال کی طرف سے جواب آیا "کمپیوٹر پر چوپڑا کی کمپیوٹر فائل کئی جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ میں تم سے بات کرتے ہوئے ہر جگہ اس کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کررہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی بات سامنے آجائے اور میری بھاگ دوڑ کا پھل مل جائے۔"

"تم آرام سے اپنا ریکارڈ دیکھ لو۔ میں گھر پر ہی ہوں۔ کام ختم کرکے مجھے دوبارہ فون کرلینا۔" میں نے مشورہ دیا۔

"ویری گڈ اور تھینک یُو! تمہارے مشورے ہمیشہ مناسب اور برمحل ہوتے ہیں۔" جلال کے اس جواب کے ساتھ ہی فون بند ہوگیا۔ ایک وقت میں دو کام کرنے کی وجہ سے شاید وہ اپنے کمپیوٹر پر پوری توجہ مرکوز کرنے میں دشواری محسوس کررہا تھا۔ اس نے فوری طور پر میرا مشورہ قبول کرلیا۔

"جلال سے بھی بات نہیں بن سکی۔ اب کیا کیا جائے۔" سلطان شاہ نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ جوشی کا سراغ مل جائے گا۔ بس ذرا وقت صرف ہوگا۔" اول خان نے اسے دلاسا دیا "ہم سب اتنے گئے گزرے نہیں ہیں کہ شہر میں اپنے ایک مطلوب آدمی کا کھوج نہ لگا سکیں۔"

"یہ دعویٰ مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے ٹوکا "امریکی اور بھارتی ایجنٹ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ایک مدت سے مجھے تلاش کررہے ہیں لیکن ان کو ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملا۔"

"ہر شخص ڈپٹی نہیں ہوتا۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا "خود کو دو ٹکے کے اس بدمعاش سے مت ملاؤ۔ ایک آدھ روز میں اس کا ٹھکانا معلوم ہوجائے گا۔"

"تم واقعی مقدر کے دھنی ہو۔" سلطان نے سرہلا کر اول خان کی تائید کی "را' ایف بی آئی اور سی آئی اے کے علاوہ نہ جانے کون کون تمہیں تلاش کررہا ہوگا۔ سب کی توجہ کا مرکز کراچی بنا ہوا ہے۔ تم یہاں ان کے سینے پر مونگ دل رہے ہو اور وہ بے بس ہیں۔"

"احتیاط اور محدود ترین روابط کی وجہ سے میں ان بھیڑیوں سے بچا ہوا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "تم یہ دیکھو کہ میری سوشل لائف کیا رہ گئی ہے۔ تم چاروں کے سوا' بس جلال سے میل جول ہے۔ حد یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے پڑوسیوں سے ملنے کی زحمت بھی نہیں کی۔"

"پڑوسیوں کی بات رہنے دو۔" اول خان نے بیزاری سے کہا "تم نے زحمت نہیں کی تو کیا ان میں سے کسی نے تمہارے دروازے پر دستک دی؟ دردمندی اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا جذبہ کراچی اور دوسرے شہروں کی صرف غریب آبادیوں میں پایا جاتا ہے۔ بڑے گھروں میں رہنے والے اپنی اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ ان کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے' کیا کررہا ہے اور کس حال میں ہے۔"

"پڑوسیوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے معلوم ہورہے ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"میں اس روش سے اکتا گیا ہوں۔ ملنا چاہتا ہوں مگر پڑوسی دور بھاگتے ہیں۔ ایک فرعون تو ایسے ہیں کہ پندرہ منٹ دروازے پر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ رسماً بھی ایک مرتبہ اپنے گھر میں بیٹھنے کی دعوت نہیں دی۔"

"ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو درگزر کردیا کرو۔" سلطان شاہ نے ناصحانہ لہجے میں اسے تلقین کی "یہ کراچی کے پانی کا اثر ہے۔"

"کراچی کے پانی کو کچھ نہ کہنا۔" اول خان اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "یہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ کراچی والوں کی ملنساری کا احوال جاننا ہو تو لیاری' گولیمار' لیاقت آباد' نئی کراچی اور سرجانی والوں سے ملو۔ وہ تمہیں ایسی ایسی دل گداز باتیں سنائیں گے کہ تمہیں اپنے اوپر شرم آنے لگے گی۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہوگئے۔ میں نے تو کراچی والوں کی ایک کہاوت دہرائی تھی۔" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کے کہا۔

"یہ کہاوت سنگ دلوں اور خود غرضوں کی گھڑی ہوئی

ہے نا کہ اپنے کرتوت شہر کے پانی پر تھوپ دیں۔"
"ہم جذبات کی رو میں آکر بہک گئے۔ بات ہماری سوشل لائف کی ہو رہی تھی۔" میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"سوشل لائف میری اور ویرا کی تباہ ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "تم غزالہ کے ساتھ مگن رہتے ہو۔ دل گھبراتا ہے تو گپ شپ کرنے کے لیے سلمیٰ اور جہانگیر کی طرف چلے جاتے ہو۔ ہم دونوں کے لیے اکتاہٹ، تنہائی اور بیزاری کے سوا کیا ہے۔"
"جہانگیر بے چارہ!" اس کا ذکر آتے ہی میرے ذہن پر ندامت کی ایک لہر سی چھا گئی "اس نے میری دوستی کی سب سے بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اس کا اکلوتا بیٹا شیرخواری کے زمانے سے ہی ننھیال میں پل رہا ہے۔ اگر وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتا تو آج ان دونوں کی زندگی کی ڈگر بہت مختلف ہوتی۔ اس بار تو مجھے ان سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ شاید سلمیٰ بھی لاہور سے واپس آچکی ہوگی۔"
"وہ تمہارا مخلص دوست ہے۔ تمہیں کبھی کبھی اس سے مل لینا چاہیے۔" اول خان نے مجھے تلقین کی پھر وہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا "تم دونوں کو ٹھنڈے دل سے غزالہ کی تجویز پر غور کرنا چاہیے۔ تمہاری تنہائی اور بیزاری کا صرف ایک ہی علاج ہے۔"
سلطان شاہ کا منہ بن گیا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دانستہ اسے چھیڑا "اول خان کا اشارہ تمہاری اور ویرا کی شادی کی طرف ہے۔"
"میں سمجھ رہا ہوں، سب سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے خاموش ہوں۔" اس نے اپنے نتھنے پھلاتے ہوئے جواب دیا "شادی تو بہت دور کی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویرا کسی شریف آدمی کی دوستی کے قابل بھی نہیں ہے۔ بس گلے پڑ گئی ہے اس لیے دوسروں کی طرح میں بھی اسے برداشت کر رہا ہوں۔"
"اور اگر وہ بھی تمہارے بارے میں یہی خیالات رکھتی ہو؟" اول خان نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔
"کیا؟" سلطان شاہ یکایک بھڑک گیا "وہ کیا کہتی ہے میرے بارے میں؟"
اس اثنا میں اول خان مجھے آنکھ مار چکا تھا۔ میں نے جھٹ بات سنبھالتے ہوئے کہا "اس کا خیال ہے کہ تم سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ کسی شیرخوار بچے کو گود لے لیا جائے۔ اس کی ٹیاؤں ٹیاؤں فیڈر کا نپل دیتے ہی ختم ہو جائے

تشخیص

ایک شخص ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ رنگت سبز نظر آرہی تھی جبکہ کان سرخ ہو رہے تھے۔ سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ جسم میں درد کی لہریں بھی اٹھ رہی تھیں۔ تفصیلی معائنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا مرض تھا۔ برابر کے کمرے میں جا کر انہوں نے میڈیکل کی کتابیں بھی دیکھیں مگر کوئی مدد نہ ملی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہر مریض کی طرح یہ مریض بھی جاننا چاہے گا کہ اسے کیا ہوا ہے چنانچہ انہوں نے یہ نوبت آتے ہی سوال کیا "آپ کو یہ بیماری پہلے بھی ہوئی ہے؟"
"جی ہاں" مریض نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔
"بس... وہی بیماری آپ کو دوبارہ بھی ہو گئی ہے" ڈاکٹر صاحب نے مدبرانہ انداز میں سہلاتے ہوئے کہا۔

رشک

"شادی کے لیے مجھے ایسی لڑکی کی تلاش ہے جیسی لڑکی سے دادا جان نے شادی کی تھی۔"
"چھوڑو یار! آج کل کے زمانے میں ویسی لڑکیاں کہاں ملتی ہیں۔"
"کیوں نہیں ملتیں.... دادا جان نے دو ماہ پہلے ہی تو شادی کی ہے۔"

گی۔ تمہاری بک بک کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہے۔"
وہ طیش میں آگیا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے بارے میں اتنی گھٹیا باتیں کرتی ہے۔ میرے ساتھ تخلیہ ہوتا ہے تو ڈورے ڈالنے کی کوششیں کرتی ہے اور پیٹھ پیچھے اول فول باتیں کرتی ہے۔ اب میں اسے اچھی طرح دیکھ لوں گا۔"
"غصے کے بجائے پیار کی نظر سے دیکھو گے تو تم دونوں کی

تنہائی کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔ میں تم سے یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ میری باتوں کو اپنے دل پر نہ لے بیٹھنا۔ ویرا تم سے بہت لگاؤ رکھتی ہے' وہ ایسی ویسی باتیں نہیں کرتی۔" میں نے جلدی سے وضاحت پیش کردی۔

سلطان شاہ شکایتی نظروں سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے توقع نہیں تھی کہ تم مجھ سے ایسا مذاق کرو گے۔ میں ویرا سے کون سا خوش رہتا ہوں۔ ایسی کڑوی کسیلی باتیں مجھے اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر کر سکتی ہیں۔"

"اسی لیے میں نے تمھیں یہ بتانے میں دیر نہیں لگائی کہ میں مذاق کر رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"غلطی مجھ سے بھی ہوئی ہے۔" اول خان نے فراخ دلی سے اعتراف کیا "ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ نازک ہے۔ ان کے بارے میں ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ ایسا مذاق کسی سے منسوب نہیں کرنا چاہیے جو دوسرے فریق کی دل آزاری کا سبب بنے۔ بری باتیں دلوں پر فوری اثر ڈالتی ہیں۔"

میں نے اپنے دونوں کان پکڑ لیے "ان دونوں کے بہترین مستقبل کی امید میں' میں غیر ذمے دارانہ مذاق سے تائب ہوتا ہوں۔"

"بلاوجہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔" سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا "ویرا خود کو بدلے گی نہ میں بدل سکتا ہوں۔ ریل کی یہ دونوں پٹڑیاں کتنی ہی دور نکل جائیں' ایک دوسرے سے نہیں مل سکتیں۔ اس بارے میں زیادہ سوچ کر تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو۔ یہ میرا...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

جلال کی آواز خاصی پرجوش تھی "بدھولال چوپڑا بہت محتاط اور دوربین آدمی ہے۔ شاید اپنے کام فون سے چلاتا ہے۔ میں نے پورے سال کا ریکارڈ دیکھ ڈالا لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔ کراچی کے غیر معمولی حادثات میں آج سے چار مہینے پہلے اس کا نام موجود ہے۔ راجا نامی ایک بدمعاش کی گاڑی سے بارہ سالہ ہندو لڑکی کچل کر مرگئی تھی مگر بات پولیس کے روزنامچے سے آگے نہیں بڑھی۔ چوپڑا بروقت تھانے پہنچ گیا۔ اس کی مداخلت پر لڑکی کے ورثا تاوان کی رقم لینے پر آمادہ ہوگئے اور راجا پولیس کیس سے بچ گیا۔"

"کمال ہے۔" میں نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی "تم نے بہت باریکی سے چھان بین کی ہے۔"

"بس' مجھے اچانک خیال آگیا۔ میرے کمپیوٹر پر پاکستان کے ہر شہر اور قصبے میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کی تاریخ وار تفصیل موجود ہے۔ یہ واقعہ اس اعتبار سے غیر معمولی تھا کہ چوپڑا کے پہنچنے سے پہلے مشتعل ہندوؤں کی بڑی تعداد تھانے پر جمع ہوگئی تھی۔ وہ لوگ تھانے کو آگ لگا کر راجا کو مار ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ چوپڑا کی مداخلت پر سب کچھ حیرت ناک سرعت سے قابو میں آتا چلا گیا۔ کراچی کی ہندو برادری میں اس کا اثر و رسوخ حیران کن ہے۔"

"راجا ہی ہمارا مطلوب آدمی ہو سکتا ہے۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا "وہ اپنے سارے کام فون کے ذریعے چلاتا ہے اس لیے تمہارے کسی آدمی کی نظروں میں نہیں آسکا۔ راجا کو غضب ناک ہندوؤں سے بچانے کے لیے ایک مرتبہ اسے راجا سے ملنا پڑا اور تمہارے کمپیوٹر نے وہ واقعہ اگل دیا۔ بمبئی بازار میں جن مسلح لوگوں نے جوشی کی عمارت کو گھیرے میں لیا ہوا تھا وہ راجا کے آدمی ہوں گے۔ یہ نام مجھے کچھ مانوس سا لگ رہا ہے۔"

"کاش میری یہ محنت تمہارے کام آسکے۔ مجھے نتیجے سے ضرور با خبر کرنا۔" جلال کی آواز میں اس کی دلی آرزو جھلک رہی تھی۔

"تم بے فکر رہو۔ آنے والا دن ہم سب کے لیے کوئی نہ کوئی خوش خبری لے کر طلوع ہوگا۔"

فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ان دونوں کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ جلال نے اپنے کمپیوٹر کی یادداشت کھنگال کر ایک نام دریافت کرلیا تھا۔

میں عجلت اور خوشی میں جلال سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ راجا کی گرفتاری کس تھانے میں ہوئی تھی۔ میں چاہتا تو مختصر سی کال کر کے اس سے یہ بات معلوم کرسکتا تھا مگر اول خان نے مجھے روک دیا۔

وہ اپنی نوعیت کا انوکھا اور منفرد واقعہ تھا۔ ایسے واقعات روز روز پیش نہیں آتے۔ اول خان کا اندازہ تھا کہ شہر کے اعلیٰ پولیس افسران اس واقعے کو دیر تک نہیں بھلا سکیں گے۔ ان سے تھانے کا سراغ ملتے ہی راجا کا سارا کچا چٹھا سامنے آجاتا۔

مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے فیلڈ ورک اول خان کے آدمیوں کو کرنا تھا مگر پولیس افسران کی مدد حاصل کرنے کے لیے اول خان خود پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ وہ روایات پرست اور پروٹوکول کا سخت حامی تھا۔ اپنے کسی ماتحت کو اس کام پر لگا کر وہ پولیس افسران کو یہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر بددماغ ہو کر' خود کو

ان سے برتر سمجھنے لگا ہے۔

جلال سے ہونے والی میری گفتگو سن کر اول خان کو افسوس تھا کہ شہر میں رونما ہونے والا وہ اہم واقعہ اسے یاد نہیں تھا۔ بظاہر وہ بے پروائی کے نتیجے میں پیش آنے والا ایک مہلک حادثہ تھا مگر اس سے پیدا ہونے والی فرقہ وارانہ پیچیدگی نے اسے اہم بنا دیا تھا۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ تھی کہ حادثے کے ذمے دار کے چیتھڑے اڑا دینے پر تلا ہوا مشتعل ہندوؤں کا بپھرا ہوا ہجوم چوپڑا کی مداخلت کے بعد یکایک قابو میں آگیا تھا۔

وہ معلومات حاصل کر کے جلد ہی لوٹنے کا وعدہ کر کے ہم سے رخصت ہوگیا۔

"کچھ وقت مل گیا ہے تو کیوں نہ تھوڑی دیر آرام کرلیں۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے بوجھل آواز میں تجویز پیش کی۔

"مشورہ صائب ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاکر لیٹ جاؤ۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اور تم کیا کرو گے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں یہیں لیٹ کر سگریٹیں پھونکتا رہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں ہے۔ بستر پر لیٹا تو کروٹیں بدل بدل کر غزالہ کی نیند بھی خراب کردوں گا۔ تم میری پروا نہ کرو اور کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں جاکر کمر سیدھی کرلو۔"

"پھر میں اپنے کمرے میں جاکر کیا کروں گا۔ میں یہیں بیٹھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

میں نے اسے بھیجنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ اول خان جن تیوروں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا تھا ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنا کام پورا کرتے ہی واپس آئے گا۔ میرا اندازہ تھا اسے اسٹیشن فور کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کسی بھی قریبی تھانے میں پہنچ کر مطلوبہ معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ میرے اس حساب کے مطابق اس کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔ رات کا خاصا حصہ

باقی تھا۔ اگر اسے کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے راجا تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

"اول خان یہاں سے جائے بغیر بھی اپنا کام کر سکتا تھا۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

"شاید تمہارا مطلب ہے کہ وہ فون استعمال کر سکتا تھا۔" میں نے مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ظاہر ہے۔" اس نے اقرار کیا "یہ سہولت ایسی ہی ایمرجنسی میں کام آتی ہے۔"

"دن کی اور بات ہوتی ہے۔ رات کے تین بجے فون کی گھنٹیاں بجا کر کسی کو جگانا اور پھر سوالات کرنا معیوب لگتا ہے۔"

"نیند تو دروازے پر دستک دینے سے بھی خراب ہو گی....."

وہ بحث برائے بحث پر تلا ہوا تھا۔ شاید اس طرح وقت گزارنے اور نیند کی رو سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "فون پر صرف آوازیں سنائی دیتی ہیں جن سے مخاطب کے موڈ کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ روبرو ملاقات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو فون، فیکس، ای میل اور سوفٹ کے آجانے کے بعد ساری ایرلائنز کا بزنس چوپٹ ہو گیا ہوتا۔ سارے کام گھر یا دفتر میں بیٹھے بیٹھے ہو جاتے۔"

"تھانوں میں تعینات افسران اور عملے کو ڈیوٹی پر سونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ کسی کے گھر جانے کے بجائے قریبی تھانے کا رخ کرتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"وہ ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ ہے اور اتنی عقل رکھتا ہے۔ وہ کسی تھانے کی طرف ہی گیا ہوگا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" میرے جواب سے سلطان شاہ کچھ مطمئن سا ہو کر بولا "اس کا خود جانا ہی بہتر تھا۔"

ہمیں زیادہ دیر تک اول خان کی واپسی کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ بمشکل آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا۔

"مجھے زیادہ لمبی دوڑ نہیں لگانی پڑی۔" اس نے آتے ہی مسرت آمیز لہجے میں بتایا "گھر سے نکل کر میں سوک سینٹر کے سامنے پولیس لائن میں چلا گیا۔ وہاں مجھے ایک ڈی ایس پی مل گیا جس نے سارا مسئلہ حل کر دیا۔"

"راجا کا وہ واقعہ اتنا اہم تھا کہ ہر ذمے دار پولیس افسر کو زبانی یاد ہوگا۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"وہ واقعہ سعید آباد کے علاقے میں پیش آیا تھا۔ راجا کا ٹھکانا بھی وہیں ہے۔" اول خان نے انکشاف کیا۔

"تو دیر کس بات کی ہے۔ اپنے اسٹرائیک یونٹ کو روانگی کا حکم دے دو۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نیک کام میں نے راستے میں موبائل فون پر کر لیا تھا۔ وہ لوگ حسن اسکوائر کے چوراہے سے ابن سینا روڈ پر مڑ کر ہمارا انتظار کریں گے۔ اب تم روانگی کی تیاری کرو۔"

"کہاں روانگی کی تیاری ہو رہی ہے۔" ویرا کی نیند سے بوجھل آواز سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔

وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے شب خوابی کے کپڑوں پر ڈھیلا سا گاؤن پہنا ہوا تھا۔ نیند کے خمار سے اس کی آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں لیکن اس نے اپنے بال سنوارے ہوئے تھے۔

"تم تو مُردوں سے شرط لگا کر سوئی ہوئی تھیں۔ اچانک کہاں سے نازل ہو گئیں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مری نہیں تھی، سوئی ہوئی تھی۔ میری آنکھ گھنٹی کی آواز سن کر کھلی تھی۔ ابھی کون آیا تھا؟"

"آنا جانا کس کو تھا۔ ہم تینوں یہاں بیٹھے گپ شپ کر رہے ہیں۔ تمہارے کان بجے ہوں گے۔" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا۔ اس وقت وہ ویرا کو گھسنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے ان کی باتوں میں مداخلت ضروری نہیں سمجھی۔

"میں اتنی مدہوشی کی نیند نہیں سوتی۔" ویرا نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ کون آیا تھا؟"

"جس گھر میں ایک عورت شراب پیتی ہو وہاں رحمت کے فرشتے بھی نہیں آ سکتے۔ یہاں اور کون آتا؟"

"تم کہیں گئے ہوئے تھے؟" اس بار ویرا نے براہِ راست اول خان سے سوال کیا۔ اس نے سلطان شاہ کے تبصرے کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

وہ ان دونوں کی بحث میں فریق نہیں تھا، انکار نہیں کر سکا "تم کھڑی ہوئی کیوں ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا تھا۔"

ویرا نے ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور صوفے پر آن بیٹھی۔ اپنی نشست درست کر کے اس نے ایک سگریٹ سلگائی، نتھنوں سے اس کا دھواں خارج کرتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر سلطان شاہ سے بولی "اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں اور تم مرچیں چبا رہے ہو۔ میں فکر مند ہوں کہ رات کے کھانے

میں تم نے کیا بے اعتدالی کی تھی کہ اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔"

"تمہیں دیکھ لینے کے بعد شہد میں بھی مرچوں کا مزہ آنے لگتا ہے۔" وہ بولا۔

"بس مرچیں چباتے رہو۔ ان کے اثرات معدے کے راستے دور تک پہنچیں گے۔" ویرا نے بے اعتنائی سے کہہ کر اپنا رخ دوبارہ اول خان کی طرف پھیرلیا "یہ بتاؤ کہ اتنی صبح تم کہاں روانہ ہونے کا پروگرام بنا رہے تھے۔"

اول خان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے نرمی سے کہا "چوپڑا کے ایک رابطے کا سراغ مل گیا ہے۔ اس وقت ہم راجا نامی ایک بدمعاش کے اڈے پر دھاوا بولنے جارہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ جوشی کو اسی کے آدمی اٹھا کرلے گئے ہوں گے۔"

ویرا کو ان واقعات کے ہیرپھیر کا علم نہیں تھا اس لیے اس نے قدرے حیرت سے پوچھا "رات اول خان کو جوشی کو پکڑنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔"

"جوشی ہاتھ آگیا ہوتا تو اس وقت ہم یہاں بیٹھے اپنا سر نہ کھپا رہے ہوتے۔" سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا "پتا نہیں تمہاری آنکھ کیوں کھل گئی۔ اب تمہیں شروع سے آخر تک پوری رام لیلا سنائی جائے۔"

"وہاں پہلے سے کچھ مسلح آدمی چھپے ہوئے تھے۔" اول خان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "ہمارے پہنچنے کا اندازہ لگاتے ہی انہوں نے فائرنگ شروع کردی۔ وہ جوشی کو اٹھا لے گئے یا پھر وہ خود ہی ڈر کران کے ساتھ بھاگ گیا۔"

"آئی سی!" ویرا ہونٹ سکیڑ کر بے ساختہ بولی "فرار اور اغوا میں بہت فرق ہے مگر ایک بات صاف ظاہر ہے کہ چوپڑا کے لیے جوشی بہت اہم آدمی ہے۔ اسے تم سے بچانے کے لیے اس نے خاصا ڈرامائی قدم اٹھایا ہے۔"

"وہ سمجھ رہا ہے کہ ان حرکتوں کے ذریعے بچ جائے گا مگر وہ اپنی نجات کی راہیں خود مسدود کررہا ہے۔" اول خان بولا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں؟" ویرا نے خلاف معمول نرمی سے پوچھا۔

"چل سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا "مگر بہتر یہ ہوگا کہ تم گھر پر رہو۔ یہاں غزالہ اکیلی رہ جائے گی۔"

"او تو کیا سلطان شاہ تمہارے ساتھ جارہا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"یہ ہماری پوری منصوبہ بندی میں شریک ہے۔ اول خان کی اسٹرائیک فورس کے ساتھ اسے بھی ہونا چاہیے۔"

"اگر کوئی اسٹرائیک فورس بھی تم دونوں کے ساتھ ہے تو سلطان شاہ کا جانا غیر ضروری ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"مجھ سے تمہیں کیا چڑ ہے جو مجھے جانے سے روک رہی ہو۔" سلطان شاہ نے بھڑک کر پوچھا۔

"چڑ نہیں 'لگاؤ' ہے۔" ویرا نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری "غزالہ گہری نیند سو رہی ہے اور وہ دیر تک سوتی رہے گی۔ میری نیند پوری ہوچکی ہے۔ میں اکیلی بیٹھی بور ہوتی رہوں گی۔ تم ہوگے تو میرا دل لگا رہے گا۔"

"میں تمہارا مصاحب تو نہیں ہوں۔ کیا تم نے مجھے اپنا کھلونا سمجھا ہوا ہے!" سلطان شاہ نے تنک کر کہا۔

"اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔" اول خان نے دخل دیتے ہوئے کہا "ایک سے دو آدمی ہوتے ہیں تو دونوں کا دل لگا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم رک جاؤ۔ اس بحث میں ہمیں دیر ہورہی ہے۔ اسٹرائیک فورس طے شدہ پوائنٹ پر پہنچ چکی ہوگی۔"

"یہ میرے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔" سلطان شاہ نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "یہ اول خان کا مخلصانہ مشورہ ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔"

سلطان شاہ دبی زبان سے احتجاج کرتا رہا لیکن بات طے ہوچکی تھی۔ اس کے احتجاج کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہمارے درمیان کچھ ہی دیر پہلے اس کے اور ویرا کے نازک مراسم کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی تھی۔ وہ ویرا کی فرمائش کے سامنے سپر ڈالنے کو اپنی سبکی محسوس کررہا تھا۔

اسٹرائیک فورس کی شمولیت کی وجہ سے ہمیں کسی بڑی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ ضرورت کے اہم ہتھیار ہر وقت اول خان کی جیپ میں موجود رہتے تھے۔ اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی خطرناک انگوٹھیاں ہر وقت میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں فوری طور پر اول خان کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

"ہمیں دور رہ کر پورے آپریشن کی کمان کرنی ہے۔" اول خان نے گاڑی میں اپنی نشست سنبھالنے کے بعد مجھے بریف کیا "ساری عملی کارروائی اسٹرائیک یونٹ والے کریں گے۔"

"کیا وہ راجا کے اڈے سے واقف ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اول خان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے نفی میں جواب دیا "میں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کی روشنی میں وہ عمارت آسانی سے پہچان لی جائے گی۔ اس کی نشان دہی کا فریضہ مجھے ادا کرنا ہوگا۔ آگے کا کام میرے جوان سنبھال لیں گے۔"

"ان سے ہمارا رابطہ کیسے رہے گا؟" میرے ذہن میں عملی سوالات تیزی سے سر ابھار رہے تھے۔

اول خان نے ڈیش بورڈ سے ایک ایرپیس نکال کر میری گود میں ڈال دیا "یہ ٹی تھری ایرپیس سات سے دس کلومیٹر کی رینج میں زبردست کام کرتا ہے۔ ہم سب ایگل کے نام سے ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ ہر ایگل کا نمبر مختلف ہوگا۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اول خان ذرا سی دیر میں رہائشی گلیوں کو پیچھے چھوڑ کر اپنی جیپ کو یونیورسٹی روڈ پر لے آیا جو اس وقت دور دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ چند ثانیوں میں ہم حسن اسکوائر پہنچ گئے۔ ٹریفک سگنل بند تھا لیکن راستہ صاف تھا۔ اس چوراہے سے داہنی طرف گھومتے ہی مجھے فوجی طرز کی وہ تین گاڑیاں نظر آگئیں جو لیاقت آباد کی سمت میں منہ کیے سڑک کے بائیں کنارے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔

ایس ٹی ایف والوں کی عقابی نظروں نے اپنے چیف کی گاڑی دور ہی سے پہچان لی۔ ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے چست کپڑوں میں ملبوس، دس مسلح اور چاق و چوبند افراد، ان تین گاڑیوں سے نکل کر دو صفوں میں کھڑے ہو چکے تھے۔

اول خان جیپ کا انجن بند کرکے جوں ہی نیچے اترا، پختہ فٹ پاتھ ان دسوں کے جوتوں کی ہم آواز دھمک سے گونج اٹھی۔ اگر ان کے جوتوں کے تلے ربر کے نہ ہوتے تو ان کے نیم فوجی سلام کی گونج رات کے سناٹے میں دور تک سنی جاتی۔

اول خان نے مجھے گاڑی سے اترنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ اس لیے میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ وہ قریب جاکر اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

یہ بات بارہا میرے تجربے میں آچکی تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس سختی کے ساتھ فوجی ڈسپلن پر کاربند تھی۔ سینئر کی ہدایات پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا ہر جونیئر اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ اول خان کو اپنی بات ان کے ذہنوں میں بٹھانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ذرا سی دیر میں وہ ان سے فارغ ہوکر واپس آگیا۔

اس بار اول خان نے اپنی گاڑی آگے نکال لی تھی۔ اس کے اسٹرائیک یونٹ کی تینوں گاڑیاں اس کی تقلید کر رہی تھیں۔

لیاقت آباد دس نمبر اور پیٹرول پمپ کے بڑے چوراہوں کو عبور کرتا ہوا، وہ کارواں ناظم آباد سے گزر کر سائٹ کے علاقے میں داخل ہوگیا جہاں کی فضا میں شبینہ کارخانوں میں چلنے والی مشینوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ شہر کے مکین صبح کے ان اولین لمحات میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے لیکن اپنے بچوں کے لیے نان شبینہ کمانے کے آرزو مند مزدوروں نے کارخانوں کو آباد رکھا ہوا تھا جہاں سے حاصل ہونے والی پیداوار ملک کی شہ رگ کو قوت نمو فراہم کرتی ہے۔

سائٹ کی طویل اور سیدھی سڑک پر سفر کرتے ہوئے، ہم شیر شاہ کے علاقے سے داہنی طرف مڑ گئے۔ وہ راستہ مہاجر کیمپ اور سعید آباد سے ہوتا ہوا حب اور پھر آگے چلا جاتا تھا۔ دن میں اس سڑک پر گڈانی کے شپ بریکنگ یارڈ سے اسکریپ لانے والے ٹرکوں کا تانتا بندھا رہتا ہے مگر اس وقت وہ سڑک بھی خالی تھی۔

"یہاں سے سعید آباد کا علاقہ شروع ہوگیا۔" اول خان نے سڑک کے کنارے پولیس ٹریننگ اسکول کا بورڈ دیکھ کر مجھے آگاہ کیا، میں اس دل کی جوئی کے لیے ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ وہ علاقہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہاں کافی تبدیلیاں رونما ہوگئی ہوں۔

کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی داہنی طرف ایک کشادہ سڑک پر موڑ دی۔ کچھ فاصلے پر ایک اور موڑ گھومنے پر ہم ایک میدان کے قریب جا نکلے۔ میدان کی دیوار کے ساتھ ایک معقول سڑک نظر آرہی تھی۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر، میدان کے متوازی مکانوں کی قطار تھی۔ کھلے راستوں سے اس علاقے میں آتے ہی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ چاروں گاڑیوں کے انجنوں کی بھاری آوازیں اس علاقے کا سکون درہم برہم کرسکتی تھیں۔

گاڑیوں کے اس جلوس کو دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان اطراف میں کوئی کارروائی ہونے والی تھی۔

اول خان نے میرے ہاتھ سے ایرپیس لے لیا اور اسے اپنے منہ کے قریب لے جاکر دھیمی آواز میں بولا "ایگل ون کالنگ ایوری باڈی.... اوور!"

"ایگل ٹو سر!" کسی توقف کے بغیر دوسری طرف سے جواب آیا۔ شاید ایگل ٹو ہی اسٹرائیک یونٹ کا کمانڈو تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم سب تیار ہیں۔ ہمیں بائیں طرف والی قطار کے آخری سفید مکان کا انتظار ہے.... اوور!"

"مکان کسی بھی لمحے نظر آجائے گا۔ اب آگے نکل جاؤ اور محاصرہ کرلو۔ میں پیچھے آرہا ہوں اوور اینڈ آل!" اول خان نے اپنی جیپ کی رفتار کم کرلی اور تینوں گاڑیاں گڑگڑاتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ آخری گاڑی کے آگے نکلتے ہی اول خان نے اپنی جیپ کو سڑک کے وسط میں لے کر اس کی رفتار بڑھادی۔

پھر مجھے اس قطار کا آخری سفید مکان نظر آگیا جو شاید دو ملے ہوئے پلاٹوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اپنے وسیع رقبے اور بلند عمارت کی وجہ سے وہ گھر شاید پوری آبادی میں سب سے نمایاں اور منفرد تھا۔

سب سے اگلی گاڑی اس مکان کے قریب پہنچتے ہی بغلی گلی میں غائب ہوگئی۔ ہم وہاں پہنچے تو بقیہ دو گاڑیاں رک کر مکان کے سامنے پوزیشن لے چکی تھیں۔

آس پاس کے مکانوں میں بس اِکّادُکّا روشنیاں نظر آرہی تھیں ورنہ پورے پورے گھر رات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس سفید مکان کی نچلی اور بالائی منزل کی کئی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔ ان روشنیوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ راجا کے اڈے کے سارے مکین غفلت کی نیند نہیں سوئے ہوئے تھے۔

اچانک عمارت کی بالائی منزل کے کسی تاریک حصے سے پرُہول دھماکے کے ساتھ ایک شعلہ لپکا اور تاریکی میں سرعت سے تیرتا ہوا دوسری گاڑی کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اسی لمحے میگافون پر ایگل ٹو کی بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی "مقابلے کی حماقت مت کرو۔ تم سب محاصرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ سروں سے اوپر اٹھاؤ اور باہر نکل آؤ۔ تم کو امان دے دی جائے گی۔"

یکایک سفید عمارت کی روشن کھڑکیاں بیک وقت تاریک ہوگئیں۔ شاید کسی نے عمارت کا مین سوئچ آف کردیا تھا۔

اندھیرا ہوتے ہی عمارت کی چھت اور پہلی منزل سے گولیاں اگلنے لگیں۔ اس وقت تک اسٹرائیک فورس نے کوئی فائر نہیں کیا تھا۔

"فائرنگ کرو" اول خان اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لاکر غرایا "تمہیں کس کا انتظار ہے؟"

"فائر!" سفید عمارت سے ہونے والی دھواں دار فائرنگ میں کسی کی آواز گونجی اور پھر اسٹرائیک فورس کے ہتھیاروں نے بھی آگ اگلنی شروع کردی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ اس طرح مقابلے پر جم جائیں گے" اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا۔

"یہ کوئی چال چلنے کی کوشش کررہے ہیں" میں نے اضطراری لہجے میں کہا "کہیں کسی طرف سے نکل نہ جائیں۔"

ان لوگوں کے برابر والے گھر میں کودنے کا خطرہ موجود تھا۔ اول خان نے گولیوں کی پروا کیے بغیر اپنی جیپ آگے بڑھائی اور پھر اسے تیزی سے بغلی گلی میں موڑدیا۔

یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ پشت پر مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ اس طرف ایک تنگ اور تاریک گلی تھی جس میں دو سائے سفید مکان کی عقبی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس سمت میں موجود پہلی گاڑی کا عملہ انہیں اپنی فائرنگ سے کور کررہا تھا۔

اچانک فضا پہلی انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ اس دردناک چیخ میں پنہاں دہشت سے ظاہر ہورہا تھا کہ مجروح ہونے والے کو اپنی فوری موت کا یقین ہوچکا تھا۔

"تمہارے آدمیوں میں کوئی راجا کو پہچانتا ہے؟" میں نے ہذیانی سرگوشی کے انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"کوئی نہیں پہچانتا لیکن تم فکر نہ کرو' یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی زندہ فرار نہیں ہوسکے گا۔"

فائرنگ کے کان پھاڑدینے والے شور میں ایک پرہول دھماکا ہوا اور اس بار مکان کی نچلی منزل کالے اور کثیف دھوئیں سے بھرنے لگی۔

"گڈ... ویری گڈ۔ ان کا یہی علاج ہے۔" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟" میں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"تماشا دیکھتے رہو۔ اسٹرائیک یونٹ نے اندر دھوئیں کا بم فائر کیا ہے' وہ زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹک سکیں گے۔"

اول خان خود ہیجان زدہ تھا مگر مجھے تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس والے روایتی لڑاکا نہیں تھے۔ وہ جم کر دشمن کا مقابلہ کرنے اور اسے سنبھلنے کا موقع دینے کے قائل نہیں تھے۔ ان کی ہر کارروائی کمانڈو ایکشن ہوتی تھی جس میں وہ اپنے حریف کو جلد از جلد ماردینے یا حیرت زدہ کرکے بے بس کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کسی اور ادارے کے متوجہ ہونے سے پہلے اپنے مقاصد حاصل کرکے جائے واردات سے دور از دور نکل جائیں۔

اول خان نے اس مہم کی قیادت اپنے جس نائب کو سونپی تھی' اس کی صوابدید قابل تعریف تھی۔ اس نے سفید عمارت سے پہلی گولی چلتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ راجا کے آدمی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھے۔ وہ کنکریٹ کی پختہ اور دومنزلہ عمارت میں محصور تھے جس کی چھت اور پانی کی بلند ٹنکی ان کے تصرف میں آسکتی تھی جبکہ اسٹرائیک یونٹ کی نفری سڑک پر ان کے کھلے نشانے پر تھی۔ ان لوگوں کو اپنی مضبوط گاڑیوں کی اوٹ میسر تھی یا دوسری طرف کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔

سفید مکان میں رہنے والوں سے لمبا مقابلہ کرکے کوئی کامیابی حاصل کرنے کا تصور ذرا مشکل تھا۔ اس کی ایک ہی صورت ہوسکتی تھی کہ عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور اس دومنزلہ عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا جائے۔ وہ کام بھی آسان نہیں تھا۔

اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈر نے عمارت پر دھوئیں کے بم فائر کرانے کا فیصلہ کرکے دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ راجا کے ساتھی دھوئیں میں کچھ نظر نہ آنے کے سبب گھبرا کر باہر نکلنے پر مجبور ہوجاتے یا پھر کثیف دھوئیں میں دم گھٹنے کے سبب اندر ہی بے ہوش ہوجاتے۔

ایس ٹی ایف والوں نے دھوئیں کا صرف ایک بم پھینکنے پر اکتفا نہیں کیا۔ اول خان نے ایریٹس پر انہیں بڑھاوا دیا اور فضا یکے بعد دیگرے ویسے ہی تین مزید دھماکوں سے لرز اٹھی۔ نیچے سے اوپر تک وہ عمارت اس بری طرح دھوئیں میں گھری تھی کہ نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ اس افتاد کی وجہ سے ان کی فائرنگ کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا تھا مگر ایس ٹی ایف والوں کے بارودی ہتھیار وقفے وقفے سے آتشیں نغمے گنگنا رہے تھے۔

"رات کے سناٹے میں ہونے والی اس دھواں دھار فائرنگ کی آوازیں دور تک سنی گئی ہوں گی" میں نے بے چینی سے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا "اب پولیس کسی بھی وقت یہاں پہنچ کر بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گی۔"

"پولیس نہیں آئے گی" اول خان نے وثوق سے کہا "آگئی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ اس مرحلے پر وہ کام بگاڑنے کے بجائے ہمارے کام آئیں گے۔"

"پولیس کیوں نہیں آئے گی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت فائرنگ کا سلسلہ تقریباً ختم ہوچکا تھا۔ ایس ٹی ایف والے اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے اکا دکا فائر کررہے تھے۔

"بدمعاشوں کے اڈوں اور ڈیروں پر ہونے والے تصادم میں پولیس اس وقت آتی ہے جب خوں ریزیاں ختم ہوچکی ہوں" اول خان بولا "ایسے تصادم کو دو مضبوط گروہوں کا ٹکراؤ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں مداخلت کرنے والے بلاوجہ مارے جاتے ہیں۔ بپھرے ہوئے درندوں سے ہر ایک دور رہتا ہے۔"

"اگر تم پولیس والوں کی طرف سے اتنے ہی پُرامید ہو تو میری دعا ہے کہ اب انہیں آجانا چاہیے" میں نے کہا "فائرنگ اور دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہوچکا ہے۔"

اسی وقت ایریٹس پر ایگل فور کا پیغام آنے لگا۔ وہ بتارہا تھا "میں ایگل نائن کے ساتھ عمارت میں موجود ہوں۔ تین آدمی اپنی رائفلوں کے ساتھ بے ہوش پڑے ہوئے ملے ہیں۔ ہم نے گیس ماسک لگائے ہوئے ہیں لیکن آکسیجن سلنڈر ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ اوور...!"

"ایگل ون کالنگ!" اول خان نے فوری طور پر اپنے ٹی تھری ایریٹس کا بٹن دبا کر کہا "اسموک بم کی کارکردگی دیکھ لینے کے بعد تمہیں زیادہ دیر تک وہاں رکنے کی ضرورت نہیں۔ دشمن کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ تم فوراً باہر نکل آؤ ورنہ تم بھی دھوئیں کا شکار ہوسکتے ہو... اوور!"

کھانسی کے ساتھ ایریٹس پر ایگل فور کی پھنسی پھنسی آواز آئی "یس سر! دھواں بہت تیزی سے اثر کررہا ہے۔ ہمارے لیے یہاں ٹھہرنا دشوار ہورہا ہے۔ ہم اسی لمحے واپس لوٹ رہے ہیں' اوور اینڈ آل!" اندر والوں کا پیغام مکمل ہوتے ہی ایریٹس پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی۔

"سر! ایگل فور کی حالت خراب معلوم ہوتی ہے" ایریٹس پر ایگل ٹو کی آواز نے سکوت توڑا "اجازت ہو تو اندر کمک بھیجی جائے... اوور۔"

"تم کمانڈر ہو۔ اپنے فیصلے خود کرو۔ تمہیں میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے" اول خان نے رکھائی سے کہا "میرا خیال ہے کہ انہیں کسی کمک کی ضرورت نہیں۔ وہ خود باہر آجائیں گے' اوور۔"

اس بار ایگل ٹو سے پہلے ایگل فور خود لائن پر آگیا "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر! ہمیں کسی کمک کی ضرورت نہیں ہے... اوور!" اس نے کھانسی کے بے اختیار جھٹکوں کے درمیان اپنا پیغام پورا کیا۔ دھواں اس پر تیزی سے کام دکھا رہا تھا۔

"تم نے پیغام سن لیا" اول خان اس بار واضح طور پر ایگل ٹو سے مخاطب تھا "اب پانچ منٹ انتظار کرو۔ اتنی دیر میں دونوں آدمیوں کو باہر آجانا چاہیے۔ اس کے بعد پوری نفری کے ساتھ اندر گھس جاؤ اور ہر ایک کو بے دست وپا کرکے ایک جگہ لے آؤ... اوور اینڈ آل۔"

"پانچ منٹ ناکافی ہیں" میں نے اسے مشورہ دیا "اندر جانے والے دھوئیں کا شکار ہوجائیں گے۔"

"اس کثیف دھوئیں کے اثرات صرف دس منٹ تک برقرار رہتے ہیں اور پھر یہ تیزی سے فضا میں تحلیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پانچ منٹ بعد وہ اندر جائیں گے تو دھوئیں کے مضر اثرات بڑی حد تک زائل ہوچکے ہوں گے۔"

"کیا یہ کسی قسم کا زہریلا دھواں ہے؟" میں نے تجسّس سے پوچھا۔

"زہریلے کے بجائے تم اسے اعصاب شکن دھواں کہہ سکتے ہو" اول خان نے بتایا "یہ تنفس کی نالیوں کے ذریعے محض ایک سے ڈیڑھ منٹ میں اپنے شکار کے اعصاب مفلوج کرکے اسے بے ہوش کردیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب اندر کوئی مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہوگا۔ کافی دیر سے ان کی طرف سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی اس لیے میں اطمینان سے تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کی طرف سے فائرنگ کا آغاز ہونے پر میں گھبرا گیا تھا۔"

"یہ پہلا مقابلہ ہے جس میں ہم ابھی تک گاڑی سے اترے نہ ہم نے کوئی گولی چلائی اور قصہ ختم ہوتا نظر آرہا ہے" ایمان داری کی بات یہ ہے کہ اس وقت مجھے بھی اپنا ذہن ہر قسم کے دباؤ سے آزاد محسوس ہوا تھا ورنہ پہلے میں بھی فکر مند تھا۔

اول خان کی جیپ اس وقت بھی سفید عمارت کی بغلی سڑک پر ایسی جگہ کھڑی ہوئی تھی جہاں سے ہم عقبی گلی کی نگرانی کرسکتے تھے۔ اول خان کے دونوں آدمیوں کے انتظار میں میری نظریں بار بار اسی گلی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

جس وقت سفید عمارت گاڑھے اور سیاہ دھوئیں کی لپیٹ میں آئی تھی تو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کالے دھوئیں کے وہ زمینی بادل گھنٹوں تک وہیں ٹھہرے رہیں گے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھواں تحلیل ہوتا جارہا تھا۔ اس میں سے کہیں کہیں عمارت کے خدوخال جھانکنے لگے تھے۔

خدا خدا کرکے سفید مکان کے احاطے کی پچھلی دیوار سے یکے بعد دیگرے دو تاریک ترانسانی ہیولے تنگ و تاریک گلی میں کودے۔ ان کی حالت ابتر تھی اور وہ دہرے ہوکر لڑکھڑاتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ اس وقت بھی اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھے۔

میں ان کی مدد کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا۔ اندھیرے میں اچانک کہیں سے تین افراد نکلے اور دوڑتے ہوئے ان دونوں تک پہنچ گئے۔

اپنے تین ساتھیوں کی مدد سے وہ گلی کے سرے تک آئے تو اول خان نے انہیں اپنی گاڑی کی طرف بلالیا۔

ہم دونوں نے گاڑی سے اتر کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں کے چہروں پر ماسک لگے ہوئے تھے۔ اول خان نے پیٹھ تھپک کر انہیں شاباشی دی اور کچھ دیر کے لیے انہیں اپنی گاڑی کے ائرکنڈیشنر کے سامنے بیٹھنے کا مشورہ دے کر رخصت کردیا۔

اسی لمحے ایریٹس پر ایگل فائیو کی بھرائی ہوئی آواز گونجنے لگی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو ایگل فور اور نائن کی واپسی کی خوش خبری سنا رہا تھا۔

سناٹے میں اچانک اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی کے انجن کی بھاری آواز گونجنے لگی۔ گاڑی کا ائرکنڈیشنر چلانے کے لیے انجن اسٹارٹ کرنا ضروری تھا غالباً اس طرف موجود گاڑی کے عملے نے اپنے ساتھیوں کی ابتدائی طبی امداد کے لیے اول خان کے مشورے پر عمل کرنا شروع کردیا تھا۔

"کچھ دیر پہلے تم پولیس والوں کی آمد کی دعائیں کررہے تھے؟" درمیان میں دوسرے مسائل آجانے کے باوجود اول

خان کو میری بات یاد تھی۔

"وہ آگئے تو تمہارے آدمیوں کا کام آسان ہوجائے گا ورنہ یہاں سے قیدیوں کی لمبی کھیپ لے جانی ہوگی" میں نے کہا۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اول خان نے الجھ کر پوچھا۔

"سیدھی سی بات ہے" میں نے جواب دیا "تم سمیت کوئی بھی راجا کو نہیں پہچانتا اس لیے سارے بے ہوش قیدیوں کو اسٹیشن فوراً لے جانا ہوگا۔ پولیس والے آگئے تو وہ راجا کی نشاندہی کردیں گے اور تمہارے آدمی بے مقصد محنت سے بچ جائیں گے۔"

اس وقت ایریٹس مصروف ہوچکا تھا۔ ایگل ٹو اپنے بقیہ ساتھیوں کو اندر گھسنے کے بارے میں فرداً فرداً ہدایات دے رہا تھا۔ اندر سے ہوکر واپس آنے والے دونوں آدمیوں کو اس نے باہر روک کر گاڑیوں کی نگرانی کی آسان ذمے داری سونپی تھی۔

فائرنگ کا شور تھمے کچھ دیر ہوچکی تھی اس لیے قرب وجوار کے مکانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ ہر شخص یہ جاننے کے لیے مضطرب ہوگا کہ راجا کے اڈے پر کیا ہوا تھا اور اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کو ایک بار یہ یقین ہوجاتا کہ باہر نکلنے میں ان کی جانوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا تو وہ ایک ایک کرکے گھروں سے باہر نکلنا شروع کردیتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس گنجان آبادی میں ایسا جم غفیر جمع ہوجاتا کہ اسے سنبھالنا اور سکون سے اپنا کام جاری رکھنا دشوار ہوجاتا۔

میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے پستول سے ایک ہوائی فائر کردے اور وقفے وقفے سے ایسا ہی کرتا رہے تاکہ کوئی اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کرسکے۔ اول خان نے ایک لمحے کے لیے میرے مشورے کی افادیت پر غور کیا اور پھر کھڑکی سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف فائر کردیا۔

فائر ہوتے ہی آس پاس کے مکانوں سے آنے والی آوازیں دم توڑ گئیں۔ یوں معلوم ہوا جیسے سب کو یکایک سانپ سونگھ گیا ہو۔

"تم بدترین لمحات میں بھی معمولی باتوں کو نظرانداز نہیں کرتے" فائر کرنے کے بعد اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "مگر اس وقت ایک اہم بات بھول رہے ہو۔"

مجھے کبھی اپنی کارکردگی پر ناز نہیں رہا تھا پھر بھی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت مجھ سے کوئی چوک ہوئی تھی۔

میں نے کہا "میں بھول رہا ہوں تو تم یاد دلادو۔"

"ہمیں صرف راجا کی تلاش نہیں ہے، ہمارا اصل شکار جوشی ہے اور ہم ان دونوں کو نہیں پہچانتے۔ راجا کی نشاندہی پولیس کرسکتی ہے۔ جوشی کو کون پہچانے گا؟"

"ویرا نے بھی اسے برسوں پہلے دیکھا تھا۔ خیر یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ راجا کا کوئی کمزور آدمی تھوڑے سے تشدد کے بعد یہ بھی بتادے گا۔"

"شناخت ہوجائے گی۔ اس کے گھر کا کوئی فرد آکر اسے پہچان سکتا ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ راجا پر کھیل ختم نہیں ہوگا۔"

اس کی بات درست تھی۔ دہلی میں انل بسواس تک رسائی کے مقصد سے شروع ہونے والا کھیل دھیرے دھیرے طول پکڑتا جارہا تھا۔ انل سے نریش، چندن کرنانی اور چوپڑا سے ہوتے ہوئے ہم جوشی اور راجا تک پہنچ چکے تھے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کھیل کی آخری کڑی کب ٹوٹے گی۔

"ایک طرف را والوں کی وہ مضبوط صف آرائی تھی تو دوسری طرف ان کے امریکی حلیف بھی ان کے شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ دہلی میں انل اور نریش سے پہلے جان اسمتھ مارا گیا۔ جان ایشکوف کراچی سے ڈر کر بھاگ گیا۔ لیری پر دہشت سے جان لیوا ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ ان کا منظرنامہ اس وقت خالی تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ان کی طرف سے کون سا نیا مہرہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

ایگل ٹو کا دیا ہوا وقت پورا ہوچکا تھا۔ اسٹرائیک فورس کے دس میں سے آٹھ آدمی بیک وقت تین سمتوں سے سفید مکان کے احاطے کی طرف بڑھے اور ماہرانہ پھرتی کے ساتھ دیواریں عبور کرکے اندر کود گئے۔ ان میں سے دو افراد باہر رہ گئے تھے۔

وہ دونوں اپنے نظام تنفس پر دھوئیں کے اثرات سے اس حد تک گلوخلاصی حاصل کرچکے تھے کہ انہیں ائرکنڈیشنر کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ گاڑی کا انجن بند کرکے اپنی سب مشین گنیں تانے ایسی جگہوں پر پوزیشن لے چکے تھے جہاں سے سفید مکان کی تینوں سمتوں پر نظر رکھ سکیں۔

اول خان نے ایک مرتبہ پھر کھڑکی سے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور دوسرا ہوائی فائر کردیا۔ اس کے آدمیوں کو پہلے فائر کے ساتھ ہی اس کے ارادے کا اندازہ ہوچکا تھا۔ اس لیے اس بار بھی کہیں سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ یہ ضرور ہوا کہ فائر کی دم توڑتی ہوئی گونج میں یکایک سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔

مجھے اپنے کانوں پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔

کیونکہ وہ آوازیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ یقینی طور پر دو سائرن تھے یا پھر کسی ایک گاڑی پر دو سائرن بج رہے تھے۔ مجھے اول خان کی کہی ہوئی بات یاد آگئی کہ پولیس والے غیر ضروری جانی نقصان سے بچنے کے لیے کہیں بھی اندھادھند مداخلت نہیں کرتے۔ موقع مل جائے تو کسی نہ کسی طرح اپنے حریف کو کسی طرح باخبر ضرور کردیتے ہیں کہ آنے والے لمحوں میں اس کا قانون کے محافظوں سے ٹکراؤ ہونے والا ہے۔ جن مجرموں کے دل میں قانون کا ذرا بھی خوف ہوتا ہے۔ وہ میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرلیتے ہیں اور اگر پولیس کے نرغے میں آجائیں تو مقابلہ کیے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

سعید آباد کے اس سفید مکان میں یقینی طور پر مجرموں کی ایک جمعیت بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی پولیس سے مقابلے یا فرار کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لے دے کر وہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا راج تھا جو خود قانون کے خفیہ محافظ کے درجے پر فائز تھی۔

اس وقت تک سفید عمارت کے گرد پھیلے ہوئے سیاہ دھوئیں کے بادل تحلیل ہوچکے تھے۔ اول خان کی حتمی رائے تھی کہ دھوئیں کا سیاہ بادل چھٹ جانے کے بعد وہ عمارت داخلے کے لیے محفوظ تھی۔ دم گھٹنے کے کسی خطرے کے بغیر اندر وقت گزارا جاسکتا تھا۔

"کیوں نہ ہم اندر چلیں" میں نے تجویز پیش کی۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن چند منٹ توقف کرو۔ اگر کوئی پولیس پارٹی ادھر آرہی تھی تو مجھ ہی کو ان سے بات کرنی پڑے گی" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا پیش کیا ہوا عذر معقول تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

"سر! ہم اندر داخل ہوچکے ہیں" اپریٹس پر ایگل ٹو کی آواز آنے لگی "اس پہلے کمرے میں ایک آدمی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ہم اس کے ہاتھ پیر باندھ کر آگے بڑھیں گے۔ میں جیسے جیسے کوئی نئی چیز دیکھوں گا' آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا۔۔۔ اوور!"

"میں منتظر رہوں گا۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے مختصر سا جواب دے کر اپریٹس ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔

سائرن کی آوازیں اس قدر قریب آچکی تھی کہ ان سے وحشت ہورہی تھی۔ ہم دونوں گاڑی سے اتر کر ٹہلتے ہوئے بغلی گلی سے میدان کے متوازی دوڑتی ہوئی سڑک پر نکل آئے۔ سڑک پر دور سے دو گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس اور کیبن کے اوپر چکراتی ہوئی سرخ اور نیلی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ گاڑیوں کی رفتار خاصی تیز تھی اور وہ اسی سمت سے آرہی تھیں جدھر سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچے تھے۔ اس اثنا میں سفید مکان میں روشنی آچکی تھی۔ شاید کسی نے مین سوئچ دوبارہ آن کردیا تھا۔

چند لمحوں میں وہ دونوں پولیس موبائلز' اسٹرائیک یونٹ کی تیسری گاڑی کے پیچھے رک گئیں اور متعدد مسلح سپاہی پچھلے حصوں سے دنادن سڑک پر کود گئے۔ ان میں سے کوئی بھی غیر مسلح نہیں تھا۔ ان کے تیور بتارہے تھے کہ وہ ذرا سا شبہ ہونے پر کہیں بھی فائر جھونک ماریں گے۔

میں نے پہلی ہی نظر میں یہ بھانپ لیا کہ موبائلز کی اگلی نشستوں سے اترنے والے افسروں میں سب انسپکٹر کے عہدے سے بڑا کوئی افسر نہیں تھا۔ میرے اور اول خان کے اطمینان نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ ان کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک گئے مگر وہیں جم کر رہ گئے۔ اسٹرائیک یونٹ کی منفرد ساخت کی بکتر بند گاڑی نے بھی پولیس والوں کو ہم سے مرعوب کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کررہے ہو؟" ایک سب انسپکٹر نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر دبنگ لہجے میں پوچھا۔

اول خان نے داہنا ہاتھ فضا میں بلند کرکے کہا "ہم قانون کے نام پر یہاں آئے ہیں۔ تم قریب آؤ تو میں تم کو اپنی شناخت دکھا سکتا ہوں۔"

اول خان کی پیشکش پر وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر یکایک ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ہم دونوں پر تان لیا "اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔ اگر تم درست ثابت ہوئے تو میں تم سے معافی مانگ لوں گا۔"

اول خان نے بلاتردد اس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیے۔

وہ ہماری طرف سے بہت چوکنا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اپنے پستول اور ریوالور نکال لیے تھے لیکن وہ اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ ان میں سے کسی نے ہم پر ہتھیار تاننے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اس وقت ہماری خود اعتمادی ہماری بے گناہی کا سب سے بڑا ثبوت تھی۔

وہ سب انسپکٹر سنبھل سنبھل کر ہماری طرف بڑھنے لگا۔ جب ہمارا اور اس کا درمیانی فاصلہ چند قدم رہ گیا تو اول خان کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی دھیمی آواز نکلی "ہم دونوں اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی ہیں۔"

ایس ٹی ایف کا نام اس سب انسپکٹر کے لیے نیا نہیں تھا۔ اول خان کا انکشاف سن کر اس کے ہاتھ یوں لرزے کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے مزید کوئی شناخت دیکھنے کا انتظار کیے بغیر ریوالور ہولسٹر میں اڑسا اور ایڑیاں بجا کر سیلوٹ کر ڈالا۔

اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ گرا لیے۔ وہ اپنی جیب میں سے کچھ نکالتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے کوئی چیز سب انسپکٹر کے سامنے پیش کی۔ اول خان کی پشت میری طرف تھی۔ میں یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ کیا چیز دکھا رہا تھا۔ اس بار سب انسپکٹر نے دوبارہ اسے سیلوٹ پیش کر دیا۔

اس سینئر سب انسپکٹر کا نام زاہد تھا۔ باضابطہ شناخت کے بعد وہ اول خان کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی اور سپاہی دوستانہ انداز میں ہمارے گرد سمت آئے تھے۔

"اس عمارت سے ہم پر دھواں دھار گولیاں برسائی گئی ہیں۔" اول خان نے دو منزلہ سفید گھر کی طرف اشارہ کر کے ان کو بتایا "ہم راجا اور جوشی نام کے ایک مغوی کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ انہوں نے ہماری گاڑیاں دیکھتے ہی فائر کھول دیا۔ انہیں دھوئیں کے بم فائر کر کے زیر کیا گیا ہے۔ میرے آدمی اندر گئے ہوئے ہیں۔"

میں اول خان کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک رہا تھا۔ کئی بار اس نے پولیس والوں کو اپنی شناخت کرائی تھی مگر میں کبھی یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ اپنی مشکل ترین شناخت کے لیے کیا شعبدہ استعمال کرتا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ ایک غیر تحریری اور ماورائے آئین فورس کا مقامی کمانڈر ہوتے ہوئے ایسی مستند شناخت کا حامل تھا جسے کوئی ذمے دار افسر مسترد کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

اول خان نے اس بارے میں مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ میں نے بھی اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میرے دل میں اس بارے میں گہرا تجسس جاگزیں تھا جو اس موقع پر دور ہونے کے بجائے مزید گہرا ہو گیا تھا۔

جب انسپکٹر زاہد کی ہدایت پر پولیس والوں کی نفری اس گھر کے گرد پھیل گئی۔ زاہد ہمیں اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ لے کر گھر کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں ماتحت عہدے میں اے ایس آئی اور ہیڈ کانسٹیبل تھے۔

اندر جانے سے پہلے میں اول خان کے ایما پر اس کی گاڑی میں سے اپریٹس نکال لایا تھا جو خاموش تھا۔ شاید ایگل ٹو نے ہماری غیر حاضری میں مجرموں کے بارے میں اپنی مکمل رپورٹ سنا دی تھی اور بندھے ہوئے مجرموں کو یکجا کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر اسٹرائیک یونٹ کا ایک مسلح کمانڈو مستعدی سے کھڑا ہوا تھا۔ اول خان کی موجودگی میں اس کی طرف سے کسی تعرض کی گنجائش نہیں تھی۔ اندرونی کمروں سے متعدد افراد کے بولنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجرموں کو زہریلے دھوئیں کے اثر میں لا کر بے ہوش کیا جا چکا تھا اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ آوازیں اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈوز کی تھیں۔

ایگل ٹو کو کسی طرح اطلاع مل گئی کہ اول خان کچھ پولیس افسران کے ساتھ اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس نے راستے میں ہی ہم لوگوں کا استقبال کیا اور بتایا کہ عمارت کی نچلی اور اوپری منزل سے کل آٹھ بے ہوش افراد پکڑے گئے تھے۔ ان سب کے ہتھیار اور میگزین ان کے قریب سے ملے تھے۔ ان میں سے ایک قیدی کا داہنا شانہ بہت بری طرح زخمی تھا۔ درد کی شدت کی وجہ سے وہ زخمی، بے ہوشی کی حالت میں بھی رہ رہ کر کراہ رہا تھا۔

ایگل ٹو نے سب سے زیادہ سنسنی خیز خبر یہ سنائی کہ اوپر کے ایک کمرے میں ایک لاش ملی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس کے دہانے میں ہتھیار کی نال ڈال کر، کھوپڑی کی طرف اس طرح فائر کیا گیا تھا کہ چکراتی ہوئی گولی اپنے ساتھ پورا بھیجا نکال لے گئی تھی۔ متوفی کے زخم سے رواں تازہ خون سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے قتل کو زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے وہ اس مہم کی سب سے اہم خبر تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ایگل ٹو کی دریافت کی ہوئی لاش جوشی کی ہوگی۔ اس رات راجا کے ہاتھوں وہی قتل ہو سکتا تھا۔ راجا، چوپڑا کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ چوپڑا کی پوری کوشش تھی کہ جوشی کو اس کے دشمنوں کی دسترس سے دور رکھا جائے۔ حالات و واقعات کی بنا پر اس نے سمجھ لیا تھا کہ جس طرح وہ جوشی کے ذریعے ویرا اور پھر ڈینی تک پہنچنا چاہ رہا تھا، بالکل اسی طرح ویرا جوشی کو اپنا آلہ کار بنا کر چوپڑا کا کام تمام کرنا چاہ رہی تھی۔

راجا کے آدمیوں نے اول خان اور اس کے ساتھی کو کسی قیمت پر جوشی کے گھر تک نہیں پہنچنے دیا۔ درمیان میں ذرا سی مہلت ملتے ہی وہ جوشی کو زبردستی اٹھا لائے۔ متوفی کے بندھے ہوئے ہاتھ پیر اس بات کے گواہ تھے کہ وہ اپنی مرضی سے سعید آباد کے اس مکان میں نہیں پہنچا تھا۔

کسی وجہ سے جوشی اس قدر اہم تھا کہ چوپڑا ہر قیمت پر اسے زندہ رکھنا چاہتا تھا ورنہ کوئی بھی شخص نہایت بے خوفی سے جوشی کو اس کے گھر میں مار سکتا تھا۔ وہ لوگ اسے اٹھا کر سعید آباد لے آئے۔ وہاں ہمارے حملے کے بعد راجا کو ادراک ہو گیا کہ جوشی کا معاملہ اس کی توقع سے زیادہ سنگین ہے۔ اس کے پیچھے لگے ہوئے لوگ آسانی سے جان نہیں چھوڑیں گے۔ جب اس کے آدمی اسٹرائیک یونٹ کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ کر رہے تھے تو وہ یہ خطرہ بھانپ گیا کہ جوشی کسی بھی وقت اس کی گرفت سے نکل جائے گا۔ اسے ہماری تحویل سے بچانے کے لیے اس نے جوشی کو راہ سے ہٹانے کا ارادہ کیا اور اس کے حلق سے کھوپڑی میں گولی اتار دی۔

جوشی کے معاملے میں ہماری بھاگ دوڑ رائگاں گئی تھی۔ ہمارے حریف ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

راجا کے ہاتھوں جوشی کی موت کا یقین ہو جانے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ راجا کے لیے زندگی ایسی جہنم بنا دی جائے کہ وہ گڑگڑا کر اپنی موت کی دعائیں مانگتا رہے لیکن اس کی زندگی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے۔

اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی تھا کہ وہ رقم کے لالچ میں را والوں کے ہاتھ بکا ہوا تھا۔ چند سکوں کے لیے اس نے اپنی لگام چوپڑا کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس دوران میں ایگل ٹو ہمیں اس کمرے میں لے گیا جہاں آٹھوں بے ہوش قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ زاہد نے ان قیدیوں پر پہلی نظر ڈالتے ہی مایوسی سے اعلان کر دیا کہ ان میں راجا شامل نہیں تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سب انسپکٹر زاہد کا وہ انکشاف کسی گھونسے کی طرح میرے سینے پر پڑا ہو۔

"ان میں اس کے سارے خاص آدمی موجود ہیں۔" زاہد نے قیدیوں کا قریب سے جائزہ لیتے ہوئے کہا "مجھے حیرت ہے کہ اس کے باوجود وہ غائب ہے۔ ان میں کم از کم تین آدمی ایسے ہیں جو سائے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"پھر وہ کہاں گیا؟" اول خان نے گھمبیر لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے شبہ ہے کہ ابتدا میں وہ یہیں تھا۔ اسی کی ہدایت پر تم لوگوں پر فائرنگ شروع ہوئی۔" زاہد نے پرخیال انداز میں اپنا نظریہ پیش کرنا شروع کیا "کسی مرحلے پر اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے آدمی زیادہ دیر تک جم کر نہیں لڑ سکیں گے۔ وہ انہیں مقابلے میں مصروف چھوڑ کر خاموشی سے فرار ہو گیا۔"

"مگر کہاں اور کیسے؟" اول خان نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پوچھا "باہر ہم موجود تھے۔ یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں گیا۔"

"تم نے مکان کو تین اطراف سے گھیرا ہوا تھا۔" زاہد نے تحمل سے جواب دیا "چوتھی سمت میں مکانوں کا سلسلہ ہے۔ وہ دیواریں پھلانگتا ہوا' اندر ہی اندر کہیں نکل گیا ہو گا۔ فضا زبردست فائرنگ سے لرز رہی تھی۔ علاقے کی پوری آبادی کونوں کھدروں میں دبکی' خوف سے کانپ رہی ہو گی۔ کسی کو ہوش نہیں ہو گا کہ راجا کس کس کے مکان سے ہوتا ہوا فرار ہوا ہے۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس گھر میں تہ خانہ ہے نہ کوئی خفیہ راستہ۔ بھاگنے کے لیے اس نے پڑوس کے گھروں کی راہ اختیار کی ہو گی۔"

"وہ لاش کہاں ہے؟" اول خان نے ایگل ٹو سے پوچھا پھر خود کلامی کے انداز میں بولا "وہ لاش راجا کی بھی ہو سکتی ہے۔"

اول خان کے ذہن پر امید کا راج تھا۔ میں نے اس کی خوش گمانی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لاش دیکھتے ہی زاہد سچ کا انکشاف کر سکتا تھا۔

اس بار اسٹرائیک یونٹ کے اراکین وہیں رکے رہے۔ زاہد نے بھی اپنے ماتحتوں کو وہیں رکنے اور قیدیوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے کا حکم دیا اور ہم تینوں ایگل ٹو کے ساتھ زینوں کی طرف چل دیے۔

"لاش کی حالت بہت خراب ہے۔" ایگل ٹو نے راستے میں ہمیں آگاہ کیا "کھوپڑی کا بیشتر حصہ اڑا ہوا ہے۔ بھیجا چھت پر چپکا ہوا ہے۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید تینوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔

پہلی منزل کا وہ کمرا واقعی کوئی قید خانہ نظر آرہا تھا۔ وہاں برہنہ فرش پر پڑی ہوئی لاش کی حالت عبرت ناک تھی۔ عام آدمی کے لیے اسے نگاہ بھر کر دیکھنا محال تھا۔ پھٹا ہوا دہانہ بگڑا ہوا تھا۔ پیشانی موجود تھی مگر سر کا پچھلا حصہ گولی کے ساتھ اڑ کر چھت سے لوتھڑوں کی شکل میں چپک گیا تھا۔ میں نے جھک کر زخم پر نگاہ ڈالی تو وہ ہر لحاظ سے تازہ تھا۔ زخم پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑوں کی سرخی' سیاہی میں تبدیل ہونا شروع نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔ یہ راجا نہیں ہے۔" زاہد نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا "میں اسے نہیں جانتا۔ آٹھوں زندہ قیدیوں سے میں کسی نہ کسی حد تک واقف ہوں۔"

"ہمارا کام ادھورا رہ گیا۔" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں مجھ سے کہا "تمہاری دانست میں یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے؟" یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے مایوسی کے غلبے کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو۔

"اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔ پیر بھی باندھے ہوئے ہیں۔ یہ جوشی ہو سکتا ہے۔"

"اگر تم مجھے اس لاش کے بارے میں کچھ بتا سکو تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔" زاہد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر میرا اندازہ درست ہے تو یہ بمبئی بازار میں رہتا تھا۔ اس علاقے کے تھانے سے تمہیں پوری تفصیل مل جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"ساری محنت اکارت گئی۔ اسے قتل کر دیا گیا اور راجا بھاگ گیا۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "اب یہ سیدھا سادا تمہارا کیس ہے۔"

"اس میں ایس ٹی ایف کا ذکر نہیں آئے گا۔" زاہد نے اس سے تائید چاہی۔

"ہرگز نہیں۔" اول خان نے سختی سے کہا "تمہارا یہ سوال غیر ضروری ہے۔ خیالی چیزوں کا کسی ریکارڈ میں ذکر نہیں آتا۔"

"سوری سر! میں پوری بات سمجھ گیا۔ اپنے افسران بالا کو بھی سمجھا دوں گا۔" زاہد نے مستعدی سے کہا۔

"تم ان قیدیوں کو جانتے ہو۔ ان کی زبانیں کھلواؤ۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ راجا کہاں ہے۔" میں نے زاہد کو تلقین کی۔

"تم بے فکر رہو۔ راجا اس علاقے کا سب سے مضبوط بدمعاش ہے۔ کسی طرح گرفت میں نہیں آتا تھا۔ اب اس کے آدمیوں پر ہاتھ پڑ گیا ہے تو میں ان سے کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں یہ طوطوں کی طرح بولنے لگیں گے۔"

ہم نیچے پہنچے تو قیدیوں کو ہوش میں لانے کی کوششیں جاری تھیں لیکن ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

"یہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے۔ ان کے اعصاب ماؤف ہیں۔" اول خان نے پولیس والوں کو مشورہ دیا "یہ آٹھوں سرکاری مہمان خانے میں جا کر ہی آنکھیں کھولیں گے۔ انہیں یہاں سے لے جانے کی تیاری کرو۔"

"اس میں وقت لگے گا۔" زاہد نے اپنی مجبوری بیان کی "معاملہ قتل کا ہے۔ جب تک ڈی ایس پی وغیرہ لاش کا معائنہ نہ کر لیں ہم یہاں کی کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتے۔"

اول خان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور زاہد کے ساتھ باہر چل دیا۔

زاہد نے قیدیوں پر محنت کرنے کا وعدہ دہرا کر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔ اسٹرائیک یونٹ کا اسکواڈ اول خان کی ہدایت پر تیزی سے اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اول خان کی گاڑی خاصے فاصلے سے ان کے پیچھے تھی۔

صبح کے ساڑھے چار بج چکے تھے۔ فضا میں نسیم سحری کے جھونکے تیر رہے تھے۔ کہیں کہیں سے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں مگر آسمان پر بدستور رات کی گہری سیاہی کا راج تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم اجالا ہونے سے پہلے گھر واپس پہنچ جائیں گے۔

"وقت کچھ برا آ گیا ہے۔" راستے میں اول خان مضمحل آواز میں بڑبڑایا "ہر طرف سے مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جب مسلسل کامیابیاں حاصل ہو رہی ہوں تو ہم یہ نہیں سوچتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔"

"بات توقعات کی ہوتی ہے۔ تم انل کو بہت مشکل شکار سمجھ کر بھارت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اسے آسانی سے مار کر تم کو سچی دلی خوشی حاصل ہوئی ہو گی۔ میں جوشی اور راجا کو کسی گنتی میں نہیں سمجھ رہا تھا لیکن دونوں ہمیں چونا لگا گئے۔ قلق صرف اس بات کا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں محسوس کر رہا تھا کہ راجا کے فرار کی خبر پاتے ہی تم اچانک بددل ہو گئے تھے ورنہ میں مزید کچھ وقت وہاں گزارنا چاہ رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ چھان بین میں شامل ہو کر ہم بہت سی نئی باتیں معلوم کر سکتے تھے جن سے آئندہ مدد مل سکتی تھی۔"

"سب بیکار تھا۔ ہم تفتیش، چالان اور مقدمے والے لوگ نہیں ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ راجا اپنے گھر کی حدود میں نہیں تھا۔ وہ کہاں سے اور کیسے نکل بھاگا' یہ جاننے سے ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ اپنی ناکامی پر میں واقعی بددل ہو گیا تھا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ راجا اس قدر چالاک ثابت ہو گا۔" میں نے اعتراف کیا "تمہاری طرح میں بھی یہی سوچ

رہا تھا کہ ہم اچانک اسے گھیریں گے اور کسی خوف زدہ چوہے کی طرح پکڑ کر اسٹیشن فوراً لے جائیں گے۔ وہاں مار مار کر اس سے سب کچھ اگلوا لیا جائے گا۔"

"عام دادا گیر اور بدمعاش اتنے چالاک نہیں ہوتے۔" اول خان نے سڑک سے اپنی نظریں ہٹائے بغیر' پرخیال آواز میں کہا "وہ قانون کے محافظوں میں چھپی ہوئی کالی بھیڑوں کی ملی بھگت سے اپنے دھندے چلاتے ہیں اور گردو پیش سے بہت زیادہ باخبر نہیں ہوتے۔ برا وقت آنے والا ہوتا ہے تو تنخواہ دار مخبر انہیں پہلے سے ہوشیار کر دیتے ہیں اور وہ بروقت زیر زمین چلے جاتے ہیں۔ اچانک کوئی ناگہانی افتاد سر پر آن پڑے تو قانون کو للکارے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ راجا کا معاملہ ہی مختلف نکلا۔"

"اس کے طور طریقے بڑے گروہ بندوں جیسے ہیں۔ تمہیں زاہد سے کریدنا پڑے گا کہ راجا کا ماضی بھی ایسا ہی رہا ہے یا وہ آج کل نئے طور طریقوں پر چل نکلا ہے۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ اس کی پشت پر کوئی اور ہے جو اسے چلا رہا ہے۔"

"اب تک کے واقعات سے یہ بات کھل چکی ہے کہ چوپڑا نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ وہ دل کھول کر راجا کی مدد نہ کر رہا ہوتا تو اس کے آدمی بمبئی بازار کی گنجان آبادی میں میرا مقابلہ نہ کرتے۔ بھارتیوں نے ہماری زندگی مفلوج کرنے کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھولے ہوئے ہیں۔"

"چوپڑا ایک روایتی سفید پوش مجرم ہے۔ وہ راجا کو وسائل فراہم کر سکتا ہے لیکن قانون سے مقابلے اور فرار کے گر نہیں بتا سکتا۔ مجھے راجا کا معاملہ زیادہ گہرا اور پراسرار معلوم ہو رہا ہے۔ اب ہمیں اس کی تہ تک پہنچنا ہوگا۔"

"تمہاری یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔" اول خان سہلاتے ہوئے بولا "جلال کے کمپیوٹر پر چوپڑا کا ریکارڈ بے داغ ہے۔ وہ پیسے کے زور پر اور اپنا دامن بچا کر کام نکالنا جانتا ہے لیکن مجرمانہ منصوبہ بندیوں کے رموز و نکات سے کھیلنا اس کے بس سے باہر ہے۔"

سڑک کا ہلکا سا خم طے کرتے ہی ہمیں آگے بھیڑ بھاڑ نظر آنے لگی اور اول خان نے بے ساختہ اپنی گاڑی کی رفتار کم کر لی۔

راجا کے اڈے کی طرف جاتے ہوئے ہم شیر شاہ سے گزرے تھے تو وہاں ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہم کسی رکاوٹ کے بغیر وہاں سے گھوم کر حب ریور روڈ پر مڑ گئے تھے لیکن اس وقت وہاں متعدد گاڑیاں رکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ سڑک پر کافی افراد بھی موجود تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آگے کوئی حادثہ ہو گیا ہے" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"رکنے کے بجائے اپنا راستہ بنا کر آگے نکلنے کی کوشش کرو یا پھر گاڑی واپس گھما لو۔ ہم اندر سے ہو کر نکل جائیں گے" میں نے مشورہ دیا۔

قریب پہنچنے پر راستہ بالکل مسدود ملا۔ لوگوں نے بوکھلاہٹ میں اپنی گاڑیاں سڑک پر بے ترتیبی سے روک دی تھیں۔ رہی سہی کسر آس پاس سے جمع ہونے والے لوگوں نے پوری کر دی تھی۔ اول خان نے گاڑی روک کر ایک آدمی سے معلوم کیا تو ہمیں پتا چلا کہ کچھ دیر پہلے ایک تیز رفتار گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو کر تنگ چوراہے کی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ دھماکے کی آواز سن کر تھڑوں' دکانوں اور گھروں میں سوئے ہوئے سب لوگ ہڑبڑا کر باہر نکل آئے تھے۔ وہاں سے گزرنے والی اِکّا دُکّا گاڑیاں بھی جائے حادثہ پر رکتی چلی گئیں اور یوں تھوڑی دیر میں وہاں ٹریفک جام ہو گیا۔

حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی کے زخمی ڈرائیور کو ایک ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے جایا جا چکا تھا لیکن تماشائیوں کی چہل پہل برقرار تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ صبح کی اولین ہواؤں کے خنک جھونکوں نے ہجوم کا موڈ نہیں بگڑنے دیا تھا۔ ہر شخص رضا کارانہ طور پر ہمیں راستہ دینے کے لیے تیار تھا۔ اول خان نے وہاں رک کر راستہ صاف ہونے کے انتظار میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے اسٹیئرنگ پر اپنے کمالات دکھانے کو ترجیح دی اور ہم رینگ رینگ کر انسانوں اور گاڑیوں کے اس انبوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس مختصر سے حصے سے آگے سڑک دور دور تک صاف تھی۔

ہم افق پر اجالے کی کوئی کرن نمودار ہونے سے پہلے گھر پہنچ گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کا موڈ خوش گوار تھا۔ ان دونوں میں اگر کوئی جھڑپ ہوئی بھی تھی تو اس کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔

"تم دونوں بہت جلد واپس لوٹ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا؟" ویرا نے اپنی بے رحمانہ رائے کے اظہار کے لیے کسی تمہید کا تکلف کیے بغیر کہہ ڈالا۔

"یہ بڑی کامیابی ہے کہ ہم صحیح سمت میں کام کر رہے

ہیں" اول خان نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا "راجا کوئی غیر
تعلق آدمی نہیں ہے، جوشی اسی کی تحویل میں تھا۔ راجا نے
خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر اسے مار ڈالا اور خود بھاگ گیا۔"

"تم ایک لاش کی دریافت کو کامیابی سمجھتے ہو تو سمجھتے
رہو میں تو اسے ناکامی کہوں گی کہ راجا تمہیں جل دے کر نکل
گیا" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"وہ زیادہ دیر تک ہماری گرفت سے نہیں بچ سکے گا"
ں تلخی سے بولا "اب ہم اس کی راہ پر لگ چکے ہیں۔"

"یہ سب نفسانفسی کی نحوست ہے جو ہم ایک کے بعد
دوسری ناکامی کا منہ دیکھتے چلے جارہے ہیں" ویرا نے چیخ کر کہا
میں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی کوشش کی تو چوپڑا
اپنے گھر میں دو من کا تالا ڈال کر غائب ہوگیا۔ اول خان نے
پنا جھنڈا بلند کرنا چاہا تو جوشی پھسل کر ہاتھ سے نکل گیا۔ اب
م دونوں مجھے چھوڑ کر راجا کے پیچھے گئے تو وہ جل دے گیا۔
ں تو اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ صرف اتفاق میں برکت ہے۔
ندھے سے کندھا ملا کر چلو گے تو کامیابیاں تمہارے قدم
میں گی۔"

"کیوں نہ زاہد کو فون کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے کچھ
ی باتیں معلوم ہوئی ہوں" میں نے ویرا کی تقریر کو نظرانداز
ر کے اول خان سے کہا۔

"بے سود ہے" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر
ل کر جواب دیا "ابھی وہ تھانے نہیں پہنچا ہوگا۔ لاش ملنے
ے بعد جائے واردات پر اس کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔"

"بے کار بیٹھ کر اپنے ذہنوں اور جسموں کو تھکانے سے
ز ہوگا کہ ہم چاروں بھی غزالہ کی طرح کچھ دیر آرام
لیں۔ یہ صبح اور رات کا آخری سنگم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ
ں نیند آ ہی جائے" سلطان شاہ نے ہلکی سی انگڑائی لے کر
یز پیش کی۔

اول خان نے یکایک اپنی جگہ چھوڑ دی اور کہا "میں بھی
سوچ رہا تھا میں چلتا ہوں۔"

اول خان ایک طویل وقفے سے اپنے اہل وعیال سے
ڑا ہوا تھا۔ اس نے پوری رات ہمارے ساتھ گزار دی
ی۔ اسے مزید رکنے پر مجبور کرنا مناسب نہیں تھا۔ ویسے بھی
رے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ہم تینوں
خوش دلی سے اسے رخصت کردیا۔

"اب مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا؟" اول خان
چلے جانے کے بعد ویرا مجھے پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سلطان شاہ
بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نئی بازپرس کے سلسلے میں
وہ بھی ویرا کا ہم نوا تھا۔ میں نے اپنے کمرے کا رخ کرنے کے
بجائے ڈرائنگ روم کے صوفے پر اپنے ہاتھ پیر پھیلا دیے۔

○☆○

راجا کی نشاندہی کے سلسلے میں جلال نے اپنے معمولات
سے ہٹ کر میری غیر معمولی مدد کی تھی اور میں نے اس سے
وعدہ کیا تھا کہ اس بارے میں کوئی پیش رفت ہوتے ہی میں
اسے آگاہ کروں گا۔ میں نے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اس
کے دفتر کا فون ملایا تو اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت اپنے دفتر میں
موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے فون پر چہکنا شروع
کردیا۔

"میں نے رات کو تمہیں بہت پریشان کیا" میں نے
موقع پاتے ہی کہا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے ریکارڈ کی
چھان بین کر کے راجا کی نشان دہی کی۔ چوپڑا کے معاملات
میں وہ پوری طرح ملوث ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ
آج صبح سویرے ہم اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔"

"مجھے رپورٹ مل چکی ہے" جلال کے اس انکشاف نے
مجھے حیران کردیا "رات کو تم سے آخری بار بات کرنے کے
بعد میں نے اپنے اسٹاف کو راجا کی دور سے نگرانی پر مامور
کردیا تھا۔ ان سے مجھے پتا چلا ہے کہ رات کو ایس ٹی ایف
والے چار گاڑیوں میں بارہ افراد کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔"

"پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہاں ایک لاش موجود
تھی؟" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"رات کو بلکہ آج منہ اندھیرے فوری طور پر اس کی
شناخت نہیں ہوسکی تھی لیکن پولیس کو اس بارے میں کوئی
ٹپ مل گئی تھی" صبح رونما ہونے والے واقعات دہرانے کے
بجائے اس نے نئی بات شروع کردی۔ وہ کہہ رہا تھا "نو بجے
میٹھادر تھانے کا عملہ جوشی کے ایک بیٹے کو لے کر وہاں پہنچا
اور اس لڑکے نے اپنے باپ کو شناخت کرلیا۔ مجھے یقین ہے
کہ راجا نے اسے چوپڑا کی ہدایت پر مارا ہوگا۔"

"میں نے ابتدا میں محسوس کرلیا تھا کہ جوشی کوئی اہم
بات جانتا تھا اور چوپڑا اسے ہر قیمت پر اپنے دشمنوں سے دور
رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی جوشی سے دوستی تھی۔ وہ اسے
مروانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن کھیل بگڑتا دیکھ کر اسے وہ ناگزیر
فیصلہ کرنا پڑ گیا۔"

"ویری گڈ!" ریسیور پر اس کی تحسین آمیز آواز ابھری
"اس بارے میں میری اور تمہاری سوچ یکساں ہے۔ وہ جوشی

کو مروانا چاہتا تو اس کے گھر میں ہی مروا سکتا تھا۔ اسے وہاں سے اٹھوانے کی ضرورت نہیں تھی۔"
"راجا کے ہاتھ آنے کے بعد یہ گتھی سلجھ سکے گی کہ جوشی کی کیا اہمیت تھی" میں نے کہا۔
"اس بارے میں شاید راجا کچھ نہیں بتا سکے گا۔ اصل جواب صرف چوہڑا دے سکتا ہے۔"
"اس کا کہیں کوئی پتا نہیں چل رہا۔ ایس ٹی ایف والے اس کے مقفل گھر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ کسی نے ادھر کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کی۔"
"وہ اپنے قونصل خانے میں دبکا ہوا ہوگا۔ کب تک وہاں چھپا رہے گا۔ کسی نہ کسی وقت اسے باہر آنا پڑے گا" جلال کی آواز میں تلخی در آئی "اب نئی اطلاع یہ ہے کہ ونود کی پوسٹنگ کراچی کے قونصل خانے میں کردی گئی ہے۔ وہاں ہمارے دو شکار جمع ہوگئے ہیں۔"
ونود کے بارے میں جلال مجھے پہلے بتا چکا تھا کہ وہ اپنے تقرر کی دستاویزات کے ساتھ اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔ وہ آئی بی کے ایک بہت اہم اہلکار کا قاتل تھا۔ مجھے یاد تھا کہ جلال نے اس سے عبداللہ عرف ولی رام کے قتل کا بدلہ لینے کا عہد کیا ہوا تھا۔
"تم فکر نہ کرو۔ یہ دونوں کسی بھی وقت ہماری گرفت میں آجائیں گے۔ اس وقت مجھے راجا کی فکر ہے۔ اس کے فرار سے میں ذاتی طور پر اپنی سبکی محسوس کر رہا ہوں۔"
"کام کے سلسلے میں، میں ذاتیات کا قائل نہیں ہوں مگر راجا کے بارے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ حرام زادہ ایک پاکستانی ہوتے ہوئے را والوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے شہر کے دوسرے بدمعاشوں کے لیے عبرت کی مثال بنا دیا جائے۔"
"اس پر تین سمتوں سے کام ہو رہا ہے" جلال کے اشتعال کا اندازہ لگا کر میں نے اسے دلاسا دیا "ایس ٹی ایف اس کی بو پر لگی ہوئی ہے۔ تمہارے آدمی اس پر کام کر رہے ہیں اور پولیس والوں نے بھی اس کی تلاش شروع کردی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک آزادی کے سانس نہیں لے سکے گا۔"
ہمارے پاس معلومات کے تبادلے کے سوا کوئی بڑی خبر نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد میں نے فون بند کردیا۔
اس درمیان میں ویرا ڈرائنگ روم میں آبیٹھی تھی۔ وہ مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکی "کس سے بات ہو رہی تھی؟"
"جلال نے تصدیق کی ہے کہ راجا کے گھر سے ملنے والی لاش جوشی کی تھی" میں نے اسے بتایا۔
"اس میں کون سی نئی بات ہے۔ تم نے تو صبح سویرے مجھے بتا دیا تھا کہ وہاں جوشی کو مارا جا چکا تھا" ویرا نے اعتراض کیا۔
"وہ میرا اندازہ تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی جوشی کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے لاش کے بندھے ہوئے ہاتھ پیروں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ لاش جوشی کی ہوگی۔ اب جلال نے بتایا ہے کہ متوفی کو شناخت کیا جا چکا ہے۔"
"کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ وہ اسلام آباد میں بیٹھ کر بھی اتنا باخبر رہتا ہے" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"وہ کوئی عام سرکاری افسر نہیں ہے، انٹیلی جنس بیورو کا ایک اہم عہدے دار ہے۔ وہ ملک میں درپردہ رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر رہے تو مجھے صدمہ ہوگا۔ ہر اہم بات اور واقعے سے باخبر رہنا اس کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ یہ ذمے داری پوری خوش اسلوبی سے پوری کرتا ہے۔"
"وہ واقعی حیران کر دینے والی صلاحیتیں رکھتا ہے" ویرا نے اعتراف کیا "سلطان شاہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے کتنی محنت سے اپنا سارا ریکارڈ کھنگال کر چوہڑا اور راجا کے درمیان تعلق کا سراغ نکالا تھا۔ یہ ذہانت ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی۔"
"جو لوگ پورے خلوص سے کام کرنے پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔"
"تم اس سے راجا کے سوا کن دونوں کی بات کر رہے تھے؟" ویرا نے یوں چونک کر پوچھا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔
"چوہڑا اور ونود" میں نے بتایا "اسے بھی اسلام آباد سے کراچی بھیج دیا گیا ہے۔"
"اوہ!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ سراسر عبداللہ کے خون کے انتقام کا معاملہ ہے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ موجودہ واقعات کے سلسلے میں اچانک کوئی نیا نام تمہارے سامنے آگیا ہے۔ اس وقت ہماری توجہ کئی سمتوں میں بٹی ہوئی ہے۔"
"جوشی کے قتل سے ایک باب بند ہوگیا۔ اب ہماری توجہ کا مرکز صرف چوہڑا کی ذات ہے۔"
"تو کیا تم نے راجا کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
"راجا اور چوہڑا ایک سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ بار

ں ان دونوں کو ان کے انجام تک پہنچادیا جائے گا۔" میں سختی سے کہا۔

"اس بار یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں پاکستانی ہیں۔ را مشن کو آگے بڑھانے والوں میں کسی غیر ملکی کا نام ے سامنے نہیں ہے۔"

"دونوں پاکستانی ہیں۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان ۔ دونوں را کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں" وہ اعتراف کرتے ئے میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ راجا مسلمان ہے؟" ویرا نے وہ ں پوچھ کر مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہی تھی "اس کے نام سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟"

"یہ میرا قیاس ہے۔ میں اب اس کی تصدیق کرلوں گا" نے دھیرے سے کہا۔

غزالہ اور سلطان شاہ اپنے اپنے چائے کے مگ اٹھائے سے برآمد ہوئے اور آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔

ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ پچھلے واقعات بارے میں غزالہ کی معلومات سب سے کم تھیں اس لیے ب سے زیادہ متجسس تھی۔ وہ بہت کم سوالات کرتی تھی ں جب اس کی طبیعت میں تجسس بیدار ہوتا تھا تو وہ بال کی ں نکالتی چلی جاتی تھی۔

ان باتوں کے درمیان اول خان کا فون آگیا۔ اس کی ز سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی۔

"مبارک ہو۔ تمہارا گندا شکار آخر کار پھندے میں گیا۔" اس کی مسرت سے مغلوب آواز میرے کانوں میں ۔

"اس وقت کم از کم تین نام میرے سامنے ہیں۔ تم کس ت کررہے ہو" میں فوری طور پر اس کا اشارہ نہیں سمجھ

"مجھے سب سے زیادہ نفرت راجا سے ہے اور وہی اپنی تی کے پھندے میں پھنسا ہے۔"

راجا کے بارے میں اول خان کے وہ الفاظ سن کر خوشی یرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے پرجوش لہجے ہا "اب پہلیاں بجھواتے رہوگے یا اس سے ملعون کے ام آنے کے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤ گے۔"

"صبح سعید آباد سے واپسی پر شیر شاہ میں نظر آنے والا یڈنٹ تم کو یاد ہے؟" اول خان اس وقت میرے صبر کا ن لینے پر تلا ہوا تھا۔

"اچھی طرح یاد ہے" میں نے جلدی سے کہا "وہ بھولنے والا واقعہ نہیں تھا۔"

"راجا کی گاڑی کو وہ حادثہ پیش آیا تھا۔ گھر سے نکل کروہ بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا۔ اس موڑ پر اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا اور گاڑی چورا ہے کی اونچی منڈیر توڑتی ہوئی گھاس پر چڑھ گئی۔ وہ بہت بری طرح زخمی ہوا ہے۔"

"تم کو کیسے پتا چلا کہ حادثے کا شکار ہونے والی کار اسی کی تھی؟" میں نے بے تابی سے سوال کیا۔

"ابھی ابھی میں زاہد سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ یہ خوش خبری اسی نے سنائی ہے۔"

"شیر شاہ کے علاقے میں ہونے والے حادثے کا سعید آباد کے تھانے سے کیا تعلق نکل آیا؟" مجھے اس کی سنائی ہوئی خبر پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"بھاگتے ہوئے راجا کو اپنی کوئی گاڑی استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ چھتیں اور دیواریں پھلانگتا ہوا کافی دور جانے کے بعد باہر نکلا اور گھر کے باہر کھڑی ہوئی کار چرا کر لے بھاگا۔ فائرنگ کا طوفان تھمنے کے بعد لوگ گھروں سے نکلے تو گاڑی کے اصل مالک کو چوری کا علم ہوا۔ اس نے اسی وقت تھانے میں رپورٹ درج کرادی۔ حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی کے بارے میں چھان بین شروع ہوئی تو پتا چلا کہ سعید آباد تھانے میں اس کی چوری کی رپورٹ درج ہے۔۔۔"

"اوہ! تو یوں کہو کہ زاہد کو مال مسروقہ کی شناخت کے لیے شیر شاہ تھانے جانا پڑا تو اسے حقیقت کا علم ہوا ہوگا" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں۔ وہ بھی بہت خوش تھا اور کار کے حادثے کو قدرت کا عتاب قرار دے رہا تھا۔"

"اب راجا کہاں ہے؟" اول خان کی گفتگو میں آنے والے وقفوں سے مجھے سخت الجھن ہورہی تھی۔ میں اس واقعے کی ساری جزئیات جلد از جلد جان لینے کے لیے بے چین تھا اور وہ نپے تلے ٹکڑوں میں اپنی کہانی سنارہا تھا۔

"حادثے کے بعد سے وہ اسپتال میں بے ہوش پڑا ہوا ہے" اول خان نے ایک مرتبہ پھر مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

"اس کی سخت ترین نگرانی کی ضرورت ہے" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "وہ بہت مکار آدمی ہے۔ ہوش میں آتے ہی اسپتال سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔"

"زاہد نے اپنے افسروں کو بتادیا ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کا مطلوب مجرم ہے۔ تم فکر نہ کرو، مسلح پولیس کے ساتھ میرے چاق و چوبند آدمی بھی اسپتال کی نگرانی پر مامور ہیں۔

اسے وہاں سے نکال لے جانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ وہ خود وہاں سے فرار ہوسکتا ہے۔"

"تم اس معاملے کی اہمیت اور سنگینی سے واقف ہو۔ میں اپنی کسی بات پر زور نہیں دوں گا۔ بس اتنا ضرور کہوں گا کہ راجا کو کم تر نہ سمجھنا۔ وہ ہماری توقعات سے بڑھ کر کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے۔ اسے نکل بھاگنے میں ناکامی ہوئی تو وہ خودکشی کی کوشش کرسکتا ہے۔"

"اس کے بھاگ جانے کا خوف اپنے دل سے نکال دو" اس بار اول خان کی آواز اعتماد آمیز تھی۔ "حادثے میں اس کی داہنی پنڈلی ٹوٹ گئی ہے، چہرہ بری طرح زخمی ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اپنی مرضی سے بستر سے ہل جل بھی نہیں سکے گا۔ تمہارا خودکشی والا اندیشہ درست ہے۔ میں اس کی مکمل جامہ تلاشی لینے کا بندوبست کیے لیتا ہوں۔ اس کے پاس سے ہر خطرناک اور مشتبہ چیز ہٹالی جائے گی۔"

"اسے اسٹیشن فور کب لایا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میڈیکل کلیرنس کے بعد میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی اسپتال میں نہیں چھوڑوں گا۔"

"معاملہ طول پکڑ جائے گا۔" میں اندیشہ ظاہر کیا "وہ لاکھ ملزم یا مجرم سہی، اسپتال والے اس کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کا آپریشن ضرور کریں گے۔"

"سرجن کا یہی خیال ہے۔ حادثہ شدید تھا۔ آپریشن کے بغیر ٹوٹی ہڈی کا جوڑ بٹھانے کی کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔"

"یہ بلاوجہ وقت، پیسے اور طبی سہولتوں کا ضیاع ہوگا" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ میرا اشارہ سمجھ گیا "تم کیا چاہتے ہو؟" قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔

"اس پر وسائل برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا انجام خود اسے بھی معلوم ہے۔ وہ جس حال میں ہے، اسی حال میں اسے اٹھالاؤ۔ پولیس تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گی۔ ڈاکٹروں سے کہا جاسکتا ہے کہ تم اپنے طور پر اس کا علاج معالجہ کراؤ گے۔ اسپتال والے اسے روکنے پر اصرار نہیں کریں گے۔"

"خاصا ظالمانہ مشورہ ہے تمہارا مگر وہ غدار اسی سلوک کا حق دار ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ تمہارے مشورے پر عمل کیا جاسکے۔"

"ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ جوشی کے بیٹے نے اپنے باپ کی لاش پہچان لی ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"راجا کے سامنے یہ سب خبریں ثانوی ہو کر رہ گئی ہیں۔ مم... مگر یہ بات تمہیں کس نے بتائی؟ میں نے تو اس کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "میں بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوں۔ میں نے جلال کو فون کیا تھا۔ یہ بات اسی نے بتائی تھی۔"

"اچھا... تو وہ وہاں بیٹھا اپنی ڈوریاں ہلا رہا ہے۔ شاید یہ ہم سب کی ملی جلی کوششوں کا ثمر ہے کہ راجا کے فرار کی کوشش ناکام ہوگئی ورنہ اس تک پہنچنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آجاتا۔ اس کے آدمی اس کے خفیہ رابطوں سے بالکل بے خبر ہیں۔"

"اس کے آدمیوں کی بے خبری کے بارے میں تمہیں زاہد نے کچھ بتایا ہے یا یہ تمہارا اندازہ ہے" میں نے پوچھا۔

"زاہد بہت مخلص اور محنتی پولیس افسر ہے۔ اس نے ان آٹھوں سے کڑی بازپرس شروع کردی ہے۔ ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ راجا آج کل بڑے پیمانے پر ہیروئن کا دھندا کررہا ہے۔ وہ اپنا مال مقامی مارکیٹ میں پھیلانے کے ساتھ یورپ اور امریکا اسمگل کررہا ہے۔"

میں نے اول خان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہیروئن کے گھناؤنے کاروبار سے شی کی عبرت ناک پسپائی کے بعد منڈیوں میں جو خلا پیدا ہوا تھا اسے پر کرنے کے لیے کئی مفاد پرست مقامی گروہ میدان میں کود پڑے تھے۔ اگر راجا اپنے حریفوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا تو وہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔

"اس کے گرد جمع ہونے والے پکے پیشہ ور ہیں۔ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولیں گے" میں نے کہا "راجا ہماری براہ راست تحویل میں آجائے تو مجھے ذرا بھی فکر نہیں رہے گی کہ اس کے آدمی زبان کھولتے ہیں یا چپ سادھے رہتے ہیں۔"

"را، سی آئی اے اور ایف بی آئی کی سازشوں میں ہیروئن کا تذکرہ مجھے بھی بے جوڑ لگا تھا لیکن اب تک کے حقائق یہی ہیں۔"

"ہیروئن ان ایجنسیوں سے اتنی لاتعلق نہیں ہے۔ شی کا خمیر ہیروئن کے سرمائے سے اٹھا تھا اور وہ سی آئی اے کا ایک حصہ ہی ہوئی تھی۔"

"اس وقت اپنے ذہن کو اتنا نہ تھکاؤ۔ یہ دور کی باتیں ہیں۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ راجا پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"میں تمہاری طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔ یہ جان کر شاید تم کو بھی خوشی ہو کہ اب یہاں صرف چوپڑا نہیں ہے' اس کے ساتھ ساتھ ونود بھی کراچی آگیا ہے۔"

"اس خبر سے جلال کو زیادہ خوشی ہوگی۔ وہ عبداللہ کے قتل کے بعد اس پر خار کھائے بیٹھا ہے" ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز آئی۔

"مجھے یہ اطلاع اسی نے دی ہے۔ اب تم یک سو ہو کر اپنی توجہ راجا پر مرکوز کردو اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ راجا کا مذہب کیا ہے؟" بات ختم کرتے ہوئے مجھے اچانک ویرا کا اٹھایا ہوا نکتہ یاد آگیا جس کی نظری اہمیت تھی مگر عملی طور پر راجا کا مذہب غیر اہم تھا۔ بنیادی بات یہ تھی کہ وہ غدار اور اپنے وطن کا مجرم تھا۔ اس کے مذہب کو درمیان میں لائے بغیر ہمیں اس کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔

"وہ جھوٹا اور دوغلا ہے۔ خود کو نومسلم کہتا ہے" اول خان بتارہا تھا "پہلے عیسائی تھا تو کبھی گرجا نہیں گیا تھا۔ دو سال پہلے کسی ضرورت کے تحت مسلمان ہوا تو مسجد کی صورت تک نہیں دیکھی۔ مذہب کے حوالے سے مسلمان اس پر اعتبار کرتے ہیں نہ عیسائی' یہ بات تمہیں اچانک کیوں یاد آگئی؟"

"بس ویرا سے بحث ہوگئی تھی" میں نے ہنس کر گول مول سا جواب دیا۔

"اس سے بحث مت کیا کرو۔ اس لڑکی نے نکتہ آفرینی میں غضب کا دماغ پایا ہے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کرلیتی تو اپنے حریفوں کا جینا اجیرن کردیتی۔"

"میں تمہاری اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم راجا پر اپنا کام شروع کردو۔"

سعید آباد سے واپسی پر راستے میں ایک حادثے کا منظر نظر آنا اس قدر معمولی اور لاتعلق واقعہ تھا کہ میں نے کسی سے اس کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد میں نے ان تینوں کو راجا کے انوکھے حادثے کے بارے میں بتانا شروع کیا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

یہ بات واقعی تعجب خیز تھی کہ ہم اپنے جس مجرم کو پکڑنے میں ناکامی کے بعد واپس لوٹ رہے تھے' وہ ہمارے راستے میں حادثے کا شکار ہوچکا تھا' ہم وہاں سے گزرے مگر ہم نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہم وہاں رک بھی جاتے تو ہمیں کچھ پتا نہ چلتا کہ قسمت کی ستم ظریفیاں کیا گل کھلا رہی تھیں۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ ہم اپنے مجرم کو اس کے چہرے مہرے سے نہیں پہچانتے تھے اگر وہ جائے حادثہ پر پڑا ہوتا تب بھی ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے کہ وہ راجا تھا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ اس وقت تک حادثے کے زخمی کو جائے حادثہ سے اسپتال کی طرف لے جایا جاچکا تھا۔

"یہ مقدر کی نیرنگیاں ہیں۔" ویرا سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولی "جو کبھی کبھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔"

"جو ہوا وہی سب سے بہتر تھا۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ ٹوٹی ہوئی پنڈلی کے ساتھ اسپتال کا قیدی بن گیا اور وہاں پولیس والوں نے اسے شناخت کرلیا۔ جب کسی مجرم کی شامت آتی ہے تو اس کے گرد اسی طرح گھیرا تنگ ہوتا ہے۔"

"اب اسٹیشن فور میں' میں اس کی خدمت کروں گا۔" سلطان شاہ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زور زور سے آپس میں رگڑتے ہوئے اعلان کیا "اسے اپنی چھٹی کا کھایا پیا تک یاد آجائے گا۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔" غزالہ نے نرمی سے کہا "طاقت کے بل پر کسی کو زیر کرنا تیسرے درجے میں شمار ہوتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم کو اس ملعون کی ضیافت کرنی چاہیے!" ویرا نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"شاید ہم میں سے کسی نے اس کو نہیں دیکھا لیکن اب تک اس کے بارے میں جو باتیں سامنے آئی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ وہ عمدہ منصوبہ بندی سے کام کرنے والا آدمی ہے۔ اس نے جوشی کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کی' اپنے گھر سے کامیابی سے فرار ہوگیا۔ وہ تو اس کے ستارے گردش میں آگئے کہ اس کی چرائی ہوئی گاڑی حادثے کا شکار ہوگئی ورنہ ہم اس وقت اس کے نکل جانے پر اپنے ہاتھ مل رہے ہوتے۔" غزالہ نے دامن بچا کر جواب دیا۔

"تمہاری بات واضح نہیں ہے۔" ویرا نے فوراً اعتراض جڑ دیا "جو کچھ کہنا چاہتی ہو' کھل کر کہو۔"

میں نے ان تینوں کی گفتگو میں دخل دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ غزالہ کے ذہن میں کوئی نئی بات جنم لے چکی تھی۔

"ایک بار اول خان اسے اپنی تحویل میں لینے میں کامیاب ہوجائے تو وہ ہر وقت ہمارے رحم و کرم پر ہوگا۔" غزالہ کہہ رہی تھی "تم جب چاہو' اس پر ہاتھ اٹھا کر تشدد کا آغاز کرسکتی ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تشدد کے سامنے

جھکنے والوں میں سے نہیں ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "بعض مجرم بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ ہر تشدد سہہ لیتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ابھی ہم نے راجا کا سامنا نہیں کیا اور نہ اس کے رویّے کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ نرے قیاس پر مبنی ہے۔"
"ایک بار تم نے اس کے ساتھ مار دھاڑ شروع کر دی تو پھر اسے اپنے مفاہمانہ رویے کا یقین نہیں دلا سکو گے۔" غزالہ بولی۔
"تمہارا مشورہ ہے کہ ہم ابتدا سے ہی اسے پچکارنا شروع کر دیں؟" ویرا نے پوچھا۔
"اس میں کیا قباحت ہے؟" غزالہ نے اس کے طنز کا اندازہ کر کے جوابی سوال کر ڈالا "پیار کر کے کسی بھی لمحے تھپڑ رسید کیا جا سکتا ہے۔ یہ منطقی عمل ہوتا ہے۔ تھپڑ مار کر پیار کرنا قطعی غیر منطقی رویہ لگتا ہے۔ راجا سمجھ لے گا کہ اسے دھوکا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"
"اسٹیشن فور کی کسی سنگلاخ کوٹھری میں وہ ہمارے ہمدردانہ رویے پر اعتبار کر لے گا؟" اس بار سلطان شاہ نے سوال کیا۔
"وہاں سب کمرے ایک جیسے نہیں ہیں۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اسے کہاں بند کرتے ہو۔" غزالہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔
سلطان شاہ لاجواب ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ ویرا اس کی اس حرکت سے چڑ کر بولی "اپنے گرو کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ کبھی کبھی اپنی عقل بھی استعمال کر لیا کرو۔ تم اسے اتنی کفایت سے استعمال کرتے ہو کہ اسے زنگ لگ جائے گا۔"
"میں اسے استعمال کروں یا نہ کروں، میرے پاس عقل تو ہے۔" سلطان شاہ نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم سرے سے اس نعمت سے محروم ہو۔"
"میرا حال تم جیسا ہوتا تو میں بہت پہلے تم تینوں کو کہیں مروا چکی ہوتی۔ یہ بات تم سے زیادہ ڈینی جانتا ہے۔"
"تم کو بھی اپنی بات کی تصدیق کے لیے میرے گرو کی تصدیق کی ضرورت ہے۔" سلطان شاہ نے زہرخند کے ساتھ کہا "درست کہا ہے کسی دانا نے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اپنے قول سے اپنے ہر فعل کی تردید کرتی ہیں۔"
"عورتوں کو ناقص العقل نہ کہو۔ ابھی غزالہ نے تم کو لاجواب کر دیا تھا۔"
"وہ ڈینی کی بیوی ہے۔ اس میں مردانہ وقار اور سمجھ بوجھ کے آثار ملتے ہیں۔ میں صرف تمہاری بات کر رہا ہوں۔"
"فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" میں نے ان دونوں کو تادیب کی "ہمیں جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے۔ اول خان نے اسٹیشن فور لے جاتے ہی اس کی ٹھکائی شروع کرا دی تو ہم کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کر سکیں گے۔"
"تم بھی تو ساری باتیں سن رہے ہو۔ گھنّے کیوں بنے ہوئے ہو؟ اپنی بھی کوئی رائے دو۔" ویرا مجھ سے الجھ گئی۔
"میں سب کچھ سن رہا ہوں لیکن مصلحت کے پیشِ نظر خاموش ہوں۔ پہلے میں تمہاری رائے سننا چاہتا ہوں۔"
"میں تمہاری مصلحت کا مطلب خوب سمجھتی ہوں۔ تم غزالہ کا ساتھ دینا چاہ رہے ہو۔"
"دریں چہ شک!" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "زندگی بھر کے ساتھی ہیں۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ تم کو کیا اعتراض ہے۔"
"مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔" ویرا نے فوراً قلابازی کھائی "سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے اعتراض راجا کی خاطر تواضع پر تھا۔ مجھے اس تصور سے گھن آ رہی تھی کہ ہمیں ایک غدار کی نازبرداریاں کرنی پڑیں گی۔"
"الفاظ کے ہیر پھیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نازبرداریاں تو اب بھی کرنی پڑیں گی۔" سلطان شاہ نے اسے سلگانے کی کوشش کی۔
اس بار ویرا نے اپنی کھوپڑی قابو میں رکھی اور نرمی سے کہا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعد میں اس کے سر پر جوتے مار کر نازبرداری کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔"
ان تینوں کی اس طویل گفتگو میں میری ساری توجہ کام کے مرکزی نکتے پر مرکوز رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی تھی۔ میں نے مزید چند ثانیوں تک غزالہ کی تجویز کے مضمرات پر غور کیا اور پھر موبائل فون پر اول خان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسے ابتدا سے ہی نئی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا موقع مل سکے۔

○☆○

ایس ٹی ایف کے فیلڈ اسپتال کا وہ کمرا بہت صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ اونچی اور ڈھلوان چھت والی فوجی بیرک کے کسی حصے میں فالس سیلنگ لگا کر اس کمرے کی اونچائی

مناسب حد تک کم کردی گئی تھی تاکہ دیوار میں نصب ائر کنڈیشنز کو پوری طرح اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع مل سکے۔

کمرے میں صرف ایک سرجیکل بیڈ پڑا ہوا تھا۔ سفید چادر والے بستر پر راجا بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی پوری داہنی پنڈلی پر ٹخنے کے اوپر سے گھٹنے کے نیچے تک موٹا اور سفید پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور وہ آنکھیں موندے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

اول خان اسپتال پہنچا تو راجا ہوش میں آچکا تھا۔ وہ درد اور تکلیف سے بری طرح کراہ رہا تھا۔ اس وقت راجا کی پنڈلی پر کچا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسپتال کے جنرل وارڈ میں کسی لاوارث مریض کی طرح اکیلا پڑا ہوا تھا جبکہ دوسرے مریضوں کے پاس ایک دو تیماردار موجود تھے۔ اسپتال کا طبّی عملہ راجا کی آہ و فغاں سے قطعی لاتعلق نظر آرہا تھا۔ وارڈ کے دروازے پر ایک مسلح سپاہی اپنی بندوق لیے بیٹھا تھا۔ اس کے دوساتھی نیچے ٹہل رہے تھے۔

اول خان باہر موجود بھیڑ میں اپنے دو آدمیوں کو دیکھتا ہوا سیدھا آرتھوپیڈک اینڈ سرجیکل وارڈ کے ڈیوٹی ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا تھا۔ رسمی تعارف کے بعد وہ ڈاکٹر اسے اپنے ساتھ لے کر راجا کے بستر تک پہنچا اور اول خان کو بتایا کہ شدید ضرب کی وجہ سے راجا کی پنڈلی کی ہڈی تین جگہ سے ٹوٹ کر گوشت اور عضلات میں پیوست ہوگئی تھی۔ آپریشن اور اسٹین لیس اسٹیل کی پٹیوں کے سہارے کے بغیر ہڈیوں کو اصل جگہ پر جوڑنا ناممکن تھا۔

اسپتال والوں نے فرسٹ ایڈ میں کچا پلاسٹر چڑھا کر راجا کو درد کش دواؤں کے انجکشن دیے ہوئے تھے۔ شام کو اس کی پنڈلی کا آپریشن ہونا تھا۔

سب انسپکٹر زاہد کے ایما پر وہ پولیس کیس بن چکا تھا۔ راجا پر قانون کے محافظوں سے مسلح مقابلے، فرار، کار کی چوری، غیر محتاط ڈرائیونگ اور پھر حادثہ کرنے کے متعدد الزامات تھے۔ اس کو اسپتال کا عملہ اپنی صوابدید پر رخصت نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان نے ڈیوٹی ڈاکٹر کو عندیہ دیا تھا کہ وہ اپنے طور پر راجا کی طبّی دیکھ بھال کا خواہاں تھا۔ اس نے اسپتال سے زاہد کو فون کیا۔ وہ تھانے میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں اسپتال پہنچ گیا اور کاغذی خانہ پری کے بعد اول خان کو راجا کو لے جانے کی اجازت مل گئی۔

اس کے اسپتال پہنچنے سے پہلے موبائل فون پر میری اور اس کی تفصیلی بات ہوچکی تھی۔ وہ راجا کو اپنے ساتھ لانے کے بندوبست سے گیا تھا۔ اسپتال سے نکلنے کے بعد اس نے راستے سے ہی اپنے عملے کو قیدی کے قیام کے بارے میں بریف کردیا تھا۔ وہ اسٹیشن فور پہنچا تو راجا کے لیے وہ کمرا تیار تھا جہاں ویرا ایک نرس کے روپ میں موجود تھی۔

دور افتادہ اور دشوار گزار علاقوں میں مہمات سر کرتے ہوئے اس فیلڈ اسپتال کی بہت زیادہ افادیت ہوتی ہوگی لیکن کراچی جیسے شہر کے مضافات میں کیمپنگ کے دوران کبھی اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

وہ یونٹ ایس ٹی ایف کا ایک لازمی حصہ تھا۔ راجا والے کمرے کے ساتھ ایک اور کمرے میں مزید دو بستر پڑے ہوئے تھے۔ جملہ تین بستروں والے اس مختصر سے یونٹ کو چلانے کے لیے کوئی طبّی عملہ یا ڈاکٹر نہیں تھا۔ ضرورت پیش آنے پر ایس ٹی ایف کے عام اراکین میں سے کسی کو بھی وہاں متعین کیا جاسکتا تھا کیونکہ فرسٹ ایڈ کی حد تک وہ سب ہی باقاعدہ تربیت یافتہ تھے۔ اسٹیشن فور کے عملے میں کم از کم چار افراد ایسے تھے جو ضرورت پیش آنے پر کسی بھی مریض کو ڈرپ یا انجکشن لگاسکتے تھے۔

راجا کو وہاں لاکر کسی کو بھی اس کا علاج کرانا مقصود نہیں تھا۔ بس نرمی سے اسے راہِ راست پر لاکر اس سے سب کچھ اگلوانا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ راجا کو ابتدائی طور پر یہ یقین ہوجائے کہ وہ کسی اچھے اسپتال میں ماہر معالجین کی تحویل میں تھا۔

ویرا کو راجا کی دیکھ بھال پر مامور کرنے کی تجویز اول خان کی تھی۔ ویرا خوب صورت اور چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ راجا کی آمد کے پورے پس منظر سے بھی واقف تھی۔ وہ موقع محل کے مطابق راجا سے بہت کچھ اگلوا سکتی تھی۔ اس کی مدد کے لیے اول خان نے اپنے عملے کے دو آدمی سفید وردیوں کے ساتھ ویرا کے ہمراہ لگادیے تھے۔ اس سارے بندوبست کے بعد وہ کمرا کسی اچھے اسپتال کا حصہ معلوم ہونے لگا تھا۔

راجا کی داہنی پنڈلی کی ہڈی اس بری طرح مجروح ہوئی تھی کہ وہ اپنے طور پر بستر سے اترنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے کی بند دیواروں کے علاوہ کچھ اور دیکھ لینے میں کامیاب ہوجاتا جس سے اس کے ذہن میں شبہات پروان چڑھنے لگتے۔

اسے کوئی بیماری نہیں تھی۔ اس کا اکلوتا مسئلہ درد اور اذیت کا تھا۔ اس کے تدارک کے لیے اول خان نے باتوں باتوں میں اسپتال کے ڈیوٹی ڈاکٹر سے معلوم کرلیا تھا کہ راجا کا

درد دور کرنے اور نیند لانے کے لیے کن دواؤں اور انجکشنوں کی ضرورت پڑے گی۔ اگلے دو دن کی ضروریات کے لیے وہ دوائیں خرید لی گئی تھیں۔

میں نے راجا کی نرسنگ کے بارے میں ویرا کو اول خان کی تجویز سے آگاہ کیا تو میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ کر اس خشک اور ناگوار کام سے انکار کردے گی مگر اس نے غیر معمولی خوشی کے ساتھ وہ ذمے داری قبول کرلی۔ اس وقت ویرا کی نگاہوں میں ایسی چمک عود کر آئی تھی جیسی شکار کو سامنے دیکھ کر بلی کی آنکھوں میں پیدا ہوجاتی ہے۔

راجا کو اسپتال سے روانگی کے وقت ایک مسکّن دوا کا انجکشن دیا گیا تھا جس کے زیر اثر وہ مسلسل بے ہوشی یا مدہوشی کی حالت میں تھا۔ ویرا اسے چھوڑ کر دو مرتبہ میرے اور اول خان کے پاس آچکی تھی۔ اسے راجا کی طویل بے ہوشی سے سخت کوفت ہورہی تھی۔

اس نے اپنی دوسری سگریٹ سے آخری کش لے کر بچے ہوئے ٹکڑے کو فرش پر ایڑی سے مسل دیا اور اپنی کرسی راجا کے سرہانے کی طرف کھسکالی۔

ویرا نے اپنا ہاتھ راجا کی پیشانی پر رکھا اور پھر ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

چند منٹ میں ہی ویرا کی انگلیوں کے نرم نسوانی لمس کا کمال سامنے آگیا اور راجا نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

وہ بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں اپنے ساتھ کسی اور کی موجودگی کا احساس کرکے سر گھمایا تو اس کی نظریں ویرا سے چار ہوئیں۔ ویرا کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کا شکار ہوش میں آرہا تھا اور وہ اس سے کھیل سکتی تھی۔

ویرا کے حسین چہرے پر نظر پڑتے ہی راجا چند ثانیوں کے لیے کراہنا بھول گیا اور پلکیں جھپکا کر ویرا کو یوں دیکھنے لگا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

''تت.... تم کون ہو۔ اس وقت میں کہاں ہوں؟'' چند ثانیوں بعد راجا نے کمزور آواز میں پوچھا۔

''میں تمہاری خدمت گار ہوں اور تم اس وقت اپنے خیر خواہوں میں ہو۔'' ویرا نے مسکرا کر اسے یقین دلایا۔

''تم بہت اچھی ہو۔ یہ وہ جگہ تو نہیں ہے جہاں میں پہلے پڑا ہوا تھا۔''

''وہ سرکاری اسپتال تمہارے لیے چوہے دان بن رہا تھا۔ صحت یابی کے بعد تمہیں وہاں سے کسی تھانے کی حوالات میں پہنچا دیا جاتا۔'' ویرا نے اس کے قریب جھک کر سرگوشیانہ آواز میں کہا ''بروقت پتا چل گیا اور تم کو وہاں سے نکال کر یہاں پہنچا دیا گیا۔''

''کیا یہ بھی کوئی اسپتال ہے؟'' راجا کی نظریں مسلسل ویرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی ذات کا سحر راجا پر اتنی تیزی سے کام کررہا تھا کہ وہ کراہنا بالکل بھول گیا تھا۔ اس کے چہرے سے اذیت کے آثار جھلک رہے تھے مگر وہ اپنی تکلیف برداشت کررہا تھا۔

''ہاں.... آں!'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''پرائیویٹ اسپتال سمجھ لو۔''

''تم کون ہو اور کس کے لیے کام کررہی ہو؟'' راجا کے ہونٹوں سے رازدارانہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ بات نہیں بتائی جاسکتی۔'' ویرا نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ ہٹالیا۔ راجا سے ابتدائی چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے مزید گفتگو کے بارے میں اپنا ذہن بنالیا تھا۔

''ابھی تم نے کہا تھا کہ میں اپنے خیر خواہوں میں ہوں۔ خیر خواہ ایک دوسرے سے ایسی رازداری نہیں برتتے۔'' راجا کی آواز خوشامدانہ ہوگئی ''دیکھو! تم کو نہیں معلوم کہ میں کتنے بڑے عذاب سے بچ کر نکلا ہوں۔ میں زخم کی تکلیف برداشت کرسکتا ہوں مگر اپنے ذہن پر چھائی ہوئی سنگین پریشانیوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ تم شریف اور نیک لڑکی ہو۔ خدا کے لیے میری مدد کرنے کی کوشش کرو۔''

''میں بس اسی حد تک تمہاری خیر خواہ ہوں کہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچاؤں گی۔ میں تمہیں اپنی شناخت نہیں بتاسکتی۔''

''پھر مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟'' راجا نے ایک مرتبہ پھر ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ''وہیں سرکاری اسپتال میں سڑنے دیتیں۔ وہاں سے میں حوالات اور جیل چلا جاتا۔ تمہیں میری پروا کرنے اور مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''شاید چوٹوں نے تمہارے دماغ پر اثر ڈالا ہے۔'' ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''میں تمہیں یہاں نہیں لائی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کو کس نے یہاں پہنچایا۔ میں کسی کی تنخواہ دار ہوں۔ اس نے مجھے یہاں آکر تمہاری دیکھ بھال کا حکم دیا اور میں یہاں آگئی۔''

''اگر تم صرف تیمار دار ہو تو تمہیں یہ کیوں بتایا گیا کہ سرکاری اسپتال سے میری گرفتاری کا خطرہ تھا؟'' راجا کی

آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔
"اس کا جواب بتانے والوں کے پاس ہوگا۔ تم آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرو۔ زیادہ نہ بولو!"
"تم بہت اچھی اور ہمدرد ہو۔ خوب صورت بھی ہو۔" راجا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا "تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"
"میری تعریفوں کا شکریہ!" ویرا نے ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے کہا "میرا نام روزی ہے۔"
"اوہ.... کس قدر خوب صورت نام ہے۔" ویرا نے اندازہ لگایا کہ وہ پینترا بدل کر اس کی خوشامدوں پر اتر آیا تھا۔ وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا "تم واقعی گلاب کی طرح خوب صورت ہو۔ تمہارا گلابی رنگ، حسین وجود، شیریں آواز اور مہربان نگاہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میری تیماردار ہو۔"
"آج میری ڈیوٹی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کل کسی اور کو بھیج دے۔" ویرا نے بے حجابی سے کہا اور اپنی کرسی ذرا دور کھینچ لی۔
"تم کس کی بات کر رہی ہو۔ آخر اس کے بارے میں مجھے کیوں نہیں بتا رہیں۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ میں کس کا مہمان ہوں۔"
"ابھی تو مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ تم مہمان ہو یا قیدی۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوتے تو کوئی بات واضح ہوتی۔" غیر محسوس طور پر اسے اکسا کر، اس کی محدود حوصلہ افزائی کرکے ویرا نے پسپائی اختیار کرنی شروع کردی تھی "اس وقت تم کسی معذور کی طرح بستر پر پڑے رہنے پر مجبور ہو۔"
"یہ میرے مقدر کی خرابی ہے کہ میری گاڑی چوراہے پر چڑھ گئی۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں کہ جس نے مجھے یہاں لانے کے لیے اتنے پاپڑ بیلے ہیں، وہ میرا دشمن نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ہم دونوں کسی ایک ہی شخص کو جواب دہ ہوں۔"
ویرا اس کی زبان سے ایسی ہی کوئی بات سننے کی منتظر تھی۔ اس نے کسی جوش کا مظاہرہ کیے بغیر دھیرے سے کہا "تم اپنے باس کا نام بتا دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں سچ بتا دوں گی۔"
"کیا سچ بتاؤ گی؟" راجا نے بے چینی سے پوچھا۔
"یہی کہ میں تمہارے باس کے لیے کام کر رہی ہوں یا نہیں۔" ویرا نے سادگی سے کہا۔
"روزی! تم بہت چالاک ہو یا پھر سادہ لوح ہو۔ تمہارے ایک جواب سے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا۔"
"اس وقت تم اپنی چوٹ کو بالکل بھولے ہوئے ہو۔" ویرا نے اس کی پنڈلی کے پلاسٹر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔
"تم جیسی حسین لڑکی تیماردار ہو تو زخموں کی کسک ماند پڑ جاتی ہے۔ میں ویسے بھی جمال پرست ہوں۔ خوب صورت لڑکیاں کسی کی بھی دوست یا بیوی ہوں، مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اگر تم کرسی چھوڑ کر میرے بیڈ پر بیٹھ جاؤ تو میرے زخموں کو زیادہ آرام ملے گا۔"
"میں ایک نرس ہوں اور اپنے مریض کی تکلیف کم کرنے کے لیے اس کی ہر جائز خواہش کا احترام کرتی ہوں۔" ویرا نے کرسی سے اٹھ کر کہا "تم کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا وعدہ کرو تو مجھے تمہارے بستر پر بیٹھنے میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
"میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کروں گا۔ بس تمہارا ہاتھ چھونا چاہوں گا۔"
ویرا ہنستے ہوئے راجا کے بستر پر بیٹھ گئی اور اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔
"ہاں تو تمہارے باس کا کیا نام ہے؟" ویرا نے اپنا داہنا ہاتھ چھڑانے کی کوئی کوشش کیے بغیر پوچھا۔
"میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔" راجا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
ویرا نے نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا "اس کا مطلب ہے کہ میری اور تمہاری مجبوری یکساں ہے۔"
"اسی سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہم کسی ایک بڑے کو جواب دہ ہیں۔"
"پھر تم پہل کرو۔" ویرا نے اس سے مطالبہ کیا "میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے کوئی چال بازی کیے بغیر، تمہارے بتائے ہوئے نام کی تصدیق یا تردید کردوں گی۔"
راجا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چھت کی طرف نظریں جما کر کچھ سوچتا رہا پھر فیصلہ کن انداز میں بولا "نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو میرا ہی امتحان لینے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہو۔ میں بھول کر بھی اس کا نام نہیں لوں گا۔"
"تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ تم بھی مجھے مجبور مت کرو۔"

"میری اور تمہاری حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں زخمی ہو کر معذور ہو چکا ہوں۔ تم آزاد ہو....."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا "ہماری مجبوریوں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم نے ایک ہی رٹ لگا کر میرا موڈ زیادہ خراب کیا تو میں کوشش کروں گی کہ وہ آج رات کے لیے میری جگہ کسی اور کو یہاں مامور کردے۔"

راجا نے اضطراری طور پر ویرا کا بازو تھام لیا اور خوشامدانہ انداز میں بولا "ایسا نہ کرنا۔ ذرا سی دیر کی باتوں کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے میں مدت سے تمہیں جانتا ہوں۔ میں اس مسئلے کا کوئی اور حل سوچتا ہوں تاکہ ہم اپنے بڑے سے عہد شکنی کیے بغیر ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔"

"ضرور سوچو مگر پہلے میرا بازو چھوڑ دو۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا "ورنہ میں بستر سے اتر کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ جاؤں گی یا کمرے سے چلی جاؤں گی۔"

راجا نے اسی لمحے ویرا کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا کہ اپنی چوٹ اور دوسری پریشانیوں کے باوجود وہ ویرا کی اداؤں پر ریشہ خطمی ہو چکا تھا۔

"میری ٹوٹی ہوئی ہڈی کے بارے میں تمہارے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد راجا نے پوچھا۔

"انہوں نے پلاسٹر کے بعد لیے جانے والے ایکسرے دیکھے ہیں۔ جوڑ ٹھیک بیٹھے ہیں۔" ویرا نے سفید جھوٹ بولا۔

"پھر رہ رہ کر شدید ٹیسیں کیوں اٹھ رہی ہیں۔" راجا نے کراہ کر سوال کیا۔

"ہڈی تین جگہ سے ٹوٹی تھی۔" ویرا نے سنی سنائی بات دہرا دی "ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کی نوکوں نے اندر کا گوشت ادھیڑ ڈالا ہے۔ جب تک نسوں کے وہ زخم مندمل نہیں ہوں گے، ٹیسیں اٹھتی رہیں گی۔ ان کو برداشت کرنا ہوگا۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ کیا مجھے فون مل سکتا ہے۔" راجا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"فون یہاں سے کافی دور ہے۔ اسے یہاں تک لانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم ذرا سی ہمت سے کام لو تو میں تمہیں وہیل چیئر پر وہاں تک لے جاسکتی ہوں۔" ویرا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے روا روی میں جواب دیا۔

"خدا کا خوف کرو روزی!" وہ بے ساختہ بول پڑا "میں اپنے بیڈ پر ہلنے جلنے سے قاصر ہوں اور تم مجھے وہیل چیئر پر بیٹھنے کا مشورہ دے رہی ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری حالت اتنی خراب ہے۔" ویرا نے سادگی سے کہا "تمہیں اسپتال سے یہاں بھی تو لایا گیا ہے۔"

"اسپتال سے منتقلی کے دوران میں بے ہوش تھا۔ ہوش کے عالم میں تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ خدا ایسا دکھ دشمن کو بھی نہ دے۔" اس نے بستر پر کسمساتے ہوئے کہا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "کیا تھوڑی دیر کے لیے کوئی موبائل فون نہیں مل سکتا۔ میری سب چیزیں گاڑی ہی میں رہ گئیں۔"

ویرا خود وہی تجویز پیش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اول خان نے راجا کے اس کمرے میں کئی حساس ترین ایف ایم مائیک لگائے ہوئے تھے جو سانسوں کے زیر و بم کی آوازیں بھی نشر کرسکتے تھے۔ ان مائیکرو فونز کے ذریعے اول خان اپنے دفتر میں میرے ساتھ بیٹھا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اگر راجا فون پر کسی سے بات کرتا تو ویرا وہاں موجود ہوتی یا نہ ہوتی، ہم لوگوں کو راجا کے رابطوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔

راجا سے روبرو مل کر ویرا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس مجرم کے بارے میں غزالہ کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ محتاط اور سخت جان حریف تھا۔ اس پر براہِ راست تشدد کا آغاز کردیا جاتا تو وہ مرجاتا لیکن اپنی زبان ہرگز نہ کھولتا۔

تشدد سے گریز کرکے ہم لوگوں نے جو متبادل راستہ اختیار کیا تھا وہ طویل ضرور ثابت ہو رہا تھا مگر بے ثمر نہیں تھا۔ ویرا نے اس کے ساتھ کچھ وقت گزار کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ راجا شہر میں جو کچھ کرتا پھر رہا تھا اس کے لیے اسے کسی مضبوط شخص کی پشت پناہی حاصل تھی جس کے نام کا اظہار آسان نہیں تھا۔

"موبائل فون کے لیے میں کوشش کرسکتی ہوں۔" اس کی طرف سے خواہش کا اظہار ہونے پر ویرا کو اپنی شرائط عائد کرنے کا موقع مل گیا "لیکن کال لمبی نہیں ہوگی اور تم کو میری موجودگی میں فون کرنا ہوگا۔"

"اختصار کی شرط منظور ہے لیکن گفتگو کے دوران تم کو تخلیہ فراہم کرنا ہوگا۔"

"یہ میری مجبوری ہے۔" ویرا نے عذر پیش کیا "ملنا بہانہ کرکے اپنے لیے فون مانگوں گی۔ اسے میں نے تمہارے پاس چھوڑ دیا اور فون دینے والے نے دیکھ لیا تو مجھے سخت کی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میری موجودگی سے تم کو کیا فرق پڑے گا۔"

"میں آزادی سے اور کھل کر بات نہیں کرسکوں گا۔" اس نے ویرا کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا۔

ویرا نے اس کی حرکت پر کوئی اعتراض کیے بغیر جواب دیا ”اتنی دیر مجھ سے کھل کر باتیں کر رہے ہو۔ فون پر بھی کر لینا۔ میں دوسری طرف کی آوازیں نہیں سن سکوں گی۔ تم جو بات چاہو، کر سکتے ہو۔“

ان دونوں میں اس نکتے پر کچھ دیر تک تو تکرار ہوتی رہی۔ اس وقت راجا مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اسے دھیرے دھیرے راہ دے رہی تھی۔ مجبور ہو کر اس نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

”اب یہاں کیوں بیٹھی ہو۔“ راجا نے بے تکلفی سے ویرا کو دونوں ہاتھوں سے ہلکے سے دھکیلتے ہوئے کہا ”جاؤ اور جا کر موبائل فون لے آؤ۔“

ویرا ایک تجربے کار عورت تھی۔ وہ راجا کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ وہ تکلیف میں مبتلا تھا اور اپنی الجھن سے بھی دوچار تھا لیکن ویرا کا جادو اس کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ ویرا کو چھونے اور چھیڑنے کا کوئی اضطراری موقع ضائع نہیں کر رہا تھا۔ ویرا ایک مغربی دوشیزہ تھی۔ اس کے لیے ایک مشرقی مرد کی وہ پیش رفت بے معنی تھی۔ راجا کے ہاتھوں کے لمس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ بس یہ سوچ رہی تھی کہ ان حرکتوں کے سحر میں گرفتار ہو کر اس کی موجودگی میں اپنے آقا کو فون کال کر لے تو وہ اپنا بڑا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

اسے معلوم تھا کہ موبائل پر کیے جانے والے آخری فون نمبر اس پر اگلی کال تک محفوظ رہتے ہیں۔ محض ری ڈائل کا ایک بٹن دبا کر اس نمبر پر دوبارہ کال کی جا سکتی تھی۔ وہ راجا کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ اپنے آقا سے بات کرنے کے بعد کوئی فرضی نمبر ڈائل کر کے ایک اہم نمبر اڑا دے۔

جو کچھ کرنا تھا، فوری طور پر کرنا تھا۔ راجا کے آقا کے فون نمبر کا سراغ لگانے کے لیے اول خان کے موبائل کے اگلے بل کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ کھلکھلاتی ہوئی راجا کی مسہری سے اتری اور اٹھلاتی ہوئی اس کمرے سے باہر نکل آئی۔

راجا ایک زخمی قیدی کی طرح کمرے میں پڑا رہ گیا۔ اس کی نگرانی کے لیے ملحق کمرے میں اول خان کے دو آدمی موجود تھے۔

○☆○

”وہ بہت گندی اور گھناؤنی ذہنیت کا مالک ہے“ ویرا نے اول خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہی کہا ”میں اپنے دل پر جبر کر کے اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوں۔“

”اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”اس موضوع پر سلطان شاہ مسکت بات کر سکتا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ میں غلط بیانی سے کام لے رہی ہوں“ ویرا نے غصے سے پوچھا۔

”ڈیئی کے مذاق کو مذاق رہنے دیا کرو“ اول خان نے جلدی سے دخل اندازی کی ”تم نے راجا کو بہت خوش اسلوبی سے زیر کیا ہے۔ اسے پچکارنے کی تجویز غزالہ کی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ غزالہ اسے اتنی خوبصورتی سے ہینڈل نہیں کر سکتی تھی۔“

”اب اسے موبائل فون کی ضرورت ہے“ ویرا نے اول خان سے کہا۔

”ہم اپنے ریسیور پر تم دونوں کی ساری گفتگو سن رہے تھے۔ تم نے کسی بریفنگ کے بغیر جس خوبصورتی سے راجا کو سنبھالا ہے، اس پر میرا دل خوش ہو گیا۔ ایسی برجستہ باتیں ہر کس و ناکس کو نہیں سوجھ سکتی تھیں“ اول خان نے جواب میں دوبارہ اس کی تعریف کی اور میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ”میرا فون پہلے سے میز پر تیار رکھا ہوا ہے۔ لے جاؤ اور اس کے حوالے کر دو۔“

”میرے ساتھ ایسا ظلم مت کرو“ ویرا یہ کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی ”اس کے ساتھ اتنا مغز کھپا کر آ رہی ہوں۔ ایک پیالی چائے تو پلوا دو۔“

”چائے تمہارے کہنے سے پہلے آ رہی ہے۔ اسے یہ موقع نہ دینا کہ وہ فون کی میموری سے اپنا ملایا ہوا نمبر صاف کر سکے۔“

”میں نے محض اسی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے پر اصرار کیا ہے“ ویرا نے ہنس کر کہا۔

”جب یہ کھیل ختم ہو جائے گا تو وہ تمہارے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بھونچکا رہ جائے گا“ میں نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”اس کے ہوش اڑ جائیں گے“ ویرا نے میری تائید کی ”ابھی تک اسے ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ اسے دھوکا دیا جا رہا ہے۔“

”یہ تمہاری اداکاری کا کمال ہے، میں شروع سے اس کا اعتراف کر رہا ہوں“ اول خان بولا۔

”سب سے زیادہ اثر تمہارے ننھے سے فیلڈ اسپتال کے ائرکنڈیشنڈ کمرے نے ڈالا ہے۔ اس کمرے میں رہ کر ہر لمحے یہ

احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی بڑے اسپتال میں ہیں۔ یہ غلط فہمی اسے لے ڈوبی ہے ورنہ وہ ابتدا میں ہی بدک گیا ہوتا۔"

"مرکزی خیال پیش کرنے کا یہ سہرا غزالہ کے سر جاتا ہے" اول خان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

ویرا نے اول خان کے آگے سے فون اپنی طرف سرکایا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

"کسے فون کرنا چاہ رہی تھیں؟ کرلو۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا" میں نے نرمی سے کہا۔

"غزالہ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر ارادہ بدل دیا" اس نے نیم دلی سے جواب دیا "کہیں سلطان شاہ نے ریسیور اٹھالیا تو وہ میرا موڈ غارت کردے گا۔"

اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا۔ ویرا کے لیے اضافی پیالی ٹرے میں موجود تھی۔

چائے نوشی کے دوران میں اِدھر اُدھر کی باتیں چلتی رہیں۔ ویرا خوش تھی کہ اس نے راجا کے ساتھ مقابلے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے سر کرلیا تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ اپنے حریف سے مقابلے کا دوسرا دور بھی جیت لے گی۔

چائے کی پیالی ختم کرنے کے بعد ویرا' اول خان کا موبائل لے کر دوبارہ فیلڈ اسپتال کی طرف چل دی اور میں نے سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ راجا کس کے لیے کام کر رہا ہوگا۔ میں اس بارے میں جتنا سوچ رہا تھا۔ چوپڑا کا نام اسی قدر ابھر کر ذہن کی سطح پر نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ راجا کو چوپڑا کے نام کے بارے میں اتنی رازداری اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس وقت تک جو حالات ہمارے سامنے آئے تھے' ان کے مطابق چوپڑا اور راجا کا گہرا گٹھ جوڑ ثابت ہو رہا تھا۔ بس جوشی کا کردار کہیں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔

اس دوران میں ریسیور پر خاموشی چھائی رہی تھی۔ زخمی راجا شاید اپنے بستر پر خاموش پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھا۔

چند منٹ بعد ایف ایم ریسیور پر قدموں کی چاپ اور پھر ویرا کی آواز ابھری "لو' میں تمہارے لیے موبائل فون لے آئی ہوں۔ بات کرتے ہی یہ ڈیوٹی ڈاکٹر کو واپس پہنچانا ہوگا۔ اسے کسی کی اہم کال کا انتظار ہے۔"

"تم واقعی بہت پیاری اور کام کی لڑکی ہو" راجا کی ہلکی سی رومان زدہ آواز سنائی دی "میری وجہ سے تمہیں کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔ بس چار پانچ منٹ بعد یہ فون اسے واپس پہنچا دینا۔ میں صحت یاب ہوتے ہی ان خدمات کے صلے میں تمہیں خوش کردوں گا۔"

ویرا خاموش رہی۔ اس کی خواہش رہی ہوگی کہ راجا جلد از جلد فون کا استعمال شروع کردے۔

خاموشی کے وقفے کے بعد فون کی بہت مدھم بیپ سنائی دی۔ راجا کے ملائے ہوئے نمبر سے رابطہ ہوگیا تھا اور اس کے موبائل فون کے ریسیور پر دوسری طرف کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اول خان نے اپنی کرسی چھوڑی اور لپک کر پنکھا بند کردیا۔

پنکھے کی مشینی گھوں گھوں بند ہوتے ہی بیپ قدرے واضح ہوگئی۔

"ہیلو...!" وہ دوسری طرف کی دھیمی' مردانہ اور خالص غیر ملکی آواز تھی۔

میں چونک پڑا۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی حیرت کے لہریے تیر رہے تھے۔

"سر! میں ڈی ون بول رہا ہوں" راجا نے انگریزی میں جواب دیا تھا۔ اس بار مجھے دہری حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ شی کے عروج کے زمانے میں جہانگیر کا شناختی کوڈ ڈی ون ہوا کرتا تھا اور وہ کراچی کی حدود میں شی کے کاروباری لین دین کا نام نہاد نگراں ہوا کرتا تھا۔ اسے پس پردہ ہدایات دینے کی ذمے داری میری تھی۔ اس بھولے بسرے کوڈ کے اعادے کے سوا دوسری حیرت ناک بات یہ تھی کہ راجا جیسا بدمعاش بگڑی ہوئی لیکن خاصی قابلِ فہم انگریزی بول رہا تھا۔ اس کی صورت دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے ساری عمر کسی اسکول یا درسگاہ کی شکل نہیں دیکھی ہوگی۔

"یور آئی مین!" بہت باریک مگر واضح آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اگر اول خان نے پنکھا بند کرکے کمرے میں سناٹا نہ کیا ہوتا تو راجا کو موبائل فون پر ملنے والا وہ جواب سننا دشوار تھا۔

میرے ذہن میں ماضی کے ہولناک ہیولے سر ابھارنے لگے۔ آئی مین شی کے علاقائی سربراہ ہوتے تھے جو کسی بھی وقت کہیں پہنچ کر شی کے اہل کاروں کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتے تھے۔ ان کا کوئی نام ہوتا تھا نہ شخصیت۔ آئی مین ہونے کے لیے ایک عدد سلور آئی کا مالک ہونا ضروری تھا اور اسی کو دکھا کر ہر آئی مین اپنا اختیار منواتا تھا۔

سونے کے سکوں پر چاندی سے بنی اور ابھری ہوئی ایک خوبصورت آنکھ شی میں اقتدار و اختیار اور جبروت کی علامت

تھی۔ راجا کا مخاطب اگر خود کو آئی مین کہہ رہا تھا تو وہ کم از کم ایک سلور آئی کا مالک تھا۔

ہم را اور امریکی ایجنسیوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور ہماری بے خبری میں شی ایک بار پھر سر اٹھا رہی تھی۔ اس کا آئی مین کراچی میں فعال ہو چکا تھا مگر ہم غافل تھے۔ میں اپنی کہنیاں میز پر ٹکا کر ریسیور کے اوپر جھک گیا تاکہ ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکوں۔

"سر! میں مشکل میں پھنس گیا تھا۔ نظر آ رہا ہے کہ میں اس مشکل سے نکل آیا ہوں۔ کیا میری یہ مدد تمہاری طرف سے آئی ہے؟" راجا نے اٹک اٹک کر انگریزی میں اپنا مفہوم ادا کیا تھا۔

"اس فریب میں نہ رہنا" دوسری آواز غراہٹ میں بدل گئی "مجھے تمہاری کسی مشکل کا علم نہیں ہے۔ کیا تمہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ تمہارے مددگاروں کو میں نے اس مہم پر بھیجا ہے؟" اس کا لب و لہجہ سراسر امریکی تھا اور آواز سے وہ گھاگ معلوم ہو رہا تھا۔

"نہیں سر!" راجا نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی وضاحت کی "مجھے کسی نے کچھ باور کرانے کی کوشش نہیں کی۔ غیبی تائید کی وجہ سے حالات کچھ ایسے رخ پر چلے گئے ہیں کہ میرا دھیان تمہاری طرف چلا گیا تھا اور میں نے تم کو فون کر لیا۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم بلا وجہ مجھے فون نہیں کر سکتے۔ میری یہ وارننگ یاد رکھنا کہ اس وقت تم تلوار کی دھار پر چل رہے ہو۔ ڈینی اور ویرا اس شہر میں ہو سکتے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے دشمنوں کے لیے سنگین خطرہ بن جاتے ہیں۔ اپنے اصل کام کے ساتھ تم کو ان کی سرکوبی کا خیال بھی رکھنا ہے۔"

"مجھے یاد ہے سر!" وہ جواب دیتے ہوئے راجا کو معلوم نہیں تھا کہ ویرا اس کی نرس کے روپ میں وہیں موجود تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے ان دونوں کی نشاندہی والے انعام میں سے کوئی حصہ نہ لینے کی یقین دہانی کرا کے مجھے زبردست تحریک دی ہے۔ میں نے ان تک پہنچنے کے لیے کچھ اور لوگوں سے مراسم استوار کر لیے ہیں لیکن اس وقت میری داہنی پنڈلی ٹوٹی ہوئی ہے۔ آج صبح میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔"

"اوہ..... نو!" غراہٹ کی وجہ سے راجا کی بات ادھوری رہ گئی "مشکلات میں گھر گئے ہو تو تم مجھ سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ میں خود تمہاری خیر خبر رکھوں گا اور فضا سازگار ہونے پر رابطہ کروں گا' اب تم مجھے فون نہ کرنا۔"

یکایک لائن ڈراپ ہو گئی۔ آئی مین خرانٹ آدمی تھا۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ راجا سے بات کرنے میں خطرہ پوشیدہ تھا۔ اس نے اپنا حکم صادر کرتے ہی فون بند کر دیا۔

"یہ اچانک آئی مین کہاں سے نکل آیا؟" لمحہ بھر کی خاموشی میں اول خان نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔

اس کا جواب دینے کی نوبت نہیں آ سکی کیونکہ ایف ایم ریسیور پر چھایا ہوا مختصر سکوت ٹوٹ چکا تھا۔

"لاؤ... مجھے دے دو" ویرا کی محتاط اور سنجیدہ آواز ابھری "تمہاری بات ہو گئی ہے۔ میں فون لوٹا دوں؟"

"یہ نمبر فون کی میموری میں چلا گیا ہے" اس بار راجا کا لہجہ بدلا ہوا تھا "اسے صاف کر دوں پھر فون لے جانا۔"

ویرا اسے احمق سمجھ رہی تھی۔ اس نے نمبر حاصل کرنے کے لیے خاصا جتن کیا تھا۔ راجا کا جواب سن کر اس کی کھوپڑی سنک گئی۔ ریسیور پر اس کی تلخ آواز ابھری "میں کہہ رہی ہوں فون واپس دو ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"اوہو .... اپنے ان نرم و نازک ہاتھوں سے منہ توڑو گی۔ میں ... مم ..." راجا کی استہزائیہ آواز یکایک بے معنی آوازوں میں بدل گئی۔ شاید بستر کے قریب کھڑی ہوئی ویرا نے فون چھیننے کے لیے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

میری چھٹی حس پہلے ہی خطرے کا اعلان کر چکی تھی۔ میں کرسی سے اٹھ رہا تھا کہ ٹھک کے چند ثانیوں بعد کھٹاک کی بھاری آواز آئی اور میں نے اسی لمحے اول خان کے موبائل فون کی فاتحہ پڑھ لی۔ میرا اندازہ تھا کہ راجا نے ویرا کے جارحانہ تیور دیکھتے ہوئے موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔

ہم دونوں ایک لمحے کے لیے دفتر میں نہیں رکے اور باہر دوڑ لگا دی۔ میں اول خان سے آگے فیلڈ اسپتال کی طرف دوڑ رہا تھا۔

ہمارے پہنچنے تک ویرا حالات پر قابو پا چکی تھی۔ ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کار اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ راجا بستر پر اذیت سے تڑپتا ہوا چیخ چیخ کر مغلظات بک رہا تھا۔ اس کے پیروں کی طرف والی دیوار کے نیچے' فرش پر ٹوٹے ہوئے موبائل فون کے ٹکڑے اور پرزے بکھرے ہوئے تھے۔

"خاموش!" میں نے کمرے میں پہنچتے ہی اس کے رخسار پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

دشمنوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے راجا کو نروس کر دیا۔ اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا "اس چڑیل نے میرا گلا

دبادیا۔ میرے پورے بدن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میری پنڈلی میں آگ بھر گئی ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ' ہائے میں مرا!"

"اداکاری کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ڈپٹ کر کہا "ہوش میں رہ کر بات کرو' یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ تم نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو ہم تمہاری ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو ریزہ ریزہ کردیں گے۔"

"میری پنڈلی کو ہاتھ نہ لگانا" اول خان کی دھمکی پر وہ لرز کر رہ گیا اور گھگیانے لگا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ ابھی تم فون پر کس سے بات کر رہے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ میرا کیا حال ہے۔ میں کہاں پڑا ہوا ہوں۔ میں نے مدد کے لیے اپنے ایک دوست کو فون کیا تھا۔"

"یہ جھوٹا ہے۔ ڈی ون بن کر کسی بڑے سے بات کر رہا تھا" ویرا غصے سے دہاڑی۔

"تم خاموش رہو" میں نے ویرا سے کہا "ہم نے اس خبیث کی پوری گفتگو سنی ہے۔ شی والے حرام زادے یہاں پھر سر اٹھا رہے ہیں۔"

"تم جھوٹے ہو" وہ حلق کے بل چیخا "میں کسی شی کو نہیں جانتا' نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔"

اس بار اول خان خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے جھپٹ کر راجا کا داہنا پیر تھاما اور اُسے ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی جان نکل گئی۔ اس سے نرمی سے جو کچھ اگلوایا جاسکتا تھا وہ ہمارے سامنے آچکا تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے تشدد کا آغاز ناگزیر ہوچکا تھا۔

راجا ایک بے ساختہ چیخ مارنے کے بعد خاموش ہوچکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دہشت اور اذیت ٹپک رہی تھی۔ نگاہیں ہم لوگوں کے چہروں پر ناچ رہی تھیں۔

میرے دل میں آئی کہ راجا کو اپنی اور ویرا کی اصلیت سے آگاہ کردوں تاکہ اس کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہوجائے لیکن اسی لمحے میں نے اپنا وہ ارادہ ترک کردیا۔ ایسی باتیں بتادینے سے راجا کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا اور وہ سختی سے اپنی زبان بند کرلیتا۔ اس سے اسی وقت تک کچھ اگلوایا جاسکتا تھا جب تک اس کے دل میں اپنی زندگی کی کوئی آس برقرار رہتی۔ میں وہ آس توڑ کر معلومات حاصل کرنے کی راہ مسدود نہیں کرسکتا تھا۔

"سنو!" میں نے کچھ دیر کے توقف کے بعد نرمی سے کہنا شروع کیا "ہم امن پسند لوگ ہیں۔ تم سے تصادم نہیں تعاون چاہتے ہیں۔ یہاں سر اٹھانے والی غیر قانونی قوتوں کی نشاندہی میں ہماری مدد کروگے تو فائدے میں رہوگے ورنہ کتے کی موت مارے جاؤگے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم شی کے کسی آئی مین اور چوپڑا کے لیے کام کر رہے ہو۔ ہم ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں' اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم کو ہے۔"

"تم چوپڑا اور آئی مین کے بارے میں جان چکے ہو تو مجھ سے اور کیا سننا چاہتے ہو؟" اس نے مایوسی سے کہا "مار ڈالو مجھے۔"

"تم پھر بہک رہے ہو" میں نے اپنی مصالحانہ پالیسی جاری رکھی "ہم تمہیں مارنا نہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سامنے دو نام ہیں۔ ہم تم سے ان کے کرتوتوں کے بارے میں سننا چاہتے ہیں۔ تم ہمارا وقت برباد کروگے یا ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کروگے تو بدترین خسارے میں رہوگے۔"

اس کا چہرہ تاریک پڑگیا تھا اور آنکھوں میں دہشت کے سائے گہرے ہوگئے تھے۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا "تم کون ہو؟"

"یہ بتانا رازداری کے منافی ہوگا۔ تم یہ سمجھ لو کہ ہمارا تعلق ایک خفیہ سرکاری ایجنسی سے ہے۔"

"صبح تم لوگوں نے میرے گھر پر دھاوا بولا تھا؟" اس نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "تم اپنے آدمیوں کو دھوکے میں رکھ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ تم دیکھوگے کہ تمہاری طرح ایک دن ڈینی اور ویرا ابھی ہماری قید میں ہوں گے۔"

آخری فقرہ بروقت میرے ذہن میں آیا اور میں نے اسے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا۔ مجھے شبہ سا ہوا تھا کہ ڈینی اور ویرا سے اپنی مخاصمت کا اظہار کرکے میں اسے زیادہ آسانی سے شیشے میں اتار سکوں گا۔

"تم ایجنسی کے آدمی ہو' پھر بھی ڈینی اور ویرا کے دشمن ہو!" اس کے خوف زدہ لہجے میں حیرت سمٹ آئی۔

"یہ دشمنوں کا پروپیگنڈا ہے کہ ایجنسیاں ان دونوں کو پال رہی ہیں۔ ان کے نام برسبیل تذکرہ آگئے۔ تم ان کو چھوڑو اور اپنی بات کرو" میں نے کہا۔

"میں کسی شی کو نہیں جانتا۔ ہیروئن کا لین دین کرتا ہوں۔ اس دھندے میں' میں اکیلا نہیں ہوں۔ یہاں سے قبائلی علاقوں تک ہزاروں لوگ ملوث ہیں۔ ان کو کوئی نہیں پوچھتا۔ کراچی میں مجھ کو پکڑنے کے بجائے تم قبائلی علاقوں

میں پوست کی فصلوں کو آگ کیوں نہیں لگاتے؟"

"ہمیں ہیروئن سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ پوست کی فصلوں سے۔ پہلے ہمیں چوپڑا کے بارے میں بتاؤ" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ میرا خریدار ہے۔ ہمیشہ اچھے داموں پر بڑی مقدار لیتا ہے" اس نے بلا تامل جواب دیا۔

"وہ بھارت کا ایک ذمے داری سفارتی ملازم ہے' ہیروئن کا کیا کرتا ہے؟" میں نے اس انکشاف پر حیرت سے پوچھا۔

"مفت بانٹتا ہوگا۔ مجھے پتا نہیں کہ وہ اس کا کیا کرتا ہے۔ وہ میرا ایک اہم خریدار ہے۔"

وہ بھارتیوں کی مکاری کا ایک نیا ثبوت تھا۔ وہ جرائم پیشہ لوگوں سے براہِ راست مراسم بڑھانے کے بجائے ان کے کاروباری رفیق بنے ہوئے تھے اور آڑے وقت پر اس رفاقت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے جس کا شاید واجبی سا معاوضہ دیتے ہوں۔

"اگر وہ صرف ہیروئن کا خریدار ہے تو تم جوشی کے خون کے پیاسے کیوں ہوگئے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

وہ شاید پہلے سے اس سوال کی توقع کیے بیٹھا تھا۔ کسی توقف کے بغیر بولا "وہ ہیروئن کی لائن کا پرانا پاپی ہے۔ دھندا چھوڑ چکا ہے۔ مگر میں اب بھی اس کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ ہم تینوں ڈینی اور ویرا کے فراق میں بھی تھے۔ میری طرح چوپڑا اور جوشی کو بھی لاکھوں ڈالر کے انعام کا لالچ تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ دونوں گندی نالی کے کیڑے ہیں۔ کبھی نہ کبھی کسی دن جرائم کی دنیا کا رخ ضرور کریں گے اور ہم انہیں پکڑوا دیں گے" اس نے خاموش ہو کر بے اختیار اپنی مجروح ٹانگ پر ہاتھ رکھا اور کراہنے لگا۔

شاید اس کے زخم میں کوئی ناقابلِ برداشت ٹیس اٹھی تھی۔ اول خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے اشارہ کیا کہ راجا نے آخر کار سچ اگلنا شروع کر دیا تھا۔ میں سر کی جنبش سے تفہیمی اشارہ کر کے رہ گیا۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ دھوکے میں بہت سی باتیں کھل جانے کے بعد راجا نے مجبور ہو کر سچ بولنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنی راست گوئی میں اسے زندگی کی خاصی امید نظر آ رہی تھی جو آخر کار عبث ثابت ہوئی تھی۔

"اول خان کے ایما پر اس کا ایک آدمی درد دور کرنے والی دوا کا انجکشن تیار کر کے لے آیا۔ راجا نے رضا کارانہ طور پر اپنا بازو پھیلا دیا۔

انجکشن لگتے ہی راجا کے درد میں کچھ کمی واقع ہوئی اور اس نے اپنی کہانی دوبارہ چھیڑ دی "پھر کسی وجہ سے ویرا خود جوشی کو فون کر بیٹھی۔ وہ اس سے چوپڑا کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ جوشی نے بے خبری میں اسے چوپڑا کا پتا بتا دیا پھر چوپڑا کو بھی فون کر دیا کہ اس کی بلیک کوئن اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ چوپڑا اس پر ناراض ہوا اور اسے بتایا کہ اس کی بلیک کوئین ہی اصل میں ویرا ہے جوشی اسے پکڑوانے کی کوشش کرے۔

"چوپڑا اپنے گھر سے غائب ہو گیا۔ مشتبہ لوگوں نے اس کے گھر کے پھیرے لگانے شروع کر دیے۔ اسے شبہ تھا کہ اس تک پہنچنے میں ناکام ہونے کے بعد ویرا جھلا کر جوشی پر ہاتھ ڈالے گی۔ وہ کام چھوڑنے کے بعد بزدل ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چوپڑا مجھ سے ہیروئن لیتا ہے۔ چوپڑا کو ڈر تھا کہ وہ

پکڑا گیا تو سب کچھ اگل دے گا اور اپنے ساتھ ہم دونوں کو بھی مروا دے گا۔ اس نے مجھ سے مدد کی التجا کی اور میں نے اپنے آدمی جوشی پر لگا دیے۔ ہماری توقع کے خلاف ویرا بہت باخبر نکلی۔ اس کے آدمی کل رات جوشی پر چڑھ دوڑے۔ میرے آدمی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اسے اغوا کرلائے۔ آج منہ اندھیرے تم لوگ آئے تو میں سمجھا کہ ویرا جوشی کی بُو سونگھتی ہوئی وہاں تک آگئی۔ میں قانون سے لڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ویرا کے دھوکے میں' میں نے تمہاری گاڑیوں پر پہلی گولی چلادی۔ میرے کسی آدمی نے غصے میں جوشی کا بھیجا اڑا دیا۔ سب کچھ الٹا ہوتا چلا جارہا تھا۔ میں خاموشی سے نکل آیا۔"

اس نے اپنی دانست میں ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جوشی کے قتل کا الزام اپنے سر سے اتار پھینکا تھا۔ مجھے اس ذمے داری کے تعین کی ضرورت نہیں تھی اس لیے میں نے اس نکتے پر کوئی اعتراض کرنے کے بجائے پوچھا "تم نے ساری کتھا سنا ڈالی۔ یہ نہیں بتایا کہ چوپڑا کہاں ہے؟"

وہ چند ثانیوں کے لیے جھجکا۔ چوپڑا اس کا خریدار اور گہرا دوست تھا لیکن اس وقت معاملہ خود اس کی بقا کا تھا۔ اس نے ایک فیصلے پر پہنچ کر زبان کھولی "وہ اپنے قونصل خانے میں رہ رہا ہے۔ میرا اس سے وہیں رابطہ ہوتا ہے۔ تم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ ویسے بھی اس کا قصور کیا ہے؟"

"وہ پاکستانی ہے مگر را کے لیے کام کرتا ہے" میں نے وہ بری خبر اسے سنا ہی ڈالی "اگر وہ تم سے ہیروئن خریدتا تھا تو اسے مفت تقسیم کرتا ہوگا تاکہ یہاں رہنے بسنے والوں کو اجتماعی تباہی کی طرف دھکیل سکے۔ وہ کب تک قونصل خانے میں پناہ گزین رہے گا۔ ایک نہ ایک دن وہاں سے نکلے گا اور پھر اس سے حساب لے لیا جائے گا۔" میں نے چوپڑا کے بارے میں بات کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ ایسی نوبت آنے سے پہلے اس کا آتا شی اس پر مہربان ہوجائے اور اسے کہیں اور کی پوسٹنگ مل جائے" راجا بڑبڑایا "زیادہ سے زیادہ تم اس کے گھر والوں کو پکڑوالو گے اور تنگ کرو گے۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے' بچ نکلے گا۔"

"تم اس سے کم چالاک نہیں تھے۔ سب کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر ہیروئن کا دھندا کررہے تھے مگر آج ہمارے قبضے میں ہو" اول خان نے زبان کھولی۔

"میں اپنے کام کی وجہ سے کھل کر سامنے آنے پر مجبور تھا۔ وہ کبھی سامنے نہیں آتا تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی براہِ راست لین دین نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی پیسے دے کر مال لے جاتا تھا۔ وہ فون پر سودا طے کیا کرتا تھا۔"

مجھے یاد آیا کہ آئی بی کے ریکارڈ میں راجا کا نام بہت مشکل سے دریافت ہوسکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "وہ تم سے تو ملتا رہا ہوگا۔"

"بہت کم!" اس کے جواب نے مجھے جلال کی صداقت کا قائل کردیا "پچھلے کئی برسوں میں وہ مشکل سے دو تین بار مجھ سے ملا ہوگا۔ وہ ہماری سوشل ملاقاتیں تھیں جن میں کوئی کاروباری لین دین نہیں ہوا تھا۔"

"اس نے ایک حادثے کے بعد تم کو مشتعل ہندوؤں کے ہاتھوں مرنے سے بھی بچایا تھا۔"

میری زبان سے وہ تذکرہ سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "یہ پرانی اور راز کی بات ہے۔ تم کو کیسے معلوم ہوئی؟ میرے اور چوپڑا کے تعلقات کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔"

"ہم بلاوجہ کسی کا پیچھا نہیں کرتے۔ وہ را کا آدمی ہے۔ تم اس سے میل جول کی وجہ سے عتاب میں آئے ہو۔ اسے اس کے بل سے نکال لاؤ۔ میں تمہیں فوری آزادی دلوادوں گا" اس بار میں نے فریب دینے کے بجائے پورے خلوص سے پیش کش کی۔

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو جنبش دی "اس کے لیے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ کسی کی بات نہیں مانتا۔ ویسے بھی تم میری زندگی کا وعدہ کرچکے ہو۔ پتا نہیں میں کب تک معذور پڑا رہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے وعدے کا پاس کرو گے اور میں ایک بار پھر اپنی دنیا میں لوٹنے کے قابل ہوجاؤں گا۔"

"اس سے پہلے تمہاری دنیا کا چوپڑا اور آئی مین سے پاک ہونا ضروری ہے۔ وہ دونوں برائی کے تناور درخت ہیں جنہیں کاٹنا ہوگا۔"

"اگر چوپڑا واقعی را کا ایجنٹ ہے تو اس کو سزا ملنی چاہیے" راجا بولا "مگر آئی مین تو بے قصور ہے۔"

کچھ دیر پہلے وہ شی اور آئی مین سے اپنے تعلق کا اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں تھا' اس وقت بے خیالی میں اس کی وکالت کر بیٹھا تھا۔ میں نے اس تضاد پر زور دینا ضروری نہیں سمجھا۔ اس کے اعصاب کی شکستگی کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ میرے حد سے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں تحمل سے

کام لے کر دھیرے دھیرے اس سے اپنے کام کی باتیں اگلواتا چلا جاتا۔

”تمہارے پاس آئی مین کی بے گناہی کا کیا ثبوت ہے؟“ میں نے اس سے ایک آسان سا سوال پوچھا۔

”میرے پاس اس کی کہی ہوئی باتوں اور اس کی دریا دلی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے“ آئی مین کے بارے میں اس کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔

”اس خبیث کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟“ اس بار میں نے قدرے تیزی سے سوال کیا۔

”میں حقیقت میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں نے آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ ہر بار وہ مجھے خود فون کرتا ہے اور بجٹ کے ساتھ ٹارگٹ دیتا ہے۔ رقم حیرت ناک ذرائع سے مجھ تک پہنچ جاتی ہے اور میں اس کا ٹارگٹ پورا کر دیتا ہوں۔ اس کے تعاون سے میرے کام نے بہت تیزی سے ترقی کی ہے“ انجکشن سے اس کے بڑھتے ہوئے درد میں خاصا افاقہ ہوا تھا اور وہ قدرے سکون سے باتیں کر رہا تھا۔

”اس کے ٹارگٹ کیا ہوتے ہیں؟“ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

”ہر مہینے وہ مجھے دس ہزار روپے کلو کے حساب سے ایک بڑی رقم دیتا ہے۔ میں کھپت کے مطابق اتنا خالص مال مارکیٹ میں پھیلا دیتا ہوں۔ میرے بھاؤ دوسروں سے دس ہزار کم ہوتے ہیں جو مجھے اس سے پیشگی مل جاتے ہیں۔ ہر شخص میرے مال کی تلاش میں رہتا ہے۔“

میرے ذہن کے پرانے دریچے کھل گئے اور شی کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ ہم نے ابتدا میں ہیروئن کی پڑیاں مفت تقسیم کی تھیں تاکہ نشے بازوں کو ہیروئن کے نئے نشے کی لت لگ سکے پھر ہم نے مہنگی ہیروئن خرید کر سستے داموں بازار میں پھیلانی شروع کر دی۔ جب شہر میں ہر طرف ہیروئن کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تو دام بڑھتے بڑھتے نفع بخش حدوں میں داخل ہو گئے۔ اس وقت شی کا مقصد صرف یہ تھا کہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں تیار ہونے والی زیادہ سے زیادہ ہیروئن پاکستان کے بڑے شہروں میں کھپتی رہے تاکہ یورپ اور امریکا بھیجی جانے والی ہیروئن کی مقدار میں معتدبہ کمی آ سکے۔

وقت بدل گیا تھا مگر شی کا ہدف نہیں بدلا تھا۔ شہر کی کسی معزز آبادی میں چھپا ہوا نیا آئی مین امریکی سرکار کے فنڈز سے سرمایہ کاری کر کے کراچی میں ہیروئن کے تھوک دام میں دس ہزار روپے فی کلوگرام کی کمی لا چکا تھا۔

اطمینان

صاحبزادے نے اپنی دوست کے ساتھ ڈرائیو ان سنیما جانے کے لیے والد صاحب سے کار کی چابیاں مانگیں۔ اس شام بہت دھند پھیلی ہوئی تھی۔

”اس دھند میں تم ڈرائیو ان میں فلم دیکھنے جاؤ گے؟“ والد نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

”فلم تو ہماری دیکھی ہوئی ہے...“ صاحب زادے نے روانی میں جواب دیا۔

ہیروئن کی قیمت میں اس کمی کا مقصد یقینی طور پر اس کی مقامی کھپت میں اضافہ کرنا تھا تاکہ پاکستانی نوجوانوں کی قیمت پر مغرب کے بے راہ رو شہزادوں کو ہیروئن کی تباہیوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔

میں نے اس سے کہا ”کیا تم نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت کی ہے کہ تمہارا آئی مین اپنی گرہ سے لاکھوں روپے کی سرمایہ کاری کر کے کراچی میں ہیروئن کے دام گرانے کی کوششیں کر رہا ہے تاکہ یہ نشہ نادار طبقے کی دسترس میں بھی آ سکے۔“

”مجھے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے“ اس نے آہستگی سے جواب دیا ”یہ بات تو وہ خود مجھ سے کہہ چکا ہے کہ اسے پاکستان اور یہاں کے نادار نشے بازوں سے ٹوٹ کر محبت ہے۔ اگر اس کے وسائل اجازت دیں اور اس کا بس چلے تو وہ یہاں ہر ہیروئنچی کے لیے ہیروئن کی مفت ترسیل کا بندوبست کر دے۔ وہ بہت نرم دل اور دکھی انسان ہے۔ اس کے حالات سے واقف ہونے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔“

مجھے راجا کی کم عقلی پر غصہ آ گیا۔ سامنے کا ایک سازشی نکتہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پوری بات جان لینے کے بعد بھی وہ اپنے آئی مین کی وکالت سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ میں نے ترش لہجے میں کہا ”اس نے ایسی کون سی کہانی سنائی ہے جس نے تمہاری عقل پر پردے ڈال دیے ہیں۔“

”میری بات مان لو کہ وہ بہت دکھی انسان ہے“ راجا نے اصرار کیا ”وہ ہیروئن کے ہاتھوں اپنی دو جوان اولادوں کو کھو بیٹھا ہے۔ بڑی بیٹی نے ہیروئن کے سرور میں آ کر اپنے سوئے ہوئے محبوب کا گلا تیز استرے سے کاٹ ڈالا اور جیل

میں پہنچ گئی۔ وہاں مقدمے کی سماعت کے دوران میں وہ ہیروئن نہ ملنے کے سبب تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ دوسرا بیٹا بھی ہیروئن نے برباد کردیا۔ وہ ہیروئنچی لڑکیوں کی ایک ٹولی کے ساتھ ایسا غائب ہوا ہے کہ پانچ سال سے اس کی کوئی خیر خبر نہیں مل سکی۔ ان دونوں زخموں نے اسے اندر سے زخمی کرکے رکھ دیا ہے اور وہ ہر ہیروئنچی کے لیے اپنے دل میں درد محسوس کرنے لگا ہے۔"

"یہ کہانی سراسر جھوٹ اور بعید از قیاس ہے" میں نے جھلا کر اسے ڈانٹا "تم نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی محبت کے لیے کیا امریکا میں ہیروئنچیوں کا قحط ہے جو وہ دوڑا ہوا پاکستان چلا آیا ہے۔ امریکا میں ایسے امدادی پروگرام چلا کر وہ ایک دن اپنا کھویا ہوا بیٹا بھی تلاش کرسکتا تھا۔"

راجا لاجواب ہوگیا مگر بات بڑھانے کے لیے چند ثانیوں کے بعد بولا "تم اس پر یقین کیوں نہیں کرلیتے۔ اس سے ایسی باتیں کرنا سنگ دلی کے برابر ہے۔ اس کی باتیں بہت اثر انگیز تھیں جنہوں نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شاید میں تمہیں اتنے موثر انداز میں یہ سب باتیں نہیں بتاسکا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔ یہ کہانیاں ان لوگوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں جو شی کو نہیں جانتے۔ وہ لوگ پاکستانیوں کی تباہی کے درپے ہیں۔ امریکا کے سیکرٹ صدارتی فنڈ سے شی کو بھاری مالی مدد ملتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ گرانٹ دوبارہ جاری ہوگئی ہے۔ آئی مین اس گرانٹ کا ایک قلیل حصہ یہاں خرچ کررہا ہے اور باقی رقم خود پی جاتا ہے۔"

"تم اس کی طرف سے بدظن ہو۔ میں تم سے بحث نہیں کروں گا" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"تم مجھے اس کا فون نمبر دو۔ میں تمہیں جلد ہی اس کا اصل چہرہ دکھادوں گا۔"

"فون نمبر میں کسی قیمت پر نہیں دے سکتا" اس نے تکیے پر اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا "میں نے اس سے حلف لیا ہوا ہے کہ میں اس کا نمبر کسی کو نہیں دوں گا۔"

"تم جھوٹے ہو" اسے اکھڑتا ہوا دیکھ کر میں اس پر برس پڑا "ایک مسلمان اور عیسائی کے درمیان حلف کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ تم ایک سیانے مجرم ہو۔ تم نے اس سے سامنا ہوئے بغیر اس سے سچا حلف نہیں لیا ہوگا۔"

"میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں مسلمان ضرور ہوا تھا مگر اب اپنے عقائد سے تائب ہوکر دوبارہ عیسائی ہوچکا ہوں۔"

"خوب! تم نے اپنے مفادات کے لیے مذہب کو بھی کھیل بنایا ہوا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ اسلام میں مرتد ہونے والے کی سزا کیا ہے؟" میں نے طیش میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ مسلمان مرتد ہونے والے کو ماردیتے ہیں اسی لیے میں نے دوبارہ عیسائی ہونے کا اعلان نہیں کیا۔"

"مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس وقت تمہارا مذہب کیا ہے۔ مجھے آئی مین کا فون نمبر چاہیے ورنہ تمہارا حلیہ بگاڑدیا جائے گا۔"

"مجھے دھمکیاں دے کر تم بدعہدی کررہے ہو۔ تم مجھے زندہ رکھنے کا وعدہ کرچکے ہو۔"

"میرا وعدہ مشروط تھا۔ تعاون کروگے تو زندہ رہوگے ورنہ ماردیے جاؤگے۔"

"تمہاری زندگی کسی مردے سے بدتر بھی ہوسکتی ہے۔"

ویرا نے کافی دیر بعد پہلی بار زبان کھولی "تم میری قوت کا مظاہرہ دیکھ چکے ہو۔ ہم تم پر کوئی ہتھیار اٹھائے بغیر تمہارا حلیہ بگاڑسکتے ہیں۔"

"آئی مین کو اپنے مقاصد کے حصول سے دلچسپی ہے" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔ میں اس سے مزید کچھ کام لینے کا فیصلہ کرچکا تھا اس لیے اس وقت راجا پر تشدد شروع نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "اس کو تم سے یا تمہاری زندگی سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں ہے۔ جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ آج کل تمہارے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں، اس نے تم کو خود سے دور رہنے اور فون نہ کرنے کا حکم دے ڈالا۔"

"تم نے کسی طرح میری اور اس کی گفتگو سن لی ہے تو یہ اندازہ بھی لگالیا ہوگا کہ میں اس سے انحراف نہیں کروں گا۔ مجھے مجبور نہ کرو" وہ بولا۔

اس کا لہجہ نرم تھا۔ لوہا گرم ہوچکا تھا۔ میں نے اگلی چوٹ لگائی "اس وقت تم ہماری تحویل میں ہو۔ اس کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ مگر ہم تمہاری شہ رگ کے قریب ہیں۔ تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں کرسکتے ہیں۔"

"یہ لاتوں کا بھوت ہے۔ باتوں سے نہیں مانے گا۔" یہ کہہ کر ویرا دانت پیستی ہوئی آگے بڑھی اور میرے روکنے سے پہلے اس نے راجا کے منہ پر ایک زوردار گھونسا رسید کردیا۔ گھونسے سے بچنے کے لیے اس نے اضطراری طور پر اپنے بدن کو جھٹکا دیا تو اس کی زخمی پنڈلی پر زور پڑا اور بے اختیار اس کی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

راجا سے میری صبر آزما اور طویل بازپرس اور پھر اس

کی ہٹ دھرمی سے ویرا یکایک اشتعال میں آگئی تھی اور اسے بری طرح رگید ڈالنا چاہتی تھی لیکن اس مرحلے پر راجا کے ساتھ تشدد آمیز سلوک میری حکمت عملی سے متصادم تھا اس لیے میں نے زبردستی اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر راجا سے دور ہٹا دیا۔

"میں اپنی بابت کوئی وعدہ کر سکتا ہوں لیکن روزی جیسے اور لوگ بھی موجود ہیں۔ مجھے پتا نہیں کہ وہ تم سے کیا سلوک کریں گے۔" ویرا کو دور لے جانے کے بعد میں نے راجا کو سمجھانے کی کوشش کی "تم ہم سے بھرپور تعاون کر کے ہماری ہمدردیاں جیت سکتے ہو۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری خاموشی سے آئی مین بچ جائے گا۔" اول خان نے تادیبی لہجے میں کہا "موبائل فون کی بلنگ نمبروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ذرا سی کوشش کر کے میں موبائل فون کمپنی سے تمہارا ملایا ہوا نمبر معلوم کر سکتا ہوں۔"

اول خان کی مضبوط دلیل سب سے زیادہ کارگر رہی اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہم اس کی لب کشائی کے منتظر تھے۔

"تم اس کے نمبر کا کہیں سے بھی سراغ لگاؤ وہ یہی سمجھے گا کہ میں نے تمہیں فون نمبر دیا ہے۔" آخر کار راجا نے گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں اپنی زبان کھولی "تمہیں مجھ کو اس کی دسترس سے بچانا ہوگا۔"

"یہ ہماری بھی ضرورت ہے۔ تمہیں بچائے بغیر ہم اس کی سرکوبی نہیں کر سکیں گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں سرکاری اسپتال نہیں جاؤں گا۔ صحت یابی تک تم مجھے اسی اسپتال میں رکھو گے۔" اس نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

اس احمق کو علم نہیں تھا کہ وہ فیلڈ اسپتال اس کے لیے ایک قید خانہ تھا اور ہم اس کی ذات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا صفایا کیے بغیر اسے چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ میں نے نرمی سے جواب دیا "ہم تمہاری اس خواہش کا بھی احترام کریں گے۔"

اس نے شکست خوردہ انداز میں، رک رک کر آئی مین کا فون نمبر بتا دیا جو ویرا نے فوری طور پر ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا۔ اس نمبر کے ابتدائی تین ہندسوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ آئی مین ڈیفنس یا کلفٹن کے علاقے میں روپوش تھا۔

"تم پہلے ہی راہِ راست پر آگئے ہوتے تو مجھے تم پر ہاتھ

حد

میٹرنٹی وارڈ کے باہر ایک صاحب بے تابی سے ٹہل رہے تھے اور سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ آخر لیڈی ڈاکٹر باہر آئی اور ان صاحب کو بتایا "آپ ایک خوبصورت اور صحت مند بچے کے باپ بن گئے ہیں۔"

ان صاحب نے گہرا سانس لے کر شکریہ ادا کیا اور وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر نے انہیں واپس بلایا اور حیرت سے بولی "کیا آپ خوشی کے اس موقع پر اپنی بیوی سے دو چار باتیں نہیں کریں گے؟"

"جی نہیں..." وہ صاحب رکھائی سے بولے "پچھلے دو سال سے اپنی بیوی سے میری بول چال بند ہے۔"

"بول چال بند ہے اور آپ بچے کے باپ بن گئے؟" لیڈی ڈاکٹر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

وہ صاحب گویا برا مان کر بولے "اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟ اب اتنی بھی ناراضگی نہیں ہے۔"

اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔" ویرا نے راجا سے رسمی سی معذرت کی۔

"ہاتھ ڈھیلا پڑے تو تمہارے ہاتھ سے پٹنے میں بھی مزہ آئے گا۔" راجا نے ہم دونوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر ڈھٹائی سے جواب دیا "مگر تم بہت سفاک ہو۔ ذرا سی دیر میں تم نے مجھ پر دوبار ہاتھ اٹھا کر اپنی خوب صورتی کو داغ دار کر لیا۔ اب مجھے تم سے خوف آرہا ہے۔"

"تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔" میں کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو میرے کانوں میں ویرا کی آواز آئی۔

"ارے ڈارلنگ! ایسا غضب نہ کرنا۔" اس بار راجا کی

بے تابانہ آواز سنائی دی "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تمہاری تیمار داری سے میری صحت یابی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔"

"آئندہ تم نے غصہ دلایا تو میں تمہاری دوسری پنڈلی بھی توڑ دوں گی۔" ویرا نے ہنس کر اسے سفاکی سے جواب دیا اور تیزی سے ہمارے پیچھے آگئی۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو راجا کی دیکھ بھال کے بارے میں سرسری ہدایات دیں اور ہم وہاں سے نکل کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیئے۔

"کیا بات ہے۔ وہ تم سے پٹ کر بھی تمہارا گرویدہ ہے۔" میں نے راستے میں ویرا سے پوچھا۔

"جوتے پڑیں گے تو اس کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔" ویرا نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ وضاحت کی "اوباش صفت مرد قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہو تو تب بھی ہر خوب صورت عورت کو اپنا کھلونا بنانے پر تلا رہتا ہے۔ راجا ان ہی بد فطرت لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"اس کے ساتھ تمہارا رویہ بھی ناقابلِ فہم تھا۔" اول خان نے مجھ سے کہا "آخر میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہو۔"

"اس ملک کے کسی غدار کے لیے میرے دل میں نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکتا۔" میں نے پر عزم لہجے میں جواب دیا "اسے قانون قدرت کے تحت اپنی بد عملی کی کڑی سزا مل چکی ہے۔ ہم اس کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی کوئی سرجری نہیں کرائیں گے۔ ہڈیاں جہاں ہیں وہیں جڑ جائیں گی اور وہ ساری عمر اس عذاب سے گزرتا رہے گا۔ وہ کبھی تن کر اپنے دونوں پیروں پر فاتحانہ چال نہیں چل سکے گا۔"

"پہلے تم نے اس کے خاتمے کا فیصلہ کیا تھا۔" ویرا نے دبے لہجے میں مجھے یاد دلایا۔

"مگر پھر یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسے زندہ رکھ کر اس کی زندگی کو دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیں گے۔"

"موت ہر گناہ پر تنسیخ کی لکیر کھینچ دیتی ہے اور لوگ بہت جلد سب کچھ بھول جاتے ہیں۔" اول خان نے میری تائید کی "چھوٹی بڑی ٹانگوں پر اچھل اچھل کر چلتا ہوا راجا ہر ایک کے لیے عبرت کا ذریعہ بنا رہے گا۔ اس کی نیم معذوری اس کی موت سے بہتر ہو گی۔"

ہم دوبارہ اول خان کے دفتر میں پہنچ گئے۔ اس نے اپنی کرسی سنبھالتے ہی سب سے پہلے ایف ایم ریسیور آف کیا جس پر راجا کے کمرے میں ابھرنے والی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ راجا اس وقت اپنی دیکھ بھال کرنے والوں سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ زندہ رہ کر وہ عمر بھر دنیا کی تضحیک کا نشانہ بنا رہے گا مگر اس سے ہم کو کیا فائدہ ہو گا۔" بات جہاں ختم ہوئی تھی، ویرا نے وہیں سے شروع کر دی۔

"آئی مین سے نمٹنے کے لیے ہمیں راجا کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی مگر چوپڑا کو اس کے بل سے نکالنے کے لیے ہمیں اس کو استعمال کرنا پڑے گا۔ تم نے سنا نہیں کہ چوپڑا اپنی جان کے خوف سے اپنے قونصل خانے میں روپوش ہے اور اپنے اتاشی کے ذریعے پاکستان سے باہر تبادلے کی کوششیں کر رہا ہے۔"

"اوہ!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ بات میں بھول ہی گئی تھی۔ چوپڑا آسانی سے باہر نہیں آئے گا۔ اسے راجا کے ذریعے پھانسنا ہو گا۔"

وہ بعد کی بات تھی۔ اس وقت دو باتیں فوری توجہ کی متقاضی تھیں۔ اول یہ کہ موبائل فون کمپنی سے یہ تصدیق کی جاتی کہ اول خان کے موبائل سے آخری فون کال اسی نمبر پر کی گئی تھی جو راجا نے ویرا کو لکھوایا تھا۔ اگر وہ تصدیق ہو جاتی تو پھر اس نمبر کے ذریعے آئی مین کی کمین گاہ کا سراغ لگانا تھا تاکہ وہاں بھرپور کارروائی کا آغاز کیا جاتا۔

ہماری بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی بساط کے دو اہم مہرے آخر کار قابو میں آتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دیکھنا یہ تھا کہ پاکستان میں شی کے احیا کے پیچھے کیا مقاصد کار فرما تھے۔ یہ میرے تجربے کی بات تھی کہ پاکستان میں جب شی پورے زور و شور سے کام کر رہی تھی تو امریکی خفیہ ایجنسیوں نے اس خطے کو فراموش کیا ہوا تھا۔ شی کے زوال کی ساتھ پاکستان سی آئی اے کی ریشہ دوانیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ انہوں نے پے در پے چوٹیں کھانے اور اپنے کئی اہم آدمی گنوانے کے بعد پسپائی اختیار کرنے اور شی کو دوبارہ میدان میں اتارنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو وہ کوئی بڑی سازش ہو سکتی تھی جس کا سد باب کرنا ضروری تھا۔

اس وقت چوپڑا اور آئی مین ہماری توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے تو جلال کی نظریں بھارت سے آئے ہوئے ونود پر مرکوز تھیں جو عبداللہ کا قاتل تھا۔

اول خان نے اپنی ڈائری دیکھی اور موبائل فون کمپنی کا متعلقہ نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈیبی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب ولہجے میں گفتگو کی۔ ڈیبی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں، میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان الیش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہوکر پاکستان سے بھارت فرار ہوگیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کردیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جاچکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہوجاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری وڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھالیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ڈیبی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہوکر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جلال نے اطلاع دی کہ عبداللہ کا قاتل ونود کراچی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمارے سامنے دو محاذ تھے۔ ونود اور شی کا آئی مین۔۔۔۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم بین الاقوامی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے ارادے سے پاکستان کو خیرباد کہہ کر بھارت کے لیے روانہ ہوئے تھے اور وہاں اپنے شب و روز کا ایک ایک لمحہ اسی مشن کی تکمیل میں مصروف رہ کر گزارا تھا۔ وہاں ہمارے آخری ایام بہت سنسنی خیز اور بھیانک تھے۔ موت ایک سایہ بن کر ہمارا پیچھا کررہی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے۔ ہم جان توڑ کوشش کرکے وہاں سے پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہوگئے۔

میرا اندازہ تھا کہ پاکستان واپس آنے کے بعد بھی ہمارا وقت ان ہی مصروفیات میں گزرے گا۔ بھارت میں حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں را کے پاکستانی نیٹ ورک کو توڑنا آسان کام نہیں تھا لیکن پاکستان میں ہمیشہ کی طرح بھارت کے مددگار موجود تھے۔ امریکی سی آئی اے کے ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اور اس کے چیف کلرک کی کراچی میں موجودگی بہت سی پیچیدگیوں کی نشاندہی کررہی تھی۔

ان دونوں کے سروں پر مجھے اور ویرا کو پکڑنے کا بھوت سوار تھا۔ دوسری طرف وہ بھارتیوں کی فرمائش کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے کہ پاکستانی حکام مظہر خان کو تلاش کریں اور پکڑ کر بھارتیوں کے حوالے کردیں۔ پاکستان نے نہ صرف بھارتیوں کا مطالبہ مسترد کردیا تھا بلکہ یہ جوابی مطالبہ پیش کردیا تھا کہ بھارت میں لاپتا ہوجانے والے مظہر خان کو تلاش کرکے پاکستان واپس بھجوانا بھارتیوں کی اخلاقی اور قانونی ذمے داری تھی۔

لیری ہف کے ہارٹ فیل کی وجہ سے وہ قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے مظہر خان کی طرف سے چندن گرنانی کو بھیجے ہوئے فیکس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرنا چاہا کہ مظہر خان بھارت میں نہیں، کراچی میں موجود اور سرگرم تھا۔

لیری نے ایجنسیوں کے ساتھ ہونے والے مشترکہ اجلاس میں وہ نکتہ پوری شدومد سے اٹھایا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس معاملے میں امریکیوں اور پاکستانیوں کے درمیان تلخی پیدا ہوسکتی ہے مگر اس مرحلے پر میری ایک حرکت آڑے آگئی۔

ماجد یمنی کے نام سے لیری کو فون کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اسے دہشت سے دل کا دورہ پڑجائے گا۔ میرا وہ منصوبہ صرف اتنا تھا کہ شاید وہ بھی اپنے آقا، جان الیش کوف کی طرح ماجد یمنی کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر کراچی سے بھاگ جائے تاکہ مظہر خان کی تلاش کے بارے میں امریکیوں کا براہِ راست دباؤ ختم ہوسکے۔ میری فون کال کے نتائج میری توقع سے بڑھ کر ثابت ہوئے۔

لیری ہارٹ اٹیک کے باعث مرگیا۔ اس کے مرتے ہی بھارتیوں کی حکمتِ عملی کا سارا تسلسل خاک میں مل گیا۔ پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں سرد مہری بلکہ کسی حد تک کشیدگی ہونے کی وجہ سے براہِ راست غیر رسمی مذاکرات کا کوئی امکان نہیں تھا۔ رسمی نکات پر اسلام آباد اور دہلی کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہتی ہوگی۔ بھارتی حکام کی مجبوری

یہ تھی کہ وہ میری طرف سے چندن کو بھیجے گئے فیکس کو آف دی ریکارڈ رکھنا چاہتے تھے۔ کراچی میں میری موجودگی ثابت کرنے کے لیے فیکس کو منظرعام پر لاتے تو پاکستان میں ان کے سیاہ کرتوتوں کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ فیکس کو خفیہ رکھ کر وہ اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔

اپنی اس مجبوری کی بنا پر بھارتیوں نے پہلے جان الیش کوف اور اس کے فرار کے بعد لیری ہف کو درمیان میں ڈالا تھا۔ لیری کی موت سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمارا شاندار مشن اچانک پھسپھسا ہو کر رہ گیا ہو۔ پہلے ہم را اور سی آئی اے کے عالمی شہرت یافتہ ایجنٹوں کے خلاف صف آرا تھے۔ اس وقت ہمارا مقابلہ جوشی اور راجا جیسے تیسرے درجے کے مقامی مجرموں سے ہو رہا تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ وہ مجرم بھی را کے مقامی رابطوں میں اہم مقام رکھتے تھے لیکن ان دونوں ناموں کے سامنے آنے کے بعد را یکایک پس پشت چلی گئی تھی۔ میرے دل میں یہ خلش پھانس بن کر چبھ رہی تھی کہ محض مصروف رہنے کے لیے ہم اپنے معیار سے بہت نیچے آگئے تھے۔

اول خان کی میز پر رکھے ہوئے ایف ایم مانیٹر پر راجا اور نامعلوم غیر ملکی کے درمیان ہونے والی گفتگو میں آئی مین کا نام سن کر میں بری طرح چونکا تھا۔ اس وقت مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ ہم اپنے معیار سے گرا ہوا کوئی کھیل نہیں کھیل رہے تھے۔ جوشی کی ذات ہماری کسی بڑی کامیابی کا پہلا زینہ بننے والی تھی۔ جوشی کی بُو سونگھتے ہوئے ہم راجا کے خطرناک ٹھکانے تک پہنچے تھے اور اس مکارِ اعظم کو اپنے دام میں الجھانے کے بعد شی کے کسی نامعلوم آئی مین کا نام ہمارے علم میں آیا تھا۔

اول خان جتنی دیر فون پر موبائل فون کمپنی کے کسی ذمے دار شخص سے گفتگو کرتا رہا، میرا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا۔ اول خان کو اپنا پرسنل آئڈنٹی فیکیشن نمبر یا پن کوڈ یاد نہیں رہا تھا اس لیے اسے فون پر اپنی شناخت میں قدرے دشواری ہوئی پھر اسے دوسری طرف سے وہ نمبر بتا دیا گیا جس پر اس کے موبائل فون سے آخری کال کی گئی تھی۔ اول خان نے وہ نمبر پیڈ پر نوٹ کر کے دہرایا۔ نمبر کی تصدیق ہونے پر اس نے شکریے کے ساتھ فون بند کردیا۔

"یہ ہے تمہارے نئے آئی مین کا نمبر!" اول خان نے پیڈ میرے سامنے ڈال دیا۔

راجا کا بتایا ہوا نمبر میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ میں نے پیڈ پر ایک نگاہ ڈال کر اندازہ لگالیا کہ راجا نے ہم سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ ہر طرف سے بری طرح گھر جانے کے بعد اس کے مضبوط اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اس نے ہمارے سامنے شکست تسلیم کرلی تھی۔

"کیا تم اس نمبر پر کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہو؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم ہر وقت بے مقصد باتیں کرنے پر تلی رہتی ہو۔" میں نے خشک لہجے میں اسے لتاڑنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"یہ بے مقصد بات نہیں ہے۔ امریکا میں مشرقی عملیات کا بہت شہرہ ہے۔ تمہاری پیڈ پر جمی ہوئی نظروں سے شبہ ہو رہا تھا کہ تمہارے عمل کے زور سے کسی بھی لمحے وہ گمنام آئی مین پیڈ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔" ویرا کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

میں نے ویرا کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور اول خان سے مخاطب ہو گیا "نمبر کی تصدیق ہوگئی ہے۔ چاہو تو تم فون کرلو۔"

"نہیں۔" اول خان نے بے ساختہ جواب دیا "یہ ٹیڑھا کام تم ہی کو مبارک ہو۔ مجھے شی اور اس کے بڑوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں سنبھال سکوں گا۔"

"تم ہی بہتر رہو گے۔" ویرا نے برجستہ اس کی تائید کی "وہ کراچی میں ہے۔ میری آواز سنتے ہی مجھے پہچان لے گا۔"

"وہ مردانہ آواز سن کر مجھے بھی پہچان لے گا....."

"اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تم اس سے کس حیثیت میں بات کرتے ہو۔" اول خان نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

اول خان نے واقعی ایک اہم نکتے کی نشاندہی کی تھی۔ راجا کے آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال سما گیا تھا کہ مجھے اس سے دوسرا آئی مین بن کر بات

کرنی چاہیے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ اس کے مخاطب کا نام ڈیتی ہے۔ شی سے میری بغاوت کے بعد جمی لائیڈ سے لے کر ہر چھوٹے بڑے کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میرے ہاتھوں شی کے دو آئی مین مارے جا چکے تھے اور ان کی سلور آئیز میرے قبضے میں آچکی تھیں۔

جمی لائیڈ۔۔ شی کا سربراہ تھا۔ یہ بات پوری طرح اس کے علم میں آچکی تھی کہ میں نے سلور آئیز پر قابض ہونے کے بعد ان کی مدد سے شی کے کئی شہ زوروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کر کے ان کی گردنیں اڑا دی تھیں۔ اس نے پوری قوت کے ساتھ مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوششیں کیں لیکن محض میرے ناجائز تصرف کی وجہ سے سلور آئیز کی مقتدر حیثیت کو مجروح نہیں کیا۔ میرے ہاتھوں پے در پے بھاری نقصانات اٹھانے کے باوجود' دنیا بھر میں سلور آئی کو طاقت اور دبدبے کے علامتی سکے کے طور پر رائج رکھا تاکہ شی کی ساکھ کو کسی طرح کوئی نقصان نہ پہنچے۔

یہ جمی لائیڈ کی اسی پالیسی کا تسلسل تھا کہ اس کی موت کے ایک طویل عرصے بعد پاکستان میں کوئی نیا آئی مین آن موجود ہوا تھا۔ اگر وہ خود آئی مین ہونے کا دعوے دار تھا تو اس کے پاس سلور آئی کا موجود ہونا ضروری تھا۔

ہمیں اس سے رابطے کا نمبر مل چکا تھا مگر وہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ پوری حکمتِ عملی طے کیے بغیر اس سے رابطہ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم سوچ میں پڑ گئے۔" مجھے خاموش پا کر اول خان نے ٹوکا "اگر تم اس سے بات کرنے سے ہچکچا رہے ہو تو میں کر لوں گا۔"

میں آہستگی سے ہنس پڑا "میرے پاس کئی راستے ہیں۔ میں اس سے اپنی اصل حیثیت میں بات کروں یا کوئی اجنبی نام اختیار کروں۔ یہ سوال مجھے تنگ کر رہا ہے۔"

"آج کل تو ویسے بھی تمہارے چار نام چل رہے ہیں۔" اول خان نے مذاق میں کہا۔

"ڈیتی' مظہر' ماجد یمنی اور کرنل داور ہونے کے ساتھ ساتھ تم آئی مین بھی ہو کیونکہ ایک سلور آئی آج بھی تمہارے قبضے میں ہے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"بات لمبی ہو جائے گی۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی "کیوں نہ راستے میں اور گھر پہنچ کر یہ سب طے کر لیا جائے۔"

"میں خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔" اول خان نے خوش ہو کر کہا "گھر کے اسپیکر فون پر ہم سب سکون سے تمہاری اور اس کی باتیں سن سکیں گے۔"

"تمہارے لیے اسپیکر فون دو ٹکے کی چیز ہے۔ اپنے دفتر کے لیے کیوں نہیں منگوا لیتے؟" ویرا نے تیوریوں میں بل ڈال کر سوال کیا۔

"یہاں اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ یہ چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں چاند ماری ہوتی رہتی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "پس منظر سے آنے والی شوٹنگ کی آوازیں سن کر فون پر ہر ایک اندازہ لگا سکتا ہے کہ فون کیسے علاقے سے کیا جا رہا ہو گا۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہماری اکلوتی سی ایس ڈی تمہارے گھر کے فون کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اب اس کے بغیر رازداری کا پورا یقین نہیں ہوتا۔"

میں نے وہاں سے روانگی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ راجا پوری طرح ہمارے قابو میں آچکا تھا اور غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ کسی پرائیویٹ اسپتال کے کمرے میں زیر علاج تھا۔ اول خان کے ماتحت بہت سمجھ دار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ روزی کی واپسی کے بعد انہیں قیدی کی نرسنگ کی ضروریات کس طرح پوری کرنی تھیں۔ آئی مین اور چوہڑا کے بارے میں کوئی فیصلہ ہونے تک اسے بستر تک محدود رہ کر اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس کے لیے ہم میں سے کسی کا وہاں موجود رہنا ضروری نہیں تھا۔

اول خان نے کھڑے کھڑے اپنے فیلڈ فون پر اپنے کسی ماتحت کو اپنی روانگی سے آگاہ کر کے فون بند کر دیا۔ میرے اندازے کے عین مطابق اسے راجا کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اسٹیشن فور سے واپسی پر ہمارے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ میں گھر سے ویرا کو ساتھ لے کر اپنی گاڑی سے وہاں پہنچا تھا۔ اول خان اسپتال سے راجا کو لے کر سیدھا وہاں پہنچا تھا۔ میں نے اخلاقاً ویرا کو اول خان کے ساتھ روانہ کر دیا اور خود ان کے پیچھے ہو لیا۔

اسٹیشن فور سے واپسی کے اس سفر میں ہماری ٹیم بکھر گئی اور مذاکرات ادھورے رہ گئے مگر میرا ذہن مسلسل کام کرتا رہا۔ راستہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ گئے۔ وہاں غزالہ اور سلطان شاہ اپنے سینوں میں تجسس کا ایک سمندر لیے ہمارے منتظر تھے۔

میرا یہ ارادہ خاک میں مل گیا کہ ہم گھر پہنچتے ہی سر جوڑ کر جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ غزالہ بہت سنجیدہ اور بردبار تھی۔ وہ موقع کی نزاکت اور اس سے بھی بڑھ کر میرے تیوروں کو سمجھتی تھی۔ شی کے کسی آئی مین سے راجا

کے تعلق کا انکشاف سن لینے کے بعد اس نے خاموشی اختیار کرلی لیکن سلطان شاہ کے سوالات کا سلسلہ نہ رک سکا۔

"اب تم کچھ دیر کے لیے اپنی چونچ بند کرلو۔" کافی دیر صبر کرنے کے بعد ویرا میری آنکھ کا اشارہ پاکر اس پر غرائی "ہم یہاں تمہاری جرح کا جواب دینے نہیں، کچھ اہم مسائل پر بات کرنے کے لیے آئے ہیں۔ تم نے اپنے سوالات سے ہمارا آدھا بھیجا خالی کردیا ہے۔"

"سب کو نہ گھسیٹو صرف اپنی بات کرو۔" ویرا کا اعتراض سنتے ہی سلطان شاہ کی ذہنی رو بدل گئی "عورتوں کے پاس ویسے ہی آدھا دماغ ہوتا ہے۔ وہ خالی ہوجانے کے بعد اب تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ تم مسائل پر کیا بات کروگی۔"

ویرا نے اس مرحلے پر دانش مندی سے کام لیا اور بات بڑھانے کے بجائے تحمل سے بولی "چلو، میں نہیں بولوں گی مگر اول خان اور ڈینی کو تو بات کرنے دو۔"

"میں نے انہیں کب روکا ہے۔ یہ اپنی باتیں کرلیں۔ میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بھارتی اور امریکی، دونوں تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے زبان کھولی "ویرا نے صحیح کہا تھا کہ آج ان کے لیے تمہارے ایک چہرے کے چار نام ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم اپنے کس روپ میں انہیں زیادہ خطرناک لگ رہے ہو۔"

"ہم پٹری سے اتر رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے اسے ٹوکا "آئی مین کے مسئلے میں امریکی اور بھارتی کہاں سے آن ٹپکے!"

"یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر خاموش رہ کر ہماری باتیں سنو گے تو سب کچھ سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔" میں نے اسے گھور کر کہا پھر اول خان سے مخاطب ہوگیا "یہ بات میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس وقت ماجد یمنی سے سب سے زیادہ دہشت زدہ ہیں۔"

"تم پہلے بھی یہ بات کہہ چکے ہو حالانکہ جان الیش کوف اور لیری نے کھل کر ڈینی کے خلاف باتیں کی تھیں۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"وہ ایک مدت سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور مجھے پکڑنے میں مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ پرانے زخم مندمل ہوتے جاتے ہیں۔ ماجد یمنی کا لگایا ہوا زخم تازہ ترین ہے۔ جان میرے ہاتھوں بننے والی

درگت کو عمر بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔"
"میں ڈینی سے متفق ہوں۔" اول خان نے سہلا کر کہا "سی آئی اے کی مہم میں اب جان کی ذاتی پرخاش کا عنصر بھی شامل ہو گیا ہے۔ وہ ڈینی سے پہلے ماجد کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہے گا۔ اس کے بعد ڈینی کی باری آئے گی۔ مظہر کے بارے میں امریکیوں سے زیادہ بھارتی بے چین ہیں۔"
"پھر تم کو ماجد بن کر آئی مین سے بات کرنی چاہیے۔ تمہارا اصل نام سنتے ہی وہ بدک جائے گا۔" ویرا نے فیصلہ سنادیا۔
وہ واقعی اس مسئلے کا سیدھا' آسان ... ترین اور منطقی حل تھا۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے حیرت ہوئی کہ وہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آسکی تھی۔
آدمی تنہا ہو تو مشکلات میں گھر کر کبھی کبھی خود کو بہت بے بس محسوس کرنے لگتا ہے لیکن اسے اپنے اعتماد کے ساتھیوں سے مشاورت کی سہولت حاصل ہو تو آپس کے بحث ومباحثے سے نہ صرف دل کو ڈھارس ملتی ہے بلکہ بعض مسائل کا آسان حل بھی سامنے آجاتا ہے۔
ماجد یمنی اچانک امریکیوں کے سامنے آنے والا ایک نیا نام تھا جس نے جان کو بری طرح دہشت زدہ کیا ہوا تھا۔ اگر راجا سے کام لینے والا آئی مین بھی شی کی پرانی روایات کے مطابق پاکستان میں کسی امریکی سازش کو پروان چڑھانے کے ارادے سے آیا تھا تو اسے بھی میری زبان سے ماجد کا نام سن کر چونکنا چاہیے تھا۔
جان کی طرح آئی مین بھی امریکی تھا۔ میں یمنی نژاد بن کر اسے آسانی سے اپنے لہجے سے دھوکا دے سکتا تھا۔
"کوشش کرو کہ وہ کسی طرح تم سے ملنے پر آمادہ ہو جائے۔" اول خان نے حسرت آمیز آواز میں مشورہ دیا۔
ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ تم شی کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ راجا اس کے لیے کام کر رہا تھا لیکن اس نے بھی کبھی آئی مین کی صورت نہیں دیکھی۔ بس آواز سے پہچانتا ہے۔"
"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے گڑے مردے اکھاڑنے کی کیا ضرورت تھی۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "اس کے لیے یہ زیادہ آسان کام ہوتا کہ وہ اپنے آئی مین ہونے کا اعلان کیے بغیر کسی اور خفیہ نام سے اپنا کام شروع کر دیتا۔"
"اس وقت تم نے غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے۔"
میں نے اس کی تعریف کی "اول خان کے دفتر میں ایف ایم مانیٹر پر آئی مین کے الفاظ سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا اور میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ بڑے ارادے لے کر یہاں آیا ہے۔ راجا اور اس جیسے دوسرے بدمعاشوں کے ذریعے جب زیر زمین دنیا میں آئی مین کا نام گونجے گا تو شی کے پرانے نمک خوار خود بہ خود اس کے گرد جمع ہوتے چلے جائیں گے۔ وہ شی کے نام اور ساکھ کو استعمال کر کے جلد از جلد یہاں اپنا بڑا گروہ منظم کرنے کے چکر میں معلوم ہوتا ہے۔"
"آئی مین کا نام استعمال کرنے کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا۔" غزالہ نے میری تائید میں لب کشائی کی "ہو سکتا ہے کہ اب کوئی جہانگیر کو بھی گھیرنے کی کوشش کرے۔ شی کے پرانے آدمیوں میں اس کا نام سرِفہرست ہے۔"
"اور وہ ڈینی کی وجہ سے دوسروں کے عتاب کا نشانہ بھی بنتا رہا تھا۔" ویرا نے ہنس کر یاد دلایا۔
"تم کو ہنستے ہوئے شرم آنی چاہیے۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا "اسے سب سے زیادہ تم نے ستایا تھا۔ حد یہ ہے کہ اسے بلیک میل کرنے کے لیے اس کے شیر خوار بیٹے کو اغوا کر کے فرضی نام سے نرسری میں ڈال دیا تھا۔"
"کیا دن تھے وہ بھی!" پرانے دنوں کا ذکر چھیڑنے پر ویرا حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر بولی "اس وقت میرے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح ڈینی تک پہنچ جاؤں۔ اس جنون میں پتا نہیں کیا کیا کر گزری۔ اپنی ان زیادتیوں کا خیال آتا ہے تو مجھے ندامت ضرور ہوتی ہے۔"
"یہ سودا تمہارے سر سے نکل گیا مگر اب تمہارے دوسرے ہم وطنوں کے سروں میں سما گیا ہے۔" غزالہ نے ہلکے طنز سے کہا۔
"تم دونوں نے میرے ہاتھوں خاصے دکھ اٹھائے ہیں۔ تم کو اس تلخ نوائی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس کے ازالے کے لیے میں تم کو بس ایک دعا دے سکتی ہوں کہ ڈینی کے حاسدوں اور دشمنوں کو اس سے زیادہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے جتنا میں نے دیکھا تھا۔ تمہارا ڈینی پکا چھلاوا ہے چھلاوا!" ویرا بولی۔
"معلوم ہو رہا ہے کہ تم سب میری ٹانگ کھینچنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔" میں نے خفت سے کہا۔
"یہ تمہاری قصیدہ گوئی نہیں ہے۔ بات سے بات نکل رہی ہے۔" اول خان نے کہا "یہ واقعی اہم نکتہ تھا کہ نیا گروہ بنانا شی کی دوبارہ شیرازہ بندی سے زیادہ آسان اور محفوظ کام تھا۔ اس کے لیے پیچیدہ راہ کیوں اختیار کی گئی۔"

"اگر کوئی اور بات رہ گئی ہو تو وہ بھی صاف کرلو تاکہ میں آئی مین سے بات کرنے کے بارے میں سوچوں۔"

"بس یہ دھیان رکھنا کہ ابھی تک چوہڑا، جوشی، راجا اور آئی مین کے مراسم کے بارے میں گتھی نہیں سلجھی۔۔۔"

غزالہ نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور بولی "چوہڑا اور جوشی کی دوستی کی بات پہلے ہی کھل چکی ہے۔ یہ بات بھی سامنے آچکی ہے کہ جوشی کی راجا سے دوستی تھی۔ راجا آئی مین کے لیے کام کررہا ہے۔"

"تم درست نتیجہ اخذ کررہی ہو مگر یہ بات نہیں معلوم ہوسکی کہ چوہڑا اور راجا کے مراسم کس نوعیت کے تھے۔" اول خان اپنے موقف پر قائم رہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ چوہڑا اور راجا ایک دوسرے سے بہت کم ملے تھے لیکن ان کے تعلقات میں گہرائی کا یہ عالم تھا کہ چوہڑا نے اسے ایک بہت بڑے عذاب سے بچایا تھا اور اس نے چوہڑا کے ایما پر جوشی کو پہلے اغوا اور پھر قتل کردیا تھا۔ موت کے ایک سوداگر اور اس کے عام سے خریدار کے درمیان اتنے گہرے تعلق کے اسباب کچھ اور ہی ہوسکتے تھے۔ ان تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک مرتبہ پھر راجا کی گوش مالی کرنے کی ضرورت تھی۔

میں اپنا ذہن بنا چکا تھا۔ وہ چاروں بھی میری اور آئی مین کی گفتگو سننے کے منتظر تھے۔ مجھے ان کے صبر کا امتحان لینے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اسپیکر فون اپنی طرف کھسکایا اور آئی مین کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور پر ایک شوخ اور زندگی سے بھرپور، نسوانی آواز سنائی دی۔ بولنے والی نے۔۔۔ صرف ہیلو کہا تھا لیکن اس ایک لفظ سے ہی ظاہر ہوگیا تھا کہ اپنے لب و لہجے سے وہ امریکی نژاد تھی۔

میں وہ اجنبی نسوانی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ میرے وہم میں بھی نہیں آسکا تھا کہ آئی مین کے سوا کوئی اور فون اٹھائے گا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس سے کیا کہوں پھر خیال آیا کہ وہ آئی مین کے گھر میں اگر فون اٹھانے پر مامور تھی تو کسی نہ کسی حد تک اس کی رازداں بھی رہی ہوگی۔ میں نے اپنی خاموشی کا دورانیہ اشتباہ حد تک طویل نہیں ہونے دیا۔

"میں آئی مین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے دھیمی اور گمبھیر آواز میں کہا۔

"اوہ، سر!" لڑکی کی تحیر زدہ اور بے ساختہ آواز ابھری "آپ کون بول رہے ہیں؟"

لڑکی کی پہلی آواز کی طرح اس کا وہ سوال بھی میرے لیے غیر متوقع تھا۔ ایسے رابطوں میں تفصیلی تعارف اور مذاکرات نہیں ہوا کرتے۔ اصولی طور پر اسے آئی مین کا نام سنتے ہی مزید باتوں کا سلسلہ موقوف کرکے اسے بلا دینا چاہیے تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ میرا بتایا ہوا نام آئی مین کی طبیعت پر گراں گزرا تو وہ فون پر آنے سے ہی انکار کردے گا۔

فون نمبر کے سہارے اس کی کمین گاہ کا سراغ لگا کر وہاں دھاوا بولنا ہمارے لیے سب سے آسان اور محفوظ طریقہ تھا مگر میں ان معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لیے تصادم کے بجائے پرفریب مذاکرات کی راہ اختیار کرنا چاہ رہا تھا۔

"تمہیں میرے نام اور نسب سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے برہمی سے کہا "میں اس کا دوست بول رہا ہوں۔"

"سوری سر! یہاں ان کے دوستوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور میں فون پر ان سب کی آواز پہچان سکتی ہوں۔ آپ کی آواز نئی ہے اس لیے نام بتانا ضروری ہے۔" اس کا جواب مہذب مگر سخت تھا۔ اس نے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا مگر اس کی باتوں میں یہ امر پنہاں تھا کہ آئی مین اسی نمبر پر پایا جاتا تھا۔

"میں اس کا دوست اور خیر خواہ ہوں۔" میں نے ترشی سے کہا "اسے اتنا ہی بتادو۔ اگر وہ فون پر نہ آیا تو میں دوبارہ اسے رنگ نہیں کروں گا۔ مجھ سے بات نہ کرکے وہ سخت خسارے میں رہے گا۔"

"دوست اور خیر خواہ اپنے نام کے بارے میں اتنی رازداری سے کام نہیں لیتے۔" اس کی آواز سنجیدہ ہوچکی تھی۔

"تم فی الحال مجھے الفریڈ ہچکاک کہہ سکتی ہو۔" اس بار میرا لہجہ خاصا تلخ ہوگیا۔

"ذرا ہولڈ کریں میں دیکھتی ہوں کہ کیا صورتِ حال ہے۔" بولنے والی کی آواز بدستور نرم رہی۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرا نام جانے بغیر فون پر آنے سے انکار کردے گا مگر میرا وہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ "کون بول رہا ہے؟" اس نے فون پر آتے ہی غراتی ہوئی آواز میں لڑکی کا سوال دہرایا۔ آواز میں نے پہچان لی کیونکہ میں اسے راجا سے بات کرتے ہوئے سن چکا تھا۔

"میرا نام ماجد ہے۔" اس بار میں نے بلا تامل جواب دیا "مجھے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے تمہارا نام پہلی بار سنا ہے۔ اگر تم یہ سمجھ رہے

ہو کہ کسی سلسلے میں مجھے بلیک میل کرلو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں اپنا پیسا فالتو برباد نہیں کرتا۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔" میں نے دردمندانہ آواز میں احتجاج کیا "میں بلیک میلر نہیں ہوں۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں میرا فون نمبر کس نے دیا ہے۔" اس نے میرے احتجاج کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

"یہ میرا کاروباری راز ہے۔ اسے افشا نہیں کیا جاسکتا۔ میرا کام ہی روپوش اور پوشیدہ لوگوں کا سراغ لگانا ہے۔ جس طرح میں نے تمہارا فون نمبر معلوم کیا ہے اسی طرح میں نے ڈینی کا کھوج نکالا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا پتا تم کو بتادوں۔"

"اور میں اپنی جیب سے انعامی رقم تمہارے حوالے کردوں؟" اس کی آواز طنزیہ ہوگئی۔

"یہ بات میں نے سب سے پہلے بتادی تھی کہ مجھے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔"

"ڈینی پر امریکی حکومت نے انعام مقرر کیا ہے۔ تم کو ان کے کسی افسر یا قونصل خانے سے رابطہ کرنا چاہیے۔" اس کی آواز میں طنز زیادہ نمایاں ہوگیا "ڈینی کے سلسلے میں تم مجھ پر مہربان کیوں ہورہے ہو۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور جواب دیا "پہلے میں نے یہی کوشش کی تھی۔ جان ایلش کوف سے سودا کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے سنگین غلطی کی۔ مجھ سے ملنے کے لیے اپنے ساتھ مسلح آدمی لے آیا۔ گڑبڑ کی وجہ سے میں چھپا رہا' اپنے آدمی کو اس کے پاس بھیج دیا۔ بات بگڑتی چلی گئی اور ہمارے درمیان مفاہمت ہوتے ہوتے رہ گئی۔"

"اوہ! تو تم وہی عبدالماجد الحسینی ہو۔ وہ پورا واقعہ میرے علم میں ہے۔ اس میں غلطی تمہاری بھی تھی۔ راستے میں تمہاری سرخ سوزوکی خراب ہوگئی اور جان اسے ڈھونڈتا رہا۔ اس کا بھڑکنا عین فطری تھا۔"

"وہ سی آئی اے کا بہت بڑا افسر ہے۔ اس سے ٹکراؤ ہوجانے کے بعد امریکی میرے دشمن ہوچکے ہیں۔ میں نے دوبارہ ان سے رابطہ کیا تو وہ مجھے انعام دینے کے بجائے کسی گندے جال میں پھانس لیں گے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ میں امریکی نہیں ہوں۔" اس کی آواز چبھتی ہوئی تھی۔

"لہجے سے تم بھی امریکی معلوم ہورہے ہو مگر تم ایک عام اور ذمے دار شہری ہو۔ وہاں کے سرکاری افسر میرے دشمن ہوئے ہیں۔" مجھے محسوس ہورہا تھا کہ میں ماجد کے روپ میں آئی مین کی نظروں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

"تم کراچی کے پولیس اسٹیشنوں میں سے کسی کا انتخاب کرسکتے ہو۔ تمہاری نظر مجھ پر کیوں پڑی؟" وہ ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہ رہا تھا۔

"وہاں ضابطے کی لمبی کارروائیاں ہوں گی۔ رقم قونصل خانہ دے گا۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ پولیس کا مخبر کون تھا۔ میں ان کے سامنے آیا تو بات بگڑ جائے گی۔" میں نے پورے صبر اور سکون سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پولیس والوں سے ہوکر مجھ تک آتے آتے وہ رقم آدھی رہ جائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھ سے ڈینی کے بارے میں ہربات معلوم کرنے کے بعد میرا ذکر سرے سے اڑا دیں اور ڈینی کی گرفتاری کی ٹوپی اپنے سر منڈھ کر انعام کے دعوے دار بن جائیں۔ میں ایک غریب الوطن یمنی ہوں۔ کراچی کی بگڑی ہوئی پولیس کا کیا بگاڑ لوں گا۔"

"تم یمنی ہو لیکن پاکستانیوں اور امریکیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔" دوسری طرف سے طنز کیا گیا۔

"مجبوری ہے۔ لاکھوں ڈالر کے معاملے میں کوئی بھی بے ایمان ہوسکتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میں نے بہت چھان بین کی اور اپنی معلومات کو سینے سے لگائے بیٹھا ہوں۔ وقت گزر گیا تو ڈینی اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔"

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ آئی مین جیسا خرانٹ شخص میری باتوں میں دلچسپی لینے اور گفتگو کو جاری رکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ تھا کہ وہ جان ایلش کوف والے واقعے سے باخبر تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی غلط بیانی نہ کرکے کسی حد تک اس کا اعتماد جیت لیا تھا۔

"تم میرا نام نہیں جانتے' صرف میرے لقب سے واقف ہو۔ تم کو علم ہوگا کہ مجھ سے تمہاری ملاقات کا کوئی امکان نہیں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"اس سودے کے لیے تم کو اپنا اصول توڑنا ہوگا۔ ملاقات کے بغیر بات نہیں بن سکے گی۔" میں نے اصرار کیا۔

"پھر شاید تم کو نہیں معلوم کہ آئی مین کیا منصب ہوتا ہے۔" اس کی آواز سے تکبر اور نخوت کی بو آرہی تھی۔

"مجھے سب معلوم ہے۔" میں نے اس کے غرور کو ختم کرنے کے لیے سرسری لہجے میں کہا "میں نے تمہیں بتایا ناکہ لوگوں اور خبروں کا کھوج لگانا آج کل میرا پیشہ ہے۔ تم سے رابطہ کرنے سے پہلے میں معلوم کرچکا ہوں کہ تم ٹی کے کوئی

بڑے ہو۔ دوسری جنگ عظیم میں شکست کے برسوں بعد بھی برما کے جنگلوں میں بہت سے جاپانی فوجی چھپتے پھر رہے تھے۔ ان کی دانست میں جنگ ختم نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے خلاف برسرِپیکار تھے۔ انہیں بہت مشکل سے یقین دلایا جاسکا کہ ان کے ملک نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ تم بھی شی کے بڑوں میں سے کوئی ایسے کمانڈر ہو۔ شی ایک مدت پہلے مرکھپ گئی۔ اس کے آدمیوں نے شی کے اثاثوں پر قبضہ کرلیا۔ آئی مین مارے گئے یا گوشہ نشین ہوگئے اور اب اچانک تم نمودار ہوئے ہو۔ شاید تم کو معلوم ہو کہ شی اس علاقے میں برسوں پہلے ختم ہوچکی تھی۔ شی کی بربادی میں ڈینی اور ویرا کا بہت ہاتھ تھا۔"

"اصل مجرم ڈینی ہے۔" آئی مین کی آواز نفرت آمیز ہوگئی "اسی نے ویرا کو ورغلا کر اسے اپنے باپ سے غداری پر مجبور کیا تھا مگر شی ختم ہونے کے لیے نہیں بنائی گئی تھی۔ کسی کی زندگی یا موت سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ وہ یہاں سے ناسازگار ماحول کی وجہ سے سمیٹی گئی تھی۔ اب میں آیا ہوں تو تم دیکھو گے کہ یہاں اس کا طوطی بولے گا۔ ڈینی اور ویرا کو میں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں گا۔"

بات کا رخ شی کی طرف مڑگیا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم یہاں شی کی تنظیم نو کے لیے آئے ہو!"

"اپنی حد سے تجاوز مت کرو۔ بات وہیں تک رکھو جہاں سے شروع کی تھی۔ میرے آنے کا مقصد بہت جلد تمہارے اور سب کے سامنے آجائے گا۔"

اپنے لہجے کی سختی اور تحکم سے وہ مظلوم یا مجبور نہیں معلوم ہورہا تھا۔ اس کے الفاظ میں ایک عزم پنہاں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے اپنی بیٹی اور بیٹے کے بارے میں راجا کو جو کہانی سنائی تھی، وہ من گھڑت تھی۔ وہ شی کے بارے میں کوئی نیا منصوبہ لے کر پاکستان میں وارد ہوا تھا۔

میں اس سے ماجد بن کر ایک مخصوص زاویے سے بات کررہا تھا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں راجا کی بتائی ہوئی باتوں کا حوالہ دے کر اسے ذلیل کرتا یا شی کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے اسے حیران کرتا۔ اس تک پہنچنے کے لیے اس کی ہرزہ سرائی سننی ضروری تھی۔

"ملین ڈالر کے عوض ڈینی!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ امریکی حکومت کے ساتھ شی کو بھی مطلوب ہے۔ تم نے اس حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے۔ مجھے یہ سب پہلے سے معلوم تھا اسی لیے میں نے جان سے بات بگڑنے کے بعد تم سے رجوع کیا ہے۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے کسی پروگرام کے مطابق کہیں ملنے کا وعدہ نہیں کرسکتا...."

"پھر مجھے وقت اور جگہ بتادو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ آسانی سے کسی چکر میں آنے والوں میں سے نہیں تھا "ایک مرتبہ پھر تمہاری گاڑی خراب ہوسکتی ہے۔ عین موقع پر کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ جان جیسے کسی احمقانہ واقعے کا اعادہ ہو۔ اپنے ٹھکانے اور حلیے کے بارے میں بتاؤ اور سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جب مناسب سمجھوں گا، خود تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور ہم سکون سے بیٹھ کر معاملات طے کرلیں گے۔"

"میں ہروقت ایک جگہ نہیں بیٹھا رہتا...." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات اڑادی۔

"میں بھی اپنے وسائل رکھتا ہوں۔ تمہاری موجودگی میں تمہارے ٹھکانے پر آؤں گا۔"

"میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟" میں نے ہلکی سی جھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ابھی تمہیں ایک پاس ورڈ بتادوں گا۔ وہی ہماری باہمی پہچان ہوگا۔"

"تم مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں تم پر کیسے اعتماد کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا "تم مجھ سے ملنے سے پہلے اپنے آدمیوں سے میرے بارے میں چھان بین کراؤ گے۔ اگر تمہیں کوئی بھی بات مشتبہ نظر آئی تو تم مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"پھر یہ ڈیل نہیں ہوسکتی۔" آئی مین نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"اب تم کو مجھ سے شکوہ نہیں ہوسکتا۔ تمہارے انکار کے بعد اب میں ڈینی سے تمہارا سودا کروں گا۔ وہ شاید ملین ڈالر تو نہیں دے سکے گا مگر مجھے اس سے ایک بڑی رقم ضرور مل جائے گی۔ میری محنت رائگاں نہیں جائے گی۔" اس کا فیصلہ سنتے ہی میں نے پانسا پھینکا۔

"تم۔ تم اس کمینے سے میرا سودا کرو گے۔" حیرت اور غصے کی زیادتی سے اس کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری۔

"مجبوری ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم ڈینی کا نام سنتے ہی ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوجاؤ گے مگر تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ شی کے آئی مین شیردل ہوا کرتے تھے مگر تم بزدل معلوم

ہوتے ہو۔" بات بگڑتی دیکھ کر میں طنزو تشنیع پر اتر آیا۔
"بزدلی اور احتیاط میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس کی آواز میں برہمی نہیں تھی۔ شاید اس نے مجھے ڈیل نہ ہونے کی کھوکھلی دھمکی دی تھی ورنہ وہ خود مذاکرات جاری رکھنے کا خواہاں تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تم میرے علاوہ شی کے کسی آئی مین کو جانتے ہو؟"
"میں نام نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے حریفوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ بہت دلیر اور بے خوف آدمی تھا۔" میں نے... فی البدیہہ ایک خیالی پیکر تراش لیا "اسے معلوم تھا کہ اس کے دشمن کسی بھی وقت اسے مار دیں گے۔ اس کو ڈر تھا کہ اس کی سلور آئی دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی تو شی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ اس نے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنی سلور آئی میرے پاس رکھوا دی اور میدان میں ڈٹا رہا۔"
"اوہ! اس کی سلور آئی کہاں ہے؟" اسپیکر فون پر اس کی مضطربانہ آواز ابھری۔
"وہ امانت آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں چاہتا تو اس کی مدد سے خود آئی مین بن سکتا تھا مگر میں مردہ گھوڑے پر سواری کرنا پسند کرتا ہوں نہ کسی کی امانت میں خیانت کرنے کا تصور کر سکتا ہوں۔"
"تم ہر تھوڑی دیر بعد ایک نیا شوشا چھوڑ رہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
"تم چاہو تو میں گول طلائی سکے پر دونوں طرف ابھری ہوئی نقرئی آنکھ دکھا سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ مجھ سے ملو۔"
"وہ سلور آئی مجھے دے دو۔ میں تمہیں بیس ہزار ڈالر دوں گا۔" اس نے مضطربانہ آواز میں پیشکش کی۔
"میں کسی قیمت پر امانت میں خیانت نہیں کروں گا۔" میں نے زور دے کر کہا۔ بقیہ لوگ خاموش تھے مگر ویرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔ وہ آئی مین کے اضطراب کا سبب سمجھ رہی تھی۔ نقرئی آنکھ والے دو طلائی سکوں کا مالک بن کر وہ ہر ایک کو باور کرا سکتا تھا کہ وہ سپر آئی مین ہے۔ ایسی صورت میں اسے دنیا کی کوئی طاقت شی کی سربراہی سے نہیں روک سکتی تھی۔
"امانت رکھوانے والے کی موت کے بعد تمہاری ذمے داری ختم ہو گئی۔ اب تم اسے بیچ دو تو یہ خیانت نہیں ہو گی۔"
"آمنے سامنے بیٹھ کر بات کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔
"مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔ میں آج یا کل تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"
"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "تم اس نمبر سے میرا کھوج لگا لو گے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میرا پتا معلوم ہو چکا ہے۔" اس کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ میرے جواب نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔
"جو چاہو سمجھ لو۔" میں نے بے نیازی سے کہا "تم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں کل دو بجے خود فون کروں گا۔"
"اس وقت ہم بہتر طور پر بات کر سکیں گے۔ تم نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"
"یہ یاد رکھنا کہ میں سلور آئی سے دستبردار ہونے سے زیادہ ڈیتی کے معاملے میں دلچسپی لوں گا۔"
"تم بہت کچھ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم کام کے آدمی ہو۔ کل ہم ڈیڈ لاک کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔"
اس کی بات پوری ہونے پر میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔
"خدا کی پناہ!" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولا "تمہارے مغز میں بہت دم ہے۔ اس جیسے ٹیڑھے آدمی سے اتنی دیر تک باتیں کرنا تمہارا ہی کام تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی گفتگو کو اتنا طول نہیں دے سکتا تھا۔"
"تم اس طرح بات سے بات نکال رہے تھے جیسے تم نے سب کچھ پہلے سے سوچا ہوا ہو۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ایک بات ثابت ہو گئی کہ وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل دو بجے وہ کوئی نیا شوشا کھڑا کر دے۔" اول خان نے اپنی رائے دی۔
"میں نے سوچ سمجھ کر اسے کل تک کا وقت دیا ہے۔ وہ جان والے واقعے سے باخبر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ امریکی عملے سے قریبی رابطے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ براہِ راست جان ایلش کوف کو فون کر کے اس سے ماجد کے بارے میں معلوم کرے۔"
"اب اسے چھوٹ نہیں دی جانی چاہیے۔" غزالہ نے پُرخیال انداز میں زبان کھولی "وہ موذی ہے۔ سی آئی اے والوں کے ساتھ مل کر کوئی نیا گل کھلا سکتا ہے۔"
میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت میری اور اس کی سوچ بڑی حد تک یکساں تھی۔

"وہ موذی ہے اور میری رائے میں ڈینی سے صرف ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

ویرا بولی "تم نے اس سے ماجد بن کر بات کی تھی تو تمہیں سلور آئی کا کوئی حوالہ نہیں دینا چاہیے تھا۔ ان دونوں کو یک جا کرکے وہ تمہاری طرف سے بدک سکتا ہے۔"

"یہ بہت بڑی غلطی ہے جو میں نے جان بوجھ کر کی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بات شی میں مشہور ہو چکی تھی کہ میں ایک سلور آئی پر قابض ہو چکا ہوں۔ اسے واپس لینے کے لیے جمی لائیڈ نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا ذہن میری اس غلطی کی طرف جائے گا تو وہ خود اسے اپنے ذہن سے جھٹک دے گا کہ اس سے گفتگو کرنے والا ڈینی ہوتا تو ایسی فاش غلطی نہ کرتا۔"

"سلور آئی کا حوالہ دینے سے تمہیں کیا فائدہ ہوا؟"

ویرا نے اسی لمحے میں دوسرا نکتہ نکال لیا۔

"وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ اس کی بے چینی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شی میں سربراہ کا منصب خالی ہے۔ دو سلور آئیز کا مالک بن کر وہ اس سربراہی کا حق دار بن سکتا ہے۔ شاید اسی ایک نکتے پر ہماری دوسری فون کال پر مفاہمت ہوئی ہے۔"

"اگر تم نے ان خطوط پر سوچتے ہوئے سلور آئی کا ذکر چھیڑا تھا تو پھر ٹھیک ہی تھا۔" ویرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "جمی لائیڈ وائٹ ہاؤس کے ڈرائیو وے پر کسی گمنام قاتل کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بعد آنے والے تمہارے ہاتھوں مارے گئے اور پھر شی کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔ میرا ابھی کبھی پرانے لوگوں سے رابطہ ہوتا رہا مگر کہیں سے کسی سرگرمی کی خبر نہیں ملی۔ اب یہ نیا آئی مین آیا ہے تو میرا خیال ہے کہ اسی نے واشنگٹن میں شی کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ کامیاب ہو جاتا ہے اور دو سلور آئیز حاصل کرکے اپنی صلاحیت منوا لیتا ہے تو پھر یہ میرے مردہ باپ کی جگہ بھی لے سکتا ہے۔"

"بس مبہم سا یہی خاکہ میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سلور آئی کی بات نکال لی۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ ہوا وہ ٹھیک تھا۔" غزالہ نے پرسکون لہجے میں میرا ساتھ دیا "ابھی صرف راجا ہمارے قبضے میں آیا ہے۔ پتا نہیں آئی مین نے اور کس کس کو خرید لیا ہو گا۔ اب اسے مہلت دینا ایک موذی کو پالنے پوسنے کے مترادف ہو گا۔"

اول خان نے فون کا ریسیور اٹھا لیا "غزالہ کی تشویش بجا ہے۔ ہمیں اس کا پتا معلوم کرنا چاہیے۔"

شی کی تاریخ میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ بظاہر وہ سوسائٹی ہیروئن کے انسداد کے لیے بنائی گئی تھی اور عالمی پیمانے پر کام کرتی تھی۔ یورپ اور امریکا میں شی والے اپنے مقاصد سے اس حد تک مخلص ضرور تھے کہ اپنی دوسری غیر قانونی سرگرمیوں کے ساتھ ہیروئن کے انسداد کے لیے بھی کام کرتے تھے لیکن جنوبی ایشیا اور خاص طور پر پاکستان اور افغانستان میں شی کا کردار بالکل مختلف تھا۔

پاکستان میں شی کے شرمناک دھندوں کا میں چشم دید گواہ تھا۔ وہ امریکی سرمایے کے بل بوتے پر پاکستان کے گلی کوچوں میں ہیروئن کے آزادانہ استعمال کی سرپرستی کر رہے تھے۔ مہنگے داموں آنے والی ہیروئن سستے داموں پر ہیروئنچیوں کو فراہم کی جاتی تھی۔ فلسفہ یہ تھا کہ علاقے کی ساری پیداوار پاکستان کے راستے پوری دنیا میں اسمگل ہوتی تھی۔ اگر پاکستان میں اس موذی نشے کی مانگ بہت زیادہ بڑھ جاتی تو اسمگلنگ کی مقدار میں اسی قدر کمی ہو جاتی۔

پاکستان میں وہ لوگ صرف ہیروئن کو فروغ نہیں دیتے رہے تھے بلکہ حکومت سے برگشتہ گروپوں اور علیحدگی پسند عناصر کو رقوم اور ہتھیاروں کی صورت میں بھاری امداد فراہم کرتے رہتے تھے۔ ان کی ایسی کوششوں کو امریکی سفارت کاروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل ہوتی تھی۔ مجموعی طور پر مجھے ایسا نظر آیا تھا جیسے شی والوں کو پاکستان کا وجود ایک آنکھ نہ بھاتا ہو اور وہ ہر طرح اسے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں۔

اپنے ان اٹل مشاہدوں کی بنا پر میں نے شی سے بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ ان دنوں شی کا یہ نعرہ تھا کہ ان کے کسی باغی کے لیے روئے زمین پر کہیں کوئی جائے امان نہیں تھی۔ میں نے کامیابی کے ساتھ ان کی صفوں میں دراڑیں ڈال کر اس نعرے کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ ان کے مفادات پر ایسی ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ آخر کار وہ پاکستان کی سرزمین سے اپنی بساط لپیٹنے پر مجبور ہو گئے۔

اب ایک اجنبی آئی مین شی کا پرانا نام لے کر میدان میں اترا تھا تو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کے عزائم نیک نہیں تھے۔ امریکی ایجنسیوں کی ریشہ دوانیاں ناکام ہونے کے بعد واشنگٹن کے حکمرانوں نے اپنے اہداف کے حصول کے لیے دوبارہ شی کے آزمودہ کردار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اول خان کو چند منٹ میں معلوم ہو گیا کہ آئی مین کے

زیر استعمال فون ڈیفنس کے ساتویں فیز کے ایک مکان میں نصب تھا۔

آئی مین کے خلاف فوری کارروائی کی تجویز غزالہ کی تھی لیکن اس بارے میں اول خان زیادہ پرجوش تھا۔ اس کی دانست میں آئی مین پر ہاتھ ڈالنے کا وہ مناسب ترین موقع تھا۔ اسے ایک رات کی مہلت مل جاتی تو وہ اپنا ٹھکانا بدل کر ہماری دسترس سے دور نکل سکتا تھا۔

ہمارے لیے وہ محض ایک نام تھا۔ راجا سمیت کوئی بھی اس کی اصل شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ کراچی کی بھیڑ میں ایسے بے نام و نشان شخص کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس بار ہمارا مقابلہ بدمعاشوں کے کسی گروہ سے نہیں تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آئی مین نے رازداری کی وجوہ کی بنا پر اپنے ساتھ زیادہ بھیڑ نہیں رکھی ہوگی۔ ڈیفنس کے مکان میں وہ اپنی کسی ہم وطن لڑکی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ گھر کی خدمات اور دیکھ بھال کے لیے وہاں دو چار ملازمین ہو سکتے تھے۔ جن سے ہم لوگ آسانی سے نمٹ سکتے تھے۔ ہر شخص کی رائے تھی کہ اس مہم کے لیے ہمیں کسی اور مدد کی ضرورت نہیں تھی لیکن اول خان مصر تھا کہ اس کے دو چار تجربے کار آدمیوں کو ساتھ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کا تجربہ تھا کہ ہماری جن مہمات میں ایس ٹی ایف کے لڑاکا شریک ہوتے تھے ان میں لڑائی بھڑائی کا بیشتر بوجھ وہی اٹھاتے تھے۔ ہم لوگوں کا عملی کردار محدود اور مخصوص ہو کر رہ جاتا تھا۔ وہ دونوں بہت زیادہ منصوبہ بندی اور ذہنی مشقت کے عادی نہیں تھے اس لیے عملی میدان میں اپنے جوہر دکھانے کے لیے مضطرب رہتے تھے۔ انہوں نے اول خان کی تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور اسے خاموش ہو جانا پڑا۔

اول خان اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے سلسلے میں ڈیفنس کے علاقے سے بڑی حد تک واقف تھا۔ اس کی رائے تھی کہ ان دنوں فیز سیون کا علاقہ زیادہ آباد نہیں ہوا تھا۔ وہاں کسی کارروائی کے آغاز کے لیے گہری رات کا انتظار بے سود تھا۔ شام کے ہلکے اندھیرے میں بھی وہاں کسی مداخلت کے بغیر دھاوا بولا جا سکتا تھا۔

شام ہو چلی تھی۔ غزالہ نے سب کے لیے چائے تیار کی۔ چائے کا دور ختم ہوتے ہی ہم روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

ہم پانچوں آسانی کے ساتھ ایک گاڑی میں سما سکتے تھے مگر موقع کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ دونوں گاڑیاں ساتھ لی جائیں اور اول خان کی جیپ سے کچھ درمیانی ہتھیار ہماری گاڑی میں منتقل کر دیے جائیں۔

خود کار رائفلوں کی رازدارانہ منتقلی کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ویرا اور غزالہ اول خان کی جیپ میں تھیں۔ میرے ساتھ سلطان شاہ سفر کر رہا تھا۔ دونوں گاڑیوں میں باہمی رابطے کے لیے اول خان نے ایک ٹرانسمٹر میرے حوالے کر دیا تھا۔ میرے ایما پر اس مہم کی سربراہی اس کے سپرد کر دی گئی تھی۔

ہماری گاڑیاں شہر کے پُرہجوم اور بارونق علاقوں سے گزر کر ڈیفنس کی حدود میں داخل ہوئیں تو سماں اچانک ہی بدل گیا۔ پرسکون رہائشی علاقوں میں ہلکا پھلکا ٹریفک رواں تھا۔ رہائشی علاقہ کسی بھی قسم کی دکانوں یا دفاتر سے پاک تھا۔ ڈیفنس میں اس قسم کی کاروباری سرگرمیوں کے لیے کمرشل علاقے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ جہاں چھوٹے چھوٹے پلاٹوں پر تین اور کہیں چار منزلہ عمارات کھڑی کر دی گئی ہیں۔ ان کی نچلی منزل پر دکانیں اور شوروم قائم ہیں۔ اوپری منزلوں پر رہائش اور کاروبار کے ملے جلے مراکز پائے جاتے ہیں۔

کمرشل علاقوں میں مصروف اور لدی پھندی دکانوں کے قریب سے گزرتے ہوئے زندگی کی بھرپور چہل پہل کا احساس ہوتا ہے۔ اس سے آگے رہائشی علاقوں میں پھر سکون اور خاموشی کا راج ہو جاتا ہے۔

علاقہ پوری طرح آباد اور خوب صورت مکانات سے بھرا ہوا ہے لیکن فیز سیون میں صورتِ حال واقعی مختلف تھی۔ سڑکوں، روشنیوں اور دیگر سہولتوں کا جال بچھا ہوا تھا لیکن بیشتر علاقہ ریتیلے میدان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس روشن ریتیلے ویرانے میں کہیں کہیں اِکّا دُکّا مکانات آباد تھے۔ بہت سی جگہوں پر زیرِ تعمیر مکانات مزدوروں وغیرہ سے آباد نظر آ رہے تھے۔

آئی مین کی کمین گاہ کا پہلے سے سروے نہیں کیا گیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان اپنے قیاس کی بنا پر مطلوبہ مکان کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا جغرافیہ جواب دے گیا ہے۔ کیوں نہ کہیں رک کر کسی سے پتا معلوم کر لیا جائے؟" میں نے ایریئس پر اسے چھیڑا۔

"پتے سے مکان تلاش کرنے میں تھوڑی سی دقت ہوتی ہے۔ یہاں کوئی ہماری مدد نہیں کر سکے گا۔ ہمیں کمرشل ایریا

میں کسی اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں صحیح اسٹریٹ پر آگیا ہوں۔" اس جواب کے ساتھ اول خان نے اپنی جیپ ایک سڑک پر موڑی اور رفتار کم کرلی۔

"یہ عجیب علاقہ ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا "ساری سڑکیں ایک جیسی نظر آرہی ہیں۔ اگر سڑکوں پر شناختی بورڈ نہ لگے ہوئے ہوں تو سپاٹ زمین پر پھیلی ہوئی ان سیاہ لکیروں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔"

"اول خان کو اپنی یادداشت پر بھروسا نہ ہوتا تو وہ یوں سیدھا نہ چلا آتا۔"

کچھ دور چل کر اول خان نے ایک مکان کے سامنے اپنی گاڑی روک لی۔ میں نے مصلحتاً اس سے فاصلہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے قریب جانے کے بجائے اپنی گاڑی دور روک لی۔ منزل آجانے کے احساس سے سلطان شاہ اپنی نشست پر کچھ بے چین سا ہوگیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔" ایرٹس پر اول خان کی مایوسانہ آواز ابھری "گیٹ پر تالا لگا ہوا ہے۔ ساتھ ہی کرایے پر خالی ہے کا بورڈ بھی لٹکا ہوا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم صحیح پتے پر پہنچے ہو۔" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"سو فیصد یہی مکان ہے۔ اس پر پتے کی تختی بھی لگی ہوئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ گھر خالی پڑا ہوا ہے۔"

وہ تینوں پتے کے بارے میں اتنے پُر یقین تھے کہ خالی ہاتھوں جیپ سے سڑک پر اتر آئے اور اپنے مطلوب مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی جیپ کے پیچھے لے جاکر روک دی۔

سلطان شاہ نے پُر تشویش انداز میں میری اور اول خان کی گفتگو سننے کے بعد ریوالور سنبھال لیا تھا۔

گاڑی روک کر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ میں نے گاڑی روکتے ہی دیکھ لیا تھا کہ اول خان درست کہہ رہا تھا۔ مقفل پھاٹک پر ٹولٹ کا لٹکا ہوا بورڈ ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ اس بورڈ کے نیچے رابطے کے لیے ایک فون نمبر دیا ہوا تھا۔

"یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے میرے کانوں میں غزالہ کی آواز آئی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے یہ مکان آباد تھا اور اب اس قدر ویران پڑا ہوا ہے۔ اتنی سی دیر میں وہ گھر خالی کر گیا اور دروازے پر ٹولٹ کا بورڈ بھی آویزاں کردیا گیا۔"

اس گھر کے سامنے دو گاڑیاں رکتی دیکھ کر قریبی زیر تعمیر مکان سے ایک مزدور باہر نکل آیا تھا۔ اول خان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہوئے کہا "کہیں یہاں بھی سنی کمار اور چندن والا چکر نہ چل رہا ہو کہ خالی مکان کا فون کہیں اور استعمال کیا جارہا ہو۔"

"محکمے کی ملی بھگت کے بغیر یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے کہا ہم پانچوں ٹہلتے ہوئے اس تاریک مکان کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

پٹھان مزدور ناخواندہ تھا۔ اس کی اردو کمزور تھی۔ اول خان نے چند لمحوں کے لیے اس سے پشتو میں بات کی اور ہمیں بتایا کہ اس مکان کے گیٹ پر وہ بورڈ پچھلے کئی ہفتوں سے لگا ہوا تھا لیکن پھاٹک پر تالا نہیں تھا۔ مزدور نے کبھی اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ وہاں کسی کی آمدورفت رہتی تھی یا مکان خالی پڑا رہتا تھا۔

مزدور اول خان کو سلام کرکے ہمیں حیران نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔

"اندر چل کر دیکھتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" سلطان شاہ یہ کہہ کر مقفل آہنی پھاٹک کی طرف بڑھا اور کسی بندر کی طرح کنڈے پر پیر ٹکا کر تیزی سے اندر کود گیا۔ فرش پر اس کے کودنے کی دھمک خاصی تیز تھی۔ چند لمحوں کے لیے میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہوگئیں۔ سلطان شاہ مسلح اور پھرتیلا ضرور تھا لیکن اندھیرے میں گھات میں بیٹھا ہوا کوئی بھی دشمن بہت آسانی سے اسے اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔

اندر کودنے کے بعد شاید سلطان شاہ نے بھی کسی ردِعمل کا انتظار کیا اور پھر اندر سے ذیلی راستے کی کنڈی کھول دی۔

میں دانستہ اونچی آواز میں بولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ گھر کی تاریکی میں اگر کوئی چھپا ہوا ہو تو ہماری نفری سے باخبر ہوجائے اور ہم سے مقابلہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

مکان میں تاریکی کے ساتھ گہرے سناٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ ریوالور تھامے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور اس نے پورچ کی روشنی کا سوئچ آن کردیا۔

داخلی دروازہ مقفل تھا۔ میں اول خان کے ساتھ پورچ میں رکا رہا۔ وہ تینوں اندر داخلے کی کوئی راہ تلاش کرنے کے لیے داہنی طرف چل دیے۔

"مکان میں ہفتوں کی ویرانی کے آثار نہیں ہیں۔" اول خان نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا "یہاں انسانی بو پائی جا رہی ہے۔"

وہ ساحل کا قریبی علاقہ تھا۔ اگر وہ مکان کئی ہفتوں سے بند اور غیر آباد ہوتا تو رچی ہوئی سیلن میں ناگوار سی بو ضرور پیدا ہو جاتی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مکان پر ٹولٹ کا بورڈ دھوکا دینے کے لیے لٹکایا گیا تھا ورنہ آئی مین کچھ دیر پہلے وہاں موجود تھا۔

میں نے مقابلے کا خوف دور ہو جانے کے بعد سگریٹ سلگالی۔ ہم دونوں وہیں کھڑے تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ چند کھٹکوں کی آوازوں کے بعد مکان کا داخلی دروازہ کھل گیا اور وہاں سے وہ تینوں نمودار ہو گئے۔

"وہ فون سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے ورنہ تھوڑی دیر پہلے یہیں موجود تھا۔" ویرا نے مکان سے برآمد ہوتے ہوئے پُرجوش لہجے میں اطلاع دی۔

"مکان پوری طرح فرنشڈ اور صاف ستھرا ہے۔ کچن میں کھانا پکانے یا گرم کرنے کی تازہ بو رچی ہوئی ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

اس مرتبہ ہم پانچوں ہی ایک ساتھ آگے بڑھے تھے مگر میں ایک فوری خیال کے تحت ٹھٹک گیا۔ تم تینوں اندر ہو آئے ہو۔ اب یہاں رک کر نگرانی کرو۔ میں اول خان کے ساتھ اندر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔ تم کدھر سے اندر گھسے تھے؟"

"ساری کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی ہے۔ میں نے ایک بیڈ روم کے ونڈو ائرکنڈیشنر کو اندر گرا کر داخلے کا راستہ بنایا تھا۔"

میں اسے توصیفی نظروں سے گھور کر مسکرا دیا۔ کسی خالی گھر میں داخل ہونے کے لیے اس سے بہتر اور آسان راستے کا انتخاب مشکل تھا۔

ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر میں اول خان کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔

مکان بہت شوق اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ وہاں تین بیڈ روم تھے۔ دو کمروں کے بستر بالکل بے داغ اور ہلکی سی گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ ماسٹر بیڈ روم بے ترتیب تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ گھر میں بس وہی ایک خواب گاہ استعمال کی جا رہی تھی یا پھر کھانے کی میز پراسرار مکینوں کے استعمال میں رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے صوفوں اور قالین پر بھی گرد کی ہلکی سی تہ جمی ہوئی تھی۔

دونوں خواتین کے مشاہدے کے مطابق کچن پوری طرح زیر استعمال اور خوشبوؤں میں رچا ہوا تھا۔ کہیں گرد و غبار کا نشان تک نہیں تھا۔ ریفریجریٹر مختلف اشیائے خورونوش اور مشروبات سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں بیئر کے ڈبے بھی شامل تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ فرج میں محفوظ کیا ہوا کھانا مقامی طرز کا نہیں ہر ڈش مغربی طرز کی نظر آ رہی تھی۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ وہاں غیر ملکی رہ رہے تھے۔

کچن کا جائزہ لینے کے بعد ہم واپس ماسٹر بیڈ روم میں لوٹ آئے۔ میں نے الماریوں اور درازوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ اول خان نے اپنے موبائل فون سے آئی مین کا نمبر ملایا تو خواب گاہ میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب کچھ درست تھا ہم اپنی تفتیش کے مطابق صحیح ٹھکانے پر پہنچے تھے مگر ساری تیزی دکھانے کے باوجود آئی مین اور اس کی مدد گار لڑکی کو کھو چکے تھے۔

اس گھر کا فون نمبر چیک کرنے کے بعد اول خان بھی میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ ان لوگوں نے جاتے ہوئے اپنی ایسی کوئی ذاتی چیز نہیں چھوڑی تھی جس سے ان کی شناخت میں مدد مل سکے۔ میک اپ اور شیونگ کے ہلکے پھلکے سامان کو چھوڑ کر وہ اپنا سب اسباب سمیٹ کر لے گئے تھے جو یقیناً مختصر رہا ہو گا۔

"ہم ادھر کا رخ کرتے یا نہ کرتے' اسے فرار ہونا تھا اور وہ کامیاب ہو گیا۔" اول خان نے بجھی ہوئی آواز میں کہا "اس نے فون کے لیے کل دو بجے کا وقت صرف مہلت لینے کے لیے مقرر کیا تھا۔"

"کیا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے بات کرنے والا ماجد نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جرائم کی دنیا کا آدمی ہے۔ اس کو بھڑکانے کے لیے صرف یہ بات کافی تھی کہ ایک اجنبی اس کے ٹھکانے سے واقف ہو چکا ہے جو اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں اسے کوئی بڑا نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ وہ غیر ضروری خطرات مول لینے والوں میں سے نہیں ہے۔ پہلی فرصت میں نکل بھاگا۔"

"وہ کہاں جائے گا۔ مالک مکان کو اس کے بارے میں بہت کچھ اگلنا پڑے گا۔" میں نے تلخی سے کہا "اس نے ایسے مشتبہ غیر ملکی کو اپنا مکان کیوں دیا جو دروازے پر ٹولٹ کا بورڈ لٹکا کر کسی چور کی طرح اندر چھپا ہوا تھا۔"

"بورڈ پر لکھا ہوا نمبر تمہیں یاد ہے یا میں دیکھ کر آؤں۔"

اول خان نے پوچھا۔
"وہ بھولنے والا نمبر نہیں تھا۔ میں نے دیکھتے ہی حفظ کرلیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔
ہم نے بیڈ روم کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن ایسا کوئی پرزہ تک حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جس سے آئی مین یا اس کی ساتھی کی شناخت میں مدد ملتی۔ وہ دونوں بہت قلیل وقت میں فرار ہوئے تھے لیکن انہوں نے ہر ممکنہ احتیاط سے کام لیا تھا۔
اس کام سے نمٹ کر میں نے اسی گھر کے فون سے وہ نمبر ملانے کا فیصلہ کرلیا جس سے مکان کرائے پر لینے کے لیے رجوع کرنا تھا۔ ہم پانچوں ایک مرتبہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے تو ہمیں کچھ نہ کچھ نتائج حاصل کر کے گھر لوٹنا چاہیے تھا۔
اس نمبر پر رابطہ ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ بورڈ پر دیا ہوا نمبر کسی گھر کے بجائے اسٹیٹ ایجنسی کا تھا۔ مکان کے خالی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اس نے میرے سوال کو گول مول جواب میں ٹال دیا اور دعوت دی کہ میں اس کے دفتر پہنچ کر اس سلسلے میں بات کرلوں۔ انشورنس اور جائداد کا کام کرنے والوں کو چھیڑنا عام طور پر اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ لوگ سراپا اخلاق و انکسار بن کر اس ہمدردی کے ساتھ متبادل مشورے پیش کرتے ہیں کہ ان کا گاہک الفاظ کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر اپنا مقصد فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے ہوش اس وقت آتا ہے جب وہ ایک معقول رقم دے کر کسی کم تر سودے کا پابند ہو چکا ہوتا ہے۔
شاید اس کا مدعا بھی یہی رہا ہوگا۔ اگر میں واقعی ضرورت مند ہوتا تو وہ مجھے کوئی اور مکان کرائے پر دلوا کر اپنا کمیشن کھرا کر سکتا تھا۔
اس فون کال کے بعد ہمارا وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہماری واپسی میں تاخیر سے وہ تینوں بے آرام ہو رہے ہوں گے۔ ہم گھر کی بتیاں بجھاتے ہوئے صدر دروازے سے باہر نکلے تو وہ تینوں ہمہ تن ہمارے منتظر تھے۔
اسٹیٹ ایجنسی سے چھان بین کرنے کے لیے اتنے بڑے لشکر کی ضرورت نہیں تھی۔ پورچ سے باہر نکلتے ہوئے میں نے انہیں تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا اور سلطان شاہ کے ساتھ گھر واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا جو بے چون و چرا قبول کرلیا گیا۔
سلطان شاہ نے پھاٹک کے ذیلی دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کے بجائے باہر سے کنڈا لگانے پر اکتفا کیا۔ اگر اس مکان کا مالک حد سے زیادہ بے پروا تھا تو ہمیں اس کے اسباب کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔
سلطان شاہ دونوں عورتوں کو لے کر میری گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں اول خان کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی کی طرف چل دیا۔
فون پر مجھے توحید کمرشل کا پتا دیا گیا تھا۔ وہ وہی علاقہ تھا جہاں ہم نے فریڈم انٹرنیشنل نامی این جی او کے تار و پود بکھیرنے کے لیے اپنا کافی وقت گزارا تھا۔
فیز فائیو کے اس کمرشل ایریا میں ہمیں اپنی مطلوبہ اسٹیٹ ایجنسی تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ المونیم کے فریم میں جڑے ہوئے تاریک شیشوں کے فرنٹ والا وہ دفتر باہر سے دیکھنے میں زیادہ چوڑا نہیں تھا لیکن اندر پہنچنے پر اندازہ ہوا کہ اس کی غیر معمولی گہرائی نے رقبہ معقول حد تک بڑھا دیا تھا۔
بیرونی دفتر میں پڑی ہوئی کئی میزوں میں سے صرف ایک کے پیچھے خوش لباس نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر چغلی کھا رہی تھی کہ وہ اس دفتر کا مالک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے خوش اخلاقی کے ساتھ ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کرتے ہوئے ہماری ضرورت کے بارے میں سوال کیا۔
اس دوران میں' میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اندرونی کمرے میں' تاریک شیشے کی دیواروں کے پیچھے کچھ غیر معمولی نقل و حرکت ہو رہی تھی۔ میں نے بیٹھتے ہوئے لڑکے کو بتایا کہ ہم ایک خاص مکان کے بارے میں ایجنسی کے مالک سے ملنے کے لیے آئے تھے۔
بے ساختہ اس کی نظریں اندرونی کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے دوبارہ ہماری طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں بے بسی رچی ہوئی تھی۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "سر! میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔ صاحب کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ مصروف ہیں۔"
"سنو لڑکے!" اول خان نے بزرگانہ تحکم سے کہا "ہم یہاں وقت برباد کرنے نہیں آئے۔ تمہارا صاحب شاید اس کمرے میں ہے۔ تم اسے نہیں بلا سکتے تو ہم وہیں چلے جاتے ہیں۔"
وہ نوجوان بوکھلا گیا "نہیں نہیں۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔"
اس نے ہم سے ہمارے نام جاننا چاہے تو اول خان نے

چیخ کر کہا "بتادو کہ ہم ایک تحقیقاتی ایجنسی سے آئے ہیں۔"
ایجنسی کا لفظ سنتے ہی نوجوان کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے تیز دھار چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے ہماری طرف دیکھا اور میز پر سے فون کا ریسیور اٹھالیا۔ اس نے ایک بٹن دبا کر چند لمحوں تک انتظار کیا پھر بہت دھیمی آواز میں کسی کو بتایا کہ کسی ایجنسی کے دو افسران اس سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

اس دوران میں میری نظریں اندرونی کمرے کی دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بات ختم ہوتے ہی تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے تاریک تر انسانی ہیولوں کی اضطرابی ہلچل نظر آئی۔ شاید وہاں کچھ بھگدڑ کی سی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔

چند لمحوں بعد اندرونی کمرے سے دو سہمی سہمی لڑکیاں اپنے لباس سمیٹتی ہوئی برآمد ہوئیں اور ہم سے نظریں چراتی ہوئی تیزی سے باہر نکلتی چلی گئیں۔ دفتر ائر کنڈیشنڈ تھا۔ وہ قریب سے گزریں تو میرے نتھنوں میں الکحل کی تیز بو آئی جو شاید ان کے سانسوں میں رچی ہوئی تھی۔

مجھے ان لڑکیوں کے بارے میں زیادہ دیر تک سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ لڑکیوں کو رخصت کرکے ایجنسی کا متوسط قامت مالک اندرونی کمرے سے نکل آیا۔

اس کی مخمور نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خاصی پیے ہوئے تھا۔ اول خان نے توہین آمیز لہجے میں کہا "اپنے کمرے میں گھس کر لڑکیوں کو شراب پلا رہے تھے۔"

اس نے بے بسی سے دانت نکال دیے "میں خود پی رہا تھا۔ وہ بے چاریاں تو ملازمت کے لیے انٹرویو دینے کے لیے آئی تھیں۔"

اول خان قدرے مذہبی رجحان رکھنے والا جذباتی آدمی تھا۔ اس کے بھکنے کا احساس ہوتے ہی میں نے ایجنسی کے مالک سے کام کی بات چھیڑ دی۔

ابتدا میں اس نے بتایا کہ بی باون کے نمبر سے معروف وہ مکان خالی ضرور تھا مگر مرمت کے کچھ کاموں کی وجہ سے فوری طور پر قبضہ دینے کے قابل نہیں تھا۔ جب اسے یہ دھمکی دی گئی کہ وہ مکان ہم دیکھ کر آئے تھے تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ویسے بھی وہ مے نوشی کی وجہ سے کچھ اعصاب زدہ ہو رہا تھا۔ جھوٹ کے ترکش کا پہلا تیر ضائع ہوتے ہی سوچ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔

وہ مکان کینیڈا میں مقیم ایک پاکستانی کی ملکیت تھا۔ اس نے اپنا روزگار مستحکم کرتے ہی اپنی فیملی کو کینیڈا بلالیا تھا۔ اپنا رہائشی مکان دیکھ بھال اور کرائے پر دینے کے لیے اس شخص کے حوالے کردیا تھا۔ مکان زندگی کی تمام پر تعیش ضروریات سے آراستہ تھا اس لیے معقول کرائے پر چلا گیا۔ پچھلے مکینوں کے چلے جانے کے بعد وہ گھر خالی پڑا ہوا تھا کہ ایک مقامی نے ڈیڑھ ماہ پہلے اس سے رجوع کیا۔ وہ صرف تین ماہ کے لیے چالیس ہزار ڈالر کرایہ ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وہ مدت اتنی کم تھی کہ اسٹیٹ ایجنٹ کو لالچ آگیا۔ وہ مالک مکان کو اطلاع دیے بغیر پورے چالیس ہزار ڈالر ہضم کرسکتا تھا۔ اس نے ایک ماہ پہلے پوری رقم پیشگی لے کر مکان کی چابی نادر کے حوالے کردی۔ خود اس کی نیت خراب تھی اس لیے کرایہ نامہ وغیرہ بھی نہیں لکھا گیا۔ اس نے نادر کو رقم کی کچی رسید دی اور اس سے مکان اور سامان کی فہرست پر دستخط لے لیے۔

بی باون کی طرف سے گزرتے ہوئے اس نے کئی بار دیکھا کہ مکان پر ٹولٹ کا بورڈ لٹکا ہوا ہے۔ وہ خاموش رہا۔ بورڈ کا لٹکا رہنا اس کے حق میں تھا۔ مالک مکان کا کوئی رشتے دار ادھر سے گزرتا تو وہ بھی یہ سمجھتا کہ مکان خالی پڑا ہوا ہے۔

اسٹیٹ ایجنسی والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس مکان میں نادر کے بجائے کوئی اور رہ رہا تھا۔

اس کے پاس نادر کا پتا موجود تھا جو میں نے نوٹ کرلیا۔ وہ یقینی طور پر آئی مین کا کوئی قریبی ساتھی تھا جس کے لیے ہوئے مکان میں وہ پوری بے فکری سے رہ رہا تھا۔

اس سے سب کچھ معلوم کرلینے کے بعد جب اول خان نے اسے یہ بتایا کہ بی باون میں ایک خطرناک غیر ملکی مجرم رہ رہا تھا تو اس کے طوطے اڑ گئے۔ اس کا نشہ ہماری پوچھ کچھ کے باعث پہلے ہی ہرن ہو چکا تھا۔ وہ فوری طور پر چالیس ہزار ڈالر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

وہ حرام کا مال تھا جو اس نے کھلی بے ایمانی سے لوٹا تھا۔ اس رقم کا اس کے پاس رہنا اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہوتا۔ میں نے ایدھی سینٹر کو حوالے کرنے کی نیت سے وہ چالیس ہزار ڈالر اس سے واپس لے لیے۔

ہم نے اسے یہ جتا دیا تھا کہ وہ اپنی بے خبری کے باعث ایک خطرناک چکر میں ملوث ہو چکا تھا۔ اگر اس نے ہماری آمد اور بی باون کے مکینوں کے بارے میں باز پرس کے سلسلے میں کہیں بھی اپنی زبان کھولی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اس کے لیے وہ انکشاف لرزہ خیز ثابت ہوا اور وہ گھگیانے لگا۔

اس کا نوجوان ملازم اس وقت تک دفتر سے باہر تھا۔ وہ

ملازمت کے لیے انٹرویو دینے والی بے چاریوں کے پیچھے سر جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا صاحب بہت غلط موقع پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ وہ خود بے قصور تھا اس لیے شرمندہ تھا۔

اسٹیٹ ایجنسی سے اس سے زیادہ معلومات حاصل ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ وہاں تسلی بخش طور پر اپنا کام پورا کر کے ہم واپس روانہ ہو گئے۔

"اس نے بہت مجبور ہو کر فرار کی راہ اختیار کی ہے۔" ڈیفنس سے کورنگی روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے کہا "وہ پس پردہ رہ کر دوسروں پر فون کے ذریعے اپنا حکم چلانے کا عادی ہے۔ اب اس کے سارے رابطے ٹوٹ جائیں گے۔"

"شاید تمہارا خیال درست ہو۔ تم اس کی راجا سے ہونے والی گفتگو بھول رہے ہو۔ اس کے آدمی اسے ناگزیر ضرورت کے تحت فون کرتے ہیں ورنہ وہ خود فون کر کے انہیں ہدایات دیتا ہے۔"

"غزالہ نے ہمیں اس کا رخ کرنے کا مشورہ بہت بروقت دیا تھا مگر وہ پھر بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا!" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"نکل جائے مگر بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ میرا خیال ہے کہ نادر اسے پہچان لے گا۔"

"کیوں نہ میں اسی وقت اپنے آدمیوں کو نادر کی راہ پر لگا دوں؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"اس نیک کام میں دیر نہ کرو۔ آئی مین نادر کی اہمیت سے غافل نہیں ہوگا۔"

اول خان نے اسی لمحے اپریٹس پر اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے رابطہ کیا اور آپریٹر کو نادر کے بارے میں ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

آئی مین کا نام سامنے آنے کے بعد ہم دو افراد پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں ہی اس کے صورت آشنا نہیں تھے۔ راجا اور اسٹیٹ ایجنٹ کے بعد صرف نادر ایسا آدمی تھا جو آئی مین کی شناخت پر روشنی ڈال سکتا تھا۔

○☆○

گھر کے باہر ایک نامانوس گاڑی کھڑی دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"ڈرائیور کے ساتھ ہمارے گھر کون آیا ہوا ہے؟" میں نے پُرتشویش آواز میں کہا۔

اول خان نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی ذرا آگے پہنچی تو اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر انتظار میں بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیا۔ "یہ آئی بی کا ڈرائیور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جلال آیا ہوا ہو۔"

"جلال!" میں نے حیرت سے کہا "صبح تو وہ اسلام آباد میں تھا!"

"اس کے لیے اسلام آباد اور کراچی ایک ہیں۔ ان لوگوں کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ اسے پورے پاکستان میں دوڑ لگانی پڑتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شام کی پرواز سے کراچی پہنچا ہو اور تمہارے لیے کوئی اہم خبر لایا ہو۔"

اول خان کی گاڑی کا ہارن سن کر سلطان شاہ نے دروازہ کھولا۔ ہم اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم میں جلال اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ ہم سے بہت تپاک سے ملا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے فون نہ کرنے کے بارے میں کوئی معذرت کرتا، وہ خود ہی بول پڑا "اگر تم نے مجھے فون کیا ہوگا تو مایوسی ہوئی ہوگی۔ میں کسی کو کچھ بتائے بغیر کراچی کا رخ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"ایسی کیا مجبوری پیش آگئی۔" اول خان نے ہنس کر سوال کیا۔

"ہمیں ہر وقت مجبوریاں پیش آتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے سو بھی نہیں سکتے۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

"یہ سراسر فرض شناسی کی علامتیں ہیں اور فرض شناسی ایک مہلک بیماری ہے۔" سلطان شاہ نے بڑے حوصلے کے ساتھ تبصرہ کیا "میں نے تو ایسے سرکاری افسر بھی دیکھے ہیں جو اپنا وقت گزارنے اور تنخواہ لینے کے لیے دفتر آتے ہیں۔ کوئی کام کرنا ہی پڑ جائے تو اسے گناہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔"

"ایسے حرام خوروں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا "ان کی اولادیں بگڑ جاتی ہیں یا بیماریاں گھر دیکھ لیتی ہیں۔ انہیں گھریلو زندگی کا سکھ کبھی نہیں ملتا۔"

"یہ باتیں بعد میں ہو سکتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آئی مین کا کیا بنا۔" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس بارے میں تمہیں کیسے پتا چلا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے پہلے یہاں آ گیا تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے آئی مین کے فرار تک کی آدھی کہانی سنا دی ہے۔"

"اسٹیٹ ایجنٹ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکا۔ وہ مکان نادر نامی ایک شخص نے بھاری کرائے پر تین ماہ کے لیے لیا

تھا۔" میں نے بتایا اور اختصار سے وہاں پیش آنے والے واقعات دہرا دیے۔

"اب تم نادر کے پیچھے جاؤ گے۔" جلال نے تصدیق چاہی۔

"اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش پر مامور کردیا ہے تاکہ آئی مین کو اپنا کام دکھانے کا وقت نہ مل سکے۔"

"مجھے یہاں آکر پتا چلا ہے کہ شی دوبارہ سر اٹھا رہی ہے۔ میں بھی اپنے آدمیوں کو ہوشیار کردوں گا۔"

"اس فتنے کو ہم سب کو مل کر کچلنا ہوگا۔ ان لوگوں کو ایک مرتبہ پنپنے کا موقع مل گیا تو انہیں اکھاڑنا مشکل ہوجائے گا۔" ویرا نے کہا۔

"ان کے بارے میں تم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔" جلال ہنس کر بولا۔

"اب تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کو اچانک کراچی کیوں آنا پڑا۔" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کئی سبب تھے۔ ان میں سے ایک تم سے ملنا بھی تھا اور میں یہاں موجود ہوں۔"

"تم مجھ سے ملنے کی ضرورت محسوس کررہے تھے تو یقیناً کوئی خاص بات ہوگی۔"

"میرا خیال تھا کہ لیری کی موت کے بعد مظہر کا قصہ دب جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی سرد مہری کی وجہ سے بھارتی کوئی عملی اقدام اٹھانے سے قاصر ہیں لیکن انہوں نے دل کھول کر امریکیوں کے کان بھرے ہیں۔ انہوں نے اب ایک نیا نعرہ لگایا ہے کہ پاکستان خطرناک بین الاقوامی مجرموں کی جنت بنتا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کھل کر تمہارا، مظہر، ویرا اور ماجد کا نام لیا ہے۔" جلال نے بتایا۔

"سارا چکر دو آدمیوں کا ہے۔ وہ ایک عرصے سے امریکیوں کے سر پر سوار ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"آدمی دو ہی ہیں لیکن ڈینی نے اپنے ہر بہروپ کو اتنی کامیابی سے نبھایا ہے کہ امریکی ابھی تک سب کو الگ الگ افراد سمجھ رہے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ جب تک یہ چاروں افراد پکڑ کر امریکی حکام کے حوالے نہیں کیے جاتے، ہر بین الاقوامی واردات کا ذمے دار پاکستان کو قرار دیا جائے گا۔" جلال نے اپنی بات جاری رکھی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا ساری دنیا کی ذمے داری پاکستان

تازہ ترین

نوجوان کی شادی قریب تھی۔ ایک روز اس نے اپنی منگیتر سے کہا "میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں شادی سے پہلے تمہیں اپنے معاشقوں کے بارے میں بتادوں۔"

"تم دو ہفتے پہلے مجھے اپنے تمام معاشقوں کے بارے میں بتا چکے ہو اور میں نے تمہیں معاف کردیا تھا" منگیتر نے یاد دلایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن وہ دو ہفتے پہلے کی بات تھی..." نوجوان بولا۔

پر ڈال دی جائے گی۔" اول خان نے تلخی سے کہا۔

"شاید مجھ سے غلطی ہوگئی، بات ساری دنیا کی نہیں تھی۔ وہ پاکستان میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پیش بندی کررہے ہیں۔" جلال نے اپنی تصحیح کی۔

"اس بارے میں ہم سب پہلے ہی محتاط ہیں۔ تم بتا چکے ہو کہ ہمیں امریکیوں سے دور رہنا چاہیے۔" میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا "مگر اب اچانک آئی مین سامنے آگیا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ اسے کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ اس کی موت پر وہ شور مچادیں گے کہ کراچی میں ایک اور معزز امریکی مار دیا گیا۔ ان کی اس بدمعاشی کا کیا علاج ہے۔"

"شہادتیں جمع کرتے رہو۔" جلال نے تلقین کی "راجا پہلا گواہ ہے۔ اسٹیٹ ایجنٹ اور بی باون کے آس پاس کام کرنے والے مزدور بھی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ کوئی کیس بنتا ہے تو ہم اس کے انجام سے پہلے ذرائع ابلاغ میں خبریں پھیلادیں گے کہ ایک مشتبہ اور نامعلوم امریکی کراچی میں منشیات کے کاروبار پر قبضے کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

"بس اس میں ایک خرابی ہے۔ ہم راجا کو اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکیں گے۔" اول خان نے کہا "ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اسے باضابطہ طور پر پولیس کی تحویل میں دینا پڑے گا۔"

"اس وقت میں یہی چاہ رہا ہوں۔" [illegible] مہروں کو قانون کی روایتی گرفت میں جانے دو۔ [illegible] سامنے آجائے تو اسے ذبح کر ڈالنا۔ پہلے سے کیس تیار ہوگا تو یہ کہنے کی گنجائش رہے گی کہ آپس میں گروہ بندی والی دشمنی کا نشانہ بن کر مارا گیا۔"

اول خان کوئی جواب دینے کے بجائے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جلال سے کہا "تمہیں سہولت ہے تو ایسا کرنے میں [illegible] چاہو تو اسٹیٹ ایجنٹ کو بھی پکڑوا دو۔ اس [illegible] رقم بھی حاضر ہے۔" میں نے چالیس ہزار ڈالر کے نوٹوں کی ربڑ بینڈ چڑھی ہوئی گڈی اس کے سامنے ڈال دی۔

جلال نے میری پیش کش پر کسی ردِعمل کا اظاہرہ کرنے کے بجائے اپنی بات جاری رکھی "کچھ نئے شواہد سامنے آئے ہیں اور ہم کسی تازہ کھیپ کے منتظر ہیں۔"

"کھیپ... ؟ کس چیز کی کھیپ؟" ویرا نے حیرت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"جوشی درمیان کا بہت اہم آدمی تھا۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں حیران تھا کہ اس کی اتنی کیا اہمیت تھی کہ چوپڑا اور راجا اسے ہر قیمت پر تم لوگوں کی گرفت سے بچانے کی کوششیں کررہے تھے اور جب ہر داؤ ناکام ہوتا نظر آیا تو اسے مروا دیا گیا..."

"تم سے چوپڑا اور راجا کے بارے میں بات ہوتی رہی لیکن شاید میں نے کبھی جوشی کا نام نہیں لیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے کہا۔

"شاید تم نے اس کا ذکر نہ کیا ہو مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہر شہر میں رونما ہونے والے اہم واقعات کی رپورٹیں مجھے باقاعدگی سے ملتی ہیں۔ بمبئی بازار میں نامعلوم حریفوں کے درمیان دھواں دھار فائرنگ کے تبادلے اور پھر جوشی کے اغوا کی خبر معمولی نہیں تھی۔ آج صبح سویرے راجا کے اڈے سے اس کی لاش برآمد ہوتے ہی میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی تو میں نے انہیں کام پر لگا دیا۔ انہوں نے حیران کن تیزی دکھائی اور یہ پتا چلا لیا کہ جوشی دراصل چوپڑا اور راجا کے درمیان رابطے کا کام انجام دے رہا تھا۔"

"اور ویرا غلطی سے اس کو چھیڑ بیٹھی!" اول خان نے بے ساختہ لقمہ دیا۔

"کھیل یہی ہے کہ شی کے پرانے مہروں کو یکجا کر کے ایک بڑی طاقت میں تبدیل کیا جائے۔" میں نے کہا۔

"جلال کو اپنی بات مکمل کرنے دو۔" ویرا نے ہم دونوں کو ٹوکا۔ "میں جاننا چاہ رہی ہوں کہ وہ کس کھیپ کی بات کررہا ہے۔"

"را والے یہاں دل کھول کر پیسا خرچ کررہے ہیں۔" جلال نے اپنی بات جاری رکھی "وہ رعایتی داموں پر راجا یا شی سے ہیروئن لے کر جوشی کے ذریعے غریب بستیوں میں مفت بانٹ رہے ہیں اس خسارے کی بڑی رقم وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ سے پوری کررہے ہیں۔"

"چوپڑا بھارت سے ایسیٹک ہائیڈ رائڈ اسمگل کررہا ہے!" ویرا نے بے یقینی سے پوچھا "اور ہم اس مکروہ دھندے سے بے خبر ہیں۔"

"اس کا طریقہ کار بے داغ ہے۔" جلال نے اعتراف کیا "بھارت سے کراچی اور اسلام آباد میں متعین سفارتی عملے کے لیے ڈیوٹی فری شرابیں آتی ہیں جو بانڈیڈ ویر ہاؤسز میں ذخیرہ رہتی ہیں۔ سفارت خانے اور قونصل خانے والے اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے کریٹ منگواتے رہتے ہیں۔ کراچی آنے والی ایک خاص برانڈ کی بوتلوں میں شراب کے بجائے بھارتی کیمیکل ہوتا ہے۔ چوپڑا صرف واؤچر جاری کرتا ہے۔ گودام والے بے خبری میں آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ وہ اس برانڈ کی بوتلیں جوشی کے آدمی کو دے دیتے ہیں۔ وہ پورے کریٹ راجا کے اڈے پر پہنچا دیتا ہے۔ وہاں سے بوتلیں ہیروئن بنانے والوں کو بیچ دی جاتی ہیں۔"

"اور اب تم ان بوتلوں کی کسی کھیپ کو پکڑنے کے چکر میں ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ اس گھناؤنے کام کو ختم ہونا چاہیے۔" جلال نے کہا "چوپڑا تمہاری دسترس سے دور، اپنے قونصل خانے میں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ پاکستانی شہری ہے اس لیے ہم اسے ناپسندیدہ سفارت کار قرار دے کر ملک بدر نہیں کرسکتے۔ اگر ہم کیمیکل سے بھری ہوئی شراب کی سربند بوتلیں پکڑ لیتے ہیں تو نہ صرف گودام سیل ہوجائے گا بلکہ ہم چوپڑا کو باضابطہ وارنٹ کے تحت گرفتار کرسکیں گے۔ میرے لیے یہ معاملہ اچانک بہت اہم ہوگیا ہے۔"

"ہونا چاہیے۔" میں نے اقرار کیا "اس طرح تم ایک تیر سے کئی شکار کھیلو گے۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہوگی کہ قونصل خانے میں روپوش چوپڑا گرفتار ہوجائے گا، اس کا ہیروئن اور کیمیکل کی تقسیم کا کام چوپٹ ہوجائے گا۔ کیمیکل کی اسمگلنگ کی یہ خطرناک اور محفوظ ترین راہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہوجائے گی اور کچھ عرصے کے لیے منڈی میں ہیروئن

سازی پر بر اوقت آجائے گا کیونکہ کیمیکل کی سپلائی کا ایک لگا بندھا ذریعہ ختم ہو چکا ہوگا۔"

"اب تم بتاؤ کہ میں کراچی کیسے نہ آتا ؟" اس نے مسکرا کر سوال کیا۔

"تمہارا یہاں موجود ہونا ناگزیر تھا۔ اس بار تمہارے آدمیوں نے اپنی کارکردگی سے مجھے حیران کردیا ہے۔ اتنے کم وقت میں یہ سب معلوم کرنا آسان نہیں تھا۔ اول خان بولا۔

"اس کامیابی کی داغ بیل تم لوگوں کی ڈالی ہوئی ہے۔ چوپڑا کی روپوشی، راجا کے نام نہاد فرار اور جوشی کے قتل نے پورا منظر نامہ تیار کیا ہوا تھا۔ ہوتا یہ ہے کہ الجھی ہوئی گتھی اسی وقت تک پریشان کرتی ہے جب تک سرا ہاتھ نہیں آتا۔ ایک بار سرا ہاتھ آجائے تو پوری گتھی تیزی سے سلجھتی چلی جاتی ہے۔

"شاید جوشی کی ذات اس گتھی کا ایک سرا تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"شی کا وہ پرانا پاپی پوری کہانی میں کہیں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ میرے آدمیوں نے اپنے کام کا آغاز اسی کی ذات سے کیا اور پتا چلا کہ مٹی کے مادھو کی طرح گوشہ نشینی کا سوانگ

برائے علاج

حامد صاحب کے پڑوسیوں نے ان کی بیگم سے شکایت کی "آپ کے شوہر بہت شور مچاتے ہیں۔ وہ گھر میں اور گلی میں ہر وقت کڑک مرغی کی طرح کٹ کٹ کرتے پھرتے رہتے ہیں۔"

"میں تو خود ان کی اس عادت سے بہت تنگ ہوں ..." مسز حامد افسردگی سے بولیں "لگتا ہے ان کا ذہنی توازن درست نہیں۔ وہ خود کو مرغی سمجھتے ہیں۔"

"کیا آپ ان کا کچھ علاج نہیں کر سکتیں؟" ایک پڑوسی نے پوچھا۔

"علاج کے لیے ضروری ہے کہ انہیں انڈوں پر بٹھادیا جائے اور ہمارے گھر میں انڈے نہیں ہیں" مسز حامد نے بے بسی سے جواب دیا۔

رچانے والا اپنی ہیرا پھیری سے باز نہیں آیا بلکہ پوری تن دہی سے موت کی سوداگری میں مصروف ہے۔"

"اپنے اسی کلیدی کردار کی وجہ سے وہ مارا گیا ورنہ کسی کو اس کی پروا بھی نہ ہوتی۔" ویرا بولی۔

"اور اس کی موت کی وجہ سے میری توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔ اس وقت گودام میں کیمیکل والی بوتلیں نہیں ہیں جیسے ہی کوئی نئی کھیپ آئے گی ہم چھاپا مار کر گودام کو سر بہ مہر کردیں گے اور ریکارڈ اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ سب سامنے آجائے گا کہ بھارت سے آنے والی وہ بوتلیں کہاں جاتی تھیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی پر لگادیا ہے۔"

"تم اس بار لمبا پلان لے کر آئے ہو۔ اسٹیٹ ایجنٹ پر ہاتھ ڈالو گے تو ان دو آوارہ لڑکیوں کو ضرور پکڑنا جو حقیقی ضرورت مند لڑکیوں کی پیشانی کا داغ بنی ہوئی ہیں۔" اس کی بات پوری ہوجانے پر ویرا نے پرزور لہجے میں مطالبہ کیا۔

"یہ کن لڑکیوں کا ذکر ہے؟" جلال نے حیرت زدہ ہو کر مجھ سے سوال کیا۔

میں نے جلال کو ان کے بارے میں بتادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے بھی ان کے لیے اپنے دل میں نفرت کا زہر بھرتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"وہ بھی اہم ہیں۔ وہ گواہی دیں گی کہ دو سرکاری افسروں کی آمد کی اطلاع پا کر اسٹیٹ ایجنسی کے مالک نے انہیں اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔ اب بات قانون کے دائرے میں رہنے کی ہے تو ہم کو ہر نکتے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں گے۔" سلطان شاہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"اب ہم اتنے بے بس بھی نہیں ہیں۔ بس کشت و خون سے دامن بچا رہے گا۔ کیس سجا کر پولیس کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ یہاں پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

جلال نے چوپڑا کو اس کے بل سے نکالنے کی جو راہ سوچی تھی وہ بہت موثر نظر آرہی تھی۔ اس کے بعد ہمارے لیے راجا کی افادیت ختم ہوگئی تھی۔ جلال کی یاددہانی پر اول خان نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ اگلے روز راجا کو دوبارہ پولیس کی تحویل میں دے دے گا۔

"اسے تمہارے طفیل نئی زندگی مل رہی ہے ورنہ ہم نے اسے ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" میں نے بوجھل لہجے

میں کہا۔

"تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ منشیات فروشی تعزیرات پاکستان میں ایک سنگین جرم ہے۔ عدالت میں سب کچھ اسی طرح ثابت ہوتا چلا گیا تو اسے سزائے موت بھی مل سکتی ہے ورنہ عمر قید تو بالکل پکی ہے۔"

اس کی پنڈلی تین جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ ان ہڈیوں کے جوڑ صحیح نہیں بیٹھ سکے۔ یہ خیال رکھنا کہ اس کی سرجری نہ ہونے پائے۔" میں نے اس پر اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا "ہڈیاں جس حال میں ہیں اسی طرح جڑ جائیں تاکہ وہ جب تک زندہ رہے 'اکڑ کر اپنی صحیح چال نہ چل سکے۔"

"تمہاری اس خواہش میں انتقام سے زیادہ یہ جذبہ کارفرما ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے' دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا رہے۔" جلال نے گویا میرا ذہن پڑھ کر کہا۔

"بعض اوقات تم اصل بات سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "ویرا اس کی موت کی خواہاں تھی مگر میں چاہتا تھا کہ وہ آسان موت کے بجائے عبرت زدہ زندگی گزارے تاکہ اسے دیکھ کر دوسرے سبق حاصل کرسکیں۔"

"یہ تمہارا فلسفہ ہے ورنہ وہ بدترین موت کا حق دار ہے۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

اس رات جلال دیر تک ہمارے ساتھ بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ راجا اور آئی مین کے بارے میں کرید کرید کروہ باتیں دریافت کرتا رہا جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ وہ بہت پر امید تھا کہ شی کی نئی کونپل کو وہ جلد ہی جڑ سے اکھڑتا ہوا دیکھے گا۔

اسے رہ رہ کر عبداللہ یاد آتا رہا جو دہلی میں را والوں کے تشدد کے سامنے اپنی زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ اسے قلق تھا کہ عبداللہ کے قاتل کو پاکستان آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے لیکن وہ اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکا تھا۔ میرے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ کافی دن گزر جانے کے باوجود وہ اپنے ایک مخلص کارکن کی موت کا صدمہ فراموش نہیں کرسکا تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر جلال بارہ بجے واپس چلا گیا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہمارے پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کا وزن دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے مایوسی سے کہا۔

"اس کے سامنے تم نارمل تھے۔ تم نے اپنے ردِعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اپنی مرضی کا مالک نہیں ہے۔ میں اس کی مجبوریوں کو سمجھتا ہوں اس لیے خاموش رہا۔" اول خان نے وضاحت کی "وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا۔ ہمیں اوپر سے آنے والے فیصلوں کی اطلاع دیتا ہے۔ میں ایسی کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا جو اس کی دل آزاری کا سبب بنے۔"

"یہ تمہارا وہم ہے کہ بیڑیوں کا وزن بڑھ رہا ہے۔ اچھا ہے کہ اب یہ لوگ قانون کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔" ویرا نے کہا۔

"قانون گواہ اور شہادتیں مانگتا ہے۔ وہ کہاں سے لاؤ گی؟ ان کمزوریوں کی وجہ سے بعض اوقات قاتل بری ہوجاتے ہیں۔ ابھی تک ہم اپنی صوابدید سے اپنے مجرموں کے مقدر کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اب ہم آزادی سے فیصلے نہیں کرسکیں گے۔ ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔"

"ہم میں سے کوئی اس کا تابع نہیں ہے۔" غزالہ بولی "یہ بات اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کا اپنا ڈسپلن اور طریقہ کار ہے' تم کسی صورت میں اس سے انحراف نہیں کرسکتے۔ اس نے اپنی ایک مجبوری ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا تو اس پر عمل کریں گے ورنہ اپنے فیصلے نافذ کریں گے۔"

چند لمحوں کے لیے عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ غزالہ کی اس وضاحت پر سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ پھر سب ہی ایک دوسرے کا خیال کرکے ایک ساتھ چپ ہوگئے۔ اس مضحکہ خیز سچویشن پر ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اول خان نے بولنا شروع کردیا۔

"ہم کافی عرصے سے اس طرح ایک جان دو قالب ہوکر کام کررہے ہیں کہ اس کی ہر بات میرے دماغ میں بیٹھتی چلی گئی۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ اس نے ہمیں جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا مگر ڈینی نے ماجد بن کر اس کی درگت بنادی۔ بعد میں وہ بھی اس کارروائی پر خوش ہوا تھا۔"

"اس کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسری سرکاری۔ ذاتی حیثیت میں وہ بھی بہت سے سرکاری فیصلوں کو پسند نہیں کرتا ہوگا۔" ویرا بولی۔

"جہاں تک ممکن ہوگا ہم اس کے مشورے کا خیال رکھیں گے ورنہ آزادی سے کام کریں گے۔" میں نے انہیں پالیسی کا نچوڑ سنا دیا۔

ساڑھے بارہ بجے اول خان ہم سے رخصت ہو گیا اور اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔

غزالہ نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرلیا لیکن اندر سے بولٹ نہیں کیا۔ ہم دونوں لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہوئے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی پھر ویرا کی آواز سنائی دی۔ وہ غزالہ کو پکار رہی تھی۔

یہ ویرا کی خوبی تھی کہ ہمارے کمرے کا دروازہ بند ہوتا اور ہم دونوں اندر ہوتے تو وہ کبھی اجازت لیے بغیر اندر نہیں آتی تھی۔

غزالہ نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کے بجائے بستر سے ہی کم اِن کی ہانک لگائی اور ویرا دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی۔

"کیا تم دونوں کو نیند آ رہی ہے؟" اس نے اندر آتے ہی معصومیت سے سوال کیا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔ یہ سونے کا وقت ہے۔ بہت سے گھروں میں اس وقت آدھی نیند لی جا چکی ہو گی۔" غزالہ نے اسے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج شام کو تمہیں بوتل سے شغل کرنے کا موقع نہیں ملا اس لیے نیند اچاٹ ہے۔" میں نے طنز سے کہا۔

وہ ڈھٹائی سے ہنس دی "یہی چکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں شراب کی عادی ہوتی جا رہی ہوں۔"

اس بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم عادی ہو چکی ہو۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں اس بحث میں نہیں پڑتی۔ میرا مسئلہ بے خوابی کا ہے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ ہمیں تنگ نہ کرو اور جا کر اپنے کمرے میں لیٹو۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"تم ڈینی کی فرماں بردار ہو۔ میرے ساتھ نہیں بیٹھو گی۔" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم عادی ہو گئی ہو تو انہیں کیوں تنگ کر رہی ہو۔" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "جا کر اپنی بوتل سے دو چار پیگ لے لو۔ خود بخود نیند آ جائے گی۔"

"تم نے کبھی پی ہی نہیں اس لیے ایسا مشورہ دے رہی ہو۔ شکم پری کے بعد وہسکی پی لی جائے تو آدمی الٹا ہو جاتا ہے۔"

"یہ باریکیاں تمہارے سمجھنے کی ہیں۔ یہ دن بھر کے تھکے ہارے ہیں۔ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔" غزالہ نے اسے کورا جواب دے دیا۔

"ویری گڈ!" یہ کہتا ہوا سلطان شاہ اچانک دروازے پر نمودار ہو گیا "تم کو ستانے سے پہلے یہ میرے پاس آئی تھی اور مجھے شطرنج کھیلنے کا جھانسا دے رہی تھی۔"

"تم تو تھکن سے مر رہے تھے۔ اب کیوں میرے پیچھے پیچھے آئے ہو؟" ویرا نے پلٹ کر تلخی سے پوچھا۔

"میں تمہارے پیچھے نہیں آیا۔ دو شریف آدمیوں کو ہوشیار کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے ساتھ دھوکے کی کوئی واردات نہ ہو سکے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس وقت ہر ایک کا دماغ چل رہا تھا۔ نیند کا کسی کی آنکھوں میں پتا نہیں تھا۔ بس ہر ایک ویرا کو زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ غزالہ اسے کمرے میں بلاتے ہی بستر سے اتر گئی تھی۔ میں نے بھی بستر چھوڑا اور ننگے پاؤں ڈرائنگ روم کی طرف ہو لیا۔

"کیا تم نے ویرا کی نامعقول باتوں سے ہار مان لی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

بہ قدر ادائیگی

بعض لوگوں میں خواہ مخواہ یہ تاثر عام ہے کہ دیہاتی بہت سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں شہریوں میں اور دیہاتیوں میں کوئی خاص فرق نہیں رہا۔ شہر کے ایک پراپرٹی ڈیلر نے دیکھا' ایک کسان کی زمین کے مستقبل قریب میں بڑی اہمیت اختیار کرنے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ گول مول سی پیشکش کر کے اور رقم کا لالچ دے کر وہ کسان سے کافی زمین ہتھیا سکتا ہے۔ اس نے کسان کے پاس پہنچ کر کہا "میں آپ سے کم از کم پانچ لاکھ کی زمین خریدنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے...مجھے پانچ لاکھ کی زمین تمہارے ہاتھ بیچنے پر کوئی اعتراض نہیں..." کسان نے اطمینان سے کہا "ایسا کرو کل تم ایک بالٹی لے کر آ جاؤ۔ میں پانچ لاکھ کی زمین تمہیں اس میں ڈال کر دے دوں گا۔"

"سب میرے کمرے میں جمع ہوگئے ہیں تو مجبوراً مجھے یہ ہے کہ میں باہر نکل آؤں تاکہ کوئی تصفیہ ہوسکے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"آج کے دن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر ٹک جانے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"اچھا بلکہ بہت اچھا دن تھا۔ تمہیں اپنی بوتل کے بجائے دن کا خیال کیسے آگیا۔" میں نے تیوریاں چڑھا کر سوال کیا۔

"میری دانست میں آج ناکامیوں کا دن تھا۔ یہ انتہا ہے کہ میرے کمرے میں اسکاچ کے سوا کوئی اور شراب نہیں ہے۔ برانڈی ہوتی تو میں شکم پری کے بعد بھی کچھ نہ کچھ لے سکتی تھی۔"

"خدا کے لیے ہمیں سونے دو۔" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا "اس وقت تمہاری دنیا صرف اور صرف بوتل کے گرد گھوم رہی ہے۔ تم اپنے ساتھ ہمیں کیوں چکرم بنا رہی ہو۔"

"کم از کم میں تمہیں کچھ نہیں بنا رہی۔ ذرا قد آدم آئینہ دیکھ لو۔ سلیپنگ سوٹ میں تم قدرت کی صناعی کا شاہکار نظر آرہے ہو۔ میں نے تمہیں معاف کردیا تھا۔
ہی بستر سے اٹھ کر میرے پیچھے ان کے کمرے میں پہنچے تھے،

دونوں میں نوک جھوک شروع ہوچکی تھی۔ دن بھر کی سنجیدہ مصروفیات کے بعد شاید سب کو ایسی آزاد گوئی کی شدید ضرورت تھی۔

"میں تمہارے پیچھے نہیں آیا تھا۔" سلطان شاہ بھنا کر بولا "میں ڈینی کو ہوشیار کرنے کے لیے آیا تھا۔"

"ڈینی غفلت کے عالم میں بھی تم سے زیادہ ہوشیار ہوتا ہے۔ تم اسے کیا عقل دو گے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم آج کی ناکامیوں کی بات کررہی تھیں۔" بات بڑھتے دیکھ کر غزالہ نے ان کی گفتگو میں دخل اندازی کی۔

"سارا دن بھاگتے دوڑتے گزر گیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔" ویرا مایوسی سے بولی۔

"نتیجہ تمہارا بھتیجا نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے ہاتھ آجائے۔ اس کے لیے بھاگ دوڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔" سلطان شاہ پھر بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم تو بھاگ دوڑ کرکے بھی کچھ حاصل نہیں کرتے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ تم نے انکار کے بعد اچانک بستر کیوں چھوڑ دیا۔" ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"دراصل تم کو عقل کا ہیضہ ہے اس لیے تم ہر بات وقت سے پہلے سمجھ لیتی ہو۔" سلطان شاہ غرایا۔

"مجھے بھی پتا چلے کہ سلطان شاہ نے اس وقت بستر کیوں چھوڑ دیا۔" میں نے سنجیدگی سے ویرا کو اکسایا۔

"یہ تمہارے سامنے بغلول بنا رہتا ہے اس لیے تم اسے معصوم سمجھتے ہو لیکن میں اس کے دماغی فتور سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے اچانک یاد آیا ہوگا کہ میں سلیپنگ سوٹ میں گھومتی پھر رہی ہوں اور اس نے مجھے گھورنے کا موقع گنوا دیا۔ یہ بستر سے اسپرنگ کی طرح اچھل کر باہر آگیا۔"

"یہ سراسر واہیات الزام تراشی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے دونوں کان چھو کر گالوں پر ہلکے تھپڑ لگاتے ہوئے کہا "زیادہ گرمی پڑتی ہے تو تم اس سے بھی کم لباس میں بے حیائی سے پورے گھر میں دندناتی پھرتی ہو' میں نے کبھی آنکھ اٹھا کر تمہاری طرف نہیں دیکھا۔"

"نہیں دیکھا تو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں کب کتنا لباس پہنتی ہوں۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"تم خاموشی سے سن رہے ہو اور یہ گھٹیا باتیں کیے جارہی ہے۔" سلطان شاہ نے تیز آواز میں مجھ سے شکایت کی۔

"تم احمق ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں شادی شدہ ہوں۔ ویرا یہ سارے جتن تمہیں لبھانے کے لیے کرتی ہوگی اور تم....."

ویرا نے غصے سے میری بات کاٹ دی "اسے لبھائے میری جوتی۔ مجھے الجھن نہ ہو تو میں اس کے سامنے برقع اوڑھنا شروع کردوں۔"

بے ساختہ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ دونوں آپس کا جھگڑا بھول کر اسے گھورنے لگے۔

"تم کس بات پر ہنس رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اپنی بدقسمتی پر ہنس رہی تھی کہ میں اس وقت تم دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی ہوں۔" غزالہ نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

غزالہ کی بے موقع ہنسی سے ان دونوں کے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ زبانی جنگ میں وہ ایک دوسرے کو زیر نہیں کرسکتے اس لیے دو طرفہ پسپائی ہی سب سے بہتر تھی۔ میں نے اس مختصر سے سکوت کو غنیمت جانا اور اپنی بات

ڈیوٹی

ٹرین میں ٹکٹ چیکر نے ایک صاحب کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بچے کا آدھا ٹکٹ دیکھ کر کہا "اس کا پورا ٹکٹ لگے گا۔ اس کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہے۔"

"اس کی عمر بارہ سال سے زیادہ کیسے ہوسکتی ہے۔ بارہ سال تو میری شادی کو ہوئے ہیں" وہ صاحب غصے سے بولے۔

"میرا کام ٹکٹ چیک کرنا ہے.... گناہوں کے اعترافات سننا نہیں" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا۔

شروع کردی "تم آج کی کارگزاری سے مایوس کیوں ہو؟"

"ہم پہلے سے زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔ مسائل میں اضافے پر خوش نہیں ہوا جاتا۔" ویرا صوفے پر پہلو بدل کر بولی۔

"راجا ہماری قید میں ہے اور آئی مین اپنے مسکن سے نکل کر فرار ہونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ یہ مسائل میں اضافہ نہیں ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"آئی مین کو ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا۔" ویرا نے اصرار کیا "ہم نے غزالہ کے مشورے پر کسی تاخیر کے بغیر ادھر دوڑ لگائی تھی مگر وہ نکل بھاگا۔ یہ اتفاق نہیں، مقدر کی خرابی تھی۔ جب ستارے گردش میں آئے ہوں تو کامیابی اسی طرح ہاتھ آتے آتے نکل جاتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ساری کامیابیوں کا ٹھیکا ہم نے لیا ہوا ہے۔ دشمن کا ہمیشہ منہ کالا ہونا چاہیے۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر مجھ سے کہا۔

"تم پھر میری بات میں بولے۔" ویرا نے آنکھیں نکال کے کہا۔

"میں تم سے نہیں ڈینی سے بات کر رہا تھا۔" سلطان شاہ نے سکون سے جواب دیا "تم اپنی بولی بولتی رہو۔"

"بعض لوگ اس قدر ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ بار بار منہ کی کھانے کے باوجود چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔" ویرا نے الفاظ چبا چبا کر کہا۔

"غزالہ!" سلطان شاہ نے خاص طور پر اسے مخاطب کیا "تم خود ایمانداری سے بتا دو کہ صوفے پر کون اپنے پیندے کے بل بار بار پہلو بدل رہا ہے۔"

اس سے پہلے کہ ویرا کوئی جواب دیتی، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جلال اور اول خان تھوڑی دیر پہلے ہمارے پاس سے اٹھ کر گئے تھے۔ وہ فون کس کا ہوسکتا تھا؟

میں نے ریسیور اٹھایا تو اول خان کی بوجھل آواز میرے کان میں گونجی "تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔"

"مجبوری ہے۔ ویرا اور سلطان شاہ کا جھگڑا نمٹا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں اتنے اچھے دوست اور ساتھی ملے ہوئے ہیں جو زندگی کو کبھی بے رونق نہیں ہونے دیتے۔"

"تم کو بستر سے اٹھایا جائے تو پتا چلے کہ خوشگواری کیا ہوتی ہے۔ انہیں لڑنے کے لیے بھی میرا کمرا ملتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس وقت کیوں فون کیا ہے۔"

"نادر کو مار دیا گیا۔" اول خان کے وہ الفاظ میرے اعصاب پر بم کی طرح گرے۔ اس وقت آئی مین کے خلاف وہی ہمارا سب سے مضبوط ستون تھا۔ اس کے ہاتھ آجانے کی صورت میں ہم آسانی سے آئی مین کا پیچھا کرسکتے تھے۔ میرے لیے وہ بری خبر کسی صدمے سے کم نہیں تھی۔

"کیا ہوا۔ یہ کیسے ہوگیا؟" میں نے قدرے سکوت کے بعد مضمحل آواز میں پوچھا۔

"میرے دو آدمی شام سے اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور وہ گھر سے غائب تھا۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد انہوں نے نادر کے گھر والوں سے بات کی تو پتا چلا کہ سات بجے کے قریب کسی گورے کا فون آیا تھا اور وہ عجلت میں گھر سے چلا گیا۔ میرے آدمیوں نے شہر کے تھانوں میں چھان بین شروع کردی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انہیں کلفٹن تھانے سے پتا چلا کہ ویران ساحلی علاقے سے ایک لاش ملی ہے جس کے کاغذوں سے پتا چلتا ہے کہ اس کا نام نادر خان تھا۔ میرے آدمیوں نے اس کے گھر پر گمنام فون کر کے اطلاع دے دی۔ ان لوگوں نے کلفٹن تھانے پہنچ کر لاش شناخت کی تو میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دے دی۔"

اول خان کو ملنے والی وہ خبر مستند تھی۔ اس پر شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا "اسے کیسے مار دیا گیا!؟"

"وہ بیم گن کا نشانہ بنا ہے۔" اول خان نے دوسرا دھما کا کیا "میرا خیال ہے کہ تم سے بات ختم کرتے ہی آئی مین نے پورا نقشہ سمجھ لیا تھا۔ تم فون نمبر سے گھر کا پتا چلا کر وہاں پہنچتے اور پھر اسٹیٹ ایجنٹ تک پہنچتے۔ وہ نادر کی نشان دہی کرتا اور آئی مین مشکل میں پڑ جاتا۔ اس نے بی باون چھوڑنے سے پہلے نادر کو ساحلی علاقے پر آنے کے لیے فون کیا ہوگا۔ گھر سے فرار ہو کر وہ مقررہ مقام پر پہنچا اور شاید اس کا انتظار کرتا رہا۔ نادر آیا تو آئی مین نے بے رحمی سے اسے اپنی بیم گن کا نشانہ بنا دیا۔ بیم گن کی مہلک شعاعوں نے نادر کی پیشانی سے کھوپڑی کی پشت تک آر پار سوراخ کر دیا ہے۔ وہ اتنی سرعت سے مرا ہے کہ حیرت کے آثار اس کے چہرے پر نقش ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"یہ بہت بری خبر ہے۔" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا "اس خطے میں بیم گن کے استعمال کو میرے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب نادر کا خون میرے نام لکھ دیا جائے گا۔"

"یہ نہیں ہوگا۔" فون پر اول خان کی سخت آواز آئی "وہ تمہارے نام کا فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اب تم اس کی آڑ میں بے خوفی سے اپنی بیم گن استعمال کر سکو گے۔"

"کیا تمہارے ذہن میں اس بارے میں کوئی تجویز ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ابھی ایک خیال آیا ہے لیکن اب وقت گزر گیا۔ میں کل یہ کام کروں گا اور پرسوں کے اخبارات میں تصویروں کے ساتھ آئی مین کی کہانی موجود ہوگی۔"

"شی امریکا کی این جی او ہے۔ اخبارات والے ثبوت کے بغیر اس کے خلاف کوئی خبر نہیں چھاپیں گے۔"

"وہ امریکا اور یورپ میں این جی او ہوگی۔ یہاں زیر زمین کام کرتی رہی ہے اس لیے کسی رعایت کی حق دار نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس نکتے کی نشان دہی کر دی۔ میں خیال رکھوں گا کہ پوری کہانی میں شی کا نام نہ آنے پائے۔ پورا فیچر ایک خفیہ تنظیم کے آئی مین کے خلاف ہوگا جو نادر کا قاتل ہے اور بیم گن کا مالک ہے۔"

"یہ فیچر اخبارات میں آگیا تو مجھ پر ذاتی احسان ہوگا۔ اس خبیث نے سامنا ہونے سے پہلے مجھے دفاعی پوزیشن دھکیل دیا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو!" اول خان کی آواز میں خفگی عود کر آئی "یہ ہم سب کا مسئلہ ہے۔ میں جلال سے بھی بات کرتا ہوں۔ یہ فیچر پولیس کے بجائے آئی بی کی طرف سے جاری ہوا تو اسے زیادہ پذیرائی ملے گی۔ اس سلسلے میں ایس ٹی ایف سرے سے سامنے نہیں آسکتی۔"

"امریکی افسران اس آئی مین کی آمد سے ضرور باخبر ہوں گے۔ فیچر کی اشاعت سے ان کے ارمانوں پر اوس پڑ جائے گی۔"

"وہ باخبر ہیں۔ تم بھول گئے کہ آئی مین نے تم سے بات کرتے ہوئے جان والے واقعے کا حوالہ دیا تھا۔ معلومات کا یہ تبادلہ باہمی تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھا۔"

"شاید ویرا درست کہہ رہی تھی۔ آج ہمارا دن نہیں ہے۔ ہر طرف سے اعصاب شکن خبریں چلی آرہی ہیں۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔

"یہ خبریں اعصاب شکن نہیں، حوصلہ افزا ہیں۔ تمہاری ایک فون کال نے اسے حواس باختہ کر دیا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خوف جاگزیں ہو چکا ہے کہ ماجد یمنی جیسا خطرناک اور ٹیڑھا آدمی اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس خوف میں وہ مدافعانہ پھرتی دکھا رہا ہے۔ یہ تیزی اسے لے ڈوبے گی۔ وہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائے گا اور ہم سب اس کی گردن دبوچ لیں گے۔"

"میری آنکھیں نادر پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی موت کے بعد ہمارا کام مشکل ہو گیا ہے۔"

"مشکل ضرور ہوا ہے، ناممکن نہیں ہے۔ ہمیں صبر و تحمل کے ساتھ اس کی کسی غلطی کا انتظار کرنا ہوگا۔ فیچر کی اشاعت کے بعد وہ بے یار و مددگار رہ جائے گا۔ امریکی افسران اس سے دوری اختیار کر لیں گے تاکہ ان پر کوئی الزام نہ آئے۔ پچھلے دنوں وہ ایسے معاملات میں کافی بدنامی اٹھا چکے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا کہ تم نے اسی وقت مجھے یہ بری خبر سنا دی۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ کیا کیا جائے۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ آج کا دن خراب ہے۔" میری گفتگو کے اختتام پر ویرا بول پڑی۔ میرے جواب سے ان سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اول خان نے مجھے کیا بتایا ہوگا۔

"ایک آئی مین کے اختیار کی دو علامتیں ہوتی ہیں۔ سلور آئی اور بیم گن۔ وہ دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا "فوری طور پر یہی کہا جائے گا کہ نادر کو میں نے مارا ہے۔"

"آپ اول خان سے کسی فیچر کے بارے میں کیا بات کر رہے تھے؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں نے انہیں اپنی اور اول خان کی پوری گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

"آئی مین بہت خطرناک اور پھرتیلا آدمی ہے۔" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ یہاں سے شی کا بستر بوریا گول ہونے کے بعد لالچی اور بے ضمیر پاکستانیوں نے شی کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ یہاں ہیروئن کی کھپت شی کے ہدف سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ جب تمہارے اپنے لوگ یہ کام کررہے ہیں تو واشنگٹن سے کسی بقراط کو نیا آئی مین بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں آنے والے نے شی کا چکر صرف آزمودہ افرادی قوت کو یک جا کرنے کے لیے چلایا ہے ورنہ اس کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا ہوسکتا ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا اور تمہارا خاتمہ!" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "وہ لوگ اس علاقے کے سیاسی اور جغرافیائی منظرنامے میں جو رنگ بھرنا چاہتے ہیں اس کے لیے انہیں صاف میدان کی ضرورت ہے۔ ہم نے ایس ٹی ایف کے ساتھ مل کر ان کے کسی اہم آدمی کا یہاں رکنا اور زندہ رہنا محال کردیا ہے۔ وہ فتنے کی ان جڑوں کو کاٹنے کے لیے شی کو میدان میں لائے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ خیال درست ہو۔" میں نے پوری نیک نیتی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے پوری طرح متفق نہیں ہو مگر یہ میرا یقین ہے۔ میں خود امریکی ہوں۔ امریکی سوچ، حربوں اور سفاکی سے پوری طرح واقف ہوں۔ وہ اپنے طور پر ہم دونوں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرہ جہانگیر کی ذات کو ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ویرا نے میرے سر پر لٹھ مارا ہو۔ اس کا وہ اندیشہ سو فیصد درست تھا۔ شی کے چار مقامی بڑوں میں سے دو مار دیے گئے تھے 'میں باغی ہوگیا تھا' جہانگیر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کررہا تھا۔ اگر آئی مین نے جو شی جیسے آدمی کو اپنے نیٹ ورک میں شامل کرلیا تھا تو وہ پرانے مہروں کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اسے یہ معلوم رہا ہوگا کہ جہانگیر میرا جگری دوست تھا۔ میرا سراغ لگانے کے لیے وہ کسی بھی وقت اچانک اسے گھیر سکتا تھا اور میں اسے یکسر بھولا ہوا تھا۔

"تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں اعتراف کیا "وہ گدھا شراب میں غرق ہوکر اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو زنگ آلود کرچکا ہے۔ کسی وقت آئی مین اس کے سر پر سوار ہوگیا تو وہ بے موت مارا جائے گا۔"

"آپ اول خان سے بات کرکے اس کے گھر پر ایس ٹی ایف کے گارڈز لگوادیں۔" غزالہ نے فکرمندی سے مشورہ دیا۔

"اسے بچانے کے لیے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "شاید وہ اب تک اس لیے بچا ہوا ہے کہ اس نے اپنے تمام پرانے رابطے ختم کردیے ہیں۔ اپنی گولڈن فارمیسی چلاتا ہے یا اپنے گھر پر شراب سے شغل کرتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئی مین اس تک پہنچنے کی جستجو میں لگا ہوا ہوگا۔"

"ہم ہوشمندی سے کام لیں تو جہانگیر کا گھر آئی مین کے لیے چوہے دان بن سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کاش میں اس سے اسی وقت مل سکتا۔" میں نے متاسفانہ اضطراب کے ساتھ کہا "پتا نہیں میں اسے کیوں بھول گیا تھا۔"

"اپنے آپ کو ملامت کرنے کی ضرورت نہیں۔" غزالہ نے مجھے تسلی دی "آج دوپہر کو آپ کو آئی مین کے وجود کا علم ہوا ہے۔ بمشکل چند گھنٹے گزرے ہیں اور اس دوران میں آپ مسلسل مصروف رہے ہیں۔ اس سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"مشکل یہ ہے کہ اس وقت وہ آدمیت کے جامے میں نہیں ہوگا۔ نشے میں دھت ہوکر سو رہا ہوگا یا سلمیٰ کو ستا رہا ہوگا۔ صبح سے پہلے وہ بات کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔"

"اپنے دوست کے یہ ذاتی مسئلے تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔" ویرا بے اعتنائی سے بولی "تم چلتے ہو تو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ جہانگیر کی زندگی اور سلامتی ہم کو بہت زیادہ عزیز ہے۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا کارآمد رہا۔" سلطان شاہ بولا "اول خان کا فون آگیا اور جہانگیر کے بارے میں بھی اہم باتیں ہوگئیں۔"

"حرکت میں برکت ہے۔ میں بلانے آئی تھی تو تم سب چیخ رہے تھے۔" ویرا کو ہم تینوں پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔

"تمہارا مقصد کچھ اور تھا۔ یہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں نہ آتے تو تم اپنے کمرے میں جاکر کوئی اوٹ پٹانگ شغل شروع کردیتیں۔" غزالہ نے جواب دیا۔

وہ باتیں ساری رات جاری نہیں رہ سکتی تھیں۔ پہلے سلطان شاہ اپنے کمرے کی طرف کھسکا پھر ہم دونوں بھی ویرا

کو رخصت کرکے اپنے کمرے میں آ گئے۔ بھڑاس نکل جانے کے بعد ویرا کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا اور اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہم چاروں کی کچھ نہ کچھ افادیت ہے۔" میں نے کمرے میں پہنچ کر غزالہ سے کہا "ایک بات کسی کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے تو دوسرا اسے یاد دلانے میں ذرا نہیں چوکتا۔ اس طرح ہر بات کے سارے پہلو نگاہ میں رہتے ہیں۔"

"ویرا نے اچانک جہانگیر کا ذکر نکال لیا ورنہ میرا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا تھا۔" غزالہ نے خفت سے کہا۔

"مجھے ابھی تک رہ رہ کر قلق ہو رہا ہے کہ میں نے اس بے چارے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔"

"آپ نے دانستہ اسے نظرانداز نہیں کیا تھا۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو آپ کا ملال اپنی جگہ بجا ہوتا۔ دوپہر سے اب تک وقت ہی کتنا گزرا ہے۔"

"وہ برا بھلا جیسا بھی ہے، میرے دوستوں میں اکلوتا رہ گیا ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔"

"میں نے کچھ سوچ کر اس وقت چلنے کی تجویز پیش کی تھی جو آپ نے سردمہری سے مسترد کر دی۔"

"اس وقت وہاں جا کر کوفت ہوگی۔ پتا نہیں وہ مردود کون سی بولی بولنا شروع کر دے۔" میں نے بدمزگی سے جواب دیا۔

"آپ سوچ لیں۔" غزالہ نے رسانیت سے کہا "آئی مین اس وقت بدکا ہوا ہے۔ پچھلے لوگوں کے عبرت ناک انجام کا خوف بھی اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں چھپا ہوا ہوگا۔ وہ تیزی دکھا رہا ہے تاکہ اپنا کام جلد از جلد ختم کر لے۔ اسے سراغ مل گیا تو وہ اسی وقت جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ جائے گا۔"

میں نے لمحے بھر کے لیے اس خطرے پر غور کیا پھر فیصلہ کن انداز میں کہا "وہ اس وقت ادھر کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ فلیٹ ایک پنجرے کی طرح ہوتے ہیں۔ اول تو اتنی رات گئے وہاں کسی سفید فام کی آمد کو شبے کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ وہ اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔"

غزالہ ہنس دی "پتا نہیں آپ کس دنیا میں رہ رہے ہیں۔ کراچی کے فلیٹوں میں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ ڈاکو سب مال و اسباب سمیٹ کر صاف نکل جاتے ہیں اور پڑوسیوں کو کانوں کان پتا نہیں چلتا۔ وہ عام ڈاکو نہیں، آئی مین ہے۔"

"دن میں یہ سب ہو سکتا ہے کیونکہ رہائشی عمارتوں میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ کسی کا کچھ پتا نہیں چلتا لیکن اتنی رات گئے کوئی ہوش مند آدمی ایسا خطرہ مول نہیں لے گی۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ دن میں ادھر کا رخ کرے گا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"اگر اسے جہانگیر کا سراغ مل جاتا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ وہ اس کے گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اسے کھلی دکان پر گھیرے گا۔"

میرے اس سوچے سمجھے جواب میں بہت سے پہلو پنہاں تھے جو غزالہ میری کسی وضاحت کے بغیر سمجھ گئی اور بولی "کل صبح جہانگیر کو فارمیسی نہیں جانا چاہیے۔"

"میں صبح فون کرکے اسے روک دوں گا۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"پتا نہیں وہ کب گھر سے نکل کھڑا ہو۔ آپ کو یہ نیک کام اسی وقت کر لینا چاہیے۔ آپ اس کے بجائے سلمٰی سے بات کر سکتے ہیں۔ وہ آپ کی ہر بات دھیان سے سنتی ہے۔" غزالہ کے آخری فقرے پر میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر دور دور تک طنز یا استہزا کا شائبہ نہیں تھا۔

وہ وقت نامناسب تھا مگر بات جب جان کی سلامتی کی ہو تو کوئی وقت نامناسب نہیں ہوتا۔ غزالہ کی یہ تجویز نہایت معقول تھی کہ میں سلمٰی سے بات کرکے اسے سمجھا دوں کہ وہ صبح جہانگیر کو دکان جانے سے روک دے۔

میں نے سرہانے رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر ڈالی تو وہ دو بجا چکی تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے اپنے فیصلے پر غور کیا پھر ریسیور اٹھا کر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا۔

دو گھنٹیاں بجنے کے بعد بھی دوسری طرف سے جواب نہیں ملا تو مجھے خدشہ ہوا کہ وہ دونوں میاں بیوی سو چکے تھے مگر تیسری گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں سلمٰی کی سہمی ہوئی آواز آئی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ میری کوشش ضائع نہیں ہوئی تھی۔

"سلمٰی! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے فوری طور پر اپنا نام بتا ڈالا۔

"ہائے اللہ! فون کی گھنٹی سن کر اس وقت میری جان نکل گئی تھی کہ پتا نہیں کس کا فون ہو..... اس وقت کیوں فون کیا ہے؟"

"میں کراچی میں ہوں۔ میں نے اس وقت بہت ضروری کام سے فون کیا ہے۔ صبح جہانگیر کو دکان نہ جانے دینا۔ وہاں خطرہ ہے۔"

وہ نہ جانے اپنے خیالات کی کس رو میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میرے پیغام کو نہ سمجھ سکی اور پھنسی پھنسی آواز میں بولی "صبح کس نے دیکھی ہے۔ اس وقت تمہارے دوست نے میری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ پتا نہیں آج رات کو سونا بھی نصیب ہوگا یا پوری رات عذاب میں گزر جائے گی۔"

میں نے اپنے پیغام پر اصرار کرنے کے بجائے اس کی دل جوئی ضروری سمجھی اور پوچھا "وہ اس وقت کیا کررہا ہے؟"

"کیا بتاؤں کیا کررہے ہیں۔ ایسی ایسی حرکتیں کررہے ہیں کہ بتاتے ہوئے شرم آرہی ہے۔" فرطِ جذبات سے اس کی آواز روہانسا ہوگئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ نشے میں دھت ہے۔"

"روز یہی ہوتا ہے۔ میں اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ جب تک نشے میں بے ہوش نہیں ہوجائیں گے، پیتے رہیں گے اور صبح سویرے مجھے بستر سے کھڑا کردیں گے۔ رات کی نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اب ہر وقت میرا دماغ بوجھل رہنے لگا ہے.... میں اپنے کسی یار سے نہیں، تمہارے یار ڈینی سے بات کررہی ہوں۔" آخری فقرہ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شاید جہانگیر سے کہا تھا لیکن پھر بھی اس کی دبی دبی اور جلی کٹی آواز میری کانوں تک پہنچ گئی۔

"تم لاہور سے کب آئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس واقعے کے بعد وہاں نہیں رکی۔ تم نے میری کوئی مدد نہیں کی۔ پورے گھر میں میری ناک نیچی ہوگئی۔ سب خاموش رہ کر سوجی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتے تھے جیسے ماموں عظمت کو میں نے پکڑوایا ہو۔ ان کی گرفتاری سے پورے لاہور میں ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل گئی۔" لاہور کا ذکر سنتے ہی سلمیٰ کے زخم ہرے ہوگئے۔

"وہ فیڈرل ایجنسیوں کا چکر تھا۔ تمہارے ماموں گردن تک اس دلدل میں غرق تھے۔ میں اس معاملے میں بالکل بے بس تھا۔"

"دیکھو! وہ ہنکار رہے ہیں کہ میں فون انہیں دے دوں۔" جہانگیر نے مجھے مزید معذرتوں سے بچالیا۔ سلمیٰ اس وقت واقعی مشکل میں پھنسی ہوئی معلوم ہورہی تھی۔

"فون اسے دینے سے پہلے یہ بتادو کہ تم نے میری ہدایت سن لی ہے نا۔" میں نے سلمیٰ سے تصدیق چاہی۔

"میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی پریشانیوں میں الجھی ہوئی ہوں۔ تم اپنی بات پھر دہرادو۔"

"صبح جہانگیر کو دکان نہ جانے دینا۔ وہاں خطرہ ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اپنی بات دہرائی "صبح میں اسے فون کروں گا یا خود تمہارے گھر آؤں گا۔"

"کیا فارمیسی پر پھر کوئی گڑبڑ ہوگئی۔" میرا پیغام سمجھ کر اس بے چاری کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے جھوٹی تسلی دی "بس یہ احتیاط ضروری ہے۔"

"دیکھو، وہ پھر ہنہنا رہے ہیں۔" سلمیٰ کی آواز رودینے والی تھی "اب تم خود ان سے بات کرلو۔"

قدرے توقف کے بعد فون پر جہانگیر کی بھاری اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری۔ "یار ڈینی جانی! تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ میرے یہ کان تمہاری آواز سننے کو ترس گئے ہیں.... تم کو میرے اوپر ذرا بھی رحم نہیں آتا کہ کبھی آکر مجھ سے مل لو۔" وہ الفاظ کھینچ کھینچ کر ادا کررہا تھا لیکن اس کی باتیں بے ربط نہیں تھیں۔ نشے میں ہونے کے باوجود اس کے حواس زائل نہیں ہوئے تھے۔

"تم بلاوجہ سلمیٰ کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ اتنی پی لیتے ہو کہ تمہیں سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"سالی جھوٹ بولتی ہے...." اس اُلو کی پٹھی نے میری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ میں اتنی دیر سے سمجھا رہا ہوں کہ میں گھوڑا ہوں مگر یہ مان کر ہی نہیں دے رہی.... تم نے تو گھوڑا دیکھا ہوگا۔ اسے سمجھاؤ کہ میں گھوڑا ہوں۔"

وہ ذرا سی دیر میں پٹری سے اتر گیا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں اپنی رائے بدلنی پڑگئی۔ میں نے غصیلی آواز میں کہا "تم گدھے ہو....."

وہ بھی شاید تاؤ میں آگیا اور میری بات کاٹ کر اسی انداز میں غرایا "گدھا نہیں، میں گھوڑا ہوں گھوڑا!"

"آدمی کے بچے بنو اور اپنی کھال میں رہ کر بات کرسکتے ہو تو کرو ورنہ فون بند کردو۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

نشے میں دھت ہونے کے باوجود اس کی خودی آسمانوں میں پرواز کررہی تھی۔ اس نے یکایک فون بند کردیا۔

"کیا ہوا۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر غزالہ نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ نشے میں دھت ہے اور اس وقت گھوڑا بننے کے خبط میں مبتلا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ آپ بھی شراب پیتے تھے لیکن کبھی نشے میں آپے سے باہر نہیں ہوئے۔ بعض لوگ اتنی زیادہ چڑھا لیتے ہیں کہ انسانوں سے جانور بن جاتے ہیں۔ ایسے مردوں کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنا ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا ہوگا۔"

"تم کبھی ایسے تجربے سے نہیں گزریں پھر تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہیں۔"

"آپ بھول رہے ہیں کہ میں لندن کے ایک پب میں نوکری کرچکی ہوں۔ وہاں ویک اینڈ پر میں نے انسانوں کو جانوروں سے بدتر حالت میں دیکھا تھا۔"

"تم نے سند دے دی۔ میں تمہارے مشاہدے کو چیلنج نہیں کرسکتا۔"

"آپ نے سلمیٰ کو اپنا پیغام تو دے دیا ہوگا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"میں نے اپنا پیغام دوبارہ دہرایا ہے۔ اچھا ہوا کہ جہانگیر نے مشتعل ہوکر خود فون بند کردیا ورنہ میں ڈر رہا تھا کہ وہ اپنی دھن میں گھنٹوں باتیں کرتا رہے گا۔"

"میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ اب اجازت ہو تو روشنی گل کردوں؟" غزالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر پر دھکیلا اور دوسرے ہاتھ سے بیڈ سوئچ آف کردیا۔

○☆○

اگلی صبح میں نے پہلی فرصت میں جہانگیر کے گھر فون کیا تو مجھے ریسیور پر سلمیٰ کی آواز سن کر خوشی ہوئی۔ اس نے بتایا کہ میرا دیا ہوا پیغام سن کر جہانگیر نے گولڈن فارمیسی جانے کا ارادہ ترک کردیا تھا اور اس وقت سکون سے باتھ روم میں نہا رہا تھا۔

میں نے سلمیٰ سے کہا کہ وہ جہانگیر کو میرے فون کے بارے میں نہ بتائے۔ میں اپنے چند ضروری کاموں سے نمٹنے کے بعد دوپہر تک اس کے گھر پہنچوں گا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ بہت وہمی ہیں۔ باتھ روم میں فون کی گھنٹی سن لی ہوگی۔ اب باہر آتے ہی پوچھیں گے کہ کس کا فون آیا تھا۔"

"کہہ دینا کہ رانگ نمبر تھا۔ اس بدھو کو کیا پتا چلے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

وہ کھلکھلا کر مترنم آواز میں ہنس پڑی "تم میرے منہ پر ان کو بدھو کہہ رہے ہو۔"

"وہ رات کو اپنے آپ کو گھوڑا کہہ رہا تھا۔ اس بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"بس کبھی کبھی ان کو ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوجھنے لگتی ہیں۔" اس کی خفت آمیز آواز سنائی دی "ان کا مطالبہ ماننے سے پہلے میری گلوخلاصی نہیں ہوئی۔"

"اس کا مطالبہ کیا تھا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہی کہ وہ گھوڑا ہیں۔" اس نے روانی میں جواب دیا پھر کچھ سوچ کر اسی لمحے سٹپٹائی ہوئی آواز میں بولی "شاور سے پانی گرنے کی آواز تھم گئی۔ وہ باہر آتے ہوں گے۔ میں فون بند کررہی ہوں۔"

اور اس نے واقعی فون بند کردیا۔ وہ عجیب موڈی عورت تھی۔ تنہائی میں جب بھی ملتی تھی، اتنے جارحانہ تیوروں کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی تھی کہ میں بوکھلا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوجاتا تھا۔ میں نے دوست کی بیوی ہونے کے ناتے کبھی اس کی بے تکلفی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس وقت میں نے ذرا اس کی دل جوئی کے لیے خود پہل کی تو اس نے گھبرا کر فون بند کردیا۔ میری کوشش صرف اتنی تھی کہ لاہور میں چوہدری عظمت کی گرفتاری کے سلسلے میں اس کے دل میں جو گرہ پڑ چکی تھی۔ وہ دور ہوسکے۔

میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو غزالہ ناشتا تیار کیے میز پر میری منتظر تھی۔ ویرا ناشتے سے فارغ ہوکر اخبار بینی میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ کی شاید صبح نہیں ہوئی تھی۔

"کوئی خاص خبر نظر آئے تو اونچی آواز میں پڑھ دینا۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے ہانک لگائی۔

"خود اخبار پڑھ لینا' میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔" ویرا نے بے رخی سے جواب دیا۔

"ملازم نہیں لیکن دوست تو ہونا۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارے مشورے کے مطابق جہانگیر کی طرف جانا ہے۔" میں نے مسکرا کر اسے یاد دلایا۔

"تم بہت چالاک ہو۔ اپنی دم اونچی رکھنے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرلیتے ہو۔" اس نے اخبار نظروں کے سامنے سے ہٹا کر مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم بہانہ کہہ رہی ہو تو ٹھیک ہے۔ اب میں پورا اخبار چاٹ کر اس کی طرف جاؤں گا۔"

"بلاوجہ بحث مت کرو۔ اس وقت تک اس کی گردن کٹ سکتی ہے۔ تم کو ویسے ہی دیر ہوگئی ہے۔ اب تمہیں اس کے گھر کے بجائے دکان کا رخ کرنا ہوگا۔"

ویرا کو وہی کچھ معلوم تھا جو اس کے سامنے زیر بحث آیا

تھا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اپنے کمرے میں جانے کے بعد غزالہ سے کیا تبادلہ خیال کیا تھا۔ اس طرح اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں نے رات کو فون پر سلمٰی اور جہانگیر سے بات کرلی تھی۔

جب میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور کسل مندانہ انداز میں بہت دھیرے دھیرے ناشتا کرنے میں مصروف رہا تو اس نے زچ ہوکر دانت پیستے ہوئے بتایا کہ اخبار میں کلفٹن کے ویران ساحل سے ایک نامعلوم شخص کی لاش کی بازیابی کے سوا کوئی خاص خبر نہیں تھی۔

"مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ غور سے دیکھو۔ اخبار میں ہمارے کام کی اور خبریں بھی ہوں گی۔" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" وہ غصے سے بولی "تم جان بوجھ کر ناشتا ختم کرنے میں دیر لگا رہے ہو۔"

غزالہ شاید ویرا کے وہ بے تکلفانہ فقرے برداشت نہیں کرسکی اور اس نے مسکراتے ہوئے قلعی کھول دی "یہ بلاوجہ تمہیں زچ کررہے ہیں۔ تم اپنا خون نہ کھولاؤ۔ انہوں نے رات کو ہی ان دونوں کو فون پر ہوشیار کردیا تھا۔ آج جہانگیر اپنی دکان کا رخ نہیں کرے گا۔ گھر پر رک کر ان کا انتظار کرے گا۔"

ویرا غصے میں اخبار میز پر پھینک کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ غزالہ کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تیر گئی۔

اسے و۔ یرا سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ اس کی بعض حرکتوں سے چشم پوشی بھی کرلیتی تھی لیکن اندر سے وہ نری عورت تھی اور اپنے مرد پر ایک حد سے آگے کسی عورت کا حق برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ویرا اس کے روبرو بیٹھ کر میرا سر پھاڑنے کی دھمکی دے رہی تھی۔ غزالہ نے اپنی کسی ناراضی کا اظہار کیے بغیر نہایت خوب صورتی بلکہ معصومیت سے ویرا کا یہ غرور توڑ دیا تھا کہ وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر میرے ساتھ من مانا سلوک کرسکتی ہے۔

"میں اس سے تفریح لے رہا تھا۔ تم نے بھانڈا پھوڑ کر اس کا موڈ خراب کردیا۔" میں نے غزالہ کو ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"میں نے دانستہ اسے یہ جتادیا کہ آپ مجھے اس سے زیادہ اہم اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں کیونکہ میں آپ کی بیوی ہوں اور وہ محض ایک دوست ہے۔ تفریح اور بدتمیزی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ وہ میرے سامنے آپ کے ساتھ سلطان شاہ والا سلوک نہیں کرسکتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم سلطان شاہ کو دوسروں سے کم تر سمجھتی ہو۔"

"سلطان شاہ اور ویرا میرے نزدیک ایک سطح پر ہیں کیونکہ دونوں غیرشادی شدہ ہیں۔ کسی تیسرے کے جذبات کو مجروح کیے بغیر پوری بے رحمی سے ایک دوسرے سے بدلہ لے لیتے ہیں۔ ویرا کی آپ سے دوستی اپنی جگہ اسے میرے جذبات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔"

سلطان شاہ اپنے کمرے سے نکلتا ہوا نظر آیا اور ہماری آپس کی باتیں وہیں ختم ہوگئیں۔

گیارہ بجے جلال کا فون آگیا۔ وہ کراچی میں موجود تھا اور کہہ رہا تھا "ناکامیوں کے اندھیرے میں کامیابی کی پہلی مبارک باد ہو۔"

"کیا مال پکڑا گیا؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"میں تمہارے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور بھارتی فضائی کمپنی کا ایک جہاز کراچی ایئرپورٹ پر اس مخصوص شراب کے پچاس کارٹن اتار رہا تھا۔ صبح وہ مال گودام میں پہنچتے ہی سب کچھ سیل کردیا گیا۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ میں آؤں گا تو سناؤں گا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "چوپڑا کا کیا ہوا؟" مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ اپنی بات وہیں ختم کرنے والا تھا۔

"میں وہی بتا رہا تھا۔ بدھو لال چوپڑا کے وارنٹ دیکھ کر قونصل خانے والے سخت تذبذب میں پڑ گئے۔ وہ پاکستان کا شہری ہے اور یہیں ملازم رکھا گیا ہے۔ کافی مزاحمت کے بعد ابھی ابھی انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ چوپڑا کو بارہ بجے تک قانون کے محافظوں کے حوالے کردیا جائے گا۔"

"ان کی پسپائی سے ظاہر ہورہا ہے کہ کیس بہت مضبوط بنا ہے۔" میں نے اس کی جائز تعریف کی "اس وقت تقریباً گیارہ بجے ہیں اور کارروائی کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ تم لوگوں نے بہت تیز رفتاری سے کام آگے بڑھایا ہے۔"

"کام رات سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ صبح ابتدا کی جاتی تو آج کا پورا دن برباد ہوجاتا۔" جلال اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ "ہمیں چوپڑا کی گرفتاری کے لیے مال گودام میں پہنچنے کا انتظار تھا تاکہ ثبوت ہاتھ آسکے۔ گودام کو سیل کرتے ہی پولیس فورس بھارتی قونصل خانے پہنچ گئی تھی۔ ایس پی سیکنڈ سیکریٹری سے مذاکرات کے بعد اپنی ٹیم لے کر واپس آچکا ہے۔ بھارتی قونصل خانے کا کوئی افسر خود چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچائے گا۔"

"جب وہ اصولی طور پر اسے قانون کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں تو پھر ٹال مٹول کیوں کر رہے ہیں۔"

"وہ ان کے گندے کھیل کا ایک اہم مہرہ ہے۔ گرفتاری سے پہلے وہ اس کی بریفنگ کر رہے ہوں گے۔" جلال کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس سچویشن کے بارے میں سوچ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ان پر یہ آفت اچانک نازل ہوئی ہے۔ اب وہ اسے سمجھا رہے ہوں گے کہ پولیس کے سامنے اسے کیا کچھ کہنا ہے اور کن موضوعات پر اپنی زبان بند رکھنی ہے۔ اس کی کوئی بھی لغزش ایک نئے اسکینڈل کو جنم دے سکتی ہے۔"

"وہ لاکھ مقامی سہی مگر سفارتی ملازم ہے' کیا اس کی گرفتاری میں ویانا کنونشن حائل نہیں ہوا۔"

"غیر ملکی سفارت عملے کو اس کنونشن کے تحت سو فیصد تحفظ حاصل ہے۔ ان کے خلاف مقامی حکومت کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ تحریری شکایت پر ان کا اپنا ملک تفتیش کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ مقامیوں کے بارے میں کہیں کہیں ابہام ہے۔ بین الاقوامی خیر سگالی کے لیے مقامی قوانین کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ بھارتی قونصل خانے والے اسے ہمیشہ کے لیے پناہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی خاموشی سے اسے پاکستان سے نکال سکتے ہیں۔ اس کا جرم اتنا واضح اور سنگین ہے کہ وہ ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔"

"شاید یہ پہلی بار ہوا ہے کہ روایتی طریقے پر کوئی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب چوپڑا کو عقل آئے گی کہ جس شاخ پر انسان کا آشیانہ بنا ہوا ہو' اس کو کاٹنے کے نتائج کتنے سنگین ہوتے ہیں۔"

"وہ گرفتار ضرور ہو جائے گا مگر اس کی سیوا نہیں ہو سکے گی۔ قونصل خانے کا ایک افسر روزانہ اس سے ملے گا۔ ویسے بھی ہمارا قانون زیر تفتیش قیدیوں پر تشدد کی اجازت نہیں دیتا۔"

جلال کے اس جواب پر میں بے ساختہ ہنس پڑا "تم بہت عجیب بات کر رہے ہو۔ یہاں آئے دن زیر تفتیش قیدی زخمی اور معذور ہوتے رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ مر بھی جاتے ہیں اور ان کی موت کو کوئی دوسرا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ ان پر تشدد کے لیے کون قانون کی پروا کرتا ہے یا اس سے اجازت لیتا ہے۔"

"قیدیوں پر تشدد ایک عالمی مسئلہ ہے۔ تفتیش میں سے یہ عنصر نکال دیا جائے تو دنیا بھر میں سزا پانے والے مجرموں کی تعداد شاید دس حصے کم ہو جائے۔ قانون کے مندرجات کے ساتھ یہ عملی حقائق اپنی جگہ پر ہیں مگر چوپڑا ہر تشدد سے محفوظ رہے گا۔"

"اس کے بارے میں میری حسرتیں دل میں رہ جائیں گی۔ جمود سے بہتر ہے کہ اب وہ اپنے آقاؤں کے بجائے ہماری پولیس کی تحویل میں ہوگا۔ میری آرزو ہے کہ اسے اتنی لمبی سزا ہو کہ اس کے سارے کس بل نکل جائیں۔"

"قونصل خانے والے اس کے لیے سفارتی پناہ کا اعلان کر کے اسے بچا سکتے تھے۔" قدرے سکوت کے بعد جلال کی آواز ابھری "پتا نہیں انہوں نے یہ سدا بہار حربہ کیوں استعمال نہیں کیا۔"

"وہ ہندو ہے' پاکستانی ہے اور ایک سنگین جرم میں ملوث ہے۔ شاید اس کی وجہ سے ان کی ساکھ تباہ ہو جاتی۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر سفارتی اسکینڈل کو دنیا بھر کے اخبارات خوب اچھالتے ہیں۔ بظاہر ان کے گریز کا یہی ایک سبب نظر آتا ہے۔"

"یہ ہاتھ آنے والا ہے۔ اب آئی مین رہ گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایسے گمنام آدمی کے بارے میں کہاں سے کام کی ابتدا کی جائے۔" جلال یکایک دوسرے اہم ترین موضوع پر آگیا "مجھے رپورٹ ملی ہے کہ اس کے لیے کرائے پر مکان حاصل کرنے والا کلفٹن سے مردہ حالت میں ملا ہے۔"

"تم چوپڑا کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ہم اس پر اپنا سر کھپا رہے تھے۔" میں نے اسے بتایا "ہم فوری طور پر کچھ تو نہیں کر سکتے لیکن ایک راہ نظر آئی ہے۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو اب وہ میرے ایک دوست پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔"

"اور تم اسے چارہ بنا کر آئی مین کو پکڑنا چاہو گے۔" جلال کا سوال بے ساختہ تھا۔

"میں ایسی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" میں نے قدرے ترشی سے جواب دیا "میں اسے بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔ اگر وہ مجھ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے اور شی کے پرانے لوگوں کے بارے میں وسیع معلومات رکھتا ہے تو اسے ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔"

"تمہارا حساب درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں میرے کراچی آفس کو کیا کرنا ہے۔" اس نے کھلے دل سے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"جہانگیر کے گرد زیادہ بھیڑ بھاڑ سے وہ چوکنا ہو جائے گا اور ہمارے جال میں پھنسنے کے بجائے کسی مناسب موقع کی

تلاش میں لگا رہے گا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں تمہاری پیش کش کی دل سے قدر کرتا ہوں مگر اپنے دوست کو میں خود دیکھوں گا۔"

"گڈ لک!" اس نے اپنی نیک خواہش کا اظہار کیا "وقت ملا تو میں شام تک دوبارہ فون کر کے تمہیں تازہ ترین حالات سے آگاہ کر دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں گھر سے نکل جاؤں۔" میں نے اسے بتایا "گھر کے نمبر کے بجائے مجھے موبائل پر فون کر لینا۔"

میں اس سے فون پر گفتگو کر کے فارغ ہوا تو ویرا اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں اچانک ویانا کنونشن کیوں یاد آ گیا تھا؟" اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"چھپ کر کسی کی باتیں سننا اخلاقی عیوب میں شمار ہوتا ہے۔ میرے سر پر کھڑے رہنے کے بجائے تم سامنے کرسی پر بھی بیٹھ سکتی تھیں۔"

"چھپ کر سننے اور چوری کر کے کھانے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" اپنی کمر کو ہلکا سا بل دے کر وہ کرسی پر آ بیٹھی "تمہاری باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ جلال چوپڑا کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ آج کے دن کا آغاز ایک اچھی خبر سے ہوا ہے۔"

"میرے لیے حیران کن بات یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے والے اسے اپنی پناہ سے نکال کر قانون کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ان کا کوئی افسر بارہ بجے تک چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچا دے گا۔"

"تمہاری طرح میری حسرتیں بھی دل میں رہ جائیں گی۔ اس غدار پاکستانی کے سر پر پھٹے ہوئے جوتے برسائے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"تم بھول گئیں کہ وہ غدار پاکستانی ہونے کے ساتھ ہندو بھی ہے۔" سلطان شاہ نے اسے لقمہ دیا۔

"تم ہمیشہ کفن پھاڑ کر بات کرتے ہو۔" ویرا نے خوش دلی سے کہا "ہندو ہونا جرم نہیں ہے۔ پاکستان میں لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ تم نے کس کو پکڑا؟ چوپڑا کا سنگین جرم یہ ہے کہ وہ پاکستانی ہوتے ہوئے پاکستان سے غداری کا مرتکب ہو رہا تھا۔"

اس کے بارے میں ویرا کی رائے بالکل درست تھی۔ وہ دہرے جرم کا مرتکب ہوتا رہا تھا۔ ایک طرف وہ پاکستان میں چھپے ہوئے را کے مقامی اور غیر ملکی ایجنٹوں کا رابطہ افسر تھا۔ وہ سب چندن کے چرائے ہوئے فون اور اس کے اپنے فیکس نمبروں پر اپنی رپورٹیں ارسال کرتے تھے جو چوپڑا سفارتی ڈاک کے ساتھ پوری حفاظت سے دہلی روانہ کر دیتا تھا۔ ان مخبروں کو وہ غالباً اسی طرح ہدایات بھی دیتا ہو گا۔ مجھے ایک فیکس بھیجنے کے بعد اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے میں ہدایات کے اجرا کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر فیکس رپورٹنگ ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ وہ اس طریقے سے نہ جانے کتنے راز اپنے آقاؤں کو فراہم کر چکا تھا۔

اس کا دوسرا جرم بھی کم سنگین نہیں تھا۔ ہیروئن بنانے والوں کو ممنوع کیمیکل کی فراہمی اور ہیروئن کی مفت تقسیم کا جرم اس کے گلے کا طوق بن چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عدالتی کارروائی میں اس کی غداری کے بارے میں کوئی نکتہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ الزام کتنا ہی ٹھوس ہوتا' بھارتی اسے انتقام قرار دیتے۔ اس کی سزا یابی کے لیے اس کا دوسرا جرم کافی تھا۔

چوپڑا کے بارے میں پوچھتے ہوئے مجھے ونود کا خیال آیا۔ اس قاتل کا نام جونک بن کر جلال کے ذہن سے چپکا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے اسے ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا ہو گا مگر میں اس سے ونود کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوپڑا کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس وقت میدان میں صرف دو دشمن رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک جلال کے نشانے پر آیا ہوا تھا۔ دوسرے کے بارے میں' میں نے ذمے داری لی ہوئی تھی۔

"تمہاری باتیں سن کر کسی وقت مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔ سلطان شاہ ویرا سے کہہ رہا تھا۔ "جب تک تم بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں تو پاکستان اور پاکستانیوں کے سائے تک سے جلتی تھیں۔ کایا پلٹ ہونے کے بعد تم ہماری سب سے بڑی ہمدرد بن گئی ہو۔"

"ڈینی کے دم کو دعائیں دو۔ اس کی وجہ سے میں نے پاکستان اور پاکستانیوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم لوگ بہت مظلوم نظر آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔ سب کو تم سے کوئی نہ کوئی پرخاش یا شکایت ہے۔"

"تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر بھی ہمارے دوست موجود ہیں اور ہم ان ہی کے سہارے زندہ ہیں۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔" ویرا نے اپنا سر جھٹک کر بے پروائی سے کہا "تم صرف اس لیے زندہ ہو کہ سخت جان بلکہ ڈھیٹ قوم ہو۔ ذرا مجھے بتاؤ کہ تم کن قوموں کو اپنا دوست تصور کرتے ہو۔" چوپڑا سے ان دونوں کی باتوں کا رخ یکایک عالمی فضا کی طرف ہو گیا۔

"عرب ہمارے دوست ہیں۔ پوری اسلامی دنیا ہماری ہم نوا ہے۔ ہم..."

"بس یہ تکرار رہنے دو۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کردیا "تم فلسطینیوں سے زیادہ فلسطین کے وفادار رہو۔ کشمیر کا معاملہ اٹھتا ہے تو عرب بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ کبھی تمہارے حکمراں ان کی زیادہ خوشامد کریں تو ایک آدھ نیم دلانہ بیان جاری کردیتے ہیں۔ وہ بھارت کے خلاف جا ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کی بیشتر سستی درآمدات کا انحصار بھارت پر ہے۔ وہ تمہاری خاطر اس توازن کو کبھی خراب نہیں کریں گے۔"

میں خاموشی سے وہ گفتگو سنتا رہا۔ ویرا کی باتیں تلخ ضرور تھیں لیکن زمینی حقائق کی عکاسی کررہی تھیں۔ یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں رہتی تھی۔ اسے تازہ ترین عالمی حالات کا پورا احساس اور ادراک تھا۔

"تم افسانے تراش رہی ہو۔ عربوں نے ہر آڑے وقت میں ہماری مدد کی ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"یہ مدد ساہوکار والی ہوتی ہے۔ جانتے ہو وڈیرے اور ساہوکار کیا کرتے ہیں۔"

"آج تم انوکھی باتیں کررہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ گلشن اقبال کے کسی بازار میں کسی عرب نے تمہاری دم پر پاؤں رکھ دیا ہے۔"

"وڈیرے اور ساہوکار کسی غریب کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے دل کھول کر پیسا نہیں دیتے۔ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ غریب خود کفیل ہو گیا تو ان کے چنگل سے نکل جائے گا۔ غریب کے گھر شادی ہو یا میت ہوجائے تو وہ اسے دل کھول کر قرضہ دیتے ہیں تاکہ غلامی کی زنجیریں مضبوط ہوجائیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر دیا ہوا قرضہ غریب کے کسی کام نہیں آئے گا۔ رسموں میں برباد ہوجائے گا اور اس کی پشتیں بھی وہ قرض نہیں اتار سکیں گی۔ غریب کے بچے ان کے پیدائشی غلام ہوتے ہیں۔"

"ہائیں... اس وقت تو تم کسی کامریڈ جیسی باتیں کررہی ہو۔" سلطان شاہ نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے کہا۔

"روس ٹوٹ گیا۔ اب ایسی باتیں بے اثر ہیں۔ چند برس تک پہلے یہ فیشن تھا کہ جو حق بات کرے اسے کامریڈ قرار دے کر اچھوت بنادو۔ عرب تمہارے دوست نہیں، وڈیرے اور ساہوکار ہیں۔ آڑے وقت میں مدد دیتے ہیں جو فوراً کام آجاتی ہے۔ مستقل بنیادوں پر تم سے تعاون نہیں کرتے کہ کہیں تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوجاؤ۔ ذرا بھی غیر جذباتی ہو کر حالات کا تجزیہ کرو گے تو مجھ سے اختلاف نہیں کرسکو گے۔"

"مستقل بنیادوں پر وہ کیا تعاون کریں گے۔ تم چاہتی ہو کہ پاکستان ان کی زکوٰۃ اور خیرات پر چلتا رہے!"

"یہ گھٹیا باتیں ہیں۔ مدد کرنے کے باعزت طریقے بھی ہیں۔ وہ تم سے ساری فاضل کپاس، گندم اور چاول خرید سکتے ہیں۔ ضرورت کی ہزاروں چیزیں درآمد کرسکتے ہیں۔ اپنے اپنے ملکوں میں کام کرنے والے غیر ملکیوں میں پاکستانیوں کی تعداد بڑھا سکتے ہیں۔ اپنے اربوں کے ڈالر کے اثاثے یہودی بینکوں سے نکال کر ماہر پاکستانی بینکاروں کے سپرد کرسکتے ہیں۔ چند ہفتوں میں پاکستان کی قسمت بدل جائے گی۔ وہ تمہارے دوست ہوں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں مگر ان کو بھارت زیادہ عزیز ہے کیونکہ وہاں شراب کھلی ملتی ہے اور وہ عیاشی کے لیے ممبئی کا رخ کرتے ہیں جہاں کسی قسم کے اسلامی قوانین ان کی راہ نہیں روکتے۔"

"اس وقت تمہاری باتیں چوکھی ہیں۔ بس عربوں کے خلاف بولے جارہی ہو۔ وہ ایک ایسے ملک کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر نہیں لگا سکتے جہاں استحکام نہ ہو۔ تمہاری باتیں جذباتی اور کھوکھلی ہیں۔ تم ہمارے ذہنوں میں زہر بھرنے کی کوشش کررہی ہو۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "بس تمہاری ایک بات درست ہے کہ پاکستان میں استحکام نہیں ہے۔ یہ قصور تمہارے لیڈروں اور حکمرانوں کا ہے۔"

"اب تم سیاست پر لیکچر شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ابھی تک اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ سلطان شاہ کی باتوں کا کھرا اور کڑوا جواب دیا ہے۔"

"مگر بیچارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس نے چوپڑا کے ہندو ہونے کا ذکر کیا تھا اور تم اس پر چڑھ دوڑیں۔"

"میری باتیں تم کو بری لگ رہی ہیں تو میں اپنی زبان بند کیے لیتی ہوں۔ تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی رہوں گی مگر میری ایک بات کہیں لکھ لو کہ کسی نہ کسی وقت تمہارا قومی شعور

جاگے گا اور ہر پاکستانی کی زبان پر وہی باتیں ہوں گی جو میں ابھی کہہ رہی ہوں۔"

"فکر مت کرو۔ مطلع صاف ہوجائے تو میں جلال سے سفارش کروں گا کہ تمہیں دفتر خارجہ میں نوکری دلوا دے۔ تم اچھی تقریر کرلیتی ہو۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"تقریر نہیں' یہ دل دکھانے والی باتیں ہیں جو میں اکثر سوچتی رہتی ہوں اور پھر اندر ہی اندر کڑھتی ہوں۔"

اس پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ میں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔

ویرا نے سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاکر فضا میں دھوئیں کے کثیف مرغولے بکھیرنے لگی۔

"تم کب تک یہاں بیٹھے رہو گے۔ ایسا نہ ہو کہ جہانگیر تمہارے انتظار سے اکتا کر گھر سے نکل کھڑا ہو۔" کچھ دیر بعد ویرا نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں نے ویرا کو پوری بات نہیں بتائی تھی' میں اسے اپنے تمام خدشات سے آگاہ کردیتا تو سنسنی اور مہم جوئی کے شوق میں وہ میرے ساتھ رہنے پر مصر ہوجاتی۔ میں اپنے اور جہانگیر کے درمیان اس کی موجودگی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا تھا کیونکہ جہانگیر دل و جان سے اپنی سابقہ بلیک کوئین کو پسند کرتا تھا۔ وہ اس پر لٹو ہو کر جا و بے جا اس کی ناز برداریوں میں مصروف ہو کر مجھے نظر انداز کرنا شروع کردیتا جو مجھے گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑی اور روانگی کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

جہانگیر مجھ سے ایسے تپاک سے بغل گیر ہوا جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا ملا ہو۔ گھنٹی کے جواب میں دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ اس وقت سلمیٰ شاید کہیں مصروف تھی۔ جہانگیر کی پرجوش خیر مقدمی آوازیں سن کر وہ بھی لپک کر دروازے تک آگئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک کوندنے لگی تھی۔

"یار مجھے اندر آکر بیٹھنے تو دو یا یہیں دروازے پر دبا دبا کر ڈھیر کردو گے۔" میں نے جہانگیر کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

"اندر آنے دیں۔ آپ تو دروازے پر ہی لپٹ گئے۔" سلمیٰ نے میری حمایت میں جہانگیر سے کہا۔

جہانگیر نے اپنی بیوی کے ایما پر مجھے آزاد کردیا اور بولا "کافی دنوں سے میری طبیعت بوجھل چل رہی تھی۔ ابھی وقت تمہیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ اس بار تمہاری غیر حاضری بہت لمبی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کراچی میں نہیں تھا۔ لاہور اور اسلام آباد وغیرہ گیا ہوا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولا "جب سلمیٰ کے ماموں پکڑے گئے تو تم لاہور میں تھے۔"

"آپ نے پھر ماموں کا ذکر نکال لیا۔" سلمیٰ برا مان کر بولی "اس وقت ان کا ذکر بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اب میں دن تاریخیں تو یاد نہیں رکھتا۔ یہ معلوم ہے کہ ماموں عظمت کی گرفتاری والے دن ڈینی لاہور میں تھا۔"

جہانگیر نے معصومانہ بہانہ پیش کردیا مگر میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دانستہ وہ ذکر نکال کر جہانگیر میرے سامنے سلمیٰ کو ذلیل کرنا چاہ رہا تھا۔

"لاہور میں لوگ چوہدری عظمت کی عزت اور شرافت کی قسمیں کھاتے تھے۔" سلمیٰ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں مٹکا کے تلخی سے کہا "پتا نہیں کس نے ان سے دشمنی نکالی ہے۔ اب بھی لوگ کہتے ہیں کہ ان کے کسی دشمن نے گھر میں ہیروئن رکھوا کر پولیس میں مخبری کی تھی۔ تم دیکھ لینا کہ بڑے ماموں عدالت سے انشاءاللہ باعزت بری ہوں گے۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے بڑے ماموں بہت عزت دار ہیں۔" جہانگیر نے ڈرائنگ روم کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے تحقیر سے کہا "ہر مجرم پکڑے جانے پر ایسے ہی بہانے پیش کرتا ہے۔ میں خود سوچ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ وہ اپنی گرہ سے مال خرچ کرکے فلاحی کام کرتے رہتے ہیں تو ان کے پاس دولت کہاں سے بہہ کر آرہی ہے۔ مہنگائی کے اس زمانے میں حلال کی کمائی سے آدمی اپنے گھر کا خرچ چلالے تو یہی بہت ہوتا ہے۔"

"بس آپ کو تو موقع چاہیے۔ ہر وقت زہریلی باتوں کے نشتر چلا کر میرا سینہ چھلنی کردیا ہے۔ مجھے پتا ہوتا کہ آپ یوں میرا جینا دوبھر کردیں گے تو میں آپ کو بڑے ماموں والے قصے کی ہوا بھی نہ لگنے دیتی۔"

"چاند چڑھتا ہے تو دنیا دیکھتی ہے۔ چور پکڑا جاتا ہے تو سب کو خبر ہوجاتی ہے۔" جہانگیر نے بے سروپا سی مثالیں دہرائیں "تم نہ بتاتیں تو کیا کرتیں۔ سارے اخباروں میں تمہارے ماموں کی ہتھکڑیوں والی بڑی بڑی تصویریں چھپی تھیں۔ پہلے وہ صرف لاہور میں مشہور تھے اب پورے پاکستان میں مشہور ہوگئے ہیں۔"

"آپ نے کڑوی کسیلی باتوں میں عورتوں کو بھی مات دے دی ہے!" سلمیٰ نے اس کو ملامت کی۔

"میں لاہور گیا تو جیل میں تمہارے ماموں سے مل کر ضرور مشورہ کروں گا۔" جہانگیر نے اس کی بات سنی اَن سنی کرکے کہا "گولڈن فاریسی میں کچھ نہیں رکھا۔ دس بیس کلو ہیروئن اِدھر اُدھر کردوں گا تو عمر بھر کے لیے وارے کے نیارے ہوجائیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اپنے جیتے دوست کو دیکھ کر آپ زیادہ بول رہے ہیں۔" سلمیٰ تنک کر بولی "آپ کی زبان یوں بند نہیں ہوگی۔ میں کچن میں جارہی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے مڑی تو جہانگیر مجھے آنکھ مار کر شیطانی انداز میں مسکرانے لگا۔

"سالی! عزت دار کی بھانجی۔ چلی گئی نا آخر۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"اس وقت میرے سامنے عظمت کا ذکر نکالنے کی کیا ضرورت تھی۔" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"میں تم کو دکھانا چاہتا تھا کہ اب میں سلمیٰ سے نہیں دبتا۔ اس کا اونٹ پہاڑ تلے آچکا ہے۔" اس کی آواز سے دلی خوشی جھلک رہی تھی "یہاں ہم سرگوشیوں میں باتیں کریں گے اور وہ ہماری کنسوئیاں لیتی رہے گی۔ آؤ' بیڈ روم میں چلتے ہیں۔ دروازہ بند کرکے ائرکنڈیشنر چلالیں گے۔ وہاں کھل کر باتیں ہوں گی۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ سلمیٰ اور اس کے خاندان کی برائیاں کرنے پر تلا ہوا تھا جب کہ مجھے اپنی باتوں کے لیے رازداری کی ضرورت تھی۔

"چائے وائے نہ بنانا۔" جہانگیر نے کچن کے قریب سے گزرتے ہوئے سلمیٰ کو چھیڑا "ہم بیڈ روم میں جارہے ہیں۔ ٹھنڈی بیئر کے دو چار ڈبے پئیں گے۔"

"ہائیں!" سلمیٰ حیرت سے میری طرف پلٹ پڑی "تم نے تو شراب چھوڑ دی تھی۔ کیا پھر شروع کردی؟"

"جہانگیر کا دماغ خراب ہے۔ میں چائے پیوں گا۔"

"چھوڑ یار!" جہانگیر نے اصرار کیا "بیئر شراب کہاں ہوتی ہے۔ پورے ڈبے میں اشک بلبل کے برابر الکحل ہوتی ہے۔"

"صرف چائے!" میں نے سلمیٰ کو تاکید کی اور ہم دونوں بیڈ روم میں داخل ہوگئے۔

جہانگیر نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرکے ائرکنڈیشنر چلایا اور روم فرج سے بیئر کا ایک یخ بستہ ڈبا نکال کر کسی چوہدری کی طرح بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

ڈبے کا کیپ اکھاڑتے ہوئے اس نے مجھے ایک مرتبہ پھر ترغیب دی لیکن میں نے مسکرا کر انکار میں سر ہلا دیا۔

"تم آدمی نہیں' جن ہو۔" اس نے ڈبے سے منہ لگا کر پہلا گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ برسوں کی بلانوشی کے بعد تم نے اچانک شراب چھوڑ دی۔ میرا خیال ہے کہ غزالہ کو الکحل کی تیز بو ناگوار لگتی ہوگی۔"

"تمہاری ذہنیت بہت گندی ہے۔ میاں بیوی ہر وقت منہ سے منہ نہیں جوڑے رہتے۔ شراب میں نے اپنی مرضی سے چھوڑی ہے۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا "اپنی والی بدبو سے چڑتی ہے مگر میں اپنی مرضی سے پیتا ہوں۔"

"تم کون سی باتیں کرنے کے لیے مجھے اس کمرے میں لائے تھے۔" میں نے سوال کیا۔

"یار میری زندگی برباد ہوگئی۔" اس نے افسردگی سے سر ہلا کر کہا "میں نے عزت دار گھرانا دیکھ کر سلمیٰ سے شادی کی تھی اور ہمیشہ اپنی مشتبہ سرگرمیوں کو اس سے چھپاتا رہا۔ اپنے ماضی کی وجہ سے میں اس کے سامنے ہمیشہ خود کو کم تر سمجھتا رہا اور یہ مجھ پر حاوی ہوتی چلی گئی۔ ذرا ذرا سی بات پر میکے جانے کی دھمکی دے کر یہ مجھے جھکنے پر مجبور کردیتی تھی۔"

"یہ سب کہانیاں میری دیکھی ہوئی ہیں۔ تم دونوں کے درمیان کبھی اعتماد کا رشتہ قائم نہیں ہوسکا۔ آگے بکو کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"

"اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ یہ ہیروئن کے اسمگلر کی بھانجی ہے تو مجھے اس سے ڈرنے یا دبنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُلو کی پٹھی سے برابر کا سلوک کرتا۔ زیادہ بکواس کرتی تو چٹیا کو تین بل دے کر گھر سے نکال دیتا اور پھر دیکھتا کہ یہ کہاں جاتی ہے۔" اس نے پرجوش لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔

"اپنی محرومیوں کا ذکر مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ اپنے اس غم کو تم شراب میں گھول کر پیتے رہے ہو۔ ان خیالی شکووں کے بجائے یہ بتاؤ کہ اب کیا حالات ہیں؟"

"بڑے ماموں کے اندر ہوتے ہی یہ اپنی اوقات پر آگئی ہے۔" وہ خوش ہو کر بتانے لگا "میں بھی چٹکیاں لینے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اس کی برین واشنگ کررہا ہوں۔ اس کے دماغ سے اپنی خاندانی بڑائی کا بھوت اتر جائے گا تو شاید میری زندگی میں بھی بہار آجائے گی۔"

"سلمیٰ تمہاری بیوی اور تمہارے بیٹے کی ماں ہے۔ اس کے لیے تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"وہ میری کچھ بھی نہ ہوتی تو مجھے اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔" اس نے اپنے ڈبے سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "سارا چکر یہی ہے کہ اب وہ میرے گلے پڑی ہوئی ہے اور میرے مالک نے مجھے اس کو سیدھا کرنے کا ایک سنہرا موقع دیا ہے تو میں اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں۔"

اس وقت تک وہ اپنے اور سلمیٰ کے بارے میں بولے جا رہا تھا لیکن اس سے آزادانہ انداز میں باتیں کرتے ہوئے مجھے اپنے ذہن سے تکان اور سستی دور ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑا سا کند ذہن ضرور تھا مگر میرے ساتھ بہت مخلص اور مہربان تھا۔ میرا ہم سن ہونے کے باوجود یوں میرا لحاظ کرتا تھا جیسے میں اس کا بزرگ ہوں۔

"اگر تم نے اسے ضرورت سے زیادہ تنگ کیا اور وہ زچ آ کر لاہور چل دی تو کیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"اب لاہور کی کہانی ہوا ہو گئی۔" اس نے چٹکی بجا کر فخر سے جواب دیا "جب سے سالے ماموں کو رگڑا لگا ہے' پورے خاندان کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ لاہور میں ایک کہرام مچا ہوا ہے۔ یہ اپنی سلمیٰ بیگم تم سے مدد کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ تم نے لاہور میں کورا جواب دے کر اسے کسی قابل نہیں چھوڑا۔ میکے جائے گی تو طعنے سن سن کر مر جائے گی۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سلمیٰ کے لیے اتنے سفاک اور سنگ دل ہو۔"

"ٹریفک دونوں طرف سے چلتا ہے۔ وہ مجھے خوش رکھے گی تو میں اسے خوش رکھوں گا۔ ابھی اس کے دماغ کے کیڑے پوری طرح نہیں جھڑے ہیں۔ ابھی تم نے سن لیا کہ وہ اپنے بڑے ماموں کو معصوم سمجھ رہی ہے۔ ان لوگوں کو ہوش اس وقت آئے گا جب اس حرامی کو عدالت سے لمبی سزا ملے گی۔"

اس بار میں جہانگیر سے اختلاف نہیں کر سکا۔ وہ اپنی بیوی کی نفسیات کو خوب سمجھتا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی اور سلمیٰ میرے لیے چائے لیے ہوئے اندر آ گئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اپنی جوتی سے میرا پیر دبایا تو میں چونک پڑا۔ کمرا کافی کشادہ تھا۔ یہ امکان نہیں تھا کہ سلمیٰ کا پیر غلطی سے میرے پیر پر پڑا ہو۔ لمحہ بھر میں اس نے اپنا پیر ہٹا لیا۔ میں اس کی معذرت کا منتظر تھا مگر وہ خاموش رہی۔ اس کا پیر میرے پیر پر غلطی سے پڑا ہوتا تو وہ فوراً معافی ضرور چاہتی۔ میں نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں تو اس کی بڑی بڑی اور گہری آنکھوں میں کوئی نامعلوم سی التجا تھی۔ شاید مجھ سے تخلیے میں ملاقات کی آرزو اس کی نظروں میں ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھی۔ میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر جہانگیر کی طرف نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ اس نے سلمیٰ کی نظربازی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سلمیٰ کو جلانے کے لیے بیئر کا ڈبا اپنے منہ سے لگائے ہوئے تھا۔

"فرج میں کئی ڈبے ہیں۔" سلمیٰ نے مڑتے ہوئے جہانگیر سے کہا "اسے خالی کر کے چبا نہ جایئے گا۔"

"تم مرچیں چباتی رہو۔" جہانگیر نے ڈبا منہ سے ہٹا کر بے پروائی سے کہا "جب تک اپنا یار یہاں بیٹھا ہوا ہے مجھے تمہاری بکواس کی پروا نہیں ہے۔"

سلمیٰ نے اسے نظرانداز کر کے مجھ سے پوچھا "میں تمہارے لیے اسپیشل ڈش بنا رہی ہوں۔ آج تم کھانا کھا کر جاؤ گے۔"

"تم دونوں ایک دوسرے سے زبان درازی کرتے رہے تو میرا رکنا مشکل ہوگا۔"

"یہ کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے۔ تم ایک کان سے سنو' دوسرے سے اڑا دو۔ ہم عادی ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے کی گالیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ تم بھی ہمیں برداشت کر لو۔ میں کھانا کھائے بغیر تم کو جانے نہیں دوں گی۔"

"ڈینی ابھی کہیں نہیں جا رہا۔" جہانگیر نے سلمیٰ کو ڈانٹا "بلاوجہ اس کی چہیتی بننے کی کوشش نہ کرو اور جا کر پراٹھوں کے ساتھ کوئی ڈھنگ کا کھانا تیار کر لو۔"

سلمیٰ زبان سے کچھ نہیں بولی۔ تیز نظروں سے اسے گھور کر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"تم نے دیکھ لیا۔ میں گھر میں رہتا ہوں تو دن بھر یہی ہوتا رہتا ہے۔ وہ مجھے سلگاتی ہے میں اسے جلاتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی تو رات کو بستر میں بھی زچ کر دیتی ہے۔"

رات کا ذکر آتے ہی میرا ذہن پچھلی رات فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف مبذول ہو گیا اور میں نے تیزی سے پوچھا "رات کو تم نشے میں بالکل آؤٹ تھے۔"

"ہرگز نائیں!" اس نے سختی سے تردید کی "مجھے معلوم ہے کہ میں نے تم سے بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔"

"پھر تم خود کو گھوڑا کیوں کہہ رہے تھے؟" میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"یہ ذکر چھوڑو۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ جھینپتے ہوئے

انداز میں ہنسنے لگا۔
”تم ہوش میں تھے تو مکاری کیوں کررہے تھے۔ میں پریشان تھا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم اتنے بہکنے والے نہیں ہو۔“
”یہ نئی ترکیب ہے۔“ وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا ”جب سالی میری بات نہیں مانتی تو میں مزید ایک دو پیگ چڑھا کر مدہوشی کی اداکاری شروع کردیتا ہوں اور یہ ڈر جاتی ہے کہ نافرمانی پر میں اسے مارنا شروع نہ کردوں۔ یہ اپنا تازہ سلیمانی نسخہ ہے۔“
”میں نے مان لیا کہ تم بدمعاش ہوگئے ہو اور اپنی بیوی سے مکاری کرتے ہو مگر گھوڑا بننے کی کیا تک تھی۔“
”آدمی سرور میں ہو اور مستی سوار ہو تو دماغ میں بڑے انوکھے خیال آتے ہیں۔“ چند ثانیوں تک جھجکنے کے بعد وہ بولنے لگا ”عورت اپنے مرد کو دیکھ دیکھ کر نہیں تھکتی لیکن مرد ہر روز پرانی عورت کو دیکھ کر بیزار ہوجاتا ہے۔ شاید اسی لیے ہم لوگوں کو چار شادیوں کی اجازت ہے کہ روز منظر بدلتا رہے....“
”تم ایک بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تو چار سے کیا انصاف کرو گے۔ یہ اجازت تم جیسے مردوں کے لیے نہیں ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
”میں بھی ڈرتا ہوں۔ ایک نے یہ حال کیا ہوا ہے۔ دوسری بھی اس جیسی ملی تو مجھے کسی کنوئیں میں کودنا پڑے گا۔“
”تمہارے ساتھ یہی ہوگا۔ تم نے اپنی رات والی حرکت کے بارے میں بات گول کردی۔“
اس کا منہ لٹک گیا ”میں سمجھا تھا کہ تم بھول گئے۔ بس وہ میری ذہنی کج روی تھی کہ میں گھوڑا ہوں۔ میں جب تک آؤٹ نہیں ہوا‘ اس نے میری بات نہیں مانی۔“
اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ وہ اس کی خلوت کی بات تھی۔ وہ کھل کر بتانے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے اپنا سوال تشنہ چھوڑ کر پوچھا ”تم ہوش میں تھے تو تم نے میرے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فون کیوں بند کردیا تھا۔“
”اس کے سامنے میں اداکاری کررہا تھا‘ تمہارے ساتھ مکاری نہیں کرسکتا تھا۔“ اس نے ایمان داری سے جواب دیا ”تم نے مجھے گدھا کہا تو مجھے ناراضی کا اظہار کرکے فون بند کرنے کا موقع مل گیا۔“
”جہانگیر! تمہارے لچھن اچھے نہیں ہیں۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا ”اپنی بدسلوکیوں کی وجہ سے تم دھیرے دھیرے ازدواجی خودکشی کی طرف بڑھ رہے ہو۔“
”ازدواجی خودکشی!“ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دہرایا ”یہ کیا ہوتی ہے۔“
”تنگ آکر وہ تمہیں چھوڑ دے گی یا چوری چھپے کسی اور سے دوستی کرلے گی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے وہ تلخ حقیقت کھل کر بیان کردی۔
وہ پھریری لے کر رہ گیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا ”نہیں یار! مجھے اتنی بے رحمی سے نہ ڈراؤ۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔“
اس بارے میں میری مزید لب کشائی خطرناک ہوسکتی تھی۔ میں نے اس سے جو کچھ کہا وہ میرے کئی تجربات اور مشاہدوں کا نچوڑ تھا۔ اگر اس کے پاس ذرا بھی عقل تھی تو اس کو میری بات پلے سے باندھ لینی چاہیے تھی۔
کچھ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ جہانگیر فرج سے نیا کین نکالنے کے لیے بستر سے اترا تو میں نے سگریٹ سلگالی۔
بیئر کے دوسرے کین سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ دوبارہ مسہری پر چڑھ گیا اور چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”ڈینی! تم میرے عظیم دوست ہو۔ تم نے اپنے ایک جملے سے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی بھی بے بس ہوکر کاٹ لیتی ہے پھر سلمٰی تو جوان اور خوش شکل عورت ہے۔ آج کے بعد میں پٹڑی بدل دوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے بہت زیادہ چاہتی ہے مگر میری کمزوریوں سے جلتی ہے۔ میں ان پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔“
اسے اندازہ نہیں تھا مگر میں جانتا تھا کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے کی کمزوری بھی اس پر غالب تھی۔ اگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی۔
”تم ایک بے جگر انسان ہو۔ تمہارا ماضی اس بات کا گواہ ہے۔ تم چاہو تو اپنی ہر کمزوری سے لڑسکتے ہو۔“ میں نے اسے حوصلہ دیا۔
”بس‘ اب کوئی اور بات کرو!“ اس نے اپنا سر جھٹک کر کہا پھر قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا ”یہ بتاؤ کہ آج تم نے مجھے دکان جانے سے کیوں روکا ہے۔“
میں بے ساختہ مسکرا دیا ”یہ اہم ترین بات تمہیں اب یاد آئی ہے۔ میں شروع سے تمہارے اس سوال کا انتظار

کر رہا تھا۔"
"بس ذہنی رو بہکی ہوئی تھی۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میں نے پہلے سے سوچا ہوا تھا کہ تم آؤ گے تو تمہارے ساتھ مل کر سلمیٰ کا خون سلگاتا رہوں گا۔ یہ چکر کچھ ایسا چلا کہ اصل بات دماغ سے نکل گئی۔ میری دکان پر اب تم کس قسم کے خطرے کی بو سونگھ رہے ہو؟"
"مطلع یکایک ابر آلود ہو گیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "طویل خاموشی کے بعد شی کا ایک آئی مین میدان میں اتر آیا ہے۔"
"کہاں... ؟ کراچی میں؟" اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔
میں نے اثبات میں سرہلا دیا "تم کو معلوم ہے کہ وہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ میری تلاش میں بھی ہے۔"
"میری اور تمہاری دوستی ان لوگوں کے علم میں ہے۔ تم تک پہنچنے میں ناکامی کی صورت میں وہ مجھے نشانہ بنا سکتے ہیں۔"
"میں نے اسی خطرے کی وجہ سے تمہیں دکان جانے سے روکا ہے۔ صورت حال واضح ہونے سے پہلے تم اپنی فارمیسی کا رخ نہیں کرو گے۔ وہاں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگی۔"
"جب سے میں نے دکان کا پورا اسٹاک کمپیوٹر پر ڈالا ہے' چوری کا خطرہ ختم ہو گیا ہے۔ اسپرین کی ایک گولی بکتی ہے تو وہ بھی اسٹاک لیجر میں ڈالی جاتی ہے۔ دونوں ملازموں کو معلوم ہے کہ میں کسی بھی وقت دس بیس دواؤں کی مقدار کا کمپیوٹر بیلنس سے موازنہ کرتا رہتا ہوں۔ وہ چوری کرتے ہی پکڑے جائیں گے۔"
"پھر تم میری اگلی ہدایت تک گھر پر ہی رہو گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
"آئی مین کوئی معمولی آدمی نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ میرے پیچھے لگ گیا تو پھر گھر تک بھی آسکتا ہے۔" وہ ذرا بھی خائف نہیں تھا۔
"وہ نیا نیا آیا ہے اس کے رابطے محدود ہیں۔ میں نے اس پر وار کرنے میں پہل کر دی ہے۔ تمہارے گھر کا رخ کرنے سے پہلے وہ دس بار سوچے گا۔"
"میں نے صرف ایک امکان ظاہر کیا تھا۔ میں تمہارے ہر مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"تمہارے پیش کیے ہوئے امکان کا علاج یہ ہے کہ تم گھر پر بھی محتاط رہو۔ دکان کا معاملہ میں خود دیکھوں گا۔"

مختصر مختصر

"کیا تم نے اپنی بیوی کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جیسے چاہے کرے؟"
"نہیں... وہ میری اجازت کے بغیر ہی جیسے چاہے کرتی ہے۔"

"تم وہاں کیا کرو گے؟" اس نے اپنی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا۔
"دور سے نگرانی کروں گا۔ کوئی مشتبہ شخص میری نظروں میں آیا تو اس پر بلا تکلف ہاتھ ڈال دوں گا۔"
"کیوں بلا وجہ کی خواری مول لیتے ہو۔ چاہو تو میں دکان پر تمہارے بیٹھنے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ میرے دونوں ملازم پرانے ہیں اور تم کو پہچانتے ہیں۔ تم ان کی نگرانی بھی کرتے رہو گے۔"
میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس نئی تجویز کا فوری جواب دینا ممکن نہیں تھا۔
"اگر میری تجویز تم کو پسند نہیں آئی تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ تم جس طرح چاہو کام کر سکتے ہو۔" اس نے مجھے خاموش پا کر وضاحت کی۔
"ذرا کچھ دیر خاموش رہو۔ میں تمہاری تجویز پر غور کر رہا ہوں۔ اس کے جملہ مضمرات کا اندازہ لگائے بغیر میں اقرار یا انکار نہیں کر سکتا۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"ضرور غور کرو۔" وہ جلدی سے بولا "میرا تجربہ ہے کہ تم جب کسی بات پر غور کرنے لگتے ہو تو تمہاری کھوپڑی بہت تیزی سے کام کرتی ہے اور پھر کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہتی ہے۔ اب میں خاموش ہو کر اپنے دھندے میں لگا رہوں گا۔"
وہ دو تکیوں کو اوپر تلے رکھ کر اپنی مسہری پر نیم دراز ہوا اور بیئر سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہو گیا۔
گولڈن فارمیسی سے دور رہ کر دکان کی نگرانی کے مقابلے میں جہانگیر کی تجویز بہت بہتر تھی۔ دکان میں مالک کے نمائندے کی حیثیت سے بیٹھ کر میں ہر آنے جانے والے پر بہت قریب سے نظر رکھ کر' ضرورت کے وقت بہترین فیصلے کر سکتا تھا۔
اگر میری وہاں موجودگی کے دوران میں آئی مین یا اس کا کوئی آدمی جہانگیر کی تلاش میں دکان کی طرف آنکلتا تو میرے ہاتھوں سے اس کا بچنا محال تھا لیکن اس تجویز پر عمل کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میں اپنے محفوظ ٹھکانے

سے نکل کر کھلے بازار میں جا بیٹھتا جہاں کوئی شناسا مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میرے حق میں سب سے مضبوط نکتہ یہ تھا کہ کسی کے ریکارڈ میں میری کوئی مصدقہ تصویر نہیں تھی۔ حد یہ تھی کہ سی آئی اے والوں نے بھی میری تلاش کی انعامی مہم میں میری ایک پرانی اور دھندلی تصویر کا سہارا لیا تھا جسے پہچاننا اپنی جگہ ایک مسئلہ تھا۔

اگر ان کے پاس میری کوئی پرانی تصویر ہوتی تب بھی وقت کے ساتھ ساتھ میرے چہرے کے خدوخال میں ایسی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں کہ مجھے آسانی سے شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں بہت سکون اور احتیاط سے ایک ایک کرکے ان امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق ماضی قریب میں، میں پاکستان میں اپنے ایسے کسی حریف سے نہیں ملا تھا جو ڈیفی کی حیثیت میں مجھے شناخت کر سکے۔ ہر وہ دشمن جس سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا، جہنم واصل ہو چکا تھا۔

اس وقت مجھے پہچاننے والے لوگ را میں بھارت کے لیے کام کر رہے تھے۔ وہ مجھے صورت سے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ان لوگوں میں رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے نام سرفہرست تھے۔ ایک میری خلوت آشنا ہو چکی تھی دوسری کے ترکش کے سارے تیر ناکام ہوئے تھے۔

ان دونوں خوب صورت اور رنگین مزاج بھارتی لڑکیوں سمیت دہلی پولیس اور را کے جن لوگوں سے میرا واسطہ پڑا تھا، ان میں سے کسی کو یہ گمان نہیں ہو سکا تھا۔ میں اپنا نام بدل کر جعلی دستاویزات پر دہلی پہنچا تھا۔ وہ سب مجھے مظہر خان نامی دل پھینک پاکستانی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے قتل اور میرے دہلی سے فرار کے بعد مظہر خان کا نام تمام بھارتی ایجنسیوں کے مطلوب ملزموں کی لسٹ میں سرفہرست آ چکا تھا۔

آئی مین چند ہفتے قبل پاکستان پہنچا تھا اور دھیرے دھیرے محتاط انداز میں اپنے رابطے استوار کر رہا تھا۔ اسے پاکستان میں مضبوطی سے قدم جمانے کے لیے خاصا وقت درکار تھا۔ ان حالات میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ وہ مظہر کی تلاش کے لیے دہلی سے مدد طلب کر لیتا۔

دہلی کے حکام مظہر کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ آئی مین کے لیے وہ نام غیر اہم تھا۔ اس نے میری ذات کو اصل ہدف بنایا ہوا تھا۔ جب تک اس راز سے پردہ نہیں اٹھتا تھا کہ مظہر اور ڈیفی اصل میں ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں، آئی مین اور را والوں میں قریبی تعاون کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔

جہانگیر نے سادہ لوحی سے ایک آسان تجویز پیش کر کے مجھے یکایک ایک خطرناک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے ایک راستہ بھیانک انجام کی طرف جاتا تھا۔

"تم نے سوچنے میں کچھ زیادہ وقت لے لیا۔" جہانگیر نے کھنکار کر میرا انہماک ختم کرتے ہوئے کہا "بس میرا یہ کین خالی ہونے تک کوئی فیصلہ کر لو۔"

"یہ مشکل فیصلہ ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک مدت سے ان سے چھپتا پھر رہا ہوں اور تم مجھے برسرِعام جا بیٹھنے کا مشورہ دے رہے ہو۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میری تجویز میں کوئی سنگین خطرہ پنہاں ہے تو اسے بھول جاؤ۔ وہ کام کرو جو تمہارے دل کو لگتا ہو۔"

پتا نہیں اس مردود کے لہجے میں کیا بات تھی کہ میں نے اسی لمحے ایک فیصلہ کر لیا اور کہا "تم اپنے آدمیوں کو فون کر دو۔ میں اگلے دو چار دنوں تک تمہاری جگہ فارمیسی چلاؤں گا۔"

"زندہ باد!" اس کے لیے میرا وہ اعلان اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ مکا فضا میں لہرا کر بستر سے اچھل پڑا "اب کیا ہے نا تم نے مردوں والا فیصلہ۔ تم کو اتنی دیر سے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر میرا دل مرجھا گیا تھا۔"

جہانگیر کے نعرے کی آواز اتنی بلند تھی کہ سلمٰی گھبرا کر بیڈ روم میں گھس آئی اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی "کیا ہوا ... ابھی کوئی چیخا تھا!" اس کی ہراساں نظریں جہانگیر سے پھسلتے ہوئے میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں تھیں۔

"کچھ نہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ رات کو گھوڑا بننے کے خبط میں مبتلا تھا۔ اس وقت لنگور بننے کی مشق کر رہا تھا۔"

رات کا ذکر آتے ہی سلمٰی کا چہرہ تمتما اٹھا اور گلنار ہو گیا۔ وہ تیزی سے مڑی اور کچھ کہے بغیر بیڈ روم سے نکل گئی۔

جہانگیر نے ہنستے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور گولڈن فارمیسی کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں مظہر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑالیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ میری ویڈیو ضائع ہوچکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہوکر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہوگیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر الال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیبی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیبی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں میں نے اس سے پرتصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان ایش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہوکر پاکستان سے بھارت فرار ہوگیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کردیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جاچکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی پردگی کا سوال اٹھایا تھا انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہوجاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھالیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیبی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیٹ کے چیف کلرک لیری بف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری بف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی گر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہوکر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی وِن کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہوچکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر جیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں اس کے گھر پہنچ گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گولڈ فارمیسی میں بیٹھ کر اپنے دشمنوں کی راہ دیکھوں گا....

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

جہانگیر فون پر بات کرتا رہا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگالی اور اپنے خیالوں کی رو میں کھو گیا۔

مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ جہانگیر فون پر کتنی دیر تک اور کیا بات کرتا رہا۔ میں اس وقت چونکا جب اس نے فون بند کرکے مجھے مخاطب کیا۔

"ہائے ڈیئی ڈیر! کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟" اس نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہی بلند آواز میں نعرہ لگایا "میں نے اپنے آدمیوں کو ہر بات سمجھادی ہے۔"

پاتھ پر گھومتے ہوئے کسی نشانے باز کو کون سمجھائے گا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ تحیر زدہ انداز میں سکڑ گئے "وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں پہچانتا بھی ہوگا۔ اس نے تمہیں دیکھ لیا تو دور سے چلائی ہوئی کوئی بھی گولی پل بھر میں تمہارا کام تمام کردے گی۔ حیرت ہے کہ اس بارے میں تم نے اب تک نہیں سوچا۔"

"دکان پر بیٹھنے کی تجویز میری نہیں تھی۔ میں نے تمہارا

"میں بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ میرے مشورے میں کوئی سنگین خطرہ مضمر ہے تو اس کو مسترد کردو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے لیے تمہاری سلامتی سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"مجھے بھی اپنی جان پیاری ہے مگر میں تمہاری دکان ضرور جاؤں گا۔"

اس نے مضطربانہ انداز میں میرا بازو پکڑلیا اور بولا "احمقانہ باتیں مت کرو۔ آئی مین کو پکڑنے کے ہزار مواقع مل جائیں گے لیکن تم نے اپنی کسی جذباتی حماقت سے اپنی جان گنوا دی تو اسے ڈھونڈنے کے لیے دوبارہ کبھی اس دنیا میں نہیں آسکو گے۔ خطرے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا "اللہ کی قدرت ہے کہ آج تم بقراط بنے ہوئے ہو اور مجھے صائب مشورہ دے رہے ہو۔"

"تمہارے اطمینان سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم تلتے کی کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔" اس کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں تیرنے لگیں۔

"سب کچھ مجھ سے پوچھ لینا چاہتے ہو۔ اپنی عقل بھی استعمال کرو۔"

"اتنی دیر سے میں اپنی عقل ہی استعمال کررہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

میں نے سکون سے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا پھر کثیف دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سو فیصد درست ہیں۔ تمہاری دکان کے کاؤنٹر پر بیٹھنے میں ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ نامعلوم سمت سے آنے والی کوئی گولی میرا کام تمام کردے گی مگر یہ اطمینان بھی ہے کہ میرے لہو کے پیاسوں میں سے کوئی بھی مجھ کو میری موجودہ ہیئت میں نہیں پہچان سکتا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے رہیں گے اور میں اطمینان سے ان کی گھات میں بیٹھا رہوں گا۔"

"یہ وجہ ہے تمہاری بے خوفی کی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بول پڑا "غنیمت ہے کہ تم نے وضاحت کردی ورنہ میرے سر پر ایک بوجھ سوار ہوگیا تھا۔ بات واضح ہوئی ہے تو میرے ذہن میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں دکان کی روز مرہ سرگرمیوں سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے!"

"مجھے دکان یا تمہارے کاروبار سے کیا لینا۔ تمہارے دھندے تم ہی کو مبارک ہوں۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

پھر بولا "تم نے صحیح لفظ استعمال کیا ہے۔ دور سے فارمیسی کا کام صاف ستھرا نظر آتا تھا مگر اس میں گھسنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ اس کام میں بڑی زبردست جعل سازی ہورہی ہے۔ مشہور برانڈز کی چلنے والی دوائیں دو نمبر بن رہی ہیں اور دھڑا دھڑ دکانوں پر بک رہی ہیں۔"

"جعلی دوائیں بک رہی ہیں!" میں اس کے انکشاف پر بھونچکا رہ گیا "کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"اس طرح انجان مت بنو۔ تم بھی اس ملک اور اسی شہر میں رہتے ہو۔ تم کو اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ مال دار بننے کے چکر میں ہر طرف ملاوٹ اور جعل سازی ہورہی ہے۔" میں نے اعتراف کیا "لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ زندہ درگور مریضوں کو شفا کا پیغام دینے والی دوائیں بھی اس وبا کی زد میں آچکی ہوں گی۔"

"جب روز مرہ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ ہورہی ہے تو دوائیں کون سی آسمان سے اترتی ہیں۔" جہانگیر نے بے نیازی سے جواب دیا "آٹے میں باسی ڈبل روٹیاں اور بھوسی ٹکڑوں کی بوریاں ملائی جارہی ہیں، چائے کی پتی میں چنے کے رنگے ہوئے چھلکے مل رہے ہیں۔ دھنیے میں لکڑی کا رنگین برادہ ملایا جارہا ہے۔ کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج ملا دیے جاتے ہیں۔ گھی اور تیل میں ایسی ایسی سستی اور لرزہ خیز چیزیں ملائی جارہی ہیں کہ تیزی سے لوگوں کی بینائی خراب ہورہی ہے، دل کے مرض پھیل رہے ہیں۔ ہر طرف یہ حال ہے تو دوائیں کیسے بچی رہ سکتی ہیں۔ ایک مشہور دوا کا اصلی پتا ہمیں دو سو سترہ روپے کا ملتا ہے۔ اسی کا دو نمبر صرف بیالیس روپے میں مل جاتا ہے۔ دونوں ایک دام پر بکتے ہیں۔ گاہک کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوتا کہ وہ اصل دوا کے بجائے نقلی گولیاں خرید رہا ہے۔ کم و بیش ہر دکان دار اپنی روزی کمانے کے لیے اس دھندے میں لگا ہوا ہے۔"

"دکان دار اللہ کا نام لے کر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اسی کا نام لے کر گدی اور گلہ سنبھالتا ہے۔" میں نے اسے ملامت کی "اسے ایسی بے ایمانی بلکہ غداری کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

"میں دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کم از کم مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں گاہک سے صرف پیسے لیتا ہوں۔ جعلی دوائیں میرے ملازم بیچتے ہیں۔" اس نے حقیقت کا اعتراف کرکے اپنی گردن کا بوجھ ہلکا کرلیا۔

"تمہارے ملازموں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ گاہکوں کو دھوکے سے جعلی دوائیں بیچ رہے ہیں۔"

"ڈینی! توبہ کرو۔ انہیں کیسے پتا چل سکتا ہے۔ مجھے خود پتا نہیں ہوتا کہ کون اصلی دوا لے جارہا ہے اور کس کے ہاتھ جعلی دوا بیچی گئی ہے۔"

"تمہارا یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔

"دو نمبر دوائیں اپنی پیکنگ اور پرنٹنگ کے بل پر چلتی ہیں۔ ان کاموں کے لیے ہانگ کانگ، تائیوان اور کوریا سے سستی مشینیں مل جاتی ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں کے ماہر بھی لیبارٹری ٹسٹ کے بغیر جعلی دواؤں کو نہیں پہچان سکتے۔ دو نمبر مال آتا ہے تو میں اسے الگ نہیں رکھتا۔ ایمان داری سے اصلی دواؤں میں ملا دیتا ہوں۔ اب یہ آنے والے گاہک کی قسمت ہوتی ہے کہ اسے کیا ملتا ہے۔ میں جان بوجھ کر گاہکوں کو دھوکا نہیں دیتا۔ مارکیٹ میں تو اس سے بڑے فراڈ ہورہے ہیں۔ اصل قیمت پر دو نمبر دوا ملتی ہے۔ اصل دوا بلیک ہوتی ہے۔"

ایمان داری اور دھوکے کے بارے میں جہانگیر کے نئے نظریات چونکا دینے والے تھے "تم کو یہ سب بتاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ تم اللہ کا نام لے کر اپنے کاروبار کا آغاز کرتے ہو اور کام میں اس قدر مکروہ حرکتیں کرتے ہو کہ شیطان بھی تم سے شرماتا ہوگا۔"

"بھائی، یہ دکان داری کے گر ہیں جو میں نے کافی مال گنوانے کے بعد سیکھے ہیں۔ تمہیں میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ میں تمہیں یہ ساری باتیں مفت میں بتا رہا ہوں۔ ہم اللہ کا نام اپنی چمڑی بچانے کے لیے لیتے ہیں، توبہ کرنے کے لیے نہیں لیتے۔ ابھی تو توبہ کے لیے ساری عمر پڑی ہوئی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میرے مولا نے ابھی تک مجھ کو بچایا ہوا ہے۔ آج تک کسی غلط قسم کے ڈرگس انسپکٹر نے میری دکان میں قدم نہیں رکھا۔ جو آتا ہے، لگی بندھی رقم لے کر سلام کرتا ہے اور سر جھکا کر چلا جاتا ہے۔"

وہ انکشافات اس قدر ہولناک تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے آئی مین اور اس کا قابل نفرت کردار میرے ذہن سے محو ہوگیا۔ میں نے حیرت اور غصے سے پوچھا "کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ مارکیٹ میں یہ سارا ہیر پھیر سرکاری ڈرگس انسپکٹرز کی ملی بھگت سے ہوتا ہے۔"

"یار ڈینی! میرے سامنے تم اتنے معصوم نہ بنو۔ سرکاری کارندوں کی ملی بھگت کے بغیر کبھی غیر قانونی دھندے نہیں پنپ سکتے۔"

"تم غلط ڈرگس انسپکٹر کس کو سمجھتے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

"جو بھتا لینے کے بجائے دواؤں کے نمونے لینے پر اصرار کرے، وہ ہماری راہ کا روڑا ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں کراچی میں ایسا ہی ایک سرپھرا آگیا تھا۔ سب نے مل کر دو دنوں کی ہڑتال کی تو اس کا تبادلہ ہوگیا۔ جو خود کچھ نہیں لے گا وہ اپنے اوپر والوں کو کیا دے گا۔ اس کے افسر بھی اس سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ سالے پر الٹا کیس بن گیا۔"

"کیسا کیس؟" ایک ایمان دار شخص کی اس بے رحمانہ درگت کا احوال میرے لیے عبرت اثر تھا۔

"اسے چھوڑو۔ تم کس کس کو روؤ گے۔ سب مل کر دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہے ہیں۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "پولیس، سی آئی اے، کوسٹ گارڈ اور کسٹم والوں کو کیا پتا نہیں کہ گل سینٹر، موتن داس مارکیٹ اور شہر بھر کی دکانوں میں اسمگلنگ کا سامان کہاں سے آتا ہے۔ ہر طرف بھتوں کا چکر چل رہا ہے۔ اپنی دواؤں کی ٹریڈ میں بھی یہی ہورہا ہے۔ دکان چل نکلے تو یہ ہیروئن فروشی سے اچھا دھندا ہے۔ پکڑ دھکڑ کے خوف کے بغیر عزت سے روٹی کمائے جاؤ.... لیکن تم بلاوجہ ان باتوں میں پڑ کر اپنا وقت برباد کررہے ہو۔ تم کو کون سی فارمیسی چلانی ہے۔ بس وہاں جاکر اپنا اڈا جمانا ہے۔ یہ سارے کام میرے آدمی سنبھالیں گے۔"

اس سے بات کرکے مجھے اندازہ ہوا کہ دوسری لائنوں کی طرح اس کے کام پر بھی ڈرگ مافیا کا راج تھا۔ یہ مانا کہ سب ایسے نہیں تھے لیکن مال و دولت کی دوڑ میں ایک بڑی تعداد بے ایمانیاں کررہی تھی۔ میں وہ باتیں سن کر اپنا خون تو سلگا سکتا تھا، ڈرگس مافیا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔ دکان سے میں گھر چلا جاؤں گا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو تم کو فون کرلوں گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے اپنی جرح کے چکر میں ایک اہم بات میرے ذہن سے نکال دی۔" وہ اپنا سر جھٹک کر بولا۔

میں اس کی بھولی ہوئی بات کا منتظر رہا۔ اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "خطرہ ہر حال میں خطرہ ہوتا ہے۔ تم کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم کاؤنٹر کے پیچھے میری اونچی کرسی پر بیٹھے رہو۔ میں نے آرام کرنے اور قیلولہ کرنے کے لیے دکان میں ایک کیبن بنوایا ہے۔ اس کے تاریک شیشے میں سے تم دکان میں آنے جانے والے ہر شخص پر نظر رکھ سکتے ہو۔ وہ کیبن تمہارے بیٹھنے لیٹنے کے لیے موزوں رہے گا۔"

"اس رہنمائی کا شکریہ۔ میرے جانے کے بعد سلمٰی سے مت الجھنا بیٹھنا۔"

"میں اس سے کیا الجھوں گا۔" وہ مجھے آنکھ مارتے ہوئے مسکرا کر بولا "تم نے دیکھا نہیں کہ اب وہ مجھ سے ڈر گئی ہے۔ دو تین جھٹکوں میں تم سے آپ پر آ گئی ہے۔ بیوی ذرا ادب سے بات کرے تو آدمی کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ خوشی کی حالت میں کسی سے الجھا نہیں جاتا۔"

بات پوری کر کے اس نے کین میں بچی ہوئی بیئر اپنے دہانے میں انڈیلی اور خالی ڈبا ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔

میں نے رخصتی مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور کہا "اس سالے آئی مین نے ہم دونوں کا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ میرے ساتھ تم بھی بھول رہے ہو کہ سلمیٰ تمہارے لیے پراٹھوں کا لنچ تیار کر رہی ہے۔ تم کھانا چھوڑ کر گئے تو وہ سخت ناراض ہو جائے گی۔"

"یار، تم اسے سنبھالینا۔" میں نے اس کی خوشامد کی "ہم نے ساری باتیں کر ڈالی ہیں۔ اب میرا وقت برباد ہوگا۔"

"ساری کہاں، ابھی تو باتیں شروع ہی نہیں ہوئیں۔" وہ اوفرانہ انداز میں مسکرایا "اب آئی مین کا چکر چل نکلا ہے تو اپنی بلیک کوئین بھی میدان میں اترے گی۔"

"میں کئی بار تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ وہ خطرناک عورت ہے۔" میں نے دوبارہ اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا "تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ اس سے دور رہو۔"

"میں اس سے دور ہی رہتا ہوں۔ میں نے اس سے کون سی شادی کی فرمائش کی ہے۔" جہانگیر نے الٹا مجھ سے احمقانہ سوال کر ڈالا۔

"قرب کا مطلب صرف شادی نہیں ہوتا۔" میں نے غصے سے جواب دیا "تم ہر وقت اس کی جڑ میں گھسنے کے چکر میں رہتے ہو۔"

"واہ واہ..." میرے جواب پر وہ خوش ہو گیا "تم کو بھی کیا نادر خیال سوجھتے ہیں۔ مجھے تو آج تک ویرا کی جڑ نظر نہیں آسکی۔ تم..."

میں نے جھنجھلا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے ایک لفظ نہ بولنا۔ میری یہ بات کہیں لکھ کر رکھ لو کہ تم ایک بار ویرا کی ناز برداریوں میں لگ گئے تو دھوبی کے کتے کی طرح گھر کے رہو گے نہ گھاٹ کے۔ تم سلمیٰ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ مردوں کے معاملے میں ویرا بہت سفاک ہے۔ وہ ان کو رجھا کر اپنے قدموں پر جھکاتی ہے پھر انہیں ٹھوکروں سے اڑانا شروع کر دیتی ہے۔ یہ اس کی سرشت ہے جسے بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا "یار وہ اتنی خوب صورت، نفیس اور نرم و نازک لڑکی ہے۔ تم بلاوجہ اسے ہوّا بنا رہے ہو۔"

"میری بات مت مانو۔ خود تجربہ کر لو۔ جب تمہیں عقل آئے گی تو خود کو بالکل یکہ و تنہا پاؤ گے۔"

"تم نے کبھی اس کا ایسا ہوّا کھڑا نہیں کیا۔ اب آئی مین کے بہانے اس سے مل بیٹھنے کے آثار نمودار ہوئے ہیں تو تمہیں اس کے بارے میں ساری خطرناک باتیں یاد آنے لگی ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ یوں میرا خون تو نہ سکھاؤ۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" میں نے بے باکی سے کہا "میں گاہے گاہے یہ باتیں تمہارے کان میں ڈالتا رہا ہوں۔ اب تمہاری عقل پر ہی پردہ پڑ گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ ہمیشہ سے ایسی تھی، ایسی ہے اور ایسی ہی رہے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔" وہ بے پروائی سے بولا "وہ تمہاری منظورِ نظر نہ ہوتی تو میں اب تک دس بار اس کی کلائی مروڑ کر اسے بے بس کر چکا ہوتا۔ وہ خود مجھ سے مذاق کرتی ہے۔ میں تمہارے لحاظ میں اسے طرح دے جاتا ہوں۔"

"میری وجہ سے اسے طرح دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ وہ میری منظور نظر یا چہیتی نہیں ہے۔ میرے مان کے لیے یہی کافی ہے کہ میں نے غزالہ کو خوش رکھا ہوا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے دنیا کی کسی عورت کی پروا نہیں ہے۔"

"اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ غزالہ ایک اچھی لڑکی اور تمہاری بہت اچھی بیوی ہے لیکن اپنی بیوی پر اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ پتا نہیں تمہارے دل کو کب کوئی اور عورت بھا جائے یا پھر کسی وقت وہ اچانک ہی تمہارا ساتھ چھوڑ جائے۔" اس نے دبے لہجے میں کہا۔

اس نے الفاظ کے انتخاب میں احتیاط کی تھی مگر اس کی بات درست تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ہم دونوں چند ثانیوں تک خاموش بیٹھے رہے۔ میں سگریٹ نوشی میں مصروف رہا۔ جہانگیر بیئر کا نیا کین نکالنے یا نہ نکالنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا تھا۔ سلمٰی کی بروقت آمد نے ہم دونوں کا مسئلہ حل کردیا۔ اس نے اپنا چہرہ وغیرہ صاف کرلیا تھا لیکن قمیض کے چست حصے کچن کی گرمی میں نکلنے والے پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ اس نے مسرت آمیز لہجے میں ہمیں اطلاع دی کہ میز پر کھانا تیار تھا۔

کھانا بالکل تازہ، گرما گرم اور بہت لذیذ تھا۔ ہم آپس میں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے شکم پری میں مصروف ہوگئے۔ کھانے کی مستطیل میز کی چوڑائی کے سامنے رکھی ہوئی اکلوتی کرسی پر سلمٰی صدر نشین تھی۔ اس کے دائیں بائیں جانب والی سمتوں پر ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ باتوں کے درمیان کھانے کا دور چل رہا تھا کہ میرے گھٹنے سے کوئی گھٹنا قدرے زور سے ٹکرایا اور الگ ہوگیا۔

میں بری طرح چونک پڑا۔ میں نے دزدیدہ نظروں سے جہانگیر کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکائے کھانے کی پلیٹ سے انصاف کرنے میں مصروف تھا۔ اگر وہ میری طرف متوجہ ہوتا تو میرے چہرے پر نمودار ہونے والی تبدیلی سے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگالیتا۔

وہ سلمٰی جیسی تیز و طرار بیوی کا شوہر تھا لیکن اس کی طرف سے یوں غافل رہتا تھا جیسے وہ اس کی زر خرید باندی ہو اور اس سے انحراف کرنے کی ہر جرأت سے محروم ہو۔ سلمٰی اس کی آنکھ بچا کر میرے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حرکت کر گزرتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنی خواب گاہ میں جان بوجھ کر میرا پیر دبایا تھا اور اس وقت کھانے کی میز پر گھٹنا لڑا دیا تھا۔ جہانگیر دونوں مواقع پر بے خبر رہا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے سلمٰی کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور سیاہ آنکھوں میں شوخی رچی ہوئی تھی۔

کھونٹے سے بندھی ہوئی کسی بے بس گائے کی طرح اس نے گردن کو جنبش دی۔ کوئی مکالمہ نہ ہونے کے باوجود میں اس کا مدعا سمجھ گیا۔ وہ کوئی موقع نکال کر تخلیے میں مجھ سے بات کرنے کی خواہاں تھی۔ جہانگیر کی موجودگی میں میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میں نے سلمٰی کے اشارے کا کوئی جواب دیے بغیر اس سے نظریں چرالیں۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد جہانگیر مجھے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ سلمٰی میز پر پھیلے ہوئے برتن سمیٹنے میں مصروف ہوگئی۔

میرا اندازہ تھا کہ سلمٰی سے تخلیے میں ملاقات کا مرحلہ میری کسی کوشش کے بغیر ٹل جائے گا مگر اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ عورت اپنے مرد سے چوری پر تل جائے تو اسے ہوا لگنے دیے بغیر اس کی آنکھوں کا سرمہ بھی چرا سکتی ہے۔

سلمٰی دیدہ دلیری سے ڈرائنگ روم میں آئی اور براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں بولی "تم نے اپنا سارا بوجھ بار میرے اوپر ڈال دیا ہے۔ کم از کم کبھی کبھار اپنی امانت کی رقم پر بھی نظر ڈال لیا کرو۔ میں کب تک اسے لیے بیٹھی رہوں گی۔"

"جب تک مجھے تم پر بھروسا ہے، مجھے رقم دیکھنے یا گننے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھپھی دیوی سے ایسی بے نیازی اچھی نہیں ہوتی۔" جہانگیر نے ناصحانہ لہجے میں مجھ سے کہا "کبھی کبھی اس کے درشن کرلیا کرو۔ سلمٰی ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"آؤ! میرے ساتھ آؤ۔" سلمٰی نے مجھے حکم دیا پھر رواروی میں جہانگیر سے پوچھا "آپ بھی آ رہے ہیں؟"

"میں پرائے مال پر نظر ڈالنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ڈینی کا مال اسی کو مبارک ہو۔ تم دونوں اپنا کام کر آؤ۔ میں ٹی وی دیکھوں گا۔"

سلمٰی نے اس کے لیے ٹیلی وژن کا سوئچ آن کردیا اور مڑ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دی۔ دو خفیہ فرمائشوں کے بعد اس نے کھلا بہانہ تراش کر میرے فرار کی ہر راہ مسدود کردی تھی۔ مجھے ناچار اس کے پیچھے جانا پڑا۔

اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو کر میں نے جونہی دروازہ بند کیا، سلمٰی تیزی سے میری طرف گھوم گئی "میں نے تمہیں اشارہ کیا تو تم مجھے گھور کیوں رہے تھے؟"

"جہانگیر تمہارا شوہر ہے۔" اس کے سوال پر میں نے خود کو ہونق محسوس کرتے ہوئے کہنا شروع کیا "وہ تمہاری اشارے بازیاں دیکھ لیتا تو مجھے اپنے گھر سے نکال کر تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالتا۔ تم کو اس کا ذرا بھی خوف نہیں ہے۔"

"ان کے غصے سے میری جان نہ نکلتی ہوتی تو یہ گھر کب کا برباد ہو چکا ہوتا۔"

"سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتیں!"

"وہ تم کو مہاتما سمجھتے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھول کر بھی کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتے۔"

"اور تم اس کے اندھے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی ہو!" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کم از کم اس وقت میرا ارادہ نیک تھا۔" سلمٰی نے شوخی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں دن بھر گھر پر رہتی ہوں۔ یہ باہر نہ جانے کیا کرتے پھرتے ہیں۔ کچھ دنوں سے میں بہت پریشان ہوں کیونکہ گھر میں آنے والی رقموں کی مقدار اچانک بڑھ گئی ہے۔"

"کن رقموں کی بات کر رہی ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کہتے ہیں کہ دکان کی آمدنی بڑھ گئی ہے۔ کسی جائز کاروبار میں یوں اچانک آمدنی نہیں بڑھا کرتی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں انہوں نے کوئی ہیرا پھیری نہ شروع کر دی ہو۔ خدا خدا کر کے اب ہم ان کے ماضی کی دہشت سے آزاد ہوئے ہیں۔ اب کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہ ہو جائے۔"

اس کی تشویش کا سبب جان کر میں بے ساختہ ہنس پڑا "سنا ہے کہ عورتیں جائز اور ناجائز میں امتیاز نہیں کرتیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے مرد زیادہ سے زیادہ رقم کما کر گھر لائیں۔ تم عجیب عورت ہو کہ شوہر کی آمدنی میں اضافے سے پریشان ہو رہی ہو۔"

"میں بے تحاشا آنے والی دولت کا نتیجہ بھگت چکی ہوں اس لیے ڈرتی ہوں۔"

"وہ پیسے گھر کیوں لاتا ہے؟ اپنی پونجی بینک میں کیوں نہیں رکھتا؟"

"کالا دھن ہو گا۔ تم نے بھی تو اپنی بہت بڑی رقم میرے پاس رکھوائی ہے۔ تم دونوں کی بعض عادتیں اور حرکتیں بالکل یکساں ہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور قدرے توقف کے بعد شکوہ کیا "تم نے ان کی آمدنی میں اضافے والا معاملہ گول کر دیا۔"

"میں اس تبدیلی سے بے خبر تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے خود اعتراف کیا ہے کہ اب وہ اصل کے نام پر جعلی دوائیں بھی بیچ رہا ہے۔ ایسے گھناؤنے کاموں میں آمدنی خود بخود بڑھ جاتی ہے۔ وہ کوئی اور ہیر پھیر نہیں کر رہا۔"

"غضب خدا کا۔ اب اس سے بڑا اور کیا ہیر پھیر کریں گے۔ اب وہ ہیروئن تو بیچنے سے رہے۔"

اس نے روا روی میں پتے کی بات کہہ دی تھی۔ وہ اپنی شادی کی ابتدا سے ہی جہانگیر کی سرگرمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی اپنے گھر میں کتوں کی فوج پال لیتا تھا تو کبھی اپنے پورے گھر میں دن رات چراغاں کیے رہتا تھا تاکہ مسلح حملہ آوروں کا کوئی جتھا اس کے گھر پر دھاوا بولنے کی ہمت نہ کر سکے۔ وہ ہر وقت اپنے گھر میں گھسا رہتا تھا۔ کبھی باہر نکلنا ہی پڑتا تو بیش قیمت بلٹ پروف گاڑی میں سفر کرتا تھا۔ اس نے اپنی مجبوریوں کے بارے میں کبھی بھی سلمٰی کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ اسے حقارت سے دھتکارتا رہا۔ اس کے دل کا چور کبھی اسے سلمٰی سے بہت زیادہ قریب نہیں ہونے دیتا تھا اور یوں دن بدن ان دونوں کے درمیان ذہنی خلیج بڑھتی چلی گئی۔ سلمٰی کے سارے شکوک و شبہات اپنی جگہ پر تھے مگر اسے پوری زندگی میں کبھی یہ شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا مال دار شوہر ہیروئن فروشی کے منظم دھندے میں ملوث تھا۔

اس وقت سلمٰی ہیروئن فروشی کو بدترین اور قابلِ نفرت کام قرار دے رہی تھی مگر میرا خیال تھا کہ صحت بخش دواؤں میں کھیلے کرنا ہیروئن فروشی سے بھی بڑا جرم تھا۔ ہیروئن لینے والے کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسا زہریلا نشہ خرید رہا ہے اور اس کے دل و دماغ پر کیسے مضر اور سنگین اثرات ہو سکتے ہیں۔ میڈیکل اسٹور پر وہ زخم خوردہ تیماردار آتے ہیں جن کے دلوں میں اپنے مریض کی زندگی کی کوئی آس ہوتی ہے۔ وہ پوری قیمت دے کر، صحیح علاج کی امید میں، دوا لیتے ہیں اور اپنے مریض کو دے دیتے ہیں پھر دوا کے معجزاتی اثرات کے انتظار میں اپنے رب سے لو لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہاں دوا نہیں، اس کا کوئی بے ضرر یا ضرر رساں متبادل ہوتا ہے۔ مریض کے سانسوں کی لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ موت کے کس سوداگر نے وہ جعلی دوا بنانے اور دولت لوٹنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔

"میں نے اسے سمجھایا ہے اور مزید سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے سلمٰی سے کہا "اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے جس طرح ... کہ ... کے چکر میں غلط

راستے پر پڑ گیا ہے۔ میں اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔"

"تم لمبے عرصے کے لیے غائب ہو جاتے ہو تو میرے دل میں اداسی ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ ذرا آتے جاتے رہا کرو تو میرے دل کو ڈھارس رہے گی۔" سلمیٰ کے تیور یکایک بدل گئے۔

"مم.... میں آؤں گا اور آتا رہوں گا۔" میں نے بوکھلا کر وعدہ کیا "کیا تم نے رقم دکھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"وہ تو تم سے ملنے کا بہانہ تھا۔" وہ ایک ادا سے مسکرا کر بولی "دیکھنا چاہو تو میں چابی نکالتی ہوں۔"

میں نے گھبرا کر اسے روک دیا "ہرگز نہیں۔ اس کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تم پر پورا اعتبار ہے۔"

اس کا ازار بند کے سرے پر بندھی ہوئی چابی کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ چابی کے گم یا چوری ہو جانے کے خوف سے اسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ یہ بات مجھ پر امانت داری کے ابتدائی دنوں میں ہی منکشف ہو چکی تھی۔

سلمیٰ نے اپنا اصل مسئلہ مجھ سے بیان کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا اور اس کے دماغ پر رومان کا ہلکا سا بھوت سوار ہونے لگا تھا۔ وہ صورتِ حال میرے لیے مخدوش تھی۔ میں نے اس کی دل جوئی کرنے کے بجائے، اس کی باتوں کے الٹے سیدھے جواب دے کر اپنی جان چھڑائی اور خواب گاہ سے نکل آیا۔

"میرا خیال تھا کہ سلمیٰ تم کو رقم گنوانے بیٹھ گئی تو تم ایک آدھے گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہیں آؤ گے۔" مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے کسل مندی سے کہا اور میں بری طرح چونک پڑا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اسے ہم دونوں پر شبہ ہو چکا تھا اور وہ مجھ پر گہرا طنز کر رہا تھا۔

"وہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اسے گننے کے لیے تمہاری مدد ضروری تھی۔" میں نے سنبھل کر جواب دیا "میں تمہاری بیوی کے ساتھ کلھیا میں گڑ نہیں پھوڑ سکتا تھا۔"

"مجھ سے اپنی رقم نہیں گنی جاتی، میں تمہارے ڈالر کیا گنوں گا۔" اس کی بے پروائی سے مترشح تھا کہ اس نے جو کچھ کہا معصومانہ سادگی سے کہا تھا۔ اس کے فقرے میں طنز کا شائبہ نہیں تھا۔

میں نے ان دونوں سے اجازت لی اور ان کے فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑک پر آکر میں نے ٹیکسی پکڑی اور لی مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں جہانگیر کی گولڈن فارمیسی واقع تھی۔

میرا بس چند بار اس دکان پر جانا ہوا تھا۔ وہ اس کا کاروباری ٹھکانا تھا۔ میں کبھی گپ شپ لڑانے کی نیت سے وہاں نہیں بیٹھا تھا۔ جس کام سے گیا تھا اسے پورا کرتے ہی وہاں سے لوٹ گیا تھا۔ مجھے اس کے ملازموں کے چہروں مہروں پر غور کرنے کا وقت اور موقع ہی نہیں ملا تھا مگر گولڈن فارمیسی میں قدم رکھتے ہی ان دونوں نے بڑھ کر میرا استقبال کیا تو میں نے بلا توقف انہیں پہچان لیا۔ ان کے چہرے میرے لاشعور کے کسی نہاں خانے میں بہت اچھی طرح محفوظ تھے۔

میں کاؤنٹر کے پیچھے داخل ہو کر تاریک شیشوں کی دیواروں والے مختصر سے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں میں سے قدرے معمر آدمی میرے پیچھے تھا۔

"جہانگیر صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہو گئی۔" کیبن میں داخل ہوتے ہی معمر ملازم نے سوال کیا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک ہے۔ چند دنوں کے لیے گھر پر آرام کرنے کا موڈ ہے۔ تمہیں گڑبڑ کا خیال کیوں آگیا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کے آنے سے دس منٹ پہلے ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ اب دکان پر صاف ستھری دوائیں بکیں گی۔ جعلی مال ضائع کر دیا جائے۔" اس نے دھیمی آواز میں رازداری سے کہا۔

"یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو؟" میں نے جہانگیر کے فیصلے سے اپنی بے خبری یا باخبری کا اعتراف کیے بغیر کہا۔

منیر نامی اس ملازم کے الفاظ سنتے ہی مجھے سلمیٰ کا خیال آیا تھا۔ میں نے دواؤں میں جعل سازی کے موضوع پر جہانگیر سے جو کچھ کہا تھا وہ خاصا سخت تھا لیکن اس ڈھیٹ شخص نے میری باتوں کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اس دھندے کے بارے میں سلمیٰ کو باخبر کر کے ایک کارِ خیر کیا تھا۔ شاید وہ میری روانگی کے بعد جہانگیر سے الجھ گئی ہوگی کہ زیادہ پیسے کے لالچ میں وہ ایسے مذموم کام میں کیوں ملوث تھا۔

اس وقت جہانگیر کی رگ اتری ہوئی تھی۔ وہ اندر سے خوش تھا کہ اپنے ماموں کی بدنامی اور گرفتاری کے بعد سلمیٰ اپنے بلند مقام سے گر کر اسی مرتبے پر آگئی تھی جہاں وہ ماضی کے ایک مجرم کے طور پر فائز تھا۔ اسے دوسری خوشی یہ تھی

کہ دماغ سے اپنی خاندانی برتری کا خمار اترنے کے بعد سلمیٰ کے رویے میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ یہ جہانگیر کے دل میں پیدا ہونے والی اسی نرمی کا کمال تھا کہ سلمیٰ کے اصرار پر وہ جعلی دواؤں کی فروخت کے دھندے سے تائب ہونے پر آمادہ ہوگیا۔

سلمیٰ اپنے شوہر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جہانگیر کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع مل گیا تو وہ اپنی روش بدلنے سے منحرف ہوجائے گا۔ میرے چلے آنے کے بعد گھر میں تخلیے کا راج تھا۔ جہانگیر کے پیٹ میں بیئر کے کئی ڈبوں پر مرغن خوراک اتر چکی تھی۔ سلمیٰ نے یقینی طور پر اپنے ہر حربے سے کام لے کر جہانگیر کو مجبور کردیا ہوگا کہ وہ فون کرکے اسی وقت اپنے ملازموں کو جعلی دواؤں کی تلفی کا حکم دے دے۔ وہ بات ملازموں وغیرہ تک پھیل جانے کے بعد جہانگیر کے لیے فیصلہ لوٹانا مشکل ہوجاتا۔

"صاحب مجھ سے زیادہ کون خوش ہوگا۔ مجھے تو کام کرنا ہے اور تنخواہ لینی ہے۔ پیسے اتنے ہی ملیں گے۔ اچھا ہوا کہ مفت کے ایک گناہ سے جان چھوٹ گئی۔" منیر کہہ رہا تھا "پتا نہیں اللہ کے کس نیک بندے نے ہمارے صاحب کو یہ راہ سجھائی ہے۔ ایک بار کسی دکان دار کے منہ کو خون لگ جائے تو اس کا سدھرنا مشکل ہوتا ہے۔"

"اب جعلی دواؤں کے ڈبے ضائع کردو۔ یہ کام شام تک ہوجانا چاہیے۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"یہ کام زیادہ تر گولیوں میں ہوتا ہے۔ آپ آئے تو ہم سربند ڈبے الگ کررہے تھے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"اور جو ڈبے یا پتے اصلی دواؤں میں ملے ہوئے ہیں ان کا کیا ہوگا؟" میرے لیے اپنی باخبری کا اظہار کرنا ضروری ہوگیا تھا۔

منیر کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "آپ کو سب معلوم ہے پھر تو یہ نیک مشورہ آپ نے ہی دیا ہوگا۔ ملی ہوئی دواؤں میں اصلی اور نقلی کا پتا چلانا ہمارے لیے بھی ناممکن ہے۔ جہانگیر صاحب کہتے تھے کہ بے ایمانی بھی پوری ایمان داری سے کی جانی چاہیے۔"

"ایسی ملی جلی دواؤں کی تعداد کتنی ہے؟" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد سوال کیا۔

"ہمیں دو نمبر کام شروع کیے ہوئے آٹھ دس ہفتے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی ہر دوا کی نقل نہیں بنتی۔ بہت زیادہ چلنے والی دواؤں میں ہیر پھیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت سات دوائیں ملا جلا کر چل رہی ہیں۔"

"باقی اسٹاک میں کوئی گھپلا نہیں ہے؟" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ صرف سات دواؤں میں جعل سازی کے نتیجے میں جہانگیر کی آمدنی میں اتنا اضافہ ہوگیا تھا کہ سلمیٰ جیسی خانہ دار خاتون اس اضافے کو نوٹ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"باقی اسٹاک صاف ہے۔" اس نے کھلے دل سے آگاہ کیا۔

"پھر ان ساتوں دواؤں کو بھی ضائع کردو۔ کل ان کا اسٹاک پورا کرلینا۔"

"صاحب! ان میں سے چار گولیاں بہت مہنگی ہیں۔ لاکھ روپے کے قریب نقصان ہوگا۔" وہ تشویش سے بولا۔

"پروا مت کرو۔ جہانگیر نے شور کیا تو ایک لاکھ روپے میں اپنی جیب سے دے دوں گا۔ اب ایمانداری پر کمر باندھی ہے تو پوری ایمان داری سے کام لو۔ اس لمحے کے بعد اس دکان سے ایک بھی جعلی گولی نہیں بیچی جائے گی۔ نہ جعلی دوائیں خریدی جائیں گی۔"

وہ سر جھکا کر خاموشی سے کیبن سے نکل گیا۔ اس دوران میں دوسرا ملازم دکان میں آنے والے گاہکوں کو نمٹانے میں مصروف رہا تھا۔

وہ کیبن مختصر لیکن آرام دہ تھا۔ چھوٹی میز پر کمپیوٹر اپنے لوازم سمیت موجود تھا۔ بیٹھنے والی آرام دہ کرسی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ آرام کرنے کے لیے دیوان پڑا ہوا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھا جھولتا اور باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ میرے لیے آرام سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ حالات میں آئی مین کی طرف سے کوئی پیش رفت ہو۔

تھوڑی دیر بعد میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔

"انہوں نے قدرے تاخیر کے ساتھ ' ایک بجے چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچا دیا۔" اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"میرے لیے یہ آج کی بہت بڑی خبر ہے لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ اس کی مناسب خاطر تواضع نہیں کی جاسکے گی۔"

"مناسب کیا ' اس پر ہاتھ اٹھانا بھی دشوار ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک افسر روز اس سے ملنے آئے گا۔"

"پھر تم اس موذی کو یوں ہی پالتے رہو گے؟" میں نے [illegible] سے پوچھا۔

''جسمانی تشدد کے علاوہ ہمارے لیے پاس دوسرے نفسیاتی اور اعصابی حربے ہیں جن کا استعمال شروع کردیا گیا ہے۔'' اس نے مجھے خوش خبری سنائی ''ہم ایسے معاملات سے نمٹنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ ضرورت پیش آئی تو اس پر تشدد کی بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔''

''تفتیش کی ضروریات سے قطع نظر بھی وہ تشدد کا مستحق ہے۔ اس کا حشر کم از کم راجا جیسا ضرور ہونا چاہیے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ اس کا انجام راجا سے زیادہ ہوگا....''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی تجویز جنم لے چکی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''تم مجھے کھل کر پوری بات کیوں نہیں بتاتے!''

ہلکی سی بے ساختہ ہنسی کے بعد اس کی آواز ابھری ''وہ عمرکوٹ کا رہنے والا ہے۔ میں کسی بھی وقت اسے وہاں منتقل کرا دوں گا پھر دیکھتا ہوں کہ بھارتی قونصل خانے والے روزانہ اس کی خبرگیری کیسے کرتے ہیں۔''

''وہ اس کی عمرکوٹ منتقلی پر سخت شور مچائیں گے۔ وہ اتنے معصوم نہیں ہیں کہ تمہاری نیت اور ارادوں کو نہ سمجھ سکیں۔''

''اس احتجاج کی گنجائش نہیں ہوگی۔ یہ بتایا جائے گا کہ کچھ کڑیاں عمرکوٹ میں ہیں۔ کیس کی تیاری کے لیے ملزم کا وہاں لے جایا جانا ناگزیر ہے۔''

''یہ تمہارے معاملے ہیں۔ انہیں تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میری دلی آرزو یہ ہے کہ وہ قانون کی گرفت میں آ ہی گیا ہے تو کوئی بھی تحفظ اس کے کام نہ آسکے۔ اس کا وہی حشر اور انجام ہونا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔'' میں نے اپنے اشتعال پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

ہلکی سی تفہیمی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ''میں تمہاری کیفیت کو خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں خود بھی ونود کے بارے میں اسی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ طبیعت یہ چاہتی ہے کہ پوری درندگی کے ساتھ اس کے بدن کو چیرپھاڑ کر رکھ دیا جائے۔ غداری کی سزا اس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔''

''جو لوگ بھارتی یا پھر غیرملکی ہیں ان کی مجرمانہ اور سازشی سرگرمیاں قابلِ فہم ہوتی ہیں۔ ان کو اس زمین سے پیار ہوتا ہے نہ وہ یہاں رہنے والوں سے کوئی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے دولت سب کچھ ہوتی ہے۔ بھارتی جاسوس یہاں کام کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہوں گے کہ وہ اپنے ہندو دیش کی سربلندی کے لیے ایک مسلمان ملک کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ غداروں کے سامنے ایسا کوئی مثالی خواب نہیں ہوتا۔ وہ صرف پیسے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔''

شاید میں جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ میرا وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی جلال نے غیرمحسوس انداز میں میری بات کاٹ دی ''تمہیں چوپڑا کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اب تم میرے حق میں دعا کرو کہ میں ونود کو بھی گھیرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔''

''یہ یاد رکھنا کہ وہ اسے چوپڑا کی طرح تھالی میں سجا کر تمہاری خدمت میں پیش نہیں کریں گے۔'' میں نے اسے یاد دلایا ''وہ بھارتی قومیت کا حامل ہے' را کا باقاعدہ ایجنٹ ہے اور اسے یہاں باقاعدہ سفارتی تحفظ حاصل ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ جہاں قانون بے بس ہوجاتا ہے وہاں دوسرے حربے کام آتے ہیں۔'' جلال کی آواز پُراعتماد تھی۔

''میرا اندازہ ہے کہ تم ہر وقت قانون اور ضابطوں کی زنجیر میں بندھے رہتے ہو۔''

''مجھے میرے منصب کی مجبوریوں کا اتنی شدت سے احساس نہ دلاؤ۔ یہ مجبوریاں نت نئی راہوں پر چلنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ اپنی تمام سرگرمیوں کے باوجود تم آج تک کیوں آزاد ہو۔ قانون اور ہر دستور سے ماورا اسپیشل ٹاسک فورس کے تصور نے کس کے ذہن میں جنم لیا ہوگا۔ یہ اقتدار اور اختیار کے مالک اور دوراندیش لوگوں کے فیصلے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ملکی مفادات کے تحفظ کے لیے دشمنوں کا پیچھا کرنے والے ایک لکیر تک پہنچ کر رک جانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اس سے آگے انہیں ضابطوں کی آگ جلا کر خاک کردیتی ہے۔ اس لکیر سے آگے نکل جانے والے مجرموں کو ان کے کیفرِکردار تک پہنچانے کے لیے سایوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کی کوئی پہچان نہ ہو۔ ہماری سلامتی کے محافظ یہ گمنام سائے ایس ٹی ایف میں پلتے اور پروان چڑھتے ہیں جہاں ہمارے پر جلتے ہیں وہاں یہ فرشتے دشمن کو جلا کر راکھ کردیتے ہیں۔''

پہلے میں جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے ٹوک کر روکا تو میں نے غیرارادی طور پر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ جذباتی ہونے لگا۔ اس کی باتوں سے اس عزم کا اظہار ہو رہا تھا کہ ونود سے عبداللہ کا انتقام لینے کے لیے وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ بین السّطور میں کچھ ایسا اشارہ بھی تھا کہ وہ اپنے سینے میں بھڑکنے والی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس سے مدد لے گا۔

بات ایسے نازک موڑ پر تھی کہ میں نے اسے کریدنا یا چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ونود کے خلاف وہ جو کچھ کرتا اس کا

نتیجہ بہرحال سامنے آجاتا تھا۔ میں نے زبردستی ہنس کر کہا ”اس وقت تم سیاسی زبان استعمال کر رہے ہو۔ یہ بات ایک سیاسی لیڈر کہتا ہے کہ پاکستان کے ہر الیکشن میں انسان نہیں، فرشتے ووٹ ڈالتے ہیں۔“

”اور یہ فرشتے ایجنسیاں فراہم کرتی ہیں۔“ اس نے فقرہ لگایا۔

”اور کہاں سے آئیں گے۔ ابھی تم نے خود ایس ٹی ایف والوں کو فرشتوں کا نام دیا ہے۔“

وہ ہنس پڑا ”تم بات پکڑ لیتے ہو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے الفاظ کو نظرانداز کر دیا کرو، مفہوم سمجھا کرو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟“

میں بنسی ہاتھ میں لیے ایک تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا ہوں۔ مچھلی ڈور میں لگے کانٹے پر منہ مارے گی اور میں گھر لوٹ جاؤں گا۔“

”میرا اندازہ ہے کہ تم اس وقت آئی مین کے شکار پر ہو سکتے ہو۔ کیا میرا اندازہ غلط ہے؟“

”اس وقت بساط پر ہمارے سامنے وہی ایک کلیدی مہرہ رہ گیا ہے۔ تمہارے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔“

”پھر تو تم جہانگیر کی رہائش یا دکان کی نگرانی کر رہے ہو گے۔“ اس کی طرف سے بے ساختہ تبصرہ آیا۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اپنے جگری دوست کو چارہ بنانا پسند نہیں کروں گا۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”پھر تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟“ اس کی آواز میں الجھن عود کر آئی۔

”میں گولڈن فارمیسی پر جہانگیر کی جگہ سنبھالے بیٹھا ہوں۔“

”اوہ!“ اس کی آواز میں ہلکی سی حیرت تیر رہی تھی ”اسے بچانے کے لیے تم نے اسے پوری طرح کیموفلاج کر دیا۔“

”اسے پورے معاملات کے سر پیر کا پتا نہیں ہے۔ وہ بے خبری میں بری طرح مارا جاتا۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ اسے اٹھانے کے لیے فارمیسی پر چڑھائی کریں گے؟“

”ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”میرا وجدان بتا رہا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں، ان کا نشانہ جہانگیر کے بجائے دکان بنے گی۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ سیدھے جہانگیر کا رخ کریں۔“ جلال شاید اپنی تشفی کے لیے مجھ سے جرح کر رہا تھا۔

”حالات کا رخ تمہارے اس اندیشے کی نفی کر رہا ہے۔ آئی مین بہت زیادہ تیزی دکھا رہا ہے۔ اس نے جس انداز میں راجا اور جوشی کو گھیرا تھا اور اس کی روشنی میں اس کا اگلا ہدف جہانگیر ہی ہونا چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ وہ فارمیسی کی طرف آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔“

”میں ایک مرتبہ پھر اپنی پیشکش دہرا رہا ہوں۔ میری پوری نفری تمہارے ایک اشارے پر میدان میں اتاری جا سکتی ہے۔“ اس کی آواز پر تشویش ہو گئی۔ اپنے طور پر وہ شی اور اس کے بڑوں کے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے حریفوں کو معاف کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ اپنی گرفت میں آنے والے حریف کو بہت بے رحمی سے ذبح کر ڈالتے تھے۔ گردنیں کاٹنے کے اس کھیل میں میری طرف سے ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو آئی مین وہیں میری گردن اتار کر رکھ دیتا۔

”تمہیں مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے اسے اطمینان دلایا ”میں نے ضرورت محسوس کی تو لمحہ بھر کے لیے بھی توقف نہیں کروں گا۔ بلا جھجک تم سے مدد مانگ لوں گا۔ اس وقت میں نے ایس ٹی ایف والوں کو بھی اس معاملے سے الگ تھلگ رکھا ہوا ہے۔“

”جیسی تمہاری مرضی!“ اس کی آواز مضمحل سی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ شاید اسے یہ خلش ستا رہی تھی کہ میں آئی بی کی فیلڈ فورس کے مقابلے میں اول خان کے آدمیوں پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ میری وضاحت نے اس کی وہ خلش دور کر دی تھی۔

ہمارے مذاکرات ختم ہو گئے۔ میں فون آف کر کے کیبن سے باہر نکل آیا۔ اس وقت کاؤنٹر پر کئی گاہک موجود تھے اور جہانگیر کے دونوں ملازم مستعد سیلز مین بنے، گاہکوں کے نسخے اپنے ہاتھوں میں تھامے، تیزی سے دوائیں نکالنے میں مصروف تھے۔ میں اطمینان سے جہانگیر کی اونچی کرسی پر چڑھ کر بیٹھ گیا تاکہ گاہکوں سے رقوم وصول کر کے ان دونوں کا کام ہلکا کر سکوں۔

کرسی سنبھالنے کے بعد غیرارادی طور پر میری نگاہیں دکان میں موجود گاہکوں کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں موجود ایک مکرانی بہت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا مگر میرے متوجہ ہوتے ہی وہ سٹپٹا کر کاؤنٹر کے شوکیس میں رکھی ہوئی دواؤں کو دیکھنے میں مصروف

ہو گیا۔

وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا جو قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔ ایک بات جو اسے بہت زیادہ ممتاز کر رہی تھی وہ اس کی آنکھوں پر لگی ہوئی عینک تھی۔ بینائی کی عینک کے ساتھ وہ کوئی سنجیدہ اسکالر لگ رہا تھا۔

مکرانیوں کے لیے میں نے ہمیشہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ایک عجیب سی محبت محسوس کی ہے۔ اپنی قدیم روایات کی امانت داری کرنے والے یہ لوگ بہت مخلص، سچے، محبت کرنے والے اور دلیر ہوتے ہیں لیکن معاشی مجبوریوں اور معاشرتی استحصال کی وجہ سے ماہی گیری اور دوسرے آبائی پیشوں سے چمٹے رہنے پر مجبور ہیں۔ بحیرہ عرب کی ساحلی پٹی پر بسنے والوں کے لیے محرومیاں ایک مدت سے مقدر بنی ہوئی ہیں۔ ان کے دور افتادہ علاقوں میں اسکول ہیں نہ شفا خانے۔ پینے کا صاف پانی میسر ہے نہ گندے پانی کی نکاسی کا نظام۔ ایسے سفاک اور پُر آشوب ماحول میں بھی خال خال مکرانی لکھ پڑھ کر مختلف شعبوں میں ملک و قوم کی جان سوز خدمت کر رہے ہیں لیکن یہ افسوس ناک المیہ ہے کہ اس معاشرتی اکائی میں تعلیم کا اوسط اتنا کم ہے کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ان لوگوں میں بھی ایک طبقہ مراعات یافتہ ہے لیکن اس کی تعداد بہت قلیل ہے۔ وہ اپنے طور طریقوں کی وجہ سے دور سے پہچانا جاتا ہے۔ خواص سے قطع نظر، عوام میں ایسی صورتیں عنقا ہیں جن پر لکھی علم کی لکیریں دور سے پڑھی جا سکیں۔

وہ سیاہ فام مجھے عام مکرانیوں جیسا لگا نہ اس میں خواص والا شاہانہ کروفر تھا۔ مونچھوں سے بے نیاز سنجیدہ چہرے اور کشادہ پیشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غور و فکر کرنے کا عادی اور غالباً خاصا پڑھا لکھا تھا۔ اس پر میری نظر محض اس وجہ سے رکی تھی وہ بہت انہماک سے مجھے گھور رہا تھا۔ جوں ہی اس نے شوکیس سے نظریں ہٹائیں، میں اسی کی ترکیب استعمال کرتے ہوئے انجان بن گیا اور کیش بکس کا جائزہ لینے لگا۔

منیر نے اس کی مطلوبہ دوا پہلے نکال دی اور اکیس روپے بتائے۔ وہ مکرانی دوا کا ڈبا لے کر میری طرف آیا اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ پانچ سو روپے کا نوٹ میری طرف بڑھا دیا۔ جب اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکالا تو میں نے واضح طور پر دیکھا کہ اس کی جیب میں سو سو روپے کے کئی نوٹ بھی موجود تھے۔ معاً میرے ذہن میں سوال ابھرا کہ وہ خاموش کیوں تھا۔ اس نے میرے مشاہدے کے دوران اپنی زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا۔

اس سوال کے ساتھ میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ اسے بولنے پر مجبور کیا جائے۔ وہ خاموش کیوں تھا۔

''میرے پاس پانچ سو روپے کا کھلا نہیں ہے۔ کوئی چھوٹا نوٹ دے دو۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ میرے الفاظ پر اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں ابھرا تھا۔ اس نے کسی بھیانک مشینی روبوٹ کی طرح اپنی پلکیں جھپکائیں پھر خفیف سی مسکراہٹ کے بعد اپنے دہانے اور بائیں کان کے قریب ہاتھ کے تیز اشارے کرنے لگا۔

وہ مجھے بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ گونگا اور بہرا تھا اس لیے میرا مفہوم سمجھنے اور اس کا جواب دینے سے قاصر تھا۔

میرے لیے اس کا وہ بہانہ قابلِ قبول نہیں تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اس قبیل سے تعلق رکھنے والا ایک گونگا اور بہرا شخص اتنا زیادہ پڑھا لکھا نظر آئے۔

میں نے دوسرے گاہکوں کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی اپنی دواؤں کے انتظار میں دکان کے ملازموں کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ سے پانچ سو روپے کا نوٹ لیتے ہوئے کاؤنٹر پر جھک کر دھیرے سے کہا ''تم اُلّو کے پٹھے ہو!؟''

اس کے ہونٹوں پر یتیم سی مسکراہٹ تیر گئی۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں نے بالکل آخری لمحے پر اپنا ارادہ بدل کر اسے اردو میں وہ نرم سی گالی دی تھی ورنہ میں نے سوچا تھا کہ اس سے انگریزی میں کوئی تلخ اور زہریلا فقرہ کہوں اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات میں رونما ہونے والی تبدیلی دیکھوں۔

اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں جان الیش کوف والے تجربے کا خیال آیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں عبدالماجد یمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک امریکی نیگرو کو مقامی لباس پہنا کر اپنے ساتھ لایا تھا اور بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا تھا۔

اگر گولڈن فارمیسی کا وہ گاہک بھی مکرانی ہونے کے بجائے کوئی امریکی نیگرو تھا تو میری زبان سے انگریزی میں کوئی گالی سنتے ہی سمجھ لیتا کہ اس کی چال بری طرح ناکام ہو چکی تھی اور میں نے اس کی صحیح قومیت پہچان لی تھی۔ وہ بدک کر اچانک کوئی بھی خطرناک حرکت کر سکتا تھا۔ اس زبانی مہم جوئی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ وہ ڈراما طول پکڑنے کے بجائے اسی مرحلے پر ختم ہو جاتا اور آئی مین کے دیدار کی

حسرت میرے دل میں رہ جاتی۔
اپنی یتیمانہ مسکراہٹ کے باوجود وہ صحیح صورتِ حال کا ادراک کرنے سے قاصر رہا۔ بس اس نے کھڑے کھڑے قدم بدلے ورنہ پرسکون رہا۔ میں نے دانستہ اکیس روپے کے بجائے پچپن روپے کاٹ کر بقیہ رقم اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے اپنا اطمینان ظاہر کرنے کے لیے رقم گنی اور اپنی جیب میں ڈال لی۔ اس نے ایک بار بھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ دوا کے ڈبے پر چھپی ہوئی قیمت دیکھ کر مجھ سے مزید پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

اس کی حرکات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے لیے وہ دوا نئی تھی یا پھر اسے رقم کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اس پر شبہ ہوجانے کے بعد میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوچکی تھیں۔ میری دانست میں اس شکار کا ہانکا شروع ہوچکا تھا جس کے لیے میں تیاری کیے بیٹھا تھا۔ میرے دل میں بہت شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اس وقت میرے آس پاس کوئی مددگار موجود ہوتا تو میں اسے مشتبہ سیاہ فام کا پیچھا کرنے پر لگا دیتا۔

اس وقت دکان میں صرف تین افراد موجود تھے۔ ہم تینوں کو وہ مشتبہ سیاہ فام کاؤنٹر کے پیچھے دیکھ چکا تھا۔ اگر وہ ہمارا مطلوب شخص اور آئی مین کا آدمی تھا تو اتنا احمق نہیں ہوسکتا تھا کہ اپنے گرد و پیش کی پروا کیے بغیر دکان سے نکلتا چلا جاتا۔ دکان سے فٹ پاتھ پر اترنے کے بعد بھی وہ مڑ مڑ کر یہ جائزہ لیتا رہا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ اگر اسے اپنے پیچھے آنے والی بھیڑ میں ہم تینوں میں سے کسی کی بھی صورت نظر آجاتی تو وہ بگٹٹ دوڑ لگا دیتا۔

ایسی صورت میں نہ صرف وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا بلکہ گولڈن فاریسی کے عملے کی طرف سے بھی بھڑک جاتا۔ ہمارا اصل ہدف وہ سیاہ فام یا آئی مین کا کوئی گرگا نہیں تھا۔ میں ہر قیمت پر براہِ راست آئی مین کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا کیونکہ وہی ساری خرابی کی جڑ تھا۔

آئی مین نے کسی امکانی خطرے سے اپنی گردن بچانے کے لیے جس سنگ دلی سے نادر کو بیم گن کا نشانہ بنایا تھا اس کے پیشِ نظر یہ قوی امکان تھا کہ وہ اپنی آزادی کے لیے اس بدنصیب سیاہ فام کو بھی ٹھکانے لگا دیتا جو اس کے دشمنوں کی نظروں میں آچکا تھا۔

ایک امکان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کوئی عام سیاہ فام نہیں بلکہ امریکی سیکرٹ سروس کا کوئی ایجنٹ ہو جو میری تلاش میں آئی مین کی معاونت کر رہا ہو۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو اس کا مارا جانا آسان نہیں تھا۔ آئی مین اپنے تحفظ کے لیے اسے منظرِ عام سے ہٹ کر روپوش ہوجانے یا پہلی دستیاب پرواز سے امریکا روانہ ہونے کا حکم دے سکتا تھا۔

ہر دو صورتوں میں ہمارے لیے اس کالے کی افادیت بالکل ختم ہوکر رہ جاتی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے مہرے کا ایک ایک نقش بہت اچھی طرح اپنے ذہن نشین کرلیا تھا۔ اسے اپنی کامیابی کی کوئی آس رہتی تو وہ ایک بار بلا رکاوٹ واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ فاریسی کا رخ کرسکتا تھا۔ اس وقت ہم بہتر اور بھرپور تیاری کے ساتھ اسے دبوچ سکتے تھے۔ اپنی کامیابی کا وہ در کھلا رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ہم تینوں میں سے کوئی اس کے پیچھے نہ جائے۔

تاسف اور بے بسی کے اس مرحلے پر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میں نے ہر ایک کو خود سے دور رکھ کر سنگین غلطی کی تھی۔ اگر کوئی قرب و جوار میں موجود ہوتا تو اس وقت سیاہ فام کا پیچھا کرکے اس کا ٹھکانا ضرور معلوم کرسکتا تھا۔

○☆○

میرے گولڈن فاریسی پر بیٹھنے کی بات سنتے ہی سلطان شاہ مضطرب ہوگیا تھا۔ اس کی ذاتی رائے تھی کہ میں آگ کے شعلوں سے کھیلنے کی نادانی کرنے جارہا تھا مگر اس نے میرے تیور دیکھ لیے تھے۔ میری برہمی کے خیال سے اس نے اپنی زبان بند رکھی اور دل ہی دل میں ان خطرات کا تدارک کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کردیا جو مجھے اس مہم میں پیش آسکتے تھے۔

وہ میرے اس خیال سے متفق تھا کہ فاریسی کے گرد زیادہ بھیڑ بھاڑ ہونے کی وجہ سے ہمارا دشمن قبل از وقت چوکنا ہوجائے گا اور ایسا کوئی وار کر گزرے گا جس کا کوئی توڑ نہیں ہوگا۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ میرا بالکل یکہ و تنہا ہونا بہت خطرناک اور وقت کے تقاضوں کے خلاف تھا۔

وہ صبح چار بجے تک جاگتا اور بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر نت نئے وسوسے سر ابھار رہے تھے جن میں میری دردناک موت کا اندیشہ سب سے قوی تھا۔ آخر کار اس نے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر، اپنے طور پر ایک فیصلہ کرلیا کہ وہ مجھ سے اپنے اختلاف رائے کا اظہار کرکے مجھے ناراض نہیں کرے گا لیکن مجھے بالکل بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی۔

چند گھنٹوں کی نیند لینے کے بعد سلطان شاہ اس خوف

سے سات بجے بیدار ہوگیا کہ کہیں میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر' خاموشی سے جہانگیر کی طرف نہ چل دوں۔

اس نے اٹھ کر گھر کا جائزہ لیا' سب سو رہے تھے۔ وہ اپنی تیاری مکمل کرکے بستر پر دراز ہوگیا۔

میرے اور ویرا کے ساتھ بھرپور گفتگو کے دوران بھی اس نے کسی کو اپنے ارادے کی بھنک نہیں لگنے دی۔ عربوں کی حمایت میں ویرا سے یوں جوش و خروش سے بحث کرتا رہا جیسے کرۂ ارض کی بقا کا دارومدار ہی اس بحث کے نتیجے پر ہو۔

میں جہانگیر کے گھر جانے کا ارادہ کرکے ان لوگوں سے رخصت ہوا تو چند منٹ بعد سلطان شاہ نے بھی شہر کی کوچہ نوردی کا ارادہ ظاہر کیا اور گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اسے اندازہ تھا کہ جہانگیر کے گھر پر مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد مجھے آخرِ کار گولڈن فارمیسی کا رخ کرنا تھا جہاں مقابلے کی اصل بساط جمنی تھی۔

اس نے مین روڈ سے ہٹ کر ایک ایسی گلی میں گاڑی پارک کی جہاں میری نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ وہ اس علاقے کی پُر ہجوم فٹ پاتھ پر راستہ بناتا ہوا گولڈن فارمیسی کے سامنے سے گزرا اور پھر اسی کے آس پاس منڈلانے لگا۔

کچھ دیر بعد ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ قرینے کے لباس میں زیادہ دیر تک وہاں موجود رہا تو کسی نہ کسی کی نظروں میں آجائے گا۔ اس نے خاموشی سے سڑک عبور کی اور لی مارکیٹ کے سرکاری پیشاب خانوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہ وہاں سے برآمد ہوا تو اس کے حلیے میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ سنورے ہوئے بال بے ترتیب اور آوارہ ہوچکے تھے۔ اس نے اپنی قمیص پتلون سے باہر نکال لی تھی۔ گریبان کے دو بٹن کھول کر قمیص کے کالر کو اوباشوں کے انداز میں گردن سے پیچھے ڈھلکا لیا تھا۔ چمکتے ہوئے جوتوں پر گرد اور میلے چونے کی تہ آچکی تھی۔

اپنے نئے گیٹ اَپ کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایک پنواڑی سے ہلکے تمباکو کا ایک پان خریدا اور منہ میں دبالیا۔

اپنی نئی ہیئت میں وہ اوباش اور آوارہ گرد نوجوان نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں خاصا وقت گزار کر آیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر فارمیسی کے کاؤنٹر کے پیچھے نظریں دوڑائیں مگر میں وہاں نہیں پہنچا تھا۔

اچانک اسے ہلکے سے سرور کے ساتھ اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے زندگی میں کبھی پان نہیں کھایا تھا۔ اس وقت اپنی اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے تمباکو والا پان منہ میں دبا بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پان کی تہوں میں دبا ہوا تمباکو اس کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ مزید احتیاط کے طور پر اس نے گاہے گاہے منہ چلانے کا سلسلہ بھی موقوف کردیا تھا۔ پان میں موجود اجزائے ترکیبی اس کے لعابِ دہن میں دھیرے دھیرے خود ہی گھل رہے تھے۔

اس نے پان خوروں کو اکثر گھناؤنے انداز میں ہر جگہ پچکاریاں مارتے دیکھا تھا اور ہمیشہ ان پر دل ہی دل میں ملامت کی تھی مگر اس وقت سلطان شاہ پر نظریۂ ضرورت پوری شدت کے ساتھ آشکار ہورہا تھا۔ نامطلوب سرور کی پہلی لہر کے حملہ آور ہوتے ہی اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس نے فوری طور پر اس ملغوبے سے نجات حاصل نہ کی جو دھیرے دھیرے اس کے دہانے میں جمع ہورہا تھا تو وہ تیورا کر کہیں بھی ڈھیر ہوجائے گا پھر آئی مین اور اس کے آدمی اسے روند کر بھی گزر جاتے تو اسے جلدی ہوش نہ آتا۔

وہ ہولے ہولے لہراتا ہوا بجلی کے ایک کھمبے تک پہنچا اور اس سے ٹیک لگاکر سڑک پر پیک کی ایک لمبی سی پچکاری مار دی۔ اس حرکت سے اسے فوری طور پر افاقہ ہوا۔ ہر وقت اور ہر جگہ تھوکنے کی عادت سے اجتناب کی وجہ سے اس نے ٹرانسپورٹ لائن میں دن رات کام کرنے کے باوجود کبھی نسوار نہیں چکھی تھی۔ اس لمحے اسے اندازہ ہوا کہ تمباکو اور نسوار کھانے والے ناشائستگی کے ارتکاب پر کیوں مجبور ہوتے ہیں۔

تمباکو والا پان اس کے لیے ایک بہانہ بن گیا۔ اس سے پیدا ہونے والی مجبوری کے نتیجے میں وہ جس کھمبے سے ٹکا تھا وہ اس کے لیے بہت موزوں تھا۔ وہاں کھڑے کھڑے اس نے ایک دراز قامت' صحت منداور معنک سیاہ فام کو تیسری مرتبہ فٹ پاتھ سے گزرتے ہوئے' گولڈن فارمیسی میں جھانکتے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے پہلے اس نے مشتبہ آدمی کو مخالف سمت سے آتے دیکھا تھا۔

اس نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ کھمبے سے ٹیک لگائے' دھیرے دھیرے جگالی کرتا رہا۔ پے در پے پیک کی کئی پچکاریاں اگلنے کے بعد اسے اطمینان ہوگیا تھا کہ اس کے دہانے میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا اس میں تمباکو کا جوہر خاص نہ ہونے کے برابر تھا۔

اس معنک اور مہذب سیاہ فام نے اس کے ذہن میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ چوتھی بار گولڈن فارمیسی کے سامنے سے گزرتا ہوا نظر آیا تو وہ ضرور اس کے پیچھے جائے گا تاکہ اس کی حقیقت اور عزائم کے

بارے میں کچھ جان سکے۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بھیڑ میں سب سے اوپر تیرتا ہوا' سیاہ فام کا چہرہ اسی سمت سے نمودار ہوا تھا جدھر وہ آخری بار غائب ہوا تھا۔ شاید وہ دو چار سو گز کے فاصلے میں وہیں منڈلاتا پھر رہا تھا۔ اس بار بھی شفاف عدسوں کے پیچھے چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں فارمیسی کی طرف نگراں تھیں۔

سیاہ فام کے قریب سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کالے سے اڑنے کے لیے کیا راہ اختیار کی جائے۔ اس وقت تک وہ اسے کوئی مقامی سمجھ رہا تھا مگر اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ ان ہی لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا جن کی تلاش میں' میں اپنا گھر چھوڑ کر گولڈن فارمیسی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا تھا۔

سلطان شاہ کو فوری طور پر اور کوئی راہ نہ سوجھی تو اس نے یکایک اپنی رفتار بڑھا دی اور اس کالے کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے اس زور سے شانہ مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے رہ گیا۔

''اوہ.... یُو سن آف اے بچ!'' خالص امریکی لب و لہجے میں ایک دبی دبی بے ساختہ غراہٹ اس کے کانوں میں آئی مگر وہ مڑ کر دیکھے بغیر' اسی رفتار سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں' جسے وہ ایک مقامی مکرانی سمجھ رہا تھا وہ امریکی کالا نکلا تھا۔ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس نے رکنے یا مڑنے کی حماقت نہیں کی تھی مگر کالے کی کسی متوقع جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

ترقی یافتہ ملکوں کے شہری تیسری دنیا کے کسی پس ماندہ ملک کا رخ کرتے ہیں تو چھوٹی بڑی بدتمیزیوں کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوتے ہیں۔ کسی بدمزگی میں الجھ کر اپنی راہ کھوٹی نہیں کرتے۔ وہ کالا بس اپنی مادری زبان میں... بڑبڑاتا رہ گیا۔ اس نے سلطان شاہ کو عملی طور پر کوئی سبق دینے کی کوشش نہیں کی۔

سلطان شاہ اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔ اس کالے کا غیر ملکی بلکہ امریکی ہونا اس امر کی دلیل تھا کہ وہ ڈینی کے خون کے پیاسوں کا ساتھی تھا۔ سلطان شاہ کا دماغ بادلوں سے بھی اوپر اڑ رہا تھا اور قدموں میں مزید تیزی آگئی تھی۔

بہت دور نکل آنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ رک کر پلٹ پڑا۔ اسے یقین تھا کہ دور نکل آنے کے باوجود اس نے کالے کو نہیں کھویا ہوگا۔ وہ کسی خاص مقصد کے تحت گولڈن فارمیسی کے گرد منڈلا رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔

آپس میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے یاد تھا کہ ویرا نے پچھلی رات پہلی بار جہانگیر کی ذات کو درپیش خطرے کی نشان دہی کر کے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ کالا جہانگیر کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ میں جہانگیر کو اس کے گھر چھوڑ کر ادھر آرہا تھا۔

سلطان شاہ نے واپسی کے لیے کالے والی حماقت نہیں کی بلکہ سڑک پار کر کے فٹ پاتھ بدل لی۔

متعدد ٹھیلوں پر مشتمل ایک بازار کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی نظر قمیصوں کے ٹھیلے پر پڑی۔ وہاں لنڈا بازار کی پرانی مگر صاف ستھری قمیصیں بیس بیس روپے میں بک رہی تھیں۔ اس نے اپنی نیلے رنگ کی چار خانوں والی قمیص پر نگاہ ڈالی اور سوچ میں پڑ گیا۔

حالات بتا رہے تھے کہ سورج ڈھلنے سے پہلے اس کالے سے ایک مرتبہ پھر سامنا ہونا ناگزیر تھا۔ سلطان شاہ کا زوردار کندھا کھانے کے بعد وہ اس کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن اس کی مخصوص قمیص کو آسانی سے پہچان سکتا تھا۔ اس نے بس چند ثانیوں کے لیے سوچا اور پھر اس ٹھیلے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے ٹھیلے سے اپنے لیے نصف آستینوں والی ایک سفید بش شرٹ خریدی اور لوگوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اپنی قمیص کی جیب خالی کر کے اسے اتارا اور سفید بش شرٹ پہن لی۔ ٹھیلے والا اس کی مردانگی اور ہمت کے قصیدے پڑھنے لگا۔ اس نے قیمت ادا کر کے اتاری ہوئی قمیص تھیلی میں ڈالی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس ریڈی میڈ تبدیلی کے بعد اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر وہ صورت حرام امریکی آسانی سے اسے نہیں پہچان سکے گا۔

واپسی پر کافی دیر تک وہ کالا اسے نظر نہیں آیا۔ اس دوران میں' میں فارمیسی پر پہنچ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر سلطان شاہ کی جان میں جان آئی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کالا مجھے دیکھ لینے کے بعد وہاں سے غائب ہوا تھا یا اس سے پہلے ہی کہیں رفوچکر ہو گیا تھا۔

ایک طرف سلطان شاہ مجھے اس کے بارے میں ہوشیار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ دوسری طرف اسے یہ اندیشہ تھا کہ کالا کسی بھی لمحے نمودار ہو جائے گا۔ وہ سلطان شاہ کو فارمیسی میں موجود یا آتے جاتے دیکھ لیتا تو کھیل بگڑ سکتا تھا۔ کالا اسے ٹکرانے والے کی حیثیت سے پہچانتا یا نہ پہچانتا' یہ

ضرور سمجھ لیتا کہ وہ میرا ساتھی ہے۔

سلطان شاہ سخت تذبذب کے عالم میں کافی دیر تک فارمیسی کے آس پاس گھومتا رہا۔ قمیص تبدیل کرنے کے بعد اس نے دوبارہ بجلی کے کھمبے کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اسی دوران میں کالا اپنے ہاتھ میں ایک پرچا لیے نمودار ہوا اور بے دھڑک فارمیسی میں داخل ہوگیا۔

پتا نہیں وہ کیا منصوبہ لے کر وہاں پہنچا تھا۔ اس وقت میں کیبن میں تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ میں اس کی واپسی سے پہلے کیبن سے باہر نکل آتا۔ سلطان شاہ کو یقین ہوگیا کہ وہ کالا دکان میں میری موجودگی سے باخبر ہو چکا تھا اور صرف یہ جائزہ لینے کے لیے اندر گیا تھا کہ میرے اغوا کی واردات کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ میں امریکی سیاہ فام کی واپسی سے پہلے کاؤنٹر پر آگیا اور میری چھٹی حس نے مجھے اس کی طرف سے خبردار کردیا۔

مجھ سے بقایا رقم لینے کے بعد وہ پراسرار امریکی گولڈن فارمیسی سے باہر نکلا تو سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ چھوڑ دی۔

اس نے کالے کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ کالے کے انداز میں ذرا بھی عجلت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔ دوسری طرف سلطان شاہ کا خون کھول رہا تھا کہ اس کا ایک دشمن اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دیدہ دلیری سے واپس جارہا تھا۔

اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کالا جسمانی طور پر اس سے کم تر نہیں تو برتر بھی نہیں تھا۔ دست بدست مقابلہ ہوتا تو برابر کی لڑائی ہوتی۔ کالا ایسے کسی ٹکراؤ کے لیے تیار نہیں تھا۔ سلطان شاہ سر سے پیر تک آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کالے کو بری طرح لہولہان کردے گا۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اس نے بچا کہ ممکنہ نتائج پر زیادہ غور کرکے وہ اپنی مردانگی کو بٹا لگا رہا تھا۔ وہ کسی وحشی سانڈ کی طرح، لوگوں کو چیر کر اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا اور پیچھے سے اڑنگا لگا کر کالے کو پُرشور آواز سے فٹ پاتھ پر گرادیا۔

کالے کے جسم کے گرنے کا دھاکا بہت زوردار تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلنے والی بدیسی مغلظات کا طوفان بھی کم نہیں تھا۔ وہ سلطان شاہ کو لٹیرا اور جیب کترا قرار دے رہا تھا۔

سلطان شاہ کو اپنی ابتدائی فتح مندی کا پوری طرح ادراک کرنے کا موقع نہیں ملا۔ قرب و جوار کے لوگ اس واقعے پر اتنی تیزی سے سمٹے تھے کہ درمیان میں بس وہی دونوں رہ گئے تھے۔ کالے کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اسے کس نے گرایا ہوگا۔ وہ حیرت ناک سرعت سے فٹ پاتھ سے اٹھا اور کسی پیشہ ور باکسر کی طرح مکے تان کر سلطان شاہ پر ٹوٹ پڑا۔

اسے اپنے حریف سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ بائیں جبڑے پر ایک زوردار گھونسا کھا کر اس پر چودہ طبق روشن ہوگئے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دور چلا گیا۔ کالا دوبارہ اس پر جھپٹا تو اس نے داہنی لات اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں رسید کی۔ کالا اذیت سے بلبلاتا ہوا دہرا ہوگیا۔

سلطان شاہ نے بڑھ کر اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ وہ صحت مند ہی نہیں، سخت جان بھی تھا۔ خود کو سنبھالنے تک سکون سے مار کھاتا رہا۔ سلطان شاہ نے اس کے چہرے پر کئی جگہ سے خون نکال دیا تھا پھر وہ کسی کمانڈو کی طرح تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ چل پڑے تھے۔ سلطان شاہ اس کے تابڑ توڑ حملوں سے بوکھلا گیا۔

وہ واقعہ فارمیسی سے کافی فاصلے پر پیش آیا تھا اس لیے دکان میں کسی کو پتا نہیں چل سکا کہ تھوڑی دور کیا تماشا ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے گرد تماشائیوں کی بھیڑ بڑھتی جارہی تھی۔ سب مبہوت ہو کر یوں وہ خونی مقابلہ دیکھ رہے تھے جیسے پیسے دے کر وہاں آئے ہوں۔ کسی نے دخل انداز ہونے یا انہیں الگ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

”پکڑلو اسے۔ یہ خطرناک بدمعاش ہے۔“ بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر سلطان شاہ نے لوگوں کو اکسایا۔ اس کے پہلے فقرے پر مجمع میں کہیں کہیں تحریک سی ہوئی تھی لیکن کالے کی بدمعاشی کا اعلان سنتے ہی سب کے حوصلے دم توڑ گئے۔

”اڑے مارو سالے کو۔ یہ شیدی نائیں اے!“ ایک نوجوان کو طرارہ آیا اور اس کے ساتھ کئی تندرست آدمی کالے کی طرف لپکے۔

کالے کے لیے وہ تبدیلی تباہ کن تھی۔ وہ بہت ہوش مندی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جیب سے اپنا ہتھیار نکال لیا۔

اس کے ہاتھ میں بیم گن دیکھتے ہی سلطان شاہ کے فرشتے کوچ کرگئے۔ پتلے نوزل والی بیم گن کو وہ ہزاروں ہتھیاروں میں دور سے پہچان سکتا تھا۔

اس وقت کالے کے لیے سلطان شاہ کمزور حریف تھا۔ اسے اصل خطرہ ان تماشائیوں کی طرف سے تھا جو مشتعل ہو کر اس پر حملہ آور ہونے والے تھے۔

”رک جاؤ!“ وہ بیم گن کی نال لہرا کر حلق کے بل انگریزی میں دہاڑا ”ورنہ سب کو جلا کر راکھ کردوں گا۔“

اس کی جان پر بن آئی تھی۔ اس نے اپنی دھمکی کے

نتیجے کا انتظار کیے بغیر بیم گن کا ٹریگر دبا دیا۔

لیزر شعاعوں کی زد میں آکر ایک شخص کا بایاں بازو کٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ ایک اَن ہونا اور ناقابلِ یقین واقعہ تھا۔ تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ شور مچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ کسی کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے وہ اسی طرف ہولیا۔

کالا بھی وہاں نہیں رکا۔ تماشائیوں کے پیر اکھاڑتے ہی اس نے بھی ایک طرف دوڑ لگا دی۔

سلطان شاہ نے مجروح آنکھوں سے اس بے گناہ کو دیکھا جو کالے کے ہاتھوں اپنے بائیں بازو سے محروم ہو چکا تھا اور اس وقت فٹ پاتھ پر بری طرح چیخ چیخ کر تڑپ رہا تھا۔

واردات مکمل ہو چکی تھی۔ اصل مجرم موقع سے فرار ہو گیا تھا۔ وہ گنجان کاروباری علاقہ تھا۔ کسی بھی لمحے پولیس کی نفری وارد ہو سکتی تھی۔ اس وقت وہ واردات کا اکلوتا فریق تھا۔ گلو خلاصی کی نوبت آنے سے پہلے پولیس والے اس کا حشر خراب کر سکتے تھے۔ وہاں سے نکل جانا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔

اس نے فٹ پاتھ پر گری ہوئی چار خانے والی قمیص کی تھیلی اٹھائی اور سڑک پر دوڑتا چلا گیا۔

بھگدڑ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا، تماشائیوں کا ایک ریلا گولڈن فارمیسی کے سامنے سے بھی گزرا۔ دونوں ملازموں نے لوگوں سے پوچھنا چاہا لیکن ہر ایک پر موت کی سی گھبراہٹ طاری تھی۔ کسی کو رک کر جواب دینے کا ہوش نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو اصل واقعے کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ بس انہوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی سر پر پیر رکھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔

اس وقت ہمیں صرف اتنا پتا چل سکا کہ آس پاس کوئی خطرناک جھگڑا ہو گیا تھا۔ دکان داروں نے تیزی کے ساتھ شٹر گرانے شروع کر دیے تھے۔

ادھر سلطان شاہ دوبارہ ایک سرکاری بیت الخلا میں جا گھسا تھا اور اپنے متورم چہرے کو سہلا رہا تھا۔ وہ اس کوٹھڑی کے استعمال کی سرکاری فیس پیشگی ادا کر کے اندر داخل ہوا تھا اس لیے اندر دھندلا سا اجالا پھیلا ہوا تھا جو مشترکہ چھت پر لگے ہوئے اکلوتے بلب کا مرہونِ منّت تھا۔

سلطان شاہ نے متعفن باتھ روم کا بولٹ چڑھا کر اپنا جائزہ لیا تو سفید بش شرٹ پر تازہ خون کے کئی دھبے آچکے تھے۔ اس نے وہ بش شرٹ وہیں اتار دی اور اپنی چار خانے والی قمیص دوبارہ پہن لی۔

کسی شوقین مزاج جمعدار نے اس باتھ روم میں دروازے پر ٹیپ سے ایک ٹوٹا ہوا آئینہ چپکایا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کو اس میں اپنے چہرے کا عکس دیکھ کر صدمہ ہوا۔ اس کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کالے نے اسے اتنی بے رحمی سے مارا ہوگا۔

اس نے سفید بش شرٹ کی آستین پانی میں تر کر کے اپنے زخم صاف کرنے شروع کر دیے تاکہ باہر نکلنے کے قابل ہو سکے۔

اس وقت اس کے سامنے دو راستے تھے۔ باہر نکل کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے بجائے کوئی بھی سواری پکڑے اور سیدھا گھر لوٹ جائے یا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کو لوگوں سے بچاتے ہوئے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

اس کے لیے دوسری راہ پسندیدہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ راستے میں پولیس سے سامنا ہو جاتا تو وہ ایک نئی آفت میں گرفتار ہو سکتا تھا۔

گولڈن فارمیسی میں اور اس کے آس پاس جو کچھ ہوا وہ اس قدر لرزہ خیز اور ناقابلِ یقین تھا کہ اس کا میرے علم میں آنا ضروری تھا۔ ایک سیاہ فام امریکی کا مقامی لباس میں مجھ تک پہنچنا اور پھر سرِعام بیم گن استعمال کرنا معمولی واقعات نہیں تھے۔ شی میں بیم گنز صرف آئی مین کے رتبے پر فائز لوگوں کو دی جاتی تھیں۔ سیاہ فام کے بیم گن چلانے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی شی کا نیا آئی مین تھا جو میرے خلاف خم ٹھونک کر کراچی کے میدان میں اترا تھا۔

سلطان شاہ اپنے زخموں کی صفائی اور قمیص کی تبدیلی کے بعد بیت الخلا والے ہال سے باہر نکلا تو کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ ہر طرف خوف و ہراس اور سنسنی کا راج تھا۔ سامنے والی فٹ پاتھ پر سناٹا ہو چکا تھا۔ جائے واردات کے قریب واقع تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ٹھیلوں اور پتھاروں والے اپنا سارا ساز و سامان جوں کا توں چھوڑ کر کہیں بھاگ چکے تھے۔ سڑک کے اس پار پولیس والوں کی وردیاں اور ٹوپیاں ہی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں جن میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ واردات اتنی سنگین تھی کہ شاید علاقے کے ذمے داروں نے وائرلیس پر رابطہ کر کے دوسرے علاقوں سے بھی کمک طلب کر لی تھی۔

پولیس والوں کی بوکھلائی ہوئی بھیڑ میں سلطان شاہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ امریکی کالے کی بیم گن کا شکار ہونے والے کا کیا حال تھا۔ وہ ضابطے کی کارروائیوں کے انتظار میں فٹ پاتھ پر ہی پڑا ہوا تھا یا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اسے اسپتال لے جایا جا چکا تھا۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

گولڈن فارمیسی کی سمت والی پوری فٹ پاتھ دور دور تک ویران ہوچکی تھی۔ کسی کسی بلڈنگ کے زینوں میں دو چار افراد کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے لیکن سڑک کی دوسری جانب بھیڑ میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ہر شخص کی تجسس آمیز نظریں سڑک کے پار جمی ہوئی تھیں۔ اس بھیڑ بھاڑ اور افراتفری کی وجہ سے وہاں سے گزرنے والے ٹریفک کی رفتار بہت سست ہوگئی تھی۔ ٹریفک کے اِکا دُکا سپاہی اسے کنٹرول کرنے میں ناکام ہوچکے تھے۔

وہ ماحول سلطان شاہ کے لیے سازگار تھا۔ کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تازہ زخموں پر دھیان دیتا۔ وہ سڑک عبور کیے بغیر، بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ گولڈن فارمیسی وہاں سے دور ہونے کی وجہ سے زیادہ افراتفری کی زد میں نہیں آئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی اتنی دور تک پھیلنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسی سمت میں چلتا ہوا گولڈن فارمیسی کے سامنے پہنچے گا اور موقع پاکر تیزی سے سڑک پار کرکے جہانگیر کی دکان میں پہنچ جائے گا۔ اسے پورا اطمینان تھا کہ ایک بار اس پناہ گاہ میں پہنچ جانے کے بعد وہ ہر خطرے سے محفوظ ہوجائے گا۔

○☆○

بھگدڑ اور افراتفری سے ہم تینوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس علاقے میں کوئی بڑی واردات ہوگئی ہے۔ یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ واردات کی نوعیت کیا تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کسی کو قتل کردیا گیا تھا یا ڈکیتی ہوئی تھی۔

دوسرے دکان داروں کے ساتھ ساتھ منیر نے پہلے بولا کر دکان کا پورا شٹر گرا دیا تھا اور خود باہر جم کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میں دوسرے ملازم کے ساتھ دکان میں محبوس تھا۔ کچھ دیر تک جائزہ لینے کے بعد اس نے آدھا شٹر اٹھایا اور اندر آگیا۔

میرے لیے دکان کے کیبن میں گھسے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میرا ذہن مسلسل اس گونگے اور بہرے کالیے میں الجھا ہوا تھا جو دکان میں آیا اور پراسرار انداز میں ایک دوا خرید کر لے گیا۔ اس وقت تک میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ اس علاقے میں ہونے والی گڑبڑ کا اس کی ذات سے کوئی تعلق رہا ہوگا۔

ہم تینوں ایک ساتھ کھڑے ہوکر اس واقعے کے بارے میں اپنی اپنی بساط کے مطابق قیاس آرائیاں کررہے تھے کہ اچانک آہنی شٹر دھڑ دھڑایا۔ ہم تینوں چونک کر ادھر متوجہ ہوئے تو ایک شخص جھک کر اندر آتا ہوا نظر آیا۔

وہ دکان میں داخل ہوکر سیدھا کھڑا ہوا تو میں پہلی نظر میں اسے نہیں پہچان سکا۔ اس کا چہرہ جا بجا نیلا ہورہا تھا۔ داہنے رخسار کی ہڈی پر جلد پھٹی ہوئی تھی۔ اسی آنکھ کے نیچے گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ سیدھا ہوتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا تو میں بھونچکا رہ گیا۔

میں اسے گھر پر چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہوئی کہ وہ اس وہاں کیسے آگیا تھا اور کس حال میں تھا۔

"یہ کیا ہوا؟ تم کس سے لڑ کر آرہے ہو؟" میں نے بے اختیار اس کے دونوں شانے تھام کر پوچھا۔

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس کی نظریں دونوں ملازمین کی طرف اٹھ گئیں جو ایک بگڑے ہوئے اجنبی چہرے کو بے اعتباری سے تک رہے تھے۔

میں نے اسے کاؤنٹر کے پیچھے بلایا اور اپنے ساتھ لے کر کیبن میں چلا گیا۔

تخلیہ میسر آنے پر اس نے میرے سوال کا انتظار کیے بغیر بولنا شروع کردیا "میں عینک والے کالے امریکی سے ٹکرا گیا۔ وہ کمانڈو نہیں تو اچھا باکسر ضرور ہے۔ میں نے بھی اس کی خاصی مرمت کی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔"

"تم کس امریکی کی بات کررہے ہو؟ یہاں سے نکلنے والا کالیا تو گونگا اور بہرا مقامی تھا۔"

سلطان شاہ کے پھولے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ دھیرے سے بولا "اس نے تمہارے سامنے اداکاری کی ہوگی۔ مجھ سے لڑتے ہوئے وہ بہت روانی سے انگریزی میں گالیاں بک رہا تھا۔"

"مگر یہ سب ہوا کیسے!" میں نے اسے دیوان پر بٹھاتے ہوئے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا "اس وقت تم یہاں کیا کررہے تھے؟"

"رات کو تم نے اکیلے ہی شیر کی کچھار میں گھسنے کا ارادہ کیا تھا۔ میں تمہارے اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔" اس نے صوفے پر نیم دراز ہوکر اپنی کہانی شروع کردی۔

وہ ہم دونوں کی ذہنی ہم آہنگی کی ایک انوکھی مثال تھی۔ ادھر میں دکان میں خود کو تنہا اور پراسرار کالے کے مقابلے میں بے بس محسوس کرکے پچھتا رہا تھا اور ادھر سلطان شاہ میری بے خبری میں اس کی خبر لینے کے لیے اپنے مورچے میں موجود تھا۔

اگر سلطان شاہ نے اس شخص کو گھیرنے کی ناکام کوشش نہ کی ہوتی تو میں اس کے بارے میں مسلسل تذبذب میں مبتلا

رہتا۔ مجھے اس کے گونگے اور بہرے پن پر شدید حیرت ضرور ہوئی تھی مگر میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ جان ایلش کوف کے ساتھی کی طرح امریکی نژاد ہوگا۔

میں نے آئی مین کے بارے میں ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد گولڈن فارمیسی سنبھالنے میں جتنی تیزی دکھائی تھی، آئی مین نے اس سے زیادہ پھرتی سے کام لے کر مجھے حیران کردیا تھا۔

''اب تمہارا یہاں بیٹھنا مخدوش ہوچکا ہے۔'' اس نے اپنی کہانی سنانے کے بعد پُر تشویش لہجے میں کہا۔

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے اپنی مرہم پٹی کی فکر کرو۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

میں نے منیر کو آواز دے کر بلایا تو وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ زخمی اجنبی میرا قریبی دوست تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اندرونی ضربات اور بیرونی زخموں کے علاج کے لیے کون سی دوائیں زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی ہیں۔

منیر نے میری مدد سے ذرا سی دیر میں سلطان شاہ کی چوٹوں پر دوائیں لگائیں اور پھر میرے اشارے پر باہر چلا گیا۔

''جو کچھ ہونا تھا، ہوگیا۔ اب تمہارا یہاں بیٹھنا غیر ضروری ہے۔ گاڑی گلی میں موجود ہے۔ خاموشی سے یہاں سے نکل چلو۔'' منیر کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے پر زور لہجے میں مشورہ دیا ''ہم وہاں مل بیٹھ کر نئی راہ کا تعین کرسکیں گے۔''

''چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ چل نکلا ہے تو اب مجھے یہاں موجود رہنا ہوگا۔ کچھ پتا نہیں کہ کب حالات کیا رخ اختیار کرلیں۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''آج کے تصادم کے بعد یہ امکان نہیں ہے کہ وہ پلٹ کر دوبارہ ادھر آئے۔''

''یہ تمہاری رائے ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ان دونوں واقعات کو یکجا کر کے نہیں سوچ سکے گا۔''

''دونوں واقعات ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ وہ گولڈن فارمیسی میں قدم رکھتا نہ میں اس کے پیچھے جاتا۔''

''یہ تمہاری سوچ ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔''

''فارمیسی سے نکلتے ہی مجھ سے ٹکراؤ کو وہ اتفاق قرار نہیں دے گا۔'' سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

''تم کچھ بھول رہے ہو۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اسے یہ پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ وہ میری بلکہ فارمیسی کے مالک کی آمد کے انتظار میں آس پاس منڈلا رہا تھا تو تم نے اس کی حرکتیں نوٹ کرلی تھیں۔ وہ اپنی دانست میں دامن بچا کر دکان کی نگرانی کرتا رہا اور میرے آنے کے بعد اندر گھس آیا۔ اس نے ایک دوا خریدی، اپنے گونگے اور بہرے ہونے کا بہانہ کیا اور پیسے ادا کر کے واپس لوٹ گیا۔ اس کے کام کا یہ حصہ بالکل شفاف تھا۔ وہ تمہاری ذات کو اپنی اس کارروائی سے نہیں ملا سکتا۔''

''تمہارے ذہن میں اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔'' سلطان شاہ نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔

''میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے خود بتایا کہ سنبھلنے کے بعد اس نے تمہیں لٹیرا اور جیب کترا قرار دیا تھا۔''

سلطان شاہ کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی ''تمہارا خیال ہے کہ وہ سچ بول رہا تھا۔''

''غصے اور اضطراب کی حالت میں بڑے سے بڑا اداکار بھی سچ بولتا ہے جو کچھ اس کے ذہن میں آیا، اس نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔''

''حیرت ہے۔ ایک بات میں نے تمہیں خود ہی بتائی اور وہ میرے دماغ سے نکل گئی مگر تم اسے نہیں بھولے۔''

''یہ بھولنے والی بات ہی نہیں تھی۔ صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے حاضر دماغی بہت ضروری ہوتی ہے۔''

''شاید تمہارا فارمولا درست ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا ''وہ سمجھا ہوگا کہ میں اس کو بدحواس کر کے اس کی جیبیں خالی کرانا چاہتا ہوں۔ وہ فٹ پاتھ سے اٹھا اور غصے میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔''

''اگر تم باقاعدہ اس کا مقابلہ کرنے پر نہ تل جاتے تو شاید وہ تم کو دو چار ہاتھ مار کر اپنی راہ ہولیتا۔''

''بالکل یہی ہوا ہے۔'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا ''اپنے پہلے حملے میں اس کے تیور بہت ڈھیلے ڈھالے تھے اسی لیے میں اس کی مرمت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرے ہاتھوں سے پٹنے کے بعد اس نے خطرناک تیوروں کے ساتھ سنبھالا لیا اور میرے اوسان خطا کردیے۔''

''اس کے حساب سے ساری گڑبڑ یہ ہوئی کہ تمہارا اور اس کا جھگڑا طول پکڑ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تماشائی تمہاری حمایت میں اسے مارنے پر کمربستہ ہوگئے۔''

''اس جھگڑے کا اہم ترین موڑ وہی تھا۔'' سلطان شاہ بول پڑا ''وہ نوبت نہ آتی تو وہ بیم گن نہ نکالتا۔ یہ پتا چلنا مشکل ہوجاتا کہ وہ آئی مین تھا یا اس کا آدمی۔''

سلطان شاہ کی اس دلیل میں خاصا وزن تھا۔ ظاہری طور پر اسے آئی مین ہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ جس قدر رازدارانہ

انداز میں کراچی میں کام کررہا تھا اس کی بنا پر یہ باور کیا جا سکتا تھا کہ جہانگیر کی تلاش کے لیے اس نے کسی پر اعتماد نہ کیا ہو اور کمر کس کے خود میدان میں کود پڑا ہو۔ اس نظریے کو اہمیت دینے کے ساتھ میں نے دوسرا امکان بھی نظرانداز نہیں کیا تھا کہ آئی مین کے بجائے اس کا کوئی معتمد معاون تھا جسے اس نے اپنی بیم گن بھی سونپ دی تھی۔

وہ کالا مشتعل تماشائیوں کے ہجوم میں پستول یا ریوالور جیسا کوئی روایتی ہتھیار استعمال کرتا تو یہ ممکن تھا کہ لوگ اس سے مرعوب ہونے کے بجائے زیادہ مشتعل ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔

یہ بیم گن کے استعمال کا کمال تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹتے ہی سب دہشت زدہ ہو کر بھاگ گئے۔

ہمارے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود آئی مین تھا یا اس کا کوئی ساتھی تھا۔ اس واقعے میں بیم گن کے استعمال سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی تھی کہ ہمارا واسطہ شی کے کسی آئی مین سے ہی پڑا تھا۔

”میری بات مانو اور دکان بند کر کے گھر چلو۔ مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ آج یہاں کوئی نہیں آئے گا۔“ سلطان شاہ نے پھر اصرار کیا۔

میں اس کی بات سے متفق نہیں تھا لیکن مجھے بازار بند ہونے کے آثار نظر آرہے تھے۔ میں اسے کیبن میں آرام کرنے کی تاکید کر کے باہر نکل گیا۔

دکان کا آدھا شٹر بدستور گرا ہوا تھا۔ اندر بتیاں جل رہی تھیں۔ میں دکان سے باہر فٹ پاتھ پر نکل گیا۔

افراتفری ختم ہونے کے بعد وہاں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ہماری فٹ پاتھ ویران پڑی ہوئی تھی۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا تھا کہ دکان دار طبقہ تھانے پولیس سے گھبراتا تھا۔ ہمارے آس پاس کی بیشتر دکانوں پر تالے پڑ چکے تھے جو لوگ موجود تھے وہ تیزی سے اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ اصل واقعے کی تفصیل جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ دکان داروں کو خوف تھا کہ جو بھی دو پیسے کے لالچ میں بیٹھا رہا، وہ پولیس کی تفتیش کے نرغے میں آجائے گا پھر دکان داری کرنے کے بجائے روزانہ تھانے میں پیشیاں بھگتانی ہوں گی۔

میں نے کچھ دور جا کر حالات کا گہرا جائزہ لیا اور واپس لوٹ کر فارمیسی بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ جہانگیر کسی بڑے سیٹھ کے انداز میں اپنی دکان چلا رہا تھا۔ چابیاں منیر کے پاس ہوتی تھیں۔ وہ دونوں آکر دکان کھولتے اور اندر کی صفائی کرتے تھے۔ جہانگیر بس آکر اپنی جگہ سنبھال لیتا تھا۔ مقررہ اوقات کے بعد دکان بند کرنے کی ذمے داری ان دونوں کی تھی۔

فارمیسی کا زیادہ بکھیڑا نہیں تھا۔ فٹ پاتھ پر رکھے ہوئے ایک دو بورڈ اندر اٹھا کر شٹر پر تالے ڈالنے تھے۔ میں نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو منیر نے چند دواؤں کی تھیلی مجھے تھما دی۔ بیرونی علاج کے ساتھ وہ دوائیں سلطان شاہ کو تیزی سے صحت یاب کر سکتی تھیں۔

منیر اور اس کے ساتھی سے رخصت ہو کر ہم تیزی سے اس گلی کی طرف چل دیے جہاں جہانگیر کی گاڑی پارک تھی۔

جہانگیر کے فلیٹ کا رخ کرنا بے سود تھا۔ میں فون پر اسے پوری روداد سنا سکتا تھا۔ ہم لی مارکیٹ سے براہِ راست گلشن اقبال کے لیے روانہ ہوگئے۔

ہم گھر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دونوں عورتیں تشویش، تجسس اور پریشانی کے عالم میں ہماری منتظر تھیں۔

سلطان شاہ کو دیکھتے ہی وہ دونوں صدمے سے چیختی چلاتی رہ گئیں۔

”تم کہاں مر گئے تھے۔ کس حال میں گھر واپس آئے ہو!“ ویرا نے ملامت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”شامت نے دھکا دیا تھا۔ میں نے خاموشی سے ڈینی کی دیکھ بھال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آج اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔“ سلطان شاہ نے سر جھکا کر کہا۔

”میں اسی لیے کہتی ہوں کہ ڈینی کی بات مت ٹالا کرو۔ اس کی زبان کالی ہے۔“

”لیکن آج مجھے جھاڑ نہیں پڑی۔ میری مداخلت کے نتیجے میں ہمارا دشمن کھل کر سامنے آگیا ہے۔“

انہیں باتوں میں مصروف چھوڑ کر میں اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت ان لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ خاموش رہ کر مجھے فون کرنے دیں۔

میں نے اول خان کا نمبر ملایا تو وہ اسٹیشن فور پر موجود نہیں تھا۔ موبائل فون پر اس سے رابطہ ہوگیا۔ اس وقت وہ اپنی گاڑی میں محوِ سفر تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے پوری کہانی سنا دی۔ اس وقت تک اسے اپنے ذرائع سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ نہایت جوش و خروش سے ہنکارے بھر کر میری بات سنتا رہا اور میرے خاموش ہوتے ہی مسرت آمیز آواز میں بول پڑا ”آج تمہاری بہت بڑی مشکل آسان ہوگئی۔“

”میرا خیال ہے کہ میری ایک نہیں، کئی مشکلیں آسان ہوئی ہیں۔ تم کس مشکل کی بات کر رہے ہو۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

”تمہارے لیے بیم گن شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا

استعمال جائے واردات پر تمہاری موجودگی کا کھلا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آج اس کالے نے برسرِعام بیم گن چلا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ تمہیں بیم گن کے آزادانہ استعمال کا پروانہ مل گیا ہے۔"

"یہ پروانہ بہت مہنگا پڑا ہے۔ اس کے لیے ایک بے گناہ شہری کو اپنے ہاتھوں سے محروم ہونا پڑا ہے۔"

"بعض بڑے کاموں کے لیے اس سے زیادہ قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ تم اس کی پروانہ کرو۔"

"آج اس نے دوسری بار بیم گن استعمال کی ہے۔ پچھلی رات اس نے کلفٹن کے ساحل پر نادر کو اسی سے مارا تھا۔"

"وہ ویران ساحل پر پیش آنے والا واقعہ تھا۔ ہمیں اس پر بہت محنت کرنی پڑتی۔ آج کا واقعہ خود بہ خود اچھلے گا۔" اول خان اپنی آواز سے مگن لگ رہا تھا۔

"وہ کالا بھی سلطان شاہ کے ہاتھوں کافی بری طرح پٹا ہے۔ ہوسکے تو اس کا کھوج لگانے کی کوشش کرو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "وہ جو کوئی بھی ہے کراچی میں مامور امریکی سفارت کاروں سے رابطے میں ضرور ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ آج کل امریکی اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہیں اور پاکستانی ایجنسیوں کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔ ان کی حفاظت پر میری کچھ نفری بھی مامور ہے۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے بریف کردوں گا۔ وہ زیادہ دیر تک ہماری نظروں سے روپوش نہیں رہ سکے گا۔"

اس وقت اول خان کسی ضروری کام سے جارہا تھا۔ اپنی باتوں سے بے پروائی کا اظہار کرنے کے باوجود وہ یہ بات چھپانے میں ناکام رہا تھا کہ اس وقت اس کی توجہ کسی اور نکتے پر مرکوز تھی۔ میں نے بات وہیں ختم کردی اور فون بند کرکے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"دکان سے بول رہے ہو۔ سیل کیسی جارہی ہے؟" میری آواز پہچانتے ہی اس نے چہکنا شروع کردیا۔

"سیل ٹھپ ہوگئی ہے۔ دکان میں تالے ڈالنے پڑے ہیں۔" میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"خدا مجھ پر رحم کرے۔ مجھے معلوم تھا کہ تمہارے قدم جہاں جاتے ہیں، وہاں کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور سر اٹھاتا ہے۔ اب وہاں کیا ہوا ہے؟"

"منیر اور دوسرے ملازم سے تصدیق کرلینا۔ وہاں ہونے والے خون ریز بلوے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔"

"تم نے کسی نہ کسی فساد کی بُو سونگھ کر ہی مجھے دکان جانے سے روکا تھا۔"

"میں نے تمہیں اس فساد کے بارے میں بتادیا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا تھا۔" اس کی طرف سے بلا توقف جواب آیا "یہ بتاؤ کہ بلوہ کیوں ہوا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے دروغِ مصلحت آمیز سے کام لیتے ہوئے کہا مگر میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ میں نے تمہیں بروقت دکان کا رخ کرنے سے روک لیا۔ آج کے حالات میں تمہارا وہاں ہونا مخدوش ثابت ہوسکتا تھا۔"

"میرے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ کون سی میری تصویریں لیے گھوم رہے ہوں گے۔ میری جگہ تم نے لے لی ہے۔ وہ میرے دھوکے میں تم پر ہاتھ ڈال دیں گے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ نشے کی ترنگ میں نہیں تھا۔ اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ میں نے کہا "آج گڑبڑ کی وجہ سے پورا بازار بند ہوگیا۔ آثار بتارہے ہیں کہ شی کے کسی بڑے نے اپنی لیزر گن استعمال کرکے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اگر وہ ان اطراف میں موجود تھے تو خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو تم کیوں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھر رہے ہو۔" ریسیور پر اس کی خائفانہ آواز ابھری "دکان کو بھاڑ میں ڈالو۔ کمانے کے لیے ساری عمر پڑی ہوئی ہے۔ دکان کو تالے لگا کر تم بھی گھر پر بیٹھ جاؤ۔ جب حالات سازگار ہوں گے تو دکان کھول لی جائے گی۔"

"بیٹے! دکان بند کرکے جان نہیں بچے گی۔ وہ تمہارے گھر کا کھوج لگانا شروع کردیں گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "گھر اور بیوی کو چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گے۔"

"گھر چھوڑ سکتا ہوں مگر آج بیوی کو چھوڑنے کی بات نہ کرو۔ پتا نہیں آج تم نے کیا جادو کیا ہے کہ وہ بات بات پر میرے صدقے واری ہو رہی ہے۔"

"ہم پر بھروسا کرو گے تو زندگی بھر یوں ہی عیش کرتے رہو گے۔ شاید آج تم نے اسی لیے اس کی بات مان لی ہے۔"

"میں نے اس کی کون سی بات مانی ہے؟" جہانگیر کی آواز چونکی ہوئی۔

"دکان پہنچتے ہی مجھے خوش خبری ملی تھی کہ آج تم اچانک جعلی دواؤں کے کاروبار سے تائب ہوگئے ہو۔"

"ہاں.... آں' اس بارے میں سلمیٰ نے بھی بات کی تھی مگر اصل راہ تم نے سجھائی تھی۔ اصولی طور پر میں نے تمہاری رائے مانی ہے۔"

"تم نرے گھامڑ ہو۔ عورت کی بات مان لینے سے مرد کی شان میں کمی نہیں آتی۔" میں نے اسے ملامت کی۔

اس کے کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز آئی پھر وہ بولا "تم اس

کی یوں وکالت کر رہے ہو جیسے وہ میری نہیں تمہاری بیوی ہو۔"

اس نے وہ فقرہ مذاق میں کہا تھا لیکن میں چند ثانیوں کے لیے سناٹے میں آگیا پھر میں نے کہا "بے ہودہ باتیں مت کرو۔"

"ان فضول باتوں کو چھوڑو اور کان کھول کر میری ایک بات سن لو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "سلمیٰ کا موڈ اچھا ہے تو اب گھر پر رہنے کا لطف آرہا ہے۔ جب تک تم خطرہ بالکل ٹل جانے کی خبر نہیں سناؤ گے، میں دکان کا رخ نہیں کروں گا۔"

"یہ تمہارا مناسب فیصلہ ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ میدان صاف ہونے میں زیادہ سے زیادہ تین چار دن لگیں گے۔"

"یار، تم نے اس کے ماموں کو پکڑوا کر مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں زندگی بھر تمہاری غلامی کرتا رہوں تو تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔" یکایک اس کی ذہنی رو بھٹک گئی اور اس نے رازدارانہ آواز میں وہ بھولا ہوا ذکر دوبارہ چھیڑ دیا۔

"جہانگیر! خدا کا خوف کرو۔ چوہدری عظمت اپنی حرکتوں سے پھنسا تھا۔ میں نے اسے نہیں پکڑوایا۔ سلمیٰ نے تمہاری الزام تراشی سن لی تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔ میرا اس معاملے سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت مسکین بنتے پھرتے ہو مگر تمہاری پہنچ بہت دور تک ہے۔ پتا نہیں ماموں عظمت نے کب سے اپنی این جی او کا چکر چلایا ہوا تھا اور بے حساب مال پیٹ رہا تھا۔ تمہارے لاہور پہنچتے ہی اس کے ستارے گردش میں آئے اور وہ مارا گیا۔ میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں کہ تمہارے یہ چکر نہ سمجھ سکوں۔"

"تمہارے دماغ میں بھس بھرا ہوا ہے۔ اس میں جو بات بیٹھ جاتی ہے، آسانی سے نہیں نکلتی۔ تم جو چاہو سمجھتے رہو، میرے ہاتھ صاف تھے۔"

"وہ پکڑا اس لیے گیا کہ تمہارے ہاتھ صاف تھے۔ تمہاری جگہ کوئی مک مُکا کرنے والا ہوتا تو دس بیس لاکھ لے کر اس کی جان چھوڑ دیتا۔" جہانگیر اسی لکیر کو پیٹے جارہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلمیٰ موجود نہیں ہے اس لیے تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو؟"

"غسل فرما رہی ہے۔" جہانگیر نے شہدے پن سے اعلان کیا۔

"تمہارا ذہن آوارہ ہو رہا ہے۔ اس وقت تم مزید بات کرنے کے قابل نہیں رہے ہو۔" میں نے اس کی مزید خرافات سے بچنے کے لیے فون بند کر دیا۔

میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا بہت انہماک اور دردمندی سے سلطان شاہ کے زخموں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

"تم تو اس کے خون کی پیاسی ہو۔ اس وقت اس پر اتنی مہربان کیوں ہو؟" میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

"یہ اپنی حماقت اور خوش فہمی کی وجہ سے مارا گیا۔ اگر اسے اپنی طاقت کا زعم نہ ہوتا تو یہ اس کالیے سے دور رہتا مگر میں نے اس کی یہ خطا معاف کر دی ہے۔"

"اس معافی کا سبب خاصا دلچسپ ہے۔ ذرا ویرا سے یہ تو پوچھ لیں کہ کیوں معاف کر دیا۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے مجھے اکسایا۔

"بتاؤ بھئی، تم نے اسے کیوں معاف کیا ہے۔" میں نے ویرا سے کہا۔

"صرف اس لیے کہ اس نے ساری حماقتیں تمہاری خاطر کی ہیں۔ میں اس کے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں کہ اس نے کوئی کریڈٹ لینے کے بجائے خاموشی سے تمہاری حفاظت کا فیصلہ کیا اور مار کھا کر واپس لوٹ آیا۔" ویرا نے اس کے ابرو کے زخم پر مرہم لگاتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ بھڑک اٹھا "میں مار کھا کر نہیں آیا۔ میں نے بھی اسے بہت بری طرح مارا ہے۔"

"چلو، تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے۔" ویرا نے بے اعتباری سے اسے پچکارا "وہ تمہارے ہاتھوں پٹا ہوتا تو بھیڑ میں سے بچ کر بھاگنے میں کامیاب نہ ہوتا۔"

"وہ صرف بیم گن کی وجہ سے بچ گیا۔ لوگوں نے اس ہتھیار کی تباہ کاری پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔" سلطان شاہ نے تلملا کر جواب دیا۔

"وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔" ویرا نے اپنے شانے اچکا کے بے بسی سے کہا "تم جو کچھ کہو گے، وہ ماننا پڑے گا۔ تم چاہو تو یہ دعویٰ بھی کر سکتے ہو کہ تم نے اس کے تین دانت توڑ دیے تھے۔"

"یہ بلاوجہ بکواس کیے جارہی ہے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ہاتھ دور جھٹک کر مجھ سے شکایت کی "میں اس کا ادھار کھاتا ہوں جو اس سے جھوٹ بولوں گا۔"

"اچھا چلو، تم سچ بول رہے ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے اس کے جبڑوں پر کتنے مکے مارے تھے۔" ویرا نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

سلطان شاہ نے غصیلے انداز میں دوبارہ اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بے رخی سے بولا "سر سہلا کر میرا بھیجا کھانے کی

کوشش مت کرو۔ مجھے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کالا ایک مرتبہ ہمارے ہاتھ آجائے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے اس باکسر کو کیسے مارا تھا۔“

”کیوں بلاوجہ چڑچڑے ہو رہے ہو۔“ مجھے سلطان شاہ پر غصہ آگیا ”ویرا جب چاہتی ہے، تم کو کھلونا بنا کر کھیلنا شروع کر دیتی ہے اور تم اس کے چکر میں آجاتے ہو۔“

ڈور بیل کی آواز نے اس گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔ سلطان شاہ دروازے تک جانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ویرا نے رضاکارانہ طور پر وہ ذمے داری اپنے سر لے لی۔ غزالہ بھی مشینی انداز میں اس کے پیچھے ہولی۔

تخلیہ میسر آتے ہی سلطان شاہ نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا ”تم اسے اچھی طرح جانتے ہو پھر بھی اس کا ساتھ دیتے ہو۔ جانتے وہ وہ کیا کر رہی تھی؟ زخموں پر مرہم وغیرہ لگانے کے بہانے میرا سر اپنے پیٹ سے چپکائے کھڑی تھی۔ میں اس کی بے عزتی نہیں کرتا۔ سب کے سامنے کیا بتاتا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اس پر میرا غصہ بلا سبب نہیں تھا۔ تم کو نہیں معلوم کہ وہ میرے ساتھ کیا کیا حرکتیں کرتی رہتی ہے۔“

مجھے اس کے جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ دونوں دروازے سے جلال کو اپنے ساتھ لے کر آگئیں۔

”تم لاجواب آدمی ہو۔“ جلال نے پرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”آخرکار تم نے انہیں کھل کر سامنے آنے پر مجبور کر دیا۔“

”تم کس بات کر رہے ہو؟“ میں نے اس سے اپنے اندازے کی تصدیق چاہی۔

”میں شی کے آئی مین کی بات کر رہا ہوں۔ تم وہاں جہانگیر کی فارمیسی پر بیٹھے نہ جانے کیا گل کھلا رہے تھے کہ اسے بیم گن استعمال کرنی پڑ گئی۔“

”اس کارِ خیر کا سہرا سلطان شاہ کے سر جاتا ہے، یہ آج کا ہیرو ہے۔“ میں نے کہا۔

جلال نے بڑھ کر گرم جوشی سے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور کہا ”اگر یہ کارنامہ تمہارا ہے تو تمہارا منہ چوم لیا جانا چاہیے۔“

”اس سے بس یہی نہ کہنا۔“ ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی ”ایسی باتوں سے اس لاڈلے کو اختلاج ہونے لگتا ہے۔“

”تمہیں شی کے آئی مین کے بارے میں کیسے پتا چلا؟“ میں نے جلال سے پوچھا۔

”موبائل پر بات ہونے کے بعد مجھے پتا تھا کہ تم شہر کے کس علاقے میں مصروف ہو۔ تھوڑی دیر پہلے یہ دھماکا خیز خبر ملی کہ ان ہی اطراف میں ایک کالے غیر ملکی نے اندھا دھند لیزر کا کوئی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ میرے لیے نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا۔“

”اور وہ اطلاع سن کر تم ادھر دوڑے چلے آئے!“

”فون پر بات کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ لی مارکیٹ کا متاثرہ بازار بند ہو گیا ہے۔ میں نے اسپتال میں لیزر گن کے مجروح کو دیکھا اور یہاں آگیا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان کے چہرے کا حشر کیوں بگڑا ہوا ہے۔“

اسے وہ کہانی ایک بار پھر سنانی پڑی۔ وہ پورے انہماک اور توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔

”تم پنجرے کے قیدی کی طرح گولڈن فارمیسی میں بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔“ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اعتراف کیا ”اگر سلطان پہلے سے وہاں نہ پہنچا ہوا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ کالا اپنا جائزہ لے کر صاف نکل جاتا۔ اٹھارہ گھنٹے کی قلیل سی مدت میں کراچی میں بیم گن دوسری مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ ہر طرف کھلبلی مچ گئی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ پریشانی ذمے دار امریکی افسران کو ہو گی۔ وہ یکایک مدافعانہ پوزیشن میں چلے جائیں گے۔“

”تم دعا کرو کہ دو تین روز میں آئی مین ہمارے ہاتھ آجائے تو مزہ آجائے گا۔“

”تو کیا تم اس پر اپنا کام جاری رکھو گے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ ابتدا ہے۔ شکار نے چارے پر ایک بار منہ مار دیا ہے۔ اب اسے پھنسنا ہی چاہیے۔“

”اب ہم بھی میدان میں اتر آئیں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ پکڑا گیا تو سرکاری قیدی بنے گا۔“

”یہ نہیں ہونا چاہیے۔“ میں نے مایوسی سے احتجاج کیا ”تم نے اسی طرح راجا کو بھی پولیس کے قبضے میں پہنچا دیا ہے۔“

”یہ ابھی تک صرف وعدہ ہے۔ راجا ابھی تک اول خان کے قبضے میں ہے۔ وہ اسے نچوڑ کر پولیس کے سپرد کرے گا۔“

”اپنے قیدیوں کی مدارات کا اسے پورا حق حاصل ہے۔ تم کو راجا پر اکتفا کرنا چاہیے۔ آئی مین میرے ہاتھ آگیا تو میں بیم گن سے اس کے سارے بدن کو داغ دار کیے بغیر کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم کو معلوم ہے کہ شی اور اس کے بڑوں سے میرا جھگڑا بہت پرانا ہے۔“

”وہ مبارک وقت آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا کہ کیا کرنا چاہیے۔“ بات بڑھانے کے بجائے جلال نے وہ قصہ وہیں

ختم کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں نے ایک فیصلہ کیا ہے کہ اب تم لوگوں کو تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔ میرے کمانڈو یونٹ کے دو چار آدمی ہر وقت تمہاری خفیہ حفاظت کریں گے۔"

"حفاظت یا نگرانی؟" ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" جلال یک لخت سنجیدہ ہوگیا "نگرانی مشتبہ لوگوں کی جاتی ہے۔ حفاظت اثاثوں کی ہوتی ہے۔ تم چاروں کی ٹیم ایک قومی اثاثے کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ میں دل سے تم سب کی قدر کرتا ہوں۔ تمہیں کسی غفلت کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا جائے گا۔"

"میں تمہارے ان الفاظ کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں مگر ہمیں کسی تحفظ کی ضرورت نہیں۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں نے خود کو تنہا محسوس کیا اور وقت نے دکھا دیا کہ میرا ایک ساتھی اپنی کسی حیوانی جبلت کے تحت پہلے سے میرے نزدیک چھپا ہوا تھا۔"

"نہیں.... تم کو میری بات ماننی ہوگی۔" جلال بضد تھا۔

"پھر تم ایسا کرو کہ ہمیں قومی اثاثے کے بجائے ورثہ قرار دلوا دو۔" ویرا نے کہا "اور ہماری ممیاں بنا کر کسی عجائب گھر میں رکھوا دو۔"

ویرا نے بے تکی بات کہہ ڈالی تھی۔ میں نے اس کے الفاظ کی سنگینی کم کرنے کے لیے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور لاابالی انداز میں کہا "ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ حفاظتی پہروں میں رہ کر کام کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم گوشہ نشینی اختیار کرلیں۔ ہمیں ہر وقت ایس ٹی ایف کا بھرپور تحفظ حاصل ہے لیکن ہم ناگزیر ضرورت کے بغیر اول خان کے کسی آدمی کو زحمت نہیں دیتے۔ تمہاری تجویز مان لینے کے بعد ہمیں اس سے بھی گارڈ لینے پڑیں گے۔"

"دشی والے خونی درندے ہیں۔ جب تک ان کا قصہ نہیں نمٹ جاتا تم کو محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔ میں نے جھٹ جواب دیا "محتاط رہنے اور زیر حفاظت آجانے میں بہت فرق ہے۔"

"بعض اوقات تم اپنی بات پر اڑ جاتے ہو۔" جلال نے بے بسی سے کہا "میں تمہارے بھلے کی بات کررہا ہوں۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے آدمی تمہاری آزادانہ نقل و حرکت میں ذرا بھی حارج نہیں ہوں گے اور نہ ہی تمہارے ایما کے بغیر کسی کارروائی میں مخل ہوں گے۔"

"میں نے تمہاری بہ پر خلوص تجویز نوٹ کرلی ہے۔ ضرورت پڑنے پر ہم اس پر دوبارہ بات کریں گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب تم نے اپنی بات ایک دوسرے پیرائے میں دہرا دی۔ میں چاہ رہا ہوں کہ کل صبح تم گولڈن فارمیسی کا رخ کرو تو میرے آدمی تمہارے اردگرد موجود ہوں۔"

"اس طرح میرے لیے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔" اسے قائل کرنے کے لیے مجھے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرنا پڑا "ہمارا مقابلہ معمولی دشمن سے نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اپنے وسائل ہیں۔ یہ بھیڑ انہیں چوکنا کردے گی۔ ابھی وہ مجھے جہانگیر سمجھ کر دھمکانے یا اغوا کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ غیر معمولی حفاظتی انتظامات انہیں شک میں ڈال دیں گے۔"

جلال کا خلوص ہر شک و شبہے سے بالا تھا مگر میرے اپنے تحفظات تھے۔ میں نامعلوم آئی مین اور اس کی حکمتِ عملی کو سمجھ رہا تھا۔ میں وہ باتیں قبل از وقت اپنی زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس مقابلے میں کسی تیسرے طاقت ور فریق کی شمولیت پورا کھیل بگاڑ دے گی۔

ایک لمبی بحث کے بعد جلال کو ہتھیار ڈالنے پڑ گئے اور میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرکے رہ گیا ورنہ اس کی ہمدردی کے روپ میں مجھے ایک بڑا مسئلہ کھڑا ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف اور آئی بی والوں کی ہمدردیاں یکساں تھیں۔ فرق یہ تھا کہ ایس ٹی ایف والے قانون اور ضابطوں کی پروا کیے بغیر اپنی بہترین صوابدید کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور پھر بے خوف و خطر ہوکر ان پر عمل کر گزرتے تھے۔ آئی بی وفاقی حکومت کا ایک ذمے دار اور باضابطہ ادارہ تھا اس لیے اس کے اراکین کو ہر ہر قدم پر اپنی حدود و قیود کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ اگر مجھے اپنے کام میں مدد کے لیے ضرورت پڑ ہی جاتی تو میں بے حساب آزادیوں کی بنا پر ایس ٹی ایف کے انتخاب کو ترجیح دیتا مگر یہ بات جلال سے کہنے والی نہیں تھی۔ تمام تر زمینی حقائق کے باوجود اسے میرے نظریے سے تکلیف پہنچنے کا امکان تھا۔

ہم اس کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھے۔ سلطان شاہ نے مشتبہ کالے سے الجھ کر ایسا شان دار کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کی ذات اس روز کا موضوعِ سخن بن گئی تھی۔ جلال بھی اسے پہلی بار بہت زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔

اسی دوران میں اول خان بھی آگیا اور ہماری محفل میں ایک نئی جان پڑ گئی۔

اسے بھی سلطان شاہ کی حالت دیکھ کر صدمہ ہوا۔ اس کی آمد پر میں نے پہلی بار یہ بات نوٹ کی کہ نام کی ساخت اور

ترکیب کی وجہ سے ہم سب ہی غیر ارادی طور پر اس کا پورا نام لیا کرتے تھے لیکن جلال نے ہماری روایت کی تقلید نہیں کی تھی۔ وہ بار بار اس کا پہلا نام لے رہا تھا جو میرے کانوں کو کچھ ادھورا اور نامانوس لگ رہا تھا۔

سلطان شاہ سے بھرپور اظہارِ ہمدردی کے بعد موضوعِ سخن حالاتِ حاضرہ کی طرف منتقل ہو گیا۔

"اس بار میں ایک نئی بات محسوس کر رہا ہوں۔" اچانک جلال نے کہا "جب تک ہمارے دشمنوں کا ایک محاذ گرم رہتا ہے، دوسری سمتوں میں سناٹا چھایا رہتا ہے۔ جونہی وہ محاذ ٹھنڈا پڑتا ہے کوئی نیا فتنہ پوری قوت سے سر اٹھانے لگتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں را اور سی آئی اے، دونوں ہی حرکت میں آئی ہوئی تھیں۔" ویرا بولی۔

"نہیں، ایسا نہیں تھا۔" جلال نے وثوق سے اس کی تردید کی "میرے آدمی دن رات، سایوں کی طرح ان کے مخبروں کا پیچھا کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہ دبکے ہوئے تھے کیونکہ ہم را کے خلاف کام کر رہے تھے۔ تم دونوں کی بھارت سے واپسی کے ساتھ ان کی سرگرمیاں دم توڑ چکی تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے اس کی بات کی تائید کی "دہلی میں انل اور نریش کے انجام نے انہیں خوف زدہ کر دیا تھا۔ یہ ڈینی کی ذہنی اپج تھی کہ اس نے فیکس پر اپنی رپورٹ بھیج کر چندن گرنانی کے گلے میں طوق ڈالنے کی راہ نکال لی۔ میری اطلاعات یہی ہیں کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے تھے۔"

"میں بتا رہا تھا کہ را والے خوف زدہ ہو کر پسپا ہوئے تو سی آئی اے والوں نے دیدہ دلیری سے سر اٹھانا شروع کر دیا...."

جلال کی بات پوری ہونے سے پہلے ویرا بول پڑی "شاید میری بات تم کو بری لگے لیکن سی آئی اے والوں کو ہم نے خود سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ ضابطے کے کاموں میں کسی غیر رسمی اجلاس کی کیا گنجائش تھی۔ ہمیں انکار کر دینا چاہیے تھا تاکہ انہیں پتا چلتا کہ ہم بھی اپنے قانون کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے، ریکارڈ پر ہوتا ہے۔ ریکارڈ سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کیا جاتا۔"

"زبانی طور پر یہ سب کہنا آسان ہے۔ عملی طور پر مجبوریاں آڑے آنے لگتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے خود واشنگٹن میں پینٹاگون کے انتہائی خفیہ ہال میں ایک آف دی ریکارڈ اجلاس میں شرکت کی تھی جہاں پاکستانی وفد کو امریکی سیٹلائٹ کی لی ہوئی وہ تصویریں دکھائی گئی تھیں جن سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے سارے راز فاش ہو رہے تھے۔ وہ فلم دکھانے کے بعد وفد سے پوچھا گیا تھا کہ ایسی ناقابلِ تردید شہادتوں کی روشنی میں پاکستان کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اپنے خفیہ ایٹمی تجربات پر کام روک دیا ہے۔ وہ بڑی خراب صورتِ حال تھی مگر ہمارے وفد کے سربراہ نے سرکاری موقف سے ہٹ کر کچھ کہنے سے انکار کر دیا اور ہم لوٹ آئے۔ بعد میں کہیں ان تصویروں کا ذکر آیا نہ اخبارات میں ان کا چرچا ہوا۔ وہ سب آف دی ریکارڈ ہی رہا۔"

"یہی حال ہمارا ہے۔ ایس ٹی ایف اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں امریکی بہت کچھ جانتے ہیں لیکن سرکاری سطح پر ہمارے اس موقف کو مانتے ہیں کہ پاکستان میں آئین اور قانون سے ماورا کسی ادارے کا کوئی وجود نہیں ہے۔"

"ایسی مفاہمت دو طرفہ ہوتی ہے۔" میں نے ویرا کو سمجھایا "اگر امریکا والے ہم سے تعاون نہ کریں تو ہمارے دفترِ خارجہ کو بھی ان کے نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"جان کیماڑی کے کھارے اور گندے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے بعد بھاگ گیا، لیری دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا تو اب آئی مین کھل کر سامنے آ گیا۔" جلال نے اپنی بات وہیں سے جوڑی جہاں اس نے چھوڑی تھی۔

"آئی مین اچانک سامنے نہیں آیا۔ اسے سامنے آنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ میں پہل ہماری طرف سے ہوئی تھی۔" غزالہ بولی۔ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کی یادداشت بہت اچھی طرح کام کر رہی تھی۔

"یوں ہی سہی مگر اس کا وجود زیادہ پرانا نہیں ہے۔ چوپڑا کے گھر کا سراغ لگانے کے لیے ویرا اپنے طور پر جوشی کو فون نہ کرتی تو شاید آئی مین خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہتا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اسے ایک خاص وقت پر یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"اور اب وہی ہمارے سامنے ہے۔ سی آئی اے اور را کے اہم کارندوں کا صفایا ہو چکا ہے یا انہوں نے فرار کی راہ اختیار کر لی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ بہت اچھا ہے۔" اول خان بولا "ایک وقت میں ایک دشمن سے مقابلہ ہو تو توجہ اسی طرف مرکوز رہتی ہے۔"

"آئی مین کے جوش میں ہم ونود کو بھول رہے ہیں۔ وہ بھی را کا آدمی ہے۔" غزالہ نے یاد دلایا۔

"اس کے بارے میں، میں نے ایک طریقہ سوچ لیا

ہے۔ کچھ دنوں تک اسے ڈھیل دی جائے گی تاکہ وہ پورے اطمینان سے اپنا روزانہ کا روٹین بنالے پھر اچانک ہی اسے اٹھا کر کسی ویرانے میں جہنم واصل کردیا جائے گا۔" جلال زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"وہ جو کچھ بھی ہے، بہرحال ایک سفارتی افسر ضرور ہے۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اسے عبداللہ کے خون کی قیمت چکانی ہے۔" جلال نے تلخی سے جواب دیا "میں نے سوچا ہے کہ اس کا انجام نادر جیسا ہو تاکہ اس کے قتل کے بارے میں زیادہ قیاس آرائیاں نہ ہوں۔ اس کے قتل کی گتھی کبھی نہیں سلجھ سکے گی۔"

"اگر آئی مین ان سے ملا ہوا ہے تو وہ انہیں اپنی بے گناہی کا یقین ضرور دلائے گا۔" اول خان بولا۔

"دلاتا رہے۔ وہ اس بات کا اعلان نہیں کرسکیں گے۔" جلال اپنی جگہ مطمئن تھا۔

"اس کے قتل کی ذمے داری آئی مین کے سر کیسے آجائے گی؟" سلطان شاہ نے الجھ کر سوال کیا۔

"وہ بیم گن سے مارا جائے گا۔" ویرا نے اسے بتایا "تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکے۔"

"اور وہ بیم گن میں تمہیں فراہم کروں گا۔" میں نے جلال سے تصدیق چاہی۔

"دعا کرو کہ اس وقت تک میرے آدمی آئی مین کو پکڑلیں تو میں تم سے ادھار لینے کی خفت سے بچ جاؤں گا۔ اسی کی بیم گن میرے کام آجائے گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ ادھار نہیں، تمہارا احسان ہوگا کہ تم راکے ایک موذی کو مارنے کے لیے میری بیم گن استعمال کرو گے۔" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"وہ ہمارے مشترکہ دشمن ہیں۔ ان کو کچلنے کے لیے ہم سب کو دامے، درمے، سخنے مدد کرنی چاہیے۔" ویرا نے روایتی سی بات کہہ دی جو اس کے منہ سے بھلی معلوم ہوئی۔

"ان باتوں میں الجھ کر میں ایک اہم بات ابھی تک بھولا ہوا تھا۔" جلال نے چونکتے ہوئے کہا "میں نے بتایا تھا کہ سی آئی اے کے دونوں آدمی نے ہمارے غیر رسمی اجلاس میں تمہاری ذات کو مارک کرلیا تھا۔ اب واشنگٹن سے ایک فیکس موصول ہوا ہے۔ امریکا کے فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے چیف نے باضابطہ طور پر کرنل داور کا سروس پروفائل مانگا ہے۔"

"یہ خدشہ میں نے ابتدا میں ہی ظاہر کیا تھا۔" اول خان نے مجھ سے کہا "وہ ایک مرتبہ جس شخص کو تاک لیتے ہیں، ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں۔"

"پتا نہیں ایسے اجلاسوں میں تمہیں اپنے فرضی نام کے ساتھ فوجی عہدے لگانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ آدمی سیدھا نام استعمال کرے تو ٹالنے کے لیے دس بہانے ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے وہ خبر سن کر اپنی ہلکی سی ناگواری کا اظہار ضروری سمجھا "ایس ٹی ایف میں آنے سے پہلے وہ کہیں کلرکی کررہا تھا۔ ماضی کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے اور بات ختم۔ فوج میں تو دھوبیوں تک کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہوگا۔ ایک ذمے دار رینک سے ریٹائر ہونے والے افسر کا سروس ریکارڈ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کسی بہروپ کو معتبر بنانے کے لیے ایسے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔" اول خان نے اس کے اعتراض پر وضاحت کرتے ہوئے کہا "تم کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈینی سے اس بارے میں بات کرچکا ہوں۔"

"یہ ابتدائی اطلاع ہے۔" جلال بولا "ایف بی آئی چیف کا فیکس ہمارے دفتر کو ملا ہے۔ ابھی اسے ٹال دیا جائے گا لیکن وہ مصر رہے تو بعد میں کسی نہ کسی مرحلے پر ان کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنی پڑیں گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ میں ڈینی کا ایک فرضی سروس پروفائل تیار کرائے لیتا ہوں۔" انہوں نے سرکاری طور پر فرمائش کی ہے تو اسے پورا کرنا پڑے گا۔"

"میں نے اپنے انتظامی شعبے کے نگراں سے بات کی تھی۔" جلال بتانے لگا "اس کا کہنا ہے کہ اس درخواست کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈینی بلکہ کرنل داور کو ایف بی آئی یا سی آئی اے کے لیے منتخب کرنا چاہ رہے ہوں۔" ویرا نے حسب عادت قیاس آرائی شروع کردی "ایسا ہے تو ڈینی کے لیے ان کی صفوں میں پہنچنے کا بہت اچھا موقع ہے۔"

"ملکوں کی سطح پر ایسا نہیں ہوتا کہ اپنی پسند کے کسی آدمی کو مانگا جائے۔" جلال نے بتایا "یہ طریقہ تہذیب، رواداری اور شائستگی کے ہر معیار کے خلاف ہے۔ انہیں اپنے کسی ادارے کے لیے افرادی قوت کی ضرورت ہے تو وہ ہمیں تعداد، قابلیت اور اہلیت سے آگاہ کریں۔ آدمی ہم خود نامزد کریں گے۔"

"اس بہانے بات ٹل جائے تو بہتر ہوگا۔" میں نے جلال سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا "مجھے کسی امریکی ادارے میں جانے کا شوق نہیں ہے۔ میں ان سے دور رہ کر

اپنا کام زیادہ بہتر انداز میں سرانجام دے سکتا ہوں۔"

○☆○

اگلی صبح کے اخبار کا پہلا صفحہ کئی سنسنی خیز خبریں لیے ہوئے تھا جو میرے لیے پرانی ہو چکی تھیں۔

خبروں میں واضح طور پر لکھ دیا گیا تھا کہ ایک بین الاقوامی زیر زمین تنظیم کے کچھ بڑے اپنے جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ پاکستان میں فعال ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی روپوشی کے لیے بے گناہ پاکستانیوں کے لہو سے ہولی کھیلنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

نادر کے قتل کے بارے میں کم لیکن بہت ٹھوس مواد شائع ہوا تھا جس میں اسٹیٹ ایجنٹ کا تصویری بیان کلیدی اہمیت کا حامل تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایک بڑی رقم کے لالچ میں کوئی چھان بین کیے بغیر اپنا مکان نادر کو کرائے پر دے دیا تھا جس میں نامعلوم لوگوں نے خفیہ طور پر رہائش اختیار کر لی تھی۔ خبر میں میرے اس تجربے کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ اس گھر میں رہنے والے مشتبہ افراد میں کوئی عورت بھی شامل تھی۔

اس خبر کے ساتھ ہی شہر کے بدنام جرائم پیشہ شخص، راجا کی گرفتاری کی خبر تھی۔ شاید اول خان نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اسے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ راجا پر جوشی کے قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ راجا کے اس بیان کو سرخی کی زینت بنایا گیا تھا کہ وہ شہر میں ہیروئن کے فروغ کے لیے ایک نامعلوم غیر ملکی کے لیے کام کر رہا تھا۔ راجا نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی لیکن اس نے اپنے غیر ملکی آقا کا جو فون نمبر پولیس کو بتایا، وہ وہی تھا جو نادر کے کرائے پر لیے ہوئے مکان میں نصب تھا۔

لی مارکیٹ میں ایک سیاہ فام غیر ملکی کی اندھا دھند لیزر فائرنگ کی خبر بہت بڑی اور نمایاں تھی۔ وہ ایک مصروف علاقے میں رونما ہونے والی بڑی واردات تھی جس کے متعدد چشم دید گواہ تھے۔ وہ گواہ پولیس کی دسترس میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، اخباری نمائندوں نے اپنے ذرائع سے ان تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ ان گواہوں کی کہانیاں لرزہ خیز تھیں۔

نادر کے قتل کی واردات کا سراغ رات گئے اتنی تاخیر سے ملا تھا کہ اس کے بارے میں پچھلے روز کے صبح کے اخبارات میں ایک لفظ بھی نہیں چھپ سکا تھا۔ فوری طور پر وہ تاخیر مجھے گراں گزری تھی لیکن اخبار میں بیک وقت دو واقعات کی خبریں پڑھ کر میرا وہ شکوہ دور ہو گیا تھا۔

رہی سہی کسر طبی ماہرین کی رپورٹوں نے پوری کر دی تھی۔ مقامی سرکاری اسپتالوں میں ایسے آلات دستیاب نہیں تھے جو دونوں واقعات کے متاثرین کا صحیح تجزیہ کر کے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کر سکیں لیکن انہوں نے یہ بتا دیا تھا کہ دونوں واقعات میں بارود کا ایک ذرہ بھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ نادر کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے اور دوسرے شخص کا بازو کاٹنے میں انتہائی شدید درجہ حرارت رکھنے والی تیز ترین شعاعوں کی کوئی پتلی سی دھار استعمال کی گئی تھی۔ جس نے گوشت کو جلانے یا چربی کو پگھلانے کے بجائے چشم زدن میں، بخارات میں تحلیل کر دیا تھا۔ مقامی ماہرین نظریاتی طور پر ایسے ہتھیاروں کی تیاری کے قائل تھے مگر ان کے وجود سے بے خبر تھے۔

میں ان خبروں کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک کر انسٹرومنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گھنٹی دوبارہ نہیں بجی جس کا مطلب تھا کہ کاؤنٹر پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔ چند ثانیوں بعد دوسرے ملازم نے کیبن میں آ کر رازدارانہ لہجے میں بتایا کہ وہ جہانگیر کی کال تھی۔

میں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔ میری ہیلو کے جواب میں ریسیور پر جہانگیر کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری "یار، میں تو سمجھ رہا تھا کہ کوئی چھوٹی موٹی گڑبڑ ہوئی ہوگی مگر اخبار سے پتا چل رہا ہے کہ کل ادھر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی تھی۔ منیر بتا رہا تھا کہ میری دکان میں کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ واقعہ کافی دور پیش آیا تھا۔"

"منیر نے تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ اب تم کیوں پریشان ہو۔"

"اتنی دور ہونے والے واقعے سے تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ تمہارا متوقع چکر چل پڑا ہے۔" اس نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"اس واقعے میں بیم گن استعمال کی گئی تھی جو عام طور پر نہیں ملتی۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"شاید تم مجھے بتا چکے ہو کہ بیم گن ہر آئی مین کا خصوصی ہتھیار ہوتی ہے مگر یہ بھی تو فرض کیا جا سکتا ہے کہ کسی اور نے کہیں سے وہ گن حاصل کر لی ہو۔ آج کل جدید اور حساس ہتھیاروں کا حصول کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہا ہے۔" وہ شترمرغ کی طرح اصل خطرے سے بے خبر رہنا چاہ رہا تھا۔

"میں ضرور فرض کر لیتا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ جس شخص نے بیم گن استعمال کی وہ کچھ دیر پہلے گولڈن فارمیسی سے ایک دوا خرید کر نکلا تھا۔"

"ارے باپ رے!" جہانگیر کی بوکھلائی ہوئی اور بے ساختہ آواز ابھری "تم میری دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ

واقعہ اتنی دور پیش آیا۔ تم کو کیسے پتا چلا کہ بیم گن چلانے والا آدمی کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔"

"اب تم بلاوجہ بال کی کھال نکال رہے ہو۔ میں نے کوئی بات بلاوجہ نہیں کی تھی۔ اس شخص کا سلطان شاہ سے ٹکراؤ ہوا تھا۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ تم بھی پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"میری فکر چھوڑ دو اور اپنا دل مضبوط رکھو۔ میں حیران ہوں کہ تم کچھ عرصے تک بیکار رہ کر اتنے ڈرپوک ہو گئے ہو۔ پہلے تم بہت شیر دل ہوا کرتے تھے۔"

"میں اب بھی وہی آدمی ہوں۔" اس نے دعویٰ کیا "بے خبری میں آنے والی ناگہانی موت سے ڈرنا بزدلی نہیں ہے۔ آدمی کو اپنا دامن بچا کر چلنا چاہیے۔"

"شاباش!" میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا "کوئی برا وقت آیا تو تم کو پہلے کی طرح مردانہ وار لڑنا ہوگا۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔ میں تم سے آگے ہی رہوں گا۔" اس نے مجھے یقین دلایا اور پوچھا "تم دکان کھلی رکھنے کے بارے میں سنجیدہ ہو۔"

"میری سنجیدگی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ میں اس وقت یہیں موجود ہوں۔"

"مجھے اپنے اوپر شرم آرہی ہے۔ تم میری جگہ لیے بیٹھے ہو اور میں گھر میں چھپا ہوا ہوں۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس طرح سوچ رہے ہو۔ اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری دکان پر بیٹھ کر میں اپنے دشمنوں کے لیے زیادہ مضبوط چوہے دان تیار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"تم سے بات کرکے میری الجھن دور ہو گئی ہے۔ میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔"

"لی کر دعا نہ کرنا۔ ایسی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

اس سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میرے پاس پھر فرصت ہی فرصت تھی۔ میں نے دوبارہ اخبار سنبھال لیا۔

پچھلے روز سلطان شاہ نے دکان سے باہر رہ کر ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا۔ چہرے کے ورم اور زخموں کی وجہ سے وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ ذمے داری انجام دے سکے۔ میں نے مدد کے لیے جلال کی پیشکش کو خاصی دشواری کے بعد ٹال دیا تھا لیکن وہ محفل برخاست ہونے کے بعد میں نے پوری سنجیدگی سے یہ ضرورت محسوس کی تھی کہ گولڈن فارمیسی سے باہر بھی کسی نہ کسی کو موجود رہنا چاہیے۔

غزالہ اپنی ساری ذہانت اور دلیری کے باوجود ایک خانہ دار عورت تھی۔ ویسے بھی کسی علاقے میں کسی عورت کا دیر تک منڈلانا ہمارے معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے دونوں میں سے کسی عورت کو باہر لانا ممکن نہیں تھا۔ لے دے کر اول خان اور اس کے آدمی رہ جاتے تھے۔ اس سے گفتگو کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ اس کے دو آدمی دکان کھلنے سے بند ہونے تک مسلسل باہر موجود رہیں گے۔ ان سے رابطے کے لیے مجھے ایک اپریٹس دے دیا گیا تھا۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ میں ان دونوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ٹرانسمٹر پر مجھ سے بات کرتے اس لیے ایمرجنسی کی صورت میں مجھے صرف بٹن دبانا ہوتا۔ اپنے اپریٹس پر اشارہ پاکر وہ دکان کے سامنے پہنچ جاتے اور میرے اشارے کے مطابق اپنی کارروائی کا آغاز کر دیتے۔ اگر اشارہ ملنے کے بعد وہ مجھے کاؤنٹر کے پیچھے موجود نہ پاتے تو ان کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ دکان میں گھس آئیں اور ہر قیمت پر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

اس بندوبست کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے کوئی بھی میری مرضی کے خلاف کہیں نہیں لے جاسکے گا۔

میں ان خیالات کی رو میں اخبار کا سرسری جائزہ لے رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ معمول کے مطابق منیر نے باہر فون اٹھایا اور کچھ وقفے کے بعد اندر آکر مجھے اطلاع دی کہ اس بار کوئی انگریزی بول رہا تھا اور دکان کے مالک سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ کال میرے نئے دشمن کی بھی ہوسکتی تھی۔ اگر میرے خلاف اس کے تیور زیادہ نہیں بگڑے تھے تو سیاہ فام کے ابتدائی جائزے کے بعد ٹیلی فون ہی رابطے کا بہتر ذریعہ تھا۔

میرا اشارہ پاکر منیر کیبن سے چلا گیا۔ قدرے توقف کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا تو منیر نے فوراً اپنا فون بند کر دیا۔

"ہیلو...! کون بول رہا ہے۔" میرے کانوں میں ایک مردانہ آواز گونجی۔

منیر ایک مقامی سیلزمین تھا اور اس کا ہر وقت مقامیوں سے رابطہ رہتا تھا۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ اس نے اپنے مخاطب کی زبان پہچان کر مجھے بلا تاخیر اطلاع دے دی تھی۔ اس کے لیے بولنے والے کا لب ولہجہ غیر اہم تھا۔

میرے لیے ساری اہمیت لہجے کی تھی۔ وہ واضح طور پر

امریکی لب ولہجے میں بول رہا تھا۔ اس کی آواز پر غور کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میرے کان اس کی آواز سے آشنا تھے۔ میں وہی یا اس سے ملتی جلتی آواز اپنے گھر کے اسپیکر فون پر سن چکا تھا۔

"میں اس دکان کا مالک بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تم کون ہو؟" وہ آواز پہچان لینے کے باوجود میں نے اپنے ہیجان پر قابو پائے رکھا اور فون پر آواز بدل لی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کرکے اپنا اگلا سوال داغ دیا۔

"جہانگیر!" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جواب دیا۔ میں اس مرحلے پر اس سے الجھ کر فضا مکدر نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

میں اس کی پہلے سے سنی ہوئی آواز پہچان چکا تھا مگر وہ میری بدلی ہوئی آواز نہیں پہچان سکا۔ وہ اپنی دانست میں ایک نئے آدمی سے مخاطب تھا اس لیے اس نے اپنی آواز بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اپنے کسی ان دیکھے دوست یا دشمن کو پہچاننے کے لیے اس کی آواز سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ کاش پچھلے روز دکان میں آنے والے سیاہ فام نے گونگے پن کی اداکاری نہ کی ہوتی تو میں اس کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتا کہ وہ خود آئی مین تھا یا اس کا کوئی کارندہ تھا۔

دواؤں کی اس دکان میں گونگا بن جانا اس کی مجبوری تھی۔ وہ مقامیوں کی وضع قطع اختیار کرکے جاسوسی کرنے کے ارادے سے فارمیسی میں داخل ہوا تھا۔ دکان میں اپنی موجودگی کے جواز کے لیے اس نے ایک دوا کا رقعہ تھاما ہوا تھا۔ اس کا خیال رہا ہوگا کہ دوا دے کر اس سے خاموشی سے دام وصول کرلیے جائیں گے۔ وہ بولنے کی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر اپنا جائزہ مکمل کرکے واپس لوٹ جائے گا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے حلیے کے تضاد کی وجہ سے میں اس کی طرف سے شک میں پڑ گیا اور اس سے گفتگو کا آغاز کر بیٹھا۔

میری وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ وہ میری بات پر انگریزی میں کچھ کہتا تو اسی لمحے سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں خیال ابھرتا کہ وہ غیر ملکی تھا تو ایک مقامی کا روپ دھار کر وہاں کیا کر رہا تھا۔

اس نے کوئی بھی خطرہ مول لیے بغیر برجستگی سے خود کو گونگا اور بہرا ظاہر کیا اور بظاہر کسی مشکل سے دوچار ہوئے بغیر دکان سے واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ بعد کی بات تھی کہ اس نے اڑنگا کھانے کے بعد سلطان شاہ پر انگریزی میں گرجنا برسنا شروع کردیا۔

"جہانگیر! میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ تمہاری دکان میں بے ایمانی ہوتی ہے۔" ریسیور پر اس کی آواز ابھری۔

مجھے گمان ہوا کہ اب وہ پچھلے روز زیادہ پیسوں کی وصولی کی شکایت کرے گا۔ میں نے اس کی آواز سے مرعوب ہوئے بغیر خشک لہجے میں کہا "آواز سے تم غیر ملکی معلوم ہو رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ پچھلے کئی مہینوں سے ہم نے کسی انگریز یا امریکی کے ہاتھوں کوئی دوا نہیں بیچی۔ جب تم ہمارے خریدار نہیں ہو تو شکایت کس بات کی کر رہے ہو؟"

"چلو' میں شکایت نہیں کرتا۔" اس نے یوں کہا جیسے میرا دل رکھنے کے لیے میری بات مان رہا ہو پھر بولا "لیکن میں یہ کہوں کہ تم ہیروئن بیچتے ہو تو تمہارا جواب کیا ہوگا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"میری باتوں پر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا دشمن نہیں' دوست ہوں۔"

"دوست ایسی بے سروپا نشتر زنی نہیں کیا کرتے جیسی تم کر رہے ہو۔"

"تم میری باتوں کو بے سروپا قرار دے رہے ہو؟" اس کی آواز اس بار تحیر زدہ سی تھی۔

"اور کیا قرار دوں؟" میں نے بے ساختہ پوچھا "تم کو دواؤں کی ایک صاف ستھری اور لائسنس یافتہ دکان میں ہیروئن بکتی نظر آرہی ہے۔"

"اب نہیں تو نہ سہی۔ کبھی تو ہیروئن بھی بیچتے تھے۔" وہ آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آرہا تھا۔

"میرے یا اپنے ماضی کو کریدنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا چاہ رہے ہو۔" میں نے سختی سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ میں تمہارا دوست اور بہی خواہ ہوں۔ میں تمہارا برا نہیں چاہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم بالکل فارغ آدمی ہو اسی لیے گھما پھرا کر باتیں کر رہے ہو۔"

"تم ہیروئن فروشی سے اپنا تعلق تسلیم کرلو' میں اپنے مطلب کی بات پر آجاؤں گا۔"

"میرا ہیروئن فروشی سے کبھی تعلق نہیں رہا۔ تم غیر ضروری باتیں کرکے میرا اور اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"یہ سفید جھوٹ مجھ سے نہیں چلے گا۔ میں تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"واقف ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ فون پر کوئی اور بھی ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔" میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں

اپنے ماضی کے بارے میں اس کی دھمکی سے ڈر گیا ہوں۔
وہ میری بات سے محظوظ ہوکر دھیرے سے ہنسا پھر بولا "تم کو اس بات پر یقین کرلینا چاہیے کہ میں تم سے زیادہ معزز اور معتبر ہوں۔ مجھے اپنی سلامتی بھی عزیز ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری اور تمہاری گفتگو کوئی تیسرا نہیں سن سکے گا۔"
"کیا تم نے ٹیلی فون پر کوئی آلہ لگایا ہوا ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے خیال کو ایک طنزیہ سوال کا روپ دے دیا۔
"یہ بہت حساس اور جدید آلہ ہے جسے سی ایس ڈی کہتے ہیں۔ اس کی بے مثال کارکردگی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔" اس نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے راز کی ایک بات بہت آسانی سے اگل دی "بس یہ سمجھ لو کہ کسی نے بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی تو لائن خود بہ خود ڈراپ ہوجائے گی۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر بولا "یہ کہو کہ تم نے کچھ ناگفتہ موضوعات پر گفتگو کرنے کی پوری تیاری کرکے مجھے فون کیا ہے۔"
یہ سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے تھے کہ میری طرح وہ بھی ایک عدد سی ایس ڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ میں نے مختصر سا وہ آلہ ایک خرانٹ بھارتی ایجنٹ سے حاصل کیا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اسے بھی وہ آلہ را کے کسی سینئر افسر نے تحفے میں دیا ہو تاکہ وہ پوری بے خوفی سے فون کو اپنے مذموم عزائم کے لیے استعمال کرسکے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کراچی میں راجا کے سامنے آئے بغیر فون پر پورے اعتماد سے اپنا کام چلاتا رہا تھا۔
"کوئی بات ناگفتہ نہیں ہوتی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "ابھی میں صرف تمہاری بات کررہا ہوں۔ میرے ماضی کے بارے میں سنو گے تو تمہیں اپنے اوپر شرم آنے لگے گی۔ تم خود کو بہت بونا پایا پھر شاید فرشتہ سمجھنے لگو گے۔"
"شاید تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم کوئی بدنام خونی در قاتل ہو۔" میں نے کہا۔
"ضروری نہیں کہ ایک ہیروئن فروش سے بڑا آدمی قاتل ہی ہو۔ میں بادشاہ کبھی نہیں بنا مگر بادشاہ گر ضرور رہا ہوں۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تم میرے بارے میں پوچھنے کے بجائے اپنے بارے میں پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب دو۔ میں نے تمہیں پرکھ لیا تو پھر میں بھی کھل کر بات کروں گا۔"
"جب تک تم اپنے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دو گے' بات آگے نہیں بڑھے گی۔ میں اقبالی مجرم نہیں بننا چاہتا۔"
میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔
"تم مجھے جمی لائیڈ کا جانشین سمجھ سکتے ہو۔" اس نے مجھ سے طویل تر سکوت کے بعد جواب دیا "اب بتاؤ کہ تمہارا ہیروئن سے تعلق رہا ہے یا نہیں؟"
"تم نے سوال بدل دیا۔ ہیروئن فروشی میں' میں کبھی ملوث نہیں ہوا۔ ہیروئن سے میرا تعلق ضرور تھا۔ تم نے جمی کا نام لیا ہے تو تم کو میرے اس اقرار کا پس منظر بھی معلوم ہوگا۔"
"پس منظر سے آگاہ ہونے کے بعد ہی میں نے تم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے اپنے اعتماد کے پرانے ساتھیوں کی تلاش ہے۔"
"میں جس دلدل سے بہت مشکل سے نکلا ہوں' اس میں دوبارہ گرنا نہیں چاہتا۔"
"یہ فیصلہ میں خود کروں گا کہ تم خود دلدل سے نکلے تھے یا تمہیں نکال پھینکا گیا تھا۔ تم بس جواب دیتے رہو۔ نتیجہ میں خود اخذ کرلوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کسی فرد کے وفادار تھے یا تنظیم کے!؟"
"فرد آتے جاتے رہتے ہیں۔ تنظیمیں مدتوں چلتی ہیں۔" میں نے کہا "میرا عہد تنظیم کے ساتھ تھا۔"
"پھر تم نے جمی کے بعد تنظیم کو کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے سوال کیا۔
"تم گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا "اپنی بات اپنے مطلب تک محدود رکھو۔" میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ ماضی کے حوالے سے میں اس سے بات کرنے پر آمادہ ضرور ہوگیا تھا مگر اس سے مرعوب نہیں تھا۔
اس نے خود کو جمی کا جانشین قرار دے کر مجھے اپنا منصب سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔ میں دل ہی دل میں فیصلہ کرچکا تھا کہ جب تک وہ کھل کر شی اور آئی مین کے الفاظ استعمال نہیں کرے گا' میں اس سے برابری کا رویہ اختیار کیے رہوں گا۔
"یہ گڑے مردے نہیں ہیں' بہت اہم اور کلیدی سوال ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم میرے سوالات کا تسلسل بگاڑ رہے ہو۔"
"میں روبوٹ نہیں ہوں جو تمہاری مرضی کے مطابق چلتا رہوں۔ میرے اپنے تحفظات ہیں۔ میں ان کے منافی نہیں جاسکتا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرکے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرلو گے تو یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ میں بکنے اور جھکنے والے لوگوں میں سے نہیں

ہوں۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ تم تنظیم کے وفادار تھے تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا؟"

"میں دلدل میں گردن تک غرق ہوتا چلا گیا مگر ساتھ دیتا رہا۔ جمی کے بعد آنے والوں کا ساتھ دیا مگر وہ ایک ایک کرکے مارے گئے اور پھر میں اکیلا رہ گیا۔"

"آئی مین مارے گئے مگر تم بھی بڑے تھے۔ تم نے میدان کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے مجھے اکسایا۔

"میں کبھی بھی ڈوبنے والے جہاز کا سوار نہیں رہا اسی لیے آج زندہ ہوں۔"

منیر نے دروازے پر آکر حیرت سے اندر جھانکا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ اسے امید نہیں رہی ہوگی کہ میرے لیے آنے والی وہ کال اتنی طویل ہوگی۔

"تم چاہتے تو اس شہر میں شی کا وجود باقی رکھ سکتے تھے۔" آخر کار وہ حسرت کے ساتھ شی کا نام لینے پر مجبور ہوگیا۔

"میں یہاں خود مختار نہیں تھا۔ بڑوں سے ہدایات لیتا تھا۔ بڑوں پر زوال آیا تو چھوٹوں نے مال کی آس میں میرا پیچھا لے لیا۔ میں مجبور ہوکر روپوش ہوا تھا۔"

"شی کے اس زوال کا ذمے دار تمہارا دوست ڈینی تھا۔" اس کی آواز تلخ ہوگئی۔

"کچھ نہ کچھ ذمے دار وہ بھی تھا مگر وہ اتنا طاقت ور نہیں تھا کہ شی کو ڈبو دیتا۔ شی کے بڑوں نے اپنی ناکامیوں کی پردہ پوشی کے لیے اسے ایک ہوّا بنا دیا۔ وہ میرا ساتھی تھا۔ میں نے بہت قریب سے اس کے کس بل دیکھے ہیں۔ وہ چھپ کر وار کرنے والوں میں سے ہے۔ آمنے سامنے جم کر مقابلہ کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔"

"تم اس کے دوست ہوکر ایسا کہہ رہے ہو۔" دوسری طرف سے تحیر زدہ آواز آئی۔ اس نے اپنے ذرائع سے جہانگیر کے بارے میں جو معلومات یک جا کی ہوں گی' ان کی روشنی میں اسے میرا وہ تبصرہ بہت بے جوڑ اور چونکا دینے والا محسوس ہوا ہوگا۔

"میں اسے آج بھی اپنا دوست کہتا ہوں مگر اس سے الگ اور ہوشیار رہتا ہوں۔"

"تم اس کے بارے میں عجیب باتیں کررہے ہو۔ میں تمہارے اس رویے کا سبب جان سکتا ہوں۔"

"وہ پکا انا پرست ہے۔ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتا۔ شی کو دغا دی۔ دوستوں سے وفا نہیں کی۔"

"تمہارے ساتھ اس نے کیا زیادتی کی؟" اس نے تجسس آمیز ہمدردی کے ساتھ سوال کیا۔

وہ موقع غنیمت تھا۔ لوہا گرم تھا۔ میں مناسب ضرب لگا کر اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا تھا۔ میں نے آزردگی سے جواب دیا "یہ پوچھو کہ کیا رہ گیا۔ اس کی زیادتی کا بدلہ میں اس کی عورت سے ضرور لوں گا۔ وہ ن ہ ہوا نہ میرا ہوسکا۔ اس کا وقت جلد ہی پورا ہونے والا ہے۔"

میں نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ میرے الفاظ سے اس نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ ڈینی نے جہانگیر کی بیوی کو ورغلانے کی کوشش کی ہوگی۔ یہ زخم ایسا ہوتا ہے جو کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ زخم کھانے والا کچھ کرسکتا ہے نہ کسی سے کہہ سکتا ہے۔ سارا دکھ اپنی ذات میں جھیلتا ہے۔ اس کا درماں ایک ہی ہوتا ہے کہ کبھی مقدر یاوری کرے اور داؤ چل جائے تو وہ بھی وہی کچھ کر گزرے جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا۔ وہ جہانگیر اور ڈینی کی ظاہری دوستی اور پس پردہ پرخاش کا مضبوط ترین جواز تھا جس پر وہ شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

"میں تمہارا زخم نہیں کریدتا۔" اپنے تجسس کا جواب حاصل کرتے ہی اس نے گفتگو کا رخ یکایک موڑ دیا "تم بتا رہے تھے کہ تم نے لٹیروں سے محفوظ رہنے کے لیے مجبوراً روپوشی اختیار کی تھی۔"

"شی کا سفینہ ڈوب رہا تھا۔ ہوا خیزی کے اس دور میں لوٹ مار شروع ہوگئی جس کے ہاتھ جو لگا وہ لے بھاگا۔"

"کروڑوں کا دھندا یکایک ڈوبتا ہے تو یہی افراتفری دیکھنے میں آتی ہے۔" اس کی آواز متاسفانہ ہوگئی "کچھ نہ کچھ تمہارے ہاتھ بھی لگا ہوگا۔"

"بس پارسائی کی قسم نہیں کھا سکتا۔ لوٹ کے مال میں حصہ بنایا ہوتا تو آج گزارے کے لیے میڈیکل اسٹور نہ چلا رہا ہوتا۔ میں آخر تک شی کا وفادار رہا تھا۔"

"اور اب شی کے لیے تمہاری سوچ کیا ہے؟"

"جب شی کا وجود ختم ہوگیا تو میری سوچ بھی ختم ہوگئی۔ میں نے اپنی نئی زندگی سے سمجھوتا کرلیا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ شی ایک عالم گیر تحریک ہے۔ یہاں اس کی سرگرمیاں ختم ہوگئیں مگر دوسرے ملکوں میں وہ آج بھی کام کررہی ہے۔"

"میں یہاں رہتا ہوں۔ یہاں کی بات جانتا ہوں۔ جمی امریکا میں قتل ہوا۔ اس کے جانشین یہاں مارے گئے۔" میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے گھیر کر کہاں لانا چاہ رہا تھا۔ شاید ان ہی حربوں سے اس نے جوشی کو رام کیا تھا۔ وہ یہ جاننے کا خواہاں تھا کہ شی دوبارہ ابھری تو میرا کردار کیا ہوگا۔ اسے اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اسے اپنی حمایت کا

یقین دلاتا مگر اس کا اضطراب محسوس کر لینے کے بعد مجھے اس یقین دہانی کی عجلت نہیں تھی۔
"تمہاری ہر بات درست ہے مگر پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں کہ شی کو دوبارہ زندگی دینے کے لیے تم کیا کر سکتے ہو؟"
"میں ایک کارکن تھا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس بڑے کام کا بیڑا کوئی آئی مین ہی اٹھا سکتا ہے۔"
"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت تم کس سے بات کر رہے ہو۔" وہ کھلنے پر مجبور ہو گیا "یہاں شی کا نام دوبارہ چمکے گا۔ میں سلور آئی کے ساتھ یہی قصد لے کر یہاں آیا ہوں۔"
"اوہ! تو تم آئی مین ہو!" میں نے تحیر اور خوف سے دہرایا۔
"میں نے تم سے بلاوجہ اتنی لمبی جرح نہیں کی۔ تمہارے جواب سن کر میں نے تمہارا دماغ پڑھ لیا ہے۔ اندر سے تم آج بھی شی کے وفادار کارندے ہو۔ مجھے اپنا کام آگے بڑھانے کے لیے تمہاری اور تم جیسے دوسرے ساتھیوں کی اشد ضرورت ہے۔ میری ٹیم بن جائے تو پھر میں تمہیں اپنے کمال دکھاؤں گا۔"
"اس کے ساتھ تمہیں ڈینی کو اپنے راستے سے ہٹانا ہوگا۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ اس بار میری آواز احترام آمیز تھی۔
"اس کے بارے میں تمہارا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔" اس نے منافقت سے کام لیتے ہوئے کہا "اسے کوئی دل جلا خود ٹھکانے لگا دے گا۔ ہمیں اس پر اپنی توانائیاں برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تم ہی یہ کام کر گزرو۔"
اس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ میں نے سنجیدگی سے پوچھا "کیا تم نے ہیروئن کی بات اسی لیے چھیڑی تھی۔"
"وہ ہماری شہ رگ ہے۔ وسائل کے بغیر کوئی تنظیم زندہ نہیں رہ سکتی۔" اس نے کھل کر جواب دیا۔
"اس بارے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے عاجزانہ لہجے میں پوچھا۔
"فی الحال صرف تمہارے تعاون کی یقین دہانی درکار ہے۔ تمہاری آواز سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اپنے آئی مین کو کبھی مایوس نہیں کرو گے۔"
"سچ پوچھو تو یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں ایک آئی مین سے ہم کلام ہوں۔ میں اپنی ان تلخ کلامیوں پر تم سے معافی چاہتا ہوں جو تمہارے تعارف سے پہلے میں کر گزرا ہوں۔"
"بس آئندہ شکایت کا موقع نہیں دینا۔ وفا کرو گے تو سراسر فائدے میں رہو گے۔"
"مگر میری ایک التجا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے نظر انداز نہیں کرو گے۔" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا۔
"کہہ ڈالو۔ میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز نخوت آمیز ہو گئی۔
"میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں دھوکا نہیں کھا رہا۔ صحیح آدمی سے وفاداری کا اظہار کر رہا ہوں۔"
"کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں خود تم سے باتیں کر رہا ہوں۔" اس نے ہلکی سی تیزی کے ساتھ پوچھا۔
"شی کے اندرونی حالات سے واقفیت رکھنے والا کوئی بھی آدمی یہ سب باتیں کر سکتا ہے۔" میں نے عاجزی سے کہا "میں زخم خوردہ ہوں۔ برے دنوں میں شی کے نام پر میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔ میرے بارے میں بیسیوں سوال کر کے تم نے اپنا اطمینان کر لیا۔ اب میری تسلی بھی کرا دو۔ میں شی کے نام پر دوبارہ دھوکا نہیں کھانا چاہتا۔"
"میرے سوا یہ باتیں اور ان میں پنہاں سچ جھوٹ کون بول سکتا ہے۔" اس کی آواز میں مزید تیزی آگئی۔
"دیکھو، تم ناراض ہو رہے ہو۔" میں گڑگڑایا "ڈینی بدمعاش ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ ایسی باتیں کر سکتا ہے۔"
"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" اس کا پارا بتدریج چڑھتا جا رہا تھا۔
"میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ میری مفاہمت شی کے حقیقی آئی مین سے ہوئی ہے۔" میں نے اس کے چڑھتے ہوئے پارے کو یکسر نظر انداز کر کے اپنا التجائیہ لہجہ برقرار رکھا۔ ابتدا میں وہ میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس وقت میں نے اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا تھا۔
"میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہارا اطمینان کیسے ہوگا۔" اس بار وہ باقاعدہ غرایا تھا۔
"مجھے اپنی قدم بوسی کا ایک موقع دے دو....."
اس نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی ابتدا ہے۔ حالات غیر یقینی ہیں۔ میں کسی سے نہیں مل سکتا۔"
"تم بلیک کوئین کی طرح نقاب پہن کر اپنا چہرہ چھپا سکتے ہو۔ میں صرف سلور آئی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ہتھیلی پر سلور آئی دیکھ کر میں اپنے کانوں سے ایک بار تمہاری آواز سن لوں گا تو پھر عمر بھر تمہارا غلام رہوں گا۔ مجھ سے لغزش یا خطا ہو تو مجھے گولی مار دینا۔"

"بہت عجیب مطالبہ ہے تمہارا۔ مجھ سے آج تک کسی نے ایسی بات نہیں کی۔" اس کی آواز کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

"شی میں اختیار کسی فرد کی ذات میں نہیں، سلور آئی میں ہوتا ہے۔ اس سے اجنبی چہروں کو نئی پہچان ملتی ہے۔ گئے دنوں میں مجھے یہی کچھ بتایا گیا تھا اور اب میں اسی پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے تم پر بے اعتمادی نہیں ہے اپنے اوپر یقین نہیں ہے کہ میں کہیں فریب نہ کھا جاؤں۔"

میری عاجزانہ بات بہت اصولی تھی۔ محض آواز اور ڈھنگ لہجے کی بنا پر کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک بار اس کی شناخت بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھی۔ میں اپنے حریف کے ان ہی کمزور ترین لمحات کے انتظار میں جہانگیر کی بلمہ سنبھالے بیٹھا تھا۔ اگر وہ مجھے اپنے ساتھ ملانے کے بارے میں سنجیدہ تھا تو وہ میرا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور تھا۔ ایک بار وہ مجھ سے ملنے پر رضامندی ظاہر کر دیتا تو پھر میں اس کی کھال میں بھس بھروانے کا معقول بندوبست کر سکتا تھا۔ جب تک اس نے ایک سائے اور آواز کا روپ دھارا ہوا تھا، سب مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

"تم نے کبھی بلیک کوئین کو دیکھا تھا۔" طویل اور معنی خیز سکوت کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"وہ جب چاہتی تھی اچانک کہیں بھی ہمارے سامنے نمودار ہوتی تھی اور اپنا فرمان سنا کر کسی چھلاوے کی طرح اندھیروں میں مدغم ہو جاتی تھی....."

"مجھے اس کی مدح سرائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں پوچھ رہا تھا کہ تم نے کبھی اس کا چہرہ بھی دیکھا ہے۔"

"کبھی نہیں۔" میں نے سفید جھوٹ بولا "وہ ہمیشہ سر سے پیر تک سیاہ نقاب اور چست کپڑوں میں غرق ہوتی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون تھی؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ وہ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد تھی۔ ڈینی کے ساتھ اس کا نام اکثر سننے میں آتا رہا ہے مگر ڈینی نے کبھی مجھے اس سے نہیں ملوایا۔"

"وہ بدنیت آدمی ہے۔" آئی مین نے میرا شکوہ سن کر کہا "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس نے تمہاری عورت کو بہکایا یا ورغلایا ہوگا۔ ایسے گمراہ لوگوں کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے۔ دوسروں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اپنی عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے دور رکھتے ہیں۔ ویرا صرف عورت نہیں، ایک فتنہ ہے اور ڈینی کی داشتہ بنی ہوئی ہے۔"

"میں یہ سب سنتا رہا ہوں۔" میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا "مگر کبھی اس سے ملنے یا اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اخباروں میں اس کی اشتہاری تصویریں دیکھی ہیں۔" میں نے اس کے اندازے کی تصدیق یا تردید کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ڈینی تمہارا غدار دوست ہے تو تم اس کی مخبری کیوں نہیں کر دیتے۔" یکایک اس نے سوال کر دیا "ان دونوں کی گرفتاری یا کامیاب مخبری پر بڑے بڑے انعام مقرر ہیں۔ تمہیں ڈسے جانے کی خلش سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔"

وہ اپنا دامن بچا کر نہایت بالواسطہ طور پر مجھے اس کام کے لیے اکسا رہا تھا جس کے لیے اس نے ساری خواری مول لی ہوئی تھی۔

"میں نے اس بارے میں کئی بار سوچا ہے مگر میں اپنے اندر اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں پاتا۔" میں نے جھجکتے ہوئے اسے آگاہ کیا "ڈینی بہت چالاک اور مکار ہے۔ وہ کسی کو اپنے ٹھکانے کی ہوا نہیں لگنے دیتا۔ ذرا بھی شبہ ہو جائے تو جگہ بدل لیتا ہے۔ اس پر میرا وار اوچھا پڑا تو وہ مجھے پیس کر رکھ دے گا۔"

"میں تمہارے دل میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کی تپش اپنے سینے میں محسوس کر رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ تم اس کا پیچھا کرو۔ اسے دھوکے سے اپنے گھر بلاؤ اور مجھے خبر دے دو۔ میں اس کا ایسا بندوبست کروں گا کہ وہ زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

"بلانے سے وہ کبھی نہیں آتا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں جواب دیا "توقع کے خلاف اپنی مرضی سے آجاتا ہے اور پھر اچانک ہی چل دیتا ہے۔"

"وہ تمہاری غیر حاضری میں بھی تمہارے گھر آتا ہوگا۔" اس موضوع میں اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

"مجھے اس کا علم نہیں ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دے کر اسے بولنے کا مزید موقع فراہم کر دیا۔

"اس پر نگاہ رکھو اپنی بیوی کو اعتماد میں لو۔ اسے گھر کی تباہی سے ڈراؤ، دھمکاؤ۔ تمہاری زندگی سے اس فتنے کا خاتمہ از بس ضروری ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پرجوش لہجے میں کہا "تم میرے ساتھ ہو اور اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"کاش ہماری یہ امیدیں پوری ہو سکیں۔" میں نے حسرت سے کہا "بس تم میری التجا قبول کر لو۔ میں بے چوں و چرا تمہاری ہر بات مان لوں گا۔"

"اس پر میں غور کروں گا اور تمہیں بتاؤں گا۔" اس کی

آواز میں ایک بار پھر واضح تبدیلی رونما ہو گئی۔

''میں تم سے کہاں مل سکوں گا؟'' میں نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

''میرا رتبہ ڈینی سے بہت بلند ہے۔ اپنے ٹھکانے سے بس میں خود واقف ہوتا ہوں۔'' اس کی پر غرور آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی ''ابھی میں نے تم سے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس لیے تمہارا سوال قبل از وقت ہے۔''

''اگر تمہارا فیصلہ مثبت ہوا تو مجھے کچھ نہ کچھ جاننے کا شرف ضرور حاصل ہو جائے گا۔''

''آئی مین پہاڑی عقاب ہوتے ہیں جو اونچی اور کھلی چٹانوں پر بسیرا کرتے ہیں جہاں دور دور تک کچھ نہیں ہوتا۔ میں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گا۔ ملنا ہوا تو دن' وقت' جگہ اور طریقے کے بارے میں تمہیں پہلے سے کچھ نہیں بتایا جائے گا مگر ملاقات ہو جائے گی۔''

''میں سچے دل سے اس مبارک وقت کا انتظار کروں گا۔'' میں نے پہلی بار پورے خلوص سے کہا۔

دوسری طرف سے بائے کہہ کر اچانک فون بند کر دیا گیا۔

میں نے خالی الذہنی کے سے عالم میں فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اس وقت جو کچھ ہوا' وہ میری توقعات اور اندازوں کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے یہ سوچ کر گولڈن فارمیسی میں جہانگیر کی جگہ لی تھی کہ آئی مین میرا سراغ لگانے کے لیے جہانگیر کو اغوا کرنے یا دہشت زدہ کرنے کی کوشش کرے گا جس میں تشدد کے عنصر کا شامل ہونا یقینی تھا۔ یہ کام وہ مصروف بازار میں دکان پر نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے انہیں جہانگیر کو بہلا پھسلا کر دکان سے ہٹانا اور کہیں لے جانا پڑتا۔

جہانگیر کی جگہ لینے کے بعد میں اسی نوعیت کے کسی واقعے کے انتظار میں تھا لیکن آئی مین کی اس لمبی کال نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنی سطحی سوچ کے ذریعے عارضی نتائج حاصل کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بیدار مغزی کے ساتھ لمبی مدت کی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔

اس کا اصل ہدف جہانگیر کی ذات تھی۔ اس نے مارپیٹ اور تشدد سے اسے مجبور کرنے کے بجائے مکاری سے اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اپنی پوری گفتگو میں اس نے شی کے احیا کو موضوع سخن بنائے رکھا تھا۔ میری یعنی ڈینی والی بات کو ضمنی حیثیت دے دی تھی۔

اس سے گفتگو کو آگے بڑھانے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ابتدا میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ جہانگیر اور اس کی مصروفیات کے بارے میں آئی مین کی معلومات کتابی حد تک محدود تھیں۔ وہ پاکستان میں نو وارد تھا اور وہی کچھ جانتا تھا جو اسے شی کے ریکارڈ سے دستیاب ہو سکا تھا یا پھر اسے جو شی نے بتایا ہوگا۔

جو شی خود گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا اور باہر کے حالات سے زیادہ باخبر نہیں تھا۔ ویسے بھی ہم لوگوں میں سے کوئی شہر کے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں جانے کا عادی نہیں تھا۔ اس وجہ سے ہمارے حلقے سے باہر کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے مراسم کس نوعیت کے ہوں گے۔

میں نے آئی مین کی ناقص معلومات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ گفتگو کے دوران جہاں بھی موقع ملا' میں نے ایسے فرضی واقعات شامل داستان کر دیے جو میرے اور جہانگیر کے درمیان وسیع ذہنی خلیج بلکہ کینے کی نشان دہی کر رہے تھے۔

آئی مین میری ان باتوں کے چکر میں آ گیا تھا۔ کم از کم اس وقت اسے یقین آ گیا تھا کہ جہانگیر ڈینی کا ہمدرد نہیں تھا۔ اسے ذرا سی مضبوط پشت پناہی میسر آ جاتی تو وہ میرے یعنی ڈینی کے دشمنوں سے مل کر اس کے کریا کرم کا بندوبست کر سکتا تھا۔

آئی مین واقعی تیزی دکھا رہا تھا۔ پچھلے روز اس کے بھیجے ہوئے آدمی نے ذاتی طور پر گولڈن فارمیسی کا جائزہ لیا تھا اور چوبیس گھنٹوں سے کم مدت میں آئی مین نے مجھ سے فون پر رابطہ کر لیا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ ملاقات کے لیے مجھے زیادہ انتظار میں مبتلا نہیں کرے گا۔ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں اس کی اگلی فون کال متوقع تھی۔

میں نے کرسی چھوڑی اور کیبن سے نکل کر ٹہلتا ہوا دکان کے دروازے پر آ کر کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں فٹ پاتھ پر رواں انسانی بھیڑ میں سیاہ فام غیر ملکی کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ آئی مین نے کسی نہ کسی کو دکان کی نگرانی پر مامور کیا ہوا ہوگا۔ اس کی طرف سے دکان میں میری آمد اور موجودگی کی تصدیق ہونے کے بعد ہی اس نے گولڈن فارمیسی فون کیا ہوگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاہور کے علاقے میں قسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں مظہر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دو شیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لالی نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیزی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ایلی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈیزی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں، میں نے اس سے پرتصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان الیش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کردیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ڈیزی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی قونصلیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو بھیجے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کرائم کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے میں زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ہم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے ہم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آگیا تھا اور جلد ہی اسے کوٹ خنقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے لیاری علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کررہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی دکان داری نہیں کی تھی لیکن دکان داروں کی عادات و حرکات کا ہمیشہ بہت غور سے مشاہدہ کیا تھا۔ یہ میری فطرت کی ایک خوبی یا خامی تھی کہ میں اپنے تجربے اور مشاہدے میں آنے والی کسی چیز یا بات سے سرسری گزرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر عمل کا ناقدانہ تجزیہ کرنا میری کمزوری ... مجھے نقصان پہنچاتی تھی اور کبھی میں اس سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

دکان داری کوئی عارضی مصروفیت نہیں ہوتی۔ اس میں آدمی کو ہر روز اور ہر پل اپنے ایک ہی ٹھیّے پر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔ یہ جمود دکان داری کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس ... متنوع کیفیات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ہر لمحے رنگ رنگ

کے گاہک آکر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ ہر گاہک سے مختلف انداز میں، اس کی طلب یا ضرورت کے بارے میں بات کرنے سے دکان میں کام کرنے والوں کا دل بہلتا رہتا ہے۔ بازار میں مندی کا رجحان ہو تو دلچسپی مفقود ہوجاتی ہے۔ دکانوں والے اپنا دل بہلانے اور وقت گزارنے کے لیے اپنے پڑوسیوں سے گپ شپ اور چخ چخ شروع کردیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں اور خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے کسی بقراط نے کہا ہے کہ ہر اچھا دکان دار ایک اچھا فقرے باز ہوتا ہے۔ وہ کوئی سنگین دل آزاری کیے بغیر اپنے مخاطب کو پسپائی پر مجبور کرنے کے فن میں طاق ہوتے ہیں۔ گاہک کی جھلک نظر آتے ہی وہ اپنی ان خوش گپیوں کا سلسلہ یک لخت موقوف کرکے، پوری سنجیدگی سے اپنے دھندے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

گولڈن فارمیسی جیسی اوسط درجے کی دکانوں میں پڑوسیوں سے آزادانہ اختلاط کا موقع نہیں ہوتا۔ دکان دار اپنے ملازمین پر پھبتیاں کس کر اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ بے چارے ملازمین نظریۂ ضرورت کے تحت کھیسیں نکالنے اور ہر وار سہ جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جب اس شغل میں جان نہیں رہتی تو دکان دار اپنا ٹھیا چھوڑ کر، کسل مندانہ انداز میں چل کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے خود کو تازہ دم کرلیتا ہے۔

اس وقت میرا انداز ایسے ہی کسی تھکے اور اکتائے ہوئے دکان دار جیسا تھا۔ باہر سے دیکھنے والا کوئی اجنبی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں فارمیسی کے دروازے پر کھڑا ہو کر راہ گیروں کے ہجوم میں کسی مشتبہ شخص کو تلاش کررہا تھا۔

اپنی اداکاری میں حقیقت کا مزید رنگ بھرنے کے لیے میں نے اپنے پنجوں کے بل اچک کر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر انگڑائی لی۔ میری اس حرکت کو بیٹھک کی تھکن اتارنے کا ایک بھونڈا انداز سمجھا جاسکتا تھا لیکن پنجوں کے بل اچکتے ہی یکایک میری نگاہوں کی رسائی میں کچھ اضافہ ہوگیا۔ مجھے فٹ پاتھ پر رواں بھیڑ میں چند ثانیوں کے لیے ایک شناسا سا اور سیاہ فام چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ سے کافی دور تھا اور اس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اسے دیکھا تھا لیکن وہ چند ثانیوں سے زیادہ میری نگاہوں کی گرفت میں نہیں رہ سکا۔ کسی اور ملے جلے چہروں کی بھیڑ میں یکایک ابھرا اور پھر یوں معدوم ہوگیا جیسے اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

میں اس کی ایک جھلک دیکھ کر مضطرب ہوگیا۔ انگڑائی اور اداکاری کو بھول بھال کر بار بار پنجوں کے بل اچک کر اسے دوبارہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ کسی چھلاوے کی طرح مقامی چہروں کی بھیڑ میں کہیں گم ہوچکا تھا۔

وہ گولڈن فارمیسی پر دوا خریدنے کے لیے آیا تو گونگا اور بہرا بن کر، قمیص اور شلوار میں ملبوس ہو کر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں پر لگی ہوئی شفاف عدسوں کی عینک اسے دوسروں سے ممتاز کررہی تھی ورنہ وہ اپنی وضع قطع سے مکمل طور پر کوئی مقامی مکرانی معلوم ہورہا تھا لیکن اس وقت وہ مجھے ایک نئے روپ میں نظر آیا تھا۔ میں نے صرف لمحہ بھر کے لیے اس کی جھلک دیکھی تھی لیکن مجھے اپنی بینائی پر پورا اعتبار تھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا، اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

وہ چہرہ ہو بہ ہو وہی تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا مگر اس کی شفاف عدسوں کی عینک تبدیل ہوگئی تھی۔ اگر وہ عینک استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوتا تو شاید اپنے حلیے میں تبدیلی لانے کے لیے اسے سرے سے ترک کردیتا اور پھر اسے پہچاننا بہت زیادہ مشکل ہوجاتا۔ وہ ایسا نہیں کرسکا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا تھا۔

اس وقت میں اس کی صحت مند گردن کے گرد کسے ہوئے کالر کے نیچے بندھی ہوئی ٹائی دیکھ چکا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس نے شلوار کے بجائے پتلون پہنی ہوئی ہوگی۔ اپنی اس جھلک میں وہ سو فیصد غیر ملکی بلکہ امریکی نیگرو نظر آیا تھا۔

وہ گولڈن فارمیسی میں اداکاری کرکے خاموشی سے لوٹنے میں کامیاب ہوگیا ہوتا تو میں اس کے بارے میں ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتا۔ دکان سے نکلنے کے بعد، سلطان شاہ سے ہونے والے تصادم نے اس کے بارے میں بیک وقت کئی باتیں واضح کردی تھیں۔

اس نے سلطان شاہ سے جھگڑے کے دوران میں بے ساختہ انگریزی زبان میں گالیاں دی تھیں اور نہایت روانی سے مسلسل وہی زبان استعمال کی تھی پھر خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس نے اچانک بیم گن نکال کر چلادی تھی۔

یہ بات طے ہوچکی تھی کہ وہ امریکی نژاد کالا تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کراچی آیا ہوا تھا۔ اس کے گولڈن فارمیسی میں پہنچنے سے یہ ظاہر تھا کہ وہ میرے دشمنوں سے تعلق رکھتا تھا اور جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے کی نیت سے لی مارکیٹ کے اس بازار میں پہنچا تھا جہاں جہانگیر کی دکان واقع تھی۔ اس نے نرغے میں آجانے کے بعد لیزر گن استعمال کرکے ہم سب کو شبہے میں ڈال دیا تھا اور یہ تعین کرنا دشوار

ہوگیا تھا کہ وہ خود ہی شی کا آئی مین تھا یا اس کا بھیجا ہوا کوئی خاص آدمی تھا۔

شی کے بارے میں میری اور ویرا کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ ہمیں شی کی اس روایت کا علم تھا کہ اس رسوائے زمانہ تنظیم کے ہر آئی مین کے پاس، اختیار کی علامت کے طور پر دو چیزیں ضرور ہوتی ہیں۔ سلور آئی اس کی شناخت ہوتی ہے اور بیم گن اس کی طاقت کی علامت ہوتی ہے۔

اس نابکار کالے نے جھگڑے میں بیم گن استعمال کرکے ایک سنگین الجھاؤ پیدا کردیا تھا جو اس کی دوسری جھلک دیکھتے ہی دور ہوگیا تھا۔

آئی مین چند منٹ پہلے تک فون پر براہِ راست مجھ سے گفتگو کررہا تھا۔ دورانِ گفتگو اس نے مجھے یہ یقین دہانی بھی کرائی تھی کہ فون پر کھل کر ہر قسم کی بات کی جاسکتی تھی کیونکہ اس کی لائن میں سی ایس ڈی کی موجودگی کی وجہ سے ہماری باتیں سن لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

یہ یقینی سی بات تھی کہ آئی مین لی مارکیٹ کے کسی پبلک فون بوتھ سے بات نہیں کررہا تھا۔ سی ایس ڈی ایک مختصر سا حیرت ناک آلہ تھا جسے آسانی کے ساتھ فون لائن سے جوڑا اور الگ کیا جاسکتا تھا لیکن کوئی ہوش مند آدمی کھلے بازار میں اسے پبلک فون کے ساتھ استعمال کرنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ آئی مین نے یقینی طور پر کسی محفوظ ٹھکانے سے مجھے فون کیا تھا۔ اس کے فوری بعد امریکی نیگرو کا نظر آنا اس حقیقت کی نشاندہی کررہا تھا کہ وہ دونوں الگ الگ حیثیت کے مالک تھے۔

وہ کالا شی کے آئی مین کا مقربِ خاص ہوسکتا تھا مگر خود آئی مین نہیں تھا۔ شاید اسی نے اپنے آقا کو یہ خبر دی تھی کہ گولڈن فارمیسی کا نام نہاد مالک دکان میں موجود تھا۔ وہ اطلاع پاتے ہی آئی مین نے مجھے فون کرڈالا۔

اس کی تلاش سے مایوس ہوکر میں دوبارہ کاؤنٹر کے عقب سے ہوتا ہوا اپنے کیبن میں جا بیٹھا۔ ان مخدوش حالات میں پوشیدہ دشمن کے کھلے نشانے پر سامنے آنا مناسب نہیں تھا۔ آئی مین نے میرے اوپر جو نیا جال ڈالا تھا اس میں آئی مین کو مکمل ناکامی ہونے تک مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے جہانگیر کے روپ میں کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا مگر پھر بھی مجھے ہر اعتبار سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

میں نے گولڈن فارمیسی کے گرد انٹیلی جنس بیورو کے

کمانڈوز کی موجودگی کی پیش کش کو بہت مشکل سے ٹالا تھا۔ جلال ایک شریف النفس اور بات کا دھنی آدمی تھا۔ مجھے امید تھی کہ آپس میں ایک فیصلہ ہوجانے کے بعد وہ اس پر پوری طرح عمل کرے گا اور اس کا کوئی آدمی کسی بھی طرح فارمیسی کا رخ نہیں کرے گا۔ اسے ٹال دینے کے بعد میں نے معروضی حالات میں اول خان کی پیش کش قبول کرلی تھی۔ ایس ٹی ایف والے آزاد فضاؤں کے بے خوف شکاری پرندے تھے جو کسی خوف اور رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے جو ان کے من میں آئے، کر گزرتے ہیں۔ ان کی جسارتوں کے نتیجے میں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے یا پھر موت انہیں اپنے گلے لگالیتی ہے۔

اس وقت بھی اول خان کے دو آدمی باہر پھیلی ہوئی بھی میں موجود تھے۔ میں ان کو نہیں پہچانتا تھا مگر وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ اس مشتبہ نیگرو کا ان کی عقابی نظروں سے بچنا آسان نہیں تھا۔ بس خرابی یہ تھی کہ اس نیگرو کو میں یا سلطان شاہ نے دیکھا تھا۔ اول خان کے آدمیوں کے لیے اجنبی تھا۔ وہ لوگ اس کی مشتبہ حرکات وسکنات کی بنا پر اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔

میں سگریٹ سلگائے اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا تھا کہ اچانک جہانگیر کا فون آگیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تم سے میری بات ہوئی تھی اب تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تکلیف تو پہلے بھی تھی۔ پورا اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔" اس نے میرے لہجے کا برا منا بغیر جواب دیا۔

"تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی ہے تو یہاں آجاؤ۔ دو مل بیٹھیں گے تو وقت اچھا گزرے گا۔" میں نے تلخی کہا۔

"نہیں بابا۔۔۔ میں پاگل نہیں ہوں جو ادھر کا رخ کرو گھر پر میرا وقت بہت اچھا گزر رہا ہے۔"

"تو میں پاگل ہوں جو تمہاری جگہ سنبھالے ہوں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں! میں نے تمہیں سمجھا کوشش کی تھی مگر تم اپنے سامنے کسی کو کچھ گردانتے۔"

"یہ تمہاری عقل مندی نہیں بزدلی ہے جو تم سے نامعقول باتیں کہلوا رہی ہے۔"

"میں ایسی عقل مندی پر لعنت بھیجتا ہوں جو آدمی

کشی پر مجبور کر دے۔"

"دشمن کا سر کچلنے کے لیے آگے بڑھنے اور خود کشی کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں اسے خود کشی ہی سمجھتا ہوں جو ہمارے مذہب میں حرام ہے۔"

اس کی زبان سے مذہب کا حوالہ سن کر میں سلگ اٹھا اور جلے کٹے لہجے میں بولا "اب تمہیں مذہب یاد آیا ہے۔ مذہب میں صرف یہی ایک حرکت حرام ہے۔ دوسری حرام خوریاں تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں۔"

"بس اب تم اوچھے ذاتی حملوں پر اتر آئے۔ میں کوئی حرام خوری نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں حرام نوشی کرتا ہوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ اس نے میرے شدید ردِّ عمل کا ذرا سا بھی اثر نہیں لیا تھا۔

"تو کیا تم نے محض میرا خون جلانے کا لیے فون کیا تھا؟"

"خبریں بہت سنگین ہیں۔" اس کی آواز میں یک لخت سنجیدگی اتر آئی "ایک طویل عرصے کے بعد اخباروں کی سرخیوں میں ہیروئن کا نام چنگھاڑتا ہوا نظر آیا ہے۔ خدا خیر کرے' ایسا لگ رہا ہے جیسے گزرے ہوئے خطرناک دن دوبارہ واپس آرہے ہیں۔"

"وہ دن اب واپس نہیں آسکتے۔" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "اس وقت انہیں کھلا ہوا میدان ملا ہوا تھا۔ ان کے سارے زیرِ زمین دھندے کسی رکاوٹ یا مزاحمت کے بغیر چل رہے تھے۔ اب انہیں قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

جہانگیر کو وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں شی والوں کے لائیڈز کاٹیج کی بھیانک تصویر گھوم گئی۔ لاہور میں جی لائیڈ کی بنائی ہوئی وہ وسیع و عریض جاگیر ایک قلعے سے کم نہیں تھی جس میں مقامی قانون کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہاں صرف جی لائیڈ کی مرضی یا اس کے بنائے ہوئے قانون چلتے تھے۔

"جو شی کا نام تو جانا پہچانا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے شاید کچھ دنوں کے لیے میرے ساتھ بھی کام کیا تھا مگر یہ راجا کون ہے؟" جہانگیر فون پر پوچھ رہا تھا۔

"راجا نیا پنچھی ہے۔ اونچی اڑان کے چکر میں مارا گیا۔ آئی مین یہاں نئے اور پرانے مہروں کو یک جا کر کے اپنی نئی ٹیم بنانے کے چکر میں ہے۔"

"تو کیا ایک مرتبہ پھر ہیروئن کو پھیلانے کا کام زور پکڑ رہا ہے؟" جہانگیر کی آواز میں حیرت سمٹ آئی تھی۔

"یہ کام کبھی نہیں رکا۔ شی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تو مقامی طالع آزماؤں نے یہ کام سنبھال لیا اور تھوڑی سی افراتفری کے بعد منڈی پر قبضہ جمالیا ہوگا۔ اب شاید شی کے میدان میں اترنے کے بعد منظرنامہ ایک بار پھر بدل جائے گا۔"

"پھر تو یہ تمہارا چکر ہی نہیں ہے۔" وہ بولا "آئی مین پرانے آدمیوں کو گھیر رہا ہے۔ وہ ہر قیمت پر مجھے بھی اپنے ساتھ ملانا چاہے گا۔ میں انکار کروں گا تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔"

"اسی لیے تم گھر پر بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہاری دہری اہمیت ہے۔ ہیروئن کا فروغ اور میری سرکوبی۔" وہ تمہیں توڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ایک تیر سے دو شکار کرے گا۔ کل اس علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ میرے اندازوں کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"

"خبروں کی تفصیل پڑھ کر مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی اور میں نے بوکھلا کر تمہیں فون کر ڈالا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اس بار ان کے تیور خطرناک ہیں۔ تم بھی خاموشی سے روپوشی اختیار کرلو۔ تمہارے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ بھابی کو ساتھ لے کر خاموشی سے کسی دور افتادہ اور پر سکون ملک یا جزیرے پر جا بسو۔ تمہاری زندگی سکھ سے گزر جائے گی۔ ان خطروں سے لڑتے لڑتے تم ایک دن تھک جاؤ گے اور تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔"

"بہت سے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حالات سے سمجھوتا کر کے پہاڑ جیسی عمر گزار دیتے ہیں مگر یہ بات خمیر کی ہوتی ہے۔ میرے خمیر میں سمجھوتے نہیں ہیں۔ میں ان بزدل چوہوں سے ڈر کر اپنی زندگی تباہ نہیں کروں گا۔ ڈنکے کی چوٹ

پر یہیں رہوں گا اور انہیں پیس ڈالوں گا۔"

وہ جانتا تھا کہ مجھ سے اپنی بات نہیں منوا سکے گا مگر وہ اپنے مخلصانہ جذبات کے اظہار پر مجبور تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بد نیت یا بزدل نہیں تھا۔ میں اسے دلاسے دیتا رہا تاکہ میری طرف سے اس کی فکر مندی میں کمی آسکے پھر فون بند کر دیا۔

جہانگیر سے فون پر بات کرتے ہوئے بھی میرا ذہن مشتبہ نیگرو میں الجھا رہا تھا۔ گولڈن فاریسی کے قرب و جوار میں اس کی موجودگی خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ میرے کان اول خان کے دیئے ہوئے اپریٹس کے سگنل پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ نیگرو اپنی حرکتوں کی بنا پر ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ سے رابطہ کر کے اس کے بارے میں کوئی اطلاع دے سکتے تھے۔

مجھے بہت زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اپریٹس پر کال کا سگنل آتے ہی میں نے اسے آن کیا تو دوسری طرف سے اول خان میری تلاش میں تھا۔

میں نے تحیر زدہ آواز میں اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اس وقت سادہ لباس میں فاریسی کے قریب موجود تھا اور مجھ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ وہ اول خان کی خواہش تھی جسے رد کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے کسی اونچ نیچ کی پروا کیے بغیر اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دے دی۔

اس غیر متوقع پیغام پر میرا ذہن الجھ گیا۔ کسی پروگرام کے بغیر اول خان کیوں موجود تھا۔ وہ کیا کرتا پھر رہا تھا۔ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ یہ سب ایسے سوالات تھے جن کے جواب وہی دے سکتا تھا۔

میں نے اول خان کے بارے میں ہدایت دینے کے لیے منیر کو آواز دی تھی کہ دکان کے دروازے سے اول خان اندر داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔

کیبن کی دیواریں تاریک شیشوں پر مشتمل تھیں۔ میں آرام سے بیٹھ کر پوری دکان کا جائزہ لے سکتا تھا لیکن باہر والوں کو کیبن میں میری موجودگی کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے شیشے کے پار اول خان کی جھلک دیکھتے ہی منیر کو اشارہ کیا اور وہ میرے ایما پر اول خان کو ادب سے کیبن میں لے آیا۔

میں نے اپنی نشست سے اٹھ کر تحیر آمیز مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"ویری گڈ!" اول خان نے ستائشی نظروں سے مختصر مگر آراستہ کیبن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اب مجھے اطمینان ہوا کہ یہاں تمہیں بیٹھنے کے لیے ایک قدرے محفوظ گوشہ میسر ہے۔ یہاں سے تم ہر آنے جانے والے پر نظر رکھ سکتے ہو۔ اس کالے کو بھی تم نے یہیں سے دیکھا ہوگا۔"

"تم بھول رہے ہو۔" میں نے اسے بٹھانے کے بعد خود بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں پوری کہانی سنائی تھی۔ اس سے میری روبرو ملاقات ہوئی تھی۔"

"وہ مجھے یاد ہے۔" اس نے ہنس کر بات سنبھالتے ہوئے جواب دیا "میرا مطلب تھا کہ پہلے تم نے یہیں سے اسے تاکا ہوگا پھر باہر جا کر اس کا امتحان لیا ہوگا۔"

"وہ آیا تو میں کیش پر بیٹھا ہوا تھا۔" میں نے نرمی سے کہا "آج میرا کاؤنٹر پر بیٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تمہارے لیے کاؤنٹر پر بیٹھنا بہت غیر محفوظ ہے۔ یہ درست ہے کہ تم یہاں جہانگیر کے روپ میں بیٹھے ہوئے ہو مگر وہاں ہر آنے جانے والا تمہارا چہرہ ذہن نشین کر سکتا ہے۔ آگے چل کر یہ بات تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"باہر تمہارے آدمی کیا کر رہے ہیں؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"دونوں اپنی جگہ مستعد ہیں اور ابھی تک ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟"

"فرصت تھی۔ ڈرائیو کرتا ہوا ادھر نکل آیا تاکہ گولڈن فاریسی کے درشن کر سکوں۔ آدمیوں سے خیریت کی رپورٹ ملی تو سوچا کہ لگے ہاتھوں تم سے بھی ملتا چلوں۔ تمہاری طرف سے گرین سگنل نہ ملتا تو میں واپس چلا جاتا۔"

"کچھ دیر پہلے مجھے باہر اسی نیگرو کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد اسے آگاہ کیا "پھر میری نگاہیں اسے تلاش کرتی رہ گئیں لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آج وہ اپنی مغربی وضع میں تھا۔ تمہارے آدمی اسے نہیں پہچان سکے ہوں گے۔"

وہ انکشاف سن کر اول خان مضطرب ہوگیا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نیگرو کے بارے میں، میں نے اپنے آدمیوں کو بہت اچھی طرح بریف کیا تھا۔ وہ کسی بھی حلیے میں ان کے سامنے سے گزرتا تو وہ اسے پہچان لیتے۔ تم نے بتایا کہ تم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہو۔"

"مجھے اپنی نگاہوں پر پورا اعتماد ہے۔ وہ مغالطہ نہیں،

حقیقت تھی۔" میں نے اصرار کیا۔
"مگر وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "وہ کل ہی یہاں پٹا تھا۔ وہ اتنی جلدی ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"
"وہ دکان میں میری آمد نوٹ کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنا کام کرلیا تھا۔ اس کے بعد وہ یہیں کہیں موجود تھا۔"
"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ تمہاری نگرانی کر رہا تھا۔؟"
میں نے اسے آئی مین کے فون کے بارے میں بتایا تو وہ حیرت سے اچھل پڑا "تمہارا مطلب ہے کہ اس آئی مین نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دکان میں آتے دیکھا اور پھر کسی قریبی بوتھ سے دکان کا نمبر گھما دیا۔"
"تمہارا سوال بہت سطحی ہے۔ پوری بات سنے بغیر تم کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"تم نے سنسنی خیز خبر سنائی ہے۔ مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔" آئی مین سے میری براہِ راست گفتگو کے بارے میں سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔
میں نے پورے تسلسل کے ساتھ اسے تفصیلات سنانی شروع کر دیں۔
وہ آئی مین سے میری پہلی گفتگو نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی اس سے بات کر چکا تھا مگر وہ روپ کوئی اور تھا۔ راجا سے تشدد کے ذریعے آئی مین کا نمبر حاصل کرنے کے بعد ہم نے بہت تیزی سے اس پر کام کیا تھا۔
اول خان نے موبائل فون کمپنی سے تصدیق کی تھی کہ راجا کے ہاتھوں ٹوٹنے والے فون سے آئی مین کو آخری کال اسی نمبر پر کی گئی تھی اور پھر میں نے ماجد یمنی کا نام استعمال کر کے اس سے فون پر بات کی تھی۔ وہ گفتگو خاصی معنی خیز اور ڈرامائی رہی تھی۔ وہ امریکا کے بین الاقوامی نیٹ ورک کا ایک اہم مہرہ تھا اس لیے ماجد یمنی کا نام اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ میں نے اسے اپنے دام میں لانے کے لیے دو پانسے پھینکے تھے۔ اسے ڈینی کا سراغ بتانے کی کوشش کی تھی اور ایک مرے ہوئے فرضی آئی مین کی سلور آئی بیچنے کا عندیہ دیا تھا۔ اس کے لیے وہ دونوں سودے بہت پرکشش تھے مگر وہ حد سے زیادہ محتاط آدمی تھا۔ میری ایک بات سے اسے شبہ ہو گیا کہ میں اس کے فون نمبر کے ذریعے اس کی کمین گاہ کا پتا چلا چکا تھا۔ اس سے بات بنتے بنتے بگڑنے لگی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے آنے سے گریزاں تھے مگر آخر میں یہ طے ہوا کہ میں اگلے دن اسے فون کروں گا اور مل بیٹھنے کا کوئی ایسا محفوظ طریقہ طے کر لیا جائے گا جو دونوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔
اس فون نمبر پر آئی مین کی موجودگی کا یقین ہو جانے کے بعد معاملے کو طول دینا وقت کی بربادی ہوتا۔ میں نے فوری طور پر اس کے گھر پر حملہ کرنے اور اسے پکڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم بی باون پہنچے تو مقفل مکان ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ آئی مین ہماری توقع سے زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے وہ ٹھکانا چھوڑ دیا تھا اور جاتے جاتے اس شخص کو بھی مار ڈالا تھا جس نے اسٹیٹ ایجنسی کی معرفت وہ مکان کرائے پر لیا تھا۔
وہ پوری کہانی اول خان کے ذہن میں تازہ تھی۔ اب آئی مین نے مجھے جہانگیر سمجھ کر فون کیا تھا۔ اول خان نے میری گفتگو میں کہیں دخل نہیں دیا۔ اپنے تجسس پر قابو رکھ کر خاموشی سے ساری تفصیل سنتا رہا۔ میری بات مکمل ہوتے ہی اس نے کہا "پہلے تم نے ماجد یمنی بن کر اس سے بات کی تھی۔ کیا وہ آج فون پر تمہاری آواز سن کر شبہے میں نہیں پڑ گیا ہوگا؟"
"تم بھول رہے ہو کہ میں نے ماجد یمنی کے روپ میں آواز بدل کر اس سے بات کی تھی۔ میں اس معاملے میں بہت محتاط رہتا ہوں۔ آج بھی میں چوکنا ہو گیا تھا۔ منیر نے یہ بتا کر کہ کوئی فون پر انگریزی بول رہا ہے' مجھے ہوشیار کر دیا تھا۔ میں نے اپنی اصل آواز تبدیل کر لی تھی۔"
"یہ بہت بڑی پیش رفت ہے۔ تم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور وہ تمہارے فراق میں ہے۔ اس نے تم سے دوسری تمام باتیں دھوکا دینے کے لیے کی ہیں ورنہ وہ جہانگیر کو آلہ کار بنا کر تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنا چاہ رہا ہے۔"
"ہاں' اس نے اس معاملے کو ضمنی بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسے یہ یقین ہو گیا ہے کہ مجھے جہانگیر سے ذاتی پرخاش ہے۔"
"پھر بھی اس کی دیدہ دلیری حیرت ناک ہے۔ کل اس کا ایک آدمی اس علاقے میں سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹا ہے اور آج اس نے ڈھٹائی سے تمہیں فون کر ڈالا۔"
"میری طرح وہ بھی بے صبرا ہے۔ وقت کی بربادی میں یقین نہیں رکھتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اب ایک بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ نیگرو آئی مین نہیں بلکہ اس کا کوئی خاص آدمی تھا۔" اول خان نے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"اس نیگرو نے بیم گن استعمال کر کے مجھے سنگین مغالطے میں ڈال دیا تھا۔ آئی مین کے فون کے بعد میں نے خود اس کالے کی ایک جھلک نہ دیکھی ہوتی تو ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتا۔ اب آئی مین کے علاوہ وہ کالا بھی ہماری نظروں میں آگیا ہے۔"

"آئی مین نے تم سے دکان میں کالے کی آمد کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"میں توقع کر رہا تھا کہ وہ مجھے مرعوب کرنے کے لیے دکان میں اپنے کسی آدمی کی آمد کا حوالہ دے گا مگر اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ میری حیرانی کے لیے اس نے اسی ایک نکتے کو کافی سمجھا ہوگا کہ اس نے ایسے وقت پر فون کیا جب میں فاریسی میں موجود تھا۔"

"اس نے نیگرو کی آمد کا ذکر کیا نہ اس کے جھگڑے کے بارے میں کچھ کہا۔ ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سلطان شاہ اور کالے کے تصادم کو اس نے ایک الگ تھلگ اور اتفاقی واقعہ سمجھ لیا ہے۔ ان دونوں کڑیوں کو یکجا کر لینے کے بعد اس کا رویہ مفاہمانہ نہیں رہ سکتا تھا۔"

"ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مار کھا کر خود کو فاتح سمجھتا رہے۔"

"یہ بتاؤ کہ آج وہ نیگرو کیسا لگ رہا تھا؟" اول خان نے قدرے توقف کے بعد چونک کر پوچھا۔

میں اول خان کے اس سوال کا سبب سمجھ گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم یقین کر لو کہ میں کسی فریب نظر کا شکار نہیں ہوا۔ میں نے اسی کو دیکھا تھا۔ وہ کل سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹا تھا اس لیے اس کے چہرے پر کہیں کہیں ورم آیا ہوا تھا۔ اگر فاصلہ زیادہ نہ ہوتا تو شاید مجھے اس کے چہرے پر پڑے ہوئے نیل بھی نظر آجاتے۔"

"نیل آج کل زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتے۔ تم فاریسی چلا رہے ہو تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بازار میں آج کل ایسے اسپرے آئے ہوئے ہیں جو تیزی سے جلد میں سرایت کر کے باریک شریانوں میں جمے ہوئے خون کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ سوجن اپنے وقت سے ختم ہوتی ہے۔ اگر تم نے اس کا سوجا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے پہچانا تھا تو پھر بات ختم ہو جاتی ہے۔ وہ وہی نیگرو رہا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ وہ حرام زادہ کہاں غائب ہو گیا۔"

"تم اس کے بارے میں بار بار سوال کیوں کر رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"وہ اس علاقے میں ہے تو تفریح کرنے نہیں آیا ہوگا۔ اس کی دلچسپی اس دکان پر مرکوز ہے۔ تم ذرا سی دیر کے لیے دروازے پر گئے اور تم نے اسے دیکھ لیا۔ سوال یہ ہے کہ میرے آدمی اسے کیوں نہیں دیکھ سکے۔ وہ مسلسل تمہاری دکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"میری نہیں یہ جہانگیر کی دکان ہے۔" میں نے بے ساختہ اس کی تصحیح کی "بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی مغالطے میں پڑ جاتا ہے۔ جو کچھ سامنے آتا ہے وہ نظر نہیں آتا۔ کل وہ کسی حد تک مشکوک حلیے میں تھا۔ آج مجروح چہرے کے باوجود معزز بنا ہوا تھا۔ تمہارے آدمیوں نے اس پر دھیان نہیں دیا ہوگا۔"

"میرے آدمیوں نے اسے سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ تم سے سنے ہوئے حلیے کے مطابق میں نے انہیں بریف کیا تھا۔"

"تم نے مجھ سے سنا۔ انہوں نے تم سے سنا۔ یہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ والی بات ہوئی ہے۔ سنی سنائی باتیں کبھی چشم دید واقعے یا چیز جیسی نہیں ہوتیں۔ تمہاری بتائی ہوئی تفصیلات میں یقینی طور پر کوئی خاص بات رہ گئی ہوگی جس کی وجہ سے تمہارے آدمی اسے نہیں پہچان سکے۔"

"میں خود ایک چکر لگا کر دیکھتا ہوں۔ شاید میں اس خبیث کو پہچان لوں۔" اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا "اس کا کام پورا ہو چکا۔ اب تک وہ واپس جا چکا ہوگا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد وہ نیگرو آئی مین نہیں ہے' وہ ہمارا ہدف نہیں رہا۔ ہمیں براہِ راست آئی مین پر ہاتھ ڈالنا ہے۔"

"ہاں ۔۔۔ آں!" اس نے پرخیال انداز میں سرہلا کر کہا "نیگرو کے ساتھ آج پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آئی مین بدک سکتا ہے۔ اس کے ساتھ تمہارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ ابھی امید ہے کہ وہ جہانگیر کو رام کرنے کے لیے تمہارے جال میں پھنس سکتا ہے۔"

"اس سے چھیڑ چھاڑ کام بگاڑ دے گی لیکن اس کا پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا ضرور چلایا جا سکتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ وہ آئی مین کے اعتماد کا آدمی ہے۔"

"اعتماد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آئی مین نے اپنی بیم گن اسے دی ہوئی تھی۔ ویرا نے کسی وقت بتایا تھا کہ ۔۔۔ میں سلور آئی اور بیم گن آئی مین کے دو اعزاز ہوتے ہیں۔ وہ کسی قیمت پر اپنی یہ دونوں نشانیاں کسی اور کو نہیں دیتے۔"

میں نے سرہلا کر اس کی تائید کی اور کہا "آئی مین کھٹکنے سے بھڑکنے والا محتاط ترین آدمی ہے۔ نیگرو کتنا

چالاک کیوں نہ ہو' اتنا محتاط نہیں ہو سکتا۔ اس کا ٹھکانا معلوم ہو جائے تو ہم اندھیروں میں بھٹکنے سے بچ جائیں گے اور مناسب موقع آنے پر کوئی بڑی کارروائی کر سکیں گے۔"

"کیوں نہ اس کے بجائے آئی مین پر توجہ مرکوز رکھی جائے؟" وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں تم سے رابطہ کرے گا۔ میں تمہارے فون پر آبزرویشن لگوائے دیتا ہوں۔ اس کا فون نمبر ریکارڈ پر آنے کی بعد اس کا پتا معلوم کرنا بہت آسان ہو گا۔"

"آبزرویشن سے بات نہیں بنے گی۔" اس کی تجویز سن کر میں نے سنجیدگی سے کہا "کھلی کھلی باتوں پر میں نے اپنا خوف ظاہر کیا تو اس نے بتایا کہ اس کے فون پر سی ایس ڈی لگی ہوئی ہے۔ پتا نہیں وہ جادوئی آلہ اسے کہاں سے مل گیا۔ تم جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کی موجودگی میں لائن پر کوئی تیسرا سرکٹ کام نہیں کرے گا۔"

اول خان کا منہ لٹک گیا "ابھی تک تمہارے سوا کسی اور کے پاس سی ایس ڈی کی موجودگی کا ثبوت نہیں ملا تھا۔ اب تم نے یہ خبر سنائی ہے ہو سکتا ہے کہ را والوں نے ہی آئی مین کو وہ تحفہ دیا ہو تاکہ وہ کراچی میں زیادہ آزادی کے ساتھ اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھ سکے۔"

"میں حیران ہوں کہ سی ایس ڈی ایک مدت سے را والوں کے استعمال میں ہے۔" میں نے تعجب سے کہا "یہ میں نے امریکا میں بدری ناتھ سے حاصل کی تھی۔ سی آئی اے والے ابھی تک اس سے محروم ہیں حالانکہ وہ جدید ترین ایجادات کے استعمال میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔"

"سی ایس ڈی جاپان کی ریڈ آرمی کی ایجاد ہے۔ وہ ایسی خوف ناک زیر زمین تنظیم ہے کہ اس کے عام کارکنوں تک بھی رسائی محال ہے۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ را والوں کا ان سے سودا ہو گیا۔ سی آئی اے والے بھی کسی نہ کسی تگ و دو میں لگے ہوئے ہوں گے۔"

"اب ہماری کامیابی کا دارومدار آئی مین کی کسی غلطی پر ہے۔ وہ مجھ سے دوبارہ رجوع کرے گا تو بات آگے بڑھے گی۔"

"اس عورت کا بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا جس نے بی باون میں فون اٹھانے کے بعد تم سے جرح کی تھی۔" اول خان نے مایوسی سے کہا۔

"خواب گاہ میں کسی شوقین عورت کی موجودگی کے آثار پائے گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آئی مین کی کوئی گرل فرینڈ ہے جسے وہ اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے اور ضرورت کے وقت اس سے اپنی سیکریٹری کا کام لیتا ہے۔ عورتیں عموماً مجرموں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ ابھی ابتدا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آئی مین سے پہلے وہ عورت یا لڑکی ہی ہمارے سامنے آجائے اور ہم اسے اپنی کامیابی کے زینے کے طور پر استعمال کر سکیں۔"

"اس دکان میں محبوس ہو کر تم میزبانی کے آداب بھول گئے ہو۔ کیا چائے نہیں پلاؤ گے؟" اول خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی منگواتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"بیٹھے رہو۔" اول خان نے مضطرب ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا "مجھے ایسی چائے درکار نہیں ہے جس کے لیے تمہیں جانا پڑے۔"

"یہ بازار میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "مجھے نہیں پتا کہ چائے کہاں سے آئے گی۔ یہ کام کوئی آدمی کرے گا۔ میں ذرا باہر کا چکر لگا کر آتا ہوں۔"

"باہر تمہیں کیا کام ہے؟" اول خان نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دل کی ایک خلش دور کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نیگرو کہیں نظر آجائے۔"

"نظر آ بھی گیا تو تم کیا کر لو گے؟ وہ تمہیں پہچان لے گا۔ تم اس کا پیچھا نہیں کر سکتے۔ ابھی ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ آئی مین کو گھیرنے کے لیے فی الحال نیگرو کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ اس علاقے میں اس کو دوبارہ ذرا سی زک پہنچی تو آئی مین پچھلے واقعے کو بھی اسی سے ملا لے گا۔"

"میرا کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں نے کہا نا کہ میں اپنے دل کی خلش دور کرنا چاہ رہا ہوں۔"

اول خان نے بادل نخواستہ میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تم بہت ضدی آدمی ہو۔ تمہاری بعض باتیں میری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔"

میں نے منیر کو دو پیالی چائے منگوانے کی ہدایت کی اور دکان سے نکلتا چلا گیا۔ باہر آکر میں غیر ارادی طور پر اسی سمت میں چل دیا جدھر میں نے نیگرو کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ راہ گیروں کی بھیڑ میں سے عام انداز میں گزرتے ہوئے میری نظریں ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کافی دور تک نکل جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میری وہ کوشش بے سود تھی۔ اول خان کا یہ اندیشہ درست تھا کہ اگر وہ کہیں موجود بھی تھا تو مجھے پہچانتے ہی کسی گوشے میں چھپ جاتا۔

واپسی میں دکان کے آگے سے گزر کر دوسری سمت میں جانے کا ارادہ میں نے ترک کردیا۔

میں دکان میں داخل ہو کر کیبن میں پہنچا تو چائے کی ٹرے میز پر موجود تھی اور اول خان میرے موبائل فون سے کھیل رہا تھا۔

"موبائل فون پر تمہارے لیے کال آئی تھی۔ پانچ گھنٹیوں کے بعد فون بند ہوگیا۔ میں نے کال وصول کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔"

میں نے فون اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو ڈسپلے اسکرین پر آنے والی کال کا اجنبی نمبر موجود تھا۔ وہ کسی موبائل فون کا نہیں، عام فون کا نمبر تھا۔

یہ بہت بڑی سہولت ہے کہ موبائل فون پر گھنٹی بجتے ہی یہ پتا چل جاتا تھا کہ کس نمبر سے فون آرہا ہے۔ اس وقت تک عام فون پر سی ایل آئی کی سہولت میسر نہیں تھی۔ نمبر کا سراغ لگانے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ ایکس چینج میں اپنے فون پر چند گھنٹوں یا چند دنوں کے لیے آبزرویشن لگوالیا جائے۔ اول خان نے آئی مین کو فون نمبر کا سراغ لگانے کے لیے وہی تجویز پیش کی تھی جس پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔

آئی مین کے فون پر سی ایس ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کی موجودگی میں آبزرویشن کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ آئی مین گولڈن فارمیسی کے پتے اور فون نمبر سے ازخود واقف ہوچکا تھا۔ اگر میں اسے ہمہ وقتی رابطے کے لیے اپنا موبائل فون نمبر دے دیتا تو شاید وہ آسانی سے گھیرا جاسکتا تھا۔ وہ جوں ہی موبائل فون پر رابطہ کرتا، اس کا فون نمبر میرے علم میں آجاتا، اس کی مدد سے آئی مین کی کمین گاہ تک پہنچا جاسکتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ موبائل فون کے جدید ترین مواصلاتی نظام میں کسی تیسرے سرکٹ کے بغیر نمبر بتانے کا کوئی ایسا خود کار طریقہ موجود تھا کہ سی ایس ڈی کے ذریعے لائن بند نہ ہوتی۔ وہ خیال ذہن میں پیدا ہوتے ہی میں نے گھر کا نمبر ملالیا جہاں فون کے ساتھ سی ایس ڈی منسلک تھی۔

آئی مین پر وہ حربہ آزمانے سے پہلے اس کا تجربہ کرنا ہر لحاظ سے بہتر تھا۔

دوسری طرف سے ویرا نے میری کال کا جواب دیا اور میری آواز سنتے ہی چہکنے لگی۔ "تم بہت فرض شناس دکان دار ثابت ہو رہے ہو۔ آج بھی وقت سے گئے ہو۔ میری مانو تو تم بھی سارے چکروں کو چھوڑ کر میڈیکل یا جنرل اسٹور کھول لو۔ ایمانداری سے خوب کماؤ گے اور وقت بھی آسانی سے گزرے گا۔"

"اپنے یہ سنہرے مشورے اپنے ہونے والے شوہر کے لیے محفوظ رکھو اور میری بات غور سے سنو....."

ویرا نے تنک کر میری بات کاٹ دی "یہ کیا بیہودگی ہے۔ ابھی ابھی غزالہ مجھے شادی کے فائدوں پر لیکچر دے رہی تھی۔ اب تم وہی بولی بول رہے ہو۔"

"سمجھ دار لوگ ہمیشہ یکساں اور سود مند مشورے دیتے ہیں۔"

"دیتے ہوں گے مگر میں ایسی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ ذرا تم سی ایس ڈی آن کر کے میرے موبائل کا نمبر ملاؤ۔"

"سی ایس ڈی اس وقت بھی آن ہے۔ تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟"

"دکان میں ہی ہوں۔" میں نے خود پر ضبط کر کے اسے ٹیڑھا جواب دینے سے گریز کیا۔ "اور ایک تجربہ کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"جب تک تجربے کے بارے میں نہیں بتاؤ گے، میں فون نہیں کروں گی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ مجھے فون کرو۔" میں نے غرا کر فون بند کردیا۔

اول خان کڑک اور خوشبودار چائے تیار کر چکا تھا۔ میں نے پیالی سے پہلا گھونٹ لیا تو مجھے یقین تھا کہ کسی بھی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھے گی۔ ہم دھیرے دھیرے چائے پیتے رہے۔ وقت گزرتا رہا لیکن میرے موبائل فون کی گھنٹی نہیں بجی۔

"ویرا کے دماغ پر کبھی کبھی بے مقصد ضد سوار ہوجاتی ہے۔ وہ فون نہیں کرے گی۔ تم کسی اور سے کہو۔" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد اول خان بولنے پر مجبور ہوگیا۔

مجھے ویرا پر پہلے ہی تاؤ آرہا تھا۔ اول خان کے تبصرے نے ان انگاروں کو دہکا دیا۔ میں نے خالی پیالی رکھ کر فون کے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبانے سے پہلے اسکرین پر اپنے گھر کا نمبر دیکھ لیا تھا۔

"میں مسلسل کوشش کر رہی تھی۔" میرے کان میں ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی "سی ایس ڈی آن کر کے تمہارا نمبر نہیں ملا۔ آخری ہندسہ ڈائل کرتے ہی سی ایس ڈی کا بزر بولنے لگتا ہے اور لائن ملنے سے پہلے کٹ جاتی ہے اور ایکسچینج

ٹون سنائی دینے لگتی ہے۔"
"پھر اب کیسے مل گئی؟" میں نے غصے کی رو میں پوچھا۔
"مجھے معلوم تھا کہ تم فون کے انتظار میں کھول رہے ہوگے۔ مجبور ہو کر میں نے سی ایس ڈی آف کر کے تمہارا نمبر ملایا ہے۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ ویرا ضدی اور ہٹ دھرم ضرور تھی مگر وقت اور موقع کی نزاکت کو پوری طرح سمجھتی تھی۔
"تمہارے اس تجربے سے میرا خدشہ درست ثابت ہوا ہے۔" میں نے اس کا تجسس دور کرنے کی نیت سے کہا "سی ایس ڈی ہر طرح فول پروف ہے۔ اسے استعمال کر کے آدمی اپنا نمبر پوری طرح محفوظ رکھ سکتا ہے۔"
"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم کو پہلے سے معلوم تھی۔"
"تم نے ابھی تک موبائل فون باقاعدگی سے استعمال نہیں کیا اس لیے تمہیں یہ باریکی نہیں معلوم ہو سکی۔ سی ایس ڈی آن کر کے کسی سے موبائل فون پر رابطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر فون کرنے والے کا نمبر آجاتا ہے۔ چاہو تو بات کرو ورنہ گھنٹی بجنے دو۔"
"لیکن تمہیں اس تجربے اور تصدیق کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟" ویرا کی آواز میں حیرت تھی۔
"مجبوری ہے کیونکہ آئی مین سی ایس ڈی استعمال کر رہا ہے۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔
ویرا میرے جواب پر شاید چونک پڑی "تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"
"اس نے خود بتایا تھا۔" میں نے دانستہ اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"خود بتایا تھا!" ویرا کی تحیر زدہ آواز ابھری "کیا وہ کالا دوبارہ تمہاری طرف آیا تھا۔"
"کالا آئی مین کا ہرکارہ ہے۔ وہ خود پردے میں چھپا ہوا ہے۔ اس وقت میرے کان نہ کھاؤ۔ گھر آؤں گا تو سب بتادوں گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔
"میں اتنی دیر سے خاموش تھا مگر تمہارے تماشے دیکھ رہا تھا۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "شاید تم آئی مین کو اپنا موبائل نمبر دینا چاہ رہے تھے۔"
"اب اس کا کوئی فائدہ نہیں، تجربہ ہر کامیابی کی نفی کر رہا ہے۔" مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے محض اپنے مشاہدے سے پوری بات سمجھ لی تھی۔
"سی آئی اے اور را والے اس وقت غیر معمولی طور پر خاموش ہیں۔" اول خان نے قدرے خاموشی کے بعد کہا "بھاری جانی اور جسمانی نقصان سے وہ پریشان ہو گئے ہیں۔ ان کے زیر زمین چلے جانے اور آئی مین کے ضرورت سے زیادہ فعال ہونے سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس وقت اپنی تمام سرگرمیوں کو پسِ پشت ڈال کر تمہاری ذات کو اپنا ہدف بنا لیا ہے۔ آئی مین نے یکایک اپنی پوری توجہ تم پر مرکوز کر دی ہے۔"
"یہ ان کی حکمتِ عملی ہو سکتی ہے۔ ہمارے سارے اہداف بدستور برقرار ہیں۔"
"دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہو تو تم کسے اپنا ہدف بناؤ گے۔" اس نے پوچھا۔
"یہ نہ سوچو کہ اس وقت ہمارا مقابلہ صرف آئی مین سے ہے۔ راجا پولیس کی کڑی بازپرس سے گزر رہا ہوگا۔ چوپڑا براہِ راست آئی بی والوں کی تحویل میں ہے۔ ونود کراچی آچکا ہے۔ جلال کے آدمی اس کے خلاف بھی کوئی نہ کوئی منصوبہ بنا رہے ہوں گے۔"
"میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت پیش کی "جو لوگ ہمارے ہاتھوں سے نکل کر پولیس اور آئی بی کی تحویل میں چلے گئے ان پر قانون لاگو ہوگا۔ اب وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں۔"
"ابھی صرف ابتدائی خبریں آئی ہیں۔ ان کے اعترافات بہت سے راز کھول دیں گے۔ یہ بھی نہ بھولو کہ آج کل امریکی سفارت کاروں کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے انہوں نے امریکی کمانڈوز تعینات کیے ہوئے ہیں۔ ان گورے کمانڈوز کو دہشت گردی سے کون بچائے گا۔"
اول خان ہنس پڑا اور میری بتائی ہوئی صورت احوال سے محفوظ ہوتے ہوئے بولا "جلال نے رات کو ہی بتایا تھا کہ امریکی اس وقت اپنے سایوں تک سے ڈرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی مدد کے لیے حکومت پاکستان سے رجوع کیا ہے اور یوں رضاکارانہ طور پر ہماری کڑی نگرانی میں آگئے ہیں۔"
"ہم پولیس، آئی بی اور دوسری سرکاری ایجنسیوں سے الگ نہیں ہیں۔ سب مل جل کر ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمارا کام دہشت گردی نہیں ہے۔ ہم اس کے انسداد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمارے دشمن اگر مخبری اور جاسوسی کے کاموں تک محدود رہیں تو شاید کبھی خون ریزی کی نوبت نہ آئے۔ امریکا اور برطانیہ کے جاسوس ایک دوسرے کے ملکوں میں پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ ایک مدت

گزر گئی لیکن ان کے درمیان کوئی تنازع کھڑا ہوا نہ مار دھاڑ کی نوبت آئی۔"

"امریکا اور برطانیہ جو کچھ کرتے ہیں، صرف اپنی سلامتی اور تحفظ کے لیے کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ملکوں میں دخل انداز نہیں ہوتے۔ یہاں سارا چکر یہ ہے کہ ہمارے دشمن ہمیں برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ یہاں سازشیں کر رہے ہیں۔ سرکشی اور فتنوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں، منشیات فروشی کر رہے ہیں، غیر قانونی طور پر مہلک ہتھیار لا رہے ہیں۔" اول خان نے میری بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ان کی حرکتوں سے کوئی بے ضمیر پاکستانی ہی چشم پوشی کر سکتا ہے۔"

اپنی بات پوری کر کے اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں کسی پروگرام کے بغیر ادھر آ گیا تھا۔ اب چلتا ہوں۔"

"رات کو گھر آؤ گے؟" میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وعدہ نہیں کرتا۔ موقع ملا تو ضرور آؤں گا۔" وہ مجھ سے کیبن ہی سے رخصت ہو گیا۔ اسے چھوڑنے کے لیے میرا باہر تک آنا احتیاط کے منافی تھا۔

اول خان کو روانہ کرنے کے بعد وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دوپہر کو بھوک محسوس ہوئی تو میں نے منیر سے مشورہ کر کے ایک قریبی ہوٹل سے لذیذ کھانا کھایا اور شکم سیر ہونے کے بعد کیبن ہی میں پڑے ہوئے دیوان پر دراز ہو گیا۔

میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ ذہن میں خیالات، امیدوں اور وسوسوں کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں آنکھیں موندے ہوئے تھا کہ کیبن کے دروازے پر ہلکی سی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے دیکھا کہ مجھے سوتا ہوا سمجھ کر منیر دروازے سے واپس جا رہا تھا، میں نے آواز دے کر اسے بلایا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آ گیا اور جھجکتے ہوئے بولا "صاحب! آپ آرام کریں۔ میں ایسے ہی آ گیا تھا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ مندے کا وقت تھا۔ دکان داری صبح اور شام کو چلتی تھی جب اسپتال اور مطب آباد ہوتے تھے۔ دوپہر میں بس اِکّا دُکّا گاہک آتے تھے جن کو نمٹانے کے لیے ایک آدمی بھی کافی تھا۔ شاید منیر اسی فرصت سے فائدہ اٹھا کر کچھ باتیں کرنے کے لیے میرے پاس آیا تھا لیکن غلط فہمی کی وجہ سے واپس لوٹ رہا تھا۔

"میں آرام نہیں کر رہا۔ لیٹا ہوا کچھ سوچ رہا ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے؟"

"نن ... نہیں، بس ایسے ہی آ گیا تھا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اسی طرف کروٹ لے لی۔

وہ اس کے مالک کی کرسی تھی۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آئے لیکن جب اس نے میرے چہرے کی سختی دیکھی تو جھجکتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ کیا بات ہے۔" میں نے اس کے چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب! مجھے کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ صاحب نے فون پر اتنا بتایا تھا کہ وہ چند دنوں تک دکان پر نہیں آئیں گے۔ ان کی جگہ آپ بیٹھیں گے۔ ہم کو آپ کے ساتھ پورا تعاون کرنے کا حکم ملا تھا جو ہم کر رہے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا تو میں نے اسے ٹوکا "تمہیں یہاں کے بارے میں کیا پتا نہیں؟"

اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے جواب دینے کے بجائے سوال کیا "صاحب! آپ کو ہم دونوں سے کوئی شکایت تو نہیں ہے نا؟"

"اب تک نہیں تھی لیکن اس وقت تم جیسی الجھی الجھی باتیں کر رہے ہو اس کے بعد شکایت ضرور پیدا ہو جائے گی۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں کھانا کھانے کے لیے باہر گیا تھا تو ایک چمکتی ہوئی گاڑی میں بیٹھی ہوئی عورت نے مجھے بلا کر پوچھ گچھ کی تھی اور یہ روپے دیے تھے!" اس نے اپنی جیب سے ہزار روپے کے دو نوٹ نکال کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میری طرف بڑھا دیے۔

میں اچھل کر دیوان پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "وہ عورت تم سے کیا پوچھ رہی تھی۔" میں نے نوٹوں پر دھیان دیے بغیر بے چینی سے پوچھا۔

"میں بے قصور ہوں۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا "اس کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اس نے مجھے رشوت دی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ تمہارے صاحب اپنے گھر کب واپس جاتے ہیں۔"

میرا دورانِ خون یک بہ یک تیز ہو گیا اور دل کی دھڑکنیں اپنی کنپٹیوں میں سنائی دینے لگیں۔ اس کے رک رک کر بولنے سے میں خلجان میں مبتلا ہو رہا تھا۔ میں نے دانت پیس کر نیم ہذیانی انداز میں اسے ڈانٹا "تمہاری زبان

کیوں اینٹھ رہی ہے۔ جلدی پوری بات بتاؤ۔"
میں منیر کا مزاج آشنا نہیں تھا۔ اضطرار کے عالم میں' میں نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا مگر اسی لمحے یہ خوف میری رگوں میں تیر گیا کہ کہیں وہ میری برہمی سے خوف زدہ ہو کر جھوٹ بولنا نہ شروع کر دے۔ میں نے کسی توقف کے بغیر' اپنی سخت کلامی کا مداوا کرتے ہوئے' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "تم کو بلا وجہ ڈرنے یا جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ اب مجھے ایک سانس میں پوری بات بتا ڈالو۔"
"اس کے سوال پر میں چکرا گیا کہ وہ کس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ آپ کے یا جہانگیر صاحب کے بارے میں۔ ب.... بات یہ ہے کہ میرے صاحب کے پاس کئی عورتیں آتی رہتی ہیں جن کو کیبن میں بٹھا کر وہ باتیں کرتے ہیں اور انہیں پیسے بھی دیتے ہیں مگر کار والی عورت ان میں سے نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ آپ کی ملنے والی ہوگی۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ صاحب کا اپنی گھر والی سے جھگڑا ہے وہ دیر سے گھر جاتے ہیں۔" نیچی آواز میں وہ روداد سناتے ہوئے اس نے میرے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیاتے ہوئے بولا "صاحب! اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس جو دماغ میں آیا' بول دیا۔ میں اس جھوٹ پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"
اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی کہ اس عورت کی چلائی ہوئی گولی میرے کان پر سے نکل گئی تھی۔ منیر پورے پس منظر سے واقف نہیں تھا۔ اگر وہ عورت کو جہانگیر کی دوست سمجھ کر اس سے یہ کہہ دیتا کہ اس کا صاحب ان دنوں گھر پر آرام کر رہا ہے' اس کی جگہ اس کا دوست دکان کی دیکھ بھال کر رہا ہے تو میرے لیے اسی لمحے تباہی کا آغاز ہو سکتا تھا۔ وہ اجنبی عورت یقینی طور پر میرے دشمنوں سے تعلق رکھتی تھی اور میرے بارے میں گہری چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ گولڈن فارمیسی میں دو ملازم کام کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے نظر آتے ہی اس نے اپنا داؤ چل دیا۔
یہ منیر کی زبردست ہوش مندی تھی کہ اس نے اجنبی عورت کو مجھ سے منسوب کر کے ایک من گھڑت جواب دے دیا اور بات بگڑنے سے بال بال بچ گئی۔ وہ اس عورت کو صحیح جواب دے کر میری دکان میں موجودگی کا راز فاش کر دیتا تو اس کا کوئی قصور نہ ہوتا۔ دونوں ملازمین کو بریفنگ کرتے ہوئے میرے یا جہانگیر کے ذہن میں کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ شبہ موجود نہیں تھا کہ دکان کی حدود سے باہر کوئی اجنبی کسی ملازم سے پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔
میں گولڈن فارمیسی میں اپنا کھیل پوری رازداری کے ساتھ چلا رہا تھا۔ ملازمین کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی کہ میں وہاں ڈینی کے بجائے جہانگیر بنا ہوا تھا۔ وہ مالک کے لیے آنے والی فون کالز مجھے ضرور دے رہے تھے کیونکہ چند روز کے لیے جہانگیر نے مجھے اپنی دکان کا مالک بنایا ہوا تھا۔ اس سے آگے وہ بے خبر تھے۔
میرے ذہن میں اس کار سوار عورت کے بارے میں بیک وقت متعدد سوالات ابھرنے لگے۔
وہ بعد کی باتیں تھیں۔ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت منیر کے مکمل انٹرویو کی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر کے کہا "تم کس بات سے اس قدر خوف زدہ ہو اور معافی مانگ رہے ہو؟"
"میں آپ کی گھر والی کو نہیں جانتا مگر میں نے اس کے بارے میں جھوٹ بول دیا۔ میرے دماغ میں یہ بات گھسی ہوئی تھی کہ کسی خطرے یا گڑبڑ کی وجہ سے جہانگیر صاحب نے اپنے گھر بیٹھ کر آپ کو اپنی دکان پر بھیجنا شروع کیا ہے اس لیے مجھے کسی نئے مرد یا عورت کو اصل بات نہیں بتانی چاہیے۔ میرے دل میں خوف تھا کہ آپ میری بات سن کر ناراض ہو جائیں گے اور میں مفت میں نوکری سے نکالا جاؤں گا۔"
"تمہارا جواب بہت موزوں تھا۔" میں نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا "کیا اس نے اتنی سی بات پر تمہیں دو ہزار روپے دے دیے؟"
"ہاں صاحب' وہ عجیب پاگل یا مشکوک سی عورت تھی۔ بہت امیر معلوم ہو رہی تھی۔ چپکے سے نوٹ مجھے تھماتے ہوئے اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں کل دو بجے اسی جگہ اس کا انتظار کروں۔ شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں پیسوں کے لالچ میں کل اس سے ملوں گا مگر میں ایسے پیسوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میرا اس نوکری میں گزارہ ہو رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ہزار روپے کے دو نوٹ میرے آگے ڈال دیے۔
"رکھ لو۔ یہ میری طرف سے تمہارا انعام ہے۔" میں نے نوٹ اٹھا کر اسے لوٹا دیے۔ "تم اس عورت کو دوبارہ دیکھو تو پہچان لو گے؟"
"ہاں۔ وہ بہت بنی سنوری اور خوب صورت عورت تھی۔ اس نے مردوں کی طرح قمیص پتلون پہنی ہوئی تھی۔ چہرے سے بہت چالاک لگ رہی تھی۔" منیر نے کسی مزاحمت

کے بغیر میرے ہاتھ سے دو ہزار روپے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیے۔

"اس کی گاڑی کون چلا رہا تھا؟" میں نے اپنی نرم جرح جاری رکھی۔

"وہ خود ہی چلا رہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی خراب عورت ہے جو آپ کے چکر میں ہے۔"

"وہ میرے نہیں، جہانگیر کے چکر میں ہوگی۔ تمہارا صاحب عورتوں کا رسیا ہے۔ میں ان سے دور رہتا ہوں۔"

"جی! ہو سکتا ہے۔" اس نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"تم بتا رہے تھے کہ جہانگیر یہاں بھی عورتوں کو بلاتا رہتا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا۔

اس کے چہرے پر خوف کا ایک سایہ آکر گزر گیا اور اس کی پھٹی پھٹی نظریں میری طرف اٹھ گئیں "میں نے جان بوجھ کر آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ بس یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ کار والی یہاں آنے والیوں میں سے نہیں تھی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ جہانگیر کی ملنے والیوں میں سے کوئی دکان پر آجائے تو اسے کاؤنٹر سے ہی ٹال دینا۔ میں اس کی کسی دوست سے ملنا پسند نہیں کروں گا۔ ایسی کسی عورت کے ذریعے یہ بات پھیل سکتی ہے کہ جہانگیر کے بجائے اس کا کوئی دوست یا رشتے دار دکان چلا رہا ہے۔"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "تو کیا یہ بات بھی چھپانی ہے کہ آپ کون ہیں؟"

"بالکل۔" میں نے زور دے کر کہا "اپنے ساتھی کو بھی یہ سمجھا دینا۔ کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ جہانگیر دکان سے غائب ہے۔"

"یعنی ... یعنی آپ جہانگیر صاحب ہیں؟" اس نے حیرت سے منہ پھاڑ کر سوال کیا۔

"ہاں۔ اس وقت یہی صورت ہے۔ بات بگڑی تو میرے ساتھ تمہاری بھی شامت آسکتی ہے۔" میں محسوس کر رہا تھا کہ اس ڈرامے کے بارے میں دونوں ملازمین کو اعتماد میں لینا بہت ضروری ہوگیا تھا۔ بے خبری میں وہ کسی بھی وقت گڑبڑ کر سکتے تھے جسے سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔"

"لیکن صاحب، پاس پڑوس کے دکان دار تو جہانگیر صاحب کو پہچانتے ہیں۔"

"اجنبیوں کے لیے میں جہانگیر ہوں۔" میں نے اس کے شانے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا "پڑوسیوں سے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے کوئی پوچھے تو

کہہ دینا کہ تمہارے مالک نے عارضی منیجر رکھا ہوا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ دوسروں کی نگاہوں سے دور رہ کر اپنا زیادہ وقت کیبن میں گزاروں۔"

"اب میں ساری بات سمجھ گیا۔ میں قمر کو بھی سمجھا دوں گا کہ وہ کہیں بے وقوفی نہ کرے۔" وہ سہلاتے ہوئے بولا۔

اسی دوران میں، میں مسلسل یہ سوچتا رہا کہ اس پراسرار عورت کی شناخت کے بارے میں منیر سے کیا کچھ کریدا جاسکتا تھا۔ اس عورت کے چہرے مہرے اور حلیے کے بارے میں وہ جو کچھ بھی بتاتا، وہ شہر کی ہزاروں عورتوں پر صاد آسکتا تھا۔ لے دے کر صرف گاڑی کا نمبر رہ جاتا تھا جس کے سہارے اس عورت کا کوئی سراغ لگایا جاسکتا تھا مجھے اندیشہ تھا کہ منیر بدحواسی کے عالم میں گاڑی کا نمبر دیکھنا بھول گیا ہوگا۔ اسی خوف کے تحت میں وہ سوال پوچھنے سے گریز کر کے اس عورت کی شناخت کے دوسرے ذرائع کے بارے میں غور کرتا رہا مگر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آرہی تھی۔

"تم نے اس عورت کی کار کا نمبر تو دیکھ لیا ہوگا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"میں اپنے ہاتھ میں اچانک دو ہزار کی بھاری رقم دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔" اس نے اپنی تمہید سے میرا آدھا خون خشک کر دیا اور اپنی بات جاری رکھی "اس کی گاڑی آگے بڑھ جانے کے بعد مجھے ہوش آیا اور میں نے بروقت گاڑی کا نمبر دیکھ لیا ورنہ وہ ٹریفک کی بھیڑ میں گم ہو جاتی۔"

خوشی سے میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر فوراً پیڈ پر نوٹ کر لیا۔

"تم بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی ہو۔" میں نے اس کی جائز تعریف کرنا ضروری سمجھا "تم نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی بلکہ اس عورت کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر کے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ دو ہزار روپے صرف تمہارے ہیں۔ یہ واقعہ قمر کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسے تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس نے منہ لٹکا کر کہا "میں آپ کی ناراضی سے ڈرا ہوا تھا۔ دماغ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی الجھن اسے بتائی تو اسی نے مشورہ دیا کہ میں نے آپ کو اندھیرے میں رکھا تو میں نمک حرامی کروں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ وہ مجھے حوصلہ نہ دیتا تو شاید میں اس وقت بھی آپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پاتا۔ وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔"

میں نے اپنی جیب سے پانچ پانچ سو روپے کے دو نوٹ

نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے "یہ اسے دے دینا۔ وہ سمجھے گا کہ یہ دو ہزار میں اس کا حصہ ہے۔"

"نہیں صاحب!" وہ زور سے اپنی گردن ہلا کر بولا "اس کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں کے لیے ہزار ہزار بھی بہت ہیں۔"

وہ قمر کو پہلے ہی اعتماد میں لے چکا تھا تو امکان یہ تھا کہ قمر کے کان کیبن سے لگے ہوئے ہوں گے۔ جہانگیر نے اپنی نجی مصروفیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس مختصر کیبن کو ہر اعتبار سے محفوظ بنانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن شیشے کی پتلی دیواروں کے لیے آوازوں کو مکمل طور پر روکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے تاریک شیشے میں سے دیکھا کہ وہ کاؤنٹر کے آخری سرے کے پیچھے اسٹول پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے وہ نوٹ منیر کی جیب میں اڑسے اور اسے واپسی کا حکم دے دیا۔

اس کے اٹھتے ہی میرا ذہن آئی مین کی سیکریٹری کی طرف بھٹک گیا اور میں نے اسی لمحے منیر سے پوچھ لیا "وہ عورت پاکستانی تھی یا غیر ملکی لگ رہی تھی۔"

"اس کا رنگ گورا ضرور تھا مگر وہ پکی پاکستانی تھی۔ غیر ملکی ہوتی تو اس سے میری بات ہی نہیں ہو سکتی تھی۔" اس نے رک کر جواب دیا "میری تعلیم واجبی سی ہے۔ ساری انگریزی دواؤں کے نام پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہت سے غیر ملکی بھی روانی سے اردو بول لیتے ہیں۔" اسے یہ بات یاد دلاتے ہوئے میرے ذہن میں ویرا کا پر فریب پیکر ابھر آیا۔

"نہیں صاحب، اس کا ناک نقشہ اور بول چال ہماری عورتوں جیسی تھی۔ میں اس بارے میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا کر باہر بیٹھو۔" میں نے اسے رخصت کر دیا۔

میں نے شیشے کے عقب سے دیکھا کہ وہ میرے پاس سے سیدھا قمر کے پاس گیا اور سر جوڑ کر اسے کچھ بتانے میں مصروف ہو گیا۔

میرے حساب سے وہ ایک کامیاب دن تھا۔ میری پہلی کوشش میں آئی مین، ماجد یمنی پر بھروسا کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بھڑکنے اور تیزی سے ٹھکانے بدلنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس وقت رابطہ قائم کرنے میں پہل میری جانب سے ہوئی تھی مگر اس روز آئی مین نے جہانگیر پر ڈورے ڈالنے کے لیے فون کیا تھا جس کے نتیجے میں میرے اور اس کے پر پیچ مذاکرات ہوئے تھے۔ اس گفتگو کے نتیجے میں میری کئی غلط فہمیاں رفع ہو چکی تھیں۔

منیر کے ذریعے سامنے آنے والی پر اسرار عورت کے کردار کی دریافت بھی کم اہم نہیں تھی۔ ابتدا میں ہمارے لیے آئی مین صرف ایک نام تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کے دو مہرے ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ نیگرو اور خوب رو عورت کے پتے ٹھکانے کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

منیر کو رخصت کرنے کے بعد میرے دل پر اضطراب طاری ہونے لگا کہ میں جہانگیر کے کیبن کے قفس سے نکل کر اپنے گھر کی آزاد فضا میں پہنچوں اور اپنا کام آگے بڑھانے کی کوششیں شروع کر دوں مگر آئی مین کی طرف سے کسی فون کال کے انتظار میں میرا دکان میں موجود رہنا ضروری تھا۔

کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آئی مین کے پیغام کے انتظار میں میرا وہاں رکنا قطعی ضروری نہیں تھا۔ اس نے اپنا فیصلہ سنانے کے لیے چوبیس گھنٹوں کی مدت مقرر کی تھی جس میں آنے والی رات بھی شامل تھی۔ یہ تصور ہی احمقانہ تھا کہ فون کے انتظار میں رات بھر دکان کھلی رکھی جاتی۔ اس نے ایک ذمے داری اپنے سر لی تھی تو یہ اس کا فرض تھا کہ ایسے وقت فون کرے جب میں دکان میں موجود ہوں۔

کسی بھی مضبوط عذر کے ساتھ میں اسی وقت دکان سے رخصت ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور باہر آ کر ان دونوں کو بتایا کہ میرے لیے کوئی بھی فون آئے تو یہ کہہ دیا جائے کہ میں دواؤں کی خریداری کے لیے مارکیٹ کی طرف گیا ہوا تھا جہاں سے واپسی میں مجھے تاخیر بھی ہو سکتی تھی۔

دکان کھولنا اور بند کرنا ان دونوں کے معمولات میں شامل تھا اس لیے مجھے چابیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ انہیں ہدایت دینے کے بعد میں تیزی سے دکان سے باہر نکلا اور فٹ پاتھ پر رواں بھیڑ میں شامل ہو کر اس گلی کی طرف چل دیا جہاں میں نے گاڑی پارک کی ہوئی تھی۔

لی مارکیٹ سے گلشن اقبال تک کا فاصلہ خاصا طویل ہے۔ میں طویل اور بھیڑ بھاڑ والے راستوں سے بچتا ہوا گھر کے قریب پہنچا تو اول خان اور جلال کی گاڑیاں گھر کے سامنے کھڑی دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے دل میں پہلا خیال یہ آیا کہ گھر پر کوئی واردات ہو گئی تھی جس کے بعد وہ دونوں وہاں پہنچے تھے۔ یہ ایک غیر

معمولی بات تھی کہ وہ ہمارے گھر پر موجود تھے اور ان میں سے کسی نے مجھ سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں گاڑی باہر ہی بند کر کے اترا تو پھاٹک والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو غزالہ انجن کی آواز پہچان کر گھر کا دروازہ کھولے میری منتظر تھی۔ یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس کے چہرے پر دور دور تک ملال یا افسردگی کا شائبہ نہیں تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تیر گئی۔

"خیریت تو ہے۔ یہ دونوں کیسے آئے ہیں؟" میں نے خلوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لبوں کی شیرینی چرا کر سرگوشی میں پوچھا۔

"خود آ کر دیکھ لیں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔" اس نے لجا کر دھیرے سے کہا۔

ڈرائنگ روم سے ان لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں راہداری طے کر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو جلال نے اٹھ کر نہایت تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ اول خان سے میں کچھ دیر پہلے دکان پر مل چکا تھا۔ ویرا منہ پھلائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

"خیریت تو ہے۔ آج یہ اہم اجتماع سیارگان کیسا ہے؟" میں نے ایک الگ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری دوائیں کہاں ہیں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دوائیں!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیسی دوائیں؟"

"سننے میں آیا ہے کہ تم دواؤں کی خریداری کے لیے نکلے ہوئے تھے۔" جلال نے بات جاری رکھی۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے وہ اطلاع فارمیسی سے ملی ہوگی، میں نے پوچھا "تم نے دکان پر فون کیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔" ویرا خشک لہجے میں بول پڑی "تمہاری مصروفیات کے بارے میں کسی کو الہام تو نہیں ہو سکتا تھا۔"

"میں الجھن میں پڑ گیا تھا کہ تمہارا انتظار کروں یا واپس لوٹ جاؤں۔ اول خان کے آجانے کے بعد میں نے کچھ دیر تک انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ فارمیسی کے لیے خریداری کرنے کے لیے گئے ہو گے۔ وہاں سے مجھے غلط اطلاع کیوں دی گئی؟"

"مجبوری تھی۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "دکان پر کسی بھی وقت آئی مین کا فون آ سکتا ہے۔ ملازمین کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ فون کرنے والے سے جرح کریں یا آئی مین کی آواز پہچان لیں۔ میں خود کہہ کر آیا تھا کہ وہ ہر ایک کو مارکیٹ جانے کی یکساں اطلاع دیں۔ تم نے مجھے موبائل پر فون کیوں نہیں کر لیا۔"

"بس باتیں چھڑ گئیں ورنہ جانے سے پہلے موبائل پر بات ضرور کرتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ کہو کہ آئی مین کا دوسرا فون آنے والا تھا۔"

بے اختیار میری استفسار طلب نگاہیں اول خان کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اعترافی انداز میں اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا "اس کے پہلے فون کا واقعہ بہت اہم تھا۔ میں نے ان لوگوں کو پوری تفصیل بتا دی ہے۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے پھیلائے ہوئے جال اکثر کامیاب رہتے ہیں۔" جلال نے کہا "ایمان داری کی بات یہ ہے کہ جب تم نے فارمیسی پر جہانگیر کی جگہ لینے کا فیصلہ کیا تو مجھے تمہاری کسی کامیابی کی امید نہیں تھی مگر تمہارے دونوں دن بار آور رہے ہیں۔ مجھے یہ سن کر مایوسی ہوئی ہے کہ سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹنے والا نیگرو آئی مین نہیں بلکہ اس کا کوئی قریبی کارکن ہے۔"

"مگر سلطان شاہ کہاں ہے؟" اس کا ذکر آتے ہی میں بے ساختہ چونک پڑا۔

"میں نے دھوکے سے اسے خواب آور دوا کھلا کر سلا دیا ہے۔ اس کی گردن میں شدید درد ہو رہا تھا" ویرا نے شرافت سے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ "وہ جاگتے رہنے پر مصر تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ اب وہ اپنے کمرے میں پڑا آرام سے سو رہا ہے۔"

"تم کو دواؤں کی زیادہ شدبد نہیں ہے۔ مسکن دوائیں خطرناک ہوتی ہیں۔ تم کو یہ تجربہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اب تم دوا فروش ہو گئے ہو مگر مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ اتنی فارمیسی میں بھی جانتی ہوں کہ ایمرجنسی میں کسی کو دوا تجویز کر سکوں۔" ویرا نے خوش دلی سے اعتراض کیا "میں سلطان شاہ کی بدخواہ نہیں ہوں۔"

"اول خان نے بتایا ہے کہ اس نے تمہیں دوبارہ شی میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔" جلال نے پوچھا۔

"مجھے نہیں، اس نے اپنی دانست میں یہ دعوت جہانگیر کو دی ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "وہ میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"تم نے اپنی اور جہانگیر کی مخاصمت کے بارے میں اسے کوئی گندی کہانی بھی سنائی ہے۔" جلال نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

"مجبوری تھی۔ اسے یہ باور کرانا ضروری تھا کہ ظاہری دوستی کے باوجود ہم دونوں کے درمیان خوف ناک رقابت پروان چڑھ رہی ہے۔"

"دراصل ڈینی نے خود اسے راہ دی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "اس نے منافقت سے کام لیتے ہوئے اپنی بنیادی خواہش کو ثانوی درجہ دے دیا ہے اور یوں ظاہر کیا ہے جیسے ڈینی کے خلاف جہانگیر کا ساتھ دے کر وہ اس پر احسان کرے گا۔"

"بہرحال میں تمہاری حاضر دماغی کی داد دینے پر مجبور ہوں۔ جلال نے کہا "تم نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے زبردست وار کیا ہے۔ ایسے موذی شخص سے غیر متوقع طور پر بات کرتے ہوئے یہ سب سوچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ تمہیں اپنی سلور آئی دکھانے کے لیے کیا طریقہ اپناتا ہے۔"

"بس دعا کرتے رہو کہ میرا ذہن کام کرتا رہے اور وہ زیر ہو جائے۔ اس وقت مجھ سے اس کی دہری بلکہ تہری امیدیں وابستہ ہیں۔"

"یہ تیسری امید کہاں سے نکل آئی؟ تم نے مجھے صرف دو باتیں بتائی تھیں۔ وہ تمہیں شی کا کارندہ بنالے اور تمہاری مدد سے تمہیں یعنی جہانگیر کی مدد سے ڈینی کو ٹھکانے لگادے۔" اول خان نے پوچھا "تیسری بات کیا ہے۔"

"کسی مرے ہوئے فرضی آئی مین کی سلور آئی جو جہانگیر کے قبضے میں ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہو! یہ اس کے لیے بڑی پرکشش ترغیب ہوگی۔" جلال نے تعریفی لہجے میں کہا "میری معلومات کے مطابق ایک سلور آئی رکھنے والا شی کا آئی مین ہوتا ہے۔ کسی کے پاس دو سلور آئیز ہوں تو وہ سپر آئی مین بن جاتا ہے۔ دوسری سلور آئی مل جانے سے اس کے منصب میں خود بہ خود ترقی ہو جائے گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ملاقات ہونے پر تم اپنی سلور آئی دکھا کر اس کی برابری کا دعویٰ کردو۔" اول خان نے ایک انوکھی راہ تجویز کی۔

"بالکل ہو سکتا ہے۔ شی کے میثاق کے تحت وہ میرا احترام کرنے پر مجبور ہوگا۔"

"یہ امریکی پکے بدمعاش ہوتے ہیں۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر حقارت سے کہا "اپنے مفاد کی بات ہو تو اعلیٰ ترین اخلاقی اور قانونی اقدار کی تبلیغ کریں گے جہاں ان کا مفاد نہ ہو، یہ ہر قانون اور میثاق کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ وہ کسی چیز کا کوئی احترام نہیں کرے گا۔ تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو وہ تمہاری گردن کاٹ کر تمہاری سلور آئی چھین لے گا تاکہ اپنے اقتدار کا خواب پورا کر سکے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔" میں نے وضاحت کی "شی کا ضابطہ اپنی جگہ پر ہے۔ آئی مین کی نیت کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ میں تو آخر تک اس پر یہی ظاہر کروں گا کہ میں اس سے مرعوب ہو چکا ہوں۔"

"تم بالکل صحیح خطوط پر چل رہے ہو۔ میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔" جلال نے کہا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ادھر کیسے آئے ہو اور تمہاری طرف کیا خبریں ہیں۔"

"اس وقت مطلع صاف ہے۔ ہر طرف سے اچھی خبریں آرہی ہیں۔ راجا اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے اور خود بہ خود سب کچھ اگل چکا ہے۔ اس کی نشان دہی پر پولیس نے شہر کے کئی ٹھکانوں پر ریڈ کر کے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد کی ہے۔ کئی اہم مہروں کے ساتھ چھوٹے موٹے منشیات فروش بھی پکڑے گئے ہیں۔ مارکیٹ میں ہیروئن کا قحط پڑنے کی صورت میں عادی ہیروئنچیوں کی حالت ابتر ہو جائے گی۔ عبدالستار ایدھی سے طے کیا گیا ہے کہ اگلے چند روز میں شہر کے سارے آوارہ ہیروئنچیوں کو ٹرکوں میں بھر کر سپرہائی وے پر اپنا گھر میں پہنچا دیا جائے گا جہاں ماہرین ان کا علاج کریں گے۔"

"یہ آسان کام نہیں ہوگا۔" اول خان نے تشویش سے کہا "اس مہم کی کامیابی کے لیے خطیر فنڈز درکار ہوں گے۔ شہر میں آوارہ ہیروئنچیوں کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔ ان کے کھانے پینے کا بڑا خرچہ ہوگا۔ علاج معالجہ اس کے علاوہ ہے۔"

"حکومت نے فراخ دلی سے فنڈز فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے جسے ایدھی نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ سب کچھ اپنے ذرائع اور مخیر شہریوں کی مدد سے کریں گے۔" جلال نے بتایا "سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شخص کو اس قدر پیسہ کہاں سے مل جاتا ہے۔ حکومت ہر سال اپیلیں کرتی ہے۔ قانون کا ڈنڈا چلاتی ہے۔ پھر بھی کسی سال ٹیکسوں کی وصولی کا ہدف پورا نہیں ہوتا۔ ایدھی ایک فرد ہے۔ وہ جس کام کا بیڑا اٹھا لیتا ہے، لوگ اسے پورا کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔"

"یہ نیتوں کا فرق ہے۔" ویرا نے کہا "ایدھی پر لوگوں کو اعتبار ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رقوم صحیح مدوں

میں خرچ ہوں گی۔ ٹیکس کے معاملے میں لوگ بھاگتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ بیورو کریسی بیشتر رقمیں اللے تللے اڑانے میں صرف کردیتی ہے۔ ان رقوم کو بہت بے رحمی سے لوٹا اور ضائع کیا جاتا ہے۔ کوئی اپنا پیسہ برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایدھی کا کوئی حساب کتاب نہیں رہتا مگر اعتبار ہر روز توانا ہورہا ہے اور وہ کامیاب ہے۔"

"پھر تو ایدھی صاحب کو تجرباتی طور پر وزیر خزانہ بنادینا چاہیے۔" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"تمہارا نظام کرپٹ ہے۔" ویرا یہ کہہ کر اچانک جلال سے مخاطب ہوگئی "میں تم سے معذرت چاہتے ہوئے کہوں گی کہ ہماری بیورو کریسی چند ہفتوں میں اس مخلص اور سادہ لوح سماجی رہنما کو سربازار رسوا کردے گی۔ اس نظام میں کسی ایمان دار آدمی کے چلنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"ہم اپنے موضوع سے بھٹک گئے۔" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "بات جلال کی خبروں کی ہورہی تھی۔"

"راجا کے خلاف سنگین فرد جرم تیار کی جارہی ہے۔" سب کو خاموش پاکر جلال نے اپنی بات شروع کی "ویرا کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ ہمارے کرپٹ نظام میں کسی ایمان دار آدمی کی گنجائش نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارا نظام بہت بگڑا ہوا ہے مگر اس میں خوفِ خدا رکھنے والے نیک بندے بھی ہیں جو اس ملک کی بہتری کے لیے شب و روز انتھک محنت کررہے ہیں۔ یہ ان کی کوششوں ہی کا ثمر ہے کہ یہ ملک پیچھے جانے کے بجائے رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہا ہے اور کسی بھی وقت ایک ایٹمی طاقت ہونے کا اعزاز حاصل کرسکتا ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم بیورو کریٹ ہو۔ میری بات تمہیں ضرور بری لگے گی۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی "میں خلوصِ دل سے اپنے بیان پر معذرت چاہتی ہوں۔ ایمان داری سے کام کرنے والے بے ایمانی کے جہنم میں بھی اپنے گلزار بنالیتے ہیں۔ شاید تمہارا ملک ان کی کوششوں سے ہی زندہ ہے۔"

"شکریہ ویرا۔" جلال نے فراخ دلی سے اس کی معذرت قبول کرلی "تم کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ چوپڑا کو نہایت قلیل مدت میں ہر اس تحفظ سے محروم کردیا گیا ہے جو اسے بھارتیوں سے ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا۔ اب وہ اندرونِ سندھ میں عذاب سے گزر رہا ہے۔ اس کے انکشافات ہوش ربا ہیں۔"

"اس کے انکشافات کی روشنی میں ملک دشمنوں کے خلاف کارروائی بھی ہورہی ہوگی!" ویرا نے پوچھا۔

"زبردست کریک ڈاؤن ہورہا ہے مگر اس کی خبریں فی الحال روک لی گئی ہیں تاکہ کوئی افراتفری نہ پھیلے۔" جلال نے کہا "چوپڑا پاکستانی نژاد ہوتے ہوئے بارہ برس سے را والوں کے پے رول پر تھا۔ انہوں نے اسے مستقل طور پر کراچی میں تعینات کیا ہوا تھا۔ اس پوری مدت میں وہ بھارت سے تعینات ہوکر آنے والے کئی افسروں کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اس نے کئی ایسے ہندو اور مسلمان غداروں کے ناموں کا انکشاف کیا ہے کہ ہم چونک پڑے ہیں۔ ان کو ایک ایک کرکے پکڑا جارہا ہے۔"

"ایسے غدار بھارتی ایجنٹوں سے زیادہ سنگین مجرم ہیں جو ظاہری طور پر پاکستان کا دم بھرتے ہیں لیکن اندرونِ خانہ دشمنوں کے لیے کام کرتے ہیں۔" اول خان نے نفرت بھرے لہجے میں کہا "ان کو چن چن کر مار دینا چاہیے۔"

"تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہے مگر ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ ان سب کو قانون کے حوالے کردیا جائے گا۔" جلال نے کہا۔

"تم ہمیشہ قانون شکنی سے دامن بچاتے ہو اور ضابطوں وغیرہ کے حوالے دیتے رہتے ہو تو پھر تمہیں بیم گن کی کیا ضرورت ہے۔" ویرا نے اچانک اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کرڈالا۔

"یہ یکایک بیم گن کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" میں نے حیرت سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل اس وقت میں بیم گن لینے کے لیے یہاں آیا تھا۔" جلال نے وضاحت کی "غزالہ کی اجازت سے ویرا نے تمہارا پورا کمرا چھان مارا مگر اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اس کے لیے میں تمہارا انتظار کررہا تھا۔"

"فارمیسی پر مجھے کسی بھی وقت غیر متوقع خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے اس لیے میں بیم گن اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔" میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میز پر رکھ دی اور کہا "تم کو اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ونود کراچی میں ہے۔" جلال نے گمبھیر سنجیدگی سے جواب دیا "وہ سمجھ رہا ہے کہ یہاں اس کا ریکارڈ بے داغ ہے۔ وہ نیا نیا آیا ہے۔ اس لیے کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ وہ پوری بے فکری اور بے خوفی سے کراچی کی تفریح گاہوں میں گھومتا پھر رہا ہے۔"

"اوہ .... تو تم نے اسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" میں نے تحیر زدہ سرگوشی میں پوچھا۔

"عبداللہ کا لہو انتقام کا طلب گار ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ونود کو زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔" جلال کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"تمہارے کڑے اصولوں کے مطابق یہ قانون سے انحراف ہوگا۔ اسے پکڑ کر عدالت کے کٹہرے میں پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے کہا۔

میں نے ویرا کو کڑی نظروں سے گھورا۔ میری دانست میں وہ حد سے تجاوز کر رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کرلی۔

جلال کہہ رہا تھا "میرے اصول اب بھی اپنی جگہ پر ہیں۔ یہ آئی بی کا نہیں، میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ میں گوشت پوست کا بنا ہوا ایک عام انسان ہوں جس کے سینے میں دل کے ساتھ گہرے احساسات بھی دھڑکتے ہیں۔ میں عبداللہ کے خون کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اپنی ذاتی حیثیت میں ونود سے اس جرم کا بدلہ ضرور لوں گا جس کے خلاف پاکستان کی عدالتوں میں کوئی ثبوت یا گواہی پیش نہیں کی جاسکتی۔"

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس بار ویرا نے جلال کے جواب میں کوئی کڑوی کسیلی بات نہیں کہی تھی۔ اس نے نرمی سے کہا تھا "میں بھی یہی بات کہتی ہوں کہ ہم سب گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہیں، مشینی روبوٹ نہیں ہیں۔ ہم سب کے اپنے اپنے جذبات اور احساسات ہیں۔ تم کو اپنے جذبات پر بہت زیادہ اختیار حاصل ہے کیونکہ تمہارے ہاتھوں میں تمہاری منصبی ذمے داریوں کی ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ہم آزاد اور بے لگام ہیں۔ ہم مشتعل ہوتے ہیں تو جو دل میں آتا ہے، کر گزرتے ہیں۔ تم ہمیشہ خود پر قابو پاکر قانون کا سہارا لیتے ہو لیکن ظلم کی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ عبداللہ کے سفاکانہ قتل نے تمہارے حساب سے وہ حد توڑ دی۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ درست ہے۔ میں منافق نہیں ہوں کہ اپنے دل کی بات اپنے خیر خواہوں سے پوشیدہ رکھوں۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے، اس پر عمل ضرور کروں گا۔ اس بارے میں، میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" جلال نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے تو اس پر عمل درآمد کے لیے تم اپنی ایجنسی کے کسی فرد سے مدد نہیں لو گے۔" میں نے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم سب میرے ڈسپلن سے باہر کے ہمدرد ہو، قانون کے بجائے اپنے ضمیر کے فیصلوں پر عمل کرتے ہو، اس لیے میں نے تمہیں اپنے عزائم سے آگاہ کردیا ہے ورنہ میرے کسی آدمی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ ونود کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"یعنی تم عبداللہ کی شہادت کا بدلہ خود لو گے؟" اول خان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارادہ یہی ہے مگر ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اشارے پر یہ کام کوئی اور کر گزرے۔ اس کا انحصار آخری لمحات پر پیش آنے والے واقعات اور حالات پر ہوگا۔ اس بارے میں، میں پیشگی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں تمہارا مددگار بلکہ دست راست بننے کے لیے تیار ہوں۔" اول خان نے پرخلوص لہجے میں پیش کش کی "میں کوئی سوال کیے بغیر تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا اور اس کام کو جرم کے بجائے فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔"

"میں تمہاری اس پیش کش کی دل سے قدر کرتا ہوں مگر اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے فیصلے پر کوئی بحث کرنا پسند نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ بات بڑھا کر ہم بحث کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔"

میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ میں اندازہ لگا چکا تھا کہ جلال اس وقت ہم لوگوں سے نہایت سرد اور سپاٹ لہجے میں بات کر رہا ہے لیکن عبداللہ کے ظالمانہ قتل اور اس کے متوقع انتقام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے سینے میں جذبات کا ایک جوالا مکھی ابل رہا تھا جس پر وہ مشکل سے قابو پائے ہوئے تھا۔ ایسے نازک وقت میں اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

"بس، اب اس بارے میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہے گا۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے یقین دلایا۔

"گڈ!" اس نے سر جھکا کر سپاٹ لہجے میں کہا "اب اجازت ہو تو میں تمہاری بیم گن مستعار لے لوں۔"

میں نے جلدی سے میز پر سے گن اٹھا کر اس کی طرف بڑھادی اور کہا "دعا کرو کہ میں آئی مین کو ٹھکانے لگا کر اس کی بیم گن بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"اس نے میرے ہاتھ سے بیم گن لے کر اپنی جیب میں ڈال لی اور کہا "کام ہوتے ہی یہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ آئی مین سے برابری سے مقابلہ کرنے کے لیے تمہیں کسی بھی وقت اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس کے ساتھ مکاری کا کھیل چل رہا ہے۔ میرا بیم گن کے بغیر بھی گزارا ہو جائے گا۔"

"آثار بتا رہے ہیں کہ تم اسے جلد ہی زیر کرلو گے۔ مجھے

اڑتی اڑتی سی غیر مصدقہ خبر ملی ہے کہ یہاں امریکی قونصل خانے میں جیک اسمتھ نامی ایک سیاہ فام امریکی کو دیکھا گیا ہے جس کے چہرے پر کئی شدید ضربات کے نشان ہیں۔ وہ آئی مین کا مددگار ہو سکتا ہے۔ میں اس کے بارے میں مزید معلومات جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"آئی مین شہری کمین گاہ میں رہ رہا ہے۔ اگر اس کا ساتھی قونصل خانے میں دیکھا گیا ہے تو سی آئی اے یا ایف بی آئی کا کوئی افسر ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"جیسے ہی کوئی تازہ خبر ملی، میں تم کو آگاہ کر دوں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری طرف سے اچھی خبروں کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور اسے رخصت کرنے کے لیے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر اول خان نے میرے ساتھ مل کر اسے الوداع کہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے کہا "آج جلال کے تیور اچھے نہیں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بالکل ٹل گیا ہے اور اب ونود کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

"خون ناحق سر چڑھ کر بولتا ہے۔" میں نے جواب دیا "ونود کے گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس کا عبرت ناک انجام اسے دہلی سے اسلام آباد کے راستے کھینچ کر کراچی لایا ہے۔ وہ بے فکری سے یہاں موج اڑا رہا ہے۔ شاید کل اس کی لاش موضوع سخن بنی ہوئی ہوگی۔"

آخری الفاظ میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہے تھے جو ویرا کے کانوں میں پڑ گئے اور وہ اول خان سے پہلے بول پڑی "وہ ہر وقت ہمیں امن اور قانون پروری کے سبق سکھاتا رہتا ہے۔ آج اسے قائل کرنے کا بہترین موقع تھا جو تم نے ضائع کرا دیا۔"

"اپنے منصب پر رہتے ہوئے اسے وہی کچھ کہنا چاہیے جو وہ کہتا رہتا ہے۔ تم یہ دیکھو کہ اس نے کبھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں جب تک فوج میں رہا، سختی سے ڈسپلن کی پابندی کرتا رہا۔ آج میرا فلسفہ بالکل بدلا ہوا ہے۔" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"تم ہر بات میں اپنی مثال نہ دیا کرو۔ تم ہمیشہ عملی زندگی سے بہت قریب رہے ہو۔"

"وہ بھی عملی دنیا کا ایک زیرک آدمی ہے۔" اول خان نے کہا "اس وقت اس کا دبا دبا ردِ عمل دیکھ کر مجھے محاذ پر لڑتے ہوئے اپنے وہ جوان یاد آ رہے تھے جو دشمن کی گولا باری سے اپنے ایک ساتھی کی شہادت کے بعد دیوانہ وار جوابی کارروائی پر تل گئے تھے۔ کافی بعد میں ہمیں پتا چلا کہ اس روز کے تصادم میں میری کمپنی نے ایک جوان کے بدلے دشمن کے سات سپاہیوں اور ایک افسر کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ آج جلال انتقام کی ایسی ہی آگ میں جھلس رہا تھا۔"

جلال کی موجودگی میں غزالہ اِدھر اُدھر مصروف رہی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ آ بیٹھی۔ موقع پا کر اس نے پوچھا "آج آپ پھر جلدی لوٹ آئے۔۔۔"

ویرا نے جھٹ اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "ڈیئی کو تمہارا چہرہ دیکھتے رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ دکان پر دل نہیں لگا ہوگا۔"

"یہ بات تو سامنے آ گئی کہ جلال بیم گن لینے کے لیے یہاں آیا تھا لیکن تم کو یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے۔" میں نے ویرا کے بیہودہ تبصرے کو نظر انداز کر کے اول خان کو بتایا "میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ فون کر کے تمہیں گھر بلا لوں گا۔"

"تم نے مجھے بلانے کے بارے میں سوچا اور میں یہاں پہنچ گیا۔ اسے شاید ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔" اول خان نے ہنس کر جواب دیا "میں ایک عجیب خبر لے کر آیا تھا۔"

"مجھے ہر وقت خبروں کا انتظار رہتا ہے۔ تم اب تک خاموش کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

"جلال کے دماغ پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے اس کے سامنے زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج ایک چالاک اور خوب رو عورت نے تمہاری فارمیسی کے ایک ملازم سے ملاقات کی تھی اور شاید اسے کوئی رقم بھی دی تھی۔"

اول خان کی زبان سے وہ ذکر سن کر میں حیران رہ گیا۔ "تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"میرے دو آدمی وہاں موجود ہیں۔ تمہارے ساتھ انہوں نے دونوں ملازمین پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ دکان کے باہر بھی کسی نہ کسی کی موجودگی ضروری ہے۔ تم کو اس ملاقات کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔"

"جہانگیر کے دونوں ملازم وفادار رہیں۔ وہ عورت منیر نامی ملازم سے ملی تھی۔ اس نے واپس آ کر پوری بات بتانے کے ساتھ وہ دو ہزار روپے بھی میرے حوالے کر دیے جو عورت نے اسے دیے تھے۔ اس نے ہوشیاری یہ کی کہ اس کی گاڑی

کا نمبر نوٹ کرلیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم اس نمبر کے ذریعے اس پراسرار عورت کا کھوج لگالو گے۔"

"میں نمبر بھی چیک کرالوں گا۔ ایسے چکروں میں گاڑیوں کے نمبر عام طور پر جعلی ثابت ہوتے ہیں یا پھر گاڑی کسی اور کے نام رجسٹرڈ ہوتی ہے۔ درمیان میں کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد اوپن لیٹر آف اتھارٹی پر آخری خریدار کے استعمال میں ہوتی ہے۔"

"فارمیسی پر روز کچھ نہ کچھ ہورہا ہے۔" غزالہ نے پرتشویش لہجے میں کہا "اس عورت نے رشوت دے کر منیر سے کیا پوچھا تھا۔"

"وہ بہت خطرناک وار تھا۔ منیر سے ذرا بھی چوک ہوجاتی تو وہ عورت یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاتی کہ جہانگیر کی جگہ کسی اور نے لی ہوئی ہے۔"

"یہ خطرہ تو اب بھی برقرار ہے۔ ملازموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم بعض نامعلوم لوگوں کے لیے جہانگیر بنے ہوئے ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا۔

"میں نے اب انہیں اعتماد میں لے لیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس عورت نے کل دو بجے دوبارہ آنے کے لیے کیوں کہا ہے۔ اس نے دو ہزار روپے دے کر شاید یہ فرض کرلیا ہوگا کہ منیر مجھے کچھ نہیں بتائے گا۔ کل وہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔ اس پراسرار عورت نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"تمہیں اس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اسے پکڑنے کے لیے کل تک انتظار کی ضرورت ہے۔ چاہو تو تھوڑی دیر میں اسے یہاں لایا جاسکتا ہے۔"

میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور پوچھا "کیا وہ تمہارے آدمی کو اپنا پتا بتا کر گئی ہے؟"

"دو آدمی مامور کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک اس عورت کے پیچھے نکل گیا۔ وہ کلفٹن کے ساحلی علاقے میں ایک کثیر المنزلہ عمارت کی آٹھویں منزل کے فلیٹ میں رہتی ہے اور میڈم کے نام سے خاصی مشہور بلکہ بدنام ہے۔"

"تمہارے آدمی واقعی بہت فرض شناس ہیں۔" میں نے خوش ہوکر کہا "میڈم کے بارے میں اور کیا معلوم ہوا۔"

"وہ قطعی پراسرار نہیں ہے۔ انتہائی بے ضمیر اور قابلِ نفرت عورت ہے۔" اول خان کے لہجے سے تنفر جھلک رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "کسی زمانے میں وہ خود کال گرل رہی ہوگی۔ عمر ڈھل جانے کے بعد اس نے اپنی زندگی کا ڈھب بدل دیا ہے۔ اس کا فلیٹ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کی سپلائی کے اڈے کے طور پر بدنام ہے۔ پڑوسی اس سے عاجز ہیں لیکن مجبور ہیں کیونکہ وہ فلیٹ میں کرائے دار نہیں، اس کی مالکن ہے۔"

غزالہ شرمیلی نہیں تھی لیکن وہ تذکرہ اتنا گھناؤنا تھا کہ وہ ازخود ڈرائنگ روم سے ٹل گئی۔

"وہ ایسا گندا کاروبار کررہی ہے تو اسے کسی نہ کسی بڑے پولیس افسر کی سرپرستی بھی حاصل ہوگی۔" ویرا نے کہا۔

"اس کے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر غلط کام نہیں کیے جاسکتے۔" اول خان نے کہا "یہ ابتدائی معلومات ہیں۔ میرا آدمی میڈم کے کوائف جمع کررہا ہے۔"

"اس نے منیر سے جو کچھ پوچھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ پست ذہنی سطح کی عورت ہے۔ اس میں ذرا سی بھی ذہانت ہوتی تو وہ منیر سے بہت کچھ اگلوا سکتی تھی۔ وہ آئی مین کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوسکتی۔ کسی خاص مقصد کے لیے کرائے پر اس کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی۔"

"کیوں نہ آج شام اس کے اڈے کا چکر لگالیا جائے۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یہ ممکن نہیں ہوگا۔" اول خان نے اس کی تجویز سنتے ہی مسترد کردی۔ "پڑوسیوں نے تھانے میں اس کے خلاف کئی درخواستیں دی ہیں لیکن پولیس والوں نے محض اس بنا پر ہر بار کوئی کارروائی کرنے سے انکار کردیا ہے کہ وہاں مردوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"پھر اس کا کاروبار کیسے چلتا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بدی کے قدیم ترین پیشے پر قانونی پابندیوں نے ہمیشہ نت نئی راہوں کو جنم دیا ہے۔" اول خان نے خفگی سے کہا "وہاں سرِشام لڑکیاں جمع ہوتی ہیں اور بن سنور کر اپنی نامعلوم منزلوں پر گاہکوں سے ملاقات کے لیے روانہ ہوجاتی ہیں۔ میڈم کسی مرد کو اپنے فلیٹ میں نہیں آنے دیتی۔"

"اور اس کا مے خانہ کیسے چلتا ہے؟" ویرا نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کے دونوں دھندے فون پر چلتے ہیں۔ اس نے دو جوان لڑکوں کو ملازم رکھا ہوا ہے جو موٹر سائیکلوں پر شراب کی بوتلیں لاد کر خریداروں کے گھر اور دفاتر تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اس کے کام کے کھلے راز ہیں جو عمارت کے چوکیدار تک کو معلوم ہیں۔ میرے آدمی کو ان معلومات کے حصول میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر تشکر آمیز لہجے میں کہا "میں یہ سوچ کر

آیا تھا کہ کار کے نمبروں کے ذریعے اس کی موجودہ مالکن تک پہنچنے کے لیے تم کو خاصی تگ و دو کرنی پڑے گی مگر یہاں سب کچھ تیار رہے۔"

"تم لوگوں کا اس کے گھر جانا ممکن نہیں تو اسی کو اٹھوالو" ویرا نے متبادل تجویز پیش کردی "ایسی بے حیا عورتیں کسی بھی زیادتی پر شور نہیں مچاتیں۔ ہر لمحے اور ہر قیمت پر سمجھوتا کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے یہاں بھی لایا جاسکتا ہے۔"

"فی الحال اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ سب کچھ گڑبڑ ہوسکتا ہے" میں نے کہا۔

"تم اس عورت کو آئی مین سے ملا کر سوچ رہے ہو۔ ضروری نہیں کہ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق ہو۔ وہ تم کو چوبیس گھنٹے کا وقت دے چکا تھا تو اسے میڈم کو تمہاری طرف بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ غالب امکان یہ ہے کہ میڈم کو بھیجنے والا کوئی اور رہا ہوگا۔" ویرا میڈم کے خلاف فوری کارروائی پر مصر تھی۔

"اگر بات ڈینی کی ہوتی تو کچھ بھی سوچا جاسکتا تھا" اول خان نے میرا ساتھ دیتے ہوئے ویرا کو سمجھایا "اس کے ہزار دشمن ہیں لیکن گولڈن فارمیسی کے حوالے سے اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک حریف ہے۔ اسے نظرانداز کرکے دوسری سمتوں میں دماغ لڑانا حماقت ہے۔"

"تم ایک اہم نکتے کو نظرانداز کررہے ہو" ویرا بحث پر اڑی ہوئی تھی "تم نے بتایا ہے کہ آئی مین نے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے چوبیس گھنٹے کا وقت مقرر کیا ہے۔ وہ ڈیڈ لائن دو بجے سے بہت پہلے ختم ہوجائے گی۔ میڈم دو بجے منیر سے ملنے کے لیے آئے گی تو آئی مین کوئی نہ کوئی فیصلہ کرچکا ہوگا پھر اس کے لیے میڈم کی آمد کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔"

"چوبیس گھنٹوں میں وہ کوئی فیصلہ کرے گا۔ مجھ سے ملنے کے لیے نہیں پہنچ جائے گا" میں نے غصے سے کہا "ہوسکتا ہے کہ ملاقات کی صورت کی بارے میں میڈم کی کوئی افادیت ہو۔"

"تم اس نابکار عورت کو ڈھیل دینا چاہ رہے ہو تو تمہاری مرضی، میں تمہارا وقت بچانا چاہ رہی تھی" ویرا نے معصومیت سے کہا اور چپ سادھ لی۔

غزالہ گھرداری میں وقت برباد کرنے کی قائل نہیں تھی۔ ڈرائنگ روم سے جانے کے بعد اس نے اپنا وقت کچن میں گزارا تھا اور پھر چائے کی میز لگادی تھی۔

ہم چاروں میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ سلطان شاہ بیدار ہوکر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس کے چہرے کی ضربات حیرت ناک سرعت کے ساتھ معمول پر آرہی تھیں لیکن نیند سے بیداری کے سبب اس کی آنکھیں متورم تھیں۔

اس نے قریب آکر سب کو سلام کیا اور پھر میز سے کچھ دور رک کر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی کینہ توز نگاہیں ویرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا کوئی برا خواب دیکھ کر آئے ہو جو مجھے یوں گھور رہے ہو" ویرا نے اس کی نگاہوں سے بے چین ہوکر پوچھا۔

"تم نے مجھے کون سی دوا دی تھی؟" سلطان شاہ نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"پہلے بھی دس دفعہ بتادیا تھا کہ وہ درد کی دوا تھی" ویرا نے اس سے جان چھڑانے کے لیے تنک مزاجی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

"تم جھوٹی ہو، گولیوں کا پیکٹ میرے سرہانے بھول آئی تھیں۔ میں نے ابھی اس کا پرچہ پڑھا ہے۔ وہ نیند کی تیز دوا ہے۔"

"ہوگی" ویرا نے ڈھٹائی اور بے پروائی سے کہا "یہ بتاؤ کہ سونے سے تم کو آرام ملا یا نہیں۔"

"آرام گیا جہنم میں.... میں سونا نہیں چاہ رہا تھا اور تم نے مجھے دھوکے سے سلادیا" وہ غصے سے بولا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "یہ بات کسی اور کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا۔ وہ ذہنی طور پر تمہیں شیرخوار بچہ سمجھے گا۔"

"یہاں ویرا کے علاوہ ہم لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم اس پر اپنا وقت کیوں برباد کررہے ہو؟" میں نے اسے ٹوکا۔

سلطان شاہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی سختی یک لخت کافور ہوگئی اور اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا "خیریت ہے۔ اس وقت تم دونوں یہاں کیسے نظر آرہے ہو؟"

"تھوڑی دیر پہلے تمہاری مدہوشی کافور ہوجاتی تو تمہیں جلال بھی یہاں نظر آتا" ویرا بولنے سے باز نہیں رہ سکی۔

"میں تم سے بات نہیں کررہا۔ تم چپ رہو" سلطان شاہ نے اسے جھڑک دیا۔

"شاید تمہارے دماغ پر ابھی تک یہ خمار سوار ہے کہ کل تم نے آئی مین کی ٹھکائی کی تھی" ویرا نے طنز سے کہا۔

"اپنی یہ خوش فہمی دور کرلو۔ تم نے چیک اسمتھ نامی ایک امریکی کو مارا تھا جو آئی مین کا ایک معمولی غلام ہے۔"

سلطان شاہ کی استفسار طلب نگاہیں بے ساختہ میری

طرف اٹھ گئیں۔
"اگر اس کا نام جیک ہی ہے تب بھی وہ معمولی آدمی نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "یہ بات طے ہے کہ وہ نیگرو آئی مین نہیں تھا۔"
بیدار ہونے کے بعد وہ شاید منہ ہاتھ دھو کر آیا تھا۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوگیا۔
گھر آنے کے بعد مجھے کسی سے کوئی بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میرے پہنچنے سے پہلے اول خان نے سب کو ہر بات بتادی تھی۔ ان میں سلطان شاہ شامل نہیں تھا۔ چائے نوشی کے دوران غزالہ نے اسے نئے واقعات سے باخبر کرنا شروع کردیا۔
ویرا نے کئی مرتبہ ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی مگر وہ دونوں اسے مسلسل نظرانداز کرتے رہے۔ یہ بات اول خان بھی جانتا تھا کہ غزالہ کا جھکاؤ ہمیشہ ویرا کے بجائے سلطان شاہ کی طرف ہوتا تھا۔
جلال اپنا کام کرکے واپس جاچکا تھا۔ اول خان نے بھی میڈم کے بارے میں سب کچھ بتا کر اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا۔ کچھ دیر کی گپ شپ کے بعد وہ بھی گھر سے رخصت ہوگیا۔
اول خان کی روانگی کے بعد ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان پائی جانے والی تلخی دھیرے دھیرے دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے یہ خاص بات ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ ہم چاروں کے درمیان کسی پانچویں فرد کی موجودگی میں سلطان شاہ، ویرا کے تبصروں کے بارے میں زیادہ حسّاس اور تلخ ہوجاتا تھا۔ آپس کے دوستانہ ماحول میں ویرا کی بڑی بڑی باتیں ہنس کر پی جاتا تھا۔ یہ اس کے مزاج کا ایک انوکھا اور کسی حد تک ناقابلِ فہم پہلو تھا۔
ایک چھت کے نیچے رہنے والے خوش مزاجی کے موڈ میں ہوں تو وقت بہت اچھے انداز میں اور تیزی سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹیلی وژن دیکھتے اور واقعات پر تبصرے کرتے رہے۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بس وقت گزارا جارہا تھا۔ اسی اثنا میں رات کے کھانے کا وقت ہوگیا۔ سلطان شاہ کو قریبی ہوٹل سے گرم گرم روغنی نان لانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ غزالہ اپنے بنائے ہوئے کوفتوں کو سنبھالنے کے لیے کچن میں جا گھسی۔ ویرا میرے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔
"آؤ! کمرے میں چلتے ہیں" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر دھیمی آواز میں دعوت دی۔
"تمہارے یہ لوفرانہ انداز مجھے زہر لگتے ہیں" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت تم کلفٹن والی میڈم سے بھی گئی گزری لگ رہی ہو۔"
"میرے یہ انداز ہر ایک کے لیے نہیں ہیں۔ آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔ جلدی سے دو تین گلاس لے لوں گی تو غزالہ کے بنائے ہوئے کوفتوں کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔"
مجھے معلوم تھا کہ میں نے اس کی فرمائش پر عمل نہ کیا تو وہ گلاس اور بوتل لے کر ڈرائنگ روم میں آبیٹھے گی۔ وہاں سے ہماری آوازیں غزالہ کے کانوں میں پڑسکتی تھیں۔ ویرا اپنی رو میں بہہ کر بعض اوقات ایسی ذومعنی باتیں کہہ جاتی تھی جن کا غزالہ کے کانوں میں نہ پڑنا ہی بہتر تھا۔
"آؤ!" میں نے نیم دلی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"مائی گاڈ!" وہ تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑی "آج میرے ستارے واقعی یاوری کررہے ہیں۔ تم نے اتنی آسانی سے میری بات مان لی۔"
ویرا کی آواز اتنی بلند تھی کہ غزالہ گھبرا کر کچن سے ڈرائنگ روم میں آگئی اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی "کیا ہوا ....؟ ویرا کیوں چیخی تھی؟"
"ستارے آسمان پر اپنی گردش میں مصروف رہتے ہیں۔ آدمی ان کے چکر میں زمین پر گھن چکر بنا رہتا ہے۔ ویرا سمجھ رہی ہے کہ سارے ستارے اسی کی خوش نصیبی کے لیے حرکت میں آئے ہوئے ہیں کیونکہ میں نے اس کے کمرے میں جانے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی ہے۔"
"آپ اس کے کمرے میں کیوں جارہے ہیں؟" غزالہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے سوال کیا تھا مگر اس کے الفاظ میں پنہاں شکوہ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔
"تمہارے کوفتوں سے انصاف کرنے کے لیے یہ کچھ پینا چاہ رہی ہے۔"
"یہ روز ہی پیتی ہے۔ آپ اسے فیڈر میں ڈال کر چسنی سے تو نہیں پلائیں گے" یہ کہتے ہوئے غزالہ کے نازک لبوں پر ایک بے رحمانہ مسکراہٹ تیر گئی۔
"اچھا آئیڈیا ہے۔ کسی دن یہ ترکیب بھی آزماؤں گی" ویرا جلدی سے بولی۔
غزالہ نے نگاہ بھر کے مجھے دیکھا اور دوبارہ کچن کی طرف چلی گئی۔ ویرا نے میرا ہاتھ تھاما اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ غزالہ کو اس وقت میرا فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔ بعض اوقات وہ میرے اور ویرا کے مراسم کے بارے میں بہت زیادہ حسّاس ہوجاتی تھی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر تیزی سے دروازہ بند کیا اور اس سے اپنی پشت ٹکا کر مجھے بے خبری میں اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ بلاشبہ بہت پرکشش عورت تھی۔ اس کے وجود کے بھرپور لمس سے میرے بدن میں پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ میں نے بوکھلا کر اس سے الگ ہونا چاہا لیکن اس نے کسی بھوکی شیرنی کی طرح مجھے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ یکایک کمرا چٹ چٹ کی دو آوازوں سے گونج اٹھا۔

"الگ ہٹو' یہ کیا وحشیانہ پن کر رہی ہو" میں نے پوری قوت صرف کر کے اس کے بازوؤں کا حصار توڑ دیا۔

اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے شوخ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "تم مسلمان لوگ اپنے مال میں سے صدقہ خیرات نکالتے ہو۔ اپنی اور غزالہ کی محبت میں سے میرے لیے بھی کچھ صدقہ نکالتے رہا کرو۔ میں اسی میں خوش رہوں گی۔ سچ بتا رہی ہوں کہ اس وقت زبردستی چھینے ہوئے چند لمحے مجھے ہفتوں مزہ دیتے رہیں گے۔"

"تم بے شرم ہو گئی ہو۔ اس وقت تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے' میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔"

اس نے میرا بازو تھام لیا "شیطان تمہارے مردانہ ہونٹوں کی تپش سے جل گیا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمہیں نہیں چھیڑوں گی۔"

وہ اپنے بستر پر چلی گئی جہاں پینے کے لوازم ہر وقت اس کے سرہانے موجود رہنے لگے تھے۔ میں بستر سے دور ایک الگ تھلگ کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے بلیک لیبل کی بوتل سے آتشیں سیال گلاس میں انڈیلنا شروع کیا تو میری نظریں اسی طرف مرکوز تھیں۔ وہ رکے بغیر اسکاچ گلاس میں انڈیلتی رہی۔ مقدار دیکھ کر میرے دماغ میں تشویش سر ابھارنے لگی۔ وہ ایک ہی گلاس میں اپنا کام تمام کرنے پر تلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

وہ گلاس اسکاچ سے آدھا بھر گیا تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور میں نے اپنی خاموشی توڑ دی "ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو۔ اس تکلف سے تو بہتر تھا کہ تم براہِ راست بوتل ہی اپنے منہ سے لگا لیتیں۔"

ویرا رک گئی۔ اس وقت تک آدھا گلاس بھر چکا تھا۔ اس نے بوتل بند کی۔ آئس پاٹ سے پگھلی ہوئی برف کا ٹھنڈا پانی ملا کر گلاس کو پورا کیا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی "میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ تم نہیں ٹوکو گے تو بوتل سے پورا گلاس بھر لوں گی۔"

"اب تم کھانے کے دوران میں ہی بہکنا شروع کر دینا" میں نے جل کر کہا۔

"میں بہکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بس' پی کر ذرا کڑوا سچ بولنے لگتی ہوں" اس نے گلاس اپنے منہ سے لگا کر ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔

"یہ ڈی لکس اسکاچ ہے۔ دھیرے دھیرے اثر کرتی ہے۔ ذرا گلاس جلدی ختم کر لو۔ سلطان شاہ گاڑی سے گیا ہے' ذرا سی دیر میں لوٹ آئے گا۔"

"واہ! آج تم اپنے پرانے تجربوں کی باتیں دہرا رہے ہو۔ تم سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔"

وہ مسلسل بولتی رہی۔ میں گفتگو میں اس کا ساتھ دیتا رہا تاکہ گھر کی فضا بدستور خوشگوار رہے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اسے اپنے وعدے کا پورا پاس تھا۔ اس نے مجھے ہاتھ لگایا نہ میرے قریب آنے کی کوشش کی۔ ویسے میں اس کے کسی دوسرے ہوش ربا حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

سلطان شاہ کی گاڑی پورچ میں بند ہونے کی آواز آئی تو ویرا کا گلاس ختم ہونے والا تھا۔ اس نے آخری گھونٹ لے کر خالی گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا اور بستر سے اتر آئی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور تیزی سے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس وقت لیڈیز فرسٹ والے اصول کا لحاظ کرنا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

غزالہ نے کھانا لگایا تو پورا گھر کوفتوں کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہک اٹھا۔

ویرا سرور کے عالم میں تھی۔ اس نے کوفتوں کا پہلا لقمہ لیتے ہی غزالہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیے۔

شاید دس بجے کا عمل تھا۔ کھانے کا دور چل رہا تھا کہ پھاٹک کے باہر لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے گاڑی اندر لا کر پھاٹک بولٹ نہ کیا ہوتا تو شاید اندرونی ڈور بیل ہی بجائی جاتی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ہم تینوں کی توجہ کھانے سے زیادہ دروازے کی طرف مبذول ہو گئی۔ نہ جانے اس وقت کون آیا تھا۔

سلطان شاہ کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی جھول رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے بھانپ لیا کہ وہ کوئی ہتھیار لایا تھا۔

وہ تھیلی میز پر رکھ کر دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "جلال آیا تھا۔ شکریے کے ساتھ بیم گن دے کر چلا گیا۔"

"تم نے اسے اندر نہیں بلایا؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔
"میں نے بہت اصرار کیا مگر وہ نہیں رکا۔ عجلت میں نظر آرہا تھا کیونکہ اس کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ ونود کا کام ہوگیا" ویرا نے اپنے نرخرے پر انگلی پھیر کر کہا۔
"کام نہ ہوا ہوتا تو وہ ابھی بیم گن نہ لوٹاتا" سلطان شاہ بولا "دیکھتے ہیں کہ صبح کا اخبار کیا خبر لاتا ہے۔"
کھانے کے دوران میں ہی ویرا کی نیلی آنکھوں میں خمار کے گہرے لہریے تیرنے لگے۔ شکم پری کے ساتھ ساتھ الکحل کا اثر بڑھتا جارہا تھا لیکن ویرا بلانوش تھی۔ اس کی آواز میں کوئی لکنت پیدا ہوئی تھی نہ باتوں میں بہکنے کی علامت نمودار ہوئی تھی۔ یہ ضرور ہوا کہ کھانا ختم ہونے کے بعد وہ کرسی چھوڑ کر اٹھنے لگی تو لڑکھڑا گئی۔ اگر سلطان شاہ تیزی سے اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ بائیں پہلو کے بل قالین پر ڈھیر ہوجاتی۔
"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے ظرف سے زیادہ مت پیا کرو" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "اب سارے گھر میں لڑکھڑاتی اور گرتی پھرو گی۔"
"ان باتوں پر تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ صرف ڈینی اتھارٹی رکھتا ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ میرا ظرف بہت بڑا ہے" وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھماتے ہوئے بولی۔
"مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہے، وہ سامنے نظر آرہا ہے" سلطان شاہ نے اس کے شانے چھوڑ دیے۔
ویرا ہم تینوں کو شب بخیر کہہ کر ہموار مگر قدرے مستانہ چال کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چل دی۔
"بے چاری!" غزالہ ترحم آمیز آواز میں بڑبڑائی "پتا نہیں اسے شراب پی کر کیا ملتا ہے؟"
"خود فراموشی!" میں نے ازخود جواب دے ڈالا "اس عالم میں انسان اپنے ہر دکھ سکھ کو بھول کر دنیا کو اس رنگ میں دیکھنے لگتا ہے جس میں وہ اسے پسند کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے دکھ آنسوؤں کی لڑیوں کی صورت میں آنکھوں سے بہہ نکلتے ہیں مگر یہ سب خود فریبی ہوتی ہے۔ نشہ اترتا ہے تو اسے اپنے گردوپیش کی دنیا پہلے سے زیادہ سنگین اور بے رونق نظر آنے لگتی ہے۔"
"ایک بات کا اطمینان ہے کہ اب وہ ہماری رات کالی نہیں کرے گی" سلطان شاہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "بستر پر گر کر گہری نیند سو جائے گی۔"
ہم تینوں ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔
"مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا کہ جلال نے ونود کو مار دیا ہوگا" کچھ دیر کے بعد غزالہ نے بے یقینی سے کہا۔
"بیم گن کی واپسی تمہارے اس شبے کی تردید کر رہی ہے" میں نے جواب دیا۔
"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آخری لمحات پر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو" سلطان شاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"اس کا امکان کم ہے۔ اس نے ارادہ بدل دیا ہوتا تو اس وقت اتنی عجلت میں نہ ہوتا۔ کچھ دیر کے لیے ہمارے ساتھ ضرور بیٹھتا۔"
دونوں نے میری اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی توجہ ٹیلی وژن پر مرکوز کردی۔ ہمیشہ کی طرح اسکرین پر موسیقی کا ایک خشک اور بے روح پروگرام چل رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں غزالہ اکتا کر اٹھ گئی۔ سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے ذمے داروں کو برا بھلا کہتے ہوئے ٹی وی بند کردیا۔
محفل برخاست ہوگئی۔ ویرا کے کمرے کی طرف سکوت کا راج تھا۔ سلطان شاہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ میں غزالہ کو لے کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبار میں پہلے صفحے پر چار کالمی ذیلی سرخی میں ونود کے عبرت ناک انجام کی خبر موجود تھی۔
وہ شہر کے ایک بڑے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کے قریب مردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ اس کے سینے پر بائیں جانب ایک آرپار سوراخ تھا جو بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ اس کے بدن سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا اور وہ کوئی چیخ مارے بغیر ختم ہوگیا تھا۔ پارکنگ لاٹ کے نگراں اور دو چوکیداروں میں سے کسی نے وہاں کوئی غیر معمولی انسانی آواز یا چیخ نہیں سنی تھی۔
ونود کا قتل کلفٹن کے ویران ساحل پر نادر کے قتل کی طرح لیزر گن کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا۔ دونوں وارداتوں میں یکسانیت کی بنا پر یہ بات وثوق سے لکھی گئی تھی کہ ونود نامی بھارتی سفارتی افسر کو اسی بین الاقوامی دہشت گرد نے مارا تھا جو نادر کے ذریعے حاصل کیے ہوئے مکان میں چوری چھپے روپوش ہوا تھا۔ نادر کے قتل کا ایک سبب سامنے تھا کہ اسے قاتل کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن ونود کے قتل کی وجوہ کا تعین نہیں کیا جاسکا تھا۔
ایک دن کا وقت مل جانے پر اخبار والوں نے ایک جامع

کہانی تیار کرلی تھی جس کی بنیاد راجا کے بیان پر رکھی گئی تھی۔
راجا نے پولیس کی تحویل میں یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ شی کے ایک آئی مین کے لیے کام کررہا تھا جو اسے شہر میں ہیروئن پھیلانے کے لیے ڈالروں کی صورت میں بھاری معاوضہ دے رہا تھا۔ وہ آئی مین وہی تھا جو نادر کی معرفت ڈیفنس کے پی باون بنگلے میں چھپا ہوا تھا۔ نادر دو روز پہلے تک پی باون کے نمبر پر فون کرکے آئی مین کو اپنی رپورٹیں دیتا رہا تھا لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر آئی مین پی باون سے نکل گیا۔
شی کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ امریکا کی ایک باقاعدہ این جی او تھی جو وہاں ہیروئن کے انسداد اور اس کے عادیوں کے علاج کا مشن سرانجام دے رہی تھی۔ اس تنظیم کو امریکا میں اس قدر اثر و نفوذ حاصل تھا کہ اس کے سربراہ کو صدر کے سیکریٹ فنڈ سے براہِ راست بھاری گرانٹ دی جاتی تھی۔ پاکستان میں شی کا کوئی باضابطہ دفتر یا نمائندہ نہیں تھا مگر اس کے آدمی زیرِ زمین کارروائیوں کے ذریعے پاکستان میں ہیروئن کی کھپت بڑھانے کی کوششیں کرتے رہے تھے تاکہ پاکستان کے راستے اسمگل ہوکر امریکا جانے والی ہیروئن کی مقدار کم کی جاسکے۔
کچھ عرصہ پہلے شی پاکستان کی سب سے بڑی اور طاقت ور زیرِ زمین تنظیم رہی تھی لیکن آپس کے جھگڑوں اور چند برسوں کی بغاوت کے بعد اس کا شیرازہ تیزی سے بکھرتا چلا گیا اور کچھ عرصے کے لیے شی قصۂ پارینہ بن گئی لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی شیرازہ بندی کے لیے دوبارہ زیرِ زمین سرگرمیاں زور پکڑ گئی تھیں۔ ان سرگرمیوں کا ذمے دار شی کا وہ پراسرار آئی مین تھا جو نادر کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔ نادر کے بعد اس نے دوسرا اور نود پر کیا تھا۔
امریکا سے باہر شی کے ہر بڑے کا لقب آئی مین تھا۔ اس کی شناخت سلور آئی تھی اور اس کی طاقت لیزر گن تھی۔ اخبار نے اس روز پہلی بار کھل کر وہ سب باتیں لکھ ڈالی تھیں جو اس سے پہلے سینہ بہ سینہ چلتی رہی تھیں لیکن ریکارڈ پر کچھ بھی موجود نہیں تھا۔
اخبار نے آئی مین کی تیسری واردات کا حوالہ بھی دیا تھا جس میں ایک غیر ملکی سیاہ فام شخص نے لی مارکیٹ کے مصروف علاقے میں لیزر گن چلا کر ایک شخص کو ہمیشہ کے لیے اس کے بازو سے محروم کردیا تھا۔
ان تمام نکات کے مطالعے کے بعد ذہن میں یہ تصویر بن رہی تھی کہ لی مارکیٹ کے جھگڑے میں بیم گن استعمال کرنے والا سیاہ فام ہی شی کا آئی مین تھا۔ کہیں بھی اس تاثر کی نفی کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے خلاف کوئی مواد دستیاب نہیں تھا۔
اخبار کے پہلے صفحے کے ایک گوشے میں امریکی قونصل خانے کے افسر اطلاعات کا مختصر سا تردیدی بیان موجود تھا۔ اخباری نمائندے نے اپنی اطلاعات کی تصدیق کے لیے اس سے رابطہ کیا تو اس نے اتنا کہا کہ شی صرف امریکا میں' قانون کی حدود میں رہ کر کام کررہی تھی۔ اسے دوسرے ملکوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگر پاکستان میں کچھ مجرم شی کا نام اور اس کے طریقے استعمال کررہے تھے تو ان کا امریکی این جی او سے کوئی تعلق نہیں تھا۔
اخباری مواد کا تسلسل بتا رہا تھا کہ وہ فی البدیہہ اطلاعات نہیں تھیں۔ ان کو کڑیوں کی صورت میں یکجا کرنے کے لیے کوئی بہت ذہین شخص کام کررہا تھا۔
ان خبروں نے امریکیوں کو بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا تھا۔ وہ واقعاتی شہادتوں کو جھٹلا کر آئی مین کی حمایت نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے لیے اکلوتی راہ وہی تھی جو ان کے افسر اطلاعات نے اختیار کی تھی کہ آئی مین کی پشت پناہی سے دستبردار ہوکر غیر جانبداری اختیار کرلیں۔
اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے جیک یاد آیا۔ جلال نے اس کے بارے میں کوئی مصدقہ اطلاع نہیں دی تھی۔ محض ایک شبہے کا اظہار کیا تھا۔ اگر کسی طرح اس شبہے کی تصدیق ہوجاتی تو سرکاری طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ جیک کو شناخت کے لیے لی مارکیٹ کے اس علاقے میں لایا جائے جہاں لیزر گن سے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اپنی کھلی شناخت اور چہرے کے زخموں کی وجہ سے جیک کے پاس کوئی راہ نہ رہتی۔ اس کے خلاف مقامی طور پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسے امریکی خود واپس بلالیتے یا پھر زیادہ سخت اقدام کے طور پر اسے ناپسندیدہ قرار دے کر پاکستان سے نکال دیا جاتا۔
میں نے اخبار پوری طرح دیکھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ ناشتا کرکے میں پہلے ہی روانگی کی تیاری کرچکا تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ عام حالات میں دیر تک سونے کے عادی تھے اور گھر پر ہماری مکمل خلوت کا راج تھا۔ میں نے غزالہ کو نرمی سے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر الوداعی بوسہ دیا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
میں اپنی مخصوص گلی میں گاڑی پارک کرکے دکان پر پہنچا تو دونوں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ اس وقت کاؤنٹر پر کئی گاہک موجود تھے مگر منیر ان کو قمر پر چھوڑ کر میرے پیچھے

پیچھے کیبن میں آ گیا۔ اپنے چہرے سے وہ کچھ گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو" میں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔
"اس کا دو دفعہ فون آ چکا ہے۔ کل آپ کے جانے کے بعد فون آیا تو میں نے کہہ دیا۔ مالک گو مارکیٹ پر چیز۔ شاید وہ میری بات سمجھ گیا اور فون بند کردیا" وہ ایک ہی سانس میں رکے بغیر بولتا چلا گیا" ابھی تھوڑی دیر پہلے پھر اس کا فون آیا تھا۔ میری زبان سے نو کم سنتے ہی اس کا پارا چڑھ گیا اور اس نے اول فول بکتے ہوئے فون بند کردیا۔"
"تم نے دونوں مرتبہ بالکل صحیح جواب دیے" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' اس کی غرض ہے تو وہ پھر فون کرے گا۔"
منیر کے چہرے پر رونق اور بحالی کے آثار لوٹ آئے اور وہ مجھے سلام کرکے کیبن سے چلا گیا۔
میں گیارہ بجے دکان پر پہنچا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی ہوئی بارہ پر پہنچیں تو میں نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھالیا۔ میرے ساتھ منیر نے بھی فون اٹھالیا مگر میری ہیلو سنتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔
"تم دکان چلا رہے ہو یا نوابی کر رہے ہو" میرے کانوں میں آئی مین کی زہریلی آواز آئی "کل جلدی چلے گئے۔ آج پونے گیارہ بجے تک تمہارا پتا نہیں تھا۔"
"دکان کے مسائل کے لیے مجھے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔" میں نے اس کے تحکم آمیز لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے عاجزی سے کہا "اگر تم نے کوئی وقت مقرر کردیا ہوتا تو میں تمہیں موجود ملتا۔"
اس سے بات کرتے میرے ذہن میں بات چبھ رہی تھی کہ وہ سی ایس ڈی استعمال کر رہا تھا تو دکان پر دو لائنیں اٹھائے جانے پر رابطہ منقطع کیوں نہیں ہوا۔ نہیں وہ سی ایس ڈی کا بلف تو نہیں کر رہا تھا مگر اسی لمحے بات میری سمجھ میں آ گئی۔ اے سی ایس ڈی کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اس نے ڈیوائس آف کرکے نمبر ملایا تھا اور جب مجھ سے گفتگو کا آغاز ہو گیا تو اس نے سی ایس ڈی کو آن کردیا۔
"تمہارے ملازموں میں کوئی اس قابل بھی نہیں ہے کہ صحیح انگریزی میں معقول جواب دے سکے۔"
"مجبوری ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کی شرح بہت گری ہوئی ہے۔"
"میں نے تمہارے مطالبے پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے بارے میں تمہیں اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق ہے" اس بار آئی مین کا لہجہ نرم تھا۔
"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ سلور آئی دیکھ لینے کے بعد میں پوری یکسوئی سے تمہاری تابع داری کرتا رہوں گا" میں نے اپنی حقیقی اور دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "اس عزت افزائی کے لیے تم نے کوئی وقت ضرور سوچ لیا ہوگا۔"
"یہ مت بھولو کہ میں تمہارا آئی مین ہوں۔ میں تمہارا نہیں تم میرے پابند ہو۔ آج شام چھ بجے تک تم دکان سے کہیں نہیں جاؤ گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا" میں نے بوکھلانے کی صداکاری کی "تم جب چاہو آ سکتے ہو۔"
"تم شی کے پرانے نمک خوار ہو۔ تم کو خیال رکھنا ہوگا کہ میری آمد پر کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"
"تم بالکل بے فکر رہو۔ میری دکان میں غریب اور متوسط طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ تمہارا دبدبہ دور سے نظر آئے گا۔ میں سلور آئی دھوکے سے بچنے کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ مجھے معلوم ہے کہ تم آئی مین ہو۔"
"تم اخبار پڑھتے ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اچانک ایک غیر متعلق سوال کر ڈالا۔
"بس دیکھ لیتا ہوں" میں نے اپنے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ جواب دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اپنے بارے میں چھپنے والے تازہ ترین مواد نے اسے پریشان کردیا ہوگا۔ وہ اسی بارے میں کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔
"تم نے ونود کے قتل کے بارے میں پڑھا ہے؟" اس کے اگلے سوال نے میرے اندازے کی تائید کردی۔
"پڑھا ہے۔ وہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا مگر خبروں میں تمہارا نام نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے منکسرانہ لہجے میں میٹھی سی چٹکی لی۔
"یہ تم کیا بک رہے ہو۔" وہ مجھ پر برس پڑا "وہ میرا شکار نہیں تھا۔ یہ مجھے پھانسنے کی سازش کی گئی ہے۔"
"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بارے میں تم سے کوئی بات کروں۔"
"اس شہر میں دوسری ٹیم گن ڈینی کے پاس ہے۔ یہ گھٹیا حرکت وہی کر سکتا تھا۔"
"لیکن ونود سے اسے کیا پرخاش تھی۔ اسے مار کر ڈینی کو کیا ملا ہوگا۔"

"وہ خونی درندہ ہے۔ ہر بھارتی کا خون بہا کر اسے کسی قسم کی تسکین ملتی ہے۔ موجودہ حالات کا فائدہ اٹھا کر اس نے ونود کو مار ڈالا تاکہ اس قتل کو بھی وارداتوں کے تازہ سلسلے کا حصہ سمجھ لیا جائے۔ اس کا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔"

"نادر کو بھی اسی نے مارا ہوگا۔" میں نے دانستہ وہ ذکر چھیڑ دیا "وہ نیگرو والا چکر بھی اسی کا چلایا ہوا ہوگا۔"

"ہوائیاں اڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں تم سے صرف ونود کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ فون پر خطرہ مول لینے کے بجائے ہم ملاقات ہونے پر اس بارے میں بات کرلیں۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا فون محفوظ ہے۔ میرا اور تمہارا رابطہ صرف فون پر رہے گا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "میں آج تم سے مذاکرات کرنے نہیں آ رہا۔ چند سیکنڈ میں سلور آئی کی ایک جھلک دکھا کر لوٹ جاؤں گا۔"

"میں اپنی پرانی لائن سے بالکل کٹا ہوا ہوں۔ جب تک رابطے بحال نہیں ہوتے' میں شہر میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ ڈینی آج کل کہاں ہے۔" اس نے حکم دیا۔

"میں پوری کوشش کروں گا مگر یہ آسان کام نہیں ہے۔ کچھ دن پہلے ماجد یمنی نامی ایک عرب بھی اسے ڈھونڈتا ہوا مجھ تک پہنچا تھا۔۔۔"

"ماجد یمنی! ۔۔۔ وہ بدمعاش تمہارے پاس آیا تھا!" میری بات کاٹ کر اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا تھا۔

"میرا چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے سپاٹ آواز میں مایوسی سے کہا "پتا نہیں کیا بات ہے کہ ڈینی کا ہر دشمن مجھے اس کا گہرا دوست سمجھتا ہے اور یہ فرض کرلیتا ہے کہ مجھے اس کے ٹھکانے کا علم ضرور ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر کوئی آدمی اس تک پہنچ سکتا ہے تو وہ تم ہو۔ وہ اس قدر مکار ہے کہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔"

"اس بارے میں بار بار کی یاددہانی کے بغیر مجھے اپنا فرض یاد ہے۔ اس کا سراغ ملتے ہی میں تم کو اطلاع دوں گا۔"

"میں اب محتاط ہو گیا ہوں۔ ماجد یمنی نے کسی طرح میرا نمبر معلوم کرکے سارا کام بری طرح بگاڑ دیا۔ تم مجھے اطلاع نہیں دے سکو گے۔"

"کل کے اور آج کے اخبارات کے مطابق تمہارا فون نمبر پولیس کے پاس پہنچ چکا ہے۔"

"وہ پرانا نمبر ہے۔ مجھے عجلت میں وہ ٹھکانا چھوڑنا پڑا تھا۔" اس نے جھوٹ بولنے کی کوشش کیے بغیر جواب دیا "اب میں اپنا نمبر کسی کو نہیں دے رہا۔ خود فون کرکے رپورٹ لیتا ہوں۔"

"اور اسی کے ساتھ سی ایس ڈی بھی استعمال کر رہے ہو۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

"دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔" اس نے مجھے متبادل انگریزی محاورہ سنایا "ماجد نے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔"

"وہ کسی طرح ڈھونڈتا ڈھانڈتا ہوا میری دکان پر پہنچا تھا۔ وہ ڈینی کے سراغ کے لیے ایک بڑی رقم کا لالچ دے رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ مجھے پتا ہوتا تب بھی میں ماجد کو کچھ نہ بتاتا۔ ڈینی خطرناک آدمی ہے۔ اسے کوئی بھنک مل جاتی تو وہ رقم ملنے سے پہلے میری گردن اتار لیتا۔"

"لیکن ماجد کو کہیں سے مطلوبہ معلومات مل چکی ہیں۔ وہ مجھ سے ان کا سودا کرنا چاہ رہا تھا۔" آئی مین نے بتایا۔

"تمہاری کسی مصلحت نے تمہیں اس سودے سے روک دیا ہوگا۔" میں نے محتاط انداز میں قیاس آرائی کی۔

"اس نے فون نمبر کے ذریعے گھر کا پتا چلانے کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا اور مجھے وہ جگہ چھوڑنی پڑ گئی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ خبیث کہاں ملے گا۔"

"ماجد مل جائے تو تمہارا آدھا کام آسان ہو سکتا ہے۔ ڈینی کو راستے سے ہٹانے کے بعد تم اپنے کام کو آسانی سے آگے بڑھا لو گے۔"

"اب وہ میرا نہیں تمہارا بھی کام ہوگا۔ ہم نئے انداز میں پرانا کام چلائیں گے۔"

"بس آج تمہارے دیدار کے بعد میں تمہارا غلام ہو جاؤں گا۔" میں نے غیر ضروری مسرت کا اظہار ضروری سمجھا۔

"یہ یاد رکھنا کہ مجھے ماجد اور ڈینی' دونوں کی تلاش ہے۔ ان میں سے جو پہلے مل گیا' میں اس پر بھرپور ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔ تم ماجد کے ذریعے ڈینی کا گریبان پکڑنا چاہتے ہو۔ ڈینی پہلے ہی ہاتھ آ جاتا تو تمہارا ماجد کی افادیت ختم ہو جائے گی۔"

"شاباش!" فون پر اس کی تحسین آمیز آواز ابھری "تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور سمجھ دار ہو۔"
"تمہاری ذرہ نوازی ہے' میں کسی قابل ہوتا تو آج یہ چھوٹی سی دکان نہ چلا رہا ہوتا۔"
"ہم کامیاب رہے تو چند ہفتوں میں پرانے دن لوٹ آئیں گے اور تم اپنی دکان کو بھول جاؤ گے۔ تم روزانہ دکان کس وقت بند کرتے ہو؟"
"دکان صبح دس بجے سے رات آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہے۔ میں دیر سے آتا ہوں اور جلدی چلا جاتا ہوں۔"
"میں روز شام کو پانچ بجے تم کو فون کروں گا۔ اس وقت تم کو ہر حال میں دکان میں موجود رہنا ہوگا۔" اس نے اپنا حکم سنایا۔
"میں اس ہدایت کی پابندی کروں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "تم چاہو تو کسی اتفاقی ضرورت کے لیے میرا موبائل فون نمبر بھی لے سکتے ہو۔"
"نمبر دے دو مگر میں اس پر بات نہیں کروں گا" اس کے جواب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے خواص سے پوری طرح باخبر تھا۔
میں نے اسے اپنا موبائل فون نمبر بتانے کے بعد کہا "تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا فون محفوظ ترین ہے۔ ابھی میرے ساتھ میرے آدمی نے بھی فون اٹھالیا تھا۔ میری آواز سن کر وہ ریسیور نہ رکھ دیتا تو ہماری پوری گفتگو سن سکتا تھا۔"
"وہ زیادہ دیر تک ریسیور اٹھائے رکھتا تو لائن کٹ جاتی۔ یہ میرے مسائل ہیں۔ تم کو ان پر دماغ سوزی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں آج کسی بھی وقت آسکتا ہوں اور کل سے شام کے پانچ بجے تک تم کو دکان میں موجود رہنا ہے۔"
اس نے اپنی ہدایات دہرا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
آئی مین سے گفتگو ہونے سے پہلے میں شدید اعصابی تناؤ میں مبتلا تھا۔ اس سے بات ہونے کے بعد مجھے فکر ہوگئی کہ اس کی آمد کے لیے کیا بندوبست کیا جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میری وزنی دلیل کے سامنے مجبور ہو کر وہ ایک بار پھر مجھ سے ملنے کے لیے آرہا تھا۔ دوبارہ اس سے ایسی سنگین بے احتیاطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اسے دکان میں داخل ہوتے ہی دھر لیا جائے۔ مختصر ترین نوٹس پر ایسی کارروائی کا بندوبست اول خان ہی کرسکتا تھا۔
اپرنٹس پر اول خان کے آدمیوں سے رابطہ کیا جاسکتا تھا مگر وہ خود مختار نہیں تھے۔ میں نے براہِ راست اول خان سے موبائل فون پر بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
پہلی گھنٹی بجنے پر ہی مجھے اس کی طرف سے جواب مل گیا۔ فون پر گاڑیوں اور انسانوں کی ملی جلی آوازوں کا تیز شور سنائی دے رہا تھا جیسے اول خان کسی مصروف بازار سے گزر رہا ہو۔ اس نے میری آواز پہچان کر کہا کہ وہ خود مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے اس مختصر پیغام کے بعد فون بند ہوگیا۔
تھوڑی دیر بعد اپرنٹس پر کال سگنل آنے لگا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اول خان ہی ہوسکتا تھا۔ وہ اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر شاید اسی علاقے میں موجود تھا۔
"میں تمہاری دکان سے آگے ہوٹل پر کھڑا ہوا تھا جہاں بہت شور تھا" ٹرانسمٹر پر رابطہ ہونے کے بعد وہ بتانے لگا "اب میں گاڑی میں ہوں۔ یہاں سے میں بے فکر ہو کر' پورے اطمینان سے بات کرسکتا ہوں۔"
"تمہارے مہمان کا فون آگیا تھا۔ وہ آج کسی بھی وقت آسکتا ہے" میں نے اسے وہ سنسنی خیز خبر سنا ڈالی۔
"اوہ! مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اپنا وعدہ وفا کرے گا۔ آج کی اخباری اطلاعات نے اسے بری طرح پھنسا دیا ہے۔"
"اس نے اخباروں کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ وہ ونود کے قتل کے بارے میں پریشان ہے اور اس واردات کو میرے سر تھوپ رہا ہے۔"
"تمہارے سر تھوپ رہا ہے؟" اول خان کی تعجب آمیز آواز آئی "اور پھر بھی تم سے ملنے آرہا ہے۔"
"دہرے کردار میں یہی خرابی ہوتی ہے کہ بعض اوقات بات الجھ جاتی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "یوں سمجھ لو کہ وہ جہانگیر سے ملنے آرہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ونود کو ڈینی نے ٹھکانے لگایا ہے کیونکہ شہر میں دوسری بیم گن اسی کے پاس ہے۔"
"تمہارا نام اس کے اعصاب پر سوار ہوگیا ہے۔"
"میں سمجھ رہا تھا کہ وہ قصہ ختم ہوچکا ہے لیکن اسے ماجد کی بھی تلاش ہے۔"
"یہ سب باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے اس کے استقبال کے بارے میں کچھ سوچو" اول خان بولا "کہو تو میں کچھ دیر کے لیے تمہارے پاس آجاؤں۔"
"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "یہی کافی ہے کہ کل تم آگئے تھے۔ وہ عام امریکیوں کی طرح بڑبولا ضرور ہے مگر احمق نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ آج صبح سے اس کے دو چار آدمی ان اطراف میں منڈلا رہے ہوں گے۔"

"ہمیں ابھی تک ایسا کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا" اس نے جواب دیا۔
"وہ کسی ... تحفظ کے بغیر دندناتا ہوا اکیلا آ گیا تو میں اسے پاگل تصور کروں گا۔ جیک اور سلطان شاہ کے مقابلے کو وہ کتنا ہی اتفاقی سمجھ لے، نظرانداز نہیں کر سکتا۔ وہ ہر ممکنہ احتیاطی تدبیر اختیار کرے گا۔"
"پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔
"سوچنے کے لیے ہی تمہیں فون کیا ہے۔ وہ بہت مصروف علاقہ ہے۔ یہاں اس کے آدمیوں سے کوئی کھلا مقابلہ ہو گیا تو متعدد بے گناہ راہ گیر مارے جائیں گے۔ اس کے خلاف تمہیں بہت تیز کمانڈو ایکشن کرنا ہوگا۔"
"میں تم سے متفق ہوں" اول خان کی طرف سے بلا توقف جواب آیا "تم دکان میں میرے کتنے آدمیوں کو چھپا سکتے ہو؟"
"شاید ایک کو بھی نہیں" میں نے اسے ایمان داری سے کورا جواب دے دیا "وہ کوئی معمولی آدمی نہیں، شی کا آئی مین ہے۔ اول تو اس بونگی دکان میں میرے کیبن کے سوا، چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جگہ ہوتی تب بھی میں انکار کر دیتا۔ اس کے آدمی اس کی آمد سے پہلے اس بات پر بھی نگاہ رکھیں گے کہ فارمیسی میں داخل ہونے والے اندر ہی غائب نہ ہونے لگیں۔ وہ آنے اور جانے والوں کا پورا حساب رکھیں گے۔"
"بس، میں باہر سے کارروائی کی تیاری کرتا ہوں" آئی مین کے بارے میں اطلاع پا کر اس کے ذہن پر عجلت سوار ہو چکی تھی۔
"یہ خیال رکھنا کہ وہ ذہین ہے تو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا تاکہ اس کے خلاف ہمیں کسی تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ اس جیسے لوگ آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کرتے۔"
"تم نے آنے جانے والوں کے حساب کی بات کر کے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ٹھیک دو بجے آئے گا۔"
اول خان کے اس حساب پر میرا چونکنا فطری تھا "تم نے یکایک یہ حساب کیسے لگا لیا؟"
"تم بھول گئے کہ حرافہ میڈم نے منیر کو ملاقات کے لیے دو بجے کا وقت دیا ہے۔ ابھی تک میڈم کا کردار کہیں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ آئی مین نے ملاقات کے وقت کا تعین کل ہی کر لیا تھا اور پھر اپنے کسی گرگے کے ذریعے میڈم کو تمہاری طرف بھیج دیا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر سے تمہاری دکان کے کسی ملازم کا انتظار کر رہی ہوگی۔ دو بجے کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دھوپ کی وجہ سے بازار کی رونق ماند پڑ جاتی ہے۔ منیر میڈم سے مل رہا ہوگا تو دکان میں تمہارے ساتھ صرف ایک آدمی رہ جائے گا۔ آئی مین کی آمد کے لیے وہ وقت موزوں ترین ہوگا۔ وہ آوارہ عورت منیر کو کچھ دیر تک باتوں میں الجھانے کے بعد رخصت ہو جائے گی۔"
"تم کو اس کا بندوبست بھی کرنا ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔
"اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس وقت اسے جہنم میں ڈالو۔ اس پر ہم ہر وقت ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی ساری توجہ آئی مین پر مرکوز رکھنی ہے۔ وہ ایک مرتبہ آ کر نکل گیا تو دوبارہ ہاتھ نہیں آ سکے گا۔"
"ٹھیک ہے۔ تم اپنا بندوبست کرو۔ ہمیں باتوں میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔"
"اوکے اینڈ تھینک یو!" اول خان کی طرف سے سلسلہ موقوف ہو گیا۔
ایر پیس رکھ کر میں خالی الذہنی کے عالم میں اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اول خان نے اپنی دانست میں میڈم نامی عورت کا ایک عملی کردار دریافت کر لیا تھا مگر پھر بھی بہت سی باتیں میرے لیے ناقابل فہم تھیں۔ وہ سارا منصوبہ میرا بنایا ہوا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس میں منصوبہ بندی کا سرے سے کوئی دخل نہیں تھا۔ آئی مین سے ہونے والی گفتگو میں، میں اسے شبہے کا موقع دیے بغیر بولتا چلا گیا۔ وہ ایک بات کہتا تھا تو میرے پاس اس کا برجستہ جواب موجود ہوتا تھا۔ ٹیلی فون پر دو مرتبہ ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں جو کچھ سامنے آیا تھا، وہ مجھے یکایک کچھ حیرت ناک نظر آنے لگا تھا۔
اگر آئی مین بلا سوچے سمجھے ہمارے بنائے ہوئے چوہے دان کی طرف چلا آ رہا تھا تو ذہنی طور پر وہ شخص اس قابل نہیں تھا کہ شی جیسی عالم گیر تنظیم میں کوئی مرکزی ذمے داری ادا کر سکے۔ اس نے ہمارے لیے سب کچھ اس قدر سہل بنا دیا تھا کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔
وہ شہر کے اس گنجان علاقے میں اپنے ساتھ کتنی بھی نفری لے آتا، اس کے لیے زندہ بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے مار گرانے کی کوششوں میں ایس ٹی ایف کو بھی جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا۔ راہ چلتے جو لوگ زخمی ہوتے یا مارے جاتے، وہ اس مقابلے کو زیادہ خونین بنا دیتے۔ میں اپنے دل میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ آئی مین ان خطرات کی طرف سے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوگا۔

وہ دنیا بھر میں خطرات سے دن رات کھیلنے والا ایک مہم جو مجرم تھا۔ میری کامیاب ترین گفتگو اور صدا کاری کے باوجود وہ آزمائش کے بغیر مجھ پر سو فیصد اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اس کے دل میں بے اعتباری کی ذرا سی بھی رمق تھی تو اس کا آخری پیغام بالکل احمقانہ تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک بڑی اور اہم مہم تھی۔ اول خان کو اس کی تیاری کے لیے وقت درکار تھا۔ اسے جلد از جلد مطلوبہ نفری کا بندوبست کرنا تھا۔ میں نے فون یا اپریٹس پر دوبارہ رابطہ کر کے اس کا وقت خراب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے اعصابی تناؤ کے ساتھ' کیبن میں بیٹھا سگریٹیں پھونکتا رہا۔

ایک بجے اول خان نے اپریٹس پر رابطہ کر کے بتایا کہ اس نے پہلے سے موجود دو آدمیوں کے علاوہ اسٹیشن فور سے چار کمانڈوز طلب کر لیے تھے تاکہ زیادہ بھیڑ بھاڑ کے بغیر اور کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ آئی مین کو زیر کیا جا سکے۔ ان میں سے ایک آدمی میڈم کو سنبھالنے پر مامور کیا گیا تھا۔ بقیہ پانچ افراد کو اول خان کی کمان میں رہ کر فارمیسی میں اپنی تیز ترین کارروائی کرنی تھی۔

اول خان اس وقت بہت زیادہ پر امید اور پر جوش تھا۔ میں نے اس پر اپنے نئے اندیشوں کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت کی اہم ترین صورت حال یہ تھی کہ وہ منظر نامہ میرا پیدا کیا ہوا تھا اور میں جذباتی طور پر اس سے قطعی الگ تھلگ ہو چکا تھا۔ اول خان شروع سے میرے مشیر اور مبصر کے طور پر شریک رہا تھا لیکن وہ جذباتی طور پر ان واقعات میں پوری طرح ملوث ہو چکا تھا۔ اسے وہ تاریک گوشے نظر نہیں آ رہے تھے جو میری نظروں میں آ چکے تھے۔

کسی ہنگامی صورت حال میں باہمی رابطے کے لیے وہ سب اسی ساخت کے ٹرانسمٹرز سے لیس تھے جو میرے پاس موجود تھا۔ اسے آن رکھ کر میں ان کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو سن سکتا تھا لیکن فیصلہ کن لمحات میں یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے دو مرتبہ کیبن سے کاؤنٹر پر آ کر باہر کا جائزہ لیا۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا' کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔

پونے دو بجے منیر جھجکتا ہوا میرے کیبن میں آ گیا اور نیچی آواز میں بولا "صاحب! میں کھانا کھانے جا رہا ہوں' میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جاؤ مگر جلدی لوٹ آنا۔" میں نے روانی میں کہہ دیا۔

"اس عورت نے مجھ سے دو بجے ملنے کا وعدہ لیا تھا' میں اس سے ملوں یا نہ ملوں؟" اس نے پوچھا۔

آئی مین کی پیدا کی ہوئی الجھنوں میں گھر کر میں نے میڈم کو فراموش کر دیا تھا۔ اس کے یاد دلانے پر میں نے جلدی سے کہا "اس سے ضرور ملو۔ اب تم کو بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ تمہاری زبان سے نکلا ہوا کوئی غلط لفظ مجھے یا جہانگیر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری احتیاط کروں گا" اس نے ادب سے کہا۔

میں اسے شیشے میں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ باہر کیش اور کاؤنٹر پر قمر تنہا رہ گیا تھا۔ اس وقت دکان گاہکوں سے خالی ہو چکی تھی۔

دو بجنے کے قریب میرا اعصابی تناؤ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ وقت کے تعین کے بارے میں اول خان کی بات محض اس کے قیاس پر مبنی تھی مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دو بجے ہی کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔

ساتھ چلے آؤ" اول

میری نگاہیں شیشے کے پار دکان کے داخلی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ اپنے لباس اور شکل وصورت سے کوئی معقول مقامی نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی قمیص کے کالر پر سیاہ ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک پرچہ قمر کو تھمایا اور اطمینان سے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوگیا۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کے مانند گونجی۔ قمر نئے گاہک کے ساتھ مصروف تھا۔ میں نے ریسیور اٹھالیا۔

"جہانگیر! میں نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے" ریسیور پر آئی مین کی شناسا آواز سن کر میں یک لخت سناٹے میں آگیا۔ وہ موبائل فون سے بول رہا تھا کیونکہ اس کی آواز میں گھٹتی بڑھتی ہوئی ریڈیائی گونج شامل تھی۔

"میں انتظار میں تھا کہ آج تم سے میری ملاقات ضرور ہوگی...."

"ملاقات ضرور ہوگی" اس نے میری بات درمیان سے کاٹ کر کہا "ذرا دیکھو، تمہارے کاؤنٹر پر سیاہ ٹائی میں ملبوس ایک گاہک پہنچا ہوگا۔ وہ میرا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آرہا، تم کو اس کے ساتھ میرے پاس آنا ہے۔"

میرے وجود میں بے یقینی کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ آخرکار میرے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ آئی مین نے عین وقت پر قلابازی کھائی تھی۔ میں نے کہا "تم اپنے وعدے سے انحراف کررہے ہو۔ تم کو آنا تھا۔ اب مجھے بلارہے ہو۔ پتا نہیں تم میرے ساتھ کیا سلوک کروگے۔ تمہارا آدمی اس وقت کاؤنٹر پر موجود ہے۔"

"کوئی بدسلوکی نہیں ہوگی۔ تم سلور آئی دیکھ کر لوٹ جانا۔ میرا ابتدائی وعدہ ملاقات کا تھا۔ یہ طے نہیں ہوا تھا کہ ہم میں سے کون کس کے پاس آئے گا۔ تمہاری دکان کے آس پاس کا ماحول میرے لیے مخدوش ہے۔ تم کو میری طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے ابتدائی جھٹکے کے بعد سنبھالا لیا اور جلدی سے کہا "مجھے بدسلوکی کا ڈر نہیں ہے۔ تمہارے غصے کا خوف ہے، شاید تم کو میری یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں نے تم سے سلور آئی دکھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ تم یقین کرو کہ اس خواہش میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں ہے۔"

"میں تمہاری محتاط روی سے خوش ہوا ہوں اسی لیے میلوں کی مسافت طے کرکے یہاں آیا ہوں۔ میری گاڑی ایک گلی میں موجود ہے۔ تم چند منٹ میں پیدل چل کر آسکتے ہو۔ میرا آدمی زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ دوائیں خرید کر پانچ منٹ میں دکان سے نکل جائے گا۔"

میں نے اسی لمحے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ شاید اس کا نسخہ لمبا تھا۔ قمر کاؤنٹر کے پیچھے بنے ہوئے شیلف سے دوائیں نکال رہا تھا، کالی ٹائی والا پورے اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ میرے لیے یہ بات خوش آئند تھی کہ مجھے آئی مین کے کسی ٹھکانے پر نہیں جانا تھا۔ ہماری ملاقات ایک گلی میں ہونے والی تھی۔ اس تبدیلی نے مجھے اول خان کے انتظام کی طرف سے مضطرب کردیا تھا۔ اس نے فارمیسی پر کارروائی کرنے کی تیاری کی ہوئی تھی۔ میرے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ اسے بدلی ہوئی صورت حال سے آگاہ کرتا۔ فون پر آئی مین بات کررہا تھا۔ باہر کاؤنٹر پر اس کا مقامی ہرکارہ کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرنے میں تاخیر کرتا تو سیاہ ٹائی والا خاموشی سے لوٹ جاتا اور آئی مین میری طرف سے بدظن ہوجاتا۔

مجھے یہ امید تھی کہ اول خان کے نزدیک دو بجے کا وقت اہم تھا۔ اس وقت دو بجے سے چند منٹ اوپر ہوئے تھے۔ اگر وہ مجھے کالی ٹائی والے کے ساتھ دکان سے باہر نکلتا ہوا دیکھتا تو ضرور چونک پڑتا اور خاموشی سے میرا پیچھا کرنا شروع کردیتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی پوری نفری اس کے ساتھ حرکت میں آتی۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آئی مین کی گاڑی تک پہنچ کر اصلیت کا ادراک کرتا تو کوئی مضبوط کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا۔ آئی مین پر ادچھا وار کرتا یا پھر ہاتھ ملتا رہ جاتا۔

"آئی مین نے اپنے پروگرام میں تبدیلی کرکے ہم سب کو ایک کٹھن امتحان میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بارے میں ہمارے سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

"بس میں آرہا ہوں" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔

میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ کالی ٹائی والا اپنی دوائیں خرید چکا تھا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو وہ واپسی کے لیے مڑ چکا تھا۔ مجھے اپنی حماقت پر غصہ آیا کہ میں نے چند منٹ کی وہ مہلت آئی مین سے بے نتیجہ بحث میں ضائع کردی۔ میں وہ وقت بچالیتا تو چند لمحوں میں اول خان کو بدترین خطرے کے بارے میں کوئی پیغام دے سکتا تھا۔ میں تیزی سے کیبن سے باہر نکلا اور بھائی صاحب کہہ کر ٹائی والے کو دکان اترنے سے روک دیا۔

وہ سنجیدگی سے مڑ گیا۔ میں قمر کو ہکا بکا چھوڑ کر اس کی

طرف ہولیا اور اس کے قریب پہنچ کر رازداری سے پوچھا "ہمیں کتنی دور جانا ہے۔"

"تمہیں فون پر بتادیا گیا ہوگا" اس نے بے پروائی سے کہا اور دکان سے نکل گیا' میں اس کے پیچھے ہولیا۔

دکان کا فرش فٹ پاتھ سے خاصا بلند تھا۔ اس بلندی سے مجھے اول خان یا اس کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ وہ سب ر جانے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ دیکھے جانے کی امید میں' میں نے سر کھجانے کے بہانے اپنا ہاتھ سر تک اٹھایا اور پھر ہلا دیا۔ الی ٹائی والا مجھ سے آگے تھا اس لیے میری اس حرکت سے بے خبر رہا۔

دکان سے چند سو قدم دور نکل آنے کے بعد وہ یکے بعد یگرے دو گلیوں میں مڑا اور پھر میں نے وہ اکلوتی سیاہ کار دیکھ جو اس سنسان گلی کے وسط میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کار کے پچھلے شیشے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کار کے سارے شیشے یاہ تھے جن میں سے اندر کا جائزہ لینا' ممکن نہیں تھا۔

"کالی کار کے بائیں طرف کی پیچھے والی کھڑکی تمہاری ہے" کالی ٹائی والے نے مجھے بتایا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔

میری جیب میں صرف بیم گن پڑی ہوئی تھی۔ داہنے تھ کی انگلیوں میں اول خان کی دی ہوئی وہ دو انگوٹھیاں جود تھیں جن کے کھوکھلے نگینے زہریلے سیال اگلتے تھے۔ ے کچھ پتا نہیں تھا کہ میرے پیچھے کون کون آ رہا تھا۔ پیچھے مڑ ر دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کار والے اپنے نب نما آئینے میں پوری توجہ سے میرا جائزہ لے رہے ہوں گے۔ اگر میں ان کی نامعلوم نفری کے خلاف اپنے طور پر کوئی م اٹھاتا تو اس کا کوئی خوش گوار نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ی۔

کالی ٹائی والا میرے پہنچنے سے پہلے پسنجر سیٹ کا دروازہ ول کر اندر بیٹھ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ دروازہ کھلنے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے میرے وجود تک آئے تھے۔ گرم سم میں گاڑی کا ائرکنڈیشنر چلانے کے لیے انجن رواں رکھنا روری تھا۔

میں بائیں طرف کی پچھلی کھڑکی کے قریب رکا تو خود ر شیشہ آہستگی سے قدرے نیچے پھسلا اور میرے کانوں میں ں مین کی پرسکون آواز آئی "جھک کر اندر جھانک لو۔ سلور ں میری ہتھیلی پر موجود ہے۔ میں نے اپنی طرف سے تمہیں مئن کر دیا ہے۔"

میں نے بڑھ کر شیشے کی کشادہ جھری میں سے اندر جھانکا ندر خاصا اندھیرا تھا مگر دن کی روشنی کے انعکاس میں آئی ں کی سفید ہتھیلی پر سلور آئی چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس

دوران میں' میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ کار کی عقبی نشست پر آئی مین اکیلا تھا۔ اس تنومند سفید فام کی آنکھوں پر بڑے شیشوں کی سیاہ عینک چڑھی ہوئی تھی۔ سر پر ہیٹ جما ہوا تھا اور چہرہ ایک رنگین رومال میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی شناخت چھپانے کی ہر ممکنہ کوشش کی تھی۔

"تمہاری سلور آئی کہاں ہے؟" میرے جھکتے ہی آئی مین نے سرد آواز میں سوال کیا۔

"پروگرام بدل جانے کی وجہ سے وہ دکان کی تجوری میں رہ گئی" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں فی البدیہہ جھوٹ بولا حالانکہ وہ میری جیب میں پڑی ہوئی تھی۔

"تم گندے سور ہو" اندر سے اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور کھڑکی کا شیشہ سرک کر بند ہوگیا۔

میں تیزی سے کار سے دور ہٹ گیا۔ میرے ہٹتے ہی کہیں سے پہلی گولی چلی اور کار کی پچھلی ونڈ شیلڈ پر پڑ کر اچٹ گئی۔ گولی ٹکرانے کی پرشور آواز بتا رہی تھی کہ سیاہ کار کے شیشے بلٹ پروف تھے۔ میں ایک چبوترے کی اوٹ میں زمین پر گر گیا۔

دھماکا ہوتے ہی کار حرکت میں آئی تھی۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے دو مزید فائر ہوئے۔ اس بار کار کا ایک پچھلا ٹائر پھٹ گیا۔ مگر ڈرائیور نے رکنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ اس کی اگلی کھڑکی سے میں نے ایک سیاہ گولا فضا میں اچھلتے دیکھا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور پوری فضا گہرے سیاہ دھوئیں سے بھرتی چلی گئی۔ جو میرے اور کار کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔ میں آئی مین کی گاڑی سے قریب ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ کرسکا۔

فائرنگ اور دھماکے کے بعد وہ سنسان گلی شور اور چیخوں سے گونج اٹھی۔ لوگ دہشت زدہ ہو کر گھروں اور کارخانوں سے نکل بھاگے تھے۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو اول خان کو دیکھا۔ وہ پھیلتے ہوئے دھوئیں سے بچ کر مجھے تلاش کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ممنوعہ بور کی رائفل دبی ہوئی تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجھے کار سے دور ہٹتے ہوئے دیکھ لینے کے بعد پہلا فائر کیا تھا لیکن شاید فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جگہ کا تعین نہیں کرسکا تھا۔

ہم دونوں دوڑتے ہوئے' بدحواس لوگوں کے ہجوم سے گزرتے چلے گئے۔ اول خان کی رائفل کی جھلک دیکھ کر بھیڑ کائی کی طرح پھٹ رہی تھی۔

"اب دکان کا رخ نہ کرنا۔ میرے ساتھ چلے آؤ" اول خان نے ہدایت کی۔

فائرنگ اور بم کے دھماکے کی آوازیں دور دور تک سنی گئی تھیں۔ گلیوں سے مین روڈ تک شدید بھگدڑ اور افراتفری کا عالم تھا۔

اول خان مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ اپنی رائفل کی وجہ سے وہ ہر ایک کی نگاہوں میں آچکا تھا۔ بہت سے لوگ حیرت اور خوف کے عالم میں ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرکے فوری طور پر گاڑی آگے بڑھائی اور بائیں ہاتھ سے ایرپیس اٹھا کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔ میں نے اپنی تمام تر وحشت کے باوجود یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس نے عورت کو فوری طور پر اسٹیشن فور پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

"یہ بہت برا ہوا" اپنے کام سے نمٹ کر اول خان نے پرملال آواز میں پہلا تبصرہ کیا۔ "وہ ہماری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے آخری لمحات پر اپنا پروگرام بدل کر ہمیں مات دے دی۔ کیا تم کو اتنا وقت بھی نہیں ملا کہ مجھے ہوشیار کردیتے؟"

"آئی مین فون پر تھا اور اس کا آدمی کاؤنٹر پر کھڑا ہوا تھا۔ میں چلنے میں ذرا سی تاخیر کرتا تو بات بگڑ جاتی۔"

"مجھے معلوم ہے" وہ سہلاتے ہوئے بولا "تم کو ذرا سی بھی مہلت مل جاتی تو اس وقت کا نقشہ مختلف ہوتا۔"

"سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ مجھے سوچنے سمجھنے یا کچھ کرنے کا موقع نہیں ملا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا پھر پوچھا "اب ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"میڈم کو پکڑ لیا گیا ہے۔ میرے آدمی اسے اپنے ساتھ اسٹیشن فور لائیں گے، ہم بھی ویرا کو لے کر اسی طرف جائیں گے۔"

"یہ بھی مجبوری ہے۔ اس وقت وہ عورت اکلوتی کڑی ہے۔ اس کے سہارے شاید ہم آگے بڑھ سکیں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ آئی مین نے اپنا جو پروگرام دیا ہے، وہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔"

"چوک ہوگئی۔ ہم دوسروں کے دماغ پڑھنے سے قاصر ہیں۔ کہیں نہ کہیں رسک لینا پڑتا ہے۔"

اگر اس گاڑی پر تین فائر نہ کیے گئے ہوتے تو بات نہ بگڑتی۔ وہ مجھے سلور آئی دکھا کر لوٹ جاتا اور میں بعد میں کسی موقع پر اسے دوبارہ گھیر سکتا تھا۔ فائرنگ نے یہ ثابت کردیا تھا کہ میں آئی مین کے مخالفوں میں سے تھا اور اسے دانستہ پھانسنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے وہ بات اول خان سے نہیں کہی ورنہ وہ دل گرفتہ ہوجاتا۔ اس نے اضطراری طور پر وہی کچھ کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اس میں اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے راستے سے فارمیسی فون کیا تو وہاں گھنٹیاں [بجتی] رہیں، کوئی جواب نہیں ملا۔ گھر فون کیا تو پتا چلا کہ اتنی [دیر] میں جہانگیر کو اس واقعے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ مجھ [سے] بات کرنے کے لیے سخت بے چین تھا۔ اس کی زبانی [...] معلوم ہوا کہ ایک آدمی مجھے دکان سے اٹھا لے گیا تھا۔ [...] کے بعد وہ علاقہ فائرنگ اور بم کے دھماکے سے گونج اٹھا۔ [...] والے میری خیریت کی طرف سے فکرمند تھے۔ خیریت معلوم ہوجانے کے بعد ویرا واقعات کی تفصیل جاننے پر مصر ہوگئی۔

میں نے اسے تیار رہنے کی ہدایت کی اور سمجھایا [کہ] اسٹیشن فور کے راستے میں اسے سب کچھ بتا دیا جائے [گا۔] دوسری ضروری ہدایت سلطان شاہ کے لیے تھی۔ بھگدڑ [میں] میری گاڑی لی مارکیٹ میں ہی رہ گئی تھی۔ اس کا وہاں [سے] ہٹایا جانا ضروری تھا۔

ہم گھر پہنچے تو ویرا تیار تھی۔ میں نے غزالہ کو اختصار سے وہ واقعہ سنایا اور رکے بغیر ویرا کو ساتھ لے کر اول [خان] کے ہمراہ اسٹیشن فور کی طرف چل دیا۔ ویرا اپنی عادت [کے] مطابق راستے بھر مجھ سے سوالات اور جرح کرتی پھر اس [نے] بے دھڑک وہ بات کہہ ڈالی جو میں اپنے دل میں لیے [ہوئے] تھا۔ مجھے اول خان کی دلجوئی کا خیال تھا لیکن ویرا [اس] رواداری کی قائل نہیں تھی۔

"تم نے صحیح نشان دہی کی ہے۔ فائرنگ نہ ہوتی [تو] معاملات نہ بگڑتے" اول خان نے افسردگی سے اعتراف [کیا۔] "مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ کار کے شیشے بلٹ پروف ہیں تو [میں] گولی نہ چلاتا۔ میں نے پہلا فائر پچھلے شیشے پر کیا تھا۔ وہ [ٹوٹ] جاتا تو کار میں موجود ہر فرد لہولہان ہوجاتا اور وہ فرار [کے] قابل نہ رہتے۔"

"تم اپنی جگہ درست تھے" میں نے اس کی تائید [کی۔] "کوئی قدم اٹھانے کے بعد ہی اس کی خوبیاں اور خامیاں سامنے آتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ جو شخص مجھے دکان [سے] اٹھا کر کار تک لے گیا، صورت سے شریف اور تعلیم یافتہ [نظر] آرہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ کرائے کا آدمی ہوگا مگر وہ [اس] گاڑی کا تیسرا سوار تھا۔ اسی نے اپنی کھڑکی سے دھوئیں [کا بم] پھینک کر تمہاری راہ مسدود کردی ورنہ وہ گاڑی دور [تک] تمہاری رینج میں رہتی۔"

"اس کو میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا" [اول] خان نے تلخی سے کہا "اگر اچانک دھوئیں کا بادل نہ [چھا] جاتا تو میں گاڑی پر مزید گولیاں چلاتا۔ پیچھے کا دوسرا ٹائر [بھی] پھٹ جاتا تو وہ فرار نہیں ہوسکتے تھے۔ سڑک کی رگڑ [...]

ٹائروں میں آگ لگ جاتی۔"

"تم کو انہیں تلاش کرنا چاہیے تھا" ویرا نے ایک اور شوشا چھوڑا "تین ٹائروں پر وہ زیادہ دور نہیں نکلے ہوں گے۔ کہیں رک کر انہوں نے ٹائر بدلا ہوگا۔"

"تم گھاس کھا گئی ہو" میں نے چڑ کر کہا "تم نے شاید وہ علاقہ نہیں دیکھا۔ سڑکوں اور گلیوں کی بھول بھلیوں میں ان کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔"

"آسان نہیں تو ایسا ناممکن بھی نہیں تھا۔ ایک کوشش ضرور کی جاسکتی تھی" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"وقت پر صحیح فیصلہ کرنے اور بعد میں کیڑے نکالنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آئی مین کے پہلے فون کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ عقل ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ غنیمت ہے کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر میرا پیچھا کرلیا ورنہ مجھے کہیں سے مدد کی امید نہیں تھی" میں نے اسے جواب دیا۔

"میں نے دکان پر مستقل نظر رکھی ہوئی تھی۔ میں چاہتا تو اپنی پوری نفری کو ساتھ لے لیتا مگر میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ آدمی تمہیں کہاں لے جارہا ہے۔ یہ عقدہ سیاہ کار دیکھنے کے بعد کھلا۔ اس وقت میں اپنے آدمیوں سے بہت دور آچکا تھا۔"

"مجھے امید ہے کہ اب میڈم کام کی کوئی نہ کوئی بات اگلے گی" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تم دیکھنا کہ میں اس سے کس طرح کھایا پیا تک اگلواتی ہوں۔" ویرا نے فخر سے دعویٰ کیا۔

ہم اسٹیشن فور پہنچے تو اول خان کے ساتھی اس عورت کو ایک کمرے میں بند کرچکے تھے۔ ہم تینوں وقت ضائع کیے بغیر وہیں پہنچ گئے۔

میڈم اس وقت چست جینز اور قمیص میں ملبوس تھی۔ وہ ادھیڑ عمر مگر طرح دار عورت تھی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے، سراسیمگی کے عالم میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کے قدموں کی آہٹیں سن کر اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں سخت ہراس تھا۔

"میں بے قصور ہوں۔" ہمیں دیکھتے ہی وہ رونے لگی "میں ایک آدمی سے پتا پوچھ رہی تھی۔ یہ لوگ مجھے بلاوجہ پکڑ لائے۔"

ویرا اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی اور پھر اس کے بال جکڑ کر اسے فرش سے اٹھا دیا۔ اگلے ہی لمحے ویرا فضا میں اڑتی نظر آئی۔ اس کی داہنی ایڑی پوری قوت سے میڈم کے جبڑے پر پڑی اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اچھل کر دور جا گری۔ ویرا اپنے قدموں پر لپکی اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے چہرے پر مکے برسانے شروع کردیے۔ میڈم لڑاکا عورت نہیں تھی۔ وہ رو رو کر اپنا بچاؤ کرتی رہی۔ ویرا اسے ادھیڑتی رہی۔ مقابلہ بالکل یک طرفہ تھا۔

جب ویرا اسے مارتے مارتے تھک گئی تو اس کے سینے سے اتر آئی۔ اس نے اپنی شکار کو ادھ موا کردیا تھا۔

"ہم وقت برباد نہیں کریں گے۔ اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ تم غداری جیسے سنگین جرم میں ملوث ہوئی ہو۔" اول خان نے قریب ہو کر اسے دھمکایا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے خالد نے مروایا ہے۔" اس نے روتے اور کراہتے ہوئے کہا "اس نے کہا تھا کہ مجھے ایک معمولی اور بے ضرر کام کرنا ہے۔"

"رونا بند کرو اور اپنا نام بتاؤ۔" اول خان نے اسے ڈانٹا۔

"میرا اصل نام فرزانہ ہے مگر اب سب میڈم کہتے ہیں۔" اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے روہانسی آواز میں بتایا۔

"اور یہ خالد کون ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

اس نے جو کچھ کیا وہ ہمارے سامنے تھا۔ اس سے بہت زیادہ معلومات حاصل ہونے کی توقع نہیں تھی۔ کلیدی بات یہ تھی کہ اسے کس نے منیر کو الجھانے کے کام پر مامور کیا تھا۔ ہمارا اگلا شکار وہی شخص ہونا تھا۔

"میرا پرانا دوست ہے۔ ناظم آباد میں رہتا ہے۔" اس نے اپنی گلو خلاصی کے لیے ایک قدم آگے تک جواب دے ڈالا۔

"ہمیں اس کا پتا درکار ہے تاکہ اس سے تمہارے بیان کی تصدیق کی جاسکے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"میں نے کبھی اس کا گھر نہیں دیکھا۔" فرزانہ سہمی ہوئی آواز میں بولی "اسی نے بتایا تھا کہ وہ ناظم آباد میں رہتا ہے۔ مجھے اس کا فون نمبر یاد ہے۔"

اس نے نمبر بتایا جس کے ابتدائی تین ہندسے ناظم آباد کی نشان دہی کررہے تھے۔

"اب تم دیکھ لو کہ یہ اپنی دوسری سرگرمیوں کے بارے میں کیا بتاتی ہے۔" میں نے ویرا سے کہا اور اول خان کو اشارہ کرکے باہر نکل گیا۔

اول خان بھی میرے پیچھے باہر آگیا "ہمیں فوری طور پر خالد تک پہنچنا چاہیے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا [illegible] کرے۔ ہمیں ان

لوگوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

میں خود اسی فلسفے کا قائل تھا۔ دشمن کو ذرا بھی مہلت دینے کا مطلب اپنی موت کو دعوت دینا ہوتا ہے اور آئی مین ہماری توقع سے کہیں زیادہ چالاک ثابت ہوا تھا۔ اس کے آدمیوں کو پہلی فرصت میں کچلنا تھا تاکہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو آگے بڑھانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

اپنے دفتر میں آکر اول خان نے ٹیلی فون کے محکمے میں اپنے دوست کو فون کرکے فرزانہ کا بتایا ہوا نمبر دے دیا اور اس سے جلد از جلد پتا دینے کا وعدہ لے کر فون بند کردیا۔

میں جہانگیر کو آئی مین کے بارے میں بتا چکا تھا۔ جو رہ گیا تھا وہ اس نے صبح کے اخبارات میں خود پڑھ لیا ہوگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے دونوں ملازمین سے ملنے والی ادھوری معلومات پر وہ کس قدر پریشان ہوگا۔ اسے یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ مطلع صاف ہونے تک وہ دکان بند کرا کے اپنے دونوں آدمیوں کو گھر بٹھادے تاکہ آئی مین کی کسی جوابی کارروائی میں مال کے ساتھ ساتھ جانی نقصان بھی نہ اٹھانا پڑے۔

اول خان کے دفتری فون پر خالد کے پتے کے بارے میں کال آنے والی تھی اس لیے میں نے موبائل فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کو ملی۔" میری آواز پہچانتے ہی اس کی مسرت سے لبریز آواز سنائی دی "منیر اور قمر نے مجھے جو تشویش ناک خبریں سنائی تھیں‘ ان سے میں پریشان ہوگیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دشمنوں نے تمہیں اغوا نہ کرلیا ہو۔"

"یہ سب تمہارے کرتوتوں کا خمیازہ ہے جو میں بھگت رہا ہوں۔"

"میں نے کون سے کرتوت کیے ہیں جن کا تم طعنہ دے رہے ہو؟" اس کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔

"کیا تم دکان پر عورتوں کو بلا کر ان کے ناز و نخرے نہیں اٹھاتے تھے؟"

"یار‘ خدا کا خوف کرو۔ وہ بے چاری یتیم لڑکیاں اور غریب بیوائیں ہوتی ہیں جو مدد لینے کے لیے میرے پاس آتی ہیں۔"

"بہت شوق ہے۔ تمہیں ایسی عورتوں اور لڑکیوں کی مدد کا۔ کیا لڑکے یتیم اور بے سہارا نہیں ہوتے۔ ایسا کرو کہ اپنی دکان کا نام بدل کر گولڈن فارمیسی اینڈ یتیم خانہ رکھ لو تاکہ شہر کے سارے ضرورت مندوں کو تم تک پہنچنے میں آسانی ہو۔"

"تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کیا ہوا ہے۔"

"منیر سے پوچھ لو۔ ایک عورت ہماری شامت بن کر وہاں نازل ہوئی اور ہم کو بھاگنا پڑا۔ اب ملوں گا تو تم کو تفصیل بتاؤں گا۔"

"سنا ہے کہ وہاں فائرنگ ہونے کے ساتھ بم بھی چلے ہیں۔"

"یہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوا۔ بس زندگی تھی جو بچ گئی۔ اب دکان کو تالا لگادو۔ میری اگلی ہدایت تک تم یا تمہارے آدمی دکان کا رخ نہیں کریں گے۔ میری اس ہدایت کی خلاف ورزی کی تو ہر نقصان کے تم خود ذمے دار ہوگے۔"

"کیا یہ وہی شی والا چکر چل رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہی چکر ہے۔ وہ لوگ خوں خوار تیوروں کے ساتھ میدان میں اترے ہیں۔ دیکھو یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوتا ہے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تازہ مصیبت کسی عورت کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔"

"شی کا چکر تھا مگر اس میں عورت کا رول اہم تھا۔" میں نے بلاوجہ اس پر رعب گانٹھا "اسی لیے کہتا ہوں کہ غیر عورتوں سے دور رہا کرو۔"

"میں دور رہوں گا لیکن یہ بتاؤ کہ نیا چکر کب تک ختم ہوگا۔" اس کی آواز پر تشویش تھی۔

"یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آج آئی مین میدان چھوڑ کر بھاگ جائے تو آج ہی یہ قصہ ختم ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

اسی وقت اول خان نے انگلی کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں اس کی بات سمجھ کر سنبھل گیا۔ کچھ عرصے سے سی ایس ڈی کے مسلسل استعمال کے سبب ہماری عادتیں بگڑ گئی تھیں اور ہم فون پر غیر محتاط گفتگو کرنے لگے تھے جو اس وقت کے حالات میں مناسب نہیں تھا۔ میں اس وقت اپنے موبائل پر بات کررہا تھا جو غیر محفوظ تھا۔ اول خان نے اشارہ کرکے مجھے یہی یاد دلایا تھا کہ مجھے براہِ راست شی اور آئی مین وغیرہ کے ذکر سے گریز کرنا چاہیے۔

"تم گھر کا چکر کب لگا رہے ہو؟ مجھے نظر آرہا ہے کہ اب وہ تمہارا فریب سمجھ جائے گا اور براہِ راست مجھ تک پہنچنے کی کوششیں شروع کردے گا۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔ یہ نکتہ میری نگاہ میں ہے۔ تمہاری حفاظت کا بندوبست ہوجائے گا لیکن اب بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا۔ زخمی گیدڑ آدم خور شیر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

اول خان کے دوسرے فون کی گھنٹی بجی پر میں نے جہانگیر سے

اپنی گفتگو اسی وقت ختم کردی۔ میں نے اسے اہم ترین ہدایات دے دی تھیں۔ وہ ان پر عمل کرتا تو آنے والے نادیدہ خطرات سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔
اول خان اپنے ٹیلی فون والے دوست سے بات کررہا تھا۔ اس نے دوسری طرف سے بتایا ہوا پتا اپنے پیڈ پر نوٹ کرکے وہ پیڈ میری طرف سرکا دیا۔ میں نے اس تحریر پر ایک نظر ڈالی تو فون نمبر کے نیچے لکھا ہوا پتا ہر اعتبار سے مکمل نظر آیا۔ اپنا کام پورا ہوجانے کے بعد اول خان اپنے دوست کی مزاج پرسی کررہا تھا۔ چند بے تکلفانہ فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے فون بند کردیا۔
"اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے اپنی دونوں کلائیاں میز پر ٹکا کر متجسس لہجے میں پوچھا۔
"خالد کی گردن میں طوق ڈالنا ہے۔ فرزانہ بیکار عورت ہے۔ یہی کافی ہے کہ اس نے خالد کا نام اگل دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ بھی کسی گمنام فون کال کی کہانی نہ لے بیٹھے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا "اب ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔"
"ویرا کو بہت دیر ہوگئی۔" اول خان نے چونک کر کہا "وہ اب تک وہاں کیا کررہی ہے۔"
"آؤ! اسے دیکھتے ہیں۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "ناظم آباد کا رخ کرنے سے پہلے فرزانہ سے ایک اور ملاقات ضروری ہوگئی ہے۔"
"کیا کوئی بات رہ گئی ہے؟" اس نے میز کے پیچھے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔
"صرف نام سے بات نہیں بنتی۔ ہم کو خالد کا حلیہ وغیرہ بھی معلوم ہونا چاہیے جو فرزانہ بتا سکتی ہے۔"
"ہاں۔ یہ بات تو درست ہے۔" اس نے اپنے دفتر سے باہر آنے کے بعد پر خیال لہجے میں میری تائید کی "پوچھ گچھ کرنے کے بجائے، خالد کی شناخت کے لیے اسی کو اپنے ساتھ کیوں نہ لے لیا جائے۔"
اول خان سادہ لوح اور دلیر آدمی تھا۔ میرے سامنے پر پیچ باتیں نہیں کرتا تھا۔ جو بات اس کے دماغ میں آتی، اسے من و عن الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اپنی تجویز کی اونچ نیچ پر غور کیے بغیر بول پڑا تھا۔
"ویرا نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا "پتا نہیں ہمارے آنے کے بعد اس نے فرزانہ کا کیا حال کیا ہوا اتنی بری حالت میں ہم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے دروازے پر ایک زخمی عورت کی موجودگی کی خبر پاکر وہ گھر سے باہر نکلنے کے بجائے کسی اور راستے سے فرار ہوجائے۔"
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے جلدی سے کہا "فرزانہ کو گاڑی میں چھوڑ کر ہم اپنی کارروائی کریں گے۔ خالد کو پکڑ لینے کے بعد فرزانہ سے وہیں اس کی شناخت کروائی جاسکتی ہے۔ اس طرح ہم کسی وسوسے کے بغیر وہاں سے کامیاب ہوکر لوٹیں گے۔"
اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا۔ پوری جزئیات کے ساتھ اول خان کا مشورہ صائب اور قابلِ عمل تھا۔
"یہ طریقہ زیادہ بہتر رہے گا۔" میں نے اپنے پچھلے تبصرے کا ازالہ کرتے ہوئے کہا "اسے قابو میں رکھنے کے لیے ویرا ہمارے ساتھ رہے گی۔"
"اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ایس ٹی ایف میں دو چار عورتیں بھی ہونا چاہئیں۔" راستے میں اول خان نے کہا "عورتوں سے نمٹنے کے لیے عورتیں ہی بہتر رہتی ہیں۔ کم از کم میرا کوئی آدمی عورتوں پر بے رحمی سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"
"چاہو تو ویرا کو ان عورتوں کی کمان کی پیشکش کرسکتے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مصروفیت میں اس کا وقت اچھا گزرے گا۔"
ہم فرزانہ والے کمرے میں پہنچے تو ویرا وہیں کرسی ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرزانہ بہت ابتر اور زخمی حالت میں فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید درد اور اذیت کے سائے لہرا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اس وقت بہت مظلوم نظر آرہی تھی اور قابلِ رحم حالت میں تھی۔
"تمہاری باز پرس ختم ہوگئی ہو تو مجھے چند سوالات پوچھنا ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔
"میرا کام ختم ہوچکا ہے۔ یہ اپنے بگڑنے کی کہانی سنا رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے کرسی چھوڑ دی۔
"خالد کا حلیہ کیا ہے۔ اسے کس طرح پہچانا جاسکتا ہے؟" میں نے فرزانہ سے پوچھا۔
فرزانہ نے رک رک کر اور سوچتے ہوئے خالد کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ وہ متوسط قامت کا ایک سبک اندام شخص تھا۔ جو اپنے چہرے سے شریف اور شائستہ نظر آتا تھا۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ اس کا کسی جرم سے کوئی تعلق ہوگا۔ وہ کم و بیش چالیس سالہ مرد تھا اور کئی برس پہلے فرزانہ سے متعارف ہوا

تھا۔ اس کی شرافت اور دریا دلی کی وجہ سے دونوں کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی۔ فرزانہ اپنی عمر کے اس مرحلے میں تھی جہاں رنگین مزاج مرد اسے صرف احترام کی نظروں سے دیکھنا پسند کرتے تھے۔ اس نے خالد کو اپنی ذات کا سہارا بنالیا۔

خالد نے اسے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا' اس کے مطابق وہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ اسے ایکسپورٹ کے کاروبار سے معقول آمدنی تھی لیکن بیوی کی بد مزاجی کی وجہ سے گھریلو سکون نایاب تھا۔ فرزانہ کے لیے وہ شخص خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ بتانا چاہ رہی تھی مگر میں نے اسے روک دیا۔ مجھے خالد کی شناخت سے آگے' اس کی نجی اور ازدواجی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں اس کمرے سے نکلا تو اول خان اور ویرا نے بھی میری تقلید کی۔

"تم خالد کو گھیرنے جا رہے ہو تو میں بھی ساتھ چلوں گی۔" باہر آتے ہی ویرا نے اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

"فرزانہ ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کو تم ہی سنبھال سکتی ہو۔" میری زبان سے وہ الفاظ سن کر ویرا خوش ہوگئی۔

اول خان نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے ایک آدمی کے ذریعے ایک ڈبل کیبن پک اپ منگوالی جس کی اگلی دو نشستوں پر بیک وقت پانچ چھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ پچھلے بند حصے کو کسی قیدی وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

کسی شخص کو اس کے گھر سے اٹھانے کے لیے زیادہ بھیڑ ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فرزانہ کو قابو میں رکھنے کے لیے ویرا کافی تھی۔ واپسی پر خالد کو سنبھالنے کے لیے اول خان اپنے ڈرائیور کو استعمال کرسکتا تھا۔ ہم دونوں پک اپ کی پچھلی نشست پر سوار ہوئے۔ باہمی مشورے کے مطابق فرزانہ کو ساتھ لے کر ویرا پک اپ کے عقبی حصے میں چلی گئی اور ہمارا قافلہ تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور سے روانہ ہوگیا۔

ہمیں ناظم آباد جانا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی مغربی راستے پر ڈال دی جو ملیر چھاؤنی سے صفورا گوٹھ ہوتا ہوا یونیورسٹی روڈ پر نکلتا تھا۔

"اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوا تو کیا ہوگا؟" یونیورسٹی روڈ پر نکل آنے کے بعد اول خان نے سکوت توڑا۔

"رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنی پیش رفت تیز کرسکیں۔"

اول خان نے خاموشی اختیار کرلی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حسن اسکوائر سے ڈرائیور نے گاڑی ابن سینا روڈ پر موڑلی۔ غریب آباد اور لیاقت آباد سے ہوتے ہوئے ہم ناظم آباد میں داخل ہوئے تو پل عبور کرنے کے بعد مطلوبہ بلاک ہمارے داہنے ہاتھ پر تھا۔ ڈرائیور نے ایک مقام سے گاڑی اسی طرف موڑلی۔

وہ صاف ستھرا اور معززین کا رہائشی علاقہ تھا۔ ڈرائیور نے ایک جگہ گاڑی روک کر لانڈری سے اپنے مطلوبہ پتے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور گاڑی میں واپس آکر پورے اعتماد سے ایک طرف چل دیا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

"وہ سامنے والا چوتھا یا پانچواں مکان ہوسکتا ہے۔" اس نے انجن بند کرکے نشان دہی کی۔ وہ ایس ٹی ایف کا تجربے کار آدمی تھا اس لیے اس نے اپنی گاڑی خالد کے دروازے تک لے جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر ہم دونوں اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر پک اپ سے اتر گئے خالد کے دروازے پر جاکر اسے گھیرنا ہم دونوں کی ذمے داری تھی۔

وہ بڑے پلاٹ تھے اور بیشتر مکانوں پر نام پتے کی تختیاں کندہ یا آویزاں تھیں۔ ان کی مدد سے ہم آسانی کے ساتھ سیاہ پھاٹک والے مکان کے سامنے پہنچ گئے جو خالد کا مسکن تھا۔

اول خان نے ستون میں لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ مکان کے کسی اندرونی حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور ہم کسی کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت میں اپنے وجود میں اضطراب کی بے نام سی لہریں دوڑتی ہوئی محسوس کررہا تھا۔

چند منٹ بعد اندر کے پختہ فرش پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ آنے والے نے ہمیں اور ہم نے اسے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

میرے سامنے وہی شخص کھڑا ہوا تھا جو مجھے گولڈن فارمیسی سے اٹھاکر آئی مین کی گاڑی تک لے گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی اثنا میں موساد کے ایجنٹ رستم ایرانی کے انجام پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد شریف بھی اندرون سندھ این جی او چلا رہا تھا۔ مراد شریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں مظہر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیزی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈیزی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ڈیزی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں' میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ڈیزی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیث کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیث کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آ گیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جان ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا' چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے میں زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ذی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آ گئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ہیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے ہیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آ گیا تھا اور جلد ہی اسے عمر کوٹ منتقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں' میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کر لی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے اپنے شایان شان استقبال کا موقع ضرور فراہم کرے گا مگر وہ میری توقع سے ... زیادہ کائیاں تھا۔ اس نے ایک طرف جہانگیر کے ایک ملازم کو دکان سے باہر ایک عورت کے ذریعے الجھانے کا پروگرام بنایا۔ اس طرح وہ عورت ایس ٹی ایف والوں کی نظروں میں آ گئی۔ دوسری طرف اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف اس مشکوک عورت کا سراغ موجود تھا جس نے جہانگیر کے ایک ملازم کو الجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے اسے اٹھوایا اور پھر ذرا سی محنت کے بعد خالد نامی ایک شخص کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے اسے یہ کام سونپا تھا۔ ہم خالد کے دروازے پر پہنچے۔ کال بیل کے جواب میں جس شخص نے دروازہ کھولا وہ وہی تھا جس کے ساتھ میں آئی مین سے ملاقات کے لیے دکان سے باہر آیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت میں گم تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

چند گھنٹوں پہلے میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ دواؤں کے ایک عام خریدار کے بھروپ میں کالی ٹائی باندھے "گولڈن فارمیسی" کے کاؤنٹر پر پہنچا تھا اور اسی لمحے مجھے آئی مین کا فون موصول ہوا تھا کہ مجھے فارمیسی میں آئے ہوئے کالی ٹائی والے کے ساتھ فوری طور پر جانا تھا۔

میں نے اسے اور اس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ کسی بھی طرح یہ امکان نہیں تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچاننے میں کوئی غلطی کرتے۔ میں خالد نامی کسی نامعلوم شخص کی تلاش میں اس دروازے پر پہنچا تھا' وہ گھنٹی بجانے والے سے ملنے کے لیے باہر آیا تھا۔ ہم دونوں کا آمنا سامنا بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔ چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں ہی بھونچکا سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

پھر شاید اس کی کھوپڑی پر جمی ہوئی برف کچھ پگھلی اور وہ دروازہ بند کرنے کی پروا کیے بغیر اچھل کر اندر بھاگ گیا۔

وہ شرفا کی آبادی تھی۔ بظاہر وہ گھر بھی کسی عزت دار اور عیال دار شخص کا ٹھکانا معلوم ہو رہا تھا مگر میرے لیے وہ لمحات بہت اہم اور نازک تھے۔ میں کسی قسم کے تکلف اور لحاظ میں پڑ کر آئی مین کے اس خطرناک ساتھی کو پکڑنے کا موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

میڈم فرزانہ نے ویرا کے ہاتھوں خاصی مار کھانے کے بعد خالد کی نشاندہی کی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق خالد اس کا کئی سال پرانا آشنا تھا جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ناظم آباد میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے عجلت میں فرزانہ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ خالد نے اسے کس طرح منیر کے پیچھے لگایا تھا۔ میرے لیے یہ جان لینا کافی تھا کہ فرزانہ جیسی آوارہ صفت عورت نے خالد کو اپنے مصائب کا ذمے دار قرار دیا تھا۔

خالد کے گھر کے دروازے پر نمودار ہونے والا شخص آئی مین کا اس قدر قریبی ساتھی تھا کہ وہی مجھے دکان سے لا کر آئی مین کی سیاہ بلٹ پروف گاڑی تک لے گیا تھا اور پھر اول خان کی طرف سے پہلا فائر ہوتے ہی' اسی گاڑی میں آئی مین کے ساتھ فرار ہو گیا تھا۔ میں نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ آئی مین کی چلتی ہوئی کار کی اسی کھڑکی سے سیاہ دھوئیں کا بم پھینکا گیا تھا جس کے ساتھ وہ شخص بیٹھا ہوا تھا۔

خالد کے گھر سے اس خطرناک شخص کے نمودار ہونے کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ خود ہی خالد تھا اور اسی نے وہ سارا چکر چلایا ہوا تھا۔ فرزانہ نے بالکل درست بتایا تھا کہ متوسط قامت کا وہ سبک اندام شخص اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع سے شریف ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ بھی نظر آتا تھا لیکن اس کے کرتوت ہمارے سامنے تھے۔ آئی مین کے ساتھ قریبی تعاون کر کے وہ اپنے ملک سے غداری جیسے سنگین جرم کا مرتکب ہو رہا تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے بس میں ایک لمحے کے لیے جھجکا مگر اول خان نے ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ قطعی واقف نہیں تھا کہ خالد اور کالی ٹائی والے میں کوئی تعلق تھا۔ اس نے تو شاید کالی ٹائی والے کو قریب سے دیکھا بھی نہیں تھا مگر اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔ وہ خالد کے پیچھے بہت تیزی سے گھر میں گھس گیا۔

"پکڑلو اس کو۔" میں نے دوڑ لگاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا "یہی کالی ٹائی والا حرامی ہے۔"

"میں اسے پہچان چکا ہوں۔" اول خان نے مکان میں داخلے کے بند دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اسے ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان سکتا ہوں۔ یہاں تو یہ بالکل اکیلا ہے۔"

اس اثنا میں' میں بھی اول خان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ مکان کشادہ ضرور نظر آ رہا تھا مگر بہت وسیع نہیں تھا۔ احاطے کی دیوار اور مکان کے دروازے کے درمیان مشکل سے بارہ یا پندرہ فٹ کا صحن رہا ہوگا پھر اچانک مکان کی سنگین دیواروں نے راہ مسدود کی ہوئی تھی جن میں سے گزرنے کے لیے صرف ایک چوبی دروازہ تھا جو پھاٹک سے ہمیں کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ خالد مجھے پہچان لینے کے بعد گیٹ سے تو بگٹٹ بھاگا تھا لیکن گھر میں گھستے ہی اس نے بہت تیزی سے دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔

میں نے اول خان کے قریب پہنچ کر جوش میں دروازے پر زور سے لات ماری۔ دروازہ مضبوط تھا۔ اس کا کچھ بھی نہ بگڑا مگر اس مکان کے اندرونی حصے سے دو خوف زدہ نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ ان میں سے ایک چیخ کسی پختہ عمر والی عورت کی تھی۔ دوسری آواز کسی نوعمر لڑکی کی تھی۔

فرزانہ نے بتایا تھا کہ خالد شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ بچوں کے بارے میں یہ تفصیل معلوم نہیں کی گئی تھی کہ ان کی جنس کیا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے بچوں میں ایک لڑکی ضرور ہوگی۔ وہ دونوں نسوانی چیخیں خالد کی بیوی اور بیٹی کی ہو سکتی تھیں۔

خالد کی دہشت زدہ انداز میں واپسی' بھاگ دوڑ اور پھر

دروازے پر دھماکے کی آواز نے اس گھر کے مکینوں کو خوف زدہ کردیا تھا۔ کسی بھی شریف گھرانے کے لیے وہ حالات سہا دینے والے تھے۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اگر ہم چار دیواری کی حرمت کا پاس کرتے تو خالد کو ہمیشہ کے لیے کھوسکتے تھے۔ وہ خبیث شخص خوب جانتا تھا کہ وہ کیا کررہا تھا۔ اسے ذرا سی بھی مہلت ملتی وہ تو پچھلے راستے سے گھر سے فرار ہوجاتا۔ بیوی بچوں سے اسے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ اس کا کھلا ثبوت یہ تھا کہ اس نے میڈم کے نام سے معروف ایک فاحشہ کے ساتھ بہت قریبی مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ ایک بار وہ نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو کراچی میں پھیلے ہوئے' انسانوں کے سمندر میں اس کا کھوج لگانا دشوار ہوجاتا۔

میں تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹا۔ اول خان نے میرا ارادہ بھانپ کر خاموشی اور بہت تیزی سے میری تقلید کی۔ کچھ فاصلے پر رک کر ہم دونوں تیزی سے دوڑ پڑے۔ ہمارے شانے پوری قوت کے ساتھ تقریباً ایک ساتھ دروازے سے ٹکرائے۔ قبضوں اور کیلوں نے پُرشور آواز کے ساتھ اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

ہم نے بروقت سنبھالا نہ لے لیا ہوتا تو اپنی جھونک میں دروازے کے ملبے کے ساتھ اندر گر کر زخمی ہوگئے ہوتے۔

گھر میں دہشت زدہ نسوانی چیخیں گونجنے کا سلسلہ جاری تھا۔ میں ٹوٹے ہوئے دروازے کے ملبے پر اول خان سے آگے نکل گیا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا اور بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے پار ایک مختصر سی لابی تھی جس میں کئی دروازے کھلے ہوئے تھے۔

ایک دروازے کے پیچھے ایک عورت اپنی تیرہ چودہ سالہ لڑکی کے ساتھ اچھل اچھل کر خوف و دہشت سے چیختے جارہی تھی۔ ان دونوں کے چہرے خوف سے سفید ہورہے تھے۔ وہ مشینی انداز میں فضا میں دونوں ہاتھ ہلائے جارہی تھیں۔ مجھے اور اول خان کو دیکھ کر ان کی چیخیں مزید بلند ہوگئیں۔

''خاموش!'' میں نے مصنوعی غراہٹ کے ساتھ کہا اور وہ دونوں سہم کر ایک دم خاموش ہوگئیں۔

اس وقت اول خان میرے ساتھ نہیں تھا۔ وہ اپنے شکار کی تلاش میں کسی اور سمت میں نکل گیا تھا۔

''خالد کہاں ہے؟'' میں نے مختصر ترین توقف کے بعد اس عورت سے پوچھا جو بادی النظر میں اس کی بیوی معلوم ہورہی تھی۔

''وہ... وہ... پیچھے گئے ہیں... بھاگتے ہوئے!'' اس نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

اس وقت تک ان دونوں کی چیخیں اپنا رنگ دکھا چکی تھیں۔ مکان کے باہر سے کئی ملی جلی مردانہ آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور کوئی خالد بھائی کہہ کر اندر کے حالات کے بارے میں استفسار کررہا تھا۔ شاید ان لوگوں کے پڑوسی اندر گھسنے سے پہلے یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ گھر والوں کی مدد کے لیے ان کی مداخلت ناگزیر ہوچکی تھی۔

میرے لیے وہ آثار اچھے نہیں تھے۔ ہم دونوں عام شہری لباس میں تھے اس لیے کسی کا ہم سے مرعوب ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ براہِ راست آمنا سامنا ہونے پر ان کا کوئی بھی مسلح پڑوسی ہمیں چور یا ڈاکو سمجھ کر گولی مار سکتا تھا۔

میں اندازے کی بنا پر اس سمت میں بڑھ گیا جدھر مکان کا پچھواڑا ہوسکتا تھا۔

''جلدی آؤ۔'' اول خان کی پُرجوش آواز نے میری رہنمائی کی ''دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ پیچھے سے باہر بھاگ گیا ہے۔''

میری موجودگی کی دہشت سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی دونوں عورتوں نے نہ صرف چلانا شروع کردیا تھا بلکہ اپنے پڑوسیوں کو مدد کے لیے پکارنا بھی شروع کردیا تھا۔ میں ان کی پروا کیے بغیر اول خان کی آواز اور اس کے قدموں کی دھمک کے سہارے پیچھے کے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچ گیا۔

میں مکان کی آخری دہلیز پر تھا کہ فضا اچانک ایک ہولناک فائر سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ کسی بھاری جسم کے زمین پر گرنے کی دھمک سنائی دی۔ لمحہ بھر کے لیے میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اول خان کے بڑے بور کے ریوالور کی آواز ہرگز نہیں تھی۔

''وہیں اوٹ میں رہنا۔'' کھلی ہوئی عقبی گلی سے آنے والے بدبوں کے جھونکوں میں اول خان کی اضطراری آواز آئی ''وہ ایک آڑ میں ہوگیا ہے اور مسلح ہے۔''

میں نے پھرتی سے اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ بہتر یہی ہوتا کہ اس گنجان آباد رہائشی علاقے میں کوئی گولی چلائے بغیر ہمارا کام ہوجاتا لیکن حریف نے فائرنگ کی ابتدا کردی تھی تو پھر دو چار مزید فائر ضروری ہوگئے تھے۔ ان گولیوں سے خالد کا کچھ بگڑتا یا نہ بگڑتا' محلے کے وہ خدائی فوجدار ضرور خوف زدہ ہوجاتے جو عورتوں کی چیخوں پر بے چین ہوکر' ان کی مدد کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے اور خالد کے دروازے پر

جمع ہوگئے تھے۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔
وہی واردات شہر کے کسی متمول علاقے میں ہوئی ہوتی تو فلک شگاف چیخوں پر کوئی دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ اڑانے کی ضرورت محسوس نہ کرتا مگر بدقسمتی یہ تھی کہ خالد شہر کی ایک متوسط آبادی میں مقیم تھا جہاں پڑوسیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی بیگانگی کے باوجود لوگ کسی نہ کسی حد تک اپنی معاشرتی ذمے داریوں کا ادراک رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا جذبہ بہت نیک تھا مگر ہماری کارروائی کے مقاصد نیک ترین تھے۔ ہماری کامیابی کے لیے ان لوگوں کا خوف زدہ ہو کر فرار ہوجانا ہی سب سے بہتر تھا۔
میں نے اپنے ریوالور کی نال آسمان کی طرف بلند کی اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر دو فائر کردیے۔ اس بار فضا دو بھیانک بارودی نغموں سے گنگنا اٹھی۔ وہ ہوائی فائر تھے۔ میرے سامنے کوئی نہیں تھا' نہ کسی کا نشانہ لیا گیا تھا مگر خالد کے گھر کی خواتین کی مدد کے لیے اندر گھس آنے والوں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔
اسی دوران میں اول خان نے اپنے حریف کے فرار کی راہ مسدود کرنے کے لیے ایک گولی چلادی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خالد کے گھر کے اندرونی حصے میں بھگدڑ مچ گئی ہو اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے واپس بھاگ نکلے ہوں۔
وہ مقابلہ دن دیہاڑے ہو رہا تھا۔ اس کے طول پکڑنے سے ہم سراسر خسارے میں رہتے۔ ویسے بھی میں زیادہ دیر تک خالد کے مکان کی دہلیز کے اندر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹ کر کہنیوں کے بل آگے سرکنا شروع کردیا۔
غنیمت یہ تھا کہ رہائشی مکانوں کی وہ عقبی گلی اتنی گندی نہیں تھی جتنی بدبو وہاں پھیلی ہوئی تھی ورنہ میں غلاظت میں لتھڑ کر رہ جاتا۔
اول خان میرے دائیں طرف تھا۔ ہمارا حریف اس سے آگے کہیں چھپا ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب وہ گھنٹی بجنے کے جواب میں پھاٹک پر ہمارے سامنے آیا تو بالکل غیر مسلح تھا مگر ہر مجرم کی طرح وہ بھی ناگہانی طور پر کسی برے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے اپنے گھر سے فرار ہوتے ہوئے کہیں سے بھرا ہوا پستول اٹھالیا تھا۔
ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اس لیے شاید اسے فاضل راؤنڈز یا میگزین ساتھ لینے کا موقع نہ مل سکا ہو۔ اگر اسی طرح اس کی چھ سات گولیاں ضائع کرا دی جاتیں تو پھر اسے بہت آسانی کے ساتھ گھیر کر پکڑا جاسکتا تھا۔

گلی میں نکلتے ہی میں نے سر اٹھا کر اول خان سے آگے کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہا تو مجھے ایک دیوار کے پیچھے سے انسانی سر کا کچھ حصہ نمودار ہوتا نظر آیا۔ وہ اسی دیوار کے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ سیدھا کیا اور بلا جھجک اپنے نشانے پر گولی چلادی۔
ادھر سے ابھرنے والی چیخ نے ذرا سی دیر کے لیے میرا دل خوش کردیا۔ مجھے گمان ہوا تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے شاید اپنے ہدف کو چاٹ لیا تھا مگر میری وہ خوش فہمی اس لمحے رفع ہوگئی جب دوسری طرف سے ایک جوابی فائر کردیا گیا۔
میری گولی نشانے پر نہیں مگر اس سے بہت قریب ضرور لگی تھی جس کے نتیجے میں خالد کے حلق سے ایک اضطراری چیخ برآمد ہوگئی پھر شاید اس نے اپنی اس غیر ارادی کمزوری پر جھلا کر ایک بے مقصد جوابی فائر جھونک مارا۔
اس کی چلائی ہوئی گولیوں کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کے چیمبر یا میگزین میں کل چھ گولیاں رہی ہوں گی۔ دو وہ ضائع کرچکا تھا۔ وہ ایسی جگہ پھنسا ہوا تھا جہاں سے ہماری زد میں آئے بغیر بھاگنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ آڑ لینے کے لیے گولیاں چلاتا تو ذرا سی دیر میں تنہا رہ جاتا۔
دن کے اجالے میں' میں صاف ستھری زمین پر رینگتا ہوا تیزی سے اول خان تک پہنچ گیا۔ یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ گولی سے بال بال بچ جانے کے بعد خالد دوبارہ کمین گاہ سے باہر جھانکنے سے کئی بار سوچنے پر مجبور ہوگا۔
"تم نے دو گولیاں کس پر چلائی تھیں؟" میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی اول خان نے پوچھا۔
"ہوائی فائر تھے۔ اس کے گھر پڑوسی جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اب سب اپنے گھروں میں واپس پہنچ چکے ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"وہ ہمیں دھوکا دے کر کہیں نکل نہ جائے۔" اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا۔
"کہاں نکلے گا؟ آڑ سے نکلتے ہی میری یا تمہاری چلائی ہوئی کسی گولی کا نشانہ بن جائے گا۔"
"دونوں طرف مکانوں کی قطاریں ہیں جن کے دروازے اس طرف بھی کھلتے ہیں۔ اسے کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا مل گیا تو وہ اس میں گھس کر دوسری طرف نکل جائے گا۔ اور ہم اس کا انتظار کرتے رہ جائیں گے۔"
وہ نکتہ میں واقعی فراموش کرچکا تھا مگر مجھے امید تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ ہی علاقے کے مکینوں نے اپنے بیرونی دروازے مضبوطی سے بند بلکہ مقفل کرلیے ہوں گے۔ ان

میں سے کوئی بھی رضا کارانہ طور پر کسی مسلح آدمی کو راہ دینے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ اس کا شناسا یا پڑوسی ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ دیوار کی آڑ میں رہتے ہوئے ہمارا حریف زیادہ دور نہیں نکل سکتا تھا۔ بہ مشکل دو تین فٹ کے فاصلے پر دیواروں اور دروازوں کی قطار دوبارہ نظر آ رہی تھی۔

اس وقت تک کل چھ فائر ہوئے تھے۔ میں خالد کو پناہ فراہم کرنے والے ابھار پر اگلا فائر کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فضا اچانک کسی خودکار رائفل کی تڑاتڑ سے لرز اٹھی۔ کسی نامعلوم شخص نے یکایک ہلکا سا برسٹ فائر کیا تھا۔

تیسرے فریق کی شمولیت پر ہم آپس میں کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ وہی رائفل دوبارہ گولیاں برسانے لگی۔

اس بار ہمارا شکار اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے دوڑ لگانے کی کوشش کی مگر میں نے اسی لمحے اس کی متحرک پنڈلیوں کی شست باندھ کر گولی چلا دی۔ بھاگتے بھاگتے وہ چیخ کر زمین پر گرا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

ہمارے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ ہم دونوں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر پوری قوت سے دوڑ لگا دی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا، ہم اپنے اپنے ریوالور تانے اس کے سر پر سوار ہو چکے تھے۔

میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ اس وقت خالد کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اس کا پستول یا ریوالور گرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور گندی گلی کے کسی گوشے میں ناکارہ پڑا ہوا تھا۔

اول خان نے ایک ٹھوکر رسید کی۔ خالد بلبلا کر دہرا ہو گیا۔ اول خان نے اس کا کالر پکڑا اور بے دردی کے ساتھ اسے زمین سے اٹھاتا چلا گیا۔

میری بے خطا گولی نے اس کی داہنی پنڈلی لہولہان کر دی تھی لیکن ہڈی شاید سلامت تھی کیونکہ کراہتے اور لڑکھڑاتے کے باوجود وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اچانک فضا رائفل کے تیسرے برسٹ سے گونج اٹھی۔ اس وقت آوازوں کی سمت بدلی ہوئی تھی اور وہ بہت قریب سے آئی تھیں۔ میں نے بوکھلا کر گلی کے سرے کی طرف دیکھا تو وہاں ہماری گاڑی کا ڈرائیور ایک خودکار رائفل اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کی رائفل کی دھواں اگلتی ہوئی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا۔

”بہادر خان!“ اول خان نے اپنی گونجیلی آواز میں اسے پکارا۔

اس کا آدمی اپنی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا ہمارے قریب آ پہنچا۔

”اسے اپنے کندھے پر لادو اور فوراً گاڑی تک پہنچا دو۔“ اول خان نے اس کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے حکم دیا۔

بہادر خان جسیم اور توانا آدمی تھا۔ اس نے سبک اندام خالد کو بکری کے کسی بچے کی طرح اپنے کندھے پر لاد لیا۔

ہر طرف سناٹا ہو چکا تھا۔ خوف اور ہیبت کی رہی سہی کسر بہادر خان کی رائفل کی فائرنگ نے پوری کر دی تھی۔ ہمیں اپنے قرب و جوار میں کسی ذی روح کا سایہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم کسی بھی مداخلت کے بغیر اپنی ڈبل کیبن پک اپ تک پہنچ گئے۔

وہ شخص خلاف توقع ہمارا شناسا نکلا اس لیے فرزانہ سے اس کی شناخت کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میرے ایما پر اسے پک اپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا تھا۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود اول خان بھی اسی حصے میں سوار ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ فرزانہ اور خالد کو ایک ہی وقت میں سنبھالنا ویرا کے لیے دشوار ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ بحث کا وقت نہیں تھا۔ اپنے مجرم کو پکڑ لینے کے بعد ہمارا وہاں سے جلد از جلد روانہ ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اول خان کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور خود ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

”تم اچانک رائفل لے کر میدان میں کیوں آ گئے؟“ گلیوں سے مین روڈ پر نکل آنے کے بعد میں نے پوچھا۔

”صاحب! میں ریٹائرڈ فوجی ہوں۔ جب جنگ کا بگل بجتا ہے تو کوئی خالی نہیں بیٹھتا۔“ اس نے منکسرانہ لہجے میں جواب دیا ”جب پہلی گولی چلی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ تم لوگوں کی دشمن سے لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ تمہارے پاس کھلونوں جیسے دو ریوالور میں نے دیکھ لیے تھے۔ بات بڑھ جاتی تو وہ راؤنڈز کم پڑ جاتے۔ تمہارے میگزین اور ہتھیاروں کا سارا خزانہ تو پک اپ میں میرے پاس تھا۔ پانچ چھ گولیاں چلنے کے بعد مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں میدان میں آ گیا۔“

”ہوائی فائرنگ کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟“ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

”تیز فائرنگ مجرم کا دل کمزور کرتی ہے، وہ گھبرا جاتا ہے اور پھر تماشا دیکھنے والے بھی بھاگ جاتے ہیں۔“ اس نے معصومیت سے جواب دیا ”میں سمجھ گیا کہ تم لوگ اپنے شکار

کے پیچھے گھر کے پیچھے پہنچے ہوئے ہو کیونکہ گھر میں ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔ میں اپنی رائفل سے برسٹ مارتا ہوا اسی طرف چل دیا۔"

وہ سادہ لوح تھا مگر اس کی منطق بہت سیدھی اور سچی تھی۔ کسی چالاک آدمی کے لیے نازک موقع پر ایسا سہل فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

اول خان نے واپسی کے بارے میں ڈرائیور کو پہلے ہی بریف کیا ہوا تھا۔ راستے میں مجھے کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور ہم تھوڑی دیر بعد اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی اول خان کے دفتر کے سامنے روکی تھی۔

اول خان اور ویرا کو گاڑی کے پچھلے حصے سے اترتا دیکھ کر ایس ٹی ایف کے جوان کچھ حیران نظر آئے پھر ان میں سے کچھ پک اپ میں گھس گئے۔ اول خان نے انہیں ہدایت دی کہ دونوں قیدیوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے اور ہمیں ساتھ لے کر اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

اس کے دفتر میں پہنچتے ہی ویرا نے اپنا ہینڈ بیگ میز پر چھوڑا اور ٹوائلٹ میں جا گھسی۔

"اس وقت تم نے اپنے معمول کے خلاف سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اول خان سے کہا۔

"کیسی سستی؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر سوال کیا۔

"خالد خطرناک مجرم ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس پر اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے مگر کہیں بعض ضروریات آڑے آجاتی ہیں۔"

"ایسی کیا ناگزیر ضرورت پیش آگئی تھی؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ویرا تمہارے سامنے واش روم میں گئی ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا اور میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔

"راستے میں اس نے کچھ نہ کچھ تو اگلا ہوگا۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے امید ظاہر کی۔

"اس کی نوبت نہیں آئی۔" وہ بولا "فرزانہ کو اندازہ ہو گیا ہے کہ نادانستہ طور پر وہ کسی لمبے چکر میں پھنس گئی ہے۔ خالد کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے قابو ہو گئی تھی۔ سارے راستے وہ دونوں آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کو مارتے اور نوچتے ہوئے آئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔"

"تمہاری خاموشی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور رہا ہوگا۔"

"لڑائی کے دوران میں ان کے بے ساختہ مکالمات میرے لیے اہم تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے کر میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ فرزانہ کی کہانی میں کوئی جھول نہیں ہے۔ وہ خالد پر بری طرح برس رہی تھی۔ اس نے دھوکے سے فرزانہ کو مروایا ہے۔"

"پھر کیوں نہ اسے الگ کر دیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"یعنی اس کا قصہ تمام کر دیا جائے۔" اول خان نے مجھ سے وضاحت چاہی۔

"میں بے مقصد خون ریزی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔ فرزانہ کا نادانستہ جرم اتنا سنگین نہیں ہے کہ اسے کوئی بڑی سزا دی جائے۔ دیکھا جائے تو ہم اسی کی بے وقوفی کی وجہ سے خالد جیسے اہم مہرے پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کو رہا کر دینا بہتر رہے گا۔"

اس وقت تک فرزانہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور اصل چکر کیا تھا۔ اگر اس کو خالد کے ساتھ ہونے والی بازپرس میں شریک رکھا جاتا تو بہت سی باتیں اس کے علم میں آسکتی تھیں۔ ایک حل یہ بھی تھا کہ خالد سے پوچھ گچھ میں اسے سامنے نہ لایا جائے لیکن اسے بلاوجہ قید میں رکھ کر پالنا بے سود تھا۔ اس سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ اول خان مناسب وقت پر اسے رہا کرنے پر رضامند ہو گیا۔

"ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔ دو بجے جب تم نے آئی مین کی گاڑی پر رائفل سے گولی چلائی تو کیا اس کی آواز تمہارے کمانڈوز نے نہیں سنی ہوگی۔" فرزانہ کے مستقبل کے بارے میں بات ختم کرنے کے بعد یکایک مجھے خیال آیا۔

"وہ آوازیں دور دور تک سنی گئی تھیں لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا ہوا تھا۔ ان کی ساری توجہ گولڈن فارمیسی پر مرکوز تھی جہاں حالات معمول کے مطابق تھے۔ مجھ سمیت ہر شخص کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ اس وقت جو کچھ ہونا تھا، گولڈن فارمیسی پر ہونا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ تمہیں دکان سے نکلتے دیکھ کر میں نے تمہارا پیچھا شروع کر دیا۔ ابتدا میں میرا خیال تھا کہ تم کسی کام سے باہر نکلے ہو۔ یہ بات آخری لمحات پر سمجھ میں آئی کہ آئی مین نے عین وقت پر اپنا

پروگرام بدل دیا تھا۔"

آئی مین نے ہماری ہر منصوبہ بندی کو تقریباً مات دے دی تھی۔ اپنی گاڑی پر فائرنگ ہونے اور ایک ٹائر پھٹنے کے باوجود وہ صحیح سلامت نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ خالد نے اس کے اصل منصوبے سے ہٹ کر 'دکان کے ایک ملازم کو الجھانے کے لیے فرزانہ کو استعمال کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا' وہ ناکام نہ ہوتا تو ہم کسی کی گرد بھی نہیں پا سکتے تھے۔

اسی اثنا میں ویرا تازہ دم ہو کر واش روم سے نکل آئی۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ مسکراتے ہوئے سوری کہا پھر بولی "وہ دونوں راستے بھر کتے اور کتیا کی طرح لڑتے رہے۔ اب دیکھو کہ وہ کیا کہانی سناتے ہیں۔"

"فرزانہ کا کردار ختم ہوگیا۔" میں نے اول خان کے دفتر سے نکلتے ہوئے اسے آگاہ کیا "اسے کسی بھی وقت رہا کر دیا جائے گا۔ اب ہماری ساری توجہ خالد پر مرکوز رہے گی۔ اس کے ذریعے ہم آئی مین کا کوئی نہ کوئی سراغ نکال لیں گے۔"

"اس عورت کا کردار گھناؤنا بلکہ قابلِ نفرت ہے لیکن میں نہ جانے کیوں اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہی ہوں۔"

میں نے ویرا کی وہ رائے خاموشی سے سن لی۔ سلطان شاہ وہاں موجود ہوتا تو کوئی تلخ تبصرہ کیے بغیر نہ رہتا۔

ہم تینوں قیدی کے کمرے میں پہنچے تو خالد کمرے کے فرش پر نیم دراز تھا۔ اس کی داہنی پنڈلی کے زخم کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ چہرے کی خراشوں وغیرہ پر بھی کوئی رنگین دوا لگا دی گئی تھی جس کی وجہ سے خالد کا چہرہ ضرورت سے زیادہ بگڑا ہوا اور خوف ناک نظر آ رہا تھا۔

اس کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی شے نہیں تھی لیکن ہم تینوں کے لیے فوری طور پر کرسیاں فراہم کر دی گئیں۔

"تم لوگ کون ہو اور بلاوجہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو؟" اس نے ہم تینوں کی معنی خیز خاموشی سے گھبرا کے پوچھا۔

"تم گولڈن فارمیسی سے دوائیں لینے کے بعد بل ادا کیے بغیر لوٹ گئے تھے۔ ہمیں وہ بل وصول کرنا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں وہاں سے کچھ نہیں لایا تھا۔ میں نے دواؤں کی تھیلی کاؤنٹر پر چھوڑ دی تھی۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہوئی سفاکی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے عزائم کچھ اور ہیں۔ تم مجھے غیر قانونی حراست میں رکھ کر ہراساں کر رہے ہو۔"

"فارمیسی کے کاؤنٹر پر تختی لگی ہوئی ہے کہ خریدی ہوئی دوائیں واپس نہیں لی جاتیں۔ وہ تھیلی تمہاری تھی۔ اسے چھوڑا تو یہ تمہارا قصور تھا۔ ہم کو اپنے پیسوں سے سروکار تھا لیکن تم ایسے بدنیت ہو کہ میری صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر ہمارے اوپر گولی بھی چلا دی۔" میں نے پرسکون مگر طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھوں میں الجھن اور خوف کے سائے لہرانے لگے "دد.... دیکھو' میں ایک شریف اور عیال دار آدمی ہوں۔ میرا کسی چکر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کالی گاڑی والوں کو نہیں جانتا۔ ان میں سے ایک نے مجھے دو ہزار روپے دے کر فارمیسی پر بھیجا تھا۔ مجھے وہاں سے ایک آدمی کو گاڑی تک لانا تھا۔"

"اور وہ دو ہزار روپے تم پہلے ہی فرزانہ کو دے چکے تھے جو اس نے دکان کے ایک ملازم کے حوالے کر دیے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی نفع یا نقصان کی پروا کیے بغیر محض خوفِ خدا کی وجہ سے مجرموں اور قاتلوں کی مدد کرتے پھرتے ہو۔"

"میں بے قصور ہوں۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر چیخ پڑا "آخر تم سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"دواؤں کے تین سو اسّی روپے!" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم اتنی سی رقم بچانے کے لیے اِدھر اُدھر کی ہانک رہے ہو۔"

میرے مبہم اور نرم رویے کے تسلسل پر ویرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ اچانک بول پڑی "اگر تم نے اسی وقت تین سو اسّی روپے ادا نہ کیے تو میں مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دوں گی۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"رقم کا بہانہ مت کرو۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اپنے گھر سے بے سروسامانی کے عالم میں بھاگا ہوں۔ میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ ان حیلوں میں الجھانے کے بجائے مجھ سے اصل معاملے پر بات کرو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میں کرائے کا آدمی ہوں...."

ویرا نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ چھوڑی اور پھر اس کی ٹانگ چل گئی۔ پسلیوں میں پڑنے والی ٹھوکر پر وہ دہرا ہو کر بلبلانے لگا۔

"اسی طرح' بہت دھیرے دھیرے تمہارے جسم کی ساری ہڈیاں توڑ دی جائیں گی اور تم اس عذاب کے ساتھ

زندہ رہو گے۔“ اول خان نے اسے آگاہ کیا۔

”میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں بیچ کا آدمی تھا۔ معاوضے پر اس کے لیے کام کر رہا تھا۔ وہ....“

”ہمیں تمہاری اس فضول تقریر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے اور شہر میں کہاں چھپا ہوا ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

”میں یہ سب نہیں جانتا....“ اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے درشتی سے اس کی بات دوبارہ کاٹ دی۔

”تم بیچ کے آدمی ہوتے تو تم سے کام لینے کے بعد وہ تم کو کسی آوارہ کتے کی طرح گولی مارتا اور نکل جاتا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ میری اور اس کی مختصر گفتگو کے دوران میں تم کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تم نے ہماری باتیں سنی تھیں۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تمہارے درمیان سلور آئی کے بارے میں کچھ بات ہوئی تھی لیکن میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس خبیث کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ ویرا کے ہاتھوں مار کھانے سے اس کی غیرت بھی جاگ سکتی تھی۔

ویرا کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ تیزی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی۔ ویرا اس سے بہ مشکل ایک قدم کے فاصلے پر رہی ہوگی کہ وہ غیر متوقع طور پر وحشیانہ انداز میں اس سے لپٹ گیا۔ ویرا کی پشت میری جانب تھی۔ وہ اپنے بازو خالد کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی کیونکہ وہ کسی درندے کی طرح اپنا منہ کھول کر ویرا کا دایاں کان چبا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اپنی کنپٹی اور گردن پر خالد کے دانتوں کے لمس سے ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ خالد کیا کرنا چاہ رہا تھا۔ اچانک ویرا کا داہنا گھٹنا تیزی سے فضا میں بلند ہوا اور خالد ایک کریہہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ ویرا نے اسے تڑپا دینے والی ضرب لگائی تھی۔

اس بار ویرا نے اپنے سینڈل کے تلے سے خالد کی گردن دبا دی۔ خالد نے دونوں ہاتھوں سے ویرا کے پیر کو جھٹکا دیا اور اس وار سے بچنے میں کامیاب ہوگیا۔

”تم لوگ درندے ہو۔“ وہ دیوار سے ٹیک کر اپنا گلا سہلاتے ہوئے کراہا ”پولیس والے اپنے قیدیوں کو ایسی بے دردی سے نہیں مارتے۔“

”تم کو کیسے الہام ہوا کہ ہم پولیس والے ہیں۔“ میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

”میں بار بار یہی پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگ کون ہو....“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی ”تمہارے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ تم ہمارے سامنے بے بس ہو اور ہمارے قیدی ہو۔ اگر تم نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو ایسی ناقابلِ تصور اذیتوں سے گزرو گے کہ تمہاری زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔“

”میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن بدنامی کی زندگی سے خوف کھاتا ہوں۔ تم لوگ مجھے عدالتوں میں دھکے کھلواؤں گے اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔“

”یہ باتیں تو تم کو اس وقت سوچنی چاہیے تھیں جب تم غلط کاموں میں ہاتھ ڈال رہے تھے۔“ اول خان نے کہا۔

”یہ مجبوریاں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ایک پڑھے لکھے اور بال بچوں والے آدمی کو اچانک نوکری سے جواب مل جائے اور گھر میں فاقوں کی نوبت آنے لگے تو انسان ہر کام کر گزرنے پر تل جاتا ہے۔ شاید اسے کسی کا خون بہاتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔ میں نے ایسا کوئی گھناؤنا کام نہیں کیا۔“

وہ عتاب میں آیا ہوا تھا‘ بری طرح پٹ رہا تھا لیکن اس کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ بری طرح گھر جانے کے بعد اس نے اپنی مظلومیت کی ایسی تمہید باندھی تھی جو اس کی گلوخلاصی کی راہ بنا سکے۔ میں نے اس کے پھینکے ہوئے جال کو اسی پر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

”تم کو ابھی تک یہاں کوئی وردی یا سرکاری نشان نظر نہیں آیا ہوگا۔“ میں نے قدرے نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا ”ہمارے ہاتھوں میں اتنی قوت ہے کہ ہم پولیس اور قانون سے مدد لیے بغیر اپنے دشمنوں سے اپنا حساب بے باق کرسکتے ہیں۔ تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بیچ کے آدمی ہو مگر اہم آدمی ہو اور بہت سی باتیں جانتے ہو۔ میری لڑائی ان لوگوں سے ہے جن کے لیے تم کام کرتے ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں کودنے والے مینڈک بے رحمی سے روندے جاتے ہیں۔ تم اس برے انجام سے بچنا چاہتے ہو تو اب تم کو بدلے ہوئے حالات سے سمجھوتا کرلینا چاہیے۔ تم بساط کے ایک پٹے ہوئے مہرے ہو۔ تمہارے پاس کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ اگر

تمہیں اپنے بیوی بچوں سے ذرا سی بھی ہمدردی ہے تو تم کو ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ یہ زندگی اور عافیت کی اکلوتی راہ ہے۔ دوسرا راستہ دردناک موت کی طرف جاتا ہے۔"

"تم میری زبان کھلوانے کے بعد مجھے مار دو گے!" اس نے پرتشویش آواز میں اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"ہم تمہیں مارنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکے گی۔ میں تمہیں لفظوں کا کوئی فریب نہیں دینا چاہتا۔"

"تم نے مجھے چھوڑ دیا تو تمہارے ہاتھوں کی چوٹ کھانے کے بعد وہ مجھے مروا دے گا۔ یہ بات اس سے چھپی نہیں رہ سکے گی کچھ لوگ مجھے گھر سے زبردستی اٹھا لائے تھے۔"

"تم چاہو تو اس کی مکمل سرکوبی تک ہمارے مہمان رہ سکتے ہو۔ شرط یہی ہے کہ شرافت سے سب کچھ اگلتے چلے جاؤ۔"

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری پیش کش پر وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی "تم یہ بتاؤ کہ تمہارا دشمن کون ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا حریف کوئی اور ہو۔ میں بلاوجہ ہی مارا گیا ہوں۔"

مجھے دل ہی دل میں تسلیم کرلینا پڑا کہ وہ بلا کا مکار تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی نئی کہانی سر ابھار رہی تھی۔ میں نے سخت لہجے میں کہا "اب تم اتنا معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ تم کسی اتفاق کے نتیجے میں ہمارے ہاتھ نہیں لگے۔ تم کو باقاعدہ گھیر کر پکڑا گیا ہے۔ سلور آئی کا ذکر بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

"آئی مین کا بس چلا تو وہ مجھے کچا چبا جائے گا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔" میں نے اس کی زبان سے آئی مین کا نام سن کر کہا "میری اصل لڑائی اسی سے ہے۔"

"وہ بہت تیز و طرار اور چالاک شخص ہے۔" خالد کی آواز خوف سے عاری نہیں تھی۔ "میں تمہیں ہر بات سچ بتاؤں گا لیکن تم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔ اسے جیسے ہی پتا چلے گا کہ میں غائب ہو چکا ہوں، وہ خطرہ سونگھ کر اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ وقت ضائع نہ کرو۔ آئی مین کا قصہ پاک ہو گیا تو میں تمہیں نوکری دلوا دوں گا۔"

"اب میں حرام کی روزی نہیں کماؤں گا۔" اس نے بے ساختہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "یہ روزی تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ میں حق حلال کی روزی کماؤں گا۔"

اول خان مذہبی رجحانات کا حامل تھا۔ اس نے خالد کے جواب میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "تم محنت کرکے تنخواہ لیتے ہو۔ تمہیں اس سے کیا غرض کہ تمہارا آجر کیا کر رہا ہے۔"

خالد کا جواب عبرت ناک تھا۔

اس نے آخری دو نوکریاں ایسے آجروں کے پاس کی تھیں جو معاشرے کے سفید پوش مجرم تھے۔ ایک گارمنٹس اور دوسرا مسالوں کی برآمد کی آڑ میں منشیات کی اسمگلنگ کا دھندا کرتا تھا۔ دونوں جگہ اسے اس کی صلاحیت اور توقع سے کہیں بڑھ کر تنخواہ دی جاتی تھی کیونکہ وہ کھیل کا کلیدی مہرہ ہوا کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ آمدنی میں بھرپور اضافہ ہوا تو اسی حساب سے اس کا معیار زندگی بلند ہوتا چلا گیا۔ گھر کے اخراجات بے تحاشا بڑھ گئے اور اس نے شراب نوشی بھی شروع کر دی۔

مے نوشی اور ذاتی مصروفیات کی وجہ سے بچوں کی طرف توجہ کم ہوئی تو وہ ڈھیل سے فائدہ اٹھا کر دھیرے دھیرے بگڑنے لگے۔ پھر ایک دن مال پکڑا گیا۔ آجر زیرِ زمین چلا گیا۔ دفاتر کو تالے لگ گئے۔ وہ پکڑ دھکڑ سے بہ مشکل بچ سکا۔ اندھی کمائی نے اس کی آنکھوں پر بھی پردے ڈال دیے تھے۔ سمجھتا تھا کہ زندگی اسی ڈگر پر چلتی رہے گی۔ جو آتا تھا خرچ ہو جاتا تھا۔ جمع پونجی کچھ نہیں تھی۔ نئی ملازمت کے لیے لا تو توقعات بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کہیں بات نہ بن سکی۔

گاڑی بکنے کی نوبت آگئی۔ گھر کا چولہا روشن رکھنے کے لیے اثاثے بیچنے کا تجربہ اس کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ مہینے تک شہر بھر میں جوتیاں چٹخانے کے بعد اسے مسالوں کے کارخانے میں نوکری ملی تو وہاں بھی منشیات کا گندا کھیل تھا۔ تنخواہ پرکشش مگر کام گندہ تھا۔ اس نے اپنی مجبوریوں سودا کر لیا۔

وہ کاغذ کی ناؤ تھی۔ جب تک تیرتی رہی، تیرتی رہی پھر ایک دن اچانک ڈوب گئی۔ دوسری نوکری ملنے کے بعد تیزی سے پرانا تجربہ بھول گیا تھا اور دوبارہ پرانے ڈھب آگیا تھا۔ دوسرا جھٹکا لگنے کے بعد اسے ایک سال تک د کھانے پڑے پھر ایک پرانے آدمی کی معرفت چار ماہ پہلے مین سے ملاقات ہوئی۔ وہ امریکی گورا تھا۔ مکمل رازدار

اور وفاداری کے لیے بھاری ماہانہ رقم دینے کے لیے تیار تھا۔
وہ پہلا آجر تھا جس نے منشیات کے بارے میں خالد کے ماضی کے تجربوں میں گہری دلچسپی لی تھی اور وہ اس تجربے کا خریدار بھی تھا۔ یوں خالد اس کا ساتھی بن گیا۔
ماضی کے برعکس، اس بار گاڑی چار ماہ کی قلیل مدت تک چل سکی تھی۔ اسے نظر آرہا تھا کہ وہ دوبارہ بے کاری کی گہری اور بھیانک دلدل میں گرنے والا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس بار اس نے آئی مین کی فیاضیوں کے طفیل کچھ پس انداز کرلیا تھا گھر کا کوئی اثاثہ بیچے بغیر کفایت سے بے روزگاری کا طویل عرصہ گزار سکتا تھا۔ اس نے اندھی آمدنی اور بے حساب اخراجات کے فارمولے کے بجائے جائز آمدنی اور محدود اخراجات میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
"یہ تمہارے ذاتی فیصلے ہیں جو مستحسن ضرور ہیں لیکن ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔" اس کی پوری کہانی سن لینے کے بعد میں نے بے پروائی سے کہا "اب آئی مین کے بارے میں بولتے چلے جاؤ۔"
"وہ بوٹ بیسن کے علاقے میں ایک ایسے مکان میں رہ رہا ہے جس کی پشت پر کچا برساتی نالہ ہے۔" خالد بتانے لگا "اس سے پہلے وہ ڈیفنس کے علاقے میں بی باون کے نام سے مشہور ایک گھر میں مقیم تھا۔ اس کے وہاں سے منتقل ہونے کی کہانی اخباروں میں آچکی ہے۔"
"تم اس سے ملنے کے لیے بی باون بھی جاتے رہتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔
"ایک بار گیا تھا۔ حفاظت کے معاملے میں وہ اپنے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ کسی کو غیر ضروری طور پر اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔"
"نادر کو کس نے مارا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس سے اس کے کاموں کے بارے میں کوئی سوال کرسکے۔ اخباروں میں اس بارے میں اپنا نام دیکھ کر وہ خاموش رہا تھا لیکن آج خود نامی بھارتی ہندو کے قتل میں اپنا نام آنے پر بھڑکا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نادر کو اسی نے اپنے راستے سے ہٹایا تھا۔"
"اس کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے؟" اس بار ویرا نے سوال کیا تھا۔
"کیلی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ ان دونوں کو اپنے کام خود کرنے کی عادت ہے۔"
"کیلی کون ہے؟" اس موضوع کے بارے میں ویرا کا تجسّس جاگ اٹھا تھا۔
"اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ اس کی بیوی، بیٹی، سیکریٹری، یا صرف گرل فرینڈ بھی ہوسکتی ہے۔ وہ گھر میں رہتی ہے۔ آئی مین باہر نکلتا ہے تو تنہا ہوتا ہے۔ آج کل ہر شخص کو وہ خود فون کرتا ہے۔ جب اسے فون کیے جاتے ہیں تو اس سے پہلے کیلی فون اٹھا کر اپنا اطمینان کرتی تھی کہ فون صحیح آدمی کا ہے۔"
"حیرت ہے کہ ان دونوں کو دیکھ لینے کے باوجود تم ان کے درمیان رشتے کا تعین نہیں کرسکے۔ بیوی اور بیٹی کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔"
"دراصل آئی مین جب بھی میرے سامنے آیا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔ چہرے پر نقاب ہونے کی وجہ سے کبھی اس کی عمر کا اندازہ نہیں ہوسکا۔"
"میں نے اس کی آواز سنی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ادھیڑ عمر ہے۔" میں نے کہا۔
"میرا اندازہ بھی یہی ہے لیکن اندازے غلط ہوسکتے ہیں۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "ویسے امریکی عمر کے چور ہوتے ہیں۔ پاکستانیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ صحت منداور توانا نظر آتے ہیں۔ آواز پر جاؤ تو آئی مین کو کم از کم پچپن سالہ ہونا چاہیے۔"
"ابھی تم نے ایک غلط بیانی کی ہے۔" خیال آنے پر میں نے چونک کر کہا "آج دو بجے آئی مین نقاب میں نہیں تھا۔"
"گاڑی کے شیشے سیاہ تھے پھر بھی اس نے سیاہ لباس پہننے کا خطرہ مول نہیں لیا مگر اس نے اپنا چہرہ اور پورا بدن ڈھکا ہوا تھا۔" خالد نے زور دے کر کہا "اس کے چہرے پر ماسک چڑھا ہوا تھا۔ سر پر ہیٹ تھا اور ہاتھوں پر موٹے دستانے موجود تھے۔"
"اپنی روزی کی کہانی سناتے ہوئے تم نے کہا تھا کہ آئی مین امریکی گورا ہے۔" میرا ذہن اس کے بیان کے تضادات تلاش کرنے میں مصروف تھا۔
"اس وقت بھی وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں میرے سامنے آیا تھا۔ اس کی بول چال سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ امریکی ہے۔ ان لوگوں کی انگریزی ساری دنیا سے الگ اور منفرد ہوتی ہے۔ مجھے تو اس کی آواز پر بھی بھروسا نہیں ہے۔ وہ اتنا محتاط ہے تو ضرور آواز بدل کر بولتا ہوگا۔"
خالد کا آخری فقرہ قابلِ غور تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میں اسے ادھیڑ عمر تصور کیے بیٹھا تھا۔
"سیاہ گاڑی کون چلا رہا تھا؟" میں اس سے ہر بات پوچھ

لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
"وہ میرے لیے نیا آدمی تھا۔ میں نے اسے آج پہلی بار دیکھا ہے۔"
"اس سے پہلے تم نے کسی اور کو بھی دیکھا ہے؟"
"میرے لیے شی آئی مین اور کیلی پر ختم ہے۔ ان دونوں کے سوا میرا کسی تیسرے آدمی سے واسطہ نہیں پڑا یا پھر آج ڈرائیور سامنے آیا تھا۔"
"اس کے ساتھ کوئی نیگرو بھی ہوا کرتا ہے۔" میرے ذہن میں جیک اسمتھ کا نام کلبلا رہا تھا۔
"ہوتا ہے تو اس سے میرا کبھی سامنا نہیں ہوا۔" خالد نے بلا توقف جواب دیا "آئی مین کا کام کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے سامنے نہیں لاتا۔ ہر بات خود طے کرتا ہے۔ اس سے اگلے رابطوں کی ذمے داری اور معاوضوں کی ادائیگی کام کرنے والے کے سر ہوتی ہے۔ اس سے آئی مین کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"
"میرا خیال تھا کہ تم بہت کچھ جانتے ہو گے مگر تم آئی مین کی ذات کے بارے میں بھی بہت کم جانتے ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا۔
"یہ اس کے طریقہ کار کی خوبی یا خامی ہے کہ کوئی بھی شخص سب کچھ نہیں جانتا۔ ہر شخص صرف اپنے کام کے بارے میں جانتا ہے۔"
"شی میں تمہارا کیا کام ہے۔" میں نے اس کی روز مرہ ذمے داریوں کے بارے میں جاننا چاہا۔
"ہیروئن کی مارکیٹ کا سروے۔ مجھے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ شہر کے مختلف اڈوں کو کون لوگ کتنی مقدار فراہم کر رہے ہیں۔"
"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس غیر قانونی کام کے اعداد و شمار تمہیں کون دیتا ہو گا۔"
"کوئی نہیں دیتا۔ لوگ یہ باتیں چھپاتے ہیں۔ مجھے اپنے طور پر صحیح ترین اندازے لگانے پڑتے ہیں۔ کئی مرتبہ اس نے درشت انداز میں میرے اعداد و شمار کی تصحیح کی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف تم پر انحصار نہیں کرتا۔ یہی کام دوسرے لوگوں سے بھی لے رہا ہے۔"
"ہو سکتا ہے۔" اس نے نیم دلی سے جواب دیا "میرے دیے ہوئے اعداد و شمار کی تصحیح سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ میں اپنا بیشتر وقت گھٹیا اور سستے اڈوں پر گزارتا ہوں مگر آج تک میرا کسی ایسے آدمی سے سامنا نہیں ہوا جو میری طرح ہیروئن کی آمد اور ترسیل پر دھیان دے رہا ہو۔ بازار کی خبریں کچھ اور بتاتی ہیں۔"
"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ مجھے تم سے اندر کی معلومات درکار ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔
"سنا ہے کہ اب کوئی بڑی پارٹی مارکیٹ میں اتری ہوئی ہے جو شی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے آدمی سستا مال دے رہے ہیں۔ سارے ڈیلرز تیزی سے ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اگر خسارے کی یہ رقم شی دے رہی ہے تو یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ غبن نہیں ہو رہا۔ کم و بیش اتنا مال مارکیٹ میں پھینکا جا رہا ہے جس کے لیے آئی مین خسارہ ادا کر رہا ہے۔"
وہی کڑی درست تھی جو خالد نے اپنے براہ راست تجربات سے جوڑی تھی۔ بے اختیار میرا ذہن راجا کی طرف چلا گیا جس نے خود اعتراف کیا تھا کہ آئی مین اسے بازار میں سستی ہیروئن پھیلانے کے لیے بھاری مالی امداد دے رہا تھا۔ اس امداد کے ساتھ اس کا یومیہ ہدف بھی مقرر تھا۔
خالد نے شی کا جو نیا ڈھانچا بتایا تھا اس کے مطابق اس بار ٹیم ورک پر انحصار نہیں کیا جا رہا تھا۔ پچھلے ناکام تجربات کی روشنی میں آئی مین ایک شخص' ایک کام کے اصول پر عمل کر رہا تھا۔ راجا کو سستی ہیروئن بیچنے کا کام دیا گیا تھا تو دوسرے اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتے تھے۔ راجا کئی دنوں سے پولیس کی تحویل میں تھا تو سستی ہیروئن کی دستیابی کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ میں نے خالد سے پوچھا "تمہاری پچھلے دو تین دن کی رپورٹیں کیا ظاہر کر رہی ہیں۔"
خالد نے چونک کر میری طرف دیکھا اور سر جھکا کر بولا۔ "بازار میں بحران ہے۔ سستا مال اچانک ناپید ہو گیا ہے۔ اس بارے میں تمہاری معلومات واقعی قابل رشک ہیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ آج آئی مین اسی بحران کا کوئی توڑ کرنے کے لیے میدان میں نکلا ہے۔"
اخبارات میں وہ معاملات اتنے اچھالے گئے تھے کہ خالد سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہلے شی کے ایک سوداگر کو پولیس نے پکڑا' اب اس کا سرور ہمارے قبضے میں ہے۔ ٹیم ورک کے بغیر ایسے کام دور تک نہیں چل پاتے۔"
"میرے پکڑے جانے کے بعد معاملہ زیادہ گمبھیر ہو گیا ہے۔ کیا شی کے میدان میں اترنے کی وجہ سے تمہارا کاروبار متاثر ہو رہا تھا؟"
"کسی حد تک کہہ سکتے ہو۔" میں نے گول مول جواب

جواب دیا۔

"تمہاری اور آئی مین کی پرخاش کی یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ اس کے دوسرے دشمن سرکاری ادارے ہو سکتے ہیں۔" خالد نتیجے اخذ کرنے میں خاصا تیز تھا۔

"اپنی یہ قیاس آرائیاں اپنی کھوپڑی میں محفوظ رکھو۔" اول خان نے تیزی سے کہا "ہماری نرمی کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری برابری کرنے کی کوشش کرو۔"

خالد کی فریادی نظریں میری طرف اٹھ گئیں "تم نے کہا تھا کہ ہر بات سچ سچ بتا دینے کے بعد میں تمہارا مہمان بن جاؤں گا۔"

"تم فضا صاف ہونے تک ہماری حفاظت میں رہو گے لیکن اس دوران میں محتاط رہو۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کرکے کہا۔

"مجھے اس ننگے فرش سے کب نجات مل سکے گی؟" اس نے مایوسی سے پوچھا "میرے زخموں کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔"

"فرش پر گدا فراہم کردیا جائے گا مگر تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ ہمارے پاس اس سے بہتر کمرا نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہی جواب دیا "گولی تمہاری جلد اور گوشت کو چھوتی ہوئی گزری ہے۔ تم زخم کی فکر مت کرو۔ یہ دو چار دن میں مندمل ہوجائے گا۔ چہرے کی خراشیں بہت معمولی ہیں۔"

گفتگو ختم کرکے ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے۔ اول خان اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے لیے رک گیا۔

"مجھے تو یہ سب باتیں بے سروپا معلوم ہو رہی ہیں۔" ویرا نے خالد کے کمرے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کردیا "یا پھر شی کے نئے آئی مین کا دماغ چل گیا ہے جو وہ ٹیم ورک کے بنیادی اصول سے انحراف کرکے اپنی نئی راہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔"

"اس کا دماغ نہیں چلا۔ وہ بہت شاطرانہ انداز میں اپنا کھیل آگے بڑھا رہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے، پرتشویش لہجے میں جواب دیا "اس وقت وہ سرمایہ صرف کرکے اپنی مضبوط ٹیم بنا رہا ہے۔ اس نے کرائے پر حاصل کیے لوگوں کو مصروف رکھنے کے لیے مختلف کاموں میں الجھا رکھا ہے۔ اس طرح وہ محض وقت گزار رہا ہے اور ہیروئن کی [illegible] میں بحران پیدا کررہا ہے۔ اس کا ہر آدمی شی کے نئے لیڈر کے خواب دیکھ رہا ہے لیکن آئی مین کا ہدف کچھ اور ہے۔" اس وقت تک اول خان دوبارہ ہمارے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔

"اگر آئی مین نے اس بارے میں تمہیں کچھ بتایا ہے تو اس سے ہمیں بھی آگاہ کردو۔" ویرا نے جل کر کہا۔

"تم بلاوجہ مرچیں چبا رہی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بات تمہاری سمجھ میں بھی آجانی چاہیے کہ ان طور طریقوں سے ہیروئن کی مارکیٹ پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قصہ کسی اور مقصد کو چھپانے کے لیے چلایا گیا ہے۔"

"لاکھ ڈالر کا سوال یہ ہے کہ آئی مین کا وہ اصل مقصد کیا ہے۔" اس بار ویرا کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

"اپنے ذہنوں پر بوجھ ڈالنا ایک اچھی عادت ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس وقت تم دونوں بلاوجہ یہ مشق کررہے ہو۔ اس سوال کا جواب ہمیں آئی مین ہی دے سکتا ہے۔"

"کیوں نہ خط لکھ کر اس سے اس سوال کا جواب مانگ لیا جائے۔" ویرا بے ساختہ بولی۔

"خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خالد اس کے ٹھکانے کی نشان دہی کرچکا ہے۔ ہمیں جلد از جلد ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔" اول خان کی سنجیدگی برقرار رہی۔

ویرا کھسیانے انداز میں خاموش رہی۔ میں نے اول خان سے کہا "تمہاری بات درست ہے۔ تم ذرا ایک بار پھر خالد سے مل آؤ۔ اس مکان کا صحیح پتا معلوم کرلو۔ فون نمبر بھی پوچھ لینا۔ دوسری باتوں میں الجھ کر ہم مکان کا صحیح محل وقوع وغیرہ پوچھنا بھول گئے۔ اندھیرا ہوتے ہی ہمیں وہاں دھاوا بول دینا چاہیے تاکہ اسے زیادہ وقت نہ مل سکے۔"

اول خان میری ہر بات پر بہت سنجیدگی سے کان دھرتا تھا۔ میری پوری بات سنتے ہی واپس لوٹ گیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ آئی مین یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔" اول خان کے دفتر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے، ویرا نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"فی الحال افراتفری پھیلا رہا ہے۔ تم بار بار گھما پھرا کر ایک ہی سوال پوچھ رہی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اپنے اس سوال کا جواب مجھے معلوم ہے۔ وہ میرے ذہن میں موجود ہے مگر اس وقت سوجھ نہیں رہا۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

"کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر اپنا ذہن اسی ایک سوال پر مرکوز کردو۔ تھوڑی دیر میں عقدہ کھل جائے گا۔" میں نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"اس وقت مجھے شدت سے سلطان شاہ یاد آرہا

ہے.....“

میں نے درمیان سے اس کی بات اچک لی ”یہ خوشی کی بات ہے کہ اس کی طرف سے تمہارے دل میں گنجائش پیدا ہو رہی ہے۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوگی۔“

”میری بات کو غلط معنی پہنانے کی کوشش مت کرو۔ دراصل وہ بہت بولتا ہے۔ صحیح اور غلط کی پروا کیے بغیر مسلسل بولتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے مخاطب کا ذہن خود بخود تیزی سے کام کرنے لگتا ہے اور بعض دور کی باتیں آسانی سے سوجھ جاتی ہیں۔“

”پتا نہیں جیک کے مکوں کی ضربات سے اب اس کے جبڑوں کا کیا حال ہے۔“ میں نے افسردگی سے کہا۔

”جبڑے رواں ہیں۔ بولنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ ہاں شاید مزید مار کھانے کی گنجائش نہ ہو۔“ اس نے ہنستے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا۔

ہم دونوں اول خان کے دفتر میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی خالد سے پوچھ کچھ کرکے لوٹ آیا۔

”فون نمبر لے کر تم کیا چاہ رہے تھے؟“ اول خان نے آئی مین کے نئے فون نمبر والا پرچہ میرے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

”ابھی اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ وہ جتنی احتیاط سے کام لے رہا ہے اس کے پیش نظر اسے فون پر چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ ہوشیار ہو جائے گا۔“

”اگر اسے گھیرنا ہے تو ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہیے۔“ ویرا نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

”کتنے آدمی کافی رہیں گے؟“ اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

اس وقت تک آئی مین کے بارے میں جو معلومات ہمارے سامنے آئی تھیں۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گرد غیر ضروری بھیڑ بھاڑ رکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کی کمین گاہ پر اس کے سوا صرف کیلی کی موجودگی متوقع تھی۔ مکان کا محل وقوع ایسا تھا کہ صرف دو اطراف سے نگرانی کرکے انہیں گھیرا جا سکتا تھا۔ ان دنوں وہ علاقہ زیادہ آباد نہیں تھا۔ آئی مین کے مکان کے ساتھ ایک مکان بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف خالی پلاٹ تھا۔ گھر کے سامنے سڑک اور پیچھے ویران اور خشک برساتی نالہ تھا جس میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

ہم تینوں یکجا تھے اس لیے ہمارا جانا ضروری تھا۔ ویرا کسی صورت میں بھی رکنے پر آمادہ نہ ہوتی۔ اس آپریشن کے لیے کم از کم دو گاڑیوں کا ہونا ضروری تھا۔ طے یہ پایا کہ ہم تینوں کے ساتھ مزید دو افراد کو شامل کرلیا جائے۔ اس طرح ہماری کل نفری پانچ ہو جاتی جو بہت کافی تھی۔

سات بجے روانگی کا پروگرام طے کرنے کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کرلیا گیا کہ فرزانہ کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔ اس کا براہِ راست آئی مین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ویرا کے مشورے پر میں نے گھر فون کرکے غزالہ کو بھی تبدیلیوں اور نئے فیصلوں سے آگاہ کر دیا۔

اس کے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہوئی تھی کہ فرزانہ کی نشان دہی پر ہم جس شخص تک پہنچے وہی مجھ کو دکان سے آئی مین تک پہنچا چکا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ بھی مجھ سے بات کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک مرتبہ اس سے گفتگو شروع ہوگئی تو سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا جبکہ ہمارے پاس زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ مجھے جلال کے بارے میں کوئی اطلاع دے گی مگر وہ کہیں غائب تھا۔ شاید وہ دہلی میں عبداللہ کے خونِ ناحق کا بھرپور انتقام لے کر آرام کر رہا تھا اور وہ خود کے بارے میں ہم میں سے کسی سے تبادلہ خیال کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

آئی مین اور اس کے کارندوں کے بارے میں دو تازہ ترین تجربات ہمارے سامنے تھے۔ خالد ایک سوکھا سڑا اور بے ضرر سا آدمی نظر آتا تھا لیکن خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا دیکھ کر وہ بے خوفی سے ہتھیار اٹھا کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ وہ حرکت کرتے ہوئے اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کے ایسے کسی اقدام سے اس کے گھر والوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ دوسری طرف خود آئی مین ہمارے سامنے تھا۔ اس نے خود کوئی حرکت نہیں کی تھی لیکن وہ دھوئیں کے بموں تک سے لیس ہو کر لی مارکیٹ کے گنجان علاقے میں مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے بھی خطرہ بھانپتے ہی دھوئیں کا دستی بم استعمال کر ڈالا تھا اور صاف نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ تجربات بتا رہے تھے کہ ہمارا حریف ہر قسم کے تباہ کن ہتھیاروں وغیرہ سے لیس تھا۔ وہ لوگ مدافعانہ راہ اختیار کرنے کے بجائے لڑنے مرنے پر تلے ہوئے تھے۔ پوری تیاری کے بغیر ان کا سامنا کرنا خودکشی سے کم نہیں تھا۔

اول خان نے دورانِ گفتگو ہی ان دو آدمیوں کا انتخاب کرلیا تھا۔ جنہیں گاڑیاں لے کر ہمارے ساتھ چلنا تھا۔ اس نے انہیں بلا کر ہتھیاروں کی نوعیت اور تعداد وغیرہ کے

بارے میں ہدایات دے ڈالیں۔ ان کے جاتے ہی اس کا اردلی چائے اور دیگر لوازم کی ٹرے لے لیا۔

ہم تینوں کے لیے وہ دن بہت طویل ہو چکا تھا۔ اس دوران میں کہیں کچھ کھانے پینے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ ذرا سی دیر میں پوری ٹرے صاف ہو گئی۔

چائے کی پیالی خالی کر کے رکھنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔

''اوہو! تم کہاں ہو۔ کل سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا۔'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک اہم کام میں مصروف تھا۔'' میرے موبائل فون پر سی ایس ڈی کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

''مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اپنا کام خوش اسلوبی سے مکمل کر لیا۔ دوسرے ذرائع سے اس کی اطلاعات مل چکی ہیں۔''

''یہ باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔ ابھی میں نے تمہارے گھر فون کیا تھا تو پتا چلا کہ تم صبح سے غائب ہو....''

''تم کو معلوم ہے کہ آج کل دکان داری ہو رہی ہے آج کسی سے ملاقات کا وقت بھی طے تھا۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم گھر جا کر فون پر مجھ سے رابطہ کر لو۔ اس وقت تم کہاں ہو؟'' جلال کی آواز میں عجیب سا اضطراب نمایاں تھا۔

''میں اول کے ساتھ ہوں۔'' میں نے غیر روایتی طور پر اول خان کا ادھورا نام لے کر جواب دیا ''مجھے اس وقت ایک کام درپیش ہے۔ شاید دس بجے سے پہلے میں فارغ نہ ہو سکوں۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔ کیا تم اپنا کام کچھ دیر کے لیے ملتوی نہیں کر سکتے؟''

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی چاہ رہا تھا جس کے لیے راز داری ناگزیر تھی۔ موبائل فون پر وہ کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اندازہ رہا ہو گا کہ جب میں اپنے کسی کام کا ذکر کر رہا تھا تو وہ بہت ضروری کام بلکہ مشن ہو سکتا تھا۔ میرے کام کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی تھی کہ یہ بات جلال کے علم میں تھی کہ اس روز دن کے دو بجے میری اور آئی مین کی ملاقات متوقع تھی۔ یہ امکان منیر سے فرزانہ کی ملاقات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ وہ بات اتنی سیدھی نہیں تھی کہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی۔ پچھلی شام جلال کے جانے کے بعد اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ امکان نظر آیا تھا مگر آئی مین سے طے ہونے والی چوبیس گھنٹوں کی مہلت کی بات اس کے علم میں تھی۔

میں الجھن میں پڑ گیا۔ وہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ تھا ورنہ جلال یوں اصرار نہ کرتا۔

کہتے ہیں کہ آدمی کسی بدترین دباؤ میں آجائے تو اس کے اعصاب اور عضلات سے لے کر اعضا تک اپنی غیر معمولی توانائی اور صلاحیتوں کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ وہ مسئلہ اتنا سنگین نہیں تھا۔ ہم ملیر کینٹ کی حدود میں واقع اسٹیشن فور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے مابین سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ ہم کو دو گاڑیوں میں مختصر سی پانچ نفری فورس کے ساتھ کلفٹن میں بوٹ بیسن کے علاقے میں جانا تھا جہاں آئی مین روپوش تھا۔

راستے میں نیشنل اسٹیڈیم کے پیچھے ہمارا گھر تھا جہاں میرے فون کے ساتھ سی ایس ڈی منسلک تھی۔ اگر میں اسی وقت اپنی گاڑی سے گھر کے لیے روانہ ہو جاتا تو اطمینان سے کھل کر جلال سے بات کر سکتا تھا۔ سات بجے اول خان اسٹیشن فور سے نکل کر راستے سے مجھے اپنے ساتھ لے لیتا۔ آپریشن کو کسی التوا میں ڈالے بغیر جلال سے فون پر گفتگو ہونے کا امکان ذہن میں ابھرتے ہی میں نے گرمجوشی سے کہا ''تم سے مذاکرہ زیادہ ضروری ہے۔ تم مجھے اپنا نمبر لکھوا دو۔ میں آدھے گھنٹے میں تم سے رابطہ کرتا ہوں۔''

جلال نے اپنا فون نمبر بتایا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ یقینی طور پر کسی بڑی الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔

''میں گھر جا رہا ہوں۔ جلال سی ایس ڈی کے بغیر ہونے والی گفتگو کو غیر محفوظ تصور کر رہا ہے۔'' میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آئی مین کے خلاف آپریشن کا پروگرام منسوخ کر دیا جائے!'' اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ پروگرام اپنی جگہ برقرار ہے۔ ابھی ہمارے پاس تقریباً ایک گھنٹا ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ چند منٹ تک بات ہو گی۔ جب تم مجھے لینے کے لیے آؤ گے، میں فارغ ہو چکا ہوں گا۔ وہ مجھ سے کوئی بہت اہم اور ضروری بات کرنا چاہ رہا ہے۔''

''تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ مجھے موبائل پر بتا دینا۔'' اول خان نے بھی

اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"میں وعدہ نہیں کرتا۔ کوشش ضرور کروں گا۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اگر پروگرام کی یہ تبدیلی اتنی آسان ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ میرے مسلّط رہنے سے اول خان کے کام میں خلل پڑے گا۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"کسی نے ویرا کی رائے کی تردید نہیں کی۔ وہ اسٹیشن فور پر موجود رہتی تو اول خان بھی اس کی میزبانی کے تکلفات میں اُلجھا رہتا اور شاید تیاری کا کوئی پہلو تشنہ رہ جاتا۔ اول خان نے میری گاڑی تک آکر ہم دونوں کو رخصت کیا۔

اس روز آئی مین سے تصادم کے بعد ایسی افراتفری مچی تھی کہ اول خان مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اسٹیشن فور لے آیا تھا۔ گولڈن فارمیسی کی ایک قریبی گلی میں کھڑی ہوئی میری کار ایس ٹی ایف کے ایک ڈرائیور نے کسی وقت وہاں پہنچادی تھی۔

"جلال کیا کہہ رہا تھا؟" اس نیم فوجی کیمپ کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن سی ایس ڈی کا تحفظ میسر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"ونود کے بارے میں کیا بات ہوئی؟" اس بار ویرا نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"ارے بابا' کہہ تو رہا ہوں کہ اس سے کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوسکی اسی لیے اب میں گھر جا رہا ہوں۔"

"مجھے کچھ گڑبڑ نظر آرہی ہے۔ اس نے جوشِ انتقام میں ونود کو جہنم واصل تو کردیا لیکن اس کے ستارے گردش میں آگئے ہیں۔"

ویرا کے لیے خاموش بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جب تک میں جواب دیتا رہوں گا' وہ کچھ نہ کچھ پوچھ کر میرا دماغ چاٹتی رہے گی۔ میں نے مکمل خاموشی اختیار کرلی۔

ہمارا گھر لوٹنے کا پروگرام نہیں تھا۔ میں نے فون پر غزالہ کو اپنی نئی مصروفیت کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔ مجھے گھر میں دیکھ کر وہ خوشی سے کِھل اٹھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سات بجے والا پروگرام منسوخ کردیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ سات بجے کے قریب اول خان ہمیں لینے کے لیے آجائے گا۔ وہ پروگرام بدستورِ اپنی جگہ قائم ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "میں اس وقت جلال سے بات کرنے کے لیے آیا ہوں وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔ بس آپ کے بارے میں پوچھ کر سلام دعا کے بعد فون بند کردیا۔"

"اور سلطان شاہ کہاں ہے؟" میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں پڑا سو رہا ہوگا۔ پتا نہیں ویرا نے اسے کون سی خواب آور دوا دی تھی کہ اسے لینے کے بعد سے سلطان شاہ پر رہ رہ کر نیند کے لمبے دورے پڑ رہے ہیں۔ وہ جب بھی بیدار ہوتا ہے' ویرا کو برا بھلا کہنا شروع کردیتا ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"یہ میری دی ہوئی دوا کے اثرات نہیں ہوسکتے۔" ویرا نے وثوق سے کہا "اس کے دماغ میں کوئی اندرونی ضرب آئی ہے۔"

"مجھے ایسی کسی ضرب کا علم نہیں جو آدمی کو کسی ایک فرد سے متنفر کردے۔" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا "تم سے ایک سنگین حماقت سرزد ہوئی ہے۔ اب اس کا دفاع کرکے مزید حماقت کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"اسے اس کے حال پر چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ میں ابھی کمرے میں جاکر اسے جگاتی ہوں۔"

"یہ حرکت تم نہ کرنا۔ وہ تمہاری جان کو آجائے گا۔" میں نے بیزاری سے کہا "اب کچھ دیر کے لیے چین سے بیٹھی رہو تاکہ میں جلال سے یک سوئی سے بات کرسکوں۔"

"اسپیکر فون آن کرلیں۔" خلافِ معمول غزالہ نے نرمی سے فرمائش کی "جلال کی طرف سے میں بھی تجسس میں پڑ گئی ہوں۔"

"شاباش!" ویرا نے اسے اکسایا "اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔"

میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اسپیکر فون آن کرلیا۔ غزالہ نے بتایا سی ایس ڈی پہلے ہی آن تھی۔

میں نے جلال سے لیا ہوا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے اسی نے کال وصول کی اور میری آواز سن کر حیران رہ گیا "ابھی آدھا گھنٹا بھی پورا نہیں ہوا اور تم اپنے گھر آگئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے وہاں سے گھر آنے میں تیز رفتاری کے سارے جوہر دکھا ڈالے۔"

"آج تم نے غیر معمولی انداز میں بات کرکے مجھے بے چین کردیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح پر لگاؤں اور اڑ کر گھر پہنچ جاؤں۔" میں نے نرم اور ہموار لہجے میں کہا "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ خیریت تو ہے نا؟"

"میں مکمل خیریت سے ہوں۔ کیا میری آواز یہ بتانے

کے لیے کافی نہیں تھی کہ ادھر خیریت ہے۔" میری تشویش پر وہ ہنس پڑا۔

"ونود کا معاملہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ کم از کم اخباری خبریں یہی بتا رہی ہیں۔"

"اس کا معاملہ میری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔ وہ یوں اطمینان سے مارا گیا جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔"

"اخبارات نے اس کے خون کی ذمے داری آئی مین اور اس کی ٹیم گن پر ڈال دی ہے۔ وہ اس الزام تراشی پر سخت بھنایا ہوا تھا۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس اطلاع سے محظوظ ہوا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر اس سے تمہاری گفتگو ہوئی ہے۔ آج دوپہر میں اس کی دی ہوئی چوبیس گھنٹے کی مدت بھی پوری ہو رہی تھی۔ تمہاری اس سے ملاقات کا کیا رہا؟"

"آج میرے لیے تاریخی دن ہے۔ اس سے دو مرتبہ فون پر بات ہوئی اور پھر ملاقات بھی ہو گئی۔"

"تو کیا وہ بے خوفی سے گولڈن فارمیسی پہنچ گیا تھا۔" جلال کا وہ سوال بے ساختہ اور تحیر آمیز تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پُرسکون اور نارمل آواز سن کر غزالہ اور ویرا کے چہروں پر چھائی ہوئی تشویش اور مردنی دور ہو چکی تھی۔

"بالکل آخری لمحات پر اس نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اختصار کے ساتھ اپنی اور اس کی گفتگو سے ملاقات اور پھر تصادم کے واقعات دہرانے شروع کر دیے۔ ان میں سے بعض تفصیلات ویرا کے لیے نئی تھیں جبکہ غزالہ تو سرے سے بے خبر تھی۔

"ڈینی اور دوسری سلور آئی نے اسے دیوانہ کیا ہوا ہے ورنہ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تم سے ملنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"مگر اس سے ایک ملاقات کے بعد میرا حوصلہ بڑھ چکا ہے۔ میں اس سے اگلی ملاقات کی تیاری کر رہا ہوں۔"

"کہیں سات بجے تم اس کی تلاش میں تو نہیں جا رہے!" وہ میری اطلاع پر چونک پڑا تھا۔

"یہ بعد کا موضوع ہے۔ میں نے تمہیں اصل بات بتا دی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنے مضطرب کیوں تھے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ شکار سامنے ہے مگر میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"

"ونود کے معاملے میں تم آزاد روی کا مزہ اٹھا چکے ہو۔ دوبارہ حوصلہ کر کے دیکھو۔" میں نے پوری بات جانے بغیر اسے اکسایا۔

"وہ برابر کا مقابلہ تھا۔ میرے سامنے صرف ونود تھا۔ اس بار معاملہ مختلف ہے۔"

"کہیں تم جیک اسمتھ کی بات تو نہیں کر رہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمال ہو گیا۔" اس کی بے ساختہ آواز آئی "بعض اوقات تمہارے درست اندازے مجھے حیران کر دیتے ہیں۔ اس وقت کسی حوالے کے بغیر تمہارا ذہن اس مردود کی طرف کیسے چلا گیا۔"

"اس وقت ہم دونوں کی نگاہوں میں وہی ایک مشتبہ شخص ہے جو امریکی قونصل خانے کی سفارتی پناہ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ بات تم ہی نے مجھے بتائی تھی۔"

"وہ سیاہ فام امریکی ہے۔ اگر مقامی لباس پہن لے تو قریب سے دیکھنے پر بھی پڑھا لکھا مکرانی نظر آئے گا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر تازہ زخموں کے نشانات تھے۔ محض اسی ایک نکتے کی وجہ سے میں نے اس پر اپنی غیر معمولی توجہ مرکوز کی ہوئی تھی۔"

"اس کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آئی ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مسلسل امریکی قونصل خانے کی حدود میں چھپا ہوا تھا۔ دن رات وہیں مقیم تھا اور میرے آدمیوں کو اس پر اپنا کام آگے بڑھانے میں وقت ہو رہی تھی۔ آج صبح ایک چارٹرڈ پرواز سے کراچی ائر پورٹ کے پرانے ٹرمینل کے راستے امریکی ڈیلٹا فورس کے چھ کمانڈوز یہاں پہنچے تو میں نے اپنا کام ذرا تیز کر دیا۔ کافی عرق ریزی کے بعد پتا چلا کہ وہ چھ کمانڈوز جیک اسمتھ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ ان میں سے دو کمانڈوز آٹھ آٹھ گھنٹے کی تین شفٹوں میں دن رات اس کے ساتھ رہیں گے۔"

"تو کیا اس نے قونصل خانے کی حدود سے باہر نکلنے کا ارادہ کر لیا ہے؟"

"صرف ارادہ ہی نہیں کر لیا، اس وقت وہ باہر نکلا ہوا ہے۔ اس سارے بندوبست سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوئی بڑا کھیل کھیلنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔ اس وقت بھی دو دیوزاد کمانڈوز سایوں کی طرح اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔"

"یہ بہت اچھے آثار ہیں۔ سمجھ لو کہ یہ کمانڈوز اس کی شامت بن کر نازل ہوئے ہیں۔ وہ ان پر بھروسا کر کے باہر نکلتا رہے گا تو جلد ہی مارا جائے گا۔"

"مشکل ہے۔ میں اس کام میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ تم میری مجبوریوں سے واقف ہو۔"

"تم نے ونود کے بارے میں اپنے اصول توڑ کر مجھے حیران کردیا ہے۔ تم مجھے دوبارہ بھی حیران کرسکتے ہو۔"

"یہ ایک اور تین کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ ڈیلٹا فورس کے ہر رکن پر امریکی ناز کرتے ہیں۔ یہ لوگ صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں اور برف زاروں میں ہر قسم کی جنگی اور چھاپا مار کارروائیوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ ہر کمانڈو مارشل آرٹس کا ماہر ہوتا ہے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے وار ذرا بھی اوچھا پڑ جائے تو الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی۔ میں خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میں نے تمہیں اطلاع دے دی ہے۔ اب کچھ کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ جیک اسمتھ ایک امریکی افسر ہے۔ اس کا تعلق کس ڈسپلن سے ہے۔"

"وہ اپنے اصل نام سے سرکاری پاسپورٹ پر آیا ہے۔ اس نے ائرپورٹ امیگریشن کاؤنٹر پر اپنا فارم جمع کرایا تھا۔ اس کے مطابق وہ فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ اس سے زیادہ مصدقہ اطلاع اور کوئی نہیں ہوسکتی۔"

"میرا یہ شبہ درست نکلا کہ وہ کالا کوئی بڑا امریکی افسر ہے جو آئی مین کی پشت پناہی کررہا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ ایک ٹھوس اور افسوس ناک حقیقت ہے جس پر مشتعل ہونا تمہارے لیے قابلِ فہم ہونا چاہیے۔"

"مجھے تمہارے جذبات کا پورا پورا احساس ہے۔ اب تمہارے آدمی اس کا پیچھا کررہے ہیں یا تم نے بددل ہوکر اس معاملے سے ہاتھ اٹھالیا ہے؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"کسی سنگین معاملے میں خاموش تماشائی بنے رہنا بہت صاحب مشکل کام ہوتا ہے لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ میرے آدمی اس وقت بوٹ بیسن کے اس بنگلے کے باہر موجود ہیں جس میں وہ تینوں پانچ بجے سے گھسے ہوئے ہیں۔"

اچانک میری کھوپڑی میں دھماکا سا ہوا۔ وہ مجھے ساری کہانی سنائے جارہا تھا۔ کام کی بات دل میں لیے بیٹھا تھا۔ میں نے بے ساختہ ہیجان زدہ لہجے میں پوچھا "بوٹ بیسن کے اس مکان پر فالکن ہاؤس کی تختی تو آویزاں نہیں ہے؟"

"تم اس بارے میں کیا جانو۔ سچ سچ بتاؤ کہ اس عمارت کا تمہیں کس نے بتایا؟"

"مائی ڈیئر جلال۔ فالکن ہاؤس اس وقت آئی مین کی کمین گاہ ہے۔ بی باون کے بعد اس نے وہیں پناہ لی اور سات بجے ہم وہیں جارہے ہیں۔"

"اوہ نو.... یہ تو کمال ہوگیا۔" جلال کی آواز سے بے پایاں مسرت کا اظہار ہونے لگا "آج دو بجے وہ بھاگ نکلا تھا پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فالکن ہاؤس میں مقیم ہے۔"

میں نے فرزانہ اور خالد کے پکڑے جانے کی کہانی چھیڑ دی۔ ہم دونوں کی معلومات یک جا ہونے کے بعد حالات نے اچانک سنسنی خیز موڑ لے لیا تھا اس لیے میں نے ان واقعات کی جزئیات کو دانستہ نظرانداز کردیا۔

"یہ ماننا پڑتا ہے کہ قسمت کی مہربانیوں کے ساتھ تمہاری کوششیں اور دماغ سوزیاں ہر جگہ بار آور ثابت ہوتی ہیں۔ ایک ہی دن میں تم نے قابلِ رشک کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ میں تمہاری مزید سرخ روئی کے لیے دعاگو ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ اس وقت فالکن ہاؤس میں دو نہیں پانچ افراد ہیں جن میں دو خطرناک جنگ جو ہیں جو کسی بھی مقابلے کا رخ

بدل دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"
"بہت اچھا ہوا کہ اس وقت تم سے بات ہوگئی ورنہ ہم بے خبری میں سات بجے وہاں پہنچ جاتے۔ آئی مین اور کیلی کے لیے ہم نے واجبی سی تیاری کی تھی اب ہمیں اپنے پورے پروگرام پر نظرثانی کرنی پڑے گی۔"
"اگر تم آج ہی وہاں جانے کے ارادے پر قائم ہو تو میں اپنے آدمی وہاں سے ہٹالوں۔ ان کے رہنے سے کوئی سنگین پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے۔"
"وہ صرف نگرانی پر مامور ہیں تو تم سات بجے انہیں ہٹالو۔ اگر کسی وجہ سے ہمارا پروگرام ملتوی ہوا تب بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ جیک گمنام آدمی نہیں ہے۔ وہ آئی مین کی طرح روپوشی اختیار نہیں کرے گا۔"
میں سی ایس ڈی کے بغیر کھل کر یہ ساری باتیں نہیں کرسکتا تھا۔ اب میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جو گلی میرے لیے بند ثابت ہورہی تھی، تم نے اس میں اپنی راہ بنالی ہے۔ میں اسی فون پر کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں اشاروں کنایوں میں تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور بتادوں گا۔"
"میں نے فون بند کردیا اور اضطراری طور پر اپنی جیب سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگالی۔
"یہ حیران کن واقعہ رونما ہوا ہے۔ دونوں اپنے اپنے طور پر کام کررہے تھے مگر آخر میں منزل ایک ہی ثابت ہوئی ہے۔" ویرا بولی۔
"جلال میں بڑے سرکاری افسروں والی رعونت نہیں ہے۔ اس کی سب سے اچھی عادت یہ ہے کہ چلتا ہے تو پوری ٹیم کو لے کر چلتا ہے۔" میں نے کہا۔
"اس وقت وہ ذرا بھی کسل مندی سے کام لیتا تو ہم فالکن ہاؤس میں جیک اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی سے بے خبر رہتے اور ہمارا مشن ناکام ہوجاتا۔"
میں نے سی ایس ڈی آف کی اور اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے ریسیور اٹھاکر اول خان کا موبائل نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔
اس وقت سات نہیں بجے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ اسٹیشن فور سے نہیں نکلا ہوگا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے دفتر میں موجود ہوتا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔
اول خان کے لیے وہ خبر سنسنی خیز ضرور تھی مگر تشویش ناک بھی تھی۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اسے صرف اتنی بات بتائی کہ ہمارا کالا دشمن اپنے دو مسلح محافظوں کے ساتھ ہمارے مطلوبہ مکان میں موجود تھا۔
اس نے مجھ سے فوری طور پر گھر آنے کا وعدہ کرلیا۔ وہ پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق دو آدمیوں اور دو گاڑیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ باہمی مشاورت کے بعد حکمت عملی میں کوئی تبدیلی طے پاتی تو وہ ایک فون کرکے اپنے کیمپ سے مزید نفری طلب کرسکتا تھا۔
ہم تینوں کو زیادہ دیر تک اس کی آمد کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ آیا تو اس کے چہرے پر کسی قسم کے جوش و خروش کے بجائے فکر اور پریشانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔
"ہاں، اب بتاؤ کہ جلال کیا کہہ رہا تھا۔" اس نے آتے ہی مطالبہ کردیا۔
میں نے اسے پوری بات سے آگاہ کردیا۔ اس کا سرد رویّہ دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی تھی۔
"جیک جب تک وہاں موجود ہے، ہمیں ادھر کا رخ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔
"کیا یہ بات ہمارے حق میں نہیں ہے کہ اس وقت فالکن ہاؤس میں ایک کے بجائے ہمارے دو حریف موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"آئی مین کی بات الگ ہے۔ وہ ایک عام امریکی ہونے کے باوجود ہمارا ملزم بن چکا ہے۔ اس کے خلاف اخباروں میں کافی مواد چھپ چکا ہے۔ اس کے خلاف کارروائی ہوتی ہے تو باہر سے کوئی مداخلت کرے گا نہ اس کے حق میں کوئی آواز بلند ہوگی۔ جیک اور ڈیلٹا فورس والوں کی موجودگی معاملات کو بگاڑ دے گی۔"
"ان تینوں کی موجودگی کی وجہ سے تمہیں کس بگاڑ کا خوف ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔
"وہ سرکاری آدمی ہیں۔ اپنی مدد کے لیے پولیس یا اپنے قونصل خانے سے فون پر مدد طلب کرسکتے ہیں۔ کوئی بھی آنے سے انکار نہیں کرے گا۔"
اسی وقت سلطان شاہ آگیا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی لگ رہی تھیں۔ موڈ بہت خراب تھا جو ویرا کو دیکھ کر مزید خراب ہوگیا۔ اس نے آتے ہی ویرا کو مخاطب کرکے کہا تھا "تم نے دھوکا دے کر میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں دوا کے بداثرات ابھی تک بھگت رہا ہوں۔"
"میں نے تمہارے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کی تھی۔"

ویرا نے خلاف توقع نرمی سے جواب دیا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم پڑ جاؤ گے۔"

"یہ بتاؤ کہ اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو۔ چاہو تو کسی ڈاکٹر کو دکھایا جا سکتا ہے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"غزالہ بھی ضد کر رہی تھی۔ میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ وہ طبیعت کو اور بگاڑ دے گا۔ دوائیں مجھے راس نہیں آتیں۔ ایک دو روز میں میری طبیعت خود ہی سنبھل جائے گی۔ یہ غنیمت ہے کہ ویرا کی مہربانی کے باوجود میں زندہ نظر آ رہا ہوں۔"

اس پر قنوطیت طاری تھی۔ اس کی آمد کی وجہ سے ایک اہم موضوع پس پشت چلا گیا تھا۔ میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور وہ اول خان کی طرف سے مزاج پرسی کے بعد سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"وہ سرکاری آدمی ضرور ہیں مگر اپنے پیش رووں کی طرح اس وقت بہت غلط مقام پر آئی مین کے ساتھ موجود ہیں۔ پتا نہیں یہ لوگ ماضی کے تجربات سے سبق لینے کے بجائے خود سری کے مظاہرے پر کیوں تلے رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی پوزیشن مخدوش ترین ہے۔ وہ کسی کو اپنی مدد کے لیے بلانے کے بجائے فالکن ہاؤس سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے اور مارے جائیں گے۔ متبادل راستہ انہیں مزید تباہی کی طرف لے جائے گا۔" میں نے اول خان کی بات کا جواب دیا۔

"میرے ذہن میں ایک اندیشے نے جنم لیا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کر دیا۔ اب اکثریت جو فیصلہ کرے گی' میں اسے تسلیم کراوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا جواب تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تم حالات کو اپنی عینک سے دیکھ رہے ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ لوگ بھی ان ہی خطوط پر سوچیں۔ جب موت سر پر منڈلانے لگتی ہے تو انسان اس بلا کو ٹالنے کے لیے ہر جتن کرتا ہے۔ مجھے اس مہم جوئی میں سخت خطرہ نظر آ رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کمک طلب کر لیں لیکن وہ مختار کل نہیں ہیں۔ ان کے اوپر والے ہر بات سے باخبر ہوں گے۔" ویرا نے ساتھ دیتے ہوئے کہا "ان کو علم ہو گا کہ جیک کس سے ملنے کے لیے بوٹ بیسن گیا ہے۔ وہ کھل کر اس گندے کھیل میں ملوث نہیں ہوں گے۔"

"مجھے اس آپریشن میں کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا۔" میں نے نرمی سے کہا "زیادہ سے زیادہ ہم یہ احتیاط کر سکتے ہیں کہ انہیں للکار کر مقابلے کو طول دینے کی کوشش نہ کریں۔ ان پر اچانک وار کریں اور ان کو دبوچ لیں۔"

اول خان کی آنکھوں میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ شاید میری آخری تجویز میں اسے کوئی تسلی بخش نکتہ نظر آ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بولا "ہماری تیاری بہت کافی ہے۔ نفری میں کچھ اضافہ کرنا ہو گا۔"

آپس میں اتفاق رائے ہونے کے بعد ہم نے اس مشن کے لیے نئے سرے سے افرادی ضروریات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

ہوس

جج :- میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے ایسی حماقت کیوں کی؟ تم اچھے عہدے پر فائز تھے' گھر میں خوش حالی تھی۔ تمہارا مستقبل مزید روشن تھا۔ اس کے باوجود تم نے کمپنی میں غبن کیوں کیا؟

ملزم :- بس جناب! کیا عرض کروں .... انسان کے پاس جتنا ہوتا ہے اس سے زیادہ کی ہوس رہتی ہے۔

جج :- ٹھیک ہے.... میں تمہیں دس سال قید کی سزا دے رہا ہوں۔ زیادہ کی ہوس ہو تو بتا دینا۔"

○☆○

بوٹ بیسن کا علاقہ دن کے اجالے میں قدرے اجڑا اجڑا اور بے رونق سا نظر آتا ہے لیکن اندھیرا گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں روشنیوں اور تفریح کے متلاشیوں کا ایک سیلاب آ جاتا ہے جو کھانے پینے کی مختلف اشیا کی دکانوں کے گرد رات گئے تک رواں رہتا ہے۔

ہمارا کارواں چوراہے کے ایک کونے پر دور تک پھیلے ہوئے فوڈ سینٹرز کے سامنے سے گزرا تو وہاں زندگی اپنے شباب پر آئی ہوئی تھی اور فضا دور دور تک پکتے' بھنتے اور تلتے ہوئے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے رچی ہوئی تھی۔

سڑک کے بائیں کنارے پر موڑ آتے ہی یہ رونق یکایک ختم ہو گئی اور اس علاقے کی مخصوص رہائشی ویرانی کا راج شروع ہو گیا جسے وہاں رہنے والے اپنی اصطلاح میں سکون کا

نام دیتے تھے۔
وہ علاقہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ اپنے نئے پروگرام کے تحت ہم ٹھیک نو بجے فالکن ہاؤس کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ آج کل کے مقابلے میں اس زمانے میں وہ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ بہت سے پلاٹ خالی پڑے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں تعمیراتی سامان بکھرا ہوا تھا۔ خاص طور پر فالکن ہاؤس والے حصے میں خاصے کم مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی کچھ غیر آباد تھے اور تاریکی یا ناکافی روشنی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

گاڑیاں فالکن ہاؤس سے دور، ایک تاریک اور خالی پلاٹ پر روک کر انجن بند کیے گئے تو فضا میں شیریں سرائیکی نغمے کی دھیمی سی ریڈیائی گونج سنائی دی۔ وہ زیادہ دور کی آواز نہیں تھی۔ شاید کسی زیر تعمیر مکان میں رہنے والے مزدور دن بھر کی تکان دور کرنے کے لیے ریڈیو پر اپنے پسندیدہ گلوکاروں کے نغمے سن رہے تھے۔ وہ بارسوخ امرا اور شرفا کا رہائشی علاقہ تھا اس لیے اس بستی میں عارضی پڑاؤ ڈالنے والے مزدور ڈرے سہمے رہتے تھے۔ تاریک اور خوش گوار فضا میں تیرتی ہوئی مدھر آواز انہوں نے دھیمی رکھی تھی تاکہ وہ علاقے کے مستقل مکینوں کی سماعت پر گراں نہ گزرے پھر بھی مجھے وہ نغمہ اپنے میٹھے بولوں کے ساتھ صاف سنائی دے رہا تھا۔

ایک طرف زندگی کی وہ بے فکری اور بے ثباتی تھی جہاں مزدور دنیا و مافیہا کی ہر فکر سے بے پروا ہو کر، پرائی چھت کے نیچے نان شبینہ سے سیر ہو کر آرام کر رہے تھے اور دوسری طرف فالکن ہاؤس کا غلیظ ماحول تھا جہاں بگڑے ہوئے ذہنوں والے فرعون صفت بدمعاش سر جوڑ کر انسانوں کو بگاڑنے اور تباہ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ شی اور اس کے پشت پناہوں کے رویوں سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک کو اپنے نہ مرنے کا پورا یقین ہو۔ وہ سب کچھ مسخر کر کے اپنے اقتدار و اختیار کا سکہ چلانے کے آرزومند تھے اور ہم اللہ کے بے لوث شیروں کی ایک مختصر سی ٹکڑی کے ساتھ ان کے ارادوں کو ملیا میٹ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اس تاریک اور سنسان پلاٹ پر اترنے کے بعد اول خان کو کسی کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ پہلے سے دیے ہوئے نمبروں کی ترتیب کے مطابق اس کے آدمی ایک ایک کر کے وہاں سے فالکن ہاؤس کی طرف بڑھتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک پوری طرح مسلح تھا۔ ان کے شانوں پر چھوٹی مگر طاقت ور خودکار رائفلیں جھول رہی تھیں۔ پشت پر چھوٹے اور وزنی تھیلے لدے ہوئے تھے جن میں فاضل میگزین سے دستی بموں تک، ضرورت کا ہر ہلکا اور تباہ کن ہتھیار موجود تھا۔

فالکن ہاؤس کے ایک طرف مکان بنا ہوا تھا جو دور ہی سے آباد نظر آ رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو مکمل خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس عمارت کو بقیہ تینوں سمتوں سے اپنے حصار میں لینا تھا تاکہ وہاں سے کوئی بچ کر فرار نہ ہو سکے۔

آخری آدمی کے روانہ ہو جانے کے بعد اس پلاٹ کی تاریکی میں ہم چار افراد کھڑے رہ گئے۔ میں، ویرا اور اول خان کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ کارواں کی ان تینوں گاڑیوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری پر مامور سنتری یا سپاہی ہم سے دور مودب کھڑا ہوا تھا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم دونوں ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تم بہت بڑا خطرہ مول لینے جا رہے ہو۔" میدان صاف ہو جانے کے بعد اول خان نے دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں کہا "میں برے وقت سے ڈرتا ہوں۔ اندر صرف دشمن کا راج ہے۔ باہر میرے مسلح آدمی تیار ہو رہے ہیں۔ تم دونوں ان کے درمیان گھر جاؤ گے۔ براہ راست اور بھاری تصادم کی نوبت آئی تو تم اپنوں کی گولیوں کا نشانہ بن سکتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس خطرے کو کیسے ٹالا جا سکے گا۔"

"میں بھی تمہیں بتا رہا ہوں کہ آج کی رات بہت اہم ہے۔" میں نے بھی نیچے لہجے میں کہا "آئی مین اور جیک کو یہاں سے ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑنا ہے۔ ہماری وجہ سے تم کسی مرحلے پر نہیں ہچکچاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ باہر سے کسی کی مداخلت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ لمحہ آ جائے تو پھر جھجکنے کی ضرورت نہیں۔"

"زندگی بار بار نہیں ملتی۔" اندھیرے میں ویرا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیرتی نظر آئی "اس کا بہترین مصرف یہی ہے کہ اسے کسی بڑے اور نیک مقصد کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے۔ وقت نہیں آیا تو توپ کے گولے بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ موت آنی ہے تو بستر پر لیٹے لیٹے بھی آ جاتی ہے۔"

"تم دونوں ہم خیال اور ہم زبان ہو جاتے ہو تو تمہیں سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔" اول خان اپنی مسلسل ناکامی پر زچ آ کر بولا "موت کے برحق ہونے کے بارے میں میرا عقیدہ تم دونوں سے زیادہ مضبوط ہے مگر ریل کی پٹری پر لیٹ کر

یہ توقع رکھنا کہ قریب آنے پر وہ تمہیں کاٹنے اور روندنے کے بجائے فضا میں اڑتی ہوئی گزر جائے گی' نری حماقت ہے۔"

"بقیہ باتیں اس مہم سے نمٹنے کے بعد ہوں گی۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اب ہمیں چل دینا چاہیے۔"

اول خان نے بے اختیار مجھے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا "اس جذباتی معانقے کے بعد اس نے پورے تپاک سے ویرا سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں وہاں سے چل دیے۔ اول خان کو ہمارے چلے جانے کے بعد اپنی جگہ سنبھالنی تھی۔

"تم نے کبھی غالب کو پڑھا ہے؟" میں نے خاموشی سے کچھ دور نکلنے کے بعد ویرا سے پوچھا۔

"پڑھا نہیں لیکن نام سنا ہے۔ وہ تمہاری اردو کا کوئی بڑا شاعر تھا۔" ویرا نے اپنی روایتی بے نیازی سے جواب دیا "اس وقت وہ کیوں یاد آ گیا۔"

"اس نے کہا ہے' بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب' تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں۔"

ویرا ہنس پڑی۔ تاروں کی چھاؤں میں پھیلے ہوئے سناٹے میں مجھے اس کی وہ ہنسی بہت سادہ اور معصومانہ محسوس ہوئی "ہم نے فقیروں کا روپ دھارا ہوا ہے تو تمہیں غالب کی شاعری یاد آ رہی ہے۔ اس وقت تم یوں لنگڑا رہے ہو جیسے تمہارا یہ عیب پیدائشی ہے۔"

"تم نے بھی بہترین سوانگ رچایا ہے۔ بس اپنی اجلی رنگت سے مار کھا رہی ہو ورنہ پکی فقیرنی لگ رہی ہو۔"

ہمارے پیچھے ایک تیز رفتار کار اپنے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی بکھیرتی ہوئی نمودار ہوئی اور زن سے ہمارے قریب سے گزر گئی۔

"کسی اور دروازے پر سوال کرنے کا ارادہ ہے یا سیدھے وہیں چلو گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"بس چلتی رہو۔ یہاں کے رہنے والے اپنے مکانوں میں اس طرح محصور ہیں کہ انہیں باہر کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ دوسروں کے آرام میں خلل انداز ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ذرا سی دیر میں فالکن ہاؤس کے بند چوبی پھاٹک تک پہنچ گئے جہاں ایک ستون میں اندر سے رابطہ کرنے کے لیے انٹرکام لگا ہوا تھا۔ فقیروں کے روپ میں انٹرکام استعمال کرنا ناموزوں تھا۔ میں نے بڑھ کر چوبی دروازے پر لگا ہوا بیرونی کنڈا بجا دیا۔

سناٹے میں وہ آواز پر شور ثابت ہوئی۔ اندر سے کسی مقامی نے فوراً ہی "کون ہے؟" کا نعرہ لگایا تھا۔ ہمارے لیے یہ انکشاف تھا کہ فالکن ہاؤس میں پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ ایک چوکیدار بھی موجود تھا۔ خالد نے بازپرس کے دوران میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اللہ کے نام پر دو روٹی بابا!" میرے کہنی مارنے پر ویرا نے اپنی سریلی آواز میں ہانک لگائی۔

"بھاگ جاؤ۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔" اندر سے وہی آواز آئی۔

"دو وقت کے بھوکے ہیں کچھ دے دو بابا۔ اللہ بھلا کرے گا۔ ویرا نے کنڈا کھڑکا کر التجا کی۔

اندر سے کسی کے بڑبڑانے اور پھر پختہ فرش پر چلنے کی آواز آئی۔ شاید اس نے سمجھ لیا تھا کہ بھکارن ڈھیٹ تھی۔ آسانی سے پیچھا چھوڑنے والوں میں نہیں تھی۔

چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور اس کے پیچھے ایک ذہین اور نوجوان شخص قمیص شلوار میں ملبوس کھڑا نظر آیا۔ اس نے ویرا کو وحشت ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "کیا ایک دفعہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی جو کنڈا بجائے جا رہی ہو۔"

میں نے کسی چندھیائے ہوئے آدمی کی طرح اپنی آنکھیں نیم وا کی ہوئی تھیں۔ میں نے دروازے نما کھڑکی سے پورچ میں کھڑی ہوئی دونوں گاڑیاں دیکھ لی تھیں جن میں سیاہ بلٹ پروف کار دوپہر میں آئی مین کے استعمال میں تھی۔ اس کے پیچھے کھڑی ہوئی لینڈ کروزر میں شاید جیک وہاں پہنچا تھا۔

"دے دے۔ اللہ تیرے دل کی مراد پوری کرے گا۔ تجھے چاند سی لڑکی ملے گی۔" ویرا نے بے تکلفی سے نوجوان چوکیدار کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی بغل میں کھجانا شروع کر دیا تھا۔ چوکیدار نے ویرا کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ویرا کے دعوت آمیز انداز سے کچھ مسحور سا ہو گیا تھا۔

میرے لیے وہ قیامت کے لمحات تھے۔ ہمارے اگلے کھیل کا سارا دارومدار ہماری کامیابی یا ناکامی پر تھا۔ ہمیں بھیک کے بہانے وہاں ٹکنے یا اندر پہنچنے کا موقع مل جاتا تو ہم تیزی سے اپنا کام آگے بڑھا سکتے تھے۔ وہاں پیر جمانے میں ناکامی ہوتی تو ہم فالکن ہاؤس کے مکینوں کو کوستے ہوئے آگے بڑھ کر اول خان سے جا ملتے اور پھر متبادل منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز ہو جاتا۔

"باہر کون ہے؟" روشن پورچ سے امریکی لب و لہجے میں

کسی نے انگریزی میں سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ امریکی ڈیلٹا فورس کا کوئی کمانڈو تھا جو جیک کی حفاظت کے لیے فالکن ہاؤس کے اگلے حصے کی نگرانی کر رہا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا کا جو ہاتھ نوجوان چوکیدار کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ایک انگلی میں زہریلے نگینے والی انگوٹھی اپنی صحیح ترین پوزیشن پر تھی۔ میرے ذرا سے اشارے پر وہ اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا کر اس نوجوان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی مگر ہمارا ہدف وہ چوکیدار نہیں تھا۔ جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جاتا کہ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد ہم اپنی پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے، اسے مارنا بے سود تھا۔ وہ اس گھر کا دربان ضرور تھا مگر زیادہ قصوروار نہیں تھا۔

"جوان لڑکی ہے.... کچھ مانگ رہی ہے۔" چوکیدار نے پلٹ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جواب دیا اور ویرا کا ہاتھ اس کے شانے سے ڈھلک کر الگ ہو گیا۔

سوال کرنے والا جواب سننے سے پہلے ہی حرکت میں آچکا تھا۔ اندر کے فرش پر اس کے وزنی قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ سامنے آگیا۔ وہ دراز قامت اور گراں ڈیل امریکی نوجوان تھا۔ اس کے بدن پر چست خاکی وردی چڑھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک سب مشین گن کسی کھلونے کی طرح جھول رہی تھی۔

اس نے ندیدی اور ناقدانہ نظروں سے ویرا کا جائزہ لیا۔ ویرا کے بال الجھے ہوئے تھے۔ لباس بھی بوسیدہ تھا لیکن اس نے اپنے کپڑوں کو دانستہ کئی ایسے نازک مقامات سے پھاڑا ہوا تھا کہ بلاوجہ ہر مردانہ نگاہ کا وہاں ٹکنا ناگزیر تھا۔

وہ وردی پوش مجھے نظر انداز کر کے پوری بے حیائی سے ویرا بلکہ پھٹے ہوئے کپڑوں سے جھانکتے ہوئے اس کے بدن کے حصوں کو گھورے جا رہا تھا۔ ویرا خود امریکی قومیت سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کو امریکی صنفِ مخالف کے رویّوں کا گہرا ادراک تھا۔ اس نے وہ بہروپ اختیار کرتے ہوئے یہ مفروضہ پیشِ نظر رکھا تھا کہ جیک نے دونوں کمانڈوز کو مکان کے احاطے میں چھوڑا ہوا ہوگا اور وہ اپنی تیاری اور کوششوں سے ان میں سے کسی کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

میں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ ویرا کا گندہ حلیہ شاید ان میں سے کسی کے ذوق کے معیار پر پورا نہ اتر سکے تو اس نے اعتراض ہنس کر اڑا دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دل پھینک امریکی اپنے جذبوں کی آسودگی کے لیے کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔ گندگی تک کو چاٹ جاتے ہیں۔

وہ سفید فاموں کی منافقت پر بڑی بے رحمی سے تنقید کرتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ پالتو جانوروں کے ساتھ سرِعام ہونے والی معمولی سی زیادتی پر سراپا احتجاج بن جانے والے بعض گھٹیا لوگ خلوت میں اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ ایسی بدسلوکیاں کرتے ہیں کہ گھن آنے لگتی ہے۔

نوجوان چوکیدار نے سفید فام کمانڈو کی دلچسپی کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے اس کے پیچھے خاموشی سے کھڑا ہوا تھا۔ ویرا کے تفصیلی جائزے سے فارغ ہو کر اس نے ایک سرسری نگاہ میرے اوپر ڈالی اور پھر مڑے بغیر چوکیدار سے پوچھا "کیا اس کا ساتھی اندھا ہے؟"

چوکیدار نے وہی سوال اردو میں مجھ سے دہرایا "کیا تم اندھے ہو؟"

"بس اندھا ہی سمجھو۔ ان آنکھوں سے اتنا کم نظر آتا ہے کہ سہارے کے بغیر دو قدم چل بھی نہیں سکتا۔ ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہوں۔"

چوکیدار نے شکستہ انگریزی میں سفید فام کے سوال کی تصدیق کر دی۔

وہ کمانڈو مقامی بھکاریوں کے مطالبوں کی وسعت سے بے خبر تھا۔ اسے شہر میں آئے ہوئے بہ مشکل آدھا دن ہوا تھا۔ اس نے چوکیدار سے پوچھا کہ ہم دونوں کیا چاہ رہے تھے۔ جب روکھی سوکھی روٹی کی بات اس کے سامنے آئی تو اس نے دروازہ چھوڑ کر چوکیدار کو ہدایت کی کہ وہ ہم دونوں کو اندر بلا کر لان پر بٹھا دے اور کچن سے ڈبل روٹی وغیرہ لا کر ہمیں دے دے۔

میں ان باتوں سے ان جان بنا ویرا کے ساتھ کھڑا رہا۔ سفید فام کی ہدایت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گھر میں چوکیدار کے علاوہ کوئی اور ملازم نہیں تھا ورنہ وہ خانساماں کا ذکر ضرور کرتا۔ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی تھی کہ فالکن ہاؤس میں وہ اس کمانڈو کی پہلی آمد تھی اس لیے وہ اندر کی نفری سے بے خبر رہا ہو۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ وہاں اس کمانڈو کا رویّہ مہمان والا نہیں تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تحفظ کی چھتری میسر آنے کے بعد جیک اسمتھ اپنے محافظوں سمیت امریکی قونصل خانے سے فالکن ہاؤس منتقل ہو گیا ہو۔

ہمارا داؤ چل گیا۔ مشکل ترین مرحلہ فالکن ہاؤس میں داخلے کا تھا جس کی اجازت مل چکی تھی۔ کمانڈو کے خاموش ہونے کے بعد چوکیدار نے ہم دونوں کو بلا کر گھرے سبز لان پر بٹھا دیا جہاں برآمدے سے کافی روشنی آ رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ اول خان نے اپنی انفرا ریڈ دوربین کے ذریعے واضح طور پر ہمیں فالکن ہاؤس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا اور سکتے کے سے عالم میں رہ گیا ہوگا۔ جب تک ہم باہر تھے' اس کی نظروں میں تھے۔ اندر جانے کے بعد اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے۔ ہمارے اس راست اقدام کے بارے میں اس کے اپنے تحفظات تھے جن سے اس مہم کے خاتمے تک چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کی ذہنی پریشانیاں دور کرنے کے لیے میں صرف اتنا کر سکتا تھا کہ اس بساط کو جلد از جلد سمیٹ لوں۔

اندر قدم رکھتے ہی میرے سارے حواسوں نے اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ کام کرنا شروع کردیا تھا۔ میں نے سماعت پر زور دے ڈالا مگر اندر سے آنے والی کوئی آواز سننے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگر جیک آئی مین سے ملنے کے لیے آیا تھا تو وہ دونوں کسی اندرونی اور دور افتادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جیک کے مستقل بنیادوں پر منتقل ہونے کی صورت میں یہ امکان قوی تھا کہ وہ اپنے الگ کمرے میں آرام کررہا ہو۔

ہمارے سامنے موجود کمانڈو کے تحکمانہ بلکہ مالکانہ رویّے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ لوگ مستقل طور پر فالکن ہاؤس میں آگئے تھے۔

ہمیں لان پر بٹھانے کے بعد چوکیدار مکان میں چلا گیا۔ میں نے ہر طرف نظریں دوڑائی تھیں مگر مجھے کمانڈو کا دوسرا ساتھی کہیں نظر نہیں آیا۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ احاطے کے عقبی حصے میں جما ہوا ہو۔ جدھر دیوار کے پیچھے کچا برساتی نالہ تھا۔

چوکیدار کے جاتے ہی سفید فام کمانڈو تیزی سے ویرا کے برابر میں اس سے بالکل جڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ ویرا کے داہنے شانے اور گردن کے پیچھے سے گزار کر دوسرے شانے پر جمادیا تھا۔ وہ اُلّو کا پٹھا مجھے بالکل اندھا سمجھ رہا تھا۔

"تم اس قدر حسین اور گوری ہو کہ کپڑے بدل لو تو میرے دل کی رانی بن سکتی ہو۔" اس نے داہنے ہاتھ سے ویرا کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر جذباتی لہجے میں کہا۔

ہم دیسی فقیر بنے ہوئے تھے۔ اس وقت بدیسی زبان کا سمجھنا ہمارے لیے قیامت سے کم نہ ہوتا مگر لہجوں اور حرکتوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ ویرا کے ہونٹوں پر اس خبیث کے لیے ایسی والہانہ مسکان ابھری کہ میرا خون سلگ اٹھا۔ وہ مصلحت کے تحت کمانڈو کو رجھانے کی پوری کوشش کررہی تھی۔

ویرا کی حوصلہ افزائی سے سفید فام کمانڈو کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور اس کا چہرہ ویرا کے رخسار کی طرف جھک گیا۔

میں نے بہت تیزی سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ قاتل زہر کے نگینے والی انگوٹھی کا رخ درست کیا اور میدان صاف پاتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کمانڈو کی گردن ناپ لی۔ وہ اس وقت ویرا کو اپنے بائیں بازو میں دبوچے اس کے بے پناہ حسن کو خراج عقیدت پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

کھلے نگینے میں بھرا ہوا زہر نکیلی سوئی کے راستے اس کی گردن میں اترا اور اس کی وحشیانہ پیش دستی جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

اس کی گرفت کی زندگی سے بھرپور سختی ختم ہوتے ہی ویرا نے پلک جھپکتے میں سمجھ لیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ سرعت کے ساتھ کمانڈو کے پہلو سے نکل گئی۔

کمانڈو نے ویرا پر دست درازی میں بے صبری کا مظاہرہ کرکے ہمارے کام کو سہل اور بہت تیز کردیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ چوکیدار کو کچن سے کچھ لے کر آنے میں چند منٹ ضرور لگیں گے۔ ہم دونوں نے دیو قامت کمانڈو کی وزنی لاش کو بے دردی سے گھاس پر گھسیٹ کر بڑے بڑے گملوں کے پیچھے پہنچادیا جہاں سے اس کا آسانی سے دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ ویرا نے دوڑ کر اس کی سب مشین گن اٹھائی اور وہ بھی لاش کے اوپر' وہیں پھینک دی۔

وہ کمانڈو حیرت ناک سرعت اور آسانی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ ویرا نے شوخ انداز میں مجھے آنکھ ماری۔ میں جواب میں آنکھیں کھول کر مسکرایا اور پھر ہم دونوں پھرتی سے اپنی پرانی جگہ پر لوٹ کر مسکینوں کی طرح بیٹھ گئے۔

مجھے حیرت ہورہی تھی کہ ویرا کس حد تک اپنے ہم وطنوں کی نبض شناس تھی۔ مایہ ناز ڈیلٹا فورس کا ایک کمانڈو ذلت اور موت کے بالکل اسی گڑھے میں گرا تھا جو ویرا نے اس کے لیے پہلے سے تیار کیا ہوا تھا۔

"چوکیدار آئے تو اس سے کیا کہنا ہے؟" ویرا نے میری طرف متوجہ ہوئے بغیر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں سوال کیا۔

"اشارے کرتا ہوا پیچھے گیا ہے۔" میں نے بلا توقف کہا۔

چوکیدار نے اندر جانے کے لیے مکان کا صدر دروازہ استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ کونے سے مڑ کر کچن یا کسی راہ داری میں کھلنے والے دروازے سے اندر گیا ہوگا۔ کئی

منٹ کے بعد وہ اسی سمت سے نمودار ہوا تو مسلح کمانڈو کو نہ دیکھ کر دور ہی سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈبل روٹی کی تھیلی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں سالن یا شوربے کی پلیٹ تھی۔ وہ ہمارے لیے بھکاریوں والا کھانا' بالکل اسی انداز میں لے کر آرہا تھا اور اس کی نگاہیں ہر طرف چکرا رہی تھیں۔

"ٹامی کہاں ہے؟" درمیان میں چند فٹ کا فاصلہ رہ جانے پر اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"پیچھے گیا ہے۔ کچھ اشارے کررہا تھا۔ شاید اسے پیشاب آرہا تھا۔" ویرا نے برجستگی سے جواب دیا۔

چوکیدار نے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے' شوربے کی پلیٹ ہماری طرف بڑھا دی۔ اس وقت تک وہ ہماری رسائی سے دور تھا۔

اپنی لائی ہوئی چیزیں ہمیں تھما کر وہ پختہ روش کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ٹامی نامی کمانڈو کے بارے میں مضطرب نظر آرہا تھا۔

ہمیں اپنے ڈرامے کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے زبردستی وہ کھانا زہر مار کرنا پڑا۔ غنیمت یہ تھا کہ بے مزہ شوربے میں نمک یا مرچوں کی زیادتی نہیں تھی۔ وہ مکان کے دوسرے بغلی گلیارے میں نظر ڈال کر لوٹا تو میں نے اپنے دہانے میں موجود لقمہ چباتے ہوئے اسے مخاطب کرلیا

"تمہارا یہ گورا بری نظر والا آدمی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میری عورت کو چھیڑ رہا تھا۔"

وہ رک گیا اور بیزاری سے بولا "جوان بیوی کو پھٹے پرانے کپڑوں میں لے کر در در جھانکتے پھرو گے تو ہر کوئی شوق سے تماشا دیکھے گا۔ دل میں آئے گی تو اس سے چھیڑ چھاڑ بھی کرے گا۔ کیا تمہارے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا؟"

"کھانا دے دیا ہے تو اس سے دس بیس روپے بھی دلوا دو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔" میں نے اس کی خوشامد کی۔

"پیسوں کی ہوا میں نہ رہنا۔ کھانا کھاؤ اور جلدی سے کھسک جاؤ۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا "اندر والوں کو تمہاری اس دعوت کی بھنک بھی مل گئی تو تم دونوں کو پکڑ کر رات بھر کے لیے کسی کوٹھری میں بند کردیں گے اور صبح پولیس کے حوالے کردیں گے۔"

"تم مائی باپ ہو' میرے ساتھ ایسا ظلم نہ کرنا۔" میں رو دینے والے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اچانک اس کے قدموں پر گر پڑا۔

اس نے گھبرا کر مجھے جوتوں سے پیچھے ہٹانا چاہا لیکن میں تو دیر سے موقع کی تلاش میں تھا۔ میں نے گڑگڑا کر اس کی دونوں پنڈلیاں پکڑ لیں۔ اس کے لیے میں نے موت کے بجائے بے ہوشی کی سزا تجویز کی ہوئی تھی۔ وہ ایک غریب مقامی تھا جس کا آئی مین کی سازشوں سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ شاید روزگار کے چکر میں وہاں پھنس گیا تھا۔ اس بار بے ہوشی کے زہر والا نگینہ میری ہتھیلی کے رخ پر تھا۔ اس کی پنڈلیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے میں نے اپنی انگوٹھی والی انگلی کو ذرا سی جنبش دی۔ سریع الاثر زہر اسی لمحے اس کی پنڈلی کے راستے اس کے بدن میں سرایت کرگیا اور وہ کھڑے کھڑے کسی وزنی شہتیر کی طرح نیچے آرہا۔

اگر میں پہلے سے اسے سنبھالنے کے لیے تیار نہ ہوتا تو اس کے گرنے کی آواز پُرشور آواز دور تک سنی گئی ہوتی۔ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر آہستگی سے گھاس پر ڈالا۔ ویرا کھانا چھوڑ کر تیار ہوچکی تھی۔ وہ اس کے پیر پکڑ کر اسے بھی گھسیٹتے ہوئے گملوں کی اوٹ میں لے گئی جہاں وہ ہوش میں آنے تک آرام کرسکتا تھا۔ اپنے پچھلے تجربات کی بنا پر مجھے امید تھی کہ وہ تین چار گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

میں نے سالن کی پلیٹ اور ڈبل روٹی کی تھیلی ان دونوں پر ڈال دی۔ بڑے بڑے گملوں میں لگے ہوئے اونچے اور گنجان پودوں نے ہمیں بہت آسانی سے ایک انسانی کوڑا دان فراہم کردیا تھا جہاں دو آدمی محفوظ ہوچکے تھے۔ اندر کی کوئی خیر خبر لینے سے پہلے ہمیں تیسرے شخص کو تلاش کرنا تھا۔ وہ ہماری کامیابی کی راہ میں آخری رکاوٹ تھا۔

اس مکان کی بیرونی دیواروں پر لگی ہوئی خاصی لائٹس روشن تھیں جن کی وجہ سے لان یا احاطے کے کسی حصے میں

گہری تاریکی نہیں تھی۔ کہیں خاصا اجالا تھا تو کہیں روشنی قدرے کم تھی۔ ایسے میں یہ امید عبث تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی اندھیرے کی آڑ لے کر پیچھے جا نکلے۔

"کیوں نہ میں لان پر کھلے عام چلتی ہوئی پیچھے پہنچنے کی کوشش کر ڈالوں۔" ویرا نے دونوں سمتوں کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"اگر دو افراد اپنی غلطیوں کی بنا پر نشانہ بن چکے ہیں تو اب اتنی اونچی اڑان لینے کی کوشش نہ کرو۔"

"دور ہی سے نظر آجائے گا کہ میں عورت ہوں۔ دوسرا کمانڈو فریب میں آسکتا ہے۔" وہ پرامید تھی۔

"ڈیلٹا فورس امریکا کی ایلیٹ فورس ہے۔ اس میں سب ٹامی جیسے ڈفر اور عورت کے رسیا نہیں ہوسکتے" میں نے دھیمی اور غصیلی آواز میں اسے ڈانٹا "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری پہلی جھلک دیکھتے ہی کسی وارننگ کے بغیر فائر کردے۔ تم بے موت ماری جاسکتی ہو۔"

"پھر کیا' کیا جائے؟ ان دونوں نے شاید اپنی ڈیوٹیاں بانٹی ہوئی تھیں۔ یہ امکان نظر نہیں آتا کہ وہ از خود ادھر آنکلے" ویرا مضطرب تھی۔

مجھے اچانک اپنا ایرپیس یاد آگیا۔ فقیرانہ رول ادا کرتے کرتے میں اسے بالکل بھول بیٹھا تھا۔ میرے پھٹے پرانے کرتے کی جیب میں ایک بہت چھوٹا اور ہلکا ٹرانسمٹر موجود تھا جس کی رینج صرف دو کلومیٹر تھی۔ اس پر میں صرف اول خان سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اسی کے ساتھ میری کمر سے بیم گن اڑسی ہوئی تھی۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا جو زیادہ فاصلے تک کام کرسکے۔

اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باہر والوں کا باخبر رہنا ضروری تھا۔

دوسرے کمانڈو کی تلاش کے کام کو ملتوی کرکے میں ویرا کو ساتھ لیتا ہوا' لان کے ایک نیم روشن حصے کی طرف بڑھ گیا جو احاطے کی دیوار کے قریب تھا۔ وہاں پودوں کے کنج میں بیٹھ کر میں قدرے سکون کے ساتھ بات کرسکتا تھا۔

اول خان کو توقع نہیں تھی کہ مجھے فالکن ہاؤس میں گھسنے کے بعد ایرپیس سے کام لینے کا موقع مل سکے گا۔ وہ میری آواز سن کر کھل اٹھا۔ کافی دیر ہوجانے کی وجہ سے وہ ہم دونوں کی عافیت کے بارے میں خاصا فکرمند ہوگیا تھا۔

میں نے اسے اندر کے حالات کے بارے میں بریف کیا تو وہ خوش ہوگیا "اس وقت تمہارا پلہ بھاری معلوم ہو رہا ہے۔"

"یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ اب مکان کی پشت پر ایک کمانڈو موجود ہے۔ ادھر کچا نالہ واقع ہے۔ عمارت کے گرد اپنے آدمیوں کا گھیرا تنگ کردو۔ نالے میں اترنے والی پارٹی باہر سے کوئی گڑبڑ کرسکے تو دوسرا کمانڈو بھی زیر ہوسکتا ہے۔"

"یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم ویرا کو لے کر شیر کی کچھار میں گھس گئے' میں اپنے کسی آدمی کو ناحق نہیں مرواؤں گا۔ پچھلی دیوار پر چڑھنے والے اس کمانڈو کے کھلے نشانے پر ہوں گے۔"

"کسی کو دیوار پھاندنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ لوگ چوکنا رہیں اور ایک آدمی دیوار کے قریب زمین کھودنی شروع کردے تو وہ تشویش میں مبتلا ہوجائے گا" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ وہ اس دھمک کا سبب جاننے کے لیے دیوار پر آیا اور مارا گیا۔ یہ خیال رکھنا کہ پھر فائر کی آواز اندر والوں کو بھی ہوشیار کردے گی۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ ہمیں خطرات کا پورا اندازہ ہے۔ انہیں اس کا ادراک نہیں ہے۔ ہم ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔"

"ابھی تک تم کامیاب ہو لیکن میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم ان سے اس قدر قریب ہو کہ کسی بھی وقت کچھ ہوسکتا ہے۔"

"خطرات زندگی کا حصہ ہیں۔ تم بے پروا ہو کر میرے پلان پر عمل کر ڈالو۔ ہم دونوں اپنی حفاظت کرلیں گے۔"

اس وقت ایک ایک لمحہ اہم تھا۔ ہم اپنے اندیشوں اور وسوسوں پر تبادلہ خیال کرکے زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے ایرپیس آف کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس مکان کے سامنے والے لان پر ہم موجود تھے۔ وہ لان ایل کے انگریزی حرف کی صورت میں گھر کی داہنی جانب بھی پھیلتا چلا گیا تھا۔ ہمارے لیے فقیرانہ کھانا لانے کے لیے چوکیدار اسی طرف سے مکان کے اندر گیا اور پھر واپس آیا تھا۔ بائیں طرف پورچ کا تسلسل احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک پختہ گلیارے کی صورت میں بنا ہوا تھا۔ اسی سمت میں دوسرا مکان بنا ہوا تھا۔ داہنی طرف خالی پلاٹ تھا جس پر اول خان کے آدمی آسانی سے دیوار تک آسکتے تھے۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا کہ ہم دونوں بٹ کر ان دونوں سمتوں کو سنبھال لیں لیکن میں نے اس خیال کو فوراً اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ ہمارے پاس بیم گن کی صورت میں صرف ایک ہتھیار تھا جو دونوں کو الگ الگ تحفظ فراہم

نہیں کرسکتا تھا۔ ویرا نے ابتدا میں ہی یہ فرض کرلیا تھا کہ وہ جواں سال فقیرنی کا جو روپ دھار رہی تھی، اس میں اس کے ساتھ جسمانی چھیڑچھاڑ کا ہونا ضروری تھا۔ اس کے بغیر وہ کسی کو اپنے چکر میں نہیں پھانس سکتی تھی۔

اگر اس کے جسم پر کوئی ہتھیار موجود ہوتا تو چھیڑچھاڑ میں اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا اور وہ مشکل میں پڑجاتی۔ اسی طرح میری بھاری اور لٹکتی ہوئی جیب آسانی سے شکوک وشبہات کو جنم دے سکتی تھی اور ہتھیار کا لے جانا بھی ضروری تھا۔ میں نے سمجھوتے کے طور پر بیم گن اپنے ساتھ لے لی تھی جو بھاری ہونے کے باوجود کسی پستول یا ریوالور سے کہیں زیادہ ہلکی تھی۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے سوچا پھر داہنی طرف سے پیچھے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اگر ہماری قسمت ساتھ دیتی اور ادھر کا دروازہ کھلا ہوا مل جاتا تو ہم دونوں دوسرے کمانڈو کو اول خان کی نفری کے رحم وکرم پر چھوڑ کر براہ راست فالکن ہاؤس میں داخل ہوسکتے تھے۔

اس وقت ویرا نے اپنی فطری ضد اور تکرار کو یکسر فراموش کردیا تھا اور بے چون وچرا میری ہدایات پر عمل کررہی تھی۔ میرے ایک اشارے پر وہ کوئی سوال کیے بغیر میرے ساتھ ہولی۔

ہمارے پیروں میں ربر کی پھٹی ہوئی سستی جوتیاں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں اپنی پیش قدمی میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لینا پڑرہا تھا۔ بیم گن میں نے نکال لی تھی تاکہ کسی ...ریف سے اچانک سامنا ہونے کی صورت میں ہمیں بروقت ...دفاع کا تحفظ حاصل رہ سکے۔

مکان کی اس بغلی دیوار میں تین کھڑکیاں اور دو ...ائرکنڈیشنز نظر آرہے تھے جس کا واضح مطلب تھا کہ ادھر کم ...کم دو خواب گاہیں موجود تھیں۔ پہلا ائرکنڈیشنر بند تھا۔ ہم ...دونوں دیوار سے قریب رہ کر دھیرے دھیرے بڑھتے ہوئے ...ں دروازے تک پہنچ گئے جو چوکیدار نے استعمال کیا تھا۔

اسی وقت مجھے زمین پر ہلکی سی دھمک محسوس ہوئی اور ... رک کر کھڑا ہوگیا۔ کافی غور کرنے کے باوجود مجھے کہیں ... کوئی موہوم ترین آواز بھی نہیں سنائی دی لیکن میرے ...موں کے نیچے زمین میں دھمک کا سلسلہ جاری تھا جیسے کوئی ...ں زوردار ضربات لگا رہا ہو۔

شاید اول خان کے آدمیوں نے ندی کی سمت سے تیزی ... پیش قدمی کرکے فالکن ہاؤس کے احاطے کی دیوار کے ...ب کھدائی شروع کردی تھی۔

نقصان

ہوٹل میں عامر صاحب کو ان کے ایک شناسا نے اداس، غم زدہ اور منہ لٹکائے بیٹھے دیکھا تو ہمدردانہ انداز میں سبب پوچھا۔ عامر صاحب بولے ”دو ماہ پہلے میرے ایک خالو کا انتقال ہوا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے ترکے میں میرے لیے چھ لاکھ روپے چھوڑے۔“

”تو اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے“ ان کے شناسا نے کہا۔

”پچھلے مہینے میرے ایک چچا مرگئے تھے۔ انہوں نے میرے لیے دس لاکھ چھوڑے“ عامر صاحب نے گویا ان سنی کرتے ہوئے بتایا۔

”تو پھر آخر آپ منہ لٹکائے کیوں بیٹھے ہیں؟“ شناسا نے حیرت سے ایک بار پھر پوچھا۔

”بھئی... یہ پورا مہینا ختم ہونے کو آرہا ہے.... ابھی تک کہیں سے مزید کوئی خبر نہیں آئی۔“ عامر صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

مکان کا داخلی دروازہ بند تھا۔ اگر چوکیدار اندر آنے جانے کے لیے چابی استعمال نہیں کرتا تھا تو دروازہ مقفل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے کی ناب گھماتے ہوئے اندر کی طرف ہلکا سا زور لگایا اور دروازے نے اپنی جگہ چھوڑدی۔

فالکن ہاؤس کی فضا پر چھایا ہوا گہرا سکوت اچانک مجروح ہوگیا۔ کہیں قریب ہی سے گرج دار آواز کے ساتھ ایک فائر ہوا تھا اور اسی کے ساتھ ایک دل دوز انسانی چیخ فضا کا سینہ چیر کر موت کے سناٹے میں ڈوبتی چلی گئی۔ میں تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ویرا میرے پیچھے تھی۔

ہم دونوں کھلی فضا سے یکایک ایک کشادہ اور بند راہ داری میں پہنچ چکے تھے جس کے کسی دروازے کے پیچھے

ہمارے شکار موجود تھے۔ میں نے ویرا کو دیکھنے کے لیے گردن گھمائی تو باہر کھلنے والا دروازہ خود بخود بند ہو رہا تھا۔

باہر سے اکلوتے فائر کے بعد کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے اپنے شکار کو مار گرایا تھا۔ وہ زندہ ہوتا تو پہلی گولی کا جواب ضرور دیا گیا ہوتا۔

میں نے محتاط انداز میں دوسرا قدم بڑھایا تھا کہ اچانک راہ داری کا ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک مسلح نیگرو باہر نکلا۔ وہ خاصا تنومند سیاہ فام تھا۔ اس کے جسم پر دھاری دار سلیپنگ سوٹ چڑھا ہوا تھا، داہنے ہاتھ میں بڑے بور کا پستول دبا ہوا تھا۔

میں نے اس کے زخمی چہرے کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اسے پہچان لیا کہ وہ وہی شخص تھا جو سب سے پہلے گونگا اور بہرا بن کر گولڈن فارمیسی سے دوائیں خریدنے آیا تھا۔ میں اسے آئی مین کے دستِ راست کی حیثیت سے پہچانتا تھا۔ جلال نے مجھے بتایا تھا کہ فالکن ہاؤس میں ایف بی آئی کا ڈپٹی ڈائریکٹر جیک اسمتھ پہنچا ہوا ہے۔ اس بدمعاش کے بدن پر موجود لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانڈوز مل جانے کے بعد اس نے اپنا ٹھکانا قونصل خانے سے فالکن ہاؤس منتقل کر لیا تھا۔

اس نے پی مارکیٹ کے علاقے میں سلطان شاہ سے ہاتھا پائی کے دوران میں جس بے رحمی سے بیم گن استعمال کی تھی اس سے اس کی سفاکانہ ذہنیت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ بہت خطرناک آدمی تھا۔ اسے ذرا سی بھی مہلت نہیں دی جا سکتی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ راہ داری میں اپنے دائیں بائیں دیکھتا، میں نے اس کے پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن چلا دی۔ ہدف بہت قریب تھا۔ نیلگوں پتلی دھار اس کے بازو پر پڑی تو اس نے حیرت سے اپنی گردن گھما کر ادھر دیکھا اور اسی حالت میں راہ داری میں ڈھیر ہو گیا۔ ان چند لمحوں میں لیزر شعاعیں اس کی پسلیوں سے گزر کر دل کے پار نکل چکی تھیں۔

جیک نامی وہ نیگرو بھی بہت صحت مند تھا۔ وہ پختہ فرش پر گرا تو دھماکے کی آواز بہت بلند تھی۔ اچانک پورا گھر گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ مجھے قالین پر ایک سے زائد افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی جو تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

میرے اور ویرا کے لیے فالکن ہاؤس کی وہ عمارت بالکل اجنبی تھی۔ گہرے اندھیرے میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم کدھر جائیں۔ ہمارے آگے جیک کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس سے آگے کہاں کیا تھا، یہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ بے خبری میں مارے جانے سے کہیں بہتر تھا کہ پسپائی کی راہ اختیار کر لی جاتی۔

باہر کی فضا وزنی جوتوں کی تیز دھمک سے گونج رہی تھی۔ اکلوتی گولی چلنے کے بعد کہیں سے کوئی فائر نہیں ہوا تھا۔

"آؤ!" میں نے ویرا کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر راہ داری کا بیرونی دروازہ کھولتا ہوا دوبارہ کھلی فضا میں نکل گیا۔ کہیں قریب ہی پھر ایک گولی چلی۔ اس بار سریلی سی چیخ بلند ہوئی اور میں چونک پڑا۔

"فالکن ہاؤس میں اس وقت صرف دو عورتیں ہیں۔ میں یا کیلی!" ویرا نے سرگوشی کی۔ ہم دونوں دروازے کے قریب دیوار سے لگے ہوئے کھڑے تھے کیونکہ اول خان کے پُرجوش آدمیوں کی آمدورفت کا سلسلہ بہت تیزی سے جاری تھا۔ ان میں سے کسی نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ شاید ان کے درمیان یہ خبر گردش کر چکی تھی کہ فقیروں کا جوڑا ان کے ساتھیوں میں شامل تھا جس سے کسی کو الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

پھر شاید ایس ٹی ایف کا آخری جوان بھی دوڑتا ہوا ہمارے سامنے سے گزر کر فالکن ہاؤس کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا اور ہمارے آس پاس سناٹا چھا گیا۔ مکان کے دوسرے حصوں سے نقل و حرکت کرنے اور تیز تیز بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

کسی نے مکان کا مین سوئچ تلاش کر کے آن کر دیا۔ مکان میں دوبارہ ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ اس افراتفری میں ہمیں یہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ اول خان کہاں تھا اور دوسری گولی سے زخمی ہونے والی عورت کون تھی۔

"تم ٹرانسمٹر پر اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وہ آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا" ویرا نے مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔ واقعی میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ جب تک ہم دونوں نے محاذ سنبھالا ہوا تھا۔ سب کچھ ہمارے کنٹرول میں تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی فالکن ہاؤس میں ایسی ہڑبونگ مچی تھی کہ کسی کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

"تم کہاں ہو۔ داہنی طرف کے لان پر ہم دونوں کے سوا چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے مگر ہر طرف سے ملی جلی آوازیں آ رہی ہیں۔"

"اوہ....! میں تم دونوں کے لیے پریشان تھا۔ میرے آدمی عمارت میں گھس گئے ہیں۔ تم بائیں طرف کے گلیارے

میں آؤ۔ یہاں کیلی زخمی پڑی ہوئی ہے۔"

"اندر جیک کی لاش تمہارے آدمیوں کا استقبال کرے گی" میں نے اپنی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا "اپنے ایک دو آدمی اگلے لان پر بھیج دو۔ وہاں گملوں کے پیچھے ایک لاش، ایک بے ہوش قیدی اور سالن کی پلیٹ چھپی ہوئی ہے۔"

"میں دو آدمیوں کو بھیج رہا ہوں۔ تم انہیں کام بتاتے ہوئے سیدھے میرے پاس آجاؤ۔ اب تمہارا یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے۔"

"اوکے!" گفتگو مکمل کرکے میں نے دوڑ لگادی۔

"قصہ نمٹتے ہی تمہارا دماغ چلنا شروع ہوگیا" ویرا نے میرے ساتھ دوڑتے ہوئے کہا۔ "لاش اور قیدی کے ساتھ تمہیں سالن کی پلیٹ بھی یاد آرہی تھی۔"

اول خان سے بات ہونے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ مجھے بس ایک فکر تھی کہ اول خان نے کیلی کے زخمی ہونے کی خبر دی تھی۔ آئی مین کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ مکان خاصے وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا پھر بھی بہت بڑا نہیں تھا۔ میں ذرا سی دیر میں خود موقع پر پہنچ کر سب کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

اگلے لان پر اول خان کے دونوں آدمی ہم سے پہلے پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے گملے کے پیچھے چھپی ہوئی لاش دریافت کرلی تھی۔ وہ لوگ اپنے کام پر عبور رکھتے تھے۔ ہمیں وہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم مکان کے اگلے حصے کا چکر کاٹ کر روش سے آگے جانے والی پختہ گلی میں مڑ گئے۔

میرے اندازے کے مطابق ایک دروازہ ادھر بھی بنا ہوا تھا۔ پکے فرش پر ایک جواں سال اور سفید فام عورت بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت حسین تھی مگر کولہے کے خون آلود زخم کی وجہ سے اس کا حسن داغ دار ہوچکا تھا۔ زخم گہرا تھا اور اس سے خون بہے جا رہا تھا۔

"یہ دیوار پر چڑھتے ہوئے گرائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ شاید آئی مین تھا۔ وہ دیوار پھاند کر برابر والے مکان میں کود گیا۔ ان دونوں نے اندھیرا کرکے فرار ہونے کی کوشش کی تھی" اول خان نے مجھے دیکھتے ہی کسی تمہید کے بغیر مجھے پوری بات بتا ڈالی۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کا صرف ایک آدمی موجود تھا۔

"یہاں سے وہ اندھیرے میں نکل گیا۔ برابر کے گھر سے کہاں جائے گا۔ کسی کو ادھر بھیجا ہے تم نے؟" میں نے متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

"تین آدمی اسی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ یہاں کی فکر نہ کرو۔ آج ہم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہاں تین لاشیں، ایک زخمی اور ایک بے ہوش قیدی موجود ہے" اس نے اپنے پاس تیزی سے یکجا ہونے والی معلومات دہراتے ہوئے کہا "آئی مین کی تلاش جاری ہے۔ تم پولیس کے آنے سے پہلے میری گاڑی میں جمال کے ساتھ نکل جاؤ۔ اس حلیے میں تم ٹیکسی وغیرہ سے نہیں جاسکو گے۔"

وہ دور کی بات سوچ رہا تھا۔ جیک کی موت اور آئی مین کے فرار نے معاملات کو بہت الجھا دیا تھا۔ انہیں ایس ٹی ایف والے ہی سنبھال سکتے تھے۔ میرا اور ویرا کا وہاں موجود رہنا کسی بھی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ اول خان نے تین لاشوں کا ذکر کرکے دوسرے کمانڈو کے بارے میں میرا تجسّس دور کردیا تھا۔

"یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس ایک بات کا دھیان رکھنا کہ جیک بیم گن سے مارا گیا ہے۔ یہ کام آئی مین کے کھاتے میں جانا چاہیے" چلتے چلتے مجھے وہ اہم بات یاد آگئی۔

"میں اندر کمروں کی تلاشی لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بیم گن چھوڑ نہ گیا ہو" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"یہ ناممکن ہے!" میں نے پورے وثوق سے کہا "بیم گن اور سلور آئی کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوگا۔ اسے کہیں نہیں چھوڑے گا۔"

"اصل کہانی دونوں قیدیوں کے بیان سے سامنے آئے گی۔ دیکھنا ہے کہ کیلی کیا کہتی ہے؟"

"تم نے جیک کے بارے میں میری بات کا جواب نہیں دیا؟" میں نے بے چینی سے اسے ٹوکا۔

"میرے ذہن پر مختلف مسائل نے یلغار کی ہوئی ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات آئی ہے تو جلدی سے بتادو اور یہاں سے نکل جاؤ" وہ ہم دونوں کو دھکے دے کر نہیں بھگا سکتا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میری وہاں موجودگی سے پریشان تھا۔

"اس کے بائیں بازو سے لیزر جسم میں داخل ہوئی ہے اور اس کے جسم کا وہ حصہ لان کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف ہوگا۔ اس وقت وہ کمرے سے باہر آرہا تھا" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "پولیس کے آنے سے پہلے لاش کی پوزیشن کو بالکل گھما دو۔ ایسا کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے کمرے میں گھس رہا تھا کہ باہر سے گھس آنے والوں کے بجائے گھر میں پہلے سے

موجود کسی آدمی نے اسے بیم گن کا نشانہ بنادیا۔ وہ پہلے سے اندر موجود تھا۔ پختہ گلی سے نکل کر بھاگا ہے اور کیلی بھی اسی سمت میں زخمی ہوئی ہے۔ کوئی بھول کر بھی ان کی طرف کھلنے والے دروازے پر دھیان نہیں دے گا۔ جیک کا خون آئی مین کے سر چلا جائے گا۔"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ اب تم جاؤ" اول خان نے میرے شانے پر تھپکی دے کر اضطراری لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ کھڑا ہوا آدمی پھاٹک کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے ہولیے۔

پھاٹک سے باہر سڑک پر بدستور گہرا سناٹا تھا۔ کھلی فضا میں دو فائروں کی آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی لیکن آسودہ حالوں کی اس نیم آباد بستی میں کسی نے باہر نکل کر صورتِ احوال جاننے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔

ہم سڑک پار کرکے تاریک پلاٹ پر کھڑی ہوئی گاڑیوں تک جا پہنچے۔ وہاں چوکیداری پر مامور آدمی اپنی جگہ پر مستعد اور مضطرب تھا۔

"فکر نہ کرو۔ اپنی سب خیر ہے" جمال نے ایک گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوتے ہوئے اسے تسلی دی "ادھر دشمن کا نقصان ہوا ہے۔ اپنے سارے بندے سلامت ہیں۔"

"شکر ہے خدا کا" گاڑیوں کے نگراں کے ہونٹوں سے بے ساختہ آواز نکلی۔

وہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ روز مرہ بول چال میں لوگ کسی گہرائی کے بغیر ایسے تشکر آمیز کلمات محض عادت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن ایس ٹی ایف کے اس اہلکار کے لہجے میں دوسروں سے اپنائیت اور اپنے رب کی بندگی کا اس قدر گہرا اعتراف پنہاں تھا کہ بے اختیار میرا دل بھاری ہوگیا۔

ہم دونوں کے لباس مضحکہ خیز بلکہ بہت زیادہ فقیرانہ تھے۔ ہم نشستوں پر بیٹھتے تو سارے راستے لوگوں کی تحیر زدہ یا تضحیک آمیز نگاہوں کا نشانہ بنے رہتے۔ ہم اگلی نشست عبور کرکے خاموشی سے عقبی پائیدان میں بیٹھ گئے۔ جمال نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

فالکن ہاؤس میں بہت کچھ ہوا تھا۔ جیک اور اس کے دونوں کمانڈوز کی موت کے واقعات تہلکہ خیز تھے۔ کیلی کے پکڑے جانے کا واقعہ بھی معمولی نہیں تھا مگر مجھے ان مشترکہ کامیابیوں کی زیادہ خوشی نہیں تھی۔ مجھے آئی مین کے نکل جانے کا صدمہ تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ وہ اول خان کے آدمیوں کو فریب دے کر غائب نہیں ہوسکے گا مگر فیصلہ کن خبر ملنے تک میری تشویش دور نہیں ہوسکتی تھی۔ شی کے آئی مین ہمیشہ سے اپنی طلسماتی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ وہ بھی ان میں سے ایک تھا۔

○☆○

ہمارا کارواں گھر سے بوٹ بیسن کی طرف روانہ ہوا تو سلطان شاہ کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ ویرا کس بھیس میں ہمارے ساتھ گئی تھی اور میرا کیا بہروپ تھا۔ غزالہ نے اسے زبردستی غسل کرنے کے لیے بھیج دیا تھا تاکہ اس کے ذہن پر چھائی ہوئی کھولت دھل سکے اور وہ تازہ دم ہوجائے۔

واپسی پر ہم جیپ سے اترتے ہی گھر میں گھس گئے تھے۔ ضرورت کے تحت ہم سب کچھ کر گزرے تھے لیکن ایسے شرمناک حلیوں میں پڑوسیوں کی نظروں میں آنا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ضرورت ختم ہوجانے کے بعد شرمندگی کا وہ احساس یکایک بیدار ہوا تھا۔

گھر میں گھستے ہی سلطان شاہ نے ایک بے ساختہ قہقہے سے ہمارا استقبال کیا تھا پھر اس نے اپنی ساری توجہ ویرا پر مرکوز کردی "ویری گڈ۔ آج تم نے پہلی بار اپنا شایان شان لباس استعمال کیا ہے۔ غزالہ نے مجھ سے تم دونوں کے بہروپ کے بارے میں سرسری سا ذکر کیا تھا تو میں اتنی بڑی تبدیلی کا تصور نہیں کرسکا تھا۔ معلوم ہوتا کہ دشمنوں نے ڈینی سے زیادہ تم کو نوچا کھسوٹا ہے۔ تمہارا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔"

"ویرا یہاں سے اسی وضع میں گئی تھی۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو لقمہ دیا۔

"تم یقین کرو کہ اس حلیے میں تم سوئمنگ کاسٹیوم سے زیادہ ابھر رہی ہو۔ پیرس چلی جاؤ تو تمہارے یہ کپڑے فیشن بن جائیں گے۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔ میں کپڑے بدل کر دو منٹ میں اپنے پرانے روپ میں آسکتی ہوں۔ تم دو دنوں میں اپنے بگڑے ہوئے چہرے کی تراش خراش نہیں کرواسکے۔"

ویرا کا وہ جواب بہت زیادہ ذاتی اور جارحانہ تھا۔ سلطان شاہ کے ہونٹ جڑ کر رہ گئے۔

ویرا ہولے ہولے سیٹی بجاتی ہوئی اپنے کمرے میں جا گھسی تو میں نے سلطان شاہ سے دھیرے سے کہا "فکر نہ کرو۔ آج ہم نے کالیے سے تمہارا بھرپور بدلہ لے لیا ہے۔ کل کے اخبار میں تمہیں پوری کہانی مل جائے گی۔ لباس کے بارے

میں اب ویرا سے کچھ نہ کہنا۔ اپنی گھٹیا حرکتوں سے آج اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"عورت مجسم تباہی ہے۔" سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس نے بڑے بڑے شاہوں اور جرنیلوں کو مروایا ہے۔ ویرا نے اپنی ذرا سی سترنمائی سے کالیے کو مروا دیا تو یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ عورت بڑے بڑے مردوں کو مرواتی آئی ہے۔"

میں نے مزید تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

مجھے لباس تبدیل کرنے میں چند منٹ صرف ہوئے ہوں گے کہ غزالہ نے باتھ روم کا دروازہ پیٹ کر اول خان کے فون کی اطلاع دی۔

میں قمیص کے بٹن بند کیے بغیر، ہڑبڑا کر باہر نکلا اور خواب گاہ میں موجود انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔ میری آواز سنتے ہی اول خان نے بولنا شروع کردیا "آئی مین کا دماغ الٹ گیا ہے۔ میرے آدمی اس تک پہنچنے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہ فالکن ہاؤس سے تیسرے مکان میں ایک ملازم کو ہلاک کرکے وہاں سے گاڑی لے بھاگا ہے۔"

"یہ بہت بری خبر ہے اول خان....! اس کا پکڑا جانا ضروری تھا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے اعتراف کیا "اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔" اس کی ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی آواز سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس نے سنسنی اور ہلچل کے ماحول سے الگ ہٹ کر کسی گوشۂ عافیت سے اپنا موبائل فون استعمال کیا تھا۔

"وہ اپنی قبر خود کھود رہا ہے۔ اسے زیادہ دیر تک آزاد رہنا نصیب نہیں ہوسکے گا۔" میں نے تلخی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"اس قتل میں اس نے بیم گن استعمال کی ہے۔ وہ جیک کے قتل کے الزام سے اپنی گردن نہیں بچاسکے گا۔"

"تمہارے فون سے ظاہر ہورہا ہے کہ پولیس کی آمد کے بعد تم نے تیزی سے علیحدگی اختیار کی ہے۔"

"یہ ضروری تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کاغذوں پر اسپیشل ٹاسک فورس کچھ بھی نہیں ہے۔" اس کی آواز سے مجبوری کا اظہار ہورہا تھا۔

ان واقعات سے بری الذمہ ہونے کے باوجود اس کی مصروفیات اہم تھیں۔ اپنی فورس کو پس پردہ رکھتے ہوئے اسے پولیس افسران کو پوری طرح بریف کرنا تھا کہ اس رات وہاں کیا ہوا تھا تاکہ قانونی کارروائی کے تمام تقاضے پورے کیے جاسکیں۔ اس نے اجازت چاہی تو میں نے گفتگو کو وہیں ختم کردیا۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا مجھ سے پہلے تیار ہوکر، بنی سنوری وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اسکاچ کا گلاس دبا ہوا تھا جسے اس نے اپنی گود میں ٹکایا ہوا تھا۔

"تم اس اُمّ الخبائث سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں تو کم ازکم اسے میرے سامنے نہ لایا کرو۔" سلطان شاہ نے برا منہ بنا کر کہا تھا۔

"تم اسے پدر الخبائث یا ابوالخبائث کیوں نہیں کہتے۔" ویرا نے اپنی علمیت جھاڑتے ہوئے اعتراض کیا "کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بری چیز کو عورتوں سے منسوب کیا جائے۔"

"مجبوری ہے۔ شراب اور وہسکی، دونوں مونث ہیں۔ ایک مونث کو باپ کا درجہ کہیں نہیں دیا جاتا۔" اس وقت سلطان شاہ بھی اپنی قابلیت کے مظاہرے پر تل گیا تھا۔

"ویرا! یہ بدتمیزی ہے۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے اسے ٹوکا "تمہیں دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا چاہیے۔ کچھ عرصے سے تم نے کبھی کبھی کمرے سے باہر نکلنا بھی شروع کردیا ہے۔"

"یہاں دوسرا کون ہے۔ سب اپنے ہیں۔" ویرا ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی "کوئی آیا تو یہ میرا وعدہ ہے کہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد میں اس وقت بہت شدت سے طلب محسوس کررہی تھی۔"

"تم یہ شوق اپنے کمرے میں پورا کرسکتی تھیں۔ اس بدبو کو پورے گھر میں پھیلانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اس وقت معافی دے دو۔ آئندہ میں خیال رکھوں گی۔" ویرا نے مصالحانہ رویہ اختیار کرکے مجھے حیران کردیا۔

اس پر مزید کسی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی گلاس سے ایک گھونٹ لے لیا۔

"فقیرنیوں کے دن پھرتے ہیں تو وہ اسی طرح شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر اپنے شوق پورے کرتی ہیں۔" سلطان شاہ نے خاص طور سے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"میں اس وقت سے شراب پی رہی ہو جب تم چسنی سے دودھ پیا کرتے تھے۔" ویرا نے تاؤ میں آکر جواب دیا "شرم و حیا دیکھنی ہے تو کسی وقت جاکر میڈم فرزانہ سے اس کے فلیٹ پر مل لینا۔ وہ کلفٹن میں رہتی ہے۔ میری طرح امریکی نہیں،

تمہاری ہم وطن ہے۔"
"یہ کون ذات شریف ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔
"یہ کل والی وہی عورت ہے جس نے فاریسی کے ایک ملازم کو دو ہزار روپے دے کر کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج کا دن بہت ہنگامہ خیز گزرا ہے۔ غزالہ نے تمہیں اس بارے میں بتا دیا ہوگا۔ وہ عورت آج دو بجے پھر وہیں آئی تھی اور آئی مین کے فرار کے بعد دھرلی گئی۔"
"کمال ہے۔ وہ ایسا کیا کام کرتی ہے جو ویرا مجھے اس کے پاکستانی ہونے کا طعنہ دے رہی ہے؟" سلطان شاہ اپنا سر جھٹک کے بولا۔
"یہ پوچھو کہ وہ کیا نہیں کرتی۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا "شراب فروشی اور قحبہ گری اس کے محبوب ترین پیشے ہیں مگر آج وہ ہمارے لیے بہت کار آمد ثابت ہوئی ہے۔" میں نے ان دونوں کے درمیان تلخی بڑھنے سے پہلے ہی موضوع کو غیر محسوس انداز میں تبدیل کردیا۔
"بعد کے واقعات کے بارے میں' میں بھی بے خبر ہوں۔" غزالہ نے مجھے جتایا "آپ دوبارہ آئے تو عجلت میں تھے...."
میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی اور کہا "اس وقت جلال سے بہت اہم باتیں ہوئیں۔" میں ان لوگوں کو اختصار کے ساتھ اس شام کے واقعات کے بارے میں بتاتا چلا گیا۔
"تو کیا جیک واقعی مارا جاچکا ہے!" سلطان شاہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔
"اب بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے کمرے میں جانے سے پہلے یہ بات تمہیں بتادی تھی۔" میں نے لقمہ دیا۔
"میں سمجھا تھا کہ تم میری دل جوئی کے لیے مذاق کررہے ہو۔ میرے لیے یہ بہت بڑی خبر ہے۔ میری آرزو تھی کہ وہ کالا میرے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچتا۔"
"وہاں لمحوں کی بھی مہلت نہیں تھی۔ میں ذرا بھی چوکتا تو وہ ہمیں مار کر آئی مین کی طرح صاف نکل جاتا۔"
"آئی مین اکیلا اور پیدل تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کی بھاری نفری کو جل دے کر کیسے نکل گیا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔
"یہ بری خبر ابھی اول خان نے فون پر سنائی ہے۔ وہ فالکن ہاؤس سے تیسرے مکان میں ایک شخص کو بیم گن سے ہلاک کرکے گاڑی لے بھاگا۔ اول خان کے آدمی اپنے پیدل شکار کی تلاش میں اس علاقے کی خاک چھانتے رہ گئے۔"
"اس کے فرار سے شروع ہونے والا قصہ اس کے دوبارہ فرار پر ختم ہوگیا۔" سلطان شاہ نے سر ہلا کر تاسف سے کہا "تم لوگوں کی ساری محنت برباد ہوگئی۔"
"تم بھول رہے ہو کہ اس دوران میں جیک مارا گیا۔ ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کام آئے۔ کیلی ایک چوکیدار کے ساتھ حراست میں ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا۔
"یہ کامیابیاں اپنی جگہ پر ہیں مگر مجھے آئی مین کے نکل جانے کا قلق رہے گا۔ ہمارے سارے مجرم ایک چھت کے نیچے جمع ہوگئے تھے۔ یہ ان کی سرکوبی کا بہترین موقع تھا۔ اب آئی مین کے لیے ہم کو از سرِنو محنت کرنی پڑے گی۔" میں نے کہا۔
"اب اس کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں۔ اس کے آدمی ایک ایک کرکے ٹوٹ چکے ہیں۔" ویرا نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر تفکر آمیز انداز میں کہا "راجا پولیس کی قید میں ہے۔ خالد کو ہم نے پکڑ لیا۔ جیک تھوڑی دیر پہلے مارا گیا۔ اگر اول خان نے تمہارے مشورے کے مطابق جیک کا قتل آئی مین کے سر منڈھنے میں کامیابی حاصل کرلی تو وہ فوری طور پر امریکیوں کی تائید سے بھی محروم ہوسکتا ہے۔"
"میں عجلت میں ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا پسند نہیں کروں گا۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ آج فالکن ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات کو کس زاویے سے دیکھا جارہا ہے۔ اگر آئی مین یہاں امریکی مفادات کے لیے کام کررہا ہے تو وہ اتنی آسانی سے اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔" میں نے انہیں اپنی رائے سے آگاہ کردیا۔
"وہ اپنے آقاؤں کے سامنے جیک کے قتل کا کیا جواز دے سکے گا؟" ویرا نے پوچھا۔
"اسے جواز دینے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے قدرے بدمزگی سے کہا "تم کو معلوم ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ آئی مین یہی کہے گا۔ خود کو فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔ سب کچھ سامنے آنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ آئی مین کے نام کی آڑ میں' میں نے اپنا کام تیز کردیا ہے۔ کل ونود مارا گیا۔ اخبارات میں الزام آئی مین پر عائد کیا گیا ہے۔ اصل کام جلال نے دکھایا تھا مگر امریکی سمجھیں گے کہ وہ میری حرکت تھی۔ معاملات بہت زیادہ الجھ گئے ہیں۔ ہر امریکی ڈفر نہیں ہوتا۔ ان کے بہترین دماغ بہت جلد نتائج اخذ کرلیں گے اور ہمارے لیے نئی مشکلات کا آغاز ہوجائے گا۔ ابھی تک ہمارے ساتھ یہی ہوتا چلا آیا ہے۔"
"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" غزالہ نے میری تائید کی "آپ لوگوں کی ہر کامیابی عارضی اور ناپائیدار ثابت

ہوتی ہے۔ ایک فتنے کا سر کچلتے ہیں تو دوسری کوئی بڑی پریشانی سر اٹھانے لگتی ہے۔ یہ سلسلہ کہیں رکتا ہوا نظر نہیں آرہا۔"

"ہمارے چکروں میں جہانگیر بے سبب رگڑا جاتا ہے۔" سلطان شاہ کو اچانک جہانگیر یاد آگیا "اسے تم سے دوستی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کی بھی خبر لیتے رہا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں بے موت مارا جائے۔"

"اگر ڈینی نے بروقت اس کی جگہ گولڈن فارمیسی نہ سنبھال لی ہوتی تو وہ اب تک مارا جا چکا ہوتا۔" ویرا نے کہا "اس قدر پیچ در پیچ اور سازشی فضا میں اس کے لیے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا۔ کئی برسوں سے جمود کی زندگی گزارنے کے باعث اس کے اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔"

میں نے دن میں اول خان کے دفتر سے فون کر کے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ میری اگلی ہدایات تک اپنی دکان کو بھول کر گھر تک محدود ہو جائے مگر وہ گفتگو تشنہ رہی تھی۔ ان تینوں کی موجودگی میں، میں اس سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے کمرے میں اسے ضرور فون کروں گا۔ اس کے بارے میں ویرا کا تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ ایک طرف وہ جمود اور تنہائی کا شکار تھا تو دوسری طرف اس کی بسیار نوشی اس کے اعصاب پر برے اثرات مرتب کر رہی تھی۔

واقعات پے در پے رونما ہوتے جا رہے تھے۔ ہمارے حصے میں کامیابیاں اور ناکامیاں، دونوں ہی آئی تھیں لیکن آئی مین کی ساری سرگرمیوں کا پس منظر واضح ہو کر سامنے نہیں آرہا تھا۔ ابتدا میں ہماری سوچی سمجھی رائے تھی کہ پاکستان میں شی کو دوبارہ زندہ کر کے ہیروئن کے فروغ کے لیے تیاری کی جا رہی ہے مگر راجا اور پھر خالد کے بیانات نے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ وہ صرف سطحی سرگرمیاں تھیں۔ ان کے پیچھے کیا مقصد کار فرما تھے، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

بازار میں ہیروئن کی فراہمی کی ذمے داری راجا کی تھی۔ اس نے اعتراف کیا تھا کہ پراسرار آئی مین اسے ہیروئن کی فروخت پر خسارے کی بھاری رقم ادا کرتا تھا۔ راجا کے پکڑے جانے کے بعد منڈی میں سستی ہیروئن نایاب ہو گئی تھی۔ ہر شخص کو متبادل بندوبست کا انتظار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں اچانک ہیروئن کا کال پڑ گیا۔ چھوٹی چھوٹی پڑیاں خرید کر اپنے نشے کی لت پوری کرنے والے آوارہ گردوں کا نشہ ٹوٹا تو انہوں نے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں شہر میں توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کی کارروائیاں شروع کر دیں۔ نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا ہوتے ہی پولیس حرکت میں آگئی۔

پھر وہی ہوا جو جلال نے بتایا تھا۔ فساد پر آمادہ ہیروئنچیوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر سپر ہائی وے پر واقع ایدھی ہوم پہنچایا جانے لگا۔ وہاں ان کی تعداد بڑھی تو نشے کے بجائے دوائیں ملنے پر وہ چراغ پا ہو گئے۔ ایدھی ہوم میں توڑ پھوڑ کر کے سپر ہائی وے پر نکل آئے۔ سڑک پر لیٹ کر ٹریفک جام کر دیا۔ ان پر ایک جگہ قابو پایا جاتا تھا تو وہ دوسری جگہ سر اٹھانے لگتے تھے۔ ایک چھوٹے سے مسئلے نے بڑھ کر ایک سنگین صورت اختیار کر لی تھی۔

معاشرتی ماہرین سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس مسئلے کے حل میں سرگرداں ہو گئے۔

آئی مین کو یوں سانپ سونگھ گیا تھا جیسے ہیروئن کی وافر مقدار میں سستے داموں فراہمی سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔ وہ پورا منصوبہ صرف راجا کی ذات کے گرد گھوم رہا تھا۔ جب تک وہ آزاد تھا، دھندا چل رہا تھا۔ اس کے بند ہوتے ہی سب چوپٹ ہو گیا۔

ہیروئن بحران کی زد میں آئی ہوئی تھی اور آئی مین بھی میدان میں تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے اس بحران سے دلچسپی نہیں تھی تو وہ کراچی میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔

میرے ذہن میں دوسرا خیال یہ آیا کہ آئی مین کا اصل ہدف صرف اور صرف میری ذات تھی۔ امریکی ایجنسیاں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ اس کا سبب صرف یہ نہیں تھا کہ میں بہت زیادہ تیز و طرار تھا۔ میری آزادی اور آزاد روی میں اول خان اور جلال جیسے بہت سے مہربانوں کا بھرپور حصہ تھا۔ وہ امریکی اثر و نفوذ کی وجہ سے کھل کر میرا ساتھ نہیں دے سکتے تھے مگر پس پردہ ہر نازک وقت میں میرے مددگار رہے تھے۔

سرکاری ناکامیوں کے بعد آئی مین شی کے احیا کا نعرہ لے کر میدان میں اترا تھا۔ اس نے براہِ راست جہانگیر کو تلاش کرنے کے بجائے شی کے پرانے آدمیوں کو بھاری معاوضوں پر یک جا کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اسے امید رہی ہوگی کہ بات پھیلے گی تو جہانگیر خود اس سے رجوع کرے گا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے خود جہانگیر کی فارمیسی کا کھوج نکال لیا۔ وہ خطرہ میں نے پہلے سے بھانپ لیا تھا۔ آئی مین کے معاون نے فارمیسی میں پہلا قدم رکھا تو میں اس کے استقبال کے تیار تھا۔

معاملات قتل و خوں ریزی کی حدود میں داخل ہو چکے

تھے۔ میں یہ بات اپنی زبان پر نہیں لا سکتا تھا کہ آئی مین نے وہ لمبا بکھیڑا صرف میرے لیے پھیلایا ہوا تھا۔ جس دن بھی وہ مجھے پکڑنے یا مار لینے میں کامیاب ہو جاتا' اپنے سارے مددگاروں کو بھول بھال کر سیدھا امریکا چلا جاتا۔ ویرا منہ پھٹ اور زبان دراز تھی۔ وہ میرے اس نظریے کو خود پسندی قرار دے کر یکسر مسترد کر دیتی۔ میں خود کو ایسی کسی صورت حال میں نہیں پھنسانا چاہتا تھا جہاں ذاتی تصادم کی نوبت آجائے۔

کھانے کے دوران میں میرا ذہن اسی گورکھ دھندے میں الجھا رہا۔ میز پر وہ تینوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے مگر میں خاموشی سے کھانے سے انصاف کرتا رہا۔

کھانے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹیلی وژن دیکھتے رہے۔ گیارہ بجے میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے جہانگیر کے گھر کا فون نمبر ملایا تو دوسری طرف سے سلمٰی کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز مرجھائی ہوئی سی تھی۔

رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے کھلے دل سے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا "آج دوپہر کو تم سے بات ہونے کے بعد سے یہ بہت خاموش اور فکرمند ہیں۔ تم نے ان سے کیا کہہ دیا تھا؟"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ آج کل فاریسی دشمنوں کی نگاہوں میں آئی ہوئی ہے۔ جہانگیر کو کسی مصیبت سے بچانے کے لیے میں نے اس کی جگہ لی ہوئی ہے۔ وہ لوگ جہانگیر سمجھ کر میرے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ تین دن سے وہاں روز کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ آج میں نے غیر معینہ مدت کے لیے فاریسی پر تالے ڈلوا دیے ہیں۔"

"تو کیا اب یہ دوبارہ گھر بیٹھ جائیں گے؟" سلمٰی کی آواز سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"چند روز میں حالات قابو میں آجائیں گے تو فاریسی دوبارہ کھل جائے گی۔" میں نے اسے سمجھایا اور پوچھا "جہانگیر کہاں ہے؟"

"وہ سو چکے ہیں۔ آج ان کی باتوں سے مایوسی کی بُو آرہی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ ماضی کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"اسے سمجھاؤ کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اسے ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جو لوگ فاریسی تک پہنچ سکتے ہیں وہ کسی وقت ہمارے دروازے پر بھی دستک دے سکتے ہیں۔" سلمٰی نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ تمہاری حفاظت کے لیے آج دوپہر سے ایک مسلح گارڈ مامور کر دیا گیا ہے۔ وہ نیچے چوکیدار کے ساتھ رہے گا۔" وہ بندوبست اول خان نے کیا تھا۔ دوپہر میں جہانگیر سے میری بات ہونے کے بعد ہی محسوس کر لیا گیا تھا کہ جہانگیر کی غیر معمولی دیکھ بھال ضروری ہو گئی تھی۔

"وہ نیچے رہے گا۔ یہاں ہم دونوں دن رات ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہیں گے۔ اس وقت تمہاری ذات کو بھی خطرات لاحق ہوں گے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم چند روز کے لیے ہمارے پاس آجاؤ۔ تینوں کا وقت بہت اچھا اور بے فکری میں گزرے گا۔"

"میں پہلے بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میرے پیچھے ہزار بکھیڑے لگے ہوئے ہیں۔ تمہارا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں تم لوگوں سے آن ملا تو میری وجہ سے تمہارے لیے بھی سنگین مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ میں یہ گوارا نہیں کروں گا۔"

"تم بلاوجہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہو۔ سچ بات کیوں نہیں کہتے کہ تم غزالہ سے ڈرتے ہو۔"

"ہر شریف آدمی اپنی بیوی سے ڈرتا ہے لیکن تمہارے معاملے میں مجھے اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اتنے بھولے نہ بنو۔ وہ ہم لوگوں سے تمہارا زیادہ میل جول پسند نہیں کرتی۔ ہر وقت تمہیں گھیرے رکھتی ہے۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "میرے اور تم لوگوں کے میل جول پر بھلا اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم ملتے ہیں تو کسی کی چوری نہیں کرتے۔"

"ہمارے دل لاکھ صاف ہوں مگر ہم دوسروں کی سوچ پر پابندی تو نہیں لگا سکتے۔" سلمٰی کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

"غزالہ اتنی تنگ نظر نہیں ہے۔ تم ویرا کے بارے میں یہ بات ضرور کہہ سکتی ہو۔"

"عورت کی نظروں کو ایک عورت ہی پہچان سکتی ہے۔ میں تم سے شرط لگا سکتی ہوں کہ غزالہ دل ہی دل میں ویرا سے بھی نفرت کرتی ہوگی۔ وہ ہر اس عورت کو ناپسند کرے گی جو تم سے قریب ہو۔ اس کے لیے مراسم کی کسی خاص نوعیت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ اس گفتگو کو دانستہ طول دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید اس کو ان باتوں سے کوئی حظ

حاصل ہو رہا تھا۔ میں نے یکایک بے اعتنائی اختیار کرتے ہوئے رکھائی سے کہا "تم جو چاہو کہہ سکتی ہو۔ میرا تمہارے گھر منتقل ہونا مشکل ہے۔"

"تم میری بات کبھی نہیں مانتے۔" سلمٰی کی آواز میں اپنائیت کا خمار امڈ آیا "ہمارے ساتھ رہ نہیں سکتے تو کم از کم چکر لگاتے رہا کرو۔ تم آتے ہو تو چھیڑ چھاڑ سے ہمارے گھر کا ماحول بالکل بدل جاتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ آتا جاتا رہوں۔ فی الحال یہ بھی مشکل ہے کیونکہ کچھ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"میں ہر وقت تمہاری صحت اور سلامتی کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔ تمہاری ذات سے مجھے بڑی ڈھارس رہتی ہے۔"

"بس، میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ تم دونوں کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک احتیاط ضرور کرنا کہ اگلے چند روز تک جہانگیر کو گھر سے باہر نہ نکلنے دینا۔ باہر کی فضا اس کے لیے سازگار نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی "آج کل ہمارے درمیان مفاہمت ہوگئی ہے اور اچھا وقت گزر رہا ہے۔"

میں نے فون بند کردیا۔ سلمٰی سے بات کرکے میرے ذہن سے ایک ذمے داری کا بوجھ اتر گیا تھا۔

امور خانہ داری سے نمٹ کر غزالہ کمرے میں آئی تو میں مسہری پر نیم دراز ہو کر ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔

"جلال سے آپ کی کیا بات ہوئی؟" اس نے آتے ہی اتنے اعتماد سے سوال کیا کہ میں حیران رہ گیا۔

"میری جلال سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے جہانگیر کے گھر فون کیا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ آپ جلال کو فون کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آئے ہیں۔ شام کو آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ پہلی فرصت میں اسے تازہ ترین صورت احوال سے باخبر کریں گے۔" غزالہ نے بستر پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کھلے دل کے ساتھ اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "بیوی اگر سمجھ دار ہو تو آدمی کو سیکریٹری کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیوی اس کی ہر ضرورت، سہولت اور آسائش کا خیال رکھتی ہے۔"

"جلال کو فون کرلیں۔" غزالہ نے میرے تیور دیکھ کر مسکراتے ہوئے، نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا "وہ آپ کی کال کا انتظار کررہا ہوگا۔"

میں نے جلال کا نمبر ملالیا۔ وہ بہت بے چینی سے میری کال کا انتظار کررہا تھا "تم کہاں غائب ہو۔ میری اطلاع کے مطابق تمہیں فالکن ہاؤس سے نکلے بہت دیر ہوچکی ہے۔"

"تم نے تو اپنے آدمی وہاں سے ہٹالیے تھے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانو!" میں نے حیرت سے کہا۔

"آدمی ہٹانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں نے اس طرف سے اپنی آنکھیں موند لی ہیں۔ بس میرے آدمی غیر فعال ہوئے تھے ورنہ وہاں رونما ہونے والے واقعات پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ مجھے سنسنی خیز خبریں سناتے رہے ہیں۔"

"پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں وہاں کس روپ میں گیا تھا۔"

"صحیح اطلاع نہیں مل سکی مگر میرا خیال ہے کہ فقیروں کی جوڑی میں سے ایک تم تھے۔"

"اگر صحیح اطلاع نہیں ملی تو تم نے میرے بارے میں کیسے اندازہ لگالیا؟" اس کے ہر جواب میں سے کوئی نہ کوئی سوال نکلا چلا آرہا تھا۔

"پوری ٹیم میں صرف ایک عورت تھی جو فقیرنی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ وہ ویرا کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اس کے ساتھ تم سب سے پہلے فالکن ہاؤس میں گھسے ہوگے۔"

"یوں کہو کہ تمہیں دور دور سے خبریں مل رہی تھیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔ اندر کیا ہوا، اس بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔"

"صفر سے زیادہ ہوں گی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "آئی مین کے فرار کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔"

"ایس ٹی ایف والے اس کی تلاش میں بوکھلائے پھر رہے تھے۔ یہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"کیا اس اطلاع میں کوئی وسیع تر مفہوم پنہاں نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"تم مجھے بلاوجہ الجھا رہے ہو۔ یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ فالکن ہاؤس میں تمہاری ٹیم کامیاب رہی ہے اور آئی مین بھاگ نکلا ہے۔ یہ بتاؤ کہ دوسروں کا کیا بنا۔"

"وہاں کم از کم دو فائر ہوئے تھے اور کچھ چیخیں بھی گونجی تھیں....."

اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی "وہاں چار دیواری میں جو کچھ ہوا وہ پردے میں ہے۔ پولیس افسران سخت رازداری سے کام لے رہے ہیں۔"

"تو کیا دوسری ایجنسیوں کو اس قصے سے الگ تھلگ رکھا جارہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنی باضابطہ شناخت ظاہر کرکے اندر تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں مگر میں نے روک دیا ہے۔ میں آئی بی کو اس چکر میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم چاہو یا نہ چاہو' مجھے یہ معاملہ پولیس کے بس سے باہر نظر آرہا ہے۔ یہ خالص آئی بی کا کیس ہے۔"

"اوپر سے آرڈرز آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔" اس کا جواب بے پروایانہ تھا "اس وقت میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں وہ میری ذاتی تسکین اور دلچسپی کے لیے ہے۔ ابھی میں گاڑی نکال کر فالکن ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچ جاؤں تو کوئی مجھے اندر جانے سے نہیں روکے گا مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔"

"یہ تمہاری اپنی مصلحتیں ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر تم آئی مین کے فرار کو بھول سکو تو آج کا آپریشن بہت بھرپور اور کامیاب رہا ہے۔"

"اسے کیسے بھلایا جاسکتا ہے؟ وہ تم لوگوں کا اصل ہدف تھا۔"

"اس وقت میں ناکامی کا یہی سوگ منا رہا تھا۔ کچھ بھی نہ ہوتا مگر وہ ہاتھ آجاتا تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"تمہاری فقیرنی تو شراب سے اپنا غم غلط کررہی ہوگی!" اس نے ویرا کا نام لیے بغیر پوچھا۔

"تم لاہور میں اس کی میزبانی کرچکے ہو۔ اس کی یہ بری عادتیں تمہارے علم میں ہیں۔" میں نے بے بسی سے کہا "شرابی کی خوشی کے ساتھ غم کی انتہا بھی بھرے ہوئے پیمانے پر ہوتی ہے۔ فرق صرف ہنسنے اور رونے کا ہوتا ہے۔ اسے بھی آئی مین کے نکل جانے کا قلق ہے۔"

"جیک کا کیا بنا؟" جلال کو براہِ راست وہ سوال کرنا پڑگیا۔ میں واقعات کے تیز بہاؤ میں الجھ کر یہ بنیادی نکتہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ فالکن ہاؤس میں جیک اور ڈیلٹا فورس کے کمانڈوز کی موجودگی کی اطلاع اسی نے دی تھی اور ہم نے بروقت اپنے منصوبے پر نظرِ ثانی کرلی تھی۔ جیک کی وہاں موجودگی میں اگر ہم محض پانچ نفری ٹیم کے ساتھ اور کوئی سوانگ رچائے بغیر مہم جوئی کی کوشش کرتے تو ہمارے لیے حالات پر قابو پانا ناممکن ہوجاتا۔

"وہ میرے ہاتھوں بیم گن سے مارا گیا۔" میں نے اسے برجستہ جواب دیا۔

"براوو...!" میرے کانوں میں جلال کی بے ساختہ اور مسرت آمیز آواز گونجی "یہ آئی مین کے پکڑے جانے سے زیادہ بڑا کام ہوا ہے۔ اس کی لاش اس کی وہاں موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ہم یہ پوچھنے کے حق دار ہوگئے ہیں کہ ایف بی آئی کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر آئی مین کے اڈے پر کیا کررہا تھا۔"

"وہی نہیں۔ اس کے دونوں کمانڈوز بھی اسی عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

"کیا وہ بھی بیم گن کا شکار ہوئے ہیں؟" جلال نے تیزی سے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

میں نے اسے ہلاک اور قید ہونے والوں کے بارے میں پوری تفصیل ایک ہی بار بتادی۔

"تم اسے ناکامی کہہ رہے ہو' شاید یہ تمہاری سب سے شاندار کامیابی ہے۔ تم نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ صرف ایک گڑبڑ ہوئی ہے کہ جیک کی موت کے بعد فالکن ہاؤس میں دوسری بیم گن کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت شہر کے ہر باخبر آدمی کو معلوم ہے کہ آئی مین کے علاوہ دوسری بیم گن تمہارے پاس ہے۔"

"یہ بات میں نے بھی محسوس کرلی تھی۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں نے کوشش کی ہے کہ لاش کی پوزیشن بدل کر یہ ظاہر کیا جائے کہ جیک کو آئی مین نے مارا ہے۔"

"ایسا ہوجائے تو اسے لینے کے دینے پڑجائیں گے۔" جلال خوش ہوگیا۔ تفصیلات جاننے کے ساتھ اس کی آواز میں ایک نیا ولولہ پیدا ہوگیا تھا۔ "ذرا ایک مرتبہ ترتیب وار سارے واقعات بتاتے چلے جاؤ تاکہ میں اپنے ذہن میں کوئی نقشہ جماسکوں۔ سنا ہے کہ کچھ دیر کے لیے وہ عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔"

وہ واقعی بے خبر تھا اور پوری طرح میرے فون پر انحصار کیے بیٹھا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ باتوں میں الجھ کر وہ اپنا وہ ابتدائی سوال بھول گیا تھا جو میرے فون میں تاخیر کے بارے میں تھا۔

ان واقعات کے بارے میں میری یادداشت بالکل تازہ تھی۔ میں اپنے ذہن پر کوئی زور ڈالے بغیر اسے تسلسل کے ساتھ پوری کہانی سناتا چلاگیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اتنی تفصیل کیوں کرید رہا تھا۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنی کارروائی کا سہرا عارضی طور پر پولیس کے سر پر سجادیا تھا مگر پولیس والے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر بھی اس

معاملے کو نہیں سنبھال سکتے تھے۔ بین الاقوامی سازشوں کی کڑیاں ملانا ان کی بساط سے باہر تھا۔ آخر کار وہ معاملہ آئی بی کے سپرد ہوتا نظر آرہا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے جلال پوری طرح باخبر رہنا چاہ رہا تھا تاکہ کیس اس کے محکمے کے پاس آجانے کے بعد اسے مبتدی کی طرح اندھیرے میں ہاتھ پیر نہ مارنے پڑیں۔

"وہاں جو کچھ ہوا ہے اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا۔ اول خان ہوشیار آدمی ہے۔ وہ تمہارا مقصد سمجھ گیا ہوگا۔ جیک کی لاش کی بدلی ہوئی پوزیشن گواہی دے گی کہ اسے گھر کے اندر سے 'اندر ہی کے کسی آدمی نے مارا ہے۔"

"وہ لوگ اس شہادت پر آئی مین کے بیان کو ترجیح دیں گے۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ وہ لاکھ انکار کرتا رہے، جیک کے افسران اس پر اعتبار نہیں کریں گے۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ یہ رعایت دے دیں گے کہ اس نے جان بوجھ کر جیک کو نہیں مارا ہوگا۔ وہ اندھیرے یا غلط فہمی کی وجہ سے آئی مین کی بیم گن کا نشانہ بن گیا۔"

"یہ نظریہ ہمارے حق میں جائے گا۔ ان کی توجہ میری طرف مبذول نہیں ہوگی۔"

"تم نے خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے۔ آئی مین کو قطعی اندازہ نہیں ہوسکا ہے کہ تم خود میدان میں موجود ہو اسی وجہ سے اس نے اپنی پوری توجہ جہانگیر اور اس کی فاریسی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ آج کے واقعات پر کس ردِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔"

"آج بھی اس کی شخصیت کا راز اپنی جگہ برقرار رہا۔ ہم میں سے کوئی اس کا چہرہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔" میں نے افسوس کا اظہار کیا "ابھی تک کوئی ایسا شخص ہاتھ نہیں آسکا جو اس کے نام و نشان پر کوئی روشنی ڈال سکے۔ ہمارے لیے وہ بس ایک نام بنا ہوا ہے۔ آئی مین سے آگے ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ان کے لیے تمہارے نام کی یہی حیثیت ہے۔ وہ تمہارے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"کیلی اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ میری ساری توقعات اس کی ذات سے وابستہ ہیں۔ وہ بہت سے رازوں پر سے پردہ اٹھا سکتی ہے۔"

"تم درست سمت میں سوچ رہے ہو۔ اسے صحیح طریقے سے ہینڈل کیا گیا تو بہت کام کی عورت ثابت ہوسکتی ہے۔"

جلال نے میری تائید کی۔

"اسے پولیس کی تحویل کے بجائے صدف مینشن میں پہنچنا چاہیے۔" میں نے جلال کے مقامی قید خانے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا "پولیس والے تشدد کے ذریعے ملزموں کی زبان کھلوانے کا فن جانتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں شاید باریک نفسیاتی حربوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"مجھے ایک بات سے تسلی ہے کہ کیلی کوئی سفارتی ملازم نہیں ہے۔ وہ آئی مین کے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھی۔ شاید عام شہری کی حیثیت سے پاکستان آئی ہوگی۔ اسے پولیس کی قید سے بھی فوری طور پر رہائی نصیب نہیں ہوسکے گی۔ اول خان اس پر ایسی دفعات لگوا سکتا ہے کہ ریمانڈ پورا ہوجانے کے بعد بھی اس کی ضمانت نہ ہوسکے۔ ممکن ہے کہ اس دوران میں تمہارے اندازے درست ثابت ہوں اور کیس ہمارے پاس آجائے۔" جلال نے کہا۔

"آئی مین کی ذات سے اسرار کے پردے سرک جائیں تو اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہوجائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔" جلال کی آواز ناصحانہ ہوگئی "میں تمہارے اضطراب کو سمجھ رہا ہوں۔ جال میں پھنسا ہوا شکار جس قدر زیادہ اچھل کود کرتا ہے، جال میں اتنا ہی زیادہ پھنستا چلا جاتا ہے۔ آئی مین کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تیزی نے اسے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ چند روز میں وہ پکڑا جاسکتا ہے۔ کیلی کی حالت نازک تو نہیں تھی؟"

"دیوار پر چڑھتے ہوئے اس کے کولہے پر گولی لگی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ہڈی کو بھی نقصان پہنچا ہو۔" میں نے اسے بتایا "میرے چلنے تک اس کے زخم سے خاصا خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہوچکی تھی لیکن اس کے مرنے کا کوئی آثار نہیں تھے۔"

"ہمیں پرامید رہنا چاہیے۔" کیلی کی بات کرتے کرتے اس نے چونک کر موضوع بدل دیا۔ "آئی مین تمہاری مصروفیات سے بے خبر ہے اور جہانگیر کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اپنے دوست کا خیال رکھنا۔ اس وقت وہ براہِ راست سنگین خطرات کی زد میں آیا ہوا ہے۔"

"وہ ایک محفوظ اپارٹمنٹ میں رہتا ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کے ایک مسلح گارڈ کا اضافہ کردیا گیا ہے....."

"کافی ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا "خطرے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمہارے دوست کے خلاف لشکر کشی کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی خطرناک شکاری اس تک پہنچنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اسے روکنے کے لیے ایک ہوشیار گارڈ

بھی کافی ہوگا۔ کراچی کی نئی رہائشی عمارتوں کا حفاظتی سسٹم مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

"تم کراچی میں کب تک مقیم ہو؟" میں نے پوچھا۔ اس کی طویل گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے معمول کے برعکس اسے اس وقت کوئی اور مصروفیت درپیش نہیں تھی۔

"آج رات نائٹ کوچ سے اسلام آباد نکل جاؤں گا۔ مجھے یہاں رکے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں۔"

"شاید تم ونود سے نمٹنے کے لیے یہاں رکے ہوئے تھے!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"وہ بھی ایک سبب تھا۔" اس نے اقرار کیا "مگر مجھے دوسرے کام بھی درپیش تھے۔"

"پھر آئی مین کے کیس کا کیا بنے گا؟" اس کی واپسی کی وجہ سے وہ سوال ضروری ہوگیا تھا۔

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جارہا۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "جب ضرورت ہوئی' کراچی لوٹ آؤں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں ہمارا باقاعدہ کیمپ آفس موجود ہے۔ احکامات آنے پر مقامی پولیس سے وہی کیس لے گا۔ ملزموں بلکہ مجرموں کا مہمان خانہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

"آج تم نے چوپڑا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" مجھے اچانک وہ بھولا ہوا موضوع یاد آگیا۔

"آئی مین کی وجہ سے وہ پس منظر میں چلا گیا ہے.... فی الحال تم اسے بھولے رہو تو بہتر ہوگا۔" جلال نے مشورہ دیا۔

"کم از کم پتا تو چلنا چاہیے کہ اس پر محنت کرنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

"جب تک وہ کراچی میں تھا' اکڑ فوں دکھا رہا تھا۔ اندرونِ سندھ منتقلی کے بعد اسے رام یاد آگیا ہے اور اس نے سب کچھ اگلنا شروع کردیا ہے۔"

"وہ بارہ برس سے خفیہ طور پر را کے لیے کام کررہا ہے تو اس کا سینہ بہت سے ناموں اور رازوں کا مدفن ہوگا۔"

"بہت کچھ سامنے آچکا ہے۔ وہ مزید بولے گا۔ تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا۔ باتوں ہی باتوں میں بہت وقت گزر چکا ہے۔ ابھی مجھے گیسٹ ہاؤس جاکر اپنا سامان بھی اٹھانا ہے۔"

میری خواہش تھی کہ گفتگو کا وہ سلسلہ مزید کچھ دیر تک چلتا رہے لیکن میں اسے مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اس کا عذر قبول کرلیا۔

"تم کراچی کے کس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہو؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"قصر ناز میرا پسندیدہ سرکاری ٹھکانا ہے۔ وہاں بہت سے شہروں سے آئے ہوئے دوستوں سے ملاقات بھی ہوجاتی ہے۔ سروس میں تبادلوں اور کیڈر کی تبدیلی کی وجہ سے سب لوگ پورے ملک میں دور تک بکھر گئے ہیں۔ بس کبھی کبھی اسی طرح ملاقات ہوجاتی ہے۔"

چوپڑا کے بارے میں ہماری گفتگو تشنہ رہ گئی اور پرجوش الوداعیہ گفتگو کے بعد وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ غزالہ تیزی سے بستر سے اتر کر کرسی پر جا بیٹھی۔ میں نے آواز لگائی اور ویرا دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے منہ بنا کر بے اعتنائی سے پوچھا۔

"کس سے باتیں ہورہی تھیں فون پر؟" اس نے میرے طنز کو نظرانداز کرکے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو تم دروازے سے کان لگا کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کررہی تھیں؟" مجھے اس پر واقعی غصہ آگیا۔

"میں اتنی جاہل اور بدتہذیب نہیں ہوں۔ تم سے کچھ پوچھنے کے لیے آئی تھی۔ فون پر بات کرنے کی آوازیں سنیں تو دروازے پر رک گئی۔"

"کسی خواب گاہ کے بند دروازے پر کھڑا ہونا ہی کھلی بدتہذیبی ہے۔ کیا پوچھنا تھا تم کو؟" میں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ کیلی کو پولیس کی تحویل سے نکال کر اسٹیشن فور پہنچادیا جائے؟" اس نے سوال کیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ نادر خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟"

"ہماری فالکن ہاؤس سے روانگی تک وہ بے ہوش تھی۔" اس نے مسہری کے ایک سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہو۔ اس کے ساتھ ہم راجا والا ڈراما کرسکتے ہیں۔ پولیس والوں کی جرح پر وہ خوف زدہ ہوکر شدید مزاحمت کرے گی۔ دوستانہ فضا میں آئی مین کے بارے میں بہت کچھ بتاسکتی ہے۔"

"شاید آج تم نے زیادہ پی لی ہے۔ یہ موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی کہ راجا شہر کا ایک معروف بدمعاش ہے جس پر جوشی کے قتل کا الزام تھا۔ اسے ہم من مانے طریقے سے رگڑ سکتے تھے۔ کیلی غیر ملکی ہے۔ اس کے ساتھ جانے والی کوئی بھی خلافِ قانون حرکت ہمارے گلے پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" میری پہلی ہی دلیل پر ویرا کا

سارا جوش رخصت ہوگیا اور اس کا منہ لٹک گیا۔
"بس تو پھر جا کر آرام کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔
"یہ یاد رکھنا کہ اس وقت کیلی' آئی مین کے خلاف سب سے مضبوط گواہ ہے۔"
"یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہے۔" میرا جارحانہ لہجہ برقرار رہا۔
"تم کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے کسی خراب ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر تحمل سے پوچھا "میں نے تمہاری زبان سے دو تین بار کیلی کا نام سنا تھا۔"
"تو میرا خیال ٹھیک تھا کہ تم دروازے سے لگی' کن سوئیاں لے رہی تھیں۔"
اس بار ویرا چیخ کر بستر سے اتر گئی "معلوم ہوتا ہے کہ میں غلط موقع پر آئی ہوں۔ تم بلاوجہ مرچیں چبا رہے ہو۔"
وہ میرے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں اس پر دانت پیس کر رہ گیا۔
"یہ عورت بعض اوقات آپ کو بھی زچ کر دیتی ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔
"ہمیشہ ہی وہ ایسے رویّے کا مظاہرہ کرتی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "میں اسے طرح دے جاتا ہوں۔ کبھی کبھی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔"
"آپ نے خود ہی ڈھیل دے کر اسے سر چڑھایا ہے۔ اب اس کی حرکتیں اور باتیں آپ کو ناگوار گزرنے لگی ہیں۔" غزالہ کو ویرا کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا "اس کے لیے سلطان شاہ ٹھیک ہے۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرتا۔"
"وہ دوسری انتہا پر چل رہا ہے۔ کبھی کبھی اس کے جارحانہ تیور میرا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔"
"یہ نہ کہیں۔ وہ ویرا کی صلاحیتوں کی دل سے قدر کرتا ہے لیکن اس کے بڑبولے پن سے عاجز آیا ہوا ہے۔ بس سے زیادہ بولنے نہیں دیتا۔ میں ایمان داری سے یہ سمجھتی ہوں کہ صرف ایک طریقے پر عمل کر کے اس گھر کا ماحول بہتر بنایا جا سکتا ہے۔"
"میں نے تمہاری ہر معقول تجویز پر عمل کیا ہے۔" اس سے باتیں کرتے ہوئے میرا پارا دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا "تمہارے ذہن میں کیا حل ہے۔"
"ہمیں بلاوجہ ایک دوسرے پر مسلّط رہنے کے بجائے اپنی فطری اکائیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے۔"

المیہ یا طربیہ؟

افضل خان عرف جان ریمبو فلموں میں آئے تو کسی نے پوچھا "آپ کی پہلی فلم کامیڈی ہے یا ٹریجڈی؟"
"اگر ہٹ ہوگئی تو کامیڈی.... ورنہ ٹریجڈی...." انہوں نے جواب دیا۔

"ہائیں۔" میں نے آنکھیں نکال کر حیرت سے کہا "اب تم نے اچانک اتنی گاڑھی اردو بولنی شروع کر دی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!"
"بلاوجہ بننے کی کوشش نہ کریں۔ میری بات آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔"
"قسم لے لو جو میں خاک بھی سمجھا ہوں۔" میں نے ایمان داری سے جواب دیا۔
"میرے' اور آپ کے درمیان بہت مضبوط رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا...."
وہ آگے کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی "مضبوط رشتے صرف وہی ہوتے ہیں جو خون سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک سانس میں سانس ہوتا ہے' میاں بیوی کا رشتہ سب سے گہرا نظر آتا ہے۔ ایک فریق کے سانس کی لڑی ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کے لیے اسی لمحے نامحرم ہو جاتا ہے' ہر تعلق اور رشتہ ٹوٹ جاتا ہے...."
"آپ بہت زیادہ باریکی میں چلے گئے۔" وہ اپنا سر جھٹک کر ایک ادا سے ہنستے ہوئے بولی "میں اتنا آگے کی بات نہیں کر رہی تھی۔"
"جب سے آئی مین کا چکر چلا ہے میں زیادہ دور تک سوچنے لگا ہوں۔" میں نے ہنس کر اقرار کیا۔
"وہ دونوں اکیلے ہیں اور آپس کے اختلافات کے باوجود ان میں اچھا نبھاؤ ہو رہا ہے۔ یہ مکان ان دونوں کے حوالے کر کے ہمیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ وہ بھی خوش رہیں گے اور ہماری زندگی بھی پُرسکون ہو جائے گی۔"
"اس بارے میں شاید پہلے بھی بات ہوئی تھی اور ویرا یکایک جذباتی ہو گئی تھی۔"
"آپ کو اس کے جذبات کی پروا کیے بغیر ایک بار سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کر دینا چاہیے۔" اس نے اپنی دو ٹوک

رائے دے دی۔
"میں اس نکتے پر غور کروں گا۔" میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے وہ موضوع وہیں ختم کردیا۔
ویرا کا مسئلہ اتنا سیدھا اور سہل نہیں تھا جتنا غزالہ سمجھ رہی تھی۔
ہم لوگوں سے ویرا کے مراسم کی جڑیں بہت گہری تھیں اور شی کے عروج کے دنوں میں پھلی پھولی تھی جب وہ بلیک کوئین کے روپ میں ہماری مطلق العنان حاکم ہوا کرتی تھی۔ وہ عزت، شرم اور حیا کے مشرقی تصور سے یکسر نا آشنا تھی کیونکہ اس کے ناجائز باپ نے اس کی تربیت روم کے رنگین مزاج امرا کے ان عشرت کدوں میں کی تھی جہاں خوب صورت لڑکی کو ایک کھلونا تصور کیا جاتا ہے۔ جس سے ہر ایک حسب توفیق کھیلتا تھا اور دل بھر جانے پر کسی نئے کھلونے کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔
وہاں جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے گندے روپ میں اتالیق بن کر ویرا کو یہ گر سکھادیا تھا کہ زندگی کی دوڑ میں وہی عورتیں کامیاب ہوتی ہیں جو مخمور و مسحور مردوں کے قدموں میں جھکنے کے بجائے انہیں اپنے قدموں میں جھکانا جانتی ہوں۔ ویرا نے اپنی اداؤں سے کھیلنا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ مردوں کی شکاری بن گئی۔
کھلونا کھلاڑی بن جائے تو سب کچھ بدل کر رہ جاتا ہے۔ ویرا اپنی پسند کے مردوں کو لبھاتی، رجھاتی، جھکاتی اور پھر یکسر فراموش کردیتی تھی۔ نہ جانے کس بنا پر اس کی نگاہِ انتخاب مجھ پر بھی پڑ گئی اور اس نے ڈان مرسیانو سے سیکھے ہوئے گر میرے اوپر آزمانے شروع کردیے۔
اس نے ہر جتن کر ڈالا مگر ناکام رہی اور پھر انتقام کے طور پر یکایک کھلونا بن گئی کیونکہ وہ ہر قیمت پر مجھے زیر کرلینا چاہتی تھی۔
ہماری دوستی بڑھتی چلی گئی مگر وہ صرف دوستی ہی رہی۔ ویرا۔۔۔ اپنے ذہن میں سپنوں کے نہ جانے کون کون سے مندر بناتی رہی۔
میں اپنے بارے میں اس کے جذبات سے کبھی بے خبر نہیں رہا۔ وہ بھی جانتی تھی کہ میں دل وجان سے غزالہ کو چاہتا تھا۔ اس نے غزالہ کو مجھ سے دور کرنے کی ہر کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہی اور آخر کار مکاؤ میں مافیا کے ایک ڈان نے زبردستی میرا اور غزالہ کا نکاح پڑھوادیا۔
غزالہ سے شادی کے بعد ویرا نے ہار مان لی مگر مجھ سے قریب رہنے کی آرزو کو اپنے دل سے نہ نکال سکی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ جمی لائیڈ اور شی سے بغاوت تک پر آمادہ تھی۔
میں نے شی پر کاری ضرب لگانے کی نیت سے ویرا کو ایک قریبی دوست کے روپ میں قبول کرلیا۔
میری نیت اور فیصلے کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں، ویرا محض میری وجہ سے ہمارے ساتھ ملی تھی۔ وہ کبھی یہ گوارا نہ کرتی کہ میں اسے الگ کرکے سلطان شاہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دوں۔ وہ ہر وقت میرے قرب کے سرور میں کھوئی رہتی تھی۔ اس کی زبانی بے اعتدالیوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عملی طور پر وہ محتاط رہتی تھی لیکن کبھی کبھی، تنہائی میں موقع ملنے پر اچانک بے لگام اور بے نیام ہوجاتی تھی۔
میں نے محض غزالہ کا دل رکھنے کے لیے اس کی تجویز کو التوا میں ڈالا تھا ورنہ میں جانتا تھا کہ اس پر عمل کرنا ناممکن تھا۔ ویرا کو بھنک بھی مل جاتی کہ میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا تو وہ بدک کر خود ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی۔ حسین اور مہربان ہونے کے ساتھ وہ منتقم مزاج بھی تھی۔ لڑنے مرنے کے ہر فن میں طاق تھی۔ ہمارے ساتھ رہ کر ہماری ہر کمزوری سے واقف ہوچکی تھی۔ وہ ہمارے دشمنوں سے جاملتی تو ہمارے لیے نئے مصائب پیدا ہوسکتے تھے۔
میں وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔
اچانک گھر میں گونجنے والی ڈور بیل کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے کسی کا سایہ گزرا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ سلطان شاہ رہا ہوگا۔ وہ گھر میں موجود ہوتا تھا تو آنے والوں کی پیشوائی کا فرض خود ہی سنبھالتا تھا۔
مختلف آہٹوں اور آوازوں کے بعد میرے کانوں میں اول خان کی آواز آئی تو میں نے اچھل کر بستر چھوڑ دیا۔
اول خان سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف آرہا تھا۔
اول خان نے تھکی ہوئی اور مجروح آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر مضمحل سی آواز میں بولا "آئی مین نے جوابی وار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ کسی نے گولڈن فاریسی میں پیٹرول ڈال کر آگ لگادی ہے۔ دکان دھوئیں اور شعلوں میں گھری ہوئی ہے۔"
وہ بہت بری خبر تھی۔ میں سناٹے میں رہ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

وہ کوئی معمولی خبر نہیں تھی۔

شہر میں آئے دن آتش زنی کی کتنی ہی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کہیں بجلی کے شارٹ سرکٹ سے آگ لگ جاتی ہے تو کہیں اتفاق سے مٹی کے تیل کا چولھا بھڑک اٹھنے سے آگ بے قابو ہو کر بہت تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ شہروں میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک فریق اپنے شاہانہ غرور میں چور ہو کر مخالفوں کے گھر بار یا جائے روزگار کو آگ لگوا دے اور دور کھڑے ہو کر ان کی بے بسی اور مظلومیت سے محظوظ ہوتا رہے۔

ہم کسی لاقانون جنگل یا اس سے ملحق گاؤں میں نہیں رہ رہے تھے اس لیے اول خان کی لائی ہوئی اس خبر نے ہمیں بھونچکا کر دیا۔ یہ بدمعاشی اور دیدہ دلیری کی انتہا تھی کہ ایک غیر ملکی ہمارے شہر میں پوری آزادی کے ساتھ دندناتا اور من مانیاں کرتا پھر رہا تھا اور ہم باریک قانونی موشگافیوں میں الجھ کر اسے لگام دینے سے قاصر تھے۔

میرے اور جہانگیر کے بارے میں وہ ضرور بے بس تھا مگر دوسری کارروائیوں میں کوئی اسے روک نہیں سکا تھا۔ بی باون میں اس کی روپوشی کا راز فاش ہونے کے بعد اس نے راہِ فرار ضرور اختیار کر لی تھی لیکن اس کے تیور مزید جارحانہ بلکہ خطرناک ہو گئے تھے۔ اس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنی دانست میں جہانگیر کو گولڈن فارمیسی سے اٹھا لے جانے کا منصوبہ بنایا تھا جو محض اس وجہ سے ناکام ہو گیا کہ جہانگیر خانہ نشین ہو گیا تھا اور میں نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔

لی مارکیٹ کے مخدوش علاقے سے افراتفری کے عالم میں فرار ہونے کے بعد آئی مین نے ذرا بھی توقف نہیں کیا تھا۔ فالکن ہاؤس کی محفوظ چار دیواری میں محصور ہو کر وہ جیک اسمتھ کے ساتھ کسی نئی اور مکارانہ سازش میں مصروف ہو گیا تھا۔

یہ اس کے ستاروں کی گردش تھی کہ اسے فالکن ہاؤس میں زیادہ دیر تک پناہ نہ مل سکی۔ ہم لوگ اس کی بے خبری میں وہاں ٹوٹ پڑے۔ فالکن ہاؤس کے احاطے میں چوکیدار اور ایک کمانڈو پر کیا گزری، اس کی اندر والوں کو بھنک تک نہیں مل سکی۔ ہمارے اندر گھسنے کے بعد ہی اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے میری ہدایت کے مطابق دوسرے کمانڈو کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ایس ٹی ایف والوں نے امریکی ایلیٹ فورس کے دوسرے کمانڈو کو مارنے [illegible]

پُرہول گونج سے بوکھلا کر جیک اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا اور میری بیم گن کا نشانہ بن گیا۔

امریکا کی ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کی فالکن ہاؤس میں موجودگی پر شاید جیک اور آئی مین کو بہت گھمنڈ تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ اندھیرے اور اجالے کی پروا کیے بغیر، اپنے جدید ترین ہتھیاروں سے دشمن پر موت برسانے والے دونوں کمانڈوز آسانی سے مار لیے جائیں گے اور ان کے نامعلوم دشمن ان کی کمین گاہ میں گھسنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس رات وہ ان ہونی بات ہو ہی گئی تھی۔ جیک کو اپنے غرور کی قیمت موت کی صورت میں ادا کرنی پڑی مگر آئی مین لومڑی کی طرح چالاک بلکہ مکار ثابت ہوا۔ اس نے فضا میں بارودی دھماکے کی آواز سنتے ہی مکان کی بجلی منقطع کی اور کیلی کے ساتھ بھاگ نکلا۔

کیلی کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ زخمی ہو کر پکڑی گئی مگر آئی مین مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

فرار ہوتے ہوئے اسے قطعی علم نہیں ہو سکا ہوگا کہ اس نے ہمارے ہاتھوں کتنا نقصان اٹھایا تھا مگر اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا کہ امریکا سے درآمد کیے ہوئے ڈیلٹا فورس کے کمانڈوز کی ناکامی معمولی بات نہیں تھی۔ آنے والے ان کی لاشوں پر سے گزر کر ہی اندر گھسے ہوں گے۔

وہ حقائق اتنے سنگین تھے کہ آئی مین کے اوسان خطا ہو جانے چاہییں تھے۔ کوئی نیا وار کرنے کے بجائے اسے اپنی جان بچانے کی فکر لاحق ہونی چاہیے تھی مگر اول خان کی لائی ہوئی خبر سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آئی مین فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ فالکن ہاؤس کے بدترین تجربے سے گزرنے کے بعد بھی اسے اپنے کسی ساتھی کی سلامتی یا زندگی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنی ذات کا پجاری تھا اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ خود فالکن ہاؤس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ان دنوں وہ صرف گولڈن فارمیسی پر کام کر رہا تھا اور جہانگیر کے دھوکے میں براہِ راست مجھ سے پنجہ آزمائی میں مصروف تھا۔ اس نے فرار ہوتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فالکن ہاؤس پر حملے کا ذمے دار جہانگیر ہے۔ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر جہانگیر کو زک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا اور زیادہ وقت برباد کیے بغیر گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا دی۔

[illegible] اول خان نے آتے ہی [illegible] تلے الفاظ میں مختصر سی خبر

سنائی تھی مگر میرے ذہن میں وہ پورا خاکہ گھوم گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اگر ایک طرف آئی مین ہم پر ہر وقت اپنا وار کرگزرنے کے لیے تلا بیٹھا تھا تو دوسری طرف اول خان بھی ایک لمحے کے لیے غافل نہیں ہوا تھا۔

''کیا تم لی مارکیٹ سے آ رہے ہو؟'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

اول خان کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی ''میں جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر سے آ رہا ہوں۔''

''گولڈن فارمیسی میں آتش زنی کی خبر تمہیں کس ذریعے سے ملی؟'' میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

''فارمیسی پر چند روز کے لیے تالا ڈالنے کا فیصلہ ہوتے ہی میں نے اپنے ایک آدمی کو دکان کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔''

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی ''کیا تمہیں وہاں کسی گڑبڑ کا اندیشہ تھا؟''

''میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ عادت کے تحت وہ فیصلہ کر گزرا تھا۔'' اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد جواب دیا ''یہ عادت مجھے طویل فوجی سروس سے ورثے میں ملی ہے۔ دشمن کے چھوڑے ہوئے مورچوں پر اچانک قبضہ کیا جاتا ہے نہ اپنے مورچوں کو یکایک خالی کیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نگرانی اور نقل و حرکت کی پوری پوری منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاتا۔''

اس وقت مجھے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیلات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنے سیدھے سے سوال کا جواب درکار تھا جو مل گیا تھا۔

''یہ اطلاع تم فون پر دے سکتے تھے۔'' میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ''اتنی رات گئے تم کو بستر چھوڑ کر یہاں تک کی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''دکان کو آگ لگانے کے بعد وہاں ایک چلتی گاڑی سے جلی ہوئی دکان پر اندھا دھند فائرنگ بھی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ ابھی بھی ان اطراف میں منڈلا رہے ہوں۔''

وہ خبر واقعی حیران کن تھی۔ وہ تفصیل سن کر محسوس ہو رہا تھا کہ آئی مین کا معاشرے کے معزز اور مہذب طبقے سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ مجھ سے منہ کی کھانے کے بعد اس نے فارمیسی کو آگ لگا کر اور بعد میں وہاں بے مقصد گولیاں چلوا کر اپنی جاگیردارانہ انانیت کا مظاہرہ کیا تھا۔

اول خان کی زبان سے دوسری خبر سنتے ہی میرے خون میں گرمی پیدا ہو گئی۔ میرے دل میں آئی کہ میں ...

ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر اول خان کے ساتھ لی مارکیٹ کی طرف چل دوں مگر اگلے ہی لمحے میں نے وہ خیال اپنے دل سے نکال دیا۔

اگر آئی مین انتقام کے جوش میں اندھا ہو کر نہایت پست سطح تک گر گیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میں بھی خود کو اسی سطح تک گرا لوں۔ ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ پچھلے کئی روز سے لی مارکیٹ کا وہ مخصوص اور محدود حصہ فتنہ و فساد کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ دوپہر کو ایک قریبی گلی میں اول خان نے گولیاں برسائی تھیں اور جواب میں آئی مین نے بلا تامل دھوئیں کا بم استعمال کر ڈالا تھا۔ اس پس منظر میں وہاں رات گئے ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ کو کوئی ذی ہوش شخص نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گولیاں چلنے کے بعد پولیس کی سائرن بجاتی ہوئی کسی نہ کسی گاڑی نے اس علاقے کا گشت لگایا ہوگا۔ اگر گولیاں برسانے والے اپنی حرکت کے کسی متوقع ردِعمل کے انتظار میں' وہاں رکے بھی ہوں گے تو پولیس کی نفری کو دیکھتے ہی موقع سے رفو چکر ہو گئے ہوں گے۔ ہمارا عجلت میں اس طرح جانا قطعی بے سود ثابت ہوتا۔

''پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ اب وہاں کچھ نہیں ملے گا لیکن گولڈن فارمیسی کا ایک چکر لگا لینے میں کیا حرج ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کوئی حرج نہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی پھر چونک کر پوچھا ''تم دو اور دو چار کر رہے ہو۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ دکان کو آئی مین ہی نے آگ لگوائی ہے؟''

''کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''آگ لگتے ہی فضا میں پیٹرول کی تیز بو پھیلی تھی۔ عام آگ رفتہ رفتہ سلگتی اور پھر بھڑکتی ہے۔ پیٹرول کے شعلے یکایک آگ اور دھوئیں کے بڑے بڑے مرغولے بناتے ہیں۔ آئی مین کے سوا کسی اور کو وہاں آگ لگانے کی کیا ضرورت تھی پھر وہاں آگ لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ دھڑا دھڑ جلتی ہوئی دکان کے ملبے پر وحشیانہ انداز میں گولیاں برسائی گئیں۔ یہ حرکتیں اس کے سوا اور کون کر سکتا تھا۔ تم کو شبہ کیوں ہو رہا ہے؟''

''شبہ کسی کو نہیں ہے۔'' ڈیرا نے درمیان میں ٹانگ اڑائی ''دوسروں کی ٹانگ کھینچنا ڈپی کا مشغلہ ہے۔''

''افضل ...تم بے سروپا باتیں کہہ جاتی ہو۔'' غزالہ

نے برا سا منہ بنا کر کہا "آپس میں ہونے والی ان باتوں سے ہم نے اکثر کامیاب نتائج حاصل کیے ہیں۔"

"آئی مین نے دکان کو آگ لگوا کر بہت بڑی کمینگی کی ہے۔ یہ خبر جہانگیر کے لیے صدمے کا باعث بنے گی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں ویرا سے بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اس نے بہت مشکل سے ایک جائز کاروبار پکڑا تھا۔ نئی رقابتوں نے اسے بھی آگ لگا دی۔" غزالہ کا لہجہ ہمدردی سے بھرپور تھا۔

"تم اسے جائز کاروبار کہہ رہی ہو!" ویرا نے حیرت سے پوچھا "وہ وہاں جعلی دوائیں بیچ رہا تھا۔"

"وہ بھی اسی معاشرے کا ایک فرد ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی غلط راستے پر چل پڑا تھا لیکن ڈینی کی تنبیہہ پر وہ اس غلط کام سے تائب ہو گیا۔" اول خان نے جہانگیر کی صفائی پیش کی "اب ان غلطیوں کا ذکر مت کرو جن سے وہ سچے دل سے توبہ کر چکا ہے۔"

"ڈینی اتفاق سے اس کے معاملات میں ملوث نہ ہوا ہوتا تو وہ آج بھی ڈنکے کی چوٹ پر جعلی دوائیں بیچ رہا ہوتا۔" ویرا ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی۔

"ڈینی تم سے نہ ٹکرایا ہوتا تو تم بھی آج شی میں ہیروئن اور ہتھیاروں کا گھناؤنا دھندا کر رہی ہوتیں۔" سلطان شاہ نے جل کر کہا۔

"تم تو میرے لہو کے پیاسے ہو۔ شر پھیلانے والے ہر غلط کام کے پیچھے تمہیں میرا نام کارفرما نظر آتا ہے۔" ویرا جھنجلا گئی۔

"تم سراپا شر ہو۔" سلطان شاہ بھی اسے سلگانے پر تل گیا "تم سے کبھی خیر کا کوئی عمل سرزد ہو جائے تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

"تم تو کسی کو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں دیتے۔ مجھ پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو۔"

"میرے گریبان کے پیچھے ایک شفاف سینہ ہے جس کے پیچھے ایک دردمند دل دھڑک رہا ہے۔" سلطان شاہ نے سینہ پھلا کر فخر سے کہا۔

"یہ بحث بند کرو!" میں نے خشک لہجے میں ان دونوں کو ڈانٹ دیا "ہم لی مارکیٹ جا رہے ہیں۔"

"اوہ.... تو کیا ہم سب وہاں جائیں گے؟" ویرا نے اپنا غصہ بھول کر مسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ اس نے میری بات سے وہی مطلب اخذ کیا تھا جو میں اسے سمجھانا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر یکایک خوشی ناچنے لگی تھی۔

پورا دن گزر چکا تھا۔ اس وقت ہمیں سونے کے سوا کوئی اور کام نہیں تھا۔ میں نے یہ سوچ کر سب کو اپنے ساتھ لے جانے پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ اس بہانے غزالہ کو میرے ساتھ ہوا خوری کا موقع مل جائے گا۔

ہم چاروں اول خان کی گاڑی میں آسانی سے سما سکتے تھے۔ سب بستروں سے نکل کر یک جا ہوئے تھے۔ اس لیے معمولی سی تیاری ضروری تھی۔ چند منٹ بعد ہماری گاڑی گلشن اقبال سے نشتر روڈ پر آ چکی تھی جو لی مارکیٹ تک پہنچنے کی مختصر ترین راہ تھی۔

"اس وقت ہمارا اور آئی مین کا اسکور برابر ہے۔" راستے میں ویرا نے زبان کھولی۔ گاڑی کی کھلی ہوئی کھڑکی سے لگنے والی خوش گوار ہوا نے اس کا رہا سہا نشہ بھی زائل کر دیا تھا۔

"تم کس اسکور کی بات کر رہی ہو؟" سلطان شاہ کی آواز سے خفگی مترشح تھی "اس کے ریکارڈ پر ان گنت بدمعاشیاں ہیں۔ ہم ان سے اجتناب کرتے ہیں۔"

"ارے!" ویرا کی تحیر زدہ اور بے ساختہ آواز گونجی "اس وقت تمہیں اردو کا ہیضہ ہو چکا ہے۔ اجتناب کا لفظ میں نے پہلی بار تمہاری زبان سے سنا ہے۔"

"آدمی سے کبھی کبھار غلطی ہو جاتی ہے۔ اسے معاف کر دیا کرو۔" غزالہ نے ویرا سے سفارش کی اور بات قہقہوں میں دب گئی۔

"تم کس اسکور کی بات کر رہی تھیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے ویرا سے سوال کیا۔

"میرا اشارہ بیم گن کے استعمال کی طرف تھا۔ اس نے نادر کے بعد آج بھاگتے ہوئے ایک گھریلو ملازم کو نشانہ بنا کر اسکور برابر کر لیا ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ہماری طرف سے جلال نے ونود کو مارا تھا اور میں نے فالکن ہاؤس میں سیاہ فام جیک اسمتھ کو بیم گن کے ذریعے موت کی نیند سلا دیا تھا۔

"کوئی اور سمجھے یا نہ سمجھے، صبح تک آئی مین اندازہ لگا لے گا کہ اس وقت ڈینی جہانگیر کی مدد کے لیے میدان میں اترا ہوا ہے۔" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا "دوسرے لوگ اس کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ کہیں آئی مین نے دھوکے سے اندھیرے میں جیک کو نشانہ نہ بنا لیا ہو لیکن آئی مین...."

[illegible] اچک لی "ابھی تک

اسے علم نہیں ہوا ہوگا کہ فالکن ہاؤس میں کیسی خوں ریزی ہوئی ہے۔ وہ اپنی شکست پر جھلّایا ہوا ہے جب اسے صبح کے اخبارات سے یہ علم ہوگا کہ جیک کے قتل کا الزام اس کے سر پر ڈالا جا رہا ہے تو اس کا ذہنی توازن خراب ہو جائے گا۔"

آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے ہم لی مارکیٹ کے اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں گولڈن فارمیسی واقع تھی۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن اس گنجان آباد علاقے کے بیشتر مکین خوف و ہراس کے عالم میں گھروں سے نکل کر آتش زدہ دکان کے سامنے سے گزرنے والی سڑک پر جمع ہو گئے تھے۔ دکان کے سامنے دو فائر انجنوں کا عملہ ملبے کے سلگتے ہوئے حصوں کی چنگاریاں سرد کرنے میں مصروف تھا۔ فضا میں دھویں اور جلی ہوئی متفرق اشیا کی تیز اور ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے سرد ہو چکے تھے لیکن دو منزلہ عمارت جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ بھیڑ میں کہیں کہیں پولیس والوں کی ٹوپیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ آئی مین کی بربریت کا عذاب دور تک نہیں پھیلا تھا۔ فارمیسی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اوپری منزل کے چوبی دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ کی جگہ جا بہ جا انگارے چٹختے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن غنیمت یہ تھا کہ آگ کے شعلوں نے اردگرد کی دکانوں وغیرہ کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کا فائر اسٹیشن فارمیسی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ عملے کے افراد فضا میں بھڑکتے ہوئے شعلے اور دھویں کے بادل دیکھتے ہی جائے واردات پر پہنچ گئے تھے۔

"اس وقت یہاں انسانوں کا سمندر نظر آ رہا ہے جس وقت آگ لگائی گئی' یہاں خاصا سناٹا تھا۔" اول خان بڑبڑایا۔

وہ سڑک ٹریفک کے لیے بلاک کردی گئی تھی۔ بسیں اور ہر قسم کی گاڑیاں متبادل گلیوں میں گھس رہی تھیں۔ اول خان نے جگہ دیکھ کر اپنی گاڑی کنارے سے لگا دی۔ وہاں سناٹا تھا۔

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" ویرا مضطربانہ لہجے میں سوال کر بیٹھی۔

"فارمیسی کے اوپر رہائشی مکان تھا۔" اول خان نے تفکر آمیز آواز میں کہا "ذرا پتا کرلوں کہ کوئی جلا تو نہیں ہے۔"

"یہ بات تم اپنے آدمی سے بھی معلوم کرسکتے ہو۔" ویرا بولی "یہاں رکنے یا اترنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں جو کچھ دیکھنا تھا' دیکھ لیا۔ اب یہاں سے نکل چلو۔"

"میرے اترنے [illegible] کا مرکز نہیں بنانا چاہتا

اول خان نے دبی دبی مگر تیز آواز میں پوچھا۔

"اس بے ہنگم بھیڑ میں اس کے آدمی موجود ہوسکتے ہیں۔ بلاوجہ ان کے نشانے پر جانے کی کوشش مت کرو۔"

"وہ ہمیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں نہیں پہچانتے۔ اس بھیڑ کا ہمیں بھی اتنا ہی فائدہ حاصل ہے جتنا انہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔" یہ کہہ کر اول خان ویرا کی مزید کوئی بات سنے بغیر تیزی سے گاڑی سے اتر گیا۔

"یہ مرد بڑے سرکش ہوتے ہیں۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔" ویرا کی آواز ابھری۔ شاید وہ غزالہ سے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"سرکشی اور دلیری میں فرق ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے دخل اندازی کو اپنا حق تصور کرتے ہوئے کہا "دلیری اور حوصلے کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"اول خان دلیر تھا اور گاڑی روک کر اتر گیا۔ تم کیوں چوہے دان میں چھپے بیٹھے ہو؟" ویرا نے تڑخ کر بھرپور وار کر ڈالا۔

"لو' میں بھی اتر جاتا ہوں۔" سلطان شاہ نے اپنی سمت کا دروازہ کھولا اور گاڑی سے اتر کر اسی سمت میں ہولیا جدھر اول خان گیا تھا۔ ویرا کا طنز اس قدر بھرپور اور بے رحمانہ تھا کہ سلطان شاہ کے پاس کوئی متبادل چارہ نہیں رہا تھا۔

"دیکھو اب یہ دونوں دلیر کیا جھک مار کر آتے ہیں۔" ویرا کی آواز سے برہمی مترشح تھی۔

"خدا کے لیے یہ زہر افشانی بند کردو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے کوئی اور گاڑی سے اتر کر ان دونوں کے پیچھے چل دے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"عورتیں تو بے چاری بزدل ہوتی ہیں۔" ویرا نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا "یہ احمقانہ حرکت تم کرسکتے ہو کیونکہ اس وقت گاڑی میں اکلوتے مرد صرف تم ہی ہو۔"

ویرا کے جواب پر میں بھنّا کر رہ گیا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ میں جانتا تھا کہ میں کچھ کہوں گا تو وہ میرے جواب میں مزید اشتعال انگیزی کرے گی اور میرا غصہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اول خان نے جہاں اپنی گاڑی پارک کی تھی وہ جگہ تماشائیوں کی بھیڑ کے مقابلے میں سنسان پڑی ہوئی تھی مگر پھر بھی قرب و جوار سے متعدد بوکھلائے ہوئے متجسس افراد گزر رہے تھے جو آتش زدگی کے بارے میں شاید سب کچھ جان لینا چاہتے تھے۔

میں اونچی آواز میں کوئی بات کہہ کر اس گاڑی کے [illegible]

تھا۔ میں بلاوجہ ہی ویرا کی تلخ نوائی کی زد میں آگیا ورنہ میری مصالحانہ کوشش سے پہلے اس نے اپنی ساری توجہ سلطان شاہ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

شاید ویرا نے بھی اندازہ لگالیا کہ لڑنے کے لیے وہ جگہ موزوں نہیں تھی۔ وہ کھڑکی سے سر نکال کر خاموش بیٹھ گئی۔

گولڈن فاریسی میں آگ لگنے کی وجہ سے اس علاقے کے برقی تار بھی شارٹ سرکٹ سے جل چکے تھے اور ایک وسیع علاقہ گہرے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس تاریکی میں ایک بڑے ہجوم کے پیش منظر میں دکان والی عمارت کی دھواں اگلتی اور انگارے چٹخاتی ہوئی آگ خاصی بھیانک نظر آرہی تھی۔

اول خان اضطراری طور پر گاڑی روک کر اترا تھا اور پھر اندھیرے میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ کسی ناگہانی ضرورت کے پیش نظر اس نے چابی اگنیشن ہی میں لگی ہوئی چھوڑ دی تھی۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ اندھیرے میں دور تک پھیلی ہوئی بھیڑ میں بھٹکتا رہے گا لیکن اول خان تک نہیں پہنچ پائے گا۔ میرے ذہن پر یہ سوچ سوچ کر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی کہ اول خان کے لوٹ آنے کے بعد ہمارا وقت سلطان شاہ کے انتظار میں بلاوجہ ضائع ہوگا۔

مجھے اس ذہنی کوفت سے زیادہ دیر تک نہیں گزرنا پڑا۔ اِدھر اُدھر سے منعکس ہونے والی دھندلی روشنی میں مجھے دھوئیں جیسی بھیڑ میں سے اول خان کا ہیولا نمودار ہوتا ہوا نظر آیا تو میرا دل خوش ہوگیا۔ مزید خوشی اس وقت ہوئی جب سلطان شاہ بھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر آتا ہوا نظر آیا۔

"دونوں سورما آرہے ہیں۔" ویرا کی زبان کی خارش نے اسے خاموش نہیں رہنے دیا۔ وہ خود کلامی کے انداز میں' اونچی آواز میں بڑبڑائی تھی "دیکھتے ہیں کہ یہ کون سی توپ پر تیر مار کر آئے ہیں۔"

"اس بار میں نے ناگواری کے کسی موہوم ترین احساس کے بغیر اس کی بات سنی اَن سنی کردی۔

اول خان نے آتے ہی اپنی نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس اثنا میں سلطان شاہ پچھلی سیٹ پر سوار ہوچکا تھا۔ غزالہ' اس کے اور ویرا کے درمیان دبی ہوئی بیٹھی تھی۔ شاید اس نے ان دونوں کے درمیان نوک جھوک کے امکانات کے پیش نظر اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی تھی۔

"کیا خبریں لائے ہو؟" گاڑی کا یوٹرن مکمل ہوتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا۔

"ایسے مواقع پر خبریں کم ملتی ہیں۔ افواہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دو بچوں کے جھلسنے کی اطلاع درست ہوسکتی ہے۔" اول خان نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"دو معصوم بچوں کے جھلسنے کا خیال بھی خاصا دردناک ہے۔" غزالہ بولی "ان کا کیا قصور تھا۔ ان خون آشام بھیڑیوں نے دکان کو آگ لگاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ اوپر عورتوں اور بچوں کے ساتھ کوئی رہتا ہے۔ پیٹرول کی آگ تیزی سے بھڑکی تو کیا ہوگا۔"

"اس قسم کے وحشیانہ تصادم میں کوئی ان باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔" ویرا نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "دشمن کو بری طرح پیس ڈالنے کا انتقامی جذبہ سب سے پہلے عقل اور ہوش کو اپنی خوراک بناتا ہے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔"

"دکان کے ساتھ پوری عمارت بھی تباہ ہوگئی۔" غزالہ متاسفانہ لہجے میں بولی "اس کے کھنڈرات مرمت کے قابل نظر نہیں آتے۔"

"اچھا ہے۔ اب اس کی جگہ پلازا بن جائے گا۔" ویرا کی آواز میں صدمے کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اس علاقے کی بیشتر عمارتیں بہت پرانی اور بوسیدہ نظر آتی ہیں۔ ہر مالک انہیں گرا کر نئی اور اونچی عمارتیں بنانا چاہتا ہوگا مگر کرائے داروں سے آسانی سے نجات ملنی ممکن نہیں ہے۔ آگ کے بہانے بلڈنگ خود بہ خود خالی ہوجائے گی۔"

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ آئی مین اس بلڈنگ کے مالک کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے گہرے طنز سے کہا۔

"میں چاہوں تو ذرا سی دیر میں یہ بھی ثابت کرسکتی ہوں۔" ویرا اس کی طنزیہ بات کو فوراً دوسرے پیرائے میں لے گئی اور چیلنج کرتے ہوئے بولی "میں پانچ منٹ میں تم کو قائل نہ کردوں تو میرا نام بدل دینا۔ کرتے ہو بحث مجھ سے؟"

"تم سے بحث کرنے کے لیے بیل کا مغز چاہیے جو میرے پاس نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"دو بچوں کے جلنے کے بارے میں ایک فائرمین نے بتایا ہے۔" اول خان کا ذہن مسلسل اسی واردات میں الجھا ہوا تھا۔ "یہ لوگ بہت تجربے کار ہوتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ان میں سے ایک بچہ بہت بری طرح جلا ہے۔ خدا اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

"جب سے اس کا نام سامنے آیا ہے' ہم نے اسے ایک جگہ ٹکنے نہیں دیا۔ وہ مسلسل بھاگ رہا ہے...." میں نے کہنا چاہا مگر ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"ابھی تک اس کے ستارے اس کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اس لیے تم اسے بھگا رہے ہو۔ اسے اپنے قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہ بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہ پچھلے سپر آئی مینوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔"

"یہ مینوں کیا چیز ہوتی ہے؟" اس بار سلطان شاہ کا لہجہ معصومانہ تھا "مین کی جمع مَن ہوتی ہے۔ تم سپر آئی مَن بھی کہہ سکتی تھیں۔"

"تم لوگ اردو میں استعمال ہونے والے ہر انگریزی لفظ کا یہی حشر کرتے ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر میری عادت بھی بگڑ گئی ہے۔" ویرا بولی۔

"تم پڑھی لکھی اور امریکی ہو۔ یہ بد کلامی تمہیں زیب نہیں دیتی۔" سلطان شاہ اصول سے ہٹ کر اچانک ذاتیات پر آگیا۔

"پھر ٹیبل' موٹر' انجن' ٹرین اور ایسے سیکڑوں الفاظ کے لیے تم کون سی جمع استعمال کرو گے۔ بات سننے والے کے سر پر سے گزر جائے گی۔"

"آج تم دونوں بار بار بہک رہے ہو۔" اول خان نے ہلکی سی خفگی سے کہا۔

"یہ ان کو ایک ساتھ کھلی ہوا میں باہر نکالنے کا نتیجہ ہے۔ اپنے اپنے کمروں میں یہ نارمل رہتے ہیں۔" میں نے تلخی سے لقمہ دیا۔

"وہ ہمارے کمرے ہیں' پنجرے نہیں ہیں۔" ویرا میرے لہجے پر برا مان کر بولی۔

"میں نے بھی کمروں کا ذکر کیا تھا' پنجروں کی بات نہیں کی تھی مگر اب اس امکان پر بھی غور کرنا پڑے گا۔" میں نے تفہیمی انداز میں جواب دیا جیسے ویرا نے میری کوئی الجھن آسان کر دی ہو۔

اول خان کا قطعی موڈ نہیں تھا مگر ویرا کے اصرار پر اسے گاڑی صدر کی طرف موڑنی پڑ گئی جہاں بوہری بازار کے قریب نکڑ پر بلوچ آئس کریم کی مشہور دکان واقع ہے۔ آئس کریم کھانے کے سوال پر سلطان شاہ اور غزالہ نے بھی اختلاف بھلا کر ویرا کا پورا ساتھ دیا تھا۔

گھر سے روانہ ہوتے ہوئے کسی نے مناسب تیاری کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ نامناسب لباس کی وجہ سے دونوں عورتیں گاڑی سے اترے بغیر آئس کریم سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ سلطان شاہ نے ان کا ساتھ دیا۔ میں گاڑی سے اتر کر اول خان کے ساتھ تبادلہ خیال میں مصروف ہوگیا۔

وہاں سے روانگی تک میرے ذہن میں یہ یقین سما چکا تھا کہ آئی مین کے گرد ہمارا گھیرا تنگ ہوگیا تھا اور اس کا خاتمہ کسی بھی لمحے ہو سکتا تھا۔

جب تک میڈم فرزانہ ہماری گرفت میں نہیں آئی تھی' آئی مین کی رسی دراز تھی۔ اس کی ذات اسرار کے دبیز پردوں میں چھپی ہوئی تھی۔ لقب کے سوا اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ چوپڑا کو اپنے طور پر گھیرنے کے چکر میں ویرا اگر جوشی کو فون پر نہ چھیڑتی تو شاید ہمیں کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ آئی مین ہمارے شہر میں بیٹھ کر اطمینان سے اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔

جوشی ہمارے ہاتھ نہیں آسکا۔ وہ اپنے راز سینے میں لیے' راجا کے ہاتھ واصل جہنم ہوگیا لیکن ہم راجا کی راہ پر لگ چکے تھے۔ یہ ویرا کی نرسنگ کا کمال تھا کہ راجا ہم سے دھوکا کھا گیا۔ اس کے ذریعے پہلی بار ہمارے سامنے آئی مین کا نام ہمارے سامنے آیا۔ آئی مین کا نام لینے کے بعد وہ پھنس گیا اور آخر کار اسے وہ فون نمبر بتانا ہی پڑ گیا جس پر وہ آئی مین کو اپنی رپورٹ دیا کرتا تھا۔

وہ فون نمبر ڈیفنس کے بی باون بنگلے کا تھا۔ اپنی چھٹی حس کی کسی کارگزاری کے تحت آئی مین وہاں سے بروقت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم پہنچے تو خالی مکان ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ اس کا وہ سراغ کھو دینے کے بعد ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہ جاتے لیکن آئی مین کی عجلت نے سوکھے دھانوں پر پانی ڈال دیا۔

اسے مجھے یعنی ڈینی کو ٹھکانے لگانے کی عجلت تھی۔ اسی عجلت میں اس نے گولڈن فارمیسی میں جہانگیر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی اور مجھ سے سامنا ہو جانے کے باوجود وہ دوبارہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس بار ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں روپوش تھا۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ایک معمولی بات نے ہماری مدد کی۔ ایک روز پہلے فارمیسی کے منیر نامی ملازم کو دو ہزار روپے دینے والی فرزانہ بظاہر غیر اہم نظر آرہی تھی لیکن ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا جس وقت آئی مین اول خان کی فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ رہا تھا' ایس ٹی ایف کا ایک جوان متوقع مقام سے میڈم فرزانہ کو اپنی گرفت میں لے چکا

تھا۔ وہ ہماری اس روز کی کاوشوں کا پہلا ثمر تھا جو ہمارے ہاتھ آیا تھا۔

فرزانہ اس گروہ سے باہر کی عورت تھی جو آئی مین کے بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتی تھی لیکن مصیبت سر پر آجانے کے بعد اس نے خالد کی نشاندہی کی جس نے فرزانہ سے اپنے دیرینہ مراسم کی بنا پر اسے منیر کو ایک مقررہ وقت پر کچھ دیر کے لیے باہر الجھائے رکھنے کے اہم کام پر مامور کیا تھا۔ ابتدا میں یہ بات سرے سے میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ ایک فیشن ایبل عورت نے چند بے سروپا باتوں کے عوض منیر کو دو ہزار روپے کی رشوت کیوں دی تھی مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ خالد نے وہ سرمایہ کاری بلا سبب نہیں کی تھی۔ اسے اگلے دن دو بجے فارمیسی پر پہنچنا تھا۔ اپنی اس حرکت کے ذریعے اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے آنے کے وقت دکان میں دو کے بجائے صرف ایک ملازم موجود ہو تاکہ وہ گڑبڑ کے کسی خطرے کے بغیر اپنا کام پورا کرسکے۔

فرزانہ سے ہمیں براہِ راست کوئی کارآمد بات معلوم نہیں ہوسکی لیکن اس کی نشاندہی پر ہم نے ایک مقابلے کے بعد خالد کو پکڑلیا۔

خالد شی کے مقامی سربراہ کے لیے کام کررہا تھا۔ وہ کچے آدمیوں کو اپنے ساتھ نہیں ملاتا تھا۔ راجا کی طرح خالد نے بھی قلابازیاں کھانے کی کوشش کی لیکن ویرا کی بے رحمانہ مار نے کچھ ہی دیر میں اس کے سارے کس بل نکال دیے اور وہ یہ بتانے پر مجبور ہوگیا کہ بی باون سے فرار ہونے کے بعد آئی مین بوٹ بیسن کے علاقے میں کچے برساتی نالے کے کنارے بنے ہوئے ایک مکان میں روپوش تھا۔

بعد میں پتا چلا کہ آئی مین کی نئی کمین گاہ فالکن ہاؤس کے نام سے موسوم تھی۔ آئی مین ان لوگوں میں سے تھا جن پر 'پتا کھڑکا' بندہ بھڑکا والی مثال صادق آتی ہے۔ وہ تیزی سے ٹھکانے بدلنے کا عادی تھا۔ اسے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ خالد کسی کے ہتھے چڑھ گیا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر فالکن ہاؤس سے بھاگ جاتا۔ اس اندیشے کے پیش نظر ہم نے وقت ضائع کیے بغیر' اسی شام فالکن ہاؤس پر دھاوا بول دیا۔

یہ ہمارے مقدر کی خرابی تھی کہ فالکن ہاؤس میں کئی کامیابیاں حاصل ہونے کے باوجود آئی مین بچ نکلا مگر کیلی زخمی حالت میں ہمارے ہاتھ آگئی تھی۔ آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگا کر جس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا' اس سے صاف نظر آرہا تھا کہ آئی مین کو سرعت سے لگام نہ دی گئی تو وہ شہر میں بہت کچھ کر گزرے گا۔

فرزانہ کے پکڑے جانے کے بعد پیش آنے والے واقعات کافی حوصلہ افزا تھے۔ خالد دوپہر کو آئی مین کا ہم سفر تھا لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے کبھی بھی آئی مین کو نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ اطمینان کرلیا تھا کہ خالد اس بارے میں جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ راجا کے لیے آئی مین محض ایک آواز کا نام تھا جو وہ فون پر سنتا تھا۔ آئی مین نے کبھی اس کو اپنے سامنے نہیں بلایا تھا مگر خالد کی بات مختلف تھی۔ اسے میں نے خود آئی مین کے ساتھ' اس کی گاڑی میں فرار ہوتے دیکھا تھا مگر خالد کا کہنا تھا کہ آئی مین سے جب بھی اس کا سامنا ہوا' وہ سر سے پاؤں تک سیاہ اور چست لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ اس دوپہر کو بھی اس نے اپنے جسم کا ہر حصہ چھپایا ہوا تھا۔ چہرہ چھپانے کے لیے اس نے گاڑی میں ماسک لگایا ہوا تھا۔ اس ماسک کے ساتھ وہ تاریک شیشوں والی گاڑی میں سفر کرسکتا تھا مگر نیچے اتر کر لوگوں میں گھل مل نہیں سکتا تھا۔ اپنی اسی مجبوری کو مدِنظر رکھتے ہوئے آئی مین نے اپنی سیاہ گاڑی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ خالد کو فارمیسی پر بھیج کر مجھے اپنے پاس طلب کرلیا تھا۔

ہم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل چکا تھا لیکن اس کے خدوخال سمیت اس کی کوئی ایسی شناخت میری نظروں میں نہیں آسکی تھی جس کی بنا پر اسے الگ سے پہچانا جاسکے۔

صرف اس کی آواز اور لہجے کی بنا پر یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ امریکی نژاد ہے ورنہ اس کی اور کوئی پہچان ہمارے پاس نہیں تھی۔

بی باون کے نمبر پر فون کرنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ کیلی دن رات اس کے ساتھ رہتی تھی اور آئی مین کے لیے آنے والا ہر فون پہلے وہی سنتی تھی۔ بعد میں خالد نے بھی میرے اس اندازے کی تائید کردی تھی۔ وہ یہ بتانے سے قاصر رہا تھا کہ کیلی اور آئی مین کے درمیان کیا رشتہ تھا مگر میں بڑے مجرموں کے ساتھ پیش آنے والے تجربات کی بنا پر یہ بات سمجھ چکا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی پاکیزہ رشتہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔

ہر بڑا اور خطرناک مجرم دولت کے انبار لگانے کی دھن میں لگا رہتا ہے اور یہی ہوس ہر جرم کی محرک بنتی ہے۔ مجرم اپنے بال بچوں کے لیے کالا دھن کماتا ہے اس کی فطری

خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگ مصیبت کے سائے تک سے محفوظ رہیں۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لیتا کہ خطرناک مہمات پر انہیں اپنے ساتھ لیے پھیرتا رہے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر آئی مین عیال دار تھا تو اس کے بیوی بچے کسی امریکی ریاست میں امن وسکون سے پر تعیش زندگی گزار رہے ہوں گے۔ وہ اپنے حیوانی جذبوں کی تسکین کے لیے ایک خوب صورت لڑکی کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا جو عام حالات میں اس کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی اور خلوت میں شاید اس کی خوش ادا داشتہ بن جاتی تھی۔

کیلی سے میری بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ میں نے ان دونوں کے مراسم کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا اس کی بنا پر مجھے امید تھی کہ کیلی اس کی شناخت کے بارے میں بہت کچھ بتا سکے گی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آئی مین اس کے سامنے شب و روز نقاب پہنے رہتا ہو۔

ہم گلشن اقبال میں اپنے گھر والی گلی میں داخل ہوئے تو مجھے دور ہی سے اپنے دروازے کے سامنے جلال کی گاڑی نظر آئی اور میں چونک پڑا۔ اس وقت اس کی آمد خالی از علت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ اسی رات کی پرواز سے اسلام آباد واپس جانے والا تھا۔

"ارے! ہمارے گیٹ کے سامنے کس کی گاڑی کھڑی ہوئی ہے؟" ویرا کی تحیرزدہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"مجھے یہ جلال کی گاڑی نظر آ رہی ہے۔ آج کل وہ ہمارے گھر کے کافی پھیرے لگانے لگا ہے۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

مجھے شبہ تھا کہ سلطان شاہ مزید کوئی تبصرہ کرے گا لیکن اس نے اپنی بات آگے نہیں بڑھائی۔ اس دوران میں ہمارا اور جلال کی گاڑی کا درمیانی فاصلہ کم ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ قدرے توقف کے بعد پھر بول پڑا "جلال نظر نہیں آ رہا۔ گاڑی میں صرف ڈرائیور بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ جلال نے اس کے ہاتھ کوئی چیز بھیجی ہو۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"کسی خوش گمانی میں نہ رہنا۔" سلطان شاہ بولا "اس نے تمہارے لیے گلدستہ نہیں بھیجا ہوگا۔"

"مجھے اس کے کسی گلدستے کی پروا بھی نہیں ہے۔ ڈرائیور کوئی پیغام بھی لا سکتا ہے۔" ویرا نے چیخ کر کہا۔

"جلال شادی شدہ ہے۔ وہ تمہارے لیے پیغام کیوں بھیجے گا؟"

"اب تم نے کوئی بدتمیزی کی تو میں جھانپڑ مار دوں گی۔" ویرا نے بجا طور پر برہمی کا مظاہرہ کیا۔

بات وہیں ختم ہو گئی کیونکہ اس اثنا میں اول خان اپنی گاڑی جلال کی کار کے پیچھے روک چکا تھا۔ جلال کا ڈرائیور اپنی نشست چھوڑ کر نیچے آ گیا تھا۔

"تم کب سے آئے ہوئے ہو؟" میں نے اتر کر جلال کے ڈرائیور سے پوچھا۔

"بس جی، کوئی دس پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

اس کا جواب تشنہ اور تذبذب میں مبتلا کرنے والا تھا۔ میں نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا "کیسے آنا ہوا؟"

"صاحب کے ساتھ آیا ہوں۔" ڈرائیور نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"صاحب کہاں ہیں؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"اندر ہوں گے۔" میں یہیں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا ہوں۔" ڈرائیور نے بے چارگی سے بتایا۔

وہ چاروں ہمارے گرد کھڑے حیرت سے یہ باتیں سن رہے تھے۔ کسی کے گمان میں نہیں تھا کہ جلال مقفل گھر میں پہنچ چکا ہوگا۔

ہم تیزی سے احاطے میں داخل ہوئے تو گھر کا دروازہ کھل گیا۔ گاڑی رکنے کی آواز سن کر جلال مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ نمودار ہو چکا تھا۔

"تم اس وقت یہاں؟ اندر کیسے پہنچے؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے متحیر ہو کر پوچھا۔

"چند گھنٹیاں بجانے کے بعد اندر سے جواب نہیں ملا تو میں تذبذب میں پڑ گیا۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا "تمہاری گاڑی احاطے میں موجود تھی۔ یہ امکان بھی نہیں تھا کہ تم چاروں سو گئے ہو۔ پھر میرا خیال اول خان کی طرف ہی گیا تھا۔ شاید یہ تمہیں ہوا خوری کے لیے لے گئے ہوں گے۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے کے بجائے پرانی تربیت کا ایک گر آزمایا اور تمہارے گھر کا تالا جواب دے گیا..."

"تم نے بہت اچھا کیا۔" ویرا محظوظ ہوتے ہوئے بولی "اپنائیت اسی کو کہتے ہیں۔"

"میں نے اپنائیت کا حق محدود پیمانے پر استعمال کیا ہے۔" جلال نے ہم لوگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے بتایا "تالا کھول کر ڈرائنگ روم میں آیا اور ٹیلی وژن آن کر لیا۔ میں اپنے پیشے کی وجہ سے پرائیویسی کا سختی سے قائل ہوں۔ میں نے تم میں سے کسی کے کمرے میں نہیں

جھانکا۔"

"جھانک بھی لیتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ ہمارے کمروں میں کیا رکھا ہے!" ویرا نے بے نیازی سے کہا۔

"کم از کم تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔" جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "لاہور میں تمہاری میزبانی کے دوران میں مجھے تمہارے ہر شوق کا علم ہو چکا ہے۔"

"لو، وہ بھی کہہ رہے ہیں ...." سلطان شاہ نے برجستہ ایک مشہور مصرع پڑھا اور دانستہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آج نائٹ کوچ سے تمہاری واپسی ہونی تھی مگر تم یہاں نظر آ رہے ہو...." میں نے اصل موضوع چھیڑتے ہوئے بات شروع کی لیکن جلال نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"اندرونِ خانہ حالات نے بہت تیزی سے کروٹ لی ہے۔ میری واپسی کا پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔"

"یہ متوقع تھا۔" اول خان بولا "فالکن ہاؤس میں جیک۔ اور ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کے مارے جانے کے بعد معاملات نازک رخ اختیار کر گئے ہیں۔"

"پہلے ایک پیالی کڑک اور کھولتی ہوئی چائے پھر دوسری باتیں ہوں گی۔" جلال نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔

غزالہ مہمان داری کے معاملے میں بہت فراخ دل واقع ہوئی تھی۔ کسی پس وپیش کے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"تم اپنی بات جاری رکھو۔" ویرا نے جلال سے کہا "غزالہ کو ان جھگڑوں اور جھمیلوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر اپنی بات شروع کرنے سے پہلے یہ ضرور سن لو کہ ہم ہوا خوری کے لیے نہیں گئے تھے۔" اول خان نے درمیان میں دخل اندازی کی "کچھ دیر پہلے کسی نامعلوم آدمی نے پیٹرول بہا کر جہانگیر کی دکان کو آگ لگا دی۔ بعد میں جلتی ہوئی دکان پر ایک چلتی ہوئی کار سے فائرنگ بھی کی گئی۔"

"اوہ! یہ حرام زادہ آہنی اعصاب کا مالک معلوم ہوتا ہے۔" جلال نے بے ساختہ کہا "شاید تم لوگ اسی طرف گئے تھے۔ تمہارے کپڑوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم چاروں کسی خاص تیاری کے بغیر اول خان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے۔"

"دکان کے ساتھ اوپری منزل بھی جل کر تباہ ہو گئی ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا "کم از کم دو بچے بھی جھلسے ہیں۔"

"اسے اپنی سفاکی کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔" جلال نے سرد لہجے میں کہا اور قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "امریکی سفارت کار اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے سخت مضطرب ہیں۔"

"کراچی ایک وسیع شہر ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ فالکن ہاؤس میں کیا ہوا ہے۔" اول خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اس معاملے میں سخت ترین رازداری برتی گئی ہے لیکن امریکی بے خبر نہیں ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔" اول خان نے کہا "آئی مین وہاں سے پٹ کر بھاگا تھا۔ اس نے جاتے ہی اپنے آقاؤں کو کھیل بگڑنے کی اطلاع دی ہوگی۔"

"اصل بات یہی ہے اور یہی ان کی مجبوری ہے کہ وہ آئی مین کی دی ہوئی اطلاع کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتے۔"

"ویسے بھی تم کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اب امریکی ایجنسیوں نے پاکستان میں جاسوسی اور سراغ رسانی کے جدید ترین آلات کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"آواز کے ذریعے ڈینی کو پکڑنے کے لیے ماضی میں انہوں نے ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ اب وہ ایسے الیکٹرانک آلات بھی میدان میں لے آئے ہیں جو کنکریٹ کی دیواروں کے پیچھے ہونے والی سرگرمیوں کو دیکھ کر ریکارڈ کر سکتے ہیں۔" جلال نے اس کی تائید میں بتایا۔

"کیا یہ سب مجھے پکڑنے کے لیے کیا جا رہا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ان کی نظروں میں تم اس خطے میں ان کے سب سے بڑے دشمن ہو مگر یہ تیاریاں کسی اور سمت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ وہ پاکستان کے قرب وجوار میں کہیں کسی بہت بڑی کارروائی کا آغاز کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"ایران کو امریکی قیادت اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتی ہے۔" ویرا نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"یہ بات پرانی ہو گئی۔ آج کی دنیا میں معاملات اور ترجیحات میں بہت تیزی سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس وقت افغانستان پر ان کی گرفت بہت تیزی سے کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اس خطے سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کریں گے۔"

... لوگ حکمراں ہیں جن کو امریکا

نے پالا پوسا تھا۔" ویرا نے حیرت سے کہا۔

"وہ امریکا کی ضرورت تھی۔ روس کو افغانستان سے مار بھگانے کے لیے اسے ہر عسکری سہارے کی ضرورت تھی۔ اس نے کھل کر تمام جہادی قوتوں کی سرپرستی کی' ان کو ضرورت سے زیادہ مالی اور جنگی وسائل مہیا کیے' مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دی اور جب افغانستان میں روس کا کریا کرم ہوگیا تو امریکا نے حالات کو پرانی پوزیشن میں واپس لے جانا چاہا۔ اس وقت تک عسکری جتھے تجربے کار اور خود کفیل ہوچکے تھے۔ انہوں نے امریکی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اب امریکا ان کا سر کچلنے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے درپردہ اپنی بھرپور تیاریاں شروع کی ہوئی ہیں۔ آنے والے دن مجھے اچھے نظر نہیں آرہے۔" جلال نے اختصار کے ساتھ بھیانک حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔

"بعد میں جو ہوگا وہ تو ہونا ہی ہے۔ اس وقت یہ سارے وسائل ہمارے خلاف استعمال ہورہے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"میں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرسکتا۔" جلال نے اعتراف کیا "ڈینی کے ساتھ اس وقت ہم سب تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہیں۔ جو ڈگمگایا وہ مارا جائے گا۔"

"تم سرکاری آدمی ہو۔ تمہیں پھر بھی تحفظ حاصل ہے۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "ہم بے یارومددگار بلکہ اشتہاری لوگ ہیں۔ مارے گئے تو کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔"

"یہ نہ کہو۔" جلال نے تڑپ کر جواب دیا "میں اور میری پوری ایجنسی تمہارے ساتھ ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر اس کی تائید کی اور بولی "اپنی ذاتی حیثیت میں تم دل وجان سے ہمارے معاون ومددگار ہو مگر اپنی سرکاری کرسی پر بیٹھ کر تم ویرا اور ڈینی کے حق میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے کیونکہ امریکا نے ہمیں اپنا قومی مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ تم کسی مجرم کی حمایت نہیں کرسکتے۔"

غزالہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

ویرا کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی کہ ہم مارے گئے تو کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت نشست گاہ میں کل چھ نفوس موجود تھے اور وہی آپس میں ایک دوسرے کے مونس وغم خوار تھے۔ [illegible] اور سلمیٰ کا اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ اس سے آگے ہر طرف سناٹا ہی سناٹا نظر آتا تھا۔

غزالہ نے بہت لذیذ اور ذائقے دار چائے بنائی تھی۔ اس سے زیادہ مزہ وہ گرم سینڈوچ دے رہے تھے جو اس نے عجلت میں تیار کیے تھے۔ چائے نوشی کے دوران میں اول خان کو اچانک دھیان آگیا اور اس نے چونک کر جلال سے پوچھا "سرکاری طور پر امریکی سفارت کار فاکلن ہاؤس کے واقعے سے بے خبر ہیں تو وہ اس بارے میں اپنے اضطراب کا کس طرح اظہار کررہے ہیں؟"

"سیاست اور سفارت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔ امریکی قونصل خانے کا سیکنڈ سیکریٹری پچھلے چند گھنٹوں میں ہماری وزارت داخلہ کے انڈر سیکریٹری کو دو مرتبہ گھر فون کرچکا ہے۔ دونوں مرتبہ اس نے کراچی کے حال احوال دریافت کیے ہیں۔" جلال نے بتایا۔

"ہمارے انڈر سیکریٹری نے اس سے یہ تو ضرور پوچھا ہوگا کہ کراچی کے حالات کے بارے میں اسے اتنی تکلیف کیوں ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"یہ ایک فطری سوال تھا جس کا جواب غیر متوقع نہیں تھا۔ قونصل خانے کے افسر نے بتایا کہ اسے اپنے ذرائع سے دہشت گردی کی کسی بڑی واردات کی منصوبہ بندی کی اطلاع ملی ہے اس لیے وہ کراچی کے حالات کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند ہے۔"

"پھر اسے کیا جواب دیا گیا؟" اول خان نے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"دونوں مرتبہ اسے سرد مہری سے آرام کرنے اور بے فکر رہنے کا مشورہ دیا گیا۔ یہاں کے حالات اور واقعات سے نمٹنے کی ذمے داری ہماری ہے۔ امریکی یہاں کے ٹھیکے دار نہیں ہیں کہ وہ ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتے پھریں۔"

"ویری گڈ! اس کا یہی جواب ہونا چاہیے تھا۔" جلال کا جواب سن کر اول خان خوش ہوگیا۔

"مگر یہ ساری رازداری رات بھر کی ہے۔" میں نے ان کو یاد دلایا "اخباری رپورٹر جناتی وسائل رکھتے ہیں۔ وہ کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ لے اڑیں گے اور صبح کے اخبارات میں فاکلن ہاؤس کے واقعے کے بارے میں بھانت بھانت کی خبریں آجائیں گی۔"

"وہ خبریں نہیں' انفرادی تبصرے ہوں گے۔" سلطان شاہ نے تصحیح کی۔

"جب صحیح [illegible] نہیں ہوتیں تو افواہوں اور

قیاس آرائیوں سے اخبار کا پیٹ بھرا جاتا ہے۔ اخبارات والے اپنے قارئین کو ہر روز پڑھنے کے لیے نیا مواد فراہم نہ کریں تو چند روز میں ان کا کاروبار بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد ویرا نے لب کشائی کی۔

"اول تو فالکن ہاؤس والا علاقہ شہر سے خاصا الگ تھلگ اور اخباری نمائندوں کی آزادانہ آمدورفت سے محفوظ ہے۔ اگر کسی کو کوئی سن گن مل بھی جاتی ہے تو اخباری قیاس آرائیوں کے تدارک کے بارے میں سوچ لیا گیا ہے۔" جلال نے اپنی چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے جواب دیا "یہ بہت نازک اور حسّاس معاملہ ہے۔ غیر ذمے دارانہ قیاس آرائیاں تلخیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس بارے میں بالکل آخری لمحات پر، رات کے دو بجے سب ایجنسیوں کو پریس ریلیز جاری کیا جانے والا ہے۔"

"دو بجے کا وقت مقرر کرنے میں کوئی مصلحت ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"بڑے اخباروں کی چھپائی ساڑھے تین بجے تک شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے انہیں پریس ریلیز مل جائے گا۔" جلال نے کہا "کم اشاعت والے چھوٹے اخبارات دیر سے فائنل ہوتے ہیں اس لیے ان میں تاخیر سے ملنے والی بعض خبریں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔"

"یہ سب معاملات پولیس اور اطلاعات کے صوبائی محکموں سے متعلق ہیں۔ اس انتظام کے لیے تمہارا کراچی میں رکنا تو ضروری نہیں تھا!" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے دھیرے سے کہا "اب تم نے کام کی بات کی ہے۔ میں دیر سے منتظر تھا کہ کوئی کراچی میں میری موجودگی کے بارے میں سوال کرے۔"

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" ویرا نے اسے ٹوکا "اس کا مطلب ہے کہ تم مزید کسی سوال کے منتظر ہو۔ میں پوچھ لیتی ہوں کہ اس وقت تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

جلال خوش دلی سے ہنس پڑا اور بولا "اب تک جو باتیں ہوتی رہیں، وہ کسی نہ کسی طرح تم لوگوں کے علم میں آ ہی جاتیں۔ میرے کراچی میں رکنے اور یہاں آنے کا سبب کچھ اور ہے۔ اخبارات کو پریس ریلیز جاری ہونے تک سارے معاملات جوں کے توں رہیں گے یعنی فالکن ہاؤس کا قصہ صوبائی حکومت اور مقامی پولیس کی تحویل میں رہے گا۔ ڈھائی بجے یہ وفاقی معاملہ بن چکا ہو گا۔

"کیا وقت کے اس مخصوص تعین سے کوئی نمایاں فرق پڑے گا؟" اول خان نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی تک امریکی قونصل خانہ معلومات حاصل کرنے کی خفیہ کوششیں کر رہا ہے۔ پریس ریلیز جاری ہونے کے بعد اخباری نمائندے ان کی طرف دوڑ لگا دیں گے اور ان کو کھل کر بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ان کا سارا دباؤ صوبائی محکموں پر رہے گا۔ جب تک پوری بات کھلے گی، ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہوں گے۔"

"پریس ریلیز جاری ہونے کے بعد ان کا سیکنڈ سیکریٹری شور نہیں مچائے گا کہ تمہارے انڈر سیکریٹری نے جھوٹ بول کر اس کو ٹالنے کی کوششیں کی تھیں۔" ویرا نے پوچھا۔

"انڈر سیکریٹری مختار کل نہیں ہوتا، دوسروں کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔ اس سے کوئی شکوہ کرنا بے سود ہو گا۔" جلال نے یہ کہہ کر سگریٹ سلگالی۔

"تمہارے قول کے مطابق یہ باتیں بھی کسی نہ کسی طرح ہمارے علم میں آ جاتیں۔" میں نے کہا "یہ بات نہیں کھل سکی کہ تمہاری آمد کا اصل مدعا کیا ہے۔"

"میں وہی بتانے والا تھا۔" جلال نے سرمئی دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "مجھے پہلی مرتبہ افسوس ہوا ہے کہ لیری ہف ماجد یمنی کی دہشت سے مر گیا۔ آج وہ زندہ ہوتا تو مزہ آ جاتا۔"

"کیوں گڑے مردے اکھیڑ رہے ہو۔ جو مر گیا اس کا مر جانا ہی بہتر تھا۔"

"دراصل ہماری ایجنسیوں کے غیر رسمی اجلاس کی آخری فرمائش اسی کی تھی۔ اب میں امریکی نمائندوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس بلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" جلال نے انکشاف کیا۔

میں اس کی تجویز سن کر ششدر رہ گیا۔ وہ بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کی تجویز کے پورے خدوخال سے واقفیت کے بغیر مجھے اندازہ تھا کہ ایسے کسی غیر رسمی اجلاس میں بہت سے تکلیف دہ سوالات کے جواب مل سکتے تھے۔

"تم کن امریکی نمائندوں کو بلانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جان اسمتھ، جان ایش کوف، لیری ہف اور جیک اسمتھ آتے جانے والے لوگ ہیں۔" جلال نے تمباکو نوشی ترک کر کے جواب دیا "ہمارے علم میں ہے کہ کم از کم تین امریکی ایجنسیوں کے نمائندے باضابطہ طور پر پاکستان میں مقیم رہے ہیں۔ وہ ذمہ دار ہیں ... اپنی طرف سے صرف تم

میرا ساتھ دو گے۔"
"تم بار بار مجھے کیوں ان کے سامنے لانا چاہتے ہو؟" میں نے عاجزی سے پوچھا۔
"چبھتے ہوئے اور تیکھے سوال ہر شخص کو بروقت نہیں سوجھتے۔" جلال نے پوری فراخ دلی سے کہا "میں نے تمہاری بے رحمانہ جرح پر لیری ہف کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں پھوٹتی دیکھی تھیں۔ تم کو ایک مرتبہ پھر میرا ساتھ دینا ہوگا۔"
"یہ ڈھیٹ اور بے شرم قوم ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ان کا مفاد ہو تو یہ اپنی ماں کو بھی بے دھڑک ہو کر بیچ ڈالیں گے۔ پسینے کی چند بوندوں سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔"
"اے!" ویرا نے اچانک ہانک لگائی "میرے سامنے تم میرے ہم وطنوں کو برا نہیں کہہ سکتے۔"
"ڈینی کو اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے دو۔" اول خان نے نرمی سے اسے سمجھایا "اس وقت یہ ایک مشہور امریکی سیاست داں کی بات کا جواب دے رہا ہے۔"
"میں بھی اس سے یہی کہہ رہی ہوں کہ انہیں صرف برا نہیں بلکہ بہت برا کہو۔" ویرا نے ہنس کر کہا "انہوں نے اپنے اوپر ایسی گھناؤنی قیادت مسلط کرلی ہے جو طاقت کے نشے میں چور ہو کر دنیا بھر میں بنکارتی پھر رہی ہے اور عام امریکی کی ذلت و رسوائی کا سبب بن رہی ہے۔"
"یہ بات تم ہی کہہ سکتی ہو۔ ہم نے کہی تو امریکی ہم پر ڈیزی کٹر بم برسا دیں گے۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ فرعون کا وقت پورا ہوتا ہے تو وہ موسیٰ کی پرورش شروع کر دیتا ہے۔ ویرا نے تلخی سے جواب دیا "ابھی جلال نے افغانستان کے بارے میں اپنے جن خدشات کا اظہار کیا ہے اگر وہ درست نکلے تو تم دیکھ لینا کہ فرعون کی کہانی دہرائی جائے گی۔ امریکا کے پالے ہوئے عسکری گروہوں میں سے کوئی ایسا دیوزاد ابھرے گا جس کا تصور اقتدار کے امریکی ایوانوں میں بیٹھنے والوں کی نیندیں حرام کر دے گا۔"
"تم کو سیاست بہت مرغوب ہے۔ ہر بات کے ڈانڈے اسی سمت میں ملا دیتی ہو۔" اول خان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"جو لوگ روزگار کی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کی سیاست میں دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں بھی غریب الوطن ہوں۔ امریکا گئی تو اپنے خون کے پیاسوں سے زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکوں گی۔ وہ مجھے ڈھونڈ کر مار ڈالیں گے۔"
ویرا کے ان جذباتی فقروں کے بعد چند لمحوں کی تعزیتی خاموشی ناگزیر تھی۔ اس کی مدفون سلامتی کے احترام میں کچھ دیر تک سب ہی خاموش رہے پھر میں نے وہ سکوت توڑتے ہوئے جلال سے پوچھا "امریکی سفارت کاروں کو وفاق اور صوبے کے چکر میں الجھا کر تم اپنا کوئی کام مکمل کرنے کا ذکر کر رہے تھے۔"
"اوہ! تو یہ بات تمہیں یاد ہے۔" میری یاددہانی پر وہ مسکرا کر بولا "مضبوط حافظہ تمہاری دوسری بڑی خوبی یا خرابی ہے۔ سنی ہوئی کوئی بھی بات تم بہت مشکل سے بھولتے ہو۔ میں نے وہ تذکرہ کیلی کے حوالے سے کیا تھا۔"
"تو کیا تم اس کی برین واشنگ کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"یہی سمجھ لو۔ اس کے ذہن سے آئی مین کا خوف نکال کر اپنی دہشت بٹھانے کا مرحلہ بہت کٹھن ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم سے ڈرے بغیر وہ اپنی زبان نہیں کھولے گی۔"
"اس وقت ہمارے کھیل کا سارا دارومدار اسی کے انکشافات پر ہے۔" اول خان نے لقمہ دیا۔
"پولیس والے اس سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو۔" ویرا نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔
"کہیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔" جلال نے رسانیت سے جواب دیا "رات کے ڈھائی بجے کیس وفاق کو منتقل ہوتے ہی دونوں قیدی انٹیلی جنس بیورو کی تحویل میں آجائیں گے۔"
"دوسرا قیدی کون ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔ جلال کا جواب سن کر ویرا کے ہونٹ جڑے رہ گئے تھے۔
"فالکن ہاؤس کا مقامی چوکیدار بے ضرر اور بے قصور آدمی تھا۔ اسے صرف بے ہوش کیا گیا تھا۔ اب وہ بھی پولیس کی تحویل میں ہوگا۔" میں نے اسے بتایا پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج رات ڈھائی بجے صدف مینشن آباد ہو جائے گا۔"
"ہمارے دشمنوں اور حریفوں کی مہربانیوں سے وہ کبھی غیر آباد نہیں رہتا۔" جلال نے انکشاف کیا "اس وقت بھی چوپڑا وہاں مقیم ہے۔"
"چوپڑا؟" میں نے چونک کر پوچھا "وہ وہاں کب آگیا؟

تم تو آخر تک اس کے اندرونِ سندھ سفر کی کہانیاں سنا رہے تھے۔"

وہ ہنسنے لگا "کراچی سے صرف ایک گھنٹے کی مسافت پر اندرونِ سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ چوپڑا کو وہاں لے جانا یا وہاں سے لانا کون سا مشکل کام ہے۔"

"پھر بھی انڈین قونصلیٹ والے ہر روز اس سے ملنا چاہ رہے تھے۔ ان کے اسی مطالبے کی وجہ سے تم نے تفتیش کے بہانے اسے کراچی سے دور منتقل کیا تھا۔"

"وقت کے ساتھ ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" جلال نے بے فکری سے جواب دیا۔

"بھارتی اس کے بدن پر تشدد کے نشانات دیکھتے ہی شور مچا دیں گے۔" اول خان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"بھارتی تو کیا، ابھی خود چوپڑا کو علم نہیں ہے کہ اسے کراچی واپس لایا جا چکا ہے۔ ویسے بھی اس پر خفیہ تشدد کیا گیا ہے۔ اس کا بدن بالکل بے داغ ہے۔ تھپڑوں اور کولھوں پر پڑنے والی پشاوری چپلوں کے نیل مندمل ہو چکے ہیں۔ آئی بی کے آدمی ہر کام انصاف اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کرتے ہیں۔"

"میں آج تک یہ بات نہیں سمجھ سکی کہ انصاف اور قانون کے الفاظ ایک ساتھ کیوں استعمال کیے جاتے ہیں۔" ویرا اچانک بول پڑی "کیا معنوی طور پر یہ دونوں الفاظ یکساں نہیں ہیں؟ دنیا بھر میں قانون ہی انصاف فراہم کرتا ہے۔"

"قانون اندھا ہوتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "وہ شہادتوں پر چلتا ہے۔ چار جھوٹے گواہ مل جائیں تو ایک بے گناہ پھانسی کے پھندے پر لٹک جاتا ہے۔ شہادت میسر نہ ہو تو قاتل کو باعزت بری کر دیا جاتا ہے مگر انصاف اندھا نہیں، دانا و بینا ہوتا ہے۔ وہ شہادتوں پر نہیں، قدرت کے اٹل قوانین پر چلتا ہے۔ انصاف کہتا ہے کہ چوپڑا جیسے پرانے غدار کے بدن کے چیتھڑے اڑا ڈالو۔ قانون مقدمہ چلائے بغیر فیصلہ صادر نہیں کرے گا۔ ہم جیسے لوگ انصاف کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں....."

"لیکن آئی بی قانون کی پوری پوری پاس داری کرتی ہے۔" جلال نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس موضوع پر جلال سے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ حالات کے تحت وہ خود اپنے فیصلے کرتا تھا۔ ونود اس کی تازہ مثال تھا۔

"چوپڑا نے کیا بتایا ہے؟" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"یوں سمجھ لو کہ اس نے اپنا کھایا پیا تک اگل دیا ہے۔ دہشت گردوں کے نیٹ ورک سے اس کے قریبی رابطے رہے ہیں۔ اس نے اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے بم دھماکوں کے تین مجرموں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ آج رات وہ تینوں حوالات کے قیدی بن جائیں گے۔"

"ان تینوں کی قومیتیں کیا ہیں؟" اول خان کے لیے وہ نکتہ ہمیشہ سے اہم رہا تھا۔

"ایک مسلمان کہا جاتا ہے۔ بقیہ دو را کے تربیت یافتہ ایجنٹ ہیں جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوئے اور پچھلے کئی سالوں سے جعلی کاغذات پر یہاں کے نجی اداروں میں نوکریاں کر رہے ہیں۔"

"شاید اس کے اعترافات تازہ ہیں۔ جب ہی وہ تینوں اب تک آزاد پھر رہے ہیں۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"وہ سب کچھ جھیل کر بھی خاموش تھا لیکن جب اسے خطرناک برین شاک دیے گئے تو وہ یکایک بولتا چلا گیا۔"

"کیا اس کے دماغ کو برقی جھٹکے دیے گئے تھے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ نہ کریدو تو بہتر ہے۔ کچھ باتیں ہمارے پیشہ ورانہ رازوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ اس کے دماغ کو کرنٹ لگتا تو وہ پاگل ہو کر ناکارہ بھی ہو سکتا تھا۔"

"اسے این ایچ نامی کیمیکل کی اسمگلنگ کے بارے میں بھی اس نے اقرار کر لیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس نے کھایا پیا تک اگل دیا ہے۔" جلال نے اپنی بات دہرائی "اس نے سب سے بھیانک بات یہ بتائی ہے کہ کراچی میں بد امنی کی نئی لہر پیدا کرنے کے لیے چار افراد کو مامور کیا گیا ہے۔ چوپڑا نے ان کے نام بتا دیے ہیں لیکن وہ ان کی کمین گاہ سے لاعلم ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا "وہ دن رات دہشت گردوں سے رابطے میں رہا ہے تو ان کے ٹھکانوں سے بھی ضرور واقف ہوگا۔"

"اس نے جس ہوٹل کی نشان دہی کی تھی، وہاں سے وہ لوگ دو دن پہلے نکل چکے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں پورا شہر چھان رہے ہیں۔ وہ چاروں را کے بھارتی ایجنٹ ہیں۔ انہیں کسی مقامی کے پاس آسانی سے پناہ نہیں ملے گی۔ وہ جلد ہی پکڑے جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ چوپڑا کی گرفتاری کی خبر پاتے ہی انہوں نے اپنا ٹھکانا بدل لیا۔" سلطان شاہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"ہر ایجنٹ یہی کرتا ہے۔ خطرہ بھانپتے ہی ٹھکانا بدلنے کی تدبیر سیکڑوں سال پرانی ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کی بات کی اہمیت کم کرنے کے لیے بولنا ضروری سمجھا۔

"اس وقت میرے لیے وہ چاروں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ان پر بروقت ہاتھ ڈال کر ہم کراچی والوں کو بھاری جانی و مالی نقصان سے بچاسکتے ہیں۔ متوقع دہشت گردی کے خطرے سے پولیس کو بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔"

"اگر اس شہر میں خدانخواستہ کچھ ہوجائے تو پھر چوپڑا کو زندہ نہ چھوڑنا۔" سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" جلال نے اس کا جذباتی مشورہ مسترد کردیا "وہ ریکارڈ پر آیا ہوا قیدی ہے۔ وہ اہم مہرہ ضرور ہے مگر منصوبہ کسی اور کے دماغ کی پیداوار ہے۔ بس یہ دعا کرتے رہو کہ میرے آدمی جلد از جلد ان لوگوں کے گریبان تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

سلطان شاہ خاموشی سے اپنے ہونٹ ہلا کر رہ گیا۔

بات میں سے بات نکلتی چلی آرہی تھی مگر چوپڑا کا موضوع بھی تازہ اور بہت اہم تھا۔ میں اس گفتگو کا سلسلہ منقطع نہیں کرسکا۔ اس چکر میں آئی مین والی بات پھر ادھوری رہ گئی تھی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے چوپڑا سے تنہائی میں مل لوں؟" اول خان نے جلال سے پوچھا۔

"بے سود ہے۔ تم اس سے ایک بھی نئی بات نہیں اگلوا سکو گے۔ اسے بہت اچھی طرح نچوڑ لیا گیا ہے۔ اس کی کہی ہوئی اہم باتیں میں نے دہرا دی ہیں۔ اس کے بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔ پہلے ہمیں کل کے بارے میں کچھ طے کرلینا چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ یہ غیر رسمی ملاقات کل ہی ہوجائے۔"

"چوپڑا کے بارے میں تمہیں آتے ہی بتا دینا چاہیے تھا مگر تم آخر تک خاموش رہے۔ صدف مینشن کا ذکر چھڑنے پر تمہیں وہ یاد آیا تھا۔" ویرا نے اس سے شکوہ کیا۔

"میرے ذہن پر آئی مین اور جیک کی موت سوار تھی۔" جلال نے اپنی صفائی پیش کی "چوپڑا کا قصہ پرانا ہے۔ اس پر کام ہورہا ہے۔ نتائج آخر کار تمہارے سامنے آہی جاتے۔"

اس کی بات اپنی جگہ پر درست تھی۔ چوپڑا کے بارے میں جو کچھ اس نے بتایا' وہ ہم نے سن لیا تھا۔ اس بارے میں ہم کچھ کرنے سے قاصر تھے کیونکہ چوپڑا سرکاری قیدی تھا۔ اس کے بتائے ہوئے مجرموں کی گرفتاری کے لیے جس نیٹ ورک کی ضرورت تھی وہ ہمارے پاس موجود نہیں تھا۔ آئی بی والے مقامی پولیس کے تعاون سے آسانی سے ان چاروں روپوش مجرموں تک پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت ہماری ساری توجہ آئی مین اور اس سے متعلقہ معاملات پر مرکوز رہنی ضروری تھی۔

"کیا تم اس غیر رسمی اجلاس سے کسی ٹھوس نتیجے کی توقع کررہے ہو؟" اول خان نے وہ سوال کر کے موضوع کا رخ یکسر تبدیل کردیا۔

"اس سطح پر کوئی ٹھوس نتیجہ حاصل کرنے کی امید نہیں ہے۔ ان سب کی ڈوریاں واشنگٹن سے ہلائی جاتی ہیں۔ جب تک وہاں بیٹھنے والوں کی سوچ تبدیل نہیں ہوگی' کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ یہ ضرور ہوگا کہ ندامت اور شرمندگی اٹھانے کے بعد یہاں ان کی سرگرمیاں ماند پڑجائیں۔"

"جان ایلش کوف کے فرار اور لیری ہف کے جان لیوا ہارٹ اٹیک کے بعد وہ بالکل خاموش ہوگئے تھے۔" ویرا نے یاد دلایا۔

"وہ مصلحت آمیز خاموشی تھی۔ انہوں نے خود پسپائی اختیار کرکے آئی مین کو آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا۔ پتا نہیں وہ مردود کب سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔"

"آئی مین تنہا ہوتا تو بات اتنی سنگین نہ ہوتی۔" میں نے اعتراض کیا "اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایف بی آئی کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر یہاں اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔"

"خط و کتابت میں ہر سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے تاثرات کا مشاہدہ کروں۔"

"میں تیار ہوں۔" پندرہ منٹ کے نوٹس پر میں کہیں بھی چل سکتا ہوں۔"

"مجھے امید تھی کہ تم آمادہ ہوجاؤ گے۔ اس بار میں زیادہ لوگوں کو جمع کرنا نہیں چاہتا۔ میٹنگ کے شرکا کی تعداد زیادہ ہو تو بعض اوقات سارے مذاکرات اپنے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ ہم دو افراد ہوں گے تو ساری کارروائی ایک ہی رخ پر آگے بڑھتی رہے گی۔"

"مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس بار میرا رول کیا ہوگا۔" میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"تم کو پچھلا تسلسل برقرار رکھنا چاہیے۔ ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی حیثیت سے تم لیری سے مل چکے تھے۔"

کسی نئے روپ کے مقابلے میں وہ پرانا بہروپ واقعی بہتر رہتا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم بتا رہے تھے کہ لیری میری

ذات میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی بات تھی۔ شاید میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اب بات اس سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ امریکی باضابطہ طور پر کرنل داور کا سروس پروفائل مانگ چکے ہیں۔ اس بارے میں یاد دہانی بھی کرائی گئی ہے مگر اعلیٰ سطح پر معذرت کرلی گئی ہے۔"

"میرے بس میں ہوتا تو میں اس ایڈونچر سے ضرور لطف اندوز ہوتی۔ دشمن کے دہانے میں بیٹھ کر اس کی شہ رگ کاٹنے کا تجربہ میرے لیے انوکھا ثابت ہوتا۔"

"اس مرتبہ ڈینی کے بجائے تم اجلاس میں چلی جاؤ۔" سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں اسے مشورہ دیا "وہ تمہاری بے مغز باتوں پر شاید کان بھی نہیں دھریں گے۔ انہیں کرنل داور کی شخصیت نہیں، ذہانت پسند آئی ہے۔"

"جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو بیچ میں بولا نہیں کرتے، خاموشی سے سنتے ہیں۔" ویرا نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے وہ واقعی کسی بچے کو سمجھا رہی ہو۔

جلال بے ساختہ ہنس پڑا۔ دوسروں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ ہنسی رکنے سے پہلے جلال نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے پاس کام کی کثرت تھی۔ ہمارے انتظار میں اس کے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی ضائع ہو چکے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ فالکن ہاؤس والے کیس کی مقامی پولیس سے آئی بی کی طرف منتقلی کے چکر میں اس کی پوری رات کالی ہو سکتی تھی۔ میں اسے لے کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھا تو کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم سب کا باہر جا کر اسے رخصت کرنا مناسب نہیں تھا۔ بلاوجہ وہ پڑوسیوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ ہم نے پھاٹک سے باہر جانے کے بجائے اسے گھر کے دروازے سے ہی رخصت کر دیا۔

اس کی گاڑی کا انجن خفیف سی آواز کے ساتھ بیدار ہوا اور پھر وہ آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"اوہ! ایک اہم بات تو رہ گئی۔" گاڑی کی آواز معدوم ہونے کے بعد ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"سر کے بال منڈوا دو۔ یادداشت بہتر ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے پُرخلوص انداز میں اسے مشورہ دیا۔

"مجھے ضد نہ دلانا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "میں اپنا سر بھی منڈوا دوں گی۔ یورپ کی لڑکیوں میں یہ فیشن آتا جاتا رہتا ہے۔ تم میرے ساتھ چلنے میں تماشا بن کر رہ جاؤ گے۔"

"اپنی تصحیح کرلو۔ اپنی عمر اور تجربے کی بنا پر اب تم لڑکی نہیں رہی ہو، خاتون بن چکی ہو۔" اس بار سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں کہا تھا مگر وہ فقرے میرے کانوں سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ میں نے کڑی نظروں سے اسے گھورا اور اس نے مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اپنا سر جھکا لیا۔

"تم کو کون سی بھولی ہوئی بات یاد آ رہی تھی؟" غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔

"کیلی کا کیا حال ہے اور اس سے بازپرس کی ابتدا کب ہوگی۔" ویرا نے اسے بتایا۔

"اس وقت وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہوتا تو ضرور کہتا۔" اول خان نے ڈرائنگ روم میں کھڑے کھڑے کہا "آف دی ریکارڈ میٹنگ کا وقت طے ہو جانے کے بعد ہی وہ کسی اور طرف توجہ دے سکے گا۔ اس سے رابطہ ہو تو مجھے ضرور باخبر رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

وہ خوش مزاج اور مجلسی آدمی تھا۔ سب نے ہی اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ رکنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا پورا دن بہت سخت گزرا تھا۔ آنے والے دن کے آثار بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ ہم نے جلال کے بعد اسے بھی رخصت کر دیا۔

جلال کی لائی ہوئی خبریں بہت اہم اور امید افزا تھیں۔ ان پر کسی پیش رفت کے لیے اگلے دن کا انتظار ضروری تھا۔ اسے اور جلال کو رخصت کرنے کے بعد میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جہانگیر کی طرف بھٹک گیا۔ اگر گھر پر جلال ہمارا منتظر نہ ہوتا تو میں اسی وقت جہانگیر کے گھر جا کر اسے آتش زنی کی بری خبر سنانے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن تاخیر ہو جانے کے باعث میں تذبذب کا شکار ہو گیا۔

جہانگیر ان دنوں بسیار نوشی کی جس بری عادت میں مبتلا ہو چکا تھا اس کے پیش نظر غالب امکان یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑا، سلمٰی کا کھلونا بنا ہوا ہو۔ بس ایک موہوم سی امید یہ کی جا سکتی تھی کہ سلمٰی کے ماموں، چوہدری عظمت کے ہیروئن کیس میں پکڑے جانے کے بعد جہانگیر کے دل میں رچا ہوا مجرمانہ احساس کمتری ختم ہو گیا تھا۔ سلمٰی کے نام نہاد معزز گھرانے کی مالی آسودگی کا راز کھلتے ہی جہانگیر اور سلمٰی کے مراسم برابری کی سطح پر آ گئے تھے۔ شاید اس خوشگوار انقلاب کی وجہ سے جہانگیر نے زیادہ نہ پی ہو اور میاں بیوی ہنس بول رہے ہوں۔

میں نے اس بارے میں کچھ دیر تک سوچا اور پھر جہانگیر کو فون کرنے کا ارادہ کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسری گھنٹی پر سلمیٰ نے میری کال وصول کی اور میری آواز سنتے ہی فون پر چہکنے لگی "آج کل اٹھتے بیٹھتے میرے دل سے تمہارے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ تم نے ان کو گھر میں محدود کرکے میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ دو تین دن میں یہ بالکل ہی بدل گئے ہیں۔"

"اتنی تعریفیں نہ کرو کہ میرا دماغ خراب ہوجائے۔ ذرا جہانگیر سے میری بات کرا دو۔ وہ کہاں ہے؟" میں نے کسی خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے لہجے میں گہری سنجیدگی برقرار رکھی۔ میری خواہش تھی کہ میرے زبان کھولنے سے پہلے وہ اندازہ لگالے کہ میرے پاس اسے یا جہانگیر کو سنانے کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

میری توقع پوری ہوئی۔ میرے کانوں میں سلمیٰ کی چونکی ہوئی آواز گونجی "کیا بات ہے، تمہاری آواز سے سنجیدگی بلکہ اداسی جھلک رہی ہے۔ کیا آج کسی سے لڑکر آئے ہو۔"

"بس کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" میں نے اسے مبہم سا جواب دیا "ہر روز آدمی کے ستارے یاوری نہیں کرتے۔ تم نے جہانگیر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے پاؤں پسارے بیٹھے ہیں۔ میں انہیں ابھی بلاتی ہوں۔ پہلے تم مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ آج کل دکان تم ہی چلا رہے ہو۔ وہاں سب خیریت ہے نا؟"

وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار نکلی۔ اس نے براہِ راست ایک نازک سوال کرکے میری مشکل آسان کردی تھی۔ میں نے بوجھل آواز میں کہا "خیریت ہوتی تو میں اس وقت فون نہ کرتا۔ وقت برباد کرنے کے بجائے جہانگیر کو بلادو۔ وہ میری بات آسانی سے سمجھ سکے گا۔"

"توبہ ہے میری۔ کبھی کبھی تم دونوں ایسی الجھی ہوئی باتیں کرتے ہو کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم ہولڈ کرو۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔"

میں ریسیور کان سے لگائے جہانگیر کی آواز کا منتظر تھا کہ غزالہ نے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔ میں کسی کی مداخلت کے خوف کے بغیر فون پر بات کرسکتا تھا۔

"جہانگیر کو خبر کرنی ضروری ہے۔" غزالہ کے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھے جانے والے سوال کے جواب میں، میں نے ریسیور پر ہاتھ رکھے بغیر کہا "سلمیٰ اسے بلانے گئی ہے۔"

"اس وقت وہ اپنی دنیا میں مگن ہوگا۔ آپ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔" غزالہ یہ کہتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

اسی لمحے جہانگیر فون پر آگیا "تم کہاں ہو؟ میں شام سے تمہارے فون کا انتظار کررہا تھا۔ سلمیٰ بتا رہی ہے کہ اس وقت تم پریشان ہو۔"

"تمہاری بیوی پیٹ کی بہت ہلکی ہے۔" میں نے مصنوعی ناراضگی سے کہا "اس نے ذرا سی دیر میں تمہارے کان بھردیے۔"

"کان نہیں بھرے۔ اس نے جو محسوس کیا، مجھے بتادیا۔ آج کل ہم دونوں کے تعلقات بہت اچھے ہوگئے ہیں۔" اس کی دبی دبی آواز آئی۔

"میں نے شاید تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ میری وجہ سے تمہارا جو بھی نقصان ہوا یا ہوگا، اسے میں اپنی جیب سے پورا کروں گا۔" میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے تمہید باندھنی شروع کی مگر اس نے مجھے آگے نہیں بولنے دیا۔

"نفع نقصان کو جہنم میں ڈالو۔ یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔" اس کے خوشگوار لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی "اب تم سے کیا پردہ۔ تم کو معلوم ہے کہ میرے باپ نے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی کنگال تھا۔ میں نے جو کچھ کمایا ہے، کالے دھندے سے کمایا ہے۔ اس میں سے کچھ مال برباد ہوجائے تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔ تم بات بتاؤ کہ ہوا کیا ہے۔"

"یہ تمہاری فراخ دلی اور بڑائی ہے مگر میری پیشکش اپنی جگہ قائم ہے۔ میں تمہارا ہر نقصان پورا کروں گا۔" میں اسے اصل واقعہ بتانے کی ہمت نہیں کرپا رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لاکھوں ڈالر سلمیٰ کی تجوری میں موجود ہیں لیکن تمہارا بھائی بھی کچھ کم مالدار نہیں ہے۔ اب منہ سے کچھ پھوٹو کہ ہوا کیا ہے۔ فارمیسی لٹ گئی یا وہاں ڈاکا پڑا ہے؟"

"خطرات حد سے زیادہ بڑھتے جارہے تھے۔ جانی نقصان کا خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر میں نے آج دوپہر کو تمہاری دکان پر تالے ڈلوا دیے تھے مگر آئی مین کمینہ خصلت ثابت ہوا۔ اس نے اپنی پے در پے ناکامیوں سے جھلّا کر، کرائے کے آدمیوں سے کچھ دیر پہلے فارمیسی کو آگ لگوا دی۔ میں ابھی

وہیں سے آرہا ہوں۔"

"میرا کیا گیا؟ سالے نے شی کے مال کو آگ لگوائی ہے۔ مال حرام بود' بجائے حرام رفت۔ وہاں چھ سات لاکھ سے زیادہ کا اسٹاک اور فرنیچر نہیں تھا۔ اس کی مجھے پروا بھی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس آگ میں کوئی جلا تو نہیں۔ دکان کی اوپر والی منزل پر ایک بڑی فیملی رہتی ہے۔"

"کسی کے جلنے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے دانستہ جھوٹ بولا "میں نے اتنا ضرور دیکھا ہے کہ اس دکان کی دونوں منزلیں جل کر کوئلہ ہو گئی ہیں۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ اب بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ میں بھی سکھ کی نیند سوؤں گا۔ جب سے فارمیسی شروع کی تھی' روپوں اور پیسوں کے خواب آنے شروع ہو گئے تھے۔ میں منیر اور قمر کو کل ہی دو چار مہینوں کی تنخواہیں دے دوں گا۔ جب مالک جائداد دکان بنوا دے گا تو سوچوں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

میرے لیے جہانگیر کی وہ دریا دلی حیران کن تھی۔ میں نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اتنے کھلے دل کا مالک ہو گا۔ اس سے میری دوستی بہت پرانی اور گہری تھی لیکن اس سے ذاتی طور پر کبھی مالی لین دین کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ اسے اپنے اثاثوں پر کوئی گھمنڈ نہیں تھا۔ اس نے کسی عار کے بغیر اپنی آمدنی کے ذرائع کا کھلا اعتراف کرلیا تھا۔ میرے لیے اس کے اس اعتراف کی بس اتنی اہمیت تھی کہ اس نے میرے سامنے کوئی بھرم رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی' اپنی زبان سے وہ بات دہرا دی تھی جو پہلے سے میرے علم میں تھی۔

"مجھے ڈر تھا کہ دکان کو آگ لگنے کا صدمہ تمہارے لیے ذہنی جھٹکے کا سبب بنے گا۔" میں نے کہا۔

"اگر وہ تمہیں دکان میں بند کر کے آگ لگواتا تو شاید میرا ذہنی توازن ہی برقرار نہ رہتا۔ دکان کی مجھے پروا نہیں ہے۔ تم دعا کرو کہ اس آگ نے کسی کی گود نہ اجاڑی ہو۔"

میں نے اسے فون کرنے سے پہلے ذہنی تیاری کرلی تھی کہ اس کی کس بات کے جواب میں مجھے کیا جھوٹ بولنا تھا لیکن جہانگیر کی بے نیازی کے سامنے میری وہ تیاری دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اس نے کچھ پوچھا اور نہ مجھے کوئی بہانہ تراشنے کی ضرورت پیش آئی۔

"پوری تفصیل صبح کے اخباروں سے ہی معلوم ہو گی۔ دکان کا حشر دیکھنے کے بعد میں فکر مند ہو گیا تھا کہ تمہیں یہ خبر کیسے سنا سکوں گا۔"

"سنو! جب تک گھر والی سے اَن بن رہتی تھی' گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے مجھے مجبور ہو کر فارمیسی کے بارے میں سوچنا پڑا۔ ایمان داری سے کام لیا تو روپیہ روپیہ کرکے شام تک چند سو روپے کا منافع جمع ہوتا تھا۔ جعلی دوائیں بیچے بغیر خرچے پورے کرنے مشکل تھے۔ اس دھندے کو تم نے سلمٰی سے مل کر بند کرا دیا' سچ پوچھو تو مجھے دو چار ہزار روپے روزانہ کی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بینک سے ہر مہینے ڈپازٹ پر اتنا سود مل جاتا ہے کہ آرام سے گزر بسر ہو رہی ہے۔"

وہ ایک بے تکلف دوست اور ساتھی کی کھلی کھلی باتیں تھیں جو کسی اور ذریعے سے کبھی سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ لوگ چور بازاری کرکے ہزاروں بلکہ لاکھوں کماتے ہیں اور سیکڑوں کا حساب بتاتے ہیں۔ بنکوں سے سود کماتے ہیں اور اسے توڑ مروڑ کر نفع کا نام دینے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں۔ اس حمام میں ہر ایک ستر پوش بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک جہانگیر ایسا نر تھا جو میرے سامنے ننگا ہو رہا تھا۔ اسے اپنی کسی برائی کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آج کل تم گھر میں موج اڑا رہے ہو!" دل کا بوجھ ہلکا ہو جانے کے بعد میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"ایسی ویسی موج.... یوں سمجھو کہ شادی کا لطف اب پہلی بار آیا ہے۔ اس کا سارا کریڈٹ تم کو جاتا ہے۔ تم نے اس سالے' ماموں عظمت کو رنگے ہاتھوں نہ پکڑوایا ہوتا تو اپنی سلمٰی بیگم آج بھی اپنی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیتیں اور میری زندگی عذاب بنی رہتی۔"

"اب تم خوش ہو کہ تم نے ہیروئن کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے تو تمہارا سسرالی گھرانا بھی اسی میں اشنان کر رہا تھا۔"

"واہ! کیا بات کی ہے تم نے!" جہانگیر پھڑک اٹھا "کبھی بات نکلی تو میں یہ جملہ سلمٰی کو ضرور سناؤں گا۔"

"حماقت کی ضرورت نہیں' وہ مجھ سے بدگمان ہو جائے گی۔" میں نے سنجیدگی سے اسے ڈانٹا۔

"تم سے کیوں بدگمان ہو گی۔ میں اسے یہ تھوڑی بتاؤں گا کہ یہ بات تم نے مجھے سجھائی ہے۔ وہ اس جملے کو میرے دماغ کی پیداوار سمجھ کر سناٹے میں رہ جائے گی۔"

میرا ذہن مسلسل اس کی بے اندازہ فیاضی اور فراخ دلی میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے اچانک خیال آنے پر چونک کر اس سے پوچھا "مجھے ایک بات بتاؤ کہ تم نے دکان کا بیمہ تو نہیں کرایا ہوا تھا۔"

"بڑی بڑی پارٹیوں کے سوا کوئی انشورنس نہیں کراتا یا پھر وہ لوگ مجبور ہو جاتے ہیں جو اپنے اسٹاک وغیرہ پر بینکوں سے قرض لیتے ہیں۔ میرا شروع سے ایمان داری سے کام کرنے کا ارادہ تھا اس لیے میں نے یہ فالتو خرچ نہیں پالا تھا۔ تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آگیا۔"

"ایسے ہی پوچھ لیا۔ بیمہ ہوتا تو تمہارا نقصان بڑی حد تک پورا ہو سکتا تھا۔"

"لعنت بھیجو اس نقصان پر۔ میں دوستی کی خاطر اس سے بڑا نقصان برداشت کر سکتا ہوں۔ کہیں تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں بیمے کی وجہ سے دکان کی طرف سے بے فکر ہوں۔"

وہ بالکل ہی بے مغز نہیں تھا۔ اس نے میرے دل کی بات پکڑلی تھی۔ میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا "ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ویسے بھی تمہارا نقصان دوستی کی خاطر نہیں، دشمنی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"آئی مین قابو سے باہر ہوا جارہا ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم نے بروقت مجھے دکان سے نہ ہٹایا ہوتا تو کیا ہوتا۔"

"وہ بہت آسانی سے تمہیں اپنے چنگل میں لے لیتا۔ وہ اس قدر خود غرض آدمی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بلیک میل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔"

"آخر اس کا قصہ تمام ہوگا یا یہ ہمارے لیے یوں ہی عذاب بنا رہے گا۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ اس کے دن گنے جاچکے ہیں۔ صبح کے اخبار دیکھو گے تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

"کئی دنوں سے اخبار اس کے خلاف خاصا زہر اگل رہے ہیں۔ وہ اب تک اپنی لیزر گن سے دو آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔"

"تم میرے لیے دعا اور اس کے لیے بد دعا کرتے رہو۔ کسی بھی وقت اچھی خبر سننے کو مل سکتی ہے۔"

آئی مین کا تصور اس کے لیے خوف آور اور تکلیف دہ تھا۔ وہ خاصی دیر تک اس کے بارے میں بات کرتا رہا۔ میں اس کی دل جوئی کی خاطر اس کے ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ آخر کافی دیر بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبار میں فالکن ہاؤس میں پیش آنے والے خون ریز واقعے کی خبر پہلے صفحے پر جلی سرخیوں سے چھاپی گئی تھی جس میں شہر میں ہونے والی مزید خون ریزی کا ذمے دار پراسرار آئی مین کو ٹھہراتے ہوئے تین امریکیوں کی ہلاکت کو نمایاں انداز میں اچھالا گیا تھا۔

وہ خبر میرے لیے دلچسپی کا مرکز تھی۔ میں نے ابتدا سے آخر تک پوری تفصیل پڑھ ڈالی۔ اخباری اطلاعات میں تین تبدیلیاں بہت نمایاں تھیں۔ ایس ٹی ایف کے کردار کو پولیس سے بدل دیا گیا تھا۔ تینوں مقتولین کے ناموں اور شناخت کے اظہار سے یکسر گریز کرتے ہوئے انہیں تین نامعلوم غیر ملکی قرار دیا گیا تھا۔ سیاہ فام غیر ملکی کی لیزر گن سے ہلاکت کو آئی مین کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔ اخبار میں سب کچھ وہی تھا جو میں چاہتا تھا۔

مرنے والے تینوں افراد کی شناخت چھپنے والی نہیں تھی۔ ان میں سے کسی مرنے والے کی تحویل سے کوئی ایسا کاغذ برآمد نہیں ہوا تھا جس سے اس کی شناخت پر روشنی پڑتی اس لیے ان کے ناموں کی اشاعت التوا میں ڈال دی گئی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ دن طلوع ہونے کے بعد امریکی حکام اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے سرکاری اسپتال کے مردہ خانے پہنچتے اور تینوں لاشوں کو شناخت کرکے اپنے ساتھ لے جاتے۔ مرنے والوں کے نام اگلے دن ان ہی کے حوالے سے منظر عام پر لائے جاسکتے تھے۔

"شاندار خبریں ہیں۔" ویرا نے اخبار دیکھ لینے کے بعد مسرت آمیز لہجے میں کہا "رات کو جلال نے پریس ریلیز کی بات کی تھی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے لیے اس قدر بھرپور اور جامع مضمون تیار کیا گیا ہوگا۔ اخبار میں آئی مین کے فرار ہوجانے کا ذکر موجود ہے مگر کیلی یا چوکیدار کی گرفتاری کا تذکرہ سرے سے گول کردیا گیا ہے۔"

"یہ بھی آئی بی والوں کی کوئی مصلحت ہوسکتی ہے۔ ان کے ہمدرد ایک دو روز تک یہ سوچ کر خاموش رہیں گے کہ شاید کیلی بھی کسی طرف فرار ہوگئی ہو اور مطلع صاف ہونے پر اپنے کسی طے شدہ ٹھکانے پر پہنچ جائے۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

اس وقت تک سلطان شاہ بیدار نہیں ہوا تھا اور غزالہ کچن میں مصروف تھی۔ میں ویرا کے ساتھ ناشتے کے انتظار میں میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ نہ کہو۔ تم نے بتایا تھا کہ کیلی، آئی مین کے پیچھے دیوار چڑھ رہی تھی۔ گولی لگتے ہی وہ چیخ مار کر گری تھی۔ آئی مین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ زخمی ہوجانے کے بعد وہ فرار میں اس کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ آئی مین نے اپنے ہمدردوں کو یہ بات بھی بتادی ہوگی۔"

"ضرور بتائی ہوگی۔" میں نے اعتراف کیا "مگر وہ بد

حواسی کے عالم میں تیزی سے فرار ہوا تھا۔ اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید کیلی زخم کھانے کے بعد کسی اور سمت میں فرار ہوگئی ہو۔ یہ محض میرا اندازہ ہے ورنہ گرفتاریوں کا ذکر گول کرنے کا اصل مقصد پریس ریلیز تیار کرنے والے ہی جانتے ہیں۔"

"اب تم راہ پر آئے ہو۔ پہلے اس طرح بات کررہے تھے جیسے ان دونوں نے تم سے مشورہ کرکے فرار کا منصوبہ بنایا ہو۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب دیکھنا ہے کہ جلال کا فون کب آتا ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

ناشتے کے دوران میں اس موضوع پر غزالہ سے بھی سیر حاصل تبادلہ خیال ہوا۔ اس کی نپی تلی رائے تھی کہ اس مرحلے پر محدود خبروں کا جاری ہونا ہی سب سے بہتر تھا تاکہ ہمارے حریف غیر یقینی اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا رہیں اور ان کی طرف سے غلطیوں کے ارتکاب کا امکان برقرار رہے۔

دس بجے جلال کا فون آگیا۔ اس کا ڈرائیور مجھے لینے کے لیے نکل چکا تھا۔ میری دانست میں اس کا یہ تکلف غیر ضروری تھا۔ اس کی ہدایت پر میں ذرا سی دیر میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ کوئی تکلف یا اہتمام نہیں تھا۔ میں اپنی گاڑی میں اس کے مطلوب مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ عمارت شہر کے انتہائی حسّاس اور ممنوعہ علاقے میں واقع تھی۔

پچھلی رات اس سے رو برو ملاقات میں دوسری باتوں کے درمیان، میں یہ پوچھنا بھول ہی گیا تھا کہ امریکی عہدے داروں سے اس کی مجوزہ ملاقات میں گفتگو کا ایجنڈا کیا ہوگا۔ میرے لیے پہلے سے یہ جاننا بہت ضروری تھا تاکہ میں پہلے سے کچھ ذہنی تیاری کرسکوں۔ میرے استفسار پر اس نے اختصار کے ساتھ اپنی حکمتِ عملی بیان کردی۔ اس سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے دونوں عورتوں کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مجھے جلال کے پاس پہنچنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جلال کا ڈرائیور گاڑی لے کر آپہنچا اور میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

ڈرائیور آئی بی کا باقاعدہ ملازم اور جلال کے اعتماد کا آدمی تھا لیکن اس سے کسی نازک موضوع پر بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ سفر خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ گاڑی گلشن اقبال سے نیشنل اسٹیڈیم کی طرف مڑی اور کارساز روڈ پر ہولی۔

چند منٹ کے مختصر سے سفر کے بعد گاڑی بحریہ کے ایک زمینی مستقر کے پھاٹک کے سامنے رکی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اجلاس کا مقام میری قیام گاہ سے بہت قریب تھا۔ پھاٹک پر بحریہ کے ایک چاق وچوبند گن مین نے ڈرائیور کا کارڈ دیکھا اور گاڑی کے اندر داخلے کے لیے پھاٹک کھول دیا۔

کارساز روڈ سے اس پھاٹک میں داخل ہوتے ہی کشادگی، نفاست اور ڈسپلن کی ایک نئی دنیا نظر آئی جہاں رہنے بسنے والوں کے قرینے ہی مختلف تھے۔ کئی دفتری عمارات کے سامنے سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف موڑی اور ایک پرشکوہ سہ منزلہ عمارت کے پورچ میں لے جاکر روک دی جہاں پختہ گزرگاہ کے اطراف میں زمین اور گملوں میں سجے ہوئے سبزے اور پھولوں کی حیرت انگیز بہتات تھی۔ میں جیسے ہی... دروازہ کھول کر نیچے اترا، برآمدے سے جلال لپک کر میری طرف بڑھ آیا۔

"وہ دونوں مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچے ہوئے ہیں۔" اس نے پرتپاک انداز میں میرا استقبال کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ان کے لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہورہا ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج وہ بے بس ہیں۔ انہیں بری طرح رگڑ دینا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

میں خاموش رہا۔ ان لوگوں پر بلا سبب چڑھائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ دیکھنا ضروری تھا کہ دوران گفتگو وہ کیا موقف اور رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں جلال کے جذبات میرے لیے قابل فہم تھے۔ میں خود بھی ان کا ہمدرد نہیں تھا مگر ہم کو ان پر دیکھ بھال کر ہاتھ ڈالنا تھا۔

اس بار کسی لمبے چوڑے کانفرنس ہال کے بجائے ایک کشادہ کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا جو شاید چھوٹی موٹی رسمی ملاقاتوں کے لیے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کمرا ائرکنڈیشنڈ اور خاصا آراستہ تھا۔ ہم سے پہلے دو تجربے کار سفید فام وہاں موجود تھے۔

جلال ان سے پہلے مل چکا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اندر داخل ہوا تو دونوں امریکیوں کو اخلاقاً اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے ان پر ابتدا سے ہی نفسیاتی برتری حاصل ہوگئی تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا لیکن اپنی جگہ پر اس کی بڑی اہمیت تھی۔

جلال نے پروگرام کے مطابق مجھے کرنل داور کی حیثیت میں ان سے متعارف کرایا۔ ان میں سے ایک کا نام ٹام پیٹرک اور دوسرے کا نک ہاروے تھا۔ وہ دونوں ایف بی آئی

اور سی آئی اے کے مقامی نمائندے تھے جو بظاہر قانونی حدود میں رہ کر اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے۔
"مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" ایف بی آئی کے نک نے مجھ سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کا بہت شہرہ سنا ہے۔ مجھے اشتیاق تھا کہ اس کے کسی ذمے دار افسر سے مل سکوں۔ آج میری یہ خواہش پوری ہورہی ہے۔"
"مجھے بھی خوشی ہوئی۔" میں نے کسی جوابی گرمجوشی کے مظاہرے کے بغیر سرد مہری سے جواب دیا "کچھ دن پہلے ایک آف دی ریکارڈ اجلاس میں تمہارے چیف کلرک لیری ہف سے ملاقات ہوئی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ ایک ہارٹ اٹیک میں مرگیا۔ زندہ ہوتا تو شاید آج وہ بھی تمہارے ساتھ آیا ہوتا۔"
میرے اس جارحانہ تبصرے پر نک نے نگاہیں بھر کر میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کافور ہوگئی "طبی رپورٹ کے مطابق اس کی موت ہارٹ اٹیک کا نتیجہ تھی لیکن اس کے فون کا ریسیور کریڈل سے گرا ہوا تھا۔ یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ اسے آخری فون کس نے کیا تھا۔ اس کی موت پراسرار حالات میں واقع ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نے اسے فون پر کوئی خوفناک دھمکی دی ہو اور لیری یہ جھٹکا برداشت نہ کرسکا ہو۔"
باتیں کرتے ہوئے ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ لیری ہف کی موت قصہ پارینہ بن چکی تھی لیکن اس کے ساتھیوں کے سینوں میں وہ زخم ہرا تھا۔ وہ اتنے بے وقوف نہیں تھے جتنے سمجھے جاتے تھے۔ نک نے کچھ معلوم نہ ہونے کے باوجود لیری کی موت کے بالکل صحیح سبب کی نشان دہی کی تھی۔
"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" جلال نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے، نک سے کہا "کسی سیکرٹ سروس میں کام کرنے والا اتنا بزدل نہیں ہوسکتا کہ فون پر دھمکی ملتے ہی تڑپ کر لوٹ لگائے اور اپنی جان دے دے۔ لیری فطری موت مرا تھا۔"
جلال کے اس بے رحمانہ تبصرے پر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ اصل گفتگو کا آغاز نہیں ہوا تھا اور نک دباؤ میں آچکا تھا۔
"تم مبالغے سے کام لے رہے ہو۔" نک سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ ٹام نے اس کی مدد کے لیے بات سنبھالنے کی کوشش میں جلال سے کہا "اس کی موت اتنی ڈرامائی اور ہتک آمیز بھی نہیں رہی ہوگی۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس کی موت کا آخری فون سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق تھا۔ ہم بہت جلد اس کا کھوج لگالیں گے۔"
"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ میرا ہم پیشہ تھا۔ اس کی موت پر مجھے دکھ ہوا تھا۔" جلال نے منافقت سے کام لیتے ہوئے ہمدردی ظاہر کی۔
"دراصل پچھلے کافی عرصے سے پاکستان کی فضا امریکی اہلکاروں کو راس نہیں آرہی۔ یہ حقیقت اب تشویش ناک رخ اختیار کرگئی ہے۔" نک نے سنبھل کر کہا۔
"صرف پاکستان نہیں، بھارت بھی اس صف میں شامل ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ ٹریفک کے ایک مشتبہ حادثے میں، دہلی میں مارا گیا پھر حال ہی میں دہلی کے ایک ہوٹل کے کمرے سے جان اسمتھ کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ دہلی کی فضا میں بھی تمہارے افسران زیادہ محفوظ نہیں ہیں۔"
"ہم لوگوں کے بارے میں تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے۔" ٹام نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "مناسب وقت آنے پر ان کی کہانیاں بھی بے نقاب ہوں گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادل کہیں سے اٹھتے ہیں اور برسات کہیں اور ہوتی ہے۔ را کے ذمے دار افسروں کا خیال ہے کہ جان، نریش اور انل کا خون تمہاری طرف سے بھیجے ہوئے تجربے کار قاتلوں کی گردن پر ہے۔"
"پاکستان اور بھارت میں روز اول سے روایتی دشمنی چلی آرہی ہے۔ وہ ایسے گمراہ کن اشارے دے سکتے ہیں۔" جلال بولا "ان کے یہاں کسی اہم آدمی کو چھینک بھی آتی ہے تو وہ پاکستان پر شبہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ پاکستان فوبیا کا شکار ہوچکے ہیں۔"
"یہ متنازع موضوعات ہیں۔" نک نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم ان میں الجھ گئے تو وقت برباد ہوگا۔ آج کے اس اجلاس کا ایجنڈا کیا ہے؟"
"آج کے لیے فالکن ہاؤس کے سوا اور کیا ایجنڈا ہوسکتا ہے!" جلال نے سنجیدگی سے کہا۔
"وہاں جو کچھ ہوا، وہ بہت تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ واشنگٹن میں..." ٹام نے بات شروع کی مگر میں نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔
"کیا تم کوئی دھمکی دینے کی کوشش کررہے ہو؟"
"یہ دھمکی نہیں، حالات کا بیان ہے۔" ٹام کا لہجہ یکایک نرم پڑگیا "تم مجھ سے اتفاق کروگے کہ امریکا اور پاکستان کے

درمیان سرکاری سطح پر مفاہمت اور دوستی کی سازگار فضا پائی جاتی ہے۔ ایسے واقعات سے یہ فضا مجروح ہو سکتی ہے۔"

"مائی ڈیر ٹام! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ جواب تم کو بلکہ جلال کو دینا چاہیے۔ تم قانون سے ماورا ہو۔ جلال ایک قانونی ڈسپلن کا پابند ہے۔" مجھ سے بات کرتے کرتے وہ یکایک جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "اس ملک میں تمہارا قانون چلتا ہے۔ تم اس کے نفاذ کے ذمے دار ہو۔ تم کو بتانا چاہیے کہ یہاں غیر ملکیوں اور خاص طور پر امریکیوں کو تحفظ کیوں حاصل نہیں ہے۔"

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ ٹام کا مجھ سے بات کرتے کرتے یکایک جلال سے مخاطب ہو جانا ہتک آمیز تھا۔ وہ مسلسل جلال کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ چند ثانیوں کے گہرے اور اعصاب شکن سکوت کے بعد میں نے زبان کھولی "بنیادی سوال میرا تھا اس لیے تمہاری بات کا جواب میں ہی دوں گا۔ ایس ٹی ایف قانون سے ماورا ضرور ہے مگر قانون کو پامال نہیں کرتی۔ امریکی ادارے اپنے ملک اور دوسرے ملکوں کے قوانین کو پامال کر کے اپنی من مانیاں کرتے ہیں جس سے بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل رات تمہارا ڈپٹی ڈائریکٹر فالکن ہاؤس میں کیا کر رہا تھا۔"

"وہ وہاں جو کچھ بھی کر رہا ہو، کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے جان سے مار دے۔" اس نے میرے سوال کا جواب ٹالتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے سر کی تائیدی جنبش کے ساتھ کہا "مجرم کبھی کسی اتھارٹی سے اپنے جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں لیتے۔ وہ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ کیا نیویارک اور واشنگٹن میں قتل اور ڈکیتیوں کی وارداتیں نہیں ہوتیں۔ سارے مجرم وفاق یا ریاست سے اجازت لے کر جرائم کرتے ہیں؟"

"جان اور ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کا خون بہت بھیانک ہے۔ ہمارے لوگ ہل کر رہ گئے ہیں۔" نک نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"شاید سرکاری سطح پر کبھی علم نہ ہو سکے کہ وہ تینوں فالکن ہاؤس میں کیا کر رہے تھے۔ میں ان کی آف دی ریکارڈ مصروفیات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" جلال نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"اور شاید آج کے اجلاس کا یہی مقصد ہے!" نک نے اس سے تائید چاہی۔

"ظاہر ہے۔ ہم اس واقعے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کی تہ تک جانا ہو گا۔"

"فی الحال ہم بھی اندھیرے میں ہیں۔" نک نے ڈھ ہوئے گلاس میں سے منرل واٹر کا ایک گھونٹ لے کر قدر توقف کے بعد کہا "ہمارے اپنے ذرائع کراچی میں دہشت گردی کے کسی بڑے واقعے کی منصوبہ بندی کی نشان د کرتے رہے تھے۔ ہمارا سفارتی عملہ رات گئے تک صوبا وزارت داخلہ سے رابطے میں تھا لیکن کہیں سے کچھ نہیں بتایا گیا۔ رات کے دو بجے پریس ریلیز جاری ہونے کے بع ہمیں ادھوری خبر ملی۔ یہ ہولناک انکشاف لاشوں کو دیکھ کے بعد ہوا کہ مرنے والے تینوں افراد ہمارے اپنے تھے۔"

"کوئی کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔" اس بار میں نے جواب دیا "مرنے والوں کے چہرے بتا رہے کہ وہ غیر ملکی تھے لیکن ان کے وطن یا ناموں کی شناخت ناممکن تھی۔ وہ تینوں آئی مین کی کمین گاہ کی حدود میں مار گئے تھے اس لیے ہر چھوٹا بڑا افسر ضرورت سے زیادہ محتاط ورنہ وہ واردات چھپانے والی نہیں تھی۔"

"رات کے آپریشن کا سہرا پولیس کے سر ڈالا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟" نک نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایس ایف کے کام کرنے کی حدود کچھ اور ہیں۔"

"جان بیم گن سے مرا۔ ایک کمانڈو گولی کا نشانہ بن دوسرے کو زہریلی سوئی استعمال کر کے مارا گیا۔ بیم گن ساتھ زہریلی سوئی سے ہونے والی اموات دہلی کے ریکارڈ بھی ہیں۔ را والے ان دونوں طریقوں کو ڈینی سے منسو کرتے ہیں۔ وہ رات کو وہاں کیا کر رہا تھا؟" نک میرے د ہوئے ابتدائی جھٹکوں سے سنبھل چکا تھا۔

اس کی زبان سے براہِ راست اپنا نام سن کر میرا د اچھل کر حلق میں آ گیا مگر میں نے مضبوط لہجے میں "پاکستان کے ساتھ ڈینی کا نام بھی را والوں کے اعصاب سوار ہے۔ اگر وہ دہلی میں تھا تو اب کہاں ہے۔ اس سوال جواب را والوں کو دینا چاہیے۔ رات کو وہاں صرف پولی فورس تھی۔"

"پاکستانی پولیس نے بلو پائپ جیسے زہریلے ہتھیار ک سے استعمال کرنا شروع کر دیے؟" نک کا لہجہ بھی زہریلا ہ

"اس کمانڈو کی گردن پر سوئی چبھنے کا نشان بہت واضح ہے۔

”ہمارے ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ ڈینی وہاں موجود تھا۔“ ٹام نے پر زور لہجے میں کہا۔

نک کے سوال نے مجھے لاجواب کردیا تھا لیکن ٹام کے بولتے ہی مجھے ان کو گڑبڑانے کا موقع مل گیا۔ میں نے قدرے اونچی آواز میں کہا ”تم کن ذرائع کی بات کررہے ہو؟ وہاں سے صرف آئی مین فرار ہوا تھا۔ اسی نے تمہارے کانوں میں یہ زہر بھرا ہوگا۔“

”تم الزام تراشی کررہے۔“ نک بھڑک کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا ”تم کو اپنے الفاظ واپس لینا ہوں گے۔“

بات یکایک الجھ گئی۔ چاروں نے ایک ساتھ بولنا شروع کردیا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ فضا برقرار رہی تو ذرا سی دیر میں نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جائے گی مگر جلال جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے حالات کے بگڑتے ہوئے تیور بھانپ لیے اور ان دونوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بیٹھ جانے کے بعد نک مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

”شہر کے حالات مخدوش ہیں۔ تمہارے سفارت خانے نے یہاں رہنے والے اپنے شہریوں کو نقل و حرکت محدود کرنے کی ہدایت کی ہوئی ہے۔ تمہارے افسر معمول سے ہٹ کر کہیں جاتے ہیں تو مقامی انتظامیہ ان کو مسلح گارڈ فراہم کرتی ہے پھر جیک اسمتھ خاموشی سے فالکن ہاؤس کیوں گیا۔ اس کے عزائم کیا تھے؟“ جلال نے نرمی اور تحمل سے کہا۔

”تم اپنا نکتہ نظر پیش کرتے چلے جاؤ۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔“ ٹام نے سگریٹ سلگا کر کہا ”ہم نے بحث جاری رکھی تو یہ اجلاس بے نتیجہ ثابت ہوگا۔“

”ہمیں جیک کی نیک نیتی پر شبہ ہے۔“ جلال نے رسانیت سے کہا۔

”مختصر الزام لگا کر ہمارے صبر کا امتحان مت لو۔“ جلال کی خاموشی پر ٹام نے اسے ٹوکا ”اس کے حق میں کوئی دلیل رکھتے ہو تو وہ بتاؤ۔“

”جیک آئی مین کی سرپرستی کررہا تھا۔“ جلال کا اشارہ پاکر میں نے بولنا شروع کیا ”شاید تمہیں لی مارکیٹ میں رونما ہونے والا وہ واقعہ یاد ہو جس میں ایک سیاہ فام غیر ملکی نے لیزر گن استعمال کرکے ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو اس کے جسم سے الگ کردیا تھا۔ اس راہ گیر نے جیک کی لاش شناخت کرلی ہے۔ لیزر یا بیم گن فائر کرنے سے پہلے اس کا کسی مقامی سے جھگڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بری طرح مارا تھا۔ جیک کے چہرے پر ان زخموں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں۔“

”کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ جیک لی مارکیٹ کے علاقے میں کیا کررہا تھا۔“ ٹام نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”وہاں اس کے کچھ نہ کچھ مفادات ضرور رہتے تھے۔ کل اسی علاقے کی ایک قریبی گلی میں ایک سیاہ کار پر فائرنگ ہوئی۔ کار سوار دھوئیں کا بم پھینک کر فرار ہوگئے۔ اس گاڑی کے نمبر نوٹ کرلیے گئے تھے۔ وہ سیاہ کار فالکن ہاؤس کے پورچ میں موجود ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ کار آئی مین کے استعمال میں تھی۔“

”پہلے آئی مین پر بیم گن استعمال کرنے کا الزام تھا۔ اب تم جیک کی کہانی سنا رہے ہو۔ کیا وہ کسی اور بیم گن کا مالک ہے؟“ نک مسلسل خاموش تھا۔ سارے سوالات ٹام کررہا تھا۔

”غالب امکان یہ ہے کہ ایک بیم گن دونوں کے استعمال میں تھی۔ ان دونوں کے درمیان بہت قریبی تعاون تھا۔“

”اس کے باوجود جیک بیم گن کا نشانہ بن گیا۔“ ٹام نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

”آئی مین نے گھر میں اندھیرا کردیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ جیک کو نہیں پہچان سکا۔ گھبراہٹ میں اسے اپنا دشمن سمجھ کر مار دیا۔“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

”ویری گڈ۔ تم بات سے بات خوب جوڑتے ہو۔ وہ ایک دوسرے کے مددگار تھے پھر بھی آئی مین نے جیک کو مار دیا اور اس کا سبب اندھیرے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی تھی۔ تم نے ابھی تک اس کمانڈو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جسے زہر سے مارا گیا ہے۔“ ٹام نے کہا۔

”اس کی لاش لان پر پودوں کے کنج کے قریب پائی گئی ہے۔ وہ علاقہ نیم آباد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سانپ یا کسی اور زہریلے کیڑے کا شکار ہوا ہو۔“

”یہ بات یہاں کبھی صاف نہیں ہوسکے گی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی مبہم رہے گی۔ امریکا میں جیک کا پوسٹ مارٹم ہوگا تو پتا چل جائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔“ ٹام نے طنز سے کہا ”کیڑے کے کاٹنے اور سوئی چبھنے میں زمین آسمان کا فرق ہونا چاہیے۔ باریک زخم کی گہرائی سب کچھ واضح کردے گی۔“

اسے معلوم نہیں تھا کہ ڈیلٹا فورس کا ایک کمانڈو جس سوئی کا شکار ہوا' وہ ایس ٹی ایف کے اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی کے کھلے نگینے میں جڑی ہوئی تھی۔ نگینے میں بھرا ہوا زہر اس قدر سریع الاثر تھا کہ اس کی خفیف سی مقدار

جسم میں سرایت کرتے ہی دل کے سارے عضلات یک لخت ناکارہ ہوجاتے تھے اور شکار کی فوری موت واقع ہوجاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے نگینے میں پوشیدہ سوئی کا سرا بس جلد کو ذرا سا چھیدتا تھا۔ سوئی کا بدن میں گہرائی تک اتارنا قطعی ضروری نہیں تھا۔ اس نشان کو محض زہریلے ڈنک کے نشان کے طور پر پہچانا جاسکتا تھا۔

"فی الحال وہ ایک معمّا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "یہاں طبّی اور تحقیقی سہولتیں ناکافی ہیں۔ تمہارا یہ خیال درست ہے کہ امریکا میں جیک کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے بعد اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین ہوسکے گا۔"

"تم بہت مضبوطی سے اس مفروضے پر قائم ہو کہ آئی مین اور جیک کے درمیان ساز باز تھی!" اس بار نک نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"فالکن ہاؤس میں جیک کی لاش ملنے کے بعد اس نظریے پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں رہتی۔" مجھ سے پہلے جلال بول پڑا "شاید وہ مجھے براہِ راست نک سے مخاطب ہونے سے بچانا چاہ رہا تھا۔ وہ میری باتوں پر ایک بار مشتعل ہوچکا تھا۔ دوبارہ ایسی کوئی صورتِ حال پیدا ہوجاتی تو بدمزگی کے ساتھ اجلاس کے خاتمے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

"تم نے جیک کے خلاف اپنے ترکش کے اتنے تیر چلالیے ہیں تو یہ بھی بتادو کہ وہ لی مارکیٹ کے ایک مخصوص علاقے میں گہری دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ اس کے لیے وہاں کیا رکھا ہوا تھا۔"

"یہ بات ہمارے لیے بھی الجھن کا سبب بنی ہوئی تھی۔" ٹام کے اس سوال کے جواب میں' میں نے کہا "کل رات اسی علاقے میں دواؤں کی ایک دکان پر نامعلوم لوگوں نے پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ بعد میں اس جلتی ہوئی دکان پر فائرنگ بھی کی گئی۔ تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ وہ دکان جہانگیر نامی شخص کی ملکیت ہے جو کسی زمانے میں ڈینی کا گہرا دوست تھا۔ یہ پورا جھگڑا ڈینی اور آئی مین کا معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آئی مین نے اس دکان کو آگ لگوا کر جہانگیر کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ ڈینی اور آئی مین کا جھگڑا تھا تو جیک کو اس میں ملوث ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" ٹام نے بے ساختہ پوچھا۔

"اب اتنے انجان نہ بنو ٹام!" اس بار مجھے اس پر طنز کرنے کا موقع مل گیا "ڈینی امریکی حکومت کو مطلوب ہے۔ اس کی گرفتاری یا موت پر بہت بڑا انعام مقرر ہے۔"

"میں انجان نہیں بن رہا۔ یہی کہہ رہا ہوں کہ جب آئی مین ڈینی کے پیچھے لگا ہوا تھا تو جیک کو اس پر اپنا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آئی مین یہاں بدنام ہوچکا ہے۔ اس ہوا خیزی کے ساتھ امریکی حکومت نے اس پر سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔ ان کے ریکارڈ پر شی ایک صاف ستھری این جی او ہے جو امریکا میں ہیروئن کے انسداد کا کام کررہی ہے۔ عالمی جرائم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ پاکستان میں اس کی کوئی شاخ رہی ہے۔ ایسے حالات میں آئی مین یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹک سکتا۔ جیک اس کی مدد کے لیے میدان میں اتر آیا تاکہ ڈینی کے فتنے کو جلد از جلد کچلا جاسکے۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جیک کو بڑی انعامی رقم کا لالچ لے ڈوبا ہو۔" جلال نے میری بات پوری ہوتے ہی لقمہ دیا۔

"تم کو کوئی اور بات یاد آرہی ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو تاکہ کچھ باقی نہ رہے۔" ٹام نے خاص طور پر مجھ سے کہا۔

"اتنا کچھ جان لینے کے بعد بھی تم تشنگی محسوس کررہے ہو تو میں افسوس کے اظہار کے سوا کیا کرسکتا ہوں۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔

"آئی مین کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے لیے ابھی تک وہ ایک مفروضہ شخصیت سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔" ٹام نے قدرے توقف کے بعد کہا "مگر کسی نادیدہ ہاتھ کے اشارے پر چند روز سے یہاں کے اخبارات اس کے نام کی آڑ لے کر امریکیوں کے خلاف خطرناک مہم چلا رہے ہیں۔ جس طرح ہر مجرم پولیس سے نفرت کرتا ہے اسی طرح ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے بیشتر لوگ امریکا کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک افسوسناک عالمی رجحان ہے جس کے ازالے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہماری حکومت یہ پسند نہیں کرتی کہ کسی دوست ملک میں اس رجحان کو ہوا دینے کی کوششیں کامیاب ہوں۔ میں نک کے ساتھ یہاں رہتا ہوں۔ شاید ہماری پے درپے رپورٹوں کے بعد جیک کو تحقیقات کے لیے یہاں بھیجا گیا ہو۔ اس نے ہم سے الگ رہ کر ذاتی طور پر آئی مین کے بارے میں کام شروع کردیا۔ لاشوں کی شناخت کے بعد ہمیں پتا چلا ہے کہ فالکن ہاؤس کیلی بائرن نامی امریکی عورت نے کرائے پر لیا ہوا تھا۔ جیک اپنے محافظوں کو لے کر اس سے ملنے گیا تاکہ آئی مین کے بارے میں کچھ مواد حاصل کرسکے۔ وہاں پولیس یا پھر اسپیشل ٹاسک فورس نے گھیرا ڈالا اور وہ تینوں بے موت مارے گئے۔ تمہاری کہانی میں کیلی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

ٹام نے وہ جوابی کہانی شاید اسی وقت سوچی تھی۔ میں نے تلخی سے کہا "کیلی کا ذکر بھی آجائے گا۔ فی الحال یہ سوچو کہ جیک کو فاکلن ہاؤس کے بارے میں کیا الہام ہوا تھا۔ آئی مین مفروضہ شخصیت ہے تو نادر، ونود، جیک اور پھر فاکلن ہاؤس کے پڑوس میں ایک ملازم کو بیم گن سے مارنے والا سفید فام مرد کون ہے۔"

"یہ شوشا کہاں سے چھوڑا گیا کہ بیم گن چلانے والا سفید فام مرد ہے؟" ٹام نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

"ملازم کو مار کر بدحواسی میں گاڑی لے بھاگنے والے کو اس گھر کے مالک اور چوکیدار نے دیکھ لیا تھا۔" میں نے گہرے طنز سے کہا "کیا تم اب بھی اصرار کرو گے کہ وہ فرضی شخصیت ہے؟"

"میں نے "ابھی تک" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ کوئی ٹھوس شہادت سامنے آگئی تو ہم اسے مان لیں گے۔" اس نے عیاری سے جواب دیا "اگر فاکلن ہاؤس میں آئی مین یا کوئی اور موجود تھا تو اس کے بارے میں کیلی ہی کچھ بتا سکتی ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

اس نے کیلی کے بارے میں دوسری بار سوال کیا تھا۔ میں نے کہا "وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اس کی گرفتاری کو خفیہ رکھا جارہا ہے۔ اندیشہ ہے کہ منتقم مزاج آئی مین اپنے خلاف اس واحد گواہ کو جان سے مارنے کی کوشش کرے گا۔ کیلی کی زبان چل پڑی تو بہت کچھ کھل کر سامنے آجائے گا۔"

"ہم دونوں کیلی سے مل سکتے ہیں؟" نک نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس آف دی ریکارڈ اجلاس میں ایسی کوئی بات طے نہیں کی جاسکتی۔ باضابطہ درخواست کرکے اسلام آباد سے اجازت لے لو۔ کیلی سے تمہاری ملاقات ہوجائے گی۔"

"شاید جیک کو کہیں سے یہ ٹپ مل گئی تھی کہ کیلی سے آئی مین کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ وہ شخص پاکستان میں ہمارے ملک کو بدنام کررہا ہے۔ وہ جیک کے قابو میں آجاتا تو جیک اسے تم ہی لوگوں کے حوالے کردیتا۔ تمہاری باتوں سے اب شبہ ہورہا ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی شی کے نام کی آڑ میں گند پھیلا رہا ہے۔" نک نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تم لوگ ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے عوام میں امریکا کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت سے واقف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس نفرت کو اپنے زاویے سے دیکھتے ہو جب کہ اس کے اسباب دوسرے اور بالکل حقیقی ہیں۔"

"یہ حکومتوں کے معاملات ہیں۔" ٹام نے فراخ دلی سے کہا "اس بارے میں وہی فیصلے کرکے اپنی پالیسیاں بناسکتی ہیں۔"

"تم کو جہانگیر پر بھی ہاتھ ڈالنا چاہیے۔" نک بولا "ہوسکتا ہے کہ آئی مین نے اس سے رابطہ کیا ہو اور اختلافِ رائے کے بعد اس کی دکان کو آگ لگادی گئی ہو۔"

"تم بے فکر رہو۔ اسے دیکھا جارہا ہے۔ ہم جلد از جلد اس خوں ریزی کا خاتمہ چاہ رہے ہیں۔" میں نے اسے یقین دہانی کی۔

"وہ ڈینی کے بارے میں بھی جانتا ہوگا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ڈینی خطرناک آدمی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا آزاد رہنا زیادہ خطرناک ہے مگر جس انداز میں اسے گھیرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں وہ پسندیدہ نہیں ہیں۔"

"یہ حیرت ہے کہ وہ ایک فرد ہوتے ہوئے متعدد اداروں کی گرفت میں کیوں نہیں آتا۔"

"بات وہی ہے کہ عام لوگ امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ امریکا جس کا دشمن ہو، لوگ اسے ہیرو بنادیتے ہیں۔ پاکستان میں بہت سے لوگ اسے دیکھے بغیر دل و جان سے چاہتے ہیں کیونکہ وہ امریکی مفادات پر کاری ضربیں لگانے کی شہرت رکھتا ہے اور امریکا نے اس کی گرفتاری کے لیے بڑا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔"

"اور رویرا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" نک دوستانہ فضا پیدا ہونے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

"اس کے بارے میں تمہاری معلومات مجھ سے زیادہ ہونی چاہئیں۔ وہ ایک انا پرست اور ضدی لڑکی ہے۔ کبھی ڈینی کے ساتھ رہتی ہے تو کبھی اس سے علیحدگی اختیار کرلیتی ہے۔ ہمیں اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہیں دلچسپی ہو یا نہ ہو مگر وہ ہمیں مطلوب ہے۔ اس پر بھی برابر کا انعام رکھا گیا ہے۔" نک نے مجھے ترغیب دلائی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اسے سزا دے کر دوسرے امریکیوں کے لیے عبرت بنانا چاہ رہے ہو مگر اس کے لیے تمہیں خود کام کرنا ہوگا۔ انعام کے لالچ میں ہم جیک کی طرح اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔"

"جیک نے اپنی حدود سے کون سا تجاوز کیا تھا؟" اس

نے حیرت سے پوچھا۔

"یہاں رہ کر کام کرنے کے لیے اسے ہم لوگوں پر اعتماد کرنا چاہیے تھا۔ اس نے بالا ہی بالا سب کچھ کر گزرنے کی کوشش کی اور بے بسی کی موت مارا گیا۔ تم دونوں کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ پاکستان میں کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مقامی انتظامیہ کو اپنے ساتھ لے کر چلو ورنہ تم بھی جیک جیسے انجام سے دوچار ہو سکتے ہو۔"

"ہمارے تجربات کچھ تلخ ہیں۔ مقامی ایک خاص حد تک ہمارا ساتھ دیتے ہیں پھر عین وقت پر دغا دے جاتے ہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔

"تم عام مقامیوں کو خرید کر پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتے ہو اور مار کھا جاتے ہو۔" جلال نے میری بات کی وضاحت کی "کرنل داور قانون کے محافظوں کی باضابطہ اور بلامعاوضہ خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔ وہ تمہارے لیے سلامتی اور عافیت کی راہ ہوگی۔"

"اگر ڈینی اور ویرا پر مقرر کیے ہوئے انعامات واپس لے لیے جائیں تو ان دونوں کی عوامی حمایت میں کمی آسکتی ہے؟" ٹام نے پوچھا۔

"نمایاں کمی آنی چاہیے۔" جلال نے بے ساختہ جواب دیا "تجربہ یہی بتاتا ہے۔"

"میں نے تمہاری یہ تجویز نوٹ کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات کسی بڑے کی سمجھ میں بھی آجائے۔ ہر ملک کی عوامی نفسیات الگ ہوتی ہے۔"

"تم مجھے لیری کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور سمجھ دار نظر آتے ہو کیونکہ تم نے ابھی تک بھارتی مفادات پر زیادہ بات نہیں کی۔" میں نے ان دونوں کو چڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "لیری بھارتی مطالبات منوانے کے لیے ہر حد سے گزر جانے پر آمادہ تھا۔ تم لوگوں کی یہ پالیسی پاکستان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔" اس طرح تم یہاں بسنے والے کروڑوں لوگوں کا انفرادی اور اجتماعی غم وغصہ مول لیتے ہو جب کہ تمہیں مطلوبہ مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے۔"

"اب ہم اپنے ایجنڈے سے بھٹک رہے ہیں۔" نک نے اجازت طلب نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے بلائے ہوئے اس اجلاس کے مقاصد پورے ہو چکے ہوں تو ہم اجازت چاہیں گے۔"

جلال نے اپنی کرسی چھوڑ دی جو اجلاس کے خاتمے کے اعلان کے مترادف عمل تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آئی مین، کیلی، ڈینی اور ویرا کے سلسلے میں ہمارے درمیان کافی مفاہمت ہو گئی ہے۔ میں اپنی پیدا کی ہوئی ابتدائی تلخی پر معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان چاروں اہم افراد کے بارے میں ہمارے درمیان اہم معلومات کا تبادلہ شروع ہو جائے گا۔" نک نے میرے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ اس ملاقات کی کوئی بات ریکارڈ پر نہیں آئے گی۔ اسی لیے کھل کر بات کی گئی ہے۔ معلومات کے جو ذرائع چل رہے ہیں تمہیں ان ہی سے سب کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔"

"کرنل داور! تم عظیم آدمی ہو۔" اپنی رفتار دھیمی کر کے نک نے اچانک میرے کان میں سرگوشی کی "ہم نے وزارت خارجہ کے ذریعے تمہارا سروس پروفائل مانگا تھا جو آج تک نہیں مل سکا۔ میری ایجنسی فخر سے تمہیں اپنی صفوں میں جگہ دے گی۔"

"شکریہ نک! میں اپنی بے نوا تنظیم میں بہت خوش ہوں۔" میں نے نارمل آواز اور لہجے میں جواب دیا۔

جلال اور ٹام آگے تھے۔ میری آواز سن کر جلال چونک پڑا "کس بات پر نک کا شکریہ ادا کر رہے ہو؟"

"نک مجھے امریکی ایجنسی میں ملازمت دلوا رہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے، نک کی سرگوشیانہ پیشکش کا اعلان کر دیا۔

چاروں بے ساختہ ہنس پڑے۔ آغاز کے مقابلے میں اجلاس کی اختتامی فضا بہت سازگار تھی۔

وہ مراعات یافتہ اور امریکا کے سرکاری اہل کار ضرور تھے مگر سفارت کار نہیں تھے۔ اس لیے عام شہری نمبر پلیٹ والی کار میں ڈرائیور کے ساتھ آئے تھے۔ پورچ سے انہیں رخصت کر کے جلال مجھے برآمدے میں چھوڑ کر چند منٹ کے لیے اندر گیا اور بحریہ کے متعلقہ افسران کا شکریہ ادا کرنے کے بعد لوٹ آیا۔ جب تک ہم لوگ باتوں میں مصروف رہے، بیرونی گارڈز کے سوا ہمیں کسی فوجی وردی کی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔ گارڈز سے ہاتھ ملا کر جلال اپنی گاڑی میں سوار ہوا اور میں بھی اس کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

"تمہارے ڈرائیور کی موجودگی میں کھل کر بات کی جا سکتی ہے؟" کارساز روڈ پر نکل آنے کے بعد میں نے انگریزی میں جلال سے پوچھا۔

جلال بے ساختہ ہنس پڑا "اس کی وضع قطع پر نہ جاؤ۔ یہ میرا پرسنل اسسٹنٹ ہے اور سیاسیات میں ایم اے ہے۔" اس نے اردو میں جواب دیا "تم اس کی پروا نہ کرو۔ یہ میری

ہدایات کے بغیر کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے مگر پستول سے نشانہ بے خطا لگاتا ہے۔ کیوں اکبر! میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نو سر... بس مہربانی ہے آپ کی۔" اکبر نے سڑک پر سے اپنی توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"آج کا اجلاس معرکے کا رہا۔ کاش یہ آف دی ریکارڈ نہ ہوتا۔" میں نے حسرت سے کہا "آج ان دونوں نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے۔"

"ہم چاروں اپنے اپنے تحفظات کے ساتھ آئے تھے اس لیے آغاز میں سب کی کھوپڑیاں اچانک گرم ہو گئیں مگر بعد میں سب کچھ اعتدال پر آتا چلا گیا۔" جلال نے ہنس کر کہا۔

"لیری کے مقابلے میں یہ دونوں بہت معقول اور اعتدال پسند تھے۔ دلائل کے سامنے کٹھ حجتی سے کام نہیں لیا۔"

"مگر آخر میں چال چل گئے کہ آئی مین' جیک کے ہاتھ آجاتا تو وہ اسے ہمارے حوالے کر دیتا۔"

"اس کے سوا وہ اور کیا کہہ سکتے تھے.... مگر اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں؟" بات کرتے کرتے میں نے چونک کر پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اغوا نہیں کر رہا۔ ہم صدف مینشن جا رہے ہیں۔"

"کیلی کہاں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے رات کو ہی صدف مینشن منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کے کولھے کی ہڈی محفوظ ہے۔ گولی جلد اور گوشت کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی ہے۔"

"تو پھر زخم معمولی ہے۔ اس سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔" میں نے کہا "اس سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے؟"

"مجھے ادھر جانے کا وقت نہیں مل سکا۔ میرے لیے نک اور ٹام سے ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ بہت سی ایسی ناگفتہ باتیں جو سرکاری طور پر کسی امریکی افسر سے نہیں کہی جا سکتیں۔ ہم نے وہ تمام باتیں ان دونوں کے ذریعے آگے پہنچا دی ہیں۔ شاید اب وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ جیک کے قتل پر زیادہ شور کرنا بے سود ہوگا۔"

راستہ خراب تھا اور ٹریفک کا ہجوم بھی زیادہ تھا۔ جلال نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار ائرکنڈیشنر چلوا دیا۔ باہر کا شور دب گیا تو ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اس دوران میں اس نے بتایا کہ پچھلی رات فالکن ہاؤس کے چپے چپے کی تلاشی لی گئی مگر وہاں سے روزمرہ استعمال کی اشیا اور ملبوسات کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے کیلی اور آئی مین کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں۔ اس کے آدمیوں کو وہاں خاص طور پر پاسپورٹوں کی تلاش تھی جو ناکام رہی۔

کچھ دیر بعد ہم صدف مینشن کی پُر ہول آہنی عمارت میں تھے۔ اس قدیم عمارت کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہاں سورج کی کرنوں کا سرے سے کوئی گزر نہیں تھا۔ دھیمی روشنی والے قمقموں کی ٹمٹماتی ہوئی زرد روشنی میں یہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ دن کا وقت تھا یا رات گہری ہو چکی تھی۔ باہر کے مقابلے میں اندر وقت ٹھہرا ہوا تھا۔

اندر پہرا دینے والے دونوں مسلح محافظوں سے سلام دعا کرتا ہوا جلال زیریں منزل کے اس سیل کے دروازے پر پہنچ گیا جہاں کیلی اپنے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ایک چارپائی پر بے دست و پا پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں ہاتھ پیر چارپائی کے فریم کے ساتھ اس طرح کسے ہوئے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے ہل جل بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے بدن پر وہی خون آلود لباس نظر آ رہا تھا جو وہ پچھلی رات ہماری کارروائی کے دوران پہنے ہوئے تھی۔

پچھلی رات کی افراتفری میں بھی میں کیلی کے حسن کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے دیکھ کر ماننا پڑا کہ صنف نازک کے معاملے میں آئی مین بہت نفیس ذوق کا مالک تھا۔ اس وقت کیلی کا سفید چہرہ خوف سے قدرے زرد پڑا ہوا تھا۔

"میں بہت اذیت میں ہوں۔" وہ ہمیں دیکھتے ہی دردناک آواز میں کراہی "تم نے مجھے کسی چوپائے کی طرح باندھ کر کیوں ڈالا ہوا ہے؟"

"اپنے اس انجام کے اسباب سے تم اچھی طرح واقف ہو" میں نے سرد مہری سے کہا "ہمیں تمہاری دلکش ذات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اس چارپائی پر پڑے پڑے سوکھ کر مر بھی جاؤ تو ہمیں کوئی پروا نہیں ہوگی۔ ہمارے چلے جانے کے بعد اگلے چوبیس گھنٹوں تک تم کسی انسان کی شکل نہیں دیکھ سکو گی۔"

تنگ و نیم تاریک اور متعفن سیل میں پڑی ہوئی کیلی کے لیے وہ باتیں میری توقع سے کم دہشت ناک ثابت ہوئیں۔ اس نے چیخنے چلّانے کے بجائے خوف زدہ آواز میں کہا "تم یہاں کے کوئی سرکاری آدمی ہرگز نہیں ہو۔ سرکاری قید خانے اتنے ویران اور وحشت ناک نہیں ہوتے۔ جب

تمہیں میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو مجھے باندھ کر یہاں کیوں ڈالا گیا ہے۔"

"کیلی بائرن!" میں نے دانستہ اس کا پورا نام لے کر کہا "ہمیں تمہارے ساتھی کے بارے میں مکمل معلومات درکار ہیں۔"

"میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ میں فالکن ہاؤس میں تنہا رہ رہی تھی۔" اس نے بلند آواز میں احتجاج کیا۔

"اس جھوٹ پر قائم رہو گی تو تمہارے کولھے کی ڈریسنگ کھول کر اس زخم میں مرچیں بھر دی جائیں گی۔ ہم دونوں میں سے کوئی تمہارے وجود کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ ایک عورت یہاں آکر تمہارا دماغ درست کر دے گی۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تم اپنی اداؤں سے ہمیں اپنے کسی دام میں پھانس لو گی۔"

"تم مجھے زیادہ دیر تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکتے۔" وہ چیخی "مرد ہو کر تمہیں ایک عورت کو دھمکاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

مجھے یہ احساس اس سیل میں پہنچنے کے بعد ہوا تھا کہ کیلی ایک نرم و نازک سی عورت تھی۔ اس سے وہ باتیں کرتے ہوئے میں سبکی محسوس کر رہا تھا۔ اس ڈھیٹ عورت سے پوچھ گچھ کے لیے ویرا یا غزالہ ہی موزوں ہو سکتی تھی۔ اس وقت میں پیش قدمی کر چکا تھا۔ میری پسپائی کیلی کو شیر کر دیتی۔ میں نے کہا "اس بھول میں نہ رہنا کہ کوئی یہاں آکر تمہیں چھڑا لے گا۔ اس جگہ ہماری مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ہم چھوئے بغیر تمہیں سڑا کر ختم کر دیں گے۔"

جلال نے شاید میرے چہرے پر تذبذب کی پرچھائیاں دیکھ لیں۔ اسے معلوم تھا کہ میں مردانہ لڑائیوں کا عادی تھا۔ عورتوں سے الجھنا میرے بس سے باہر تھا مگر اسے ہر جنس کے مجرموں سے نمٹنا پڑتا تھا۔ وہ اس کی پیشہ ورانہ مجبوری تھی۔ اس نے میری بات پوری ہونے پر سفاکانہ لہجے میں کہا "میرا ساتھی شاید تم پر ہاتھ نہ اٹھائے مگر میں تھپڑ مار مار کر تمہارا چہرہ لہولہان کر دوں گا۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر کیلی کے سرہانے کی طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس کی کھوکھلی دھمکی تھی۔ جلال کی رفتار سست تھی۔ کیلی کی آنکھوں کے ڈھیلے خوف سے کشادہ ہو گئے اور وہ مچل کر رسیوں سے اپنے ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

جلال نے اس کے سر پر پہنچ کر ہاتھ فضا میں اٹھایا ہی تھا کہ وہ چیخ پڑی "ٹھہرو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ، مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے پاسپورٹ کہاں ہیں؟" جلال نے اپنا ہاتھ گرائے بغیر دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ کچن میں مسالے کے ایک ڈبے میں رکھے ہوئے ہیں۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

جلال کا فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا اور وہ خاموشی سے میرے پاس لوٹ آیا۔ اس نے بہت ذہانت سے کام لے کر ایک سوال میں متعدد سوالوں کے جواب پوچھ لیے تھے۔ اگر ان دونوں کے پاسپورٹ ہمارے ہاتھ آجاتے تو تصویر کی مدد سے آئی مین کو شناخت کرنا اور پکڑنا بہت آسان ہو جاتا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ پچھلی رات آئی مین کی مکمل بے خبری میں فالکن ہاؤس میں آپریشن کیا گیا تھا۔ وہ بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں عین وقت پر اپنی اس کمین گاہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے خطرے کی گھڑی تھی اور وہ شاید بیم گن کو اپنے سرہانے رکھ کر سوتا تھا اس لیے اسے اپنا وہ نادر ہتھیار ساتھ لے جانے کا موقع مل گیا تھا جس کی مدد سے اس نے اپنی راہ میں رکاوٹ بننے والے پڑوسی کے ملازم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بیم گن کے سوا اسے کوئی اور چیز اپنے ساتھ لے جانے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی چھوڑی ہوئی چیزوں میں پاسپورٹ سب سے زیادہ اہم تھا۔

"تمہارے ساتھی کا نام کیا ہے اور وہ کب سے یہاں آیا ہوا ہے؟" جلال نے چند ثانیوں بعد کیلی سے دوسرا سوال کیا۔

پہلے سوال کا جواب دینے کے بعد کیلی کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اس نے بے جان آواز میں کہا "ہم تین مہینے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس کا نام بن ڈیوڈ ہے۔" کیلی کی زبان سے آئی مین کا نام سنتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنے نام سے وہ یہودی معلوم ہوتا تھا۔ شاید اسی لیے پاکستان اور پاکستانیوں کا کٹر دشمن تھا۔

وہ دونوں کوائف ایسے تھے جو ہمیں آئی مین کے پاسپورٹ سے مل سکتے تھے لیکن جلال کو اپنی پوچھ گچھ کی ابتدا کرنے کے لیے کسی نہ کسی سوال کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے مناسب یہ سمجھا کہ بنیادی بات سے آغاز کیا جائے۔ اس کے پہلے سوال کا جواب چشم کشا تھا۔ بن ڈیوڈ کی پاکستان آمد اور جیک کے ساتھ اس کے قریبی مراسم کی وجہ سے یہ بات بھی عیاں تھی کہ امریکی انتظامیہ پر یہودی کس حد تک اثر و نفوذ

رکھتے ہیں۔ اس مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی پاکستان سے دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔

”یہ تین مہینے تم نے کہاں گزارے؟“ جلال نے اس کے پہلے جواب پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے نیا سوال کیا۔

”بی باون میں۔“ اس بار کیلی نے بلا توقف جواب دیا ”ہم نے کراچی آنے کے بعد پہلے تین دن ایک ہوٹل میں گزارے پھر ایک ہی وقت میں بی باون اور فالکن ہاؤس کرائے پر لے لیے۔ ڈیوڈ کا خیال تھا کہ کبھی ہمیں ہنگامی حالات میں بی باون سے نکلنا پڑا تو ہم اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے فالکن ہاؤس میں پناہ لے سکیں گے مگر تم نے ہمیں وہاں سے بھی بے گھر کر دیا۔“

”تم کو معلوم ہے کہ وہ تمہارے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔“

”مجھے اس کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش مت کرو۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ”مجھے معلوم ہے کہ اس کی مصروفیات خطرناک تھیں۔ وہ خطروں سے کھیلنے والا سورما ہے۔ جب دشمن بری طرح غالب آنے لگے تو بہادری یہی ہے کہ اپنی جان بچالی جائے۔ وہ فرار نہ ہوتا تو شاید تم اسے مار ڈالتے۔ تمہارے لیے مجھے مارنا مشکل تھا کیونکہ تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں اپنے بہت سے سوالوں کے جواب درکار تھے جو صرف میں فراہم کر سکتی تھی۔“

”وہ کن خطرناک سرگرمیوں میں ملوث تھا؟“ جلال نے اپنی جرح جاری رکھی۔ میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم۔ بس اتنا پتا تھا کہ وہ کوئی خطرناک چکر چلا رہا ہے۔ مجھے اس کی محبت درکار ہے۔ اس کے کاموں سے مجھے کوئی سروکار نہیں رہا۔“

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔ بی باون میں اس کے لیے آنے والے فون پہلے تم سنتی تھیں۔ تمہارے اطمینان کے بعد وہ کسی سے بات کرتا تھا۔“

”مجھے دو نام معلوم تھے ان کے سوا وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔“ گھمنڈ ٹوٹ جانے کے بعد کیلی روانی سے ہر سوال کا جواب دیتی چلی جا رہی تھی۔

”میں وہ دونوں نام جاننا چاہتا ہوں۔“ جلال نے مطالبہ کیا۔

”چوپڑا اور راجا۔“ کیلی نے چوپڑا کا نام لے کر ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ را کا کوئی ایجنٹ آئی مین کے قریبی رابطے میں بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس وقت چوپڑا جلال کی قید میں تھا۔ ہم آسانی کے ساتھ اس سے اپنا حساب بے باق کر سکتے تھے۔

”یہ دونوں کون ہیں اور کیا کرتے ہیں؟“ جلال نے انجان بن کر اس سے پوچھا۔

”میں بتا چکی ہوں کہ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں ان کے نام اور آوازیں پہچانتی تھی۔ باقی باتیں وہ خود کرتا تھا۔“

”وہ تمہارا ہم وطن ہے۔ شاید ہم مذہب بھی ہوگا۔“ جلال نے صیہونیت کا ذکر درمیان میں لائے بغیر سوال کیا اور کیلی کی گردن اثبات میں ہل گئی۔

”اب وہ کہاں مل سکے گا؟“ جلال نے مجھے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کیلی سے اگلا سوال کیا۔

”میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ زخمی شیر کی طرح شہر میں کہیں پڑا ہوا پیچ و تاب کھا رہا ہوگا۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ وہ پلٹ کر تم سے ضرور بدلہ لے گا۔“

”جب تک تم ہماری قید میں رہو گی۔ وہ ہمارا رخ نہیں کرے گا۔ اسے معلوم ہے کہ اس کی اچھل کود تمہیں مہنگی پڑے گی۔“

”شاید وہ میری بھی پروا نہ کرے۔“ کیلی نے نیم دلانہ لہجے میں کہا ”غصے میں وہ اندھا ہو جاتا ہے۔“

مجھے حیرت تھی کہ کیلی مسلسل سچ بولے جا رہی تھی۔ ڈیوڈ یا آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ نتائج کی پروا کیے بغیر من مانی کر گزرنے والوں میں سے ہے۔ اس واقعے سے دوسری بات یہ سامنے آئی تھی کہ اس کے ایسے لوگوں سے بھی روابط تھے جن کے وجود سے کیلی بے خبر تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو جہانگیر کی دکان کو آگ لگا کر فائرنگ کرنے والے کہاں سے آتے۔ چوپڑا اور راجا قید میں ہونے کی وجہ سے ایسی کوئی منصوبہ بندی کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

بی باون میں فون نمبر کی وجہ سے ایک چوٹ کھانے کے بعد ڈیوڈ نے اپنا طریقہ کار بدل دیا تھا۔ اس نے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو بھی فالکن ہاؤس کا فون نمبر نہیں دیا تھا۔ وہ ان کے پیغام وصول کرنے کے بجائے انہیں فون کر کے خود رپورٹیں لینے لگا تھا۔ شاید اسی دوران میں اس نے نئے رابطے استوار کیے تھے جن میں خالد کا کردار کلیدی ہو سکتا تھا۔ راجا اور چوپڑا کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہی ایک ایسا مقامی رہ گیا تھا جس پر ڈیوڈ اعتماد کرتا تھا۔

خوش قسمتی سے اس وقت آئی مین کے سارے اہم مہرے ہمارے قبضے میں آ چکے تھے۔ کیلی کے بیان کی روشنی میں ان سے کئی نئی باتیں اگلوائی جا سکتی تھیں۔ اس کام کے لیے وقت درکار تھا جس کی ہمارے پاس کمی تھی۔ دکان کو

آگ لگانے والوں سے بعد میں نمٹا جا سکتا تھا۔ اس وقت ہماری پہلی ترجیح ڈیوڈ کی ذات تھی۔ وقت مل جانے پر وہ شہر میں کوئی بھی بڑی واردات کرسکتا تھا۔ کیلی کے ذریعے ڈیوڈ اور چوپڑا کے مراسم کا راز فاش ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا تھا کہ چوپڑا نے اپنے چار آدمیوں کو ڈیوڈ کے ایما پر تخریب کاری کا مشن سونپا ہو۔

"تم نے زبان کھول کر خود کو کچھ رعایتوں کا حق دار بنالیا ہے۔ فی الحال تمہاری رسیاں کھول دیں جائیں گی اور تمہیں کھانا بھی فراہم کیا جائے گا۔" جلال نے کیلی سے کہا۔

"میں رعایتوں کے بجائے آزادی چاہتی ہوں۔" اس نے تیزی سے کہا "تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ ڈیوڈ کے کسی جوابی وار کو روکنے کے لیے تم مجھے یرغمال بنائے رکھو گے۔"

"میں نے صرف ایک امکان ظاہر کیا تھا۔ ہم اپنے بچاؤ کے لیے دشمن کی عورتوں کو آڑ لینے والوں میں سے نہیں ہیں۔" جلال نے ترشی سے جواب دیا "فالکن ہاؤس کے کچن سے دونوں پاسپورٹ ملتے ہی تم کو رہا کردیا جائے گا۔ تم آزادی ملنے پر کہاں جانا پسند کرو گی؟"

"ابھی میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ میں کسی ہوٹل کے بجائے اپنے قونصل خانے سے رجوع کرنا چاہوں گی۔"

"یہ بہت اچھا ہوگا۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "ٹام اور نک یہ جان کر خوش ہوں گے کہ ہم نے کیلی کو ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ دونوں کون ہے؟" سیل کی گھٹی گھٹی فضا میں کیلی کی اشتباہ آمیز آواز ابھری۔

"فکر نہ کرو۔ دونوں امریکی ایجنٹ ہیں اور تمہارے خیر خواہ ہیں۔" جلال نے اپنی دانست میں بات ختم کرتے ہوئے کیلی کو یقین دلایا۔

"ہم جیک اسمتھ اور اس کے آدمیوں کو بھول رہے ہیں۔" میں نے جلال کو یاد دلایا۔

"ہاں۔" میری بات پر وہ چونک کر دوبارہ کیلی سے مخاطب ہوگیا "جیک اور اس کے دونوں آدمی فالکن ہاؤس میں کیا کررہے تھے۔"

"جیک کچھ دنوں سے ڈیوڈ کا مشیر بنا ہوا تھا۔ وہ ڈیوڈ سے ملنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ پرسوں یا شاید اس سے ایک دن پہلے کسی نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ وہ امریکا سے محافظوں کے آنے تک ڈر کر کہیں چھپ گیا تھا۔ آج اس کے لیے چھ کمانڈوز آئے جن کو تین شفٹوں میں باری باری اس کے ساتھ رہنا تھا۔ جیک نے وہ تجویز مسترد کردی۔ کل شام دو کمانڈوز کو لے کر مستقل طور پر فالکن ہاؤس آگیا تاکہ ہر وقت ڈیوڈ سے رابطے میں رہ سکے۔۔۔۔ وہ کہاں ہے؟"

"تم ڈیوڈ کی سرگرمیوں سے بے خبر ہو۔ وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔" جلال نے پوچھا۔

"سب کچھ نہیں تو بہت کچھ ضرور جانتا ہوگا۔ وہ دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔"

"اگر تم نے سچ بولا ہے تو اب ہم دوبارہ تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ چند گھنٹوں میں تمہیں آزادی مل جائے گی۔" جلال یہ کہہ کر واپس مڑ گیا۔

"ذرا اب چوپڑا کے جبڑے ہلادیں۔ وہ کس طرف بند ہے۔" میں نے راہ داری میں پہنچتے ہی کہا۔

"جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرو۔" جلال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "اس وقت ہمیں صرف ڈیوڈ پر دھیان دینا چاہیے۔"

میں چپ رہا۔ جو بات جلال کہہ رہا تھا، وہی میں چند منٹ پہلے سوچ رہا تھا۔ شاید وہ کیلی کے سامنے ناکامی کی جھنجلاہٹ تھی جو میں لاشعوری طور پر چوپڑا پر اتارنی چاہ رہا تھا۔ جلال راہداری کے اس کونے کی طرف جارہا تھا جہاں مختصر سی لائبریری اور دفتر کے ساتھ ریٹائرنگ روم بنا ہوا تھا۔

جب جلال نے دفتر میں موجود چپراسی کو کیلی کے بارے میں ہدایات دینا شروع کیں تو میں ان کی نوعیت سن کر پریشان ہوگیا۔ معلوم ہورہا تھا کہ آئی بی میں کوئی بھی وہ نہیں تھا جو نظر آرہا تھا۔

چپراسی کیلی کی رسیاں کھولنے گیا تو جلال نے ریسیور اٹھا کر ایک فون نمبر ملایا اور اپنے کسی آدمی کو فالکن ہاؤس کے کچن میں پاسپورٹوں کی تلاش کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ قرائن یہ بتارہے تھے کہ پاسپورٹ ملنے تک وہ صدف مینشن میں رکنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

وہ فون پر گفتگو سے فارغ ہوکر میری طرف متوجہ ہوگیا اور بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیلی کا کیا کیا جائے۔"

"تم اس سے وعدہ کرچکے ہو کہ پاسپورٹ ملنے پر اسے رہا کردو گے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا اسے رہا کرنے سے ڈیوڈ اور جیک کے بارے میں گواہی کمزور نہیں ہوجائے گی۔ وہ اس گھناؤنے کھیل کے خلاف مضبوط ترین گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"صدف مینشن کے ہر سیل میں آوازیں اور تصویریں ریکارڈ کرنے کا خودکار نظام نصب ہے۔ میں نے کیلی کا پورا بیان ریکارڈ کیا ہے۔ میں ٹام یا نک سے یہ یقین دہانی ضرور لوں گا کہ کیلی کو میری کلیرنس کے بغیر پاکستان سے باہر بھیجنے کی

کوشش نہیں کی جائے گی۔ اس طرح یہ معاملہ یہیں دب جائے گا۔"

"وہ ڈیوڈ' جیک اور چوپڑا کے خلاف بہترین گواہ ہے۔ جیک مرگیا۔ ڈیوڈ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ چوپڑا کا کیس تمہارے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے۔"

"تم غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ وہ میرے گلے کی ہڈی نہیں بنا۔ اس کے خلاف اتنا مضبوط کیس ہے کہ کیلی کی گواہی کے بغیر اسے سزائے موت تک ہوسکتی ہے۔"

"پھر تم اس کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟ آنکھیں بند کر کے اپنے پروگرام پر عمل کرڈالو۔"

"اسے رہا کرنا ہی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ نک وغیرہ کو بیچ میں نہ ڈالا جائے۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہوگئے ہیں۔"

"تم غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ پوری گفتگو کی روشنی میں وہ ایسا سوچ ہی نہیں سکتے۔ اسے براہِ راست قونصل خانے بھجوانے سے بہتر ہے کہ ان دونوں پر احسان رکھا جائے۔"

"میرے پاس تیسرا متبادل بھی ہے۔ میں اسے بے ہوش کر کے کسی پارک میں ڈلوا دوں گا۔"

"وہ زخمی ہے۔ کوئی بھی خدا ترس پاکستانی اسے اس کے قونصل خانے تک پہنچادے گا۔ اس وقت وہ ہر دسترس اور یقین دہانی سے آزاد ہوگی۔"

"تو تمہارا مشورہ ہے کہ میں اسے نک کے حوالے کردوں۔ وہ ایف بی آئی کا آدمی ہے۔ بہتر رہے گا۔"

"اللہ کا نام لے کر یہی کر گزرو۔ کیا تم نک کو یہاں بلاؤ گے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"خدا کا نام لو ڈیئی۔ انہیں میں صدف مینشن کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ کیلی کو بے ہوش کر کے اسٹریچر پر یہاں سے نکالیں گے اور ایمبولینس میں لے جا کر کسی مقررہ مقام پر اس کے حوالے کردیں گے۔"

"یہی بہتر رہے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "سنا ہے کہ صدف مینشن میں آنے جانے والی ایمبولنسوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ آس پاس رہنے والے اس عمارت کے سائے سے بھی بچ کر گزرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں دن رات مردے آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"یہ گنجان آباد علاقہ ہے۔ قیدیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

اسی لمحے جلال کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس کی ابتدائی باتوں سے ہی اندازہ ہو گیا کہ فون پر کوئی اچھی خبر نہیں سنائی گئی تھی۔

"دیکھ لو۔" مختصر سی گفتگو ختم کرتے ہی اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ دشمن بہت تیزی دکھا رہا ہے۔ ابھی چند منٹ کے وقفے سے شہر میں دو بم دھماکے ہوئے ہیں۔ کم از کم گیارہ افراد کے زخمی ہونے کی اطلاع ہے۔"

"ڈیوڈ اتنی تیزی نہیں دکھا سکتا۔" میں نے بے یقینی سے کہا "وہ غصیلا ضرور ہوگا مگر لومڑی کی طرح چالاک اور محتاط ہے۔ اس کے رابطے بھی بہت محدود ہیں' ہو نہ ہو' یہ کام چوپڑا کے تیار کیے ہوئے دہشت گردوں کا ہی ہوسکا ہے۔ وہ سرکاری قیدی نہ ہوتا تو میں اسی وقت اس کی گردن توڑ دیتا۔"

"اس خبر نے میری طبیعت مکدر کردی ہے۔ کیلی کی زبان کھلوانے کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔" جلال نے غم وغصے سے کہا۔

"ہمارے ساتھ کچھ عرصے سے یہی ہو رہا ہے۔ جب بھی ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں' دشمن جھلا کر ایسی کوئی اوچھی کارروائی کر گزرتا ہے۔"

"ان دو دھماکوں کے بعد ایک مشتبہ شخص کا نام سامنے آیا ہے۔ پوری تیزی سے اس کی تلاش جاری ہے۔ وہ پکڑا گیا تو بہت کچھ سامنے آجائے گا۔"

تھوڑی سی خوشی کے ان ہلکے پھلکے لمحات میں ملنے والی اس بری خبر نے میرا دل بھی اداس کردیا۔ میں مجرموں کا لہو بہانے کے معاملے میں جس قدر سفاک تھا' بے گناہوں کی خوں ریزی کے معاملے میں اس سے زیادہ نرم دل اور حساس تھا۔ گیارہ آدمیوں کے بارے میں وہ خبر آئی تھی۔ صبح اخبارات نے تصدیق کردی تھی کہ گولڈن فارمیسی کی آگ میں دو بچے جھلس گئے تھے جن میں سے ایک کی حالت تشویش ناک تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہمارے حریفوں نے ایکا کر کے شہر میں زخم ہی زخم بکھیرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صدف مینشن کے فون پر فالکن ہاؤس سے خبر آئی کہ کچن سے کیلی بائرن اور بن ڈیوڈ کے ناموں کے دو امریکی پاسپورٹ مل گئے تھے۔

"بن ڈیوڈ کی تصاویر کی نقلیں بنوا کر پورے فیلڈ اسٹاف میں پھیلا دو" جلال نے دونوں پاسپورٹ مل جانے کی نوید مجھے سنا کر ماؤتھ پیس میں اپنے آدمی سے کہا "ڈیوڈ بہت خطرناک اور بے رحم قاتل ہے۔ وہ جہاں بھی نظر آجائے' سائے کی طرح اس کا پیچھا کیا جائے۔ ہر شخص دفتر کو رپورٹ کرے گا۔ میں دفتر سے رابطے میں رہوں گا۔"

''کام کچھ سمٹتا ہوا نظر آرہا ہے'' اپنے اور اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں نے جبری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جب تک ڈیوڈ ہمارے ہاتھ نہیں آجاتا' میں کام کو سمٹا ہوا نہیں سمجھ سکتا'' اس نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

''یہ نہ کہو۔ کچھ دیر پہلے ہمیں اپنے بدترین حریف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس وقت اس کے کوائف کے ساتھ تصویر بھی ہمارے پاس آچکی ہے۔ یہ کوئی چھوٹی کامیابی نہیں ہے۔''

''بس اب زیادہ نہ چھیڑو۔ جس کامیابی میں انسانی خون کی سرخی شامل ہو' اس کا خمار ختم ہوجاتا ہے۔''

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بظاہر سنگ دل' سفاک اور بے مہر نظر آنے والا وہ شخص ہر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح اندر سے بہت حسّاس تھا۔ ایسے لوگ جب دشمن سے ٹکراتے ہیں تو ان کے دل جذبات سے عاری ہوکر فولاد کے بن جاتے ہیں۔ خون کی ندیاں بہاتے ہوئے انہیں ذرا بھی ملال نہیں ہوتا۔ اس کشت وخون کو وہ شاید اپنی کامیابی سمجھ کر نازاں رہتے ہیں لیکن جب کوئی بات ان کے مضراب دل کے تاروں کو چھیڑدیتی ہے تو وہ اس قدر نرم دل اور حساس ہوجاتے ہیں کہ ان سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اس وقت بہتر یہی تھا کہ میں جلال کو نہ چھیڑوں۔ اسے اس کے حال پر چھوڑدوں۔ غم واندوہ کی لہر گزرجانے کے بعد وہ دھیرے دھیرے خود ہی نارمل ہوسکتا تھا۔

جلال نے اپنی میز میں لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبانے کے بجائے آواز دے کر اپنے آدمی کو بلایا جو چپراسی کے روپ میں باہر موجود تھا۔

''سر! لڑکی کے ہاتھ پیر کھول دیے ہیں۔ وہ بہت خوش ہے کہ اس سے کیا ہوا ایک وعدہ کسی تاخیر کے بغیر پورا ہوگیا ہے۔ اس نے چارپائی سے اترنے کی کوشش کی تھی لیکن زخم میں تکلیف کی وجہ سے اپنی ٹانگوں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔''

''یہ اچھا ہے۔ وہ جب تک یہاں ہے' اپنے سیل میں پڑی رہے گی۔ اس کی شکم پری کا بندوبست کرنے سے پہلے اسے ایک شاٹ دے دو تاکہ کھانا کھاتے ہی وہ غفلت کی گہری نیند سوجائے۔ تھوڑی دیر بعد میں اسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا'' جلال کی بات سن کر اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا اور دفتر سے چلا گیا۔

''تم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ لڑکی کو بے ہوش کرنے کے بعد ایمبولینس میں منتقل کرنا ہے'' چپراسی کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

''ان باتوں کو باربار دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ جانتا ہے کہ بے ہوش لڑکی کو عام گاڑی میں لے جانے کی کوشش کی گئی تو صدف مینشن کے باہر تماشا دیکھنے والوں کا ٹھٹ لگ جائے گا۔ ہم باہر نکلیں گے تو ایمبولینس روانگی کے لیے تیار ہوگی'' جلال نے ہنس کر کہا۔ اس کے ذہن پر چھا جانے والی اداسی کی کہر ڈھلنا شروع ہوگئی تھی۔

''جب میں یہاں آہی گیا ہوں تو چوپڑا کا دیدار تو کرادو'' میں نے فرمائش کی ''ابھی تک میں نے اس کا نام ہی سنا ہے۔ اس خبیث کی صورت نہیں دیکھی۔''

جلال نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا ''آؤ' ایک نظر اسے بھی دیکھ لیں۔''

ہم دونوں راہ داری میں نکلے تو میرا خیال تھا کہ چوپڑا اسی منزل کی کسی کوٹھری میں' کیلی کے پڑوس میں بند ہوگا لیکن جلال پوری راہ داری طے کرکے خستہ چوبی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

زینوں کے پرانے اور گھسے ہوئے تختے ہم دونوں کے بوجھ تلے چرچرائے تو میں دانستہ جلال کے پیچھے ہوگیا۔ میری اس حرکت پر جلال نے محظوظ ہوئے کہا ''فکر نہ کرو۔ ہمارے بوجھ سے یہ تختے نہیں ٹوٹیں گے۔ اس عمارت کی ہر چیز پختہ اور مضبوط ہے۔ یہاں کی ظاہری حالت کو دانستہ وحشت ناک اور خوف آور رکھا گیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے'' میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا ''صدف مینشن میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ تمہاری عنایت سے میں پہلے بھی یہاں وارد ہوچکا ہوں۔''

اوپر کا حال نیچے سے زیادہ ابتر نظر آرہا تھا۔ چھت اور دیواروں سے مکڑیوں کے بڑے بڑے اور گندے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ کئی جگہ موٹی موٹی چھپکلیاں شکار کی گھات میں دیواروں سے چپکی ہوئی تھیں۔ دھول میں اٹے ہوئے کمزور بلب اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔ چھت کی کڑیوں سے کہیں کہیں چمگادڑیں الٹی لٹکی ہوئی بسیرا کررہی تھیں۔ دن اور رات کا اندازہ لگانے کے لیے ان کی حیوانی جبلت بلب کی روشنی یا کسی اور چیز کی محتاج نہیں تھی۔

سیڑھیوں کی احتجاجی آوازوں اور ہمارے قدموں کی چاپ نے چوپڑا کو چوکنا کردیا تھا۔ وہ ایک کشادہ اور کھلے کمرے میں فرش پر ٹانگیں لمبی کرکے بیٹھا ہوا تھا۔ بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے بالوں اور بے خوابی سے متورم سرخ آنکھوں نے اس کا چہرہ ڈراؤنا بنادیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں آہنی

ہتھکڑی کا جوڑا اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ لمبی مدت کا سرکاری قیدی تھا اس لیے اسے بالکل بے دست و پا کر کے نہیں رکھا گیا تھا۔ وہ ایک محدود دائرے میں نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

"تت... تم پھر آ گئے!" ناکافی روشنی میں جلال کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چوپڑا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، آسیب زدہ سی آواز خارج ہوئی۔

"جب تک تم میرے مہمان ہو میں تمہاری خبر گیری کرتا رہوں گا" جلال نے ہڈیوں میں اتر جانے والی سرد آواز میں کہا "اس دور سے گزرتے ہوئے تم کو ایک ایک کر کے اپنے سارے گناہ یاد آ جائیں گے۔"

"میں بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں، میں نے تم کو ہر بات بتا دی ہے" رندھی آواز میں جواب دے کر وہ یکایک رو پڑا۔

"راکشش! اپنے منہ سے بھگوان کا نام نہ لے" میں نے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال تھامے اور داہنے ہاتھ سے اس کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

صدف مینشن کے در و دیوار اس کی روح فرسا چیخ سے لرز اٹھے۔ کڑیوں سے الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑیں خوف زدہ ہو کر ٹرچ ٹرچ کی آوازیں نکالتی ہوئی، فضا میں پھڑپھڑانے لگیں۔

جلال نے ہولے سے میرا بازو دبا کر مجھے یاد دلانے کی کوشش کی کہ میں نے وہاں آنے سے پہلے اس پر ہاتھ نہ اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ اپنا وہ وعدہ مجھے بھی یاد تھا لیکن موت کے اس ہرکارے کی منحوس شکل دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا تھا۔

میں اس خبیث چہرے کو ذہن نشین کرتا ہوا الٹے قدموں پیچھے ہٹ آیا۔

"مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم مجھ سے جو کچھ سننا چاہتے ہو، میں بتانے کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے نہ مارو۔ میرا رواں رواں اور جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے" اس نے رو دینے والی آواز میں فریاد کی "مجھے پتا ہوتا کہ تم لوگ اتنے ظالم ہو تو میں شروع سے ہی سب کچھ بتاتا چلا جاتا۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے اس کی باتوں کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ جلال اس کی رونمائی کے لیے آیا تھا۔ میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ ہم دونوں اس اجاڑ زنداں سے واپس چل دیے۔

"کاش تم اس پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکو اور یہ عدالت سے بری ہو جائے" دوبارہ دفتر میں پہنچنے کے بعد میں نے دعائیہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟ کیا اس کی ابتر حالت دیکھ کر تمہیں اس پر رحم آ رہا ہے؟" جلال نے چونک کر پوچھا۔

"اسے قانون اور عدالت سے رہائی مل جائے تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کے بدن کے چیتھڑے اڑاؤں گا۔ ہم لوگوں سے ہونے والی لڑائی میں یہ بے گناہ پاکستانیوں کا خون پی کر پروان چڑھ رہا ہے" میں نے اپنے غصے کی لہر پر قابو پاتے ہوئے کہا "پتا نہیں تم نے میرا ہاتھ کیوں روک دیا۔"

"مجھے بھی اس سے ہمدردی نہیں ہے۔ دراصل خوف اور دہشت کی وجہ سے اس کا بلڈ پریشر مسلسل گرا ہوا ہے۔ لیری ہف کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ فون پر تمہاری دھمکیاں سن کر اس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ آناً فاناً مر گیا۔ میں نہیں چاہتا کہ چوپڑا بھی اسی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔ سچ پوچھو تو اس وقت میں مجبور ہو کر اس کمینے کی تیمارداری کر رہا ہوں۔ بہتر غذاؤں کے ساتھ اسے دوائیں بھی دی جا رہی ہیں لیکن ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے انجام نظر آ جانے کے بعد اس کی بھوک اور پیاس اڑ چکی ہے۔"

"اسے شراب پلاؤ!" میں نے سنجیدگی سے مشورہ دیا "نشے کی ترنگ میں یہ اپنے سارے دکھ درد بھول جائے گا۔ اس کی بھوک بھی چمک اٹھے گی۔"

"تم نے بالکل صحیح مشورہ دیا ہے۔ یہ لوگ شراب کے عادی ہوتے ہیں۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔"

جلال نے ایک مرتبہ پھر چپراسی کو بلا لیا۔ اس سے پوچھنے پر پتا چلا کہ صدف مینشن میں الکحل کا وجود نہیں تھا۔ جلال نے اسے چوپڑا کے لیے ریڈ لیبل اسکاچ کی ایک بڑی بوتل کا بندوبست کرنے کے لیے کہا۔ اس وقت پتا چلا کہ ملک بھر میں شراب ممنوع ہونے کے باوجود نشتر روڈ کے اطراف کی گنجان آبادیوں میں اس کی فراوانی تھی۔ ہر گلی میں کوئی نہ کوئی دکان دار یا پان والا چوری چھپے دیسی اور ولایتی شراب اور اسمگل کی ہوئی سگریٹوں کا دھندا کر رہا تھا۔ بعض دکانوں پر کولڈ ڈرنک کی بوتلوں میں ملا کر گاہکوں کو کھلی ہوئی شراب بھی بیچی جاتی تھی۔

جلال کو فالکن ہاؤس سے آنے والے دونوں پاسپورٹوں کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا آدمی غیر ضروری طور پر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے اسے نک سے فون پر بات کرنے کے لیے کہا۔ جلال نے اپنی رسٹ واچ دیکھی اور سر ہلا کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرے لیے صدف مینشن کی وہ عمارت ابتدا سے ہی خیال انگیز رہی تھی۔ اس کی بوسیدگی نے وہاں گھٹن، وحشت

اور سراسیمگی کا جو سماں پیدا کیا ہوا تھا' وہ بد ترین جیلوں میں بھی عنقا تھا۔ اصل خوبی یا خرابی اس عمارت کی قدیم طرز کی بناوٹ میں تھی۔ اپنے محل وقوع اور بیرونی ساخت کے اعتبار سے وہ ایک رہائشی عمارت نظر آتی تھی جسے کسی پردے دار ہندو خاندان نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ چوبی اور وزنی صدر دروازے کے اوپر بنی ہوئی مورتیاں اس عمارت کے اصل مالکوں کی عکاسی کرتی تھیں۔ عمارت بناتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ باہر سے گزرنے والوں کو اندر کے بارے میں کوئی سن گن نہ مل سکے۔ باہر سے سپاٹ سنگی دیواروں کا قلعہ نظر آنے والی اس عمارت میں ہر رہائشی سہولت دستیاب تھی جسے آئی بی والوں نے ردوبدل کے بعد اپنے کام میں لیا ہوا تھا۔

میں دفتر سے نکل کر ٹہلتا ہوا داخلی ہال تک گیا جہاں سے چوبی زینے اوپر جا رہے تھے۔ گپ شپ میں مصروف محافظ مجھے دیکھتے ہی مستعدی سے سیدھے کھڑے ہوگئے۔ چند ثانیوں بعد میں نے محسوس کیا کہ میں نے اس خشک ماحول میں ان دونوں کی دلچسپ خلوت میں مداخلت بے جا کی تھی۔ میں پلٹا اور کیلی کے سیل میں پہنچ گیا۔

اس کے ہاتھ پیر آزاد تھے مگر وہ بدستور چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں امید کی ہلکی سی چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے کمزور آواز میں کہا "اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ تم شریف اور نرم دل آدمی ہو۔ تمہارا ساتھی بہت بے رحم ہے۔ ذرا مجھے سہارا دے کر نیچے اتار دو۔ اس ڈھیلے بستر پر پڑے پڑے میری بوٹیاں دکھنے لگی ہیں۔ میرے لیے کھانا آنے والا ہے۔ میں نیچے بیٹھ کر کھانا چاہتی ہوں۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دے دو تو تمہیں بستر سے اتارا جا سکتا ہے" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھی کے ہر سوال کا جواب دے چکی ہوں۔ کچھ رہ گیا ہے تو تم بھی پوچھ لو" وہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"ڈیوڈ پاکستان میں کیا مشن لے کر آیا تھا؟" میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے اس کی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اڑتی اڑتی کچھ باتیں میرے کانوں میں پڑجاتی تھیں جن پر میں زیادہ دھیان نہیں دیتی تھی۔ مجھے اتنا اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ یہاں ہیروئن کا کوئی چکر چلا رہا ہے اور ڈینی نامی کسی شخص کو مارنے کی فکر میں ہے۔"

"ڈینی تک پہنچنے کے لیے وہ دوسروں کے فراق میں بھی رہا ہوگا؟" میں نے اسے [illegible]

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہمارے درمیان ایسی باتوں پر کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔"

اس کی باتوں کا نچوڑ پہلے ہی سامنے آگیا تھا۔ میں نے براہِ راست سوال کرکے اپنی خلش دور کرلی۔ اس نے حتمی طور پر کچھ نہیں بتایا لیکن ڈیوڈ کی دلچسپی کے دو نکات کا ذکر کرکے اس نے بالواسطہ طور پر بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

ہیروئن کے کاروبار کے بارے میں راجا اور خالد نے جو کچھ کہا تھا' اس کی روشنی میں وہ ایک بے سروپا دھندا نظر آتا تھا۔ راجا کو اپنی گرہ سے دس ہزار روپے فی کلو دے کر ڈیوڈ ہیروئن کی مارکیٹ میں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ راجا بدنیتی پر اتر آتا تو ایک بڑی رقم آسانی سے ہضم کرسکتا تھا۔ خالد بازار کے چکر لگا کر اس کی بے ایمانی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ ایک ایسا کام جس کا انحصار صرف دو افراد پر ہو' شی جیسی بڑی تنظیم کا ہدف نہیں ہوسکتا تھا اور نہ اس کے لیے ڈیوڈ کو امریکا سے پاکستان آنے کی ضرورت تھی۔ ایسی صورت میں کیلی کے بیان کا صرف دوسرا نکتہ رہ جاتا تھا جس کے بارے میں وہ خود زیادہ پر یقین نہیں تھی۔

میں دروازے کی طرف پلٹا تو کیلی نے میری وعدہ خلافی پر احتجاج کرتے ہوئے مجھے میرا وعدہ یاد دلایا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں نے اسے بستر سے اتارنے کی بات ضرور کی تھی' یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ اسے خود بستر سے اتاروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ کیلی کو کھانا کھلانے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں آخر کار بستر سے اتارا بلکہ لے جایا جانے والا تھا۔

وہ جھلا کر مجھے برا بھلا کہتی رہ گئی مگر میں اس کی کسی بات پر کان دھرے بغیر وہاں سے نکل کر دفتر کی طرف چل دیا۔

اس دوران میں جلال نے نک سے بات کرلی تھی۔ وہ بارہ بجے کیلی کو لینے کے لیے کلفٹن کے ویران ساحلی علاقے میں پہنچنے والا تھا۔

مجھے نک کے بارے میں بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ایک گارڈ بند خاکی لفافہ لے آیا۔ آئی بی کا آدمی صدف مینشن کے صدر دروازے پر ہی وہ وزنی لفافہ دے کر واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں کو بے چینی سے اس لفافے کا انتظار تھا۔ جلال نے فوراً ہی اسے کھول لیا۔ میں تجسس سے مغلوب ہوکر اس کے قریب پہنچ گیا۔

کوائف سے پہلے میری نظر بن ڈیوڈ کی تصویر پر جم گئی۔ بھوری آنکھوں اور حلق تک پھیلی ہوئی خشخشی داڑھی والا وہ مکارانہ چہرہ اس کے نسلی امتیاز کی نشان دہی کررہا تھا۔ میں نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ کوائف پر ایک نظر ڈالی تو اس کا قد ۶ فٹ [illegible] میں اس کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا۔ وہ واقعی

مضبوط جسم اور دراز قامت کا مالک تھا۔ میں ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔
میرا خیال تھا کہ جلال بھی اس پاسپورٹ کو دیکھ کر ایک طرف رکھ دے گا لیکن وہ اس مختصر سی کتاب کو اپنے ہاتھ میں تھامے، سکتے کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ساکت نگاہیں مسلسل کھلے ہوئے پاسپورٹ کے صفحات پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ تصویر کو ذہن نشین کر رہا ہو۔
"بہت غیر معمولی چہرہ ہے" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جلال کا غیر معمولی انہماک ختم کرنے کے لیے کہا "اسے ایک مرتبہ دیکھ کر بھلانا ناممکن ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" جلال نے پاسپورٹ بند کر کے میز پر ڈالتے ہوئے کہا "یہ چہرہ میرے دماغ کے کسی نہاں خانے میں نقش ہے۔ ذہن میں کلبلاہٹ ہو رہی ہے مگر یہ یاد نہیں آرہا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"
"تم اس کو دیکھ چکے ہو؟" میں نے تحیر زدہ آواز میں کہا۔
"اس کا چہرہ بہت غیر معمولی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں... مگر کہاں....؟" وہ کھوئی ہوئی آواز میں بولا۔
"اپنے ذہن پر زور دیتے رہو۔ سب کچھ یاد آجائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔"
لفافے میں پاسپورٹوں کے ساتھ ایک لفافے میں بن ڈیوڈ کی چار رنگین تصاویر بھی موجود تھیں جو شاید تھوڑی دیر پہلے بنوائی گئی تھیں۔ وہ جلال نے میرے حوالے کر دیں "یہ اول خان اور اپنے ساتھیوں کو دے دینا، اب کسی نہ کسی کو اس تک پہنچنا پڑے گا۔"
"حالات کی وجہ سے میرے ساتھی سوشل نہیں رہے۔ یہ تصویریں اول خان کے لیے زیادہ کارآمد رہیں گی" میں نے تصویریں دیکھ کر لفافہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔
"جسے مناسب سمجھو، دے دینا۔ مجھے ڈر ہے کہ جہانگیر کی دکان کو آگ لگانے کے بعد وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ کوئی نہ کوئی تخریب کاری کرتا رہے گا۔"
"خرابی یہ ہے کہ اس کے سر پر امریکیوں کا ہاتھ ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ کیلی کے بارے میں کتنے بے چین ہو رہے تھے، ابھی نک خوش ہو گیا ہو گا!"
"میری پیش کش پر وہ حیران ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ملاقات کے چند گھنٹوں بعد میں کیلی کو اس کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔"
"وہ یہاں بیٹھے اپنے محکموں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ان سے متعارف نہیں ہوئے۔"

"ان دونوں کے نام میرے ریکارڈ پر ہیں۔ مجھے ان کی سرگرمیوں کی رپورٹیں بھی ملتی رہتی ہیں لیکن کبھی ان سے ملاقات ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج پہلی بار ان سے سامنا ہوا تھا" جلال نے کہا "پہلے وہ کلفٹن آنے کے ذکر پر خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ چند روز پہلے وہاں سے ملنے والی نادر کی لاش کی وجہ سے لوگ ویران ساحل پر جانے سے کترانے لگے ہیں۔"
"تم اس سے ملنے کے لیے شہر میں کسی دوسرے مقام کا تعین کر سکتے تھے" میں نے جواب دیا۔
"سناٹے کی وجہ سے وہی علاقہ بہتر ہے۔ ایمبولینس سے ایک بے ہوش عورت کو کسی کار میں منتقل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ کوئی پولیس کو بھی بلا سکتا ہے۔"
"حیرت ہے کہ تم آئی بی کے افسر ہوتے ہوئے پولیس والوں کی طرف سے متفکر تھے۔"
"مجھے کوئی فکر یا تشویش نہیں تھی۔ جو کام خاموشی کے ساتھ انجام دیا جا سکتا ہے، دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ساحل پر پورا کام اطمینان سے ہو جائے گا۔"
"اور نک کو کس بات کا خوف تھا؟" میں نے ذرا طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"اس کا خوف نفسیاتی ہے۔ جب تک امریکیوں کو کوئی بڑی کامیابی نہیں مل جاتی، وہ پاکستان بلکہ کراچی میں خائف رہیں گے۔ وہ یہاں اپنے کئی اہم آدمی گنوا چکے ہیں۔ اس نے کھل کر مجھ سے کچھ نہیں کہا لیکن ساحل کے بجائے کہیں اور ملنے کی بات کر رہا تھا۔"
"ایمبولینس کون لے جائے گا؟" میں نے پوچھا۔
"میرا تنہا جانے کا ارادہ ہے" اس نے سرسری لہجے میں کہا "تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ فی الحال تم ان کے لیے ڈینی نہیں، کرنل داور ہو۔"
"میں ضرور چلوں گا، کتنی دیر میں نکلنے کا ارادہ ہے؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔
اس سے ملاقات کے لیے ایک بجے کا وقت طے ہوا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کیلی کو بے ہوشی کی حالت میں باہر کھڑی ہوئی ایمبولینس میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ باہر نکل کر جلال نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، میں اس کے برابر میں بیٹھا اور ایمبولینس تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔
"وہ اکیلا آئے گا یا اس کے ساتھ محافظ وغیرہ بھی ہوں گے؟" میں نے راستے میں پوچھا۔
"محافظوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ دو

مددگار ضرور لائے گا جو کیلی کو ایمبولینس سے کار میں منتقل کرسکیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں اس عورت کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"اور صدف مینشن میں اس کا چہرہ لہولہان کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟" میں نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔

"وہ دھمکی تھی جو کام کر گئی" اس نے میرے اندازے کے توثیق کردی "وہ نہ بولتی تو میں خاموشی سے لوٹ آتا۔ دراصل میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مغربی عورتیں شدت پسند ہوتی ہیں۔ ہلکے پھلکے تشدد کے بغیر وہ کوئی کام رغبت سے نہیں کرتیں۔ میں نے تمہاری شرافت کا انجام دیکھ لیا تھا اس لیے خود دوسرا روپ اپنالیا۔"

شہر سے کلفٹن کی ساحلی پٹی پر پہنچتے ہی جلال نے ایمبولینس بائیں طرف موڑلی۔ ساحل کے متوازی پختہ سڑک پر سفر کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں ویرانے میں جانکلے جہاں ہمیں ریتیلے حصے میں دور ہی سے ایک سفید کار کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ چند ثانیوں بعد وہ تینوں سفید فام بھی واضح ہوگئے جو ایمبولینس کو پہچان کر بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرا رہے تھے۔ جلال نے رفتار کم کرکے ایمبولینس کو پختہ سڑک سے ریتیلے راستے پر اتارا۔ اس کا رخ سفید کار کی طرف تھا۔

نک وہاں کسرتی بدن والے دو سادہ پوش ہم وطنوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ عام آدمی نہیں، پیشہ ور لڑاکا تھے۔ جو کسی برے وقت میں نک کی مدد کرسکتے تھے۔

ہم دونوں ایمبولینس کا انجن بند ہونے پر نیچے اتر آئے۔ جلال کے اشارے پر نک نے اپنے دونوں آدمیوں کو تیزی سے کام مکمل کرنے کی ہدایت کی اور وہ ایمبولینس کے پچھلے حصے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ نک دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے اطمینان سے ہمارے ساتھ کھڑا رہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری پولیس نے رات کو کیلی کو پکڑا اور اب وہ تمہارے لیے ناکارہ ہوچکی ہے۔ کیا اس نے اتنی آسانی سے سب کچھ اگل دیا؟" نک بولا۔

"کیلی ایک جنس زدہ لڑکی ہے جو بن ڈیوڈ کی مردانہ وجاہت اور طاقت کی دیوانی ہے" جلال نے بے پروائی سے جواب دیا "اس کی بے سروپا باتوں میں سر کھپانا فضول تھا۔"

"بن ڈیوڈ .... یہ کون ہے؟" نک کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز ابھری جس سے حیرت سے زیادہ بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"آئی مین! پاسپورٹ کے مطابق وہ اسی نام پر پاکستان میں داخل ہوا ہے" شاید جلال نے فون پر نک کو آئی مین کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"اس کا پاسپورٹ تمہیں کہاں سے مل گیا؟" نک پر گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

"میرے آدمیوں نے فالکن ہاؤس کے کچن سے دونوں پاسپورٹ برآمد کرلیے تھے۔ میرے استفسار پر کیلی نے بھی اسی مقام کی نشاندہی کی۔ وہ ایک بڑا سچ تھا۔ میں نے اس کی ہر بات پر اعتبار کرتے ہوئے اسے رہا کرنے کا فیصلہ کرلیا" جلال نے سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے اس سے یہ تو ضرور پوچھا ہوگا کہ ڈیوڈ فالکن ہاؤس سے فرار ہوکر کہاں گیا ہے!" نک نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"وہ کچھ نہیں بتاسکی۔ ڈیوڈ ایک آوارہ بھونرا ہے۔ وہ آزاد کلی کا رس چوستا رہا۔ صیاد سر پر آیا تو کہیں اڑ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت ملنے پر وہ دوبارہ کیلی کو تلاش کرلے۔"

"کیلی کو اپنی قید میں رکھ کر تم ڈیوڈ کو اپنے کسی جال میں پھانس سکتے تھے؟" نک نے کریدا۔

"وہ میری اور تمہاری طرح ایک سیکرٹ ایجنٹ کا مزاج رکھتا ہے" جلال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اس کے لیے اپنی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا جہاں کیلی کو رکھا گیا تھا۔ وہاں آنے والے مارے جاتے ہیں مگر اپنی مرضی سے واپس نہیں جاتے۔"

"اسی لیے تم چاہتے ہو کہ کیلی کو فی الحال پاکستان سے باہر نہ نکالا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کیلی کی آزادی ڈیوڈ کو دوبارہ اس کی طرف راغب کردے۔"

"یہ بھی ایک حکمت عملی ہوسکتی ہے۔ ہم اس کو ہر قیمت پر پکڑنے کی کوشش کریں گے" جلال نے اسے ڈراوا دیا۔

"ہم کیلی کو غیر معینہ مدت تک اپنا مہمان نہیں رکھ سکتے۔ اس کے زخم مندمل ہوتے ہی اسے آزاد کردیں گے۔ اس پر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"جب تک وہ پاکستان میں رہتی ہے، ہمیں کسی بات پر اعتراض نہیں ہوگا۔"

میں ان دونوں کے قریب کھڑا سگریٹ پھونکتے ہوئے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کسرتی جسموں والے امریکیوں نے بہت آسانی کے ساتھ کیلی کو ایمبولینس کے اسٹریچر سے اٹھا کر سفید کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔ وہ اہم کام مکمل ہوجانے کے بعد ہم کسی بھی لمحے واپس روانہ ہوسکتے تھے۔

"ہم بھی اپنے طور پر اس سے پتا کریں گے کہ ڈیوڈ کہاں

مل سکے گا؟" جلال کے کسی مطالبے کے بغیر نک نے ازخود پیش کش کی۔ "ہم کسی امریکی شہری کو یہ آزادی نہیں دے سکتے کہ وہ پاکستان میں رہتے ہوئے یہاں کے قانون کو پامال کرے۔"

"بس نک! اب ہمارے زخموں پر نمک پاشی نہ کرو۔ بن ڈیوڈ مجرم ہے اور جیک ایک ذمے دار افسر تھا۔ اس نے ہمارے کس قانون کی پاسداری کی؟" جلال نے کاٹ دار لہجے میں کہا "جو ہوگیا سو ہوگیا۔ کوشش کرنا کہ کم از کم سرکاری سطح پر ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔"

"یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔ اگر فالکن ہاؤس میں بن ڈیوڈ روپوش تھا تو پھر اس بات کی پوری تحقیقات کی جائیں گی کہ جیک اپنے دو محافظوں کے ساتھ وہاں کیوں گیا تھا۔"

"وہ صرف گیا نہیں تھا' کیلی نے تصدیق کی ہے کہ وہ اسی شام فالکن ہاؤس میں مستقل رہائش کے ارادے سے منتقل ہوا تھا۔" جلال بولا "اس کی لاش پر موجود کپڑوں پر ایک نظر ڈال لینا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں مارا گیا تھا۔ اس کے کپڑے کیلی کی کہانی کی تصدیق کرتے ہیں۔"

"پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ کیلی کی باتوں پر کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے۔" نک نے مکاری سے بات ٹال دی۔

"بن ڈیوڈ کے بارے میں کچھ کہنا محال ہے لیکن جیک کی ہر بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ وہ تم سے بڑا تھا۔ تم اس پر گرفت کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ اس سے اوپر والوں کو یہ سب سوچنا چاہیے۔ میں زیادہ تفصیل دہرا کر صبح والی بدمزگی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔"

نک نے خود بات چھیڑی تھی اور پھنس گیا تھا۔ جلال نے اسے راہ دی تو اس نے فوراً ہی مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا "اوکے جلال۔ اب ہم چلتے ہیں مجھے واپسی میں دیر ہوگئی تو سب فکرمند ہوجائیں گے۔ جیک کے واقعے کے بعد ہمارے سیکیورٹی چیک بہت بڑھ گئے ہیں۔"

وہ تینوں اپنی کار میں تیز رفتاری سے روانہ ہوگئے۔ ان کے پیچھے ہماری ایمبولینس تھی۔ دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ تیزی سے بڑھتا جارہا تھا۔

○☆○

"اول خان کے آدمی ضرور اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔" کھانے کی میز پر ویرا نے پورے وثوق سے اپنی امید ظاہر کی۔

"لاکھوں کی آبادی میں کسی ایک آدمی کا کھوج لگانا اتنا آسان نہیں ہے۔" غزالہ نے بردباری سے اسے جتایا "وہ ویسے بھی اپنی رونمائی سے بھاگتا ہے۔ کچھ روز کے لیے خاموشی سے گوشہ نشین ہوگیا تو اول خان کے آدمی [illegible]

مارتے رہ جائیں گے۔"

"یہ زیادتی ہے کہ کھانے کے چکر میں تم نے اول خان کو فون نہیں کیا۔ وہ بے چینی سے تمہاری نک اور ٹام کے ساتھ میٹنگ کے نتیجے کا انتظار کررہا ہے۔" سلطان شاہ نے ایک بالکل نئی بات چھیڑ دی "تمہاری طویل غیر حاضری میں وہ دو مرتبہ فون کرچکا ہے۔ اسے تشویش تھی کہ تم کہاں رہ گئے ہو۔"

"کھانے کے بعد میں سب سے پہلے اسے فون کروں گا اور وہ یہاں دوڑا چلا آئے گا۔" میں نے کوفتے کا لقمہ بناتے ہوئے جواب دیا "میں کھانے سے پہلے اسے فون کرتا تو اس وقت ہم میز کے گرد بیٹھے کھانا نہیں کھا رہے ہوتے' ڈرائنگ روم میں اس کی آمد کے انتظار میں سوکھ رہے ہوتے۔"

"تم ہمیشہ نئی منطق سامنے لاتے ہو۔" ویرا تنک کر بولی "کبھی تم کو کام کی خاطر اپنے سرپیر کی بھی پروا نہیں ہوتی' اس وقت پیٹ کی خاطر سب کچھ پس پشت ڈال دیا ہے۔"

"ویرا! تم کو معلوم نہیں کہ پیٹ بڑا بدکار ہے۔ انسان اسی کی خاطر سب کچھ کرتا ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔ مجھ سے فلسفہ بگھارنے کی کوشش مت کرو۔ میں بحث پر اتر آئی تو تمہارا مغز خالی کردوں گی۔"

"امریکی تم کو اسی لیے واپس لے جانا چاہتے ہیں۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ان کے سائنس داں برسوں کی محنت کے باوجود ایسی کوئی مشین بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکے جو انسان کا مغز خالی کردے۔ تم یہ کام ذرا سی دیر میں کردیتی ہو۔"

"خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ اس وقت تم عقل کے بجائے معدے سے بول رہے ہو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

میں نے ان تینوں سے پہلے کھانے کی میز چھوڑ دی اور ہاتھ دھو کر سیدھا فون کی طرف چلا گیا تاکہ اول خان کی بے چینی دور کرسکوں۔ اس کا اردلی میری آواز پہچانتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ذرا سی دیر پہلے میری طرف روانہ ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری فون کال سے پہلے وہ ہمارے گھر پہنچ گیا تو کس قدر خفا ہوگا۔ میں نے کریڈل دبا کر اس کا موبائل نمبر ملالیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز میرے کانوں میں آئی۔" وہ میری آواز سن کر کہہ رہا تھا "مجھے تشویش ہورہی تھی کہ تم کہاں رہ گئے ہو۔"

"تم میرے یا جلال کے موبائل فون پر رنگ کرسکتے تھے [illegible] بہت زیادہ مصروف ہوگئے

تھے۔“

”مجھے کچھ نہ کچھ اندازہ تھا۔ موبائل پر بے وقت گھنٹی بجا کر میں تم دونوں کی مصروفیات میں خلل نہیں ڈال سکتا تھا۔ میں اس وقت تمہاری طرف آرہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ میٹنگ کیسی رہی۔“

”اتنی کھلی کھلی باتیں ہوئیں کہ ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔“ میں نے ہنس کر کہا ”جلال نے بروقت بات بگڑنے سے بچالی۔ اس سے بڑی خبر یہ ہے کہ آئی مین کا پاسپورٹ جلال کے قبضے میں آگیا ہے۔ اس کی مدد سے بن ڈیوڈ کی بہت سی رنگین تصاویر بنوالی گئی ہیں جو اب تک آئی بی کے فیلڈ اسٹاف میں پھیلائی جاچکی ہوں گی۔“

”ویری گڈ۔ ایک آدھ تصویر تم بھی لے لینا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف والوں کے ستارے یاوری کرجائیں اور وہ ہمارے ہاتھ لگ جائے۔“ اول خان کی آواز خوشی سے لبریز تھی ”تم کو پاسپورٹ سے ہی پتا چلا ہوگا کہ اس کا اصل نام بن ڈیوڈ ہے۔“

”میرے پاس اس کی ایک نہیں، چار تصاویر ہیں۔ بس تم آجاؤ تو بات ہوگی۔“

”ذرا میری ایک خلش تو دور کردو۔ اس کا نام کچھ یہودیوں جیسا لگتا ہے۔ وہ موساد کا آدمی تو نہیں ہے؟“

”اس کا پاسپورٹ امریکی ہے۔ امریکا والے ہی اس کی پشت پناہی کررہے ہیں اور شی ویسے بھی امریکا کے ایک صدر کے ذہن کی پیداوار ہے۔ بن ڈیوڈ کے امریکی ایجنٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی مذہبی ہمدردیوں کی وجہ سے اسرائیل کے لیے بھی کوئی کام کررہا ہو۔ امریکا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ میں نے کہا۔

”میں پہنچ رہا ہوں۔ باقی باتیں ملنے کے بعد ہوں گی۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر بات وہیں ختم کردی۔

جب تک وہ تینوں کھانے سے فارغ ہوتے اور ویرا میز پر پھیلے ہوئے برتن سمیٹ کر صفائی کرتی، اول خان آن پہنچا۔ میں نے دروازے پر ہی تصویروں والا لفافہ اسے دے دیا۔

”یہ بتاؤ کہ اس کا پاسپورٹ جلال کو کہاں سے مل گیا؟“ اول خان نے رسمی مزاج پرسی کے بعد، بیٹھتے ہی سوال کیا۔ لفافے کی تصویروں پر اس نے راہ داری میں نظر ڈال لی تھی۔

”کیلی بائرن نے اس جگہ کی نشان دہی کی تھی جہاں دونوں پاسپورٹ چھپائے تھے۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیلی!“ سب کے منہ سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں پھر ویرا نے پوچھا ”تم نے تونک اور ٹام سے ملاقات کی کہانی سنائی تھی۔ یہ بیچ میں کیلی کہاں سے ٹپک پڑی؟“

مجھے احساس ہوا کہ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے پاسپورٹوں کے بارے میں جس انداز سے ذکر کیا تھا اس سے یہی تاثر لیا جاسکتا تھا کہ آئی بی والوں نے اپنے طور پر وہ کامیابی حاصل کی ہوگی۔ میری ساری بریفنگ آف دی ریکارڈ اجلاس کی کارروائی پر مرکوز رہی تھی۔ اس دوران میں کہیں بھی کیلی کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔

”میٹنگ کے بعد ہم دونوں نے کیلی پر کچھ وقت صرف کیا تھا۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر ان کو بتایا ”وہ ہماری توقع سے زیادہ آسان ہدف ثابت ہوئی اور جو کچھ جانتی تھی، بتاتی چلی گئی۔“

اول خان سمیت سب کو کیلی کی ذات سے گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ آئی مین کی قریبی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے مل کر سوالات کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا۔ انہوں نے اس وقت تک میری جان نہیں چھوڑی جب تک انہیں ہر بات معلوم نہ ہوگئی۔ اول خان کے لیے مجھے میٹنگ کا احوال دہرانا پڑا جو زیادہ طویل نہیں تھا۔

”تمہاری پوری کہانی سامنے آگئی۔ اس پر مزید کوئی بات کرنے سے پہلے میں ایک بری خبر سنانا چاہتا ہوں۔“ اول خان نے یکایک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ”تمہارے بشروں سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم سب اس خبر سے لاعلم ہو۔ آج شہر میں دو پلاسٹک بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ گیارہ آدمی زخمی ہوئے تھے جن میں سے ایک چل بسا۔“

”کہیں یہ فالکن ہاؤس پر ایکشن کا شاخسانہ تو نہیں تھا؟“ ویرا نے بے ساختہ سوال کیا ”رات کو اس نے فارمیسی کو آگ لگا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ اب بم چلا دیے۔“

”یہ بات جلد ہی کھل جائے گی۔ ایک مشتبہ آدمی ہاتھ آگیا ہے۔ دو ایجنسیاں اس سے تفتیش کررہی ہیں۔“ اول خان کے پاس اس بارے میں تازہ ترین معلومات تھیں۔ جلال مرنے والے کے بارے میں بے خبر تھا۔ اس وقت تک مشتبہ آدمی کی بھی تلاش جاری تھی۔

”مجھے جلال سے دھماکوں کی اطلاع مل گئی تھی۔“ میں نے اسے بتایا ”اگر مشتبہ آدمی پکڑلیا گیا ہے تو بات جلد ہی کھل جائے گی۔“

”یہ ایک ضمنی اطلاع تھی!“ اول خان نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کو بولنے سے روک دیا ”اس وقت پہلا اور اہم ترین مسئلہ آئی مین کا ہے۔ پہلے اس پر بات ہوگی۔“

”جلال نے کیلی پر اعتبار کرکے سنگین غلطی کی ہے۔“ ویرا اعتراض کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتی تھی ”اگر کیلی نے

آسانی سے زبان کھولی ہے تو اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں پاسپورٹ بھی گمراہ کن ہوں اور کسی آڑے وقت کے لیے دانستہ مسالے دان میں چھپائے گئے ہوں۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔" اول خان بولا۔ وہ بہت جلد ویرا کی باتوں میں آجاتا تھا "اس کی صرف ایک بات درست ثابت ہونے پر اسے سچا تسلیم کرنا قابلِ فہم نہیں ہے۔"

"یہ بات کیلی کو سمجھائی گئی تھی۔ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔" میں نے زور دے کر کہا "اسے قید میں رکھنے کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ آئی مین کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ وہ کہاں قید ہے۔ اس کی زندہ گرفتاری کا معاملہ پریس میں آچکا تھا۔ اس لیے اسے مارنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اب آئی بی والے اس کی نگرانی کرکے آئی مین تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ بات کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے۔" اول خان سر ہلا کر بولا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "تم نے پاسپورٹوں کو گمراہ کن کیسے قرار دے دیا؟"

"کون پورے یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ آئی مین ہی کا پاسپورٹ ہے یا اس کا نام بن ڈیوڈ ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

وہ عجیب سوال تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں سٹپٹا گیا پھر میں نے جھلّا کر کہا "کیا یہ کافی نہیں کہ وہ کیلی کے پاسپورٹ کے ساتھ ملا ہے؟"

"آئی مین کے ساتھ کیلی بھی بدمعاش ہے۔ ان دونوں نے شروع ہی سے کیلی کے اصل پاسپورٹ کے ساتھ کوئی فرضی یا چرایا ہوا پاسپورٹ رکھ دیا ہوگا۔"

"کیونکہ ان کو پہلے سے الہام تھا کہ فالکن ہاؤس پر کل شام ریڈ ہوگی۔ کیلی زخمی ہو کر پکڑی جائے گی اور آئی مین فرار ہوجائے گا۔" غزالہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

غزالہ کی تلملاہٹ پر ویرا ہنس پڑی "اپنے شوہر کی محبت میں تمہارا یہ غصہ قابلِ معافی ہے لیکن ٹھنڈے دل سے سوچو۔ وہ یہاں غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کبھی ان کے پکڑے جانے کا بھی خطرہ ہے۔ کیلی عورت اور آئی مین کی محبوبہ ہے۔ وہ آسانی سے اپنی بے گناہی ثابت کرسکتی تھی اور کرچکی ہے۔ اس کے ساتھ آئی مین پکڑا جاتا تو سارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا۔ اصلی اور نقلی پاسپورٹ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ آئی مین نے اس مفروضے پر کام کیا کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوجائے گا۔ کل وہ نکل گیا۔ کیلی کے ساتھ ... ... کل میں جان تھی۔ سب

حاصل کرکے اپنی بغلیں بجا رہے ہو۔ تصویر کی نقلیں شہر میں بٹوا رہے ہو۔ یہ سب خوش فہمی ہے۔ ان دونوں نے تمہیں چکما دیا ہے۔"

"اف خدا!" غزالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "فضول باتوں پر تم کس قدر سر کھپاتی ہو۔ اس قدر کھینچ تان کر اپنی بات ثابت کرنے کے بجائے تم یہ کیوں نہیں مان لیتیں کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"

"آئی مین فالکن ہاؤس سے اچانک بھاگا تھا۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ مانا جاسکتا ہے کہ وہ سلور آئی اور بیم گن اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلا مگر اس کا اصلی پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"گھر ہی میں ہوگا یا پھر وہ اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

"گھر میں کہاں ہوگا؟ پولیس اور ان کے بعد آئی بی والوں نے پورا گھر چھان مارا ہے۔" میرا پارا چڑھنا شروع ہوگیا۔

"ان بے چاروں کو تو کیلی کی نشان دہی کے بغیر جعلی پاسپورٹ بھی نہیں ملا تھا۔" وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

میں بھنا کر رہ گیا۔ میرے پاس ویرا کی اس ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی لمحے سلطان شاہ نے اس سے سوال کرڈالا "تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ پاسپورٹ اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اپنی محبوبہ کے ساتھ رات بسر کرتے ہوئے اس نے پاسپورٹ کیا اپنے ازاربند سے باندھا ہوا ہوگا۔"

"تم تینوں مل کر مجھے تاؤ دلانے کی کوششیں کر رہے ہو۔" ویرا اپنی جگہ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "ٹھنڈے دل سے سوچو گے تو ہر بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ مغربی سیاحوں میں ایسی چوڑی بیلٹ بہت مقبول ہے جس میں پاسپورٹ، ٹکٹ اور نقدی آسانی سے سما جاتی ہے۔ سستے ہوٹلوں میں راتیں بسر کرنے والے ان چیزوں کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے بدن سے الگ نہیں کرتے کیونکہ ایسے ہوٹلوں میں چوریاں عام ہیں۔ دور جانے کے بجائے اپنے ملک سے جانے والے حاجیوں کی مثال لے لو۔ ان چیزوں کی حفاظت کے لیے وہ بھی ایسی بیلٹ استعمال کرتے ہیں۔ آئی مین بہت عیار اور چوکنا آدمی ہے۔ وہ وقت سے پہلے خطرہ بھانپ کر اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے کوئی بھی احتیاط بعید نہیں ہے۔ ہم اس کے بارے میں آسانی سے نتائج اخذ نہیں کرسکتے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا نے ذرا سی دیر میں بازی ... ... تھی۔ سب

سے بڑی مشکل یہ تھی کہ آئی مین کے اصل نام اور چہرے کی
شناخت کے لیے ہمارے سامنے کیلی کے سوا کوئی نام نہیں
تھا۔ اگر ویرا کے شبہات درست تھے اور کیلی ہمارے ساتھ
مکاری کر گزری تھی تو یہ بات طے تھی کہ وہ بھی کوئی خطرناک
مجرمہ تھی جس کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔
غنیمت یہ تھا کہ جلال نے اس کو نک کے حوالے کرتے ہوئے
یہ یقین دہانی حاصل کرلی تھی کہ اسے اجازت کے بغیر پاکستان
سے باہر نہیں بھیجا جائے گا۔ ویسے بھی ویرا کی تھیوری کے
مطابق کیلی کا اصل پاسپورٹ جلال کے قبضے میں تھا۔

"تم نے ہم سب کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔" اول
خان نے اس بحث کے دوران میں پہلی بار اپنی زبان کھولی "تم
ہربات کے منفی پہلوؤں پر کیوں نظر رکھتی ہو۔"

"مجبوری ہے۔ اس کے بغیر کسی مثبت پہلو سے قرار
واقعی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔" اس نے شانے اچکا کے
جواب دیا۔

"ویرا کی باتیں آپ کی سمجھ میں آرہی ہیں؟" غزالہ نے
میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"امکانات یہ بھی ہوسکتے ہیں بلکہ بہت کچھ ہوسکتے ہیں۔
دیکھنا یہ ہوگا کہ حقیقت کیا ہے؟" میں نے گول مول سا جواب
دیا۔

"میں نے ہوائی باتیں نہیں کیں، دلائل دیے ہیں۔ تم
اپنی دلیل سے میرے خدشے مسترد کردو۔ میں بن ڈیوڈ کو آئی
مین مان لوں گی۔" ہم لوگوں کے تیور ڈھیلے پڑجانے سے ویرا
کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ اپنے زور زبان ہمارے دلوں میں
شکوک و شبہات کے بیج بونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"جلال نے دیکھ لیا تھا کہ کیلی اور بن ڈیوڈ کے پاسپورٹوں
پر پاکستان میں داخلے کی مہریں ایک ہی تاریخ کی تھیں۔" میں
نے سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر طے ہے کہ بن ڈیوڈ کا پاسپورٹ جعلی نہیں بلکہ
مسروقہ ہے۔" ویرا نے بلا تامل فیصلہ دے دیا۔ وہ خاصی شیر
ہوچکی تھی۔

"تم ایک بات سنتی ہو اور نتیجہ اخذ کرلیتی ہو۔ یہ کیسے
طے کردیا تم نے؟" اول خان نے پوچھا۔ شاید اسے ویرا کا لہجہ
پسند نہیں آیا تھا۔

"ان دونوں نے امیگریشن کے مرحلے کے بعد اپنے کسی
ہم وطن اور ہم سفر کا پاسپورٹ چرایا ہوگا۔" ویرا نے بے
دھڑک جواب دیا۔

"گویا وہ سب کچھ پہلے سے طے کرکے آئے تھے؟" اول
خان نے اس سے الجھنا شروع کردیا۔

"بالکل!" ویرا نے پر زور لہجے میں کہا "شی اور امریکی
ایجنسیوں نے یہاں بھاری نقصان اٹھائے ہیں۔ آئی مین
ایک طویل مدت کے بعد یہاں آرہا تھا اس لیے اس نے ہر
خطرے سے نمٹنے کی پیشگی منصوبہ بندی کی ہوگی۔ پاکستان کی
سرزمین پر اترنے سے پہلے انہوں نے اپنے منصوبوں پر عمل
کرنا شروع کردیا ہوگا۔"

"مہریں کئی ماہ پرانی ہیں۔ اصلی بن ڈیوڈ نے اپنے
سفارت خانے کو پاسپورٹ کی گمشدگی سے آگاہ کیا ہوگا۔
وہاں سے ایسی کسی رپورٹ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔"

"اصولاً تمہاری بات درست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بن
ڈیوڈ کو ڈپلی کیٹ امریکی پاسپورٹ جاری کردیا گیا ہو مگر تم کو
اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔" اس وقت ویرا کا دماغ
تیزی سے کام کررہا تھا۔

"ان کا سفارت خانہ قانونی طور پر ایسی رپورٹ کی
تصدیق کرنے کا پابند ہے۔" اول خان نے اسے آگاہ کیا۔

"وہ دوسرے کسی قانون کی کب پروا کرتے ہیں جو اس
قانون کی پابندی کریں گے۔ یہ نہ بھولو کہ امریکی آئی مین کی
پوری پوری پشت پناہی کررہے ہیں۔ وہ اس کے ہر قول اور
فعل کو بھرپور تحفظ فراہم کریں گے۔ ان سے یہ توقع مت رکھو
کہ وہ آئی مین کی کسی غلطی کی نشان دہی کریں گے۔ ان
سوؤروں کو تمہارے قانون کا ذرا بھی پاس ہوتا تو جیک دو
فوجیوں اور سازو سامان کے ساتھ فالکن ہاؤس میں ڈیرے
ڈالنے کے لیے نہ پہنچا ہوتا۔"

"بن ڈیوڈ کی تلاش شروع ہوچکی ہوگی۔" سلطان شاہ
نے مجھے یاد دلانے والے انداز میں اضطراب سے کہا۔

"پاکستان میں عام امریکیوں کے لیے کچھ نہیں رکھا۔"
ویرا بولی "ان کی پسند کی ہر چیز یہاں حرام ہے۔ وہ دوسرا
پاسپورٹ لے کر دو چار روز میں یہاں سے چلا گیا ہوگا۔
بدقسمتی سے وہ یہاں رکا ہوا ہے تو آئی بی والے اسے بہت جلد
پکڑلیں گے۔ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ بن ڈیوڈ بے گناہ
ہے۔ کیلی نے تمہیں زبردست چکما دیا ہے۔"

"تم ایک ایک کرکے ہر بات مسترد کرتی جارہی ہو۔"
میں نے زچ آکر کہا "یہ ہوّا تمہارا کھڑا کیا ہوا ہے۔ تمہارے
دماغ میں اس کا کیا حل آتا ہے۔"

"کیلی کو جلد از جلد دوبارہ پکڑلو۔ وہ غائب ہوگئی تو تم ہاتھ
ملتے رہ جاؤ گے۔" ویرا شاید پہلے سے وہ تجویز سوچے بیٹھی
تھی۔

"وہ اس وقت چلنے پھرنے بلکہ کھڑی ہونے سے بھی
معذور ہے۔ میں نے [illegible] تھا [illegible] چار دنوں تک وہ

کہیں غائب نہیں ہو سکتی۔ نک نے جلال سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک وہ کلیرنس نہیں دے گا' کیلی پاکستان سے باہر نہیں جائے گی۔"

"جن بدمعاشوں کو قانون کی پروا نہیں ہوتی وہ اپنے وعدے کو کہاں نبھائیں گے۔ کیلی جلال کی قید میں پھنسی ہوئی تھی' اسے چھڑانے کے لیے نک ہر وعدہ کرلیتا۔ حیرت ہے کہ اتنے تجربات سے گزرنے کے بعد بھی تم ان کی باتوں پر اعتبار کررہے ہو۔"

"اگر تمہارا یہ اندیشہ درست ہے تو اسے کیلی کی واپسی سے انکار کردینا چاہیے۔" میں نے ویرا سے تصدیق چاہی۔

"بالکل انکار کرے گا۔ کیلی نے اسے اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کی کہانی سنائی ہوگی۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی ایک شہری کو ایسے لوگوں کی تحویل میں نہیں دے سکتا جو قیدیوں سے غیرانسانی سلوک کرتے ہیں۔" ویرا کی باتوں نے مجھے دھیرے دھیرے فکرمندی اور تشویش میں مبتلا کرنا شروع کردیا تھا۔

"ہم ویرا کے اندیشوں کو بے سروپا قرار دے کر مسترد نہیں کرسکتے۔" چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد اول خان نے پرتشویش انداز میں کہا۔

"اور انہیں قبول کرکے کوئی اندھا دھند قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔" غزالہ نے فوراً لقمہ دیا۔ اس وقت وہ ویرا سے خاصی ناخوش نظر آرہی تھی۔

"تم لوگ جو چاہو' فیصلہ کرو۔ میں اپنے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کرچکی ہوں۔ میرے ضمیر میں یہ خلش نہیں رہے گی کہ میں نے ایک غلط تجویز خاموشی سے من و عن تسلیم کرلی تھی۔" ویرا نے نرمی سے کہا "شاید میرا لہجہ یا انداز کسی کو برا لگا ہو مگر میری نیت بالکل صاف ہے۔"

اس نے اپنا آخری فقرہ واضح طور پر غزالہ کے بارے میں کہا تھا لیکن غزالہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"پھر تم کیا کہہ رہے ہو؟" چند لمحوں بعد ویرا نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"ذرا سوچنے کی مہلت دو۔ ہونے والی بات ہوچکی ہے۔" اول خان نے رسانیت سے جواب دیا "ڈینی ابھی کیلی کو اس کے حوالے کرکے آیا ہے۔ وہ اتنی دیر میں کہیں نہیں بھاگے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کو سوچنے کے لیے تخلیہ درکار ہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میرے جانے کے بعد مل کر سوچو گے۔"

"یہی سمجھ لو۔ کچھ دیر کے لیے ... میں ... کہ آرام کرلو۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تمہاری بعض باتوں سے دماغ اتنا تپ جاتا ہے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوجاتی ہے۔"

"میں اپنی زبان بند رکھوں گی لیکن یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "میرے مشورے پر دل کھول کر تنقید کرلو مگر مجھے اپنا فیصلہ سنادو۔ میں چلی جاؤں گی۔"

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا پھر بے بسی سے بولا "تم نے ہمیں مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ یہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے۔ مجھے جلال سے بات کرنی پڑے گی۔"

"جلال تمہاری کیا مدد کرسکتا ہے؟" اس بار ویرا کے تیور جارحانہ نہیں تھے۔

"کیلی کے بارے میں جلال نے نک سے ڈیل کی تھی۔ اب وہی کیلی کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔"

"تم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔" اول خان نے بے ساختہ میری تائید کی۔

"وہ اس معاملے میں اول سے آخر تک شریک رہا ہے۔ اس طرح اس کی رائے بھی سامنے آجائے گی۔" غزالہ نے تائیدی لہجے میں کہا "وہ ذہین آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے بات کرنے کے بعد ویرا کی پیدا کی ہوئی گرہ خودبخود کھل جائے۔"

ان دونوں کی رائے سامنے آنے کے بعد میری استفسار طلب نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئیں۔

"اسے فون کرنے سے سب کی تسکین ہوجائے گی۔ ہوسکے تو تم کو یہ کام ابھی کرلینا چاہیے۔" وہ بھی مجھ سے متفق تھا۔

ویرا اس معاملے میں از خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ سب کی رائے سننے کے بعد بولی "میں بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ہمیں بن ڈیوڈ کی تصویریں دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے کوئی عملی قدم اٹھانا چاہیے۔ جلال تمہارا ساتھ دے گا ورنہ کوئی متبادل راہ بتائے گا۔"

مکمل اتفاق رائے ہوچکا تھا۔ مجھے اول خان سے تبادلہ خیال کرنے کے لیے ویرا کی موجودگی سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود اسپیکر فون آن کیا اور جلال کا موبائل فون نمبر ملانا شروع کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں تھی کہ پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی فون کی سہولت ہر کس و ناکس کی دسترس میں نہیں تھی۔ ایک فون کنکشن حاصل کرنے کے لیے برسوں تک انتظار کا عذاب جھیلنا پڑتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ مدت پوری ہوتی تھی تو ڈیمانڈ نوٹ کے اجرا کے لیے دفاتر کے چکر لگانے کے ساتھ نذرانے دینے پڑتے تھے۔ جو خوش نصیب سارے متعلقہ اہلکاروں کی دل جوئی کے مراحل طے کر لیتا تھا، اس کے گھر میں نئے ٹیلی فون کی گھنٹی خوش نصیبی کی صدا بن کر گونجنے کی نوبت آتی تھی۔

پھر وہ رسمیں تیزی سے متروک ہوتی چلی گئیں۔ ملک نے کسی اور شعبے میں ترقی کی ہو یا نہ کی ہو، مواصلات بلکہ ٹیلی مواصلات کے شعبے میں اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ملک میں ہر قسم کے فون کی سہولتیں عام ہوتی چلی گئیں۔ فون کنکشن آسانی سے ملنے لگے۔ رشوتوں کا بازار ٹھنڈا ہوتا چلا گیا پھر رہی سہی کسر موبائل فون نے پوری کر دی۔ اس کہانی کے یہ واقعات جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس وقت تک موبائل فون کا حاصل کرنا اور پھر استعمال کرنا بہت مہنگا تھا۔ آج کی طرح، یہ سہولت ہر ایک کی بساط میں نہیں تھی مگر اول خان اور جلال جیسے مصروف اور ذمے دار اہلکاروں کے لیے ان کے محکموں نے یہ سہولت مہیا کی ہوئی تھی جو اپنی کارکردگی کی بنا پر روایتی لاسلکی ٹرانسمٹرز سے بدرجہا بہتر تھی۔

کراچی میں آئی بی کا ایک باضابطہ دفتر موجود تھا۔ میرے پاس صدف مینشن کے ساتھ اس دفتر کے نمبر بھی موجود تھے مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ جلال ان میں سے کسی ایک ٹھکانے پر موجود ہوتا۔ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے ہر وقت متحرک رہتا تھا اور خاص طور پر کراچی میں قیام کے دوران میں تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا تھا۔

ویرا نے اپنی بے تکان نکتہ آفرینیوں سے میرے ذہن میں اضطراب کی جو آگ بھڑکا دی تھی، وہ وقت کے کسی زیاں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے زمینی فون پر جلال کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے براہِ راست اس کا موبائل نمبر ملانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جہاں بھی تھا، فوری رابطے میں آسکتا تھا۔

پاکستان کی تیز تر مواصلاتی ترقی کے طفیل میں چند لمحوں میں جلال سے میرا رابطہ ہو گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ حیران ہو گیا۔

''خیریت تو ہے۔ تمہیں اس وقت فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی!'' کمرے میں اس کی تحیر زدہ آواز گونجی۔

''کوئی ایسی ہی بات ہے جس کی وجہ سے تم کو اس وقت زحمت دی ہے...'' ... ''ہم کہاں ہو... میں تمہاری کسی مصروفیت میں مخل تو نہیں ہوا؟'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''تم بے فکر ہو کر اپنی بات کرو۔'' اس نے میرے لہجے سے میری الجھن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا ''میں بالکل فارغ ہوں۔''

''تم نے کیلی والے معاملے پر دوبارہ کچھ سوچا ہے؟'' میں نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ چاروں سانس روکے، خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کو اندازہ تھا کہ جلال کے پسِ پشت دل کی بھڑاس نکال لینا آسان تھا، اس سے براہِ راست کوئی ہلکی بات کرنا آسان نہیں تھا۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آیا۔ اس کے بارے میں دوبارہ کیا سوچنے کی ضرورت ہے؟'' جلال اپنے فیصلے کے بارے میں پوری طرح مطمئن تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ آئی مین کو صرف کیلی نے دیکھا ہے۔'' میں نے تمہید باندھی ''ہمارے پاس اس بات کی تصدیق کا کیا ذریعہ ہے کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔''

اسپیکر فون پر ہلکی سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا ''واقعی یہ بہت اہم سوال ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ تم کو ایسے چبھتے ہوئے سوالات بروقت اور برجستہ سوجھتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ آج تمہیں بہت دیر سے اس نکتے کا خیال آیا ہے۔''

''یہ نکتہ میں نے نہیں، ویرا نے اٹھایا ہے۔'' میں نے صاف دلی سے اقرار کر لیا۔

''کیا اس کے اطمینان کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ کیلی بائرن اور بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کیلی کی نشان دہی پر فالکن ہاؤس کے کچن میں رکھے ہوئے ایک مسالے دان سے برآمد ہوئے ہیں۔ ان پر پاکستان میں داخلے کی مہریں ایک ہی تاریخ کی ہیں!''

''ویرا کا خیال ہے کہ کیلی نے معصوم بن کر ہمیں فریب دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کے پاس ان اتفاقات کے خلاف مضبوط دلائل ہیں۔ میں فون پر وہ ساری باتیں نہیں دہرا سکتا۔ کیلی کے معاملے پر شاید ہمیں نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔''

''میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔'' ایک گہرے سانس کے بعد جلال کی پرسکون آواز سنائی دی ''کیلی سے جو کچھ اگلوایا جا سکتا تھا وہ ہم نے معلوم کر لیا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے ناکارہ ہو گئی تھی۔ اسے رہا کرنا بہترین فیصلہ تھا۔ اس کے مثبت نتائج بہت جلد سامنے آجائیں گے۔''

مجھے حیرت ہوئی کہ جلال نے ویرا کے اٹھائے ہوئے

ملنے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ میں نے رسمی طور پر پوچھا ''تمہاری دانست میں ویرا کے اندیشے بے بنیاد ہیں۔''

''ڈینی! میری ساری عمر ایسے ہی کاموں میں گزری ہے۔ میں بڑے بول بولنے کا عادی نہیں ہوں لیکن فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ بشری تقاضوں کے تحت مجھ سے کبھی کبھار اندازے کی غلطی ہوجاتی ہے مگر مجھ سے فیصلے میں کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے کیلی کے بیان پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں پاسپورٹ چیکنگ کے لیے میں امیگریشن والوں کو بھجوا چکا ہوں۔ شام تک ان کی رپورٹ آجائے گی اور دودھ کا دودھ 'پانی کا پانی ہوجائے گا۔''

میں نے تیکھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ جلال کے الفاظ سن کر شرمسار سی نظر آنے لگی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا ''بس میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ تم نے کیلی کے بیان پر اندھا دھند اعتبار نہیں کیا۔ اس کے بیان کی تصدیق کروا رہے ہو۔''

''ہمارے کام کرنے کے اپنے طریقے ہیں۔'' اس بار مجھے جلال کی آواز میں ہلکا سا طنز محسوس ہوا ''ان کے بارے میں ہمیں کبھی کسی کے مشورے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کوئی بھی نئی بات ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم ہر ممکنہ ذریعے سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہی اصول کیلی کے بیان پر لاگو کیا گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم نے ویرا کی اس رائے زنی کا برا نہیں منایا ہوگا۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا ''ہم میں سے کوئی بھی تمہارے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہے۔ اگر ویرا کو یہ معلوم ہوتا کہ تم کیلی کے بیان کی تصدیق پر کام کررہے ہو تو اس کا ذہن ان منفی نکتوں کی طرف نہ جاتا۔''

''میری طرف سے اسے سمجھا دینا۔ اس کا ذہن منفی باتوں میں زیادہ الجھتا ہے۔ وہ معاملات کے روشن پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھا کرے۔ میری عمر ٹیڑھے مجرموں سے مقابلہ کرتے ہوئے گزری ہے۔ میں اپنے تجربے کی بنا پر شرط لگا سکتا ہوں کہ امیگریشن والوں کی رپورٹ کیلی کے بیان کی تصدیق کرے گی۔''

''تم کچھ تلخ ہورہے ہو۔ شاید میری باتیں تمہیں گراں گزری ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم سب کی نیتیں صاف ہیں۔ بس اپروچ کا فرق ہے۔ ویرا ذہین لڑکی ہے مگر بچپن سے جوانی تک شی کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے اس کی سوچ نے ایک خاص رخ اختیار کرلیا ہے۔ وہ ہر بات کو اپنے زاویے سے دیکھنے کی عادی ہوگئی ہے۔ یہ اس کا قصور نہیں ہے۔''

''اب تم سے کب ملاقات ہوگی؟'' میں نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے سوال کر ڈالا۔

''مجھے کراچی میں اپنا قیام لمبا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ شاید تم کو پتا چل چکا ہوگا کہ کراچی میں ہونے والے دو دھماکوں کا ایک زخمی چل بسا ہے۔''

''ہاں۔ اول خان نے بتایا ہے کہ ایک مشتبہ آدمی بھی پکڑا گیا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''وہ صرف ایک نام تھا۔ سی آئی اے والوں نے بہت تیزی کے ساتھ اس کا کھوج لگایا ہے اور اب وہ ان کے مرکز میں کڑی بازپرس کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ جب تک وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتا' اس کی گرفتاری سے اچھے نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

''چوپڑا تمہاری تحویل میں ہے۔ میری دانست میں یہ خون سراسر اس کی گردن پر ہے۔ اب تم اس کی ہڈیاں توڑ دو۔''

''میں تم سے زیادہ مشتعل ہوں مگر اس کی خبرگیری کرنے پر مجبور ہوں۔ جب تک اس کا بلڈ پریشر نارمل نہیں ہوجاتا' میرے آدمی اس پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ وہ ہماری تحویل میں مر مرا گیا تو بھارتی لابی کو شور مچانے کا ایک نیا بہانہ مل جائے گا۔''

''آئی مین کے ساتھ اس کے مراسم کا راز کھل جانے کے بعد وہ کسی رعایت کا حق دار نہیں ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی رگڑے جائیں گے۔''

میں اس سے گفتگو کو آگے بڑھانا چاہ رہا تھا مگر اس نے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے خود ہی بات ختم کردی۔

''مبارک ہو!'' اسپیکر فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ' ویرا سے مخاطب ہوکر چہکا ''آج جلال نے بھی تم جیسی پختہ کار خاتون کو لڑکی قرار دے دیا۔''

''بلاوجہ میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرو۔'' ویرا پہلے سے بھری بیٹھی تھی۔ ایک دم پھٹ پڑی ''میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''جب تک شادی نہ ہوجائے لڑکی 'لڑکی ہی رہتی ہے۔'' اول خان نے موقع کی نزاکت بھانپ کر خوش دلی سے تلخی کم کرنے کی کوشش کی ''ویرا کا تجربہ اپنی جگہ مسلم ہے مگر وہ آج

بھی ایک لڑکی ہی ہے۔ اس کے لیے کسی کی سند یا جواز کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس وقت اندرونی غصے سے ویرا کا چہرہ بھبوکا ہو رہا تھا۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھی اور پیچ و تاب کھاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"آج جلال نے اس کی دم پر پاؤں رکھ دیا۔ دیکھتے ہیں کہ اس کا موڈ کب ٹھیک ہوتا ہے۔" ویرا کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سن لینے کے بعد میں نے کہا۔

"اسپیکر فون نے ساری گڑبڑ کردی۔" اول خان بولا "یہی بات اس نے ریسیور پر کہی ہوتی تو ویرا کے فرشتوں کو بھی اس بدمزگی کی ہوا نہ لگتی۔"

"ویرا کے موڈ کا انحصار امیگریشن والوں کی رپورٹ پر ہے۔" غزالہ نے اپنی رائے دی "جلال کا اندازہ درست ثابت ہوا تو ویرا کا پارا خود بخود نیچے آجائے گا۔"

"یہ باتیں چلتی رہتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔" اول خان دوبارہ سنجیدہ ہوگیا۔

اس وقت معاملات خاصے الجھے ہوئے تھے۔ را کے تین تربیت یافتہ دہشت گرد پولیس کی تحویل میں تھے۔ ان میں سے دو بھارتی ہندو تھے۔ ایک مقامی مسلمان تھا۔ یہ بات طے تھی کہ وہ کتنے ہی سخت جان کیوں نہ ہوں، زیادہ دیر تک پولیس والوں کی روایتی مار نہیں سہہ سکیں گے اور اپنی اپنی چمڑیاں ادھڑوانے کے بعد آخر کار ہر بات اگلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ وہ یقینی طور پر کراچی میں ہونے والی، دہشت گردی کی متعدد وارداتوں میں ملوث رہے ہوں گے اس لیے ان کا کیفرِ کردار تک پہنچنا ناگزیر تھا۔

ان تینوں کے علاوہ را کے چار تربیت یافتہ آدمی بھارت سے کراچی آئے ہوئے تھے اور عام شہریوں میں گھل مل کر نجی اداروں میں نوکریاں کررہے تھے۔ وہ پیشہ ور ایجنٹ تھے اس لیے چوپڑا کے گرفتار ہوتے ہی اپنے ٹھکانوں سے غائب ہوگئے تھے۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کہاں روپوش تھے اور کیا کررہے تھے۔ اس روز ہونے والے دو دھماکوں کے بعد گرفتار ہونے والے مشتبہ شخص کے بارے میں صرف امید ہی کی جاسکتی تھی کہ اس کا تعلق را والوں کے چار رکنی، روپوش گروہ سے ہو اور اس کی نشان دہی پر بقیہ تین بھی پکڑے جائیں۔

وہ چوپڑا اور را کے آدمیوں کی کہانی تھی جو پولیس اور سی آئی اے والوں کے درمیان بٹے ہوئے تھے۔ کیلی جیسی اہم ترین مجرمہ کو جلال اپنے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت رہا کرچکا تھا۔ چوپڑا صدف مینشن کا قیدی تھا۔ آئی مین کے دو آدمیوں میں سے راجا زخمی حالت میں پولیس کا قیدی تھا۔ لے دے کر صرف خالد اسپیشل ٹاسک فورس کے قبضے میں تھا جس تک ہماری ہروقت رسائی تھی۔

ہماری اس مہم کی کامیابی کی داغ بیل ڈالنے والی فرزانہ کے بارے میں ابتدا ہی میں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دنیا کے قدیم ترین پیشے سے اپنی وافر روزی کمانے والی ایک فاحشہ تھی جس کی اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں تھی کہ خالد نے اسے ایک مقررہ وقت پر چند منٹ کے لیے، گولڈن فارمیسی کے ایک ملازم کو دکان سے دور الجھائے رکھنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس کا آئی مین کے گرگوں اور را کے دہشت گردوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اسے رہا کیا جاچکا تھا کیونکہ ایس ٹی ایف والے کسی ناکارہ مہمان کی میزبانی کے قائل نہیں تھے۔

اہم ملزم بلکہ مجرم پولیس، سی آئی اے یا پھر آئی بی کی تحویل میں تھے۔ ہماری طبع آزمائی کے لیے اس وقت صرف خالد دستیاب تھا جو آئی مین سے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی اس سے اتنا دور تھا کہ اس کی تصویر کی شناخت میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

"ہم خالد کی مزید خدمت کرنے سے زیادہ اور کیا کرسکتے ہیں۔" میں نے اول خان سے جوابی سوال کرڈالا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اس وقت ہم ایک بند گلی میں اس کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں۔"

"پھر کیوں نہ اسی پر مزید کچھ محنت کی جائے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"وہ سب کچھ اگل چکا ہے۔ اب اس سے مل کر کیا حاصل ہوگا؟" غزالہ نے پوچھا۔

اس نے واقعی بلا کم و کاست سب کچھ اگل دیا تھا اور ہم اسے رہا کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے مگر خالد اپنے آقا کے انتقام سے بہت خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ آزاد فضاؤں میں پہنچتے ہی وہ آئی مین کے عتاب کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کی التجا پر اول خان نے دھند صاف ہونے تک اسے اسٹیشن فور پر رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔

"کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوگا کیونکہ حرکت میں برکت ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر جواب دیا "تم بھول رہی ہو کہ بظاہر سب رابطے ٹوٹ جانے کے باوجود آئی مین نے پچھلی رات کچھ ایسے لوگوں کا بندوبست کرلیا تھا

جنہوں نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگادی۔"

"پیٹرول چھڑک کر کہیں آگ لگانے کے لیے کسی لشکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔" اول خان بولا "ہوسکتا ہے کہ یہ کام اس نے خود کیا ہو۔" اول خان بولا۔

"اس معاملے میں جزئیات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ افراتفری اور بے سروسامانی کے عالم میں فالکن ہاؤس سے فرار ہوا تھا۔ اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ اپنے بچاؤ کا تھا۔ نفسیاتی طور پر وہ کہیں آگ لگانے جیسا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس نے یقینی طور پر کہیں نہ کہیں پناہ لینے کے بعد کسی کو وہ گندہ کام کر گزرنے کی ہدایت کی ہوگی۔ فرار ہونے کے محض دو گھنٹے بعد اس کا دوبارہ میدان میں اترنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔"

"تم عام آدمیوں کی بات کر رہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "آئی مین عام آدمی نہیں ہے۔ ہمارے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ وہ آہنی اعصاب کا مالک ہے اور بدترین حالات میں بھی کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم اس کی ذات کے اس خصوصی پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔"

"اگر یہ مان لیا جائے کہ آگ اس نے لگائی تھی پھر بھی کچھ نہ کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے جنہوں نے چلتی ہوئی گاڑی سے فارمیسی پر گولیاں برسائی تھیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" اول خان کا لہجہ کمزور پڑ گیا

"میں جلتی ہوئی دکان پر گولیاں برسانے والوں کو بھولا ہوا تھا۔"

"وہ ایک بے مقصد اور وحشیانہ کارروائی تھی جس کا مقصد صرف اور صرف طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ وہ خبر دیتے ہوئے تم نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آتش زنی اور فائرنگ کر گزرنے کے بعد بھی کچھ لوگ ان اطراف میں موجود ہوسکتے تھے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ یہ امکان سرے سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" اول خان نے میری آخری دلیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ باتیں میرے علم میں نہیں تھیں۔" غزالہ بولی "ان حالات میں خالد سے دوسری ملاقات بار آور ثابت ہوسکتی ہے۔"

میں صدف مینشن میں موجود تھا تو کیلی اور رین ڈیوڈ کے پاسپورٹ آجانے کے بعد ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آئی مین کا کھیل بہت جلد ختم ہوجائے گا۔ گھر پہنچنے کے بعد ویرا نے اپنی موشگافیوں کا سلسلہ شروع کیا تو کامیابی کی امید دھندلاتی چلی گئی۔ جلال اپنے ابتدائی اندازوں کے بارے میں بہت زیادہ پُرامید تھا۔ اسے یقین تھا کہ امیگریشن والوں کی رپورٹ اس کی رائے کی تصدیق کردے گی مگر اس سے پہلے ہم خالد سے مزید کچھ نہ کچھ معلوم کرسکتے تھے۔

ویرا ہم لوگوں سے برہم ہو کر اپنے کمرے میں بند تھی۔ میں نے اسے بلا کر اپنے ارادے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اسی وقت اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگیا۔

راستے میں، میں نے اس پورے قضیے پر دوبارہ غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کیلی کے بیان کے بعد اس کیس سے تعلق رکھنے والے ہر زیرِ حراست مجرم سے دوبارہ اور تفصیلی بازپرس ضروری ہوگئی تھی ہمارے پاس صرف خالد تھا اور ہم اس پر کام کرنے جارہے تھے۔ دوسرے قیدیوں کے بارے میں جلال کو اعتماد میں لینا ناگزیر تھا۔

دورانِ سفر اول خان خاموش رہا۔ وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید اس کے ذہن پر یہ خفت بھی سوار تھی کہ اس نے کسی ردّو کد کے بغیر میری تجویز سے اتفاق کیوں نہیں کرلیا۔ ابتدائی مخالفت کے بعد رضامندی بہرحال اس کے لیے قدرے سبکی کی بات تھی۔

اسٹیشن فور پر خالد کی حیثیت قیدی کی نہیں رہی تھی۔ اسے خطرات ٹلنے تک وہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی اس لیے اسے سیل سے نکال کر بیرک کے ایک ایسے کمرے میں منتقل کردیا گیا تھا۔ جہاں صاف ستھرے بستر کے ساتھ بہتر ماحول بھی میسر تھا۔ کمرے میں منتقل کرتے ہوئے یہ احتیاط کی گئی تھی کہ اسے اسٹیشن فور کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس کے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ کھڑکیوں پر تختے جڑے ہوئے تھے۔ تازہ ہوا کی آمدورفت کے لیے اونچی دیواروں کی بلندی پر بنے ہوئے روشن دان کھلے ہوئے تھے۔

دروازے پر تالا کھلنے کی آوازیں سن کر وہ ہوشیار ہوچکا تھا۔ تالا کھول کر اول خان پہلے اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا؟ آئی مین کے بارے میں تم کیا خبر لائے ہو؟" خالد نے اس کی صورت دیکھتے ہی بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔

"کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اول خان نے کہا "وہ ابھی تک آزاد ہے۔" اول خان نے اختصار سے کام لیتے ہوئے

کہا۔

"تم نے فالکن ہاؤس میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش تو ضرور کی ہوگی!" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اپنی کھال میں رہو۔ اس سے باہر آنے کی کوشش مت کرو۔" میں نے خفگی سے کہا "ہم نے کیا کیا ہے اور کیا نہیں کیا، تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم سے جو کچھ پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دو۔"

"تم لوگ بہت شریف النفس اور مہربان ہو۔" اس نے یکایک بھرائی ہوئی اور جذبات سے مغلوب آواز میں کہا "پچھلی بار تم نے کہا تھا کہ مجھے اسی ننگے قید خانے میں رہنا ہوگا۔ بس وہاں ایک گدا دے دیا جائے گا۔ میں نے بھی صبر کرلیا تھا مگر یہ تمہارا احسان ہے کہ تم نے مجھے اس آرام دہ کمرے میں منتقل کردیا۔ میں نے اب تک تم سے سچ بولا ہے۔ آئندہ بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"تمہارے سوا آئی مین کے روابط اور کن لوگوں سے تھے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے لیے آئی مین اور کیلی ہی سب کچھ تھے۔ شی ان سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہوجاتی تھی۔"

"اس سیاہ کار کا ڈرائیور کون تھا جس میں تم لوگ لی مارکیٹ گئے تھے؟"

"میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"آئی مین نے اس کے ساتھ سفر کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کا قریبی آدمی تھا۔" میں نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"آئی مین خطرناک حد تک محتاط ہے۔ وہ بھروسے کا آدمی نہ ہوتا تو وہ اس کے ساتھ ہرگز سفر نہ کرتا۔"

شاید خالد سچ بول رہا تھا۔ آئی مین کے روابط صرف اسی تک محدود نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں راجا آئی مین سے زیادہ قریب تھا۔ اس نے آئی مین کو دیکھا نہیں تھا مگر لین دین کے معاملات کی وجہ سے وہ اس سے بہت زیادہ رابطے میں رہتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کالی گاڑی کا ڈرائیور اسی کے آدمیوں میں سے رہا ہو۔

آئی مین نے اپنے کام کے لیے راجا کو براہِ راست اپنے رابطے میں رکھا تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس نے کسی آڑے وقت کے لیے راجا سے دو چار قابلِ اعتماد آدمیوں کے نام اور فون نمبر وغیرہ لے رکھے ہوں تاکہ راجا کی عدم دستیابی کی صورت میں، کسی آڑے وقت پر ان میں سے کسی کو طلب کرسکے۔ وہ امکان ذہن میں آتے ہی مجھے خالد کی افادیت معدوم ہوتی نظر آنے لگی۔

میں نے اپنی جیب سے بن ڈیوڈ کی ایک رنگین تصویر نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی "اسے پہچانتے ہو؟"

میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں اس کے عضلات کی ایک ایک جنبش کا جائزہ لے رہا تھا۔ بن ڈیوڈ کی تصویر دیکھ کر اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کی سپاٹ آنکھیں چند ثانیوں تک اس تصویر پر مرکوز رہیں پھر اس نے مایوسی سے اپنے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا "یہ چہرہ میرے لیے نیا ہے۔ یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟"

"بکواس بند کرو۔" میں نے غصے سے اسے ڈانٹا اور وہ لرز کر رہ گیا۔ وہ ہر جواب دینے کے ساتھ کوئی نیا سوال کرنے کی بری عادت کا شکار تھا "میں نے تمہیں سوالات کرنے سے منع کیا ہے۔"

میں نے رکھائی سے وہ تصویر اس کے ہاتھ سے چھین کر اپنی جیب میں رکھ لی اور پھر اس سے اپنا فیصلہ کن سوال پوچھ لیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا "تم شی میں آئی مین اور کیلی کے سوا کم از کم ایک اور آدمی کو جانتے ہو۔ مجھے اس کا نام اور پتا درکار ہے۔"

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں اور کسی کو نہیں جانتا!" اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم جھوٹے ہو یا پھر تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے سختی سے کہا۔

"اگر میں کوئی بات بھول رہا ہوں تو تم یاد دلا دو۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔" اس نے التجا کی۔

"وہ کون ہے جس نے تمہاری اور آئی مین کی پہلی ملاقات کرائی تھی؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سرد لہجے میں پوچھا۔

"اوہ... !" اس کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز نکلی پھر اس نے کہا "وہ گوڈین ہے۔ مقامی عیسائی ہے اور مدتوں سے چوری چھپے دیسی شراب بنانے کا دھندا کرتا ہے۔"

"اور کبھی نہیں پکڑا گیا؟" اول خان بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"وہ پولیس والوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ کوئی کڑا وقت

آتا ہے تو پولیس والے اسے ہوشیار کر دیتے ہیں اور وہ کچھ دنوں کے لیے اپنا کام بند کر دیتا ہے۔"

"ایسے آدمی کا باہر سے آئے ہوئے آئی مین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس سے میری دوستی ہے۔ وہ میرے حالات سے واقف تھا۔ اس نے ہمدردی کے ساتھ مجھے ایک اچھی پارٹی سے ملنے کا مشورہ دیا۔ ایک سال کی بے روزگاری کا عذاب جھیلنے کے بعد میں ہر کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ یوں گوڈین نے دوسرے دن مجھے بی باون بھیج دیا جہاں سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس آئی مین سے میری پہلی ملاقات ہوئی اور میں نے شی کے فیلڈ سروے کا کام شروع کر دیا۔"

وہ کہانی قرین قیاس معلوم ہوتی تھی۔ گوڈین بنیادی طور پر منشیات فروش تھا اور اس کے ہیروئن فروشوں سے بھی قریبی روابط رہے ہوں گے۔ شاید آئی مین امریکا سے ہی اس کا نام اور پتا اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ جو شی اور چوپڑا کی طرح اس نے آتے ہی گوڈین کو بھی اپنے اعتماد میں لیا ہوگا۔

وہ ایک نئی کڑی تھی جو سامنے آئی تھی۔ جس طرح گوڈین نے خالد کو آئی مین کی طرف بھیجا تھا اسی طرح وہ دوسرے لوگوں کو بھی آئی مین سے ملوا سکتا تھا۔ یہ قطعی ضروری نہیں کہ آئی مین سے ملنے والے ایک دوسرے سے واقف ہوتے لیکن گوڈین کا ایسے متعدد لوگوں سے واقف ہونا ناگزیر تھا۔

میں نے گوڈین کے بارے میں کرید کرید کر خالد سے متعدد سوالات کیے۔ ان کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ گوڈین اپنی ذات میں مگن رہنے والا ایک عادی شرابی تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اپنا وقت اپنی برادری کی اسمارٹ اور پرکشش لڑکیوں کے ساتھ گزارتا تھا۔

شراب نوشی میں بھانت بھانت کے تجربات کے نتیجے میں وہ شراب سازی کی طرف شوقیہ مائل ہوا تھا۔ بعد میں خطیر آمدنی کے امکانات نے اسے پیشہ ور شراب ساز بنا دیا "اس کام میں اسے اتنی بھاری آمدنی تھی کہ بھتے وغیرہ دینے کے بعد بھی وہ خوش حال تھا اور بیشتر وقت بالکل فارغ رہ کر اپنی دنیا میں مگن نظر آتا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ اس بار میں نے خالد کے ذہن کے ہر گوشے کو اچھی طرح ٹٹول لیا تھا۔ اس سے نمٹ کر ہم اول خان کے دفتر میں لوٹے تو وہاں ایک حیرت ہماری منتظر تھی۔

ویرا نہایت اطمینان سے ایک کرسی میں نیم دراز، سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔

"تت... تم یہاں کیسے آگئیں!" میں نے آنکھیں پھاڑ کر تحیر زدہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال تھا کہ تم مجھے اشتعال دلا کر مجھ سے اپنا پیچھا چھڑا لو گے اور شہر میں اپنا کام کرتے پھرو گے مگر میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا چھوڑنے والی نہیں ہوں۔"

"باہر گاڑی نظر نہیں آرہی، کیا تم ٹیکسی سے آئی ہو؟" اول خان نے سوال کیا۔

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ میں ٹیکسی سے یہاں آتی۔ ڈینی کو تم اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ میں اس کی گاڑی لے آئی۔ اسے میں نے دانستہ اوٹ میں کھڑا کیا ہے کہ کہیں تم گاڑی دیکھ کر دور ہی سے رفو چکر نہ ہو جاؤ۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم جلال کی باتیں سن کر برہم ہو گئی تھیں۔ تمہاری برہمی اتنی جلدی کیسے کافور ہو گئی؟" میں نے پوچھا۔

"ڈرائی جن کا ایک گلاس پینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میرا غصہ بے سود ہے۔ امیگریشن والوں کی رپورٹ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے میں خاصی مدد دے گی۔"

"خاصی مدد!" میں نے حیرت سے دہرایا "میری دانست میں وہ رپورٹ فیصلہ کن ہوگی۔"

"اگر وہ چرایا ہوا پاسپورٹ ہے تو امیگریشن والے پورے وثوق سے اس کی تصدیق کریں گے۔ بن ڈیوڈ اسی پرواز سے کراچی پہنچا ہوگا جس سے کیلی اور آئی مین یہاں آئے تھے۔"

"تمہارے دماغ کا فتور ابھی تک دور نہیں ہوا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "بن ڈیوڈ کا یہاں آنا کافی نہیں ہے۔ وہ اس کی واپسی کا ریکارڈ بھی دیکھیں گے۔"

"مجھے توقع نہیں کہ تمہارے سرکاری اہلکار اتنے ذہین ثابت ہوں گے۔ وہ متبادل پاسپورٹ پر یہاں سے نکل گیا ہوگا۔"

"تم نے مرغے کی ایک ٹانگ کی رٹ لگا رکھی ہے۔" اول خان بولا "ایسا ہوا ہوگا تو اس کی آمد کے ریکارڈ کے سامنے یہ ریمارک ضرور لکھا گیا ہوگا کہ بن ڈیوڈ فلاں تاریخ کو ڈپلی کیٹ پاسپورٹ پر پاکستان سے واپس چلا گیا۔"

"چلو، میدان دور ہے نہ گھوڑا۔ شام تک پتا چل جائے گا کہ تم لوگ کتنے فرض شناس ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں یکایک ادھر کیوں آگئے۔"

"کیلی کے بیان کے بعد خالد سے دوبارہ ملنا ضروری ہو گیا

تھا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا "ہم آئی مین کا سراغ کھو چکے ہیں۔ اس تک رسائی کے لیے ہمیں نئے سرے سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔"

"اس کے ذریعے گوڈین کا نیا نام سامنے آیا ہے۔" اس سے پہلے کہ ویرا، کیلی کے بارے میں کوئی زہر فشانی شروع کرتی، میں نے اسے بتا دیا۔

"گوڈین!" ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے وہ نام دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد بولی "یہ وہی سدا بہار، کنوارا کرنل تو نہیں ہے جو بہت عمدہ دیسی شراب بنانے کے لیے مشہور ہے۔"

ہم دونوں ویرا کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ ہم مقامی ہوتے ہوئے گوڈین کے نام سے بے خبر تھے اور وہ غیر ملکی ہوتے ہوئے اس کا پورا نسب دہرا رہی تھی۔

"وہی ہے۔ اسی نے خالد کو آئی مین کے پاس بھیجا تھا۔" میں نے اقرار کیا۔

"ضرور بھیجا ہوگا۔ شی کے اچھے دنوں میں وہ میرے لیے بھی کام کرتا رہا ہے۔ آئی مین کو واشنگٹن والوں نے اس کا نام دیا ہوگا۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے بتایا "وہ شی کے بہت پرانے نمک خواروں میں سے ہے۔ اس پر اسی وقت بلہ بول دو" وہ سولجر بازار میں اپنے پر تعیش مکان میں ہی پایا جاتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "میں نے خالد کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ گوڈین ایک عیش کوش اور امن پسند آدمی ہے۔ اپنے دو آدمیوں کو اس کی طرف بھیج دو۔ وہ خاموشی سے اسے اٹھا لائیں گے۔ وہ مزاحمت نہیں کرے گا۔"

"تم نے اس کے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔" ویرا بے ساختہ بول پڑی "وہ قانون سے لڑنے کے بجائے مل کر چلنے کے اصول کا قائل ہے۔ شاید اپنی عافیت اور بے فکری کے لیے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ بھتوں کی مد میں دے دیتا ہوگا۔"

اول خان کے لیے اتنے اشارے کافی تھے۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور انٹرکام پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ کر ویرا کے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ اٹھ کر خاموشی سے میرے ساتھ ہولی۔

"تم بلاوجہ لمبے چکر میں پڑ رہے ہو۔ اس وقت آئی مین نے امریکی قونصل خانے میں پناہ لی ہوئی ہوگی۔ اگر ہمت ہے تو وہاں جاؤ اور اسے پکڑ لو۔" بیرک کے برآمدے میں ٹہلتے ہوئے ویرا نے مشورہ دیا۔ اس وقت برآمدے سے باہر، کھلے میدان میں چکا چوند کر دینے والی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ اس وقت شہر میں اس کے لیے ایک وہی جائے امان ہے اور اس عمارت کو سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ ہم اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتے۔"

"وہ اس عمارت میں مسلسل روپوش نہیں رہ سکتا۔ قونصل خانے کی نگرانی کا بندوبست کرو جوں ہی وہ باہر نکلے، اس کا پیچھا کرو اور اسے کہیں بھی گھیر کر پکڑ لو۔" ویرا نے نہایت پر خلوص انداز میں مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری عقل دھوپ چرنے گئی ہوئی ہے۔ مسئلہ یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ بن ڈیوڈ کی تصویروں سے ایک آس بندھی تھی، اسے تم نے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تصویر کی تصدیق ہونے تک ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔"

"میں نے کسی کو تذبذب میں نہیں ڈالا۔ میرے ذہن میں جو بات آئی تھی، وہ میں نے کہہ ڈالی۔" وہ بولی "تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا گوڈین تمہارا یہ تذبذب دور کر سکے گا؟"

"یہ سب درمیانی کڑیاں ہیں۔ فی الحال مجھے اس ڈرائیور کی تلاش ہے جو آئی مین اور خالد کو کالی گاڑی میں لی مارکیٹ لے گیا تھا۔ ڈرائیور بہت قریبی اور اندر کا خدمت گار ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آئی مین کا صورت آشنا ضرور ہوگا۔"

"یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ تم اس پر ضرورت سے زیادہ محنت کر رہے ہو۔ تم کو یہ وقت چوپڑا پر صرف کرنا چاہیے تھا۔"

برآمدے کے آخری سرے سے واپس لوٹتے ہوئے میں نے کہا "خالد کی کہانی آئی مین اور کیلی کے ناموں پر ختم ہو گئی تھی۔ یہاں تک دوڑ لگائی تو گوڈین کا نام سامنے آیا ہے۔ ہمیں ان سنپولیوں کے سر بھی کچلنے ہیں جو یہاں کا کھاتے ہیں اور یہیں سے غداری کرتے ہیں۔ گوڈین آئے گا تو وہ بھی کچھ نئے نام اگلے گا۔"

"وہ شاید تمہیں نہ پہچانتا ہو۔ مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ جائے گا۔"

"کیا وہ تمہیں پہچانتا ہے؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"ابھی بتا تو چکی ہوں کہ ماضی میں وہ میرے لیے کام کرتا رہا تھا۔"

”مگر اس زمانے میں تو تم بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں۔ سر سے پیر تک چست سیاہ لباس پہن کر سامنے آتی تھیں۔“

”ہیرا! وہ روپ شی کے عام کارندوں پر اپنی دہشت قائم رکھنے کے لیے تھا۔ خاص آدمی مجھ کو عام عورت کی طرح دیکھتے تھے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ گوڈین تمہارے خاص مقربین میں شامل تھا!“

”تمہیں اس سے بھی بڑا درجہ حاصل تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی ”تم نے تو اسی بلیک کوئین والے دور میں مجھے لباس فطرت میں بھی دیکھا تھا۔“

”تم بے شرم ہوگئی ہو۔ تمہارے دماغ میں کہیں نہ کہیں کوئی ٹیڑھ ہے جو شاید کبھی نہ نکل سکے۔“ میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

”مجھے اس ٹیڑھ پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی بھرپور انداز میں 'اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ اس سے جس قدر لذتیں کشید کر سکتے ہو' کرلو۔ یہ موقع دوبارہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔“ اس نے بے باکی سے جواب دیا۔

”یہ تمہارا بلکہ آج کے مغرب کا فلسفہ ہے۔ جہاں مادّی آسائشوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے 'مشرق اور خاص طور پر اسلام کا فلسفہ بالکل الگ ہے۔“

”جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں کے بسنے والے قناعت پسندی کی گود میں پناہ لینے لگتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔“

”یہ نہ کہو' مشرقِ وسطی میں کس چیز کی کمی ہے۔ امارت میں بہت سے عرب ملک امریکا سے آگے ہی....“

ویرا نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔ ”اپنے ملکوں میں بھی وہ بہت سے گل کھلاتے ہیں مگر پھر بھی وہاں اپنے قانون کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان امیر زادوں کا اصل روپ دیکھنا ہو تو یورپ اور امریکا کے کیسینو اور مہنگے نائٹ کلب دیکھو۔ ان میں سے بیشتر ان ہی کے دم قدم سے آباد ہیں۔“

”موت کے بعد زندگی کے بارے میں تم نے کچھ سوچا ہے۔“ میں نے دوسرے رخ سے سوال کیا۔

”بچپن میں مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔“ اس نے بے پروائی سے کہا ”مشکل یہ ہے کہ اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے....“

”کیا جو کچھ بتا دیا گیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔“ میں نے تیکھے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

”بات یہیں ختم کردو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو مذہب کی بات نکل آئے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مسلمان اپنے عقائد کے بارے میں کتنے کٹر ہوتے ہو۔ خود اپنے عقائد اور تعلیمات پر عمل کرو یا نہ کرو' دوسروں کی تنقید برداشت نہیں کر سکتے۔“

میں کڑی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ جواب میں کچھ نہیں بولا کیونکہ ہم اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

ہماری غیر موجودگی میں اس نے اپنا کام نمٹا لیا تھا اور اس وقت آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھا ہمارا منتظر تھا۔

”میں نے اپنے دو آدمی سولجر بازار کی طرف روانہ کردیے ہیں۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے جوتے مار کر لے آئیں گے۔“

”اس کے آنے تک ہمیں یہیں رکنا ہوگا؟“ میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں گھر میں کسی سے کچھ کہے بغیر نکلی تھی۔ وہاں کوئی میرا انتظار نہیں کرے گا۔“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”یہ کیا احمقانہ حرکت کی تم نے!“ میں نے تیزی سے پوچھا ”تم کو دیر ہوگئی تو غزالہ اور سلطان شاہ کو تشویش ہوگی۔ تمہیں ان کو بتا کر آنا چاہیے تھا۔“

اس کے انکشاف کے بعد گھر فون کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ میری آواز سنتے ہی غزالہ نے مجھے بتانا چاہا کہ ویرا ناراضی کے عالم میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کی وہ پریشانی رفع کرتے ہوئے بتا دیا کہ وہ اسٹیشن فور میں تھی اور ہم دونوں کو واپسی میں دیر ہو سکتی تھی۔

کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ اول خان نے اپنے اردلی کو کھانے کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی اور ہم تینوں باتوں میں الجھ گئے۔

اسٹیشن فور کے نیم فوجی میس کا کھانا سادہ مگر لذیذ تھا۔ اول خان کے اصرار پر ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا پھر ویرا کی فرمائش پر گرم گرم چائے آگئی۔ چائے نوشی کے دوران میں ہی انٹرکام پر اطلاع ملی کہ اول خان کے آدمی گوڈین کو پکڑ لائے تھے اور اسے لاک اپ میں ڈال دیا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ اسٹیشن فور میں لاک اپ کی اصطلاح فرنیچر سے عاری ان وحشت ناک کمروں کے لیے رائج تھی

جن میں سے ایک میں خالد کو رکھا گیا تھا۔
چائے پینے کے بعد ہم تینوں اول خان کے دفتر سے اٹھ کر گوڈین کی طرف چل دیے۔ ویرا کمرے کے باہر رک گئی۔ میں اول خان کے ساتھ اندر چلا گیا۔
وہ گہرے سانولے رنگ اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس کے بدن پر نفیس کپڑے نظر آرہے تھے' ایک انگلی میں بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے کسی اعصاب زدگی کا مظاہر نہیں کیا تھا۔ فکر مندی کے ساتھ ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہوا تھا۔
"میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے کسی عادی مجرم کی طرح یہاں لایا گیا ہے۔" ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے شائستہ لہجے میں احتجاج کیا "کیا میں جان سکتا ہوں کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"
"تمہاری حیرانی بجا ہے۔" میں نے سرد مہری سے کہا "تمہارے دوستوں نے تمہیں خطرے کا کوئی سگنل نہیں دیا اور تم ناگہانی مصیبت میں آگئے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ایک مدت سے اپنے گھر میں دیسی شراب بنانے کی بھٹی چلا رہے ہو مگر ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ یہاں سے تم کوئی بھتا دے کر نہیں نکل سکو گے۔ ہمیں اپنے چند سوالوں کے جواب درکار ہیں۔ یہاں سے تمہاری گلوخلاصی کی صرف ایک صورت ہے کہ تم سے جو کچھ پوچھا جائے' بتاتے چلے جاؤ۔"
اس کی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر سکون سے بولا "تم نے میری بھٹی کا حوالہ شاید مجھے بلیک میل کرنے کے لیے دیا ہے۔ اس کے بجائے تم سوال کرو تاکہ مجھے تمہارے عزائم کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔"
وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اعصاب کا بھی مالک تھا۔ میں نے پوچھا "دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔"
"میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارا غیر قانونی قیدی ہوں اور تم کو مجھ پر بہت زیادہ بالادستی حاصل ہے ...."
"آئی مین کب سے یہاں آیا ہوا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"میں کسی آئی مین کو نہیں جانتا۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔
"پھر تم نے خالد کو کس کے پاس بھیجا تھا؟" میں نے جارحانہ لہجے میں اگلا سوال کیا۔
"یہ نام بھی میرے لیے اجنبی ہے۔" اس کے اطمینان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔
اسی لمحے ویرا کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر گھس آئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی گوڈین کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"وی.... وی.... ویرا.... تم یہاں.... ان لوگوں کے ساتھ!"
"پہلے انہوں نے مجھے بھی تمہاری طرح اغوا کیا تھا۔ میں تمہاری طرح اپنے کس بل دکھاتی رہی یہ بہت سفاک اور بے رحم لوگ ہیں۔ انہوں نے ایسی مار لگائی کہ اب میں ان کی ہر ہدایت پر بے چون وچرا عمل کرتی ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ مار سے بچنے کے لیے تم بھی ان کے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاؤ۔"
گوڈین کے چہرے پر پہلی بار سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں یہاں بلاوجہ اشتہار نہیں چھپے تھے۔ تم واقعی یہاں موجود ہو۔ یہ لوگ شاید تمہارے اشارے پر مجھے یہاں لائے ہیں۔"
"اس بارے میں اپنا ذہن صاف کرلو۔" ویرا نے اسے مشورہ دیا "یہ لوگ میرے تابع نہیں ہیں۔ میں ان کے لیے کام کررہی ہوں۔"
"میں نے آئی مین کا نام سنا ہے' اس سے ملا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اسے نہیں جانتا۔ وہ مجھ سے نقاب لگا کر ملا تھا۔" ویرا کو دیکھتے ہی گوڈین کے غبارے کی ہوا نکل گئی اور اس نے ایک ہی سانس میں بولنا شروع کردیا "میں نے خالد کو اس سے ملنے کے لیے بھیجا تھا۔ شاید وہ اب بھی اس کے لیے کام کررہا ہو مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس کے لیے کوئی جرم کیا ہے نہ کسی کا خون بہایا ہے۔ اخباروں میں چھپنے والے واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا کو دیکھتے ہی تمہارا حافظہ واپس لوٹ آیا۔ اب یہ بتاؤ کہ آئی مین سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی۔"
"اس سے میری پہلی اور آخری ملاقات ڈیفنس کے بی باون نمبر بنگلے میں ہوئی تھی۔ وہاں اس نے مجھے سلور آئی دکھائی تھی اور پانچ ہزار ڈالر دیے تھے۔ بعد میں' میں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کبھی کبھی مجھے فون کرتا رہتا ہے۔" گوڈین نے روانی سے بولنا شروع کردیا تھا۔

وہ ہمارا پہلا قیدی تھا جس نے ذرا سی بھی مار کھائے بغیر سوالوں کے جواب دینے شروع کر دیے تھے۔ ذو عزلیکی رونمائی ہوتے ہی اس کا سارا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔

"اس نے تم کو آخری فون کب کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے دن اور تاریخ تو یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ اس کے فون کے اگلے ہی دن اخباروں میں اس کا نام آیا تھا۔ اس پر کلفٹن کے علاقے میں کسی کو مارنے کا الزام تھا۔"

"اس کی گاڑی کون چلاتا ہے؟" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کس سے کیا کام لیتا ہے۔ اس بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔" اس نے بے چینی سے اپنا وزن دوسری ٹانگ پر منتقل کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم اس کے ریکروٹنگ ایجنٹ تھے۔ تم نے کتنے آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا تھا۔"

"خالد کے علاوہ اس نے دو پرانے آدمیوں کے فون نمبر دیے تھے۔ یہ تین چار مہینے پہلے کی بات ہے۔ جب وہ نیا نیا کراچی آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کس نے اس سے رابطہ کیا ہو گا۔"

"جب شی یہاں مرکھپ چکی ہے تو وہ یہاں کیا لینے کے لیے آیا ہے؟" اس بار ویرا نے اس سے سوال کیا تھا۔

اس بار وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اندرونی ذہنی کشمکش کے وہ لمحات گزر جانے کے بعد اس نے تھکی ہوئی اور دھیمی آواز میں کہا "اسے تمہاری اور ڈینی کی تلاش ہے۔ وہ تم دونوں کو ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔"

جب سے آئی مین کا نام سامنے آیا' ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ اسی سوال کا تھا۔ سر توڑ کوششوں کے باوجود ہم اس سوال کا جواب پانے میں ناکام ہو چکے تھے لیکن گوڈین نے بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اس سوال کا جواب فراہم کر دیا تھا۔

وہ ویرا کو اچھی طرح پہچانتا تھا مگر میری اصلیت سے بے خبر تھا۔ اس سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ مجھے کوئی زک پہنچا سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کراچی میں ویرا کی موجودگی کی تصدیق کر دیتا۔ وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ابتدا سے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگ کراچی کو اپنا مرکز بنا کر نیویارک سے دہلی تک اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری توجہ کراچی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے اہم ترین افراد کراچی آتے اور اپنی زندگیاں گنواتے رہے تھے۔ ان میں صرف جان الیش کوف ایسا خوش نصیب تھا جو بروقت کراچی سے فرار ہو کر دہلی میں جا بیٹھا تھا اور زندہ تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کی وجہ سے اس کی ریشہ دوانیاں پس پردہ چلی گئی تھیں۔ اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے آئی مین پہلے سے کراچی میں براجمان تھا اور آنے والے وقت کے لیے اپنے اردگرد شی کے پرانے جاں نثاروں کو یکجا کر رہا تھا۔

میں نے گوڈین کو آئی مین بلکہ بن ڈیوڈ کی شناخت کے لیے اٹھوایا تھا۔ اس سلسلے میں اس سے سرے سے کوئی مدد ملنے کی امید نہیں تھی لیکن اس نے کراچی میں آئی مین کی موجودگی کا سبب بیان کر کے ہر بات کا ازالہ کر دیا تھا۔

گوڈین کے بیان کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ راجا جیسے گروہ بند بدمعاش کو دس ہزار روپے فی کلو گرام کا زر تلافی دے کر خالد کو اس کے پیچھے لگانے کے مقاصد بہت زیادہ پیچیدہ نہیں تھے۔ وہ آئی مین کا قلیل مدت کا ایک منصوبہ تھا جس کا ظاہری مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنے گرد جمع ہونے والے اپنے حواریوں کو سوچنے کا کوئی موقع دیے بغیر مصروف رکھ سکے اور کسی آڑے وقت کے لیے انہیں آزمائشوں سے گزارتا رہے۔

"میں تمہارے سامنے ہوں۔ ڈینی بھی کہیں عیش کر رہا ہو گا۔ وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح شہر میں جگہ جگہ چھپتا پھر رہا ہے۔" ویرا نے گوڈین کو جواب دیا "جس طرح گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے اسی طرح تمہارے آئی مین کی موت اسے امریکا سے کراچی لائی ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ جلد ہی وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے پاکستان کے کسی کونے میں امان نہیں مل سکے گی۔"

"میں اس کا ملازم ہوں۔ پانچ ہزار ڈالر دے کر وہ مجھے خرید چکا ہے۔ تم کو میرے سامنے اس کے بارے میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔ تم میرے مزاج سے واقف ہو۔ میں جس کا نمک کھاتا ہوں' آخری دم تک اس کا وفادار رہتا ہوں۔"

"میں یہ باتیں اسی لیے بتا رہی ہوں کہ یہاں سے واپسی کے بعد تم میرا پیغام اس تک پہنچا دو۔" ویرا نے تلخی سے کہا۔

گوڈین نے بے ساختہ اپنے دونوں کان پکڑ لیے اور بولا

"یہ پیغام رسانی میرے بس سے باہر ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ تمہارے آدمی بہت شرافت اور خاموشی سے مجھے گھر سے لائے تھے۔ یہاں سے رہا ہو کر میں گھر پہنچوں گا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ مجھے کچھ دیر کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ آئی مین کو بھنک مل گئی کہ تم نے مجھ پر ہاتھ ڈالا ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے ہر اس آدمی کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جو اس کی سلامتی کے لیے ذرا بھی خطرہ پیدا کر سکے۔"

"ہمیں چکما دینے کی کوشش مت کرو۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "یہاں سے تمہاری گلوخلاصی اتنی آسان نہیں ہے۔ اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے تم ویرا یا کسی اور کو فریب نہیں دے سکتے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ہمارا مہمان رہنا ہوگا۔"

"پھر میں آئی مین کی واپسی تک تمہاری پناہ میں رہنا چاہوں گا۔" اس نے مزید کسی بحث میں پڑے بغیر براہِ راست وہی بات کہی جو اس سے پہلے خالد بھی کہہ چکا تھا "میری واپسی میں دیر ہوئی اور یہ بات پھیل گئی کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا تو خبر اس کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔"

"وہ تمہارا خون پیئے یا تمہاری نازبرداری کرے' یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ تمہاری آسانی کے لیے ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔" میں نے اپنے لہجے میں درشتی برقرار رکھی۔

گوڈین کی ملتجیانہ نگاہیں ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو دغا نہیں دوں گا۔ اس کے ساتھ میں تم کو بھی جانتا ہوں۔ تم سے وعدہ خلافی کروں تو اپنے ہاتھ سے میری گردن کاٹ دینا۔ میں اُف تک نہیں کروں گا۔"

"ابھی اسی کمرے میں آرام کرو۔" ویرا نے سپاٹ آواز میں کہا "دیکھتے ہیں کہ تمہارے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"خالد کے علاوہ تم نے جن دو آدمیوں کو آئی مین کے پاس بھیجا تھا' ان کے نام پتے کیا ہیں؟" میں دوبارہ کام کی بات پر آ گیا۔ یہ بات میرے ذہن میں سرایت کر چکی تھی کہ اس بار ہر اس آدمی کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے جس نے آئی مین جیسے خطرناک مجرم کا ذرا سا بھی ساتھ دیا ہو۔

اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کی جیب میں قلم کے ساتھ جیبی نوٹ بک بھی موجود تھی۔ اس نے گوڈین کے بتائے ہوئے دونوں نام اور پتے نوٹ کر لیے۔

گوڈین سے ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" اول خان نے کمرے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد پژمردہ آواز میں کہا۔

"تم نے دھیان نہیں دیا۔ گوڈین نے آئی مین کی آمد کا مقصد واضح کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ بات میں شروع سے ہی سمجھ رہی تھی۔" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی "مگر میں نے زبان نہیں کھولی کہ تم لوگ اسے خوش فہمی اور مبالغہ آرائی قرار دے کر میرا مذاق اڑاؤ گے۔ سچ بات یہ ہے کہ اس وقت میرے اور تمہارے ناموں نے امریکا میں بڑے بڑوں کی نیند اڑائی ہوئی ہو گی۔"

"یہ عجیب بات ہے کہ آئی مین کے حوالے سے آنے والا ہر قیدی یہاں رکنے پر مصر ہے۔" اول خان بڑبڑایا "پہلے خالد تھا' اب یہ آ گیا۔"

"اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ نیا آئی مین کتنا خونخوار ہے۔ اس نے اپنے ہر زر خرید کے دماغ میں اپنی دہشت بٹھائی ہوئی ہے۔" ویرا بولی۔

"نتیجہ سامنے آئے بغیر کوئی کسی سے یوں دہشت زدہ نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "اس ملعون کے فرمودات اپنی جگہ خاصے سنگین رہے ہوں گے۔ ان میں دہشت کا عنصر پچھلے چند روز کی سنسنی خیز اخباری کہانیوں نے بھرا ہے۔ اس کے بارے میں شائع ہونے والے مواد سے یہ تاثر ابھرا ہے کہ وہ اپنے لیے خطرہ بننے والے ہر شخص کو اپنے اور پرائے کی تمیز کیے بغیر کسی خون آشام بھیڑیے کی طرح چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا بلا توقف مجھ سے متفق ہو گئی "میرا ذہن اخباروں کی طرف نہیں گیا تھا مگر میں حیران تھی کہ اس کے لیے کام کرنے والے اس سے اس قدر دہشت زدہ کیوں ہیں۔ اب بات سمجھ میں آ گئی ہے۔"

"گوڈین کے بارے میں تم کیا سوچ رہی ہو؟" اول خان نے قدرے توقف کے بعد پوچھا "چلتے چلتے تم نے اس سے امید افزا بات کی تھی۔"

"گوڈین کی آمدنی کے ذرائع غیر قانونی ہیں مگر بنیادی طور پر وہ ذہین اور شریف آدمی ہے۔"

"سلیس اردو میں اسے شریف بدمعاش کہا جا سکتا ہے۔" میں نے مزاحیہ انداز میں لقمہ دیا "گوڈین سے بات کرنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"اس شریف بدمعاش نے ماضی میں میری سفاکی کے

ہرے بھی دیکھے ہیں۔ اگر ہم اس کی تجویز مان لیں تو میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے وعدہ خلافی کر کے اپنی قبر کھودنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہم ہر وقت اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔"

"اس کے آدمیوں کو بند رکھ کر ہم اسے خوف زدہ کر سکتے ہیں۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ رات ہونے سے پہلے ان دونوں آدمیوں کو بھی اٹھوالوں جن کی نشاندہی گوڈین نے کی ہے۔ آئی مین کو رابطوں میں ہر طرف ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا تو اس کا دماغ الٹ جائے گا اور وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھے گا جو ہمیں اس کی شہ رگ تک پہنچادے گی۔" اول خان نے فکر آمیز لہجے میں اپنی رائے دی۔

"پھر تو ہم نے کیلی بائرن کو چھوڑ کر سب سے بڑی غلطی کی ہے۔" ویرا نے برجستہ کہا "آئی مین امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا ہے۔ کیلی بھی وہیں لے جائی گئی ہے۔ اپنی مادہ کو اپنے پہلو میں پاکر اسے ناقابلِ بیان ذہنی سکون حاصل ہوا ہوگا۔"

"میں یہ نہیں جانتا کہ کیلی اس کے پہلو میں گئی ہے یا کسی بستر پر پڑی ہوئی ہے۔" میں نے تیکھے لہجے میں جواب دیا "یہ ضرور جانتا ہوں کہ کیلی کی پوزیشن دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ باضابطہ سرکاری قیدی تھی۔ یہ ایس ٹی ایف کے شکار ہیں۔ ان کے ساتھ ہم من مانا سلوک کر سکتے ہیں۔"

"تم جو سلوک کرنا چاہو کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ گوڈین کو رہا کردو۔"

"گوڈین، خالد اور ان جیسے دوسرے لوگ ہمارے لیے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ویرا کی بات مان لینی چاہیے۔" اول خان اچانک اپنے موقف سے دست بردار ہوگیا اور میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"یہ تمہیں کیا ہوگیا۔ تھوڑی دیر پہلے اپنی بولی بول رہے تھے۔ اب ویرا کے ہم نوا بن گئے!" میں نے کہا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری "ویرا کی سفارش کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گوڈین کو ہم دونوں سے زیادہ جانتی ہے۔ آئی مین کو اعصاب زدہ کرنے کے لیے گوڈین کو یہ ہدایت کی جاسکتی ہے کہ وہ اگلے تین دنوں کے لیے اپنے ٹیلی فون کے تار نکال دے۔"

"تار اب فرسودہ ہوگیا۔ وہ خطرناک دھندا کرتا ہے۔ اس کے پاس یقینی طور پر موبائل فون موجود ہوگا۔" میں نے اعتراض کیا۔

"یہ اور بھی آسان بات ہے۔ موبائل فون کھو بھی سکتا ہے۔ گھنٹیاں بجتی رہیں اور وہ جواب نہ دے۔ موبائل فون بند بھی کیا جاسکتا ہے۔" اول خان نے ویرا کی وکالت شروع کردی۔

اول خان کی ہر تجویز مصائب تھی۔ گوڈین اپنی گلوخلاصی کے لیے وہ بے ضرر شرائط تسلیم کر سکتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو آسانی سے کسی سے کوئی وعدہ نہیں کرتے اور جب وعدہ کر لیتے ہیں تو پوری طرح اس کا پاس کرتے ہیں۔

"ٹھیک ہے۔ اس کے بارے میں تم جانو اور ویرا جانے۔ اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ اتنا اہم آدمی نہیں ہے کہ اس کے فون سے جواب نہ ملنے پر آئی مین اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اس سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہو۔ ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔ وہ اپنے قونصل خانے میں دبکا رہے گا۔ ہمیں صبر کے ساتھ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"دراصل میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی۔" ویرا بولی "گوڈین کو روکنے سے آئی مین کے معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آئی مین کے ان حاشیہ برداروں پر بعد میں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی توجہ آئی مین پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"جلال کی طرف سے کوئی خیر خبر ملی تو میں تمہیں بتادوں گا۔" گوڈین کا قصہ طے ہوتے ہی میں نے کرسی چھوڑ دی۔ میرے ساتھ ویرا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کوشش کروں گا کہ خالد سے بھی جان چھوٹ جائے۔" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا پھر میرا ہاتھ تھامے تھامے اپنی میز کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ تپتی ہوئی دھوپ میں باہر نکلنے کے بجائے ہم دونوں کو برآمدے سے ہی رخصت کردے لیکن وہ نہ مانا۔ برآمدے سے اتر کر بیرک کی اوٹ میں کھڑی ہوئی گاڑی تک ہمارے ساتھ آیا اور ہمارے روانہ ہونے تک وہیں کھڑا رہا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم گوڈین پر اتنی مہربان کیوں ہورہی تھیں؟" اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد میں نے استہزائیہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"تمہارا لہجہ تضحیک آمیز ہے۔" اس نے نرمی سے کہا "وہ پاکستانی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا ہم مذہب بھی ہے۔"

"دوسرے عیسائیوں سے تم نے کبھی ایسے لگاؤ کا مظاہرہ

نہیں کیا۔" میں نے تلخی سے سوال کیا "اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔"

"تم بلاوجہ اس کی طرف سے حسد اور رقابت کا شکار ہو رہے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" اس نے کھنک دار ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ تم خود بتا چکی ہو کہ اس نے تمہیں نقاب کے بغیر دیکھا ہوا تھا۔"

"اس میں بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اپنے اعتماد کے کئی ساتھیوں سے میں عام حیثیت میں ملا کرتی تھی۔"

"یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ میں شی میں سی ون ہوا کرتا تھا پھر بھی میں اس وقت تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا جب تک تم مجھ پر خود مہربان نہیں ہوئیں۔ جہانگیر ڈی ون تھا مگر اسے آخر تک پتا نہ چل سکا کہ بلیک کوئین کون ہے۔"

"آخر تم ان باریکیوں میں کیوں الجھ رہے ہو۔ اعتماد عہدوں پر نہیں، افراد پر کیا جاتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے گوڈین کے خلاف میرے خیالات جان کر وہ دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی ہو "یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تمہیں اس سے کیا لینا ہے۔"

"ویرا!" میں نے لمحے بھر کے لیے سڑک پر سے نظریں ہٹا کر اسے گھورا پھر دوبارہ سڑک پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کہا "میں نے اپنی زندگی کسی خانقاہ میں نہیں گزاری۔ میں مردانہ خباثتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہاری طرف دیکھتے ہوئے اس مردود کی آنکھوں میں ایک عجیب سی پرامیدی اور چمک نظر آنے لگتی تھی.... سچ سچ بتانا کہ وہ تمہاری کسی خلوت کا ساتھی تو نہیں تھا۔"

آخری سوال کسی آتش گیر لکیر کی طرح میرے ذہن میں کوندا اور بے ساختہ الفاظ کی صورت میں میری زبان پر آگیا۔ ویرا کی دبی دبی فخر آمیز ہنسی سن کر مجھے احساس ہوا کہ اس وقت میں نے اپنے مردانہ وقار کے منافی بات کی تھی۔ وہ خیال ذہن میں آ ہی گیا تھا تو اسے زبان پر نہیں آنا چاہیے تھا۔

"تو یہ کہو کہ تم اس سے رقابت محسوس کر رہے ہو۔" اس نے نرمی سے میرا بایاں بازو دباتے ہوئے کہا "میں نے تمہارے سامنے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ میرا ماضی کسی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے میں مردوں سے مٹی کے کھلونوں کی طرح کھیلنے کی عادی تھی، ایسے کھلونے جن سے بچے اپنا دل بہلاتے ہیں اور جب اکتا جاتے ہیں تو انہیں کوڑے دان میں پھینک کر ہمیشہ کے لیے بھول جاتے ہیں مگر گوڈین کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"تم میرے تجربے کو جھٹلانے پر تل گئی ہو تو میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "مگر میں یہ جانتا ہوں کہ گوڈین کی نظروں میں تمہارے لیے بے انتہا اپنائیت تھی۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ انگلیاں مار کر اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دوں۔"

"ڈینی!" اس نے میرا بازو تقریباً نوچتے ہوئے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ آپس کی باتوں میں، میں جھوٹ نہیں بولتا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اس وقت میں خوش ہوں۔ بہت .... بہت ہی زیادہ خوش ہوں کہ آج پہلی بار پتھر کو جونک لگی ہے۔ تمہاری آنکھیں ہمیشہ مجھ سے کچھ کہتی رہتی ہیں لیکن تم نے اپنا مردانہ بھرم رکھنے کے لیے اپنی زبان پر خاموشی کے وزنی قفل ڈالے ہوئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج تم کچھ بولے ہو۔ میری وجہ سے تمہیں کسی مرد پر غصہ آیا ہے۔ یہ میرے لیے فخر اور غرور کا مقام ہے۔"

"ایک ذرا سی بات کو افسانہ نہ بناؤ۔ تم ہماری امان میں آئی ہوئی ہو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مرد تم پر بری نظر ڈالے۔"

ویرا معنی خیز انداز میں ہنس پڑی اور میرے پہلو میں چٹکی لیتے ہوئے بولی "اب بات بنانے کی کوشش مت کرو۔ حقیقت بے ساختہ الفاظ کا روپ دھار کر تمہارے لبوں پر آگئی تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اسے تم کسی طرح واپس نہیں لوٹا سکتے۔ تمہارا جھوٹا بھرم ٹوٹ گیا ہے تو اسے یوں ہی رہنے دو۔ اپنے وقار کا مسئلہ نہ بناؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ آج تم گوڈین سے کیوں اور کیسی نفرت محسوس کر رہے تھے۔ تمہارے الفاظ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ بن چکے ہیں۔ مجھ سے میرا یہ اثاثہ چھیننے کی کوشش مت کرو۔"

چٹکی مروڑ کر اس نے میرے بائیں پہلو میں گدگدی کر ڈالی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ میں بل کھا کر رہ گیا اور تیزی سے بولا "یہ کیا کر رہی ہو۔ ٹریفک کی بھیڑ میں حادثہ ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے پرس میں سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگائی اور میرے لبوں میں تھما دی۔ اپنے لیے دوسری سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے ہلکی سی مخمور آواز میں کہا

"آج حادثوں کا دن ہے۔ حادثاتی طور پر تمہارے دل کا چور کھل گیا۔ اب گاڑیاں لڑ بھی جائیں تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پورے سکون سے مر سکوں گی۔"

"ایسے منحوس اور بے رحمانہ کلمات منہ سے نہ نکالو۔ میرے ساتھ کچھ ہوا تو غزالہ رو رو کر اپنی جان دے دے گی۔"

"تم چکی کے دو پاٹوں میں پھنسے ہوئے ہو۔" وہ پیار سے میرا بدن سہلاتے ہوئے بولی "ایک تم ہو کہ آج گوڈین کی ذرا سی نظریں برداشت نہیں کر سکے۔ میرا حوصلہ دیکھو کہ میں دن رات تمہیں غزالہ کے ساتھ خوش دیکھ کر خود بھی خوش ہوتی رہتی ہوں۔ کبھی شکوے کا ایک حرف اپنی زبان پر نہیں لاتی۔"

اس کی ذہنی رو ایک خطرناک رخ پر بہک چلی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے بات بڑھانے کی کوشش کی تو وہ بہت کچھ کہہ ڈالے گی۔ میں نے خاموشی اختیار کر کے گاڑی کی رفتار قدرے تیز کر دی تاکہ وہ سفر جلد از جلد ختم ہو جائے۔

"تم بولتے کیوں نہیں.... چپ کیوں ہو؟" میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے مجھے ٹوکا۔

"تم سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری خاموشی ہی سب سے بہتر ہے۔"

"شاید تمہارے دل کو پچھتاوا لگ گیا ہے کہ غیر ارادی طور پر تمہارے دل کی بات تمہاری زبان پر کیوں آگئی۔" وہ مجھے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت میرا ذہن آئی مین اور بن ڈیوڈ میں الجھا ہوا ہے۔ پتا نہیں اس معمے کا کیا حل سامنے آئے گا۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے وہ بات چھیڑ دی جس میں ویرا اس روز حد سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔

"تم دیکھ لینا کہ جلال کو مایوسی ہوگی۔" وہ میری چال بازی کو نہیں سمجھ سکی اور پھندے میں آگئی۔

میرا مقصد اسے دوسری باتوں میں الجھانا تھا تاکہ اس کے ذہن سے محبت اور اپنائیت کا خمار اتر سکے۔ میں نے جلال کی کوششوں کی کامیابی کی توقع ظاہر کر دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ ویرا نے زور و شور سے بحث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس بار میں مباحثے میں پوری سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔

○☆○

میرا خیال تھا کہ جلال اپنی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے مجھے فون پر اپنی کوششوں کے نتیجے سے آگاہ کرے گا مگر وہ چھ بجے خود ہمارے گھر آپہنچا۔ اس کے متین اور باوقار چہرے پر خوشی یا افسوس کی کوئی ایسی علامت نہیں تھی جس سے اس کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ لگایا جا سکتا۔

"تمہارے بشرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔" میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"فرائض کی ادائیگی میں یہی ہوتا ہے۔ ہمیں تنخواہ اسی بات کی ملتی ہے۔" اس نے ہنس کر خوش دلی سے جواب دیا "اب اگر گرما گرم چائے کی ایک پیالی مل جائے تو دن بھر کی ساری تھکن ذرا سی دیر میں کافور ہو جائے گی۔"

"میں ابھی دو منٹ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ویرا نے اس پرخلوص پیش کش کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت غزالہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گئی ہوئی تھی۔ اس کی غیر حاضری میں ہلکی پھلکی میزبانی کی ذمے داری ویرا کو ہی اٹھانی تھی۔

"اس وقت تمہارے اطوار کچھ پراسرار سے ہیں۔" ویرا کے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں جلال سے کہا "تم نے خلافِ معمول ابھی تک کام کی بات شروع نہیں کی۔ امیگریشن انکوائری کا کیا رہا؟"

"ابھی کوئی بات نہیں ہوگی۔" کچن سے ویرا کی آواز آئی "میں آرہی ہوں۔" شاید اسے میری سرگوشی کی بھنک مل گئی تھی۔

"ویرا کو آجانے دو۔" جلال نے بلند آواز میں کہا "یہ تصدیق ہو گئی ہے کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"

"میرے لیے جلال کا وہ جواب کافی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر پہلو سے جائزہ لیے بغیر اس تصدیق پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ میں نے اسے گوڈین کی کہانی سنانی شروع کر دی تاکہ کچن سے ویرا کی آمد تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہے۔

"یہ بھی ایک پہلو تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے دیکھ لیا۔ اس وقت ہم کامیابی کے کسی موہوم ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔" اس نے پوری روداد سننے کے بعد کہا "آئی مین مختلف ذرائع سے آدمیوں کو یکجا کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون اس کا ڈرائیور تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گوڈین نے آئی مین کی یہاں آمد کا سبب بتا دیا۔ شاید اس نے ابتدا میں اپنے ساتھ ملنے والوں پر ذرا زیادہ اعتماد کیا تھا۔"

ویرا نے چائے بنانے میں غیر معمولی پھرتی دکھائی اور ٹرے میں چار پیالیاں لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔
"چائے پھیکی ہے۔ چینی اپنی اپنی مرضی کے مطابق ڈال لینا۔" اس نے ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے اعلان کیا۔
چائے نوشی کا آغاز ہونے تک آپس میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھر ویرا کی تجسس کی رگ پھڑک اٹھی "ابھی تم ڈینی کو بتا رہے تھے کہ آئی مین کے پاسپورٹ کی تصدیق ہو گئی ہے۔" اس نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا۔
"میں نے یہ نہیں کہا تھا" جلال نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی "میں نے بتایا تھا کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"
"اوہ...." ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر کہا "یہ تو اور بھی آگے کی بات ہے۔ یہ بات امیگریشن والے نہیں بتا سکتے تھے۔ یہ نتیجہ تم نے اخذ کیا ہوگا۔"
"مختلف ذرائع سے ملنے والی رپورٹوں کو یک جا کر کے صحیح ترین نتائج اخذ کرنا ہی میرا اصل کام ہے۔ امیگریشن والوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ وہ پاسپورٹ اصلی ہیں۔ کیلی اور بن ڈیوڈ میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا ہے۔"
"اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس بارے میں کچھ بات کرلوں۔" ویرا نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"ڈینی نے مجھے فون پر تمہاری رائے سے آگاہ کردیا تھا اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ تمہارے کچھ کہنے سے پہلے میں تمہیں چند باتیں بتا دوں تاکہ تمہیں میرے اخذ کیے ہوئے نتیجے کی بنیاد کا علم ہو سکے۔ میں مفروضوں پر کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ہر وقت ٹھوس حقائق پر نظر رکھتا ہوں۔"
"ضرور.... یہ کام تمہارا ہے مگر میں محض معلومات کے لیے کچھ جاننا چاہ رہی تھی۔" ویرا جلدی سے بولی۔
"ان میں سے کوئی پاسپورٹ مسروقہ نہیں ہے۔ کراچی آمد کے وقت دونوں کے امیگریشن کارڈ یکساں تحریر میں پر کیے گئے ہیں۔ بس دستخط الگ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوران سفر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔"
"اور تم بتا رہے ہو کہ ان دونوں میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا۔" ویرا نے تائید چاہی۔
"ہمارے یہاں ابھی خودکار طریقے رائج نہیں ہوئے مگر پاکستانی اہل کار موٹے موٹے رجسٹروں پر محنت سے کام کرتے ہیں۔ آنے والے ہر مسافر کی روانگی کا اندراج اس کی آمد کے سامنے ہوتا ہے۔ ان دونوں کو لانے والی پرواز سے کل سترہ غیر ملکی پاکستان آئے تھے۔ پندرہ واپس جا چکے ہیں۔ یہ دونوں یہاں مقیم ہیں۔ ان کے اصل پاسپورٹ میرے قبضے میں آ چکے ہیں۔"
ویرا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ بے اختیار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی "اگر بن ڈیوڈ کے نام سے کوئی باہر نہیں گیا اور وہ دونوں یہیں مقیم ہیں تو ہر بات واضح ہے۔ بن ڈیوڈ ہی یہاں آئی مین بنا ہوا ہے۔"
جلال کا جواب جامع اور مسکت تھا۔ ویرا کو اپنے دل کی باتیں آگے بڑھانے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ ویرا کے شبہات بہت زیادہ قرین قیاس تھے اور ان کا بروقت دور ہونا ضروری تھا۔ جلال نے پاسپورٹ برآمد ہوتے ہی بن ڈیوڈ کی تصاویر فوری طور پر ہر طرف پھیلا دی تھیں لیکن اسی کے ساتھ اس نے ان سفری دستاویزات کی کڑی اور فول پروف چھان بین کا بھی بندوبست کرلیا تھا۔ دونوں کی کارکردگی میں یہ فرق تھا کہ جلال خاموشی سے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ویرا نے اپنے شبہات کا نقارہ بجا کر ہم سب کو تذبذب اور بے یقینی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ جلال نے اپنی کوششوں سے ہر ابہام دور کردیا تھا۔
"تم نے کوئی انوکھی بات نہیں سوچی تھی۔" میں نے ویرا کو اخلاقی سہارا دینے کے لیے نیم مزاحیہ انداز میں کہا "جلال کے ذہن میں بھی اسی قسم کے شبہات رینگ رہے تھے۔ اس نے کیلی سے روبرو بات کی تھی اس لیے وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پر اعتماد تھا۔ تم دور تھیں اس لیے تمہارا یقین بہت کمزور تھا۔"
"شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے ہیں تو اب ہمیں بھرپور وار کردینا چاہیے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ویرا بولی۔
"بھرپور وار کرنے کی تیاریاں جاری ہیں۔" جلال نے بتایا "میری ایک ٹیم کے ارکان باری باری امریکی قونصل خانے سے نکاس کے ہر راستے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ چوبیس گھنٹے وہاں موجود رہیں گے اور بن ڈیوڈ کی جھلک دیکھتے ہی اس کا پیچھا کرنا شروع کردیں گے...."
"وہ بہت تیز اور متحرک آدمی ہے۔ میری اور ویرا کی سرکوبی کے لیے یہاں آیا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک اپنے قونصل خانے کے چوہے دان میں بند ہو کر نہیں بیٹھے گا۔" میں نے جلال کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر پُر خیال لہجے میں کہا۔
"مجھے بھی اسی وقت کا انتظار ہے۔ وہ باہر نکلے گا اور پکڑا جائے گا۔" جلال نے امید ظاہر کی۔

"یہ خطرہ اس کے ذہن میں بھی موجود ہوگا کہ قونصل خانے کی نگرانی کی جائے گی۔ ٹام اور نک سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد بن ڈیوڈ اور اس کے سرپرست بہت زیادہ محتاط ہوجائیں گے۔" میں نے ذرا محتاط رہتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ میں اپنی کسی بات سے جلال کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔

"شاید تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو مگر کہتے ہوئے جھجک رہے ہو۔" جلال بلا کا ذہین آدمی تھا۔ فوراً میری ہچکچاہٹ کو تاڑ گیا۔

"امریکی قونصل خانے کے پاس بند گاڑیوں کا پورا بیڑا موجود ہے جس میں سبک رفتار بکتربند گاڑیاں بھی شامل ہیں۔ وہ کسی بند اور محفوظ گاڑی میں اسے نکالنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے بتایا نا کہ میرے ایک دو آدمی نہیں، پوری ٹیم وہاں نگرانی پر مامور کی گئی ہے۔ جن بند گاڑیوں کے سوار نظر نہیں آئیں گے، ان کا بھی منزل تک پیچھا کیا جائے گا۔ میں نے اپنی منصوبہ بندی میں ہر پہلو کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے باوجود کہیں چوک ہوجائے تو یہ ہمارے مقدر کی خرابی ہوگی مگر یہ سارا بندوبست عارضی ہے....."

"یہ اقدام سفارتی آداب کے منافی ہیں۔ انہیں بھنک مل گئی تو وہ احتجاج کا ایک طوفان کھڑا کردیں گے۔" ویرا نے تشویش سے کہا۔

"انہوں نے اپنی حرکتوں سے ہمیں اس بندوبست پر مجبور کیا ہے۔ جب تک بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی تصدیق نہیں ہوئی تھی میں قدرے بے فکر تھا۔ میں نے ابھی تک اسلام آباد والوں کو نگرانی کے کام سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں سے پسپائی کی ہدایات آجائیں گی۔ میری یہ تشویش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"امریکا ایک اہم ملک ہے۔ اس سے کھل کر محاذ آرائی مول نہیں لی جاسکتی۔" میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "اسلام آباد سے رجعت کے احکام آئے تو بات پھیل جائے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم خاموشی سے اپنے آدمیوں کو ہٹالو۔ یہ مورچا ایس ٹی ایف سنبھال لے گی۔ شاید اسی لیے تم اس بندوبست کو عارضی کہہ رہے تھے۔"

"فالکن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد حالات تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں۔ کراچی میں مقیم امریکیوں کو آج پہلے سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے۔" ویرا نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنی خفت کو فراموش کردیا تھا اور پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ رات کے سناٹے میں ان اطراف میں ہونے والی غیر معمولی نقل وحرکت زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکے۔ ایسی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں وہاں حفاظتی نفری بڑھادی گئی ہے۔"

"یہ سب ممکن ہے۔ اس وقت میں مخمصے میں ہوں۔ جیک کے قتل کا معاملہ آئی بی کے پاس ہے اور آئی مین ہمارا مجرم ہے۔ سارے شواہد بتارہے ہیں کہ وہ اپنے قونصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر ہمارے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔" جلال نے الجھی الجھی باتوں کا جال توڑتے ہوئے کھل کر کہا "ثبوت ہو تو ہم ان سے بن ڈیوڈ کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ میں نے واقعات کی روانی میں اپنے آدمی وہاں مامور کردیے ہیں لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"ان سے یہ توقع عبث ہے کہ ثبوت ہوگا تو وہ بن ڈیوڈ کو شرافت سے تمہارے حوالے کردیں گے۔" میں نے افسوس کے ساتھ کہا "قانون اور ضابطوں نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ میری رائے میں اب تمہیں خاموشی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ بن ڈیوڈ کو اس کے چوہے دان سے نکال کر پکڑنے کا کام ہمارے اور ایس ٹی ایف کے لیے چھوڑ دو۔ اس کی مصدقہ تصاویر ہمارے قبضے میں ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکے گا۔"

وہ بہت گہرا آدمی تھا۔ ہمارے گھر پہنچا تو یوں پُرسکون نظر آرہا تھا جیسے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ آنے کے بعد اس نے چائے نوشی اور ویرا سے سرسری بحث میں خاصا وقت اطمینان سے گزار دیا تھا لیکن اس وقت امریکی قونصل خانے کے اطراف کے حالات زیر بحث آنے پر اندازہ ہورہا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ وہ قانون کا پابند اور محتاط افسر تھا۔ پچھلی طویل رفاقت میں، میں نے بارہا یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اپنے مجرموں کی سرکوبی کے لیے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کا عادی تھا۔

اس پوری مدت میں اس نے صرف ایک بار قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اسے دہلی میں را والوں کے ہاتھوں عبداللہ کے بہیمانہ قتل پر گہرا دکھ تھا۔ اسے اپنے ذرائع سے پتا چل گیا تھا کہ دہلی میں را کے ونود نامی آدمی نے عبداللہ کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جلال نے اسی وقت عہد کیا تھا کہ وہ ونود سے عبداللہ کے قتل کا انتقام

ضرور لے گا پھر ونود کے ستارے گردش میں آگئے۔

دہلی سے تبادلہ کر کے اسے اسلام آباد بھیجا گیا۔ وہاں سے کراچی کے بھارتی قونصل خانے میں آگیا۔ جلال نے اسلام آباد میں بھی اس پر نگاہ رکھی تھی مگر اسے وہاں اپنے دشمن پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ونود کراچی آیا تو جلال نے اس کے معمولات پر گہری نظر رکھی اور پھر ایک شام مجھ سے بیم گن ادھار لے کر اس نے ایک ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس وحشی درندے کو نہایت صفائی سے جہنم واصل کردیا۔

قانون سے تجاوز کا وہ اکلوتا واقعہ شاید جلال کے منصبی فرائض کے ذیل میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایک خالص ذاتی معاملہ تھا۔ ونود نے جلال کے منظور نظر، عبداللہ کو اپنے وطن میں مارا جلال نے اپنی سرزمین پر ونود کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر اپنا بدلہ لے لیا۔

بن ڈیوڈ سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے آئی مین کے روپ میں پاکستان میں بیٹھ کر سازشوں کا جال پھیلانا شروع کردیا تھا۔ وہ معاملہ نیچے سے اوپر تک، ہر ذمے دار سرکاری اہل کار کے علم میں تھا۔ اس کو ونود کی طرح راستے سے ہٹانا، جلال کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔" جلال نے میری تجویز کے جواب میں کہا "ہم کسی سفارتی عمارت کی باضابطہ نگرانی کے مجاز نہیں ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ایس ٹی ایف جلد از جلد وہاں کا چارج سنبھال لے۔ وہاں سے نکلنے کے چار راستے ہیں۔ فوری طور پر ایس ٹی ایف کے چار ہوشیار آدمی وہاں پہنچ جائیں تو میں اپنی پوری ٹیم کو وہاں سے ہٹا سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں شام کو اپنی رپورٹ بھیجوں تو اس میں ٹیم کی تعیناتی کے ساتھ واپسی کا ذکر بھی آجائے تاکہ مجھے کسی سبکی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"چھوٹے ملکوں کے بڑوں کی سوچ بھی چھوٹی ہوتی ہے۔" ویرا نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا "تم سے تمہارے بڑے شاید ان چند گھنٹوں کی نگرانی پر بھی جواب طلب کرسکتے ہیں۔ امریکا کو دیکھو کہ وہاں کا صدر کانگریس، سینیٹ اور عوام کے کسی بھی احتساب سے بے خوف ہو کر پورے اعتماد سے تشی کی سرپرستی کررہا ہے جو پاکستان کے علاوہ نہ جانے کس کس ملک میں تباہیاں پھیلا رہی ہے اور کوئی اس پر کھل کر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتا کیونکہ پوری امریکی انتظامیہ ان کی پشت پناہ ہے۔"

"ان چند گھنٹوں کی نگرانی کے لیے میں کوئی نہ کوئی جواب دے دوں گا۔ مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔ تشویش آنے والے وقت کے بارے میں ہے۔" جلال نے خفیف سی جھنجلاہٹ کے ساتھ جواب دیا "ہم پس پردہ رہ کر سب کچھ کرسکتے ہیں، سامنے آکر کچھ نہیں کرسکتے۔"

"نگرانی کے لفظ کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "تم آسانی سے یہ موقف اختیار کرسکتے ہو کہ قونصل خانے کے قرب و جوار میں کسی تخریبی کارروائی کے اندیشے کے پیش نظر تم نے وہاں خفیہ حفاظتی انتظامات کیے تھے جو مطلع صاف ہونے پر ختم کردیے گئے۔"

"ویری گڈ۔" جلال نے بے ساختہ کہا "نگرانی کو تحفظ کا نام دینے سے ہر جواب دہی کا اندیشہ ختم ہوجائے گا۔ تمہارا یہ مشورہ بہت برمحل ہے۔ حفاظتی انتظام کے لیے کوئی بھی جواز ہوسکتا ہے۔ مشتبہ افراد کی غیر معمولی نقل و حرکت کی عام سی کہانی ہر ایک کے لیے قابلِ قبول ہوگی۔"

"اب تم کو اول خان سے بات کرلینی چاہیے۔" اس کی بات پوری ہونے پر میں نے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ وہ تمہارے پاس آیا ہوا ہوگا۔ وہ آج کل اپنی اکثر شامیں تمہارے ساتھ گزارتا ہے۔"

"ابھی فون پر دیکھے لیتے ہیں کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"ذرا ایک منٹ!" ویرا بے تابی سے بولی "ایک بات تشنہ رہ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ بھرپور وار کرنے کی تیاریاں جاری ہیں اور تمہارے آدمی چوبیس گھنٹے قونصل خانے کی نگرانی کریں گے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ تمہارا محکمہ اس کارروائی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھے گا۔"

"میری بات ڈپٹی نے درمیان سے اچک لی تھی۔" جلال نے وضاحت کی "میں اسی کے ساتھ اپنی مجبوری بیان کرنے والا تھا۔ یہ بات ابتدا سے میرے ذہن میں چبھ رہی ہے کہ آئی بی اپنی قانونی حدود میں رہ کر ان کے غیر قانونی ہتھکنڈوں کا مقابلہ نہیں کرسکے گی۔ جب سفارت کار اپنی مراعات کی آڑ میں جرائم کا ارتکاب کرنے لگیں تو صورتِ حال بہت دشوار ہوجاتی ہے۔ انہیں کھل کر للکارنا پڑتا ہے جس سے بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے یا پھر مصلحت آمیز خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ موجودہ حالات میں ہم امریکا سے کھلی محاذ آرائی مول نہیں لے سکتے اور یہی ایک نکتہ میرے بڑوں کو بے بس کیے ہوئے ہے ورنہ وہ خود بھی امریکیوں سے نالاں ہیں۔"

میں نے موبائل فون پر اول خان کا نمبر ملایا تو وہ گھر پر موجود تھا۔

"تم وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو' جلال تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہوا ہے۔" رسمی سلام دعا کے بعد میں نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ آئی مین اور بن ڈیوڈ کا معما حل ہوا یا جوں کا توں ہے۔" جلال کا نام سنتے ہی اسے وہ مسئلہ یاد آ گیا۔

"دونوں ایک ہیں۔ اب بن ڈیوڈ کی تصویریں اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں گی۔"

ریسیور پر اول خان کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا "خدا کا شکر ہے کہ یہ بوجھ سر سے اترا۔ ویرا نے اپنی موشگافیوں سے میری آدھی جان نکال دی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیلی تمہارے اور جلال جیسے خرانٹ آدمیوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہو گئی۔"

"بس یہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب وہ بھی شرمندہ ہے۔"

ویرا میری یک طرفہ باتیں سن رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ فقرہ اس کے بارے میں کہا تھا۔

"اگر جلال کے پاس وقت ہو تو میں دس منٹ میں تمہارے گھر پہنچ سکتا ہوں۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔

"اس وقت وہ تم سے ملنے آیا ہے۔ انتظار کرے گا۔ تم فوراً آجاؤ۔" میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"بن ڈیوڈ کا معاملہ اول خان کو سونپ دینے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے جلال کو اول خان کی آمد سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا۔

"میرے پاس ہر وقت بہت سے بکھیڑے موجود رہتے ہیں۔ اس وقت سرکاری طور پر جیک' بن ڈیوڈ اور کیلی کا کیس میری ایجنسی کے پاس ہے۔ میں اس سے کنارہ کش نہیں ہو رہا۔ اس کی تفتیش کا کام چلتا رہے گا۔ صرف قونصل خانے کی نگرانی کا معاملہ ٹیڑھا ہے جو میں ایس ٹی ایف کے سپرد کر دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے آدمی پس پردہ رہ کر صورت حال پر نگاہ رکھیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"بالکل۔ ایک مرتبہ وہ وہاں سے نکل آیا تو میرے آدمی پوری طاقت کے ساتھ اسے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تمہارے آدمی بن ڈیوڈ کے بجائے ایس ٹی ایف سے ٹکرا جائیں۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"اول خان سے بات کر کے ایسے کسی امکان کا انسداد کر لیا جائے گا۔" اس نے قدرے بے پروائی سے جواب دیا "اس دوران میں' میں چوپڑا اور اس کے آدمیوں پر کچھ محنت کروں گا۔ صدر سے پکڑا جانے والا مشتبہ آدمی بھی اب سی آئی اے کے بجائے ہمارا قیدی ہے۔"

"اس وقت دونوں محاذ ساتھ ساتھ کھلے ہوئے ہیں۔" غزالہ بولی۔ وہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

"دونوں کے مقاصد ایک ہیں۔" جلال نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا "دونوں یہاں عدم استحکام اور خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں جہاں چاہتے ہیں' وار کر گزرتے ہیں۔"

"وہ اتنے کامیاب بھی نہیں ہیں۔ اس وقت را کے کم از کم پانچ آدمی تمہارے قیدی ہیں۔" ویرا بولی۔

"پانچ کون؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔ وہ ابتدا سے خاموش بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس وقت اس نے پہلی بار اپنی زبان کھولی تھی۔

"تین آدمیوں کا گروہ پہلے پکڑا گیا تھا جس میں ایک مقامی مسلمان بھی شامل تھا۔ چوتھا چوپڑا ہے۔ پانچواں وہ مشتبہ آدمی ہے جسے کل کے دو دھماکوں کے بعد سی آئی اے نے پکڑا تھا اور اب وہ جلال کے محکمے کا قیدی ہے۔" ویرا نے گنتی گنوا دی۔

"ان تین آدمیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ حرص اور لالچ میں اندھا ہو کر ان کا ساتھ دینے والا مسلمان سلطانی گواہ بننے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ شاید اس کا ضمیر جاگ گیا ہے۔" جلال نے افسردگی سے کہا "اس نے کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں کئی خون ریز وارداتوں کا اعتراف کیا ہے۔ وہ تینوں ہماری تحویل میں نہیں تھے۔ ان کا چالان پولیس عدالت میں پیش کرے گی۔ اس وقت ہمارے دو قیدی ہیں۔ ایک چوپڑا اور دوسرا دھنی لال۔"

"پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ وہ کامیاب جا رہے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"واردات ہو جانے کے بعد مجرم کو پکڑ لینا میری نظروں میں کامیابی نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں اصل کامیابی اس وقت شمار کی جاتی ہے جب وارداتوں کا سلسلہ یکسر موقوف ہو جائے۔ ابھی ہم اس منزل سے دور ہیں۔ بن ڈیوڈ نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا دی۔ اس کی اوپری منزل پر دو بچے جھلس گئے۔ را والوں نے شہر میں دو بم چلا دیے۔ دس بے

گناہ شہری زخمی ہوئے' ایک بے چارہ بے موت مارا گیا۔ یہ ان کی کامیابیاں ہیں۔ وہ اپنا ہدف حاصل کر رہے ہیں۔"

"چوپڑا پیچ کا آدمی ہے۔ وہ خود کچھ نہیں کرتا' دوسروں کی ڈوریاں ہلاتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اس کو ہدایات دہلی سے ملتی ہیں جہاں انل بسوس کی جگہ کوئی اور آگیا ہوگا۔ میدان میں اصلی تباہی پھیلانے والے وہ لوگ ہیں جو یہاں پکڑے گئے ہیں۔ ان میں آخری مشتبہ شخص سب سے زیادہ اہم ہے۔ چوپڑا نے تم کو اپنے چار آدمیوں کے نام دیے تھے جو ایک ہوٹل میں روپوش تھے اور چوپڑا کے گرفتار ہوتے ہی زیر زمین چلے گئے۔ کیا وہ ان میں سے ایک نہیں ہے۔"

"سی آئی اے والوں کو پس منظر کا علم نہیں تھا اس لیے وہ تشدد کر کے اس کی زبان کھلوانے کی کوششیں کرتے رہے۔ ہم بعض فنی مجبوریوں کی وجہ سے منتظر رہے۔ اب وہ ہمارے پاس آگیا ہے تو اس کی اصلیت کھل جائے گی۔ اس نے اپنا جو نام بتایا ہے وہ چوپڑا کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل نہیں تھا۔"

"شاید چار ایجنٹوں کی یہ آخری کھیپ تھی جو انل نے پاکستان بھیجی تھی۔" ویرا نے کہا "ان کی سرکوبی ہو جائے تو شہر میں کافی دنوں کے لیے سکون ہو جائے گا۔"

"ہم بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ انل کا جانشین معاملات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے وقت لے گا۔" جلال نے جواب دیا "شہری آبادیوں میں قتل و خوں ریزی گھٹیا حرکتیں ہیں۔ اصل فرق بڑے منصوبوں پر پڑے گا۔ انل کی موت کے بعد بھارتی شاید کوئی بڑی سازش نہیں کر سکیں گے۔"

"یہ خوش فہمی اپنے دل سے نکال دو۔" ویرا کسی تردد کے بغیر بولی "بھارت والے سازشوں کے شہزادے ہیں۔ انہوں نے تمہارے ملک کو آج تک کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ تمہاری بیخ کنی کے لیے نت نئے منصوبے بناتے رہیں گے۔ اس کا بہترین جواب یہی ہے کہ تم ان کے حلق میں اپنی انگلیاں ڈالتے رہو۔"

وہ سب معاملات ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس لیے گفتگو کا رخ بن ڈیوڈ سے را کی طرف ہو گیا۔ اول خان کی آمد تک ہم پانچوں را والوں کی سرکوبی کے امکانات پر سر کھپاتے رہے۔ اول خان کے آتے ہی فضا بدل گئی اور روئے سخن دوبارہ بن ڈیوڈ کی طرف ہو گیا۔

"میری رائے ہے کہ کچھ دیر کے لیے ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔" ان کی ابتدائی گفتگو کے ابہام کے پیش نظر میں نے چند منٹ بعد تجویز پیش کی "تاکہ یہ کھل کر بات کر سکیں۔ بعد میں ضروری باتیں خود ہی ہمارے علم میں آجائیں گی۔"

ہم چاروں نے بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے نیم دلی سے ہمیں روکنا چاہا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ رسمی تکلف سے کام لے رہا تھا' اول خان سے جملہ معاملات طے کرنے کے لیے اسے تخلیے کی ضرورت تھی۔ غزالہ ڈرائنگ روم سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم تینوں ویرا کے کمرے کی طرف ہو لیے۔

"مجھے ان واقعات پر اب کچھ جمود سا طاری ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔" ویرا کے کمرے میں پہنچ کر سلطان شاہ نے پر تشویش لہجے میں کہا "بن ڈیوڈ امریکی سفارت کاروں کی گود میں جا بیٹھا ہے چوپڑا صدف مینشن میں پڑا سڑ رہا ہے اور مشتبہ آدمی اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔" ویرا نے تسلی دی "زیادہ دیر تک یہ سب ایسا نہیں رہے گا۔ کسی نہ کسی مرحلے پر ان کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔"

"ایک بات یاد رکھو کہ سیکرٹ ایجنٹ اگر پیشہ ور ہو تو دشمن کی تحویل میں مرجاتا ہے مگر اپنی زبان نہیں کھولتا۔" میں نے اسے سمجھایا "تشدد کر کے کسی کو مار دینا بہت آسان کام ہے لیکن اسے زندہ رکھ کر لب کشائی پر مجبور کرنا بہت مشکل کام ہے۔"

"چوپڑا نے آئی بی کے قبضے میں آنے کے بعد سب کچھ اگل دیا۔ کیلی نے آج ہی تم لوگوں کو بہت کچھ بتایا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"ان دونوں میں سے کوئی بھی سیکرٹ ایجنٹ نہیں ہے۔ چوپڑا بھارتی سفارت خانے کا ایک عام سول سرونٹ ہے۔ کیلی ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ کیلی کی لب کشائی میں دو عناصر بہت اہم تھے۔ ایک صدف مینشن کا ڈراؤنا ماحول اور دوسرا جلال کا نفسیاتی جھٹکوں کا حربہ۔"

"یہ را والوں کی باتیں ہیں جو چلتی رہیں گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "امریکی سفارت کاروں کو اب یہ احساس دلانا ضروری ہو گیا ہے کہ ہم لوگ ان کے قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی موجودگی سے پوری طرح باخبر ہیں اور ان کی یہ حرکت ان کی سفارتی بدنامی کا سبب بن سکتی ہے۔"

"ٹام اور نک سے ہونے والی ملاقات میں ان پر بہت کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔"

”وہ غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ باتیں تھیں۔ ان سے باضابطہ احتجاج کیا جانا چاہیے۔“ ویرا نے اصرار کیا۔

”تم احتجاج کی بات کررہی ہو۔ میں نے ان دونوں سے ملاقات میں صرف اتنا کہا تھا کہ فالکن ہاؤس کے واقعات کے بارے میں ان کی معلومات کا ذریعہ آئی مین کی ذات ہے تو وہ دونوں شائستگی کو فراموش کرکے لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔“ میں نے کہا۔

”وہاں سب کچھ ہوسکتا تھا۔ باضابطہ مراسلے کے جواب میں وہ ایسی کوئی حرکت ریکارڈ پر نہیں لائیں گے۔ تم جلال کو مشورہ دو کہ وہ متعلقہ حکام کے ذریعے قونصل خانے پر تحریری دباؤ ڈالے کہ وہ اپنی سفارتی عمارت میں روپوش مجرم کو مقامی حکام کے حوالے کریں۔“

میں بے اختیار ہنس پڑا ”جلال دودھ پیتا بچہ نہیں ہے کہ اسے میرے مشورے کی ضرورت ہو۔ وہ ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر ہے۔ میرے کسی مشورے کا برا بھی مان سکتا ہے کہ میں اس پر مسلط ہونے کی کوشش کررہا ہوں۔“

”اس میں مسلط ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت وہ از خود اس معاملے پر اول خان سے مشورہ کررہا ہے۔“

”شاید تمہارے خون میں الکحل کی مقدار کم ہوگئی ہے جس سے تمہاری یادداشت پر برا اثر پڑا ہے۔ تمہیں یاد نہیں کہ وہ ثبوت کے بغیر امریکیوں سے کسی باضابطہ مطالبے کے حق میں نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں‘ اس نے یہ تو کہا تھا۔“ ویرا کا لہجہ کمزور پڑگیا ”کسی ثبوت کے بغیر وہ ایسے مطالبے کو الزام تراشی قرار دے دیں گے۔“

”میں یہی کہہ رہا تھا کہ جلال ذمے دار اور ذہین افسر ہے۔ وہ معاملات کے ہر پہلو پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ تمہاری طرح جذبات کی روانی میں نہیں بہتا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔“ ویرا نے ایک تپائی پر سے اسکاچ کی بوتل اٹھاتے ہوئے کہا ”مجھے تھوڑی سی الکحل کی ضرورت ہے۔“

”میری موجودگی میں تو یہ بدبو دار بوتل نہ کھولو۔“ سلطان شاہ نے برا سامنہ بناکر کہا۔

”تم بدذوق آدمی ہو۔ اپنی ناک بند کرلو۔“ ویرا نے گلاس میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہو۔ تو یہاں یہ ہورہا ہے۔“ اسی وقت غزالہ دروازے پر نمودار ہوگئی۔

”اس گندے کمرے میں اکثر یہی ہوتا رہتا ہے۔“ سلطان شاہ نے غزالہ کو اکسایا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ اس چھت کے نیچے یہ حرام نوشی بند ہونی چاہیے۔ جب ڈینی یہ بُری عادت ترک کرسکتا ہے تو ویرا کو بھی اس برے کام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔“

”گلاس میں نے اپنے لیے بنایا ہے اور نشے میں تم بہک رہے ہو۔“ ویرا نے زہرخند کے ساتھ کہا اور وہسکی میں پانی ملاکر ایک گھونٹ حلق سے اتار لیا۔

”تم کو اس بارے میں سوچنا چاہیے۔“ غزالہ نے کمرے میں ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا ”یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔“

”ایسی بری بھی نہیں ہے۔ ایک اکیلی عورت کو اس سے بہت سہارا ملتا ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں جتنا وقت گزار لیتی ہوں وہ بہت لطف دیتا ہے ورنہ میری زندگی میں تنہائی یا پھر بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے سوا کیا رکھا ہے۔“

”تم یہاں رہ کر اپنا وقت ضائع کررہی ہو۔ اسی کے ساتھ ڈان مرسیانو کی ساری محنت بھی برباد ہورہی ہے۔“ سلطان شاہ نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا ”میلان چلی...“

”شٹ اَپ!“ ویرا غصیلی آواز میں غرائی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں غصے سے ابل رہی تھیں۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی ”تمہاری بدتمیزیاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ اب یہ میری برداشت سے باہر ہیں۔ مجھ سے اپنی حدود میں رہ کر بات کیا کرو۔“

میں بس ایک لمحے کے لیے حیران ہوا پھر بات میری سمجھ میں آگئی۔ تنہائی میں بلکہ میری موجودگی میں بھی وہ سلطان شاہ کی بڑی بڑی باتیں برداشت کرلیتی تھی لیکن غزالہ کی موجودگی میں ڈان مرسیانو اور میلان کے حوالے سے وہ اپنی توہین برداشت نہیں کرسکی۔

اس نے اپنے ماضی کے بارے میں کھل کر ہر بات غزالہ کو بتائی ہوئی تھی جس میں ڈان مرسیانو کی دی ہوئی آوارہ مزاجی کی تربیت اور میلان کے امیرزادوں کی شب بیدار‘ رنگین محفلوں کے تذکرے بھی شامل تھے۔ ان میں سے ہر لفظ شرافت اور پاکیزگی کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا۔

سلطان شاہ کو بھی ویرا کے غیر معمولی ردّعمل سے اندازہ ہوگیا کہ غزالہ کے سامنے وہ باتیں دہرا کر وہ غلطی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے ویرا کو ترکی بہ ترکی کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔ کچھ دیر کے لیے ہم تینوں خاموش

بیٹھے رہے۔ اس خاموشی میں ویرا کا غصہ خود بخود تحلیل ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے گلاس میں وہسکی اور پانی کی مقدار برابر رکھی تھی جس کے نتیجے میں گلاس کا تلخ اور تیز ہونا ناگزیر تھا۔ ویرا نے دو گھونٹ لیے پھر اسی گلاس میں مزید پانی ملا کر جھلملاتے ہوئے طلا رنگ محلول کو ہلکا کرلیا اور پھر سگریٹ سلگانے لگی۔

"میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔" خاصی طویل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے وہ گمبھیر سکوت توڑا۔

"کس کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے سگریٹ کا کش لگا کر پرسکون آواز میں پوچھا۔ سلطان شاہ کی معاملہ فہمی نے شاید اسے بھی دل ہی دل میں نادم کردیا تھا کہ سلطان شاہ کی غلطی کے ردِ عمل میں وہ اس کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہوئی تھی۔

"امریکیوں کے علم میں آنا چاہیے کہ ہم بن ڈیوڈ کی کمین گاہ سے باخبر ہیں۔" سلطان شاہ نے اسے جواب دیا۔

"میں اس بارے میں ہر معقول تجویز کا خیر مقدم کروں گا۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"جلال سے فون نمبر لے کر تم نک یا ٹام سے براہِ راست بات کرو..." سلطان شاہ نے بولنا شروع کیا ہی تھا کہ ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"براہِ راست بات کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی گردن پھنسوالو اور..."

"ذرا سلطان شاہ کو اپنی بات پوری کرلینے دو۔" میں نے ویرا کو درمیان میں ٹوکا "میرا خیال ہے کہ میں اس کی بات سمجھ رہا ہوں۔"

ویرا خاموش ہوگئی۔ سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی "تم کرنل داور کی حیثیت میں اس سے مل چکے ہو۔ اسے معلوم ہے کہ تم ایس ٹی ایف کے افسر ہو۔ ایس ٹی ایف ریکارڈ رکھنے والی فورس نہیں ہے۔ جلال کے برعکس تم اس سے بہت کچھ کہہ سکتے ہو۔ اسے بتاؤ کہ تم قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی روپوشی سے باخبر ہو۔"

"بہت معقول تجویز ہے۔" ویرا نے اسے سراہا "کبھی کبھی تمہاری کھوپڑی واقعی معجزے اگلنے لگتی ہے۔"

"اس بارے میں جلال کو اعتماد میں لینا ہوگا۔" غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ وہ شروع سے ہماری گفتگو میں شریک نہیں رہی تھی لیکن سلطان شاہ کی تجویز سن کر پوری بات سمجھ گئی تھی۔

"یہ ضروری نہیں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "وہ خود اس معاملے سے جزوی علیحدگی اختیار کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ یہ تبدیلی عمل میں آجائے اور ایس ٹی ایف والے آئی بی کی ٹیم کی جگہ لے لیں تو پھر بن ڈیوڈ کو اس کے بل سے باہر نکالنے کے لیے ہمیں اپنی حکمتِ عملی اختیار کرنے کا حق مل جائے گا۔ جلال سے مشورہ لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی ذمے داری کا کچھ نہ کچھ بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیں۔ اس کا الگ رہنا سب سے بہتر رہے گا البتہ میں اول خان کو یہ بات ضرور بتا دوں گا۔"

"اس کو بتانا ضروری ہے کیونکہ یہ فون ایس ٹی ایف کی طرف سے کیا جائے گا۔" ویرا نے میری تائید کی۔

غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ گھر کی فضا میں اول خان کی بلند آہنگ آواز گونجی۔ وہ ہم لوگوں کو بلا رہا تھا۔

"تم دونوں کے مذاکرات بہت جلد ختم ہوگئے۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے، ہنس کر کہا۔

"سوچ یکساں ہو تو زیادہ بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں رہتی۔ ٹیم کی تبدیلی کا عمل تھوڑی دیر میں شروع ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں میرے آدمی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں گے اور آئی بی والے وہاں سے ہٹ جائیں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ صرف مذاکرات مکمل نہیں ہوئے، ان پر عمل درآمد کا مرحلہ بھی شروع ہو گیا۔" ویرا بولی۔

"ہم دونوں ہی آج کا کام کل پر چھوڑنے کے عادی نہیں ہیں۔" جلال نے کہا "دونوں راضی تھے۔ فون موجود تھا پھر دیر کیوں کی جاتی۔"

اس بندوبست میں جلال کی طرف سے عجلت ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ جب تک بن ڈیوڈ کی تصویر کی تصدیق نہیں ہوئی تھی، بات دیگر تھی۔ بن ڈیوڈ کے آئی مین ثابت ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی تھی۔ وہ پہلے ہی اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکا تھا کہ وہ بن ڈیوڈ کا سراغ کھو دینے کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر، جلد از جلد اپنے آدمیوں کی واپسی کا خواہاں تھا تاکہ شام کو اسلام آباد بھیجی جانے والی فیکس رپورٹ میں وہ قصہ ختم ہو جائے۔

"تم سے معاملات طے ہوگئے۔ اب مجھے کچھ اور کام نمٹانے ہیں۔" جلال نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

"قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔" جلال کو رخصت کرنے کے بعد اول خان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "میں سوچ رہا تھا کہ اس بار میدان آئی بی والوں کے ہاتھ رہے گا۔ میری فورس تماشائیوں کی طرح کھڑی رہ جائے گی لیکن دیکھو کہ وہ خود آیا اور ذمے داری مجھے سونپ کر چلا گیا۔"

"آدمیوں کی تبدیلی کا کام ایک گھنٹے میں مکمل ہوگا تو مجھے بھی اسی وقت ٹام یا نک کو فون کرنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم نے جلال سے ان دونوں کے فون نمبر نہیں لیے۔" ویرا نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

"میں نے دانستہ اس سے فون نمبر نہیں پوچھے۔ وہ مجھ سے سوال جواب کرتا اور بات کھل جاتی۔ وہ ان معاملات سے الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تو میں اسے کسی گند میں نہیں گھسیٹوں گا۔ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی تو مناسب وقت آنے پر اسے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"ٹام، نک اور فون کا کیا معاملہ ہے؟" اول خان نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم لوگ بھی الگ بیٹھ کر کوئی نئی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔"

"ان دونوں کے فون نمبر تو تمہارے پاس بھی ہوں گے۔" اپنا مدعا بتانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"دفتر سے مل جائیں گے۔" اس کا جواب سن کر میرا دل خوش ہو گیا "وہ دونوں یہاں اپنی ایجنسیوں کے باقاعدہ نمائندے ہیں اس لیے ان کے دفاتر اور گھروں کے نمبر میرے دفتری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔"

"تم اسے کب فون کرو گے؟" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آٹھ بلکہ ساڑھے آٹھ بجے۔ اس وقت تک تمہاری تبدیلیاں مکمل ہو چکی ہوں گی۔" میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر جواب دیا۔

"پھر میں چلتا ہوں۔" وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ گیا "ان تبدیلیوں کے دوران مجھے ان ہی اطراف میں موجود رہنا ہوگا تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ کام مکمل ہوتے ہی میں تمہیں فون کر دوں گا۔ میری کلیرنس کے بعد تم کسی بھی وقت ان کو فون کر سکتے ہو۔"

"چلنے سے پہلے ان کے نمبر تو دیتے جاؤ۔" میں نے اسے یاد دلایا اور وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔

اپنے دفتر فون کر کے اس نے دونوں کے نمبر لیے تو ایک نیا انکشاف ہوا۔ ان دونوں کے دفاتر کے نمبر مختلف تھے لیکن

رہائشی نمبر ایک ہی تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ یہ ایک اچھی بات تھی۔ ان دونوں کو الگ الگ دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک کو دیا ہوا پیغام بلا تاخیر دوسرے تک پہنچ سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹ کر اول خان بھی ہم سے رخصت ہو گیا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں وہ دن اور رات کے کسی بھی وقت کی پروا کیے بغیر مستعدی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ سستی اور کاہلی نام کی کوئی خصلت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

اول خان کی آواز پر ویرا اپنا آدھا گلاس کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ دروازے سے اسے رخصت کرکے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بعد میں، میں بھی اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ کھڑے کھڑے بے تابی سے ایک لمبا گھونٹ لے رہی تھی۔

"پینی ہی ہے تو بیٹھ کر آرام سے پیو۔ کوئی تم سے یہ گلاس چھین نہیں لے گا۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی۔

"حیرت ہے کہ تم پرانے پاپی ہوتے ہوئے مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو۔" اس نے گلاس اپنے یاقوتی لبوں سے الگ کرتے ہوئے، مسکرا کر کہا "یہ وہ شے ہے کہ سامنے ہو تو پھر صبر نہیں ہوتا۔ دل چاہتا ہے کہ ایک ہی گھونٹ میں پوری بوتل اپنے معدے میں انڈیل لی جائے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اور سلطان شاہ کے درمیان تلخی بڑھنے سے پہلے ختم ہو گئی۔" میں نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

"وہ ہر وقت اول فول بکتا رہتا ہے۔ اس نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ غزالہ کمرے میں آچکی تھی۔"

"غزالہ کے آنے سے کیا فرق پڑ گیا۔ وہ غیر نہیں، ہم ہی میں سے ہے۔"

"یہ بات شاید تم نہیں سمجھ سکو گے۔ مجھے اس پر اچانک غصہ آگیا تھا۔"

"ویسے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔" میں نے ٹٹولنے والے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اور بات ہے۔ تم کو میں اپنے آپ سے الگ نہیں سمجھتی۔ غزالہ ایک عورت ہے۔ میں اس کے سامنے اپنی سبکی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اس کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ تم اسے اپنی پوری کتھا خود سنا چکی ہو۔"

"مختصر مختصر"

- حیرت انگیز باتوں کے بارے میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ نئی نسل کے لیے بالکل حیرت انگیز نہیں ہوتیں۔
- دنیا میں جو چیزیں ہمیں مشقت سے بچانے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں وہ مسترد شدہ تجاویز ہیں۔
- پانچ سال پہلے میرا بہترین دوست میری بیوی کو بھگا کر لے گیا تھا۔ لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ میں نے اس کی حرکت کی وجہ سے ہی اسے اپنا بہترین دوست سمجھا تھا۔" (ایک امریکی کا مکالمہ)

"وہ فضا کچھ اور رہی ہوگی۔ اس وقت کی بات دوسری تھی۔" وہ پہلو بدل کر بولی "حرامی بچہ اپنا نام کچھ بھی رکھ لے، وہ حرامی ہی رہتا ہے لیکن کوئی اسے اس نام سے پکارے تو وہ اسے گالی سمجھ کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے۔"

اس نے اپنی بات واضح کرنے کے لیے اتنی کھلی مثال دی تھی کہ مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ آج رات ہم دونوں کہیں باہر جا سکیں؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے وہ سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔

"باہر جا کر تمہیں کیا مل جائے گا؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"خلوت اور تنہائی جو اس گھر میں میرے اور تمہارے لیے نایاب ہے۔" اس نے ٹھنڈا سانس لے کر حسرت سے کہا "میں گوڈین کی احسان مند ہوں کہ اس کی وجہ سے تم نے میرے لیے اپنائیت کا ایسا اظہار کیا جسے سننے کے لیے میں ترسی ہوئی تھی۔" وہ وہسکی کے گلاس کو اپنی لمبی لمبی، مخروطی انگلیوں میں گھما رہی تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آج تک میں سمجھتی رہی کہ صرف میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے دل میں

میرے لیے ہمدردی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ نرم کوئی گوشہ نہیں ہے۔ آج تم نے گوڈین کی آنکھیں پھوڑ ڈالنے کا عندیہ دے کر میرا دل خوش کردیا۔ میں تمہارے ساتھ باہر نکل کر اس خوشی کا جشن منانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کی کسی خوش گمانی کی تردید نہیں کی۔ یہ ضرور کہا کہ اس رات ہم سب کا دستیاب رہنا ضروری تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں کسی بھی لمحے کہیں سے کوئی اطلاع آسکتی تھی۔ وہ عذر اتنا معقول تھا کہ ویرا کے لیے بحث کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور چمکتی ہوئی پرامید نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"اس طرح کیا گھور رہی ہو۔ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"سچ سچ بتانا۔ کبھی غزالہ نے بھی تم سے میری شکایت کی ہے کہ میں تمہیں عجیب نظروں سے دیکھتی ہوں۔" ویرا نے ایک بے تکا سا سوال کردیا۔

"عورت کی بری نظریں دوسری عورت فوراً تاڑ جاتی ہے۔ ایک بار نہیں' غزالہ نے کئی بار یہ شکایت کی ہے کہ تم عجیب والہانہ نظروں سے میری طرف دیکھتی رہتی ہو۔ یہ میری محتاط روی کا نتیجہ ہے کہ بات صرف شکایتوں تک محدود ہے۔ کبھی اس سے آگے نہیں بڑھی ورنہ تم نے ہمارے درمیان فساد کا بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"یہ سب بے اختیار چیزیں ہوتی ہیں۔ مجھے اکثر ماضی کے وہ رنگین لمحات یاد آتے ہیں جب تم میرے قریب ہوتے تھے اور..." وہ جذباتی لہجے میں بولنے لگی مگر میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ماضی کے ان فتنوں کو نہ کریدو۔ جو گزر گیا وہ اچھا وقت تھا۔ اب آج کے بارے میں سوچو۔ ماضی میں یہ بھی ہوا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ہمارے درمیان کئی بار گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔"

ویرا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسکاچ کا ایک گلاس ختم کرکے اس نے دوسرا تیار کرلیا۔ وہ بلانوش تھی۔ نشے سے نہیں بہکتی تھی مگر اس وقت ماضی کو یاد کرکے بار بار بہک رہی تھی۔ اسی دوران میں سلطان شاہ وہاں آگیا۔

"کیا بات ہے؟ آج ویرا کے کمرے میں تمہارا خاصا دل لگ رہا ہے۔" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کی تنہائی دور کررہا تھا۔ تم آگئے ہو تو اب میری چھٹی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ مجھے بے چینی سے اول خان کے فون کا انتظار تھا۔ میرا ذہن مسلسل عبداللہ ہارون روڈ پر واقع امریکن قونصلیٹ میں الجھا ہوا تھا۔ میری چشم تصور اس کے اردگرد آئی بی اور ایس ٹی ایف والوں کی بھاری نقل و حرکت دیکھ رہی تھی۔

آٹھ بجے اول خان کا فون آگیا "ساری کارروائی مکمل ہوگئی۔ چاروں راستوں پر میرے آدمی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"دوسری ٹیم وہاں سے ہٹ چکی ہے؟" میں نے پوچھا "یا ابھی کچھ کنفیوژن ہے۔"

"سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوا ہے۔ میرے آدمی وائرلیس پر ان سے مسلسل رابطے میں تھے۔ ان کی گاڑیاں جاچکی ہیں۔"

اول خان سے مزید چند باتیں ہوئیں پھر میں نے کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ریسیور ہاتھ سے چھوڑے بغیر میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا پھر میں نے ٹام اور نک کا رہائشی فون نمبر ملالیا۔ ان دنوں ہمارے فون سے منسلک سی ایس ڈی ہر وقت آن رہتی تھی۔

تیسری گھنٹی پر دوسری طرف سے ہیلو کی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ وہ ٹام تھا۔ ان دونوں کی آوازیں میرے ذہن میں اچھی طرح محفوظ ہوچکی تھیں۔

"کیا میں نک ہاروے سے بات کرسکتا ہوں۔" میں نے اپنی طرف سے شناسائی کے کسی اظہار کے بغیر کہا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" اس بار ٹام کی آواز محتاط اور اشتباہ آمیز تھی۔

"میرا نام کرنل داور ہے۔" میں نے رواں انگریزی میں جواب دیا "وہ مجھے جانتا ہے۔"

اس نے بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ ٹام تھا اور خود بھی میرے نام سے واقف تھا۔ اس نے مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کی اور لائن پر سناٹا چھا گیا۔

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں نک کی مسرت آمیز آواز آئی "ہائے کرنل... ! تم کیسے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ آج میں دوسری مرتبہ تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ اس وقت تم نے میری پیشکش کا کورا جواب دے دیا تھا لیکن بعد میں تم نے اس پر غور کیا ہوگا۔ یہ تمہارے لیے بہت پرکشش موقع ثابت ہوگا۔"

اس احمق نے میرا نام سن کر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے اس کی پیشکش پر مذاکرات کرنے کے لیے اسے فون کیا تھا۔

میں نے نرمی سے کہا "نک! میں تمہاری پیشکش اور عزت افزائی پر ایک مرتبہ پھر شکر گزار ہوں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ پیسہ میرے لیے بے وقعت ہے۔ مجھے اپنے ملک کے لیے کام کرکے سچی خوشی ہوتی ہے۔"

"ڈیئر! یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ پیسہ اس دور کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ سائنس کے کمالات نے دنیا کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کہاں رہتا ہے۔ آج سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ہم ایک عالمی گاؤں کے باشندے ہیں جس کے ایک حصے کا نام امریکا ہے اور دوسرے بازار کا نام جاپان ہے۔ یہ گاؤں ہم سب کا ہے۔ ملک اور وطن ماضی کے خواب تھے جو اب رفتہ رفتہ دفن ہوتے جارہے ہیں۔"

"اس بارے میں، میں تمہارا ہم خیال نہیں ہوں۔" میں نے رسانیت سے کہا "عالمی گاؤں کا نعرہ تمہارے ملک سے اٹھا ہے جو کافی بڑا اور سب سے زیادہ طاقت ور ملک ہے۔ شاید اس طرح تم وطنیت کا احساس مٹا کر اس گاؤں کی چوہدراہٹ حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے ملک کو یہ اعزاز آج بھی حاصل ہے جسے چھیننے کی کوشش کرنے والے کمیونسٹوں کے خواب خاک میں مل چکے ہیں۔" اس کی آواز کی ساری گرمجوشی یک لخت کافور ہوگئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا "تمہیں میرے گھر کا فون نمبر کہاں سے مل گیا۔"

"پاکستان میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے بارے میں آگاہ رہنا میری ایجنسی کی ذمے داری ہے۔ تم اپنے ملک کے سرکاری آدمی ہو۔ ہمارے لیے تمہارے گھر اور دفتر کے کوائف سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں غیر ملکی نمائندوں کی اتنی گہری جاسوسی کی جاتی ہوگی۔"

"اسے جاسوسی نہیں، باخبری کہتے ہیں۔ جاسوسی کے بارے میں، میں ابھی بات کرتا ہوں۔"

"تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے؟" اس بار نک کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔

"کیا تم یہ گوارا کرلو گے کہ واشنگٹن میں کوئی غیر ملکی سفارت خانہ امریکی قانون کو مطلوب کسی مجرم کو پناہ دے؟" میں نے سوال کیا۔

"تم عجیب باتیں کررہے ہو۔ مقصد کیا ہے تمہارا؟"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا مگر میں جانتا ہوں کہ کوئی حکومت اسے نظرانداز نہیں کرے گی۔ یہاں تمہارے قونصل خانے نے بن ڈیوڈ نامی ایک امریکی کو پناہ دی ہوئی ہے جو جیک اور تمہارے دو کمانڈوز کے قتل کے الزام میں ہمیں مطلوب ہے۔"

"یہی بات صبح تم نے گھما پھرا کر کہی تھی۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "اب پھر اسے دہرا رہے ہو۔ تم چاہتے کیا ہو؟"

"بن ڈیوڈ یا آئی مین کے سر پر سے اپنا ہاتھ اٹھالو۔ اسے ہمارے حوالے کردو یا کم از کم قونصل خانے سے باہر نکال دو۔" میں نے مطالبہ کیا۔

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم بے بنیاد الزام تراشی کررہے ہو۔ تمہارے پاس اپنے دعوے کا کیا ثبوت موجود ہے۔" اس کا لہجہ اشتعال آمیز ہوگیا۔

"ثبوت تمہیں نہیں، عالمی پریس کو دیا جائے گا۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا "میرے پاس کم از کم دو ناقابلِ تردید ثبوت ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"کیسے ثبوت ہیں وہ؟" اس نے سوال کیا۔ میرے اعتماد نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔

"وقت آنے پر تم کو پتا چل جائے گا۔" میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کی نوعیت کیا ہے۔ وہ تصویریں ہیں یا آوازوں سے بھرا ہوا کوئی کیسٹ ہے۔"

اس نے بہت بودا سوال کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ بن ڈیوڈ کے بارے میں ہمارے اندازے سو فیصد درست تھے۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کے بجائے سکون سے کہا "تم لاکھ سوالات کرلو، مجھ سے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔"

"ثبوت ہیں تو تم ڈنکے کی چوٹ پر ہم سے اس کی واپسی کا باضابطہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف ایک بے ضابطہ فورس ہے۔ ہم ضابطوں کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے۔ ان کے بغیر اپنا کام نکال لیتے ہیں۔"

"یہاں دوسری ایجنسیاں ہیں۔ تم اپنا مواد ان کے ذریعے ریکارڈ پر لاسکتے ہو۔" اس نے متبادل تجویز پیش کردی۔ اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"ہم اپنا سہرا دوسروں کے سر پر سجانے کے قائل نہیں ہیں۔"

"فالکن ہاؤس کے واقعات تم نے زبردستی پولیس کے سر منڈھ دیے۔ ہمیں اطلاعات ملی ہیں کہ پولیس وہاں کافی دیر بعد آئی تھی۔"

''شور کرسکتے ہو تو ضرور کرو۔ یہ بات بالکل غیر اہم ہے کہ وہاں کارروائی کرنے والے کون تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے محکمے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر دو ایلیٹ کمانڈوز کے ساتھ وہاں مارا گیا' کیلی زخمی ہونے کے بعد پکڑی گئی اور بن ڈیوڈ بھاگ کر تمہاری پناہ میں پہنچ گیا۔''

''تم بہت زہریلے اور خطرناک آدمی ہو۔ اس وقت میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارا منہ توڑ دیتا۔'' اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دانت پیس کر بول رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی ''یہ سب نری بکواس ہے۔ تم مجھے ہراساں کر رہے ہو۔ تمہارے آدمیوں نے قونصل خانے کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ میں نام لے کر تمہاری شکایت کروں گا۔''

''تم کو یہ الہام کیسے ہوگیا کہ میری فورس نے قونصل خانے کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔'' میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

''عمارت پر لگے ہوئے خفیہ کیمروں نے ایسے افراد کی تصاویر لی ہیں جو صبح سے مسلسل وہیں موجود ہیں۔'' وہ مجھے نیچا دکھانے کی روانی میں کہہ گیا۔

''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔'' میں نے اس کا کہا ہوا ایک فقرہ من و عن دہرا دیا ''ہم کمانڈو ایکشن کرتے ہیں۔ ایسی صبر آزما کارروائیاں ہمارے کسی ایکشن پلان میں شامل نہیں ہیں۔''

''تم کو ان تصویری شہادتوں کے بارے میں جواب دینا پڑے گا تو تمہارے پسینے چھوٹ جائیں گے۔'' اس نے مجھے دھمکی دی۔

میں نے اپنے ثبوتوں کی بات کر کے اس کو فریب دیا تھا مگر اس نے جوش میں آکر جو انکشاف کیا تھا وہ غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے اسی روز قونصل خانے کی نگرانی کا آغاز کیا تھا اور عمارت پر لگے ہوئے خود کار' خفیہ کیمروں کی گرفت میں آگئے تھے۔

''تم اپنی تصویروں کے ساتھ احتجاج کرو' ہم براہ راست پریس میں جائیں گے۔ نتیجہ خود تمہارے سامنے آجائے گا۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت فون کرلیا۔'' اس کی زہریلی آواز ابھری ''مجھے تمہارے مذموم عزائم کا اندازہ ہوگیا ہے۔ یہ تصویریں تمہارے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوں گی۔ پہلے تم اپنے سارے کارڈز کھیل لو۔ میں اس کے بعد اپنا ٹرمپ کارڈ کھیلوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ تم پریس کے ذریعے کیا فرضی مواد سامنے لاتے ہو۔ ہم آسانی سے اس کا توڑ کرلیں گے۔''

''مگر تم بن ڈیوڈ کی سرپرستی کا سلسلہ ترک نہیں کرو گے۔'' میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی۔

''اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو۔'' اس کی آواز بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہ ہوگئی ''وہ قونصل خانے میں نہیں ہے۔ اسے شہر میں کہیں اور تلاش کرو۔''

''جلال نے کیلی کو تمہارے حوالے کر کے غلطی کی ہے۔ وہ مجھ سے بات کرتا تو میں اسے ہرگز یہ مشورہ نہیں دیتا۔ اسے چارہ بنا کر بن ڈیوڈ کو آسانی سے گھیرا جاسکتا تھا۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ کیلی کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لے...''

''یہ ناممکن ہے۔'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''تم لوگوں نے اس نرم و نازک لڑکی پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ اسے کسی چوپائے کی طرح بستر کے فریم سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ ہم اپنی ایک لڑکی ایسے وحشیوں کے حوالے نہیں کرسکتے جو تہذیب اور تمیز تک سے ناآشنا ہیں۔''

''وہ تمہاری ماں' بیوی یا بیٹی نہیں ہے نک!'' میں نے طنز سے کہا ''ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ اپنے قیدیوں کی زبان کھلوانے کے لیے تم اس سے زیادہ بدسلوکیاں کرتے ہو۔ کئی کئی دن کے بھوکوں کے سامنے کھانا رکھتے ہو۔ وہ اس پر لپکتے ہیں تو پلیٹیں اٹھالیتے ہو۔ پیاسے قیدی پانی مانگتے ہیں تو تمہارے ٹامی ان کے دہانوں پر پیشاب کی دھاریں مارتے ہیں۔ ہم نے کیلی کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کیا۔ وہ تمہارے پاس جلال کی امانت ہے۔ تمہیں اس کو لوٹانا ہوگا۔''

''یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔'' ریسیور پر اس کی آواز وحشیانہ دہاڑ سے مشابہ تھی۔ اس نے صبر و تحمل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اس سے فون پر ہونے والی لفظوں کی سرد جنگ بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کرگئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''جب تک کیلی کا زخم نہیں بھر جاتا وہ ہماری تحویل میں رہے گی۔ ہم اسے دوبارہ جانے بوجھے جہنم میں نہیں جھونکیں گے۔''

اس کا وہ جواب میرے لیے بہت پہلے سے متوقع تھا۔ میں نے اس کی نیت آزمانے کے لیے اس وقت دانستہ کیلی کا نام لے کر اسے چھیڑا تھا اور وہ کھل کر سامنے آگیا۔

''صبح تمہارے تیور بہت دوستانہ تھے۔ اس وقت تم بہت زیادہ بھڑکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ کیا میں تمہارے اس رویے کو دوستی کے خاتمے کا اعلان سمجھ لوں۔''

''تمہارے لیے میرے تیور کبھی دوستانہ نہیں تھے۔ تم سے لیری دھوکا کھا گیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میری پیشکش رد کردی۔ تمہیں ایف بی آئی میں لے جانے سے بہتر ہے کہ ہم

اپنے دفاتر میں کوئی زہریلا کوبرا پال لیں۔ تم بہت تنگ نظر اور متعصب آدمی ہو۔ تم جیسے لوگ ہی یہاں سرکاری صفوں میں چھپ کر ویرا اور ڈینی جیسے بدمعاشوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔"

"تمہارا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ ویرا اور ڈینی کو یہاں کسی کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے ہم کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہارے پاس جدید ترین وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہو سکے تو تلاش کر کے ان دونوں کو پکڑلو۔ کوئی تمہارا ہاتھ نہیں روکے گا۔"

"بن ڈیوڈ کے بارے میں میرا جواب بھی یہی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔ تم خود اسے تلاش کرلو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے پریس میں جانا پڑے گا۔" میں نے اسے ایک مرتبہ پھر دھمکایا۔

"ضابطے کی کارروائیوں کو نظر انداز کر کے تم نے براہِ راست پریس سے رجوع کیا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔" اس کے جواب نے میرے اس اندازے کی تائید کردی کہ وہ پریس جیسے حساس اور موثر ہتھیار سے بہت زیادہ خائف تھا۔

"انجام کچھ بھی ہو، پوری دنیا کو تمہارے سفارت کاروں کا بھیانک چہرہ نظر آجائے گا۔" میں نے اسے اسی کمزور نکتے پر رگیدنا شروع کردیا۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کی تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ایس ٹی ایف کو ایسی بے لگام آزادی کس نے دے دی ہے کہ تم ہر پروٹوکول کی دھجیاں اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ حرکت تمہیں ذاتی طور پر بھی بہت مہنگی پڑے گی۔"

"اخباروں میں میرا یا ایس ٹی ایف کا کوئی ذکر نہیں آئے گا۔" میں نے اس کی ابتر ہوتی ہوئی ذہنی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "پوری خبر اخبار کے اپنے ذرائع سے منظر عام پر آئے گی۔ ہمارے ملک میں صحافت آزاد ہے۔ اخبار کو اپنی معلومات کا ذریعہ ظاہر کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا۔"

"تم کسی دو ٹکے کے رپورٹر کو خریدو گے تو پھر ہم بھی تم پر اوچھے وار کریں گے۔ نگرانی کرنے والوں کو سرکاری دہشت گرد قرار دیں گے۔ تم بھول رہے ہو کہ سپرہائی وے کے اڈے پر تمہاری ایس ٹی ایف کا کیا حشر ہوا تھا۔ تم ہمارے سیٹیلائٹ نیٹ ورک سے زیادہ دور نہیں ہو۔ تمہارے ٹھکانوں کا سراغ لگا کر انہیں نیست و نابود کردیا جائے گا۔ تمہاری لاشوں پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمہاری حکومت سرکاری سطح پر ایس ٹی ایف کے وجود سے انکاری ہے۔"

اس کی وہ ہولناک باتیں قرین قیاس تھیں۔ مجھے یاد تھا کہ بحیرۂ عرب میں لنگر انداز کسی امریکی طیارہ بردار جہاز سے اڑ کر آنے والے کمانڈوز نے اسٹیشن فور کو بمباری سے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سہراب گوٹھ سے آگے کا سنگلاخ ویرانہ ان کا قبرستان بن گیا تھا۔ اس مہیب امریکی حملے کے بعد سے ہی اسٹیشن فور عارضی طور پر ملیر چھاؤنی کے فوجی اور زیادہ محفوظ علاقے میں قائم تھا۔

میں جوں جوں اخبارات والی بات کو ہوا دے رہا تھا، نک کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، اس کی دھمکیوں میں شدت آتی جارہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے ہر قیمت پر اخبارات سے رجوع کرنے سے روکنا چاہتا ہو۔ اس کی پہلے سے کہی ہوئی دو باتیں میرے ذہن میں تازہ ہونے لگیں۔

صبح کے اجلاس میں اس نے امریکا کے خلاف منفی اخباری اطلاعات کی غیر ضروری تشہیر کے بارے میں اپنی حکومت کی تشویش کا اظہار کیا تھا اور تھوڑی دیر پہلے یہ بھی کہہ ڈالا تھا کہ وہ خفیہ کیمروں کی لی ہوئی تصاویر کو ٹرمپ کارڈ کے طور پر استعمال کرے گا۔ میں نے اخبارات سے رجوع کیا تو وہ میری الزام تراشی کی سنگینی کو مدِنظر رکھتے ہوئے، بعد میں وہ تصاویر کسی موزوں کہانی کے ساتھ سامنے لائے گا۔ وہ ایک ڈھکی چھپی دھمکی یا پیشکش تھی۔ میں بن ڈیوڈ کے بارے میں خاموش رہتا اور وہ خفیہ کیمروں کی تصاویر دبائے رہتا۔

میرے پاس رکھا ہی کیا تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ ثبوت کے نام کی کوئی شے ہمارے پاس نہیں تھی۔ وہ ایک کھوکھلی دھمکی تھی جو مقدر کی یاوری سے کام کر گئی تھی۔ اس دھمکی سے خوف زدہ ہو کر نک نے بہت کچھ اگل دیا تھا۔ بظاہر بن ڈیوڈ کے اپنے بل سے باہر آنے کا کوئی امکان پیدا نہیں ہوا تھا لیکن مجھے قوی امید تھی کہ مجھ سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد وہ لوگ اپنی سفارتی اور سیاسی ساکھ کو داؤ پر لگانے کے بجائے بن ڈیوڈ کو جلد از جلد کسی متبادل اور محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہی میرا اصل مقصد تھا۔ ہم کھلے میدان میں رہ کر ان کا مقابلہ کر رہے تھے تو بن ڈیوڈ کو بھی سفارتی چھتری کے سائے سے نکل کر میدان میں آنا چاہیے تھا۔ امریکیوں کے لیے

قابل غور نکتہ یہ تھا کہ وہ غیر معینہ موت تک بن ڈیوڈ کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا پاسپورٹ جلال کے قبضے میں تھا وہ اتنے کھلے حقائق تھے کہ بن ڈیوڈ کا نام بدل کر جعلی کاغذات پر پاکستان سے نکل جانا ناممکن تھا۔ وہ ایک چوہے دان میں پھنس کر خود کو محفوظ تصور کر رہا تھا جس کے باہر بد نصیبی اس کی منتظر تھی۔

بن ڈیوڈ پس منظر میں چلا گیا تھا اس لیے وہ ان نزاکتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ وہی کچھ کرنے پر مجبور تھا جس کے بارے میں اس کے مربی اسے ہدایت دیتے۔ وہ لوگ باہر کی دنیا سے بھرپور رابطے میں تھے۔ میرا پیغام ان کے لیے چشم کشا ثابت ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو اپنے کسی بڑے فائدے کے لیے اپنے آدمیوں کو مروا دینے اور پھر انہیں قومی ہیرو کا درجہ دینے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ بن ڈیوڈ کو اپنے گلے میں پھنسی ہوئی ہڈی سمجھ کر انہیں اس کو اگل دینا چاہیے تھا۔

میں نے یک دم اپنی حکمتِ عملی بدل ڈالی اور فون پر نک سے کہا "اس وقت تم غیر ضروری اور خوفناک باتیں کر رہے ہو۔ میری اور تمہاری گفتگو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو لیکن یہ ظلم ہے کہ تم ایک ذرا سی بات پر ایس ٹی ایف کے خلاف اپنے سارے وسائل کو متحرک کرنے کی دھمکی دے رہے ہو۔"

اس بار نک نے میرے لہجے میں سرسراتی ہوئی خوف کی لہر کو واضح طور پر پڑھ لیا اور توانا آواز میں بولا "اخبارات میں امریکا کے خلاف بے سروپا اور گندہ پروپیگنڈا کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ تم یہ حرکت کر کے دیکھو۔ پاکستان میں ایس ٹی ایف کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔"

اس نے اخبارات کا حوالہ دے کر ایک مرتبہ پھر میرے اندازے کی تائید کر دی۔ وہ الزام تراشی سے خائف نہیں تھا' اس کی تشہیر سے خوف زدہ تھا۔ میں نے دھیمی اور شکست خوردہ آواز میں کہا "تم نے بن ڈیوڈ کی بہت زیادہ بولی لگا دی ہے۔ ایس ٹی ایف اس کی یہ قیمت ادا نہیں کر سکتی۔ تمہارے خلاف ثبوتوں کی تشہیر کے بارے میں مجھے ایک بار پھر سوچنا ہو گا۔"

"تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اس لڑائی میں تمہیں خسارے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا "سوچ سمجھ کر ایک دو روز میں دوبارہ تم کو فون کروں گا۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تم خطرناک ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔ نوشتۂ دیوار آسانی سے پڑھ لیتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے دھوکے میں رکھ کر تم نے پریس کا رخ کیا تو پھر وہی ہو گا جو میں بتا چکا ہوں۔ تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بتا دوں کہ جس طرح تم اپنے ملک میں آنے والے میزبانوں کے کوائف سے باخبر رہنا اپنا فرض سمجھتے ہو اسی طرح ہم کہیں جانے سے پہلے اپنے میزبانوں کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ ایف بی آئی کے ریکارڈ کے مطابق پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس ٹی ایف کے دس مراکز ہیں۔ گیارہواں تمہارا ہیڈ آفس ہے جو اسلام آباد میں کام کرتا ہے۔"

نک کے وہ الفاظ سن کر میرے پورے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں امریکیوں کی خفیہ معلومات میری توقع سے کہیں زیادہ تھیں!

امریکیوں کی طاقت سے کون واقف نہیں ہے۔ ان کے جہاز طیارہ شکن توپوں کی پہنچ سے زیادہ بلندی پر ریڈار کی آنکھ سے پوشیدہ رہ کر پرواز کر سکتے ہیں۔ ان جہازوں سے گرائے جانے والے گائیڈڈ میزائل اور بم اپنے نشانوں پر بے خطا گرتے ہیں اور اپنی زد میں آنے والے ہر ذی نفس کو چاٹ جاتے ہیں۔ اپنی سائنسی ترقی کے طفیل وہ اپنے ہر ہدف پر تاک تاک کر نشانہ لگانے میں شہرت رکھتے ہیں۔ نک کے الفاظ نے مجھے پل بھر میں وہ سب یاد دلا دیا تھا۔

میں نے اپنی بدلی ہوئی حکمتِ عملی کے تحت کہا "ہمارے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ اب وہ ثبوت میرے پاس محفوظ رہیں گے۔ کبھی اخبارات تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔ ستھری لڑائی لڑتے رہو۔ تم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہو۔ ہم ویرا اور ڈینی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ شاید کہیں ہمارے راستے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوں۔ کام ہوتا ہے تو تصادم ہوتے رہتے ہیں اور کئی کئی جانیں ان کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ یہ سب ستھرے کھیل کا حصہ ہوتا ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں' ہم کو بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کا انجام تمہارے حق میں بہت برا ہو گا۔"

"ہمارے درمیان ایک شریفانہ بات طے ہو گئی ہے۔ لڑائی جاری رہے گی مگر ابلاغِ عامہ کا محاذ خالی رہے گا۔ میں اسے یاد رکھوں گا۔" میری آواز کھلی شکست کی غمازی کر رہی تھی "اب یہ نہ کہنا کہ تمہارے قونصل خانے کے گرد

منڈلانے والوں کو واپس بلالیا جائے۔"

"ان سے ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ضرورت پیش آئی تو تم خود انہیں ہٹالو گے۔ کوئی بھی سورما بے آواز اور نادیدہ رائفلوں کے سامنے نہیں نکلتا۔ ان میں سے دو چار گریں گے تو باقی خود کونوں کھدروں میں گھس جائیں گے۔" اس کی آواز میں غصے اور جھلاہٹ کی جگہ بلا کا متکبرانہ اعتماد سمٹ آیا تھا۔

"ٹھیک ہے نک! پھر کبھی بہتر حالات اور ماحول میں ملاقات ہوگی۔" میں نے اس کا رسمی جواب سن کر فون بند کردیا۔

"کیا بات ہے۔ اس نے کیا کہہ دیا۔ پچھلے کئی منٹ سے تمہاری پیشانی عرق آلود ہو رہی ہے۔" ویرا نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

بے اختیار میری داہنی کلائی اپنی پیشانی کی طرف اٹھ گئی۔ میں نے آستین سے صاف کرکے اپنا ہاتھ نیچے کیا تو آستین واقعی تر تھی۔

میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر اول خان کا موبائل فون نمبر ملانے لگا۔

"اس سے میری بات ہوگئی ہے۔" اول خان کے بے ساختہ سوال کے جواب میں، میں نے کہا "اس کی بعض باتوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"خدا خیر کرے۔ تمہارے یہ الفاظ میرے لیے مایوس کن ہیں۔"

"ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ لوگ ہر بات جانتے ہیں۔ وہ مجھے ہیڈ آفس اور دس مراکز کو تباہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔"

"اوہ... نو!" اول خان کی بے ساختہ آواز اس کے دل کی دبی دبی چیخ جیسی تھی "یہ کیسے ہوسکتا ہے!"

"ایس ٹی ایف پاکستانیوں کے لیے ایک پراسرار راز ہوسکتی ہے۔ امریکیوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت کچھ جانتے ہیں لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حد تک جانتے ہوں گے۔ یہ ہم جیسے غریب ملکوں کی مجبوریاں ہیں کہ ہم اس کھلے آسمان کے نیچے رہتے ہیں جس کی وسعتوں میں امریکا کے مواصلاتی سیاروں کا راج ہے۔" غم و غصے کی شدت سے اول خان کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی "اسے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"میں بعد میں یہ سب بتادوں گا۔ اس وقت تمہیں یہ

معیار

جگو بدمعاش نے جنگل میں خفیہ بھٹی لگائی اور ٹھرا تیار کرنا شروع کیا۔ پہلی بار آزمائش کے طور پر اس نے ایک بوتل اپنے ایک جاننے والے دیہاتی کو بھیجی اور دوسرے روز اس سے رپورٹ مانگی "کیسا تھا ہمارا ٹھرا؟"

"ٹھرا تو اچھا تھا..." دیہاتی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "بس اسے پیتے ہوئے مجھے ذرا کھانسی آئی تو میری مونچھوں میں آگ لگ گئی..."

معلوم ہونا چاہیے کہ قونصل خانے کی عمارت پر لگے ہوئے خفیہ کیمرے نگرانی کرنے والوں کی تصاویر بنا رہے ہیں۔ نک کو معلوم ہے کہ صبح سے نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ لوگ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی وقت بے آواز رائفلوں سے باڑ مار سکتے ہیں۔"

"میں اپنے آدمیوں کو محفوظ فاصلے تک دور ہٹالیتا ہوں۔" اول خان کی آواز میں گھبراہٹ عود کر آئی "ضرورت پڑنے پر وہ اپنی دوربینیں استعمال کرلیں گے۔"

"آدمیوں سے کہو کہ وہ منظم طریقے سے پیچھے ہٹنے کے بجائے یوں ظاہر کریں جیسے افراتفری میں وہاں سے واپس لوٹ رہے ہیں اور جگہیں بدل کر محفوظ فاصلے پر چلے جائیں۔"

"تم ان کو یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ خوف زدہ ہو کر نگرانی ختم کرادی گئی ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہ بہت ضروری ہے ورنہ ان کے کیمروں اور رائفلوں کو ہمارے آدمیوں کی تلاش رہے گی۔ میدان صاف دیکھے بغیر وہ بن ڈیوڈ کو وہاں سے نہیں نکالیں گے۔"

"اس سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے؟" اول خان نے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

دیکھا جائے تو وہ سرے سے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں نے ایک بے سروپا شوشا چھوڑ کر اسے اشتعال دلایا تھا اور وہ غصے میں بہت کچھ بکتا چلا گیا۔ جب بات قابو سے باہر ہوتی نظر آنے لگی تو میں نے مصنوعی خوف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بات واپس لے لی۔ اس دوران میں نک کی زبانی کئی حیران

کن باتیں سامنے آچکی تھیں۔ میں نے اول خان کو وہی خلاصہ بتا دیا اور اس نے ان لوگوں کے عزائم پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔
غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ نے میری اور اول خان کی گفتگو سے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن وہ تینوں میری زبان سے براہِ راست پوری کہانی سننے کے منتظر تھے۔ میں نے تفکر آمیز انداز میں انہیں اپنی اور نک کی گفتگو کا اعادہ سنا دیا۔
"وہ اپنے ملک کی بدنامی سے خوف زدہ ہے۔" غزالہ نے پوری بات سن کر کہا "اس کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بن ڈیوڈ کو قونصل خانے میں روکنے اور پناہ دینے کا فیصلہ اسی کا ہے اور اس فیصلے کے منفی نتائج کی ذمے داری سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔"
"فالکن ہاؤس پر خالد کی نشان دہی اور جلال کی مخبری کے بعد اچانک چھاپہ مارا گیا تھا۔ نک کو اس کا اندازہ نہیں تھا جو وہ بن ڈیوڈ کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کر لیتا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔
"ظاہر ہے کہ بن ڈیوڈ افراتفری کے عالم میں فرار ہوا تھا۔ وہ سیدھا قونصل خانے پہنچا ہوگا اور نک نے صورت حال جاننے کے بعد اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی ہوگی۔" غزالہ بولی۔
"اسے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف آسانی سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔" سلطان شاہ نے کہا "بن ڈیوڈ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آسکتا ہے۔ وہ میدان صاف دیکھ کر بن ڈیوڈ کو جلد از جلد وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔"
"میں ان کو یہ موقع دینا چاہتا ہوں اسی لیے میں نے اول خان کو اپنے آدمیوں کی واپسی کا ڈراما رچانے کے لیے کہا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی۔
"ہو سکتا ہے کہ وہ آج رات ہی میں ایسی کوئی کوشش کریں۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
اسی وقت میرے موبائل فون پر جلال کی کال آگئی۔ وہ مجھے آئی بی کے آدمیوں کی واپسی کی اطلاع دے رہا تھا۔
"مجھے اول خان سے یہ خبر مل گئی تھی۔ اس کے بعد نک سے میری طویل گفتگو ہوئی ہے۔" اس مرحلے پر اسے اس بات سے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔
"نک سے... اس سے کیا بات ہوئی تمہاری؟" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔
میں نے اسے پوری بات بتا دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر بولا "میری روانگی تک تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"
"مجھے بعد میں خیال آیا کہ ان دونوں میں سے کسی سے رابطہ سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ کیلی کے بارے میں مجھے تمہارے نام کا سہارا لینا پڑا۔"
"تم نے ضرورت کے تحت ایسا کیا ہوگا۔ تمہارا یہ اندیشہ بھی درست نکلا کہ وہ کیلی سے دستبردار نہیں ہوگا۔"
"میں نے اس بارے میں شاید تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔ مجھے یاد تھا کہ میری وہ بات ویرا سے ہوئی تھی۔
"کہیں کوئی ذکر آیا تھا۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا "شاید کسی اور نے تمہاری یہ رائے بتائی ہو۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ نک کو چھیڑ دیا۔ جمود ٹوٹا ہے ورنہ ہمیں ادھر کی کوئی خبر نہیں تھی۔"
"اس نے اقرار نہیں کیا کہ بن ڈیوڈ قونصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ وہ وہیں ہے۔"
"وہ وہاں نہ ہوتا تو اسے اخبارات والی دھمکی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ وہیں چھپا ہوا ہے۔ میرے لیے یہ بات تشویش ناک ہے کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت زیادہ جان چکے ہیں۔ اپنی مصلحتوں کی وجہ سے وہ اس بارے میں زبان بند رکھے ہوئے ہیں۔" جلال نے کہا۔
"اس بارے میں ہم سب بے بس ہیں۔ یہ ان کی بالادستی ہے کہ وہ دنیا بھر میں ہونے والی بیشتر باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔"
"خلائی مواصلات کا یہ استعمال نیا نہیں ہے لیکن اپنی حریف قوتوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ اس میدان کے بے تاج بادشاہ بن گئے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں، اپنے خلائی کیمرے مرکوز کر دیتے ہیں اور ہر بات کا ناقابلِ تردید ثبوت حاصل کر لیتے ہیں۔"
میرے لیے وہ بات نئی نہیں تھی۔ میں بہت پہلے، چوکنڈی کے قبرستان میں اس تجربے سے گزر چکا تھا جب میری زمینی لڑائی کا ایک ایک لمحہ خلائی آنکھوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ اس وقت قسمت نے میرا ساتھ دیا تھا کہ میں اس خون ریز مقابلے میں اپنے حریف پر غالب رہا تھا۔
"ہم ان کی ہر بات کا جواب دے سکتے ہیں لیکن ان کی اس استعداد کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔"
"میرے آدمیوں کے میدان سے ہٹتے ہی واقعات میں تیزی آگئی ہے۔ اب نک تمہارا جانی دشمن ہو گیا ہوگا۔"

جلال بولا۔

"ہمارے درمیان خاصی گرما گرمی اور تلخی ہوئی لیکن اس نے فون بند نہیں کیا..."

"کیسے کرتا؟ گفتگو کو طول دینا اس کے اپنے مفاد میں تھا۔" جلال نے میری بات کاٹ کر کہا "وہ تمہیں خوف زدہ کر کے تمہیں روکنا چاہ رہا تھا۔"

"میں یہی بتا رہا تھا۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ آخر میں اس کا لب ولہجہ فاتحانہ ہو گیا تھا۔ اس کی دانست میں' میں اس کی دھمکیوں سے ڈر کر مفاہمت پر آمادہ ہوا تھا۔ اس انجام کے ساتھ ساری تلخی بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ ہم بن ڈیوڈ کے خلاف اپنا کام جاری رکھیں گے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس بارے میں وہ تم پر کوئی قدغن لگا تا تو یہ بات کھل جاتی کہ وہ اس کی حمایت کر رہا ہے۔ اس وقت مرکزی نکتہ یہی ہے کہ وہ اپنا دامن صاف رکھنا چاہ رہا ہے۔ فالکن ہاؤس میں جیک کی موت کی وجہ سے یہ معاملہ ان کے لیے بہت سنگین اور نازک ہو گیا ہے۔" جلال بولا "میرے لیے تشویش کی بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے کچھ آدمیوں کی تصویریں محفوظ کرلی ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"اس وقت تم کہاں ہو؟ خاصی فرصت میں معلوم ہو رہے ہو۔" میں نے پوچھا "ادھر کیوں نہیں آجاتے۔ دونوں کے دل کے بوجھ ہلکے ہو جائیں گے۔"

"بہت خشک اور بے فیض کام میں لگا ہوا ہوں۔ دھنی لال کی دھنائی کر کے واپس آیا ہوں۔ چاہو تو تم بھی صدف مینشن آجاؤ۔ شاید تمہارے قدموں کی برکت سے وہ ملعون بولنا شروع کر دے۔ اس نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔" جلال نے مجھے جوابی دعوت دی "یہاں کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ رات بھاری پڑنے والی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کی طرف سے کسی بھی لمحے کوئی اہم پیغام آسکتا تھا۔ موبائل فون کی موجودگی میں میرے لیے گھر میں بندھ کر بیٹھنا ضروری نہیں تھا۔ میں ہر وقت اور ہر جگہ اول خان سے رابطے میں رہتا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں کھانے کے بعد گھر سے نکلتا ہوں۔"

"اب تم کہاں جاؤ گے؟" فون بند ہوتے ہی ویرا نے شکی انداز میں سوال کیا۔

"صدف مینشن۔ وہاں مشتبہ قیدی میرے مبارک قدموں کا منتظر ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

غزالہ نے سن لیا تھا کہ مجھے کھانا کھانے کے بعد جانا تھا۔ وہ ویرا کو بازو سے تقریباً کھینچتی ہوئی' اپنے ساتھ کچن کی طرف لے گئی۔

○☆○

"تمہارے آنے کی وجہ سے قیدی کو لمبا آرام مل گیا ہے۔" جلال نے صدف مینشن میں میرا استقبال کرتے ہوئے کہا "تم آنے کا وعدہ نہ کرتے تو اس وقت میں اسی کے سر پر سوار ہوتا۔"

"تو اب دیر نہ کرو۔ آؤ اس کو دیکھتے ہیں۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"اب اتنی بھی عجلت نہ کرو۔ ذرا سی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری اور نک کی گفتگو نے میرے ذہن میں ایک بھونچال پیدا کیا ہوا ہے۔" اس نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "اگر وہ لوگ سراغ رسانی کے معاملے میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں تو اس وقت روئے زمین پر ان سے زیادہ باخبر قوم کوئی نہیں ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کی کسی بھی کارگزاری پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ اول خان یہ جان کر بے ساختہ چیخ پڑا تھا کہ وہ پاکستان میں ایس ٹی ایف کے مراکز کی کل تعداد سے پوری طرح باخبر ہیں۔ یہ معلومات طویل اور بھرپور نگرانی کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی تھیں۔"

"یہ لوگ کینہ پرور ہیں۔ جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کا پاتال تک پیچھا کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف صرف خفیہ فورس ہی نہیں ہے' اس کے مراکز کی آسانی سے شناخت بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ کھوج لگانے کے لیے صرف مواصلاتی سیارے کافی نہیں ہیں۔ وہ زمین سے فراہم کی جانے والی اطلاعات پر اور زمینی عملے کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ ان کو حرکت میں لانے سے پہلے انہوں نے پورے ملک میں ایس ٹی ایف پر بھرپور طریقے سے کام کیا ہوگا۔" اس نے فکرمندی کے ساتھ کہا "حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں کانوں کان خبر نہیں ہو سکی۔"

"سرکاری طور پر انہیں ترجیحی دوست ملک کا درجہ حاصل ہے۔ ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔"

"پے در پے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ جب وہ کسی کے قانون کا پاس نہیں کرتے تو ان کے لیے اعتماد' عزت اور

وعدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اپنے مفاد کے لیے وہ جب چاہتے ہیں، ہر مفہوم کو بدل ڈالتے ہیں۔ ان پر بھروسا کرنے والے بے موت مارے جاسکتے ہیں۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ آن کو ہر وقت اور ہر جگہ اپنے جدید ترین وسائل دستیاب نہیں ہوتے۔ ایسا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ ہم ان کے دوستوں میں بھی شامل ہیں اور ان سے ہماری درپردہ لڑائی بھی چلتی رہتی ہے۔"

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" وہ بولا "وسائل کو یکجا کرنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اچانک نازل ہونے والی افتاد کے سامنے وہ بے بس ہوتے ہیں۔"

"اس بارے میں ہمیں زیادہ سر نہیں کھپانا چاہیے۔ اس وقت جو معاملہ درپیش ہے اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ سر جھٹک کر کھڑا ہوگیا "یہ ایک روگ ہے جو شاید کبھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس وقت ہمیں دھنی کو دیکھنا چاہیے۔"

وہ اوپری منزل پر پہلے کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چوہڑا بھی اس کے پڑوس میں پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں باتیں کررہے ہوں گے مگر صدف مینشن کی فضا پر گہرے سکوت کا راج تھا۔ چوہڑا اور وہ دونوں خاموش تھے۔

"چوہڑا کو انجکشن دے کر کچھ دیر کے لیے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔" جلال نے چوبی زینے طے کرتے ہوئے بتایا "تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آجائے گا۔"

"اسے دیکھ کر دھنی کا حوصلہ پست ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا "ہوسکے تو دونوں کو یکجا کرکے ان کی تواضع کرنی چاہیے۔"

"اس کی بے ہوشی ختم ہونے والی ہے۔ اتنی دیر اسے دیکھ لیتے ہیں۔"

دھنی اپنے تنگ اور نیم روشن سیل میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بھی چوہڑا کی طرح بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں باندھ کر رکھا گیا تھا۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ کئی ضربات سے خون رس کر اس کے رخساروں پر پھیل گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خاصا بھیانک نظر آرہا تھا۔

"تم پھر آگئے۔" وہ جلال کو دیکھتے ہی کراہا "میں تم کو بتاچکا ہوں کہ میرا کوئی ساتھی نہیں ہے، نہ میں نے کراچی میں کوئی دھماکا کیا ہے۔"

جلال نے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ ممناہٹ سی نکلی اور وہ اپنی جگہ پر بل کررہ گیا "میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم اپنے پرانے شہر اور گاؤں کا نام بتاؤ جہاں تم پیدا ہوئے تھے تاکہ یہ تصدیق ہوسکے کہ تمہارا نام دھنی ہے اور تم پاکستانی ہو۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جانوروں جیسا سلوک مت کرو۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں تمہیں سب کچھ یاد آنا شروع ہوجائے گا۔" میں نے اس کے کسرتی بدن اور تنگ پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور پھر یکایک جلال سے مخاطب ہوگیا "ذرا لوہے کی کوئی چیز منگوالو۔ میں ایک ایک کرکے اس کے سارے دانت توڑ ڈالوں گا۔"

"نہیں!" اس بار وہ حلق کے بل چیخ پڑا "تم ایسا نہیں کرسکتے۔"

"یہاں ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔" میں نے بے رحمی سے کہا "یہاں آکر بے جان لاشیں بھی بولنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔"

جلال نے باہر سے ایک وزنی اور زنگ خوردہ آہنی تالا لاکر مجھے تھمادیا۔ میں نے تالے کے کنڈے میں انگلی پھنسا کر اس کا وزن تولا اور پھر اسے زور سے اس کے بائیں جبڑے پر دے مارا۔ اسے مجھ سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ وہ خود کو تالے کی ضرب سے نہیں بچاسکا۔ وہ سر کو زور زور سے جھٹکتے ہوئے چیخنے لگا تھا۔ اس کے کئی دانت ٹوٹنے کی کڑکڑاہٹ مجھے واضح طور پر سنائی دی تھی۔

"اس حرام زادے کے ہاتھ پیر کھول دو تاکہ یہ اپنے قدموں سے چل کر اپنے باپ کو دیکھ لے۔" میں نے جلال سے کہا۔ اس نے اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اسے آزاد کردیا۔ ہاتھ کھلتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ تھام لیا اور پھر لہراتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

ٹوٹے ہوئے دانتوں کو اس نے فرش پر تھوکا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں بتارہا ہوں کہ میں سندھی ہوں۔ تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے۔"

جلال نے اس کی پشت پر ایک زوردار لات رسید کی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ "باہر نکل اور برابر والے کمرے میں دیکھ کہ کون پڑا ہوا ہے۔" جلال غرایا۔

وہ کراہتا ہوا سنبھلا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں اس سے پہلے سیل سے باہر جاچکا تھا۔ میں نے اس

کا گریبان پکڑ کر اسے چوپڑا والے سیل کی طرف دھکیل دیا۔ وہ دھکے کے زور میں منہ کے بل فرش پر گرتے گرتے بچا۔ سیدھا ہوتے ہی اس کی نظریں بے ہوش چوپڑا پر پڑیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"بدمعاش! عورتوں جیسی حرکتیں مت کر۔ ابھی تیرا باپ زندہ ہے۔ یہ آنکھیں کھولے گا تو تیرا نام ہی نہیں پورا شجرۂ نسب بتا دے گا۔" جلال نے اسے پھٹکارا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ جلال کو وہ بات اتنی دیر سے کیوں یاد آئی۔ اگر چوپڑا کو بے ہوش نہ کیا جاتا تو وہ نئے قیدی کی صورت دیکھتے ہی بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ چوپڑا کو نئے قیدی کی آمد سے پہلے خاموش کرنے کے لیے زبردستی بے ہوش کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ غل غپاڑہ مچا رہا تھا۔ وہ کئی گھنٹے پہلے کی بات تھی اور انجکشن کے خواب آور اثرات کچھ دیر بعد زائل ہونے والے تھے۔

چند ثانیوں تک اپنا سر پیٹنے کے بعد دھنی نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا۔ وہ خاموش کھڑا چوپڑا کا چہرہ تکتا رہا پھر اس نے یکایک اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے منہ پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔ میں نے جلال کی طرف دیکھا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ ہمارے لیے وہ دونوں قیدی یکساں سلوک کے مستحق تھے۔ اگر ایک دوسرے کو مار رہا تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

دھنی کی اس حرکت کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ پے در پے ضربات نے چوپڑا کے خفتہ حواس میں سرسراہٹ پیدا کر دی۔ پہلے اس کا بدن بندشوں میں کسمسایا پھر اس نے اپنی بوجھل آنکھیں کھول دیں۔ شاید اس کی بصارت دھندلائی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں کھول کر فوری طور پر دھنی کو نہیں پہچان سکا۔

دھنی نے اس کے داہنے جبڑے پر آخری زوردار مکا رسید کیا اور اس کے منہ پر تھوک کر اس کے سینے پر سے اتر گیا۔

"خبردار! جو تو نے کچھ کہا۔" دھنی ہانپتے ہوئے دہاڑا "خود ڈوبا ہے اب اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبے گا۔"

"وجے! تو یہاں!" چوپڑا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔

"یہ نام اس کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل ہے۔" جلال نے فوری طور پر مجھے آگاہ کیا۔

"میرے وجود میں اطمینان کی لہر سرایت کر گئی۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ ہم نے کسی بے گناہ کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔

"چوپی! میں نے تجھے بہت مارا ہے۔" وجے بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں چوپڑا سے کہہ رہا تھا "مجھے معلوم تھا کہ تو پکڑا گیا ہے۔ یہ بری خبر سننے کے بعد میں چھپ گیا مگر آج میری بدقسمتی نے مجھے گھیر لیا۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ تجھے اس حال میں دیکھ کر میرا دماغ الٹ گیا تھا۔"

"میرا پورا منہ دکھ رہا ہے۔" چوپڑا نے اپنی گردن جھٹکتے ہوئے کہا "اتنی بے دردی سے ان لوگوں نے بھی مجھے نہیں مارا۔"

"میں تجھ سے معافی مانگ رہا ہوں' کہہ رہا ہوں کہ میرا دماغ الٹ گیا تھا۔ تو میرا ہیرو تھا۔ تجھے زیرو بنا دیکھ کر میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔"

ان لمحوں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں ہماری موجودگی کو یکسر بھول گئے ہوں۔ وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اس گفتگو کی روشنی میں نیا قیدی اپنے پرانے دعووں پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور سرد لہجے میں کہا "اب یاد آیا کہ تو کون ہے؟"

اس نے داہنے ہاتھ سے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے سر جھکا لیا اور بولا "چوپڑا کی حالت بتا رہی ہے کہ تم لوگوں نے اس سے بہت کچھ معلوم کر لیا ہو گا۔ اب میں ضد نہیں کروں گا۔ میرا نام وجے ہے۔"

"تو را کا ایجنٹ ہے؟" میں نے وہیں کھڑے کھڑے اگلا سوال کیا۔ اس نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

"یہاں کب آیا تھا' تیرے ذمے کیا کام تھے؟" میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے تحقیر آمیز انداز میں پوچھا۔

"دو مہینے پہلے آیا تھا۔ میرے کام وہی تھے جو یہاں سے بھارت جانے والے ایجنٹ کرتے ہیں۔" چوپڑا سے بات ہونے کے بعد اس کے تیور بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے لیکن وہ میرے ہر سوال کا مختصر جواب دے رہا تھا جو ایک سیکرٹ ایجنٹ کی تربیت کا بنیادی خاصا ہوتا ہے۔

"تیرے کاغذات وغیرہ کہاں ہیں' پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"مجھے فوجیوں نے رات کے اندھیرے میں سرحد پار کرائی تھی۔ میرے کوئی کاغذات نہیں ہیں۔"

"کہاں رہ رہا تھا۔ تیرے تینوں ساتھی کہاں ہیں؟" مجھے اس کے مختصر جوابات پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی اس حرکت

سے میرے ذہن پر سوالوں کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔
"میں بلو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ دوسروں کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔"
"بکواس کرتا ہے۔" بے اختیار میرا ہاتھ چل گیا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ لڑکھڑا کر چوپڑا پر جا پڑا۔
"یہ نہ بھولو کہ بھارت میں بھی تمہارے قیدی ہیں۔" اس نے اٹھ کر منہ سہلاتے ہوئے کہا "قیدیوں کے تبادلے میں کبھی نہ کبھی میری رہائی کی باری بھی آئے گی۔ میں واپس جا کر تمہارے قیدیوں سے اپنے سارے بدلے لے لوں گا۔ میں تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں تو مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو۔"
"تم چاروں ایک دوسرے کے ساتھی ہو۔ دو روز پہلے ایک ہوٹل میں ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ اب تو کہہ رہا ہے کہ تجھے نہیں پتا کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"
"میں سچ کہہ رہا ہوں چوہلی کے پکڑے جانے کے بعد ہم کو اپنے لیے خطرہ نظر آنے لگا تھا۔ ہم الگ الگ ہو گئے۔ ایک دوسرے کا ٹھکانا اس لیے معلوم نہیں کیا کہ کہیں ایک کی وجہ سے چاروں نہ پھنس جائیں۔"
"اب یہ نہ کہنا کہ روپوشی کے بعد سے تم چاروں نے ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھی!" چوپڑا نے فرش پر پڑے پڑے ہانک لگائی "یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ مارتے ہیں پھر پچکار کر علاج معالجہ کرتے ہیں اور دوبارہ مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تیرا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے۔"
وجے نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا اور میں نے برہمی سے کہا "چوپڑا صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ تینوں کہاں ہیں؟"
"مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں ہیں مگر الگ ہونے سے پہلے ہم نے آپس میں طے کیا تھا کہ روز پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک فریرہال کے پارک میں آیا کریں گے۔ جس کو دوسروں سے دور رہنا ہو یا کسی وجہ سے نہ ملنا ہو، وہ وہاں نہ آئے۔ کل ہم چاروں وہاں ملے تھے۔ آج اس کی نوبت نہیں آئی۔"
"آج کے ایک دھماکے سے ذرا پہلے تجھے بھاگتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ دوسرا دھماکا کس نے کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"میرے ساتھ ترپاٹھی تھا۔" اس نے سہمی ہوئی مایوسانہ آواز میں بتایا "دوسرے ٹائم بم کی ذمے داری راجو اور سیٹھی کی تھی۔"
وجے، ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی۔ چوپڑا نے وجے سے پہلے را کے بھارت سے آئے ہوئے چار ہندو ایجنٹوں کے یہی نام بتائے تھے۔ یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ وجے

جھوٹ بول رہا ہوگا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار تھا جسے وہ ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔
"آؤ!" جلال بے پروائی سے واپسی کے لیے مڑ گیا "نیچے چلتے ہیں۔"
"یہ سانڈ یوں ہی کھلا پھرتا رہے گا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی گارڈ اسے باندھ دے گا۔ یہ یہاں خود کو زخمی کر کے صرف خودکشی کر سکتا ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"
جلال اس عمارت کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا۔
"تم اگر جانا چاہو تو اب جا سکتے ہو۔" سیڑھیاں اترنے کے بعد جلال نے رک کر کہا "میں کچھ دیر کے لیے یہاں رکوں گا۔"
"تم یہاں رک کر کیا کرو گے۔ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا کوئی پیغام آجائے۔"
"مجھے ضابطے کی کچھ کارروائی کرنی ہے۔ ابھی تک وجے کی گرفتاری کہیں بھی ریکارڈ نہیں ہوئی ہے۔ اس نے اپنی زبان کھول دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تالے کی مار اور دانت ٹوٹنے کا کمال تھا۔ اب اس کا ابتدائی بیان ریکارڈ کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔" اس نے ایک سانس میں اپنی کئی مجبوریاں گنوا دیں۔
میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور صدف مینشن سے باہر نکل آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وجے کی گرفتاری اور بیان کو ریکارڈ پر لا کر وہ اگلے دن فریرہال سے را کے بقیہ تین ایجنٹوں کو پکڑنے کی کارروائی کی داغ بیل ڈالنا چاہ رہا تھا۔ شہر کو مزید کسی خوں ریز دہشت گردی سے بچانے کے لیے وہ کارروائی بہت ضروری تھی۔
صدف مینشن سے نکلتے ہی میرے ذہن پر اول خان کی فکر سوار ہو گئی۔ امریکی قونصل خانے کی نگرانی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے میرے ذہن میں دور دور تک کوئی خطرناک امکان موجود نہیں تھا لیکن نک سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ آئی بی والوں کو ہٹا کر خود موت کے دہانے پر جا بیٹھے ہوں۔
میں نے اول خان کو فوری طور پر متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حالات پر پوری طرح قابو پالینے کے بعد وہ اولین فرصت میں مجھ سے بات کرے گا مگر

کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا جس سے مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ میں اپنی طرف سے اسے فون نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس سچویشن میں پھنسا ہوا تھا۔ میری فون کال اس کی کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں اپنی طرف سے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کھڑی کرنا چاہتا تھا۔

میں گھر پہنچا تو گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے جاتے ہی اول خان کے کسی پیغام کے بارے میں دریافت کیا اور مایوسی ہوئی۔ اس نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

"آج کا پورا دن کسی خاص پیش رفت کے بغیر گزر گیا۔" میری روداد سننے کے بعد غزالہ نے ہمدردی سے کہا "آپ تھک کر چور ہو گئے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے آج بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ نک اور ٹام سے ملاقات ہوئی پھر نک سے فون پر بات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ لوگ کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ کیلی کا بیان' بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کا حصول' وجے کی گرفتاری۔ میں تمہیں اور کیا کیا گنواؤں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک دن کے لیے غیر معمولی کارکردگی ہے۔ بھاگ دوڑ کے صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں تو تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔ ناکامیوں کی صورت میں تھوڑی سی جدوجہد بھی بری طرح تھکا دیتی ہے۔"

"تھکے تم اور نیند ویرا کو آ رہی ہے۔" سلطان شاہ بولا "نو بجے کے بعد سے وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی ہے۔"

"اوہ... تب ہی گھر میں سکون کی فضا پائی جا رہی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی دی ہوئی وہ اطلاع مذاق میں ٹال دی۔

ویرا نے سرِ شام سے جس انداز میں مے نوشی کا آغاز کیا تھا اس کے نتیجے میں اسے کھانا کھاتے ہی مدہوش ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ زیادہ پی کر بہکتی نہیں پھرتی تھی۔ سکون اور وقار کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو کر خاموشی سے سو جاتی تھی۔ میرے لیے وہ اطلاع غیر متوقع نہیں تھی۔

ایک بجے تک ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھے کارڈز کھیلتے اور چائے پیتے رہے۔ غزالہ کے اناڑی پن اور سلطان شاہ کی بے ایمانیوں نے کھیل میں جان ڈالی ہوئی تھی۔ تھوڑا بہت شور بھی ہو رہا تھا لیکن ویرا کا کمرا مکمل سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ صبح کی خبر ہی لائے گی۔

ایک بجے سلطان شاہ کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیرنے لگے۔ اس نے اپنے کارڈز تپائی پر پھینکے اور خواب گاہ میں جانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔

اس کے کمرے میں چلے جانے کے بعد ہم دونوں کا ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہنا ضروری نہیں تھا۔ ہم نے اپنی خواب گاہ میں آ کر کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر دراز ہو گئے۔ بستر پر غزالہ کے بدن کے نرم اور حیات آفریں لمس کے نتیجے میں میرے ذہن سے ہر فکر دور ہوتی چلی گئی۔

ڈیڑھ بجے میرے سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے غزالہ کو بھول کر تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کہاں غائب ہو؟ تم نے مجھے فکر اور تشویش میں ڈال دیا ہے۔" ریسیور پر اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔

"تم نے بہت بروقت فون کیا تھا۔ یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ میرے آدمیوں نے تمہاری ہدایت کے مطابق تیزی سے واپسی کا ڈراما کیا۔ نو بجے تک ہم سب اپنی نئی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے حساس اور خود کار کیمرے بھی ہم میں سے کسی کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے...."

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کہاں غائب تھے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا "اس دوران میں تم ایک مختصر سی کال تو کر سکتے تھے۔"

"میں وہی بتا رہا تھا۔ دس بجے میں اپنے آدمیوں کی چاروں پوزیشنوں کا جائزہ لے کر فارغ ہوا تو تمہیں فون کرنے کے ارادے سے موبائل نکالا۔ اس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ ابھی ابھی بیٹری دوبارہ چارج ہو کر آئی ہے تو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آزادانہ نقل و حرکت خطرناک ہے۔ آس پاس کوئی پبلک کال آفس بھی نہیں ہے۔"

"تمہیں خطرے کا ادراک کیسے ہو گیا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"قونصل خانے کی چھت کی اونچی دیوار کے پیچھے مسلح گارڈ موجود ہیں۔ گیارہ بجے میں نے وہاں سے فریئر ہال کی سمت میں ایک بے آواز شعلہ تیرتا دیکھا تھا۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی بے آواز رائفل کا فائر تھا۔ فائر کے ساتھ کوئی چیخ وغیرہ نہیں سنائی دی۔ اس سے کوئی نقصان سامنے نہیں آیا۔ قونصل خانے کی عمارت اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے سب دروازے بند ہیں۔"

"وہ فائر چھپے ہوئے دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہو گا۔" میں نے سنسنی کے احساس کے ساتھ کہا "نک

نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے گارڈز دو چار آدمیوں کو گولی ماریں گے تو نگرانی کرنے والوں کی ساری بھیڑ راہِ فرار اختیار کرلے گی۔ اس وقت کوئی ان کے سامنے نہیں ہے اس لیے وہ بے ضرر فائرنگ بھی کرسکتے ہیں۔"

"وہ نگرانی کرنے والوں ..... دیکھو ابھی ابھی وہیں سے دو بے آواز شعلے فضا میں تیرتے ہوئے خالی سڑک کی دونوں سمتوں میں گئے ہیں۔" کوئی بات کرتے کرتے اس نے اچانک ادھوری چھوڑ دی اور ہیجان زدہ آواز میں مجھے اپنے تازہ مشاہدے سے آگاہ کرنے لگا" ابھی تک فضا میں کوئی جوابی چیخ نہیں سنائی دی۔ بے آواز فائروں کا مقصد اگر کسی کو دہشت زدہ کرنا ہے تو وہ بہت مشاقی سے گولیاں چلا رہے ہیں۔ اس گنجان علاقے میں اس وقت بھی سناٹا ہے۔ نشانہ کچا ہو تو بھٹکی ہوئی گولی اتفاق سے کسی کو ہلاک یا زخمی بھی کرسکتی ہے۔"

"اول خان! تمہارا ذہن شاید تھک گیا ہے۔ یہ گولیاں صرف اور صرف تم لوگوں کو بھگانے کے لیے چلائی جارہی ہیں۔ جہاں ہو، وہیں دبکے رہو۔ ان کی نگاہوں میں آئے تو مارے جاؤ گے۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ نگرانی کرنے والوں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں۔"

"آنکھیں کھلی رکھو۔ شاید وہ آج بن ڈیوڈ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں۔" میں نے کہا "وہ عمارت میں نے کبھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی نہیں دیکھی۔"

"جب سے میرے آدمیوں نے یہاں کا چارج سنبھالا ہے کئی عام گاڑیاں اندر آئی اور گئی ہیں۔ ان میں سے کسی میں وہ نہیں تھا۔"

"وہ اسے لے جانے کے لیے عام گاڑی استعمال نہیں کریں گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ کسی بھی گاڑی کے پائیدان میں لیٹ کر وہاں سے نکل سکتا ہے لیکن وہ یہ خطرہ نہیں مول لیں گے۔ عام گاڑیوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاسکتا ہے۔ تم بلٹ پروف یا ایسی ہی ساخت کی کسی گاڑی کے نکلنے کا انتظار کرو۔ وہ نظر آئے تو بہت احتیاط اور خاموشی سے اس کا پیچھا کرو۔ ہمیں ان کی نظروں میں آئے بغیر یہ جاننا ہے کہ ایسی مشتبہ گاڑی قونصل خانے سے نکل کر کہاں جاتی ہے۔"

"ہم کسی مقابلے کے لیے بھی تیار ہیں لیکن تمہاری ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔ ہم حتی الامکان کسی تصادم سے گریز کریں گے۔"

"میں آج رات تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ اب تم اپنے کام پر دھیان دو۔ مجھے امید ہے تمہارے موبائل کی بیٹری رات بھر چلتی رہے گی۔"

"بیٹری کی فکر نہ کرو۔ یہ کم از کم بارہ گھنٹے ضرور نکال لے گی۔" اول خان نے اس یقین دہانی کے ساتھ فون بند کردیا۔

قونصل خانے کی عمارت تاریک تھی اور اس کی چھت پر چھپے ہوئے نشانے باز وقفے وقفے سے بے مقصد چاند ماری کررہے تھے۔ وہ آثار بتا رہے تھے کہ میرے فون نے نک کے ذریعے قونصل خانے کے ذمے داروں کو خاصا ہراساں کردیا تھا۔ وہ عجلت میں بن ڈیوڈ کو اس عمارت سے نکالنے کی تیاریاں کرچکے تھے۔

"مجھے حیرت ہورہی ہے کہ آج آپ نے اول خان کو اکیلا چھوڑ دیا اور خود یہاں آرام کررہے ہیں۔" غزالہ میرے کان کے نیچے منمنائی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو مامور کرکے لوٹ آئے گا مگر وہاں کے حالات پیچیدہ ہیں۔ نکاس کے چاروں راستوں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ چاروں ٹیموں کے درمیان ہم آہنگی کے لیے کسی مرکزی کمان کی موجودگی ضروری ہے۔ اول خان نے وہ کمان خود سنبھالی ہے۔ اگر وہاں آج رات کچھ ہونے والا ہے تو اس کا وہاں موجود رہنا بہتر ہے۔"

"نگرانی دن رات ہوتی رہے گی۔ معاملہ طول پکڑ گیا تو وہ کب تک وہاں بیٹھا رہے گا۔" غزالہ نے میرے قریب سرک کر پوچھا۔

"وہ کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

"کیا وہ کیلی کو بھی اس کے ساتھ لے جائیں گے؟" غزالہ میرے کان کی لو سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"کیلی کو باضابطہ طور پر ان کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس کی وہاں موجودگی سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ زخمی بھی ہے۔ بن ڈیوڈ اپنی کھال بچانے کے چکر میں اس کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا۔ اسے وہ روکیں گے۔ ایک آدھ روز میں وہ اس کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ بھی کرسکتے ہیں تاکہ سفر کے قابل ہوتے ہی اسے واپس بھیج دیا جائے۔"

"آپ کی باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ بن ڈیوڈ کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد وہ اسے بے یارومددگار چھوڑ دیں گے۔"

"وہ اب کھل کر سامنے نہیں آئیں گے۔ پس پردہ رہ کر اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہ بن ڈیوڈ کی

بد قسمتی ہے کہ وہ جیک کے قتل میں بری طرح ملوث ہوا ہے۔ کیلی کی رنگے ہاتھوں گرفتاری اور اعتراف کے بعد کوئی بن ڈیوڈ کی بے گناہی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

"وہ کہہ سکتے ہیں کہ ملزم اور مقتول' دونوں امریکی ہیں۔ وہ بن ڈیوڈ کو امریکا لے جاکر مقدمہ چلائیں گے۔"

"جرم پاکستان کی سرزمین پر ہوا ہے' مقدمہ یہیں چلے گا۔ یہی واقعہ امریکا میں ہوا ہوتا اور بن ڈیوڈ یہاں آکر ہمارے ہتھے چڑھ جاتا تب وہ اپنے ملزم یا مجرم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔"

"اب بات واضح ہوگئی۔ میں آج تک یہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ مجرموں کی واپسی کا مطالبہ کس بنیاد پر کیا جاتا ہے۔" وہ مترنم آواز میں ہنستے ہوئے بولی "میں سمجھتی تھی کہ جرم کہیں بھی ہوا ہو' اس پر مقدمہ اسی ملک میں چلایا جاتا ہے جہاں کا وہ شہری ہو۔"

"بین الاقوامی قانون وہی ہے جو میں نے ابھی بتایا ہے۔ یہ ملکوں کی مفاہمت پر منحصر ہے کہ خیر سگالی کے طور پر کسی بھی مجرم کو دوست ملک کے حوالے کردیا جائے۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا "میرے برابر میں لیٹ کر مجھ سے قانون سیکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس میدان میں' میں خود مبتدی ہوں۔ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرو تاکہ مجھے سکون مل سکے۔"

وہ سعادت مند بیوی تھی۔ اس کی گداز مخروطی انگلیاں اسی لمحے میرے کاسۂ سر کو گدگدانے لگیں۔

پہلے میں اول خان کے فون کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ اس کا فون آیا تو میری نیند اڑ گئی۔

ڈھائی بجے اس کا دوسرا فون آیا۔ اس نے ہیجان زدہ اور دھیمی آواز میں بتایا کہ قونصل خانے کے بغلی گیٹ سے چھوٹی جیپ کے سائز کی ایک بکتر بند گاڑی رینگتی ہوئی باہر آئی تھی۔ اس نے اپنے ایک آدمی کے ساتھ اس گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میرے لیے اول خان کے اس حوصلہ مندانہ فیصلے سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

وہ خبر بہت اہم تھی۔ میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو غزالہ معصومیت سے آنکھیں بند کیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے بستر چھوڑا اور ایک گوشے میں جاکر اپنے لیے سگریٹ سلگائی۔ آخر کار وہ لمحات آہی گئے تھے جن کے بارے میں میرا دل گواہی دے رہا تھا۔

اول خان سابق فوجی افسر تھا۔ وہ جیپ اور بکتر بند گاڑی کی شناخت میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ بکتر بند گاڑی تھی تو اس میں بن ڈیوڈ کی موجودگی قرینِ قیاس تھی۔

میں کمرے کے فرشی قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتا اور یہ سوچتا رہا کہ اس بکتر بند گاڑی نے شہر کے کس حصے کا رخ

مجبوری

فلم کی ریلیز سے پہلے ہی اس کی اتنی شہرت ہوچکی تھی کہ مہینوں پہلے کی ایڈوانس بکنگ چل رہی تھی۔ فلم لگی تو پہلے شو میں ایک پچھلی قطار میں دو خواتین بیٹھی تھیں مگر ان کے درمیان سیٹ خالی تھی۔ انٹرول میں ایک خاتون نے بات چیت شروع کرتے ہوئے دوسری خاتون سے کہا "میں نے یہ فلم دیکھنے کے لیے آٹھ مہینے پہلے بکنگ کرائی تھی۔"

دوسری خاتون بولیں "عجیب اتفاق ہے.... میں نے بھی آٹھ مہینے پہلے بکنگ کرائی تھی۔"

پہلی خاتون بیچ کی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں "لیکن نہ جانے یہ کون بدنصیب تھا جو بکنگ کرانے کے باوجود فلم دیکھنے نہیں آسکا؟"

"یہ سیٹ بھی میری ہے" دوسری خاتون نے غم زدہ لہجے میں کہا "دوسرا ٹکٹ میں نے اپنے شوہر کے لیے لیا تھا لیکن اس دوران میں ان کا انتقال ہوگیا۔"

"اوہ... بڑا افسوس ہوا سن کر" پہلی خاتون نے ہمدردی سے کہا "لیکن آپ اپنی کسی دوست یا رشتے دار کو ساتھ لاسکتی تھیں۔"

"خیال تو مجھے بھی آیا تھا" دوسری خاتون نے تاسف سے کہا "لیکن کسی کو بھی لانا مشکل تھا۔ وہ سب تو میرے شوہر کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔"

کیا ہوگا۔ میری دانست میں ان لوگوں کے لیے ڈیفنس اور کلفٹن کے رہائشی علاقے ان کے مقاصد کے لیے موزوں ترین تھے۔ اس سے پہلے بن ڈیوڈ ڈیفنس کے بی باون بنگلے میں اور پھر کلفٹن کے فالکن ہاؤس میں رہ چکا تھا۔ ان علاقوں کے مکینوں کی بیگانگی اور ایک دوسرے کے معاملات سے غیر معمولی لاتعلقی کی بنا پر غیر ملکیوں میں وہ آبادیاں زیادہ مقبول تھیں۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اس وقت اول خان اپنی کمین گاہ سے نکل کر امریکی بکتر بند گاڑی کے پیچھے لگ چکا تھا۔ اسے کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک معاون موجود تھا۔ میں اسے کسی زحمت سے دوچار کیے بغیر فون پر اس سے بات کر سکتا تھا۔

کمرے سے بات کرنے کی صورت میں غزالہ کی نیند خراب ہونے کا امکان تھا۔ میں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور خاموشی سے خواب گاہ کا دروازہ کھول کر دبے قدموں باہر نکل گیا۔ کمرے کا دروازہ احتیاط سے بند کر کے میں سیدھا ڈرائنگ روم میں پہنچا اور اول خان کا موبائل فون نمبر ملا لیا۔

"تم کہاں ہو؟ بکتر بند گاڑی کدھر جا رہی ہے۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا۔

"گاڑی کی رفتار سست ہے۔ وہ میٹروپول ہوٹل والے چوراہے سے بائیں طرف مڑ کر سیدھی جا رہی ہے۔" اول خان کی آواز سپاٹ اور پرسکون تھی "گاڑی نکلتے ہوئے میں نے ونڈ شیلڈ کے پیچھے دو آدمیوں کی جھلک دیکھی تھی۔ پوری گاڑی خاکستری رنگ کی فولادی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے پچھلے حصے میں کتنے آدمی ہیں۔"

گاڑی کی سمت کے بارے میں جانتے ہی مجھے خیال آیا کہ وہ باتھ آئی لینڈ کی طرف جا رہے تھے۔ پی آئی ڈی سی کے پل کے دوسری جانب واقع اس آبادی کے بعض حصے بھی ویرانی کی حد تک پرسکون تھے۔ میں اول خان سے کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ توقف کے بعد اس کی آواز دوبارہ آنے لگی "عبداللہ ہارون روڈ اور کلب روڈ سے گزرنے کے بعد اب وہ گاڑی چوہدری خلیق الزماں روڈ پر بائیں طرف مڑی ہے۔ اس کی رفتار غیر معمولی حد تک سست ہے .... اب انہوں نے پھر بایاں انڈی کیٹر جلا دیا ہے۔ شاید وہ کراچی کلب سے پہلے واپس اپنی عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔"

"وہ علاقے کی ریکی پر نکلے ہیں۔ سست روی کے ساتھ وہ قرب و جوار کا جائزہ لے رہے ہیں۔ آس پاس کا چکر لگا کر وہ گاڑی شاید دوبارہ اندر چلی جائے۔"

"میرا اور ان کا درمیانی فاصلہ خطرناک حد تک کم ہے۔ میں ان کے پیچھے نہیں جا سکتا۔ سیدھا جا رہا ہوں۔ آگے سے گھوم کر دوبارہ اپنی جگہ پر پہنچتا ہوں۔"

"میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر مجھے صرف اتنا بتا دینا کہ وہ گاڑی اندر گئی یا کہیں اور نکل گئی۔"

"اپنی پوزیشن سے میں زیادہ بات نہیں کر سکوں گا۔" اول خان کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔

میں خاموشی سے ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ جس میں گاڑی کے انجن کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اس وقت میرا خالی ذہن شیطانی کارخانہ بنا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں خیالات کی بھرمار ہو رہی تھی۔ اسی دوران میں ایک ہولناک خیال حملہ آور ہوا کہ کہیں وہ بکتر بند گاڑی ڈمی نہ ہو۔ نگرانی کرنے والوں کو دھوکا دینے کے لیے نکلی ہو۔ اول خان پورے جوش و خروش سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اسے جگہ سے ہٹاتے ہی وہ لوگ اندر سے کسی دوسری گاڑی میں بن ڈیوڈ کو لے کر نکلے اور خاموشی سے اپنی طے شدہ منزل کی طرف چل دیے۔

غنیمت یہ ہوا کہ میرے اعصاب پر وہ اندیشہ زیادہ دیر تک سوار نہ رہ سکا۔ اول خان مختصر سا چکر کاٹ کر بہت سرعت سے اپنی جگہ پر پہنچا۔ میں نے ریسیور پر کچھ سرگوشیانہ آوازیں سنیں پھر اول خان کی آواز آئی "سب ٹھیک ہے۔ گاڑی اندر چلی گئی۔ وہ ریکی پر ہی نکلے تھے۔"

"میں جاگ رہا ہوں۔ ضرورت پڑتے ہی فون کر لینا۔" جلدی سے یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

میں چند ثانیوں تک ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر راہداری میں آ گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے کمروں کے بند دروازوں کی نچلی درز کے پیچھے پھیلا ہوا اندھیرا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں اپنے اس جائزے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پلٹ کر دوڑ لگا دی۔

دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اپنے کان سے لگا چکا تھا۔

"ابھی ابھی ویسی ہی دو بکتر بند گاڑیاں بہت تیزی سے نکل کر مین روڈ پر داہنی طرف مڑی ہیں۔ میں ان کے پیچھے جا رہا ہوں، دعا کرنا۔"

اول خان کی ہیجانی آواز معدوم ہوتے ہی فون بے جان ہو گیا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وال کلاک اس وقت رات یا صبح کے پونے تین بجا رہا تھا۔ پورا شہر گہری نیند

کے مزے لے رہا تھا۔ سازشی عناصر رات کے سناٹے اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ اس دھرتی کے کچھ خیر خواہ ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

آخر کار میری چھٹی حس کی پیش بینی درست ثابت ہوئی تھی۔ پہلے انہوں نے خاموش فائرنگ سے ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کو ہراساں کر کے بھگانے کی کوشش کی۔ اپنے اس وار کے بارے میں نک نے مجھے پہلے سے وارننگ دے دی تھی پھر انہوں نے بکتر بند گاڑی میں اپنے علاقے کا گشت کر کے یہ اطمینان کیا کہ قونصل خانے کے قرب وجوار میں کوئی مشتبہ شخص موجود نہیں تھا۔ ہر طرف سے تسلی ہو جانے کے بعد وہ بن ڈیوڈ کو بہت برق رفتاری سے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

ان کی طرف سے مقابلے کے آغاز کا بگل بج چکا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ رات کے گہرے سناٹے میں کراچی کی روشن سڑکوں پر اول خان کے تعاقب کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

میں نے اپنا جائزہ لیا اور اپنی ہیئت کذائی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ بستر اور غزالہ کے وجود کی شکنوں سے آلودہ سلیپنگ سوٹ ایک عجوبہ بن چکا تھا۔ میں اٹھ کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف چل دیا تا کہ اس فرصت میں لباس تبدیل کر کے اپنا وقت بچا سکوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اول خان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا پیغام ملا تو میں اپنے تینوں ساتھیوں میں سے کسی کی نیند خراب کیے بغیر خاموشی سے گھر سے روانہ ہو جاؤں گا۔

غزالہ بدستور گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں نے ہینگر سے اپنے وہی کپڑے اتار لیے جو دن بھر میرے بدن سے چپکے ہوئے تھے۔ اس وقت کسی دوسرے لباس کے لیے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں غزالہ کو گہری نیند سے جگا دوں۔

کپڑے بدل کر میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ جوتے چند لمحوں میں پہنے جا سکتے تھے۔

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اول خان کی کال ہو گی۔

"ہم نے کلفٹن کا پل عبور کر لیا ہے۔ اس مرتبہ دونوں بکتر بند گاڑیاں بہت برق رفتاری سے دوڑ رہی ہیں۔ سڑک بالکل ویران ہے۔ اِکّا دُکّا گاڑیاں آ جا رہی ہیں۔ میں نے کافی فاصلہ رکھا ہوا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ اس ویرانی میں وہ میری موجودگی نوٹ کر لیں گے۔ فاصلہ برقرار رکھنے کے لیے میں بھی ایک سو کلومیٹر فی گھنٹا سے زیادہ رفتار سے گاڑی دوڑا رہا ہوں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ تم اپنی طرف سے پوری احتیاط کرو۔ اس کے باوجود کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کی مرضی ہے۔ اس کے آگے ہم بے بس ہیں۔"

"اس وقت صرف تعاقب ہو رہا ہے۔ میں فون بند نہیں کر رہا تا کہ ہمارے درمیان مسلسل رابطہ برقرار رہے!"

"یہی بات میں کہنے والا تھا۔ مجھے معلوم رہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو اور تمہاری پوزیشن کیا ہے..... ہاں، ایک بات تو بتاؤ کہ قونصل خانے کی چھت سے تین کے بعد مزید گولیاں تو نہیں چلائی گئی تھیں؟" اچانک یاد آ جانے پر میں نے وہ بھولا

انقلاباتِ زمانہ

ہالی وڈ کے قریب ایک گلی کے کونے پر دو کتوں کی ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں اپنی دوست کا انتظار کر رہا ہوں" دوسرے کتے نے جواب دیا۔

"کیسی ہے وہ؟" پہلے کتے نے تجسس سے پوچھا۔

"سفید رنگ کی ہے... ٹیریئر ہے.... دو فٹ لمبی ہے.... دم چھوٹی ہے.... لیڈی کہہ کر آواز دو تو متوجہ ہوتی ہے" دوسرے نے کہا۔

"اچھا... اچھا... اس کی پیشانی پر سیاہ دھبا ہے اور ذرا لنگڑا کر چلتی ہے؟" پہلے کتے نے مزید نشانیاں بتائیں۔

"ہاں.... ہاں... وہی" دوسرے نے تائید کی۔

"میں تو خود اسی کا انتظار کر رہا ہوں" پہلا کتا بولا۔

دوسرے نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا "کیا زمانہ آ گیا ہے.... ہماری مائیں بھی ہالی وڈ کی عورتیں ہوتی جا رہی ہیں۔"

ہوا سوال بھی پوچھ لیا۔
"ایک اور پھر آپس کے بعد دو فائر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کم از کم میری سمت میں کوئی گولی نہیں چلائی گئی۔ دوسری سمتوں کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
"کیوں، تمہارے آدمی تقریباً ہر رخ پر پوزیشن لیے ہوئے ہیں!"
"فائر بے آواز تھے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک کی نگاہیں چھت کی طرف مرکوز رہی ہوں۔ ان بے آواز شعلوں کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے توجہ کا ارتکاز ضروری تھا۔"
"مجھے خوشی ہے کہ آج تمہارا وہاں رکنا رائگاں نہیں گیا۔ کچھ نہ کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔"
"ہم تین تلوار سے گزر رہے ہیں۔ ساحل قریب ہے۔ یہ تعاقب جلد ہی کہیں نہ کہیں ختم ہوجائے گا۔ واپسی پر کیا حکمتِ عملی ہوگی۔"
"قونصل خانے کی بکتر بند حفاظتی گاڑیاں عام طور پر احاطے سے باہر نہیں نکلتیں۔ وہ لوگ اپنی منزل پر زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔ اپنا کام پورا کرتے ہی تیزی سے واپس لوٹیں گے اور اپنے ٹھکانے کا رخ کریں گے۔ تمہیں ان کے ساتھ واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی منزل پر رک کر عمارت کی نگرانی کرتے رہنا۔"
"ہاں، میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ مجھے وہاں رکنا ہوگا یا گاڑیوں کے ساتھ واپسی ہوگی۔"
میرا اور اول خان کا رابطہ برقرار رہا۔ دونوں بکتر بند گاڑیاں اپنی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھیں۔ اس وقت تک ان لوگوں کی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کی گئی تھی جس سے گمان ہوتا کہ انہیں اپنے تعاقب کا شبہ ہوچکا ہے۔
دونوں بکتر بند گاڑیاں شاید امریکی ڈرائیور چلا رہے تھے کیونکہ وہ مڑنے کے لیے ہر بار انڈی کیٹر استعمال کررہے تھے۔ ان کی جگہ مقامی ڈرائیور ہوتے تو اس ہنگامی مہم میں ٹریفک کے ہر اصول اور ضابطے کو فراموش کردیتے۔ ان کے اس قرینے سے اول خان کو آسانی ہورہی تھی۔ کوئی موڑ یا چوراہا آنے سے پہلے اسے معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ کس سمت میں جانے والے تھے۔
دو تلوار کے چوراہے سے آگے پھٹنے والی دو سڑکوں میں سے وہ بائیں طرف والی سڑک پر ہولیے۔
"اوہ .... وہ اچانک بائیں طرف، اولڈ کلفٹن جانے والے راستے پر مڑ گئے۔ میرا ادھر مڑنا مشکل ہے۔ وہ دیکھ لیں گے۔" فون پر یکایک اول خان کی مضطربانہ آواز ابھری۔
"گاڑی کہیں کنارے سے لگا کر روک دو اور پیدل اسی سڑک پر چلے جاؤ۔" میں نے اضطراری انداز میں بلا توقف جواب دیا "یہ تمہاری مہم کا اہم ترین حصہ ہے۔ وہ سڑک سیدھی ہے اور زیادہ لمبی نہیں ہے۔ تمہیں کہیں نہ کہیں وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آجائیں گی۔"
"او کے ڈیڈی!" اول خان کی طرف سے جواب آیا "میں اسی طرف جارہا ہوں۔ بولتے ہوئے اس کے تنفس کی تیزی نمایاں تھی۔ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے اس نے شاید دوڑ لگادی تھی۔
"سڑک دور تک صاف پڑی ہوئی ہے۔" چند لمحوں کے بعد اس نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی "میں سیدھا جارہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آخری سرے پر کسی مکان کے سامنے رکے ہوں۔"
میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ امریکی نرے ڈفر نہیں تھے۔ عین ممکن تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ ہوا ہو اور وہ اس گلی میں گھس کر یوٹرن لیتے ہوئے دوسری سڑک سے باہر نکل گئے ہوں۔ ان کی وہ حرکت اول خان کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس کے آدمی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی مگر وہ ان کے پیچھے نہیں جاسکتا تھا کیونکہ اول خان گاڑی سے اتر کر، بکتر بند گاڑیوں کی تلاش میں اندر بھٹکتا پھر رہا تھا۔
"ذرا تیز دوڑو.... دیکھو، وہ جل دے کر نکلنے نہ پائیں!" میں نے تیز آواز میں کہا۔
"میں پوری سڑک پار کرکے دوسرے سرے پر نکل آیا ہوں۔ سمندر میرے سامنے ہے مگر ان بکتر بند گاڑیوں کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔"
"واپس اپنی جگہ پر پہنچو اور اپنے آدمی سے پوچھو کہ وہ برابر والی گلی سے تو نہیں نکل گئے!"
اول خان کو واپس جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس مہم پر آئے ہوئے اس کے سارے آدمی وائرلیس ٹرانسمٹرز سے لیس تھے۔ اپنے آدمی سے بات کرکے اس نے مجھے بتایا کہ وہ دوبارہ مین روڈ پر نکلتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔
"بس، تو پھر وہ وہیں کسی گھر میں گھسے ہیں۔ انہیں تلاش کرو۔" میں نے کہا اور بے اختیار صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس وقت میں یکایک اپنے اعصاب پر دباؤ محسوس کرنے لگا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں تو ملیشے سے برآمد ہوئیں اور نامعلوم منزلوں کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اول خان اپنے ایک ماتحت کے ہمراہ ان کے تعاقب میں تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دونوں بکتر بند گاڑیوں کے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں ملنے والی اطلاع نہایت مایوس کن تھی۔ میرے ذہن میں ان آخری راستوں کا نقشہ تازہ ہونے لگا جن پر سفر کرتے ہوئے امریکیوں کی دونوں بکتر بند گاڑیاں اچانک غائب ہو گئی تھیں۔

دو تلوار والے چوراہے سے متعدد سڑکیں ملتی تھیں جن کی تعداد چار سے زائد تھی۔ کلفٹن کی اس چورنگی سے ڈیفنس میں زمزمہ جانے والی سڑک بھی ایک مختصر سی چورنگی پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ داہنی طرف والی سڑک پر زمزمہ کے کمرشل علاقے کی قلبی سڑک تھی۔ بائیں طرف والا راستہ نیول کالونی میں لے جاتا تھا۔ اس طرح کلفٹن جانے والا راستہ' پارک کے نکڑ پر بنے ہوئے پیٹرول پمپ سے دائیں اور بائیں طرف پھٹ گیا تھا۔ آگے جا کر وہ دونوں سڑکیں کلفٹن کی آخری چورنگی پر مل جاتی تھیں۔ داہنی طرف والی سڑک کے اطراف میں اہم سفارتی دفاتر وغیرہ کے ساتھ ستر نمبر کا وہ عالی شان مکان بھی تھا جو ایک دور میں پورے ملک میں ستّر کلفٹن کے نام سے مشہور تھا۔ بائیں طرف والی سڑک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی کلفٹن کے تھانے کے سامنے سے گزرتی تھی۔ اسی سڑک پر کچھ دور جانے کی بعد وہ سڑک تھی جو اولڈ کلفٹن کی خوب صورت اور پُر فضا چوٹی پر لے جاتی تھی۔ کسی زمانے میں اس چوٹی کے قدموں میں سمندر کا پانی لہریں لیا کرتا تھا اور کراچی آنے والے سیاح کلفٹن کی اس چھوٹی سی چٹان سے سمندر کی پُر فریب لہروں کا نظارہ کیا کرتے تھے پھر امتداد زمانہ اور انسان کے ہاتھوں وہ پانی رفتہ رفتہ پیچھے ہوتا چلا گیا۔ آخر کار کلفٹن اور ساحلی لکیر کے درمیان خاصی جگہ پیدا ہو گئی جہاں اگنے والی خود رو جھاڑیوں کی باقیات سے ذرا آگے خوب صورت رہائشی مکان وجود میں آچکے تھے مگر اس بلندی سے سمندر کا نظارہ بھی ممکن تھا جو اپنے پرانے ساحل سے بہت دور پتھریلی دیوار سے سر ٹکراتا رہتا تھا۔

اولڈ کلفٹن کے پارکنگ ایریا سے وہی سڑک یُو کی شکل میں گھوم کر موہٹا پیلس اور میوزیم کی تاریخی عمارت کے سامنے سے ہوتی ہوئی دوبارہ مین روڈ سے آملتی تھی۔

اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اولڈ کلفٹن کی چٹان سے نیچے کھاڑی میں نہیں گری تھیں تو ان کو یو نما سڑک پر واقع کسی بڑے مکان کے احاطے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

اول خان کا ساتھی اپنی گاڑی اور اپریٹس سمیت مین روڈ پر موجود تھا۔ وہ خود سڑک کے دوسرے سرے پر تھا۔ وہاں آنے والے اِکّا دُکّا تفریحی جوڑوں اور موالیوں وغیرہ کی سرگرمیاں معمول کے مطابق جاری تھیں۔ اول خان کچھ دیر کے لیے وہاں حیران و پریشان کھڑا رہا پھر دوبارہ واپس چل دیا۔

''مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ حرام زادے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ادھر آئے ہیں۔ کسی گھر کے مکین ان کی آمد کے منتظر تھے۔ کسی اپریٹس وغیرہ پر ان کی آمد کا اشارہ ملتے ہی گھر کا پھاٹک کھول دیا گیا اور دونوں بکتر بند گاڑیاں رکے بغیر اس احاطے میں گھس گئیں۔'' اول خان نے بھنّائی ہوئی آواز میں اپنے موبائل فون پر کہا۔

''تم اپنے کام میں لگے ہوئے ہو۔ وہ بھی ایک اہم مشن پر نکلے تھے۔ ایسی تیاری اور احتیاط نہ کرتے تو ناکام ہو سکتے تھے۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''ان کی مکاری پر اپنا خون کھولانے کے بجائے انہیں تلاش کرو۔ ابھی وہ کہیں غائب نہیں ہوئے' کہیں نہ کہیں نظر آجائیں گے۔ ایسے مکان کو تلاش کرو جس کے احاطے کی دیواریں غیر معمولی طور پر اونچی ہوں اور پھاٹک بھی بلند ہو۔ بکتر بند گاڑی کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو' عام جیپ سے زیادہ اونچی ہو گی۔ وہ گاڑیاں ایسے ہی کسی مکان میں چھپ سکتی ہیں۔''

''وہ مارا۔'' میرے کانوں میں اول خان کی مسرت آمیز آواز آئی ''ایسا ایک مکان ادھر آتے ہوئے میری نظروں میں چبھا تھا مگر میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ خدا کی قسم' ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی جادوئی دوربین سے یہاں کا سارا منظر دیکھ رہے ہو۔ میں ابھی اس مکان کو دیکھتا ہوں۔''

اس کی آواز میں یکایک پیدا ہو جانے والے زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مجھ سے بات کرتے کرتے' اس نے جوش میں آکر اچانک دوڑنا شروع کر دیا۔

''یہ بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا وسیع مکان ہے۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد ریسیور پر اس کی ہانپتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ کہہ رہا تھا ''سڑک کے رخ پر احاطے کی دیوار کسی فصیل کی طرح کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی کسی طرح دس فٹ سے کم نہیں ہو گی۔ کمال ہے کہ اتنی غیر معمولی بات کو میں نے نظر انداز کر دیا۔ اس کا لوہے کا پھاٹک بھی اتنا ہی اونچا ہے۔ گھر کیا ہے' باہر سے قلعہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ پتا

نہیں چل رہا کہ احاطے کی دیوار کے پیچھے کس طرز کا مکان بنا ہوا ہے۔ باہر کوئی متنفس نہیں ہے۔ ذرا میں کسی جھری میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں کسی گھر میں گھسی ہیں تو وہ گھر یہی ہو سکتا ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ باہر کوئی نظر نہیں آرہا۔" میں نے اسے وارننگ دی۔ "اگر یہ امریکیوں کا کوئی خاص ٹھکانا ہے تو یہاں بھی خفیہ کلوز ڈسرکٹ کیمرے کام کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اندر بیٹھ کر باہر کی پوری صورتِ حال پر پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ علاقہ دن میں بھی سنسان رہتا ہے۔ اس وقت یہاں ہر طرف سناٹا ہے۔ خوش قسمتی سے اسٹریٹ لیمپس بھی کمزور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے چوپایہ بن کر ان کے خفیہ کیمروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"موبائل فون بند نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے اسے ہدایت دی "میں تمہاری طرف سے کسی اگلے پیغام کی وصولی تک خاموش رہوں گا۔ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آگئی تو تم وقت کے زیاں کے بغیر مجھ سے رابطہ کر سکو گے۔"

"اوکے۔ میں اسی کے برابر والے مکان کی دیوار تک پہنچ گیا ہوں اور اب چاروں ہاتھ پیروں پر جا رہا ہوں۔"

"فی امان اللہ۔" میں نے بے ساختہ کہا اور لائن پر سکوت چھا گیا۔

وہ خاصی خطرناک اور ہیجان آمیز صورتِ حال تھی۔ اگر ہم دونوں کے اندازے درست تھے اور امریکی بکتر بند گاڑیاں بن ڈیوڈ کو لے کر اس کے احاطے میں داخل ہوئی تھیں تو اول خان کا تنِ تنہا ان کے پھاٹک تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگر ان کو اپنے احاطے کے آس پاس کسی غیر معمولی چوپائے کی موجودگی کی بھنک مل جاتی تو وہ صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لیے باہر نکل سکتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرا امکان بھی موجود تھا۔ وہ اپنی بکتر بند گاڑیوں میں سوار ہو کر مستقل قیام کے ارادے سے وہاں نہیں آئے تھے۔ قیاس کہتا تھا کہ وہ لوگ ایف بی آئی کے مقامی نمائندے نک ہاروے کے ایما پر بن ڈیوڈ کو امریکی قونصل خانے سے نکال کر بہ حفاظت وہاں چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ ان کا وہ کام بہت محدود اور مختصر تھا جسے سر انجام دے کر وہ کسی بھی لمحے وہاں سے واپسی کا سفر شروع کر سکتے تھے۔ ادھر اول خان اندر کی سن گن لینے کے لیے ان کے پھاٹک پر پہنچتا اور ادھر وہ واپسی کے لیے چل پڑتے اگر وہ لوگ اسے

پھاٹک کے قریب پکڑ لیتے تو اول خان کے پاس اپنی وہاں موجودگی کا کوئی جواز نہ ہوتا اور حالات اس کے خلاف ہو جاتے۔

کچھ دیر کے لیے فون لائن پر اعصاب شکن سکوت چھایا رہا پھر عف عف کی دو ہلکی آوازیں میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائیں۔ شاید اول خان ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل سڑک یا فٹ پاتھ پر چلتا ہوا اس مکان کے آہنی پھاٹک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے منہ سے کتے جیسی عف عف کی آواز نکال کر شاید مجھے اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو وہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر مجھ سے براہِ راست گفتگو ضرور کرتا۔

اعصاب کو چٹخا دینے والا وہ سکوت مزید کچھ دیر برقرار رہا۔ میں سگریٹ پھونکتے ہوئے اندازہ لگا رہا تھا کہ اول خان آہنی پھاٹک کی نچلی یا کسی عمودی جھری سے اندر کے روشن صحن، پورچ یا دالان کا جائزہ لے کر وہاں سے جلد از جلد کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو گا تاکہ وہاں سے مجھے رپورٹ دے سکے۔

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میرے کان سے لگے ہوئے بے جان ریسیور میں اول خان کی دبی دبی اور پُرجوش آواز گونجنے لگی "وہ دونوں گاڑیاں اسی مکان کے پورچ میں ہیں۔ تین گورے عام کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ وہ بکتر بند گاڑیوں کے قریب کھڑے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ چار باوردی امریکی کمانڈوز عجیب ساخت کے ہتھیار لیے ان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ پوری طرح چاق و چوبند ہیں۔ ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ ذرا سا بھی خطرہ ہوا تو وہ خونریزی سے گریز نہیں کریں گے۔"

"یہ سب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟" میں اضطراری طور پر پوچھ بیٹھا۔ اسی لمحے مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اس نے وہ سب بہ چشم خود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے کیوں بتاتا۔ شاید مجھے اعتبار نہیں آسکا تھا کہ اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے ہم یوں اچانک کامیابی کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میری وہ بے اعتباری بے ساختہ سوال بن کر میری زبان پر آگئی تھی۔

"کیا بات کر رہے ہو۔" اول خان کی آواز میں ایک تڑپ سی عود کر آئی "دیکھے بغیر میں تمہیں یہ سب کیسے بتا سکتا تھا۔ اندر کے احوال بہت پراسرار ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ بکتر بند والے زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رکیں گے۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چل دیں گے۔"

"کیا ان میں بن ڈیوڈ نہیں ہے؟" میں نے اس کے

ابتدائی جواب کی تلخی کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"مجھے خاص طور پر اس کی تلاش تھی۔ مجھے اس کی کوئی جھلک نظر نہ آسکی۔"
"چاروں کمانڈوز تو یقیناً بکتربند سے آئے ہوں گے۔ بقیہ تینوں میں اہلِ خانہ کتنے تھے؟" میں نے سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ امریکیوں میں ٹی شرٹ اور جینز کا چلن اس قدر مقبول ہے کہ گھر سے باہر تک وہ ہر جگہ یہی لباس پہنتے ہیں۔ اس حلیئے میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ان میں سے کون میزبان ہے اور کون بکتربند کے ساتھ وہاں پہنچا ہے۔"
"انہیں صرف مذاکرات کرنے ہوتے تو وہ اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بجائے فون یا کسی لاسلکی آلے کی مدد لے سکتے تھے۔ قونصل خانے سے دو بکتربند گاڑیوں کی آمد اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ساتھ بن ڈیوڈ کو وہاں لائے ہیں۔ اسے گاڑی سے اتارتے ہی اندر بھیج دیا گیا ہوگا۔"
"میرا دل بھی یہی کہہ رہا ہے۔ مکان کے باہر نشیمن کی تختی لگی ہوئی ہے۔ مکان کا یہ نام کوئی امریکی نہیں رکھ سکتا جب کہ اس وقت پورچ میں موجود ساتوں افراد امریکی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اہم امریکی سیکرٹ ایجنٹ نے یہ مکان کرائے پر لیا ہوا ہو۔ ہمیں اس کو اسی وقت گھیر لینا چاہیے۔"
"کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا لیکن اس میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہے...."
اس بار اول خان نے مضطربانہ انداز میں میری بات درمیان سے اڑا دی "واپسی پر ہمیں بکتربند گاڑیوں کا پیچھا کرنا ہے یا یہیں رکنا ہے؟"
اول خان کا اضطراب بے جا نہیں تھا۔ وہ اس لمحے کا اہم ترین سوال تھا۔
مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث امریکی سفارت کاروں سے اپنی گہری نفرت اور بے زاری کے باوجود ہم چشم پوشی کرنے اور انہیں ڈھیل دینے کے لیے مجبور تھے۔ وہ لوگ بار بار منہ کی کھانے کے باوجود بے شرمی اور ڈھٹائی پر تلے ہوئے تھے۔ اپنے قومی مفاد کے حصول کے لیے انہوں نے جائز وناجائز اور قانونی وغیر قانونی راستوں کی تمیز مٹادی تھی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر وہ شرمسار ہونے کے بجائے پاکستانی حکام کے سخت اور غیر دوستانہ رویے کی شکایتوں کے دفتر کھول لیتے تھے۔ ان کے منہ لگنا اپنے وقت کی بربادی کے مترادف تھا۔ ویسے بھی ہمارا اصل نشان بن ڈیوڈ تھا جو شی کے پراسرار آئی مین کے روپ میں کراچی آیا ہوا تھا۔
شواہد بتا رہے تھے کہ مسلح کمانڈوز کی کڑی نگرانی اور حفاظت میں بکتربند امریکی گاڑیوں نے اسے قونصل خانے سے نکال کر نشیمن میں پہنچایا تھا۔ اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد دونوں بکتربند گاڑیوں کو اپنے عملے سمیت واپس قونصل خانے میں جانا تھا ان کا تعاقب بے سود تھا۔ نگرانی نشیمن کی ہونی چاہیے تھی جہاں بن ڈیوڈ لایا جاچکا تھا۔
مجھے یاد تھا کہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں امن وامان کی خرابی کے دور میں امریکیوں نے چھ بکتربند گاڑیاں ڈیٹرائٹ سے کراچی منگوائی تھیں۔ ہنگامی طور پر بڑے ٹرانسپورٹ طیاروں سے لائی جانے والی ان گاڑیوں کے مخصوص اور محدود مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ ان میں اہم ترین کلیدی نکتہ یہ تھا کہ حالات اچانک قابو سے باہر ہونے کی صورت میں امریکی کمانڈوز ان بکتربند گاڑیوں میں سوار ہوکر شہر اور صوبے کے دوسرے متاثرہ حصوں سے امریکی شہریوں کو نکال کر بہ حفاظت قونصل خانے لاسکیں جہاں سے ان کی امریکا واپسی کا بندوبست کیا جاسکے۔
وہ بدامنی کی ایک شدید لہر تھی جسے سیاسی شورہ پشتوں کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ پھر را والوں نے بھی اس شورش کی آگ کو بھڑکا کر اسے مسلح بغاوت بنانے کی ناکام کوششوں میں سردھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ قانون نافذ کرنے والی مقامی ایجنسیوں نے ان عناصر پر ہاتھ ڈالا تو حالات تیزی سے سدھرتے چلے گئے اور کہیں سے کسی ایک بھی غیر ملکی کے انخلا کی ضرورت پیش نہیں آئی مگر امریکی سفارت خانے کی منگوائی ہوئی بکتربند گاڑیاں ان کے کراچی کے مرکز میں موجود رہیں۔ اس پورے عرصے میں وہ بکتربند گاریاں شاذونادر ہی کراچی کی سڑکوں پر دیکھی گئیں لیکن اول خان کی زبان سے ان کی برق رفتار کارکردگی کا احوال سننے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑا کہ امریکی قونصل خانے کے موٹر ٹرانسپورٹ ورکشاپ والوں نے ان قیمتی گاڑیوں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ضرورت پیش آنے پر بکتربند گاڑیاں پوری طرح فعال تھیں۔
"بکتربند گاڑیوں کے پیچھے جانا بے سود ہوگا۔" میں نے وہ سب سوچتے ہوئے فون پر اول خان کو جواب دیا "وہ اپنا کام پورا کرچکے ہیں۔ ان کا لایا ہوا کام نشیمن میں موجود ہے۔ ہمیں اپنی پوری توجہ اس عمارت پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ بن ڈیوڈ یہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے۔"
"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ بکتربند گاڑیوں کی نقل وحرکت سے تم نے بہت زیادہ امید وابستہ کرلی ہے۔ ہوسکتا

ہے کہ ان کے ذریعے بن ڈیوڈ کو نہ لایا گیا ہو.....“
اول خان کا لہجہ ناصحانہ تھا۔ وہ میری تمام توقعات پر پانی پھیرنے والی باتیں تھیں۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ”بکتر بند گاڑیاں بلاوجہ نہیں نکالی گئیں۔ ان کے ذریعے کچھ نہ کچھ اِدھراُدھر ہوا ہے۔ یہ بات تم کو مان لینی چاہیے۔“ میں نے اپنی بات بہت زور دے کر کہی تھی۔
”مجھے یہ تسلیم ہے کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے مگر تم نے بن ڈیوڈ کو پکڑنے کی آس باندھ لی ہے۔ فرض کرو کہ وہ نشیمن میں نہ ہوا تو کیا ہوگا۔“
”اس وقت ان کے سامنے بن ڈیوڈ کے سوا اور کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اسی کی خاطر اپنی بکتر بند گاڑیاں حرکت میں لاسکتے ہیں۔“ میں نے اصرار کیا۔
”یہ تمہارا موقف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اور ہی سوچ رہے ہوں۔“ واپسی پر بکتر بند گاڑیوں کا تعاقب نہ کرنے کا فیصلہ ہوجانے کے بعد اول خان پُرسکون ہو کر فون پر باتیں کررہا تھا۔ اس کے لہجے میں عجلت اور تیزی باقی نہیں رہی تھی۔
”تم بھی دماغ لڑاؤ۔ فون پر میری اور نک کی گفتگو کے بعد وہ اور کیا سوچ سکتے ہیں۔“ میں نے اسے دعوت دی۔
”وہ تمہارے اور ویرا کے بارے میں سب سے زیادہ پریشان ہیں اور ان کی اولین ترجیح تمہاری گرفتاری ہے۔“ اول خان نے نکتہ آفرینی کی۔
”میں نشیمن میں نہیں ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں اسٹیشن فور کی طرف گئی ہوتیں یا پھر کراچی کی سڑکوں پر بے مقصد دوڑتی پھر رہی ہوتیں تو میں یہ ضرور سمجھ لیتا کہ وہ میرے یا کسی اور دشمن کے بارے میں پریشان ہیں۔ نشیمن میں ان کو پوری راز داری کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا ہے۔ یہ ان کے کسی دشمن کا مسکن ہوسکتا ہے نہ وہ اس کی تلاش میں ادھر آسکتے ہیں۔“ میں نے کسی بڑی خبر کے انتظار میں خاموش رہ کر وقت گزارنے کے بجائے اول خان کو جوابی دلیل دی۔
”اگر ہم کو ان کا پیچھا کرنے کے بجائے یہاں رک کر نشیمن پر چڑھائی کرنے کی تیاری کرنی ہے تو شاید مجھے اپنا کام شروع کردینا چاہیے۔“ اول خان کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری۔ اس نے میری بات کا جواب سرے سے گول کردیا تھا۔
”سب سے پہلے اپنے ساتھی کو بتادینا کہ اسے تمہارے ساتھ رکنا ہے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔
”جب تک میں اسے ہدایت نہیں دوں گا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ قونصل خانے والوں کی طرف سے مکمل خاموشی ہے۔ میں ادھر بھی دیکھوں گا کہ کیا ہورہا ہے۔“
”ٹھیک ہے۔ میں فون بند کررہا ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں روانہ ہوں تو مجھے میرے موبائل فون پر بتادینا۔“ میں نے کہا۔
”اوہ!“ اول خان کی چونکی ہوئی آواز ابھری ”تو کیا تم گھر سے روانہ ہورہے ہو؟“
”یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تم اکیلے شکار کھیلتے پھرو اور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھا رہوں۔“ میں نے خوش دلی سے جواب دیا ”میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔“
اول خان نے فون بند کردیا۔ میں نے زیرو واٹ کے بلب کی مدھم روشنی میں جوتے اٹھائے اور خاموشی سے اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ویرا ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر آرام سے بیٹھی سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں ہماری خواب گاہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔
”تم تو شام سے بہت زیادہ پی لینے کے باعث نو بجے اپنے کمرے میں بند ہو کر گہری نیند سو گئی تھیں۔“ میں نے اس کے قریب جا کر حیرت سے دبی دبی آواز میں کہا ”اس وقت تم یہاں بالکل تروتازہ بیٹھی ہوئی نظر آرہی ہو۔ خیریت تو ہے نا؟“
”میں فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لینے کے لیے کچن میں آئی تھی۔“ اس نے بے نیازی سے سگریٹ کا گل قالین پر گرانے کے بعد مسکراتے ہوئے جواب دیا ”تمہارے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے یوں محسوس ہوا جیسے تم ٹہل رہے ہو پھر میرے نتھنوں میں سگریٹ کے جلتے ہوئے تمباکو کی بو بھی آئی۔ میں نے تمہارے بند دروازے کے قریب فرش سے کان لگایا تو اندر کے قالین پر کسی کے قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک سنائی دی۔ غزالہ بے چاری سیدھی سادی لڑکی ہے۔ وہ ایسی احمقانہ اور فلسفیانہ حرکتیں نہیں کرتی۔ نیند نہیں آتی تو بستر بلکہ کمرے سے باہر نکل کر خود کو کسی کام میں مشغول کرلیتی ہے۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ حرکت تمہاری ہوسکتی ہے۔ تم سگریٹیں پھونک پھونک کر اندر ٹہلتے رہو گے اور پھر باہر آؤ گے۔ خیریت تو ہے نا!“ آخر میں اس نے وہ فقرہ بالکل میرے انداز میں دہرانے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ”تمہارے بدن پر جانے کا لباس ہے اور ہاتھ میں جوتے لٹک رہے ہیں۔ کہاں کا ارادہ ہے؟“
”ابھی تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔“ میں نے اس کی

آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرتے ہوئے دیکھ کر کہا "اپنے کمرے میں جاکر سوجاؤ۔ صبح واپس آنے کے بعد پوری کہانی سنادوں گا۔"

"میں چار پانچ گھنٹے سو چکی ہوں۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "تم میری فکر نہ کرو۔ پوری بات بتاؤ۔ اگر یہ اسی منحوس بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے تو میرا اور تمہارا ایک ساتھ جانا ضروری ہے۔"

"قطعی ضروری نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئی سختی سے کہا "میں اولڈ کلفٹن کی سیر کے لیے جارہا ہوں۔"

"ضروری ہے۔" وہ مجھے آنکھ مار کر مسکرائی "میں دیکھوں گی کہ رات کے دو ڈھائی بجے تم وہاں جاکر کیا کرتے ہو۔ آج کل تم نے کلفٹن کے بہت زیادہ پھیرے لگانے شروع کردیے ہیں۔"

"اگر تم میرے جوتے پہننے تک لباس اور اپنا حلیہ درست کرکے آسکتی ہو تو آجاؤ ورنہ میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔" میں نے بے رخی سے کہا اور ایک صوفے پر ٹک کر موزے پہننے شروع کردیے۔

ویرا اپنی جگہ سے اٹھ کر تیر کی طرح اپنے کمرے کی طرف گئی۔ اس نے کسی ہرنی کی طرح زقندیں لگاتے ہوئے اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔

موزے پہننے کے بعد میں جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا کہ ویرا نہایت برق رفتاری سے لوٹ آئی۔ ویرا کے بائیں ہاتھ میں اس کے جوتے تھے۔ داہنے ہاتھ سے اس نے اپنی کھلی ہوئی جینز سنبھالی ہوئی تھی۔ اسی ہاتھ میں بال سنوارنے کا برش دبا ہوا تھا۔

"دیکھ لو' میں تمہارے تیار ہونے سے پہلے آگئی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اس حلیئے میں تم باہر جانے کے قابل نہیں ہو۔ آئینہ دیکھا ہے تم نے!" میں نے متاسفانہ انداز میں سرہلاتے ہوئے پوچھا۔

ویرا نے جوتے نیچے ڈالے اور پھرتی سے اوپری بٹن لگا کر جینز کی زپ بند کرلی۔ پھر اس نے اپنی ٹی شرٹ میں کسے ہوئے سبک جسم کو عجیب سے انداز میں جنبش دی اور اوپری زیر جامے کی غیر موجودگی کے جملہ اثرات کشش ثقل کے تحت خود بہ خود درست ہوگئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے فخر سے اعلان کیا "میں تیار ہوں۔ تم ابھی تک لیس باندھ رہے ہو۔"

"کیا کلفٹن کی ریت پر ننگے پاؤں دوڑنے کا ارادہ ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"جوتے گاڑی میں پہن لوں گی۔ کلفٹن کا فاصلہ کافی ہے۔ اس دوران میں مجھے بال سنوارنے کے ساتھ ہلکے سے میک اپ کا موقع بھی مل جائے گا۔" اس نے اپنے سینڈل دوبارہ اٹھالیے۔

اول خان سے فون پر بات کرتے ہوئے میرا کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ویرا سوتی رہتی تو میں ہرگز اس کی نیند میں مخل نہ ہوتا لیکن اسے بیدار پاکر مجھے ہلکی سی خوشی ہوئی تھی۔ اس پر اپنی مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ تھا کہ اس کے ساتھ وقت اچھا گزرتا تھا اور ضرورت پیش آنے پر وہ ایک دلیر ساتھی ثابت ہوتی تھی۔

میں نے اپنے کمرے سے چابی جیب میں ڈال لی تھی۔ صدر دروازے کے ہضمی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر میں نے آہستگی سے دروازہ مقفل کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"اس وقت ہم کہاں جارہے ہیں؟" گھر سے نکل جانے کے بعد ویرا نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے پوچھا۔

ہمیں ایک سنگین اور پرُ خطر مہم درپیش تھی۔ اس وقت مذاق میں وقت ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اولڈ کلفٹن کے نشیمن نامی مکان میں بن ڈیوڈ کی موجودگی کے امکانات سے آگاہ کردیا اور وہ بھی یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔

"میں عجلت میں اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لاسکی۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "روبرو مقابلے کی نوبت آگئی تو میرے پاس سنگ باری کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں ہوگا۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔ بس تم انگلیاں چٹخا چٹخا کر انہیں کوسنا شروع کردینا۔ دوچار موقع پر ہی ڈھیر ہوجائیں گے۔"

اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے بٹن دبا کر وہ آلہ اپنے کان سے لگالیا۔

"دونوں بکتر بند گاڑیاں ابھی ابھی تیزی سے واپس گئی ہیں۔" وہ بتا رہا تھا۔ "مکان کا آہنی پھاٹک شاید برقی موٹروں سے کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے۔ پھاٹک بہت تیزی سے کھلا' گاڑیاں برق رفتاری سے ریورس ہوئیں اور ان کے روانہ ہونے سے پہلے وہ پھاٹک پلک جھپکتے میں بند ہوچکا تھا۔"

"بس میں حسن اسکوائر سے آگے نکل چکا ہوں ویرا میرے ساتھ ہے اور کیا خیر خبر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی یہاں

بلالی ہے۔ اس میں چار آدمی ہوں گے۔"

"ویری گڈ! یہ عقل مندی کی بات ہے۔ ہمیں زیادہ بھیڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ قونصل خانے کا کیا احوال ہے؟"

"چھت کے اندھیرے میں چھپے ہوئے مسلح کمانڈوز کے دماغ چل گئے ہیں یا وہ اپنے نادیدہ دشمنوں سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔" اس کی آواز آئی "وہ تھوڑے تھوڑے سے وقفے سے مختلف سمتوں میں فائر کر رہے ہیں۔ ان کی چلائی ہوئی گولیوں کے بے آواز شعلے بہت دور تک جاتے ہیں لیکن کمال بات یہ ہے کہ ان کی لمبی رینج کے ہتھیاروں سے ابھی تک کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے کی رپورٹ نہیں ملی۔ وہ بس خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہیں اور اپنی دانست میں ان کوششوں میں کامیاب ہیں۔"

"ان میں سے ایک آدھ کو زخمی کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہت مشکل ہے۔ وہ بلندی پر چھت کے گرد بنی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ کر، بلندی سے نیچے فائر کر رہے ہیں۔ میرے آدمیوں کے لیے انہیں اپنے نشانے پر لینا ممکن نہیں ہے۔ نشیب سے بلندی کی طرف لیا جانے والا نشانہ مشکل سے لگتا ہے اور پھر انہیں دیوار کی آڑ بھی حاصل ہے۔"

"پھر انہیں بھول جاؤ۔ تمہارے آدمیوں کی بے مقصد فائرنگ ان کی خوش فہمی دور کر دے گی۔ انہیں سمجھنے دو کہ ان کی بے آواز گولیوں سے ڈر کر ان کے حریف میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ ہم کو اب اپنی ساری توجہ نشیمن پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

اول خان وہاں فارغ نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ بکتر بند گاڑیوں کی واپسی کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو کام پر لگا دیا تھا۔ گاڑی اول خان کے قبضے میں تھی۔ اس کا معاون نشیمن کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا تھا تاکہ ادھر سے دیوار پھاند کر فرار ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ وہ خود اس عمارت کے سامنے جما ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے اس اسٹرائیک یونٹ سے بھی رابطے میں تھا جو نشیمن کے قریب پہنچنے کے لیے اسٹیشن فور سے روانہ ہو چکا تھا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟" میرے نمٹتے ہی ویرا نے میرے بائیں شانے پر ہاتھ رکھ کر ترشی سے پوچھا "میں انہیں کوسنا شروع کردوں!"

"ہتھیار نہیں ہے تو مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "ویسے تم عورت ذات ہو، خوب صورت اور بانکی ہو۔ چاہو تو انہیں اپنی تیکھی نظروں کے تیروں سے بھی گھائل کر سکتی ہو۔"

"نظریں کیا، میرے ترکش کے سارے تیر کند ہو چکے ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم غزالہ کے جادو کے ایسے اسیر ہوئے ہو کہ اب تم کو میری ذات میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔"

"وہسکی کے اثرات شاید ابھی تمہارے دماغ سے زائل نہیں ہوئے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم پھر بہک رہی ہو۔"

"تم نے مجھے بہکنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ آدمی بہکتا ہے تو اپنی کچلی ہوئی خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔ بس رنگین خوابوں اور موہوم امیدوں کے سہارے جیے چلی جا رہی ہوں کہ شاید کبھی تمہارے پتھر سے دل میں میری چاہت کی جونک لگ سکے!"

"ہائیں!" میں نے حیرت سے کہا "یہ تم نے یکایک اتنی ثقیل اردو کیوں بولنی شروع کر دی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

وہ بے بسی سے ہنس پڑی اور بولی "تم بہت سفّاک ہو۔ ایسی بے۔۔۔"

"بس آگے کچھ نہ کہنا۔" میں نے جلدی سے اسے اپنی بات پوری کرنے سے روک دیا "ساری خرابی یہ ہے کہ جب تم غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا شروع کر دیتی ہو تو اداس ہونے لگتی ہو۔ شام کو میں نے تمہیں بہت اچھے موڈ میں چھوڑا تھا۔"

"میں نے غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر چمکتا ہوا چاند ہے اور میں گندے جوہڑ میں اس کے دھندلائے ہوئے عکس سے زیادہ نہیں ہوں۔ جب جوہڑ کی سطح متلاطم ہوتی ہے، یہ عکس بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اپنی اصل میں کچھ بھی نہیں رہتا۔"

"ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو۔ ہم بن ڈیوڈ کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔ یہ تم نے کہاں کی باتیں نکال لیں!"

"مجھے مشورے نہ دو۔ تم اپنے خدا کا خوف کرو۔ تم فخر سے خود کو مسلمان کہتے ہو تو مسلمان بن کر دکھاؤ۔ ایسے معاملات میں تمہیں چار شادیوں تک کی چھوٹ حاصل ہے۔"

ویرا کی وہ بات سن کر میں سناٹے میں آگیا۔ وہ اشاروں کنایوں میں مجھ سے بہت کچھ کہتی رہتی تھی لیکن اس کی زبان

سے شادی کا وہ مطالبہ میں پہلی بار سن رہا تھا۔ چند ثانیوں تک مجھے اس کے بے ساختہ مطالبے کا کوئی جواب نہیں سوجھ سکا مگر میری کھوپڑی منجمد نہیں تھی۔ میں نے توقف کے بعد بولنا شروع کردیا ”یہ حکم نہیں ہے۔ ایک چھوٹ ہے جسے مرد کی اہلیت، ضرورت اور پھر صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔“ میں نے پھونک پھونک کر الفاظ کا انتخاب کرکے اپنی بات کا آغاز کیا تھا ”اگر مرد چاہے یعنی اس کو ضرورت ہو تو وہ ایک سے زیادہ نکاح کرسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب بیویوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کرسکے جو بہت ہی مشکل کام ہے۔“

”یہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، کرنے والے کر گزرتے ہیں۔“ اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”ضرور کرلیتے ہیں مگر وہ ہوس کاریاں ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے گھروں کا حال بھی دیکھا ہوگا۔ مرد پرانی بیویوں سے اکتا کر نئی شادیاں کرتے ہیں پھر پرانی کو بھول کر نئی بیوی کی دل جوئیوں میں لگ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں دن رات کی جوتم پیزار شروع ہوجاتی ہے۔ مجھے ایسا عذاب مول لینے سے دلچسپی نہیں ہے۔“

”پھر یہ مان لو کہ تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے۔ تم ڈرتے ہو کہ میرے سامنے غزالہ کا چراغ نہیں جل سکے گا۔“

”لاحول ولا قوۃ!“ میں نے جھلا کر کہا ”تم جو چاہو، سمجھ لو۔ میں اس موضوع پر بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔“

ویرا استہزائیہ انداز میں دھیرے سے ہنس پڑی ”میں تمہیں بہت دلیر سمجھتی تھی۔ تم ڈرپوک ہی نہیں بزدل بھی ہو۔“

”تمہاری یہ زہریلی چٹکیاں مجھے کسی غلط فیصلے پر مجبور نہیں کرسکتیں۔“ میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”یہ تمہاری کمزوری نہیں، دنیا کے ہر خطے کا دستور ہے۔ مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ عورتوں سے زندگی کی ساری رعنائیاں نچوڑ لینا چاہتے ہیں لیکن ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہتے۔ اب تو مغرب میں وہ اس اکلوتے بوجھ سے بھی بھاگنے لگے ہیں۔ دوستی کے نام پر اپنی گرل فرینڈ سے سب کچھ مل جاتا ہے، تو شادی کون کرے گا۔“

”اب تم نے ذرا ڈھنگ کی بات کی ہے۔ ہم لوگ اپنی مغربی برادری سے بہت بہتر ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، پوری ذمے داری سے کرتے ہیں اور پھر ساتھ نبھاتے ہیں۔“

”تم نے یہ نہیں بتایا کہ میں خالی ہاتھ رہ کر کیا کرسکوں گی۔“ میری توقع کے برعکس ویرا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

”ابھی تم سن چکی ہو کہ اول خان وہاں موجود ہے۔ اس کے اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی وہاں پہنچ رہی ہے۔ ان لوگوں کے پاس ہر وقت فاضل ہتھیار اور میگزین موجود رہتے ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے بعد تمہیں مسلح کردیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی کارکردگی سے کسی کو مایوس نہیں کروگی۔“

”پورے شہر کی صاف ستھری دیواروں پر پیروں، فقیروں اور آستانوں کی طرف سے صاف لکھا ہوا ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ میں کم از کم تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔“ اس کے دماغ پر چھائی ہوئی قنوطیت حیرت ناک سرعت سے دور ہوکر اس کے مخصوص اور فطری انداز میں ڈھل رہی تھی۔

”میں شہر کی دیوار گیر مایوسیوں کی بات نہیں کررہا۔ میرا اشارہ...“

”بس، بس۔ رہنے دو۔“ ویرا نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور پہلے سے بول پڑی ”مجھے معلوم ہے کہ وہ ویاگرا سے دور ہونے والی مایوسیاں ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں ہوس کار بڈھے اس دوا کے ری ایکشن کا شکار ہوکر مرچکے ہیں مگر پھر بھی وہاں اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی پاکستانی بڈھوں کی باری آنے والی ہے۔“

”کیا تم اس وقت بے سروپا باتیں نہیں کررہی ہو؟“ میں نے اس کی مداخلت سے چڑ کر سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

”انسانی ذہن کمپیوٹر نہیں ہے جس کا ایک بٹن دباتے ہی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ میں کوشش کررہی ہوں کہ اس وقت تمہارے کسی ناپسندیدہ موضوع پر بات نہ کروں۔ تمہارا دماغی انتشار پوری مہم کا بیڑا غرق کرسکتا ہے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔“ اس نے مجھ سے زیادہ سنجیدگی سے جواب دیا۔

”پھر کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو۔ میرے لیے تمہاری خاموشی زیادہ سکون آور ثابت ہوگی۔“ میں نے کہا۔

وہ واقعی خاموش ہوگئی اور اپنی جانب کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

موہٹا پیلس سے پہلے والی بغلی سڑک پر مڑتے ہی اونچے احاطے والا مکان میری نظروں میں آگیا۔ اسے کسی بھی طرح نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ سست رفتار سے اس مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا، میں اولڈ کلفٹن کے پختہ پارکنگ ایریا میں پہنچ گیا جہاں اول خان کی جیپ موجود تھی۔ اس کا رخ اسی مکان کی طرف تھا۔ گاڑی روکنے اور انجن بند کردینے

کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا کہ اونچی دیواروں والا پورا مکان اس جگہ سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ شاید اول خان نے اپنی جیپ پارک کرنے کے لیے اسی وجہ سے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

"تمہارے آجانے سے مجھے بہت تقویت ملی ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے میرے کندھوں سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔" اول خان نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "نشیمن کے تینوں طرف مکان واقع ہیں۔ پشت پر گندی گلی کے بجائے مکان ہے جس کے احاطے میں خوں خوار کتوں کا راج ہے۔ جو کچھ ہونا ہے' سامنے کے رخ پر ہی ہوگا۔"

"تم اکیلے ہو۔ اس وقت تمہارا معاون کہیں نظر نہیں آرہا۔" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"میں نے اسے پچھلی سڑک پر مامور کردیا ہے۔ اس بار میں فالکن ہاؤس والے واقعے کا اعادہ نہیں ہونے دوں گا۔ اسٹرائیک یونٹ آتا ہی ہوگا۔ وہ چاروں ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

کچھ دیر پہلے اول خان کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید بکتر بند گاڑیوں میں بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لایا گیا ہو تو میں نے اس کے قیاس کی پر زور تردید کی تھی مگر اپنی تیاریوں کے اس مرحلے پر میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے کہ بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ بکتر بند گاڑیوں میں اس کے سوا کسے لاسکتے تھے؟

"کیا بات ہے۔ تم اچانک کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ہو۔" ویرا کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کچھ نہیں' میں آنے والے وقت کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا۔" میں نے خجالت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ہم تینوں تاروں کی چھاؤں میں' کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ اسٹیل کے اونچے کھمبوں پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کے دھیمے انعکاس میں مجھے ویرا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی۔ وہ مسلسل میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں!" ویرا نے پورے وثوق سے کہا "تمہاری آنکھوں سے تذبذب جھلک رہا ہے۔ سچ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے تھے۔"

میں چند ثانیوں تک پُر خیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "تمہارا اندازہ درست ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ انہوں نے آج بن ڈیوڈ کو قونصل خانے سے نکالا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا تو کیا ہوسکتا ہے۔"

"پھر انہوں نے کیلی کو وہاں سے نکالا ہوگا۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "سفارت کار عام طور پر ایسے بکھیڑوں میں نہیں الجھتے جن میں ان کے ملک کی بدنامی کا ڈر ہو۔ ذرا تصور کرو کہ عالمی پریس کے نمائندوں کی موجودگی میں آئی مین کو ان کے قونصل خانے سے پکڑا جاتا تو ان کا کیا حشر ہوتا۔ وہ فالکن ہاؤس سے بھاگ کر قونصل خانے ہی پہنچا ہوگا مگر وہ لوگ کھاگ ہیں۔ اس کی کہانی سنتے ہی اسے وہاں سے روانہ کردیا ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک مجرم کو سفارتی پناہ دینے کے نقصانات کیسے تباہ کن ہوسکتے ہیں..."

"تمہاری یہ دلیل مان لی جائے تو ڈینی کی پریس جانے کی دھمکیوں سے نک خائف کیوں ہوگیا تھا؟" اول خان نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔" ویرا نے شہادت کی انگلی سے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت تک بن ڈیوڈ وہیں تھا۔ نک نے تم سے بات ختم کرتے ہی اسے وہاں سے بھگا دیا یا شاید نکال دیا۔"

"پھر بعد کی ساری بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت تھی۔" اول خان نے سوال کیا "ان کے آدمی گولیاں چلا رہے ہیں۔ دو بکتر بند گاڑیاں تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گئی ہیں۔"

"یہ قابل غور مسئلہ ہے۔ کیلی زخمی ہے۔ چل پھر نہیں سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے نشیمن میں لایا گیا ہو۔"

اچانک اول خان کے ایرپیس پر اشارہ موصول ہونے لگا اور وہ بات وہیں رہ گئی۔

اس کا اسٹرائیک یونٹ آچکا تھا۔ اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ مین روڈ پر ہی رک گئے تھے۔ ہم تین افراد پہلے سے وہاں جمع تھے۔ مزید چار افراد ہمارے ساتھ آملتے تو وہ نفری بلاوجہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ ان چاروں کا ہم سے دور رہ کر آپریشن میں حصہ لینا بہتر تھا۔

ہمارے درمیان اس آپریشن کی جزئیات کے بارے میں بات نہیں ہوئی تھی۔ میں اول خان کی ہدایات کو دھیان سے سنتا رہا۔ ہمیں ان چاروں کو اپنی اپنی جگہوں پر پہنچنے کے لیے صرف پانچ منٹ کا وقت دینا تھا۔ اس دوران میں اول خان نے میرے ایما پر اپنی جیب سے نکال کر بڑے بور کا ایک لوڈڈ پستول فاضل میگزین سمیت ویرا کے حوالے کردیا۔

پانچ منٹ پورے ہوتے ہی اول خان کو اسٹرائیک یونٹ کی طرف سے آل او کے کا پیغام مل گیا۔

"اول خان اچھل کر اپنی جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ

گیا۔ ویرا میرے ساتھ چپک کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جیپ کا انجن غرا کر بیدار ہوا اور اول خان نے آہستگی سے گیئر ڈال دیا۔ نشیمن ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ اول خان نے چشم زدن میں جیپ اس کے مہیب فولادی گیٹ کے سامنے روک کر ہارن بجا دیا۔

گیٹ اپنی جگہ ساکت رہا۔ چند ثانیوں بعد اس کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک تنومند پٹھان نے باہر جھانکا۔

"گیٹ کھولو! ہم اندر جانا چاہتے ہیں۔" اول خان نے رعب دار آواز اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"صاب! تم کون لوگ ہے۔ کس سے ملنا ہے؟" نوجوان چوکیدار نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"دروازہ کھولو۔ ہم سرکاری آدمی ہیں!" اول خان نے کڑک کر کہا۔

اس بار چوکیدار اس کے لہجے کی تاب نہ لا سکا اور پھرتی سے اندر غائب ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ رعب میں آکر فوری طور پر پھاٹک کھول دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وہ شاید کچھ کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ ایک اصولی عادت تھی۔ شاید اسی وجہ سے دیکھ بھال اور چوکیداری کے کاموں کے لیے ان پڑھ پٹھان بہت مقبول تھے۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ اندر سے اچانک محاذ آرائی شروع کردی جائے گی۔ آہنی چادروں والی بند جیپ میں ہم قدرے محفوظ تھے مگر دو تین نشانے باز چاند ماری شروع کردیتے تو ہمارا بچنا محال تھا۔ وہ ایک ناگزیر خطرہ تھا جسے مول لیے بغیر نشیمن میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا امکان موجود نہیں تھا۔

ہمارا وہ صبر آزما انتظار زیادہ طویل نہیں رہا۔ چوکیدار نے شاید انٹرکام پر اپنے مالک سے اجازت لی اور آہنی پھاٹک کے دونوں پٹ ایک مشینی جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ اول خان کا اندازہ درست تھا کہ وہ پھاٹک کسی برقی موٹر سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ اندر ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

کھلے ہوئے پھاٹک میں سے وسیع و عریض پورچ نظر آرہا تھا جس میں کم از کم تین گاڑیاں برابر برابر کھڑی ہوسکتی تھیں۔ پھاٹک کے اندر کھلنے کی وجہ سے ڈرائیو وے اور پورچ کی گہرائی بھی کم نہیں تھی۔ اس کشادہ جگہ میں اس وقت صرف ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی جو حقیر معلوم ہورہی تھی۔ ہماری جیپ اندر پہنچنے کے بعد گیٹ بند کردیا گیا۔

اول خان نے جیپ تیزی سے آگے بڑھائی اور پورچ کے تقریباً وسط میں روک دی۔ ہم گاڑی سے اتر رہے تھے تو عمارت کے صدر دروازے سے جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک دراز قامت سفید فام نمودار ہوا۔ اس نے بے پروائی سے اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے اور اس کی پیشانی پر نظر آنے والی شکنیں اس کی ناگواری کا اظہار کررہی تھیں۔

"ہے... تم لوگ کون ہو۔ کس سرکاری محکمے سے آئے ہو؟" اس نے برآمدے میں رک کر اونچی اور تحقیر آمیز آواز میں پوچھا۔ اس کا انگریزی لب ولہجہ امریکیوں جیسا تھا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے شاید وہ سوال نیا نہیں تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے کہا "ہم اسپیشل فورس سے آئے ہیں۔ ہمیں چند مفرور غیر ملکی مجرموں کی تلاش ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ یہاں روپوش ہیں۔"

اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی بس درمیان میں سے ٹاسک کا لفظ اڑا دیا تھا۔ گورے کا منہ بن گیا "کس اتھارٹی کے تحت میرے گھر میں داخل ہوئے ہو۔ کوئی وارنٹ لائے ہو یا اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر یہاں گھس آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ ہے اور میں تمہارے اسٹیٹ بینک میں اکنامک کنسلٹنٹ کے طور پر کچھ پروجیکٹ فائنل کرنے آیا ہوں۔"

"ہمیں تمہارے نام اور عہدے سے غرض نہیں ہے۔" اول خان نے اس کے ابتدائی سوالات کے جواب گول کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا "گھر کی تلاشی لیں گے۔ کچھ نہ ملا تو تم سے دست بستہ معذرت کرکے واپس چلے جائیں گے۔"

گفتگو کے دوران اول خان نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی تھی جبکہ ڈونلڈ اپنی جگہ جما رہا تھا۔ نتیجے میں ہم تینوں برآمدے تک پہنچ چکے تھے۔

"یہ کھلی غنڈا گردی ہے۔ میں احتجاج کروں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو وہ کرو۔" اول خان نے اپنے بغلی ہولسٹر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا "ہم جو کام کرنے آئے ہیں وہ کرکے واپس جائیں گے۔ ہمیں اندر جانے کا راستہ دو!"

وہ کوئی تشدد پسند غنڈا نہیں تھا۔ خاموشی سے علامتی

طور پر ایک طرف سرک گیا مگر اس کی زبان چلتی رہی "تم لوگ اس طرح دندناتے ہوئے آئے ہو جیسے میں کوئی چور یا بدمعاش ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اس گھٹیا ملک میں آنے والی غیر ملکی شخصیات کے ساتھ ایسا من مانا سلوک کیا جاتا ہے تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔"

"اب معلوم ہو گیا تو آئندہ احتیاط رکھنا۔" ویرا زہریلے لہجے میں اچانک بول پڑی "تم اس ملک پر احسان کرنے نہیں آئے۔ ان سے اپنے وقت کی بھاری قیمت وصول کرو گے۔ یہ صرف سفید چمڑی کا کمال ہے کہ تمہاری کوئی ضرورت پیدا ہوئی ورنہ پاکستان میں تم سے زیادہ قابل، ماہر اور تجربے کار اکنامسٹ موجود ہیں جو تم جیسے دس پروفیسروں کو اپنی ٹانگوں کے نیچے سے نکال کر کوڑے میں پھینک سکتے ہیں۔"

"اوہ! اپنے لب و لہجے سے تم امریکی معلوم ہوتی ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ تم ان گندے لوگوں کی وکالت کر رہی ہو۔" وہ تحیر زدہ آواز میں بولا۔

"میں امریکا میں آوارہ مردوں کے اشاروں پر ناچنے والی تتلی تھی۔ میں نے ان گندے لوگوں میں آکر زندگی کا صحیح مفہوم سمجھا ہے۔ میری زبان سے ان کی ترجمانی سن کر تمہیں حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ دونوں ہاتھ جیبوں میں رکھو اور آگے چل پڑو۔" ویرا نے اچانک اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا۔

پروفیسر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "کک..... کیا کر رہی ہو۔ اس کی نال نیچے کرو۔ یہ چل بھی سکتا ہے۔"

"بالکل چل سکتا ہے مگر اشارے کے بغیر نہیں۔ چلو آگے بڑھو۔" ویرا نے ریوالور کی مہیب نال کو جنبش دے کر اسے للکارا "چلتے رہو اور بولتے رہو۔ اس گھر میں تمہارے سوا اور کون ہے؟"

میں چوکیدار کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ پتا نہیں اس کی تعلیمی استعداد کیا تھی۔ وہ انگریزی میں ہونے والی باتیں سمجھ رہا تھا یا کورا تھا۔ کم از کم یہ غنیمت تھا کہ ویرا کے پستول نکالنے پر اس نے کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ شاید اول خان کی زبان سے اسپیشل فورس کا نام سننے کے بعد اس نے ٹکراؤ میں غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ پستول برآمد ہوتے ہی وہ اپنے کندھے سے رائفل اتار کر ہم تینوں کو آسانی سے اپنے نشانے پر لے سکتا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اول خان بھی اس سے غافل نہیں تھا۔ پروفیسر کے پیچھے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر چوکیدار سے پشتو میں کچھ کہا۔ وہ دو تین مختصر فقرے تھے جنہیں سن کر چوکیدار تفہیمی انداز میں سر ہلاتا ہوا بند گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی بڑبڑاہٹ میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

"پٹھان بے غیرتوں اور غداروں سے نفرت کرتے ہیں۔" اول خان نے اردو میں مجھے بتایا "میں نے چوکیدار کو اس کے مالک کے یہی دو خواص بتائے ہیں۔ اب اندر کسی کو ذبح بھی کر دیا جائے تو وہ پھاٹک سے نہیں ملے گا۔ یہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"پتا نہیں تم کو کس کی تلاش ہے۔" ادھر پروفیسر ڈونلڈ جھلائی ہوئی آواز میں ویرا سے کہہ رہا تھا "اس گھر میں میرے تین ملازموں اور ایک بیمار مہمان کے سوا کوئی نہیں ہے ہم سب بے ضرر لوگ ہیں۔ تم بلاوجہ ہمارے ذہنی سکون کو برباد کر رہے ہو۔"

"پاکستان میں رہ کر تم نے پاکستانیوں کو حقارت سے گندہ کہا ہے۔ یہ تمہاری بیمار اور گندی ذہنیت کا ثبوت ہے۔" ویرا نے جواب دیا "اگر یہاں سے کچھ بھی نہ ملا تب بھی تم کو تمہاری اس جسارت کی سزا ضرور ملے گی۔ اپنے ذہنی سکون کی بربادی کو اس سزا میں شمار کر لینا۔ حساب برابر ہو جائے گا۔"

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تو ویرا ہو.....ویرا لائیڈ۔" پروفیسر کو خاصی تاخیر سے وہ نکتہ یاد آیا۔ "میں واشنگٹن کے اخباروں میں تمہارے بارے میں پڑھتا رہا ہوں۔ اپنے وطن کی دشمنی میں تم اتنی آگے جا چکی ہو کہ اب پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی سمجھی جاتی ہو۔ میں غیروں کو برا کہہ رہا تھا۔ تم تو اپنے لوگوں کے خلاف زہر اگلنے کی مشین بن چکی ہو۔ تمہارے لیے تجویز کی جانے والی ہر سزا تمہارے جرم کے مقابلے میں کم تر رہے گی۔"

"ایک اکنامسٹ پروفیسر کو پیشہ ور ہونا چاہیے۔ اسے ویرا یا کسی اور کی ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" اس بار میں نے زبان کھولی تھی۔ "اگر تم میری ساتھی کی باتوں کی بنا پر اسے ویرا سمجھ رہے ہو تو پھر تم صرف پروفیسر نہیں ایک بہروپیئے ہو جو روپ بدل کر یہاں اپنے مقاصد کے لیے کام کر رہے ہو۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ غرایا "یہاں میرا کوئی خفیہ مقصد کارفرما نہیں ہے۔"

اس تکرار میں وہ ڈرائنگ روم سے گزرتا ہوا ایک لابی سے نکلا اور پھر ایک کھلے روشن کمرے کی طرف ہو لیا۔

بڑھتے بڑھتے اسے اچانک کوئی خیال آیا اور وہ اڑیل ٹٹو کی طرح ایک جگہ رک گیا "اب میں ایک قدم بھی آگے

نہیں بڑھوں گا۔ پہلے اپنے قونصل خانے کو تمہاری آمد کی خبر دوں گا۔"

"حلق کے بل چیخو۔ تمہارا کوئی نہ کوئی ہمدرد تمہاری آواز سن لے گا۔

"بکومت۔ میں فون کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بے ساختہ چیخ پڑا۔

میں زہریلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ہمارے کچھ آدمی باہر بھی موجود ہیں۔ وہ تمہارے فون کے تار کاٹ چکے ہوں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں میرے پاس سیلولر فون موجود ہے۔" اس نے جیب سے اپنا داہنا ہاتھ باہر نکالا تو اس میں مختصر سا موبائل فون دبا ہوا تھا۔

"خبردار جو اسے آپریٹ کیا' یہ فون نیچے پھینک دو۔" اول خان نے اضطرابی انداز میں اسے حکم دیا۔

وہ نہ مانا۔ اس کی انگلیاں اس فون کے بیڈ پر متحرک ہو چکی تھیں۔ اچانک ویرا فضا میں اچھلی اور اڑتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ پروفیسر کے حلق سے ایک کریہہ چیخ برآمد ہوئی اور اس کا موبائل فون اڑتا ہوا' اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کی داہنی کلائی پر ویرا کی بھرپور لات پڑی تھی۔

پروفیسر کا فون مختصر ہونے کے ساتھ نازک بھی تھا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر قالین پر گرا تو اس کے پرزے بکھر کر رہ گئے تھے۔

وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر میری طرف لپکا تو ویرا نے اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ صحت مند ضرور تھا لیکن زیادہ توانا نہیں تھا۔ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔

"اوہ گاڈ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈونی! تم کہاں ہو؟"

اچانک روشن کمرے سے ایک خوف زدہ نسوانی آواز بلند ہوئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے اگر مجھ سے اندازے میں غلطی نہیں ہوئی تھی تو وہ آواز سو فیصد کیلی بائرن کی تھی۔

میرے لیے رکنا محال ہو گیا۔ میں نے ڈونلڈ کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر روشن کمرے کی طرف دوڑ لگائی۔

کیلی نرم اور شاندار بیڈ پر دراز تھی۔ اس کے چہرے پر نقاہت اور تکلیف کے ساتھ خوف کے آثار بھی ابھر آئے تھے۔ اپنے کولہے کے زخم کے باعث وہ ملنے جلنے سے معذور تھی لیکن اس نے میرا چہرہ دیکھ لیا اور پھر خوف سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ میرے خدا! تم کسی عفریت کی طرح میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔ یہاں بھی پہنچ گئے۔" اس کے حلق سے دبی دبی

خوف زدہ سی چیخ کی صورت میں آواز برآمد ہوئی۔

وہ صدف مینشن میں مجھے جلال کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔ اس ملاقات کی یادیں اس کے ذہن میں تازہ تھیں۔ اس نے ایک جھلک دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔

"آدمی کے اعمال قبر تک بلکہ اس کے بعد بھی اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اسے جنت یا جہنم میں پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہارے اور بن کے جرائم کی سزا ہوں۔ جب تک تم دونوں اپنے اپنے کیفرِ کردار کو نہیں پہنچ جاتے' میں بار بار تمہارے سامنے آتا رہوں گا۔" میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے سفّاکانہ لہجے میں کہا۔

"تم میرے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتے۔" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑائی۔ "مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ خدا کی قسم مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ مجھ زخمی عورت کو زیادہ ہراساں مت کرو۔ میں نے تمہیں یہ تک بتا دیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہمیں پاسپورٹ نہیں چاہیے' بن ڈیوڈ درکار ہے' وہ کہاں ہوگا؟" میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

اول خان میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ باہر سے ڈونلڈ کی دبی دبی چیخوں اور کراہوں کی آواز آرہی تھی۔ شاید ویرا اس مکار اکنامسٹ کی درگت بنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

ڈونلڈ سے امریکیوں نے جس انداز میں کام لیا تھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی انجام دہی کے ساتھ امریکی ایجنسیوں کا آلہ کار بھی تھا۔ نک نے کیلی کو اپنے قونصل خانے کے لیے خطرہ سمجھ کر اسے اطمینان سے ڈونلڈ کے گھر ڈال دیا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے امریکی نژاد اقتصادی مشیر کا گھر غیرملکی مجرموں کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہوگا۔ وہ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ بدمعاشی اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ میں نے بلند آواز میں ویرا کو ہدایت کی کہ اسے خاموش کردے۔

ڈونلڈ کی چیخ و پکار ختم ہونے کے بعد میں کیلی سے زیادہ یکسوئی کے ساتھ جرح کرسکتا تھا۔ وہ میری ذات سے خوف زدہ تھی۔ یہ خوف آسانی سے اس کی زبان کھلوا سکتا تھا۔

"اسے چیخنے اور سسکنے دو۔ میں اس حرام زادے سے مزہ لے رہی ہوں۔" چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان ویرا کی آواز آئی۔ "تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کررہی ہوں۔ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے پھر یہ فر فر بولنا شروع کردے گا۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ بن اس وقت کہاں ہوگا۔" کیلی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ یہ بہت زیادہ ضروری ہے۔" میں نے دھیمی اور ڈراؤنی آواز میں کہا "تمہارے حافظے نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں ایک بار پھر اسی قید خانے میں لے جاؤں گا جہاں میرا بدتمیز ساتھی بھی ہوتا ہے۔ وہ میری طرح عورتوں سے کوئی رعایت نہیں کرتا۔ انہیں زیادہ آسانی سے اذیت پہنچاتا ہے۔"

"نہیں..... مجھے نہیں معلوم۔" وہ اپنی آنکھیں بھینچ کر بے بسی سے اپنا سر دائیں بائیں جھٹکنے لگی۔

"تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھیں؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ایک نئے تسلسل کا پہلا سوال کیا۔

"نک اور ٹام نے مجھے قونصل خانے پہنچایا تھا۔ میں وہیں ایک کمرے میں زیرِ علاج تھی۔" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وہاں بن ڈیوڈ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور نحیف آواز میں بولی "وہ دو مرتبہ میرے پاس آیا تھا۔ باتیں کرکے چلا گیا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہیں رہ رہا تھا یا کہیں اور سے آیا تھا۔"

"ویری گڈ! اپنی یادداشت پر زور دے کر اسی طرح بولتی رہو گی تو بڑے عذاب سے بچو گی۔ یہاں تمہیں کون لایا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس کی آواز رندھی ہوئی سی ہوگئی "میں سو گئی تھی یا شاید مجھے وہیں بے ہوش کردیا گیا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے مجھے ہوش آیا تو میں یہاں موجود تھی۔ ڈونی میرے سرہانے موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ نک اپنے آدمیوں کی معیّت میں مجھے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔

"تم چند منٹ کی بات کررہی ہو لیکن ڈونلڈ کو اتنی بے تکلفی سے ڈونی کہہ کر پکار رہی ہو جیسے اس سے برسوں پرانا ساتھ ہو۔"

"تم کو معلوم ہے میں جھوٹ نہیں بولتی۔" اس نے سہم کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم کیسے لوگ ہو۔ میں تمہیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرسکتی۔ ڈونی سے واقعی میرے پرانے مراسم ہیں۔ لاس اینجلس میں ہم دونوں دو سال تک ایک ہی بوڑھی کے گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہ رہے تھے۔ میں اچانک اسے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔"

"ڈونلڈ کیا کرتا ہے؟" میں نے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔

باہر سے آنے والی چیخوں اور کراہوں کا سلسلہ اس وقت تک موقوف ہو چکا تھا۔ ویرا اور ڈونلڈ کے بولنے کی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے آخر کار اپنے حریف کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔

"اس نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ کسی بڑے سرکاری عہدے پر کام کرتا ہے۔"

"یہ بات وہ ظاہر کرتا ہے۔ میں اس کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"وہ..... وہ طالب علمی کے زمانے سے سرکاری ایجنٹوں کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ لاس اینجلس میں وہ فخر سے مجھے بتایا کرتا تھا کہ ایف بی آئی، سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کے افسر اس سے ملنے کے لیے گیسٹ ہاؤس آتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے کام کر کے وہ اتنے ڈالر کما لیتا تھا کہ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے بعد شاہانہ زندگی گزارتا تھا۔ اس زمانے میں اس نے کنورٹیبل جیگوار جیسی مہنگی اور شان دار گاڑی رکھی ہوئی تھی۔" کیلی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

"وہ اب بھی ان کے لیے کام کر رہا ہے!" میں نے کیلی سے تصدیق چاہی۔

"اگر نک نے مجھے یہاں پہنچایا ہے تو وہ ضرور اس کے لیے کام کر رہا ہوگا۔" اس نے کمزور لہجے میں جواب دیا "ابھی اس سے اس بارے میں میری بات نہیں ہوئی۔"

"تم نک کو کیسے جانتی ہو؟" بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔

"وہ بن کے قریبی دوستوں میں شامل ہے اور ایف بی آئی کا تنخواہ دار افسر ہے۔ پاکستان آنے سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں تعینات ہے۔ یہاں وہ بن سے ملتا رہا تھا۔"

"اور پھر تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں بن کی اصل مصروفیات کا علم نہیں ہے۔" میں نے طنز سے پوچھا۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں کہ مجھے اس بارے میں بالکل علم نہیں ہے۔ اس کی رازدارانہ سرگرمیوں اور مشتبہ لوگوں سے میل جول کی وجہ سے بس اتنا اندازہ ہے کہ وہ یہاں کوئی غلط یا غیر قانونی کام کر رہا تھا۔ اس کی زیادہ تر سرگرمیاں خفیہ ہوتی ہیں اور وہ بلا ضرورت باہر نکلنے سے کتراتا ہے۔" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

"وہ یہاں کن لوگوں سے ملتا جلتا رہتا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ کے پوچھا۔

"میں تمہارے پر ہول قید خانے میں اس سوال کا جواب دے چکی ہوں۔ مجھے صرف دو نام معلوم تھے۔ چوپڑا اور راجا۔ وہ ان سے بات کرتا تھا۔ ان کے فون آتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"ابھی تم نے بتایا ہے کہ نک اس سے ملتا رہتا تھا۔ تم دونوں کو پاکستان آئے تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں وہ کتنی بار آیا تھا؟"

"تین یا شاید چار بار۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا "میں اسے بن کا دوست سمجھتی تھی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کسی خفیہ کام کے چکر میں بن کے پاس آتا ہے۔" یکایک اس کی آواز خوف سے کمزور ہو گئی "کیا نک یہاں کوئی گڑبڑ کر رہا ہے؟"

"نک تمہارے بن کا سرپرست ہے۔ سب کچھ اسی کے ایما پر ہو رہا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں کسی گندے کھیل میں شامل نہیں ہوں۔ تم مجھے معاف کر کے رہائی دے چکے ہو۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ نک مجھے یہاں چھوڑ گیا اور میں دوبارہ تمہارے سامنے آ گئی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب موقع ملا تو میں بن کو سمجھا بجھا کر یہاں سے واپس نکال لے جاؤں گی۔ نک کی وجہ سے ہم اپنی زندگیاں داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ یہ بات اب بن کی سمجھ میں

ارادے

ایک پاگل کو علاج کے بعد صحت یاب قرار دے کر پاگل خانے سے رخصت کیا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا "باہر کی دنیا میں جا کر اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میرے سامنے کئی راستے ہیں۔" سابق پاگل نے متانت سے کہا "ایک تو میں سوچ رہا ہوں پہلے ہی کی طرح ڈاکٹر کے طور پر پریکٹس شروع کر دوں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں اخباری رپورٹر بن جاؤں یا پھر میں سوچ رہا ہوں کہ کیتلی کے طور پر ہی کام کرتا رہوں جیسا کہ میں یہاں کر رہا تھا۔"

آجانی چاہیے کہ پاکستان ہم لوگوں کے لیے خطرناک ملک ہے۔ ہمیں امریکا میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ جس کے لیے ہم دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔"

اسی وقت ویرا' ڈونلڈ کو دھکے دیتی ہوئی اسی کمرے میں لے آئی۔ ڈونلڈ کی حالت ابتر تھی۔ اس کے چہرے یا جسم پر کوئی بڑا یا کاری زخم نہیں آیا تھا مگر ویرا نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس کا پورا چہرہ ضربات اور خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ زخموں سے رسنے والے خون نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اپنے حریف کا جغرافیہ بدل دینے کے باوجود ویرا ترو تازہ نظر آرہی تھی۔ اس کے جسم یا لباس پر کوئی خراش آئی تھی نہ کوئی داغ دھبا نظر آرہا تھا۔

"جو کچھ بکا ہے اب وہ دہرانا شروع کردو۔" ویرا نے اپنے سینڈل کی نوک سے اس کی پشت پر ہلکی سی ضرب لگا کر کہا۔

اس تذلیل پر ڈونلڈ تلملا کر رہ گیا اور تقریباً چیختے ہوئے بولا "ان چیرہ دستیوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے پروجیکٹ کیسے مکمل ہوتے ہیں۔"

کیلی پر تشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اس نے خوف سے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "ڈونی ڈارلنگ! غصہ تھوک دو اور ہوش سے کام لو۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ میں ان کو بھگت چکی ہوں۔ تم نے ان کا قید خانہ دیکھ لیا تو دہشت سے تمہارا پیشاب خطا ہو سکتا ہے۔"

"مم... میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا "یہ بہت ذلیل لڑکی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت ذات مجھ پر ایسا شرمناک تشدد کرسکتی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے دور رہ کر شرافت سے بات کریں تو میں ان کی ہر بات کا جواب دینے کے لیے تیار رہوں۔"

اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے وہ باتیں کیلی سے کہی تھیں لیکن ویرا اس وقت ڈونلڈ کے حق میں خدائی فوج دار ثابت ہو رہی تھی۔ غرا کر بولی "ابھی میں دور ہوں، مگر زیادہ دیر تک تم سے دور نہیں رہ سکوں گی۔ شرافت سے اور تیزی سے اپنی کہانی دہرانی شروع کردو۔"

فوری طور پر ڈونلڈ کی زبان نہیں چل سکی۔ وہ گومگو کے عالم میں تھا کہ ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور وہ ہذیانی انداز میں بلبلاتا ہوا یوں دہرا ہو گیا جیسے ویرا اس کے جسم کے وسطی حصے پر کوئی کاری ضرب لگانے والی ہو۔ اس نے آگے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں میں پھنسا لیے تھے۔

"میں لکھنے پڑھنے والا شریف آدمی ہوں۔" ویرا کو اپنی جگہ پر رکتا دیکھ کر ڈونلڈ نے فوری طور پر بولنا شروع کردیا "مجھ پر تم لوگوں کا عذاب نک ہاروے کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کا مجھ پر صرف اتنا احسان تھا کہ اس نے کسی زمانے میں میرا تعلیمی خرچ پورا کرنے میں میری مدد کی تھی۔ وہ رقم اس نے مجھے عطیے میں نہیں دی تھی۔ مجھ سے مخبری کے چھوٹے موٹے اور بے ضرر کام لیے تھے۔ بعد میں اس نے مجھے ٹیڑھے کام سونپے تو میں نے انکار کردیا۔ اس وقت اس نے مجھے بتایا کہ میرے پرانے کام بھی معمولی اور بے ضرر نہیں تھے۔ وہ جرائم ثابت ہونے پر امریکا کی کوئی بھی عدالت کم از کم سات سال کے لیے مجھے اندر کرسکتی تھی۔ خدا اسے غارت کرے۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ وہ میرے کیریر کی ابتدا تھی۔ مجھے عدالت سے ایک گھنٹے کی بھی سزا ہو جاتی تو میرا مستقبل تباہ و برباد ہو جاتا۔ میں اس کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن' نک ہمزاد کی طرح میرے سر پر مسلط ہے۔ مجھے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بے حساب دولت کما رہا ہوں مگر میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے امریکا کی وزارتِ خزانہ بھی نک کی غلام ہے۔ میرا کہیں بھی' دنیا کے کسی بھی ملک میں تبادلہ ہوتا ہے تو نک مجھ سے پہلے اپنے کسی مشن پر وہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ میری انا اور مقام کا کوئی لحاظ کیے بغیر بے دردی سے مجھے استعمال کرتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں' میں تبادلوں پر خوش ہوا کرتا تھا کہ امریکا سے باہر رہ کر میں نک کے آسیبی سائے سے محفوظ رہوں گا۔ وہ نائیجیریا' گھانا اور آسٹریلیا میں مجھ سے ٹکرایا تو میں اسے اتفاق سمجھا تھا مگر پھر وہ بار بار سامنے آتا چلا گیا۔ اس مردود نے میری شہ رگ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اس کے لیے ہر نیا کام کرنے کے بعد مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے گرد اس کے جال کی ڈوریاں اور کس چکی ہیں....."

"زیادہ اونچی اڑان لینے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "ابھی تک وہ تمہارا چہیتا آقا تھا۔ اب تم اس کے خلاف زہر اگل رہے ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ اس پر لعن طعن بھیج کر تم ہماری نظروں میں خود کو بے گناہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

"تمہارے لیے یہ سب جاننا ضروری ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں حالات کا شکار ہوا ہوں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیکرٹ ایجنٹ کس طرح معصوم اور بھولے بھالے نوجوانوں کو اپنے چنگل میں پھانستے ہیں' میں اپنی اس

دہری زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔ زبان کھولنے پر مجبور کر دیا گیا ہوں تو کھل کر سب کچھ بتا رہا ہوں۔"

"ڈونی! کیا نک واقعی برا اور خطرناک آدمی ہے؟" کیلی کے ہونٹوں سے سہمی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"وہ شاید اس سے بھی زیادہ برا اور خونی آدمی ہے۔" ڈونلڈ نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں نے بات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے اس لیے اسے زیادہ کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جو لوگ مزاحمت کرتے ہوں گے، ان سے وہ بہت طرح پیش آتا ہوگا۔"

"چلو، کچھ دیر کے لیے ہم مانے لیتے ہیں کہ اس نے جھوٹ اور مکاری سے کام لے کر تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا ورنہ تم پیدائشی معصوم تھے۔" اول خان نے اس سے ویرا کے انداز میں کہا "اب آگے کی کہانی سناؤ۔ کیلی یہاں کیسے نظر آرہی ہے۔"

"کچھ دیر پہلے نک نے فون کیا تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا "اس نے بتایا کہ وہ دو اہم مہمانوں کو لے کر یہاں آرہا ہے۔ وہ دو چھوٹی بکتر بند گاڑیوں میں مسلح کمانڈوز کے ساتھ آیا اور کیلی کو میری تحویل میں دے کر چلا گیا۔ یہ اس وقت اسٹریچر پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔"

"دوسرا مہمان کون تھا؟" ویرا نے متجسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بن تھا۔ بن ڈیوڈ!" ڈونلڈ نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا "وہ اسے بھی یہاں چھوڑنے کے ارادے سے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن راستے میں اسے شبہ ہو گیا کہ کوئی بکتر بند گاڑیوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کیلی کو چھوڑ دیا، بن کو اپنے ساتھ لے گیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یکایک میرے بھرے ہوئے غبارے کی ہوا نکل گئی ہو۔ بے اختیار میری مستفسرانہ نگاہیں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے عین موقع پر نشیمن کے پھاٹک کی جھری سے اندر جھانکا تھا اور یہ تصدیق کی تھی کہ احاطے میں بکتر بند گاڑیوں کے پاس تین غیر ملکی موجود تھے جن میں بن ڈیوڈ شامل نہیں تھا جب کہ پروفیسر ڈونلڈ نک کے ساتھ بن کی آمد کی سنسنی خیز کہانی سنا رہا تھا۔ میرے پاس ڈونلڈ کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

"کیا بن ڈیوڈ کو پہلے سے جانتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ہاں، میں کئی بار اس سے مل چکا تھا۔ وہ کیلی سے ملنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیلی کا اکلوتا بوائے فرینڈ ہے۔"

"اور یہ بھی معلوم تھا کہ بدمعاش ہے، اس کا مشتبہ لوگوں سے میل جول ہے؟"

"یہ سب نہیں معلوم تھا لیکن اس کے طور طریقے اچھے نہیں تھے۔ میرے لیے وہ کبھی بھی پسندیدہ ملاقاتی نہیں رہا تھا۔"

میں نے اپنی جیب سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی اور پوچھا "کیا تم اسے پہچانتے ہو؟"

ڈونلڈ نے تصویر دیکھتے ہی اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "یہ بن ہے، پکا یہودی ہے۔ اسے حلق تک بڑھی داڑھی کی خوبصورتی پر بہت ناز تھا مگر آج اس نے اپنے حلیے میں نمایاں تبدیلی لانے کے لیے داڑھی صاف کرائی ہوئی تھی۔ اس کے ستارے آج کل گردش میں آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے تصویر جیب میں رکھ لی۔ بات صاف ہو گئی تھی کہ بن ڈیوڈ کی داڑھی صاف ہو جانے کی وجہ سے اول خان اسے نہیں پہچان سکا اور یوں وہ ہمارے سامنے آکر نکل

قابل غور

○.... جو لڑکیاں دولت کی خاطر شادی کرتی ہیں، عموماً زندگی بھر قرض دار سی نظر آتی ہیں۔

○.... انسان کبھی بھی عمر کی اس منزل کو نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکے۔

○.... اللہ کے چند احکامات کو نافذ کرنے کے لیے دنیا والوں نے تقریباً ساڑھے تین لاکھ قوانین بنائے پھر بھی ان چند احکامات کو نافذ نہیں کر سکے۔

○.... بہت سے لوگوں کی قبر پر کچھ اس مضمون کا کتبہ نصب ہونا چاہیے تھا "تیس سال کی عمر میں مرا .... ساٹھ سال کی عمر میں دفن ہوا۔"

○.... بوڑھے ہونے کے بعد ترغیبات سے بچنا مشکل نہیں ہوتا۔ ترغیبات تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔

جانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم نے اپنی پوری مہم کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی تھی کہ نک بوکھلا کر بن ڈیوڈ کو قونصل خانے سے نکال کر کہیں اور پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے اس امکان کو نظرانداز کر دیا تھا کہ بکتربند گاڑیوں کے تعاقب کا شبہ ہونے کے بعد وہ بن ڈیوڈ کو اپنے ساتھ واپس بھی لے جا سکتا تھا۔

کیلی ان لوگوں کی پس پردہ سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ جو کچھ اس کے علم میں تھا وہ صدف مینشن میں اگل چکی تھی یہ بات نک اور ٹام، دونوں کے علم میں تھی۔ وہ اس کو نشیمن میں چھوڑ گئے تھے۔

کیلی کو وہاں اتار کر انہوں نے ایک نیا تلا خطرہ مول لیا تھا۔ نک جانتا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے والے کیلی تک پہنچ بھی گئے، تو اس سے کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکیں گے جب کہ بن ڈیوڈ ان کے نامعلوم منصوبے میں کلیدی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں وہ کوئی موہوم ترین خطرہ بھی مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے مجھے پورا یقین تھا کہ نک اسے واپس قونصل خانے نہیں لے گیا ہو گا۔ نشیمن میں خطرہ بھانپ لینے کے بعد اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہو گا۔ اس نے ہمیں اپنی ہوشیاری اور بیدار مغزی سے گہری زک پہنچائی تھی۔

"بن اور کیلی کو کون کون لایا تھا؟" میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے ڈونلڈ سے پوچھا۔

"بس نک ہی چار محافظوں کے ساتھ آیا تھا۔ کیلی کا اسٹریچر رکھنے کے بعد ان چھوٹی گاڑیوں میں زیادہ آدمیوں کے سوار ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاڑیاں اندر پہنچنے کے بعد محافظوں نے اپنا کام سنبھال لیا تھا اور تم ان دونوں کے ساتھ پورچ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے؟"

"کمال ہے!" ڈونلڈ تحیّرزدہ آواز میں بولا "تم تو ایسے بتا رہے تھے جیسے تم نے خود ہمیں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہو؟"

میں اسے کیا بتاتا کہ ان تینوں کو میں نے نہیں، اول خان نے ضرور دیکھا تھا۔ پہلی غلطی یہ ہوئی کہ اول خان اس داڑھی کٹے یہودی کو نہیں پہچان سکا دوسری اور بنیادی غلطی یہ تھی کہ نشیمن سے بن ڈیوڈ کی واپسی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"ہم شروع سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔" چند ثانیوں کے سکوت میں ایک حیلہ سوچ لینے کے بعد میں نے زبان کھولی "ہم نک کی بکتربند گاڑیوں اور مسلح محافظوں کی موجودگی میں مداخلت کرتے تو بہت خون ریز تصادم ہوتا۔ کئی بے گناہ مارے جاتے جن میں تمہارا نام سرِفہرست ہوتا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے گھر پر کوئی ایسی خوف ناک محاذ آرائی ہو جو کل اخباری سرخیوں کی زینت بن جائے۔ ہمیں یقین تھا کہ ان لوگوں کے لوٹ جانے کے بعد ہم کسی نہ کسی طرح تمہیں مفاہمت پر آمادہ کر لیں گے۔"

"نشیمن میں گھسنے سے پہلے تمہیں میری حیثیت کا علم تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ نارمل ہوتا جا رہا تھا۔

"ہم ہوم ورک کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔" میں نے پورے اعتماد سے سفید جھوٹ بولا "اگر تم ابتدا میں مخاصمانہ رویہ اختیار نہ کرتے تو تمہاری پٹائی کی نوبت نہ آتی۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے سارے زخم سطحی نوعیت کے ہیں۔ ایک دو روز میں مندمل ہو جائیں گے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔ اب میں یہاں نہیں رکوں گا۔ آج ہی امریکا کے لیے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ جب تک نک یہاں موجود ہے، میرے لیے فضا سازگار نہیں ہو سکتی۔" ڈونلڈ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور ہم سب کو ہاتھ کا اشارہ کرتا ہوا کیلی کے کمرے سے نکل گیا۔

"ڈونی! مجھے اکیلا چھوڑ کر تم ان سب کو کہاں لے جا رہے ہو؟" کیلی نے اس کا اشارہ دیکھ کر فریاد کی۔

"کہیں نہیں کیلی۔ میں ان کو روانہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ میں نے ڈونلڈ کی آنکھوں سے مترشح بے اعتباری کی جھلک دیکھ لی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ہم سے کچھ باتیں کیلی کی غیرموجودگی میں کرنا چاہتا تھا۔

"تم کئی بار اپنے پڑھے لکھے اور پروفیشنل ہونے کی بات کر چکے ہو۔" اس خواب گاہ سے باہر آتے ہی اول خان نے اس سے کہا "میرا تجربہ بتا رہا ہے کہ تم نک اور بن کی غنڈہ گردیوں میں برابر کے شریک رہے ہو۔ حد یہ ہے کہ تم نے ہماری ساتھی کو ویرا کا خطاب دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا......"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان کی سرزمین پر ایسے افراد روپوش ہیں جن کی زندہ یا مردہ گرفتاری امریکا کے قومی مفادات کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہو چکی ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا۔" یہی بات نک نے بھی بتائی تھی۔ اس دونفری گروہ کا سرغنہ ڈینی نامی کوئی پاکستانی ہے ویرا لائیڈ نامی ایک دلیر امریکی لڑکی اس پر مرمٹی ہے اور سے

کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئی ہے۔ ڈینی نے اس کی برین واشنگ کر کے اسے بھی امریکا کا بدترین دشمن بنا دیا ہے۔ تمہاری ساتھی نے پاکستانیوں کو گندہ کہنے پر شدید اعتراض کیا تو اس کے امریکی لب و لہجے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں وہ ویرا ہی نہ ہو۔ اگر میرا اندازہ غلط تھا تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"افراد کبھی قوموں کے لیے خطرہ نہیں بنا کرتے۔ یہ پرانے دور کی باتیں ہیں جو تاریخ کی وزنی کتابوں میں دفن ہو چکی ہیں۔ زندہ قومیں اپنے عزم اور ولولے سے زندہ رہتی ہیں۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "یہ ہمارے حکمرانوں کی ناکامی ہے کہ انہیں ہر کمزور قوم پر چڑھ دوڑنے کا شوق ہو گیا تھا۔ اس شوق نے امریکیوں کو مُردار خور چیلوں کی صف میں شامل کر دیا ہے جو گوشت خوری کی ہوس میں ہر قریب المرگ چوپائے کے سروں پر منڈلانے لگتی ہیں۔"

ڈونلڈ جھرجھری لے کر رہ گیا۔" تمہارے ایک ایک لفظ سے سفاکی کی بو آ رہی ہے۔ کیا تم بھی امریکی ہو؟"

یہ وہ دور تھا جب افغانستان .... روسی درندوں اور ان کے مشینی جاہ و جلال کا کھلا قبرستان بن چکا تھا۔ سائبیریا کے خونی ریچھ کو شکست دینے کے بعد مسلمان اس سرزمین پر فتح و نصرت کے پھریرے لہرا رہے تھے۔ اسامہ بن لادن کو کھلی امریکی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ اس کے جانبازوں نے امریکی ہتھیاروں کی مدد سے برفانی ریچھ کو اس کے خون میں نہلایا تھا۔ پروفیسر ڈونلڈ سے وہ باتیں کرتے ہوئے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں تاریخ پھر ایک کروٹ لے گی۔ افغانستان کے بے آب و گیاہ اور بے رحم پہاڑوں میں بکری کے دودھ پر گزارا کرنے والا اسامہ بن لادن امریکیوں کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن جائے گا۔ ایک فرد کو کچلنے کے لیے وہ پوری پوری آبادیوں اور شہروں کو جنون کے عالم میں خاک و خون سے نہلا دیں گے اور جب اس جور و ستم کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو گی تو امریکی عالم اسلام کے خلاف صف آرائی شروع کر دیں گے۔

"ارے چھوڑو اور تم اپنی بات کرو۔ تمہارے اعترافات سامنے آ چکے ہیں۔ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"تم خود بھی جانتے ہو کہ میں سرکاری طور پر وی آئی پی ہوں۔ قانونی طور پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ مجھے اپنے وطن بھجوا سکتے ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "دمن مانی پر اُتر آؤ تو میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ

بھی اتار سکتے ہو۔ میں نے تمہارے دلوں میں رحم اور درگزر کا جذبہ جگانے کے لیے سچ بولا ہے۔ میری کسی بات میں جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ آخر کار تم کو کرنا ہے۔"

"تم ہمیں کمرے سے باہر کیوں لائے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"کیلی جنس زدہ کتیا ہے۔ وہ ہر بات بن کو بتا دے گی۔" ڈونلڈ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی!" اول خان حیرت اور بے یقینی سے بول پڑا۔" اس کے سامنے تم نے نک اور بن کے خلاف کافی زہر اگلا ہے......"

"زہر نہیں اگلا، حقائق بتائے ہیں۔" اس نے اول خان کی بات کاٹ کر تصحیح کی "یہ بات نک بھی جانتا ہے کہ وہ مجھ سے میری مرضی کے خلاف کام لے رہا ہے۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لیے راست گوئی کا پورا حق حاصل ہے۔"

"پھر تم ہم سے یہاں کیا خاص بات کرنا چاہ رہے تھے۔" اس کی متضاد باتوں نے اول خان کو الجھا دیا۔

"یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے اور کیلی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔" اس نے شرط عائد کر دی۔

میں نے اسی لمحے بھانپ لیا کہ وہ کسی نکتے پر سودے بازی کے چکر میں تھا۔ اس پر دباؤ برقرار رکھنا بلکہ بڑھانا ضروری تھا میں نے فوری طور پر کہا "تم کو معلوم ہے کہ آج کل یہاں امن و امان کے حالات کچھ بگڑے ہوئے ہیں۔ دہشت گرد تاک تاک کر غیر ملکیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اپنے خلاف دو مضبوط گواہ چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ہم ان حالات کا فائدہ اٹھائیں۔ پولیس جب بھی آئے، اسے اندازہ ہو گا کہ نامعلوم ڈاکوؤں نے تم دونوں کو مار کر گھر کا صفایا کر دیا ہے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"ہم تمہارے ناموں سے واقف ہیں نہ تم نے اپنے محکمے کا صحیح نام بتایا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے یا کیلی کے نام سے کوئی شکایت ریکارڈ پر نہیں آئے گی۔ میں خاموشی کے ساتھ جلد از جلد پاکستان چھوڑ دوں گا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم کو بن کی تلاش ہے۔ تم ہماری جانیں بخش دو تو شاید میں تمہاری تھوڑی سی مدد کر سکتا ہوں۔"

ہمارے لیے وہ دونوں بے کار اور بے ضرر تھے۔ انہیں پکڑنے کا کوئی فائدہ تھا نہ انہیں مار کر کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا بلکہ ان کے قتل سے کشیدگی اور پیچیدگی میں اضافہ ہونے کا

قوی امکان تھا۔ میں نے تفکر آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا "دیکھنا پڑے گا کہ تم واقعی مددگار ثابت ہو سکتے ہو یا اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں فریب دے رہے ہو۔"

"بن تمہیں کراچی کی سی نائین نامی کسی عمارت سے مل سکتا ہے۔" اس نے ہماری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "یہاں آتے ہوئے نک اور بن الگ الگ دو گاڑیوں میں سوار تھے۔ میرے پورچ میں کھڑے ہو کر انہوں نے تعاقب کے خدشے پر بات کی تھی۔ سی نائین کی تجویز نک نے پیش کی تھی جسے بن نے قبول کر لیا تھا۔ وہ ڈیفنس نامی کسی علاقے کی عمارت کا نام یا نمبر ہے۔ تم باوسائل معلوم ہوتے ہو۔ کچھ محنت کرو تو اس عمارت کا کھوج لگا سکتے ہو۔ ہم دونوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"عزت مآب پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ میرے اس نظریے کی تائید فرما رہے ہیں کہ بیشتر امریکی فطری طور پر بزدل ہوتے ہیں۔" ویرا نے اچانک اردو میں اعلان کیا "یہ ہر کمزور کو پھاڑ کھانے پر تلے رہتے ہیں، طاقت ور کے تلوے چاٹنے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔"

"یہ.....یہ کیا کہہ رہی ہے؟" ڈونلڈ نے خوف سے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈرو نہیں، یہ تمہاری تائید کر رہی ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا "اس کا خیال تھا کہ تم دونوں کو بے ہوش کرنا کافی ہو گا۔"

یوں تو میں ان دونوں کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا مگر ذہن میں اس کے نتائج و عواقب کا جائزہ لے رہا تھا۔

ان دونوں میں سے صرف کیلی نے مجھے صدف مینشن والے آدمی کے طور پر پہچانا تھا۔ وہاں وہ آئی بی والوں کی قیدی تھی اور جلال ہی نے اسے بے ہوشی کی حالت میں ٹام اور نک کے حوالے کیا تھا۔ کیلی کی نئی کہانی سن کر وہ یہی سمجھتے کہ نشیمن پر دھاوا بولنے والے آئی بی کے آدمی تھے۔ شائد جلال کے لیے وہ پوزیشن قابلِ قبول نہ ہوتی لیکن میری مجبوری تھی۔

ڈونلڈ کے ساتھ ہونے والی مار پیٹ کھیل کا حصہ تھی۔ اس کے سوا ہم نے دونوں امریکیوں کو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ کیلی کی نئی کہانی سننے کے بعد نک کو یہ ماننا پڑتا کہ آئی بی والے اپنے کام سے غافل نہیں تھے۔ نشیمن میں مشکوک نقل و حرکت کی ابتدا ہوتے ہی وہاں پہنچ گئے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

میں نے کرنل داور کے روپ میں نک سے فون پر بات

کرتے ہوئے کیلی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جسے اس نے سختی سے مسترد کر دیا تھا۔ اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوتی کہ آئی بی والوں نے نشیمن میں کارروائی کے دوران کھلا موقع دستیاب ہونے کے باوجود کیلی کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیلی کی آزادی سے وہ اس تذبذب میں پڑ جاتا کہ دوسری ملاقات میں کیلی نے آئی بی والوں کے سامنے وہ اہم باتیں اگل دی تھیں جنہیں جاننے کے لیے کرنل داور اسے واپس لینا چاہ رہا تھا۔

الجھنیں نک اور بن ڈیوڈ کے سر رہتیں۔ ہمارے ہاتھ صاف رہتے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اداروں کے ناموں کی عملی گڑبڑ پر جلال کوئی اعتراض نہ کرے۔

”تم کسی اور زبان میں کیوں بات کر رہی ہو؟“ ڈونلڈ براہِ راست ویرا سے مخاطب ہو گیا ”انگریزی میں بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”مجھے افسوس ہے ڈونی کہ میرے ہاتھوں تمہارے اعضائے رئیسہ و خبیثہ کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔“ ویرا نے اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا ”اب تمہیں کسی سرزنش کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ بتاؤ کہ ویرا اور ڈینی کے بارے میں تمہیں کیا بتایا گیا تھا؟“

”ان دونوں سے تمہیں کیا لینا۔ وہ اچھی باتیں نہیں ہیں۔“ ڈونلڈ نے اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

ویرا نے کہا ”مجھے بہت کچھ لینا ہے۔ ان دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑی رقم کا انعام مقرر ہے۔ مجھے اس پیسے کی ضرورت ہے۔“

”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں تم ویرا نہ ہو۔“ ڈونلڈ نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”تم امریکی ہو‘ پاکستانیوں کی بہت زیادہ خیر خواہ ہو اور انگریزی کے سوا اور دوسری زبانیں بھی بول سکتی ہو۔“

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”کاش میں ویرا ہوتی تو اسی وقت خود کو گرفتار کرا دیتی۔“

”وہ کیلی اور بن سے زیادہ ٹیڑھا جوڑا ہے۔“ ڈونلڈ سوچتے ہوئے بولا ”ویرا نے ڈینی کی خاطر ہر آسائش کو لات مار کر خوفناک بین الاقوامی جرائم کی راہ اپنالی ہے جو آخر کار اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ ڈینی کے چکر میں پڑ کر اس لڑکی نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا ہے۔“

”تو کیا وہ ڈینی سے شادی کر چکی ہے؟“ ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ڈونلڈ کی زبان سے میرے اور اپنے بارے میں باتیں سننے میں اسے مزہ آرہا ہو۔

”سنا گیا ہے کہ وہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں۔ چاہت اتنی زیادہ ہو تو شادی بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔“ اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مختصر الفاظ میں امریکی طرزِ معاشرت کا نچوڑ پیش کر دیا۔ ہم چاروں باتیں کرتے ہوئے‘ دوبارہ کیلی کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

”یہ بے سروپا باتیں چھوڑو اور کہیں آرام سے لیٹ جاؤ۔“ میں نے ڈونلڈ کو مشورہ دیا۔ ”ہمیں واپس بھی جانا ہے۔“

اس نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح میری طرف بے بسی سے دیکھا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”تم مجھے کیسے بے ہوش کرو گے؟“

”فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی تکلیف ہوگی نہ پتا چلے گا اور تم بے ہوش ہو جاؤ گے۔“ ویرا اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

وہ کافی عرصے سے غیر فعال تھی لیکن بہرحال مارشل آرٹس میں تربیت یافتہ تھی۔ اس نے ڈونلڈ کی کرسی کے پیچھے

عجیب

ریستوران میں ایک صاحب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران میں ایک شخص آیا‘ اس نے چائے پی‘ بل ادا کیا پھر اٹھ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ الٹا چلتا ہوا چھت عبور کر کے دوسری طرف کی دیوار پر چلتا ہوا نیچے اترا اور دروازے سے نکل کر رخصت ہو گیا۔

کھانا کھاتے ہوئے صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ ہکلاتے ہوئے کاؤنٹر پر بیٹھے شخص سے مخاطب ہوئے ”حیرت انگیز... ناقابلِ یقین... یہ تو واقعی بہت عجیب آدمی تھا!“

”ہاں... واقعی...!“ کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے منہ بنا کر کہا ”کم بخت‘ جاتے وقت کبھی خدا حافظ بھی نہیں کہتا...!“

پہنچ کر دونوں ہتھیلیوں سے اس کی کنپٹیاں رگڑیں اور پلک جھپکتے میں ڈونلڈ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اس کے پپوٹے بوجھل ہو کر آنکھوں پر جھک آئے تھے۔

اس کی وہ حالت دیکھ کر کیلی خوف زدہ ہو کر چیخ پڑی۔

''خدا تمہیں غارت کرے.... تم نے مار دیا اسے!''

''یہ مرا نہیں، صرف بے ہوش ہوا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔'' ویرا یہ کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو اس نے ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ اسے یقین نہیں آسکا تھا کہ ویرا نے ڈونلڈ کو صرف بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا تھا۔

کیلی نرم و نازک اور ویرا سے کمزور تھی۔ اس کی مزاحمت کے باوجود ویرا نے اسے چند لمحوں میں خاموش کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس پوری کارروائی میں ڈونلڈ کے بقیہ ملازمین سامنے نہیں آئے تھے۔ شاید وہ خوف سے کہیں دبکے ہوئے تھے۔ صرف چوکیدار سے ہمارا سامنا ہوا تھا۔ اسے اول خان نے خاموش کر دیا تھا۔

ہم کسی کی مداخلت کے بغیر دوبارہ پورچ میں پہنچ گئے۔ چوکیدار بے چینی سے ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اول خان نے اسے اپنی مادری زبان میں کچھ سمجھانا شروع کر دیا۔

چند منٹ بعد ہم نشیمن سے باہر نکل کر اول خان کی جیپ میں دوبارہ اولڈ کلفٹن کے ویران پارکنگ ایریا میں پہنچ چکے تھے جہاں میری گاڑی پارک تھی۔

اس وقت صبح کے تین بجے کا عمل تھا۔ پورا شہر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس علاقے سے گداگر اور نشے باز بھی غائب ہو چکے تھے۔ شاید سب نے اپنے مخصوص کونوں کھدروں میں پناہ لے لی تھی۔ اس سناٹے میں صرف کتوں کے ایک رومان زدہ غول کا راج تھا جو ہم سے دور، دھیمی دھیمی آوازیں نکالتے ہوئے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔

''اس چٹان کا سویرا واقعی سحر انگیز ہے۔'' ویرا نے بہت دور سے آنے والی لہروں کے بہت ہلکے ہلکے شور پر کان جما کر کہا۔ دن کے شور و غل میں سب کچھ دب کر رہ جاتا تھا۔ مگر اس پہر کے گہرے سکوت میں سمندر کا مدھم شور وہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

پوری تیاریوں سے شروع ہونے والی مہم ختم ہو چکی تھی۔ اول خان نے اپنے اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈر کو اسٹیشن فور کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے یہ ہدایت بھی دی کہ وہ اول خان کے ہمراہی کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔

''یہاں سے تم اکیلے جاؤ گے؟'' اس کی بات ختم ہونے پر ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''میں تمہارے گھر چل رہا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر جاؤں گا۔ اتنی رات گئے اس بے چارے کو راستے میں سے ملیر چھاؤنی کے لیے کوئی سواری نہیں ملتی۔'' اس نے بتایا۔

''اول خان ہمارے گھر کیوں جا رہا ہے؟'' وہاں سے روانگی کے بعد ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

''اس کو خلش ہے کہ ہماری یا اس کی کسی غلطی کے بغیر اس واقعے میں آئی بی کا نام لیا جائے گا۔'' میں نے حالات کی ستم ظریفی پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا۔

''مجبوری تھی۔ کیلی تم کو آئی بی کے آدمی کی حیثیت سے پہچانتی تھی۔ اس بارے میں اول خان ہمارے گھر جا کر کیا کر سکے گا؟''

''وہ چاہے گا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر جلال کو پوری صورتِ احوال سے آگاہ کر دوں تاکہ اسے بعد میں کوئی شکایت نہ ہو۔'' میں نے جواب دیا اور گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

''اس وقت مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ شہروں کی بھاگ دوڑ میں سحر خیزی کی عادت کو ترک کر کے ہم لوگ کتنا نقصان اٹھا رہے ہیں۔'' کافی دیر بعد ویرا نے سکوت توڑا۔ ''اس وقت ہوا اتنی تر و تازہ ہے کہ بے اختیار گہرے سانس لینے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔''

''قدرت کے اٹل اصولوں سے انحراف میں سراسر نقصان ہے۔ خرابیوں کے ساتھ جرائم بھی اسی انحراف سے جنم لیتے ہیں۔''

ویرا ہولے سے ہنس دی۔ ''تم مجرموں سے لڑ کر آ رہے ہو۔ اس فضا میں بھی تمہارے ذہن پر جرم سوار ہیں۔''

ہم گھر پہنچے تو غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ جاگ رہی تھی۔ رات کے کسی پہر اس کو بستر میں میری غیر موجودگی کا احساس ہوا اور وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گئی۔ اس نے کمرے سے نکل کر پورے گھر کا طواف کیا مگر میں کہیں موجود نہیں تھا۔ ویرا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے شب خوابی کے کپڑے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے اور وہ بھی غائب تھی۔ غزالہ نے پریشان ہو کر سلطان شاہ کو جگا دیا جو اس وقت تک خاصی نیند لے چکا تھا۔

''تم نے سوچا ہو گا کہ ہم دونوں ظالم سماج سے بغاوت کر کے کہیں فرار ہو گئے۔'' ویرا نے قہقہہ لگا کر ان دونوں کی پریشانی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ ان

کے بارے میں، میں کوئی بری بات نہیں سوچ سکتی تھی۔"
غزالہ نے سنجیدگی سے جوابی چوٹ کر ڈالی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ "میں نے جلال کو فون کیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔ اسے فون کر کے بتا دیں کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔"
"اتنی رات گئے تم دونوں کہاں نکل گئے تھے۔ میری جان نکل گئی تھی۔" سلطان شاہ نے منہ پھلا کر ویرا سے کہا۔
"آرام سے پڑے سوتے رہتے۔ اپنی ننھی سی جان کو ایسے امتحانوں میں کیوں ڈالتے ہو۔" ویرا چہکنے لگی۔
"ان فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "جلال کو فون کرو۔ میں صرف اسی کام کے لیے یہاں آیا ہوں۔"
ہم پانچوں میں وہ سب سے سینئر تھا۔ اس کی بات کا احترام کیا جاتا تھا۔ سب خاموشی سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور میں نے اسپیکر فون پر جلال کا موبائل نمبر ملانا شروع کر دیا۔
"کہاں غائب تھے تم؟ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکل کھڑے ہوتے ہو۔ یہ کیا طریقہ ہے تمہارا!" وہ بھرا بیٹھا تھا۔ میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑا۔
"دشمن کے ٹھکانے سے بکتربند گاڑیاں نکل کر سڑک پر دوڑنے لگیں تو کسی سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں رہتا۔" اس کے تیور ٹھنڈے کرنے کے لیے مجھے ڈرامائی انداز اختیار کرنا پڑا۔
"کیا ہوا۔ تم کیا کر کے آئے ہو؟" میری توقع کے عین مطابق اس کا لب و لہجہ بدل گیا۔
میں نے اسے قونصل خانے سے نشیمن تک کی روداد سنانی شروع کر دی۔ آخر میں یہ خدشہ بھی ظاہر کر دیا کہ آئی بی کو الگ تھلگ رکھنے کے بارے میں اس کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ کیلی نے مجھے پہچان لیا تھا اور اگلے روز وہ کارروائی آئی بی کے سر ڈالی جانے والی تھی۔
"اس کی مجھے پروا نہیں۔" میری پوری بات سن لینے کے بعد اس نے جواب دیا۔ "میں قونصل خانے کی نگرانی کے الزام سے بچنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں اپنے آدمیوں کو وہاں سے بروقت ہٹا لیا تھا مگر تم بتا چکے ہو کہ ان کے حساس کیمرے میرے عملے کی تصاویر لے چکے تھے۔ نشیمن کا قصہ میں سنبھال لوں گا۔ وہ کوئی سفارتی عمارت نہیں ہے۔"
"اب ہمیں سی نائین کا کھوج لگانا ہے....." درمیان میں جلال کی مداخلت کی وجہ سے میں اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔
"یہ ڈیفنس کے کسی کمرشل پلاٹ کا نمبر ہے۔ وہاں ہر فیز کا ایک کمرشل ایریا ہے۔ وہ اس نمبر کی دس بیس عمارتوں میں سے ایک ہو گی۔ میرے آدمی اس کا سراغ لگا لیں گے مگر ضروری نہیں کہ وہ وہاں سے ہاتھ آ جائے۔ وہ بہت پھرتیلا ہے۔ ہمیں اسے گھیرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی آزمانے پڑیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"تم کوئی دوسرا طریقہ تجویز کرو تو میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار رہوں۔" میں نے پیشکش کی۔
"قونصل خانے کا کیا حال ہے۔ وہاں کی نگرانی ہو رہی ہے؟" جلال نے پوچھا۔
"بالکل ہو رہی ہے۔ وہ خوف زدہ ہیں اور وقفے وقفے سے بے آواز فائر کر رہے ہیں۔"
"آدمیوں کو وہاں سے ہٹا لو۔ ان کی تعیناتی کا مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ ہمارا مجرم وہاں سے نکل کر کھلے میدان میں آ چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان وحشیوں کی کوئی بھٹکتی ہوئی گولی ہمارے کسی آدمی کو چاٹ لے۔ اب مجھے نئے سرے سے حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔ تم سے صبح بات ہو گی۔"
"صبح تو ہونے والی ہے۔ میں کم از کم چار گھنٹے کی نیند لوں گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔
"تم بے فکری سے سو سکتے ہو۔ دفتری صبح نو بجے ہوتی

صحیح طریقہ

ڈیفنس میں نئے نئے آباد ہونے والے دو پڑوسی اپنے اپنے لان کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ایک بولا "لان پر جب پودے نمودار ہونا شروع ہوتے ہیں تو صحیح پتا نہیں چلتا کہ وہ واقعی پودے ہیں یا بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں..."
"میں تو نمودار ہونے والے سارے پودوں کو زمین سے اکھاڑ لیتا ہوں۔ اگر وہ دوبارہ اگ آئیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں ہیں" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

ہے جب سارے دفاتر آباد ہوتے ہیں۔"
میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان ایرپیس سنبھالے، میری گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اسپیکر فون آف ہوتے ہی اس نے پیغام رسانی کی کوششیں شروع کر دیں۔
اول خان کو ادھر سے اطلاع ملی کہ دونوں میں سے صرف ایک بکتربند گاڑی وہاں واپس لوٹی تھی۔ دوسری کا پتا نہیں تھا۔ وہ شائد نک کے استعمال میں تھی۔ سی نائین نامی ٹھکانے پر بن ڈیوڈ کے قدم جمانے کے بعد ہی اس کی واپسی ممکن تھی۔ اول خان نے کہا کہ دوسری گاڑی کے واپس لوٹتے ہی اسے پیغام دے کر جگہیں چھوڑ دی جائیں اور عملے کے سب لوگ واپس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جائیں۔ اس معقول اور واضح حکم میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں تھی۔
"اب میں بھی چلتا ہوں۔" اول خان ایرپیس جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ "آج میں تھک کر چور ہو چکا ہوں۔"
"چائے نہیں پیو گے؟" غزالہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ابھی دو منٹ میں بنالاتی ہوں۔"
"اس وقت چائے پی لی تو نیند اڑ جائے گی۔ پتا نہیں کب موقع ملے۔ میں گھر جا کر سونا چاہتا ہوں۔" اس نے خوبصورتی سے معذرت کرلی۔
"سی نائین میں آئی مین کا وجود نہیں ملے گا۔" اول خان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اتنی معمولی سی بات تم دونوں کیوں نہیں سمجھ سکے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے تم دونوں کو ایک بے بنیاد مفروضے میں الجھا دیا ہے۔"
"شاید تم ابھی تک اونگھ رہے ہو یا پھر کسی نشے میں ہو۔" ویرا چیخ کر بولی "ڈینی نے بتایا ہے کہ اس کی طرف سے سی نائین کے انکشاف سے پہلے ہم انہیں زندہ چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔"
"تم نے فیصلہ کرلیا ہو گا مگر وہ الو کا پٹھا اس سے واقف نہیں تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی جان خطرے میں تھی۔"
سلطان شاہ کا اعتراض منطقی طور پر درست تھا۔ ویرا اس پر بلاوجہ چراغ پا ہو رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ سلطان شاہ الفاظ پر فیصلہ کر رہا تھا۔ ہم نے اپنا فیصلہ پوری فضا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ ڈونلڈ اس وقت ہمیں فریب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
میں ان دونوں کو بحث میں الجھا ہوا چھوڑ کر وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔
بستر پر دراز ہونے کے بعد دیر تک میرا ذہن اسی معاملے میں الجھا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی گڑبڑ تھی جو میرے ذہن کی گرفت میں نہیں آ رہی تھی۔ غزالہ میرے پہلو میں لیٹی کچھ دیر تک چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔ میری توجہ نہ پا کر اس نے سونے کی کوششیں شروع کر دیں۔
پھر یکایک میرے ذہن میں روشنی سی ہو گئی۔ یہ بات بہت اہم تھی کہ دونوں ملاقاتوں میں کیلی نے مجھے میرے چہرے سے پہچانا تھا۔ میرا نام سرے سے اس کے علم میں نہیں تھا۔ فالکن ہاؤس سے گرفتاری، پولیس کی تحویل اور آئی بی کی قید سے لے کر رہائی تک اس کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ آخر میں وہ کس کی قیدی تھی بے ہوشی کی حالت میں ٹام اور نک کے پاس پہنچنے کے بعد ان دونوں کی زبانی اسے معلوم ہوا ہو گا کہ اسے انٹیلی جنس بیورو والوں کی قید سے چھٹکارا ملا تھا اور یوں اس نے مجھے آئی بی کا آدمی سمجھ لیا۔ اس پورے قصے میں کہیں بھی اسپیشل ٹاسک فورس یا کرنل داور کا نام نہیں آیا تھا۔
میں کرنل داور بن کر اس بارے میں نک سے چھیڑ چھاڑ ضرور کر سکتا تھا لیکن یہ ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ نشیمن میں میں نے اپنی ٹیم کے ہمراہ ڈونلڈ اور کیلی کو گھیرا تھا۔ وہ نکتہ صاف ہوتے ہی میرے ذہن پر نیند کا خمار حاوی ہوتا چلا گیا۔ ایک لاشعوری الجھن تھی جو دور ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

○☆○

غزالہ نے اپنی نیند رات کی دو قسطوں میں مکمل کر لی تھی اس لیے وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو گئی تھی۔ آٹھ بجے میں جاگا تو جلال کا پیغام میرا منتظر تھا۔ وہ صبح سویرے صدف مینشن پہنچا ہوا تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔
طبیعت کا تکدر اور کم خوابی کی کسل مندی کو دور کرنے کے لیے میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور کمرے سے برآمد ہوتے ہی فون سنبھال لیا۔
جلال فون پر موجود نہیں تھا مگر چند لمحوں میں لائن پر آ گیا۔ "رات کا اندھیرا بہت خیال انگیز اور انوکھا ہوتا ہے۔ بستر پر مجھے خیال آیا کہ آئی مین کے پیچھے لگ کر ہم نے چوہڑا کم بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ آئی مین کو گھیرنے کے لیے وہ بھی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ میں چند گھنٹے گزارنے کے بعد صبح سویرے ادھر آ گیا تھا۔"
"چوہڑا اور راجا کا اس سے فون پر قریبی رابطہ ہو

تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔
"میرے سامنے بس یہی ایک اشارہ تھا۔ چوپڑا اندر سے اس قدر ٹوٹ چکا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک مار نہیں سہ سکا۔ اس نے تسلیم کرلیا ہے کہ را کے چاروں ایجنٹ اس کے علاوہ بن ڈیوڈ سے بھی براہِ راست ہدایات لیتے تھے۔ اب پتا چلا ہے کہ اس کی اصل قوت کہاں مرکوز تھی اور گولڈن فارمیسی کو آگ لگانے والے کون تھے۔"
"یہ اس قصے کی گمشدہ کڑی تھی۔ مجھے یہی پریشانی لاحق تھی کہ جب اس کے سارے اہم مہرے ہمارے قبضے میں آچکے تھے تو کون لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وجے کی تواضع کی جائے گی تو وہ اگل دے گا کہ جہانگیر کی دکان کو کس نے آگ لگائی تھی۔ یہ درندے ایک طرف شہر میں بموں کے دھماکے کر رہے تھے اور دوسری طرف آئی مین کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے۔ ان چاروں کے آئی مین سے رابطے کی کیا صورت تھی۔"
"امریکی ساخت کے ایم ففٹی ٹرانسمٹرز۔" اس نے انکشاف کیا۔ "یہ پچاس کلومیٹر کی رینج میں بہت اچھا کام کرتے ہیں۔ چاروں کے پاس اپنا اپنا اپریٹس تھا۔"
"لیکن گرفتاری کے وقت وجے کے پاس سے ایسا کوئی مواصلاتی آلہ برآمد نہیں ہوا تھا۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔
"اسے بعد میں پھینٹوں گا۔" ابھی میں چوپڑا کو نچوڑ رہا ہوں۔ اسے نظرانداز کر کے ہم نے جو غلطی کی ہے اس کا بھرپور ازالہ ہونا ضروری ہے۔" جلال کی تفکر آمیز آواز آئی۔ "ہو سکتا ہے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنا اپریٹس پھینک دیا ہو۔"
"بہت دلچسپ صورتِ حال ہے۔ میں ناشتا کر کے وہیں آرہا ہوں۔ ٹام اور نک کی کیا خیر خبر ہے؟"
"نک دو مرتبہ کراچی آفس فون کر چکا ہے۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔" جلال نے ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "اس کے پاس میرے دوسرے نمبر نہیں ہیں ورنہ وہ اب تک موبائل پر مجھ سے رابطہ کر چکا ہوتا۔ تمہاری رات والی کارگزاری نے اس کے ہاتھ پر پھُلا دیے ہوں گے۔"
"اسے میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم یکسوئی سے چوپڑا اور وجے پر اپنا کام جاری رکھو۔"
"ذرا یہ یاد رکھنا کہ تم ایس ٹی ایف والے ہو۔ رات کی کارروائی آئی بی اسٹاف نے کی تھی۔" اس بار جلال کی آواز تمسخرانہ تھی۔
"یہ مذاق کی نہیں بہت اہم بات ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ نکتہ میرے دماغ کے کسی گوشے میں مسلسل چبھ رہا تھا۔ رات کو غور کرنے کے بعد سمجھ میں آیا ہے کہ مجھے کہاں موجود اور کہاں غیر حاضر رہنا ہے۔ اس کے بغیر بات گڑبڑ ہو سکتی تھی۔"
"مجھے معلوم ہے کہ اب نک کے پاس ہمارے لیے کچھ نہیں ہے۔ وہ اپنا تجسّس دور کرنا چاہ رہا ہو گا....."
میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ "یہ نہ کہو۔ عجلت میں بن کو قونصل خانے سے نکال کر ان لوگوں نے اپنا دامن صاف کرلیا ہے۔ اب وہ پریس کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو گا۔ اس کے پاس ان لوگوں کی تصاویر ہیں جو کل صبح قونصل خانے کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ انہیں ہوا دے سکتا ہے۔"
"پہلے میں اس بارے میں فکرمند تھا۔ تم نے اپنی تجویز سے میری مشکل آسان کر دی۔ تصویروں کا معاملہ اچھلا تو جواب تیار ملے گا۔ میں نے نامعلوم مشتبہ افراد کی نقل وحرکت کی خبریں ملنے کے بعد...... اپنے اسٹاف کو اس عمارت کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔ موجودہ حالات میں میرے اس اقدام پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکے گی۔"
"گڈ!" اس بار میں ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔ "ہم دونوں کو اپنے اپنے سبق اچھی طرح یاد ہیں۔"
"بس پھر جلدی آجاؤ۔ میں بھی ناشتا کیے لیتا ہوں۔ گھر سے چائے کی صرف ایک پیالی پی کر صدف مینشن آگیا تھا۔"
اس سے گفتگو ختم کر کے میں نے تیزی سے ناشتا کیا۔ اس وقت تک ویرا سو رہی تھی اور سلطان شاہ اپنے کمرے میں مصروف تھا۔ میں دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ نک سے بات کر سکوں۔
"ہائے نک! کیا حال ہیں؟" فون پر اس کی آواز سنتے ہی میں نے شگفتہ لہجے میں رسمی سا سوال کیا۔
"تمہارے کیا حال ہیں۔" اس نے بھی رسمی جواب دیا اور پوچھا۔ "جلال کہاں غائب ہے۔ میں پچھلے ایک گھنٹے سے اس کی تلاش میں ہوں۔"
"دفتر کا وقت نو بجے شروع ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ فرض شناس ہے۔ بیدار ہوتے ہی کہیں نہ کہیں مصروف ہو جاتا ہے۔"
"گزری ہوئی رات کے واقعات کے بارے تمہیں کچھ علم ہے۔" نک نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ قونصل خانے کے محافظ اعصاب زدہ تھے۔ وہ ساری رات اپنی چھت سے بے آواز رائفلوں کے فائر کرتے رہے۔ یہ رجحان بہت تشویش ناک ہے۔''

''وہ بے نام سایوں پر بھی گولیاں چلانے پر مجبور تھے۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ہمارے خفیہ کیمروں نے ایسے مشتبہ آدمیوں کی تصاویر لی تھیں جو صبح سے مسلسل قونصل خانے کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ ان میں سے کم از کم ایک آدمی کو پہچان لیا گیا ہے۔ وہ آئی بی کا عرفان ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ قصہ ہماری کل کی گفتگو میں نمٹ گیا تھا۔'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کل یہ مسئلہ صرف کل کے لیے نمٹا تھا۔ آج پھر تازہ ہے۔'' اس نے مکاری سے جواب دیا۔ ''تم چاہو تو اب بن ڈیوڈ کے بارے میں پریس کانفرنس کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''تم سمجھ رہے ہو کہ بن ڈیوڈ اور کیلی کو وہاں سے نکال دینے کے بعد ان کی وہاں موجودگی کے سارے ثبوت بھی ختم ہو چکے ہیں تو یہ تمہاری کم فہمی ہے۔ میری پریس کانفرنس تمہارے لوگوں کے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔'' میں اسے ڈراوا دیا۔

''خوب!'' اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔ ''میں اسی معاملے کے سلسلے میں جلال سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ تم بھی ان واقعات سے باخبر معلوم ہوتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر رہے ہو۔''

''ہم مل جل کر ہی کام کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسے تم ٹام کے ساتھ ایک ہی دفتر میں بیٹھتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

''کل رات آئی بی والوں نے کیلی کو پھر ہراساں کیا ہے۔'' اس نے شکایت کی۔

''آئی بی والے اپنے مجرموں کا دور تک پیچھا کرتے ہیں۔ ابھی تک کیلی کی بے گناہی ثابت نہیں ہوئی ہے۔ گاہے گاہے اس کی پڑتال ہوتی رہے گی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اپنی پناہ میں آئی ہوئی ایک بے یارومددگار امریکی عورت کو اچانک کھلی دھوپ میں کیوں ہانک دیا۔ یہ آئی بی والوں کا احسان ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔''

''وہ اتنے نرم دل اور انسان دوست نہیں ہیں۔ کیلی نے ان کے مطلب کی باتیں بتا دی ہوں گی۔ اس کے بعد اسے لے جانا بے سود تھا۔''

''یہ تم جانتے ہو کہ کیلی تم لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہے۔'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

''کیلی کے ساتھ اس کا میزبان بھی تھا۔ جب ان دونوں کی ضرورت نہیں تھی تو ان لوگوں کو وہاں کیوں بھیجا گیا۔''

نک کے ذہن پر کوئی نہ کوئی الجھن سوار تھی لیکن وہ مجھ سے کھل کر اور براہ راست کوئی سوال کرنے کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب نہیں کر پا رہا تھا۔

''اب اتنے معصوم اور بھولے نہ بنو۔ وہ مشق بن ڈیوڈ کے لیے تھی۔ اسے نشیمن میں نہیں اتارا گیا۔ تم ڈاج دے کر اسے کہیں اور لے گئے۔ وہ وہاں ہوتا تو ضرور پکڑا جاتا۔''

''تم کیا جانو کہ اسے کون لے کر گیا تھا۔'' اس نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا۔

''تم سے مراد تم ہی ہو۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''کیلی کو اسی لیے چھوڑ دیا گیا کہ اسے بے ہوشی کی حالت میں وہاں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن پروفیسر ڈونلڈ بگڑا ہوا شریف آدمی ہے۔ اس نے تمہاری آمد اور بن ڈیوڈ کے ساتھ روانگی کی کہانی بلاکم و کاست سنا دی۔ تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس وقت تم کہاں کھڑے ہوئے ہو۔''

''ڈونلڈ بھی رات کے واقعات سے پریشان ہو گیا ہے اور اس نے یہاں کام کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ تمہاری وزارت خزانہ اس کی واپسی کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گی۔'' نک کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''تم لوگ اپنی حرکتوں سے دوسرے شعبوں کے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہو۔''

''سہولتوں کے نام پر تمہارے آدمیوں کو کھلی چھوٹ نہیں دی جا سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تم کب تک بن ڈیوڈ کو قانون کی گرفت سے بچاتے ہو۔''

''بن ڈیوڈ کے بارے میں تم من گھڑت باتیں کر رہے ہو۔ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں رکھائی تھی۔

''کل تم اس کے بارے میں پریس کانفرنس طلب کرنے پر مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے رہے تھے۔ آج نئی قلابازی کھا رہے ہو۔ شاید تمہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ قونصل خانے سے بن ڈیوڈ کی روانگی کے بعد تمہارے لیے کوئی بڑی پریشانی پیدا نہیں ہو سکے گی مگر یہ تمہاری بھول ہے....''

''ہوش مند آدمی سے غلطی صرف ایک بار ہوتی ہے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''اب ایسی کسی غلطی کا اعادہ نہیں ہو گا جس سے تمہارے ہاتھ مضبوط ہو سکیں۔''

"ایک بار بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ آجائے تو پھر تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ سفارتی تحفظات کی وجہ سے کچھ ہو یا نہ ہو۔ کم از کم تم کو پاکستان سے نکال دیا جائے گا۔"

"یہاں سے تبادلے کا حکم آنے پر مجھے خوشی ہوگی۔ یہ ملک رہنے کے قابل نہیں ہے جہاں الکحل پر پابندی ہے، عورتوں کی آزادی پر ایسی سنگین اور ناروا پابندیاں عائد ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی پسند کے کسی مرد سے نہیں مل سکتیں، تفریح گاہیں وجودِ زن سے خالی اور بے رونق نظر آتی ہیں۔"

"ایسی آزادیاں تم ہی کو مبارک ہوں جن کے نتیجے میں لاکھوں امریکی باپ دوسروں کی اولادوں کو پالنے پوسنے پر مجبور ہیں۔"

"یہ ہر دور میں اور ہر جگہ ہوتا آیا ہے۔ اگر امریکا میں ایسے واقعات کی شرح زیادہ ہے تو اسے بنیاد بنا کر عورتوں کو کچلا نہیں جا سکتا۔ یہ بہت لمبی بحث ہے کہ اقدار اور فرد کی آزادی میں سے کس چیز کو مقدم ہونا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت فون کیوں کیا تھا۔"

"تم کو جلال کی تلاش تھی۔ وہ کہیں مصروف ہے۔ اس نے مشورہ دیا تھا کہ میں تمہاری بات سن لوں۔"

"رات کے واقعے سے ثابت ہو رہا ہے کہ اب تمہیں کیلی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا میرا یہ قیاس درست ہے؟" اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"فی الحال یہ کہا جا سکتا ہے۔" میں نے محتاط لب و لہجے میں جواب دیا۔

"میں طویل دفتری کارروائی میں نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے کیلی اور بن کے پاسپورٹ درکار ہیں۔"

"میں کوئی وعدہ نہیں کر رہا۔ شائد کیلی کا پاسپورٹ تم کو واپس کر دیا جائے۔ بن کا پاسپورٹ نہیں لوٹایا جا سکتا۔"

"وہ مجھے کب مل جائے گا۔" اس نے بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی واپسی پر اصرار کیے بغیر پوچھا۔

"میں جلال سے بات کیے بغیر اس سلسلے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"ڈونلڈ یہاں سے بدظن ہو چکا ہے اور ایک لمحے کے لیے پاکستان میں رکنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ کیلی بھی اسی کے ساتھ وطن چلی جائے۔ وہ راستے میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"

"تم نے کہا تھا کہ کیلی زخمی ہے اور ابھی سفر کے قابل نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ تنہا سفر نہیں کر سکتی۔ جب تک وہ یہاں رہے گی لوگ اسے ہراساں کرتے رہو گے۔ اسے واپس بھیج کر یک سو ہو جاؤں گا۔"

"شائد تم ان دونوں کی طرف سے بے فکر ہو کر ا ساری توجہ بن ڈیوڈ پر مرکوز کرنا چاہ رہے ہو۔"

"میں نے کہہ دیا کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایسی جگہ روپوش ہے کہ تمہارے ہاتھ اس تک نہیں سکتے....."

میں اس کی تضاد بیانی پر ہنس پڑا۔ "تم کو ذہنی علاج لیے کسی مسکن دوا کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اس اپنی لاتعلقی کا اعلان کر رہے ہو اور اسی سانس میں اس ٹھکانے کے بارے میں بے سروپا دعوے کر رہے ہو۔"

"اس کے بارے میں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ میر اندازوں پر مبنی ہے۔"

"کل تم اس کے سب سے بڑے حامی اور مددگار تھے اب اس سے بالکل انجان بن رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے ک اپنی بے سروپا اور دوغلی باتوں سے مجھے فریب نہیں د سکتے۔ اگر شترمرغ کی طرح اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوش کر رہے ہو تو اور بات ہے۔"

"کل میں نے اس کی حمایت نہیں کی تھی۔ اس حوالے سے تمہیں بے بنیاد الزام تراشی سے روکا تھا....."

"اس لیے کہ اس وقت وہ تمہارے قونصل خانے پناہ گزین تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"وہ کبھی بھی وہاں نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔" اس آواز اشتعال آمیز ہو گئی۔

"تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو۔ کیلی کے بارے میں کیا گے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کیا اس نے اس بارے میں تم لوگوں سے کوئی بات تھی؟" میرے سوال نے اسے چونکا دیا۔

"میں تو سرے سے نشیمن گیا ہی نہیں تھا۔" میں وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا "اس نے آئی بی والوں دیا ہے کہ قونصل خانے میں قیام کے دوران میں آئی مین وہاں موجود تھا اور کئی بار اس سے ملا تھا۔ تمہارے لیے ا کو جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔"

"وہ کتیا کی بچی ہے۔" میرے کانوں میں اس کی بے سا عصیلی آواز آئی۔ "وہ الو کی پٹھی ملنے جلنے سے معذور اسے کیا پتا کہ جب بن نے دو مرتبہ اس سے ملاقاتیں کیں ... کہاں تھی ... کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

مسلسل ہوش اور بے ہوشی کی حالت سے گزر رہی تھی۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں کہاں رہی ہے۔"
"تم کسی جھوٹے وکیل کی طرح نکتہ طرازی کر رہے ہو۔ وہ مشکل سے چند گھنٹوں تک تمہاری تحویل میں رہی ہے۔ تم نے اسے کتنی بار بے ہوش کرلیا ہوگا۔ میں ایسی کسی دوا سے واقف نہیں ہوں جو آدمی کو بے ہوش کردے اور اس کا اثر ذرا سی دیر میں زائل ہو جائے۔ مجھ سے کچھ ہوش کی باتیں کرو۔"
"مجھے اندازہ تھا کہ کیلی کی کہی ہوئی باتوں کا دہرانا اس کے حق میں مضر ثابت ہوگا لیکن مجھے کیلی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ مجرمہ نہ رہی ہو تب بھی ایک بڑے مجرم کی دوست اور ساتھی تھی۔ میں اس کے انجام سے بالکل بے پرواہ ہوکر اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔
"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کیلی کی کسی بات کا اعتبار مت کرو۔" وہ تخیل پرست عورت ہے۔ تمہاری نظروں میں اہمیت حاصل کرنے کے لیے اس نے من گھڑت باتیں کی ہیں۔ بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اسے تلاش کرو۔ اگر تم نے... اسے پکڑ لیا تو ہم اسے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔ دنیا کے ہر مجرم کو کسی لحاظ کے بغیر اپنے انجام کو پہنچنا چاہیے۔ یہ ہمارا ریاستی اصول ہے اور ہم اس پر سچے دل سے عمل کرتے ہیں۔"
"اس وقت تمہاری ہر بات تضاد پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھ سے بن کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بن تمہاری تحویل میں ہو اور تم کیلی کے ساتھ اسے بھی جلد سے جلد پاکستان سے باہر بھیج دینا چاہتے ہو۔"
"یہ تمہارے ذہن کا فتور ہے کہ تم میری ہر بات کا غلط مطلب نکال رہے ہو۔ پاسپورٹ ہماری قومی دستاویز ہے۔ اسے ہمارے قبضے میں آنا چاہیے۔ اس کا بن کے فرار ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تم سے ایک سرسری سا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر کوئی اصرار نہیں کیا تھا۔"
"ڈونلڈ نے بتایا ہے کہ کل رات تم دونوں بکتر بند گاڑیوں میں نشیمن گئے تو بن ڈیوڈ بھی تمہارے ساتھ تھا۔"
"میں نے کب اس بات سے انکار کیا۔ اس کی موجودگی کا ذکر تم نے پہلی بار نکالا ہے۔" میں اس کی ڈھٹائی پر حیران رہ گیا۔
"کیلی کو تم نے نشیمن میں چھوڑ دیا۔ وہ کہاں گیا؟" میں نے پوچھا۔

"واپسی پر اسے راستے میں اتار دیا گیا۔ اس نے کیلی کی خیرو عافیت معلوم کرنے کے لیے ہم سے خود رابطہ کیا تھا۔ وہ دونوں پردیس میں آئے ہوئے امریکی شہری ہیں۔ ہم نے اسے اس شرط پر آنے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ کوئی شرارت یا غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ کیلی سے مل کر چلا جائے گا۔" نک نے ایک طویل وضاحت پیش کردی۔ اسے معلوم تھا کہ قونصل خانے کی نگرانی کی جا رہی تھی پھر کیلی اور ڈونلڈ بازپرس کے مراحل سے گزرے تھے۔ انہوں نے بہت کچھ بتا دیا ہوگا۔ اس نے کیلی کی ایک بات کو جھٹلا دیا تھا۔ اس کے لیے ہر بات کو جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔
"وہ تمہارے قبضے میں آگیا تھا تو تمہیں اپنے وعدے کے مطابق اس کو ہمارے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔
"ہم نے اپنے طور پر اسے پکڑا ہوتا تو ضرور اسے تمہارے قانون کے حوالے کردیتے لیکن وہ ہم سے واپسی کا وعدہ لے کر آیا تھا۔ ہم وعدہ شکنی نہیں کرسکتے تھے۔"
"تم ہمیں خبر کردیتے تو تمہارا وعدہ پورا ہونے کے بعد اسے راہ چلتے پکڑا جا سکتا تھا۔"
"ہنگامی حالات میں کیے جانے والے فیصلوں میں بہت سے پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔ بروقت فیصلہ کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ان فیصلوں پر بعد میں ہزار تنقیدیں کی جا سکتی ہیں۔ تمہارا نکتہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن شاید وقت پر کسی کو اس کا خیال نہیں آیا ہوگا۔"
دل ہی دل میں وہ سب کچھ سمجھ رہا ہوگا لیکن بولنے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "شائد تم اپنے منصب کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہو اس لیے گول مول باتیں کر رہے ہو لیکن اس وقت تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تم کہاں کھڑے ہو۔"
"یہی بات میں تمہارے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں۔" اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔
"شائد اب تمہیں جلال کی تلاش نہیں رہے گی۔" میں نے اس کی تصدیق چاہی۔
"نہیں..... کچھ باتیں تشنہ تھیں جن کے جواب مل گئے۔ مجھے امید ہے کہ اب تمہاری طرف سے ڈونلڈ اور کیلی کو تنگ نہیں کیا جائے گا۔"
"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لے جایا گیا ہوتا تو ہم ادھر کا رخ بھی نہ کرتے۔ اس وقت ہم صرف اس کی بُو پر لگے ہوئے ہیں۔ وہ جلد ہی ہمارے جال میں آجائے گا۔"

میں نے کسی بھی مرحلے پر اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی کہ ڈونلڈ نے رازدارانہ طور پر ہمیں سی نائین کے بارے میں بتا دیا تھا۔

"کیلی کا پاسپورٹ مجھے کب مل سکتا ہے؟ اس نے پوچھا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ جلال کی صوابدید کا معاملہ ہے۔ اسے اعتراض نہ ہوا تو شاید تمہیں آج ہی لفافہ مل جائے گا۔"

اس سے خاصی طویل گفتگو ہو چکی تھی۔ کم وبیش ہر اہم نکتے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا۔ میں نے فون بند کر دیا۔

یہ بات روز اول سے ہی سامنے آ چکی تھی کہ آئی مین کو امریکی حکومت اور ایجنسیوں کی بھرپور سرپرستی میں پاکستان کے میدان میں اتارا گیا تھا۔ ابتدا میں اس کے مقاصد سامنے نہیں تھے کیونکہ اس نے شہر میں شی کے پرانے روابط سے کام لے کر ہیروئن فروشی کا محدود جال پھیلا لیا تھا مگر جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر مجھے اور ویرا کو گھیر کر مارنے کے لیے پاکستان آیا تھا۔ اس کے خلاف اخبارات میں بہت سا مواد شائع نہ ہوا ہوتا تو شائد امریکی کھل کر اس کی حمایت پر اتر آتے لیکن بی باون والے واقعے کے بعد ہی اول خان نے اپنے دوستوں کے تعاون سے آئی مین کے خلاف اتنی بھرپور اخباری مہم چلائی تھی کہ امریکی سفارت کاروں کو آئی مین کی کھلی حمایت کا ارمان پورا کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

وہ لوگ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے تھے لیکن میرا تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ امریکی افسران پریس سے خوف کھاتے تھے۔ شائد واٹر گیٹ اسکینڈل میں صحافت کا بھرپور کردار سامنے آنے کے بعد وہ خوف پوری امریکی حکومت اور انتظامیہ کے دلوں میں سرایت کر گیا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ غیر ملکی دشمنوں کے خلاف اس مہم میں ہمیں اس موثر ذریعے کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔

میں تیار ہو کر صدف مینشن کے لیے روانہ ہو گیا جہاں جلال میرا منتظر تھا۔

جلال نے صدف مینشن کے مختصر اور سادہ سے دفتر میں میرا استقبال کیا اور میں نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اپنی اور نک کی گفتگو کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ درمیان میں تبصرے کرتا جا رہا تھا لیکن اس نے کسی نکتے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

"کیلی کے پکڑے جانے کے بعد حالات نے ایک دم پلٹا کھایا ہے۔" میری کہانی ختم ہونے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آئی مین کی ذات جو اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی تھی، تیزی سے بے نقاب ہو چکی ہے۔ اس نے یہاں کافی ہاتھ پیر پھیلا لیے ہیں۔"

"کیا اس کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آئی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"چوہڑا بہت گہرا آدمی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس سے سب کچھ اگلوا لیا گیا ہے مگر وہ آئی مین سے اپنے آدمیوں کے براہِ راست رابطے کے بارے میں خاموش تھا۔ آج میں نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ اس کی کم از کم دو پسلیاں ٹوٹ چکی ہیں۔"

"ایسے مجرموں کو مار مار کر لنگڑا لولا بنا دینا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔ قانونی سزائیں ان کی اصلاح کے لیے ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا پھر پوچھا "میں نے تم سے کسی نئی بات کی دریافت کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہاں، وجے نے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اپنا تھیلی میں لپٹا ہوا ایم ٹی ففٹی برنس روڈ کے نالے میں پھینک دیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"یعنی تم نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر لیا۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"خالی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہارے آنے میں دیر ہوئی تو میں وجے کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ بھی بہت ڈھیٹ آدمی ہے۔"

"پھر میرے لیے یہاں کیا رہ گیا۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی تھیں۔"

"بموں کے دہرے دھماکے آئی مین کی ہدایت پر کیے گئے تھے۔ وہ خون بھی اس کی گردن پر ہے۔" اس نے بتایا۔

"اور گولڈن فارمیسی کی آتش زنی کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے۔" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ ذکر آتے ہی اس کا منہ اتر گیا تھا کیونکہ وہاں جلنے والا ایک بچہ ہلاک ہو چکا تھا۔ وہاں ان چاروں نے مل کر آگ لگائی تھی۔ بعد میں گولیاں برساتے ہوئے چلے گئے تھے۔ کسی لاسلکی رابطے کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ فالکن ہاؤس سے آئی مین کے فرار کے ڈیڑھ دو گھنٹے میں کوئی جوابی واردات کی جا سکتی۔

جلال میرے پہنچنے سے پہلے ہر کام سے نمٹ چکا تھا مگر اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں خبیثوں کی طرف سے میرے دل میں خاصا غبار جمع ہو چکا تھا۔ مجھے مزید جھنجلاہٹ یہ تھی کہ آئی مین کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چوہڑا اور وجے کو نظر انداز کر کے اپنی ساری توجہ آئی مین کے تعاقب پر مرکوز کر دی تھی جب کہ وہ

سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور پاکستان کے خلاف مثالی یک جہتی کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔

جلال مجھے اپنے ساتھ لے کر اوپر چلا گیا۔ چوہڑا اور وجے کو ایک سیل میں یک جا کیا جا چکا تھا۔ وہ ننگے فرش پر بہت ابتر حالت میں پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وجے نے اپنی جگہ بدل کر اور جسم کو حرکت دے کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر چوہڑا اس قابل نہیں تھا۔ ٹوٹی ہوئی پسلیوں نے اسے ہلنے جلنے سے معذور کر دیا تھا۔

ان دونوں کے چہرے اپنے خون میں نہائے ہوئے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ جلال ان درندوں کو قرار واقعی سزا دے رہا تھا۔ ان دونوں میں چوہڑا زیادہ بد نصیب تھا کیونکہ وہ پاکستانی ہوتے ہوئے سو فیصد بھارتی نمک خوار تھا۔

ایک طرف وہ بھارتی ہائی کمیشن کا ملازم تھا تو دوسری طرف را کا تنخواہ دار تھا۔ اس کی باضابطہ گرفتاری پر بھارتی ہائی کمیشن نے خاصے ہاتھ پیر مارے تھے اور متعلقہ مجسٹریٹ سے یہ اجازت لے لی تھی کہ ان کا ایک آدمی چوبیس گھنٹے میں ایک بار اس سے مل کر یہ اطمینان کرتا رہے گا کہ اسے بے جا تشدد یا بد سلوکی کا نشانہ نہیں بنایا جا رہا۔ وہ احتیاط صرف دو دنوں کے لیے چوہڑا کی جان بچا سکی پھر اسے تفتیش کے بہانے اندرون سندھ منتقل کر دیا گیا جہاں کسی بھارتی کی رسائی نہیں تھی۔

را والوں کے لیے اپنے آدمیوں کی اہمیت مشین کے کسی پرزے سے زیادہ نہیں تھی۔ چلتا رہتا تھا تو اس کی ہر طرح دیکھ بھال ہوتی تھی۔ گھس جاتا یا خراب ہو جاتا تو اسے نکال کر کوڑے دان میں پھینک کر بھلا دیا جاتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی نیا پرزہ لے لیتا ہے۔ دوسری طرف یہ عالم تھا کہ جلال نے اپنے اصولوں کے برخلاف عبداللہ کے خون کا انتقام اپنے ہاتھوں سے لیا تھا۔

چوہڑا کی اندرون سندھ سے خاموش واپسی کے بعد انڈین ہائی کمیشن کے کسی رکن نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کہاں تھا۔ نتیجے کے طور پر وہ صدف مینشن میں بے یار و مددگار پڑا ہوا، اپنے برے بلکہ گھناؤنے اعمال کی سزا بھگت رہا تھا۔

ان دونوں خطرناک قیدیوں کے ہاتھ پیر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ میں نے بڑھ کر دانستہ چوہڑا کی پسلیوں پر جوتے سے ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر چیخ اٹھا۔ اس کے بارے میں جلال کا یہ اندازہ درست تھا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا [illegible]

اور وجے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وجے میرے تیور بھانپ گیا اور ذبح ہونے والے کسی بکرے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخنے لگا "مجھے ہاتھ نہ لگانا، مجھے نہ مارنا۔ اپنے ساتھی سے پوچھ لو۔ میں نے اسے ہر بات بتا دی ہے۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ اگر تم کو کچھ پوچھنا ہے تو تم بھی پوچھ لو۔ جو بات مجھے معلوم ہے وہ میں بتا دوں گا۔ میں اس کے خلاف کروں تو جو چاہے کر لینا۔"

میں نے بڑھ کر اس کی گردن پر جوتے کا تلا رکھ دیا۔ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے جھک کر اس کے چہرے پر گھونسے ٹکائے اور الگ ہو گیا۔ اسے مار کر میری کسی جبلی خواہش کی تسکین ہو گئی تھی۔

"پہلی فرصت میں وہ ایم ٹی ففٹی حاصل کرنے کی کوشش کرو جو وجے نے نالے میں پھینکا ہے۔" وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے جلال سے کہا۔

"اس پختہ نالے کا بیشتر حصہ خشک رہتا ہے۔ جہاں ہیروئنچیوں کی ٹولیوں کا راج رہتا ہے۔ وہ اپریٹس اب وہاں نہیں ہوگا۔ کسی نے موبائل فون سمجھ کر اٹھا لیا ہوگا۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ تھیلی میں لپٹا ہوا تھا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"نشے باز پورے کوڑے کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ وہ ان کی دست برد سے نہیں بچا ہوگا" جلال مایوسی سے بولا۔

یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ آئی مین کے آئندہ عزائم سے آگاہ ہونے کے لیے وہ اپریٹس کتنا اہم تھا۔ اس پر ہم ان چاروں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ہر لفظ سن سکتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ بموں کے دھماکوں کے سلسلے میں ایک مشکوک آدمی کا حوالہ اخبارات میں شائع ہوا تھا لیکن وجے کو بہت خاموشی سے پکڑا گیا تھا۔ اس کی گرفتاری کی خبر کسی اخبار میں میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اپنے تینوں ساتھیوں اور آئی مین سے اس کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا مگر یہ امکان پھر بھی باقی تھا کہ وہ اس کی گرفتاری سے بے خبر ہوں۔

میرے اصرار پر جلال برنس روڈ کی طرف دوڑ لگانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ نشتر روڈ سے وہاں تک کی مسافت چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی۔

لڑکیوں کے کالج کے سامنے والی گلی میں گاڑی پارک کر کے ہم نالے میں اترنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ کرکٹ کے شوقین بچوں کی ایک ٹولی نے ہماری رہنمائی کی۔ [illegible] ایک جگہ ٹوٹی ہوئی

دیوار سے اندر اتر رہے تھے۔
جلال نے مجھے کہنی ماری اور ہم دونوں اسی طرف ہو لیے۔
وسیع و عریض نالے کا پختہ اور ڈھلان دار فرش خشک تھا۔ درمیان میں بنی ہوئی چوڑی نالی میں گندہ پانی رواں تھا۔ اس وقت نالا خاصا آباد تھا۔ سڑک کے نیچے والے سایہ دار حصے میں بہت سے چرسی اور ہیرو ئنچی لیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دو ٹولیاں گندی چادروں میں لپٹی زہریلے دھوئیں کے کش لگا رہی تھیں۔ پختہ فرش پر بہت سے بچے چوبی پیٹیوں اور دوسری اشیا کی وکٹیں بنائے، پورے جوش و خروش سے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔
ٹوٹی ہوئی دیوار پار کرتے ہوئے میں بس لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا۔ ذہن میں یہ گمان ہوا تھا کہ دو خوش پوش افراد کو اس گندے نالے میں اترتا دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے مگر وہ گمان اسی لمحے دم توڑ گیا۔ ہمیں دیکھنے والے ہمارے دوست یا رشتے دار نہیں تھے جو ہمیں پہچان لیتے۔ اجنبیوں کے کچھ بھی سوچنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے دیوار کا ملبہ پار کر لیا۔
وجے کی بتائی ہوئی جگہ پر نالے کی دیوار کے ساتھ کوڑے کا ایک بڑا انبار جمع تھا۔ شاید آنے جانے والوں کو وہاں کوڑا پھینکنے میں سہولت رہتی تھی۔ کوڑے کی اس چھوٹی سی ڈھلوان چٹان سے سخت بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے مگر ہیروئن کے نشے میں دھت لڑکوں اور بوڑھوں کو اس کی پروا نہیں تھی۔
میں نے اس ڈھیر پر چڑھنے کے ارادے سے اپنی رفتار تیز کی تھی کہ جلال نے میرا بازو تھام کر مجھے روک دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔
وہ فرض کی لگن تھی کہ اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہی تھی۔ میرے دل میں اس اعلیٰ سرکاری افسر کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ پاکستان کی بیورو کریسی کو کوسنا ملک میں ایک رواج بن چکا ہے۔ کسی تقریب میں کوئی افسر پھنس جائے تو اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ اپنے اور دوسروں کے حوالے سے ایسے ایسے تجربات دہرانا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ لوگ ایسی چٹکیاں لیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی بیورو کریسی میں ایسے فرض شناس اور ایمان دار افسر بھی موجود ہیں جن کے دم قدم سے سارا نظام چل رہا ہے۔
وہاں تھیلوں اور کوڑے کا ایک انبار جمع تھا۔ جلال اسے جوتوں سے اِدھر اُدھر کر کے اپنی مطلوبہ چیز کی تلاش میں لگا رہا۔ میں کھڑے کھڑے اکتا گیا۔ اسے کوڑے میں گھسے دس منٹ ہو چکے تھے۔ اچانک وہ دیوار کے ساتھ جھکا اور پھر سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک میلی سی خاکی تھیلی موجود تھی۔
اس نے وہیں کھڑے کھڑے تھیلی کا منہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر تقریباً دوڑتا ہوا اس متعفن ٹیلے سے اتر آیا۔
اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے ہانک لگائی۔ جونہی وہ قریب آیا، ہم دونوں آگے چل دیے۔
اس نے تھیلی کا منہ کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ تھیلی اندر سے صاف تھی۔ میں نے وزنی ایرٹیس نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ جلال نے تھیلی ہوا میں اڑا دی اور برا سا منہ بنا کر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑنے میں مصروف ہو گیا "بدبو سے حلق تک کڑوا ہو گیا ہے۔ پہلے میں کہیں ہاتھ منہ دھو کر کلیاں کروں گا۔"
"آج تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا "میں اتنی دیر تک اس غلاظت میں نہیں رک سکتا تھا۔"
"تم دباؤ نہ ڈالتے تو میں ادھر نہ آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ برنس روڈ کے ہیروئنچی آج کل خوش حال ہو گئے ہیں۔" اس نے خوش دلی سے کہا "بہت سا کوڑا جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ان پر کڑا وقت آتا ہے تو یہ اپنا پیٹ بھرنے اور بیچنے والی اشیا جمع کرنے کے لیے سارے کوڑے کو تلپٹ کر ڈالتے ہیں۔"
نالے سے نکل کر ہم فریر روڈ کے بجائے تغلق ہاؤس کی طرف چل دیے۔ جلال کے ستارے یاور تھے کہ ہمیں اس سرکاری عمارت کے پچھواڑے ایک سرکاری نل نظر آ گیا جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جلال نے بہت اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر رومال سے چہرہ خشک کیا اور ہم گاڑی کی طرف واپس چل دیے۔
راستے میں مجھے ایرٹیس کا خیال آیا۔ میں نے اسے جیب سے نکالا تو وہ آف تھا۔ میں نے اسے آن کر دیا تاکہ کوئی پیغام ضائع نہ ہو سکے۔
"یہ تم رکھو گے یا مجھے دو گے۔" جلال نے مجھے ایرٹیس جیب میں رکھنے کا موقع دیے بغیر پوچھا۔
"تم رکھ لو۔" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ افرادی قوت اور وسائل تک رسائی رکھتا تھا۔ ایرٹیس پر کوئی بھی پیغام سن کر اس کی نزاکت کے مطابق فوری کارروائی کر سکتا تھا۔

جلال یہی چاہ رہا تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر میرے ہاتھ سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا "شکریہ! دیکھو کہ اب کب ان کی باتیں سننے کا پہلا موقع ملتا ہے۔"

"بن ڈیوڈ کی گرفتاری کا معاملہ خاصا طول پکڑ گیا ہے۔ اب اس قصے کو ختم ہونا چاہیے۔" واپسی کے سفر میں' میں نے کہا۔

"بڑے مجرموں کے ساتھ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔" جلال نے مجھے دلاسا دیا "وہ اپنی ذہانت اور مکاری کی وجہ سے ہاتھ نہیں آتے۔ تم دیکھو گے کہ بن کا قصہ بھی اچانک نمٹے گا۔"

"سی نائن کی تلاش پر تم نے اپنے آدمی مامور کر دیے ہوں گے۔ ایس ٹی ایف والے بھی لگے ہوئے ہیں۔" مایوسی کے عالم میں مجھے وہ امید افزا بات یاد آئی۔

"پہلا کام وہی تھا۔ ایریٹس ہاتھ لگ جانے کے بعد میں انتظار کو کسی اندھا دھند کارروائی پر ترجیح دوں گا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا "اس بار ہمیں پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا تاکہ وہ بچ کر نہ نکل سکے۔"

بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوگیا۔ گلی میں گاڑی پارک کرنے کے بعد ہم صدف مینشن میں داخل ہوئے تھے کہ جلال کی جیب میں پڑے ہوئے ایریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ٹرانسمیٹر جیب سے نکال کر اس کی آواز کھول دی۔

"جو بھی لائن پر ہے جواب دے۔" میں نے پہچان لیا کہ وہ بھاری اور تحکم آمیز آواز آئی مین کی تھی۔ وہ امریکی لب ولہجے میں انگریزی بولتا تھا۔

جلال نے مجھے آنکھ ماری اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ سیدھا دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

"نمبر ٹو سر!" قدرے خاموشی کے بعد مقامی لب ولہجے میں انگریزی میں جواب آیا۔

"میرے لیے تم سب ایک ہو۔ تمہارے نمبر تھری کی کیا خیر خبر ہے؟" آئی مین نے پوچھا۔ اس وقت تک ہم دونوں دفتر میں داخل ہو کر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جلال نے نالے سے حاصل کیا ہوا ایریٹس میز پر رکھ دیا تاکہ دونوں کو سننے میں آسانی رہے۔

"کچھ پتا نہیں چل رہا۔ وہ شہر میں کہیں نظر آ رہا ہے نہ اس کے ایریٹس سے جواب مل رہا ہے۔"

"اس شہر میں آدمی کتوں بلیوں کی طرح مرتے رہتے ہیں۔ کہیں وہ کسی بس یا ٹرک کے نیچے تو نہیں کچلا گیا۔" آئی مین کی آواز میں غصہ تھا۔

"نہیں سر! ایسا ہوا ہوتا تو اخبار میں خبر ضرور آتی۔ میں اخبار بہت باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔"

"دھماکوں کے بعد اخبار میں ایک مشکوک آدمی کی خبر آئی تھی۔ ایسا تو نہیں کہ وہ پکڑ لیا گیا ہو۔"

"ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وجے بہت تیز آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گرفتاری کا خطرہ بھانپ کر شہر سے کہیں اور نکل گیا ہو۔ فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس کا ایریٹس کام نہیں کر رہا ہوگا۔ وہ پکڑا جاتا تو کسی نہ کسی اخبار میں یہ خبر ضرور چھپتی۔"

"وہ اُلّو کا پٹّھا ہے۔" آئی مین کا لہجہ مسلسل تضحیک آمیز تھا "وہ شہر سے بھاگ رہا تھا تو اسے ہم میں سے کسی کو اطلاع دینی چاہیے تھی۔ مجھے ایسے غیر ذمے دار آدمی پسند نہیں ہیں۔ مجھے ہر وقت تم لوگوں کے بارے میں باخبر رہنا چاہیے۔"

"ہم احتیاط رکھیں گے۔" نمبر ٹو کی آواز پر مردنی چھا گئی۔

"دوسرے کام کا کیا ہو رہا ہے؟" آئی مین نے پوچھا۔ بظاہر اس نے وجے کے بارے میں نمبر ٹو کا نظریہ قبول کر لیا تھا۔ ان کی باتوں سے یہ پتا چل چکا تھا کہ اس ڈسپلن میں وجے نمبر تھری کے کوڈ سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ چار کی ٹولی تھی جو را کی طرف سے آئی مین کے لیے کام کر رہی تھی۔ بقیہ کے کوڈ نمبر ون اور نمبر فور ہو سکتے تھے۔

"نمبر ون لگا ہوا ہے۔ آج وہ کسی نہ کسی طرح جہانگیر کے گھر کا کھوج لگا لے گا۔" اس آلے پر جہانگیر کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ جلال بھی چونک پڑا تھا۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور جلال معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔

آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو پھونک کر ایک بچے کی جان کی بھینٹ لے لی تھی مگر وہ جہانگیر کو نہیں بھولا تھا۔ جس سے اس کا سرے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

"جہانگیر بہت کم آمیز آدمی ہے۔" نمبر ٹو اٹک اٹک کر جواب دے رہا تھا "آس پاس کے دکان داروں سے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔ دکان جل جانے کے بعد سے وہ ادھر نہیں دیکھا گیا۔ شاید ڈر کر گھر میں بیٹھ گیا ہے۔"

"یہ چند گھنٹوں کا کام تھا جسے تم لوگ لے کر بیٹھ گئے ہو۔" آئی مین کی غراہٹ ابھری۔

”سر! آج وہ انشورنس ایجنٹ بن کر مالک دکان سے ملے گا۔ دکان میں ہونے والے نقصان کا تخمینہ لگانے کا بہانہ کرکے وہ اس سے جہانگیر کے گھر کا پتا معلوم کرلے گا۔“

”دیر ہو چکی ہے۔ اب صرف پتے سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے اس کے مکان کی سروے رپورٹ بھی درکار ہے کیونکہ اسے وہاں سے اٹھانا ہے۔“

”میں اسے بتا دوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ ہماری باتیں سن رہا ہو۔“

”نمبر فور! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟“ آئی مین نے اسی لمحے سوال نشر کردیا۔

”یس سر! میں سن رہا ہوں۔“ ایریئس پر تیسری توانا آواز ابھری ”نمبر ٹو کی رپورٹنگ لفظ بہ لفظ درست ہے۔“

”سب کان کھول کر سن لو۔ میں تیزی سے کام کرنے کا عادی ہوں۔ سست روی مجھے پسند نہیں۔ پتا نہیں چوپڑا تم سے کیسے کام لیتا ہے۔“

”سر، ہم اپنی کارکردگی بڑھانے کی کوشش کریں گے۔“ اس بار نمبر فور نے ہی جواب دیا تھا۔

”مجھے معلوم ہے کہ چوپڑا کے اندر ہوجانے کے بعد سے تم چاروں زیر زمین چلے گئے ہو۔ تمہاری اپنی مجبوریاں ہیں لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ مجھے جلد از جلد اپنا کام ختم کرکے واپس لوٹنا ہے۔ جہانگیر ہمارا اصل ہدف نہیں ہے۔ اس کے ذریعے ہم ڈینی کو گھیریں گے۔ اگر تمہارے کام کرنے کی رفتار یہی رہی تو مہینوں کی نوبت آسکتی ہے۔ تم سمجھے میری بات!“

”اب تم کو شکایت نہیں ہوگی۔ دہرے دھماکوں کے بعد یہاں کی پوری انتظامی مشینری حرکت میں آگئی تھی۔ ادھر چوپڑا جی اندر ہو چکے تھے۔ ہم بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ میں اس وقت ایک گداگر کا روپ دھارے ہوئے ہوں۔ رات ہوتی ہے تو کسی پل پلیا کے نیچے ٹھکانا بنا لیتا ہوں۔“

”دھماکوں کا تسلسل برقرار رکھو تاکہ یہاں والے اسی چکر میں الجھے رہیں اور تم کو دوسرے کام نمٹانے کا موقع مل جائے۔“ آئی مین کی آواز دھیمی مگر مزید تحکمانہ ہوگئی۔

”ہمارے پاس صرف تین بم رہ گئے ہیں!“ گداگر کے روپ میں پھرنے والے نمبر فور کا وہ انکشاف لرزہ خیز تھا ”اس کے بعد سناٹا ہوجائے گا۔ چوپڑا جی کے ہٹ جانے سے ہماری سپلائی لائن کٹ گئی ہے۔ ہم تمہارے محتاج ہوگئے ہیں۔“

”اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات واضح کردی۔ میں تمہیں ضرورت کی ہر چیز مہیا کروں گا۔ ہوسکے تو تم ایک ہی دن میں تینوں بم استعمال کرڈالو۔ پورا شہر ہل کر رہ جائے گا۔“

”سپلائی لائن کٹ جانے کی وجہ سے ہم تذبذب میں تھے۔ تمہاری یقین دہانی کے بعد ایسا ہی ہوگا۔“

ہم دونوں مسلسل ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹرانسمیٹر پر ہونے والی وہ خون آشام گفتگو ہمارے لیے خوفناک تھی۔ ہماری مٹی کے دشمن ہمارے لوگوں کے لہو سے ہولی کھیلنے کی باتیں کررہے تھے اور ہم بے بسی سے وہ سب سننے پر مجبور تھے۔

آئی مین شاید پاکستانیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ وہ شہر میں بموں کے مزید دھماکے کرانا چاہ رہا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ دھماکے کہاں کیے جائیں۔ اس بارے میں اس نے را کے ایجنٹوں کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ وہ خود ہم سے بچنے کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں شہر میں بھاگا پھر رہا تھا مگر را والوں کو اسلحے کی بھرپور فراہمی کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ اپنے پشت پناہوں اور سرپرستوں کے بل بوتے پر وہ ہرزہ سرائی کررہا تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس کے مذموم مقاصد کے لیے پاکستان میں موجود وہ اسلحہ آسانی سے مل جائے گا جو امریکیوں کی تحویل میں تھا کیونکہ وہ خود اس پوزیشن میں نہیں رہا تھا کہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر کھلے بازار سے ایک نارنگی بھی خرید سکے۔

”یہ کام کب تک ہوجائے گا؟“ آئی مین اپنے غلام سے پوچھ رہا تھا۔

”تم نے حکم دیا ہے۔ یہ کام جلد از جلد ہوجائے گا۔ تم بے فکر رہو۔“ اس بار نمبر فور کی آواز میں خود اعتمادی تھی۔

”یہ کام کسی بارونق اور بھرے پرے علاقے میں ہونا چاہیے جہاں دور دور تک لاشوں کے چیتھڑے بکھرے ہوئے نظر آئیں۔“ آئی مین کے وہ وحشیانہ اور خون آشام الفاظ سن کر میں اندر سے دہل کر رہ گیا۔ اسے بے گناہوں کے خون کی حرمت کا ذرا بھی پاس نہیں تھا۔ وہ یہودی النسل تھا اور پاکستانی مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا۔

یہودی مسلمان کی جان کا اور عیسائی ایمان کا دشمن ہوتا ہے۔ چند گھنٹوں میں وہ دونوں باتیں درست ثابت ہو چکی تھیں۔ بن ڈیوڈ را کے ایجنٹوں کو ہمارے خون کی ہولی کھیلنے پر اکسا رہا تھا جبکہ تھوڑی دیر پہلے تک پاکستان میں شراب

شباب اور بے حیائی پر پابندیوں کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔ بن یہودی تھا اور نک عیسائی۔ دونوں کی اپنی اپنی سوچ تھی جو جان و ایمان کی میزان پر پوری اتر رہی تھی۔

"یہ پابندی عائد نہ کرو تو بہتر ہے۔" نمبر فور کے الفاظ میرے کانوں میں امید کی نوید بن کر گونجے۔ وہ آئی مین سے کہہ رہا تھا "بارونق علاقے میں دھماکا کر کے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔ جہاں بھی موقع ملا ہم اپنی کارروائی کر گزریں گے۔ خون ضرور بہے گا۔ بس ہم اپنی حفاظت کو مقدم رکھیں گے۔"

"اتنی آزادی مانگ رہے ہو تو یہ کام آج ہی ہو جانا چاہیے۔" اس بار آئی مین کی آوازیں پر سکون تھی جیسے اسے اس کا پسندیدہ کھلونا ملنے کی خوش خبری سنا دی گئی ہو۔

"ہم تینوں اپنی پوری کوشش کریں گے کہ کراچی کی فضا خون اور بارود کی بُو سے بھر جائے۔" اس بار نمبر فور نے الفاظ سے کھیل کر اپنے آقا کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"پاکستانی بہت چالاک اور پھرتیلے بنتے ہیں۔ ان کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔ اب میں کسی اچھی خبر کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔"

یکایک انسانی آوازیں معدوم ہو گئیں اور ٹرانسمٹر پر ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجتا رہ گیا۔

"شرمناک... اس کا دماغ الٹ چکا ہے۔" جلال غصے میں میز پر مکا مار کر بولا "میں اس خونی کھیل کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

"وہ چاروں روپوش ہیں۔ ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں!" میں نے مایوسی سے کہا۔

"ڈیڈی! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہارے ایما پر میں نے یہ ایریٹس حاصل کر لیا اور اس پر بروقت ان کے ناپاک عزائم کی کہانی سن لی۔" وہ یک بیک جذباتی ہو گیا "میں ان کے دھماکوں کو روکنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا۔ شہر میں آج ریڈ الرٹ ہوگی۔ میں خود سڑکوں کا گشت کروں گا۔"

"ریڈ الرٹ ضرور ہونی چاہیے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "باقی باتیں جذباتی ہیں۔ تمہیں کیا پتا کہ وہ درندے کدھر کا رخ کریں گے۔"

"پھر میں ایریٹس پر بن ڈیوڈ سے خود بات کرتا ہوں۔" جلال بپھرنے لگا "میں اسے بتا دوں گا کہ آج شہر میں کوئی واردات ہوئی تو رات ڈھلنے سے پہلے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ سی نائین اس کا مقتل بنا دیا جائے گا۔ وہ وہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

جذبات کی رو میں اس کا ذہن غلط راہ پر چل نکلا تھا۔ آئی مین کو پکڑنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے اس بات کی ہوا بھی نہ لگے کہ ہمیں سی نائین کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ ڈیفنس کے کمرشل علاقوں میں دس بیس عمارتوں کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی چھان بین کا کام زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ صرف چند گھنٹوں میں پتا چل سکتا تھا کہ آئی مین کس علاقے کے سی نائین میں روپوش ہو سکتا تھا۔ ایک بار اس کا وہ ٹھکانا ہمارے علم میں آ جاتا تو اس کے گلے میں طوق ڈال کر اسے مجبور کیا جا سکتا تھا کہ وہ را کے ایجنٹوں کو درندگی سے روکنے کے لیے ٹرانسمٹر پر ان سے بات کرے۔

جلال ایک نازک اور حساس پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود صاف ستھرے پیشہ ورانہ مقابلے کا قائل تھا۔ را کے دو ایجنٹوں سے بن ڈیوڈ کے خون آشام مذاکرات سننے کے بعد وہ اس قدر مشتعل ہوا کہ دیر تک انتہا پسندانہ باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں محض اس کی دل جوئی کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ

جلال کی انتہا پسندی میں بھی کھلی خوں ریزی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

شاید یہ آئی بی کی پالیسی نہ ہوتی لیکن غصے میں وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کراچی میں کچھ ہوا تو اس کے آدمی دہلی یا کولکتہ کے شہریوں سے اس کا انتقام لیں گے لیکن ایسی کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آئی۔ وہ آئی مین اور را کے ایجنٹوں کے سر کچلنے کی بات بار بار دہراتا رہا۔

وقت غصے کو بہت آرام سے پی جاتا ہے۔ آخر کار جلال کا غصہ بھی تشویش میں ڈھل گیا۔

"تم اتنی دیر سے بیٹھے ہوں ہاں کر رہے ہو۔ انہیں روکنے کے لیے تمہاری کیا رائے ہے!" آخر اس نے پُر تشویش آواز میں مجھے ٹوکا۔

"نمبر فور نے آئی مین کو خوش کرنے کے لیے وہ ساری باتیں کی ہیں۔ دشمن کی سرزمین پر کوئی بڑی واردات کرنے کے لیے جس دل اور جگر کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"دل گردہ نہ ہونے کے باوجود وہ شہر میں دو دھماکے کر چکے ہیں۔" جلال بولا۔

"ان کا نتیجہ وجے کی صورت میں اوپر قید ہے۔ اس میں ہمت اور حوصلہ نام کو نہیں ہے۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف آسان کام کو بھی مشکل بنا دیتا ہے۔ تم شہر میں صرف ریڈ الرٹ ڈکلیئر کرا دو۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے چند اعلانات جاری کرا دو۔ مجھے یقین ہے کہ را کے وہ تینوں چوہے اپنے بلوں سے باہر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

جلال نے چند ثانیوں کے لیے میری بات پر غور کیا پھر سر ہلاتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لائن ملنے پر پتا چلا کہ وہ سندھ کے ہوم سیکریٹری سے بات کرنے والا تھا۔

وہ اپنی کسی بات میں مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کرتا تھا لیکن وہ اس کی سرکاری فون کال تھی جس میں منصب کے تقاضوں کے مطابق کچھ اونچ نیچ ہو سکتی تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس وقت صدف مینشن کا گراؤنڈ فلور قیدیوں سے خالی تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ٹہلتا ہوا محافظوں تک جا پہنچا۔ وہ دونوں مؤدب ہو کر اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کی مزاج پرسی کی ابتدا سے بات شروع کر دی۔

شاید وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ گئی کیونکہ جلال اونچی آواز میں مجھے پکار رہا تھا۔

"ایک سے دو گھنٹے میں کام مکمل ہو جائے گا۔" میرے دفتر میں پہنچنے کے بعد اس نے مسرت آمیز لہجے میں بتایا۔ "پورے شہر کی پولیس تھانوں کو چھوڑ کر سڑکوں پر آ جائے گی۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے شہریوں کو اگلے چوبیس گھنٹوں میں دہشت گردی کی کسی بڑی واردات سے ہوشیار کرنے کے اعلانات کیے جائیں گے۔ ان تیاریوں کے بعد وہ شاید ہی باہر نکلنے کی ہمت کر سکیں۔"

"بس یہ ٹائمنگ خطرناک ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "بن ڈیوڈ ذرا سا بھی ذہین ہے تو سمجھ لے گا کہ اس کی گفتگو کہیں سنی گئی ہے جس کے نتیجے میں یہ تیاریاں کی گئی ہیں۔"

"سمجھ لے۔ اس سے ہمیں کیا فرق پڑے گا۔ اس وقت میں ہر قیمت پر را والوں کو روکنا چاہتا ہوں۔"

"وہ رک جائیں گے۔ اگر بن نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وجے کے ساتھ اس کا اپریٹس بھی مقامی حکام کے قبضے میں آ چکا ہے تو وہ ٹرانسمٹر کا استعمال ترک کر دے گا۔"

"ہر ایک تمہاری طرح شاطر نہیں ہوتا جو اتنی آسانی سے صحیح اندازے لگا لے۔" وہ ہنس کر بولا "میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی بہت کھلی کھلی گفتگو سنی ہے۔ نشیمن سے بھاگنے کے بعد وہ پہلی بار را والوں سے بات کر رہا تھا۔ آئندہ ہم اس سے زیادہ بھرپور گفتگو نہیں سن سکیں گے۔"

"اپنی کئی ناکامیوں کی وجہ سے اس کے دل میں ہمارے لیے نفرت پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے شاید اس نے اتنی بڑی تباہی پھیلانے کے بارے میں نہیں سوچا ہو گا۔"

"میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر صحیح ترین قدم اٹھایا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کانوں سے آج جو ہولناک گفتگو سنی ہے اس کا بیج چوپڑا کا بویا ہوا ہے اور وجے اسی ٹولی کا آدمی ہے۔"

"چوپڑا ایک باضابطہ قیدی ہے۔ چار دن بعد اس کا ریمانڈ ختم ہونے والا ہے۔ شاید اس میں ایک توسیع اور مل جائے۔ اس دوران میں اسے مزید سزا دینے کے بجائے مجھے اس کی ٹوٹی ہوئی پسلیوں پر توجہ دینی پڑے گی۔"

"وجے کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کہا۔" اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

"وجے!" وہ آنکھیں چڑھا کر خطرناک انداز میں مسکرایا "اس سے کھیلیں گے۔ وہ مر بھی گیا تو فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی گرفتاری کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"حیرت ہے کہ تم اس وقت اپنے ڈسپلن کے خلاف بول

رہے ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "وہ ہماری تحویل میں فطری موت بھی مر سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے مارا جائے۔"

میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ میں نے اس کے تیور بھانپ لیے تھے۔ وہ وجے کے حق میں جلاّد ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات تک سب کچھ سمٹ کر آئی مین کی ذات میں مرکوز تھا لیکن لیکن امریکی قونصل خانے سے نکلنے والی دو بکتر بند گاڑیوں کے سفر کے ساتھ واقعات نے بہت تیزی کے ساتھ پھیلاؤ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

ایک طرف پروفیسر ڈونلڈ نے باہمی اعتماد کے نام پر سی نائین کی نشاندہی کی تھی جہاں بن ڈیوڈ روپوش ہو سکتا تھا پھر وجے کے تین ساتھی تھے جو اپنے بموں کے ساتھ کراچی میں آزاد پھر رہے تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ چوپڑا کی گرفتاری کے بعد وہ دربدر ہو چکے تھے، شہر میں ان کے لیے کوئی جگہ محفوظ نہیں رہی تھی اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے سوانگ رچا کر پھرتے رہنے پر مجبور ہو گئے تھے مگر بنیادی نکتہ یہ تھا کہ وہ ہماری یا قانون کی گرفت سے دور اور آزاد تھے اور کسی بھی وقت شہر کے کسی حصے میں تباہی پھیلا سکتے تھے۔ جب تک وہ ہمارے ہاتھ نہ آجاتے، ان کی دہشت گردی کی تلوار شہریوں کے سر پر لٹکتی رہتی۔ ان کو پکڑنے کا ایک موقع اسی شام پانچ بجے آسکتا تھا۔ وجے کے بیان کے مطابق انہیں اس وقت فریر ہال کے لان پر جمع ہونا تھا۔ وہ لازمی ڈیوٹی نہیں تھی۔ کوئی خطرہ بھانپ لیتا تو موقع سے غائب ہو سکتا تھا مگر ہم کو وہاں پوری تیاری کے ساتھ موجود رہنا تھا۔

ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی ہمارے لیے صرف نام تھے۔ ہم میں سے کوئی انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ آئی مین نے اپنی سہولت کے لیے انہیں نمبر دیے ہوئے تھے۔ وہ ان نمبروں کو آوازوں سے پہچانتا تھا۔ ان میں سے دو آوازیں ہم دونوں نے بھی سن لی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان آوازوں کو ہم آسانی سے شناخت کر سکتے تھے۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ فریر ہال میں کب بولنا شروع کرتے۔

ان سب سے زیادہ تشویش انگیز خبر یہ تھی کہ آئی مین کے حکم پر را کا ایک آدمی جہانگیر کے گھر تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دکان کے قرب و جوار سے رہائشی پتے کے حصول میں ناکامی کے بعد اس شخص نے بہت صحیح راستے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ کسی بھی وقت جہانگیر کے دروازے پر دستک دے سکتا تھا۔

وہ مسائل ہی مسائل تھے جن کے حل کے لیے سب کا سر جوڑ کر بیٹھنا ضروری تھا۔ میں جلال سے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا اس کے ساتھ جو پروگرام طے ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے روانگی کی اجازت چاہی تو اس نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "کیا تم میری کسی بات پر ناراض ہو گئے ہو؟"

"تمہیں یہ نامعقول خیال کیوں آگیا؟" میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

"ہم نے ابھی تک جہانگیر کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا اور تم جا رہے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

میں اس کی سادگی پر ہنس پڑا "میرا خیال تھا کہ میں تمہیں پہلے ہی اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ اس عمارت کا مرکزی سیکیورٹی سسٹم بہت عمدہ ہے اور ایس ٹی ایف کا ایک نہ ایک آدمی دن رات وہاں موجود رہتا ہے۔ اس کا معاملہ اول خان کے ساتھ مل کر دیکھ لوں گا۔"

"یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے۔ پھر بھی کوئی ضرورت پیش آجائے تو میں ہر وقت مدد کے لیے تیار رہوں گا۔" اس نے پیش کش کی۔

"روکا ہے تو یہ بتا دو کہ شام پانچ بجے کا کیا پروگرام

ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"تازہ ترین حالات کی روشنی میں وہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے مگر میں پھر بھی پوری تیاری کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔ ان تینوں خونی درندوں کی شناخت کے لیے وجے میرے ساتھ ہوگا۔ چاہو تو تم اور اول خان بھی دور رہ کر تماشا دیکھ سکتے ہو۔ مجھے وہاں کسی کامیابی کی امید نہیں ہے۔"
کھڑے کھڑے میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا "جب ان کے پاس آئی مین کے دیے ہوئے ایریئس موجود ہیں تو انہیں فریر ہال میں ملنے کا پروگرام طے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"تمہیں یہ خیال خاصی دیر سے آیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ایم ٹی ففٹی خاص ٹرانسمٹرز ہیں جو امریکی افواج کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم کے لیے خاص طور پر بنائے گئے ہیں۔ وہ براہِ راست بن ڈیوڈ سے ہر وقت بات کرسکتے ہیں۔ اس کے ذریعے آپس میں بات بھی ہوسکتی ہے لیکن بن ڈیوڈ کے درمیان میں آئے بغیر براہ راست ایک دوسرے سے بات نہیں کرسکتے۔"
"یعنی وجے کے ایریئس پر بن سے بات کی جاسکتی ہے۔ ترپاٹھی وغیرہ سے رابطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔"
"بالکل یہی بات ہے۔ میں یہ بات جانتا تھا اس لیے میں نے اس بارے میں وجے سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"
"یہ بہت عجیب سی بات ہے۔ اس سسٹم کی کیا افادیت ہوسکتی ہے۔"
"جب ان میں آپس میں رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر نمبر فور کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نمبرون جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔" میرے پاس اگلا سوال تیار تھا۔
"اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔" جلال پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں ایک ساتھ ہی ہوں۔ بہرحال ایم ٹی ففٹی کا سسٹم یہی ہے جو میں نے بتایا ہے۔"
"فرصت کے اوقات میں وائرلیس ٹرانسمٹرز پر اپنے دور افتادہ دوستوں سے گپ شپ لڑانا فوجیوں کا ایک معمول ہوتا ہے۔ ایم ٹی ففٹی سیریز میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر متعلقہ شخص ہر لمحے اپنے کمانڈر کی براہ راست دسترس میں رہتا ہے۔ جدید فوجی نظام میں ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی بعض بھیانک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ یہ سسٹم اس سے خامی سے پاک ہے۔"
بات واضح ہوگئی کہ ان لوگوں نے پاکستان میں اپنی ترین سہولتوں کا استعمال شروع کردیا تھا۔
میں نے جلال سے اندر ہی ہاتھ ملانا چاہا لیکن وہ ہاتھ تھامے صدف مینشن کے صدر دروازے تک آیا۔ نے مجھ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ اعتراف کیا کہ محض میری موجودگی کی وجہ سے وہ وجے کا ٹی ففٹی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ وہ آلہ بر روڈ کے گندے نالے کے کنارے پڑا پڑا تباہ ہوجاتا۔ اس وجہ سے اسے بہت مدد ملی تھی۔
جب تک میں جلال کے ساتھ بیٹھا رہا' میرا ذہن سمتوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہر مسئلہ مجھے اپنا مسئلہ نظر آرہا لیکن صدف مینشن کی آسیبی عمارت سے باہر نکلتے ہی میر ذہن سے ہر بات محو ہوتی چلی گئی۔ دماغ میں صرف جہانگ نام ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر چکرا رہا تھا۔
میرے ذہن پر جہانگیر کو درپیش خطرے کا دباؤ اتنا شد تھا کہ میں نے گھر واپس جانے کے بجائے گاڑی کلفٹن راستے پر ڈال دی۔
عمارت میں قدم رکھتے ہی میں نے ایس ٹی ایف باوردی اور مسلح جوان کو پہچان لیا جو سیکیورٹی ڈیسک قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مجھے اول خان کے دوس کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس موقع کے لحا سے اس نے کوئی غیر معمولی تپاک دکھانے کے بجائے سر ہلکی سی جنبش سے سلام کرنے پر اکتفا کیا۔
سیکیورٹی ڈیسک والے محافظ نے میرا نام پوچھ کر انٹر کا پر جہانگیر کے فلیٹ سے رابطہ کیا۔ میرے لیے ڈینی کا نام ا معروف ہوچکا تھا کہ اپنا اصل نام مجھے اجنبی سا لگتا تھا مگر میں جہانگیر کی عمارت میں داخلے کے لیے ہمیشہ اپنا نام تنویر ہی بتا تھا۔ اوپر سے اجازت پاکر سیکیورٹی افسر نے لفٹ کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔
اول خان سے طے ہوا تھا کہ اس کا آدمی عمارت کے باہر رہ کر نگرانی کرے گا۔ وہ کوئی معقول بندوبست نہیں تھا۔ باہر کھڑے ہوئے گارڈ کو دبیز شیشوں کی دیوار کے پیچھے رونما ہونے والی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اول خان نے کوئی جوڑ توڑ کرکے اپنے آدمی کو صحیح ترین مقام پر مامور کردیا تھا۔
لفٹ کے بجائے میں مختصر سے زینے طے کرکے اوپر پہنچا تو ساڑی میں ملبوس سلمٰی اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولے میری

منتظر تھی۔
"پوری تیاری میں ہو۔ کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے؟"
میں نے اس کا سرتاپا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
"اندر آجاؤ! آج کل ایک نئی کہانی چل پڑی ہے۔ مجھے ہروقت پورا بناؤ سنگھار کرکے تیار رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

سلمٰی کی زبانی اس سے زیادہ جاننے کی نوبت نہیں آسکی کیونکہ جہانگیر ڈرائنگ روم سے برآمد ہوکر مجھ سے راہداری میں ہی اچانک بغل گیر ہوگیا۔ "یار آج تو کوئی بڑا دن ہے کہ تم یہاں نظر آرہے ہو۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے تو کوئی ڈھنگ کی دعا مانگتا۔ سوچا بھی تو کیا سوچا کہ کاش تم آجاؤ اور تم آگئے۔"

"برا لگ رہا ہوں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ کوئی دوسری دعا مانگ لو۔ شاید کوئی خوب صورت بنجارن آجائے۔" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس وقت سلمٰی ہمیں معانقہ میں مصروف چھوڑ کر آگے نکل چکی تھی۔

"سبحان اللہ۔ کیسی اچھی بات کہی ہے تم نے۔" وہ جھوم کر بولا "تم غائب ہوجاتے ہو تو میں ایسی دعاؤں کو ترس جاتا ہوں۔" وہ مجھے گرم جوشی کے ساتھ اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

"سب سے پہلے تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہاری دکان کو آگ لگی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ مجھے اس بچے کا قلق ہے جو اس آگ میں جل کر مر گیا۔ وہ کون ظالم لوگ تھے جنہوں نے کسی کی جان کی پروا کیے بغیر دکان کو آگ لگادی۔"

"ان ہی کی تلاش میں لگا ہوا ہوں۔ تم گئے تھے اپنی جلی ہوئی دکان کا ملبہ دیکھنے۔"

"جو جل گیا اسے کیا رونا۔" اس نے برجستہ اپنا ایک محاورہ ایجاد کرلیا "وہاں جاکر بلاوجہ دل خراب کرنے سے کیا فائدہ ہوتا۔"

"دکان تمہاری اپنی تھی یا کرائے پر لی ہوئی تھی۔" موقع مناسب دیکھ کر میں نے وہ سوال داغ دیا "اس کے منہ سے الکحل کی بو ضرور آرہی تھی مگر خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ نشے میں بے خود نہیں تھا۔ سلمٰی سے صلح ہوجانے کے بعد اس کے پینے کی رفتار میں نمایاں کمی آئی تھی۔

"پگڑی پر لی تھی۔ چار سو روپے مہینہ کرایہ ہے اس کا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"مالک دکان کو تمہارے گھر کا پتا تو معلوم نہیں ہے۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔ اس کو رسید بدلی کے بیس ہزار دے کر دکان اپنے نام کرالی تھی۔ گھر سے اسے کیا لینا تھا۔"

"ویری گڈ۔ پھر بھی کسی اجنبی کو اوپر اپنے فلیٹ میں نہ آنے دینا۔ نیچے سیکیورٹی ڈیسک کے ساتھ اول خان کا ایک مسلح آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر اسے تمہاری مدد کرکے دلی خوشی حاصل ہوگی۔" میں نے کہا۔

"یہ سالے کون لوگ ہیں جو میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔" اس نے برا سا منہ بناکر پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"دکان کو آگ لگانے کے بعد اب وہ تمہارے گھر کی تلاش میں ہیں۔ تمہیں کسی نئے آدمی سے ملنے کی ضرورت ہے نہ باہر جانے کی۔"

"باہر تو خیر میں جاتا ہی نہیں۔ شراب سے سبزی تک ہر چیز سلمٰی لے آتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے بتایا۔

"خدا تم کو غارت کرے۔ تمہارے لیے شراب بھی وہ خرید کرلاتی ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑتا۔" جہانگیر نے اپنی صفائی پیش کی "قریب ہی کی ایک بلڈنگ میں کوئی میڈم رہتی ہے۔ بہت نیک عورت ہے۔ سلمٰی فون کرکے جاتی ہے۔ اس کا آدمی گاڑی میں بوتل پہنچاکر پیسے لے جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے آرام ہوگیا ہے۔"

اس کی زبان سے میڈم کا لفظ سنتے ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں نے پوچھا "اس کا نام فرزانہ تو نہیں ہے؟"

"فرزانہ اور دیوانہ معلوم نہیں۔ سب اسے میڈم کہتے ہیں۔" وہ بائیں آنکھ دبا کے بولا "سنا ہے کہ ڈھلتی عمر کی زور

دار عورت ہے۔"

وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والا آدمی تھا۔ اسے کچھ سمجھانا لاحاصل تھا۔ اگر وہ اپنی بیوی سے شراب منگوا کر خوش ہوتا تھا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں بس دعا کر سکتا تھا کہ میڈم رسم و راہ بڑھا کر کہیں سلمیٰ کو اپنی راہ پر نہ لگا لے۔

میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی پھر اس سے پوچھا۔ "سلمیٰ کے بناؤ سنگھار کا کیا چکر ہے؟ اسے دلہن بنا کر اپنے ہنی مون کی یاد تو تازہ نہیں کر رہے۔"

"سچ پوچھو تو اپنا ہنی مون عظمت ماموں کی گرفتاری کے بعد اب شروع ہوا ہے۔ اصل ہنی مون تو لڑائی جھگڑے کی نذر ہو گیا تھا۔" اس نے اپنی بپتا شروع کر دی۔ "ان عورتوں کا باوا آدم نرالا ہے۔ گھر میں اپنے مردوں کے سامنے سر جھاڑ منہ پہاڑ بنائے رہتی ہیں۔ باہر نامحرموں میں جانے لگتی ہیں تو سولہ سنگھار کر کے، چھمک چھلو بن کر جاتی ہیں۔ میں نے سلمیٰ سے کہہ دیا ہے کہ گھر میں بن سنور کر رہا کرے۔ باہر جاتے ہوئے میک اپ بگاڑ لیا کرے۔ اب وہ اسی ٹھاٹ سے کھانا پکاتی اور برتن دھوتی ہے۔"

"اپنی پوری زندگی میں آج تم نے عقل کی بات کی ہے۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "عورت کو صرف اپنے مرد کے سامنے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ دوسروں سے اسے کیا لینا۔"

اس نے بردباری سے اثبات میں اپنا سر ہلایا اور جھک کر صوفے کے نیچے سے اپنا گلاس نکال لیا جو آدھا خالی تھا۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ پھر دن دیہاڑے اسکاچ چڑھا رہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"چکھ کر دیکھ لو۔" اس نے اپنا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ "اسکاچ برائے نام ہے۔ پورا گلاس نرا پانی ہے۔"

"اس کے بعد تم نے دوسرا گلاس بنایا تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" میں نے غراتے ہوئے اسے دھمکی دی۔ "دور ہٹاؤ اس گلاس کو۔"

"یہ اسی قابل ہیں۔" سلمیٰ نے کچن سے میری تائید کی۔ "میں کہتی ہوں کہ تم ہفتے عشرے کے لیے یہاں آ جاؤ تو یہ بالکل سدھر جائیں گے۔"

"تم کھانا پکا رہی ہو یا ہماری باتیں سن رہی ہو!" وہ کھڑا ہو کر خفگی سے دہاڑا۔

"دونوں کام کر رہی ہوں۔ چاہو تو آ کر دیکھ سکتے ہو۔" سلمیٰ کا لہجہ سلگانے والا تھا مگر جہانگیر پر اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھا اور گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تم صبح اٹھنے کے بعد شراب نوشی کرتے ہو تو کسی ندیدے کی طرح سونے تک پیتے رہتے ہو۔ یہ بہت بری عادت ہے۔"

"تم وقت اور پینے کو دیکھ رہے ہو۔ مقدار کو دیکھو۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میں شراب کم اور پانی زیادہ پیتا ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میرے گلاس کا رنگ کتنا ہلکا ہے.... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری دانست میں، میں دن بھر میں کتنی پی لیتا ہوں گا۔"

"تمہارا ایک بوتل سے زیادہ کا یومیہ اوسط ہو گا۔" میں نے محتاط تخمینہ لگا کر بتایا۔

"ایک لیٹر کی بوتل پورے دو دن چلتی ہے۔" اس نے فاتحانہ انداز سے بتایا۔ "یقین نہ ہو تو سلمیٰ سے پوچھ لو۔ ساری خریداری اسی کے ہاتھ میں ہے۔"

سلمیٰ میرے لیے چائے اور کچھ گرما گرم اسنیکس کی ٹرے لے کر آئی۔ اس نے جہانگیر کی بات سن لی تھی۔ میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئی بولی۔ "یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان کی مقدار کم ہوئی ہے مگر میں کہتی ہوں کہ یہ دن بھر کا سلسلہ ٹھیک نہیں ہے۔ لت پڑ ہی گئی ہے تو شام کو اپنا شوق پورا کر لیا کریں۔"

"بس، اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" جہانگیر نے بے رخی سے کہا۔ "میں اپنے مسئلے خود جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ لاہور سے تمہارے میکے کا کوئی مہمان یہاں آ گیا تو مجھے دیکھ کر کیا سوچے گا۔ کان کھول کر سن لو مجھے اپنے بارے میں چرس اور ہیروئن بیچنے والوں کی رائے کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

"دیکھ لیا۔" سلمیٰ نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "زیادہ سمجھاتی ہوں تو یہ ایسی گھٹیا باتوں پر اتر آتے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔"

"سر پیر کیوں نہیں ہوتا۔ کیا لاہور میں تمہارے عظمت ماموں ہیروئن کی اسمگلنگ کے چکر میں نہیں پکڑے گئے۔ بے چارے ابھی تک اندر ہیں۔" جہانگیر کے آخری فقرے میں ہمدردی سے کہیں زیادہ تضحیک کا پہلو نمایاں تھا۔

سلمیٰ روہانسی ہو کر اٹھ گئی۔ "کبھی کبھی تم بہت سنگ دل ہو جاتے ہو۔ تمہیں میری خوشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ یہاں میری موجودگی پسند نہیں ہے تو میں کچن میں اپنا منہ جھونکنے جا رہی ہوں۔"

"منہ نہ جھونکنا۔ ہانڈی چڑھا دینا۔ ڈینی کو ڈیڑھ بجے

کھانا تیار ملنا چاہیے۔ یہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جائے گا۔" اس نے سلمٰی کے پیچھے ہانک لگائی۔

"میں کھانے کے لیے نہیں رکوں گا۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں بہت مشکل سے وقت نکال کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہیں ذاتی طور پر فضا میں منڈلانے والے خطرات سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میں چائے پیتے ہی چلا جاؤں گا۔ مجھے دوسرے کام بھی نمٹانے ہیں۔"

اس نے اپنی تجویز پر اصرار نہیں کیا۔ نرمی سے بولا۔ "یہ شی کا چکر کب تک چلتا رہے گا؟"

"نئے آئی مین کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں تم کسی بھی وقت اچھی خبر سن لو گے۔"

"اچھی خبر کیا خاک سن لوں گا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "تین چار دن تک اس کے بارے میں اخباروں میں دھواں دار خبریں آتی رہیں۔ اب ایک لفظ بھی نہیں آ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اخبار والے اس سے ڈرتے ہیں یا پھر انہوں نے مال بٹور کر اپنا منہ بند کر لیا ہے۔"

"ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "اسے بھڑکانے اور اشتعال دلانے کے لیے خبروں کا سلسلہ شروع کرایا گیا تھا۔ اب ہم نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اخبار والوں کی اس تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ ان کو جو مواد مل جاتا ہے نمک مرچ لگا کر چھاپ دیتے ہیں۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

چائے نوشی کے دوران میں، میں نے دیکھا کہ اپنے ہلکے گلاس سے وہ لمبے وقفوں سے چھوٹی چھوٹی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس کے پینے کا دورانیہ پورے دن پر محیط تھا لیکن اس کے معدے میں اترنے والی شراب کی مقدار میں نمایاں کمی آ چکی تھی۔ شاید نصف لیٹر یومیہ کے بارے میں اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔

چائے ختم کرتے ہی میں اٹھ گیا۔ گھر پہنچ کر مجھے اول خان کو تلاش کرنا تھا۔ اس سے جملہ مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے ساتھ شام پانچ بجے کا پروگرام بھی طے کرنا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی مجھے روکتے رہ گئے مگر میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

گھر پر وہ تینوں چائے کا دور چلا رہے تھے۔ انہوں نے جس انداز میں میرا استقبال کیا اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ میری ذات ان کے درمیان موضوعِ سخن بنی ہوئی

موت وحیات

گھنٹی بجی تو بیبن صاحب گھر سے نکلے۔ انہوں نے چند باریش حضرات کو دروازے پر کھڑے پایا۔ ایک صاحب نے بات شروع کی "جناب! آپ نے کبھی سوچا کہ زندگی کتنی ناپائیدار چیز ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں..."

"جی ہاں....میں تو سارا دن یہی سوچتا رہتا ہوں کیونکہ میں ایک انشورنس ایجنٹ ہوں" بیبن صاحب نے جواب دیا۔

تھی۔

"جلال کو اتنے سویرے تمہاری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔" ویرا نے تیکھے لہجے میں پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا۔"

"کیسے لگے گا۔ اس کی گھر والی اسلام آباد میں ہے۔ یہاں وہ خود بے گھر ہے۔ اپنا کام جلد از جلد ختم کر کے واپس جانا چاہ رہا ہے مگر ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ اسے رکنا پڑ جاتا ہے۔ تم لوگ بے خبری کے بازار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ ذرا ٹیلی وژن آن رکھو۔ اس پر کوئی اہم اعلان آ سکتا ہے۔"

سلطان شاہ نے فوری طور پر ٹیلی وژن آن کر دیا۔ ویرا اس اعلان کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر کے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اول خان اسٹیشن فوری پر نہیں تھا۔ کسی گشت پر نکلا ہوا تھا۔ میں نے موبائل پر اسے پکڑ لیا۔

"اس وقت گشت پر کیسے نکل کھڑے ہوئے؟" رابطہ ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا۔ شہر میں ریڈ الرٹ ڈکلیئر کر دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔" اس نے بتایا "وہ پیغام سننے کے بعد سے میری طبیعت مضطرب ہے۔ پتا نہیں روشنیوں کا یہ شہر خطروں کی دلدل سے کب نکلے گا۔"

"یہاں آ جاؤ۔ میں اسی بارے میں کچھ تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ اس ریڈ الرٹ کا محرک جلال ہے۔ میں ابھی ابھی اسی سے مل کر آ رہا ہوں۔"

”ایسی بات ہے تو میں دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“ اس کا وہ پیغام سن کر میں نے فون بند کردیا۔
”تم اس سے کس ریڈ الرٹ کی بات کررہے تھے۔“ ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔
”بات ذرا لمبی ہے۔ چھری کے نیچے دم لو۔ اول خان آجائے تو ایک بار ہی سب کچھ بتادوں گا۔“
”کیا یہ بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے؟“ اس نے سوال کیا۔
”ہاں.... اس کے سر پر جنون سوار ہوچکا ہے۔ کاش ہم اسے روکنے میں کامیاب ہوسکیں۔“
ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار جلال سے بات ہوئی۔
”ریڈ الرٹ کے آرڈرز کا اجرا ہوچکا ہے۔ مگر ریڈیو اور ٹی وی سے کوئی اعلان نہیں ہوسکے گا۔“ وہ بتا رہا تھا۔
”شہریوں کو جلد از جلد ہوشیار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔“ میں نے زور دے کر کہا۔
”ہم معاملے کا صرف ایک رخ دیکھ رہے ہیں۔ وزارت داخلہ والے ایسے معاملات کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسے اعلانات کے بہت منفی اثرات ہوں گے۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ افراتفری مچے گی۔ لوگ دفاتر اور دکانیں بند کرکے گھروں کو چلے جائیں گے۔ پوری شہری زندگی درہم برہم ہوکر رہ جائے گی جس کے معاشرتی اثرات پر کئی روز تک قابو نہیں پایا جاسکے گا۔ ہم نے ردِعمل کے اس پہلو کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔“
مجھے خوشی ہوئی کہ اعلیٰ انتظامی عہدوں پر کہیں کہیں عمدہ سوجھ بوجھ رکھنے والے ذہین افسر مامور تھے جو لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی اونچ نیچ پر اچھی طرح غور کرلیتے تھے۔ میں نے کہا ”ایسا ہونا عین ممکن ہے بلکہ یہی ہوگا۔ سراسیمگی اور خوف و ہراس پھیلنے لگے تو پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔“
”بس میں نے تم کو یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہمارے آدھے فیصلے پر عمل ہوا ہے۔“
”ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات روالوں کو روکنے کے لیے تھے۔“ میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”ان کو خوف زدہ کرنا بھی ضروری ہے۔“
”اس کی تم فکر نہ کرو۔ جب شہر کی سڑکوں پر باوردی پولیس کی کثرت نظر آتی ہے تو ہر جرائم پیشہ شخص گڑبڑ کا اندازہ لگالیتا ہے۔ وہ تینوں تربیت یافتہ اور تجربے کار ہیں۔ قدم باہر نکالتے ہی اندازہ لگالیں گے کہ ان کے لیے موسم ساز گار نہیں ہے۔“
”اب میں گھر پر ہی ہوں۔ کہیں سے کوئی خبر ملے تو مجھ سے یہیں رابطہ کرلینا۔“
”تم فکر نہ کرو۔ موبائل فون کا رواج ہوجانے کے بعد باہمی رابطے آسان ہوگئے ہیں۔ ضرورت پڑی تو میں تم کو پکڑلوں گا۔“
ویرا میرے فارغ ہونے کے انتظار میں بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی بول پڑی ”پتا نہیں اول خان کتنی دیر میں آئے۔ تم اپنی کہانی شروع کردو۔ میں اب زیادہ دیر تک صبر نہیں کرسکتی۔“
”میں ایک شرط پر یہ دہری مشقت برداشت کرسکتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ سے مجھے عمدہ چائے بنا کر پلاؤ۔“ میں نے کچھ وقت گزارنے کے لیے وہ شرط عائد کردی ورنہ مجھے مزید چائے پینے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں جہانگیر کے گھر سے چائے پی کر ہی ادھر آیا تھا۔
”میں چائے بنادوں گی۔ تم شروع ہوجاؤ۔“ وہ بولی۔
”پہلے چائے۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔“ میں دو ٹوک لہجے میں یہ کہہ کر اٹھ گیا۔
میں غسل خانے سے نمٹ کر آیا تو میرے لیے چائے تیار تھی اور ویرا منہ پھلائے میرا انتظار کررہی تھی۔
”ابھی تک ہم بن ڈیوڈ کے گرد گھوم رہے تھے۔“ میں نے چائے کا پہلا گھونٹ لے کر بات شروع کی ”اب کہانی خاصی پھیل چکی ہے۔“
اچانک ڈور بیل دو تین مرتبہ بج اٹھی اور ہم سب چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ہمارے پاس آنے والوں میں سے کوئی اتنا بدتمیز یا عجلت پسند نہیں تھا کہ اس طرح بار بار گھنٹی بجانا شروع کردے میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑدی۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔
میں نے خود کو کسی ناگہانی آفت سے محفوظ رکھنے کے لیے بہت احتیاط سے دروازہ کھولا اور پھر اول خان کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کا داہنا شانہ زخمی تھا جس سے رسنے والے خون نے اس کی پوری آستین کو سرخ کردیا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے زخم کو دبایا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ہم دونوں کو دھکیل کر اندر گھس آیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظفر خان کے علاوہ ڈیزی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو دیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظفر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا' چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ذی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آگیا تھا اور جلد ہی اسے عمرکوٹ منتقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں 'میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے اپنے شایان شان استقبال کا موقع ضرور فراہم کرے گا مگر وہ میری توقع سے تمنا زیادہ کائیاں تھا۔ اس نے ایک طرف جہانگیر کے ایک ملازم کو دکان سے باہر ایک عورت کے ذریعے الجھانے کا پروگرام بنایا۔ اس طرح وہ عورت ایس ٹی ایف والوں کی نظروں میں آگئی۔ دوسری طرف اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف اس مشکوک عورت کا سراغ موجود تھا جس نے جہانگیر کے ایک ملازم کو الجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے اسے اٹھوایا اور پھر ذرا سی محنت کے بعد خالد نامی ایک شخص کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے اسے یہ کام سونپا تھا۔ ہم خالد کے دروازے پر پہنچے۔ کال بیل کے جواب میں جس شخص نے دروازہ کھولا وہ وہی تھا جو مجھے آئی مین سے ملوانے گولڈن فارمیسی پر آیا تھا۔ خطرہ بھانپ کر اس نے فرار ہونے کی ناکام کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ زخمی حالت میں ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ تفتیش کے دوران میں اس نے بتایا کہ آئی مین ڈیفنس کے علاقے سے نکل کر بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی۔ سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کر ڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن ہمارے پاس تھی اور ہم اس سے مفید معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ ان حالات میں جلال نے امریکیوں کے ساتھ ایک غیر رسمی بے ضابطہ میٹنگ کا پروگرام بنایا۔ میں نے بھی اس میں شرکت کی۔ ابتدائی طور پر ان کے تیور جارحانہ تھے مگر ہماری بچی اور مبنی برحقیقت باتوں نے اس کے کس بل نکال دیے اور وہ مفاہمت پر مجبور ہوگئے۔ کیلی سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کردیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے یہ ساری تفصیل اپنے ساتھیوں کو بتائی تو ویرا نے نیا نکتہ نکال لیا۔ اس کا موقف تھا کہ کیلی بائرن ہمیں نہایت صفائی سے بے وقوف بنا گئی ہے وہ کیلی کی کسی بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے جلال سے رابطہ کرکے اسے ویرا کے خدشات سے آگاہ کیا تو اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بک بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ وہ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر کر واپس چلی گئیں۔ رات گئے اس اطلاع نے مجھے پوری طرح چوکس کردیا تھا۔ اول خان کوئی قدم اٹھانے میں متذبذب تھا۔ میں اس کی مدد کے لیے گھر سے روانہ ہوگیا۔ ویرا میرے ساتھ تھی۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی تا ٹین عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ ہم اس کے بعد اندھیرے میں تھے۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کرلیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اوہ خدایا! یہ کیا ہو گیا۔" ہمارے پیچھے سے غزالہ کی سہمی ہوئی اور تحیرزدہ آواز ابھری۔ تواتر سے بجنے والی گھنٹیوں سے متجسس ہو کر وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی اور اول خان کی خون آلود آستین پر نظر پڑتے ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اول خان نے حوصلہ مندی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بس ایک گولی بازو کی جلد کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس معمولی خراش سے اتنا زیادہ خون کیسے بہہ نکلا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ غزالہ کی دل جوئی کے لیے جھوٹ بول رہا تھا مگر میں نے اس کی تردید کرنے کی ضرورت نہیں

سمجھی۔ گولی کا وہ زخم معمولی ہوتا تو وہ اضطراب کے عالم میں بار بار ہماری ڈور بیل ہرگز نہ بجاتا۔ سکون سے ایک بار بٹن دبا کر جواب کا انتظار کرتا۔

اپنے دشمنوں کے خلاف مہمات میں کئی بار ہم لوگوں نے زخم کھائے تھے اور اپنا خون بہایا تھا۔ یہ ہم پانچوں کے مقدر کی یاوری تھی کہ اپنے خون آشام اور درندہ صفت دشمنوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ہم سب نہ صرف زندہ تھے بلکہ کسی تکلیف دہ معذوری کے شکار بھی نہیں ہوئے تھے۔ اول خان کا وہ خون آلود زخم تازہ تھا اس لیے سب کی توجہ اسی پر مرکوز ہوگئی۔ ویرا نے کسی پیشہ ور اور جابر نرس کے سے انداز میں اول خان کی ہر بات سنی ان سنی کر کے اسے زبردستی ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر لٹا دیا۔

اول خان پر پہلی نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا تھا کہ اسے وہ زخم کیسے آیا' وہ کس کی چلائی ہوئی گولی کا شکار ہوا تھا مگر وہ اس وقت ان سوالات کا نہیں تھا۔ اس وقت اول خان کے بازو کے زخم کی دیکھ بھال اور فوری طبی امداد کی فراہمی ہر سوال پر مقدم تھی۔

ویرا نے آستین اتارنے کے چکر میں پڑے بغیر خون آلود کپڑا کاٹ کر اول خان کا داہنا بازو برہنہ کر دیا۔ گولی اس کے بازو کی جلد اور گوشت کو پھاڑتی ہوئی گزری تھی۔ گولی ذرا اوپر لگی ہوتی تو اس کے شانے اور بازو کے جوڑ کی ہڈی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

زخم کے اردگرد جگہ کو انگلیوں سے اچھی طرح دبانے اور ٹٹولنے کے بعد جب ویرا اور غزالہ کو اطمینان ہو گیا کہ گولی زخم میں موجود نہیں تھی تو انہوں نے ڈیٹول کی مدد سے زخم کی صفائی کر کے اس کی ڈریسنگ کر دی اور اول خان صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں اس ہمدردی کے لیے تمہارا ممنون ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن اس چکر میں تم نے مجھے کارٹون بنا دیا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے برہنہ ہاتھ اور ڈریسنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس حالت میں لی ہوئی میری سادہ سی تصویر بھی بہترین کارٹون کا انعام جیت سکتی ہے۔"

"یہ ہوا کیسے؟ تم پر گولی کس نے چلائی؟" دیر سے اٹکا ہوا سوال آخر زبان پر آ گیا۔

"میں سڑک پر اپنی توجہ مرکوز کیے' ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ اچانک میرے اس بازو میں آگ سی بھر گئی۔ وہ بے آواز فائر تھا۔ بوکھلاہٹ کی وجہ سے میں کسی طرف دھیان نہیں دے سکا۔ بس اتنا دیکھ سکا کہ گہرے نیلے رنگ کی ایک کار بہت تیزی کے ساتھ میرے برابر سے گزر کر آگے نکلتی چلی گئی۔ اس وقت آغا خان اسپتال والی سڑک خالی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ مجھ پر اسی نیلی کار سے گولی چلائی گئی تھی۔" اول خان نے مزے لے لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہنسو نہیں' یہ بہت سنگین واقعہ ہے۔" ویرا تشویش سے بولی "نامعلوم حملہ آور نے تمہارے بازو کا نہیں کھوپڑی یا گردن کا نشانہ لیا ہوگا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ تم بال بال بچ گئے۔ تم نے بوکھلاہٹ کے باوجود کار چلانے والے کو تو دیکھا ہوگا۔"

"مہلت ہی نہیں ملی اس کی رفتار بہت تیز تھی میں ناگہانی طور پر اسٹیئرنگ پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ مجھے عجلت میں بریک لگا کر اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا پڑی۔ اتنی دیر میں وہ گاڑی بہت تیزی سے دور نکل چکی تھی۔" اس نے بتایا۔

"تم نے کچھ تو دیکھا ہوگا وہ کون تھا۔ کوئی مقامی تھا یا میرا کوئی ہم وطن کار چلا رہا تھا۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"وہ کوئی مقامی ہی رہا ہوگا۔" اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس کی چمڑی سفید ہوتی تو یہ بات لاشعوری طور پر میرے ذہن میں کہیں نہ کہیں اٹک جاتی۔"

"مقامی کون ہو سکتا ہے؟" غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی "اس وقت ہمارے سارے حریف غیر ملکی بلکہ امریکی ہیں۔"

تم را والوں کو فراموش کر رہی ہو۔" ویرا نے یاد دلایا "ان دنوں وہ بھی امریکیوں کی مدد کر رہے ہیں۔"

"آپ ذرا سی دیر پہلے کہانی کے پھیل جانے کی بات کر رہے تھے۔" غزالہ کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔

"ہاں.... اب تو تم میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے بھی پی چکے ہو۔" ویرا نے اس کا ساتھ دیا "اپنی کتھا سناؤ تاکہ ساری کڑیاں یک جا ہو سکیں۔ واقعات نے پھیلاؤ اختیار کیا ہے تو پھر کہیں سے کوئی نہ کوئی سراغ بھی مل سکتا ہے۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ یہ ریڈ الرٹ کا کیا چکر چل پڑا ہے؟" اول خان نے اپنی تکلیف کو بھول کر پوچھا۔

میں نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی ابتدا معمولی سی تھی۔ میری اور جلال کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات ضرور سامنے آتی تھی اور جب اس روز کے واقعات سامنے آنے شروع ہوئے تو حیرت سے ان چاروں کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

وہ سب اس قدر پُرتجسس تھے کہ ان لوگوں کے لیے

خاموش رہنا محال تھا مگر میں نے سختی کے ساتھ انہیں اپنی گفتگو میں مداخلت سے روک دیا۔

میں نے شہر میں ہنگامی حالات کے اعلان سے محکمہ داخلہ کے انکار کی تفصیل بتاتے ہوئے اپنی بات ختم کی تو ویرا نے پوچھا "شاید تمہاری بات مکمل ہو چکی ہے۔ اب ہمیں سوالات کرنے کی اجازت مل جانی چاہیے۔ حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہو گیا اور ہم بے خبر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے سگریٹ سلگائی اور اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے اسے مزید بولنے کی اجازت دے دی۔

"چوپڑا اور وجے' دونوں جلال کی قید میں ہیں۔ وہ ان سے بازپرس بھی کر چکا تھا پھر اس نے ایم ففٹی کی تلاش کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"تمہارا یہ سوال نہایت احمقانہ ہے۔ اس کا جواب جلال دے سکتا ہے...."

"اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔" اول خان نے میری بات کاٹ کر وضاحت کی "وجے نے جلال کو اپنے ایم ففٹی کی تلفی کے بارے میں بتایا اور جلال نے فرض کر لیا کہ وہ حساس مواصلاتی آلہ تباہ یا غائب ہو چکا ہو گا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی یہی رائے قائم کرتا کہ ایم ففٹی میرے ہاتھ نہیں آ سکے گا۔"

"میرا خیال ہے یہ بالکل غیر متعلقہ سوال ہے۔" غزالہ بولی۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر ٹیڑھی بات ڈینی کو ہی کیوں سوجھتی ہے۔" ویرا کی آواز پر بدمزگی کا عنصر غالب تھا "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر شخص اپنی دکان سجائے صرف ڈینی کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ یہ وہاں جاتا ہے اور اپنی پسند کی چیز چن لیتا ہے جو اتفاق سے اہم ترین ہوتی ہے۔"

"اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا "سراغ موجود تھا۔ جلال نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے وہاں پہنچنے کے بعد کام کو آگے بڑھایا اور کامیابی حاصل کر لی۔ تم کو اس سے حسد کرنے کے بجائے اس کی کامیابی اور حاضر دماغی پر رشک کرنا چاہیے۔"

"برنس روڈ کا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں ہر وقت میلے اور گندے ہیروئنچیوں کی بھرمار رہتی ہے۔ دکانوں کے باہر رکھا ہوا سامان تک ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہتا۔ نظر بچتی ہے اور وہ کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کر لے بھاگتے ہیں اور اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے اسے اونے پونے بیچ دیتے ہیں۔ وہاں نالے میں پھینکا ہوا قیمتی ٹرانسمٹر کیسے مل سکتا تھا!" ویرا بولی۔

"یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔ ٹرانسمٹر کا ملنا یا نہ ملنا بعد کی بات ہے۔ تمہارا پہلا سوال یہ تھا کہ جلال نے اس ٹرانسمٹر کو اہمیت کیوں نہیں دی۔" سلطان کا لہجہ قدرے جارحانہ اور اشتعال انگیز تھا۔ وہ ویرا سے پوچھ رہا تھا "تمہیں پہلے کس سوال کا جواب درکار ہے۔"

"تم جو چاہو' بکتے رہو۔ میرے لیے یہ دونوں باتیں ناقابلِ فہم ہیں۔"

"کھوپڑی پر بالوں کا غیر ضروری بوجھ عقل کو کند کر دیتا ہے۔" وہ غزالہ کو آنکھ مار کر بولا "عورتوں کے بال بڑے ہوتے ہیں اسی لیے وہ کم عقل قرار دی جاتی ہیں۔ سر پر استرا چلوا لو۔ ہر بات خود بخود تمہارے سامنے واضح ہو جائے گی۔"

"زیادہ بک بک کرو گے تو میں ہاتھ مار دوں گی۔" ویرا غرائی "میں تم سے بات نہیں کر رہی۔ تم خاموش رہو۔"

"بات حیرت ناک ضرور ہے مگر خوش کن ہے۔" اول خان نے معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے دخل اندازی کی "ہر بات پر ہر شخص کا ردِعمل مختلف ہوتا ہے اور نتائج کا انحصار اسی ردِعمل پر ہوتا ہے۔ جلال نے وجے سے ایک بات سنی اور اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے اسی بات کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا اور پیش قدمی کر کے حیران کن نتائج حاصل کر لیے۔ یہ بنیادی نکتہ ہے مگر اس سے زیادہ اہمیت بعد کے حقائق کی ہے۔ آئی مین سے را کے آدمیوں کا براہِ راست رابطہ تشویشناک ہے۔"

"ہمیں چوپڑا کا سر کچل دینا چاہیے۔ را کے چاروں ایجنٹ اسی کے پالے ہوئے ہیں۔" ویرا پہلو بدل کر بولی۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔" اول خان نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ سارے ناگ اسی کے پالے ہوئے ہیں۔ جب تک وہ زندہ ہے' زندگی کی امید میں کچھ نہ کچھ اگلتا رہے گا۔ اسے مار کر ہم اپنی معلومات کے ایک اہم ذریعے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ تمہاری سوچ غلط ہے۔"

"اگر انہوں نے کراچی میں تین دھماکے کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تو کیا ہو گا؟" ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

"ان کی کارکردگی کا چوپڑا کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ براہِ راست بن ڈیوڈ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کو روکنے کے لیے شہر میں ریڈ الرٹ کا نفاذ کیا جا چکا ہے۔ یہاں آتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس والوں کی گاڑیوں کی غیر معمولی تعداد میں سڑک پر دیکھی ہے۔

یہاں آنے کے بعد پتا چلا کہ ان کی نقل و حرکت کا سبب ریڈ الرٹ کا نفاذ ہے۔"

"وہ را کے گھاگ دہشت گرد ہیں۔ نامساعد حالات میں بھی اپنا کام کر سکتے ہیں۔ اگر ریڈیو اور ٹیلی وژن پر ہنگامی حالات کے نفاذ کا کھلا کھلا اعلان کر دیا جاتا تو وہ تینوں پکڑے جانے کے خوف سے اپنی کمین گاہوں سے نکلنے کی ہمت نہ کر پاتے۔"

"ڈینی نے تمہارے سامنے محکمہ داخلہ والوں کی سوچ بتا دی ہے۔ ان کا فیصلہ صحیح ہے۔"

"شہر کی افراتفری ایک دو روز میں معمول پر آسکتی ہے لیکن دشمنوں کا نشانہ بننے والے کبھی واپس نہیں آسکیں گے۔" ویرا بولی۔

"تم اس وقت الجھی ہوئی ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو۔ اس وقت بھی ان کا باہر نکلنا مشکل ہے۔" اول خان نے کہا۔

"تم کیوں گھنے بنے بیٹھے ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟" ویرا لاجواب ہو کر میرے اوپر برس پڑی۔

"جو کچھ ہوا' صحیح ہوا ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے بجائے سنجیدگی سے جواب دیا "اب ہمیں بہتری کی امید کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے۔"

میں نے اسے مطمئن کرنے کی پوری اور مخلصانہ کوشش کی تھی مگر اندر سے میں خود مضطرب تھا۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ کچوکے لگا رہا تھا کہ را کے ایجنٹ عام آدمی نہیں تھے۔ حالات کی غیر معمولی تبدیلی سے ایک عام آدمی ڈر کر اپنی راہ تبدیل کر سکتا ہے لیکن را کے تجربے کار ایجنٹوں کو محض پولیس کے اضافی گشت سے خوف زدہ کر کے مشن کی انجام دہی سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ وہ پاکستان کی سرزمین پر بھارتی عزائم کے حصول کے لیے بھیجے گئے تھے تو ان کا دلیر' ذہین اور سفّاک ہونا ضروری تھا۔ ایسے لوگ معمولی رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر اپنا کام کر گزرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ میں ایک عام سا شہری تھا۔ عینی شاہد ہونے کی بنا پر میں ایسے معاملات پر اپنی کوئی بھی رائے قائم کرنے کے لیے آزاد تھا مگر اپنی رائے کے نفاذ کی قانونی طاقت سے یکسر محروم تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ محکمہ داخلہ والوں نے جلال کے ذریعے بھیجی جانے والی میری تجویز پر اپنی جس سوچی سمجھی رائے کا اظہار کیا تھا' وہ اپنی جگہ اٹل تھی۔ وہ شہری یا شاید صوبائی انتظامیہ کے سرکردہ افسر تھے' شہری نظم و نسق کو چلانے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں ویرا کی ہم نوائی کرنے کے بجائے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا۔

میں نے ایم ففٹی اپریٹس پر را کے ایجنٹ اور آئی مین کی جو گفتگو سنی تھی اس سے بہرحال یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ را والے اپنے تحفظ کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔ وہ پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھا رہے تھے۔ ان میں سے کسی سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ شہر میں دن دیہاڑے کوئی واردات کرنے کی کوشش کرے گا۔

میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے آئی مین سے اسی دن تینوں بم استعمال کرنے کا وعدہ کر لیا تھا تو وہ اپنا دامن بچا کر ان بموں کو کہیں نہ کہیں چلا دیتے۔ را والے نے پُرہجوم علاقے سے فرار میں مشکل کا ذکر کر کے پہلے ہی پیش بندی کر لی تھی۔ ان سب نکات کی روشنی میں کچھ یوں نظر آ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد را والے کسی بھی سنسان علاقے میں کسی اِکا دُکا گاڑی یا راہ گیر پر بم پھینک کر آئی مین کے حکم کی تعمیل کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ معاملہ ان کے تحفظ کے ساتھ حکم کی تعمیل کا بھی تھا۔

رات ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ اس سے پہلے پانچ بجے والا مرحلہ درپیش تھا۔ جب وجے کے بیان کے مطابق اس کے بقیہ تینوں ساتھیوں کو باہمی مشاورت کے لیے فریر ہال کے لان پر ملنا تھا۔ چوپڑا کی گرفتاری کے نتیجے میں ہوٹل سے فرار ہونے کے بعد وہ چاروں شہر میں آزادانہ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ان کا باہمی رابطہ منقطع تھا۔ یہ وجے کی بدقسمتی تھی کہ وہ آئی بی والوں کے ہاتھ آ چکا تھا۔ بظاہر یہ امکان غالب تھا کہ را کے بقیہ تین ایجنٹ نئے حالات کی روشنی میں اپنی حکمتِ عملی طے کرنے کے لیے اس شام فریر ہال میں ضرور آئیں گے۔

پانچ بجے کے لیے جلال پوری طرح تیار تھا۔ میں صرف امید ہی کر سکتا تھا کہ را کے تینوں ایجنٹ شہر میں کوئی کارروائی

کرنے سے پہلے آئی بی کی ٹیم کے ہاتھوں پکڑے جائیں گے۔
وہ چاروں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر کار ویرا نے مجھے ٹوکا "کیا بات ہے۔ تم کس سوچ میں کھوئے ہوئے ہو؟"
"اندیشے ستا رہے ہیں۔ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ شہر میں آج کی رات کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" میں نے جواب دیا۔
"میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ رات خیریت سے گزرے گی۔" اول خان نے کہا "اور را کے باقی تینوں ایجنٹوں کا انجام برا ہوگا۔ ایم ففٹی ان کی شامت بن کر تمہارے ہاتھ آیا ہے۔ ہم لوگ ان کی ہر سازش سے پیشگی آگاہی حاصل کر سکیں گے۔"
"یہ سب کیا دھرا تمہارا تھا پھر وہ اپرٹیس جلال کے پاس کیوں ہے؟" ویرا نے پوچھا۔
"وہ ان کی گفتگو سن کر اپنے اختیار سے اہم فیصلے کر سکتا ہے۔ وہ اسی کی تحویل میں بہتر ہے۔"
"یہ ضروری نہیں کہ وہ اپرٹیس پر سنی جانے والی ہر بات سے تمہیں مطلع کرتا رہے۔"
"قطعی ضروری نہیں۔ پھر بھی وہ اہم باتیں ضرور بتائے گا۔"
"آئی مین نے گپ شپ لڑانے کے لیے وہ فوجی اپرٹیس انہیں نہیں بانٹے ہوں گے۔" ویرا منہ بنا کر بولی "اس پر صرف اہم باتیں ہی کی جاتی ہوں گی۔"
اس بار میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس وقت ویرا چڑچڑی ہو رہی ہو۔
کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں خاموشی رہی۔ ہر ایک اپنے اپنے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ پہلے غزالہ اٹھ کر گئی پھر ویرا بھی کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اپنے مزاج کی بحالی کے لیے اسے الکحل کی خوراک کی ضرورت تھی۔
"ابھی تک سی نائین کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں آئی۔" طویل توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔
"میرے آدمی ڈیفنس کے مختلف علاقوں میں اس نمبر کی سات عمارتوں کی دیکھ بھال کر چکے ہیں۔ کہیں سے کوئی مشتبہ رپورٹ نہیں ملی۔" اس نے بتایا۔
"اس بارے میں ڈونلڈ کا بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ جلد یا بدیر، بن اسی نمبر کی کسی عمارت سے ملے گا۔"
"کوششیں جاری ہیں۔ آئی بی والے بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ شام تک کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے آ جانا چاہیے۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "سب کچھ شام کے لیے جمع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے لیے آج کا دن گزارنا مشکل ہو جائے گا۔"
اول خان اچانک اٹھ گیا "میں چلتا ہوں۔ چار بجے تک واپس لوٹ آؤں گا۔"
"تھوڑی دیر کے لیے جا کر کیا کرو گے۔ یہیں میرے کمرے میں لیٹ کر آرام کر لو!" سلطان شاہ نے اسے پیش کش کی۔
"بازو کا زخم سطحی سا ہے لیکن اب اس میں درد شروع ہو گیا ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے بتایا "میں ابھی جا کر درد کو ماؤف کرنے والا کوئی انجکشن لگواؤں گا تاکہ پانچ بجے کی مہم میں آسانی سے شریک ہو سکوں۔"
"پھر تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔" میں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا "ڈرائیونگ سے زخم میں شروع ہونے والا درد بڑھے گا۔ سلطان شاہ تمہیں لے جائے گا۔"
"بچوں جیسی بات نہ کرو۔ درد بہت زیادہ نہیں ہے۔ میں بس احتیاط کرنا چاہ رہا ہوں۔"
شاید اس کی بات درست رہی ہو۔ وہ اکیلا جانے پر مصر تھا مگر اس کی ایک نہ چلی اور میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔
چاروں طرف سے مکمل فرصت میسر آنے پر میں صوفے پر ہی دراز ہو گیا۔
آئی مین، سی نائین، ڈونلڈ اور را کے تین ایجنٹوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا ذہن جہانگیر کی طرف بھٹک گیا۔ اپنے بھلے دنوں میں وہ بہت چست و چالاک اور حاضر جواب ہوا کرتا تھا لیکن پھر میری وجہ سے شی کے خون آشام شکاری اس کی بو پر لگ گئے۔ ان کے خوف سے جہانگیر نے کافی عرصہ روپوشی کی زندگی بسر کی اور دنیا سے کٹ کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ اس کی کل کائنات اس کے گھر اور اس کی بیوی کی ذات تک سمٹ کر رہ گئی۔
اس گوشہ نشینی نے جہانگیر کو ذہنی اور اعصابی طور پر بڑی حد تک ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے کی اپنی فطری صلاحیت کھو چکا تھا۔ اس کے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ حالات کی ذرا سی گڑبڑ سے بُری طرح بوکھلا جاتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی شراب نوشی کی عادت نے پوری کر دی تھی۔

میری اور اس کی دوستی ہمیشہ سے اتنی مثالی رہی تھی کہ میرے دوستوں اور دشمنوں تک کو اس کا علم تھا۔ جن دنوں شی اور ویرا سے میرا تصادم چل رہا تھا' ویرا اور اس کے نمک خواروں نے مجھ تک رسائی کے چکر میں کئی بار اسے اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ تازہ ترین صورت احوال یہ تھی کہ بن ڈیوڈ نے میرے ہاتھوں پے درپے زک اٹھانے کے بعد جھلا کر را کے ایک آدمی کو جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کر دیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ گولڈن فارمیسی کے مالک جائیداد سے پڑوسی دکان داروں تک کسی کو جہانگیر کے گھر کا علم نہیں تھا۔ را کا آدمی آسانی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا مگر پھر بھی مجھے اس کی طرف سے ڈبکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اپنی کسی غلطی سے کوئی مصیبت مول نہ لے بیٹھے۔

گھر کے لیے عورتوں کی خریداری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت سے گھروں کا سودا سلف عورتیں ہی لاتی ہیں مگر اس روز مجھے جہانگیر کی زبانی یہ سن کر حیرانی ہوئی تھی کہ اس کے لیے شراب بھی سلمٰی خرید کر لانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بات پھر ثابت ہوئی کہ دنیا کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو' بہت مختصر سی ہے۔

بن ڈیوڈ یا آئی مین نے مقامی طور پر جن لوگوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں' ان میں خالد کا نام سرفہرست تھا۔ بن ڈیوڈ اسی کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے کے لیے گولڈن فارمیسی کے نواح میں آیا تھا۔ خالد ہی نے اس روز کے لیے کلفٹن کی میڈم فرزانہ کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ اس کا کام بہت محدود اور مختصر سا تھا لیکن بعد میں اس کا کردار بہت اہم ثابت ہوا تھا۔ وہ میڈم فرزانہ ہی تھی جس کے ذریعے ہم خالد اور پھر اس کی نشان دہی پر فالکن ہاؤس پہنچے تھے۔

یہ عجیب حسن اتفاق تھا کہ سلمٰی اسی میڈم فرزانہ کے اڈے سے جہانگیر کے لیے شراب لاتی تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کو یتیم خانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ اس نے خالد اور فرزانہ کو وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ ان دونوں کی اس قدر سخت گوشمالی کی گئی تھی کہ ان کے دوبارہ کسی چکر میں ملوث ہونے کے بہت کم امکانات رہ گئے تھے۔

خالد اپنی جان کے بارے میں بدترین خوف میں مبتلا تھا۔ وہ آئی مین کا قصہ تمام ہونے تک اول خان کی محفوظ تحویل میں رہنے پر مصر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسٹیشن فور سے رہائی پانے کے بعد اس نے بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کیا ہو گا بلکہ آئی مین کی دسترس سے بچنے کے لیے کہیں روپوش ہو گیا ہو گا۔ وہ منظرِ عام پر ہوتا تو میڈم فرزانہ جہانگیر کے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔

سوا چار بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئے۔ اول خان کے بشرے پر اضمحلال کے بجائے تازگی نظر آ رہی تھی۔

گفتگو کے دوران میں ہر ایک کو اندازہ ہو چکا تھا کہ فریر ہال کے لیے صرف میرا اور اول خان کا جانا کافی تھا۔ ہمیں دور رہ کر تماشا دیکھنا تھا۔ باقی کام آئی بی والوں کے ذمے تھا۔

ہم چار بجے گھر سے روانہ ہوئے تو ویرا سمیت' تینوں نے ہمیں خوش دلی سے رخصت کیا۔ کسی کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں تھی۔

شہر سے آنے والے راستوں پر اس وقت بہت بھیڑ بھاڑ تھی لیکن اس طرف جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کا رش نہیں تھا۔ اول خان مہارت اور تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا' مقررہ وقت سے پہلے فریر ہال پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ انجکشن لینے کے بعد اس کے بازو کا درد بہت کم ہو چکا تھا۔ وہ خود ہی گاڑی چلانے پر مصر تھا۔

گاڑی سے اترتے ہی میری نظر غیر ارادی طور پر امریکی قونصل خانے کی طرف اٹھ گئی۔ اس وقت تک حفاظتی وجوہ کی بنا پر احاطے کے آہنی جنگلے کو کنکریٹ کی اونچی دیوار سے تبدیل کیا جا چکا تھا۔ بظاہر وہ وسیع و عریض عمارت سکون اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ' فٹ پاتھ پر ریت کی بوریوں سے بنے ہوئے مورچوں کے قریب پولیس کے مسلح جوان مستعدی سے کھڑے ہوئے تھے۔ باہر سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ باہر کی نگرانی کے لیے عمارت کے کن حصوں میں خفیہ کیمرے نصب کیے گئے تھے یا مسلح کمانڈوز کو کہاں مامور کیا گیا تھا۔

اگر اس وقت بھی کمانڈوز اپنی ڈیوٹی پر تھے تو وہ چھت پر بنی ہوئی دیوار کے پیچھے پوشیدہ تھے۔ سڑک یا سبزہ زار سے ان کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"کہاں کھو گئے؟" اول خان نے میرے پہلو میں کہنی مار کر مجھے چونکا دیا "اتنے غور سے ادھر مت دیکھو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کیمرا تم کو زُوم اِن کر لے۔"

میں فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں فریر ہال کے سرسبز لان میں داخل ہو چکے تھے۔

وہ لان بہت خوبصورت اور وسیع و عریض تھا۔ وہاں لوگوں کی خاصی تعداد تھی لیکن خانہ دار لوگوں کے ساتھ آنے والی خواتین اور بچوں کی گہما گہمی شروع نہیں ہوئی تھی۔ پیش قدمی کے ساتھ نظر دوڑاتے ہوئے میں نے دور سے جلال کو دیکھ لیا۔

وہ دو آدمیوں کے ساتھ پھولوں کی ایک کیاری کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس شام معاملہ را کے تین ایجنٹوں کو گھیرنے کا تھا۔ اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ آئی بی کی مزید نفری وہیں کہیں موجود ہوگی۔ پھر جلال نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ہمارے درمیان دور ہی سے نظروں کا تبادلہ ہوا اور پھر مجھے وجے نظر آگیا۔ وہ جلال کی ٹولی سے دس گیارہ گز دور، گھاس پر اکیلا لیٹا ہوا تھا۔

ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی... یہ را کے ان تینوں ایجنٹوں کے نام تھے جو اس وقت شہر میں آزاد پھر رہے تھے اور آئی مین کے ایما پر اسی رات شہر میں دہشت گردی کی کوئی کارروائی کر گزرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کو گھیرنے کے لیے جلال نے راجو کو چارہ بنایا تھا۔

اول خان نے بھی جلال کو تاڑ لیا تھا، اس نے راجو کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں اسے راجو کے بارے میں بتا دیا پھر ہم دونوں ایک ایسی جگہ جم گئے جہاں سے ہمیں دونوں حریف صاف نظر آرہے تھے۔ میں نے یہ احتیاط بہرحال ملحوظ رکھی تھی کہ راجو کی نظر مجھ پر نہ پڑنے پائے۔

گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی رہیں۔ درمیان میں خاصا فاصلہ حائل ہونے کے باوجود میں جلال کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"یہاں رفتہ رفتہ لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔" اول خان پر تشویش لہجے میں بولا "اگر آپس میں مقابلے کی نوبت آگئی تو یہاں خاصا جانی نقصان ہوگا۔"

"مجبوری تھی۔" میں نے کہا "اس مقام کا انتخاب جلال نے نہیں کیا۔ انہوں نے یہاں ملنے کا پروگرام پہلے سے طے کیا ہوا تھا۔"

"تمہارے درمیان کوئی بات تو ہوئی ہو گی کہ مقابلے سے بچ کر انہیں کیسے پکڑا جائے گا۔" اول خان بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار افسر ہے اور اپنے سینے میں مجھ سے زیادہ دردمند دل رکھتا ہے۔ میں اس کی حکمت عملی میں غیر ضروری طور پر دخل انداز ہونے کی کوشش کرتا تو ہمارے درمیان بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے ہر پہلو پر غور کر لیا ہوگا۔"

ٹھیک پانچ بجے وجے گھاس پر سے اٹھا اور پھرتی سے اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز بالکل نارمل تھا۔ دور سے دیکھنے پر قطعی یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کسی کی آمد کا انتظار تھا۔ جلال اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ بدستور سرسبز گھاس پر بیٹھا ہوا تھا۔

بمشکل چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ کسی سمت سے قمیص پتلون میں ملبوس، چھریرے بدن والا ایک چاق و چوبند شخص تیزی سے بڑھتا ہوا وجے کی طرف آیا۔ دونوں نے سرسری انداز میں ہاتھ ملائے اور کھڑے کھڑے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی بنا پر، ان پر کسی قسم کا شبہ کیا جاتا۔

ان دونوں کے یک جا ہوتے میرے دل کی دھڑکنیں یکایک تیز ہو چکی تھیں آئی بی والوں نے را کے ایک ایجنٹ کو پکڑا ہوا تھا۔ اس وقت دوسرا خود ہی سامنے آچکا تھا۔

"یہ بالکل عام سا آدمی ہے۔" میرے کانوں میں اول خان کی دھیمی آواز آئی "خدوخال اور چال ڈھال سے یہیں کا شہری معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگوں میں گھل مل جائے تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی غیر ملکی ایجنسی کا ایجنٹ ہے۔"

"پانچ بجے اس کا وجے سے ملنا اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ یہ را کا آدمی ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ جلدی سے بولا "یہ ہمارے شکار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی تک ان کے بقیہ دو ساتھی نہیں آئے۔"

"ابھی وقت ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی آ جائیں تو ان چاروں کا قصہ نمٹ جائے گا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ جسے خطرہ درپیش ہوا، وہ غائب ہو جائے گا۔" اس نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

"وجے نے یہی بتایا تھا۔ اپنے اس پروگرام کے مطابق وہ پہلے یہاں مل چکے ہیں۔"

"دونوں اتنے اطمینان سے کھڑے باتیں کر رہے ہیں، جیسے انہیں کسی اور کی فکر نہ ہو۔ یہ کب تک یوں کھڑے رہیں گے؟"

"شاید تم بھول گئے کہ ان لوگوں نے اتفاقات اور حادثات کی رعایت رکھتے ہوئے پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ یہ دونوں کم از کم ساڑھے پانچ بجے تک یوں ہی وقت گزارنے کی کوشش کریں گے۔ تھک گئے تو خود ہی گھاس پر بیٹھ جائیں گے۔"

"اوہ... اوہ... دیکھو! وہ کیا ہو رہا ہے!" اچانک اول خان کے ہونٹوں سے اضطراری آواز برآمد ہوئی۔

وہ اول خان کا اضطراری اور بے ساختہ ردِ عمل تھا ورنہ

میں اس وقت ہمہ تن ان ہی دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ آپس میں باتیں کرتے کرتے اچانک وجے نے وہاں چلنے کی کوشش کی تھی لیکن نووارد نے لپک کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا جیسے وجے کو زبردستی وہاں روکنا چاہ رہا ہو۔

ہم ان کی آوازیں سننے سے قاصر تھے لیکن ان کی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی بات پر ان کے درمیان تلخ کلامی کا آغاز ہو چکا تھا۔ وجے اس ملاقات کو اسی وقت ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کا ساتھی اسے اپنے پاس روکنے پر تلا ہوا تھا۔

وہ عجیب و غریب صورت حال تھی۔ واقعہ اس کے الٹ ہوا ہوتا تو ضرور قابل فہم ہوتا۔ وجے کو ہر حال میں ساڑھے پانچ بجے تک وہیں رکنا چاہیے تھا تاکہ آخری لمحات پر وہاں پہنچنے والا اس کا کوئی ساتھی بھی آسانی سے اس تک پہنچ سکے۔ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے آئی بی والے انہیں گھیرے میں لے کر پکڑ لیتے اور کھیل ختم ہو جاتا۔

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ بات کچھ بگڑ گئی ہے۔" اول خان نے اشتباہ آمیز لہجے میں بات شروع کی "وجے زخمی ہے۔ شاید وہ اپنے ساتھی کو مطمئن نہیں کر سکا کہ وہ کیسے زخمی ہوا۔ ان دونوں کے درمیان شبہات جنم لے چکے ہیں اور وجے اپنے ساتھی کی کسی بات پر ناراض ہو کر وہاں سے بھاگنا چاہ رہا ہے مگر ساتھی نے اسے روک لیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے ابھی تک وجے کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ وجے اس سے زبردستی ہاتھ چھڑا کر بھاگا تو تماشا بن جائے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وجے سنک گیا ہے جب اسے ساڑھے پانچ بجے تک وہاں رکنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ بھاگنے پر کیوں تلا ہوا ہے۔ اسے اندازہ نہیں ہے کہ جلال کی حکم عدولی کی صورت میں اسے کیسے عذاب سے گزرنا پڑے گا۔ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" اول خان بدلتی ہوئی صورتِ حال سے خاصا ناخوش تھا۔

"بظاہر وجے نے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں۔ نووارد نے اس کا ہاتھ بدستور پکڑا ہوا ہے۔ وجے نے ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور نہیں لگایا۔"

"اجنبی بھاگتا اور وجے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیتا تو یہ بات سمجھ میں آجاتی۔ یہاں تو معاملہ الٹا ہے۔ آخر کیوں؟"

"یہ لاکھ روپے کا سوال ہے۔" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ درپیش حالات نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

پھر ان دونوں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ بات میرے مشاہدے سے نہیں بچ سکی کہ نووارد وجے کو اپنی مرضی کی سمت میں لے جا رہا تھا۔

"شاید ان دونوں کے درمیان تکرار بڑھ گئی ہے۔ اجنبی بھیڑ بھاڑ سے نکل جانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اور دیکھو، جلال نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔" اول خان نے عجلت سے کہا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ نووارد کو وجے پر شبہ ہو چکا تھا۔ وہ وجے سے زیادہ چالاک تھا۔ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ وجے کو مار کر زخمی کرنے والے، اسے چارہ بنا کر اس کے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اسے وہاں لائے تھے۔ ایک بار وجے سے ملنے کے بعد وہ اس جال میں پھنس چکا تھا۔ اگر وہ وجے کو چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرتا تو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ وجے کو اپنا یرغمالی بنا کر ساڑھے پانچ سے پہلے وہاں سے نکل جائے۔ اگر کوئی اس کی راہ روکنے کی کوشش کرتا تو وہ وجے کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔

یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ جلال کی حکمت عملی کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹ آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ان کے درمیان محاذ آرائی کی جو صورتِ حال رونما ہو چکی تھی اسے دیکھ لینے کے بعد را کا تیسرا اور چوتھا ایجنٹ ان دونوں کے سایوں کے قریب بھی نہ پھٹکتا۔

لان کے قدرے سنسان حصے میں پہنچنے کے بعد ان دونوں کے درمیان کشمکش تیز ہو گئی۔ وجے باقاعدہ مزاحمت پر تل گیا تھا۔ اچانک نووارد نے وجے کا ہاتھ چھوڑا۔۔۔ اور پوری قوت سے اس کے منہ پر مکا رسید کر دیا۔ وجے ایک کریہہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ فضا میں وہ چیخ دور تک گونجی اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔

پھر جلال نے یکایک اپنا پستول نکال لیا اور دوڑتے ہوئے نووارد کو للکار بیٹھا۔

نووارد اپنے گرد کستے ہوئے جس جال کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا آخری پھندا اس کی شہ رگ تک پہنچ چکا تھا۔ بس اس کے ہاتھوں نے جنبش کی اور پوری فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

ہر طرف قیامت کا سماں برپا ہو گیا۔ جائے واردات سیاہ اور کثیف دھوئیں میں گھر گئی ہر شخص اس سے دور بھاگ رہا تھا مگر میں نے اول خان کے ساتھ اس طرف دوڑ لگا دی۔

دونوں کو جلال کی فکر تھی جو دھماکے کے وقت را کے دونوں ایجنٹوں سے خاصا قریب تھا۔

دھویں کا بل کھاتا ہوا آسیبی بادل' انگڑائیاں لیتا ہوا فضا میں پھیل رہا تھا۔ پھر دھویں سے پہلے ہمیں جلال نظر آ گیا۔ دھماکے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہوا کے شدید جھونکے نے اس کے بال منتشر کر دیے تھے۔ وہ اپنا پستول والا ہاتھ اپنے پہلو پر لٹکائے' حسرت بھری نظروں سے دھویں کے بادل کو دیکھے جا رہا تھا۔

ہمارے ساتھ آئی بی کے کم و بیش آٹھ دس آدمی مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہ سب مسلح تھے۔

"مجھے یہی ڈر تھا۔" میری صورت پر نظر پڑتے ہی جلال مایوسانہ آواز میں بولا "ان کی کشمکش دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ وجے کو بھی لے مرے گا۔"

ہمارے سامنے نووارد کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ شاید شہر میں دھماکا کرنے کے لیے اپنے لباس میں بم چھپا کر لایا تھا جسے اس نے نکالے بغیر چلا دیا۔ اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ اس کی قمیص ایک قریبی جھاڑی پر جھول رہی تھی جس میں اس کا ایک لہولہان بازو پھنسا رہ گیا تھا۔ وہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ وجے بھی اس کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کی سالم لاش گھاس پر پڑی ہوئی تھی مگر جگہ جگہ سے داغ دار ہو چکی تھی۔ بم سے اڑنے والے مہلک ٹکڑوں نے اس کے پورے بدن میں گہرے زخم ڈال دیے تھے۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ناکام ہو گئے تھے۔ بہت سی پیش بندیوں کے باوجود شہر میں بم کا ایک دھماکا ہو چکا تھا۔ را کے دو دہشت گرد اپنے مزید بموں کے ساتھ شہر میں آزاد گھوم رہے تھے اور ہم ان کے نام و نشان تک سے بے خبر تھے۔

ذرا سی دیر میں فریر ہال خالی ہو چکا تھا۔ وہ حساس علاقہ تھا اس لیے آناً فاناً میں پولیس کی نفری بھی جائے واردات پر پہنچنا شروع ہو گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا کوئی شہری اس دھماکے کی زد میں نہیں آیا۔" جلال نے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔ "افسوس یہ ہے کہ وہ دونوں ہمارے ساتھ آتے آتے رہ گئے۔"

"سر! انہیں وقت مل گیا۔" اس کے ماتحتوں میں سے کسی نے کہا "ہم ان پر ذرا پہلے ہاتھ ڈال دیتے تو وہ پکڑے جاتے!"

"نو... باری صاحب نو!" جلال نے سختی سے اس کی تردید کی "بھاگنے سے پہلے وہ بھیڑ میں تھے۔ آپ نے سنا نہیں کہ دھماکا کتنا شدید تھا۔ خطرہ سر پر دیکھ کر اسے یہی کرنا تھا۔ اپنے ساتھ وہ نہ جانے اور کتنے لوگوں کو اڑا دیتا۔"

"تم رکو گے یا ہمارے ساتھ چلو گے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت' دھیمی آواز میں جلال سے پوچھا۔

"یہ میرا آپریشن تھا' مجھے رکنا ہوگا۔" اس کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"ایم ففٹی مجھے دے دو۔ شاید میں بقیہ دو دھماکے ٹال سکوں۔" میں نے سرگوشی کی۔

اس نے بس لمحہ بھر کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی جیب سے را والوں کا ٹرانسمیٹر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

اس کے ماتحتوں میں چند چہرے میرے شناسا تھے' بیشتر اجنبی تھے۔ وہ سب رشک اور حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہم دونوں جلال سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے تو پولیس سمیت کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شہر کے ہر سطح کے انتظامی حلقوں میں جلال کی ذات معروف تھی۔

بم دھماکے کی وجہ سے اس پورے علاقے میں بھگدڑ اور افراتفری کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ دفاتر اور دکانوں کو تالے لگ گئے تھے۔ دھماکے کا اصل مجرم خود موت کی آغوش میں پہنچ چکا تھا جس کا جلال عینی شاہد تھا اس لیے کہیں کسی کو روکنے یا ناکا بندی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

اول خان نے اپنی گاڑی فریر پارک کے پارکنگ ایریا سے نکالی اور تیزی سے واپس گلشن اقبال کی طرف روانہ ہو گیا۔

"ایم ففٹی' تم کس لیے لائے ہو؟" سڑک پر نکل آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اس پر صرف ایک آدمی سے براہِ راست بات کی جا سکتی ہے۔ میں بن ڈیوڈ سے بات کروں گا۔"

میرا جواب سن کر اول خان خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

بم دھماکے کی آواز شہر کے بارونق مرکزی علاقے میں بہت دور تک سنی گئی تھی جس کے نتیجے میں ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ جا بجا لوگ ٹولیوں کی صورت میں جمع تھے اور ایک دوسرے سے استفسار کے ساتھ شاید رائے زنی بھی کرتے جا رہے تھے۔ ہم کہیں رکے بغیر

سیدھے نکلتے چلے گئے۔
"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ لمبی ڈرائیونگ سے تمہارے بازو میں دوبارہ درد شروع ہوجائے گا۔ گاڑی مجھے دے دو۔" میں نے ایک مرتبہ پھر اسے ٹوکا۔
"مجھے بار بار یاد نہ دلاؤ کہ میرا بازو زخمی ہے۔ اب میں اس زخم کو بھول چکا ہوں اور بہت بہتر محسوس کررہا ہوں۔" اس نے ٹکا سا جواب دے کر مجھے خاموش کردیا۔
اس وقت جو کچھ رونما ہوا وہ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ حادثے میں کوئی مقامی ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔ مارے جانے والے دونوں افراد را کے چھٹے ہوئے ایجنٹ تھے۔ مجھے قلق صرف اس بات کا تھا کہ ہمیں دوسرے ایجنٹ پر اپنی طبع آزمائی کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ حد یہ تھی کہ ہمیں اس کا نام تک نہیں معلوم ہوسکا تھا۔
اول خان نے مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر گاڑی حسن اسکوائر سے داہنی طرف موڑلی۔
میرے لیے اول خان کی ذات مثالی تھی۔ وہ اپنی ذات' گھربار اور بال بچوں کی پروا کیے بغیر دن رات کام میں لگا رہتا تھا۔ شاید اس کی بیوی بھی حالات سے یہ سوچ کر سمجھوتا کر چکی تھی کہ وہ قوم کی خدمت کے مشن میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ ان گردنوں تک پہنچ جاتے تھے جہاں قانون کی سولی نہیں پہنچ سکتی تھی۔
گھر کے آخری موڑ پر گاڑی گھومنے کے بعد میں نے اول خان نے پوچھا "تم نے اپنی گھر والی کو زخم کے بارے میں بتادیا ہے۔"
وہ فراخ دلی سے ہنسا پھر بولا "میں نے اس بے چاری پر پہلے ہی گھر کے سارے کام کاج لادے ہوئے ہیں۔ بچوں کے اسکول کے مسائل سے بھی اسی کو نمٹنا پڑتا ہے۔ پھر میں اس کی پریشانیوں میں بلاوجہ کیوں اضافہ کروں۔ کوئی ہڈی وڈی ٹوٹ گئی ہوتی تو مجبور ہوکر اسے بتانا پڑتا۔ اب کیا ضرورت ہے۔" وہ پھر ہنسا اور اپنی بات دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔ "میری تو پوری کوشش ہوگی کہ اسے زخم کی ہوا تک نہ لگے۔ وہ شوہر کی ذرا سی پریشانی پر بہت زیادہ پریشان ہوجانے والی بہترین بیوی ہے۔"
"یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آخر کو وہ تمہاری بیوی ہے اسے کسی طرح پتا چل گیا کہ تمہارے بازو میں گولی لگی ہے تو وہ تم سے ناراض ہوجائے گی۔ ایسی رازداریاں آپس میں بے اعتمادی کو جنم دیتی ہیں اور گھریلو زندگی خراب ہونی شروع ہوجاتی ہے۔"

ثبوت

پہلوان جی چھٹی منزل سے گرنے کے بعد اسپتال میں تھے۔ ان کا ایک پڑوسی عیادت کے لیے پہنچا۔ انہیں سر سے پاؤں تک پٹیوں میں لپٹا اور بے حس وحرکت لیٹا دیکھ کر پڑوسی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "پہلوان جی! کیا آپ مرچکے ہیں؟"
"ہاں" پٹیوں میں سے آواز آئی۔
پڑوسی گہرا سانس لے کر بولا "پہلوان جی! آپ تو بڑے جھوٹے آدمی ہیں... بول رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں مرچکا ہوں۔"
"میرے مرنے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو.... اگر میں زندہ ہوتا تو تم میرے منہ پر مجھے جھوٹا کہہ سکتے تھے؟" پہلوان جی کی تکلیف زدہ آواز سنائی دی۔

تعاقب

انسپکٹر کرم داد ایک روز ڈیوٹی پر روانہ ہونے کے لیے تھانے سے نکلے تو ان کے سامنے سے ایک ٹیکسی سست رفتاری سے گزررہی تھی۔ وہ اچھل کر اس کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے بولے "یہ جو تمہارے آگے آگے دوسری ٹیکسی جارہی ہے اس کا پیچھا کرو... یہ مجھے مشکوک لگتی ہے۔"
"مجھے تو ہر حال میں اس کا پیچھا ہی کرنا ہے صاحب جی!" ڈرائیور نے عاجزی سے کہا "وہی ٹیکسی تو میری ٹیکسی کو ٹو کرکے لے جارہی ہے۔"

"ان باتوں پر مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ میں تم سے سینئر ہوں اور ازدواجی زندگی کے سارے رموز سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

گاڑی گھر کے سامنے رک چکی تھی۔ وہ انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔

وہ را کے ایجنٹوں کو گھیرنے کا معاملہ تھا۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ ہم اتنی جلدی گھر لوٹ آئیں گے۔ اس لیے تینوں بے فکری سے ڈرائنگ روم میں تاش کی بازی جمائے بیٹھے تھے۔ ویرا شاید ہار رہی تھی ہمیں دیکھتے ہی اس نے پتے ملا دیے اور سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

"کتنے آدمی ہاتھ آئے۔" ویرا نے شوخی سے سوال کیا۔

"ایک بھی نہیں۔" اول خان نے منہ بنا کر مایوسی سے جواب دیا "جو ہاتھ آیا ہوا تھا وہ بھی صاف نکل گیا۔"

"نہیں۔" ویرا نے بے اعتباری سے کہا اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"اول خان کو تم سے مذاق کرنے کی عادت نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا ہوا ... کیسے ہوا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ بتا کیوں نہیں دیتے۔" غزالہ نے مجھ سے فرمائش کی "کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے مگر آپ دونوں اسے گھما پھرا کر بتا رہے ہیں۔"

"تین میں سے صرف ایک شکار آیا تھا۔ شبہ ہو جانے پر اس نے اپنے لباس میں موجود بم سے اپنے ساتھ وجے کو بھی اڑا دیا۔" اول خان نے بتایا۔

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" ویرا اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولی "جو ہاتھ آیا ہوا تھا، وہ بھی مارا گیا۔ ان دونوں کے ساتھ کوئی اور تو زخمی نہیں ہوا۔"

ہم دونوں نے دور سے جو مشاہدہ کیا تھا وہ دہرا دیا۔ اس سے زیادہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتیں سننے والا کوئی تیسرا نہیں تھا۔ اپنی باتیں اپنے سینے میں لے کر وہ دونوں جہنم واصل ہو چکے تھے۔

"یہ واقعی چوک ہو گئی۔ اگر تشدد سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا تو یہ بات سوچنے والی تھی۔" ویرا بولی۔

"پہلے سے یہ بات ہمارے سامنے نہیں تھی کہ اسے کسی اور کے سامنے جانا پڑے گا۔" اس کی تواضع فراخ دلی سے کی گئی تھی۔ ایم ففٹی والی گفتگو آج اچانک سامنے آئی اور ہم نے محض ایک امید میں وجے کو وہاں لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔" میں نے کہا۔

"ان دونوں سے کوئی چوک نہیں ہوئی جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "پہلے را کا ایک ایجنٹ آئی بی کی تحویل میں تھا آج دو مارے گئے ان کا خون کسی کی گردن پر نہیں ہے۔ وہ آپس کی باتوں کی بنا پر خودکشی کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ ناکامی نہیں، بہت بڑی کامیابی ہے کہ ایک وقت میں دو فتنوں کا صفایا ہو گیا۔"

"ہا... آں!" ویرا نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا "یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اب ان میں سے صرف دو درندے آزاد رہ گئے ہیں۔"

"اس وقت کا تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ریڈ الرٹ کا اعلان ان کے عزائم پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا "آئی مین کی ہدایت کے مطابق آج بقیہ دو دھماکے ہونے کا قوی امکان نظر آ رہا ہے۔ میں اس وقت یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ نووارد ایجنٹ کو وجے پر شبہ نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا۔ اگر وہ بم اس پارک میں تاک کر استعمال کیا گیا ہوتا تو نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ شہری خاک اور خون میں نہا گئے ہوتے۔"

"یہ تصور ہی لرزہ خیز ہے۔" ویرا پھریری لے کر بولی۔ "اس لحاظ سے تو جو کچھ ہوا، اچھا ہی ہوا۔"

"میں نے اختصار کے ساتھ یہی بات کہنے کی کوشش کی تھی۔" اول خان نے وضاحت کی "جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔ اس پر پچھتانا بے سود ہے۔"

"بقیہ دو ایجنٹوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ویرا نے اس بار براہِ راست مجھ سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ دونوں بھی فریر ہال پہنچے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ملنے کا منظر دیکھا اور وہی نتائج اخذ کیے جو ہم اخذ کر رہے تھے۔ ان کے پاس ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یکجا ہونے کے بجائے کچھ انتظار کرنے کا فیصلہ کیا ہو گا۔ یوں وہ رہ گئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ چاروں اکٹھے ہو جاتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

کم از کم خودکش بم دھماکا نہ ہوا ہوتا۔" ویرا نے اپنی رائے دی "وہ صرف دو تھے اس لیے نئے آنے والے کو اپنے فیصلے پر عمل کر گزرنے کی آزادی حاصل تھی۔ ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو شدید ترین اختلافات رائے پیدا ہونے کے باوجود بم دھماکے کی نوبت نہ آتی۔"

"اپنی مرضی سے مرنا بہت مشکل کام ہے۔" غزالہ بولی۔

"آج دھماکا کرنے والا کچھ زیادہ ہی نڈر تھا جو متوقع گرفتاری سے بچنے کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا ورنہ اب تک کے تجربات یہی بتاتے ہیں کہ بھارتیوں کو اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار ہوتا ہے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں' زندہ رہنے کے لیے ہر سودے بازی کر گزرتے ہیں۔"

"چاروں کے یک جا ہونے کی صورت میں یہی ذہنیت کام دکھاتی۔" میں نے اس کی تائید کی "ہو سکتا ہے کہ وہ آپس میں لڑ مرتے۔"

"وہ اکٹھے نہیں ہوئے۔ دو بم کے ساتھ اڑ گئے۔ دو آزاد ہیں۔ اب تمہیں کیا صورت بنتی ہوئی نظر آرہی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بھگدڑ کی آڑ لے کر وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے۔ اس وقت وہ آئی مین کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فریر پارک کا دھماکا آئی مین کی مرضی کے مطابق نہیں تھا۔ وہ بڑے پیمانے پر پاکستانیوں کا خون بہانا چاہتا ہے۔ اس دھماکے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوا' ہو سکتا ہے کہ وہ بقیہ دونوں ایجنٹ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔" میں نے اپنا تجزیہ ان چاروں کے سامنے پیش کر دیا۔

"کیا ہم ان کی راہ روک سکتے ہیں؟" ویرا نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم..." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میری جیب میں پڑے ہوئے ایم ففٹی ایرپیس پر کال سگنل آرہا تھا۔

میں نے پھرتی سے تھرتھراتا ہوا ایرپیس جیب سے نکال کر آن کر دیا۔

"سر! میں نمبر ٹو بول رہا ہوں۔" ایرپیس آن ہوتے ہی فضا میں ایک شناسا سا آواز گونجنے لگی۔ اول خان کے سوا بقیہ تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس وقت تک انہیں یہ بتانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ہم جلال سے ایم ففٹی ایرپیس لے آئے تھے۔

"ابھی سوا پانچ بجے ون اور تھری اپنے ہی کیے ہوئے دھماکے میں مارے گئے۔" نمبر ٹو نے اپنی بات مکمل کی۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ ان کے ساتھ اور کتنے لوگ مارے گئے؟" بن ڈیوڈ کی آواز زخم کھائے ہوئے سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔

"ابھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ شاید کچھ لوگ زخمی ہوئے ہوں۔"

"تم ان دونوں کی موت کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟" بن ڈیوڈ اس اطلاع پر بری طرح بھنّایا ہوا تھا۔

میں نے وہ افسوس ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" نمبر ٹو کی آواز میں مردنی رچی ہوئی تھی۔

"تم ڈفر ہو۔ جب چاروں الگ الگ روپوش ہو تو پھر سب کو ایک جگہ جمع ہونے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ برہم ہو گیا۔

"بس اتفاق تھا۔ وہ دونوں کسی ضرورت کے تحت ایک دوسرے سے ملے تھے' میں ان سے دور تھا۔"

"میں نے کہا تھا کہ ایک دوسرے سے دور اور بے خبر رہو۔" بن ڈیوڈ غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا "کوئی ایک مصیبت میں پڑے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی نہ لے ڈوبے۔ اس وقت ایک دوسرے سے دوری تمہارے اپنے مفاد میں تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ دونوں یک جا ہوئے اور موت انہیں نگل گئی۔ پتا نہیں تم انڈینز اتنے بے وقوف کیوں ہوتے ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے بھارتیوں کے لیے اجتماعی طور پر ایک نارو الفظ استعمال کیا تھا۔ وہ ایک متعصب گورا تھا۔ اس کے دل میں ایشیائیوں کے خلاف عناد ہونا تعجب انگیز نہیں تھا۔

"ہم دو رہ گئے ہیں۔ اب پوری احتیاط کریں گے۔ وہ نمبر ٹو کا جواب تھا۔ اس نے یہ بات سرے سے گول کر دی تھی کہ روزانہ شام پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان فریر پارک میں ملنا ان کا پہلے سے طے شدہ پروگرام تھا۔ اسی کے تحت نمبر ون اور تھری وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" بن ڈیوڈ کی آواز سے برہمی اور بیزاری مترشح تھی۔

"شہر میں ریڈ الرٹ ہے۔ پولیس کا گشت بڑھا ہوا ہے پھر بھی ہم اپنا کام کریں گے۔"

"نمبر فور! کیا تم سن رہے ہو؟" بن نے تیسرے آدمی کو پہلی بار مخاطب کیا۔

"یس سر! تمہاری ہدایت کے مطابق میرا ایرپیس ہر وقت فعال رہتا ہے۔ میں اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

ان کے درمیان گفتگو سمٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت ان کی گفتگو میں مداخلت کر کے نمبر ٹو اور فور کی مکاری کا بھانڈا پھوڑ دوں مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی

کردیا۔ باہمی مشورے کے بغیر اب کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ ایم فففی کے ذریعے میں جب چاہتا' بن سے رابطہ کرسکتا تھا۔

"یہ پتا چلا کہ نمبر تھری مرنے سے پہلے کہاں مرا ہوا تھا؟"

"نو سر! میں نے بتایا نا کہ میں دور تھا۔ نمبرون نے اس بارے میں ضرور اس سے کچھ نہ کچھ پوچھا ہوگا۔ وہ میرے علم میں نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہوا کہ ان دونوں نے خود کو اڑالیا۔ صرف نمبر ون بم سے لیس تھا۔ یہ کام وہی کرسکتا تھا۔"

"ہوسکتا ہے اس نے کوئی سنگین خطرہ بھانپ لیا ہو۔ وہ بہت بڑے دل گردے کا مالک تھا۔ اس نے موت کو اپنی گرفتاری پر ترجیح دی۔"

"تو کیا کچھ لوگوں نے ان دونوں کو گھیرنے کی کوشش کی تھی؟" بن نے تعجب سے پوچھا۔

"میں دور کا تماشائی تھا۔ میرے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آسکی۔" نمبر ٹو کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔

"بات کچھ کچھ صاف ہورہی ہے۔" بن کی خیال انگیز آواز ابھری "نمبر تھری غائب تھا۔ شاید نمبرون کو شبہ ہوا ہوگا کہ وہ پکڑے جانے کے بعد کسی پاکستانی ایجنسی کا ٹاؤٹ بن چکا ہے اور اسے بھی مروا دے گا۔ پاکستان والے را کے ایجنٹوں کا بہت برا حشر کرتے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھ نمبر تھری کو بھی اڑا دیا۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہی ہوا ہو۔" نمبر ٹو کی آواز محتاط تھی اس نے آئی مین کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ دھماکے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔

"میں شرط لگاسکتا ہوں کہ یہی ہوا ہوگا۔ کوئی بھی آسانی سے موت کو گلے نہیں لگاتا۔" اس بار بن کا لہجہ پریقین تھا "اب تم دونوں بہت محتاط رہو۔ پورے شہر کا بوجھ تمہارے کندھوں پر آچکا ہے۔ کل میں تمہیں نئی کھیپ کے بارے میں بتاؤں گا کہ وہ کہاں اور کیسے ملے گی۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں نے آج کے واقعے سے بہت بڑا سبق سیکھا ہے۔"

"اوکے۔ اوور اینڈ آل۔" بن ڈیوڈ کی طرف سے گفتگو کے خاتمے کا اعلان کردیا گیا۔

میں نے ایرپیس کی آواز بند کردی اور اس پر رہ جانے والا ہلکا سا ریڈیائی شور معدوم ہوگیا۔

"نمبر ٹو غلط بیانی کررہا تھا۔ تم کو دخل انداز ہونے کا بہترین موقع حاصل تھا۔" اول خان بولا "حیرت ہے کہ تم خاموش رہے۔"

"ایرپیس کے ذریعے میں ہروقت دخل اندازی کرسکتا ہوں۔ مجھے یہ خیال آگیا کہ آج کے چکر میں پکڑ کر ہم لمبی مصیبت اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ بن سفید فام امریکی ہے۔ وہ اپنے مسکن سے نکل کر میدان میں نہیں اتر سکتا۔ را والے اس کے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ انہیں کاٹنا ضروری ہے۔"

"کاٹنے کے بجائے تم انہیں ایک دوسرے سے بدظن بھی کرسکتے ہو۔ بن ڈیوڈ ان سے بھڑک جائے تو ان کے درمیان خلیج پیدا ہوجائے گی۔"

"تلخی پیدا ہوسکتی ہے' خلیج پیدا نہیں ہوگی۔" ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "بن اچھی طرح جانتا ہے کہ مقامیوں یا بھارتیوں کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں نہیں جما سکتا۔"

"میری دانست میں اس وقت میرا دخل انداز نہ ہونا ہی سب سے بہتر تھا۔" میں نے جواب دیا "را کے باقی رہ جانے والے دونوں آدمی صرف بن کے معاون نہیں۔ ہمارے بڑے مجرم ہیں۔ ان کا پکڑا جانا ضروری ہے جب تک وہ آزاد رہیں گے' کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہیں گے۔"

"اس وقت دخل انداز نہ ہوکر تم نے کون سا مقصد حاصل کرلیا؟" ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

"ابھی تک ہم سایوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں ان کی صورتوں سے شناسائی ہے نہ ہم ان کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ میں دخل اندازی کرتا تو وہ باہمی رابطوں کے لیے ایرپیس کا استعمال ترک کردیتے۔۔۔"

"کردیتے۔ اس سے بن کو بڑا نقصان ہوتا۔ پہلے وہ چوپڑا کو استعمال کررہا تھا۔ اب چوپڑا اندر ہے۔ وہ بھرے شہر میں ان دونوں کو کہاں تلاش کرتا۔" ویرا میری بات کاٹ کر بولی۔

"یہ صورت چند دنوں سے زیادہ برقرار نہ رہتی۔ وہ شہر کے آوارہ گردیا جرائم پیشہ نہیں ہیں جو زیرزمین چلے جائیں تو ان تک رسائی ناممکن ہوجائے گی۔ وہ را کے ایجنٹ ہیں۔ چوپڑا کے بعد اپنے قونصل خانے میں کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوں گے۔ بن زیادہ دیر تک پریشان نہیں رہے گا۔ اس درمیانی رابطے کے ذریعے وہ دوبارہ را والوں تک رسائی حاصل کرلے گا۔ ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔"

"پھر تم اب کیا کرو گے؟" میرا جواب سن کر ویرا نے پوچھا۔

"یہ اتفاق ہے کہ ابھی ابھی بن نے ان دونوں کو کسی نئی کھیپ کے بارے میں بتایا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے

بے ساختہ میری تائید کرتے ہوئے کہا "اس نے انہیں آج اپنے بم استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد ان کے تباہ کن ہتھیار ختم ہوجائیں گے۔ کل وہ یقیناً انہیں نئے ہتھیاروں کے بارے میں کچھ بتائے گا۔"

"ہدایات فون یا اپرٹیس پر دی جاسکتی ہیں۔ ہتھیاروں کی وصولی کے لیے دونوں طرف کے کچھ افراد کو موجود ہونا ہوگا۔ ہم نے مناسب منصوبہ بندی اور تیاری کے ساتھ اس وقت کارروائی کی تو ہم نسبتاً بڑی کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ آج کے لیے بس دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"نمبر ٹو نے پہلے ہی اپنی کمزوری ظاہر کردی ہے کہ شہر میں ریڈ الرٹ ہے۔ موت دنیا کی بہت بھیانک حقیقت ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے دو ساتھیوں کے چیتھڑے اڑتے دیکھے ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ دھماکے ہوئے بھی تو زیادہ تباہ کن نہیں ہوں گے۔" ویرا بھی میری ہم خیال ہوگئی۔

"میں اپنا تبصرہ واپس لیتا ہوں۔" اول خان مسکراتے ہوئے بولا "تمہارے فیصلے دور رس اور درست ہوتے ہیں۔"

"ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اول خان پر گولی کس نے چلائی تھی۔" غزالہ نے ایک اہم سوال اٹھایا۔

وہ واقعی ایک معما تھا۔ ایک بات بہرحال صاف ہوچکی تھی کہ اول خان پر کیے جانے والے ناکام قاتلانہ حملے میں آئی مین اور اس کے چاروں بھارتی معاونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔ وجہ ہماری قید میں تھا ٹیم کے بقیہ ارکان میں سے کوئی اس حملے میں ملوث ہوتا تو اپرٹیس میں ہونے والی گفتگو میں اس کا کوئی نہ کوئی ذکر ضرور ہوتا۔

"اس وقت میدان میں ہمارا وہی ایک حریف تھا۔ جس نے دو چہرے اپنا ہوئے تھے۔ ایک چہرہ بن ڈیوڈ کا تھا دوسرا نک اور ٹام کی ٹیم کا تھا۔ اندر سے وہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے مگر ظاہری طور پر نک نے بن سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کیا ہوا تھا۔

ہم چاروں پس پردہ رہ کر ایک مدت سے کام کرتے چلے آرہے تھے۔ ہمارے بارے میں صرف ہمارے دشمن ہی کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ عام لوگوں کو ہمارے بارے میں کوئی علم نہیں تھا لیکن جلال اور اول خان کی بات بہت مختلف تھی۔

وہ دونوں ایک تسلسل کے ساتھ اپنی ذمے داریاں نبھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں بہت سے لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچے تھے۔ ان ہی میں کوئی ایسا کینہ پرور شخص بھی ہوسکتا تھا جس نے کبھی اول خان کے ہاتھوں کوئی زک اٹھائی ہو اور بدلہ لینے کے لیے اسی روز اول خان پر حملہ کر بیٹھا ہو۔ شہر میں

اول خان کے ہاتھوں پٹے ہوئے ایسے کسی شخص کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

"شہر میں میرے پچاس دشمن ہوں گے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہی بات کہہ دی جو میرے دل میں تھی "ان میں سے کوئی بھی گیدڑ ایسا اوچھا وار کرسکتا ہے۔۔۔۔ میں تو بس اس بات پر اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ وہ شخص اپنے ارادے میں ناکام رہا اور مجھے اپنی قوم کی خدمت کے لیے مزید زندگی مل گئی۔"

"عام طور پر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ نہ جانے کتنے لوگ پولیس والوں کے ذریعے مجرموں کے کٹہرے میں جاتے ہیں اور عدالتوں سے سزایاب ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے مغلوب الغضب لوگ بھی ہوتے ہیں جو فیصلے سن کر لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر قید میں گزارا ہوا وقت ان کے سارے کس بل نکال دیتا ہے۔ اگر بدلہ لینے کے لیے ایسا جنگل کا قانون چل پڑے تو پولیس افسروں اور منصفوں کے لیے معاشرے میں اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہوجائے۔"

اول خان کا جواب سن کر غزالہ نے ایک لمبی چوڑی جذباتی تقریر کرڈالی۔

"تم مہذب معاشروں کی بات کررہے ہو۔ ہم نیم مہذب معاشرے میں رہ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"کولمبیا اور جنوبی امریکا کے کئی اور ملک مہذب گنے جاتے ہیں لیکن وہاں ججوں اور پولیس والوں کی زندگیاں ہر وقت خطرے میں رہتی ہیں۔" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر کہا "جج آئے دن مارے جاتے ہیں۔ مجرم کبھی ہاتھوں میں نہیں آتے" شاید اب یہاں بھی یہی ہونے والا ہے۔"

"وہ ملک مہذب ضرور ہیں مگر وہاں ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ ان کا بجٹ قومی بجٹ سے بڑا ہوتا ہے۔ پیسے کے بل پر وہ ہر ایک کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے ہاتھوں بکنے سے انکار کردے' بے رحمی سے مار دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔" اول خان نے نرمی سے اس کی تردید کی۔

"تم جو چاہو کہہ لو مگر اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ امریکی ایجنسیاں ڈرگ مافیا سے کم نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اول خان سے کہا "یہ جس ملک میں اپنے پنجے گاڑ دیتی ہیں وہاں امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔"

"یہ صرف ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں ان کو حسبِ منشا سرکاری تعاون نہیں ملتا۔" ویرا بولی۔

"ہم [illegible] کرتی ہیں۔ ان سے پورا پورا

تعاون کرتے ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لیے یہاں قانون کی بساط لپیٹ دی جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" غزالہ نے اعتراض کیا۔

"تم لوگ بلاوجہ بحث کر رہے ہو۔ ساری لڑائی ڈینی اور ویرا کے لیے ہے۔" اول خان نے بات سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی انتظامیہ تم دونوں کی بھرپور پشت پناہی کرتی ہے جس دن تم دونوں کو پابند سلاسل کر کے ان کے حضور پیش کر دیا گیا۔ سارے تنازعات ختم ہو جائیں گے۔"

"یہ بات اتنی سی ہے تو میں اسی وقت خود کو ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ویرا نے پیش کش کی "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مجھے امریکا لے جانے کے بعد وہ یہاں اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ ختم کر دیں گے۔"

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ بھارت کے ساتھ اپنی دوستی نبھانے کے لیے ہمارے خلاف نئی محاذ آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔ جب کچھ بھی نہیں رہتا تو ہماری ایٹمی استعداد اور تنصیبات کا نقارہ پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ انڈیا سے اڑائی جانے والی را کی فائلوں کی کہانیاں ہوش ربا ہیں۔" اول خان بولا۔

"کیا ان فائلوں کے اندراجات سامنے آ گئے ہیں۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کبھی سامنے نہیں آئیں گے۔ سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں میں بہت سی سچائیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ وہ کچھ کم نہیں ہیں۔"

"ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ بات تمہارے اوپر ہونے والے فائر کی ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ۔ مناسب وقت آنے پر یہ عقدہ بھی کھل جائے گا۔" اول خان کو اس موضوع میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی "اس وقت ہمارا ہدف آئی مین ہے۔ ہماری پوری توجہ اس پر مرکوز رہنی چاہیے۔"

چائے وغیرہ پینے کے بعد اول خان چلا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی تھی کہ اس کے بازو کا زخم اسے زیادہ نہیں ستا رہا تھا۔

فرصت میسر آئی تو انتظار کی کوفت شروع ہو گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال فریر پارک والے قضیئے سے نمٹتے ہی مجھ سے رابطہ کرے گا۔ جہانگیر کے بارے میں میری تشویش کم ہو چکی تھی۔ آئی مین نے را کے جس آدمی کو جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کیا تھا' وہ اپنے ہی چلائے ہوئے بم کا نشانہ بن چکا تھا۔ فوری طور پر آئی مین کی نفری نصف رہ گئی تھی۔ وہ نمبرون کی جگہ کسی اور کو مقرر نہیں کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے نک کو چھیڑنے کا ارادہ کر لیا۔

گھر کا نمبر مل جانے پر فون اسی نے اٹھایا تھا۔

"میں کرنل داور بول رہا ہوں۔" اس کی آواز پہچان کر میں نے اپنی پچھلی گفتگو کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"ابتدائی پسندیدگی کے بعد سے میں تمہیں ناپسند کرنے لگا ہوں۔ سرکاری دفتروں میں' میں جس سے بات کرتا ہوں وہ بے خبر نکلتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ تم اپنے ساتھ دوسروں کی سرگرمیوں پر بھی گہری نظر رکھتے ہو۔ یہ اچھا ہے کہ تم مجھے فون کر لیتے ہو۔" اس کی طرف سے ایک طویل جواب ملا۔

"یہی کچھ میرا بھی حال ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے چکر دینے کی کوشش کرتے ہو پھر بھی تم سے بات کر کے مجھے سکون ملتا ہے کیونکہ تم ذہین آدمی ہو۔"

"سب سے پہلے جلال کا شکریہ ادا کر دینا۔ آج مجھے کیلی کا پاسپورٹ واپس مل گیا۔ کل وہ پروفیسر ڈونلڈ کے ساتھ امریکا چلی جائے گی۔"

"شاید امریکا میں ڈونلڈ کی درگت بنائی جائے گی کہ اس نے آئی بی والوں کے سامنے خفیہ باتیں کیوں اگل دیں۔"

"یہ ہمارا وتیرہ نہیں ہے۔ ہم اپنے پڑھے لکھے شہریوں سے کام لیتے ہیں تو ان کی عزت اور تکریم بھی کرتے ہیں۔ ان کو ذلیل نہیں کرتے۔ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔ کوئی شکایت نہیں کی مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ تم نے اسے ہراساں کیا ہوگا۔"

"مائی ڈیئر نک! تم یہ بات بھول رہے ہو کہ وہ ہمارا نہیں' تمہارا شہری ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو تم امریکا میں موجود' اس قماش کے کسی پاکستانی شہری کے ساتھ کرتے۔ تھوڑے سے تشدد کے بغیر شرفا بھی اپنی زبان نہیں کھولتے۔"

"جب اسے تم سے شکایت نہیں ہے تو میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا ہے۔"

"تم کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ تمہارے قونصل خانے کے سامنے والے پارک میں کچھ دیر قبل ایک بم پھٹا ہے۔"

"مجھے خبر مل چکی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس واقعے میں صرف دو افراد مارے گئے ہیں اور کوئی زخمی نہیں ہوا۔" اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا "بھیڑ بھاڑ والے مقامات پر رونما ہونے والے واقعات میں لوگوں کی کثیر تعداد ہلاک اور زخمی ہوتی ہے۔"

"مرنے والوں میں سے ایک کے لباس میں بم پوشیدہ تھا۔" میں نے اسے بتایا کیونکہ یہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔
"تو کیا اس وقت تم وہیں موجود تھے؟" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔
"میرے اپنے وسائل ہیں۔" میں نے اسے گول مول سا جواب دیا "یہ اطلاع مصدقہ ہے۔"
"خود کش بم دھماکے زیادہ جان لیوا ہوتے ہیں۔ اسرائیل میں ایسے حملوں میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد دو ہندسوں سے کبھی کم نہیں ہوتی۔"
"اسرائیل کا درد ہر امریکی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔"
"طنز کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف موازنے کے لیے یہ مثال دی تھی۔"
"میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم امریکیوں کو مظلومیت کی ہر مثال بھی اسرائیل میں ملتی ہے۔"
"اسرائیل خود کش حملوں کا بہترین نشانہ ہے۔ وہاں آئے دن ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ تم بلاوجہ میری بات کو بدمزگی کی راہ پر لے جا رہے ہو۔"
"اسرائیل پر تنقید سے تمہاری طبیعت بدمزہ ہو رہی ہے تو کچھ اور بات کرتے ہیں۔"
"میں نہیں مان سکتا کہ اس وقت تم نے مجھے بلا سبب فون کیا ہوگا۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
"تم نے کہا تھا کہ مقابلہ جاری رہنا چاہیے۔ تم ویرا اور ڈینی کی تلاش میں لگے رہو گے۔ ہم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہیں۔"
"تو کیا تم نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا؟" اس نے سوال کیا۔
"ہم کسی بھی وقت اس تک پہنچ جائیں گے۔ اگر تم نے اسے جعلی پاسپورٹ پر یہاں سے نہ نکالا تو وہ پکڑا جائے گا۔"
"وہ اپنے طور پر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں جعل سازی میں اس کی مدد نہیں کروں گا۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ اس کے چکر میں اب تک کئی مقامی پکڑے جا چکے ہیں۔"
"اس حد تک باخبر رہنا میرا فرض ہے۔ ان میں تمہارا اہم ترین ملزم کوئی چوپڑا ہے جو بمبئی کا شہری ہے مگر بدقسمتی سے ہندو اور مزید بدقسمتی سے بھارتی قونصل خانے کا ملازم ہے۔ اسے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے تم کراچی سے نکال کر اندرون سندھ لے گئے ہو۔"
"تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ اس گونگے نے اب بولنا شروع کر دیا ہے۔"
"پھر تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔
"اسے نہیں معلوم کہ آئی مین کا اصل نام کیا ہے مگر اس نے یہ بتایا ہے کہ را کے آدمی آئی مین کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔"
"اگر تمہیں اس کی بکواس پر یقین ہے تو سب کو پکڑو اور ان کی گردنیں اڑا دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہاں کا قانون ویسے ہی اسپیشل ٹاسک فورس والوں پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ تم ہر طرف سے پوری طرح آزاد ہو۔ اچھا ہے کہ تمہارے بیشتر مسائل نمٹ جائیں گے۔"
"آئی مین یہاں یہ گند پھیلا رہا ہے تو تمہیں ضرور اس کا علم ہوگا۔"
"میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ آئی مین یا بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں جرائم میں ملوث ہے تو اسے تلاش کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔ ہم کہیں آڑے نہیں آئیں گے۔ اپنی ان کوششوں میں بھول کر بھی ہماری سفارتی عمارات کا رخ نہ کرنا۔ تم کو معلوم ہے کہ اب وہاں حفاظتی انتظامات کا کیا لیول ہے۔"
"تم اقرار کر چکے ہو کہ پچھلی رات بن تمہارے قونصل خانے میں تھا اور بکتر بند گاڑی میں تمہارے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔" زچ ہو کر میں ایک پرانی بات دہرانے پر مجبور ہو گیا۔
"اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں نے اسے راستے میں اتار دیا تھا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مفروضوں اور غلط سمت میں اپنا سر نہ کھپاؤ۔ تھک جاؤ گے۔"
"شاید تم ہماری فورس کے اول خان سے واقف ہو!"
"میرے لیے یہ نام نیا نہیں ہے۔ اکثر سنتا رہتا ہوں اور شاید اس سے مل بھی چکا ہوں۔" اس کی آواز میں بے نیازی رچی ہوئی تھی۔
"آج سہ پہر اس پر ایک چلتی کار سے قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔"
"تو یہ کہو کہ تمہیں اس حملہ آور کی تلاش ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہاں اس کے پچاسیوں دشمن ہوں گے۔"
"وہ کہیں راہ دیتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تھک ہار کر کہا "ٹھیک ہے نک! پھر کسی وقت بات ہوگی۔"
میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ فریر پارک میں مرنے والے آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ مناسب وقت پر اسے وہ بات اخبارات سے معلوم ہو سکتی تھی اور اس خبر کی

اشاعت کے لیے انٹیلی جینس بیورو والوں کی کلیرنس ضروری تھی۔ جلال کی رضامندی کے بغیر وہ خبر اخبارات میں نہیں آسکتی تھی۔

فون بند کر کے میں نے اپنا داہنا بازو پیشانی پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

کافی دیر بعد میں اپنے ہاتھ پر کسی کالمس محسوس کر کے ہڑبڑایا تو ویرا میرے سرہانے کھڑی ہوئی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خاصے تھکے ہوئے تھے جو صوفے پر آنکھ لگ گئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے آنکھیں مل کر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں صرف آدھے گھنٹے کے لیے سویا تھا۔

"فرصت اور بے کاری سے طبیعت کچھ بیزار سی ہو رہی تھی۔" میں نے صوفہ چھوڑ کر جواب دیا "سب اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے تھے۔ میں بھی سو گیا۔"

"تم اسے فرصت اور بیکاری کہہ رہے ہو۔ صبح سے تم مسلسل مصروف تھے۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"وہ صبح اور شام کی باتیں تھیں۔ اس وقت تو میں بیکار ہی تھا۔" میں اسے ٹالتا ہوا اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔

○☆○

سات بجے جلال آیا تو خاصا خوش تھا۔ اس کا یہ ملال دور ہو چکا تھا کہ اس کے ہاتھ آیا ہوا ایک شکار چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

غزالہ نے خاصے اہتمام سے اس کے لیے چائے دیگر لوازم کے ساتھ پیش کی اور پھر مجھ سے اجازت لے کر سلطان شاہ کے ساتھ بازار کے لیے نکل کھڑی ہوئی جہاں سے اسے گھرداری کی بعض اہم ضروریات کی خریداری کرنی تھی۔

نمبرون اور روبے کی ملاقات میں جو کچھ ہوا' وہ ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ ابتدا سے بم کا مہلک دھماکا ہونے تک اس کے مشاہدات بھی وہی تھے جو ہمارے رہے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ نمبرون نے پکڑے جانے کے بدترین اندیشوں کے تحت اپنے وجود کو چیتھڑوں کی صورت میں اڑانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"ابھی تک اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا "یہ سنگین واقعہ اس قدر حساس مقام پر پیش آیا تھا کہ آئی جی کے ساتھ کراچی ڈویژن کا کمشنر اپنے سارے ڈپٹی کمشنرز کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ انتظامی اصطلاح میں اسے وی آئی پی ایریا قرار دیا جاتا ہے۔"

"پھر تو یہ کیس پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہوگا۔" میں نے تائید چاہی۔

"یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے کہ مارے جانے والے دونوں آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ فی الحال میرا اسٹاف ہی کیس پر کام کر رہا ہے۔ مناسب مرحلے پر اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"وہ مناسب مرحلہ شاید نمبرون کے نام کی تصدیق کا ہوگا۔"

"تم بار بار دوسرے آدمی کو نمبرون کیوں قرار دے رہے ہو۔ وہ نمبر ٹو یا فور بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایم ففٹی پر سنی جانے والی گفتگو میں وجے کے لیے نمبر تھری کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔"

"میں نے ایم ففٹی پر ان لوگوں کی تازہ ترین باتیں سنی ہیں۔ مرنے والے ون اور تھری تھے۔"

جلال بے اختیار آگے جھک آیا "کمال ہے۔ تم نے ان کی باتیں سنی ہیں اور انہیں اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اس وقت میں صرف ایریٹس لینے کے لیے آیا تھا تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر اندازہ لگا سکوں کہ وہاں کیا ہوا تھا اور اس بارے میں بن کا کیا ردِ عمل ہے۔"

"میری غلطی تھی۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"غلطی نہیں' یہ تمہاری شرارت تھی۔" ویرا نے جلال کو اکسانے کی کوشش کی۔

میں نے اپنی یادداشت کے مطابق ہر بات حرف بحرف دہرانے کی کوشش کی اور جلال کے ساتھ تبادلہ خیال شروع کر دیا۔ وہ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں۔ ان سے اخذ کیے ہوئے نتائج کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتی تھیں۔

"ایریٹس تم رکھو گے یا مجھے دو گے؟" جلال نے پوری بات سن لینے کے بعد پوچھا۔

"اصولی طور پر اب اسے تمہارے پاس رہنا چاہیے تاکہ تم اس پر ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں بروقت کوئی فیصلہ کر سکو۔ میں اس خیال سے یہ آلہ مانگ لایا تھا کہ تمہارے لیے وہاں اس پر دھیان دینا ممکن نہیں تھا۔ مجھے یکایک تمہاری مصروفیات بڑھنے کا اندازہ ہو گیا تھا۔"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم ایریٹس پر بن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر بیٹھو۔" وہ ہنس کر بولا۔

"میرا ارادہ یہی تھا مگر میں نے نئی کھیپ کا ذکر سنتے ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اچھا ہوا کہ ابھی تک سی نائین کا پتا نہیں چل سکا۔" ویرا سوکھا سا منہ بنا کے بولی۔

ویرا کی اس بات پر جلال چونک پڑا "کیا تم کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"طنز نہیں، میں نے حقیقت بیان کی ہے۔" وہ مدافعانہ لہجے میں بولی "سی نائین کا پتا چل جاتا تو ہم وقت ضائع کیے بغیر ادھر چل دیتے۔ بن ہمارے ہاتھ آتا یا نہ آتا، یہ بعد کی بات تھی۔ را کے بچے ہوئے دونوں ایجنٹوں کا قصہ کھٹائی میں پڑجاتا۔"

را کے دونوں آدمیوں کو پکڑ لینے کے بعد کامل یکسوئی سے بن کو پکڑ لینا قرین قیاس تھا۔ پہلے اسے پکڑنے کی صورت میں را والے صاف بچ نکلتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حالات کو ناسازگار پاکر کراچی چھوڑ دیتے اور اولین فرصت میں کہیں سے سرحد پار کرکے بھارت میں نکل جاتے۔

"نمبرون پکا سیکرٹ ایجنٹ تھا۔" جلال نے وجے کے ساتھ مرنے والے کے بارے میں بتانا شروع کردیا "اس کی جیبوں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اس کا کوئی بھی سراغ ملتا۔ اس کی لاش بری طرح مسخ ہوکر ٹکڑوں اور چیتھڑوں میں بدل گئی تھی جنہیں یکجا کرنا مشکل ہے۔"

"قمیص میں پھنسا ہوا ایک ہاتھ میں نے جھاڑی سے لٹکا ہوا دیکھا تھا۔" میں نے کہا۔

"چھ سات بڑے ٹکڑے ہیں۔ باقی چیتھڑے دور تک بکھر گئے تھے۔" جلال نے اقرار کیا۔

"چہرے کی کیا حالت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ہمیشہ ایسی نازک باتوں پر دھیان دیتے ہو۔" وہ ہنس کر بولا "ٹکڑے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ جدید ترین ساخت کا تباہ کن لیکن چھوٹا بم اس نے اپنے پیٹ سے چپکایا ہوا تھا۔ دھڑ کا حشر خراب ہوگیا مگر چہرہ قابلِ شناخت ہے۔ تم کو اس کا خیال کیوں آگیا۔"

"چوپڑا نے پہلی نظر میں وجے کو پہچان لیا تھا۔ وہ نمبرون کو بھی پہچان سکتا ہے۔"

"یہی ہو رہا ہے۔ دس بجے تک پوسٹ مارٹم مکمل ہوجائے گا۔ میری آدمی اسی وقت صدف مینشن سے چوپڑا کو لے کر سرکاری مردہ خانے آئیں گے اور مرنے والے کی شناخت کروالیں گے۔"

"اس کا نام معلوم ہوجانے سے ہمیں یہ پتا چل جائے گا کہ اب بچے ہوئے دونوں آدمیوں کے نام کیا ہیں۔"

"بالکل۔" ویرا نے میری تائید کی "مرنے والے سے کیا لینا۔ وہ تو جہنم واصل ہو ہی گیا تھا۔ ناموں کے تعین سے ان دونوں کی تلاش میں مدد مل سکے گی۔"

"سی نائین کے بارے میں ابھی تک کوئی بات سامنے نہیں آئی۔" میں نے سی نائین کا قصہ چھیڑ دیا۔

"میرے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ یہ کام میرے اندازے سے زیادہ دشوار ثابت ہوا ہے۔" جلال نے مجھ سے مخاطب

نقصان

شریف صاحب محلے کی کریانے کی دکان پر چیزوں کی قیمتوں کے سلسلے میں بحث و تکرار کر رہے تھے۔ مجید صاحب پاس ہی کھڑے تھے، وہ بولے "شریف بھائی! سب دکانوں سے آپ سودا ادھار لیتے ہیں .... اور ادھار آپ نے آج تک چکایا نہیں ... تو پھر قیمتوں پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اصل میں یہ دکاندار بہت اچھا آدمی ہے ... میں چاہتا ہوں اس کا نقصان کم سے کم ہو ... اس لیے چیزوں کی قیمتیں کم کرا رہا ہوں۔" شریف نے جواب دیا۔

ہوکر کہا "اس نمبر کی ہر عمارت میں دو چار دکانیں اور چھ سے نو تک چھوٹے فلیٹ ہیں۔ ان سب کی بے خبری میں ان کے کوائف کی چھان بین آسان نہیں ہے۔ وہ ایک وقت میں ہر طرف پھیلنے کے بجائے ہر عمارت کو باری باری دیکھ رہے ہیں۔"

"تم نے ڈیفنس اتھارٹی کے ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق کرلی ہے کہ سی نمبر والے پلاٹ کمرشل ہی ہیں۔" میں نے توثیق چاہی۔

"ہم قیاسات اور اندازوں پر اسی وقت کام کرتے ہیں جب ریکارڈ دستیاب نہ ہو۔ یہ نکتہ کنفرم کرلیا گیا ہے۔"

"پھر کب تک نتیجہ سامنے آنے کی امید ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"یہ کام کل شام تک ہوجانا چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا "اس وقت تک نئی کھیپ کا راز کھل چکا ہوگا۔"

"اور تم کو یہ بھی بتا دوں کہ آج دوپہر میں کسی نے اول خان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اس کے ستارے اچھے تھے جو گولی اس کے داہنے بازو کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"شام کو وہ فریر پارک آیا تو ٹھیک ٹھاک نظر آرہا تھا۔"

"وہ درد دور کرنے والا انجکشن لگوا کر آیا تھا۔ واقعہ بہت سنگین تھا مگر زخم زیادہ گہرا یا خطرناک نہیں ہے۔"

"میں فون پر اس سے بات کروں گا۔ تم میری طرف سے

افسوس کا اظہار کردینا۔ اس نے گولی چلانے والے کو دیکھا تھا۔"

"ایسے واقعات پر سوالات اور مشورے بہت سے سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت وہی جانتا ہے جس پر قیامت گزری ہو۔ گولی لگتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔"

"میں چلتی ہوئی گاڑی میں ڈرائیور کے اچانک زخمی ہوجانے کی سنگینی کا اندازہ کرسکتا ہوں۔ اس بارے میں تمہارے کیا رائے ہے۔"

وہ ایک انوکھا اور ناگہانی واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں کسی کی کوئی رائے نہیں تھی۔ ہمارے درمیان جو باتیں ہوتی رہی تھیں وہ جلال کو بھی بتادی گئیں۔ اس نے ہربات کو غور سے سنا اور آخر میں مایوسی سے اپنا سرہلا کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ سی نائین کی تلاش کے معاملے کو غیر ضروری التوا میں ڈالا جارہا ہے۔" اچانک ویرا نے ایک نئی قلابازی کھائی اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"یہ التوا غیر ضروری نہیں، ناگزیر ہے۔" جلال نے اس کی بات کا برا منائے بغیر نرمی اور تحمل سے کہا۔

"ایسا نہ ہو کہ بعد میں ہم لکیر کو پیٹتے رہ جائیں۔" اس کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" مین نے قدرے حیرت اور ترشی سے پوچھا "کھل کر کہو۔"

"آئی مین اس وقت چھلاوا بنا ہوا ہے۔ وہ کسی جگہ زیادہ دیر تک نہیں ٹک رہا۔"

میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "تم غلط کہہ رہی ہو۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بھاگ رہا۔ اسے بھگایا جارہا ہے۔ اس نے بی بادن چھوڑنے میں دیر کی ہوتی تو ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہوتا۔ فالکن ہاؤس پر چھاپے کے بعد اس نے اپنا وہ ٹھکانا چھوڑا تھا۔ قونصل خانے سے اس کے نکلنے کا قصہ ابھی تازہ ہے۔"

"وجہ کچھ بھی ہو۔ وہ ٹھکانے بدل رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جب ہم سی نائین پہنچیں تو وہ وہاں سے نکل چکا ہو۔ ویرا کے پاس اپنے دوسرے نظریے کے حق میں بھی دلائل موجود تھے۔

وہ اس اعتبار سے ٹھیک کہہ رہی تھی کہ بن ڈیوڈ امرا کے بگڑے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور بڑے، پُر آسائش مکانوں میں رہنے کا عادی تھا۔ ہم لوگ فریڈم انٹرنیشنل والے چکر میں ڈیفنس کے کمرشل ایریا زمیں بنی ہوئی عمارتوں کی محدود مکانیت بہت اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔ بن عارضی طور پر ایسی عمارت کے کسی حصے میں پناہ لے سکتا تھا۔

زیادہ دیر تک وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ اس کا بھی دھیان رکھا جائے گا۔" جلال نے اس کا نکتہ تسلیم کرلیا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جانا۔" میں نے اسے پیشکش کی۔

"میں اسلام آباد سے باہر رہتا ہوں تو میرے پیروں میں چکر رہتا ہے۔ میں چلوں گا دیکھو کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔"

"تم کراچی آتے ہو تو بس یہاں پھنس کر رہ جاتے ہو۔ اس بار بھی تم چند گھنٹوں کے لیے آئے تھے اور ابھی تک رکے ہوئے ہو۔ دیکھو، واپسی کب ہوتی ہے۔ تمہاری ان غیر یقینی مصروفیات سے تمہاری وائف کو شکایت رہتی ہوگی۔" ویرا نے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بیویاں ان مجبوریوں کو نہیں سمجھتیں۔" جلال نے خوش دلی سے جواب دیا "ان کا بس چلے تو اپنے اپنے شوہروں کو گھر سے نہ نکلنے دیں۔ کھٹ پٹ ہوتی رہتی ہے مگر صورت حال قابو سے باہر نہیں ہوتی۔" ویرا کو جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "بات بہت معمولی سی ہے۔ تم نے اس کا حل بھی تجویز کردیا ہے لیکن یہ بات مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہی ہے کہ میرے کچھ آدمیوں کی تصاویر امریکی قونصل خانے کے خفیہ کیمروں نے محفوظ کرلی ہیں اور ان میں سے عرفان کو پہچان بھی لیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ۔ شاید نک بھی اسے بھول جائے گا اور وہ فلمیں ریکارڈ میں دفن ہوجائیں گی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی تھی۔ اس نے ان تصویروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اسے کیوں فون کیا تھا تم نے؟" جلال نے چونک کر پوچھا۔

"وقت گزارنے کے لیے اسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ وہ فریر پارک کے دھماکے سے باخبر تھا اور کیلی کا پاسپورٹ واپس مل جانے پر تمہارا شکرگزار بھی تھا۔"

"آئی مین کے بارے میں کوئی بات ہوئی؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ اسی بیان پر اڑا ہوا ہے کہ کیلی سے ملوانے کے بعد اسے راستے میں اتار دیا تھا۔"

"کیلی نشیمن میں رہ رہی ہے یا دوبارہ قونصل خانے کی مہمان ہوگئی ہے؟"

"اس بارے میں، میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ ازخود یہ بتا رہا تھا کہ کیلی کل ڈونلڈ کے ساتھ امریکا واپس چلی جائے

گی۔"

"اس سے تمہارا وہی کرنل داور والا پروٹوکول چل رہا ہے یا اب میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟"

"فی الحال وہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر معاملہ طول پکڑ گیا تو کسی وقت ڈپٹی بن کر اس سے بات کروں گا۔ شاید میرا نام سن کر اس کی سٹی گم ہوجائے گی۔"

سب ہنسنے لگے اور اسی خوشگوار ماحول میں وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

ویرا اندر رکی رہی۔ میں جلال کو الوداع کہنے کے لیے پھاٹک تک آیا۔ اس کی گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں ذیلی کھڑکی بند کرہی رہا تھا کہ داہنی طرف سے آتی ہوئی ایک دراز قامت، خوب صورت اور خوش پوش لڑکی نے بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک فولڈر بھی دبا ہوا تھا۔

اپنی مخصوص سرگرمیوں کی وجہ سے ہماری شناسائی کا حلقہ بہت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گھر پر آنے جانے والوں میں اول خان اور جلال کے سوا تیسرا کوئی نام نہیں تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن اس لڑکی کے بارے میں مجھے کچھ یاد نہیں آسکا کہ میں نے پہلے کبھی اسے دیکھا ہو۔ وہ میرے لیے سراسر اجنبی تھی مگر اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آرہی تھی۔ اس وقت میں اپنے گھر کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا ہوتا تو پورے خلوص سے اس نئی ملاقاتی کو خوش آمدید کہتا مگر اس وقت حالات مختلف تھے۔

"سر! میں کنزیومر سروسز سے آئی ہوں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میں اپنے سروے کے سلسلے میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہوں گی۔" اس نے اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے، نہایت تہذیب سے التجا کی "ہم اس علاقے میں منتخب گھروں سے رابطہ کررہے ہیں۔"

اس کا انداز اتنا نرم اور ملتجیانہ تھا کہ میں انکار نہیں کرسکا "میں تمہیں چند منٹ دے سکتا ہوں۔ کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں دبا ہوا فولڈر کھولا۔ اس میں کنزیومر سروسز کے سادہ اور بھرے ہوئے فارموں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس نے فولڈر میں سے ایک سادہ فارم نکالا، اسے فولڈر کی سخت جلد پر رکھ کر بال پین سنبھالا اور پوچھا "آپ کے گھر میں کس برانڈ کی چائے کی پتی استعمال ہوتی ہے؟"

میں چکرا گیا۔ وہ خالص خانہ داری کا معاملہ تھا جس میں، میں بالکل کورا تھا۔ میں نے کہا "بی بی! جو سوال تم مجھ سے پوچھ رہی ہو وہ کسی عورت سے پوچھنا چاہیے۔"

"سر! اگر آپ کی مسز مجھے چند منٹ دے سکیں۔" اس نے شائستگی سے التجا کی "مجھے بس آخری ایک دو فارم مکمل کرنے ہیں۔ اندھیرا بھی پھیل چلا ہے۔"

"تم اکیلی یہ سروے کرتی پھر رہی ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" میں نے اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"سر! ہم دو لڑکیاں گھر گھر سروے کررہی ہیں، ڈرائیور ہمارے ساتھ ہے۔ گاڑی کونے پر کھڑی ہوئی ہے۔" اس نے گلی کے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

میں ہر نئی چیز یا بات کے ظاہر پر اعتبار کرنے کا عادی نہیں رہا تھا۔ میں چوکھٹ سے دو قدم باہر نکلا تو مجھے لڑکی کی بتائی ہوئی سمت میں سرخ رنگ کی پک اپ کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر لڑکی کو تیز نظروں سے گھورا اور وہ مسکین انداز میں مسکرانے لگی۔

مجھے اس پر ترس آگیا۔ وہ پڑھی لکھی اور مہذب لڑکی تھی۔ گردش روزگار نے اسے نہ جانے کیسے اس ملازمت کی راہ پر دھکیل دیا تھا جہاں صبح سے شام ڈھلے تک وہ گھر گھر دھکے کھاتی پھر رہی تھی۔ میں انکار کردیتا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ اسے کوئی اور دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا۔ وہاں بھی مجھ جیسا کوئی شکی مزاج شخص رکھائی سے اسے ٹال دیتا تو اسے

انتظار

ریستوران میں ایک صاحب نے کھانا منگوا کر کھانا شروع کیا تو انہیں احساس ہوا کہ اردگرد کی میزوں پر بیٹھی ہوئی بہت سی لڑکیاں ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے قدرے پریشان ہو کر ویٹر کو بلایا اور ان کے بارے میں پوچھا تو ویٹر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا "سر، دراصل بات یہ ہے کہ اس ریستوران کے برابر میں ہی ایک کمیونٹی ہال ہے جہاں کھانے پکانے کی کلاسیں ہوتی ہیں... یہ کھانا وہاں سے آیا ہے... اگر آپ نے کھانا پورا ختم نہ کیا... یا آپ کھانا کھا کر لمبے لیٹ گئے... تو یہ لڑکیاں امتحان میں فیل ہوجائیں گی۔"

تیسرے دریر جانا ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ زیادتی ہو جاتی۔ اندر ویرا موجود تھی۔ وہ چند منٹوں میں اسے خوب صورتی سے نمٹا سکتی تھی۔

"اندر آکر دو منٹ کے لیے خاتون سے مل لو۔" میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں میرا شکریہ ادا کرتی ہوئی میرے پیچھے پیچھے اندر آگئی۔

ویرا کے کان بہت تیز تھے۔ اس نے میرے قدموں کی چاپ کے ساتھ نسوانی سینڈلوں کی ہلکی کھٹ کھٹ بھی سن لی۔ ہم دونوں راہداری میں داخل ہوئے تو ویرا سامنے سے چلی آرہی تھی۔

"یہ کس کو گھر میں لیے چلے آرہے ہو؟" میرے ساتھ ایک بنی سنوری اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ویرا کی بھویں تن گئیں۔

"بے چاری سروے کے لیے گھر گھر ماری ماری پھر رہی ہے۔ چند سوالوں کے جواب دے کر اس کی مشکل آسان کر دو۔"

"یہ کوئی وقت ہے سروے کا۔" ویرا نے مجھ سے تیز آواز میں بات کر کے اپنی برہمی کا اظہار کیا پھر جارحانہ انداز میں مجھ سے آگے نکل کر، عملاً لڑکی کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور لڑکی کو لیکچر دینا شروع کر دیا۔

"دیکھو، تم جوان اور خوبصورت ہو۔ دو پیسے کی نوکری کے چکر میں تم رات کے اندھیرے میں گھوم رہی ہو۔ یہ تو شریف آدمی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی آوارہ مرد ہوتا تو تمہیں اندر لا کر دروازہ بند کرتا اور پانچ منٹ میں تم کو بے آبرو کر ڈالتا۔ اس وقت تمہارا گھروں کے اندر جانا مناسب نہیں ہے۔"

"شکریہ میڈم! آئندہ میں محتاط رہوں گی۔" لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔ اس کے چہرے سے خوش دلی اور مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی۔

"کوئی سروے فارم لائی ہو یا زبانی کلامی معلومات جمع کرو گی؟" ویرا کا لہجہ بدستور اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

لڑکی نے سہم کر فولڈر سے نکالا ہوا سادہ فارم ویرا کی طرف بڑھا دیا۔ میں ڈرائنگ روم کی طرف جاتے جاتے رک گیا تھا۔ ویرا کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ لڑکی کی کسی بات پر بگڑ کر اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتی۔ ایسے کسی سانحے کو ٹالنے کے لیے میری موجودگی ضروری ہو گئی تھی۔

ویرا نے فارم لے کر اس پر سرسری نظریں دوڑائیں۔ فارم کو دیوار پر رکھا اور لڑکی فارم بھرنے میں مصروف ہو گئی۔

مجھے تجسس ہوا اور میں فارم کے اندراجات پڑھنے کے لیے خاموشی سے ویرا کے پیچھے پہنچ گیا۔ نیلی سیاہی سے مطبوعہ اس فارم پر کنزیومر سروسز کا نام جلی حروف میں چھپا ہوا تھا۔ ویرا نے چائے کے برانڈ کے خانے میں ایک مشہور نام لکھا تھا۔ اس کے بعد اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ چائے کے استعمال کی ماہانہ مقدار دس ٹن، گھر میں چائے پینے والے افراد کی تعداد پچاس اور نہ پینے والے افراد کی تعداد بھی پچاس ہی لکھی گئی تھی۔ اس نے دھیان دیے بغیر کئی خانوں میں الل ٹپ ٹک کے نشانات لگائے، نیچے نام کی جگہ نامعلوم لکھ کر وہ فارم لڑکی کو لوٹا دیا۔

فارم پر نظر ڈالتے ہی اس لڑکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "مم... میڈیم، کیا آپ نے دس ٹن کی مقدار لکھی ہے۔"

"ہاں!" ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا "کیا تم اتنا بھی نہیں پڑھ سکتیں۔"

"جج... جی... اور یہ چائے پینے والوں کی تعداد شاید پانچ ہے!" لڑکی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"تم بالکل جاہل معلوم ہوتی ہو۔" ویرا تیز آواز میں غرائی "یہ میرا گھر ہے میں جانتی ہوں کہ یہاں پانچ نہیں، پچاس آدمی چائے پیتے ہیں۔ فارم سنبھالو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ باہر نکلنے کے بعد اس پر جو چاہو، لکھ لینا۔ گٹ آؤٹ!"

ویرا کے نادر شاہی ارشادات سن کر وہ لڑکی بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی تھی۔ ویرا کی زبان سے آخری فرمان سن کر اس نے واپسی کے لیے تقریباً دوڑ لگائی اور گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔

"جاؤ۔ اب ذیلی کھڑکی کو اچھی طرح بند کر کے آؤ!" ویرا برا سا منہ بنا کر مجھ سے بولی "پتا نہیں خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہر مرد ریشہ خطمی کیوں ہو جاتا ہے۔"

"ٹھہر جاؤ! میں جا رہا ہوں۔" میں سر جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر میں بھی اس لڑکی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"اس وقت تم نے نہایت جاہلانہ سلوک کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے واپس آکر ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے تلخی سے کہا "میں اسے اپنی خواب گاہ میں نہیں لے جا رہا تھا، تمہارے پاس لا رہا تھا۔"

"مگر کیوں؟" ویرا نے آنکھیں ڈال کر سوال کیا "تم تو بہت ذہین اور نظر شناس آدمی ہو۔ اس دو ٹکے کی لڑکی کے سامنے تمہاری ذہانت کہاں چلی گئی تھی؟ تم کو نہیں معلوم کہ

آج کل ہم سب کن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں۔ دوپہر میں اول خان پر حملہ ہو چکا ہے اور تم ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں گھسائے لا رہے ہو۔ صرف اس لیے کہ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ بن ٹھن کر آتی تھی۔"

"وہ حالات کی ستائی ہوئی ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ بلاوجہ اس کی تذلیل کر رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"لوگ ایسی ہی مجبور لڑکیوں کو خریدتے ہیں... میڈم فرزانہ کیا اس سے مختلف تھی؟ خالد نے اسے کتنے میں خریدا تھا؟ تمہارے دشمن شہر کے ہر کونے میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ مجھے اور تم کو بچانے کے لیے سب نے اپنی جان کی بازیاں لگائی ہوئی ہیں اور تم..."

ویرا نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لیے خاموشی سے سگریٹ سلگائی، اس کا گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر اس سے پوچھا "لڑکی پر تمہیں کیوں شبہ ہو رہا ہے؟"

"گھریلو سروے دن کے اجالے میں کیا جاتا ہے۔ یہ سروے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ وہ مشتبہ نہ ہوتی پھر بھی ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ اس گلی کے کسی اور گھر میں نہیں گئی ہوگی۔ وہ تاک کر یہاں آئی تھی۔ تم اتفاق سے پھاٹک پر نہ ہوتے تو وہ گھنٹی بجا کر اندر آتی۔ وہ گھر کا جائزہ لینے آئی تھی۔"

وہ پہلا موقع تھا کہ ویرا میرے ساتھ گھر میں تنہا تھی اور اس کے ذہن پر رومان پرور جراثیم کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ کسی قسم کی جذباتی گفتگو کرنے کے بجائے وہ لڑکی کے معاملے میں مجھ سے الجھ رہی تھی۔

"تم بلاوجہ لڑکی کی طرف سے بدگمان ہو رہی ہو۔ اصولی طور پر تمہاری بات درست ہے کہ مجھے اس کو اندر نہیں لانا چاہیے تھے۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔" میں نے اس ناخوشگوار بحث کو ختم کرنے کے لیے بہت زیادہ نرمی سے کہا "مجھے اس پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میرے سامنے تم ایسی بوکھلاہٹوں اور غلطیوں کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اس لڑکی میں تمہیں ایسی کیا باتیں نظر آئی کہ تم پگھل گئے۔"

"پھر وہی لڑکی، لڑکی، لڑکی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اب یہ بحث ختم کرو۔" میں نے جھلا کر کہا۔

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور دہرے صوفے پر میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ میں بظاہر چھت کی طرف متوجہ تھا۔ لیکن کن انکھیوں سے مجھے نظر آ رہا تھا کہ وہ گہری پر سوچ نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں کنونشن کے دوران میں ایک روز دو ماہرین نفسیات ایک راہداری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ایک نے مسکرا کر دوسرے کو "ہیلو" کہا۔ دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیرلب بڑبڑایا "آخر اس کا ہیلو کہنے کا مقصد کیا تھا؟"

دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات داں کے "ہیلو" کہنے کا مقصد صرف ہیلو کہنا ہی تھا!

میں نے دل ہی دل میں بلاؤں سے تحفظ کی دعا شروع کر دی۔ اس پر روایتی جراثیم حملہ آور ہوتے نظر آ رہے تھے۔

"اے!" اچانک اس نے میرے رخسار پر چٹکی لے کر کہا "ذرا ادھر دیکھو، میری طرف، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔"

"تمہیں اس لڑکی کی آمد اس لیے گراں گزری تھی کہ اس کی موجودگی میں تم یہ حرکتیں نہیں کر سکتی تھی۔" میں نے یکایک اس کو گھورنا شروع کر دیا۔

ویرا نے سختی سے میرا بازو تھام لیا اور دبی دبی آواز میں بولی "اس لڑکی کی ایسی کی تیسی۔ میں غزالہ کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتی۔" وہ میرے اوپر سوار ہوئی جا رہی تھی۔

ویرا نے اپنا ریکارڈ خراب نہیں کیا۔ غزالہ یہ سوچ کر بازار کے لیے نکلی تھی کہ ہمارے ساتھ جلال موجود تھا۔ مگر وہ کچھ زیادہ ہی عجلت میں تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سرور لڑکی کی صورت میں غیبی امداد آئی تھی لیکن ویرا نے اسے دھتکار کر بھگا دیا۔

اس کے ساتھ دھینگا مشتی اور ہاتھا پائی کرتے ہوئے مجھے سخت دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میری وہ مشقت زیادہ طول نہیں پکڑ سکی۔ ہمارے دروازے پر گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور ویرا نے زور آزمائی ترک کر کے فوری طور پر

اپنی جگہ سنبھال لی۔
چند ثانیوں بعد سلطان شاہ سامان کے تھیلوں سے لدا پھندا اندر آگیا۔ غزالہ کے ہاتھ میں بھی چند تھیلے جھول رہے تھے۔ اس نے اندر آنے کے لیے چابی استعمال کی تھی۔
ابتدا میں ویرا نے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے بارے میں جو باتیں کہیں، میں نے انہیں سنجیدگی سے لیا تھا اور اپنی کوتاہی پر دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہا تھا مگر بعد میں ویرا نے جس طرح نظربازی اور جسمانی زور آزمائی شروع کی، مجھے یقین ہو گیا کہ اس نے بہانے کے طور پر وہ اعتراضات شروع کیے تھے جن کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔
غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے ویرا نے وہ ذکر چھیڑا، نہ میں نے کوئی بات نکالی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک بے سروپا سی بات اچانک ظہور پذیر ہوئی ہے اور از خود رفع ہو گئی ہو۔ اس کے بارے میں کچھ سوچنا بالکل بے سود تھا۔
ویرا اور غزالہ میز پر کھانا لگانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں کہ اول خان کا فون آگیا۔
"خیریت ہے۔ زخم کے درد کا کیا حال ہے؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی مزاج پرسی کی۔
"درد ٹھیک ٹھاک ہے مگر ایک نیا مسئلہ سر ابھار رہا ہے۔" اس کی آواز پر تشویش تھی۔ وہ عام طور پر ایسے لہجے میں بات نہیں کرتا تھا۔ اس پر میرا چونکنا لازمی تھا۔
"تمہیں معلوم ہے کہ ایسے پراسرار انداز سے مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے۔"
"مجھے شبہ ہے کہ آج دن میں میرا تعاقب کیا گیا ہے میرے اوپر ہونے والا فائر بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔"
"تم نے تو بتایا تھا کہ فائر کرنے کے بعد نیلی گاڑی تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔" میں نے حیرت سے کہا۔
"اس وقت کار کی تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا تھا۔ میں عقب نما آئینوں کی موجودگی کے باوجود یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ وہ بے آواز فائر کس گاڑی سے کیا گیا تھا؟"
"رات کے اندھیرے میں فائر کی روشنی بہت کافی ہوتی ہے۔ دن کا اجالا فائر کے شعلے کو نگل لیتا ہے۔"
"تعاقب کا سلسلہ فائر سے پہلے سے جاری ہے، میرا قیاس ہے کہ اس فائر کا مقصد مجھے ہلاک کرنا نہیں تھا۔ گولی پیچھے سے آئی اور باہر نکلے ہوئے بازو کو زخمی کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ان کا ارادہ مجھے مارنے کا ہوتا تو وہ گاڑی میرے برابر میں لا کر فائر کرتے۔ نشانہ خطا ہوتا تو گولی بازو کی ہڈی توڑ کر اندر تک پیوست ہو جاتی۔"
"یہ بالکل سامنے کی باتیں ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم میں سے کسی نے ان پر غور نہیں کیا۔"
"کون غور کرتا!" پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "میں نے جو کچھ بتایا، تم لوگوں نے اس پر من و عن یقین کر لیا۔ میری طرف سے ذرا بھی شبہے کا اظہار کیا جاتا تو سب سر جوڑ کر بال کی کھال نکالنے میں مصروف ہو جاتے۔"
"ویرا بہت تجربہ کار بنتی ہے۔ زخم دیکھ کر اسے فائر کی سمت کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ تمہیں ساری طبی امداد اسی نے فراہم کی تھی۔ پیچھے سے گولی ونڈ شیلڈ توڑتی ہوئی آتی تو اسے قاتلانہ حملہ سمجھا جا سکتا تھا۔ باہر سے گزرنے والی گولی تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔ تم نے صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ تمہیں زخمی کیوں کرنا چاہ رہے تھے؟"
"یہ سب میرے اندازے ہیں۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "شاید دیر سے میرا پیچھا کیا جا رہا تھا اور میں شہر کی سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے وہ بے خطا گولی چلا دی جس کا مقصد مجھے معمولی زخم لگانا تھا۔ زخم کھاتے ہی میں قریب ترین ٹھکانے کی طرف ہو لیا۔ وہ یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا تعاقب کر کے تمہارا گھر دیکھ لیا۔"
"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے بے اعتباری سے کہا "زخمی ہونے کے بعد تم آغا خان یا لیاقت نیشنل اسپتال جا سکتے تھے۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ تم ہمارے یا اپنے گھر جاتے۔"
"ڈینی! میں کہہ رہا ہوں نا کہ یہ میرا نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"
"تمہارے ذہن میں اچانک ہی یہ نظریہ کیوں ابھر آیا؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔
"کچھ دیر پہلے دہلی سے ایک خبر ملی ہے۔ وہاں افواہیں ہیں کہ دہلی میں تمہاری اور ویرا کی طوفانی کارروائیوں کا جواب دینے کے لیے بھارت سے بلیک کیٹس کے دو مایہ ناز کمانڈوز پاکستان بھیجے گئے ہیں۔ وہ اطلاع ملنے کے بعد سے میں واقعات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"
"بلیک کیٹس والے یہاں موجود ہوتے تو آج شام را کے دو ایجنٹ فریئر پارک میں خودکشی کرنے پر مجبور نہ ہوئے ہوتے۔"
"بلیک کیٹس را کا کمانڈو ونگ ہے مگر وہ سب سے الگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ را والوں سے ملنے میں انہیں اپنی سلامتی کے لیے خطرہ نظر آیا ہو۔"
"انہوں نے یہاں اپنی کسی نہ کسی اتھارٹی سے تو رجوع کیا ہو گا!" میں نے پوچھا۔
"ہو سکتا ہے کہ نہ کیا ہو۔ دہلی میں تم کس پاکستانی

سفارت کار سے ملے تھے۔ خاموشی سے وہاں گئے' اپنا کام کیا اور لوٹ آئے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان نے ٹوکا تو میں نے کہا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دہلی سے آنے والی خبر میں کتنی صداقت ہے۔"

"الفاظ پر احتیاط سے غور کرو ڈینی! یہ نازک ترین معاملہ ہے۔ یہ خبر نہیں افواہ ہے۔"

"ایسی افواہیں بے بنیاد نہیں ہوتیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی وزن ضرور ہوتا ہے۔ اگر یہ افواہ درست ہے اور آج تمہارا تعاقب بھی ہوا ہے تو سمجھ لو کہ بلیک کیٹس نے یہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی رات ہمارے گھر پر حملہ ہو جائے۔"

"میں ابھی اسی امکان پر سوچ رہا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میرا ایک اسٹرائیک یونٹ تم لوگوں کی حفاظت کے لیے نکل چکا ہے۔"

"آٹھ بجے ایک لڑکی سروے کا بہانہ کر کے ہمارے گھر کا جائزہ لینے آ چکی ہے۔" میں نے کڑیاں یک جا کرنے کے بعد وہ بات بھی کھول دی۔

اس لڑکی کی آمد اور روانگی کی تفصیلات اول خان کے لیے حیران کن ثابت ہوئیں۔ لڑکی کی اہمیت سامنے آنے کے بعد میں خود یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ویرا بہت بروقت برہم ہوئی تھی۔ وہ اس لڑکی کی راہ نہ روکتی تو وہ ڈرائنگ روم تک آ کر پورے گھر کا جائزہ لے ڈالتی۔ اسے یہ بھی پتا چل جاتا کہ اس وقت گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔

ویرا نے چائے پینے والوں کی تعداد پچاس لکھ کر حیران کر دینے والی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ انتہائی غیر معمولی تعداد سروے کرانے والوں کو یہ باور کرانے کے لیے کافی تھی کہ اہل خانہ نے لڑکی کی اصلیت بھانپ لی تھی اور اسے ہوش ربا اعداد و شمار دے کر ڈیوڑھی سے بھگا دیا تھا۔

وہ ویرا کا قطعی غیر ارادی فعل تھا۔ جو اس کے غصے کی وجہ سے رونما ہوا تھا۔ لیکن بدلے ہوئے واقعات کی روشنی میں ویرا کی ہر حرکت سو فیصد فٹ بیٹھ رہی تھی۔ خرابی بس یہ ہوئی تھی کہ سروے کرنے والی عورت جو کسی نہ کسی کے ایما پر ہمارے گھر آئی تھی' یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ اس چھت کے نیچے ایک ایسی سفید فام عورت رہ رہی تھی جو کسی اہل زبان کی طرح اردو بولنے پر قادر تھی۔ ہمارے باخبر دشمنوں کے لیے وہ نکتہ ویرا کی موجودگی سے کھلے ثبوت سے کم نہیں تھا۔

"ابھی تک میں صرف حیران تھا۔ اب پریشان بھی ہو گیا

"سوالاً جواباً"

★ "ڈاکٹر نے تمہیں مرغن اور پر تکلف کھانے کھانے' شراب اور سگریٹ پینے سے منع کیا تھا۔ اس سے کچھ فائدہ ہوا؟"

○ ہاں ... اسی طرح تو اتنے پیسے بچے کہ میں ڈاکٹر کا بل ادا کرنے کے قابل ہو سکا۔

★ ماں اپنی جوان بیٹیوں کے ساتھ سیر کے لیے جائے تو بھلا کون اعتراض کر سکتا ہے؟

○ جوان بیٹیاں۔

★ شبنم کس قسم کی فلموں میں کام کرتیں تو زیادہ اچھی لگتیں؟

○ خاموش فلموں میں۔

ہوں۔" اول خان کی آواز فکر مندی سے بوجھل تھی۔ "میرے اور تمہارے تجربات شہر میں کسی نئی قوت کی موجودگی کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ اب یقین ہو رہا ہے کہ دہلی سے آنے والی خبر درست ہے۔"

"تمہارے جانے کے بعد جلال بھی آیا تھا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" میں نے اسے بتایا۔

"ان کے ذرائع مختلف ہیں۔ یہ اتنی اہم خبر ہے کہ زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔

"باہر تمہارا اسٹرائیک یونٹ ضرور موجود ہو گا مگر ہم گھر میں محصور ہو جائیں گے۔ کیوں نہ ہم بھی باہر نکل کر ان کی آمد کا انتظار کریں۔"

"گھر چھوڑ کر تم چاروں کہاں جاؤ گے؟ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہماری گاڑی ہمارا ساتھ دے گی۔ اس میں ہتھیار اور میگزین ڈال لیں گے۔"

"یہ فیصلے میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ جو فیصلہ کرو' مجھے موبائل پر اس سے آگاہ ضرور کر دینا۔"

"اس وقت تم کہاں موجود ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں اضطراب کی حالت میں اپنے دفتر چلا آیا۔ ہنگامی حالات درپیش ہوں تو مجھے یہاں زیادہ سکون ملتا ہے۔"

”شہر میں کہیں کوئی اور دھماکا تو نہیں ہوا؟“
”ابھی تک ایسی کوئی خبر نہیں آئی۔ اس شہر نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اب یہاں اور خون نہ بہے۔ یہاں رہنے والے خون اور لاشوں سے عاجز آ چکے ہیں؟“
”ہر دردمند پاکستانی کی دعا یہی ہو گی مگر تم جانتے ہو کہ انسانوں کی ساری دعائیں باریاب نہیں ہوتیں۔“
”کیا یہ محض اتفاق ہے کہ آج کی رات دہرے خطرات منہ کھولے کھڑے ہیں۔ را کے دو آدمی شہر میں مہلک بم لیے گھوم رہے ہیں اور بلیک کیٹس تمہاری گھات میں آنے والے ہیں۔“
”یہ منصوبہ بندی نہیں، سراسر اتفاق ہے۔ میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو گھر میں نہ لے جاتا تو شاید یہ بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔ سروے فارم پر ویرا کے لکھے ہوئے جوابات کو وہ خبیث اپنے لیے چیلنج تصور کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا رکنا مشکل ہو جائے گا۔“
”وہ لڑکی اور اسے لانے والی گاڑی بھی مشتبہ ہے۔ ان کی تلاش شروع ہو جانی چاہیے۔“
”لڑکی کو بھول جاؤ۔ وہ مظلوم اور حالات کی ستائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ نوکری کرنے والوں کو بسا اوقات سرے سے علم ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا آجر ان سے کیا کام لے رہا ہے۔ گاڑی کو میں نے دور سے دیکھا تھا۔ شہر میں سرخ رنگ کی سیکڑوں سوزکی پک اپس موجود ہوں گی۔ تم کس کس کو دیکھو گے۔“
”جب سے میرے ذہن میں یہ نظریہ راسخ ہوا ہے، مجھے اپنے پیچھے آنے والی ہر گاڑی پر شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں وہ میرا پیچھا نہ کر رہی ہو۔“
”احتیاط بہت اچھی چیز ہے لیکن اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔“ میں نے نرم الفاظ میں اسے مشورہ دیا ورنہ میں حقیقت میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اول خان شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کے کسی گمنام حملے کی زد میں آیا تھا جس کے نتیجے میں اس کی خود اعتمادی مجروح ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی بھی درجے کے مجرم اسے یوں راہ چلتے اپنی گولی کا نشانہ بنائیں گے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔
اسے دوسرا ذہنی دھچکا اپنی سوچ سے پہنچا تھا۔ وہ کسی بھی بات کے بارے میں پریقین نہیں تھا لیکن یہ نکتہ اس کے دماغ میں بیٹھ گیا تھا کہ نامعلوم حملہ آور اسے زخمی کر کے اس کے کسی ٹھکانے کی طرف ہانکنا چاہتے تھے تاکہ اس کا پیچھا کر کے اس ٹھکانے کا سراغ لگا سکیں۔ وہ آغا خان اسپتال کے قریب حملے کا شکار ہوا تھا۔ اس کے پاس بہترین متبادل تھا کہ وہ بھرپور طبّی امداد کے لیے اس سڑک پر واقع دو بڑے اسپتالوں میں سے کسی ایک سے رجوع کرتا۔ یوں حملہ آور اپنے مقصد میں ناکام ہو سکتے تھے مگر اول خان نے زخمی ہونے کے بعد متبادل راہ اختیار کرنے کے بجائے وہی کچھ کیا جو اس کے دشمن چاہ رہے تھے اور وہ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہمارے گھر تک لے آیا۔
”یہ اول خان کے وہم ہیں۔ وہ اپنے اوپر ہونے والے فائر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔“ پورا پس منظر سن کر غزالہ نے اپنی رائے دی۔
”میں تم سے متفق ہوں۔“ ویرا نے گرمجوشی سے اس کی ہم نوائی کی۔ ”اول خان اس بارے میں بہت زیادہ سوچ رہا ہے۔ منفی باتوں پر زیادہ غور کرنے سے آدمی مایوسانہ سوچ کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گی۔“
”شاید میرا رویّہ بھی یہی ہوتا لیکن کچھ دیر پہلے آنے والی پراسرار سرویر، اول خان کے خدشات کو تقویت دے رہی ہے۔“ میں نے کہا۔
”وہ کون تھی؟ اس کا کیا چکر ہے..... تم دونوں نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“ سلطان شاہ بولا۔
”وہ ایک ڈراما تھا۔ ایک فراڈ لڑکی یہاں آئی تھی۔ میں نے اسے دروازے سے ہی بھگا دیا۔“ ویرا نے اختصار سے ذکر کر کے بات کو ٹالنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکی۔ ان دونوں کے اصرار پر اس نے وہ واقعہ دہرا دیا..... وہ اتنی سمجھ دار تھی کہ اس نے اپنی ساری تلخ کلامیاں حذف کر دی تھیں۔
”ایسا کبھی نہیں ہوا۔“ غزالہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ اول خان کو اس لڑکی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ یہ ٹائمنگ خطرے کی نشان دہی کر رہی ہے۔“
”خطرات ہو سکتے ہیں مگر وہ اتنے سنگین نہیں ہوں گے جتنے اول خان کو نظر آ رہے ہیں۔“ ویرا بولی۔
”میری رائے مختلف ہے۔ میں آج کی رات اس گھر سے باہر بسر کرنے کو ترجیح دوں گا۔“ میں نے دھیرے سے کہا۔
”اگر دہلی سے نکلنے والی افواہیں درست ہیں تو وہاں سے صرف دو آدمی آئے ہیں۔ وہ کتنے ہی تیز طرار ہوں، مداری یا جادوگر نہیں ہو سکتے کہ یہاں اپنا پٹارا کھولتے ہی ہر طرف اپنی کارگزاریاں دکھانی شروع کر دیں۔ انہیں یہاں جمنے اور اپنے ہاتھ پھیلانے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔“
”اول خان کو خبر آج ملی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آج

ہی آئے ہوں۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "ہماری بے خبری میں وہ نہ جانے کب سے یہاں آئے بیٹھے ہیں اور خاموشی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ افواہیں فوری طور پر جنم نہیں لیتیں۔ اس میں وقت لگتا ہے۔"

"ڈینی! حقیقت پسندی سے کام لو۔ وہ یہاں اجنبی ہیں۔ رازداری کی وجہ سے اپنے ساتھیوں اور سفارتی افسروں سے الگ تھلگ رہ کر کام کر رہے ہیں۔ اتنی تیزی کیسے دکھا سکتے ہیں۔" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "انہوں نے اول خان کو زخمی کر کے اس کا پیچھا کیا پھر تھوڑی دیر بعد کرائے کی ایک لڑکی کو یہاں بھیج دیا۔ انہیں سرخ پک اپ والے کو بھی خریدنا پڑا ہوگا۔ اجنبی باشندے ایک حریف ملک میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اتنی سرعت سے پیش قدمی نہیں کرتے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ وہ نک، ٹام یا بن ڈیوڈ نہیں ہیں۔ بھارتی شہری ہیں۔ ہمارے اور ان کے خدوخال مشترک ہیں۔ وہ مقامی پہناوا اختیار کرلیں تو انہیں شناخت کرنا مشکل ہوگا۔ امریکیوں کے برعکس وہ باہر نکل کر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ کوئی ان پر شبہ نہیں کرے گا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے ہوں گے۔ سوزوکی والے کو کیا علم ہوگا کہ وہ لڑکی کو لے کر کیا کرنے جا رہا تھا۔ معقول کرایہ ملنے کی امید پر وہ ان کا آلہ کار بن گیا۔ اسی طرح وہ لڑکی تھی۔ اسے اپنے ہزار دو ہزار روپے کی فکر تھی۔ اسے کیا پڑی تھی کہ وہ سروے کے مقاصد پر غور کرتی۔ یہ آج کل کا رواج ہے کہ بہت سے ادارے پڑھے لکھے لڑکوں لڑکیوں کے ذریعے براہِ راست صارفین سے رابطے کو ترجیح دیتے ہیں۔ زیادہ مشاہرے پر عارضی نوکریاں دیتے ہیں، ہدف پورا ہونے پر چھٹی کر دیتے ہیں۔ اس آڑ میں کسی کے لیے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔" اس بار میں نے اپنا نکتہ نظر ذرا تفصیل سے بیان کر دیا۔

"یہ سب سے اہم بات ہے کہ وہ امریکیوں کی طرح مختلف ہیں اور نہ ہماری زبان سے نابلد ہیں۔ یہ دونوں باتیں ان کے حق میں جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے اقرار کیا۔

"مل گئے پھر تم ڈینی سے!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"یہ محاذ آرائی کی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے ٹوکا "ہمیں مل جل کر کسی نتیجے پر پہنچنا ہے۔"

"دیکھو۔۔۔ تم اس لڑکی کے فریب میں آ گئے تھے۔ اسے میں نے ڈانٹ پھٹکار کر بھگا دیا تھا۔ میں تمہاری ہاں میں ہاں ملا کر سارا کریڈیٹ خود لے سکتی ہوں مگر میری عقل یہ بات ماننے سے قاصر ہے کہ وہ دو عدد بھارتی یہاں آ کر فوراً اتنے سرگرم

تو دو چار روز میں اتنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں۔"

"پھر بھی ہمیں رسک نہیں لینا چاہیے۔" میں نے اصرار کیا۔ بحث کو طول دینے کے بجائے میں کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

"میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گی کہ ایک دور از کار امکان سے خوف زدہ ہو کر ہم اپنی ساری رات گاڑی میں اونگھ کر بسر کر دیں۔ اور مچھر ہمارے جسموں کو بھنبھوڑتے رہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر آخری رائے سنا دی۔ "اگر ان کو آنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر کا رخ کرلیں۔ وہ اپنا پروگرام کل، پرسوں یا چند روز کے لیے ملتوی کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ان کے آنے تک اپنی راتیں یوں ہی گاڑی میں بیٹھ کر کالی کرتے رہیں گے۔"

میں نے پورے تحمل سے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں بات مکمل کر کے خاموش ہوئی تو میں نے رسانیت سے کہا "میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ تم نے شاید میری اور اول خان کی گفتگو پر دھیان نہیں دیا۔ کسی متوقع محاذ آرائی کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا ایک اسرائیک یونٹ ہمارے گھر کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ باہر ایک مرتبہ تصادم شروع ہو گیا تو ہم گھر میں محصور ہو کر رہ جائیں گے باہر نکل کر مقابلے میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ اگر وہ آتے ہیں تو میں انہیں اپنے ہاتھوں سے فنا کرنا چاہوں گا۔"

"بہتر یہی ہے کہ ہم خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے خود بڑھ کر مقابلہ کریں۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

"تم تینوں کے گٹھ جوڑ کے سامنے میں بے بس ہوں۔ جو چاہو کرتے رہو۔" ویرا نے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی اکثر حرکتیں اشتعال آور ہوتی ہیں۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہمیشہ بہت مہذب اور شائستہ پیرایے میں بات کرتی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں لیکن جب ہم چاروں آپس میں مل کر بیٹھتے تھے تو اس کا لب و لہجہ بالکل مختلف اور ناقدانہ ہو جاتا تھا۔ اس نے میری تجویز کی کھل کر مخالفت کی تھی لیکن آخر میں اس نے جن الفاظ اور جس انداز میں پسپائی اختیار کی تھی وہ ترحم انگیز تھے۔ مجھے خوا مخواہ اس پر ترس آنے لگا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ ہم گاڑی میں راتیں گزار کر غیر معینہ مدت تک ان کا انتظار نہیں کر سکتے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے زبان کھولی تو اپنے موقف کی تائید سن کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ہلاوجہ مجھے غصہ دلانے کی کوشش

کر رہے ہو۔" ویرا نے شوخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا اور میں نے بوکھلا کر نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ اس وقت ویرا کی نگاہوں میں تخلیے والے موڈ کا تسلسل نظر آ رہا تھا جو غزالہ آسانی سے پڑھ سکتی تھی۔

"ہم گھر میں رہ کر ان کی آمد کا انتظار کریں گے۔" میں نے دانستہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "وہ اناڑی نہیں ہیں کہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر، ہمارے گھر پر اندھا دھند چڑھائی کر دیں۔ وہ آنے سے پہلے یہاں کے گرد و پیش کا جائزہ لیں گے تو انہیں مطلع ابر آلود نظر آئے گا۔ اسٹرائیک یونٹ والے کیسی ہی احتیاط کر لیں، ان کی موجودگی محسوس کر لی جائے گی۔"

"ایسی صورت میں وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

"میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ کسی پھندے میں پھنسنے کے بجائے وہ انتظار کو ترجیح دیں گے....."

"مجھے ایک بات بتاؤ۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "وہ یہاں کیوں آئیں گے؟ انہوں نے صرف یہ گھر دیکھا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہاں کون رہتا ہے۔ زخمی ہونے کے بعد اول خان کسی بیت الخلا کا رخ کرتا تو کیا وہ اسی پر ٹوٹ پڑتے؟"

"یہاں رہنے والوں کی جانچ پڑتال کے لیے انہوں نے ایک لڑکی کو سرویر بنا کر بھیجا تھا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"وہ لڑکی کوئی تیر مارے بغیر لوٹ گئی۔ ہم اس کی وجہ سے کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔" ویرا نے اسی سے پوچھا۔

"وہ تمہیں دیکھ کر گئی ہے۔ پاکستان میں اس وقت روانی سے اردو بولنے والی ایک ہی امریکی عورت موجود ہے اور وہ تم ہو، سرویر لڑکی نے کچھ اور کیا ہو یا نہ کیا ہو، یہ تیر ضرور مارا ہے۔ بلیک کیٹس اسی ایک بات سے یہ سمجھ لیں گے کہ اس گھر میں تم رہتی ہو۔ تم یہاں ہو تو ڈینی بھی یہاں ہو گا۔ وہ اس گھر کو اہمیت دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکرا رہا تھا۔

"میری عقل زیادہ کام کر رہی ہے یا پھر تم تینوں کی عقلیں چوپٹ ہو گئی ہیں۔ اس لڑکی کو تم نے نہیں دیکھا۔ میں نے اور ڈینی نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اتنی ذہین ہوتی کہ صورت دیکھ کر کسی کی قومیت کا اندازہ لگا سکے تو کسی ڈھنگ کی جگہ نوکری کر رہی ہوتی، یوں ماری ماری نہ پھرتی۔ میرے چہرے پر کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں امریکی ہوں۔"

"تو پھر تم کیا ہو؟" سلطان شاہ اس سے اڑ گیا۔

"قمیص شلوار پہن کر اردو بولنے والی ہر سفید فام عورت امریکی نہیں ہوتی۔ تمہارے ملک کے شمالی علاقوں میں سرخ و سفید، گورے چٹے اور دراز قامت لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میں نے وہاں چادروں میں لپٹی ہوئی، نیلی آنکھوں والی ایسی ایسی حسین عورتیں دیکھی ہیں، جو مجھ سے بڑھ کر خوب صورت ہیں...."

"ویرا پلیز!" سلطان شاہ نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی "ذرا اپنی غلط فہمی کی تصحیح کر لو۔ میں نے تمہیں حسین ہرگز قرار نہیں دیا۔ تمہارے رنگ روغن کی وجہ سے تمہیں امریکی کہہ رہا تھا۔"

ویرا اسے قہربار نظروں سے گھور کر رہ گئی اور کسی نئی بحث میں پڑے بغیر قدرے تیزی سے بولی "میں بھی صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ سرویر کوئی عاقلہ فاضلہ نہیں تھی۔ مجھ سے بات کر کے مجھے پٹھانی عورت سمجھی ہو گی۔ تم لوگ بلاوجہ اپنی داڑھی کا تنکا ٹٹول رہے ہو۔"

"ہر مرد اور عورت کو اپنے بارے میں خوش فہم رہنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ خوش فہمی معقول حدود میں رہنی ضروری ہے۔" سلطان شاہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا "تم حسن کا کوئی معیار نہیں ہو۔ ہمارے ملک کے بہت سے حصوں میں ایسی ایسی حسین عورتیں پائی جاتی ہیں جو..."

"بس! میں نے بات کاٹ کر سختی سے اسے خاموش کر دیا۔" اس وقت ہم ایک سنجیدہ موضوع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔"

سلطان شاہ نے شرارت بھری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور اپنے کان کی لو سہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اگر ان بلیک کیٹس میں ذرا سی بھی عقل ہے تو وہ کسی سنی سنائی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کریں گے۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اگر میری قومیت کے بارے میں کوئی مشتبہ بات ان کے سامنے آئی تو وہ خود اس کی چھان بین کریں گے۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

باہمی تبادلہ خیال میں گرہیں کھل رہی تھیں، ابہام دور ہو رہے تھے اور حالات کی سنگینی میں نمایاں کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سروے کرنے والی لڑکی ہمارے گھر میں کسی خاص بات کی تصدیق کرنے نہیں آئی تھی۔ اول خان کے تعاقب کے نتیجے میں اگر ہمارا گھر ان کی نظروں میں آ گیا تھا تو انہوں نے اس لڑکی کو محض عمومی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا ہو گا۔ کمپیوٹر پر ذرا سی دیر میں کچھ فرضی سروے فارم تیار کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے مطلب کے فارم تیار کر کے انہوں نے معقول معاوضے پر لڑکی کی خدمات حاصل کیں اور اسے ہماری طرف بھیج دیا۔

وہ جس چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی اس پر ویرا

نے پانی پھیر دیا۔
"ہم دونوں زیادہ دیر کے لیے باہر نہیں رہے تھے پھر وہ لڑکی کب آئی تھی؟" غزالہ نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بار بار ویرا کی تیکھی اور شوخ نظروں کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی طرف سے کچھ بے آرام سی ہو رہی تھی۔
"وہ آٹھ بجے کے قریب آئی ہوگی۔ میں نے چند منٹ میں اسے چلتا کر دیا۔" ویرا نے بتایا۔
"اس وقت جلال بھی یہاں موجود رہا ہوگا؟" غزالہ نے تصدیق چاہی۔
"وہ جا چکا تھا۔ اس وقت گھر میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔"
"ہوں... اوں!" غزالہ نے سر ہلا کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر دوبارہ ویرا کی طرف متوجہ ہو گئی "میں یہ سوچ کر بازار گئی تھی کہ وہ کچھ دیر کے لیے تم دونوں کا ساتھ دے گا مگر وہ جلدی چلا گیا۔ وہ آیا تو دیر تک بیٹھنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔"
ویرا کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ غزالہ کے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات کلبلا رہے تھے۔ اس نے جواب دیا "وہ عجلت میں تھا۔ ہم نے کھانے کے لیے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا۔ ایم ففٹی لینے کے لیے آیا تھا وہ لیا، کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں اور چلا گیا۔"
"کمال ہے۔ ذرا سی دیر میں وہ چلا گیا، لڑکی آئی اور وہ بھی چلی گئی۔ ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے باہر رہے ہوں گے!" اس نے سلطان شاہ سے تصدیق چاہی۔
ایسے مواقع پر سلطان شاہ شر پسندی سے نہیں چوکتا تھا۔ اس نے سر ہلا کر پورے خلوص سے غزالہ کی تائید کر ڈالی "ہمیں تیس پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے۔ جلال چلا گیا تھا۔ یہ دونوں گھر میں اکیلے رہ گئے تھے۔ سر جوڑ کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہے ہوں گے کہ لڑکی نے آ کر رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ویرا کا غصہ فطری تھا۔ غنیمت ہے کہ اس نے مداخلتِ بے جا کے الزام میں اس کے سر پر جوتے نہیں لگائے اور اسے محض دھتکار کر گھر سے بھگا دیا۔"
"کھل کر کہو کہ تم کیا بکنا چاہ رہے ہو!" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غرائی۔
"ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ جلال کے جانے کے بعد تم گھر میں تھیں، لڑکی کو جانا ہی تھا۔" اس بار سلطان شاہ محتاط ہو گیا۔
"اور ابھی ڈینی کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔"
"میں کیا کہوں گا۔ تم نے خود بتایا تھا کہ لڑکی جلال کے جانے کے بعد آئی تھی۔"
"غلط فہمیاں پیدا نہ کرو۔ ڈینی پھاٹک پر جلال کو الوداع کہہ رہا تھا تو وہ لڑکی آ گئی۔ ڈینی اسے اندر لے آیا۔ میں نے اسے بھگا دیا اور قصہ ختم۔"
"اوہو۔ اب سمجھا پھر تو لڑکی کو بھگانے کے وقت سے تم دونوں ایک دوسرے سے خاصی دیر تک بور ہوتے رہے ہو گے!" اس نے معصومیت سے پوچھا۔
"میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو اور غزالہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔ تم بلاوجہ کیوں دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہو!"
"میں شکوک و شبہات پیدا کر رہا ہوں!" اس نے حیرت سے کہا "مجھے تو تم دونوں کی تنہائی اور بوریت پر رحم آ رہا ہے۔"
"میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش نہ کرو۔ تم غزالہ کو کوئی ذو معنی بات باور کرانا چاہ رہے ہو۔"
"توبہ توبہ، میری توبہ!" سلطان شاہ نے دونوں کان تھام کر ہولے سے اپنے گالوں کو چھوا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میری یہ مجال کہ میں ایسی کوئی حرکت کروں۔ اگر تم خود ہی اپنی داڑھی میں کوئی تنکا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"
ویرا نے اپنی جگہ چھوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن سلطان شاہ اس کا ارادہ تاڑ کر بلا تاخیر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔
"وہ بہت معصوم اور سادہ لوح ہے۔" غزالہ نے ویرا سے کہا "تم بلاوجہ اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔"
"تم نے سنا نہیں کہ وہ کیسی زہریلی باتیں کر رہا تھا۔ تم اسے معصوم کہہ رہی ہو۔"
"اس کی باتیں تمہیں بری لگتی ہیں۔ مجھے ان باتوں پر پیار آتا ہے۔"
"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ اس نے تمہیں اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے۔ میں اتنی بدذوق نہیں ہوں کہ اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر سکوں۔"
"ابھی تم پاکستان کے شمالی علاقوں میں رہنے والوں کی تعریف کر رہی تھیں۔ وہ ان ہی اطراف کا رہنے والا ہے۔"
"پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ ان میں برے بھلے لوگ بھی ہیں۔" ویرا نے بیزاری سے کہا اور اٹھ گئی۔
"آیئے! ہم بھی کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں ستا لیں۔" غزالہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
اس وقت میں نے اس کی آنکھوں میں اس کے دل کی

تحریر پڑھ لی تھی۔ وہ بہت ذہین لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے دل میں شک کا بیج نمو پا چکا تھا۔ وہ خواب گاہ کی خلوت میں میرے قریب ہو کر یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ میرے بدن میں کسی اور کے وجود کی مہک تو نہیں رچی ہوئی تھی۔

خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے غزالہ نے اندر سے بولٹ کیا اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے آ لگی۔ وہ نہایت چاہت بھرے انداز میں اپنا چہرہ میرے سینے اور شانوں سے رگڑ رہی تھی۔ اس کے تنفس کی بڑھی ہوئی اور ناہموار رفتار چغلی کھا رہی تھی کہ اس کے سانس کسی اجنبی خوشبو کی تلاش میں تھے۔

○☆○

اگلے دن جلال سرسری انداز میں وہی خبر لے آیا۔ اس نے بھی دہلی میں پھیلی ہوئی افواہ کے حوالے سے وہ خبر سنائی تھی۔

جلال نے اس خبر یا افواہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دہلی میں را کے رسوائے زمانہ افسروں کی خوں ریزی کے نتیجے میں را کے عملے میں جو بد دلی اور مایوسی پیدا ہوئی تھی، اس کا ازالہ کرنے کے لیے را کے بڑوں نے جان کر وہ افواہ اڑائی تھی تاکہ ان کے پست حوصلوں کو سہارا مل سکے۔

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلی رات ہمارے لیے وہ افواہ یکایک کس قدر گرما گرم موضوع سخن بن گئی تھی۔ رات خیریت سے گزر جانے کے بعد میرے ذہن میں اس لڑکی کی اہمیت بھی ماند پڑ گئی تھی جو چائے نوشی کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آئی تھی۔ میں نے جلال سے اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اسی کے انداز میں اسے اتنا ضرور بتا دیا کہ دہلی میں اڑی ہوئی افواہ پچھلی رات ہی اول خان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

"میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ کل فریر پارک کے دھماکے کے بعد پورے شہر سے کہیں پٹاخہ چھٹنے کی بھی خبر نہیں آئی۔ ہر طرف سکون رہا۔" اس نے اطلاع دی۔

"شہر میں کیے گئے غیر معمولی حفاظتی انتظامات نے ان کے حوصلے پست کر دیے ہوں گے۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"حفاظتی انتظامات سے زیادہ حوصلہ شکن نمبرون اور تھری کا انجام تھا۔ ایسے عبرت اثر مناظر انسان کو زندگی بھر بھلائے نہیں بھولتے۔" میں نے کہا۔

"سبب کچھ بھی رہا ہو، مجھے خوشی ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہے۔"

"ان کی خاموشی پر بن کا پارا بہت چڑھا ہوا ہوگا۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

"وہ خونی بھیڑیا ہے، غصے سے پاگل ہو رہا ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ کل سے ایم ففٹی خاموش ہے۔ اسے ان دونوں کو لعن طعن تو کرنی چاہیے تھی۔"

"چاہو تو تم رابطہ کر کے اسے چڑا دو کہ را والوں نے اس کا نام ڈبو دیا ہے۔" ویرا مجھ سے بولی۔

"سوتے ہوئے آدم خور کا سوتے رہنا ہی ٹھیک ہے۔ ہماری طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہونی چاہیے۔" جلال جلدی سے بول پڑا۔

"اس وقت تم ادھر کیسے نکل آئے۔ کل شام تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔" غزالہ نے اس سے پوچھ لیا۔ اس کے جلد واپس چلے جانے کا واقعہ اس کے ذہن پر سوار تھا۔ جلال روبرو آ گیا تھا تو غزالہ نے وہ بات صاف کرنے کا موقع پیدا کر لیا تھا۔

"میں کراچی میں ناگزیر مجبوریوں کے تحت رکتا ہوں۔" جلال نے بتایا "کل شام مجھے کئی ضروری کام نمٹانے تھے۔ میں تمہارا پکایا ہوا کھانا چکھنے کے لیے بھی نہیں رک سکا۔"

غزالہ کے چہرے پر طمانیت کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ جلال کی واپسی میں ویرا کی کسی سازش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے جلال سے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا "آج تمہیں جانے کی عجلت نہ ہو تو دوپہر کا کھانا کھا کر جانا۔ میں گردوں کا سالن بنا رہی ہوں۔"

"ویری گڈ۔" اس نے خوش ہو کر چٹکی بجائی "مغز اور گردے میری کمزوری ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولا "آج میں ذرا فرصت سے آیا ہوں۔ دو بجے تک بالکل فارغ ہوں۔ اس وقت سے پہلے کھانا تیار ہو جائے تو ضرور کھا کر جاؤں گا۔"

غزالہ خوش ہو گئی "میں ایک بجے میز لگا دوں گی۔"

"حالات نارمل ہوں تو میں ایک ڈیڑھ بجے تک لنچ کرتا ہوں۔ صبح سات بجے ناشتا کرنے کے بعد بھوک ذرا جلدی چمک اٹھتی ہے۔" اس نے بتایا اور غزالہ اسی وقت اٹھ کر کچن کی طرف چل دی تاکہ کھانے کی تیاری کے عمل کو کچھ تیز کر سکے۔

"مرنے والوں کی لاشوں کی شناخت کا کیا بنا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"چوپڑا نے مردہ خانے میں پڑی ہوئی، اپنے آدمی کی بے گور و کفن لاش کا چہرہ پہچان لیا۔ وہ تڑپا بھی تھا۔ اب را جو اور

سیٹھی باقی رہ گئے ہیں۔"

"ان میں سے کس کا کیا نمبر ہے؟" ویرا پھر پوچھ بیٹھی۔

"چوہڑا اس سسٹم سے لاعلم ہے۔ نمبروں کا سسٹم شاید اس کی گرفتاری کے بعد رائج ہوا ہے۔ پہلے وہ اپنے ناموں سے ہی بن ڈیوڈ کے لیے کام کرتے تھے۔"

"اب ان لاوارث لاشوں کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"کوئی دعوے دار سامنے آئے گا تو انہیں سمیٹ کرلے جائے گا ورنہ وہ لاشیں ایدھی کے حوالے کردی جائیں گی۔"

"وہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے آئے تھے۔ ان کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آئے گا۔ وہ آخر کار ایدھی والوں کے سر پڑیں گی۔" میں نے کہا۔

"ایدھی والے مسلمان ہیں۔ وہ ان کی تدفین اپنے طریقے سے کریں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"مجبوری ہے۔ انہیں کیسے بتایا جاسکتا ہے کہ مرنے والے را کے ہندو ایجنٹ ہیں۔ وہ لاوارث ہیں اور لاوارث ہی رہیں گے۔"

"کیا ان کو بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق پڑے گا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔ مرنے والوں کا مذہب اور مسلک معلوم ہو تو پورے احترام سے ساری رسوم پوری کرتے ہیں جن مردوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو ان کو اسلامی طریقے سے دفن کردیا جاتا ہے۔" ویرا نے وہ وضاحت کرکے مجھے حیران کردیا۔

"تم ان لوگوں کے بارے میں خاصی باخبر معلوم ہوتی ہو۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے امریکا میں ان پر ایک جامع مضمون پڑھا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جملہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔" مجھے جواب دے کر ویرا یکایک جلال کی طرف متوجہ ہوگئی اور داہنے ہاتھ کا انگوٹھا نکال کر ہونٹوں کی طرف لے جاتے ہوئے بولی "فرصت سے آئے ہو تو میرے کمرے میں چلو۔ بعد میں گردے کھانے کا مزہ آجائے گا۔"

"میں قانون کے سخت ترین نفاذ کا علم بردار ہوں، نجی زندگی میں بھی قانون کا احترام کرتا ہوں۔ یہاں مسلمانوں کے لیے شراب خلافِ قانون ہے۔ میں اس سے دور رہتا ہوں۔" جلال نے مکمل ترین جواب دے کر بہت شائستہ انداز میں ویرا کی پیش کش رد کردی۔ "ویسے میں تمہارا کمرا ضرور دیکھوں گا۔ سنا ہے کہ اسے تم نے اپنے ذوق کے مطابق سجایا ہے۔"

ہم چاروں اٹھ کر ویرا کے کمرے کی طرف چل دیے۔

سلطان شاہ کو معلوم تھا کہ گردے پکنے کی نوید سن لینے کے بعد ویرا پینے سے باز نہیں آئے گی اس لیے وہ ویرا کے کمرے کے دروازے سے واپس لوٹ گیا۔ ہم دونوں ویرا کی رہنمائی میں اندر پہنچ گئے۔

اپنی مجبوریوں اور رازداری کی وجہ سے ہم گھریلو کام کاج کے لیے کوئی ملازم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے ہر ایک اپنے کمرے اور سامان کی دیکھ بھال خود ہی کرتا تھا۔ ویرا کا آراستہ، سمٹا ہوا اور صاف ستھرا کمرا دیکھ کر جلال کی طبیعت خوش ہوگئی۔

"خوش شکل لوگ اگر بدذوق نکلیں تو بہت کوفت ہوتی ہے۔ تم ایسی نہیں ہو۔" جلال نے نہایت خوب صورتی سے ویرا کے حسن کی تعریف کرنے کی راہ نکال لی۔

"اس دہری تعریف کے لیے میں تمہاری ممنون ہوں۔" ویرا چوکنے والی نہیں تھی "تھوڑی دیر پہلے سلطان شاہ کی رائے تھی کہ میں کسی تعریف کے قابل نہیں ہوں۔"

"اس کی شکایت اسی کے سامنے کرتیں تو میں کوئی جواب دیتا۔ اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" جلال کا جواب بہت درست اور تیکھا تھا۔

"میں بھی اس کی غیبت نہیں کررہی۔ پس پشت میں محتاط رہتی ہوں۔ منہ در منہ اسے بہت کچھ کہہ جاتی ہوں۔" ویرا نے گیند واپس اچھالنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔ اس کی خوبی یہی تھی کہ وہ بات زبان سے نکلتے ہی اس کی تہ تک پہنچ جاتی تھی۔

ویرا نے جلال سے اجازت لے کر جن کی بوتل کیبنٹ سے نکال کر تپائی پر رکھی تو جلال کو اپنا ایم ففٹی یاد آگیا۔ اس نے ایریئس اپنی جیب سے نکال کر بوتل کے برابر میں کھڑا کردیا "اسے بھی سامنے رہنا چاہیے۔ پتا نہیں یہ کب بولنا شروع کردے۔"

"تم نے اس کی آواز کم کی ہوئی ہے۔" ویرا نے اپنا گلاس تیار کرتے ہوئے جلال سے پوچھا۔

"بات شروع ہوگی تو آواز بڑھادوں گا۔ غیر ضروری اور مسلسل ریڈیائی شور تمہارے سرور میں خلل انداز ہوگا۔"

"پیتے نہیں لیکن پینے کے رموز جانتے ہو۔" ویرا نے اپنا کام پورا کرکے بوتل بند کرتے ہوئے کہا۔

"تم جیسے دوستوں سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔" ویرا کے کمرے میں پہنچتے ہی موضوع سخن یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔

میرے دل میں کئی بار آئی کہ رات کو رونما ہونے والی اعصابی صورت حال کے بارے میں اسے کچھ نہ کچھ بتادوں لیکن میں زبان نہیں کھول سکا۔ صرف قیاسات پر مبنی وہ

خطرات اتنے موہوم تھے کہ میں ان کے ذکر میں اپنی سبکی محسوس کررہا تھا۔
"اول خان کے زخم کا کیا حال ہے؟" جلال کا دھیان اچانک ادھر چلا گیا۔
"بہت بہتر ہے۔ زخم کے مندمل ہونے کی رفتار سے شبہ ہورہا ہے کہ وہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا۔ کوئی اس کو زخمی کرکے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔" میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔
"گولی چلانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کئی محاذوں کا آزمودہ افسر ہے۔ جس نے محاذ جنگ پر موت سے آنکھ مچولی کھیلی ہو وہ ایک آدھ گولی سے کیا خوف زدہ ہوگا۔"
جلال نے خود بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی اور میں نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس بارے میں بات آگے بڑھتی تو میں جلال کو اتنا اشارہ ضرور دے دیتا کہ اول خان کو پچھلے روز اپنے تعاقب کا اندیشہ تھا مگر وہ نوبت آنے سے پہلے بات ختم ہوگئی۔
"تم نے کبھی کسی سے عشق کیا ہے؟" ویرا نے اچانک جلال سے وہ ٹیڑھا سوال کیا تو میں چونک پڑا۔ بے اختیار میری نظریں اس کے گلاس کی طرف گئیں۔ اس نے جن اور ٹانک واٹر کے مرکب کا صرف ایک آدھ گھونٹ لیا تھا جو اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف تھا۔ اس سے ویرا کو نشہ نہیں ہوسکتا تھا۔
"میں نے شادی کے بعد اپنی بیوی سے عشق کیا ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ تجربہ نہیں ہے۔"
"یہ عجیب شے ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "ڈینی نے پہلے عشق کیا پھر شادی کرلی۔"
"کس سے عشق لڑایا تھا تم نے؟" جلال نے بائیں آنکھ دبا کر مجھ سے پوچھا۔
میرے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی "اپنی ہونے والی بیوی یعنی غزالہ سے۔ میں اس عشق کی عینی شاہد ہوں۔"
"یہ تو میری اور ڈینی کی بات ہوئی۔ اس بارے میں تمہارا اپنا تجزیہ کیا ہے۔" جلال کا وہ سوال منطقی اور تہذیب کے دائرے میں تھا۔
"حسرتوں کو پال پال کر جوان کردیا اور کہیں سے کچھ نہیں ملا۔" ویرا نے گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کردیا اور اپنے گلابی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "جس پتھر کو چومنا چاہا وہ پہلے ہی کسی کی چوکھٹ پر گرا ہوا تھا۔"
ویرا دوبارہ اپنی بوتل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جلال مسکراتی ہوئی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
ویرا کے کنایئے اس کے لیے ناقابل فہم نہیں تھے۔
عشق تمہارے مشرق کا ایک ممنوعہ موضوع ہے۔ ویرا دوسرا گلاس بنانے کے بعد بولی "ایک عورت کی زبان سے یہ لفظ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تم سوچ رہے ہوگے کہ میں نے یہ ذکر کیوں نکالا ہے۔"
"سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔" جلال نے اس کی حوصلہ افزائی کی "انسان دوستوں کے سامنے دل کی ہر بات کرلیتا ہے اور ہم گہرے دوست ہیں۔"
"کبھی کبھی میرا ناکام عشق ایک عذاب بن کر میرے دماغ پر سوار ہوجاتا ہے اور میں کرب میں مبتلا ہوجاتی ہوں۔ تم دونوں کامیاب آدمی ہو۔ شاید میرے اس کرب کا اندازہ نہیں کرسکتے۔"
"تم کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن جھجک رہی ہو۔" جلال بولا۔ "آنکھیں بھینچ کر سب کو بھول جاؤ۔ خود کو اپنی ذات میں محصور کرو اور جو کہنا چاہتی ہو کہہ ڈالو۔"
اس نے یکایک زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ میں ڈر گیا کہ اب وہ بولنا شروع کردے گی لیکن اس کے لبوں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ دو تین سیکنڈ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں جو ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا گلاس اٹھالیا .....اور اس کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولی "نہیں جلال، یہ ممکن نہیں ہے۔ زبان بند رہے تو بہتر ہے۔ لب کشائی کرکے کچھ پالینے کی امید نہ ہو تو زبان بندی سب سے بہتر ہوتی ہے۔"
"تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں تیر رہی ہے ویرا؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
اس نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی "ڈینی! کم از کم تم تو یہ سوال نہ پوچھو۔" پھر وہ یکایک جلال کی طرف متوجہ ہوگئی "یہ دکھ کے نہیں، خوشی کے آنسو ہیں جو نمی بن کر بے اختیار میری آنکھوں میں تیر آئے ہیں۔ کبھی کبھی نہ پانے کا دکھ پالینے کے سکھ سے زیادہ مزہ دیتا ہے۔"
"تم نے زیادہ شراب نہیں پی پھر بہکی بہکی باتیں کیوں کررہی ہو؟" میں نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر پوچھا۔
"دل چاہ رہا تھا۔" اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں گمبھیر اداسی رچی ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے یہ سب نہیں کہہ سکتی۔ وہ میری باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ جلال ہمارا دوست مگر باہر کا آدمی ہے۔ میں اس کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کررہی ہوں۔" اس نے دوسرا گلاس اپنے ہونٹوں سے

لگا لیا۔
اس پر غصہ دکھانا بے سود تھا۔ وہ اندر سے زخمی تھی۔ اس کے زخم کا مواد الفاظ کی صورت میں بہہ جانا ہی بہتر تھا۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔
"یہ تمہاری اور ویرا کی باہمی غلط فہمیوں کا نتیجہ لگتا ہے۔" جلال نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ویرا میری وجہ سے پاکستان میں رکی ہوئی تھی۔ میں جلال کی اس رائے پر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔
اچانک تپائی پر رکھے ہوئے ایم ففٹی نے بولنا شروع کردیا۔ اس پر بن ڈیوڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ نمبر ٹو پکار رہا تھا۔
"یہ نمبر ٹو کہاں مر گیا؟" پیغام کی تیسری تکرار سن کر جلال بڑبڑایا۔ ایم ففٹی کا بٹن دبائے بغیر ہماری آواز کسی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ بات جلال ہم سے زیادہ جانتا تھا۔
بن نے چوتھی بار وہی الفاظ دہرائے تو جواب نمبر فور کی آواز میں آیا "میں نمبر فور ہوں سر!"
"وہ کتے کا بچہ کہاں مر گیا؟" بن کی بپھری ہوئی آواز آئی۔ اس نے روانی میں انگریزی کی وہ عامیانہ گالی دی تھی۔
"اسے رات سے ملیریا ہو گیا ہے۔ وہ پل کے نیچے پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا کانپ رہا ہے۔ میں اس کے لیے اسٹور سے دوا لینے آیا تھا۔"
"تم نے میری چوتھی کال پر جواب دیا ہے۔ نمبر ٹو کی علالت کی خبر بن کا غصہ کم نہیں کر سکی تھی۔"
"مجھے اشارہ مل رہا تھا مگر میں اسٹور میں تھا۔ اب ایک محفوظ کونے سے بات کر رہا ہوں۔"
"میں نے تمہیں الگ الگ رہنے کے لیے کہا تھا۔ تم پھر اکٹھے ہو گئے ہو۔ کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔"
"ہم الگ الگ ہی تھے مگر دور سے ایک دوسرے پر نظر رکھ رہے تھے۔ وہ بخار میں پھنکنے لگا تو مجھے مجبور ہو کر اس کے قریب جانا پڑا۔"
"اسے کام کے نام سے بخار چڑھ گیا۔ تم کیوں کامیاب نہیں ہوئے؟ آج کے اخباروں میں کوئی خبر نہیں ہے۔"
"حالات سازگار نہیں تھے۔ کل شہر سے ایسے گداگروں کو بھی اٹھالیا گیا ہے جو مشتبہ سمجھے گئے۔ میں تمہارے لیے کام ضرور کر رہا ہوں لیکن ہماری پہلی ترجیح اپنی حفاظت ہے۔"
"شاید اس پُرمشقت روپوشی نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے۔" بن کا لہجہ طنزیہ مگر قدرے نرم ہو گیا۔ اس نے نمبر فور کے جواب سے اس کی خفگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ لوگ بن یا کسی امریکی ایجنسی کے نمک خوار نہیں تھے۔ محض مقاصد کی یکسانیت کی وجہ سے بن کے لیے کام کر رہے تھے۔ وہ بن سے برابر کے نہیں تو قدرے بہتر سلوک کی توقع کرنے میں حق بہ جانب تھے۔
"زندگی کی آسائشوں کو خیرباد کہہ کر فقیر کے روپ میں دن رات پڑے رہنا آسان کام نہیں ہے سر! رہی سہی کسر کل شام پوری ہو گئی۔ وہ ہمارے پرانے ساتھی تھے۔" نمبر فور نے بہت مختصر اور ڈھکے چھپے الفاظ میں بن کو اپنے جذبات سے آگاہ کر دیا۔
"مجھے اندازہ ہے۔ کام کرنے کے لیے ایسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ ٹو کا بخار کب تک اترے گا۔"
"میں نے ملیریا کا پورا کورس لے لیا ہے۔ ابھی چار گولیاں دوں گا۔ وہ کام کر گئیں تو وہ شام تک چلنے کے قابل ہو جائے گا۔"
"تم کس پل کے نیچے ہو؟" بن کا لہجہ بتدریج نرم ہوتا جا رہا تھا۔ شاید یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ راوالوں کی تضحیک کر کے وہ ان کے تعاون سے محروم ہو سکتا ہے۔
"یہ کریم آباد کا پل کہلاتا ہے۔ ہم ریلوے لائن سے دور اس کونے میں پڑے ہوئے ہیں جہاں پل کی ڈھلان زمین سے ملتی ہے۔ یہ خاصی تاریک، غلیظ اور متعفن جگہ ہے۔"
"تمہارے آس پاس بہت سے چرسی اور ہیرونچی بھی موجود ہوں گے۔" بن نے پوچھا۔ اس کی آواز میں ایک نئی دلچسپی عود کر آئی تھی۔
"تمہارا اندازہ درست ہے۔" نمبر فور کی آواز سے ہلکی سی حیرت مترشح تھی "ان نشئی بازوؤں سے ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"
"اپنے دونوں ہتھیار ان میں سے کسی کو دے کر وہاں سے نکل آؤ۔ چھیڑ چھاڑ کرتے ہی وہ پھٹ جائیں گے۔ اور پل کے ساتھ بہت کچھ برباد ہو جائے گا۔"
"یہاں بہت سے غریب اور مسکین فقیر مارے جائیں گے۔" نمبر فور کی آواز جذبات سے عاری اور سپاٹ تھی۔ اسے فقیروں سے ہمدردی نہیں تھی وہ اسے شماریات سے آگاہ کر رہا تھا۔
"ہمارا ٹارگٹ کوئی طبقہ نہیں، تعداد ہے....." بن کہہ رہا تھا۔
"باسٹرڈز!" جلال غصیلی آواز میں غرایا "میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ تم ان کی بکواس سنو، میں آتا ہوں۔ وہ اپنا موبائل فون نکالتا ہوا ویرا کے کمرے سے نکل گیا۔
"اس وقت ہتھیار لے کر شہر میں گھومنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" اپرٹس پر بن کی بات جاری تھی "میں نے نتیجہ

اخذ کیا ہے کہ بہتر کارکردگی کے لیے تم دونوں کو بہتر ماحول اور سہولتوں کی ضرورت ہے۔ فقیر بن کر تم فقیروں جیسے کام کرتے رہو گے۔ اپنے حلیئے درست کرو اور شام چار بجے کے لیے تیار رہو۔"

"کیا شام کو دوسری کھیپ ملنے والی ہے؟" نمبر فور نے اسے باربار سر کہنا ترک کردیا تھا۔

"پہلے تمہاری کمیں گاہ کا بندوبست ضروری ہے۔ ایسی جگہ جہاں تم بے فکری سے رہ سکو۔ باہر نکل کر اپنی کارگزاری دکھاؤ اور تیزی سے وہیں لوٹ جاؤ۔"

"ہم ایسی جنت کے لیے ترس گئے ہیں' چوپڑا کے بعد ہم مسلسل برے وقت سے گزر رہے ہیں۔"

"پانچ بجے تم کسٹم ہاؤس پہنچو۔ وہاں سڑک کے کنارے ایک نیلی ڈاج کھڑی ہوگی۔ وہ تمہیں نئے ٹھکانے پر پہنچادے گی۔"

"اس کی مزید کوئی شناخت!" نمبر فور نے سوال کیا۔ اسی لمحے جلال دوبارہ کمرے میں آگیا۔

"نیلی ڈاج۔ اس میں صرف ڈرائیور ہوگا۔ یہ کافی ہے۔ شہر میں ایسی دوسری گاڑی نہیں ہوگی۔ نمبرون اور تھری کے اپرئیس کہاں ہوسکتے ہیں۔"

"وہ ان کے ساتھ اڑ گئے ہوں گے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"یاد رکھنا۔ پانچ بجے۔ کسٹم ہاؤس۔ نیلی ڈاج۔ پاس ورڈ ڈاکٹر ہوگا۔ اوور اینڈ آل۔"

"کریم آباد کے لیے میں نے پارٹی دوڑا دی ہے۔" جلال نے تیز لہجے میں بتایا "ان دونوں کا قصہ ابھی نمٹ جائے گا۔"

"کریم آباد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ باہر اول خان کا ایک اسٹرائیک یونٹ بھی مامور ہے چاہو تو وہاں پہنچ سکتے ہو۔"

جلال سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے اپنا سر نفی میں ہلادیا "میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں۔ وہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ پکڑے جاسکتے ہیں اور بم بھی پھٹ سکتے ہیں یہ سب اس بات پر منحصر ہے کہ کس کو کتنا وقت ملتا ہے۔ ہم سب کا وہاں یک جا ہونا مصلحت کے خلاف ہوگا۔"

"تمہارے آدمی کہاں سے جائیں گے اور را والوں کو کیسے پہچانیں گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ملیریا سے لرزتا ہوا فقیر سب سے بڑی نشانی ہے۔" وہ آدمیوں کی تلاش میں زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ سب سے پہلے بموں پر قبضہ کرکے انہیں ناکارہ بنائیں گے۔"

"ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا رہا۔"

ویرا آپریٹس پر گفتگو سننے کے بعد خیالی دنیا سے نکل آئی تھی۔

"وہ سب باہمی رابطے میں رہیں گے۔ مجھے موبائل پر خبر مل جائے گی۔ دعا کرو کہ میرے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے وہ دونوں نہ نکلنے پائیں اور ان کا کام بھی تمام ہوجائے گا۔"

"نمبر فور زیادہ بولڈ نکالا۔ آج اس نے بن سے زیادہ کھل کر بات کی۔" میں نے کہا "اس کی وجہ سے کافی باتیں سامنے آگئیں۔"

"ان لوگوں کے پاس کس ساخت کے بم ہیں جو بدن پر رکھے رکھے پھٹ جاتے ہیں۔" ویرا نے جلال کے کچھ بولنے سے پہلے ایک نیا سوال کھڑا کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے اب تمہاری طبیعت بحال ہو رہی ہے۔" جلال نے پرامید لہجے میں کہا "جب ہی تم نے یہ سوال کیا۔"

"الکحل میرے لیے ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔ میرے ذہن سے ڈپریشن کی گہر دھیرے دھیرے چھٹ رہی ہے۔"

جوں ہی اس نے ڈپریشن کا لفظ استعمال کیا میرے ذہن میں اس کی طبیعت کا اضمحلال کا سبب واضح ہوگیا۔

اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاکر میرے ساتھ جو شوخیاں کی تھیں' وہ میری اور اس کی ذات تک محدود تھیں۔ وہ کبھی کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر میرے ساتھ زیادہ بے تکلف ہوجاتی تھی۔ کبھی کبھی کے ان خوش گوار تجربات کو میں نے کبھی ناپسند نہیں کیا تھا۔ نہ ہی ویرا کو اس حوالے سے دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنے کی کوئی کوشش کی تھی مگر اس روز سلطان شاہ نے بازار سے واپس آنے کے بعد مذاق ہی مذاق میں کچھ ایسی چبھتی ہوئی باتیں کہہ ڈالی تھیں جو حقائق کے عین مطابق تھیں۔ میرے اور اپنے تخلیئے کی ان باتوں کا سلطان شاہ کی زبانی ذکر سن کر ویرا کی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے اعتراف کرکے خود کو مزید مذاق کا نشانہ نہیں بنوا سکتی تھی۔ وہ غبار اپنے دل میں لیے بیٹھی رہی اور جب اپنے کمرے میں آنے کے بعد اسے جلال کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پہلا موقع میسر آیا' اس نے بلا تکلف اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا۔

چند منٹ پہلے اس نے خود کہا تھا کہ وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے وہ سب نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ دونوں اس کی باتوں اس کی باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف ہوجاتے تھے۔ جلال ویرا کا دوست مگر باہر کا آدمی تھا۔ اس نے جلال کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا۔ ویرا کے کہے ہوئے ان فقروں کا مفہوم کافی دیر بعد میری سمجھ میں آیا۔

تھا۔
"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" ویرا نے جلال کو ٹوکا "میں نے بموں کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔"
"بم بہت سی قسموں کے ہوتے ہیں ۔۔۔" جلال نے بتانا شروع کیا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"فریر پارک میں مرنے والے کے پاس موجود بم کے بارے میں بتاؤ۔ یہ مبادیات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"
"لوگ ہر پھٹنے والی چیز کو بم کہہ دیتے ہیں لیکن وہ ڈیٹونے ٹر تھا جو برقی سرکٹ مکمل ہونے سے پھٹتا ہے۔"
"پھر تو اس کا کوئی ریموٹ کنٹرول بھی رہا ہوگا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
"وہ اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے بٹن دبایا اور ڈیوائس پھٹ گئی۔"
"ٹھیک!" ویرا نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی "وہ سرکٹ برقی طاقت سے مکمل ہوتا ہے یا چھیڑ چھاڑ میں کسی غلطی سے بھی مکمل ہو سکتا ہے۔ بن نے کریم آباد میں دھماکوں کے لیے دوسرے طریقے پر انحصار کرنے کو فوقیت دی ہے۔"
"یہ اس کی درندگی ہے۔ ریموٹ سے اسے چلایا گیا تو کچھ پتا نہیں کہ اس کے آس پاس کوئی ہوگا یا نہیں۔ جب نشے بازوں کا ہجوم ان خطرناک کھلونوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو لا محالہ ایک بڑی تعداد دھماکے کی زد میں آکر ہلاک اور زخمی ہوگی۔"
ویرا اپنے جذباتی ابال سے نکل چکی تھی اور اعتدال کے ساتھ جن اور ٹانک کا تیسرا گلاس لے رہی تھی۔ میں نے خاص طور پر دھیان رکھا تھا کہ ویرا کے کسی بھی گلاس میں جن کی مقدار زیادہ نہیں تھی۔
جلال کے لیے وہاں بیٹھے بٹھائے ایک کام پیدا ہو گیا تھا ورنہ وہ اپنے طور پر دو بجے تک فارغ تھا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی پر نظریں ڈال رہا تھا اور مضطرب تھا کہ اس کے کریم آباد جانے والے آدمیوں کی طرف سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ اس دوران میں اس نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ بن ڈیوڈ نے وجے اور ترپاٹھی کے ایم فقی کی فاتحہ پڑھ لی تھی۔ اسے یہ شبہ نہیں ہو سکا کہ اس کا ایک اہم مواصلاتی آلہ وجے کے ذریعے آئی بی والوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔
سوا بارہ بجے جلال کے موبائل فون پر وہ کال آگئی جس کا اسے بے چینی سے انتظار تھا۔ اس کے آدمی بروقت کریم آباد کے پل کے نیچے پہنچے تھے۔ وہاں ہیروئنچیوں کا ایک بڑا گروہ آہنی کیس میں بند چھپے بارودی ڈیٹونے ٹر کو ریل کی پٹری پر رکھ کر پتھر سے توڑنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ ان کے دونوں آدمی سرعت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ دوسروں نے یہ تائید کی کہ پچھلی شام سے ایک گداگر کونے میں پڑا، سردی سے چڑھنے والے تیز بخار میں مبتلا تھا۔ اس وقت وہ غائب تھا۔
جلال کے آدمیوں نے ان تباہ کن ڈیوائسز کو اپنی تحویل میں لیتے ہی ناکارہ کر دیا تھا۔ جب تک وہ فعال تھا، ان کو مخصوص فاصلے سے ریموٹ کے ذریعے پھاڑا جا سکتا تھا۔ کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی لیکن شہر ایک اہم پل کی تباہی سے بال بال بچ گیا تھا۔
"یہ بہت برا ہوا کہ وہ مردود نکل گئے۔" فون پر بات مکمل کرنے کے بعد جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اب پانچ بجے پھر دو ڈرلگانی ہوگی۔ ان کا قصہ ابھی نمٹ جاتا تو شام کے چکر سے جان چھوٹ جاتی۔"
"ناشکرے پن کا ثبوت مت دو۔" میں نے اسے دلاسا دیا "یہ بڑی بات ہے کہ ایک تباہی ٹل گئی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہیروئنچیوں میں اپنی برادری کی حد تک کتنا اجتماعی شعور ہوتا ہے۔ سب چیونٹیوں کی طرح ہر چیز کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ دھماکا ہوتا تو پلک جھپکتے میں دس بیس اڑ جاتے۔"
"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایس ٹی ایف کے کسی اسٹرائیک یونٹ کی بات کی تھی۔ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا جیسے اسے اچانک وہ بات یاد آگئی ہو "میں نے یہاں آتے ہوئے مٹیالے رنگ کی ایک جیپ دیکھی تھی۔ وہ لوگ گاڑی سائے میں کھڑی کر کے ستا رہے تھے۔"
جلال کے اس براہِ راست سوال کے جواب میں میرے لیے جھوٹ بولنا ممکن نہیں تھا۔ بعد میں کوئی واقعہ رونما ہوتا اور بات کھل جاتی تو جلال کو یہ جان کر ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچتا کہ میں نے کسی بھی وجہ سے اس سے غلط بیانی کی تھی۔
میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہہ دیا "وہ یہاں دیکھ بھال کر رہے ہیں کہ کوئی مشتبہ آدمی یا گاڑی ہماری طرف نہ آسکے۔"
"پہلے ایسا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اب اس کی ضرورت کیوں محسوس کر رہے ہو؟"
"اب جلال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ پوری بات بتا دو!" ویرا نے لقمہ دے کر مجھے بالکل مجبور کر دیا۔
"تم یہ باتیں مجھے بتاتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے تھے۔" وہ کہانی سن لینے کے بعد جلال نے تعجب سے پوچھا۔
"ٹھوس بات سامنے نہیں ہے۔ دہلی سے اڑائی جانے والی ایک افواہ کی بنیاد پر ہمارے ذہنوں میں یہ فتور سمایا تھا۔"
"یہ فتور نہیں، وجدان یا چھٹی حس کی کارفرمائیوں کے بارے میں تم بھی جانتے ہو گے۔"
"میں سب کچھ جانتا ہوں، کل رات کو ایک بھیانک خطرہ

سر پر منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آج بیدار ہونے کے بعد سارے وسوسے بے بنیاد محسوس ہونے لگے۔ اسی وجہ سے میں نے تم سے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ سوچ رہا ہوں کہ اول خان سے بات کر کے اس یونٹ کو لوٹا دوں۔" میں نے کہا۔

"ایسی غلطی مت کرنا۔ یہاں کی دیکھ بھال کے لیے ہر وقت کچھ محافظوں کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ اب یہ بندوبست بھی ہو گیا۔"

"میں اس کی ذرا سی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"میں ذرا شام والے چکر سے نمٹ لوں پھر اس موضوع پر بات ہو گی۔ شاید تم بلیک کیٹس سے واقف نہیں ہو۔ یہ را کی سب سے شاطر اور خوں خوار فورس ہے۔ یہ اپنے شکار کو سفاکی سے ختم کرتے ہیں اور تیزی سے غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نام سے سب تھراتے ہیں۔"

"ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ سب اپنا اُلّو سیدھا کر کے راہ لیتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

فوری طور پر میں بھی ایس ٹی ایف والوں کو واپس نہیں بھیج رہا تھا۔ میں نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جلال مطمئن ہو گیا اور وہ بات اگلے دن کے لیے ٹل گئی۔

اسی دوران میں ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ ویرا نے تیسرا گلاس ختم کرنے کے بعد جن کی بوتل واپس کیبنٹ میں پہنچا دی تھی۔ اس کی طرف سے مے نوشی کے دور کے اختتام کا وہ رسمی اعلان اس اعتبار سے خوش آئند تھا کہ اس کے اعصاب پر الکحل کا خمار گہرا نہیں ہوا تھا۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں آ چکی تھی۔

"مزید پینے کا ارادہ نہ ہو تو ڈرائنگ روم میں چلیں۔" میں نے ویرا سے پوچھا "یہاں ہم غزالہ اور سلطان شاہ سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی "پتا نہیں وہ دونوں میری شراب نوشی کے دوران مجھ سے دور دور کیوں رہتے ہیں۔"

"ڈرتے ہوں گے کہ کہیں تم انہیں زبردستی نہ پلا دو۔" جلال کا موڈ بحال ہو رہا تھا۔

"تم اکثر میرا ساتھ دیتے ہو۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "ان دونوں نے میرے خلاف محاذ بنایا ہوا ہے۔ ہر موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ میری حمایت کرنا جرم سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔"

جلال نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "غزالہ بہت فراخ دل بیوی ہے۔ میں اس کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ وہ نہ چاہتی تو تم ایک دن بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ طعنے دے دے کر وہ تمہاری اور ڈینی کی زندگی حرام کر دیتی۔ تم دونوں کے بارے میں پھیلی ہوئی کہانیوں سے وہ سب سے زیادہ واقف ہو گی۔"

غزالہ کی بڑائی کے اس پہلو پر میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جلال کے تیز مشاہدے اور تجزیے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے کب انکار ہے کہ وہ گریٹ نہیں ہے مگر اس کے دل میں میرے خلاف کوئی نہ کوئی کسک ضرور ہے۔" ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جلال نے ویرا کا کمرا اور اس کے رنگ ڈھنگ اچھی طرح دیکھ لیے تھے۔ ہم تینوں ڈرائنگ روم میں اٹھ آئے۔

"محفل ختم ہو گئی۔" غزالہ نے خوش مزاجی سے ہمارا استقبال کیا "میری ہنڈیا تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ اول خان بھی آتا ہی ہو گا۔ میں نے اسے فون کر دیا ہے۔"

"مجھے خیر خیریت کے لیے اسے فون کر لینا چاہیے تھا۔" جلال نے ندامت سے کہا "وہ اس وقت کہاں ہو گا۔"

"دفتر سے نکل کر ادھر آ رہا ہو گا۔ تم اسے موبائل پر فون کر سکتے ہو۔" ویرا نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

جلال نے فون اٹھانے کی زحمت کرنے کے بجائے مجھ سے اول خان کا نمبر پوچھا اور اپنے موبائل سے ملایا۔ اسی وقت دروازے پر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔

"اوہ۔۔۔ تو تم یہاں پہنچ چکے ہو۔ تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟" جلال فون پر کہہ رہا تھا۔

اسی وقت ڈور بیل بج اٹھی اور کسی کے ملنے سے پہلے سلطان شاہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔ موبائل فون پر جلال کی گفتگو جاری رہی۔ چند ثانیوں بعد اول خان موبائل اپنے کان سے لگائے سلطان شاہ کے ساتھ اندر چلا آ رہا تھا۔ جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اپنا موبائل فون بند کر کے کشن پر ڈال دیا۔

وہ دونوں آپس میں نہایت تپاک سے ملے۔ جلال نے تفصیل سے اس کی مزاج پرسی کی۔ اس دوران میں ان دونوں کے درمیان کام کی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن جب اول خان کے زخمی ہونے کا ذکر چلا تو بات باہر موجود اسٹرائیک یونٹ کی طرف ہو گئی۔

"ڈینی ان کی واپسی پر مصر تھا۔ میری رائے ہے کہ انہیں یہاں رہنا چاہیے۔ ہمارے لیے یہ چاروں قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کی ہر قیمت پر حفاظت ضروری ہے۔" جلال نے

کہا۔

"ڈینی کہتا رہے۔ وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ بارہ بارہ گھنٹے دو پارٹیاں ڈیوٹی دیں گی۔" اول خان نے سختی سے بتایا۔

"یہ غیر ضروری ہے۔" میں نے احتجاج کیا "یہاں ان کا وقت برباد ہوگا۔"

"اس بارے میں تمہارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ہم تمہاری طرح آہنی اعصاب کے مالک نہیں ہیں۔" ان دونوں کی شہ پر ویرا کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "میں صبح سویرے تک خوف سے نہیں سو سکی۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بلیک کیٹس دیوار پھاند کر گھر میں گھس آئیں گے۔"

"بک بک نہ کرو، میں جانتا ہوں کہ تمہارے اعصاب کتنے کمزور ہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا "یہ باتیں تم کسی اور کو سنانا جو تمہیں نہیں جانتا ہو۔"

میں اکیلا تھا۔ وہ سب یک زبان ہوگئے اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اس دوران میں جلال نے اول خان کے اندیشوں کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ وہ سارا کھٹ راگ اول خان کا پھیلایا ہوا تھا۔ جلال کو اندازہ تھا کہ اس بارے میں کہی جانے والی ہر بات اول خان کے لیے کوفت اور بے آرامی کا سبب بنے گی۔

"بس ایک احتیاط کر لو۔" میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے جلال نے اول خان کو مشورہ دیا "اپنے آدمیوں کو کیموفلاج کر دو۔"

"میں نے جان بوجھ کر انہیں سرعام گشت کرنے کی ہدایت دی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "ان مسلح آدمیوں کے گشت کے دوران کوئی مشتبہ شخص ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ایسا ظلم نہ کرو۔ ان بیچاروں کی محنت رائیگاں جائے گی۔ وہ یہاں سے پسپائی اختیار کر کے تمہاری مکمل بے خبری میں کہیں اور وار کر گزریں گے۔ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" جلال نے دوستانہ انداز میں اسے مشورہ دیا "مجھے تمہاری موجودہ حکمت عملی سے اتفاق نہیں ہے۔"

کہیں اور وار ہو جانے والی بات اول خان کے دل کو لگ گئی "بے خبری میں مار کھانے سے بہتر ہے کہ سوچا سمجھا مقابلہ کیا جائے۔"

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اپنے لوگوں کو بچانے کے ساتھ انہیں پکڑنا ہے۔ ان کے لیے راستے کھلے رکھو۔ ایک بار وہ ادھر گھس آئیں تو انہیں گھیر کر بھون ڈالنا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے فرائض میں دخل اندازی کر رہا ہوں یا میرے آدمی بھی اس آپریشن میں گھس آئیں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ میرے آدمی آج ہی پس پردہ چلے جائیں گے۔ ان کی گاڑی بھی یہاں سے ہٹا دی جائے گی۔"

"ایک آدمی کے ساتھ گاڑی مدرسے والے میدان میں چھوڑی جا سکتی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس میں سے ہتھیار وغیرہ نکالے جا سکیں۔" غزالہ نے بھی اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

بات طے ہو گئی۔ اول خان کے آدمی ہر مہم میں مخصوص فری کوئنسی والے ٹرانسمیٹر کے ذریعے باہمی رابطے میں رہتے تھے۔ اسی قسم کا ایک اپریٹس گھر میں رکھا جاتا تھا کہ کسی ہنگامی صورت حال میں گھر والوں کا ایس ٹی ایف کے عملے سے رابطہ ہو سکے۔

"میری دلی آرزو ہے کہ بلیک کیٹس یہاں ہوں تو جلد از جلد ادھر آئیں اور تمہارے آدمیوں کے شکار ہو جائیں۔" جلال نے دعائیہ انداز میں کہا۔ غزالہ آمین کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے کچن کی طرف چل دی۔

اول خان نے مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اپنے توہمات کے بارے میں ذکر کو از خود آگے بڑھانا موزوں نہیں تھا۔

"کچن سے آنے والی آوازیں بتا رہی ہیں کہ ابھی کھانے میں دیر ہے۔" ویرا بولی "کیوں نہ اول خان کو کریم آباد والے تازہ واقعے کے بارے میں بتا دیا جائے۔"

"ضرور بتاؤں گا مگر یہ شرم کی بات ہے کہ اتنی دیر سے غزالہ اکیلی کھانا پکانے میں مصروف ہے۔ تم نے پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دی۔" جلال کو ایک دم دھیان آ گیا۔

"میں اس کٹ کٹ سے گھبرائی ہوں۔" ویرا نے صاف گوئی سے کہہ دیا "یہ ہمارا خاموش سمجھوتا ہے کہ وہ کھانا پکاتی ہے۔ میز پر لگانا، سمیٹنا اور برتن دھونا میرا کام ہے۔"

"میں نے دیکھا کہ اکثر وہی چائے بنا کر ہمیں سرو کرتی ہے۔" جلال بہت سنجیدہ تھا۔

"چائے بنانا اس کا کام ہے۔ چار برتن ٹرالی پر رکھ کر ڈرائنگ روم میں لے آتی ہے تو کیا کمال ہے۔ وہ برتن میں ہی دھوتی ہوں۔" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"تم کہاں ان فضولیات میں الجھ گئے۔" اول خان نے چڑ کر کہا "یہ عورتوں کے معاملات ہیں، ان ہی کے درمیان رہنے دو۔ یہ بتاؤ کہ کریم آباد کا کیا قصہ ہے۔"

"فریر پارک میں وجے کے ساتھ مرنے والا ترپاٹھی تھا۔ راجو اور سیٹھی ہمارے ہاتھ آنے سے بال بال بچ گئے۔" جلال نے وہ کہانی چھیڑ دی۔

"بن نے عادی نشے بازوں کی ایک بڑی تعداد کو مروانے کی کوشش کی تھی۔" اول خان جھرجھری لے کر بولا "یہ لوگ قابلِ رحم ہوتے ہیں۔ ان کو مارنا کھلی درندگی ہے۔ کل کے اخبار جب پل کی تباہی کی خبر سے خالی ہوں گے تو بن ڈیوڈ اپنا سر پیٹ لے گا۔"

"اس سے پہلے شام ہونے والی ہے۔ پانچ بجے اس کے تین مہرے پٹ جائیں گے۔" جلال بولا۔

"ضرور پٹیں گے۔" اول خان نے اس کی تائید کی "پانچ بجے کا وقت ان کو کبھی راس نہیں آسکے گا۔ کل پانچ بجے وجے اور ترپاٹھی مرے تھے۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد ان کے باقی دو ساتھیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اب تباہی نے ان کا گھر دیکھ لیا ہے۔"

"مجھے اس خوش فہمی سے زیادہ فکر یہ ہے کہ ابھی تک پہل بن ڈیوڈ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی من مانیاں کرنے کی کوششیں کر رہا ہے اور ہم ان کا توڑ کرتے پھر رہے ہیں۔ ابھی تک وہ مرحلہ نہیں آیا جب ہم تیزی سے بڑھ کر اس کا سر کچل سکیں۔"

میرے دل میں آئی کہ ان دونوں سے سی نائین کے بارے میں پوچھوں لیکن میں نے اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ دونوں اپنے تمام تر دستیاب وسائل کے ساتھ بن ڈیوڈ کی کمین گاہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں سے بھی کوئی آس بندھی ہوتی تو وہ از خود اس کا ذکر کرتے۔ اس بارے میں انہیں چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

غزالہ نے کچن سے ویرا کو آواز دی اور وہ کسی فرماں بردار معاون کی طرح ایک آواز پر دوڑی چلی گئی۔ گھر کی فضا کھانے کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ شاید غزالہ نے گردوں کے ساتھ بریانی بھی تیار کی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں بریانی کی خوشبو زیادہ نمایاں تھی۔

میز پر کراکری کھنکنے کی آوازیں آئیں اور پھر غزالہ نے اپنے روایتی انداز میں ایک پلیٹ پر چمچا بجا کر کھانا لگ جانے کا اعلان کر دیا۔

○☆○

جلال ساڑھے چار بجے کسٹم ہاؤس کے قریب موجود تھا۔ دفتری اوقات کار میں سڑک پر پارکنگ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی کار سرے پر روک لی تھی۔ وہاں سے اس یک طرفہ سڑک پر آنے والے سارے ٹریفک پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

وہ دفتری علاقہ ہے بہت سے دفاتر پانچ بجے بند ہوتے ہیں۔ بعض دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ راستوں اور فٹ پاتھوں پر دن میں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔ دوپہر میں بینک کے اوقاتِ کار ختم ہو جانے اور کسٹم ہاؤس میں بعض شعبے بند ہو جانے کی وجہ سے اس بھیڑ بھاڑ میں نمایاں کمی آ جاتی ہے۔

جلال بہت غور سے آنے جانے والوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن اسے ان میں کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے پانچ آدمی اس سے پہلے اس علاقے میں پھیل چکے تھے۔ وائرلیس ٹرانسمٹر پر آخری رابطہ ہونے تک وہ بھی کسی مشتبہ شخص کو نوٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ آنے جانے والوں کی کثرت اور اولڈ کسٹم ہاؤس کے سامنے واقع دکانوں کی بھیڑ ان کے کاموں میں حارج ہو رہی تھی۔

جلال اپنا ایریئس ہاتھ میں لیے آرام سے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ٹریفک کانسٹیبل نے اسے اپنی گاڑی ہٹانے کی ہدایت کی۔ جلال وجیہہ اور رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ جب اس نے گھمبیر لہجے میں آن ڈیوٹی کے دو الفاظ کہے تو وردی پوش سپاہی خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

معاشرے میں موبائل کا چلن تیزی سے عام ہونے کی وجہ سے چھوٹے ایریئس لے کر پھرنا بھی مشکل نہیں تھا لیکن گاڑی میں بیٹھ کر اس کا استعمال احتیاط کا متقاضی تھا۔ موبائل فون کان سے لگا کر بات کی جاتی ہے ٹرانسمٹر کو منہ کے قریب لا کر بولنا پڑتا ہے۔ جلال نے اسی نزاکت کی وجہ سے ٹرانسمٹر استعمال نہیں کیا تھا۔ اسے تھامے اپنے آدمیوں کی باتیں سن رہا تھا جو کار آمد نتائج اخذ کرنے کے لیے کافی تھیں۔

پانچ بجنے میں پانچ منٹ پر ریلوے برج کے پہلو سے نیلے رنگ کی ایک ڈاج ڈارٹ کار نمودار ہوئی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس میں صرف ایک مقامی چہرہ نظر آیا جو سادہ شہری لباس کے اوپر چمک رہا تھا۔ وہی اکلوتا سوار اس گاڑی کا ڈرائیور تھا۔ گاڑی پر عام شہری نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

نیلی گاڑی چمکیلی اور صاف ستھری تھی وہ آگے جا کر اولڈ کسٹم ہاؤس کی عمارت کے سامنے فٹ پاتھ سے لگ گئی۔ جلال کے ایریئس پر آوازوں کا سیلاب آ گیا۔ اس کے آدمی ایک دوسرے کو گاڑی کی آمد کی اطلاعات دے رہے تھے لیکن مشتبہ افراد کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ان پانچوں نے پہلے سے طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت جلال سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جلال نے سست روی سے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اسے کسی پتے کی تلاش ہو۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ ٹھیک پانچ بجے ہی نیلی ڈاج تک پہنچے۔ اس نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی اس گاڑی کی ہلکی سی لرزش سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈرائیور نے نیلی ڈاج کا انجن بند نہیں کیا تھا۔

اچانک ڈاج کے قریب ہی فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک راہ گیر نے زقند لگائی اور پلک جھپکنے میں گاڑی کا دروازہ کھول

کر اس کی عقبی نشست میں گھس گیا۔ اس نے وہ حرکت اتنی سرعت سے کی تھی کہ اسے روکنے کے لیے کوئی حرکت میں نہیں آسکا۔ اس کی ٹائمنگ بہت شاندار تھی۔ فٹ پاتھ پر راہ گیروں کی بھیڑ میں مل کر چلتا یا شاید ٹہلتا ہوا وہ عین وقت پر نیلی ڈاج تک پہنچا تھا۔ اسے بس گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پھرتی سے کام لینا پڑا تھا ورنہ فاصلہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

جلال کا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ ایک شکار ہر پیش بندی کو مات دے کر اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ اسی لمحے حلیم کے ٹھیلے پر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے پلیٹ ایک طرف پھینک کر ڈاج کی طرف دوڑ لگائی اور گاڑی کے قریب منڈلاتے ہوئے، آئی بی کے دو آدمیوں نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔

ان کی گرفت میں آنے پر وہ چیخ کر پوری قوت سے اچھلا تھا۔ ڈاج کے ڈرائیور کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ساری اچھل کود کے باوجود اپنے حریفوں کی عقابی گرفت سے نہیں نکل سکے گا۔ اس نے جھک کر پسنجر سیٹ کی کھڑکی سے ہاتھ نکالا۔ فضا فائر کی ہولناک آواز سے گونج اٹھی۔ ڈاج کا ڈرائیور بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی نے آدمیوں کی گرفت میں اچھلتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی میں ناک کے راستے سوراخ کر دیا۔

را کا اچھلتا ہوا قیدی بے جان ہو کر آئی بی والوں کے ہاتھوں میں آرہا۔ نیلی ڈاج کا ڈرائیور دوبارہ اپنی جگہ پر جم چکا تھا۔

وہ سب پلک جھپکتے میں ہو گیا۔ جوں ہی جلال کو یہ ادراک ہوا کہ ڈرائیور اپنے رہ جانے والے آدمی کو مار کر بھاگ رہا تھا، اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ وہ اپنی گاڑی کا بایاں حصہ نیلی ڈاج کے ڈرائیور والے دروازے سے پیوست کر دینے کا ارادہ کر چکا تھا مگر تصادم سے ذرا پہلے ڈاج حرکت میں آگئی۔ جلال کی گاڑی اس کے عقبی دروازے سے ٹکرائی تھی۔ اس پُرشور تصادم کے باوجود نیلی ڈاج نہیں رکی۔ اس کی رفتار یکلخت تیز ہو گئی۔

پہلا مہلک فائر ڈاج کے ڈرائیور نے کیا تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ جس کا جدھر منہ سمایا وہ ادھر دوڑ پڑا۔ پھر مزید دو فائر ہوئے۔ جو ڈاج کے ٹائروں پر کیے گئے تھے۔ ڈاج نہیں رکی۔ شاید دونوں نشانے خطا ہو گئے تھے کیونکہ سڑک اور فٹ پاتھوں پر لوگ بگٹٹ دوڑے جا رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ہراساں لوگوں کا سڑک پر دوڑنے والا ریلا اس کی راہ مسدود کر دیتا۔ جلال نے ہارن بجاتے ہوئے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اسے امید تھی کہ اس کے آدمی اس کے پیچھے آنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ وہ نیلی ڈاج کو ہر

قیمت پر روکنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

پانچ بجے کا وقت را والوں کو راس نہیں آیا تھا۔ جلال کے ذہن میں اول خان کے الفاظ گونجے۔ پچھلی شام را کے دو ایجنٹوں نے خودکشی کی تھی۔ اس شام تیسرا اپنے مددگار کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ چار میں سے صرف ایک باقی رہ گیا تھا جو ڈاج میں دبکا ہوا اپنے انجام کا منتظر تھا۔

جلال کے اسپیکر پر تیز تیز آوازیں آرہی تھیں۔ مختصر پیغامات کا تبادلہ بتا رہا تھا کہ اس کے تین آدمی ایک گاڑی میں اس کے پیچھے آرہے تھے۔ دو افراد کی گاڑی ٹریفک اور ہجوم میں پھنس کر بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ پانچوں کی جستجو تھی کہ جلال سے پہلے نیلی ڈاج کو جا لیں۔ اس فکر میں انہوں نے را کے ایجنٹ کی لاش وہیں چھوڑ دی تھی۔

اگلے چوراہے سے ڈاج داہنی طرف مڑ گئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اچانک ڈاج نے اپنی راہ میں آنے والی ایک موٹر سائیکل کو ٹکر مار کر گرا دیا۔ جلال کی کوشش تھی کہ جلد از جلد درمیانی فاصلہ طے کر لے۔ انجن پوری طرح اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا مگر اس مصروف سڑک پر آزادانہ ڈرائیونگ ممکن نہیں تھی۔ وہ نیلی ڈاج کے ڈرائیور کی طرح سفاک نہیں تھا کہ اپنی راہ میں آنے والے ہر شخص کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ اگلے ٹریفک سگنل پر سرخ روشنی کی پروا کیے بغیر ڈاج پھر داہنی طرف گھوم گئی۔ بسوں اور گاڑیوں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے جلال کو صرف یہ فکر رہ گئی کہ ڈاج اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

ٹاور سے ڈاج پھر داہنی سمت گھومی اور پل پر چڑھ گئی۔ وہاں جلال کو اپنی گاڑی بھگانے کا موقع مل گیا۔ اس وقت پانچ بج کر صرف چند منٹ ہوئے تھے۔ شام کے ٹریفک کا روایتی ریلا کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا تھا۔ پل سے تمیز الدین خان روڈ پر اترتے ہوئے دونوں گاڑیوں کا فاصلہ کافی کم ہو چکا تھا۔ پل کی ڈھلان ختم ہوتے ہی سڑک کافی کشادہ ہو گئی۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔ جلال کو عقب نما آئینے میں اپنے آدمیوں کی جیپ بہت قریب نظر آرہی تھی۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے جلال کی گاڑی سے آگے نکل سکتے تھے۔

وہ دوڑ بس کچھ دیر تک جاری رہی پھر نیلی ڈاج یکایک ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ آگ اور سیاہ دھویں کے گولے میں بدل گئی۔ اگر جلال پوری قوت سے بریک لگا کر اسٹیئرنگ نہ کاٹتا تو وہ اپنی گاڑی سمیت اس بھڑکتے ہوئے ملبے میں جا گھستا۔ اس ہولناک حادثے سے بچنے کی کوشش میں اس کی گاڑی کا انجن بند ہو چکا تھا۔

اس کی پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ نکل آیا اور اس نے بے بسی سے اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل پر دے مارا۔ اس کی ساری محنت رائیگاں ہو گئی تھی۔ موت نے شکار کو اس کے ہاتھوں سے جھپٹ

لیا تھا۔
اس نے اپنی گود میں پڑا ہوا اپریٹس اٹھایا اور رواں پیغام ختم ہوتے ہی بٹن دبا کر بولنا شروع کر دیا "کھیل ختم ہوگیا۔ میرے لیے یہاں کچھ نہیں رہا۔ پانچوں رک کر پتا چلاؤ کہ ڈاج کیسے تباہ ہوئی اور موبائل پر مجھے رپورٹ دو۔ میں جا رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"
دونوں طرف ٹریفک رک چکا تھا۔ لوگ گاڑیوں سے اتر کر ڈاج کے دھڑا دھڑ جلنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جلال کی گاڑی سب سے آگے تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ڈاج کی بھڑکتی ہوئی چتا کی بائیں جانب سے آگے نکلتا چلا گیا۔
"ڈاج میں بہت خوفناک آگ لگی تھی۔ سب جل کر راکھ ہوگیا ہوگا۔ میرے لیے وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔" اس نے اپنی پوری کہانی ختم کرنے کے بعد افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا "میں وہاں سے سیدھا تم لوگوں کی طرف چلا آیا تاکہ اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کرسکوں۔"
"تم ڈاج کے بالکل پیچھے تھے۔ تمہیں کچھ تو اندازہ ہوا ہوگا کہ اس میں آگ کیسے لگ گئی۔" میں نے نرمی سے پوچھا۔
"پہلے میں سمجھا تھا کہ اس کا انجن پھٹ گیا لیکن وہ انجن پھٹنے کی آواز نہیں تھی، بہت زبردست بارودی دھماکا تھا۔"
"پھر آتش گیر مواد گاڑی میں چھپایا گیا ہوگا۔" ویرا نے رائے دی "وہ لوگ خیریت سے واپس لوٹ جاتے تو اس مواد کو خاموشی سے نکال لیا جاتا۔ ان کا کھیل بگڑ گیا تھا۔ تم مسلسل پیچھا کر رہے تھے۔ ان کے بچنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ اس واقعے کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ لینے والے نے کہیں ریموٹ کنٹرول کا ایک بٹن دبایا اور ڈاج اپنے سواروں سمیت بارودی دھماکے سے اڑ گئی۔"
"بن ڈیوڈ پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ وہ خود روپوش ہے۔ ایسی زبردست تیاری اس کے بس کی بات نہیں تھی۔" میں نے کہا۔
"اس کی ڈور امریکی ایجنسیاں ہلا رہی ہیں۔" ویرا بولی "یہ ان کا خاص طریقۂ واردات ہے۔ اپنے کسی آدمی سے ان کو کوئی سنگین خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر وہ گناہ کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔"
"یہ بات زیادہ دیر تک پردۂ راز میں نہیں رہ سکے گی۔ میں نے ڈاج کا نمبر نوٹ کرلیا تھا۔ میں پتا چلاؤں گا کہ اس کا مالک کون ہے۔" جلال نے کہا۔
"شاید اس مشقت سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا "گاڑیاں اوپن لیٹر پر دس بار بک چکی ہوتی ہیں۔ ان کا رجسٹریشن پرانے مالک کے نام پر ہوتا ہے۔ اکثر اوقات آخری مالک تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"
"سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس وقت میرا ذہن ماؤف ہے۔ مایوسی اور بے بسی کے احساس نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی ہے۔" وہ پھیکی اور بے جان مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
"تم بلاوجہ بد دل ہو رہے ہو۔ میں تمہیں اتنا جذباتی نہیں سمجھتی تھی۔" ویرا نے اسے سمجھانا چاہا "بڑی لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔"
"یہ سب بن ڈیوڈ کے نام پر ہو رہا ہے۔ وہ ہاتھ آگیا تو میں اس کا حشر خراب کردوں گا۔" وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔
"سی نا ئین کی تلاش پر آدمیوں کی تعداد بڑھاؤ۔ وہ وہیں سے ہاتھ آسکتا ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔
"ڈینی نے صحیح مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔" ویرا نے پر زور انداز میں میری تائید کی "را والوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اب تمہیں یک سو ہو کر بن کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔"
"مجھے اپنے آدمیوں سے ڈاج کے بارے میں رپورٹ مل جائے تو میں کچھ کرتا ہوں۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔
وہ گفتگو جاری تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "مبارک ہو۔ میرے آدمیوں نے سی نا ئین کا سراغ لگا لیا ہے اور عمارت کی نگرانی شروع کر دی ہے۔ جلال سے بات یا ملاقات ہو تو پوچھ لینا کہ اسے آئی بی اٹھائے گی یا میں پیش قدمی شروع کردوں۔"
وہ اس دن کی سب سے بڑی خبر تھی لیکن ڈاج کے واقعے نے میری طبیعت مکدر کی ہوئی تھی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "جلال یہاں موجود ہے۔ آکر خود پروگرام طے کرلو۔"
"وہ آگیا؟" میرے کان میں اول خان کی تحیر زدہ آواز گونجی "را جو اور سیٹھی کا کیا رہا۔"
"وہ بھی جہنم واصل ہوگئے۔ تمہاری پیش گوئی پوری ہو رہی ہے۔ بس تم جلدی آجاؤ۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ باقی کہانی جلال سے سن لینا۔"
"میں گھر پر ہوں، دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" اول خان نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور میں ایک نئی سوچ میں ڈوب گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ab aap mazeed waqiat mulahiza kijiye

چوپڑا نے انٹیلی جنس بیورو والوں کی کڑی گرفت میں آنے کے بعد اپنے جس نیٹ ورک کی نشاندہی کی تھی اس کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ را کے پاکستانی کارندے پکڑے گئے تھے۔ بھارت سے آئے ہوئے' را کے چاروں ایجنٹ ایک ایک کر کے خود ہی اپنے عبرت انگیز انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ وجے کو جلال نے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا مگر اسے تریاٹھی باغ جناح یا فریر پارک والے ہولناک دھماکے میں اپنے ساتھ لے مرا۔ راجو اور سیٹھی میں سے ایک کراچی کسٹم ہاؤس کی پرشکوہ عمارت کے سامنے اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔ دوسرے کو نیلی ڈاج کا خوفناک دھماکا اپنے ساتھ لے اڑا۔

وہ کل چار تھے۔ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ معنیٰ خیز بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی پر ہم نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی پھر بھی وہ سب ہمارے پسندیدہ انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی اشارہ تھا کہ تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ موت ہمارے دشمنوں کا از خود پیچھا کر رہی تھی۔ ہمیں ان کے خون سے اپنے ہاتھ گندے کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اگر وہی صورت حال مزید چند روز تک جاری رہتی تو شاید بن ڈیوڈ بھی ان چاروں کی طرح از خود کیفر کردار کو پہنچ جاتا۔

ان چاروں کے ساتھ' نیلی ڈاج کا ڈرائیور بے موت مارا گیا تھا۔ وہ ہمارے مجرموں کا ساتھی ضرور تھا لیکن کسی سنگین جرم میں ملوث نہیں تھا۔ جب اس کے آقا نے نیلی ڈاج میں کسٹم ہاؤس سے دو مہمانوں کو لانے کے لیے روانہ کیا ہوگا تو یہ بات دور دور تک اس کے وہم و گمان میں نہیں رہی ہوگی کہ اس ڈیوٹی میں اسے کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ سفید پوش اور غالب طور پر امریکی مجرموں کا ملازم تھا۔ وہ امریکی یقینی طور پر سی آئی اے کے سفاک افسران رہے ہوں گے جن کے نزدیک ہر قیمت پر اپنے مقاصد کا حصول اولین اہمیت رکھتا ہے وہ اپنا کام پورا کرنے کے لیے کسی اخلاقی یا قانونی حد کی پابندی کرتے ہیں نہ انسانی خون کی حرمت کا پاس کرتے ہیں۔ جو ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے اسے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے چکر میں وہ اتنے اندھے اور سرد مہر ہو جاتے ہیں کہ اپنے اور پرائے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے تازہ الفاظ کی بازگشت گونجنے لگی۔ اس نے صحیح کہا تھا کہ امریکی ایجنسیوں کو اپنے کسی آدمی سے کوئی سنگین خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر اس کا خون کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اسے بارود کے ڈھیر پر سوار کر کے کراچی کسٹم ہاؤس کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہ مشن بہت اہم تھا۔ ڈرائیور کو را کے دو گھاگ ایجنٹوں کو اپنے ساتھ کسی نامعلوم مقام پر لے جانا تھا جہاں بن ڈیوڈ کی خواہش کے مطابق انہیں تباہ کن ہتھیاروں کی ایک نئی کھیپ فراہم کی جانی تھی جس کے ذریعے وہ کراچی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر سکیں۔

میں نے جتنا غور کیا' ویرا کی رائے سے اسی قدر متفق ہوتا چلا گیا۔

اول خان کی آمد سے پہلے جلال کے اپریٹس پر اس کے لیے کال آ گئی۔ اس درمیان میں اس کے آدمیوں کے درمیان بھی کوئی مکالمہ نہیں ہوا تھا۔

"سر! آگ بجھا دی گئی ہے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔" اس کے آدمی نے اس طرف سے جواب ملنے پر کسی تمہید کے بغیر رپورٹ دی۔

"ایکسپرٹ کیا کہتا ہے؟" جلال کی آواز سے فکر مندی مترشح تھی۔

"کم از کم پانچ کلو گرام بارودی قوت کا مواد پچھلی سیٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا جسے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلتی کار میں اڑا دیا گیا۔ دھماکا پیٹرول کی ٹینکی کے ساتھ ہوا تھا۔ بارود پھٹتے ہی پیٹرول نے آگ پکڑ لی۔ کار میں دو لاشیں موجود ہیں جو جل کر بری طرح مسخ ہو گئی ہیں۔"

"لاشیں سالم حالت میں ملی ہیں!" جلال کی آواز میں ہلکی سی حیرت عود کر آئی۔

"دھماکے سے دونوں بری طرح زخمی ہوئے ہوں گے اور اسی وجہ سے مرے ہوں گے مگر ان کے بیشتر اعضا صحیح سلامت رہ کر جلے ہیں۔ ڈرائیونگ سیٹ والے کی موت سر کی شدید چوٹ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے کی پسلیوں میں آہنی چادر کا ایک بڑا ٹکڑا آر پار اترا ہوا ہے۔ یہ ابتدائی اندازے ہیں۔ صحیح کہانی لاشوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آ سکے گی۔"

گاڑی میں دھماکا ہونے کے بعد کسی سوار کا زندہ بچ جانا معجزے سے کم نہ ہوتا۔ دھماکے کے نتیجے میں اڑنے والے ملبے کے ٹکڑوں نے تیز دھار چھریوں کی طرح دونوں سواروں

کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہو گا۔

"دوسرے کی لاش کیسے سالم رہ گئی؟" اپنے آدمی کی پوری بات سنتے ہی جلال نے بے ساختہ کہا "دوسرا آدمی تو کار کے پچھلے دروازے سے اندر گھسا تھا۔" وہ اعتراض کرتے ہوئے اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے اپنی بات کی تصحیح کرتے ہوئے بلا توقف بات جاری رکھی۔ "گاڑی میں صرف وہ دونوں تھے۔ بھاگ دوڑ کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے سے اچک کر پیسنجر سیٹ پر آ گیا ہو گا۔ ایک دوسرے کے برابر میں موجود رہ کر وہ دونوں حالات کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکتے تھے۔ لاشیں اگلی نشستوں سے ملی ہوں گی۔"

"نشستیں کیا' بس پچکے اور جھلسے ہوئے آہنی فریم رہ گئے تھے۔ آثار اس بات کی کھلی تائید کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آگے بیٹھے ہوئے تھے۔" بولنے والے کے انداز و لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جلال کا ماتحت ضرور تھا لیکن کوئی نہ کوئی ذمے دار افسر تھا۔

"ریموٹ کنٹرول والے نظریے میں کتنی جان نظر آتی ہے؟" جلال نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"دھماکے کی صرف دو صورتیں ممکن تھیں۔ اگر یہ باغ جناح کے کل والے واقعے کی طرح خودکش بم کی واردات ہوتی تو ان دونوں میں سے کم از کم ایک کی لاش کے چیتھڑے بھی مشکل سے ملتے۔ دوسری صورت ریموٹ کنٹرول کی رہ جاتی ہے۔ گاڑی کے ڈھانچے سے کافی فاصلے پر آہنی چادر کا ایک جھلسا ہوا بکس ملا ہے جس میں جلے ہوئے تاروں کا گچھا اور پگھلا ہوا پلاسٹک بھی موجود ہے۔ بم ایکسپرٹ کو قوی شبہ ہے کہ دھماکے خیز مادے کا ریموٹ کنٹرول اسی بکس میں نصب تھا۔" دوسری جانب سے جواب آیا۔

"او کے دلاور۔ یہ بہت بڑی چوٹ ہو گئی۔ ان دونوں کو زندہ ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا۔"

"ہاتھ آنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ میں آپ کی گاڑی کے پیچھے اسکوٹر پر آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کہیں بھی آپ نیلی ڈاج کو روکیں گے اور ہم ان دونوں کو گھیر لیں گے۔ اس دھماکے کے بارے میں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سڑک پر برق رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑی اچانک شعلوں کی چتا میں بدلی تو میں بھونچکا رہ گیا تھا۔"

جلال نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اس کال کا سلسلہ ختم کر دیا۔

"اور کچھ ہوا یا نہ ہو' یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ بن ڈیوڈ اور اس کے سرپرستوں کو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے وہ ہر قدم ڈرتے ہوئے اٹھا رہے ہیں۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اتنی بڑی بات تم نے اتنی آسانی سے کیسے کہہ دی؟" سلطان شاہ نے فوراً اعتراض جڑ دیا۔

"سامنے کی بات ہے۔" ویرا اس کے لہجے کو ذرا بھی اہمیت دیے بغیر بے پروائی سے بولی "انہیں اپنے مشن کی کامیابی کا پورا یقین ہوتا تو وہ نیلی ڈاج میں ریموٹ کنٹرولڈ بارود بھر کر نہ بھیجتے۔ ڈرائیور مقررہ وقت پر وہاں پہنچتا اور را والوں کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ انہیں ڈر تھا کہ ہم یہ گٹھ جوڑ ناکام بنا سکتے ہیں..."

"شاید اسے ان کی بے اعتمادی سے زیادہ ان کی محتاط روی کہنا چاہیے۔" جلال نے میرے دل کی بات کہہ دی "وہ بہت گھاگ اور مکار ہیں۔ بساط پر معمولی مہروں کو حرکت دیتے ہوئے بھی پورے چونسٹھ خانوں پر نظر رکھتے ہیں اپنی احتیاط کی وجہ سے انہوں نے اس بار ہمارے جال کی ہر ڈوری کاٹ دی اور ہم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو خود مار ڈالیں گے۔" سلطان شاہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

"وہ سب کچھ کر گزرنے کے اہل ہیں۔" ویرا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔ "امریکا میں لوگ آج بھی اپنے صدر جان ایف کینیڈی کے قتل کی واردات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی ایک قابل لحاظ تعداد کو آج بھی پوری نیک نیتی سے یقین ہے کہ کینیڈی کا بر سرِ عام اور سفاکانہ قتل اس کی اور سی آئی اے کی چپقلش کا شاخسانہ تھا۔ روس اور امریکا کی بدترین سرد جنگ کے اس دور میں سی آئی اے نے امریکی صدر کو اپنے ملک کے لیے سیکیورٹی رسک سمجھتے ہوئے مروا دیا۔"

"تم یہ باتیں اتنے اعتماد سے کرتی ہو جیسے وائٹ ہاؤس میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہو!" سلطان شاہ نے اس پر گہرا طنز کیا۔

"میں وہاں نہیں رہی لیکن میرے باپ کو کسی روک ٹوک کے بغیر' ہر وقت صدر تک رسائی کی آزادی حاصل تھی۔" ویرا نے فخر سے بتایا "یہ نہ بھولو کہ جمی لائیڈ کو وائٹ ہاؤس کی اندرونی گزرگاہ پر کسی نادیدہ رائفل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔"

"اور تمہارے ابا حضور تمہیں امریکی صدر سے ہونے والی پوری گفتگو سے آگاہ کر دیا کرتے تھے!" سلطان شاہ بولا۔

"سب کچھ نہیں تو بہت کچھ میرے علم میں ضرور آ جاتا

تھا۔" ویرا آسانی سے شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ جو بات کہہ گزرتی تھی، آخری دم تک اس کا دفاع کرتی تھی۔

"بڑے اور دیدہ دلیر مجرم اپنی دھاک بٹھانے کے لیے ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مقتدر لوگوں سے ان کے قریبی مراسم کی سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیاں دوسروں کو ان سے خوف زدہ کیے رکھتی ہیں اور انہیں اپنا کام آگے بڑھانے میں کوئی بڑی دقت پیش نہیں آتی۔" اس وقت سلطان شاہ کو بھی دور کی سوجھ رہی تھی۔

چند ثانیوں کے لیے ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ کے جواب میں پھٹ پڑتی، میں نے بات سنبھال لی اور سلطان شاہ سے کہا "یہاں تم سے غلطی ہو رہی ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ شی کی تخلیق امریکا کے ایوان صدر میں ہوئی تھی اور سپر آئی مین صدر خود نامزد کرتا تھا۔"

"مجھے سب معلوم ہے لیکن ویرا کے لیے کوئی تو جواب ہونا چاہیے۔" اس نے جل کر کہا۔

سلطان شاہ کے جوابی لہجے پر غزالہ ہنس پڑی۔ جلال کے ہونٹوں پر بھی ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تم جو چاہو کہتے رہو، میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ویرا کسی قدر جذباتی لہجے میں بولی "ڈینی درست کہہ رہا ہے۔ آئی مین اور سپر آئی مین ہونے کے لیے ایک یا دو سلور آئیز کا ہونا کافی ہے۔ ان کے سہارے ایک بزدل چوہا بھی شی کے اصل کارندوں سے اپنا اختیار منوا سکتا ہے۔ شی کی سربراہی کچھ اور معنے رکھتی تھی۔ جمی لائیڈ کو امریکا کے صدر نے شی کے سربراہ کے منصب پر مقرر کیا تھا اور پھر صدر کے اشارے پر جمی لائیڈ کو مار دیا گیا۔ اسی کے ساتھ شی کا وہ سنہرا دور ختم ہو گیا۔ اب شی، شی نہیں رہی۔ یہاں بن ڈیوڈ جیسا چھچھورا اس کی سربراہی کا خواب لے کر آیا ہے۔ میرے لیے یہ تصور ہی اذیت ناک ہے کہ بن اس طرح میرے مرے ہوئے باپ کی عظمت کو داغ دار کرتا پھرے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتی رہوں۔"

سلطان شاہ کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کو کوئی چبھتا ہوا جواب دینے کے لیے اس کے دماغ میں کیڑے کلبلا رہے تھے مگر اس وقت ویرا کو چھیڑنا قیامت سے کم نہ تھا۔ اس کے باپ نے عملی طور پر اس تعلیم اور تربیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنی زندگی میں اسے کبھی کسی مالی محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا، حد یہ تھی کہ لڑکپن کی سرحد سے جوانی کے دور میں داخلے کے وقت وہ خود ڈان مرسیانو نامی نوابی اتالیق کا بہروپ دھار کر روم اور میلان کے اطالوی شبستانوں میں ویرا کو مردوں کا شکار کھیلنے کی تربیت دیتا رہا۔ مگر اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بر سرِ عام ویرا کو اپنی جائز یا ناجائز بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود ویرا کے دل میں اپنے باپ کے لیے بے پناہ پیار تھا۔ وہ اس کے بارے میں کوئی ناشائستہ یا تضحیک آمیز بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے ویرا کو عملی طور پر بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کا مزاج بالکل اپنے باپ پر گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں، چپکے چپکے اپنے باپ سے محبت کرتی تھی مگر سامنا ہونے پر سرکشی دکھاتی تھی۔ اس کے احکام سے سرتابی کرتی تھی۔ حد یہ تھی کہ جب شی کے خلاف میری کارروائیاں ایک حد سے تجاوز کر گئیں اور جمی لائیڈ نے مجھے شی کا باغی قرار دے کر میرے قتل کا فرمان جاری کر دیا تو ویرا اپنے باپ سے بغاوت کر کے میرے ساتھ مل گئی۔ ان دنوں زیرِ زمین دنیا میں یہ کہانی زبان زد خاص و عام تھی کہ جمی لائیڈ کی بیٹی اپنے باپ کے بدترین دشمن پر مر مٹی ہے۔ ویرا کو اس بات کی پرکاہ کے برابر بھی پروا نہیں تھی کہ دنیا اس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔ وہ زندگی بھر من مانیاں کرنے کی عادی رہی تھی۔ اس کے باپ نے خود اسے سکھایا تھا کہ کسی کے سامنے جھکنے کے بجائے اسے جھکانے کی کوششوں میں اپنی جان پر کھیل جانا ہر اعتبار سے باعث فخر و عزت ہوتا ہے۔ میرے معاملے میں اس نے اپنے باپ کی ایک نہ مانی اور اپنے دل کے فیصلے پر چل پڑی۔

جمی لائیڈ سے اس بغاوت کے نتیجے میں ویرا کچھ بھی حاصل نہ کر سکی۔ اسے یہ زعم تھا کہ وہ اپنے باپ کے سکھائے ہوئے طور طریقوں سے کام لے کر مجھے بہت آسانی سے زیر کر لے گی۔ اس دور میں مجھے شی کی صفوں میں اپنے کسی ہمدرد اور ہم نوا کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اپنی ضرورت کے تحت ویرا کی اس خوش فہمی کو دل کھول کر ہوا دی اور بظاہر اس کے سامنے سپر ڈال دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ جمی لائیڈ کے ساتھ ویرا کا رویہ سخت تر ہوتا چلا گیا اور آخر کار ایک ایسا وقت آ گیا جب ویرا بھی میری طرح جمی لائیڈ کے عتاب کا نشانہ بن گئی۔

ویرا میرے بارے میں سنجیدہ تھی۔ میں بظاہر اس کا کھلونا بن کر اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ کھیل زیادہ دنوں تک نہیں چل سکا۔ لیکن میں نے ویرا کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل

کر لیے لیکن وہ اپنے مقصد کے حصول میں یکسر ناکام رہی۔ میرے دل میں غزالہ پہلے سے بسی ہوئی تھی۔

ویرا کی ذاتی زندگی حسرتوں اور ناکامیوں سے عبارت تھی۔ میرے بلکہ ہم سب کے دلوں میں اس کی قدر صرف اس لیے تھی کہ میری چاہت میں اس نے پاکستان کو اپنے وطن سے زیادہ چاہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ امریکیوں اور ان کی بیشتر خصلتوں سے متنفر ہو چکی تھی۔ انتخاب کے ہر موقع پر اس نے امریکا کو ٹھکرا کر پاکستان کی حمایت کی تھی۔ وہ کھری اور سچی حمایت تھی جس کے جواب میں اس بے چاری کو کچھ بھی نہیں مل سکا تھا اور نہ اسے کچھ پانے کی امید رہی تھی۔

ہم تینوں محض اس کی دل جوئی کر کے اسے خوش رکھ سکتے تھے۔ ہماری ان کوششوں کو اکثر سلطان شاہ کی طرف سے زک پہنچتی رہتی تھی۔ وہ دل کا برا تھا نہ بدزبانی اس کی عادت تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی جب بھی اس کے اور ویرا کے درمیان کوئی گفتگو شروع ہوتی تھی تو موضوع سخن حیرت ناک سرعت سے تلخ و ترش ہوتا چلا جاتا تھا۔ مجھے اس وقت بھی کچھ ویسی ہی صورت حال رونما ہوتی دکھائی دے رہی تھی اس لیے میں نے آنکھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو خاموش کر دیا۔

یہ اس کی سعادت مندی یا معاملہ فہمی تھی کہ وہ میرے اشاروں کنایوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ اس نے ویرا کے جواب میں اپنی زبان بند کر لی۔

"میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ جمی لائیڈ نے امریکی صدر کے اشارے پر شی کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ہمارے ریکارڈ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا۔" جلال نے حیرت ظاہر کی۔ اس کے سامنے وہ موضوع پہلی بار زیر بحث آیا تھا۔ اس سے کوئی بات کیے بغیر میں نے یہ فرض کیا ہوا تھا کہ وہ شی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو گا۔

"اس بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟" ویرا نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"جمی لائیڈ زیر زمین دنیا کا ایک ممتاز فرد تھا۔ یہ سب کیا دھرا اسی کا ہے۔ ہمارے پاس شی کی یہی تاریخ ہے۔"

"شی کی اصل تاریخ میں ہوں۔" ویرا نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "سب کچھ میرے سینے میں دفن ہے تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شی نے پاکستان سے ایک پیسہ نہیں کمایا۔ مہنگے داموں خریدی ہوئی ہیروئن کو سستے داموں یہاں پھیلانے میں لاکھوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔"

"شی کے بارے میں سوچتے ہوئے سب سے پہلے یہی بات چونکاتی ہے۔" جلال نے اعتراف کیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا کا روئے سخن سلطان شاہ کے بجائے جلال کی طرف ہو گیا تھا۔

"پھر شی کے پاس وہ فنڈ کہاں سے آ رہے تھے۔ مجرم گھاٹے کی سرمایہ کاری کبھی نہیں کرتے!" ویرا نے سوال کیا۔

"اس بارے میں کئی نظریے ہیں۔ زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ ایک مشہور امریکی فاؤنڈیشن امریکا کی نئی نسل کو ہیروئن سے بچانے کے لیے شی کو بھاری سرمایہ فراہم کر رہی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خیراتی ادارے بھی شی کی مدد کر رہے ہوں گے۔"

"یہ افواہ حقائق کو چھپانے کے لیے پھیلائی گئی تھی۔ شی کو اصل سرمایہ امریکی صدر کے سیکرٹ فنڈ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ اس فنڈ کا ریکارڈ ہوتا ہے نہ آئینی طور پر اس کا آڈٹ ہو سکتا ہے۔" ویرا نے پر زور لہجے میں بتایا "ہو سکتا ہے صدر کے ایما پر خیراتی ادارے بھی ایسا کرتے ہوں۔"

"حیرت یہ ہے کہ امریکا جیسے جمہوری ملک میں صدر کو ایسے اختیارات حاصل ہیں۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے سیکرٹ فنڈ ہر ملک میں ہوتا ہے۔ ان رقوم سے سیاسی مخالفین کو خریدا جاتا ہے۔ امریکا میں طویل جمہوری تسلسل پایا جاتا ہے۔ وہاں حکومت کو بھی اپنے چار سالہ دور میں سنگین سیاسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ فنڈ دوسری مدوں میں استعمال ہوتا ہے بیشتر حصہ سی آئی اے کھا جاتی ہے۔"

"تمہارا انکشاف سنسنی خیز اور خیال انگیز ہے۔"

"یہ بہت پرانی باتیں ہیں جو تمہیں نئی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں اپنے باپ کا دفاع نہیں کر رہی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا کے صدر نے اسے شی کی تشکیل پر آمادہ کیا تھا اور آج بھی بن ڈیوڈ شی کی آڑ میں جو مشن لے کر پاکستان آیا ہے اسے صدر کی پوری حمایت حاصل ہو گی۔"

"تم ان باتوں کو دہرا کر ہمارے حوصلے پست کر رہی ہو۔" غزالہ نے شکایت کی۔

"کیوں؟ ان باتوں سے تمہارا حوصلہ کیوں پست ہو رہا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"جلال اور اول خان کسی نہ کسی حیثیت میں سرکاری اہل کار ہیں۔ ان کو الگ کر دو تو ہم چار نفوس رہ جاتے ہیں۔" غزالہ بولی "میرے لیے یہ خیال بہت تکلیف دہ ہے کہ ہم چار آدمی ایک سپرپاور سے اپنا سر ٹکرا رہے ہیں۔"

”یہ نفسیاتی معاملہ ہے۔“ ویرا ہنس کر بولی ”تم اپنی توجہ بن تک مرکوز رکھو۔ اس سے آگے نہ سوچو۔“

”ہمارا ہدف وہی ہے۔“ جلال نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا ”ہم اس کے پشت پناہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”جمی لائیڈ کو مروانے کے بعد اب شاید شی میں صدر کی گہری دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔ خطے میں پیدا ہونے والی افیم کی بیشتر مقدار ہیروئن کے سفوف میں ڈھل کر پاکستانی شہروں میں کھپ جاتی ہے۔ نئے کام میں ہر بڑا عہدے دار بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیتا ہے۔ روٹین میں آ جانے کے بعد وہ کام از خود دوسروں کی نگرانی میں چلا جاتا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ اب سی آئی اے والے شی کو چلا رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ ان کا مہرہ ہے۔“

فالکن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہو چکی ہے۔“ جلال نے ویرا کی تائید کی ”اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو اب صدر کی ذات پس منظر میں چلی گئی ہے۔ شی کو سی آئی اے والے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔“

”اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ شی اب اپنا پرانا بھرم کھو چکی ہے۔ اس پر نو آموزوں کا قبضہ ہو چکا ہے جو صرف پیسہ کمانے کے لیے اسے الٹا سیدھا چلا رہے ہیں۔ جب تک شی چل رہی ہے ان کا حلوہ مانڈہ بھی چلتا رہے گا۔“ غزالہ نے رائے دی۔

”بن ڈیوڈ کو تم نو آموز نہیں کہہ سکتیں۔ وہ بہت گھاگ اور شاطر ہے۔ آنے والے خطرے کو بروقت بھانپ لیتا ہے اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ سلطان شاہ بولا۔

”معززین کی طرح ہر مجرم کی ایک ساکھ اور دھاک ہوتی ہے۔ بن ڈیوڈ کتنا بھی زور لگا لے وہ پرانے لوگوں کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔“ ویرا کا ذہن بدستور شی کے تابناک ماضی کے سحر میں الجھا ہوا تھا۔ اس بار مجھے پھر سلطان شاہ کو آنکھ مار کر خاموش کرنا پڑا ورنہ وہ کفن پھاڑ کر کچھ بولنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

شاید وہ گفتگو طول پکڑ جاتی مگر اول خان کی آمد سے بات وہیں ختم ہو گئی۔ اس وقت سب ہی کو شدت سے اس کا انتظار تھا۔

”میرے لیے یہاں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پر لگیں اور میں اڑ کر یہاں پہنچ جاؤں۔“ اول خان نے آتے ہی کہا۔

”تم پکے مسلمان ہو۔“ جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم بلاوجہ یہ بات دل میں لیے بیٹھے ہو کہ تمہاری غلطی

”محبوبہ پالنے کے قائل نہیں ہو۔ صرف بیوی پر اکتفا کرتے ہو جو گھر پر بیٹھی ہو گی۔ یہاں کون تھا جس سے ملنے کے لیے اتنے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔“

جلال کبھی کبھی اپنی سنیارٹی کا فائدہ اٹھا کر زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر جاتا تھا مگر اول خان ہمیشہ اس کا لحاظ کیا کرتا تھا۔ اس نے کسی جوابی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا ”مرد اپنی روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو کام پورا کرنے سے پہلے اسے گھر یا گھر والی کی یاد نہیں آتی۔ میرا کام ابھی ادھورا ہے۔“

”جلال نے یہی تو پوچھا ہے۔ یہاں تم کس سے ملنے کے لیے اتنے بے چین تھے۔“ ویرا نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

”کم از کم وہ تم نہیں ہو۔ اس وقت میرے لیے جلال سے ملنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔“ اول خان نے اسے لاجواب کر دیا۔ یہ اس کا مزاج تھا کہ وہ متانت سے گفتگو کرتا تھا۔ نوک جھونک اور فقرے بازی سے حتی الامکان گریز کرتا تھا کیوں کہ اس طرح کسی کی دل آزاری ہو سکتی تھی۔ وہ دل رکھنے والوں میں سے تھا۔ اپنی باتوں سے کسی کا دل دکھانے کو گناہ سمجھتا تھا جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کی طبیعتیں اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد تھیں۔

”تم نے بالکل صحیح کہا تھا۔ پانچ بجے شام کا وقت را والوں کو راس نہیں آیا۔ دو کل اسی وقت مارے گئے تھے۔ دو آج آگے پیچھے جہنم واصل ہو گئے۔ چوبیس گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں چاروں حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔“ جلال بولا۔

”آثار یہ بتا رہے تھے کہ اگلے چوبیس دنوں میں بھی ان کا سراغ نہیں مل سکے گا۔ ہوتا یہی ہے۔ یہ قدرت کا اٹل اصول ہے۔ وہاں دیر ضرور ہوتی ہے' اندھیر نہیں ہوتا۔ قدرت کی لاٹھی ایک بار گردش میں آ جاتی ہے تو بڑے بڑوں کا بھیجا باہر نکال دیتی ہے۔ چاروں چٹ پٹ مر گئے۔“ اول خان نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

”کسی اور بات سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے؟“ جلال نے چونک کر پوچھا۔

”ہلکی ہلکی ٹیسیں رہ گئی ہیں۔ زخم گہرا ہوتا تو شاید نام پوچھ لیتا۔“ اول خان ہنس کر بولا ”مجھے رہ رہ کر ندامت ہو رہی ہے کہ میں اتنے معمولی سے زخم سے اس قدر بدحواس ہوا کہ بالکل وہی کچھ کر گزرا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ مجھے اپنی اس حماقت پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔“

کی وجہ سے بلیک کیٹس یا ان کے کسی آدمی نے یہ گھر دیکھ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض ہمارا وہم ہو۔" جلال نے مربیانہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے جلال کی بات درمیان سے اچک لی۔

"یہ وہم نہیں، حقیقت ہے۔ آج دن میں، میرے آدمیوں نے اس نکتے پر کام کیا ہے، مخصوص برانڈ کی چائے کمپنیوں کے ذمے دار افسروں نے شہر میں ہونے والے کسی بھی سروے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ ایسی تشہیری یا سروے اسکیمیں کمپنی کی رضامندی کے بغیر شروع نہیں کی جاتیں۔" اول خان نے کہا۔

"بڑی کمپنیاں ایسے کام خود نہیں کرتیں۔ ان کے لیے اشتہاری ادارے اور مارکیٹنگ کنسلٹنٹ یہ سارے کام انجام دیتے ہیں۔" ویرا نے بے پروائی سے تبصرہ کیا۔

"تم مجھے احمق سمجھ رہی ہو یا پھر بلاوجہ بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔" اول خان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میں مبتدی نہیں ہوں۔ یہ سارے نکات میرے ذہن میں تھے۔ اوپر سے نیچے تک مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل فراڈ تھی۔ وہ صرف اس گھر کا جائزہ لینے کے لیے آئی تھی۔"

"پھر بھی تم کو خوش ہونا چاہیے۔" میں نے اس کی خلش دور کرنے کے لیے کہا "ویرا نے اپنی موروثی بددماغی کا مظاہرہ کر کے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ تم بلاوجہ یہ قصہ لے بیٹھے ہو۔ اس وقت کا اہم ترین مسئلہ بن ڈیوڈ ہے۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ تم نے اس کی کمین گاہ کا سراغ لگا لیا ہے۔"

"میں نے یہ نہیں بتایا تھا۔" اس نے سنبھل کر میری تصحیح کی۔ "میں نے صرف اتنی بات کہی تھی کہ میں نے سی نا مین کا سراغ لگا لیا ہے اور اس کی نگرانی شروع کرا دی ہے ابھی تک ایسی کوئی ٹھوس شہادت سامنے نہیں آئی جس کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکے کہ وہ اندر ہی موجود ہے۔"

"ہائیں.... اب تم نئی بات کہہ رہے ہو۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا "فون پر تو تم مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ اسے آئی بی والے اٹھائیں گے یا تمہارے آدمی پیش قدمی شروع کر دیں۔"

"پورے ڈیفنس میں مجھے اب تک وہی ایک عمارت مشتبہ نظر آئی ہے۔ اس میں گھسے بغیر کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔" اول خان نے جواب دیا "مجھے غالب امکان نظر آ رہا ہے کہ وہ اندر موجود ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم محتاط اور ڈسپلن کے آدمی ہو۔ ایک سسٹم کے تحت کام کرتے ہو اور سوچے سمجھے بغیر کوئی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے۔ تم کسی نہ کسی بنیاد پر ہی اس مکان پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہوئے ہو گے۔" جلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا "مجھے رپورٹ ملی ہے کہ نمبروں کے اعتبار سے ڈیفنس کے کمرشل ایریا خاصے الجھے ہوئے ہیں۔ ہر فیز کا اپنا الگ کمرشل ایریا ہے اور ہر کمرشل ایریا میں ایک ہی نمبر کی کئی کئی عمارتیں ہیں۔"

"یہ بات الجھن کا سبب بنی تھی مگر اب ہر بات واضح ہو گئی ہے۔ پلاٹ نمبر کے ساتھ اسٹریٹ کا نام معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ آدمی بھٹکتا رہے گا۔" وہ بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی علاقے میں ہر اسٹریٹ پر سی نا مین پایا جائے گا۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اتنی دیر سے یہی بات کہی جا رہی ہے۔" اول خان نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"ہم دور نکل گئے۔ میں نے تم سے تمہارے شبہے کی بنیاد کے بارے میں پوچھا۔" جلال نے اول خان کو ٹوکا۔

"وہ نئی بنی ہوئی ایک مکمل عمارت ہے جو نیچے سے اوپر تک غیر آباد ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور اس کا مالک مناسب گاہکوں کے انتظار میں ہو۔" سلطان شاہ بے صبری سے درمیان میں بول پڑا۔

"دکانیں پہلے ہی بن گئی تھیں۔ رنگ روغن کرنے والوں کی نفری کو وہاں سے نکلے دو ماہ گزر چکے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں بتایا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ دو ماہ سے اسے انتظار میں خالی رکھا گیا ہے کہ جب بن کو امریکی قونصل خانے سے بھاگنا پڑے گا تو وہ وہاں گوشہ نشین ہو جائے گا۔" ویرا کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

"یہ تمسخرانہ بات نہیں ہے۔" جلال نے اسے گھور کر کہا "کیلی بائرن کی زبانی یہ بات ہم سب کے سامنے آ چکی ہے کہ بن نے کراچی میں آمد سے پہلے ہی پی باون کے ساتھ فالکن ہاؤس کو کرائے پر لے لیا تھا تاکہ کسی آڑے وقت میں کسی تردد کے بغیر تیزی سے اپنا ٹھکانا بدل سکے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی طرح شہر میں مزید عمارتوں کا بندوبست کیا ہوا ہو۔"

"یہ باتیں ویرا کی موٹی عقل میں آنے والی نہیں تھیں۔" سلطان شاہ بغیر بولے نہ رہ سکا۔

"تم اپنی زبان بند رکھو۔ اگر سی نائین کو دو مہینے سے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے خالی رکھا گیا تھا تو امریکی قونصل خانے سے نکلنے کے بعد اسے پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ کے گھر کیوں جانا پڑا۔ وہ براہِ راست سی نائین کیوں نہیں گیا؟" ویرا چیخ کر بولی۔

"سی نائین عام راستے پر واقع ایک کھلی عمارت ہے جہاں دو بکتر بند گاڑیوں کی آمد ایک تماشا بن جاتی۔" اول خان نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی "وہاں زخمی کیلی کو اسٹریچر پر اتارا جاتا تو وہ منظر بہت سے لوگوں کی نظروں میں آجاتا۔ نشیمن کا احاطہ اتنا وسیع اور محفوظ ہے کہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اندر جانے کے بعد پھاٹک بند ہو گیا تو میں چکرا کر رہ گیا۔ مجھے خاصی دیر تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ دونوں گاڑیاں کہاں غائب ہو گئی تھیں۔"

"یعنی نک صرف کیلی کو وہاں اتارنے گیا تھا؟" ویرا نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"اگر اسے اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہوا ہوتا تو وہ دونوں کو وہیں چھوڑ دیتا۔" اس بار میں نے ویرا کو جواب دیا۔

"شبہ ہو گیا تھا تو اسے دونوں کو کہیں اور لے جانا چاہیے تھا۔" ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔

"کیلی کو وہ سی نائین لا کر تماشا نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لڑکی کی پوزیشن صاف ہو چکی تھی۔ جلال نے میرے ساتھ اسے ٹام اور نک کے حوالے کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کیلی دوبارہ ہمارے ہاتھ آگئی تب بھی کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ انہوں نے اسے نشیمن میں ڈونلڈ کے حوالے کر دیا۔ اصل خطرہ بن کو درپیش تھا۔ اسے وہ وہاں سے نکال لے گئے۔"

"اور سی نائین میں چھپا دیا!" ویرا کا طنز کے زہر میں ڈوبا ہوا استفسار مجھے پسند نہیں آیا۔ میں نے سرہلا کر اس کی تائید کر دی۔

"جب بکتر بند گاڑی بن کو لے کر سی نائین پہنچی ہو گی تو تماشا نہیں بنا ہو گا!" ویرا نے ہاتھ فضا میں نچا کر پوچھا۔

"کیلی زخمی اور اسٹریچر پر تھی۔ بن صحت مند تھا۔ اسے بکتر بند گاڑی سے بھی کسی محفوظ علاقے میں اتار دیا گیا ہو گا۔ اسے اوپر پہنچانے کے لیے کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ نک کو بکتر بند گاڑیوں کے تعاقب کا شبہ نہ ہوا ہوتا تو ان دونوں کے لیے نشیمن بہت بہتر اور محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوتا۔"

میرا وہ جواب سن کر ویرا خاموش ہو گئی۔ اسے فوری طور پر کوئی اعتراض نہیں سوجھ سکا تھا۔

"ہاں، تو تم دو ماہ کی بات کر رہے تھے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد جلال نے اول خان کو یاد دلایا۔

"علاقے کے اسٹیٹ ایجنٹوں سے پتا چلا ہے کہ سی نائین کی دکانوں وغیرہ کے کافی خریدار آرہے تھے۔ کمیشن کے چکر میں ایجنٹ کئی مرتبہ چوکیداروں سے رابطہ کر چکے تھے۔ مگر ان سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ وہ ہر بار یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ مالک آئے گا تو اس کو بتا دیں گے۔"

"ان کے پاس مالک کا نام پتا تو ہو گا۔" میں نے پوچھا۔

"ان کی ہر بات اب مشکوک نظر آرہی ہے۔" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا "میرے دو آدمی پراپرٹی ایجنٹ بن کر چوکیداروں سے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ سی نائین کا مالک امریکا میں ہے تعمیر اس کے لاابالی بھانجے کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ شاید اس کا ماموں بہت مال دار ہے۔ وہ فلیٹ اور دکانیں بیچنے یا کرایے پر اٹھانے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔"

"بائی دا وے..... سی نائین نامی حویلی کتنے ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔" ویرا نے معصومیت سے پوچھا مگر اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

اول خان اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سادگی سے جواب دے بیٹھا "ڈیفنس کے سارے کمرشل پلاٹس دو سو گز کے ہیں۔"

"یہی میرا خیال تھا۔ وہ عمارتیں میری دیکھی ہوئی ہیں۔" ویرا نے کہا "اس ذرا سی عمارت میں دو چوکیداروں کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ بھی شبے کا ایک سبب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دن اور رات میں باری باری ڈیوٹی دیتے ہیں۔ خالی بلڈنگ میں دن کو کرنا ہی کیا ہوتا ہے۔ تالا ڈال کر رات کا چوکیدار آرام سے اپنی نیند پوری کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ وہ دونوں پوری ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔"

"خدا کرے تمہارے شبہات درست ثابت ہوں اور وقت برباد نہ ہو۔" جلال نے دعا دی۔

"چھوٹی چھوٹی کئی باتیں شبہات کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ کوئی واضح شہادت سامنے نہ ہونے کی وجہ سے میرے آدمیوں نے جزئیات پر بہت زیادہ دھیان دیا ہے۔ دو دن سے خریداری کرنے والے چوکیدار کے اخراجات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ وہ قریبی اسٹور سے دودھ، پنیر اور مکھن خرید رہا ہے۔ بسکٹوں کے پیکٹ بڑی تعداد میں عمارت میں لے جائے گئے ہیں۔ اس کی خریداری کی بدلی ہوئی نوعیت اور مقدار اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ عمارت میں کوئی

مہمان آیا ہوا ہے۔"

"تمہارے آدمیوں نے اس عمارت کا کھوج لگانے میں واقعی محنت کی ہے۔" جلال نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"میں اپنے کام کے سلسلے میں ہمیشہ پرامید رہتا ہوں لیکن بدترین نتائج کے قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میں نے اسی لیے پوچھا تھا کہ کارروائی کون کرے گا۔"

"ایسے کاموں میں تسلسل کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔ میرے آدمی دور رہیں گے جنہوں نے اس کا سراغ لگایا ہے وہی اسے پکڑیں گے۔"

"تمہیں تو شاید چھاپے مارنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"غیر معمولی حالات میں، کسی مجرم کی گرفتاری کے لیے ہم سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن اس میں لمبے چکر پڑ جاتے ہیں۔ ہمیں علاقے کی پولیس کو کسی نہ کسی حد تک اپنے اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔"

"پولیس!" سلطان شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "وہاں سے ہر بات قبل از وقت نکل جاتی ہے۔"

"ان پر یوں بے رحمی سے نہ ہنسو۔ دو تین ہزار روپے تنخواہ دے کر کسی سپاہی سے فرض شناسی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ کبھی ٹھنڈے دل سے ان کی مجبوریوں پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ اپنے گھروں کے چولہے روشن رکھنے کے لیے یہ بے چارے جرائم پیشہ لوگوں سے ربط ضبط رکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ یہ متبادل راستے اختیار نہ کریں تو ان کے بال بچے بھوکے مرجائیں۔"

"تنخواہ کم ہے تو لوگ اس محکمے کی معمولی معمولی نوکریوں کے پیچھے کیوں مارے مارے پھرتے ہیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے سے حلال اور حرام کا امتیاز بہت تیزی سے ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کی اندھا دھند دوڑ میں شامل ہے۔ لوگ ان نوکریوں کے پیچھے صرف اس لالچ میں اپنے جوتے چٹخاتے پھرتے ہیں کہ یہاں تنخواہیں کم ہونے کے ساتھ اختیارات زیادہ ہیں جن کے سہارے کچھ نہ کچھ رشوت بٹوری جاسکتی ہے۔"

"نہیں۔ یہ صرف ضروریات کا مسئلہ نہیں ہے۔" غزالہ بولی "اخباروں میں بارہا لکھ پتی پولیس افسروں کی کہانیاں چھپ چکی ہیں۔"

"ایسے بھی ضرور ہوں گے مگر ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ ان کا ماضی کریدو تو تمہیں پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے رشوت خوری کی ابتدا کی تھی۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ انہیں مواقع میسر تھے اور قدرت نے ان کی رسی دراز کردی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کی ضروریات آسانی سے پوری ہونے لگیں تو وہ مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع ہر پولیس والے کو نہیں ملتے ان کی بھاری اکثریت دال روٹی کے چکر میں پوری عمر گزار دیتی ہے۔"

"تم سرکاری ملازم ہو اس لیے اپنی برادری کا بچاؤ کر رہے ہو۔" ویرا نے کہا "مغرب میں دیکھو کہ پولیس کی کیا ساکھ اور دھاک ہے۔ کوئی ان کو رشوت کی پیشکش کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" جلال نے ویرا کو جواب دیا۔ "جس مغرب کی تم بات کررہی ہو وہاں پولیس والوں کو سب سے زیادہ تنخواہیں ملتی ہیں اور ان کے اختیارات محدود ہیں۔ ذرا سی لغزش ہو تو وردی اتروا کر ان کو لاک اپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہاں کے حالاتِ کار کا تم ان سے موازنہ نہیں کرسکتیں۔"

"یہ پولیس ریفامز کمیشن کا اجلاس نہیں ہے۔ ہمیں بن کے بارے میں کچھ طے کرلینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"میں اپنا فیصلہ دے چکا ہوں۔ جو کچھ کرنا ہے اول خان کو کرنا ہے۔" جلال نے اپنے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔

اول خان نے چند ثانیوں کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا پھر رسانیت سے بولا "میرا خیال ہے کہ رات گہری ہونے کے بعد سی نائین کو گھیر لیا جائے۔"

"کسی بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں۔" میں نے بلا توقف کہہ ڈالا "وہاں تمہارے جو آدمی ہیں۔ وہی کافی ہوں گے۔ ان کی تعداد کیا ہے؟"

"ایک گاڑی کے ساتھ چار آدمی سی نائین کی نگرانی پر مامور ہیں۔" اس نے بتایا۔

"یہ بھی زیادہ ہیں۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔ "نگرانی کے لیے ایک ہی آدمی کافی تھا۔" اس کا انداز مجھے چڑانے والا تھا۔

"وہاں کسی نئے چہرے کی زیادہ دیر تک موجودگی نوٹ کی جاسکتی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "وہ باری باری

ڈیوٹی بدل کر اپنا کام انجام دیں گے۔"

"چہرہ بدلنے کے لیے کوئی ماسک، مصنوعی داڑھی یا ریڈی میڈ میک اپ استعمال کیا جا سکتا ہے۔" ویرا بے نیازی سے بولی۔

اول خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور فوری طور پر پوری بات سمجھتے ہوئے نرمی سے بولا "چڑنے کے بجائے ڈینی کی کہی ہوئی بات کی روح تک پہنچنے کی کوشش کیا کرو۔"

"میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتی کہ خود میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔"

جلال ہنستے ہوئے اٹھ گیا "تم لوگوں کی آپس کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ میں یہاں بیٹھ کر کبھی بور نہیں ہوا۔"

"پھر اٹھ کیوں گئے؟ کہاں جا رہے ہو؟" ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

"دھماکے کے ساتھ سب کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ میرا وہاں رکنا بے سود تھا۔ اب دیکھنا ہو گا کہ قانونی صورت کیا بنتی ہے۔ سب سے اہم مرحلہ ڈرائیور کی شناخت کا ہے۔ وہ کون تھا اور کس کی ملازمت میں تھا۔"

"نیلی ڈاج میں بارود چھپانے والوں نے یہ خیال ضرور رکھا ہو گا کہ مرنے کے بعد ڈرائیور کے پاس سے ایسی کوئی چیز برآمد نہ ہو جو اس کی شناخت میں مدد دے سکے۔" میں نے کہا۔

"نہ ہو۔ اخباروں میں تصویر چھپے گی تو اس کا کوئی نہ کوئی والی وارث سامنے آ جائے گا۔" جلال نے بے پروائی سے کہا۔

مجھے شبہ تھا کہ نیلی ڈاج میں ہونے والے خوفناک بارودی دھماکے اور پھر آتش زدگی کے بعد دونوں میں سے کوئی لاش اس قابل رہ سکے گی کہ اسے تصویر سے شناخت کیا جا سکے۔ دوسری طرف لاش کی پہچان نہ ہونے کا سارا فائدہ امریکیوں بلکہ سی آئی اے والوں کو پہنچتا کیونکہ ان کے گناہوں پر پردہ پڑا رہتا۔ کسی کو یہ پتا نہ چل پاتا کہ نیلی ڈاج کو بھیجنے والے کون لوگ تھے۔ اس بارے میں ہمارے پاس اکلوتا ثبوت یہ تھا کہ جلال نے اپنے کانوں سے ایم ففٹی پر بن ڈیوڈ اور را کے ایک کارندے کی گفتگو سنی تھی جس میں پورا پروگرام طے کیا گیا تھا۔

وہ نرے الفاظ تھے جو ایم ففٹی نامی ایریئس سے ریڈیائی لہروں کی صورت میں خارج ہو کر فضا میں تحلیل ہو چکے تھے۔ ایک بار سننے جانے کے بعد ان لفظوں کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ اس گفتگو کا اکلوتا گواہ جلال تھا جو اس معاملے میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اپنے دشمنوں کے خلاف اس کے کسی بیان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

نیلی ڈاج کے ذریعے دو انسانوں کے قتل میں ملوث افراد تک پہنچنے کے صرف دو امکانات باقی رہ گئے تھے۔ کار کے موجودہ مالک کی صحیح نشان دہی ہو جاتی یا پھر مرنے والے ڈرائیور کے ورثا اپنی ساری شہادتوں کے ساتھ سامنے آ جاتے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ان لوگوں نے اس طے شدہ واردات کے لیے وہ نیلی ڈاج بہت سوچ سمجھ کر استعمال کی تھی۔ وہ یقینی طور پر اوپن ٹرانسفر لیٹر پر بازار میں گردش کرنے والی گاڑی تھی جو نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزر چکی تھی۔ اس کے اصل مالک کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

دوسری طرف ڈرائیور کی شناخت کا مسئلہ اس سے زیادہ ٹیڑھا تھا۔ گاڑی کے اندر ہونے والے طاقتور بارودی دھماکے نے دونوں سواروں کو کس حد تک مجروح یا مسخ کر دیا ہو گا، اس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔ رہی سہی کسر پیٹرول کی ہولناک آگ نے پوری کر دی ہو گی۔ آگ میں جلنے کے بعد ان دونوں لاشوں کے بس ڈھانچے ہی باقی رہ گئے ہوں گے۔ خدوخال کے نام پر کسی چیز کا بچنا محال تھا۔ ایک یا ایک ہزار میں سے کسی ایک استخوانی ڈھانچے کو کوئی ماہر ہی شناخت کر سکتا تھا۔ وہ کام کسی عام آدمی کے بس کا نہیں تھا۔

اصل مجرموں تک رسائی کی تیسری راہ ڈرائیور کے ورثا پیدا کر سکتے تھے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجرموں کے بارے میں یہ بات بارہا میرے تجربے میں آ چکی تھی کہ وہ بہت دور بین اور دور اندیش تھے۔ ہر پہلو پر غور کر کے کوئی منصوبہ بناتے تھے اور پوری سفاکی سے اس پر عمل کر گزرتے تھے۔

وہ بظاہر معزز اور باحیثیت لوگ سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کو اس خطرناک مشن پر ایسی گاڑی میں نہیں بھیجا ہو گا جو اس سے پہلے ایک بار بھی ان میں سے کسی کے استعمال میں رہی ہو۔ ان کی اس احتیاط کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ نیلی ڈاج کی تباہی کا ذکر اخبارات میں پڑھ لینے کے باوجود ڈرائیور کے اہل خانہ کے کانوں پر جوں نہ رینگتی۔ انہیں زیادہ سے زیادہ یہ پریشانی ہوتی کہ ان کا آدمی رات کو اپنے گھر واپس کیوں نہیں لوٹا۔

گھر والے، آجروں میں سے کسی سے رابطہ کرتے تو میری دانست میں یہ نپا تلا جواب انہیں خاموش کر دیتا کہ ڈرائیور کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اچانک شہر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ اس بھول میں چند دن گزارنے کے بعد وہ ڈرائیور کی پراسرار گمشدگی کا اعلان کر دیتے۔

غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ طبقے میں قانون اور پولیس سے گریز کی عمومی نفسیات کار فرما نظر آتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی براہِ راست کسی در پر دستک نہیں دیتا۔ وہ سارا کام ڈرائیور کے معزز آجروں پر چھوڑ دیتا جو انہیں دلاسے اور امدادی رقوم دے کر بہلاتے رہتے اور یوں رفتہ رفتہ وہ قصہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتا۔

"پہلے تم لاشیں دیکھ لو پھر کوئی قیاس آرائی کرنا۔" میں نے ہنس کر جلال سے کہا "پیٹرول کی آگ بہت بے رحم ہوتی ہے۔ ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ چاٹ گئی ہو گی۔"

"دیکھتا ہوں کہ اب کیا بنتا ہے۔" وہ رکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت بن ڈیوڈ کا اہم معاملہ تمہارے اوپر چھوڑ کر چلا گیا۔" جلال کے چلے جانے کے بعد ویرا نے کہا۔

"دوستی اپنی جگہ پر ہے۔ اس کی خاطر وہ اپنے کام کرنے کے ضابطوں کو پامال نہیں کرتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"اس کے یہاں رکنے کا کون سا ضابطہ پامال ہو جاتا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"کیا تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ سی نائین کا معاملہ میرے سپرد کر دینے کے بعد اس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟" اول خان نے ویرا کی بات کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہاں...... موضوع یکایک پولیس والوں کی طرف ہو گیا تھا۔" ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس یہی اس کا اصول ہے۔ ایس ٹی ایف کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتی ہے تو ہر ایجنسی اس سے دور رہتی ہے۔ یہی جلال کا اصول ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آئینی اور آئین سے ماورا ادارے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتے۔ اب وہ غائب ہو جائے گا۔ بن کی خبر دینے کے لیے مجھے اس کو تلاش کرنا پڑے گا۔"

"اس کے دماغ کی یہ ٹیڑھ تم ہی سمجھ سکتے ہو۔" ویرا نے شانے اچکا کر اپنی بے زاری کا مظاہرہ کیا۔ "وہ ہمارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ باتیں اور مشورے کرتا ہے۔ کام کا وقت

آتا ہے تو اپنی راہ لیتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ گڑ کھاتا ہے تو گلگلوں سے پرہیز کیوں کرتا ہے۔"

"تمہاری اردو تشویش ناک حد تک بہتر ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ نت نئے محاورے تم کہاں سے سیکھ رہی ہو؟"

"بازار جاتی ہوں تو کتابیں بھی دیکھ لیتی ہوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا "تمہارے یہاں تو کوئی کتابوں کو سونگھتا بھی نہیں۔ میں نے ردی میں سے صرف دس روپے میں ایک پرانی مجلد کتاب خریدی ہے جس میں اردو محاوروں کے ساتھ ان کی تخلیق کا پس منظر بھی لکھا ہوا ہے۔ بعض کہانیاں تو واقعی بہت دلچسپ ہیں۔"

"میں نے کبھی تمہیں کوئی کتاب پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔" سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہیں دکھانے کے لیے نہیں پڑھتی۔ پیتے ہوئے میں اکیلے میں کچھ نہ کچھ ضرور پڑھتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! پی کر پڑھتی ہو تو کیا خاک سمجھ میں آتا ہوگا۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں نے پوری بائبل ہلکے سے سرور کے عالم میں دھیرے دھیرے ختم کی ہے اور اس کے بعض اہم اقتباس مجھے آج بھی یاد ہیں۔" ویرا نے اسے چڑایا۔

"بس اب آگے نہ بولنا۔ یہ تمہارے دین دھرم کے مسائل ہیں۔ تمہارا کوئی پادری تمہیں جوتے لگائے گا۔"

ویرا نے ہاتھ جھٹک کر اسے خاموش کیا اور اول خان سے بولی "تم جلال کی دماغی ٹیڑھ کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔"

"اس کا اصول دو طرفہ ہے۔ وہ اپنے کسی کام میں ایس ٹی ایف کو شریک کرتا ہے نہ ہمارے کام میں شامل ہوتا ہے۔ رہی مشوروں کی بات تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اس کی بہت اچھی عادت ہے کہ وہ مشورے دینے اور قبول کرنے کے معاملے میں بخیل نہیں ہے۔" اول خان نے اپنی پوری بات کو ایک جواب میں سمو دیا۔

"یہاں یہ چکر چلتے رہیں گے۔ اگر تم کو آج رات کچھ کرنا ہے تو کسی گوشۂ عافیت میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں ایک فاضل بیڈ روم بھی ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"کیا اس پروگرام میں میری کوئی گنجائش نہیں ہو گی؟" سلطان شاہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"ناممکن!" میں نے سر کو نفی میں جنبش دی "اگر وہ کہیں اور ہوتا تو ہمیں ضرور نفری کی ضرورت پڑتی۔"

"پھر شاید میری شمولیت بھی خارج از امکان ہے!" ویرا پوچھ بیٹھی۔

"اس وقت تمہارا پس منظر میں رہنا بہتر ہے۔ سروے کرنے والی مشتبہ لڑکی تمہیں دیکھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ وہ سڑک پر کہیں بھی تمہیں پہچان لے۔"

"میں ویسے ہی گوشہ نشینی میں ہوں۔ اب مزید گوشے میں چلی جاتی ہوں۔ میرا کمرا میرے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ تم بن ڈیوڈ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔" تخلیہ ہو جانے کے بعد اول خان نے میری طرف جھک کر پوچھا۔

"اس کی موت اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس وقت وہ اکیلا ہے۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"تم یہ سب درست کہہ رہے ہو لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ وہیں چھپا ہوا ہو گا۔" اول خان اس بارے میں خاصا فکر مند تھا۔

"ادھر کا رخ کرنے سے پہلے اس سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرنی ہو گی۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا ایم ففٹی استعمال کرو گے؟" اول خان کا وہ سوال فطری تھا "وہ تو جلال کے پاس ہے۔"

"میرے ذہن میں مبہم سا خاکہ بن رہا تھا۔ چلتے ہوئے میں نے اس سے ایڈریس لے لیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس بن سے رابطے کا وہی ایک ذریعہ ہے۔"

"ابھی تک میں تمہاری تائید کرتا رہا ہوں لیکن وہاں زیادہ نفری لے جانے میں کیا حرج ہے۔ ذرا ویرا وغیرہ کے خون میں بھی تھوڑی سی گرمی آجائے گی۔"

"ویرا کا تو خیر نام بھی نہ لو۔ ہدف کو اپنے قریب پا کر وہ اچانک بے قابو ہونے لگتی ہے اور اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی زیادہ نفری کے زیادہ مسائل ہوتے ہیں۔ سی نائین کے زیادہ سے زیادہ دو راستے ہوں گے۔ وہ کدھر سے بھاگے گا۔"

"ہوں۔۔۔۔اوں! اول خان اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا "وہ کسی کھڑکی وغیرہ سے باہر کودا تو ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے گا۔"

"ایسی صورت میں زیادہ نفری لے جانا مناسب نہیں ہو گا۔ ویسے تو خطرناک مجرم کو گھیرنے کے لیے ہر پیانے کی تیاری ناکافی ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ بن بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہے۔ اگر اسے مناسب انداز میں گھیرا جائے

تو وہ آسانی سے پسپائی کی راہ اختیار کر کے ہتھیار ڈال دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ صرف تم میرے ساتھ چلو گے۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"چاہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ مہم سنبھال لو گے۔ بس ایک بار یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ وہ سی نائین کی مشتبہ عمارت میں ہی روپوش ہے۔ اپنے دو آدمیوں کو اس عمارت کے دونوں راستوں پر مامور کر کے تم اسے للکارو گے تو وہ ذرا سی مزاحمت کے بعد راہ راست پر آجائے گا۔"

"میرے اپنے طور طریقے ہیں۔ اپنی فوجی زندگی میں میرا زیادہ تر جنگی قیدیوں سے واسطہ پڑتا رہا۔ ان کی زبان کھلوانے کا ایک لگا بندھا طریقہ ہوتا ہے وہ مار کھاتے ہیں اور اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ جب ان کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے تو وہ ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولتے چلے جاتے ہیں۔ تم سے ملاقات ہونے سے پہلے میرا زیادہ تر کام جنگلوں اور ویرانوں میں چھپے ہوئے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے تک محدود رہا تھا۔ میری اور تمہاری پہلی ملاقات بھی اسی چکر میں ہوئی تھی۔ ان کو گھیر کر کسی بند علاقے کی طرف ہانکا جاتا تھا۔ پھر وہ لڑتے لڑتے مر جاتے تھے یا پھر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ان کی گرفتاری کے بعد میرا کام ختم ہو جاتا تھا۔ انہیں پولیس کے حوالے کر کے ہم لوٹ آتے تھے۔"

"تم مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔ کیونکہ اس نے اپنے پیشہ ورانہ تجربات کی تفصیل مجھے پہلی بار سنائی تھی۔ نہ جانے اسے وہ ان کہی باتیں دہرانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"میں نے بارہا تم کو یہ سب بتانا چاہا لیکن کبھی مجھے موقع نہیں ملا' میں نے اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی شہری علاقوں میں یا شہری مجرموں کے خلاف کام نہیں کیا تھا۔ تم سے ملنے کے بعد میں نے ان سب بکھیڑوں میں ہاتھ ڈالنا شروع کیا۔ میں آج بھی پوری ایمان داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری مدد کے بغیر میرے لیے ان الجھنوں کو سلجھانا مشکل ہے۔"

"مطلب کی بات تم نے ابھی تک نہیں بتائی۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ بن چکر باز آدمی ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے غچا دے کر صاف نکل جائے۔"

میرا ارادہ تھا کہ میں بن سے اسی وقت ایم ففٹی پر رابطہ کرتا لیکن اول خان کے وہ الفاظ سننے کے بعد میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ اس کی مبینہ کمین گاہ سے قریب رہ کر اسے ہراساں کرنا زیادہ مناسب تھا۔

"تمہارے چار آدمی وہاں موجود ہیں۔ یہاں سے ہم دونوں چلیں گے۔ ایک کے مقابلے کے لیے یہ نفری کافی ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"ایک نہیں' تین کے مقابلے میں چھ کہو۔" اس نے میری تصحیح کی "اگر وہاں کوئی اور نہ ہوا تب بھی دو چوکیدار ضرور ہیں۔ وہ اپنے پُراسرار مہمان کے بارے میں اتنی رازداری سے کام لے رہے ہیں تو اس کی حمایت میں ہم سے لڑنے مرنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"وہ مقامی ہیں۔ اگر انہوں نے ہمارے مقابلے پر آنے کی کوشش کی تو میں انہیں ٹانگوں پر کھڑا نہیں رہنے دوں گا۔ اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دینا کہ بلا تکلف ان کی پنڈلیوں پر گولیاں چلا دیں۔ ان کو اپنی جسارت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"اس کے باوجود انہوں نے مزاحم ہونے کی کوشش کی تو مارے جائیں گے۔" اول خان نے سرد لہجے میں کہا "وہ مقامی ہیں تو ہوا کریں۔ غداروں کا ساتھ دینے والوں کا انجام غداروں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔"

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے جہانگیر میری آواز پہچانتے ہی چہکنے لگا۔

"تنویر خان! مبارک ہو۔ اب تو شہر میں لونڈیاں تم کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سالے اس شہر کی ہر خوبصورت لڑکی کم از کم تمہارا نام ضرور جانتی ہے۔"

"یہ کیا بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو۔" میں نے بے دھیانی سے اسے جھاڑ دیا "اپنی پینک میں تم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں خان نہیں ہوں۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں خان بن کر تمہیں عزت دینا چاہ رہا تھا۔ یہ تمہیں راس نہیں آرہی تو میں خطاب واپس لیے لیتا ہوں۔"

"یہ لونڈیوں کا کیا ذکر کر رہے تھے تم۔" میں نے چونک کر پوچھا "اس کی سرسری انداز میں سنی ہوئی وہ بات میرے دماغ کے کسی گوشے میں جا لگی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک خوب صورت لڑکی پرفیوم بیچنے آئی تھی۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ "میں سمجھا نہیں کہ تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی سروے کے لیے آتی ہے تو کوئی کچھ بیچنے یا مفت بانٹنے کے لیے آجاتی ہے۔"

"مفت بانٹنے.... کیا بک رہے ہو تم۔" مجھے اس کے عامیانہ فقرے پر غصہ آگیا۔

"بھڑک کیوں رہے ہو؟" میرے کان میں اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی "کسی کمپنی کی مصنوعات کا مفت بانٹنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔"

"اوہ! تو یہ گند تمہاری بلڈنگ میں بھی چلتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میرا خیال تھا کہ تمہارا سیکیورٹی سسٹم بہت اچھا ہے۔"

"الحمد اللہ! بہت اچھا ہے مگر خوش رو سروے اور سیلز گرلز کو وہ خود اندر آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ان سے بلڈنگ میں رونق رہتی ہے۔ آج تک کسی نے ان کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔"

"تمہارے پاس کوئی پرفیوم بیچنے کے لیے آئی تھی؟"

"ہاں، میرے اور سلمٰی کے لیے مفت میں دو سیمپل دے گئی ہے۔ بعد میں ہم نے اس سے ایک بوتل خرید لی۔"

"مجھے تمہاری خریداری سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا تم نے مجھے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"یہ ذکر تو یوں ہی نکل آیا۔ میں تمہیں مبارکباد دے رہا تھا کہ وہ بھی تمہارے جاننے والی نکلی۔"

"وہ کسی کی جاننے والی نہیں تھی۔ اب اگر تم بن پیے بھی مدہوش رہنے لگے تو تمہارا اللہ حافظ ہے۔ میں تمہیں ہوشیار کر چکا ہوں کہ آئی مین کے آدمی میرے چکر میں تمہارے گھر تک پہنچ سکتے ہیں مگر لڑکیوں کو دیکھ کر تمہاری عقل ٹخنوں میں اتر جاتی ہے۔ اب اس کے ساتھی تم سے کچھ نہ کچھ جنوانے کے لیے آئیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میری پھٹکار سن کر اس کی عقل ٹھکانے پر آگئی۔ "وہ حرافہ تھی۔ مجھے جل دے گئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ بلڈنگ سے کیسے نکلے گی۔ ابھی سیکیورٹی والوں کو انٹرکام کرتا ہوں کہ وہ میرا بٹوا چرا کر لے گئی ہے۔"

"فضول باتیں مت سوچو۔ اب دور دور تک اس کا سایہ بھی نہیں ملے گا۔" وہ تمہاری پشت پر پیاز کتر کر چلی گئی اور تم ابھی تک مدہوش ہو۔ کسی سے کوئی ہلکی بات کی تو خود تماشا بن جاؤ گے۔ لڑکی پھر بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"یہ برا بلکہ بہت ہی برا ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آئی مین اتنا حرامی ہو گا کہ لڑکیوں کو تمہارے پیچھے لگا دے گا۔ بس یار، اس کی لچھے دار باتوں سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ تمہاری سلمٰی بیگم اس سے باتیں کرنے میں پیش پیش تھیں۔ تمہارا بھانڈا اُن ہی نے پھوڑا ہے۔"

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس پر غصہ کرنا بے سود تھا۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ ان دونوں نے نامعلوم لڑکی سے میرے بارے میں کیا باتیں کی تھیں۔

"بس خوشبوؤں کے سیمپل ٹیسٹ کراتے کراتے اس نے اچانک پوچھا تھا کہ ڈیبی صاحب کس فلیٹ میں رہتے ہیں اور سلمٰی بیگم بول پڑیں کہ وہ یہاں نہیں گلشن میں رہتے ہیں۔"

"اس سے کہو کہ میرے گھر کا نمبر اور پتا بھی اس چھیتی کو بتا دیا ہوتا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اسے معلوم ہوتا تو وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی جاتی۔ وہ تو مجھے خیال آگیا کہ وہ تمہارا نام کیسے جانتی ہے۔"

"پھر اس نے کیا بتایا؟" میں نے بے تابی سے سوال کر ڈالا۔

"کہہ رہی تھی کہ کچھ روز پہلے اس نے تم کو ہماری بلڈنگ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ کمپنی کی گاڑی میں سڑک سے گزر رہی تھی۔ اس نے بلڈنگ کا نام نوٹ کر لیا۔"

"تم چغد ہو۔ اس نے تم کو اُلو بنا کر اپنے مطلب کی بات معلوم کر لی۔ تم نے اس سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ وہ مجھے کب سے جانتی ہے۔"

"سوچا تھا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ تمہاری کون سی بات مجھ سے ڈھکی چھپی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ سلمٰی کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو بلاوجہ تمہاری سبکی ہو گی۔ سلمٰی تمہاری بہت عزت کرتی ہے بلکہ تم کو بہت شریف آدمی سمجھتی ہے۔"

میں دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا۔ اس سے وہ ساری حماقتیں اس لیے ہوئیں کہ وہ نازک حملہ ایک لڑکی نے کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو جہانگیر اس کی زبان سے میرا نام سنتے ہی اس کی گردن دبوچ لیتا اور اس وقت تک اسے نہ چھوڑتا جب تک اس کا اطمینان نہ ہو جاتا۔

"اس لڑکی کا حلیہ کیا تھا؟" میں نے اپنے گھر میں چائے

کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کا تصور کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھرے بھرے بدن والی دراز قامت اور خوب صورت لڑکی تھی تم اسے دیکھ لیتے تو ذرا سی دیر کے لیے چوکڑی بھول جاتے۔ سالی کے داہنے رخسار پر ایسا قیامت کا تل تھا کہ اس پر سے نظر ہی نہیں ہٹ رہی تھی۔ اس نے تمہارا نام نہ لیا ہوتا تو میں کسی بہانے سے اسے دوبارہ ضرور بلاتا۔"

"فکر نہ کرو بیٹے۔ تمہاری بیوی نے جو گل کھلایا ہے اس کے بعد وہ دوبارہ ضرور آئے گی اور اس بار اکیلی نہیں آئے گی۔"

"آ کے دیکھے.... میں آج ہی شکایت کر کے ہر ایرے غیرے کی آمد پر پابندی لگوا دوں گا۔" اس کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

مجھے اس کے انکشاف پر فوری طور پر بہت غصہ آیا تھا لیکن بات آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے غصے میں کمی آتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنے بارے میں ہر خطرے کا مکمل ادراک تھا مگر میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے فریب میں آکر اسے گھر میں لے آیا تھا۔ اگر ویرا بپھر کر اسے راہ داری سے نہ بھگا دیتی تو شاید میں اسے دیر تک ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس کا دیا ہوا سوال نامہ پورے خلوص سے پر کرتا رہتا۔ میرے مقابلے میں جہانگیر اور سلمیٰ نے بات کو زیادہ پھیلنے نہیں دیا تھا۔

"سلمیٰ کہاں ہے؟ اس وقت تم کھل کر بول رہے ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہا رہی ہے۔" جہانگیر کی آواز سے بے زاری مترشح تھی۔ "تاکہ اپنے بدن کو نئے پرفیوم کی جادوئی خوشبو میں رچا کر مجھے پاگل کر سکے.... پاگل کہیں کی!"

"گھر میں رہو، ہوشیار رہو اور ہو سکے تو عمارت میں اجنبیوں کے داخلے پر پابندی لگوا دو۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ اس وقت ہم دونوں بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمارے لیے زندگی بھر کا روگ بن سکتی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب مجھ سے غلطی نہیں ہوگی۔ حسینۂ عالم بھی سوئمنگ کاسٹیوم پہن کر میرے سامنے آگئی تو میں اپنی آنکھیں بند کر کے اسے بھگا دوں گا۔ اس عمارت میں رہنے والوں کو حق ہے کہ وہ اجنبیوں کو اندر آنے سے روک دیں۔ ہماری ڈھیل کی وجہ سے لڑکیاں آتی ہیں کل سے کوئی نہیں آئے گی۔"

"یہ بھی دھیان رکھنا کہ عمارت میں داخل ہونے میں ناکامی کی صورت میں وہ فون پر تم سے رابطہ کریں گے۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی تو سلمیٰ کو باہر آتے جاتے ہوئے تنگ کر سکتے ہیں۔ نیا آئی مین بہت گھٹیا اور خبیث آدمی ہے۔ اس سے ہر حربے کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے تم کو فون کر لیا۔" اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ "میرا ارادہ تم سے تھوڑی سی دل لگی کرنے کا تھا لیکن تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ تم سے میری بات نہ ہوتی تو میں دوبارہ اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ دوسری مرتبہ وہ زیادہ سے زیادہ تیاری کے ساتھ آتی۔"

"اس وقت کسی معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز نہ کرو اور مجھ سے مسلسل رابطے میں رہو۔ میں فکر مند ہو گیا ہوں کہ آخر کار انہوں نے تمہارے گھر کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ بہت تیزی اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں۔ ہم کو ان کی زد سے بچنا چاہیے۔"

لڑکی کے نام کے بارے میں جہانگیر نے کچھ بتایا نہ میں نے وہ غیر ضروری سوال پوچھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس لڑکی نے جہانگیر کو اپنا فرضی نام بتایا ہوگا۔

جہانگیر نے پرفیوم بیچنے والی کا جو نقشہ کھینچا وہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی سے یکسر مختلف تھا۔ ہمارے دشمنوں نے دو مختلف کاموں کے لیے ایک ہی لڑکی کو استعمال کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ اس طرح آلۂ کار بننے والی لڑکی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسے کسی مشتبہ کام کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ وہ اپنے شبہے کا اظہار باہر کے کسی آدمی پر کر دیتی تو ان لوگوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

ایک آدمی، ایک کام کے اصول پر کاربند رہ کر انہوں نے بہت کامیابی کے ساتھ میرے اور جہانگیر کے قریبی تعلق کا سراغ لگا لیا تھا۔ جو وقت کے دھندلکے میں ایک طویل مدت سے دھندلایا ہوا تھا۔

جہانگیر سے فون پر میری گفتگو کے دوران بھی اندر سے کسی نے دخل اندازی ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ میری اس فون کال کو بھی میرے اور اول خان کے سنجیدہ مذاکرات کا ایک حصہ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں نے فون بند کیا تو اول خان ہمہ تن میری طرف متوجہ تھا۔

میری یک طرفہ گفتگو سے اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن اس پر سب کچھ واضح نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر

حیرت ہوئی کہ جہانگیر پر بالکل وہی وار آزمایا گیا تھا جو پچھلے روز ہم پر کیا گیا تھا۔

"ویسے تو سبھی دشمنوں کو بہت شدت سے ہماری تلاش ہے لیکن کل یہاں آنے والی لڑکی کو شاید بلیک کیٹس کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ جہانگیر کے پیچھے بن کے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی تمہاری ہی تلاش ہے مگر وہ اس میں جہانگیر کو ایک آسان زینہ سمجھ رہے ہیں۔"

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہا "تمہاری اس بات سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بلیک کیٹس کے دونوں کارندے یہاں بن سے رابطے میں ہیں۔"

اول خان نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے بیان پر غور کیا پھر اثبات میں سر ہلا دیا "رابطہ نہ ہوتا تو دونوں ایک طریقہ کیسے استعمال کر سکتے تھے؟"

"ڈیوڈ اس وقت سی نائین میں روپوش ہے۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسی کوئی کارروائی کر سکے۔"

"بن ڈیوڈ ایک مہرہ ہے جسے ہوا بنا کر میدان میں اتارا گیا ہے اس کی پشت پناہی کرنے والے ٹام اور نک شہر میں آزاد پھر رہے ہیں۔ وہ اس کے نام پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"نہیں اول خان! یہ مشکل نظر آ رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی ساری توجہ را کے بچے ہوئے ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ وہ بلیک کیٹس کو کہاں تلاش کر سکتے تھے۔ تم خود بتا چکے ہو کہ بلیک کیٹس طویل مقابلے نہیں کرتے۔ کہیں بھی پہنچ کر خاموشی سے کمانڈو ایکشن کرتے ہیں اور تیزی سے لوٹ جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹس نے خود سی آئی اے والوں سے رابطہ کیا ہو۔" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔ سی آئی اے والے مغرور اور بددماغ ہیں۔ انہوں نے وجے اور اس کے تینوں آدمیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے وہ ہر بھارتی ذمہ دار کے علم میں آ چکا ہو گا۔ بلیک کیٹس اپنے ہاتھوں سے غلامی کا یہ طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالیں گے۔ یہاں را کے ہوتے ہوئے ان کو بھیجا گیا ہے تو وہ امریکیوں سے دور رہ کر اپنا ہدف پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتا۔ میں مانے لیتا ہوں کہ تمہاری ہر بات ٹھیک ہے مگر اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔"

"اس وقت امریکیوں کی ساری توجہ بن کو بچانے پر مرکوز ہے۔ ہمیں اصل خطرہ بلیک کیٹس سے ہے۔ وہی جہانگیر تک پہنچے ہیں۔ لڑکیوں کے استعمال کا مشترک طریقہ کار یہ بتا رہا ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ انہیں عجلت ہے۔ وہ جلد از جلد مجھ تک پہنچنا چاہ رہے ہیں۔"

"کچھ دیر کے لیے میری یہ بات مان لو کہ آئین سے ماورا سہی لیکن میں ایک سروس کا افسر ہوں۔ متعدد اجلاسوں میں شریک ہو چکا ہوں۔ مجھے بہت سے امریکی اور بعض بھارتی پہچانتے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھ پر دانستہ ایک اوچھا حملہ کیا گیا۔ میری حماقت سے حملہ آوروں نے یہ گھر دیکھ لیا اور مزید چھان بین کے لیے ایک لڑکی کو سروے بنا کر یہاں بھیج دیا۔ یہاں تک بلیک کیٹس کی کارکردگی قابل فہم ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے یکایک جہانگیر تک کیسے پہنچ گئے۔"

"اس کا جواب تمہاری اپنی باتوں میں پوشیدہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جو بھارتی افسر تمہیں پہچانتے ہیں وہ میرے اور میرے رابطوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہیں۔ ویرا، غزالہ اور جہانگیر۔ یہ تین نام ایسے ہیں جو میرے دشمنوں کے لیے نئے نہیں ہیں بلکہ سلطان شاہ بھی میری وجہ سے موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ چکا ہے۔ ان لوگوں نے بلیک کیٹس کو جہانگیر کی طرف متوجہ کر دیا ہو گا۔"

"نہیں ڈیئی' بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "جب انہوں نے یہ گھر دیکھ لیا تھا' ایک لڑکی تمہارے ساتھ ویرا سے مل کر جا چکی تھی تو پھر ان کو جہانگیر کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت رہ جاتی تھی۔ اگر وہ پہلے جہانگیر کے گھر گئے ہوتے پھر ادھر آتے تو کچھ بات بن سکتی تھی۔"

"اسے یوں سمجھ لو کہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل ناکام لوٹی۔" میں نے اس کی الجھن کا ادراک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ویرا جیسی امریکی خدوخال والی سفید فام عورت کو شستہ اردو بولتے دیکھ کر حیران نہ ہوئی ہو۔"

"میں پرانی بات دہراؤں گا کہ وہ اسے پٹھان وغیرہ سمجھی ہو گی۔" میں نے زور دے کر کہا "میں اس لڑکی سے ملا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شریف اور ضرورت مند تھی مگر چالاک نہیں تھی۔ اسے سروے کے صحیح مقصد کا علم نہیں تھا اس لیے اس نے ویرا کو نظرانداز کر دیا۔"

"ہو سکتا ہے تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ ویرا کی جارحانہ مداخلت نے اس سرویر کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ کوئی صحیح نتیجہ اخذ کیے بغیر یہاں سے رفو چکر ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری وہ رات خیریت سے گزر گئی اور بلیک کیٹس نے ادھر کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مگر آج ان کا کام بن گیا ہے۔ سلمٰی نے گلشن اقبال میں میری رہائش کا ذکر کر کے انہیں دوبارہ اس مکان کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اب وہ کسی بھی وقت ادھر آ سکتے ہیں۔"

"کیا اس بارے میں جلال سے کوئی مدد مل سکتی ہے۔" اول خان نے قدرے خاموشی کے بعد بوجھل آواز میں پوچھا۔

"وہ ادھر آ ہی گئے تو ہمیں خود ان کا مقابلہ کرنا ہو گا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس بارے میں جلال ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔"

"پھر بھی اس کا باخبر رہنا ضروری ہے۔ ہم جس طرح مل جل کر کام کر رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ تازہ ترین حالات سے ایک دوسرے کو باخبر رکھا جائے۔ نیلی ڈاج کو آگ لگنے کے بعد وہ سیدھا ہمیں خبر دینے آیا تھا۔ اسے بعد میں پتا چلا تو وہ برا مانے گا۔"

وہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔ کراچی میں بلیک کیٹس کی موجودگی ایک اہم واقعہ تھی۔ وہ بھارتی سیکرٹ ایجنٹ ہی نہیں، تربیت یافتہ دہشت گرد تھے جو کمانڈو ایکشن کے ذریعے ملک کے کسی بھی حصے میں امن و امان کو تہ و بالا کر سکتے تھے اور ان کو روکنے کی ذمہ داری شاید جلال کے محکمے کے سر ہی جاتی تھی۔

میں نے سگریٹ پھونکتے ہوئے اس بارے میں خاصا غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جہانگیر کی فون کال کے ذریعے سامنے آنے والی باتوں نے صورتِ احوال کو یکایک ایک نیا موڑ دے دیا تھا۔ جلال کا ان حالات سے بروقت باخبر ہونا ضروری تھا۔

موبائل فون کی وجہ سے ہر وقت ذاتی رابطہ کی سہولت موجود تھی۔ میں نے اسی وقت جلال کا موبائل نمبر ملایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" رابطہ ہوتے ہی وہ بول پڑا "دونوں ڈھانچے ناقابلِ شناخت ہیں۔ آگ اتنی شدید تھی کہ ان کی ہڈیاں تک کوئلہ ہو گئی ہیں۔"

"ایک اعتبار سے یہ اچھا ہے کہ دونوں لاشیں لاوارث اور گمنام رہیں گی تو کوئی اسکینڈل کھڑا نہیں ہو گا۔"

"یہ بات اتنی سیدھی نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہے ہو۔ ان کا تیسرا ساتھی کسٹم ہاؤس پر مارا گیا تھا۔ اس کی لاش بالکل صحیح سالم ہے، را والوں کی غیر معمولی احتیاط کے سبب اس کے کپڑوں سے بھی ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کی شناخت پر روشنی ڈال سکے مگر اس کی تصویر ہر متعلقہ آدمی پہچان لے گا...."

"پہچاننے کو تو انہیں سب کچھ معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کھیل کھیلا تھا اور اس کا انجام کیا ہوا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "بات کسی اور فریق کے شور مچانے کی ہے۔ وہ غریب ڈرائیور کے ورثا ہو سکتے تھے۔ اب وہ بے خبر اور خاموش رہیں گے۔ سب کچھ وزنی فائلوں میں دفن ہو جائے گا۔"

"نیلی ڈاج کے مالک اور ڈرائیور کی شناخت سے ان کے لیے دشواریاں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک چونکی ہوئی آواز میں کہا "ارے، میں نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیوں فون کیا تھا۔"

میں نے اسے جہانگیر کے فلیٹ میں رونما ہونے والے حالات کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ اس نے تمہیں بروقت باخبر کر دیا۔ ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے داہنے رخسار پر کوئی تل تھا۔"

اس کا غیر معمولی لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بہت اہم بات تھی۔ میں نے کہا "ہاں! جہانگیر عورتوں کے معاملے میں ذرا جمال پرست واقع ہوا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لڑکی کے تل پر سے اس کی نگاہ نہیں ہٹ رہی تھی۔ وہ اس لڑکی کی شناخت کا بہت نمایاں حصہ ہے۔"

"میں اسی لیے چونکا تھا۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ... دو تین برس پہلے وہ لڑکی لاہور میں کافی سرگرم رہی ہے۔ وہ را کی ایجنٹ ہے۔ لاہور میں اس نے کئی اہم افسروں پر ڈورے ڈال دیے تھے۔ بات پھیلی تو وہ سرحد پار فرار ہو گئی۔ میں ریکارڈ دیکھ کر اس کے بارے میں تمہیں بتاؤں گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ ہمارے گھر ایک مقامی سرویر بھیجی گئی تھی۔ شاید یہ اس کی ناکامی کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر معلومات حاصل کرنے کے لیے را کی اس چالاک لڑکی نے خود خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

"یہ کام جلد ہو جائے تو بہتر ہو گا۔" میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وقت ملتے ہی یہ کام

کر گزروں گا۔"

"بس تو پھر میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔"

"واقعات کی رفتار اچانک تیز ہو گئی ہے۔ بن اور سی آئی اے والے مل کر کوئی نیا گل کھلانے کے چکر میں ہیں۔ ادھر بلیک کیٹس کی آمد کی خبریں ہیں۔ اب تم مل والی لڑکی کی کہانی سنا رہے ہو۔ کوئی بھی فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔"

"بن کا قصہ تو شاید آج ہی پاک ہو جائے۔ ہم ادھر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ٹھنڈے دل سے اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس طرف جاؤ اور بلیک کیٹس تمہارے گھر پر ٹوٹ پڑیں۔ تم جانتے ہو کہ پیشہ ور ایجنٹوں کا کمانڈو ایکشن کس قدر تیز اور خطرناک ہوتا ہے۔ اس وقت ان کا مقابلہ زیادہ اہم ہے۔"

"تمہاری یاد دہانی کا شکریہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون سا قدم اٹھانا ہمارے لیے سود مند رہے گا۔"

اس سے بات ختم ہو گئی۔ اول خان نے جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے بارے میں جلال کی رائے سنی تو اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "مجھے بھی کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ را کے خطرناک ایجنٹوں سے ایس ٹی ایف باخبر رہتی ہے تاکہ پاکستان کی سرزمین پر ان کی حرکتوں کا انسداد کر سکے۔ وہ لڑکی لاہور میں بہت تیز و طرار ثابت ہوئی تھی۔"

"تم بھی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ رفتہ رفتہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ بلیک کیٹس یہاں موجود ہیں۔ ویسے حیرت ہے کہ اس بار انہوں نے ایک لڑکی کو یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید انہیں توقع ہو گی کہ مردوں کی بھیڑ میں وہ آسانی سے اپنی راہ بنا سکے گی۔" اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ وہ جہانگیر کے گھر میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کی جگہ مرد ہوتا تو جہانگیر اسے دروازے سے ہی رخصت کر دیتا۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"بن کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دو اور گھر میں رک کر آنے والوں کا انتظار کرو۔"

"ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر آ جائیں۔ ہم کب تک ان کے انتظار میں رکے رہیں گے؟" میرے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ باہر تمہارے ایک اسٹرائیک یونٹ کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ اندر تین دلیر نفوس موجود رہیں گے۔ آنے والوں کے لیے یہ نفری کافی ہو گی۔"

"تمہیں رکنے کا مشورہ دینے کا سبب بھی وہی ہے جو تمہیں ساتھ لے جانے کا ہے۔ تمہاری موجودگی سے دل کو ڈھارس رہتی ہے۔ تم صحیح وقت پر تیزی سے صحیح فیصلے کر کے حالات کو اپنے حق میں ڈھال لیتے ہو۔ شاید اپنی اسی صلاحیت کی وجہ سے تم آج تک اپنے دشمنوں سے بچے ہوئے ہو۔"

"بلیک کیٹس یہاں ہم سے مذاکرات کرنے کے لیے نہیں آئیں گے۔ وہ بارود اور گولیوں کی زبان میں بات کریں گے۔ اس کا جواب دینے کے لیے صرف دلیری اور بے خوفی درکار ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہماری پوری نفری ان صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔"

"تم بن کی طرف جانے پر مصر ہو؟" اس نے براہِ راست پوچھ لیا۔

"ایک غیر یقینی مقابلے کے انتظار میں ہم یقینی شکار کو آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ وہ مسلسل بھاگتا چلا آ رہا ہے اور اب صرف دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر ہے۔ خدا خدا کر کے سی نائین کا سراغ ملا ہے تو ہمیں ادھر چل دینا چاہیے۔ یہ بن پر ہاتھ ڈالنے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو ہم دیر تک پچھتاتے رہیں گے۔"

آخر کار ہم نے رات کا کھانا جلد کھا لینے کے بعد دس بجے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

وہ ڈیفنس کا ایک کمرشل علاقہ تھا جہاں بیشتر دکانیں وغیرہ بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بیکریاں اور سودا سلف کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ مجموعی طور پر وہاں وہ رونق مفقود تھی جو بھرے پرے بازاروں میں نظر آتی ہے۔ ہر چیز پر ایک جمود اور ٹھہراؤ ساطاری نظر آ رہا تھا۔

سی نائین ایک دہری سڑک پر کئی خالی پلاٹوں کے درمیان کھڑی ہوئی ایک اکلوتی عمارت تھی۔ وہاں قرب و جوار کی عمارتوں کی زیریں دکانوں میں بیشتر موٹر ورکشاپ وغیرہ تھے جو اس وقت بند ہو چکے تھے۔ ان کے باہر کھڑی ہوئی بھانت بھانت کی گاڑیاں اپنی زبانِ حال سے یہ اعلان کر رہی تھیں کہ وہاں انجنوں کی دیکھ بھال سے رنگ و روغن کی مرمت تک کا کام ہوتا تھا۔ وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد زیادہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہاں ساری سہولتیں آس پاس ہی دستیاب تھیں۔

میں نے سست روی سے سی نائین کے سامنے سے گزرتے ہوئے عمارت کا ناقدانہ جائزہ لیا تو اس کا مین روڈ کا دروازہ بند تھا۔ باہر کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت کی تعمیر میں بہت فراخ دلی سے شیشہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس وقت تمام شیشوں کے پیچھے گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ ظاہری طور پر اس عمارت کے آباد ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

اول خان مجھ سے پہلے اس خم دار' دہری سڑک سے گزر چکا تھا جہاں سی نائین کے سامنے کھیل کا تاریک میدان پھیلا ہوا تھا۔ اول خان کا ارادہ اسی میدان کے کسی تاریک حصے میں اپنی گاڑی چھوڑنے کا تھا۔ ہمیں اپنے آپریشن کے دوران پیدل رہ کر عمارت تک پہنچنا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق اس کمرشل ایریا میں دو سو گز رقبے کے پلاٹوں کی قیمت بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے تعمیری منصوبہ بندی میں زیادہ فراخ دلی سے کام لینا ممکن نہیں تھا۔ بیشتر عمارتوں میں داخلی راستہ زینوں کے ساتھ ہی عقبی گلی میں رکھا گیا تھا۔ اس طرح سامنے کے رخ پر ایک دکان کی زیادہ جگہ نکل آتی تھی لیکن سی نائین سمیت بہت سی ستھری عمارتوں میں ایک فاضل دکان کی قربانی دے کر آمدورفت کا راستہ سامنے کے رخ پر رکھا گیا تھا تاکہ اوپر کے فلیٹوں میں رہنے والے مکینوں کو ہر وقت پچھلی گلی کے تنگ اور گندے ماحول میں سے نہ گزرنا پڑے۔

میں نے اپنی گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی زیر مرمت گاڑیوں کے ساتھ پارک کر کے مقفل کر دی۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے دس بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔ میں منتظر رہا اور جوں ہی روشن ڈائل پر ساڑھے دس بجے میں نے اندھیرے میں کھڑے کھڑے' ایس ٹی ایف کے اپریٹس کا بٹن دبا کر اسٹرائیک یونٹ والوں کے ساتھ اول خان کے لیے پیغام نشر کر دیا کہ میں اپنی جگہ سے پیش قدمی کے لیے تیار تھا۔

اپریٹس جیب میں واپس رکھتے ہوئے مجھے اچانک بیم گن یاد آئی جو میں نے گھر سے روانگی سے پہلے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی تاکہ چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لوں لیکن اس بے نظیر ہتھیار کا کسی جیب میں کوئی پتا نہیں تھا۔ میں گھر سے چلتے ہوئے اپنا وہ ہتھیار ساتھ لینا بھول گیا تھا۔

مجھے یکایک اپنے اوپر غصہ آ گیا۔ وہ میری سنگین بھول تھی۔ اس اہم معرکے میں بیم گن کا میرے ساتھ ہونا بہت ضروری تھا۔

ہمارا بزدل دشمن کسی چوہے کی طرح اپنی کمین گاہ کے اندھیرے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ ہمیں اندر گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ اپنی ابتدائی منصوبہ بندی میں ہم نے اس نکتے کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ بن سے دست بدست لڑائی میں بیم گن ایک بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی۔

اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گھر فون کر کے سلطان شاہ کے ذریعے بیم گن منگواتا۔ گھر پر دو عورتوں کے ساتھ وہ اکلوتا مرد رہ گیا تھا۔ گھر پر بلیک کیٹس کی طرف سے حملے کا اندیشہ قوی تھا۔ اگر وقت ہوتا تب بھی سلطان شاہ کو اس وقت گھر سے ہٹانا آسان نہ ہوتا۔

میں نے تن بہ تقدیر ہو کر بیم گن کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے پاس فاضل راؤنڈز کے ساتھ ایک بھرا ہوا ماؤزر اور دوسرا پستول موجود تھا۔ وقت پڑنے پر وہ میرے لیے کافی ثابت ہو سکتے تھے۔ ویسے بھی میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

دس بج کر پینتیس منٹ پر اچانک فضا ایک ہولناک فائر کی آواز گونج اٹھی۔ فائر کی گونج کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کا پُرشور چھناکا ہوا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے سی نائین کی اوپری منزل سے چھنا چھن نیچے آ رہے۔ اول خان نے پہلی گولی چلا کر مقابلے کا آغاز کر دیا تھا۔

''اوئے خدائی خوار! کون ہے؟'' سی نائین کی تین منزلہ عمارت کی چھت سے ایک ڈری ڈری' بھاری چیخ ابھری۔

یہ یقین ہو گیا کہ دو میں سے کم از کم ایک چوکیدار عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی بھی اسی کے ساتھ ہو اور ان دونوں کا پراسرار مہمان عمارت کی کسی نچلی منزل پر چھپا ہوا ہو۔ اس وقت تک ہمارے سامنے اس مہمان کی موجودگی کا کوئی کھلا ثبوت نہیں آیا تھا۔

پروفیسر ڈونلڈ کی زبان سے سی نائین کا تذکرہ اور پھر سی نائین کے چوکیداروں کی غیر معمولی خریداری سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تھی کہ ہمارا مطلوبہ آدمی اس عمارت میں چھپا ہوا تھا' جس پر اول خان نے اپنی چاند ماری کا آغاز کر دیا تھا۔ مقابلے میں کوئی دو طرفہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آ سکتی تھی۔

اول خان کی طرف سے دوسری گولی چلائی گئی۔ اس مرتبہ پھر شیشے بکھر گئے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ اس علاقے کی کھلی ہوئی دکانیں تیزی سے بند ہو رہی تھیں اور لوگوں نے

اندھی گولیوں کی زد سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے مخالف سمتوں میں دوڑ لگادی تھی۔

میرے ساتھ اول خان بھی اس رائے سے متفق تھا کہ ٹام اور رنک نے بن کو سی نائین میں بالکل بے یارومددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر رابطے کا کوئی ایسا آلہ دیا ہوگا جس پر وہ ہنگامی صورت حال میں ان دونوں سے رابطہ کر سکے۔ میرا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ اس وقت بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے سرپرستوں کو درپیش حالات سے آگاہ کر رہا ہوگا۔

اسے خوف زدہ کرنے کے لیے دو فائر کیے جا چکے تھے۔ ان کے بعد اول خان کا ایک آدمی سی نائین کے بند دروازے پر پہنچ کر اسے پیٹ رہا تھا۔ بقیہ تین میں سے ایک نے سی نائین سے ملحق خالی پلاٹ پر جا کر اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ اسٹرائیک یونٹ کے بقیہ دو کارندے اپنی باریوں کے منتظر تھے۔

میں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایم ففٹی نکالا اور بٹن دبا کر بن کو اس کے نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔

میرے تیسرے پیغام کے بعد اس کی پُرسکون آواز سنائی دی۔ ''تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟'' اس نے آواز کی حد تک پرسکون رہنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی آواز سے سارا تحکم رخصت ہو چکا تھا۔ ''میں تمہاری کمین گاہ کے نیچے موجود ہوں۔ تعارف کے لیے تمہارا اتنا جاننا کافی ہے۔''

''پتا نہیں تم کیا بک رہے ہو۔ کیسی کمین گاہ۔ میں آرام سے اپنے گھر پر ہوں۔ تم کون ہو اور تم کو یہ ٹرانسمیٹر کہاں سے ملا۔''

''آج کسٹم ہاؤس پر ایک نامعلوم اور مشتبہ آدمی کو کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ اپریٹس مقتول کے قبضے میں تھا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم کوئی پولیس افسر ہو۔ تم کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔''

''یہ بات اب پورے شہر کو معلوم ہو چکی ہے کہ تم آئی مین کا روپ دھار کر یہاں غیر قانونی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔''

''یہ سراسر بکواس ہے۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ پاکستان کے شہری اتنے خبیث ہیں تو میں بھول کر بھی ادھر نہ آتا۔''

''تمہاری شامت تمہیں یہاں لے آئی ہے تو اب نتیجہ بھگتنے کی بھی تیاری کر لو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم سی نائین کے کسی کمرے میں موجود ہو۔'' یہ کہہ کر میں نے بٹن چھوڑ دیا۔

اچانک فضا سب مشین گن کے مختصر سے نغمے سے گنگنا اٹھی۔ میری پوری توجہ اپریٹس پر مرکوز تھی۔ فائرنگ کی وہ آواز اپریٹس سے بھی سنائی دی اور پھر معدوم ہو گئی۔ شاید بن نے بات کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد ملتوی کر دیا تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ اس کی آواز کے ساتھ فائرنگ کا شور بھی ریڈیائی لہروں پر نشر ہوگا اور اس کے اس دعوے کا بھانڈا پھوڑ دے گا کہ وہ سی نائین کے بجائے کسی اور محفوظ مقام پر روپوش تھا۔

''تمہاری آواز کے ساتھ مجھے کچھ فائرنگ کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ کیا تم مجھے ریکارڈنگ سنا کر ڈرانا چاہ رہے ہو۔'' اس کی آواز ابھری پھر وہ غرایا ''کیا سب مر گئے ہو۔ کوئی یہ بکواس نہیں سن رہا۔''

''مائی ڈارلنگ بن! واقعی سب مر چکے ہیں۔ وجے، ترپاٹھی، سیٹھی اور راجو میں سے کسی ایک کا اپریٹس میرے ہاتھ آیا ہے۔ باقی تین، مرنے والوں کی لاشوں کے ساتھ ضائع ہو گئے۔ اب اس ایم ففٹی پر صرف ہم دونوں رابطے میں رہ گئے ہیں۔''

''تم نے مجھے کیوں چھیڑا ہے۔ مجھ سے تم کیا چاہتے ہو؟''

''سی نائین بھاری محاصرہ میں ہے۔ ابھی شیشے ٹوٹ کر گر رہے ہیں پھر کنکریٹ کے ڈھیر گرنے لگیں گے اور تم ان میں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ شرافت سے خود کو ہمارے حوالے کر دو۔''

''میں ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تم پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنے کے بعد بھی میرا سراغ نہیں لگا سکو گے کیونکہ میں یہاں نہیں ہوں۔ اب میں اپریٹس آف کر رہا ہوں۔ اس پر مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔''

اس کی آواز معدوم ہونے کے بعد میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میری کال نے اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر اپنا اپریٹس واقعی آف کر دیا تھا۔ باہر سے چلنے والی گولیوں نے میری باتوں کا وزن بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔

دورانِ گفتگو اس نے مجھے جھٹلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن آخر میں اس سے نفسیاتی چوک ہو گئی تھی۔ اس نے 'میں یہاں نہیں ہوں' کے الفاظ استعمال کر کے لاشعوری طور پر بات اگل دی تھی کہ وہ سی نائین میں ہی موجود تھا۔ اس کا ثبوت اگلے ہی لمحے سامنے آ گیا۔ سی نائین کی تیسری

منزل سے دو پُر شور شعلے اس ویران میدان کی طرف گئے تھے جہاں اول خان موجود تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر بن سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس بار بھی انتظار کے باوجود ناکامی ہوئی۔

اس دوران میں دروازے پر موجود شخص نے اندر سے کوئی جواب نہ پا کر گولی سے دروازے کا قفل توڑ دیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پھرتی سے اپنے قدم بدلے اور یکایک دروازے کے سامنے آکر گولیوں کا ایک تیز برسٹ زینوں کی بلندی کی طرف فائر کر دیا۔ وہ کھلا اعلان تھا کہ بن کے شکاری اس کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔

اچانک فضا ایک شدید دھماکے سے لرز اٹھی۔ سڑک کے کنارے' میدان سے دھول اور کنکروں کا ایک زبردست غبار پھیلا جو میرے بدن تک بھی آیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ سی نائین سے پھینکا جانے والا وہ ہینڈ گرینیڈ سڑک سے زیادہ دور تک نہ جا سکا ورنہ اول خان ملبے کی زد میں آکر بری طرح زخمی ہو سکتا تھا۔

ہینڈ گرینیڈ کا استعمال بن کے جنون کی نشان دہی کر رہا تھا۔ میں نے ایس ٹی ایف والے ایریٹس پر مخصوص کوڈ نشر کیا۔ اسی لمحے سی نائین میں بھونچال آگیا۔ ایس ٹی ایف والوں نے عمارت پر آنسو گیس کے دو گولے داغ دیے تھے اندھیرے میں کچھ زیادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زینے سے عمارت میں گھسنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔ میں نے خالی پلاٹ پر موجود آدمی کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ اپنے گردو پیش میں ہونے والے دھماکوں سے یکسر بے پروا ہو کر سی نائین کی دوسری منزل کے ایک بغلی روشندان میں وزنی آنکڑا پھنسانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور بے فکری سے زور لگا کر آنکڑے کے ذریعے زمین تک آئی ہوئی مضبوط رسی کا جائزہ لے رہا تھا۔

اوپر سے چند ثانیوں کے وقفے سے مزید دو بم پھینکے گئے اور زمین دور تک لرز اٹھی۔ وہی بم ہاتھ کے بجائے کسی لانچر وغیرہ سے داغے گئے ہوتے تو آسانی سے اول خان کے چیتھڑے اڑا ڈالتے۔ ان کی رسائی پہلے دستی بم سے بہت زیادہ نہیں تھی۔ وہ بن کے لیے بہت کڑا وقت تھا۔ وہ تحفظ کے خیال سے اس عمارت میں اکیلا تھا اس لیے وہ زیادہ پیچیدہ دفاعی ہتھیاروں سے لیس نہیں تھا۔ اسے اس کے مربیوں نے ایسے ہتھیاروں سے لیس کیا تھا جن کو وہ اپنی مرضی سے آزادانہ استعمال کر سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ بن کی کمین گاہ کو نرغے میں لے لیا جائے گا۔ اس لیے اسے لانچر وغیرہ سے چلائے جانے والے بڑے اور طاقتور ہتھیار شاید نہیں دیے گئے تھے۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے ٹھک ٹھک کی پرشور آوازوں کے ساتھ آنسو گیس کے مزید آٹھ گولے قلیل سی مدت میں سی نائین میں پھاڑ دیے۔

باہر سے شاید دیکھ لیا گیا تھا کہ بن کہاں تھا اس لیے گولوں کا رخ دوسری اور تیسری منزل کی طرف تھا۔

اول خان اور اس کے آدمیوں کو یہ کھلی برتری حاصل تھی کہ وہ کھلی فضا میں آزادی سے نقل و حرکت کر سکتے تھے جب کہ بن ڈیوڈ سی نائین کے پنجرے میں بند تھا۔ عمارت میں آنسو گیس کے آٹھ گولے پہنچانے کے بعد ایس ٹی ایف والے وقفے وقفے سے فائرنگ پر اکتفا کر رہے تھے۔ بن بھی اسی انداز میں اِکّا دُکّا فائر کر کے انہیں یہ جتا رہا تھا کہ آنسو گیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت اور فیصلے کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

میں نے اپنا پورا وزن ڈال کر اوپر پھنسے ہوئے آنکڑے کی گرفت اور رسی کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر افقی دیوار پر پیر جما کر' رسی کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ تجربہ میرے معمولات کا حصہ نہیں تھا۔ پوری زندگی میں شاید ایک آدھ بار ہی ایسی کسی کوشش کی نوبت آئی ہو گی۔ مگر مجھے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ اسکول میں اسکاؤٹنگ کی تربیت کے دوران مجھے رسی کے ذریعے بلندی پر چڑھنے کی مشق کرائی گئی تھی اس کے اہم نکات میرے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ تھے۔ اس وقت معاملہ بن ڈیوڈ کا تھا اس لیے میری ساری صلاحیتیں خود بخود بروئے کار آ رہی تھیں۔ میں پیر دیوار پر ٹکاتا اور تاریک فضا میں ہچکولے کھاتا ہوا تیزی سے اوپر جانے لگا۔

رسی سے تنگ روشندان میں داخل ہونے میں مجھے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف گہرا اندھیرا تھا اور فضا میں آنسو گیس کی ہلکی سی بو بھری ہوئی تھی۔

میں نے روشن دان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے نیچے جھانکا اور رسی کو خفیف سا جھٹکا دیا۔ خالی پلاٹ کی تاریکی میں کھڑا ہوا اکلوتا انسانی ہیولا حرکت میں آیا اور دیوار کے سائے میں غائب ہو گیا۔ اس کے دیوار سے چپک جانے کے بعد نیچے میدان صاف ہو گیا تھا۔

میں نے رسی کے سرے سے بندھا ہوا پلاسٹک کا نکیلا اور وزنی آنکڑا روشن دان کی چوکھٹ سے نکالا اور فضا میں دور اچھال دیا۔

ادھر سے فارغ ہوتے ہی میں کود کر فرش پر اتر گیا۔

آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس ہونے میں چند لمحے لگے۔ اس دوران میں مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ نئے مکان کا غیر استعمال شدہ باتھ روم تھا۔

اپنے چڑھے ہوئے سانس بحال کرنے کے بعد میں نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو آنسو گیس کی تیز بو کے ساتھ آنکھوں میں شدید جلن ہونے لگی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی غیر ارادی چیخ روکی ہی تھی کہ اچانک میرے جبڑے پر ایک زوردار مکا لگا اور اندھیرے میں کوئی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

میں نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالا، آنکھوں اور نتھنوں میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔ میرا حریف پہل کا فائدہ اٹھا چکا تھا پھر بھی میں اس سے لپٹ گیا اور پہلے زور میں اسے دھکیل کر باتھ روم کے دروازے سے دور لے گیا۔

ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہونے کی وجہ سے ہاتھ چلانے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ میرے دراز قامت اور توانا حریف نے میری پیشانی پر ٹکر رسید کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اتنی دیر میں میرے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

میرا حریف انگریزی میں دبی دبی غراہٹوں کے ساتھ مجھے رگیدے ڈال رہا تھا۔ اچانک میرا داہنا گھٹنا چل گیا۔ اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر اچانک پڑنے والی وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ ایک بے ساختہ چیخ مار کر دہرا ہو گیا۔

میں نے بڑھ کر اس کے چہرے پر کئی تابڑ توڑ مکے برسا دیے۔ ان ضربات کے نتیجے میں اس کا گیس ماسک اس کے چہرے سے اتر گیا اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"تم .... حرام زادے .... میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا" وہ انگریزی میں غرایا اور بات واضح ہو گئی کہ وہ بن ڈیوڈ تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ کھانستا ہوا سیدھا ہو گا تو میں اس کے چہرے کی مزید تواضع کروں گا لیکن اس نے ایک حیران کن حرکت کی اور پلٹ کر اچانک ایک طرف دوڑ پڑا۔

وہ فلیٹ نیا اور غیر آباد تھا اس لیے وہاں کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ میں بن کا پیچھا کرتا ہوا سیڑھیوں پر آ گیا۔ آنسو گیس اس کے لیے سخت اذیت کا باعث بن رہی تھی اس لیے وہ بند فلیٹ سے نکل کر اوپر جا رہا تھا۔

میں دوسری منزل سے اس عمارت میں گھسا تھا۔ وہ تیسری منزل پر بھی نہیں رکا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ چھت کی کھلی فضا میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا رہا۔

وہ آخری سیڑھیوں پر تھا کہ اچانک اس کی بائیں پنڈلی میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا اور وہ منہ کے بل، پورے زور میں، کنکریٹ کے زینوں پر گر گیا۔ بن کے حلق سے نکلنے والی دوسری بے ساختہ چیخ بہت بلند آہنگ اور کریہہ تھی۔

میں نے بڑھ کر اس کے بال پکڑے اور ایک مرتبہ پھر اس کا چہرہ زینوں پر دے مارا۔ زینوں پر اس سے لڑنا خطرناک تھا۔ میں اسے دوسری زک پہنچاتے ہی کھلی چھت پر نکل گیا۔

تازہ ہوا میں نکل آنے کے باوجود میری آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی اور آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ مجھ سے بس لمحہ بھر کی چوک ہوئی۔ میں پستول نکالنے ہی والا تھا کہ بن کسی دیو پیکر عفریت کی طرح ایک بار پھر میرے اوپر آ پڑا۔

اس کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا۔ اس نے گیس ماسک نوچ کر دور پھینک دیا تھا۔ اس بار اس کے جسم میں نہ جانے کہاں کی طاقت اُمڈ آئی تھی کہ اس نے مار مار کر ذرا سی دیر میں مجھے نڈھال کر دیا۔

اس دوران میں عمارت کے دونوں چوکیدار سہمے ہوئے انداز میں ایک طرف کھڑے رہے۔ ان میں سے کسی نے ہماری لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی چھٹی حس نے شاید انہیں یہ بتا دیا تھا کہ کسی چور کی طرح چھپے ہوئے گورے کے مقابلے میں آنے والے سرکاری آدمی ہو سکتے ہیں جن سے الجھنا ہمیشہ مہنگا پڑتا ہے۔

"روشنی کرو!" میں نے چیخ کر کہا اور اگلے ہی لمحے چھت روشن ہو گئی۔ بے ضرر کام کرنے میں چوکیداروں کو کوئی تامل نہیں تھا۔

شاید میرے پھیپھڑوں میں آنسو گیس کی بھاری مقدار پہنچ چکی تھی۔ میرے ہاتھ پیر کافی سست ہو رہے تھے۔ مواقع ملنے کے باوجود میں بن کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے آنسو گیس سے بھرے ہوئے فلور پر گیس ماسک پہنا ہوا تھا اس لیے اس کی حالت زیادہ ابتر نہیں تھی۔

آخر کار وہ مجھے سینے کے بل فرش پر گرا کر میری پشت پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مقابلے کے دوران میں ہی اس نے میری بھری ہوئی جیبیں تاڑ لی تھیں۔ اس نے میری سب جیبیں خالی کیں، ماؤزر اور پستول کے ساتھ دونوں اپریٹس لے کر وہ اچانک میری پشت سے اتر گیا۔

اس مار دھاڑ میں اس کا ہتھیار شاید کہیں گر چکا تھا۔ فضا میں رہ رہ کر فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اول خان اور اس کے آدمی میرے کسی اشارے کے انتظار میں اپنی جگہوں پر رکے ہوئے تھے۔

"ہینڈز اَپ!" مجھے فرش سے اٹھتا دیکھ کر بن نے اچانک میرے اوپر ماؤزر تان لیا "ذرا بھی حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس کا خون میں نہایا ہوا زخمی چہرہ اس وقت بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ مجھے گولی مارنے میں تامل نہیں کرے گا۔ میں نے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیے۔

بن ڈیوڈ اناڑی نہیں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ایم ففٹی اور پستول کو جیب میں رکھ لیا پھر ایس ٹی ایف والے ایریٹس کو اپنے منہ کے قریب لاکر' ٹرانسمٹنگ بٹن دباتے ہوئے بولا "تم جو بھی ہو' کان کھول کر سن لو کہ فائرنگ بند نہیں ہوئی تو میں تمہارے آدمی کو گولی ماردوں گا' میں نے اسے پکڑلیا ہے۔"

دوسری طرف سناٹا چھایا رہا۔ وہ بری خبران لوگوں کے لیے صدمے سے کم نہیں تھی۔ ہمارے ایریٹس پر بن کی آواز اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ سچا تھا۔

فضا میں سناٹا چھا گیا۔ ایس ٹی ایف والے فائرنگ بند کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

"تمہارا آدمی مسلسل میرے نشانے پر ہے۔ اس کی زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں اسے ریوالور کی نال پر یرغمال بنا کر اتروں گا اور نکل جاؤں گا۔" بن نے خاصے انتظار کے بعد دوسرا پیغام نشر کیا "کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

"ہم نے تمہارے دونوں پیغام سنے ہیں" اول خان کی مجروح سی آواز ابھری "کیا میں اپنے آدمی سے بات کرسکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں" بن نے سختی سے انکار کردیا "اس وقت میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں صرف اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم جارہے ہیں" اول خان کے پاس اپنی شکست تسلیم کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی "تم یہاں سے کتنی دیر میں نکل جاؤ گے؟"

"یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ تم لوگ جاؤ' صبح تک اس علاقے میں کوئی مشکوک سایہ نظر نہیں آنا چاہیے۔"

"زیادہ دیر تک رک کر تم ہمارے آدمی کی زندگی خطرے میں ڈال دوگے۔ گولیاں رکنے کے بعد تماشائی سی نائین کو گھیرلیں گے۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو" بن غصے میں دہاڑا "جب تک میں خطرے سے نہیں نکل جاتا' مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔"

"ہمارے آدمی کو تم کہاں چھوڑوگے؟" اول خان کی آواز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"سب کچھ اس کے اپنے اوپر منحصر ہے" بن نے ہڈیوں نے اتر جانے والی سرد آواز میں کہا "اس نے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش کی تو مارا جائے گا۔"

"اوکے بن! ہم اسی وقت واپس جارہے ہیں" اول خان کے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں تھا۔

بن نے ایریٹس اپنی پہلے سے بھری ہوئی جیب میں اڑس لیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو' ڈینی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس نے ماؤزر کی نال کو سفاکی سے جنبش دیتے ہوئے سوال کیا۔

ناکامی کے اس گھور اندھیرے میں وہ میری پہلی کامیابی تھی کہ وہ از خود مجھے ڈینی ماننے سے منکر تھا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی اس خود اعتمادی نے میرا اعتماد کسی حد تک بحال کردیا تھا۔

"میں کسی ڈینی کو نہیں جانتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں پولیس کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"پولیس ٹاؤٹ ہو؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "تم نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ پتا نہیں تم کو اپنی منحوس صورت لے کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے ڈینی کو پکڑلیا ہے مگر تم نے میری امیدوں پر پانی پھیردیا۔"

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میرے ڈینی نہ ہونے کے بارے میں اتنا پُریقین کیوں تھا مگر میں اس سے براہِ راست وہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے پژمردہ آواز میں جواب دیا "ڈینی کا نام میرے لیے اجنبی ہے۔ اگر میرے ڈینی ہونے سے تم کو خوشی ہوسکتی ہے تو تم مجھے شوق سے ڈینی کہہ سکتے ہو۔ ویسے بھی لڑائی ہار جانے والے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

"ڈینی!" وہ عجیب اور بھیانک آواز میں ہنسا اور بولا۔ "کسی وقت وہ بھی اپنے چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا ہوا میرے سامنے آئے گا۔ میں نے بیم گن کی امید میں تمہاری جامہ تلاشی لی تھی۔ وہ ڈینی کی پہچان ہے۔ اگر تمہارے پاس سے وہ

گن مل جاتی تو میں تمہارا بھیجا اڑا چکا ہوتا۔ تم جیسے دو ٹکے کے آدمی کو میں اس کا متبادل نہیں سمجھ سکتا۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ دونوں صحت مند چوکیدار بتوں کی طرح ایک ہی پوزیشن میں گم صم کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سی نائین میں اچانک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ انہوں نے اندھادھند اپنے سفید فام مہمان کا ساتھ دینے کے بجائے غیر جانبداری اختیار کی ہوئی تھی۔ شاید زبان کے مسئلے کی وجہ سے بن ڈیوڈ انہیں اپنے اعتماد میں لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ بس اشاروں کنایوں کے ذریعے ان سے اپنی ضروریات پوری کروالیتا تھا۔

پورے تصادم میں، میں نے صرف ایک بار ان کو روشنی کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے مشینی انداز میں اس کی تعمیل کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ مزید کوئی ضرورت پیش آئی اور میں ان کی ہمدردیاں جیتنے میں کامیاب رہا تو وہ بن کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں گے۔

"یہ میری دہری بدقسمتی ہے کہ میں تم سے ہار گیا اور تم مجھے وقعت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم معمولی ٹاؤٹ ہوکر بھی اتنی اچھی انگریزی بول لیتے ہو؟" اس نے گہرے طنز سے کہا۔

"سر! یہ غریب ملک ہے۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ اس سے بھی گھٹیا کام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کے لیے فوری خیال کے تحت اسے سر کا رتبہ دے ڈالا۔

"تم یہاں کتنی نفری کے ساتھ آئے تھے؟" بن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"میرے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ کچھ لوگ پہلے سے چھپے ہوئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"

"ان لوگوں کو یہاں بھیجنے کے لیے صرف تم ملے تھے، پولیس کمانڈو کہاں مرگئے تھے؟"

مجھے ڈینی تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی وہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ میں نے نیچی آواز میں کہا۔

"انہوں نے اپنے آدمی کو بچاکر مجھے قربانی کا بکرا بنایا ہے۔ دیکھ لو کہ میں تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا۔ میری جگہ کوئی پولیس والا ہوتا تو وہ مارا جاتا..... در..... دراصل میں کمند ڈال کر اونچی بلڈنگوں میں چوریاں کیا کرتا تھا۔ میرے اس ریکارڈ نے آج مجھے مروادیا۔"

اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی لیکن وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

اس دن میری ایک بھول یا غلطی میرے کام آئی تھی۔ اگر میں نے گھر سے نکلتے ہوئے اپنی ڈریسنگ ٹیبل سے بیم گن اپنے ساتھ لے لی ہوتی تو اس وقت تک نہ جانے کیا کچھ ہوچکا ہوتا۔ جو حالات یکایک رونما ہوئے تھے ان میں بیم گن سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی تھی مگر وہ میری گردن ضرور پھنسوادیتی۔

یہ غیبی تائید تھی کہ اس وقت میری بھول کسی حد تک میری عافیت کا ذریعہ بن گئی تھی۔

"تم عمارت سے باہر نکلتے ہوئے اپنے ہاتھ نیچے گرالوگے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری انگلی ہر لمحے ماؤزر کے ٹریگر پر تیار رہے گی۔ میری ہدایت کے مطابق چلتے رہنا۔ تم گاڑی سے آئے ہو؟"

آخری سوال اس نے اچانک پوچھا تھا لیکن میں نے پلک جھپکتے میں جواب سوچ لیا "میں پولیس والوں کی وین میں آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے، پھر تم میری گاڑی چلاؤگے" اس نے بتایا۔

"ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" میں نے اس کے پروگرام کے تسلسل سے فائدہ اٹھا کر سوال کر ڈالا۔

"بس میری ہدایات پر عمل کرتے رہنا۔ انحراف کیا اور گولی چلی" اس نے مجھے دھمکی دی پھر ماؤزر کی نال سے زینے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

باہر سے ایس ٹی ایف والوں نے فائرنگ روک دی تھی۔ اول خان نے بن سے واپس لوٹ جانے کا وعدہ بھی کرلیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں نے ایک مجرم سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کی ہوگی۔ وہ سی نائین کے قرب وجوار میں چھپ کر موقع کی تلاش میں رہے ہوں گے۔ بن ذرا بھی چوکتا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس کا موقع نہ ملتا تو ہمارا پیچھا ضرور کیا جاتا۔

روشن چھت سے تاریک زینوں پر اترتے ہوئے ہمیں بہت سنبھلنا پڑ رہا تھا۔ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بن نے چوکیداروں کو بے جان مجسموں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی طرف ہاتھ لہرا کر فاتحانہ انداز میں میرے پیچھے ہولیا تھا۔

اسے اپنے زخمی اور داغ دار چہرے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہا تھا۔

دوسری منزل پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لمحہ بھر کے لیے کہیں رکا ہو۔ میں چونک کر مڑا تو وہ میرے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی بریف کیس وغیرہ آچکا تھا۔

اندھیرا زیادہ تھا۔ بن نے کہیں بھی روشنی کرنے کی زحمت نہیں کی تھی کیونکہ اس طرح باہر سے اندر کی نقل وحرکت دیکھ لیے جانے کا خطرہ تھا۔ اندھیرے میں مجھ پر نگاہ رکھنے کے لیے وہ مجھ سے صرف ایک یا دو زینوں کے فرق سے نیچے اتر رہا تھا۔ سی نائین کی فضا میں آنسو گیس کی بو کم ہونے لگی تھی۔

باقی رہ جانے والے چند زینے میرے لیے امید کی آخری کرن تھے۔ ایک بار کھلی فضا میں نکل جانے کے بعد میں ہر لمحے بن ڈیوڈ کے کھلے نشانے پر ہوتا۔ وہ مجھے اپنی گاڑی میں شہر کے کسی بھی محفوظ ویرانے میں لے جاتا اور میدان صاف پاکر وہاں مجھے گولی ماردیتا۔ ویرانے کا خیال میرے ذہن کو اس لیے ڈس رہا تھا کہ ایسے کسی مقام پر جائے بغیر بن کو یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں آرہی تھی۔ وہ مجھے ڈینی نہیں سمجھ رہا تھا پھر بھی مجھے اس کے ہاتھوں اپنے کسی بہتر انجام کی امید نہیں تھی۔

میں نے اپنے کان اس کے قدموں کی چاپ پر جمادیے۔ ٹھک ٹھک کی ان آوازوں کا ایک مخصوص آہنگ تھا۔

میں قدموں کی آواز کو سنتا اور گنتا رہا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کرلیا تھا۔ سی نائین سے ہماری واپسی خاموشی سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ویرانے میں جاکر بن کے ہاتھوں مرنے سے بہتر تھا کہ میں اسی وقت کچھ کر گزرتا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز اور بے ترتیب ہورہی تھیں۔ ہم پہلی منزل سے بھی گزر چکے تھے اور اس وقت سی نائین کے آخری زینے طے کررہے تھے جن کے اختتام پر کھلا ہوا چوبی دروازہ ہمارا منتظر تھا۔

سیڑھیاں اترتے اترتے اچانک میں زینے پر رک کر بیٹھ گیا۔ بن اپنی رو میں اترا چلا آرہا تھا۔ اس کا ایک پیر خاصے زور سے میری پشت سے ٹکرایا' اس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آوازیں نکلیں اور وہ میرے اوپر سے اڑتا ہوا اوندھے منہ آخری زینوں پر جاگرا۔

گرنے سے پہلے ہی اس کے ماؤزر سے یکے بعد دیگرے دو گولیاں چل گئیں جو بالکل بے مقصد تھیں۔ مجھے ان سے کوئی گزند نہیں پہنچا۔

میں نے اپنے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر بن ڈیوڈ پر چھلانگ لگادی اور اسے رگیدتا ہوا دروازے تک لے گیا۔

بن کسی گینڈے کی طرح سخت جان تھا۔ سیڑھیوں پر دوسری بار اوندھے منہ گرتے ہوئے اس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو بہت ضبط کے ساتھ ایک غضب ناک غراہٹ تک محدود رکھا تھا لیکن رات کے سناٹے میں اس کی وہ آواز دور تک سنی گئی تھی۔

ایس ٹی ایف والے عقابوں کی طرح اس دروازے کے دائیں بائیں شاید ایسی جگہوں پر دبکے ہوئے تھے جہاں سے حسب ضرورت غائب بھی ہوسکیں۔ ان کے کان ہر آواز پر جمے ہوئے تھے۔ بن کی غراہٹ انہوں نے سنی تو سمجھ گئے کہ کوئی کھیل شروع ہوچکا تھا۔ میری آواز سے ان کے کان آشنا تھے اس وقت سی نائین سے بلند ہونے والی دوسری آواز بن ہی کی ہوسکتی تھی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے وزنی وجود میں الجھے ہوئے دروازے سے باہر نکلے اور زور آزمائی کرتے ہوئے اپنے قدموں پر اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک اول خان للکارتا ہوا داہنی طرف سے نمودار ہوا' اس کے تینوں مسلح آدمی بائیں طرف سے نکل آئے۔ چوتھا اس کے پیچھے تھا۔

آنے والے تینوں میں سے ایک نے وفورِ جوش میں ایک ہوائی فائر بھی کردیا۔

بن ڈیوڈ نے غصے اور جھلاہٹ میں اپنی داہنی لات گھمائی۔ میں نے اس کی زد سے بچتے ہوئے اس کی پنڈلی پکڑلی اور وہ بائیں ٹانگ پر سنبھلنے کی کوشش میں دھول میں جاگرا اور اس کے ساتھ اول خان اور اس کے ساتھیوں کے پانچ ہتھیاروں کی نالیں بن کے جسم سے لگ گئیں۔

باہر پھیلی ہوئی روشنی اندر کے گھور اندھیرے کے مقابلے میں مجھے چاندنی معلوم ہورہی تھی۔ گو بن کا چہرہ خون اور زخموں سے بھر چکا تھا مگر پھر بھی وہ اپنی تصویر کے عین مطابق نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر حلق تک پھیلی ہوئی داڑھی کی کمی تھی جو اس نے خود صاف کرادی تھی۔

میرا ماؤزر اور بن ڈیوڈ کا بریف کیس زینوں میں کہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اول خان کے دو آدمی اندر گھسے تو میں نے انہیں وہ دونوں چیزیں یاد دلا دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ چھت پر ڈرے اور سہمے ہوئے دونوں چوکیدار بھی موجود تھے۔

اس سے آگے کے کام کے لیے اول خان کے آدمیوں کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے بن کی ساری پھولی ہوئی جیبیں صاف کردیں۔

"میں ایریٹس پر اس ملعون کی آواز سن کر دہل گیا تھا۔" اول خان نے میرے قریب آکر سرگوشی کی "اس وقت میرا دل بہت خوش ہے کہ تم نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ اسے بھی زیر کرلیا۔"

میری شہادت کی انگلی بے اختیار کھلے آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ یہ اس کی دین تھی کہ اس نے میری جاتی ہوئی زندگی مجھے واپس لوٹا دی ورنہ میں خود اپنی فاتحہ پڑھ چکا تھا۔

میرے ایما پر بن کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے اول خان کی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس کے منہ میں بہت سا کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ میں اول خان کے برابر میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے آدمی میری اور اپنی گاڑی میں بٹ کر ہمارے پیچھے ہولیے۔

"اسے بے ہوش کردو۔" اول خان نے اردو میں کہا۔ "فاصلہ لمبا ہے۔ یہ راستے میں تنگ کرے گا۔"

میں نے اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کا رخ درست کیا اور اگلے ہی لمحے بن کا قد آور وجود بے ہوشی کی گہری دلدلوں میں ڈوب چکا تھا۔

میرے پاس سب کچھ موجود تھا بس بیم گن نہیں تھی لیکن بن سے ہونے والے مختصر اور خون آشام مقابلے میں مجھے اپنا کوئی ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شاید آنسو گیس نے میرے اعصاب پر خاصا برا اثر ڈالا تھا۔ میں سی نائین سے باہر نکل آیا تھا مگر میری آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ ان سے از خود آنسو رواں تھے اور منہ کا ذائقہ حلق تک بگڑا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ بن کو بے ہوش کروانے کے بعد اول خان مجھ سے کھل کر باتیں کرے گا لیکن کافی دیر تک گاڑی میں خاموشی برقرار رہی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں اور آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

اسے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا۔ میں نے مزید چند ثانیوں تک خاموش رہ کر خود کو سنبھالا پھر اس سے مخاطب ہوگیا "تم چپ کیوں ہو؟" میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میری آواز خود خاصی گمبھیر ہوگئی تھی۔

"میں چپ نہیں ہوں، اپنے رب کا شکر ادا کررہا ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا "کہو کیا کہہ رہے ہو؟"

"آج زندگی اور موت میں بس ایک اڑنگے کا فاصلہ رہ گیا تھا؟" میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے تمہیں اتنی آسانی سے کیسے گھیرلیا۔"

"تمہاری چھوڑی ہوئی آنسو گیس نے میرا کام تمام

کردیا۔ اس نے ماسک پہنا ہوا تھا۔" میں نے بتایا "غنیمت یہ ہوا کہ زبان یا کسی اور مسئلے کی وجہ سے چوکیداروں نے اس کا ساتھ نہیں دیا ورنہ وہ مجھے چھت پر ہی پیس کر رکھ دیتا۔"

"یوں نہیں، ذرا پوری کہانی سناؤ۔ آج کا واقعہ میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔"

وہ میری ہر بات غور اور خاموشی سے سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے بے ساختہ کہا "یوں کہو کہ آج بیم گن نہ لے جانے کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی ورنہ وہ تمہیں مار دیتا۔"

"اب سے کچھ دیر پہلے میرا بھی یہی خیال تھا جو اب بدل چکا ہے۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہے۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"قیدی کو زندہ رکھنا اس کی مجبوری تھی۔ مجھے مار کر اسے خود بھی مرجانا پڑتا۔ اسے سی نائین سے فرار ہونے کے لیے ایک زندہ یرغمالی کی ضرورت تھی جو صرف مفتوح قیدی پوری کر سکتا تھا۔"

"بالکل ٹھیک!" اس نے پُرجوش لہجے میں میری تائید کی۔

"ایک بار وہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر قیدی کی خیر نہیں تھی۔ اس کے لیے اپنی روپوشی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ وہ قیدی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر کہاں لیے پھرتا۔ جیسے ہی اسے یقین ہو تا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا، وہ قیدی کو مار دیتا۔"

"اسے تم نے بہت سادہ سی ترکیب سے گرا دیا۔ اس پر عمل کرنا دل گردے کا کام تھا۔ اسے سنبھلنے کے لیے ایک لمحہ بھی مل جاتا تو تمہاری خیر نہیں تھی۔"

"میں جانتا تھا۔ میں اس کے اترنے کی رفتار گن رہا تھا۔ میں نے اسے مہلت کا وہ لمحہ نہیں دیا۔"

"اب اس کا کیا کیا جائے گا؟" قدرے سکوت کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"موت اس کے لیے سب سے بہتر رہے گی۔ اسے تفتیش کے لیے زندہ رکھا گیا تو یہ ہمارے لیے عذاب بن جائے گا۔ اس کی رہائی کے لیے سفارتی دباؤ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔" میں نے اسے اپنی دو ٹوک رائے سے آگاہ کر دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ جلال اسے زندہ رکھنا چاہے!" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"میں اسے اس غلطی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اچھا ہوا کہ اس وقت وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"

اس وقت جو کچھ ہوا، وہی سب سے بہتر تھا۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوتے اور بن مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو بڑی الجھنیں سر ابھار سکتی تھیں۔ اس نے مجھے ڈینی سمجھنے سے انکار کر دیا تھا مگر وہ مجھے زندہ رکھتا یا مار دیتا۔ دونوں صورتوں میں نک اور ٹام ضرور مجھ سے ملتے یا اخباروں میں میرے بے جان چہرے کی تصاویر دیکھتے اور مجھے کرنل داور کے طور پر پہچان لیتے۔ ان کی اس شناخت سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ ایس ٹی ایف آخر کار آئی مین تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس کے دوسرے نتائج خوش گوار نہ ہوتے۔

میں نے اول خان سے آسانی سے کہہ دیا تھا کہ بن ڈیوڈ کو مار دینا چاہیے لیکن اس سے پہلے اس سے بہت کچھ اگلوانا ضروری تھا۔ میں خاموش سفر کے دوران ان نکات کے بارے میں سوچتا رہا اور آخر کار ہم اسٹیشن فور کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اول خان کی موجودگی کی وجہ سے گاڑی کو کہیں نہیں روکا گیا تھا۔

اسٹیشن فور پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے گھر فون کیا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے جواب دیا بلکہ جوابی سوال کر ڈالا۔

"آپ دونوں کہاں ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ ہم آپ کی طرف سے فکر مند ہیں۔"

"بن اسٹیشن فور کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔"

"فی الحال یہاں بھی سکون ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ رات کیسے گزرتی ہے۔ آپ کب تک آئیں گے؟"

"میری واپسی کا انحصار بن کے رویے پر ہے۔ ابھی اس سے مذاکرات باقی ہیں۔ تم بے فکر ہو کر اپنے کمرے میں لیٹو۔ اللہ نے چاہا تو خیریت رہے گی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان نے بن کے بریف کیس کا تالا کھولنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ہم میں سے کسی نے سی نائین کی تلاشی میں وقت برباد کرنے یا کسی کو وہاں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بن ایک بھگوڑا مجرم تھا۔ اپنی ساری ضروریات کو کہیں یک جا کر کے ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہنے کا عادی رہا ہو گا۔ مجھے امید تھی کہ بریف کیس سے بہت کچھ برآمد ہو گا۔

اول خان کی میز پر وہ تمام چیزیں اکٹھی تھیں جو بن کے

لباس کی جیبوں سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان میں وہ اشیا بھی شامل تھیں جو اس نے میری جامہ تلاشی میں میری جیب سے برآمد کی تھیں۔ ان میں صرف ایک چیز میرے لیے پرکشش تھی۔ وہ ہتھیلی میں سما جانے والا ایک ننھا سا ٹرانسسٹر تھا۔

وہ نئی ساخت پہلی بار میرے مشاہدے میں آئی تھی۔ اس کی نیم پلیٹ کے اندراجات کو کھرچ کر مٹا دیا گیا تھا۔ وہ ایریٹس بن کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس لیے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہی آلہ اس کے اور دوسروں کے ہنگامی روابط کے لیے کام آتا ہوگا۔

ذرا سی محنت کے بعد بریف کیس بھی کھل گیا۔ میری توقع کے برعکس اس میں کوئی کاغذی ریکارڈ بھی نظر نہیں آیا۔ اس میں جدید ترین مواصلاتی آلات، مختصر ہتھیار اور ان کے میگزین وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اپنے اجزائے ترکیبی کی بنا پر وہ کسی مجرم کا دستی اسلحہ خانہ تھا جس میں چند حساس ترین اسپائی کیمرے بھی شامل تھے۔

"ہم بلاوجہ یہ بوجھ لادلائے۔ اس میں ایک بھی کام کی چیز نہیں ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے ایک ڈبیا بریف کیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "یہ آج کی بھاگ دوڑ پر تمہارا انعام ہے۔ حیرت ہے کہ تم سی ایس ڈی کو نہیں پہچان سکے۔"

اول خان نے اشتیاق سے اسے اٹھالیا۔ "تمہاری سی ایس ڈی بیڈ روم میں لگی ہوئی ہے۔ وہاں تک میری رسائی نہیں ہے۔"

اس نے سی ایس ڈی کو گھما پھرا کر دیکھا اور پھر احتیاط سے اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔

ہم دونوں گھر سے کھانا کھا کر نکلے تھے۔ اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اول خان کے اردلی نے ذرا سی دیر میں چائے تیار کردی۔ چائے نوشی کے دوران میں اول خان نے ٹی اور آئی مین کے بارے میں بات نکالنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے خاموش کردیا۔ بن کے مقدر کا خفیہ فیصلہ ہو چکا تھا۔ اسے سب کچھ اپنے سینے میں لے کر سوئے جہنم روانہ ہو جانا تھا۔ ہم بے فکر ہو کر اس کے سامنے ہر موضوع پر آزادی سے بات کر سکتے تھے۔

چائے کا دور ختم ہونے کے چند منٹ بعد بن کے ہوش میں آنے کی خبر آگئی۔ میں نے بن کی جیب سے برآمد ہونے والا آپریٹس اٹھایا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ایس ٹی ایف کی سرکاری مہمان داری کی عمومی

بچاؤ

اخباری رپورٹر نے عمر رسیدہ دیہاتی کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ کی عمر اتی سال ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی کوئی دوا استعمال نہیں کی ..... یہ کیسے ممکن ہوا؟"

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے جی ...؟"

دیہاتی نے سادگی سے کہا "تیس سال کی عمر تک تو مجھے کبھی کسی دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑی .... اس کے بعد ایک روز راستے میں کسی بات پر میرا گاؤں کے ڈاکٹر صاحب سے جھگڑا ہو گیا اور میں چالیس سال تک ان کے کلینک کے پاس سے بھی نہیں گزرا .... اور دس سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ یوں میں دوا سے بچا رہا۔"

روایات کے مطابق کمرے میں موجود بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے تھے۔ زینوں پر منہ کے بل دو مرتبہ گرنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر شدید زخم آئے تھے۔ بائیں رخسار کا ورم ظاہر کر رہا تھا کہ وہ نازک ہڈی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی ہوگی مگر میں نے ابتدا سے اس وقت تک بن کو ایک مرتبہ بھی کراہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

ہمیں دیکھتے ہی اس کے کٹے پھٹے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم لوگ تھوڑے سے بامروت اور مہمان نواز معلوم ہوتے ہو۔ آزاد ہاتھ پیروں کے ساتھ کمر کے نیچے بستر کی موجودگی کا احساس خاصا فرحت انگیز ہے۔" وہ بولا۔

"ہماری یہ عنایات بلاسبب نہیں ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم زندہ رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگیں۔" اس نے منہ بنا کر حقارت سے کہا "میرے کسی ہم رتبہ شخص کو سامنے لاؤ۔ میں ڈینی کے سوا کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

"ڈینی تمہارے اسی خادم کو کہا جاتا ہے۔" میں نے

اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر استہزائیہ انداز میں کہا۔
”ہائیں!“ وہ حیرت سے بھونچکا رہ گیا اور بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ”تت.... تم ڈینی ہو۔“
میں اس کی بے اعتباری پر ہنس پڑا ”ہاں! یہ تمہاری بد قسمتی تھی کہ آج میں یم گن اپنے گھر بھول آیا تھا۔“
اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی زخمی پیشانی پیٹ لی ”یہ صرف مقدر کی خرابی ہے۔ مجھے ذرا سا شبہ ہو جاتا تو میں اسی وقت تمہیں گولی مار دیتا۔“
پیشانی کے زخموں سے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے ہٹ جانے سے تازہ خون پھر رسنے لگا۔
”مجھے گولی مار دیتے تو تمہیں فرار ہونے کے لیے یرغمالی کہاں سے ملتا؟ تم تو فطرت کے اعتبار سے بھگوڑے ہو۔ مقابلے سے مسلسل بھاگ رہے تھے۔“
”مجھے صرف تمہاری تلاش تھی۔ میں کسی اور چکر میں پڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں مارنے کے بعد میری زندگی کا ایک مشن پورا ہو جاتا۔ میں خوشی سے اپنے سر میں گولی مار لیتا۔ تم نے امریکا میں یہودی کاز کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ گیپ کی اصل فائل بہت اہم تھی۔ تم لوگوں نے اس کی نقلیں ساری دنیا میں پھیلا دی ہیں۔“
اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ ہماری وزارتوں میں کچھ لوگ تن دہی سے کام کر رہے تھے۔ وہ فائل لانے کے بعد پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ اس پر کیا کام ہوا تھا۔ سب کچھ وقتی اور جذباتی باتوں میں دفن ہو کر رہ گیا تھا۔
”آخر کار تم نے اگل ہی دیا کہ گیپ کا لکھا سچ ہے اور تم بھی عالمی صیہونیت کے پکے ایجنٹ ہو۔“
”میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔“ وہ بستر سے نیچے اتر آیا اور پھر کسی چیتے کی طرح جھپٹ کر میری طرف آیا تھا۔
مجھے اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ میں بروقت اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ وہ اپنے پورے زور میں دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹیک کر خود کو بچا لیا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس کی پشت پر زوردار لات رسید کی اور وہ پھسل کر فرش پر گر گیا۔
”یہ تمہاری اصل اوقات ہے ایک کتے سے بھی بدتر!“ میں نے نفرت سے کہا۔
”اس وقت تم بالا دست ہو۔ جو چاہو کہہ سکتے ہو مگر میں تم کو بتا رہا ہوں کہ گنتی پوری ہو چکی ہے۔ تمہارا وقت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ تم نے امریکیوں کی بھی دشمنی مول لی ہے۔ وہ تمہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیں گے۔“
”امریکی اور یہودی اپنی اپنی طاقت کے نشے میں دھت ہیں۔ ایک کو اپنی فوجی برتری کا گھمنڈ ہے، دوسرے کو اپنی معاشی گرفت پر ناز ہے۔ یہ دونوں خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ وہ طاقت جوش میں آ گئی تو یہ دونوں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔ دور دور تک انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہو گا۔“
وہ اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اپنے بستر پر جا بیٹھا اور طنزیہ لہجے میں بولا ”کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ ہر کمزور بدمعاش اپنی حرکتوں کی وجہ سے مار کھاتا ہے تو اسی طرح کلکلا کر مارنے والے کو کوستا ہے لیکن اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔“
”جب ہی تم اس وقت اس چھوٹے سے کمرے میں نظر آ رہے ہو!“
”اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ غلطی میری تھی کہ میں تم جیسے موذی کو نہیں پہچان سکا۔ مجھ سے یہ چوک نہیں ہوئی ہوتی تو تمہارا قصہ سی نائین میں ہی تمام ہو جاتا۔ تم مجھے اپنی بکواس سنانے کے لیے زندہ نہ رہتے۔“
”تم کو اندازہ ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو سکتا ہے!“ میں نے اسے ڈرانا چاہا۔
”تم مجھے بلیک میل کر کے زندہ رکھنا چاہو گے مگر ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہارے پاس دوسری راہ یہ رہ جائے گی کہ تم مجھے مار دو۔“ اس نے بے خوفی سے کہا۔
”یہاں تم کو کس کس کی سرپرستی حاصل تھی؟“ قدرے خاموشی کے بعد اول خان نے سوال کیا۔
”مجھے ہر انصاف پسند انسان کی سرپرستی حاصل تھی۔ لوگ تم جیسے بنیاد پرست مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں جو اپنی قتل و غارت گری کی حرکتوں کو اللہ کی مرضی سے موسوم کر کے خود بے گناہ بننے کی قابلِ نفرت کوششیں کرتے ہیں۔“ بن کی آواز میں بلا کا زہر رچا ہوا تھا۔ ”تمہاری خون آشام عادتوں اور عقیدوں سے دنیا کا ہر مہذب آدمی خوف زدہ ہے۔“
”تم ہم دونوں کی بات کر رہے ہو یا دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دینے کی کوشش کر رہے ہو؟“ اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

"مشرق سے مغرب تک، ہر مسلمان ایک فتنہ ہے اور میری نظروں میں قابلِ سزا ہے۔ مذہب کی آڑ لے کر تم لوگوں نے عالمی غنڈا گردی شروع کی ہوئی ہے۔ اب دنیا پر رفتہ رفتہ یہ عقدہ کھل رہا ہے کہ تمہارا جہاد کا نظریہ عالمی امن کے لیے کتنا خطرناک ہے۔ تم دونوں فرشتے نہیں ہو، اسی عالمی فتنے کا ایک سرگرم حصہ ہو۔"

وہ نئی باتیں نہیں تھیں۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب عالمی پریس کی زینت بنتا چلا آ رہا تھا لیکن ایک ممتاز اور متعصب یہودی کی زبان سے وہ مربوط باتیں اس وقت ہولناک معلوم ہو رہی تھیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ مغرب کے مقتدر حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔

"دنیا بھر کی ترجمانی کے دعوے چھوڑ دو۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کی نیت سے کہا "اپنی بات کرو۔ تم نے ہمارے ہاتھوں سے جوتے کھائے ہیں اس لیے اب تمہیں ہمارے مذہب میں بھی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ جہاد ایک ٹھوس حقیقی نظریہ ہے۔ یہ مظلوم اور حق کے خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ کا نام سربلند رکھنے کے لیے ظالموں اور باطل قوتوں سے پوری قوت سے ٹکرا جانے کو جہاد کہا جاتا ہے۔"

"یہ میں نہیں کہہ رہا، دنیا کہہ رہی ہے۔ تم لوگوں کی برہمی کی وجہ سے اخباروں میں کچھ نہیں آتا ورنہ مغرب میں دانش ور اور اسکالر سر جوڑے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں میں جہاد کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کیسے ختم کیا جائے۔ دوسرے مذاہب اس سے خوف زدہ ہیں۔ اس صدی کے وسط تک یہ تمہارے ملاؤں تک محدود تھا۔ آج پڑھے لکھے اور روشن خیال مسلمان بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ ایک خوف ناک علامت ہے۔ مغرب اس وبا کے قابو سے باہر ہونے سے پہلے اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ آج مغرب بلکہ دنیا بھر کی سربراہی امریکا کے پاس ہے اس لیے وہ بنیاد پرست مسلمانوں کی سرکوبی کی مہم میں سب سے آگے ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنا دشمن نظر آتا ہے۔"

"تم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ مغرب کی حد سے بڑھی ناانصافیوں اور ظلم کے خلاف اس جذبے کا احیا ہو رہا ہے۔" میں نے بات بڑھائی۔

"کہیں کوئی ظلم نہیں ہو رہا۔ تم سب مسلمان بدمعاش ہو۔" اس نے برہمی سے کہا "یہودیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کر کے فلسطین بنانا چاہتے ہو۔ کشمیر پر قبضے کے خواب دیکھ رہے ہو، انڈونیشیا میں عیسائیوں کو فنا کر دینا چاہتے ہو، یورپ کے قلب میں دوبارہ اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے چکر میں ہو۔ سب سے بڑے ظالم ہو۔ تم سے ہر مذہب کے پیروکار خوف زدہ ہیں کیونکہ جب تم ہتھیار اٹھا لیتے ہو تو پھر کسی کو نہیں بخشتے۔ تمہارے نام نہاد مجاہد خودکش بم کے ساتھ تل ابیب کی تفریح گاہوں میں گھستے ہیں تو انہیں ہنستے کھیلتے ہوئے امن پسند یہودیوں پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ وہ اپنے ساتھ ان سب کو لے مرتے ہیں۔"

"یہ ان پر یہودیوں کے مسلسل مظالم کا ردِ عمل ہے۔ جب تمہارے ٹینک اور بلڈوزر عرب آبادیوں کو روندتے ہیں، ان پر زمین اور آسمان سے بارود برساتے ہیں تو تمہارا دل نہیں دکھتا۔"

"وہ فلسطینیوں کے ظلم کی سزا ہوتی ہے جو سب کو بھگتنی پڑتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا پھر اچانک ہاتھ آگے بڑھا دیا "ہو سکے تو مجھے ایک سگریٹ دے دو۔ تم لوگوں نے میری جیبوں میں کوئی تنکا تک نہیں رہنے دیا۔"

اس کی وہ فرمائش پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں سے لگا کر ایک سگریٹ سلگائی اور اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے سگریٹ لپک کر اپنے ہونٹوں سے لگائی اور دھوئیں کا ایک گہرا کش اپنے سینے میں اتار لیا۔

"تم ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔" اس بار اول خان نے نرمی سے کہا "یہ پہلے انڈا یا پہلے مرغی والی بحث

مصرف

پالتو پرندوں کی دکان میں پہنچ کر ایک دیہاتی نے تمام پرندوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک مینا کی قیمت پوچھی۔

"پانچ سو روپے" دکان دار نے بتایا۔

"پانچ سو روپے ..." دیہاتی حیرت سے چلّا اٹھا "اتنے سے پرندے کی اتنی قیمت ...!"

"یہ بہت خاص نسل کی مینا ہے جناب! گانے گاتی ہے۔" دکان دار نے بتایا۔

"مجھے گانے وانے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" دیہاتی بولا "یہ بتاؤ اس کا گوشت لذیذ ہو گا یا نہیں؟"

ہے۔ ہٹ دھرمی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو گا۔ یہودیوں پر ہٹلر نے مظالم کیے تھے۔ وہ اللہ کی اس معتوب قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ جنگ جیت کر اتحادیوں نے یہودیوں کو امریکا یا جرمنی کے بجائے عربوں کے قلب میں بسا کر اسرائیل بنا دیا۔ نفرت کی شجرکاری اسی وقت شروع ہو گئی تھی۔"

"میں تاریخ دان نہیں ہوں۔" اس نے اپنے سینے میں رکا ہوا دھواں اگلتے ہوئے جواب دیا "میں آج کی دنیا میں جی رہا ہوں اور اسی کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر دہشت سے پھریریاں آنے لگتی ہیں کہ اگر دنیا کے کروڑوں مسلمانوں نے معقولیت کی راہ چھوڑ کر ہتھیار اٹھاتے ہوئے جہاد کا نعرہ لگا دیا تو اس دنیا کا کیا بنے گا۔"

"مسلمان کبھی کسی پر بلاوجہ ہتھیار نہیں اٹھاتا۔" اول خان نے مضبوط لہجے میں کہا "ہر طرف ظلم اور چیرہ دستیوں کا راج ہو گا تو ضرور ایسا وقت بھی آجائے گا۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ سب تمہارے مذہبی طبقے کے کرشمے ہیں۔ انہوں نے جہاد کو ایک طلسم اور سحر بنا دیا ہے۔ اس میں مرجانے والوں کو شہادت کا رتبہ دیا جاتا ہے اور شہید کے لیے ناقابلِ تصور انعامات کی نوید سنائی جاتی ہے۔ چکر سارا یہ ہے کہ موت ہماری زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن مرجانا ہے۔ تمہارے مذہب میں جہاد اور شہادت کا نعرہ لگا کر موت جیسی سرد اور ہولناک حقیقت کو اس قدر پرکشش بنا دیا گیا ہے کہ ذرا سا بھی مذہبی رجحان رکھنے والا مسلمان اس کی طرف راغب ہو سکتا ہے۔"

"بن!" اول خان دبی دبی آواز میں غرایا "خدا کا خوف کرو اور توبہ کرو۔ یہ مذہبی طبقے کے کرشمے نہیں' آسمانی احکام' ہدایات اور وعدے ہیں....!"

"بس بس!" بن نے منہ بنا کر اس کی بات کاٹ دی "یہ تمہارے عقائد ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا مذہب یہ سب نہیں سکھاتا۔"

"لیکن تمہارے کسی ربّی نے تمہیں دوسروں کے مذہب اور عقائد کا احترام کرنا ضرور سکھایا ہو گا۔" میں نے تلخی سے کہا "تم یہاں کسی مذاکرے میں نہیں آئے' ہمارے قیدی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میری باتیں سن کر تم اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گے۔ مجھے مارنا ہے تو مار دو گے۔ دوسروں کو گھیرنے کے لیے مجھے زندہ رکھنا ہے تو زندہ رکھو گے۔" اس نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اپنے لوگوں میں بارسوخ سمجھے جاتے ہو اس لیے موقع پا کر تمہیں یہ سب باتیں بتا رہا ہوں۔ تم لوگ جہاد کا نام لینا چھوڑ دو۔ اس سے پوری دنیا خوف زدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خوف سب کو یکجا کر دے اور پھر اس کرۂ ارض پر دو تہذیبیں پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ مسلموں اور غیر مسلموں کا یہ تصادم سب کچھ تباہ و برباد کر دے گا۔ ہم سب صدیوں پیچھے چلے جائیں گے۔"

اس کی زبان سے تہذیبوں کے تصادم کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ حالات کچھ اسی رخ پر جا رہے تھے جیسے سب مل کر مسلمانوں کے خلاف ایکا کرنے والے ہوں۔

بن ڈیوڈ نے کلیدی بات کہہ دی تھی۔ وہ کوئی بین الاقوامی لیڈر یا عالمی رہنما نہیں تھا جو اس کی باتوں کو ضرورت سے زیادہ وزن دیا جاتا لیکن وہ ایک کٹر یہودی ضرور تھا جس کے اہم امریکی عہدے داروں سے گہرے مراسم تھے۔ اس کی کہی ہوئی باتوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان دنوں مشرقِ وسطیٰ جہادی گروہوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کی رکنیت عالم گیر تھی۔ دوسرے ملکوں میں کوئی فورم نہ ہونے کی بنا پر امریکا اور آسٹریلیا کے مسلمان بھی جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے اس خطے کا رخ کرتے تھے۔ زندگی اور موت کے بارے میں جہادیوں کی بے خوفی پوری دنیا پر واضح ہو چکی تھی۔ اگر اس بارے میں مغرب میں سر جوڑ کر کچھ سوچا جا رہا تھا تو وہ بعید از قیاس نہیں تھا۔ بن نے ہم دونوں سے ذاتی سطح پر ہونے والی گفتگو کو ایک عمومی رخ دے کر بہت سی تشنہ باتیں اجاگر کر دی تھیں۔

پاکستان کے ڈھکے چھپے دشمنوں سے ہونے والی آویزش میں پچھلے کچھ عرصے سے یہ بات رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی کہ ان دنوں صرف پاکستان ہی امریکی سپر پاور کی نظروں میں نہیں کھٹک رہا تھا۔ اس کی مہمات کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں تک پھیل رہا تھا۔ پاکستان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ ایک مضبوط دفاعی قوت کا مالک تھا اور ہر کھلی ریشہ دوانی کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس ملک نے ایٹمی استعداد بھی اتنی بڑھالی تھی کہ اس کا شمار دنیا کی جوہری طاقتوں میں ہونے لگا تھا۔

پاکستان کے بدخواہوں نے ان مثبت نکات کو کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اہم اور نازک مواقع پر پاکستان کے عزائم کے بارے میں بھرپور عالمی میڈیا وار چلائی گئی' قیادت پر کیچڑ اچھالی گئی۔ ہر وہ قدم اٹھایا گیا جو پاکستان

کے لیے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ جب یہ حربے بھی پاکستان کو اس کے قومی منصوبوں سے دست کش نہ کرا سکے تو پاکستان کے خلاف' امریکا کی سربراہی میں سازشوں اور تخریب کاریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا گیا جس میں ہندو اور یہودی امریکا کے ہم نوا تھے۔

''تم یہاں ٹام اور نک کے علاوہ کس کس سے رابطے میں تھے؟'' طویل خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔ اس دوران میں بن نے گہرے گہرے کش لگا کر میری دی ہوئی پوری سگریٹ پھونک ڈالی تھی اور ہاتھوں سے اپنے چہرے کے زخموں کو سہلا رہا تھا۔

''بیسیوں آدمی تھے جن میں تمہارے پاکستان بھی شامل تھے۔'' اس نے اپنی پسلیوں کو دباتے ہوئے کہا۔

''میں ان کے نام جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے مطالبہ کیا۔

اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی ''تم نے جن کو رگڑ دیا' وہی کافی ہیں۔ میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''تم نہ بتاؤ لیکن اب ان میں سے کوئی کریم آباد کے پل کو نہیں اڑا سکے گا۔'' میں نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔

وہ چونک پڑا۔ اس کے خون آلود چہرے پر تحیر کے آثار تھے۔ ''اس بارے میں تم کیا جانو!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ان دونوں کی سازش ناکام ہوگئی۔'' میں نے اسے اطلاع دی۔

''مجھے معلوم ہے' سب معلوم ہے کہ شہر میں ابھی تک کوئی بڑا دھماکا نہیں ہوا۔'' وہ یکایک اعصاب زدہ ہو کر دہاڑا ''مگر اس بارے میں تم کو کس نے بتایا؟''

اس اطلاع پر وہ بدک گیا تھا۔ مجھے اس سے کھیلنے کا موقع مل گیا ''تمہاری معلومات ناقص ہیں۔'' میں نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''شہر میں ایک بڑا دھماکا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک نیلی ڈاج اپنے دو مسافروں سمیت جل کر کوئلہ ہوگئی۔''

''تمہارے پاس ایم ففٹی کب سے ہے؟'' بس لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا اور مجھے تسلیم کرلینا پڑا کہ وہ کافی ذہین تھا۔ اس نے را والوں کو ساری ہدایات ایم ففٹی پر دی تھیں۔ میری زبان سے ان واقعات کا یکے بعد دیگرے ذکر سنتے ہی اس کا ذہن ایم ففٹی کی طرف مبذول ہوگیا تھا۔

اس بارے میں اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے اسے سلگانے کے لیے دھیرے سے کہا ''جب سے ... ہمارے ... ہاتھ ...''

تحویل میں تھا۔''

''اوہ!'' اس کے حلق سے بے ساختہ غراہٹ آزاد ہوئی ''تو وہ حرامی کہیں بھاگا نہیں تھا۔ تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس کنجر نے اپنا ایم ففٹی بھی تمہیں دیا۔''

''اسے کنجر نہ کہو ورنہ تمہیں اپنے لیے اس سے بھی بڑی گالی تخلیق کرنی پڑے گی۔''

''میرا اس سے موازنہ مت کرو۔'' وہ جھلا کر بولا ''مجھے روزِ اول سے را والوں پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ بزدل اور بودے ہیں جو لوگ اپنے طور پر ایک پڑوسی ملک میں پھلی بھی نہیں پھوڑ سکتے وہ میری یا کسی اور کی رہنمائی میں کیا تیر مار لیتے۔ خس کم جہاں پاک۔ اچھا ہوا کہ ان چاروں کا قصہ ختم ہوگیا۔ میں ان کی وجہ سے تمہاری ہاتھ آیا ہوتا تو مجھے مر کر بھی چین نہ آتا۔''

''تمہیں نیلی ڈاج کے انجام کا علم کس طرح ہوا۔ تم تو سی نائین میں چھپے بیٹھے تھے؟''

''وہ میرا پروگرام تھا۔ میں اپنے ذرائع سے ہر اونچ نیچ کی خبر رکھتا ہوں۔''

''مگر پھر بھی تم وجے سے کم نہیں ہو اور اسے گالیاں دے رہے ہو۔ اس نے اپنا ایم ففٹی مجھے دے دیا۔ تمہارا یہ ایریٹس میرے پاس ہے۔'' میں نے اسے اپنی جیب سے چھوٹا سا سیاہ اور روزنی ایریٹس نکال کر دکھایا تو اس پر دورہ سا پڑ گیا۔

اس نے دوبارہ بستر چھوڑا اور کسی جونک کی طرح دیوانہ وار میرے بدن سے لپٹ گیا۔ وہ مجھ سے اپنا ایریٹس چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے حملہ آور ہوتے ہی میری پتلون کی جیب میں محفوظ ہو چکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل میں بھڑاس تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ جسیم' توانا اور قد آور تھا۔ سی نائین کے مخصوص حالات میں آنسو گیس کے گہرے اثرات کی وجہ سے مجھے اس سے زور آزمائی کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے ہانک لگا کر اول خان کو مداخلت سے روک دیا۔

ہڑبونگ کی آوازیں سن کر ایس ٹی ایف کے دو مسلح گارڈز بھی اندر گھس آئے تھے مگر میری آواز پر اپنی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے۔

بن مجھے دبوچ لینا چاہ رہا تھا۔ میں نے اس کی گرفت میں کسمساتے ہوئے ذرا سی جگہ بنائی اور پوری قوت سے اس کے بائیں پہلو میں مُکا رسید کردیا۔ بس لمحہ بھر کے لیے اس کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوئی اور میں کسی مچھلی کی طرح پھسل کر اس کے ہاتھوں سے نکل گیا ...

"مجھے پکڑنے کی کوشش میں بن کا اچٹتا ہوا ہاتھ میرے منہ پر پڑا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا چہرہ بھی پہلے سے مجروح تھا۔ سی نائین میں آنسو گیس کی موجودگی اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بن نے میرے اوپر جو ہاتھ دکھائے تھے ان کی باقیات خاصی تکلیف دہ تھیں۔

دیو ہیکل بن اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے، مجھے پکڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس وقت اس کے خون آلود چہرے کے تاثرات بہت ڈراؤنے ہوگئے تھے۔ میں نے اس کے مقابل کھڑے کھڑے، اس کی توجہ مبذول کرانے کے لیے زور سے اپنا داہنا پیر زمین پر مارا۔ وہ بھڑکا اور اسی لمحے میں نے اچھل کر اپنے دونوں پیروں سے اس کے چہرے پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں اس کے چہرے کو نشانہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکا لیکن سینے پر پڑنے والی زوردار لاتوں نے اس کے پیر اکھاڑ دیے۔

وہ غضب ناک آواز میں ڈکراتا ہوا پیچھے الٹا..... اور لہراتا ہوا فرش پر گر گیا۔

وہ جسیم ہونے کے ساتھ غضب کا پھرتیلا بھی ثابت ہوا۔ میں اس کے سینے پر سوار ہونے کے ارادے سے آگے جھپٹا ہی تھا کہ وہ سنبھل کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا جتنی دیر میں، میں نے ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر اپنا توازن درست کیا، اتنی دیر میں وہ بھی مقابلے کے لیے از سرِنو تیار ہو چکا تھا۔

اس بار وہ کسی باکسر کی طرح دونوں ٹانگوں کو قدرے پھیلا کر اپنے چہرے کے سامنے اپنے مکے لہرا رہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر وار کیا جو اُچٹ گیا اور مجھے اپنے پیٹ میں بن کا جوابی مکا سہنا پڑ گیا۔

وہ ہماری جھڑپ کا آغاز تھا۔ میں سی نائین میں ہی اسے خاصا مجروح کر چکا تھا لیکن میری تسلی نہیں ہوئی تھی اس کو زیادہ اور شدید چوٹیں منہ کے بل دوبار سیڑھیوں پر گرنے کی وجہ سے آئی تھیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا پورا چہرہ ادھیڑ کر لہولہان کردوں۔

اول خان اور اس کے محافظوں کو اس مقابلے سے الگ تھلگ رکھ کر میں نے بن کو بھی اپنے ارمان پورے کرنے کا کھلا موقع فراہم کردیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ دشمن کے ہاتھوں پوری طرح زیر ہونے کے بعد اسے اپنے حریف سے دوبدو مقابلے کا ایسا سنہری موقع مل جائے گا۔ وہ اس نعمتِ غیر مترقبہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل جم کر لڑ رہے تھے۔ بن کو اپنے قد کی وجہ سے نمایاں برتری حاصل تھی لیکن وہ باکسنگ کے معاملے میں بالکل اناڑی ثابت ہو رہا تھا۔ چند اندھا دھند حملے کرکے اس نے شدید مار کھائی تو اسے تارے نظر آگئے۔ میں بچ بچ کر اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں کو نشانہ بناتا رہا۔

وہ مکے بازی کے اس نقصان دہ مقابلے سے بچ کر مجھ سے لپٹ جانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اپنے تابڑ توڑ مکوں سے اسے اپنے جسم سے بہت قریب آنے کا کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔

ایک بار اس نے اپنے مکوں کے پیچھے چہرہ چھپا کر جھکتے ہوئے اندر گھسنے کی کوشش کی اور بہت بری طرح میری زد میں آگیا۔

کھوپڑی اور پیشانی کے دائیں بائیں طرف پڑنے والے چار پانچ گھونسوں نے ہی اس کے حواس باختہ کردیے اور وہ سمندر میں ڈوبنے والے کسی شخص کی طرح فضا میں ہاتھ پیر چلاتا ہوا، فرش چاٹنے پر مجبور ہوگیا۔ چہرے سے گردن تک وہ خون میں تر ہو چکا تھا۔

وہ بغیر دستانوں کی لڑائی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ بن کے خون سے گندے ہو چکے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں موندے، فرش پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اول خان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کے آدمی کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار تھے۔

اول خان کے دفتر سے ملحق واش روم میں، میں نے پہلی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سی نائین سے واپسی کے بعد میرے چہرے میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ میں نے ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ سب بند زخم تھے جو نیل اور ورم کی صورت میں جزیروں کی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ کہیں سے جلد کٹی تھی نہ خون بہا تھا۔

ہاتھ دھونے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے لگائے تو خاصی فرحت اور تازگی کا احساس ہوا۔ ہاتھ منہ دھو کر میں دوبارہ اسی کمرے میں پہنچ گیا۔

اس دوران میں بن کے کھوئے ہوئے اوسان بڑی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ وہ فرش پر دونوں ٹانگیں پھیلائے ملال اور افسردگی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عبرت ناک شکست کا پیکر نظر آرہا تھا۔

میری آہٹ سن کر اس نے اپنی سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "مجھے دکھ ہے کہ برابر کا موقع ملنے کے باوجود میں تم پر اپنے دل کی حسرتیں نہیں نکال سکا۔ میں صرف ہاتھوں سے اپنے حریفوں کا کچومر بنانے کا عادی رہا ہوں لیکن تم نے ثابت کر دیا کہ تم ڈینی ہو۔ لوگ بلاوجہ تم سے نہیں ڈرتے۔"

"کیا تم کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اب طنز کا کوئی کس بل نہیں رہا۔ اس مقابلے کے بعد مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں اپنے سے کم تر حریف سے زیر نہیں ہوا۔"

"دوبارہ میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔" میں نے اپنی جیب سے بن کا خاص ایرپیس نکالتے ہوئے سنگین لہجے میں کہا "یہ گارڈ تمہاری دونوں ٹانگیں چھلنی کر دیں گے۔"

"اس پر کسی سے رابطہ ہو جائے تو ذرا میری بات بھی کروا دینا۔" بن نے التجا کی۔

"تاکہ تم اسے دیوار پر مار کر چور چور کر دو!" میں نے پوچھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسے تم صرف ایک بار استعمال کر سکتے ہو۔ دوبارہ تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ دشمن کے ہاتھ آنے والا آلہ ہم کبھی اپنے استعمال میں نہیں رکھتے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ دانش مندی بھی یہی تھی کہ مشتبہ مواصلاتی آلات کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

ایرپیس آن کر کے میں نے کال بٹن دبایا اور کسی بھی سننے والے کے لیے انگریزی میں اپنا پیغام نشر کر دیا۔

"سننے والے کے لیے تمہاری آواز اجنبی ہے۔" کئی سیکنڈ تک جواب نہ ملنے پر بن نے تبصرہ کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم کو رابطے میں ناکامی ہو۔ لاؤ! یہ ایرپیس مجھے دو۔ میں بات کرتا ہوں۔" وہ مطالبہ کرتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلا دیا۔

اپنے رابطوں کے سلسلے میں بن بہت حساس تھا۔ ایرپیس کے حصول کے لیے میں اس کی بے چینی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کا مطالبہ نظرانداز کر دیا۔

"دس از ارجنٹ!" میں نے تقریباً آدھے منٹ تک مزید انتظار کرنے کے بعد ایرپیس میں کہا "میں بن ڈیوڈ کے ایما پر کام کر رہا ہوں۔ وہ مشکل میں ہے... اوور!"

میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ چند ثانیوں بعد ہی ایر[illegible] آواز ابھری "تم کون ہو؟" اپنا نام بتاؤ اور بن [illegible] دہراؤ۔" وہ آواز پہچان کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ وہ سی آئی اے کا مقامی نمائندہ، ٹام پیٹرک بول رہا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ ایرپیس پر ٹام یا نک سے ہی بات ہو گی۔ اس لیے میں نے اپنی آواز بدل لی تھی۔ میری دوسری آواز وہ کرنل داور کے روپ میں سن چکے تھے۔

"بن اس حالت میں نہیں ہے کہ وہ کوئی کوڈ بتا سکے۔ اپنی قسمت کی خرابی سے وہ اس وقت میرا قیدی بن چکا ہے۔"

"تم کون ہو؟" سپاٹ آواز ابھری۔ وہ خبر سن کر نک سناٹے میں آ گیا تھا۔

"مختصر سا نام ہے۔ مجھے ڈینی کہتے ہیں۔" میں نے عاجزانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ! تو یہ تم تھے جس نے سی نائین پر وار کیا تھا" میری بات مکمل ہو جانے پر اس کی آواز ابھری۔ "بن نے مجھے فائرنگ کی خبر دی تھی تو میں سمجھا تھا کہ ایس ٹی ایف وہاں پہنچ گئی ہو گی۔ کیا ان کے آدمی بھی تمہارے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔"

"تم لوگوں نے میرے لیے ہر طرف جال بچھائے ہوئے ہیں۔ میں کسی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ گفتگو کے آغاز میں ہی معلومات حاصل کر کے چالاکی دکھا رہا تھا۔ ویسے بھی میں اس سے مل چکا تھا۔ میری نپی تلی رائے تھی کہ وہ نک سے زیادہ مکار اور بددماغ تھا۔ میرا نام سنتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو زیادہ دیر تک خوشگوار نہیں رہ سکے گی۔ بات بگڑنے سے پہلے وہ اپنے کام کی بات معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔

"تم تنہا بن کو زیر نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تمہیں بھون ڈالتا۔ تم ایجنسیوں کے پالے ہوئے ہو۔ تمہارے ساتھ کچھ نہ کچھ نفری ضرور رہی ہو گی۔"

"تم جو چاہو، سمجھتے رہو۔ میں تمہاری تصحیح نہیں کروں گا۔"

"پھر تم نے مجھ کو کیوں کال کیا ہے؟" اس کی آواز سے رکھائی مترشح تھی۔

"صرف یہ جاننے کے لیے کہ بن کن لوگوں کے بل پر یہاں دندناتا پھر رہا تھا۔"

''میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟'' ابھی تو میں نے تمہیں اپنا نام بھی نہیں بتایا۔'' اس کا انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''میں تمہاری اور نک ہاروے کی آوازیں پہچانتا ہوں۔''

''تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کسی نک کو نہیں جانتا۔'' میرے جواب نے اسے بوکھلا دیا۔

''ٹام پیٹرک! میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو۔ آج تمہارے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے۔ تم پورے شہر میں گاتے پھر رہے تھے کہ نک اور اس کی سرگرمیوں سے تمہارا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے جب کہ اسے یہاں لانے اور چلانے والے تم لوگ ہو۔''

''یہ خرافات ہیں۔ ان کو تم مر کر بھی ثابت نہیں کر سکتے۔'' وہ غرایا ''اگلی بار اس اپرٹیس سے بھی تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔''

''بچکانہ باتیں مت کرو۔ میں قانون اور عدالتوں کا آدمی نہیں ہوں۔ منصف مزاج ہوں اور ذاتی سطح پر ہر ایک کو اس کی دہلیز پر انصاف فراہم کرتا ہوں۔ بن کو خود اس کے گھر سے اٹھا کر لایا ہوں ورنہ یہ بے ایمان تو انصاف کا طلبگار ہی نہیں تھا۔''

''تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!''

''چاہو تو تھانے میں میرے خلاف پرچا کٹوا دو۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''بن کی کہی ہوئی باتیں اب رفتہ رفتہ شہر میں پھیلیں گی۔''

''تم بلاوجہ اس کا نام استعمال کر رہے ہو۔ وہ تمہارا قیدی ہے۔ تم جو بات چاہو۔ اس سے منسوب کر سکتے ہو۔''

''اس کی ہم سے نفرت چشم کشا ہے۔ وہ پاکستان اور مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے' جہاد سے خوف زدہ ہے۔ مسلمانوں کے خلاف عالمی اتحاد کے خواب دیکھ رہا ہے اور شاید یہی سب تم دونوں کے دلوں کی آوازیں ہیں۔ بن نے اپنی باتوں سے تمہارے چہروں پر پڑے ہوئے سارے خوش رنگ نقاب نوچ لیے ہیں۔''

''اپنی زندگی سے مایوس شخص اپنی جان بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔'' وہ مسلسل منافقت کے اظہار پر تلا ہوا تھا۔

''ابھی وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس نہیں ہوا لیکن اس نے تمہاری قبر کھود دی ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم بن سے میری بات کرا دو!'' یکایک اس نے سوال کیا۔

مجھے اس سے کوئی اور بات معلوم ہونے کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اسے محض یہ جتانے کے لیے کال کی تھی کہ بن میرے قبضے میں آ چکا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق یہ انکشاف اس کے لیے شدید بدحواسی کا سبب بن گیا تھا۔

''لو' اپنی یہ آرزو بھی پوری کر لو۔'' یہ کہہ کر میں نے اپرٹیس بن ڈیوڈ کو تھما دیا۔

''ہاں بن! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟'' چند ثانیوں کے وقفے کے بعد ٹام کی آواز ابھری۔

''میں سب کچھ سن رہا ہوں!'' بن کے ہونٹوں سے تھکی تھکی سی آواز برآمد ہوئی۔ ''جو کچھ ہوا اس پر میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں مگر اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ میرا حریف مجھ سے زیادہ تیز و طرار اور طاقت ور ہے۔ اس سے ہار کر میں شرمندہ نہیں ہوں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔''

''بس' اتنا کافی ہے۔ میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ ڈینی پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ اس کی کسی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔'' وہ ٹام کی آواز تھی۔

''آج اس کے ستارے یاور تھے۔ میں نے اسے پکڑ لیا تھا مگر بازی الٹ گئی۔'' بن نے مغموم آواز میں کہا۔

''تم کو اسے پکڑتے ہی مار ڈالنا چاہیے تھا۔'' ٹام وہ بے ساختہ مشورہ دینے سے باز نہ رہ سکا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ گزرے ہوئے واقعات پر رائے زنی کرنا ہر ایک اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے گزرے ہوئے وقت کو لوٹایا نہیں جا سکتا مگر وہ پھر بھی بولنے سے باز نہیں رہتا۔

''ضرور مار دیتا مگر اس وقت تک مجھے پتا نہیں تھا کہ یہی ملعون ڈینی ہے۔''

''بن! تم نے بہت محنت کی مگر تقدیر نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ اب تمہارا انجام سامنے ہے۔ یہ خونی درندہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں تمہاری عظمت کو سات سلام کرتا ہوں۔ او کے۔ گڈ لک!''

بن نے پھر پیغام دیا ''ان منحوس لمحات میں تم مجھے گڈ لک کہہ رہے ہو۔ اس سے زیادہ خراب وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔''

وہ منتظر رہا لیکن ٹام کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

''اب وہ نہیں بولے گا۔'' میں نے بن سے کہا ''ڈوبنے والی کشتی سے کوئی اپنا ناتا برقرار نہیں کرتا۔'' اس نے ذرا سی زبان ہلا کر تم کو سات سلام کیے اور بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔

دل ہی دل میں وہ تمہیں گالیاں بک رہا ہو گا کہ تم نے اپنی جان کے خوف سے بہت کچھ اگل دیا۔"

"مجھے اس سے بد ظن کرنے کی کوشش نہیں کرو۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی یہی کرتا۔" اس نے بھرائی ہوئی دل گرفتہ آواز میں کہا اور ایڑیاں پوری وقت سے زمین پر دے مارا۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ میرے لیے اس مواصلاتی آلے کا وہ انجام متوقع تھا۔ ٹام سے گفتگو ہو جانے کے بعد وہ آلہ میرے لیے اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا تھا۔

"اب تم میرا کیا کرو گے؟" کمرے میں چھائی ہوئی بوجھل خاموشی کو بن نے کچھ دیر بعد توڑ دیا۔

"میرا کوئی قید خانہ نہیں ہے۔ میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "میرے لیے حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں۔ کیا پتا کہ مجھے کب یہاں سے کوچ کرنا پڑے۔ تمہارا فیصلہ جلد ہو گا۔"

"میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ تمہارا فیصلہ میری زندگی کے حق میں نہیں ہو گا۔" اس نے کہا۔

"امکان یہی نظر آتا ہے۔" اس کی ذہنی تیاری کے پیش نظر میں نے اعتراف کیا۔

"پھر میری ایک خواہش پوری کر دو۔ میں قتل نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے مرجانے دو!" اس کی آواز خوشامدانہ ہو گئی۔ "مجھے ایک پستول دے دو۔"

اس کی آخری فرمائش نے مجھے چونکا دیا۔ وہ پھر کوئی چال چلنے کے چکر میں تھا۔ میں نے کہا "تاکہ تم اس کی گولیاں ہمارے جسموں میں اتار سکو۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا یہ ارادہ نہیں ہے۔" وہ باقاعدہ گڑگڑانے لگا "مجھے اس کمرے میں بند کر کے تم سب باہر چلے جاؤ۔ مجھے کھڑکی کے راستے صرف ایک گولی ڈال کر پستول دے دینا۔ اکلوتی گولی چلنے کے بعد کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ تم اندر آؤ گے تو میری روح رب داؤد کے راستے میں سفر کر رہی ہو گی۔"

میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بن ڈیوڈ عرف آئی مین کی ہنگامہ خیز زندگی کا بڑا ہی سوگوار انجام تھا۔ یہ عجیب لطیفہ تھا کہ وہ اپنے تسلسل کا پانچواں خون تھا اور ہم میں سے کسی کے دامن پر کوئی داغ نہیں تھا۔ چار از خود یا دوسروں کے ہاتھوں مرے تھے' پانچواں خودکشی کرنے پر آمادہ تھا!

وہ سی نائین سے آیا تو زخموں' چوٹوں اور ران سے رسنے والے خون کی وجہ سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں

سوالاً جواباً

* "کیا اس فلم کا انجام خوش کن تھا؟"
"جی ہاں ... ہر آدمی خوش تھا کہ فلم ختم ہو گئی۔"

* "محترمہ! کیا آپ غیر شادی شدہ ہیں؟"
"جی ہاں .... میں چار مرتبہ غیر شادی شدہ رہ چکی ہوں۔"

* "آپ کس لیے طلاق چاہتے ہیں؟"
"کیونکہ میں شادی شدہ ہوں۔"

سے پٹنے کے بعد بن کا چہرہ مزید مسخ ہو گیا تھا اور آنکھوں کے سوا تقریباً پوری جلد خون کی تہ کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ اس کی روشن اور کشادہ آنکھیں ورم زدہ' نیلے پپوٹوں میں دھنس کر کسی بجو کی آنکھوں جیسی ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود مجھے خون کی پپڑیوں کے نیچے' اس کے چہرے سے گہرا حزن و ملال جھلکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ امریکا سے اپنی کامیابی اور میرے خاتمے کے سنہرے خواب لے کر بڑے کرّوفر سے کراچی میں وارد ہوا تھا مگر اس کا انجام اچھا نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ میرے خلاف سوچا تھا۔ اس سے کہیں برا اسے درپیش تھا۔

"فی الحال تم آرام کرو۔ ہم سوچتے ہیں۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے اب آرام کہاں۔ موت میرا مقدر بن چکی ہے۔" اس نے حسرت زدہ آواز میں کہا "میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔ مجھے مرنا ہے تو بس مرجانا چاہیے تاکہ میں خود کو دوسرے جہان کی ان جان حقیقتوں کو جان سکوں۔ بس دو منٹ کی بات ہے تم ہر بکھیڑے سے آزاد ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی بات سنتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی یکایک شکست سے وہ شہ زور اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو بھی گارڈ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنے گا۔

"کیا کہتے ہو اس کی فرمائش کے بارے میں؟" کمرے

سے چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔
"اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن کیوں نہ جلال سے بات کر لی جائے۔" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔
"جلال کو بھول جاؤ۔ اسے آخر میں اعتماد میں لیا جائے گا۔ وہ جس طرح ہم سے رخصت ہوا تھا اسی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اس قضیے سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے۔ اس وقت وہ نیلی ڈاج کے چکر میں الجھا ہوا ہو گا۔ اس بات کے دس گواہ ہوں گے کہ بن کی موت کے وقت وہ کہیں اور مصروف تھا۔"
"یہ بات تم صحیح کہہ رہے ہو۔" اس نے مجھ سے اتفاق کیا "بن ان کا خاص آدمی ہے۔ وہ اس کی موت کا الزام کسی کے بھی سر ڈال سکتے ہیں۔"
"انہیں میرا سراغ نہیں ملتا۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے ہیں مگر اس کا وجود آف دی ریکارڈ ہے۔ لے دے کر آئی بی، آئی ایس آئی وغیرہ رہ جاتی ہیں۔ وہ سارا ہمارا کیا دھرا ان کے سر منڈھنے کی کوشش کریں گے۔"
باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں داخل ہو چکے تھے۔
"یہ میری طویل عملی زندگی کا پہلا کیس ہے جس میں مجرم خودکشی کی التجا کر رہا ہے۔" اول خان نے میز پر سے بن کا ذاتی پستول اٹھاتے ہوئے کہا۔
"یہ عبرت کا مقام ہے کہ ہم سب کو فنا کر دینے کے عزائم رکھنے والا اس وقت خود کو فنا کر لینے کے درپے ہے۔"
اول خان نے احتیاط سے پستول ان لوڈ کر کے اس کا بھرا ہوا میگزین نکال لیا۔ فاضل گولیاں میز پر نکال کر اس نے میگزین میں صرف ایک گولی ڈالی اور کھٹکے کے ساتھ میگزین دوبارہ پستول میں لگا دیا۔ "اگر پستول لینے کے بعد اس کا حوصلہ جواب دے گیا تو کیا ہو گا؟" اول خان نے پوچھا۔
"لاکھ روپے کا سوال ہے؟" میں ہنس پڑا۔ "ہونے کو ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب اسے زندہ رہنے کی کوئی امید ہو۔ ایک گولی سے وہ کیا کر سکتا ہے۔ وہ کمرے میں بند ہو گا۔ ہم کسی بھی کرتب سے اس کی یہ گولی ضائع کروا سکتے ہیں۔"
"ہم ایک فیصلے پر عمل کرنے جا رہے ہیں تو اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ضروری ہے۔"
اس پستول کے ساتھ ہم دوبارہ کمرے میں گئے تو وہ اسی حال میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا جس حال میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ اس پر مایوسی کا غلبہ تھا۔
"کیا تم آخر کار، مجھے مار دو گے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے بیم و رجا کے ملے جلے اور عجیب سے انداز میں پوچھا۔
"اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس موقع پر میں نے اسے سسکانا مناسب نہیں سمجھا۔
"پھر میرا فیصلہ صحیح ہے۔۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" اس بار بھی وہ مجھ سے مخاطب تھا۔
"موت اٹل ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاتھوں یا اپنے ہاتھوں۔۔ اس فیصلے کا اختیار ہم نے تمہیں دے دیا ہے۔"
وہ ایک جھٹکے سے فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "لاؤ! پستول کہاں ہے؟"
"ذرا سے توقف سے کام لو۔ وہ تمہاری تجویز کے مطابق کھڑکی میں سے ملے گا۔" اول خان نے پستول والا ہاتھ فضا میں لہرا کر کہا۔
اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ہمارے بدترین دشمن کی وہ بدترین شکست تھی۔ میں نے موت کے دہانے پر کھڑے ہوئے اس دشمن کی دل جوئی کی خاطر اس کا بڑھایا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے بہت تپاک سے ہاتھ ملایا۔ اول خان نے بھی اس سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ محافظ ہمارے بعد باہر نکلے اور انہوں نے باہر سے دروازے کا کھٹکا لگا دیا۔
ہم دروازے سے ہٹے تو بن کھڑکی کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اول خان نے ایک طرف سرک کر پستول اسے تھما دیا۔
صبر آزما اور اعصاب شکن انتظار کا آغاز ہو گیا۔ کمرے سے بن کے بڑبڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید وہ اپنی مذہبی دعائیں پڑھ رہا تھا۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ انتظار سے میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ وہ دعائیں پڑھ چکا تھا۔ اس بند کمرے میں گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ایک ڈیڑھ منٹ اسی عالم میں گزر گیا۔ مجھے اول خان کی کہی ہوئی بات سچ ہوتی نظر آنے لگی۔ شاید پستول مل جانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔
"سنو! پاکستانیو، ذلیل اور گندے مجرمو! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟" اچانک کھڑکی سے بن کے چیخنے کی آواز آئی۔
اس کے اندازِ تخاطب اور سوال میں کوئی مطابقت نہیں تھی۔ گندے القاب سن لینے کے بعد معافی کا دور از کار امکان بھی جاتا رہا تھا۔ شاید موت کی دہشت سے اس کا دماغ

چل گیا تھا۔

"بن! دیر ہوگئی ہے ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ اپنے وعدے پر عمل کرو!" میں نے اس کے سامنے آئے بغیر تحمل سے کہا۔

اس نے دیوانہ وار ایک قہقہہ لگایا اور پھر ہذیانی انداز میں ہنستا ہی چلا گیا۔ موت کے بھیانک تصور نے اس کے دماغ پر اثر ڈالا تھا۔

اول خان نے پُر تشویش نظروں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بن کا خوف آور' شیطانی قہقہہ مسلسل فضا میں گونج رہا تھا پھر فضا فائر کی ایک ہولناک گونج سے لرز اٹھی' بن کا قہقہہ یکایک معدوم ہو گیا' اندر کوئی بھاری وجود شہتیر کی طرح فرش پر گرا تھا۔

فضا پر یک لخت سناٹا چھا گیا۔ میں واضح طور پر اپنے تیز تنفس کی آواز سن رہا تھا۔ اندر سے بن کی کوئی آخری چیخ ابھری تھی نہ تڑپنے کی آواز آئی تھی۔

کہیں وہ مکاری نہ کر رہا ہو!" میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس شبہے نے سر ابھارا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

بن بہت خرانٹ اور چھٹا ہوا مجرم تھا۔ ایسے لوگ آخری لمحات تک موت سے آنکھیں چار کر کے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کے لیے لڑتے ہیں۔ بن کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہنے لگا کہ میں نے کیوں اسے اپنی موت کے طریقے کا انتخاب کرنے کی آزادی دی تھی۔ ایک خطرناک مجرم کو خودکشی کی سطح پر گرا دینے کے شوق میں وہ اعصاب شکن لمحات مول لیے تھے۔ فیصلہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہوتا تو اس وقت تک قصہ نمٹ چکا ہوتا۔ بن کی لاش کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف جا رہی ہوتی۔

میں فرش پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے آگے سرکنے لگا۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھڑکی کے نیچے پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں لمحہ بھر کے لیے کھڑا ہو کر اندر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ بن گولی چلا چکا تھا۔ وہ مجھے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ خیال آتے ہی میں نے لاحول پڑھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے لاشعور میں موجود اکلوتی گولی سارا فساد پیدا کر رہی تھی۔ اس کے چل جانے کا دھیان آتے ہی میں نے ہر شیطانی وسوسے کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔

میں کھڑکی کے سامنے پہنچا تو فرش پر بن کا وجود ایک کروٹ سے پڑا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی اور کھوپڑی کا اوپری حصہ صاف تھا۔ شاید اس نے پستول کی نال ناک اور آنکھوں کی جڑ میں ٹکا کر قدرے ترچھا فائر کیا تھا جس کے نتیجے میں گولی پورا بھیجا اڑاتی ہوئی سر کے پار نکل گئی تھی اور فوری طور پر بن ڈیوڈ کی موت واقع ہو گئی تھی۔

میں نے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ اول خان اپنی جگہ کھڑا رہا۔

"اپنے حریف کا آخری دیدار کر لو!" میں نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔

"ڈینی! یہ مقام عبرت ہے۔" اس نے ہاتھ سے واپسی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "انسان کی بساط ایک مُشتِ خاک سے زیادہ نہیں ہے لیکن جب تک زندہ رہتا ہے یوں اکڑتا اور اینٹھتا پھرتا رہے جیسے سارے روزگار جہاں کا بوجھ اسی نے اٹھایا ہوا ہے۔ کیا یہ وہی بن ہے جو فرعون بن کر راوالوں پر راج کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں اور وہاں سے چل دیا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ مجھے یہ سوچ کر خفت ہو رہی تھی کہ میں ایک

بادشاہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا "میری زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب میں خود کو گھر کا بادشاہ محسوس کرتا ہوں۔"

"کس وقت؟" دوست نے پوچھا۔

"جب میری بیوی گھر پہ نہیں ہوتی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

شرط

بیوی:۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟

شوہر:۔ بہت زیادہ۔

بیوی:۔ میرے مرنے پر تم کتنا روؤ گے؟

شوہر:۔ بہت زیادہ۔

بیوی:۔ اچھا رو کر دکھاؤ۔

شوہر:۔ پہلے مر کر دکھاؤ۔

فرضی گولی کے خوف سے چند ثانیوں تک غیر ضروری احتیاط میں الجھا رہا جو دوسروں کو احمقانہ محسوس ہوئی ہو گی لیکن اول خان نے دانستہ وہ ذکر گول کیا ہوا تھا۔

"اب میں جلال سے بات کروں گا۔" اول خان کے دفتر میں بیٹھنے کے بعد میں نے فون اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"یوں نہیں۔ پہلے اس سے سی ایس ڈی جوڑ لو۔ اس کار آمد آلے کو میں دفتر ہی میں استعمال کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اول خان نے اپنی میز کی دراز سے سی ایس ڈی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔

وہ زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ میں نے سی ایس ڈی سنبھال لی اور اول خان، بن کے بریف کیس سے برآمد ہونے والے مال غنیمت کو دوبارہ اس کے بیگ میں ڈالنے میں مصروف ہو گیا۔

"میں اس وقت سرکاری مردہ خانے سے واپس آیا ہوں۔" چند منٹ بعد مجھے جلال کے فون سے جواب ملا۔

"خیریت تو تھی۔ تمہیں وہاں کیوں جانا پڑ گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"را کے باقی ماندہ.... اوہ! شاید فون پر یہ سب مناسب نہ ہو گا۔ تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟" جلال بولتے بولتے اچانک رک گیا اور دوسری بات شروع کر دی۔

"میں اول خان کے دفتر سے بول رہا ہوں۔" میں نے اطلاع دی "تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ اب یہاں بھی سی ایس ڈی لگ گئی ہے۔ جو اس وقت آن ہے۔"

"قسمت تم پر بہت مہربان ہے۔ یہ دوسری سی ایس ڈی کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گئی!" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بن کے سامان سے برآمد ہوئی ہے۔ تم را والوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔"

وہ ہنس پڑا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری بات سننے کے بعد اپنی کتھا سناؤ گے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ دونوں مر گئے مگر ہمیں یہ پتا نہیں تھا کہ کس کا کیا نام ہے۔ ابھی چوپڑا نے کسٹم ہاؤس پر مرنے والے کو سیٹھی کے نام سے پہچانا ہے۔ راجو یکی گاڑی میں جل کر مرا ہو گا۔ اب تم بتاؤ کہ کیا رہا۔"

اس بار میرے ہنسنے کی باری تھی۔ "تم نے عجلت میں اپنی ساری کہانی چند فقروں میں سمیٹ دی۔"

"باتوں میں کیا رکھا ہے۔ وہ تو چلتی ہی رہتی ہیں۔ میں نے تمہیں کام کی بات بتا دی۔"

"بن نے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کے ایک عارضی لاک اپ میں خودکشی کر لی۔" میں نے اسے بتایا۔

"اوہو.... یہ تو بہت برا ہوا۔ اسے یہ موقع کیسے مل گیا۔" اس کی بے ساختہ آواز بہت زیادہ پرملال تھی۔

"یہ وضاحت میں بعد میں کروں گا۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم اسے زندہ رکھنے کے حق میں تھے یا اس کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"وہ تم دونوں کا کیس تھا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم ہی کو تھا۔ میں نے دانستہ اس معاملے سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ وہ ایک موذی مجرم تھا۔ موذیوں کا زندہ رہنا ہر حال میں خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ میری رائے میں تو اس کا مرجانا ہی بہتر رہا لیکن اسٹیشن فور پر خودکشی کی بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا "اس نے بالکل وہی بات کی تھی جو میں نے اس کے ذاتی ردِ عمل کے بارے میں اول خان کو بتائی تھی۔ میں نے اس کا تجسس دور کرنے کے لیے کہا "اسے خودکشی کرنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ ہمارے ہاتھ اس کے خون سے محفوظ رہیں۔ یہ اس کی آخری خواہش تھی۔"

"کیا وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس ہو گیا تھا؟" جلال کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "مجھے اطلاعات ملی تھیں کہ وہ بہت تند خو اور جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔"

"سی نائین میں وہ ایسا ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے سیل میں اس کا سارا دم خم یکایک جواب دے گیا۔"

اس کے لیے اتنی بات ناکافی تھی کہ بن پکڑا گیا اور پھر اس نے خودکشی کر لی۔ وہ اس معاملے کی ساری تفصیلات جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہ باتیں اگلی ملاقات کے لیے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا اور مجھے ابتدا سے سارے واقعات دہرانے پڑ گئے۔

"تم نے کمند کے ذریعے اندر گھس کر بہت ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیا۔ ایس ٹی ایف والے وہاں غیر معینہ مدت تک نہیں رک سکتے تھے۔ ایک آباد علاقے میں باوردی پولیس ہی کھل کر ایسی کارروائی کر سکتی تھی۔ تم نے سی نائین میں گھس کر اس مہم کو نتیجہ خیز بنا دیا۔"

"بس قسمت تھی کہ ایسا ہو گیا۔ اندھیرے میں اس نے ہتھیار چلانے کے بجائے اپنے زور بازو پر انحصار کیا ورنہ پلک جھپکتے میں میرا کام تمام ہو جاتا۔"

"اس نے تمہیں یرغمالی بنا ہی لیا تھا۔ ہتھیار استعمال نہ ہونے کے باوجود تم گیس سے مار کھا گئے تھے۔ میں اکثر یہی کہتا ہوں کہ تمہاری حاضر دماغی اور قوت فیصلہ نے آج تک تمہیں زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ بہت پہلے تمہارا کام تمام ہو گیا

ہوتا۔ دلیری کے نام پر تم اکثر حماقتیں بھی کر گزرتے ہو جنہیں احساس ہوتے ہی سنبھال بھی لیتے ہو۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ میری ٹانگ کھینچ رہے ہو یا میری تعریف کر رہے ہو۔"

دونوں ہی باتیں ہیں۔ بس تمہارے حاصل کیے ہوئے نتائج شاندار ہوتے ہیں جو ہر کمی کا ازالہ کر دیتے ہیں۔"

"اب تم نے ذرا سی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "آج مجھے کافی دنوں بعد کھل کر ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملا ہے۔"

"جدید ترین ہتھیاروں کے اس دور میں ہاتھ پیروں کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ تنکے جیسے آوارہ لڑکے ٹی ٹی دکھا کر بڑے بڑے زور آوروں کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اس قسم کے براہِ راست تصادم سے بچنے کی کوشش کیا کرو۔ اپنے بجائے تم کسی اور کو اوپر چڑھا سکتے تھے۔"

"اول خان کا یہی اصرار تھا۔ اس کے کمانڈوز ایسے کاموں میں بلا کی مہارت رکھتے ہیں مگر بات وہی ہے کہ مجھے اطمینان نہ ہوتا۔ کوئی اور اوپر چڑھا ہوتا تو شاید آج بن اس کی آڑ لے کر صاف نکل گیا ہوتا۔ اس وقت میں اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔"

"اب اس کی لاش کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے۔"

"اس کی لاش خاموشی سے شہر کے کسی گوشے میں ڈال دی جائے گی۔ صبح پولیس خود اس تک پہنچ جائے گی۔"

"اس طرح شاید بات نہیں بنے گی۔ اس کی خودکشی کو قتل قرار دیا جائے گا۔"

"لاش کے ساتھ اس کا وہ پستول بھی ہوگا جس سے اس نے گولی چلائی تھی۔"

"بھائی تمہارا شہر اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ رات ہی کوئی اٹھائی گیرا پستول لے اڑے گا۔ خودکشی ثابت کرنے کے لیے ہتھیار کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔"

"تم نے بن کی لاش نہیں دیکھی اس لیے ایسی بات کر

رہے ہو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کی موت کو خودکشی ثابت کردے گی۔ بھیجے سمیت اس کی کھوپڑی اڑ کر چھت اور دیواروں سے چپک گئی ہے۔"

"یہ ایک اور منفی نکتہ ہے۔ خودکشی کے لیے جائے واردات پر لاش کی ساری باقیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ بھیجا اور کھوپڑی کے ٹکڑے تم کیسے سمیٹو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم دانستہ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اپنے دل میں ایسا خیال بھی نہ لانا۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرلینا اچھا ہوتا ہے۔"

"پھر تو ہتھیار کے بغیر لاش ہی کافی رہے گی۔ وہ کہیں گیا' کسی بات پر جذباتی ہو کر اس نے خودکشی کرلی۔ اس کا میزبان بوکھلا گیا۔ اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے لاش کو اٹھا کر اپنے گھر سے دور پھینک دیا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر بارود کے ذرات ضرور ملیں گے جو فائر کرتے ہوئے کسی نہ کسی حد تک نال سے بیک فائر ہوتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" اس کی مسرت آمیز آواز آئی۔ "یہ آج پتا چلا کہ تم اچھے منصوبہ ساز ہی نہیں' وکیل بھی ہو۔ ایسے نکتے صرف وکیلوں کو سوجھتے ہیں۔"

"بن کی باتیں بہت گہری اور ہوش ربا تھیں۔ ان کے بارے میں' میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا۔

"تو کیا تم نے اس سے کچھ بازپرس بھی کی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے اسٹیشن فور لاتے ہی مارنا چاہا ہوگا اور اس کی التجا پر اسے خودکشی کرنے کی اجازت دے دی۔"

"یہ مرحلہ اتنی آسانی سے نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کی ٹام سے بات بھی کرائی تھی!"

"فون پر واقعی یہ سب باتیں نہیں ہو سکتیں۔ تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ تم گھر کب پہنچ رہے ہو؟" وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔

"بن کی لاش کی روانگی کے ساتھ ہم دونوں کا کام ختم ہو جائے گا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"کہو تو میں بھی ادھر آ جاؤں۔ آج رات میں بالکل فارغ ہوں۔" اس کی بے تابانہ آواز آئی۔

"وہ تمہارا گھر ہے۔ جب چاہو آ سکتے ہو لیکن تم نے انگریزی کی وہ مثال سنی ہوگی کہ سارے انڈے ایک ٹوکری میں ڈال دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس وقت ہم سب کا یک جا ہونا [illegible] کسی ایک کی [illegible] سے سب پر کوئی

آفت نازل ہو سکتی ہے۔"

"ہم بارہا تمہارے گھر پر جمع ہوتے رہے ہیں۔ کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی تو اب کیا آفت آجائے گی۔"

"تم اس تل والی لڑکی کو بھول رہے ہو جو جہانگیر کے گھر گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"آج کا دن واقعی بہت تیزی سے گزرا ہے۔" اس کی آواز سے اعتراف کی خفت سے جھلک رہی تھی۔ "کسٹم ہاؤس کا واقعہ پیش آیا' ڈاج دھماکے سے جل اٹھی۔ بن ڈیوڈ نے خودکشی کرلی اور اب تم داہنے رخسار پر تل والی حسین و جمیل بھارتی جاسوسہ کا دھیان دلا رہے ہو۔ وہ میرے ذہن سے بالکل اتر گئی تھی۔"

"تم کاموں میں الجھ کر سب کچھ بھول جاتے ہو۔ تمہاری لائن دوسری ہے۔ جہانگیر کو تو ہر وقت بس لڑکیاں ہی یاد رہتی ہیں۔ ذرا تل والی کے بارے میں بھی کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"راستے میں' میں اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے کچھ بھولا بھولا سا یاد پڑتا ہے کہ اس کو سب دیوی کہتے ہیں۔ میرے ریکارڈ میں بھی اس کی یہی یا اس سے ملتی جلتی عرفیت درج ہوگی۔ اس کا اصل نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔"

"تمہاری وہ دیوی کالی بلی کسی بھی وقت ہماری طرف آ سکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اسی لیے میں آج رات تمہیں اپنی طرف آنے سے روک رہا ہوں۔"

فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی "تم نے خوب کہا' بلیک کیٹ ایک عورت ہی ہو سکتی ہے۔ پتا نہیں را والے اپنے مردوں کے لیے یہ ترکیب کیوں استعمال کرتے ہیں۔" وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر بولا "وہ آتے ہیں تو ضرور آئیں۔ تم لوگ ان کی صحیح تواضع کرلو گے۔ ایسے موقع پر میں وہاں نہ رہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بات کسی بحث و تمحیص کے بغیر اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

ہم اپنے کام کے ایک مرحلے سے بخیر و خوبی نمٹ گئے تھے۔ آگے دوسرا مرحلہ پیش تھا۔ مجھے گھر کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ میں نے وہاں کی خیر خبر لینے کے لیے نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا کر دوسری طرف گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فون کی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔ شاید وہ میری کال کے انتظار میں فون سے لگی بیٹھی تھی۔

"اسٹیشن فور پر کیا دھاچوکڑی ہو رہی ہے۔ تمہارے شکار کا کیا حال ہے؟" میری آواز سنتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا۔

"سب کچھ ختم ہو گیا بن ڈیوڈ نے خودکشی کر لی۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"خودکشی کر لی!" میرے کان میں ویرا کی تحیر زدہ آواز گونجی "اور تم دونوں اس کمینے کو ایسی آسان موت اختیار کرنے سے نہ روک سکے۔ تمہیں تو اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ الگ کر کے اسے زندہ رکھنا تھا۔ وہ کسی بھی طرح ایسی آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔"

"اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہر بڑے مجرم کی طرح اسے بھی اپنی ذات پر بہت زعم تھا۔ زیر ہونے کے بعد اس نے خود ہی خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ اس کی مایوسی اور ناامیدی کی انتہا تھی۔ ہم نے اس کی خواہش تسلیم کر لی۔"

"کبھی کبھی تم ایسی نرم دلی کا مظاہرہ کر جاتے ہو کہ مجھے حیرت ہونے لگتی ہے۔ مشکل سے ہاتھ آئے ہوئے شکار کو تم نے اتنی آسانی سے ضائع کر دیا۔"

"یہ باتیں گھر آنے کے بعد ہوں گی۔ اس وقت میں نے خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔"

"ابھی تک یہاں خیریت ہے۔ یہ اچھا کیا کہ تم نے اسٹیشن فور پہنچتے ہی غزالہ کو فون کر دیا تھا۔ وہ بے چاری تمہاری طرف سے پریشان تھی۔"

"میں تھوڑی دیر میں واپس آ رہا ہوں۔ بس یہ طے کرنا ہے کہ بن کی لاش کہاں پھینکی جائے۔"

"اب دیکھنا ہو گا کہ اس کی لاش کا کون دعوے دار بنتا ہے۔" ویرا کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ویرا کو صدمہ ہے کہ ہم نے بن کو خودکشی کرنے کی اجازت کیوں دی۔ تم کس فکر میں ڈوبے ہوئے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو مجھے اس کی خودکشی سے خوشی ہوئی ہے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ ان مجرموں میں سے تھا جن کے دماغوں پر اپنی بڑائی کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ ویرا دور بیٹھ کر سوچ رہی ہے ہم دونوں اس کے ساتھ موجود تھے۔ اسے اپنی شکست کا بہت دکھ تھا۔ مرتے ہوئے وہ یہ داغ اپنے سینے پر لے کر گیا ہے۔"

"ویرا کے اعتراض کے باوجود میں اپنے اس فیصلے پر نادم نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس لاش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ لاش کہیں بھی پھینکی جا سکتی ہے۔" اول خان نے اپنی رائے دی "بس ذرا خودکشی کا کیس پیچیدہ ہو جائے گا۔"

"پیچیدگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ذرا سے ماہرانہ تجزیے سے یہ بات سامنے آ جائے گی کہ بن نے خود اپنی پیشانی میں گولی ماری ہے۔"

"تم جلال سے فون پر جو کچھ کہہ رہے تھے، میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس بارے میں کوئی دشواری نظر آئی تو پولیس سے تھوڑا بہت تعاون کیا جا سکتا ہے۔"

"لاش کو سی نائین کے قرب و جوار سے ملنا چاہیے۔" میں نے کہا "سی نائین میں گڑبڑ کے بعد ایک سفید فام کی لاش اسی علاقے سے ملے گی تو عمارت کے چوکیداروں کو بھی تفتیش میں شامل کیا جائے گا۔ وہ ایک نظر میں بن کو پہچان لیں گے۔"

امریکیوں نے سرکاری طور پر خود کو بن ڈیوڈ سے بالکل الگ تھلگ رکھا ہوا تھا مگر پس پردہ وہ اس کی پوری مدد کرتے رہتے تھے۔ ٹام اور نک کے ایما پر اسے امریکی قونصل خانے تک میں چھپایا گیا اور جب بات بگڑنے کا خطرہ پیدا ہوا تو اسے اپنی بکتر بند گاڑیوں میں وہاں سے نکال کر سی نائین میں پہنچا دیا گیا۔ بن ڈیوڈ کی مجرمانہ سرگرمیاں اتنی واضح تھیں کہ کوئی بھی کھل کر اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ ٹام اور نک نے ہمیں چھوٹ دے دی تھی کہ ہم اگر بن کے گریبان تک پہنچ سکیں تو ضرور اس پر ہاتھ ڈال دیں۔ کوئی امریکی ایجنسی ہماری راہ نہیں روکے گی۔ وہ ان کی باتیں ہی باتیں تھیں۔ ان کا عمل اس سے بالکل مختلف تھا۔

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ بن کوئی غیر معروف آدمی نہیں رہا تھا۔ جب تک وہ زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ ہم سب کی نظروں سے محفوظ رہا لیکن پر پُرزے نکلنے کے بعد وہ اس حد تک منظر عام پر آ چکا تھا کہ اس کا امریکی پاسپورٹ آئی بی کی تحویل میں آ چکا تھا۔ جوں ہی اس کی شناخت ہوتی، امریکی

اوارے اس کی لاش کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاتے۔

پاکستان کی سرزمین پر سنگین جرائم میں ملوث ہونے کی بنا پر اس کی امریکی شہریت کا کیس کمزور نہیں ہو سکتا تھا۔ بیرون ملک مرنے والے کی لاش کو اس کے وطن واپس لے جانا سفارتی عملے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ٹام اور نک اس اصول سے فائدہ اٹھا کر سامنے آسکتے تھے۔

بن کی خودکشی سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ امریکی اہل کار پاکستان میں کسی امریکی کے قتل پر شور غوغا نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہ الزام تراشی کی کہ پاکستان میں امریکی شہریوں کو بھرپور تحفظ حاصل نہیں ہے۔

اگر بن ہمارے ہاتھوں مارا جاتا تو امریکا والے اس کے جرائم کو فراموش کر کے اسے ایک مظلوم مقتول بنا دیتے۔ اس کے جرائم کا دور دور تک ذکر نہ ہوتا۔ سارا زور اس بات پر آجاتا کہ کراچی کے غیر محفوظ شہر میں ایک اور امریکی باشندہ نامعلوم قاتل یا قاتلوں کا نشانہ بن گیا۔

وہ اہم نکات تھے۔ ان پر ہم دونوں کا ہم خیال ہونا ضروری تھا۔ آپس کے تبادلۂ خیال کے بعد اول خان نے اپنے دو ماتحتوں کو دفتر میں طلب کیا اور ان کو بن کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

اپنے ماتحتوں کو بریفنگ دینے کے بعد وہ دفتر سے اٹھ گیا۔ ہم دونوں نے سی نا مین کی مہم میں اپنی اپنی گاڑیاں استعمال کی تھیں۔ میں وہاں سے اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور آیا تھا۔ میری گاڑی اس کے آدمی لے آئے تھے۔ دفتر سے نکل کر ہم دونوں نے مصافحہ کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

را کے چاروں ایجنٹوں کے ساتھ بن کا قصہ بھی نمٹ جانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پورا منظرنامہ یکایک خالی ہو گیا ہو۔ ان لوگوں میں سے چوپڑا آئی بی والوں کی تحویل میں رہ گیا تھا۔ ہماری کامیابیوں میں اس نے خاصا کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اگر وہ جلال کے اسٹاف کے سامنے لب کشائی نہ کرتا تو بھارت سے آئے ہوئے را کے ایجنٹوں کا جال توڑنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مقامیوں کی صفوں میں روپوش رہ کر اپنے منصوبے پر کام کرتے رہتے۔

بن ڈیوڈ شی کے آئی مین کے روپ میں خاصے دنوں تک زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے شی کے پرانے رابطوں کو بحال کرنے کی سرتوڑ کوششیں جاری رکھیں۔ شاید ہمیں کانوں کان بھی اس کی موجودگی کی خبر نہ ملتی کیونکہ وہ اپنا دامن بچا کر شہر میں مکمل رازداری سے اپنا کام آگے بڑھا رہا تھا۔

یہ آئی مین کے ستاروں کی گردش تھی کہ چوپڑا اور جوشی کے چکر میں راجا کا نام ہمارے سامنے آگیا۔ اس وقت راجا فون کی حد تک براہِ راست بن سے رابطے میں تھا۔ اسٹیشن فور کے نفسیاتی ماحول کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا اور یوں آئی مین کی کراچی میں موجودگی کا راز فاش ہو گیا۔

ابتدا میں ہمیں یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ دوبارہ شی کے پرانے مقاصد کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کا طریقہ کار سامنے آنے کے بعد رفتہ رفتہ یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نے پرانے جرائم پیشہ افراد کو اپنے گرد جمع کرنے کے لیے محدود پیمانے پر ہیروئن کے لین دین کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ اس کا اصل مشن مجھے ٹھکانے لگانے کا تھا۔ اگر ہم بروقت اس کی موجودگی سے باخبر نہ ہو گئے ہوتے تو وہ روپوش رہتے ہوئے میرے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔

بن اور اس سے تعلق رکھنے والے سب لوگ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے۔ ان میں سے صرف دو باقی رہ گئے تھے جنہیں سفارتی اور محکمہ جاتی تحفظ حاصل تھا۔ آنے والے دنوں میں دیکھنا یہ تھا کہ بن کی موت کے بعد ٹام اور نک کون سی راہ اختیار کرنے والے تھے۔

وہ باضابطہ امریکی ایجنسیوں کے مقامی سربراہ تھے لیکن میرے تجربات یہ بتاتے تھے کہ وہ لوگ اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد کسی قانون یا ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہر قیمت پر اپنا ہدف اور مقصد حاصل کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ میرے بارے میں ان کے ہاتھ ویسے بھی کھلے ہوئے تھے کیونکہ ان کی حکومت نے مجھے اپنا اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا تھا۔

یہ ان کی کھلی دھونس اور دھاندلی تھی کہ انہوں نے اپنے مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ بننے کے سبب مجھے یک طرفہ طور پر اشتہاری مجرم قرار دے دیا تھا۔

یونیورسٹی روڈ میں نے یہی سب سوچتے ہوئے طے کی۔ اول خان اپنے گھر کے لیے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ میں بائیں طرف مڑ گیا۔

گھر پر تینوں جاگ رہے تھے اور بے چینی سے میری واپسی کے منتظر تھے۔

”میں ابھی تک اس کوفت سے نجات حاصل نہیں کر سکی جو بن کی خودکشی کی خبر سننے سے ہوئی تھی۔“ ویرا نے میرے بیٹھتے ہی اپنی پہلی شکایت داغ دی۔

"مرنے والا مرجاتا ہے اور اپنی کہانیاں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ دوسروں کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کن مراحل سے گزرا ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا "اسے مرنا تھا' وہ مر گیا۔ تم یہاں بیٹھ کر اعتراض کر رہی ہو میں نے اسٹیشن فور پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فیصلہ کیا تھا۔ جسمانی شکست سے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ وہ ذہنی طور پر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔"

"بڑے زور آور جب شکست کا مزہ چکھتے ہیں تو یہی ہوتا ہے۔ اسے چند روز زندہ رہ کر اس ہار کا مزہ چکھنا چاہیے تھا۔"

"اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہوتا۔ یہ اچھا ہوا کہ ان لوگوں نے پہلی فرصت میں اس کا کام تمام کر دیا۔" سلطان شاہ بولا۔

"ڈینی کے آنے تک تم میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ اس کے آتے ہی تیور بدل لیے۔" ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہاری ہاں میں ہاں نہیں ملا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "تمہاری خودکشی والی بات سے اتفاق ظاہر کر رہا تھا۔"

"اگر وہ سسک سسک کر مزید چند روز اور جی لیتا تو کون سی قیامت آجاتی؟"

"وہ کوئی لاوارث مجرم نہیں تھا۔ یہ بات تمہیں سمجھنی چاہیے کہ اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔" ویرا کو وہ جواب دے کر سلطان شاہ نے تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تمہاری بات بالکل صحیح ہے۔" میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی "اسے ٹام اور رنک نے سی نائین میں پہنچایا تھا۔ اپنے خاص اپریٹس کے ذریعے وہ ان سے مسلسل رابطے میں تھا۔ وہ سی نائین سے خاموشی سے غائب ہو جاتا تو صبح ہونے سے پہلے وہ دونوں ایک امریکی شہری کے اغوا کو بنیاد بنا کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتے۔ ہر طرف سے یکایک اتنا دباؤ آجاتا کہ پھر اسے مارنا ہمارے بس میں نہیں رہتا۔"

"ہنگامے اور دباؤ سے اب بھی جان نہیں بچے گی۔ یہ لوگ سیدھی سچی باتوں کا بھی اسکینڈل بنا دیتے ہیں۔"

"اب اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ میں نے خود ٹام کو بتایا تھا کہ بن میری قید میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی لاش مل جائے گی۔ یہ بات وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ان کے بدترین احتجاج سے بھی کسی مردے میں دوبارہ جان نہیں پڑ سکتی۔"

"اوہ... تو تمہیں یہ خطرہ تھا کہ اسے زندہ رکھا گیا تو پھر اسے رہا بھی کرنا پڑ جائے گا۔"

"یہ سامنے کی بات ہے۔ اس کی خودکشی بھی کسی نہ کسی مرحلے پر کام آئے گی۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم خودکشی کرتے ہوئے اس کی تصویریں بھی بنا لیتے تو وہ ان کو نہ مانتے۔ مردے میں جان نہ ڈالنے والی بات درست ہے مگر خودکشی کو قتل قرار دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ہر بات پر تمہارے اندازوں کے مطابق غلطیاں کرتے چلے جائیں۔"

"چلو یہ بھی غنیمت ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "ایک بات تم نے مان لی' دوسری میں مانے لیتا ہوں۔"

"تمہارے چہرے پر کئی چوٹوں کے نشان نمایاں ہیں۔ کیا تم دروازے پر ہی اس سے بھڑ گئے تھے۔"

"اس کا بہت برا حشر ہوا تھا۔ ساری مار کٹائی ہاتھوں اور پیروں سے ہوتی رہی۔" میں نے کہا "کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ خاموشی کے ساتھ مجھے پُر تشویش نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ چوٹوں کا ذکر سن کر بے چینی سے بولی "نیم گرم پانی سے منہ ہاتھ دھولیں..."

"یہ سب مردوں کا زیور ہے۔" ویرا نے مخل ہو کر اسے خاموش کر دیا پھر مجھ سے بولی "یہ سب چھوڑو اور پوری کہانی سنا ڈالو۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی کہ ہتھیاروں کے استعمال کے بغیر بن ڈیوڈ کا فتنہ کیسے ختم ہو گیا۔"

"آج کا دن ہی کچھ ایسا تھا۔ میں جاتے ہوئے بیم گن گھر پر چھوڑ گیا تھا۔"

"وہ آپ ڈریسنگ ٹیبل پر بھول گئے تھے۔ میں نے واپس دراز میں رکھ دی۔ اس کے نہ ہونے سے آپ کو دقت ہوئی ہوگی۔" غزالہ بولی۔

"اس کے نہ ہونے کی وجہ سے میں اس وقت زندہ ہوں۔ ایک مرحلے پر اس نے مجھے گن پوائنٹ پر لے لیا تھا۔ اگر میری جامہ تلاشی میں اسے بیم گن مل جاتی تو وہ مجھے بے دریغ شوٹ کر دیتا۔"

"بیم گن اس کے لیے اتنی اہم تھی!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ میرے دشمنوں میں سے شاید کوئی بھی میرے چہرے سے واقف نہیں ہے۔ وہ ایک نام اور آواز کے دشمن ہیں۔ یہ بات ان سب کو معلوم ہے میں بیم گن پر قابض ہوں اور اسے ہر لمحے اپنی جان سے بھی زیادہ

عزیز رکھتا ہوں۔ میرے پاس سے بیم گن برآمد نہ ہونے پر اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔"

"اب اس کی بیم گن تمہارے پاس ہوگی!" سلطان شاہ نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا پورا بدن یکایک سن ہو کر رہ گیا ہو۔ میری طرح بن کے پاس بھی بیم گن ہونی چاہیے تھی۔ اس نے اپنے ایک شکار پر بیم گن استعمال کرکے یہ اعلان کیا تھا کہ شی کا کوئی آئی مین کراچی میں سرگرم ہو چکا ہے۔ وہ واردات رونما ہوتے ہی ہم نے اس کی تلاش کی مہم تیز کی تھی۔

اس پر غالب آنے کے بعد میں نے اس کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اول خان نے اس کے بریف کیس کا قفل کھولا تھا لیکن ہمیں کہیں بیم گن نظر نہیں آئی تھی۔ حیرت اور صدمے کی بات یہ تھی کہ اس مقابلے کی گرمی میں ہم دونوں میں سے کسی کو بن کی بیم گن کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی ہم میں سے کسی نے اس سے اس بارے میں کوئی سوال کیا۔

بن اپنے سیاہ کرتوتوں کے ساتھ جہنم واصل ہو چکا تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا کہ اس کی بیم گن کہاں تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہوگئے؟" ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"مجھے اپنی بیم گن یاد تھی مگر میں اس کی بیم گن کو یکسر بھولا ہوا تھا۔"

"تو کیا وہ اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوئی؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا ایک بریف کیس بھی ہمارے قبضے میں آیا تھا۔ اس میں بیم گن تھی اور نہ سلور آئی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ دونوں چیزیں بروقت یاد آجاتیں تو ان کے بارے میں بن سے سختی سے بازپرس کی جاسکتی تھی۔"

"اگر اس کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز نہیں تھی تو یہ بات کسی حد تک قابلِ فہم ہے۔" ویرا نے بلا تردد اپنا فیصلہ سنادیا۔

"وہ گولڈن فارمیسی کی قریبی گلی میں آیا تھا تو میں نے اس کی ہتھیلی پر چمکتی ہوئی سلور آئی خود دیکھی تھی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ضرور دیکھی ہوگی۔ ہر آئی مین ان دونوں چیزوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ شی میں روایتی طور پر یہی دو چیزیں اختیار اور طاقت کی علامت ہیں۔۔۔"

"پھر وہ کہاں گئیں؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"شی کا آئی مین خود مختار ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ بن نے ایک سے زائد مواقع پر بیم گن استعمال کرکے کراچی میں اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ ہم اتنی تیزی سے اس کا تعاقب کررہے تھے کہ وہ کسی بھی لمحے پکڑا جاسکتا تھا۔ اسے بچانے کے لیے ٹام یا نک یا دونوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہ خود مختار نہیں رہا تھا۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ کچھ مدت کے لیے وہ امریکی قونصل خانے میں پناہ گزین رہا تھا۔ وہاں اس کی آئی مین والی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ پناہ گزین ہو گیا تھا۔ امریکا کی بادشاہ گر ایجنسیوں کے نمائندوں نے دونوں چیزیں اس سے واپس لے لیں۔"

"یہ تمہارا قیاس ہے۔ حقیقت اس سے مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ اب مجھے احساس ہورہا ہے کہ گرماگرمی میں ہم اس اہم سوال کو فراموش کرگئے تھے۔"

"یہ میرا قیاس نہیں، حقیقت ہے۔" ویرا نے زور دے کر کہا "شی کو میں تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔ طاقت اور اختیار کی علامتوں کی واپسی کو تم بن کی معزولی بھی سمجھ سکتے ہو۔ شی میں کم از کم دو بار ایسا ہوا تھا کہ پہلے آئی مین سے نشانیاں واپس لی گئیں اور پھر خاموشی سے انہیں راہ سے ہٹا دیا گیا۔"

"شی کے بارے میں تم سے بات کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم اپنی اتھارٹی کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کرنے لگتی ہو۔" سلطان شاہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"خرابی نہیں، یہ میری مجبوری ہے کہ میں بہت کچھ جانتی ہوں اور اسے بتانے میں کبھی نہیں جھجکتی ــــ اس وقت ہم سب کے لیے ڈینی کو برا بھلا کہنے کا بہترین موقع تھا۔ اہم مواقع پر ناگزیر باتوں کو بھول جانے کی خلش بہت بری ہوتی ہے۔ اب ایک اور بات بھی میرے ذہن میں سر ابھار رہی ہے۔"

"اللہ ہم پر رحم کرے۔ پتا نہیں ابھی تمہیں اور کیا سوجھے گا۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

"بات کچھ کچھ واضح ہورہی ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کی بات پر دھیان دیے بغیر، پرخیال انداز میں کہا "بن مسلسل بھاگ رہا تھا۔ وہ خود کو بچائے رکھنے کی کوششوں میں ناکام ہوتا نظر آرہا تھا۔ اپنے آقاؤں کے لیے اس کا وجود بہت ضروری تھا۔ اس ضرورت کے ادراک میں انہوں نے

ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی۔ فالکن ہاؤس سے فرار کے بعد اسے قونصل خانے میں پناہ دینا تباہ کن تھا۔ وہ آخر تک اس بات سے انکار کرتے رہے کیونکہ انہیں اپنی سفارتی ساکھ عزیز تھی۔ ایک مجرم کا وہاں سے برآمد ہونا شرمناک ثابت ہوسکتا تھا۔ بن ان کے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ اس سے سلور آئی اور بیم گن واپس لے لی گئیں۔ بن اس کا مطلب جانتا تھا۔ اس کے مربیوں نے اس کے سر پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تھا۔ اسے قونصل خانے کی محفوظ ترین عمارت سے نکال کر سی نائین میں دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ وہ اپنی اس تذلیل سے دل برداشتہ ہوگیا۔ اس نے تم سے ہارنے کے نتیجے میں خودکشی نہیں کی۔ اس کے بڑوں کی سرد مہری نے اس کے دل میں ایسی موت کی خواہش پیدا کی تھی۔ سی نائین میں تم سے لڑتے ہوئے وہ جیت جاتا تب بھی شاید اپنی کنپٹی پر خود گولی مار لیتا۔ افسروں کی کھلی بے وفائی کے بعد اس کا زندہ رہنا بے سود تھا۔"

ویرا کی اس تھیوری میں وزن تھا۔ وہ شی کے اندرونی طریقہ کار کے بارے میں غلط بیانی نہیں کرسکتی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ بن نے اپریٹس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے شکوہ کیا تھا کہ وہ اس کی زندگی کے بدترین لمحات میں اسے گڈ لک کہہ رہا تھا۔ اس وقت بن کی آواز میں بلا کا کرب تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے رویّے کی تبدیلی کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر تسلیم کرلیا تھا۔ شروع سے آخر تک وہ وہی سب کہتا رہا جو اسے پڑھایا گیا تھا۔ اپنے عقیدے کے اعتبار سے وہ کٹر یہودی تھا۔ اپنے انجام پر دل شکستہ ہونے کے باوجود اس کے نظریات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو مگر تمہاری یہ باتیں میرے ذہن سے یہ بات نہیں کھرچ سکتیں کہ آج میں نے شاید اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔" میں نے کہا۔

"دماغ میں آئی ہوئی بات آسانی سے نہیں نکلتی۔ خوشگوار نتائج خود بخود اس کا ازالہ کردیتے ہیں۔ تم یہ سوچ کر خوش کیوں نہیں ہوتے کہ آج تم نے آخرکار بن جیسے عفریت کو بہت آسانی سے مار لیا۔ وہ تمہیں مارنے کا ہدف لے کر آیا تھا۔ اب تابوت میں بند ہوکر امریکا جائے گا۔"

"ہم سب ایسی بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے یہ رات یوں ہی گزار دی جائے گی۔" غزالہ نے چونک کر کہا۔

"ہاں، اب تم اپنی کہانی شروع کردو۔ ہمیں کچھ دیر کے لیے سونا بھی ہے۔"

"ویرا کچھ خدا کا خوف کرو۔" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایسا نہ ہو کہ تم سونے کے لیے لیٹو تو پھر لیٹی ہی رہ جاؤ۔"

"ہم کسی خیمے میں نہیں، کنکریٹ کے گھر میں ہیں۔ بلیک کیٹس آئے تو ہمیں بے خبر نہیں پائیں گے۔"

"یہ آج پتا چلا کہ تم سوتے میں بھی باخبر رہتی ہو۔" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"تم اس کی پروا نہ کرو۔ اپنی کہانی سناؤ۔" ویرا فضا میں ہاتھ لہرا کر بولی "آج یہ کچھ زیادہ ہی بول رہا ہے۔"

سلطان شاہ بھی زبانی شوخی کا مظاہرہ کررہا تھا ورنہ وہ بھی میری کتھا سننے کے بارے میں سنجیدہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔ میں نے انہیں اپنے تجربے سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"کبھی کبھی آپ بہت خطرناک ہوجاتے ہیں۔" پوری تفصیل سننے کے بعد غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"خطرات سے کھیلے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ تم کس خطرے کی بات کررہی ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"یوں انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی "میں تمہیں بتاتی ہوں کہ غزالہ کس خطرے کی بات کررہی ہے۔" مجھ سے بات کرتے کرتے وہ اچانک غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "تم کو یہی اعتراض ہے نا کہ ایس ٹی ایف کے تجربے کار کمانڈوز کے ہوتے ہوئے ڈینی کو کمند ڈال کر دوسری منزل پر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔" غزالہ نے کہا۔ "ایسے کاموں کے لیے مشق ضروری ہوتی ہے۔"

"اس وقت عمارت میں گھسنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ زینوں کا رخ کرنے والے پر بن جہنم کا دہانہ کھول سکتا تھا۔"

"کوئی بھی شخص اندر گھس جاتا تو زینے زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔" سلطان شاہ بھی ان دونوں کا ہم نوا بن گیا۔

"میں نے کسی ہنگامی فیصلے کے تحت وہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ میرے ذہن میں کسی حد تک سی نائین کا اندرونی نقشہ بن چکا تھا۔ محدود رقبے پر بنی ہوئی وہ عمارت میرے اندازے سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ کوئی اور اندر گیا ہوتا تو ہماری بازی الٹ بھی سکتی تھی۔"

"الٹ کیا سکتی تھی، الٹ ہی گئی تھی۔ اس نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے کر ایس ٹی ایف والوں کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔" ویرا بولی۔

"میں کسی کو اپنی غلطی کا ایندھن بنانا پسند نہیں کرتا۔ وہ

میرا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ میں نے اول خان کو پہلے سے قائل کرلیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر کمند میں استعمال کروں گا۔ اس نے بھی مشق اور پیشہ ورانہ تجربے پر زور دیا تھا مگر بعد میں خاموش ہوگیا تھا۔"

"اب یہ بحث بعد از وقت ہے۔ ڈینی کو کوئی بات سمجھانا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔" ویرا نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ان لوگوں کے درمیان بیٹھ کر پوری کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد دل کو طمانیت کا ایک عجیب سا احساس ملتا تھا۔ اس مذاکرے یا مباحثے میں جہاں مثبت پہلو سامنے آتے تھے وہاں ایک دوسرے کے مجموعی تجربات کی روشنی میں خامیاں بھی سامنے آتی تھیں۔

ویرا نے کمند والا موضوع ترک کردیا تھا لیکن سی نائین کا تصادم ایک بڑا مقابلہ تھا۔ ہم چاروں پوری سرگرمی کے ساتھ اس کے سارے پہلوؤں پر بات کرتے رہے۔ ویرا کی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ سلور آئی اور بیم گن کی واپسی سے بن کو اپنی معزولی کا علم ہوچکا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی سی نائین میں منتقلی نے پوری کردی۔ وہ دل شکستہ ضرور ہوگیا تھا مگر اس نے زندہ رہنے کے لیے پوری قوت سے لڑنے کی لگن کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ اس نے بہت جم کر نامساعد حالات کا مقابلہ کیا اور ایک بار بازی اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ وہ میری آڑ میں سی نائین سے زندہ اور سلامت فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتا تو ہم سب کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ہار کی صورت میں اس نے خاموشی سے موت کو گلے لگا کر بہت سے فتنوں کو دفن کردیا تھا۔

وہ گٹھ جوڑ بہت ٹیڑھا اور چشم کشا تھا۔ اس میں ہر وہ حریف شامل تھا جو کسی نہ کسی بنا پر مسلمانوں سے پرخاش رکھتا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں سے بھارت والوں کی نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ان کے سفارت کاروں سے را کے نمائندے تک اس سازش میں شریک تھے۔ امریکیوں کو اپنے مفادات عزیز تھے۔ وہ اپنے خفیہ مقاصد کے حصول کے لیے اس ملک کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنواتے تھے۔ تیسری طرف یہودی تھے جو ہر مسلمان کے دشمن تھے۔ ان کی بھرپور نمائندگی بن ڈیوڈ نے اپنے سر لی ہوئی تھی۔

"اوہ! ڈیڑھ بج رہا ہے۔ اب مجھے سونا چاہیے۔" ویرا اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈال کر اچانک اٹھ گئی۔

غزالہ نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی تائید میں سر ہلا، محفل بکھر گئی اور میں غزالہ کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

"ویرا کی باتیں ذرا کڑوی کسیلی ہوتی ہیں مگر وہ آپ کی دشمن نہیں، خیر خواہ ہے۔" کمرے کے تخلیے میں غزالہ نے اپنا سر میرے سینے پر ٹکا کر بوجھل سی آواز میں کہا۔

"اس وقت تمہیں اس کی حمایت کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"آپ نے سی نائین میں گھسنے کا فیصلہ کرکے بڑی غلطی کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچی لیکن ہمیشہ قسمت اس طرح ساتھ نہیں دیتی۔ آپ کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" اس نے سر اٹھا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرے چہرے کی ضربات کو ٹٹولنے لگی۔

"یہ معمولی چوٹیں ہیں۔ تمہارے جادوئی لمس سے دو چار روز میں دب جائیں گی۔ ان کے بارے میں تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ بس دن میں دو چار بار انہیں ہولے ہولے سہلا دیا کرو۔"

وہ مسکراتی ہوئی مجھ سے الگ ہٹ گئی "اب آپ ڈیٹول سے زخموں کو صاف کرکے گرم پانی سے دھولیں پھر میں استری سے سنکائی کردوں گی۔ بہت آرام آئے گا۔"

"تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ یہ چوٹیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی پروا کی جائے۔ میری جوان جلد کو ابھی استری کی ضرورت نہیں ہے۔"

"استری سے نہیں، میں استری سے تولیا گرم کرکے سنکائی کروں گی۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرلیں۔" وہ مصر ہوگئی۔

"یہودی صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ بن ڈیوڈ کے لگائے گئے زخموں میں زہر نہیں ہوگا۔ میں ڈیٹول استعمال نہیں کروں گا۔" غسل خانے میں وہ میرے سر پر سوار ہوئی تو مجھے سخت موقف اختیار کرنا پڑ گیا ورنہ اس وقت میں خود بھی اس کی والہانہ تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں نے کپڑے تبدیل کیے جو سی نائین کے مقابلے میں گندے اور داغ دار ہوچکے تھے۔ غزالہ نے استری لگا کر اپنے کام کا آغاز کردیا۔

کمرے کا ماحول بہت پرسکون اور آرام دہ تھا پھر مجھے غزالہ کے روپ میں ایک سچی اور شوہر پرست بیوی ملی ہوئی

تھی جو میری ہر خدمت کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔ کمرے کی دھیمی روشنی میں ہم دونوں صبح کے چار بجے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں مجھے ایک بار بلیک کیٹس کا خیال آیا تھا پھر میں نے انہیں فراموش کر دیا۔

باہر اول خان کے ایک اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈوز کی موجودگی میں وہ دونوں ہمارے خلاف جم کر کارروائی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے خطرے پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ان حالات میں وہ بھاگتے بھاگتے کوئی اقدام کر سکتے تھے۔ اس سے زیادہ کا حوصلہ انہیں مہنگا پڑ سکتا تھا۔

صبح سویرے آنکھ لگنے کی وجہ سے دیر میں جاگا۔ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تھا کہ جلال آن وارد ہوا۔

”میں نے مشکل سے رات کاٹی ہے۔ بن کا معاملہ اتنا اہم تھا کہ میں اسے فون تک محدود نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں خود یہاں دوڑا چلا آیا۔“

”اس بارے میں تم بے خبر تو نہیں رہے ہو گے؟“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔ ”میں نے اسٹیشن فور سے فون کر دیا تھا۔“

”بے خبر نہیں تھا تو بہت زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔“ اس نے محتاط سا جواب دیا ”اپنے آدمیوں سے مجھے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ رات کو ایس ٹی ایف والے سی نائین سے کسی کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رات کے دو بجے اسی علاقے میں ایک میدان سے ایک سفید فام کی لاش ملی جسے بن ڈیوڈ کے نام سے پہچان لیا گیا۔ تم نے اسٹیشن فور سے اسے وہاں پہنچا دیا۔ اب دیکھو اس کی خودکشی کا کیا بنتا ہے۔“

”اس کی شناخت کا ناخوشگوار فریضہ کس نے انجام دیا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا ”سی نائین کے چوکیدار اس کا نام تو نہیں بتا سکتے تھے۔“

”میرے آدمی دوسروں کے کام میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے۔ دور رہ کر وہ جو کچھ معلوم کر لیتے ہیں، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔“

”تمہیں سب کچھ معلوم ہے، اصل واقعات بھی اتنے ہی ہیں۔ زیب داستان کے لیے جو چاہو بڑھا لو۔“

”وہاں آنسو گیس کے گولوں اور دستی بموں کا بھی تبادلہ ہوا تھا۔“ جلال نے تائید چاہی۔

”بن شاید پاگل ہو گیا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے سی نائین پر فائرنگ کی تو وہ دستی بموں کے استعمال پر اتر آیا۔ اسے اندھا اور بے بس کرنے کے لیے ان لوگوں نے عمارت میں آنسو گیس کے گولے پھینکے تھے۔“

”تنہا ہونے کے باوجود اس نے بہت جم کر تم لوگوں کا مقابلہ کیا۔“ جلال نے حیرت ظاہر کی ”پی باون۔ فالکن ہاؤس، نشیمن اور پھر اپنے قونصل خانے کی محفوظ عمارتوں میں سے یکایک سی نائین میں پہنچنے کے بعد وہ خود کو بے یارومددگار تصور کر رہا ہو گا۔“

”رات کو ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔“ میں نے اسے بتایا ”ٹام اور نک اسے یہاں لانے والے تھے۔ انہوں نے قونصل خانے کے اطراف میں غیر معمولی نقل و حرکت سے گھبرا کر بن ڈیوڈ کو مرنے سے پہلے زندہ درگور کر دیا تھا۔ اسے آئی مین کے منصب سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد موت ہی اس کا مقدر بن سکتی تھی۔“

میرے آخری فقرے اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے۔ بات واضح کرنے کے لیے مجھے ویرا کی کہی ہوئی بہت سی باتیں دہرانی پڑیں اور آخر کار وہ ویرا کے نظریے کا قائل ہو گیا۔

”یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس جیسا تند خو اور مغرور آدمی یکایک خودکشی کرنے پر کیوں مجبور ہو گیا۔“

”اب اس کی ناگہانی موت کا سوگ منانے نہ بیٹھ جانا۔“ میں نے خوش دلی سے کہا ”اسے مرنا تھا۔ وہ مر گیا۔ ہم نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کر لیں۔ اب ہمیں کچھ اور بھی سوچنا چاہیے۔ بن کی موت سے مسائل ختم نہیں ہوئے۔ مجھے فضا میں نئی مشکلات کے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔“

”شاید تم بلیک کیٹس کی طرف سے پریشان ہو!“ اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”میں کسی کی طرف سے پریشان نہیں ہوں۔ بعض اوقات متعدد مسائل اس طرح یکجا ہو کر سر اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقت سے کہیں زیادہ بڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ اب مجھے یکسوئی سے سوچنے کا موقع ملا ہے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے افواہوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر ہوّا بنا دیا ہے۔ ابھی تک کہیں سے ان افواہوں کی تصدیق نہیں ہوئی اور ہم نے یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک مرد اور دوسری عورت ہے۔“

میرے اس بے لاگ تبصرے پر جلال سٹپٹا کر رہ گیا ”تم مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی کا ذکر سن کر میں نے کہا تھا کہ گال پر تل والی لڑکی دیوی نامی ایجنٹ ہو سکتی ہے۔“

”ہم سب بھی انسان ہیں اور ہر انسان خطا کا پتلا ہوتا

ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہم سے غلطیاں نہ ہوں تو ہمیں انسان کون کہے گا...."

"دو ہاتھوں اور دو پیروں والی مخلوق کو انسان کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔" ویرا نے اپنے کمرے سے برآمد ہوتے ہوئے اونچی آواز میں دخل اندازی کی۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ویرا کی بلند وبانگ آواز سن کر سلطان شاہ کا اپنے کمرے سے برآمد ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ "اپنے بیان کی روشنی میں تم اپنے بزرگوں کو بندروں اور گوریلوں کا ہم نسل قرار دے کر آخر ان بے زبان جانوروں کے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کر رہی ہو۔"

"زیادہ بک بک مت کرو ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" ویرا غصے سے بھنا کر غرائی "اچھے خاصے اپنے پنجرے میں بند تھے۔ تمہیں باہر آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم کچھ بھی نہیں توڑ سکتیں۔" سلطان شاہ مجھے آنکھ مار کر مسکرایا۔ "بندروں کے بچے دور سے خوخو کرتے ہیں۔ ذرا سا دھمکانے پر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔"

"بس اب ایسی کوئی جلی کٹی بات نہیں ہو گی۔" جلال نے ہاتھ اٹھا کر بزرگانہ انداز میں کہا "ہم دونوں یہاں بیٹھے کچھ ضروری باتیں کر رہے تھے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے کچن کی طرف ہو لیے تاکہ اپنا اپنا ناشتا لے سکیں۔ ویرا کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔ سلطان شاہ کی نظروں میں گہری شوخی رچی ہوئی تھی۔

"ویرا نے میری بات اچک لی تھی" میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ اپنی ادھوری بات چھیڑ دی۔ "سب سے پہلے میرے ذہن میں وہم آیا تھا۔ میں نے چائے کی پتی کے استعمال کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو دشمن کا کارندہ سمجھا تھا۔"

"تم سو فیصد درست تھے۔ یہ بات اب ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ شہر میں کہیں ایسا کوئی سروے نہیں ہو رہا۔"

"میرا خیال ہے کہ سب پر عجز و انکسار کا شدید دورہ پڑا ہے۔ اول خان بھی اس دوڑ میں شامل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بازو پر گولی کا زخم کھا کر بدحواسی میں ادھر نہ آتا تو یہ گھر ان لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچا رہتا۔"

"سب اپنی اپنی جگہ صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں۔" وہ بولا "بس معلومات کو یکجا کرنے میں ہم سے کہیں غلطی ہو رہی ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو پتا چلے کہ تم دونوں کیا سوچ رہے ہو!"

ویرا اپنا ناشتا لے کر سنبھلتی ہوئی، میز کے گرد پڑی ایک خالی کرسی پر جم گئی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"اب تک سامنے آنے والی افواہوں کے مطابق بلیک کیٹس کی نفری صرف دو افراد پر مشتمل ہے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ان میں سے ایک نامعلوم مرد ہے۔ لڑکی کا نام دیوی ہے۔" سلطان شاہ نے جلال کے ذریعے سامنے آنے والی بات دہرائی۔

"یہ سب غلط ہے۔ وہ اگر آئے ہیں تو ایسی احمقانہ حرکتیں نہیں کرتے پھریں گے۔ پوری پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ معلومات جمع کریں گے اور بھرے محلے میں ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے کے بجائے ہمیں کسی نازک موقع پر گھیرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"تمہاری بات قابل فہم ہے پھر ایس ٹی ایف کا اسٹرائیک یونٹ یہاں کیا کر رہا ہے؟" ویرا نے مجھ سے یکایک سوال کر دیا۔

"یہ بات تم اول خان سے پوچھو۔ اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے وہ میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"ان لوگوں کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں رہنے دو۔" جلال میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "اس وقت تم لوگ خطرات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ ایک مشتبہ لڑکی اس گھر میں آ چکی ہے۔ دوسری جہانگیر کے گھر پہنچ گئی۔ کوئی باہر رہ کر دیکھ بھال کر رہا ہے تو اسے رہنے دو۔ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ کل ہم سب کیا سوچ رہے تھے۔ آج سب کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔" سلطان شاہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

"کل ہم سب بن اور اس کے سرپرستوں کے چکر میں بھی الجھے ہوئے تھے۔ آج وہ بوجھ ہمارے ذہنوں سے ہٹ چکا ہے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے تاویل ڈھونڈلی۔

"مجھے یہ سارا بندوبست اب ہتک آمیز محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا "زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا ایک آدھ آدمی گھر میں ہمارے ساتھ رہے۔ رات کو وہ چھت پر پہرا بھی دے سکتا ہے۔ ایک کمرا چھت پر خالی ہے نیچے بھی چوتھا بیڈ روم بیکار ہے۔"

"اول خان سے ابھی بات کر لو۔ اس کے دو آدمی یہاں

رہیں گے تو گھر کے کام کاج میں بھی ہمارا ہاتھ بٹا دیں گے۔ بے چاری غزالہ پر بلاوجہ بہت بوجھ پڑا ہوا ہے۔" مطلب کی بات سامنے آتے ہی ویرا خوشامدانہ انداز میں بول پڑی۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"یہ ہے تمہاری کاہلی۔" سلطان شاہ بولا "گھر کا کام کرنے کے نام سے تمہارا دم نکلتا ہے۔ اول خان کے آدمیوں کو نوکر بناؤ گی۔"

"میں اسٹیشن فور پر اچھا خاصا وقت گزار چکی ہوں۔ وہاں مرد ہی سارا کام کرتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے میس کے بیرے اور خانساماں بھی ضرورت پڑنے پر بہترین لڑاکا ثابت ہوں گے۔ ہمارے لیے وہی بہتر رہیں گے۔ ہمارے سارے کام کرلیں گے۔"

"دن بھر ان سے کام لو گی تو رات کو چوکیداری کون کرے گا؟" سلطان شاہ نے لڑنے والے انداز میں پوچھا۔

"اسی لیے میں دو آدمیوں کی بات کر رہی ہوں۔" ویرا بولی "ایک گھر کے کام کرے گا۔ دوسرا رات کو چوکیداری کرے گا۔"

جلال کی زیرِ لب مسکراہٹ گہری ہوگئی "تمہارے گھر میں ہر وقت زندگی چہکتی رہتی ہے۔ یہ سب نہ ہو تو تم سب دو ہفتوں میں ایک دوسرے کی صورتوں سے اکتا جاؤ۔"

"ہو سکے تو سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کی وجہ سے یہاں کچھ زیادہ ہی چہکار رہتی ہے۔" ویرا برا سامنہ بنا کر بولی۔

"تم کیوں خاموش بیٹھی ہو۔ ویرا کی تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" جلال نے غزالہ سے پوچھا جو خاموشی سے اس ساری گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"میں گھر کے کام کاج سے نہیں گھبراتی۔ مصروفیت میں وقت آرام سے گزر جاتا ہے اور پھر اتنے عرصے میں لڑ بھڑ کر ہم نے ایک ماحول بنا لیا ہے۔ آزادی سے اس فضا میں رہنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ باہر کے دو آدمی بھی یہاں آگئے تو ان آزادیوں میں کمی آجائے گی۔" غزالہ نے تھمی ہوئی آواز میں نرمی سے کہا۔

"واہ وا.... کیا بات کہی ہے تم نے!" سلطان شاہ کو پھر بانگ دینے کا موقع مل گیا "دل خوش ہوگیا میرا۔ سب سے زیادہ خلل ویرا کی آزادی میں پڑے گا۔"

"مگر ہم سکھ کی نیند سو سکیں گے۔ ایس ٹی ایف والے اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے انجام دیتے ہیں۔" غزالہ نے اپنی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"بس تو پھر یہ طے ہوگیا۔" میں نے اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کہا "میں آج ہی اول خان سے بات کرلوں گا۔"

"جہانگیر کی بلڈنگ کے استقبالیہ پر پہلے ہی پہرا ہوتا ہے۔ کوئی بے خبری میں نہیں مارا جائے گا۔" ویرا خوش ہو کر بولی۔

"تمہاری کہی ہوئی، دیوی والی بات ابھی تک میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جلال سے کہا۔

"میری وہ بات بے بنیاد نہیں تھی۔ گال پر تل والی ایک خوبرو بھارتی ایجنٹ لاہور میں کام کرتی رہی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بتایا "اس کی طرف سے میں خود بھی پریشان تھا۔ میں نے رات کو ہی کمپیوٹر فائل پر اس کا ریکارڈ دیکھا تھا۔ وہ بھرے بھرے بدن والی تھی اور نہ دراز قامت کہی جا سکتی تھی۔ چھریرے بدن کی مالک تھی۔ قد بھی متوسط تھا۔ وہ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی نہیں ہو سکتی۔ محض رخسار کے تل کی وجہ سے میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا تھا۔"

"تل کی اس یکسانیت کو تم کیا کہو گے؟" ویرا نے بلا توقف سوال داغ دیا۔

"تم خود عورت ہو۔ تم کو یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے۔ بناؤ سنگھار کے نسوانی طریقے اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ جسم پر کہیں بھی، نہ مٹنے والا تل بنانا دشوار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لاہور میں مصروفِ کار رہنے والی دیوی کے چہرے کا تل بھی اصلی نہ ہو۔ اس نے ہمارے آدمیوں کو فریب دینے کے لیے اسے ایجاد کیا ہو۔"

"چلو، مان لیا کہ لاہور والی دیوی مکّارہ تھی۔ اس نے پاکستانی ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے وہ گیٹ اَپ اختیار کیا تھا۔" ویرا، جلال سے بحث پر تل گئی "ایک بار ایسی کوئی واضح نشانی نظر آجائے تو تجربے کار لوگ بھی دوسرے نکات پر دھیان نہیں دیتے۔ ہر چہرے پر سب سے پہلے تل یا مسّا تلاش کرتے ہیں۔ یہ اتفاق کیسے ہوا کہ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کو ڈینی کی تلاش تھی اور اس کے بھی ایک رخسار پر تل تھا۔"

"یہ محض اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔" جلال نے زچ آکر کہا۔

"اگر اسے بھیجنے والی دیوی تھی تو اسے ایسے کسی اتفاق سے گریز کرنا چاہیے تھا جس سے توجہ اس کے لاہور والے گیٹ اَپ کی طرف مبذول ہوجائے۔"

”دیوی را کی ایجنٹ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت سرے سے کراچی میں نہ ہو۔“ میں نے قدرے ترشی سے ویرا کو جواب دیا۔ وہ بلاوجہ ہاتھ دھو کر جلال کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”بلیک کیٹس دو مرد بھی ہو سکتے ہیں۔ تم ان میں سے ایک کو دیوی قرار دینے پر کیوں مصر ہو۔“

”پھر تو ساری بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔“ سلطان شاہ سر ہلا کر بولا ”تم ایک بے سروپا بات پر الجھ رہی ہو۔“

”میں بھی یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔“ جلال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”بلیک کیٹس‘ را کا ہی ایک شعبہ ہیں لیکن وہ سب سے الگ تھلگ رہ کر کام کرتے ہیں۔“

ویرا بے اختیار ہنس دی ”یہ سب نہ کہو۔ بات بڑھانے کے لیے یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ دیوی کا تبادلہ را سے بلیک کیٹس میں کر دیا گیا ہو گا۔“

”بحث کے لیے تمہارے دماغ میں واقعی بہت دم ہے۔ تم سے جیتنا مشکل کام ہے۔“ جلال نے ہتھیار ڈال دیے۔

”اس پوری گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم ابھی تک اپنے دشمنوں کو نہیں پہچان سکے ہیں۔“ غزالہ نے ایک سنجیدہ نکتہ اٹھالیا۔

”یہ طے ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ ڈینی کی تلاش میں ہیں اور وہ جہانگیر تک پہنچنے کی کوششوں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہوں‘ امریکی نہیں ہو سکتے۔ امریکیوں کے لیے مقامی لڑکیوں کو اتنی آسانی سے دو گھروں پر بھیجنا ممکن نظر نہیں آتا۔ یہ بھارتی لابی ہی ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ را والے ہیں یا بلیک کیٹس۔“ اس بار ویرا نے بھی کمال کی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

”بن‘ را والوں سے غلاموں کی طرح کام لے رہا تھا۔ یہ ان کے ساتھی ہوتے تو بن کی بیگار سے نہیں بچ سکتے تھے۔“ غزالہ اس سے مخاطب ہو گئی۔

”یعنی تم اتنی مغز زنی کے بعد ہمیں گھما پھرا کر دوبارہ بلیک کیٹس کی طرف لے جانا چاہتی ہو؟“ ویرا کا منہ بن گیا۔

”یہ ایک مفروضہ ہے۔ کام کی ابتدا مفروضوں سے ہوتی ہے اور پھر حقائق سامنے آنے لگتے ہیں۔ ایک افواہ دو ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے۔ کیوں نہ اسے کچھ دیر کے لیے سچ مان لیا جائے!“

”اس سچ کو منوانے سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟“ اس بار ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

”کراچی میں را والوں کا تانا بانا بُری طرح بکھر چکا ہے۔ بھارت سے آئے ہوئے ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ ان کے مقامی زر خرید پولیس کی تحویل میں ہیں۔ لے دے کر صرف چوپڑا باقی ہے۔ بلیک کیٹس کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے اسے نظرانداز کیا ہوا ہے....“

”اس وقت اس سے بہتر تجویز سامنے نہیں آ سکتی۔“ جلال نے غزالہ کی بات پوری ہونے سے پہلے توصیفی لہجے میں کہا ”ہو سکتا ہے بھارتی ایجنسیوں کے مقامی رابطوں کی کوئی کڑی اب بھی اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔ اس وقت بس اسی کا نام ہمارے سامنے ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“ سلطان شاہ نے رضاکارانہ پیشکش کی۔

”نہیں دوست! وہاں ڈینی کے سوا کسی اور کا جانا درست نہیں ہو گا۔ وہ ڈینی کا نام نہیں جانتا۔ اسے میرا ساتھی سمجھتا ہے۔ ہمارے معاملات بہت نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ صدف مینشن اجنبیوں کے لیے ایک سخت ممنوعہ عمارت ہے۔“ جلال نے لگی لپٹی رکھے بغیر سلطان شاہ کی پیشکش مسترد کر دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کی حوصلہ شکنی کے لیے جلال کا کوئی سخت جواب بہت ضروری تھا مگر اس وقت وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ کی چبھن تینوں نے محسوس کی لیکن کسی نے فوری طور پر لب کشائی نہیں کی۔ جلال کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے قدرے توقف کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں کہا ”میرے الفاظ کسی کو برے لگے ہوں تو میں خلوصِ دل سے معافی چاہتا ہوں مگر صدف مینشن کا ڈسپلن تصور سے زیادہ سخت ہے۔ میرے عملے کے آدمیوں کو بھی کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر

وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں داخلے کے لیے خصوصی اجازت نامہ ضروری ہوتا ہے۔"

"ایسا کڑا ڈسپلن مجھے راس نہیں آتا۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُرسکون آواز میں کہا مگر میں نے اس کے بشرے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اندر سے سلگ اٹھی تھی "میں ڈھیلے ڈھالے ماحول میں اپنی مرضی سے کام کرنے کی عادی ہوں۔ کسی کا تسلّط مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اسی لیے میری ڈیڈی سے اَن بَن رہتی ہے۔"

"تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہی ہو؟" جلال نے تحمل سے دریافت کیا۔

"میں کبھی بھول کر بھی صدف مینشن کے قریب سے نہیں گزروں گی۔" ویرا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر جواب دیا۔

بات بڑھ جانے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ میری مداخلت ضروری ہو گئی تھی۔ میں نے ویرا کو سمجھایا "تم بلاوجہ اس بات کو اہمیت دے رہی ہو۔ جلال کو بار بار کسی کو منع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ بہتر ہوا کہ آج اس نے کھل کر سچ بیان کر دیا۔ یہ باتیں اس نے پہلے مجھ سے نہیں کہی تھیں۔"

"خیر، تو تم اب جلال کے ساتھ جا رہے ہو!" اس نے سپاٹ بیانیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... اور میں واپسی پر تمہیں خوشگوار موڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھی زبردستی ہے۔" وہ ہنس پڑی اور پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے بولی "میں اول خان کو بلا لوں گی۔ وہ ہر ڈسپلن سے آزاد ہے۔ شاید اس کی موجودگی بہتر ثابت ہو سکے۔"

"ویری گُڈ۔ یہ بہت نیک کام ہوگا۔" میں نے خوش ہو کر کہا "اس سے اسٹرائیک یونٹ کی واپسی اور گھر میں آدمیوں کی تقرری کی بات بھی کر لینا۔ میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔"

میری زبان سے اپنے لیے ایک کام سن کر اس کے چہرے پر ہلکی سی بشاشت عود کر آئی "تم بے فکر ہو جاؤ۔ اسے میں سنبھال لوں گی۔"

جلال ہمارے پاس ہمیشہ خوشگوار موڈ میں آتا جاتا رہا تھا مگر اس روز اس کی واپسی کچھ کشیدہ ماحول میں ہوئی۔ ویرا نے اس سے چند رسمی باتیں کیں اور روایت کے برعکس اسے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک بھی نہیں آئی۔

"تم اس کی باتوں کی پروا نہ کرنا۔" میں نے اس کی گاڑی روانہ ہونے پر صفائی پیش کی "وہ بہت موڈی عورت ہے مگر دل کی صاف ہے۔ ایک دو روز میں سب کچھ بھول بھال کر خود ہی راہِ راست پر آ جائے گی۔"

"میں اس کا ٹائپ سمجھتا ہوں۔ انا پرست لوگوں کے دل کے آبگینوں کو ذرا سی بات سے ٹھیس لگ جاتی ہے۔" وہ افسردگی سے بولا "میں سلطان شاہ سے ہی مخاطب رہتا تو اچھا تھا۔ مجھے ان تینوں کی طرف متوجہ ہو کر وہ تلخ حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ اور اپنی توجہ بدھولال چوپڑا پر مرکوز رکھو۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"توجہ مرکوز کرنے کے لیے ویرا اس سے ہزار درجے بہتر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں انجانے میں اس کی دل آزاری کر بیٹھا۔"

جلال کے وہ الفاظ پُرخلوص تھے۔ ان میں کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی ویرا سے خاصا بے تکلف ہو جاتا تھا۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آ چکا تھا جب ویرا کو یہ خوش فہمی ہونے لگی کہ جلال عیال دار ہونے کے باوجود اس کی ذات میں سنجیدگی سے دلچسپی لے رہا تھا مگر میں نے جلال کے ذہن کو ٹٹولا تو وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بات گھوم پھر کر ویرا کی ذات کے گرد گھوم رہی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرنے میں بہتری سمجھی اور اپنی زبان بند کر لی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم صدف مینشن کے بھیانک اور آسیبی قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ اس وقت چوپڑا اس عمارت کی اوپری منزل کے بجائے گراؤنڈ فلور کے ایک سیل میں بند تھا۔

"ہم کسی قیدی کو زیادہ دیر تک ایک سیل میں نہیں رکھتے۔" جلال نے اس کے پاس جانے سے پہلے بتایا "وہ زیادہ دیر تک ایک جگہ، ایک سے حالات میں رہتے ہیں تو ہر چیز سے سمجھوتا کر کے اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان مجرموں پر دہشت اور نفسیاتی دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی بدلتا رہے۔"

نفسیاتی تشدد کی وہ باریکی سن کر میں پھریری لیے بغیر نہ رہ سکا "تمہارے قیدی ہر وقت بے یقینی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"آؤ.... اب دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔" جلال آگے بڑھا۔ مسلح محافظ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہی چوپڑا کے نیم

تاریک سیل کا دروازہ کھول دیا۔
"اب کون آگیا!" سیلن زدہ سیل کے دھند لکے میں چوپڑا کی نقاہت زدہ اور بے جان سی کراہ ابھری۔
میں دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ چوپڑا اس تنگ قید خانے میں ایک ڈھیلے ڈھالے، ننگے پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ چند دنوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا اور اس کا چہرہ خوف سے تقریباً سیاہ پڑ گیا تھا۔ جھلسی ہوئی سیاہ رنگت پر اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی سفیدی بہت خوف آور تھی۔ صدف مینشن کے آسیبی ماحول میں وہ اس وقت کوئی آسیب ہی نظر آرہا تھا۔
"سیٹھی کی لاش تم نے پہچان لی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ساتھی ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں۔ اب تمہاری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے درشتی سے کہا۔
"میں اب کیا کر سکتا ہوں۔ تم نے میری روح تک کو نچوڑ لیا ہے۔ تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے!" وہ رو دینے والی آواز میں کراہا۔
"تم نے چار نام بتائے تھے۔ وجے، ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی۔ اب وہ چاروں اس دنیا میں نہیں ہیں۔ صرف تم رہ گئے ہو۔"
"تم لوگ بہت سفّاک ہو۔" وہ اپنا سر دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے بولا "اپنے جیسے انسان کو اس طرح تڑپاتے ہوئے تم کو ذرا بھی رحم نہیں آتا؟"
"آتا ہے!" مجھ سے پہلے جلال سفاکانہ لہجے میں بول پڑا۔ "مگر پھر مجھے عبداللہ یاد آجاتا ہے جسے ونود نے دہلی میں تشدد کر کے مارا تھا۔ سنو! تم پیشاب تو کر رہے ہو۔ عبداللہ کے گردوں سے اس کا زندہ لہو آنے لگا تھا۔ میں تم پر کیسے رحم کھا سکتا ہوں۔"
"بھگوان! مجھے اٹھا لے۔ میری مشکل آسان کر دے!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچ کر رو پڑا۔
"تمہارا پتھر کا بھگوان اندھا، گونگا اور بہرا ہے۔ وہ تمہاری فریاد سنے گا نہ اس کا جواب دے گا۔ وہ چاروں اس لیے مر گئے کہ وہ اس زمین کے باسی نہیں تھے۔ کسی اور زمین سے اگایا ہوا اناج کھاتے تھے۔ تم نے عمر بھر اسی دھرتی سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرا اور اسی کے غدار ہو اس لیے ابھی تمہیں لمبے عرصے تک زندہ رہنا ہو گا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر مکے سے ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر چیخ پڑا۔
"تم بتاتے کیوں نہیں کہ اب میری زبان سے کیا سننے آئے ہو؟" اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی فریادی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"تشخیص"

"ڈاکٹر......!" خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بے تابی سے تقریباً چلاتے ہوئے کہا "آپ مجھے صحیح طرح بتائیں کہ آخر مجھے بیماری کیا ہے؟"
کمرے میں موجود مرد نے گہری نظر سے خاتون کا سرتاپا جائزہ لیا اور بولا "سب سے پہلے تو آپ اپنا وزن پچاس پونڈ کم کرنا چاہیے۔ دوسرے آپ کو میک اپ ہلکا کرنا چاہیے۔ اس طرح آپ کچھ بہتر دکھائی دیں گی۔ تیسری بات یہ کہ میں ڈاکٹر نہیں، آرٹسٹ ہوں۔ آنکھوں کے ڈاکٹر صاحب کا کلینک برابر ہے۔"

"ہمیں کچھ اور لوگوں کی تلاش ہے۔ ان کے نام تم بتاؤ گے۔"
"کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارے سروں سے آئی مین کا سایہ بھی اٹھ چکا ہے۔" جلال نے لقمہ دیا "کل رات اسے بھی تمہارے چاروں ساتھیوں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔"
"میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ تم ایک ایک کر کے سب کو مار چکے ہو۔ میں رہ گیا ہوں۔ مجھے بھی مار کر قصہ ختم کر دو۔"
وہ وطن کا غدار تھا۔ اس کی زبان سے اس خواہش کا اظہار سن کر مجھے عجیب سی آسودگی حاصل ہوئی۔ میں نے کہا۔ "تم کو ریکارڈ پر گرفتار کیا گیا ہے۔ تمہاری بہترین سزا دردناک موت ہی ہو سکتی تھی مگر تم کو زندہ رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ آخر کار تمہیں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اقبالِ جرم کرنا ہو گا۔ اس سے پہلے اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لو۔ جو کچھ بتا سکتے ہو، بتا ڈالو۔"
"مجھ سے جو چاہو قسم لے لو۔ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔"
"بھارت سے بلیک کیٹس کے کچھ آدمی مشن پر آئے ہوئے ہیں؟" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد پوچھا۔
"مجھے نہیں معلوم!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیایا "وہ میرے پکڑے جانے کے بعد آئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"
"پھر کس کو پتا ہو گا۔" اس بار میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تھا۔

"مم... میں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا۔ وہ آتے ہیں تو سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔"

"ہم کیسے مان لیں کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر اپنا کام پورا کر لیتے ہوں گے۔ تم نہ سہی، کوئی اور ان کے کام آتا ہوگا۔" میں غرایا۔

"کوئی نہ کوئی آتا ہی ہوگا۔ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ ہندو پنچایت کمیٹی کے پنچوں، سرپنچوں کو پکڑو۔ شاید وہ تمہیں کچھ بتا دیں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری ہڈیوں میں اب مار کھانے کا دم نہیں رہا ہے۔ میں تم لوگوں سے پٹتے پٹتے تھک گیا ہوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر بلک کر رو پڑا۔

"آؤ!" جلال نے میرے شانے پر ہاتھ سے تھپکی دے کر کہا "اسے کچھ دیر کے لیے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ شاید اسے اپنی یادداشت یکجا کرنے میں مدد مل سکے۔"

اس کا وہ اشارہ ذومعنی تھا۔ میں اسی لمحے اس کے ساتھ سیل سے باہر آ گیا۔

وہ وقفہ اسی کے ایما پر ہوا تھا اس لیے میں اس کے بولنے کا منتظر رہا لیکن وہ خاموشی سے صدف مینشن کے لائبریری نما دفتر کی طرف بڑھتا رہا۔ پہلے کی طرح وہاں وہی ایک آدمی موجود تھا جو دفتر میں چپراسی سے لے کر کلرک تک سارے کام انجام دیتا تھا۔ جلال کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی وہ دفتر سے باہر آ گیا تھا۔

اس وقت چوپڑا نے میری توجہ بہت اہم نکتے کی طرف مبذول کرائی ہے۔" جلال نے کرسی سنبھالنے کے بعد کہا۔

"اس نے ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ اور کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"تم ہمیشہ کام کی بات تک پہنچ جاتے ہو اور میری طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ تم اس کے بارے میں جانتے ہو گے۔"

"ہاں، چوپڑا ہی کے چکر میں سنا تھا۔ وہ اس کمیٹی کے معاملات میں خاصی سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔"

"اسے سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے سماجی نظام میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ وہ کراچی میں قائم بہت سے مندر چلا رہی ہے۔ یہ کمیٹی ہندوؤں کے بہت سے خانگی اور مالی معاملات حل کرتی ہے جس کی وجہ سے جائدادوں کے جھگڑے عدالتوں تک کم ہی جاتے ہیں۔"

"کیا حالات کے موجودہ تناظر میں ان باتوں کی کوئی اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ جاننا ضروری ہے کہ مقامی ہندو معاشرے پر اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔"

"شاید اس کے ارکان ذاتی طور پر بھی بہت اثر و رسوخ رکھتے ہوں گے۔"

"وہ بہت طاقت ور ہیں۔ ان ہی میں سے ایک کا نام سوبھراج ہے۔ پہلے وہ اس کمیٹی کا سرپنچ ہوا کرتا تھا۔ اب ایک مدت سے عام رکن کی حیثیت سے اجلاسوں میں شرکت کرتا ہے۔ اس کی ہر بات بہت توجہ سے سنی جاتی ہے۔ عملی طور پر وہ اپنی پنچایت کا سب سے مضبوط رکن ہے۔"

میں خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ قدرے توقف کے دوران اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "اب سے دس پندرہ برس پہلے وہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہوا کرتا تھا پھر اس نے اچانک اپنی لائن بدل لی۔ بدمعاشی سے سیاست کی طرف چلا گیا۔ اب وہ کامیاب ہندو سیاست دانوں کا منظور نظر ہے۔ ہماری خفیہ اطلاعات ہیں کہ اس کی بعض سرگرمیاں آج بھی مشکوک ہیں۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دھماکے سے جل کر تباہ ہونے والی ڈاج لاوارث نہیں تھی۔ اس کا رجسٹریشن سوبھراج کے نام پر تھا۔"

وہ انکشاف واقعی حیران کن تھا۔ میں اپنی کرسی پر اچھل پڑا "یہ اہم ترین بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔"

"اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی...." اس نے بتانا چاہا مگر میں نے اضطراری انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"میرا خیال ہے یہ بات تمہیں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن والوں کے ریکارڈ سے کل ہی معلوم ہو گئی ہو گی مگر تم نے سرے سے اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"میں وہی بتا رہا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سوبھراج نے چھ ماہ پہلے اپنی اس گاڑی کی چوری کی رپورٹ درج کرائی ہوئی تھی۔ اس وقت ڈاج سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ سوبھراج کے موقف کے مطابق، چوری کے بعد اس کی گاڑی کا رنگ تبدیل کر دیا گیا۔"

"مشتبہ ماضی رکھنے والے ایک شخص کا یہ بیان قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا "اپنا دامن بچانے کے لیے وہ کوئی بھی کہانی گھڑ سکتا ہے۔"

"بات اس کے بیان کی نہیں۔ حقائق کی ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "چھ ماہ پہلے درج کرائی ہوئی ایف آئی آر

اس کے حق میں جاتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی وہ گاڑی مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو اور اس کا رنگ تبدیل کر کے چوری کی فرضی ایف آئی آر درج کرا دی۔ جب تک مدعی کی طرف سے چوری چکاری کی ایسی شکایتوں میں گہری دلچسپی کا اظہار نہ ہو، پولیس کوئی سرگرمی نہیں دکھاتی۔ فائل بند پڑی رہتی ہے۔"

"اسے چھ ماہ پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی گاڑی کسی جرم میں ملوث ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو شاید آئی مین نے یہاں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔"

"آئی مین کو ذہن سے نکال دو۔ میں را والوں کی بات کر رہا ہوں۔ بعد میں سب ہی نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔"

"نہیں ڈینی۔۔۔ یہ بات اہم ہے۔ اگر وہ گاڑی را والوں کے استعمال میں تھی تو راجو اور سیٹھی کو مارنے کے لیے کیسے استعمال ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے مایہ ناز آدمی رہے ہوں گے۔ ان کو وہ اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ کارروائی ٹام یانک کے ایما پر ہوئی تھی۔"

"تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ٹام 'نک' بن ڈیوڈ اور را والے شروع سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچنے کے بعد بولنا شروع کیا۔ "ان کے مقاصد اور اہداف مشترک تھے اس لیے وہ فراخ دلی سے ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کر رہے تھے۔ ایسے ہی وقت میں نیلی ڈاج ٹام یانک کی تحویل میں چلی گئی۔ ان کے مشتبہ کاموں کے لیے وہ کار بہت عمدہ تھی جو ریکارڈ کے مطابق چرا لی گئی تھی۔ راجو اور سیٹھی کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے اسی گاڑی کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اور سوبھراج نے چھ ماہ پہلے یہ سب سوچ لیا تھا!" جلال روانی میں کہہ گیا۔

"اس نے من و عن یہ سب نہیں سوچا ہو گا لیکن اپنی گاڑی کو مجرمانہ مقاصد کے لیے وقف کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یہ امکان ضرور رہا ہو گا کہ وہ گاڑی کسی بھی وقت رنگے ہاتھوں پکڑی جا سکتی ہے۔ اسی لیے وہ چوری کی رپورٹ درج کرا کے اس کی ملکیت سے دست بردار ہو گیا۔"

"یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن اس معاملے میں سوبھراج پر ہاتھ ڈالنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔" وہ پرخیال آواز میں بولا۔

"کیوں؟ کیا مسلمان معززین جرائم میں ملوث ہو کر ایسی کوئی رعایت حاصل کر سکتے ہیں جس کی بنا پر سوبھراج کو نظر

"عمل"

"میں نے اور میرے بہترین دوست ارشد نے جب یہ پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے..... تو ہم نے اس پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا......"

"اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی؟"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔"

انداز کرنا پڑ جائے۔"

"یہ معاملہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مراعات یافتہ شخص ہے۔ جب سیاسی قوتیں کسی کی پشت پناہی کرنے لگتی ہیں تو کام مشکل ہو جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت چوپڑا نے تمہیں بالواسطہ طور پر سوبھراج کی طرف متوجہ کر کے بڑا کام کیا ہے۔ اگر وہ ماضی میں را یا دوسری امریکی ایجنسیوں کے رابطے میں رہا ہے تو وہ بلیک کیٹس کا بھی مددگار ہو سکتا ہے اس کو دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"میں اسے چیک کروں گا۔ اس کے بارے میں عجلت سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ وہ ہندوؤں کا غیر متنازعہ سماجی رہنما ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالا گیا تو شدید ردِعمل پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے حکمراں ایسی کسی لہر کو پسند نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اسمبلی میں اپنی اکثریت برقرار رکھنے کے لیے اقلیتی ارکان کی حمایت کی اشد ضرورت ہے۔"

"یہ تمہارا ذاتی نظریہ ہے جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اسی لیے میں نے چیک کرنے کی بات کی ہے۔ مجھے اسلام آباد سے رجوع کر کے دیکھنا ہو گا کہ سوبھراج کی موجودہ پوزیشن کیا ہے۔"

چوپڑا نے اپنی گفتگو میں براہِ راست سوبھراج کا نام نہیں لیا تھا۔ بس جھنجلا کر ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان کا ذکر کیا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ نیلی ڈاج کے ریکارڈ پر چھان بین کے سلسلے میں سوبھراج کا نام جلال کے علم میں آ چکا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ چوپڑا اس بارے میں کچھ اور بھی جانتا تھا۔ اس پر مزید محنت کی جاتی تو وہ کام کی مزید باتیں اگل

سکتا تھا۔

"چوپڑا حاضر ہے۔ تم اس کے ساتھ من مانا سلوک کر سکتے ہو۔ بس اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔" میرا خیال سن کر جلال نے کہا۔

جلال سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں، میں چوپڑا سے نئے انداز میں بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

چوپڑا پلنگ پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا اور اس کے دہانے سے کراہوں کی ہلکی ہلکی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسے اس کی ہڈیاں دکھ رہی ہوں۔ میرے آواز دینے پر بھی اس کی غنودہ آنکھیں نہیں کھلیں تو میں نے بڑھ کر اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ خوف زدہ آوازیں نکالتا ہوا ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔

"اب کیا ہوا..... دوبارہ کیوں آئے ہو؟" اس نے خوف زدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو کچھ اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اگل دو۔ تمہارے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب کون سی بات رہ گئی ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کہیں اور جاؤ۔ بلیک کیٹس کے بارے میں تمہیں مجھ سے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے اپنی پنچایت کا ذکر کیا تھا!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں، کیا تھا۔ وہ ملے جلنے والے لوگ ہیں۔ شاید کوئی کچھ جانتا ہو۔"

"تم ان میں سے کس کس کو جانتے ہو۔" میں دھیرے دھیرے اسے راہ پر لانا چاہ رہا تھا۔

"میں وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ سب کو جانتا تھا مگر میری کسی سے دوستی نہیں تھی۔" اس نے قدرے خاموشی کے بعد جواب دیا۔

"سوبھراج کے نام سے کس حد تک واقف ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ ان میں سب سے زیادہ عزت والا سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے دھندے کیا ہیں؟"

"پتا نہیں لیکن وہ بہت خوش حال آدمی ہے دوسروں کے کام آتا ہے۔"

"کچھ عرصہ پہلے اس کی کوئی کار چوری ہو گئی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا۔ تم بلاوجہ مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں سے تھکا رہے ہو مجھ پر رحم کرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اس پر شبہ کر رہے ہو تو جا کر اس سے مل لو۔ وہ بہت ملنسار اور کھلے دل کا آدمی ہے۔"

وہ کام کی بات تھی۔ میں گھما پھرا کر اس سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سوبھراج سے براہِ راست ملاقات کے کیا امکانات تھے۔ اس نے ازخود اس بات کا جواب دے کر میرا کام آسان کر دیا تھا۔

"کل تمہارا ریمانڈ ختم ہو رہا ہے۔ مجسٹریٹ کے سامنے جانے کی تیاری کر لینا۔" مجھے واپسی کے موڈ میں پا کر جلال نے اس سے کہا۔

"بس اب مجھے جیل بھیج دینا۔" وہ کراہا "یہاں میں سسک سسک کر مر جاؤں گا۔"

"عجیب آدمی ہو!" میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "کبھی موت کی آرزو کرنے لگتے ہو اور اب موت سے ڈر رہے ہو۔"

"میں اس زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔ یہاں دن کا پتا چلتا ہے نہ رات کا۔ ہر وقت یہ درودیوار مجھے ڈراتے رہتے ہیں۔ جب ذرا سا سکون ہوتا ہے تو تم آجاتے ہو۔"

وہ اپنی زندگی سے بڑی حد تک مایوس ہو کر بے زاری کے عالم میں وہاں پڑا تھا۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے۔

ہم دوبارہ دفتر میں پہنچے تو میز پر ایک رقعہ جلال کا منتظر تھا۔

"اطلاع ملی ہے کہ سی نائین سے دستی بموں، گولیوں اور میگزین کے پیکٹوں کے سوا پولیس کو ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جو وہاں موجود نامعلوم افراد کی نشان دہی کر سکے۔" جلال نے وہ رقعہ پڑھتے ہوئے مجھے بتانا شروع کر دیا "چوکیداروں نے ایک گورے مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ بعد میں انہوں نے بن کی لاش کو پہچان لیا۔"

"یہ پتا نہیں چل سکا کہ بن کو سی نائین میں کس کی اجازت سے ٹھہرایا گیا تھا۔" میں نے پوچھا "نیلی ڈاج کے مالک کی طرح بن کا میزبان بھی اہم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"دوسری عمارتوں کی طرح سی نائین کے سب فلور بھی دو ماہ سے کرایے پر تھے۔ کبھی کبھار کوئی غیر ملکی اپنی چابی لے کر وہاں آتا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے رک کر چلا جاتا تھا۔"

جلال نے وہ رقعہ موڑ کر ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا یہ باتیں تمہیں قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"چوکیداروں کو اس بارے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"انہوں نے اول خان کے آدمیوں کو بتایا تھا کہ عمارت کے مالک کے بھانجے کو عمارت کی فروخت یا کرایہ داری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"جب عمارت کرایے پر اٹھی ہوئی تھی تو وہ کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ انہیں کسی کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"پھر بھی وہ لڑکا کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"بن ڈیوڈ کے مرجانے کے بعد یہ سب باتیں بے سود ہو گئی ہیں۔ رہی رسمی کارروائیاں تو وہ فائل کا پیٹ بھرنے کے لیے چلتی رہیں گی۔"

بن ڈیوڈ کو زیر کر لینے کے بعد ہم لوگ سی نائین سے بہت تیزی کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ بارودی مقابلے میں گرماگرمی کی شاید کسی کو یہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ رہ جانے والی چند باتیں اس وقت جلال کے ذریعے معلوم ہو گئیں تھیں جن سے بن کی آخری تیاری کی صورت حال خاصی حد تک واضح ہو گئی تھی۔

"کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے کسی محبِّ وطن رہنما نے یہاں اسپیشل ٹاسک فورس نہ بنائی ہوتی تو یہاں ہر طرف بین الاقوامی دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوتے۔" میں اپنے دل میں پیدا ہونے والا ایک خیال سیدھے سادے الفاظ میں زبان پر لے آیا۔

"یہ خام خیالی ہے۔" جلال نے نرمی سے میری تردید کی۔ "جب ایس ٹی ایف کا وجود نہیں تھا تب بھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب وہ میدان میں ہیں تو ہم بہت سے معاملات ان کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ خاموشی سے آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داری پوری کر لیتے ہیں۔"

"فرق وہی ہے کہ وہ آزاد ہیں اور دوسری ایجنسیاں ضابطوں میں بندھی ہوئی ہیں۔"

"عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے مگر میری نپی تلی رائے ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بس حدیں مختلف ہیں۔ اول خان والی فورس مطلق العنان نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ ہیں۔ مکمل آزادی اور خود مختاری محض ایک تصوراتی بات ہے جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں

سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ کسی فلم کا میٹنی شو دیکھنے گئے۔ شام کو فلم ختم ہوئی تو غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو دیکھ کر سردار رنجیت سنگھ نے کہا "یار، شام ہو گئی" سردار سنگیت سنگھ نے کہا "احمق ہوئے ہو۔ صبح کو شام بتا رہے ہو۔ دیکھتے نہیں، سورج طلوع ہو رہا ہے۔"

دونوں میں جھگڑا بڑھا۔ گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ قریب تھا کہ کرپانیں باہر نکل آئیں اور دونوں ایک دوسرے کو ختم کر دیں کہ اچانک ادھر سے گزرتے ہوئے سردار اجیت سنگھ ان کے درمیان میں آ گئے اور ان سے لڑنے کا سبب پوچھا۔

سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ نے بیک زبان کہا "آپ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیجیے۔ ذرا غور سے سورج کی طرف دیکھ کر بتایئے کہ وہ غروب ہو رہا ہے یا طلوع ہو رہا ہے؟"

سردار اجیت سنگھ آہ بھر کر بولے "بھائیو۔ یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ میں تمہارے شہر میں پردیسی ہوں۔ آج ہی آیا ہوں۔"

ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "تمہارے اس تجزیے نے میری ایک بھول دور کر دی ہے۔"

"تم نے چوپڑا سے سوبھراج کے بارے میں کچھ مخصوص سوالات کیے ہیں۔ اس بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"تم دیکھ لو کہ اپنے طور پر کیا کر سکتے ہو۔ اس کو دیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایک بار میں خود بھی اس سے مل لوں۔"

"براہِ راست اس سے ملنا بے سود رہے گا۔ تم کھل کر اس سے بات نہیں کر سکو گے اور بلاوجہ اس کی نظروں میں آ جاؤ گے۔"

"فی الحال اس بات ... کو یہیں چھوڑ دو۔ میں سوچ کر بتاؤں گا۔"

میں جلال کی گاڑی سے صدف مینشن آیا تھا۔ وہ اپنے

آدمی کے ساتھ مجھے گھر بھجوانے پر مصر تھا مگر میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ اس وقت میرے لیے ٹیکسی زیادہ بہتر تھی۔

میں گھر پہنچا تو وہاں طے شدہ تبدیلیاں روبہ عمل آ چکی تھیں۔ اسٹرائیک یونٹ کا عملہ اسٹیشن فوراً واپس جا چکا تھا۔ اول خان اپنی تمام تر خوش مزاجی کے ساتھ ہمارے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ویرا نے بتایا کہ اس کے دونوں آدمی اپنا مختصر اسباب لے کر چھت والے اکلوتے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے نچلی منزل سے رابطے کے لیے بٹن کے ساتھ ایک برقی گھنٹی جوڑلی تھی۔

چوپڑا سے پوچھ گچھ کی تجویز غزالہ کی تھی۔ اسے فطری طور پر تجسس تھا کہ میں صدف مینشن سے کیا خبر لے کر آیا تھا۔ میں نے چوپڑا سے ہونے والی گفتگو کا احوال ان چاروں کو سنا دیا۔

”یہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ نیلی ڈاج اوپن لیٹر کی گاڑی ہو گی یا پھر کہیں سے چرائی گئی ہو گی۔“ میرے خاموش ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

”یہ ایک اہم پیش رفت ہے سوبھراج بظاہر تائب ہو گیا ہے لیکن اس کے نام پر آج بھی جرائم ہوتے ہیں۔“ اول خان بولا۔

”پھر وہ آزاد کیسے ہے۔ معزز کیوں کہلاتا ہے؟“ ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

”جب تک رنگے ہاتھوں نہ پکڑا جائے‘ ہر مجرم معزز بنا رہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے نام سے دوسرے لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

”یہ بات اس کو عدالت میں ثابت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔“

”ہمارا قانون مختلف ہے۔ ہمیں اس کے خلاف جرائم ثابت کرنے ہوں گے اور ہم ثبوت سے محروم ہیں۔“

”پھر یہ کون سی اہم پیش رفت ہوئی؟“ ویرا منہ بنا کر بولی۔

”کم از کم ایک نیا نام ہمارے سامنے آیا ہے جو مشکوک بھی ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”مشکوک ہونے سے کیا ہوتا ہے جب اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔“ ویرا نے پوچھا۔

”ہم لوگوں نے کئی مرتبہ موہوم شبہات کی بنیاد پر کام کر کے بڑی کامیابی حاصل کی ہیں۔ سوبھراج کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“ سلطان شاہ بولا۔

”تو کیا اب ہم سب کچھ بھول کر سوبھراج کے پیچھے لگ جائیں گے؟“ ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

”اس وقت تم کسی بات سے چڑی ہوئی ہو یا پھر تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔ تم بہک رہی ہو۔“ میں نے کہا۔

”میں نہیں بہک رہی۔ تمہاری کوئی بات واضح نہیں ہے۔“

”اس وقت ہمیں صرف بلیک کیٹس کی تلاش ہے۔ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سوال پر سوبھراج بہتر انداز میں روشنی ڈال سکے۔“

ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ”اب تم لائن پر آئے ہو۔ بلیک کیٹس موقع پاتے ہی ہم پر وار کریں گے۔ بلکہ ان کا زیادہ زور تم پر ہے۔“

”مجھے اس کا احساس ہے۔“ ویرا کو جواب دے کر میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”کیوں نہ میں ٹام یا نک سے بات کرلوں۔“

”کل رات ٹام سے بات کر کے کیا ملا تھا جو اب مل جائے گا۔“ اس نے پوچھا۔

”پچھلی رات وہ ڈینی سے بات کر رہا تھا اس لیے بھڑکا ہوا تھا۔ بن کے غیر متوقع انجام نے بھی اس کے اعصاب کو متاثر کیا تھا۔ اس وقت میں کرنل داور بن کر اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ”انہیں سرکاری صفوں میں اس وقت اپنے کسی ہمدرد کی شدید ضرورت ہے۔“

”کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔

”تم کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟“ میں نے جان بوجھ کر ویرا سے پوچھا۔

مجھے ویرا کی طرف سے کسی ترش جواب کی توقع تھی لیکن اس نے رسانیت سے کہا ”کچھ نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ بن ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد وہ مشکل ہی سے کسی پر بھروسا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہے ہوں گے۔“

وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔ پچھلی رات بن کے مخصوص اپریٹس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ بن میرا یعنی ڈینی کا قیدی تھا مگر اس نے میری بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کھل کر کہہ دیا تھا کہ مجھے پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں نے

پالا ہوا تھا۔ ٹیپ کا وہ بند اکثر امریکی دہراتے رہتے تھے۔

ہماری تحویل میں دو سی ایس ڈیز آچکی تھیں۔ ایک ہمارے گھر میں نصب تھی دوسری اول خان کے دفتر میں کام کر رہی تھی۔ غزالہ نے کمرے میں موجود سی ایس ڈی آن ہونے کی تصدیق کی اور میں نے اسپیکر فون پر نک کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

میرے لیے وہ دونوں ہی میرے خون کے پیاسے تھے اور پہلی فرصت میں مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتے تھے مگر پھر بھی میں ایف بی آئی کے نک ہاروے سے بات کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ ٹام کے مقابلے میں خوش مزاج اور معاملہ فہم واقع ہوا تھا۔

وہ دفتری اوقات تھے اور اصولی طور پر انہیں اپنے دفتر ہی میں ہونا چاہیے تھا مگر میں نے یہ سوچ کر ان کا رہائشی نمبر ملایا تھا کہ وہ دونوں بن کی موت کے صدمے میں اپنے گھر پر ہی ہوں گے۔ فون کی پہلی گھنٹی پر میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔

ریسیور میں نک کی مہذب ہیلو سنائی دی تھی۔ میں نے بدلی ہوئی مخصوص آواز میں کہا ”نک میں کرنل بول رہا ہوں۔“

”کرنل! آج میرے لیے اداسیوں کا دن ہے مگر تمہاری آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔“

”کیوں؟“ میں نے حیرت ظاہر کی ”تم اداس کیوں ہو؟“

”تم یقین کرو کہ بن ڈیوڈ سے مجھے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی نہ میں اسے پاکستان لایا تھا مگر وہ امریکی تھا۔ اس کی بے رحمانہ موت سے مجھے صدمہ ہوا ہے۔“

”امریکی سے زیادہ وہ ایک انسان تھا۔ ایک انسان کی موت پر دوسروں کو دکھ ہوا ہی کرتا ہے۔“ میں نے اس سے زیادہ لفاظی اور فراخ دلی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

”اس وقت تم منافقت سے کام لے رہے ہو۔ تم لوگ پوری قوت سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری کوششیں رنگ لائیں اور وہ مارا گیا۔“

”وہ مارا نہیں گیا۔ سارے شواہد اس کی خودکشی کے ہیں۔ اس کو پکڑنے میں ہمارا ہاتھ نہیں تھا۔“ میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔

”قتل ہو یا خودکشی۔ یہ بات بعد میں صاف ہو گی۔ اس لمحے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم نے مجھے دفتر کے بجائے گھر کیوں فون کیا ہے؟“

گھر جیسا

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچ کر ایک صاحب نے پوچھا ”آپ کا ہوٹل کیسا ہے؟“

”بہترین .... جناب!“ استقبالیہ کلرک نے فخر سے کہا ”آپ یہاں قیام کریں گے تو بالکل یہی محسوس کریں گے جیسے اپنے گھر میں ہیں۔“

”میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے ہوٹل پر....“ مہمان نے کہا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر رخصت ہو گیا۔

”میں کسی کے الفاظ پر نہیں جاتا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے ہم وطن کے لیے تمہارے دل میں نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کی موت کے غم میں تم گھر پر ہو گے۔“

”مجھ پر طنز مت کرو۔ یہی وقت تم پر بھی آسکتا ہے۔ ڈینی کب تک چھپتا رہے گا۔ اس کی موت پر تم میں سے کسی کو خوشی نہیں ہو گی۔“

مجھے اندازہ تھا کہ وہ بن کے قتل کے سلسلے میں میرا نام نہیں لے گا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا ”ڈینی لوگوں کو فون کر کے دعوے کر رہا ہے کہ بن کو اس نے گھیر کر بے بس کیا تھا۔“

”اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اس کی یہ شیخیاں بہت جلد اسے لے ڈوبیں گی۔“ وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ”اب اس کا انجام قریب آگیا ہے۔“

اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے رات کو ٹام سے بات کی تھی۔ شاید وہ اس اعتراف میں اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس بارے میں مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر جواب دیا ”اگر یہ بات درست ہے کہ اس نے بن کو گھیرا یا مارا ہے تو اب اسے لگام لگانے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہو رہا ہے۔“

”یہ تمہارے دل کی آواز نہیں ہو سکتی۔ تم مجھے فریب دے رہے ہو۔“ نک کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

”نک! یہ فریب نہیں۔ سیدھی سی عام فہم بات ہے۔

ایک فرد کی وجہ سے دو ریاستوں کے تعلقات کو نہیں بگاڑا جا سکتا۔ اسی بنیاد پر ہم تم سے بن کے بارے میں الجھ رہے تھے۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں۔ ریاستیں صدیوں قائم رہتی ہیں۔ ان کے مراسم میں بگاڑ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو مجھے حیرت ہے کہ میں تمہارا مدعا کیوں نہیں سمجھ سکا۔ ہم کو ڈینی اور بن کے تبادلے پر کوئی سمجھوتا کرلینا چاہیے تھا۔"

"یہ تجویز تمہاری طرف سے آسکتی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ بن کو مفت میں گنوا دینے کے بعد اس احمق کو تبادلے کی تجویز سوجھ رہی تھی جو اس کے ذہن میں چھپے ہوئے خوف اور احساس شکست کی عکاسی کررہی تھی۔

"تم اسے لگام دینے کی ضرورت کیوں محسوس کررہے ہو۔" وہ دوبارہ میری کہی ہوئی بات پر لوٹ آیا۔

"آج اس نے بن پر ہاتھ ڈالا ہے۔ کل وہ تمہارے اور ٹام کے پیچھے لگ سکتا ہے۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی "اسے روکنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"میں نے بھی کئی بار اس بارے میں سوچا ہے۔ ماضی میں ہمارے کئی آدمی اس کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"کچھ ان کی اپنی غلطیاں بھی رہی تھیں۔ سب کچھ ڈینی کے سر پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ ماضی میں الجھنے سے بہت یہ ہوگا کہ ہم آنے والے مستقبل کی بات کریں۔"

"برا نہ مانو تو میں کھل کر ایک سوال کرلوں۔" نک کی آواز میں جھجک تھی۔

"اس وقت میں تم سے کھلے دل سے بات کررہا ہوں۔ جو چاہو، پوچھ سکتے ہو۔" میں نے جان بوجھ کر اس کی رسی دراز کر دی۔

"یہ باتیں تم اپنی ذاتی حیثیت میں کررہے ہو یا ڈینی کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں کچھ تبدیلی آئی ہے؟"

"تم سے باتیں کرتے ہوئے ابھی ابھی یہ خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس ذاتی نظریے کو میری فورس میں پذیرائی ملے گی۔"

"میری مانو تو اپنے اس نظریے کو اپنی ذات تک محدود رکھو۔ اس کی تشہیر نہ کرو۔ بھیڑ میں ہر خیال اور نظریہ گم ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا "میرے دل کی بات دل ہی میں رہ جائے گی۔"

"یہ برباد ہونے سے بچ جائے گی۔ ٹھنڈے دل سے میری پیشکش پر غور کرو۔ وہ اب بھی برقرار ہے۔"

"یعنی ایس ٹی ایف چھوڑ کر ایف بی آئی میں شمولیت اختیار کرلوں؟"

"ایف بی آئی یا سی آئی اے۔ تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کی آزادی ہوگی؟"

"نہیں نک! میں اپنی زمین سے سارے رابطے نہیں توڑ سکتا۔ میری فطرت کچھ اور ہے۔ میرے لیے تمہاری تجویز پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"تم بہت ضدی آدمی ہو۔" اس کی آواز کے ساتھ ایک گہرے سانس کی آواز آئی جیسے وہ کسی اعصابی دباؤ میں مبتلا رہا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ ممکن نہیں تو پھر ایس ٹی ایف میں اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ہمارے ساتھ کام کرنے کے بارے میں سوچو۔"

بات اسی نکتے پر آگئی تھی۔ انہیں سرکاری صفوں میں اپنے کسی ہمدرد کی تلاش تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ میرے خلاف میری ہی مدد کا طلب گار تھا۔ اس وقت تک اس نے بلیک کیٹس یا کسی اور فریق کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی تھی۔ لیکن میں نے بہت سرعت کے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اگر مجھے ان کے پیٹ میں گھس کر کام کرنے کا موقع مل رہا تھا تو مجھے اپنے مفاد کی خاطر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

ایک امکان یہ تھا کہ شاید بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا تھا۔ کرنل داور کی حیثیت سے میرا اس گھر میں رہنا سہنا ناقابلِ تلافی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتا تھا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ نقصان دہ بات یہ تھی کہ چائے کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی اس گھر میں مجھے اور روبیرا کو یکجا دیکھ چکی تھی۔ میں نے عارضی طور پر اسے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ان لوگوں کے نیٹ ورک میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے ابتدا سے یقین تھا کہ اس کی عارضی خدمات بھاری معاوضے پر حاصل کی گئی ہوں گی اور ناکام سروے کے بعد اس سے قطع تعلق کرلیا گیا ہوگا۔

اگر میرے خدوخال اس لڑکی کے ذہن میں محفوظ رہ گئے تھے تب بھی یہ خدشہ نہیں تھا کہ وہ دوبارہ میرے دشمنوں سے ملنے میں کامیاب ہو سکے گی۔

کسی بھی شناخت کے خطرے سے بچ کر کرنل داور کا بہروپ نبھانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں گھر کو خیرباد کہہ کر اسٹیشن فور منتقل ہو جاؤں۔ ہر طرف سے میدان صاف

ہونے کے بعد میں اپنی سہولت کے مطابق دوبارہ اپنے معمول کی طرف لوٹ سکتا تھا۔

"کیا یہ ایس ٹی ایف سے غداری نہیں ہوگی؟" میں نے دانستہ کچھ وقفہ دے کر سوال کیا۔

"غداری کی کوئی آفاقی حقیقت نہیں ہوتی۔ میری نظروں میں اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنا غداری کے زمرے میں آتا ہے۔ خدا خدا کرکے تم اب ڈینی کی بے راہ روی سے تنگ آئے ہو تو ان باتوں کو چھوڑ دو اور اپنے ضمیر کے مطابق کام کرو۔ ہمارے ہاتھ مضبوط کرو۔ باقی کام ہم خود پورا کرلیں گے۔"

"تم ڈینی کو مار کر اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ یہ میری خواہش نہیں ہے۔" میری کمزور آواز میں خود بہ خود تھوڑی سی لچک آگئی۔

"میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرتا مگر ہم اسے زندہ پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ تم یقین کرو کہ اس پر امریکا کی کسی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزایاب کرانا میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ وہ اپنی عمر کا باقی حصہ کسی امریکی جیل میں گزار دے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا انحصار خود اس کے رویے پر ہو گا۔ اس نے ضرورت سے زیادہ بے جگری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو بے موت مارا جائے گا۔ یہ بات تم بھی سمجھتے ہو۔ تم خود پیشہ ور لڑاکا رہے ہو۔"

"دیکھو! میں اس بارے میں سوچوں گا۔" میں نے پُر تشویش آواز میں کہا۔

"تم نے سوچنے میں بہت وقت برباد کردیا۔ اب دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کر ڈالو۔ ڈینی کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ وہ ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے۔" اس نے اپنا دباؤ بڑھا دیا۔

میں نے باری باری اول خان اور ویرا کی طرف دیکھا۔ دونوں کے سر زور زور سے اثبات میں ہلنے لگے۔ بن کو مار کر ہم جس بند گلی میں پہنچ گئے تھے۔ اس سے نکلنے کی ایک راہ بنتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے چین نظر آ رہے تھے۔

"دیکھو نک۔ میں ایس ٹی ایف کے پورے لشکر کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوں۔ تم کُل دو آدمی ہو۔ ڈینی کو پکڑنے کے لیے تمہارے پاس کوئی نیٹ ورک نہیں ہے۔" میں نے مزاحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے ساتھ مل کر میں اپنی مٹی بھی پلید کرالوں گا۔"

"ایک بار تم رضامندی ظاہر کردو۔ تم کو نیٹ ورک بھی مل جائے گا۔" اس کی آواز سے بے تابی جھلکنے لگی۔

"تم کو معلوم ہے ڈینی غیر ملکی ایجنٹوں سے زیادہ، غدار پاکستانیوں کا دشمن ہے۔ وہ مجھے اسی صف میں تصور کرے گا۔ کہیں تم سے پہلے میری باری نہ آجائے۔"

"تم پس پشت رہ کر کمان کرو گے۔ کام کرنے والے دوسرے لوگ ہوں گے۔" میرا تذبذب بھانپ کر وہ اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرنے لگا۔ "تم بدستور ایس ٹی ایف کے افسر رہو گے۔ ہم تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ تم اپنی سہولت کے مطابق، جب چاہو گے، مجھ سے بات کرسکو گے۔ میں تمہیں ایک سٹیلائٹ فون کا نمبر دے دوں گا۔ وہ کام کا آدمی ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوگا۔"

"مجھے وقت درکار ہے..... میرا دل ڈر رہا ہے۔" میں نے اپنی مزاحمت جاری رکھی۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ تم اپنی سلامتی کی طرف سے متفکر ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ بڑے فیصلوں کا موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتا۔ یہ فیصلہ کرکے تم اپنی توقع سے کہیں زیادہ حاصل کرلو گے۔"

"مجھے اپنے نیٹ ورک کے بارے میں بتاؤ۔ یہ ڈینی کو پکڑنے میں اب تک ناکام کیوں ہے؟" میں نے اس سے چبھتی ہوئی بات پوچھ لی۔

"میں اپنے رسک پر پہلے ہی تمہیں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ اس سے آگے زبان نہیں کھول سکتا۔ ہمارے نیٹ ورک کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تصویر ہے نہ آواز نہ فنگر پرنٹس۔ وہ سامنے آیا بھی ہو گا تو پہچانا نہیں گیا۔ اس کے بارے میں ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملتی۔"

"اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم اس کی شناخت اور خبروں کے حصول کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو۔"

وہ اس وقت بہت محتاط اور پُرجوش تھا۔ میری زبان سے استعمال کرنے کا تذکرہ سنتے ہی ہیجان زدہ آواز میں بولا "یہ تمہارے تحفظ کے لیے میری تجویز ہے۔ تم خود اس کو گھیر کر پکڑنا چاہو تو تمہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ہم میں سے کوئی تمہاری راہ نہیں روکے گا۔"

"سٹیلائٹ فون والا کام کا آدمی کون ہے؟" میں نے پھر ایک ٹیڑھا سوال کردیا۔

"مقامی ہے اور ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ بتانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

"تم نے میرے انکار کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اب بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ونڈر فُل!" اس کی بے ساختہ آواز آئی "کرنل تم گریٹ ہو۔"

"یہ فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ کون کیا ہے۔ بہرحال اب میں محدود انداز میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ ورجینیا اور واشنگٹن میں ایس ٹی ایف کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ارکان مر سکتے ہیں، ٹوٹ نہیں سکتے۔ تم نے اپنے ضمیر کی آواز پر چل کر ان سب کے لیے ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ یہ نئی رفاقت تم کو مبارک ہو۔"

"یہ اندازہ مجھے بھی ہے کہ میں نے ایس ٹی ایف کی روایات سے بغاوت کی ہے۔"

"میں نے پہلی ملاقات میں ہی تمہارے بارے میں اچھی رائے قائم کی تھی جو اس وقت درست ثابت ہو رہی ہے۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ اب کام کی ابتدا کب اور کیسے ہو گی؟" میں نے کہا۔

"آج شام سات بجے ہوٹل پہنچ جاؤ۔" اس نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا نام لے کر کہا "وہاں کا منیجر میرا آدمی ہے۔ وہ تمہیں کوبرا سے ملائے گا۔"

"یہ کوبرا کون ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔

"یہ وہی سٹیلائٹ فون والا مقامی ہے۔ حفاظتی وجوہ کی بنا پر وہ نقاب پہنتا ہے....."

"تو کیا میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکوں گا؟" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ وہ بہت عزت دار آدمی ہے۔ کسی کے سامنے نہیں آ سکتا۔" نک کی آواز میں التجا تھی۔

"میں بھی عزت دار ہوں۔ وہاں دونوں ایک حمام میں ننگے ہوں گے پھر پردہ کیسا۔ میں کسی نقاب پوش سے نہیں ملوں گا۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ اس کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے یہیں جینا مرنا ہے۔ اپنی عزت اور ساکھ کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" ہوٹل کا نام اور نک کے گرگے کا عہدہ کا معلوم ہو جانے کے بعد میں اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ وہ نک کے لیے بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔

"نہیں نک۔ میرے لیے نقاب پوش سے ملنا باعث ہتک ہے۔ وہ تم سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ جب تم میرے سامنے آ سکتے ہو تو اسے کیا عذر ہے!"

"مجھے سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ وہ عام مقامی شہری ہے۔ تم جان بوجھ کر کیوں انجان بن رہے ہو۔" نک کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

اول خان میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ زور زور سے ہاتھ لہرا کر مجھے اپنے بدلے ہوئے رویے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ویرا کے چہرے سے بھی ناگواری کے اثرات مترشح تھے۔ کچھ دیر پہلے تک میرا یہی خیال تھا کہ میں نک کا اعتماد حاصل کر کے ایک بڑی کامیابی کے قریب پہنچنے والا تھا لیکن نقاب پوش کوبرا کا ذکر سنتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔

"سفارتی تحفظ سے کچھ نہیں بنتا، نہ بگڑتا ہے۔ یہ سراسر اعتماد کا معاملہ ہے۔ جو شخص اپنی شناخت کے معاملے میں مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، میں اس کے سامنے خود کو کیسے بے نقاب کر سکتا ہوں۔ وہ کسی وقت بھی غائب ہو کر مجھے بے موت مروا دے گا اور میں صرف کوبرا، کوبرا کرتا رہ جاؤں گا۔"

"تم پر کوئی برا وقت آیا تو تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" اس نے یقین دلایا۔

"مجھے بے اختیار ٹام کے الفاظ یاد آ گئے۔ اس نے بن کی زبان سے اس کے عبرت ناک اور متوقع انجام کے بارے میں سن کر روکھے لہجے میں اس کی عظمت کو سات سلام کرتے ہوئے گڈ لک کہا تھا اور لائن سے غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ان بدترین لمحات میں گڈ لک کے اظہار پر بن کا شکوہ سننے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

میں نے ٹام کے وہ الفاظ ڈینی بن کر سنے تھے۔ میں کرنل داور کے روپ میں نک کے سامنے وہ سب نہیں دہرا سکتا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں تک میرا ساتھ دو گے۔ دلدل آتے ہی مجھے دھنستا ہوا چھوڑ کر، اپنی سفارتی مراعات کی آڑ میں کنارہ کشی اختیار کر لو گے۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم مجھے کسی نقاب پوش کوبرا کے حوالے کر دو گے تو میں ہرگز تمہارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتا۔ اب مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے تم اسے اقرار کر کے اپنا بھرم کیوں کھو دیا۔"

"میری نگاہوں میں اب بھی تمہارا وہی بھرم ہے۔ تم اس سے ملاقات بعد میں کر لینا۔ تم کل تک سوچ سکتے ہو۔"

وہ اپنی بگڑی ہوئی بازی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں ایک نقاب پوش سے ہرگز نہیں ملوں گا۔ تم چاہو تو مجھے اس کے سٹلائٹ فون کا نمبر دے سکتے ہو۔ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔ میں اس سے بات کرلوں گا۔"
"کرنل! تم بہت چالاک ہو یا پھر حد سے زیادہ جذباتی ہو۔ میں تمہیں فون نمبر دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ وہ میری زبان سے نکل گیا اور پھر تم کسی بات پر اڑ گئے تو میں کیا کروں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے ساتھ سمجھوتا کرنے کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو۔"
"میں چالاکی دکھانا چاہتا تو تم سے پوری بات اگلوانے کے بعد آنکھیں دکھاتا۔ مجھے صرف کوبرا کے نقاب پر اعتراض ہے۔ تم اس کا نقاب اتروا دو۔ میں اس سے مل لوں گا۔" میں نے اصرار کیا۔
اچانک اسپیکر فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ گونجا پھر اس کی آواز آئی۔ "میں تمہاری نیت پرکھنا چاہ رہا تھا۔ جواب کھل کر میرے سامنے آگئی۔ کوبرا کسی کا نام ہے اور نہ میں کسی نقاب پوش کو جانتا ہوں۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔
اس کی کھوکھلی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یکایک بات بگڑنے سے وہ بوکھلا گیا تھا اور جھوٹ بول کر کوبرا نامی پراسرار نقاب پوش کے تذکرے کو دھندلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اول خان مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھکا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔
"اس وقت میں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ تم ہمیشہ میرے حریف رہو گے۔ کبھی حلیف نہیں بن سکو گے۔"
"اپنی توہین اور تذلیل کے مقابلے میں، مجھے اس پر ذرا بھی ملال نہیں ہے۔" میں نے بے پرواہی سے کہا "اب تم یہ نہ کہہ بیٹھنا کہ ہوٹل کا منیجر تمہارا آدمی نہیں ہے۔ تم نقاب پوش کے ذکر سے انکار کر سکتے ہو کیونکہ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ منیجر کے بارے میں تمہاری یہ قلابازی نہیں چل سکے گی۔"
"ہوں۔" اس کی زخم خوردہ سی غراہٹ سنائی دی "تمہارے جتانے سے پہلے مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میری کمان سے ایک غیر ضروری تیر نکل چکا ہے۔ قسمت آزمالینا۔ نتیجہ سامنے آجائے گا۔"
اسپیکر فون پر آنے والی کلک کی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا کہ نک نے جھلا کر ریسیور رکھ دیا تھا۔
"یہ برا ہوا۔ بہت برا ہوا۔" میں نے فون کا بٹن آف کرتے ہوئے تیزی سے کہا "جلدی سے ہوٹل کے منیجر کا نمبر تلاش کرو۔"
میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بوکھلا کر ٹیلی فون ڈائریکٹری کے لیے دوڑ گئی۔ غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"کیا بات ہے؟ تم یکایک اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟" اول خان نے پر تشویش لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
"ان کی پریشانی درست ہے۔" غزالہ کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔ اس نے کہا "اب ہوٹل کے منیجر کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ اسے مار ڈالیں گے۔"
"تو کیا اسے خطرے سے آگاہ کرنے جا رہے ہو؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔
"نک کو غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ بہت تیزی سے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
پھر بھی ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" اول خان نے سرعت سے ریسیور اٹھا لیا "نک کے کسی آدمی کے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے کیوں نہ اٹھوا لیا جائے۔"
وہ بھی ایک متبادل راہ تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ ہمارے پاس اس پر عمل کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔
ہمیں ہوٹل کے منیجر کے نام کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میں اسے کتنی ہی دردمندی سے خطرے سے آگاہ کرتا، وہ ایک اجنبی کی وارننگ پر لامحالہ آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خطرے کی توثیق کے لیے فوری طور پر ہوٹل سے فرار اور پھر روپوشی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے نک یا کوبرا سے رجوع کرتا وہ دونوں اسے کوئی غلط مشورہ دے کر اپنے چنگل میں پھانس لیتے۔ ایسی صورت میں دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کے بے رحم ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے فون پر خطرے سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ شاید وہ کسی تصدیق کے بغیر فرار کی فوری راہ اختیار کر ہی لیتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ سکتے تھے۔
وہ نک اور کوبرا کے رابطے اور اعتماد کا آدمی تھا۔ وہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو ان لوگوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ نک کو شاید کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچتا مگر ہم کوبرا کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر کے اس کے سحر کو تہس نہس کر سکتے تھے۔

وہ دونوں طرف سے جان کی بازی لگا دینے کا معاملہ تھا۔
ویرا کو موٹی ڈائریکٹریوں میں ہوٹل کا نمبر تلاش کرنے میں ذرا سی تاخیر ہوئی۔ اس دوران میں اول خان نے اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو ہدایت دے دی کہ اسٹیشن سے باہر موجود ہر یونٹ کے لیے وائرلیس پر پیغام نشر کر کے، ہوٹل سے قریب ترین موجود فرد یا پارٹی کو فوری طور پر ہوٹل پہنچنے اور پھر وہاں سے ہر قیمت پر منیجر کو اٹھا لانے کا حکم دے دیا جائے۔ اس نے اپنے ریڈیو آفیسر سے بہت مختصر اور کام کی بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔

ویرا ہوٹل کے متعدد فون نمبروں والا صفحہ کھول کر لائی تو میں نے تیزی سے ایک نمبر ملا لیا۔ اس صفحے پر ہوٹل منیجر کا ڈائرکٹ نمبر نہیں تھا لیکن اس کا نام ارجن کمار درج تھا۔

اس کا نام پڑھ کر میرے دل میں ایک چنگاری سی سلگ اٹھی۔ اس کے نام سے اس کے مذہب کا اظہار ہوتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ پاکستان میں رہنے، بسنے اور پیدا ہونے والے بعض تعلیم یافتہ ہندو اپنے وطن سے مخلص کیوں نہیں تھے۔

وجے، تریاٹھی، راجو اور سیٹھی کی سازشیں میرے لیے قابل فہم تھیں۔ وہ بھارتی شہری تھے اور وہاں سے دہشت گردی کا مشن لے کر پاکستان آئے تھے۔ ہماری سرزمین پر وہ جو کچھ کر رہے تھے، وہ ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا لیکن پاکستان سے بغاوت کر کے، دشمنوں سے گٹھ جوڑ کرنے کا، چوپڑا اور ارجن کمار کا رویہ میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔

آپریٹر کے سوال کے جواب میں، میں نے اپنا نام کرنل شاہ بتا کر ارجن کمار سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اپنے مفروضہ نام کے ساتھ کرنل کا سابقہ لگا کر میں نے آپریٹر کے لیے اہمیت کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس پر میرے نام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے کوئی غیر ضروری سوال کیے بغیر، چند ثانیوں میں لائن ملا دی اور کلک کی آواز سے لائن کٹ گئی۔

میں نے جھلا کر غصے سے فون پر ہاتھ مارا۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ لائن کیوں کٹ گئی تھی۔

"ٹھہرو! میں سی ایس ڈی آف کرتا ہوں۔" سلطان شاہ یہ کہتا ہوا ہمارے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

میں مایوسانہ انداز میں کریڈل دبا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ سلطان شاہ نے فون کٹنے کے سبب کا بروقت اندازہ لگا کر خاصا وقت بچا لیا تھا۔ شاید اس نے اندر ابھرنے والی سی ایس ڈی کے بزر کی ہلکی سی آواز سن لی تھی۔

"آف کر دیا۔" سلطان شاہ نے کمرے سے ہی ہانک لگائی، اور میں نے دوبارہ وہی نمبر ملا لیا۔

"اوہ سر! شاید لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔" میرا نام سنتے ہی آپریٹر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور دوبارہ لائن ملا دی۔

"یس کرنل صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" سلسلہ ملتے ہی میرے کانوں میں ایک توانا اور شگفتہ آواز آئی۔

"اپنی جان کی فکر کرو۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر عجلت میں کہا "اس وقت نک اور کوبرا یکایک تمہارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔"

صحیح صورت حال کے اظہار کے لیے وہ مختصر ترین الفاظ ہو سکتے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ میری بات سمجھ لے گا۔

"آپ کو یہ بات کیسے پتا چلی؟" منیجر کی طرف سے سوال کیا گیا۔ میری وارننگ کے نتیجے میں اس کی آواز سے ساری شگفتگی رخصت ہو گئی تھی۔

"احمق آدمی! ان سوالوں کو چھوڑو اور دفتر کے پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ جاؤ۔ تمہیں مارنے والے کسی بھی لمحے تم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

لمحے بھر کے لیے لائن پر گہری خاموشی رہی پھر یکایک فون بند ہو گیا۔

میں نے نک اور کوبرا کے نام ایک ساتھ استعمال کر ڈالے تھے۔ اگر وہ ان میں سے ایک سے بھی واقف تھا تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میرا فون بے بنیاد نہیں تھا۔ اس نے میری پوری بات سننے کے بعد جس طرح کچھ کہے سنے بغیر فون بند کیا تھا اس سے مجھے امید ہوئی تھی کہ اس نے میری بات پر اعتبار کر لیا ہو گا۔

"ہم دونوں نے اپنا اپنا کام کر لیا۔" اول خان مجھ سے مخاطب تھا۔ "اب بتاؤ کہ نک سے بات کرتے کرتے تم اچانک کیوں بھڑک گئے تھے۔"

"نقاب کے پیچھے را کا کوئی ایجنٹ یا بلیک کیٹ بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ خطرہ تو نقاب کے بغیر بھی تھا۔ نک کی معرفت تم سے ملنے والا کوئی دوست نہیں ہو سکتا تھا۔" اول خان نے دلیل دی۔

"وہ طریقہ کار بہت خطرناک تھا۔ اس میں میرے بچنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے۔"

''پھر تم نے نک سے کسی سمجھوتے پر آمادگی کیوں ظاہر کی تھی؟'' اول خان نے حیرت سے پوچھا۔
''میں نے نک اور ٹام کے ساتھ مل بیٹھنے کی امید میں وہ ساری بات آگے بڑھائی تھی۔ جوں ہی اس نے منیجر کے ذریعے کوبرا سے ملنے کی بات کی، میرا ماتھا ٹھنک گیا۔''
''اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ تم کوبرا سے ملنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نقاب والی بات کو تم نے بہانے کے طور پر استعمال کیا۔'' ویرا نے سرہلا کر کہا۔
''اس وقت میں آنکھیں بند کرکے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' میں نے اس کے اندازے کی تائید کی۔
ان میں سے کسی نے میری اس احتیاط کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خود کو ناگہانی خطرات سے بچانا میرا فطری حق تھا۔ اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا تھا۔
میں را یا اس کے کارندوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا لیکن جب سے بلیک کیٹس کا ذکر چلا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہوگیا تھا کہ سرکاری طور پر میری شناخت کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود را یا اس کے کسی شعبے میں ایسے لوگ پیدا ہوچکے تھے جو مجھے پہچان سکتے تھے۔ میرا ان کے سامنے جانا کسی صورت میں خودکشی سے کم نہ ہوتا۔ نقاب پوش کوبرا یا کسی بغیر نقاب..... والے شخص سے اچانک سامنا کرنے میں ایسی خطرناک صورتِ حال رونما ہونے کے قوی امکانات موجود تھے۔
میرا وہ خیال بے بنیاد نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ مظہر خان بن کر دہلی میں کافی وقت گزارا تھا۔ اس روپ میں را کے بہت سے افسروں اور اہل کاروں نے مجھے قریب سے دیکھا تھا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ جب تک ہم دہلی میں مقیم تھے، ہر شخص مجھے مظہر خان سمجھتا رہا تھا لیکن دہلی سے ہماری واپسی کے بعد بھارتی حکام پر یہ عقدہ کھلا تھا کہ مظہر خان کی شخصیت ڈینی کا دوسرا روپ ہوسکتی تھی۔
مظہر خان کے بارے میں بھارتیوں نے کافی شدت سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا۔ اس بارے میں پاکستان سے مظہر خان اور ڈینی کی حوالگی کے پرزور مطالبات بھی کیے گئے تھے جو تکنیکی بنیادوں پر زیادہ موثر ثابت نہیں ہوسکے اس مرحلہ پر امریکیوں نے لیری ہف کے ذریعے اس معاملے کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ وہ بھی بوجوہ ناکام ہوگئی۔
وہ پس منظر بہت پرانا نہیں تھا۔ دہلی والوں کے زخم تازہ تھے۔ وہ مظہر خان اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ قرار دے چکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ پاکستان میں میرا سراغ لگانے کے لیے ایسے آدمیوں کو بھیجتے جو مظہر خان کو پہلی نظر میں پہچان لیتے۔ مظہر خان ان کے سامنے آتا اور وہ اسی لمحے ڈینی کا شکار کرلیتے۔
اس بارے میں میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ازخود کسی کو اپنے اس اندیشے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا لیکن نک سے معاملات طے کرتے ہوئے جوں ہی کسی اجنبی سے روبہ رو ملاقات ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا نظر آیا، میرے ذہن میں وہ سارے ہولناک اندیشے یک بہ یک جاگ اٹھے تھے۔
بھارت والوں کے پاس میری یعنی ڈینی کی آمدورفت کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا لیکن میں مظہر خان بن کر بھارت میں باضابطہ داخل ہوا تھا۔ بھارت سے مظہر خان کی واپسی کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پاکستان نے اسی بنیاد پر بھارت کا مطالبہ مسترد کرکے اپنے مظہر نامی شہری کی واپسی کا مطالبہ 'درجواب آں غزل کے طور پر ریکارڈ کیا ہوا تھا۔
اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ دہلی جاکر میں نے متعدد بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں جن کی بازگشت گاہے گاہے سنائی دیتی تھیں لیکن سب سے بڑا خسارہ یہ ہوا تھا کہ مجھے دیکھ کر پہچان لینے والے دشمنوں کی ایک تعداد وجود میں آچکی تھی۔
''پھر اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ ارجن کمار سے تم کیا کام لینا چاہ رہے ہو؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اول خان نے پوچھا۔
''وہ ہمارے حریفوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا تو اس کا قصہ پاک ہوجائے گا۔ غدار کا بہترین انجام یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جائے۔'' ویرا نے میری طرف سے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا ''وہ زندہ رہا تو ہمارے بہت کام آسکتا ہے۔''
''اس کے ذریعے ہم شاید کوبرا تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔'' غزالہ نے امید ظاہر کی۔
''مجھے اس کا امکان نظر نہیں آتا۔'' میں نے مایوسی سے جواب دیا۔'' ہوسکتا ہے کہ ارجن کمار نے بھی اسے کبھی نقاب کے بغیر نہ دیکھا ہو۔''
''مجھے اپنا پرانا زمانہ یاد آرہا ہے جب میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی۔'' ویرا نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''وقت کے بے رحم ہاتھوں نے سب کچھ برباد کردیا۔''

"سر سے پیر تک چست اور کالے لباس کو خیرباد کہنے کے بعد بھی تم کوئین ہی نظر آتی ہو۔ فرق یہ ہوا ہے کہ اب بلیک کے بجائے وائٹ ہو گئی ہو۔" سلطان شاہ بولا۔

"ہم بھٹک رہے ہیں۔" اول خان نے دوبارہ زبان کھولی "ہمیں طے کر لینا چاہیے کہ ہم ارجن سے کیا توقع کر رہے ہیں۔"

"جس طرح چوپڑا ہمارے کام آ رہا ہے۔ وہ بھی ہمارے کام آتا رہے گا۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ کیا کچھ جانتا ہے۔"

"اس کی موت کا امکان پیدا ہونے پر تم یوں بدحواس ہوئے تھے جیسے تم نے اس کا کوئی بڑا استعمال سوچا ہوا ہو۔" ویرا بولی۔

"شاید وہ میرا اضطراری ردِعمل تھا۔ میری اب بھی یہی خواہش ہے کہ وہ زندہ ہمارے ہاتھ آ جائے۔"

ہدایات جاری کرنے کے تقریباً نصف گھنٹے کے بعد اول خان کے موبائل فون پر اس کے کسی آدمی کی کال آ گئی۔ اول خان ستے ہوئے چہرے کے ساتھ، محض ہوں ہاں کر کے اس کی باتیں سنتا رہا پھر اس نے مایوسانہ انداز میں فون بند کر دیا "میرے آدمی بروقت ارجن تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایک پراسرار ملاقاتی نے اسے اس کے دفتر میں کسی بے آواز ہتھیار سے فائر کر کے مار دیا اور خاموشی کے ساتھ ہوٹل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔" اس نے ہمیں تازہ ترین خبر سنا دی۔

"تمہارا آدمی اس وقت کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے واپس نکل چکا ہے۔ وہ مسلح تھا اس لیے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سے پہلے پولیس وہاں پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے ہوٹل سے نکلنے کے تمام راستے سیل کر دیے ہیں وہ اندر جاتا تو غیر ضروری باز پرس میں پھنس سکتا تھا۔" اول خان نے بتایا۔ اس کے چہرے پر رنج و ملال کی کیفیت طاری تھی۔

"نک نے شاید مجھ سے بات ختم کرتے ہی ارجن کو ٹھکانے لگانے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے آدمی نے قابلِ رشک تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "مگر اس پر افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ کون تھا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کیا احمقانہ سوال ہے!" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کا جواب صرف نک دے سکتا ہے...."

"وہ کوئی مقامی تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا "ان اطلاعات میں کچھ فرق بھی ہو سکتا ہے کیونکہ میرے آدمی نے جائے واردات سے دور رہ کر اپنے طور پر باتیں معلوم کی ہیں۔ قتل کی وارداتوں میں ہر طرف اس قدر افراتفری پھیل جاتی ہے کہ دیر تک صحیح صورت حال واضح نہیں ہو پاتی۔"

"اس کھیل میں ابھی تک سوبھراج کا نام کہیں سامنے نہیں آیا۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"فی الحال ارجن کے نام پر اکتفا کرو۔ رفتہ رفتہ دوسرے نام بھی سامنے آ جائیں گے۔" ویرا نے اسے تلقین کی۔

"ارجن کا نام جس سرعت سے سامنے آیا تھا۔ اس سے زیادہ تیزی سے مٹ گیا۔ اب ہم کہاں کھڑے ہیں۔" اول خان نے چند ثانیوں کے بعد پوچھا۔

"وہ نک اور کوبرا یا ان میں سے کسی کے رازوں کا امانت دار تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے بولنا شروع کیا "اسے مار کر ان لوگوں نے ہر راز کو بچا لیا ہے۔ وہ اپنی سرگرمیاں پرانے معمول کے مطابق جاری رکھیں گے۔ ان سے کہیں نہ کہیں چوک ہو گی اور ہم ان کی گردن ناپ لیں گے۔"

"تم اس طرح دعویٰ کر رہے ہو جیسے ان کے پرانے معمولات سے واقف ہو!" ویرا نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ اندازہ تم کو بھی ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ ارجن کے ذریعے ہوٹل کو اپنا گڑھ بنائے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"کیا کوبرا کے سلسلے میں وہ اتنی جلدی کسی اور پر اعتماد کر لیں گے؟ تم نے تو نک سے یہ تک نہیں پوچھا کہ منیجر تمہیں کس کمرے میں کوبرا سے ملوائے گا۔" ویرا بولی۔

"نک پیشہ ور آدمی ہے اس سوال کا جواب ہرگز نہ دیتا۔"

"منیجر کا حوالہ دینے کی غلطی اسی پیشہ ور سے ہوئی تھی!"

"یہ اس کی مجبوری تھی۔ تم یہ نہ بھولو کہ اس نے منیجر کا نام تک نہیں بتایا تھا حالانکہ اس عہدے کے ساتھ نام بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔"

"ابھی تم نے اس ہوٹل کو ان لوگوں کی سرگرمیوں کا گڑھ قرار دیا تھا۔" اول خان نے میری اور ویرا کی بحث میں دخل دے کر پوچھا۔

"بن کے سلسلے میں کرائے کے مکانوں کا چکر بری طرح ناکام ثابت ہوا۔ اگر بھارت سے بلیک کیٹس آئے ہوئے ہیں تو انہیں ایک محفوظ اور مستقل ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ یہ فائیو اسٹار ہوٹل جس کا منیجر ان لوگوں سے ملا ہوا تھا، ان کے لیے بہترین تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوبرا نے بھی مستقل طور پر

اسی ہوٹل کے کسی فلور پر کمرا لیا ہوا ہو۔"
"ممکن ہے کہ بلیک کمیٹس میں سے کسی نے کوبرا کا روپ دھارا ہوا ہو؟" ویرا بڑبڑائی۔
"امکانات کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر سوچ کر اپنا وقت برباد نہ کرو۔" میں نے اسے ترش جواب دے کر اول خان سے کہا "مطلع صاف ہوتے ہی اپنے کم از کم ایک ہوشیار آدمی کو اس ہوٹل میں ٹھہرا دو۔ وہ وہاں چند مشتبہ مہمانوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ وہ بھارتی ہو سکتے ہیں جو مقامی بن کر ہوٹل میں رکے ہوئے ہوں۔"
وہ تدبیر ضروری تھی۔ وہ اسی ہوٹل میں تھے تو ارجن کے قتل کے باوجود' ان کے لیے ہوٹل بدلنا آسان نہیں تھا۔ نئے ہوٹل میں وہ غیر متوقع مسائل اور مشکلات کا شکار ہو سکتے تھے۔ ارجن کے ہوٹل میں انہیں چند روزہ قیام کا تجربہ اور تسلسل حاصل تھا جس سے وہ آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔
"میرا خیال ہے کہ میں نے یہاں کافی وقت گزار لیا۔ میرے دونوں آدمی یہاں ہیں۔ ان سے کوئی شکایت ہوئی تو انہیں تبدیل کر دیا جائے گا۔" اول خان واپسی کے لیے اٹھ گیا۔
اول خان کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے میرے ذہن سے ایک بڑا سا بوجھ ہٹ چکا تھا۔ نک سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے کرنل داور کے روپ کو بھرپور انداز میں نبھانے کے لیے گھر چھوڑ کر اسٹیشن فور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ نک سے بات بگڑ جانے کے بعد اس عارضی ہجرت کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف وہ اور ٹام مجھے کرنل داور کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ان سے میں یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میرے خلاف خود میدان میں اتر آئیں گے۔ ان کے دوسرے ہمدردوں اور ساتھیوں کے لیے کرنل داور ایک نام ہو سکتا تھا' پہچان نہیں بن سکتا تھا۔
طویل مذاکرات نے شاید سب کو تھکا دیا تھا۔ ویرا اور غزالہ اول خان کے دونوں آدمیوں کو بلا کر گھر کے کام کاج سمجھانے میں مصروف ہو گئیں۔ وہ دونوں اپنی صورتوں سے نیک اور شریف نظر آ رہے تھے۔ یہ انتخاب ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ان میں سے کون گھر کے کام کرے گا اور کون رات کی چوکیداری کا کام انجام دے گا۔
میں فرصت سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تو میرے ذہن میں سلطان شاہ کا سوال چبھنے لگا۔ سب کچھ صاف ہونے کے بعد معاملات بہت آگے بڑھ گئے تھے لیکن سوبھراج کا نام

افادیت

''ٹی وی پروڈیوسر تسنیم اسلم اپنے نئے بنگلے میں شفٹ ہونے کے بعد اپنی پڑوسن مسز آغا کو اپنے پالتو کتے کے بارے میں بتا رہی تھیں'' یہ ٹھیک ہے کہ یہ کوئی بہت اعلیٰ نسل اور بہت قیمتی کتا نہیں ہے لیکن کسی گلی کوچے سے پکڑا ہوا لاوارث کتا بھی بہرحال نہیں ہے۔ بہت عقل مند ہے۔ چور ڈاکو گھر کے قریب بھی آ ئیں تو اس کتے کی وجہ سے ہمیں فوراً پتا چل جاتا ہے۔''
''کیا کرتا ہے یہ؟'' مسز آغا نے دلچسپی سے پوچھا ''کیا بھونک بھونک کر گھر سر پر اٹھا لیتا ہے؟''
''نہیں۔ یہ فوراً صوفے کے نیچے گھس جاتا ہے۔'' تسنیم نے بتایا۔

کہیں ابھر کر سامنے نہیں آسکا تھا۔
میں نے کوبرا کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔ نک نے دوستانہ فضا میں باتیں کرنے کے دوران صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ ایک عزت دار' مقامی اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ سوبھراج ان تینوں تعریفوں پر پورا اترتا تھا۔ اس کی عزت اور سماجی رتبے کی گواہی جلال نے دی تھی۔ وہ اسلام آباد سے چیک کیے بغیر سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔
میرا ذہن اس راہ پر چل نکلا۔ میں جتنا سوچ رہا تھا' میرا یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ کوبرا کے پردے میں سوبھراج ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے اس معاملے میں جلال کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

اول خان اپنے کسی آدمی کو کو ارجن والے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانے کا وعدہ کر کے گیا تھا لیکن راستے میں اس کام کی نزاکتوں پر غور کرنے کے بعد اس نے ارادہ بدل دیا۔
اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس معاملے کی کوئی کڑی اس وقت تک گم تھی ورنہ کہانی کے سامنے آنے والے' بکھرے بکھرے کرداروں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ وہ معاملات اتنے الجھے ہوئے تھے کہ کام کی ذمہ داری کسی ماتحت پر ڈالنے کے بجائے اسے خود آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔

ہوٹل کی طرف بھیجا جانے والا کارندہ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کی پارکنگ سے نکل گیا تھا مگر انہی اطراف میں منڈلاتا رہا۔ اس نے اپنی تحویل میں موجود مشتبہ اشیا اور ہتھیار وغیرہ گاڑی میں چھپائے اور گاڑی ہوٹل سے دور پارک کرکے دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔

اس نے ہوٹل کے قرب و جوار میں رہ کر اندر آنے جانے والے پولیس افسروں اور صحافیوں وغیرہ سے جستہ جستہ معلومات حاصل کرکے اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں اول خان کو اس واردات کے بارے میں قدرے تفصیلی رپورٹ فراہم کردی جو حقائق سے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

اسے بتایا گیا کہ ہوٹل کی آپریٹر کے ذریعے ارجن کمار کے لیے کسی کرنل شاہ کی فون کال آئی جو لمحہ بھر میں کٹ گئی۔ نامعلوم کرنل نے دوبارہ فون کرکے ارجن سے مختصر سی گفتگو کی جس کے نتیجے میں ارجن کی حالت غیر ہوگئی اور اس نے اپنے اردلی کو طلب کرکے فریش جوس کے دو گلاس پی ڈالے۔ اردلی کا کہنا تھا کہ اس وقت ارجن کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ دوسرا گلاس خالی کرکے، اس نے اردلی کے جانے سے پہلے اپنے ڈائریکٹ فون پر کسی کا نمبر ملایا تھا۔

اردلی نے واپس آکر اپنی تشویش دور کرنے کے لیے ارجن کے کمرے میں جھانکا تو وہ اپنی کرسی پر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے دروازے پر اردلی کے چہرے کی جھلک دیکھتے ہی، پھٹی پھٹی آواز میں اسے جھاڑ کر بھگا دیا۔

ارجن کمار صحت مند، خوش مزاج اور باحوصلہ شخص تھا۔ اردلی اس کی طرف سے فکرمند ہوگیا۔ وہ ارجن کی بگڑی حالت بتانے کے لیے اسی فلور پر واقع چیف اکاؤنٹنٹ کے دفتر کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر ارجن کے دفتر کی طرف آرہے تھے تو ایک خوش پوش اور مہذب آدمی ارجن کے دفتر سے نکلا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

دربان نے بتایا کہ وہ شخص چند لمحوں پہلے خالی ہاتھ ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور سیدھا ارجن کے دفتر میں گھستا چلا گیا تھا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ دفتر سے نکل کر ہوٹل سے بھی فرار ہوگیا۔ اتنی عجلت میں آمد و رفت کی بنا پر دربان نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ واپسی پر بھی خالی ہاتھ تھا اور اس کے بشرے پر خوف یا گھبراہٹ کے بجائے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

وہ گیٹ سے نکلا اور چیف اکاؤنٹنٹ دروازہ کھول کر ارجن کے دفتر میں داخل ہوا تو ارجن اپنی کرسی پر بے جان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جھول گئے تھے۔ پیشانی کے وسط میں موجود سرخ رنگ کا خونی دائرہ چیخ چیخ کر فائر کا اعلان کر رہا تھا۔

دونوں نے گھبرا کر ارجن کو دیکھا اور وہ بے جان بت کی طرح ان کے ہاتھوں میں آگیا۔

دہشت سے ان دونوں نے ہذیانی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں سنسنی خیز کہرام برپا ہوگیا۔

دربان کسی کی ہدایت کے بغیر عجلت پسند اجنبی کی تلاش میں باہر نکلا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لمحوں ہی لمحوں میں فضا میں تحلیل ہوگیا ہو۔

پولیس آئی اور ہوٹل کے دروازے بند کردیے گئے۔ وہ شہر کا مشہور ہوٹل تھا۔ وہاں اہم سیاسی، سماجی اور سرکاری شخصیات مقیم تھیں۔ ان کو زیادہ دیر تک قید نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ہوٹل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے بیشتر ارکان وہ وحشت اثر خبر سنتے ہی ہوٹل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کی خاطر، اپنی ذاتی کاوشوں سے تین بجے تک ہوٹل کے دروازے کھلوا دیے۔ اس دوران میں پولیس اپنی ابتدائی اور سرسری تفتیش کا پہلا مرحلہ تیزی سے مکمل کرچکی تھی۔

اس وقت تک ہوٹل میں مقیم مہمانوں کے سوا کسی کو اندر جانے یا اندر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اول خان کا آدمی بھی صدر دروازے کے باہر رکا ہوا تھا۔

اول خان کو اندازہ تھا کہ ہوٹل میں مجرموں کے کسی ساتھی سے اس کا ٹکراؤ ہو بھی گیا تو کھلی محاذ آرائی کی نوبت نہیں آسکے گی۔ ہوٹل کے اندر اور باہر مسلح پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ مالکان نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر کچھ پرائیویٹ گارڈ بھی بلا لیے تھے تاکہ ان کے مہمانوں کا کھویا ہوا تحفظ کا احساس بحال ہوسکے۔

اس نے کسی خاموش تصادم کے لیے بھرپور تیاریاں کیں اور اسٹیشن فور سے ہوٹل کے لیے روانہ ہوگیا۔

اسے اندازہ تھا کہ ابتدائی تفتیش کے بعد پولیس ہوٹل کے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگی اور اس سے بھی سرسری انداز میں گزر جائے گی جبکہ اول خان کے لیے ہوٹل کا ریکارڈ بہت اہم تھا۔ اس کا سبب بہت واضح تھا۔ اول خان کو ارجن کے قتل کے پورے پس منظر اور محرک سے آگاہی حاصل تھی۔ پولیس والے ان باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک ارجن کے قتل کی واردات ایک عام پراسرار واردات ہی

تھی جس میں صرف ایک مفرور قاتل ملوث تھا۔

وہ ساڑھے چار بجے ہوٹل پہنچا تو اس نے دور ہی سے اپنے آدمی کو دیکھ لیا۔ وہ اس وقت ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔ اول خان اس کی طرف توجہ دیے بغیر کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

شام ہو رہی تھی لیکن ہوٹل کی لابی رنگ و بُو کی رونق سے عاری تھی۔ وہاں ہر طرف ویرانی اور افراتفری کا راج تھا۔ ہوٹل کی حدود میں کوئی باوردی پولیس والا نظر نہیں آرہا تھا۔ عمارت سے باہر بھی اول خان کو اِکا دُکا باوردی سپاہی اور جونیئر افسران نظر آئے۔ پولیس والوں کی تعداد میں وہ غیر معمولی کمی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ ہوٹل کے ماحول سے خوف و ہراس کی فضا ختم کرنے کے لیے ارجن کمار کی لاش وہاں سے لے جائی جا چکی تھی۔

اول خان ایس ٹی ایف میں ہونے کے باوجود عام پولیس فورس کے لیے ایک عام شہری تھا۔ اسے شہری پولیس کے گنے چنے افسران ہی بخوبی پہچانتے تھے۔ اول خان کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ پولیس کی نفری میں کمی کے سبب اس کا کوئی شناسا افسر کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ منیجر کی تختی والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کچھ لوگ وہاں موجود اور مصروف ہو سکتے تھے۔

اول خان نے ہوٹل میں دو راتوں کے لیے ایک کمرا لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے، بکنگ کلرک سے ویرانی کا سبب دریافت کیا تو اس نے ایک حادثے کا ذکر کر کے بات ٹال دی۔ وہ قتل کا ذکر کر کے، آئے ہوئے ایک گاہک کو بھگانا نہیں چاہتا تھا۔ ارجن کے قتل کی واردات کے بعد اس کی آمد ہوٹل والوں کے لیے ایک نیک شگون تھی۔

اول خان کو اصل سانحے سے بے خبر رکھنے کے لیے، بہت زیادہ عجلت میں کاؤنٹر سے نمٹا کر پورٹر کے ساتھ کمرے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

اول خان بارعب اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ کاروباری افراد کے انداز میں محض ایک کشادہ بریف کیس لے کر ہوٹل پہنچا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھولتا ہوا بریف کیس پورٹر نے لے لیا اور سیدھا لفٹ کی طرف ہو لیا۔

پانچویں منزل کا کمرا اسے دیا گیا تھا۔ طویل راہداری میں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ سر پر فالس سیلنگ سجی ہوئی تھی۔ دھیمی روشنی میں وہ سرنگ نما راہداری، گراؤنڈ فلور کے کشیدہ ماحول سے بالکل مختلف اور رومان آفریں محسوس ہو رہی تھی۔

آئندہ

لیری نے ہیری کو بتایا ''پچھلے سے پچھلے سال پہاڑوں پر تعطیلات کے دوران میں میری بیوی امید سے ہو گئی۔ پچھلے سال غیر ممالک میں تعطیلات کے دوران میں میری بیوی پھر امید سے ہو گئی۔ اس بار میں نے سوچا ہے کہ جہاں بھی تعطیلات منانے جاؤں گا، بیوی کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

اپنی سی تدبیر

ایک صاحب اپنی نوبیاہتا بیوی کو لے کر پہلی بار ایک اچھے سے ریستوران میں پہنچے۔ انہوں نے مینیو دیکھا تو احساس ہوا کہ ہر چیز کی قیمت کافی زیادہ تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بیگم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے ''ہاں.... تو میری پیاری سی.... موٹی سی بیگم، کیا کھانا پسند کرے گی؟''

○☆○

اول خان نے پورٹر کو ٹپ دے کر رخصت کیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے جوتوں سمیت دہرے بستر پر دراز ہو گیا۔

اگر میں نے نک سے بات نہ بگاڑی ہوتی تو کم و بیش اسی وقت، ایسے ہی کسی کمرے میں ارجن مجھے کوبرا سے ملوا رہا ہوتا۔ اول خان نے سوچا۔

ہوٹل پہنچنے تک وہ اپنے لیے کسی طریقہ کار کا انتخاب نہیں کر سکا تھا۔ پر تکلف اور آرام دہ کمرے میں پہنچنے کے بعد ارجن اور کوبرا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا جہاں ملکی اور غیر ملکی معززین و شرفا قیام کرتے تھے۔ کسی کے لیے چہرے پر نقاب چڑھا کر وہاں آنا ناممکن تھا۔ نک کا معتمد نقاب پوش جو بھی رہا ہو، عام آدمی کی طرح، شریفانہ حلیے میں، کوئی نقاب لگائے بغیر اس ہوٹل میں آتا ہوگا اور سیدھا ارجن سے رجوع کرتا ہوگا۔ ارجن ذاتی طور پر اسے اس کی پسند کے فلور کا کوئی کمرا دے دیتا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر یہ علم رہا ہوگا کہ وہی شریف آدمی،

ضرورت پڑنے پر اپنے کمرے کی چار دیواری میں، چہرے پر نقاب چڑھا کر کوبرا کا روپ دھار لیتا ہے۔ بعد میں کوبرا کا کوئی ملاقاتی ارجن کے پاس آتا ہوگا تو وہ پہلے انٹرکام پر کوبرا کو کسی ملاقاتی کی آمد سے مطلع کرتا ہوگا پھر اسے اپنے ساتھ لے کر، مودبانہ انداز میں کوبرا کے حضور میں پیش کر دیتا ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں ارجن کمار کو کوبرا کی اصلیت کا پورا پورا علم تھا۔ وہ اس کے چہرے سے لے کر نام پتے تک سب کچھ جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے بہت عجلت، نفاست اور پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ٹھکانے لگا دیا گیا تھا۔ کوبرا کے اس قریبی رازداں کو کرنل داور کے چنگل سے بچانے کے لیے بے رحمی سے مروا دیا گیا تھا۔ ویرا کے قول کے مطابق وہ امریکیوں کا ایک بنیادی وصف تھا۔ وہ بھیڑیے اپنی کھال بچانے کے لیے اپنے ہی ساتھیوں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔

پرسکون ماحول میں ذہنی ارتکاز کے ذریعے اس کے دماغ میں مربوط خیالات کا ایک سیلاب امڈا چلا آ رہا تھا۔

صرف ارجن، کوبرا کی اصلیت سے آگاہ تھا۔ ہوٹل کے دوسرے عملے کے لیے اس آدمی کا کوئی نہ کوئی عام نام اور چہرہ تھا۔ وہ اسے اسی حیثیت میں پہچانتے تھے۔ ان کو ارجن نے اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی ہوگی کہ ضرورت کے وقت وہی شخص کچھ دیر کے لیے کوبرا بن جاتا ہے۔

ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر کے عملے پر محنت کرکے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ ہوٹل میں کبھی کبھی آنے والے اس خاص مہمان کا نام کیا تھا جس کی خدمت کے لیے ارجن ہمیشہ ذاتی توجہ اور دلچسپی لیتا تھا۔ اول خان سمجھ رہا تھا کہ ہوٹل کی ساکھ بچانے کے لیے وردی پوشوں کی تعداد بڑی حد تک گھٹا دی گئی تھی لیکن ہوٹل میں کہیں نہ کہیں تفتیشی کام پورے زور و شور سے چل رہا ہوگا۔ بیانات لیے جا رہے ہوں گے، ارجن کے کمرے میں کیمرے چل رہے ہوں گے، فنگر پرنٹس اٹھائے جا رہے ہوں گے۔ تناؤ کے اس ماحول میں اگر وہ اپنی شناخت ظاہر کرکے پوچھ گچھ کا متوازی سلسلہ شروع کرتا تو کوئی معترض نہ ہوتا لیکن بیشتر جبینیں شکن آلود ہو جاتیں اور دوسری طرف وہ ایک پراسرار تفتیشی اہلکار کی حیثیت سے ہوٹل کے عملے کے سامنے بے نقاب ہو جاتا۔

ہوٹل میں اپنی شناخت اسے سرے سے گوارا نہیں تھی۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح ہوٹل میں رہ کر اپنے کام کی باتیں معلوم کرنے سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اس ضمن میں اسے ہوٹل کا رجسٹر سب سے اہم محسوس ہو رہا تھا۔ جس میں ہوٹل کا عملہ ہر آنے جانے والے مہمان کے مکمل کوائف درج کرتا ہے۔

کوبرا، ارجن کے لیے بہت اہم بلکہ شاید اہم ترین گاہک تھا۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ رجسٹر میں کوبرا کے کوائف ارجن خود تحریر کرتا ہوگا۔ وہ اس کے کسی ماتحت کلرک کی ڈیوٹی تھی جسے وہ کوبرا کو خوش کرنے کے لیے اپنے سر لے لیتا ہوگا۔

اگر ہوٹل کا وہ ایک رجسٹر کسی طرح ہاتھ آ جاتا تو محض چند روز کے اندراجات دیکھ کر بہت کچھ پتا چلایا جا سکتا تھا۔

اسی رجسٹر سے کوبرا کی آمد و رفت کا دورانیہ بھی معلوم ہو سکتا تھا۔ ارجن پر بھروسا کرکے اس نے اس مخصوص ہوٹل کو اپنا اڈا بنایا تھا۔ وہ وہاں کے مستقل گاہکوں میں شامل تھا۔ عملے کے بہت سے لوگ اسے پہچاننے لگے ہوں گے۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہوٹل میں ہر بار نئے نام سے کمرا لیتا۔ شاید کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت کمرا بدل جاتا ہو، کوبرا کا اصل یا فرضی نام نہیں بدل سکتا تھا۔ ارجن کی تحریر میں اس ایک نام کی کئی بار تکرار اسے کوبرا کے بہت قریب پہنچا سکتی تھی۔

وہ بہت خوش ہوا کہ وہ اپنے طور پر بھی کڑیاں ملا سکتا ہے۔ اس نے موبائل فون پر اپنے اس آدمی کا نمبر ملا لیا جو ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔

”سر! میں کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف ہوں۔ فارغ ہو کر فون کرتا ہوں۔“ ایس ٹی ایف کے کارندے نے اپنے باس کی آواز سن کر مختصر سا جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

چند منٹ بعد اس کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ کہیں مصروف نہیں تھا۔ ایک ایسی جگہ تھا جہاں وہ فون پر کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بہتر اور کھلے مقام پر آ کر دوبارہ فون کیا تھا۔ اس نے اول خان کو ہوٹل میں آتے اور پھر پورٹر کے ساتھ رہائشی کمروں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے چیف کو بذات خود ہوٹل میں ڈیرا ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

”یہ معاملہ سنگین ہے۔ ہمیں پس پردہ رہ کر بہت احتیاط سے اسے دیکھنا ہے۔“ اول خان نے اسے سمجھایا۔

”ابھی تک میں دور دور رہا ہوں۔ دو شناسا پولیس افسران مل گئے تھے۔ وہ حیران ہوئے کہ قتل کی ایک روٹین واردات میں ہماری فورس کے لیے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے مگر میں نے انہیں ٹال دیا۔ بتایا کہ میں اتفاق سے ادھر نکل آیا ہوں۔ میری موجودگی کا فورس کی دلچسپی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

"میں کمرا نمبر پانچ سو بیس میں ہوں۔ اس وقت ہوٹل کا رہائشی رجسٹر بہت اہم ہے۔ اس تک رسائی کی کیا صورت ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ پولیس کو ہوٹل کے ریکارڈ سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ واقعاتی شہادتوں پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے۔" اس کے آدمی کی طرف سے جواب آیا "میں رجسٹر کچھ دیر کے لیے شاید حاصل کرلوں لیکن یہ بات پھیل سکتی ہے کہ ایس ٹی ایف راہ میں آرہی ہے۔"

"تم آس پاس ہی رہو۔ میں سوچ کر تمہیں بتاتا ہوں۔" اول خان نے بات التوا میں ڈال دی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد اول خان نے کمرے کے فون پر براہِ راست لائن لے کر ہمارے گھر کا نمبر ملالیا۔ درمیان میں آپریٹر کا دخل نہ ہونے کے سبب بلا تکلف بات کی جاسکتی تھی۔ درمیان میں کوئی بھی مخل ہونے کی کوشش کرتا تو سی ایس ڈی حرکت میں آجاتی۔ جو ہمارے گھر پر موجود تھی۔

اس وقت تک میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ ارجن کے قتل کی خبر سن کر میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ بس رہ رہ کر ایک ہی بات ذہن میں چکرا رہی تھی کہ وہ ہوٹل اس وقت ان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں سے کوئی نہ کوئی سرا مل سکتا تھا۔

مجھے یہ جان کر بے ساختہ خوشی ہوئی کہ اول خان ہمت کرکے خود ہوٹل میں مقیم ہوگیا تھا۔ میری طرح اس کی جان کو بھی خطرات لاحق تھے۔ اس پر گولی چلا کر اس کا بازو زخمی کیا جاچکا تھا۔ وہ بھی ہمارے نادیدہ دشمنوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا لیکن کام کی خاطر اس نے ہر خطرے کو نظرانداز کردیا تھا۔

اس نے مجھے ارجن کے قتل کی پوری روداد کے ساتھ اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج بھی سنائے جو بہت مدلل تھے۔

مجھے ماننا پڑا کہ ارجن کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ غلط تھا۔ وہ اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا اور کوبرا کی اصل شخصیت سے پوری طرح واقف تھا۔

"ہوٹل کا ماحول تمہیں راس آیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تم نے قابلِ قدر باتیں سوچی ہیں۔" میں نے دلچسپی کے ساتھ اس کی ساری باتیں سن لینے کے بعد کہا "اب تمہارا مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ ایس ٹی ایف کا نام سامنے لائے بغیر اس رجسٹر کو کیسے چیک کیا جائے۔"

"ہاں۔ بات یہیں اٹکی ہوئی ہے اور میں نے اسی مشورے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔"

"سوالاً جواباً"

☆......"کیا آپ اپنے اخراجات اپنی آمدنی کی حدود میں رکھتے ہیں؟"

☆......"نہیں...... میں اپنے اخراجات اپنے قرضہ جات کی حدود میں رکھتا ہوں۔"

☆......"کیا آپ کے خیال میں مسز بقراط کچھ خود پسند خاتون نہیں ہیں؟"

☆......"کچھ نہیں...... بلکہ بہت زیادہ...... وہ تو اپنی سالگرہ پر اپنی والدہ کو مبارکباد کا پیغام بھیجتی ہیں۔"

"تم ہوٹل میں موجود ہو تو میں گھر میں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی وہیں آرہا ہوں۔ تم نے کمرا نمبر پانچ سو بیس ہی بتایا تھا نا!"

"نہیں... تم ادھر آنے کی غلطی نہ کرنا۔" وہ میرا فیصلہ سن کر بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا "تمہارے لیے یہاں بہت خطرات ہوسکتے ہیں۔"

"خطرہ تو تم کو بھی ہے۔ تم ایک گولی کھا چکے ہو..." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میری بات اور ہے۔" اس کی عاجلانہ آواز آئی "انہوں نے مجھے زخمی کرکے آلۂ کار بنایا تھا تاکہ میرا پیچھا کرکے تمہارا کوئی سراغ حاصل کرسکیں۔ ان کے لیے میری اس سے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ تم ان کا اصل ہدف ہو۔ وہ تم تک پہنچنے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں۔"

"خطروں سے خوف زدہ ہوکر ہم پیش قدمیوں سے رکے رہتے تو آج اس مقام پر نہ ہوتے۔"

"میں تم کو روک نہیں رہا۔ بس ذرا انتظار کرلو۔ وقت سازگار ہوجائے تو سب کچھ تم ہی کو کرنا ہے۔"

"اس وقت تم کیا خطرہ محسوس کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ان کے آدمی ہوٹل میں موجود ہوں گے۔ وہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

"تم غلط سمت میں سوچ رہے ہو۔ ارجن کا قتل کسی لمبی منصوبہ بندی یا جدوجہد کے نتیجے میں نہیں ہوا۔ وہ چند منٹوں میں ہونے والے ایک فیصلے کے نتیجے میں اچانک مارا گیا ہے۔ نک اور اس کے بھیجے ہوئے قاتل کے سوا کسی کو علم نہیں ہوسکا ہوگا کہ ارجن کو کس نے اور کیوں مروایا۔"

''ارجن کا قاتل کوئی مقامی تھا۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''کیا تمہارا خیال ہے کہ اسے نک نے بھیجا ہوگا۔ درمیان میں رابطے کا کوئی اور آدمی ملوث نہیں رہا ہوگا۔''

''کتنے ہی آدمی ملوث ہوں، قتل کا سبب نک کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ مجھے ارجن کا نام بتا کر پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس ارجن کے قتل کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں رہی تھی۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ تم ہوٹل میں ان کے کسی آدمی یا آدمیوں کی موجودگی کیوں نظر انداز کر رہے ہو؟'' اول خان نے پوچھا۔

''ان کے جو لوگ بھی ہوٹل میں ہیں وہ ارجن کے قتل سے بری طرح خوف زدہ ہو گئے ہوں گے۔ وہ اس وقت اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اچانک موت کا خوف انہیں منظر عام پر آنے سے روکے رہے گا۔ ان کے خلاف تیزی سے کام کرنے کے لیے یہی مناسب ترین وقت ہے۔''

''اس وقت تم ایک متضاد بات کہہ رہے ہو جو قرین قیاس ضرور ہے مگر تمہارے ابتدائی اندیشوں سے میل نہیں کھاتی۔''

''مطلع کچھ صاف ہونے تک وہ باہر نکل سکتے ہیں نہ ہوٹل تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس مہلت سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔''

''پھر تم کتنی دیر میں آرہے ہو؟'' اول خان نے قائل ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔

''میں بس ابھی نکل رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔''

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہمارے فیصلے بھی بدل رہے تھے۔ آثار و قرائن سے کچھ یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے جلد ہی کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

میں کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نہیں جا رہا تھا۔ وہ ہوٹل کی بند چار دیواری میں سازشوں اور مکاریوں کا مقابلہ ہوتا نظر آرہا۔ ہوٹل کے کمروں اور راہداریوں میں آتشیں ہتھیاروں سے کہیں زیادہ مہلک اور خاموش حربوں کی ضرورت تھی۔ اس بار میں بیم گن گھر پر بھولنے کی غلطی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

مجھے روانگی کی تیاری میں مصروف پا کر تینوں کا تجسس جاگ اٹھا۔ میرے ارادے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن وہ فکر مند تھے۔ ان کے لیے وہ دلیلیں بھی کافی نہیں تھیں جنہوں نے اول خان کو خاموش کر دیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ اول خان مجرموں کے ایک متوقع مسکن میں برا جمان تھا۔ وہ تینوں گھر میں تھے۔

میں نے ایس ٹی ایف کے ابرار نامی کارندے کو چائے بنانے کی ہدایت کی اور فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صدف مینشن جلال کی مصروفیات کا مرکز اور محور ضرور تھا لیکن وہ ہر وقت وہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہو گیا۔

''تم صحیح کہہ رہے تھے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں دن دیہاڑے، دیدہ دلیری سے گھس کر منیجر کو مار ڈالنا دل گردے کا کام ہے۔'' اس نے اپنے فون پر میری آواز سنتے ہی ہیجانی آواز میں کہا ''شہر میں وارداتیں تو ہوتی رہتی ہیں مگر اس واقعے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔''

''سب سے بڑی مشکل قتل کے اسباب کے تعین میں پیش آئے گی۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

''یہی بنیادی مسئلہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکے گی۔ ہم لوگوں کو آگے آنا پڑے گا۔'' وہ بولا ''اندرونِ خانہ رونما ہونے والے واقعات سے آگاہی کے بغیر کوئی ارجن کے قتل کی گتھی کو نہیں سلجھا سکے گا۔''

''میں نے پوری کہانی تمہیں سنا دی تھی۔ ارجن کا اصل قاتل نک ہے۔ اس کا تم کیا کر سکو گے؟''

''ہوں... اوں!'' اس کی فکر مندانہ ہنکار سنائی دی۔ وہ آئی بی کی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

کچھ لمحوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر اس کی آواز ابھری ''تم نے اس رکاوٹ کا کیا حل سوچا ہے۔''

''ہمیں کوبرا اور اس کے نیٹ ورک تک پہنچنا ہوگا۔ فی الحال تمہیں اپنے محکمے کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں۔ میں ایس ٹی ایف کو بھی پس پردہ رکھنا چاہتا ہوں۔''

''سب ہی پس پردہ رہے تو کوبرا کی سرکوبی کون کرے گا؟'' اس کا سوال فطری تھا۔

''مجھے کچھ دیر کے لیے ہوٹل کا مسافروں والا رجسٹر درکار ہے۔ کیا وہ مل سکتا ہے؟''

''مل جائے گا۔ اس سے تم کیا حاصل کر سکو گے؟'' اس کا پژمردہ لہجہ یکایک تجسس آمیز ہو گیا۔

''شاید ہمیں کوبرا کا کوئی سراغ مل جائے!'' میں نے پر امید لہجے میں کہا۔

اس کے لیے وہ تشنہ جواب ناکافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے ذہن میں کوئی خیال سر ابھارتا ہے تو اس کے پس پشت کوئی نہ کوئی عملی خاکہ بھی موجود ہوتا ہے۔ میں نے ازراہِ مذاق اسے ٹالنے کی کوشش کی جسے ناکام ہونا ہی تھا پھر میں نے اسے اول خان کی ذہنی کارگزاری سے آگاہ کردیا۔

"میں ترجیحی بنیاد پر اس رجسٹر کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" پوری بات سن لینے کے بعد اس نے پرجوش انداز میں جواب دیا "یہ تمہارے گھر بھجوادوں۔"

"یہ اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو بیس میں بھجوا دو!"

"وہاں کون ہے؟" اس نے تیزی سے سوال کیا "میرے موبائل کی اسکرین سے تو ظاہر ہوا تھا کہ تم اپنے گھر سے فون کررہے ہو۔"

"اول خان وہاں ہے۔ میں بھی سیدھا وہیں جارہا ہوں۔"

دوسروں کی طرح وہ بھی یہ اطلاع سن کر خوش نہیں ہوا مگر جانتا تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کوئی نہ کوئی خطرہ مول لینا ضروری تھا۔ اس نے چند اہم اور قیمتی مشورے دے کر فون بند کرنا چاہا تو معاً مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"نک کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق کوبرا کے پاس سیٹ لائٹ ٹیلی فون ہے۔ اس کا کہیں نہ کہیں کوئی ریکارڈ تو ہوگا۔"

"یہ جدید ترین مواصلاتی سہولت ہے۔ میں اس کے حصول کے طریقے سے واقف نہیں ہوں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت' اس کے لیے اجازت نامہ وغیرہ ضروری ہونا چاہیے۔" اس نے کسی غور کے بغیر اپنی مجبوری ظاہر کردی "فون غیر قانونی ہے تو بات دوسری ہے۔"

"اس پہلو کو بھی دیکھو۔" میں نے اسے تاکید کی "یہ قانون شکن لوگ ہیں۔ شاید فون کا کوئی ریکارڈ نہ مل سکے لیکن ہم کو ان پر ہر طرف سے یلغار کرنا ہوگی تب کہیں سے کامیابی کی کوئی کرن نمودار ہونے کی امید پیدا ہوسکے گی۔"

جلال سے گفتگو ختم ہوگئی اور میں چائے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابرار شاید پیشہ ور باورچی نہ ہو لیکن اس نے چائے بہت لذیذ بنائی تھی۔ میں نے اپنی طویل رفاقت میں ایک بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ ایس ٹی ایف کے سپاہیوں سے افسروں تک میں بددلی یا بیزاری کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ جس کو جو کام سونپ دیا جاتا تھا' وہ اسے دل و

بری عادت

مسز کامل نے شکایتی سے لہجے میں مسز اختر کو بتایا "مسز رمضان میں ایک عجیب بات ہے... میرے پاس کوئی بھی نئی چیز دیکھ لیں... اس کی قیمت ضرور پوچھتی ہیں تو میں نے یہ جو نیا جوڑا پہنا ہوا ہے' آج اس کی قیمت پوچھ رہی تھیں۔"

"یہ تو واقعی بہت بری عادت ہے..." مسز اختر نے سرہلاتے ہوئے کہا "بہرحال ... تم نے کیا قیمت بتائی؟"

اختتام جنگ

"اچھا .... تو اب آپ کی بیوی آپ سے بالکل نہیں جھگڑتی؟"

"جی ہاں .... اب وہ مجھ سے بالکل نہیں جھگڑتی۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس کا انتقال ہوچکا ہے۔"

جان سے پورا کرنا اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ ابرار نے بھی اسے جذبے سے سرشار ہوکر چائے بنائی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک طویل مدت کے بعد غزالہ اور رویرا کو گھر کے کاموں کے لیے اچھا مددگار مل گیا تھا اور گھر کی حفاظت کے لیے دو بے خوف محافظ بھی ہاتھ آگئے تھے۔

گاڑی کی گھر پر بھی ضرورت رہتی تھی۔ سلطان شاہ نے مجھے مین روڈ پر چھوڑا اور میں ٹیکسی سے ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

○☆○

جہانگیر بستر میں لیٹا ایک کتاب پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس ضمن میں وہ صرف کوشش ہی کرسکتا تھا کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے کبھی لکھنے پڑھنے سے شغف نہیں رہا تھا۔ کھلی ہوئی کتاب اپنے سینے پر لگائے وہ کن انکھیوں سے باربار سلمٰی کی طرف دیکھ رہا تھا جو کافی دیر سے سنگھار میز کے سامنے مصروف تھی۔

”کیا بات ہے؟ اتنا بن سنور کر کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔“ آخر کار اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول ہی پڑا۔

”تم کتاب پڑھ رہے ہو یا میری نگرانی کر رہے ہو؟“ سلمٰی نے مڑے بغیر اس کے عکس پر توجہ مرکوز کر دی جو آئینے میں نمایاں تھا۔

”دونوں کام کر رہا ہوں۔ عورتوں کو کھلی چھوٹ دے دی جائے تو وہ آسانی سے بگڑ جاتی ہیں۔ ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔“

”میرے علاوہ اور کتنی عورتیں ہیں تمہاری؟“ سلمٰی نے جل بھن کر پوچھا۔

”ہائے! کیا پوچھ لیا۔ اجازت چار کی ہے مگر مقدر میں شاید ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تم اکیلی دس پر بھاری ہو۔“

”وہ تو کہو کہ کوئی عورت تم کو گھاس ہی نہیں ڈالتی ورنہ تم تو ہر ایک پر منہ مارنے کے لیے تلے بیٹھے رہتے ہو۔“ سلمٰی نے ہنس کر کہا۔ ہنسی مذاق کے موڈ میں جہانگیر نشتر کے گھاؤ بھی ہنس بول کر سہہ لیتا تھا۔ کشیدگی کی فضا میں وہ سلمٰی کی ذرا سی لغزش بھی نظرانداز نہیں کرتا تھا۔

”میں نے کس پر منہ مار دیا جو تم یوں طعنے دے رہی ہو۔“ جہانگیر نے کتاب بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔

”یہ نہ سمجھو کہ میں کچھ نہیں دیکھتی۔ بس ٹوک کر تمہیں شرمندہ نہیں کرتی ورنہ ہر بات میری نظروں میں ہے۔ کئی مرتبہ تم ماسی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر چکے ہو۔ وہ شریف عورت ہے۔ سر جھکا کر اپنا کام کرتی ہے اور چلی جاتی ہے۔“

”ماسی کیا، تمہیں تو میرے مقابلے میں کتے اور کمینے بھی شریف نظر آتے ہیں۔ آخر ہونا اپنے عزت دار ماموں عظمت کی بھانجی!“

”بس اتر آئے اپنی بے سروپا باتوں پر۔ سچ تو تم سے برداشت ہی نہیں ہو سکتا۔ اچھا سچ سچ بتانا کہ کیا تم نے تل والی لڑکی کے ہاتھ میں چٹکی نہیں لی تھی۔“ شوہر کی کمزوریاں گنوانے کے چکر میں سلمٰی کچھ دیر کے لیے اپنا بناؤ سنگھار بھی بھول گئی۔

”کک... کون سی تل والی لڑکی؟“ جہانگیر نے ہکلا کر پوچھا۔

”اب انجان نہ بنو۔ میں اسی کی بات کر رہی ہوں جو گھٹیا پرفیوم بیچنے آئی تھی۔“

”قسم لے لو جو میں نے ایسی حرکت کی ہو۔ تمہاری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں اس لیے تمہیں بس وہی نظر آتا ہے جو تم دیکھنا چاہتی ہو۔“

”اور تم نے اسے آنکھ بھی نہیں ماری تھی۔“ سلمٰی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جہانگیر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تکیے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔“

”پھر تم نے اس سے دو پرفیوم کیوں خریدے؟“

”بس! اس وقت پسند آ گئے تھے اور سستے معلوم ہو رہے تھے۔“ وہ بوکھلا کر بولا ”دو چھوٹے سیمپل وہ مفت میں دے گئی تھی۔ میں نے صرف ایک خریدا تھا۔“

”تمہاری چٹکی پر اس کا منہ بگڑ گیا تھا۔ تم ڈر گئے تھے کہ تم نے اسے خالی ہاتھ لوٹایا تو مجھ سے تمہاری شکایت کر دے گی....“

”تمہارا مطلب ہے کہ میں نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لیے رشوت دی تھی!“ جہانگیر نے آنکھیں نکالیں۔

”کھلی رشوت تھی۔ پیسے لے کر اس کا موڈ بالکل بدل گیا تھا۔“ سلمٰی بولی ”اس کے بعد اس نے ڈینی کی بات نکالی تھی۔ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے اس کا حوصلہ کھل گیا تھا۔“

”ڈینی بتا رہا تھا کہ وہ بدمعاش تھی۔ یہاں کسی اور چکر میں آئی تھی۔“

”ہاں ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ڈینی تمہیں لڑکی کی طرف سے ہوشیار نہ کرتا تو تم اسے ڈھونڈنے کے لیے نکل گئے ہوتے۔“

”اب تم کسے ڈھونڈنے جا رہی ہو؟“ جہانگیر نے زہریلے لہجے میں پوچھا ”تمہارے عظمت ماموں تو لاہور کی جیل میں سڑ رہے ہیں۔ یہاں کون رکھا ہے تمہارا!“

”میں اپنے نہیں، تمہارے کام سے جا رہی ہوں۔“ سلمٰی آنکھیں نچا کے بولی ”بوتل میں چار بوندیں رہ گئی ہیں۔ رات کو پھر چلّانا شروع کر دو گے...“

”اوہ... یہ بات تمہیں پہلے ہی بتا دینی چاہیے تھی۔“ جہانگیر کا لہجہ یکایک نرم پڑ گیا ”اب تو میں نے بہت کم کر دی ہے۔ لیٹر کی بوتل دو روز چلتی ہے۔ آدمی کو پینے کے لیے اتنی سی بھی نہ ملے تو پھر اسے گھر بار چھوڑ کر بن باس لے لینا چاہیے۔“

سلمٰی نے مصنوعی غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالوں میں کنگھا پھیرا، لپ اسٹک درست کی اور پرس اٹھا کر باہر کی طرف چل دی۔

جہانگیر کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ والہانہ نظروں سے سلمٰی کی چال کا نظارہ کر رہا تھا۔

سلمیٰ گھریلو ضروریات کی خریداری کے لیے عام طور پر پیدل جاتی تھی۔ اس بہانے راستے میں دو چار شناسا عورتوں سے ملاقات ہوجاتی تھی' ورزش اور چہل قدمی بھی ہوجاتی تھی۔ اس وقت اس نے گاڑی نکال لی۔ میری تادیب کے بعد وہ کوئی بے احتیاطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے راستے کی ایک دکان سے سودا سلف خریدا اور پھر میڈم کے فلیٹ کی طرف چل دی۔ گاڑی رکتے ہی میڈم کا ملازم دوڑ کر قریب آگیا۔ وہ سلمیٰ کی گاڑی پہچاننے لگا تھا۔ وہ سلمیٰ سے پیسے لے کر واپس آگیا اور بہت تیزی کے ساتھ لوٹ آیا۔ تھیلے میں لپٹی ہوئی بوتل سلمیٰ کو دے کر اس نے ٹپ کے دس روپے شکریے کے ساتھ وصول کیے اور لوٹ گیا۔

سلمیٰ نے کچھ آگے جاکر گاڑی گھمائی تھی کہ اچانک اس کی نظر اسی پرفیوم فروش لڑکی پر پڑی جوان کو بے وقوف بنا کر جاچکی تھی۔ سلمیٰ نے بے ساختہ گاڑی کے بریک لگادیے۔

وہ لڑکی اپنا بیگ شانے سے لٹکائے ایک عمارت سے باہر آرہی تھی۔ سڑک پر ٹائروں کے رگڑنے کی آواز سن کر اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر سلمیٰ کی گاڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی کی طرف ہاتھ لہرایا۔ سلمیٰ کے دوستانہ انداز پر لڑکی کے قدم گاڑی کی طرف اٹھنے لگے۔

"کہاں گھوم رہی ہو؟" سلمیٰ نے اپنے برابر والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آؤ! میرے ساتھ آجاؤ۔"

"میں دن بھر گھر گھر جھانکتے جھانکتے تھک جاتی ہوں۔ تکلیف نہ ہو تو مجھے اگلے بس اسٹاپ پر اتار دیں۔" لڑکی نے مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سلمیٰ کی گاڑی میں سوار ہوگئی۔

سلمیٰ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ لڑکی فراڈ نہیں تھی۔ گھوم پھر کر پرفیوم بیچنے کا ہی کام کرتی تھی۔ اس کے کام کی نوعیت بتارہی تھی کہ وہ غریب اور ضرورت مند رہی ہوگی۔ سلمیٰ نے کہا "اترنے سے پہلے میرے لیے دو مردانہ پرفیوم نکال دینا۔"

لڑکی نے ممنونیت سے لبریز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب مجھے یاد آیا کہ شاید آپ ہی کے گھر میں' میں نے ڈینی کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہاں! تمہارا وہ سوال بے تکا اور چونکانے والا تھا۔" سلمیٰ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"در۔۔۔ دراصل وہ میرا سوال نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔" لڑکی نے اپنے بیگ میں سے سربند پرفیوم کے ڈبے نکال کر پیچھے کی سیٹ پر رکھتے ہوئے خود بخود انکشاف کیا۔

"اچھا۔" سلمیٰ نے حیرت کا مظاہرہ کیا "مجھے یہی حیرت تھی کہ ڈینی کی لڑکیوں سے کیسی دوستی ہوگئی۔ وہ مردانہ صفات سے محروم ہے اور لڑکیوں سے شرماتا ہے۔۔۔ اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے تم سے کس نے کہا تھا؟"

سلمیٰ خاصی چالاک عورت تھی۔ میری ہدایت کے بعد اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کسی بڑے چکر سے دو چار ہونے والی تھی۔ وہ تل والی اس لڑکی سے سرسری انداز میں بات آگے بڑھا رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ لڑکی اس کے ساتھ کوئی خطرناک حرکت نہ کر گزرے۔ اس خوف کے ساتھ اس کی یہ شدید خواہش بھی تھی کہ وہ لڑکی کے منہ سے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوالے اور پھر ان باتوں سے آگاہ کر کے مجھے مرعوب کرسکے۔

"وہ گاڑی میں تھا اور شاید میرا پیچھا کررہا تھا۔ اس نے تمہارے گھر کا جائزہ لینے اور کچھ خاص باتیں معلوم کرنے کے عوض ہزار روپے کی پیشکش کی تھی۔ بات ٹیڑھی اور خطرناک ہونے کے باوجود میں تیار ہوگئی کیونکہ میرے لیے ہزار روپے کی رقم بہت بڑی تھی۔ میں ہفتہ بھر دھکے کھانے کے بعد مشکل سے اتنا کمیشن کماتی ہوں۔"

"اوہو!" سلمیٰ کھوکھلی آواز میں ہنسی "پھر تو وہ ہمارا کوئی دوست ہوگا جو ہمارے ساتھ ڈینی کو بھی جانتا ہوگا۔ اس نے مذاق کیا ہوگا۔ حلیہ کیا تھا اس کا؟"

"پڑھا لکھا' شریف اور مال دار آدمی تھا۔" اس غریب لڑکی کے لیے وہ خواص زیادہ اہم تھے "گٹھے ہوئے بدن کا سانولا سا آدمی تھا۔ اس کے ماتھے پر کسی پرانی چوٹ کا بڑا سا نشان تھا۔"

لڑکی رضاکارانہ طور پر تعاون کررہی تھی۔ سلمیٰ نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اپنے پرس سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور لڑکی کی گود میں ڈال دیا۔ لڑکی نے بقایا رقم لوٹانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ سلمیٰ بول پڑی "رہنے دو۔ یہ باقی پیسے تمہارے کام آئیں گے۔"

"میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ اس آدمی سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ بے فکری تھی کہ مجھے صرف بات کرنی تھی۔ آپ کے گھر یا گھر میں رہنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا تھا۔" لڑکی نے سلمیٰ کے بڑھتے ہوئے اخلاقی دباؤ کے نتیجے میں اپنی صفائی پیش کی۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں

تھا۔" سلمٰی نے اسے دلاسا دیا "واپسی پر وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا۔"

"کچھ نہیں۔۔ میری باتیں سن کر کچھ مایوس ہوا تھا۔ وہ شاید سمجھ رہا تھا کہ میں ڈیٹی کا نام پتا لکھ لاؤں گی۔"

"اب جو کچھ ہوا، ہوگیا۔ آئندہ احتیاط رکھنا۔ تم خوب صورت لڑکی ہو۔ ہمارے فلیٹ میں کاروالے کا کوئی بدمعاش ساتھی بھی ہوسکتا تھا۔ وہ تنہائی میں تمہیں دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔ لڑکی کی عزت ہزار روپے سے بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ! میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ بس اس وقت لالچ میں میری آنکھوں پر پردہ پڑگیا تھا۔ فلیٹ میں اس وقت میرا دم نکل گیا تھا جب آپ کے میاں نے میرے ہاتھ پر چٹکی لی تھی۔ اس پر آپ کو غصہ آگیا تھا۔"

"وہ شرارتی ہیں۔ دل کے برے نہیں ہیں۔ جان بوجھ کر مجھے چڑا رہے تھے۔" سلمٰی نے جلدی سے بات بنادی "میں نے تو یہ بھی دیکھا تھا کہ ایک بار انہوں نے تم کو آنکھ ماری تھی۔"

لڑکی نے شرما کر اپنا سر جھکالیا اور دبی دبی آواز میں بولی۔ "آپ بہت اچھی بیوی ہیں۔ اپنے میاں کی عادتوں کو جانتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ نے ان کے لیے دو مردانہ پرفیوم لے لیے۔"

"اب کوئی دس ہزار بھی دے تو ہمارے گھر کا رخ نہ کرنا۔" سلمٰی نے ایک فوری اندیشے کے تحت زور دے کر کہا "اس وقت میں باہر ہوں، وہ گھر میں اکیلے ہیں۔ ایسے میں تم پہنچ جاؤ اور ان پر شیطان آجائے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

سلمٰی نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔

لڑکی نے اسے سلام کیا اور بیگ بند کرکے گاڑی سے اتر گئی۔

سلمٰی نے بہت غور سے یہ دیکھ لیا تھا کہ لڑکی کے داہنے رخسار کا قیامت خیز تل سوفیصد قدرتی تھا۔

اس لڑکی سے اتفاقی ملاقات سلمٰی کو قدرت کا ایک انعام محسوس ہورہی تھی۔ جب اس لڑکی کی آمد کے بارے میں فون پر میری اور جہانگیر کی بات ہوئی تو لڑکی کے تل کا معمّا وجود میں نہیں آیا تھا لیکن میں نے اپنے بارے میں لڑکی کے تجسّس کی بنا پر اسے سخت خطرناک قرار دے دیا تھا۔ اس ملاقات میں یہ گرہ کھل گئی تھی کہ وہ لڑکی بے ضرر تھی۔ اصل خطرہ سانولے رنگ کے اس کار سوار کی طرف سے تھا جس نے ایک ہزار روپے دے کر لڑکی کو جہانگیر کے گھر بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر جہانگیر کو اور پھر مجھے ان تفصیلات سے آگاہ کردینا چاہتی تھی۔

جہانگیر کے لیے یہ اطلاع بم کے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ تل والی لڑکی انہی اطراف میں منڈلا رہی تھی۔ اسے اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔

پوری کہانی سن لینے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے اوسان بحال ہوئے۔ اس نے سلمٰی اور لڑکی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بہت کرید کرید کر سوالات کیے اور سلمٰی نے اسے ہر بات بلاکم و کاست بتادی۔ صرف وہ باتیں گول کردیں جن کا تعلق جہانگیر کے اخلاق، کردار اور حرکتوں سے تھا۔

جہانگیر نے فوری طور پر ہمارے گھر فون کیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے مرا جارہا تھا۔ غزالہ نے اس سے مسئلے کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مجھ سے کہاں رابطہ ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کے کہنے کے مطابق وہ معاملہ بہت سنگین اور گمبھیر تھا جس کے لیے مجھ سے بات ہونی ضروری تھی۔

غزالہ نے مجبور ہوکر اسے میرا موبائل فون نمبر دے دیا۔

○☆○

مجھے وہاں پہنچے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اول خان سے ان معاملات کے سارے نشیب و فراز پر بات ہوچکی تھی لیکن جلال کے کسی آدمی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ہوٹل کا رہائشی رجسٹر ہم تک لانے کی کوششوں میں وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔

اسی دوران میں جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ بہت جوش میں تھا اور جذباتی ہورہا تھا۔ اس نے مجھے بہت کچھ بتادیا لیکن اس کے پاس میرے ہر سوال کا جواب نہیں تھا۔ آخر اس نے ریسیور سلمٰی کو دے دیا۔ مجھے ان دونوں کے خانگی اختلافات اور جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجبوراً مجھے وہ سب بھی سننا پڑرہا تھا۔

"یہ بات شک و شبہے سے بالا ہوچکی ہے کہ را کی وہ دیوی کراچی میں نہیں ہے جو لاہور میں کام کررہی تھی۔" ان دونوں سے بات کرنے کے بعد میں نے اول خان کو آگاہ کیا۔

"کیوں؟ کیا جہانگیر کو کوئی نئی بات معلوم ہوئی ہے۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

جہانگیر اور سلمٰی کی ساری باتیں دہرائے جانے کے

قابل نہیں تھیں۔ میں نے چند فقروں میں اول خان کو خلاصہ سنا دیا۔

"دھیرے دھیرے بات آگے بڑھ رہی ہے۔" وہ خوش ہو کر بولا "اب ان کا ایک اور آدمی نظروں میں آگیا۔ شہر میں متوسط قامت والے' سانولے رنگ کے ہزاروں آدمی ہوں گے لیکن ان میں سے دو چار ہی کی پیشانی پر چوٹ کا نشان ہوگا۔ اسے پہچانا جا سکتا ہے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مقامی یا سرے سے پاکستان ہی نہ ہو' وہ کوئی بھارتی بھی ہو سکتا ہے۔"

اس نے سرہلا کر میری بات سے اتفاق کیا پھر تشویش آمیز لہجے میں بولا "اب مجھے فکر ہونے لگی ہے۔ جلال کا وہ آدمی کہاں رہ گیا۔ تم اسے فون کر کے معلوم تو کرو۔"

"جلال اتنا غیر ذمے دار آدمی نہیں ہے۔" میں نے اس کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی مجھے فون کر دیتا۔"

ہم آپس کی باتوں میں انتظار کا وقت گزارتے رہے۔ اس دوران میں' میں نے ایک مرتبہ گھر فون کر کے غزالہ کو صورت حال بتادی۔

ساڑھے نو بجے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کے بجائے براہِ راست جلال کی آواز آئی تو میں چونک پڑا "تم کہاں موجود ہو؟"

"میں زیادہ دور نہیں ہوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "نیچے ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر بات کر رہا ہوں۔"

"اوہو!" میں وہ اطلاع سن کر مضطرب ہوگیا "تم یہاں کیوں آگئے۔ تم پہچانے جا سکتے ہو۔ تمہارا آدمی کہاں رہ گیا۔"

"بات میرے آدمی کے بس کی نہیں رہی تھی اس لیے مجھے خود نکلنا پڑا۔" وہ میرے لہجے کے اضطراب سے محظوظ ہوا تھا "تم میری شناخت کی فکر نہ کرو۔ اس وقت میں ایسے حلیے میں ہوں کہ مجھے تم بھی آسانی سے نہیں پہچان سکو گے۔ اسی لیے میں انٹرکام پر اوپر آنے کی اجازت لے رہا ہوں۔"

"جلدی آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے کوئی مصنوعی میک اپ استعمال کیے بغیر اتنی مہارت سے اپنا حلیہ تبدیل کیا تھا کہ پیشگی اطلاع کے بغیر میں اسے آسانی تو کیا مشکل سے بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔

اس کے سیاہ بال تیل میں تقریباً لتھڑے ہوئے تھے۔ بائیں مانگ نکال کر اس نے بال دونوں طرف جمالیے تھے۔ وہ چشمہ استعمال نہیں کرتا تھا لیکن اس کے چہرے پر باریک کمانی میں جڑے ہوئے سفید شیشوں کی عینک دیکھ کر یہ گمان ہو رہا تھا جیسے وہ ایک مدت سے بینائی کی کمزوری کا شکار ہو۔

بوسکی کے شیروانی کالر کرتے اور لٹھے کے پاجامے پر سیاہ واسکٹ نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اس کے بدن پر صرف توند کی کمی تھی ورنہ وہ پکا مارواڑی سیٹھ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک ہلکا اور چپٹا سا چرمی بیگ جھول رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر اسے جلدی سے اندر بلایا اور دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔

"شان دار!" اول خان نے اسے دیکھتے ہی بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اپنے سینے سے لگالیا "تم بالکل بدلے ہوئے نظر آرہے ہو۔" وہ جلال کے سامنے کچھ محتاط رہتا تھا اور اس سے کسی بھی قسم کی بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز کرتا تھا مگر اس وقت اسے بدلے ہوئے روپ میں دیکھ کر اپنی بے ساختہ مسرت کے اظہار پر قادر نہ رہ سکا۔

"میرا یہاں دیکھا جانا ہمارے مشن کے مفاد میں نہیں تھا۔ یہاں سرکاری عہدے دار بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ کئی بار میں اس ہوٹل میں رک چکا ہوں۔ ڈر تھا کہ کوئی پہچان لے گا اس لیے یہاں آنے سے پہلے یہ عارضی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کپڑے میرے اپنے ہیں۔ میں اپنے گھر میں کرتا پاجامہ ہی استعمال کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا چشمہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

"یہ سب اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن تمہارا آدمی کہاں رہ گیا؟" میں نے پوچھا "اصل پروگرام تو اس کے آنے کا تھا۔"

"وہ یہاں آیا تھا اور ناکام رہا۔ وہ رجسٹر ڈی آئی جی صاحب لیے بیٹھے تھے۔"

"تم نے کیا کر لیا۔ تم بھی خالی ہاتھ آئے ہو۔ وہ رجسٹر خاصا ضخیم اور بڑا ہوتا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"انہوں نے مجھے بھی ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ میں رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی لے آیا ہوں۔" اس نے خوش خبری سنائی۔

"وری گڈ!" میں نے خوش ہو کر کہا "اتنے صفحات بھی کافی ہیں۔ کام بن جانا چاہیے۔"

اس نے اپنا بیگ کھول کر تہ کیے ہوئے کاغذوں کا ایک پلندا نکال کر میرے اور اول خان کے سامنے رکھ دیا "میں نے رجسٹر پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی مگر مجھے اس میں کام کی کوئی بات نہیں نظر آئی۔ اب تم اسے دیکھ ڈالو۔ شاید کہیں میری نظریں چوک گئی ہوں۔"

رجسٹر کی ان تصویری نقول کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے میں نے اسے سلمٰی کے تجربے سے آگاہ کردیا۔ اس نے اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی دانست میں دیوی والا قصہ پہلے ہی تمام ہوچکا تھا۔ اس پر مزید سر کھپانا فضول تھا۔

میں نے آخری صفحے سے رجسٹر کے اندراجات کو دیکھنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں تین شفٹ کی ڈیوٹیوں کی وجہ سے تحریر میں فرق ضرور تھا لیکن ہر شفٹ میں کیے جانے والے اندراجات یکساں تحریر میں تھے۔ میں آخری تاریخ سے پیچھے چلتا رہا۔ پچھلے روز کسی حشمت خان کی آمد کا اندراج بالکل مختلف تحریر میں تھا۔ رجسٹر کے مطابق وہ پچھلے دن شام چار بجے آیا تھا اور بدستور ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقیم تھا۔ میں پیچھے چلتا رہا۔ ان دس صفحات میں تین مرتبہ حشمت خان کی آمد کا اندراج تھا۔ تینوں مرتبہ شفٹ ڈیوٹی والے یا والی کے بجائے کسی اور نے اس کی آمد درج کی تھی کیونکہ پوری شفٹ میں وہی ایک اندراج مختلف تحریر میں تھا۔ تینوں مرتبہ لکھی جانے والی مختلف تحریریں کسی ایک ہی شخص نے لکھی تھیں۔

جلال میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ مجھے اپنی مشق میں کچھ کامیابی حاصل ہورہی تھی لیکن اس نے میری مصروفیت میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔

پچھلے دو مواقع پر حشمت خان ایک اور دو راتوں کے لیے ہوٹل میں رکا تھا۔ تیسرے اندراج کے مطابق وہ ایک رات بسر کرنے کے بعد، اس وقت بھی کمرے پر متصرف تھا۔

میں نے وہ صفحات جلال کی طرف بڑھا دیے کیونکہ اول خان میرے قریب کھڑا ہوکر ان کا مشاہدہ کرچکا تھا۔

"کیا ملا؟" جلال نے کاغذات میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں حشمت خان کی آمد کے اندراجات دیکھو۔ سات دنوں میں وہ آج تیسری بار یہاں مقیم ہے۔ وہ وی آئی پی ہے اس لیے اس کی آمد کے اندراجات کاؤنٹر پر ڈیوٹی کلرک نہیں کرتا۔ وہ کسی افسر کی ذمے داری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریر ارجن کمار کی ہوگی۔"

جلال نے بہت دلچسپی سے پہلا صفحہ دیکھا اور پھر دیگر صفحات بھی دیکھتا چلا گیا۔ اس کے لیے کہیں بھی میرے مشاہدے سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔

آخری صفحہ دیکھ لینے کے بعد جلال ایک گہرا سانس لے کر سیدھا ہوگیا "صحیح معنوں میں تم دونوں کو آئی بی یا آئی ایس آئی کے تفتیشی شعبے میں ہونا چاہیے۔ برجستگی کے ساتھ یوں بال کی کھال نکالنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ گندی تحریروں میں پوشیدہ یہ فرق میری نظروں میں بھی نہیں آسکا۔ میں بہت احتیاط سے پتا چلاتا ہوں کہ حشمت خان والے اندراجات کس کی تحریر میں ہیں۔ یہ معاملہ اب بہت حسّاس اور نازک ہوچکا ہے۔"

"غالباً تم نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ وہ کل شام چار بجے سے اب تک یہیں مقیم ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اب مجھے اتنا گیا گزرا نہ سمجھو!" اس نے مذاق میں ہنستے ہوئے گہری چوٹ کرڈالی "اس کی موجودگی کی وجہ سے ہی میں نے اس معاملے کو نازک اور حساس قرار دیا ہے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ ارجن کے قتل کے سلسلے میں اس کے بارے میں چھان بین کی جارہی ہے تو وہ اسی لمحے غائب ہوجائے گا۔"

"غائب ہوکر کہاں جائے گا۔" اول خان نے بے ساختہ، پورے اعتماد سے کہا "رجسٹر میں اپنا فیصل آباد کا پتا لکھوا کروہ اپنی گردن پھنسوا چکا ہے۔"

"تم بعض اوقات بہت بھولے بن جاتے ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر وہ مشکوک آدمی نہیں ہے تو اس بھنک سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ہوٹل میں رک کر ہر قانونی باز پرس کا سامنا کرے گا۔ وہ ہمارا مطلوب آدمی ہے تو ہم اسے ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔ اس کا فیصل آباد کا پتا بالکل غلط ثابت ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔" وہ تفکر آمیز انداز میں سرہلا کر بولا "پھر تو اس کا نام بھی غلط ثابت ہوسکتا ہے۔"

"امکان یہی ہے۔" جلال نے کاغذات سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے ہوئے، اس کی بات کی توثیق کی "پھر ہر بات فراڈ اور غلط ہوگی۔"

جلال یکایک بہت عجلت میں نظر آنے لگا تھا۔ کاغذات سمیٹتے ہی وہ اٹھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ اپنا چشمہ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ بیٹھ کر جلال کی واپسی کا انتظار کیا جائے!" اول خان نے پوچھا۔

"اپنے آدمی سے کہو کہ وہ نیچے لابی سے انٹر کام پر حشمت خان کے کمرے کا نمبر ملا کر دیکھے۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو ٹھیک ہے لیکن کسی نے فون اٹھالیا تو وہ کیا کرے گا۔" اول خان کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔

"جواب نہ ملنے کا مطلب ہوگا کہ حشمت خان شریف آدمی ہے۔ وہ اس سے کوئی بھی فرضی بات کر کے معذرت کے ساتھ فون بند کردے۔" میں نے کہا۔

"شاید تم نتیجہ اخذ کرنے میں عجلت کر رہے ہو۔ حشمت خان اپنے کمرے میں ہے۔ اس کا ہمدرد اور مخبر ارجن مر چکا ہے۔ ایسی مفروضہ صورت میں اسے پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ اس کے بارے میں کوئی چھان بین ہو رہی ہے۔ یہ بات ابھی تک صرف ہم تینوں ہی جانتے ہیں۔ اس کارروائی سے کوئی اور اس وقت واقف ہوگا جب جلال وہ اندراج دکھا کر کسی سے تحریر کی تصدیق کرائے گا۔"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ مشتبہ فرد کے فرار کے لیے صرف اتنی خبر ہی کافی تھی کہ ارجن کو ہوٹل میں مار دیا گیا تھا۔

اس وقت میرے لیے کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "تم یہیں بیٹھو۔ میں نچلے فلور پر ذرا حشمت خان کے کمرے کا دیدار کر کے آتا ہوں۔"

"اچھی تجویز ہے۔" وہ بولا "میں اکیلا یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"ہم دونوں میں سے کسی ایک کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جلال یا تمہارا آدمی انٹر کام پر رابطے کی کوشش کر سکتا ہے۔ یہاں سے انہیں کوئی جواب نہ ملا تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ صورت احوال واضح ہونے تک یہ ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان بنا ہوا ہے۔"

"بس دور سے جائزہ لے کر آجانا۔ کوئی نظر آجائے تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اول خان نے مجھے سمجھایا۔

میں نے مسکرا کر سر خم کیا اور ہاتھ ہلا کر کمرے سے نیچے اتر گیا۔

اپنے فلور سے تیسری منزل پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کے بجائے زینوں کا انتخاب کیا۔ قابلِ اعتبار اور سبک رفتار لفٹ سروس کی موجودگی میں کوئی بھی زینوں پر موجود نہیں تھا۔ میں نے سگریٹ پیتے ہوئے خراماں خراماں زینے طے کیے اور تیسری منزل پر پہنچ کر رہائشی کمروں والی خوب صورت راہداری کی طرف مڑ گیا۔

دوسرے کمروں کی طرح کمرا نمبر تین سو دس کا دروازہ بھی بند تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہینڈل پر گتے کا وہ مخصوص ٹیگ جھول رہا تھا جس پر نمایاں انگریزی حروف میں مخل نہ ہونے کی التجا کی گئی تھی۔ وہ ٹیگ ظاہر کر رہا تھا کہ حشمت خان اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ دروازے پر طبع آزمائی کروں اور کم از کم اس شریف آدمی کا دیدار ضرور کرلوں جو ارجن کے قتل سے بے پروا ہو کر اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا اور ہم بلاوجہ اس کے بارے میں چھان بین کرتے پھر رہے تھے مگر میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔

وہ آرام کر رہا تھا تو دروازے کا اندر سے مقفل ہونا ناگزیر تھا۔ دروازے پر ٹیگ لگا ہونے کے باوجود دستک دینا بد اخلاقی کے مترادف ہوتا۔ انٹر کام کی گھنٹیاں بجا کر اس شریف آدمی کو اطمینان سے جگایا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا اور راہداری کو ویران پا کر وہیں سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

تیسری منزل سے گراؤنڈ فلور پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کو ترجیح دی۔ تیسری منزل کے کمرے میں حشمت خان کی موجودگی کی علامات پا کر مجھے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ ہماری ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد رائگاں جاتی نظر آرہی تھی۔

میں نے ایک قطار میں، دیوار گیر کاؤنٹر پر لگے ہوئے انسٹرومنٹس میں سے ایک پر کمرے کا نمبر ملایا اور دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر وقفے وقفے سے گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ کہیں ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی سے ہمیشہ کی نیند نہ سلا دیا گیا ہو۔

ٹیگ بتا رہا تھا کہ وہ کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور تیزی سے لفٹ کی طرف ہولیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے میرا ارادہ براہِ راست حشمت خان کے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لفٹ کے حرکت میں آنے تک میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ان نازک حالات میں میرا حشمت خان کے کمرے پر جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ جوش اور عجلت میں کام خراب بھی ہو سکتا تھا۔

حشمت ہوٹل کے کمرے میں تھا یا نہیں تھا اور اگر وہ کمرے میں تھا تو کس حال میں تھا کہ فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی تھیں۔ وہ سوالات بہت اہم تھے۔ ان کے جوابات مل جانے سے کئی گتھیاں سلجھ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں جو کچھ ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ اگر ہمیں وہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جاتی تو وہاں کی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی تھی۔ حالات جوں کے توں رہتے۔

میں لفٹ میں سوار ہوتے ہی تیسری منزل کا بٹن دبا چکا تھا۔ لفٹ چند ثانیوں کے لیے اس فلور پر رکی۔ دروازہ کھل کر بند ہوا اور ذرا سی دیر میں' میں دوبارہ پانچویں منزل پر واقع' اول خان کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

اول خان بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی اس نے اپنی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"کچھ نہیں ہوا۔" میں نے نیم دلی سے اسے بتایا "کمرے کا دروازہ بند ہے اور اس کے ہینڈل پر نوڈسٹربنس پلیز کا نمایاں ٹیگ جھول رہا ہے۔"

اول خان نے بے صبری سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "تم کو انٹرکام پر اسے چیک کرنا چاہیے۔ وہ کمرے میں موجود ہے تو فون ضرور اٹھائے گا۔"

"میری یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا "میں نے نچلے فلور سے فون کیا تھا' اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اسی فراق میں مجھے واپس آنے میں تاخیر ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ اسے بھی ارجن کمار کی طرح لمبے سفر پر روانہ کر دیا گیا ہو!" اول خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"بات پلّے بھی نہیں آتی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ارجن کو بلاک مار دیا گیا ہے۔ مجھ سے یعنی کرنل داور سے بات

کرتے ہوئے اس سے ایک چوک ہو گئی تھی جس کا ازالہ ارجن کے قتل کے سوا کسی اور طرح نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بہت تیزی سے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ یہاں تک بات قابلِ فہم ہے مگر حشمت کا معاملہ مختلف ہے۔ ان لوگوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہے۔ ان کے متعدد ساتھی ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے مارے جا چکے ہیں۔ وہ خود بھی اتنی تیزی سے اپنے آدمیوں کا صفایا کرتے رہے تو پھر کام کس سے لیں گے۔ نک اور ٹام اپنے آرام دہ دفتروں میں بیٹھ کر بھیانک منصوبہ بندیاں کر سکتے ہیں لیکن میدان میں اترنا ان کے بس سے باہر ہے۔ فیلڈ ورک کے ذریعے کام کو آگے بڑھانے کے لیے انہیں مقامی کارندوں کی شدید ضرورت ہے۔ ارجن کا کانٹا صاف کر دینے کے بعد حشمت کے قتل کا کوئی واضح جواز نہیں رہا تھا۔"

"اب کم از کم یہ بات صاف ہو گئی کہ حشمت کوئی بے گناہ آدمی نہیں ہے بلکہ ان کا قریبی معاون اور مددگار ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام اور پتا درست نہیں ہے۔ فیصل آباد کے پتے پر ہم کسی حشمت خان کو دریافت نہیں کر سکیں گے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔"

وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکرا رہا تھا لیکن اول خان مجھ سے پہلے وہ بات اپنی زبان پر لے آیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں سوچتا رہ گیا اور تم نے اپنے دل میں آنے والی بات کہہ ڈالی۔ مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ مغالطے میں ڈالنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے ورنہ وہ ہوٹل سے نکل چکا ہے۔"

"وہ نک اور ٹام کا آدمی ہے تو ارجن کے قتل کے بعد اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔" اس نے میری تائید کی۔

اس بارے میں اول خان سے کھل کر بات کر لینے کے بعد میرے ذہن سے خلش دور ہو گئی۔ اب مسئلہ صرف اتنا رہ گیا تھا کہ اس بند کمرے کا دروازہ کھول کر اس اندازے کی تائید حاصل کی جا سکے۔

اول خان اس معاملے میں ایس ٹی ایف کے کردار کو پس منظر میں رکھنا چاہ رہا تھا۔ آئی بی والوں کی پالیسی میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ روز مرہ کے واقعات اور شہری پولیس کے دائرہ کار میں کبھی بے جا مداخلت نہیں کرتے تھے۔ میں نے ہوٹل کے رجسٹر کے بارے میں جلال کو یہ باور کرا دیا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں تیزی سے کسی پیش قدمی کے لیے اس کا جائزہ لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جلال نے اس ضرورت

کا ادراک کرتے ہوئے خود میدان میں آکر وہ کام کر ڈالا تھا۔

رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لیے بھی اس نے اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلی کر کے یہ اہتمام کر لیا تھا کہ ہوٹل میں اس کا کوئی شناسا افسر یا عملے کا کوئی رکن اسے آسانی سے شناخت نہ کر سکے۔ شاید اس نے صرف ڈی آئی جی کو اپنی شناخت کرانے کے بعد اپنا کام نکالا تھا۔ دوسرے افسران کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں یکایک آئی بی والوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔

ڈی آئی جی کو اعتماد میں لے کر وہ خود پس پردہ رہتے ہوئے، حشمت کا بند کمرا بھی کھلوا سکتا تھا۔ ایک بار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ وہ ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل سے فرار ہو چکا تھا تو پھر پورے زور و شور سے اس کی شناخت اور تلاش کی مہم شروع کی جا سکتی تھی۔

حشمت کے بارے میں ایک واضح امکان ذہن میں آجانے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نقشہ جمنا شروع ہو گیا تھا۔

حشمت اور اس جیسے کچھ لوگ پاکستان کی سرزمین پر غیر ملکی سازشی قوتوں کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ حشمت کراچی کا کوئی معزز اور بارسوخ شہری تھا جو درپردہ ٹنک اور رام سے ملا ہوا ہونے کے باوجود اپنے اصل روپ میں کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید ارجن اسی کی دریافت تھا اور اسی کے ایما پر ٹنک کے مقاصد اور مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔

حشمت کا اصل مسکن کہیں اور تھا۔ وہ ضرورت کے وقت اس ہوٹل میں آتا تھا اور ارجن کمار عزت اور احترام سے اس کے لیے کسی کمرے کا بندوبست کر دیتا تھا۔ ان دونوں کی ملی بھگت کی وجہ سے ہوٹل میں کسی کی مجال نہیں رہی ہو گی کہ وہ حشمت سے اس کی شناخت کی تصدیق طلب کر سکے۔ وہ آتا، ہوٹل میں رہتا اور کچھ گنے چنے لوگوں سے کوبرا کے روپ میں مل کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا ہو گا۔

یہ اس کی چالاکی تھی کہ ارجن کے قتل کے بعد اس نے باضابطہ طور پر ہوٹل نہیں چھوڑا تھا۔ اس خوں ریز واردات کے فوری بعد ہوٹل چھوڑنے والے مہمان پولیس کی تفتیشی سرگرمیوں کی زد میں آسکتے تھے۔

اس نے ہوٹل کے عملے اور کسی غیر متوقع مہمان کو دھوکا دینے کے لیے اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل میں ایک ٹیگ لٹکایا اور خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا۔

اول خان اپنی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور میں اسی معاملے پر مغز زنی کر رہا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مرحلے پر حشمت کے بند کمرے کو چھیڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ ارجن کے قتل کے بعد پہلی فرصت میں فرار ہو چکا تھا۔

وہ ہوٹل کے مستقل مہمانوں میں سے ایک تھا۔ دس صفحات پر مشتمل، چند روزہ ریکارڈ میں اس کی تین مرتبہ آمد کا اندراج تھا۔ وہ نہ جانے کب سے اس ہوٹل کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ ہوٹل کے عملے میں ارجن اس کے اعتماد کا قریبی آدمی تھا جو مارا جا چکا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ ہوٹل کے نچلے عملے کے بہت سے افراد سے اس کے قریبی مراسم رہے ہوں گے۔ وہ فضا میں خطرے کی بو سونگھ کر فوری طور پر ہوٹل سے فرار ہو گیا تھا لیکن بعد میں یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ اس کے خاموشی سے فرار کے نتیجے میں ہوٹل میں کیا صورت حال پیش آئی تھی۔

ذرا سے انعام کے لالچ میں عملے کا کوئی بھی فرد اسے بعد میں پیش آنے والے واقعات سے پوری طرح آگاہ کر سکتا تھا۔

اگر اسے یہ پتا چل جاتا کہ اس کے کمرے کی خصوصی طور پر جانچ پڑتال کی گئی تھی تو وہ بہت زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا۔ ہمارے لیے اس وقت بہترین حکمت عملی یہ تھی کہ اس کے کمرے کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جائے تاکہ حشمت ہمارے عزائم سے بالکل بے خبر رہ کر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ہوٹل کا عملہ اپنے روز مرہ کے معمول کے مطابق کسی نہ کسی وقت یہ پتا چلا لیتا کہ کمرا نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا مہمان پراسرار انداز میں غائب ہو چکا ہے۔

ہوٹلوں کے کمروں میں اکیلے مہمانوں کا ٹھہرنا ایک معمول ہے۔ مہمانوں کو اپنی خلوت میں رہنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن مستقل طور پر دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ چند گھنٹوں بعد ہی فلور پر موجود، روم سروس کے عملے کو حشمت کے کمرے کی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ اندر والے سے رابطہ قائم کرنے کی روایتی کوششوں میں ناکامی کے بعد ہوٹل والے یہی سوچ سکتے تھے کہ ان کا مہمان شاید علیل ہو کر اچانک اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ کسی بھی رابطے کی کوشش کا جواب دینے کا قابل نہیں رہا۔

ذمے داروں کی موجودگی میں متبادل چابی سے دروازہ

کھولتے ہی یہ بات سامنے آجاتی کہ حشمت غائب ہوچکا تھا۔

جلال کے اثر و رسوخ کے ذریعے بات آگے بڑھانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے از خود سامنے لائی جاتی۔

میں نے اس بارے میں اول خان سے بات کی تو وہ تحسین آمیز انداز میں میری رائے سے متفق ہوگیا۔

"پھر ہم میں سے کسی کا یہاں رکنا بے سود ہے۔ تم جس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے وہ حاصل کیا جاچکا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل کے ریکارڈ تک اس وقت رسائی بہت مشکل تھی اس لیے میں خود یہاں آیا تھا لیکن ایس ٹی ایف کا نام استعمال کیے بغیر بات بنی مشکل تھی۔"

میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات اڑا دی "چلو' یہ کام جلال نے آسان کردیا۔ اس بہانے یہاں ہم تینوں کی ملاقات بھی ہوگئی۔"

"فوری طور پر کمرا چھوڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ دیا ہے۔ میرے بعد میرا آدمی یہ کمرا سنبھال لے گا۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ کسی نہ کسی کو یہاں رہنا چاہیے تاکہ ہم حشمت کے کمرے میں پیش آنے والی آخری صورت حال سے واقف ہوسکیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ وہ بھاگ چکا ہے لیکن ایک فیصد شبہ ہے کہ کہیں اسے کمرے میں ہی نہ مار دیا گیا ہو۔"

"اس وہم کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ اس وقت اس کا سایہ بھی اس ہوٹل میں موجود نہیں ہے۔"

چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو جلال سامنے کھڑا عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"مبارک ہو!" دروازہ بند ہوجانے کے بعد اس نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تمہاری بھاگ دوڑ ضائع نہیں ہوئی۔ تم نے اس معاملے پر خاصی عرق ریزی سے کام کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ تحریر ارجن کی ثابت ہوئی ہے۔"

مجھے پہلے سے اس خبر کی توقع تھی لیکن جلال کی زبان سے وہ کلمات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

کچھ دیر پہلے جب میں نے کرنل داور بن کرنک سے بات کی تھی تو ہمارے سامنے کوبرا کے سوا کوئی نام نہیں تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کے منیجر کے عہدے اور کوبرا کے لقب سے شروع ہونے والی بات کے محض دو گھنٹے بعد ارجن کی لاش اور حشمت کا نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔

بن ڈیوڈ کی موت کے بعد ہم خود کو جس بند گلی میں محسوس کررہے تھے اس سے نکلنے اور کچھ پیش رفت کرنے کے آثار نمودار ہورہے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ سراغ سامنے آچکے تھے۔ سلمٰی نے تل والی لڑکی کی جو کہانی سنائی تھی اس پر یقین نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ میں نے سلمٰی سے اس گفتگو کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کیے تھے اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس بے کس اور ضرورت مند لڑکی نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر سلمٰی کو ہر بات درست بتائی تھی۔

اس کے بیان کی صحت پر اعتبار کرلینے کے بعد میرے لیے وہ آدمی بہت اہم ہوگیا تھا جس نے تل والی لڑکی کو ایک ہزار روپے کے عوض جہانگیر کے فلیٹ میں جانے اور کچھ مخصوص معلومات جمع کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ عام سی متوسط قامت اور سانولے رنگ کے باوجود اسے اپنی پیشانی پر موجود' زخم کے پرانے نشان کی بدولت ہزاروں کی بھیڑ میں الگ سے پہچانا جاسکتا تھا۔

میرے لیے ان سب سے زیادہ اہم سوبھراج کا نام تھا جو نیلی ڈاج کے حوالے سے سامنے آیا تھا۔ چوپڑا نے پرتشدد تفتیش کے دوران اس کی عزت اور اعتبار کی کہانی سنائی تھی مگر سوبھراج کے مجرمانہ ماضی اور اس کے اس وقت کے کردار کی روشنی میں میرے لیے اس کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بکھرے ہوئے سراغ تھے جو رہ رہ کر میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا تھا کہ ان کے درمیان آپس میں کہیں نہ کہیں گہرا تعلق موجود تھا مگر عملی طور پر میں بالکل اندھیرے میں تھا۔

جلال اور اول خان ٹھوس عملی دنیا کے آدمی تھے۔ وہ مضبوط مفروضوں اور قیاسات پر بھی کام کرتے تھے مگر میں نے سوبھراج کے بارے میں اس وقت اپنی زبان کو بند رکھنا ہی بہتر سمجھا۔

"اب یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ اس ہوٹل میں ارجن کا خاص مہمان حشمت ہی ہوا کرتا تھا۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" جلال نے اعتراف کیا "ہمیں کام کرنے کے لیے ایک سمت مل گئی ہے۔"

"ارجن کی تحریر کی تصدیق کے چکر میں یہ بات ہوٹل کے عملے میں پھیل گئی ہوگی کہ حشمت کی آمد کا اندراج ارجن خود کیا کرتا تھا۔" میں اس معاملے کو ایک دوسرے زاویے سے بھی دیکھ رہا تھا۔

"بات پھیل جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔" جلال نے برجستہ جواب دیا "اس وقت ساری اہمیت رازداری کی ہے۔ ہوٹل میں حشمت کے دوسرے روابط بھی ہوں گے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ اس کی ذات شبہات کی زد میں آگئی ہے تو وہ زیر زمین چلا جائے گا اور ہم بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

"تمہارے آنے سے پہلے ڈیبی نے بالکل یہی بات ذرا دوسرے الفاظ میں کہی تھی۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا۔

"کیوں؟ تم کیا سوچ رہے تھے؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"حشمت کے دروازے پر نوڈسٹربنس کا ٹیگ جھول رہا ہے اور فون پر جواب نہیں مل رہا۔"

"ارجن کے قتل کے بعد اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رکنا چاہیے تھا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا ہوگا۔" جلال نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ اس کا کمرا کھلوا دیا جائے لیکن اس طرح بات پھیل جاتی۔" میں نے اپنی بات خود ہی دہرا دی "ہمیں انتظار کرنا ہوگا کہ ہوٹل کا عملہ اس بند کمرے کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔"

"کمال ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا "ادھر تم یہ سوچ رہے تھے اور میں بھی اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ ڈی آئی جی نے میری بات سنتے ہی' تحریر کی شناخت کے لیے ڈیوٹی کلرک کو بلا کر پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا مگر پھر میری بات سے متفق ہوگیا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ خود اپنی بات پوری کرے گا مگر جب اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہوگیا تو اول خان مضطرب ہو کر بول پڑا "پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تحریر ارجن کی ہے۔"

"ارجن کی درازوں اور فائلوں میں اس کی بہت سی تحریریں تھیں۔ ان سے موازنے کے بعد کسی سے مزید پوچھ گچھ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔" جلال نے اطمینان سے جواب دیا۔

جلال کی محتاط روی کی وجہ سے وہ نکتہ صرف ڈی آئی جی کی ذات تک محدود رہا۔ جلال نے یہ بات اس کے ذہن میں ڈال دی کہ حشمت کا ارجن کے قتل سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رہا ہوگا۔

پولیس کے محکمے کے لیے وہ قتل کی ایک الجھی ہوئی اور پراسرار واردات تھی جس کے سر پیر کا کوئی سرا سامنے نہیں تھا۔ جلال نے بھی ڈی آئی جی کے لیے اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس قتل کے پس منظر میں موجودہ حالات و واقعات کا صیغہ راز میں رہنا ہی سب کے مفاد میں تھا۔ اسی طرح حشمت کے کمرے کو چھیڑنا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ میرے خیال کی بازگشت تھی۔

ڈی آئی جی کے ذہن میں یہ منطقی سوال ابھرا تھا کہ آئی بی کے ایک ذمے دار افسر کو ارجن کے قتل میں یکایک کیوں دلچسپی ہوگئی تھی۔ جلال ایسے سوالات کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا کہ شہر کے ایک مشہور ہوٹل میں ارجن کے دیدہ دلیرانہ قتل کی خبر سن کر اس کے ذہن میں اس شبے نے سر ابھارا تھا کہ اس واقعے میں کہیں را کے قضیوں کی کوئی کڑی ملوث نہ ہو۔ وہ دوڑا ہوا ہوٹل چلا آیا تاکہ ذاتی طور پر واقعات سے آگاہی حاصل کرسکے۔

یہ بات ڈی آئی جی بھی جانتا تھا کہ ابتدائی طور پر وہ معاملہ بھارتی سیکرٹ سروس سے متعلق نظر آیا تو وہ کیس چند ہی روز میں پولیس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور پھر انہیں آخر تک کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ آئی بی والوں نے مجرموں کا کیا حشر کیا۔

جلال نے اپنا کردار بہت خوش اسلوبی اور تیزی سے نبھایا تھا۔ اسے نظریہ ضرورت کے تحت اپنے سر میں چپڑے ہوئے تیل سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے ہم دونوں سے ہمارے اگلے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا اور پھر کمرے سے رخصت ہوگیا۔

"تم اپنے آدمی کو یہ کمرا کب سونپو گے؟" جلال کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تمہارے جاتے ہی میں اسے یہاں بلالوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری روانگی کا انتظار کررہے ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم چاہو تو بیٹھے رہو۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر بعد میں بھی چل دوں گا۔ دراصل تمہاری موجودگی میں میرے آدمی جھجکتے ہیں یا کھل کر بات کرنے سے خائف رہتے ہیں۔ تخلیے میں میرا آدمی مجھ سے بے تکلفی سے ہر بے تکی بات بھی پوچھ لے گا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کام کے بارے میں میری اپنے اسٹاف سے کافی بے تکلفی ہے۔"

اول خان کی وہ وضاحت ضرورت سے زیادہ کافی تھی۔ میں نے خندہ پیشانی سے اسے الوداع کہہ دیا۔

O*O

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس چکر میں کچھ اور ہو یا نہ ہو' جہانگیر مفت میں مارا جائے گا۔" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

اس وقت ان تینوں کے سروں پر سب سے زیادہ اسی کی فکر سوار تھی۔ سلمیٰ ہمارے گھر زیادہ فون نہیں کرتی تھی۔ غزالہ نے لاکھ کوشش کی کہ سلمیٰ اسے کچھ بتا دے۔ جب وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوئی اور مجھ ہی سے بات کرنے پر اڑی رہی تو غزالہ نے مجبور ہو کر اسے میرے موبائل فون کا نمبر دے دیا۔

وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ میری واپسی تک وہ تینوں ذہنی طور پر اسی میں الجھے رہے۔ ان کے لیے جہانگیر کی سلامتی' ارجن کے قتل سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے میرے گھر پہنچتے ہی' سب سے پہلے اسی کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

"اسے دانستہ نظر انداز نہیں کیا جا رہا۔" میں نے تحمل سے کہا "اس کی حفاظت کے لیے ایس ٹی ایف کا ایک مسلح محافظ دن رات وہاں موجود رہتا ہے۔"

"کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہارا پالا کن لوگوں سے پڑا ہوا ہے۔ وہ آنکھ سے سرمہ چرا لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" ویرا اسی تیکھے انداز میں بولی "اول خان کا آدمی نیچے اپنی ڈیوٹی پر بیٹھا رہ جائے گا اور وہ اوپر جا کر اپنا کام کر گزریں گے۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ بیٹھے رہ جائیں۔" سلطان شاہ نے ترشی سے اسے جواب دیا۔

"ڈیپی کے آنے سے پہلے تم اتنے بولائے ہوئے تھے کہ جہانگیر کے گھر جا کر صورت حال کا جائزہ لینے پر تلے ہوئے تھے اور اب ڈیپی کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صورت دیکھتے ہی تمہارے فرشتے کوچ کر جاتے ہیں۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نیلی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ انہیں خوب صورت ہی رہنے دو۔ ان کا حلیہ نہ بگاڑو۔"

"میں کہتی ہوں کہ اسے کمزور چارہ سمجھ کر ان کے دو چار آدمی پوری تیاری کے ساتھ وہاں آئے تو وہ اکیلا آدمی ان کا کیا بگاڑ لے گا!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس وقت اس کے ہر سوال کا رخ صرف اور صرف میری طرف تھا۔

"وہ دو چار آدمی کہاں سے لائیں گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "تمہیں علم نہیں ہے کہ پچھلے چند روز میں ان کے کتنے آدمی جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"کچھ تو مجھے زبانی یاد ہیں۔" سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر میری ہم نوائی کی "چار را والے مارے گئے۔ پانچواں نیلی ڈاج کا ڈرائیور تھا۔ بن ڈیوڈ کے مرنے کے ساتھ یہ تعداد چھ تک پہنچ گئی۔ ساتواں چوہڑا تھا جو آئی بی کی قید میں ہے۔"

"تم ان پر بلاوجہ مشتعل ہو رہی ہو۔" غزالہ نے بھی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "جہانگیر اور سلمیٰ کی حفاظت کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ان انتظامات کو مزید بہتر اور مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا جارحانہ انداز میں اپنے صوفے پر قدرے آگے سرک آئی "مجھے بتاؤ کہ اس کے لیے مزید کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس قحط الرجال ہے۔ ایس ٹی ایف کے پاس افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں۔ وہاں فوری طور پر آدمیوں کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے مگر ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہارے سر پر یکایک یہ بخار کیوں سوار ہو گیا۔"

"تمہارے آنے سے پہلے میں اور میرے ساتھ تمہارے یہ دونوں چہیتے بھی جہانگیر کے بارے میں فکر مند تھے۔ تم نے اپنی کہانی سنا کر میری اس فکر کو تشویش میں بدل دیا ہے۔"

"میں نے تمہیں ایسی کون سی بات بتا دی جس نے تمہارے تفکرات میں یکایک اضافہ کر دیا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس تل والی لڑکی کا دوبارہ سلمیٰ سے ٹکرانا خطرے کی گھنٹی ہے۔ کیا تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے؟"

"میں نے اس بارے میں سلمیٰ پر باقاعدہ جرح کی ہے۔ وہ سلمیٰ کی طرف نہیں آئی تھی۔ سلمیٰ نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا تھا۔"

"یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔ گھر میں گھسنے کے بعد اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ وہ دوبارہ ٹکراؤ کی امید میں انہی اطراف میں منڈلا رہی ہے۔"

"یہ تمہارے معدے کی گرانی کے اثرات ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ آسودہ حال لوگوں کا گنجان آباد علاقہ ہے۔ ہر اونچی بلڈنگ میں دسیوں خوش حال خاندان رہتے

ہیں۔ وہ گھر گھر گھوم پھر کر وہاں کچھ نہ کچھ بیچ لیتی ہے۔ مجھے اس لڑکی کی سچائی پر پورا بھروسا ہے۔"

"وہ لڑکی سچی ہے اور میں جھوٹی ہوں۔" ویرا تنک کر بے ساختہ بولی۔

"تم بلاوجہ خود کو اس سے ملا رہی ہو۔" ویرا کی بات پر غزالہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "وہ ایک راہ چلتی لڑکی تھی جسے معاوضہ دے کر ایک مذموم مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ تم گھر کی ایک فرد اور جہانگیر کی خیر خواہ ہو۔ تمہارا اور اس کا کیا مقابلہ ہے۔"

"سلمیٰ عقل سے کوری اور بالکل ڈفر ہے۔" ویرا بولی "وہ لڑکی دوسری مرتبہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک ہزار روپے میں پرفیوم کے نام پر خوشبودار اسپرٹ کی دو شیشیاں تھما کر چلی گئی۔ میں سلمیٰ کے کسی مشاہدے یا تبصرے پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

مجھے اندازہ ہوا کہ ویرا کو سارا غصہ سلمیٰ پر تھا جس نے غزالہ کو کچھ نہ بتا کر ان تینوں کو ذہنی کوفت اور الجھن میں مبتلا کیے رکھا۔ وہ شاید یہ توقع بھی کر رہی ہو گی کہ قتل والی مشتبہ لڑکی کو دوسری بار دیکھتے ہی، سلمیٰ کو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی تھانے میں پہنچا دینا چاہیے تھا۔ سلمیٰ اس لڑکی کے ساتھ وہ سلوک نہ بھی کرتی تو اسے لڑکی کو دو چار ہاتھ ہی جھاڑ دینے چاہیے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ سلمیٰ اس کے برعکس ایک مشرقی عورت تھی۔ ایک تعلیم یافتہ مشرقی عورت ہاتھا پائی کو اپنی توہین تصور کرتی ہے۔ اس کی نظروں میں سلمیٰ کا یہ جرم کم نہیں تھا کہ اس نے لڑکی سے ہمدردانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے اپنی گاڑی میں کچھ دور تک لفٹ دی تھی۔

وہ رائے قائم کرتے ہی میں نے موضوع بدل دینے کا فیصلہ کر لیا اور کہا "اب اس منحوس لڑکی کو جہنم میں ڈالو۔ اس کے ذکر سے تم بلاوجہ چڑ رہی ہو۔ میں سلمیٰ کو مشورہ دوں گا کہ وہ لڑکی اب کہیں نظر آئے تو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی قریبی پولیس والے کے حوالے کر دے۔"

"پولیس والے اپنی حرکتوں کی وجہ سے بہت بدنام ہیں لیکن کسی کی فرمائش پر راہ چلتوں کو یوں نہیں پکڑتے۔" میں وہ مصالحانہ بات کہتے ہوئے یہ نکتہ فراموش کر گیا تھا کہ سلطان شاہ بھی ہمارے ساتھ موجود تھا۔ ویرا کو مزید سلگانے کے لیے اس کا اختلاف رائے ضروری تھا۔

"وہ فراڈ ہے۔ گھروں کی مخبری کرتی ہے اور جعلی چیزیں بیچتی پھرتی ہے۔" مجھے اپنا ہم نوا پا کر ویرا کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔

"یہ سب الزامات میرے ذہن میں ہیں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا "اور پکھ لیں تو یہی ایک بہتان کافی ہو گا کہ اس نے سلمیٰ سے اس کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔"

"ویری گڈ!" ویرا کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں "اسے کسی تھانے کے لاک اپ میں پہنچانے کے لیے یہی ایک الزام سب سے بہتر اور کافی ثابت ہو گا۔ وہ ایک مرتبہ تھانے میں پہنچ گئی تو پھر فرفر اپنے سارے کرتوت اگلنا شروع کر دے گی۔"

"اس لڑکی کے چکر میں ہم نے ابھی تک ارجن اور حشمت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی!" غزالہ نے ٹوکا۔

"ارجن مردہ خانے میں پہنچ چکا ہے۔ حشمت چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" ویرا بولی۔

"یہ نہ بھولو کہ ہوٹل میں جو کچھ ہوا وہ تنک کے اشارے پر ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"تنک سے ایک بار غلطی ہو گئی کہ اس نے ڈیبی کو ہوٹل کے منیجر کے بارے میں بتا دیا۔ دوبارہ وہ ایسی فاش غلطی نہیں کرے گا۔ ہمیں اپنے طور پر حشمت کے گریبان تک پہنچنا ہو گا۔ وہ بتائے گا کہ اس کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔" ویرا کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ وہ سکون سے بات کر رہی تھی۔

میں اس بارے میں راستے بھر مغز سوزی کرتا رہا تھا اس لیے خاموشی سے بیٹھا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ ان تینوں کی آپس کی باتوں سے بھی کام کا کوئی نکتہ ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔

"اس بارے میں فی الحال کیا کیا جا سکتا ہے!" غزالہ بولی "تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا بتا رہے تھے۔ اول خان اور جلال اس وقت اپنے اپنے محکموں کو الگ تھلگ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ ارجن کا قتل زبردستی پولیس کے گلے پڑ گیا ہے۔ ان بے چاروں کو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ ڈی آئی جی کو حشمت کے بارے میں بتا دیا گیا ہے لیکن پولیس والے اس کے کمرے کا رخ نہیں کریں گے۔ جب تک ہوٹل والوں کی طرف سے حشمت کے غائب ہونے کی خبر سامنے نہیں آتی، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ غزالہ نے کام کی ہر بات ذہن نشین کی ہوئی تھی۔ اس وقت کی صحیح پوزیشن یہی تھی کہ ہم حشمت کے بارے میں کوئی کام کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس کو محکمہ جاتی اور میری گہری دلچسپی سے بے خبر رکھنے کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

"اگر ہوٹل کے عملے نے چار دن تک وہ کمرا نہیں کھولا

تو ہم یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے!" ویرا نے فکرمندانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
"وہ کوئی بھٹکڑ خانہ نہیں' فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ روز صبح ہر کمرے کی صفائی ہوتی ہے۔ چادریں اور تولیے وغیرہ بدلے جاتے ہیں۔ افراتفری میں آج کوئی ادھر متوجہ نہ ہوا تو زیادہ سے زیادہ صبح تک بات کھل جائے گی۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔
"تم حشمت کے بارے میں کیا کرنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔
"ایک بار اس کی کوئی واضح شناخت سامنے آجائے تو پھر اسے شہر میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔"
"لاکھوں کی آبادی والے شہر میں ایک فرد کو تلاش کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" غزالہ نے اسے جتایا۔
"وہ بن ڈیوڈ سے زیادہ پراسرار نہیں ہوسکتا۔ کوبرا اس کا خفیہ روپ ہوسکتا ہے جس سے صرف ارجن واقف تھا۔ حشمت خان کے روپ میں اسے ہوٹل کے بہتیرے ملازموں نے دیکھا ہوگا۔ جب کام شروع ہوتا ہے تو کڑیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔ ہم بن ڈیوڈ یا آئی مین تک پہنچ گئے تھے تو حشمت کا سراغ بھی مل ہی جائے گا۔"
ویرا کی وہ پرامیدی حوصلہ افزا تھی لیکن وہ حشمت اور بن کا غلط موازنہ کررہی تھی۔ بن امریکی نژاد تھا۔ شہر میں اس کے گنے چنے روابط تھے جبکہ حشمت اپنے نام سے مقامی معلوم ہوتا تھا۔ اس امر میں مجھے کوئی شبہ نہیں تھا کہ حشمت کے تنک سے براہِ راست روابط رہے ہوں گے لیکن اسے مقامی ہونے کا بہت بڑا فائدہ حاصل تھا۔ ویرا کی اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ایک مرتبہ کام شروع کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی سرا ہمارے ہاتھ آسکتا تھا۔
"بن اور حشمت میں بہت فرق ہے۔" سلطان شاہ ویرا کو ناصحانہ انداز میں سمجھا رہا تھا "بن شروع سے آخر تک پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹکتا رہا اور امریکی قونصل خانے سے نکالے جانے کے بعد اسی چکر میں بی نا مین کے جال میں آ پھنسا اور مارا گیا۔ حشمت کا کیس مختلف ہے۔ وہ ہوٹل سے فرار ہوکر آرام سے اپنے گھر میں گھس کر بیٹھ گیا ہوگا۔ اسے کوئی عجلت نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر بیٹھ کر آرام سے مطلع صاف ہونے کا انتظار کرے گا۔"
"وہ پاتال میں بھی چھپ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا "میں نے مت طویل مجرمانہ زندگی گزاری ہے۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ کوئی جرم بے داغ نہیں ہوتا۔ ہر مجرم سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوتی ہے اور وہی اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔"
"تم اپنے انجام سے بچی ہوئی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہیں کہ تمہارا ہر جرم مکمل اور بے داغ ہوا کرتا تھا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "میری کہی ہوئی ہر بات میں تم کیڑے تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ میں نے اپنے جرائم کی بہت سی سزائیں بھگتی ہیں۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سزا کے لیے پولیس اور جیل کا دخل ضروری ہو۔ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کی مسلط کی ہوئی سزائیں بہت دردناک ہوتی ہیں۔ میری بعض غلطیوں کا خمیازہ شی نے بھگتا تھا اور کئی بڑے مالی نقصان اٹھائے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ماضی سے تائب ہوکر اب شاید اس کا ازالہ کررہی ہوں۔"
"اس وقت مجھے تمہاری باتیں سن کر خوشی ہوئی ہے۔" غزالہ نے بے ساختہ کہا "آج سے پہلے تم ہمیشہ اپنے ماضی کا ذکر فخریہ انداز میں کرتی رہی ہو۔"
"اس ماضی کی اپنی شان و شوکت تھی۔ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ شی کے کارندوں پر میری کتنی ہیبت تھی تو میں جذبات کے ریلے میں بہہ جاتی ہوں۔"
"اب تم پھر بہک رہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "ہم حشمت کی باتیں کررہے تھے اور تم نے اپنے ماضی کا ذکر نکال لیا۔"
ہم چاروں کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا سپاہی ابرار کچن میں مصروف تھا۔ دین محمد نامی دوسرا سپاہی چھت پر پہرا دے رہا تھا۔
کچن کی ذمے داریوں سے نجات مل جانے کے بعد ویرا اور غزالہ کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ مجھے غزالہ کو بے تکان باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ وہ ماضی قریب میں رونما ہونے والے ہر واقعے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ امور خانہ داری میں مصروف رہنے کی وجہ سے وہ ہماری باتوں سے بے خبر رہتی ہوگی لیکن اس کی بھرپور معلومات سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے کان ہر وقت گھر میں ہونے والی باتوں پر لگے رہتے تھے۔
ہم چاروں کو میز پر قرینے سے کھانا سرو کرنے کے بعد ابرار نے برتن سمیٹے' کچن میں بیٹھ کر اپنی شکم پری کی اور پھر ٹرے میں اپنے ساتھی کے لیے کھانا لے کر چھت پر چلا گیا تاکہ دین محمد کے کھانا کھانے کے دوران میں خود گھر کے قرب

وجوار پر نظر رکھ سکے۔

میرے اصرار کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے نچلی منزل کے خالی بیڈ روم میں رہنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ دونوں اپنے مختصر اسباب سمیت چھت کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ تاکہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزار سکیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ دوبارہ ڈرائنگ روم میں جم گئے۔ حشمت کی ذات اور ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا تھا اس لیے اِدھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں جن کا رخ بتدریج عالمی سیاست کی طرف ہوتا چلا گیا۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ ارجن کے ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس کا معمایکایک حل ہو گیا تھا۔

حشمت اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ بہت چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ مقفل کر کے اس پر ٹیگ لٹکایا اور ہوٹل میں پولیس کی آمد سے پہلے ہی اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر دے کر ہوٹل سے نکل گیا۔ وہاں ارجن کے قتل سے پیدا ہونے والی افراتفری میں کسی نے دھیان نہیں دیا کہ کون کون ہوٹل سے نکل گیا تھا۔ وہ عقدہ حشمت نے خود ہی ہوٹل فون کر کے حل کیا تھا۔ اس نے کلرک کو بتایا کہ وہ ایک ضروری کام کی وجہ سے ہوٹل چھوڑ کر فیصل آباد واپس جا چکا تھا۔ اس کے کمرے کی چابی ہوٹل کے کی بورڈ پر موجود ہونی چاہیے تھی۔ اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے ہوٹل کے واجبات وضع کر کے اس کا حساب بے باق کر دیا جائے۔ اپنی بقایا رقم وہ اگلی آمد کے موقع پر وصول کرلے گا۔

"وہ ضرورت سے زیادہ چالاک اور مکار ہے۔" میں نے وہ کتھا سننے کے بعد غصیلی آواز میں کہا "ہوٹل کا عملہ اس کے غائب ہونے کا معاملہ دریافت کرتا تو اس کی ذات بری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی اور ہر طرف سے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتیں۔ خود فون کر کے اس نے ہر قیاس آرائی کی راہ مسدود کر دی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اول خان کی طرف سے جواب آیا "ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل والے بہت مستعد ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ حشمت کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ ان کی نظروں میں آگیا تھا مگر کسی نے بورڈ پر اس کمرے کی چابی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہوٹل میں بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ حشمت کی ارجن سے گہری دوستی تھی۔ وہ جب بھی آتا تھا' دوسروں سے دعا سلام کرتا ہوا سیدھا ارجن کے دفتر میں جاتا تھا۔ اس کا سارا حساب کتاب وہیں ہوتا تھا۔

"ہوٹل کے عملے سے پہلے یہ باتیں میرے اور تمہارے علم میں ہیں۔"

"وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد اس کے ایک گہرے دوست کی یوں واپسی کو غیر معمولی قرار دے رہے ہیں اسی لیے انہوں نے حشمت کے فون کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ جلال کی تاکید کی وجہ سے پولیس والوں نے ہوٹل کے عملے کو حشمت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔"

"اوہ! یہ بہت اچھا ہوا۔ ہوٹل کی انتظامیہ میری توقع سے زیادہ ذہین ثابت ہوئی ہے۔ حشمت بکواس کرتا ہے۔ اس کا فیصل آباد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کے کسی علاقے کا باسی ہے۔ اسے اب تک یہ خبر مل چکی ہوگی کہ ہوٹل والوں نے اس کے فون کے بعد پولیس کو اپنے اعتماد میں لے لیا ہے۔"

"ہم اسی انتظار میں تھے کہ یہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے باہر نکلے اور یہ ہو چکا ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو۔"

"بس' اپنا کام شروع کردو۔ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات درکار ہیں۔ تاکہ ہم جلد از جلد اس تک پہنچ سکیں۔" میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا لیکن تم سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا۔

اول خان سے بات ختم کر کے میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس مرتبہ جلال لائن پر تھا۔

"کیا بات ہے؟ کافی دیر سے کوشش کر رہا ہوں مگر تمہارا فون مصروف تھا۔" جلال نے لائن ملتے ہی شکوہ کیا۔

"اول خان سے بات ہو رہی تھی۔ تم نے میرا موبائل نمبر ملا لیا ہوتا۔" میں نے کہا۔

"تم مصروف تھے تو موبائل نمبر ملانے سے کیا فائدہ تھا۔ ویسے مجھے اس کا دھیان نہیں آیا ورنہ کوشش ضرور کرتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات تمہارے سامنے آئی ہے جو مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنے بے چین ہو رہے تھے۔"

"بات نہیں' باتیں کہو۔ پہلی یہ کہ سوبراج وی وی آئی پی ہے۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔"

"کیا بہت زیادہ اہم افراد کو ہر فعل کی مکمل آزادی حاصل ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

"تم میری بات نہیں سمجھے۔" جلال نے وضاحت کی "یہاں کوئی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قابل تعزیر جرم پر ہر ایک کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے مگر میں سوبھراج کے خلاف اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس فہرست میں شامل افراد کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لیے اوپر کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔"

"اور دوسری بات کیا ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"سیٹ لائٹ فون یہاں نایاب ہیں۔ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت اس کا لائسنس ہونا چاہیے۔ سننے میں آیا ہے کہ سوبھراج جنوبی کوریا سے ایک سیٹ لائٹ فون لایا ہے جو اس کے خفیہ اور ذاتی استعمال میں رہتا ہے۔ مقامی لائنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ شاید صحیح سمت میں پہلا سراغ ہے۔" اس کی پوری بات سن کر میں نے طمانیت سے کہا "نک نے کہا تھا کہ گوپرا سے سیٹ لائٹ فون پر ہروقت میرا رابطہ ہوسکے گا۔"

"مجھے یاد ہے۔ اسی لیے میں اس بات کی تصدیق یا تردید کے چکر میں لگا ہوا تھا۔"

"تو کیا سوبھراج ہی حشمت بن کر ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ہر جگہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ ایسی حماقت نہیں کرسکتا۔" جلال کی تفکر آمیز آواز سے بے اختیاری مترشح تھی "اب اسے تم لوگوں کو ہی دیکھنا ہوگا۔ میں صبح کی پرواز سے اسلام آباد واپس جارہا ہوں۔ وہاں میری ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس نازک مرحلے پر جلال کی اچانک واپسی معنی خیز تھی۔ وہ خیال نہایت لچر اور بودا تھا کہ سوبھراج یا اس کے کسی ساتھی کا آئی بی پر اتنا اثر و نفوذ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے کسی ذمے دار افسر کو کسی شہر سے روانگی پر مجبور کرسکے۔ میں جلال سے براہِ راست کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا البتہ اس کے لہجے سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کی واپسی محض ایک اتفاق تھی۔

"اس بار تم کراچی میں کافی دن رہے ہو۔ مجھے تمہاری عادت سی ہوگئی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بس کچھ نہ کچھ چکر چلتے ہی رہے۔ شاید پانچ چھ مرتبہ مجھے اپنی کنفرمڈ سیٹ چھوڑنی پڑی۔ حالات سازگار رہتے تو شاید میں بہت پہلے لوٹ گیا ہوتا۔"

"حالات تو اب بھی سازگار نہیں ہیں مگر تم جارہے ہو۔" مجھے نرم ترین الفاظ میں اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔

"ڈیئی! سمجھا کرو۔ اسلام آباد میں ہمارا صدر دفتر ہے۔ میں غیر معینہ مدت کے لیے وہاں سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ وہاں میرے لیے کام کا ایک انبار جمع ہوچکا ہوگا۔ دہلی سے تم جو فائلیں اڑا کر لائے تھے' ان کی بنیاد پر فراہم کی جانے والی کلاسی فائیڈ اطلاعات نے نیپال والوں کو پریشان کردیا ہے۔ ان کی ایک اعلیٰ اختیاراتی ٹیم چار دن سے اسلام آباد میں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ نیپال کے خلاف بھارتی سازشوں کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہیں۔"

"مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ میری لائی ہوئی وہ فائلیں کسی انبار میں دفن ہوچکی ہوں گی۔ تمہاری زبان سے ان کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"میں پہلے بھی تمہیں بتاچکا ہوں کہ ان فائلوں پر بہت محنت کی جارہی ہے۔"

"تم نے بتایا تھا۔" میں نے اقرار کیا "سب کام بہت خفیہ رکھا جارہا ہے۔ اس بارے میں کوئی خبر سامنے نہیں آتی۔ شاید اس لیے مجھے کبھی کبھی بدگمانی ہونے لگتی ہے۔"

"پاکستانی بہت سی خرابیوں کا شکار ہیں۔ افسر شاہی میں کرپشن کے دور دور تک شہرے ہیں لیکن تم یقین کرو کہ سب افسر اور محکمے ایک جیسے نہیں ہیں۔" اس نے دردمندانہ لہجے میں مجھے تسلی دی "بعض لوگ تو اس ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جنون میں مبتلا ہیں اور دن رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ کام ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔"

بھارت میں را کے دفاتر سے لائے جانے والے ریکارڈ کے بارے میں وہ اس کی پہلی مضبوط یقین دہانی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ہمارے درمیان چند الوداعی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ وہ اگلی صبح شہر چھوڑ رہا تھا۔ میں نے اسے خوشگوار فضائی سفر کی دعا دی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

"سوبھراج کے حشمت ہونے کے بارے میں کیا بات ہورہی تھی؟" میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے تند انداز میں سوال داغ دیا۔

"یہ میرا شبہ تھا۔ جلال اس کی تردید کررہا تھا۔ ایک

مشہور سماجی رہنما ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
"پھر تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟" ویرا نے پوچھا "میں خود بھی کئی مرتبہ یہ بات سوچ چکی ہوں۔"
"خیالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ آتے ہیں تو آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی تاویل یا توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی۔"
"اگر میرا اور تمہارا شبہ درست ہے تو یہ بات زیادہ دنوں تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔ جلد ہی کھل کر سامنے آ جائے گی۔"
"اگر اس کھیل میں سوبھراج کا ہاتھ ہے تو پھر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
"شاید آپ یہ بات اس کے سیاسی رتبے کی بنا پر کہہ رہے ہیں؟" غزالہ نے میری تشویش کا رخ بھانپتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"یہ سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔" میں نے جواب دیا۔
"دیکھتے ہیں کہ آنے والا دن ہمارے لیے کیا خبر لے کر طلوع ہوتا ہے۔" غزالہ کی بات ویرا کے موڈ پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔
"جلال اسلام آباد لوٹ گیا ہے۔ اس کے آدمی سوبھراج کا رخ نہیں کریں گے۔ اب ہماری معلومات کا انحصار صرف اول خان کے آدمیوں پر ہوگا۔" سلطان شاہ بولا "ہوسکتا ہے کہ سوبھراج کے سلسلے میں ہماری کامیابی کی رفتار میں تیزی برقرار نہ رہ سکے۔"
"ایک بار حشمت کی شخصیت کے بارے میں کچھ مواد سامنے آجائے تو پھر میں خود میدان میں اتروں گی۔ کافی عرصے سے گھر پر پڑے پڑے میرے اعصاب زنگ آلود ہونے لگے ہیں۔" ویرا نے پرعزم لہجے میں کہا "وہ زیادہ دیر تک ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔"
"وقتی رو میں بہہ کر زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا "ابھی ہمیں صبر اور سکون سے انتظار کرنا چاہیے۔ جلد ہی کوئی نہ کوئی سرا سامنے آجائے گا۔"
باتیں کتنی دیر جاری رہ سکتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ہم چاروں پر تکان غالب آنے لگی اور ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمروں کی طرف ہولیے۔ اول خان کے دونوں آدمی اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق چھت پر موجود تھے۔

اگلے روز اول خان دن چڑھے ہمارے پاس آیا تو اس کے پاس حوصلہ افزا اطلاعات موجود تھیں۔
حشمت خان دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ عمومی طور پر اس کی قامت و جسامت سوبھراج سے بڑی حد تک مشابہ تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہوٹل میں آنے جانے والا حشمت خان باریش آدمی تھا۔ داڑھی اور خم دار مونچھوں کی وجہ سے اس کی شخصیت بہت بارعب نظر آتی تھی۔ اس کے برعکس سوبھراج کلین شیو تھا۔
"کیا تمہارے نزدیک اس فرق کی کوئی اہمیت نہیں؟" ویرا نے وہ تفصیلات سننے کے بعد اول خان سے پوچھا۔
"ایک عام آدمی کے لیے کسی کے خدوخال کی باریکیوں کو نوٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ حشمت کے بارے میں میرے آدمی نے ہوٹل کے عملے سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ داڑھی مونچھوں والا ہے۔" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا۔
"ذرا سی دیر کے لیے داڑھی مونچھوں کو بھول جاؤ۔ قد و قامت کی یکسانیت کو تم کیا کہو گے۔" میں نے پوچھا۔
"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ حشمت کی داڑھی مونچھیں نقلی ہوتی ہیں۔" اول خان نے سوال کیا۔
"یہ جلال کی دلیل کا جواب ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ سوبھراج ایک معروف آدمی ہے۔ وہ کسی فرضی نام سے ایسے فائیو اسٹار ہوٹل کا رخ نہیں کرسکتا جہاں اس کا اپنے جاننے والوں سے بھی سامنا ہوسکتا ہو۔ وہ تک کے اعتماد کا آدمی ہے۔ کوبرا کا ذمہ دارانہ کردار وہی ادا کرسکتا تھا۔ سوبھراج نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ دہری شخصیت اختیار کرلی۔ ہوٹل میں وہ حشمت بنا ہوا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ سوبھراج بن جاتا تھا۔ اس کے دونوں روپ اور بہروپ کامیابی سے چل رہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔
"وہ گیٹ اپ دشوار ضرور ہوگا لیکن ناممکن نہیں تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
"چہرے پر الگ سے چپکائی ہوئی گھنی داڑھی قریب سے پہچانی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔
"زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "آج کل ریڈی میڈ میک اپ کے لیے ایسی ایسی آسانیاں دستیاب ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی اصل داڑھی مونچھوں کی تراش خراش کا اتنی باریکی سے دھیان رکھتے ہیں کہ بادی

انٹلکر میں ان کی داڑھی مونچھیں نقلی نظر آتی ہیں۔ تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ ہوٹل میں حشمت کا قریبی رابطہ اور واسطہ صرف ارجن سے تھا۔ وہ اس کے گھر کا بھیدی تھا۔ اس کے لیے داڑھی مونچھوں کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بقیہ عملے سے اس کی دور سے دعا سلام ہوتی تھی۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ حشمت ہوٹل میں کیا ڈراما کر رہا تھا۔"

"میرے ذہن میں ابتدا سے یہ خلش موجود تھی کہ سوبھراج کا اس سارے واقعے میں کیا کردار ہو سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی مونچھیں لگا کر اسے ہوٹل کے سامنے لایا جائے تو وہ سب اسے حشمت خان کی حیثیت سے پہچان لیں گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔" ویرا نے برجستہ کہا "وہ وی وی آئی پی ہے۔ کوئی اسے چھیڑ نہیں سکتا۔"

بے اختیار میری نظر اول خان کی طرف اٹھ گئی۔ ویرا کے اٹھائے ہوئے نکتے کا جواب وہی دے سکتا تھا۔

"مجھے اس بارے میں اوپر سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ جب تک جلال نے اس کی حیثیت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں اس کے ساتھ ہر سلوک کر سکتا تھا لیکن اب بات پیشہ ورانہ ایمان داری کی آگئی ہے۔ مجھے اس کے پروٹوکول کا علم ہو چکا ہے تو اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"تم محتاط رہو گے۔ جلال کو اسلام آباد میں کام پڑ گیا ہے تو پھر مجھے خود میدان میں نکلنا ہوگا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کام کی ابتدا ہوٹل سے کروں گا۔"

"تم اکیلے نہیں رہو گے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" ویرا نے بلاتوقف اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ڈیبی کے ساتھ رہ کر تم خود بھی پھنسو گی اور اسے بھی مرواؤ گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ سرعام ڈیبی کے ساتھ کندھا جوڑ کر پھرتی رہوں۔" ویرا نے کہا۔

"پھر کتنی احمق ہو؟" سلطان شاہ نے معصومیت سے پوچھا اور سب بے ساختہ ہنس پڑے۔ ویرا بھی اس برجستہ مذاق سے محظوظ ہوئی تھی۔

"میں براہ راست سوبھراج سے ملنے کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "میرے ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ اس کے خدوخال صاف ہوئے تو آپس کے مشورے سے آگے بڑھوں گی۔ زیادہ خطرات نظر آئے تو میں اس سے دور رہوں گی۔"

"وہ موذی دشمن ہے۔ اس سے دور رہ کر کام کرنا ہی سب کے حق میں بہتر ہوگا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"دشمن کتنا ہی موذی کیوں نہ ہو' اس کا سر کچلنے کے لیے اس کے قریب جانا پڑتا ہے۔" ویرا مسکرا کر بولی۔

"تم خود سمجھ دار ہو۔ میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔ تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں سے تم کہاں جاؤ گے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ایک میٹنگ ہونے والی ہے۔ وہیں جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے بتایا۔

"بس تو پھر مجھے راستے میں صدر اتار دینا۔ میں ہوٹل کا ایک چکر لگاؤں گا۔"

"میں پندرہ منٹ بعد روانہ ہو جاؤں گا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہیں کوئی تیاری کرنی ہے تو کر ڈالو۔"

"میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ غزالہ بھی میرے ساتھ اٹھ گئی۔ بقیہ تینوں افراد میں سے کسی نے میرے ارادے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شاید ہر ایک کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہرحال بہتر تھا۔

"ہوٹل آپ کس امید پر جا رہے ہیں؟" کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ نے مجھ سے ایک متوقع سوال کر ڈالا۔

"تنگ سے میری بات کل ہوئی تھی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "وہ کوئی طے شدہ گفتگو نہیں تھی۔ بس بات میں سے بات نکلتی چلی گئی۔ حشمت میری اس گفتگو سے پہلے اس ہوٹل میں پہنچا ہوا تھا۔ ہوٹل کا ریکارڈ بتا رہا ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں وہ دو بار ہوٹل میں رہ چکا تھا۔ ان حقائق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ محض میری وجہ سے ہوٹل میں نہیں پہنچا تھا۔ وہاں اس کی پراسرار سرگرمیاں کئی دن سے جاری ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔"

غزالہ سوچ میں پڑ گئی اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولی "آپ نے پہلے بھی یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ہوٹل دشمنوں کی سرگرمیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے لیکن ویرا نے شاید اس نکتے پر دھیان نہیں دیا۔ وہ بس سوبھراج کی ذات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔"

"سوبھراج سے مجھے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔" میں نے

کہا "اس کی مشکوک سرگرمیوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب ذرا سی تفصیلات سامنے آئی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل میں اس وقت بھی کچھ مشتبہ افراد موجود ہوں گے جو سوبھراج سے ہدایات لیتے ہوں گے۔"

"یعنی سوبھراج نے حشمت خان کا روپ دھار کر بھارتی ایجنٹوں کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا!"

"وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ یوں کھل کر سامنے آ جاتا۔ نک اور ارجن کے علاوہ شاید ثام کو یہ بات معلوم ہو گی۔ دوسرے ایجنٹوں کے لیے وہ نقاب پوش کوبرا تھا۔" میں نے کپڑے بدلتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ ایجنٹ بلیک کیٹس بھی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "نک اور ثام بہت سے تحفظات کے ساتھ' قانونی طور پر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف بن ڈیوڈ کو نئے آئی مین کے روپ میں میدان میں اتارا ہوا تھا۔ دوسری طرف را کے دہشت گردوں کو خوف و ہراس پھیلانے کی مہم میں لگایا ہوا تھا اور تیسری سمت میں سوبھراج سے کام لے رہے تھے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بلیک کیٹس دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور دشمن پر کاری وار کر کے تیزی سے فرار ہو جاتے ہیں مگر اس کے لیے بھی انہیں کسی نہ کسی مقامی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کوبرا ان کا سہارا بنا ہوا تھا۔"

"اگر بلیک کیٹس ہوٹل میں موجود ہیں تو آپ کا وہاں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" غزالہ پر تشویش انداز میں بولی "ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی آپ کو پہچانتا ہو۔"

"وہ مظہر خان کو پہچانتے ہیں جو دہلی میں را والوں کا مہمان بن گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ذرا غور سے میری طرف دیکھو۔ کیا میں مظہر خان لگتا ہوں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں نے یہ غور نہیں کیا تھا۔ تبدیلیاں معمولی اور فطری ہیں لیکن اہم بھی ہیں پھر بھی آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔ دوسروں کے مقابلے میں بلیک کیٹس زیادہ چالاک ہو سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔"

"تم دعا کرتی رہو۔ ان کی بینائی کمزور ہو جائے گی۔" میں نے اس کی پیشانی چوم کر کہا "مجھے ہر حال میں خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر میں اپنی تیاری مکمل کر کے میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ اس وقت اول خان کے دیے ہوئے وقت میں مزید چند منٹ باقی تھے۔

میرے اشارے پر وہ اٹھ گیا۔ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "تمہیں واپسی میں پریشانی ہو گی۔ تم اپنی گاڑی کیوں نہیں لے جاتے۔"

"جلال نے ونود کو پارکنگ لاٹ میں شکار کیا تھا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ مجھے واپسی کے لیے ہوٹل کے دروازے پر ہی کوئی ٹیکسی مل جائے گی۔"

گھر سے روانگی کے بعد گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھائی رہی جسے اول خان نے توڑا "تمہیں شبہ تھا کہ اس ہوٹل میں بلیک کیٹس بھی مقیم ہو سکتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے وہ اہم بات گھر سے روانہ ہونے کے بعد یاد آئی تھی۔ اس نے ویرا کے سامنے وہ بات چھیڑ دی ہوتی تو ایک لمبی بحث کا آغاز ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا "پہلے صرف شبہ تھا جو اب یقین میں بدل گیا ہے۔"

وہ میرے یقین کے اسباب جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہی بات دہرا دی جو میں غزالہ سے کہہ چکا تھا۔

"بلیک کیٹس ہر جگہ خاص ہدف لے کر جاتے ہیں! افواہوں میں کہا گیا تھا کہ وہ تمہیں مارنے کے لیے آئے ہیں۔ ہوٹل میں تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔" وہ فکرمند ہو گیا۔

"اسی لیے میں نے ویران پارکنگ لاٹ سے بچنے کے لیے گاڑی چھوڑی ہے۔ بھرے پرے ہوٹل میں وہ مجھ پر وار کرنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"تم واقعی دوراندیشی سے کام لیتے ہو۔ وسیع پارکنگ لاٹ میں دو تین چوکیدار ناکافی ہوتے ہیں۔ وہاں حملہ ہونے کے زیادہ امکانات تھے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم اس وقت ہوٹل جا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ تم انہیں نہیں پہچانتے' ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی تمہیں دہلی میں دیکھ چکا ہو۔"

"میں انہیں اکسانا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اپنے بل سے نکل کر میرا پیچھا کریں تاکہ میں اپنے کسی دشمن کو پہچان سکوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "حشمت اور سوبھراج کے قصّے میں کہیں پیشانی کے پرانے زخم کا ذکر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا بلیک کیٹ ہو۔ وہ نظر آ گیا تو میں اسے دور سے پہچان لوں گا۔"

"تم نے نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے تو

ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اکتا کر روا روی سے گھر میں نکل کھڑے ہوئے ہو۔"

"ہوٹل میں تمہارا کمرا ابھی تک آباد ہے یا خالی ہو گیا ہے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا "فی الحال آباد ہے۔ میں تمہیں اتارنے کے بعد اسے بتا دوں گا کہ تم بھی ہوٹل میں کچھ وقت گزارو گے۔ وہ دور رہ کر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہے گا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم ہوٹل میں میرے اس آدمی کی موجودگی کو بھول چکے ہو۔"

"یہ بھولنے والی بات نہیں تھی۔ اسے میری نگرانی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ میرے اگلے پیغام تک اپنے کمرے میں رکا رہے۔ ضرورت پیش آئی تو میں خود اس سے رابطہ کرلوں گا۔"

اول خان خوش ہو گیا کہ میں نے اپنی نئی مہم میں اس کے آدمی کے لیے کسی کردار کا تعین کیا ہوا تھا۔

میرے ایما پر اس نے مجھے ہوٹل سے کچھ دور اتارا اور ہاتھ لہرا کر اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

حالات و واقعات کی بھول بھلیاں سے گزرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چلا تھا کہ بلیک کیٹس کے بارے میں اول خان کا ابتدائی اندازہ بہت درست تھا۔ ان میں سے کسی نے اول خان کا بازو زخمی کرکے اس کا تعاقب کیا اور ہمارا گھر دیکھ لیا۔ یہ بات بیشتر دشمنوں کے علم میں تھی کہ جہانگیر میرا گہرا دوست تھا۔ اس کے حوالے سے گولڈن فارمیسی بھی مشہور ہو گئی تھی جسے آخر کاربن کے آدمیوں نے تباہ برباد کر دیا تھا۔ ہم نے اپنی سی ہر احتیاط کرلی تھی مگر پھر بھی گولڈن فارمیسی کے ذریعے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

بلیک کیٹس دونوں گھروں تک پہنچ چکے تھے لیکن محفوظ گھروں پر وار کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے ان دونوں جگہ کرائے کی لڑکیاں بھیج کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھے کہیں نہیں گھیر سکیں گے۔ انہوں نے جہانگیر کو صرف اس لیے ٹٹولا تھا کہ وہاں میری آمدورفت ہو تو راستے میں کہیں مجھے گھیر سکیں۔

ان لڑکیوں کو بھیجنے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہوں مگر اس کا امکان کم تھا کیونکہ وہ لڑکیاں بہت بے ضرر اور دوستانہ روپ میں آئی تھیں۔ مقصد خوف زدہ کرنا ہوتا تو ان لڑکیوں کے ذریعے کوئی نہ کوئی ذو معنی پیغام ضرور بھیجا جاتا جس کے بین السطور میں کوئی نہ کوئی دھمکی پنہاں ہوتی۔

میں یہی سوچتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ وہ دن کا وقت تھا اور پھر شاید پچھلے روز رونما ہونے والی قتل کی واردات کا اثر بھی کہ ہوٹل کی لابی میں رونق اور چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی۔

ارجن کے قتل کو اس وقت تک چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ عملے کے بیشتر ارکان کے چہرے ستے ہوئے اور سوگوار نظر آ رہے تھے۔ میرے لیے ان کا وہ عمل فطری اور قابل فہم تھا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ ہوٹل سے باہر یا عمارت کی حدود میں باوردی تو درکنار کوئی ایسا سادہ پوش فرد بھی نظر نہیں آیا تھا جس پر پولیس یا خفیہ والے کا شبہ ہو سکے۔

استقبالیہ کلرک سے میری نظریں چار ہوئیں تو اس نے خوش خلقی کے اظہار میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن نتیجے میں صرف باچھیں پھیلا کر رہ گیا۔ ان سب کے دلوں پر ارجن کے سفاکانہ قتل کی دہشت اور ہیبت طاری تھی۔ ایسی حالت میں کوئی سفاک شخص ہی زندہ دلی سے مسکرا سکتا تھا۔

میں ہوٹل کی وسیع اور طویل راہ داری سے ہوتا ہوا کافی ہاؤس میں پہنچا تو وہ بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر ویٹر میزوں پر رکھی ہوئی چمک دار اشیا کو مزید چمکانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ان کے سوا پورے کافی ہاؤس میں صرف دو جوان غیر ملکی جوڑے، ایک دوسرے سے دور، الگ الگ میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے والہانہ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو کر ایک دوسرے کے سحر میں کھوئے ہوئے تھے۔

میں نے دروازے سے قریب تر میز کا انتخاب کیا اور اپنے لیے کافی طلب کرلی۔

کافی ہاؤس میں رونق ہوتی تو اس بھیڑ بھاڑ میں مجھے اپنی اجنبیت کا کوئی احساس نہیں ہوتا لیکن خالی ہال میں مجھے شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ اکیلا ہونے کی وجہ سے میں وہاں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ میں وقفے وقفے سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ دیکھنے والوں کو یہی اندازہ ہوتا کہ میں وہاں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد میں نے بل طلب کیا۔ بل اور ٹپ کی رقم طشتری میں ڈال کر میں وہاں سے اٹھ گیا۔

کافی ہاؤس سے نکل کر میں نے سگریٹ سلگائی اور خراماں خراماں شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں ملبوسات سے زیورات تک بڑے بڑے شوکیسوں میں سجے ہوئے تھے۔

میں نے ہوٹل میں تقریباً چار گھنٹے اسی طرح گھوم پھر کر گزار دیے۔ بھوک نہ ہونے کے باوجود ریستوران میں کچھ وقت خورونوش میں سکون سے گزرا ورنہ میں بیشتر وقت چلتا ہی رہا۔ اسی دوران میں مجھے کہیں کوئی مشتبہ شخص نظر آیا نہ کسی نے مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کی۔

تین بجے میں نے انٹرکام ڈیسک سے کمرا نمبر پانچ سو بیس سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے اول خان کے آدمی کو سرور کے نام سے مخاطب کیا تو وہ سمجھ گیا کہ دوسری طرف سے کون بول رہا تھا۔ میں اپنا تعارف کرانے کی زحمت میں پڑنے سے بچ گیا۔

اسے پیغام دے کر میں لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچا تو وہ لفٹ کے باہر میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ لفٹ مجھے اتار کر اوپر یا نیچے چلی گئی۔ اس وقت فلور پر ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میں کچھ دیر کے لیے تمہارے کمرے میں آرام کروں گا۔ چابی تم اپنے ساتھ رکھو۔ پانچ بجے تم کمرے میں آسکتے ہو۔ میں جاتے ہوئے دروازہ مقفل کردوں گا۔"

اس نے سعادت مندی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لفٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں راہ داری کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کا دروازہ مقفل کر کے میں تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر گیا۔ میری اس مشق کا کوئی نتیجہ برآمد ہو گیا ہوتا تو شاید مجھے تھکن کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا مگر میرے ساتھ صورت حال مختلف تھی۔ میں نے آرام دہ اور نرم بستر پر لیٹے لیٹے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا۔

وہ میری طرف سے فکرمند تھی اور فون سے لگی بیٹھی تھی۔ اس سے چند منٹ کی مختصر سی گفتگو میں، میں نے اسے بریف کیا اور فون بند کردیا۔ اس کے لیے یہ امر خوشی کا باعث تھا کہ ہوٹل کی حدود میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور میں خیریت سے تھا۔

ٹھنڈے کمرے میں، میں آنکھیں موندے بستر پر لیٹا رہا۔ فرصت اور آرام کے ان لمحات میں نہ جانے کب غنودگی کی لہر نے مجھے آدبوچا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اضطراری طور پر ہڑبڑا کر بستر چھوڑا مگر پھر فوراً ہی پرسکون ہوتا چلا گیا۔

وہ ذرا سا ڈسپلن کا تقاضا تھا کہ میں نے اپنے آرام کے لیے اسے کمرے سے بھیج دیا تھا ورنہ کچھ دیر کے لیے ہم دونوں اس کمرے میں ایک ساتھ بھی رہ سکتے تھے۔

میرا غسل کرنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ میں نے چند منٹ تک انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ ٹھیک پانچ بجے دروازے کے قفل میں کنجی لگنے اور گھومنے کی آواز آئی اور سرور میرے اوپر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر دروازے کے پاس رک گیا۔

"چلے آؤ، میں نہا کر واپس جاؤں گا۔" میں نے کہا اور وہ دروازہ مقفل کر کے آگے بڑھ آیا۔

وہ قریب آکر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے اشارہ کر کے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

"سر! چیف صاحب نے کہا تھا کہ یہاں کوئی خاص بات ہو تو میں انہیں رپورٹ دینے کے ساتھ آپ کو بھی بتا دوں۔" وہ ادب سے بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"چیف صاحب نے دوسری باتوں کے علاوہ اوسط قد اور سانولے رنگ کے ایک آدمی کی تلاش کے بارے میں بھی ہدایت کی تھی۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں بتایا "انہوں نے پیشانی پر پرانے زخم کے نشان کو اس کی سب سے بڑی پہچان بتایا تھا۔ چار بجے کے قریب مجھے ایسا آدمی نظر آیا تھا۔"

میرے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ سرور کو اندازہ نہیں تھا کہ اس نے کیا دریافت کر لیا تھا۔ میں سنبھل کر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "وہ کہاں نظر آیا تھا تمہیں۔"

"میں لابی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ لفٹ سے اترا تو اس کا رخ میری طرف تھا۔ مجھے اس کے ماتھے پر زخم کا نشان چمکتا ہوا نظر آیا۔ میں نے چائے وہیں چھوڑی اور ویٹر کو سو روپے کا نوٹ پکڑا کر باہر آگیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیکٹ لیے ٹیکسی کی طرف جا رہا تھا۔"

"بولتے جاؤ۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اسے لقمہ دیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"بس سر، یہ بڑوں کی دعا ہے کہ بندے کو سرخ روئی ملتی رہتی ہے۔" اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا "میرے پاس اپنی گاڑی نکالنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کے جاتے ہی میں دوسری ٹیکسی میں اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ میں نے ڈرائیور کو بتایا کہ میں سرکاری آدمی ہوں اور ایک مجرم کا پیچھا کر رہا ہوں۔ اس نے ایمپریس مارکیٹ پر ٹیکسی چھوڑ دی اور

ٹہلتا ہوا پیشاب خانے میں چلا گیا۔ میں حیران تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے چند منٹ بعد اسے پیشاب خانے کی کیا ضرورت پڑ گئی مگر پھر بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ باہر نکلا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

"باہر آتے ہی وہ دوسری ٹیکسی لے کر چل دیا۔ میرے دو دل ہو رہے تھے۔ اس کا پیچھا کروں یا اس کا چھوڑا ہوا پیکٹ تلاش کروں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ پیکٹ خطرناک ہے۔ شہر میں پچھلے دنوں کئی بم دھماکے ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے پیکٹ کو دیکھنا ضروری تھا۔ ٹھیکے دار کے آدمی کو پیسے دے کر میں اندر گیا تو ذرا سی تلاش کے بعد مجھے وہ پیکٹ نظر آگیا۔ وہ روشندان کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ اسے ہاتھ لگاتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ وہ ٹائم بم تھا اور اس کی گھڑی چل رہی تھی۔

"سر! میں کانپ گیا۔ وہ میرے ہاتھ میں پھٹ جاتا تو میرے بدن کے ٹکڑے بھی نہیں ملتے مگر وہاں چلنے پھرنے والے سیکڑوں آدمیوں کی جانیں مجھ سے زیادہ قیمتی تھیں۔ میں بم لے کر اپنی ٹیکسی میں آگیا۔ پیچھے بیٹھے بیٹھے میں نے اسے کھولا تو وہ پانچ بجے پر سیٹ تھا۔ میں نے ٹائمر بند کر کے اسے دیکھا تو وہ روس کا بنا ہوا چار پونڈ کا ٹائم بم تھا۔"

"اب وہ بم کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے ہوٹل میں لانا خطرناک تھا۔ گھڑی بند کرنے کے ساتھ میں نے بم کو ناکارہ کر کے اپنی گاڑی میں ڈال دیا۔ میرے دوسرے ہتھیار بھی اسی میں ہیں۔"

"تمہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہوگا؟" غیر ارادی طور پر سوال کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرا وہ سوال غیر منطقی تھا۔

"سر! یہ اندازہ تو نہیں ہوا مگر جلد پتا چل جائے گا۔ میں نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔" سرور کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ نازک مواقع پر صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ اول خان نے شاید اسی خوبی کی بنا پر اسے اپنی جگہ مامور کیا تھا۔

"اول خان کو اپنی رپورٹ کے ساتھ ٹیکسی کا نمبر بھی دے دو۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔"

"کمرے میں ایریئس کام نہیں کر رہا۔ سب کھڑکیاں بند ہیں۔ ریڈیو سگنل صاف نہیں آتا۔ آواز گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں ابھی باہر جا کر یہ کام کر لوں گا۔"

مجھے ہلکا سا غصہ آگیا۔ مشتبہ آدمی کے سلسلے میں مثالی ہوشیاری کا مظاہرہ کرنے کے بعد سرور نے ایک حماقت کا بھی ارتکاب کیا تھا۔ ناکارہ بم کو اپنی گاڑی میں محفوظ کرتے ہی اسے اول خان سے رابطہ کر لینا چاہیے تھا لیکن وہ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر اوپر دوڑا چلا آیا۔

میں نے سرور سے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ بن سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی اول خان نے وہاں لگائی تھی۔

گھنٹی بجتے ہی میں نے ریسیور سرور کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر رپورٹ دے دو۔"

اس نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے لیا مگر اس کے بشرے پر تذبذب کی علامات نظر آ رہی تھیں۔ میں نے زور دے کر کہا "فکر نہ کرو۔ اول خان نے ایک آلہ لگا لیا ہے۔ اب وہ فون محفوظ ہے۔"

میری یقین دہانی کے باوجود اس کی تسلی نہ ہو سکی۔ شاید وہ ہدایات سے ذرا بھی انحراف کا عادی نہیں تھا۔

"سر! صاحب کہہ رہے ہیں کہ اسی پر رپورٹ دے دوں۔" رابطہ ہونے پر اس نے پژمردہ آواز میں کہا۔

دوسری طرف سے تائیدی اشارہ ملتے ہی اس نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

وہ میرے روبہ رو موجود تھا اس لیے اس نے خاصی تفصیل بتا ڈالی تھی۔ فون پر اپنی رپورٹ کو اس نے بہت مختصر کر دیا تھا۔

ٹیکسی کا نمبر بتانے کے بعد اس نے ریسیور مجھے دے دیا۔ میں نے ریسیور لیتے ہی کہا "تم نے دیکھ لیا کہ حرکت میں کتنی برکت ہوتی ہے۔"

"تمہارے قدم جہاں پہنچتے ہیں وہاں کام شروع ہو جاتا ہے۔" اول خان کی پرمسرت آواز آئی "یہ دہرا کام ہوا ہے۔ تل والی لڑکی کے بیان کی تصدیق ہو گئی کہ پیشانی پر زخم کے نشان والے آدمی کا وجود ہے۔ دوسری طرف اس کا وار ناکام بنا دیا گیا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ بم صرف چار پونڈ کا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل ان کا عارضی ٹھکانا ہے۔ وہ اپنے ساتھ زیادہ بوجھ لے کر نہیں پھر سکتے۔ اس دھماکے کے لیے اس نے خطرناک جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ چھولے اور بریانی کے ساتھ چائے والوں کے پاس بھی رش رہتا ہے۔ وہاں دو چار افراد کی

ہلاکت یقینی تھی۔ زخمی ہونے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا وہ کتنے ہوتے۔"

"میرا یہ شبہ درست ثابت ہوا کہ یہ ہوٹل ان لوگوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ وہ نہ جانے کس سے ٹائم بم لے کر گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خود اسی ہوٹل میں رہ رہا ہو۔ یہ پتا چلنا ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔" اول خان کی آواز میں پستی عود آئی تھی۔ "میرے آدمی ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ سرور نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر کے کمال کیا ہے۔"

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مشتبہ شخص اس ٹیکسی کے ذریعے براہ راست اپنی منزل پر گیا ہوگا۔ اگر وہ ایک تجربے کار اور پیشہ ور ایجنٹ تھا تو اس کو راستے میں اپنی سواری بدل لینی چاہیے تھی۔ وہ ایک معمولی اور بنیادی احتیاط تھی جسے کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی خوش گمانی برقرار رکھنے کے لیے وہ بات اپنی زبان پر لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"بس ٹیکسی ڈرائیور کی رپورٹ مل جائے تو کام میں تیزی آ سکتی ہے۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"رپورٹ شاید رات تک مل جائے گی۔ مگر اب ہوٹل کی نگرانی اہم ہو گئی ہے۔ آج کا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حشمت یا سوبھراج کے فرار ہو جانے کے باوجود ہوٹل میں ان کے رابطے برقرار ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا حشمت کی اصلیت سے بھی واقف ہو۔" ایک کامیابی حاصل ہوتے ہی اول خان کی توقعات میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"تم اتنے یقین سے یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہو؟" اول خان کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"تم واقعات کا تسلسل فراموش کر رہے ہو۔ تک نے جب مجھے کوبرا سے ملنے کا مشورہ دیا تھا تو حشمت ہوٹل میں موجود تھا۔ اس کے لیے تک کے مختصر سے نوٹس پر چست سیاہ لباس اور نقاب کا بندوبست کرنا ناممکن نہیں تھا۔ وہ چیزیں اس کے پاس پہلے سے موجود تھیں اور وہ بھارتی ایجنٹوں کے سامنے اپنی شخصیت چھپانے کے لیے انہیں استعمال کر رہا تھا۔"

"بات کچھ نہ کچھ آگے بڑھی ہے۔ کسی وقت بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ حشمت کون تھا۔" وہ بولا۔

اس بارے میں ہمارے درمیان خاصی بحث ہو چکی تھی۔ میں نے اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بات بدلتے ہوئے کہا "آج مجھے جم کر ہوٹل میں رہنا ہو گا۔ کسی بھی وقت یہاں کوئی اہم واقعہ رونما ہو سکتا ہے یا کوئی نئی بات سامنے آ سکتی ہے۔"

"اس مرتبہ سرور نے اسے دیکھا اور وہ بچ گیا۔ تمہاری بے خبری میں اس نے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا تو بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ میری رائے میں اب سرور کو ہر وقت تمہارے آس پاس رہنا چاہیے۔ وہ تمہارے دشمنوں کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ تمہارے کام آ سکتا ہے۔"

میں نے اس کے معقول مشورے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ "ابھی دیکھنا یہ ہے کہ پانچ بجے کے بعد ان لوگوں کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔"

"پانچ بجے ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں بم نہ پھٹنے سے وہ ہراساں ہو جائیں گے۔ اس وقت پانچ بج ہی چکے ہیں بلکہ چند منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔"

"وہ شخص اپنا کام کر کے مطمئن ہو گیا ہے۔ نتیجے کے لیے وہ ٹیلی وژن وغیرہ کی خبروں یا شہر میں پھیلنے والی خبروں کا انتظار کریں گے۔ ہر طرف کی خاموشی ان پر ذرا دیر سے اثر انداز ہو گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابتدا اچھی ہے۔ خدا کرے کہ تمہاری کوششوں کا انجام بھی اچھا ہو۔"

"صرف دعاؤں سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے کچھ اور بھی درکار ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بتاؤ۔ میرے بس میں ہوا تو میں تمہارے لیے آسمان کے تارے بھی توڑ لاؤں گا۔"

"بات اس سے کچھ ذرا ہی کم ہے۔ مجھے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔"

"اس کا کہیں ریکارڈ نہیں ہو گا۔ میں اس کا فون نمبر فراہم کر سکتا ہوں۔"

"سیٹ لائٹ فون پر اپنے دشمن کی آواز سن کر وہ حواس باختہ ہو جائے گا۔ وہ نہیں مل سکتا تو پھر اس کا فون نمبر ہی دے دینا۔"

"تو کیا تم ہوٹل میں بیٹھ کر یہ سارا بکھیڑا چلاؤ گے!" اول خان کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"میں نے تمہیں تمہاری سی ایس ڈی کی وجہ سے فون کر لیا اور خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک آپریٹر نے دخل اندازی نہیں کی۔ جب تک سی ایس ڈی دستیاب نہ ہو، میں یہاں

سے کسی کو فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"اگر تم نے ہوٹل ہی میں جم جانے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر گھر کی سی ایس ڈی بھی یہیں اٹھالاؤ۔"

"یہ کرنا پڑے گا۔ میں سلطان شاہ کو کچھ ضروری چیزوں کے ساتھ ہوٹل بلانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

وہ سر کے بل آئے گا۔ خالی بیٹھ کر وہ بہت جلد اکتا جاتا ہے۔" اس نے میری تائید کی "تم کو کسی بھی وقت اس کی مدد کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔"

اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

پانچ بج چکے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنے لگائے ہوئے ٹائم بم کی ناکامی کا علم خاصی دیر سے ہوگا مگر سرور کی دی ہوئی اطلاع کے بعد میری طبیعت پر عجیب سی بے چینی مسلط ہو گئی تھی۔ میں جلد از جلد ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ کوئی بھی موقع ضائع نہ ہو سکے۔ میں نے نہانے کا ارادہ فوری طور پر ملتوی کر دیا۔

"مجھے اپنے کچھ ایسے دشمنوں کی تلاش ہے جو شاید مجھے پہچانتے ہیں مگر میں ان کے چہروں سے ناواقف ہوں۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد سرور کو بتایا "اب تم کمرے میں رہنے کے بجائے میرے آس پاس رہو گے۔ پیشانی پر زخم یا چوٹ کے نشان والا بھی ہمارا مطلوب آدمی ہے۔ تم ان لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہو۔ میرے ساتھ رہ کر ان پر نگاہ رکھ سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا سر! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

میں نے دوبارہ گھر فون کیا تو اس بار ویرا سے بات ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ زخمی پیشانی والا آخر کار دریافت کرلیا گیا تھا اور رنگے ہاتھوں اس کا ایک حربہ بھی ناکام بنا دیا گیا تھا۔

وہ مجھ سے طویل گفتگو کی خواہش مند تھی جبکہ میں ہر قیمت پر کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی گلو خلاصی کرالی۔ اس نے میری خواہش کے مطابق فون سلطان شاہ کو دے دیا۔ جو اس کے ساتھ موجود تھا۔

سلطان شاہ کو سی ایس ڈی اور کچھ دوسرے لوازم کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کر کے میں نے فون بند کر دیا۔

اگلے چند منٹ میں ہم دونوں آگے پیچھے ہوٹل کے نچلے فلور پر پہنچ چکے تھے۔ میں لفٹ سے نیچے اترا تھا۔ سرور نے وقفہ دینے کے لیے زینے استعمال کیے تھے۔

شام چار بجے زخمی پیشانی والا لفٹ سے گراؤنڈ فلور پر برآمد ہوا تھا۔ وہ بات بہت معمولی تھی مگر میرے لیے اس میں ایک اشارہ مضمر تھا۔ وہ نچلی کسی منزل پر مقیم ہوتا تو زینوں سے نیچے آسکتا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ ہوٹل کی کسی بالائی منزل سے آیا تھا۔

میں نے لفٹ کے عین مقابل لابی کے بڑھے ہوئے حصے میں ایک دور افتادہ میز کا انتخاب کیا اور وہاں جم گیا۔ میرا رخ لفٹ کی طرف تھا۔ میری میز کے مقابلے میں اصل راہداری کافی زیادہ روشن تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہر آنے جانے والے کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا لیکن اتنے فاصلے سے میرا دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ سرور نے مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک اکلوتے صوفے پر براجمان ہو کر اخبار سنبھال لیا تھا۔

وہاں بیٹھتے ہی مجھے خیال آیا کہ اول خان ہوٹل میں تنہا قیام کے ارادے سے آیا تھا۔ اپنی جگہ سرور کو دے کر وہ چند گھنٹوں بعد چلا گیا تھا۔ کمرے میں ہماری تعداد بڑھ کر دو ہو چکی تھی جو سلطان شاہ کی آمد پر تین ہو سکتی تھی۔ اگر ہوٹل میں رات گئے تک کسی پیش رفت کی امید نہ رہتی تو سلطان شاہ گھر واپس جا کر اطمینان سے اپنے بستر میں سو سکتا تھا۔ دشمنوں کے خلاف ہمیں اپنی وہ رات کالی کرنی پڑتی تو ہم میں سے کسی کو کمرے کی نہیں سوجھ سکتی تھی پھر بھی ہوٹل کے ریکارڈ میں کم از کم دو افراد کا اندراج ضروری تھا۔

سوا چھ بجے کے قریب میں نے اپنی آنکھوں سے اسی زخم خوردہ شخص کو لفٹ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ اس کی صورت پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میری تقلید میں سرور بھی صوفے سے اٹھنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

لفٹ سے اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھتا ہوا ایک طرف چلا تو میں بھی دھندلی روشنیوں میں اپنے کنج عافیت سے باہر آگیا۔ اس شخص کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہوٹل کے صدر دروازے سے باہر نکل جائے گا۔ میں اپنے گوشے سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر میرے قدم ذہن میں گڑ کر رہ گئے کہ وہ ہوٹل سے باہر نہیں گیا تھا۔ ہوٹل میں موجود پبلک فون بوتھ میں کھڑا کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی پشت میری طرف تھی۔ ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ یکایک اتنا کم رہ گیا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ ہوتا تو مجھے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

ابھی میں کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک پیچھے سے

کوئی مجھے کندھا مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ میں نے ہٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سرور تھا۔ شاید صورتِ حال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ یقینی طور پر میرے آس پاس کوئی اور بھی موجود تھا۔ سرور نے کندھا مار کر مجھے اس کی طرف متوجہ کرنے کی ارادی کوشش کی تھی۔

میں بوتھ میں گھسے ہوئے شکار کی طرف متوجہ تھا اور کوئی مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں چوکنا ہو کر بہت تیزی سے گھوما اور پہلی طائرانہ نظر میں وہ خوب رو اور صحت مند لڑکی میری نظروں میں آ گئی جو ایک ستون کے قریب کھڑی اپنے بائیں ہاتھ کے ناخنوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس لڑکی کے سوا وہاں موجود ہر شخص کی مصروفیات میں کوئی نہ کوئی تسلسل موجود تھا مگر اس لڑکی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ لمحہ بھر پہلے اس کی کوئی اور مصروفیت تھی۔ میرے گھومتے ہی اس نے اپنی نگاہیں اپنے ناخنوں پر مرکوز کرلی تھیں۔

وہ نازک اندام نہیں تو فربہ بھی نہیں تھی۔ بس صحت مند کہی جاسکتی تھی۔ بھرے بھرے شہابی چہرے کے تیکھے نقوش بہت جاذب نظر تھے۔ میرے ذہن میں دہلی کی فلم چلنی شروع ہو گئی مگر اس میں دور دور تک اس لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا جو اس وقت میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اس مہم کا بہت نازک مرحلہ تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے مڑ کر بوتھ کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اپنی بات ختم کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے ریسیور ہک سے لٹکا دیا۔ میں اس کے مڑنے سے پہلے ستون کی اوٹ میں ہو کر واپس چل دیا۔

اس لڑکی نے مجھے عقب سے دیکھا تھا۔ میرے پلٹتے ہوئے شاید اس نے میرے چہرے کی ایک سرسری سی جھلک دیکھی ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اگر وہ میرے دشمنوں میں سے تھی اور دہلی میں مجھے مظہر خان کے روپ میں دیکھ چکی تھی تب بھی اس سرسری نظر میں مجھے نہیں پہچان سکی ہو گی۔ میں اس کی طرف پشت کیے آگے بڑھ گیا۔

اگر زخم خوردہ پیشانی والا فون پر بات ختم کرکے ہوٹل سے باہر نکل گیا ہوتا تو میں یقینی طور پر اس لڑکی سے براہِ راست بات کرنے کی کوشش کرتا۔ مرد کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اپنے دھندلے اور نیم تاریک گوشے میں پہنچ کر میں نے روشن راہداری کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ لڑکی اپنی جگہ سے جا چکی تھی۔ مرد کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔

اس وقت تک وہ سب میرے قوی شبہات تھے جن کو سہارا دینے کے لیے صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ مرد نے صدر کے علاقے میں ایک ٹائم بم نصب کیا تھا۔ اس کا لڑکی سے کیا تعلق تھا۔ اس بارے میں سرور ہی مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

اس شخص نے ہوٹل میں دوسری بار نمودار ہو کر یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ اس ہوٹل کے کسی کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں بہت آسانی سے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال سکتا تھا مگر پھر ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنے کے مواقع محدود ہو جاتے۔ بلیک کیٹس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ چوہڑا کی طرح مار کھا کر زبان کھول دیں گے۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔ سرور کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

واقعات سنسنی خیز انداز میں خاصی تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔ میرے لیے وہ صبر آزما صورتِ حال اعصاب شکن تھی کیونکہ میں کبھی بھی اپنے کسی حریف کو اتنی مہلت دینے کا عادی نہیں رہا تھا۔ سانولا آدمی سامنے تھا۔ اس کا کم از کم ایک بھیانک جرم ثابت ہو چکا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچنا چاہیے تھا۔ اس کی ہوٹل میں مستقل موجودگی کا انکشاف محض چند منٹ پہلے ہوا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے ڈھیل دیتے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہو۔ اگر مجھے حشمت یا سوبھراج کی فکر نہ ہوتی تو میں شاید اسے فون بوتھ سے واپس نہ جانے دیتا۔ کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر' اسے بھرے ہوٹل میں گھیر لیتا۔

میں وہیں بیٹھا اپنا خون کھولاتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے سلطان شاہ نظر آیا۔ وہ کسی لاابالی نوجوان کی طرح ایک بیگ اپنے گلے میں ڈالے' متلاشی نظروں سے اس علاقے میں موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے چلا آ رہا تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ وہ روشنی کے نمایاں فرق اور فاصلے کی وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میرے پیچھے آؤ!" میں یہ کہتا ہوا اس کے قریب سے نکل گیا۔

اس نے مجھے دیکھ کر کسی تپاک کا مظاہرہ کیا نہ میں نے اس کی طرف توجہ دی۔ وہ باتیں میں نے فون پر اسے سمجھا دی تھیں۔

سلطان شاہ نے اسی انداز میں چلتے ہوئے اپنی سمت

تبدیل کی اور میرے پیچھے پیچھے لفٹ تک پہنچ گیا۔
چند ثانیوں بعد ہم دونوں اول خان والے کمرے میں موجود تھے۔ اس نے بیٹھتے ہی اپنے بیگ کی زپ کھول دی۔ اس میں سی ایس ڈی کے نیچے میرا شب خوابی کا لباس موجود تھا۔
"اب شاید کپڑوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ابھی ابھی وہ منحوس شخص دوبارہ نظر آیا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات ہی اس کے کمرے کا سراغ لگا کر وہیں اس کا قصہ تمام کردوں۔ دوسروں کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔"
"اس کا دوبارہ نظر آنا نیک شگون ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں رہ رہا ہے پھر تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔" اس نے پوچھا۔
"میں مرد کو دیکھ رہا تھا اور ایک لڑکی عقب سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔" میں نے قدرے سنبھل کر جواب دیا "یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے بلیک کیٹس کے بارے میں ابتدائی افواہیں بے بنیاد نہیں تھیں۔ لڑکی کی موجودگی نے میری طبیعت کچھ مکدر کردی ہے۔ پتا نہیں وہ اچانک کہاں سے نمودار ہو گئی۔"
"وہ اس بار کہاں بم لگانے کے لیے آیا تھا؟"
"اپنے کسی آقا سے فون پر بات کرنے کے لیے نیچے آیا تھا۔"
"یہ کام وہ اپنے کمرے میں موجود فون سے بھی لے سکتا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔
"ہوٹل کے فون پر وہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی سے صدر میں دھماکے کے بارے میں معلوم کرنا چاہ رہا ہو۔ ان لوگوں کو ابھی تک خلش ہوگی کہ ایمپریس مارکیٹ کے علاقے سے ابھی تک بربادی کی کوئی خبر کیوں نہیں آئی۔"
"اس وقت تم پر غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت طاری ہے۔" سلطان شاہ نے محتاط لب و لہجے میں کہا "پتا نہیں تم کچھ کر گزرنے کے لیے اتنے بے چین کیوں ہو۔ آج دوپہر تک ہمارے پاس اپنے دشمنوں کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کی محنت سے اس وقت دو چہرے سامنے آچکے ہیں۔ ایک واردات رو کی جاچکی ہے۔ تم اور کیا چاہ رہے ہو۔"
شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں نے خاموش رہ کر اپنی جھنجلاہٹ کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر نئی سگریٹ سلگالی۔
"مجھے ہوٹل میں بلاتے ہوئے تم بہت خوش اور پُرجوش تھے۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہنس کر اس کی بات اڑادی۔
"اس وقت سرور کو پہلی بار ایسی انسانی پیشانی نظر آئی تھی جس پر زخم کا کوئی پرانا نشان موجود تھا۔" میں نے ہنسی کے دوران اپنی بات جاری رکھی "اب تم میرے بزرگ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی خوش اور پرجوش ہوں۔ میں مرد کو اب زیادہ مہلت نہیں دوں گا۔"
"اور عورت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔
"ابھی تک عورت کا کوئی جرم سامنے نہیں آیا۔ اگر وہ بلیک کیٹ ہی ہے تو ضرور ماری جائے گی۔"
اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ نیچے سے سرور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کمرا آباد تھا یا خالی پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔
"سر! میں آپ کی تلاش میں سارے ہوٹل میں چکراتا پھر رہا تھا۔" سلطان شاہ سے تعارف ہونے کے بعد اس نے کہا "بالکل آخر میں مجھے کمرے کا خیال آیا۔"
"سلطان شاہ آگیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے اوپر آنا پڑا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔"
"وہ لڑکی آپ کو نہیں پہچانتی۔" اس نے اپنے پہلے فقرے سے ہی میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا "آپ اس کے سامنے تھے پھر بھی اس نے آپ کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس نے چونک کر اس وقت آپ کو پیچھے سے گھورنا شروع کیا جب آپ بوتھ والے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔"
"وہ لڑکی اچانک کہاں سے نازل ہوگئی تھی۔" میں نے پوچھا۔
"وہ لفٹ سے نہیں نکلی تھی۔ شاید پہلے سے نیچے منڈلا رہی تھی۔ بعد میں بھی وہ اس آدمی سے نہیں ملی۔ سیدھی کیفے کی طرف چلی گئی۔"
"مرد کہاں گیا؟" میں نے سوال کیا "میں ان دونوں کی نگاہوں سے بچنے کے چکر میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ فون ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔"
"میں اسی کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر اوپر گیا تھا۔ وہ ساتویں منزل پر اترا تھا۔ میں اس کا کمرا دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"
"ہر کام قسطوں میں ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "پہلی دفعہ شبہ ہوا۔ دوسری مرتبہ یقین آیا کہ وہ اسی ہوٹل

میں ہے اور تیسری کوشش میں اس کا فلور معلوم ہوا۔ اب چوتھی بار کمرے کا نمبر معلوم ہوگا۔ اس کے بعد کہیں اس کے انجام کی باری آسکے گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ ان کا انجام اب بہت قریب ہے۔" میں نے سفاکی سے کہا۔

"وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے؟" سلطان شاہ نے براہِ راست سرور سے پوچھا۔

"وہ بے فکری سے کیفے میں ایک لڑکے کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ وہ شہر کی کوئی اوباش لڑکی ہو۔ تمہیں اس پر بلاوجہ شبہ ہوا ہو۔" میں نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔" سرور نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "مگر یہ بات ضرور ہے کہ وہ غور سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔"

"ہمارا ڈپٹی صاحب شاندار مرد ہے۔ دل پھینک لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں۔" سلطان شاہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

"وہ دل پھینک لڑکی نہیں ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "آوارہ ہوتی تو مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر اپنے ناخنوں کو نہ تکنے لگتی۔ مجھ سے نگاہیں ملا کر اشارے بازی کرتی۔ سرور میرا سایہ بنا ہوا ہے۔ وہ لڑکی دور رہ کر اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔"

"کیوں نہ کیفے میں چل کر اسی سے پہل کی جائے۔" سلطان شاہ کے پاس ریڈی میڈ تجویز موجود تھی "اس کے ساتھی کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ اس کی ساتھی ہوٹل سے اچانک کہاں غائب ہوگئی۔ مردوں کے مقابلے میں عورتیں مار کی کچی ہوتی ہیں۔ کیلی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"

وہ مکمل تجویز نہیں تھی۔ اس کے ہر پہلو پر غور کرکے عمل کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ کی تجویز پر کوئی بات ہونے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ آپریٹر کے ذریعے کمرے کی لائن لیتے ہی اس نے اپنی سی ایس ڈی آن کرکے مجھے کھلی گفتگو کا عندیہ دے دیا۔ اس نے سوبھراج کے گھر کے دو فون نمبر معلوم کرلیے تھے۔

اسے ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کا کوئی علم نہیں تھا۔ دونوں فون نمبر لکھوانے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کے آدمی غیر معمولی تیزی سے مطلوبہ ٹیکسی تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ اس نے ایمپریس مارکیٹ کی سواری کو میٹروپول ہوٹل کے چوراہے پر اتارا تھا۔ اول خان کی دانست میں وہ کوئی سراغ نہیں تھا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ٹیکسی اپنی منزل سے پہلے بدل لی ہوگی۔ فاصلہ کم تھا اس لیے اس نے میٹروپول سے پیدل مارچ کیا ہوگا۔" میں نے اس کی بات سن کر کہا "اب ان تفصیلات کی ضرورت نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے وہ دوبارہ نظر آیا تھا۔ اس مرتبہ سرور نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ وہ ساتویں منزل کے کسی کمرے میں رہ رہا ہے۔"

"آزادی سے کام کرنے کے لیے شاید یہ تمہاری آخری رات ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی دھیمی آواز آئی "نئی صبح تمہارے لیے مشکلات کا پیغام لے کر طلوع ہوگی۔"

اول خان کے دونوں فقرے سنگین تھے۔ میرے پورے بدن میں گویا چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں نے کہا "پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے۔"

"مین ڈیوڈ کا خون رنگ لا رہا ہے۔ وہ اس کے انجام پر کوئی احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ انتقام کے طور پر انہوں نے صبح کے کئی بڑے اخبارات میں ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف بڑے بڑے انعامی اشتہار چھپوانے کا بندوبست کیا ہے۔ اشتہارات شائع ہوتے ہی تمہیں کچھ دنوں کے لیے روپوشی اختیار کرنی پڑ جائے گی۔ یہ مجبوری ہے۔"

"بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ کوبرا ان کی مدد کر رہا ہے۔ دوسری طرف کوبرا اور تنک کے گہرے مراسم ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی نشان دہی کرکے پولیس سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے کہ اس پتے پر ریڈ کرکے ڈپٹی کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ بھارت میں بلیک کیٹس کو سارے ذرائع سے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ وہ اپنی خفیہ معلومات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ شاید تمہارے گھر کا پتا اسی سانولے موذی تک محدود ہو۔ امریکیوں کو اس کی بھنک مل گئی ہوتی تو اب تک بہت کچھ ہو چکا ہوتا۔"

"ہمارے اخبارات بھی ان کے گماشتے بن گئے ہیں۔ کیا وہ ایسے اشتہار کی اشاعت سے انکار نہیں کرسکتے!" میں نے قدرے غصے سے کہا۔

"اخبارات صرف اشتہاروں کے بل پر چلتے ہیں ورنہ کوئی پانچ چھ روپے میں پاؤ بھر کاغذ نہیں دے سکتا۔" اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "پہلے صفحے کا وہ بڑا

اشتہار لاکھوں کی مالیت کا ہوگا۔ اس کی اشاعت سے کون انکار کرے گا۔"

"ابتدا میں ان کے اشتہار مجھے پریشان کردیتے تھے۔ اب میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ ان کے پاس میری پرانی اور دھندلی تصویر ہے۔ شاید غزالہ بھی اب اسے نہیں پہچان سکے گی لیکن مجھے محتاط ہونا پڑے گا۔" میں نے بدمزگی سے کہا "بڑے انعام کے لالچ میں لوگ برادر فروش بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے میں کس گنتی میں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری اپنی آستین میں پلا ہوا کوئی سانپ مجھے ڈس لے۔"

"ایسی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ اپنی توجہ بلیک کیٹس پر مرکوز رکھو۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے سے پہلے ان کا کوئی بندوبست کرو۔"

"کیا ایس ٹی ایف موجودہ حالات میں میری طرف سے ان میں سے کسی ایک کا تحفہ قبول کرلے گی؟" میں نے پوچھا۔

"تم بلاوجہ تلخ ہو رہے ہو۔ تم چاہو تو میں ابھی بھاری نفری وہاں بھیج دیتا ہوں۔ میرے آدمی تمہارے حکم پر آگ میں بھی کود پڑیں گے۔"

"مگر سوبھراج کی طرف نہیں جائیں گے!" اس وقت میرے سینے میں واقعی لاوا سا کھولنے لگا تھا۔

"تم مجھے ثبوت فراہم کردو کہ سوبھراج ہی حشمت اور کوبرا بنا ہوا تھا۔ تم دیکھنا کہ میں اس کی کیسی درگت بناتا ہوں۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس مرحلے پر اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنا کتنا مشکل کام ہے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں میرے ہاتھ بھی بندھ جاتے ہیں۔" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی "سوبھراج بہت مشکل کیس ہے۔ اس وقت ٹام اور نک کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ کی خودکشی نے انہیں دیوانہ کردیا ہے۔ مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر ہماری وزارت داخلہ سے زبانی مطالبہ کیا ہے کہ میرا اور کرنل داور کا کسی اور اسٹیشن پر تبادلہ کردیا جائے۔"

"اوہ۔ تو کرنل داور ان کے اعصاب پر اتنا سوار ہے۔" میں نے تضحیک آمیز انداز میں کہا "اور یہ زبانی مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم کئی بار میری فورس کی بھرپور نمائندگی کرچکے ہو اور اب ارجن بھی کرنل داور کی قلابازی کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ وہ کوئی تحریری مطالبہ نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی حکومت ہمارے اس سرکاری موقف کو تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں آئین سے ماورا کوئی ادارہ موجود نہیں ہے۔"

"مگر غیر سرکاری طور پر وہ سب کچھ جانتے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تو کیا وزارت داخلہ تمہیں کہیں اور بھیج رہی ہے؟"

"ہمارا کسی وزارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف یہ بتا رہا تھا کہ وہ کہاں کہاں اپنا دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

یہ جان کر میرا غصہ کچھ کم ہوا کہ صرف میں ہی عتاب میں نہیں آیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی دشمنوں کی نظر میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔

"وہ دو ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا "مرد ساتویں منزل کے کسی کمرے میں چھپا ہوا ہے۔ اسے میں بعد میں تلاش کروں گا۔

عورت کیفے میں بیٹھی کسی مقامی کو شیشے میں اتار رہی ہے۔ میں لڑکی سے ابتدا کرتا ہوں۔ کامیابی ہو گئی تو سرور اسے لے کر اسٹیشن فور پہنچے گا۔"

"مجھے تمہاری اس وقت کی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم ضرور کامیاب رہو گے۔" اس کی آواز پُر خلوص تھی "اگر ممکن ہو تو اب سرور سے میری بات کرا دو۔"

سرور نے بس چند ثانیوں کے لیے ریسیور کان سے لگائے رکھا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ شاید اول خان اسے کچھ نئی ہدایات دے رہا تھا پھر وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

"تم لابی میں بیٹھو۔" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "اب ہم وقت برباد کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ تم کو پیشانی کے نشان والے پر نگاہ رکھنی ہے۔ وہ جہاں نظر آئے' اس کا پیچھا کرو۔ اس کے ہاتھ سے نکلنے کا اندیشہ ہو تو بے دریغ اسے گولی مار دو۔ تھوڑی دیر بعد میں خود تمہارے پاس آجاؤں گا۔" سلطان شاہ اسی وقت اٹھ کر باہر چل دیا۔

O☆O

سرور ہوٹل کے کیفے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ وہ لڑکی اس وقت بھی وہیں موجود تھی۔ جہاں اس نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا ہو جانے کے نتیجے میں لڑکا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

وہ کیفے تھا۔ وہاں صرف چائے' کافی' کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس سرو کیے جاتے تھے۔ کھانے کے لیے ہوٹل کے کسی ملحق ریستوران کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ کیفے میں لوگوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔

سرور نے اس لڑکی کی میز کے قریب' اپنی پسند کی جگہ منتخب کی اور ایسے زاویے سے کرسی پر جم گیا کہ لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ لڑکا سرور کی طرف پشت کیے' اپنی نئی نویلی محبوبہ سے مسلسل باتوں میں مصروف تھا۔ سرور لڑکے کی بے خبری میں کسی بھی وقت لڑکی کو براہِ راست اشارہ کر سکتا تھا۔

کیفے میں موجودگی کے جواز کے لیے سرور نے چائے کا آرڈر دیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

وہ بڑے ہوٹل کا کیفے تھا اس لیے وہاں ہر چیز کے نخرے نرالے تھے۔ بھاپ اڑاتی ہوئی گرما گرم چائے پورے سیٹ کی صورت میں خاصی دیر بعد آئی اور آدھی پی لی گئی لیکن اس دوران میں وہ لڑکی ایک مرتبہ بھی سرور کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ پیشہ ور ایجنٹ تھی اور ایک وقت میں اپنی ساری توجہ ایک شکار پر مرکوز رکھنے کی عادی تھی۔

سرور کسی موقع کی تلاش میں دھیرے دھیرے چائے پیتا رہا۔ اس نے کیک اسٹینڈ میں سجے ہوئے اسنیکس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

خاصی دیر بعد لڑکی نے ایک بار اپنی بوجھل آنکھیں سرور کی طرف اٹھائیں' بے ساختہ سرور کی بائیں آنکھ دب گئی۔ وہ دیر سے اسی موقع کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کسی اجنبی سے ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

وہ پختہ کار تھی۔ سرور کی حرکت پر جھینپنے یا نظریں چرانے کے بجائے ڈھٹائی سے چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر دوبارہ خوش دلی سے لڑکے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ لڑکا رومان کی دنیا میں ایسا مگن تھا کہ اسے لڑکی کی تیوری کے ہلکے بل نظر آئے نہ اسے یہ اندازہ ہوا کہ چند ثانیوں کے لیے لڑکی کی توجہ کسی اور کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

سرور نے لڑکی کے دل میں ایک بیج بو دیا تھا۔ لڑکی نے ذرا سی دیر کے بعد ارادی طور پر اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔ سرور نے اسے آنکھ مار کر اپنے سر کو آگے کی طرف جنبش دی۔ وہ واضح طور پر لڑکی کو اپنی طرف بلانے کا اشارہ تھا۔ سرور نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس دوران بالکل سنجیدہ رہا تھا۔ اس نے کسی لچرپن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

شاید لڑکی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ وہ کون تھا جو باوقار انداز میں اسے دو بار آنکھ مار چکا تھا۔ وہ خطرناک حالات میں ایک دشمن ملک میں آئی ہوئی تھی۔ سرور کی حرکات نے اس کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیا۔ اس کی ساری شوخی اور بے فکری ذرا سی دیر میں رخصت ہو گئی۔ لڑکی کے رویے میں وہ تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ لڑکے کی عاشقانہ نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور جب لڑکے نے مڑ کر سرور کی طرف دیکھا تو سرور خود کو ایک جارحانہ جھڑپ کے لیے تیار کر چکا تھا۔

ایسے جذباتی مواقع پر ہر جوان مرد مشتعل ہو کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے' اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے لیکن جب لڑکے نے اپنی گردن گھما کر سرور کی طرف دیکھا تو اسے لڑکے کی آنکھوں میں کوئی رقیبانہ چمک نظر نہیں آئی۔ ان نگاہوں میں ہلکی سی حیرت مجسم تھی۔ شاید لڑکی نے اس

سے سرور کے آنکھ مارنے کی شکایت نہیں کی تھی۔

پھر لڑکے کے بجائے وہ لڑکی اپنی کرسی سے اٹھی۔ لڑکا شاید لڑکی کی ہدایت پر سرور کی طرف پشت کیے سیدھا بیٹھا رہا۔ وہ سیدھی سرور کی طرف آئی۔ اس کے رکنے تک سرور اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ بیٹھے رہنے کی صورت میں لڑکی کا طمانچہ زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم نشے میں تو نہیں ہو۔ میں ابھی مار مار کر تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گی۔" وہ آتے ہی بلا کسی تمہید' سرگوشیانہ آواز میں غرائی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنے شولڈر بیگ پر تھا۔

"میں کوبرا کا آدمی ہوں۔" سرور نے اس سے زیادہ دھیمی مگر نرم آواز میں کہا "مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔" وہ برہمی سے بولی۔

"وہ خود کہاں ہے؟"

لڑکی نہ جانے کس زعم میں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کوبرا کا نام سنتے ہی لڑکی کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ میں نے سرور کو بھی یہی بتایا تھا۔ لڑکی کے بے پروایانہ رویے پر وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"یہیں بیٹھے رہو۔" لڑکی نے سختی سے سرور کے سینے پر انگلی مار کر کہا "میں فارغ ہو کر آتی ہوں۔"

وہ دوبارہ اپنی میز کی طرف چلی گئی۔ سرور تھکے ہارے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دور سے وہ لڑکی جتنی حسین اور دلکش نظر آ رہی تھی' قریب آنے پر سرور کے لیے اس سے زیادہ درشت اور تند خو نظر آئی تھی۔ اس کے لہجے میں خرانٹ عورتوں جیسی رعونت آ گئی تھی۔ سرور نے سمجھ لیا تھا کہ وہ آسانی سے اس کے دام میں آنے والی نہیں تھی۔

سرور کو میں نے صرف کوبرا کا نام بتایا تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ کوبرا کا صحیح پس منظر کیا تھا۔ اس نے میرے کہنے پر خود کو کوبرا کا آدمی ظاہر کر دیا تھا مگر یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ لڑکی نے اس سے کوبرا کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیے تو وہ بغلیں جھانکنے کے سوا کیا کر سکے گا۔

لڑکی کے معاملے میں اسے الٹی آنتیں اپنے گلے پڑتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر سلسلہ شروع کر چکا تھا۔ لڑکی اس کے سامنے موجود تھی۔ اس مرحلے پر سرور کے لیے پسپائی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اسے ہر حال میں آنے والے واقعات کا سامنا کرنا تھا۔

وہ اس لڑکے سے مزید چند منٹ تک الوداعی باتوں میں مصروف رہی۔ سرور یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ لڑکی نے اس کے بارے میں لڑکے کو کوئی معاندانہ بات نہیں بتائی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس نے سرور کو اپنا کوئی شناسا ظاہر کر کے لڑکے سے معذرت چاہی ہو۔ وہ سب ان دونوں کی آپس کی باتیں تھیں۔ ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی وہ ملاقات اختتام کو پہنچتی ہوئی نظر آنے لگی۔ لڑکے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر سرسری نظروں سے سرور کی طرف دیکھا۔ وہ بے فکری سے لاتعلقانہ انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

شاید ان کا بل پہلے سے آ چکا تھا۔ لڑکے نے اپنی جیب سے پرس نکال کر چند سرخ نوٹ بل کور کے نیچے دبائے اور وہ دونوں کیفے کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکے کو دروازے سے رخصت کر کے وہ اطمینان سے واپس آئی اور سرور کی میز پر' اس کے سامنے والی کرسی پر جم گئی۔

"ہاں' اب بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔" اس نے خراب تیوروں کے ساتھ براہِ راست سرور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔ باہر میرا ساتھی موجود ہے۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔" سرور نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ تو تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" لڑکی کے ہونٹوں سے تنفر آمیز سرگوشی برآمد ہوئی۔

"اخلاقاً"

''آپ کے تحفے کا بہت بہت شکریہ۔''

''ارے صاحب...... چھوڑیے...... اتنی معمولی سی چیز کا کیا شکریہ ادا کرنا......''

''خیال تو میرا بھی یہی تھا...... لیکن میری بیوی بضد تھی کہ میں اخلاقاً آپ کا شکریہ ادا کر دوں۔''

"علاج"

''بے خوابی کے علاج کے بعد تمہیں بہت سکون ملا ہوگا؟''

''ہاں.... واقعی بہت سکون ملا ہے۔ اب تو میں آدھی آدھی رات تک جاگ کر یاد کرتا رہتا ہوں کہ بے خوابی کی وجہ سے میں کتنی تکلیف میں تھا۔''

"سرور اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ لڑکی سے گفتگو کے معاملے میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب اس نے پورے شہر کو میری یہاں موجودگی سے باخبر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" اس نے طنز سے کہا۔ ظاہری غصے اور اشتعال کے باوجود اس لڑکی نے اپنی آواز اتنی دھیمی رکھی ہوئی تھی کہ کیفے میں موجود کسی اور فرد کو اس کی گفتگو کی ہوا نہ لگ سکے۔

"اس کے معاملات کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر لڑکی نے ہی تھکی ہوئی آواز میں اس سکوت کو توڑا "دیکھو! میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ حالات بگڑ گئے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس سے کہاں رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ارجن کے قتل کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا ساتھی تمہاری کوئی مدد کر سکے۔" سرور نے اس پر اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے گول مول سا جواب دیا۔

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" لڑکی نے سرور کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پارکنگ میں ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔" سرور نے کہا۔

لڑکی روانگی کے لیے آمادہ ہو گئی۔ ویٹر نے اپنے تجربے کی بنا پر ان کی روانگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ بل سمیت قریب ہی موجود تھا۔ سرور اسے فارغ کر کے اٹھ گیا اور وہ دونوں ہوٹل سے نکاس کے راستے کی طرف چل دیے۔ لڑکی نے یکایک بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ فطری طور پر بہت محتاط معلوم ہوتی تھی، اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ سرور محض بیچ کا آدمی تھا۔ اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی اس لیے اس سے بات کرنا بے سود تھا۔

میری نگاہیں مسلسل ہوٹل سے آنے والے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ روشن اور تاریک دھبوں میں وہ مجھے دور سے ہی نظر آ گئے اور میں نے اس لڑکی کے استقبال کے لیے اپنی انگلی میں موجود سبز رنگ والی انگوٹھی کا رخ ہتھیلی کی طرف گھما لیا۔ را کے کم از کم چار آدمی ہمارے ہاتھ سے یوں نکل گئے تھے کہ ہم انہیں زندہ پکڑنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے تھے۔ بلیک کیٹس میں سے کسی ایک کو زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا تاکہ اس کی زبان سے تازہ بھارتی عزائم کے بارے میں کچھ اگلوایا جا سکے۔

وہ دونوں محافظ کے قریب سے گزر کر پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئے اور میری طرف بڑھتے چلے آئے۔ میں نے جان بوجھ کر ایک تاریک حصے کا انتخاب کیا تھا تاکہ آنے والی پہلی نظر میں مجھے نہ پہچان سکے۔ سرور نے اپنے مشاہدے کی بنا پر مجھے یہ بتا دیا تھا کہ شاید وہ لڑکی ماضی کے کسی حوالے سے مجھے نہیں پہچانتی تھی مگر میں پھر بھی محتاط تھا۔ ہوٹل کی لابی میں وہ پوری طرح مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں میرے بہت قریب آ کر شاید وہ مجھے ڈیٹی بلکہ مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لیتی۔ بلیک کیٹس کا چکر شروع ہونے سے اس وقت تک وہ مسئلہ میرے ذہن سے مسلسل چپکا ہوا تھا۔

"وہ مجھ سے کئی فٹ کے محفوظ فاصلے پر رک گئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری تھی جو زیادہ قوی نہیں تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا "اوہو۔۔۔ یہ تم ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم ہی فیروز کی نگرانی کر رہے تھے۔"

لڑکی کے اس ایک فقرے نے میرے ذہن کے کئی بوجھ ہلکے کر دیے۔ اس نے دہلی میں مجھے مظہر کے روپ میں دیکھا تھا اور نہ مجھے چہرے سے پہچانتی تھی۔ اس نے مجھے پہلی بار اسی وقت دیکھا تھا جب میں اس کے فون بوتھ میں موجود ساتھی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس بارے میں سرور کا مشاہدہ سو فیصد درست تھا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ سامنے آئی تھی کہ اس کے ساتھی نے کراچی میں قیام کے دوران میں فیروز کا فرضی نام اختیار کیا ہوا تھا۔ نام کے ذریعے ہوٹل میں اس کے کمرے کا سراغ لگانا بہت سہل ہو گیا تھا۔

میرا ارادہ اس سے زیادہ باتیں کرنے کا نہیں تھا۔ میں پہلی فرصت میں اسے بے ہوش کر کے اسٹیشن فور کی طرف روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ بہت کھاگ تھی۔ مجھ سے اتنی دور رکی تھی کہ میں جھپٹ کر اسے اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا تو مجھے ناکامی کا سامنا ہو سکتا تھا۔

"میں وہی ہوں۔" میں نے اس کے ذہن کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک رکھنے کے لیے کہا "میں چھ بجے سے ان ہی اطراف میں موجود ہوں۔ کوبرا فیروز کی کارکردگی سے خوش نہیں ہے۔"

"کون فیروز؟" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اسی لمحے مزید پیچھے سرک گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھی کی بات کر رہا ہوں۔ پانچ بجے وہ واقعہ نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔" اسے وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی

تھی۔

لڑکی ہذیانی انداز میں بڑبڑائی "آخر میرا شبہ درست نکلا۔ تم دونوں فراڈ ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک اپنے سینے میں سے ایک پستول نکال کر میرے اوپر تان لیا اور سرور سے بولی "چلو۔۔۔ اپنے ساتھی کے برابر میں آجاؤ۔ ذرا بھی دیر کی تو میں گولی ماردوں گی۔"

میں لڑکی سے غافل نہیں تھا لیکن مجھے اس سے اتنی پھرتی دکھانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ یکایک خطرے میں گھر گئی تھی۔ پستول نکالنے کے بعد وہ کسی بھی لمحے ہم دونوں پر فائر کر سکتی تھی۔

"میں نے تم دونوں کو پرکھنے کے لیے جان بوجھ کر اس کا غلط نام لیا تھا۔ تم کوبرا کے آدمی ہوتے تو مجھ سے پوچھتے کہ میں کس فیروز کی بات کر رہی ہوں۔ تم دونوں ابھی بہت کچے ہو۔ میرے پہلے ہی جھٹکے میں ڈھیر ہو گئے۔" وہ زہریلی آواز میں بولتی چلی گئی "اب بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو۔۔۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"ای۔۔۔ اسے نیچے کرلو۔" میں نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی اور فریادی انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں پھیلا دیا "یہ چل گیا تو میں مفت میں مارا جاؤں گا۔"

میں نے لڑکی کو گھیرنے کے لیے جان بوجھ کر پارکنگ لاٹ کے ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں کسی کی مداخلت کے اندیشے کے بغیر کارروائی پوری کی جا سکے۔ اس وقت وہی ویرانی ہمارے لیے مسئلہ بن گئی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ لڑکی ہم پر پوری بے خوفی سے غالب آگئی تھی اور دور تک میدان صاف پڑا ہوا تھا۔

لڑکی میری فریاد پر آسودہ انداز میں ہنسی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں پھیلا کر ایک لمبی قلابازی کے لیے پر تول رہا تھا۔

اس نے جس عیاری، مکاری اور پھرتی سے چشم زدن میں ہمیں اپنے نشانے پر لیا تھا اس کی بنا پر مجھے دل ہی دل میں ماننا پڑا کہ وہ بہترین تربیت اور تجربے کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ وہ میری اور اس کی پھرتی کا براہ راست مقابلہ تھا۔ اگر مجھے اسے گرانے میں ذرا سی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسی لمحے مجھے فضا میں اڑتے ہوئے گولی مار دیتی۔

میں نے داہنا ہاتھ گرائے بغیر ایک مرتبہ پھر درمیانی فاصلہ، اپنے قدموں کی قوت اور لڑکی کی پوزیشن کا اندازہ لگایا اور پھر اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں فضا میں اڑتا ہوا لڑکی پر جا پڑا۔ میرے دونوں جوتے پوری قوت سے اس کے سینے پر

پڑے تھے۔
وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ لڑکی کے حلق سے چیخ بھی نہیں نکل سکی۔ شاید اضطراری چیخ اس کے سینے میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک زوردار ہچکی کے ساتھ کچی زمین پر گر گئی۔ اس کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس کو مار گرانے کے چکر میں، میں خود بھی بے طرح زمین پر گرا تھا۔ اپنی کھوپڑی کو کسی کاری ضرب سے بچانے کے چکر میں میری ہتھیلیوں پر کنکروں کی خراشیں آئی تھیں مگر میرے پاس ان معمولی باتوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں تیزی سے سنبھل کر پلٹا تو وہ زمین پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

وہ چوٹ کی بے ہوشی تھی جو کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا ذرا سا زہر اس کی صراحی دار گردن کی رگوں میں اتار دیا۔

وہ بہت اہم اور فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ کوئی اس طرف آنکلتا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ سرور میری ہدایت کا انتظار کیے بغیر اپنی گاڑی لینے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت کی ذرا سی تاخیر کتنی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

گاڑی آتے ہی ہم دونوں نے تیزی سے اس لڑکی کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ میں نے اس کے زمین پر پڑے ہوئے شولڈر بیگ کو کھول کر دیکھا تو میری توقع کے مطابق ہوٹل کے کمرے کی چابی اس میں موجود تھی۔ چابی کے ساتھ جھولتے ہوئے سفید پلاسٹک پر ہوٹل کے مونوگرام کے ساتھ کمرے کا نمبر بھی درج تھا۔

چابی اپنی جیب میں ڈال کر میں نے بیگ لڑکی کے اوپر پھینکا اور ہاتھ لہرا کر سرور کو اشارہ کیا۔ گاڑی کا انجن بیدار تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے کپڑے جھاڑے اور پھر ہوٹل کی عمارت کی طرف چل دیا۔

لڑکی کے شولڈر بیگ سے سات سو چار نمبر چابی برآمد ہوئی تھی۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ دونوں الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے یا ایک ساتھ مقیم تھے۔ کسی کمرے کا رخ کرنے سے پہلے یہ اندازہ ہونا ضروری تھا کہ اندر کی کیا صورت حال تھی۔

لڑکی شروع سے اپنی چابی سمیت کیفے میں موجود تھی جب کہ مرد فون بوتھ سے ایک کال کرنے کے بعد ساتویں منزل پر واپس چلا گیا تھا۔ قرائن یہ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں اپنی غیر حاضری میں کمرا غیر مقفل چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ایک کمرے کی ایک ہی چابی گاہکوں کو فراہم کی جاتی تھی۔ اگر وہ ایک کمرے میں اکٹھے رہ رہے ہوتے تو مرد کو کمرے میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت پڑتی۔ لڑکی کے بیگ سے چابی برآمد ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ الگ کمرے میں رہ رہی تھی۔

لڑکی بے ہوش ہو کر اسٹیشن فور کی طرف سدھار چکی تھی۔ اس کا کمرا خالی ہونا چاہیے تھا۔

سلطان شاہ کی طرف جاتے ہوئے، میں نے راستے سے انٹرکام پر لڑکی کے کمرے کا نمبر ملایا تو دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کافی دیر تک جواب نہ ملنے پر میں نے فون بند کر دیا۔

میں واپس پہنچا تو سلطان شاہ لابی میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

"لڑکی کا قصہ نمٹ گیا۔ اب اس کا ساتھی رہ گیا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے تفصیلات کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر پوچھا۔

"کچھ دیر اور بیٹھو میں اوپر کا جائزہ لیتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا "اس کے بعد سوچیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اوپر جاؤں اور وہ اس دوران میں ادھر سے نکل آئے۔ اسے ہر قیمت پر اور ہر حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

میں نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا "یہ رکھ لو۔ ضرورت ہوئی تو میں اس پر تم سے بات کر لوں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں ساتویں منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لڑکی کا کمرا بدستور مقفل تھا۔ مجھے اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

میں نے تیزی کے ساتھ کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر وہاں کپڑوں کے چند جوڑوں، ریزگاری اور میک اپ کے ہلکے پھلکے سامان کے علاوہ کوئی چیز نہیں مل سکی جس سے لڑکی کے اصل یا فرضی نام کے بارے میں کچھ پتا چلتا یا اس کے ماضی کا کوئی سراغ ملتا۔ وہاں مجھے ہوٹل کے دوسرے کمرے کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں چل سکا جس میں لڑکی کا ساتھی ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ عجیب جمود تھا۔ میرا شکار میرے آس پاس کے کسی کمرے میں موجود تھا مگر میں اس کے نام یا کمرے کے نمبر سے واقف نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محض اس کی پیشانی کے زخم کے سہارے کسی سے اس کے بارے میں کیسے بات کی جائے۔ میں لڑکی کے بے داغ بستر پر بیٹھا سوچتا رہا۔

آخر کار میں نے روم سروس والوں سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے کارڈ پر نمبر دیکھ کر روم سروس کو چائے کا آرڈر دے دیا اور آنے والے سے مذاکرے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھیڑ عمر کی ایک طرح دار ویٹرس میرے لیے چائے لے کر آئی تو مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ اس نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا لیکن میز پر چائے کے برتن لگاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "سر! کیا مس سونیا کہیں گئی ہوئی ہیں؟"

جمود ٹوٹا تھا۔ ویٹرس نے لڑکی کا مفروضہ نام خود بہ خود اگل دیا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "وہ اپنے اسی ساتھی کے ہمراہ فارمیسی تک گئی ہے جس کے ماتھے پر زخم کا پرانا نشان ہے۔"

"ابرار صاحب!" بسیار گو ویٹرس نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرا نام بھی خود اگل دیا۔ "وہ تو برابر والے کمرے میں بیٹھے کچھ کام کر رہے ہیں۔ ابھی میں نے انھیں سگریٹ کا پیکٹ پہنچایا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے کمرے کی داہنی دیوار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں رو گئی ہو۔ ابھی آ جائے گی۔" میں نے اپنا سرسری انداز برقرار رکھا پھر اس سے فرمائش کی "ذرا میرے لیے چائے بھی بنا دو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ لے کر اپنے بلاؤز میں اڑس لیا۔

اس کے مزاج سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے سو روپے کی ٹپ وصول کرنے کے بعد بھی باہر جا کر خاموش نہیں رہے گی۔ میرے بارے میں اپنے ساتھیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور بتائے گی۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے رشوت کے ساتھ کسی قسم کی دھونس بھی بہت ضروری تھی۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "کل تمہارے ہوٹل میں ارجن بہت عجیب حالات میں مارا گیا تھا۔ میں اسی کے قتل کی تفتیش کرنے یہاں آیا ہوں۔ پولیس کی وردی سے ہوٹل میں خوف و ہراس پھیلتا ہے اس لیے تم مجھے سادہ کپڑوں میں دیکھ رہی ہو۔ میرا نام انسپکٹر باجوہ ہے۔"

میری زبان سے پولیس کا ذکر سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "تو کیا مس سونیا۔۔۔۔"

"شش!" میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ "سونیا نہیں، ہمیں ابرار پر شبہ ہے مگر تم یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اپنی زبان کھولی تو مجرموں کے ساتھ تم بھی گواہی شہادت کے چکر میں رگیدی جاؤں گی۔ تم شریف عورت ہو اس لیے میں نے یہ بات تمہیں بتا دی ہے۔"

"مم۔۔۔ مجھے اپنی شفٹ انچارج کو بتانے پڑے گا کہ اس کمرے میں مس سونیا کے بجائے آپ موجود ہیں۔"

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا ورنہ تم خود نتیجے کی ذمہ دار ہو گی۔" میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھا دیا "تمہاری اس حرکت سے ابرار کو بھنک مل سکتی ہے۔ وہ بھاگ گیا تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گی۔"

وہ بری طرح سہم گئی۔ "انسپکٹر صاحب، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ کسی کمرے میں ہوٹل کے مہمان کے بجائے کوئی اور موجود ہو تو فوراً شفٹ انچارج کو خبر کریں۔ آپ کے چائے کے بل پر بھی مس سونیا کے دستخط ہونے ضروری ہیں ورنہ بل کلرک اعتراض کرے گا۔"

"بل کی تم پروا نہ کرو۔ وہ میں نقد ادا کروں گا۔ بس تم اپنی زبان بند رکھو۔ میرے جانے کے بعد تمہیں آزادی ہو گی کہ جس سے چاہو، کہتی رہو۔"

"سر! بعد میں بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ بے بسی سے بولی "مجھ پر الزام آئے گا کہ میں نے وقت پر کسی کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ ارجن صاحب کے مرنے کے بعد سے ہوٹل کا سارا اسٹاف سہا ہوا ہے کہ پتا نہیں کب کس کی باری آ جائے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ بولتے رہنے پر آمادہ تھی۔ اچانک مجھے حشمت کا خیال آ گیا۔ میں نے کہا "کل ارجن مارا گیا اور کل ہی تیسرے فلور کا ایک آدمی اچانک اپنا کمرا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں کوئی بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہم سارے معاملات کی چھان بین کر رہے ہیں۔"

"تین سو دس نمبر والے کے بارے میں سب چہ میگوئیاں کر رہے ہیں لیکن دفتر والوں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ وہ ارجن صاحب کا پکا دوست تھا۔ جب بھی یہاں ٹھہرتا تھا، ارجن صاحب دن میں کئی بار اس کے کمرے میں جاتے رہتے تھے۔"

"تم نے اسے دیکھا تھا۔" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"ڈیوٹی ٹائم میں ہم اپنے فلور پر رہتے ہیں۔ کچن اور کیفے میں آتے جاتے ہوئے ایک دو بار اسے دیکھا تھا۔" وہ بول رہی تھی "لمبا چوڑا، داڑھی مونچھوں والا، رعب دار آدمی ہے، لمبی ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے مڑی ہوئی

ہے۔ آواز بھی اونچی اور گرجدار ہے۔ دیکھنے میں دلیر آدمی لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ چپکے سے کمرا کیوں چھوڑ گیا۔"

اس عورت نے حشمت کی مڑی ہوئی ناک کا ذکر کر کے میرا دل خوش کر دیا تھا۔ اپنی اس پہچان کو سو بھراج کس طرح چھپا سکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت تک اول خان کا کوئی آدمی حشمت کے خدوخال کی اس نمایاں ترین خوبی یا خامی کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر رہا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی "سو روپے میں نے بے خبری میں لے لیے تھے۔ پولیس والوں سے ٹپ لینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ رکھ لو۔ تم ضرورت مند معلوم ہوتی ہو۔ وردی کے بغیر میں تمہاری طرح کا عام آدمی ہوں۔"

اس نے دوسرا نوٹ بھی بلاؤز میں رکھ لیا اور بولی "میرا نام نرگس ہے، کوئی ضرورت ہو تو روم سروس کا نمبر ملا کر مجھے نام سے بلالیں۔"

وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ بہت معمولی سی ویٹرس تھی لیکن اس نے ذرا سی دیر میں میری کئی مشکلات آسان کر دی تھیں۔ اس نے برابر کے کمرے میں سونیا کے ساتھی کی موجودگی کی مصدقہ اطلاع دے کر میرے ذہن میں ایک ہلچل سی برپا کر دی تھی۔

میں تذبذب میں پڑ گیا تھا کہ اسے کمرے سے باہر نکال کر زیر کروں یا پھر بے خبری کے عالم میں اسے کمرے میں ہی دبوچ لوں۔ دونوں صورتوں کے اپنے اپنے فائدے اور نقصانات تھے۔ میں چائے نوشی کے دوران میں اسی ادھیڑبن میں مبتلا رہا۔ چائے ختم ہونے تک میں اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل طے کر چکا تھا۔

میں سونیا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے دائیں طرف والے کمرے کا نمبر سات سو چھ تھا۔ سامنے والی قطار طاق نمبروں والے کمروں پر مشتمل تھی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر باہر نکل کر ابرار کے کمرے کے نمبر کی تصدیق کی اور دوبارہ سونیا کے کمرے میں آ کر فون پر براہِ راست لائن ملا کر اپنا موبائل فون نمبر ملایا۔ سلطان شاہ نے جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بدستور لابی میں بیٹھا ہوا تھا۔ مطلوب چہرہ ہنوز اسے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے اطمینان سے ابرار والے کمرے میں آنے کی ہدایت کی اور اٹھ گیا۔

اپنی داہنی جیب میں موجود بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے میں باہر نکلا۔ سونیا کی چابی میں نے اندر ہی چھوڑ دی تھی۔ کیونکہ میرا دوبارہ اس کمرے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ بھی تھا، لاوارث پڑا رہنا تھا۔ سونیا کا کمرا بند کر کے میں نے چند قدم آگے ابرار کے دروازے پر دستک دی۔ میں جان بوجھ کر ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا کہ ذرا سا دروازہ کھلتے ہی وہ میری شکل نہ دیکھ سکے۔ میرے حساس کانوں نے اندر کے نرم قالین پر قدموں کی دھمک محسوس کی، دروازے کا لیور گھوما اور پھر محتاط انداز میں دروازے میں جھری پیدا ہوتی چلی گئی۔

پیشانی پر زخم کے نشان والا چہرہ سامنے آتے ہی یہ یک وقت دو واقعات رونما ہوئے۔

ابرار کے فرضی نام سے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا وہ خبیث شخص یقینی طور پر مجھے دہلی میں مظہر کے روپ میں دیکھ چکا تھا۔ میرے چہرے پر پہلی نظر پڑتے ہی اس نے بوکھلا کر تیزی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت میں دروازے میں اپنا جوتا اڑا چکا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ زور آزمائی کے لیے جیب سے باہر آ چکا تھا۔

"یو بلاڈی باسٹرڈ، سن آف اے بچ۔" اندر وہ ہانپتی ہوئی اور خوف زدہ آواز میں انگریزی میں گالیاں بکتے ہوئے دروازہ بند کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے دروازے پر اس کے دباؤ کا اندازہ لگایا ....اور پھر ایک جھٹکے سے پٹ کو پوری طاقت سے اندر دھکیل دیا۔

ابرار اس جھٹکے کو نہیں روک سکا۔ دروازے میں جگہ پیدا ہوتے ہی میں پھنس کر اندر گھس گیا۔ وہ اپنی ناکامی کا احساس ہوتے ہی بہت تیزی سے واپس پلٹا تھا مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرے اوپر کوئی ہتھیار اٹھا لے گا۔ میں نے کہنی مار کر اپنے عقب میں کھلا ہوا دروازہ بند کیا اور اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس پر تان لی۔

سامنا ہو جانے کے بعد میں اسے ذرا سی بھی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ انگوٹھیاں گھمانے اور استعمال کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں نے پیچھے سے اس پر جست لگائی اور اس کی داہنی کنپٹی پر بیم گن کے آہنی دستے کی شدید ضرب لگا کر اسے اپنی گرفت میں دبوچ، قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

وہ میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس پر دوسرا وار کرنے کے لیے میں نے اس کے بدن کے نیچے دبا ہوا اپنا بایاں ہاتھ

نکالنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اسے اتنی تیزی سے زیر کر لیا تھا۔

طویل ذہنی مشق اور کوششوں کے بعد دو بلیک کیٹس کی زندہ گرفتاری ایک معجزے سے کم نہیں تھی۔

میرے ذہن پر یہ فکر سوار ہو گئی کہ اسے ہوٹل کے بند کمرے سے کیسے نکالا جائے۔ میں اپنے طور پر کوشش نہیں کر سکتا تھا اس کام میں اول خان کی مدد ضروری تھی۔

میں اس مخمصے سے دوچار تھا کہ سلطان شاہ آ گیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ اوندھے اور بے حس پڑے ہوئے شکار پر گئی تو وہ حیران رہ گیا۔ "ہائیں... ابھی ابھی تو تم اوپر آئے تھے اور تم نے آتے ہی اسے مار بھی لیا۔"

"مجھے اس فلور پر آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون لے کر کہا "میں نے لڑکی کے کمرے میں بھی خاصا وقت گزارا ہے۔"

"میں فون کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ تم نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔" اس نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

"امید تو نہیں کہ کچھ مل سکے گا لیکن تم جلدی سے کمرے کی تلاشی لے ڈالو۔ ابرار کی جیبیں بھی دیکھ لینا۔ اتنی دیر میں، میں اول خان سے بات کیے لیتا ہوں۔"

"ابرار!" سلطان شاہ نے چونک کر حیرت سے کہا "تو کیا یہ کوئی مقامی مسلمان ہے؟"

"جب تک اس کا اصل نام کا علم نہیں ہو جاتا' ہم اسے اسی نام سے پکارنے پر مجبور ہیں جو ہوٹل میں لکھا ہوا ہے۔"

سلطان شاہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے موبائل فون پر اول خان کا وہ نمبر ملا لیا جس سے سی ایس ڈی منسلک نہیں تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ایک بلیک کیٹ کی اسٹیشن فور پر آمد کی خبر ملنے کے بعد وہ اپنا دفتر نہیں چھوڑ سکے گا۔ میری وہ خوش فہمی درست ثابت ہوئی۔ کال اول خان نے خود وصول کی تھی۔

"تمہارا تحفہ کہاں ہے میں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔" اس نے میری آواز سن کر کہا "اور تم نے سی ایس ڈی والی لائن پر فون کیوں نہیں کیا؟"

"میں موبائل سے بات کر رہا ہوں' لڑکی کو سرور لے گیا ہے۔ وہ راستے میں ہو گا۔ یہاں سات سو چھ نمبر میں دوسرا مرغا تیار ہے۔"

"کمال ہے جن کا اتنا شور اور شہرہ تھا۔ تم نے ان دونوں کو زندہ پکڑ لیا ہے۔" حیرت سے اس کی آواز خاصی بلند ہو گئی۔

"یہ خاموشی سے مار کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے باہر کیسے نکالو؟"

"یہ اور بھی حیرت کی بات ہے کہ اس نے کوئی اودھم نہیں مچایا۔ وہ ذرا سی بھی چیخ و پکار کرتا تو وہاں ایک تماشا بن جاتا۔"

"وہ جانتا تھا کہ اس کی چیخ و پکار اسے لے ڈوبے گی۔ آواز نکلتے ہی میں اس کے دل یا دماغ پر بیم گن فائر کر دیتا۔ تم ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ مجھے میری پریشانی کا کوئی حل بتاؤ۔ کوئی حل نہیں ہے تو میں اسے مار کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ میں اس موذی کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا۔"

"باتیں کرتے ہوئے بھی میرا ذہن کام کر رہا ہے۔" اس نے مجھے تسلی دی پھر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ایسا کرو کہ تم اسے بیمار ظاہر کرو۔ [illegible] میں یہاں سے دو میل نرسوں کے ساتھ ایمبولینس بھیجتا ہوں۔ وہ خاموشی سے اسے نکال لائیں گے۔"

وہ سہل ترین ترکیب تھی۔ نہ جانے میرا ذہن اس طرف کیوں مبذول نہیں ہوا تھا۔

"بس تم جلدی سے ایمبولینس بھیج دو اور گھر نکل جاؤ۔ رات بھر اسٹیشن فور پر رہ کر دونوں قیدیوں کے دماغ ٹھکانے پر آ جائیں گے تو صبح ان سے بات کریں گے۔"

"میں تو ابھی ان کی گوشمالی کا ارادہ کر رہا تھا۔ ان دونوں سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یہ کھوکھرا نہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ ہمیں کیا بتاتے ہیں' اس کا انحصار خود ان کے رویے پر ہے۔ فی الحال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

اول خان نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جلد از جلد ایمبولینس بھجوانے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل میں اپنا بیشتر وقت بے کار رہ کر یا انتظار کرتے ہوئے گزارا تھا۔ صحیح معنوں میں کام کرنے کا موقع صرف پچھلے ایک آدھ گھنٹے میں ملا تھا جس کے نتیجے میں میری طبیعت کچھ بحال ہوئی تھی ورنہ طبیعت پر تھکن کا احساس غالب تھا۔ میں اپنی مصروفیات سے نمٹ کر جلد از جلد گھر واپس جانے کا خواہش مند تھا۔

سلطان شاہ کمرے کی تلاشی سے فارغ ہو چکا تھا۔ سونیا کی طرح ابرار کے کمرے میں سے بھی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ شاید وہ لوگ دشمن ملک میں اپنے ساتھ کوئی شناخت رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ دونوں کمروں سے ان کی

کوئی سفری دستاویز تک نہیں ملی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھارت کے ساتھ ملی ہوئی سیکڑوں میل لمبی سرحد کے کسی مقام سے خفیہ طور پر پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور پھر انہوں نے میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کے لیے کراچی میں ڈیرے ڈال دیے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر ابرار کو قالین سے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ ہمیں ناگواری کے عالم میں اس کے ہاتھ پیر بھی سیدھے کرنے پڑے۔ اسے ایک بے جان لاش کی طرح سیدھا کر کے سلطان شاہ نے اس کے پیروں پر سفید چادر میں ملفوف کمبل ڈال دیا۔

"مجھے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ سب کچھ تم نے تنہا کر ڈالا۔" فرصت پا کر سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ سوچو۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت مدد ملی ہے۔ تم نے ہوٹل سے نکلنے والے راستے کی نگرانی سنبھال لی تھی اسی لیے میں یکسو ہو کر ان لوگوں کے خلاف کام کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ تم نہ ہوتے تو مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وہ ہمارے بے خبری میں فرار نہ ہو جائیں۔ یہ منصوبہ صرف تمہاری موجودگی کی وجہ سے روبہ کار آیا ہے۔"

وہ ہنس پڑا۔ "تم میرا دل رکھنے کے لیے یہ سب کہہ رہے ہو۔ سرور پہلے سے تمہارے ساتھ موجود تھا۔ تم نے اس سے اہم کام لیا ہے۔ چاہتے تو میں بھی لڑکی کو گھیر سکتا تھا۔"

"تم نے سونیا کو نہیں دیکھا تھا۔ میں اپنی شناخت کے ڈر سے اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ سرور اس کام کے لیے موزوں ترین آدمی تھا۔"

"خیر' اب صبح میں ابرار کی خبر لے کر اس سے اس کا اصل نام اگلواؤں گا۔" اس نے اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کہا۔

"یہ ماننے والی بات ہے۔ ویرا کے لیے سونیا حاضر ہو گی۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔"

"پھر تو تمہیں غزالہ کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔" اس نے برجستہ کہا۔

"میری بیوی صابر و شاکر ہے۔ وہ ویرا کے ساتھ مل جل کر اپنا دل خوش کر لے گی۔"

وقت گزاری کے لیے سلطان شاہ سے گپ شپ کرتے ہوئے میں اپنے دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا کہ دونوں بلیک کیٹس کا فتنہ رات ڈھلنے سے پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اگر انہیں مزید وقت مل جاتا تو آنے والی صبح کے اخباروں میں میرے خلاف چھپنے والے اشتہار دیکھ کر وہ کسی نہ کسی طرح امریکی ایجنٹوں کو میرے گھر کے پتے سے آگاہ کر سکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ہم سب کے لیے ناقابلِ تصور مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں بلکہ شاید ہمیں ہنگامی طور پر اپنا گھر ہی چھوڑنا پڑ جاتا۔

اس وقت تک کے حالات یہ بتا رہے تھے کہ بلیک کیٹس نے اپنی کامیابی کا ثمر اپنے سینوں میں چھپائے رکھا تھا۔ وہ بھارت سے مجھے ختم کرنے کا مشن لے کر آئے تھے اور یہ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا چاہتے تھے۔ انہیں اس کام میں کسی اور کی دخل اندازی گوارا نہیں تھی۔ اگر انہوں نے فراخ دلی سے کام لے کر دوسروں کو اپنے ساتھ شامل رکھا ہوتا تو شاید وہ میرے لیے بہت پہلے مشکلات پیدا کر کے خود ایک بہت برے انجام سے بچ سکتے تھے۔

وہ قصہ اتنی تیزی سے نمٹ جانے کا ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ ہم میں سے کسی کو ہوٹل میں رات بسر کرنے کی ضرورت رہی تھی نہ اول خان والے کمرے میں مقیم افراد کی تعداد بڑھوانے کی ضرورت تھی۔ سرور پہلے ہی سونیا کو لے کر اسٹیشن فور جا چکا تھا۔ ابرار کی روانگی کے بعد ہم دونوں بھی اپنے گھر جا سکتے تھے۔

اول خان نے دوسرے قیدی کے لیے ایمبولینس اور عملے کا بندوبست کرنے میں خاصی تیزی دکھائی۔ اس کے آدمی آدھے گھنٹے کی قلیل مدت میں ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کے کسی کمرے میں کوئی مہمان شدید علالت کا شکار ہو چکا تھا۔

ایمبولینس کے ساتھ آنے والوں سے کمرا نمبر سات سو چھ کا ذکر سنتے ہی ہوٹل کے ہاؤس فزیشین نے بوکھلا کر اوپر فون کیا۔ مجھ سے رابطہ ہونے پر اس نے کمرے میں کسی مریض کی موجودگی کے بارے میں استفسار کیا۔ میرا جواب اثبات میں سن کر اس نے قلق کا اظہار کیا کہ اس سے اس واقعے کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ورنہ وہ بروقت طبی امداد دے کر مریض کو ابتری کی جانب جانے سے بچا سکتا تھا۔

مجھے اشارہ مل گیا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے اوپر آ سکتے تھے۔ ہمارا مجرم اپنی بے ہوشی کی وجہ سے فرار ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ہم دروازہ بند کر کے آرام سے نکل سکتے تھے۔

"تم کو بیٹھے بیٹھے نت نئی باتیں سوجھتی ہیں۔ ابھی تم نے ہاؤس فزیشین سے انٹر کام پر بات کی ہے۔ وہ اوپر آئیں گے تو کمرا خالی ہو گا۔ وہ شبے میں پڑ جائیں گے۔" سلطان شاہ نے

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اعتراض کر ڈالا "ذرا سی دیر میں اسٹریچر کے ساتھ ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"احمق آدمی! نکل جاؤ۔" میں نے تنگ کر کہا "اگر ہم لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچ سکتے ہیں تو ہمیں بچنا چاہیے۔ ہوٹل والے کچھ بھی سمجھیں، وہ ابرار کی منتقلی کو نہیں روک سکتے۔"

سلطان شاہ بادل ناخواستہ میرے ساتھ ہو لیا۔ بٹن دبانے پر لفٹ اوپر آکر رکی تو اس میں سے اسٹریچر والا جلوس برآمد ہوا۔ مجھے دوسروں سے دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے یہ کافی تھا کہ اول خان کے دو آدمی میل نرسوں کے سفید لباس میں اسٹریچر اٹھائے سب سے آگے تھے۔

لفٹ کی واپسی پر ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ مسکراتے ہوئے بولا "اس وقت ہاؤس فزیشین گھن چکر بنا ہوا ہوگا۔"

"شکر ادا کرو کہ میں نے چلتے ہوئے دروازہ مقفل نہیں کیا تھا ورنہ ان لوگوں پر وقت پڑ جاتا۔"

ہوٹل سے نکلنے سے پہلے ہم نے پانچویں منزل پر رک کر اول خان والے کمرے سے سلطان شاہ کا بیگ لیا جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ سی ایس ڈی بھی موجود تھی۔ وہاں اول خان یا سرور کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ دونوں ایس ٹی ایف کے درویش تھے جو بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنا گزارہ کرنا جانتے تھے۔ ان کو ہوٹل میں مختصر قیام کے لیے کوئی چیز لانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اول خان دکھاوے کے لیے اپنے ساتھ جو کچھ لایا تھا وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔

کمرا نمبر پانچ سو بیس کی چابی ہوٹل کے کاؤنٹر پر واپس دے کر ہم دونوں واپس نکلے اور گھر روانہ ہو گئے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیسے ہوتا چلا گیا مگر میں نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔" راستے میں سلطان شاہ نے الجھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں خود حیران ہوں کہ تم نے ابھی تک میرا دماغ چاٹنا شروع نہیں کیا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بس رحم کر رہا ہوں۔ معلوم ہے کہ گھر پہنچتے ہی تم کو جرح کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہاں مجھے بھی اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔"

میں نے کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا۔ میرا ذہن ابرار کے اغوا میں الجھ گیا تھا۔ اس کو ایس ٹی ایف کے آدمی طبی امداد دینے کے بہانے اٹھا لے جانے والے تھے۔ وہ دونوں اتنے چالاک نظر آرہے تھے کہ ان کا باتوں کے کسی جال میں پھنسنا محال نظر آرہا تھا۔ ویسے تو شہر میں ابرار کو لاوارث ہونا چاہیے تھا۔ اگر ہوٹل والوں کو یکایک اس کی خبرگیری کی فکر سوار ہو جاتی تو وہ شہر کے کسی اسپتال میں اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔

ابرار کے مقابلے میں سونیا رازداری کے ساتھ قابو میں کی گئی تھی۔ ہوٹل میں کسی کو بھنک نہیں مل سکی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ ہوٹل کے کیفے میں موجود تھی اور اس سے کچھ دیر بعد وہ غائب ہو گئی۔ ہوٹل انتظامیہ کے لیے ارجن کے قتل کے بعد، چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تین مہمانوں کا پراسرار انداز میں غائب ہونا ایک چیلنج سے کم نہیں تھا۔

حشمت کا معاملہ صرف اس وجہ سے ذرا مختلف تھا کہ اس نے غائب ہونے کے بعد خود فون کر کے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارجن سے اپنے خصوصی تعلقات اور پھر مشتبہ انداز میں یکایک روپوشی اختیار کرنے کی وجہ سے، مقامی پولیس کی نظروں میں اس کی ذات بدستور شکوک و شبہات کی زد میں تھی۔

ان لوگوں کی اندر کی کہانیاں کچھ اور ہی تھیں جن کا پولیس کو سرے سے کوئی علم نہیں تھا۔

○*○

غزالہ اور ویرا کو یہ معلوم تھا کہ بلیک کیٹس کے چکر میں ہم دونوں کی وہ رات ہوٹل میں گزرے گی۔ ان کی توقع کے برعکس، سلطان شاہ نے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن بجایا تو ابرار سے پہلے وہ دونوں گیٹ پر آگئیں۔ ان کے چہروں پر حیرت اور مسرت ناچ رہی تھی۔

"کیسا حیران کن اتفاق ہے کہ ہمارے گھر میں ایس ٹی ایف کا ابرار کام کر رہا ہے اور ہمارے ایک دشمن نے بھی ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے اسی نام کو اپنایا ہے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"یہ بات بھی ابھی میرے ذہن میں آئی تھی۔ خیر، صبح یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ اپنا نام بتا دے گا۔" وہ کچھ سوچ کر از خود ہنس پڑا۔ وہ اپنی رو میں مست رہنے والا موڈی آدمی تھا۔ میں نے اس کی ہنسی کے بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

اس وقت غزالہ کی مسرت دیدنی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ہوٹل میں بلیک کیٹس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو وہاں بلایا تھا۔ ان دونوں کی مشترکہ

رائے تھی کہ اس بار بھارتی ایجنٹوں سے ہمارا دھواں دھار مقابلہ ہوگا لیکن ہم دونوں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ آئے تھے۔ ان دونوں کے لیے یہ ناقابلِ فہم سی بات تھی۔

"تمہارا تو ہوٹل میں شب بسری کا ارادہ تھا۔ اتنی جلدی واپس کیسے آگئے؟" اندر پہنچنے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"کھیل تماشا توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے ختم ہوگیا اور ہم لوٹ آئے۔" میں نے صوفے پر نیم دراز ہوکر جواب دیا "یہ سب باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے میرے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ کام ختم ہونے کے بعد بھوک ایک دم چمک اٹھی ہے۔"

غزالہ نے اسی لمحے ابرار کو آواز دی۔ وہ کسی ہدایت کے انتظار میں نیچے ہی منڈلا رہا تھا۔ غزالہ اسے بریف کرتی ہوئی کچن میں جا گھسی۔

میں نہانے کے لیے اٹھنے کا ارادہ کررہا تھا کہ میرے موبائل فون پر اول خان کا فون آگیا۔ وہ راستے میں تھا اور میرے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

"میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ موڈ ہے تو اسی طرف آجاؤ۔" میں نے اسے پیش کش کی۔

"تم تھکے ہوئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری آمد تمہاری طبیعت پر بوجھ بن جائے!"

"اب ان تکلفات کو چھوڑو۔ آرام کے لیے لمبی رات پڑی ہوئی ہے۔ صبح دیر تک سوکر میں ساری کسر پوری کرلوں گا۔"

"پھر میں آرہا ہوں۔ آکر ہی بات کروں گا۔" فون بند ہوگیا اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ وہ مجھ سے کیا خاص بات کرنے کا ارادہ لے کر آرہا تھا۔

میں شام سے نہانے کے موڈ میں تھا۔ ہوٹل میں بھی وہ ارادہ ٹل گیا تھا۔ میں تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ اول خان کی آمد سے پہلے نہا دھوکر تازہ دم ہوسکوں۔ ہوٹل کی خنک فضا اور آرام دہ ماحول میں طویل وقت گزارنے کے باوجود میں اس وقت اکتاہٹ محسوس کررہا تھا۔

اول خان نے ہمارے گھر کے بہت قریب پہنچنے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ میرے غسل خانے سے برآمد ہونے سے پہلے گھر کی فضا میں اس کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"آج ڈینی نے سب کچھ تہس نہس کرڈالا۔" میں نے نیم تیار ہوکر اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اس کی آواز سنی

"اس نے آج بلیک کیٹس کو بے جان چوہوں کی طرح آسانی سے گھیر کر زندہ پکڑلیا۔"

"آج صبح تک ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ بلیک کیٹس کون ہیں اور کہاں ہیں۔ اب تم اچانک ان کے پکڑے جانے کی کہانی سنا رہے ہو۔" ویرا نے بے اعتباری سے کہا "یہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم لوگوں نے بلیک کیٹس کے دھوکے میں کسی للو پنجو کو پکڑ کر بند کردیا ہو۔"

"وہ اچانک نہیں پکڑے گئے۔" میں نے کھانے کی میز کا رخ کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ذہن میں یہ بات ابتدا سے جمی ہوئی تھی کہ وہ شہر کے کسی ہوٹل میں روپوش ہیں۔ ارجن کا قصہ سامنے آنے پر وہ ہوٹل بھی میری نظروں میں آگیا۔ وہاں محنت کی گئی جو آخرکار بارآور ثابت ہوئی۔"

ایک ایک کرکے سب کھانے کی میز پر آگئے۔ اول خان کسی تکلف کے بغیر ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔

"کیا پکڑے جانے والوں نے یہ اقرار کرلیا ہے کہ وہی بلیک کیٹس ہیں۔" ویرا نے اس بار ذرا مہذب انداز میں اپنا بیہودہ سوال دہرایا۔

"اقرار یا انکار کی نوبت نہیں آئی۔ فی الحال انہیں پکڑ کر بند کردیا گیا ہے۔ صبح دیکھا جائے گا کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"ان سے کسی بازپرس کے بغیر تم انہیں بلیک کیٹس قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"سب سے پہلا اور بنیادی سراغ اس تل والی لڑکی نے فراہم کیا تھا جو سلمیٰ کو راستے میں نظر آئی تھی۔" اول خان نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا "اسے جہانگیر کے گھر میں جانے پر آمادہ کرنے والے شخص کی پیشانی پر چوٹ کا پرانا نشان تھا۔ یہ ہمارے ایک دشمن کی پہلی پہچان تھی جو سامنے آئی تھی۔ ڈینی کی ساری کامیابی اسی کی مرہونِ منت ہے۔"

ویرا کی تسلی نہیں ہوسکی۔ سلطان شاہ بھی کسی حد تک اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں اول خان کے ساتھ مغز زنی کرتے رہے۔ میں اطمینان کے ساتھ اپنی شکم پری میں مصروف رہا۔

شاید وہ سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جاتا لیکن جب اول خان نے انہیں ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں ٹائم بم کی تنصیب کے بارے میں بتایا تو ویرا کو ماننا پڑا کہ ہوٹل میں غلط آدمیوں کو زیادتی کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔

"اب تم ثبوت کی طرف آئے ہو۔ ایسی حرکت کوئی دہشت گرد ہی کرسکتا ہے۔" ویرا نے اعتراف کیا "ہو سکتا ہے اس طرح وہ ارجن کے قتل کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہ رہا ہو۔ ارجن ان دونوں کا مربی اور سرپرست تھا۔ اس نے انہیں اپنے ہوٹل میں ٹھکانا فراہم کیا ہوا تھا۔"

"یہ بات شاید ان کو بھی معلوم نہیں ہوگی کہ ارجن کو نک نے مروایا ہے۔" غزالہ بولی۔

"یہ راز شاید کبھی نہ کھل سکے۔" میں نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے نک نے بہت تیزی سے مروایا۔ وہ فیصلہ نک کا تھا لیکن وہ خود اس پر عمل نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے یقینی طور پر حشمت سے کام لیا۔ حشمت اس ہوٹل میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے گرگے ہوٹل کے آس پاس منڈلا رہے ہوں۔ حشمت نے نک کی بات سنتے ہی کسی چیلے کو ہدایت کی اور اس نے ہوٹل میں گھس کر ارجن کو ٹھکانے لگا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ حشمت، ارجن کے قتل سے پہلے ہوٹل سے نکل گیا ہو اور یہ بات کسی کو یاد نہ رہی ہو۔"

"ان کی ساری سازشوں کا محور فریب اور دھوکے پر ہے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کو بھی فریب دیتے ہیں یا ان پر اعتماد نہیں کرتے۔" اول خان بولا "نک کے ذہن میں ایک بات آئی اور ارجن کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ وہ نہ مارا جاتا تو شاید وہ ہوٹل کبھی ڈینی کی توجہ کا مرکز نہ بنتا۔ ان سب کو نک نے مروایا ہے۔"

"اس طرح تم نک اور بلیک کیٹس سے ہمدردی کے مرتکب ہو رہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ آج کل بھارتیوں پر امریکی ایجنسیوں کا کتنا غلبہ ہے۔"

"قریبی گٹھ جوڑ میں یہی ہوتا ہے۔ ادارے اپنی انفرادیت کھو کر دوسروں کی مصلحتوں کے تابع ہو جاتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسے حالات میں بھی بلیک کیٹس نے اپنے اصول کسی نہ کسی حد تک برقرار رکھے اور میرے یا جہانگیر کے گھر کا پتا کسی اور کو نہیں دیا۔" میں نے سرسری انداز میں ان لوگوں کو بتایا۔

"شاید تمہیں بتایا نہیں گیا کہ صبح کے اخباروں میں ڈینی کے خلاف امریکی اشتہار آرہے ہیں۔" اول خان نے ان تینوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"اشتہار آرہے ہیں۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "جب بھی ان کی دم پر پاؤں پڑتا ہے، وہ اشتہار بازی پر اتر آتے ہیں۔"

درجواب آں غزل کے طور پر میں نے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اول خان کے تبادلے کے لیے بھی دباؤ آنا شروع ہو گیا تھا۔ میں کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں نے میز چھوڑ دی اور کچن میں ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ذرا سی دیر میں ایک ایک کر کے سب وہیں جمع ہو چکے تھے۔

"فون پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ تم مجھے کوئی خاص بات بتانے کے لیے آرہے تھے۔" میں نے دوبارہ سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اس نے متردد انداز میں کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا "یہاں سب اپنے ہی ہیں۔ دراصل نک کا فون آیا تھا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"خوب!" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "اس نے پہلی بار ایسی کوئی کوشش کی ہے۔ اب تک میں ہی فون پر اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا ہوں۔"

"کل کی تلخ کلامی اور اس کے نتیجے میں ارجن کے قتل کے بعد اس کی یہ خواہش معنی خیز ہے۔" ویرا پُراشتیاق لہجے میں بولی۔

"میں خاک نہیں سمجھ سکا۔" سلطان شاہ پلکیں جھپکاتا ہوا بولا "ڈینی کے لیے اسے اول خان کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے ساتھ تمہاری عقل بھی معدے میں اتر گئی ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تمہیں یاد نہیں کہ کل انہوں نے کرنل داور بن کر اس سے بات کی تھی۔"

"اس وقت تم نے میرا دل خوش کر دیا۔" ویرا اپنی جگہ سے اچھل کر بولی "غنیمت ہے کہ آج تمہیں بھی سلطان شاہ کے کند ذہن کا اندازہ ہو گیا۔"

"غلطی میری ہے۔" اول خان نے متانت سے بات اپنے سر لے لی "مجھے کہنا چاہیے تھا کہ وہ کرنل داور سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

"جو بات ہونی تھی وہ ہو گئی۔ اب تم بلاوجہ سلطان شاہ کو سہارا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔" ویرا نے احتجاج کیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا؟" میں نے ویرا کی بک بک کو نظر انداز کر کے اول خان سے پوچھا۔

"اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔ وہ دھمکیاں دینے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔"

"اسے بلیک کیٹس کے انجام کی خبر تو ابھی نہیں ملی ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت دیر پہلے کی بات ہے۔ اس وقت تک ایمبولینس والی بات طے نہیں ہوئی تھی اور وہ شخص شاید آزاد تھا۔"

"اس بارے میں اتنی سوچ بچار کی کیا ضرورت ہے۔" غزالہ بولی "آپ اسے فون کیوں نہیں کر لیتے۔ وہ کسی کو کھا تو نہیں جائے گا۔"

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے متانت سے اس کی تائید کی "جب سے اس کے سر پر سے بچپن کا بوجھ کم ہوا ہے، اس کی عقل چلنے لگی ہے۔"

غزالہ اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گئی۔ سلطان شاہ نے اپنا بدلہ چکانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"اچھا ہے کہ ہم سب یک جا ہیں۔ اسی وقت بات کرلوں۔" اول خان کسی تاخیر کے بغیر غزالہ کا ہم نوا ہو گیا۔

"چائے کا دور ہو جائے پھر بات ہوگی۔ اتنی دیر میں کھانا بھی ہضم ہو چکا ہو گا۔" میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"کھانا ہضم ہونے کا بات سے کیا تعلق ہے۔" ویرا نے برجستہ سوال کر ڈالا۔

"یہ طبی مسئلہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد معدے کی طرف خون کا بہاؤ بڑھ جاتا ہے اور دماغ سمیت دوسرے اعضا سست پڑ جاتے ہیں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں اسے بتایا "اسی لیے ہر معالج قیلولے کی افادیت تسلیم کرتا ہے۔ کھانا ہضم ہونے کے ساتھ ساتھ سارے اعضا اعتدال پر آتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ہر عضو کو اس کے حصے کا خون ملنا شروع ہو جاتا ہے۔"

"یہ ان حکیمانہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تم ابھی اس مردود سے بات کرو۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"یہ بات میں نے بھی کہیں پڑھی یا سنی ہے۔" اول خان نے ویرا کی بات اڑا کر میری تائید کی "تم کو یہ سب کس نے بتا دیا۔"

"پڑھی ہوئی بعض باتیں ذہن میں ہمیشہ کے لیے اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ یہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ پڑھنا ایک اچھی عادت ہے مگر کمپیوٹر کی وبا نے نئی نسل میں پڑھنے کے رجحان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" اول خان نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے ویرا کے مطالبے کی شدت سے بچانے کی کوشش میں بات سے بات نکال رہا تھا۔

"یہ ایک عارضی بحران ہے جو اگلے دس پندرہ سالوں میں گزر جائے گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔ "مغرب اس بحران سے گزر چکا ہے۔ وہاں پڑھنے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے اور اشاعتی ادارے خوب پھل پھول رہے ہیں۔ یہ وقت یہاں بھی لوٹے گا۔"

"یہ تم دونوں نے کیا بقراطیت شروع کر دی۔" ویرا وہ خشک گفتگو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکی "میں کہہ رہی ہوں کہ تنک سے بات کر ڈالو۔"

"لو، چائے بھی آ گئی۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "اب اس کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔"

"میں چائے وائے نہیں پیوں گی۔" ویرا نے تنک کر کہا۔

"ابھی تم سے نہیں پوچھا گیا" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں کہا "جب باری آئے تو نرمی سے انکار کر دینا۔"

"میرا خیال ہے کہ تنک کو بلیک کیٹس کے بارے میں بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ویرا کے چراغ پا ہونے سے پہلے میں نے موضوع یکایک بدل دیا۔

"فون پر گفتگو ہوتی ہے تو بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔ اس کا جواب تمہاری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اول خان نے جواب دیا "پچھلی بار ہم سب کا خیال تھا کہ تم کو کوبرا سے ملاقات کے لیے آمادہ ہو جانا چاہیے تھا مگر تم بات کرتے کرتے ایک جگہ اڑ گئے۔ میری دانست میں وہ بات بگڑ گئی تھی مگر وقت نے آج ثابت کر دیا کہ تمہارا وہ فیصلہ اور موقف درست تھا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "جب آدمی کے ستارے یاوری کر رہے ہوں تو اس کے احمقانہ فیصلے بھی درست ثابت ہونے لگتے ہیں۔ یہ ذہنی کا نہیں اس کے ستاروں کا کمال ہے کہ اس کا ایک الٹا فیصلہ درست ثابت ہو گیا۔"

سلطان شاہ نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے آنکھیں دکھا کر اسے خاموش کر دیا۔ اس وقت ویرا نظر انداز کیے جانے کی بنا پر بری طرح کھسیا گئی تھی۔ اگر اس نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے میری ذات کو ہدف بنا لیا

تھا تو اسے اس کا حق حاصل تھا۔
"میری تم سے ایک غلط گزارش ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے اول خان سے کہا "ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر یہ درست نکلے۔ کہیں سے سوبھراج کی دو چار تصویریں حاصل کرلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کی ناک آگے سے طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تو نہیں ہے۔"
"بالکل ہے۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر میری تائید کردی "میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اخباروں میں اس کی تصویریں چھپتی رہتی ہیں۔ آگے سے اس کی ناک خاصی خم دار ہے۔"
"حشمت کی ناک بھی بالکل ایسی ہی تھی مگر تمہارے کسی آدمی نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی۔" میں نے شکایت کی۔
"میرے آدمی نے اپنی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ہوٹل کے عملے سے اسے جو کچھ معلوم ہو سکا' وہ اس نے آگے بڑھادیا۔ وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد سے حواس باختہ ہیں۔ میرے آدمی نے جس سے بھی بات کی ہوگی' سرسری انداز میں کی ہوگی۔ وہ کوئی بااختیار پولیس والا نہیں ہے۔ لوگوں نے اسے ٹالنے کے لیے موٹی موٹی باتیں بتادیں۔ کسی کو حشمت کی ناک کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ اس کی ناک کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟" اول خان نے میری شکایت کے جواب میں ایک طویل وضاحت پیش کردی۔
"ہوٹل کی ایک ویٹریس نے یہ تفصیل بتائی تھی۔" میں روانی میں کہہ گیا۔
"کوئی عورت ہی تم سے کھل کر بات کر سکتی ہے۔" ویرا کا وہ جلا کٹا فقرہ سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا "میں غزالہ کو بھی یہی سمجھاتی ہوں کہ وہ عورتوں سے ہوشیار رہا کرے۔ بگڑی ہوئی عورتوں کے لیے تمہاری باتیں اور حرکتیں بہت پرکشش ہوتی ہیں۔"
اول خان نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا "اپنی دانست میں تم ڈیڈی پر الزام لگانے کی کوشش کر رہی ہو مگر یہ حقیقت میں اس کی تعریف ہے کہ وہ اپنے کام کی عورتوں کو آسانی سے متاثر کرلیتا ہے۔ اس نے ویٹریس سے بہت اہم بات معلوم کی ہے۔ اگر یہ درست ثابت ہوتی ہے تو پھر سوبھراج کا نام ہماری لسٹ پر آجاتا ہے۔"
"تم یہ کام کر ہی ڈالو۔ اس کی ایک تصویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کرکے ہوٹل کے عملے کو دکھاؤ۔ ہر ایک اسے حشمت کے نام سے پہچان لے گا۔" میں نے کہا۔
"اتنے پُر یقین ہو تم اس بارے میں!" اول خان نے حیرت سے پوچھا "ویسے تمہارا ایک اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔ حشمت کا فیصل آباد کا پتا بالکل فرضی اور بے سروپا ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ حشمت کی ناک کی بناوٹ اس ویٹریس کی باتوں میں سب سے زیادہ اہم تھی۔" میں نے اس کے آخری فقرے کو نظرانداز کرکے جواب دیا۔
"فکر نہ کرو۔ یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ زبانی طور پر حلیہ پوچھتے پھرنے کے مقابلے میں تصویر دکھانا آسان کام ہے۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔
"میں مانتی ہوں کہ یہ سب باتیں بہت اہم ہیں مگر تم میری بات کو مسلسل ٹال رہے ہو۔" یکایک ویرا نے سنجیدگی سے دخل اندازی کی۔
"ہرگز نہیں۔ میں نے تمہاری کون سی بات ٹالی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"اگر تم نک سے فون پر بات کرنے سے ڈر رہے ہو تو مجھے صاف بتا دو۔ میں انتظار میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں جا کر آرام کروں گی۔" اس نے بے جان اور آزردہ آواز میں کہا۔
"چائے ختم ہو چکی ہے۔ اب آپ کو اسے دیکھ لینا چاہیے۔" غزالہ نے تاکید کی۔
میں نے ہنس کر ویرا کی طرف دیکھا۔ جواب میں وہ بھی مسکرانے لگی۔ میں نے خاموشی سے اسپیکر فون اپنے قریب سرکالیا۔
میں نمبر ملانے والا تھا کہ سلطان شاہ ایک منٹ کا نعرہ لگا کر اچھل پڑا۔ سب کی نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئیں۔ "سی ایل ڈی میرے بیگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت لائن ڈائرکٹ ہے۔ اس نے کہا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔
فون کی مین لائن ہمارے کمرے سے ہو کر آرہی تھی۔ اس نے اپنے کمرے سے سی ایل ڈی لاکر ہمارے کمرے میں فون لائن سے جوڑی اور اسے آن کرکے چند منٹ میں لوٹ آیا۔
"اس تاخیر کی ذمے داری سلطان شاہ پر ہے۔ اسے آتے ہی سی ایل ڈی جوڑ دینی چاہیے تھی۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔
وہ کچھ نہیں بولی اور میں نے نک کے گھر کا نمبر ملالیا۔ فون اٹھانے والا ٹام تھا۔ وہ نک کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ میں

نے اسے آواز سے پہچانا تھا۔ اسے میرا نام پوچھنا پڑا۔ میں نے کرنل داور بن کر نک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور وہ مجھے چند ثانیوں کے انتظار کی ہدایت کر کے غائب ہو گیا۔

چند ثانیوں کے بعد نک لائن پر آ گیا۔ "تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں جو کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔" اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ ارجن کے انجام کی طرف تھا مگر میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کس بات کو یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم نے تیزی سے ارجن تک پہنچنے کی کوشش ضرور کی ہوگی۔" اس کی آواز ابھری۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجھے اس کے قتل کی خبر مل چکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ وہ تمہارے اعتماد کا آدمی تھا۔"

"اس سے زیادہ قریبی آدمیوں کو تمہاری گرفت سے بچانے کے لیے اس کا مارا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تمہارے سامنے زبان کھول کر ایسی بھیانک غلطی کی تھی جس پر مجھے زندگی بھر پچھتاوا رہے گا۔ تمہارے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے المناک انجام پر مجھے اب بھی دکھ ہے۔"

"اسے مار کر تم کسے بچانا چاہ رہے تھے؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"مجھے تمہارے کسی ذاتی معاملے سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ارجن کے قتل ہوتے ہی یا اس سے ذرا دیر پہلے اس کا حشمت نامی ایک قریبی دوست اچانک ہوٹل سے فرار ہو گیا۔ وہ اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس بار اس نے بھاگنے کے بعد فون پر خود کو چیک آؤٹ کرایا ہے۔ ہوٹل والوں نے حشمت کی اس غیر معمولی حرکت کی اطلاع پولیس کو دے دی ہے۔"

"اس ہوٹل میں بہتیرے لوگ مقیم ہوں گے۔ تم صرف حشمت کا ذکر کیوں کر رہے ہو۔"

"وہ ارجن کا اور شاید تمہارا دوست تھا۔ وہ مشتبہ انداز میں ہوٹل سے بھاگا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں کسی حشمت وغیرہ کو نہیں جانتا۔ تم نے بلاوجہ ایک غیر ضروری تذکرہ نکال لیا ہے۔"

"تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا فیصل آباد کا رہائشی پتا بالکل بے بنیاد ثابت ہوا ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔

دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ انکشاف اس لیے حیران کن ثابت ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ بات بھی ابھی پولیس کے ریکارڈ پر نہیں ہے۔"

میں ہنس پڑا "ابھی تم حشمت سے اپنی شناسائی تک سے منکر تھے۔ اب اس کے بارے میں پولیس ریکارڈ سے آگاہی کا دعویٰ کر رہے ہو۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔"

"حشمت کوئی الگ کیس نہیں ہے۔ وہ ارجن کے مرڈر کیس کا ایک حصہ ہے۔ مجھے اس کی تفتیش سے دلچسپی ہے۔"

"اگر تم اب بھی اس بات پر مصر ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔" میں نے یکایک موضوع بدل دیا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس سے حشمت کے بارے میں زیادہ باتیں کرنا میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

"میری پیشکش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس نے گھمبیر آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"کل یہ بات ختم ہو گئی تھی۔ میں کسی نقاب پوش کو جواب دہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میری یہ پوزیشن ارجن کے قتل کے بعد بھی برقرار ہے۔ تمہاری اس حرکت نے تمہارا اور کوئی مقصد پورا کیا ہو یا نہ کیا ہو، کم از کم مجھے خوف زدہ نہیں کیا۔ تم نے اپنے کسی آدمی کو میری تلاش میں بھیجا تو اس کی لاش لینے کے لیے تمہیں خود میرے پاس آنا ہو گا۔"

"تم بہت ضدی اور انا پرست آدمی ہو۔ ہمارے درمیان ذہنی سے نفرت کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور میں اسی اشتراک کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔"

"پہلے اپنی تصحیح کر لو۔ تم اس سے نفرت کر سکتے ہو۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہے۔ میں اس کی حرکتوں کو ناپسند کرنے لگا ہوں۔ شاید کل بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ اب وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہونے لگا ہے، اسے لگام دینے کی ضرورت ہے۔"

"تم پاکستانی ہو اس لیے ذہنی کے بارے میں نرم الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ دوسروں کے الفاظ نہیں دل بھی ذہنی کے لیے بہت نرم ہیں۔ اسے رفتہ رفتہ ہیرو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجھے الیس ٹی ایف اور ہر پاکستانی ایجنسی کے رویے

سے سخت شکایات ہیں مگر میں تمہارے ذاتی نظریات کی قدر کرتا ہوں۔ میں ڈیبی کے بارے میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں۔ تمہارا اپنے نقاب پوش سربراہ پر اعتراض تھا۔ اگر اسے ہٹا دیا جائے۔ تم صرف فون پر اس سے اپنا رابطہ استوار رکھو۔۔۔۔"

"نہیں نک۔ یہ اس سے زیادہ ذلت کی بات ہو گی۔ باوقار طریقہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس شخص کو جواب دہ ہوں۔ اس سے رابطے کے لیے کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت فرد اور اس کی واضح شناخت کی ہے۔"

"لیکن کل تم مجھ سے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر پوچھ رہے تھے!" اس نے مجھے یاد دلایا "تم نے کہا تھا کہ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔"

"وہ کل کی بات تھی اسے بھول جاؤ۔ آج تمہاری سفاکی میرے سامنے ہے۔ تم نے اپنے اعتماد کے ایک آدمی کو جس سرعت سے مروایا ہے وہ میرے لیے عبرت آموز ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ ارجن کو میں نے اپنی غلطی کا بھرم رکھنے کے لیے راستے سے ہٹایا مگر مجھے اپنے اس فیصلے پر دکھ ہے۔ شاید ایک مدت تک مجھے اس کا کوئی متبادل نہ مل سکے۔ میں اپنے پرانے اور تربیت یافتہ آدمیوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ وہ میرے لیے قیمتی اثاثہ ہیں۔"

"ضرور کرتے ہو گے مگر میں تمہارے لیے بالکل نیا ہوں۔ اپنی کسی اور غلطی کی پردہ پوشی کے لیے تم میری گردن اڑا دو گے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہ رہا تھا۔ ایک طرف وزارت داخلہ پر دباؤ ڈال کر میرا کراچی سے تبادلہ کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور دوسری سمت سے میری طرف دست تعاون بڑھا رہا تھا۔ وہ اس کی کھلی منافقت تھی۔

"تم ڈیبی کو ذرا بھی ناپسند کرتے ہو تو ہمارا ساتھ دو ورنہ ہم تمہیں ڈیبی کا ساتھی تصور کریں گے۔" ہر طرف سے زچ ہو کر وہ دھمکی پر اتر آیا۔

"سنو نک! تمہارے تصور کر لینے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔" اس کی دھمکی سن کر یک بہ یک میرا خون کھول اٹھا "دشمن بن کر سامنے آؤ گے تو میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔ بات جہاں چل رہی ہے اسے وہیں رہنے دو۔ اسے اپنے قومی مزاج میں ڈھالنے کی کوشش مت کرو۔ دوستی اور دشمنی کے درمیان غیر جانب داری بھی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اس وقت میں تمہارا دوست ہوں نہ ڈیبی کا ساتھی میں اپنی حدود میں رہ کر اپنے منصب کی ذمے داریاں پوری کر رہا ہوں۔ بات نہیں بن سکتی تو مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہنے دو۔"

"غیر جانب داری اگر کوئی چیز ہے تو وہ ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ بڑھتے ہوئے تجربات کے ساتھ اس کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ ظلم اور جبر پر خاموش رہنا ظالم اور جابر کا ساتھ دینے سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ تم کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ تمہارے لیے کوئی تیسری راہ نہیں ہے۔"

"تم میری تجویز کیوں نہیں مان لیتے ہو۔" میں اسے دو ٹوک جواب دینے کے بجائے اپنی باتوں کے جال میں الجھا رہا تھا۔ میں نے بات جاری رکھی "میں تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔ تم میرے دیکھے بھالے آدمی ہو۔ اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔"

"یہ ہمارے ڈسپلن کے خلاف ہے۔" اس نے چند

"وضاحت ضروری ہے"

بات وضاحت سے کی جائے تو بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم اس واقعے سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔ گاؤں میں دینو لوہار نے اپنے نئے شاگرد کو گھوڑے کی نعل بنانا سکھانا شروع کیا اور کہا "دیکھو۔۔۔ یہ لوہا بھٹی میں تپ کر لال ہو چکا ہے۔ اب میں اسے انی پر رکھوں گا۔ جب میں سر ہلاؤں تو تم اس پر ہتھوڑا دے مارنا۔۔۔"

دینو نے سر ہلایا اور شاگرد نے ہتھوڑا رسید کر دیا۔ لوہے پر نہیں۔۔۔ دینو کے سر پر۔۔۔!

"مسئلہ"

عامل بابا نے شو بزنس میں ہاتھ پاؤں مارنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ دیکھ کر بتایا "عنقریب ایک بڑے فلم ڈائریکٹر کی تم پر نظر پڑنے والی ہے۔ بہت جلد تم بہت بڑی فلم اسٹار بن جاؤ گی۔"

"لیکن یہی بات آپ نے میری سہیلی نیلما کو بتائی تھی۔" لڑکی نے شکوہ کیا۔

"اب میں کیا کروں۔۔۔" عامل بابا قدرے بیزاری سے بولے "آج کل تم جیسی لڑکیاں اس سے کم پر تو خوش ہی نہیں ہوتیں۔"

ثانیوں کی خاموشی کے بعد ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔
"دنیا میں کہیں بھی ہم براہِ راست اپنی مقامی فیلڈ فورس کی کمان نہیں کرتے۔ وہ سب کسی مقامی کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے میں ایف بی آئی کے اس عالمی ڈسپلن کو نہیں توڑ سکتا۔"

"ابھی تک تو میرا تم ہی سے رابطہ ہے۔ کوئی مقامی میرے سامنے نہیں آیا۔"

"ابھی تم ہماری صفوں میں شامل نہیں ہو۔ میں تم سے کوئی مفاہمت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کل بات بن جاتی تو میں درمیان سے اپنا قدم نکال لیتا۔ سارے معاملات تمہارے اور کوبرا کے درمیان طے ہوتے۔ یہاں کوبرا ہماری فیلڈ فورس کو کنٹرول کرتا ہے۔"

"تم سے پہلے آنے والے یہاں براہِ راست بہت کچھ کرتے ہیں۔ جان ایلش کوف تمہاری طرح ایف بی آئی کا افسر تھا۔ وہ خود میدانِ عمل میں سرگرم تھا۔ حالات ناسازگار پا کر یہاں سے خاموشی سے نکل گیا۔ میں نے اس کی یا کسی اور کی زبان سے کوبرا کا نام نہیں سنا۔"

"ان میں سے کسی نے تم کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ وہ تمہیں ایس بی ایف کا پکا نمک خوار سمجھتے رہے۔ کل میں تم کو بتا رہا تھا کہ واشنگٹن اور ورجینا میں بیٹھے ہوئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فورس کے آدمی مر سکتے ہیں' بک نہیں سکتے۔ مجھے ان بڑوں سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے۔ کسی کی کم اور کسی کی زیادہ۔ کوئی پیسوں کے مول بکتا ہے کوئی دوسرے دام مانگتا ہے۔ پہلے آنے والوں کے لیے تم مخالف کیمپ کے کٹر رکن تھے۔ اس لیے تمہارے سامنے کوبرا کا کوئی ذکر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تمہارے دل کو ٹٹولا اور راہ پا کر اس کا نام کھول دیا۔ شاید میں نے زیادہ عجلت سے کام لیا اور ارجن سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مجھے صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں اس بڑے نقصان سے بچ سکتا تھا۔"

"تم پے درپے غلطیاں کر رہے ہو۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "تم نے ابھی تک کوبرا کا بھی نام نہیں کھولا۔ اس کا اصل نام کھول دو' جمود ٹوٹ جائے گا اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں برائے فروخت نہیں ہوں۔ ڈیبی کی بڑھتی ہوئی آزاد روی بلکہ بے راہ روی سے پریشان ہوں۔ وہ ہمارے لیے مسائل پیدا کر رہا ہے۔ اس نے خود اپنی راہ بنائی ہے۔"

"مجھے تمہارے سامنے کوبرا کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا نام بہت دور کی بات ہے۔ وہ بھی تمہارے علم میں نہیں آسکے گا۔" اس کی متکبرانہ آواز آئی۔

میں اپنے دل ہی دل میں اس کی کج فہمی پر ہنس کر رہ گیا۔ کوبرا حشمت اور سوبھراج دراصل ایک ہی تھے۔ وہ تینوں نکتے ایک ذات میں مرکوز تھے مگر نک انہیں کھینچ تان کر ایک بڑی مثلث بنا رہا تھا جس کا صرف ایک نکتہ اس کے محلِ نظر تھا۔ کوبرا کے دوسرے دو ناموں کو وہ اپنی دانست میں صرف اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔

اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ارجن کے سفاکانہ قتل کے بعد پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ اس کے قتل کا فیصلہ کر کے نک نے کوبرا کے مستقبل پر بھی مہر لگا دی تھی۔ بات صرف وقت کی تھی۔ وہ مرحلہ زیادہ دور نہیں تھا جب ایک شخص کی ہلاکت کا ماتم تین ناموں سے کیا جانے والا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے' میں نے چند منٹ پہلے از خود حشمت کا ذکر نکالا تھا۔ میں اسے اس کی صحیح اوقات جتا کر اس کے دماغ سے بڑا خناس نکالنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن بروقت مجھے احساس ہو گیا کہ نک سے اس بارے میں قبل از وقت بات کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کر لوں گا۔

نک کو یہ بھنک مل جاتی کہ میں کوبرا حشمت اور سوبھراج کی تکون کے راز سے واقف ہو چکا ہوں تو وہ دو کام کر سکتا تھا۔ ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی' پھرتی اور مکمل راز داری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتروا کر اپنے رازوں کو محفوظ کر لیتا اور اگر اس پر زیادہ مہربان ہوتا تو اسے میرے خطرے سے آگاہ کر کے ہوشیار کر دیتا اور ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔

میرے لیے وہ دونوں صورتیں قابلِ قبول نہیں تھیں اس لیے میں نے اس سے بات کرتے کرتے اچانک موضوع بدل دیا تھا۔ کوبرا کا اس وقت کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں نے ہوٹل سے حشمت کی پراسرار روانگی کی بات چھیڑی ہوئی تھی۔ وہ ذکر وہیں ادھورا رہ گیا۔ نک نے اس کے بعد حشمت کا نام نہیں لیا تھا۔

اس بار وہ کوبرا کے گن گا رہا تھا۔ دشمنوں کی دسترس سے اس کے باہر ہونے کے دعوے کر رہا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کوبرا کو تم نے بہت عرصہ سے پالا ہوا ہے۔"

"اس کے لیے ایسی نازیبا اور ہتک آمیز زبان استعمال نہ

کرنل!" اس کی آواز اچانک غضب ناک ہو گئی "وہ ہمارا کلیدی آدمی ہے۔ ہم دوسروں سے اپنے کتوں کی بھی عزت کرانا جانتے ہیں۔"

"میرا ارادہ ہتک کرنے کا نہیں تھا۔ بس لفظوں سے کھیلنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس کا لقب کوبرا ہے۔ سانپ کوبرا ہو یا شیش ناگ' اسے پالا ہی جاتا ہے۔"

"تم بہت چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ اب میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو کسی بھی وقت تمہاری زندگی کا چراغ گل کیا جا سکتا ہے۔ شہر میں ڈینی کے لہو کے پیاسے گھوم رہے ہیں جو ہر اس شخص کے دشمن ہیں جو ڈینی کی مدد کرتا ہو۔ تم اور اول خان اس کے بڑے مددگار ہو۔"

غصے کی گرمی کھا کر وہ دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اول خان اور کرنل داور کو کراچی سے باہر بھجوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا مگر اس نے وہ دونوں نام ایک ساتھ دہرا کر ثبوت فراہم کر دیا تھا کہ کراچی سے جبری تبادلے کے بارے میں اول خان کی اطلاعات غلط نہیں تھیں۔

اچانک مجھے جھٹکا سا لگا۔ وہ کن لوگوں کو ڈینی کے لہو کے پیاسے قرار دے رہا تھا۔ اس سوال کا جواب پانے کے لیے مجھے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے اس کے ذہن میں بلیک کیٹس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

شہر میں میرے لیے دوستی اور دشمنی کی فضا کافی عرصے سے ایک ہی نہج پر چل رہی تھی۔ ماضی قریب میں اس میں ذرا سی تبدیلی یہ آئی تھی کہ شہر میں بلیک کیٹس کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔ وہ سفاک قاتل تھے اور دہلی سے میرے قتل کا مشن لے کر کراچی آئے تھے۔ وہ شہر میں اپنے طور پر کام کر رہے تھے لیکن ہوٹل میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لیے شاید انہوں نے کوبرا کے ذریعے ارجن کی مدد حاصل کی تھی اس لیے نک بھی ان کی شہر میں آمد سے باخبر ہو گیا۔ میں ڈینی کی حیثیت سے ان سب کا بدترین اور مشترکہ دشمن تھا اس لیے نک کو ان کی آمد کے مقصد کا بھی علم رہا ہو گا۔

یہ بات بہرحال طے تھی کہ بلیک کیٹس نے مجھے مارنے کا اعزاز خود حاصل کرنے کے چکر میں ان میں سے کسی کو یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ انہوں نے مکاری سے کام لے کر میرے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا تھا۔ نک کو میرے گھر کا علم ہو گیا ہوتا تو وہ دوسرے طریقوں سے ڈینی تک پہنچنے کی کوشش نہ کر

توجہ

شراب کے نقصانات پر لیکچر دیتے ہوئے ایک صاحب نے مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی "اگر ایک گدھے کے سامنے بھی ایک بالٹی میں پانی اور ایک میں بیئر رکھی جائے تو وہ کس بالٹی میں سے پیئے گا؟"

"پانی والی بالٹی میں سے" ہال میں سے آواز آئی۔

"بالکل ٹھیک" مقرر خوش ہو کر بولے "وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"کیونکہ وہ گدھا ہے۔" جواب آیا۔

رہا ہوتا۔

میں نے حشمت یا سوبھراج کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ خود موقوف کر دیا تھا کیونکہ اس بارے میں میری کہی ہوئی کوئی غیر محتاط بات ہماری آنے والی کامیابیوں پر منفی اثرات ڈال سکتی تھی لیکن بلیک کیٹس کے بارے میں نک سے کھل کر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کے معاملے میں وہ بازی ہماری ہاتھ میں ہی رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں ہمارے ہاتھ آ چکے تھے۔ اسٹیشن فور میں ان دونوں کی قید کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی قسمت کے آخری فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

"میں چبا چبا کر باتیں نہیں کر رہا۔ یہ حرکت تم سے سرزد ہوئی ہے۔" میں نے بہت تیزی کے ساتھ وہ سب سوچنے کے بعد' محض چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "تھوڑی دیر پہلے تم کوبرا کے گن گا رہے تھے۔ اب ڈینی کے لہو کے پیاسوں کی دھمکی دے رہے ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہوں' مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔"

نک کی غرور آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "وہ کسی کو خوف زدہ ہونے کا موقع نہیں دیتے۔ اچانک اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں اور حیران ہونے سے پہلے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔"

"کہیں تم بلیک کیٹس کی بات تو نہیں کر رہے!" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سکوت چھا گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری زبان سے بلیک کیٹس کا ذکر سن کر وہ بھونچکا رہ گیا ہو پھر اس کی خشک آواز آئی "تم ان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"وہ سلطنت در سلطنت ہیں۔" میں نے بات گھماتے

ہوئے جواب دیا "را کا ایک حصہ ہیں لیکن ان سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے کام کرنے کے طریقے سب سے الگ اور نرالے ہیں۔ وہ مارو اور بھاگ نکلو کے اسی فلسفے پر عمل کرتے ہیں جو تم نے ابھی ابھی بتایا تھا۔"

میرا جواب سن کر اول خان کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے ان کے بارے میں تمہاری جنرل نالج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شاید اس نے تنک کر کہا تھا "میں شہر میں ان کی موجودگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"اس وقت شہر میں ڈینی کے لہو کے نئے پیاسے وہی تھے۔ اگر تم ان پر تکیہ کیے ہوئے تھے تو سن لو کہ ان کا گھمنڈ خاک میں مل چکا ہے۔ وہ وہاں نہیں ہیں جہاں ان کو ارجن نے رکھا ہوا تھا۔"

"کرنل! مجھ سے لفاظی مت کرو۔" اس کا لہجہ مضطربانہ ہو گیا "کیا تم لوگ ان کی راہ پر لگ گئے تھے۔"

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسروں کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھر وہ کہاں ہیں؟ ان پر کس نے ہاتھ ڈالا ہے؟" اس کے دونوں سوال اضطراری تھے۔

"یہ کوبرا ہی تمہیں بتا سکے گا۔ میں لاعلم ہوں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ آج ڈینی نے پھر من مانی کی ہے اور اپنے دشمنوں کو لے اڑا ہے۔"

اس خبر نے نک کو ایسا حواس باختہ کیا کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ چند لمحوں قبل مجھ سے کس فضا میں اور کیا باتیں کر رہا تھا۔ "کرنل! یہ بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔ ڈینی اب کسی پاگل کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا پھر رہا ہے۔ اس وقت اس خبر کی تصدیق ضروری ہے۔ میں پھر تم سے بات کروں گا۔"

"وری گڈ!" ویرا نے مسرت آمیز آواز میں اونچا نعرہ لگایا۔ "اسے کہتے ہیں نہلے پہ دہلا۔ اب نک رات بھر کانٹوں کے بستر پر لوٹتا رہے گا۔"

"تمہارے اصرار پر میں نے اسے فون کر لیا۔ اس سے بہت لمبی بات ہوئی۔ یہ بتاؤ کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"بہت سی باتوں کے فوری نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ تم نے بہت خوبصورتی سے اسے چکمے دیے ہیں۔" "ایک دو روز میں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے ضرور آئے گا۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"بس اسے ڈرا کر ہم نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ورنہ کام کی کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے میری تائید کی۔

"حیرت ہے کہ تم یہ کہہ رہی ہو۔" اول خان نے غزالہ سے کہا "تم نے سنا نہیں کہ حشمت کے ذکر پر وہ کتنا بے آرام ہو گیا تھا۔"

"اب ہمارے سامنے دو محاذ رہ گئے ہیں۔" میں نے بات سمیٹتے ہوئے کہا "اسٹیشن فور پر موجود دونوں بلیک کیٹس سے بازپرس اور سوبھراج کی بیخ کنی۔"

"ڈینی! فی الحال اسے حشمت ہی رہنے دو۔ جب تک اول خان اس کی تصاویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کر کے اسے ہوٹل کے عملے سے شناخت نہیں کروا لیتا، ہمیں سوبھراج کا نام نہیں لینا چاہیے۔" ویرا نے اس بار پوری سنجیدگی اور متانت سے اپنی زبان کھولی تھی۔ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ سوبھراج کے بارے میں جلال تم کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکا ہے۔ بات قبل از وقت باہر نکل گئی تو تمہارا بلکہ ہمارا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔"

میں خالی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ بلیک کیٹس کی بربادی کی تازہ خبریں سوبھراج کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال سکتی تھی۔ اس سے رابطے کے فون نمبر اول خان فراہم کر چکا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس وقت سوبھراج سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ کام بگاڑ سکتی تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان کا مشاہدہ بہت تیز تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں سوچ کے سائے لرزتے دیکھ لیے۔

"ویرا کے مشورے کے برعکس سوبھراج کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ اسے اپنے ذہن سے جھٹک دو تاکہ تم یہ رات آرام سے گزار سکو۔ اس بارے میں صبح دیکھ لیا جائے گا۔" اس نے اپنا پرخلوص مشورہ دیا۔

میں نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ اول خان کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے لیے آنے والی اس غیر متوقع کال پر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے فون پر بات شروع کی تو پتا چلا وہ فون اسٹیشن فور سے آیا تھا جہاں دونوں بلیک کیٹس قید تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

سونیا نامی اس لڑکی کے بارے میں تھی جسے بلیک کیٹ ہونے کے شبے میں اسٹیشن فور پہنچایا گیا تھا۔

"تلاش کرو۔ اسے ہر طرف تلاش کرو۔ اسے کسی قیمت پر نہیں نکلنا چاہیے۔" اول خان نے اضطراری لہجے میں وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا۔ کون نکل گیا؟" فون سے اس کے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ اُلو کی پٹھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گئی۔" اول خان نے جھلاّئے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"اسٹیشن فور سے غائب ہو گئی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

"سیل کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اندر اس کے سارے کپڑے فرش پر پڑے ہوئے ہیں اور اونچے روشن دان میں لگی ہوئی سلاخیں لکڑی کی چوکھٹ سے اکھاڑ دی گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہنہ ہو کر روشن دان کے راستے کوٹھڑی سے نکلی ہے۔"

"تمہارے ہر سیل کی دیواریں سپاٹ اور سیدھی ہیں۔ شاید روشن دان بھی نو فٹ سے کم بلندی پر نہیں ہیں۔ وہ وہاں تک کیسے پہنچ گئی؟" ویرا بھی وہ بات سن کر حیران رہ گئی۔

"اتنی بلندی تک پہنچنا اور پھر زور آزمائی کر کے روشن دان کی سلاخوں کو اکھاڑنا آسان کام نہیں تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"چھپکلی کی طرح دیوار پر چپک کر چلنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ کوئی اور..." غزالہ نے بھی اس واقعے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہا لیکن میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"اس دور میں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا۔ اسپائڈر مین ایک فلمی کردار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سونیا اسپائڈر وومن رہی ہو۔ یہ واقعہ کیوں اور کیسے ہوا۔ یہ سب ثانوی باتیں ہیں۔ اس وقت کی سب سے اٹل حقیقت یہ ہے کہ وہ سیل سے باہر نکل چکی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا "وہ سیل سے ضرور نکل گئی ہے لیکن اسٹیشن فور کی حدود سے باہر نہیں جا سکے گی۔ ایس ٹی ایف کے محافظ اسے دوبارہ اپنے شکنجے میں دبوچ لیں گے۔"

"اسٹیشن فور میں کسی کام میں دیر نہیں لگتی۔" اول خان نے اپنی جگہ پر کسمسا کر جواب دیا "اس کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی وہاں ایمرجنسی کا اعلان کر کے ساری سرچ لائٹس آن کر دی گئی تھیں۔ اسے ہر طرف تلاش کیا گیا لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو کسی جوان، خوش بدن اور برہنہ لڑکی کی مدد سے انکار کریں۔ ہو سکتا ہے کہ جبری تجرد سے اکتائے ہوئے، تمہارے ہی کسی آدمی نے اسے پناہ دے دی ہو۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

"عام انسانی نفسیات کی رو سے ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "لیکن میرے آدمی اپنے بد ترین انجام کے خوف سے ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتے۔ وہاں کوئی قیدی لایا جاتا ہے تو پورے کیمپ کو اس کی آمد کی اطلاع مل جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ کوئی کسی قیدی کا مددگار نہیں بن سکتا۔ کڑی سزا، بدنامی اور ملازمت سے ذلت آمیز برطرفی کا خوف ہر شیطانی تحریک پر غالب آ سکتا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ میرے کسی آدمی نے اسے پناہ دی ہوگی۔"

"پھر وہ کہاں گئی؟" میں نے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

"بس ایک امکان ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے، دھیمی آواز میں جواب دیا "وہ اعلیٰ ترین تربیت یافتہ لڑکی ہے اور شاید ضرورت سے زیادہ ذہین بھی۔ رات کے وقت اسٹیشن فور کی حدود میں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ کہیں کہیں گہرے اندھیرے کا راج بھی ہوتا ہے۔ شاید اس نے روشن دان سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر اپنے فرار کا منصوبہ سوچا اور پھر اس پر عمل کر گزری۔ کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا ہوگا۔ وہ کسی تاریک مقام پر باڑھ کے پار نکل گئی ہوگی۔"

وہ اول خان کا نظریہ تھا لیکن بہت زیادہ قابلِ قبول نہیں تھا۔ اس پر بحث چھڑ گئی۔

اول خان نے اپنے نظریے کے دفاع میں جو نکتے بیان کیے وہ واقعی قابلِ غور تھے۔ اسٹیشن فور وسیع رقبے پر پھیلا ہوا اور خاردار تاروں کی باڑھ میں گھرا ہوا محفوظ کیمپ تھا جہاں کسی کا خفیہ طور پر داخلہ ممکن نہیں تھا لیکن اس علاقے میں آوارہ کتوں کی بہتات تھی جو اِکا دُکا اور رات کے وقت چھوٹی بڑی ٹولیوں کی صورت میں بلا روک ٹوک اسٹیشن فور کی حدود میں آتے جاتے رہتے تھے۔ خوراک کی طلب اور کسی گوشۂ عافیت کی تلاش ان چوپایوں کو اسٹیشن فور کی طرف آنے پر مجبور کرتی تھی۔

سونیا کو یقینی طور پر یہ سب معلوم نہیں تھا۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے سرور نے وہاں

پہنچایا تھا۔ سونیا کو یہ تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی قید میں تھی۔ اس نے بنیادی طور پر صرف ایک نکتہ طے کیا ہوگا کہ اسے سیل کی حدود سے باہر نکل کر کسی چوپائے کی طرح چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چلتے ہوئے فرار ہونا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح سیل سے باہر نکلی تو ماحول سازگار تھا۔ اس کا بدن لباس کے جھنجٹ سے آزاد تھا۔ اس نے اپنی پوری پیشہ ورانہ مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے چوپائے کی چال اختیار کی اور تاریکی کی طرف ہولی۔ دور سے اگر کسی نے اسے دیکھا بھی ہوگا تو قد آور کتا وغیرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ وہ باہر نکلی اور کسی طرف فرار ہوگئی۔

ایس ٹی ایف کے کسی محافظ کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں آسکا ہوگا کہ ان کی قیدی اسٹیشن فور کی حدود میں کسی چوپائے کی طرح چل رہی ہوگی۔

سونیا کے فرار کا وہ طریقہ سہل نہیں تھا۔ کوئی اردگرد کے ماحول سے پوری طرح واقف ہونے اور بھرپور منصوبہ بندی کرنے کے بعد ہی وہ خطرہ مول لے سکتا تھا مگر مجھے اس سے زیادہ حیرت اس کے ہوش میں آنے پر تھی۔

میں نے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کے اوپر حملہ کر کے اسے بے ہوش کیا تھا۔ ضرب کی بے ہوشی کو ناکافی سمجھتے ہوئے، میں نے اس کے جسم میں مکمل بے ہوشی کا ایک ڈوز بھی اتار دیا تھا۔ میرا اندازہ بلکہ تجربہ تھا کہ اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سیال کے اثرات خاصے دیرپا ہوتے تھے لیکن وہ لڑکی بہت جلدی ہوش میں آگئی تھی۔ وہ نہ صرف ہوش میں آئی تھی بلکہ ذہنی اور اعصابی طور پر اتنی توانا تھی کہ اس نے فوری طور پر اس قید سے اپنے فرار کی ایک کامیاب راہ بھی تلاش کرلی۔

"اس کا ساتھی کہاں اور کس حال میں ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی اس کی خبر لی گئی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے سیل کے فرش پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"لعنت ہے اس پر۔" ویرا بولی "وہ مرد ہو کر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ لڑکی ہوش میں آکر بھاگ بھی گئی۔"

"عام طور پر لڑکیاں ہی بھاگتی ہیں۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا "وہ بے چارہ مرد ضرور ہے لیکن اسے کافی دیر بعد بے ہوش کیا گیا تھا۔"

"یہ مرد اور عورت کی کیا واہیات بحث شروع کردی تم نے!" اول خان نے اسے گھور کر کہا "اس وقت ہم ایک سنگین مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"وہ کپڑے چھوڑ کر بھاگی ہے۔" میں نے بات شروع کی تھی کہ سلطان شاہ بول پڑا۔

"اسٹیشن فور سے نکلنے کے بعد جب کسی نے اسے دو پیروں پر بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اسے مظلوم سمجھا ہوگا۔ اوباش مردوں کے چنگل سے نکل بھاگنے والی لڑکیوں کو عام طور پر مظلوم ہی سمجھا جاتا ہے۔"

"تم کچھ دیر کے لیے اپنی زبان کو لگام نہیں دے سکتے۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر سعادت مندی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"تم سونیا کے کپڑوں کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"ہاں، ان کا جائزہ لو۔" میں نے اول خان سے کہا "بعض اوقات مجرموں کے لباس سے بھی کوئی نہ کوئی سراغ مل جاتا ہے۔"

"ان کپڑوں میں سونیا کے بدن کی مہک رچی ہوئی ہوگی۔" ویرا نے بے ساختہ کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی برقرار تھی۔

"میں نے اسے چپ کیا تو اب تمہارا دماغ چل رہا ہے!" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی!" ویرا نے اسی گہری سنجیدگی سے جواب دیا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "تربیت یافتہ کتے اس بو کے سہارے ہمیں سونیا تک پہنچا سکتے ہیں۔"

"فضول بات ہے۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا "یہ کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ابھی تک انہی اطراف میں موجود ہو۔ وہ ایک چالاک اور مکار عورت ہے۔ کسی نہ کسی کی گاڑی میں لفٹ لے کر یہاں سے میلوں دور نکل چکی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا کہ وہ ہمارے ہاتھ آکر نکل گئی۔" غزالہ متاسفانہ لہجے میں بولی "بدحواسی میں شاید وہ اسٹیشن فور کے محل وقوع پر زیادہ دھیان نہ دے سکی ہو مگر اس کی گھاگ نظروں نے یہ اندازہ ضرور لگالیا ہوگا کہ وہ کسی فوجی چھاؤنی کے علاقے میں رکھی گئی تھی۔"

اس وقت وہی بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے تک سے کرنل داور بن کر بات کرتے

ہوئے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ ارجن کے ہوٹل سے ڈینی نے دونوں بلیک کیٹس کو اٹھالیا تھا۔ میری اس کوشش کا دہرا ہدف تھا۔ اول یہ کہ وہ میرے اصل نام سے مزید خائف ہو جائے۔ دوئم یہ کہ بلیک کیٹس کے بارے میں کسی ایجنسی وغیرہ کا نام نہ آنے پائے۔ اگر یہ بات کھل جاتی کہ ان دونوں کو کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھایا ہے تو پھر انہیں جہنم واصل کرنا ممکن نہ رہتا۔ ضابطوں کے مطابق جرم ثابت کرکے انہیں سزایاب کیا جاتا اور پھر کسی بھی مرحلے پر 'قیدیوں کے باہمی تبادلے کے نتیجے میں وہ دونوں دوبارہ بھارت چلے جاتے۔

میرے لیے ان کا وہ انجام ہرگز پسندیدہ نہیں تھا۔ انہوں نے غیر قانونی طور پر پاکستان میں گھس کر دہشت گردی اور سازشوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان کو سخت ترین باز پرس سے گزرنے کے بعد آخر کار موت کے گھاٹ اتر جانا چاہیے تھا۔ سونیا کے فرار کے بعد مجھے وہ کام مشکل ہوتا نظر آرہا تھا۔

"اب وہ دوبارہ ہوٹل کا رخ نہیں کرے گی۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "دیکھنا ہوگا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔"

"ہمیں فوری طور پر شہر میں اس کی تلاش شروع کردینی چاہیے۔" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر اپنی رائے پیش کردی "کوبرا منظر سے یکایک غائب ہوگیا ہے۔ ابرار قید میں ہے۔ وہ بالکل بے یارو مددگار رہ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرے، ہمیں دوبارہ اسے دبوچ لینا چاہیے۔"

"اسے سرور سمیت میرے متعدد آدمیوں نے دیکھا ہے۔" اول خان نے کہا "وہ اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"سرور کی سربراہی میں اپنے ان آدمیوں کو شہر میں پھیلادو۔ اس کا کسی سے رابطہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اسے تاکید کی "ایک بار اسے کوئی سہارا مل گیا تو وہ مضبوطی سے اپنے قدم جمالے گی۔"

"مجھے دوبارہ دفتر جانا ہوگا۔" اول خان نے مضطرب ہو کر یکایک اپنی جگہ چھوڑ دی "میں ابھی تک حیران ہوں کہ وہ اپنی خالی سیل میں آٹھ نوفٹ اونچے روشن دان تک کیسے پہنچ گئی!"

"صاف بات یہ ہے کہ اس میں تمہاری یا تمہارے کسی آدمی کی کوتاہی کا دخل نہیں ہے۔ یہ اس لڑکی کا کمال تھا کہ وہ وہاں سے نکل گئی۔" اس کو کسی قسم کی آزردگی سے بچانے

> **"مثال"**
>
> کلاس روم میں ٹیچر نے کہا "عمران! کسی آسان مثال کے ذریعے بتاؤ کہ ریڈیو کس طرح کام کرتا ہے؟"
>
> "سر!" عمران سر کھجاتے ہوئے بولا "اگر آپ کے پاس ایک بہت لمبا سا کتا ہو جس کا سر کراچی میں ہو اور دم لاہور میں تو اگر آپ لاہور میں اس کی دم پر پاؤں رکھیں گے وہ کراچی میں بھونکے گا بس سمجھ لیں ریڈیو بھی کچھ اسی قسم کی چیز ہے۔" عمران نے مثال کے ذریعے واضح کیا۔

کے لیے مجھے ناچار وہ بات کہنی پڑگئی جو میں دیر سے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا۔

"تم نے تو اسے دیکھا اور گھیرا تھا۔ کیا وہ واقعی اتنی چالاک اور تیز و طرار نظر آتی تھی۔" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

"عام سی مگر خوش شکل اور سڈول عورت ہے۔ صورت سے گاؤدی لگتی ہے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر ڈورے ڈالے جائیں تو ذرا سی کوشش سے پھنس جائے گی۔ اس کے طور طریقوں میں اوباش مردوں کے لیے ایک خاص کشش پائی جاتی ہے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ میری بات پوری ہوتے ہی وہ بولی "ذرا سی دیر پہلے میں تمہارے بارے میں یہی بات بتا رہی تھی۔ اس کو اول خان نے تمہاری خوبی قرار دیا تھا کہ تم آسانی سے عورتوں سے اپنا کام نکال لیتے ہو۔"

"چلو' اب برابر کی ٹکر ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کس کی کشش زیادہ کام دکھاتی ہے۔" سلطان شاہ نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ چاروں اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ سکوت غزالہ نے توڑا "اس بار ہمارے سامنے غیر معمولی حریف ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ جتنی آسانی سے ہاتھ آئی تھی' اس سے زیادہ آسانی سے صاف نکل گئی۔ کوبرا کے بارے میں تمہیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

"جب ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں تو پھر کھل کر اس کا نام لو۔" ویرا نے جواب دیا "کوبرا اور حشمت اس کے فرضی

نام اور بہروپ ہیں۔ ہوٹل کی ویٹریس کے بیان کے بعد اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ان دونوں ناموں کے پیچھے سوبھراج کی شخصیت کار فرما ہے۔"

"میں بھی اسی کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ وہ ہمارے لیے لوہے کا چنا ثابت ہو سکتا ہے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے تنکے کی طرح اڑایا جا سکتا ہے۔" ویرا نے حقارت سے کہا "تمہارے حکمرانوں نے اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اسے وی وی آئی پی کا درجہ دے کر اتنا اہم بنا دیا ہے ورنہ اس کے گلے میں کسی بھی وقت طوق ڈالا جا سکتا ہے۔"

"مفروضات میں الجھ کر اپنا دماغ خراب مت کرو!" غزالہ نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا "وہ اپنے سارے تحفظات اور مراعات کے ساتھ ہمارے مدمقابل آیا ہوا ہے تو اس سے اسی طرح مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ بات سب سے پہلے ہمارے علم میں آئی ہے کہ وہ کوبرا بن کر بلیک کیٹس کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اول خان نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے، کھل کر ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے ان دونوں کو رگڑ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ سونیا کے ستارے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ نکل گئی۔"

"اب ہمارے سامنے صرف سوبھراج رہ گیا ہے۔ میں خود بھی اس پر کوئی اوچھا ہاتھ نہیں ڈالوں گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

شام تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا تھا۔ پیشانی پر زخم کے نشان والے کے پکڑے جانے کے بعد کھیل یکایک سمٹا ہوا نظر آنے لگا تھا مگر ان آخری لمحات میں بازی کچھ بکھر سی گئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک، اپنی جگہ ملول اور افسردہ تھا۔ اس بوجھل ماحول میں روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔

سونیا اکیلی رہ گئی تھی اور بھڑکی ہوئی تھی مگر پھر بھی میں اس کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بلیک کیٹس نے میدان میں آتے ہی جس تیزی سے اول خان کے بازو کو زخمی کر کے ہمارے گھر کا سراغ لگایا تھا اس کے پیش نظر، آنے والے گھنٹوں میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سونیا نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہمارا گھر اول خان کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ ایک جعلی سروے کو ہمارے گھر میں بھیجنے کے باوجود وہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

جائے کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آنے والی لڑکی سے پہلے میرا اور پھر ویرا کا سامنا ہوا تھا۔ اس کے لیے مجھے پہچاننے کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں تھا مگر مجھے یہ خوف تھا کہ بہت روانی سے شستہ اردو بولنے کے باوجود ویرا اس سرویر کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ یہ بات سونیا ہی نہیں، ہمارے سارے دشمن جانتے تھے کہ مقامی لب و لہجے میں رواں اردو بولنے والی غیر ملکی لڑکی ویرا ہے۔ وہ دو اور دو چار والا معاملہ تھا۔

اگر سرویر لڑکی نے ان لوگوں کو یہ بتا دیا تھا کہ ہمارے گھر میں ایک اردو داں، سفید فام غیر ملکی عورت رہ رہی تھی تو ان کے لیے سب کچھ سمجھ لینا آسان تھا اور اگر سرویر لڑکی نے اپنی بے وقوفی کی بنا پر ویرا کے غیر ملکی ہونے کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور اپنے آقا یا آقاؤں کو محض ایک گوری چٹی مقامی عورت اور مرد کی موجودگی کی خبر دی تھی تو پھر معاملہ زیادہ سنگین نہیں تھا۔

وہ دونوں امکانات بہت نازک تھے۔ میں اس بارے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ہمارے ساتھ کسی بھی وقت کوئی بدترین صورت حال رونما ہو سکتی تھی۔ بے خبری میں مارے جانے سے بہتر یہ تھا کہ ہم ہر قسم کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ وہ پس پردہ رہنے کی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود شہر میں بہت زیادہ غیر معروف نہیں تھا۔ بہت سے لوگ اور خاص طور پر ہمارے دشمن یہ جانتے تھے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اہم اور ذمہ دار افسر تھا۔ بلیک کیٹس نے اسے چلتی گاڑی میں تاک کر زخمی کیا تھا۔ سب کو میری اور جہانگیر کی گہری دوستی کا علم تھا۔ اسی دوستی کی بنا پر جہانگیر کے گھر پر بھی ایک زر خرید سرویر کے ذریعے وار کیا گیا تھا۔ وہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔ ان کے پس پشت کیا عوامل کار فرما تھے، اس کا فوری تعین ممکن نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے کے چند گھنٹوں بعد ہمیں اپنی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

اگر سونیا اس گھر میں میری اور ویرا کی موجودگی کے بارے میں جان چکی تھی تو اخبارات میں امریکیوں کا جاری کردہ، انعامی اشتہار دیکھتے ہی اس کو ان لوگوں سے رابطہ کر لینا چاہیے تھا۔ وہ میرے اور ویرا کے لہو کے پیاسے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی نہ کوئی بڑی کارروائی کر گزرتے۔ اگلا دن

سکون اور عافیت سے گزر جاتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ہمارے گھر آنے والی تحریر نے سونیا یا ابرار کو کوئی اہم یا قابل ذکر بات نہیں بتائی تھی۔

میں نے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے چھت پر جاکر ایس ٹی ایف کے دونوں محافظوں سے دوستانہ انداز میں ان کے آرام اور ضروریات وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد بتایا کہ اگلے چوبیس گھنٹے ہم سب کے لیے بہت کٹھن تھے۔ ہمیں ہر لمحے ہوشیار رہ کر اپنے اردگرد کے ماحول پر کڑی نظر رکھنی تھی۔

وہ دونوں بہت سمجھ دار تھے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ مطلع صاف ہونے تک وہ دونوں پلک جھپکائے بغیر، گلی میں آنے جانے والوں پر نگاہ رکھیں گے۔

ان کو بریف کرنے کے بعد میں کمرے میں پہنچا تو غزالہ شب خوابی کے لباس میں، سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنے دراز گیسو ایک جوڑے کی شکل میں سمیٹ رہی تھی۔ میں نے اس سمیت کسی سے بھی اپنے ان اندیشوں کا تذکرہ نہیں کیا جو اندر ہی اندر مجھے بے چین کیے ہوئے تھے۔

میں معنی خیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا ہوا، مسہری پر جا بیٹھا۔ وہ غزالہ کا ایک خاص انداز تھا۔ جب وہ رفاقت کے کسی اچھے موڈ میں ہوتی تھی تو عام طور پر اسی انداز میں میرے سامنے آتی تھی۔ میرے ذہن میں شگوفے سے چٹکنے لگے، اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کسی کڑے وقت کا پامردی سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک اچھی رفیق حیات کتنی ضروری بلکہ ناگزیر ہوتی ہے۔ غزالہ میری ذہنی اور جسمانی ضروریات کا ہروقت بہت خیال رکھتی تھی۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر آیا تو غزالہ نے شوخ لہجے میں اچانک نادرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ بھی ایک دلچسپ عورت تھی۔ کلفٹن کے علاقے میں ہم کچھ عرصے کے لیے اس کے آراستہ فلیٹ میں کرایے دار رہے تھے۔ وہ مجھ سے بہت باتیں کرتی تھی۔ غزالہ کا خیال تھا کہ وہ مجھ پر ریجھ گئی تھی۔

پرانی یادوں کے تازہ ہوتے ہی نئی پریشانیاں میرے ذہن سے تحلیل ہونے لگیں۔ غزالہ نے بہت خوش اسلوبی سے مجھے اپنی ہلکی پھلکی گفتگو کے سحر میں لے لیا تھا۔

ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر غزالہ تھک ہار کر گہری نیند سو گئی۔ کچھ دیر کے لیے میرے ذہن پر بھی غنودگی کی لہر طاری ہوئی مگر پھر دماغ کے نہاں خانوں میں دبکے ہوئے خطرات نے سر ابھارا اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

خوف اور خطرے کی حالتوں میں رات کا اندھیر
زور آور ہوتا ہے۔ غنیمت تھا کہ میرے کمرے میں ہلک
روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں کھولے بستر پر پڑ
میرے ذہن میں خیالات کی رو دوبارہ چل پڑی تھی۔
والے وقت کے وسوسوں نے غزالہ کے ساتھ گز
ہوئے وقت کے سرور کو بہت بے رحمی سے نگل لیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پہلی گھنٹی
ہونے سے پہلے ہی لپک کر ریسیور اٹھالیا تاکہ غزالہ کی
نیند خراب نہ ہو۔ دوسری طرف سے اول خان بول رہا

"فون کرنے کے لیے یہ وقت نامناسب ہے مگر
پاس دو اہم خبریں تھیں جو۔۔۔"

"کم آن اول خان!" میں نے اس کی بات درمیا
کاٹ دی "ہمارے درمیان ایسے تکلف کا کوئی رشت
ہے۔ جو کہنا ہے، کسی تمہید کے بغیر کہہ ڈالو۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔
آدمیوں نے سونیا کے کپڑے سمیٹ کر احتیاط سے
کردیے تھے۔ میں نے انہیں نکلوا کر دیکھا ہے۔ اس
جامے کے اندرونی حصے پر ایک واٹر پروف یا شاید آل
ٹیک چسپاں ہے۔ بادی النظر میں وہ زیر جامے بنانے و
ٹیک نظر آتا ہے۔ اس پر دو مہمل سے انگریزی الفاظ
کے نیچے ایک الفانیومریکل کوڈ درج ہے۔ میں کافی
اس میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی ابھی عقدہ کھلا ہے کہ دونو
کے حروف تہجی الٹی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اس ا
کوڈ کے مطابق سونیا کا اصل نام سیتا کانت اور کوڈ ب
پندرہ ہے۔"

"ویری گڈ!" اول خان کی فراہم کی ہوئی وہ
واقعی حوصلہ افزا تھی "ابھی تک ان دونوں کے بار
کچھ پتا نہیں تھا۔ اب ہم سیتا کے نام اور کوڈ سے
اٹھا سکتے ہیں۔ بی سی یقینی طور پر بلیک کیٹس کا مخفف
سو پندرہ اس کا نمبر ہے۔"

"بالکل یہی ہے۔" اول خان کی پرزور تائیدی
"سیکرٹ سروسز میں اہم ترین مہمات پر جانے وا
شناخت کے لیے کوئی نہ کوئی خفیہ بندوبست کیا جاتا
حادثاتی موت کی صورت میں ان کو پہچانا جاسکے۔ ا
کے لیے زیر جامے کا استعمال پہلی بار میرے سا
ہے۔"

"سیتا اس راز سے بے خبر نہیں رہی ہوگی کہ
اپنے سارے کپڑے چھوڑ بھاگی۔" میں نے اپنی

ظہار کیا۔
"کپڑے چھوڑنا اس کی مجبوری تھی۔" قدرے توقف
کے بعد جواب آیا "اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس کی
جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے زیر جامے کا ٹیگ
بھول گئی ورنہ اس مختصر سے چیتھڑے کو اپنے ساتھ ضرور لے
جاتی۔"
"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنے کوڈنگ ٹیگ کو بالکل
محفوظ تصور کر رہی ہو۔ اسے گمان ہی نہیں ہوا ہو کہ کوئی
اسے پڑھنے اور سمجھنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"
"قطعی ممکن ہے۔" اس نے بلا تردد اعتراف کرلیا
"میرے آدمیوں نے اس کے کپڑوں کو سیل کر ہی دیا تھا۔ یہ
میری ذہنی اختراع تھی کہ مجھے یہاں آکر ان کو دوبارہ کھلوانا
اور آخر کار مطلوبہ معلومات ہمارے سامنے آگئیں۔"
"انہوں نے اس قدر آسان طریقہ بلکہ کوڈ استعمال
کرکے اس کی ڈی کوڈنگ کو اور مشکل بنا دیا۔ کوئی سوچ بھی
نہیں سکتا کہ را یا بلیک کیٹس والے اپنے آدمیوں کی بعد از
مرگ شناخت کے لیے ایسا بچگانہ طریقہ استعمال کریں گے۔
بتاؤ کہ ابرار کا نام کیا ہے!"
"میں نے اپنے دفتر میں سیتا کانت کا نام دریافت کرتے
ہی تمہیں فون کیا ہے۔ ابھی اس کی باری نہیں آئی۔ وہ ہوش
میں آچکا ہے۔ اب میں اس کی طرف جاؤں گا اور اس کے
منہ سے اتروا دوں گا۔"
میں نے سرعت سے غور کیا۔ اس وقت لے دے کر
ایک ہی شکار ہماری گرفت میں رہ گیا تھا۔ اسے ذرا بھی مس
ہینڈل کیا جاتا تو معلومات حاصل کرنے کا ایک معتبر ذریعہ
ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا تھا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا
"اب میری بھی رات کالی ہوگی۔ میں آرہا ہوں۔ میرے پہنچنے
تک اسے نہ چھیڑنا۔"
"تم آجاؤ تو ہم ایک اور ایک گیارہ ہو جائیں گے!" اس
کی آواز مسرت آمیز تھی۔ اس نے میری تجویز کا برا نہیں
منایا تھا۔
"یہ بتاؤ کہ تمہاری سی ایس ڈی تو صحیح کام کر رہی ہے؟"
اس نے چونک کر پوچھا۔
"بالکل۔ وہ اس وقت بھی آن ہے۔ کیا تم کو اس کی
ضرورت پیش آسکتی ہے۔"
"میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسٹیشن فور پہنچنے کے
بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔ تمہاری دوسری خبر کیا ہے؟"
"تمہاری یہ بات میرے دل میں چبھ گئی تھی کہ کہیں
میرے کسی آدمی نے سیتا کو پناہ نہ دے دی ہو۔ بات سمجھ میں
آنے والی تھی کہ ایک خوب صورت اور بے لباس لڑکی کے
ہزار ہمدرد پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں نے یہاں آتے ہی اسٹیشن
فور کا ہر کونا اور کمرا، حتیٰ کہ کباڑ خانہ تک چھان مارا ہے۔
سیتا یہاں نہیں ہے۔"
"میری باتوں کو اپنے دل پر نہ لیا کرو۔ وہ بات میں روانی
میں کہتا چلا گیا تھا۔ مجھے پکا شبہ ہوتا تو میں خود تمہارے ساتھ
گیا ہوتا۔"
"آجاتے تو اچھا تھا۔ شاید سیتا کے نام اور کوڈ کا مسئلہ
جلد حل ہو جاتا۔"
"کچھ نہیں بگڑا۔ میں اب آرہا ہوں۔"
اس سے بات ختم کرکے میں نے خاموشی اور آہستگی سے
بستر چھوڑ دیا۔ میں غزالہ کی بے خبری میں نکل جانے کا ارادہ
کر چکا تھا۔
میں کپڑے تبدیل کر رہا تھا تو ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی
بج اٹھی۔ میں نے تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔ میں حیران تھا کہ
اول خان کو دوبارہ فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ کہیں
ابرار کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہ آگیا ہو۔
"ابھی کس کا فون آیا تھا؟" میں ویرا کا وہ سوال سن کر
حیران رہ گیا۔
"تم اس وقت کہاں سے فون کر رہی ہو؟" میں نے
قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔
"زیادہ بھڑکنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے
ڈرائنگ روم والی لائن سے ڈبل ون ٹو ملا کر گھنٹی بجائی ہے۔"
"اوہ! یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ اس طرح تو دو
لائنوں کو انٹر کام کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔"
"بالکل کیا جا سکتا ہے۔ بس ہر بار ایک کال لگ جائے
گی۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔
"وہ اول خان کا فون تھا۔ میں اسٹیشن فور جا رہا ہوں۔"
میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
"بس میں بھی دو منٹ میں تیار ہو رہی ہوں۔ مجھے نیند
نہیں آرہی۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"
اس کے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا تو نقصان بھی
نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔ میں
چند منٹ میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو ویرا، سلطان شاہ
کے ساتھ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔
ویرا کے چہرے پر محض بے خوابی کی گرانی کے آثار
تھے۔ سلطان شاہ کی سرخ آنکھیں ویرا کی زیادتی کی چغلی کھا

رہی تھیں۔ اس نے سلطان شاہ کو گہری نیند سے اٹھایا تھا۔ نیند خراب ہونے کی وجہ سے وہ جھنجلایا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑا "اسٹیشن فور پر کیا قیامت آگئی جو تمہارا اس وقت وہاں جانا ضروری ہے۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ اور دوبارہ سوجاؤ۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "گھر میں کسی نہ کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جارہے ہیں تاکہ ہماری گمشدگی کی صورت میں تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو۔"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ کی تیوریوں کے بل فوری طور پر دور ہوگئے۔ میرے لہجے کی درشتی کی بنا پر اس نے مجھ سے کوئی سوال تک نہیں کیا اور ہم دونوں گھر سے روانہ ہوگئے۔

اول خان نے خوش دلی سے ہم دونوں کا استقبال کیا۔ ویرا کو میرے ساتھ دیکھ کر اسے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا تھا۔ میرے ایما پر اس نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں، وقت ضائع کیے بغیر، اس کی رہنمائی میں ابرار کے سیل کی طرف چل دیے۔

مجھے اول خان سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے راستے میں ویرا کو بتا دیا تھا تاکہ وہ بے خبری میں کسی حماقت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

"اس نے ہوش میں آنے کے بعد کچھ اودھم مچایا مگر پھر پرسکون ہوگیا۔ ابھی تک اسے صرف ایک بار پانی دیا گیا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"خطرناک مجرموں کا سکون بھی خطرناک ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اب کیا بولتا ہے۔" میں نے کہا۔

اس کے سیل کے باہر دو مسلح نگراں موجود تھے۔ ایس ٹی ایف والے ایک شخص نے جونہی دروازے کی کنڈی کھولی، پرانی طرز کے دروازے کے دونوں پٹ کسی نے اندر کی طرف کھینچ کر کھول دیے۔ کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ابرار ہمارے مدمقابل سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر پڑیں اور وہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ میرے مقدر کی گردش مجھے یہاں لے آئی ہے مگر وقت میرا ساتھ ضرور دے گا۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر، اپنے بازو دباتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"پیچھے ہٹو ورنہ مار کھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا۔ مجھے اس کا لب و لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

اس کے قدموں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تو میں نے ویرا کو کہنی ماری۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے فضا میں ا... اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے ابرار کے سینے پ... اور وہ ایک دبی دبی کراہ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔ ویرا... سے ہوتی ہوئی، دوسری طرف اپنے قدموں پر کھڑی... تھی۔

راستہ بن گیا تھا۔ ہم دونوں بھی کمرے میں... ہوگئے۔ ابرار گٹھے ہوئے جسم کا مالک اور خاصا سخت... تھا۔ دھیرے دھیرے وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مظہر خان! تم مجھ سے مارپیٹ کرسکتے ہو۔ مجھے... سے بھی مار سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ اب تمہارا وقت... ہوچکا ہے۔ پوری دہلی کو معلوم ہوچکا ہے کہ تم ہی ڈیئی... نام میرے بڑوں کو شروع سے پسند نہیں ہے۔ وہ... بندوبست کرچکے ہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"تم میرا نام جانتے ہو تو اب اپنا بھی تعارف کرا..." میں نے سختی سے مطالبہ کیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ا... کوئی آر موڑ اختیار کرنے کے بجائے خود ہی دہلی کا ذکر... ایک بہت بڑا اعتراف کرلیا تھا۔ شاید اس طرح وہ غیر... مارپیٹ اور تشدد سے بچنا چاہ رہا تھا۔

"میرا نام ابرار احمد ہے۔ یہ بات تم ہوٹل کے... سے بھی چیک کرسکتے ہو۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی... مسکراہٹ تیرگئی۔

"دہلی والے کسی ابرار احمد کو یہاں نہیں بھیج..." میں نے زہریلے لہجے میں کہا "شرافت سے اپنے بار... نہیں بتاؤ گے تو ہم تمہارے ساتھ دوسرے طریقے ا... کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"تم دوسرے طریقے اختیار کرو یا تیسرے، مجھے... بتانا تھا، وہ میں نے بتا دیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں... بازی ہار چکا ہوں۔ اس کا حساب کوئی اور چکائے گا۔... موت سے خوف زدہ تھا اور نہ زندگی کی بھیک مانگنے پر... آرہا تھا۔ اس سے کچھ اگلوانا جوئے شیر لانے سے... تھا۔

"اپنی ساتھی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"... اس سے اگلا سوال کیا "دہلی کا حوالہ دے کر تم یہ ا... کرچکے ہو کہ تمہارا تعلق انڈین سیکرٹ سروس کے... سے ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہاں سے مجھے مار... لیے ایک مرد اور ایک لڑکی کو بھیجا گیا ہے۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم کو کوئی... ملی ہے تو اسے تلاش کرلو۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب...

"تم نے میرے سوال کے پہلے حصے کا جواب نہیں دیا۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اس کا جواب تمہارے سوال میں موجود تھا۔ تم کو یہ بتانا ضروری تھا تاکہ تم مجھے مارنے کے بعد میری لاش بھارت بھجوا سکو اور وہاں میرا کریا کرم ہو سکے۔ زندگی میں ہماری دشمنی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ مسلمان کسی مردے کی بے حرمتی نہیں کرتے۔"

"مسلمانوں کا کریا کرم نہیں ہوتا' ان کی تدفین ہوتی ہے۔" میں نے آستینیں سمیٹتے ہوئے' زہریلے لہجے میں اسے بتایا "اب شرافت سے اپنا نام بتادو ورنہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ روانی میں وہ ایک متضاد بات کہہ گیا تھا مگر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور بولا جو باتیں تم کو معلوم ہیں' ان کے بارے میں مجھ پر دباؤ نہ ڈالو۔ مجھے جو کچھ کہنا یا بتانا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں۔"

میں نے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ سنبھلا تو اس کے دہانے کے سرے سے خون کی ہلکی سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "مارپیٹ بازاری غنڈوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"تم اپنی موت کے لیے شاید ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ وہ ابھی بہت دور ہے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم یہاں کس کس سے رابطے میں تھے۔ تم نے زبان نہیں کھولی تو مرنے سے پہلے تم بار بار مرنے کی آرزو کرتے رہو گے مگر زندہ رہو گے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے دھمکی دی۔

اس بار اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرائے پھر وہ بولا "تم جانتے ہو کہ تمہیں اس سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔"

"تم ٹھہرو!" مجھے بڑھتے دیکھ کر ایک دم ویرا بول پڑی "میں ابھی اس کا دماغ درست کرتی ہوں۔"

وہ اس پر اپنا پہلا وار کر چکی تھی۔ میں نے سرہلا کر اسے اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے ویرا نے پھرتی سے پیش قدمی کر کے اس کے بائیں جبڑے پر زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ وہ جھکائی دے کر خود کو اس وار سے بچا گیا اور ویرا اپنے زوروں پر گھوم کر رہ گئی۔

ابرار کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ باکسنگ میں بھی درک رکھتا تھا لیکن اسے ویرا کے مارشل آرٹس کے کمالات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ ویرا کے مکے سے ضرور بچ گیا لیکن ویرا کی گھومتی ہوئی لات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ مکے سے بچنے کے چکر میں نیچے جھکا ہوا تھا اس لیے ویرا کی لات نے اس کے سینے کے ساتھ چہرے کو بھی مجروح کر دیا۔ وہ غراتا ہوا ایک طرف لڑھک گیا۔

اس نے بہت پھرتی کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر ویرا اسے کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے ابرار کے سنبھلنے سے پہلے' اس کے سر پر سوار ہو کر اسے لاتوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

ویرا کے ان تابڑتوڑ حملوں نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ ابتدا میں وہ خود کو ویرا کی مار سے بچانے کی کوششیں کرتا رہا اور ناکامی کے بعد اس نے ویرا کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ کسی طرح اسے فرش پر گرانے کے لیے کوشاں تھا تاکہ اس کے حملوں کا تسلسل توڑ کر خود سنبھالا لے سکے۔

ویرا اس وقت کسی چھلاوے کی طرح حرکت میں آئی ہوئی تھی۔ اس کی لاتیں اتنی تیزی اور قوت سے گردش کر رہی تھیں کہ ابرار پوری کوشش کے باوجود انہیں اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہا تھا۔ کافی دیر تک یک طرفہ مار کھانے کے بعد آخر کار اس کا داؤ چل گیا۔ ویرا کا بایاں پیر ابرار کی گرفت میں آگیا اور ویرا لڑکھڑا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ ابرار نے اچھل کر اس کے سینے پر سوار ہونا چاہا۔ ویرا اس کا ارادہ بھانپ کر بروقت ایک طرف لڑھک گئی اور وہ اپنے زور میں دوبارہ فرش پر آ رہا۔

وہ ان دونوں کی سخت جانی کا ایک کڑا مقابلہ تھا۔ ایک حریف پٹ رہا تھا' دوسرا مار رہا تھا مگر دونوں ہی ہانپنے لگے تھے۔

اس بار ویرا زیادہ پھرتی نہیں دکھا سکی۔ وہ دونوں تقریباً ایک ساتھ فرش سے اٹھے اور خوں خوار انداز میں ایک دوسرے کے سامنے جم گئے۔

ابرار کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پرانے زخم کے نشان کے اردگرد متعدد خون آلود زخم نمودار ہو چکے تھے۔ ویرا کا چہرہ اس وقت تک بالکل محفوظ تھا۔ وہ دونوں مشاق مکے بازوں کی طرح ایک دوسرے کا جبڑا توڑنے کی کوششیں کر رہے تھے مگر دونوں کا ہر وار اپنے حریف کی کلائیوں پر ضائع ہو رہا تھا۔ خاصی مار کھا لینے کے بعد ابرار کو سنبھل کر اپنا دفاع کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

کے بازی کرتے کرتے اچانک ابرار بہت تیزی سے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر کولہوں کے بل فرش پر بیٹھا اور اس نے پوری قوت سے اپنی بائیں لات چلادی۔ ویرا کو خطرناک اڑنگا لگا اور وہ سریلی چیخ مارتی ہوئی نیچے گر گئی۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس بار ابرار، ویرا پر غالب آتا نظر آرہا تھا۔

میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ ابرار نے ویرا کے ہاتھوں بہت مار کھائی تھی۔ وہ اپنا اکلوتا موقع ضائع نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور وحشیانہ انداز میں ویرا پر جاپڑا۔ اس کے بوجھ تلے دب کر ویرا بے ساختہ چیخ پڑی۔ ابرار اس کی گردن اور ٹانگوں میں ہاتھ دے کر اسے بے بس کرنے کے چکر میں تھا۔

بہت زیادہ مار کھا لینے کے باوجود ابرار کا سانس نہیں ٹوٹا تھا۔ اس بار وہ ویرا سے اپنا پورا حساب بے باق کرسکتا تھا۔ ویرا کو اس کے چنگل سے بچانے کے لیے میری مداخلت ضروری ہوگئی تھی۔ اسی لمحے ویرا نے اس کے ساتھ نہ جانے کیا حرکت کی کہ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ ویرا کے جسم سے کئی انچ اوپر فضا میں اچھل گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے ویرا کے بدن میں یکایک اسپرنگ نکل آئے ہیں جنہوں نے دشمن کو اوپر اچھال دیا ہو۔

ویرا بہت پھرتی سے ایک طرف سرک گئی اور ابرار دوسری مرتبہ پختہ فرش پر آرہا۔

ویرا اپنی ٹانگیں کھول کر کسی شہسوار کی طرح ابرار کی پشت پر سوار ہوگئی اور اس کے بال پکڑ کر بے رحمی سے اس کی پیشانی کو بار بار فرش سے ٹکرانا شروع کردیا۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ابرار دلیر اور بے خوف دشمن تھا۔ وہ بہت زیادہ برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا لیکن پیشانی کی مسلسل ضربات نے ذرا سی دیر میں اسے بے حال کردیا۔ اس کی غراہٹیں بتدریج بے ساختہ چیخوں میں بدل گئیں۔

ویرا بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ ابرار بھی نڈھال ہوچکا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر ویرا کا بازو تھاما اور نرمی کے ساتھ اسے ابرار کی پشت سے اتار لیا۔ وہ اسی حالت میں فرش پر اوندھا پڑا کراہتا رہا۔

"یہ کمینہ آدمی ہے۔ اسے میں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں گی" ویرا ہانپتے ہوئے غصے میں بولی "سمجھ رہا تھا کہ میں عورت ہوں اور یہ اپنی حرکتوں سے مجھے پریشان کردے گا۔"

"اب تم جاکر آرام کرو" میں نے اس کی بات کاٹ کر آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اسے برہنہ کرکے اس کے زخموں پر نمک پاشی کریں گے۔ دیکھتے ہیں کہ یہ کب تک سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ذرا سی دیر میں اس کے سارے کس بل نکل جائیں گے۔"

ویرا کو علم تھا کہ سیتا کی طرح ابرار کی شناخت بھی اس کے زیر جامے میں لگے ہوئے ٹیگ سے ہوسکے گی۔ وہ کچھ کہے بغیر سیل سے نکل گئی۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو اندر بلا کر ہدایات دیں۔ ان میں سے ایک نمک اور پسی ہوئی مرچوں کا سفوف لینے چلا گیا۔ دوسرا ابرار کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابرار زخمی ہونے کے باوجود مزاحمت پر تل گیا۔ اول خان کے ایما پر ابرار کی قمیص پھاڑ کر اس کے بدن سے الگ کردی گئی۔ اس دوران میں دوسرا آدمی کیمپ کے میس سے پسی ہوئی مرچوں اور نمک کی شیشیاں لے آیا۔ وہ اشیا اول خان کے حوالے کرکے وہ بھی اپنے ساتھی کے ساتھ مل گیا۔

اوپری دھڑ برہنہ ہوجانے کے بعد ابرار کی مزاحمت نے وحشیانہ رنگ اختیار کرلیا لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ ذرا سی دیر میں اس کے بدن سے ہر دھجی الگ کردی گئی اور وہ فرش پر اکڑوں بیٹھ کر ہم سب کو گالیاں بکنے لگا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔

ہذیانی گالیاں اس کے اعصاب کی ٹوٹ پھوٹ کی پہلی علامت تھیں۔ وہ ہماری طرف سے غافل تھا۔ میں نے ٹانگ سے اس کا زیر جامہ اٹھایا تو الاسٹک کے ساتھ ہی مجھے ٹیگ نظر آگیا۔ اس کو پڑھنے کا طریقہ مجھے معلوم ہوچکا تھا۔ اس کی رو سے اس شخص کا نام گوپال راج اور اور کوڈ بی سی ایک سو دس تھا۔

میں نے نائلون کا وہ مضبوط زیر جامہ دوبارہ فرش پر پھینک دیا۔

"اب شری گوپال راج کے زخموں میں نمک مرچ بھرو تاکہ ان کا دماغ کچھ کام کرسکے" میں نے اسے سنانے کے لیے کہا۔

میری زبان سے اپنا نام سن کر وہ یوں اچھلا جیسے اسے اچانک کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اس نے پلٹ کر تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس کی نظریں فرش پر پڑے ہوئے کپڑوں پر مرکوز ہوگئیں۔ میرے اس ایک فقرے سے اس کے چہرے سے حوصلے اور ہمت کی ہر علامت رخصت

ہو چکی تھی۔
"اب مجھے کپڑے پہن لینے دو" اس نے ڈھیلی اور نرم آواز میں کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے بارے میں تم اتنا جان چکے ہو گے۔"
میں نے ٹھوکر سے پتلون اس کی طرف اچھال دی "بس یہ پہن لو۔ اس کے بعد نمک پاشی بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
"یہ بربریت ہے" وہ عجلت میں پتلون پہنتے ہوئے بڑبڑایا "میرے بارے میں تم جان چکے ہو۔ اب کیا سننا چاہتے ہو؟"
"تمہارے رابطے کیا ہیں۔ یہاں کون کون تمہاری مدد کر رہا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔
"کوئی نہیں۔ ہم جہاں جاتے ہیں' اپنے طور پر کام کرنے کے راستے نکالتے ہیں" گوپال اپنے چہرے کے زخموں کو سہلاتے ہوئے بولا۔
"ہم سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔
"مم... میں اپنے شعبے کی بات کر رہا تھا۔ ہم را کا ایک حصہ ہیں لیکن ہمارا کام کرنے کا انداز جدا ہے۔ ہم متحرک رہتے ہیں۔ اپنا مشن پورا کرتے ہیں اور تیزی سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔"
"تمہارے شعبے کا کیا نام ہے" میں اس کے زبان سے اپنے اندازے کی تائید سننا چاہتا تھا۔
"بلیک کیٹس!" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی' شکست خوردہ آواز ابھری۔ اس نے کسی جنگی قیدی کی طرح اپنی پوری شناخت ظاہر کر دی تھی۔
میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ یکایک مطمئن اور آسودہ نظر آنے لگا تھا۔
"اب اپنے رابطوں کی طرف آجاؤ" میں نے سختی سے کہا۔
"میں تمہارے اس سوال کا جواب دے چکا ہوں" اس کی آواز میں دوبارہ ہٹ دھرمی عود کر آئی۔
میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بدستور اپنی زبان بند رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ہمیں صرف اتنا ہی بتایا تھا جو ہم اس کے زیر جامے میں لگے ہوئے ٹیگ کے ذریعے معلوم کر چکے تھے یا کر سکتے تھے۔ اس کے نمبر کے ساتھ بی سی کے حروف واضح طور پر بلیک کیٹس کی نشان دہی کر رہے تھے۔ وہ بات اس نے آسانی سے اگل دی تھی۔ اس سے آگے وہ آسانی سے قابو میں آتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اپنا کام شروع کر دو!" میں نے اشارے کے منتظر آدمیوں کو ہدایت دی۔ وہ دونوں گوپال پر ٹوٹ پڑے۔
وہ مزاحمت پر تلا ہوا تھا۔ کھلے ہوئے زخم صرف اس کے چہرے پر تھے۔ جبری نمک پاشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آنکھیں بھی متاثر ہو گئیں۔ اس نے کسی بھڑکے ہوئے بھیڑیے کی طرح اچھل اچھل کر پوری قوت سے چیخنا شروع کر دیا۔
رات کے گہرے سناٹے میں وہ چیخیں دور تک سنی گئی ہوں گی۔ چند ثانیوں میں ویرا بھی تماشا دیکھنے کے لیے لوٹ آئی۔ وہ اول خان کے دفتر کے قریب واقع واش روم میں منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو چکی تھی۔ آتے ہی اس کی نظریں گوپال کی پھٹی ہوئی قمیص' بنیان اور زیر جامے پر پڑیں اور وہ پوری بات سمجھ گئی مگر اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔
نمک اور مرچوں کی جلن کے نتیجے میں گوپال نے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ ویرا نے لپک کر اس کی پشت پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ ویرا شاید اس کی مزید تواضع کرتی مگر ہم نے اسے واپس بلا لیا اور پھر ہم تینوں اس سیل سے باہر نکل آئے۔
"گوپال بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ یہ مشکل ہی سے زبان کھولے گا" اول خان بڑبڑایا۔
"اس پر صحیح کام ہو رہا ہے۔ جلد ہی نتیجہ سامنے آجائے گا" ویرا بے پروائی سے بولی "ذرا مجھے وہ کمرا تو دکھاؤ جس کے روشن دان سے سیتا نکل کر فرار ہوئی ہے۔ ابھی تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ وہ اتنے اونچے روشن دان کی سلاخیں اکھاڑ کر کیسے بھاگ گئی۔"
"آؤ!" اول خان نے کہا اور اندھیرے میں ایک طرف ہو لیا۔
ایس ٹی ایف والے بجلی کے غیر ضروری استعمال کے عادی نہیں تھے۔ اس کمرے کے اردگرد گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ اول خان دروازے کی کنڈی کھول کر اندر داخل ہوا پھر اس نے بٹن دبا کر اندر کا اکلوتا بلب روشن کر دیا۔
گوپال کے سیل کے برعکس وہ کمرا اصطبل کی طرح مستطیل تھا۔ کمرے کی چوڑائی کے مقابلے میں اس کی گہرائی زیادہ تھی۔ عقبی دیوار میں لگا ہوا' سلاخوں سے محروم چوکور روشن دان نمایاں تھا۔ ویرا نے ایک نظر اس کا جائزہ لیا اور بولی "اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں سے فرار ہونے کا بہترین موقع میسر تھا۔ اس نے پہلی فرصت میں اس سے فائدہ اٹھا لیا اور روشن دان سے نکل کر باہر پھیلے ہوئے

اندھیرے میں غائب ہوگئی۔"
"مگر وہ روشن دان تک کیسے پہنچی؟" اول خان نے پوچھا "تم دیکھ رہی ہو کہ کمرا بالکل بے سروسامان ہے۔"
"ابھی بتاتی ہوں" اس نے یہ کہہ کر اپنے پیروں سے جوتے اتار دیے۔ فضا میں گوپال کی آوازیں بدستور گونج رہی تھیں۔
وہ بے تکا کمرا بمشکل سات آٹھ فٹ چوڑا اور تقریباً چودہ فٹ گہرا رہا ہوگا۔ ویرا نے دروازے کے پاس کھڑے کھڑے روشن دان کا جائزہ لیا اور پھر پوری قوت سے دوڑ لگادی، عقبی دیوار سے ذرا پہلے اس نے فضا میں زقند لگائی اور روشن دان کی چوبی چوکھٹ کا نچلا حصہ مضبوطی سے پکڑ کر جھول گئی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے اپنا توازن درست کیا اور پھر دیوار پر پیر ٹکا کر اپنے پورے وجود کو اوپر اٹھاتی ہوئی آخر کار روشن دان کے خلا میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئی۔
"ویرا بھی آفت کی پرکالہ ہے" اول خان نے مجھ سے ستائشی لہجے میں کہا "سیتا کے فرار کا اس سے بہتر کیا عملی مظاہرہ ہوسکتا ہے۔ میں نے دونوں دیواروں کے درمیانی فاصلے اور جست کے امکان پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ ویرا نے کسی تربیت یافتہ بندریا کی طرح سارا معما حل کردیا۔"
"بلیک کیٹس بھی ہر کھر طاق ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ گوپال کتنا اچھا باکسر ہے۔"
اسی اثنا میں ویرا روشن دان سے فرش پر کود کر ہماری طرف آگئی اور بولی "لباس میرے لیے بھی رکاوٹ بنا ہے۔ سیتا کا کام مشکل تھا۔ اسے وہیں لٹکے رہ کر سلاخیں بھی اکھاڑنی تھیں۔ اس کے لیے کپڑوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری تھا۔"
"ایسا بھی کیا چھٹکارا کہ اس نے زیر جامے تک اتار دیے" میں نے کہا۔
"وہ یہاں کی نہیں، باہر کی ضرورت تھی۔ وہ یقیناً چوپائے کے روپ میں گئی ہوگی۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ انسانی جلد اور کپڑے سے روشنی کا انعکاس مختلف ہوتا ہے۔ کسی اتفاق یا مجبوری کے تحت اسے کسی نیم روشن مقام سے گزرنا پڑتا تو وہ دھجیاں نمایاں ہوسکتی تھیں۔ دنیا کے مہذب ترین جانوروں کے تن پر بھی کوئی کپڑا نہیں ہوتا" ویرا بولی۔
"کپڑے چھوڑ کر جانا اس کی مجبوری اور ہماری ضرورت تھی" اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "اس کے کپڑے ہاتھ نہ آئے ہوتے تو ہمارا یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔"
روشنی گل کرکے ہم باہر آئے تو ویرا نے نیچی آواز میں پوچھا "تم اسے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ سیتا پکڑی جاچکی ہے۔"
"میں اس کی زبان سے سب کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا مگر اب اسے سیتا کے بارے میں بتانا پڑے گا۔ میں چند ثانیوں پہلے اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔"
ہم دوبارہ گوپال کے سیل میں پہنچے تو وہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا۔ دونوں محافظ دور کھڑے اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں۔ وہ بے تکان ہذیان بک رہا تھا اور رہ رہ کر اپنا بدن پیٹ رہا تھا۔ اذیت سے اس کا برا حال تھا۔ زخموں میں لگی ہوئی آگ سرد کرنے کے لیے وہ زخموں کو رگڑ سکتا تھا نہ دبا سکتا تھا۔
"یہ تمہاری پہلی خوراک ہے" میں نے اونچی آواز میں کہا "اس کا اثر کم ہوتے ہی دوسری خوراک دے دی جائے گی۔"
"تم ذلیل، کمینے اور سور کے بچے ہو" اس نے چیخ کر جواب دیا "تم میرے پورے بدن کو نمک اور مرچوں سے بھر دو پھر بھی مجھے مجبور نہیں کرسکو گے۔"
"تمہاری تجویز بری نہیں ہے" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "قدرتی راستے زخموں سے زیادہ موثر ثابت ہوسکتے ہیں۔ ناک، کانوں اور دہانے میں مرچوں کی دھانس زیادہ اثر کرے گی۔"
وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔
"تم بولو یا نہ بولو، سیتا کانت بول پڑی ہے۔ اس نے بہت کچھ اگل دیا ہے۔" قدرے توقف کے بعد میں نے اس پر انکشاف کیا تو اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔
"تم جھوٹے ہو۔ یہاں سیتا کانت کا کوئی وجود نہیں ہے" اس نے بے اعتباری سے کہا۔
"وہ سونیا کمال کے نام سے تمہارے پڑوس کے کمرا نمبر سات سو چار میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کے دونوں ناموں کے مخفف ایس کے بنتے ہیں۔"
"اوہ! تو وہ واقعی پکڑی گئی" اس نے بے ساختہ کہا "تم مجھے اس سے ملوا سکتے ہو۔" سیتا کے بارے میں خبر سن کر وہ عارضی طور پر اپنی ہر تکلیف کو بھول گیا تھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں جن میں گہری اذیت تیر رہی تھی۔
"فی الحال ہم تمہاری کہانی سننا چاہتے ہیں تاکہ سیتا کی

بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق ہو سکے۔ اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ تمہاری اور اس کی ملاقات ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

"اس نے اپنی زندگی گزاری ہے میں نے اپنی۔ ہم دونوں کی کہانیاں الگ الگ ہوں گی" اس نے پھر قلابازی کھائی۔

"ہم کو تم دونوں کی آپ بیتیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے" اول خان غصیلی آواز میں بولا "یہ معمولی سی بات تم بھی سمجھتے ہو کہ ہمیں کیا درکار ہے۔"

"اور کان کھول کر سن لو کہ وہ کوبرا کے بارے میں بتا چکی ہے" ویرا نے لقمہ دیا۔ ایک بار حکمتِ عملی طے ہو جانے کے بعد سب کو زبان کھولنے کا موقع مل گیا تھا۔

"کوبرا!" اس کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "سیتا اتنی کچی نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے یہ نام اگل دیتی۔"

"تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ پچھلے چند گھنٹوں میں وہ کیسے کرب سے گزری ہو گی" ویرا بولی "اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ تم بھی ان ہی مرحلوں سے گزارے جاؤ گے۔"

"وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکی ہو گی۔ ہم دونوں کے لیے کوبرا صرف ایک نام تھا" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ راہ پر آگیا۔

"وہ ایک نام تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ نقاب اور لباس میں ملبوس ہو کر مقررہ وقت پر ہوٹل کے ایک کمرے میں تم سے ملتا تھا۔ یہ سب ہمیں معلوم ہو چکا ہے" میں نے سخت اور غصیلے لہجے میں کہا "یہ سب باتیں ہمارے علم میں ہیں۔ اب تم ہمارے صبر کا امتحان نہ لو۔ اس سے پہلا رابطہ ہونے سے اب تک کی کتھا دہرا ڈالو۔"

وہ دیکھ چکا تھا کہ ہم اس کے ساتھ ہر سفاکانہ رویہ اختیار کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس نے اپنے زخموں کو سہلا کر اور کئی بار پہلو بدل کر اپنے حواس مجتمع کیے پھر کہنا شروع کیا "ہم موناباؤ کی طرف سے اونٹ پر سفر کر کے سرحد پار آئے تھے۔ کراچی تک پہنچنے میں ہمیں دو دن لگ گئے۔"

"تو کیا تم اونٹ پر ہی کراچی پہنچے تھے؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"اونٹ پر ہم نے صرف سرحد پار کی تھی" اس کا سارا کس بل ختم ہو چکا تھا۔ "ہم مسلسل سفر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہمیں راستے میں رکنا پڑا۔ ہم بسوں اور ٹرین میں سفر کرتے ہوئے کراچی تک آئے تاکہ کسی کو ہماری منزل اور ارادوں کی بھنک نہ مل سکے۔ کراچی میں ہمارے پاس صرف ایک فون نمبر تھا جس پر ہمیں کوبرا سے رابطہ کرنا تھا۔"

"وہ فون نمبر بتاؤ" میں نے اس کی بات کاٹ کر مطالبہ کیا۔

"وہ کوئی سیٹ لائٹ فون نمبر تھا۔ اس وقت مجھے یاد نہیں ہے" اس نے عذر پیش کیا۔

"ذہن پر زور دو ورنہ تم جانتے ہو کہ کیا ہو گا؟" میں نے اسے دھمکی دی۔

ایک دفعہ پسپائی کی راہ اختیار کر لینے کے بعد اس کے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں رہا تھا۔ اسے ہر حال میں میرا دباؤ قبول کرنا تھا۔ سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون نمبر کا حصول میرے لیے بہت اہم تھا۔ اس کے حصول کے لیے اول خان بھی کوشاں تھا لیکن گوپال اس سلسلے میں سب سے آسان ذریعہ تھا جو ہماری گرفت میں آیا ہوا تھا۔

وہ اپنے زخموں میں نمک اور مرچوں کی جلن سے سخت بے چین تھا مگر اس کی گفتگو کے تسلسل سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس کی ساری چیخ و پکار محض نفسیاتی تھی۔ ذہنی طور پر مایوسی اور بے بسی کا شکار ہونے کے بعد اس نے غل غپاڑے کا سہارا لیا ہوا تھا ورنہ وہ جلن اس کی برداشت سے باہر نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر تک سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔ اس کے لیے اپنے جھوٹ کا بھرم رکھنا بھی ضروری تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے چونک کر کہا "یاد آگیا" اس کے ساتھ اس نے نمبر دہرا دیا جو اول خان نے اسی وقت جیب سے ایک کاغذ نکال کر نوٹ کر لیا۔

"ہاں، تو تم نے اس فون نمبر پر اس سے رابطہ کیا۔ پھر کیا ہوا؟" میں نے اسے خاموش پا کر ٹوکا۔

"ہمیں فوری طور پر کراچی میں اپنا سر چھپانے کے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا درکار تھا تاکہ ہم وہاں سے اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ اس نے ہمیں ارجن کمار سے ملنے کی ہدایت کی۔ وہ اپنے ہوٹل میں مختارِ کل تھا۔ اس نے کسی قسم کی دستاویزی شناخت کے بغیر ہمیں ہوٹل میں کمرے مہیا کر دیے" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"بولتے رہو، درمیان میں رکنے کی ضرورت نہیں" ویرا غرائی "ساری ہدایات تمہیں کوبرا ہی دیتا رہا ہو گا۔"

"ہمیں کسی سے ہدایات لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اپنا ایک مشن لے کر آئے تھے۔ ہمیں ڈینی کو مار کر واپس لوٹ جانا تھا۔ ہم کسی سے براہِ راست رابطے میں نہیں تھے۔ یہاں کے حالات را والوں کے لیے بہت مخدوش تھے۔ ہمیں

... سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہم روزانہ کوبرا کو اپنی رپورٹ دیتے تھے جو وہ اپنے رابطوں کے ذریعے دہلی پہنچا دیتا ہوگا۔"

"اپنے مشن کے بارے میں تم نے کیا' کیا۔ ڈینی کو خراش تک نہیں آئی مگر میرا بازو زخمی ہوگیا" اول خان نے پوچھا۔

"ڈینی زیرِ زمین تھا۔ تم اور جہانگیر ہمارے سامنے تھے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ڈینی تک رسائی ممکن تھی" اس نے دھیمی آواز میں کہا "دورانِ سفر سیتا نے فائر کرکے تمہیں دانستہ زخمی کیا تھا۔ یوں گلشن کا ایک گھر ہماری نظروں میں آگیا۔ ہم نے دو لڑکیوں کو الگ الگ اس گھر میں اور جہانگیر کے فلیٹ پر بھیجا لیکن وہ دونوں ناکام لوٹیں۔"

وہ بالکل وہی سب بتا رہا تھا جو پہلے ہی ہمارے ذہنوں میں آچکا تھا۔ مجھے یہ جان کر سکون ہوا تھا کہ اس نے سرویر لڑکیوں کو ناکام قرار دیا تھا۔ یقینی طور پر سیتا کی بھی وہی رائے رہی ہوگی۔ ہمارے گھر آنے والی ناتجربہ کار اور ضرورت مند لڑکی نے ویرا کے رنگ اور خدوخال کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ صبح کے اخبارات میں ہمارے بارے میں اشتہار شائع ہونے کے بعد سیتا امریکیوں کو ہمارے گھر کی طرف متوجہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ ایک بہت بڑا اور سنگین خطرہ تھا جو سر سے ٹلتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"لڑکیوں کی ناکامی کے بعد کوبرا نے تمہیں کیا مشورہ دیا تھا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"چھپے ہوئے دشمن سے ہر ایک خوف زدہ رہتا ہے۔ کوبرا بھی پریشان تھا۔ صرف میں تمہیں پہچانتا تھا کیونکہ میں نے دہلی میں تمہیں مظہر خان کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ کوبرا اور سیتا کے لیے تم صرف ایک نام تھے۔ اس کی رائے تھی کہ اول خان کو اٹھا لیا جائے اور اس کے ذریعے تم تک پہنچنے کے بعد خاموشی سے اسے ماردیا جائے" گوپال نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ وہ سب اگلنے سے پہلے اس نے مجھ سے اپنی زندگی کے بارے میں کوئی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہوگا' ہر حال میں وہی کریں گے۔ ضرورت کے تحت استعمال کیے گئے کھوکھلے الفاظ کسی بھی طرح اس کی زندگی کی ضمانت نہیں بن سکتے تھے۔ صاف اور سیدھی باتیں کرکے وہ اپنی رہی سہی زندگی کو دردناک بننے سے بچا سکتا تھا۔

کوبرا کا ارادہ بہت بھیانک تھا۔ میں نے پوچھا "وہ تم سے ہوٹل کے کس کمرے میں ملتا تھا؟"

"اس سوال کا بلکہ سارے سوالوں کے جواب تمہیں سیتا سے بھی مل چکے ہوں گے پھر تم مجھے اتنا کیوں کرید رہے ہو؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

"تمہاری سچائی پرکھنے کے لیے تم دونوں کے جوابوں کا موازنہ ضروری ہے" میں نے کہا "وہ جرح سے گزر چکی۔ اب تمہاری باری ہے۔"

"ہر بار نیا کمرا ہوتا تھا۔ وہ ملاقات سے پندرہ منٹ پہلے ہوٹل کے انٹرکام پر مجھے اپنے کمرے کا نمبر بتاتا تھا" گوپال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

سوبھراج بہت چالاک تھا۔ وہ حشمت کے نام سے ہوٹل کے جس کمرے میں ٹھہرتا تھا اسی میں کوبرا بن کر گوپال سے ملتا تو اسے لامحالہ یہ معلوم ہوجاتا کہ حشمت ہی کوبرا ہے۔ وہ ارجن کا قریبی دوست تھا اس لیے کوبرا بن کر تھوڑی دیر کے لیے ہوٹل کا کوئی بھی خالی کمرا استعمال کرلیتا ہوگا۔ یہ راز اس کے اور ارجن کے درمیان رہتا تھا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا ہوگا کہ سوبھراج ہوٹل میں کیا کھیل کھیل رہا تھا۔

"کوبرا کے علاوہ کراچی میں تمہارے اور کن لوگوں سے رابطے تھے؟" میں نے ایک نئی سمت میں پیش قدمی کی نیت سے پوچھا۔

"میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہم کسی اور سے رابطے میں نہیں تھے" اس نے جھلا کر جواب دیا "ہمیں اپنے ہر آدمی سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کوبرا جیسے کسی سہارے کے لیے ہم مجبور تھے۔ اس کے بغیر ہمیں کوئی ٹھکانا نہیں مل سکتا تھا۔"

"لیکن سیتا ہوٹل میں لڑکوں کے ساتھ تفریح کرتی رہتی تھی" میں نے محتاط الفاظ میں کہا۔

"لڑکوں کے ساتھ نہیں' اس نے صرف ایک لڑکے سے وقت گزاری کے لیے دوستی کی تھی۔ اس بارے میں وہی تم کو جواب دے گی۔"

"بار بار اس کا ذکر مت کرو" میں نے بے اعتنائی سے اسے ڈانٹ دیا "جو سوال تم سے کیا گیا ہے' اس کا جواب دو' وہ لڑکا کون ہے؟"

"گلاب خان نامی کسی ٹرانسپورٹر کا بیٹا ہے۔ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے" اس نے کہا "یہ باتیں سیتا نے مجھے بتائی تھیں۔ وہ عمر میں سیتا سے چھوٹا ہے اور بہت سنجیدگی سے اسے اپنانا چاہتا ہے۔" سیتا دل کھول کر اس سے کھیل رہی تھی۔

اس شام کا واقعہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ سرور نے سیتا کو ہوٹل کے کیفے میں شاید اسی لڑکے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے لیے اس بارے میں گوپال کا جواب کافی تھا۔ مزید کریدنے کی صورت میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

مجھے خاموش پاکر ویرا کو بولنے کا موقع مل گیا "یہ سب باتیں ہوگئیں۔ اب ذرا میری بھی ایک الجھن دور کردو۔ تم جہانگیر کے گھر کیسے پہنچ گئے؟"

اس نے ٹکٹکی باندھ کر ویرا کو گھورا پھر بولا "مجھے تم دونوں سے عداوت ہے مگر میں پھر بھی تمہارے سوالوں کے جواب دینے پر مجبور ہوں۔ جہانگیر روپوش نہیں ہے۔ کھلی زندگی گزارتا ہے۔ دواؤں کی دکان چلا رہا تھا۔ ذرا سی محنت سے اس کا پتا مل گیا۔ میں نے تمہاری الجھن دور کردی اب تم بھی میری سب سے بڑی الجھن دور کردو۔ مجھے یہ بتادو کہ مجھے کب تک زندہ رکھا جائے گا؟"

"کیا تم اپنی زندگی سے اتنے ناامید ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"جب ڈینی نے میرے ہوٹل کے کمرے میں مجھے زیر کیا تھا' میں نے اسی لمحے اپنی زندگی کی ہر آس توڑدی تھی۔ پتا نہیں میں اب تک کیسے زندہ ہوں؟"

"زندگی سے اتنے مایوس ہو تو یہ سب باتیں کیوں بتارہے ہو؟" اول خان کے اس بے تکے سوال پر میں غصے سے بل کھاکر رہ گیا۔

"تم لوگ بہت ظالم اور سفاک ہو۔ میں اپنی زندگی کے آخری دنوں یا گھنٹوں کو دردناک نہیں بنانا چاہتا۔ جب سیتا نے سب کچھ تمہیں بتا ہی دیا ہے تو میں کیوں اکیلا پستا رہوں۔ میں سارے بھارت کا ٹھیکے دار تو نہیں ہوں" اس کی آواز میں ایک ہولناک لاتعلقی اتر آئی تھی۔

گوپال کا جواب سن کر میرا غصہ زائل ہوگیا۔ موت کو سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی ذات میں سمٹنا شروع کردیا تھا۔ کسی براہِ راست سوال کے بغیر وہ اپنے خول سے باہر آکر اس ذہنی کیفیت کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔

"اس کے زخموں کو دھوکر اچھی طرح صاف کردو اور کھانا بھی دے دو" میں نے ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو ہدایت دی۔

میں واپسی کے لیے مڑا اور پھر پلٹ پڑا۔ واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوئے تھے کہ بہت سی باتیں میں ذہن میں دھندلا گئی تھیں۔ میں نے گوپال کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا "آج شام تم نے صدر کے علاقے کے ایک پیشاب خانے میں کس کی ہدایت پر بم رکھا تھا؟"

"یہاں دہشت پھیلانے کے لیے وہ میرا اپنا خیال تھا جس کی کوبرا نے تائید کی تھی۔"

"سیتا اس پروگرام سے بے خبر کیوں تھی؟" میں نے اسے سلگانے کے لیے سوال کیا۔

"وہ جھوٹی ہے۔ اپنی کھال بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے" وہ غصے سے تقریباً چیخ پڑا "اسے ایک ایک بات کا پورا علم ہے۔"

"اسے اس جھوٹ کا خمیازہ بھگتنا ہوگا" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہوٹل کے پبلک فون بوتھ سے ساڑھے چھ بجے کسے فون کیا تھا؟"

"وہ طے شدہ فون کال تھی۔ اس وقت مجھے کوبرا سے بات کرنی تھی" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"اس گفتگو کا موضوع کیا تھا؟" میں نے زور دے کر سوال کیا۔

"میرا رکھا ہوا ٹائم بم پانچ بجے پھٹنا تھا۔ ساڑھے چھ بجے مجھے کوبرا سے اس کے نتیجے کی اطلاع ملنی تھی۔ اس نے بتایا کہ مقررہ جگہ پر کوئی دھماکا نہیں ہوا۔ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا کہ کوئی ہمارے پیچھے لگ چکا ہے۔ جس نے بروقت بم کو ناکارہ بنادیا ہوگا" اپنے تحفظ کے لیے وہ ہر بات بلا تکان اُگلے جارہا تھا۔

"اس ناکامی پر کوبرا برہم ہوا ہوگا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "وہ مایوس ضرور ہوا تھا' اسے مجھ پر برہم ہونے کا حق نہیں تھا۔"

وہ مسلسل اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس کے لیے کوبرا پیچ کا ایک آدمی تھا جو ان دونوں اور دہلی کے درمیان رابطے کا کام انجام دے رہا تھا۔ اسے کراچی آئے ہوئے بلیک کیٹس پر کسی قسم کی کوئی بالادستی حاصل نہیں تھی۔ وہ دونوں پوری رازداری کے ساتھ کراچی آئے تھے اور اپنا مشن پورا کرکے دہلی لوٹ جانے والے تھے جبکہ حقائق اس کے بالکل برعکس تھے۔

کوبرا کے نک سے اتنے گہرے مراسم تھے کہ وہی نک کی فیلڈ فورس کا نگراں تھا اور نک مجھے کرنل داور کے روپ میں ایس ٹی ایف سے توڑ کر اسی کی تحویل میں دینا چاہ رہا تھا۔ کوبرا نے نک کو بلیک کیٹس کی آمد اور پروگرام سے اس حد تک باخبر رکھا ہوا تھا کہ نک نے انہیں ڈینی کے لہو کے ایسے

یاسوں کا خطاب دیا تھا جو اپنے حریف کو سنبھلنے کی مہلت
یے بغیر اس پر مہلک وار کرتے ہیں اور اس کا کام تمام کرکے
نزی سے غائب ہو جاتے ہیں۔

جب میں نے نک کو یہ بتایا کہ بلیک کیٹس وہاں نہیں
تے جہاں ان کو رکھا گیا تھا اور ڈیبی اپنے لہو کے پیاسوں کو
اموشی سے لے اڑا تھا تو نک حواس باختہ ہو کر یہ تک بھول
یا تھا کہ وہ کرنل داور سے کس موڈ اور انداز میں باتیں کرتا
ہا تھا۔ اس کی وہ بدحواسی بلیک کیٹس کے مشن سے اس کی
گہری جذباتی وابستگی کی غماز تھی جسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا
لیکن میں نے اس مرحلے پر وہ باتیں گوپال کے علم میں
لانا مناسب نہیں سمجھا۔

صدف مینشن کی طرح اسٹیشن فور کا ماحول بہت زیادہ
ہولناک اور اعصاب شکن نہیں تھا لیکن میرا تجربہ بتاتا تھا کہ
وہاں آنے والوں کے بہت جلد چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ ماضی
قریب میں وہاں آنے والوں میں سے کوئی بھی زیادہ دیر تک
ہمارے تشدد اور نفسیاتی حربوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکا تھا۔
یہی حال گوپال کا بھی ہوا تھا۔

ابتدا میں وہ بہت ڈھیٹ، سخت جان اور ضدی نظر آیا تھا
لیکن اپنی زبان اور حلق کی ساری قوتیں آزادانہ طور پر
استعمال کرکے اس نے سمجھ لیا کہ اس بند کوٹھڑی کے بے
تم در و دیوار کے باہر اس کی صدائے درد کوئی نہیں سنے گا
جب اس نے یہ سنا کہ سیتا کانت نے پکڑے جانے کے بعد
سب کچھ اگل دیا ہے تو وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ میں
نے سیتا کے حوالے سے اسے چند ایسی کلیدی باتیں بتائیں جو
ہمارے اندازوں اور مشاہدوں کا نتیجہ تھیں۔ سیتا ہمیں ایک
لفظ بھی بتائے بغیر، ایس ٹی ایف کی قید سے فرار ہو چکی تھی
لیکن اس کا نام استعمال کرنے کا مثبت نتیجہ ہمارے سامنے
تھا۔ گوپال راج یکایک بولنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور مسلسل
بولے جا رہا تھا۔

اسے تشدد سے زیادہ سیتا کے مفروضہ انحراف نے دل
شکستہ کیا تھا۔

"اب غور سے میری بات سنو اور پوری ایمان داری
سے بتاؤ کہ اگر تم کو یہاں سے نجات مل جائے تو تم کہاں جاؤ
گے۔" میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور طنز سے سوال
کیا "اب تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔ کیا یہاں سے نجات ملنی
ممکن ہے!" اس کا مجروح اور متورم چہرہ حیرت سے مزید بگڑ گیا
تھا۔

"تم فرار ہو سکتے ہو۔ تم نے تعاون کیا ہے۔ میں تم کو رہا
بھی کر سکتا ہوں۔"

اس نے زہریلے انداز میں ہنس کر میری بات اڑا دی
"تم اور مجھے رہا کر سکتے ہو! ڈیبی! یہ باتیں مجھے نہ سناؤ۔ میں
تمہاری حرکتوں اور شعبدوں کے بہت چرچے سن چکا ہوں۔"

"چلو، ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے بحث میں پڑنے کے
بجائے بات سمیٹی "بالفرض محال ہو ہی جائے تو تم کہاں جاؤ
گے۔"

"میرے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا ہوتا تو وہاں قدم جما کر
دوبارہ تمہاری تلاش شروع کر دیتا مگر ایسا نہیں ہے۔ کوبرا پر
مجھے بھروسا نہیں ہے۔ سارا بگاڑ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس
کی کسی غلطی سے ارجن مارا گیا اور وہیں سے ہماری بازی
بگڑتی چلی گئی۔ اس سے دوبارہ رجوع کرنے کے بجائے میں
خاموشی سے سرحد پار نکلنے کو ترجیح دوں گا۔"

"اور یہی صورت سیتا کے ساتھ پیش آئے تو کیا ہوگا؟"
میں نے اگلا سوال کیا۔

"تم نے اس سے یہ سوال پوچھا تھا؟" گوپال نے اپنی
نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"نہیں!" میں نے پوری ایمان داری سے اپنا سر ہلا دیا
"یہ خیال مجھے ابھی آیا ہے۔"

"وہ رنگین مزاج ہے۔" گوپال نے تلخی سے کہا "اسے
خوب صورت لڑکی ہونے کے سارے فائدے حاصل ہیں۔
وہ سیدھی اپنے عاشق کے پاس جائے گی اور کچھ روز تک اس
جوان لڑکے کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے بعد وہ تمہیں
مارنے کی کوشش کرے گی یا سرحد پار نکل جائے گی۔"

"تو کیا وہ بھی کوبرا سے رجوع نہیں کرے گی؟" میں نے
حیرت سے پوچھا۔

"وہ شاید اسے فون کر لے لیکن اس کے کسی مشورے پر
اعتبار نہیں کرے گی۔ کوبرا کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا
ہے وہی سیتا کی بھی رائے تھی۔ ارجن کے مارے جانے کے
بعد وہ ہم سے نہیں ملا۔ ان دونوں میں گہرا تعلق تھا۔ ارجن
کی موت نے مجھے اور سیتا کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔"
گوپال نے بتایا۔

"شکریہ گوپال!" میں نے نرمی سے کہا "تم قیدی ضرور
ہو مگر مراعات یافتہ۔ تمہیں کسی دوسرے کمرے میں بستر کے
ساتھ سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔"

ہم تینوں اس کے تنگ سیل سے باہر نکل آئے۔

"کمال ہو گیا۔" سیل سے کچھ دور نکل آنے کے بعد

ویرا نے مسرت آمیز حیرت سے کہا "مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر کھل کر بولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"وہ کھل کر بولنے یا خاموش رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی نے اس کے ذہن میں یہ خوف بٹھا دیا تھا کہ سیتا اپنی زبان کھول چکی ہے۔ اسے خوف لاحق ہو گیا تھا کہ وہ کہیں بھی جھوٹ بولا تو سیتا کے بیان کی روشنی میں ہم اس کا جھوٹ پکڑلیں گے اور وہ دوبارہ تشدد کا شکار ہو جائے گا۔" اول خان نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سرور اور اس کے آدمی کیا کر رہے ہیں۔" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"ریلوے اسٹیشن کے آس پاس واقع' سستے رہائشی ہوٹلوں میں سیتا کو تلاش کر رہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"کسی کو بلکہ سرور کو ہی گلاب خان ٹرانسپورٹر کی تلاش پر مامور کر دو۔ گوپال نے اس کے لڑکے کی صحیح نشان دہی کی ہے۔ سرور نے سیتا کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ وہ وہاں ہوئی تو سرور اسے آسانی سے پہچان لے گا۔"

"وہ وہاں کیسے جا سکتی ہے۔ وہ جس حالت میں بھاگی ہے' اسے راستے ہی سے کسی نے اچک لیا ہو گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"وہ کوئی عام عورت نہیں' بلیک کیٹ ہے۔ اپنے بدن کی رشوت دے کر اس نے اپنے ہمدرد کو گھن چکر بنایا ہو گا اور پھر اپنی راہ ہولی ہو گی۔" میں نے زور دے کر کہا "گوپال نے اس کے بارے میں بالکل صحیح اور بے ساختہ نشان دہی کی ہے۔ اس وقت وہ وہیں روپوش ہو سکتی ہے۔"

گوپال سے ہونے والی پوری گفتگو بہت اہم رہی تھی۔ اس نے سیتا کے ممکنہ ٹھکانے کی نشان دہی کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ سیتا ہمارے بارے میں امریکیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ ہمیں دونوں بلیک کیٹس کے نام اور کوڈ معلوم ہو گئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہمیں سوبھراج یا کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر مل گیا تھا جس کے لیے اول خان بھی پریشان تھا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ مجھے شدت سے بستر کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ یہی حال ویرا کا بھی تھا۔ تکان کی وجہ سے ہم تینوں میں سے کوئی بھی مزید ذہنی یا جسمانی مشقت برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہم صرف اتنی دیر کے لیے اول خان کے دفتر میں رکے کہ وہ اپنے ریڈیو روم کے عملے کے ذریعے سرور کو تلاش کر سکے۔ ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتری ٹیلی فون پر سرور کی کال آگئی۔ اسے اس وقت تک سیتا کی تلاش کی مہم میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

اول خان نے اسے گلاب خان ٹرانسپورٹر کے بیٹے کی تلاش کے بارے میں مختصر مگر جامع ہدایات دیں پھر ہم واپسی کے لیے اٹھ گئے۔

○☆○

وہ بہت بڑا گھر نہیں تھا لیکن مناسب رقبے پر بہت قرینے سے بنایا گیا تھا اور باہر سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس گھر کے مکین اپنے ذوق کی تسکین کے لیے وافر وسائل کے مالک تھے اور اپنے ان وسائل کو استعمال کرنے کا سلیقہ بھی جانتے تھے۔

میں نے کنکریٹ کے ستون پر لگا ہوا' گھنٹی کا بٹن دبایا تو لمحہ بھر بعد ہی سیاہ آہنی پھاٹک کا دروازہ کھول کر ملیشیا کی قمیص شلوار میں ملبوس ایک روایتی پٹھان بر آمد ہوا "آپ لوگ کو کس سے ملنا ہے۔" اس کے منہ سے قواعد سے آزاد مگر صاف ستھری اردو سن کر مجھے خوشی ہوئی۔

"ہمیں سربلند خان سے ملنا ہے۔" سلطان شاہ نے بہت نرم آواز میں کہا۔

اچانک اندر سے ایک درشت مردانہ آواز ابھری۔ الفاظ میرے لیے نامانوس تھے مگر وہ گلاب خان ٹرانسپورٹر کا گھر تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اندر سے پشتو میں سوال کیا گیا تھا۔ ہمارا مخاطب اس آواز پر پلٹ کر پشتو ہی میں کچھ بولا۔ اس کے کہے ہوئے فقرے میں صرف سربلند خان کا نام میرے پلے پڑ سکا۔

سلطان شاہ ان مکالموں کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اپنے مخاطب کی بات پوری ہوتے ہی وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔ "برادر خان! ہم چھوٹے خان کے دشمن نہیں' دوست ہیں اور اس سے ذرا سی دیر کے لیے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"

اندر کے پختہ فرش پر قدموں کی وزنی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ چند ثانیوں بعد ایک دراز قامت' سرخ و سفید اور پرشکوہ شخص ہمارے سامنے آگیا جس کی کنپٹیوں کے بالوں میں عمر اور تجربے کی سفیدی جھلکنی شروع ہو گئی تھی۔ ملیشیا کے کپڑوں والے نے جس ادب و احترام سے اس کے لیے جگہ چھوڑی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نوادرد ہی صاحب خانہ یعنی گلاب خان ہو سکتا تھا۔

اس نے آتے ہی اونچی آواز میں السلام علیکم کہہ کر اپنا داہنا ہاتھ مصافحے کے لیے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے وعلیکم السلام کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی ہتھیلیاں بہت زیادہ بھری ہوئی اور نرم تھیں مگر اس کے ہاتھ کی گرفت

میں مجھے اپنے ہاتھ کی ہڈیاں چٹختی سی محسوس ہوئیں۔ اس کے ہونٹوں پر تیکھی سی دوستانہ مسکراہٹ تھی مگر اس کی عقابی آنکھیں بہت غور سے میرا سر سے پیر تک جائزہ لے رہی تھیں۔ شاید وہ اپنے گہرے مشاہدے سے سلطان شاہ کے دوستی کے دعوے کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

مجھ سے گرمجوش مصافحے کے بعد وہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پرتپاک انداز میں پشتو کے کچھ رسمی فقرے ادا کیے جن میں سنگا حال' تکڑے' جوڑے' ماشے جیسے مانوس الفاظ بھی شامل تھے۔ "میں گلاب خان ہوں۔" نووارد نے اپنا تعارف کرایا۔

اوئے بچہ!" تعارف کراتے ہی گلاب نے وہیں کھڑے کھڑے' پلٹ کر اونچی آواز میں کسی کو پکارا "دیکھ' تیرا دو مہمان لوگ آیا ہے۔"

اس نے سلطان شاہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ اسے تھامے تھامے ذیلی دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ میں نے بھی خاموشی سے ان دونوں کی تقلید کی۔ گلاب خان کا وہ استقبالیہ انداز میری توقعات سے بہت زیادہ خوش گوار ثابت ہو رہا تھا۔

مکان کے پورچ کی گہرائی زیادہ نہیں تھی لیکن وہ کافی بڑا تھا۔ وہاں دو پجارو کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک تین دروازوں والی تھی۔ دوسری پانچ دروازوں والی بڑی گاڑی تھی۔

مختصر سے برآمدے سے گزر کر ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اس کی تزئین دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ وہاں مغربی طرز کی کوئی چیز نام کو نہیں تھی۔ پورے کمرے کے سائز کا خوب صورت اصفہانی قالین فرش پر بچھا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دبیز اور بیش قیمت قالین آرڈر دے کر کمرے کے سائز کے مطابق بنوایا گیا تھا۔ قالین پر پردے کے ساتھ جا بہ جا مخمل کے گاؤ تکیے اور کشن رکھے ہوئے تھے۔ گلاب خان نے اندر جانے سے پہلے اپنی چپلیں باہر اتار دیں اور تپاک سے ہمیں اندر مدعو کیا۔ ہم دونوں بھی جوتے اتار کر اس مشرقی ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ ملیشیا کے کپڑوں میں ملبوس شخص شاید اس گھر کا ملازم تھا۔ وہ باہر ہی رک گیا۔

گلاب خان کی آواز اتنی گرج دار تھی کہ پورے گھر میں سنائی گئی تھی۔ ہم ڈرائنگ روم میں پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اندرونی دروازے سے ایک جواں سال اور تنومند لڑکا مودبانہ انداز میں نمودار ہوا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اونچی آواز میں اور روایتی انداز میں سلام کیا تھا۔

"دیکھ بچہ تیرے دوست آئے ہیں۔" گلاب خان نے غیر ضروری طور پر آگاہ کیا اور پھر سربلند خان کے چہرے پر اجنبیت کے آثار دیکھ کر چونک پڑا۔ لمحہ بھر بعد اس کے ہونٹوں سے پر تشویش اور دھیمی آواز برآمد ہوئی تھی "یہ کیسے دوست ہیں کہ تو انہیں نہیں پہچانتا۔"

"ہاں بابا' میں ان دونوں کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملانے کے بعد پوچھا "کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

گلاب خان اس صورت حال سے بھڑکا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں اپنے ڈھیلوں میں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

"دوستی کا تعلق جان پہچان سے نہیں ہوتا۔" میں نے ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دوستی رویے کا نام ہوتا ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہیں نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ تخلئے میں تم سے کچھ باتیں کرنے آئے ہیں۔" گلاب خان کی گھن گرج سن لینے کے بعد میری یہ امید دم توڑ گئی تھی کہ اس کے بیٹے نے اس ماحول میں سیتا کو پناہ دینے کی ہمت کی ہو۔

"میں تخلیہ مخلیہ کچھ نہیں جانتا۔" گلاب خان بگڑ گیا "میرے بچے سے جو بات کرنی ہے' میرے سامنے کرو۔"

"خانا! تم سمجھ دار آدمی ہو۔" سلطان شاہ نے اسے سمجھانا چاہا "مرد بچے جب بڑے ہوجاتے ہیں تو ان کی ساری باتیں ماں باپ کے علم میں نہیں رہتیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بڑوں کو شریک نہیں کرتے۔ ہمیں سربلند سے بہت مختصر سی بات کرنی ہے۔"

خان نے گھور کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس نے سعادت مندی سے اپنا سر جھکا لیا اور کمزور آواز میں بولا "بابا! مجھے پتا نہیں کہ یہ دونوں کون ہیں' کہاں سے آئے ہیں اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ میں نے کہیں کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

"تم کون ہو؟" اپنے بیٹے کی وضاحت سن کر خان ہماری طرف متوجہ ہوگیا "پولیس والے یا سی آئی ڈی والے!"

"میرا نام ارشد ہے' یہ احمد ہے۔" میں نے فرضی ناموں سے اپنا اور سلطان شاہ کا تعارف کرایا "ہمارا پولیس' سی آئی ڈی یا کسی اور سرکاری محکمے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک فلاحی ادارے کے کارکن ہیں۔ ایک نیم پاگل لڑکی کی

تلاش میں ہیں جو کل رات ہمارے اسپتال سے نکل کر کہیں بھاگ گئی ہے۔"

"تم کو خدا سمجھے۔" گلاب خان بے ساختہ بولا "میرا بچہ بہت شریف..... اور متقی ہے۔ پاگل لڑکی سے اس کا کیا واسطہ۔ تم بلاوجہ یہاں اپنا وقت برباد کررہے ہو۔ یہ بات تم نے مجھے پہلے ہی بتادی ہوتی تو میں تمہیں اندر بھی نہ بلاتا۔ باہر سے جواب دے کر رخصت کردیتا۔"

گلاب خان کی توجہ میری طرف مرکوز تھی۔ میں سربلند کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنے باپ کا تیکھا جواب سن کر اس کے چہرے پر فکر اور تشویش کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔ اس کی ناتجربے کاری کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں قطعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور تھا۔ لڑکی کے ذکر پر سربلند پریشان ہوگیا تھا۔

"تم ناراض ہورہے ہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔" میں نے کھلے دل کے ساتھ کہا "معاملہ ایک جوان اور دیوانی لڑکی کا ہے۔ سونیا بھی کسی گھر کی عزت و آبرو ہے۔ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ گئی تو اس کی زندگی تباہ ہوجائے گی اور اس کے گھر والے صدمے سے رو رو کر مرجائیں گے۔"

میں نے جان بوجھ کر سونیا کا نام لیا تھا۔ وہ ہوٹل میں اسی نام سے ٹھہری ہوئی تھی۔ اس نے سربلند سے اپنا تعارف اسی حیثیت سے کرایا ہوگا۔ نام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اچانک سربلند کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ گھبرائی ہوئی آواز میں جلدی سے بولا "بابا! ان بے چاروں پر بلاوجہ غصہ مت کرو۔ تم اندر جاکر آرام کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیا چاہتے ہیں۔" باپ بلکہ سخت گیر اور تند خو باپ کے سامنے بھانڈا پھوٹنے کے خوف نے سربلند کو بروقت لب کشائی پر مجبور کردیا تھا۔

"بچے! تو تو خاندان کی لڑکیوں سے شرماتا اور گھبراتا ہے۔ اس پاگل لڑکی سے تیرا کیا واسطہ!" باپ کو اپنے بیٹے کی معصومیت کا پورا یقین تھا۔

"بابا! وہ بے چاری یتیم اور لاوارث ہے۔" سربلند کے جوان ذہن نے بہت تیزی سے اپنی مدافعت میں کام کرنا شروع کیا تھا "رشتہ داروں نے اسے پاگل کہہ کر اسپتال میں پھینک دیا۔ دو تین دن پہلے میں نے اس غریب کو دیکھا تھا۔ یہ دونوں اس کے ہمدرد معلوم ہوتے ہیں۔"

ہمارا تیر نشانے پر لگا تھا۔ سربلند یقینی طور پر اس چکر میں ملوث تھا اور سونیا کا نام کھل جانے کے بعد اپنے باپ کو جلد از جلد اس معاملے سے الگ کردینے کا خواہاں تھا۔

سرور صرف دو گھنٹے پہلے گلاب خان کے گھر کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ ٹرانسپورٹر ضرور تھا لیکن شہر میں زیادہ مشہور نہیں تھا۔ اس کے چار ٹینکر سالانہ ٹھیکے پر تیل کی ایک بڑی غیر ملکی کمپنی کے لیے کام کرتے تھے اور کراچی سے ملک کے بالائی علاقوں کے لیے تیل اور پیٹرول وغیرہ لے جایا کرتے تھے۔ سرور یہ سراغ لگانے میں یکسر ناکام رہا تھا کہ سیتا کہاں تھی لیکن اس کے بارے میں گوپال کے کہے ہوئے بے ساختہ الفاظ میرے ذہن میں محفوظ تھے۔ میں نے اپنی ہر مصروفیت کو پس پشت ڈال کر سربلند سے ملنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

وہ مشرقی اقدار کا پابند' ایک خوش اخلاق پٹھان گھرانا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں وہاں کسی تلخی اور بدمزگی کا سامنا کیے بغیر سیتا عرف سونیا کے بارے میں کوئی ذکر نکال سکوں گا۔ میں اس بارے میں پہلے سے کچھ طے نہیں کرسکا تھا۔ گلاب خان سے سامنا ہونے کے بعد جو کچھ میرے ذہن میں آیا' میں برجستہ بولتا چلا گیا۔ سربلند اپنے باپ سے ڈرتا تھا۔ میری زبان سے سونیا کا نام سنتے ہی اسے یہ خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں میں اس کی اور سونیا کی بڑھتی ہوئی پینگوں کے بارے میں بڑے خان کے سامنے کوئی غیر ذمہ دارانہ بات نہ کہہ بیٹھوں۔ وہ اپنی ناتجربے کاری کی بنا پر یہ سمجھنے میں ناکام رہا تھا کہ میں بہت نپے تلے انداز میں اپنے کارڈز کھیل رہا تھا۔ اسے ہم دونوں کی اداکاری پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا اور اس نے گفتگو کی ذمے داری خود سنبھال کر اپنے باپ کو الگ تھلگ کرنے کی کوششیں شروع کردی تھیں تاکہ علیحدگی میں ہم سے کھل کر سونیا کے بارے میں بات کرسکے اور یہی ہماری خواہش تھی۔

"تجھے اس سے ہمدردی جتانے کی کیا ضرورت تھی۔" گلاب خان نے غصیلے لہجے میں کہا "کیسی ناموسی کی بات ہے کہ ایک پاگل لڑکی کے چکر میں دو اجنبی ہمارے گھر آئے بیٹھے ہیں اور تجھ سے پوچھ گچھ کرنا چاہ رہے ہیں۔ خاندان میں جو سنے گا' وہ میرے منہ پر تھوکے گا کہ اب گلاب خان کا بیٹا پاگل لڑکیوں کے پیچھے دیوانہ ہورہا ہے۔ سچ سچ بتا' تو مرد بچہ ہے۔ نادانی میں تو نے اس کے ساتھ منہ کالا تو نہیں کیا تھا۔"

سربلند نے مجروح اور شکایتی نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور دکھی آواز میں کہا "بابا! کیا تم اپنے بیٹے کو ایسا گیا گزرا سمجھتے ہو!"

"مجھے باتوں کا چکر نہ دے۔ ہاں یا نہ میں صاف صاف بتا کہ کیا ہوا تھا۔ چڑھتا ہوا خون تم لوگوں کو اندھا کردیتا ہے اور تم جوان لڑکے اپنے حسب نسب کا احساس کیے بغیر کسی

نکلے کی آوارہ لڑکی کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتے ہو‘ میں ایسے برے وقت سے بہت ڈرتا ہوں سربلند خان!"

اس نے اپنا سر جھکا لیا "میں قسم کھاتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں تمہارے نام کو کبھی نیچا نہیں ہونے دوں گا۔"

گلاب خان اپنی جگہ سے اٹھا اور بیٹے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر بدلے ہوئے نرم لہجے میں بولا "شاباش! مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں رہی۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ تو اپنے ان مہمانوں کی بات سن لے۔"

اسی لمحے ایک لڑکا بڑی سی ٹرے میں شربت کا جگ‘ کئی گلاس‘ پھل اور دیگر لوازم لے کر آگیا۔ گھر آنے والے دوست یا دشمن کی تمیز کیے بغیر‘ اس کی تواضع کرنا شاید اس گھرانے کی روایت تھی۔ اس کے لیے ان دونوں میں سے کسی کو کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اندر والوں کو معلوم تھا کہ کوئی ان کے گھر آیا تھا۔ اس کی میزبانی کرنا ان کا فرض تھا۔

باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی مختصر مگر چشم کشا گفتگو کے دوران میں ہم دونوں بالکل خاموش رہے تھے۔ سربلند پر اپنے باپ کے غیر معمولی دباؤ کی ایک نئی جہت سامنے لے آئی تھی۔ جسے میں تخلئے میں بلیک میلنگ کے لیے بھی استعمال کر سکتا تھا۔ اگر گلاب خان کو یہ علم ہو جاتا کہ سونیا کا ذہنی توازن درست تھا‘ وہ خوب صورت اور جوان تھی اور سربلند اس کے عشق میں پاگل ہوا جا رہا تھا تو وہ بلا تردد اپنے بیٹے کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتا۔

گلاب خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ سربلند ہمارے لیے گلاسوں میں شربت انڈیلنے لگا۔

"تمہارے باپ بہت تند خو پٹھان ہیں۔ انہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

سربلند کی توجہ جگ اور گلاس پر مرکوز تھی۔ میں نے آنکھ مار کر سلطان شاہ کو خاموش کر دیا۔

"وہ بہت نرم اور مہربان باپ ہیں۔" سربلند دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا "مگر میری غلطی پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے۔ آج بھی وہ میرا ہاتھ پکڑ لیں تو میرے لیے اسے چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ طاقت ور آدمیوں کو شاید زیادہ غصہ آتا ہے۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سربلند سے پوچھا۔

اس نے خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ شربت گلاس میں جانے کے بجائے ٹرے میں گر گیا۔ میرے براہِ راست سوال سے اسے صرف ذہنی نہیں‘ جسمانی جھٹکا بھی لگا تھا جس میں اس کا ہاتھ کانپ گیا تھا۔ "یہ ــــ یہ سوال تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تم جواب نہیں دو گے تو پھر میں یہی بات تمہارے بابا سے پوچھوں گا۔" میں نے اسے دھمکی دی "انہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ سونیا پاگل ہے اور نہ یتیم و لاوارث!"

"آہستہ بولو۔" اس نے گھبرا کے کہا "تمہاری آواز اونچی ہے۔ تم کون ہو؟"

"میں بتا چکا کہ میں ارشد ہوں ــــ تمہارا خیر خواہ‘ وہ لڑکی بہت خطرناک ہے۔ تم نے اس کا ساتھ دیا تو وہ کہیں نہ کہیں بے دھڑک تم کو مروا دے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ رات کو تم ہی لوگوں نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سربلند کے اس تبصرے میں یہ اعتراف پنہاں تھا کہ سیتا نے اسٹیشن فور سے فرار ہونے کے بعد سربلند سے رابطہ کیا تھا اور اسے اپنی مظلومیت کی کوئی کہانی سنائی تھی۔

"وہ پہلے سے لٹی لٹائی اور بد چلن ہے۔ ہم شریف آدمی ہیں۔ پرائی عورتوں پر بری نظر ڈالنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اس سے تمہاری کب بات ہوئی تھی؟"

"وہ رات کو دو بجے آئی تھی۔ بتا رہی تھی کہ نشے میں بدمست‘ ایک بدمعاش کسی طرح اس کا کمرا کھول کر اندر گھس آیا تھا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے ــــ"

"تو کیا وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں تمہارے پاس آئی تھی؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس حالت میں وہ کمرے سے بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ بے چاری بہت شرمیلی ہے۔ اس نے ایک گل دان سر پر مار کر اس شرابی کو بے ہوش کیا اور کپڑے بدل کر ہوٹل سے بھاگ آئی۔" اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں سیتا کے لیے بہت زیادہ نرم گوشہ موجود تھا۔

بے ساختہ میرا دل چاہا کہ سربلند کو اس بے چاری شرمیلی کے بے لباس فرار کی کتھا سنا ڈالوں مگر وہ ایسی کسی حرکت کا موقع نہیں تھا۔ میری ذرا سی بے احتیاطی سے اس کے ساتھ بنتی ہوئی بات بگڑ سکتی تھی۔ سیتا ایس ٹی ایف کی قید سے فرار ہونے کے بعد اگر اس سے مل چکی تھی تو سربلند کو اس کے ٹھکانے کا علم بھی ہونا چاہیے تھا۔ وہی مجھے مطلوب تھا۔

وہ رات کے دو بجے مناسب کپڑوں میں سربلند کے پاس پہنچی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسٹیشن فورے سے نکل بھاگنے کے بعد اس نے یقینی طور پر کسی سے لفٹ لی تھی اور اپنا خاصا وقت اس کے ساتھ گزارا تھا۔ اپنی مدد کرنے والے کی بھڑکی ہوئی خواہشوں کی تکمیل کے بعد سیتا نے اسی کے ذریعے کوئی مناسب نسوانی لباس حاصل کیا ہوگا اور پھر اس سے دوسری ملاقات کے جھوٹے سچے وعدے کرکے وہاں سے چل دی ہوگی۔ ان حالات میں اس کے پاس سربلند سے بہتر کوئی انتخاب نہیں تھا۔

"اس سے ہوٹل میں تمہاری دوستی ہوئی تھی پھر اسے تمہارا گھر کیسے معلوم ہوگیا۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والا سوال اسی لمحے سربلند سے پوچھ لیا۔

"وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔" اس نے سر جھکا کر جواب دیا "میں نے اسے اپنے گھر اور گھر والوں کے بارے میں ہر بات سچ سچ بتادی تھی۔ اس نے بھی مجھے اپنے بارے میں سب باتیں بتادی تھیں۔ بابا راضی ہوجائیں تو شاید میں اس سے شادی کرلوں۔"

"تمہارے بابا کے غصے کے بارے میں جان لینے کے باوجود وہ شادی کے لیے آمادہ تھی!" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم نے کھل کر بات نہیں کی۔ بس اشارے کنایے چلتے رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ میں بابا کو راضی کرلیتا تو وہ بھی مان جاتی۔"

سیتا نے اپنی اداؤں سے اس کی کھوپڑی پر برف جمادی تھی جو وہ اپنی عمر سے خاصی بڑی اور بد چلن لڑکی سے شادی کے لیے اتنا جذباتی اور سنجیدہ ہورہا تھا۔ وہ اس کے ذاتی معاملات تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے یہ ضرور معلوم تھا کہ وہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ سیتا ایک سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت میں آزاد پرندے کی طرح تھی جو ڈال ڈال پر اپنا وقت گزارتا ہے لیکن شام کا دھندلکا پھیلتے ہی اپنے آشیانے کا رخ کرلیتا ہے۔ ایک بار کراچی میں سیتا کا کام ختم ہوجاتا یا اسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آنے لگتی' وہ سربلند اور اس سے کیے ہوئے وعدوں کو یکسر فراموش کرکے بھارت روانہ ہوجاتی جو اس کا وطن تھا اور جس کے لیے اس نے اپنے تن من کی بازی لگائی ہوئی تھی۔

"وہ تمہارے بابا کے خوف کے باوجود اتنی رات گئے تمہارے گھر کیسے آگئی؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"وہ ذہین لڑکی ہے۔ سوچ کر آئی تھی کہ بابا سے سامنا ہوگیا تو کوئی فرضی نام لے کر پتے کی غلطی پر معافی مانگ لے گی اور واپس چلی جائے گی۔ کسی اور سے ملاقات ہوئی تو اس کے ذریعے مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ اس کی قسمت اچھی ہے کہ بابا دس گیارہ بجے گہری نیند سوجاتے ہیں اور پھر فجر کی اذان سے پہلے اٹھتے ہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ سونیا نے تم کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا۔" سلطان شاہ نے کچھ سوچے سمجھے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑادی۔

"وہ امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ لاہور میں رہتی ہے۔ گھومنے پھرنے کے لیے کراچی آئی ہوئی ہے۔"

"کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

وہ گڑبڑا گیا "نہیں۔۔۔ تم اپنی بات پوری کرلو۔ اب مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔"

"میں حیران ہوں کہ تم دونوں سونیا کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہو۔ وہ ہرگز بھی خطرناک یا خراب لڑکی نہیں ہے۔" سربلند بڑبڑایا۔

"جب تک تمہارے ذہن سے اس کی دل پذیر باتوں کا خمار نہیں اترے گا' یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔ وہ تمہارے پاس سے کہاں گئی ہوگی؟"

"کہیں بھی نہیں' وہ بہت خوف زدہ تھی۔ بابا سو رہے تھے۔ میں نے ان کی بے خبری میں اسے یہیں رکھ لیا ہے۔"

"ہائیں' وہ اسی گھر میں ہے اور گلاب خان کو خبر نہیں ہے۔" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔ سربلند کے انکشاف نے میرے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑادی تھی۔

"وہ تہ خانے میں بند ہے۔ وہاں گاڑیوں کے پرزے اور اوزار رہتے ہیں۔ بابا وہاں نہیں جاتے۔" اس نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں جواب دیا "مسکین خان اس کے کھانے پینے کی دیکھ بھال کررہا ہے۔ ہوٹل کے آرام دہ کمرے کے مقابلے میں وہ میرے کباڑ خانے میں زیادہ آرام و سکون سے ہے۔"

"یہ مسکین کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہت پرانا ملازم ہے۔ بچپن میں اندر رہا کرتا تھا۔ اب باہر ڈیوٹی دیتا ہے۔ تمہارے لیے دروازہ اسی نے کھولا ہوگا۔"

"ویری گڈ!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "ایک بے وقعت لڑکی کی خاطر اپنے نوکر سے مل کر بابا کو بے وقوف بنارہے ہو۔ اب شرافت سے اس لڑکی کو ہمارے حوالے

کردو ورنہ میں تمہارے بابا کے سامنے تمہارا سارا کچا چٹھا کھول کے رکھ دوں گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو!" اس بار وہ اچٹ گیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجہ اختیار کیا۔

"یہ دھمکی نہیں حقیقت ہے۔ تمہارے بابا اس لڑکی کے بارے میں جاننے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی اس چھت کے نیچے اس کا وجود گوارا نہیں کریں گے۔"

"تم سونیا کے بارے میں ایسی کیا بات جانتے ہو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ وہ پٹھان زادہ تھا۔ اس نے دھمکی کے سامنے سر ڈالنے سے انکار کردیا تھا۔

"وہ بلیک کیٹ ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟"

"انڈین سیکرٹ سروس!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "یہ سونیا پر بہت بڑا الزام ہے۔ اس کا کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کا نام سونیا کمال نہیں' سیتا کانت ہے۔ اسے میرے سامنے لاؤ' ثبوت خود بہ خود تمہارے سامنے آجائیں گے۔"

وہ اچانک قالین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دھیمی اور درشت آواز میں کہا "میں نے تمہیں بہت دیر تک برداشت کرلیا۔ اب اٹھو اور فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ تم دونوں کو دھکے دے کر گھر سے باہر پھنکوا دوں گا۔ چلو' جلدی کرو۔"

اس کی کھوپڑی سنک گئی تھی۔ میں اس کی بدگمانی کی وجہ سے سیتا کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خالی ہاتھ واپس لوٹنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے تھوڑی سی آڑ لے کر یکایک اپنی بیم گن نکال کر اس پر تان لی۔

اسی وقت برآمدے کی سمت سے اچانک گلاب خان دندناتا ہوا اندر گھس آیا اور غرایا "خبردار! کوئی بدمعاشی کی کوشش نہ کرے۔ میں نے باہر چھپ کر تم لوگوں کی سب باتیں سن لی ہیں۔ ایک منٹ میں یہاں سے باہر دوڑ لگادو۔" اس کے ہاتھ میں ایک بھاری پستول دبا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے مسکین دروازے پر رک گیا تھا۔

وہ اندر گیا تھا مگر دوبارہ دوسرے راستے سے اندر آیا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ صحیح معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے چھپ کر ہماری اور اپنے بیٹے کی باتیں سن لی تھیں۔ میرا ان دونوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے گلاب خان کی نظریں بچا کر جلدی سے بیم گن جیب میں ڈال لی۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اس کے ٹریگر کا چور لاک لگادیا تھا۔

گلاب خان کی غیر متوقع مداخلت پر سربلند بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کے لیے یہ خیال ہی سوہان روح رہا ہوگا کہ اس کے باپ نے سیتا یا سونیا سے گہرے مراسم کے بارے میں اس کے اعتراف اپنے کانوں سے سن لیے تھے۔

"خان! یہ کیا کررہے ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں بول پڑا "ہم تمہارے ہمدرد اور دوست ہیں۔"

"بکواس!" وہ برہمی سے غرایا "ابھی ارشد نے میرے بیٹے پر ہتھیار نکالا تھا۔" ہماری گفتگو سنتے ہوئے شاید وہ پردے کی جھری سے اندر جھانک بھی رہا تھا۔

"ہتھیار نہیں' یہ پلاسٹک کا کھلونا ہے۔" میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس کی طرف بڑھا دی "چاہو تو خود اسے دیکھ سکتے ہو۔"

"اسے اندر رکھو ورنہ گولی مار دوں گا۔" گلاب خان نے اپنے پستول کی نال ہلا کر دھمکی دی اور میں نے کسی تاخیر کے بغیر اس کی ہدایت پر عمل کر ڈالا۔

بات ٹل گئی تھی۔ اچانک سلطان شاہ نے پشتو میں کچھ کہنا شروع کردیا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا مگر میں نے گلاب خان کے چہرے پر حیرانی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔

"وہ چھوکری بھارتی ایجنٹ ہے۔" گلاب خان نے مجھ سے پوچھا پھر کہا "دیکھو دوست! میرے بچے نے اسے یہاں پناہ دے کر اچھا کیا یا برا کیا' یہ میں اس سے بعد میں سمجھوں گا۔ وہ اس چھت کے نیچے پناہ لے چکی ہے اب اس کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے۔ اسے تم ہاتھ بھی نہیں لگاسکتے۔ وہ بھارتی ایجنٹ ہو' نیپال کی شہزادی یا دو ٹکے کی ناچنے والی۔ وہ میرے بیٹے کی پناہ میں ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اپنے مہمان کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو شانے سے توڑ دیں گے۔"

"تم جذبات کی روانی میں بڑے بڑے الفاظ بول رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ غداری کیا ہوتی ہے۔ ہمیں بھگانے سے پہلے اس لڑکی کو دیکھو' وہ پاگل نہیں ہے۔ سربلند نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ رات کے دو بجے وہ ایک واردات کرکے یہاں پہنچی ہے۔ یہ قبائلی علاقہ نہیں' ایک شہر ہے۔ اس لڑکی کی حمایت کرکے تم بہت بڑی غلطی کررہے ہو۔ اس کو ہر قیمت پر قانون کی گرفت میں ہونا چاہیے۔"

"تم قانون نہیں ہو۔ تم نے آتے ہی کہا تھا کہ تم پولیس یا سی آئی ڈی کے آدمی نہیں ہو۔" اس نے ہمیں یاد دلایا۔ شاید میرا آخری فقرہ اس کے دل کو لگا تھا۔

"قانون کے نفاذ کے لیے اور بھی دس محکمے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔"

وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے دوبارہ اس سے اپنی مادری زبان میں گفتگو شروع کردیا۔

ان دونوں کے درمیان خاصی دیر تک زور وشور سے مکالمات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس کا پہلا اثر یہ ہوا کہ گلاب خان کے پستول کی نال نیچی ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈال لیا پھر اس نے مسکین کو دروازے سے باہر بھیجا اور چاروں ایک مرتبہ پھر قالین پر بیٹھ گئے۔

میں اس دوران میں بالکل خاموش رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کے تاثرات اور لہجوں کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دھیرے دھیرے سلطان شاہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ میری طرح سربلند نے بھی خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اس کے باپ نے وقتی طور پر اس کی حمایت کرکے اسے سرخرو ہونے کا ایک ہلکا سا موقع فراہم کردیا تھا لیکن اس کی لاعلمی میں ایک اجنبی لڑکی سے زوردار عشق لڑانے کی ممکنہ سزا میں سربلند کے لیے بہرحال ایک ڈراؤنا خواب بنی ہوئی تھیں۔

آخرکار گفتگو دوبارہ اردو میں شروع ہوگئی۔ گلاب خان قائل ہو چکا تھا کہ میزبانوں کو دھوکا دے کر گھر میں گھس آنے والی لڑکی کو پناہ گزین تصور کرکے قانون سے مخاصمت مول نہیں لی جاسکتی۔ وہ ایک پرخلوص اور سادہ لوح آدمی تھا۔ ابتدا سے اس وقت تک نیک نیتی سے مذاکرات کرتا رہا تھا۔ اسے اپنے ابتدائی موقف سے پیچھے ہٹنے پر ذرا بھی ملال نہیں تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ دیر سے سہی مگر بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

سیتا بدستور مکان کے تہ خانے میں چھپی ہوئی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ہمارے مذاکرات کے دوران مسکین نے اسے اوپر کے حالات سے باخبر نہ کردیا ہو مگر گلاب خان نے یقین دلایا کہ وہ اس کے گھرانے کا پرانا نمک خوار تھا۔ بھول کر بھی ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتا تھا۔

سیتا بہت ذہین اور چالاک سیکرٹ ایجنٹ تھی۔ بظاہر یوں نظر آ رہا تھا جیسے وہ چوہے دان میں پھنس چکی ہو لیکن اسے اس چوہے دان سے باہر نکالنا بھی ایک اہم مرحلہ تھا۔

ہم چاروں ایک ساتھ تہ خانے میں جاتے تو زینوں پر قدموں کی دھمک سے چوکنا ہو کر وہ خطرے کا ادراک کرسکتی تھی۔ کچھ دیر تک مغز زنی کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ صرف سربلند کو تہ خانے میں بھیجا جائے اور وہ بہلا پھسلا کر اسے وہاں سے نکال لائے۔ وہ غیر مسلح تھی۔ اوپر آنے کے بعد ہم اسے آسانی سے دبوچ سکتے تھے۔

گوپال جو بہت زیادہ ٹیڑھا اور خطرناک تھا، آسانی سے ہماری گرفت میں آچکا تھا اور اسٹیشن فور میں بند تھا اس کے مقابلے میں وہ بے بساط لڑکی ہمارے لیے آفت کی پرکالہ بن گئی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ گوپال کی نشاندہی کے نتیجے میں اس کا انجام بہت قریب نظر آ رہا تھا۔

اپنے باپ کو ہم دونوں کی حمایت پر کمربستہ دیکھ کر سربلند کو خاصی مایوسی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ گلاب خان نے اسے ہدایت کی کہ وہ اسے تہ خانے سے نکال کر گھر میں لے جانے کے بجائے دوسرے دروازے سے باہر لے آئے جہاں ہم تینوں اس کا انتظار کریں گے۔

ہم چاروں ایک ساتھ اٹھے۔ سربلند اندر چلا گیا۔ ہم تینوں نے برآمدے میں نکل کر اپنے اپنے جوتے پہن لیے۔

باہر سے پورچ میں گھوم کر ہم مکان اور احاطے کی دیوار کی درمیانی گلی میں پہنچے تو گلاب خان نے اس بند دروازے کی نشاندہی کی جس سے سیتا اور سربلند کو برآمد ہونا تھا۔ میں نے تینوں کو دیوار سے لگا دیا تاکہ سیتا دروازہ کھلتے ہی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

وہ کام بہت طویل نہیں تھا مگر انتظار کے عالم میں وقت کی طوالت کا احساس خاصا تکلیف دہ تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا۔ پہلے سربلند ڈھیلی چال کے ساتھ برآمد ہوا۔ سیتا اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں موجود ریوالور سربلند کے پہلو سے لگا ہوا تھا۔

"خوب!" وہ ہم تینوں پر نظر پڑتے ہی زہریلی آواز میں بولی "میرا اندیشہ درست تھا کہ سربلند کو یکایک مجھے کھلی فضا میں لے جانے کا خیال کیسے آگیا۔۔۔ خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت کی۔ میں سربلند کو بے دریغ گولی مار دوں گی۔"

باہر آکر وہ پلٹی اور دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوئی تو اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر پھر مجھے یاد آگیا کہ صرف گوپال نے دہلی میں مجھے مظہر خان کے روپ میں دیکھا تھا۔ سیتا مجھے ذکی یا مظہر کی حیثیت سے نہیں پہچانتی تھی۔

"کل شام شاید تم ہی ہوٹل کی لابی میں ابرار کو گھور

رہے تھے!" میرا خیال تھا کہ اس نے مجھے پشت سے دیکھا تھا اور ایک سرسری نظر میں میرا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی مگر اس کی نظریں بہت تیز تھیں۔ اسی کے ساتھ یادداشت بھی اچھی تھی کہ اسے بروقت پچھلی شام کا واقعہ یاد آگیا تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمارے سامنے آنے کے بعد وہ یکایک مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

"چلو' تم تینوں اپنے ہاتھ پشت پر باندھ کر برابر برابر میں' پورچ کی طرف چلو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا "میں اس پٹھان کو لے کر پیچھے آ رہی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے کسی گڑبڑ کا شبہ بھی ہوا تو میں اسے مار دوں گی۔"

وہ بس لمحے بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر' دوسرے ہی سانس میں پوچھا "دونوں گاڑیوں کی چابیاں کہاں ہیں؟"

"مسکین کے پاس!" گلاب خان نے عجلت میں جواب دیا۔ اپنے جوان بیٹے کو ریوالور کی نال پر دیکھ کر اس کی جان پر بن آئی تھی۔

وہ بہت نازک صورتِ حال تھی۔ وہ ہاتھ آتے آتے نکلتی جا رہی تھی۔ مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ سربلند کو یرغمال بنا کر' اسی کے ساتھ گلاب خان کی کسی گاڑی میں نکل جائے گی اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اسے میں نے پہلی بار قریب سے دیکھا تھا۔ وہ واقعی بہت خوب صورت تھی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی تیز چمک دور سے دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کے بدن کے نشیب و فراز میں قدرت نے بلا کی کشش اور نزاکت عطا کی تھی جسے نظرانداز کرنا کسی زندہ دل مرد کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"چلو!" ذرا سی تاخیر ہوتے ہی وہ غرائی۔

ہم تینوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

ہمارے پاس سیتا کے نادر شاہی حکم پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم تینوں نے اپنے ہاتھ پشت یا کولہوں پر باندھے اور شانہ بہ شانہ پورچ کی طرف چل دیے۔ گلاب خان ہمارے درمیان تھا اور بار بار مایوسی سے اپنے سر کو جھٹک رہا تھا۔

"ساری غلطی میری ہے۔" وہ ایک گالی دے کر زیرلب بڑبڑایا "پٹھان روٹی کے بغیر زندہ رہ لیتا ہے' ہتھیار کے بغیر نہیں رہتا۔ سیتا کے پاس سربلند کا ریوالور ہے۔ تہ خانے میں بھیجنے سے پہلے مجھے اس کی جیب خالی کرا لینی چاہیے تھی۔"

میں ابتدا سے اسی الجھن میں تھا کہ سیتا اسٹیشن فور سے فرار ہوئی تو اس کے تن پر کپڑے تک نہیں تھے پھر اس کے پاس ریوالور کہاں سے آگیا تھا۔ گلاب خان کی بڑبڑاہٹ نے یہ گتھی سلجھا دی تھی۔ سربلند نے تہ خانے میں جا کر سیتا کو باہر نکلنے کی پیشکش کی ہوگی تو اس نے خطرہ بھانپ لیا ہوگا۔ اس وقت وہ دنیا سے چھپتی پھر رہی تھی۔ سربلند اسے اپنے باپ سے چھپا رہا تھا۔ ایسے حالات میں سربلند کا یکایک اسے باہر لے جانا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔

سیتا اول درجے کی حرافہ تھی۔ سربلند کے سر پر اس کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ سیتا نے اسے بہلا پھسلا کر اس کے ریوالور پر قبضہ کیا اور یوں اسے یرغمال بنا کر باہر آگئی۔ اس گھر میں اس کے لیے کوئی خطرہ پیدا ہو چکا تھا تو پھر سربلند کی مرضی کے خلاف' اس کا تہ خانے میں رکا رہنا زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

ہم گلی کے سرے تک پہنچے تھے کہ سیتا نے اگلا حکم دیا۔ "داہنی طرف کی دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہو جاؤ اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

اس حکم میں بہترین جنگی چال بازی مضمر تھی ہم دیوار سے ناک لگائے کھڑے رہتے وہ ہمارے پیچھے سے گزر کر اطمینان سے اپنی مطلوبہ گاڑی تک پہنچ جاتی۔

میری پوری توجہ آہٹوں پر مرکوز تھی۔ وقت تیزی سے میرے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ وہ اس بار نکل جاتی تو اسے ڈھونڈنا بہت مشکل ہو جاتا۔ ان دونوں کی آہٹیں ہمارے عقب سے گزرتی چلی گئیں۔ سربلند کی امکانی موت کے اندیشے سے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔

"مسکین! چھوٹی گاڑی کی چابی لاؤ!" چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد فضا میں سربلند کی آواز گونجی۔

"لایا صاحب!" دور سے مسکین کی توانا آواز آئی۔

وقفہ خاصا ہو چکا تھا۔ میں نے آہستگی سے سر گھما کر دیکھا تو سیتا چھوٹی پجیرو میں سوار ہو چکی تھی' سربلند ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی توجہ پھاٹک کی طرف تھی جدھر سے مسکین کی آواز آئی تھی۔

میرے لیے بس میں وہی ایک موقع تھا۔ مسکین کی فکر میں سیتا کی توجہ میری طرف سے ہٹ چکی تھی۔ میں نے سینے

کے بل فرش پر گر کر تیزی سے آگے سرکنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری پوزیشن بہت مخدوش تھی۔ سیتا مجھے دیکھ لیتی تو میرے لیے اس کی چلائی ہوئی گولی سے بچنا ممکن نہیں تھا۔

گیٹ کی طرف سے مسکین کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ شاید وہ اپنے چھوٹے مالک کے لیے گاڑی کی چابی لا رہا تھا۔ سیتا کو شاید اندیشہ تھا کہ کہیں سربلند اپنے ملازم کو کوئی اشارہ نہ کر دے اس لیے وہ ایک ٹک اسی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

میں چھوٹی جیپرو سے ذرا سی دور تھا کہ مسکین نے چابی سربلند کو دے دی۔ اس کی تحیر زدہ نظریں میرے رینگتے ہوئے وجود پر بھی پڑی تھیں لیکن اس نے کسی غیر معمولی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ اس وقت میں اکیلا نہیں رینگ رہا تھا۔ میرے بعد سلطان شاہ اور گلاب خان نے بھی میری تقلید کی تھی۔

میں گاڑی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ہیڈ لائٹ آف ہونے پر اس کا انجن بیدار ہو گیا۔

گھر سے سیتا کی روانگی کے مراحل مکمل ہو چکے تھے۔ اس نے گردن سیدھی کی تو میں گاڑی کی اوٹ میں ہو چکا تھا۔ اس نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر، میرے پیچھے آنے والوں پر لگاتار تین فائر کیے اور اضطراری لہجے میں چیخی "جلدی چلو..... گاڑی نکالو یہاں سے۔"

اس کی پہلی دو گولیاں ضائع ہوئیں مگر تیسرے فائر پر فضا گلاب خان کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید گولی اس کے جسم کے کسی حصے کو چاٹ گئی تھی۔

وہ عجیب صورت حال تھی۔ باپ زخمی ہو چکا تھا۔ بیٹا یرغمال بنا ہوا تھا۔ سربلند کے پاس سیتا کے حکم سے سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جیپرو بہت تیزی کے ساتھ کھلے ہوئے پھاٹک سے نکلتی چلی گئی۔ میں ریوالور کی رینج سے بہت دور تھا۔ سیتا فائر کرتی تب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ میں تیزی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

مسکین اپنے مالک کی چیخ پر گیٹ سے دوڑتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے چیخ کر اس سے دوسری گاڑی کی چابی مانگی جو اس نے وہیں سے میری طرف اچھال دی۔

میں نے بس ایک نظر پلٹ کر دیکھا۔ شاید گلاب خان کی پنڈلی زخمی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ اسے سنبھال رہا تھا۔ پنڈلی کا زخم کاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے ابتدائی طبی دیکھ بھال ہی کافی تھی۔ قدرے بلندی سے آنے والی گولی نے ہڈی کو کوئی نقصان پہنچایا ہوتا تو اس کی دیکھ بھال بعد میں ہو سکتی تھی۔ اس وقت سیتا کا تعاقب زیادہ اہم تھا۔ میں دوسری گاڑی میں گھس گیا۔

میں نے گاڑی اس رخ پر ڈالی تھی جدھر چھوٹی جیپرو گئی تھی پھر مجھے ذیلی سڑک کے سرے پر وہ گاڑی بائیں طرف مڑتی ہوئی نظر آ گئی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

اگلی سڑک پر خاصا ٹریفک تھا جس میں رفتار کے کمالات دکھا کر دوسروں سے آگے نکلنا آسان نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مجھے اس ہجوم میں سربلند کی گاڑی رواں نظر آ رہی تھی۔ ٹریفک کے معاملے میں اسے بھی وہی مسائل درپیش تھے جن کا مجھے سامنا تھا۔ یوں ہمارا درمیانی فاصلہ کم و بیش یکساں رہا تھا۔

کئی موڑ گھومنے کے بعد دونوں گاڑیاں شارع فیصل پر نکلیں تو اگلی گاڑی کی رفتار خاصی کم تھی۔ میں تیزی کے ساتھ اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ اس کے برابر میں پہنچتے ہی مجھے ایک شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ گاڑی میں سربلند اکیلا تھا۔ اس کے برابر والی نشست خالی پڑی ہوئی تھی۔

سربلند کی نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں۔ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں نے ہارن بجا کر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے گاڑی کنارے سے لگا دی میں اس کے پیچھے رک گیا۔ وہ نیچے اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف آیا تھا۔

"بابا کو کہاں گولی لگی..... وہ خیریت سے تو ہیں نا!" اس نے آتے ہی متوحش آواز میں پوچھا۔

"وہ زندہ ہیں اور خیریت سے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ سیتا کہاں ہے؟"

"وہ پچھلے چوراہے پر اچانک اتر گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" مجھے یوں لگا جیسے اس نے میرے سر پر اچانک لٹھ دے مارا ہو۔

"پھر تم ادھر کہاں جا رہے تھے....." اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی۔

"شارع فیصل پر آنا مجبوری تھی۔ پہلے موڑ سے واپس لوٹ جاؤں گا۔ مجھے بابا کی بہت فکر ہے۔ وہ میری وجہ سے زخمی ہوئے ہیں۔" وہ رندھی ہوئی جذباتی آواز میں بولتا چلا گیا "تم صحیح کہہ رہے تھے۔ سونیا ٹھیک عورت نہیں ہے۔ اس وقت اس کے تیور بدلے ہوئے اور بہت خراب تھے۔ وہ چھٹی ہوئی بدمعاش معلوم ہو رہی تھی۔"

مصروف سڑک کے کنارے زیادہ دیر تک رکنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں گاڑیاں گلاب خان کی تھیں۔ وہ خود زخمی

ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ کو بھی وہاں سے لینا تھا۔ میں نے سربلند کو واپسی کا اشارہ کیا اور اپنی گاڑی تیزی سے آگے نکال لے گیا۔

○☆○

"میں کہتی ہوں کہ یہ کچھ بھی نہیں ہوا۔" ویرا نے اصرار کیا "وہ نظر آئی اور پھر تم دونوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گئی۔ گلاب خان مفت میں اپنی پنڈلی تڑوا بیٹھا۔ سیتا کے بارے میں اب ہم پہلے سے زیادہ اندھیرے میں ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس بار وہ کہاں جائے گی۔"

"ہم اسے کباب سمجھ رہے تھے۔ پوری کی پوری ہڈی نکلی ہے۔" سلطان شاہ نے مزاحیہ انداز میں کہا "تمہاری ٹکر کی عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"تم نے پھر مجھے عورت کہا۔" ویرا نے ہلکی سی برہمی کے ساتھ احتجاج کیا۔

"تو پھر کیا تمہیں مرد کہنا شروع کر دوں؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"تمہیں پہلے بھی کئی مرتبہ بتا چکی ہوں کہ میں عورت نہیں لڑکی ہوں لڑکی!"

"کم از کم اسے پہچاننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔" غزالہ نے کہا "رہا گلاب خان تو اس کا زخمی ہونا بدنصیبی ہے۔ کسی نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ وہ چار مردوں کے درمیان سے مکھن میں سے بال کی طرف صاف نکل جائے گی۔"

"دشمن کو حقیر اور خود کو برتر سمجھنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔" ویرا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کہا۔

"کیا تم انہیں اپنے کارنامے کے بارے میں بتاؤ گی؟" غزالہ نے اس سے پوچھا۔

"اوہو! تو کیا ویرا نے بھی گھر میں بیٹھے بیٹھے کوئی تیر مارا ہے!" سلطان شاہ نے تعجب سے کہا۔

"میں نے ایک نہیں، دو تیر مارے ہیں۔" ویرا نے فخر سے بتایا "صبح کے اخبار بازار میں آئے ہوئے ہیں آدھا دن گزر چکا ہے ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ بے چاروں کے قیمتی اشتہار ضائع ہو رہے تھے۔ تم پورے شہر میں گھوم آئے ہو اور وہ اخباروں کے سمندر میں اشتہار کی ڈور ڈالے تمہارے پھنسنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں گھارو کی دوڑ لگوا دی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے غصے سے کہا "ان لوگوں کے پاس جدید ترین آلات ہیں۔ ان کو یہاں سے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں لڑکی ضرور ہوں مگر نادان نہیں ہوں۔" وہ میری جھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرائی "میں نے بازار کے ایک پی سی او سے فون کیا تھا۔ غزالہ بھی میرے ساتھ تھی۔"

"کوئی لائن پر موجود تھا یا ریکارڈنگ مشین لگی ہوئی تھی۔" میری طبیعت میں تجسس جاگ اٹھا۔

"آج اشتہار کا پہلا دن ہے۔ وہ خاصے پُر امید معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی مقامی فون پر بیٹھا' امریکی لب و لہجے کی نقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ویرا نے ہلکی ہنسی کے ساتھ اپنی بات شروع کی "میں نے اس بتایا کہ ڈینی نیشنل ہائی وے پر گھارو سے تین چار کلومیٹر آگے' معراج فارم ہاؤس میں روپوش ہے۔ کئی برسوں پہلے میں نے وہ فارم دیکھا تھا۔ اس نے خاصی دلچسپی لی اور میرے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے کہہ دیا کہ ڈینی اگر معراج فارم سے پکڑا گیا تو میں اپنا انعام حاصل کرنے کے لیے موتا علی کے نام سے دوبارہ رابطہ کروں گی۔"

"یہ خاصی بچگانہ حرکت ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ان کے دوڑ لگانے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

"تم نے بہت اچھا کیا۔" سلطان شاہ نے اس کی تعریف کی "ہمیں کچھ حاصل ہو یا نہ ہو' وہ ضرور ہلکان ہوں گے۔"

"شکریہ ڈارلنگ! ویرا نے آنکھ مار کر کہا "تمہیں کافی دنوں بعد میرا کوئی کام پسند آیا ہے مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ سیتا نے تمہیں اور ڈینی کو قریب سے دیکھ لیا ہے۔ وہ تم دونوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بنی رہے گی۔ اس کی آزادی میرے لیے تشویش ناک ہے۔"

"اسے گولی مارو اور اپنے دوسرے کارنامے کے بارے میں بتاؤ۔" میں نے مطالبہ کیا۔

ویرا مجھے چڑانے کے لیے خاموشی سے مسکراتی رہی۔ غزالہ اس کی یہ زیادتی برداشت نہیں کر سکی اور بولی "ویرا نے اسی پی سی او سے دوسرا فون سوبھراج کے گھر کیا تھا۔ دو میں سے ایک نمبر مسلسل مصروف تھا لیکن دوسرے پر پہلی کوشش میں ہی رابطہ ہو گیا۔"

"یہ اچھی اور حوصلہ مندانہ کوشش تھی۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس کا کیا نتیجہ نکلا۔"

"وہ خود موجود نہیں تھا۔" ویرا نے لب کشائی کی "اس کے پرسنل سیکریٹری سے میری بات کروا دی گئی۔ اس نے سوبھراج کے انٹرویو کے لیے مجھے کل شام پانچ بجے کا وقت دیا

ہے۔"

"سوبھراج کا انٹرویو!" میں نے حیرت سے دہرایا "وہ کس سلسلے میں ہوگا۔"

"اس وقت مسلم ریاستوں میں دوسری اقلیتوں کی مذہبی اور سیاسی آزادیوں کے بارے میں مغرب بہت حساس ہے۔" ویرا نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "سی بی ایس اس سلسلے میں پاکستان پر ایک پروگرام نشر کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ انٹرویو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہوگا۔ اس میں سوبھراج کے جوابات اسی کی آواز میں سنوائے جائیں گے۔"

"یہ سی بی ایس کیا بلا ہے؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ نوویڈا میں قائم سنٹرل براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کا مخفف ہے۔" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا امریکا میں اس نام کے کسی ریڈیو اسٹیشن کا وجود ہے؟"

"پتا نہیں!" اس نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "یہ نام میرے ذہن میں آیا ہے تو اس کا وجود بھی ہونا چاہیے۔"

"تمہیں مذہب اور سیاست سے خاک دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے سطحی سوالات سے اسے شبہ ہو گیا تھا تو وہ تمہاری شناخت مانگ سکتا ہے۔ تم بری طرح پھنس جاؤ گی۔" میں نے اسے تنبیہہ کی۔

"ہائے! اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کر ہولے سے کہا "ماضی بھی کیا ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بیسیوں فرضی شناخت نامے اور کارڈ میرے پاس ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب سے تم نے مجھے دربدر کیا ہے یہ سارے ٹھاٹ خاک میں مل گئے۔ اب بولنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس کا سیکریٹری سی بی ایس کے نام سے مرعوب ہو گیا تھا۔ تمہارے لیڈر اور سیاست داں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں اپنی آوازوں اور تصویروں کی تشہیر کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ یہ سحر سوبھراج پر بھی کام کرے گا۔ ویسے میری معلومات اتنی بری نہیں ہیں۔ پاکستان میں اقلیتوں کو آئینی طور پر مکمل آزادی حاصل ہے لیکن عملی طور پر معاملہ ذرا مختلف ہے۔ مسلمانوں کے ردِ عمل کے خوف سے سب اپنی چار دیواری میں محبوس رہتے ہیں۔"

"میں تمہیں وہاں جانے سے نہیں روکتا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ایسے ہی خطرات مول لینا پڑیں گے مگر ہوم ورک کا مکمل کرنا ضروری ہے۔"

"میں سلطان شاہ کو اپنے معاون کے طور پر ساتھ لے جاؤں گی۔"

"یہ سب سے بڑی خبر ہے۔" غزالہ خوش ہو کر بولی۔ "آج تم دونوں کے ستارے کافی مل رہے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ تمہاری تعریف کر رہا تھا۔ اب تم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کا اعلان کیا ہے۔ کاش تم دونوں کے درمیان مفاہمانہ فضا یوں ہی پروان چڑھتی رہے۔"

"اس بارے میں اول خان کا مشورہ بھی سود مند رہے گا۔" سلطان شاہ، غزالہ کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا "آج گلاب خان کے گھر کا پتا اسی نے فراہم کیا تھا لیکن تم نے وہاں جانے کے بارے میں اسے اعتماد میں نہیں لیا۔ وہ حساس آدمی ہے۔ بہت برا منائے گا۔"

"وہ برا منائے، میں اسے منا لوں گا۔ وہ ہمارا دوست ضرور ہے لیکن کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ہم اس پر زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں......"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔" ویرا نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "اس نے سرور کو میدان میں نہ اتارا ہوتا تو ہم لوگ کئی دنوں تک گلاب سنگھ کی تلاش میں بھٹکتے رہتے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ اس کی وجہ سے میسر آنے والی آسانیوں نے ہمیں تن آسان بنا دیا ہے۔ جہاں تک گلاب خان کا معاملہ ہے تو میں نے اسے نظرانداز نہیں کیا۔ بس اچانک ادھر جانے کا پروگرام بن گیا۔ ویسے بھی وہاں کسی لاؤ لشکر کی ضرورت نہیں تھی۔ اب اس سے بات یا ملاقات ہوگی تو اسے بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"سوبھراج آسانی سے قابو میں آنے والی آسامی معلوم نہیں ہوتا۔" ویرا سگریٹ سلگا کر دھیرے سے بولی "اس کے لیے ہمیں ایس ٹی ایف کے وسائل اور نفری کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"ضرورت پڑے گی تو ہم ان سے ضرور مدد لیں گے۔" میں نے اسے یقین دہانی کرائی۔

"تم نے ابھی تک سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا کوئی مصرف نہیں سوچا۔" ویرا نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا "یہ پتا چلنا چاہیے کہ گوپال نے تمہیں کوئی غلط نمبر دے کر گمراہ کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"میرے لیے سوبھراج زیادہ اہم ہے۔ میں اس سے بھی بات کروں گا لیکن اس وقت مجھے مجبوراً اسے بھول کر سیتا کے پیچھے جانا پڑا۔ وہ چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں

میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ گلاب خان کے گھر سے کہیں اور کوچ نہ کر جائے۔"

"اس بھاگ دوڑ کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" ویرا بے پروائی سے بولی "پہلے نہ سہی وہ تمہارے جانے کے بعد نکل گئی۔"

"بس یہ ہمارے مقدر کی خرابی تھی کہ وہ نکل گئی ورنہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ گلاب خان کے گھر سے نہیں نکل سکے گی۔ اب دیکھو کہ وہ دوبارہ کب ہمارے سامنے آتی ہے۔"

ہم اپنی اپنی کوفت دور کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے کہ اول خان کا فون آ گیا۔ وہ دفتر سے باہر مصروف رہا تھا اور اس وقت بھی راستے میں تھا۔ اس نے ہمارے پروگرام کے بارے میں پوچھ کر اطلاع دی کہ وہ ایک اچھی خبر کے ساتھ تھوڑی دیر میں ہمارے گھر آ رہا تھا۔

"حیرت ہے کہ اس نے تم سے سیتا یا گلاب خان کے لڑکے کے بارے میں نہیں پوچھا۔" اول خان سے گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا بولی۔

"وہ یہاں آ رہا ہے۔" میں نے ان سب کو مطلع کیا اور سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس وقت میرے ذہن پر صرف اور صرف سوبھراج سوار تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان آ گیا۔ چہرے سے وہ خاصا بشاش اور خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ سوبھراج کے چہرے پر داڑھی کے اضافے کے نتیجے میں حشمت کی شخصیت وجود میں آئی تھی اس نے سوبھراج کی چند تصاویر حاصل کر کے ایک آرٹسٹ سے ان میں مطلوبہ اضافے کرائے۔ وہ تصاویر ہوٹل کے عملے کو دکھائی گئیں تو ہر فرد نے فوری طور پر انہیں حشمت کی مختلف تصاویر کے طور پر پہچان لیا۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر ہو چکی تھی کہ سوبھراج، حشمت اور کوبرا ایک ہی شخصیت کے تین نام اور روپ تھے۔ صرف سوبھراج کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر ہم ان تینوں کے کالے کرتوتوں کا حساب بے باق کر سکتے تھے۔ وہ اپنی سیاسی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جرائم کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔

"آج میں صبح سے اسی کے چکر میں لگا رہا۔" اول خان کہہ رہا تھا "سرور کی رپورٹ ملتے ہی میں نے تم کو گلاب خان کا پتا بتایا اور اپنے کام پر نکل کھڑا ہوا۔ اب فرصت ملی ہے تو سیدھا اِدھر آیا ہوں۔ تم نے گلاب خان کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"

"سوچنے سمجھنے کے سارے مراحل گزر چکے ہیں۔ میں نے ہنستے ہوئے، سرسری انداز میں اسے بتایا "میں سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گھر ہو آیا ہوں۔" میں غیر ارادی طور پر لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو اول خان میری اس کوشش کے نتیجے کے بارے میں کوئی سوال کر بیٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ وہیں تھی مگر ہمیں جل دے کر دوبارہ نکل جانے میں کامیاب ہو گئی۔"

اس واقعے کی تفصیل اول خان کے لیے حیران کن ثابت ہوئی۔ اس کی رائے تھی کہ سیتا کے لیے سربلند خان کے دل میں بھڑکتی ہوئی آتشِ محبت نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی باتوں سے سیتا نے اندازہ لگا لیا کہ خانے سے باہر نکلتے ہی اس پر برا وقت آ جائے گا۔ بروقت معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے اسے اپنے فرار کا نیا منصوبہ تیار کرنے کی مہلت مل گئی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ شاید سربلند خان نے خود ہی اپنا ریوالور سیتا کے حوالے کیا ہو تاکہ وہ اس کی مدد سے وہاں سے فرار ہو سکے۔

"عشق کی سمت صحیح ہو تو یہ بہت پاکیزہ جذبہ ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "اندھی محبت کی صورت میں آدمی کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ برے بھلے کی ہر تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ سربلند ننھا سا بچہ نہیں تھا کہ سیتا نے اسے بہلا پھسلا کر ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا ہو۔"

"اس بارے میں مجھے سربلند سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔" میں نے بتایا "گلاب خان کے ناگہانی زخمی ہو جانے کی وجہ سے اس کے گھر میں ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں وہاں پہنچے تو سربلند اپنے زخمی باپ کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل آیا۔"

"میری دانست میں یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا "اگر سربلند نے اس کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے سیتا کو کسی نئے ٹھکانے کے بارے میں بھی بتایا ہو جہاں وہ محفوظ رہ کر سربلند سے ملتی جلتی رہے۔"

"سربلند کے بارے میں تمہاری رائے قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا "اس سے ذرا سختی سے بازپرس کی جائے تو وہ سب کچھ اگل دے گی۔ پڑھا لکھا آدمی کسی بھی قوم یا طبقے سے تعلق رکھتا ہو، سمجھ دار اور مصلحت پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کو ہر چیز پر فوقیت دیتا ہے۔"

"دو عورتوں یا لڑکیوں کی رائے ایک ہے تو ہو سکتا ہے

کہ وہ درست ہو مگر میں ان میں سے کسی سے متفق نہیں ہوں۔" میں نے کہا "راستے میں میری اس سے مختصر سی بات ہوئی تھی اور اس نے سیتا کو ایک بدمعاش عورت قرار دیا تھا۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تہ خانے میں سیتا کا سبب کچھ اور ہی رہا ہوگا۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔ "وہ اپنے اناڑی پن کی وجہ سے اس سے دھوکا کھا گیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے اپنے باپ کے زخمی ہونے پر احتجاج کیا ہوگا اور سیتا کے ساتھ جانے سے انکار بھی کردیا ہوگا۔ اس وقت سیتا نے اپنے تیور بدل کر اسے آنکھیں دکھائی ہوں گی۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی ہدایت سے انحراف کی صورت میں سربلند کو گولی مارنے کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا ہو۔"

وہ باتیں بعید از قیاس نہیں تھیں۔ حالات میں ساری تبدیلیاں تہ خانے کے باہر رونما ہوئی تھیں۔ اگر سربلند نے نئی کمین گاہ کے سلسلے میں سیتا کو کوئی مشورہ دیا بھی تھا تو مجھے امید نہیں تھی کہ اس چالاک عورت نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ وہ سربلند کی بتائی ہوئی کمین گاہ میں روپوش ہو کر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بے رحمی سے زخمی کرنے والی کی مخبری کر کے اسے وہاں سے پکڑوا دے۔ میری نپی تلی رائے تھی کہ سیتا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور ہمیں از سر نو اس کی تلاش کی مہم شروع کرنی تھی۔

نتیجہ کچھ بھی نکلے' سربلند پر ایک مرتبہ ذرا سی محنت کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اول خان نے ویرا کی ابتدائی تجویز کی حمایت میں کہا "ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تہ خانے میں سیتا اور سربلند کے درمیان کیا مذاکرات ہوئے تھے اور اس نے کن حالات میں سربلند کے ریوالور پر قبضہ کیا تھا۔"

اول خان نے ایک فیصلہ صادر کردیا تھا۔ اس معاملے میں مزید رائے زنی کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"میں گلاب خان کی طرف گیا ہوا تھا۔ ویرا نے دوسری طرف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی "ایک موضوع پر گفتگو ختم ہونے کے بعد میں نے اول خان کے کسی سوال سے پہلے اسے ویرا کی دونوں ٹیلی فون کالز کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

امریکی اشتہار کے حوالے سے کی جانے والی فون کال کی اہمیت ایک کھیل یا شرارت سے زیادہ نہیں تھی۔ اول خان نے اسے ہنس کر نظرانداز کردیا لیکن سوبھراج کے نمبر پر کی جانے والی کال کی تفصیل سن کر اسے خاصی خوشی ہوئی "تم نے شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے پرسنل سیکریٹری نے تمہیں آسانی سے ملاقات کا وقت دے دیا۔"

"اس نے تم سے ضرور پوچھا ہوگا کہ تم کراچی میں کہاں مقیم ہو!" میں نے ایک فوری خیال کے تحت ویرا سے پوچھا۔

"پوچھا تھا۔۔۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "حیرت ہے کہ یہ اہم سوال تمہیں پہلے یاد نہیں آیا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں آج حیدر آباد جا رہی ہوں۔ کل صبح واپس آؤں گی اور جس ہوٹل میں کمرا مل گیا' وہیں ٹھہر جاؤں گی۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ تمہارے اس مشتبہ جواب پر یقین کرلیا گیا ہوگا۔" سلطان شاہ بولا۔

"اسے تم کمزور جواب کہہ سکتے ہو کیونکہ تم ہر بات سے واقف ہو۔ اس کے شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں یہاں ہوٹلوں میں آرام کرنے کے لیے نہیں آئی۔ سی بی ایس نے بھاری رقم خرچ کر کے یہاں ایک پروگرام مکمل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے لیے میرا ہر وقت متحرک رہنا ضروری ہے۔"

"سی بی ایس کی طرف سے کوئی امریکی لڑکی ہی آ سکتی ہے۔ میں نے امریکی لب و لہجے والی انگریزی استعمال کی تھی۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "اردو میں بات کرنے کے بعد میں ان کے سامنے جاتی تو وہ میرے رنگ اور خدوخال سے بری طرح چونک پڑتے۔ اخبارات میں اشتہار تازہ ہے۔ اس میں چھپنے والی میری تصویر کافی پرانی لیکن صاف ہے۔ اس میں میری کچھ نہ کچھ شباہت موجود ہے۔ اپنے سامنے مجھے اردو بولتا دیکھ کر انہیں لامحالہ شبہ ہو سکتا تھا۔"

"شبہ ہونے کے امکانات اب بھی موجود ہیں۔" اول خان تشویش سے بولا "یہ فیصلہ عجلت میں نہیں کیا جا سکتا۔ میں تمہیں شیر کی کچھار میں داخل ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہمیں اس بارے میں سوچ سمجھ کر کچھ طے کرنا ہوگا۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ میرے ذہن میں انٹرویو کا بہانہ آگیا اور وہ رضامند بھی ہوگیا۔ بار بار ایسے بہانے بنائے جا سکتے ہیں اور نہ وہ کامیاب ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی انٹرویو سے بھاگ جائے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ابھی میرے پاس ایک ٹرمپ کارڈ باقی ہے۔"

"وہ کیا۔" تقریباً چاروں نے ہی بہ یک آواز پوچھا تھا۔

"گوپال نے اس کا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ اس پر سوبھراج کو خوفزدہ کرنے کے لیے خاصا مواد جمع ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل۔" اول خان پرزور لہجے میں بولا "اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔ یہ نیک کام تمہیں ابھی کرلینا چاہیے۔"

"شاید اس کے لیے تمہیں کسی پی سی او کا رخ کرنا پڑے گا۔" ویرا بولی "جب سی ایس ڈی کی وجہ سے موبائل فون پر بات نہیں ہو سکتی تو سیٹ لائٹ فون پر کیا ہوگی۔ اس میں بھی کئی درمیانی سرکٹ ملوث ہوتے ہوں گے۔ سی ایس ڈی دوسرا سرکٹ ملتے ہی لائن کاٹ دیتی ہے۔"

مجھے یاد آیا کہ گوپال نے بھی پچھلی شام پی سی او سے ہی کوبرا کا نمبر ملایا تھا لیکن وہ مسئلہ دیگر تھا۔ شاید وہ رازداری کے پیشِ نظر اس رابطے کے لیے موبائل کا فون استعمال نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہیں کہیں لگے ہوئے اِکادُکا پبلک فون بوتھ صرف لوکل کال کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے تھے لیکن کارڈ فون کے رواج پانے کے بعد بیشتر جدید فون بوتھ مقامی سے بین الاقوامی کالز تک کے لیے استعمال ہونے لگے تھے۔

"ضرورت پڑی تو پبلک بوتھ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال یہاں سے ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے!" سلطان شاہ ویرا کے اٹھاتے ہوئے نکتے کا جواب دے رہا تھا۔

سلطان شاہ کی تجویز بہتر تھی۔ کورم بھی پورا تھا۔ میں نے کہا "یہ کام اسی وقت کرلینا چاہیے۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟"

سلطان شاہ نے نہایت سعادت مندانہ انداز میں اسپیکر فون میرے آگے سرکا دیا۔

گوپال کا بتایا ہوا فون نمبر اول خان نے نوٹ کیا تھا جو بعد میں' میں نے بھی ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ دونوں کے پاس اپنے اپنے کاغذ موجود تھے۔ میں نے ایک مرتبہ دونوں نمبروں کا موازنہ کیا۔ وہ بالکل یکساں تھے۔ میں نے اسپیکر فون پر وہ نمبر ملانا شروع کردیا۔

نمبر ملانے کے بعد مجھے کئی سیکنڈ تک انتظار کرنا پڑا لائن پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سب کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں پھر اچانک ہی دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور میں نے بے ساختہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں اچھال کر کامیابی کا اعلان کردیا۔ شاید سیٹ لائٹ کے ذریعے براہِ راست رابطے میں موبائل کی طرح کوئی اور سرکٹ موجود نہیں تھا۔

میں نے ریسیور واپس رکھ کر بہت تیزی سے اسپیکر فون آن کیا تھا۔ پہلی گھنٹی اسپیکر فون پر مکمل ہوئی۔ قدرے وقفے سے دوسری گھنٹی کی آواز ابھری اور اسی کے درمیان دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو!" میرے کانوں میں ایک گونجیلی اور رعب دار مگر خوابیدہ سی آواز آئی۔

"کیا سو رہے تھے؟" میں نے اس کی آواز میں نیند کا خمار محسوس کرتے ہوئے طنز کیا "پورا شہر جاگا ہوا ہے اور تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔"

"تم کون ہو اور تم کو یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" آواز میں غراہٹ اور خفگی عود کر آئی۔

"دونوں ملین ڈالر کے سوال ہیں۔ آج کے امریکی اشتہار نے پہلے سوال کی قیمت اور بڑھا دی ہے۔"

"تم کیا اول فول بک رہے ہو۔ کس اشتہار کی بات کر رہے ہو؟"

میرا مقصد اسے سلگانا اور مشتعل کرنا تھا۔ میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کر کے کہا "دنیا آنکھیں بند کر کے سوتی ہے۔ تم آنکھیں کھلی رکھ کر سوتے ہو گے۔ سنا ہے کہ سانپ کی آنکھوں کے پپوٹے نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ سوتے ہوئے بھی جاگتا نظر آتا ہے۔ تم کوبرا ہو۔ تمہارے بھی یہی خواص ہوں گے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی تم بے خبر ہو۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" اس کی آواز سے نیند کا خمار کافور ہو گیا۔ اس کی آواز پھاڑ کھانے والی تھی۔

"تم ایس کے کو تو جانتے ہو گے!" میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم نے پاگلوں جیسی بے مقصد باتیں ختم نہ کیں تو میں فون بند کردوں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں دوبارہ فون کرلوں گا۔ ویسے میں سونیا کمال کی بات کر رہا ہوں۔ وہی جو ارجن کے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔"

"اس سے تمہارا کیا واسطہ؟ وہ تمہیں کہاں مل گئی؟"

"اب ان نازک سوالوں کو چھوڑو۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ تمہارا فون نمبر اسی نے دیا ہے۔" میں نے اسے غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے اس کے فون نمبر کا افشا دانستہ سیتا کے سر ڈال دیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میری سچائی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ میں اس وقت تمہارے سیٹ لائٹ فون پر تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں کہاں ملی تھی۔"

اس کا نامہ آخر کار تجسس میں تبدیل ہونے لگا۔

"ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو میرے سائے سے بھی بھڑکتی ہے۔ میں نے اسے ہوٹل کی پارکنگ سے بے ہوش کر کے اغوا کر لیا تھا۔"

"یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟" اس کی زہریلی آواز آئی۔

"یہ کل شام کی بات ہے۔" اس بار میں نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

"اگر وہ کل شام سے تمہاری قید میں ہے تو پھر اس نے تمہارے ایما پر ہی مجھے فون کیا ہوگا..... مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ میں اپنے دشمنوں کو چیونٹی کی طرح مسل دینے کی طاقت رکھتا ہوں۔ میری اس سے رات کو فون پر بات ہوئی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے میرا فون نمبر تمہیں دیا ہو یا وہ تمہارے ہاتھ آئی ہو۔"

یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ سیتا نے اسٹیشن فور سے فرار ہونے اور گلاب خان کے گھر پہنچنے کے درمیان، کہیں سے کوبرا کو فون کیا تھا اور اپنے اغوا کا ذکر گول کر دیا تھا۔

"دیکھو پیارے کوبرا! میری بات کا یقین کر لو ورنہ مجھے کچھ ناگفتنی باتیں دہرانی پڑ جائیں گی۔"

"میرا یہ فون نمبر ٹاپ سیکرٹ ہے۔ یہ کسی ایرے غیرے کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ مجھے صرف اس ایک بات نے فکر مند کیا ہوا ہے۔ اگر تمہاری یہی کال میرے کسی عام فون پر آئی ہوتی تو میں نے اب تک دس دفعہ تمہارے منہ پر تھوک کر فون بند کر دیا ہوتا۔"

"سنا ہے کہ سانپ کا تھوک بھی بہت زہریلا ہوتا ہے۔ دوسری اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ چیونٹی ہاتھ میں آجائے تو مسلی جاتی ہے۔ آنکھ بچا کر کسی طرح ناک کے راستے دماغ میں گھس جائے تو آدمی کو مار دیتی ہے اس لیے زیادہ بڑے بول نہ بولو۔ جس طرح میں نے تمہارے فون نمبر کا سراغ لگایا ہے اسی طرح میں تمہارے ٹھکانے تک بھی پہنچ سکتا ہوں۔ ڈرو اس برے وقت سے جب تمہیں میرے ہاتھوں سے روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملے گی۔"

"اوہ!" فون پر یکایک اس کی تحیر زدہ آواز ابھری جیسے اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال آیا ہو "ابھی تم نے اشتہار کی بات کی تھی اور اب تمہاری باتوں سے نخوت کی بو آ رہی ہے۔ کہیں تم ذیتی تو نہیں ہو۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اسی طرح بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے خاکسار کو پہچان لیا۔ تم نے یہ بھی ضرور سنا ہوگا کہ میں جو کہتا ہوں اس پر عمل ضرور کرتا ہوں۔"

"اب میں تم سے کچھ دیر تک بات کر سکتا ہوں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مخاطب کون ہے تو بات کرنے میں خاک مزہ نہیں آتا۔" الفاظ کے ساتھ اس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی۔ "اب ذرا ناگفتنی باتیں بھی دہرا دو تاکہ میں تمہاری کسی بات کا اعتبار کر سکوں۔"

میں نے ایک نظر دونوں عورتوں کی طرف دیکھا۔ ویرا ڈھیٹ اور بے شرم تھی۔ اس کے اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے میں کوئی اشارہ کرتا تو وہ میری ضد میں اور جم کر بیٹھ جاتی۔ وہ ہر قسم کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کی عادی تھی لیکن میں کم از کم غزالہ کے سامنے وہ سب نہیں کہہ سکتا تھا جو میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ میں نے غزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ ناگفتنی باتوں کا ذکر آ جانے پر وہ خود بھی پریشان تھی۔ فوراً اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

"سونیا کمال کو میں نے کل شام کو اٹھایا تھا۔ وہ واقعی کمال کی ہے اور بہت مزے دار عورت ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد ایک ایسی کہانی چھیڑ دی جو سیتا اور کوبرا کے درمیان نفرتوں کی ایک وسیع خلیج پیدا کر سکتی تھی "سونیا کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ میرے چنگل سے کسی بھی طرح نجات حاصل نہیں کر سکے گی۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے میرے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کر لیا۔ اس کے وجود کی مہک میں ابھی تک اپنے سانسوں میں محسوس کر رہا ہوں....." میں نے اپنی کہانی میں رنگ بھرنا شروع کیا تو ادھورا رہ گیا۔

"اس معاملے میں وہ آوارہ کتیا ہے۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی "مجھے تمہاری اور اس کی ان گھٹیا سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کمال ہے کہ تم ان باتوں کو گھٹیا سرگرمیاں قرار دے رہے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ تم ان ہی رنگینیوں کو زندگی کا نچوڑ سمجھتے ہو۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عملی زندگی کی ہر بات زبان پر نہیں لائی جاتی۔"

"میں اسی لیے ناگفتنی باتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ تفصیلات کا ذکر میں نے تمہارے اصرار پر چھیڑا ہے۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے کتیا پن پر اتر آئی۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس نے تمہیں فون نمبر کیسے دے دیا۔"

"میں بھی وہی بتا رہا تھا۔ جذبات کی روانی میں جب

وجود پگھلتے ہیں تو زبان پر بھی اختیار نہیں رہتا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے لڑکیوں کا قحط ہے۔ میں اسے ساری عمر اپنی قید میں رکھوں گا۔ تمہاری اس سیکرٹ ایجنٹ کو یہ پتا نہیں تھا کہ شوقین مزاج لوگ چوسے ہوئے آم کو دوبارہ منہ نہیں لگاتے۔۔۔"

"تو اس اُلو کی پٹھی نے تمہیں یہ بھی بتا دیا کہ وہ سیکرٹ ایجنٹ ہے!" وہ میری بات کاٹ کر غرایا۔

"سیکرٹ ایجنٹ کیا' وہ تو بلیک کیٹ ہے۔ اگر میری باتوں پر اب بھی اعتبار نہ آیا ہو تو میں کچھ اور بھی بتا سکتا ہوں۔"

"بتاؤ' ضرور بتاؤ۔ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"سب کچھ نہ کہو۔ بہت کچھ تو تم سننے کے روادار ہی نہیں ہو۔ اس کا اصل نام سیتا کانت ہے اور کوڈ بلی سی دو سو پندرہ" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا "مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ ایک منجھی ہوئی سیکرٹ ایجنٹ اتنی آسانی سے اپنی شناخت بتا سکتی ہے۔ اپنا یقین دلانے کے لیے اس نے اپنا زیر جامہ دکھایا جس کے اندر اسی نام اور کوڈ کا ٹیگ سلا ہوا تھا۔"

"تمہاری باتیں میرے لیے حیران کن ہیں۔ میں انہیں سچ مان لوں تو پھر اس نے مجھے فون کیسے کیا تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح ہونے لگی تھی۔

"چوسا ہوا آم کچرے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ دہلی سے مجھے مارنے آئی تھی مگر خود زیر دام آ گئی تھی۔ میں نے اس سے سب کچھ اگلوا لیا تھا۔ وہ میرے لیے بے کار ہو چکی تھی۔ رات کو میں نے اسے آزاد کر دیا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اس نے کہیں سے تمہیں فون کیا ہوگا۔"

وہ غدار نکلی۔ اس نے اپنے ساتھ میرا منہ بھی کالا کر دیا۔ اس نے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم اب بھی ہمارے نشانے پر ہو۔ تمہارا وقت بہت قریب آ چکا ہے۔ سیتا نہ سہی' کوئی اور تم تک پہنچ کر تمہارا کام تمام کر دے گا۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے یہ سب باتیں مجھے کیوں بتائی ہیں!"

"میں نے از خود تمہیں ایک لفظ نہیں بتایا۔ تمہارے اصرار اور فرمائش پر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اب ہم تمہاری شہ رگ سے بہت قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ تمہاری بے خبری میں کسی بھی وقت کاٹ دی جائے گی اور تم جہنم واصل ہو جاؤ گے۔"

"اور یہی بات تمہارے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔" قدرے بہتر فضا میں ہونے والی گفتگو میں یکایک تلخی نمل گئی تھی "یہ نہ سمجھنا کہ ایک بلیک کیٹ کو غداری پر اکسا کر تم نے کوئی بڑا پالا مار لیا ہے۔ ہم بھی تمہارے اردگرد منڈلا رہے ہیں۔ جال لمحہ بہ لمحہ تنگ ہو رہا ہے۔ کسی بھی وقت ڈوریاں کھنچ جائیں گی۔"

"اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ بات صرف ایک بلیک کیٹ کی نہیں ہے۔ سیتا کو میں نے پکڑا تھا۔ اس کی نشان دہی پر اب گوپال راج میرے قبضے میں ہے۔ تمہاری ساری بساط درہم برہم ہو چکی ہے۔ یہ ارجن کے خون کا خمیازہ ہے جو تم کو بھگتنا پڑے گا۔"

میں نے اپنی بات ارجن کے قتل تک محدود رکھی تھی۔ یہ کہنے سے گریز کیا تھا کہ گوبرا نے تک کے ایما پر ارجن کو مروایا تھا۔ حالانکہ میرے لیے وہ بات بہت زیادہ واضح ہو چکی تھی۔ اس کے اظہار میں خرابی یہ تھی کہ وہ بات مجھے کرنل داور کی حیثیت سے معلوم ہوئی تھی اور میں حتی الامکان اپنے ان دونوں کرداروں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم نے اسے بہت گندا کر کے چھوڑا ہے۔ اب یہ عورت میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔ میں اس کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔" گوپال کے انجام کی خبر سن کر حشمت بلکہ سوبھراج کی آواز میں وحشیانہ حد تک تندی آ گئی "مجھے یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ سیتا ہوٹل سے بھاگ گئی ہے تو گوپال کہاں مرا ہوا ہے۔ میں اسے شہر کے سارے اسپتالوں میں تلاش کروا رہا ہوں۔۔۔۔۔"

"اب یہ مشقت ختم کر دو۔ اسے لے جانے والے میرے ساتھی تھے۔" جب تک وہ زبان نہیں کھولتا' میں احتیاط سے اس کی مہمان داری کروں گا۔ جس لمحے اس کی زبان چل پڑی' میں اسے آزاد کر دوں گا۔ میں ایک نیک اور شریف آدمی ہوں۔ بے مقصد خون خرابے سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتا ہوں۔"

"مجھ سے چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ کون کون تمہاری پشت پر ہے۔ گوپال کو یقیناً ایس ٹی ایف والے اسپتال کے بہانے لے گئے ہوں گے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل سے تم جیسا آدمی کسی کو نکال کر نہیں لے جا سکتا۔ اس کے لیے حوصلہ اور اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"جب تم جیسے دو ٹکے کے سانپ اس ہوٹل میں اپنے ایک گہرے دوست کو ڈس سکتے ہیں تو پھر مجھے کون روک سکتا تھا۔"

"تم نے دوسری بار یہ بکواس کی ہے۔ میں تمہاری خرافات سے ڈرتا ہوں نہ الزام تراشی سے خوف زدہ ہوں۔

صرف تمہاری غلط فہمی دور کرنے کے لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے ارجن کے ناگہانی قتل کا گہرا قلق ہے۔ میں تم سے اس کے خون کا حساب بھی لوں گا۔"

اس کی دیدہ دلیری پر سب حیران رہ گئے۔ اس کا منہ توڑنے کے لیے وہ باتیں دہرانی ضروری تھیں جو میں نے کرنل داور بن کرنک کی زبان سے سنی تھیں۔ میں انہیں زبان پر نہیں لا سکتا تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا "یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ کون کس سے کس کے خون کا حساب لیتا ہے۔ ارجن کے قتل کے وقت تم کہاں تھے یہ تمہارا دل جانتا ہوگا۔ میں جلد ہی اس کا سراغ بھی لگا لوں گا۔ میں باتوں کی روانی میں اس سے حشمت کا ذکر کرتے کرتے رہ گیا۔ اس وقت اسے یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے تھی کہ میں اس کے مختلف ناموں سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ بلیک کیٹس سے کوبرا بن کر ہوٹل کے مختلف خالی کمروں میں ملتا رہا تھا مگر نک نے مجھے کرنل داور کے روپ میں جو مشورے دیے تھے ان سے ثابت ہو چکا تھا کہ سوبھراج ارجن کی مدد سے حشمت بن کر ہوٹل کے کسی کمرے میں قیام کرتا تھا اور پھر کوبرا کے روپ میں اپنے خفیہ دھندے چلاتا تھا۔

"تم نے اسے خود نہیں مارا مگر اسے تمہارے اشارے پر مارا گیا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "تمہاری چہیتی سیتا مجھے یہ بھی بتا چکی ہے کہ پہلے تم ان دونوں سے کوبرا کے روپ میں روزانہ ایک بار ضرور ملتے تھے مگر ارجن کے قتل ہوتے ہی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے۔ یہ محض اتفاق نہیں تھا۔ قاتل اپنی واردات مکمل کرنے کے بعد اسی طرح جائے وقوع سے غائب ہوتے ہیں۔"

"ڈینی! میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھ دی گئی ہے۔ تم زیادہ دنوں تک نہیں جی سکو گے!"

"تمہارے دو مضبوط ترین مہرے پہلی چال پر پٹ چکے ہیں۔ اگر تم را والوں کے بھی سرپرست تھے تو وہ بھی بری طرح مارے گئے۔ تمہارا سارا نیٹ ورک تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ تمہارے امریکی چہیتے بوکھلا کر دوبارہ اشتہار بازی پر اتر آئے ہیں۔ وہ جب کوئی بڑی زک اٹھاتے ہیں، کھسیانی بلی کی طرح یوں ہی کھمبا نوچنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"اب میں نے بھی تمہاری کمر توڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم تک پہنچنے کے لیے اول خان کو راستے سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اس وقت کراچی میں وہی ایس ٹی ایف کا سرغنہ ہے۔" اس کی آواز میں نفرت اور حقارت کی آمیزش تھی۔

وہ گفتگو الزامات اور جوابی الزامات میں الجھ گئی تھی لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اس بات چیت کو ختم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ جس طرح مجھے کوبرا کا دماغ پڑھنے اور اس کے اگلے اقدامات کا اندازہ لگانے کا موقع مل رہا تھا، شاید اسی طرح وہ بھی میرے جوابات سے کچھ کار آمد نتائج اخذ کر رہا تھا۔

ہم سب کے لیے اس کی آخری دھمکی بہت سنگین اور تشویش ناک تھی۔ ہم چاروں پس پردہ اور کسی حد تک زیر زمین رہ کر کام کر رہے تھے لیکن اول خان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اپنے روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اسے ہر وقت موجود اور متحرک رہنا پڑتا تھا۔ اگر سوبھراج جیسا بارسوخ شخص اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا تو یہ فکر و تشویش کی بات تھی۔ کرایے کا کوئی بھی قاتل اول خان کے معمولات کی نگرانی کر کے اپنی پسند کے وقت اور موقع پر کامیاب قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا۔

سوبھراج کو ایسی کسی حرکت سے روکنا بہت ضروری تھا۔ میرے لیے وہ نازک موقع تھا۔ کوئی بڑی اور انتہائی خوفناک جوابی دھمکی ہی اسے اول خان کے خلاف قاتلانہ سازش سے روک سکتی تھی۔ میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر وہ سب کہہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا جسے میں اس وقت تک اپنی زبان پر لاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"تم کان کھول کر سن لو کہ اب اول خان کا بال بھی بیکا ہوا تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ آج وہ حالات نہیں ہیں جب تمہارے بلیک کیٹس اول خان کا بازو زخمی کر کے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تمہارے خلاف میرے پاس مضبوط شواہد موجود ہیں......"

اس نے میرے معاندانہ لہجے کی پروا کیے بغیر میری بات کاٹ دی اور کہا "میں تمہاری ان ہرزہ سرائیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ تم کبھی میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔"

"کل تم یہ دعویٰ کر سکتے تھے۔ آج اس خوش فہمی کو اپنے ذہن سے نکال دو۔" میں نے حقارت سے کہا "پولیس ریکارڈ پر حشمت کا نام آ چکا ہے......"

"تم کس حشمت کی بات کر رہے ہو؟" اس بار اس نے یقیناً کچھ سوچے سمجھے بغیر، اضطراری انداز میں میری بات کاٹی تھی۔

"وہی حشمت جو ارجن کے قتل کے وقت ہوٹل کے

کمرا نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا تھا اور ارجن کے قتل کی افراتفری میں خاموشی سے کسی وقت ہوٹل سے بھاگ گیا۔ اس نے فون پر اپنی مزید بکنگ منسوخ کرا دی اور اب اس کا نام میری لسٹ پر ہے۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟ حشمت سے میرا کیا تعلق؟" اس کی آواز ایک دم ڈھے گئی۔ میری زبان سے اچانک حشمت کا تذکرہ سن کر اس کی آواز میں پریشانی کا عنصر پیدا ہو گیا تھا۔

"اب میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔" میں نے مضبوط اور فیصلہ کن آواز میں کہا "تم ہوٹل کے مختلف خالی کمروں میں کوبرا بن کر بلیک کیٹس سے ملتے رہے اور سمجھتے رہے کہ تمہارا راز ارجن کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا۔ تم یہ بھول گئے کہ وہ دونوں تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ ہیں۔ وہ تمہارے تابع نہیں تھے۔ تمہیں بیچ کے پیغام رساں کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ انہیں تجسس تھا کہ کوبرا کے سیاہ نقاب کے پیچھے کون ہے۔ دو دن پہلے انہوں نے تم سے ملنے کے بعد چھپ کر کمرے کی نگرانی کی۔ وہاں سے نقاب پوش کوبرا کے بجائے حشمت خان برآمد ہوا جو اپنے گرد و پیش کی پروا کیے بغیر کمرا نمبر تین سو دس کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟"

اسے اول خان کے خلاف کسی اقدام سے روکنے کے لیے میں نے وہ کہانی اسی لمحے گھڑی تھی اور اسے بھی سیتا کے کھاتے میں ڈالنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس طرح ایک پنتھ دو کاج ہو رہے تھے۔ ایک طرف کوبرا اور حشمت کا تعلق ثابت ہو رہا تھا۔ دوسری طرف سیتا اور کوبرا کے درمیان نفرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اگر سیتا، گلاب خان کے گھر سے فرار ہونے کے بعد ہر طرف سے مایوس ہو کر کوبرا سے پناہ کی طلب گار ہوتی تو وہ اسے اپنے جال میں پھانس کر، اس کی کوئی وضاحت سنے بغیر، بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

سیتا کسی معافی کی مستحق نہیں تھی، اسے ہر قیمت پر اپنے کیفر کردار کو پہنچنا چاہیے تھا۔

"میں سب سن رہا ہوں۔" اس بار قدرے سکوت کے بعد اس کی بوجھل آواز آئی تھی۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ گوپال نے ابھی تک زبان نہیں کھولی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت بکواس بھی سیتا نے تمہیں، تمہارے سینے سے لگ کر سنائی ہوگی۔"

"میں بار بار کچھ نہیں کہوں گا۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ اندازہ لگا سکتے ہو کہ اندر کی باتیں کون کھول سکتا ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئے میری نظر ویرا پر پڑیں تو وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑے مجھے گھور رہی تھی۔ دوسروں کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹیں تیر رہی تھیں۔ ان میں غزالہ بھی شامل تھی۔ وہ میری بے خبری میں، کسی کے ایما پر یا اپنے تجسس سے مجبور ہو کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آن بیٹھی تھی۔

اول خان نے اپنا داہنا مکا بند کر کے انگوٹھا اوپر اٹھا کر ستائشی انداز میں اسے زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی دانست میں، میں صحیح جا رہا تھا۔

"اس کے تابوت میں آخری کیل اسی وقت ٹھک گئی تھی جب اس نے تمہیں میرا سیکرٹ سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ یہ سب اس کے خلاف اضافی شہادتیں ہیں۔"

"لیکن یہ تمہارے خلاف بھی ہیں۔ میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں نے حشمت کا فیصل آباد کا پتا چیک کیا تھا۔ وہ سرے سے بے بنیاد ہے۔ تم نے ہر احتیاط کر لی مگر اپنی آستین میں پلے ہوئے سانپوں کو بھول گئے۔ تمہارا خیال تھا کہ کوبرا کو کوئی نہیں ڈس سکتا مگر تم ڈس لیے گئے۔ حشمت خان کا حلیہ اب بدل چکا ہوگا۔ وہ کوئی اور تھا، جو بھی تھا، اسے یاد نہیں رہا کہ داڑھی اور مونچھوں میں اس کے طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے خم دار ناک نہیں چھپ سکے گی۔"

اس بار سکوت قدرے طویل تھا۔ ایک گہرے سانس کے بعد آواز ابھری "ناک کا تفصیلی ذکر میں نے کہیں نہیں سنا۔"

"یہ میری اپنی تحقیق ہے اور ابھی میری ذات تک محدود ہے۔"

"ڈینی! تم بہت خطرناک ہو گئے ہو۔ فوری طور پر تمہارا سر کچلنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"کوشش کرتے رہو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میری زندگی میں اگر کسی نے بھی اول خان کو کوئی نقصان پہنچایا تو تمہاری ناک والی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل جائے گی۔ تمہیں داڑھی مونچھیں لگا کر پولیس ارجن کے ہوٹل میں لے جائے گی تو کسی شناختی پریڈ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ سارا عملہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تمہیں حشمت خان کے نام سے سلام کرے گا۔ میں تمہاری ساکھ اور عزت خاک میں ملا دوں گا۔"

"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟" دوسری طرف سے سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

"یہ سودے بازی ہے۔ تم اسے اپنی مرضی کا کوئی بھی نام دے سکتے ہو۔ جب تک اول خان محفوظ رہے گا' حشمت کی ناک کی بناوٹ میرے دل و دماغ میں محفوظ رہے گی۔ جوں ہی اسے زک پہنچی' یہ بات ہر طرف پھیل جائے گی۔ سودے کو منظور یا منظور کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

"کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ جب تک اول خان محفوظ رہا میں بھی بچا رہوں گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم مجھے تلاش کرتے رہو' میں تمہاری گھات میں لگا رہوں گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ ایک طرح سے ہمارا ذاتی جھگڑا ہو گا۔ جس کا پہلے داؤ چل گیا' وہی فاتح ہو گا۔ دوسری صورت میں سب سے پہلے قانون تمہارے خلاف حرکت میں آئے گا۔"

"میں قانون کی پروا نہیں کرتا' بس بدنامی سے خوف ضرور آتا ہے۔"

اس وقت تک میں نے سوبھراج کا نام نہیں لیا تھا لیکن وہ واضح طور پر سمجھ چکا تھا کہ بات کس خطرناک رخ پر جا رہی تھی۔

"اس بار قانون پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ کسی کا رتبہ قانون کے آڑے آ سکے گا۔"

"تم بہت سخت اور ضدی ہو۔ سیتا نے تمہارے سحر میں گرفتار ہو کر واقعی بہت کچھ برباد کر دیا۔ مجھے فیصلہ کرنے کے لیے کل تک کا وقت درکار ہے۔"

"اس مہلت میں تم میری کمر توڑنے کے لیے اول خان کا کام تمام کر دو گے۔" میں نے طنز سے پوچھا۔

"قسمت خراب ہو اور اسے کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے تو اور بات ہے۔ میری طرف سے اس پر کوئی وار نہیں ہو گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ سوبھراج کا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا ہے۔"

میرا دل خوشی سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی نے میرے سینے پر ہلکی سی برف رکھ دی ہو۔ سب کے چہرے مسرت سے تمتما اٹھے۔ ایک تھکا دینے والی طویل ذہنی جنگ کے بعد آخر کار وہ اپنی زبان سے اپنا نام لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"پھر میں کل شام پانچ بجے تم کو فون کروں گا۔" میں نے اسے دانستہ وہی وقت دیا جو اس کے پرسنل سیکریٹری نے ویرا کو سوبھراج سے انٹرویو کے لیے دیا تھا۔ سوبھراج اب واقعی زخمی سانپ بن چکا تھا۔ وہ اپنی زد میں آئے ہوئے سایوں پر بھی پھن مار رہا تھا۔ اس نازک موقع پر ویرا کا اس کے روبرو جانا قطعی مناسب نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔ مجھے اپنا نمبر بھی دے دو تاکہ ضرورت ہو تو میں تم سے رابطہ کر سکوں۔"

"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" اس بار میں نے سرد اور سخت آواز میں کہا "میں نے نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے تمہارا خفیہ نمبر حاصل کیا تھا۔ تم بھی اتنی ہی محنت کرو گے تو تمہیں میرا نمبر مل جائے گا۔ تم نے ابھی سے ہوشیاری دکھانی شروع کر دی۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"میرا سیٹ لائٹ نمبر خفیہ ہے۔ دوسرے نمبر ڈائرکٹری میں موجود ہیں۔ میں نے تمہارا فون نمبروں ہی پوچھ لیا تھا۔" اس کی بے پروایانہ آواز آئی۔

"میرا ایک ہی نمبر ہے اور وہ خفیہ ہے۔" میں نے اسے بتایا "ہمیں اپنی گفتگو کو صرف ضروری باتوں تک محدود رکھنا چاہیے۔ غیر ضروری باتوں سے غلط فہمیاں جنم لیں گی۔"

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تمہارے چنگل سے رہائی کے بعد سیتا کہاں مل سکے گی۔ تمہارے کسی آدمی نے ضرور اس کا پیچھا کیا ہو گا۔ تم اسے آزاد کر چکے ہو۔ اب وہ میری مجرم ہے۔ اس سے اپنا حساب بے باق کر کے میرے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔" وہ اسی ٹھنڈک کا متلاشی تھا جو ذرا سی دیر پہلے مجھے حاصل ہو چکی تھی۔

"میں کسی سلسلے میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔" میں نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا "تم بھول رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے حلیف نہیں حریف ہیں۔ ہمارے درمیان ایک نکتے پر سمجھوتا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہماری دشمنی دوستی میں بدل گئی ہے۔ ہماری راہیں ہر حال میں جدا جدا ہیں۔"

"تم شی کی سنڈیکیٹ میں رہ چکے ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی "یہ جانتے ہو گے کہ سمجھوتے سے انحراف کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں جرائم کی دنیا سے تائب ضرور ہو چکا ہوں لیکن اس کے سارے قواعد و ضوابط مجھے آج بھی ازبر ہیں۔"

"میں مجرم نہیں ہوں' میں نے کوئی جرم نہیں کیا......"

وہ میری زبان سے جرائم کی دنیا کا ذکر سن کر بھڑکا مگر میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اچک لی اور کہا "ہر بڑا مجرم ابتدا میں خود کو مصلح سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ہر جرم کو بے داغ اور مکمل سمجھتا ہے لیکن درحقیقت کوئی جرم مکمل نہیں ہوتا۔ ہر مجرم اپنا کوئی نہ کوئی سراغ ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ کوئی

... سراغ تک نہیں پہنچے تو جرم بے داغ کہلاتا ہے۔ اس
... کی نشان دہی ہو جائے تو مجرم پکڑا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی
... تمہاری آگے سے مڑی ہوئی ناک۔ پولیس سمیت
... سے بھولے رہے۔ یہ نکتہ میرے علم میں آگیا۔"

"اس وقت تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ جو چاہو' کہہ
... میں تمہیں نہیں روک سکتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ
... کوئی جرم نہیں کیا۔ تم بلاوجہ ہذیان میں مبتلا ہو......"

"شاید تم نے جرم نہ کیا ہو۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے
... "لیکن تم بڑے مجرموں اور دہشت گردوں کی سرپرستی
... رہے ہو۔ کل گوپال نے ایمپریس مارکیٹ کے قریب
... خانے میں ٹائم بم چھپایا تھا جسے ٹھیک پانچ بجے پھٹنا
... وہ پھٹ جاتا تو صدر کے اس مصروف علاقے میں نہ
... جانی و مالی نقصان ہوتا۔"

"یہ خبر تم کو کس نے دی ہے؟" اس نے میرا فقرہ مکمل
... ہی سوال داغ دیا۔

"اس کے لیے کسی مخبر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس
... میں گوپال کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں ٹائم بم کی تلاش میں
... رک گیا ہوتا تو شاید وہ کسی بکھیڑے کے بغیر میرے قابو
... آتا اور تمہیں اس کو شہر کے اسپتالوں میں نہ ڈھونڈنا
...۔"

"تمہیں اس وقت اپنی کامیابیوں پر ہرزہ سرائی کا پورا
... حاصل ہے لیکن جلد ہی تمہیں خاک چاٹنی پڑے گی۔"
... زہریلی آواز آئی۔

"... خاک چاٹتا ہے۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا۔
... وقت میں تمہیں تمہارے جرم کے بارے میں بتا رہا
..."

"گوپال نے کہیں بم رکھا تھا تو وہ اس کا انفرادی فعل
... وہ میرا جرم کیسے بن گیا؟" اس کی آواز چڑچڑی ہو گئی۔

"شام ساڑھے چھ بجے اس نے ہوٹل کی لابی سے تمہیں فون
... تم نے اسے بتایا کہ متوقع دھماکا نہیں ہو سکا۔ منصوبہ
... ہو گیا۔ تم گوپال کے اس جرم میں برابر کے شریک
..."

"جب گوپال نے زبان ہی نہیں کھولی تو تمہیں یہ ساری
... کس نے بتادیں!"

"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن تم سے بات ہونے
بعد سیتا سے ضرور تبادلہ خیال کیا تھا۔" میں نے معنی خیز
... میں کہا "اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارا کیس کمزور
..."

"تم ان خرافات کو دہرا کر مجھے ہراساں نہیں کر سکتے۔"
تلخ آواز میں جواب آیا "بس میری ایک بات یاد رکھنا کہ
معاہدے کی پوری پوری پاس داری ہونی چاہیے۔ میں اول
خان کو نہیں چھیڑوں گا۔ تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ میری
عزت اور ساکھ پر ذرا سی بھی آنچ آئی تو میں نتائج کی پروا کیے
بغیر سب کچھ تباہ کر دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ جب کوئی بڑا جہاز
ڈوبتا ہے تو اپنے ساتھ نہ جانے کیا کچھ لے ڈوبتا ہے۔ میرے
ساتھ سب سے پہلے تم ڈوبو گے۔ تمہارے حواریوں میں سے
کوئی بھی نہیں بچے گا۔"

"چوٹ کھایا ہوا۔ مشتعل سانپ خطرناک ہوتا ہے۔
اس وقت تم بھی جذباتی ہو رہے ہو۔" میں نے اسے مزید تاؤ
دلانے کے لیے مربیانہ انداز میں کہا "میں مزید کچھ نہیں کہوں
گا۔ تم سے باقی باتیں کل شام کو ہوں گی۔ میں ٹھیک پانچ بجے
رنگ کروں گا۔"

"خدا کی پناہ!" ویرا دونوں ہاتھوں سے اپنے کان
مروڑتے ہوئے بولی "تم کس قدر روانی سے اور کیسے سفید
جھوٹ بولتے ہو۔ ہر بات کھینچ تان کر اس طرح سیتا کے سر
ڈال دی کہ وہ بھی تمہاری باتوں میں آگیا۔ ان باتوں سے تم کیا
نتیجہ حاصل کرنا......"

"تم نے بہترین گفتگو کی۔" اول خان نے ویرا کی بات
کاٹ کر کہا "اب سوبھراج اس کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔
سیتا ادھر کا رخ کرے گی اور ماری جائے گی۔ اس پر ایک
کمین گاہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ میں
شرمندہ ہوں کہ مجھے بچانے کے لیے تمہیں اس خبیث سے
ایک سمجھوتا کرنا پڑا۔ وہ اپنے مردود پن پر مل جائے تو کسی بھی
وقت مجھے مروا سکتا ہے۔ مجھے اپنے فرائض کی بجاآوری کے
سلسلے میں وقت بے وقت شہر کے کسی حصے میں جانا پڑتا ہے۔
اس کے آدمی گھات لگا کر مجھے نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

"بظاہر سمجھوتا ہو گیا ہے لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر
سکتا۔ تمہیں ہر وقت محتاط رہنا ہو گا۔" میں نے اسے سمجھایا
"تمہاری پیشہ ورانہ مجبوریاں میری نظروں میں ہیں۔ اسی لیے
میں نے بروقت اس کی بات پکڑ لی اور غنیمت ہے کہ وہ بھی
جھکنے پر آمادہ ہو گیا۔"

"آمادہ کیسے نہیں ہوتا آپ نے اول خان کی سلامتی کو
اس کی ناک کا مسئلہ بھی تو بنا دیا تھا۔" غزالہ نے ہلکی سی مترنم
ہنسی کے ساتھ کہا۔

"یہ تمہارے لیے خاصا کڑا وقت ہے۔" ویرا ہم دونوں
کی تائید کرتے ہوئے اول خان سے بولی "ایک طرف

سوبھراج تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے تو دوسری طرف تک تمہارا تبادلہ کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ اس وقت تمہیں اپنے سایے سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"اس وقت مجھے کسی خطرے کی پروا نہیں ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "جن لوگوں کو ڈینی جیسے خیر خواہ میسر ہوتے ہیں' ان کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اس وقت ڈینی نے سوبھراج کو ہر طرح باندھ کر رکھ دیا تھا۔"

"ایک بات میرے دماغ میں آ رہی ہے۔ کہو تو میں کہہ ڈالوں!" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا اور میں نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ تم نے بہت تسلسل اور اعتماد سے سوبھراج سے جھوٹ بولے ہیں۔" اس نے میرا اشارہ پا کر کہنا شروع کیا "ہمیں ان کا ثمر بس اسی وقت تک ملے گا جب تک سیتا اور سوبھراج کے درمیان بات نہیں ہوتی۔ ایک بار ایسا رابطہ ہو گیا اور سوبھراج نے اپنی برہمی دکھائی تو سیتا بھی اپنی صفائی پیش کرے گی۔ اس کے نتیجے میں تمہاری پھیلائی ہوئی ساری غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔"

"میں الل ٹپ نہیں بول رہا تھا۔" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "میرے ذہن میں گوپال کی کہی ہوئی بات اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ تازہ تھی۔ وہ بتا چکا تھا کہ اس کی اور سیتا کی متفقہ رائے تھی کہ کام کوبرا نے خراب کیا ہے پھر بھی سیتا ایک بار اسے اپنی روپوشی کی رپورٹ دے چکی ہے تاکہ حالات بگڑنے کی خبر دہلی والوں تک پہنچ جائے۔ اب وہ دوبارہ کوبرا سے رابطہ نہیں کرے گی۔ اس کے فون کے بارے میں خود سوبھراج بتا چکا ہے۔"

"سوبھراج اس کے خلاف طیش میں آیا ہوا ہے۔ وہ اپنے آدمیوں سے کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج نکلوا لے گا اور وہ بے کسی کی موت ماری جائے گی۔ یہ سب اس طرح نہ ہوا تو واقعی گڑبڑ ہو جائے گی۔" اول خان نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی۔" میں نے اصرار کیا "سیتا کہے گی کہ اس نے کبھی کوبرا کا پیچھا نہیں کیا۔ سوبھراج اسے نہیں مانے گا۔ وہ جاننا چاہے گا کہ پھر مجھے کیسے پتا چلا کہ حشمت تین سو دس میں ٹھہرا ہوا تھا اور خالی کمروں میں کوبرا بن کر ان سے ملا کرتا تھا۔ اس کے لیے اہم ترین مسئلہ سیٹ لائٹ فون نمبر کا ہے۔ سیتا بے گناہی کا دعویٰ کرے گی تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ میرے پاس وہ خفیہ ترین فون نمبر کیسے آیا۔ یہ بہت منطقی باتیں ہیں۔ سیتا کے لیے سوبھراج کے سامنے اپنا دفاع کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"سیتا نے کوبرا کو اپنی قید اور پھر فرار کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔" اس وقت سلطان شاہ کا ذہن صحیح لائن پر کام کر رہا تھا "اس نے یہی کہا ہو گا کہ ہوٹل کے حالات مخدوش ہونے کی وجہ سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہو گی کہ وہ ڈینی سے ملی ہی نہیں تو اسے یہ معلومات کیسے فراہم کر سکتی تھی۔"

"سیتا اپنے دفاع میں سب کچھ کہہ سکتی ہے۔ اس پر اعتبار کون کرے گا۔ مجھے اس کے نام اور کوڈ سے لے کر سوبھراج کے خفیہ فون نمبر تک بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ یہ سب سیتا نے بتایا ہے۔ یہ اس کے خلاف اٹل ثبوت ہیں۔"

"کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ ڈینی کو یہ ساری باتیں گوپال نے بتائی ہوں گی جسے دیدہ دلیری کے ساتھ ہوٹل سے اٹھایا گیا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"سوبھراج کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ مجھے گوپال کی کہی ہوئی باتوں کو سیتا سے منسوب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" میں نے اپنی کہانی کا دفاع کیا "اس کا مقصد مجھے اور ہم سب کو معلوم ہے۔ سیتا مر کر بھی سوبھراج کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکے گی۔"

"خفیہ فون نمبر کے افشا کے ساتھ' سوبھراج کے نزدیک ان دونوں کا دوسرا بڑا قصور وہ فرضی تعاقب ہو گا جس کے نتیجے میں ان پر کوبرا کی اصل شخصیت منکشف ہوئی۔" وہ پرسکون لہجے میں بولی۔ کوبرا کو سوبھراج ثابت کرنے کے لیے وہ ڈینی کے جھوٹ کا ایک شان دار موڑ تھا۔ کوبرا نے نقاب اتار دیا تو اندر سے حشمت برآمد ہوا۔ حشمت کی ناک نمایاں ہے جسے کسی بھی طرح نہیں چھپایا جا سکتا اس لیے وہ داڑھی مونچھوں میں چھپا ہوا سوبھراج تھا۔ ساری کڑیاں اسی طرح سے یک جا ہوئی ہیں۔"

"بار بار میرے جھوٹ کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش مت کرو۔ میری ہر بات اپنی جگہ درست اور اٹل ہے۔ بس کرداروں کے ناموں میں ذرا سا ہیر پھیر کرنا پڑا۔ سوبھراج کو محض جھوٹ کے سہارے دیوار سے لگانا ممکن نہیں تھا۔"

"اصل بات یہی ہے۔" میرے اعتراض پر غزالہ خوش ہو کر بولی "آپ پر دروغ گوئی کا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔"

"ڈینی نے تمہیں یہاں سے بھگا دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا جھوٹ ہم تینوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔" ویرا نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "وہ باتیں تم نے سن لی ہوتیں تو حسد اور رقابت کی ایک آگ سی تمہارے سینے میں بھڑک اٹھتی۔ وہ ڈینی پر مرمٹی۔۔۔"

"تو۔۔۔ ویرا' اب آگے نہ بولنا۔" اول خان نے اسے وہیں روک دیا "کیوں اس بے چاری کا دل خراب کر رہی ہو۔"

"ہمارا رشتہ مضبوط ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "ایسی چھوٹی موٹی اور فرضی باتوں سے ہمارے دلوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"آج میں تمہیں مان گئی۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا "تمہاری باتوں کے گھیراؤ میں اسے خود قبول کرنا پڑا کہ وہ سوبھراج ہے۔ بس تم نے سیتا کا نام بہت بے رحمی سے استعمال کیا۔"

"اس لمحے مجھے نرگس یاد آئی تھی۔ وہ میرے قریب ہوتی تو میں بے اختیار اس کی پیشانی چوم لیتا۔ اس نے مجھے سب سے اہم سراغ فراہم کیا تھا۔"

"یہ ہوتا ہے شوہروں کو ڈھیل دینے کا نتیجہ!" ویرا نے بے ساختہ فقرہ چست کر دیا "غنیمت ہے کہ وہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔ ہوٹل کے کسی کمرے سے جھوٹے برتن سمیٹ رہی ہو گی۔"

"تم اس کی تحقیر کرنے کی مرتکب ہو رہی ہو۔" میں نے ویرا کو گھور کر کہا "یہ یاد رکھو کہ کوئی کام حقیر نہیں ہوتا۔ ہاتھ پھیلانے سے کام کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اگر بھنگی گلی گلی سے غلاظتیں سمیٹنے کا گھٹیا کام نہ کریں تو ہزاروں بلکہ لاکھوں سفید پوش شرفا کا جینا حرام ہو جائے۔"

"میں نے اسے بھنگی تو نہیں کہا۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ بہت محنتی اور فرض شناس عورت ہے۔ اس نے ایک ایسی بات نوٹ کر لی جس پر کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔ اس نے حشمت کی ناک کی صحیح ترین بناوٹ بیان کر کے میرے لیے ایک ڈرامائی راستہ پیدا کر دیا۔ وہ عزت و احترام کے لائق ہے۔" میں نے ویرا کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے تم سارے شہر کی عورتوں اور قابل عزت بھنگیوں کو چومتے پھرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ یہ باتیں تو غزالہ کے سوچنے کی ہیں کہ تم کدھر جا رہے ہو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور میں ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ فضول گوئی کے شعبے میں اس سے جیتنا آسان نہیں تھا۔

گوپال راج ہماری تحویل میں تھا اور پوری طرح تعاون پر آمادہ تھا۔ اس کی نشان دہی پر ہم سیتا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن سیتا کے ستارے یاور تھے۔ وہ گلاب خان کے گھر سے ہمیں جل دے کر نکل گئی۔ وہ کہاں گئی تھی۔ اس بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ مجھے ایک موہوم سی امید تھی کہ گوپال پر مزید کچھ محنت کی جاتی تو شاید وہ سیتا کی نئی کمین گاہ کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔

سیتا ایک چلتے پھرتے فتنے سے کم نہیں تھی۔ میں نے سوبھراج کو اس کے خلاف خوب بھڑکایا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ جلد از جلد اسے گھیرنے کی کوشش کرے گا لیکن میں صرف اس کی کوششوں پر انحصار نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں اپنے طور پر بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے تھا۔

میں نے اس بارے میں اول خان سے بات کی تو وہ کسی اعتراض کے بغیر میری رائے سے متفق ہو گیا۔ وہ عملی دنیا کا آدمی تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے اسے چڑ ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف واپس جاتے ہوئے میرے ذہن میں تین نام چکرا رہے تھے۔ پہلا نام سوبھراج کا تھا جو ہمارے سامنے تھا۔ اس سے تفصیلی گفتگو ہو جانے کے بعد اس کے جرائم کے خلاف کسی چھان بین کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ باقی نام نام اور رنک کے تھے۔ سوبھراج کی طرح ان دونوں کو بھی بہت سے تحفظات حاصل تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ ہوٹل سے دونوں بلیک کیٹس کے غائب ہو جانے کے بعد وہ کیا کر رہے تھے۔

یہ غنیمت تھا کہ بن ڈیوڈ کی مکمل شکست کے نتیجے میں ایک اضافی سی ایس ڈی ہمارے ہاتھ آ چکی تھی۔ میں اول خان کے دفتر میں بیٹھ کر فون پر آزادی سے ہر وہ کام کر سکتا تھا جس کے لیے پہلے مجھے بار بار گھر کی طرف دوڑ لگانا پڑتی تھی۔

"کیا بات ہے۔ اس وقت تم بالکل خاموش ہو گئے ہو۔" یونیورسٹی روڈ پر کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان نے مسکرا کر مجھے ٹوکا "معلوم ہوتا ہے کہ پھر کسی کی کم بختی آنے والی ہے۔"

"چلتے رہو۔ اب دفتر پہنچ کر ہی بات ہو گی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

گاڑی میں دوبارہ خاموشی ہو گئی۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ ہمیں تیزی سے اسٹیشن فور سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کرتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ذون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں زیوذا اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ زیوذا اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل انل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں معروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا' میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا' چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ہیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے ہیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں' میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کر لی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں معروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کر لیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کر ڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جس میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جیک اسمتھ میری ہیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کر دیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کر لیے جس کے مطابق اس کا نام بن ذیوڈ تھا۔ وہ بن ذیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کر دیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ذیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کر دی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں' میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ بن ذیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ذیوڈ کراچی کے کسی سی نائین عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسمیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسمیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کر لیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہو چکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں سے ایک کو وجے پر شک ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ذینی اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہو سکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دبکے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی تائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی تائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک بار و سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ذینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں نپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک بار و نے تصدیق کر دی کہ ذینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ اپنی بدنامی سے خوف زدہ تھا۔

o*o

صاف ستھرے اور کشادہ کمرے میں وہ شاید آرام سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وہ چوکنا ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ ہمارے چہروں پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے سے تشویش اور پریشانی کے آثار رفع ہو گئے۔

اس کے چہرے وغیرہ پر شدید ضربات کے نشان ضرور موجود تھے لیکن ان کے باوجود وہ خاصا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ پچھلی رات ہمارے اور خاص طور پر ویرا کے ہاتھوں اس کی جو درگت بنی تھی' اس کے پیش نظر نئے کمرے میں ملی ہوئی آسائشیں اس کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھیں۔

ہمیں دیکھ کر اس کے مضروب اور متورم ہونٹ ذرا پھیلے۔ غالباً اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی پھر اس کی نرم آواز آئی ''رات کو تم نے مجھے مراعات یافتہ قیدی قرار دیا تو میں سمجھا کہ تم مجھ پر طنز کر رہے تھے لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے اپنے وعدے کا پاس کیا۔ میں آرام سے ہوں۔ میں نے گہری نیند لی ہے۔ تمہارے آدمی میرے زخموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ میری دوسری ضروریات کا بھی خیال رکھا جا رہا ہے.....''

''کسی شرط اور وعدے وعید کے بغیر اپنی زبان کھول کر تم بہت دردناک عذاب سے بچ گئے۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر وضاحت کی ''اڑیل مجرموں کی طرح تم بھی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے تو مار مار تمہاری چمڑی ادھیڑ دی جاتی اور آخر کار تمہیں زبان کھولنے پر مجبور کر دیا جاتا۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے تمہیں دہلی میں مظہر خان کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ اس لیے پہلی نظر میں ہی تمہیں پہچان لیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں تمہارے ہاتھوں بازی ہار چکا ہوں۔ اگر میں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اول خان نے خشک لہجے میں کہا ''تم نے مزاحمت نہ کی ہوتی تو پٹ کر لہولہان نہ ہوئے ہوتے۔''

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بولا ''وہ چھوٹی موٹی بات تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ میں ڈینی کو پہچانتے ہی اپنی ناک سے زمین پر لکیریں نکالتا اور ہاتھ جوڑ کر سب کچھ بتانا شروع کر دیتا۔ را اور پھر بلیک کیٹس کی تربیت بہت سخت ہوتی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر رازداری کا سبق سکھایا جاتا ہے۔ تم کو بھی اندازہ رہا ہو گا کہ تم مجھ سے آسانی سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔ اصولی طور پر مجھے مر جانا چاہیے تھا۔ جھکنا نہیں تھا۔''

''میں یہی کہہ رہا ہوں۔'' اول خان نے زور دے کر کہا ''تم نے اٹھان ایسی ہی لی تھی۔''

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھتا رہا پھر دھیمی اور پُرخیال آواز میں بولا ''میں اپنے وطن کا غدار نہیں ہوں۔ شاید میں بھی مر جاتا اور تمہیں ایک لفظ نہ بتاتا۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی میں نے تمہیں کوئی راز کی بات نہیں بتائی۔ وہی سب دہرایا ہے جو سیتا تمہیں' مجھ سے پہلے بتا چکی تھی۔ اس کی غداری کی خبر نے میرا حوصلہ توڑ دیا۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ جب اس نے پیندے میں سوراخ کر دیا تھا تو میں اس کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ میں اکیلا اپنے وطن کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ وہ برابر کی ذمہ دار تھی۔ میں نے دہلی میں کچھ سوچ کر اسے اپنے ساتھ لانے پر رضامندی ظاہر کی تھی مگر وہ حوصلے کی بہت کچی نکلی۔''

''دہلی میں تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا تھا؟'' اول خان نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ خوبصورت اور ازاربند کی ڈھیلی عورت ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ پاکستانی مردوں کو آسانی سے بے وقوف بنا کر ہم دونوں کے لیے راستہ بنا لے گی۔'' اس نے مایوسانہ لہجے میں جواب دیا ''اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور تم نے پرواز سے پہلے ہم دونوں کے پر قینچ کر دیے۔ اب بھی وہ اپنی زبان بند رکھتی تو کچھ نہ کچھ ہو سکتا تھا۔ ہماری زبانیں کھلوائے بغیر تم ہمیں مار نہیں سکتے تھے۔ ہر طرح کا تشدد کر کے تم زچ آ جاتے تو شاید ہمیں رہا کر کے اپنے آدمی ہمارے پیچھے لگا دیتے۔ ہم انہیں جل دے سکتے تھے۔ بہت کچھ ہو سکتا تھا مگر سیتا نے ہر امید خاک میں ملا دی۔''

''پھر اپنے تعاون کے ڈنکے کیوں پیٹ رہے ہو۔ تمہیں مایوس کرنے والی سیتا ہے۔'' اول خان بولا۔

''پہلی کوئی غلطی کوبرا سے ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ارجن مارا گیا اور ہمارے قدم اکھڑ گئے۔'' اس وقت وہ کھلے دل سے باتیں کرنے کے موڈ میں تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''دوسری اور زیادہ بڑی غلطی بلکہ غداری سیتا نے کی۔ اس کے بعد میری ساری مزاحمت بے سود تھی' سچ پوچھو تو میں نے تمہیں ہر سوال کا صحیح جواب دے کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ تم جب چاہو' میری زندگی کا چراغ گل کر سکتے ہو۔''

''ہم نے بھی تمہیں مراعات دے کر ایک خطرہ مول لے لیا ہے۔ تم جب چاہو' خودکشی کر سکتے ہو۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''میں بزدل نہیں ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کے ایک ایک

لمحے سے سچا پیار ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اور سیتا کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اسے خودکشی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جوان اور خوبصورت عورت ہے' چلتّر باز بھی ہے۔ اپنے لیے کسی نہ کسی کے دل میں محبت نہ سہی تو رحم کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔"

"وہ واقعی چالاک عورت ہے۔" میں نے اعتراف کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "اس نے تمہاری طرح حماقت نہیں کی۔ ہمارے یہاں کے مرد عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں۔ اس کی تواضع کے لیے ہم ویرا کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ تم اس کی مہارت کو بھگت چکے ہو۔ سیتا کے بجائے اسے تم پر ہاتھ اٹھانا پڑا۔ سیتا نے مار کھائے بغیر سب کچھ بتا دیا تھا۔ تم سے اس کی باتوں کی تصدیق کے بعد ہم نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اسے رہا کر دیا۔"

"تم نے ایک بلیک کیٹ کو رہا کر دیا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا "کیا میں اس خبر پر یقین کر لوں؟ نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم نے اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔"

وہ سامنے کی بات تھی لیکن میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا "تم بہت ذہین اور چالاک ہو۔ ہمارے دو آدمی اس کا تعاقب کر رہے ہیں....."

"مگر تم کو اس کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"ہم گلاب خان اور اس کے بیٹے کو پکڑنا چاہتے ہیں مگر سیتا وہاں نہیں گئی۔"

"ایسے چکروں کی ضرورت پولیس اور ایجنسیوں کو پڑتی ہے۔ تمہیں میرے بیان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ان دونوں کو مارنا چاہتے ہو تو پکڑو اور مار دو۔"

"میں بے مقصد خون خرابے کا قائل نہیں ہوں۔ ان دونوں کو سزا ملنے سے پہلے یہ علم ہونا چاہیے کہ ان کا جرم کیا ہے۔" میں نے اسی لمحے ایک عذر تراش لیا "تمہارا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ اس نے یہاں سے شہر پہنچتے ہی ایک فون بوتھ سے کسی کو فون کیا اور پھر ایک پارک میں رات گزارنے کے لیے پہنچ گئی۔"

"جیب خالی ہو تو آدمی ہوٹل وغیرہ میں پناہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسے رہا کرتے ہوئے تمہیں یہ بات یاد نہیں رہی ہوگی۔ اب وہ ایک دو راتوں میں رنگین مزاج مردوں کو اپنے جال میں پھانس کر کچھ رقم کمائے گی اور پھر یہاں سے نکل بھاگے گی۔"

"میرا اندازہ تھا کہ اس نے اپنے نوخیز عاشق کو فون کیا ہو گا۔ وہ آئے گا اور اسے پارک سے لے جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب وہ شہر کے مصروف بازاروں میں آوارہ گردی کرتی پھر رہی ہے۔"

"وہ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کس حد تک گر سکتی ہے۔ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اب وہ کسی کا پرس اڑائے گی یا کسی کی جیب کاٹے گی تاکہ شام تک گزارے کا کوئی بندوبست کر سکے۔ رات اس کی اپنی ہو گی۔ وہ بن ٹھن کر کسی کو شکار کرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد اسے یہاں رکنے کی ضرورت نہ رہے اور وہ صبح سویرے واپسی کی راہ اختیار کر لے۔ اب اس کے لیے یہاں رکنا بے سود ہے۔"

"پھر اس فون کال کے بارے میں کیا کہو گے؟" میں اس بارے میں گوپال کی رائے جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے کوبرا کو فون کیا ہو گا۔"

"پہلے تم نے کہا تھا کہ وہ بھول کر بھی کوبرا کو فون نہیں کرے گی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ اس کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ وہ بے وقوف آدمی ہے۔ ارجن کی طرح وہ کسی اور کو بھی اپنی غلطی سے مروا سکتا ہے۔ کوبرا کو یہ بتانا ضروری تھا کہ یہاں سب کچھ چوپٹ ہو گیا ہے تاکہ وہ دہلی والوں کو مطلع کر سکے۔ اب کوبرا کا اس سے زیادہ کوئی مصرف نہیں ہے۔"

اس نے بالکل وہی بات کی تھی جو ہم نے سوچی تھی۔ گوپال کے جواب سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فون کے بارے میں سوبھراج نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سیتا نے اسٹیشن فور سے فرار ہونے کے بعد' اپنے اغوا کی کہانی حذف کر کے سوبھراج کو بگڑتے ہوئے حالات کی خبر دی تھی تاکہ وہ دہلی میں بیٹھے ہوئے افسروں کو ان کے مشن کی ناکامی کی اطلاع دے سکے۔ میں گوپال کے اس اندازے سے متفق نہیں تھا کہ سیتا اولین فرصت میں کراچی سے بھاگ جائے گی۔

اس کا کردار کتنا ہی خراب اور شرمناک رہا ہو' یہ بات طے ہو چکی تھی کہ وہ بہت دلیر اور بے خوف لڑکی تھی۔ اس نے اسٹیشن فور کے سیل سے فرار ہونے کا ایک کامیاب منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کر گزری۔ اسی طرح وہ گلاب خان کے گھر سے بچ کر نکل گئی۔ سیتا کی وہ کامیابیاں گوپال کے علم میں نہیں تھیں۔ میں نے اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا تھا۔

سیتا کو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے ایک مقابلے کے بعد بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اسٹیشن فور کے سیل میں قید رہی تھی لیکن اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے اٹھا لانے والے کون لوگ تھے یا وہ کس کی قید میں تھی۔ اسٹیشن فور سے فرار ہوتے ہوئے اس نے وہاں کا ماحول وغیرہ دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ وہ کسی فوجی چھاؤنی کی حدود میں قید تھی۔ وہ اندازہ لگانے کے بعد سیتا اپنی کوئی بھی رائے قائم کر سکتی تھی لیکن اسے یہ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں میری قیدی تھی۔ وہ بس ان دو بے نام چہروں کو پہچان سکتی تھی جنہوں نے اسے بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔ اس وقت میرے ساتھ صرف سرور تھا۔

اپنی دو کامیابیوں کے نتیجے میں اس کے ذہن میں یہ بات سما سکتی تھی کہ وہ بہت چالاک اور پھرتیلی ہے۔ فرار ہونے کے بجائے' اس کو کہیں روپوش رہ کر اپنے اصل ہدف یعنی میری ذات پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

گوپال میرا صورت آشنا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں مجھے شناخت کر لیا تھا۔ سیتا نے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اسے شہر کی خاک چھان کر مجھے تلاش کرنا تھا۔ اس کی بھیجی ہوئی سرویر لڑکی اپنی کند ذہنی کے سبب مجھے اور ویرا کو دیکھ کر بھی کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکی تھی۔ یہ سیتا کے منفی نکات تھے' مجھے پوری امید تھی کہ وہ شہر چھوڑنے میں عجلت سے کام نہیں لے گی' بدستور میدان میں جمی رہے گی اور ہمیں اس تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔

میں نے اپنی اس اختلافی رائے کا گوپال پر اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ ہم اس سے سیتا کے کسی متبادل ٹھکانے کا سراغ حاصل کرنے کی امید میں اسٹیشن فور آئے تھے لیکن وہ اس معاملے میں بالکل کورا ثابت ہوا تھا۔ اس ملاقات کا بس یہ فائدہ ہوا کہ سوبھراج اور سیتا کے بارے میں ہمارے کچھ اندازوں کی تصدیق ہو گئی۔ وہ سیتا کا قریبی رازداں اور ساتھی تھا۔ اس کی کہی ہوئی کسی بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"تم نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟" ہمیں واپسی پر آمادہ پا کر اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال تم ہمارے مراعات یافتہ قیدی رہو گے۔ ہم نے تمہیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اس کا چہرہ زخمی اور بہت زیادہ بگڑا ہوا تھا مگر اس پر حیرت کے نمایاں آثار ابھر آئے "تم..... تم مجھے زندہ رکھو گے!؟" اس نے فرطِ حیرت سے ہکلاتے ہوئے پوچھا "بھارت میں تو ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ چوری چھپے سرحد پار کر کے آنے والے مخبروں اور ایجنٹوں کو بے دردی سے مار دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ پچھلے چند دنوں میں یہاں را کے کم از کم چار آدمی مارے گئے ہیں پھر تم مجھے کیوں اور کیسے زندہ رکھو گے!؟"

"اگر تم نے خبروں پر دھیان دیا ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ چاروں اپنی موت مرے ہیں یا انہیں ان کے کسی ساتھی نے مارا ہے۔ ہم لوگ اپنے دشمنوں کے ساتھ درندگی سے پیش نہیں آتے۔ تم آرام سے رہو اور یہاں عیش کرو۔"

اس نے مزید کچھ کہا مگر میں اس کی بات سنی اَن سنی کر کے اس کے سنئے اور آرام دہ سیل سے باہر نکل آیا۔

"ہم بھارتی ایجنٹوں کے اتنے ہمدرد تو نہیں ہیں!؟" خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کر لینے کے بعد اول خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ بات اسے اچھی طرح معلوم ہے۔ اس نے میری بات پر یقین نہیں کیا ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اس سے جو کچھ معلوم ہونا تھا وہ معلوم ہو گیا۔ اب بلا سبب اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ اس کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ زیادہ دنوں تک ایس ٹی ایف کے وسائل پر بوجھ نہیں بنے گا۔"

"کم از کم مجھے پتا تو چلے کہ اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہوا ہے۔" مجھے خاموش پا کر اس نے ٹوکا۔

"ذرا سیتا کا مسئلہ حل ہو جائے پھر ہم اسے جلال کے سپرد کر دیں گے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ اپنا دامن بچا کر الگ ہو گیا ہے۔ اسے زبردستی الجھانا مناسب نہیں ہو گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ بات سوبھراج کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا۔ بلیک کیٹس تو درمیان میں مفت ہاتھ آ گئے۔ اسے کسی بلیک کیٹ کو وصول کر کے دلی خوشی ہو گی۔ میں اس بارے میں اس سے فون پر بات کر لوں

گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا "گوپال آئی بی والوں کے کسی قید خانے میں پڑا رہا تو کسی وقت قیدیوں کے تبادلے میں کام آجائے گا۔ اس ایک قیدی کے بدلے بھارت والے دس پاکستانیوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔"

"میں اسے پالنے میں یہی فائدہ دیکھ رہا ہوں۔ اب کہو تو اسے جہنم واصل کردیا جائے۔"

"اب ایسا قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ مجھے اپنی سوچ سے آگاہ کرتے رہا کرو تاکہ میں الجھنوں سے بچا رہوں۔ میں زیادہ سوچ بچار کا قائل نہیں ہوں۔ بہت تیزی سے فیصلے کرتا ہوں اور پورے خلوص کے ساتھ ان پر عمل کر گزرتا ہوں۔ ایسے فیصلوں کے نفع و نقصان کا اندازہ بعد میں ہوتا ہے۔"

"محاذ پر لڑنے والوں کو اسی طرح فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ایک کمانڈر بروقت فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کردے تو دشمن کے ٹینک اس کے مورچے اور جوانوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اپنے تجربے اور تربیت کی بنا پر تمہارا طریقہ بالکل درست ہے۔"

ہم گلاب خان کے گھر سے سیتا کو کھو چکے تھے۔ میرے ذہن میں وہ خلش رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کو کیسے اور کہاں تلاش کیا جائے۔ وہ لڑکی میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک اور تیز ثابت ہوئی تھی۔

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں پہنچ گئے جہاں ایک ڈائرکٹ فون کے ساتھ بن ڈیوڈ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی منسلک تھی۔

دفتر میں چائے نوشی کے دوران بھی ہم اسی موضوع پر الجھے رہے۔ اول خان میری اس رائے سے سوفیصد متفق تھا کہ سیتا اپنی دو کامیابیوں کے خمار میں چور ہو کر میدان میں ڈٹی رہے گی اور گوپال کی رائے کے برعکس فرار کی راہ اختیار نہیں کرے گی۔

اس کو میرے قتل کا کام سونپ کر دہلی سے بھیجا گیا تھا لیکن اس کے پاس میرا کوئی سراغ نہیں تھا۔ لے دے کر اس نے اول خان کا تعاقب کرتے ہوئے ہمارا گھر دیکھا تھا۔ اس گھر کی اہمیت یہ تھی کہ اول خان نے ناگہانی طور پر زخمی ہونے کے بعد، اضطراری طور پر اسی طرف دوڑ لگائی تھی۔ سیتا کے اس سراغ پر سرویر لڑکی نے اپنے غلط تجزیے سے سیاہی پھیر دی تھی۔ اگر سیتا ذرا بھی عقل مند تھی تو اس نکتے پر غور کر کے دوبارہ اس گھر کا رخ کرنے کا فیصلہ کرسکتی تھی۔

گھر کے بارے میں مجھے سیتا کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہاں کسی بھی دشمن کے استقبال کا مناسب بندوبست کیا جاچکا تھا۔ اگر وہ ادھر کا رخ کرتی تو وہاں بری طرح منہ کی کھاتی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اسے زخمی کر کے پکڑ لیا جاتا۔

میرے لیے سیتا ایک زہریلی ناگن تھی جسے فوری طور پر ٹھکانے لگانا یا بے بس کرنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ میدان میں میرے کئی حریف موجود تھے۔ ان میں سے سوبھراج سے میری بات ہوچکی تھی اور بات اگلی شام تک کے لیے ٹل گئی تھی۔ گوپال اسٹیشن فور کا مراعات یافتہ قیدی بن چکا تھا البتہ نک اور ٹام اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بدستور میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اپنے سرکاری عہدوں کی وجہ سے ان کے پسپائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

آخر کار طے یہ ہوا کہ پہلے میں جلال سے بات کرلوں تاکہ گوپال کے بارے میں اس کی رائے بھی سامنے آسکے۔

جلال سے پہلی ہی کوشش میں رابطہ ہوگیا۔ اس نے خاصے گرمجوش لہجے میں میری مزاج پرسی کی، دوسروں کے حال احوال دریافت کیے پھر تازہ اخباری اشتہارات کی طرف آگیا۔ "ان اخباروں میں اس اشتہار کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔ اب تم کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ہمیشہ بہت زیادہ محتاط رہتا ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اور وہ مقامی ہوٹل کا کیا واقعہ ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا "چھوٹی سی خبر ہے کہ ارجن کے قتل کے بعد اس کے ہوٹل میں کوئی مہمان بے ہوش ہوگیا جسے ایمرجنسی میں اسپتال منتقل کردیا گیا۔"

"یہ خبر میری نظروں سے نہیں گزری۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "بعض اخبارات والے چھوٹی چھوٹی باتیں لے اڑتے ہیں۔"

"اخباری اطلاعات بے سروپا نہیں ہوتیں۔ ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ارجن کی ہلاکت کے بعد وہ ہوٹل اخبار والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ جب تک ارجن کے قتل کا قصہ ٹھنڈا نہیں ہوجاتا، وہاں کی ہر غیر معمولی بات اخباروں کی زینت بنتی رہے گی۔" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد اس کی آواز دوبارہ ابھری "تمہارے جواب سے اندازہ ہو رہا ہے کہ خبر تم نے دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو، وہ واقعہ تمہارے علم میں ہے۔"

"وہ بلیک کیٹ تھا جو ابرار کے نام سے اسی ہوٹل میں

ٹھہرا ہوا تھا۔"
"اوہ! یہ میرے لیے نئی خبر ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟"
اس کی آواز میں اضطراب اور تجسّس امڈ آیا۔
"وہ اول خان کا مہمان ہے۔ دوسری بلیک کیٹ ایک لڑکی تھی۔ وہ بھی پکڑی گئی تھی مگر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔"
بلیک کیٹس میں جلال کی دلچسپی بجا تھی۔ اس نے مجھ پر یکے بعد دیگرے سوالات کی بھرمار کر دی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک ہر بات اس کے علم میں نہ آ گئی۔ اس دوران میں، میں نے دانستہ سوبھراج کا کوئی ذکر نہیں کیا۔
سیتا کے فرار پر جلال کا متاسف ہونا فطری تھا۔ مجھے اس واقعے پر افسوس سے بڑھ کر، صدمہ ہوا تھا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد وہ دوبارہ گوپال کی طرف آ گیا "وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے تو اب تک اپنی زبان کھولنے پر بھی مجبور ہو چکا ہو گا۔ تمہاری کوبرا والی تھیوری کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے۔"
وہ سرکاری طور پر اس معاملے سے دست بردار ہو چکا تھا لیکن اپنے فطری تجسّس سے مجبور تھا۔ میں نے دانستہ اختصار سے کام لیتے ہوئے جواب دیا "اس نے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ اس پر میری سوبھراج سے بات ہو چکی ہے۔"
وہ ایک ہوش ربا حقیقت تھی۔ جلال کے ذہن میں تجسّس کے نئے دریچے کھل گئے۔ شاید وہ یہ بات بھول گیا کہ اسے سوبھراج کے معاملے سے لاتعلق رہنا تھا۔ اس بارے میں کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں اس نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا "کافی دنوں بعد ایک بڑا شکار تمہارے سامنے آیا ہے۔ اس سے تم کو خود ہی نمٹنا ہو گا۔ میں تمہارا کوئی ساتھ نہیں دوں گا۔"
"اب اس کا ذکر نہ کرو۔ ایس ٹی ایف مجھے اسی لیے پسند ہے کہ یہ فورس ایسی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس کے ساتھ کھلے دل سے کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔"
"اس وقت ایس ٹی ایف بھی اتنی آزاد نہیں رہی ہے۔ ٹام اور نک کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ اول خان کو کراچی سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔"
"تو یہ خبر تمہارے کانوں تک بھی پہنچ گئی!" میں نے قدرے تعجب سے کہا۔
"میں تم لوگوں سے دور ہوں لیکن تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوں۔ ایسی جگہ بیٹھا ہوا ہوں جہاں ہر طرف سے اندر کی خبریں بہتی چلی آتی ہیں۔"
"اول خان اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے باخبر ہے لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس کا عزم ہے کہ جب تک اوپر سے کوئی حکم نہ آئے، وہ ملک دشمنوں کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دیتا رہے گا۔ اس وقت میں اسی کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں۔"
"اس سے میرا سلام کہہ دینا۔ میں اپنی سرکاری ملازمت کے پروٹوکول سے مجبور نہ ہوتا تو اس کی عظمت اور دلیری کو کھل کر سراہتا۔ اس جیسے لوگ ہمارے ملک کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے وہ کسی بھی وقت اپنے دشمنوں کے وار کی زد میں آ سکتے ہیں۔ وہ جب بھی مریں گے، گمنامی کی موت مریں گے۔ گنے چنے لوگوں کے سوا کسی کو ان کے کارناموں کی خبر نہیں مل سکے گی۔ اس سنگین حقیقت کے باوجود یہ سب صلے کی تمنا یا ستائش کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔"
"جلال جیسے محتاط افسر کی طرف سے وہ زبردست خراجِ تحسین تھا۔ جس ملک کے بارے میں یہ کہا جاتا ہو کہ وہاں رشوت دیے بغیر اپنا جائز ترین کام کرانا بھی ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور ہے، وہاں ایس ٹی ایف کے فرض شناس افسروں اور اہل کاروں کا وجود صحرا میں کھلے ہوئے گلاب سے کم نہیں تھا۔
"میں اس معاملے میں تمہارا ہم خیال ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب تم نے گوپال راج کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" جلال کا لہجہ سرسری سا تھا۔
"اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس سے جوابی سوال کر ڈالا۔
"سچ پوچھو تو ابھی میں نے اس کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہاں آنے والے دو میں سے ایک بلیک کیٹ تمہاری قید میں ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ بھارت والوں کو اپنی بلیک کیٹس کمانڈر فورس پر بہت گھمنڈ تھا۔ ان کی کامیابیوں کا ایسا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے کہ حال ہی میں اسرائیل نے سرکردہ، جنگ جو فلسطینی رہنماؤں کو ٹھکانے لگانے کے لیے بھارت سے اس کمانڈو فورس کے ایک دستے کی مدد طلب کی ہے۔ ان کا قلع قمع کر کے تم نے بھارتیوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔ کاش یہ کارنامہ میرے آدمیوں نے سرانجام دیا ہوتا۔"

"ہم بھی تمہارے آدمی ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "تم حکم کرو۔ ہم تعمیل کریں گے۔"

"گوپال کو میرے حوالے کر دو۔" اس نے بے ساختہ اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"کیا تم اس کا اچار ڈالو گے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ہمارے کئی آدمی بھارت میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ لگنے والے ہمارے بیشتر آدمی ان کے وحشیانہ تشدد کا شکار ہو کر عبداللہ کی طرح شہید ہو جاتے ہیں۔ جو سخت جان بچ جاتے ہیں وہ جیلوں میں بہت برے حال میں سڑتے رہتے ہیں۔" اس نے رک رک کر غالباً سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا "ہمارے ایجنٹوں کے علاوہ بہت سے عام پاکستانی شہری بھی بھارتی جیلوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں' پاکستانی جاسوس قرار دے کر جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اور مہینوں اس کی خبر نہیں لیتے۔ کسی چالان' پیشی یا ریمانڈ کے بغیر عذاب سہنے والے شہریوں کی تعداد کافی ہے۔ گوپال یہاں غیر قانونی طور پر آیا ہوا ہے۔ ہم اسے مار بھی دیں تو بھارتی حکومت کوئی احتجاج نہیں کر سکتی مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"پتا تو چلے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ آئی بی کی قید میں رہے گا۔ ہم اپنے ذرائع استعمال کر کے' دہلی میں را کے افسران تک یہ خبر پہنچا دیں گے کہ گوپال زندہ ہے اور قید میں ہے۔ بھارتی اپنے بلیک کیٹ کی تربیت پر خطیر رقم صرف کرتے ہیں۔ وہ اسے واپس لینا چاہیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کے بدلے ان سے تیس چالیس پاکستانی آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان عام شہریوں میں ہمارے کچھ آدمی بھی ضرور شامل ہوں گے۔ یہ ہمارے لیے ایک بہترین سودا ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم اول خان سے بات کر لو۔ مجھے اس بندوبست پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون کا ریسیور اول خان کی طرف بڑھا دیا۔

میں نے سگریٹ سلگائی اور اطمینان سے کرسی پر ڈھلک کر نیم دراز ہو گیا۔

آئی بی والوں کے لیے ایس ٹی ایف کے ٹھکانے اجنبی نہیں تھے۔ وہ ملک کے چپے چپے پر نگاہ رکھنے والوں میں شامل تھے۔ کہیں بھی کسی قسم کی سرگرمی ہوتی تھی تو گرد و پیش میں آئی بی کے بے نام سائے سے منڈلانا شروع کر دیتے تھے۔ معاملہ ان سے متعلق ہوتا تو وہ کھل کر سامنے آتے تھے ورنہ خاموشی سے ماحول میں تحلیل ہو جاتے تھے۔

جلال نے اول خان سے طے کر لیا تھا کہ دو آدمی شام کے دھندلکے میں بند گاڑی لے کر اسٹیشن فور آئیں گے اور خاموشی سے اسے صدف مینشن منتقل کر دیں گے جہاں چوپڑا پہلے سے قید تھا۔ وہ ایک ضمنی پہلو تھا۔ جس کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اس کی افادیت بھی ہمارے سامنے تھی لیکن ہم جس مقصد سے اسٹیشن فور تک آئے تھے' وہ حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

"اب کیوں نہ نک سے بات کر لی جائے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اول خان نے مشورہ دیا۔

"زیادہ باتیں ہوتی رہیں تو ان پر میرا بھرم کم ہو جائے گا۔ اس وقت وہ مجھ سے خاصے خوف زدہ ہیں۔"

"لیکن مجبوری ہے۔ چھیڑ چھاڑ سے کوئی نہ کوئی کام کی بات سامنے آتی ہے۔ تم کو کل شام کو سوبھراج سے بات کرنی ہے۔ اس وقت تک ہم ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ کیونکہ ہمارے سامنے کوئی ہدف ہے اور نہ کام۔ اس وقت کا کوئی نہ کوئی مصرف ہونا چاہیے۔"

"پہلا مصرف تو یہ ہے کہ ہمیں سیتا کا انتظار کرنے کے بجائے اپنے طور پر اسے شہر میں تلاش کرنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"سرور کی سربراہی میں یہ کام ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا "اس کے ساتھ کم از کم چھ آدمی شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔"

"صرف سرور کام دکھا سکتا ہے۔ بقیہ آدمی اسے کیسے پہچانیں گے؟"

"وہ چھ آدمی سرور کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق کسی مشتبہ لڑکی پر نگاہ رکھیں گے۔ کوئی نظر میں آئی تو اس کا پیچھا کر کے سرور کو مطلع کریں گے۔ وہ جلد از جلد موقع پر پہنچ کر شناخت کا اہم کام سرانجام دے گا' اس وقت ہمارے پاس اس سے بہتر کوئی متبادل نہیں ہے۔"

اپنی جگہ پر اس کی بات درست تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

"تم نے نک کے بارے میں میری تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا۔" اس نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔

"اپنے ذہن میں اس سے گفتگو کا خاکہ بنا رہا ہوں..."

"تمہیں کوئی خاکہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو بات سے بات نکالنے میں ماہر ہو۔"

"اس سے میرے دو قسم کے رابطے ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ میں اس کے لیے ڈینی تھا اور پھر کرنل داور۔ سوچ رہا ہوں کہ اس سے کس روپ میں بات کی جائے۔"

"پھر تو تمہاری فکر مندی بجا ہے۔ تم نے ڈینی بن کر بات کی تو گفتگو دھمکیوں وغیرہ تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔"

"کل میں نے تمہارا پیغام ملنے کے بعد اس سے بات کی تھی۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ کرنل داور سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔"

"وہ تمہیں ایک مرتبہ پھر اپنے سامنے ملانا چاہ رہا تھا اور بہت چبا چبا کر باتیں کر رہا تھا۔ جب تم نے اسے ڈینی کے بارے میں بتایا تو وہ بدحواس ہو گیا اور تم دونوں کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ اب تم اسی حوالے سے اپنی گفتگو آگے بڑھا سکتے ہو۔"

اول خان کا مشورہ صائب تھا۔ میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ میں نے فون اپنی طرف سرکالیا۔

وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ میں نے گھر کا نمبر ملایا تو تیسری گھنٹی کے بعد اس کی تھکی تھکی اور خوابیدہ آواز سنائی دی۔

"میں اگر تمہارے آرام میں مخل ہوا ہوں تو معذرت چاہتا ہوں" میں نے نرمی سے بات کی ابتدا کی۔

"اوہ، کرنل داور!" اس نے میری بدلی ہوئی آواز سن کر مسرت آمیز آواز میں کہا "بہت اچھا کیا کہ تم نے مجھے فون کرلیا۔ میں خود کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

"تم اول خان کو پیغام دے سکتے تھے۔ وہ مجھ تک پہنچ جاتا" میں نے جواب دیا۔

"کل میں نے یہی کیا تھا لیکن میں بار بار اسے درمیان میں نہیں لاسکتا۔ اسے شک ہو جائے گا کہ میری اور تمہاری کوئی ڈیل چل رہی ہے۔"

"ڈیل چلنے کی بھی خوب رہی!" میں نے ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا "کل تم مجھے دھمکی دے رہے تھے کہ بلیک کیٹس ڈینی کے ساتھ اس کے ہمدردوں کے بھی خون کے پیاسے ہیں۔ وہ مجھے اور اول خان کو ڈینی کے سب سے بڑے ہمدرد سمجھتے ہیں۔"

"جب تک میرے اور تمہارے درمیان کچھ طے نہیں ہو جاتا، ریکارڈ یہی بتائے گا کہ ایس ٹی ایف کے کتے بھی ڈینی کے وفادار اور خیر خواہ ہیں۔ تم کو جلد از جلد اپنا نام اس فہرست سے نکال لینا چاہیے۔ یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم بہت تیزی کے ساتھ ممتاز مقام حاصل کرسکتے ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ کبھی دھمکیوں پر اتر آتے ہو اور کبھی سبز باغ دکھانے لگتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"میں تمہیں اپنی صف میں شامل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اور مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے دھوبی کا کتا بنانا چاہ رہے ہو جو گھر کا رہے نہ گھاٹ کا۔ میں نے ایک بار تمہاری بات مان لی تو پھر میں تمہارا غلام بن کر رہ جاؤں گا۔ تم جب چاہو گے، مجھے گندا کرکے ایس ٹی ایف سے نکلوا دوگے۔ میں بدترین عتاب میں آجاؤں گا۔ تمہاری ساری دشمنی ڈینی سے ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے تم مجھے اپنے ساتھ مل جانے کی پیشکش کررہے ہو۔ جوں ہی ڈینی کا کام تمام ہوا، تمہارے لیے میری ساری اہمیت اور افادیت ختم ہو جائے گی۔ آف دی ریکارڈ اجلاس میں تم دیکھ چکے ہو کہ میں ادھیڑ عمر یا بوڑھا نہیں ہوں۔ میرے سامنے ایک لمبا کیریئر ہے۔ مجھے یہ ساری زندگی اپنے وسائل سے گزارنی ہے۔ ایس ٹی ایف سے بے وفائی کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد تم نے مجھے بھلا دیا تو میں راندۂ درگاہ ہو جاؤں گا۔"

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میری پیشکش کے بارے میں تم اتنی دور تک سوچ رہے ہو۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم نے اپنے اندیشوں کا برملا اظہار کردیا۔ مگر مجھے افسوس بھی ہے کہ تم غلط سمت میں اپنی ذہنی توانائیاں ضائع کررہے ہو۔ ڈینی واقعی ایک مشن ہے جو جلد یا بدیر مکمل ہو جائے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ اس کے مرتے ہی تمہاری اہمیت ختم ہو جائے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان میں ایس ٹی ایف نام کی ایک غیر آئینی اور سفاک فورس فعال ہے جو ڈاکوؤں سے لے کر غیر ملکی ایجنٹوں تک کی سرکوبی کرتی رہتی ہے۔ اس سے آگے یہ فورس آہنی دیواروں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے، دن رات یہ کیا کرتی ہے، کس کس کو ٹھکانے لگاتی ہے، اس بارے میں ہم اندھیرے میں رہتے ہیں۔ ہمیں ایس ٹی ایف میں بھی اپنے ایک آدمی کی ضرورت ہے، یہ ضرورت تم پوری کرسکتے ہو۔"

"شاید اب دیر ہو چکی ہے" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا "ابتدا میں تم نے نقاب پوش کوبرا کا قضیہ نہ کھڑا کیا ہوتا تو آج ارجن بھی زندہ ہوتا اور میں تم سے ہدایات لے رہا ہوتا۔"

"میں تم کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ فیلڈ ورک نہیں کرتے۔ اسٹاف کی سربراہی ہر ملک میں کسی معزز مقامی کے ذمے ہوتی ہے۔ ہمارے آئے دن تبادلے ہوتے رہتے

ہیں۔ یہاں میری مدت پوری ہونے والی ہے۔ کسی بھی وقت میرے تبادلے کے احکام آسکتے ہیں۔ میری جگہ لینے والے کے ساتھ کام کرنے میں دشواری ہوگی۔ کارگزاری اور کارکردگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ سربراہی کے عہدے پر براجمان شخص لمبی مدت تک کام کرتا رہے۔ کام کے لیے یہ ہم آہنگی بہت ضروری ہوتی ہے۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے کہ تمہارا یہاں سے تبادلہ ہونے والا ہے۔ ایسی صورت میں میرا واسطہ کوبرا سے ہی رہے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ ڈینی کی کیا خبریں ہیں۔ وہ کہاں ہے؟" کوبرا کا ذکر آتے ہی اس نے بات اڑا کر ایک نیا سوال کرڈالا۔

میں لمحہ بھر کے لیے تذبذب میں پڑ گیا کہ اسے سیتا کے بارے میں حقیقت بتاؤں یا نہ بتاؤں۔ میرے ذہن میں یہ گتھی فوراً ہی سلجھ گئی۔ میں نے سیتا کے بارے میں دل کھول کر سوبھراج کے کان بھرے تھے اور اسے یہ تاثر دیا تھا کہ سیتا مجھ پر مرمٹی تھی اور میرے ہی پاس تھی۔ سوبھراج اپنے سفید فام آقاؤں کا نمک خوار تھا۔ اس نے وہ رپورٹ من وعن نک تک پہنچادی ہوگی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ میں اپنی اسی کہانی پر قائم رہتا۔

"اس نے کرائے کے آدمیوں کی مدد سے دونوں کو ہوٹل سے اٹھالیا تھا" میں نے کسی طویل سکوت کے بغیر کہا "اس کے بعد سے اس کی کوئی خبر نہیں۔"

"میری اطلاعات یہ ہیں کہ ایس ٹی ایف والے پیرا میڈیکل اسٹاف کے روپ میں ہوٹل پہنچے تھے اور گوپال کو نکال لے گئے۔"

"یہ خبر ڈینی کے کسی خیرخواہ نے پھیلائی ہے تاکہ ایس ٹی ایف سے اس کے عملی اختلاف کا راز افشا نہ ہو۔ ہمارے ایک آدمی نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کرائے کے غنڈے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی دیدہ دلیری سے واردات نہیں کرسکتے۔"

"ڈینی کا تعلق یہاں کے سفید پوش طبقے سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے آج کل کے پڑھے لکھے اور مہم جُو لڑکوں کو خرید لیا ہو۔ ایسے لڑکے آمدنی اور سنسنی کے لیے بہت کچھ کرگزرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور کچھ نہیں ملتا تو شغل کے لیے کسی سے کار یا موٹر سائیکل چھین کر تفریح کرتے ہیں اور سارا پیٹرول پھونک دینے کے بعد مسروقہ سواری کو کہیں بھی لاوارث حالت میں چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے نتیجے میں ایسے مجرموں کا ایک قابل لحاظ طبقہ پیدا ہوچکا ہے۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ ہوسکتا ہے کہ اول خان نے افرادی قوت مہیا کی ہو۔"

"ہمارا اسٹاف بہت مختصر ہے۔ کوئی کام اتنی رازداری کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔"

"چلو، اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔ یہ ایس ٹی ایف کی اندرونی سرگرمیوں کے بارے میں پہلی خبر ہے جو تم نے فراہم کی ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی مخبری نہیں کی" میں نے بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "ابھی تک ہمارے درمیان کسی سمجھوتے کا وجود نہیں ہے۔"

"اب کیا دیر ہے؟ میں نے ساری بات تمہیں بتادی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جلد ہی تم کو کوبرا سے نجات مل جائے۔ وہ اپنی بعض ناگزیر ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہ رہا ہے۔"

وہ ایک اہم خبر تھی۔ پچھلے روز تک کوبرا پوری طرح سرگرم اور فعال تھا لیکن میری طرف سے شناخت کی دھمکی ملتے ہی اس کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ اس کو معاشرے میں جو مقام حاصل تھا، اسے برقرار رکھنے کے لیے وہ کوبرا کا عہدہ تو کیا، ہر چیز قربان کرسکتا تھا۔ اپنی ناک کی بناوٹ پہچان لیے جانے کے بعد شاید اس نے نک کو اپنے سنگین مسئلے سے آگاہ کردیا تھا اور وہ بات نک کی زبان پر آگئی تھی۔ یہ محض اتفاق نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک طرف نک اپنے تبادلے کی خبر سنارہا تھا اور دوسری طرف کوبرا کی مشکل سے آگاہ کررہا تھا۔

بظاہر وہ دونوں میری وجہ سے عتاب میں آتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

میں نے عملی طور پر اس خبر پر کسی خوشی کا اظہار کیے بغیر پوچھا "کوبرا کو ایسی کیا مجبوری پیش آگئی؟"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے، اسے دیکھ لیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دوچار روز میں ہی کوئی اور کوبرا کی جگہ لے لے۔"

"شاید اس وقت تم ذہنی خلفشار کا شکار ہو" میں نے بہت نرمی اور رسانیت سے کہا "کوبرا سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ مجھے اصولی اختلاف ہے۔ میں کسی نامعلوم شخص کو جواب دہ ہونے کے لیے نہ پہلے تیار تھا نہ اب آمادہ ہوں۔ کوبرا کی جگہ

تم جس کسی عزت دار پاکستانی کو نامزد کرو گے' وہ بھی پردے میں رہے گا۔ اپنے سماجی رتبے کی وجہ سے اپنی شخصیت کو بے نقاب نہیں کرے گا۔ میرے لیے کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے روبہ رو آنے والے کی سربراہی خوشی سے قبول کرلوں گا۔"

"تم بہت ضدی آدمی ہو۔ تمہارے ریکارڈ کی سوئی اسی ایک نکتے پر پھنسی ہوئی ہے۔"

"میں نے پہلی بار ہی اپنا اعتراض واضح کردیا تھا۔ تم بلاوجہ مجھے چکر دینے کی کوشش کررہے ہو۔"

"سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم اشاروں کنایوں کی بات بالکل نہیں سمجھتے....."

"میں مصلحت پسند اور فریبی مزاج کا مالک نہیں ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "سیدھی سچی بات کرتا ہوں اور وہی سب سننے کی امید رکھتا ہوں۔"

"گفتگو کی ابتدا میں' میں نے کہا تھا کہ تم کو جلد از جلد اپنا نام ڈینی کے حمایتیوں کی فہرست سے نکال لینا چاہیے' یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم بہت تیزی کے ساتھ ممتاز مقام حاصل کرسکتے ہو۔ شاید تم نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ڈینی کا حامی نہیں ہوں۔ اس سے میرے سنگین اختلافات ہیں" میں نے اس کی پیشکش کو اس بار بھی دانستہ نظرانداز کردیا۔

"یہ بات تم ہم سے مل کر' ہماری صفوں میں شامل ہو کر ثابت کرسکتے ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ محض لالچ نہیں ہے۔ تم اس وقت فیصلہ کرلو تو کوبرا کے متوقع جانشین کے طور پر' دوسروں کے ساتھ تمہارا نام بھی زیرِ غور آسکتا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے' ایس ٹی ایف میں رہتے ہوئے میں ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا" میں نے صاف انکار کردیا۔

"کوبرا کو ہوش ربا مراعات ملتی ہیں۔ ان کی تفصیل سنو گے تو تمہیں ایس ٹی ایف کی نوکری حقیر نظر آنے لگے گی۔"

"میں کسی نقاب پوش کو جواب دہ ہونے کو تیار نہیں ہوں تو خود کیسے نقاب لگا سکتا ہوں۔ یہ ممکن نہیں ہے" میں نے سختی سے کہا "کوئی باعزت طریقہ کار سامنے ہو تو میں پس پردہ رہ کر تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے یہ اطمینان ہوگا کہ میں جب چاہوں گا' اس بندوبست سے الگ ہوسکوں گا۔"

میں واضح طور پر محسوس کررہا تھا کہ پچھلے دن کے مقابلے میں اس وقت نک کے لب ولہجے میں ذرا بھی دم خم نہیں رہا تھا۔ وہ میری اکھڑی اکھڑی باتوں پر مشتعل ہو رہا تھا نہ دھمکیاں دے رہا تھا۔ میری ہر بات کو تحمل سے سن کر برداشت کررہا تھا اور اس کا کوئی معقول جواب دینے کی کوشش کررہا تھا۔ شاید بلیک کیٹس کی پراسرار روپوشی اور پھر کوبرا کی ناک کی بناوٹ کی شناخت نے ان لوگوں کے لیے سنگین مسائل پیدا کردیے تھے۔

"میں اب سمجھا کہ تم کسی نامعلوم شخص کو جواب دہی سے کیوں گریز کررہے ہو!"

بات میں نے ہی کہی تھی لیکن اس کی طرف سے حیرت کے اظہار پر میں انجان بن گیا "یہ اچانک تم کیا سمجھ گئے؟"

"تم مجھ سے لمبے معاہدے سے بھاگ رہے ہو تاکہ جب چاہو اپنے ہاتھ جھاڑ کر ہم سے الگ ہوسکو۔"

"بلاسبب کوئی بھی اپنے مفادات کو نہیں ٹھکراتا۔ یہ اسی وقت ہوگا جب کوئی بڑا اختلاف پیدا ہوگا۔"

"ڈینی سے کل سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی؟" اس نے اس مرتبہ ذرا واضح انداز میں سوال کیا۔

"نہیں" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "وہ آیا نہ شہر میں اس کے ٹھکانے کا پتا چلا۔"

"اسٹیشن فور کے علاوہ شہر میں اس کے اور کتنے ٹھکانے ہیں؟" نک نے پوچھا "وہ رہتا کہاں ہے؟"

"میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ اس کے جو ٹھکانے میرے علم میں ہیں' وہ وہاں نہیں ہے" میں نے ٹکا سا جواب دے کر اپنی جان چھڑالی۔

"کرنل! مجھے نظر آرہا ہے کہ تمہارے ستارے گردش میں آنے والے ہیں" اس بار نک اپنے غصے کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکا۔

"تم نے تو کل ہی مجھے نوید سنادی تھی کہ بلیک کیٹس ڈینی کے ساتھ مجھے اور راول خان کو بھی اڑا دیں گے۔ آج وہ ایک کہانی بن چکے ہیں۔ اب تم کسے میدان میں اتارنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"وقت آنے پر تمہیں سب معلوم ہوجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم سے مفاہمت کی ہر کوشش کرکے دیکھ لی ہے لیکن تم راہِ راست پر آنے پر آمادہ نہیں ہو۔ اب میرے لیے تم بھی ڈینی کی طرح ہو۔ کوئی نہ کوئی تم سب کو جلد ہی تگنی کا ناچ نچائے گا اور پھر جہنم واصل کردے گا" اپنی مسلسل ناکامی پر وہ جھنجلا گیا تھا۔

"تم خود یہ کوشش کیوں نہیں کر لیتے۔ کیا تمہارے تبادلے کا حکم نامہ آ چکا ہے؟" اس بار میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"کرنل! اپنی حدود میں رہو۔ میں خود بھی تمہاری کھوپڑی توڑ سکتا ہوں" وہ غرایا۔

"میں حیران ہوں کہ ایسی جارحانہ گفتگو کے بعد تم کسی غیر رسمی اجلاس میں کیسے میرا سامنے کر سکو گے؟" میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا۔

"اب بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ کسی غیر رسمی اجلاس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے کوئی فیصلہ کن معجزہ رونما ہو جائے گا۔"

"طاقت ور اپنے زور بازو پر انحصار کرتے ہیں جو بے دست و پا ہوتے ہیں وہی بستر پر لیٹ کر معجزوں کے رونما ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔"

"اب ڈینی سے پہلے تمہاری کھال میں بھوسا بھروانا پڑے گا۔ میں جلد ہی تمہیں اس بدکلامی کی سزا دوں گا" نک نے چیخ کر فون بند کر دیا۔

میں اپنے دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس کر رہ گیا۔ وہ ڈینی کو ٹیڑھی کھیر اور کرنل داور کو حلوا سمجھ رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کرنل داور اس کے لیے ڈینی سے زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔

"ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ نک سہارے کی تلاش میں ہاتھ پیر مار رہا تھا" اول خان نے سب کچھ سن لینے کے بعد اپنی رائے دی۔

"کل تک وہ کوئی اور زبان بول رہا تھا" آج حواس باختہ تھا۔ ان لوگوں پر اچانک کیا مصیبت نازل ہوگئی!"

"اچانک کچھ بھی نہیں ہوا۔ نک نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے اور اب اس کا نتیجہ بھگت رہا ہے۔"

بنیادی غلطی نک کی ہی تھی۔ جب میں نے کرنل داور کے روپ میں اس سے پہلی مرتبہ فون پر رابطہ کیا تو میں نے اس کے مطلب کی ڈھیلی ڈھالی باتیں کیں جن کے نتیجے میں وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ میں ایس ٹی ایف سے ٹوٹ کر اس کے جال میں پھنس رہا تھا۔ اسی جوش میں اس نے مجھے کوبرا تک رسائی کا طریقہ کار بھی بتا دیا جس میں کلیدی کردار

ہوٹل کے منیجر کا تھا۔ اس نے منیجر کا نام نہیں لیا تھا لیکن عہدے کی بنا پر ارجن کمار تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔

اس کی بولی بولتے بولتے جب میں نے اچانک قلابازی کھائی تو وہ سٹ پٹا گیا۔ مگر تیر اس کی کمان سے نکل چکا تھا۔ میرے ہوٹل پہنچنے سے پہلے اس نے ارجن کو اس کے دفتر میں مروا دیا۔

نک اتنی تیزی سے وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ اس قتل میں کوبرا کے ذریعے کسی تیسرے قاتل کو استعمال کیا گیا تھا۔ سب کچھ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کوبرا کو ہوٹل سے بھاگنا پڑا اور پھر ان لوگوں کے لیے حالات مخدوش سے مخدوش تر ہوتے چلے گئے۔

شاید نک اور سوبھراج کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ حالات بہت تیزی کے ساتھ ان کی گرفت سے نکلتے چلے جائیں گے۔ ہر بات ان کے خفیہ ریکارڈر اور دوسرے متعلقہ لوگوں کے علم میں آتی رہی۔ آخری نتیجہ یہ سامنے آیا تھا کہ دونوں بلیک کیٹس کسی کامیابی کے بغیر دھر لیے گئے تھے اور سوبھراج کو بھی کوبرا اور حشمت کی حیثیت سے شناخت کرلیا گیا تھا۔

نک اس سارے بگاڑ کا ذمہ دار تھا۔ اسے معلوم ہوچکا تھا کہ اس کے خلاف ابتدائی کارروائی ضرور ہوگی جو کم از کم اس کے تبادلے پر منتج ہوتی۔ وہ اپنے خلاف ایسے کسی اقدام سے پہلے اپنے بڑوں کی نظروں میں سرخ روئی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوتی کہ وہ ایس ٹی ایف کے کرنل داور کو اپنی قومی ایجنسی کی خدمات کے لیے خریدنے میں کامیاب ہوجاتا۔ آخری گفتگو میں اس نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ یہ اس کی کوششوں کی انتہا تھی کہ اس نے مجھے کوبرا کا جانشین بننے کا خواب تک دکھا دیا تھا۔

نک کی ناکامی کا سب سے خراب اور عبرت ناک پہلو یہ تھا کہ سوبھراج کی عزت اور ساکھ داؤ پر لگ چکی تھی۔ میں نے اسے اپنے اصل روپ میں فون کرکے اس سنگین حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ سوبھراج کو بے خبر رکھ کر اچانک، رنگے ہاتھوں دبوچ لیا جائے لیکن اس نے اول خان کے قتل کا عندیہ دے کر مجھے لب کشائی پر مجبور کردیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھ سے فون پر بات ختم کرتے ہی سوبھراج نے نک یا ٹام سے رابطہ کرکے اسے نئے خطرے سے آگاہ کردیا ہوگا۔

سفید پوش مجرم جب تک جرائم کی دلدل میں اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھتے ہیں، یہ بھولے رہتے ہیں کہ جب معاشرے میں ان کے مداحوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو اچانک ان کے سیاہ کرتوتوں کی خبر ملے گی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ عزت، احترام، رتبہ اور سب کچھ پل بھر میں خاک میں مل جائے گا۔ لوگ ان پر تھوکیں گے، ان سے نفرت کریں گے اور ان کو پھانسی کے پھندے تک نہیں تو لمبی قید کی کال کوٹھری تک ضرور پہنچا دیا جائے گا۔

سوبھراج نے اول خان کے قتل کا ارادہ ظاہر کرکے خود کو عارضی طور پر بچا لیا تھا۔ اول خان کی زندگی بچانے کے لیے مجھے اس کو بتانا پڑا تھا کہ اگر اول خان کو کوئی زک پہنچی تو میں اس کی مجرمانہ شناخت کی تشہیر کرکے اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔

سوبھراج کے لیے وہ جھٹکا ناقابل برداشت تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید اس نے خوف زدہ ہوکر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ وہ نہ جانے کب سے غیر ملکی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے اتنا کچھ کما لیا تھا کہ اپنی جمع پونجی کے سہارے، اپنی باقی ماندہ عمر عیش و عشرت کے ساتھ گزار سکتا تھا۔

نک کے پاکستان سے تبادلے کے ساتھ کوبرا کی مسند بھی خالی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ نک پاکستان سے نکلنے کے بعد شاید محفوظ ہوجاتا لیکن سوبھراج کے لیے ہمارے ہاتھوں سے بچنا مشکل تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کا اثر و رسوخ کب تک اس کے کام آتا ہے۔

اول خان کو اپنے دفتر میں کچھ ضروری کام تھے، پھر اسے گوپال کی تحویل کے لیے جلال کے آدمیوں کا انتظار بھی کرنا تھا۔ وہ وہیں رکا رہا۔ میں واپس روانہ ہوگیا۔

میں گھر پہنچا تو وہاں ویرا اور سلطان شاہ کا راج تھا۔ غزالہ گھر پر نہیں تھی۔ میں نے دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی غیر حاضری کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہوتی تھی تو میرے استقبال کے لیے سب سے پہلے دروازے پر آتی تھی۔

”کیا بات ہے؟ گردن اچکا اچکا کر ادھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہو؟“ ویرا نے میرے تجسس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

”غزالہ کہیں نظر نہیں آ رہی، کیا وہ سو رہی ہے؟“ میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

”آرام سے بیٹھو۔ وہ بھی آجائے گی۔ آج وہ مجھے اور سلطان شاہ کو تخلیہ فراہم کرکے باہر گئی ہے“ ویرا میرے شانے پر ہاتھ مار کر بے پروائی سے بولی۔

میں جلد از جلد غزالہ کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا لیکن میرا سامنا ویرا سے تھا۔ میں لگاتار غزالہ، غزالہ کی رٹ

لگائے رکھتا تو اسے میرا مذاق اڑانے کا ایک نادر موقع ہاتھ آجاتا۔ وہ ایسے ہر موقع کو نہایت بے رحمی سے استعمال کرنے کی عادی تھی۔

"حیرت ہے کہ گھر میں صرف تم دونوں ہو اور فضا پھر بھی پرسکون ہے" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے بادل ناخواستہ کہا۔

"کوئی تیسرا نہ ہو تو ہم امن و آشتی سے رہتے ہیں۔ بھیڑ ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی بی جمالو بن کر ہمیں آپس میں لڑوا دیتا ہے" ویرا ہنستے ہوئے بولی "تمہارے آنے سے پہلے ہم بہت پیار و محبت کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے۔"

"اس کی باتوں میں نہ آنا" سلطان شاہ نے بلا تاخیر احتجاج کیا "ہم صرف باتیں کر رہے تھے۔ اس میں پیار اور محبت کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" میں نے اس بار سلطان شاہ سے پوچھا۔

"میں غزالہ کے بارے میں فکرمند ہوں۔ یہ مجھے انگریزی فلموں کی بیہودہ کہانیاں سنا رہی تھی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر سادگی سے کہا۔

"غزالہ کی طرف سے تمہیں کیا فکر لاحق ہے؟" ویرا نے اس سے پوچھا "وہ اپنی مرضی سے سلمٰی کے پاس گئی ہے' مل کر آجائے گی۔"

"کون سلمٰی؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا اور ویرا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"اب پوچھو گے کہ کون ویرا .... وہ تمہارے چہیتے' جہانگیر کی بیوی ہے۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" ویرا کی ادھوری اور غیر متعلقہ باتیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔

"آج اس کے اندر سوئی ہوئی پرانی غزالہ جاگ اٹھی ہے۔ وہ سلمٰی کی حفاظت کے لیے گئی ہے" ویرا نے طنزیہ پیرائے میں بتایا۔

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ عمارت کے نیچے ایس ٹی ایف کے دو گارڈز پہلے سے موجود ہیں" میں نے

کہا۔
ویرا اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہانکتی رہی مگر ان دونوں سے خاصی صبر آزما گفتگو کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ غزالہ کیا سوچ رہی تھی۔
میرے اور راول خان کے چلے جانے کے بعد' ان تینوں کے درمیان سیتا کی ذات موضوع سخن بنی رہی۔ یہ بات پہلے ہی سامنے آچکی تھی کہ سیتا نے اپنے اغوا سے پہلے مجھے دیکھ لیا تھا مگر وہ یہ نہیں جان سکی تھی کہ میں ہی ڈینی تھا۔ ہوٹل کی پارکنگ میں اس وقت میرے ساتھ ایس ٹی ایف کا سرور تھا جس کا دیکھ لیا جانا غیر اہم تھا۔ اس کے علاوہ ہمارے دو گھر اس کی نظروں میں آچکے تھے۔ ہمارے گھر پر حفاظت کا ایسا فول پروف بندوبست تھا کہ سیتا وہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتی تھی لیکن جہانگیر کے گھر کا معاملہ مختلف تھا۔
وہ ایک کثیرا لمنزلہ عمارت کے فلیٹ میں رہائش پذیر تھا۔ سرور کے روپ میں آنے والی لڑکی کے واقعے کے بعد عمارت میں یہ اصول نافذ ہوچکا تھا کہ متعلقہ اہل خانہ سے انٹرکام پر اجازت لیے بغیر کسی اجنبی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہاں ایس ٹی ایف کے دو محافظ مامور کردیے گئے تھے جن میں ایک سیکیورٹی کاؤنٹر پر موجود رہتا تھا۔ دوسرے کی ڈیوٹی باہر ہوتی تھی۔ وہ انتظامات بہت معقول تھے۔ سیتا عمارت کے اندر گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔
غزالہ کو شبہ تھا کہ سیتا اپنا اگلا قدم بہت تیزی سے اٹھائے گی۔ بلیک کیٹس نے میدان میں آتے ہی جس پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا' اس کی روشنی میں سیتا سے کسی سستی کی توقع کرنا حماقت کے مترادف تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کا گھر ایک بہتر اور سہل ٹارگٹ تھا۔
بلیک کیٹس نے جس اعتماد کے ساتھ ایک لڑکی کو ان کے گھر بھیجا تھا' اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ انہوں نے جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے کے ساتھ اس کے معمولات کا بھی پتا چلا لیا تھا اور شاید جہانگیر کے ساتھ ساتھ سلمٰی کو بھی دیکھ لیا تھا۔
غزالہ جانتی تھی کہ گھر کا سودا سلف لانے کی ساری ذمہ داری سلمٰی کے سر تھی۔ جہانگیر بہت کم اپنے فلیٹ سے باہر نکلتا تھا۔ زیادہ تر گھر پر پڑا اینڈتا رہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ سلمٰی اپنے معمول کے مطابق کسی کام سے باہر نکلی اور اس وقت سیتا باہر گھات میں ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت سلمٰی کو اغوا ہونے سے نہیں بچاسکتی تھی۔
وہ خیال آتے ہی غزالہ نے سلمٰی کو فون کیا اور اسے تاکید کی کہ وہ ایک دو روز کے لیے خود کو فلیٹ میں محدود کرلے۔ باہر نکلنے کی صورت میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا۔
سلمٰی سے اسے پتا چلا کہ وہ پچھلے روز بازار نہیں گئی تھی۔ گھر میں بنیادی ضرورت کی کئی اشیا ختم ہوچکی تھیں۔ اس شام اس کا باہر نکلنا ناگزیر تھا۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد غزالہ قائل ہوگئی۔ اس نے سلمٰی کو کسی کی آمد تک گھر میں رکنے کی تاکید کی تھی۔
غزالہ کی خواہش تھی کہ سلمٰی کو بازار میں خریداری کروانے کا کام ویرا سرانجام دے لے لیکن ویرا کو سلمٰی ایک آنکھ پسند نہیں تھی۔ جہانگیر مے نوش تھا اور دل کھول کر اس کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ ویرا اسے بہت پسند کرتی تھی۔ اس نے دس ناپسندیدہ تبصروں کے ساتھ غزالہ کی خواہش مسترد کردی اور یوں غزالہ خود گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

✪✫✪

وہ کاؤنٹر پر چند ثانیوں تک رکنے کے بعد اوپر پہنچی تو سلمٰی اس کے استقبال کے لیے دروازہ کھولے کھڑی تھی۔
میرے ساتھ سلمٰی کی بے تکلفی کی وجہ سے غزالہ بھی اسے زیادہ پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس کی دانست میں وہ معاملہ اس کی ذاتی پسند یا ناپسند سے زیادہ سنگین تھا۔ وہ سلمٰی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اندر پہنچی تو جہانگیر شیو بنا کر' قرینے کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔
"آؤ بھابی! آج تو کسی بہانے اس گھر کے نصیب جاگے ہیں کہ تم یہاں آئی ہو۔ ہمارا یار' ڈینی کہاں ہے؟" اس نے اپنی جگہ سے احتراماً اٹھ کر کہا۔
"ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی مصروف ہیں' میں مشکل سے وقت نکال کر آئی ہوں تاکہ سلمٰی کے ساتھ بازار تک جاسکوں۔"
"ارے' تم تو کھڑی ہوئی ہو۔ بیٹھ جاؤ" وہ مسرت سے کھلا پڑ رہا تھا۔ اس نے سلمٰی کی طرف دیکھا "کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو' جلدی سے ڈرنکس لے آؤ۔"
"مم.... میں ڈرنک نہیں کرتی" جہانگیر کا موڈ دیکھ کر غزالہ بوکھلا گئی۔
وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجھے معلوم ہے۔ میں سوفٹ ڈرنکس کے لیے کہہ رہا تھا۔ جاؤ! تم ابھی تک کھڑی ہو؟" آخری فقرہ اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔
"غزالہ نے میرا ہاتھ سختی سے تھام لیا ہے" سلمٰی نے بے بسی سے اپنا ہاتھ اٹھایا جو غزالہ کی گرفت میں تھا۔
"میں جلدی میں ہوں۔ ڈینی کسی بھی وقت گھر آجائیں گے اور مجھے نہ پاکر پریشان ہوں گے" غزالہ نے جلدی سے وضاحت کی "بازار سے واپسی پر میں نیچے سے ہی لوٹ جاؤں

گی۔ ہم دونوں فرصت میں پھر کبھی یہاں آئیں گے۔"

مایوسی سے جہانگیر کا منہ لٹک گیا "پتا نہیں تم دونوں کن چکروں میں پڑے رہتے ہو۔ ڈینی ہمیشہ وعدے کر کے ٹال دیتا ہے۔ ادھر نہیں آتا۔ اگر تم اتنی ہی مصروف تھیں تو مجھ سے فون پر کہہ دیتیں، میں سلمٰی کو بازار لے جاتا..."

"ہاں، تم ایسے ہی سعادت مند ہو!" سلمٰی جلے کٹے لہجے میں بولی "پتا نہیں تم میرے ساتھ باہر نکلنے میں کیوں شرماتے ہو۔ غزالہ کو فون پر وعدہ کر کے ٹال دیتے اور مجھے اکیلا باہر ہانک دیتے۔ اگر باہر واقعی کوئی خطرہ ہے تو تم نے یہاں آکر بہت اچھا کیا۔"

سلمٰی ایک خالص خانہ دار عورت تھی۔ اس میں کسی خراب صورت حال سے نمٹنے کا ذرا بھی حوصلہ نہیں تھا۔ جہانگیر نے شرما حضوری میں پیشکش کی کہ اگر غزالہ کے پاس واقعی وقت کی کمی تھی تو وہ اس وقت واپس چلی جائے۔ جہانگیر اس کے سامنے خود سلمٰی کو بازار لے جائے گا مگر غزالہ نے مسکرا کر اسے ٹال دیا۔ وہ مجھ سے جہانگیر کی سستی اور کاہلی کے قصے سنتی رہتی تھی۔ اپنے شاندار ماضی کو شراب کی لاتعداد بوتلوں میں دفن کر کے وہ محض ایک نمائشی وجود بن کے رہ گیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر اپنے کسی چست و چالاک حریف سے بھرپور مقابلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ غزالہ کو ان باتوں کا پورا پورا ادراک تھا۔ وہ وہاں تک پہنچ ہی گئی تھی تو ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر کوئی ناگہانی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس کے لاشعور میں یہ احساس پوری شدت کے ساتھ پیوست تھا کہ وہ دونوں اپنے ماضی سے تائب ہو کر شرافت اور ایمانداری سے نئی زندگی گزارنے کی کوششیں کر رہے تھے لیکن مجھ سے گہری دوستی کی بنا پر جہانگیر آئے دن کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا رہتا تھا۔ حد یہ تھی کہ ان ہی خطرات کی وجہ سے سلمٰی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو لاہور میں، اپنے میکے میں چھوڑا ہوا تھا۔ ہماری وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات میں ان دونوں کی بھرپور مدد کرنا ہمارا فرض تھا۔

وہ دونوں فلیٹ سے نکلیں اور پھر سلمٰی کی کار میں بازار کی طرف نکل گئیں۔ بازار وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی خریداری کے لیے سلمٰی ٹہلتی ہوئی وہاں جا نکلتی تھی۔ یہ تجویز غزالہ کی تھی کہ جب تک خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے، سلمٰی کو پیدل نکلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ فضا میں دھند کا پھیلنے کے بعد وہ احتیاط زیادہ ضروری تھی۔

بارونق بازار کی کشادہ دکانوں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی غزالہ چاروں کھونٹ چوکس تھی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اسے کہیں سیتا کی جھلک نظر آجائے تو وہ اسے لپک کر دبوچے اور بے بس کر کے گھر لے آئے لیکن وہاں میدان صاف تھا۔

مختصر لیکن اہم خریداری کے بعد وہ دونوں واپس ہولیں۔ سلمٰی نے غزالہ کو باہر ہی گاڑی کے قریب اتار دیا۔ غزالہ دروازے کا قفل کھول کر اطمینان سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی انجن اسٹارٹ کیا اور سلمٰی کی طرف ہاتھ لہرا کر آگے روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے سروس روڈ سے مین روڈ پر آنے کے لیے گاڑی گھما کر روکی ہی تھی کہ اچانک عقب سے ایک دھیمی آواز آئی "میرے ہاتھ میں بھری ہوئی گن ہے۔ تم نے میری ہدایت سے ذرا بھی انحراف کیا تو پل بھر میں اس کی ساتوں گولیاں تمہارے بدن میں اتار دوں گی۔"

وہ نسوانی آواز سن کر غزالہ کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور اس خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ سلمٰی کو کسی ناگہانی آفت سے بچانے کے چکر میں وہ خود ایک بدترین عذاب سے دوچار ہو چکی تھی۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟" غزالہ کے ہونٹوں سے غیر ارادی طور پر سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"تمہاری دوست نہیں ہوں۔ گاڑی مین روڈ پر لے کر

آگے سے واپس کلفٹن کی طرف گھمالو۔'' پیچھے سے دوبارہ آواز آئی ''اس خیال میں نہ رہنا کہ میں اب بھی تمہارے پچھلے پائیدان میں دبکی ہوئی ہوں اور مجھے راستہ نظر نہیں آئے گا۔ میں سیٹ پر آچکی ہوں۔''

غزالہ کی نظریں عقب نما آئینے کی طرف اٹھ گئیں۔ گردوپیش کی روشنیوں کے انعکاس میں اس نے دیکھا کہ وہ بھرے بھرے، پرکشش چہرے والی ایک جوان عورت تھی۔

''یہ نہ سمجھنا کہ میں خالی دھمکی دے رہی ہوں۔'' عورت کے ان الفاظ کے ساتھ ہی غزالہ کے داہنے پہلو میں گن کی سخت آہنی نال چبھنے لگی ''یہ اعشاریہ چار چار کی خوفناک گن ہے جو اتنے قریب سے تمہارے بدن کے چیتھڑے اڑا دے گی۔''

غزالہ ابتدائی جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ گھر سے نکلتے ہوئے، اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ سیتا کانت نے بہت زیادہ تیزی دکھائی تو اس کی وہ مہم خطرناک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس اندیشے کے پیش نظر وہ خالی ہاتھ نہیں نکلی تھی۔ اس کے شولڈر بیگ میں بھی بھرا ہوا ریوالور موجود تھا جو سیتا کی پہل کی وجہ سے کم از کم اس وقت ناکارہ تھا۔ غزالہ کو حیرت تھی کہ سیتا نے اسے کب دیکھ کر پہچان لیا تھا اور کیسے اس کی کار میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے ذہن میں کلبلانے والے اندیشوں کا محور سلمیٰ کی ذات رہی تھی۔ غزالہ نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ سیتا، سلمیٰ کو نظرانداز کرکے براہِ راست اس پر ہاتھ ڈال دے گی۔

ایک مقام پر ٹریفک قدرے کم تھا۔ سیتا بہت تیزی کے ساتھ پیچھے سے اچک کر غزالہ کے برابر والی سیٹ پر آگئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی گن واقعی خوف آور تھی۔ وہ یقینی طور پر وہی گن رہی ہوگی جو سیتا نے گلاب خان کے بیٹے، سربلند خان سے چھینی تھی۔

غزالہ کو معلوم تھا کہ وہ گلاب خان کے گھر سے کیسی بے سروسامانی کے عالم میں فرار ہوئی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ پچھلی شام سے مسلسل پریشان کن حالات کا سامنا کررہی تھی۔ پہلے اسے ہوٹل کی پارکنگ سے اغوا کیا گیا۔ وہ کئی گھنٹوں تک ایس ٹی ایف کے ایک سیل میں قید رہی لیکن اس کا حوصلہ برقرار رہا۔ وہ رات گئے وہاں سے بھاگ کر کسی نہ کسی طرح سربلند کے گھر پہنچی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہاں اس کے گھیر لیے جانے کے مکمل امکانات تھے مگر وہ اپنی حاضر دماغی کے سبب وہاں سے بھی صاف بچ نکلی — بارہ گھنٹوں سے بھی کم مدت میں دو مرتبہ فرار کی راہ اختیار کرنے کے محض چند گھنٹوں بعد اس کا مسلح ہوکر، پوری تیاری کے ساتھ جہانگیر کے گھر کے قریب پہنچنا حیران کن تھا۔

غزالہ کا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سیتا نے بلڈنگ میں داخل ہوکر کسی فرضی نام سے جہانگیر کے گھر پہنچنے کی کوشش کی ہوگی جو اوپر سے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکی۔ کاؤنٹر سے آنے والا فون جہانگیر اور سلمیٰ کے لیے اس قدر غیراہم تھا کہ انہوں نے غزالہ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

سیتا باہر آکر کوئی نیا داؤ آزمانے کی تدبیر سوچ رہی تھی کہ اچانک غزالہ وہاں پہنچ گئی۔ وہ ایک مرتبہ سلمیٰ کے ساتھ بازار تک گئی لیکن سیتا نے دونوں کو نہیں چھیڑا۔ واپسی پر اس نے تاک کر غزالہ کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ سیتا نے اسے کیسے پہچان لیا۔

اس کا اپنا ریوالور بیگ میں بند تھا جبکہ سیتا کی گن کسی بھی لمحے شعلہ اگلنے کے لیے تیار تھی۔ اس وقت غزالہ کے لیے سیتا کی ہدایات کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ غزالہ دیکھ بھال کر کہیں کوئی ایسا زوردار حادثہ کرڈالے کہ سیتا اپنا توازن کھو بیٹھے اور غزالہ اس کے سنبھلنے سے پہلے، اسے زیر کرکے اس کی گن چھین لے۔

''رفتار معمول پر رکھو۔ ذرا سا بھی حادثہ ہوا تو میں تمہارے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' سیتا اس کے بائیں گھٹنے پر گن کی نال سے ہلکی سی ضرب لگا کر غرائی۔ غزالہ کو خوف محسوس ہونے لگا۔ یوں لگا تھا جیسے سیتا نے اس کے ذہن کو پڑھ لیا ہو۔

''اس وقت ڈینی کہاں ملے گا؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سیتا کے اس ٹیڑھے سوال نے غزالہ کو بری طرح چونکا دیا۔

''کون ڈینی؟ میں کسی ڈینی شینی کو نہیں جانتی۔'' غزالہ نے حوصلے سے کام لے کر برہمی کا مظاہرہ کیا۔

سیتا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیرنے لگی اور وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی ''مجھ سے یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارا نام غزالہ ہے اور تم ڈینی کی بیوی ہو۔ آج میرے ستارے اچھے تھے کہ تم مجھے نظر آگئیں اور میں نے اپنا پہلا پروگرام منسوخ کردیا۔''

''دیکھو! تم کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام رخسانہ ہے۔''

اس بار سیتا نے زور سے گن کی نال غزالہ کے گھٹنے پر ماری اور اس کی جان نکل گئی۔ سیتا کڑوے لہجے میں بولی ''مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ ویرانے میں پہنچنے کے بعد میں تمہارا جوڑ جوڑ اسی طرح چٹخادوں گی۔ میں نے دہلی میں تمہیں بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہاں تم مظہر خان کی گرل فرینڈ بنی ہوئی

تھیں۔ یہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ مظہری ڈینی تھا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں اسے نہیں دیکھ سکی لیکن تمہارا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

غزالہ کا دم خم جاتا رہا۔ اگر سیتا اسے دہلی میں دیکھ چکی تھی تو اسے دھوکا دینا مشکل تھا۔

"بولو!" اس بار سیتا نے بے رحمی سے غزالہ کی پسلیوں میں نال چبھائی تھی "تم غزالہ ہو یا نہیں۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے دہلی میں کہیں تمہیں دیکھا ہو۔" غزالہ نے براہِ راست اعتراف کرنے میں سبکی محسوس کرتے ہوئے، دھیرے سے کہا۔

"ہم لوگ بلا ضرورت کسی کو نظر نہیں آتے۔ تم لوگوں نے کل شام سے میرا حشر خراب کیا ہوا ہے۔ میں اپنے بدن پر تین بدست مردوں کا ناگوار بوجھ سہہ چکی ہوں۔ میں تم سے گن گن کر سارے بدلے لوں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ڈینی کہاں ہے۔"

غزالہ نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری، کن انکھیوں سے سیتا کی طرف دیکھا تو وہ اپنی جگہ مستعد تھی۔ اس کی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"وہ کراچی میں ہیں۔ کہاں ہیں؟ یہ میں نہیں جانتی!"

اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا "وہ اپنے شب و روز زیادہ ترویرا کے ساتھ گزارتے ہیں۔"

"ویرا۔ وہ گندی کتیا بھی ماری جائے گی۔ مجھے اس کی بھی تلاش ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیوی کو اپنے عیاش شوہر کے عشرت کدے کا علم نہ ہو۔"

"عام طور پر یہی ہوتا ہے۔" اپنے الفاظ کا اثر دیکھتے ہوئے غزالہ نے اپنی آواز پر مایوسی طاری کرلی "آوارہ عورتیں جب کسی شادی شدہ مرد پر ہاتھ صاف کرتی ہیں تو سب سے پہلے اسے ایک محفوظ ٹھکانا فراہم کرتی ہیں جو بیویوں کی پہنچ سے باہر ہوتا ہے۔"

"مرد کتنا ہی عیاش اور بے غیرت ہو، اپنی بیوی کے بارے میں بہت حساس ہوتا ہے۔ مجھے اپنے گھر کا پتا اور فون نمبر بتاؤ... ہاں، آگے سے گاڑی بائیں طرف موڑ لینا۔"

سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ غزالہ نے ساحلی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی میرین ڈرائیو پر گاڑی موڑ لی۔ اس

نے سیتا کے سوال کا جواب گول کردیا تھا۔
"میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنے گھر کا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔" سیتا نے سخت لہجے میں اپنا فرمان دہرایا۔
"اس سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ دونوں وہاں نہیں ہیں۔" غزالہ نے بے بسی سے کہا "اخباروں میں اشتہار آنے کے بعد کہیں چھپ گئے ہیں۔"
"وہ کہاں ہیں' یہ سراغ لگانا میرا کام ہے۔ تم سے جو کہا جارہا ہے' وہ کرو۔" سیتا غرائی۔
غزالہ نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر فیڈرل بی ایریا کا ایک فرضی پتا اور فون نمبر دہرا دیا۔
"گڈ۔ یہ تفصیل میرے ذہن نشین ہوگئی۔ میں جو بات ایک مرتبہ نوٹ کرلیتی ہوں اسے مدتوں نہیں بھولتی۔" غزالہ کا جواب سن کر وہ خوش ہوگئی "اب میں تمہیں مار کر ساحل کی نرم ریت میں کہیں دبا دوں گی اور پھر تمہارے گھر فون کرکے بتاؤں گی کہ تم میری قید میں ہو۔ دیکھتی ہوں کہ ڈینی مجھ سے کب تک بچے گا۔"
"ابھی تم مجھ سے بدلہ لینے کی بات کررہی تھیں۔ اب مارنے..." غزالہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں احتجاج کرنا چاہا لیکن سیتا نے اس کی بات اڑا دی۔
"میں نے ابھی ابھی انصاف کی توپ بننے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ میں مظلوم بیویوں کی ہمدرد ہوں۔" سیتا ترنگ میں آکر کہہ رہی تھی "میں مرنے سے پہلے تمہیں کوئی اور دکھ نہیں دوں گی۔ تمہارا مرد ہرجائی ہے تو تمہیں سکون سے مرجانا چاہیے تاکہ تم کو روز روز کے اس روگ سے چھٹکارا مل سکے۔ میں اپنے سارے بدلے ویرا سے لوں گی جس نے تمہارا سہاگ لوٹا ہے۔ میں اس حرام زادی کو ننگا کرکے کراچی کی کسی مصروف سڑک پر بھگاؤں گی اور پھر اسے کچل دوں گی یا گولیاں ماردوں گی۔ میری اصل لڑائی بھی ڈینی اور ویرا سے ہے۔"
غزالہ اپنی حکمت عملی طے کرچکی تھی۔ اسے بس ذرا سا فاصلہ اور طے کرنا تھا۔ اس نے باتوں کا سلسلہ جاری رکھا "تم ویرا کے ساتھ جو سلوک چاہو' کرو مگر ڈینی کو معاف کردو۔ وہ برے نہیں ہیں۔ دل و جان سے مجھے چاہتے ہیں۔ انہیں ویرا نے بگاڑ کر غلط راہ پر ڈالا ہے۔"
"ہر برا آدمی کسی نہ کسی کا محبوب ہوتا ہے۔ ڈینی بھی ایسا ہی ہے۔ اس جیسے خونی درندے کو آزاد نہیں چھوڑا... آ... آ..."
سیتا اپنا جملہ پورا نہیں کرسکی۔ باتوں کی رو میں وہ بس ذرا سی غافل ہوئی تھی۔ غزالہ ساحل کی رونقوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ اس نے یکایک گاڑی کچے میں اتار دی۔ ہچکولا اتنا شدید تھا کہ سیتا اچھل کر گاڑی کی چھت سے جا ٹکرائی۔ اس کی گن اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔
چھت سے سر ٹکرانے کے بعد سیتا دوبارہ نشست پر آنے نہ پائی تھی کہ غزالہ نے پورے بریک لگادیے۔ اس بار سیتا کا دھڑ سخت ڈیش بورڈ سے اور چہرہ پورے زور میں ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک چیخ آزاد ہوگئی پھر اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان بہہ نکلا۔
غزالہ نے جھک کر پسنجر سیٹ کے پائیدان سے سیتا کی بھری ہوئی گن اٹھائی اور اس پر ٹوٹ پڑی۔ گاڑی گیئر میں ہونے کی وجہ سے انجن پہلے ہی ہچکی لے کر بند ہوچکا تھا۔ ویران ساحل پر گاڑی کے ہیڈ لیمپس بدستور کھلے ہوئے تھے۔
غزالہ نے اپنے گھٹنوں کی چوٹ کا بدلہ سیتا کے چہرے اور سینے پر پستول کی شدید ضربات سے لیا۔ سیتا بلبلا اٹھی۔ وہ جیتی ہوئی بازی ہار رہی تھی۔ چند منٹ پہلے غزالہ کو موت کا مژدہ سنانے والی کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر غزالہ کے شکنجے سے نکل جانا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکی۔ غزالہ جونک بن کر بری طرح اس کے پورے وجود سے لپٹ گئی تھی۔
اچانک کسی طرح دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا' نم ریت پر جاگریں۔ غزالہ نے سیتا کے پیٹ پر اپنے گھٹنے سے ایک کاری ضرب لگائی۔ اس کے حلق سے پھر ایک دل دوز چیخ نکل گئی۔ غزالہ اسے چھوڑ کر پھرتی سے دور ہٹی اور پھر اس پر گویا دورہ سا سوار ہوگیا۔ وہ اچھل اچھل کر' پنجوں کے بل گھوم کر اور ہوا میں اڑ کر بری طرح سیتا کو مار رہی تھی اور فضا اس کی لرزہ خیز چیخوں سے گونج رہی تھی۔ سیتا ایک تربیت یافتہ بلیک کیٹ تھی لیکن اس بار وہ غزالہ کی پہل اور پھرتی کی وجہ سے اپنی ساری چوکڑی بھول چکی تھی۔ اپنی حریف کو مارنے کے بجائے وہ ساری کوششیں اپنے دفاع پر مرکوز کیے ہوئے تھی اور گالیاں وغیرہ بھول کر بس چیخے جارہی تھی۔
وقت اور موقع میسر ہوتا تو غزالہ اسے لاتوں اور ہاتھوں سے ہی مار مار کر ہلاک کرتی۔ اس وقت وہ غضب ناک شیرنی بنی ہوئی تھی پھر بھی اسے اندازہ تھا کہ سمندر کے شور کے باوجود سیتا کی چیخیں کچھ لوگوں کو ادھر متوجہ کردیں گی اور اس کے فرار کی راہ مسدود ہوجائے گی۔
اس نے بڑھ کر سیتا کی بائیں کنپٹی پر ایک نپی تلی ٹھوکر رسید کی اور وہ تیورا کر وہیں ریت پر ڈھیر ہوگئی۔
غزالہ نے گن کی نال سیدھی کرکے ایک سمت میں

فائر کردیے۔ اس کا مقصد صرف ہراس پھیلانا تھا تاکہ کوئی اس طرف آنے کا ارادہ کررہا ہو تو خوف زدہ ہو کر کسی اور سمت میں بھاگ نکلے۔ اس دوران میں وہ سکون سے واپسی کی تیاری کرسکتی تھی۔

اس نے بڑھ کر سیتا کے بے ہوش وجود کا جائزہ لیا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا اور بری طرح خون آلود تھا۔ وہ اسے اٹھا کر گاڑی کے کسی حصے میں منتقل کرتی تو اس کا لباس بھی داغ دار ہوجاتا جو اس خون آشام مقابلے میں خاصا صاف ستھرا رہا تھا۔ لباس پر پائے جانے والے خون کے نشانات غزالہ کی واپسی میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔

غزالہ نے وہیں کھڑے کھڑے چند ثانیوں کے لیے سوچا۔ وہ سیتا کے ماضی سے واقف نہیں تھی لیکن یہ جانتی تھی کہ وہ بلیک کیٹ بھارت سے دہرے خون کا مشن لے کر پاکستان آئی تھی۔ وہ لوگ سفاک اور عادی قاتلوں کو ہی ایسا مشن سونپ سکتے تھے۔ اگر سیتا اس وقت اچانک غزالہ کے قابو میں نہ آگئی ہوتی تو تھوڑی دیر بعد وہ غزالہ کو موت کی نیند سلادیتی۔ وہ ہر اعتبار سے ایک مستند قاتلہ تھی۔ زمین کو اس کے بوجھ سے آزادی ملنی ضروری تھی۔

غزالہ نے اس کی پیشانی کے وسط کا نشانہ لے کر سکون سے تیسری گولی چلائی اور دوبارہ اس کا جائزہ لیے بغیر گاڑی میں آبیٹھی۔

ہیڈ لیمپس آف کرکے اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھادی۔ اسے معلوم تھا کہ اس سڑک کا کچا حصہ طے کرلینے کے بعد وہ دوبارہ پختہ سڑک پر جانکلے گی جو تھوڑی دیر کے سفر کے بعد اسے ڈیفنس کے کسی ویران علاقے میں پہنچادے گی۔

وہ سیتا کی گن کی تین گولیاں استعمال کرچکی تھی۔ اس کے چیمبر میں مزید چار گولیاں موجود تھیں۔ غزالہ نے وہ گن اپنی گود میں رکھ لی۔ وہ طے کرچکی تھی کہ پولیس والوں کے علاوہ کسی اور نے اس کی واپسی کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی تو بے دریغ ایک دو ہوائی فائر کرکے سیدھی نکلتی چلی جائے گی۔

کچی اور ناہموار سڑک پر گاڑی اچھلتی کودتی آگے بڑھتی رہی۔ رفتار قدرے تیز تھی۔ اس لیے گاڑی کے انجر پنجر ہر جھٹکے کے ساتھ فریادی صدائیں بلند کررہے تھے۔ غزالہ کے داہنے ہاتھ پر بنی ہوئی پتھریلی دیوار کے پار سمندر کی لہروں کا گونجیلا شور سناٹے میں دور تک پھیل رہا تھا۔

وہ کسی کا سامنا کیے بغیر آخر کار دوبارہ پختہ سڑک پر آگئی۔ اس نے ہیڈ لیمپس آف کرکے گاڑی کنارے سے لگائی اور کیبن لائٹ آن کرکے عقب نما آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اس نے سیتا کو بہت تیزی اور مہارت کے ساتھ زیر کیا تھا۔ اس نے ابتدا سے ہی بزدلی اور خوفزدگی کا مظاہرہ کرکے سیتا کے دماغ میں یہ بات بٹھادی تھی کہ وہ سیتا کے خلاف کچھ نہیں کرسکے گی۔ سیتا جب چاہے گی، نہایت آسانی کے ساتھ اسے شکار کرلے گی۔ وہ آخر تک اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی اور جب غزالہ نے اولین موقع سامنے آنے پر اچانک اپنے کرتب اور ہنر کا مظاہرہ کرنا شروع کیا تو پھر سیتا کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ غزالہ پر کوئی وار کیے بغیر تیزی سے پسپا ہوتی چلی گئی۔

اس صاف ستھرے مقابلے میں غزالہ کا چہرہ بالکل بے داغ اور تروتازہ رہا تھا۔ کھلے میدان کی سمندری ہوا نے اس کے بال بری طرح منتشر کردیے تھے۔ اس نے اپنے بیگ سے برش نکال کر جلدی جلدی اپنے بال سیدھے کیے، گاڑی سے نیچے اتر کر اپنے کپڑوں سے ریت وغیرہ جھاڑی اور پھر دوبارہ آگے روانہ ہوگئی۔

☆☆☆

ویرا مجھ سے کرید کرید کر مختلف سوالات کرتی رہی اور میں کسی ذہنی ارتکاز کے بغیر اسے جواب دیتا رہا۔ میرا ذہن مسلسل غزالہ کی طرف الجھا ہوا تھا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میری وجہ سے سلمیٰ اور جہانگیر کو سنگین خطرات لاحق ہونے کے امکانات روشن تھے لیکن وہ خطرات اتنی تیزی سے جنم نہیں لے سکتے تھے۔ سیتا سوچے سمجھے اور منصوبہ بندی کیے بغیر کوئی قدم اٹھانے کی حماقت نہیں کرسکتی تھی۔ وہ عورت ذات تھی۔ اسے پے در پے کئی سخت جھٹکے لگ چکے تھے۔ کچھ کرنے سے پہلے، اسے ان ہزیمتوں کے ذہنی بوجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے وقت درکار تھا۔

میرا خیال تھا کہ جہانگیر کے گھر سے غزالہ کی واپسی بہت جلد ہوگی لیکن جب وقت گزرتا گیا تو میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔

ویرا منہ پھٹ اور چرب زبان تھی۔ میں اس کے سامنے غزالہ کے بارے میں زیادہ زبان کھولتا تو اسے اپنی خوش کلامی کے جوہر دکھانے کا کھلا موقع مل جاتا۔ اس وقت میں خود کو ویرا کے کسی مذاق کا نشانہ بنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ واقعات اور آثار بتا رہے تھے کہ غزالہ کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر، اپنا اخلاقی فرض پورا کرکے صحیح و سلامت گھر لوٹ آئے گی لیکن پھر بھی میرے ذہن کے کسی بے نام گوشے میں رہ رہ کر ایک خلش اور چبھن سی ابھر رہی تھی۔

"تم ٹہل ٹہل کر بلاوجہ اپنے بدن کی شکر جلا رہے ہو۔ یہ تمہاری ساتویں سگریٹ ہے۔ عام طور پر تم اتنی زیادہ سگریٹ نہیں پیتے۔ اس وقت کیا پریشانی ہے؟" میری مسلسل غائب

دماغی پر آخر کار ویرا بول ہی پڑی ”وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ کافی دنوں بعد گھر سے اکیلی نکلی ہے۔ گھوم پھر کر لوٹ آئے گی۔“

”میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانی!“ سلطان شاہ نے کہا ”وہ مضطرب ہو کر اس طرح گھر سے نکلی جیسے سیتا آج ہی جہانگیر کے گھر پر حملہ کردے گی۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی کہ ابھی سیتا کے اوسان خطا ہیں۔ اسے سنبھل کر کوئی جوابی کارروائی کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔“

”وہ کافی دنوں بعد ادھر گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جہانگیر اور سلمٰی نے اسے روک لیا ہو۔ میں ان کو فون کرکے دیکھتا ہوں۔“ میں یہ کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”اوہو... آج تو کوئی بہت مبارک دن معلوم ہوتا ہے۔“ میری آواز سنتے ہی جہانگیر فون پر چہکنے لگا ”تھوڑی دیر پہلے غزالہ نے یہاں آکر ہم لوگوں کی عزت افزائی کی تھی اور اب تمہاری آواز سننے کو ملی ہے۔ کئی دن سے تم کہاں غائب ہو!“

”یہیں، اسی شہر میں ہوں۔ اپنے چکروں میں الجھا ہوا ہوں۔“

”تمہارے چکر شیطان کی آنت کی طرح لمبے ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ کبھی ختم ہوگا یا ساری عمر یوں ہی چلتا رہے گا۔“

”بس مقدر کی بات ہے۔ جب قدرت کو منظور ہوا، زندگی پرسکون ہوجائے گی۔ یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے۔“

”یار! آج اس نے تو مجھے ذلیل کردیا۔ سلمٰی کو بازار لے جانے کے لیے گھر سے یہاں تک دوڑی چلی آئی اور میں گھر میں آرام سے پڑا رہتا ہوں...“

”تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اپنی بیوی کو دو ٹکے کی نوکرانی جتنی وقعت بھی نہیں دیتے۔ چند روز کے لیے احتیاط کرو، اس کا اکیلا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔“

”غزالہ کو اچانک یہاں دیکھ کر مجھے بہت شرم آئی تھی۔ اب میں سلمٰی کا خیال رکھوں گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ آج کل ہمارے گھر میں کوئی نوکرانی نہیں ہے۔ جوان لڑکیوں کو سلمٰی ٹکنے نہیں دیتی۔ میں بوڑھی عورتوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ گھر بار سلمٰی ہی چلا رہی ہے۔“

”اپنی بک بک کیے جارہے ہو۔ میں نے پوچھا تھا کہ غزالہ کہاں ہے۔“ میں نے خفگی سے کہا۔

”وہ بازار سے واپسی پر سلمٰی کو چھوڑ کر نیچے سے ہی رخصت ہوگئی تھی۔ سلمٰی کو آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ کیا وہ اب تک گھر نہیں پہنچی۔“

”وہ گھر پہنچ گئی ہوتی تو میں تم کو کیوں فون کرتا۔ ان دونوں کو بازار میں کوئی خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا؟“

”کچھ بھی نہیں ہوا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ غزالہ نے بلاوجہ ہی اتنی لمبی دوڑ لگائی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سلمٰی کا اتنا خیال رکھتی ہوگی۔“

”سلمٰی کہاں ہے۔ اس سے میری بات کرادو۔“

”باتھ روم میں بیٹھی، فیشن کا کوئی رسالہ پڑھ رہی ہوگی۔ کہو تو دروازہ بجادوں۔“ اس کی بری سی آواز آئی۔

”رہنے دو۔ میں کچھ دیر اور انتظار کرتا ہوں۔ غزالہ نہ آئی تو پھر میں اس کی تلاش میں نکلوں گا۔“

”کہو تو میں بھی آجاؤں۔“ اس نے پرخلوص آواز میں پیشکش کی ”اس وقت میں بالکل سوبر ہوں۔ ابھی میں نے شام کا صرف پہلا گلاس لیا ہے۔“

”تم اپنے گلاسوں میں غرق رہو۔ میں اسے خود ڈھونڈ لوں گا۔“ میں نے غصیلی آواز میں کہا اور فون بند کردیا۔

”تم بلاوجہ سوچ سوچ کر ہلکان ہورہے ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ وہ آنے والی ہوگی۔ ہوسکتا کہ راستے میں ٹائر وائر پنکچر ہوگیا ہو۔“ ویرا نے لقمہ دیا۔

”میری چھٹی حس بار بار خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہے۔ غزالہ بلاوجہ کہیں نہیں رک سکتی۔“

”تو پھر تم ہی بتاؤ۔ گھر کو تالا لگا کر ہم تینوں اسے ڈھونڈنے چلتے ہیں۔“ ویرا اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

”اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈیں گے۔“ سلطان شاہ نے پرخیال لہجے میں کہا ”اس کے پاس موبائل فون ہوتا تو اس وقت یہ پریشانی نہ ہوتی۔“

وہ واقعی ایک مسئلہ تھا کہ غزالہ کی تلاش کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

میری وہ وحشت اور پریشانی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر گاڑی کے ہارن کی مانوس آواز سنائی دی۔ ہم تینوں بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکے تھے لیکن سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر ہم دونوں سے آگے نکل گیا۔

غزالہ کو دیکھ کر ہم تینوں حیران رہ گئے۔ اس کے پھول دار سوٹ پر کئی جگہ خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ جوتے گندے تھے اور شلوار کے پائنچوں پر بھی کیچڑ سی لگی ہوئی تھی۔

”یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے تم نے... خون کے دھبے کیسے ہیں؟“ اس پر نظر پڑتے ہی ویرا نے بے ساختہ سوال کیا۔

”تمہاری سہیلی مل گئی تھی۔“ غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا ”اس کی مزاج پرسی میں یہ حال ہوگیا۔“

”کس سہیلی کی بات کررہی ہو۔ تم ٹھیک تو ہو نا!“

سلطان شاہ تشویش سے بولا ”تمہارے کپڑوں اور بالوں پر ریت کے ذرات چمک رہے ہیں۔“

”سیتا ٹکرا گئی تھی۔ ایک ساحلی ویرانے میں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو۔ راستے بھر میں بالکل ترو تازہ تھی۔ گھر میں قدم رکھتے ہی تھکن کا احساس ہو رہا ہے۔ آج کافی دنوں بعد مجھے جسمانی محنت کرنی پڑی ہے۔“

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے ٹھنڈے پانی کا گلاس غزالہ کو پیش کر دیا اور اس سے لگ کر بیٹھ گئی۔

”کیا تم نے واقعی اسے مار دیا۔“ غزالہ کے پانی پیتے ہی ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

”میرا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔“ میں نے غزالہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ”تم کو اچانک وہاں جانے کی کیا سوجھی تھی؟“

”آپ کی طرح میرا دل بھی کہہ رہا تھا کہ سیتا آرام سے نہیں بیٹھے گی۔ بلیک کیٹس اپنے حریف کو حیران کر دینے اور بہت تیزی سے وار کرنے کی پالیسی پر کاربند نظر آ رہے تھے۔“ غزالہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس پالیسی کے تحت سیتا کو ہماری توقع سے بہت پہلے حرکت میں آنا چاہیے تھا۔ میرا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔ اس نے بہت آسانی سے مجھے زیر کر لیا تھا۔ اگر مجھ سے ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو اس وقت تک وہ مجھے مار کر ریت میں دبا چکی ہوتی۔ وہ یہ گن لے کر آئی تھی۔“ غزالہ نے اپنے بیگ میں سے گن نکالی جو ویرا نے لے لی۔

”خوفناک ہتھیار ہے۔ یہ اسے کہاں سے مل گیا!“ ویرا نے گن کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

”یہ سربلند خان کی گن معلوم ہوتی ہے۔ وہ اسی کے سہارے چار مردوں کو بے بس کر کے گلاب خان کے گھر سے بھاگی تھی۔“

”یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تم یہ سناؤ کہ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی اور تم نے اسے کیسے مار ڈالا!“ سلطان شاہ نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

”تمہیں دیکھ کر یقین نہیں آ رہا کہ تم ایک بلیک کیٹ کو مار کر آئی ہو۔“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم شروع سے آخر تک اپنی کہانی دہراتی چلی جاؤ۔ تم نے سیتا کا صفایا کر کے مجھے بہت بڑے ذہنی بوجھ سے نجات دلا دی ہے۔“

غزالہ نے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی جس کی ابتدا خاصی بے جان تھی۔

ہم تینوں درمیان میں کچھ بولے بغیر، پورے انہماک سے وہ تفصیل سنتے رہے۔ اس دوران میں سب کے چہروں کے رنگ اور تاثرات بہت تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے۔

”اب سمجھ میں آیا کہ اس مشن پر گوپال اور سیتا کی جوڑی کو کیوں بھیجا گیا تھا۔“ غزالہ کی کہانی ختم ہونے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”گوپال مجھے پہچانتا تھا، سیتا نے دہلی میں غزالہ کو بہت قریب سے دیکھا ہوا تھا۔ یہ بات بعد میں ان کی سمجھ میں آئی ہوگی کہ میں مظہر کا روپ دھار کر دہلی میں تھا تو میرے ساتھ اصلی غزالہ ہی ہو سکتی تھی۔“

”یہی نکتہ پوری کہانی کا سب سے اہم موڑ تھا۔“ ویرا بولی ”وہ جہانگیر اور سلمٰی کے چکر میں وہاں پہنچی تھی۔ غزالہ کو پہچان کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔“

”وہ تمہاری گاڑی میں کیسے چھپ گئی؟“ سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

”اس کے پاس بہت وقت تھا۔ میں اوپر گئی پھر سلمٰی کے ساتھ بازار ہو کر آئی۔ اس دوران میں اس نے گاڑی کا کوئی دروازہ کھول لیا ہوگا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ پچھلے پائیدان میں کوئی چھپا ہوا ہوگا۔ میں بے دھیانی میں گاڑی لے کر چل دی۔“

”اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔“ ویرا پہلو بدل کر بولی ”اس نے تم کو بالکل بے بس کر لیا تھا۔ اگر آخری لمحات میں تمہارے ذہن نے کام نہ کیا ہوتا تو انجام بہت مختلف اور افسوس ناک ہوتا۔“

”غزالہ کا ذہن شروع سے صحیح سمت میں اور مسلسل کام کر رہا تھا۔ وہ آخری لمحات کا فیصلہ نہیں تھا۔“ میں نے ویرا کی تصحیح کی ”وہ شروع سے ہی بے بسی اور بزدلی کی اداکاری کرتی رہی اور سیتا مطمئن ہو گئی کہ غزالہ اس کے چنگل سے نہیں نکل سکے گی۔ آخر میں سیتا کی یہی غفلت اس کی موت کا سبب بن گئی۔“

”ہاں... میرا خیال ہے کہ تم غزالہ کی اس بڑی کامیابی پر اندر ہی اندر جل بھن رہی ہو۔“ سلطان شاہ چہک کر بولا ”بلاوجہ اس کے زبردست کارنامے کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کر رہی ہو۔ غزالہ نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس پر سبقت حاصل کی جو اس کی ذہنی برتری کا ثبوت ہے۔“

”مجھے اس سے جلنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ویرا نے چیخ کر کہا ”اس کی کامیابی ہم سب کی کامیابی ہے۔ ایسی گھٹیا اور خود غرضانہ سوچ تمہاری ہو سکتی ہے، میری نہیں۔“

”تمہاری ان باتوں سے کچھ سلگنے کی بو آ رہی ہے۔ تمہارا تو خیال تھا کہ اس وقت غزالہ نے بلاوجہ دوڑ لگائی ہے

وہ کامران و سرخ رو ہو کر لوٹی ہے۔ اس کی کامیابی سے تمہارے سینے پر سانپ لوٹ گئے ہیں۔ ایسی کامیابیوں کے خواب تم صرف اپنے لیے دیکھتی ہو۔"

سلطان شاہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ مذاق کی بات تھی لیکن بہت سخت اور سنگدلانہ تھی۔ میں نے فوری دخل اندازی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "بس! اب اپنی زبان کو لگام دو۔ پتا نہیں دو چار افراد کی موجودگی میں تم دونوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ اکیلے رہتے ہو تو بہت سکون اور صلح کے ساتھ رہتے ہو۔"

"اسی لیے میں آپ سے کہتی ہوں کہ ان کو بکنے دیں۔ دونوں کا گھر بسا دیں۔ یہ ایک ساتھ بہت مزے میں رہیں گے۔ یہ کب تک یوں ہی لنڈورے رہیں گے۔" غزالہ اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے پُرزور لہجے میں بولی۔

"یہ میرے سامنے زمین پر ناک رگڑے تب بھی میں اس سے شادی نہ کروں۔" ویرا نے منہ بنا کر تلخی سے کہا "یہ اس عمر میں بھی اندر سے ایک بچہ ہے اور مجھے بچے پالنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اس قدر پلے پلائے بچے کو لوریاں دے کر سلانا میرے بس سے باہر ہے۔"

"اور مجھے ننگی عورتوں سے چڑ ہے۔ تم شادی کی بات کر رہی ہو، میں ایسی نک چڑھی، بددماغ اور جھکی عورتوں سے دوستی رکھنے کا بھی روادار نہیں ہوں۔"

"تو پھر ہماری جان کو کیوں چمٹے ہوئے ہو۔ اپنی پسند کی کسی عورت کے پاس چلے جاؤ۔"

سلطان شاہ اچانک ہنس پڑا "یہ نہ سمجھو کہ میں تمہاری وجہ سے یہاں رہ رہا ہوں۔ یہ ڈینی کا دم ہے جو میں تمہیں برداشت کر لیتا ہوں۔ مجھے کسی عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے یار کی یاری میں مگن رہنے والا درویش ہوں۔"

"اوہو!" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر استہزائیہ انداز میں کہا "ایسے ہی درویش ہو تو تھوڑی دیر پہلے تخلیے میں مجھے یہ کیوں بتا رہے تھے کہ آج کل کے اخباروں میں عورتوں کی نیم عریاں تصویریں دیکھ کر تمہارا دل خراب ہونے لگتا ہے۔"

"کیوں...؟ یہ تخلیے میں دل خراب ہونے کے ذکر کا کیا چکر ہے؟" غزالہ نے سلطان شاہ کو گھور کر پوچھا۔

وہ غزالہ کی آنکھیں دیکھ کر بوکھلا گیا "م... میرا مطلب تھا کہ مجھے ایسی تصویروں سے گھن آتی ہے۔"

"یہ بات تم نے مجھے کبھی نہیں بتائی۔ ویرا کو اکیلا پا کر یہ بتانے کا مقصد کیا تھا۔" غزالہ نے جان بوجھ کر اسے دبایا۔

"چھوڑو غزالہ، تم کس چکر میں پڑ رہی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ ان دونوں کے چکر ہیں۔ انہیں آپس میں ہی نمٹنے دو۔ تم دخل مت دو۔ یہ کسی نہ کسی دن سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں گھر آیا تو یہ دونوں یہاں کی تنہائی میں چپکے چپکے ایک دوسرے کی ناز برداریاں کر رہے تھے۔ ہر طرف گہرا رومانی سکوت چھایا ہوا تھا۔ اب ہمارے سامنے دونوں پھیل رہے ہیں۔ سلطان شاہ اول فول بول رہا تھا تو ویرا ایسی خرافات کیوں سن رہی تھی..... اٹھ کر کہیں چلی جاتی۔"

"اب سیتا کی لاش کا کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے نہایت بھونڈے انداز میں اچانک بات بدل دی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ وہ باتیں اسی طرح چلتی رہیں تو ویرا اپنی مکاری سے کام لے کر کچھ اور بے سروپا باتیں اس سے منسوب کر دے گی۔

"ہونا کیا ہے۔ اب پولیس ہی وہ لاش اٹھائے گی۔"

غزالہ بولی "وہ اپنے خون میں نہائی ہوئی نہ ہوتی تو میں اسے مارنے کے بجائے زندہ حالت میں کار کی ڈکی میں ٹھونس کر گھر لے آتی۔ اسے زمین سے اٹھا کر گاڑی میں لادنے میں میرا حلیہ خراب ہو جاتا۔"

"میں سمجھ رہا تھا کہ گھر داری اور کچن کے چکروں میں پڑ کر تم اپنے سارے ہنر بھول گئی ہو۔" میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر فخر سے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اعصاب ابھی زنگ آلود نہیں ہوئے۔ تم نے بڑے دم خم سے کام لے کر سیتا کو پچھاڑا ہے۔ ایک منجھی ہوئی بلیک کیٹ کو مار کر تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے وہ کم ہے۔ میرے لیے وہ سوبھراج سے زیادہ اہم تھی کیونکہ سوبھراج ہر وقت ہمارے سامنے ہے۔ سیتا انسانوں کے سمندر میں گھل مل کر غائب ہو گئی تھی۔"

"یہ حقیقت ہے کہ ہم لشکر کشی کر کے بھی اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔" ویرا نے اپنی پیشانی سے رشک و حسد کا داغ مٹانے کے لیے فراخ دلی سے کہا "تم نے تنہا یہ معرکہ سر کر کے ہمارے دشمنوں کی کمر توڑ دی ہے، آج تمہارے ستارے پوری طرح تمہارا ساتھ دے رہے تھے۔"

"دودھ دے کر تم نے پھر اس میں مینگنیاں ڈال دیں۔"

سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "سارا کمال ستاروں کی یاوری کا تھا ورنہ غزالہ کچھ بھی نہ کر پاتی۔"

"آخر تم کیا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"اس بالغ بچے کو دودھ یاد آ رہا ہے۔ اسے اپنے کمرے میں لے جا کر دودھ پلاؤ۔ شکم سیر ہوگا تو خاموشی سے سو جائے

گا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"غزالہ کو دیکھ کر اب تمہاری عقل اور زبان بھی چل پڑی ہے ورنہ اس کی فکر میں گھلے جا رہے تھے۔" ویرا میرے اوپر غرائی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"بس' اب ہر جھگڑا ختم۔ ہمیں کچھ کام بھی کر لینا چاہیے۔" میں نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

بلیک کیٹس ایک طوفانی بگولے کی طرح ہمارے سامنے آئے تھے اور پانی کے دو حقیر بلبلوں کی طرح اچانک بیٹھ گئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اس وقت تک گوپال کو جلال کے آدمی صدف مینشن لے گئے ہوں گے۔ اس وقت میدان میں دو پارٹیاں سیتا کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان میں سے کسی کو سیتا سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ دونوں اس کے خون کے پیاسے تھے۔

پہلی پارٹی سوبھراج کے آدمیوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ بات بہت اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ اس کی شخصیت کو بے نقاب کرنے میں سیتا نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ وہ سیتا کے اس مفروضہ جرم کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے کھوجی شہر میں ہر طرف سیتا کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ سیتا کا انجام اگر سوبھراج کے ہاتھوں ہوتا تو زیادہ بہتر اور تسلی بخش ہوتا۔ کسی اپنے کے ہاتھوں مارے جانے کا کرب ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ غزالہ نے اپنی حاضر دماغی' پہل اور سبقت سے کام لے کر سیتا کو اس کرب سے بچا لیا تھا۔

مجھے امید تھی کہ سوبھراج کے آدمی زیادہ دیر تک نہیں بھٹکیں گے۔ سیتا کی لاش کی شناخت کے لیے کوئی سامنے نہ آیا تو بھی اخبارات میں شائع ہونے والی' اس کی بگڑی ہوئی لاش کی تصاویر سوبھراج کی نگاہوں سے نہیں بچ سکیں گی۔ وہ انہیں پہلی نظر میں پہچان لے گا اور اپنے آدمیوں کو سیتا کی تلاش سے روک دے گا۔

دوسری طرف ایس ٹی ایف کا سرور' اپنی ٹیم کے ساتھ سیتا کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وہ ہمارے اپنے ساتھی تھے۔ ان کا مطلع کیا جانا ضروری تھا۔

وہ اول خان کی چھٹی کا وقت تھا۔ ویسے وہ اس قدر فرض شناس تھا کہ وقت کی پروا کیے بغیر اپنے شب و روز کام کے لیے وقف رکھتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اس کے بیوی بچے کراچی میں ہی تھے۔ میں نے اکثر محسوس کیا کہ وہ کام کے چکر میں پڑ کر اپنے گھر والوں کو نظر انداز کیے رہتا تھا۔ وہ عجیب صابر و شاکر گھرانا تھا کہ اول خان کی ان حد سے بڑھی ہوئی منصبی مصروفیات کے باوجود اس کے گھر میں کوئی کل کل نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ کبھی اس بارے میں حرفِ شکایت اپنی زبان پر لایا تھا۔

میں نے دن اور رات کے جس حصے میں بھی اس سے رابطہ کیا۔ اس نے کسی عذر کے بغیر میری پہلی آواز پر لبیک کہا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوڑا چلا آیا۔ یہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی فرض شناسی تھی کہ ہم اس پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے تھے جس پر کبھی مجھے غصہ آنے لگتا تھا اور کبھی ندامت محسوس ہوتی تھی۔

میں نے دانستہ اس کے گھر کا نمبر ملانے سے گریز کیا۔ موبائل فون پر اس نے فوراً ہی میری کال وصول کر لی۔

"اس وقت تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟" مزاج پرسی کے بعد میں نے اس سے ازراہِ مذاق پوچھ لیا۔

"گھر پر ہوں اور بچوں کو ہوم ورک کرا رہا ہوں۔"

میرے لیے اس کا جواب حیران کن تھا۔ اپنی مصروف ترین دفتری زندگی کے باوجود اس نے اپنے معمولات میں بچوں کی تعلیمی ضروریات کے لیے وقت رکھا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی ورنہ بیشتر مرد بچوں کی تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ اپنی پڑھی لکھی بیویوں کے سر ڈال کر روزی کماتے ہیں یا پھر آرام کرتے ہیں۔ ان سے گھریلو ذمہ داریوں میں کچھ حصہ بٹانے کے لیے کہا جائے تو دفتری مصروفیات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اپنی جان بچا لیتے ہیں۔

"میں نے جان بوجھ کر موبائل پر فون کیا ہے۔ بھابی یہ نہ سوچیں کہ ہم تمہیں گھر پر بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

"تمہاری بھابی بہت کھلے ذہن کی عورت ہے۔ تم تو اس سے مل چکے ہو۔ وہ اس کی قدر کرتی ہے کہ تم لوگوں نے کسی حرص و طمع کے بغیر اپنی زندگیاں ایک مشن کے لیے وقف کی ہوئی ہیں۔ مجھے اپنے کام کی تنخواہ ملتی ہے۔ تمہیں اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"بس یہ ماضی کے گناہوں کا کفارہ سمجھ لو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا "میں اپنے ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو میرا دل کانپ اٹھتا ہے۔ پتا نہیں میں نے ہیروئن کے چکر میں کیسے کیسے اور کتنے گھرانے تباہ کیے ہوں گے..."

"ماضی پر نظریں دوڑانے کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھا کرو۔ اللہ تمہارے اس کفارے کو قبول کرے۔ تم نے تن تنہا بہت سی تباہیاں ٹالی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں فون کیا ہے۔" مجھے جذبات کی رو میں بہنے سے بچانے کے لیے اس نے میری بات کاٹ کر موضوع بدل دیا۔

"ایک خوش خبری سنانی تھی۔ آج غزالہ نے سیتا کا کام تمام کر دیا۔"

"اوہ... نو!" اول خان کی بلند آہنگ آواز گونجی "کیا میں اس خبر پر یقین کر لوں۔"

"کلفٹن کے ساحل کے ایک ویران حصے میں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔" میں نے کہا "جا کر اسے دیکھ لو۔ یقین آ جائے گا۔"

"میرے لیے تمہارا کہا ہوا کافی ہے۔ کیا تمہیں یہ عجیب بات نہیں لگتی کہ غزالہ جیسی گھریلو لڑکی نے ایک بلیک کیٹ کو ٹھکانے لگا دیا۔"

"وہ میری بیوی نہ ہوتی تو میں اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا۔ اس نے واقعی حیران کن کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"اس نے سروز کی مشکل بھی آسان کر دی۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اس وقت بھی شہر کی خاک چھان رہا ہے۔ مونگ کی بوری میں ارد کا دانہ تلاش کرنے میں دانتوں پسینہ آ جاتا ہے۔ اس خبر سے اسے سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔"

"اب ہم سب سکون کی نیند سو سکیں گے۔ ایک محاذ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ اب صرف سوبھراج سے نمٹنا ہے۔"

"سوبھراج گلے کی ہڈی ثابت ہو گا۔ تم نے اسے دھمکی دے کر میرے خلاف کوئی حرکت کرنے سے روک دیا ہے لیکن اس نے بھی اپنی طرف سے ایس ٹی ایف کے ہاتھ پیر باندھنے کی پیش بندی شروع کر دی ہے۔ شام کو اسلام آباد سے باس نے ہدایت دی ہے کہ سوبھراج سے دور رہا جائے۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ ہم لوگ تم پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں۔ ہمیں تم سے الگ رہ کر بھی کچھ کرنا چاہیے۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"یہ تو بتاؤ کہ غزالہ نے سیتا کو کیسے مار لیا۔" اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔

"بس مار لیا۔ یہ لمبی کہانی ملاقات ہونے پر سناؤں گا۔"

وہ خبر کسی کے لیے بھی خوش آئند نہیں تھی کہ ایس ٹی ایف کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا ہے۔ ویرا نے وہ خبر سنتے ہی کہہ دیا کہ اول خان کی مدد کے بغیر سوبھراج کو گرانا ناممکن تھا۔ ہم کو عارضی طور پر اسے بھول جانا چاہیے تھا۔

"کبھی کبھی مصلحت آمیز پسپائی بھی کامیابی کے زمرے میں آتی ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا "نتائج پر چھلانگ لگانے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو۔ دیکھتے ہیں کل شام کو سیٹ لائٹ فون پر رابطہ ہونے پر وہ کیا کہتا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم اپنا اگلا لائحہ عمل طے کریں گے۔"

"اس کے کہنے سننے کے لیے اب کیا رہ گیا ہے۔ بس رسمی بات ہو گی۔" ویرا نے مایوسی سے کہا۔

"رستم ایرانی بھی ایک خوفناک بدمعاش تھا۔ شاید تم اس کا انجام بھول گئی ہو۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"وہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ اس کے خلاف ہمیں فورس کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ ان ہی کی مدد سے رستم ایرانی کو کچلا گیا تھا۔"

"اب تمہارے انٹرویو کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا "اس کے پرسنل سیکریٹری نے تمہیں پانچ بجے کا وقت دیا تھا۔"

"وہ نہیں ہو سکے گا۔ کل شام ہی کو اس کی ڈینی سے بات ہوئی ہے۔" ویرا نے اس کی بات کا سنجیدگی سے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ دونوں سنجیدگی سے بہت کم بات کرتے تھے۔ کبھی ایسی کوشش بھی کرتے تھے تو وہ ان کی باہمی نوک جھوک کی نذر ہو جاتی تھی۔

"لیکن اس کے پرسنل سیکریٹری سے تمہارا وقت طے ہے۔ تم نے اس کے پاس اپنا کوئی فون نمبر تک نہیں چھوڑا کہ وہ تمہیں انٹرویو کی تنسیخ کی اطلاع دے سکے۔ اگر تم کل وقت پر وہاں نہ پہنچیں تو اسے شبہ ہو جائے گا کہ سی بی ایس والی کال فرضی اور فراڈ تھی۔ آئندہ تم اس تک پہنچنے کے لیے ایسی کوئی ترکیب استعمال نہیں کر سکو گی۔"

"سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ویرا میری طرف دیکھ کر بڑبڑائی "اس مسئلے کا کیا حل ہونا چاہیے۔"

"تم کل پانچ بجے وہاں پہنچ جاؤ!" غزالہ نے یہ مشورہ دیتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں نہانے جا رہی ہوں۔ میرے پورے بدن میں ریت کاٹ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے سارے کپڑوں میں سیکڑوں چیونٹیاں بھر گئی ہیں۔"

"یہ ریت نہیں، سیتا کی بدروح ہے جو تمہیں ستا رہی ہے۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا "تم جا کر اطمینان سے نہا دھو لو۔ تم نے آج اپنے حصے سے زیادہ کام کر لیا ہے۔ اپنا مسئلہ میں ان دونوں کے ساتھ مل کر حل کر لوں گی۔"

"اب تمہارا براہِ راست وہاں جانا مناسب نہیں ہو گا۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"یہ بات میں بھی جانتی ہوں اسی لیے تم سے مشورہ لے رہی ہوں۔"

"کل کسی وقت اسے فون کر لو۔" میں نے دھیرے سے کہا "تم نے اس سے امریکی بن کر بات کی ہے۔ سفید فام قوموں میں یہ رواج ہے کہ ایسی ملاقاتوں کے لیے پہلے سے وقت طے ہو پھر بھی آخری دن میزبان سے اس کی توثیق کرا لی جاتی ہے۔"

"ہاں... آں۔ یہ خیال برا نہیں ہے۔" ویرا سر ہلا کر بولی "وہ نہ ملنا چاہے تو اسے انکار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے آنے سے منع کر دے گا۔"

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج کی رات ہم سب فارغ ہیں۔ کورم پورا ہے۔ کیوں نہ تاش کی بازی جمائی جائے۔ کارڈز کھیلے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔'' سلطان شاہ بولا۔

''نہیں۔'' میں نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا ''تم دونوں کی کھلی بے ایمانی میری طبیعت مکدر کر دیتی ہے۔''

''تم غزالہ کو ہی اپنا پارٹنر بناتے ہو۔ نتیجہ ہم دونوں کی شراکت میں نکلتا ہے۔ آج پارٹنر بدل کر کھیلا جائے گا۔''

''لیڈیز اور جینٹلمین کا مقابلہ ہو جائے!'' ویرا نے سلطان شاہ کی تجویز کی پرزور تائید کی۔

''کھانے کے بعد دیکھا جائے گا۔ میں ذرا ایس ٹی ایف والوں کو دیکھ لوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں بھی ذرا دو چسکیاں لگا لوں۔'' ویرا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی ''بھوک کھل جائے گی اور موڈ بھی بہتر ہو جائے گا۔''

میں اسے گھورتا ہوا زینوں کی طرف چل دیا تاکہ ابرار اور دین محمد کی مزاج پرسی کر سکوں۔

جب سے غزالہ نے سیتا کی کہانی سنائی تھی، میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ سیتا نے پچھلی رات سے اس وقت تک تین بدمست مردوں کا بوجھ سہنے کے ذو معنی بات کی تھی۔ ان میں سے ایک وہ ہو سکتا تھا۔ جس نے اسے لفٹ دے کر ملیر چھاؤنی کے علاقے سے شہر پہنچایا ہو۔ باقی دو کون ہو سکتے تھے جن سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔

گلاب خان بہت سخت گیر آدمی تھا۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ مشرقی طرز زندگی کے دل دادہ پٹھان کا بیٹا شراب کو ہاتھ لگانے کی جرأت کر سکے۔ وہ سیتا کا چوتھا رفیق ہو سکتا تھا۔ اسے تین بدمست مردوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف سیتا بھی اتنی احمق نہیں تھی کہ بے لباسی کی حالت میں کسی ایسی گاڑی سے لفٹ لیتی جس میں شرابی مرد بھرے ہوئے ہوں۔ اس نے رات کو چھاؤنی کے علاقے سے نکلنے کے لیے یقیناً ایسی گاڑی کا انتخاب کیا ہو گا جس میں کوئی اکیلا مرد موجود ہو۔

اس چبھن کا سیتا کی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ مجھے خلش یہ تھی کہ اس کے بقیہ دو شناسا کون تھے۔ اگر وہ بھی بلیک کیٹس سے کوئی تعلق رکھتے تھے تو ان کا بھی کیفر کردار تک پہنچنا ضروری تھا۔

زینے طے کرتے ہوئے وہ گتھی یکایک کچھ سلجھی ہوئی محسوس ہوئی۔ را والے ان دنوں عتاب میں آئے ہوئے تھے۔ بلیک کیٹس کو ان سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان کے سوا شہر میں کوئی اور مددگار یا رازداں موجود ہوتا تو گوپال اور سیتا کو کوبرا کی ضرورت نہ رہتی پھر سیتا بھی اسٹیشن فور سے فرار ہو کر سربلند کے دروازے پر دستک نہ دیتی۔ سیدھی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچتی جو اس کی بھرپور مدد کر سکتے تھے۔ ان دونوں کے بارے میں صرف اور صرف یہ سوچا جا سکتا تھا کہ انہوں نے سیتا کو گلاب خان کے گھر سے بھاگنے کے بعد پناہ دے کر اس کے جوان جسم سے اپنی ہمدردی کا بھرپور معاوضہ وصول کیا ہو۔ ایسے ہر سودے کے لیے رضامند ہونا سیتا کے لیے ناگزیر تھا۔

ایس ٹی ایف کی طرف سے آئے ہوئے محافظوں سے بات کرتے ہوئے میرا ذہن اس بوجھ سے آزاد ہو چکا تھا۔

ابرار نے غزالہ کو کچن کی ذمہ داریوں سے پوری طرح آزاد کر دیا تھا۔ ناشتا اور روزمرہ ضروریات کی دوسری اشیا بھی وہ خود ہی بازار سے لے آتا تھا لیکن غزالہ اپنی خانہ داری کی عادات سے مجبور تھی۔ میز لگانے کے وقت کسی نہ کسی حیلے بہانے سے کچن کے آس پاس منڈلاتی رہتی تھی۔

اس رات غزالہ کو اس خالص گھریلو روپ میں دیکھ کر میں حیران تھا کہ اس نے کتنی کامیابی سے اپنی دہری شخصیت برقرار رکھی ہوئی تھی۔ گھر میں وہ محبت کرنے والی، مہربان، نرم دل اور دردمند بیوی تھی، گھر سے باہر ضرورت پیش آنے پر وہ یکایک ایک خوں خوار شیرنی بن جاتی تھی جو اپنے سامنے رکاوٹ بننے والے ہر حریف کو چیر پھاڑ کر رکھ دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

کھانے کی میز پر ویرا اور غزالہ میرے دائیں بائیں بیٹھا کرتی تھیں۔ میں نے گلاس اٹھانے کے بہانے، ویرا کی طرف جھک کر ایک گہرا سانس لیا تو الکحل کی تیز اور ناگوار بو مفقود تھی۔ اس کے بجائے ویرا کے منہ سے پیاز کی بو آ رہی تھی۔

وہ ایک مدت سے بلکہ شاید اپنے بچپن یا لڑکپن سے شراب نوشی کی عادی تھی۔ اس شوق کے ہر گھر گھاٹ سے اچھی طرح واقف تھی۔ الکحل کی بو مارنے کے لیے موسم کے لحاظ سے پیاز، لہسن اور مولی وغیرہ استعمال کرنا نہیں بھولتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی، نیلی آنکھوں کے سوا کسی طرح بھی اس کی مے نوشی کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ وہ بلانوش تھی اور جب ایک حد سے تجاوز کر جاتی تھی تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیرنے لگتے تھے۔

''گلاس خود اٹھانے کے بجائے مجھ سے مانگ لیا ہوتا۔'' میرے سیدھے ہوتے ہی ویرا بول پڑی ''میں تو ڈر گئی تھی کہ آج تم بھری میز پر سب کے سامنے میرا منہ چوم لو گے۔''

فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ میں اپنی حرکت پر دل ہی دل میں نادم ہو کر رہ گیا۔ ویرا کے سامنے ہر وقت چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہوتی تھی کیونکہ وہ کسی بھی وقت فقرے

بازی سے نہیں چوکتی تھی۔ اس کی یہی بے ساختہ اور برجستہ فقرے بازی سلطان شاہ کو بہت جلد چراغ پا کر دیتی تھی۔

غزالہ نے ہنسنے میں ان دونوں کا ساتھ دیا لیکن غصے سے اس کا چہرہ یکایک سرخ ہو گیا تھا۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاذونادر ہی ایسی کوئی بے تکلفانہ بات کرتی تھی۔

"تم چاہو تو انہیں میز سے اٹھا کر کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں لے جا کر اپنا شوق پورا کر لو۔" ہنسی تھمنے کے بعد غزالہ نے متانت سے کہا "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"اوہ ڈارلنگ!" ویرا اٹھلا کر بولی "تم برا مان گئیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ گلاس اٹھاتے ہوئے ڈینی کا چہرہ میرے چہرے سے کتنا قریب آگیا تھا۔ یہ مذاق کی بات تھی۔ اگر اس سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہے تو میں کھلے دل سے معافی چاہتی ہوں۔ ابھی کارڈز کھیلنے ہیں۔ تم میری ساتھی ہو گی۔ غصہ تھوک دو۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میں نے سن لیا تھا کہ آج کارڈز گیم میں ساتھی تبدیل ہوں گے۔" غزالہ نے خوش دلی سے جواب دیا اور فضا میں در آنے والا تناؤ اسی لمحے تحلیل ہو گیا۔

کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیے وقفہ رہا۔ ویرا سگریٹ پینے میں مصروف ہو گئی۔ کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے کے بجائے وہ ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھی۔

"اِدھر اُدھر ٹہل کر کیا گھات لگا رہی ہو؟" ویرا کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ نے فقرہ چست کیا "لپک کر کمرے میں جاؤ اور اپنا پیگ لگا کر لوٹ آؤ۔"

میں حیرت سے سلطان شاہ کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ ویرا کی ضروریات خاصی خفیہ تھیں۔ میرا خیال تھا کہ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کو کب کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ سلطان شاہ نے وہ فقرہ کس کر مجھے حیران کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کھانے کے بعد کونیاک یا برانڈی کا ایک پیگ ضرور لیتی ہے۔

حجاب ختم ہو گیا تھا۔ ویرا نے مسکرا کر تیکھی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں چائے کے پہلے دور کے ساتھ بیٹھک جم گئی اور ایسی جمی کہ صبح تک جاری رہی۔ ویرا اور سلطان شاہ کھیل میں بے ایمانی اور چالاکی کا مظاہرہ کیے بغیر لطف اندوز نہیں ہوتے تھے۔ اس روز وہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ آسانی سے ہر ہیر پھیر پکڑ رہے تھے جس کے نتیجے میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد فساد یا شور برپا ہو جاتا تھا۔ وہ دونوں میرے ہر احتجاج کو نظر انداز کر کے اسی ہنگامہ آرائی کو کھیل کی جان قرار دے رہے تھے۔

فجر سے ذرا پہلے ہم نے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تو تکان سب پر حاوی ہو چکی تھی۔ میں بستر پر غزالہ کے پہلو میں دراز ہو کر سویا تو پھر اگلے دن بہت دیر کی خبر لایا۔ وہ تینوں مجھ سے پہلے بیدار ہو کر ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے۔

میں نے اپنے معمولات سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر اخبار کو دیکھا تو اس میں پہلے صفحے پر سیتا کانت نامی بھارتی جاسوسہ کی لاش پائی جانے کی نمایاں تصویری خبر موجود تھی۔

لاش کی شناخت اس کے قریب پائے جانے والے زیر جامے سے ہوئی جس کے اندرونی حصے میں سیتا کے الٹے نام اور کوڈ نمبر کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔ خبر میں زیر جامے کا ذکر دیکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ کام اول خان کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کارنامہ کسی نامعلوم قاتل کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ کاش اس کے ساتھ غزالہ کا نام آ سکتا۔" میں نے پوری خبر پڑھ کر کہا "اخباری رپورٹر ہر معاملے کو اپنے لگے بندھے انداز میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے سیتا کے قتل کو بلیک کیٹس اور مقامی بدمعاشوں کے درمیان لین دین کے کسی جھگڑے کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔"

"وہ زیر جامہ اول خان نے ہی جائے واردات پر پہنچایا ہو گا۔" ویرا نے مجھ سے تائید چاہی "الگ سے ملنے والا زیر جامہ بتا رہا ہے کہ اسے قتل کے بعد وہاں پہنچایا گیا ہے۔ اب سوبھراج اس قتل کے الزام سے صاف بچ جائے گا۔"

"زیر جامے کے بغیر لاش کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔" میں نے اسے سمجھایا "بھارتی قونصل خانے کے ایک افسر نے بھی سرکاری مردہ خانے میں جا کر اس لاش کو سیتا کانت کے نام سے شناخت کر لیا ہے مگر اس بات سے انکاری ہے کہ اس کا بلیک کیٹس سے کوئی تعلق ہے۔"

"عام شہری اتنے ممتاز نہیں ہوتے کہ اہم سرکاری افسر انہیں محض نام سے پہچان لیں۔" غزالہ نے اعتراض کیا۔

"یہ صحیح ہے لیکن فی الحال ان کے سرکاری موقف کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تم اس قتل کا سوبھراج سے کیا تعلق جوڑنا چاہ رہی تھیں؟" سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

"وہ سیتا سے خار کھائے بیٹھا تھا اور اسے مروانے کے درپے تھا۔ یہ بات اس نے ڈینی سے خود کہی تھی۔ اب وہ مکر جائے گا کہ سیتا کے قتل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اسے ڈینی نے مروایا ہے کیونکہ سیتا کے زیر جامے کا راز ڈینی یا اس کے ساتھیوں کو معلوم تھا۔" ویرا نے اپنی دلیل پیش کر دی۔

"اس قتل نے اس کے لیے دوسری دشواریاں کھڑی کر

دی ہوگی۔“ میں نے اپنی رائے دی ”وہ مشتعل تھا۔ میری کہانی سننے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ سیتا نے اسے تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے دہلی والوں پر اپنے شدید ترین ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ ڈالا ہو گا کہ وہ سیتا کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے لیے سیتا کی غداری بہت سنگین اور نا قابلِ معافی تھی۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے لوگ جزئیات میں نہیں جائیں گے۔ سیتا کی بگڑی ہوئی لاش ملنے کے بعد وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ سوبھراج کو اس کو سزا دینے کا موقع مل گیا۔ اس کے آدمیوں نے شہر میں سیتا کا کھوج نکالا اور اسے ویرانے میں لے جا کر مار دیا۔“

”پھر تو سوبھراج کی دہلی والوں سے ٹھن جائے گی!“ غزالہ بولی۔

”ظاہری طور پر شاید کچھ بھی نہ ہو۔ دلوں میں کدورتیں پیدا ہو چکی ہوں گی۔“ اس بار ویرا نے میرے نظریے کی تائید کی تھی۔

”یہ بہت سنگین اور ٹیڑھا معاملہ ہے۔ شاید دیر سویر ہو جائے لیکن سوبھراج تباہی سے نہیں بچ سکے گا۔ یہ بات وہ اچھی طرح سمجھ چکا ہے۔“ میں نے کہا ”اس نے فوری طور پر اپنے ہاتھ پیر سمیٹنے شروع کر دیے ہیں۔“

”تمہیں اس کے سمٹنے کا اندازہ کہاں سے ہو گیا۔“ ویرا نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

”نک اور کرنل داور کی گفتگو یاد کرو۔ اس نے اشارہ دیا تھا کہ کوبرا کا منصب خالی ہو سکتا ہے۔“

”اس وقت سوبھراج کا حوصلہ ٹوٹا ہوا ہے۔ بھارتی اس پر شبہ کر رہے ہیں کہ اس نے سیتا کو مروایا ہے۔ اپنے آقاؤں سے وہ خود دور ہٹ رہا ہے۔ اس وقت صرف اس کی سیاسی حیثیت اس کے لیے ڈھال بنی ہوئی ہے۔ اسے پکڑ کر بے رحمی سے مارا جائے تو وہ اپنا سارا کیا دھرا اگل دے گا۔“ غزالہ بولی۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اصل مسئلہ سوبھراج تک پہنچنے کا تھا۔ جلال اور اول خان کے لیے اوپر کے احکام سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہمیں مضبوط طاقت وہی دونوں فراہم کر سکتے تھے۔ ان کے تعاون کے بغیر ہم بزرو قوت سوبھراج کا حفاظتی حصار نہیں توڑ سکتے تھے۔ اپنے طور پر اس تک پہنچنے کے لیے ہماری کوششیں جاری تھیں۔ ان کا نتیجہ برآمد ہونے میں دیر ہوتی نظر آ رہی تھی۔

”یہ سب سامنے آنے کے بعد محسوس ہو رہا ہے کہ آج اس سے ضرور ملنا چاہیے۔“ ویرا نے کہا ”فون کرنے میں خطرہ ہے کہ کہیں وہ ملاقات منسوخ نہ کر دے۔ میں اس چکر کو چھوڑ کر ٹھیک پانچ بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔“

”وہ تم سے نہ ملنا چاہے تو تمہیں اس کے دروازے سے بھی لوٹایا جا سکتا ہے۔“ میں نے اسے سمجھایا ”بہتر یہی ہے کہ تم فون کر کے وہاں جاؤ۔ اس طرح تم کو تیاری کا بہتر موقع مل جائے گا۔ تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں تم اپنا ارتکاز کھو بیٹھو گی۔“

کچھ دیر بحث و تمحیص کے بعد بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

دو بجے ویرا نے سوبھراج کے عام نمبر پر فون کیا تو وہ امریکی لب و لہجے میں زناٹے دار انگریزی بول رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس کی مطلوب شخص سے بات ہو گئی۔ سوبھراج کے پرسنل سیکریٹری نے انٹرویو کے وقت کی تصدیق کی لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ وہ پانچ بجے کے بجائے چار بجے ہی وہاں پہنچ جائے کیونکہ پانچ بجے سوبھراج کے لیے ایک اہم مصروفیت نکل آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سوبھراج نے میری کال سے گھبرا کر اپنے معمولات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس گفتگو سے مجھے پتا چلا کہ ویرا نے میری کلارک کے فرضی نام سے ان لوگوں سے اپنا تعارف کرایا تھا۔

”میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہارے سیاست داں غیر ملکی ذرائع ابلاغ پر اپنی تشہیر کے شوقین ہیں۔“ فون بند کرنے کے بعد ویرا نے فخریہ لہجے میں مجھ سے کہا ”سوبھراج یہ سنہرا موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا‘ ہو سکتا ہے کہ مجھے دس پندرہ منٹ اس کا انتظار کرنا پڑے۔ وہ مجھ سے ضرور ملے گا۔“

”تم کو پوری تیاری کے ساتھ وہاں جانا ہو گا۔ تمہارے خلاف شائع ہونے والا اخباری اشتہار تازہ ہے۔ کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔“ غزالہ نے پُرتشویش انداز میں اسے تنبیہہ کی۔

”فکر نہ کرو۔ اخباری نمائندوں وغیرہ پر سب اعتماد کرتے ہیں۔ میں بیم گن تو نہیں‘ ہاں ایک ریوالور ضرور اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ ویرا ہنس کر بے پروائی سے بولی۔

”اور مجھے تم کس حیثیت سے اپنے ساتھ لے جاؤ گی؟“ سلطان شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا ”خالی معاون کہنے سے کام نہیں بنے گا۔“

”معاون نہ سہی‘ تم فوٹو گرافر بن جانا۔ گھر میں ایک کیمرا موجود ہے۔ وہی چل جائے گا۔ ایسی مہمات میں ایک سے دو آدمی بہتر ہوتے ہیں۔“

”ایک ریڈیو اسٹیشن کے لیے فوٹو گرافی کیا ضرورت بیان کرو گی؟“ غزالہ نے ایک اہم سوال اٹھایا ”تم اس کے

لیے سی بی ایس کی نمائندہ بنی ہوئی ہو۔"
"اوہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس وقت میں کچھ گڑبڑا گئی تھی۔ فوٹوگرافر کے بجائے ساؤنڈ ریکارڈسٹ بہتر بلکہ موزوں رہے گا۔"
"اسی کو ہوم ورک کہتے ہیں۔ ساؤنڈ ریکارڈسٹ کے پاس بہترین آلات کا ہونا ضروری ہے۔ سلطان شاہ کو گھریلو ٹیپ ریکارڈ دے کر تم پیشہ ور ساؤنڈ ریکارڈسٹ نہیں بنا سکتیں۔ سوبھراج سے پہلے اس کے آدمیوں کو تم دونوں کی اصلیت پر شبہ ہو جائے گا۔"
"یہ باتیں تمہیں پہلے بتانی چاہیے تھیں۔" ویرا خفت آمیز جھنجلاہٹ کے ساتھ بولی۔
"پروگرام تمہارا تھا۔ تم نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب جزئیات سامنے آ رہی ہیں تو میں بول رہا ہوں۔"
"اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ میں حماقتیں کرتی پھروں تو تم الگ بیٹھے میرا تماشا دیکھتے رہو گے۔ میرے پوچھے بغیر مجھے کوئی مشورہ نہیں دو گے!"
"کیا کبھی ایسا ہوا ہے؟ ہر کام باہمی مشورے سے ہی ہوتا رہا ہے۔"
"پھر تم کل سے اب تک کیوں خاموش تھے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔
"مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ تمہیں بلانے کے پروگرام پر قائم رہے گا۔ مجھے پکا یقین تھا کہ وہ تمہیں ٹال دے گا۔"
"پھر بتاؤ کہ اب میں کیا کروں۔ میرے پاس تو وقت بھی نہیں رہا۔" وہ بری طرح بوکھلا گئی "اس نے پانچ بجے کے بجائے چار بجے کا وقت دیا ہے۔"
"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ تم سلطان شاہ کو اپنے ساتھ اندر لے جا سکو گی۔ اسے اپنا ڈرائیور بنا لو۔ یہ باہر تمہارا انتظار کرتا رہے گا۔ تم کو اکیلے ہی سوبھراج کا سامنا کرنا ہو گا۔ اب بھی خاصا وقت ہے۔ تیار ہو کر روانہ ہو جاؤ اور بازار سے کوئی بہترین ٹیپ ریکارڈر خرید لو۔ اس کے بغیر تمہاری اداکاری نامکمل اور مشکوک رہے گی۔" میں نے کہا۔
"میں کچھ نہیں جانتی۔ تم کو میری مدد کرنی ہو گی۔ میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
"چالاک بنتی ہے مگر بہت احمق اور لاابالی ہے۔ مار دھاڑ کر سکتی ہے مگر منظم منصوبہ بندی اس کے بس کی بات نہیں ہے۔" اس کے جانے کے بعد سلطان شاہ ہنستے ہوئے بولا "تمہاری دو چار باتوں میں ہی بے چاری کے ہاتھ پیر پھول گئے۔"
"وہ لاابالی ضرور ہے مگر احمق نہیں ہے۔ اسے وقت کی کمی کا احساس نہیں تھا۔" یہ کہہ کر میں نے فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔
اس مہم کے لیے میں ویرا کو اپنی گاڑی دے کر سب کے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔ سوبھراج کے گھر جانے والی گاڑی اس کے آدمیوں کی نظروں میں آ جاتی۔ اس کے بعد وہ ہمارے استعمال میں ہوتی تو ہم لوگ بھی آسانی سے دشمن کی نگاہوں میں آ سکتے تھے۔ ویرا کے لیے فرضی نمبر پلیٹ والی کوئی اور ہی گاڑی ہونی چاہیے تھی۔
اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا تھا۔ اسے مشاورت وغیرہ سے نہیں روکا گیا تھا۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ جانتا تھا کہ اس کی فورس کی اعانت نہ ملنے کے باوجود میں اپنے نشانے پر آئے ہوئے سوبھراج کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے باوجود اول خان کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اول خان کا باس اوپر کے احکام کا پابند تھا۔ وہ سوبھراج کے گندے ماضی سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ سیاسی مجبوریوں کے تحت آنے والے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس نے میرے لیے راستہ کھلا رکھا تھا۔
اول خان مجھ سے پہلے اس نکتے کو سمجھ چکا تھا۔ میں نے اسے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے، ڈرائیور کے بغیر ایک گاڑی طلب کی تو اس نے وعدہ کر لیا کہ جعلی نمبر پلیٹ والی مطلوبہ کار اگلے پندرہ منٹ میں ہمارے گھر پہنچ جائے گی۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ نئی الجھنیں سامنے آنے کے باوجود سوبھراج، ویرا سے ملنے کے لیے تیار تھا۔ بس اس نے وقت تبدیل کر دیا تھا۔
ویرا اپنے کمرے سے تیار ہو کر آئی تو میں نے بریفنگ کے ارادے سے اس کے ساتھ تبادلہ خیال شروع کر دیا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں نے از خود اس کے لیے ایک الگ گاڑی کا بندوبست کر لیا تھا جو کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچنے والی تھی۔ اس مہم کے لیے ویرا نے ہلکے پھول دار بلاؤز اور گہرے سرخ اسکرٹ کا انتخاب کیا تھا۔ جس کے نیچے اس کی ٹانگیں چاندی کی سڈول سلاخوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

❂✮❂

"میری دانست میں یہ کار ہماری گاڑی سے بہتر ہے!" راستے میں جمود توڑنے کے لیے اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔
"لیس مس!" سلطان شاہ نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا "ضرور بہتر ہے اسی لیے میں خاموشی سے اپنا سبق یاد کرنے میں مصروف ہوں۔"
"تمہارا دماغ تو درست ہے۔ مجھ سے کس لب و لہجے

میں بات کر رہے ہو!" ویرا کو ہلکا سا غصہ آ گیا۔

"جو بنا دیا گیا، وہی بن گیا ہوں، جو سکھایا گیا ہے، اسے یاد کر رہا ہوں۔" سلطان شاہ مغموم لہجے میں بولا "تم سی بی ایس کی ملازم ہو۔ تمہارا نام میری کلارک ہے۔ میں تمہارا ڈرائیور ہوں۔ آج صبح تمہیں حیدر آباد سے لے کر کراچی آیا ہوں۔"

"ویری گڈ۔" ویرا خوش ہو کر بولی "تم کو سب کچھ ازبر ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی جاننا کافی ہے۔"

"مگر اس کے باوجود میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ ڈر رہا ہوں کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"شاید تم سوبھراج کے نام سے ڈرے ہوئے ہو۔ وہ کوئی ہوّا نہیں ہے۔ آج ہم اس کے ڈھول کا پول کھول دیں گے۔"

سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گاڑی الیکٹرونکس کے آلات کی ایک بڑی دکان کے سامنے روک دی۔ ویرا گاڑی سے اتر کر باوقار انداز میں اس دکان میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد ایک مختصر سا، سیاہ ریکارڈر ہاتھ میں لٹکائے باہر آ گئی۔ اس کے سر پر ریکارڈر کا ہیڈ فون چڑھا ہوا تھا مگر اس کے اسپیکر کانوں سے اترے ہوئے تھے۔ ہیڈ فون کے ساتھ ہی مائیکرو فون بھی منسلک نظر آ رہا تھا۔

وہ گاڑی میں سوار ہوئی اور ایک مرتبہ پھر گاڑی چل دی۔ ویرا نے اس کیسٹ ریکارڈر کے فنکشن دکان ہی میں سمجھ لیے تھے۔ ڈبا وہیں چھوڑ کر سامان اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ تاروں کو جیک پنوں کے ذریعے مقررہ جگہوں سے جوڑ کر اس نے اسپیکر پیڈز کانوں پر چڑھائے اور اپنے خریدے ہوئے دستی ریکارڈ کی آزمائش شروع کر دی۔ باہر سے آنے والا ٹریفک کا شور ریکارڈ ہونے کے ساتھ اسے اپنے کانوں میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس نے ریکارڈنگ لیول گھٹا بڑھا کر اپنا اطمینان کیا پھر اسے بند کر کے ہیڈ فون سر سے اتار کر گلے میں ڈال لیا۔

سولجر بازار کا راستہ ان دونوں نے باتیں کرتے ہوئے طے کیا۔ وہ دونوں خوش تھے کہ میری رہنمائی کی وجہ سے ویرا اپنے حلیے سے کوئی پیشہ ور براڈ کاسٹر نظر آنے لگی تھی۔

پرانی فروٹ مارکیٹ کے قریب راج محل کے نام سے سوبھراج کا آبائی مکان واقع تھا۔ پہلے وہ قدیم طرز کا، حویلی نما مکان ہوا کرتا تھا لیکن سوبھراج نے اپنے دن پھرنے کے بعد پرانی عمارت کو گرا کر از سرِ نو ایک شان دار مکان تعمیر کیا تھا جس کا نام بدستور وہی رہا تھا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے یہ گنجائش نکال لی تھی کہ اگر وہ سیدھا راج محل نہ پہنچ سکے تو اسے منزل کی تلاش کے لیے دس پندرہ منٹ کا فاضل وقت دستیاب ہو لیکن سوبھراج کے مسکن کا پتا اس کی توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔ وہ وقت سے دس منٹ پہلے راج محل پہنچ گئے۔

ویرا کی ہدایت پر سلطان شاہ نے گاڑی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا۔ پھاٹک کھلنے کے بجائے اندر سے ایک مسلح محافظ برآمد ہوا۔ اس نے باہر آتے ہی ویرا کو دیکھ لیا اور دانستہ اسے نظر انداز کر کے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ویرا نے رواں انگریزی میں اپنا مدعا ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ آنے والے کے سپاٹ چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انگریزی کے بارے میں وہ بالکل کورا ہے۔ اس کی بے بسی کا اندازہ ہوتے ہی سلطان شاہ نے اسے اردو میں بتایا کہ مس کلارک، سوبھراج صاحب سے ملاقات کے لیے آئی تھی۔

وہ شخص ویرا کی انگریزی اور گوری چمڑی سے مرعوب ہوا تھا نہ سلطان شاہ کا بیان سن کر اس کے چہرے پر ملاحت نمودار ہوئی۔

"گاڑی ادھر باہر کھڑی کر دو اور میم صاحب کو میرے ساتھ اندر بھیج دو!" اس نے نرمی کے ساتھ کہا۔ اس نے اندر کسی سے رجوع کیے بغیر جس طرح براہِ راست فیصلہ کیا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری کلارک کی متوقع آمد کے بارے میں اسے پہلے سے تفصیلی ہدایات دے دی گئی تھیں۔

سلطان شاہ نے گاڑی پھاٹک کے سامنے سے ہٹا کر ایک کنارے سے لگا دی۔ باہر سے ان دونوں نے اندازہ لگایا تھا کہ راج محل کے احاطہ میں وسیع جگہ موجود تھی۔ میزبان چاہتا تو ان کی گاڑی آسانی سے اندر جا سکتی تھی مگر ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

ویرا نے اپنا پرس اور کیسٹ ریکارڈر وغیرہ سنبھالا اور گاڑی سے اتر کر محافظ کے پیچھے ہولی۔

پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہی ویرا کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ مکان کئی ہزار گز رقبے پر مشتمل تھا۔ سامنے جدید طرز کی خوبصورت ایک منزلہ عمارت تھی۔ اس کے پہلو میں ایک وسیع باغ موجود تھا۔ مکان کے سامنے وسیع و عریض، پختہ ڈرائیو وے موجود تھا جو آگے جا کر پورچ سے مل گیا تھا۔ اس کھلی جگہ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد پانچ تھی۔ جن میں ایک لینڈ روور، دوسری مرسڈیز اور تیسری بیش قیمت بی ایم ڈبلیو کار تھی۔ اگر وہاں شمار میں آنے والی گاڑیوں کا تعلق راج محل کے مکینوں سے تھا تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ ان پر دولت کی اندھا دھند برسات ہو رہی تھی۔

پھاٹک سے عمارت کے صدر دروازے تک کا فاصلہ طویل تھا۔ مسلح محافظ اسے صدر دروازے سے گزار کر ایک

دفتر نما کمرے میں لے گیا جہاں ایک صحت مند نوجوان میز کے پیچھے بیٹھا کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ دفتر ائرکنڈیشنڈ اور آراستہ تھا جہاں ایک وقت میں کم از کم چھ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔

محافظ دفتر کے دروازے سے ہی واپس چلا گیا۔ قدموں کی آہٹ پر نوجوان نے چونک کر ویرا کی طرف دیکھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا نے مسکرا کر رسمی سلام کیا۔ اس کی میز تک پہنچتے پہنچتے ابتدائی فقروں کا تبادلہ ہو چکا تھا۔

اس کھاگ اور تیز و طرار نوجوان کا نام سنیل تھا۔ وہی سوبھراج کا پرسنل سیکریٹری تھا۔

”تم وقت سے کچھ پہلے آگئیں۔“ سنیل نے ویرا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ”باس وقت کے پابند ہیں۔ تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔“ اس کی انگریزی بہت اچھی تھی۔

”میں پتے کی تلاش کی گنجائش رکھ کر آئی تھی۔“ ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا ”مگر راج محل آسانی سے مل گیا۔ میں انتظار کرلوں گی۔“

”کوئی یخ بستہ ڈرنک چلے گا..... بیئر وغیرہ!“ سنیل نے پوچھا۔

”اوہ!“ ویرا خوش ہو کر بولی ”کیوں نہیں۔ اس وقت میں اس کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔“

سنیل اپنی جگہ سے اٹھا اور دفتر کے ایک گوشے میں رکھے ہوئے ریفریجریٹر سے بیئر کی دو ٹھنڈی بوتلیں گلاس میں انڈیل کر لے آیا۔

ویرا نے اس کا شکریہ ادا کر کے گلاس لے لیا جس کی اوپری سطح پر جھاگ تیر رہے تھے۔ بیئر کا پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کے وجود میں ٹھنڈک سی تیر گئی۔

”اپنا کارڈ دے دو تاکہ میں اسے اندر بھجوا سکوں۔“ سنیل نے اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر جھولتے ہوئے کہا۔

”اوہ! میرے پاس کارڈ نہیں ہیں۔ وہ بریف کیس میں تھے جو میں عجلت میں حیدر آباد میں بھول آئی۔“ اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ”میں ایک پرچی پر اپنا نام لکھ دوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ سنیل نے کہا اور فون اٹھا کر دو ہندسے پنچ کر کے کسی سے دھیمی آواز میں بات کرنے لگا۔ ویرا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ گھر میں ہی انٹرکام پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کسی لوکل کال کے لیے چھ سات ہندسوں کا پنچ کرنا ضروری تھا۔ ویرا کو خوشی ہوئی تھی کہ اس کے وزیٹنگ کارڈ کا مسئلہ آسانی سے ٹل گیا تھا۔

بیئر کے گلاس نے ویرا کے لیے وقت گزارنے کا مرحلہ خاصا آسان کر دیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ راج محل میں انسانی سہولتوں اور آسائشوں کی بھرمار تھی لیکن اس عمارت میں انسانوں کا قحط نظر آ رہا تھا۔ جب سے وہ آئی تھی، اس نے دو کے سوا تیسرا آدمی نہیں دیکھا تھا۔

سنیل نے انٹرکام پر دھیمی سرگوشیوں میں خاصی دیر بات کی۔ وہ سلسلہ ختم ہونے پر اندر کہیں ہلکی سی گھنٹی بجی اور چند ثانیوں میں ایک مستعد ملازم اندرونی دروازے سے دفتر میں آگیا۔ وہ مضبوط جسم کا مالک، نوجوان اور صاف ستھرا تھا۔ شاید سوبھراج نے اپنی نامعلوم ضروریات کے تحت گھر میں صحت مند نوجوان ہی پالے ہوئے تھے۔

”باس سے میری بات ہو گئی ہے۔ اس میم کو اندر لے جاؤ۔“ سنیل نے اسے اردو میں ہدایت کی۔ ویرا بالکل انجان بنی، ان دونوں کے چہرے تکتی رہی۔ سنیل نے اسے نئے آدمی کے ساتھ اندر جانے کے لیے کہا تو وہ اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سنیل کے دفتر کے باہر، ٹھنڈی راہ داری میں دبیز فرشی قالین بچھا ہوا تھا۔ شاید پورے گھر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے کوئی مرکزی نظام نصب تھا۔ اس راہ داری کے تیسرے دروازے پر رک کر ملازم نے ہلکی سی دستک دی پھر ویرا کے لیے دروازہ کھول دیا۔

وہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو اس کشادہ کمرے میں کسی رعب دار آواز نے اسے اندر آنے کی ہدایت کی۔ ویرا کے قدم خود بخود آگے بڑھ گئے۔ کمرے میں روشنی کا بندوبست کچھ ایسا تھا کہ وہ پہلی نظر میں کسی اور کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ چند ثانیوں بعد اس کی نظریں اس ماحول سے مانوس ہوئیں تو اسے بہت بڑی میز کے پیچھے خاصی کم روشنی میں سوبھراج کا چہرہ نظر آگیا۔ اس کے وجیہہ اور رعب دار چہرے پر اس کی ناک سب سے نمایاں تھی۔

”آؤ میری! تم کیسی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم وقت سے پہلے یہاں پہنچ گئی تھیں۔“ سوبھراج کی آواز دوستانہ اور حوصلہ افزا تھی۔ وہ روانی سے انگریزی بول رہا تھا۔

”سر! میں راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ حیدر آباد میں بھی مجھے پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ نئے ملک میں پتوں کو تلاش کرنا آسان نہیں ہوتا۔“ وہ اپنے سازوسامان کو سنبھالتی ہوئی میز تک پہنچ کر رکی ہی تھی کہ سوبھراج نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ وہ کرسی سنبھال کر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ سوبھراج نے اسے اپنا سازوسامان میز پر رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس کی آواز میں ترغیب کے ساتھ ہلکا سا تحکم بھی نمایاں تھا۔

اپنا پرس اور ٹیپ ریکارڈر میز پر رکھتے ہوئے اس کے

دل کی دھڑکن یکایک تیز ہو گئی "سر! اگر اجازت ہو تو میں اپنا ریکارڈنگ اپریٹس انٹرویو کے لیے تیار کرلوں۔"

"آرام سے بیٹھو۔ یہ بھی تیار ہو جائے گا۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی "یہ بتاؤ کیا پینا پسند کرو گی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تمہارے پرسنل سیکریٹری نے مجھے بیئر کا ایک گلاس پلا دیا ہے۔ تم نے چار بجے کا وقت دیا ہے تو اب میں سوچ رہی ہوں کہ یہاں اپنا کام پورا کر کے دن کے اجالے میں ہی حیدر آباد واپس پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے تین انٹرویو کرنے ہیں جو ابھی ادھورے ہیں۔"

"تو تم پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی آزادیوں کے بارے میں کام کر رہی ہو!" اس نے تصدیق چاہی۔

"یس سر!" ویرا نے مختصر جواب دیا۔ اسے سوبھراج بہت ٹیڑھا آدمی نظر آ رہا تھا۔

"اور نووِیڈا کے سینٹرل براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے یہاں آئی ہو!"

"ہاں!" ویرا کو اس کا لب و لہجہ خطرناک حد تک نامانوس سا لگ رہا تھا۔ وہ پل پل میں اپنی کینچلی بدل رہا تھا۔

"سنیل نے بتایا ہے کہ ہزاروں میل سے چل کر یہاں آنے کے باوجود تمہارے پاس کوئی وزیٹنگ کارڈ نہیں ہے۔"

"اوہ! میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں عجلت میں اپنا بریف کیس حیدر آباد میں بھول آئی ہوں۔ میرے کارڈز اسی میں رہ گئے ہیں۔"

"انٹرویو سے پہلے میں تمہارا شناختی کارڈ دیکھنا چاہوں گا۔" سوبھراج نے مطالبہ کیا۔

"میں نے بتایا کہ میرا بریف کیس حیدر آباد میں رہ گیا ہے۔ کارڈز کے ساتھ میرے کاغذات اسی میں ہیں۔" ویرا نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ اسے یکایک اپنے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ سوبھراج نے گفتگو کو بہت خطرناک رخ پر ڈال دیا تھا۔

"تم بہت عجیب باتیں کر رہی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیشہ ور شکاری شکار گاہ میں پہنچنے کے بعد انکشاف کرے کہ وہ اپنی رائفل گھر بھول آیا ہے۔"

"شاید میرا کیس اس وقت ایسا ہی ہے۔ تم چاہو تو میں کل شام کو سب چیزیں لے کر دوبارہ یہاں آسکتی ہوں۔"

"اب آگئی ہو تو آرام سے بیٹھو۔ میں اپنے مہمان کی دل کھول کر میزبانی کرتا ہوں۔ تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹاؤں گا۔"

"تو کیا میں انٹرویو لینے کی تیاری کرلوں؟" ویرا اس وقت سخت الجھن اور ذہنی دباؤ میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"تم ایک دم عجلت میں نظر آنے لگی ہو۔ ذرا صبر سے کام لو۔ پہلے میں تمہارا انٹرویو لے لوں پھر تم اپنی تیاری بھی کر لینا۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ تم وہی ہو جو تم نے بتایا ہے۔ تمہارے پاس اپنی شناخت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ میرے لیے تشویش اور پریشانی کی بات ہے۔"

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں دوبارہ سب کچھ لے کر آنے کے لیے تیار رہوں۔ تم یہ بات بھی نہیں مان رہے۔"

"اگر تم فراڈ ہو تو میں تمہیں آسانی کے ساتھ یہاں سے واپس نہیں جانے دوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کون ہو اور کن مقاصد کے تحت یہاں آئی ہو۔"

"تم بہت سخت الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ میں اپنی بھول کی وجہ سے یہ سب سننے کے لیے مجبور ہوں ورنہ میں ایسے لب و لہجے کی عادی نہیں ہوں۔"

"تم نہتی ہو یا اپنے ساتھ کوئی ہتھیار بھی لے کر آئی ہو؟" اس نے ویرا کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے رسانیت سے پوچھا۔

ویرا تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ اقرار کرتی تو سوبھراج کا ماتھا مزید ٹھنک جاتا۔ انکار کرتی تو یہ اندیشہ تھا کہ نوبت تلاشی تک جا پہنچے گی۔ سوبھراج کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے انکار کے بعد اس کے پرس سے بھرا ہوا ریوالور برآمد کرلیا جاتا تو بات بہت زیادہ بگڑ جاتی۔

"مجھے یہاں دن رات سفر میں رہنا پڑتا ہے۔" اس نے تمہید اٹھائی "آس پاس کے شہروں میں بھی جانا پڑتا ہے۔ میں نے سنا ہے اور اخباروں میں بھی پڑھا ہے کہ ان اطراف میں سفر زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ راستوں پر ڈاکوؤں، لٹیروں کا راج ہے اس وجہ سے میں اپنی حفاظت کے لیے ایک ریوالور ہر وقت ساتھ رکھتی ہوں۔"

"عقل مندی کرتی ہو!" ویرا کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں طنز کا شائبہ محسوس نہیں کر سکی "وہ ریوالور اس وقت بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔"

ویرا کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے، میز پر رکھے ہوئے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سوبھراج نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔

"نہیں..... اسے ہاتھ لگانے کی غلطی ہرگز نہ کرنا ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بہت پھرتی کے ساتھ اپنی میز کی کسی دراز سے ایک پستول نکال کر ویرا پر تان لیا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر وہ تمہارے پرس میں ہے تو میں اسے خود نکال لوں گا۔"

"تم زیادتی کر رہے ہو۔ میں تمہیں اس حرکت کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہیں میرا پرس کھولنے کا کوئی حق

نہیں ہے۔" ویرا بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔
"جب تک پستول میرے ہاتھ میں ہے، مجھے تم سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور وسیع میز پر جھک کر خالی ہاتھ سے ویرا کا پرس اپنی طرف کھینچ لیا۔
پرس کی زپ کھولتے ہی اسے ریوالور نظر آ گیا۔ اس نے ریوالور نکال کر دوسری چیزوں کو سرسری انداز میں ٹٹولا اور زپ بند کیے بغیر وہ پرس دوبارہ ویرا کی طرف سرکا دیا۔
بات رفتہ رفتہ اور اس انداز میں بگڑی تھی کہ ویرا کو کوئی مدافعانہ کارروائی کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ سوبھراج بہت بھاری اور تحکم آمیز شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنے مخاطب پر حاوی ہونے کے فن سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے ویرا جیسی چرب زبان عورت کو ایک لمحے کے لیے بھی غالب ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پرس سے ریوالور نکالے جانے کے بعد وہ نہتی ہو گئی تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں صرف وہ انگوٹھیاں پڑی رہ گئی تھیں جن کے ذریعے وہ سوبھراج کو بے ہوش یا ہلاک کر کے اس پرفریب پنجرے سے نکل سکتی تھی لیکن ان دونوں کے درمیان وسیع و عریض میز حائل تھی۔ سوبھراج کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دبا ہوا تھا۔ جتنی دیر میں وہ سوبھراج تک پہنچتی، وہ ٹریگر دبا کر ویرا کا کام تمام کر سکتا تھا۔
"ویری گڈ!" سوبھراج کہہ رہا تھا "یہ اچھی بات ہے کہ تم سچ بولتی ہو مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک مشکوک اور اجنبی عورت مسلح ہو کر میرے دفتر میں آئے اور راج محل میں اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ اب مجھے دیکھنا ہو گا کہ تم کون ہو اور تمہارے عزائم کیا ہیں۔"
"میں سی بی ایس کی نمائندہ، میری کلارک ہی ہوں۔ تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے!"
"ابھی سب سامنے آ جائے گا۔" سوبھراج نے یہ کہہ کر ایک ریسیور اٹھا لیا۔
اس کے داہنے ہاتھ میں پستول بدستور موجود تھا۔ اس کی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس نے پستول میز پر رکھ کر، ویرا کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر دو نمبر دبائے اور پھر دبی دبی غضب ناک آواز میں غرانے لگا "یہ حرام زادی سفید کتیا تیری ماں تھی جو تو نے اسے اندر بھیج دیا۔ اس کے پرس سے ریوالور برآمد ہوا ہے۔ ابھی میں اسے پانچ بجے تک باتوں میں بہلاؤں گا پھر تہ خانے میں لے جا کر وہ رگڑے دوں گا کہ اس کی طبیعت صاف ہو جائے گی اور یہ سب کچھ بتاتی چلی جائے گی۔"
اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر دوسری طرف سے کہی جانے والی کوئی بات سنی پھر اسی لب و لہجے میں بولا "اس کے ڈرائیور کو انتظار کرنے دو۔ وہ مر نہیں جائے گا۔ اس لڑکی کی قسمت کا فیصلہ ہونے کے بعد میں ڈرائیور کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔"
اس نے فون بند کر دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، مسلسل ویرا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
ویرا نے پوری کوشش کی تھی کہ اردو میں کی جانے والی اس گفتگو سے لاتعلقی اختیار کیے رہے لیکن وہ سوبھراج کا کہا ہوا ہر لفظ بخوبی سن رہی تھی۔ اسے آنے والے وقت سے خوف محسوس ہونے لگا۔ سوبھراج کے دوسرے آدمیوں کے ملوث ہو جانے کے بعد وہ اسے اپنی کسی انگوٹھی کا شکار کر کے بھی راج محل کی چار دیواری سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔
"تم اردو زبان سمجھ لیتی ہو؟" سوبھراج نے ویرا سے انگریزی میں سوال کیا تو اس کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہو گئی تھی۔
"نہیں!" ویرا نے سر ہلا کر کہا "میں صرف انگریزی اور فرنچ جانتی ہوں۔"
"پھر میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہو گا۔" وہ بے پروائی سے بولا "مجھے محسوس ہوا تھا جیسے انٹر کام پر ہونے والی باتیں سن کر تمہارے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو۔"
وہ بہت سکون سے اور دھیرے دھیرے ویرا کو کچوکے لگا رہا تھا۔ ویرا اس کے اس نفسیاتی حربے کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی لیکن اس کے سامنے بالکل بے بس تھی۔ اس نے کہا "کیا تم انٹر کام پر میرے بارے میں کچھ بات کر رہے تھے۔"
"میں ایک وقت میں ایک کام کرنے کا عادی ہوں۔" اس نے پستول کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا "اس وقت صرف تم میرے سامنے ہو اور ایک پہیلی بنی ہوئی ہو۔ تم اردو سے اپنی لاتعلقی پر اصرار کر رہی ہو اور مجھے اپنی آنکھوں پر پورا بھروسا ہے۔ میری باتوں پر تمہارا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔"
"اگر تم ایسا سمجھ کر مطمئن ہو تو میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ویرا نے اپنی بے پروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی "میں اپنی بات پر قائم ہوں۔"
"بات میرے اطمینان کی نہیں ہے۔ یہ نکتہ ایک خطرناک سمت کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگ شہر بھر میں ایک امریکی لڑکی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ جو روانی سے اردو بول اور سمجھ لیتی ہے۔ کیا تم روزانہ مقامی اخبارات دیکھتی ہو؟"
آخر کار وہ ناپسندیدہ صورتِ حال سامنے آ ہی گئی تھی۔

ویرا نے مدافعت کی راہ چھوڑ کر قدرے جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا "ہاں! تم اخباروں کا حوالہ کیوں دے رہے ہو؟"

"کل تم نے ایک بڑا انعامی اشتہار دیکھا ہوگا۔ اشتہار بڑا تھا اور انعام اس سے بھی بڑا۔"

"اوہ۔۔۔! کہیں تم ویرا لائیڈ اور ڈینی والے اشتہار کا ذکر تو نہیں کر رہے!؟"

"یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ اردو میں ہونے والی باتوں پر تمہارا ردِعمل دیکھ کر میرا ذہن ادھر بھٹک گیا اور اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم ویرا بھی ہو سکتی ہو۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اپنی آواز سے خود ہی ڈر گئی۔ وہ قہقہہ کھوکھلا اور بے جان تھا۔ اس نے کہا "اگر تم مذاق کر رہے ہو تو یہ بہت سنگین اور بے رحمانہ مذاق ہے۔"

"مرد اپنی بیوی یا محبوبہ سے مذاق کرتے ہیں۔ تم سے میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں نے سنجیدگی سے اپنے شبہے کا اظہار کیا ہے۔ ابھی اس کی تصدیق ہوئی جاتی ہے۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر پرسنل سیکریٹری سے رابطہ کر کے پچھلے دن کے اخبارات طلب کیے جو ذرا سی دیر میں ایک لڑکا اندر لے آیا۔

لڑکے کے چلے جانے کے بعد سوبھراج نے ایک بڑے انگریزی اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے پھیلا لیا اور اس میں چھپی ہوئی تصویر سے ویرا کے چہرے کا موازنہ کرنے لگا۔ اس نے کئی بار تصویر کو اور پھر ویرا کے چہرے کو دیکھا پھر سر کو اوپر سے نیچے جنبش دیتے ہوئے بولا "تصویر میں فرق ضرور ہے لیکن خدو خال میں تمہاری گہری مشابہت جھلک رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اشتہار میں تمہاری کوئی پرانی تصویر لگائی ہو۔۔"

"تم بلاوجہ وہم میں پڑ رہے ہو۔ ایسی مشابہت تمہیں ہر تیسری چوتھی امریکی لڑکی میں مل جائے گی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر پرزور لہجے میں کہا "تم یقین کرو کہ میں ویرا ہوں اور نہ اس نام کی کسی لڑکی کو جانتی ہوں۔"

"مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔" سوبھراج نے سختی سے کہا "اگر تم نے شرافت سے اپنی اصلیت تسلیم نہ کی تو پھر مجھے ٹیڑھی انگلیوں سے گھی نکلوانا پڑے گا۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو' ہراساں کر رہے ہو۔ میں تمہاری شکایت کروں گی۔"

"شٹ اپ!" وہ اپنا بایاں ہاتھ میز پر مار کر ویرا پر پہلی بار غرایا "میں ایسا لہجہ سننے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو مجھے امریکا میں سی بی ایس کے کسی ذمہ دار اہل کار کا نام اور فون نمبر بتاؤ۔ میں اسے فون کر کے ابھی تمہارے بیان کی تصدیق کیے لیتا ہوں۔"

وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط مطالبہ تھا۔ جس کا ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے وہ برہمی کے مظاہرے پر اتر آئی "مجھے تم ذہنی مریض معلوم ہوتے ہو۔ نارمل ہوتے تو ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرتے۔ میں تمہاری ملازم نہیں ہوں کہ تمہارے ہر مطالبے کا جواب دوں۔ انٹرویو دینا ہے تو دو ورنہ مجھے واپس جانے دو۔"

"اب تم اتنی آسانی سے واپس نہیں جاؤ گی۔" اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ادھ کھلے ہونٹوں میں سے اس کے سفید دانت کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہاں لوگ اپنی مرضی سے آتے ہیں مگر ان کی واپسی میری مرضی سے ہوتی ہے۔"

ویرا بے بسی سے اسے گھورتی رہ گئی۔ اس کے پاس سوبھراج کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"اور کچھ نہیں تو مجھے حیدر آباد کے ان تین لیڈروں کے نام بتاؤ جن کے تم انٹرویوز لے رہی ہو۔" ویرا کو خاموش پا کر اس نے چند ثانیوں بعد کہا "میری سب سیاست دانوں سے گہری دوستیاں ہیں۔ میں فون پر ان سے معلوم کیے لیتا ہوں۔ تینوں میں سے کسی ایک نے بھی تصدیق کر دی کہ تمہارا بریف کیس اس کے یہاں رہ گیا ہے۔ تو میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔"

"اب مجھے تمہارے انٹرویو یا کسی اور بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ میں اسی وقت واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"نہیں ویرا۔ اب یہ ممکن نہیں رہا۔" اس نے سرد لہجے میں کہا "تم بہت مشکل سے ہاتھ آئی ہو۔ اب میں تمہیں چارہ بنا کر ڈینی کا شکار کھیلوں گا۔ وہ آج کل بہت اونچا اڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے اب اسے میرے قدموں میں جھکنا پڑے گا۔"

ویرا کے لیے خود کو میری کلارک ثابت کرنے کے سب دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس کی سوبھراج سے نجات بس ایک نکتے پر منحصر رہ گئی تھی کہ اسے سوبھراج پر کب اور کون سی انگوٹھی آزمانے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے لیے سوبھراج کا اس کے قریب آنا ضروری تھا۔

جب تک وہ خود کو میری کلارک ثابت کرنے پر اڑی ہوئی تھی' اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا' وجود میں بے چینی رچی ہوئی تھی اور ذہن ماؤف سا ہو رہا تھا۔ جونہی اس

نے ویرا بن کر سوبھراج کو اپنے جال میں پھانسنے کا ارادہ کیا' وہ خود کو توانا محسوس کرنے لگی اور بہت تیزی سے پرسکون ہوگئی۔

''تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلو کہ میں میری نہیں' ویرا ہوں۔ ایسی صورت میں تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟'' اس نے نہایت پرسکون لہجے میں سوبھراج سے پوچھا۔

''اب تم راہِ راست پر آئی ہو۔'' وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''ایسی صورت میں اگلا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں تمہارے ساتھ کھیلوں گا۔''

''میں بھی کھیلوں کی شوقین ہوں۔ تم کو نت نئے تماشے دکھاؤں گی۔ تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو....''

میں نے تمہارا بہت شہرہ سنا تھا مگر تم اتنی حسین نہیں ہو۔'' سوبھراج نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''میری حسین ترین لڑکیوں سے لمبی دوستیاں رہی ہیں۔ میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ تمہارے ایک اشارے پر تمہارے پہلو سے لگ کر بیٹھ جاؤں۔ کھیل کے میرے اپنے طریقے اور اصول ہیں۔ میں اپنی مرضی سے کھیلتا ہوں۔ ابھی میں تم کو سیر کے لیے بھیجتا ہوں۔ اس سیر میں تم میری خاص مسہری بھی دیکھو گی جس کے نرم بستر کے نیچے' زنجیروں کے ساتھ ہلکی ہتھکڑی اور بیڑیاں کسی ہوئی ہیں۔''

''مجھے یہ سب سنا کر دہشت زدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں نے تم سے ایک مفروضہ بات کہی ہے میں ویرا نہیں ہوں۔''

''تمہارے کہنے سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنے شبہے کی تصدیق کروں گا۔ تم دنیا کی ہر بات کو جھٹلا سکتی ہو لیکن تمہارے فنگر پرنٹس جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کسی بھی امریکی ایجنسی کا مقامی دفتر' کمپیوٹر پر موازنہ کرکے بتا دے گا کہ تم کون ہو۔ ان کے ریکارڈ میں تمہارے فنگر پرنٹس محفوظ ہیں۔''

سوبھراج کی وہ بات بہت وزنی تھی۔ گفتگو کرتے ہوئے وہ تیزی کے ساتھ سوچتا بھی جارہا تھا۔ ویرا کی شخصیت کو بے نقاب کرنے کے حربے اسے ایک ایک کرکے سوجھ رہے تھے اور وہ انہیں اسی ترتیب سے پیش کرکے ویرا کو پریشان کررہا تھا۔

اس نے اپنی پوری گفتگو میں کہیں بھی امریکی حمایت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا لیکن فنگر پرنٹس والی بات ایسی تھی کہ اس میں امریکی ریکارڈ اور اعانت کا ذکر آنا ناگزیر تھا۔ ویرا کو علم تھا کہ سوبھراج کے ٹام اور نک سے کتنے گہرے مراسم تھے۔ سوبھراج کی فرمائش پر وہ آدھی رات کو بھی اس کے لیے کام کرنے پر کمربستہ ہوسکتے تھے۔

ویرا اپنے حریف کے پے در پے جارحانہ سوالات سے زچ آگئی تھی۔ اس کے پاس سوبھراج کے بیشتر سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے رہ رہ کر میری بات یاد آرہی تھی۔ اس نے وقت کی کمی کے باوجود کئی کام پورے کرلیے تھے لیکن اسے احساس ہورہا تھا کہ سوبھراج جیسے چالاک اور خرانٹ مجرم کا سامنا کرنے کے لیے اس کا ہوم ورک مکمل نہیں تھا۔

اسے سوچنے سمجھنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ وہ سوبھراج کی ذات کے سحر سے آزاد ہوکر ہی کچھ سوچ سکتی تھی۔ اس کے لیے سوبھراج کی مجوزہ سیر بہت مناسب تھی۔

''فنگر پرنٹس لے کر اپنا یہ ارمان بھی پورا کرلینا۔ تمہیں ناکامی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ سیر کا آغاز کب ہوگا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہاری ذہنی رو کدھر چلتی ہے۔'' ویرا نے اس سے کہا۔

سوبھراج کی نظریں ویرا کے عقب میں لگی ہوئی دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ ویرا نے جلدی سے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو پانچ بجنے میں چند منٹ باقی تھے اور سوبھراج کے لیے میری فون کال آنے میں صرف اتنے ہی منٹ باقی رہ گئے تھے۔

سوبھراج نے گھنٹی بجا کر لڑکے کو بلایا اور اس کے ذریعے سنیل کو فوری طور پر اپنے دفتر میں طلب کرلیا۔

سنیل اپنے کمرے میں شیر تھا۔ اپنے باس کے کمرے میں آیا تو بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ وہ ادب سے سینے پر ہاتھ باندھ کر میز کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''میری کو تہ خانے کی سیر کرا لاؤ۔ زیادہ دیر لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس دس پندرہ منٹ کافی ہیں۔'' سوبھراج نے اسے ہدایات دی۔

ویرا کے بیگ سے ریوالور نکال لیا گیا تھا۔ اس میں کوئی خاص چیز نہیں رہی تھی۔ ویرا نے اسے وہیں میز پر چھوڑا اور سنیل کے ساتھ تہ خانے میں جانے کے لیے اٹھ گئی۔

○☆○

اول خان اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ساڑھے چار بجے ہی ہمارے گھر پہنچ گیا تھا۔ سوبھراج سے پانچ بجے فون کرنے کی بات اسی کے سامنے ہوئی تھی۔ سوبھراج سے ہونے والی لفظ بہ لفظ گفتگو وہ اپنے کانوں سے سننا چاہتا تھا۔

''تمہارے باس نے تمہیں سوبھراج سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ گفتگو تمہارے لیے بے سود رہے گی۔'' چائے نوشی کے دوران میں نے اسے چھیڑا۔

''اس وقت بھی میں سوبھراج سے بہت دور اور تمہارے نزدیک ہوں۔ میری موجودگی میں اگر تم اسے فون

کرتے ہو اور میں تم دونوں کی باتیں سن لیتا ہوں تو اس سے کوئی حکم عدولی نہیں ہوتی۔ باس نے مجھے تم سے دور رہنے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی ہے۔"

"مخبری بھی ہو سکتی ہے کہ تم حکم مل جانے کے باوجود سوبھراج کے معاملے میں کافی دلچسپی لے رہے ہو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مخبری کون کرے گا؟" غزالہ نے اپنی ٹانگ اڑا دی "میں، آپ یا سلطان شاہ!"

"احکام اپنی جگہ ہیں۔ میں ایس ٹی ایف کا افسر ہونے کے ساتھ ساتھ اول خان بھی ہوں۔ میری بھی کوئی شخصیت ہے، پسند ہے، ناپسند ہے۔ میں اس خبیث کے خلاف کچھ کرنے سے قاصر ہوں تو کم از کم تمہیں مشورہ تو دے سکتا ہوں۔ میں یہاں ہوتا تو شاید ویرا کو سمجھا بجھا کر ادھر جانے سے روک لیتا۔"

"وہ سمجھنے والی شے نہیں ہے۔" غزالہ نے سر جھٹک کر کہا "اس کے دماغ میں کوئی بات بیٹھ جائے تو اسے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"وہ ضدی تو ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "سوبھراج سفید پوش اور بارسوخ بدمعاش ہے۔ اسے ویرا پر ذرا بھی شک ہو گیا تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔"

"دعا کرو کہ وہ پانچ بجے سے پہلے ہی انٹرویو سے فارغ ہو کر وہاں سے نکل جائے۔" غزالہ دعائیہ لہجے میں بولی "انٹرویو کے لیے ایک گھنٹا بہت ہوتا ہے۔"

"سلطان شاہ ڈرائیور بن کر اس کے ساتھ گیا ہے۔ ویرا کے ساتھ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو وہ خبر پہنچانے میں دیر نہیں لگائے گا۔" میں نے امید ظاہر کی "ہو سکتا ہے کہ ویرا وہاں سے فارغ ہو کر نکل چکی ہو اور تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہو۔"

"وہ یہاں سے گئی تو بات اتنی سنگین محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔" غزالہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا۔

"آج کافی دنوں بعد مجھے غزالہ کے ساتھ گھر میں آزادی کے ساتھ ہنسنے بولنے کا موقع ملا تھا مگر ذرا سی دیر کے لیے بھی دھیان ادھر نہیں گیا۔ جب سے وہ دونوں گئے ہیں، ذہن مسلسل انہی کی طرف لگا ہوا ہے۔ اس کے آنے پر ہی یہ تناؤ ختم ہو گا۔"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت تم اس سے کیا بات کرنے والے ہو!" اول خان نے یکایک بات کا رخ بدل دیا۔

"میں پہلے سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کاش اس سے بات ہونے سے پہلے ویرا گھر لوٹ آئے تو پھر اس سے ڈٹ کر بات کی جا سکے گی۔" غزالہ درمیان میں بول پڑی۔

"تھوڑی دیر کے لیے ویرا کو بھول جاؤ۔" اول خان نے بزرگانہ سختی سے کہا "راستہ لمبا ہے۔ اس طرف ٹریفک بھی گندا ہوتا ہے۔ اسے آنے میں دیر سویر ہو سکتی ہے۔"

"مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہو۔ بات تو ان کو کرنی ہے۔" غزالہ نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میں ڈانٹ نہیں رہا۔ سمجھا رہا ہوں کہ محض کچھ دیر کے لیے ویرا کو بھول کر ڈیٹی کو اپنا ذہن بنا لینا چاہیے۔"

"میرے ذہن میں ایک بنیادی بات موجود ہے۔ میں اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر کے اپنے جرائم کا اعتراف کر لے۔ اس کے سوا اس سے ہر بات کی جا سکتی ہے اور وہ میں ضرور کروں گا۔ اس وقت وہ سخت دباؤ میں ہے۔ میں اس سے کھل کر بات کروں گا۔"

باتوں میں وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ اس دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے لیکن یوں ہی انتظار میں پانچ بج گئے اور میں نے فون پر سوبھراج کا سیٹ لائٹ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

سوبھراج میری کال کا منتظر تھا۔ اس کی طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا "تم وقت کے بہت پابند معلوم ہوتے ہو۔ یہ اچھی بات ہے۔"

"میں وقت اور زبان دونوں کا پابند ہوں۔ تمہارا راز میرے سینے میں دفن ہے ابھی تک کسی کو اس کی ہوا نہیں لگی۔" میں نے کہا۔

"یہ صرف تمہارا کمال نہیں ہے۔ اس میں میری خوبی کا بھی دخل ہے۔ میں کل سے اول خان کو بھولا ہوا ہوں لیکن تم نے سیتا کو مار کر اچھا نہیں کیا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ اسے میں نے مارا ہے؟"

"شہر میں تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے سوا کون اس کے بارے میں جانتا تھا۔"

"میں نے خود تم کو اس کے بارے میں بتایا تھا۔ تم اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے کیونکہ اس نے تمہارے سارے راز میرے سامنے اگل دیے تھے۔ تم اس سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ اسے مار کر اب اس کا خون میرے گلے میں ڈال رہے ہو۔"

"مجھے اس کتیا سے بدلہ لے کر خوشی ہوتی۔" اس کی آواز تلخ ہو گئی "لیکن میرے آدمی اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی لاش کے قریب اس کے زیر

جامے کے ملنے سے میرا دھیان تمہاری طرف گیا تھا۔ یہ بات صرف تمہیں اور تمہارے ذریعے مجھے معلوم تھی کہ اس کی شناخت زیر جامے میں پوشیدہ ہے۔"

"اس بارے میں، میں خود فکر مند تھا۔ وہ زیر جامہ پہن کر گئی تھی۔ وہ میرے پاس چھوڑنے والی چیز نہیں تھی۔"

"شاید تم پھر میرے اعصاب کا امتحان لینا چاہ رہے ہو۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ہم دونوں کے سوا کوئی تیسری پارٹی بھی اس راز سے واقف ہو چکی تھی!"

"اگر تم مصر ہو کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو پھر یہی ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہاری بہت سے لوگوں سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ تم نے اسے تاک کر اٹھایا تھا اس لیے اس سے سب کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ کسی اور کو بلاوجہ کوئی بات کیوں بتاتی۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ اس نے کسی کو کچھ بتایا ہو گا۔"

"تم خود غور کرو۔ حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کو مارنے والے کو یہ معلوم تھا کہ زیر جامے کے بغیر سیتا کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔ زیر جامہ اس کے قتل کے بعد جائے واردات پر ڈالا گیا تھا۔ کوئی اور صورت ہوتی تو وہ اس کے بدن پر موجود ہوتا۔ شاید وہ پولیس کی زیادہ توجہ کا مرکز بھی نہ بنتا۔ وہ کسی اور کو آسانی سے یہ راز نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ سیتا کانت نامی بلیک کیٹ ہے۔ یہ موٹی سی بات تم خود بھی سمجھ سکتے ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تیسری پارٹی کون ہے۔"

"یہ تمہارا دردِ سر ہے۔ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ وہ میرے قبضے میں آئی، میں نے اس سے سب کچھ اگلوایا اور پھر اسے رہا کر دیا۔"

"میں یہ کیسے مان لوں کہ تم نے اسے رہا کر دیا ہو گا...؟"

"سنو سوبھراج!" میں نے قدرے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی "میں اس بارے میں تم کو جواب دینے کا پابند نہیں ہوں پھر بھی یہ بتا رہا ہوں کہ میری قید سے آزادی کے بعد اس نے تم کو کہیں سے فون کیا تھا اور اپنے پکڑے جانے کا قصہ گول کر دیا تھا۔ اس وقت وہ میری تحویل میں ہوتی تو تم سے کسی قسم کا رابطہ قائم نہیں کر سکتی تھی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے میدان میں دور دور تک کوئی تیسرا فریق نظر نہیں آتا۔"

"یہ تمہاری نگاہ کی کمزوری ہے۔" میں نے برجستہ کہا "ٹام اور نک تمہارے سامنے ہیں۔ اگر تم خود ان کو دیکھنا نہ چاہو تو اور بات ہے!"

"ٹام اور نک!" فون پر اس کی تحیر زدہ بے ساختہ آواز ابھری پھر اس نے فوراً ہی قلابازی کھالی "یہ کون ہیں؟"

"اب اتنے بھولے اور انجان نہ بنو!" اس کی مکاری پر میری آواز تلخ ہو گئی "تم ان ہی دونوں کے ایما پر کوبرا بنے ہوئے تھے۔" میں نے وہ بات بھی چھیڑ دی جو مجھے کرنل داور کے روپ میں معلوم ہوئی تھی۔

"اب تم نے بے سروپا باتیں شروع کر دی ہیں، میرے لیے یہ دونوں نام اجنبی ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ تم نے نک کے ایما پر اپنے کسی آدمی سے ارجن کو مروا دیا تھا۔" میں چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے کے چکر میں بھٹک رہے ہو۔ ارجن کو میں نے نہیں مروایا تھا۔ وہ میرا گہرا دوست تھا!"

"وہ تمہارا دوست ضرور تھا لیکن اس کے گلے پر چھری پھیرنے کا حکم تمہارا ہی تھا۔ تم اس بات کو مانو یا نہ مانو، میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ تمہارے انکار سے حقائق نہیں بدل سکتے۔"

جب تک سیتا زندہ تھی، میری ساری توجہ اس کی ذات پر مرکوز تھی۔ میں جلد از جلد اس کے خاتمے کا خواہاں تھا اور وہ کام سوبھراج سے لینا چاہ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے روز سیتا کی ذات میری اور اس کی گفتگو کا محور بنی رہی تھی۔ میں نے اپنا سارا زورِ بیان یہ ثابت کرنے میں صرف کر دیا تھا کہ سوبھراج کے ذاتی رازوں کا انکشاف سیتا نے کیا تھا۔ میری اس کوشش کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں اس طرح ملائی تھیں کہ سوبھراج کے لیے میری باتوں پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ وہ سیتا کے لہو کا پیاسا ہو گیا تھا۔

یہ سوبھراج کے ستاروں کی گردش تھی کہ اس کے آدمی سیتا تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ان کی طرف سے کوئی پیش رفت ہونے سے پہلے غزالہ نے اس مکار بلیک کیٹ کو جہنم واصل کر دیا۔ میں نے سیتا کے حوالے سے سوبھراج کو کئی ایسی باتیں باور کرا دی تھیں کہ سیتا کی موت پر اس کا تلملانا بجا اور قابلِ فہم تھا۔

سیتا کی ہلاکت سے سوبھراج کے لیے ایک اہم باب بند ہو گیا تھا۔ وہ سیتا سے بازپرس کر کے میری سنائی ہوئی کہانی کی تصدیق کرنے کا موقع کھو چکا تھا۔

اس وقت میرے لیے سیتا کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد میری ساری توجہ ان حریفوں پر مرکوز ہو گئی تھی جو اس وقت زندہ تھے اور پوری مستعدی کے ساتھ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

"میں حیران ہوں کہ کون تم کو میرے خلاف ورغلا رہا ہے۔" سوبھراج کہہ رہا تھا "چلو' میں نے مان لیا کہ سیتا نے تمہیں میرا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا۔ اس نے تمہیں یہ بھی بتا دیا کہ اس نے ہوٹل کے ایک کمرے میں کوبرا سے ملنے کے بعد' چھپ کر اس کمرے کی نگرانی کی تو اس نے وہاں سے حشمت کو برآمد ہوتے دیکھا۔ جس کی ناک کی بناوٹ میری ناک کی طرح تھی۔ سیتا کے مارے جانے کے بعد میرے پاس تمہارے ان دعوؤں کی تائید یا تردید حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اب تم نئی باتیں کررہے ہو۔ یہ تمہارے کانوں میں کون پھونک رہا ہے۔"

"میں اپنے حریفوں کے خلاف پوری توجہ مرکوز کرکے کام کرتا ہوں اور اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ سیتا پر تمہیں حد سے زیادہ اعتماد تھا۔ تمہاری وہ خوش فہمی دور کرنے کے لیے میں نے تمہیں بتادیا کہ تمہاری ذات کو تمہاری اس چہیتی بلیک کیٹ نے بے نقاب کیا ہے۔ اب مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں تمہیں اپنی معلومات کے ہر ذریعے کے بارے میں بتا دوں گا۔ تم سفّاک آدمی ہو۔ سیتا کو مار سکتے ہو تو منہ بند کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرسکتے ہو۔"

"تم پھر سیتا کے قتل کا الزام میرے سر تھوپ رہے ہو۔ میں نے اسے مارا ہوتا تو اس کی لاش کو بے نام ونشان رہنے دیتا۔ مجھے زیر جامہ وہاں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اپنی ضرورتوں کو تم خود سمجھتے ہو۔ مجھے اس بارے میں مغز سوزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"مجھے ایسا نظر آرہا ہے جیسے تمہارے لیے اب دنیا میں دوسرا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ میں جس کے خلاف کام کرتا ہوں' اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردیتا ہوں۔ یہ بات میں ابھی تم کو بتا چکا ہوں۔"

"تم خاک کوئی کام نہیں کررہے۔ تم مجھے بدنام کرنے کی کوششیں کررہے ہو۔"

"آج تم عزت دار بنے ہوئے ہو۔ تمہارا ماضی قابلِ فخر نہیں تھا۔"

"ماضی میں مت جاؤ۔ آج کی بات کرو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں تمہیں تمہارے حمایتیوں سمیت' چیونٹیوں کی طرح مسل دوں گا۔"

"کوشش کرکے دیکھ لو۔ کل میں نے بلاوجہ تم سے سمجھوتا کیا۔ اول خان شیر نر ہے۔ تم چاہو تو اس پر بھی اپنا مقدر آزما سکتے ہو۔ وہ تمہیں منہ توڑ جواب دے گا۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم کل کا سمجھوتا ختم کررہے

غلط فہمی

سجاد صاحب کی ملاقات کافی عرصے بعد رشید صاحب سے ہوئی تو وہ رشید صاحب کو ایک دفتر میں نوکری کرتے دیکھ کر حیرت سے بولے "آپ نوکری کررہے ہیں؟ آپ نے تو بڑی دھوم دھام سے بزنس شروع کیا تھا اور آپ کی باتوں سے لگتا تھا کہ آپ تو پیدائشی بزنس مین ہیں.....!"

رشید صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے "آپ کو بھی میرے بارے میں وہی غلط فہمی ہوگئی جو مجھے خود اپنے بارے میں تھی۔"

ہو؟" اس کی تیز آواز آئی۔

"بعض اوقات تم بہت زیادہ سمجھ داری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہو۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اب تم اپنی زبان بند نہیں رکھو گے۔ میرے خلاف زہر پھیلاؤ گے۔" اس کی آواز میں چیلنج تھا۔

"میں ایسی گھٹیا حرکتیں نہیں کرتا۔ میں صرف ان حقائق کو سامنے لے آؤں گا۔ جو ابھی تک میرے سینے میں دفن ہیں۔"

"تمہیں یہی کرنا تھا تو تم نے کل مجھ سے سودے بازی کیوں کی تھی؟" اس نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"میں اسے کیا بتاتا کہ اس وقت سیتا کا خاتمہ میری ترجیحات میں سرفہرست تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم میں سے کوئی اتنی آسانی سے سیتا کو مار لے گا۔ پچھلے روز سوبھراج سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک بات سمائی ہوئی تھی کہ سیتا سے اپنے قریبی رابطے کی وجہ سے وہ اسے تلاش کرنے اور قرار واقعی انجام تک پہنچانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ موزوں شخص تھا۔ سوبھراج وہ کام سرانجام دے لیتا تو پھر اس سے آگے کی بات کی جاسکتی تھی۔

"وہ کل کی بات تھی جس پر میں اب تک کاربند تھا۔ اب میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ سمجھوتا ختم ہوگیا۔ تم اپنی کھال بچانے کی تیاری کرو۔"

"اور میں بھی کھلے ہاتھوں سے اپنا وار کر گزروں۔ سمجھ لو کہ میرا پہلا اور آسان ترین نشانہ اول خان ہی ہوگا۔"

"وہ میری اپنی تجویز تھی جو اول خان کو سرے سے پسند نہیں آئی۔ وہ ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا ہوتا تو کبھی کا

گوشہ نشین ہو چکا ہوتا۔"
"وہ گوشہ نشین تو کیا ہوگا' اب میں اسے پیوند زمین ہی کروں گا۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" وہ غرایا "ابھی تم نک اور ٹام کے بارے میں کیا بک رہے تھے۔"
میں اس کی کیفیت کا اندازہ کر کے دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ مجھے ڈرا دھمکا کر خاموش رکھنے کی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد دوبارہ اپنی سلامتی کے لیے متفکر ہو گیا تھا۔ بات اول خان کی ہو رہی تھی لیکن وہ یکایک ٹام اور نک کو درمیان میں لے آیا تھا۔
"اپنی تصحیح کر لو۔ میں بک نہیں رہا تھا بلکہ فرما رہا تھا کہ تمہارے اور ان کے گٹھ جوڑ کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"
"تمہارا یہ دعویٰ مجھے متاثر نہیں کر سکا۔ کچھ جانتے ہو تو ذرا مجھے بھی بتاؤ۔"
میں نے فوری طور پر سوچا۔ میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے روپ میں نک سے بہت کچھ اگلوا چکا تھا۔ میرے اور اس کے ٹیلی فونک مراسم ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئے تھے کہ ان میں آئندہ بہتری کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ہر اعتبار سے خرابی اور تلخی ہی پیدا ہوئی تھی۔ اگر سوبھراج کے ذریعے اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کے اور کرنل داور کے درمیان ہونے والی بعض باتیں ڈینی نے سوبھراج کو بتائی ہیں تو اس سے مزید کوئی بڑا بگاڑ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔
"وہ صورت حال کا حقیقی تجزیہ تھا پھر بھی میں نے محتاط رہتے ہوئے کہا "میں دو باتیں جانتا ہوں۔ تمہاری ان دونوں سے ملی بھگت ہے اور ارجن کو تم نے مروایا تھا۔"
"ابھی ذرا سی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ میں نے نک کے ایما پر ارجن کو مروایا تھا۔" اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔
"میں نے بالکل کہا تھا اور اب بھی اپنی اس بات پر قائم ہوں۔"
"تم کو معلوم ہے کہ وہ دونوں ذمہ دار غیر ملکی افسر ہیں اور انہیں پاکستان میں سفارتی تحفظ حاصل ہے!"
"ابھی تم ان کو جاننے سے منکر تھے۔ اب ان کی وکالت کر رہے ہو۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کام کرنے لگا ہے۔"
"ان کے بارے میں بے بنیاد افواہیں پھیلا کر تم ایک سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔"
"تمہیں کچھ بتانے کو افواہیں پھیلانے کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن تم نہیں بچ سکو گے۔ تمہارے خلاف فرد جرم طویل ہوتی جا رہی ہے۔"
"ڈینی! تم ننگ آدمی ہو۔ تمہاری کوئی عزت اور ساکھ کالے دھندوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"
"تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔" اس کی مضطربانہ آواز آئی۔
"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ میرے لیے تمہارے یہ سب الفاظ بے وقعت ہیں۔"
"سمجھ لو!" اس کی آواز معنی خیز ہو گئی "میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ اس وقت بھی میں تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں۔"
اس کا لب و لہجہ یکایک بدل گیا تھا۔ میں اندرونی ہیجان میں مبتلا ہو گیا۔ سوبھراج کے لہجے کی اس تبدیلی پر حیرت سے اول خان کا دہانہ بھی کھل گیا تھا۔
"دبا سکتے ہو تو دبا دو۔ تمہیں اس کی پوری اجازت ہے!" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"لو' پھر مس میری کلارک سے بات کرو۔ وہ تمہیں میری بات کا پورا مفہوم سمجھا دے گی۔" اس کی دھیمی' غراتی ہوئی اور فاتحانہ آواز ابھری۔
قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون سے مجھے ویرا کی کمزور اور پریشان آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر گویا حلق میں آ گیا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت راج محل میں گزارنے کے باوجود وہ وہیں پھنسی ہوئی تھی اور سوبھراج اس سے میری بات کروا رہا تھا۔ یہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔
نہیں ہے اس لیے تم مجھے کھلے مقابلے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ اپنی ساکھ اور عزت سے ڈرتا ہوں۔ اسے میری کمزوری مت سمجھو۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں...."
"تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں نے کوئی جھوٹا الزام لگایا تو عدالت تم کو باعزت بری کر دے گی۔"
"بے ننگ و نام اور عزت دار آدمی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے خلاف کوئی اسکینڈل بن گیا تو اخباروں میں جلی سرخیاں لگ جائیں گی۔ میں بدنام ہو جاؤں گا۔ عدالت برسوں بعد مجھے بری کرے گی تو اس کی چھوٹی خبر کسی بڑی خبر میں دب جائے گی۔ بدنامی کا داغ عمر بھر میرا پیچھا کرتا رہے گا۔"
"یہ سب تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوآنگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی سی چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے ا بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آئے یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر نا گزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل دلاور کے نام سے شامل ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ لی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں معروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چار و ناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کر ڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا نشانہ ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کر دیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی۔ اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کر دیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کر دی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں، میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی نائین عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کر لیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہو چکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں سے ایک کو وجے پر شک ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ڈینی اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہو سکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دیے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقابل ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک باروے نے تصدیق کر دی کہ ڈینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں ہیں۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو وہ مجھے مغلظات کے ساتھ دھمکیاں دینے لگا۔ "ڈینی! تم ننگ آدمی ہو۔ تمہاری کوئی عزت اور ساکھ نہیں ہے اس لیے تم مجھے کھلے مقابلے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ اپنی ساکھ اور عزت سے ڈرتا ہوں۔ اسے میری کمزوری مت سمجھو۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں..."

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں نے کوئی جھوٹا الزام لگایا تو عدالت تم کو باعزت بری کردے گی۔"

"بے ننگ و نام اور عزت دار آدمی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے خلاف کوئی اسکینڈل بن گیا تو اخباروں میں جلی سرخیاں لگ جائیں گی۔ میں بدنام ہوجاؤں گا۔ عدالت برسوں بعد مجھے بری کرے گی تو اس کی چھوٹی خبر کسی بڑی خبر میں دب جائے گی۔ بدنامی کا داغ عمر بھر میرا پیچھا کرتا رہے گا۔"

"یہ سب تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے کالے دھندوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو، بکواس کررہے ہو۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔" اس کی مضطربانہ آواز آئی۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ میرے لیے تمہارے یہ سب الفاظ بے وقعت ہیں۔"

"سمجھ لو!" اس کی آواز معنی خیز ہوگئی "میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ اس وقت بھی میں تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں۔"

اس کا لب ولہجہ یکایک بدل گیا تھا۔ میں اندرونی ہیجان میں مبتلا ہوگیا۔ سوبھراج کے لہجے کی اس تبدیلی پر حیرت سے اول خان کا دہانہ بھی کھل گیا تھا۔

"دبا سکتے ہو تو دبا دو۔ تمہیں اس کی پوری اجازت ہے!" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو، پھر مس میری کلارک سے بات کرو۔ وہ تمہیں میری بات کا پورا مفہوم سمجھا دے گی۔" اس کی دھیمی، غراتی ہوئی اور فاتحانہ آواز ابھری۔

قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون سے مجھے ویرا کی کمزور اور پریشان آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت راج محل میں گزارنے کے باوجود وہیں پھنسی ہوئی تھی اور سوبھراج اس سے میری بات کروا رہا تھا۔ یہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔

اب آپ باقی واقعات ملاحظہ فرمائیں

"تم کون ہو..... سوبھراج تم سے میری بات کیوں کرانا چاہ رہا ہے؟" ویرا کی وہ کمزور اور شکست خوردہ آواز مجھے کسی گہرے کنویں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور لمحہ بھر کے لیے میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا۔

وقت کی روانی میں بہہ کر میں ہر منفی امکان کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم کی دوستانہ فضا میں اول خان سے باتیں کرتے ہوئے میں نے یک طرفہ طور پر یہ فرض کرلیا تھا کہ ویرا راج محل کی چاردیواری میں سوبھراج کے ساتھ طے شدہ وقت پورے سکون اور عافیت سے گزار کر وہاں سے نکل چکی ہوگی مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا تھا۔

میں نے ٹھیک پانچ بجے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملایا تھا۔ اس سے میں کافی دیر سے بات کررہا تھا اور ویرا پھر بھی وہاں موجود تھی۔ وہ آثار اچھے نہیں تھے۔ سوبھراج کا بدلا ہوا مطلب لب ولہجہ یہ بتا رہا تھا کہ اسے ویرا پر شک ہو چکا تھا۔

اس نے ویرا کو مس میری کلارک کے نام سے فون پر بلایا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک سوبھراج کا شبہ یقین میں نہیں بدل سکا تھا۔ دوسری حوصلہ افزا بات یہ تھی کہ ویرا مجھ سے انگریزی میں مخاطب ہوئی تھی۔ ابتدائی جھٹکے کے بعد میرے دل میں امید کا پہلا کنول کھل اٹھا۔ ویرا مشکل میں ضرور تھی لیکن اس کا پول نہیں کھلا تھا۔

"ویرا.....! میں ڈینی ہوں۔ کیا بات ہے..... کیا تم پھنس گئی ہو؟ صرف ہاں یا نہ میں جواب دو!" میں نے پرتجسس اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.....!" اس نے کمال ہوشیاری سے میرے سوال کا جواب دے کر یکایک بات بدل دی "میرا نام میری کلارک ہی ہے۔ میں تم کو نہیں جانتی۔"

"نکلنے کی کوئی امید نظر آتی ہے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں..... میں نے کہہ دیا نا کہ میں تم کو نہیں جانتی....."

ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ سوبھراج نے اچانک اس سے فون چھین لیا تھا۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی غراتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی "تم دونوں پکے بدمعاش ہو۔ میں تمہیں اس کی آواز سنوا کر یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ تم نے ذرا سی بھی حماقت کی تو اس لڑکی کا حشر خراب کردیا جائے گا۔"

"تم نے فون اسے دیا تھا تو مجھے اس سے ایک آدھ منٹ بات تو کرلینے دیتے!" میں نے اس کی دھمکی کو نظرانداز

کرتے ہوئے، بے تکلفی سے کہا۔

"میں صرف اس کی بات سن رہا تھا۔ پتا نہیں تم اس سے کیا پوچھ رہے تھے۔ وہ تمہیں ہاں اور نہیں میں جواب دے رہی تھی۔ یہ سارے گر میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ میں تم دونوں کو اپنے خلاف کوئی نئی سازش کرنے کا موقع نہیں دے سکتا۔"

"میں اس سے کسی قسم کے راز و نیاز کی باتیں نہیں کر رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ میں میری کلارک سے ناواقف ہوں تو وہ مجھے کیسے جانتی ہے۔ اس نے صرف میرے سوال کا جواب دیا تھا کہ وہ بھی مجھے نہیں جانتی۔ پہلی بار اس نے اپنے نام کی تصدیق کی تھی۔ تم بلاوجہ شک و شبے میں پڑ رہے ہو۔"

"تم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو تو اس سے بات کرنے کے لیے کیوں مرے جا رہے ہو؟" اس کی غراہٹ سنائی دی۔

"خوش شکل اور اجنبی لڑکیوں سے باتیں کر کے خوش ہونا میری ہابی ہے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"خوب! اس کی آواز زہریلی ہو گئی "تو تمہیں فون پر یہ بھی نظر آ گیا کہ وہ خوش شکل ہے!"

"اس کے انگریزی لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ امریکی ہے۔ امریکی لڑکیاں عام طور پر خوش شکل اور دراز قامت ہوتی ہیں۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔"

"مجھے زیادہ گھنے کی کوشش مت کرو۔" وہ یقیناً غصے میں دہاڑا تھا "یہ اُلو کی پٹھی میری کلارک نہیں، ویرا ہے.... ویرا لائیڈ۔ ابھی یہ تہ خانہ صرف دیکھ کر آئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں میرے ذاتی تجربے کا نشانہ بن گئی تو اس کی اردو میں چیخیں نکلیں گی۔ یہ ساری امریکی انگریزی بھول جائے گی۔"

"چیخوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی پیارے سوبھراج۔ یہ تمہارے ذہن میں رچی ہوئی بے بسی کا کمال ہے کہ تم نے چیخوں کی بھی زبان ایجاد کر لی۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے کھل کر اپنے عزائم کا اظہار کر دیا۔ میں ابھی پولیس ایمرجنسی کو فون کرتا ہوں۔ ان کی بھاری نفری تمہارے راج محل کی دیواروں میں محبوس لڑکی کو برآمد کر کے تمہیں پکڑ لے گی۔"

"پولیس راج محل کا رخ نہیں کر سکتی۔" اس کی پُرغرور آواز سنائی دی "ان کے تین مسلح سپاہی دن رات میرے گھر کی حفاظت پر مامور ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے انہیں چھوٹ دی ہوئی ہے اور وہ دن بھر میرے سرونٹ کوارٹر میں پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔ پولیس والوں کے لیے میرے راج محل کا نام بہت بھاری ہے۔ ویرا تہ خانے میں میرے ساتھ ہو گی تو اس کی آوازیں باہر نہیں آئیں گی۔ پورا تہ خانہ ساؤنڈ پروف ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کتنی دیر تک اردو بھولی رہتی ہے۔ پولیس اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔"

اس نے کھلی کھلی باتیں کر کے میری ہر خوش فہمی رفع کر دی تھی۔ اسے ویرا پر شبہ ہو چکا تھا اور اس نے اپنے شبے کی تصدیق کے لیے سب کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ویرا شاید اپنی اداکاری پر اڑی ہوئی تھی اسی لیے سوبھراج نے اسے طنزیہ انداز میں میری کلارک کے مفروضہ نام سے متعارف کرا کے فون پر بلایا تھا۔

وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ ویرا نے سوبھراج کو پھانسنے کے لیے جو چال چلی تھی وہ اسی پر الٹ گئی تھی۔ وہ راج محل کی وسیع و عریض عمارت میں اپنے دشمنوں کی بھیڑ میں بالکل تنہا اور بے سہارا تھی۔ اس کی کوئی بھی مزاحمت زیادہ دیر تک اس کے کام نہیں آ سکتی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے پاس ایک ریوالور اور دو انگوٹھیوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ریوالور زیادہ دیر تک ویرا کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس پر شبہ ہو جانے کے بعد سوبھراج نے یقینی طور پر جامہ تلاشی لے کر ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا ہو گا۔ ویرا اگر اس پر کسی کھوکھلے نگینے کا زہر استعمال کر ڈالتی تو سوبھراج کو ضرور نقصان پہنچتا لیکن اس عمل سے ویرا کو کوئی فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔

مختلف ذرائع سے ملنے والی معلومات سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ راج محل میں سوبھراج کے اہل خانہ کے علاوہ اس کے حواریوں کی بھی ایک فوج موجود رہتی تھی۔ یہ سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ سب چھٹے ہوئے شورہ پشت اور لڑاکا بدمعاش رہے ہوں گے۔ ویرا، سوبھراج کو کسی انگوٹھی کے استعمال کے ذریعے ہلاک یا بے ہوش کر سکتی تھی لیکن اس کے بعد دوسروں کے چنگل سے بچ نکلنا اس کے لیے ممکن نہ ہوتا۔ ویرا کے ہاتھوں بننے والی سوبھراج کی درگت دیکھ کر وہ لوگ آپے سے باہر ہو سکتے تھے۔ میں دور بیٹھ کر ان امکانات کے بارے میں فکر مند تھا تو ویرا راج محل میں ان حقائق سے ایک لمحے کے لیے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتی تھی۔

کہنے کو میں نے اضطراری انداز میں اسے پولیس کی مداخلت کی دھمکی دے دی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ سوبھراج ایک سیاسی کردار تھا۔ سیاست کے گندے کھیل میں اس نے

ایک اہم مقام حاصل کر لیا تھا جس کے نتیجے میں اسے بہت سی آزادیاں اور مراعات بھی ملی ہوئی تھیں۔ جہاں جاتے ہوئے دوسروں کے پر جلتے تھے وہاں پولیس کیسے پھٹک سکتی تھی۔

"سوبھراج! میں نے پولیس کا نام محض ایک علامت کے طور پر لیا تھا۔ میں قانون کی حفاظت کرنے والے ہر شہری کو پولیس مین تصور کرتا ہوں...."

سوبھراج کے قہقہے سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا "پھر تو میں سب سے بڑا پولیس مین ہوں۔ میں نے ایک ایسی لونڈیا کو پکڑا ہے جو جعلی نام سے ایک بہروپ دھار کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے آئی تھی۔"

"تمہیں اس پر شبہ ہے تو تم اسے اپنی شکایت کے ساتھ پولیس کے حوالے کر دو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"جب تم اسے جانتے ہی نہیں تو پھر اس کے لیے فکر مند کیوں ہو۔ ہر فاتح مرد کو مفتوحہ عورتوں کے ساتھ من مانا سلوک کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔"

"یہ جنگل کا قانون یہاں نہیں چلے گا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"ضرور دیکھنا اور ذرا دوربین سے دیکھنا۔ مجھے تمہاری بینائی کمزور معلوم ہوتی ہے۔" اس کی آواز سے پریشانی رفع ہو چکی تھی اور وہ مسلسل مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا "میں نے کہا تھا کہ میں اس وقت بھی تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں...."

"میری کلارک کو تم میری شہ رگ سمجھ کر خوش ہو رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"اس بارے میں بلاوجہ مجھ سے بحث مت کرو۔ یہ فیصلہ آج رات تک ہو جائے گا۔ امریکی ایجنسیوں کے پاس ویرا لائیڈ کے فنگر پرنٹس موجود ہیں۔ وہ ذرا سی دیر میں بتا دیں گے کہ میری کے روپ میں کون چھپا ہوا ہے۔ ان سے تصدیق کرانے سے پہلے میں اس لڑکی پر اپنے گر ضرور آزماؤں گا۔ ہو سکتا ہے یہ خود ہی سب کچھ اگلتی چلی جائے۔ یہ میرے سامنے کھڑی ہے۔ اردو سے اپنی لاعلمی ظاہر کر رہی ہے مگر میری اردو میں کہی ہوئی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ پل پل میں بدل رہا ہے۔"

سوبھراج کی وہ بات قابلِ فہم تھی۔ اپنے فطری ردِّعمل پر قابو پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر اپنے بارے میں ہونے والی خطرناک باتیں سن کر ویرا پریشان ہو رہی تھی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ان حالات میں ہم میں سے کوئی بھی اپنے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔

"وہ پریشان نہیں ہے۔" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "تمہاری خوش فہمیوں پر حیران ہو رہی ہوگی۔"

اس وقت بات سوبھراج کے مضبوط شکوک و شبہات تک محدود تھی۔ وہ اپنے شبے کی تصدیق صرف ویرا کے فنگر پرنٹس کے ذریعے کر سکتا تھا۔ اس کام کے لیے اسے ٹام یا نک سے رجوع کرنا پڑتا۔ وہ دونوں پاکستان میں ایف بی آئی اور سی آئی اے کے رہائشی نمائندے تھے۔ ویرا ان کی ایجنسیوں کو شدت سے مطلوب تھی۔ جوں ہی انہیں علم ہوتا کہ ویرا کو سوبھراج اپنی تحویل میں لے چکا تھا، وہ سوبھراج سے اس کی حوالگی کا مطالبہ کر دیتے۔

سوبھراج نے پاکستان میں بہت سے پاپڑ بیل کر ایک اہم سیاسی اور سماجی رتبہ حاصل کیا تھا۔ مجھ سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے وہ سب خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کرنے کے لیے پہلے اس نے اول خان کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی تھی۔ میں فوری طور پر اس دھمکی کے کھوکھلے پن کا ادراک نہیں کر سکا اور

سوبھراج کی باتوں میں آ گیا۔ جذبات کی رو ختم ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ سوبھراج کے لیے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس وقت ہونے والی گفتگو میں اول خان والے معاملے کو بالکل سرسری انداز میں نظرانداز کر دیا تھا۔

یہ سوبھراج کی خوش قسمتی یا ویرا کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس وقت راج محل میں موجود تھی۔ ویرا کی صورت میں سوبھراج کو اول خان سے زیادہ مضبوط ضمانت میسر آ گئی تھی۔ وہ لازمی طور پر اسے میری زبان بند رکھنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سوبھراج کو اپنے اس مقصد میں اسی وقت تک کامیابی حاصل ہوتی جب تک ویرا اس کے قبضے میں رہتی۔ اگر ویرا اس کی تحویل سے نکل کر کسی بھی طرح امریکیوں کے قبضے میں چلی جاتی تو سوبھراج کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالنا ممکن نہ رہتا۔ میں اس کا پورا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

مجھے غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ سوبھراج ہر قسم کی باتیں ضرور کرے گا لیکن ٹام یا نک کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا کہ ویرا اس کے قبضے میں آ چکی تھی۔ ویرا کی سلامتی اور بازیابی کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ امریکیوں سے دور اور سوبھراج کی تحویل میں رہے۔

امریکیوں کے لیے ویرا بھی میری طرح انتہائی مطلوب مجرموں کی صف میں شامل تھی۔ وہ ویرا کو پکڑتے ہی پاکستان سے نکال کر امریکا لے جاتے۔ وہاں کے کسی محفوظ قیدخانے میں وہ گھاگ تفتیشی اور حفاظتی افسروں کی تحویل میں ہوتی جہاں سے اس کی بازیابی کی امید ایک احمقانہ خواب سے کم نہ ہوتی۔ دوسری طرف سوبھراج تھا۔ وہ لاکھ بااثر اور خطرناک سہی لیکن ایک عام پاکستانی شہری تھا۔ بھارت سے اس کے مضبوط اور گہرے مراسم تھے لیکن وہ ویرا کو وہاں بھیجنے کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی نجی قید میں رہتی تو اس کی رہائی کے لیے کوشش کی جا سکتی تھی۔

"تم کو معلوم ہے کہ میری کے فنگر پرنٹس کسی امریکی افسر کو دینے کا کیا مطلب ہو گا؟" میں نے ویرا اور میری کلارک والی پہیلی کو حل کرنے کے ارادے سے ایک نپا تلا سوال کیا۔

"اس کی اصلیت معلوم ہونے کے سوا اور کیا ہو گا؟" اس کی آواز پھاڑ کھانے والی تھی۔

"اصلیت ظاہر ہوتے ہی وہ اسے اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ انہوں نے اسے پکڑنے کے لیے بلاوجہ اتنا بڑا انعام نہیں رکھا ہوا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی طرف سے بلاتوقف جواب آیا "اسے میں نے گھیرا ہے۔ وہ میرے پاس ہی رہے گی.... کیا تم یہ مان رہے ہو کہ وہ ویرا ہی ہے۔"

"اس گمان میں نہ رہنا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر میری کلارک بن کر تمہارے پاس پہنچی ہے۔" میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "یہ چارا لگا ہوا کانٹا تھا جو تم نے میری توقع کے مطابق آسانی سے نگل لیا ہے۔ اب یہ تمہارے حلق میں پھنس کر آنتیں تک باہر نکال لائے گا۔"

"یہ تمہاری کوئی نئی قلابازی ہے۔" وہ ہلکے سے زہریلے قہقہے کے ساتھ بولا "ابھی تم فکرمند تھے اور ویرا کے ساتھ کسی زیادتی پر بدلہ لینے کی باتیں کر رہے تھے اور اب یکایک اسے میرے حلق میں پھنسا ہوا کانٹا قرار دے رہے ہو۔ تم یقین کرو کہ یہ کانٹا بہت نرم اور لذیذ ہے۔ میں اسے چبا چبا کر نگل جاؤں گا۔"

"یہ قلابازی نہیں، ایک حقیقت ہے۔ آنے والے وقت میں تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ پاکستان میں کچھ بارسوخ لوگ ہر طرح تمہاری سرپرستی کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج بھی آزادی سے دندناتے پھر رہے ہو۔ تمہارے حمایتیوں میں ایس ٹی ایف اور اس سے بھی زیادہ اول خان پیش پیش ہے۔ تم نے ویرا کی بازیابی کے لیے اس کے آدمیوں کے ساتھ راج محل کا رخ کیا تو تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"اب اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تم کوئی اہم آدمی ہو۔ وہ لوگ اپنے مقصد کے حصول کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

"میں جانتا ہوں.... یہ سب جانتا ہوں۔ تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم نے بتا دیا ہے کہ یہ ویرا ہے۔ اب اسے بھی اعتراف کر لینا چاہیے۔ اس طرح یہ میرے ذاتی عتاب سے بچ جائے گی۔ ایک بار یہ سچ کو مان لے تو پھر یہ میری مہمان ہو گی۔ اپنے کمرے میں اسے ہر سہولت اور آزادی حاصل ہو گی۔ جوں ہی ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی میری طرف آیا یا تم نے شہر میں میرے خلاف زہر پھیلانے کی کوشش کی، میں اس پر زندگی کا ایک ایک لمحہ تنگ کر دوں گا۔"

میں خود ہی بات کو گھما پھرا کر اسی رخ پر لانا چاہ رہا تھا۔

اچھا ہوا کہ اپنی شرائط اس نے خود ہی پیش کر دیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ذرا سی دیر کے لیے اس سے میری بات کرا دو تاکہ میں اسے سمجھا سکوں۔"

"سمجھانے کے لیے تم زیادہ دیر تک بھی بات کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب کوئی چالاکی تمہارے کام نہیں آسکے گی۔ وقت کی بساط نے مہرے کو اس کی جگہ پر پہنچا دیا ہے۔ وہ میری قیدی ہے۔ اس اٹل حقیقت کو تم آسانی سے تبدیل نہیں کر سکو گے۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ میں نے راج محل کا رخ کیا تو مجھے منہ کی کھانی پڑے گی۔ کیا تم ویرا کو یہاں سے ہٹانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے مکّارانہ لہجے میں جواب دیا "اسے جہاں بھی رکھا جائے گا' وہ آرام سے رہے گی۔"

"اب اس سے میرا رابطہ رہنا ضروری ہے' اس کے لیے تمہیں فون کروں گا۔۔۔۔"

"اب اسے بھول جاؤ' قیدی ہر حال میں قیدی ہوتا ہے۔ مہمانوں والی مراعات ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی حیثیت بدل جائے گی۔"

"مجھے ہر وقت یہ یقین ہونا چاہیے کہ تم نے وعدہ خلافی کر کے ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔۔۔۔"

"یہ ماننے والی بات ہے۔" اس نے میری بات درمیان سے اڑا کر تائید کی "اس کے لیے تم جب چاہو' دن میں ایک بار فون کر سکتے ہو۔ تمہاری زبان سے میری سن کر' کال وصول کرنے والا اس سے تمہاری بات کرا دے گا۔"

"تو کیا تمہارا سیٹ لائٹ فون کسی اور کے پاس بھی رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سیٹ لائٹ فون صرف اور صرف میرے استعمال میں رہتا ہے۔ میں ویرا کو اپنا دم چھلا بنا کر اپنے ساتھ نہیں لیے پھروں گا۔ وہ جہاں بھی ہوگی۔ میرا ایک آدمی اس کی نگرانی پر ضرور مامور رہے گا۔ میں اس کے موبائل فون کا نمبر تمہیں دیے دیتا ہوں۔"

آخر میں اس نے موبائل فون کا نمبر بتایا جو میں نے تیزی سے نوٹ کر لیا۔

"ویرا کے ساتھ باہر ایک آدمی بھی موجود ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ بڑی مچھلی جال میں پھنس جانے کے بعد چھوٹی مچھلیوں کے پیچھے بھاگنا حماقت ہے۔"

"وہ ٹیڑھا آدمی ہے۔ ویرا کو اپنے ساتھ لیے بغیر واپس نہیں لوٹے گا۔" میں نے اسے ڈرایا۔

"فکر نہ کرو۔ میں دن رات ٹیڑھے آدمیوں سے نمٹتا رہتا ہوں۔ ایک یہ بھی سہی۔" اس کی بے پروائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ "ہو سکے تو تم خود ہی اسے واپس بلا لو۔ اس میں اسی کی عافیت ہے۔ وہ میرے آدمیوں سے الجھا تو وہ مار مار کر اسے لنگڑا لولا کر دیں گے۔"

"اب تم اونچی اڑان لے رہے ہو۔ کسی الجھن یا ڈرامے کی ضرورت نہیں۔ ویرا کو اس سے ملنے کا موقع فراہم کر دینا۔ وہ خود اسے سمجھا کر واپس لوٹا دے گی۔ تمہارے آدمیوں کو اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"ویرا اسے بعد میں سمجھائے گی۔ پہلے تم اسے یاد دلاؤ کہ وہ میری نہیں ویرا ہے۔ میں فون اسے دے رہا ہوں۔"

"یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ تم بلاوجہ اس کی باتوں میں آگئے۔" اگلے لمحے میرے کانوں میں ویرا کی برہم سی آواز آ رہی تھی۔ "یہ میرے بدن کا ریشہ ریشہ بھی ادھیڑ ڈالتا تو میری زبان نہ کھلتی۔ تم کو معلوم ہے کہ مجھے جھکانا آسان کام نہیں

ہے۔"

وہ باتیں اس نے رواں انگریزی میں کہی تھیں جب کہ میری اور سوبھراج کی ساری گفتگو اردو میں ہوئی تھی۔ ویرا نے سوبھراج کے یک طرفہ مکالمے سن کر گفتگو کے رخ کا صحیح اندازہ لگالیا تھا۔ یوں ہم کسی تمہید میں پڑے بغیر کام کی بات پر آ گئے تھے۔

"اس وقت اعتراف ہی بہتر تھا۔ انکار کی صورت میں وہ تمہارے فنگر پرنٹس ٹام یا نک کو دیتا اور وہ ہر قیمت پر تمہیں اس کے قبضے سے نکال کر امریکا لے جاتے۔ اس بدترین احوال سے بچنے کے لیے میں نے مجبوراً یہ راہ اختیار کی ہے۔"

"میں تمہارے مشورے پر عمل کی کوشش کروں گی لیکن اس کی آنکھوں میں خباثت رچی ہوئی ہے۔ اس نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر اس کا حشر خراب کر دوں گی۔ تم جانتے ہو کہ میں جو کچھ کہتی ہوں اس پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔" اس نے اس بار بھی انگریزی میں کہا۔

"سلطان شاہ کو سمجھا بجھا کر ٹال دینا۔ اس وقت سوبھراج کے ستارے یاوری کر رہے ہیں لیکن تم زیادہ دیر تک اس کی قید میں نہیں رہو گی۔"

"تمہاری مصلحتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" ویرا نے شاید سوبھراج کو سنانے کے لیے غصیلی آواز میں ایک غیر متعلقہ سی بات کہی "میں بلاوجہ مان لوں کہ میں میری نہیں ویرا ہوں۔ اس کے ساتھ محاذ آرائی ترک کر دوں۔ یہ جو کچھ کہے، وہ کرتی چلی جاؤں۔ یہ سب کیسے ممکن ہے۔"

"شاباش! تم ٹھیک جا رہی ہو۔" میں نے خوش ہو کر کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ میرے اور تمہارے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دے۔ میں اپنی کوششیں جاری رکھوں گا۔ تم کو کوئی موقع ملے تو ہرگز نہ چوکنا۔"

"میں کوشش کروں گی مگر تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔" ویرا کے اس جواب کے ساتھ ہی فون اس سے واپس لے لیا گیا۔

"یہ بہت خود سر لڑکی ہے۔" سوبھراج اپنی بھاری آواز میں کہہ رہا تھا "اس نے سرکشی دکھائی تو خسارے میں رہے گی۔"

"اس وقت تم نے کسی حد تک بازی جیت لی ہے...."

سوبھراج نے میری بات درمیان سے ہی اڑا دی اور بولا "مجھے چڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرو گے۔ ویرا کو رہائی دلانے کے لیے تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ میں تمہاری طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔"

"میں تمہیں چڑھا نہیں رہا تھا" دوسری بات کہہ رہا تھا۔ چند گھنٹوں کے لیے ویرا کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ پوری صورتِ حال کا اندازہ ہونے کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ تمہارے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو چکی ہو گی۔"

"اس کے لیے مجھے تمہارے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ اب ویرا میرا مسئلہ ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ بس تم یہ یاد رکھنا کہ میں دونوں میں سے کوئی بات برداشت نہیں کروں گا۔"

"کن دو باتوں کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"راج محل پر چڑھائی نہیں کی جائے گی اور نہ تم میرے خلاف زہر اگلو گے۔"

"میں تمہاری یہ شرائط ماننے پر مجبور ہوں!" میں نے بے بسی سے کہا۔

یکایک لائن بے جان ہو گئی۔ میری بات مکمل ہوتے ہی سوبھراج نے اپنا فون بند کر دیا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسپیکر فون بند کر دیا۔

"اس وقت تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ ابتدا میں تمہارا لب و لہجہ نہایت جارحانہ تھا۔ آخر میں تم نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔" اول خان نے بے دلی سے کہا۔

"ابتدا میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ ویرا اس کے چنگل میں پھنس چکی ہے۔ میں نے پوری طرح اس کے بخیے ادھیڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کے فون پر ویرا کی آواز سننے کے بعد میرا سارا جوش و خروش رخصت ہو گیا۔ ویرا کی سلامتی کی خاطر مجھے اپنا لہجہ بدلنا پڑا۔"

"آپ کو یہ ماننے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ میری نہیں ویرا ہے۔ یہ ویرا کا مسئلہ تھا۔ وہ جب تک چاہتی، سوبھراج کو چکر دیتی رہتی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی دوران میں وہ اپنی نجات کی کوئی راہ تلاش کر لیتی۔ آپ نے اب اس کے لیے سارے دروازے بند کر دیے ہیں۔" غزالہ بھی میری حکمتِ عملی سے متفق نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے پوری گفتگو دھیان سے نہیں

سنی۔ اسے میری کلارک پر شبہ ہو گیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنے اس شبہے کی تصدیق کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ہماری طرف سے مزاحمت جاری رہتی تو وہ ویرا کے فنگر پرنٹس ٹام اور نک کے حوالے کر دیتا۔ تم کو علم ہے کہ امریکی ویرا کے خون کے پیاسے ہیں۔ فنگر پرنٹس کی تصدیق ہوتے ہی ہر طرف ہلچل مچ جاتی اور سوبھراج امریکیوں کے زبردست دباؤ میں آ جاتا۔ اسے بتانا پڑتا کہ ویرا اس کے قبضے میں آ چکی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا اس کا اندازہ تم خود لگا سکتی ہو۔"

"اوہ! جبھی آپ نے زور دے کر یہ بات سوبھراج کو جتائی تھی۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"یہ بہت ضروری تھا۔ وہ شاید اس پہلو کو بھولا ہوا تھا۔ جوش میں آ کر ویرا کے فنگر پرنٹس آگے بڑھا دیتا۔ اسے ہوش اس وقت آتا جب اس سے ویرا کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جاتا۔" میں نے وضاحت کی۔ "وہ ذہین ہے۔ بات فوری طور پر اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اسے ایسے کسی اقدام سے روکنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ویرا کی اصلیت کے بارے میں بتا دیا جاتا۔ میری اور ویرا کا معاملہ حل ہونے کے بعد فنگر پرنٹس کی تصدیق کرانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

"تمہاری وضاحت سے پہلے میں بھی الجھن میں تھا۔ ظاہری طور پر ایسی کوئی مجبوری سامنے نہیں آئی تھی کہ تمہیں میری کے ویرا ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا۔" اول خان بولا۔

"اس وقت سوبھراج سے جو ڈیل ہوئی ہے، اس سے بہتر ڈیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے اطمینان ہے کہ ویرا اس کی نجی قید میں پاکستان میں رہے گی اور وہ بلاوجہ اسے کوئی گزند پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس دوران میں ہم اپنے لیے کسی راہ کا تعین کر لیں گے۔"

"یہ دو طرفہ بلیک میلنگ ہو گی۔۔۔" اول خان نے کہنا چاہا لیکن غزالہ نے درمیان سے اس کی بات اچک لی۔

"بلیک میلنگ یک طرفہ ہوتی ہے۔ دو طرفہ مفادات کارفرما ہوں تو تصفیے کو سمجھوتے کا نام دیا جاتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"پہلا سمجھوتا میرے نام پر ہوا تھا۔ آج ویرا کی باری آئی ہے۔ دیکھنا ہے کہ سوبھراج کے ساتھ ہونے والے یہ سمجھوتے کیا گل کھلاتے ہیں۔" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"یہ بات طے ہے کہ آخر کار سوبھراج کو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچنا ہے۔ اس کو زیادہ مہلت مل گئی تو پھر ویرا کی اور میری خیر نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "اپنی گردن بچانے کے لیے مجھے سوبھراج کے خلاف جلد از جلد کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کرنا ہو گا۔"

اول خان نے سوبھراج کی قید سے ویرا کی رہائی کے ایک منصوبے کے بارے میں بات شروع کر دی۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

✪✫✪

"ہاں! اب بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو؟" سوبھراج نے سیٹ لائٹ فون بند کرنے کے بعد ویرا سے پوچھا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا، میں کہہ چکی ہوں۔ اب بلاوجہ مجھ سے سوال جواب مت کرو!" ویرا نے ہلکی سی بے زاری کے ساتھ کہا۔ اس نے اردو میں کیے گئے سوال کا جواب انگریزی میں دیا تھا۔ اس نے جب سے راج محل میں قدم رکھا تھا۔ ایک بار بھی اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اردو کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ سوبھراج کے کان اس کے اردو لب و لہجے سے آشنا نہ ہو سکیں۔ اسے امید تھی کہ اس کی وہ احتیاط کسی نہ کسی وقت اس کے کام ضرور آئے گی۔

"تم کس نام سے پکارا جانا پسند کرو گی؟" سوبھراج نے مسکراتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"ڈینی کے تصدیق کر دینے کے بعد اب تم مجھے ویرا بھی کہہ سکتے ہو لیکن بہتر یہی ہے کہ یہ بات زیادہ نہ پھیلے۔" ویرا کا لہجہ اس بار قدرے بہتر ہو گیا "مناسب ہو گا کہ تم مجھے میری ہی کہتے رہو۔ اخبارات میں انعامی اشتہارات کی بات ابھی تازہ ہے۔ اتنے بڑے انعام کے لالچ میں تمہارے کسی ملازم کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو سکتی ہے۔"

"آج تک راج محل کے کسی آدمی نے باہر کوئی مخبری نہیں کی۔" سوبھراج نے دعویٰ کیا۔

"آج تک کسی کی مخبری پر اتنے بڑے انعام کا اعلان بھی نہیں کیا گیا ہو گا۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بیس لاکھ ڈالر کے انعام لے لیے کسی کے بھی قدم ڈگمگا سکتے ہیں لیکن دیکھ لو۔ تمہارے لیے مجھے اتنی بڑی رقم کی بھی پروا نہیں ہے۔"

"تم مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے!" ویرا نے تیکھی نظروں سے اسے گھور کر پوچھا۔

"مجھے کسی پر ڈورے ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جس کی آرزو کرتا ہوں، وہ خود میرے پاس چلی آتی ہے۔ تم بھی اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو۔"

"تم نے یہ انعام میرے لیے نہیں چھوڑا۔ یہ شاید تمہاری انا کا معاملہ ہے۔"

"ہا...... آں۔ تم انا بھی کہہ سکتی ہو۔" سوبھراج پرخیال انداز میں بولا "میں نے تمہارے نام کا بہت شہرہ سنا ہوا تھا۔ آج تم میرے رو بہ رو ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بے اندازہ دولت کمائی ہے۔ مجھے پیسے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ہاں، اَن دیکھی چیزوں اور ہستیوں کو دریافت کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"یہ ڈینی کا کیا دھرا ہے جو اس وقت تم اتنا بول رہے ہو۔ وہ تمہیں میرے بارے میں نہ بتاتا تو اس وقت تم میرے اوپر جھنجلائے ہوئے ہوتے۔ کم از کم اگلے دو چار دنوں تک تمہارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلتا کہ میں کون ہوں۔"

"میرے فرشتے واقعی معصوم ہیں۔ انہیں پتا نہیں چلتا مگر میں تمہارے فنگر پرنٹس سے معلوم کرلیتا۔ یہ میری نیک نیتی ہے کہ میں تمہارا اصل نام جان لینے کے باوجود تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کر رہا جو تمہاری جان کے دشمن ہیں۔"

"بلاوجہ اپنی نیک نیتی کا ڈھنڈورا نہ پیٹو۔ میں تمہارے لیے بیس لاکھ ڈالر کا چلتا پھرتا ہوا چیک ہوں۔ تم اب سے چند دن، چند ہفتوں یا چند ماہ بعد بھی مجھے امریکیوں کے حوالے کرکے ان کی مقرر کی ہوئی انعامی رقم حاصل کر سکتے ہو۔"

"بعض اوقات تم بہت کڑوی بات کہہ جاتی ہو۔ یہ بتاؤ کہ جب تم اردو اچھی طرح سمجھ لیتی ہو تو مجھ سے انگریزی کیوں بول رہی ہو۔"

"انگریزی میں، میں اپنا مفہوم بہت آسانی اور روانی سے ادا کرلیتی ہوں۔ اردو میں دقّت ہوتی ہے۔" ویرا نے اس سے سفید جھوٹ بولا۔

"تم خاصی خوب صورت لڑکی ہو۔" سوبھراج نے غور سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "لیکن تمہارے گن بہت خراب ہیں۔ تم ان گندے چکروں میں کیوں پڑی ہوئی ہو؟ ڈینی اپنے مقاصد کے لیے بہت بے رحمی سے تمہاری زندگی برباد کر رہا ہے۔"

سوبھراج کے اس پینترے پر ویرا دل ہی دل میں ہنس پڑی۔ یہ ہر بد نگاہ اور بد فطرت مرد کا طریقہ واردات ہوتا ہے کہ وہ جب بھی کسی لڑکی کو اپنا کھلونا بنانا چاہتا ہے تو اپنی پیش قدمی کی ابتدا ہمدردی کے اظہار سے کرتا ہے۔ سوبھراج بھی اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

"ڈینی سے پہلے میرے باپ نے غلط تربیت دے کر مجھے بگاڑا تھا۔" ویرا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "بگڑے ہوئے لوگ اپنی لائن کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی رو میں میرا اور ڈینی کا سامنا ہوا۔ میں نے بروں کی بھیڑ میں اسے بہت اچھا پایا اور اس کے ساتھ ہولی۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی عشق و عاشقی کے چکر میں ہوں۔ وہ شادی شدہ ہے۔ ہمارے درمیان صرف دوستی ہے۔ وہ میرا دھیان رکھتا ہے۔ میں اس کی عزت کرتی ہوں لیکن آج اس نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

"ڈینی میری دھمکیوں سے ڈر گیا۔" سوبھراج نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اس نے سوچا ہوگا کہ تم ضدی ہو۔ اپنی زبان بند رکھو گی۔ اگر مجھے تمہاری اصلیت کا پتا نہیں چلا تو میں تمہارا حشر خراب کردوں گا۔ اس نے تمہاری بہتری کے لیے تمہارا اصل نام اگل دیا ہے۔ اس احمق کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ میں خوبصورت اور خوشبو دار کلیوں کو مسلنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

"تم نادانستگی میں میری تعریف کر رہے ہو!" ویرا نے طنز کیا۔

"میں اپنی بات پر اب بھی قائم ہوں۔ تم حسینہ عالم نہیں ہو مگر پھر بھی بہت دلکش ہو۔ دلوں کو موہ لینے والی شخصیت کی مالک ہو۔"

"یہ باتیں تم اس بڑی میز کے پیچھے بیٹھ کر کر رہے ہو جہاں روشنی کم ہے۔ کیا یہ فاصلہ کم نہیں ہو سکتا۔" ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"کم کیا" یہ فاصلہ ختم بھی ہو جائے گا۔ ابھی ہم تہ خانے میں چلیں گے۔"

"نہیں!" ویرا نے بے ساختہ کہا "وہ عقوبت خانہ صاف ستھرا ضرور ہے، وہاں پڑی ہوئی مسہری بھی بہت آرام دہ ہے مگر وہاں کا ماحول وحشت ناک ہے۔ میں وہاں ایک لمحہ بھی سکون سے نہیں گزار سکوں گی۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے تم اس آدمی کو رخصت کردو جو باہر تمہارا منتظر ہے۔" سوبھراج بولا۔

"تو کیا مجھے اس چاردیواری سے باہر جانے کی اجازت ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے اندر بلالیا جائے گا۔" یہ کہہ کر سوبھراج انٹرکام پر کسی سے مخاطب ہوگیا۔ اس بار وہ اردو کے بجائے کوئی اور

زبان بول رہا تھا۔ دورانِ گفتگو استعمال ہونے والے اِکّادُکّا مانوس الفاظ سے ویرا نے اندازہ لگایا کہ وہ سندھی بول رہا تھا۔

"سنیل آرہا ہے۔ تم اس کے ساتھ پورچ میں جاکر اپنے آدمی کو سمجھا دو پھر ہم سوچیں گے کہ آج شام کیسے گزاری جائے۔" انٹرکام بند کرکے سوبھراج نے ویرا سے کہا۔

ویرا کا پرس میز پر وہیں رکھا ہوا تھا جہاں اس نے چھوڑا تھا۔ اس نے پرس کھول کر اس میں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا تو سوبھراج کی توصیفی آواز ابھری "ویری گڈ.... تم لڑنے بھڑنے کے علاوہ دوسرے مردانہ شوق بھی رکھتی ہو۔"

"مردوں میں رہ کر ان کی عادتیں پڑجاتی ہیں۔" ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

چند ثانیوں کے بعد سنیل کمرے میں آگیا۔ سوبھراج کے اشارے پر ویرا اس کے ساتھ ہولی۔

وہ سنیل کے ساتھ نکاس کے راستے کی طرف بڑھتی رہی۔ سنیل تیز و طرار نوجوان تھا مگر موقع شناس بھی تھا۔ سوبھراج کے سامنے وہ بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ باہر آتے ہی دوبارہ چاق وچوبند نظر آنے لگا تھا۔

"تم کتنے عرصے سے سوبھراج کے لیے کام کررہے ہو؟" ویرا نے جمود توڑنے کے لیے اس سے ایک معنی خیز سوال کیا۔

"ایک مدت ہوگئی۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں راج محل میں ہی پیدا ہوا ہوں۔" سنیل نے سنجیدگی سے گول مول جواب دیا۔

"تمہارا باس بہت سخت اور سفاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے تالاب میں دوسرا کنکر پھینکا۔

"ارے نہیں!" سنیل ہنس پڑا "دور سے ایسا لگتا ہے۔ وہ بہت نرم دل اور مہربان انسان ہیں۔"

سنیل خاصا گھاگ تھا۔ ویرا نے اندازہ لگایا کہ اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ اس نے اپنی زبان بند کرلی۔ وہ راستہ طے کرتے ہوئے اس امکان کا جائزہ لے رہی تھی کہ اگر وہ اپنی انگلیوں میں موجود انگوٹھی استعمال کرکے سنیل کو راستے میں ڈھیر کردے تو اس کے فرار ہونے کے کیا امکانات تھے۔

وہ کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ اسے پورچ میں کئی افراد نظر آنے لگے۔ ان میں سے تین باوردی سپاہی تھے جنہیں سرونٹ کوارٹرز سے نکال کر گیٹ پر پہنچا دیا گیا تھا۔ چوتھا اپنی وضع قطع سے راج محل کا دربان نظر آرہا تھا۔ وہ چاروں مسلح تھے۔ ان کے درمیان سلطان شاہ حیران وپریشان کھڑا ہوا تھا۔

وہ سنیل کے ساتھ صدر دروازے سے باہر نکلی تو سلطان شاہ اسے دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔

"تم لوٹ جاؤ۔ مجھے یہاں روک لیا گیا ہے" ویرا نے خود پر قابو رکھتے ہوئے، گمبھیر لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ کے ہونٹ کھلے مگر اس نے کچھ کہے بغیر دوبارہ سختی سے منہ بند کرلیا۔ اس کی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ان میں کئی سوال مچل رہے تھے۔

"میں اپنے ساتھی کو علیحدگی میں کچھ سمجھانا چاہتی ہوں" ویرا نے مڑکر سنیل سے کہا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر سرہلا کر ویرا کو اجازت دے دی۔

ویرا کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ راج محل میں رونما ہونے والی تبدیلی سلطان شاہ کے لیے حیران کن رہی ہوگی۔ وہ سچویشن کچھ عجیب وغریب اور ناقابلِ فہم سی تھی۔ اندر کوئی مقابلہ ہوا تھا، نہ ماردھاڑ ہوئی تھی۔ ویرا بظاہر آزاد تھی۔ اس کی نقل وحرکت پر پابندی نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کے ساتھ واپس جانے سے قاصر تھی۔ ان بکھری ہوئی کڑیوں کی کلید صرف ایک تھی کہ ان دونوں کے گرد راج محل کے پانچ محافظ موجود تھے جن میں سے چار مسلح تھے۔

سنیل سے اجازت ملتے ہی ویرا نے بڑھ کر سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے تیزی سے ایک طرف لیتی چلی گئی۔

اس نے سلطان شاہ کو کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر، بہت اختصار اور تیزی کے ساتھ سب باتیں دہرا ڈالیں۔ آخر میں اس نے سختی سے ہدایت کی کہ سلطان شاہ وہاں سے براہِ راست گھر جانے کے بجائے اسٹیشن فور چلا جائے۔ اسے پورا یقین تھا کہ واپسی پر سوبھراج کے آدمی سلطان شاہ کا پیچھا کریں گے تاکہ اس کے ذریعے میری کمین گاہ تک پہنچ سکیں۔

ویرا کی وہ ہدایت بہت دانش مندانہ تھی۔ اس مہم کے لیے جس گاڑی کا انتخاب کیا گیا تھا وہ اول خان نے فراہم کی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی، گاڑی کے نمبروں کے ذریعے سوبھراج زندگی بھر یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ گاڑی کس کی ملکیت تھی۔ اسٹیشن فور میں کچھ وقت گزارنے کے بعد

سلطان شاہ خاموشی سے گھر واپس آسکتا تھا۔

سلطان شاہ پہلے ہی تاخیر سے پریشان تھا۔ اس کی دانست میں سوبھراج کے انٹرویو میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔ جب اسے گاڑی سے اتار کر اندر بلایا گیا تو اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ رہی سہی کسر ویرا نے اپنی ہوش ربا باتوں سے پوری کردی۔ سلطان شاہ کے لیے وہاں کچھ کہنے یا سننے کی مزید گنجائش نہیں تھی۔ وہ حیران وپریشان وہاں سے پھاٹک کی طرف چل دیا اور ویرا، سنیل کی معیت میں دوبارہ راج محل کے صدر دروازے کی طرف ہولی۔

دروازے سے گزرنے کے بعد سنیل کی پیش قدمی کی سمت بدل گئی۔ اس بار وہ سوبھراج کے دفتر کی طرف نہیں جارہا تھا۔ ویرا تہ خانہ دیکھ چکی تھی۔ وہاں آرام اور تعیش کا خاصا بندوبست تھا لیکن ہر آسائش کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسا برقی یا میکانیکی سلسلہ ضرور منسلک تھا جو ہر سہولت کو خوفناک بنارہا تھا۔ ویرا کو تسلی تھی کہ سنیل کا رخ تہ خانے کی طرف بھی نہیں تھا۔ اس بار اس نے عمارت میں ایک بالکل نئی راہ اختیار کی تھی۔

ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے کب تک راج محل کی چار دیواری میں قید رہنا ہوگا اس لیے وہ سمتوں کے بارے میں بہت زیادہ حساس تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہ عمارت کے سامنے کے حصے کے متوازی بنی ہوئی راہ داری میں آگے بڑھ رہی تھی۔

وہیں راستے میں اسے بجلی کا خاصا بڑا، دیوار گیر سوئچ بورڈ نظر آیا جس پر سرخ، سبز اور زرد رنگ کے تین روشن بلب گھر میں تھری فیز کنکشن کی موجودگی کی نشاندہی کررہے تھے۔ اس بورڈ پر کئی چھوٹے بڑے سوئچ آویزاں تھے۔ ویرا نے اس بورڈ کی پوزیشن کو اسی لمحے ذہن نشین کرلیا۔

راہ داری کے اختتام پر واقع دروازہ کھول کر سنیل اندر داخل ہوگیا۔ ویرا نے اس کی تقلید کی۔ اندر قدم رکھتے ہی خنک ہوا نے اس کا استقبال کیا۔ وہ ایک پرتعیش، شاندار اور ائرکنڈیشنڈ خواب گاہ تھی جس کا ائرکنڈیشنر بے آواز چل رہا تھا۔

"یہ راج محل کا گیسٹ روم ہے۔ تم اس کمرے میں رہوگی۔" سنیل کہہ رہا تھا۔ "تمہیں ضرورت کی ہر چیز اسی کمرے میں فراہم کی جائے گی۔ ریفریجریٹر میں کھانے پینے کی اشیا وافر مقدار میں موجود ہیں۔ مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم انٹرکام کی ہاٹ لائن پر کوئی نمبر ملائے بغیر اپنی فرمائش نوٹ کراسکتی ہو۔"

ویرا کو اس اہتمام سے وحشت ہو رہی تھی۔ ایک قیدی کے لیے اتنا اہتمام اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔

اس نے سنیل کو کوئی جواب دیے بغیر ایک کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا تو اسے راج محل کے احاطے کا پھاٹک نظر آیا۔ وہ عمارت کے اگلے کونے پر واقع کمرے میں ٹھہرائی گئی تھی۔ اس کمرے میں داخلے کا ایک دروازہ تھا جس سے سنیل اسے اندر لایا تھا۔ دوسرا بند دروازہ اگلی کھڑکی کے برابر میں تھا۔ اس دروازے کے ذریعے کوئی بھی مہمان اہلِ خانہ کی مصروفیات میں مخل ہوئے بغیر، آزادی کے ساتھ راج محل میں آجاسکتا تھا۔

"کھڑکیوں میں آہنی گرل ہے۔" سنیل نے قدرے توقف کے بعد ویرا کی معلومات میں اضافہ کیا "اس میں ہر وقت دو سو بیس وولٹ اور ڈھائی ہزار واٹ کی طاقت کا کرنٹ دوڑتا رہے گا۔ تم نے اس پر طبع آزمائی کی کوشش کی تو وہ جان لیوا ثابت ہوگی۔ دونوں دروازے مقفل رہیں گے۔ باس کی اجازت کے بغیر تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلوگی۔"

"تمہارے باس نے میرے لیے خاصا آرام دہ مگر خطرناک قید خانہ چنا ہے۔ کیا وہ اپنے ہر مہمان کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"یہ مہمان کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ آنے والا شریف ہو تو کھڑکیوں میں کرنٹ دوڑتا ہے نہ دروازے مقفل رہتے ہیں۔" سنیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو کیا میں تمہیں بدمعاش نظر آرہی ہوں؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"یہ فیصلہ باس کرتے ہیں۔ میں ان کے احکام پر عمل کرتا ہوں۔" اس نے نرمی سے جواب دیا اور مڑ کر دروازے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔

ویرا پریشان اور متجسس تھی۔ اس نے لپک کر سب سے پہلے وہی دروازہ دیکھا جس سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے ناب کو دونوں طرف ہلا جلا کر دیکھا لیکن دروازے نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ وہ ہضمی قفل کچھ عجیب ساخت کا تھا۔ اس میں اندر کی طرف کوئی لیور وغیرہ موجود نہیں تھا جس کو گھما کر دروازے کو اندر سے کھولا جاسکے۔ وہ چند سیکنڈ تک کھڑی، دروازے کو گھورتی رہی پھر مایوس ہوکر کمرے میں موجود دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

کمرے میں بنیادی ضرورت کی اشیا سے کہیں زیادہ سازوسامان موجود تھا۔ فون کا انسٹرومنٹ موجود تھا لیکن اس پر ڈائل یا بٹن موجود نہیں تھے۔ ویرا پورے کمرے کا

جائزہ لینے کے بعد، ریفریجریٹر میں سے بیئر کا ایک کین نکال کر بستر پر گر گئی۔

وہ عجیب مخمصے میں پڑ گئی تھی۔ جس کام کو بہت آسان سمجھ کر وہ راج محل میں آئی تھی، وہ اس کے گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ وہاں سے کیسے نکل سکے گی۔ میرے اور سوبھراج کے درمیان جو سمجھوتا ہوا تھا، وہ عارضی نوعیت کا تھا۔ ویرا خوب سمجھ رہی تھی کہ اس کو میری زبان بندی کے عوض آرام اور آسائش کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ ویرا کو اپنی قید میں رکھ کر سوبھراج میری گھات میں لگا رہتا اور جوں ہی وہ میرا قصہ تمام کرنے میں کامیاب ہوتا، ویرا کے ساتھ اس کا رویہ بدل جاتا۔

ویرا کو اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی تو جلد یا بدیر، سوبھراج اسے اپنے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بناتا اور پھر اسے امریکیوں کے حوالے کرکے، انعام کی بھاری رقم حاصل کرلیتا۔

وہ آٹھ بجے تک سخت اضطراب اور بے چینی کے عالم میں اپنا وقت گزارتی رہی۔ اس دوران میں اس نے ایک مرتبہ انٹرکام کی ہاٹ لائن آزمائی اور دوسری طرف سے کسی ناخواندہ گھریلو ملازم کی اجنبی آواز سن کر کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

اسے یہ سوچ سوچ کر سخت کوفت ہو رہی تھی کہ اس کی لغزش کی وجہ سے سوبھراج کو میرے اوپر حاوی ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ اس دشوار صورتِ حال میں اسے امید کی صرف ایک کرن نظر آرہی تھی کہ میں نے سوبھراج کے اس کھیل کو سمجھ لیا تھا۔ میری کوئی تیز ترین اور بھرپور کارروائی ہی سوبھراج کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا سکتی تھی۔

آٹھ بجے سوبھراج اس کمرے میں آپہنچا۔ اس کے پیچھے ایک ملازم مے نوشی کے لوازم سے سجی ہوئی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آگیا۔

اس کی آمد پر ویرا نے کسی خاص ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ سوبھراج نے کمرے کی پسندیدگی کے بارے میں ویرا سے چند رسمی باتیں کیں اور پھر دیوار سے لگے ہوئے صوفے پر براجمان ہوگیا۔ ملازم نے ٹرالی اس کے سامنے لگائی اور ادب کے ساتھ کمرے سے رخصت ہوگیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ بیزار سی نظر آرہی ہو" سوبھراج نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تم پینے میں میرا ساتھ نہیں دوگی۔ میں تمہارے لیے دنیا کی بہترین اسکاچ اور جن لے کر آیا ہوں۔ آج راج محل میں تمہاری پہلی رات ہے۔ اس کو یادگار ہونا چاہیے۔"

ویرا کے پاس وقت گزاری کے لیے کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ ناچار وہ سوبھراج کے قریب جا بیٹھی۔ وہ اس وقت سوبھراج پر آسانی سے اپنی کوئی انگوٹھی آزما سکتی تھی لیکن اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اگر وہ ان حالات کو سنبھالنے میں ناکام رہتی تو اسے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

"آؤ، شام ہو رہی ہے۔ اب میں تمہاری کچھ میزبانی کروں؟" سوبھراج نے یہ کہتے ہوئے پرانی اسکاچ کی بوتل کھول لی۔

ویرا بظاہر انجان بنی بیٹھی رہی لیکن وہ سوبھراج کی ایک ایک حرکت بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے گلاس میں اسکاچ کی معمولی مقدار انڈیلی اور اس میں برف کے ڈلے ڈال کر گلاس کو پانی سے بھرلیا۔ ویرا کے گلاس میں اس نے بہت زیادہ مقدار انڈیلی تھی۔

وہ سوبھراج کے ساتھ ویرا کی ابتدائی ملاقات تھی، اسے ویرا کے بارے میں شاید بہت کچھ معلوم رہا ہو لیکن یہ بات یقینی طور پر اس کے علم میں نہیں تھی کہ ویرا بلانوش تھی۔ شراب بلکہ الکحل کی غیر معمولی مقدار بھی اس کے اعصاب کو ماؤف یا مفلوج نہیں کرتی تھی۔ وہ ویرا کو دانستہ زیادہ شراب پلاکر، اپنی دانست میں مدہوش کرنا چاہ رہا تھا۔ اسے یقین رہا ہوگا کہ ویرا نشے میں دھت ہونے کے بعد اس کے ہر سوال کے جواب میں سچ بولتی چلی جائے گی۔

وہ خوش دلی کے ساتھ ویرا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ویرا نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے فکری کے ساتھ اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ اسے کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا، اکیلے پڑے رہنے سے بہتر تھا کہ اسے کچھ دیر کے لیے سوبھراج کا ساتھ میسر ہوگیا تھا۔

نہ جانے بات کس طرح سیاست کی طرف مڑ گئی اور سوبھراج نے نخوت بھرے انداز میں کہا "میں نے دولت کے ساتھ ساتھ شہرت اور عزت بھی کمائی ہے جس سے ڈینی کا دامن بالکل خالی ہے۔ سیاست کے میدان میں، میں بادشاہ نہیں تو بادشاہ گر ضرور ہوں۔"

"سیاست کے میدان میں اکیلا آدمی کچھ نہیں ہوتا، ساری اہمیت پارٹی کی ہوتی ہے، تم کس پارٹی میں ہو؟" ویرا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کمال کی بات یہی ہے کہ میری کوئی پارٹی نہیں ہے"

بھی میں ہر پارٹی سے زیادہ مضبوط ہوں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ویرا نے بے اعتباری سے کہا۔

"سب پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اپنی پارٹی کے ڈسپلن اور پارٹی کے پابند ہیں۔ میں اپنے اقلیتی ساتھیوں سمیت آزاد ہوں۔ آج ہم اسمبلی میں اپنی حمایت واپس لے لیں تو ذرا سی دیر میں وزیراعظم کا کام تمام ہو جائے گا۔ ہر لیڈر ہمارے گروپ کے تعاون کا خواہاں رہتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ تم اتنی مستحکم سیاسی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود قانون شکنی کے مرتکب ہوتے ہو۔"

اس نے ایک جاندار قہقہہ لگایا اور بولا "قانون میرے گھر کی باندی ہے۔ قانون نے ہم کو پیدا نہیں کیا۔ ہم قانون بناتے ہیں۔ قانون ہمارے اشاروں سے بنتا اور بگڑتا ہے اور اسی سے قانون میں ترمیم ہوتی ہے۔ میں کوئی قانون شکنی نہیں کرتا۔"

"تم بہت بڑے بول بول رہے ہو، کیا بلیک کیٹس والی کہانی میں تمہارا کوئی کردار نہیں تھا؟" ویرا نے تندی سے کہا "قانون افراد نہیں، ادارے تخلیق کرتے ہیں۔"

"اسے بھول جاؤ، بلیک کیٹس کا قصہ اب ختم ہو گیا۔ سیتا کانت کو ڈینی نے مار دیا اور گوپال راج کو پولیس نے پکڑ لیا" اس نے ویرا کی بات کا آخری حصہ نظرانداز کر دیا۔

"گوپال کو پولیس نے پکڑ لیا...!" ویرا حیرت سے بولی "یہ کب کی خبر ہے؟ آج صبح کے اخبار میں تو اس بارے میں کچھ نہیں تھا۔"

"یہ تازہ ترین خبر ہے جو پورے شہر میں گشت کر رہی ہے۔"

ویرا کو یاد آ گیا کہ گوپال کو آئی بی والے اپنی تحویل میں لینا چاہ رہے تھے تاکہ گوپال کو قیدیوں کے تبادلے میں ایک ٹرمپ کارڈ کے طور پر استعمال کر سکیں۔ اس اقدام کے پہلے مرحلے کے طور پر شاید ایس ٹی ایف نے گوپال کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا تاکہ اس معاملے کی تشہیر ہو سکے۔ جب تک بھارتیوں کو یہ علم نہ ہوتا کہ ان کا گوپال نامی بلیک کیٹ کراچی میں پکڑا گیا تھا، سرکاری طور پر تبادلے وغیرہ کے مذاکرات کی ابتدا نہیں کی جا سکتی تھی۔

ایس ٹی ایف والے خاموشی کے ساتھ گوپال کو آئی بی کے سپرد کر دیتے تو وہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اول خان کا روٹین کا ایک فیصلہ تھا جس پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی اس لیے ویرا اس فیصلے سے لاعلم تھی۔

"اگر یہ خبر درست ہے تو پھر تمہارے ستارے گردش میں آنے والے ہیں" ویرا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

سوبھراج اپنے گلاس سے اسکاچ کا گھونٹ لیتے لیتے رک گیا اور چونک کر بولا "کیوں؟ اس کی گرفتاری سے میری صحت پر کیا فرق پڑے گا؟"

"وہ بھی وہ ساری باتیں جانتا ہو گا جو سیتا کانت نے بتائی ہیں۔ پولیس کو پہلے ہی مڑی ہوئی ناک والے حشمت کی تلاش ہے۔"

"میں وی وی آئی پی ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی" وہ برہم ہو کر بولا "جو لوگ ٹیڑھے کھیل کھیلتے ہیں وہ اپنے راستے کھلے رکھتے ہیں۔ مجھے یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ یہاں آنے تک تم بھی ایس ٹی ایف کے اشاروں پر ناچ رہی تھیں۔ میں اب اس ایجنسی کو تباہ کر دوں گا۔ یہ لوگ حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔"

"کیا اس بارے میں تمہیں الہام ہوا ہے؟" ویرا نے سوبھراج کے بنائے ہوئے دوسرے گلاس سے پہلا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میرے آدمیوں نے تمہارے ڈرائیور کا پیچھا کیا تھا۔ وہ راج محل سے سیدھا ایس ٹی ایف کے اڈے گیا تھا" سوبھراج غرایا۔

"گوپال کو پولیس نے پکڑا ہے اور تم ایس ٹی ایف کو کوس رہے ہو" ویرا نے مخمور سا قہقہہ لگا کر اپنی انگلی فضا میں نچائی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ سوبھراج سے تین گنا زیادہ اسکاچ پی لینے کے بعد نشے میں ہونے کی اداکاری ضروری ہو گئی تھی۔

"سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" سوبھراج چیخ کر بولا "میں نے ابھی فون پر ہوم سیکریٹری کو بہت پھٹکارا ہے کہ اب ایس ٹی ایف والے مجھ جیسے معززین کو بھی ہراساں کرنے لگے ہیں۔ میں نے اسے تمہاری گاڑی کا نمبر اور ڈرائیور کا حلیہ بھی دے دیا ہے۔ مجھ سے ٹکرا کر اول خان سراسر خسارے میں رہے گا۔"

"توم..... تم اول خان سے نمٹ لو گے مگر گوپال کا کیا کرو گے؟ پولیس والے اس سے کھایا پیا تک اگلوا لیں گے؟" ویرا نے اسے تپایا۔

"وہ زیادہ دیر تک پولیس کی تحویل میں نہیں رہے گا، اسے کوئی اور ایجنسی اپنی تحویل میں لے لے گی۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہاری ایجنسیاں پولیس سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اول خان بھی ان کی مدد کرے گا۔"

"اول خان گیا بھاڑ میں... تم بلاوجہ میرا دماغ مت

خراب کرو۔ شراب تمہارے دماغ پر چڑھ رہی ہے۔ تم نے کیا اول خان کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

"میں نے رٹ نہیں لگائی۔ بات تم نے شروع کی تھی۔ تم کو میرے ڈرائیور کا پیچھا کرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اپنی ضرورتوں کو میں خود سمجھتا ہوں۔ تم ڈینی کی دست راست ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ تمہیں کھو دینے کے بعد وہ سیدھا ڈینی کی طرف جائے گا اور میں آج رات ہی شب خون مار کر اس کا صفایا کردوں گا لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈینی ایس ٹی ایف والوں کے ٹھکانے پر رہ رہا ہو" ویرا نے ایک شوشا چھوڑا۔

"یہ تم بتاؤ گی کہ وہ کہاں رہ رہا ہے۔" سوبھراج نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اس کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ پورے شہر میں ناچتا پھرتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ دن رات تمہارے ساتھ رہتا ہے؟" سوبھراج بولا۔

"سنی سنائی باتوں پر یقین مت کیا کرو۔ وہ گمراہ کن ہوتی ہیں" ویرا نے اگلا گھونٹ لے کر جواب دیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس سے کہاں کہاں ملتی رہی ہو؟" سوبھراج نے تحکم آمیز آواز میں مطالبہ کیا۔

"وہ بھیڑ بھاڑ سے دور بھاگتا ہے۔ جب بھی ملنا ہوتا ہے میرے پاس آجاتا ہے۔"

"تم کہاں روپوش تھیں؟" ویرا کے مختصر اور گول مول جوابات پر وہ جھنجلانے لگا۔

"میں اپنے گھر میں تھی، تم نے وہاں سے بے گھر کردیا۔ اب راج محل میرا گھر ہے۔"

"میں تم سے تمہارا اگلا پچھلا پتا پوچھ رہا ہوں" سوبھراج نے اصرار کیا۔

"وہ بے کار ہے، میری غیر موجودگی میں وہ بھول کر بھی اس چوہے دان کا رخ نہیں کرے گا۔ وہ بہت مکار اور خود غرض ہے۔"

"کبھی تم اس کے گن گانے لگتی ہو، اب اسے مکار اور خود غرض قرار دے رہی ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"اس کے ساتھ رہ کر اس کے گن گانے پڑتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مفاد کے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتا۔ اسی وجہ سے وہ اب تک اپنے دشمنوں سے بچا ہوا ہے۔"

"پھر بھی تم اس کے قریبی ساتھیوں میں شامل ہو!"

"یہ میری مجبوری ہے۔ اس کے ساتھ رہ کر میں اتنی دور نکل گئی ہوں کہ اب میری واپسی ممکن نہیں رہی۔ میں چاہوں بھی تو اپنے دامن سے اس کی شناخت نہیں مٹا سکتی۔ حد یہ ہے کہ میرے ہم وطن بھی مجھے اس کا دست راست سمجھتے ہیں اور میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔"

"کیا تم ان حالات سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو؟" سوبھراج نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ میں بھاگتے بھاگتے اکتا گئی ہوں" ویرا کی آواز بوجھل ہوگئی۔

"میں تمہاری کیفیت کو سمجھ رہا ہوں" سوبھراج نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر اسے تسلی دی "اس وقت تم نشے میں ہو اس لیے مجھے یقین ہے کہ سچ بول رہی ہوگی۔ اگر تم مجھ پر بھروسا کرو تو یہ سب بدل سکتا ہے۔ میں تمہیں ڈینی کے سحر سے آزاد کرا سکتا ہوں۔"

"آزاد ہو کر بھی میں اس کے نام کی قیدی رہوں گی۔ انعام کے لالچی دن رات میری تلاش میں لگے رہیں گے۔"

"بہت سے بارسوخ امریکی میرے قریبی دوست ہیں، میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری بات سمجھ لیں گے" اس نے پریقین لہجے میں کہا۔ ویرا کی چکنی چپڑی باتوں کے چکر میں پڑ کر وہ اس کی کمین گاہ کا پتا ٹھکانا سب فراموش کر بیٹھا تھا۔

"جب تک ڈینی والے اشتہار سے میرا نام واپس نہیں لیا جاتا، میں سکھ کا سانس نہیں لے سکوں گی۔ ویرا نے دھیرے دھیرے پھیلنا شروع کردیا۔

"میری بات بن گئی تو ایسا بھی ہوجائے گا۔ میرے امریکی دوستوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

ویرا نے اسے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے اس امر سے سراسر انکاری تھا کہ اس کا امریکیوں سے بھی کوئی ربط ضبط ہے۔

"تم اپنے کن امریکی دوستوں کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے بے پروایانہ انداز میں پوچھا۔

"ان کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں سے کم از کم دو تو اس وقت بھی کراچی میں موجود ہیں۔ تم نے ڈینی کی زبان سے ان کے نام سنے ہوں گے۔"

"ڈینی کسی کو بھی ضرورت سے زیادہ اعتماد میں نہیں لیتا" ویرا نے اسے کورا جواب دے دیا۔

"ایف بی آئی کا نک ہاروے اور سی آئی اے کا ٹام

پیٹرک میرا دوست ہے" سوبھراج نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد فخر سے بتایا۔

"اونہہ!" ویرا کا منہ بن گیا "واشنگٹن اور رور جینیا میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ کوئی تمہاری بات نہیں سنے گا۔"

سوبھراج سرک کر ویرا کے قریب ہو گیا اور اپنا داہنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر بولا "یہ دونوں امریکا میں نہیں، کراچی میں ہیں۔"

ویرا خود شراب پی رہی تھی لیکن اسے سوبھراج کے منہ سے آنے والے بھپکے ناگوار لگ رہے تھے۔ وہ ویرا سے تقریباً جڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ کراچی میں ہیں تو مجھے اور ڈینی کو پکڑنے کے لیے آئے ہوں گے۔" ویرا نے معصومیت سے اندیشہ ظاہر کیا۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اسکاچ کے سرور میں آنے کے بعد سوبھراج کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا اور وہ اس پر جھکا پڑ رہا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ بے تکلفی سے ویرا کے شانے پر رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے اس میں کسی مزید پیش رفت کی ہمت پیدا نہیں ہو پا رہی تھی۔

"تم دیکھ لو۔ ان سے بات کرو، اگر وہ مجھ کو ڈینی سے نتھی نہیں کرتے تو میں پہلی فرصت میں ڈینی سے الگ ہونا چاہوں گی۔"

"مجھے ولایتی عورتیں اچھی لگتی ہیں" ویرا کے سدا بہار پیکر کے لمس سے سوبھراج کی عقل پر کہر جمنی شروع ہو گئی "تم چاہو گی تو تمہیں راج محل میں ملازمت مل جائے گی۔"

"تم نشے کی جھونک میں میرے اوپر ڈھلکے پڑ رہے ہو۔ ذرا سیدھے ہو کر بیٹھو۔ تمہارے بوجھ سے میری کمر میں درد ہونے لگا ہے" ویرا نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے لیے سوچ سمجھ کر قدرے الجھن کے ساتھ کہا۔

"اوہو.... عورت کا نام کچھ بھی ہو، وہ ہمیشہ عورت ہی رہتی ہے" یہ کہہ کر سوبھراج نے اپنا گلاس تیزی سے خالی کر دیا۔ اس نے اپنے دونوں گلاس بہت ہلکے بنائے تھے لیکن اس کے پینے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس بار ویرا نے اس کے لیے تیسرا گلاس بنایا تو اس میں پانی اور اسکاچ کی مقدار تقریباً برابر تھی۔ سوبھراج اسے دیکھتا رہا لیکن اس نے اسکاچ کی مقدار بڑھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"اس وقت میرے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" قدرے توقف کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"تم بہت خوبصورت اور پرکشش معلوم ہو رہی ہو" سوبھراج نے نیچی آواز میں کہا۔

ویرا زبردستی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "یہ بات تو مجھے پہلے سے معلوم ہے۔ میں یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ مجھے کب تک یہاں رہنا ہو گا؟"

"فی الحال تم یہیں رہو گی" وہ اتنا بھی نہیں کہا تھا کہ موج میں آ کر ویرا کو آزادی کی نوید سنا دیتا۔ اس کا اپنا ہاتھ یکایک ویرا کے شانے سے پھسل کر اس کی کمر کے گرد حمائل ہو گیا۔ وہ ویرا کے بالوں میں اپنا منہ گھسا کر گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا "آؤ۔ بستر پر آ جاؤ۔ بیٹھے بیٹھے تمہاری کمر کا درد بڑھ جائے گا۔"

ویرا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر مسہری کی طرف چل دی۔ اپنا گلاس اس نے دانستہ ٹرالی پر چھوڑ دیا تھا۔ سوبھراج نے بھی اس کی تقلید کی اور اپنا گلاس لیے مسہری کی طرف بڑھا۔ اس کے بیٹھنے سے پہلے، ویرا لڑھک کر مسہری کے دوسرے کنارے پر چلی گئی۔

"تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟" سوبھراج نے شکایتی لہجے میں پوچھا۔

"میں یہاں آئی تو مطلع ابر آلود تھا اور بھیگی ہوئی ہلکی ہوا چل رہی تھی" ویرا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا "کراچی میں ایسا سہانا موسم کبھی کبھی آتا ہے۔ اس بند کمرے میں وقت گزارنے کے بجائے کیوں نہ ہم باہر گھومنے چلیں" وہ سوبھراج کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر ذہنی پراگندگی کا شکار ہو گئی تھی۔

"میں گھر میں آزاد ہوتا ہوں۔ باہر مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کسی اخباری نمائندے نے ہمیں دیکھ لیا تو صبح کے اخبار ایک اسکینڈل کھڑا کر دیں گے" کسی حد تک مدہوش ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ ہوش کی باتیں کر رہا تھا "شہرت ہو جانے سے فائدے کے ساتھ ساتھ کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔"

"تمہاری مرضی!" ویرا نے مایوسی سے کہا "تم باہر جانے سے ڈرتے ہو تو پھر یوں ہی سہی!"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا، اپنی عزت سے ڈرتا ہوں۔ اگر کوئی کام نکل آئے تو میں آدھی رات کو بھی باہر نکل سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ باہر کی ہوا خوری مشکل ہے۔"

"تو چلو.... پھر ڈینی کو ڈھونڈنے چلتے ہیں؟" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد نئی تجویز پیش کر دی۔

"اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈیں گے؟ ابھی تم

خود کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

"میں اس بات پر اب بھی قائم ہوں" وہ بھولا ہوا تذکرہ چھیڑ کر ویرا خوش نہیں تھی لیکن وہ سوبھراج کے قرب سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے ٹالنے کے لیے کوئی جان دار عذر ضروری تھا "میرا اندازہ ہے کہ اس وقت وہ کلفٹن میں اپنے ایک دوست کے فلیٹ پر مل سکے گا۔"

"یہ بات تم مجھے اب بتا رہی ہو.... مجھے اس فلیٹ کا پتا بتاؤ" سوبھراج سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں وہاں پہنچا سکتی ہوں۔ اس فلیٹ کا پتا مجھے معلوم نہیں ہے" ویرا نے سادگی سے کہا۔

ان لمحات میں یکایک میرا ذکر چھیڑتے ہوئے جہاں وہ سوبھراج کی رومان زدگی سے نجات کی خواہاں تھی وہیں اس کے ذہن میں یہ خیال بھی جاگزیں تھا کہ ہم لوگ اس کی طرف سے غافل نہیں رہے ہوں گے۔ اس کی بازی الٹنے کے ساتھ ہی کسی نہ کسی کو راج محل کے آس پاس مامور کر دیا گیا ہوگا۔ جیسے ہی اسے راج محل سے باہر نکالا جائے گا، ہم لوگ اس کی رہائی کے لیے حرکت میں آجائیں گے۔

"یہ بات تمہیں اسی وقت بتا دینی چاہیے تھی جب میں تم سے ڈینی کا پتا ٹھکانا پوچھ رہا تھا؟" اس نے ویرا سے شکوہ کیا۔

"تم نے خود ہی وہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی" ویرا نے اپنی صفائی پیش کی "اس وقت بھی یہ ذکر میں نے نکالا ہے۔"

"اگر کہیں بھی اس کے ملنے کا امکان موجود ہے تو ہمیں ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔ اس وقت میرے لیے ڈینی بہت اہم ہے۔"

"مجھے اس کے کم از کم دو ٹھکانوں کا علم ہے" ویرا نے اسے مزید اکسانے کی نیت سے کہا "ایک کلفٹن میں جہانگیر کا فلیٹ ہے اور دوسرا گلشن کا ایک گھر!"

"یہ جہانگیر وہی تو نہیں جس کی لی مارکیٹ کے علاقے میں فارمیسی ہوا کرتی تھی!" سوبھراج نے چونک کر پوچھا۔

"بالکل وہی... مگر تم اس کو کیسے جانتے ہو؟" ویرا نے حیرت ظاہر کی۔

"ایک اچھے سیاست داں کو ہر وقت اپنے ملک اور شہر کے حالات سے باخبر رہنا پڑتا ہے۔ شاید انڈرورلڈ کے کچھ لوگوں نے اس کی فارمیسی کو آگ لگا دی تھی جس کے نتیجے میں اوپر کی منزل پر رہنے والے ایک خاندان کا بچہ جل کر مر گیا تھا" سوبھراج نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک پہنچے ہو۔ تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" ویرا نے اعتراف کیا۔

سوبھراج نے اپنی جن معلومات کا اظہار کیا تھا، ان کا سیاست سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ ویرا یہ بات اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ باتیں اسے بن ڈیوڈ اور رنک وغیرہ کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی مگر وہ سوبھراج کے کسی دعوے پر اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اسے راج محل کی حدود سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔

"جہانگیر کا نام لے کر تم نے اپنی بات میں وزن پیدا کر دیا ہے" سوبھراج قدرے پرجوش لہجے میں بولا۔ "تم اسی وقت نکل جاؤ، وہ کلفٹن میں نہ ملے تو گلشن میں بھی ضرور دیکھنا۔"

"میں نکل جاؤں؟" ویرا نے حیرت سے کہا "تو کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گے؟"

"نہیں، میں نہیں جا سکوں گا۔ اس وقت میں نے تھوڑی سی زیادہ پی لی ہے، باہر کی ہوا لگی تو نشہ گہرا ہو جائے گا۔"

"میں اکیلی کہاں دھکے کھاتی پھروں گی" ویرا کو سوبھراج کے انکار پر غصہ آگیا۔

"ارے ڈارلنگ! تم بلاوجہ انگریزی میں خفا ہو رہی ہو۔ میرے چار بہترین لڑاکا آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ ڈینی مل گیا تو وہ چاروں کسی جنگلی سور کی طرح اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے یہاں لے آئیں گے، وہ تمہارے محافظ بھی ہوں گے، تم ان کے ساتھ یہاں لوٹ آؤ گی" اس نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

ویرا نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ سوبھراج اس کا چہیتا نہیں تھا۔ وہ اسے ہمارے ممکنہ نشانے پر لانے کے لیے راج محل سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خبیث اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے شہر بھر کے اخباری نمائندے ساری دنیا کو بھول بھال کر دن رات اس کی سرگرمیوں کی کوئی خبر یا تصویر حاصل کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ اگر وہ اپنے بل سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں تھا تو اسے بھاڑ میں ڈالا جائے۔ ویرا کو راج محل کی منحوس چار دیواری سے باہر نکلنے کا موقع میسر آرہا تھا تو اسے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

وہ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والی بہت بڑی تبدیلی تھی۔ ابتدا میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ویرا کو دوبارہ کھلا آسمان دیکھنا نصیب نہیں ہو سکے گا اور آخر کار وہی عمارت اس کا مقتل اور مدفن بنا دی جائے گی لیکن ویرا نے اپنی پیہم

کوششوں سے سوبھراج کو یہ باور کرادیا تھا کہ وہ خود بھی میرے ستائے ہوئے لوگوں میں شامل تھی۔ اس وقت کی صورت حال ویرا کے لیے بہت حوصلہ افزا تھی۔ وہ موقع ضائع کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہوتا۔

"اس وقت میں صرف تمہارے ساتھ باہر جانا چاہ رہی تھی۔ تمہارا موڈ نہیں بن رہا تو پھر میں ہی چلی جاتی ہوں۔ تم میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔"

"بات ڈینی کی نہ ہوتی تو اس وقت میں تمہیں باہر نہ بھیجتا۔ یہ فیصلہ کرکے میں ایک نپا تلا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ لوگ کہتے رہے ہیں کہ تم دونوں بہت چالاک اور مکار ہو مگر میرا تجربہ بتاتا ہے کہ اس وقت تم نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔ تم اپنی ذات پر ڈینی کی چھاپ سے زچ آچکی ہو....."

سوبھراج پورے اعتماد سے بول رہا تھا کہ ویرا درمیان میں بول پڑی۔

"تمہیں ذرا سا بھی شبہ ہے تو تم اب بھی اپنا فیصلہ بدل سکتے ہو۔ میں باہر جانے پر اصرار نہیں کروں گی۔"

"نہیں.... تم ضرور جاؤ گی" سوبھراج نے زور دے کر کہا "ڈینی کی گردن دبوچنے کے لیے میں ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔ اس کی آزادی کا ایک ایک لمحہ میرے لیے بھاری ہو رہا ہے۔ اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ اب اسے میرے سامنے خاک چاٹنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

ویرا میرے بارے میں اس کے اضطراب کو خوب سمجھ رہی تھی۔ اس کو سب سے زیادہ میری فکر تھی کیونکہ میں اس کے سارے کرتوتوں سے واقف ہوچکا تھا۔ وہ باتیں ویرا سمیت دوسروں کے علم میں بھی تھیں مگر سوبھراج کو یہ غلط فہمی تھی کہ میں نے دوسروں کو ان باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ اس کے خلاف سارا مواد میرے سینے میں محفوظ تھا۔ جب تک میں آزاد اور زندہ تھا' سوبھراج کی عزت' ساکھ اور سلامتی' سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ وہ مجھے مار کر ہی اپنی دانست میں اپنا بچاؤ کرسکتا تھا۔ اس پس منظر میں میری سرکوبی کے لیے اس کا حد سے بڑھا ہوا تجسّس واضطراب قطعی فطری تھا۔ میرے خاتمے کے لیے اگر اسے ویرا سے ہاتھ دھونے پڑتے تو وہ اس کے لیے بھی تیار تھا۔

سوبھراج کے لیے ویرا کی حیثیت محض ایک یرغمالی کی سی تھی۔ اس کا اصل تصادم مجھ سے تھا۔ ویرا نے اسے میری مکاری اور خودغرضی کی جو داستان سنائی تھی وہ سوبھراج کے لیے ضرورت سے زیادہ اثر انگیز ثابت ہوئی تھی۔ شاید اس کے دل میں اس خدشے نے بھی سر ابھارا ہو کہ میں کسی وقت ویرا کے انجام کی پروا کیے بغیر کہیں سوبھراج کو بے نقاب نہ کردوں۔ ایسی صورت میں اس کے لیے ویرا قطعی بے مصرف ثابت ہوتی۔ وہ اس کو مار کر بھی میرے وار کا ازالہ نہیں کرسکتا تھا۔

"تم ڈینی کے خلاف بھڑکے ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے چلا ہی جانا چاہیے!" ویرا نے اس کے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا۔

سوبھراج نے قریبی تپائی سے انٹرکام اٹھا کر کسی کو گاڑی کو بھیجنے کے بارے میں ہدایت دی اور ریسیور رکھ کر دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

❂✲❂

"مجھے یہ رات کالی ہوتی نظر آرہی ہے" سلطان شاہ انفرا ریڈ دوربین آنکھوں سے لگائے ہوئے بڑبڑایا "پچھلے ڈیڑھ گھنٹوں میں راج محل سے یہ دوسری گاڑی باہر نکلی ہے اور اس میں بھی ڈرائیونگ سیٹ پر صرف ایک آدمی نظر آرہا ہے۔"

"ایک وقت میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ہی آدمی ہوسکتا ہے۔ کیا تم اس کی گود میں کسی اور کی موجودگی کی توقع کر رہے تھے؟" میں نے قدرے ترشی سے پوچھا۔

"یہ مطلب نہیں تھا میرا.... دراصل گاڑی میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا" اس نے دوربین اپنی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"گاڑی کی سیٹ کے علاوہ پائیدان میں بھی کوئی وجود پوشیدہ ہوسکتا ہے" اول خان نے مزہ لینے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

پارکنگ لائٹس کی روشنی میں راج محل کے پھاٹک سے برآمد ہونے والی کار کے ہیڈ لیمپس جل اٹھے اور وہ تیزی سے ایک طرف گھوم کر آگے روانہ ہوگئی۔

"یہ انفراریڈ دوربین ہے' اندھیرے میں ضرور دکھاسکتی ہے۔ آہنی چادر کے پیچھے چھپی ہوئی چیزوں کو دکھانا اس کی بساط سے باہر ہے۔" سلطان شاہ نے تنک کر کہا "یہ تم لے لو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں آنے کے بعد یہ دوربین زیادہ کمالات دکھاسکے" اس نے دوربین میری طرف بڑھائی۔

"تم برا مان گئے۔ وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ شغل بھی ضروری ہے۔ ہم صرف کام میں لگے رہے تو بہت جلد اکتا جائیں گے" اول خان ہنس کر بولا۔

فون پر سوبھراج سے بات ہونے کے بعد میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ ویرا کو زیادہ دیر تک راج محل میں قید نہیں رکھے گا۔ ایک آدھ رات گزارنے کے بعد اسے کہیں اور منتقل کردے گا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت سنگین اور فوری توجہ کی متقاضی تھی۔ میں غزالہ اور اول خان کے ساتھ دیر تک اسی بحث میں الجھا رہا۔ اسی دوران میں سلطان شاہ اسٹیشن فوری سیر کرکے ٹیکسی کے ذریعے ہانپتا کانپتا گھر آپہنچا۔

اس کی رپورٹ حوصلہ افزا تھی۔ اس سے ملاقات ہونے تک ویرا پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ مگر وہ مسلح آدمیوں کے نرغے میں پورچ تک لائی گئی تھی۔

سلطان شاہ کی آمد اور رپورٹ کے بعد ہماری گفتگو میں نئی جان پڑگئی۔ آثار بتارہے تھے کہ ویرا قید ضرور کرلی گئی تھی لیکن راج محل میں اس کے ساتھ بوجوہ شریفانہ سلوک کیا جارہا تھا۔

ویرا ہم میں سے تھی۔ اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ مشترکہ طور پر یہ طے ہوا کہ غزالہ کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں فوری طور پر راج محل کی طرف دوڑ لگادیں۔ غزالہ کو گھر پر کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہاں ایس ٹی ایف کے دو مسلح گارڈز ہر وقت موجود رہتے تھے۔

غزالہ نے بھی ہمارے ساتھ چلنے کی ضد نہیں کی۔ اس معاملے میں اس کا مزاج ویرا سے بالکل مختلف تھا۔

اول خان کی تجویز اور ہدایت پر اس کے ایک آدمی نے اس کی لینڈ روور کی اگلی اور پچھلی نمبر پلیٹوں پر اچھی طرح گیلی مٹی مل دی تاکہ ہمارا کوئی حریف اتفاقی طور پر گاڑی کا نمبر نوٹ نہ کرسکے۔ اس مختصر سی احتیاط کے ساتھ تینوں فوری طور پر سوبھر بازار کی طرف روانہ ہوگئے۔

سلطان شاہ ویرا کو لے کر وہاں پہنچا تو ہر طرف ابتدائی شام کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ راج محل سے باہر، ویرا کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے اس نے دو مقامات کا تعین کرلیا تھا جہاں سے آسانی کے ساتھ راج محل کے داخلی راستے کی نگرانی کی جاسکتی تھی۔ اس نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ ہمیں کسی نہ کسی وقت اس عمارت کا گھیراؤ کرنے کی ضرورت پیش آجائے گی۔

ایسی ناگہانی مہمات کے لیے اول خان کی گاڑی ہر وقت ضروری سازوسامان سے لیس رہتی تھی۔ اسی میں انفراریڈ دوربین بھی شامل تھی جو گھور اندھیرے میں سو میٹر دور تک کی چیزیں دکھانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ دوربین سفر کے آغاز ہی میں سلطان شاہ کے حوالے کردی گئی تھی۔

ہم تینوں بہت برق رفتاری سے ٹھیک سات بجے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہم نے شاہانہ رفتار کے ساتھ مین روڈ سے گزرتے ہوئے، راج محل کا گہرا جائزہ لیا اور پھر لینڈ روور سلطان شاہ کی منتخب کی ہوئی ایک گلی میں داخل کردی جہاں گھنے درختوں کی وجہ سے زیادہ اندھیرا تھا۔

اول خان نے اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالا ہوا تھا۔ میں اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ سلطان شاہ ہم دونوں کے پیچھے پوری نشست پر قابض تھا۔ اس گلی میں کافی دور نکل جانے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی گھمائی اور روشنیاں گل کرکے لینڈ روور کو دوبارہ گلی کے سرے تک لاکر، گھنے درختوں کے نیچے پارک کردیا۔ درختوں کے ساتھ ہی ایک بوسیدہ دیوار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک خستہ حال عمارت کا منہدم ڈھانچا کنکریٹ اور پتھروں کے اونچے انبار کی صورت میں نظر آرہا تھا۔

اس مقام سے راج محل کا پھاٹک براہِ راست ہماری آنکھوں کی زد میں تھا۔ پھاٹک کے اونچے ستونوں پر خاصی تیز روشنی موجود تھی جو دور تک پھیل رہی تھی لیکن چراغ تلے اندھیرے کے مصداق، پورا پھاٹک اندھیرے میں ڈوبا ہوا مہیب سا لگ رہا تھا۔

ہمارے وہاں پہنچنے کے بیس پچیس منٹ بعد اندر سے ایک پرانی سی کار باہر نکلی جس میں ملازمانہ وضع قطع کا ایک ادھیڑ عمر شخص سوار تھا۔ اس گاڑی کی ظاہری حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے کسی تیز ترین مجرمانہ کارروائی کے لیے استعمال میں لایا جاتا۔ ڈیڑھ گھنٹے کی مدت میں اندر سے دوسری گاڑی وہ نکلی تھی جس کے بارے میں تینوں نے کوئی نہ کوئی رائے زنی کی تھی۔ اس دوران میں باہر سے کوئی اس احاطے میں داخل نہیں ہوا تھا۔

"ایسا نہ ہو کہ ویرا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر راج محل میں آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ آزاد خیال مغربی لڑکیاں ایسے معاملات میں بہت متلون ہوتی ہیں۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ بولا۔

"کم از کم اس وقت تو اس کے بارے میں ایسے بے رحمانہ انداز میں نہ سوچو۔ پتا نہیں وہ اندر کن حالات کا سامنا کررہی ہوگی۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"یہ تشویش مجھے بھی ہے۔ تم یقین نہیں کروگے کہ جب اس نے پورچ میں آکر مجھ سے بات کی تو اس کے منہ سے بیئر کی بو آرہی تھی۔"

"تم کیا جانو کہ بیئر کی بو کیا ہوتی ہے!" اول خان نے اعتراض کیا۔
"میں نے کبھی نہیں پی لیکن پینے والوں کے ساتھ ایک مدت سے رہ رہا ہوں۔ مجھے تھوڑی بہت پہچان آ گئی ہے۔" وہ بولا۔
"اپنی تصحیح کرلو۔ تم پینے والوں کے ساتھ نہیں' صرف ایک پینے والی کے ساتھ رہ رہے ہو۔" میں نے کہا۔
"تم کچھ عرصے سے تائب ہوگئے ہو تو کیا ہوا' پہلے تم بھی پرانے پاپی تھے۔ میں نے اصل باریکیاں تمہارے ساتھ رہ کر ہی سیکھی ہیں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"تم نے کیا باتیں نکال لیں۔" اول خان نے دخل اندازی کی "یہ بھلی باتوں کا وقت ہے۔"
"میں وقت گزاری کے لیے ذرا شغل کر رہا تھا ورنہ میرا دل بھی ویرا کے لیے پریشان ہے۔" سلطان شاہ کی آواز سوگوار ہوگئی۔ "اس کو اپنی غلطی اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے یہ وقت دیکھنا پڑا ہے۔ کبھی کبھی وہ اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔"
"کچھ پتا نہیں کہ اس وقت اندر کی کیا صورتِ حال ہے۔" اول خان نیچی آواز میں بڑبڑایا "اگر وہ ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسے نکال کر کہیں لے گئے ہیں تو ہم ساری رات یہاں جھک مارنے کے باوجود کوئی نتیجہ حاصل نہیں کر پائیں گے۔"
"ویرا کی طرح مجھے سوبھراج بھی اپنے بارے میں بہت خوش گمان اور بڑا اعتماد معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "اس نے ویرا کو نکالنے میں عجلت سے کام نہیں لیا ہوگا۔ وہ کوئی عاجلانہ فیصلہ کر چکا ہوتا تو ویرا' سلطان شاہ کو بریفنگ کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور دے دیتی۔"
"ہم دونوں سب سے الگ تھلگ تھے۔" سلطان شاہ نے میری توثیق کرتے ہوئے کہا "وہ جو چاہتی' کہہ سکتی تھی۔ تم نے بتایا ہے کہ تمہاری اس سے سوا پانچ بجے فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ راج محل میں مجھ سے تقریباً چھ بجے ملی تھی۔ اس درمیانی مدت میں اس کے سوبھراج سے مذاکرات ہوتے رہے ہوں گے۔ اسے اپنی فوری منتقلی کا ذرا سا بھی اشارہ مل جاتا تو وہ مجھے ضرور کچھ نہ کچھ بتا دیتی۔ میرا اندازہ ہے کہ ابھی وہ اندر ہی ہوگی۔"
"خدا کرے تمہارا اندازہ درست ہو۔" اول خان نے دعائیہ لہجے میں کہا "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے گاڑی کے کیبن میں خاموشی چھا گئی۔ ہم تینوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔
پھر پھاٹک میں جنبش ہوئی۔ انفرا ریڈ دوربین سلطان شاہ کی آنکھوں سے جا لگی۔
پھاٹک اندر کی طرف کھلنا شروع ہوا تو گیٹ لیمپس کی روشنی میں بننے والے' ستونوں کے سائے میں ایک پجیرو نظر آئی۔ وہ قدرے تاریکی میں تھی اس لیے اس میں موجود سواروں کی تعداد کا اندازہ نہیں ہو سکا مگر سلطان شاہ کی اضطراری آواز نے وہ مسئلہ اسی دم حل کر دیا۔
"ویرا پچھلی سیٹ پر دو آدمیوں کے درمیان موجود ہے۔" وہ دوربین آنکھوں پر جمائے نیم ہذیانی انداز میں بول رہا تھا "دو آگے ہیں۔ چار آدمیوں کا قافلہ اسے کہیں لے جا رہا ہے۔ انجن اسٹارٹ کرلو۔ وہ کسی بھی لمحے چل پڑیں گے۔"
اول خان نے بلا تاخیر اپنی لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔
پجیرو والوں کو کسی کا نہیں' صرف پھاٹک کھلنے کا انتظار تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ تیزی سے سڑک پر آ گئے۔ گاڑی آگے بڑھانے سے پہلے انہوں نے اپنے ہیڈ لیمپس روشن کر لیے تھے۔ اگر ہم تینوں بروقت نیچے نہ جھک گئے ہوتے تو ہمارے چہرے مڑتی ہوئی پجیرو کی تیز روشنی میں نہا جاتے۔
چند ثانیوں کے فرق سے اول خان نے اپنی لینڈ روور کمال ہوشیاری سے ان کے پیچھے لگا دی۔
پجیرو چڑیا گھر کی عقبی سڑک پر پہنچی تو ہمیں اس کی سمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن اس کے گارڈن روڈ پر' بائیں طرف مڑتے ہی یہ تعین ہو گیا کہ پجیرو پرانے شہر کے مرکزی علاقے میں داخل ہوگی یا وہاں سے گزرے گی۔
"رفتار بڑھاؤ اور ذرا سی دیر کے لیے ان سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔" سلطان شاہ' اول خان کی پشت پر ہاتھ مار کر بے چینی سے بولا "اگلے سگنل پر دوبارہ ان کے پیچھے ہو لینا۔"
"جلدی کرو' فاصلہ کم ہے۔ سلطان شاہ صحیح کہہ رہا ہے۔" میں نے ہیجانی آواز میں اس کی تائید کی۔
اس وقت ویرا پجیرو میں اپنے چار مسلح دشمنوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ راج محل والے اس کے ساتھ دوستانہ انداز میں پیش آئیں گے۔ وہ چاروں اسے کہیں بھی لے جا رہے ہوں' ویرا کا ہراساں اور چوکنا ہونا لازمی تھا۔ ہماری لینڈ روور برق رفتاری کے ساتھ

ان کے برابر سے گزرتی تو ویرا کا اس کی طرف متوجہ ہونا لازمی تھا۔ وہ اول خان کی گاڑی کو نہ پہچانتی تب بھی ہمارے شناسا چہرے اس کے دل میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیتے اور وہ ذہنی طور پر کوئی نیا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتی۔

وہ ایک اہم اور تیز ترین فیصلہ تھا۔ اس میں صرف ایک خرابی تھی کہ چند گھنٹے پہلے متعدد افراد سلطان شاہ کو راج محل میں دیکھ چکے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی ان چاروں میں بھی شامل تھا اور وہ سلطان شاہ کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتا تو اپنے ساتھیوں کو کسی خوں ریز تصادم کے خطرے سے ہوشیار کر دیتا۔

''تم پائیدان میں دبک جاؤ۔'' میں نے وہ اندیشہ ذہن میں آتے ہی مڑ کر سلطان شاہ سے کہا۔ اس اثنا میں اول خان لینڈ روور کی رفتار بڑھا کر لمحہ بہ لمحہ پجیرو سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

سلطان شاہ اس وقت ذہنی طور پر حاضر اور بہت فعال تھا۔ وہ میری ہدایت کی اہمیت کو سمجھ کر کچھ کہے بغیر نیچے جھک گیا۔ اس کا پورا وجود کھڑکی سے نیچے' آہنی دروازے کے اوٹ میں چھپ چکا تھا جس کے نتیجے میں اس کا باہر سے دیکھا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔

سوبھراج نے پجیرو میں شاید شہدے قسم کے آدمیوں کو بھیجا تھا۔ وہ اپنے پیچھے بڑھتی ہوئی لینڈ روور کو عقب نما آئینے میں دیکھ کر یہ سمجھے کہ ہم شہر کی اس مصروف سڑک پر ان سے ریس لگانے کے موڈ میں ہیں۔ انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔

میں نے پلٹ کر ایک نگاہ سلطان شاہ پر ڈالی۔ وہ بدستور اپنی نشست میں دبکا اور سمٹا ہوا تھا۔ اگلی پجیرو کی رفتار میں یکایک تیزی آتے ہی اول خان تاؤ میں آگیا۔ اس کی لینڈ روور کا انجن بہت جان دار تھا۔ اس نے نچلا ہونٹ اپنے دانتوں میں دبا کر انجن کو تیسرے گیئر میں لوٹایا اور پھر لینڈ روور کی رفتار بڑھتی ہی چلی گئی۔ درمیانی فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ خم دار سڑک پر اول خان نے ان کی داہنی جانب سے آگے نکلنا چاہا تو پجیرو والے نے سائیڈ دبا کر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس وقت اول خان پر جنون سوار ہو چکا تھا۔ بریک استعمال کیے بغیر اس نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے ان دونوں گاڑیوں میں خوفناک تصادم ہو گا اور ان میں سے کوئی نہ کوئی گاڑی سڑک پر پہلو کے بل الٹ جائے گی۔

وہ ہولناک خطرہ پجیرو کے ڈرائیور نے بھی بھانپ لیا۔ لینڈ روور کی رفتار اور ہارن کے شور سے اسے ہمارے تیوروں کا اندازہ ہو چکا تھا۔ دونوں گاڑیوں کے بغلی تصادم میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کہ پجیرو والے نے اپنی گاڑی اچانک بائیں طرف کاٹ کر وہ سنگین خطرہ ٹال دیا۔

اول خان فاتحانہ انداز میں اس کی سائیڈ دباتا ہوا آگے نکل گیا۔

اگر ہم عام رفتار اور انداز میں پجیرو سے آگے نکلتے ہوتے تب بھی ویرا ہمیں ضرور دیکھ لیتی۔ پجیرو کے ڈرائیور نے اپنی حماقت سے اوور ٹیکنگ کے آخری لمحات کو اس قدر ہولناک اور اعصاب شکن بنا دیا تھا کہ دونوں گاڑیوں کے سوار اعصاب زدگی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

پجیرو کے برابر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ویرا وحشت زدہ انداز میں ہماری گاڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گاڑی اور پھر دو چہروں کو پہچانتے ہی اس کے بشرے پر بشاشت' طمانیت اور سکون کی جو لہر دوڑی' میں بس اس کی ایک جھلک دیکھ سکا اور پھر ہم پجیرو سے آگے تھے۔

میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ ہم نے اس خطرناک اوور ٹیکنگ کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ سوبھراج کے چار آدمیوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ویرا کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسے غنیم کے مقابلے میں کمک پہنچ چکی تھی۔ ہم سڑک پر دوڑ لگا کر کوئی موقع تلاش کر رہے تھے' ویرا اندر سے کوئی گھات لگا سکتی تھی۔

''جب تک میں آواز نہ دوں' نیچے ہی چھپے رہنا۔'' میں نے تیز لہجے مگر دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا ''میدان صاف نہیں ہوا ہے۔ ابھی ہم ان سے آگے نکلے ہیں۔ اب ان کو آگے جانے کا موقع دیا جائے گا تاکہ وہ راستے سے کہیں غائب نہ ہو سکیں۔''

امکان کم تھا مگر اس خطرے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہم زیادہ دور تک انہیں اپنی گاڑی سے آگے نکلنے کا موقع نہ دیتے تو وہ راستے میں کہیں بھی اچانک دائیں بائیں مڑ کر ٹریفک کی بھیڑ میں غائب ہو جاتے۔ جب تک ہم یوٹرن لے کر واپس اسی موڑ پر پہنچتے تو وہ ویرا سمیت غائب ہو چکے ہوتے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب انہیں یہ شبہ ہو جاتا کہ ہم ان سے محض ریس نہیں لگا رہے تھے بلکہ کسی خاص مقصد کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

اگلے سگنل پر بتی سرخ تھی۔ اول خان نے ڈرائیونگ کے کرتب دکھا کر سب سے آگے نکلنے سے گریز کرتے ہوئے

اپنی قطار میں لینڈ روور روک دی۔ اس کے آگے متعدد چھوٹی بڑی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ پجیرو والے نے اپنی دانست میں وہ موقع غنیمت جانا اور انتہائی بائیں جانب سے وہ سیدھا اندر گھستا چلا گیا۔ ہمارے برابر سے گزرتے ہوئے اس نے کسی سبب یا ضرورت کے بغیر، فاتحانہ انداز میں لمبا ہارن بجایا تھا۔

"اس وقت سلطان شاہ کی آنکھوں کے ساتھ عقل بھی خوب کام کر رہی تھی۔" اول خان نے اپنے مختصر مگر سنسنی خیز تجربے کے سرور میں آ کر کہا "دوسری گاڑی میں واقعی ویرا موجود ہے اور اس نے دہری اوور ٹیکنگ میں ہم دونوں کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

"مجھے کام کی ایسی سزا تو نہ دو!" پیچھے سے سلطان شاہ کراہا "اگر وہ آگے نکل چکے ہوں تو مجھے سیدھا ہونے کی اجازت دے دو!"

"ہاں، اب تم سیدھے ہو کر بیٹھ سکتے ہو۔" میں نے اسے مژدہ سنایا۔ دوسری گاڑی میں ویرا کو دیکھ لینے کے بعد مجھے اپنا ذہن بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

سوبھراج کے ان چار بد معاشوں کے چنگل سے ویرا کو آزاد کرنے کا اصل مرحلہ باقی تھا مگر ویرا کے راج محل سے نکل آنے کا احساس اس قدر قوی تھا کہ اس کے سامنے بقیہ ہر کام اپنی اہمیت اور سنگینی کھو بیٹھا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہم ویرا کو آسانی کے ساتھ ان کے قبضے سے نکال لیں گے۔

دونوں طرف کی نفری برابر تھی۔ پجیرو میں وہ چار تھے اور ہم تین تھے مگر ویرا ہماری چوتھی ساتھی جو اس وقت ان کے درمیان گھری ہوئی تھی مجھے پورا یقین تھا کہ براہِ راست مقابلے کی نوبت آتے ہی ویرا ان لوگوں کی نفری کی پروا کیے بغیر، کھل کر اپنے جوہر دکھائے گی اور ہمارے ہاتھ مضبوط کرے گی۔

ٹریفک سگنل کی روشنی سبز ہوئی تو پجیرو بائیں طرف سے لہراتی ہوئی آگے ہولی۔ ہمارے اور اس کے درمیان کئی گاڑیاں حائل ہو چکی تھیں۔

"وہ الّو کے پٹھے سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے ہم سے ریس جیت لی ہے۔" سلطان شاہ قدرے برہمی سے غرایا۔

"یہاں ٹریفک زیادہ ہے۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ بھی کافی ہے۔ ٹکراؤ ہوا تو بہت سے بے گناہ لوگ مفت میں فائرنگ کی زد میں آ جائیں گے۔" اول خان دبی دبی مگر پر جوش آواز میں بولا "گاڑیاں ذرا سناٹے کی طرف نکلیں تو ان کو دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"

ہم نے اپنے گھر سے راج محل تک کے سفر میں، لینڈ روور کی نشستوں کے نیچے سے مختصر بیرل والی خود کار رائفلیں نکال کر، میگزین سمیت آپس میں بانٹ لی تھیں اور ذرا سے اشارے پر اپنے دشمن پر بارودی آگ برسانے کے لیے تیار تھے۔

اگلا ٹریفک سگنل ایم اے جناح روڈ کا تھا جو خوش قسمتی سے سبز تھا۔ پجیرو صاف اور سیدھی نکل گئی مگر ہماری باری آتے آتے سگنل سرخ ہو گیا۔

اول خان ڈرائیونگ کے بارے میں ہمیشہ بہت محتاط رہا کرتا تھا لیکن وہ موقع نازک تھا۔ اس چوراہے پر گارڈن روڈ کے سگنل کے کھلنے کی باری خاصی دیر میں آتی ہے۔ اس اثنا میں پجیرو بہت دور نکل سکتی تھی۔ اول خان سرخ روشنی کو نظر انداز کر کے اپنی گاڑی دوڑا لے گیا۔

وہ تعاقب زیادہ دور تک جاری نہیں رہ سکا۔ یکایک پجیرو کا بایاں انڈی کیٹر جلنے بجھنے لگا اور اس کی رفتار بھی کم ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا؟" اول خان تحیر زدہ آواز میں بولا "بریک لائٹس جل گئی ہیں۔ شاید وہ سڑک کے کنارے رک رہے ہیں۔"

میرے اعصاب پر تناؤ چھا گیا اور رائفل کے دستے پر میرے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ وہ اپنی شکلوں سے شرفا نہیں لگ رہے تھے۔ امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ریس جیت لینے کے بعد مار کٹائی کا کوئی فیصلہ کر چکے تھے۔

پجیرو فٹ پاتھ سے لگ کر رک گئی۔ بیک وقت اس کے تین دروازے کھلے۔ اگلی نشست سے دو آدمی بہت تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سمت میں باہر نکلے تھے مگر ان سے پہلے ویرا پچھلا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر آ چکی تھی۔

"کوئی چکر چل پڑا ہے۔ گاڑی ان کے پیچھے لگا لو۔" میں نے ان کی بوکھلاہٹ دیکھتے ہوئے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اس اثنا میں دونوں آدمی ویرا کے پاس پہنچ چکے تھے اور اس کی طرف کے کھلے ہوئے دروازے میں اندر جھکے ہوئے تھے۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ شاید پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے کسی شخص کو دل وغیرہ کا کوئی دورہ نہ پڑ گیا ہو۔

ہماری لینڈ روور رکنے تک دونوں آدمیوں کی توجہ پوری طرح گاڑی کے اندرونی حصے پر مرکوز ہو چکی تھی۔ وہ اپنی گھبراہٹ میں ویرا کو نظر انداز کر چکے تھے۔ ویرا گردن گھما کر پیچھے دیکھ رہی تھی جوں ہی اس نے ہماری گاڑی دیکھی، پوری

قوت سے ہماری طرف دوڑ لگا دی۔
پختہ فٹ پاتھ پر اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سے ایک شخص کو ہوش آگیا۔ اس نے پھرتی سے پلٹ کر ویرا کو للکارا۔ اس وقت تک اول خان اپنی گاڑی پارک کر چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔
"مارو... مار ڈالو ان کمینوں کو!" ویرا دوڑتے ہوئے پوری قوت سے چیخی۔
اس کے نہ رکنے پر سوبھراج کا آدمی پھرتی سے پستول نکال چکا تھا۔ میں نے ہذیانی انداز میں چیخ کر ویرا کو فٹ پاتھ پر لیٹنے کے لیے کہا۔ وہ جہاں تھی، وہیں بیچھے لیٹ گئی۔ اس کے دراز ہوتے ہی پجیرو کی طرف سے فائر ہوا اور گولی ویرا کے بدن سے چند انچ اوپر سے گزر گئی۔
آس پاس کافی راہ گیر موجود تھے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ پہلی گولی کسی کو زخمی کیے بغیر ایک کھمبے کی جڑ میں جا گھسی۔ فائر کی آواز سے ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔ چیخ و پکار کے درمیان لوگ ایک دوسرے کو گراتے ہوئے دور بھاگ رہے تھے۔
سڑک پر کئی گاڑیوں کے تصادم کے ہلکے اور بھاری دھماکے ہوئے لیکن اس وقت کسی کو اپنی یا دوسروں کی غلطی کا ہوش نہیں تھا۔ ٹکرانے والی گاڑیوں سمیت پورا ٹریفک تیز رفتار ہو گیا تھا اور ہر سوار وہاں سے جلد از جلد گزر جانے کے لیے کوشاں تھا۔
اس سے پہلے کہ سوبھراج کا آدمی دوسرا فائر کرتا، میں نے کسی جانی نقصان سے بچنے کے لیے اپنی خودکار رائفل سے ایک ہلکا سا ہوائی برسٹ مارا۔ پستول والے کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ پلٹ کر بگٹٹ بھاگنے والوں کی بھیڑ کے پیچھے ہو لیا۔
اس وقت وہ میری آسان رینج میں تھا۔ صرف ایک گولی اسے خاک و خون میں نہلا سکتی تھی مگر میں نے فائر نہیں کیا۔ میرا نشانہ خطا ہونے کی صورت میں بھاگنے والوں میں سے کوئی بے گناہ ضرور ہلاک یا زخمی ہو جاتا۔ میں ایسی بے مقصد خوں ریزی کا کبھی قائل نہیں رہا تھا۔
اس اثنا میں اول خان اور سلطان شاہ بھی اپنی رائفلیں تانے 'لینڈ روور' سے نکل آئے تھے۔ دونوں نے باہر آتے ہی میری تقلید کی اور پوری فضا ان دونوں کی رائفلوں کے شور سے لرز اٹھی۔ ہر طرف دہشت پھیل گئی۔ ذرا سی دیر میں بھری پری اور بارونق سڑک ویران ہو گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا وہ اسی طرف بھاگ نکلا تھا۔ دور تک سنی جانے والی فائرنگ کی وجہ سے اس سڑک پر مزید ٹریفک کی آمد یکلخت موقوف ہو گئی تھی۔
ان دونوں کی نپی تلی ہوائی فائرنگ نے پجیرو سے نکلنے والے دوسرے آدمی کے پیر بھی اکھاڑ دیے۔ وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ فائرنگ کدھر سے ہو رہی تھی۔ وہ بھی پوری قوت سے ہماری مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا۔ میں نے اس کی پشت پر رائفل کی نال سیدھی کی اور پھر یہ سوچ کر گرا لی کہ وہ عین وقت پر ٹھوکر کھا کر گر گیا تو ایک خون ناحق میرے سر آ جائے گا۔ میں بھاگنے والے عام لوگوں میں سے کسی کا قاتل نہیں بننا چاہتا تھا۔
سوبھراج کے وہ دونوں آدمی میری یکساں سوچ کے نتیجے میں وہاں سے آگے پیچھے بھاگتے چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ پجیرو کی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے دو آدمی کہاں مرے ہوئے تھے۔
اگر وہ گاڑی میں ہی چھپے ہوئے تھے اور اسے اپنا مورچا بنا کر ہمارا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے تو ان کا میگزین ختم ہونے سے پہلے انہیں زیر کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پجیرو کا نشانہ لیا اور سفاکی کے ساتھ اپنی رائفل کا پورا میگزین اس پر خالی کر دیا۔
پجیرو کی پچھلی کھڑکیوں کے شیشے دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ ایک ٹائر بھی پرشور آواز کے ساتھ فلیٹ ہو گیا۔ بقیہ گولیوں نے آہنی باڈی کو چھلنی کر دیا تھا۔
ویرا کوئی شرمیلی اور خانہ دار لڑکی نہیں تھی۔ وہ ایسے خون آشام مقابلوں کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھی۔ وہ میری ہدایت پر فوری طور پر فٹ پاتھ پر لیٹ ضرور گئی تھی مگر دوبارہ اٹھنے کے لیے وہ کسی ہدایت کی محتاج نہیں تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا مقدر بننے والی گولی اس کے سر پر سے گزر چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی آ کر مجھ سے تقریباً لپٹ گئی۔
"کیوں دیوانے ہو رہے ہو۔ اب پجیرو میں کوئی نہیں ہے۔" اس نے مجھے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔
"وہ چار تھے۔ دو بھاگ گئے ہیں۔ باقی دو کہاں ہیں؟" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔
"میرے بائیں ہاتھ والا مر چکا ہو گا۔ دوسرا بے ہوش ہوا ہے۔ میں نے ان دونوں پر ایک ساتھ' الگ الگ انگوٹھیاں استعمال کی تھیں۔" ویرا نے ہانپتے ہوئے بتایا۔
اس روح فرسا ماحول میں بھی میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کے مزید کچھ کہے بغیر میں نے سمجھ لیا کہ ہمیں اپنی

گاڑی میں دیکھتے ہی اس کے دل میں آزادی حاصل کرنے کا نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس نے کیبن کے اندھیرے میں نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ سے بے ہوش کرنے والے محلول والی انگوٹھی داہنے ہاتھ کی کسی انگلی میں منتقل کی اور پھر ان دونوں انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں بھرے ہوئے مختلف زہریلے سیال بیک وقت ان دونوں کے جسموں میں اتار دیے۔

دونوں زہر سریع الاثر تھے۔ پل بھر میں ایک بے ہوش ہوا اور دوسرا جہنم واصل ہو گیا۔ عین ممکن تھا کہ اپنے بدن پر ان دونوں کے ڈھلکے ہوئے ساکت جسموں کا بوجھ محسوس کر کے ویرا نے خود ہی کوئی چیخ و پکار شروع کر دی ہو اور بقیہ دونوں افراد گھبرا کر گاڑی روکنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔

آس پاس سے یکے بعد دیگرے فائروں کا شور سنائی دیا۔ وہ شہر کا بہت مصروف اور گنجان علاقہ تھا۔ ہماری دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں گشتی پولیس کا ادھر متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔ شاید کوئی پولیس پارٹی اپنی آمد کے اعلان کے طور پر اِکا دُکا گولیاں داغ رہی تھی۔

شدت سے میرا دل چاہا کہ آگے جا کر بیجیرو میں ہلاک و زخمی ہونے والے مجرموں کا دیدار کروں جنہیں ویرا نے بہت ذہانت اور حاضر دماغی کے ساتھ راستے سے ہٹایا تھا لیکن میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ تین گولیاں چلنے کے بعد کہیں قرب و جوار سے پولیس کار کا سائرن بھی گونجنا شروع ہو گیا تھا۔ آواز ذرا فاصلے کی تھی لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پولیس کس لمحے وہاں آن وارد ہو گی۔

اول خان کراچی میں ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر تھا۔ اپنی اس حیثیت کو بروئے کار لا کر وہ پولیس کے ہر چھوٹے بڑے افسر کا منہ بند کر سکتا تھا مگر مجھے اس کی مجبوری کا علم تھا۔ اس نے شرما حضوری میں شروع سے اس لمحے تک ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اسے واضح طور پر سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا ہوا تھا پھر بھی اس نے راج محل سے وہاں تک ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا تھا۔ اگر اس مرحلے پر کسی بھی سرکاری اہل کار کے علم میں یہ بات آتی کہ سوبھراج کی بیجیرو میں سوار افراد کا ایس ٹی ایف سے تصادم ہوا تھا تو اس کے منفی نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔ اس مہم میں اول خان کی شمولیت کا صیغۂ راز میں رہنا ضروری تھا۔

سوبھراج کی بیجیرو اور اس کے سواروں کا جو حشر ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ مصلحت اور عافیت اسی میں تھی کہ ہم لوگ پولیس کی آمد سے پہلے، ویرا کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے فرار ہو جاتے۔ ہمارے جانے کے بعد پولیس آ کر جائے واردات کا جائزہ لیتی تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ بیجیرو کا تعلق راج محل کے مکینوں سے تھا۔

اول خان کی اپنی سلامتی کے علاوہ میرے ذہن میں ایک مسئلہ اور بھی گردش کر رہا تھا۔ اگر وہ اپنی ملازمت کے لیے ہر خطرہ مول لے کر اپنا نام اس کیس میں ملوث کر لیتا تو پولیس کو چند تائیدی ثبوت فراہم کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پیر کٹ جاتے۔ سوبھراج صاف مکر سکتا تھا کہ اس کے آدمی کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث تھے۔ وہ سارا الزام اول خان کے سر ڈال دیتا کہ اس نے مذموم مقاصد کے تحت راج محل کے ملازمین یا عملے کے خلاف سازش کر کے ایک جعلی مقابلہ کیا تاکہ سوبھراج کی شہرت کو داغ دار کر سکے۔ اس موقف کی تائید میں وہ اپنے ان پیشگی تحفظات کا حوالہ دے سکتا تھا جن کا اظہار وہ پہلے کرتا رہا تھا۔

میری رائفل کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ میں نے آنے والی پولیس پارٹی کی رفتار دھیمی کرنے کے لیے سلطان شاہ کو ہوائی فائرنگ کا اشارہ کیا۔ ان دونوں نے اپنی رائفلوں کی نالیاں آسمان کی طرف اٹھائیں اور فائر کرتے ہوئے لینڈ روور کی طرف بڑھنے لگے۔ میں ویرا کو اپنے ساتھ لے کر سب سے آگے تھا۔

سوبھراج کے آدمیوں سے تصادم ختم ہو چکا تھا۔ بھگوڑے دشمنوں سے دوبارہ سامنا ہونے کا خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا پھر بھی میں نے ویرا کو سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بٹھا دیا تاکہ کوئی ضرورت پیش آنے پر وہ دونوں آسانی کے ساتھ نشستوں کے درمیان چھپ سکیں۔ میں خود اول خان کے ساتھ آگے بیٹھ گیا۔ چند ثانیوں میں اول خان کی لینڈ روور وہاں سے غراتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہمارے آگے دور دور تک سڑک صاف پڑی ہوئی تھی۔

”یہ بہت اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے پولیس کے آنے سے پہلے نکلنے کا فیصلہ کر لیا ورنہ مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔“ کچھ دور نکل آنے کے بعد ویرا نے اپنی زبان کھولی۔

”میرا خیال تھا کہ اول خان خود یہ کیس پولیس کے حوالے کرتے تو اس کے لیے سوبھراج تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔“ سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

”پولیس کا کام ضرور آسان ہو جاتا لیکن اول خان کے لیے جواب دہی مشکل ہو جاتی۔“ ویرا بولی۔

”ایسے جرائم جو عام قانون کی دسترس میں نہ آ رہے ہوں، ان سے نمٹنا اول خان کے فرائض منصبی میں شامل

ہے۔" سلطان شاہ نے منطق پیش کی۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر سوبھراج کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ مجھے اس سے دور رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔"
"وہ حکم اپنی جگہ پر ہوگا۔ سوبھراج نے ابھی دو تین گھنٹے پہلے ہوم سیکریٹری سے فون پر شکایت کی ہے کہ ایس ٹی ایف اسے ہراساں کر رہی ہے۔"
"اوہو!" ویرا کے اس انکشاف پر اول خان چونک پڑا "یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی۔"
"سوبھراج نے خود بتائی تھی۔ اس کے آدمیوں نے اسٹیشن فور تک سلطان شاہ کا پیچھا کیا تھا۔" ویرا نے بتایا۔
"میں نے تم لوگوں کو اپنے تعاقب کے بارے میں بتا دیا تھا۔" سلطان شاہ نے جھٹ اپنی صفائی پیش کر ڈالی "مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنی سی بات ہوم سیکریٹری تک پہنچ جائے گی۔ مجھے تم ہی نے راج محل کے پورچ میں یہ ہدایت کی تھی کہ میں وہاں سے سیدھا گھر جانے کے بجائے اسٹیشن فور کی طرف نکل جاؤں۔"
آخری فقرے ویرا کے لیے تھے اس لیے اس پر جواب دینا فرض ہو گیا تھا۔ وہ ہلکی سی ترشی کے ساتھ بولی "ہاں، سارا قصور میرا ہے کہ میں نے خود تمہیں مشورہ دیا تھا۔ اپنی غلطی نہیں مانو گے کہ ٹریفک کے بھیڑ بھاڑ والے میلوں لمبے راستے پر بھی انہیں جل نہیں دے سکے۔ اپنے پیچھے لگا کر اسٹیشن فور لے گئے۔"
"میں نے ہر جتن آزما لیا لیکن وہ بہت ڈھٹائی سے جونک بن کر میرے پیچھے لگے رہے۔ ابتدا میں انہوں نے چھپ کر تعاقب کیا ہوگا لیکن جب میں نے انہیں ڈاج دینے کی کوششیں شروع کیں تو وہ کھل کر میرے پیچھے لگ گئے۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ میں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ بس ایک کسر رہ گئی تھی کہ میں رک کر ان کی گاڑی کے دو تین ٹائر پھاڑ دیتا۔"
"تم دونوں بلاوجہ آپس میں الجھ رہے ہو۔" اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "یہ سب یوں ہی ہونا تھا اور ہو گیا۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ ویرا کا مشورہ بہت موزوں تھا۔ تم راج محل سے سیدھے گھر آئے ہوتے تو اب تک وہاں کوئی بڑا حملہ ہو چکا ہوتا۔"
"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اب اس قصے میں ہم میں سے کسی کا نام نہیں آئے گا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔
"سوبھراج کی شکایت ہوم سیکریٹری تک پہنچ چکی ہے تو اس وقت ہمارا خاموشی سے نکل آنا ہی سب سے بہتر تھا۔ جس کا جو جی چاہے، کہتا رہے۔ ہمارے خلاف کہیں کوئی شہادت نہیں ہے۔ یہ ایک عام سی واردات ہے۔ شبہے میں کسی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔" اول خان نے جواب دیا۔
"تم ان دو بھگوڑوں کو بھول رہے ہو جو بجیرو میں میرے ساتھ سفر کر رہے تھے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "اگر انہوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنے سے پہلے سلطان شاہ کو دیکھ لیا تھا تو وہ اسے ضرور پہچان گئے ہوں گے۔ وہ سوبھراج کے نجی گارڈز تھے جو راج محل کے پھاٹک پر ڈیوٹی دیتے ہیں۔"
"اس مقابلے میں وہ خود ایک فریق تھے۔ ان کی بکواس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا۔
"وہ ہم سے کافی دور تھے۔ اپنی گاڑی روکنے کے بعد انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ انہوں نے دور سے سلطان شاہ کو دیکھ بھی لیا ہو تو اپنی بدحواسی کے سبب اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے۔ میری ہوائی فائرنگ سے ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔" میں نے اپنی رائے بھی پیش کر دی۔
"جو کچھ ہوا، ہماری توقعات کے بالکل برعکس ہوا۔" اول خان اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر بولا "میں سوچ رہا تھا کہ طویل اور خوں ریز مقابلے کے بغیر انہیں زیر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ ایسے اندھا دھند تصادم میں ویرا کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ بھی تھا۔"
"تم نے واقعی کمال کر دیا۔" میں نے مڑ کر ویرا سے کہا "اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی انگوٹھیوں کا اس سے بہتر استعمال ممکن نہیں تھا۔ تم خود اپنی پریشانی سے دوچار تھیں۔ تمہارے دماغ میں وہ تدبیر کیسے آ گئی۔ ایسے نادر خیالات تو عام حالات میں بھی مشکل ہی سے سوجھتے ہیں۔"
"اگر تمہیں سوبھراج سے قریب ہونے کا موقع ملا تھا تو تم اسے بھی کسی انگوٹھی کا شکار بنا سکتی تھیں۔" میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔
"میں سوبھراج کو شکار ضرور بنا سکتی تھی مگر پھر میرا کیا حشر ہوتا۔ راج محل کی وسیع و عریض عمارت میں نہ جانے کتنے لوگ رہ رہے ہیں۔ میرے لیے ان سب سے نمٹ کر باہر نکلنا ممکنات میں سے نہیں تھا۔ بس اس خوف سے میں سوبھراج کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکی۔"
"تم نے اپنے چہیتے کے سوال کا جواب دے دیا۔ میرا سوال ابھی تشنہ ہے!" میں نے ویرا کو ٹوکا۔
"راج محل میں ریوالور چھن جانے کے بعد مجھے یہ

دونوں انگوٹھیاں بالکل بے مصرف نظر آنے لگی تھیں۔"

ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بات شروع کی "ان کے استعمال کے بعد میرا بچ نکلنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ ہر نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد میں نے ان انگوٹھیوں کو بالکل فراموش کردیا تھا۔ سوبھراج کے چار آدمیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی میرے ذہن میں ان دونوں انگوٹھیوں کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ میں ان لوگوں کے ساتھ راج محل سے باہر تو آگئی تھی مگر اس سے آگے ذہن میں سناٹا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں اور انہیں کہاں لے جاؤں۔۔۔"

"اس میں سوچنے کی کیا بات تھی۔ تم نے باہر نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنایا ہوگا۔" سلطان شاہ نے دخل اندازی کی۔

"میں نے جہانگیر کے گھر ڈینی کی موجودگی کا شبہ ظاہر کیا تھا۔۔۔" ویرا نے بات شروع کی مگر سلطان شاہ پھر درمیان میں بول پڑا۔

"تم لوگ اسے بہت بے رحمی سے استعمال کرتے ہو۔ اب پھر وہ مفت میں پریشانیاں بھگتے گا۔"

"زیادہ بک بک مت کیا کرو۔ اسے گولڈن فارمیسی میں آتشزدگی کا واقعہ تک یاد تھا۔ بس وہ جہانگیر کے گھر سے واقف نہیں تھا۔"

"بلیک کیٹس نے اسے ہمارے یا جہانگیر کے گھر کی ہوا نہیں لگنے دی اور تم اس کے آدمیوں کو وہاں لیے جارہی تھیں۔"

ان دونوں کی وہ بحث بے مقصد نہیں تھی۔ اس سے نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ میرے ساتھ اول خان بھی خاموش بیٹھا وہ مکالمے سنتا رہا۔

"میں انہیں کہیں نہیں لے جارہی تھی۔ میں نے راج محل سے نکلنے کے لیے اس کے نام کو ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا تھا۔" ویرا نے چڑ کر کہا "پہلے ایک بات پوری ہوجانے دو۔ بعد میں تفصیل سنو گے تو تم خود میرے فیصلوں کی افادیت کے قائل ہوجاؤ گے۔"

"ہاں، تو تمہاری کون سی بات درمیان میں ادھوری رہ گئی تھی؟" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑانے کے انداز میں پوچھا۔

"انگوٹھیوں کا قصہ چل رہا تھا" ویرا اس تذکرے سے خوشی محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "اسی دوران میں تم لوگوں نے پیجیرو سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس وقت میں مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں ہر گزرنے والی سواری کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن بالکل خالی تھا کہ اچانک میں نے آگے نکلنے والی گاڑی پہچان لی۔ اس میں ڈینی اور اول خان کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنا شروع ہوگئیں۔ تم لوگ اپنا کام کررہے تھے، مجھے اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔"

"اس وقت تم فرض شناسی کے دورے کے زیر اثر تھیں۔" سلطان شاہ فقرہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہی سمجھ لو۔ دونوں طرف کی نفری زیادہ تھی۔ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ تم تینوں بھی خالی ہاتھ نہیں ہوسکتے تھے۔ دونوں فریق ٹکراتے تو جانی نقصان ضرور ہوتا۔ شدید ذہنی دباؤ میں مجھے اپنی دونوں انگوٹھیاں یاد آگئیں۔" ویرا نے اپنی کہانی کا سلسلہ جاری رکھا "اگر میں ہمت کرکے ان میں سے دو کو ناکارہ کردیتی تو بقیہ دو بدحواس ہوجاتے۔ ان کا پلڑا بھی بہت ہلکا ہوجاتا۔ میں نے مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر دونوں انگوٹھیاں دونوں ہاتھوں میں تقسیم کیں اور اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے بدمعاشوں کو ایک ساتھ ان کا نشانہ بنادیا وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی جگہ پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ میں نے بس چند لمحوں کے لیے انتظار کیا پھر گھبرائی ہوئی آواز میں ان کے ساتھیوں سے پوچھا کہ ان دونوں کو کیا ہوا ہے۔ ان کے اوسان خطا ہوگئے۔ پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے یکایک مرگئے ہوں۔ اسی وقت پیجیرو روک دی گئی۔ اس کے بعد کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔"

"تم نے شان دار کام دکھایا۔" اول خان نے اس کی تعریف کی "اس زک کو سوبھراج ساری عمر نہیں بھلا سکے گا۔ مفت میں اپنے دو آدمی گنوانے کے علاوہ وہ تم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ تم جتنی آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنسی تھیں۔ اتنی ہی آسانی سے آزاد بھی ہوگئیں۔"

"راج محل میں بیٹھے بٹھائے تمہیں باہر نکلنے کی کیا سوجھی تھی؟" سلطان شاہ جلد از جلد سب کچھ جان لینے کا خواہاں تھا۔

"سب سے پہلی بات یہ تھی کہ وہ خباثت پر مائل تھا۔ میرے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا اور نشے میں آکر مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کررہا تھا۔"

"تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تم مردوں کو رجھانے اور الو بنانے کے کاموں میں ماہر ہو۔" سلطان شاہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"بعض لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا ہوتا لیکن ہم ان سے خواہ مخواہ نفرت کرتے ہیں، میں ایک لمحے کے لیے بھی

سوبھراج کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں کرسکی۔ مجھے اس کی ہر بات سے گھن آرہی تھی۔ میں اسے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتی تھی۔"

"پھر بھی تم نے اس کے ساتھ کئی گھنٹے گزارے ہیں!" اس نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

"یہ تمہاری سنگین غلط فہمی ہے۔ اسے اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے تمہارے پاس بھیجنے کے بعد وہ غائب ہوگیا تھا۔ اس کی دوبارہ واپسی آٹھ بجے ہوئی تھی۔"

"تم نے اسے کچھ نہ کچھ ڈھیل ضرور دی ہوگی ورنہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تمہیں راج محل سے نہ نکلنے دیتا۔"

"وہ کچھ دیر کے لیے میرے قریب بیٹھ کر شراب پیتا رہا تو کیا ہوا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس کی عقل کچھ ماؤف ہوگئی۔ تم پاکستانی مرد تو کسی اجنبی لڑکی کو چھو لینے میں بھی عجیب سی لذت محسوس کرتے ہو۔ وہ غدار سہی لیکن اس کی قومیت پاکستانی ہے۔" ویرا کو سلطان شاہ پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

"اس کی باتوں میں آکر بہکنے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے ویرا کو نصیحت کی "تم راج محل سے نکلنے کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔"

"راج محل کی چار دیواری میں رہ کر میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ میں نے تھوڑی سی دیر میں رائے قائم کرلی تھی کہ وہاں رہتے ہوئے مجھے باہر سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی اور میں رفتہ رفتہ ذہنی اضمحلال کا شکار ہوجاؤں گی۔ ڈینی کا نام سوبھراج کی کمزوری ہے۔ شراب کے سرور میں جب وہ مجھ سے رومان جتانے کے موڈ میں آیا تو میں نے ڈینی کی بات چھیڑ دی۔ دھیرے دھیرے وہ میری باتوں میں آگیا۔ وہ مجھے رخصت کرنے سے پہلے ساری اخلاقی حدود پار کرنے پر تلا ہوا تھا مگر میں بہلا پھسلا کر اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہوگئی کہ ڈینی پر ہاتھ ڈالنے کے بعد ہم دونوں اس کامیابی کا جشن زیادہ بہتر انداز میں مناسکیں گے۔"

"اس نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔" ویرا کی بات مکمل ہونے پر میں نے کہا "تمہیں قابو میں رکھنے کے لیے اس کے چار آدمی کافی تھے۔ اس کے ذہن میں دور دور تک یہ امکان نہیں رہا ہوگا کہ اس کے آدمی کسی طرح مار کھاسکیں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ میں اس کی ہوس کا نشانہ بننے سے پہلے وہاں سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ میں نے آج کی پوری شام شدید کرب اور عذاب کے عالم میں گزاری ہے۔ اب ان تذکروں کو چھوڑو اور مجھے نجات کے ان لمحوں سے لطف اندوز ہونے دو۔"

تینوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویرا کا مطالبہ بلاجواز نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی بات سلطان شاہ کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔

لینڈ روور شہر کی سڑکوں پر تیزی سے گلشن اقبال کی طرف رواں تھی۔ ہم دشمن کو ایک فیصلہ کن شکست دے چکے تھے۔ ہمارے پیچھے کوئی نہیں تھا جس کے خوف سے ہمیں اپنے گھر کے بجائے کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنا پڑتا۔

○☆○

ہم گھر پہنچے تو غزالہ یہ دیکھ کر خوش ہوگئی کہ ویرا مختصر سی غیر حاضری کے بعد ہمارے ساتھ لوٹ آئی تھی۔ ویرا کے پرجوش استقبال کے بعد اس نے بتایا کہ ہمارے پہنچنے سے ذرا سی دیر پہلے اسلام آباد سے جلال کا فون آیا تھا۔ اسے شدت سے میری یا اول خان کی تلاش تھی۔

"اس کا فون کیسے آگیا؟" اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا "اس وقت ہم سوبھراج کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں جلال ایک محتاط سرکاری افسر ہے اور ڈسپلن کے خلاف نہیں جاتا۔ وہ سوبھراج سے دور رہنے کا فیصلہ کرچکا ہے پھر اس کے فون کا کیا مطلب ہے۔"

"بلاوجہ مغز زنی مت کرو۔ اس کو فون کرو۔ سب پتا چل جائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور ہی کوڑی لایا ہو۔"

"اس سے بات کرنے سے پہلے تمہاری پوری کہانی سننی ضروری ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ہوسکتا ہے کہ جلال بھی اس بارے میں کچھ جاننا چاہے۔"

"راستے بھر میرا دماغ چاٹتے ہوئے آئے ہو۔ اب میں کیا سناؤں گی!" وہ تنک کر بولی۔

"تم نے جستہ جستہ واقعات بتائے ہیں۔ ابھی تو یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ اسے پھنسانے کے چکر میں تم خود کیسے پھنس گئیں۔ ابرار کچن میں مصروف ہوچکا ہے۔ کھانا لگنے سے پہلے سارے واقعات دہراتی چلی جاؤ۔ کھانے کے بعد میں جلال کو فون کروں گا۔"

"اس کے پرسنل سیکریٹری نے بہت آسانی سے انٹرویو کا وقت دے کر میری عقل پر پردہ ڈال دیا۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہنا شروع کیا "مجھ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ میرے پاس میری کلارک کی حیثیت میں کوئی بھی شناختی کاغذ وغیرہ موجود نہیں تھا۔ بات ابتدائی مرحلے پر ہی بگڑ چکی تھی مگر مجھے بعد میں اس کا اندازہ ہوا۔"

ویرا نے راج محل میں پیش آنے والے واقعات بلا کم و کاست ہم کو سنا ڈالے۔ کچھ دیر تک ان واقعات پر کھل کر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ہر مسئلے پر ہر ایک کی اپنی رائے تھی مگر ایک نکتے پر سب متفق تھے کہ ویرا نے سوبھراج کے سامنے ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ محض اپنی ذہنی برتری کی وجہ سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

کھانے کے دوران بھی باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے جلال کا فون ملا لیا۔

میں سوبھراج کے حوالے سے اسے چھیڑنا چاہ رہا تھا لیکن رسمی باتوں کے بعد میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ جلال فرض شناس ہونے کے ساتھ حساس طبیعت کا مالک تھا۔ کام کے حوالے سے میرا مذاق اسے گراں گزر سکتا تھا۔

"دراصل مجھے اول خان کی تلاش تھی۔ وہ اپنے دفتر میں نہیں ہے۔" ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جلال خود ہی بولا۔

"وہ شام سے میرے ساتھ ہے۔ تم موبائل پر اس سے بات کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"دراصل میرا موبائل کھو گیا ہے۔ تم لوگوں کے نمبر اسی پر محفوظ تھے۔ تمہارے گھر کا نمبر زبانی یاد نہ ہوتا تو رابطہ مشکل ہو جاتا۔ کیا وہ سوبھراج کے سلسلے میں تمہارے ساتھ مل کر کوئی کام کر رہا ہے۔" اس نے فون کی وضاحت کرتے ہی متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ اس معاملے سے الگ تھلگ ہے۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"خبر بہت تیزی سے گردش میں آئی ہے کہ کچھ دیر پہلے سوبھراج نے ہوم سیکریٹری سے ایس ٹی ایف کی شکایت کی ہے۔ وہ لوگ اسے پریشان کر رہے ہیں۔"

"یہ سوبھراج کی بدمعاشی ہے۔ آج اس نے ویرا کو پکڑ لیا تھا۔ ہم پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ اول خان ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے لیکن سارے واقعات سے باخبر ہے وہ خود ہی تم کو تفصیل بتا دے گا۔"

اول خان نے اسپیکر فون پر جلال کی مزاج پرسی کی تو وہ بولا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے وعدے کے مطابق گوپال کو پولیس کی تحویل میں دے دیا۔ اب یہ خبر تیزی سے پھیلے گی۔ رات کو ہم اسے اپنے لاک اپ میں لے آئیں گے۔"

"ممنونیت کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا کام تھا۔ تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔" اول خان بولا۔

"کسی پاکستانی شہری کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لے کر پہلی بار شکایت کی گئی ہے۔ اسلام آباد میں بھونچال آیا ہوا ہے۔ اس شکایت سے سوبھراج کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچا ہے۔ سیاسی حلقوں میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں کہ تمہاری فورس اس کے پیچھے کیوں لگی تھی۔"

"میری فورس بالکل الگ تھلگ ہے۔ یہ سلطان شاہ اور ویرا کا قصہ ہے جو وہ ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

جلال کے لیے وہ سنسنی خیز خبریں تھیں۔ وہ ویرا کے بارے میں سب سے زیادہ بے چین تھا۔ اول خان نے اسے ویرا کی قید اور پھر رہائی کے ساتھ ساتھ سلطان شاہ کے اسٹیشن فور جانے کا قصہ بھی اسے سنا ڈالا۔

"اوہ! تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ ڈینی نے ویرا کے پکڑے جانے کی خبر سنا کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

"ہم سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ ویرا کی ہی چال کامیاب ہو گئی..."

"گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ سوبھراج کی شامت آئی ہے تو وہ ایس ٹی ایف کی شکایت کر بیٹھا ہے۔ اس کی ساکھ اور سیاسی حیثیت ایک سوالیہ نشان بن گئی ہے۔ اب اس کے ستارے گردش میں آجائیں گے۔"

"خبر تم تک پہنچ گئی ہے تو اس پر مجھ سے کچھ نہ کچھ باز پرس ضرور ہو گی!" اول خان کی آواز پر تشویش تھی۔

"میری اطلاعات یہی ہیں کہ ضرور ہو گی مگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ جب جعلی نمبر پلیٹ والی گاڑی ہی نہیں ملے گی تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ میرا ایک مشورہ ہے کہ تم سے کچھ کہا جائے تو تم فوری طور پر تجویز پیش کر دینا کہ تمہارا نمائندہ سوبھراج سے مل کر معاملے کی وضاحت کر دے گا۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا۔" اول خان نے مایوسی سے پوچھا۔

جلال کی وہ تجویز سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میرے لیے کرنل داور کے روپ میں ایک کردار تجویز کر کے اس نے ایک بالکل نئی راہ سجھائی تھی۔ اس روپ میں نک ہاروے سے میری بہت باتیں ہوتی رہی تھیں۔ وہ ڈینی کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ میں کرنل داور بن کر سوبھراج سے ملاقات کے لیے مقرر کرتا تو وہ اپنے ساتھ نک کو بھی اس ملاقات میں شریک کر لیتا۔

بات اسپیکر فون پر ہو رہی تھی لیکن میں نے جلال اور اول خان کی گفتگو میں مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔
مجھ سے نظریں چار ہونے پر اول خان نے میرا اثباتی اشارہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے جلال کا مشورہ قبول کر لیا۔
"میں تماشائی ہوں مگر یہ تم لوگوں کا ایک بڑا امتحان ہے۔" اول خان کی رضامندی پر جلال کہہ رہا تھا "سوبھراج بہت بڑا بت ہے۔ اسے گرا کر تم ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ سرانجام دو گے۔"
"ڈینی اب تک نہ جانے کتنے ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دے چکا ہے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔ اسے کہیں کوئی ذاتی ترجیح یا فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اسے اپنی ہر لڑائی ایک عام آدمی کی طرح لڑنی پڑتی ہے۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس بار تو ہم لوگ بھی الگ تھلگ ہو گئے ہیں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بولا "دوبارہ ڈینی سے بات کرا دو۔"
اول خان خاموش ہو گیا۔ میں نے بولنا شروع کر دیا "تمہیں یہ کرنل داور کی بات کیسے یاد آ گئی۔"
"یار، سیدھی سی بات ہے۔" جلال کی بے تکلفانہ آواز ابھری "نک نے تمہیں کوبرا سے ملا کر ایک تکون بنانے کی کوشش کی تھی جو صرف تمہاری ضد کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ کیونکہ تم کسی نقاب پوش کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس کا کوبرا کا بہروپ ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ سوبھراج ہے۔ تم اس سے ملو گے تو ہو سکتا ہے کہ اسے اپنا بھولا ہوا تکون یاد آ جائے اور وہ تمہیں رام کرنے کے لیے نک کو بھی بلا لے۔"
اس نے میری سوچی ہوئی بات کا اعادہ کیا تھا مگر اس کی سوچ بہت واضح اور مدلل تھی۔ میں نے کہا "اوپر سے کوئی بات چھیڑی گئی تو اول خان اس بارے میں ضرور بات کرے گا۔ یہ بتاؤ کہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں سوبھراج کی پوزیشن کیا ہو گی۔"
"اس میں فوری طور پر کوئی فرق پڑنے کے آثار نہیں ہیں۔ سیاسی ضروریات نے اسے اہمیت دلوائی ہوئی ہے۔ جب تک یہ توازن تبدیل نہیں ہوتا، اسے مراعات ملتی رہیں گی۔"
"کیا آج کا واقعہ اس صورتِ حال پر اثر انداز نہیں ہو گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ اسے کیا رنگ دیتا ہے اور اس کی کہانی کس حد تک قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی اس بارے میں کچھ کہا جا سکے گا۔ وہ بہت شاطر آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس واقعے سے بھی کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔"
"میں اپنے طور پر اسے ہراساں کر سکتا ہوں لیکن اس کا اس وقت تک قلع قمع نہیں ہو گا جب تک اس کے خلاف قانون کا آہنی ہاتھ حرکت میں نہیں آتا۔"
"قانون ضرور حرکت میں آئے گا۔" جلال کی آواز پر اعتماد تھی "قدرت کا مکافاتِ عمل کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس میں دیر ضرور ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوتا۔ میں نے ان سب باتوں کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے کہا تھا کہ سوبھراج ایک بڑا بت ہے۔ اس کو گرانا بہت بڑا کام ہو گا۔"
میرے لیے بات کو اس سے آگے تک لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت جلال کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی مجبوریوں کا معترف تھا۔ اس سے یہ توقع رکھنی بے سود تھی کہ وہ اپنے اوپر والوں کے احکام کو پس پشت ڈال کر سوبھراج کے خاتمے کے لیے میدان میں اتر آئے گا۔ اس مردود کے خاتمے کے لیے جو کچھ کرنا تھا، ہمیں اپنے طور پر کرنا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات ابتدا سے موجود تھی کہ اگر ہم اس پر کوئی کاری وار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خود ہر طرف بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔ ایسی کوئی صورت حال رونما ہو جاتی تو قانون کے سارے محافظ بھی اس کے سامنے صف آرا ہونے پر مجبور ہو جاتے۔
"بس تم میرے لیے دعا کرتے رہو۔ اگر مجھے کرنل داور کے روپ میں اس سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا تو اسی لمحے سے سوبھراج کی پھیلائی ہوئی بساط تیزی سے سمٹنی شروع ہو جائے گی۔ وہ میرے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے گا۔"
"کیا اس بارے میں تم نے کوئی منصوبہ سوچا ہوا ہے؟" جلال کی آواز میں تجسس اُمڈ آیا۔
"ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ کچھ دماغ سوزی کے بعد اس کے خدوخال بھی بن جائیں گے۔"
"تم مجھے ٹالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔
"لاحول ولا قوۃ! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اتنے عرصے کی رفاقت میں تمہیں اتنا تو سمجھ لینا چاہیے کہ میں کس رخ پر سوچنے کا عادی ہوں۔"

فون پر جلال کے ہنسنے کی آواز آئی پھر وہ بولا "کوئی پرزہ مشین سے الگ ہوجائے تو اس کی افادیت ختم ہوجاتی ہے۔ میرے موجودہ فرائضِ منصبی اپنی جگہ پر ہیں لیکن میں خود کو تمہاری مشین سے نکلا ہوا پرزہ تصور کررہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری مشین کو یوں ہی رواں رکھے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے مجھے اس وقت بھی یہ احساس تقویت دے رہا ہے کہ تم اور تمہاری ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم پر اس مہم جوئی میں کوئی برا وقت آیا تو تم ہی سب سے پہلے ہماری مدد کرنے کے لیے آگے آؤ گے۔"

وہ سوبھراج کو ملی ہوئی بے مہار آزادی سے دل برداشتہ تھا لیکن اس آزادی کو سلب کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ ملک کے سیاسی نظام کی کمزوری یا خامی تھی کہ اقتدار کی مجبوریوں کے عوض سوبھراج کی قابل نفرت حرکتوں اور سرگرمیوں کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اس موضوع پر دیر تک جلال سے میری بات ہوتی رہی پھر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

"یہ بات تشویش کا باعث ہے کہ سوبھراج کی شکایت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔" میرے فارغ ہوجانے پر اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے پوچھا "اس گاڑی کا پتا چلے گا نہ آدمی کا سراغ مل سکے گا۔ تم صاف انکار کردینا کہ تمہارے کسی آدمی نے راج محل کا رخ نہیں کیا۔ اس بات کی توثیق تمہارا عملہ بھی کرے گا۔"

"میں یہی کروں گا اور یہ حقیقت بھی ہے۔ میں اس کی شکایت کو اپنے سروس ریکارڈ پر ایک داغ سمجھ رہا ہوں۔ ہم لوگ اپنی سرگرمیوں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے ہیں۔ بغیر دیکھے بھالے کسی کا پیچھا نہیں کرتے اور پھر ہم نے ابھی تک سوبھراج کا رخ ہی نہیں کیا ہے۔"

"یہ نہ کہو' ابھی تازہ ترین مہم میں تم بھی شامل تھے۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا۔

"میری حیثیت ایک تماشائی کی تھی۔ سارا کیا دھرا تمہارا اور ڈینی کا تھا۔ سوبھراج کو شاید یہ بھنک بھی نہ ملے کہ بچیرو کا پیچھا کرنے والی گاڑی میں کون کون سوار تھا۔ میں سلطان شاہ کی بات کررہا تھا۔ اسے تمہارے ساتھ راج محل بھیجنے میں ایس ٹی ایف کا کوئی کردار نہیں تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ دوسری مہم میں میرا پولیس سے سامنا نہیں ہوا ورنہ بات بگڑ سکتی تھی۔"

"تمہاری تشویش سے ظاہر ہورہا ہے کہ سوبھراج کی شکایت پر تم سے جواب طلبی ضرور ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"ضرور ہوگی۔ بات جلال کے علم میں آگئی ہے تو ہمارا باس اس سے بے خبر نہیں رہے گا۔ ڈسپلن کے معاملے میں وہ کسی سے رورعایت نہیں کرتا۔"

"بس تو پھر کرنل داور کا نام ضرور یاد رکھنا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کیا تمہارے باس کو علم ہے کہ ماضی میں ایک دو مواقع پر ڈینی نے کرنل داور بن کر ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی ہے؟" سلطان شاہ نے اچانک اول خان سے ایک بہت ٹیڑھا اور اہم سوال پوچھ لیا۔

"میں نے اسے رپورٹ دی تھی۔" اول خان نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "وہ اپنے ذرائع سے بھی ہر اسٹیشن کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھتا ہے اور پھر کرنل داور کا نام ہمارے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ سی آئی اے ہیڈکوارٹر نے باضابطہ طور پر کرنل داور کے کوائف مانگے تھے۔"

"اور وہ دے دیئے گئے تھے!" ویرا نے ٹکڑا لگایا۔

"نہیں' ان کا وہ مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے لیے کرنل داور کی خدمات ناگزیر ہیں۔ اس کو سی آئی اے میں ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

"کیا موجودہ حالات میں تمہارے باس کو کرنل داور کے کردار پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ ڈینی کی حیثیت سے تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری تجویز مان لے۔"

"تم ایک مرتبہ پھر سوبھراج سے بات کیوں نہیں کرتے۔ اب تک اسے اپنے آدمیوں کے حشر کی اطلاع مل چکی ہوگی۔" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ بہت اچھی تجویز ہے۔" غزالہ نے بلاتوقف اس کی تائید کی "اب تک اسے اپنے آدمیوں کے حشر کی خبر مل چکی ہوگی۔"

"وہ تلملایا ہوا ہوگا۔ اس سے بات کرکے اندازہ ہوگا کہ اس تازہ ترین واقعے کے بارے میں وہ کیا سوچ رہا ہے۔"

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ سوبھراج کے آدمیوں کو گارڈن روڈ پر اپنی گاڑی چھوڑ کر بھاگے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ انہوں نے واپس راج محل پہنچ کر سوبھراج کو اپنی رپورٹ دے دی ہوگی۔ بچیرو میں رہ جانے والوں کا معاملہ سیدھا سا تھا۔ سوبھراج کسی بھی ذمے دار پولیس افسر سے رابطہ کرتا تو اسے پتا چل سکتا تھا کہ اس کا ایک آدمی بچیرو

میں بیٹھے بیٹھے مرگیا تھا اور دوسرے پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔

میں نے سوبھراج کے سیٹلائٹ فون کے بجائے اس کے گھر کا نمبر ملالیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت سوبھراج کو اپنے گھر پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

نمبر ملنے پر مجھے دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ میں نے سوبھراج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کوئی جواب دینے سے پہلے میرا نام جاننا چاہا۔ فون پر وہ طریقہ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔ اصولی طور پر اسے میرے سوال کا جواب دینے کے بعد میرا نام دریافت کرنا چاہیے تھا۔ اس کے سوال سے یہ ظاہر ہورہا تھا جیسے وہ میرا نام جاننے کے بعد یہ فیصلہ کرے گا کہ سوبھراج کی گھر میں موجودگی کے بارے میں مجھے کیا بتائے۔

"تمہارا سوال تہذیب کے خلاف ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ سوبھراج ہے یا نہیں۔"

"سائیں! تم بلاوجہ گرمی کھا رہے ہو۔ اگر صاحب گھر پر ہیں تو مجھے ان کو بتانا پڑے گا کہ کون ان سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"تم گھر میں ہو اور تمہیں یہ بھی پتا نہیں کہ وہ گھر پر ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ہاں، بالکل!" وہ میرے طنز کو بالکل پی گیا "یہ بڑا گھر ہے۔ اس میں چوبیس کمرے ہیں۔ دیکھنا پڑتا ہے کہ کون موجود ہے اور کون باہر گیا ہوا ہے۔ اپنا نام بتا دو تو میں ابھی دیکھے لیتا ہوں کہ کیا پوزیشن ہے۔"

اس کی نرم کلامی سے میرا غصہ کم ہوگیا۔ میں نے بتایا "میں ڈینی بول رہا ہوں۔"

"ہولڈ کرو!" اس ہدایت کے ساتھ میرے کان میں ہلکی سی موسیقی گونجنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ لائن پر آیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بتانے لگا کہ سوبھراج اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں اس کے لیے پیغام دے سکتا تھا۔

"وہ آئے تو اس سے کہہ دینا کہ والد صاحب اسے تلاش کررہے ہیں۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"یہ تم کس کے والد کی بات کررہے ہو؟" سوال کیا گیا "باس کے ابا تو برسوں پہلے سرگباش ہوچکے ہیں۔"

"اب میں اس کا دوسرا اور بڑا باپ ہوں۔" میرا پارا بڑھ گیا اور میں نے اپنا فقرہ مکمل کرکے فون بند کردیا۔

"گیارہ بج رہے ہیں۔ اس وقت وہ کہاں مرا ہوا ہے۔" ویرا بڑبڑائی۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ گھر پر ہی ہو اور اپنے آدمی سے انکار کروا دیا ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ وہ ہوتا تو ڈینی کا نام سنتے ہی فون پر آجاتا۔" اول خان نے اس کی تردید کی۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ جب ویرا راج محل سے روانہ ہوئی تو سوبھراج شراب نوشی میں مصروف تھا۔ ویرا کے اپنے ساتھ مل جانے کی خوشی میں اس نے اتنی زیادہ پی لی ہو کہ مدہوشی کے عالم میں گہری نیند سوگیا ہو۔ وہ اس کے ذاتی مسئلے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں اس سے ضرور بات کروں۔

اگر وہ نشے میں مدہوش تھا تب بھی اس کے بھگوڑے آدمیوں نے اسے اٹھا کر اپنی رپورٹ دی ہوگی۔ میری کال پر وہ دوبارہ نیند سے بیدار ہوسکتا تھا۔

اس بار میں نے براہِ راست رابطے کے لیے اس کا سیٹلائٹ فون نمبر ملایا۔ اس نے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے میری کال کا جواب دے دیا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟ میں کافی دیر سے تمہاری تلاش میں تھا۔" میں نے اس کی آواز پہچان کر کہا۔

"کیوں؟ تمہیں میری تلاش کیوں ہے؟" اس کا لب ولہجہ بہت محتاط تھا۔

"تمہارے ساتھ ویرا کی بھی مزاج پرسی کرنا چاہ رہا ہوں۔" میں دانستہ ویرا کا نام درمیان میں لے آیا۔

"کیا تم طنز کررہے ہو؟" سوبھراج کی تلخ آواز آئی۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے میری پہلی کال کے بارے میں کوئی پیغام نہیں ملا تھا۔

"تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟" میں نے حیرت ظاہر کی "میں نے کوئی کڑوی بات تو نہیں کی۔"

"ڈینی! مجھے گھیرنے کی کوشش مت کرو۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں۔ میرا وقت آئے گا تو میں تمہارے ہوش اڑا دوں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ویرا نے تمہیں خاصی تکلیف پہنچائی ہے!"

"اس بار وہ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ اگلی بار تمہیں اس کی لاش ہی ملے گی۔"

"کیا تم ائرپورٹ سے بول رہے ہو؟" میں نے اچانک پوچھ لیا۔ اس کی باتوں کے پس منظر میں مجھے کسی پرواز کی روانگی کا اعلان سنائی دیا تھا۔ سیٹ لائٹ فون کے حساس نشری آلات نے ائرپورٹ لاؤنج کے پیجنگ سسٹم کا وہ

اعلان ہمارے کانوں تک پہنچا دیا تھا۔
"یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟" میرے غیر متعلقہ سوال نے اسے بری طرح چونکا دیا۔
"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی تمہارا پیچھا نہیں کر رہے۔ ابھی ابھی مجھے ایک نسوانی آواز میں کسی پرواز کی روانگی کے روایتی اعلان کی گونج سنائی دی تھی۔"
"میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ اگر مجھے ایک ضروری کام سے باہر نہ جانا پڑ گیا ہوتا تو میں ایک آدھ روز میں ہی تم دونوں کا دماغ درست کر دیتا۔"
"سوبھراج! تم نے غلط لوگوں سے محاذ آرائی شروع کی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ابھی تم خوف زدہ ہو کر شہر سے بھاگ رہے ہو۔ دوبارہ لوٹو گے تو تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ یہ وقت کا فیصلہ ہے جو اٹل ثابت ہوگا۔"
"میں خوف زدہ نہیں ہوں۔ میرا ملک سے باہر جانے کا پروگرام پہلے سے طے تھا۔" اس کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔
میں اس کے عذر لنگ پر بے ساختہ ہنس پڑا "ویرا کے ساتھ شراب نوشی کرتے ہوئے تم نے رات کو جشن منانے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو میں تمہاری یہ بات مان لیتا۔ اپنے آدمیوں کی ناکام واپسی پر حواس باختہ ہو کر تم ملک سے باہر بھاگ رہے ہو مگر یاد رکھو کہ بدقسمتی وہاں بھی تمہارا پیچھا کرے گی۔"
"ویرا ایک جعلی روپ دھار کر راج محل آئی تھی۔ میں نے اسے روکا اور پوچھ گچھ کر کے بھگا دیا۔ میرا کوئی آدمی کہیں گیا نہ آیا۔ تم کہاں کی اڑا رہے ہو۔" اس نے یکایک قلابازی کھائی۔
"مجھے وہ بیان مت سناؤ جو تم پولیس کے اعلیٰ افسران کو دو گے۔ مجھ سے ٹھوس حقائق کی بات کرو۔ اب تک تمہارے دو نمک خوار پولیس کی تحویل میں آ چکے ہوں گے۔ ان میں سے ایک مر چکا ہے' دوسرا بے ہوش ہے۔ وہ دونوں جس گاڑی میں پائے گئے وہ تمہاری ملکیت ہے۔"
"تم بکواس کر رہے ہو۔ راج محل میں کھڑی ہوئی ہر گاڑی میری نہیں ہوتی۔ وہ پجیرو میرے ایک پرانے ملازم کے نام ہے جو دو سال سے دبئی میں نوکری کر رہا ہے۔"
"راج محل کے ملازم بہت خوش حال ہیں کہ پجیرو رکھتے ہیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"میرے سب گھر کے ہیں۔ تم مجھے کہیں نہیں پھانس سکو گے۔ وہ دونوں میری اجازت کے بغیر پجیرو میرے گھر سے لے کر نکلے تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ ان کے ساتھ اور کون تھا اور انہیں کیا ہوا۔ ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا سراغ لگانا پولیس کی ذمے داری ہے۔"
"اور پولیس تمہارے گھر کی لونڈی ہے!" میں نے دھیرے سے کہا۔ اس نے ان واقعات سے اپنا دامن بچانے کے لیے اچھی کہانی تراشی ہوئی تھی۔
"تفتیشی رپورٹ سامنے آئے گی تو تمہیں سب پتا چل جائے گا کہ کون کیا ہے۔"
"دونوں مر گئے ہوتے تو شاید تمہاری بات مان لی جاتی۔ دوسرا آدمی ہوش میں آ کر جو بیان دے گا' اسے تم کہاں لے جاؤ گے؟"
"میں معزز اور بڑا آدمی ہوں۔" اس کی تکبرانہ آواز آئی "میرے سامنے دو ٹکے کے اس چور کے بیان کی کیا وقعت ہے جو بچپن سے میرے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔"
"تمہارے دماغ میں تکبر اور اپنی بڑائی کا جو خناس بھرا ہوا ہے وہی تمہیں انجام کار لے ڈوبے گا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "کاش تمہارے پرانے ملازموں کو معلوم ہو سکے کہ تمہارے پسینے پر اپنا خون بہانے کے صلے میں تم انہیں کن القاب سے پکارتے ہو تو وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کر دیں۔"
"ابھی مجھ کو گرانے والا کوئی سورما پیدا نہیں ہوا۔ دو کوڑی کے حقیر کیڑے زندگی بھر گڑگڑانے اور دوسروں سے اپنی خوشیوں کی بھیک مانگنے کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ یہ ان کا مقدر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے کرتے ان کے لیے قربان ہو جائیں۔"
"گاڑی تمہاری نہ سہی' تمہارے ایک ملازم کی ہے۔ مرنے والا تمہارا نوکر ہے اور جو بیان دے گا وہ بھی تمہارا نمک خوار ہے۔ یہ سب چیزیں مل کر تمہاری ساکھ کو تباہ کر دیں گی۔ تمہارا گھمنڈ خاک میں مل جائے گا۔"
"تم دیکھو گے اور دنیا بھی دیکھ لے گی کہ میری واپسی تک یہ دھول بھی بیٹھ جائے گی۔"
"اور اب میں بھی اپنی زبان بند رکھنے کا پابند نہیں رہا۔ جو شخص ویرا کی حفاظت نہیں کر سکا وہ اعتبار کے قابل نہیں رہا۔"
"مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے نکل بھاگنے کے بعد تمہیں بھونکنے کی آزادی مل جائے گی لیکن تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"
"حیرت ہے کہ یہ بات تم کو پہلے کیوں نہیں سوجھی!"
"میں سیدھی انگلیوں سے گھی نکالنا چاہ رہا تھا لیکن

ٹیڑھی انگلیوں کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ میں تم سے تمہاری سطح پر آکر مقابلہ کروں گا۔"

"تم میں اتنی ہمت ہوتی تو یوں میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے۔"

"میں کہیں نہیں بھاگ رہا۔ اپنے کام نمٹا کر بہت جلد واپس آؤں گا اور تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے... پھر تم سے بعد میں بات ہوگی۔" میں نے فون بند کردیا۔

وہ اس وقت بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی شکست کا داغ تازہ اور کاری تھا۔ وہ لمبی چوڑی باتوں کے ذریعے اپنے آپ کو بہلا رہا تھا۔ خود فریبی کی اس مہلک حالت میں اس سے مزید گفتگو بالکل بے سود تھی۔ وہ اپنی زبان سے کبھی حقائق کا اعتراف نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات شاید اس کا دل ہی جانتا تھا کہ اس کے زوال کی داغ بیل پڑچکی تھی۔ اپنے خلاف بنتی ہوئی اس فضا کو بھانپ کر وہ پاکستان سے فرار ہو رہا تھا۔

وہ ملکی سیاست کا ایک معروف چہرہ تھا۔ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ آئے دن غیر ملکی دوروں پر جاتا رہتا تھا۔ اس کے پاس پاسپورٹ تیار رہا ہوگا۔ اس سفری دستاویز پر بہت سے موثر ویزے لگے ہوئے ہوں گے۔ وہ محض ٹکٹ خرید کر کسی پرواز پر نشست حاصل کرلیتا تو آسانی سے ملک سے باہر جاسکتا تھا۔ حالات کی سنگینی کا ادراک کرکے اس نے ملک میں رہ کر آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے بجائے فرار کو ترجیح دی تھی۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے کے بعد کا عمل تھا۔ اس وقت مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کی طرف جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ بیشتر ائرپورٹ رات ڈھلے آنے جانے والی پروازوں کو اترنے اور روانہ ہونے کی سہولتیں تو فراہم کرتے ہیں لیکن رات بھر مسافروں کی آمدورفت موقوف رہتی ہے۔ صبح سویرے کسٹم، امیگریشن اور دوسری سروسز کا عملہ ڈیوٹی پر آتا ہے تو سب کچھ اپنے لگے بندھے معمول پر آجاتا ہے۔

مشرق بعید اور مغربی ملکوں کے سفر کے لیے وہ وقت موزوں تھا اور شاید سوبھراج ایسے ہی کسی لمبے سفر پر جارہا تھا۔

"یہ برا ہوا کہ اسے ملک سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔" سلطان شاہ نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"بھاگنے والوں کی جڑیں باہر ہوتی ہیں۔ اسے ہر حال میں واپس آنا ہوگا۔" اول خان نے نیچی آواز میں کہا "اس کا سب کچھ اسی ملک میں ہے۔ کروڑوں کے اثاثوں سے وہ آسانی سے دستبردار نہیں ہوگا۔ وہ پرتعیش زندگی گزارتا رہا ہے۔ محدود وسائل میں وقت گزارنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔" میرا وہ فقرہ سن کر ویرا کی بھویں تن گئیں "ہمیں اس وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"ایک غدار کے فرار ہوجانے پر تم خوشی سے بغلیں بجا رہے ہو۔" ویرا بولی۔

"وہ یہاں رہتا تو اچھا تھا۔ چلا گیا تو اور بھی اچھا ہے۔" میں نے ویرا کو چڑانے کے لیے مبہم سا جواب دیا۔

"اس کے بھاگ جانے سے کیا حاصل ہوگا۔ میں تو کہتی ہوں کہ اسے اسی وقت آف لوڈ کرانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ اس کا نام سوبھراج ہے۔ اس بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنا بہت مشکل کام ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اب بھی اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ نہیں ہوا۔ کسی واضح ترین الزام کے بغیر کسی کو آف لوڈ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"کسی کو روانگی سے روکنے کا اختیار سرکاری افسروں کو ہوتا ہے اور سوبھراج ہر سرکاری افسر کے لیے ممنوعہ شے ہے۔" اول خان ہنستے ہوئے بولا "اسے کون روکے گا؟ ہمت ہے تو خود جاکر اسے جہاز سے اتار لو۔ تمہیں دوبارہ دیکھ کر شاید وہ خود بھی سفر کا ارادہ منسوخ کردے۔"

"مجھے اس کو روکنے کا اتنا شوق نہیں ہے۔" اول خان کو وہ جواب دے کر ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی "میں صرف یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ اس کے فرار ہوجانے میں تم کو فائدے کی کیا صورت نظر آرہی ہے۔"

"یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ جب تک ہم اسے مجرم ثابت کرکے گندا نہیں کردیتے، وہ یہاں معزز اور معتبر بنا رہے گا۔" میں نے کہا "اس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر ہمارے ہر کام میں روڑے اٹکاتا رہتا۔ اب لوگ اس کے ذاتی دباؤ سے آزاد رہیں گے۔"

"وہ چلا گیا تو یہ کام اس کے گرگے کرتے رہیں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس کے بھاگ جانے کے بعد تمہیں کھلا میدان مل جائے گا۔"

"اس کے مہرے رخنہ اندازی ضرور کریں گے لیکن وہ سوبھراج کی طرح زیادہ موثر نہیں ہوں گے۔" میں نے اسے

سمجھایا۔
"تم دونوں بلاوجہ اس بحث میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔"
اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جو ہو گیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ جو مستقبل میں ہونے والا ہے' اس کی کسی کو خبر نہیں۔ ہمیں اس وقت کی بات کرنی چاہیے جس میں ہم موجود ہیں۔ یہ سوچو کہ اب کیا کرنا چاہیے۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی تجویز جنم لے چکی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اس وقت اخبارات ہماری بہت مدد کر سکتے ہیں۔ کام کے کسی آدمی سے رابطہ ہو جائے وہ تو آج کے واقعے کی رپورٹنگ میں سوبھراج کو بری طرح رگڑ دے گا۔ ایک دفعہ اس کے خلاف رائے عامہ بگڑ گئی تو پھر تمہارے لیے حالات تیزی سے سازگار ہوتے چلے جائیں گے۔"
"یہ شعبہ تمہارا ہے۔ ہم میں سے کسی کا کسی صحافی سے رابطہ نہیں ہے۔" ویرا نے بات اسی کے سر ڈال دی۔
اول خان نے خندہ پیشانی سے اس کی بات قبول کر لی۔ صحافت کی دنیا میں وہ کئی کلیدی شخصیات سے واقف تھا لیکن ان کے ذریعے کسی خبر پر اثر انداز ہونے کے بعد اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ پجیرو کیس میں اول خان کی دلچسپی کی بات شہر کے باخبر حلقوں میں نہیں پھیلے گی۔
ان سب پر انفرادی طور پر بحث ہوئی اور سب نے مشترکہ طور پر ان ناموں کو مسترد کر دیا۔ آخر میں قرعہ فال ایک رپورٹر کے نام نکلا جو اپنی خبر کا ذریعہ نہ بتانے میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اول خان نے اپنا نام سامنے لائے بغیر' اس سے رابطے کا طریقہ بتانا شروع کر دیا۔

✪✲✪

اگلی صبح کے اخبارات میں گارڈن روڈ پر پیش آنے والے سنسنی خیز واقعے کی نمایاں خبریں شائع ہوئی تھیں۔ ان خبروں میں سے پجیرو' راج محل اور سوبھراج کا ذکر حذف کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ سب کچھ مشترک تھا لیکن پھر بھی دیگر اخبارات نے بہت محتاط انداز میں حقائق پیش کیے تھے۔ اول خان کے نامزد کیے ہوئے رپورٹر کے اخبار میں ایک انتہائی خطرناک سرخی لگائی گئی تھی۔ شہر کی بارونق سڑک پر خوفناک گینگ وار کے عنوان سے ذیلی سرخیوں میں سوبھراج اور راج محل کے حوالے بھی موجود تھے۔
اس واقعے کے بارے میں پولیس افسران نے پراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ پجیرو میں بے ہوش پائے جانے والے شخص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکی تھی۔ پوری خبر چشم دید شہادتوں اور معتبر ذرائع کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی۔
اس خبر کی رو سے سوبھراج جیسے مشہور سیاسی رہنما کے زیر زمین دنیا کے بعض لوگوں سے گہرے اور قریبی روابط تھے۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ایک گروپ سے اس کے اختلافات ہو گئے۔ سوبھراج نے اس گروپ کے ایک اہم کارندے کو پکڑ کر یرغمال بنا لیا۔ اس یرغمالی کی کسی اور ٹھکانے پر منتقلی کی خبر اس گروپ کو مل گئی اور اس نے گارڈن روڈ پر پجیرو پر حملہ کر کے اپنے آدمی کو چھڑا لیا اور دھواں دھار فائرنگ کرتا ہوا غائب ہو گیا۔ اخبار نے اس امر کو حیران کن قرار دیا تھا کہ فائرنگ کے شدید تبادلے کے باوجود کوئی شخص گولیوں سے ہلاک یا زخمی نہیں ہوا تھا۔ پولیس موقع پر پہنچی تو پجیرو کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش کے ساتھ ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں زہر کا شکار ہوئے تھے۔ پولیس اس امکان پر غور کر رہی تھی کہ کہیں ان دونوں کو اس حالت میں راج محل سے نہ لایا گیا ہو۔
وہ رپورٹ پڑھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔ ویرا کے دونوں شکار سوبھراج کے سر تھوپ کر بہت جرأت کا ثبوت دیا گیا تھا۔
کسی بھی اخبار میں پولیس کا کوئی بیان تھا نہ راج محل کا کوئی موقف بیان کیا گیا تھا۔ رات بھر کی کوششوں کے باوجود ان دونوں فریقوں کے کسی ذمے دار آدمی سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ کہیں سے کوئی مصدقہ خبر نہ ملنے کے باوجود دوسرے اخبارات نے قیاس آرائیوں سے گریز کیا تھا۔ جو اخباری روایات کے خلاف تھا۔ اس کا سبب وہی تھا کہ اخبارات بھی سوبھراج کی قد آور سیاسی شخصیت سے مرعوب تھے۔
شہر میں پیش آنے والا وہ واقعہ اس اعتبار سے بہت اہم ثابت ہوا تھا کہ پولیس کا محکمہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوبھراج کی ذات سے متعلق اس کیس میں ملوث ہو گیا تھا۔ افسران بالا کی مسلسل عدم دستیابی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ پجیرو کیس ان کے حلق کی ہڈی بن گیا تھا۔ وہ واقعے سے متعلق حقائق کو منظر عام پر لاتے تو سوبھراج کی ذات شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی۔ خاموش رہتے تو پریس کی شدید تنقید و ملامت کا ہدف بنتے۔
سرکاری سکوت یہ بتا رہا تھا کہ ماہرین سر جوڑ کر اس پراسرار تصادم کی کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب تک ان کوششوں کا کوئی ابتدائی نتیجہ سامنے نہ آجاتا' وہ سوبھراج کے خلاف کوئی بات ریکارڈ پر نہیں لا سکتے تھے۔
دو بجے اول خان کا فون آیا تو اس کی آواز مضمحل تھی۔

اسے صدمہ تھا کہ سوبھراج کی شکایت پر اس سے خاصی سخت جواب طلبی کی گئی تھی۔ اسلام آباد سے آنے والی فون کال نے اس کی وہ ساری خوشی غارت کر دی تھی جو اسے ایک روزنامے میں مطلوبہ خبریں پڑھ کر ہوئی تھی۔

اول خان نے اپنے کراچی یونٹ کے دفاع میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو کہنا ممکن تھا۔ اس کا باس اچھی طرح جانتا تھا کہ اول خان جھوٹ بولنے کا عادی نہیں تھا لیکن باس خود بھی کسی کو جواب دہ تھا اور اوپر سے پڑنے والے دباؤ کے سامنے مجبور ہو چکا تھا۔

آخر کار اس نے اول خان کو جلد از جلد اس نمبر کی کار کا سراغ لگانے کی ہدایت کی جس کا کہیں وجود نہیں تھا مگر وہ نمبر سوبھراج نے خود ہوم سیکریٹری کو لکھوایا تھا۔ وہ کار شیر شاہ کے کباڑ خانے میں نہ جانے کب کی گل سڑ چکی تھی۔ اول نے ایسے ہی کسی آڑے وقت کے لیے اس کی نمبر پلیٹیں محفوظ کی ہوئی تھیں۔ بات بڑھنے کے آثار نمودار ہوتے ہی اس نے دونوں نمبر پلیٹوں کو ذاتی طور پر تلف کر دیا تھا۔

''باس نے پیجیرو والے واقعے کے بارے میں بھی سوالات کیے تھے۔'' اول خان مرجھائی ہوئی آواز میں بتا رہا تھا۔ ''یہ بہت عجیب اتفاق تھا کہ سوبھراج کی شکایت کے چند گھنٹے بعد ہی پیجیرو والا واقعہ رونما ہو گیا۔ باس کو فکر تھی کہ کہیں اس میں بھی ہمارا ہاتھ نہ ہو۔''

''پھر تمہارا کیا جواب تھا؟'' میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

''میں اس قصے میں اپنی شمولیت کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ باس باخبر اور تجربے کار آدمی ہے۔ زمانے کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتا ہے۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ ارجن کمار کے قتل اور پھر گوپال کی گرفتاری تک میں تمہارے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا تو سارے اشارے یہی بتا رہے تھے کہ مقامی سازشوں کا سرغنہ سوبھراج ہے۔ پھر مجھے سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا اور میں نے اس معاملے میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔''

''ساتھ چھوڑنے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ باس کو میرے اور تمہارے مراسم کا خوب علم ہے۔''

''اسے سب پتا ہے۔ اسلام آباد میں وہ تم سے بھی مل چکا ہے اور تمہاری خداداد صلاحیتوں کا کھلے دل سے معترف ہے۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میرے دست بردار ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ تم اپنی ٹیم کے ساتھ بدستور سوبھراج کی راہ پر لگے ہوئے ہو۔ شہر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ تمہارے اور سوبھراج کے ٹکراؤ کا شاخسانہ ہے۔ سوبھراج تم سے خوف زدہ ہے اور کھسیا کر سارا الزام ایس ٹی ایف کے سر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے خوش ہو کر کہا ''تم نے ذرا مبالغے سے کام لیا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے بڑے کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت رکھتے ہو۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے ورنہ ڈسپلن کے مارے، بیشتر ماتحت اپنے افسر کی ہر کڑوی کسیلی بات سن کر سر جھکائے رہتے ہیں۔''

''میں سرکش نہیں ہوں۔ اس کا بہت ادب کرتا ہوں مگر حق بات کہنے سے خود کبھی نہیں چوکتا۔ وہ آج تک میری اس روش پر ناراض نہیں ہوا اس لیے میں نے آج بھی اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اس پورے کھیل کو سمجھ رہا ہے لیکن اوپر کے احکام سے مجبور ہے۔''

''تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ایک افسر کراچی میں ہونے والے پیچیدہ کھیل کو پوری طرح سمجھ رہا ہو گا۔ کیا اس نے اس بارے میں کچھ کہا ہے۔''

''ہر بات کہی نہیں جاتی۔ کچھ سمجھنے کے لیے بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تمہارا ذکر سن کر اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی جو اس کی رضامندی کے مترادف تھی۔ دوسروں کی طرح وہ بھی یہ چاہتا ہے کہ سرکاری اہلکار سوبھراج سے دور رہیں۔ اور تم اسے سب کے سامنے ننگا کر دو۔''

''تم نے اسے بتا دیا کہ سوبھراج پچھلی رات ملک سے فرار ہو گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ کیسے بتا دیتا؟'' اس کی آواز بے ساختہ تھی ''یہ خبر تم نے نکالی تھی۔ اس کا ذکر کر کے میں یہ مان لیتا کہ میں اب بھی تمہارے ساتھ کام کر رہا ہوں! حیرت کی بات یہ ہے کہ راج محل والے اس بارے میں خاموش ہیں۔ اخبارات میں بھی اس کی اچانک روانگی کے بارے میں ایک لفظ نہیں چھپا۔ شاید اس نے اپنی روانگی خفیہ رکھی ہے۔''

''خفیہ رکھتا تو اسے مجھ سے اقرار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس کی روانگی غیر ضروری تشہیر نہیں کی جا رہی۔ ہو سکتا ہے کہ آج یہ خبر پھیل جائے.... تم اپنے باس کی بات کر رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری اور تمہاری دوستی کی وجہ سے کوئی مخالفانہ تبصرہ نہ کرنا چاہ رہا ہو۔''

''مخالفت بہت دور کی بات ہے۔ وہ درپردہ تمہاری حمایت کر رہا ہے۔ اس نے جلال کی دی ہوئی یہ تجویز مان لی کہ کرنل داور ایس ٹی ایف کے باضابطہ نمائندے کے طور پر سوبھراج سے مل کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش

کرے!" اس نے انکشاف کیا۔
"اوہ! گریٹ!" میں خوشی سے اچھل پڑا "یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔ اب میں سینہ تان کر راج محل کے پھاٹک پر دستک دوں گا۔"
"میں یہی کہہ رہا تھا کہ بہت سی باتیں سمجھی جاتی ہیں، کہی نہیں جاتیں۔ وہ میرا افسر ہے۔ میں اس کے مزاج اور لب و لہجے کو خوب سمجھتا ہوں۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کہاں بول رہا ہے۔"
"پھر تم بلاوجہ اداس کیوں ہو رہے ہو۔ تم سے رسمی باز پرس کر کے اس نے اپنا فرض نبھایا اور تمہاری تجویز مان کر تمہیں بھی سرخرو کر دیا۔ تمہیں مضمحل ہونے یا صدمہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ملازمت تو نام ہی سمجھوتوں کا ہوتا ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا ملازم کیوں نہ ہو، آخر ملازم ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سمجھوتے کر رہا ہے۔ تم کو اس کی مجبوریوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔"
"تم سے بات کرتے ہوئے اب میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ آواز آئی۔
"تمہارے باس کو یہ تو پتا ہے ناکہ ماضی میں، میں ہی کرنل داور کا کردار ادا کرتا رہا تھا۔" میں نے جانتے ہوئے بھی انجان بن کر اس سے تصدیق چاہی۔
"بالکل ہے۔ اس سلسلے میں پہلا فیصلہ میرا تھا مگر بعد میں، میں نے اسے بتا دیا تھا۔ امریکیوں نے تمہاری باتوں کا چرچا اسلام آباد تک پہنچا دیا تھا۔ میرا باس کیا، کئی افراد کو علم ہو چکا ہے کہ کرنل داور کے روپ میں تم دو اجلاسوں میں شرکت کر چکے ہو۔"
"اب میں کھلے دل کے ساتھ سوبھراج کی خبر لے سکوں گا۔ اس بار تم تماشا دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔"
"میں کوئی تماشا نہیں دیکھ سکوں گا۔ مجھے بالکل دور اور الگ رہنا ہے۔ اسے سمجھانے کا کام تم سرانجام دو گے۔"
"تو کیا اسٹیشن فور والوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"تم جو مدد یا تعاون چاہو گے وہ تم کو فراہم کیا جائے گا۔ میں تم سے دور رہوں گا۔"
"یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے یا باس نے تمہیں کوئی خاص ہدایت دی ہے۔"
"باس بہت زیادہ اصول پرست ہے۔ سوبھراج کی شکایت کے نتیجے میں، میں خود ایک فریق بن گیا ہوں اس لیے مجھے الگ تھلگ رکھنا چاہ رہا ہے۔"

"یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس نے ایس ٹی ایف کے ہراساں کرنے کی شکایت کی ہے۔ اس طرح تو تمہاری فورس کا ہر فرد اور جوان ایک فریق بن گیا ہے۔"
"وہ اطلاعات بے سروپا تھیں۔ اس نے نام لے کر میری شکایت کی ہے کہ میں اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہراساں کر رہا ہوں۔"
"پھر تمہارے باس کی بات قابلِ فہم ہے۔ میں ذرا رعب اور دبدبے کے ساتھ راج محل جانا چاہوں گا۔"
"اسٹرائیک یونٹ کی بکتر بند گاڑیاں خاصی ہیبت ناک ہیں..."
بس، بس وہی ایک گاڑی، چار کمانڈوز کے ساتھ ٹھیک رہے گی۔" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔
اول خان ہنس پڑا۔ "اس وقت تم نے بچوں جیسی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ چاہو تو دو تین گاڑیاں لے لینا۔"
"ہر انسان میں پیدائشی طور پر ایک بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے جو کبھی کبھی ابھر کر پوری شخصیت پر حاوی ہو جاتا ہے۔ سوبھراج مغرور اور چھچھورا آدمی ہے۔ میں اسے احساس دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی تمام مراعات کے باوجود کچھ لوگوں سے کم تر ہے۔ اسے احساس دلانے کے لیے طاقت اور شان کا اظہار ضروری ہے۔"
"تم اس طرح باتیں کر رہے ہو جیسے ابھی اس کے گھر جانے کا ارادہ ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ باہر سے کب آتا ہے۔ اس کے بعد تم اس سے مل سکو گے۔"
"کرنل داور تمہاری کسی ہدایت یا مشورے کا پابند تو نہیں ہوگا۔" میں نے پوچھا۔
"نہیں... تمہیں ہر قول و فعل کی مکمل آزادی ہوگی مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"
"بس، اب دیکھ لینا کہ وہ جلد ہی پاکستان لوٹ آئے گا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔
"کیا اس کو واپسی پر مجبور کرنے کے بارے میں تم کچھ سوچ رہے ہو؟" میرے پر اعتماد لہجے نے اول خان کو چونکا دیا تھا۔
"کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا ورنہ وہ باہر بیٹھا چین کی بانسری بجاتا رہے گا اور اس کے آدمی یہاں گڑبڑ کرتے رہیں گے۔"
"تمہارا اندیشہ بجا ہے لیکن ابھی تک اس کے آدمیوں کی طرف سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔" اس نے میرے اندیشے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''کل رات کے صدمے سے سنبھلنے کے لیے انہیں وقت درکار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سوبھراج کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ وہ اپنی نئی منزل پر پہنچ کر فیصلہ کرنے میں وقت لے گا۔ میں اگلے دو تین دنوں میں ان لوگوں کی طرف سے کسی گڑبڑ کی توقع کر رہا ہوں۔''

''دو تین دن تک انتظار کرتے کرتے میرے اعصاب چیخ جائیں گے۔ تم سوبھراج کو جلد از جلد واپس بلانے کی کوئی تدبیر سوچو۔ اس کے یکایک بھاگ جانے سے سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ بوکھلا کر یوں ملک سے باہر بھاگ جائے گا۔''

''اس قسم کے بڑے آدمی جب تک میدان میں جمے رہتے ہیں' ان کا مقابلہ کرنا دشوار نظر آتا ہے لیکن جب ان کے قدم اکھڑتے ہیں جو پھر ان سے ایسی ہی بدحواسیاں سرزد ہوتی ہیں۔ آج تمہارے رپورٹر نے گینگ وار کا لفظ استعمال کر کے دوسروں کو کمال کی راہ دکھائی ہے۔ جوں ہی سوبھراج کی ملک سے اچانک روانگی کی خبر پھیلے گی' ہر ذہن میں مزید شکوک و شبہات پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ خبر سازی میں سبقت حاصل کرنے کی دوڑ میں ہر نامہ نگار اور رپورٹر اپنی اپنی کہانی سامنے لائے گا۔''

اس گفتگو کی ابتدا اوطی خان کے اداس لب و لہجے سے ہوئی تھی لیکن جب میں نے فون بند کیا تو اس کی آزردگی دور ہو چکی تھی۔

''یہ بہت بڑی اطلاع ہے کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ نے آپ کو سوبھراج سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔'' غزالہ نے مسرت آمیز لہجے میں کہا ''ابھی تک ایسا لگ رہا تھا جیسے غداروں اور سازشیوں کے خلاف جنگ میں ہم تنہا رہ گئے ہیں لیکن اس خبر سے بہت تقویت ملی ہے۔''

''جرم ہر حال میں جرم ہوتا ہے۔'' ویرا نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کہا ''اسے وقتی طور پر چھپایا تو جا سکتا ہے لیکن اس کا ہر سراغ مٹایا نہیں جا سکتا۔ پتا نہیں سوبھراج کب سے ان سب چکروں میں ملوث تھا۔ وہ ہمیشہ بچتا چلا آیا لیکن اب اس کے ستارے گردش میں آ گئے ہیں تو ہر طرف سے گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ احکام اور ہدایات اپنی جگہ پر ہیں۔ سب کی دلی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ کم از کم میں نے ابھی تک خود کو کبھی بے یار و مددگار محسوس نہیں کیا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ جلال سمیت کوئی بھی ذمے دار افسر جرائم سے چشم پوشی کرے گا۔''

''یہ یقین مجھے بھی تھا لیکن ایک مرحلے پر وہ احساس توانا ہونے لگا تھا۔ جس کا ذکر ابھی غزالہ نے کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب ان باتوں کو چھوڑو۔ گزرے ہوئے وقت کا ذکر بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم سوبھراج کو واپس بلانے کے لیے کیا سوچ رہے ہو۔'' ویرا نے پوچھا۔

''سوچ رہا ہوں کہ اس سے ایک مرتبہ پھر سیٹ لائٹ فون پر بات کی جائے۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''رات کو ہی تم اس سے بات کر چکے ہو۔ اس کی بے مقصد دھمکیوں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔'' ویرا منہ بنا کر بولی۔

''رات کی بات اور تھی ڈینی کے نام سے وہ بدکتا ہے اور اپنے خوف پر حاوی آنے کے لیے اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے۔ ایس ٹی ایف کے سربراہ کی طرف سے کلیرنس مل جانے کے بعد اب میرا ارادہ ہے کہ اس سے میں کرنل داور کے روپ میں بات کروں۔''

''کرنل داور!'' غزالہ نے چونک کر دہرایا ''اس حیثیت میں آپ نے کبھی اس سے رابطہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو پہچان ہی نہ سکے۔''

''وہ بہت کائیاں آدمی ہے۔ اسے تم اپنے اصلی نام سے ہی دبا سکتے ہو۔ کسی اور نام سے وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہو گا۔'' ویرا نے بھی اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

''تم لوگوں کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ سوبھراج ہی اپنا حلیہ بدل کر ارجن کمار کے ہوٹل میں حشمت کے نام سے ٹھہرا ہوا تھا اور کوبرا بن کر دوسروں سے...''

''اوہ! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے میری بات درمیان سے کاٹ دی جیسے اسے بھولی ہوئی ہر بات یاد آ گئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی ''واقعات اس رفتار سے رونما ہو رہے ہیں کہ سب کچھ ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اب یاد آیا کہ کرنل داور بن کر تم نک سے مذاکرات کر رہے تھے۔ وہ تمہیں نقاب پوش کوبرا سے ملنے پر مجبور کر رہا تھا اور تم اس سے ملاقات پر آمادہ نہیں تھے۔''

''ہمارے ذہنوں میں باتیں گڈمڈ ہو سکتی ہیں۔ سوبھراج کو سب کچھ یاد ہو گا۔'' سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

''آپ اس سے کب بات کریں گے؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''وہ مغرب کی طرف گیا ہے تو وہاں اب صبح ہو گی۔ مشرق بعید میں شام ڈھل رہی ہو گی۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا ''رات ختم ہونے سے پہلے اس کا سفر مکمل ہو گیا ہو گا۔ میری دانست میں یہی وقت اس سے رابطہ

قائم کرنے کے لیے موزوں ہے۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" ویرا نے روانی میں کہا پھر چونک کر بولی "اس سے بات کرنے سے پہلے ذرا نک کو بھی دیکھ لو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ایک کال راج محل بھی کر ڈالو۔ پتا چل جائے گا کہ سوبھراج کی غیر حاضری کے بارے میں اب وہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

ویرا کی دونوں باتیں معقول تھیں۔ راج محل سے رابطہ کر لینے کے بعد میں سوبھراج کو یہ جتا سکتا تھا کہ میں نے اس کے لیے پہلے اس کے گھر فون کیا تھا۔ بعد میں مجبور ہو کر سیٹ لائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا۔ میں نے راج محل کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف پہلی اور دوسری گھنٹی بجتی رہی تو مجھے اندازہ ہوا کہ سوبھراج کے اچانک بھاگ نکلنے کی وجہ سے وہاں کا سارا نظم و ضبط تباہ ہو گیا تھا اور افراتفری پھیل گئی تھی ورنہ وہاں سے جواب ملنے میں شاید اتنی تاخیر نہیں ہوتی تھی۔

راج محل کوئی دفتر نہیں' ایک بڑا گھر تھا۔ وہاں اہل خانہ کی تعداد جو بھی رہی ہو' مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ عمارت ملازمین کی ایک قابل لحاظ تعداد سے آباد تھی۔ میں فون کا ریسیور کان سے لگائے انتظار کرتا رہا۔ آخر کار پانچویں گھنٹی پر دوسری طرف سے جواب ملا۔ میں نے آواز پہچان لی۔

"میں کرنل داور بول رہا ہوں۔ سوبھراج کہاں ہے!" میں نے بدلی ہوئی رعب دار آواز میں کہا۔

وہ میری آواز اور عہدے سے مرعوب ہو گیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں جلدی سے بولا "سر! وہ موجود نہیں ہیں۔ ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے نوٹ کرا دیں۔ میں سنیل بول رہا ہوں... ان کا پرسنل سیکریٹری!"

"کل رات تک وہ کراچی میں تھا۔ اچانک کہاں چلا گیا۔" سنیل کا حوصلہ افزا جواب سن کر میں نے اگلا سوال کیا۔

"سر! کوئی ضروری کام پیش آ گیا تھا۔ وہ رات کو ہی باہر گئے ہیں۔" میرے لہجے کی تندی پر وہ بوکھلا گیا تھا۔

"کہاں گیا ہے؟" وہ مرعوب ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے دبانا شروع کر دیا۔ سوبھراج سے بات ہونے سے پہلے اس کے سفر کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہو جاتیں اتنا ہی اچھا تھا۔

"سس... سر! وہ بنکاک گئے ہیں۔" اس نے ہکلائی ہوئی آواز میں بے ساختہ جواب دیا۔

"اس سے کوئی رابطہ ہو تو اسے بتا دینا کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"اوکے سر' میں ضرور بتا دوں گا۔" مودبانہ آواز آئی اور میں نے فون بند کر دیا۔

"کمال کر دیا!" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "اس وقت تمہارا لب و لہجہ کرنل جیسا ہی تھا۔"

"یہ اس دنیا کا کھلا اصول ہے کہ جو دبتا ہے اسی کو زیادہ دبایا جاتا ہے۔ منہ لگنے والوں سے ہر ایک گھبراتا ہے۔" سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔" ویرا دوبارہ بولی "اس کی روانگی کو خفیہ نہیں رکھا گیا۔ اب یہ خبر پھیل جائے گی۔"

"ہاں... آں!" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "شاید یہ نہ بتایا جائے کہ وہ بنکاک گیا ہے۔ ہمارے امرا میں وہ شہر سستی عیاشی کے لیے بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے۔"

"کچھ عرصے پہلے تک جسم فروشی کو تھائی لینڈ کی سب سے بڑی صنعت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بیشتر زرمبادلہ اسی سے کماتے تھے۔" ویرا نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

وہ تینوں باتیں کرتے رہے اور میں نک سے ہونے والی گفتگو کی تمہید کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس سے میری آخری گفتگو کا اختتام خاصے ناخوشگوار انداز میں ہوا تھا۔

وہ دفتری اوقات کار تھے پھر بھی میں نے نک کے رہائشی نمبر سے ابتدا کی۔ ایک موہوم سا امکان تھا کہ شاید بارانی موسم کی وجہ سے وہ دفتر سے چھٹی کر کے اپنے گھر پر آرام کر رہا ہو لیکن متعدد گھنٹیاں بجنے کے باوجود اس کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل سکا۔

میں نے اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا تو نک نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"پچھلی بار ہونے والی گفتگو میں تم نے اپنی ساری کشتیاں جلا دی تھیں تو اب مجھے کیوں فون کیا ہے!" میری آواز پہچان کر نک نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"باہر کا موسم خوشگوار ہے۔ اس وقت تمہارا لہجہ بہتر ہونا چاہیے تھا۔ اگر تم بات نہیں کرنا چاہتے تو میں فون بند کیے دیتا ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"نہیں۔ میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ تم کیا بات کرنا چاہتے ہو!" اس کی آواز غیر ارادی طور پر نرم ہو گئی۔

"سوبھراج اس وقت کہاں ہے۔ میرا اس سے رابطہ ہونا بہت ضروری ہے۔" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد براہِ راست وہ خطرناک سوال کر ڈالا۔

"کون سوبھراج... اس سے تمہیں کیا لینا ہے؟" اس کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ میری زبان سے [illegible] نام سن کر اسے

یقینی طور پر شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔
"وہی جسے تم کوبرا کے نام سے متعارف کراتے ہو۔ آج اچانک اس کی شخصیت بے نقاب ہوگئی ہے تو میں اس سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نقاب پوشوں کے ساتھ کام کرنے سے نفرت کرتا ہوں۔ اب مجھے کوبرا کی شخصیت کا علم ہوگیا ہے تو مجھے اس کے ساتھ کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ نک نے خلاف توقع میری بات کاٹنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ پورے تحمل کے ساتھ جاننا چاہ رہا ہوگا کہ مجھے سوبھراج کے بارے میں کیا کچھ معلوم ہوچکا تھا۔
"تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ کوبرا کے بارے میں کسی نے تمہیں ورغلانے کی کوشش کی ہے۔" اس کے الفاظ منتخب اور مضبوط تھے مگر لہجہ یکایک کمزور پڑ گیا تھا۔
"نک! میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو۔ میں رضامند نہیں تھا تو تم مجھے کوبرا کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اب میں آمادہ ہوں تو تم بہک رہے ہو۔ میں جس کے پیچھے لگ جاتا ہوں اس کا پوری طرح کھوج لگائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔ میرے ایک اشارے پر اب ایک معمولی سا سپاہی بھی آسانی سے یہ ثابت کردے گا کہ سوبھراج، حشمت اور کوبرا ایک ہی شخصیت کے تین روپ ہیں۔"
"اس وقت تم ڈینی کی زبان بول رہے ہو۔ میں اس کا یہ ہذیان سن چکا ہوں۔" نک کی آواز پر اچانک اضطراری کیفیت طاری ہوگئی "شاید ذرا سی محنت سے سوبھراج کو حشمت ثابت کیا جاسکتا ہو۔ یہ ایک قدرتی بدقسمتی ہے کہ سوبھراج اپنی ناک کی بناوٹ کو کسی طرح نہیں بدل سکتا لیکن اسے کوبرا ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ بکواس صرف ڈینی کی ہے۔"
"تم نے اب بات سمجھ لی ہے۔ یہ راز ڈینی نے اگلا ہے۔ تم مزید کچھ سننا چاہتے ہو تو سنو کہ حشمت کے کوبرا بننے کا راز سیتا کانت نے اگلا تھا جسے تم نے مروا دیا۔"
"یہ سب بکواس ہے۔ سیتا ماری جاچکی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کرسکتی کہ سوبھراج نے کوبرا کا روپ دھارا ہوا تھا۔"
"سیتا کو تم نے..." میں نے اسے مشتعل کرنے کے لیے بات شروع کی تھی کہ اس نے تیزی سے بولنا شروع کردیا۔
"اسے میں نے نہیں مروایا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ ڈینی میرے خلاف ہر طرف زہر پھیلا رہا ہے۔"
"سیتا کو کسی نے مروا دیا مگر گوپال ابھی زندہ اور زیر حراست ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ گوپال کی معلومات سیتا سے کم نہیں ہوسکتیں۔"
"میرے لیے تمہاری یہ ساری باتیں بے سروپا ہیں۔ تم سوبھراج کو نہیں جانتے۔ اسے تمہاری ان الزام تراشیوں کی بھنک بھی مل گئی تو کوئی سرکاری ڈاکٹر تمہیں ذہنی مریض قرار دے کر عمر بھر کے لیے پاگل خانے میں ڈلوا دے گا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کس کے خلاف کیچڑ اچھال رہے ہو۔ یہ سارا گند تمہارے اپنے منہ پر آپڑے گا۔"
"اسی لیے میں اس کی تلاش میں ہوں۔ تم بلاوجہ مشتعل ہو رہے ہو۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اندر کی ساری باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ ڈینی میرے ذاتی قید خانے میں ہے۔ بجلی کے جھٹکوں نے اس کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس نے ہر بات اگل دی ہے۔ سوبھراج کو اپنی زندگی عزیز ہے تو اسے رضاکارانہ طور پر سیاست سے کنارہ کش ہوجانا چاہیے۔"
"اگر ڈینی تمہارے قبضے میں آگیا ہے تو تم غلط آدمی کو تلاش کر رہے ہو۔" نک کی آواز جذبات کی شدت سے مرتعش سی ہوگئی "ڈینی کا سب سے بڑا خریدار میں ہوں۔ بیس لاکھ ڈالر تمہاری کایا پلٹ دیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم نے ڈینی کو میرے حوالے کردیا تو تمہیں سوبھراج سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ کسی افسوس ناک حادثے میں مرجائے گا۔ اس کے لیے بلاوجہ اپنا وقت برباد مت کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں تم سے کہاں مل سکتا ہوں۔"
"نہیں نک۔ تم الٹی بات کر رہے ہو۔ میں اتنی آسانی سے بکنے والا ہوتا تو روز اپنی بولی لگوا رہا ہوتا۔ میں اپنے مفاد پر کوئی سودا نہیں کرسکتا۔ سوبھراج غدار ہے۔ پہلے اس کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد میں تم سے کوئی اور بات کروں گا۔"
"کرنل! تم بہت ضدی اور سنگ دل ہو۔ میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ مجھے کچھ وقت درکار ہے۔"
"میں تمہیں صرف ایک گھنٹا دے سکتا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "خوب سوچ سمجھ لو۔ میں ایک گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈاسٹارزنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈاسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیمی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن تو نملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کرائے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہوچکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہوچکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کررہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اپٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کراچکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کرڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کردیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی تو نملیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ تو نملیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں تو نملیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں، میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلدی ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی نائین عمارت میں موجود ہوسکتا تھا۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کرلیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہوچکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں کی ایک کو وجے پر شک ہوگیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ڈیمی اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہوسکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دیکھے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیمی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں قتل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک باروے نے تصدیق کردی کہ ڈیمی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہ عجلت اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک باروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر نک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

○☆○

یا تو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ واقعات میں ایک عجیب اور اعصاب شکن ٹھہراؤ آیا ہوا تھا۔ ہلچل پیدا ہوئی تو ہر طرف ہی کچھ نہ کچھ ہونا شروع ہو گیا۔ راج محل میں ویرا کی چال کامیاب ہونے کے بعد واقعات میں اچانک تیزی آ گئی تھی۔

"آپ نے اچانک اس سے کیا کہہ دیا۔ آپ کو بات کرنل داور تک محدود رکھنی چاہیے تھی۔ اپنا نام درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ نے قدرے تعجب کے ساتھ کہا۔

"یہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ مجھے کرنل داور کے روپ میں ہر بات معلوم نہیں تھی۔ میں نے دورانِ گفتگو میں نک کو کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں جو صرف مجھے یعنی ڈینی کو معلوم تھیں۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر جواب دیا "اگر میں اسے یہ نہ بتاتا کہ ڈینی اب کرنل داور کے قبضے میں آ چکا ہے تو اس کے ذہن میں شکوک و شبہات سر ابھارنے لگتے کہ ڈینی اور کرنل داور کے کرداروں میں کہیں نہ کہیں کوئی گھپلا ضرور ہے..."

"اب بات میری سمجھ میں بھی آ رہی ہے۔" ویرا نے میری بات درمیان سے اچک کر اعتراف کیا "باتیں گڈمڈ ہونے سے اسے شبہ ہو جاتا کہ تم ہی کرنل داور بنے ہوئے ہو۔ اس کے ذہن کو ایسے کسی خیال سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی مضبوط حیلے کی ضرورت تھی۔"

"تم نے ڈینی کو کرنل داور کا قیدی ظاہر کر کے یہ جواز فراہم کر دیا کہ ڈینی کی معلومات کرنل تک کیسے منتقل ہوئیں لیکن اب وہ ڈینی کا سب سے بڑا خریدار ہے۔ وہ پہلی فرصت میں کرنل سے ڈینی کا سودا طے کرنا چاہے گا۔" سلطان شاہ بھی اس وقت سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں تجسس کی آگ بھڑکا کر میں نے وقت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" میں نے کہا "تم نے سنا نہیں کہ میں نے غدار کے انجام کو ڈینی کے سودے پر کھلی ترجیح دی ہے۔ اب پہلے کوبرا یا سوبھراج کی بات ہو گی پھر ڈینی کی باری آئے گی۔"

"اور اس سے پہلے کھیل نمٹ چکا ہو گا۔" ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی "تم میری بات کہیں لکھ لو کہ اب نک اپنے مفاد کے لیے سوبھراج کو مروا دے گا۔ اس نے تمہیں اشارہ دے ہی دیا ہے کہ تم اس سے ڈینی کے بارے میں کوئی ڈیل کر لو تو سوبھراج کو کسی حادثے میں مروا دیا جائے گا۔"

"شاید تم نے نک کو قبل از وقت اس معاملے میں ملوث کر لیا۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا "پہلے ہمیں اپنی سی کوشش کر لینی چاہیے تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نک یا کسی اور کی مدد کے بغیر اس زہریلے ناگ کا پھن کچلنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"تم معروضی حالات کو نظرانداز کر کے تصوراتی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا نے جواب دیا "سوبھراج تمہارا ایک اہم سیاسی رہنما ہے۔ ایجنسیاں اس کے سائے سے بھی دور ہیں۔ اس کی ایک شکایت پر اول خان جیسے مخلص اور فرض شناس افسر سے جواب طلب کر لیا گیا ہے۔ ایسے دشمن کے خلاف ہر طرف سے اور پوری قوت کے ساتھ حملہ کرنا ضروری ہے۔ ایف بی آئی اور سی آئی اے والے اپنے حریفوں کو خاموشی کے ساتھ راستے سے ہٹا دینے کے طریقوں میں مہارت اور عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے لیے سوبھراج کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر ڈینی کی سمجھائی ہوئی بات نک کے ذہن میں بیٹھ گئی تو تمہارے اس اہم سیاسی رہنما کو وہ ایک اشارے سے اڑوا دے گا۔ یہ کام امریکی بہت غیر جذباتی بلکہ سرد انداز میں انجام دے سکتے ہیں۔"

"دیکھنا ہے کہ ایک گھنٹے بعد نک کیا جواب دیتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"وہ تمہارے نام سے خوف زدہ ہیں۔ اس سے چھٹکارا پانا ان کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ سوبھراج کا متبادل آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ نک کا جواب اثبات میں ہو گا۔" ویرا پر یقین لہجے میں بولی۔

"وہ ہمیں ڈبل کراس بھی کر سکتا ہے۔ کرنل داور سے وعدہ کر لے اور عملی طور پر سوبھراج کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔" سلطان شاہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا "میری بنیادی شرط یہی ہو گی کہ سوبھراج کا انجام سامنے آنے کے بعد ڈینی کے بارے میں کوئی بات ہو سکے گی۔"

"وہ مٹی کا پتلا اور عقل سے پیدل نہیں ہے۔ اسے بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ سوبھراج کو مروا کر تم اپنی بات سے پھر جاؤ گے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"یہ محض قیاس آرائیاں ہیں۔" غزالہ نے گفتگو میں دوبارہ حصہ لیتے ہوئے کہا "اصل بات اسی وقت سامنے آئے گی جب یہ ایک گھنٹے بعد دوبارہ اس سے بات کریں گے۔ سب کچھ پہلے سے سوچا اور طے نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو فی البدیہہ اس کی ہر بات کا بھرپور جواب دینا ہو گا۔"

"یہ تم نے لاکھ روپے کی بات کہی ہے۔ یہ ڈینی کی ذہانت کا امتحان ہوگا کہ وہ نک کو کیسے ہینڈل کرتا ہے۔" ویرا نے مسرت سے کہا۔

میں مسکرا کر رہ گیا۔ میرے لیے اس مرحلے پر کچھ کہنا بیکار تھا۔

"سب کچھ ہو گیا مگر ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔" غزالہ نے اس بار براہِ راست ویرا کو مخاطب کرکے کہا "اجازت ہو تو پوچھ لوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی زہریلا خیال آیا ہے۔" ویرا بولی "تم مسز ڈینی ہو۔ تمہیں سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو، پوچھ سکتی ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوبھراج جیسا چالاک اور مکّار شخص اتنی آسانی سے تمہاری چال میں کیسے آگیا کہ تمہیں نہایت آسانی کے ساتھ اس کے چنگل سے نجات مل گئی۔"

"نتائج دیکھ لینے کے بعد تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔

"نتائج نے ہی مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کیا ہے کہ تمہیں باہر بھیجنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سوبھراج کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔ اس نے اپنی دانست میں بالکل صحیح اور دانش مندانہ فیصلہ کیا تھا۔" میں نے ویرا کی حمایت کی۔

"کیا وہ یہ بھول گیا تھا کہ ویرا بہت چالاک ہے اور اس کے آدمیوں کو جل دے کر نکل سکتی ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"ایک عورت یا لڑکی کتنی ہی چالاک اور زور آور کیوں نہ ہو، چار تجربہ کار آدمیوں کے نرغے سے فرار نہیں ہوسکتی۔" اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی وکالت کی تھی "سوبھراج نے یہی سوچ کر ویرا کو اپنے چار منتخب آدمیوں کے ساتھ بھیجا ہوگا۔ یہ ویرا کے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے بروقت دونوں زہریلی انگوٹھیاں یاد آگئیں اور اس نے انہیں بہترین طریقے سے بیک وقت استعمال کرکے حالات کا پانسہ پلٹ دیا۔ سوبھراج نے اپنی دانست میں ویرا کو بالکل غیر مسلح کردیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ویرا کی انگلیوں میں پڑی ہوئی انگوٹھیاں ضرورت کے وقت موثر ترین ہتھیاروں میں بدل سکتی ہیں۔"

"یہ سب بعد میں پیش آنے والے واقعات تھے۔ سوبھراج کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ویرا کو اپنے آدمیوں کے ساتھ ہوا خوری کے لیے بھیجتا۔" وہ موضوع چھڑ جانے کے بعد غزالہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب حاصل کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔

"تم نے شاید میری باتیں غور سے نہیں سنیں۔ بس میری ایک بات تمہارے ذہن میں اٹکی رہ گئی۔" اس بار ویرا نے غزالہ کے اعتراض کا جواب دیا تھا "میں نے اسے ہوا خوری کے لیے باہر چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر اس نے مجھے ٹال دیا تھا۔ بات اس وقت بنی جب اس کے دل میں ڈینی کو پکڑ لینے کا تجسس پیدا ہوا۔ وہ ہلکے سے سرور میں تھا، مجھ پر غالب تھا اور جب میں نے سرسری انداز میں یہ امکان ظاہر کیا کہ ڈینی جہانگیر کے گھر پر موجود ہوسکتا ہے تو وہ بے چین ہوگیا۔ اس نے مجھے ہوا خوری کے لیے نہیں، ڈینی کو پکڑوانے میں مدد دینے کے لیے اپنے آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ اسے تم میری خوش نصیبی کہہ سکتی ہو کہ میں اس کے دل میں ڈینی کے بارے میں خوش گمانی پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کی ذہنی رو ڈینی کی طرف نہ بھٹکتی تو وہ کسی قیمت پر مجھے کھلا آسمان نہ دیکھنے دیتا۔ راج محل کی دیواروں میں میری مٹی پلید کرکے رکھ دیتا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا۔ تم ایسی باتوں کی عادی ہوگئی ہو۔" سلطان شاہ نے نیچی آواز میں تبصرہ کیا۔

"کیا...؟ تم کن باتوں کا ذکر کررہے ہو؟" ویرا نے چونک کر اشتباہ آمیز انداز میں سوال کیا۔

"کک... کچھ نہیں۔ میں خوش گمانی اور بدگمانی کا ذکر کررہا تھا۔" ویرا کے جارحانہ لہجے پر سلطان شاہ بوکھلا گیا۔

"تمہارے پکڑے جانے کی خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔" میں نے بات گھمانے کے لیے گہرا سانس لے کر کہا۔ "ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے تمہارا کھیل ختم ہوگیا ہو۔ میری دانست میں یہ معاملہ بہت لمبا چلنا چاہیے تھا لیکن بہت حیرت ناک سرعت سے نمٹ گیا۔"

"میری بھی عقل ماؤف تھی۔" اس بار ویرا نے ایمان داری سے کہا "شراب نوشی کے دوران میں، میں کئی مسائل کا شکار تھی۔ بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں اسے خود سے دور رکھنے کی کوشش کررہی تھی، تمہارے ایما پر اسے یہ باور کرانا چاہ رہی تھی کہ میں تمہاری بالادستی سے عاجز آئی ہوئی ہوں، پھر اسے تمہاری تلاش پر اکسا رہی تھی۔ اس کے لیے یہ خیال کسی طاقت ور مقناطیس کی طرح پُرکشش ثابت ہوا کہ جہانگیر کے گھر پر چھاپا مار کر تم کو پکڑ لیا جائے۔ یہ انوکھا خیال خود میں نے اس کے ذہن میں ڈالا تھا مگر جب اس نے میری

یہ تجویز قبول کرلی تو میں خود چکرا کر رہ گئی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ میری آزادی کا نکتہ آغاز ثابت ہوگا۔ میری ذہن میں یہ خلش ڈنک مارنے لگی کہ میں خود تو پکڑی گئی تھی، اپنے ساتھ جہانگیر کے لیے بھی ایک گمبھیر مسئلہ پیدا کرنے جارہی تھی۔ تمہارے ہاتھ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سوبھراج کے آدمی میرے ساتھ جاکر ایک بار جہانگیر کا گھر دیکھ لیتے تو بار بار اسے تنگ کرنا شروع کردیتے اور کچھ عجب نہیں کہ اسے بھی پکڑ کر راج محل میں لے آتے۔"

"اب تم نے اصل بات بتانی شروع کی ہے۔" ویرا سانس لینے کے لیے خاموش ہوئی تو غزالہ نے توصیفی لہجے میں کہا "میں یہی سب جاننا چاہ رہی تھی کہ تم نے اچانک کون سا منتر پڑھا کہ اس کی عقل گھاس چرنے چلی گئی۔"

"اس پر ڈینی کے نام کے سوا کوئی منتر کام نہیں کرسکتا تھا۔" ویرا نے ہنستے ہوئے بتایا "راج محل سے روانہ ہونے تک میں پریشان تھی کہ ان چاروں کو کہاں لے جاؤں، کس طرح دھوکا دوں۔ میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور احمقانہ خیالات سر ابھار رہے تھے۔ میں نے کئی بار ان سے لڑ مرنے کے بارے میں سوچا مگر اس کا نتیجہ اپنی دردناک موت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آخری درجے کی بے بسی کے عالم میں اچانک میرے ذہن میں اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھیوں کا خیال آیا اور تیزی سے جان پکڑتا چلا گیا۔ راج محل سے کافی دور نکل جانے کے بعد مجھے وہ دھیان آیا تھا اور میں نے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کردی۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس نجات میں تمہاری کسی منصوبہ بندی سے زیادہ تمہارے مقدر کی خوبی کا دخل تھا۔ سوبھراج نے تمہیں راج محل سے باہر نکالنے کا فیصلہ کیا اور پھر سفر کرتے ہوئے تم کو مایوسی کے عالم میں اپنی زہرناک انگوٹھیاں یاد آگئیں۔" سلطان شاہ نے اپنی ٹانگ اڑائی۔

"یہ کریڈٹ پھر بھی ویرا کو جاتا ہے۔" میں نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "اس نے سوبھراج سے اپنی گفتگو اس ڈھب سے آگے بڑھائی کہ اسے جہانگیر کے گھر پر ملنے کا یقین ہوگیا۔ اسے یقین نہ ہوتا تو وہ ویرا کو ہرگز باہر نہ بھیجتا۔"

"یہ باریکیاں ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔" ویرا بولی "یہ بات تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ اس وقت میں سوبھراج سے روانی سے باتیں کررہی تھی لیکن میرے ذہن پر بہت بھاری بوجھ تھا۔ میں ایک ایک لفظ تول کر بول رہی تھی۔"

"بس، اب تم نے اس کا دماغ خراب کردیا۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر منہ بناتے ہوئے، مجھ سے شکوہ کیا "خود ستائی اس کا پرانا مرض ہے۔ حمایت کے دو بول سنتے ہی پوری شدت سے عود کر آتا ہے۔ اب یہ ایک گھنٹے تک خود اپنی تعریفیں کرکے ہمارے کان کھاتی رہے گی۔"

"میں تمہاری طرح اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بنتی۔" ویرا نے جل کر کہا "میں حقیقت بتا رہی ہوں۔ تم کو نہیں سننا تو نہ سنو۔ میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔"

"تم سلطان شاہ کی طرف سے اپنے کان بند کرلو۔" غزالہ نے اسے مشورہ دیا "اور اپنی بات جاری رکھو۔ یہ زیادہ دیر تک تم سے نہ الجھے تو اسے اختلاجی دورہ پڑنے لگتا ہے۔ تم اس کے خلجان کو نظرانداز کردو۔"

ویرا نے قہربار نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "میرے لیے وہ سارا وقت بہت کڑا اور اعصاب شکن تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ کل کسی نے مجھ سے اس تازہ واقعے کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ آج تمہیں ہر بات یاد آرہی ہے۔"

"یہ باتیں کل بھی میرے ذہن میں گردش کررہی تھیں۔" غزالہ بولی "اس وقت تمہارے اعصاب بھڑکے ہوئے تھے۔ تم مشکل حالات سے نکل کر آئی تھیں۔ میں نے تمہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس وقت شاید تم یہ تفصیلات بتا بھی نہیں سکتی تھیں۔"

"واقعی وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔" ویرا نے ہلکی سی جھرجھری لے کر کہا "جو کچھ ہوا، بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ شاید میں اپنے فیصلے پر عمل کرنے میں زیادہ دیر لگاتی لیکن گارڈن روڈ پر اول خان کی گاڑی دیکھنے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور میں تیزی کے ساتھ اپنے فیصلے پر عمل کرگزری۔"

"ڈینی تمہاری رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ تم چوہے دان میں پھنسی ہوئی ہو۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا "اسے اندازہ تھا کہ باہر سے مدد کا کوئی آسرا ملے بغیر تم پھلی بھی نہیں پھوڑ سکو گی۔ اس نے خاص طور پر اول خان سے کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے گاڑی آگے نکلوائی تھی۔ اب تم خود مان رہی ہو کہ وہیں سے تمہاری کہانی کا رخ بدل گیا۔ تم کو ہماری مبارک صورتیں نظر نہ آتیں تو تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتیں۔"

"میں نے ڈینی اور اول خان کو دیکھا تھا۔ تمہاری

صورت نظر آتی تو بنتا ہوا کام بگڑ جاتا۔"

"یہ تمہاری نظروں کا قصور ہے۔" سلطان شاہ نے اکڑ کر کہا "میں بھی ان دونوں کے ساتھ موجود تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم آسمان سے نہیں ٹپکے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ تھے مگر میں نے تمہاری صورت نہیں دیکھی تھی۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"او ور ٹیکنگ کے وقت تم نیچے دبک گئے تھے۔" میں نے بحث سمیٹنے کے لیے سلطان شاہ کو یاد دلایا "سوبھراج کے آدمیوں میں سے کوئی تم کو پہچان سکتا تھا۔"

"اس وقت تم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور ناگواری سے سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔

"جو جہاں تھا وہاں بہت کامیاب تھا۔" غزالہ جلدی سے بولی "رات کی مہم تم تینوں نے اول خان کے ساتھ مل کر سر کی تھی۔"

"پچھلی کامیابیوں پر ضرورت سے زیادہ رشک کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ان تینوں کو تادیب کی "ویرا بری طرح اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ ابھی صرف اس کو آزادی ملی ہے۔ سوبھراج کا اصل مسئلہ اپنی جگہ پر جوں کا توں ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"اب کیا سوچنا۔ نک کو ورغلا کر تم اپنا کام شروع کر چکے ہو۔" ویرا نے برجستہ کہا۔

"نک کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا فیصلہ ایک گھنٹے بعد ہی معلوم ہوگا۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"تم اس دوران میں سوبھراج سے سیٹلائٹ فون پر بات کیوں نہیں کر لیتے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

اس کا سوال معقولیت پر مبنی تھا۔ میں سوبھراج کے لیے راج محل فون کر چکا تھا۔ وہاں سے ملنے والی اطلاع کے مطابق وہ بنکاک میں تھا۔ پچھلی رات میں نے کراچی ائر پورٹ پر اس سے سیٹلائٹ فون پر بات کی تھی۔ اس وقت میں ڈینی بنا ہوا تھا۔ اس بار مجھے اس سے کرنل داور بن کر بات کرنی تھی۔

میں نے کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر اپنے خیالات کو یکجا کیا اور پھر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

سوبھراج کے لیے سیٹلائٹ فون بہت اہم تھا۔ مجھے یہ اندازہ تھا کہ سیٹلائٹ فون کے نمبر کے ساتھ کسی ملک یا شہر کا کوڈ ڈائل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فون دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو' اس کا نمبر وہی رہتا ہے۔ اس کی پہلی گھنٹی بجتے ہی مجھے سوبھراج کی طرف سے جواب مل گیا۔ اس کی آواز بہت صاف اور واضح تھی۔

"سوبھراج صاحب! میں کرنل داور بول رہا ہوں۔" میں نے بدلی ہوئی رعب دار آواز میں کہا۔

"کون کرنل داور؟" اس نے حیرت سے سوال کرنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے اس کی آواز میں تشویش کا عنصر محسوس ہوا تھا۔ میرا مودبانہ انداز شاید اس کے لیے مزید حیران کن رہا تھا۔

"سر! میں اس ایجنسی کا افسر ہوں جس سے آپ کو کچھ شکایت پیدا ہوگئی ہے۔"

"اوہ! شاید تم اسپیشل ٹاسک فورس کی بات کر رہے ہو۔" اس کی آواز میں بے پروائی آگئی۔ کرنل داور کا نام اس کے لیے کسی بھی طرح اجنبی نہیں ہوسکتا تھا۔ نک کرنل داور کو گھیر گھار کر کوبرا کے سپرد کرنا چاہ رہا تھا اور کوبرا کے نقاب کے پیچھے پیچھے سوبھراج کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ وہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ کرنل داور ہی کی وجہ سے سوبھراج کو نک کی ہدایت پر ارجن کو فوری طور پر مروانا پڑا تھا اور وہیں سے اس کا کھیل خراب ہونا شروع ہوگیا تھا۔ سوبھراج جیسا کینہ پرور شخص ان باتوں اور اس نام کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اسی فورس کا نمائندہ ہوں مگر ہم اپنی فورس کا نام غیر ضروری طور پر اپنی زبان پر نہیں لاتے۔ آپ باخبر اور بارسوخ آدمی ہیں۔ ان باتوں سے ضرور واقف ہوں گے۔" میں نے اپنی اداکاری جاری رکھی۔

میں نے ذرا سی دیر پہلے نک سے اسی روپ میں بات کی تھی اور اسے یہ بتا کر بے چین کردیا تھا کہ ڈینی میرے قبضے میں آچکا تھا لیکن میں نے سوبھراج سے ڈینی کے بارے میں کھل کر ایسی کوئی بات نہ کہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں اسے پورا پروٹوکول دے رہا تھا اور صرف وہی کردار ادا کرنے کا خواہاں تھا جو ایس ٹی ایف کے سربراہ نے اول خان کے ذریعے مجھے تفویض کیا تھا۔ اگر سوبھراج مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ آیا ڈینی میری تحویل میں ہے تو ثابت ہوجاتا کہ نک نے اسے میری اور اپنی گفتگو سے آگاہ کردیا ہے۔ سوبھراج اس بارے میں خاموش رہتا تو یہ اندازہ قائم کیا جاسکتا تھا کہ نک نے سوبھراج کو اس معاملے میں الگ تھلگ رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر بلکہ سوبھراج کے سر کی قیمت پر بھی ڈینی کو حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

"میں ہر بات جانتا ہوں۔" میرے فدویانہ لب ولہجے

سے ہمت پا کر سوبھراج برہمی کے اظہار پر مائل ہو گیا اور ترش لہجے میں بولا "مگر تم لوگوں کو مجھ سے کیا پرخاش ہو گئی ہے؟ تم مجھے اور میرے ملازموں کو کیوں ہراساں کر رہے ہو؟"

"سر! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا "میں اسی سلسلے میں ذاتی طور پر آپ سے مل کر اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں، میں نے پہلے راج محل فون کیا تھا۔ وہاں سے آپ کے پرسنل سیکریٹری، سنیل نے بتایا کہ آپ کسی کام سے بنکاک گئے ہوئے ہیں۔"

"یہ اطلاع مجھے مل چکی ہے۔" سوبھراج کا وہ جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس وقت تم مجھ سے بہت ادب کے ساتھ بات کر رہے ہو لیکن سنیل کے ساتھ تمہارا لب ولہجہ بہت درشت اور تحکمانہ تھا۔ تمہارے فون سے وہ بے چارہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔"

"ہم مجبور ہیں سر! ہر ایک کے ساتھ ہم نرمی سے پیش نہیں آسکتے۔ یہ معاملہ بہت اہم تھا۔ وہ آپ کا ملازم ہے۔ مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس سے معذرت کرلوں گا۔ ہم لوگ غیر ضروری طور پر کسی کو ہراساں نہیں کرتے۔"

"معذرت کی ضرورت نہیں لیکن تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بڑے لوگوں کے ذاتی ملازم بھی کم اہم نہیں ہوتے۔ تم کو میرا سیٹلائٹ فون نمبر کس نے دیا؟"

"سر! یہ ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔" میں نے اسے الیس ٹی ایف کی کارکردگی سے مرعوب کرنے کی نیت سے کہا "اگر اب بھی ناگزیر ضرورت نہ ہوتی تو میں آپ سے اس نمبر پر رابطہ نہ کرتا۔ ہم ہر قیمت پر جلد از جلد آپ کی شکایت رفع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اسلام آباد والوں کی بھی خواہش ہے۔"

"کل ایس ٹی ایف کا ایک آدمی کسی آوارہ اور مشکوک لڑکی کو لے کر راج محل میں آیا تھا۔" قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کی طرف سے جواب آیا "میرے عملے نے پوچھ گچھ کے لیے اس لڑکی کو بہلا پھسلا کر روک لیا۔ لڑکی نے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا۔"

"کیا وہ لڑکی اب بھی راج محل میں ہے؟" میں نے بے تابی کا اظہار کیا۔

"کیا بیہودہ سوال کر رہے ہو۔ رات گئے میرے آدمیوں نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔"

"تو کیا آپ کو اسی آوارہ لڑکی نے بتایا کہ وہ ایس ٹی ایف کے لیے کام کر رہی ہے؟" میں نے معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

"اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے ایک رات کے لیے دو ہزار روپے میں خریدا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے گاڑی والے کا پیچھا کیا تھا۔ وہ راج محل سے سیدھا اسٹیشن فور گیا تھا۔ میں نے گاڑی کا نمبر ہوم سیکریٹری کو لکھوا دیا تھا۔ مجھ سے جرح کرنے کے بجائے گاڑی اور ڈرائیور کو تلاش کرو۔ تمہیں سب پتا چل جائے گا۔" اس کی آواز سے ناگواری مترشح تھی۔

"سر! وہ گاڑی تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں پچھلے سات برسوں سے اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ گمان ہے کہ وہ تباہ ہو کر کسی کباڑ خانے میں پہنچ چکی ہے۔ دوسری بات جو میں پوری ذمے داری سے کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسٹیشن فور سے کوئی آدمی راج محل کی طرف گیا نہ وہاں سے آیا۔ یہ کوئی سنگین غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔"

"تو کیا میرے آدمی جھوٹ بول رہے ہیں!" اس کی آواز بلند ہو گئی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں غلط فہمی کا ذکر کر رہا تھا۔" میں نے اپنا لہجہ نرم اور ملتجیانہ رکھا۔

"اس فون پر میں ان باتوں میں وقت برباد نہیں کر سکتا۔" وہ بپھر گیا "تم راج محل جا کر سنیل سے بات کرو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہیلیاں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ میں کسی وقت واپس آکر اس سے رپورٹ لے لوں گا۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ ہماری پالی ہوئی ایجنسیاں ہمارے ہی چہروں پر دھول اڑانے لگیں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے غرور اور تکبّر کی بو آرہی تھی۔ اس نے مجھے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا۔

"نک نے تمہارا پھینکا ہوا کانٹا نگل لیا ہے۔" بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"اس وقت یہی دو کام ہوئے ہیں۔ اول خان کا دیا ہوا کام ہو گیا۔ اب میں سیدھا راج محل جا سکتا ہوں۔ سوبھراج نے مجھے وہاں جانے کی اجازت دے کر ایک مشکل آسان کر دی ہے۔" میں نے کہا "دوسری طرف نک کی نیت سامنے آگئی۔ اس نے اس بار سوبھراج کو اعتماد میں نہیں لیا۔"

"دونوں اپنے کارڈز الگ کھیلنے کے چکر میں ہیں۔" ویرا بولی "یہ ان کا گٹھ جوڑ ٹوٹنے کی پہلی کڑی ہے۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے پیجیرو کے والے

سرے سے ذکر نہیں کیا۔" غزالہ واقعی متحیر تھی۔
"اس بارے میں ڈینی سے اس کی کھلی کھلی باتیں ہو چکی ہیں۔ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ دوسروں نے ابھی راج محل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو اسے بھی پہل نہیں کرنی چاہیے۔" ویرا نے اپنی رائے دی "کوئی بات کرے گا تو وہ اس کا جواب ضرور دے گا۔"
"ابھی اس پر ہاتھ نرم رہنا چاہیے تاکہ وہ پاکستان لوٹ آئے۔ ایک مرتبہ وہ یہاں لوٹ آیا تو اس سے نمٹنا آسان ہو جائے گا۔" سلطان شاہ بولا۔
"اب اس سے زیادہ نرم ہاتھ کیا ہو سکتا ہے کہ میں مسلسل اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے سر کہہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔
"میں یہی کہہ رہا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا اس کے ساتھ نرمی سے بات کی۔ اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔
"ایس ٹی ایف کے باس نے آپ کو سوبھراج سے ملنے کا اختیار دیا ہے مگر آپ کی باتوں سے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ اس کی واپسی سے پہلے راج محل جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" غزالہ نے دبے لہجے میں سوال کیا۔
"تم صحیح سمجھ رہی ہو۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "میں نے اول خان سے پوچھ لیا تھا کہ کرنل داور ایس ٹی ایف کی کسی ہدایت یا مشورے کا پابند نہیں ہوگا۔ یہ میری اپنی مرضی اور صوابدید ہے کہ میں راج محل کب جاتا ہوں۔ مجھے سنیل سے ملنے کی اجازت دے کر سوبھراج بھی دام میں آگیا ہے۔ وہ کرنل داور پر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکے گا۔"
"سوبھراج سے تمہاری گفتگو کچھ ادھوری اور تشنہ رہی۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بعد جھجکتے ہوئے زبان کھولی۔
"میں خود بھی اس سے ہونے والی باتوں کو طول دینا چاہ رہا تھا مگر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے ڈینی کی حیثیت سے بات کر کے اسے بہت زیادہ ڈرا دیا تھا۔ اب اسے انتظار ہوگا کہ پولیس والے بیجیرو کے واقعے کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں۔ شاید وہ بیجیرو کے معاملے پر اپنی زبان نہ کھولتا مگر میں اس سے کچھ اور اگلوا سکتا تھا۔"
"یہ بہت مشکل کام ہے۔ ابھی تک تم نے ڈینی اور کرنل داور کا دہرا کردار بہت خوبی سے نبھایا ہے۔ اس میں کسی بھی وقت گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" ویرا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"مجھے ذہن پر زور دے کر یہ یاد رکھنا پڑ رہا ہے کہ میں نے اس سے کس روپ میں کیا کچھ کہا ہے۔ یہی مسئلہ نک ہاروے کے ساتھ درپیش تھا۔ اس الجھن سے نجات پانے کے لیے میں نے نک سے یہ کہہ ڈالا تھا کہ ڈینی اب کرنل داور کے قبضے میں ہے۔ یہ کہہ دینے کے بعد گڑبڑ ہونے کا خدشہ ختم ہو گیا ہے۔"
"نہیں یہ بات سوبھراج سے بھی کہہ دینی چاہیے۔ تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔" سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔
"وہ ڈر جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا "دیکھنا ہے کہ نک میری کہی ہوئی بات کب تک اس سے چھپاتا ہے۔ جوں ہی مجھ سے کوئی گڑبڑ ہوئی، میں اسے بھی بتا دوں گا کہ اب ڈینی میرے قبضے میں آچکا ہے۔"
"مشکل یہ ہے کہ ڈینی کو سب کچھ معلوم ہے۔ وہ حشمت، کوبرا اور سوبھراج کی تکون کے راز سے واقف ہے۔ اسے نک اور سوبھراج کے مراسم کا بھی علم ہے لیکن بے چارہ کرنل داور اتنا زیادہ باخبر نہیں ہے اور اب تو اس کے سر پر ایک اور نئی ذمے داری آن پڑی ہے کہ اسے ایس ٹی ایف کے بارے میں سوبھراج کی شکایات دور کرنی ہیں۔" ویرا نے تمسخرانہ انداز میں تبصرہ کیا "دیکھنا ہے کہ یہ چکر کب تک چلتا ہے۔"
وہ تینوں اپنے روزمرہ معمولات میں مصروف ہو گئے تو مجھے تخلیے میں پورے حالات پر نظرثانی کرنے کا موقع مل گیا۔
ٹام اور نک پاکستان میں سی آئی اے اور ایف بی آئی کے رہائشی افسران اعلیٰ تھے اور پس پردہ ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ مجھے ان کی حرکتوں اور سازشوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا لیکن ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ ثبوت حاصل کر لینے کے بعد بھی قانونی طور پر ان کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا کیونکہ ان دونوں کو سفارتی تحفظ حاصل تھا۔ ویانا کنونشن کی رو سے پاکستان ان مراعات کی پوری پابندی کرنے پر مجبور تھا۔
زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ حاصل کردہ ثبوتوں کے ساتھ ان کی باضابطہ تحریری شکایت کی جاتی اور ان کا تبادلہ ہو جاتا۔ دوسری اور زیادہ سخت کارروائی یہ ہو سکتی تھی کہ انہیں ناپسندیدہ شخصیات قرار دے کر ملک سے نکال دیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں فائدے سے زیادہ نقصانات مضمر تھے اور شاید اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے مقتدر افراد کسی بھی

صورت میں ایسے اقدام اٹھا کر امریکی حکومت سے تعلقات بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

دوسری اور متبادل صورت بھی کم خطرناک نہیں تھی۔ امریکیوں نے کراچی اور اس کے مضافات میں اپنے بہت سے بہترین آدمی گنوائے تھے۔ ان سب کو ہم نے احتیاط' رازداری اور پھرتی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان میں سے بیشتر افراد ایسے مشتبہ حالات میں مارے گئے تھے کہ امریکیوں کے لیے ان حالات کا جواز فراہم کرنا محال ہوگیا تھا۔ وہ طاقت کا دور تھا۔ جس کی لاٹھی' اس کی بھینس کے اصول پر عمل درآمد شروع ہوچکا تھا۔ اپنی تمام تر ندامت اور شرمندگی کے باوجود امریکیوں نے پاکستان کی سر زمین پر اپنے "معصوم شہریوں" کی خون ریزی پر اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ ایک کمزور قوم کے حکمراں اکلوتی سپر پاور کی ناراضی برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

ہمارے ہاتھ نہیں روکے گئے لیکن ہمارے دوستوں کے ذریعے ہمیں یہ پیغام پہنچا دیا گیا تھا کہ قومی مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے ہمیں اس بات کو ملحوظ رکھنا تھا کہ آئندہ کسی امریکی کا خون بہنے کی نوبت نہ آئے۔ دوسری طرف واشنگٹن اور ورجینیا میں موجود حکام نے پاکستان میں اپنے اہلکاروں کی کارکردگی پر گہری نظر رکھنی شروع کردی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ شاید مقررہ مدت میں اپنے اہداف حاصل نہ کرنے کی پاداش میں نک کا تبادلہ کیا جانے والا تھا۔

اس دو طرفہ خاموش مفاہمت کے بعد ہم اس سمت میں زیادہ ہاتھ پیر نہیں مار سکتے تھے۔ امریکی ایجنسیوں کی خفیہ سازشوں میں بس روڑے اٹکا سکتے تھے اور وہ کام بہت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔

امریکیوں کے پالے ہوئے را کے بھارتی ایجنٹوں کا صفایا ہوچکا تھا۔ ان کے بلائے ہوئے بلیک کیٹس کی جوڑی کا سر کچل دیا گیا تھا۔ سیتا کانت' غزالہ کے ہاتھوں بے بسی کی موت ماری گئی تھی۔ گوپال کو ایس ٹی ایف نے اچھی طرح نچوڑنے کے بعد آئی بی ..... کے حوالے کردیا تھا۔ ان دونوں کی سرپرستی کا ذمہ سوبھراج نے کوبرا کے روپ میں اٹھایا ہوا تھا۔ کوبرا کا دہرا کردار تھا۔ ایک طرف وہ بھارتی ایجنٹوں کا مددگار اور سرغنہ تھا تو دوسری طرف وہ پاکستان میں امریکی ایجنسیوں کے نیٹ ورک کا فعال سربراہ تھا۔

نک اور ٹام کو بین الاقوامی مراعات میسر تھیں تو سوبھراج اپنے سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر ملکی سطح پر شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اس غدار کو نہ جانے کب تک وہ درجہ حاصل رہتا۔ یہ ویرا کے ایک عاجلانہ فیصلے کا کمال تھا کہ یکایک اس کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ امریکیوں کا پروردہ تھا۔ اپنے آقاؤں کے اشارے پر اسے تھائی لینڈ سمیت دنیا کے بہتیرے ملک سیاسی پناہ دے سکتے تھے مگر میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے اپنے برے وقت کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کی ساری جڑیں پاکستان میں تھیں۔ جلد یا بدیر اسے پاکستان واپس آنا تھا۔ اس کی جلد واپسی ہمارے اور ملک کے مفاد میں تھی۔ اس کا معاملہ تازہ تھا۔ اخبارات میں اس کے خلاف کچھ گند اچھالا گیا تھا۔ ان حالات میں اسے آسانی سے دبوچا جاسکتا تھا۔ کچھ وقت گزر جاتا تو حافظہ کمزور ہونے کی بنا پر لوگ ان باتوں کو بھول جاتے اور اسے پکڑنے کی صورت میں رائے عامہ بگڑ سکتی تھی۔

میں نے ڈینی کے روپ میں بات کرکے اسے ڈرایا تھا' کرنل داور بن کر بہلایا تھا۔ اس کے اسٹاف سے ملنے کے بعد اس کے مستقبل کے منصوبے کے بارے میں مزید کچھ نہ کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ راج محل کے عملے سے ملاقات کے لیے راہ ہموار ہوچکی تھی مگر میں اول خان کے تعاون سے' وہاں طاقت اور اختیار کی ایک علامت بن کر جانا چاہتا تھا۔

میں نے اسٹیشن فور فون کیا تو اول خان وہاں موجود تھا۔ اس کی آواز مرجھائی ہوئی تھی۔

مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ تھا۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی کے بارے میں اپنے باس کو جواب دہ ضرور تھا لیکن کسی کا ذاتی ملازم نہیں تھا۔ تمام تر قانونی آزادیاں حاصل ہونے کے باوجود وہ ایک لگے بندھے دائرے میں کام کرتا تھا اور جس کے ستاروں کی گردش اسے اس دائرے میں کھینچ لاتی تھی' وہ پوری بے خوفی سے اس کا سر کچل دینے پر تل جاتا تھا۔

فرض شناسی اور جاں فشانی کے ساتھ کام کرنے کے باوجود ہونے والی غیر ضروری باز پرس نے بدستور اس کی طبیعت کو مکدر کیا ہوا تھا۔ اس کی مزاج پرسی کے بعد میں خاصی دیر تک اس کی دل جوئی کرتا رہا۔ جب اس کا موڈ کچھ بحال ہوا تو میں نے سوبھراج کے راج محل کی بات چھیڑ دی۔

میرے ارادے سے آگاہ ہوتے ہی وہ چونک پڑا۔ اسے حیرت تھی کہ مجھے بیٹھے بٹھائے راج محل جانے کا خیال کیوں آگیا۔

غلطی میری تھی میں نے اسے بتایا کہ میں نے کرنل داور بن کر سنیل' نک اور سوبھراج سے کیا گفتگو کی تھی۔ ان تینوں

سے ہونے والی باتوں کی تفصیل سن کر وہ خوش ہو گیا کہ میں نے اس سے اشارہ ملتے ہی صحیح سمت میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

پس منظر سے واقف ہونے کے بعد وہ میرا ہم خیال ہو گیا کہ مجھے وقت ضائع کیے بغیر راج محل جانا چاہیے۔

"ابھی تک میرے ذہن میں ارجن کمار والی الجھن موجود ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ نک کی ہدایت پر سوبھراج نے اپنے کسی آدمی کے ذریعے مروایا ہوگا لیکن قاتل کا نام ابھی تک پردے میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں ارجن کے پھرتیلے قاتل کی رونمائی کرسکوں جو بھرے ہوٹل میں ارجن کے کمرے میں گھسا اور اسے مار کر دندناتا ہوا وہاں سے نکل کر فرار ہو گیا۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس پر اپنا سر کیوں کھپا رہے ہو۔ وہ اب قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ اب تو اس کی ہڈیوں کی راکھ بھی شمشان کے ویرانے میں بکھر چکی ہوگی۔ اس کے قاتل سے تمہیں کیا لینا ہے۔"

"ابھی تک وہی ایک قتل براہِ راست سوبھراج کے کھاتے میں آیا ہے۔ قاتل ہاتھ آگیا تو سوبھراج کی گردن پھنس جائے گی۔"

"تو کیا تم اس کی باضابطہ گرفتاری کا کوئی پلان بنا رہے ہو؟" اول خان نے بے ساختہ پوچھا۔

"وہ بہت چالاک ہے دوسری طرف اس کی گردن تک رسائی مشکل نظر آرہی ہے۔" میں نے کہا "ہمیں دونوں صورتوں کے لیے اپنا ہوم ورک مکمل رکھنا چاہیے۔ ہم نے اس پر کوئی اوچھا وار کیا تو ہم ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" اول خان کی پر خیال آواز ابھری "ابھی تک وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہے۔ اسے اپنے بچاؤ کے سارے راستے بند نظر آئے تو پھر وہ اپنی دولت یا جائداد کی پروا نہیں کرے گا۔ رسیاں تڑا کر، جدھر منہ اٹھے گا بھاگ نکلے گا۔"

"تم میری پوری بات سمجھ گئے۔ اس خبیث سے صرف ایک ہی خون آشام تصادم ہوگا۔ اس میں ہمیں اس کو زندہ یا مردہ پکڑنا ہوگا۔ وہ مارا گیا تو سارا فتنہ وہیں ختم ہو جائے گا۔ احتجاج سے مردے زندہ نہیں ہوا کرتے۔ اس کے حامی کچھ دنوں کی اچھل کود کے بعد تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ وہ زندہ پکڑا گیا تو ہمیں اس کے خلاف مضبوط شہادتوں کی ضرورت ہوگی۔ ان کے بغیر اسے زیادہ دنوں تک بند رکھنا بہت مشکل ہوگا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ ارجن کا قاتل سوبھراج کا کوئی ملازم ہے جو اب بھی راج محل میں موجود ہے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کے سوا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"وہ کرائے کے کسی آدمی سے بھی یہ کام لے سکتا تھا۔" اول خان نے امکان ظاہر کیا۔

"ناممکن! اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ نک سے میری بات ختم ہوتے ہی تم نے اپنے آدمی کو ہوٹل کی طرف دوڑایا تھا کیونکہ ہمیں وہاں پہنچنے میں دیر ہو سکتی تھی۔ وہ آدمی ہوٹل پہنچا تو ارجن مارا جا چکا تھا۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ تمہارے مفروضے ہمیشہ بہت جان دار ثابت ہوتے ہیں پھر تم کب راج محل جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم بندوبست کردو تو میں آج بلکہ اسی وقت وہاں چلا جاؤں گا۔" میں نے کہا پھر فوراً تصحیح کی "میں ایک گھنٹے بعد نک سے بات کر کے بالکل فارغ ہو جاؤں گا۔"

"اسٹرائیک یونٹ کی گاڑی کہاں بھجوا دوں؟"

"کہیں بھجوانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تماشا بن جائے گا۔ تم ان کو راج محل کی طرف روانہ کر کے مجھے بتا دو۔ میں سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر ان کا انتظار کروں گا۔ وہ مجھے راستے سے لیتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں بندوبست کر کے دس منٹ میں تمہیں فون کرتا ہوں، وہ ایک گھنٹے بعد راستے سے تمہیں لے لیں گے۔"

"ہاں، ایک کام ضرور کرلینا" میں نے بات ختم کرنے سے پہلے کہا "یہ اہم کام ہے۔ اخبارات میں جو کچھ آگیا، بات وہیں تک محدود رہنی چاہیے۔ کہانی کو مزید پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی خبر ہے، اخباروں میں دس پانچ دنوں تک تو چلتی رہے گی۔"

"ضرور چلے مگر کہانی اسی مواد تک محدود رہنی چاہیے جو آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کسی نئی بات کا اضافہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"سب نے اپنی اپنی کہانیاں چھاپی ہیں۔ میں صرف اپنے آدمی کو ہدایت دے سکتا ہوں کہ وہ مزید حاشیہ آرائی سے گریز کرے۔"

"میں بھی صرف اسی کی بات کر رہا ہوں، دوسروں کو ہم

نہیں روک سکتے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دوسرے اخباری رپورٹر اندر کی کہانیوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ جو کچھ لکھیں گے، میز کرسی پر بیٹھ کر اپنے تخیل کے سہارے لکھیں گے۔"

سوبھراج کو واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ابتدائی خبرسازی کے بعد مزید باریکیوں میں جانے سے عارضی طور پر گریز کیا جائے۔ سوبھراج کو دھمکانے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اول خان کے آدمی نے اپنے اخبار میں اس واردات کو گینگ وار قرار دے دیا تھا۔

ایک گھنٹا پورا ہوجانے کے بعد میں نے دوبارہ نک کے دفتر فون کیا تو اس کی طرف سے فوری طور پر جواب مل گیا۔

"نک! تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے مجھے مزید وقت درکار ہوگا۔"

"تم جتنا وقت چاہو لے سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ سوبھراج کے خلاف ہمارا کام جاری رہے گا۔ اگر اس کا قصہ ہم نے اپنے طور پر نمٹالیا تو تم ڈینی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس وقت تمہارے لیے یہ سودا سستا ہے تم آسانی کے ساتھ اسے طے کرسکتے ہو۔"

"سوبھراج کل رات پاکستان سے باہر چلا گیا ہے۔ مجھے اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ وہ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہے۔ سیٹلائٹ فون پر اس سے بات کرلو۔"

"اوہ... تمہیں کس نے بتایا کہ اس کے پاس سیٹلائٹ فون ہے؟" اس کا وہ سوال بالکل بے ساختہ تھا۔

"یہ سیدھی سی دو اور دو چار والی بات ہے۔ تم نے مجھے نمبر نہیں دیا تھا لیکن یہ بتایا تھا کہ نقاب پوش کوبرا کے پاس سیٹلائٹ فون ہے جس پر میں اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت اس سے رابطہ قائم کرسکوں گا۔ وہ بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ تم نے ارجن کو مروادیا۔ اب ڈینی نے اُگلا ہے کہ سوبھراج ہی کوبرا بنا ہوا تھا تو بات صاف ہوگئی کہ سوبھراج نے اپنی خفیہ مصروفیات کے لیے اپنے پاس غیر قانونی سیٹلائٹ فون بھی رکھا ہوا ہے۔"

"تم شرلک ہومز بننے کی کوشش کررہے ہو۔ کرسی پر بیٹھ کر سارے اندازے لگالیتے ہو" اس کی جلی کٹی، غراتی ہوئی آواز آئی "مفروضوں میں الجھنے کے بجائے حقائق پر نظر رکھا کرو۔ بیس لاکھ ڈالر کا انعام بہت بڑا ہوتا ہے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تمہیں سوبھراج سے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنی رضاکارانہ موت یا قید کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔"

"مجھے یہ بنیادی سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے اس کے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس کی واپسی کا انتظار ہے۔ وہ یہاں ہوگا تو اس کے بارے میں کچھ سوچا جاسکے گا۔"

"ایف بی آئی کے ایجنٹوں کا جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ تم اسے تھائی لینڈ میں بھی مرواسکتے ہو" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بڑھ چڑھ کر باتیں مت کرو۔ ہم اپنے مسائل کو سمجھتے ہیں۔ تم انتظار کرسکتے ہو تو کرو ورنہ ڈینی کو قتل کرانے کی تیاری کرلو" اس کا لہجہ درشت ہوگیا "میرے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ ڈینی کی آزادی سلب ہوچکی ہے اور اب وہ میدان میں نہیں ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ ڈینی لمبی مدت تک میرا قیدی رہے گا" میں نے اسے متنبہ کیا "میں تمہیں پہلے بتاچکا ہوں کہ میں ڈینی کا جانی دشمن نہیں ہوں۔ اس کی آزاد روی اور من مانیوں کو سختی سے ناپسند کرتا ہوں۔ اس کے لیے وہ سبق کافی ہونا چاہیے جو میں اب تک اسے دے چکا ہوں۔ جب اس کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا تو میں اسے رہا کردوں گا۔"

"اس وقت وہ ہر ایک سے باغی ہوچکا ہوگا۔ رہائی پاتے ہی ایس ٹی ایف کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا اور کسی وقت کتے کی موت مارا جائے گا" اس کی آواز تحقیر آمیز تھی۔

"یہ تمہاری دوسری بڑی بھول ہے۔ ڈینی ایس ٹی ایف کا نہیں، میرا ذاتی قیدی ہے" میں نے اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ایک بالکل نئی کہانی چھیڑ دی "اس بے چارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ نقاب کے پیچھے کرنل داور کا چہرہ ہے۔ کافی دیر تک وہ مجھے کوبرا کا ساتھی سمجھتا رہا۔ جب میں نے کوبرا کے بارے میں سوالات شروع کیے تو اسے پتا چلا کہ میں کوئی اور ہوں۔ رہا ہونے تک اس کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکے گی کہ وہ کس کا قیدی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ میرے اور ایس ٹی ایف کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کردے گا۔"

"تم پکے حرامی اور گندے سور ہو" وہ تفصیل سن کر نک کی کھوپڑی چٹخ گئی اور وہ بدکلامی پر اتر آیا "تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اب مجھے یہ بھروسا بھی نہیں رہا کہ تم سوبھراج کو راستے سے ہٹوانے کے بعد اپنے وعدے کے

مطابق ڈینی کو میرے ہاتھ بیچ دو گے۔"
"نک اپنی زبان کو لگام دو" میں نے سرد آواز میں غراتے ہوئے کہا "میں تم سے زیادہ گندی اور ثقیل گالیاں دے سکتا ہوں۔ یہ گالیاں تمہاری کمزوری اور جھنجلاہٹ کی غماز ہیں۔ میری ہر بات میں ایک تسلسل رہا ہے۔ غلطی تمہاری ہے جو تم ادھوری بات سن کر اپنی رائے قائم کرلیتے ہو۔"
وہ اضطراری اشتعال کے نتیجے میں اچانک بھڑ گیا تھا لیکن میری تادیب سنتے ہی سنبھل گیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "کرنل! میں اپنے سخت الفاظ پر معافی چاہتا ہوں۔ دراصل جب سے میں نے تمہارے ساتھ کچھ ذاتی نوعیت کی گفتگو کا ڈول ڈالا ہے، تم میرے ساتھ مسلسل ہیرا پھیری کررہے ہو۔ تمہاری ان قلابازیوں کی وجہ سے مجھے ارجن جیسے اہم اور قابل اعتماد ساتھی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اب میں مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ تم مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
"تم کھلی کھلی بات دوبارہ سننا چاہتے ہو تو یوں ہی سہی.... سوبھراج کو بنکاک میں مروادو۔"
"یہ ناممکن ہے!" اس نے میری بات درمیان سے اڑادی "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"
"میں بھی سب کچھ بتا چکا ہوں۔ تمہارے اصرار پر میں نے ایک ابتدائی بات دہرائی تھی" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"بہرحال! جو ہوا وہ ہوگیا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں تمہاری طرف سے اچھی خبر سننے کے لیے ہمیشہ منتظر رہوں گا" ایک گہرے سانس کی آواز کے ساتھ وہ بولا۔
"اگر تم سننے کے موڈ میں ہو تو میں تمہیں ایک بہت دلچسپ اور چونکادینے والی اطلاع بھی فراہم کرسکتا ہوں" میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کیے بغیر کہا۔
"وہ کیا ہے؟" نک کی آواز میں بے ساختگی تھی۔
"تم اب تک سوبھراج پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرتے آئے ہو لیکن وہ تم پر اندھا اعتماد نہیں کرتا۔ بہت سی باتیں تم سے پوشیدہ رکھتا ہے" میں نے سوچے سمجھے انداز میں تیر چلایا۔ اس وقت میں ان دونوں کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھانے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔
"تم بلاوجہ مجھے اس کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کررہے ہو" اس کی آواز اشتباہ آمیز تھی۔
"میں بے بنیاد باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج بھی اپنی کسی فیڈرل ایجنسی کے لیے میری خدمات حاصل کرنے کے خواہاں ہو۔"
"میں بھی اسی اچھی خبر کا ذکر کررہا تھا۔ میں اب تک کی ساری تلخیوں کو فراموش کرکے تمہیں امریکا لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"
"اس بارے میں تم میرا جواب سن چکے ہو۔ اس پیشکش کو بار بار دہرا کر اپنی بات ضائع مت کرو۔"
"میں تمہارے ذہن کو بہت اچھی طرح پڑھ چکا ہوں۔ تم پورے خلوص سے اپنے ملک اور اپنی ایجنسی کے لیے کام کررہے ہو لیکن اپنے حالات کار سے مطمئن نہیں ہو۔ کبھی کبھی تمہارے ذہن میں بغاوت کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں۔ جس دن یہ قوی ہوگئے، تم بھاگ نکلو گے۔ اس وقت میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ ہمارے ایجنٹوں کو امریکا تو کیا دنیا بھر میں ایسے ایسے تحفظات حاصل ہیں جن کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔"
وہ عجیب ذہنی ساخت کا مالک تھا۔ ذرا سی دیر پہلے مجھے گالیاں دے رہا تھا اور اس وقت مجھے ایک بار پھر اپنے لیے کام کرنے پر اکسا رہا تھا۔ میں نے اس کے ذہنی اضطراب پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے نرم لہجے میں کہا "امید پر دنیا قائم ہے۔ میں تم کو پرامید رہنے سے نہیں روک سکتا۔ مگر میں تم کو یہ ضرور بتادوں کہ امریکا کے تحفظات پر میں اپنے وطن کی بے توقیری کو ترجیح دیتا ہوں۔ میرا مرنا اور جینا میری اپنی مٹی کے لیے ہوگا۔ میں کرائے کا ٹٹو بننا کبھی پسند نہیں کروں گا۔"
"اس وقت شاید یہ بات موزوں نہیں تھی.... یہ بتاؤ کہ تم سوبھراج کے بارے میں کیا خبر سنا رہے تھے؟" اسے بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔
"تم نے آج کے اخبار میں گارڈن روڈ پر ایک ہیجڑو

سے برآمد ہونے والی لاش کے بارے میں خبر ضرور دیکھی ہوگی" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے انگریزی اخبار دیکھا ہوگا جس میں اس واقعے کی صرف خبر چھپی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی رائے زنی نہیں کی گئی تھی۔ اول خان نے اپنے معتمد رپورٹر کو جو مواد فراہم کیا تھا وہ شہر کے ایک بڑے اردو اخبار کی زینت بنا تھا۔ دوسرے اخبارات میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

"اس میں لاش کے ساتھ ایک بے ہوش آدمی بھی تھا۔ وہاں فائرنگ کا بھاری تبادلہ ہوا تھا" نک نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

"بالکل.... تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ کل سوبھراج نے ویرا کو پکڑلیا تھا۔"

"تو!" اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے احتجاجی آواز میں کہا "وہ اتنی بڑی خبر نہیں چھپا سکتا تھا۔"

"میں یہی بتارہا ہوں کہ اس نے کسی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ویرا کئی گھنٹوں تک راج محل میں قید رہی۔ رات کو سوبھراج کے چار آدمی اسے پجیرو میں نکال کر کہیں اور لے جارہے تھے کہ گارڈن روڈ پر ڈرامائی واقعات پیش آتے چلے گئے۔ ویرا بچ کر نکل گئی اور سوبھراج ہاتھ ملتا رہ گیا۔"

"اور سوبھراج کے باقی دو آدمی کہاں گئے؟" نک کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ یہ بات مجھے ڈینی نے خود بتائی ہے۔ وہ وہاں خود موجود تھا۔ علاقے میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے اس نے دھواں دھار ہوائی فائرنگ کی تھی۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ڈینی نے حملہ کر کے ویرا کو چھڑایا تھا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ بات طے ہے کہ اس وقت ڈینی اپنے کئی دوستوں کے ساتھ پجیرو کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے باہر سے حملہ کیا یا ویرا نے اندر سے کسی کارروائی کا آغاز کیا۔ اس کا نتیجہ خبر کی صورت میں آج کے اخبارات میں موجود ہے۔"

"ویرا اور ڈینی کے بارے میں وہ اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا تھا۔" نک کی پرخیال آواز بڑبڑاہٹ سے مشابہ تھی۔ "مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آرہا۔"

"تم اپنے طور پر اس کی تصدیق کرلینا۔ اسے تمہارے مفاد سے زیادہ اپنا مفاد عزیز تھا۔ وہ ویرا کو یرغمال بنا کر ڈینی کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا کیونکہ ڈینی اس کے کئی رازوں سے واقف ہوچکا تھا اس کی زبان بند رکھنے کے لیے ویرا کا سوبھراج کی تحویل میں رہنا ضروری تھا۔"

"میں تصدیق کیے بغیر ان باتوں پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ ڈینی تمہاری قید میں تھا تو اس نے ویرا کی رہائی کی مہم میں کیسے حصہ لے لیا؟"

"تم بلاوجہ الجھ رہے ہو۔ یہ کل رات کا واقعہ ہے۔ ڈینی کو میں نے آج صبح سویرے پکڑا تھا۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ویرا کے فرار اور اپنے آدمیوں کے انجام سے خوف زدہ ہو کر سوبھراج اچانک یہاں سے فرار ہوا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے چار بہترین آدمی ویرا کو قابو میں رکھنے میں ناکام رہیں گے۔"

"تم نے اچھا کیا کہ یہ سب بتا دیا۔ مجھے اپنے ذرائع سے تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ اگر تم سچے ہو تو سوبھراج نے کھلی نافرمانی کی ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے گا۔"

"میں تمہاری یہی مدد کرسکتا ہوں کہ تمہاری آستین میں پلنے والوں کی نشان دہی کردوں۔ تم سے کبھی کبھی بات کرلینے میں ہم دونوں ہی کا فائدہ ہے۔ سارے اختلافات کے باوجود ہمارے ایک خاموش ہم آہنگی فروغ پارہی ہے۔"

"ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوچکی ہیں۔ جب جی چاہتا ہے، تم مجھے فون کرلیتے ہو اور میں پرانی تلخیوں کو بھلا کر تم سے بات کرلیتا ہوں مگر تمہاری بے اعتمادی کا یہ عالم ہے کہ تم نے آج تک مجھے اپنا کوئی فون نمبر نہیں دیا۔ میرے پاس تمہارا کوئی نمبر ہونا چاہیے تاکہ میں کسی ایمرجنسی میں تم سے رابطہ قائم کرسکوں" اس نے لمبا چوڑا شکوہ کیا۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اسے اپنا موبائل نمبر لکھوا دیا۔ وہ کنکشن میرے نام پر نہیں تھا۔ کنکشن سمیت وہ فون اول خان نے مجھے دیا تھا۔ نک چھان بین کرتا تو یہ جان کر اس کی تسلی ہوجاتی کہ فون اول خان کے نام پر تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کا کمانڈر تھا۔ یوں فون کے ذریعے میری کوئی شناخت ظاہر ہونے کا امکان نہیں تھا۔

"ہمارے درمیان باتیں ضرور ہوئی ہیں" میں نے فون نمبر بتانے کے بعد کہا "لیکن ہمارے درمیان دوستانہ فضا کبھی استوار نہیں ہوسکی۔ ابھی ایک منٹ پہلے تم مجھے گندی گندی گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے حالات میں باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ بس تھوڑی بہت ہم آہنگی کے سہارے یہ

سلسلہ چل رہا ہے۔"

"گالیوں پر میں کھلے دل سے معذرت کرچکا ہوں' اب ان کا حوالہ نہ دو۔"

"میری تجویز پر غور کر کے جواب ضرور دے دینا۔ اب میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔"

وہ سوبھراج کے سلسلے میں تذبذب کا شکار تھا۔ شاید اسے کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے اپنے کسی بڑے کے مشورے کی ضرورت تھی جس کے لیے وقت درکار تھا۔ میں نے اس سے بات ختم کر کے گھر سے روانگی کے لیے تیاری شروع کردی۔

❂✡❂

اسٹرائیک یونٹ کی وہ گاڑی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس میں چار اور زیادہ سے زیادہ پانچ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ میں اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پیچھے والی سیٹ پر بقیہ تینوں آدمی براجمان تھے۔ نشستوں کا وہ حساب کسی عام کار جیسا ہی تھا مگر وہ بھاری' بکتر بند گاڑی اپنی ساخت میں کافی اونچی اور ہیبت ناک تھی۔

راج محل کا محل وقوع میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ پچھلی رات میں نے سلطان شاہ اور اول خان کے ساتھ اس عمارت کی نگرانی کرتے ہوئے' ویرا کو وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

راج محل کا پھاٹک بہت زیادہ اونچا نہیں تو اونچا ضرور تھا۔ عام طور پر باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ہماری بکتر گاڑی پھاٹک کے قریب جاکر رکی تو ہمیں اپنی نشستوں کی بلندی سے اندر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ وہاں پورچ میں اس وقت بھی کئی قیمتی اور نئی گاڑیاں موجود تھیں۔

بکتر بند گاڑی کے طاقت ور ڈیزل انجن کی بندھی ہوئی' غراتی ہوئی آواز اتنی نمایاں تھی کہ کرخت ہارن بجانے سے پہلے ہی اس عمارت کا باوردی محافظ دروازے سے باہر آگیا۔

"دروازہ کھولو!" ڈرائیور نے اپنی طرف کی آہنی کھڑکی میں بنے ہوئے فائرنگ ہول کے قریب چیخ کر حکم دیا۔

گاڑی کی ہیبت کیا کم تھی کہ ڈرائیور کی آواز نے اس میں مزید اضافہ کردیا۔ دربان کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ پوچھ گچھ کے روایتی تکلفات کو بھول بھال کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور بیک وقت دونوں پھاٹک چوپٹ کھول دیے۔

ڈرائیور نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی اور پورچ سے پہلے ہی بریک لگا کر روک دی۔ بکتر بند کے چاروں آہنی دروازے بیک وقت کھلے اور پانچوں کود کر نیچے اتر گئے۔ ایس ٹی ایف کے چاروں آدمی اپنی ہلکی اور خودکار رائفلوں سے لیس تھے' میں خالی ہاتھ تھا۔

راج محل کے مکینوں کے لیے وہ منظر نیا تھا۔ وہاں چند سادہ پوش ملازمین کے ساتھ تین باوردی سپاہی بھی نظر آرہے تھے۔ شاید ویرا کے فرار کے بعد انہیں باقاعدہ ڈیوٹی پر موجود رہنے کا پابند کردیا گیا تھا۔ وہ سب افراتفری اور بدحواسی کا شکار نظر آرہے تھے۔ بکتر بند کے اندر داخل ہونے کے بعد دربان نے پھاٹک دوبارہ بند کردیے تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ باہر سے گزرنے والے راج محل کی حدود میں رونما ہونے والی اس صورتِ حال سے آگاہ ہوسکیں۔

اس ہیجان کے عالم میں شاید کسی نے انٹرکام پر اندر بھی کچھ پراسرار اور بن بلائے مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اندر سے ایک صحت مند نوجوان' قمیص پتلون پہنے تیزی سے برآمد ہوا اور کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے ہماری طرف آیا۔

گاڑی سے اترنے کے بعد ہم چاروں پختہ فرش پر' اپنی

گاڑی کے سامنے یک جا ہو چکے تھے۔ میری مستفسرانہ نگاہیں کسی موزوں آدمی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ نوجوان کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں نے اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کردی۔

اس نے آتے ہی دور سے جھک کر ہم سب کو ادب سے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا، میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات اٹکی ہوئی تھی کہ سلام کرنا ایک اسلامی روایت تھی اور غیر مسلموں کے سلام کا جواب نہ دینا بہتر تھا۔

"سر! میرا نام سنیل پرکاش ہے" آنے والے نے ہم سے چند قدم دور رک کر مشینی انداز میں بولنا شروع کردیا۔ "میں سیٹھ سوبھراج کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔ بتایئے، میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

وہ ہم پانچوں سے اس قدر مرعوب ہوا تھا کہ اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہم کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

"میرا نام کرنل داور ہے" میں نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا اور مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھادیا۔ عملی طور پر ہم ان سب کو مرعوب کرچکے تھے لیکن زبانی طور پر میں نے نرمی اختیار کیے رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

"سر! مجھے بتادیا گیا تھا کہ آپ کسی وقت آئیں گے۔" سنیل نے ہاتھ ملاتے ہوئے، باچھیں پھیلاکر کہا "آئیں، میرے ساتھ اندر تشریف لے آئیں۔"

میں نے ان چاروں کو وہیں چھوڑا اور خود سنیل کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف ہولیا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ باس کل سے بنکاک۔۔" راستے میں سنیل نے بات شروع کی اور میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے سوبھراج کی غیر موجودگی کا علم تھا۔ میں اس سے بات کرنے کے بعد راج محل آیا تھا۔

سنیل کے مختصر سے دفتر میں بیٹھنے کے بعد میں نے کہا۔ "تم سوبھراج صاحب کے پرسنل سیکریٹری ہو۔ میں ان کی فیملی کے کسی فرد سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان کی ایک شکایت کے بارے میں کچھ وضاحتیں پیش کرسکوں" سنیل سے وہ الفاظ کہتے ہوئے میں خود کو اوّل درجے کا احمق محسوس کررہا تھا۔

یہ ہمارے سسٹم کی خرابی تھی کہ میں ایک جانے بوجھے مجرم کے معمولی سے ملازم کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور تھا۔

"ان میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔ سب لوگ گاؤں گئے ہوئے ہیں" اس نے سراپا انکسار بن کر مجھے آگاہ کیا۔

میں اندر ہی اندر بل کھاکر رہ گیا۔ اہلِ خانہ میں سے کسی کے موجود نہ ہونے کے سبب میں سنیل ہی سے بات کرنے کے لیے مجبور تھا۔ میں نے اس کے دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا "کل یہاں کون آیا تھا۔۔۔ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

سنیل نے زر خرید آوارہ لڑکی اور ایس ٹی ایف کے آدمی کی وہی کہانی دہرادی جو سوبھراج مجھے فون پر سنا چکا تھا۔

"اس گھر کے دروازے کھلے نہیں رہتے۔ اس لڑکی کو اندر بلانے سے پہلے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی؟" میں نے تحمل سے اس کی روداد سننے کے بعد سوال کیا۔

"وہ انگریز تھی، سب اس کے رنگ روپ سے دھوکا کھاگئے۔ ویسے بھی وہ انگریزی بول رہی تھی" سنیل نے چالاکی کے ساتھ ویرا کے لیے امریکی کے بجائے انگریزی کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"وہ آوارہ تھی تو یہاں کیا لینے کے لیے آئی تھی؟" میں نے ٹٹولنے والی نظریں اس کے چہرے پر گاڑدیں۔

"یہی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ باس ڈرنکس لے رہے تھے۔ انہوں نے میری نامی اس لڑکی کو بھی شریک کرلیا لیکن جب وہ گھٹیا حرکتوں پر اتر آئی تو وہ وہاں سے اٹھ گئے" سنیل نے جھوٹ کا پلندا کھولنا شروع کردیا "انہوں نے ہمیں پیچھا کرنے کی ہدایت دے کر ڈرائیور کو رخصت کردیا۔ میری اکیلی بیٹھی پیتی رہی۔ جب وہ مدہوش ہوگئی تو ہمارا ڈرائیور اسے صدر کے علاقے میں چھوڑ آیا۔ وہاں سے شاید کوئی شوقین آدمی اسے لے گیا ہوگا۔"

"لڑکی کو لانے والا ایس ٹی ایف کا آدمی نہیں تھا؟" سنیل کے سامنے وہ صفائی پیش کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکی سی ترشی در آئی "اور اس کی گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی جعلی تھی۔ میں نے یہ باتیں تمہارے باس کو بتادی ہیں مگر ان کی خواہش تھی کہ میں یہ سب تم کو بتادوں۔"

"جی، آپ بہت شریف اور مہربان افسر ہیں۔ میں تو بکتر بند گاڑی کے آنے کی خبر سن کر پریشان ہوگیا تھا۔ فون پر پہلی بار آپ سے بات ہوئی تو شاید آپ غصے میں تھے؟"

"یہ گھر بہت بڑا اور شاندار ہے" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرکے توصیفی انداز میں کہا "کراچی میں اب ایسے گھر کم رہ گئے ہیں۔"

"ہاں، باس کو گھر بنانے سنوارنے کا بہت شوق ہے۔ پرانا گھر توڑ کر انہوں نے سب کچھ نیا بنوایا ہے۔"

"نیا گھر ہے تو یہاں ہوائی حملے سے بچنے کے لیے کوئی تہ خانہ بھی ہوگا۔۔۔ اس میں پانی رسنے کی شکایت تو نہیں ہے؟"
تہ خانے کے ذکر پر وہ لمحہ بھر کے لیے بوکھلا گیا پھر سنبھل کر بولا "تہ خانہ صرف باس کے استعمال میں رہتا ہے۔ اس کے بارے میں، میں زیادہ نہیں جانتا۔ ان کی غیر حاضری میں وہاں تالا لگا رہتا ہے۔"

اس نے ہوشیاری سے پیش بندی کر ڈالی تھی کہ میں تہ خانہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کروں تو وہ تالا لگا ہوا ہونے کی بنیاد پر مجھے ٹال سکے۔ وہ مجھے بات آگے بڑھانے کی کوئی راہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ سوبھراج کے اعتماد کا آدمی تھا۔ جوان، چالاک اور توانا تھا۔ ہر وقت راج محل میں موجود رہتا تھا۔ سوبھراج کے لیے وہ اتنا اہم اور قابلِ اعتماد تھا کہ ملک سے فرار ہونے کے بعد بھی سوبھراج نے اس سے مسلسل رابطہ رکھا ہوا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ ارجن کا ممکنہ قاتل ہو سکتا تھا۔

میں دانستہ چند منٹ تک راج محل کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک سوال کر ڈالا "ارجن کمار سے تمہارے مراسم کیسے تھے؟"

وہ براہِ راست اور بہت جارحانہ سوال تھا۔ سنیل کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ وہ فوری طور پر میرے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ قدرے خاموشی کے بعد وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "میں کسی ارجن کو نہیں جانتا، آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

مجھے جو کچھ جانچنا تھا وہ میں نے جانچ لیا تھا۔ اگر سنیل ارجن کا قاتل نہیں تھا تو بھی قاتل کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ جانتا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے، بات ٹالنے کے لیے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ تم اپنے باس کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں جاتے رہتے ہوگے اور وہاں کام کرنے والوں سے تمہاری دوستیاں ہوں گی، تم نے ارجن کا نام بھی سنا ہوگا؟"
"نہیں، یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ باس باہر کہیں بھی جاتے ہیں تو مجھے ہر وقت فون وغیرہ کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ میں جلسے جلوسوں کے سوا ان کے ساتھ کبھی باہر نہیں جاتا۔"
میرے ہونٹوں پر ہنسی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی

”ویسے یہ ارجن کس ہوٹل میں ہوتا ہے؟؟“
”اسے بھول جاؤ‘ پتا نہیں مجھے یہ نام کیوں یاد آگیا تھا“ میں نے اکتاہٹ اور بیزاری کا مظاہرہ کیا۔

ارجن کے دیدہ دلیرانہ قتل کی خبر شہر کے اخبارات نے نمایاں انداز میں شائع کی تھی مگر سنیل اس کی طرف سے بالکل انجان بن رہا تھا۔ مجھے یقین ہوچلا تھا کہ وہ اس واردات میں اپنے باس کا شریک کار تھا۔ وہ یہ بات اپنے باس کو ضرور بتاتا کہ کرنل داور نے اس سے ارجن کے بارے میں کچھ کریدنے کی کوشش کی تھی۔

”دراصل ارجن بھی تمہارا ہم مذہب تھا“ میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سلسلہ کلام جوڑا ”میرا خیال تھا کہ شہر میں معزز اور آسودہ حال ہندوؤں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس یقین کی وجہ سے میں نے براہِ راست تمہارے اور اس کے مراسم کے بارے میں پوچھ لیا تھا لیکن تمہارے جواب نے میرے خیال کی نفی کردی ہے۔“

”کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں بڑی تعداد میں ہندو رہتے ہیں مگر وہ پورے شہر میں بکھرے ہوئے ہیں“ میں نے محسوس کیا کہ میری وضاحت سے اس کے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔ وہ خوش دلی سے بتا رہا تھا ”سر! آپ کو حیرت ہوگی کہ کراچی میں انتالیس ہندو مندر ہیں جن میں سے تئیس حکومت چلاتی ہے‘ بارہ ہندو پنچایت کمیٹیاں چلا رہی ہیں اور چار مندر ہندو رفاہی تنظیموں کے پاس ہیں۔ اتنی بھیڑ میں یہ ممکن نہیں ہے کہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہوں۔ ہاں‘ ذات اور برادری میں سب ایک دوسرے کی خیر خبر رکھتے ہیں۔“

اتنا کچھ بتانے کے باوجود اس نے ارجن سے اپنی کسی شناسائی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر میں اپنے پہلے سوال کے جواب میں اس کے چہرے پر غیر ارادی طور پر ابھرنے والی تحریر پڑھ چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے راج محل آنے کا مقصد حاصل کرلیا تھا۔

وہ میری خاطر تواضع کے لیے مسلسل اصرار کرتا رہا لیکن میں نے ایک غدار کی کمین گاہ میں پانی کا ایک گھونٹ بھی پینا گوارا نہیں کیا۔

میں نے سنیل سے ارجن والے معاملے کی وضاحت کردی تھی اور اس نے خوش دلی کے ساتھ بظاہر بات ختم کردی تھی لیکن سب کچھ ویسا ہی نہیں تھا جیسا نظر آرہا تھا۔ ارجن کے نام کی اہمیت سے ہر فریق اچھی طرح واقف تھا۔ سنیل یہ بات فراموش نہیں کرسکتا تھا کہ ایس ٹی ایف کے کرنل داور نے اس سے ارجن کے بارے میں ایک ٹیڑھا سوال کیا تھا۔ وہ اس بات کا تذکرہ سوبھراج سے ضرور کرتا۔ میرا کیا ہوا سوال سوبھراج کے لیے لمحہ فکریہ پیدا کرسکتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ اس کی پاکستان واپسی کی راہ اتنی صاف نہیں تھی جتنی نظر آرہی تھی لیکن اپنے کام میں پیش رفت کے لیے وہ سب بہت ضروری تھا۔

”یہاں جو کچھ ہوا‘ اس کے بارے میں‘ میں نے تمہاری اور سوبھراج صاحب کی کہانی سن لی لیکن آج کے اخبارات میں کچھ اور ہی شائع ہوا ہے۔“

”اخبار والے فسادی ہیں۔ انہیں ہر روز اپنے نپے تلے صفحات کا پیٹ بھرنا پڑتا ہے اس لیے وہ نت نئی کہانیاں تراشنے پر مجبور ہوتے ہیں“ سنیل نے اپنا لب ولہجہ بگاڑے بغیر اخبارات کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالا ”آپ ان کی باتوں کو رہنے دیں۔ وہ ایک الگ واقعہ ہے۔“

”کیا عام لوگوں کے لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہوگی کہ ایک ہی رات میں راج محل کے سلسلے میں دو بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں۔“

”ہوا کریں... ہم اخبار والوں کے سامنے بے بس ہیں۔ انہیں ہر ایک کی پگڑی اچھالنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے“ رفتہ رفتہ سنیل کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

”یہ معاملہ پگڑی اچھالنے سے زیادہ اہم ہے“ میں نے زور دے کر کہا ”ایک اخبار نے اسے گینگ وار قرار دیا ہے۔“

”یہ لغو باتیں ہیں۔ باس آئیں گے تو وہ اس منحوس اخبار کے مدیر اور مالکان کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ ضرور کریں گے۔“

”وہ کب تک واپس آرہے ہیں؟“ مجھے روا روی میں وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

”وہ دو چار روز میں لوٹ آئیں گے“ اس نے مژدہ سنایا ”ان سب لوگوں کے منہ بند ہوجائیں گے جو ان کی اچانک روانگی کو فرار قرار دے رہے ہیں۔“

”اچھا...!“ میں نے حیرت سے کہا ”کیا کچھ لوگ ایسا بھی کہہ رہے ہیں؟“

”مجھے موصول ہونے والی فون کالز سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ شہر میں ایسی بیہودہ افواہوں کا بازار گرم ہے۔“

”یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ میں نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں سنی“ میں نے کہا ”ویسے ایک بات تم کو مان

لینی چاہیے کہ کسی واقعے کے بارے میں جب حقائق
دستیاب نہ ہوں تو افواہیں بہت تیزی کے ساتھ اور خود بخود
پھیلنے لگتی ہیں۔ اس واقعے کے بارے میں راج محل کچھ بولتا
ہے نہ پولیس افسران کچھ بتانے پر آمادہ ہیں۔"

"راج محل والے کچھ نہیں بتاسکتے۔ یہاں کے دو ملازم
کسی سے پوچھے بغیر' خاموشی سے پجیرو نکال لے گئے۔
ہوسکتا ہے کہ وہ سیر و تفریح کے ارادے سے نکلے ہوں' اس
کے بعد کیا ہوا' کچھ پتا نہیں۔ یہ بہت بڑی اور سنگین
واردات ہے۔ اس کا کھوج لگانے کی ذمے داری پولیس کی
ہے" اس نے کمال ہوشیاری سے راج محل کے صرف ان دو
ملازموں کا ذکر کیا تھا جو پجیرو کی پچھلی سیٹ پر پائے گئے تھے۔
ان میں سے ایک ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا' دوسرا بے ہوش
ہوا تھا۔ جو دونوں زندہ بچ کر بھاگ نکلنے اور واپس راج محل
پہنچنے میں کامیاب ہوگئے' ان کا ذکر سنیل نے صفائی سے گول
کردیا تھا۔ جبکہ میں نے ان چاروں کو ویرا کے ساتھ' اپنی
آنکھوں سے پجیرو میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

"وہ دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پائے گئے تھے۔ سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ راج محل کی پجیرو کون چلا رہا تھا اور وہ
کہاں غائب ہوگیا۔" اس بارے میں میرا سوال قطعی منطقی
تھا۔ میں نے بلا جھجک وہ سوال کرڈالا۔

"یہ ایک معمّا ہے جو میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔
ہمارے دونوں آدمی وہی تھے جو گاڑی میں پڑے ہوئے ملے
تھے" ان لوگوں کو اپنی کہانی تراشنے کے لیے خاصا وقت مل
چکا تھا۔ سنیل کے جوابات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس
معاملے میں اپنے آقا کا دفاع کرنے کے لیے پوری طرح تیار
تھا۔"

"اس بارے میں پولیس نے تم لوگوں سے ضرور رجوع
کیا ہوگا؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔

"ان دونوں کی شناخت کے لیے میں پولیس اسٹیشن گیا
تھا۔ اس وقت تک مجھے پتا نہیں تھا کہ پجیرو وہاں سے کیسے
نکل گئی اس لیے بیان وغیرہ دینے کی نوبت نہیں آئی۔ ابھی
پولیس اپنے طور پر چھان بین کررہی ہے۔"

"اگر تم یہی باتیں پریس کو بتادو تو افواہوں کا زور ٹوٹ
جائے گا" میں نے ہمدردانہ مشورہ دیا "شاید پولیس ابھی
خاموش ہی رہے۔ یہ معاملہ سوبھراج صاحب کا نہ ہوتا تو اب
تک اس علاقے کا پورا تھانہ یہاں ڈیرے ڈال چکا ہوتا۔"

"پولیس باس کی وجہ سے خاموش ہے تو ہمیں اپنا منہ
کھولنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات طے ہے کہ وہاں دھواں
دھار فائرنگ ہوئی لیکن کوئی گولی سے زخمی تک نہیں ہوا۔
ہمارے دونوں آدمی زہر کا شکار ہوئے ہیں۔ پولیس سرجن
نے آج اس کی تصدیق کردی ہے۔"

"تمہارا بے ہوش آدمی ہوش میں آچکا ہے' وہ کیا کہتا
ہے" میں بات کو آگے بڑھاتا رہا۔

"اسے پولیس والوں نے اپنی سخت نگرانی میں رکھا ہوا
ہے۔ میں نے دور سے اسے شناخت کیا تھا۔ میری اس سے
ملاقات نہیں ہوسکی۔ اگر آپ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے
کر مجھے اس سے ملواسکیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔"

میں ہنس پڑا "تم ایس ٹی ایف سے واقف نہیں ہو۔ ہم
لوگ عام معاملات میں ذرا بھی دخل نہیں دیتے۔ اثر و رسوخ
سے کام چلتا تو مجھے تم سے اس بارے میں اتنے سوالات
کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ پولیس کے ذرائع سے مجھے
ہر بات معلوم ہوگئی ہوتی۔"

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہمارے اس آدمی نے اپنی گردن
بچانے کے لیے گڑبڑ کردی ہے" سنیل سوچتے ہوئے بولا۔
"شاید اس نے پولیس والوں کو کوئی فرضی کہانی سنا ڈالی ہے
جس میں راج محل والوں پر بات آجانے کا اندیشہ ہے۔ باس
کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں کہ انہیں دو کوڑی کے ایک ملازم
کے بیان پر پریشان کیا جاسکے۔ ان کی اپنی ایک ساکھ ہے۔
پولیس ان کے وقار کے منافی کوئی بھی قدم نہیں اٹھاسکتی۔
باس ایوان اقتدار کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیں گے۔"

سوبھراج کی طرح اس کا ملازم بھی اقتدار کے نشے میں
دھت تھا۔ ان دونوں کو اندازہ نہیں تھا کہ حالات کس رخ
پر چل نکلے تھے اور ان کا کیا انجام ہوسکتا تھا پھر بھی میں نے
اس کی خوش فہمی رفع کرنے کے لیے اسے بتایا "کسی بھی
واردات میں عینی شاہد کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔
تمہارا زندہ بچ جانے والا آدمی نہ صرف ایک متاثرہ فریق ہے
بلکہ اس خون آشام واقعے کا اکلوتا چشم دیدہ گواہ بھی ہے۔
اس کے بیان کے سامنے کوئی حیثیت کام نہیں آسکے گی۔"

"وہ میرا نہیں' باس کا ذاتی معاملہ ہے۔ پولیس والے
سوچے سمجھے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ سب سے
پہلی بات یہ ہے کہ وہ شخص خود چور ہے۔ باس کی اجازت کے
بغیر راج محل سے پجیرو لے بھاگا تھا۔ وہ لاکھ چشم دید گواہ ہو'
یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں تک قابلِ اعتبار ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہیں
تھا۔ ان لوگوں نے باہمی مشاورت کے ذریعے ویرا کی ذات کو
اس قصے سے نوچ کر بالکل الگ کردیا تھا۔ ویرا کے فرار اور

بجیرو کے واقعے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ پر ایک ہی واقعہ تھا۔ انہوں نے اپنے مفادات کے لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ویرا سامنے آکر ان کی کسی بات کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ پولیس کی تفتیش کا سارا دارومدار اکلوتے گواہ پر تھا۔ اگر اسے جھوٹا اور بے اعتبار قرار دے دیا جاتا تو پھر پولیس کو وہی کچھ ماننا پڑتا جو راج محل والے کہہ رہے تھے۔

سنیل نے صرف اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اس کا اندیشہ درست تھا۔ وہ چور کی داڑھی میں تنکا والا قصہ تھا۔ بجیرو میں بے ہوش ہونے والے کو کچھ علم نہیں تھا کہ غیر متوقع ناکامی اور بربادی کے بعد اس کا آقا اس واقعے کو کیا رنگ دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے مجبوری کے عالم میں پولیس والوں کو وہی کچھ بتایا ہوگا جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ سنیل کو معلوم تھا کہ اس کا باس واقعات کو توڑ مروڑ رہا ہے۔ وہ دونوں ریکارڈ کی باتیں تھیں اور ان کا تضاد بالکل واضح تھا۔ وہ اول و آخر سامنے آنا ہی تھا۔ سنیل ایسا مرحلہ آنے سے پہلے گواہ کو مشکوک قرار دے کر اپنے باس کے بچاؤ کی راہ ہموار کررہا تھا۔

اس معاملے میں پولیس والوں نے مثالی رازداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہیں سے کوئی بات لیک ہوکر اول خان کے کانوں تک بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ نچلی سطح پر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا اور اعلیٰ ترین عہدوں پر بیٹھے ہوئے افسران سوبھراج کے ممکنہ سیاسی انتقام سے خائف تھے۔ وہ مجبوری کے عالم میں اس قصے میں ملوث ہوئے تھے۔ ان کے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ مرکزی حکومت کو حقائق سے آگاہ کردیں۔

پولیس کا محکمہ صوبائی درجے کا حامل تھا۔ اس کا بڑے سے بڑا افسر بھی براہِ راست مرکز سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔ وہ معاملہ صوبائی وزارت داخلہ کے ذریعے مرکز تک پہنچایا جاسکتا تھا جس کے لیے صوبے کے سربراہ کی منظوری ضروری تھی۔ اول خان اور جلال کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے اختیارات کی اس تقسیم اور توازن کے بارے میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس کی تیار کی ہوئی' اس کیس کی سمری چل پڑی تھی۔ سرکاری عہدے دار اس سمری پر مرکز کے کسی فیصلے کے منتظر تھے۔ وہاں سے جواب آنے کے بعد ہی جمود ٹوٹ سکتا تھا۔ اس سے پہلے سوبھراج جیسے وی آئی پی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

سوبھراج وہ سیاسی غنڈا تھا جس سے آئی بی اور ایس ٹی ایف جیسی مقتدر اور توانا ایجنسیوں کو دور رہنے کا مشورہ ملا تھا۔ وہ فیڈرل اتھارٹی کے تحت کام کرنے والے ادارے تھے۔ ان کے مقابلے میں پولیس کے صوبائی محکمے کی پوزیشن بہت کمزور تھی۔ مرکز کی اجازت کے بغیر وہ سوبھراج کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جو افرایسی جسارت کرتا اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اوپری دل سے سنیل کی تائید کی "یہ سوبھراج صاحب کی عزت اور ساکھ ہی ہے کہ میں آج ان کی ایک شکایت کے ازالے کے لیے یہاں موجود ہوں۔ پولیس والوں کو بھی ان کی طاقت اور پہنچ کا اندازہ ہے اسی لیے انہوں نے تم لوگوں کو بالکل پریشان نہیں کیا۔ معاملے کو دبائے بیٹھے ہیں۔ سوبھراج صاحب آئیں گے تو فیصلہ ہوجائے گا کہ پولیس کو اس کیس میں کیا کرنا ہے۔"

"سر! پولیس کو کچھ نہیں کرنا...... وہ کیا کرے گی؟" میری شہ پا کر وہ مزید شیر ہوگیا اور اپنی ہرزہ سرائی جاری رکھتے ہوئے بولا "بجیرو ہماری' مرنے والا ہمارا آدمی' بے ہوش ہو کر پکڑا جانے والا ہمارا آدمی۔ جب ہم ہی پرچہ درج نہیں کرائیں گے تو پولیس کو کچھ کرنے کا کیا حق ہے۔ باس مرنے والے کے بال بچوں کو ڈیڑھ دو لاکھ روپے دے دیں گے تو ان کی بھی زندگی بھر کی روٹیاں سیدھی ہوجائیں گی۔ یہ الٹی سیدھی گواہی کا کوئی چکر نہیں چلے گا۔"

وہ سوبھراج کی جاگیردارانہ سوچ تھی جو سنیل کے ذہن میں بہت دور تک سرایت کرچکی تھی۔ خود اس کا تعلق متوسط طبقے سے معلوم ہوتا تھا۔ ایک سفاک جاگیردار کا نمک کھا کر وہ خود اپنے اور اپنے سے نچلے طبقے کے خلاف بول رہا تھا۔ اس کے لیے انسانی زندگیوں کی قیمت اٹھارہ سے چوبیس لاکھ روپے فی درجن سے زیادہ نہیں تھی۔

"مقدمے سے مرنے والے کے وارثوں کو کیا ملے گا!" چند لمحوں کے سکون کے بعد سنیل نے بولنا شروع کردیا "ساری عمر عدالتوں کے دھکے کھاتے گزر جائے گی اور انصاف پھر بھی نہیں ملے گا۔ انصاف کے لیے مجرم کا پکڑا جانا ضروری ہے یہاں معلوم ہی نہیں کہ قاتل کون ہے تو انصاف کیا ہوگا۔"

"بس' تم سوبھراج صاحب کو یہ ضرور بتا دینا کہ میں اپنے وعدے کے مطابق یہاں آیا تھا۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"سنیل بھی اپنی کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا اور

مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "سر! آپ برا نہ منائیں تو ایک دل کی بات کہہ دوں۔"

"ہاں ہاں، تم ہر بات کہہ سکتے ہو۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"سر! یہ راج محل عزت داروں کا گھر ہے۔" اس نے عاجزانہ لہجے میں بات شروع کی "آئندہ آپ کو ادھر آنا ہو تو بکتر بند گاڑی میں نہ آئیں۔ بلاوجہ لوگوں کی آنکھیں اٹھتی ہیں۔ بس مجھے فون کر دیں میں آپ کے لیے مرسیڈیز بھجوا دوں گا۔"

اس کی وہ عاجزانہ جسارت گستاخی کی آخری سرحدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کی بات سن کر میرا خون کھول کر رہ گیا۔ اگر میں ایس ٹی ایف کے سربراہ کے دیے ہوئے مشن پر وہاں نہ آیا ہوتا تو میں اسی لمحے سنیل کی گردن دبوچ لیتا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر ایک خشک سی نگاہ ڈالی اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

وہ نوجوان ضرور تھا مگر کائیاں تھا۔ جلدی سے گھوم کر میز کے پیچھے سے نکلا اور خوشامدانہ انداز میں میرے راستے میں حائل ہو گیا "سر! میں معافی چاہتا ہوں۔ شاید میری التجا آپ کو بری لگ گئی۔ میں نے یہ بات اپنے باس کی طرف سے کہی تھی۔ وہ ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے۔"

"سنیل! تم نے شاید میرے نام پر غور نہیں کیا۔ میں فوج کا ریٹائرڈ کرنل ہوں۔ میری زندگی دھول اڑاتے صحراؤں، پتھریلی چٹانوں اور برف زاروں میں گزری ہے۔ بازو دی ہتھیار میرا زیور ہیں اور ٹائروں پر اچھلتے ہوئے فولادی ڈھانچے میری پسندیدہ سواری ہیں۔ مجھے لمبی چوڑی اور ٹھنڈی گاڑیوں میں سفر کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ہمارے خیر خواہ ہماری ان چیزوں پر ناز کرتے ہیں، دشمنوں کو ان سے خوف آتا ہے۔ دعا کرو کہ مجھے دوبارہ راج محل میں نہ آنا پڑے۔ میں آیا تو اسی طرح آؤں گا۔"

یوں لگا جیسے میرا تلخ جواب سن کر اس کا سارا اخمار کافور ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہوں سے ہلکا سا خوف جھانکنے لگا۔ وہ قدرے کمزور آواز میں بولا "ہم نے ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارا۔ میں دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک چھوٹی سی بات سے آپ کی دل آزاری ہوئی۔ باس سے آپ کی بات ہو تو اس کا ذکر نہ کیجیے گا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر طیش میں آجاتے ہیں۔ میں ان کو ناراض نہیں دیکھ سکتا۔"

"تم میری کوئی شکایت نہیں کرو گے تو میں بھی یہ کڑوی بات بھول جاؤں گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"آپ نے شکایت والی کوئی بات نہیں کی۔ بس ایک ذرا ارجن کا ذکر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ باس کو یہ بات بتانے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔"

اس کے یاد دلانے پر مجھے یاد آیا کہ میں نے سنیل سے اس بارے میں بات کر کے غلطی کی تھی۔ ارجن ان لوگوں کے لیے ایک حساس نام تھا۔ وہ تفصیل سن کر سوبھراج کو میرے خلاف سوچنے کی ایک راہ مل سکتی تھی۔ میں نے صاف انکار کر دیا "نہیں..... تمہاری طرح میں بھی سوبھراج صاحب کو برہم کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ ارجن کی بات بالکل صاف ہو گئی ہے۔ وہ اخبارات میں چھپنے والا ایک نام تھا جو اچانک میرے ذہن میں آگیا۔ بہتر ہو گا کہ تم سوبھراج صاحب سے اس کا ذکر نہ کرو۔"

سنیل نے جھجکتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا "میں اس بارے میں خاموش رہوں گا۔"

کہنے کو اس نے وہ اقرار کر لیا تھا۔ اس نے بدمزگی کے حوالے سے اپنی کمزوری کا اظہار کر کے ایک موقع فراہم کر دیا تھا تو میں نے بھی ایک فوری خیال کے تحت اپنا مطالبہ پیش کر دیا تھا۔

ان لوگوں کے لیے ارجن کمار کا نام بہت اہم تھا۔ سنیل میری زبان سے اس کے ذکر کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس بارے میں وہ مجھ سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کرے گا۔ اپنے آقا کو یہ بات ضرور بتائے گا کہ میں نے معذرتوں کے ساتھ ساتھ اس سے ارجن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس بارے میں اس کو روکنے کی ایک کوشش کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

وہ بات بظاہر طے کر لینے کے بعد میں اس کے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ میرے ساتھ ساتھ باہر تک آیا تھا۔

بکتر بند گاڑی کے پاس اسٹرائیک یونٹ کے چاروں اراکین اپنی رائفلیں سنبھال کر پوری مستعدی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کہیں سے گڑبڑ کا ذرا سا بھی خدشہ ہونے پر وہ بے دریغ گولیوں کی باڑ چلا دیں گے۔ اس وقت راج محل کے پورے احاطے میں ان چاروں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ملازمین کو ہماری آمد کے مقصد کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بکتر بند گاڑی اور اس سے اترنے والے مسلح کمانڈوز سے خوف زدہ ہو کر ادھر

ادھر گھس گئے تھے۔
بکتر بند گاڑی کے پاس پہنچ کر سنیل نے میرے ساتھ دوبارہ تپاک سے ہاتھ ملایا' ان چاروں کمانڈوز کو بھی عزت اور احترام سے الوداع کہا اور ہم گاڑی میں سوار ہو گئے۔
ہماری واپسی کے آثار دیکھ کر محافظ اپنے کمرے سے نکلا اور پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔
ہم سوبجر بازار سے کچھ ہی دور نکلے تھے کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ آواز سنتے ہی میرا ذہن اول خان کی طرف گیا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر فون آن کیا تو دوسری طرف نک ہاروے کی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ مجھ سے جوابی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔
"خیریت ہے۔" میں نے متحیر آواز میں پوچھا "اس وقت تم نے کیسے فون کیا؟"
"میرا خیال تھا کہ تم میری کال کا انتظار کر رہے ہو گے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے۔ ویرا اور سوبھراج کے بارے میں تمہاری کہانی درست ہے۔"
اس واقعے کے بارے میں ہر طرف سخت رازداری سے کام لیا جا رہا تھا۔ کہیں سے اندر کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ پولیس کے محکمے سے بھی کوئی بات معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود نک نے قلیل سی مدت میں اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر لی تھیں۔ میرے لیے وہ اطلاع حیران کن تھی۔
"اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا میں تمہیں بلاوجہ سوبھراج کے خلاف نہیں بھڑکا رہا تھا۔"
"میں مانتا ہوں کہ ڈینی اور ویرا کے معاملے میں تم لوگ بہت برق رفتار ہو۔ ان کے معاملات سے پوری طرح باخبر رہتے ہو۔"
"اگر تمہارے ذہن میں بیٹھی ہوئی بدگمانیاں دور ہو گئی ہوں تو میں تم سے ایک بات پوچھ لوں۔" میں نے کسی طنز و استہزا کے بغیر' بہت محتاط لہجے میں پوچھا۔
"سوبھراج کی حرکت پر اس وقت میں صدمے کے عالم میں ہوں۔ ٹام بہت مشتعل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے دوست نہیں ہو لیکن تمہاری اس رائے سے میں پوری طرح متفق ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی مفاہمت نہ ہونے کے باوجود ہلکی سی ذہنی ہم آہنگی خود بخود فروغ پا رہی ہے۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے' پوچھ لو۔ میں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"
"ویرا اور بیجرو والے معاملے میں راج محل سے پولیس تک' سب نے سختی سے اپنی زبانیں بند رکھی ہوئی ہیں پھر تم نے اتنے کم وقت میں میری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کیسے کر لی؟"
"یہ ہمارے طریقہ کار کی خوبی ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ اپنے دوستوں کی بھی پوری پوری خیر خبر رکھتے ہیں۔" اس نے کسی تردد کے بغیر بولنا شروع کر دیا "راج محل اس شہر کے ایک اہم آدمی کا گھر ہے۔ وہ ہمارے لیے کام کرتا ہو یا نہ کرتا ہو' وہ گھرانا ہمارے لیے اہم ہے۔ اس کے ملازمین میں ہمارا ایک مخبر بھی موجود ہے۔ اس انفارمر نے تمہاری دی ہوئی اس اطلاع کی تصدیق کی ہے کہ کل رات سوبھراج کے چار آدمی بیجرو میں ایک سفید فام لڑکی کو لے کر نکلے تھے پھر بیجرو واپس نہیں آئی۔ کچھ دیر بعد ان چاروں میں سے دو آدمی ٹیکسی سے واپس پہنچے تھے۔ وہ وہی ہوں گے جو بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"
"تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ سوبھراج نے ان دونوں سے ملنے کا بعد ہی پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا!" اس کی بات مکمل ہو جانے کے بعد میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
"اس نے یہاں سے بھاگ کر بڑی غلطی کی ہے۔ وہ یہاں بہت مضبوط پوزیشن کا حامل ہے۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"
"آدمی پر برا وقت آتا ہے تو اس سے پے در پے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب سوبھراج کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"
"مجھے صدمہ ہوا ہے۔ ویرا خطرناک عورت ہے۔ اسے ایک لمحے کا رسک بھی نہیں لینا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ آیا ہوا خزانہ گنوا دیا۔"
"سوبھراج تمہاری صفوں کا بہت اہم آدمی تھا۔ اس نے تمہیں دغا دی ہے۔ اس سے بہتر میں ہوں کہ میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب اس کے بارے میں فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں غیر معینہ مدت تک تمہارے فیصلے کا انتظار نہیں کروں گا۔"
"رات کے واقعے کی تصدیق ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے تمہاری شرائط پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔ تم ہر طرف سے سوبھراج کو گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم نے اس کی طرف سے میرا دل بھی کھٹا کر دیا ہے۔ اس کے لیے

کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ تم کو حقائق بتائے تھے۔ مجھے تمہارا دل کھٹا یا میٹھا ہونے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ یہ تمہاری صوابدید کا معاملہ ہے کہ اب تم اسے اپنے گینگ میں کس مقام پر رکھتے ہو۔ میری ہٹ لسٹ پر اس کا نام سرفہرست ہے۔ اسے گھیرنے میں تم میری مدد کر سکے تو اس کے نتائج تمہارے لیے سود مند ثابت ہوں گے۔"

"اب میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ سوبھراج کے خلاف گنتی شروع ہو گئی ہے۔ میں جلد ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لوں گا۔"

"تم نے یہ کال کر کے میرے دل میں گنجائش پیدا کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہم ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل سکیں!" میں نے اسے امید دلائی۔

"تم یہاں سے باہر جانے پر آمادہ نہیں ہو تو تمہارے لیے یہاں جگہ پیدا کی جائے گی۔ مجھے کام کے آدمی کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔"

اس نے کھل کر یہ نہیں کہا تھا کہ سوبھراج کی دغابازی کا راز کھلنے کے بعد اس کی جگہ خالی ہونے والی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ مجھے اشاروں کنایوں میں یہ جتانے کی کوشش کر چکا تھا کہ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کر لوں تو وہ مجھے ایک بڑا مقام دے سکتا تھا۔

میں کسی کے دل کا حال جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میری پی تلی رائے تھی کہ نک مجھے اپنے ساتھ ملانے کی سر توڑ کوششیں کر رہا تھا۔ وہ میری اصلیت سے نابلد تھا البتہ کرنل داور کے روپ میں میری کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اسے آدمی کی ضرورت تھی۔ سوبھراج کے ہٹائے جانے کے بعد اسے فوری طور پر وہ خلا پورا کرنا تھا۔ اشارے کچھ اس طرح مل رہے تھے جیسے وہ مجھے سوبھراج کی جگہ لانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

وہ اس کے سوچنے کا انداز تھا۔ میں بھی اپنی لچھے دار باتوں سے اسے آس دلا رہا تھا لیکن میری سوچ اس سے بہت مختلف تھی۔ میں اس کو شیشے میں اتار کر اپنا کام نکالنے کا خواہاں تھا۔ میں غداروں اور سازشیوں کے اس ٹولے میں کسی قیمت پر بھی شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

سوبھراج کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا ماضی کسی بھی طرح قابلِ رشک نہیں تھا۔ اس نے تیسرے درجے کے ایک بدمعاش کے طور پر ہوش سنبھالا تھا۔ غنڈا گردی کے اسی دور میں اس کا سیاسی شعبدہ بازوں سے میل جول ہو گیا اور اس نے بدمعاشی کی سیاست کی داغ بیل ڈال کر رفتہ رفتہ وہ مقام حاصل کر لیا جہاں وہ ان دنوں فائز تھا۔ دولت کی چکا چوند نے لوگوں کی نگاہیں اس حد تک خیرہ کیں کہ وہ سوبھراج کے ماضی کو یکسر فراموش کر چکے تھے اور اسے ایک معزز سیاسی لیڈر تسلیم کرنے لگے تھے۔

یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ سوبھراج کا امریکی ایجنسیوں سے کب رابطہ ہوا ہو گا۔ وہ لوگ لمبی مدت کے منصوبوں پر کام کر رہے تھے اور ہر ملک میں ابھرنے والی قیادت پر گہری نگاہ رکھتے تھے تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان میں سے اپنے کام کے آدمی چن سکیں۔

سوبھراج اپنے داغ دار ماضی اور اقلیتی برادری کی بنا پر امریکی ایجنٹوں کے لیے آسان شکار تھا۔ کسی وقت اسے منتخب کر لیا گیا۔ یہ یقینی بات تھی کہ اس نے اپنے کام کی ابتدا نچلی سطح سے کی ہو گی لیکن طویل رفاقت کے بعد وہ اس حد تک امریکیوں کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا کہ رفتہ رفتہ کوبرا کے مقام تک جا پہنچا تھا جہاں وہ پورے پاکستان میں پھیلے ہوئے مخبری کے جال کا سربراہ تھا۔ پوری فیلڈ فورس اس کے احکام کی تابع تھی اور وہ صرف دو چار بڑے امریکی گوروں کو جواب دہ تھا۔

ٹام اور نک کے لیے یہ واقعی صدمے کی بات تھی کہ ان سے پہلے آنے والوں نے برسوں میں پال پوس کر جس شخص کو ایک بڑے منصب پر فائز کیا تھا وہ ان کے دور میں خود غرض اور دغاباز ثابت ہو رہا تھا۔ سوبھراج ان کی ناک کا بال تھا۔ وہ میرے یا کسی اور کے مطالبے پر اپنے اس مہرے کو اس کی جگہ سے ہلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے پھر ان کے سامنے ڈینی کا معاملہ آ گیا۔ سوبھراج کے بدلے ڈینی کا سودا ان کے لیے شاید قابلِ غور ضرور تھا لیکن کسی بھی طرح پرکشش نہیں تھا۔ وہ ایک بڑے دشمن کو زیر کرنے کی خاطر اپنے ایک اہم ترین ہمدرد اور خیر خواہ سے دست کش ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سوبھراج نے ویرا کے معاملے کو نک اور ٹام سے پوشیدہ رکھ کر خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی۔

اگر میں سوبھراج سے چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا کہ وہ ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ میری طرف سے بدنام کیے جانے کی دھمکیوں سے ڈر کر پہلے اس نے اول خان کو اپنا ہدف بنانے کی دھونس دی اور پھر ویرا کو یرغمال بنا لیا۔ اپنی نام نہاد شہرت کو بحال رکھنے کے لیے اسے ایسے ہی کسی مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔

یہ سوبھراج کی کھلی بد نصیبی تھی کہ ویرا کے ذریعے مجھے بھی پکڑنے کے چکر میں وہ ویرا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ویرا کی آزادی کے بعد سوبھراج اپنے مضبوط سہارے سے محروم ہو چکا تھا اور مجھے کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔

میرے انکشاف پر نک کو یقین نہیں آ سکا تھا کہ سوبھراج نے ویرا کے معاملے میں اسے اندھیرے میں رکھ کر دھوکا دیا ہو گا۔ اس خبر کی تصدیق ہونے کے بعد سوبھراج پر امریکی حمایت کے دروازے شاید بے رحمی سے بند ہو چکے تھے اور کسی بھی لمحے ان کی طرف سے سوبھراج کا ہانکا شروع ہو سکتا تھا۔

امکان یہ بنتا نظر آ رہا تھا کہ وہ سوبھراج کو براہ راست کوئی سزا دینے کے بجائے اسے میری پیش کش کا ایندھن بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس مرحلے پر انہیں سوبھراج کے عوض، کرنل داور سے ڈینی مل جاتا تو ان کا سراسر خسارہ بہت بڑے فائدے میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ ان کی سوچ کے حساب سے سوبھراج کو کرنل داور کے ہاتھوں اپنے کیے کی بھیانک سزا مل جاتی اور وہ کرنل داور سے ڈینی کو لے کر اپنا انتقام پورا کر لیتے۔

یہ سب کیسے ہوتا، اس میں سے کیا ہوتا اور کیا نہ ہوتا، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ نک کسی بڑی مجبوری کی وجہ سے تھائی لینڈ میں سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا تھا کہ وہ لوگ سوبھراج کو تھائی لینڈ سے پاکستان واپس لانے کے لیے کیا کرتے تھے۔ ایک بار وہ خبیث پاکستان لوٹ آتا تھا تو پھر ہمیں نک وغیرہ پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہ رہتی۔ سرکاری طور پر ملے ہوئے وی آئی پی پروٹوکول کے باوجود ہم اپنے وسائل سے کام لے کر، کسی نہ کسی طرح اسے کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے تھے۔

واپسی پر اسٹرائیک یونٹ والوں نے مجھے گھر پہنچانے کی پیشکش کی لیکن مسئلہ وہی تھا کہ اس عجوبۂ روزگار بکتر بند گاڑی پر بلاوجہ ہر ایک کی نظریں اٹھتی تھیں۔ اس ہیبت ناک گاڑی کو راج محل والوں نے پسند کیا تھا، نہ میں اپنے گھر لے جانا پسند کرتا تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر اپنے گھر کے قریب گاڑی سے اتر گیا۔ سڑک پار کر کے میں چند منٹ میں اپنے گھر پہنچ سکتا تھا۔

میں اپنی اس مہم کے نتائج کے بارے میں کوئی پیشگی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن کامیابی کے امکانات روشن نظر آ رہے تھے۔ واپسی میں موصول ہونے والے نک کے فون نے ان مثبت امکانات کو بہت زیادہ تقویت دی تھی۔

میں راستہ ناپتا ہوا گھر واپس پہنچا تو وہاں میدان صاف تھا۔ میری توقع کے برعکس اول خان کہیں اور مصروف تھا۔

❂✲❂

شام کو اول خان اپنے روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر ہماری طرف آیا تو وہ بہت مضمحل اور اداس نظر آیا۔

"کیا بات ہے۔ اس وقت تم بالکل دیوداس نظر آ رہے ہو۔" سلام دعا کے بعد میں نے تمسخرانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"زندگی بے کیف لگ رہی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "تم سوبھراج کے نوکروں سے معافی مانگنے گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں معاف کر دیا یا ابھی بھی ناراض ہیں؟"

"اوہو.... تو یوں کہو کہ تمہارے چیف کی جواب طلبی نے ابھی تک تمہاری طبیعت مکدر کی ہوئی ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بے تکلفی سے کہا "یار! اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے دل پر نہ لیا کرو۔ تم عملی آدمی ہو۔ بعض اوقات زندگی کے حقائق اس سے بھی زیادہ تلخ اور سفاک ہوتے ہیں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم سے جواب طلب کرنے سے پہلے چیف.... تم سے زیادہ کرب سے گزرا ہو گا کیونکہ وہ بھی کسی کو جواب دہ ہے۔"

"جب کوئی اَن ہونی بات ہوتی ہے تو زندگی بالکل روکھی، پھیکی اور بے روح محسوس ہونے لگتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر بَن باس لے لیا جائے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ امن اور قانون کے پاس داروں کو بدمعاشوں اور مجرموں کے پاس حاضری دینا پڑے۔"

"تمہیں دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے راج محل میں جانے کے لیے ایک بہانہ چاہیے تھا۔ تمہارے باس نے مجھے وہ موقع فراہم کر دیا۔ مجھے وہاں ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

کامیابی کے ذکر پر اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "کامیابی!"

"ہاں.... میں نے ارجن کمار کے قاتل کو پہچان لیا ہے۔ وہ سوبھراج کا دست راست ہے۔"

"شاید تم سنیل کی بات کر رہے ہو۔" ویرا بولی "وہ بدشکل یا ہیبت ناک نہیں ہے لیکن اس کی سرد آنکھوں سے

سفاک قاتل معلوم ہوتا ہے۔ خوش مزاجی کے عالم میں بھی اس کی نظریں مجھے اپنے وجود میں اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ بہت ڈھیٹ اور پکا معلوم ہوتا ہے۔"

"بلیک کیٹس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "مگر تم نے دیکھا کہ زندگی کے راستے بند پا کر گوپال نے اچانک سب کچھ بتانا شروع کر دیا تھا۔ سنیل اس سے زیادہ پکا نہیں ہو سکتا۔"

میں نے ان دونوں کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ لفظ کامیابی نے اول خان کے مزاج پر حیرت ناک اثر ڈالا تھا۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی اداسی اور لاتعلقی یکایک کافور ہو چکی تھی اور وہ ہشاش بشاش نظر آنے لگا تھا۔

"تمہیں اس پر شبہ ہو گیا تھا تو تم کو اسے اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا۔" اول خان نے دھیرے سے کہا۔

"اس وقت میں خیر سگالی کے مشن پر گیا تھا۔ ایسا کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ سوبھراج کی واپسی تک یہاں حالات کو جوں کا توں رہنا چاہیے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ واپسی کا ارادہ ملتوی کر دے گا۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ وہ کچھ عرصے کے لیے کہیں بھی جا کر روپوش ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اپنے سیٹلائیٹ فون کی وجہ سے وہ ہر وقت آپ کی دسترس میں رہے گا۔" غزالہ نے ہنس کر یاد دلایا۔

"مجھے امید ہے کہ اب تک بھی اسے واپس لانے کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کر دے گا۔ ایک دو روز میں اس کا نتیجہ سامنے آ جانا چاہیے۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"یہاں سے جانے سے پہلے تک تو وہ متذبذب تھا۔" ویرا نے حیرت سے کہا۔

"ویرا والے قصے کی تصدیق کرنے کے بعد اس کا سارا تذبذب ختم ہو گیا۔ اب وہ غم و غصے کی حالت میں ہے۔"

"تو کیا تمہارا اس سے دوبارہ رابطہ ہوا ہے؟"

"ابھی راستے میں اس کا فون آیا تھا۔ اس نے ذرا سی دیر میں اس واقعے کے بارے میں سارے حقائق معلوم کر لیے تھے۔"

"نک سے تمہاری کیا بات چیت چل رہی ہے۔ مجھے یہ پتا نہیں چل سکا کہ دوسری بار تمہاری اور اس کی کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

اس وقت میرے لیے اول خان کی دل جوئی زیادہ عزیز تھی۔ میں نے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں اسے بریف کرنا شروع کر دیا۔

سب ہی خاموشی اور انہماک سے وہ باتیں سنتے رہے۔ کسی نے دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔

"یہ ہے امریکی ذہنیت!" میرے خاموش ہو جانے پر ویرا نے پرزور انداز میں کہا "ان کو تو اپنے سوا کسی پر بھروسا نہیں ہوتا۔ یہ ڈالر بانٹنے میں فراخ دل ہوتے ہیں۔ اندر سے تنگ ظرف ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کام کرنے والا ہر شخص خود کو ان کا منظور نظر سمجھتا ہے مگر یہ ہر ایک کو اپنی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگاتے رہتے ہیں۔ سوبھراج سوچ بھی نہیں سکتا ہو گا کہ اس کا کوئی ادنیٰ سا ملازم نک وغیرہ کو اس کے بارے میں خفیہ رپورٹیں دیتا ہے۔"

"ان کا یہ طریقہ کار کتنا ہی خراب ہو' اس وقت ہمارے لیے سودمند ثابت ہوا ہے۔" غزالہ بولی "ایسی کسی تصدیق کے بغیر نک ان کی باتوں پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ اپنی بات پر قائم رہا تو سوبھراج جلد ہی پاکستان میں نظر آئے گا۔"

"میرا یہ خیال ہے کہ راج محل والوں نے پیڈرو کے بارے میں پولیس کو جو کہانی سنائی ہے اس میں بہت جھول ہے۔ پولیس ذرا سی محنت کرے تو اس کہانی کی دھجیاں اڑا سکتی ہے۔" سلطان شاہ اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"جب تک سوبھراج کو دیا ہوا پروٹوکول ختم نہیں کیا جاتا' کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کیس پولیس کے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہو گا۔ معاملہ قتل کا ہے۔ وہ فائل بند کر سکتی ہے نہ آزادی سے تفتیش کر سکتے ہیں۔" اول خان نے اپنا تجزیہ پیش کر دیا۔

"اس وقت کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے زور دے کر کہا "ایک بار وہ پاکستان لوٹ آئے تو پھر سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت اسے اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں کی فضا اس کے لیے تیزی سے خراب ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے راج محل جا کر اسی سمت میں کام کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر تمہیں سنیل سے ارجن کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کرنی چاہیے تھی۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ سوال ناگزیر تھا۔ ارجن کے نام پر سنیل کا ردعمل دیکھنے کے بعد مجھے بھی احساس ہوا تھا کہ وہ بات الٹی پڑے گی۔ میں نے اپنے سوال کی اہمیت گھٹانے کی خاصی کوشش

کی تھی۔ دیکھنا ہے کہ اب آگے کیا ہوتا ہے۔ سوال کرنے کے بعد اسے لوٹانا ناممکن تھا۔"

"یہی ہوتا ہے۔" ویرا نے اس بار تائید کی "ہمیں ہر بات کے ردِ عمل کا پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا۔ تالاب میں کنکر پھینکنے کے بعد ہی اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھنے والے لہریے کنارے تک آئیں گے یا پھر درمیان میں ہی تحلیل ہو جائیں گے۔"

"تم راج محل کی سیر بھی کر آئے۔ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اب صرف انتظار کرنا ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ اوپر سے پولیس والوں کو کیا احکام ملتے ہیں۔"

"پولیس سے تم زیادہ توقعات وابستہ نہیں کر سکتے۔ انہیں چھوٹ مل جائے پھر بھی وہ سوبھراج کے اثر و رسوخ اور دباؤ سے نہیں بچ سکیں گے۔ یہ ان کی مجبوری ہوتی ہے۔" اول خان نے کہا۔

"مجبوری کے ساتھ تم ان کی ضروریات کو بھول رہے ہو۔" ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں دخل اندازی کی "مشہور ہے کہ ان میں پیسہ چلتا ہے۔ ان کی تنخواہیں اتنی قلیل ہیں کہ سب نہیں تو بیشتر پولیس والے تھوڑی سی پُر آسائش زندگی گزارنے کے لیے بھی رشوتیں قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہمارے حریف کے پاس پیسہ بھی ہے اور تعلقات بھی۔ پولیس والے اس دو طرفہ دباؤ کا مشکل ہی سے مقابلہ کر سکیں گے۔"

"کیا امریکا میں رشوت بالکل نہیں لی جاتی؟" سلطان شاہ کو اپنی پولیس کی برائی پسند نہیں آئی۔

"لی جاتی ہے مگر بہت کم....." ویرا نے مثبت انداز میں جواب دیا "وہاں بلکہ دنیا کے ہر مہذب ملک میں تمام سرکاری ملازموں اور خاص طور پر قانون کے رکھوالوں کو معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں اس کے باوجود بعض حریص افسر کبھی کبھار رشوت لے لیتے ہیں اور منہ بھر کر لیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے تو اس کا حشر خراب ہو جاتا ہے۔ اس سے سارا کھایا پیا اگلوا لیا جاتا ہے۔"

"یہ سب خوبیاں وسائل سے پیدا ہوتی ہیں۔" غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی "وسائل کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دعا کرو کہ پاکستان میں وافر مقدار میں تیل یا سونا نکل آئے تو ہر طرف خوش حالی کی لہر آ جائے گی اور ساری خرابیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔"

باتیں چلتی رہیں۔ رفتہ رفتہ اول خان کا موڈ بھی بہتر ہو چکا تھا۔ وہ ہم سب کی باتوں میں سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔

اسی دوران میں ڈور بیل بجی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آیا تھا۔ جب سے اول خان نے اپنے دو آدمیوں کو ہمارے گھر پر مامور کیا تھا' چھوٹے موٹے کاموں کی ذمے داری سلطان شاہ کے سر سے ٹل گئی تھی۔ ان میں سے کسی نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں جلال کی آواز آئی۔

"چلے آؤ! یہاں کوئی پردہ دار نہیں رہتا۔" میں نے اس کے استقبال کے لیے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے ہانک لگائی اور اس کی ہنسی کی آواز قدم بہ قدم قریب تر آنے لگی۔

وہ ہنستا مسکراتا ہوا ہمارے ساتھ آملا۔ ہر ایک نے اس کی غیر متوقع آمد پر گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"تم پہلے سے کسی اطلاع کے بغیر کیسے کراچی آ گئے؟" ویرا نے شوخی سے سوال کیا۔

"تم کراچی والے ہمیں چین سے کہاں بیٹھنے دیتے ہو۔ اچانک دوڑ لگانی پڑ گئی۔ گوپال نے کچھ اہم باتوں کا ذکر شروع کر دیا ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔

"تو کیا گوپال ابھی تک کراچی میں ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"اس قماش کے قیدیوں کے لیے اس وقت ہمارے پاس صدف مینشن سے بہتر کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"اسلام آباد میں شاید کوئی موزوں عمارت دستیاب نہ ہو لیکن پنڈی میں بہتیری آسیبی عمارتیں موجود ہیں جہاں گھستے ہوئے آدمی کا دم نکلتا ہے۔ گوپال کے لیے یہاں تک آنے کے بجائے تم اسے پنڈی بلوا سکتے تھے۔" میں نے اول خان کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" جلال نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "صدف مینشن میں قدرتی طور پر وہ سارے عناصر اور عوامل موجود ہیں جو قیدیوں کو آسانی سے اعصاب زدہ کر دیتے ہیں۔ کچھ دنوں میں پنڈی میں بھی اس کا متبادل تیار ہو جائے گا۔ یہ سناؤ کہ یہاں کے کیا حالات چل رہے ہیں۔ آخر کار سوبھراج کے اونٹ کو پہاڑ تلے لے ہی آئے ہو۔"

"کسی کی بد نصیبی اس کا پیچھا کر رہی ہو تو ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "سوبھراج کے ایک غلط فیصلے نے پورے کھیل کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے اور آج میں نے تمہاری تجویز پر عمل کر ڈالا ہے۔"

"میری کونسی تجویز تھی؟" اس کی جواب طلب نظریں

میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"کرنل داور اور ایس ٹی ایف کے نمائندے کی حیثیت سے راج محل گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"خوب! تم لوگ ہر کام میں تیزی دکھانے کے قائل ہو۔ اسلام آباد میں بیٹھ کر میرے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ سوبھراج جیسا مضبوط آدمی گھبرا کر بھاگ گیا ہوگا۔ فون پر ساری باتیں نہیں ہو پاتیں۔ ذرا یہ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس وقت یہاں کورم بھی پورا ہے۔ چائے کی ایک پیالی آجائے تو تمہاری قصہ گوئی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"چائے آرہی ہوگی۔ قصہ بھی سن لینا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سوبھراج کے سلسلے میں اسلام آباد میں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہاں شدید بحران آیا ہوا ہے۔ سوبھراج کی لابی پوری طرح سرگرم ہے۔ چشم دید گواہ کے ابتدائی بیان اور راج محل والوں کی کہانی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سوبھراج کی لابی اس واقعے کو مخالف پارٹی کی سازش قرار دینے پر تلی ہوئی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ گواہ کا دماغی معائنہ کرایا جائے۔ وہ فاترالعقل ہے......"

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہی ہوگا۔" ویرا اس کی بات کاٹ کر بول پڑی "سوبھراج کے حامیوں کی بات مان لی گئی تو اس بے چارے کو ذہنی مریض قرار دے کر کسی پاگل خانے میں سڑا دیا جائے گا اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔"

"راج محل سے سوبھراج کی جانب سے اخبارات کو فیکس پر ایک بیان بھیجا گیا ہے۔ اس میں چند مذہبی قسم کے سیاسی رہنماؤں کو ہدف بنا کر ان کے خلاف عامیانہ زبان استعمال کی گئی ہے۔" ویرا کی بات سن لینے کے بعد جلال نے اپنی بات آگے بڑھائی "اس کا کہنا ہے کہ مذہبی منافرت کی وجہ سے اس کے خلاف اسکینڈل تیار کیا گیا ہے تاکہ اس کے حریفوں کو میدان خالی مل سکے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے سیاسی لڑائی میں اصل قصہ پس پشت رہ جائے گا۔"

"تم نے وہ بیان تو دیکھا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ لو۔ تم بھی پڑھ لو۔" جلال نے اپنی جیب سے تہ کیے ہوئے کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیے۔

وہ دو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی بیان تھا جس کی ابتدا میں سوبھراج نے اپنی خدمات گنوانے کے بعد یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس کے سیاسی مخالفین کو یہ گوارا نہیں ہے کہ ایک غیر مسلم ملک و قوم کی خدمت کے میدان میں سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے اس لیے وہ آئے دن اس کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس مذموم مہم میں متعصب مذہبی رہنما ان کی پشت پناہ تھے۔ اس مردود نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اس بیان میں بعض قابلِ نفرت باتیں بھی شامل کردی تھیں۔ آخر میں ببجیرو کے بارے میں بالکل وہی موقف اختیار کیا گیا تھا جو میں سنیل کی زبانی سن چکا تھا۔

اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا گیا تھا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے سازش کے تحت اس کی ببجیرو پر قبضہ کیا مزاحمت کرنے پر ایک ملازم کو مار کر دوسرے کو بے ہوش کر دیا۔ گارڈن روڈ پر ان کا اپنے کسی حریف سے آمنا سامنا ہو گیا۔ فائرنگ کے تبادلے کے بعد وہ گاڑی چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

اس بیان میں ویرا کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا!

میں جتنی دیر تک وہ بیان پڑھتا رہا، ویرا اور اول خان نے جلال کو وہ سب باتیں بتا ڈالیں جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔

میں نے وہ کاغذ اول خان کی طرف بڑھائے تو جلال دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "یہ واقعہ اچانک اور غیر متوقع طور پر پیش آیا اس لیے بے ہوش ہونے والے کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ اس معاملے میں سوبھراج کیا چاہتا ہے۔ اس نے پولیس کو چار آدمیوں اور ایک سفید فام لڑکی کی کہانی سنائی ہے۔"

"اس کا بہترین توڑ یہ ہے کہ ویرا کی طرف سے ایک بیان اخبارات کو جاری کر دیا جائے۔" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

"اخباری لڑائی سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنی توجہ حقائق پر مرکوز رکھنی چاہیے۔" جلال نے رائے دی "سوبھراج نے بوکھلاہٹ میں پاکستان سے فرار ہو کر سخت غلطی کی ہے اور اپنا کیس مزید کمزور کر لیا ہے۔"

"یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے یکایک فرار کی کیا سوجھی تھی۔" میں نے الجھن بیان کی۔

"اس نے بڑے دعوے اور طمطراق سے ویرا کو اپنی قید میں رکھا تھا۔" اول خان نے پرخیال انداز میں کہا "وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ویرا چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ وہ اپنے بچ جانے والے دونوں آدمیوں کی رپورٹ سن کر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے اندیشہ ہوا ہوگا کہ جو لوگ ایک بھری ہوئی سڑک پر دیدہ دلیری سے ببجیرو کو روک کر ویرا کو چھڑا سکتے ہیں وہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ اپنے بقیہ دو آدمیوں کے بارے میں

اس نے فرض کرلیا ہو گا کہ وہ مارے گئے۔ وہ کچھ دیر تک شہر میں رک کر اصل واقعات کا پتا چلا لیتا تو شاید یوں میدان چھوڑ کر نہ بھاگتا....''

''یہ سب دل بہلانے کی باتیں ہیں۔'' جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اصل بات یہ ہے کہ جس پر برا وقت آتا ہے اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ سوبھراج فرار نہ ہوتا تو اس وقت اس کی پوزیشن اتنی خراب نہ ہوتی۔ اس کے سارے حمایتی مل کر بھی وہ کام نہیں کرسکتے جو وہ تن تنہا کرسکتا تھا۔''

''پھر اسلام آباد میں کیا فیصلہ ہونے کی امید ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہاں مذاکرات کے ساتھ پس پردہ سرگرمیاں بھی پورے زور و شور سے جاری ہیں۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔''

''اگر حالات جوں کے توں رہتے ہیں تو تم اسی طرح الگ تھلگ رہو گے؟''

''مجبوری ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی متبادل راہ آتی ہو تو وہ بتا دو۔ میں اس پر چل پڑوں گا۔''

''اب میری ہر امید صرف نک سے وابستہ ہے۔'' ویرا نے اعلان کیا ''وہ چاہے گا تو سوبھراج سر کے بل پاکستان واپس آئے گا۔''

''ایک بار وہ پاکستان آجائے تو پھر یہ کیس تمہارا ہو گا۔'' میں نے جلال سے کہا ''وہ غدار ہے اور غداروں کی سرکوبی تمہارا فرض ہے۔''

''ہمیں سب کچھ معلوم ہے لیکن ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' جلال نے بے چارگی سے کہا ''ثبوت کے بغیر تم اس کی گردن ناپ سکتے ہو، ہم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔''

''ثبوت چاہتے ہو تو راج محل سے سنیل کو اٹھوالو۔ چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ مان لے گا کہ سوبھراج کے حکم پر اس نے ارجن کو مارا تھا۔ اپنے اس ایک جرم پر وہ دونوں پھانسی کے پھندے تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''ہمیں پہلے ثبوت درکار ہو گا۔ اس کے بعد ہم راج محل کا رخ کرسکیں گے۔ یہ بھی آسان نہیں ہو گا۔ ہمیں اس صورت میں بھی کلیرنس لینی پڑے گی۔'' جلال نے رسانیت سے کہا ''کلیرنس لینے کے لیے ہمیں پہلا ثبوت درکار ہے۔ اس کے بعد ہم سنیل تو کیا سوبھراج سے بھی سب کچھ اگلوالیں گے۔''

میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہا پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندا بن کر لپکا۔ میں نے پرجوش لہجے میں کہا ''شاید ہماری عقلوں پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ثبوت تمہارے پاس ہے۔ تم جب چاہو، اسے غداری کے الزام میں پکڑ سکتے ہو۔''

''تمہیں ایسی کیا بات یاد آگئی کہ جوش سے سرخ ہوئے جارہے ہو!'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''سامنے کی باتیں ہیں، بار بار دہرائی جارہی ہیں مگر ہم انہیں بھولے ہوئے ہیں۔ وہ پاکستان سے اس لیے نہیں بھاگا کہ اسے اپنے اوپر حملہ ہونے کا خوف تھا۔'' میں نے اسی لہجے میں ویرا کو جواب دیا ''وہ ہر قیمت پر میری زبان بند رکھنی چاہتا تھا۔''

''ہاں۔'' ویرا نے سرسری انداز میں کہا ''یہ بات مجھ سمیت سب کو یاد ہے۔ کوئی بھی اسے نہیں بھولا۔''

''اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے پہلے اس نے دھمکی دی تھی کہ میں نے اس سے محاذ آرائی جاری رکھی تو وہ اول خان کو مروا دے گا۔ اس کے بعد تم بہت زیادہ بہادر بن کر اس کے انٹرویو کے لیے جا پہنچیں تو اس کی گھاگ نظروں نے تمہیں پہچان لیا۔ تمہیں پکڑ لینے کے بعد اس کی پوزیشن بہت مستحکم ہوگئی۔ میں نے مقررہ وقت پر اسے فون کیا تو تم اس کی قیدی بن چکی تھیں۔ اس بار اس کی دھمکی تبدیل ہوگئی۔ اس نے کھل کر کہا کہ میں نے اس کے خلاف لب کشائی کی تو وہ تمہارا حشر خراب کردے گا۔''

''مجھے یہ بھی یاد ہے۔ تم ان باتوں کو کیوں دہرا رہے ہو؟'' گفتگو میرے اور ویرا کے درمیان محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ دوسرے افراد خاموشی اور حیرت سے ہمارے مکالمے سن رہے تھے۔

''اس کے لیے کسی اور بات کی اہمیت نہیں تھی لیکن میں یہ راز جان چکا تھا کہ وہ سوبھراج سے کوبرا کس طرح بنتا تھا۔ یہ بات پھیلتے ہی اس کی ساری عزت اور ساکھ خاک میں مل جاتی۔ وہ قد آور سیاسی رہنما کے رتبے سے غدار وطن کی پوزیشن میں آجاتا۔ تمہارے فرار کی خبر سنتے ہی اسے ہول آنے لگے ہوں گے کہ وہ میرے مقابلے میں نہتا رہ گیا تھا۔ مجھے خاموش رکھنے کے لیے اس کے پاس کوئی ہتھیار باقی نہیں رہا تھا۔ میں شہر بھر بلکہ ملک بھر میں اس کا بھانڈا پھوڑ دوں گا۔ وہ یہاں سے بھاگ گیا۔''

میں دوسروں کو کیا کہتا، افراتفری اور پریشانی کی وجہ سے وہ بات اسی وقت میری سمجھ میں آئی تھی۔ میرا اندازہ تبدیل

ہو گیا۔ بات سمجھ میں آنے کے بعد یہ بھی اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے خاصے اثاثے سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا ہو گا۔ سنیل نے مجھے بتایا کہ اس کے اہل خانہ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ مجھے وہ بیان بھی مشتبہ نظر آنے لگا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی بعد کی کسی پرواز سے پاکستان سے باہر نکل گئے ہوں گے۔

سوبھراج کے نکتہ نظر سے یہ بات قیامت سے کم نہ ہوتی کہ میں اس کے کوبرا ہونے کا راز فاش کر دیتا۔ اس کے چنگل سے ویرا کی آزادی کے بعد میرے اوپر سوبھراج کا ایسا کوئی دباؤ باقی نہیں رہا تھا۔ جو مجھے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کرتا۔

"مجھے پوری بات بتاؤ۔ میں اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دوں گا۔" مجھے خاموش پا کر جلال نے ہیجانی آواز میں ٹوکا۔

"وہ کوبرا بن کر را کے ایجنٹوں اور پھر بلیک کیٹس کو کھلی مدد اور رہنمائی فراہم کر رہا تھا۔ اس کا بہترین گواہ گوپال ہے جو اس وقت تمہاری قید میں ہے۔" اس بار میں براہِ راست جلال سے مخاطب ہو گیا "تم سوبھراج کو نقاب پوش بنا کر اسے گوپال کے سامنے لے جاؤ گے تو وہ اسے کوبرا کی حیثیت سے پہچان لے گا۔ اس کے چہرے پر داڑھی لگا کر اسے ارجن کے ہوٹل میں لے جاؤ گے تو سب لوگ اسے حشمت سمجھ کر دور سے سلام کریں گے۔ وہ تین نام ہیں مگر شخصیت ایک ہی ہے...."

"تمہاری بات واضح ہے۔" جلال نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "ارجن کیس کے سلسلے میں حشمت کا نام پولیس کے ریکارڈ پر ہے۔ اس کا فیصل آباد کا پتا جعلی ثابت ہوا تھا۔ اس کی گردن میں شکنجہ ڈالنے کے لیے اس کا یہی ایک جرم کافی ہو گا۔ باقی باتیں وہ خود اگل دے گا۔ اب مجھے اس کے خلاف کلیرنس مل جائے گی۔ میں داڑھی کے ساتھ اس کی تصویریں بنوا کر ہوٹل کے عملے سے شناخت کروالوں گا۔"

"میں اس مشق سے گزر چکا ہوں۔" اول خان نے ہنس کر کہا "تم کو سو فیصد کامیابی ہو گی۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا۔ ہم بہت کچھ کر چکے ہیں لیکن اس وقت سب بھولے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"دراصل بات یہی ہے کہ وہ تمہاری معلومات سے خائف ہے۔" جلال نے میری تائید کی "حیرت ہے کہ ہم سب نے اس اہم نکتے کو فراموش کیا ہوا تھا کہ اس کا کوبرا یا کم از کم حشمت ہونا آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ شخصیت بدل کر جعلی نام اور پتے کے ساتھ ہوٹلوں میں ٹھہرنا بجائے خود ایک سنگین جرم ہے۔"

"اس کا ایک جرم تمہیں راج محل میں داخلے کی اجازت دلوا دے تو اس کے بقیہ جرائم کے ثبوت خود بخود سامنے آتے چلے جائیں گے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا "یہ ماننا پڑے گا کہ ہم لوگوں میں ڈینی کا ذہن کچھ زیادہ سرعت سے کام کرتا ہے۔"

"ڈینی کی صلاحیتوں میں کوئی کلام نہیں۔ ہر ایک اس بات کا اعتراف کرتا ہے۔" جلال خوش دلی سے بولا۔

"اب مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو اور سوبھراج کی فکر کرو۔ جب تک وہ پاکستان واپس نہیں آجاتا، اسے یا اس کے حواریوں کو یہ اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں اس کے استقبال کے لیے کیا تیاریاں ہو چکی ہیں۔"

"وہ چوروں کی طرح گیا ہے اور اسی خاموشی کے ساتھ واپس آئے گا۔ کاش! مجھے اس کی پرواز کی تفصیل معلوم ہو سکے تو میں اسے ائرپورٹ سے ہی گرفتار کرنے کا مشورہ دوں گا۔ اب وہ یہاں ایک لمحے کی بھی آزادی کا حق دار نہیں رہا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے اسے ائرپورٹ سے گرفتار کرنا ممکن نہیں ہو گا۔" جلال نے بتایا۔

"دوسرے افسروں کے مقابلے میں تم انتظامی پابندیوں میں کچھ زیادہ ہی جکڑے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"

جلال ویرا کی اس بات پر ہنس پڑا اور خوش دلی کے ساتھ بولا "جب معاملہ سوبھراج جیسے بڑے مگرمچھ کے شکار کا ہو تو ڈور اور کانٹے کا زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جب تک اسے دی ہوئی مراعات واپس نہیں لی جاتیں، اس کے خلاف ہونے والی بیشتر کارروائیاں کالعدم اور غیر قانونی تصور ہوں گی۔ یہ بہت باریک سا نکتہ ہے جسے جوشیلے افسر اکثر نظرانداز کر دیتے ہیں اور پھر عدالت میں ان کے پاؤں ایک لمحے میں اکھڑ جاتے ہیں۔"

"اتنا کچھ ہو جانے کے بعد اب مراعات واپس لینے میں کیا تکلف ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ڈینی نے ابھی رازداری کی بات کی تھی۔ مراعات واپس لے لی جائیں تو وہ بھانپ لے گا کہ اس کے لیے یہاں کے حالات سازگار نہیں رہے ہیں۔"

"تم لوگوں کی عجیب منطقیں ہیں۔" ویرا الجھ کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولی "آخر تم اس کو کس طرح زیر کرنا چاہ رہے ہو۔"

''زبانی طور پر ساری تیاریاں مکمل رہیں گی۔ مناسب مرحلہ آتے ہی دونوں کام ایک ساتھ ہوں گے۔ مراعات کی واپسی کا خط جاری ہوتے ہی اس کی گرفتاری کا وارنٹ تیار ہوجائے گا۔ اس کے لیے میں اپنا ہوم ورک آج ہی سے شروع کردوں گا۔''

''یہ فنی باریکیاں تم کو مبارک ہوں۔ میں ان میں نہیں پڑنا چاہتی۔ مجھے اصل غرض اسی بات سے تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا بھی جائے گا یا ہم اسے کوس کوس کر یوں ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہیں گے۔''

''تم صرف ایک سمت میں دیکھ رہی ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ویرا کو مخاطب کیا ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جلال کے پھیلائے ہوئے کسی قانونی جال میں پھنسنے سے پہلے سوبھراج میرے داؤ میں آجائے اور میں کسی فنی یا قانونی باریکی کی پروا کیے بغیر' اسے بے دردی سے جہنم واصل کردوں گا۔''

''میں تمہیں ایسے کسی اقدام کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' جلال نے میری مخالفت کی ''وہ قانون کی گرفت میں آتا ہے تو یہی راہ سب سے بہتر رہے گی۔ وہ زندہ رہ کر ذلت و رسوائی کا مزہ چکھے گا۔ اس پر جرح ہوگی تو کچھ اور پردہ نشینوں کے نام بھی سامنے آسکتے ہیں۔ اس کی اچانک موت سے یہ سارا سلسلہ ادھورا رہ جائے گا۔''

''میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا لیکن اسے زیادہ مہلت بھی نہیں دوں گا۔''

''موذی کا سر پہلی فرصت میں کچل دینا چاہیے۔'' ویرا سفاکانہ لہجے میں بولی ''میں نے اسے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بہت گھٹیا اور گھناؤنا آدمی ہے۔ میرا بس چلے تو میں اسے اس کے راج محل کے تہ خانے میں اسی مسہری پر باندھوں جس پر وہ مجھے لے جانا چاہ رہا تھا۔''

غزالہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ بعض اوقات ویرا کی بے باکانہ باتیں اس کے لیے شرمندگی کا باعث بن جاتی تھیں۔

جلال' ویرا کی وہ بات سنی اَن سنی کرکے راج محل کے فیکس والے کاغذ موڑ کر جیب میں رکھنے میں مصروف ہوگیا۔ دوران گفتگو سب نے باری باری ان دونوں کاغذوں پر لکھا ہوا متن پڑھ لیا تھا۔

''تم گوپال سے مل کر آئے ہو یا اب ادھر جاؤ گے؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''میں جس کام سے کراچی آیا ہوں' سب سے پہلے اسی کو نمٹایا ہے۔ اب رات اپنی ہے۔'' اس نے ہنس کر بتایا۔

''بس... پھر آج رات یہیں بسر کرلو۔ ہماری چوتھی خواب گاہ تیار اور خالی رہتی ہے۔''

وہ دیر تک بیٹھنے کے لیے آمادہ تھا لیکن رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ سرکاری کام سے آیا تھا۔ رات اسی ہوٹل میں بسر کرنی چاہتا تھا۔ جس کی بکنگ اسلام آباد سے کرائی گئی تھی۔ رات کو ٹھکانا بدلنے کی صورت میں اس کے افسران کو اس کی تلاش میں دشواری پیش آسکتی تھی۔

''تم نے میری واپسی ہونے سے پہلے اس سے بات کی تھی۔ ذرا اب سوبھراج کو چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔'' باتوں کے درمیان ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تمہاری واپسی سے پہلے میں نے اس سے ڈپی بن کر بات کی تھی!'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا۔

''ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ کل اسی نے تمہارا فون مجھے دیا تھا اور میں نے بھی تم سے بات کی تھی۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''ویرا! تم کیوں مجھے مروانا چاہ رہی ہو۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اس میں مروانے کی کیا بات ہے۔ تم کئی بار اس سے بات کر چکے ہو۔''

''یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس وقت میں کرنل داور کا قیدی ہوں۔ کرنل نے میرے سامنے ایک سخت گیر نقاب پوش کا روپ دھارا ہوا ہے۔ وہ مجھے کسی کو کیوں فون کرنے دے گا۔''

ویرا سٹپٹا کر رہ گئی۔ دوسرے لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔

''ہم میں اور تم میں یہی فرق ہے۔'' اول خان نے ہنسی کے دوران کہا ''ہم بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ تم اہم باتوں کو ہر حال میں یاد رکھتے ہو۔''

''اس وقت میں اس سے صرف کرنل داور بن کر بات کرسکتا ہوں جو بے کار ثابت ہوگی۔ کرنل اور سوبھراج کا تعلق بہت رسمی اور رواجی سا ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا۔ ''مجھے تعجب ہے کہ سب آپ کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ آپ نے کل کرنل داور بن کر یہ باتیں نک ہاروے سے کی تھیں۔ اسے بتایا تھا کہ آپ نے ڈپی کو پکڑ لیا ہے اور اس سے بہت سی باتیں اگلوائی ہیں۔ سوبھراج سے آپ کی ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔''

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ غزالہ نے صحیح نشان دہی کی تھی۔ اس وقت شاید میں الجھا ہوا تھا اور ساری باتیں میرے ذہن میں خلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ غزالہ کے سوا کوئی میری اس سنگین بھول کو نہیں پکڑ سکا تھا۔ حد یہ تھی کہ ویرا بھی اپنی غلطی پر نادم ہو رہی تھی جبکہ اس کی بات بالکل درست تھی۔ میں نے بلاوجہ اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

"ذرا مجھے دو منٹ دے دو اور سکون سے اپنے خیالات کو یکجا کرنے دو۔ مجھے یاد رہنا چاہیے کہ میں نے کس سے' کس روپ میں اور کیا بات کی تھی۔"

"ڈینی سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں۔" اول خان نے خفت آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں آج اسے کیا ہو گیا۔"

ذہن پر ذرا سا زور دینے سے مجھے یاد آ گیا کہ پچھلے دن میں نے کرنل داور بن کر نک سے بات کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ڈینی میرا قیدی بن چکا ہے۔ اسی گفتگو میں' میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں سوبھراج کے خاتمے کے بعد ہی اس سے ڈینی کے معاملے پر کوئی بات کر سکوں گا۔ نک سے اس کے بعد مزید دو بار میری بات ہو چکی تھی۔ میں نے اس سے کھل کر کہہ دیا تھا کہ سوبھراج اور بیس لاکھ ڈالر کے عوض اس سے کوئی بات بن سکے گی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ نک نے وہ بات سوبھراج تک پہنچا دی ہوگی۔ ایسا ہوا ہوتا تو سوبھراج کرنل داور سے گفتگو کے دوران میں ڈینی کے بارے میں کچھ نہ کچھ کریدنے کی کوشش ضرور کرتا۔

وہ ذرا الجھی ہوئی باتیں تھیں۔ میں نے دوبارہ انہیں اپنے ذہن میں گھمایا اور پھر بشاشت سے کہا "ہاں! اب میرا حافظہ تازہ ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں ویرا کی تجویز کے مطابق اپنے اصل روپ میں سوبھراج سے بات کر سکتا ہوں۔"

"ذرا ایک بار پھر سوچ لو۔ میں تو پردیسی ہوں۔ یہ سب تمہارے اپنے ہیں۔ ان سے مشورہ کر لو۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" جلال نے فقرہ کسا۔

"اب گڑبڑ کا امکان نہیں ہے۔ غزالہ بہت کم بولتی ہے لیکن جب بولتی ہے' بہت سوچ سمجھ کر بولتی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"پھر میں بھی دیکھوں گا کہ تم اسے کس طرح سلگاتے ہو۔" جلال کے ہونٹوں پر جوابی ہنسی پھیل گئی "دشمن سے بات کرنے کے فن میں تم سے تھوڑی سی تربیت بھی مل جائے گی۔"

"بار بار فون کرنے سے اس کا دماغ خراب نہ ہو جائے!" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"اس کے پاس تم سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو وہ اب تک تمہیں دس بار تنگ کر چکا ہوتا۔" اول خان نے کہا "تمہارے پاس اس کا نمبر ہے تو تم کو ہی ہر بار پہل کرنی ہوگی۔ اس کا دماغ خراب ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ تم کو اپنے مفاد کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"دوپہر کو اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ تم کہتے ہو تو اس سے ایک اور مذاکرہ سہی۔ اس وقت سے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ ہمارے درمیان پرانی باتوں کا دوبارہ تبادلہ ہوگا۔ کوئی نئی بات مشکل سے سامنے آئے گی۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔

"تبدیلی کیوں نہیں آئی۔ ابھی ویرا نے بتایا ہے کہ تم نے راج محل جا کر ایس ٹی ایف کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ سوبھراج اسے اپنی کامیابی تصور کر رہا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ سنیل تمہاری اس ملاقات کے بارے میں سوبھراج کو رپورٹ دے چکا ہوگا۔" جلال ایک سانس میں کہتا چلا گیا۔

میں نے طائرانہ نظروں سے سب کا جائزہ لیا۔ ہر چہرے پر تجسس نمایاں تھا اور اسپیکر فون کے استعمال کی امید میں وہ پانچوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی یادداشت کے سہارے سوبھراج کا سیٹلائٹ فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

حسب معمول اس کی طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب آ گیا۔ کراچی اور بنکاک میں وقت کے فرق کی وجہ سے وہاں رات گہری ہو چکی تھی لیکن سوبھراج اپنی آواز سے پوری طرح چاق و چوبند معلوم ہو رہا تھا۔

"بنکاک میں تم کو اپنی پہلی رات مبارک ہو۔ وہاں تمہاری عزت و آبرو محفوظ ہے یا بنکاک کی کسی فاحشہ نے تم کو بے آبرو کر دیا ہے۔" اس کی آواز سن کر میں نے طنز سے کہا۔

"بنکاک روئے زمین پر مردوں کے لیے ایک جنت سے کم نہیں ہے۔ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ بار بار مجھے کیوں فون کر رہے ہو؟" اس نے وہی سوال کر ڈالا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

میں نے نظریں اٹھا کر جلال کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "میرے ہاتھوں میں شدید خارش کی تکلیف ہے۔ تم کب تک یہاں سے بھاگے رہو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد واپس آؤ تاکہ میں اپنے ہاتھوں کی خارش دور کر سکوں۔"

"تم سب اُلّو کے پٹھے ہو!" اس کی غصیلی آواز کافی اونچی تھی "میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اپنا کام نمٹا کر تمہارا سر کچلنے کے لیے بہت جلد واپس آؤں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ ویرا کے فرار ہوجانے کے بعد تم میری دسترس سے نکل گئے ہو۔ میرے ہاتھ کسی بھی وقت تمہارے نرخرے پر ہوں گے۔"

"تم آؤ تو پھر اپنی ذلّت اور رسوائی کا تماشا دیکھو گے۔ شہر کا ہر شخص تمہارا نام نفرت اور حقارت سے لے گا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم اب تک خاموش کیوں ہو۔ اپنی کتیا کے واپس پہنچتے ہی تم کو اپنا ہذیان شروع کردینا چاہیے تھا۔" اس کی زہریلی آواز آئی مگر میرا دھیان اس کے الفاظ پر تھا۔ ان سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کراچی سے مسلسل رابطے میں تھا۔ اسے بدلتی ہوئی صورتِ حال کے بارے میں پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے انتظار تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنی معلومات کا کھلا اظہار کب شروع کرتا ہوں۔

"میں دوبدو مقابلے کا قائل ہوں۔ بھاگنے والے دشمن پر پیچھے سے وار نہیں کرتا۔ بھگوڑے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔ تم دو مہینے تک وہاں روپوش رہو گے تو میری زبان بند رہے گی۔ یہاں آؤ گے تو میں تمہیں اپنے ہذیان کا مزہ چکھاؤں گا۔"

"میں تم کو وارننگ دے رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تم ایک سنگلاخ چٹان سے اپنا سر پھوڑ رہے ہو۔ چٹان پر خراش بھی نہیں آئے گی۔ تم لہولہان ہوجاؤ گے۔"

"یہ میرا پرانا شوق ہے۔ میں نے اسی سر سے بہت سی چٹانوں کو پاش پاش کیا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

"تمہاری کوئی قیمت ہے تو وہ بتاؤ۔ میں تمہارا منہ جھلنے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی آواز قہربار ہوگئی۔

"میں بکاؤ مال نہیں ہوں سوبھراج! اپنی بولی لگوانے کا شوق تم کو ہے۔ ایک طرف امریکی تمہارے خریدار ہیں تو دوسری طرف بھارتی تمہیں منہ مانگے دام دیتے ہیں۔ مجھ سے بڑھ چڑھ کر باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری اصلیت سے واقف ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر عزت اور اعتبار کا نقاب چڑھا کر خود کو نہ جانے کہاں کہاں بیچا ہوا ہے۔"

"تمہاری زبان بہت لمبی ہے۔" اس کی آواز میں شکست کی تلخی اور جھلاّہٹ عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نے سنا ہے کہ بکواس کرنے کے معاملے میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔ کیا تم کھل کر بتا سکتے ہو کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟"

"کاش! تم اتنے ہی معصوم ہوتے۔ تم صرف سوبھراج رہتے تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ میری ساری دشمنی حشمت خان سے ہے۔ جو چور کی طرح نقاب لگا کر اچکوں سے ملتا تھا۔ میں کوبرا کے خون کا پیاسا ہوں جو نقاب میں چھپ کر دشمنوں اور غداروں کی سربراہی اور رہنمائی کرتا تھا۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ دونوں گھناؤنے بہروپ تم ہی نے دھارے ہوئے تھے۔ میں سب کو معاف کرسکتا ہوں مگر کسی غدار کو نہیں۔ اس ملک سے غداری کرکے تم نے اس مقدس منصب کی توہین کی ہے جو اس ملک کے لوگوں نے تمہیں دیا ہے۔ اس توہین کا ازالہ صرف تمہارا خون کرسکتا ہے۔"

"میں نے غور اور تحمل سے تمہاری پوری بات سنی ہے۔ تم نے حشمت اور کوبرا کے لیے ماضی کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ اگر میں اسے ماضی، بھولا ہوا ماضی بنادوں تو کیا پھر بھی ہماری لڑائی ختم نہیں ہوسکتی؟" اس نے بہت عجیب اور بدلے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیا تم اپنے گناہوں سے تائب ہونے کی بات کررہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اگر میں صرف سوبھراج رہ جاؤں تو کیا یہ دشمنی ختم ہوجائے گی؟" اس نے میرے سوال کا براہِ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے پھر ایک سوال کر ڈالا۔

"اس بارے میں' میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے کہ ہم لڑتے لڑتے اتنی دور نکل گئے ہیں کہ اب صلح کی کوئی راہ شاید ہی باقی رہ گئی ہو۔"

"تمہارے ان محتاط لفظوں سے کچھ امید سی نظر آرہی ہے۔" اس نے میری کہی ہوئی بات سے اپنا پسندیدہ مفہوم اخذ کرتے ہوئے کہا "دیکھو ڈینی! میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ ایک عزت دار سیاسی لیڈر ہوں۔ میری نظر مستقبل پر ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو' تمہاری دشمنی کی وجہ سے میرا آگے کا راستہ خراب ہوجائے گا۔ میں اسے صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے تمہاری شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

سوبھراج کے وہ الفاظ سن کر سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ دشمن کے وجود میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی نشانی تھی۔ سارے کارڈز اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب اس کے پاس مجھے دبانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ میری بولی لگا کر' میری شرائط قبول کرکے' مجھ سے صلح کرکے' غرض کسی بھی طرح میری دشمنی

سے بچنا چاہ رہا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک موذی درندہ تھا۔ اپنے آڑے وقت میں کسی بھی حد تک جھکنے کے لیے تیار تھا۔ اس بار اسے مہلت مل جاتی تو وہ اپنی تمام تر تیاری کے ساتھ میرے اوپر کوئی ایسا وار کرنے کی تیاری کرتا جو میرے لیے مہلک ثابت ہوتا۔ ایک شکست کے بعد اگلی فتح حاصل کرنے کے لیے اسے وقت درکار تھا۔ وہ عاجزی اور پشیمانی کے ساتھ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ مکار تھا تو میں اس سے بھی بڑا مکار تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا ”مجھے انسانوں کے خون کی ہولی کھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اگر تم اس ٹھوکر سے سبق لے رہے ہو تو یہ بہت اچھی بات ہے مگر میں نے دنیا دیکھی ہوئی ہے۔ سب سے بڑی عالمی گینگ کے ہراول دستے میں رہ چکا ہوں۔ شاید اب تم اس مقام پر پہنچ چکے ہو جہاں تم کمبل کو چھوڑنا چاہو تب بھی کمبل تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ نک ہاروے اور رانل بسواس جیسے لوگ بہت بے ضرر نظر آتے ہیں مگر سفاک ہوتے ہیں۔ انہوں نے تم پر کروڑوں کی سرمایہ کاری کی ہے‘ برسوں تم پر ریاضت کی ہے۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تم کو کنارہ کش نہیں ہونے دیں گے۔ تائب ہو کر تم مجھ سے بچ جاؤ گے تو وہ لوگ تمہیں مروا دیں گے۔“

”مجھے تم ان سب سے زیادہ خطرناک اور سفاک معلوم ہوتے ہو۔“ اس کا سارا بھرم اور غرور خاک میں مل چکا تھا ”تم سے پالا پڑنے کے بعد اندازہ ہو رہا ہے کہ لوگ تم سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ امریکی احمق نہیں ہیں جو کسی بے بساط آدمی پر دو ملین ڈالر کا انعام رکھ دیتے۔ مجھے تم اپنی طرف سے ضمانت دے دو۔ نک‘ ٹام اور دوسروں کو میں سنبھال لوں گا۔“

”ابھی تک تم نے مجھے دیکھا ہے نہ میں تم سے ملا ہوں۔ اتنے بڑے فیصلے یوں فون پر نہیں کیے جا سکتے۔“ ابتدائی گرمی دکھانے کے بعد میں نے بھی تھوڑی سی نرمی اختیار کرلی۔

”یہ بتاؤ کہ میں تم سے کیسے اور کہاں مل سکتا ہوں۔“ گھمنڈ ٹوٹ جانے کے بعد اس کے لہجے کی بے تابی بڑھ گئی تھی۔

”یہ سب ہو جائے گا۔ پہلے تم اپنے ملک میں واپس لوٹ آؤ۔“

”تمہاری کسی ضمانت کے بغیر میں یہ ہمت نہیں کرسکتا۔ تم میری زندگی کی ضمانت دو تو میں کل ہی کراچی لوٹ آؤں گا۔“

”اور تمہارے کام کا کیا ہوگا؟“ میں نے وہ چبھتا ہوا سوال پوچھ ہی لیا۔

”کام بھاڑ میں جائے۔ آدمی کی جان ہے تو جہان ہے۔ اس کے لیے میں دوبارہ ادھر کا چکر لگا لوں گا۔“ وہ واپسی کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔ اگر اس کے اس اضطراب کے پیچھے نک سے ملنے والی کوئی ہدایت بھی کارفرما تھی تو مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

”میں تمہیں واپسی کے بعد دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔“ میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد جلال کو آنکھ مار کر کہا ”اس دوران میں تم کو ٹام اور نک کو سنبھالنا ہوگا۔“

”انہیں میں دیکھ لوں گا۔“ میری یقین دہانی پر اس کا لہجہ جان دار ہو گیا ”مجھے یقین ہے کہ وہ میری مجبوریوں کو سمجھ لیں گے۔“

سوبھراج دولت کے لالچ اور شاید مراسم بڑھانے کے شوق میں امریکی ایجنسیوں کے ہتھے چڑھا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ٹام اور نک جیسے پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹوں کی سوچ کیا ہوتی ہے۔ وہ مجھے دلاسا دے رہا تھا کہ انہیں سنبھال لے گا۔ ان کو یقین دلاتا کہ کچھ دنوں میں میرا کام تمام کر دے گا۔ وہ دونوں طرف دہرا کھیل کھیلنے کے چکر میں تھا جس میں سراسر اسی کا خسارہ تھا۔ وہ امریکی ذرا سی دیر میں اندازہ لگا لیتے کہ سوبھراج کس چکر میں تھا پھر وہ ان کے رحم و کرم پر رہ جاتا۔

مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اس لیے اسے وہ باتیں سمجھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا ”اب تم کب واپس آ رہے ہو؟“

”جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔ تم کو اخباروں سے ورنہ کسی نہ کسی طرح اطلاع مل جائے گی کہ میں کراچی لوٹ آیا ہوں۔“

”کراچی آنے کے بعد تم اپنے وعدے سے پھرے تو تم جانتے ہو کہ میرا نام ڈینی ہے۔“

”میں یہ غلطی نہیں کر سکتا۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے دو دن کی مہلت دے کر میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ میں ڈرا ہوا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی تم مجھے ہلاک کر دو گے۔ میں ایسی بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔“

”یہ بھی بتا دوں کہ اس دوران میں کراچی میں دہشت گردی کی کوئی واردات بھی نہیں ہونی چاہیے۔“ میں نے سختی سے کہا۔

”میں سیاسی رہنما ضرور ہوں مگر تم یقین کرو کہ میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ میں دہشت گردی کروا سکوں یا

اسے روک سکوں۔"

"کراچی میں اب را کے کتنے ایجنٹ سرگرم عمل ہیں؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"چار رہ گئے تھے۔ پچھلے دنوں وہ ایک ایک کرکے مارے گئے۔ بلیک کیٹس کا انجام تم کو معلوم ہے۔ اب شہر میں کوئی نہیں ہے۔"

"سنیل سے کہہ دینا کہ کوئی نیا آدمی آئے تو وہ اسے لگام دے کر رکھے۔" اس بار میں نے ہدایت دی۔

"سنیل کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو بھی آئے گا' سیٹلائٹ فون پر رابطہ کرے گا اور میں خود اس سے بات کروں گا۔ کوبرا کا چکر اسی لیے چلایا گیا تھا کہ میرا اور راج محل کا نام کسی قصے میں نہ آنے پائے۔ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوتا ہوں تو اپنی ذاتی کال خود سنتا ہوں۔"

"اب میں تم سے کراچی میں بات کروں گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

"ہولناک دھمکیوں اور خوفناک مکالموں سے شروع ہونے والی گفتگو کی تان کہاں آکر ٹوٹی ہے۔" جلال نے تحیر زدہ آواز میں کہا "میں مان گیا کہ تم اپنے حریف کے ذہن کو پڑھ لینے میں کمال کی مہارت رکھتے ہو۔ وہ آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔"

"مگر بات بہت لمبی ہوگئی!" ویرا نے ایک ہلکا سا اعتراض کرڈالا۔

"ایسی ہوش ربا اور فیصلہ کن باتیں لمبی ہی ہوتی ہیں۔ تھوڑا سا کروفر دکھانے کے بعد حریف کا ذہن ماؤف ہونے لگتا ہے اور اعصاب بھی کمزور پڑجاتے ہیں۔" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ایسے کسی بھی نازک مرحلے پر ساری گفتگو اچانک ایک نیا موڑ لے لیتی ہے۔"

"کیا تم نے واقعی اسے معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے' سنجیدگی سے سوال کیا۔

"اس مردود نے مجھے کتیا کہا ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی۔" ویرا غراتے ہوئے بول پڑی۔

"وہ تائب ہوگا اور نہ میں اسے معاف کرسکتا ہوں۔ یہ ایک زبانی جنگ تھی جو سوبھراج نے اپنی دانست میں جیت لی ہے۔" میں نے اول خان کو جواب دیا۔

"تمہیں اس پر بھروسا نہیں ہے لیکن اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے تمہاری یقین دہانی پر اعتبار کرلیا ہے۔" جلال بولا۔

"میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ وہ خود کو فاتح سمجھ رہا ہوگا۔ اسے یہ غلط فہمی ہوگی کہ اس نے چکمادے کر مجھ سے دو دن کی مہلت لے لی ہے۔"

"تم اسے یہ مہلت نہیں دو گے؟" اول خان نے پوچھا۔

"دو دن کا وقت ضرور دوں گا۔ وہ ایک بار یہاں لوٹ آئے تو تم لوگوں کو یہ بندوبست کرنا ہوگا کہ وہ دوبارہ پاکستان سے باہر نہ جاسکے۔ یہ کام ہوگیا تو پھر دو کیا' اسے چار روز بھی دیے جاسکتے ہیں۔ جب تک وہ یہاں رہے گا ہماری پہنچ میں رہے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری اور سوبھراج کی گفتگو چشم کشا تھی۔ میں اسے آج کا حاصل سمجھتا ہوں۔ گفتگو کو سوچے سمجھے انداز میں اپنی مرضی کے رخ پر لے جانا بھی ایک فن ہے جس میں تم کو مہارت حاصل ہے۔" جلال نے ایک مرتبہ پھر میری تعریف کی اور روانگی کے ارادے سے اٹھ گیا۔

وہ باہر سے آیا ہوا مہمان تھا۔ چائے کی ایک پیالی پر اس کا یوں رخصت ہونا کسی کو اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن اس کے پاس ہمیشہ کام کا عذر موجود رہتا تھا۔ وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور اگلے دن فون کرنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔

اس وقت تک سوبھراج کے لیے تین پھندے تیار ہوچکے تھے۔ نک اس کی آمد کا منتظر تھا تاکہ اس کے عوض ڈینی کے حصول کے معاملے کو آگے بڑھا سکے۔ ہم خود اس کی گھات لگائے بیٹھے تھے اور اگر وہ ان دونوں پھندوں سے بچ جاتا تو جلال اسے حشمت کا جعلی روپ اپنانے کے جرم میں باضابطہ طور پر گرفتار کرلیتا۔

شہر میں سوبھراج کی خاصی ہوا خیزی ہوچکی تھی۔ اس کے خلاف ہر طرف بھانت بھانت کی باتیں پھیل رہی تھیں۔ میرے لیے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جلال نے اس کی مراعات کا سحر توڑ کر اس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ جلال کی اس یقین دہانی کے بعد مجھے اپنے ہاتھ مضبوط ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اس سے پہلے یوں معلوم ہورہا تھا جیسے میں بھرے شہر میں اکیلا رہ گیا ہوں' سوبھراج کے خلاف کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا۔

✪✪✪

"سلمٰی! میرے پیکٹ کی آخری سگریٹ بھی ختم ہوگئی ہے!" جہانگیر نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی اور مسکرانے لگا۔

سلمیٰ کچن سے تنگ کر کمرے میں آئی تو جہانگیر کے ہونٹوں سے شرارت آمیز مسکراہٹ یک لخت رخصت ہوگئی۔ اس وقت وہ صرف نیکر پہنے مسہرے پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اس کی پشت اور سینے پر اگے ہوئے بڑے بڑے بال اس کے تن و توش سے مل کر اسے ایک چھوٹا بھالو بنا رہے تھے۔ سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں اور راکھ سے بھری ہوئی ایش ٹرے بستر پر رکھی ہوئی تھی' اس کے قریب ہی سگریٹ کا خالی پیکٹ پڑا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک خوب صورت ٹرے میں اسکاچ کی بوتل اور بھرے ہوئے گلاس کے ساتھ ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی موجود تھی۔

"کیا منمنا رہے تھے؟" سلمیٰ نے اسے گھورتے ہوئے' پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"سگریٹ ختم ہوگئی ہے۔" اس نے بہت مسکینی کے ساتھ خالی پیکٹ کو اپنی انگلیوں میں نچاتے ہوئے کہا۔

"میں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تم نے اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے مجھے وقت ناوقت تنگ کرنا شروع کردیا ہے۔ شام کو میں سامان لینے کے لیے گئی تھی تو تمہیں اپنے سگریٹ کیوں یاد نہیں آئے؟ اب میں کھانا تیار کروں یا تمہارے سگریٹ لینے کے لیے جاؤں۔"

جہانگیر کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سلمیٰ نے اسے کوئی رباعی سنائی ہو۔ اس نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر آسودہ انداز میں ایک بڑا گھونٹ اپنے دہانے میں گھما کر معدے میں اتارا پھر بہت محبت کے ساتھ بولا "ڈارلنگ! تم پر باہر کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کا خاصا بوجھ بڑھ گیا ہے اور تم چڑچڑی ہوگئی ہو۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کوئی اچھی ملازمہ رکھ لو لیکن تم ہر بار میری بات سنی ان سنی کردیتی ہو۔"

"تم سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ میں تمہاری وجہ سے ملازمہ نہیں رکھ رہی۔ سارا بھاڑ خود جھونکتی ہوں۔" سلمیٰ غصے سے بولی۔

جہانگیر نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر معصومیت سے پوچھا "تم نے مجھ پر یہ الزام کیسے لگادیا۔ کام کرنے والیوں سے میرا کیا تعلق!"

"عمر رسیدہ نوکرانیاں تمہیں پسند نہیں آتیں۔ بد صورتوں سے تمہیں کراہت آتی ہے۔ خوش شکل لڑکیاں تمہاری چھیڑ خانیوں سے تنگ آکر دو مرتبہ کام چھوڑ کر جا چکی ہیں اور پھر تم پوچھ رہے ہو کہ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے...."

"بس بس!" جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی "زیادہ الزام تراشیاں نہ کرو۔ اگر میں غلط کام پر روک ٹوک کرتا ہوں تو حرام خور لڑکیاں تم سے میری چھیڑ چھاڑ کی شکایت کردیتی ہیں۔ تم نے مجھے یہ بات پہلے بتائی ہوتی تو میں جانے سے پہلے خود ان کو نوکری سے نکال دیتا۔"

"نوکری سے نکال دیتا۔" سلمیٰ نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری "میں اس برے وقت سے ڈرتی ہوں جب تم نشے کی جھونک میں کسی سے لپٹ پڑو اور وہ تم پر ہاتھ اٹھالے۔ اس سے اچھا ہے کہ ہم کسی نوکرانی کے بغیر ہی وقت گزارتے رہیں۔ تم مجھے بار بار باہر بھیج کر اسی لیے تنگ کررہے ہو کہ میں گھر میں کسی کو رکھ لوں۔"

"رکھو یا نہ رکھو.. اس وقت مجھے سگریٹ کی سخت ضرورت ہے۔" جہانگیر نے بے نیازی سے اپنا فرمان سنادیا۔

سلمیٰ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے کچن کی طرف گئی اور ذرا سی دیر میں سگریٹ کا ایک سربند پیکٹ لاکر جہانگیر کی طرف اچھال دیا "میں تمہاری حرکتوں کو خوب سمجھ رہی ہوں۔ جب سے فارمیسی کو آگ لگی ہے' دن بھر گھر میں پڑے شراب کی چسکیاں لیتے رہتے ہو۔ پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دیتے۔ تم سے یہ نہیں ہوتا کہ بیوی کو باہر بھیجنے کے بجائے بازار کے کام خود کرلو۔"

"میں دس دفعہ بازار چلا جاؤں لیکن ڈینی کئی بار کہہ چکا ہے کہ میرے لیے باہر کے حالات بہت خراب ہیں..."

"ڈینی تو تم سے اور بھی بہت کچھ کہتا ہے۔ تم ان باتوں پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ تم کو تو بس اینڈنے کے بہانے پسند ہیں۔" وہ جل کر بولی۔

"فضول باتیں کرکے میرا موڈ خراب نہ کرو۔ کھانا بنا کر یہاں بستر پر آجاؤ۔ آج ہم دیر سے کھانا کھائیں گے اور ہاں' ذرا یہ ایش ٹرے خالی کردو۔ یہ خالی پیکٹ بھی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔"

"تمہارا جب جی چاہے' کھانا کھالینا۔ آج میں بستر و ستر پر نہیں آرہی۔ ڈرائنگ روم میں صوفے پر سوؤں گی۔ وہاں آکر میری نیند خراب نہ کرنا۔"

"تم کو معلوم نہیں کہ شوہر اپنی بیوی کا مزاجی خدا ہوتا ہے!" جہانگیر نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

سلمیٰ بے ساختہ ہنس پڑی "مزاجی نہیں' مجازی کہتے ہیں۔ جب تمہاری اردو کمزور ہے تو گاڑھے الفاظ بولنے کی کوشش کیوں کرتے ہو۔"

"اسی طرح آہستہ آہستہ اردو سنبھل جائے گی۔ گاڑھے اور پتلے الفاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مطلب

واضح ہونا چاہیے۔ وہ ہو جاتا ہے۔"
جہانگیر نے اپنی بات ختم کر کے دوبارہ گلاس اٹھایا تھا کہ دروازے پر ہلکی مگر طویل سی دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا۔ سلمیٰ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ قالین پر دبے قدموں دوڑ کر جہانگیر کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی "انٹر کام پر پوچھے بغیر کون اوپر آ گیا؟"
سلمیٰ کی تشویش بالکل بجا تھی۔ جب سے ان کے فلیٹ میں پرفیوم بیچنے والی ایک لڑکی نے آکر میرے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی تھی' انتظامیہ نے جہانگیر اور دوسرے مکینوں کی شکایت پر غیر متعلقہ افراد کے عمارت میں داخلے پر سخت پابندی لگا دی تھی۔ کسی کے پاس کوئی مہمان آتا تھا تو سیکیورٹی والے اپنے کاؤنٹر پر متعلقہ فلیٹ سے اجازت لیتے تھے۔ اس کے بعد مہمان کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ میزبان اس کے استقبال کے لیے پہلے سے تیار ہوتا تھا۔
انہیں نیچے سے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور آنے والے نے ڈور بیل بجانے کے بجائے دروازے پر ہلکی دستک دی تھی۔ وہ دونوں باتیں مشکوک تھیں۔
"سیکیورٹی والوں سے پوچھیں کہ اوپر کون آیا ہے۔" سلمیٰ نے قدرے توقف کے بعد سرگوشیانہ لہجے میں اپنی بات پوری کی۔
"تم دروازہ کھول کر دیکھو کہ کون ہے۔" جہانگیر نے اپنی ترنگ میں سلمیٰ کے مشورے کو نظر انداز کر دیا۔
آپس کی نوک جھوک کی بات اور تھی۔ سلمیٰ اپنے شوہر کی نافرمان نہیں تھی۔ اس نے دبے قدموں دروازے کے پاس جا کر عدسے سے آنکھ لگائی تو اسے اپنے بند دروازے کے سامنے اسی عمارت کی کسی اوپری منزل پر رہنے والی ایک عورت کا شناسا سا چہرہ نظر آیا۔ وہ کچھ پریشان سی تھی۔
نہ جانے اس بے چاری پر کیا افتاد پڑی تھی کہ وہ ان کے در پر آ پہنچی تھی۔ سلمیٰ نے سوچا اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ وا ہونے کے بعد اسے وہ دراز قامت شخص نظر آیا۔ جو عورت کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا جس کا رخ نو وارد عورت کی طرف تھا۔ وہ اس عورت کو ریوالور کی زد پر لیے اندر گھستا چلا آیا۔ خوف اور اضطرار کے عالم میں سلمیٰ کا منہ کھلا ہو گا کہ اس شخص نے غرا کر اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔
دروازہ خود کار اسپرنگ کے زیر اثر بند ہو کر مقفل ہو گیا۔ اس شخص نے ریوالور فضا میں اچھال کر نال سے پکڑا اور اس کا آہنی دستہ بے دردی سے نو وارد عورت کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دی اس ادھیڑ عمر عورت کے لیے وہ چوٹ کافی تھی۔ وہ تیورا کر ایک لمبی ہچکی لیتی ہوئی قالین پر ڈھیر ہو گئی۔
اس وقت تک جہانگیر کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ باہر کیا ہو رہا تھا۔ سلمیٰ کو دروازے کی طرف بھیج کر وہ اپنا دوسرا گھونٹ لے چکا تھا۔ وہ اس وقت مسہری پر بری طرح اچھلا جب دراز قامت شخص سلمیٰ کو اپنے ریوالور کی زد پر لیے خواب گاہ کے دروازے پر نمودار رہوا۔
"اے... تم کون ہو۔ ریوالور ہٹاؤ میری بیوی کے سر پر سے۔" وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے بوکھلاہٹ کے عالم میں بولا۔
وہ نرا احمق نہیں تھا۔ کاہل ضرور ہو گیا تھا مگر ایسے معاملات کی پوری سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اپنی ان صلاحیتوں کی بنا پر وہ شی کی مقامی تنظیم میں ایک عرصے تک اہم ذمے داریاں انجام دیتا رہا تھا۔
اس نے پہلی نظر میں ہی بھانپ لیا تھا کہ اس کے فلیٹ میں کسی سنگین واردات کے ارتکاب کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔
"تم جہانگیر ہو... گولڈن فارمیسی والے؟" دراز قامت شخص نے جہانگیر کی بات سنی ان سنی کر کے نیچی مگر درشت آواز میں سوال کیا۔
"ہاں۔ ہم دونوں مسٹر اور مسز جہانگیر ہیں۔" اس بار اس نے جان بوجھ کر بے تکا سا جواب دیا تھا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اس شخص کو جلد از جلد زیر کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔
اس نے ریوالور سلمیٰ کے سر سے ہٹا کر اچانک جہانگیر پر تان لیا اور دھیمی غراہٹ میں بولا "کیا ننگے بیٹھے ہوئے ہو۔ جلدی سے ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔ تم کو میرے ساتھ چلنا ہے۔"
"سلمیٰ! تم چلی جاؤ ان کے ساتھ۔ مجھ سے تو اب اٹھا بھی نہیں جائے گا۔" جہانگیر نے سر جھکا کر لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔
"بکواس بند کرو۔ تم کو میرے ساتھ جانا ہے۔" دراز قامت غصیلی آواز میں بولا۔
"ارے بھائی۔ ڈانٹ کیوں رہے ہو۔" جہانگیر نے فضا میں داہنا ہاتھ نچا کر کہا "لے جانا ہے تو ذرا سہارا دے کر بستر سے ہی اٹھا دو۔ کپڑے میں تمہارے گھر جا کر پہن لوں

گا۔"

جہانگیر نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس کی اداکاری کے نتیجے میں نو وارد کی آنکھوں میں الجھن اور تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے۔ وہ یقینی طور پر جہانگیر کو اغوا کر کے لے جانے کے ارادے سے آیا تھا اور یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ نشے میں دھت شکار کو فلیٹ اور پھر بلڈنگ سے باہر کیسے لے جائے گا۔

وہ سلمیٰ کی طرف سے بھی غافل نہیں تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر سلمیٰ کی طرف مڑ کر دھمکی آمیز لہجے میں بولا "اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تم دونوں کو مار دوں گا۔ باہر پڑی ہوئی عورت کا حشر تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ ابھی وہ صرف بے ہوش ہے لیکن مر بھی سکتی ہے۔"

"اوہو۔ ایک اور عورت ہے۔ کہاں ہے وہ۔ بلاؤ اسے!" جہانگیر کسی ہوس پرست شرابی کی طرح بڑبڑانے لگا۔ دوسری عورت کے ذکر نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔

سلمیٰ کو سرزنش کر کے وہ شخص جہانگیر کی طرف لپکا اور اسے برہنہ شانے سے پکڑ کر جھنجوڑ کر رکھ دیا "ابے جب برداشت نہیں کر سکتا تو اتنی پیتا کیوں ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا تھا "اب تیری دو من کی لاش کو میں کہاں گھسیٹتا پھروں گا۔"

جہانگیر مدہوش بن گیا تھا لیکن پوری ہوش مندی سے حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ باہر والی عورت اسی عمارت کی کوئی مکین ہوگی۔ اسے باہر نکلتے اور پھر واپس آتے دیکھ کر اس شخص نے خاموشی سے اسے پوشیدہ ریوالور کی نال پر لے کر اپنے ساتھ چلتے رہنے کا حکم دیا ہوگا۔ عورت کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سیکیورٹی والوں نے اسے مہمان سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ یوں وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اس عورت کی آڑ لے کر اوپر ان کے دروازے تک آگیا۔ وہ اکیلا تین افراد کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ اپنا کام نکل جانے کے بعد اس نے عورت کو باہر کی راہ داری میں بے ہوش کر دیا۔ اگر اس کا مقدر ساتھ دیتا تو اور وہ جہانگیر کو لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس سے پہلے سلمیٰ کو بھی اسی عورت جیسے انجام سے دوچار ہونا پڑ جاتا۔ جہانگیر کو اسے کسی طرح اس سے پہلے ہی زیر کرنا تھا۔

جہانگیر کو بستر سے نیچے اتارنا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد وہ شخص الگ کھڑا ہو کر جہانگیر کو گھورتا رہا پھر ریوالور جیب میں رکھ کر تیزی سے اس پر جھکا تاکہ اسے بستر سے اترنے میں مدد دے سکے۔ جہانگیر نے ٹرے سے اسکاچ کی بوتل اٹھائی اور تڑ سے اس کے سر پر دے ماری۔ بوتل ٹوٹی نہ سر مگر اس شخص کا بھیجا ضرور ہل گیا۔ وہ کراہتا اور لڑکھڑاتا ہوا قالین پر گر گیا۔ جہانگیر اپنے بستر سے کودا پھر اس نے اپنے حریف کے سینے پر سوار ہو کر اس کے چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

اس شخص کو اپنے مدہوش حریف سے اتنے سخت ردِ عمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں اور کلائیوں کی مدد سے اپنا چہرہ بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ بوتل کی چوٹ کھا کر قالین پر گرتے ہوئے اس کی جیب سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ذرا سی کوشش کر کے اسے اٹھا سکتا تھا۔

سلمیٰ لاکھ خانہ دار سہی لیکن وہ اس موقع کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس نے پہلے راؤنڈ میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا دلیر شوہر اپنے حریف کا جلد ہی بھرکس نکال دے گا۔ اسے سب سے بڑا خطرہ ریوالور کی صورت میں نظر آرہا تھا۔ وہ تیزی سے بڑھی اور اس نے بہت احتیاط سے اپنی چٹکی میں دبا کر ریوالور اٹھایا اور مسہری پر دور رکھ دیا۔

وہ سب بہت سرعت سے ہوا تھا۔ جہانگیر نے غیر معمولی پھرتی اور ہمت کا مظاہرہ کر کے سلمیٰ کو حیران کر دیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے بے چین تھی۔ سلمیٰ نے ایک لمحے کے لیے ان دونوں کا جائزہ لیا اور پھر قالین پر گرے ہوئے نو وارد کی دونوں ٹانگوں کے درمیانی مقام کا نشانہ لے کر پوری قوت سے اپنی لات گھما دی۔ اسے یقین تھا کہ اس نازک مقام پر آنے والی ضرب اسے ایک لمحے میں نڈھال کر دے گی اور جہانگیر کو زیادہ مشقت سے نجات مل جائے گی۔

وہ دونوں ساکت نہیں تھے۔ مغلوب حریف اچھل۔ کود کر جہانگیر کو اپنے اوپر سے گرانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس اچھل کود کی وجہ سے سلمیٰ کا نشانہ خطا ہو گیا اور اس کی لات خاصی زور سے جہانگیر کی پشت پر پڑی۔ وہ غرا کر رہ گیا۔

سلمیٰ سہم گئی۔ اپنی ایک کوشش کا انجام دیکھ لینے کے بعد اس کا امدادی جذبہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ الگ کھڑی وہ مقابلہ دیکھتی رہی۔

جہانگیر اپنے زمانے کا بہترین لڑاکا تھا۔ وقت کی گردشوں نے اسے کاہل ضرور بنا دیا تھا لیکن اس کے ذہن میں دست بدست لڑائی کے سارے آزمودہ گر نقش تھے۔ اس نے ذرا سی دیر میں اپنے مقابل کا پورا چہرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ جوں ہی وہ ذرا نڈھال ہوا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑے، جہانگیر نے

اس کی بائیں کنپٹی کے ایک خاص مقام پر فیصلہ کن مکا رسید کیا۔ وہ چراغِ سحری کی آخری لو کی طرح بھڑک کر زور سے اچھلا اور پھر ہاتھ پیر ڈال کر بے حس و حرکت ہوگیا۔

اس کی بے ہوشی کا یقین ہوتے ہی جہانگیر فاتحانہ انداز میں اس کے سینے پر سے اتر آیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ تم نے میری کمر پر لات کیوں ماری تھی؟" جہانگیر نے سلمٰی کو گھورتے ہوئے 'پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"مم... میں نے اس کا نشانہ لیا تھا۔ عین وقت پر اس نے اپنے کولہے نیچے ٹکا دیئے اور میری لات تمہاری کمر پر پڑگئی۔" سلمٰی نے ہکلاتے ہوئے اپنی غلطی کی وضاحت کی۔ اس وقت اسے خوف آرہا تھا کہ کہیں جہانگیر غصے میں اسے بھی گرا کر مارنا شروع نہ کردے۔

"یہ تمہارے بس کی باتیں نہیں ہیں۔ لڑائی جھگڑے مردانہ کھیل ہوتے ہیں۔ اس میں عورتوں کو اکثر موچ آجاتی ہے۔" اس نے خفگی سے کہا "اگر تمہاری لات ذرا زور سے پڑی ہوتی تو میرے گردے پھٹ سکتے تھے... جاؤ! اب کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ ڈیڈی کو بتاؤ کہ اس کا کیا دھرا مجھے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ دن رات گھر میں بیٹھا ہوں مگر ان سالوں نے یہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ یہ اکیلا نہیں ہوگا۔ باہر اس کے دو چار ساتھی ضرور موجود ہوں گے۔"

مغلوب حریف کے ساتھیوں کا ذکر سن کر سلمٰی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ جہانگیر نے برابر کے مقابلے میں اپنے حریف کو آسانی سے مار لیا تھا لیکن ایک وقت میں کئی مسلح حریفوں سے مقابلہ کرنا شاید اس کے لیے دشوار ہوتا۔ وہ خوف زدہ ہو کر سیدھی فون کی طرف بھاگ گئی۔

جہانگیر کھڑا اپنا سر کھجاتا رہا۔ وہ اس وقت سلمٰی کے ساتھ کچھ خوشگوار لمحات گزارنے کے لیے اپنا موڈ بنا رہا تھا۔ مسلح نو وارد کی بے جا مداخلت نے اس کا وہ پروگرام غارت کردیا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس شخص کے علاوہ گھر کی راہداری میں کوئی عورت بھی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور وہاں پہنچ گیا۔

وہ پختہ عمر کی عورت تھی۔ گوری چٹی رنگت اور تیکھے نقوش کی وجہ سے بہت سی لڑکیوں سے زیادہ پرکشش تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر' بے حجابی سے نیچے بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس بے چاری کے لیے جہانگیر کے دل میں یک بیک رحم کا جذبہ جاگ اٹھا اور اس نے وہیں اکڑوں بیٹھ کر اس کے بدن کے مختلف حصوں کو نرمی سے چھو چھو کر اس کے خوب صورت وجود کی نسوانی نزاکتوں کی حرارت محسوس کرنی شروع کردی۔

اس کا بدن گرم تھا اور وہ صرف بے ہوش تھی۔ جہانگیر نے سوچا کہ اسے فوری مدد سے زیادہ آرام کی ضرورت تھی۔ وہ وہیں بیٹھا اپنے انداز میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اس دھن میں وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے بے ہوش حریف کو بھی بھول چکا تھا۔

وہ اس وقت چونکا۔ جب اس کے کانوں میں سلمٰی کی تیز آواز آئی "تم یہ کیا کررہے ہو؟"

جہانگیر نے بوکھلا کر اس عورت کے رخسار پر سے اپنا ہاتھ ہٹالیا اور سلمٰی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اسے ہوش میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔"

"ہوش میں لانے کے بجائے اسے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کرو۔ کوئی آگیا تو اسے دیکھ کر لاش ہی سمجھے گا اور پوری بلڈنگ میں نیچے سے اوپر تک شور مچ جائے گا۔"

جہانگیر نہایت سعادت مندی کے ساتھ 'اس عورت کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اٹھانے کے لیے جھکا تھا کہ سلمٰی نے جھلا کر اسے ڈانٹ دیا "اس سے چمٹے کیوں جارہے ہو۔ الگ سے دونوں ہاتھ پکڑو۔ میں پیر پکڑتی ہوں۔ اسے اپنے کمرے میں پہنچا دو جہاں وہ آدمی پڑا ہوا ہے۔"

"لعنت ہو تم پر۔" جہانگیر نے سلمٰی پر دانت پیسے "مجھے اس چڑیل سے چمٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلو' تھامو اس کے پیر!"

ان دونوں نے ڈنڈا ڈولی کرکے اسے اٹھایا اور لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔ اس چکر میں جہانگیر کو سلمٰی سے یہ پوچھنا بھی یاد نہیں رہا کہ اس کی مجھ سے فون پر کیا بات ہوئی تھی۔

۞✡۞

سلمٰی کا فون آیا تو اول خان ہم سے رخصت ہونے کے لیے تیار تھا۔ فون کی وجہ سے وہ چند لمحوں کے لیے رک گیا۔

اس وقت سلمٰی بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ان کے فلیٹ میں کسی مسلح شخص کے داخلے کی خبر میرے لیے ناقابلِ یقین تھی۔ اس عمارت کے باہر ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی موجودگی میں کسی اجنبی کا یوں اندر گھس جانا حیرت ناک تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ جہانگیر جیسے نکمے آدمی نے اسے زیر کرلیا۔" وہ خبر سن کر دویرا نے بے ساختہ کہا "اسے وقت ملتا تو وہ نہ جانے کیا کچھ کر گزرتا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں کرتا۔" میں نے بتایا "سلمٰی کہہ رہی تھی

کہ وہ ریوالور کے زور پر جہانگیر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا۔ یہ اس کے اغوا کی پہلی ناکام کوشش ہے۔ میں اس کے گھر جا رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"ذرا ایک منٹ صبر کرو۔" اول خان نے مجھے روکا "وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ باہر اس کے ساتھی اس کی واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ دیر ہونے کی صورت میں وہ بھی کسی کارروائی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہاں سے ان کا گھر بہت دور ہے۔ جب تک تم وہاں پہنچو گے' پانی سروں پر سے گزر چکا ہوگا۔"

وہ خطرہ بہت قوی تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا اور کہا "وہاں تمہارے آدمی موجود ہیں۔ ان سے کس طرح رابطہ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں۔ گاڑی میں ایریٹس موجود ہے۔" اس نے چونک کر کہا "یہی بہتر ہوگا کہ میں اپنے ایک آدمی کو ان کے فلیٹ پر بھیج دوں۔ جب تک ہم لوگ وہاں پہنچیں گے' جہانگیر اور سلمیٰ کو کوئی نہ کوئی سہارا میسر رہے گا۔"

اول خان کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے گھر واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کی سلامتی زیادہ اہم تھی۔ وہ ہمارے ساتھ اس کے گھر جانے کا خواہاں تھا۔

وہ خبر سنتے ہی میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ اس وقت .... ہمارے سامنے ٹام' نک اور سوبھراج کے علاوہ کوئی اور حریف میدان میں نہیں تھا۔ ان تینوں کو مجھ تک رسائی کے لیے شدت سے کسی نہ کسی سہارے کی تلاش تھی۔ ٹام اور نک کا نام یوں خارج ہو جاتا تھا کہ میں نے ان کو چکر دیا ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت ڈپٹی ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی نجی قید میں تھا۔ ایسی صورت میں یہ امکان نہیں رہتا تھا کہ وہ جہانگیر کا رخ کرتے یا کرائے کے کسی آدمی کو اس کے اغوا پر مامور کرتے۔

صرف سوبھراج ایسا آدمی رہ جاتا تھا جسے ویرا کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی متبادل کی تلاش تھی۔ جہانگیر کو پکڑ کر وہ ایک بار پھر میرے برابر کی سطح پر آکر مجھے بلیک میل کر سکتا تھا۔ اس سے کچھ دیر پہلے میری جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد اس کی طرف سے جہانگیر کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بس ایک ہی صورت نظر آتی تھی کہ اس نے اپنے آدمیوں کو جہانگیر کے بارے میں پہلے سے کوئی ہدایت دی ہوئی ہو۔ وہ لوگ میرے اور سوبھراج کے درمیان ہونے والی تازہ ترین گفتگو سے بے خبر تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کی آخری ہدایت کے مطابق' موقع ملتے ہی جہانگیر کے گھر پر اپنا کام شروع کر دیا۔

وہ اندازے تھے۔ جہانگیر کے گھر پر بے ہوش ہو جانے والے شخص سے پوچھ گچھ کے بعد ہی وہ گتھی سلجھ سکتی تھی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں باہر آئے اور اول خان کی گاڑی میں برق رفتاری کے ساتھ کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔

اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ایریٹس پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ وہ جہانگیر کی رہائشی عمارت کے باہر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے لیکن اوپر رونما ہونے والے واقعے سے بالکل بے خبر تھے۔

"ایک مسلح آدمی ان کے فلیٹ میں گھسا ہے اور اس وقت وہاں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ تیزی سے وہاں پہنچو۔ اس کے ساتھی باہر موجود ہو سکتے ہیں۔ ان کی تلاش بھی ضروری ہے۔ میں خود بھی اسی طرف آ رہا ہوں۔" اول خان نے ایک سانس میں وہ ہدایت دے کر ایریٹس بند کر دیا۔

"یہ جہانگیر کے پینے پلانے کا وقت ہے۔" کچھ دیر بعد ویرا نے گاڑی میں چھایا ہوا سکوت توڑا "مجھے حیرت ہے کہ اس نے اس حالت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے حریف کو زیر کر لیا۔"

"بظاہر وہ دونوں میاں بیوی آپس میں لڑتے رہتے ہیں لیکن اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کی بہت نازبرداریاں کرتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "سلمیٰ کی ان مہربانیوں نے اسے کاہل بنا دیا ہے ورنہ وہ آج بھی ایک باصلاحیت انسان ہے۔" میرے جواب میں ویرا کچھ نہیں بولی۔

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ ویرا شاید مسلسل جہانگیر کے کارنامے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میں اس واقعے کے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے مجھے سوبھراج کے بارے میں از سر نو کچھ فیصلے کرنا پڑیں گے۔

اول خان کی لینڈ روور بہت تیزی کے ساتھ کلفٹن کی طرف جانے والے راستوں پر رواں تھی۔ میں نے خاموشی کے ساتھ اپنے ذہن میں ان کلیدی سوالوں کا خاکہ مرتب کرنا شروع کر دیا۔ جو جہانگیر کے قیدی سے پوچھنے ضروری بلکہ ناگزیر تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جان ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہوچکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فاریسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فاریسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فاریسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہوچکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کررہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چار و ناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کراچکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کرڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فاریسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی تائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی تائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے تک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں قتل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں تک باروے نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں ہے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں تک باروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر تک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہوسکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہوگیا تھا۔ اسی وقت تک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ اس نے موقع ملتے ہی اپنے پستول یا ریوالور کی نال میری پسلیوں میں لگادی۔ دہشت آمیز سنسنی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔

○✲○

تک کا صحت مند اور ادھیڑ عمر ساتھی بے رحمی کے ساتھ میری پسلیوں میں اپنے پوشیدہ پستول یا ریوالور کی نال گھسائے میرے ساتھ تقریباً لگا ہوا کھڑا تھا۔ تک کی نگاہوں میں رچی ہوئی حیرت اور بے یقینی فوری طور پر میری تشویش کا

درماں نہیں بن سکی۔ اس کی حیرت کا سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس کے باہر سے آئے ہوئے افسر نے طے شدہ پروگرام کے مطابق تحمل اور رسانیت سے کام لینے کے بجائے غیرضروری عجلت کا مظاہرہ کیا ہو!

اس وقت ہم بوٹ بیسن کی فوڈ اسٹریٹ سے کچھ ہی دور، خاصی تاریکی اور ویرانی میں کھڑے ہوئے تھے۔ ہم سے کچھ فاصلے پر جگمگاتی ہوئی تیز روشنیوں میں زندگی کی رونقوں سے لطف اندوز ہونے والوں کے لیے اول تو ہمارے ہیولوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو کسی بھی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں اچانک کس افتاد کا شکار ہو گیا تھا۔

اپنی پسلیوں میں آہنی نال کی سخت چبھن محسوس کرتے ہی میرے ذہن میں اس خیال نے سر ابھارا تھا کہ میرے حریف نے آتشیں اسلحہ اپنے ساتھ لاکر... کھلی بدنیتی کا ثبوت دیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت مستزاد تھی کہ اس نے اپنے اسلحے کے استعمال میں بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کرنل داور آسانی کے ساتھ ان لوگوں کے دام میں آنے والی اسامی نہیں تھا۔ ملاقات اور سرسری مذاکرات کے بہانے مجھے اپنے روبرو بلانے کے بعد اس نے مجھے بے بس کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا۔ میرے غافل ہوتے ہی بہت سرعت سے مجھے اپنے ہتھیار کی زد میں لے لیا تھا۔

اس نازک وقت میں میرے لیے صرف ایک بات حوصلہ افزا تھی کہ میں ان دونوں خبیثوں کے رحم و کرم پر نہیں تھا۔ اول خان اپنی گاڑی میں میرے تینوں ساتھیوں سمیت کسی ایسے مورچے کی آڑ میں رکا ہوا تھا جہاں سے وہ مجھے ضرور دیکھ رہا ہوگا لیکن میں اسے یا اس کی گاڑی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر وہ دونوں مجھے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو وہاں نارمل صورت حال برقرار نہ رہتی۔ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی اور وہ دونوں بی ایم ڈبلیو جیسی برق رفتار گاڑی پر تصرف کے باوجود وہاں سے صحیح سلامت فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ان کو ہر قیمت پر اپنی حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

وہ بس پل بھر کی بات تھی۔ آہنی نال کی چبھن کے ساتھ میرے ذہن میں آندھیاں سی چل پڑی تھیں اور اسی لمحے اندھیرے سے گھورتی ہوئی کسی ہمزاد آنکھ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ نک کے ہمراہی کی پوزیشن میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلی کسی بڑی گڑبڑ کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ ہم سے دور اور فوڈ اسٹریٹ کی مخالف سمت میں اچانک کسی گاڑی کے تیز ہیڈ لیمپس یکایک جلے اور ہم تینوں ہی ان کی روشنی میں نہا گئے۔ لمحے بھر بعد وہ روشنیاں بجھ کر معدوم ہو گئیں اور پُرسکون ساحلی فضا کے سکوت میں بھاری ڈیزل انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجنے لگی۔

یوں غیر متوقع طور پر روشنی میں نہا جانے کی وجہ سے نک کا ساتھی بوکھلا کر مجھ سے الگ ہو گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اول خان نے بظاہر میری ہر بات مان لی تھی لیکن وہ اپنی احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے سے باز نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے اسٹیشن فور سے ہمارے گھر کے لیے روانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی کوئی حفاظتی پارٹی براہِ راست بوٹ بیسن کی طرف روانہ کر دی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے سربراہ کی دی ہوئی بریفنگ کی روشنی میں ملاقات کے متوقع مقام کا تعین کیا اور اس سے کچھ دور، اندھیرے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔

ان لوگوں نے نک کے ساتھی کی حرکت پر جس تیزی سے اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہتھیاروں کے ساتھ، اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھنے والی انفرا ریڈ دوربینوں سے بھی لیس تھے۔ شہری پولیس فورس کے مقابلے میں ایس ٹی ایف والے جدید ترین سائنسی شعبدوں تک زیادہ رسائی رکھتے تھے اور میں نے بارہا اس کے عملی مظاہرے دیکھے تھے۔

''اوہ! یہ کیا تھا؟ یہ روشنی کہاں سے آئی تھی؟'' نک کے ساتھی نے مجھ سے دور ہٹتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''کیا تم کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے ہو؟'' اس کی بات پوری ہوتے ہی نک نے سوال داغ دیا۔

''تم مسلح ہو کر آ سکتے ہو تو مجھے بھی اپنے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے۔'' میں نے قدرے ترشی سے جواب دیا ''مگر مجھے اپنے زورِ بازو پر بھروسا ہے۔ میرے ساتھ کوئی نہیں آیا۔ میں اکیلا ہی ہر قسم کی صورت حال سے نمٹ سکتا ہوں۔''

اس وقت تک اندھیرے میں چھپی ہوئی گاڑی کا انجن بیدار ہو چکا تھا اور اس کے ہیڈ لیمپس دوبارہ روشن ہو چکے تھے۔ وہ دو رویہ سڑک کی اس سمت پر کچے میں کھڑی ہوئی تھی جو ساحل سے آنے والی سڑک کے داہنے پہلو پر واقع تھا۔ وہ گاڑی حرکت میں آئی اور رانگ سائیڈ پر سڑک سے نیچے دھول اڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھنے لگی۔ ہمارے مذاکرات معطل ہو گئے۔ سب کی توجہ آنے والی گاڑی پر مرکوز ہو چکی تھی۔

ان دونوں کے روشنی میں نہائے ہوئے چہروں پر تشویش اور خوف کے سائے پھیل چکے تھے۔ میرا دل اندر سے بہت مطمئن تھا۔

ناہموار اور کچے راستے پر وہ گاڑی تیزی سے ہچکولے لیتی ہوئی دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی اور پھر رکے بغیر ہمارے قریب سے گزر گئی۔ وہ واضح طور پر ایس ٹی ایف کی بڑی ڈیزل پک اپ تھی جس کے اگلے اور پچھلے حصے میں کم از کم پانچ نفوس نظر آرہے تھے۔

اس گاڑی میں آنے والوں کو درمیانی فاصلہ طے کرنے میں خاصا وقت مل گیا تھا۔ انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے سے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ مجھے فوری طور پر کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ ٹل چکا تھا۔

وہ لوگ ہم تینوں کو اپنی سرگرم موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور پھر ان کی گاڑی فوڈ اسٹریٹ کے سرے پر دائنی طرف جانے والی سڑک پر گھوم کر ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

''یہ سادہ کپڑوں والے کون لوگ تھے؟'' خاموشی کے ایک طویل اور اعصاب شکن وقفے کے بعد افسر اعلیٰ نے نک سے پوچھا۔

''تمہیں ان کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔'' نک کے بجائے میں نے جواب دیا ''یہ شہر کا حساس ترین تفریحی علاقہ ہے۔ یہاں شہر کے متوسط اور خوش حال طبقوں کے عیال دار لوگوں کے ساتھ ساتھ سرکاری افسران اور امرا کی بگڑی ہوئی اولادیں بھی جوڑوں کی شکل میں سرِشام سے آنا شروع کر دیتی ہے اور نشے کی حالت میں بعض اوقات لڑکے لڑکیاں لڑ پڑتے ہیں۔ ایسی ہر صورت حال سے نمٹنے کے لیے پولیس والوں کے علاوہ دوسری خفیہ ایجنسیاں بھی یہاں پر گشت کرتی رہتی ہیں تاکہ وہ ناخوش گوار واقعات کی فوری روک تھام کر سکیں اور رنگین مزاج لڑکوں لڑکیوں کا کوئی اسکینڈل نہ بننے پائے۔''

''کیا کرنل داور کا پیش کیا ہوا جواز درست ہے؟'' اس نے نک سے تصدیق چاہی۔

''یہ بات ٹھیک ہے کہ اس علاقے میں آئے دن کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔'' نک نے میری تائید کی ''مگر اخباروں میں بہت کم خبریں آتی ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ پہلی بار کھل کر ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نئی پاکستانی نسل تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور اسے بہت سی آزادیاں میسر ہیں۔ امریکا میں پاکستانی معاشرت کا تصور بہت دقیانوسی ہے۔ وہاں سمجھا جاتا ہے کہ پاکستان میں تریاق کے طور پر بھی شراب کا ایک قطرہ ملنا ناممکن ہے۔ یہاں کی عورتیں اور لڑکیاں ہر وقت پردے اور حجاب میں لپٹی رہتی ہیں، جنسی میل جول پر بھیانک سزائیں دی جاتی ہیں۔''

''افسوس کہ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔ یہاں رات گزارتے تو تمہیں اندازہ ہوجاتا کہ اب کراچی کی راتیں بے روپ اور ویران نہیں ہوتیں۔'' نک بولا۔

وہ فقرے میرے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ ان کی باتوں سے طنز اور تضحیک کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ خوش تھے کہ ان کے گھروں میں جنم لینے والی ہر قسم کی بے راہ روی پاکستانی معاشرے میں بھی تیزی سے پھیلتی جارہی ہے مگر اس وقت میں ان سے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ ان کا انداز طنزیہ ضرور تھا مگر جو کچھ وہ کہہ رہے تھے وہ حقائق سے دور نہیں تھا اور سچ بات پر اشتعال کا مظاہرہ بدمزگی کا سبب بن سکتا تھا۔

''تم نے مجھے اسلحے کی نال پر کیوں لیا تھا؟'' میں نے غصے اور جھنجلاہٹ کو چھپانے کے لیے وہ تلخ سوال کر ڈالا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔''

''دھوکے سے بلا کر تم کسی کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے ہو۔ اپنے طور پر تم میری گرد بھی نہیں پاسکو گے۔ میں اپنے انداز میں کام کرتا ہوں تو دشمن کی کسی امکانی کارروائی سے غافل نہیں رہتا۔ کوئی دوستی کی آڑ میں دغا دے بیٹھے تو اس کا علاج ناممکن ہے۔''

''اسپائی وار میں یہی ہوتا ہے......'' اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ایک طرف ملاپ اور دوستی کی بات کر رہے ہو اور دوسری طرف اسپائی وار کی دھمکی دے رہے ہو۔''

''پاکستان میں ہم ایس ٹی ایف کو امریکی مفادات کا اولین دشمن تصور کرتے ہیں۔'' اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر، دوٹوک انداز میں کہا ''جب تک ایس ٹی ایف سے وفاداری کا دم بھرتے رہوگے، تم سے ہماری لڑائی جاری رہے گی۔ دشمن کی آستینوں میں سانپ پالنا اسپائی وار کا بنیادی اصول ہوتا ہے......''

''یعنی تم مجھے ایس ٹی ایف کی آستین کا سانپ بنانا چاہتے ہو؟'' میں نے تڑپ کر ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''یار بار میری بات مت کاٹو۔'' اس کا لہجہ تحکم آمیز ہو گیا ''ایس ٹی ایف کو کوئی نقصان پہنچانے سے زیادہ ہمیں اپنی قوت مجتمع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہماری فارمیشن کمزور پڑ رہی ہے۔ اس کو سنبھالنے کے لیے تم کو آنے کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن تم اپنی جگہ اڑے ہوئے ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر تم اپنی ضد کی وجہ سے ہمارے کسی کام نہ آ سکے تو پھر شاید ایس ٹی ایف کے لیے بھی کسی کام کے نہ رہو۔''

''یعنی تم میری آستین کے کسی سانپ سے مجھے ڈسوا دو گے!'' میں نے اس کی کھلی دھمکی پر حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے۔'' اندھیرے میں اس کی چمکتی ہوئی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی آواز دوبارہ دھیمی اور پرسکون ہو گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''ہم پرائی زمین پر بہت محتاط رہتے ہیں اور ہر قیمت پر مقامی قانون کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیڑھے کام نکالنے کے لیے اپنے مقامی ایجنٹوں کو استعمال کرتے ہیں۔''

''تاکہ برا وقت آئے تو مصیبت ان ہی کو بھگتنا پڑے!'' میں نے کہا۔

''ایسا نہیں ہوتا۔'' اس بار نک نے اپنے افسر کو سہارا دیا ''کوئی آدمی مشکل میں گھر جائے تو ہم پس پردہ رہ کر اس کی پوری پوری مدد کرتے ہیں۔''

''کیا تم کو اندازہ ہے کہ تمہاری اس دھمکی کے نتیجے میں، میں ڈینی والی ڈیل سے انکار کر سکتا ہوں۔'' قدرے توقف کے بعد میں نے ان دونوں سے پوچھا۔

''کر دو۔ سوبھراج کو بنکاک میں روک دیا جائے گا اور یہاں ایک ایسا کھیل شروع ہو جائے گا جو ابھی تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔'' اس کی آواز بدستور دھیمی اور بیانیہ رہی۔ اس نے میری جوابی دھمکی پر کسی اشتعال کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''سوبھراج کو اپنی ساکھ کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارا غدار ہے۔ میری نظروں میں وہ اتنا بڑا لیڈر نہیں ہے کہ تھائی لینڈ میں بیٹھ کر پاکستان کے کسی بھی معاملے پر اثر انداز ہو سکے۔ اسے زندہ رکھ کر تم اپنی آستین میں ایک زہریلا ناگ پال لو گے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت یہ باتیں غیر ضروری ہیں۔'' نک نے بات بگڑنے کے خوف سے اضطراری انداز میں دخل اندازی کرتے ہوئے، اپنے افسر سے کہا ''کرنل داور ہماری بات نہیں مانتا تو نہ مانے۔ میں بہت جلد کوئی اور آدمی تلاش کر لوں گا۔ اس وقت ہمیں اپنی گفتگو کو ڈینی اور سوبھراج تک محدود رکھنا چاہیے۔''

میں نے نک کے الفاظ میں چھپی ہوئی کمزوری بھانپ لی اور تیزی سے کہا ''الفاظ ذہن میں چکراتے رہتے ہیں تو صرف نیت بنے رہتے ہیں جس کا حال کوئی نہیں جان سکتا۔ وہی الفاظ زبان پر آ جائیں تو عزم اور ارادہ بن جاتے ہیں۔ تم دونوں کی دھمکیوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''ہم نے کوئی دھمکی نہیں دی۔'' نک کے افسر نے وضاحت کی ''فراخ دلی سے کام لے کر تمہیں ان حقائق سے آگاہ کیا جو آئندہ رونما ہو سکتے ہیں۔''

''اور ان میں سے ایک امکان یہ ہے کہ ابھی تمہارے پیش کیے ہوئے نمونے کے مطابق مجھے طاقت کے زور پر اغوا کر لیا جائے یا شاید مار بھی دیا جائے!'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''ایجنسیوں کے کھیل میں تم اناڑی نہیں، پرانے کھلاڑی ہو۔ اسی لیے میں نے جان بوجھ کر اسپائی وار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لڑائیوں میں کسی بھی لغزش یا غلطی کے ازالے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ غلطی سرزد ہوتے ہی گردن کٹ جاتی ہے یا دل میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ کسی بھی وقت کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس میں میرا یا نک کا کوئی ہاتھ ہو۔ یہ کام کوئی بھی کر گزرے گا۔''

شاید وہ مجھے یہ جتا کر خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا کہ واشنگٹن اور ورجینیا میں ہونے والے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عالمگیر سطح پر سیکڑوں نادیدہ ہاتھ حرکت میں آ جاتے ہیں اور ان میں سے جس کا داؤ چل جائے وہ دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے۔

''مجھے کسی بچے کی طرح پڑھانے کی کوشش مت کرو!'' میں نے بے رخی سے کہا ''یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ میں نے جس پیشے کی تربیت حاصل کی ہے اس میں ہر شخص اپنا سر ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے مجھے اپنی جان اتنی زیادہ عزیز ہوتی تو میں اس وقت تمہارے سامنے نہ ہوتا۔'' میں نے اسے دباؤ میں لانے کے لیے دانستہ مگر بظاہر اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا ''وقت کم ہے۔ جلدی بتاؤ کہ تمہارا فیصلہ کیا ہے۔''

وہ ہونٹ بھینچے، چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا ''وہ اگلے ایک دو روز میں کراچی آ جائے گا۔''

''کیا تم مجھے اس کی واپسی کی اطلاع دو گے؟'' میں نے

نک سے سوال کیا۔
''سوبھراج کوئی غیر معروف آدمی نہیں ہے۔'' نک کے ساتھی نے کہا'' اس کی اچانک روانگی کو اس کے مخالفین نے فرار سے منسوب کیا ہوا ہے جب تک یہ اسکینڈل ختم نہیں ہوتا، وہ اخبار والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ اس کے آنے کی بلکہ اسی کے ساتھ جانے کی خبر بھی تمہیں اخبارات سے مل جائے گی۔''
''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہوں گا۔''
''سب کچھ تمہاری خواہشات کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا غدار اور مجرم ہے۔ اس پر سب سے پہلا حق ہمارا ہے۔''
''چلو، دیکھ لیں گے کہ وہ کس کے حصے میں آتا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس وقت ہر نکتے پر زور دینا مناسب نہیں تھا۔
''پھر تم ڈینی کو کب تک نک کے حوالے کر دو گے؟''
''سوبھراج کے لوٹ آنے کے بعد ہی اس کا تعین کیا جا سکے گا۔''
''تم فکر نہ کرو۔ اب ہمارے پاس ایک دوسرے کے موبائل فون نمبر بھی ہیں۔ اگلا پروگرام ہم آپس میں طے کر لیں گے۔'' نک نے اطمینان دلایا۔
''جانے سے پہلے میں یہ ضرور بتا دوں کہ آج میں خالی ہاتھ اور اکیلا یہاں آیا تھا۔ تمہاری ڈرامائی حرکت سے مجھے سخت مایوسی ہوئی ہے۔ میں ڈینی کو پورے بندوبست کے ساتھ لاؤں گا تاکہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہ چل سکو۔ پوری انعامی رقم سو ڈالر کے پرانے نوٹوں کی گڈیوں کی صورت میں ملنی چاہیے۔ میں نئے یا چھوٹے نوٹ قبول نہیں کروں گا۔''
''تم بے فکر رہو!'' نک نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا'' ڈینی کے معاملے میں ہم کوئی رسک نہیں لیں گے۔ انعامی رقم کے بارے میں ہم بہت سنجیدہ ہیں۔ میں پوری رقم تمہاری مطلوبہ مالیت کے پرانے نوٹوں کی صورت میں لے کر آؤں گا۔''
''سنو!'' میں نے نک کے ساتھی کا بازو سختی سے تھام کر کہا ''یہ سب طے ہو گیا۔ سوبھراج اور ڈینی والا معاملہ اب طے سمجھو۔ اس سے آگے تمہیں کھلی چھوٹ حاصل ہے کہ جب چاہو اپنے دل کے ارمان نکال لینا۔ تم مجھے ہمیشہ مستعد پاؤ گے۔''
اس نے بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ اپنے بازو پر سے ہٹاتے ہوئے کہا ''ہم ٹھنڈے دماغ سے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں۔ جذبات کی رو میں بہہ کر کام کے کسی آدمی کو بلاوجہ ضائع نہیں کرتے۔ ایک بچے کی ولادت آٹھ نو مہینے میں ہوتی ہے۔ وہ برسوں میں پل بڑھ کر تجربہ حاصل کرتا ہے اور کسی کام کے قابل ہوتا ہے۔ پچیس، تیس یا چالیس برس کی اس ریاضت کو میں پل بھر میں برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس مرتبہ چند گھنٹوں کے لیے کراچی آیا ہوں۔ کچھ عرصے بعد ذرا فرصت سے آؤں گا۔ شاید اس وقت تک تمہاری سوچ بدل چکی ہو۔ میں بھلے وقت کا انتظار کروں گا۔ بس یہ بات دھیان میں رکھنا کہ تم فی الحال ہمارے دوست نہیں بنتے تو نہ بنو لیکن بلاوجہ دشمنی مول نہ لینا۔ ہم اپنے دشمنوں اور غداروں سے یکساں سلوک کرنے کے عادی ہیں۔ اس کا ثبوت تمہیں سوبھراج کے انجام سے مل جائے گا۔''
میں دل ہی دل میں اس کی متانت اور بردباری کا قائل ہو گیا۔ کام کے آدمیوں کے بارے میں اس کی سوچ مثبت اور زیادہ منطقی تھی۔ اس نے میری پسلیوں سے آہنی نال لگا کر جو چھچھوری حرکت کی تھی، خود اپنی گفتگو سے اس کا ازالہ کر دیا تھا۔
وہ میرے ساتھ اپنا کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ میں ان کے عزائم کو ناکام بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اس ملاقات کے لیے نک کے اضطراب کا اندازہ لگا کر اپنی مصروفیت کا عذر پیش کیا تھا جس کا حوالہ اس کا ساتھی بھی دے چکا تھا۔ ان سے ہونے والی گفتگو ایک سمجھوتے تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے بعد میرا وہاں رکنا بے جواز تھا۔ میں نے ان دونوں سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو نک کے افسر کے ہونٹوں پر اتنی گہری مسکراہٹ تیر گئی کہ ہونٹوں کے درمیان اس کے خفیف سے دانت چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔
''مجھے حیرت ہے کہ سوبھراج بنکاک میں ہے پھر بھی تم بہت مصروف ہو!'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
''ایس ٹی ایف صرف سوبھراج کی سرکوبی کے لیے وجود میں نہیں آئی تھی۔ ہمیں بہت سے دوسرے کام بھی کرنا ہوتے ہیں۔ میں نے اس ملاقات کے لیے بہت مشکل سے وقت نکالا ہے۔ اب مجھے کہیں اور پہنچنا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔
میں ان دونوں سے پہلے اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔
اس ملاقات کے بارے میں میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوتا نظر آیا تھا کہ نک مجھے ایک معتبر گواہ کی حیثیت میں اپنے

افسر سے ملوانا چاہ رہا تھا۔ اس ملاقات میں اس کے سوا کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی کہ میرے ذریعے نک نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بس دو چار روز میں ڈینی کو پکڑنے والا تھا۔

مقررہ مدت میں اپنا ہدف حاصل نہ کرسکنے کی بنا پر نک کے پاکستان سے تبادلے کے احکام جاری ہوچکے تھے۔ مشن کی تکمیل سے پہلے ہونے والا وہ تبادلہ نک کے لیے توہین آمیز تھا۔ اس نے ان احکام پر عمل درآمد رکوانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کیا ہوا تھا۔ آثار وقرائن یہ بتا رہے تھے کہ وہ پاکستان میں رکنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

یہ عجیب وغریب اور دلچسپ صورت حال تھی۔ ان دنوں میں نے دو روپ اپنائے ہوئے تھے۔ کبھی میں ڈینی بن کر اپنے دشمنوں کو دھمکا رہا تھا تو کبھی کرنل داور کے بھیس میں انہیں جل دے رہا تھا۔ میں سوبھراج اور نک سے ان دونوں حیثیتوں میں بات کرتا رہا تھا۔ یہ لطف کی بات تھی کہ سوبھراج نے پاکستان لوٹنے کے لیے ڈینی سے سمجھوتا کرلیا تھا اور نک ہاروے نے ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے کرنل داور پر بھروسا کیا ہوا تھا۔ میری حکمت عملی کی بنا پر ان دونوں میں سے کسی کو شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ دونوں نام ایک ہی تھے۔

مجھے اپنی گاڑی کے عقب نما آئینوں میں بی ایم ڈبلیو کے ہیڈ لیمپس روشن اور پھر متحرک ہوتے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت تک ایس ٹی ایف والوں کی ڈیزل پک اپ دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔ نک کی گاڑی نئی اور بہت جان دار تھی۔ ذرا سی دیر میں وہ مجھ سے آگے نکلتی چلی گئی۔ مجھے ان کا مقابلہ مقصود نہیں تھا۔ میں صرف یہ یقین کرلینا چاہتا تھا کہ میرے بعد وہ دونوں اس علاقے میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے واپس جاچکے تھے۔

میں ان خیالات میں غلطاں وپیچاں، ڈرائیونگ میں منہمک تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''مبارک ہو! تمہاری اور ان کی ملاقات خیر وخوبی سے نمٹ گئی۔'' بٹن دباتے ہی میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز گونجی۔

''مبارک باد تم گھر پر بھی دے سکتی تھیں۔ اس وقت فون کرنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''بس، مجھ سے صبر نہیں ہوسکا۔ میرے فون سے تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔''

''پریشانی نہیں ہوئی لیکن کہا جاتا ہے کہ توجہ کے ضروری ارتکاز کے لیے ڈرائیونگ کے دوران میں موبائل فون کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔''

''کہا تو بہت کچھ جاتا ہے۔ ہم ان میں سے کتنی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس کھوسٹ نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔''

''میرا اندازہ درست تھا۔'' میں نے اس فقرے کے ساتھ ہی اپنا تجزیہ دہرادیا۔

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔'' ویرا کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ ''نک کو تم سے گواہی دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایف بی آئی کا ایک سینئر اور معتبر افسر ہے۔ اس کی کہی ہوئی باتوں پر کسی اور کی تائید کی ضرورت نہیں پیش آسکتی تھی۔ یہ کوئی اور ہی چکر تھا۔''

اس وقت تک میں نے واقعات کی روانی میں ڈوب کر اس نکتے پر زیادہ مغز سوزی نہیں کی تھی۔ ویرا نے وہ نکتہ اٹھایا تو مجھے اس کا اعتراض وزنی محسوس ہوا۔ اس کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ نک ہاروے فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کا ایک پرانا اور ذمے دار افسر تھا۔ جب تک وہ اپنے محکمے کی سروس میں تھا، اسے اپنے کسی بیان کی تائید کے لیے کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے چھوٹے اور بڑے اس کے ایک ایک لفظ پر اعتبار کرتے ہوں گے۔ دوران ملازمت کسی کا تبادلہ ہونا ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی ساکھ ہی ختم ہوجاتی۔ جب تک نک اپنے عہدے پر بحال تھا اور اپنی ذمے داریاں انجام دے رہا تھا، وہ باہر کے کسی آدمی کی شہادت کا محتاج نہیں ہوسکتا تھا۔

''تمہاری دانست میں کیا چکر ہوسکتا ہے؟'' میں نے ویرا سے سوال کیا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس ملاقات کے مقصد کے بارے میں تمہارا اندازہ غلط ہے۔ وہ دونوں تم سے کسی بڑے اور اہم مقصد کے لیے ملے ہیں۔''

''میں تم سے متفق ہوں۔'' میں نے پُرخیال انداز میں جواب دیا ''نک کسی سرسری یا سطحی مقصد کے لیے اتنا بکھیڑا نہیں پھیلا سکتا تھا۔ مجھ سے میری شرائط کے مطابق ایک کھلی اور انتہائی خطرناک جگہ پر ملاقات کرکے انہوں نے بہت حوصلے اور بے خوفی کا ثبوت دیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کے لیے وہ دونوں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں جو کچھ آیا، وہ میں نے برجستہ کہہ ڈالا۔ اس سے آگے سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔''

''میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔

''زیادہ الجھنا بیکار ہے۔ گھر پر سب مل کر بیٹھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات سامنے آ جائے گی۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ تم سے بات کرتے کرتے وہ نیا پنچھی اچانک تم سے چپک کر کیوں کھڑا ہو گیا تھا۔'' اس نے اچانک وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

''ہم اندھیرے میں تھے۔ حیرت ہے کہ تم نے یہ بات بھی نوٹ کر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایس ٹی ایف میں انفراریڈ دوربینوں کی فراوانی ہے۔''

''مجھے فراوانی کا علم نہیں لیکن یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اول خان کی گاڑی میں ہنگامی ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ گاڑی میں دو دوربینیں تھیں۔ ایک میرے اور دوسری اول خان کے پاس تھی۔ اسے اچانک تم پر لپکتے ہوئے دیکھ کر ہمارے دل اچھل کر حلق میں آ گئے تھے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ تم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔''

''اول خان کی کیا رائے تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اسے آخر تک یقین تھا کہ اس نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے لیا تھا۔ اس طرح وہ تمہیں اغوا کرنا چاہ رہے تھے۔ آخر میں تم ان سے الگ ہو کر روانہ ہوئے تو ہماری جان میں جان آئی تھی ورنہ اول خان نے راستے میں بی ایم ڈبلیو سے اپنی لینڈ روور ٹکرا کر، ان کا مقابلہ کرنے اور تمہیں چھڑانے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔''

''اغوا بھی اس ملاقات کا ایک مقصد ہو سکتا تھا۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''وہ تمہیں چھوڑ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ مقصد نہیں تھا۔ آخر وہ تمہاری طرف کیوں لپکا تھا۔''

''اول خان کا اندازہ درست تھا۔ مجھے اغوا نہیں کیا گیا لیکن نک کا ساتھی مجھے میرے اغوا کا ٹریلر دکھا کر یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ مفاہمانہ رویہ اختیار نہ کیا تو میرے ساتھ ایسا کوئی پر تشدد واقعہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔''

''وہ تم سے کیا چاہ رہے ہیں؟'' ویرا کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''وہی پرانی باتیں ہیں...... اب میں ہر بات فون پر نہیں بتا سکتا۔ میں شارع فیصل پر مڑنے والا ہوں۔ اس سڑک پر ٹریفک زیادہ ہوتا ہے۔ گاڑی سنبھالنے کے لیے دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

میں نے اس کا جواب سنے بغیر وہ کال منقطع کر کے موبائل فون اپنی گود میں ڈالا اور موڑ سے گاڑی شارع فیصل پر گھمالی۔

ویرا نے مجھ سے دوران گفتگو میں کوئی خاص بات نہیں کی تھی لیکن نک کی ملاقات کے مقاصد پر اپنے شبہے کا اظہار کر کے میرے ذہن میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ میری نگاہیں سڑک پر رواں ٹریفک کی بھیڑ پر مرکوز تھیں مگر میرا ذہن اسی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھا۔

نک نے اپنے طور پر اس ملاقات کے کسی خاص مقصد کا تعین نہیں کیا تھا۔ بس اس کا اتنا اصرار تھا کہ اس کا ایک اعلیٰ افسر ورجینیا سے دہلی جاتے ہوئے، چند گھنٹوں کے ٹرانزٹ پر کراچی میں رک رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ذرا سی دیر کے لیے مجھے اپنے اس افسر سے ملوا دے۔

اس ملاقات کے محرک کا اندازہ میرا اپنا تھا۔ میں نے شاید اس بات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہوئی تھی کہ امریکا سے نک کے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ ابتدائی طور پر میں یہی سمجھ سکا تھا کہ نک مجھے کرنل داور کے روپ میں اپنے افسر سے ملوا کر اپنے تبادلے کے احکام کو التوا میں ڈالنا چاہ رہا ہے۔ ویرا نے میرے اس اندازے سے اختلاف کر کے مجھے کسی اور سمت میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں ویرا کے اختلافی موقف کا قائل ہو چکا تھا لیکن مجھے فوری طور پر کوئی دوسری راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

بھٹکتے بھٹکتے میرا ذہن بہت دور چلا گیا اور پھر ایک نئی بات نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔ میں کافی دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ کرنل داور کا چکر چلا رہا تھا۔ ان کے نمائندوں کے ساتھ غیر رسمی اجلاسوں میں میری ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ ایف بی آئی کا جان ایلش کوف میری مدلل گفتگو اور مجموعی کارکردگی سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اس کے محکمے نے باضابطہ طور پر پاکستانی حکام سے میری یعنی کرنل داور کی خدمات حاصل کرنے کی درخواست دائر کر دی تھی اور کرنل داور کا سروس ریکارڈ مانگ لیا تھا۔

ابتدا سے اس لمحے تک ہم سب یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتے رہے کہ امریکی، کرنل داور کی زبردست کارکردگی سے مرعوب ہو کر اس کی خدمات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ میں نے کئی بار ان کی پیشکش کو ان کی صفوں میں گھسنے کا بہترین موقع تصور کیا تھا لیکن وہ شاید میری خام خیالی تھی۔

ایف بی آئی اور سی آئی اے والوں کے لیے امریکا اور دنیا بھر میں باصلاحیت افراد کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ جسے چاہتے، منہ مانگے داموں پر خرید سکتے تھے۔ ان کے لیے کرنل

داور کا پیچھا کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس قصے میں نک کی ایک ہی دلیل مضبوط تھی کہ وہ ہر ملک میں اپنے مقامی ایجنٹوں اور مخبروں کی فیلڈ فورس کی رہنمائی اور سربراہی کے لیے کسی ممتاز مقامی فرد کی خدمات حاصل کرنے کی پالیسی پر کاربند رہتے تھے۔

اس نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہی مجھے احساس ہونے لگا کہ وہ لوگ فہم و فراست سے عاری نہیں تھے۔ کھلی آنکھوں اور جاگتے ہوئے ذہنوں کے ساتھ ہر قدم اٹھانے کے عادی تھے۔ وہ کرنل داور کی ذات کے بارے میں رشک سے زیادہ رقابت اور تجسس میں مبتلا تھے۔ کرنل داور کی تعریف کرکے انہوں نے ایک بہت گہری چال چلی تھی اور اس کا سروس ریکارڈ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ اگر کسی بھی طرح وہ ریکارڈ ان کی تحویل میں چلا جاتا تو وہ بال کی کھال نکالنے کے فلسفے پر عمل کرکے جلد یا بدیر اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے کہ کرنل داور کبھی بھی مسلح افواج میں نہیں رہا تھا اور ایس ٹی ایف نے اپنے کسی اہم افسر کی شناخت چھپانے کے لیے وہ فرضی کردار تراشا ہوا تھا۔

یہ امکان بہت ہلکے پھلکے انداز میں میرے ذہن میں بروقت سر ابھار چکا تھا اور میں نے اول خان کے ساتھ یہ طے کرلیا تھا کہ اگر کبھی کرنل داور کا سروس ریکارڈ امریکا بھیجنے کی مجبوری درپیش ہوئی تو آرمی کے باضابطہ ریکارڈ سے ایسے کسی ریٹائر افسر کے کوائف حاصل کرلیے جائیں گے جو نام اور عہدے کے لحاظ سے کرنل داور ہی ہو۔ اس ریکارڈ میں میری کوئی پرانی اور مبہم تصویر شامل کرکے امریکی ایجنسیوں کو ایسا چکر دیا جاسکتا تھا کہ وہ مر کر بھی حقیقت کا سراغ نہیں لگا سکتی تھیں۔

ایس ٹی ایف ہر آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد، ایک غیر دستاویزی تنظیم تھی۔ جس میں سارا کام زبانی چلتا تھا۔ اس بنیاد پر کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی فراہمی کا مسئلہ شاید ٹل گیا تھا لیکن امریکی حکام کرنل داور کے کردار سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔

ایک طرف نک نے مجھے الجھایا ہوا تھا۔ میں اسے کوڑھ مغز اور سہل پسند سمجھ رہا تھا لیکن وہ بہت ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ، کرنل داور کی ذات کے بارے میں اپنا کام آگے بڑھا رہا تھا۔ اس نے میرے موبائل فون نمبر پر پہلے رابطے میں ہی یہ جتا دیا کہ نمبر حاصل کرتے ہی اس نے چھان بین کی تھی اور یہ معلوم کرلیا تھا کہ فون کا اجرا کرنل داور کے بجائے اول خان کے نام پر ہوا ہے۔ اس وقت تک مجھے نک کے عزائم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا پھر بھی میں نے ہوشیاری سے بات سنبھال لی تھی۔ نک کو میرا یہ عذر تسلیم کرلینا پڑا تھا کہ قانونی طور پر پاکستان میں ایس ٹی ایف کا کوئی وجود نہ ہونے کی وجہ سے کہیں بھی اس کا نام استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہر سہولت مقامی اسٹیشن کمانڈر کے اپنے نام پر حاصل کی جاتی تھی۔ ایس ٹی ایف کے زیر استعمال تینوں موبائل فون اسی وجہ سے اول خان کے نام پر حاصل کیے گئے تھے۔

ایف بی آئی کے لیے کرنل داور کی پراسرار شخصیت بہت اہم تھی۔ نک کے افسر اعلیٰ کے ذہن میں بھی یہ خوف جاگزیں رہا ہوگا کہ کہیں نک کسی غلط آدمی کے جال میں نہ پھنس رہا ہو۔ اس نے اپنے وطن سے دہلی جاتے ہوئے، کراچی میں رک کر مجھ سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کے لیے کرنل داور کی ذات اس لیے اہم تھی کہ وہ سوبھراج کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا اور اسی کے ساتھ ڈینی کو قید کرلینے کا دعوے دار تھا۔ وہ محض فون پر بات کرکے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ کرنل داور پر کس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

نک نے اپنے افسر کے ایما پر مجھے ایک مختصری ملاقات کے لیے آمادہ کرلیا۔ پھر نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان دونوں نے اس ملاقات کے بعد میرے بارے میں کیا رائے قائم کی تھی۔ اسی تذبذب میں میرا ذہن اس افسر کی حرکت کی طرف بھٹک گیا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ جب اس نے مجھے غافل پاکر، اچانک گن پوائنٹ پر لیا تو نک ہکا بکا رہ گیا تھا۔ میرے ساتھ کوئی تصادم ان کے طے شدہ پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ اس بے نام افسر نے جو کچھ کیا، اپنے طور پر اور اچانک کیا تھا۔

امریکی خفیہ ادارے بہت طاقت ور تھے۔ انہیں جدید ترین ایجادات اور سہولتوں تک رسائی حاصل تھی۔ وہ الیکٹرانک آلات پر بہت کثرت سے انحصار کرتے تھے۔ ماضی میں مجھے تجربہ ہوچکا تھا کہ وہ اپنے حریفوں کا کھوج لگانے کے لیے چپس اور سینسرز وغیرہ بھی استعمال کرتے تھے۔

چپس کا خیال ذہن میں آتے ہی میں مضطرب ہوگیا۔ نک کے افسر نے وہ بھونڈی حرکت مجھے ڈرانے یا دھمکانے کے لیے نہیں کی تھی۔ وہ یقینی طور پر کسی بھی بہانے سے میرے قریب آنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور بائیں ہاتھ سے بے اختیار اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کردیں۔

پتلون کی بائیں جیب میں میری انگلیوں نے کسی ننھی سی اجنبی چیز کا لمس محسوس کیا تو میں سناٹے میں آ گیا۔ اگلے ہی لمحے میں بغیر سوراخ والے، چھوٹے بٹن سے مشابہ، ایک پچکا ہوا اور بے ڈول چپ میرے سامنے تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والا وہ چھوٹا سا خاموش الیکٹرانک چپ میرے لیے ایک قیامت ثابت ہوسکتا تھا۔

میں نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس بے آواز چپ کا جائزہ لیا۔ پلاسٹک نما کسی سخت مادے سے بنا ہوا وہ خاکی چپ بیسویں صدی کی انقلابی ایجادات کا ایک ننھا سا مظہر تھا۔ نک کے ساتھی کو مجھے کوئی ٹریلر دکھانا تھا نہ دھمکانا تھا۔ اسے میرے قریب آنے کے لیے ایک بہانے کی تلاش تھی تاکہ وہ میرے بدن سے لگ کر، میری بے خبری میں وہ چپ میری جیب میں ڈال سکے۔

میری چٹکی میں دبا ہوا چپ خاموشی سے اپنے سگنل پیدا کر رہا تھا جو کہیں نہ کہیں وصول کیے جا رہے ہوں گے۔ وہ ایک اہم اور خطرناک انکشاف تھا لیکن میں ذہنی طور پر خود کو یکایک پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ نک اور اس کے ساتھی سے ملاقات کے بارے میں میرے ذہن میں جو الجھن پروان چڑھ رہی تھی، چپ ہاتھ آ جانے کے بعد دور ہو چکی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں اپنے دشمنوں کی طرف سے آئے ہوئے اس ننھے سے تحفے کو اپنی گاڑی کی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر پھینک دوں تاکہ وہ بھاری گاڑیوں کے ٹائروں تلے کچل کر نیست و نابود ہو جائے اور اس کے اشاروں کا سلسلہ موقوف ہونے پر میرے دشمن اپنے سر پیٹتے رہ جائیں مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسے تباہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ وہ میری جیب میں کس مقصد سے ڈالا گیا تھا اور اس کے ذریعے ان لوگوں کو کیا کچھ معلوم ہو رہا تھا۔

آثار اور واقعات کے تسلسل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ معاملات کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ وہ کرنل داور کے کردار سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ اس کے بارے میں اپنی خفیہ چھان بین کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ جب تک وہ چپ میری تحویل میں تھا مجھے وہی کچھ کرنا چاہیے تھا جو ایس ٹی ایف کے ایک افسر سے متوقع ہوسکتا تھا۔ اپنی اصلیت کو عارضی طور پر فراموش کر کے کرنل داور بنے رہنے کے لیے پہلی یہ بات ضروری تھی کہ میں اپنے گھر کو بھول کر سیدھا اسٹیشن فور کا رخ کروں۔ اگر اس چپ سے انہیں میری بدلتی ہوئی پوزیشن کے بارے میں اشارے مل رہے تھے تو انہیں یہ جان کر مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ میں ان سے ملنے کے بعد ایس ٹی ایف کے مقامی مرکز کی طرف گیا تھا۔

اس بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ساتھی اول خان کی گاڑی میں میرے پیچھے آ رہے تھے۔ میری گاڑی جدھر جاتی، وہ میرے پیچھے پیچھے وہیں پہنچ جاتے۔

میں نے وہ چپ دوبارہ اپنی اسی جیب میں رکھ لیا۔

میں شہر کی مصروف سڑکوں پر تیزی سے گاڑی چلاتا ہوا، گلشن اقبال کی طرف رواں تھا۔ یونیورسٹی روڈ پر آنے کے بعد جب میں حسن اسکوائر کے چوراہے سے اپنے گھر کی طرف مڑنے کے بجائے سیدھا نکلتا چلا گیا تو ویرا سے صبر نہ ہوسکا۔ چند ثانیوں بعد ہی موبائل فون پر اس کی کال آ گئی۔

''گھر کے بجائے تم سیدھے کہاں دوڑے جا رہے ہو؟'' رابطہ ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''اسٹیشن فور جانے کا ارادہ ہے۔ وہاں گئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔'' میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔ میں اپنی زبان پر چپ کا ذکر نہیں لانا چاہتا تھا۔

''شاید تم ڈر گئے ہو کہ ان کا کوئی آدمی تمہارا پیچھا نہ کر رہا ہو۔'' اس نے مجھے اشتعال دلانے کے لیے کہا ''تم یقین کرو کہ تمہارے پیچھے ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسی باتوں سے ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''پھر تم نے کسی سے مشورہ لیے بغیر اپنا راستہ کیوں بدل لیا؟''

''راستہ نہیں بدلا۔ میرا پہلے سے یہی پروگرام تھا۔'' میں نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ راستے کی اچانک تبدیلی پر سب فکرمند ہیں۔''

''میں ہر بات ہر ایک کو بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ جو لوگ فکرمند ہیں وہ گھر جا کر آرام کریں۔ میں تھوڑی دیر میں گھر لوٹ آؤں گا۔''

''تمہارا پہلے سے اسٹیشن فور جانے کا ارادہ ہوتا تو تم کو شارع فیصل پر سیدھا جانا چاہیے تھا۔ وہاں ملیر ہالٹ سے مڑ کر تم سیدھے اسٹیشن فور پہنچ سکتے تھے۔ تم نے جو طویل راستہ لیا ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم نے راستے میں اپنا ارادہ تبدیل کیا ہے......''

''میں مانتا ہوں کہ تم بہت عاقل و فاضل ہو۔ تمہاری دلیل بالکل درست ہے۔ میں نے ابھی ابھی اسٹیشن فور جانے کا ارادہ کیا ہے۔ موڈ ہو تو اسی طرف چلی آؤ ورنہ راستے میں

اتر جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کچھ دیر بعد میں خود بھی گھر لوٹ آؤں گا۔''

ویرا کی فطرت میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ راستے میں نہیں اترے گی۔ اولین فرصت میں میرے پروگرام میں تبدیلی کا سبب جاننا چاہے گی اور اس کی وہ خواہش اسے اول خان کے ساتھ میری طرف آنے پر مجبور کردے گی۔

شہری حدود میں اول خان نے احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی لینڈ روور میری گاڑی سے محفوظ فاصلے پر رکھی تھی۔ صفورا گوٹھ سے آگے بڑھتے ہی اس نے رفتار بڑھائی اور چھاؤنی کی پہلی چیک پوسٹ آنے سے پہلے مجھ سے آگے نکل گیا۔

اسٹیشن فور کی لگی بندھی زندگی اپنے معمول پر تھی۔ وسیع میدان پر دور تک اندھیرے کا راج تھا۔ اہم اور ضروری مقامات پر کہیں کہیں روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ بیرکوں کے پیچھے، ایک مقام پر فضا میں کچھ سرخی رچی ہوئی نظر آرہی تھی جیسے اس طرف کہیں آگ لگی ہوئی ہو۔

دونوں گاڑیاں کم و بیش ایک ساتھ اول خان کے دفتر والی بیرک کے سامنے رکیں۔ میں نے نیچے اترتے ہی اول خان سے اس نادیدہ آگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ہنستے ہوئے بتایا کہ اس کے جوان اپنی نیم فوجی اور خشک زندگی میں رنگ آمیزی کرنے کے لیے مہینے میں ایک دو بار کیمپ فائر کرتے ہیں۔ جس میں کھلے آسمان کے نیچے ایک بڑا سا الاؤ بھڑکا کر، اس کی روشنی میں سب لوگ کچھ نہ کچھ اداکاری یا صداکاری کرتے ہیں اور پھر کھانے کا دور چلتا ہے جس کے بعد سب ہنسی خوشی اپنی بیرکوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس شام بھی اسٹیشن فور کی حدود میں ایسا ہی ایک پروگرام ہو رہا تھا اور حفاظت و نگرانی کے کاموں پر مامور عملے کے سوا بقیہ سب جوان وہیں موجود ہوں گے۔

''اسی لیے آج یہاں کچھ زیادہ سناٹا نظر آرہا ہے۔ کیمپ فائر کا اصل مزہ رات گہری ہونے کے بعد آتا ہے۔ اس تفریح کے لیے یہ کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔'' ویرا بولی۔

''یہ منہ اندھیرے اٹھنے والے لوگ ہیں۔ سات بجے ان کی ڈیوٹیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ ان کے معمولات کو اپنے شہری پیمانے پر نہ پرکھو۔ یہ یاد رکھو کہ شہروں کی رونق اور زندگی کی حرارت آفریں سرگرمیوں کو زندہ رکھنے کے لیے سرفروش ایسی بے سروسامان زندگی بھی گزارتے ہیں جہاں ان کو وقت سمیت کسی چیز کے انتخاب کی آزادی نہیں ہوتی۔ ان کا ہر قول اور فعل اپنے فرائض کی بجا آوری کے تابع ہوتا ہے۔''

''آپ نے اچانک ادھر آنے کا فیصلہ کیوں کرلیا؟'' غزالہ نے بیرک کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کردیا۔ اپنی جیب میں چپ دریافت کرلینے کے بعد سے میں بہت محتاط تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس ننھے سے چپ کے ذریعے ہماری آوازیں کہیں اور نہ سنی جارہی ہوں۔

بیرک کا طویل برآمدہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اول خان کے دفتر کا دروازہ مقفل تھا۔ اس کا اردلی بھی شاید کیمپ فائر کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے اپنی چابی سے دفتر کھولا تو سب خاموش رہے۔ میرا اشارہ ہر ایک نے دیکھ لیا تھا لیکن کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ میں نے انہیں صرف ایک موضوع سے گریز کرنے کی ہدایت کی تھی، مکمل زبان بندی کے لیے نہیں کہا تھا۔

اپنے دفتر میں پہنچنے کے بعد اول خان نے اپنی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔

''میری آج کی شام بہت مصروف گزری ہے۔'' میں نے تھکی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے، اپنی جیب سے چپ نکال کر اول خان کے سامنے رکھ دیا۔

سب اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر اس چھوٹے سے چپ پر جھک گئے۔

''پتا چلاؤ کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ سارا ڈراما اسے میری جیب میں پہنچانے کے لیے رچایا گیا تھا۔'' میں نے میز پر پڑے ہوئے پیڈ پر دو سطریں لکھیں اور وہ پیڈ اول خان کی طرف سرکا دیا۔

اول خان میری وہ تحریر پڑھتے ہی کرسی سے اٹھ گیا اور چپ لے کر باہر نکل گیا۔ لمحہ بھر بعد اس کی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ وہ ہمیں کچھ بتائے بغیر چپ لے کر کہیں روانہ ہو رہا تھا۔ یہ بات واضح تھی کہ اس کی روانگی کا تعلق چپ سے تھا۔

''اس چپ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔ پہلی بار بات ہوئی تو تم خوب چہک رہے تھے۔ دوسری مرتبہ بے سروپا باتیں کررہے تھے۔'' اول خان کی گاڑی روانہ ہونے کی آواز سن لینے کے بعد ویرا نے قدرے تیزی سے کہا۔

''تم سے پہلی بار بات ہوئی تو میں بے خبر تھا۔ چپ اس کے بعد دریافت ہوا تھا.....''

''ایڈی یہ چپ ڈالنے کے لیے تم سے قریب ہوا ہوگا۔'' ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ وہ ایک نکتہ پاتے ہی پوری

بات سمجھ لیتی تھی مگر میں حیران تھا کہ ایڈی کون تھا۔
میرے سوال کے جواب میں وہ ہنسی اور پھر بولی ''اول خان بہت گھنا آدمی ہے۔ سنتا سب کی ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کے دماغ میں بیٹھ جائے۔ اس نے ہم میں سے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے آدمیوں کی ایک ٹیم بوٹ بیسن کی طرف بھیج دی تھی۔ اسی طرح کسی کو یہ پتا چلانے پر مامور کر دیا تھا کہ ایف بی آئی کا کون سا آدمی دہلی جاتے ہوئے کراچی میں رک رہا ہے۔ ابھی راستے میں اس کے آدمی نے فون پر اطلاع دی کہ آنے والا ایڈی ہاک نامی ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ کیا تمہارے ملاقاتی نے تمہیں اپنا یہی نام بتایا تھا۔
''اس نے سرے سے کوئی نام نہیں بتایا۔ شروع سے آخر تک اس کا رویہ بہت پراسرار رہا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے پورے پروگرام سے نک کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ جب وہ بندر کی طرح اچھل کر میری طرف آیا تو حیرت سے نک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔''
''بس تو پھر کہیں لکھ لو کہ اس کا نام ایڈی ہاک ہے۔'' ویرا بے نیازی سے بولی ''یہ بتاؤ کہ تم اس چپ سے اتنے خائف کیوں ہو۔ یہ شعبدے تمہارے لیے نئے نہیں ہیں۔''
''کیا واہیات باتیں کرتی ہو۔ مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں محتاط ہو گیا تھا۔ پتا نہیں یہ چپ صرف سگنل بھیجتا ہے یا آوازوں پر بھی کام کرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری تلاش کے لیے انہوں نے اپنے ساؤنڈ اسکینر سے کام لینے کا ارادہ کر لیا تھا اور ہزاروں چپ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلانے کا منصوبہ بنا لیا......''
''مجھے سب یاد ہے۔'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''تم کو اپنے پاس اس چپ کی موجودگی کا علم کیسے ہوا؟''
''تم سے بات کرنے کے بعد میرا ذہن کام کرتا رہا۔ مختلف امکانات پر غور کرتے ہوئے جب میں نے پرانی کڑیاں ملائیں تو ان کے الیکٹرانک وسائل یاد آ گئے۔ اس کے بعد جیب میں موجود چپ تک پہنچنا بہت آسان ثابت ہوا۔ اس کے سامنے آنے کے بعد میں محتاط ہو گیا۔''
''تمہاری جیب میں چپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ایف بی آئی والے ابھی تک کرنل داور کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔'' سلطان شاہ بولا۔
''امریکا میں ایس ٹی ایف کے اراکین کو پکا محب وطن تصور کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ حیران ہیں کہ کرنل داور اپنی تنظیم سے الگ تھلگ کیوں چل رہا ہے۔'' میں نے بتایا۔
''تم نے صرف ڈینی کے معاملے میں انحراف کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ ان کی ہر پیشکش مسترد کر چکے ہو۔'' اس نے کہا۔
''ڈینی ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ کرنل داور اسی سے کھیل رہا ہے۔ یہ بات ہر ایک کے ذہن میں چبھ رہی ہوگی۔'' میں نے جواب دیا ''بات ایسی نازک ہے کہ وہ مجھ پر اپنے شبہے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ انہیں ڈر ہوگا کہ میں ڈینی کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دوں گا۔''
''یہ ایک نیا چکر چل پڑا۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''ایڈی چند گھنٹوں کے لیے کراچی میں رکا ہے۔ وہ جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اس چکر میں سوبھراج کی واپسی کا معاملہ پس پشت چلا جائے۔''
''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا ''سوبھراج کے معاملے میں تیر ان کی کمان سے نکل چکا ہے۔ نک اسے واپسی کی ہدایات دے چکا ہے۔ اب وہ اسے بنکاک میں نہیں روک سکیں گے۔ نک کی ہدایت سے زیادہ، سوبھراج کو یہ فکر ہے کہ یہاں اس کے سیاسی مخالفین اس کی غیر حاضری کا زبردست فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''
''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔'' غزالہ دھیرے سے بولی ''حالات پل پل میں کروٹیں بدل رہے ہیں۔''
ہم چاروں ان باتوں میں سر کھپاتے رہے۔ یہ اچھا ہوا کہ اول خان چپ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کی موجودگی میں ہم کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری یہ بے فکری زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ اول خان جلد ہی واپس آ گیا۔
''اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ یہ بہت سادہ سی چپ ہے جو ہائی فری کوئنسی سگنل پیدا کر رہی ہے۔'' اس نے آتے ہی بلند آواز میں اعلان کیا ''اس کی صرف ایک افادیت ہے۔ اس کے پیدا کیے ہوئے سگنلز کے ذریعے ایک مخصوص مواصلاتی سسٹم کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ چپ اس وقت کہاں ہے۔''
''پھر تو بہت اچھا ہوا کہ تم گھر جانے کے بجائے ادھر آ گئے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر بے ساختہ کہا ''کرنل داور کو ایس ٹی ایف کے ٹھکانے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم گلشن اقبال میں رکتے تو انہیں شبہ ہوتا کہ تم ادھر کیوں گئے ہو۔''
''اور یہ خطرہ بھی تھا کہ ہمارے گھر کا محل وقوع ان کے علم میں آ جاتا۔'' غزالہ نے اس کی بات آگے بڑھائی۔
چپ کے بارے میں وہ رائے کسی اناڑی کی نہیں تھی۔ اول خان نے اس کی اصلیت جاننے کے لیے اپنے ریڈیو روم

کے انچارج سے رجوع کیا تھا۔ جو آرمی سگنلز کا ایک باقاعدہ سند یافتہ مگر ریٹائر حوالدار تھا۔ اس نے چپ کو اپنے میٹر سے چیک کرتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ خاموش پرزہ بے ضرر نہیں تھا۔ دو تین مختلف تجربات کے بعد اس نے اپنی معلومات کا نچوڑ اول خان کو بتا دیا تھا۔ اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ چپ کے ذریعے وہ لوگ گھر بیٹھے میری نقل و حرکت پر نظر رکھ سکتے تھے۔

''اسے جلا کر یا توڑ کر برباد کر دیا جائے۔ ایڈی سر پیٹتا رہ جائے گا۔'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

''اس چپ کے اشارے بند ہوئے تو وہ میری طرف سے ہوشیار ہو جائیں گے۔'' میں نے سگریٹ سلگا کر کہا ''ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ چپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے!''

''اور تم اسے اپنی جیب میں لیے گھومتے رہو!'' ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بعض اوقات تم عقل کو سرے سے خیر باد کہہ دیتی ہو۔ مجھے چپ لے کر گھومنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ یہیں اول خان کی میز کی کسی دراز میں پڑا، سگنلز نشر کرتا رہے گا۔''

''انہیں اس کے ایک جگہ رہنے سے شبہ نہیں ہوگا۔''

''اس میں شبے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چپ میرے بدن میں پیوست نہیں کیا گیا، میری پتلون کی جیب میں ڈالا گیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر وقت وہی پتلون پہنا رہوں۔ میں نے وہ کپڑے اتار کر لٹکا دیئے اور لباس تبدیل کر کے نکل گیا۔ جب تک پتلون کھونٹی پر لٹکی رہے گی، ان کے آلات پر چپ کی یکساں پوزیشن آتی رہے گی۔ یہ ذرا سی بات نک اور ایڈی کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔''

''پھر ہمیں چلنا چاہیے!'' ویرا نے بحث کرنے کے بجائے بات وہیں ختم کر دی۔

''ٹھہرو، میں نے گارڈ روم سے ایک آدمی کو بلایا ہے۔ چائے پی کر چلیں گے۔'' اول خان بولا۔

''نہیں۔ اب چل ہی دو۔ تم یہاں رکے رہے تو ہر طرف ہلچل پیدا ہو جائے گی اور تمہارے آدمیوں کا کیمپ فائر خراب ہوگا۔ ہم اس میں خلل نہیں ڈالنا چاہتے۔ چپ کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد اب ہمارا یہاں رکنا بے سود ہے۔''

اول خان کا اصرار کامیاب نہیں ہو سکا۔ گارڈ روم سے آنے والا ہانپتا کانپتا ہوا پہنچا تو دونوں گاڑیاں روانگی کے لیے تیار تھیں۔ اس بار میری گاڑی بھری ہوئی تھی۔ لینڈ روور میں اول خان تنہا تھا کیونکہ اسے بھی یکا یک گھر یاد آ گیا تھا۔ وہ راستے میں کہیں رکے بغیر اپنے بال بچوں میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔

ہم اول خان کی گاڑی کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکلے تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ویرا نے سکوت توڑ دیا ''یہ کیسے پتا چلے گا کہ چپ کے ایک جگہ رکھ دیئے جانے کے بعد ایڈی کے کیا تاثرات ہیں۔ میری رائے ہے کہ تمہیں نک کو فون کر لینا چاہیے۔''

''ہرگز نہیں۔'' غزالہ نے سختی سے ویرا کی رائے مسترد کر دی ''یہ آ بیل مجھے مار والی بات ہوگی۔ اس وقت ان کے فون کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب چپ دیر تک ایک ہی پوزیشن ظاہر کرتی رہے گی تو نک خود پریشان ہو کر ان سے بات کرے گا۔ اس کے پاس ان کا موبائل فون نمبر ہے۔''

''خوب!'' گاڑی میں ویرا کی مسرت آمیز آواز گونجی ''آج دل کھول کر ڈینی کی حمایت کر رہی ہو۔''

غزالہ نے ویرا کے اس تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سفر جاری رہا۔

واپسی پر راستہ صاف تھا۔ ٹریفک کم اور صاف ستھرا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں گھر پہنچ گئے۔ وہاں دین محمد اور ابرار اپنی ڈیوٹی پر پوری طرح مستعد تھے۔ ان کے آ جانے سے ہم چاروں کو گھر کی طرف سے بالکل بے فکری ہو گئی تھی۔

''ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں جوتے موزے اتارنے کے بعد سنجیدگی سے کہا ''چھاؤنی کا خاصا بڑا علاقہ ایس ٹی ایف والوں کے تصرف میں ہے۔ چپ کو اول خان کی میز کی دراز میں رکھنے کے بجائے میدان میں کہیں ڈال دینا چاہیے تھا۔''

''تمہیں بیٹھے بٹھائے یہ خیال کیوں آ گیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''اس قسم کے آلات دہری افادیت رکھتے ہیں۔'' ویرا کی سنجیدگی برقرار رہی ''چپ سے ایک طرف پوزیشن ظاہر ہوتی رہے گی۔ دوسری طرف کسی حملے کا خطرہ بھی ہے۔ چپ کے سگنلز کے سہارے کوئی راکٹ بھی فائر کیا جا سکتا ہے جو ہر چیز کو نظر انداز کرتا ہوا، سیدھا چپ سے ٹکرا کر پھٹے گا۔''

''ہر راکٹ چپ کا رخ نہیں کر سکتا۔'' غزالہ نے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا ''چپ پر صرف وہی ہتھیار گرے گا جس میں چپ کے سگنلز سے کام کرنے والا گائیڈڈ سسٹم نصب ہو۔ یہ آسان کام نہیں ہے اور نہ ایڈی اپنے سامان میں ایسا کوئی میزائل چھپا کر لایا ہوگا۔ بعض اوقات تم بڑے بڑے خطروں کو خاطر میں نہیں لاتیں اور کبھی کبھار بعید از قیاس خطروں کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے لگتی ہو۔''

''کمال ہے۔تم کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوگئیں!''
ویرا، غزالہ کے جواب سے مرعوب ہوگئی تھی۔
''پڑھے لکھے لوگوں کے لیے یہ عام مشاہدے کی بات ہے۔اس قسم کے سارے لاسلکی آلات ریڈیائی لہروں کے ذریعے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔جس طرح میڈیم ویو پر شارٹ ویو کے ریڈیو پروگرام نہیں سنے جاسکتے، اسی طرح عام ہتھیار چپ کے ذریعے گائیڈ نہیں ہوسکتے۔ اس کے لیے دونوں طرف کارآمد سسٹم کا ہونا ضروری ہے۔''
''ویرا کے سامنے پڑھے لکھے لوگوں کی بات نہ کیا کرو۔ بے چاری احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
''ہوش کی دوا کرو۔ میں تم سے زیادہ پڑھی لکھی ہوں۔'' ویرا غرائی۔
''تمہاری زبان سے ہمیشہ تجربات کا تذکرہ سنا ہے، تعلیم کی بات کبھی سننے میں نہیں آئی۔'' سلطان شاہ بے پروائی سے بولا''تم رواں انگریزی ضرور بول لیتی ہو۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ تم امریکی ہو ورنہ تمہاری ساری تعلیم و تربیت بس وہی ہے جو ڈ ڈ......!''
''خاموش!'' میں نے اونچی آواز میں اسے ڈانٹا اور اس کے بقیہ الفاظ اس کے ہونٹوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ ویرا کو ڈان مرسیانو کا طعنہ دینے والا تھا جو ویرا کے ناجائز باپ، جمی لائیڈ کا ایک روپ تھا۔
اس نازک موقع پر سلطان شاہ اگر ڈان مرسیانو کا نام لے دیتا تو میرا اندازہ تھا کہ ویرا ایسی بپھرتی کہ اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ شاید ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ سلطان شاہ کیا کہنے جارہا تھا۔ اس کے لیے جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو کا تذکرہ عام طور پر دل آزاری کا سبب بنتا تھا۔ اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر وہاں سے چل دی۔
''شام کی کسر پوری کرنے گئی ہے۔'' اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ بڑ بڑایا''رفتہ رفتہ یہ عادی شرابی بنتی جارہی ہے۔ پہلے کبھی کبھار سرور میں آنے کے لیے پیتی تھی۔ اب اسے شام کو شراب نہ ملے تو غائب دماغی، بدمزاجی اور بے چینی کا شکار ہونے لگتی ہے۔''
''یہ سب ٹھیک ہے مگر میری ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لو۔ آئندہ کبھی اسے ڈان مرسیانو کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔
''بس وہ نام پھسل کر میری زبان پر آتے آتے رہ گیا۔ مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم درمیان میں بول پڑے۔'' اس نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے، اپنی غلطی تسلیم کرلی۔
سلطان شاہ کے بیان کے مطابق ویرا اپنا کوٹا پورا کر لینے کے بعد اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تو بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی بڑی ترنگ میں مجھ سے پوچھا''کیا ہوا؟ ابھی تک تمہارے یار کا فون نہیں آیا۔''
''آرام سے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ اس کا فون آیا تھا تو تمہیں بھی معلوم ہوجائے گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔
''آرام سے ہے کون اس جہانِ خراب میں۔'' اس نے ہنس کر ایک مشہور مصرع کی مٹی پلید کی اور اپنی بات جاری رکھی ''تم کہتے ہو تو بیٹھ جاتی ہوں۔''
''ڈینی نے نہ کہا ہوتا تو تم کھڑی رہتیں!'' سلطان شاہ اس کی ٹانگ کھینچنے کے چکر میں تھا۔
''یہ اس وقت سوچا جاتا جب کسی نے نہ کہا ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ کھانے کی کیا پوزیشن ہے۔'' ویرا اسی سے مخاطب ہوگئی۔ وہ بہکی نہیں تھی لیکن اس کے اعصاب پر شراب کا گہرا اثر تھا۔ شاید اس نے کم وقت میں، تیز رفتاری کے ساتھ خاصی مقدار لے لی تھی۔
ہم چاروں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں ابرار نے میز پر کھانا لگادیا۔ کھانے کے بعد باتوں کا ایک اور مختصر سا دور چلا جس میں سوبھراج یا نک کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ وہ سلسلہ ٹوٹتے ہی میں نے اپنی خواب گاہ میں جانے کا اعلان کردیا اور وہ محفل بکھر گئی۔
گھر میں ویرا اور سلطان شاہ کی موجودگی کی وجہ سے غزالہ عام طور پر محتاط اور مجھ سے الگ تھلگ رہتی تھی لیکن خواب گاہ کی خلوت میسر آتے ہی وہ بہت پرجوش اور بے باک ہوجاتی تھی۔ اس رات غزالہ کی طبیعت کچھ جولانی پر تھی۔ کمرے کا دروازہ بند کرکے اس نے مجھے مسکراتی ہوئی، تیکھی آنکھوں سے دیکھا اور پھر کپڑے تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔
وہ شب خوابی کے ریشمین لباس میں باتھ روم سے برآمد ہوئی تو اس کے حسین پیکر کے خدوخال بہت نمایاں تھے۔ قدرت نے شاید اسے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا۔ سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک وہ حسن و رعنائی کا ایک شاہکار تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میرے لیے کوئی راہ چلتی، اجنبی حسینہ نہیں تھی اور نہ ہی میں اس کے لیے نامحرم تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پر اپنے قریب بٹھالیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ غزالہ خوش شکل ہونے کے ساتھ خوش گفتار بھی تھی۔ بہت سے موضوعات پر اچھی خاصی معلومات رکھتی تھی لیکن خلوت کی ان باتوں کا تعلق ہم دونوں کے سوا کسی تیسری ذات سے نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ باتیں کہاں سے نکلتی چلی آرہی تھیں۔

ہم دونوں بستر پر دراز، ایک دوسرے کی ذات میں ڈوبے، باتوں میں مصروف تھے کہ میرے سرہانے رکھے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ فون کی روشن اسکرین پر ایک اجنبی نمبر چمک رہا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر وہ کال وصول کی اور فون کان سے لگالیا۔

''ہیلو کرنل! کیا حال ہیں...... تم کہاں ہو؟'' میرے کان میں ایڈی کی آواز گونجی۔ اپنے امریکی لب ولہجہ اور دھیمی آواز کی بنا پر اسے پہچاننا دشوار نہیں تھا۔

''کون بول رہا ہے؟'' میں نے اسے ذہنی جھٹکا دینے کے لیے متذبذب انداز میں سوال کیا۔

''اوہ! تم میری آواز نہیں پہچانے۔ میں نک کا ساتھی بول رہا ہوں۔ شام کو بوٹ بیسن پر تم سے ملا تھا۔'' اسے میرے جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔

''تم گھما پھرا کر کیوں بات کررہے ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم ایڈی ہو...... ایڈی ہاک!'' میں نے چٹکی لی۔

''اگر تم نے میرا نام معلوم کرلیا ہے تو میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔ تم سے اپنا نام چھپاتے ہوئے میں یہ بھول گیا تھا کہ تم بھی آدھے سیکرٹ ایجنٹ ہو۔''

''آدھا نہیں، میں ڈیوڑھا سیکرٹ ایجنٹ ہوں۔ تم سے ملاقات کے صرف پندرہ منٹ بعد تمہارے کوائف میرے علم میں آچکے تھے۔'' میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے... پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ تم ذہین ہونے کے ساتھ تیز بھی ہو۔ میں نے پوچھا تھا کہ اس وقت تم کہاں ہو۔''

''میں صدر کے علاقے میں اپنی ایک گرل فرینڈ کے فلیٹ پر ہوں۔'' میں نے غزالہ کے بازو کو سہلاتے ہوئے جواب دیا ''تم کو یہ سب جاننے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''میں چند منٹ کے لیے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ قطعی ناممکن ہے۔'' میں نے سختی سے جواب دیا ''میں کام کے وقت کام کرتا ہوں اور عیش کے وقت صرف عیش۔ اس وقت مجھے دو ملین ڈالر ملنے کی امید ہو تب بھی میں اس فلیٹ سے نہیں نکلوں گا۔ ایسی راتیں مجھے کبھی کبھار ملتی ہیں۔''

مجھے معلوم تھا کہ وہ ملاقات کا بہانہ کررہا تھا۔ اس کی ساری دلچسپی یہ جاننے تک محدود تھی کہ میں اس وقت شہر کے کس علاقے میں موجود تھا۔ اس نے بہت چالاکی سے کام لے کر میری جیب میں چپ ڈالی تھی۔ اسے اپنی چپ کی کارکردگی پر ناز رہا ہوگا۔ چپ کے اشارے اسے بتارہے تھے کہ میں شام سے اسٹیشن فور پر رکا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ چپ اسے دھوکا دے رہی تھی یا میں واقعی اسٹیشن فور پر رات گزارنے کے موڈ میں تھا۔

''اپنی گرل فرینڈ سے ملنے کے لیے آئے ہو تو پوری تیاری کے ساتھ، بن سنور کر آئے ہوگے۔ کپڑے بھی زوردار پہنے ہوں گے!'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایڈی کی نیم دلانہ آواز آئی۔ اس نے بہت تیزی کے ساتھ اور سوچ سمجھ کر وہ سوال کیا تھا۔ اس بار وہ یہ جاننے کا خواہش مند تھا کہ میرا شام والا لباس میرے بدن پر موجود تھا یا میں نے اسے کہیں ڈال دیا تھا۔

''شام کو میں روایتی دفتری لباس میں تھا۔ سارے نجی اور سرکاری دفاتر میں انگریزی لباس چلتا ہے۔ اس وقت تم میرا لباس دیکھو گے تو پھڑک اٹھو گے۔'' میں نے بین السطور میں اسے وہ جواب فراہم کردیا جس کے لیے وہ بے چین تھا ''اسے ہم قمیص شلوار کہتے ہیں۔''

''ہر جگہ یہی ہوتا ہے۔ گرل فرینڈ سے ڈیٹ ہو تو امریکی نوجوان بھی جینز اور ٹی شرٹ کے بجائے ڈھنگ کے کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے خوشگوار لمحات میں مداخلتِ بے جا کی ہے لیکن یہ معاملہ اہم ہے۔ تم جہاں چاہو، میں وہاں آسکتا ہوں، مجھے صرف چند منٹ دے دو!''

''نہیں ایڈی! یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تم دوسری ملاقات میں گن پوائنٹ پر کون سا نیا ٹریلر دکھاؤ گے۔ میں اپنے عشرت کدہ کو خیرباد کہہ کر ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اگلی بار تم فرصت سے کراچی آؤ گے تو تم سے دوسری ملاقات ہوگی۔''

''اسے بھول جاؤ۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرے پاس وقت کم ہے، صبح پانچ بجے میری پرواز ہے......''

''نہیں!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''جو کچھ کہنا ہے، فون پر کہہ ڈالو۔ ایسا ہی ہے تو پھر میں کل نک سے مل لوں گا۔''

''پیغام رسانی سے کام چلتا تو میں تم سے ملاقات کے لیے اصرار نہ کرتا۔'' اپنا مدعا پورا کرلینے کے باوجود وہ محض اپنی

بات سنبھالنے کے لیے مسلسل ملاقات کی رٹ لگائے ہوئے تھا لیکن اس کی آواز سے ابتدائی جوش وخروش رفع ہو چکا تھا۔

وہ مکاری سے کام لے رہا تھا، اس وقت تک میں اس سے سیدھی سیدھی بات کر رہا تھا۔ میں نے اسے جھنجوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''تم برا نہ مانو تو میں کھل کر تم سے اپنے دل کی ایک دو باتیں کہہ ڈالوں۔''

''ضرور کہو۔ میں تو شروع سے یہ چاہ رہا تھا کہ تم مجھ سے کھل کر بات کرو لیکن تم کہیں کوئی راہ دینے پر آمادہ نہیں ہو۔''

''اس وقت، تمہاری باتیں بکھری بکھری اور سوال کچھ غیر مربوط ہیں۔ مجھے......''

''ذرا رکو!'' اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''یہ بتاؤ کہ میری کون سی باتیں غیر مربوط ہیں۔''

''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے اپنے مطلوبہ سوال پوچھتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔ تمہارے دل میں کچھ اور ہے، زبان کچھ اور کہہ رہی ہے۔ تم گھما پھرا کر مجھ سے کوئی ایسی خاص بات اگلوانے کی کوشش کر رہے ہو جس کے بارے میں تم براہِ راست سوال نہیں کر سکتے۔''

''نہیں کرنل! ایسا نہیں ہے۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' اس کے لب و لہجہ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

''پہلے تم نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ میں شہر کے کس حصے میں ہوں پھر تم کو یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ میرے بدن پر کون سا لباس ہے۔ ایمان داری سے غور کرو۔ کیا تمہارے یہ سوال عجیب نہیں ہیں۔ میں ان سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں۔''

''تم کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے آزاد ہو۔'' اس بار ایڈی کی آواز میں ہلکی سی تیزی آ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا ''میں نے خاص طور پر یہ دونوں سوال نہیں پوچھے۔ یہ ہماری گفتگو کے تسلسل کا ایک حصہ تھے۔ تم نے بلاوجہ انہیں سیاق وسباق سے الگ کر لیا ہے۔ مجھے اس بات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے کہ تم چیتھڑے پہن کر اپنی محبوبہ سے ملنے آئے ہو یا کوئی نفیس اور بیش قیمت جوڑا پہن کر آئے ہو۔ میں نے بہت خوش دلی اور نیک نیتی سے یہ باتیں کہی تھیں۔ یہ تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا ہوا شر ہے جو تمہیں میری کہی ہوئی باتوں کا غلط مفہوم اخذ کرنے پر اکسا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تم سے محتاط رہ کر گفتگو کرنا چاہیے۔''

''ابتدائی ملاقاتوں میں ہر اچھا سیکرٹ ایجنٹ اجنبیوں سے محتاط رہتا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کاٹ دار الفاظ منتخب کر کے جواب دیا۔

''میرے لیے تم اجنبی نہیں ہو۔ نک اور ٹام کی رپورٹوں کے ذریعے میں تم سے اچھی طرح متعارف ہوں۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے۔'' میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے وہیں ٹال دی۔

''تم اجنبی ہوتے تو تم سے دو ملین ڈالر والی ڈیل نہ ہوتی۔'' اس نے اپنی کہی ہوئی باتوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا۔

''میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔ میں نے جو کچھ محسوس کیا۔ تمہیں بتا دیا۔ اب تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ وہ بھی مان لیا ہے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ صاف کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میں کہیں نہیں جاؤں گا۔''

''پھر کسی اور وقت ہماری ملاقات ہو گی۔ میں منہ اندھیرے تمہارے شہر سے چلا جاؤں گا۔''

''میں تمہارے محفوظ سفر کے لیے دعا گو ہوں۔'' میں نے منافقت سے کام لیتے ہوئے کہا ''تم کہو تو میں کل نک سے مل سکتا ہوں۔''

''ضرورت ہوئی تو نک خود تم سے رابطہ کر لے گا۔ گڈ نائٹ اور گڈ بائی!'' اس نے فون بند کر دیا

☆☆☆

اگلی صبح کے اخبار میں سوبھراج کا ایک تند و تیز اور مدافعانہ بیان موجود تھا۔

اس وقت تک پس پردہ جو کچھ ہوتا رہا تھا، سوبھراج نے اسے بھی اپنے بیان میں سمیٹ لیا تھا۔ اس خبر میں شروع سے آخر تک بس ایک کسر تھی کہ سوبھراج نے بھول کر بھی کہیں میری کلارک یا ویرا کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے یہ بات زور دے کر دہرائی تھی کہ پاکستان کے کٹر اور متعصب سیاسی رہنما اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بوکھلا گئے تھے اور اس کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک بھر میں اس کے خلاف گندی سیاسی مہم چلا رہے تھے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سوبھراج کو ہر قیمت پر ایوانِ اقتدار سے دور رکھا جائے۔

اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اپنے حریفوں کی خواہشات کے برعکس بہت جلد پاکستان آ کر بے ایمان سیاست دانوں کو بے نقاب کرے گا اور اپنے خلاف چلنے والی بے بنیاد مہم کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دے گا۔

وہ خود بدستور بیرونِ ملک تھا۔ اخباری رپورٹ کے مطابق اس نے وہ پیغام فیکس کے ذریعے راج محل بھیجا تھا۔ راج محل کے عملے نے سوبھراج کا وہ بیان ملک بھر کے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں میں تقسیم کیا تھا۔

''یہ اس کی واپسی کی تیاری کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔'' سلطان شاہ نے وہ خبر پڑھ کر تبصرہ کیا۔

''وہ نک کے دباؤ سے پریشان تھا۔ ڈینی کی طرف سے دو دن کی مہلت مل جانے کے بعد اس کی مشکل آسان ہو گئی ہے۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی۔

ویرا نے جو کچھ کہا، شاید سوبھراج بھی وہی سوچ رہا تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر اسے اپنی راہ میں صرف ایک رکاوٹ نظر آ رہی تھی جو میری ذات سے وابستہ تھی۔ مجھ سے تائب ہونے کا عہد کر کے اس نے اپنی دانست میں معافی تلافی کر لی تھی۔ میں نے بھی اسے پاکستان آنے کے بعد، اپنے معاملات کے سدھار کے لیے دو دن کی مہلت دے دی تھی۔ اس کا یہ فرض کر لینا کسی حد تک درست تھا کہ وہ قدرے ہوشیار رہ کر پاکستان میں کم از کم دو دن سکون سے گزار سکے گا۔

میں نے اسے کھل کر یہ بتا دیا تھا کہ وہ خون آشام بھیڑیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ ایک طرف وہ بھارتی سیکرٹ سروس کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔ را اور بلیک کیٹ کے کارندے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سیٹ لائٹ فون پر براہِ راست اس سے رابطہ کر کے ہدایات لیتے تھے اور وہی ان کو محفوظ پناہ گاہوں کے محل وقوع سے آگاہ کرتا تھا۔ ہم لوگ ایک مدت سے اپنی سرزمین پر را والوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ملاسر کار سے گوپال راج تک ایک طویل فہرست تھی جس سے ہم نمٹتے چلے آئے تھے لیکن اس دوران میں کبھی سوبھراج کا نام سامنے نہیں آ سکا تھا۔ وہ بہت راز داری اور کامیابی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہا تھا لیکن نک کی ذرا سی لغزش سے پہلے ارجن کمار کا ہوٹل میری نگاہ میں آیا پھر واقعات تیزی سے رونما ہونے شروع ہو گئے۔ ارجن مارا گیا اور ہوٹل میں محنت کرنے کے بعد سوبھراج کا نام ہمارے سامنے آ گیا۔

سوبھراج پاکستان کی سرزمین پر را والوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ وہ آسانی کے ساتھ اس سائبان کا سایہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ دوسری طرف وہ دولت اور اقتدار کی ہوس میں امریکی ایجنٹوں کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ بھرپور طریقے سے سوبھراج کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

میری نشان دہی کے باوجود سوبھراج اس زعم میں مبتلا تھا کہ کراچی واپس آنے کے بعد وہ ان دونوں فریقوں کو اپنی مجبوریوں کا احساس دلا کر آسانی سے کنارہ کش ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔ میں نے اپنی طرف سے اسے یقین دہانی کرا دی تھی کہ میری اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی مذموم اور خفیہ سرگرمیوں سے تائب ہو جاتا تو مجھے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

سوبھراج یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کو ابتدا میں اپنے قد و قامت میں اضافے کے لیے جن سہاروں کی ضرورت تھی، ان کی افادیت وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو چکی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ ملکی سیاست میں ایک ایسا مقام حاصل کر چکا تھا جہاں اسے کسی خفیہ سہارے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، دوسرے اس کی مدد کے محتاج تھے۔ اگر وہ امریکی اور بھارتی ایجنسیوں کا ساتھ چھوڑ دیتا تو اسے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔

اس کی یہ خوش گمانی اسے پاکستان واپسی کی راہ سجھا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ نک کو لقمۂ تر سمجھ رہا تھا جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق نگل یا اگل سکتا تھا۔ ایسی کسی کوشش میں مضمر خطرات کی طرف سے اس کی آنکھیں بالکل بند ہو چکی تھیں۔

سوبھراج کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ بالکل تنہا تھا۔ سازشوں اور غداریوں کے کھیل میں اس نے اپنے گھریا دوستوں میں سے کسی کو اپنا راز داں نہیں بنایا تھا۔ اس کے گھناؤنے رازوں سے صرف وہی گنے چنے لوگ باخبر تھے جو اس کے رفیق کار تھے۔ حد یہ تھی کہ اس کا سنیل جیسا دستِ راست بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ حشمت کے روپ میں ارجن کے ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد اس کا آقا کیا کچھ کیا کرتا تھا۔ سنیل کو کوبرا کے بارے میں کچھ معلوم تھا نہ وہ را یا بلیک کیٹس کے بارے میں باخبر تھا۔

وہ حقیقی معنوں میں ون مین شو تھا۔ اس چکر میں ساری اہمیت صرف سوبھراج کی تھی۔ وہی ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا اور اسے بس وہی نظر آتا تھا جو وہ دیکھتا تھا۔

بنکاک میں اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ بات صرف را اور ایف بی آئی والے بڑے گٹھ جوڑ تک محدود نہیں رہی تھی۔ ایسے دوسرے سنگین معاملات بھی سامنے آ چکے تھے جن کی رو سے صرف موت ہی سوبھراج کا مقدر بن سکتی تھی۔

بجیرو والا معاملہ ذرا قانونی نوعیت کا تھا۔ راج محل والوں کے موقف اور بجیرو سے پکڑے جانے والوں کے بیان میں کھلا تضاد تھا۔ ویرا کو کسی مرحلے پر سامنے نہیں لایا جا سکتا تھا مگر سوبھراج سے یہ ضرور پوچھا جا سکتا تھا کہ راج محل سے بجیرو میں روانہ ہونے والی میری لارک کہاں تھی۔ اس سوال کو کرید کرید کر، بجیرو کے بارے میں راج محل والوں کی کہانی کے بخیے بری طرح ادھیڑے جا سکتے تھے لیکن قرائن یہ بتا رہے تھے کہ اس کی نوبت شاید نہ آنے پائے۔

میں نے نک کو یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ سوبھراج نے

اپنی تقدیر کی خوبی سے ویرا لائیڈ کو راج محل میں قید کر لیا تھا۔ وہ ویرا کو اپنی قیدی بنا کر ڈینی کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے ویرا کو نک تک کی نظروں سے بچائے رکھا اور آخر کار ویرا اسے جل دے کر نکل گئی۔
ڈینی اور ویرا دو ایسے نام تھے جو امریکی ایجنسیوں کے اعلیٰ اہلکاروں کو اعصاب زدہ کر دیتے تھے۔ نک نے سوبھراج کے اس فعل کو غداری قرار دے کر سوبھراج کے خلاف عبرت ناک سزا کا فرمان جاری کر دیا تھا۔
اکیلے آدمی کے لیے کامیابیوں کا خمار بہت گہرا ہوتا ہے۔ جب تک اس کے ستارے یاوری کرتے رہتے ہیں وہ دن رات پھلتا پھولتا رہتا ہے لیکن مقدر کی خرابی کا آغاز ہونے کے بعد دور دور تک اسے سہارا دینے والوں کا سایہ تک نہیں ملتا۔ وہ اکیلا ہوتا ہے۔ دس جہتوں میں دیکھ بھال کرنا اس کی انسانی بساط سے باہر ہوتا ہے۔ دوسروں پر وہ بھروسا کرتا ہے نہ اس کا عادی ہوتا ہے۔ آڑے وقت میں بھی سب کچھ خود ہی سنبھالنا چاہتا ہے۔ سنبھالنے کے اس چکر میں ہر طرف اس کی گرفت کمزور پڑنے لگتی ہے، مسائل کی یلغار سے وہ بوکھلانے لگتا ہے، پیر کے نیچے دبے ہوئے دشمن اچھل کر گریبان تک آنے لگتے ہیں اور یوں فردِ واحد کی بنائی ہوئی سلطنت اس کی اپنی ذات کے ساتھ ٹوٹتی اور بکھرتی چلی جاتی ہے۔
''اسے صرف ڈینی سے مہلت ملی ہے۔'' میں نے کہا ''وہ یہ بھول رہا ہے کہ اس کے خلاف کئی قوتیں میدانِ عمل میں کارفرما ہیں۔ نک اپنے غدار کے خون کا پیاسا ہے، جلال اپنے قومی مجرم کی گھات میں ہے۔ اول خان اور کرنل داور کی نگاہیں راج محل میں ہونے والی سرگرمیوں پر مرکوز ہیں۔ وہ کسی بھی طرف سے مارا جائے گا۔''
''یہ بات تم کہہ رہے ہو۔ وہ ان خطرات سے بے خبر ہے۔'' ویرا بولی ''وہ اب بھی یہ سمجھ رہا ہے کہ اسے مرکز کی طرف سے لامحدود مراعات ملی ہوئی ہیں۔ اسے دی وی آئی پی کا پروٹوکول ملتا رہے گا۔ کوئی سرکاری اہلکار راج محل کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ تم سے اس کا دو دن کا سمجھوتا ہو چکا ہے، نک کے عزائم سے وہ بے خبر ہے۔''
''وہ بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس کی لابی کے لوگ اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہوں گے۔'' سلطان شاہ نے اندیشہ ظاہر کیا ''وہ گروپ خاصا بڑا اور بارسوخ ہے۔''
''خبر وہ پہنچا سکتا ہے جو خود باخبر ہو۔ ان باتوں سے وہ لوگ بھی بے خبر ہوں گے۔ جلال جو کچھ کرے گا۔ اچانک کرے گا۔ کسی کو قبل از وقت ان اقدامات کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔'' میں نے جواب دیا ''اس کی لابی کے لوگ اس کے سیاسی حلیف ہیں۔ انہیں یہ علم نہیں ہو گا کہ سوبھراج کی پس پردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔ اس کے جرائم کی فہرست سامنے آتے ہی ہر سیاسی شخصیت اس سے لاتعلقی اختیار کر لے گی۔''
''دیکھتے ہیں کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ایڈی شاید چلا گیا ہو گا۔ اس کے بعد نک دوبارہ اکیلا رہ گیا ہے۔'' ویرا انگڑائی لے کر بولی۔
''وہ اتنا اکیلا بھی نہیں ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کی ''ٹام اس کے ساتھ ہے۔ امریکی قونصل خانے کی حفاظت کے نام پر امریکی میرین فوجی اور کمانڈوز کی خاصی نفری کراچی میں موجود ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ ماضی میں ان لوگوں سے کام لیتے رہے ہیں۔ کوئی مقامی دستیاب نہ ہوا تو وہ ایک مرتبہ پھر ان فوجیوں کو داؤ پر لگا دیں گے۔''
''گڈ! تم نے میرا دل خوش کر دیا!'' ویرا مسرت آمیز آواز میں چہکی ''سچ بات یہی ہے کہ ضرورت کے وقت وہ اپنی آنکھوں پر پٹی رکھ کر اپنے آدمیوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔''
''ایڈی ہاک دہلی گیا ہے۔'' غزالہ نے زبان کھولی ''حالیہ واقعات کے تناظر میں اس کا دہلی جانا معنی خیز ہے۔''
''اب میں نے ان باتوں پر سر کھپانا ترک کر دیا ہے۔ پاکستان کے خلاف ان قوتوں کا گٹھ جوڑ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔'' میں نے جواب دیا۔
''بلیک کیٹس کا قلع قمع ہونے کے بعد شاید اب ان کا کوئی نیا مشن ادھر کا رخ کرے گا۔'' غزالہ نے خیال ظاہر کیا۔
''اس کا انحصار سوبھراج کے انجام پر ہو گا۔ وہ راستے سے ہٹ جاتا ہے تو را والوں کے سر پر سے بہت بڑا سائبان ہٹ جائے گا۔ شاید وہ فوری طور پر اپنے تجربہ کار آدمیوں کو ہمارے انتقام کا ایندھن بننے کے لیے نہ بھیجیں۔ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ وقت اور موقع کا انتظار کریں گے۔''
''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ایڈی کسی نئے جوڑ توڑ کے لیے دہلی گیا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کی طرف سے ہوشیار رہنا ہو گا۔'' غزالہ نے اپنے نکتے پر زور دے کر کہا۔
''وہ ہماری طرف سے اور ہم ان کی طرف سے ہوشیار رہتے ہیں پھر بھی بہت سے واقعات جنم لیتے ہیں۔ خفیہ کارروائیوں کی سو فیصد روک تھام کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہ ایک سمت میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں جو سب سے حساس اور نازک نظر آتی ہے۔ وہ بیٹھے رہ جاتے ہیں دشمن اچانک کسی اور رخ

سے وار کر کے تیزی سے غائب ہو جاتا ہے۔ بعد میں جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا رہتا ہے لیکن واردات کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ صرف ہمارے ملک میں نہیں ہوتا۔ دنیا بھر میں یہی ہو رہا ہے۔ بہت کم واقعات کو رونما ہونے سے پہلے روکنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔''

''اب دشمنوں کے خلاف پوشیدہ سرگرمیوں اور دہشت گردی میں بہت کم فرق رہ گیا ہے بلکہ کبھی کبھی تو یہ فرق ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔لڑائی کے اصول بالائے طاق رکھ دیے گئے ہیں۔ اس لیے ان کے انسداد میں دن بہ دن مشکلات پیدا ہوتی جارہی ہیں۔'' ویرا نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔'' سلطان شاہ کے لیے ویرا کی کہی ہوئی بات پر اعتراض کرنا واجب تھا ''امریکی ڈھنگ سے لڑ رہے ہیں۔ وہ اپنے نکتہ نظر سے امریکی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور اپنے مقررہ ہدف کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ خوف و ہراس پھیلانے کے لیے بے گناہ شہریوں کی جانوں سے نہیں کھیلتے۔ تم تینوں بھارت گئے تھے۔ تم نے وہاں ہر اس شخص کو مار ڈالا جس نے تمہارے مشن کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بلاوجہ کسی کا خون نہیں بہایا۔ را کی صفوں میں گھس کر اپنا مطلوب ریکارڈ حاصل کیا اور بھاگ آئے۔ بھارتی ایسا نہیں کر رہے۔ وہ خون آشام درندے بنے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنا مشن پورا نہیں کر پاتے تو جھنجلا کر دہشت گردی پر اتر آتے......''

''تازہ ترین واقعہ دیکھ لو۔ گوپال راج نے ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں ٹائم بم کیوں رکھا تھا۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی بات درمیان سے اچک لی ''اس کھلی جگہ پر پاکستان کے کون سے خفیہ راز پوشیدہ تھے۔ وہاں بم پھٹنے سے کیسی جانی اور مالی تباہی ہوتی۔ اس کا مقصد صرف اور صرف دہشت گردی تھا۔''

''تمہارا نکتہ بہت فکر انگیز ہے۔'' ویرا نے اعتراف کیا ''گوپال صرف سیکرٹ ایجنٹ نہیں، بلیک کیٹ ہے۔ اس جیسے پیشہ ور آدمی کو ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''وہ سیتا کانت کے ساتھ جس مشن پر آیا تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔'' میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''سیتا غائب ہو چکی تھی گوپال مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے ایک منفی راہ اختیار کر لی۔ یہ ان لوگوں کی بہت بڑی کمزوری ہے کہ پاکستانیوں کے مقابلے میں کوئی بھی شکست انہیں دل برداشتہ کر دیتی ہے اور وہ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔''

''ہم کو ان سے دہرے محاذ پر لڑنا پڑ رہا ہے۔ ان کی سازشوں کی روک تھام کے ساتھ دہشت گردی کے امکانات پر بھی نظر رکھنا پڑ رہی ہے۔'' غزالہ بولی۔

وہ مرغی اور انڈے والا سوال تھا۔ جس طرح یہ طے کرنا محال تھا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے پیدا کیا گیا تھا اسی طرح یہ سمجھنا مشکل تھا کہ مار کھائے ہوئے بھارتی کس وقت دہشت گردی پر اتر آتے ہیں۔ ان کی نظروں میں انسانی خون کی کوئی وقعت اور حرمت نہیں تھی۔ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے تھے۔

گیارہ بجے وہ فون آ ہی گیا جس کی مجھے توقع تھی۔ اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نک کا نمبر پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔

''ایڈی نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ رات اس نے کہیں سے مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

''مجھے معلوم ہے، تم نے اس کو نام سے مخاطب کر کے حیران کر دیا تھا۔'' نک کی آواز سے تکان مترشح تھی۔

''ہمارے پیشے میں یہ معمولی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے اصل نام پر بنے ہوئے کاغذات پر سفر کر رہا تھا اور اس پرواز سے کراچی میں ٹرانزٹ پر رکنے والا اکلوتا مسافر تھا۔ اسے اپنا نام سن کر حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے اول خان سے حاصل کی ہوئی معلومات دہراتے ہوئے کہا۔

''وہ تم سے ناخوش تھا۔ اسے تمہارا طنزیہ انداز گفتگو پسند نہیں آیا۔'' نک نے جواب دیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بھی اپنے افسر اعلیٰ سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ مجھ پر اپنی برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے محض ایک غیر جانب دارانہ اطلاع دے رہا تھا۔

''بعض لوگ پیدائشی طور پر ناخوشی کے مریض ہوتے ہیں۔ انہیں دوسروں کی کوئی بات پسند نہیں آتی۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے اس کی باتوں میں انتشار اور بے ربطی کی نشان دہی کی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ چلا گیا اور اب میرا رابطہ صرف تم سے رہے گا۔'' میں نے دانستہ ایسی باتیں کہیں جن کو سن کر نک کو اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل سکے۔

''اس نے جاتے ہوئے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اس کے جذبات تم تک پہنچا دوں۔''

''حالانکہ ایسی کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ تم خود ایک ذمے دار افسر ہو۔ اپنی صوابدید سے صحیح فیصلے کرتے رہتے ہو۔ ضرورت سمجھتے تو تم خود یہ بات مجھے بتا دیتے۔''

''مجھے اس کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بہر حال وہ میرا افسر ہے۔''

''میں اس کے مقابلے میں تم کو زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتا ہوں۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ میں کسی وقت بھی واپس جا سکتا ہوں۔''

''تو کیا تمہاری ذمہ داریاں بھی ٹام سنبھالے گا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''اس کے لیے سی آئی اے کی مصروفیات کافی ہیں۔ میری جگہ میرے محکمہ کا کوئی اور آدمی آئے گا۔''

''تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے شام کو ہی کراچی چھوڑ دو گے۔''

''میری پیکنگ ہو چکی ہے۔ کاغذات تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی وقت فون آئے گا اور میں سیٹ لے کر چل دوں گا۔''

''تو کیا ڈینی والی ڈیل کسی اور کے ساتھ مکمل ہو گی؟'' اس بار میں نے مصنوعی فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''یہ ایک بہت بڑی اور تاریخی ڈیل ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اگر اس میں کسی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ میں چلا جاؤں اور تم کو میرے جانشین سے تعاون کرنا پڑے!''

''میں تم کو جانتا ہوں۔ تمہیں پرکھ چکا ہوں۔ ایڈی کے نامزد کیے ہوئے نئے آدمی سے معاملات طے کرنے میں مجھے محتاط رہنا ہوگا۔''

نک کی ہلکی سی آسودہ ہنسی کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میرے الفاظ سے اس کی انا کو تسکین ملی ہو۔ اس نے کہا ''فکر نہ کرو۔ مجھے جانا پڑا تو میں تمہیں آنے والے سے متعارف کرا کے جاؤں گا۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود کسی سے یہ بات نہیں کہہ سکا کہ اس مرحلہ پر میرا تبادلہ سودمند نہیں رہے گا۔ ہمارے ہیڈ کوارٹرز میں اس بات کو غلط رنگ دیا جاتا..... میرے حاسد یہ کہتے پھرتے کہ میں ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لیے کراچی میں رکنا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ تمہارے کہنے سے زیادہ ایڈی کے سوچنے کی بات تھی۔ کرنل داور ہر ایک کے سامنے نہیں کھل سکتا۔''

''تمہاری ڈیل مجھ سے نہیں، ایف بی آئی سے چل رہی ہے۔ تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بعد آنے والا میرے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کی پابندی کرے گا۔'' اس نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا ''میرا وعدہ پورا ہوگا، تم کو دو ملین ڈالر ملیں گے اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت یہ باتیں بتا دیں۔ اب میں اپنی پوزیشن پر نئے سرے سے غور کروں گا۔''

''میں نے یہ باتیں بتانے کے لیے فون نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں تم نے ایڈی کا ذکر کیوں نکال لیا۔ بلاوجہ بات سے بات نکلتی چلی گئی۔'' میری بات پر اس نے چونک کر سنبھالا لیا تھا۔ ''میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اپنی تیاری کر لو۔ سوبھراج کسی بھی وقت پاکستان آ سکتا ہے۔''

''ابھی تم کہہ رہے ہو کہ اس کی آمد میں تاخیر ہوئی تو تم چلے جاؤ گے۔ اب یہ خبر دے رہے ہو!'' میں نے تعجب سے کہا۔

''جب تک وہ یہاں آ نہ جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بعض اوقات ایسے ناگزیر اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ سارے منصوبوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ میری دعا ہے کہ ایسا کچھ نہ ہو۔ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوتا چلا جائے اور میں اپنے ہاتھوں سے ڈینی کو ہتھکڑی لگا کر امریکا لے جا سکوں۔''

''تم ایف بی آئی کے افسر ہو مگر تم سے میری کچھ ذہنی ہم آہنگی ہو چکی ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ مجھے چوکنا رہنا ہو گا۔ ایڈی نے مجھے بے خبری میں گن پوائنٹ پر لے کر میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کی طرف سے میرے دل میں گرہ پڑ گئی ہے۔ دوبارہ اس سے سامنا ہوا تو اسے اس رکیک حرکت کا جواب ضرور دوں گا۔ یہ اس کا مجھ پر قرض ہے جو میں اتاروں گا۔'' میں نے ٹھنڈے دل سے اس کی دلی آرزو سن لینے کے بعد بات دوبارہ ایڈی کی طرف گھما دی۔

''ایڈی کی طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اسے تمہارے ان ارادوں کی بھنک مل گئی تو وہ ازخود یہاں آئے گا اور تمہیں معذور کر کے چلا جائے گا۔ وہ اپنے حریفوں کو مارنے سے زیادہ اپاہج حالت میں زندہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اس نے سرد جنگ کے زمانے میں دو نوجوان روسی ایجنٹوں کو مکمل نامرد کر کے چھوڑ دیا تھا۔ دونوں کی بیویوں نے انہیں چھوڑ دیا اور ان کی زندگیاں برباد ہو گئیں۔ ایک پاگل ہو گیا۔ دوسرے نے خودکشی کر لی......''

''مجھے اس کے قصیدے نہ سناؤ!'' میں نے تلخی سے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میں اس سے زیادہ سفاک ہوں۔ اگر وہ ایسا ہی اذیت پرست ہے تو میں بھی اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوا کر صرف دھڑ باقی چھوڑ دوں گا۔ وہ جب تک زندہ رہ کر زمین پر لڑھکتا رہے گا، امریکی ایجنسیوں کے اہلکار اسے دیکھ کر کرنل داور کے نام سے پناہ مانگیں گے۔''

''تم بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم اپنی جذباتی باتوں سے معاملہ بگاڑ دو گے۔''
''یہ جذباتی باتیں نہیں ہیں۔ توہین کا احساس ہے جس نے مجھے مشتعل کیا ہوا ہے۔ تم ایڈی کے ماتحت ہو۔ میں تم کو نہیں روکوں گا۔ تم چاہو تو میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں ڈال سکتے ہو۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو مجھے خوشی ہوگی۔''
''میں بی جمالو کا کردار ادا نہیں کر سکتا۔'' اس کے مصالحانہ لہجہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندر سے ایڈی سے خوش نہیں تھا ''تمہارا کہا ہوا ہر لفظ تمہاری امانت ہے۔ میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ اپنے دل سے کدورت نکال دو۔ اس نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا، وہ اس کی ضرورت تھی اسے تم کو نیچا دکھانے کا شوق نہیں تھا۔ ہم دل و جان سے اپنے ہر انفارمر کی قدر کرتے ہیں اور تم ڈینی کو ہمارے جال میں لا رہے ہو جو برسوں سے ہمارے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔''
''رات کو ایڈی نے مجھے کہاں سے فون کیا تھا؟'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔
''وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا۔ میں بھی وہیں موجود تھا۔''
''اس نے مجھے تم سے رابطہ قائم کرنے سے کیوں روکا تھا؟''
''روکا نہیں تھا۔ یہ کہا تھا کہ ضرورت ہوئی تو میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا اور میں اس وقت تم سے بات کر رہا ہوں۔''
''ابھی تک تم نے کام کی صرف ایک بات کی ہے اور وہ بھی نئی نہیں ہے۔ سوبھراج کی جلد از جلد واپسی کی خبر پرانی ہو چکی ہے۔''
''تم بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔ بار بار ایڈی کا ذکر لے بیٹھتے ہو۔'' اس نے شکوہ کیا۔
''چلو اب تمہارے پاس موقع ہے جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔''
''ایڈی کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں تھا لیکن اب میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ آج شام وقت دے سکو گے!''
''اب تم نے ایڈی کا نام لیا ہے۔ آخر تم لوگ مجھ سے ملنے کے لیے اس قدر مضطرب کیوں ہوں۔ میں کوئی خوبصورت حسینہ ہوں اور نہ ہم جنس پرست۔ آخر تم کیا چاہ رہے ہو۔''
میرے جلے کٹے جواب پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ میں ناگواری سے موبائل فون اپنے کان سے لگائے، اس کے ہنسنے کی آوازیں سنتا رہا۔ ہنسی تھمنے کے بعد اس نے کہا ''بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فون پر نہیں کہی جاسکتیں۔ ان کے لیے ملاقات ضروری ہے۔''
''ملاقات کے لفظ کے ساتھ مجھے اب گن پوائنٹ یاد آنے لگا ہے۔ رات کو ایڈی مجھ سے دوسری ملاقات کا خواہاں تھا۔ اب تم وہی فرمائش کر رہے ہو۔''
''بار بار یہ ناخوشگوار ذکر نہ کرو۔ تمہارا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ملنے کے لیے آؤ گے تو تمہارے دو چار آدمی آس پاس منڈلا رہے ہوں گے جو کوئی گڑبڑ ہوتے ہی تمہارے بچاؤ کے لیے حرکت میں آجائیں گے۔'' اس کی نرم اور مصالحانہ آواز ابھری ''ایڈی کو یقین تھا کہ رات کو آدمیوں سے لدی ہوئی جو ڈیزل پک اپ ہمارے قریب سے گزری تھی وہ تمہاری ایس ٹی ایف کی تھی۔ وہ لوگ جارحانہ انداز میں ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے بظاہر غائب ہو گئے تھے لیکن دوبارہ کہیں چھپ کر آخر تک ہماری نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔''
''اپنے ان اندیشوں کے باوجود تم مجھ سے ملنا چاہ رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔
''ہاں! یہ بتا دوں کہ میں تم سے طے شدہ ملاقات میں گڑبڑ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم محافظوں کے ساتھ آؤ گے۔''
''میں آٹھ بجے شیرٹن ہوٹل کے فرسٹ فلور کے لاؤنج میں آؤں گا۔'' میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔
''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ یہ ملاقات تمہارے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔'' وہ میری رضامندی پا کر خوش ہو گیا۔
''ہو سکے تو اب اس ملاقات کے مقاصد پر بھی روشنی ڈال دو۔'' میں نے زور دیے بغیر کہا۔
''آٹھ بجے ملو گے تو مقصد جان کر خوش ہو جاؤں گا۔'' وہ مزید کھلنے پر آمادہ نہیں تھا۔
نک سے گفتگو ختم ہوئی تو تبادلۂ خیال کا سلسلہ چل پڑا۔ میں نے اس گفتگو میں نک کے انداز اور لب و لہجہ سے جو کچھ اندازہ لگایا تھا، وہ سب کے سامنے دہرا دیا۔
ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ جلال آپہنچا۔
''سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پھر کوئی نیا معرکہ درپیش ہے۔'' اس نے سب سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے پُرمزاح انداز میں کہا۔

''معرکہ نہیں، مرحلہ کہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' ویرا نے اپنی مسکراتی ہوئی نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر جما کر اس کی تصحیح کی۔

وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ ویرا اسے معرکہ اور مرحلہ کا فرق سمجھانا چاہ رہی تھی لیکن جلال نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔ وہ لفظی فرق کے بجائے حقائق جاننا چاہ رہا تھا۔

ایڈی ہاک کے کراچی میں مختصر قیام کے بارے میں وہ بالکل بے خبر تھا۔ وہ خبر سن کر اضطراری طور پر اس کا پارا چڑھ گیا۔ امریکی اور پاکستانی حکومتوں کے درمیان ہونے والے ایک پرانے معاہدہ کی رو سے وہ لوگ اس بات کے پابند تھے کہ ایڈی کے شہر میں قیام کے بارے میں دفتر خارجہ کو پیشگی اطلاع دیتے۔ امریکا جانے والے ہر پاکستانی اہلکار کے بارے میں کئی کئی دن پہلے امریکیوں کو باخبر کر دیا جاتا تھا۔ وہ دوطرفہ قانونی اور اخلاقی پابندی تھی۔ ایڈی کے بارے میں امریکیوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

''پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ نک اپنا تبادلہ رکوانے کے لیے مجھے ایڈی سے ملوانا چاہ رہا تھا لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کچھ اور ہی چکر تھا۔'' میں نے جلال کے استفسار پر بتایا ''ایس ٹی ایف کے لیے کام کرنے والوں کی شہرت کچھ ایسی ہے کہ بعض امریکی حکام کو ابھی تک کرنل داور کی پیشکش پر یقین نہیں آسکا ہے۔ شاید انہیں کرنل داور پر بھی شبہ ہے۔ ایڈی اسی مشن پر کراچی میں رکا تھا۔ اس نے میری بے خبری میں میری جیب میں ایک چپ ڈال دی تھی جس کے ذریعہ وہ میری نقل و حرکت مانیٹر کر سکتا تھا۔''

''یہ ان کے پرانے حربے ہیں۔ حیرت ہے کہ اسے چپ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اس کا نتیجہ کیا رہا۔'' جلال نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

''اس سے مل کر میں سیدھا اسٹیشن فور گیا تھا۔ چپ اب وہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے ساری تفصیلات دہرا دیں۔

''وہ لوگ بھی بے وقوف نہیں ہیں۔ اپنی دانست میں خاصی محنت کر رہے ہیں۔'' پوری کہانی سن لینے کے بعد جلال نے کہا ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایڈی کے چلے جانے کے بعد اب نک کیوں تم سے ملنا چاہ رہا ہے جب کہ صبح تک سوبھراج کی آمد متوقع ہے۔''

''ہاں! وہ صبح آرہا ہے۔'' وہ انکشاف سن کر ویرا حیرت سے اپنی جگہ اچھل پڑی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے چہرے پر بھی حیرت و استعجاب کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔

''اس نے تین پروازوں پر نشستیں بک کرائی ہیں۔ ان میں سے پہلی پرواز صبح چھ بجے کراچی میں لینڈ کرے گی۔'' جلال نے بتایا ''دیکھنا ہوگا وہ تینوں میں سے کس پرواز سے کراچی آنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کل شام تک اسے کراچی میں ہونا چاہیے۔''

''تمہاری اطلاع کا ذریعہ قابلِ اعتماد ہوگا۔ کیا میں اس کے بارے میں جان سکتی ہوں۔'' ویرا نے محتاط الفاظ میں کہا۔

جلال اس کے سہمے سہمے انداز پر ہنس پڑا ''تم لوگوں کو ہر سوال کی آزادی ہے۔ بنکاک مشرقِ بعید کا ایک مرکزی اور بہت سرگرم شہر ہے۔ وہاں دنیا کی تقریباً ہر ایجنسی کے کچھ نہ کچھ نفوس سارا سال موجود رہتے ہیں۔ ان میں ہمارے دو آدمی بھی ہیں جو وہاں ایک ٹیلرنگ شاپ چلا رہے ہیں۔ آج کل وہی دونوں سوبھراج پر کام کر رہے ہیں۔ بنکاک میں اس نے اپنا سارا وقت شراب اور عورتوں میں گزارا ہے۔ اپنے ہوٹل سے بہت کم باہر نکلا ہے۔''

''اپنی جلاوطنی کا غم غلط کر رہا ہوگا'' ویرا ہنس کر بولی ''مجھے یہ جان کر فخر محسوس ہو رہا ہے کہ بنکاک میں بھی تمہارے آدمی مامور ہیں۔''

''بڑی خبریں حساس شہروں سے جنم لیتی ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم مؤثر طور پر وہاں موجود رہیں'' جلال نے انکسار سے جواب دیا۔

''کل سوبھراج آرہا ہے۔ آج نک ان سے ملنا چاہ رہا ہے۔ ان دونوں باتوں میں قریبی تعلق معلوم ہوتا ہے۔'' غزالہ بولی۔

''جو کچھ ہوگا، رات کو سامنے آجائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اگر آج نک نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو میں اس کا حشر خراب کر دوں گا۔''

''سوبھراج کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔

''سوچنا کیا ہے؟ اس کے یہاں آتے ہی اس کے پر قینچ کر کے اسے پنجرے میں ڈالنا ہے، پھر دیکھا جائے گا کہ اس کا کیا، کیا جائے؟'' میں نے بتایا۔

''یہ تو طے ہے کہ اس کا آزاد رہنا کسی کے مفاد میں نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس پر تم ہاتھ ڈالو گے یا میں اپنی بساط پھیلا لوں؟''

''تم اسے کراچی پہنچتے ہی پکڑ لو گے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ ابھی تک پاکستان کا ایک معزز اور مراعات یافتہ قیدی ہے۔ اس کے یہاں پہنچتے ہی میری کوشش ہوگی کہ اس کی ساری مراعات منسوخ کر کے میری کلارک کی گمشدگی اور ارجن کمار کے قتل کے سلسلے میں اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرا دوں۔''

''یہ لمبا سلسلہ ہوگا۔ وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ ہم لوگ ہی اس کی خبر لیں گے۔''

''کام کتنا ہی طول کھینچے۔ اس کے آتے ہی میرے آدمی اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکے گا۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وہ حشمت کا روپ بدل کر ہوٹل میں رہتا تھا اور وہاں کو برا بن کر غیر ملکی ایجنٹوں سے ملتا تھا'' غزالہ نے جلال کو یاد دلایا۔

''مجھے سب یاد ہے'' جلال نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر، مسکراتے ہوئے کہا ''ایک بار وہ گرفت میں آ جائے تو پھر اس سے ہر جرم کا حساب لے لیا جائے گا۔ پجیرو اور ارجن کمار کے معاملات پولیس کے ریکارڈ پر ہیں۔ میں ان سے پہل کروں گا۔''

''اس کے ساتھ ایگزٹ کنٹرول لسٹ کا بھی معاملہ ہے۔ سوبھراج اور سنیل کے ملک سے باہر جانے پر پابندی لگ جانی چاہئے'' اس بار سلطان شاہ نے نکتہ اٹھایا تھا۔

''ویری گڈ!'' جلال اپنا سر ہلا کر مسکراتے ہوئے بولا ''مجھے خوشی ہے کہ سب کو کوئی نہ کوئی بات یاد ہے۔''

''مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم سب جلال کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہو'' میں نے خفگی سے کہا ''جلال ذمے دار آدمی ہے اور ابتدا سے سوبھراج پر کام کر رہا ہے، اسے سب معلوم ہے کہ کب کیا کرنا ہے، تم لوگ بلا وجہ اس کا استاد بننے کی کوششیں کر رہے ہو۔''

''ایسا نہ کہو، انہیں بولنے دو!'' جلال نے ملائمت سے کہا ''یہ استادی نہیں، ان لوگوں کا جوش و خروش ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اس غدار کو جلد از جلد پیوند زمین ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک ویرا نے مجھے کوئی بات یاد نہیں دلائی؟''

''اس کی گرفتاری کے لیے ایک مضبوط کیس سیٹ لائٹ فون کا ہے'' ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ''ریڈیو اینڈ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت اسے پھانسی تو نہیں دی جا سکتی لیکن پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے ضرور ڈالا جا سکتا ہے۔ مقدمہ چلا تو اسے سال چھ مہینے کی سزا ہو جائے گی۔''

''یہ بات میں واقعی بھولا ہوا تھا۔ اس کے سیٹ لائٹ فون پر ہمارا قبضہ ہونا ضروری ہے۔''

''نک پوری طرح سوبھراج کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''اس کے لیے تم کیا سوچ رہے ہو؟'' جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''بن ڈیوڈ ان کی صفوں کا آخری آدمی تھا جو ہمارے ہاتھ آیا تھا اور اس نے اپنی خواہش کے مطابق اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے بعد سے راوی ان کے لیے عافیت ہی عافیت لکھتا چلا آ رہا ہے۔ کیوں نہ نک کو بن ڈیوڈ سے ملاقات کے لیے روانہ کر دیا جائے۔''

''نہیں ڈینی...... میں ایسے کسی اقدام کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تم افراد سے لڑ سکتے ہو، ان کو نیست و نابود کر سکتے ہو لیکن اداروں سے لڑنا آسان نہیں ہے۔ نک یہاں اپنے ادارے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اس کا قیام قانونی ہے۔ وہ مارا گیا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ تلخیاں بلا وجہ جنم لیں گی۔''

''کافی عرصے سے تم امریکیوں کے لیے نرم دلی کا مظاہرہ کر رہے ہو'' میں نے ہلکی سی شکایت کی۔

''امریکا ایک سپر پاور ہے۔ پچھلے دنوں وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے تشویش کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان کی سرزمین امریکیوں کے لیے خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ آج کل کی یک طرفہ دنیا میں ایسے بیان معنی خیز ہوتے ہیں۔ یہ نرم دلی نہیں، مصلحت اور دانش مندی ہے۔ دس برس کا لڑکا ایک پلے ہوئے پہلوان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لڑے بغیر ہار مان لے۔ یہ میرا اپنا تجزیہ ہے، تم اس سے اختلاف کر سکتے ہو۔''

''تم اسلام آباد میں باخبر حلقوں سے بہت قریب ہو۔ تمہاری کسی نپی تلی رائے سے اختلاف کرنا آسان کام نہیں ہے'' میں نے متفکرانہ لہجے میں کہا ''میرا خیال ہے کہ نک کا قتل کشیدگی میں اضافہ کر سکتا ہے، کسی بڑے سانحے کا سبب نہیں بن سکتا۔''

''بظاہر مجھے بھی یہی نظر آ رہا تھا لیکن کسی نہ کسی امریکی کا خون اونٹ کی پشت کا آخری تنکا ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔ چھچھورے سور ما صابر نہیں ہوتے۔ وہ بات بات پر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ امریکی کوئی بڑا اقدام نہ اٹھالیں۔''

''یہ باتیں تم ڈینی کو اس لیے سمجھا رہے ہو کہ اس نے نک کے بارے میں تم سے مشورہ کیا ہے۔ اگر کوئی رہزن یا لٹیرا تم

سے اجازت لیے بغیر اس کی زندگی کا چراغ گل کردے تو کیا ہوگا؟'' ویرا نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے فاتحانہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ سوال تم ہی کرسکتی تھیں۔ میں ڈینی سے ایسے سوال کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ رہزنوں اور لٹیروں کی وارداتوں میں مختلف حالات پائے جاتے ہیں'' جلال نے ناصحانہ انداز اختیار کرلیا ''سب جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ ان کی کارروائیوں پر اظہار افسوس کیا جاسکتا ہے، کسی حکومت کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔''

''تمہاری ان باتوں سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ امریکا ہمارا چوہدری ہے، ہم اس کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتے؟'' ویرا بحث پر اتر آئی۔

''ہمارا کوئی چوہدری نہیں ہے۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم ہیں۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں لیکن اس دنیا میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ یہاں بہت سی دوسری قومیں بھی بستی ہیں۔ یہ سب کی بدنصیبی ہے کہ طاقت کا توازن برباد ہوچکا ہے۔ اب امریکا روئے زمین کا سب سے طاقت ور ملک ہے۔ جب تک طاقت کا کوئی نیا توازن نہیں بنتا، سب امریکا کی بات سننے اور ماننے پر مجبور ہیں۔ وقت کے اس دھارے کے خلاف چلنے والے خسارے میں رہیں گے۔''

''اگر وہ اپنی طاقت کے بل پر عالمی غنڈا بنا ہوا ہے تو بھی بات وہی رہتی ہے۔ ہم اس کی مرضی پر چلنے پر مجبور ہیں۔''

''صرف ہم نہیں، سب اس جبر کا شکار ہیں جو روس کی بربادی کے بعد ایک عفریت بن کر ابھرا ہے۔ پھر بھی وہ ہمیں ہر معاملے میں نہیں جھکا سکتا۔ اپنے شہریوں کی ہلاکت کے بارے میں ہمارے ساتھ سخت رویہ اختیار کرسکتا ہے۔ آج کے معروضی حالات میں ہم اس کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے'' جلال رسانیت سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔

''تم سوبھراج کے قصے کو بھول کر امریکا کے پیچھے کیوں پڑگئی ہو؟'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا۔

''وہ ایک ہی بات ہے۔ سوبھراج کا مربی اور سرپرست نک ہے۔ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ ہے۔ یہ سب امریکیوں کا کیا دھرا ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ ایڈی کا کراچی سے ہوتے ہوئے دہلی جانا خالی ازعلت نہیں ہے۔ اب وہ دہلی سے اپنے کسی افسر کو نک کی جگہ لینے کے لیے بھیجیں گے۔'' ویرا نے پرزور لہجے میں کہا۔

وہ واقعی دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں سوچ میں پڑگیا۔ امریکی اور بھارتی گٹھ جوڑ ہر شک وشبہے سے بالا ہوچکا تھا۔ جو بھی امریکی افسر بھارت میں رہ چکا ہو اس کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی تھی کہ بھارتی دن رات پاکستان کے خلاف اس کے کان بھرتے رہے ہوں گے اور اس کے دل میں پاکستان کے لیے مخاصمت کے جذبات دوسرے امریکیوں سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ ایسے کسی افسر کی پاکستان میں تقرری بہت سی مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔ ایک متعصب اور بھارت نواز امریکی کو کسی بات یا واقعہ کی معقولیت پر قائل کرنا آسان نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو تعصب کی عینک سے دیکھ کر مقامی انتظامیہ کو بہت پریشان کرسکتا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔ ایسا ہوا تو ہم اس تقرر کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کریں گے'' جلال نے پرتشویش آواز میں کہا۔

''تم اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہ جاؤ گے۔ وہ ایک نئی مصیبت تمہارے سر پر مسلّط کردیں گے۔ ابھی ڈینی نے کرنل داور بن کر ایس ٹی ایف کی طرف سے سوبھراج کے ایک بے ضمیر نوکر سے معافی چاہی ہے۔ آنے والے دنوں میں تمہارا سارا وقت ایف بی آئی کے مقامی دفتر میں وضاحتیں اور صفائیاں پیش کرنے میں گزرے گا۔ میں کہتی ہوں کہ تم لوگوں نے امریکا کے خوف کو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ مسلط کرلیا ہے۔ اس خوف سے نجات حاصل کرو۔''

''یہ صرف تمہاری نہیں، ہر پاکستانی کی دلی خواہش ہے مگر اس میں خطرات پوشیدہ ہیں۔ اصل خطرات کا اندازہ صرف اس شخص کو ہوتا ہے جو دوست ہونے کے باوجود الزامات کا سامنا کرتا ہے۔''

''میں کہتی ہوں کہ ایک بار تم ایک ٹھوکر مار کر دیکھو، یہ تم سے ڈرنا شروع کردیں گے۔ دبو گے تو یہ تمہیں دباتے چلے جائیں گے۔''

''ابھی ان آزمائشوں کا وقت نہیں آیا۔ یہ ایک بحرانی دور ہے۔ ہمیں ان سے مل کر چلنا ہوگا۔''

''مل کر چلتے رہو۔ تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بھارت ان کی آنکھوں کا تارہ بنا رہے گا۔''

جلال بھی ویرا کی بیان کی ہوئی سچائیوں کا قائل تھا۔ اندر ہی اندر وہ ان مجبوریوں پر کڑھتا رہتا تھا۔ ویرا نے اس وقت دوٹوک باتیں کرکے اس کے دل کے زخموں پر نمک پاشی کی تھی۔ میں نے اس کے بشرے پر آزردگی دیکھی تو ویرا سے مخاطب ہوکر کہا ''اب یہ بحث کسی اور وقت کے لیے رکھ لو۔ وقت کم رہ گیا ہے، ہمیں سوبھراج کے بارے میں کچھ طے

کر لینے دو۔ ایک مرتبہ وہ موذی زیر ہو جائے تو ہم اپنی توجہ دوسرے معاملات پر مرکوز کر سکیں گے۔"

"مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ پیدائشی طور پر امریکی ہوتے ہوئے تم اپنے ہم وطنوں سے اس قدر متنفر ہو" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"باہر والے صحیح تصویر نہیں دیکھ سکتے۔ صرف گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے" ویرا نے تلخی سے جواب دیا "میں نے امریکا اور امریکیوں کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ تم کو معلوم ہے نا کہ میرے ناجائز باپ کو کہاں قتل کیا گیا تھا۔ امریکی صدر سے ملاقات کے بعد روانہ ہوتے ہوئے اسے وہائٹ ہاؤس کے ڈرائیو وے پر کسی خاموش رائفل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ امریکا کے ایوانِ صدارت میں ہونے والے اس قتل کی گتھی آج تک نہیں سلجھ سکی۔"

میں نے اسے صرف اتنا موقع دیا کہ وہ اپنے متوفی باپ کا ذکر مکمل کر لے پھر سختی سے کہا "تم پھر جذباتی ہو رہی ہو۔ اب تم نے اپنی زبان بند نہیں رکھی تو میں جلال کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"اب میں چپ رہوں گی" ویرا نے یہ کہہ کر شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ لی۔

"مجھے ان تین پروازوں کے بارے میں بتاؤ جن پر سوبھراج نے نشستیں بک کرائی ہوئی ہیں" میں نے جلال سے کہا۔

"تم کو تینوں پروازوں پر اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹیلرنگ شاپ والے دونوں آدمی سوبھراج پر کڑی نظر رکھیں گے۔ وہ جس وقت بھی ہوٹل چھوڑ کر باہر نکلا، وہ مجھے فون پر آگاہ کر دیں گے۔ ائرپورٹ سے وہ اس کی روانگی دوبارہ کنفرم کریں گے۔ تم یہاں اس کے استقبال کی تیاری کر لینا" جلال نے میری مشکل آسان کر دی۔

وہ کلیدی پروگرام سن کر ویرا نے ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔ جلال نے میرے قریب سرک کر نیچی بلکہ سرگوشیانہ آواز میں اپنے لائحہ عمل کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

شیرٹن ہوٹل کے پورچ میں ٹیکسی سے اتر کر میں نے گرد و پیش میں نگاہ ڈالی تو مجھے وہاں کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے آگے بڑھا تو باوردی دربان نے میرے لیے شیشے کا داخلی دروازہ کھول دیا۔ اگلے لمحے میں، میں ہوٹل کے فسوں خیز ماحول میں داخل ہو چکا تھا۔

اس زمانے میں دہشت گردی کی اِکّا دُکّا وارداتیں دنیا بھر میں ہوتی رہتی تھیں لیکن دہشت گردی کا ہوّا کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ ہوٹلوں کی حدود میں پارکنگ سے پہلے گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی تھی، نہ مہمانوں کو مخصوص الیکٹرانک چوکھٹوں میں سے گزارا جاتا تھا۔ میں اپنی بیم گن سمیت اطمینان سے ہوٹل کی زمینی منزل سے پہلی منزل کی طرف جانے والے کشادہ زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جب میں نے شی سے بغاوت کی تو میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنی ابتدائی لڑائیاں تن تنہا لڑی تھیں۔ اس وقت ویرا میرے خون کی پیاسی ہوا کرتی تھی۔ پھر سلطان شاہ میرے ساتھ آیا۔ پورے گھرانے کے خاتمے کے بعد غزالہ میرے ساتھ رہنے لگی۔ پھر اول خان سے تعارف ہوا۔ بعد میں یا شاید اس سے پہلے ویرا بھی مجھ سے آملی۔ یوں میرا سفر جوں جوں آگے بڑھتا گیا، میرے شرکائے سفر کی تعداد بڑھتی رہی۔ ان میں تازہ ترین اضافہ جلال کا تھا۔

ان سب لوگوں میں اول خان کو ایک خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ میں نے اسے اول تا آخر وہ سب باتیں بتا دی تھیں جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ مجھ سے ہلکا پھلکا اختلافِ رائے ہونے کے باوجود وہ خوش تھا کہ نک اور سوبھراج کے بارے میں میرے فیصلے مجموعی طور پر بہتر تھے۔

اس نے نک اور ایڈی سے بوٹ بیسن کے علاقے میں میری ملاقات کے موقع پر، مجھے اعتماد میں لیے بغیر اپنی صوابدید سے ایس ٹی ایف کی جس پارٹی کو میری حفاظت پر مامور کیا تھا، اس کی افادیت کھل کر سامنے آچکی تھی۔ میری خواہش پر وہ بہت خوشی سے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ شیرٹن ہوٹل آنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے آٹھ بجے سے پہلے اپنی جگہ پر پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اسے دور رہ کر صرف یہ دیکھنا تھا کہ نک میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ کرنے پائے۔

نک سے اس ملاقات میں، میں کوئی فریب کھانے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ محض احتیاط کے پیشِ نظر میں اپنی گاڑی کے بجائے ٹیکسی میں ہوٹل آیا تھا۔ پچھلے رات والی ملاقات میں، میں نے اپنی گاڑی استعمال کی تھی لیکن اس کی نمبر پلیٹیں بدل دی گئی تھیں تاکہ ایف بی آئی والے گاڑی کے نمبر کے ذریعے میرے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس گاڑی کا بار بار استعمال بھی موزوں نہیں تھا اس لیے اس شام میں نے گاڑی نکالنے کا ارادہ سرے سے ترک کر دیا تھا۔ مشتبہ دوستوں تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی سے بہتر اور محفوظ سواری کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

ٹیکسی لینے کی وجہ سے میں ذرا قبل از وقت گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ ٹیکسی جلدی مل گئی مگر وقت کی کسر راستے میں پوری ہوگئی۔ میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو آٹھ بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔

میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، زینے طے کر کے اوپری فلور پر پہنچا تو ہال میں پھیلی ہوئی خواب ناک روشنیوں میں مجھے نک دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے ایک دہرے صوفے پر اکیلا بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ اس کی نگاہیں زینوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو میں نے خفیف سی مسکراہٹ سے اسے دیکھ لیے جانے کا اشارہ دیا، رک کر طائرانہ انداز میں نظریں دوڑائیں، ایک ستون کے ساتھ اول خان کو صوفے پر بیٹھے دیکھا اور مطمئن ہو کر نک کی طرف چل دیا۔ اول خان نے اس وقت اپنے چہرے میں کچھ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں۔

نک سیاہ رنگ کے ہلکے سوٹ میں ملبوس تھا اور بالکل خالی ہاتھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ ہاتھ ملانے کے بعد ہم دونوں اسی دہرے صوفے پر ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

''پانچ منٹ زیادہ ہوگئے تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم نے ملاقات کا ارادہ ترک نہ کر دیا ہو'' اس نے دبی دبی آواز میں کہا۔

''سواری اور پھر ٹریفک کی مجبوری درپیش تھی۔ تم کس وقت آ گئے تھے؟''

''میں پونے آٹھ بجے آ گیا تھا۔ نیچے چائے کا ایک کپ پینے کے بعد آٹھ بجنے سے پانچ منٹ پہلے اوپر آ گیا۔''

''وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی بات شروع کر دو۔ زیادہ دیر تک یک جا رہنا ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

وہ ٹی شاپ یا ریستوران میں جانا چاہتا تھا مگر میں نے اس کی وہ فرمائش مسترد کر دی۔

''تم صرف ایڈی کی طرف سے بدظن ہو یا ہم سب کے خلاف ہوگئے ہو؟'' چند ثانیوں تک سوچنے کے انداز میں خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

''تم سب سے بددل ہو گیا ہوتا تو اس وقت یہاں نظر نہ آتا'' میں نے سختی سے جواب دیا ''یہ تم نے کس قسم کی بات چھیڑ دی؟''

''یہ بہت اہم باتیں ہیں، تھوڑی دیر میں تمہیں بھی ان کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ میری گزارش ہے کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو اور میرے چند سوالوں کے جواب دے دو۔''

''مجھے اندازہ ہوتا کہ تم نے مجھے جرح کرنے کے لیے بلایا ہے تو میں اتنی آسانی سے یہاں نہ آتا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟''

''میں تمہارا ذہن پڑھ چکا ہوں کہ تم اپنے قول کے پکے ہو لیکن یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ تم ایڈی سے خوش نہیں ہو۔''

''فون پر میں نے یہ بات کھل کر بتائی تھی۔ یہ تمہاری رائے نہیں، حقیقت ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ میں یہ سب باتیں تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم میری زبان سے ان کا اعادہ کیوں کروانا چاہ رہے ہو، آخر تمہارا مقصد کیا؟''

''بڑے کاموں میں ذاتی پسند اور ناپسند کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ تم میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرو گے'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

''یہ بات بھی طے ہو چکی تھی، تم اسے دہرا رہے ہو۔''

''دہرانا ضروری تھا۔ اس وقت میں تمہیں امریکی فورسز کے خاص کمانڈو ٹروپ کی بایولوجیکل گن دینے والا ہوں جو ایک راز کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ گن دشمنوں کی سرزمین پر تیزترین کمانڈوز ایکشن کے لیے ایجاد کی گئی ہے اور صرف دو مواقع پر کامیابی سے استعمال کی گئی۔ امریکی فورسز سے باہر تم پہلے عام شہری اور غیر ملکی ہو جسے یہ گن دی جائے گی۔ یہ تمہارے پاس میری امانت ہوگی، تم اسے ڈینی کے ساتھ واپس لوٹا دو گے۔''

بایولوجیکل گن کا ذکر سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کچھ عرصے سے اخبارات میں اس قسم کے ہتھیاروں کا ذکر آنے لگا تھا مگر میں نے نک پر کسی حیرت کا اظہار کیے بغیر بے رخی سے پوچھا ''تم اس کی تعریف میں بولے جا رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ میرے پاس اس کا کیا مصرف ہوگا؟''

''یہ بہت مختصر اور خطرناک ہتھیار ہے۔ اختصار سے اسے بی گن کہا جاتا ہے۔ یہ میری جیب میں موجود ہے لیکن تم اندازہ نہیں لگا سکے ہو گے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار موجود ہے۔ اسے فائر کرنے سے ایک خطرناک گیس کی نپی تلی مقدار خارج ہوتی ہے۔ اس کیمیائی گیس کے ایک فائر سے ڈینی کے سارے اعصاب شل ہو جائیں گے۔ وہ سب کچھ دیکھے اور سنے گا، اپنے ہوش و حواس میں رہے گا لیکن زبان سمیت اپنے بدن کے کسی عضو کو جنبش نہیں دے سکے گا۔ دہلی جاتے ہوئے ایڈی یہ بی گن مجھے دینے کے لیے رکا تھا۔ واشنگٹن میں اس خبر نے خوشی اور سنسنی کی لہر دوڑا دی ہے کہ ڈینی ہمارے ہاتھ آنے والا ہے۔ وہ بھیڑیا اور خونی درندہ ہے۔ اس خطرناک آدمی کو

اس کی مرضی کے خلاف کہیں لے جانا آسان نہیں ہوگا۔ تم اسے بی گن سے مفلوج کر کے میرے پاس لاؤ گے تاکہ اس کے فرار کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔''

مہلک لیزر شعاعیں اگلنے والی بیم گن میری جیب میں تھی۔ بی گن وہ دینے والا تھا۔ کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری اور استعمال پر دنیا بھر میں پابندی عائد تھی۔ امریکا ایسے ہتھیاروں کا سب سے بڑا مخالف تھا لیکن نک فخر کے ساتھ کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ وہ کیمیائی گن امریکی کمانڈوز کے زیر استعمال تھی، کسی بھی لمحے میرے پاس بھی آ سکتی تھی۔ اعصاب کو ناکارہ کر دینے والی زہریلی گیس پھینکنے والی وہ بی گن، نک کے بیان کے مطابق دو مواقع پر استعمال کی جا چکی تھی اور اس کے نتائج توقع کے عین مطابق برآمد ہوئے تھے۔ وہ ایک لرزہ خیز انکشاف تھا جو اس میدان میں امریکی منافقت کا مظہر تھا۔

نک نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ رنگ کے بھاری پلاسٹک کا ایک مستطیل نما آلہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اپنے سائز اور ساخت میں وہ گن ٹیلی وژن کے ریموٹ کنٹرول سے مشابہ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس پر کثرت سے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے۔ اس کا نام بی گن تھا لیکن اس کی بناوٹ میں گن یا ہتھیار کا شائبہ تک نہیں تھا۔ میں نے اسے جیب میں رکھنے کے بجائے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس پر صرف دو بڑے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ایک سبز اور دوسرا سرخ رنگ کا تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر تین چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ بناوٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی اس گن کا اگلا حصہ تھا جس سے مہلک گیس کا اخراج ہوتا تھا۔

میں نے جائزہ لیتے ہوئے کسی بٹن کو چھیڑنے کی ہمت نہیں کی، مجھے خوف تھا کہ کہیں بٹن چھوتے ہی گیس نہ نکل پڑے۔

نک بی گن دینے کے بعد چند ثانیوں تک خاموشی اور دلچسپی سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا ''اس پر کسی ہتھیار کا شبہ نہیں ہوتا پھر بھی اسے جیب میں رکھ لو۔ یہ گن سو فیصد پلاسٹک سے بنائی گئی ہے۔ ہتھیاروں کا سراغ لگانے والی مشین یا میٹل ڈی ٹیکٹر اس کا سراغ نہیں لگا سکتے'' اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کی غلطی نہ کرنا۔''

''یہ خود بہ خود تو نہیں چل پڑے گی'' میں نے بی گن کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت یہ لاک ہے۔ دو مرتبہ سرخ بٹن دبانے سے لاک کھل جاتا ہے سبز بٹن روشن ہو جاتا ہے۔ سبز بٹن دبانے سے گن فائر کرتی ہے۔ اس کی رینج پندرہ فٹ تک ہے۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گیس کی دھاریں پھیلنے لگتی ہیں اور ان کے اثرات مرکوز رہنے کے بجائے پھیلنے لگتے ہیں۔''

''یہ ممنوع کیمیائی ہتھیار ہے اور خاصا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ اس گیس کے اعصابی اثرات کتنی دیر تک برقرار رہتے ہیں؟'' اس گن کے بارے میں کوئی تنقیدی بات کہنے کا ارادہ ملتوی کر کے میں نے اپنی معلومات بڑھانے کی کوشش کی۔

''کم از کم بیس گھنٹے'' اس نے وثوق سے کہا ''شکار اعصابی یا جسمانی طور پر کمزور ہو تو یہ مدت بڑھ جاتی ہے۔ ڈینی جیسے صحت مند اور چاق و چوبند آدمی کو یہ اعصابی گیس کم از کم بیس گھنٹوں کے لیے مفلوج کر دے گی۔''

''میں اس نادر تحفے کے لیے تمہارا ممنون ہوں لیکن میری دانست میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے کسی ہتھیار کے بغیر ڈینی کو بے بس یا بے ہوش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے معاملے میں تم لوگ ضرورت سے زیادہ حسّاس اور جذباتی ہو رہے ہو۔''

''ہم دونوں میدان میں ہیں اور پورے حالات سے واقف ہیں۔ میری رائے بھی یہی تھی کہ ہمیں بی گن وغیرہ کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن سوبھراج کی قید سے ویرا کے فرار کی کہانی سننے کے بعد افسرانِ بالا خائف ہو گئے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو ڈینی ہم سب کو جل دے کر آخری لمحات پر غائب ہو جائے گا۔ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کے اندازے غیر تحقیقی اور انتہا پسندانہ ہوتے ہیں۔ یہ اوپر کی ہدایات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے ضرورت سے زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ہاں، یہ تحفہ نہیں ہے۔ ڈینی کے ساتھ تم یہ امانت بھی لوٹا دو گے۔ اسے عارضی طور پر تمہارے تصرف میں دیا گیا ہے۔''

''ڈینی ہم جیسا انسان ہے، کوئی آسیب نہیں ہے جو اس کے لیے ایسے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ وہ کئی دن سے ایک عام قیدی کی طرح میری تحویل میں ہے اور کہیں فرار نہیں ہو سکا۔ تم لوگ کچھ ڈرامائی مزاج کے مالک ہو۔ ان حرکتوں سے تم اپنے مجرم کو بھی ایک ناقابلِ تسخیر ہیرو بنا دیتے ہو۔''

''تم کو ماننا پڑے گا کہ ڈینی کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس نے کئی برس سے ہم سب کو تنگ کیا ہوا ہے۔ وہ کہیں نظر آتا ہے اور پھر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ اب تم کو مان لینا چاہیے کہ تم لوگوں کی پشت پناہی نے اسے بہت دلیر اور بے خوف بنا دیا ہے۔''

''وہ کتنا ہی نڈر ہو چکا ہو، اس وقت میرا قیدی ہے۔''

''اختلاف کی بنا پر تم اس کی تضحیک کر رہے ہو۔ اگر تم شروع سے اس کے دشمن ہوتے تو شاید وہ تمہارے قریب بھی نہ پھٹکتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تم پر بھروسا کرنے کی وجہ سے تمہارے چنگل میں پھنسا ہوگا۔ پیچھا کر کے اسے پکڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ میں اس قسم کے مجرموں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی چھٹی حس خطرات کو پہلے سے سونگھ لیتی ہے اور آڑے وقت میں وہ اپنے سایے پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔''

''چند روز کی بات ہے پھر تم دل کھول کر اس پر ریسرچ کر لینا۔ میں نے ماضی میں اسے تحفظ ضرور فراہم کیا ہے لیکن میں اسے کوئی غیر معمولی آدمی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چیونٹی کو توپ کے گولے سے بھی اڑایا جا سکتا ہے مگر بہتر یہی ہے کہ اسے، اسی کی اوقات کے مطابق ایڑی سے مسل دیا جائے۔''

میری طرف سے ڈینی کے لیے بے رخی اور تنفر کا وہ اظہار ضروری تھا تاکہ نک کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو سکے کہ میں بھی اس کے حریف کا بدترین دشمن تھا۔ اس ڈیل کے بارے میں بی گن کے عارضی انعام تک ان کا اعتماد جیت کر میں نے اپنے منصوبے میں آدھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ بقیہ کامیابی سوبھراج کی واپسی کی صورت میں حاصل ہونے والی تھی۔ جب تک وہ پاکستان نہیں آ جاتا تھا، نک اور کرنل داور کے درمیان اعتماد اور مفاہمت کا رشتہ بحال رہنا ناگزیر تھا۔

''مجھے تم سے پورا اتفاق ہے'' نک نے میری تائید کی ''میں نے یہ بات ایڈی کو بھی سمجھانی چاہی تھی، ایمانداری کی بات یہ ہے کہ میں بی گن جیسا خفیہ ہتھیار تمہارے سپرد کرنے کے حق میں نہیں تھا لیکن وہ مصر رہا۔ وہ امریکا میں جو کچھ طے کر کے آیا تھا، اس کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری تھا۔''

''یہ غیر ضروری مشق تھی جو بہرحال اب پوری ہو گئی'' میں نے سرد مہری سے کہا۔

''اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میری اور تمہاری یہ ملاقات کیوں ضروری تھی؟ میں فون پر بی گن تم تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔''

''تم نے غیر ضروری تجسس انگیزی سے کام لیا۔ تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کوئی چیز مجھے دینا چاہ رہے ہو۔''

''گن کی سپردگی مشروط تھی۔ میں اِتمام حجت کے طور پر ایک مرتبہ پھر یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ کہاں تک مخلص ہو۔ اگر تم اس وقت کوئی غیر یقینی یا اشتباہ آمیز بات کرتے تو میں خاموشی سے گن واپس لے جاتا۔ تمہارے ذہن کو اچھی طرح پڑھے بغیر میں گن کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔''

''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوتا یا اس بارے میں بھی تمہیں کوئی ہدایت دی گئی تھی؟''

''نو!'' اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''یہ ہمارے اندرونی معاملات ہیں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔''

''اس سے پہلے تم کئی ایسی باتوں کا ذکر کر چکے ہو جو تمہارے اندرونی معاملات کے زمرے میں آتی ہیں۔''

''تم ایسی ایک بھی مثال نہیں دے سکتے۔ میں نے ضرورت کے تحت تم سے صرف وہ باتیں کی ہیں جن کا ہم سے مشترک تعلق ہے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا اور فوری طور پر کوئی مثال میرے ذہن میں نہیں آ سکی۔ اس کی ڈھیلی ڈھالی باتوں سے یہ تاثر ملتا تھا کہ وہ بہک رہا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ مجھے گھیرنے کے لیے وہ دانستہ ایسا انداز اختیار کرتا رہا تھا۔

اس وقت تک اس نے اپنی جانب سے چپ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے ایک دو مرتبہ وہ ذکر نکالنے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ میں نک کے ساتھ پائی ہوئی مفاہمانہ فضا کو کسی بھی قیمت پر بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

ابتدائی طور پر ایڈی کے کراچی میں مختصر قیام کے بارے میں میرے ذہن میں خاصے شکوک و شبہات تھے جن میں سب سے قوی نکتہ یہ تھا کہ اسے کرنل داور کے کردار پر شبہ ہو چکا تھا اور وہ مجھ سے ذاتی طور پر مل کر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا مگر اس ملاقات میں وہ بات صاف ہو گئی تھی۔

ڈینی والی ڈیل کوئی پرانی بات نہیں تھی۔ کرنل داور کی طرف سے اس پیشکش بلکہ صحیح ترین الفاظ میں نک کی تجویز پر کرنل کی رضامندی کی خبر امریکا میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ حکام کے لیے بڑی حد تک سنسنی خیز اور دل خوش کن ثابت ہوئی تھی اور انہوں نے اس منصوبے کی تکمیل کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ ڈینی کے ماضی سے خوف زدہ تھے۔ اسے نہ جانے کیا کچھ سمجھتے تھے۔ ان کی دانست میں ڈینی آسانی سے زیر ہونے والا نہیں تھا۔ اپنے اس غیر معمولی حریف کو پوری احتیاط سے اپنی تحویل میں لے کر امریکا لانے کے لیے ہر امکانی تدبیر کا اختیار کیا جانا ضروری تھا۔ انہوں نے ایڈی کو بی گن کے ساتھ پاکستان روانہ کر دیا۔

وہ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں وہ گن نک

کے حوالے کرتا ہوا دہلی کی طرف نکل جاتا۔ کسی کو کانوں کان بھی علم نہ ہوتا کہ وہ لوگ کرنل داور کی تحویل سے ڈینی کے حصول کے لیے کیا تیاریاں کر رہے تھے۔

ایڈی کراچی میں رکا تو اس کے پاس چند گھنٹے کی مہلت تھی اور نک کو گن دینے کے بعد بچنے والے وقت کا کوئی مصرف اس کے سامنے نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوگیا۔ پہلی ملاقات میں اس نے دانستہ گن کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ بی گن میرے ہاتھ میں دینے سے پہلے وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

وہ یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ کرنل داور از خود اسے اپنی کسی کمزوری یا بدنیتی سے آگاہ کر دے گا۔ ایڈی کو جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر اور خفیہ انداز میں کرنا تھا۔ اس نے عجلت میں چپ سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور خاصے بے ڈھنگے طریقے سے چپ میری جیب میں پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔

اپنے مختصر قیام میں وہ کرنل داور پر زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے مانیٹرنگ سسٹم کے ذریعے اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اس سے ملنے کے بعد کرنل داور نے ایس ٹی ایف کے مقامی مرکز کا رخ کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر یہ توقع کر رہا ہوگا کہ کرنل داور اس سے ملاقات کرنے کے بعد اپنے اس ٹھکانے کی طرف جائے گا جہاں اس نے ڈینی کو قید کیا ہوا تھا۔ اپنے مانیٹر پر اسے ڈینی کے قید خانے کی پوزیشن کا علم ہو جاتا تو اس کے جانے کے بعد نک اس ٹھکانے کی نگرانی کر کے مزید معلومات جمع کر سکتا تھا۔

نئے ٹھکانے کے سراغ کے بارے میں اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ چپ مسلسل اسٹیشن فور کی نشاندہی کرتی رہی تو ایڈی نے رات گئے دوبارہ مجھ سے رابطہ کیا۔ اس وقت تک تفصیلات میرے سامنے نہیں تھیں۔ میں نے سرد مہری کے ساتھ اس سے دوسری ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ تیزی سے فیصلہ کرنے والا متلون مزاج آدمی تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ دوسری ملاقات میں میرے ساتھ کیا حرکت کر بیٹھے۔ وہ معاملہ ٹل گیا۔

نک سے گن مل جانے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید ایڈی اسی فرض سے سبک دوش ہونے کے لیے مجھ سے دوبارہ ملنا چاہ رہا تھا، نک کی طرح وہ بھی مجھے پہلے سے کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا اور میں اس کی طرف سے بھڑکا ہوا تھا۔ اگر میں رات کو اس سے مل لیتا تو شاید نک کے ساتھ شیرٹن میں ملاقات کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ایڈی کے ہاتھوں بی گن مجھے مل گئی ہوتی۔

میرے انکار اور ملاقات کے التوا سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ہونے والے کام میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی، جس کا مجھے کوئی ملال نہیں تھا۔

''میں تمہیں کوئی بات بتانے پر مجبور نہیں کر سکتا'' میں نے اس سے کہا ''اپنے معاملات اور مسائل کو تم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔''

''اب تم کو ذہنی طور پر پوری طرح تیار رہنا چاہئے۔ میری سر توڑ کوشش یہ ہے کہ میری یہاں سے روانگی سے پہلے ڈینی کا معاملہ میرے ہاتھوں نمٹ جائے۔ مجھے کسی بھی وقت کامیابی ہو سکتی ہے۔ تمہاری طرف سے دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

''تمہاری گن مل جانے کے بعد زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اکیلا ہی ڈینی کو سنبھال لوں گا'' میں نے اسے سبز باغ دکھایا ''ڈینی کے ہمدردوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس کے معاملے میں، میں کسی کا بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ میرے علاوہ کسی کو اس راز کا علم نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ میں ہی اس کی ضروریات کا خیال رکھ رہا ہوں۔''

''سو بھراج آجائے تو تمہیں اس عذاب سے نجات مل جائے گی'' نک نے میرے شانے پر تھپکی دے کر نیچی آواز میں کہا ''بس تھوڑا سا کٹھن وقت اور گزار لو۔ تمہیں تمہاری محنت کا صلہ مل جائے گا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم نے اپنے راز میں کسی اور کو شریک نہیں کیا۔''

انسان کی فطرت بہت عجیب ہے۔ وہ عام حالات میں بہت ذہین، چالاک اور معاملہ فہم ہوتا ہے لیکن جب اسے اپنی کوئی دلی آرزو بر آنے کی امید ہوتی ہے تو وہ بڑی حد تک عقل وشعور کو پس پشت ڈال کر ہر اس بات پر اعتبار کرنا شروع کر دیتا ہے جو اس کے مفاد میں ہو۔ اپنا مقصد پا لینے کی امید میں وہ بہت بے پروائی سے منفی نکات کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے اور خوش گمانی کی تصوراتی جنت میں رہنا شروع کر دیتا ہے۔

نک بھی اس وقت کم و بیش اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ میری ہر بات پر نکتہ چینی کر سکتا تھا، دو چار اعتراض کر سکتا تھا لیکن ڈینی کو حاصل کرنے کی خوش فہمی میں اس نے ایسے پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہوا تھا۔ وہ میری ہر بات پر یقین کرتا چلا جا رہا تھا۔ میں اسے بے وقوف بنا رہا تھا اور وہ بن رہا تھا۔ اسے سامنے کے حقائق سے سروکار تھا جو اس کی توقعات اور امیدوں کے عین مطابق تھے۔ ان کے پس منظر میں کارفرما عوامل کو اس نے لاشعوری طور پر بھلا دیا تھا۔

''میں نے کوئی صلہ پانے کی امید میں اسے نہیں پکڑا۔

مجھے اس کی خودسری شاق گزرنے لگی تھی۔ تم اس کے بارے میں بات نہ نکالتے تو شاید اس کا انجام برا ہوتا۔''

''فکر نہ کرو۔ اس کا انجام اب بھی برا بلکہ بہت برا ہوگا۔ بس تمہیں اس کے ساتھیوں کی طرف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے مجھے تسلی دینے والے لہجے میں کہا ''ڈینی کی اچانک روپوشی نے انہیں تشویش میں ڈالا ہوا ہوگا۔''

''وہ ان باتوں کے عادی ہیں۔ اپنے چکروں میں وہ کئی کئی دنوں کے لیے گھر سے غائب ہوتا رہا ہے۔ انہیں اطمینان ہوگا کہ اپنا کام پورا کرکے وہ ان کے درمیان لوٹ آئے گا۔ روپوشی طول پکڑ گئی تو وہ ضرور فکرمند ہوں گے۔''

''اس سے پہلے ہی ہر طرف شور مچ چکا ہوگا کہ ایف بی آئی نے کراچی سے ڈینی کو پکڑ لیا۔''

''او کے نک!'' میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس طرف ہاتھ بڑھا دیا ''میں تمہارے پیغام اور سوبھراج کی واپسی کی خبر کا منتظر رہوں گا۔''

''تم چلو۔ میں بعد میں جاؤں گا۔ ہمارا ہوٹل سے ایک ساتھ باہر نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔'' اس نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں اسے الوداع کہہ کر زینوں سے اترا تو میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ نک نے بی گن میرے سپرد کرکے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس وقت تک ان لوگوں کے ساتھ میری حکمت عملی بہت کامیاب جا رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر، کرنل داور کے پھیلائے ہوئے سحر انگیز طلسم میں گرفتار ہو چکے تھے۔

میں ہوٹل سے نکلا تو پورچ میں ایک ٹیکسی سے نوجوان غیر ملکی جوڑا اتر رہا تھا۔ ان دونوں کے اترتے ہی میں ٹیکسی کی پچھلی نشست پر سوار ہوا اور ڈرائیور کو نرسری چلنے کی ہدایت کردی۔

مجھے نک کی طرف سے اپنی نگرانی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ ان روایتی طریقوں پر عمل کرنے کے وسائل رکھتے تو ایڈی کو ایک بڑا خطرہ مول لے کر میری جیب میں چپ ڈالنے کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن پھر بھی میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ٹیکسی میں ہوٹل سے براہ راست گھر جانے کے بجائے نرسری اتر کر وہاں سے دوسری ٹیکسی لینا زیادہ محفوظ تھا۔

اس وقت دھیرے دھیرے کھیل سمٹ رہا تھا۔ جلال اور نک کی طرف سے آنے والی خبروں میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ ان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کی ہم آہنگی بتا رہی تھی کہ اگلے چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے سوبھراج پاکستان واپس آ کر چوہے دان میں پھنس چکا ہوگا۔ اس نازک مرحلے پر میری کوئی بھی کوتاہی ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن سکتی تھی۔

میں گھر پہنچا تو اول خان کی گاڑی پہلے سے گھر کے باہر موجود تھی۔ وہ اپنی تیز رفتار گاڑی میں ہوٹل سے سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

میں ہنستا ہوا اندر داخل ہوا تو اول خان اپنی اصل شکل و صورت میں آ چکا تھا۔ مصنوعی مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور پھولے ہوئے نتھنے اپنی جگہ پر آ چکے تھے۔

''تم نے کمال کا ریڈی میڈ میک اپ کیا تھا۔ سرسری نظروں سے تمہیں پہچاننا مشکل تھا۔'' میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میں قمیص شلوار میں ملبوس ہوں۔ ان تبدیلیوں کے بغیر میں تمہاری ہدایت پر عمل نہیں کرسکتا تھا۔ نک ایک نظر میں مجھے پہچان لیتا اور تمہارے سارے کیے کرائے پر ایک سیکنڈ میں پانی پھر جاتا۔''

''اپنی الجھنوں میں یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ نک تمہیں قریب سے دیکھ چکا ہے۔ دوبارہ سامنا ہوا تو تمہیں پہچان لے گا۔''

''میں نہیں بھولا تھا لیکن تم کو یاد دلانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''یاد دلانا زیادہ بہتر ہوتا۔ اس کام کے لیے تم کسی اور کو بھی بھیج سکتے تھے۔ یہ صرف احتیاطی اقدام تھا۔''

''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''کل ایڈی نے تھوڑی دیر کے لیے تمہاری طبیعت صاف کردی تھی۔''

''وہ الو کا پٹھا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''بات بگڑتی تو وہ میرے ہاتھوں بے موت مارا جاتا۔''

''ہوں......اوں!'' ویرا نے تضحیک آمیز انداز میں ہنکارا بھرا ''یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم شاید جلال کی باتیں بھول گئے۔ سارے امریکی روئے زمین پر بھٹکنے والی مقدس گائیں ہیں۔ انہیں مارنا یا ستانا کارعذاب ہے۔ بھول جاؤ کہ اب تم کسی امریکی کو مار سکو گے۔''

''اپنے منہ آنے والوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا ''ہم گایوں کو پوجنے والے نہیں ہیں، ان کا قیمہ شوق سے کھاتے ہیں۔''

''نک آپ سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔ ویرا کے برعکس وہ بھی سنجیدہ تھی اور اس کی آنکھوں سے تجسس جھانک رہا تھا۔

''کوئی نصیحت نامہ سنانا چاہ رہا ہوگا!'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

میں نے خاموشی سے نک کی دی ہوئی بی گن اپنی جیب سے نکال کر میز پر رکھ دی۔

''میں نے اسے کوئی چیز اپنی جیب سے نکال کر تمہیں دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ کیا ہے؟'' اول خان نے ذرا چونک کر کہا۔

کسی اور کے بڑھنے سے پہلے ویرا ایک کروہ گن اٹھا چکی تھی اور اسے اپنے ہاتھوں میں تولتے ہوئے کہہ رہی تھی ''یہ ڈبا خاصا بھاری ہے۔ کوئی وائرلیس ٹرانسمٹر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بناوٹ کچھ نامانوس سی لگ رہی ہے۔''

''یہ اعصاب کو مفلوج کرنے والی کیمیائی گیس خارج کرنے والی گن ہے۔'' میں نے انہیں آگاہ کیا۔

''یہ کیمیکل گن تمہیں کیوں دی گئی ہے؟'' ویرا نے گن کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''ڈینی کو اسی سے مفلوج کر کے نک کے پاس لے جانا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ان سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دینا چاہیے۔'' ویرا شوخی سے بولی ''پتا نہیں تم نے انہیں کیا گھول کر پلایا ہے کہ وہ تمہاری ہر بات پر ایمان لا رہے ہیں اور تمہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھ بیٹھے ہیں۔''

''تم میں اور ڈینی میں یہی فرق ہے۔ تم انٹرویو لینے گئی تھیں تو سوبھراج نے تمہیں گروی رکھ لیا تھا۔'' سلطان شاہ بولا ''لاؤ! ذرا یہ گن مجھے دے دو۔ میں بھی دیکھوں کہ یہ کیا بلا ہے۔ میں اپنی زندگی میں پہلا کیمیائی ہتھیار دیکھ رہا ہوں۔''

''تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ چار برس کے بچے ہو نا!'' ویرا نے طنز کرتے ہوئے گن اسے تھما دی۔

وہ باری باری گن کا جائزہ لیتے رہے اور میں نے اس کے بارے میں نک سے حاصل کی ہوئی معلومات کا خلاصہ انہیں سنا دیا۔

''گن کا امتحان لینا چاہیے۔ اس کے لیے کوئی بلی مناسب رہے گی۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ویرا اس تجویز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ''بل...... بلی! جانتے ہو کہ بلی پکڑنے کے چکر میں ایک پادری لہولہان ہو گیا تھا۔ بلی پکڑنا آسان کام نہیں ہے۔''

''تم نے پھر پادری کا ذکر کیا!'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں کسی کی تضحیک نہیں کر رہی۔ ایک واقعہ ہے۔ بلی کے بارے میں اپنے ایک معتقد کا اعتراف سن کر پادری کو بھی......''

''خاموش رہو!'' میں نے اسے دوبارہ آنکھیں دکھائیں ''میں اس وقت کوئی بیہودہ بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو نہ سنو لیکن یہ بتا دوں کہ تمہارے تجربے کے لیے بلی ملنی محال ہے۔''

''بلی ضروری نہیں ہے۔ تجربہ کسی بھی جان دار پر کیا جا سکتا ہے۔'' غزالہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سادگی سے متبادل تجویز پیش کر دی۔

''یہاں ہم پانچوں کے سوا صرف دو جان دار ہیں جو اوپر آرام کر رہے ہوں گے۔ آٹھواں جان دار کہاں سے لاؤ گی۔'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''یہ کام وہی دونوں کریں گے۔'' اول خان نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ کی تجویز نے اس سمیت ہر ایک کو متاثر کیا تھا۔ اس گن کو کہیں بھی استعمال کرنے سے پہلے اس کے اثرات کا تجربہ کرنا ضروری تھا۔

''تم نک کی باتوں پر بھروسا کر رہے ہو اور مجھے اس گن پر شک ہے۔'' اول خان کے چلے جانے کے بعد ویرا نے کہا۔

''شک ہے تو وہ ذرا سی دیر میں دور ہو جائے گا۔'' غزالہ بولی۔

''اس سے اعصاب کو مفلوج کرنے والی گیس بھی خارج ہوتی ہوگی۔ میں دوسری بات کر رہی ہوں......''

''دوسری نہیں، تم چاہو تو تیسری اور چوتھی بات بھی کر سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لیکن ذرا جلدی کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''نک نے اس گن کے خواص بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیے ہیں۔ ڈینی کا ذہن ان سے متاثر معلوم ہو رہا ہے۔''

''ایک جدید ترین ہتھیار سے مجھے متاثر ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم نے یہ باتیں خاص طور پر دہرائی ہیں کہ یہ بی گن امریکی فوج کے خفیہ ہتھیاروں میں شامل ہے۔ ان کے کمانڈوز نے صرف دو مہمات میں اسے استعمال کیا ہے۔ تم نے یہ غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ نک کو یہ ساری باتیں تم کو بتانے کا کیا مقصد تھا۔''

''ہم دونوں کے درمیان دوستی کی فضا استوار ہو چکی ہے۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اس نے بتا دیا۔''

''ایف بی آئی کا فوج سے کیا واسطہ؟ ایک اہم اور خفیہ

ہتھیار کے بارے میں نک کو بیٹھے بٹھائے کہاں سے معلومات حاصل ہو گئیں۔''

''سراغ رسانی کے اداروں کے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔ اس نے کسی طرح کچھ جان لیا ہوگا۔''

اسی وقت اول خان کسی جانور کی فراہمی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر لوٹ آیا۔

''تم مانو یا نہ مانو۔ میرا اندازہ ہے کہ کل تک نک کے فرشتوں کو بھی بی گن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس نے تمہیں وہ سبق سنایا ہے جو ایڈی نے اسے رٹایا تھا۔ ایڈی نے اسے حکم دیا ہوگا کہ نک گن دینے کے ساتھ ساتھ وہ تمام باتیں تمہیں سنا دے تاکہ تمہارے ذہن میں گن کی اہمیت جاگزیں ہو جائے اور تم اسے اپنے سینے سے لگا کر ہر وقت ساتھ لیے پھرتے رہو۔ وہ دونوں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔''

ویرا کے ان فقروں سے اول خان کے لیے بات کو سمجھنا دشوار نہیں رہا تھا۔ اس نے حیرت سے کہا ''ان باتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔''

''ایف بی آئی والے ڈفر نہیں ہیں۔ وہ جو نک بن کر کرنل داور کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔ ڈینی کو بے بس کرنے کے ہزار طریقے ہو سکتے تھے۔ اسے بے ہوش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے امریکا سے خاص طور پر ایک گن کراچی بھجوانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اور وہ گن بھی ایسی ہے جو خود ایف بی آئی والوں کے استعمال میں نہیں ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ ویرا کا ہم خیال نظر آیا تھا۔

میں خود بھی اس بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ میں نے نک سے کئی سوال کیے تھے۔ اس نے اپنے ایک ہی جواب سے میرے سب سوالوں کو نمٹا دیا تھا کہ امریکا میں بیٹھے ہوئے افسران ڈینی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے تھے اور اس کے بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اس وقت وہ بات وہیں ختم ہو گئی تھی لیکن ویرا نے اپنی باتوں سے میرے شبہات دوبارہ تازہ کر دیے تھے۔ میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں ویرا سے کہا ''تمہاری باتیں بے بنیاد نہیں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ نک کی دی ہوئی گن کے بارے میں تم کیا سوچ رہی ہو۔''

''کل ایڈی نے چپکے سے تمہاری جیب میں چپ ڈالی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''آج نک نے تمہیں یہ گن تھما دی۔ اس میں کچھ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔''

''یہ ٹھوس پلاسٹک نہیں ہے۔ گن کی کسی خالی جگہ میں چپ چپکی ہوئی ہو سکتی ہے۔'' غزالہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ بدنیت لوگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں ریموٹ کنٹرول سے کام کرنے والا کوئی ایسا خفیہ سرکٹ موجود ہو جو نک کے ایک اشارے سے اس گن کو تباہ کر دے......!''

''اوہ خدا!'' اول خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ گن تباہ ہو گی تو اس میں محفوظ ساری گیس کرنل داور کے تنفس کے ذریعے اس کے جسم میں پھیل جائے گی۔ ایسی زہریلی گیسیں زیادہ مقدار میں استعمال کی جائیں تو مہلک ثابت ہوتی ہیں۔''

''چپ کی موجودگی کا سراغ کیسے ملے گا؟'' سلطان شاہ نے پوچھا۔

''یہ آسان کام ہے۔'' اول خان نے اسے اطمینان دلایا ''اسٹیشن فور پر میرا آدمی اپنے اپریٹس سے چیک کر کے ذرا سی دیر میں اس کا پتا چلا لے گا۔ وہ اپریٹس آسانی سے الیکٹرانک سگنل کا سراغ لگا لیتا ہے۔ سرکٹ کے بارے میں مجھے معلوم کرنا پڑے گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''آپ اپنی دانست میں انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں اور وہ آپ کو گھیرنے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ یک طرفہ مقابلہ نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ پر چوکنے ہیں۔'' غزالہ پُر تشویش لہجے میں بولی ''اب وہ ہر صورت میں آپ پر نظر رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کشمکش کا کیا انجام ہوگا۔''

''نک کے ارادے بھیانک نظر آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈینی کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد کرنل داور کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔'' ویرا نے بے رحمانہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''جب تک ڈینی ان کے ہاتھ میں نہیں آتا، کرنل داور محفوظ رہے گا۔''

''یہ گن تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔'' میں نے اول خان سے کہا ''اسے دیکھو کہ اس میں کیا ہے اور اسے اسٹیشن فور پر ہی پڑا رہنے دو۔ ہمیں اس مشتبہ ہتھیار کو خود سے دور رکھنا چاہیے۔ پتا نہیں کب نک کے دماغ میں فتور آ جائے۔''

''اسے لے جانے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لو کہ اس میں موجود گیس کے اثرات کیا ہیں۔'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔

ابرار شاید سلطان شاہ کے اس مشورے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنی بغل میں ایک غراتی ہوئی بلی کو دبائے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ایس ٹی ایف والے عجیب جناتی خواص کے مالک تھے۔ انکار اور ناکامی کے الفاظ ان کی لغت سے خارج تھے۔ ان سے جو کچھ کہا جاتا تھا اس پر بہت سرعت سے عمل کیا جاتا تھا۔ میں ویرا کی اس رائے سے متفق تھا کہ بلی پکڑنا آسان کام نہیں تھا لیکن ابرار نے ذرا سی دیر میں وہ مشکل کام بھی کر دکھایا تھا۔

بلی بہت صحت منداور جارح تھی۔ ابرار کو اس کے سر اور پنجوں کو قابو میں رکھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ بلی اس کی گود میں رہتی تو اندیشہ تھا گیس ابرار کو بھی متاثر کرے گی۔ اس کے پیر باندھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا گیا۔ سب کی توجہ نئے تجربے پر مرکوز ہو چکی تھی۔

نک کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنے کے نتیجے میں سبز بٹن روشن ہوا اور میں نے چیختی چلاتی ہوئی بلی کے رخ پر گیس فائر کر دی۔ وہ گیس بے رنگ اور بے بو تھی۔ فضا میں کچھ نظر نہیں آیا۔ گن میں شوں کی ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ سبز بٹن دبتے ہی گیس کی مقررہ مقدار کا اخراج ہوا تھا۔

قالین پر تڑپتی اور غراتی ہوئی خون خوار بلی لحہ بھر میں ساکت ہو گئی۔ وہ منظر دیکھ کر ابرار کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ میں نے ایک بے زبان جانور کو موت کے گھاٹ کیوں اتار دیا تھا۔

فضا میں گیس کے اثرات کی موجودگی کے خوف سے چند ثانیوں تک ہم سب اپنی جگہوں پر ٹھٹکے رہے پھر سلطان شاہ نے پہل کی اور آگے بڑھنے کے بعد اعلان کیا کہ بلی زندہ تھی۔ اس کا سانس چل رہا تھا، آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن جسم بالکل ساکت تھا۔

بقیہ افراد نے بھی جھک کر بلی کا جائزہ لیا۔ سب کے چہروں سے اطمینان ظاہر ہو رہا تھا کہ نک کی بتائی ہوئی کم از کم ایک بات درست ثابت ہو گئی تھی۔

''اب یہ کافی دیر تک بے ضرر رہے گی۔ اسے اٹھا کر چھت پر لے جاؤ اور خیال رکھو کہ یہ کتنی دیر بعد اٹھ کر اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہوتی ہے۔'' اول خان نے ابرار سے کہا۔

''اسے بے چارے کو یہ سزا نہ دو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''یہ بلی بیس گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔ یوں ہی بے سدھ پڑی رہے گی۔''

''خوفناک ہتھیار ہے۔'' غزالہ جھرجھری لے کر بولی ''کیسی بے بسی ہے کہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود اس کا شکار کچھ نہیں کر سکتا۔''

''دکھ کی بات ہے کہ تمہاری قوم اپنے دشمنوں کے لیے ایسے ہتھیاروں کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر گہرے تاسف کے ساتھ کہا ''یوں مفلوج کرنے سے بہتر ہے کہ سر یا دل میں ایک گولی مار کر دشمن کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے۔''

''قسمت نے ساتھ دیا تو میں یہ گن نک پر ضرور استعمال کروں گا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''ڈینی اس کے سپرد کیا جائے گا اور نہ یہ گن واپس جائے گی۔'' ویرا نے میرے ہاتھ سے گن لے کر تحقیر آمیز لہجے میں اپنے عزم کا اظہار کیا ''جن کی ایجاد ہے، اب یہ انہی لوگوں کے خلاف استعمال ہوتی رہے گی۔ اس کی لائف کتنی ہے۔''

''لائف کے بارے میں، میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا۔ یہ انہیں واپس نہیں کی جائے گی اور ہمارے کام بھی نہیں آئے گی۔ گن کے بارے میں اپنے شبہات ظاہر کر کے تم نے اس کی افادیت بالکل ختم کر دی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ کچھ وقت صرف ہوگا اور ہر بات سامنے آ جائے گی۔ اس میں کوئی سسٹم موجود ہے تو اسے ناکارہ کر دیا جائے گا۔ یہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' اول خان نے امید افزا انداز میں کہا۔ میں نے ویرا سے گن لے کر لاک کی اور اول خان کی طرف بڑھا دی۔

ابرار میرے ہاتھوں مفلوج ہونے والی بلی کو اٹھا کے لے جا چکا تھا۔

☆☆☆

میں نے کبھی سوبھراج کو دیکھا تھا نہ اس سے ملا تھا لیکن میں نے مختلف زاویوں سے لی گئی، اس کی اتنی تصاویر دیکھی تھیں کہ مجھے توقع تھی کہ میں اسے دیکھتے ہی پہچان لوں گا۔ میں اطمینان سے قائداعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ کی نچلی منزل پر بین الاقوامی پروازوں کی آمد والے لاؤنج کے سامنے، ایک پلاسٹک بینچ پر بیٹھا سگریٹیں پھونک رہا تھا اور میری بے چین نگاہیں بار بار اس الیکٹرانک بورڈ کا جائزہ لے رہی تھیں جس پر دنیا بھر سے پروازوں کی آمد کا تازہ ترین شیڈول کھٹا کھٹ کی ہلکی آوازوں کے ساتھ بار بار تبدیل ہو رہا تھا۔

جلال نے رات کے دو بجے فون کر کے مجھے اس پرواز کی تفصیلات سے آگاہ کیا تھا جس سے سوبھراج کراچی کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ بنکاک سے اس کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ سوبھراج ہوٹل سے چیک آؤٹ کر کے اپنے مختصر اسباب سمیت ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

سوبھراج کے کراچی پہنچتے ہی میرا اس سے ٹکرانے کا کوئی

ارادہ نہیں تھا۔ میں شام کو اس سے راج محل میں ملنے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن اس سے پہلے میں اپنی نظروں سے اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت ائر پورٹ پر میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ آئی بی کے آدمی بھی آنے والے مہمان کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔

مجھے جلال کی زبانی یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا محکمہ سوبھراج کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ جب تک سوبھراج اور اس کی قیام گاہ کو دی ہوئی مراعات کی تنسیخ عمل میں نہ آتی کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ جلال کا ہوم ورک مکمل تھا۔ وہ پہلے سے مراعات ختم کرا دیتا تو سوبھراج پاکستان واپسی کا ارادہ منسوخ کر دیتا۔ اسے بے خبر رکھنے کے لیے جلال نے طے کیا ہوا تھا کہ اس کے پاکستان لوٹنے کے بعد سارا عمل تیزی سے مکمل کیا جائے۔

اس پس منظر میں آئی بی کے افراد کی موجودگی غیر موثر تھی۔ وہ ایک تماشائی کی طرح سوبھراج کو آتا ہوا دیکھتے، راج محل تک اس کی گاڑی کا پیچھا کرتے اور اپنے کسی بڑے کو رپورٹ دے کر واپس چلے جاتے۔ میری بھی کم وبیش وہی پوزیشن تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تماشا دیکھنے کے دوران کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کی صورت میں، میں کسی سے رجوع کیے بغیر اپنے فیصلے آزادی سے کر سکتا تھا۔

میری نظریں اس ہال کے دروازے پر مرکوز تھیں جس سے گزر کر مسافر باہر آتے تھے۔ اس وقت ہال خالی پڑا ہوا تھا۔ اندر عملے کے اِکّا دُکّا افراد چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے کیونکہ ائر پورٹ پر آخری بین الاقوامی پرواز کو آئے ہوئے کم از کم تین گھنٹے ہو چکے تھے اور سارے مسافر کسٹم کے مراحل سے نمٹ کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

اچانک پشت سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور میں بھڑک کر بینچ سے اٹھ گیا۔ میں خشمناک تیوروں کے ساتھ پلٹا تو سلطان شاہ میرے پیچھے کھڑا، میری بوکھلاہٹ پر مسکرا رہا تھا۔

''ٹی شاپ کی طرف ذرا رونق ہے۔ میں پورا چکر لگا کر آیا ہوں۔'' اس نے دھیمی آواز میں مجھے اطلاع دی۔

''وہاں کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ نے اس وقت رونق کا لفظ کسی اور مفہوم میں استعمال کیا تھا۔

''سنیل پرکاش اپنے دو آدمیوں کے ساتھ کاؤنٹر پر کھڑا چائے پی رہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''مجھے توقع تھی کہ وہی اپنے آقا کو لینے آئے گا۔''

''وہ تمہیں دیکھ کر چونکے گا۔'' سلطان شاہ نے خدشہ ظاہر کیا ''تم کرنل داور کے روپ میں راج محل جا کر اس سے مل چکے ہو۔''

''وہ ادھر نظر آیا تو میں خود اس سے مل لوں گا۔ یہ ائر پورٹ ہے۔ ضروری نہیں کہ یہاں ہر ایک سوبھراج کے چکر میں آیا ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس کی موجودگی سے مجھے باخبر کر دیا۔ چائے پی کر وہ اسی طرف آئے گا۔''

اچانک مجھے سڑک کی طرف سے ایک سفید فام امریکی بے پروایانہ انداز میں اندر آتا ہوا نظر آیا۔ وہ دراز قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا، چہرے سے سفاک نظر آ رہا تھا۔ اس کے سر کے بال فوجی انداز میں ترشے ہوئے اور بہت چھوٹے تھے۔ میری نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔

وہ مسافروں کے انتظار میں کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے کسی مست اور مغرور سانڈ کی طرح گزرتا ہوا سیدھا بورڈ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے کچھ دور رک کر بورڈ پر نظریں دوڑائیں اور اپنے بائیں شانے پر لٹکے ہوئے مختصر سے بیگ کو پشت پر جھٹک کر واپس ہو لیا۔

جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس اس سفاک صورت امریکی کی آمدورفت کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ پروازوں کی آمد کا متوقع وقت دیکھنے کے لیے اس وسیع وعریض برآمدے میں داخل ہوا تھا۔

میری نظروں کے تعاقب میں سلطان شاہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں کہا ''ذرا دیکھو کہ یہ کہاں جا رہا ہے۔ پرواز آنے میں دس منٹ رہ گئے ہیں۔ تم پارکنگ میں رک کر میرا انتظار کرنا۔''

ایسے مواقع پر سلطان شاہ کسی چوں وچرا کے بغیر نہایت سعادت مندی کا ثبوت دیتا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ امریکی کے پیچھے ہو لیا۔

اس دوران میں دو خواتین میری چھوڑی ہوئی بینچ پر قابض ہو چکی تھیں۔ میں ان سے دور ہٹ کر خود کار زینوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔

سوبھراج کی آمد کے موقع پر ائر پورٹ کی حدود میں ایک مشتبہ امریکی کی موجودگی نے مجھے متفکر کر دیا تھا اور بے اختیار میرا ذہن ایڈی کی طرف بھٹک گیا تھا جس نے سوبھراج سے خود نمٹ لینے کی بات کی تھی۔ اگر وہ درشت رو امریکی برآمدے میں آ کر رک گیا ہوتا تو شاید میں وہاں موجود دوسرے لوگوں کی طرح اسے بھی نظر انداز کر دیتا لیکن میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ وہ باہر رک کر کسی آنے والے

مسافر کا منتظر تھا۔ پرواز لیٹ ہونے کی وجہ سے مضطرب ہو کر برآمدے میں آیا اور نیا وقت دیکھ کر دوبارہ باہر چلا گیا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری طرح وہ بھی سوبھراج کی آمد کا انتظار کررہا ہو۔

پھر مجھے سامنے والی بھیڑ میں سنیل کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی ساری توجہ ہال کی طرف مرکوز تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اس نے بھی میری طرف دیکھا۔ لمحہ بھر کے لیے ہماری نظریں چار ہوئیں پھر اس نے منہ پھیر کر مجھ سے بچ نکلنے کی کوشش کی مگر میں نے تیزی سے بڑھ کر اسے جالیا۔

''اوہو...... کرنل صاحب!'' میرے پکارنے پر اس نے پلٹ کر یوں کہا جیسے اس نے مجھے اسی وقت دیکھا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے مشکل سے اپنی بات مکمل کی ''آپ یہاں کیسے؟''

''ایک دوست کو لینے کے لیے آیا ہوں۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا اور پوچھا ''تم یہاں کیا کررہے ہو؟''

''مم...... میں بس ایسے ہی آ...... آ گیا۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے دقت سے کہا پھر اپنے آدمیوں پر برسا ''یہاں کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ آگے جاؤ۔ میں کرنل صاحب سے بات کرکے آتا ہوں۔''

وہ دونوں راج محل کے نچلے درجے کے ملازم معلوم ہورہے تھے۔ سنیل کی گھرکی سن کر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

سنیل نے ان کے جانے تک زبان بند رکھی۔ میدان صاف ہوتے ہی وہ میرے قریب ہو کر رازدارانہ آواز میں بولا ''شاید راج صاحب اگلی فلائٹ سے آنے والے ہیں۔ میں ان کو لینے آیا ہوں۔''

''اوہ! اس میں اتنی رازداری کی کیا بات ہے!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''صاحب! کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی یہ خبر سختی سے چھپائی گئی ہے۔ یہ راج صاحب کا حکم ہے۔''

''حیرت ہے کہ سوبھراج کو لینے کے لیے تم اکیلے آئے ہو......'' میں طنز کرتے کرتے اچانک رک گیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ اس نے سوبھراج کے ساتھ اپنی بیوی کے غیر اخلاقی مراسم کی بات کرنل داور کو نہیں، ڈینی کو بتائی تھی۔ بتائی بھی کیا تھی، اسے غلط فہمی کے تحت مجبور ہو کر اعتراف کرنا پڑا تھا۔

''بہت سے لوگ آتے مگر میں نے راج صاحب کے حکم کے مطابق کسی کو خبر نہیں دی۔'' اس نے میری ادھوری بات کو مکمل سوال سمجھ کر جواب دیا ''سب سے پہلے تو اخبار والے ہی یہاں گھس آتے۔ ابھی میرے اور ان دونوں نوکروں کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔''

''جاؤ اور اپنے مالک کا انتظار کرو۔ انہیں میرا اسلام کہہ دینا۔ وہ آرہے ہیں تو میں شام کو ان سے ملنے کے لیے راج محل آؤں گا۔'' میں نے جان بوجھ کر سوبھراج کے لیے ایسے احترام آمیز صیغے استعمال کیے تھے جو راج محل میں کرنل داور کے معذرت خواہانہ رویے سے میل کھاتے تھے۔

''میں آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

''ان کے لیے تم وی آئی پی لاؤنج کے بجائے یہاں کیوں بھٹک رہے ہو؟'' جاتے جاتے میں نے اس سے وہ چبھتا ہوا سوال پوچھ لیا جس کا جواب مجھے معلوم تھا۔

''وہ اپنے لاؤنج سے آتے تو خبر تیزی سے شہر میں پھیل جاتی۔'' اس نے یوں کہا جیسے وی آئی پی لاؤنج سوبھراج کی آبائی ملکیت ہو ''وہ عام مسافروں میں گھل مل کر آرہے ہیں تاکہ بات نہ پھیلے اور انہیں سکون سے یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا وقت مل جائے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میں شام کو ان سے ملے بغیر راج محل سے نہیں لوٹوں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے ہاتھ ہلایا اور وہ یوں بھاگا جیسے میں اسے دوبارہ روک لوں گا۔

سوبھراج کی متوقع آمد کی وجہ سے ائرپورٹ کی رونق خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ کئی فریق وہاں جمع ہو چکے تھے اور سب ایک دوسرے کی موجودگی سے بظاہر بے خبر تھے۔ سنیل اس بھیڑ کا پہلا آدمی تھا جس سے میری بات چیت ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے ائرپورٹ پر میری موجودگی کا ذکر سن کر سوبھراج کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر کار بورڈ پر ایک سطر کے آگے لکھے ہوئے ہندسے جلنے اور بجھنے لگے۔ ایک گھنٹے کی تاخیر سے سوبھراج کا طیارہ پاکستان کی سرزمین پر لینڈ کر چکا تھا۔

مسافروں کا انتظار کرنے والوں کی بھیڑ میں ہلچل شروع ہوگئی۔ مسافروں کو طیارے سے اتر کر ادھر ٹرمینل کی مرکزی عمارت میں امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ کر کسٹم ہال تک آنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا لیکن لوگوں کی بے صبری قابل دید تھی۔ بعد کی پروازوں کے انتظار میں آئے لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے لیکن پھر بھی ریلنگ کے ساتھ خاصا ہجوم جمع تھا۔

طیارہ لینڈ کرنے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد باہر آنے والے پہلے تین مسافروں کی ٹکڑی میں طوطے کی چونچ کی طرح

مڑی ہوئی ناک والا سوبھراج بھی شامل تھا۔ ان تینوں کے پاس دستی سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس کے انتظار میں انہیں اندر رک کر اپنا وقت برباد کرنا پڑتا۔ ان میں سے دو تھائی باشندے تھے۔ سوبھراج اکلوتا مقامی تھا۔

اس کے کرتوت کالے اور قابلِ نفرت تھے مگر مجھے اپنے دل ہی دل میں یہ مان لینا پڑا کہ وہ خبیث بہت وجیہہ اور شان دار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے دروازے سے نکلتے ہی سنیل نے ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے اہلکاروں کی ڈانٹ پھٹکار کی پروا کیے بغیر، کسی پشتینی غلام کی طرح دوڑ لگا کر سوبھراج کے ہاتھ سے اس کا ٹرالی بیگ اور دوسرا سامان لے لیا اور ریلنگ کے باہر کھڑے ہوئے دونوں ملازموں کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عجیب لمحات تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ سوبھراج اتنی آسانی کے ساتھ پاکستان واپس آ چکا تھا۔ اس کی غدارانہ حرکتوں کی وجہ سے میں اس کے خون کا پیاسا تھا۔ اس وقت وہ چند قدموں کے فرق سے میری دسترس میں تھا لیکن جب تک اس کی مراعات ختم نہ ہوتیں، وہ ایک بہت بڑا بت تھا۔ اس پر ہاتھ اٹھانے والے کو وہ سودا بہت مہنگا پڑ سکتا تھا۔

وہ ایک عام مسافر کی طرح خاموشی سے پاکستان آیا تھا۔ اصولی طور پر اسے عام پارکنگ لاٹ سے راج محل کی طرف روانہ ہونا تھا۔ ان لوگوں کے آگے بڑھ جانے کے بعد میں نے بھی خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور برآمدے سے نکلتا چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ ائرپورٹ سے سیدھے راج محل جائیں گے۔ مجھے گاڑی نکالنے میں کوئی دیر سویر ہو جاتی تو میں سیدھی اور طویل شارع فیصل پر تیز رفتاری کا مظاہرہ کر کے انہیں راستے میں کہیں بھی پکڑ سکتا تھا۔ میرے لیے اس وی آئی پی کی خاموشی سے روانگی کا تماشا دیکھنا زیادہ اہم ہو گیا تھا۔

سنیل مودب انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سوبھراج کے ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں ملازم ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ دن کے اجالے میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اپنی تمام تر شان اور مردانہ وجاہت کے باوجود اس وقت سوبھراج کے چہرے پر فکر و تشویش کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس کے بشرے پر پائی جانے والی ان علامات میں سفر کی تکان کا کوئی عنصر شامل نہیں تھا۔

وہ چاروں جس پارکنگ بے میں داخل ہوئے وہاں سے میری گاڑی زیادہ دور نہیں تھی۔ ان کا کارواں ایک سیاہ مرسڈیز کے پاس رک گیا۔ میں نے پارکنگ کے متصل حصوں

کے درمیان بنی ہوئی مختصر سی دیوار کو عبور کیا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا جہاں سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔

''میں نے دیکھ لیا۔ تم ان کو کار تک پہنچا کر آئے ہو۔'' سلطان شاہ نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا ''وہ امریکی اکیلا نہیں ہے۔ اس کا اسی جیسا ایک بدمعاش ساتھی بڑی موٹر سائیکل لیے، پارکنگ کے آخری حصے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں اب بھی وہیں ہوں گے۔''

''وہ وہاں کیا کر رہے ہیں!'' میں نے غیر ارادی طور پر، تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''وہ ایسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں جہاں سے وہ باہر جانے والی ہر گاڑی پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ موٹر سائیکل کی وجہ سے انہیں پارکنگ کا کوئی مسئلہ ہے نہ ان کی ہیوی موٹر بائیک کسی کے لیے رکاوٹ بن رہی ہے......''

میں تیزی سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر بیٹھا اور بولا ''تیزی سے نکلو۔ کافی دیر سے اس کی صورت میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ وہ دونوں پکے میرین کمانڈوز ہیں اور سوبھراج کے پیچھے جائیں گے۔ راستے میں جہاں بھی موقع ملے، سائیڈ مار کر انہیں گرادو۔''

سلطان شاہ نے گاڑی ریورس کر کے پارکنگ بے سے باہر نکالی تو سیاہ مرسڈیز کی جگہ خالی ہو چکی تھی۔ اعلیٰ ذات کا سوبھراج اپنے نیچ ذات کے تینوں نوکروں کو ساتھ لے کر وہاں سے اپنے گھر کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

ہمیں دور ہی سے مرسڈیز پارکنگ چیک پوسٹ سے پہلے بنے ہوئے اسپیڈ بریکر پر رینگتی ہوئی نظر آ گئی۔ دیوہیکل، سیاہ موٹر سائیکل اپنے دو سفید فام سواروں کے ساتھ مرسڈیز سے چند گز دور چل رہی تھی۔

ہمارے باہر نکلنے تک مرسڈیز برق رفتاری سے کافی دور نکل چکی تھی۔ غراتی ہوئی موٹر سائیکل اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

''وہ خطرناک حد تک مرسڈیز کے قریب ہیں۔ سنیل اور سوبھراج نے انہیں دیکھ لیا ہوگا۔'' سلطان شاہ بڑبڑایا۔

''وہ دونوں اُلو کے پٹھے ہیں۔'' میں نے دانت پیس کر کہا ''سمجھ رہے ہوں گے کہ نک نے ان کے لیے محافظ بھیجے ہیں۔ تم رفتار کیوں نہیں بڑھاتے؟''

''میرا پیڈل پائیدان کو چھو رہا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں بے بسی عود کر آئی ''یہ گاڑی مرسڈیز کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ وہ بہت تیز جا رہے ہیں۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ مرسڈیز اور سیاہ موٹر سائیکل کا درمیانی فاصلہ کافی بڑھ چکا تھا۔ اچانک موٹر سائیکل سڑک پر لہرائی، اس کی رفتار بڑھی۔ ہوا کے دوش پر اس کے طاقت ور انجن کی غضب ناک غراہٹ ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پلک جھپکتے میں موٹر سائیکل، مرسڈیز کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔

ائرپورٹ کو شارع فیصل سے ملانے والی طویل اور کشادہ سڑک پر ہمارے آگے صرف وہی گاڑیاں رواں تھیں۔ ہم ان سے کافی پیچھے تھے۔ سائیڈ مار کر موٹر سائیکل کو گرانے کا خواب مجھے ادھورا رہتا نظر آ رہا تھا۔ موٹر سائیکل کا انجن بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ ہماری گاڑی کے لیے اس تک پہنچنا محال تھا۔

''یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں!'' اچانک سلطان شاہ حیرت اور خوف سے ہکلایا۔

موٹر سائیکل سواروں نے اپنی رفتار بڑھا کر بہت خطرناک انداز میں مرسڈیز کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ مرسڈیز لہرائی اور اس کی بریک لائٹس جل اٹھیں۔ اس کی رفتار کم ہوتے ہی سیاہ موٹر سائیکل، مرسڈیز کے برابر میں آ گئی۔ سنسنی اور بے یقینی کے انداز میں میری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔

بس چند لمحوں کے لیے، سڑک کے انتہائی بائیں کنارے پر دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ دوڑتی رہیں۔ ان کی رفتار سست ہو چکی تھی۔ اچانک موٹر سائیکل کی طرف سے پے در پے کئی شعلے مرسڈیز کی کھڑکیوں کی طرف لپکے اور مرسڈیز کچے میں اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ سے ٹکرا گئی۔

وہ سب چشم زدن میں ہو گیا۔ فائر بے آواز تھے لیکن ان کے نتیجے میں ابھرنے والی انسانی چیخیں دلدوز تھیں۔

موٹر سائیکل یکایک ہوا ہو گئی۔ اپنا کام کر کے وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے آگے نکلتے چلے گئے تھے۔

میرے ذہن نے بہت تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت خطرناک صورت احوال تھی کہ سوبھراج پر پاکستان پہنچتے ہی قاتلانہ حملہ ہو گیا تھا۔ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ موٹر سائیکل پر آنے والے دونوں سفید فام پیشہ ور کمانڈوز تھے۔ وہ دن کے اجالے میں نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ سوبھراج اور اس کے ملازموں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا کر فرار ہو گئے تھے۔ ایڈی نے جو کچھ کہا تھا وہ نک نے سچ کر دکھایا تھا۔

اس بھیانک واردات کی منصوبہ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ سارے شکوک و شبہات سرکاری ایجنسیوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف منتقل ہوتے تھے۔ ملک بھر میں کوئی بھی اس کہانی پر آسانی سے یقین نہ کرتا کہ سوبھراج کی

مرسڈیز کو دو غیر ملکیوں نے نشانہ بنایا تھا۔ سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ اس ہولناک واردات کے چشم دید گواہ صرف ہم دونوں تھے۔ سلطان شاہ اپنی شہادت کے ساتھ سامنے آ سکتا تھا نہ میں منظر عام پر آ کر اپنی زبان کھول سکتا تھا۔ اس بارے میں زبان کھولنے کا مقصد یہ ہوتا کہ ہم خود کو تفتیشی اداروں کے حوالے کر دیتے۔ گواہی، شہادت اور بیانوں کے چکر میں ہم منظر عام پر آ جاتے تو ہمارے بے خوف دشمن کسی بھی وقت ہمیں مار سکتے تھے۔

اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تباہ ہونے والی مرسڈیز کے پاس رکنے کا تھا۔ فائرنگ چلتی ہوئی موٹر سائیکل سے کی گئی تھی مگر فائرنگ کرنے والے اناڑی نہیں تھے۔ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ چاروں سواروں میں سے کون کون مارا گیا تھا اور کون زندہ بچا تھا۔

سوبھراج کے معاملے میں میری حیثیت ایک فریق کی تھی۔ گاڑی اور لاشوں کے پاس میری موجودگی میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ بہتر راہ یہی تھی کہ میں انسانی ہمدردی کے سارے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر تیزی کے ساتھ جائے واردات سے اتنی دور نکل جاؤں کہ کوئی میرے اوپر انگلی نہ اٹھا سکے۔

مرسڈیز اور اس کے سواروں کا متوقع انجام دیکھ کر سلطان شاہ نے فوری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا شروع کی تھی کہ میں نے اضطراری طور پر اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ”رکنے کی ضرورت نہیں۔ رفتار بڑھا کر سیدھے نکلتے چلے جاؤ۔ پیچھے آنے والے انہیں دیکھ لیں گے۔“

”ان چاروں میں سے کوئی بھی نہیں بچا ہوگا۔ رکنے والوں کو مرسڈیز میں صرف خون آلود لاشیں نظر آئیں گی۔“ سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ تھوڑی دیر میں ساری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”یہ لرزہ خیز واقعہ تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امریکیوں کے سینے کے بند اتنے کھل چکے ہوں گے۔ ایک پرائے ملک میں چلتی سڑک پر انسانوں کو یوں بھون ڈالنا بہت دل گردے کی بات ہے۔ وہ دونوں قاتل اپنے انجام سے بالکل بے خوف تھے۔“ اس وقت تک ہم جائے واردات سے آگے نکل چکے تھے۔

”پشت پناہی مضبوط ہو تو اس سے بھی زیادہ سفاکی کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ کام پورا

انتظار

”تم چھٹیاں گزارنے مری کب جا رہے ہو؟“
”میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اپنے پڑوسی خاور صاحب کو مستعار دیا تھا۔ ان سے ان کے پڑوسی جمال صاحب مانگ کر لے گئے۔ جمال صاحب سفر سے واپس آئے تو ان سے سوٹ کیس ان کے پڑوسی راشد صاحب مانگ کر لے گئے۔ سوٹ کیس میرے پاس واپس پہنچ جائے تبھی میں پروگرام بنا سکوں گا۔“

کر کے وہ ایک دفعہ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ گئے تو کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ برق رفتار موٹر سائیکل اس مہم میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ سڑک پر دور دور تک ان کا پتا نہیں ہے۔“

”وہ ہزار سی سی کی دو سلنڈروں والی موٹر بائیک تھی۔ وہ اسے سڑک پر اڑاتے ہوئے لے گئے ہوں گے۔“ سلطان شاہ نے بتایا۔

”تم نے اس کا نمبر بھی نوٹ کیا تھا؟“ میں نے چونک کر سوال کیا۔

”دور سے دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔“

”وہ پورا شہر عبور کر کے ائر پورٹ آئے اور واپس چلے گئے۔ کسی نے ان کو نہیں روکا۔“ میں نے تلخی سے کہا ”یہ ہے ہمارے نظام کی خرابی بڑی موٹر سائیکل گورے دوڑا رہے تھے اس لیے کسی ٹریفک افسر نے کسی قانونی خامی پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کسی سال خوردہ ہنڈا ففٹی کے نمبر مٹے ہوئے ہوں تو اس کی کتاب لے کر چالان کاٹ دیا جاتا ہے کیونکہ اسے کوئی پاکستانی چلا رہا ہوتا ہے۔“

”یہ نظام سے زیادہ ذہنیت کی خرابی ہے۔ ائر پورٹ پر پولیس، ٹریفک پولیس اور ائر پورٹ سیکیورٹی فورس کا بھاری عملہ مامور رہتا ہے۔ سب نے ان بدمعاش گوروں کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا ہوگا۔ سب سے زیادہ ذمے داری پارکنگ فیس لینے والوں کی تھی۔ وہ پرچی پر گاڑی کا نمبر ڈالتے ہیں۔ پتا نہیں بغیر نمبر والی وہ موٹر سائیکل پارکنگ ایریا میں کیسے پہنچ گئی۔ اسے تو پہلی چیک پوسٹ پر روک کر پولیس کے حوالے کر دیا جانا چاہیے تھا۔“ سلطان شاہ نے مایوسی اور جھنجلاہٹ

کے ساتھ کہا۔

''یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہو چکی ہیں، سانپ گزر گیا۔ اب لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ گھر جا کر میں سب سے پہلے نک سے بات کروں گا۔ سوبھراج کے سلسلے میں اتنی زیادہ تیزی دکھا کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں۔''

''فی الحال، اسے نہ چھیڑو تو بہتر رہے گا۔ سوبھراج کی ہلاکت کی تصدیق ہوتے ہی وہ خود تمہیں تلاش کرے گا۔''

سلطان شاہ کی وہ رائے بہت مناسب تھی۔ مجھ سے رابطہ ہوتے ہی نک کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ میں کب ڈینی کو اس کے حوالے کر رہا ہوں۔

جلال، سوبھراج کے معاملے میں پوری طرح سرگرم تھا۔ مجھے امید تھی کہ سوبھراج کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے باوجود اس نے دور سے سوبھراج کی دیکھ بھال کے لیے اپنے آدمیوں کو ائرپورٹ بھیجا ہوگا۔ وہ عام لوگوں میں شامل ہو کر مرسڈیز اور اس کے چاروں سواروں پر ٹوٹنے والی قیامت کی تفصیل حاصل کر کے جلد از جلد جلال کو اپنی رپورٹ سے مطلع کر دیتے لیکن اول خان اس معاملے میں بالکل تاریکی میں تھا۔

وہ میرے ساتھ ائرپورٹ جانے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ ہمارے گھر پہنچ گیا تھا لیکن باہمی مشورہ کے بعد اس نے خود یہ بات تسلیم کر لی ائرپورٹ پر اپنے فرائض انجام دینے والے، متعدد ایجنسیوں کے افسران اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ جبکہ میرے ساتھ کسی معروف آدمی کا جانا فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن سکتا تھا۔

وہ خوش دلی کے ساتھ گھر پر رک کر میرا انتظار کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس مہم کے نتائج سنسنی خیز نہ ہوتے تو میں گھر واپس جا کر اسے ساری تفصیل بتا دیتا لیکن سوبھراج کے پاکستان پہنچتے ہی حالات نے جو ڈرامائی موڑ لیا تھا وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ اول خان کو فوری طور پر باخبر کیا جائے۔

میں نے ہوا کے شور میں کمی کرنے کے لیے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ چڑھایا اور اول خان کا موبائل نمبر ملانا شروع کر دیا تاکہ وہ جہاں بھی ہو، اس سے وہیں رابطہ قائم ہو سکے۔

اول خان فون کی پہلی گھنٹی پر ہی لائن پر آ گیا۔

''کہاں ہو...... کیا خیر خبر ہے!'' میرے کان میں اول خان کی چہکتی ہوئی آواز آئی ''تمہارا مہمان کہاں ہے۔''

وہ اس تاثر میں تھا کہ اس روز میرا سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے ائرپورٹ سب کچھ معمول کے مطابق رہا ہوگا۔ اپنے دشمن اور ملک کے غدار کی واپسی کا منظر دیکھ کر میں نے گھر کی راہ لے لی ہوگی ان بے ضرر امکانات نے اسے ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز کیا ہوا تھا۔

''اسے ائرپورٹ سے گھر پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ وہ تین ملازموں کے ساتھ تھا۔ راستے میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اس کی گاڑی تباہ ہو چکی ہے۔''

''اوہ......'' وہ بے ساختہ آواز اول خان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی ''اس وقت تم کہاں ہو؟''

''میں گھر آ رہا ہوں۔ جائے واردات کا رخ کرنا خطرناک تھا۔ ذرا یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان میں سے کوئی زندہ بچا ہے یا چاروں مارے جا چکے ہیں۔''

''یہ حملہ کرنے والے کون لوگ تھے؟'' اس خبر نے اول خان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''نک کے بھیجے ہوئے کمانڈوز تھے۔ پورا واقعہ ہمارے سامنے پیش آیا ہے۔ تفصیل گھر آ کر بتاؤں گا۔ تم کسی آدمی کو ائرپورٹ کی طرف بھیج دو۔'' میں نے ذہنی انتشار کے عالم میں جواب دیتے ہوئے اسے تاکید کی۔

''میں ابھی بندوبست کرتا ہوں۔'' اس نے بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔

فون بند کر کے میں نے تھکے ہوئے انداز میں گاڑی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ مرسڈیز کے سواروں کے غیر متوقع انجام پر میرا ذہن ماؤف سا ہونے لگا تھا۔

سلطان شاہ خاموشی اور تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں مصروف تھا۔ لمحہ بہ لمحہ ہم اپنے گھر سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

میرے ذہن پر طاری ہونے والی اس تھکی اور خوابناک سی کیفیت کا تسلسل فون کی گھنٹی نے توڑ دیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو اس وقت ہماری گاڑی راشد منہاس روڈ سے گزر رہی تھی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔ اس کی آواز بالکل سرد اور سپاٹ تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

''یہ کیا کیا تم نے؟'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔

اسے معلوم تھا کہ میں سوبھراج کے استقبال کے لیے ائرپورٹ جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ شاید اس کے آدمیوں نے ائرپورٹ کی حدود میں مجھے دیکھ لینے کے بعد اسے اطلاع دے دی ہوگی کہ میں سوبھراج کے بارے میں اپنے پروگرام پر عمل پیرا تھا۔

جلال اسے قانون کی گرفت میں لینے کی فکر میں تھا۔ میں سوبھراج جیسے غدار اور موذی کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے ایسے کسی بکھیڑے میں پڑنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ جلال کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر اور پہلی فرصت میں اس موذی کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔

یہ بدقسمتی تھی کہ جب نک کے بھیجے ہوئے سفاک کمانڈوز نے سوبھراج کی مرسڈیز میں سفر کرنے والوں پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس گاڑی کے پیچھے میں موجود تھا۔ ہمارے پیچھے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں جائے واردات پر رکے بغیر سیدھا نکلتا چلا گیا۔ آئی بی کے آدمیوں نے ہمارے نکل جانے کے بعد مرسڈیز اور اس میں سوار لوگوں کا حشر دیکھا ہوگا تو فوری طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ ان کا کام ہم نے تمام کیا تھا۔

وہ ایک اہم واقعہ تھا۔ ان لوگوں نے فوری طور پر جلال کو سوبھراج اور اس کے ملازمین کے عبرت ناک انجام سے آگاہ کر دیا۔

وہ راستے میں رونما ہونے والے واقعات کا صرف ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ میں نے آپس کی باتوں میں کھل کر یہ عندیہ دیا تھا کہ اگر جلال نے سوبھراج کے ملک سے دوبارہ فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں تو میں اس مردود کو اپنے وعدے کے مطابق دو دن کی مہلت ضرور دوں گا۔ وہ پاکستان لوٹ آنے کے بعد چوہے دان کا قیدی ہو جاتا۔ ان دو دنوں میں اگر وہ نک، ٹام اور را والوں سے مکمل طور پر قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کو کوئی رعایت دینے کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔

مجھے قوی امید تھی کہ را اور ایف بی آئی والے اپنے پالے پوسے ہوئے اس غدار سے آسانی سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ وہ ان کا آلہ کار بنا رہے گا اور دو روز کی مہلت گزر جانے کے بعد میں اپنی مرضی کے مطابق اس کا شکار کھیل سکوں گا۔

وہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متصادم تھیں۔ اپنے آدمیوں کی رپورٹ سننے کے بعد جلال اس منطقی نتیجے پر پہنچا تھا کہ میں نے دو دنوں تک صبر کرنے کے بجائے، جوش میں آ کر فوری طور پر اسے جہنم واصل کر دیا تھا۔

جلال کا وہ چبھتا ہوا سوال اس کی اسی سوچ کا مظہر تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد جلال سے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''ہائیں...... تو پھر وہ کون لوگ تھے؟'' میرے جواب نے جلال کو حیران کر دیا۔

''میرے ساتھ سلطان شاہ بھی اس واقعے کا عینی شاہد ہے۔ مرسڈیز پر دو سفید فاموں نے گولیاں چلائی تھیں......''

''تم نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟'' جلال نے میری بات درمیان سے کاٹ کر بے اعتباری سے سوال کیا۔

''مائی ڈیئر جلال! اس وقت تم کہاں ہو!'' میں نے ہلکی سی تادیبی آواز میں کہا ''عینی شاہد اسی کو کہتے ہیں جس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہو۔''

''تمہیں کچھ اندازہ تو ہوا ہوگا۔ وہ دونوں سفید فام کون تھے؟''

''ان دونوں میں سے ایک کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ امریکی نژاد تھے۔'' میں نے اسے بتانا شروع کیا ''ان کے بال بہت باریکی سے اور فوجی انداز میں ترشے ہوئے تھے۔ دونوں کے بشرے سے سنگ دلی بلکہ سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ پہلے سے ائرپورٹ پر سوبھراج کی گھات لگائے بیٹھے تھے۔''

''حیرت ہے کہ انہوں نے تمہارے سامنے ان پر گولیاں چلائیں اور تم سے بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے!''

''سوبھراج کو لینے کے لیے طاقت ور مرسڈیز کار آئی تھی۔ ہم اس کی رفتار کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ ہم سے کافی آگے نکل گیا تھا۔''

''میں سوبھراج کی نہیں، ان دونوں حملہ آوروں کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ دونوں خبیث تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے!'' میں نے کہا۔

''جب تم نے انہیں نوٹ کر ہی لیا تھا تو پھر انہیں کوئی موقع نہیں دینا چاہیے تھا۔ وہ کس گاڑی میں تھے......''

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور جواب دیا ''وہ لوگ عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ انہوں نے ساری منصوبہ بندی بہت ہوشیاری سے کی ہوئی تھی۔ اپنے فرار

کی راہ صاف رکھنے کے لیے انہوں نے چار پہیوں والی کسی سواری کے بجائے ایک طاقت ور موٹر سائیکل استعمال کی تھی۔ سلطان شاہ کا خیال ہے کہ اس کا دو سلنڈروں والا انجن ہزار سی سی سے کم نہیں رہا ہوگا۔ مرسڈیز پر وار کرتے ہی وہ ایسی تیز رفتاری سے فرار ہوئے کہ آناً فاناً میں ان کا سراغ ختم ہوگیا۔''

''یہ تو کمانڈوز کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ مارو اور تیزی سے بھاگ نکلو۔'' جلال کی متفکرانہ آواز ابھری۔

''تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ وہ کمانڈوز ہی تھے۔ ہمارے پاس کوئی بہترین گاڑی ہوتی تب بھی ہم انہیں نہیں پکڑ سکتے تھے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نک کے آدمی تھے۔ وہ اپنے غدار سے خود بدلہ لینے کا عزم کیے بیٹھا تھا۔ اسے سوبھراج کے پورے پروگرام کا علم تھا۔ اس نے ایک طرف سوبھراج کو واپسی پر مجبور کیا اور دوسری طرف اپنے مسلح کمانڈوز ائرپورٹ پر بھیج دیے۔ اس کا منصوبہ بے داغ تھا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔''

''کیوں؟'' میں نے اس کے آخری فقرے پر بری طرح چونک کر پوچھا۔

''ابھی سوبھراج کا وقت پورا نہیں ہوا۔''

''میرے لیے جلال کے وہ الفاظ وحشت انگیز تھے۔ میں نے اضطراری لہجے میں کہا ''رک کیوں گئے؟ کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ سوبھراج کہاں ہے۔''

''کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں ہوگا۔'' جلال کی آواز سے مایوسی مترشح تھی ''میرے آدمیوں کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق سنیل راج محل کے دو ملازمین کے ساتھ اپنے آقا کے استقبال کے لیے آیا تھا۔ سوبھراج سمیت وہ کل چار نفوس تھے جو ائرپورٹ کے لاؤنج سے پارکنگ لاٹ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی مرسڈیز کی پچھلی سیٹ پر دونوں ملازمین کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ اگلی نشستیں بھی خون آلود ہیں لیکن سوبھراج اور سنیل کا کہیں پتا نہیں ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو!'' میں بے ساختہ بول پڑا۔

''یہ حقیقت ہے۔ سوبھراج پر اوچھے وار کے نتائج بہت بھیانک ہوسکتے ہیں۔'' جلال کی آواز بوجھل تھی ''میں سمجھ رہا تھا کہ یہ غلطی تم سے سرزد ہوئی ہے۔ اگر وہ حملہ نک کے بھیجے ہوئے کمانڈوز نے کیا تھا تو ان کی کارکردگی شرمناک تھی۔''

''مرسڈیز اور موٹر سائیکل۔ دونوں گاڑیاں خاصی رفتار سے دوڑ رہی تھیں۔ ایک چلتی ہوئی موٹر سائیکل سے دوسری دوڑتی ہوئی گاڑی میں بیٹھے ہوئے افراد کو تاک کر نشانہ بنانا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے جائے واردات کے منظر کو اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے کہا ''ایک بار نشانہ خطا ہونے کے بعد پلٹ کر اس کا ازالہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کیونکہ فائرنگ ہوتے ہی مرسڈیز سڑک سے اتر کر درختوں سے ٹکرا گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بوکھلاہٹ میں اسٹیئرنگ ہی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہو۔''

''بات قابل فہم ہے۔ دوسری مجبوری یہ بھی تھی کہ تمہاری گاڑی ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ رکتے یا پلٹتے تو تم لوگوں سے ان کا آمنا سامنا ہونا ضروری تھا۔ ان کے منصوبے میں ایسی کسی کوشش کی گنجائش نہیں تھی۔''

''یہ تو ان سے بڑی چوک ہوگئی ہے۔''

''نک نے اپنا منہ کالا کیا ہے۔'' ریسیور پر جلال کی متاسفانہ آواز ابھری ''وہ لوگ اسے آسانی سے مار سکتے تھے لیکن یہ مغرور اور متکبر ہیں۔ انہیں اپنی قوت پر گھمنڈ ہے کہ ان کا کیا ہوا ہر کام یقینی طور پر درست ہوگا۔''

''اب راج محل کی خبر لو۔ وہ جائے واردات سے بھاگ کر سیدھا اپنے گھر گیا ہوگا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''میں نے وہ گاڑی نہیں دیکھی۔ میرے آدمیوں کا کہنا ہے کہ اگلی سیٹیں تازہ خون سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں مرے نہیں تو بری طرح زخمی ضرور ہوئے ہوں گے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسی حالت میں وہ وہاں سے کیسے غائب ہوگئے۔''

''موت کی دہشت بہت بری ہوتی ہے۔ سوبھراج نے حملہ کرنے والوں کو دیکھتے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ اب اس کے... سرپرست اس کے لہو کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ وہ اپنی ساری قوت مجتمع کرکے وہاں سے نکل گیا۔''

''نکل گیا لیکن بچ کر جائے گا کہاں۔'' جلال کی آواز حسرت آمیز غصے سے مغلوب ہوگئی۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کسی کو راج محل کی طرف دوڑا دو۔ ایسی ابتر حالت میں وہ اپنے گھر کے سوا اور کہیں نہیں جاسکتا۔''

''میرے آدمیوں کا جائے واردات پر رکنا خطرناک تھا۔'' جلال کی مضمحل آواز ابھری ''یہ سارا پلاٹ بہت مکاری کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ وہ وہاں رکے رہتے تو سوبھراج پر قاتلانہ حملے کا الزام ان ہی کے سر ڈال دیا جاتا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے راج محل کی طرف چلے جائیں۔''

''یہ بدترین اور اعصاب شکن خبر ہے کہ وہ زندہ بچ گیا!''

''میرے حساب سے اسے زندہ رہنا چاہیے تھا۔'' جلال کی آواز دھیمی اور تفکر آمیز تھی۔ ''اس جیسے غداروں کو سسک سسک کر جینا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کے لیے عبرت کا کچھ سامان پیدا کرسکیں......''

''یہ درست ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''اسے بدترین خوف وہراس کے عالم میں زندہ رہنا چاہیے تھا لیکن اس پر حملہ کرنے کی حماقت کی گئی تھی تو پھر اسے جہنم واصل ہوجانا چاہیے تھا۔ قاتلانہ حملے میں بچ نکلنے سے اس کی ڈوبتی ہوئی ساکھ کو زبردست سہارا ملے گا۔''

''وہ اپنی مظلومیت کا ڈھونگ رچا کر کوئی طوفان کھڑا کرسکتا ہے۔''

''اس کا سب سے زیادہ نقصان تمہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اپنی کوششوں کے مناسب نتائج حاصل نہ ہوں۔''

''کن کوششوں کی بات کررہے ہو؟'' جلال کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس وقت اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

''اس کی مراعات کے خاتمے اور وارنٹ کے اجرا کی بات کررہا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''ناکام قاتلانہ حملے سے یہ دونوں کام واقعی متاثر ہوں گے۔ وہ سیاسی حلقوں میں خاصا اثر ورسوخ رکھتا ہے۔ اپنے ہمدردوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوجائے گا کہ کچھ طاقتیں اسے ہر قیمت پر سیاسی منظر سے ہٹانے پر تل گئی ہیں۔''

''میرا مدعا بھی یہی تھا۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''میں ابھی ان لوگوں کی مکاری کی بات کررہا تھا جو درمیان میں ادھوری رہ گئی۔'' جلال نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ''نک کے بھیجے ہوئے آدمی اپنا کام کرکے بھاگ گئے۔ نک یہ جانتا ہے کہ اس وقت تم سوبھراج کی راہ پر لگے ہوئے ہو۔ سوبھراج کے کیس میں ہماری اور دوسری ایجنسیوں کی دلچسپی بھی اس سے مخفی نہیں ہوگی۔ ان میں سے جو بھی مرسڈیز والوں کی مدد کے لیے وہاں رکا، وہ بے موت مارا جائے گا۔ یہاں کے حالات ایسے ہوچکے ہیں کہ اس حملے کا الزام اسی ایجنسی کے سر آجائے گا۔''

''میرے ذہن میں اندیشہ موجود تھا۔ اسی لیے میں ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں رکا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''غنیمت ہے کہ میں نے بھی بروقت اپنے آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا کررہے ہوں گے۔''

''اس وقت سب کو دور رہ کر تماشا دیکھنا چاہیے۔''

''یہ وقت صرف پولیس کے آگے آنے کا ہے۔'' اس بارے میں جلال کا ذہن بالکل صاف تھا۔ ''ایسے معاملات سے وہی لوگ نمٹتے ہیں۔ وردی والوں کی دخل اندازی کی صورت میں کسی الزام تراشی کی نوبت نہیں آسکے گی۔''

''وردی والوں کی بات نہ کرو۔'' میں نے اس کے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کی نیت سے پُرمزاح انداز میں کہا ''وردی والوں کی اصطلاح فوج کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس کیس میں صرف پولیس کا نام آنا چاہیے۔ شہر میں ہونے والے ہر حادثے کی چھان بین ان ہی لوگوں کی ذمے داری ہوتی ہے۔ وہ روٹین میں خود دیکھیں گے کہ مرسڈیز کے بقیہ دو سوار کہاں غائب ہوگئے۔''

''جب تک سوبھراج کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل جاتی، میں ذہنی پراگندگی کا شکار رہوں گا۔ کاش! وہ حرام زادہ سیدھا راج محل ہی گیا ہو۔''

''تو کیا وہ کہیں اور بھی جاسکتا ہے؟'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''زخم کھایا ہوا ناگ اپنے بل میں واپس نہیں جاتا......''

''وہ ناگ نہیں، ایک انسان ہے۔ اپنی دانست میں ابھی تک معزز اور معتبر بنا ہوا ہے۔ اسے شاید تمہاری کوششوں کی سن گن بھی نہ ملی ہو۔ حملہ آوروں کو دیکھ کر اگر اس نے یہ رائے قائم کرلی کہ کسی وجہ سے نک اس کی جان کا دشمن ہوگیا ہے تو پھر وہ یہاں کے قانون کی پناہ لینے کی کوشش کرے گا۔ اپنے رابطوں کو تیزی سے حرکت میں لانے کے لیے راج محل اس کا بہترین ٹھکانا ثابت ہوسکتا ہے۔ راج محل کی چاردیواری میں اسے آسانی سے نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔''

''خدا کرے کہ تمہارے اندازے درست ثابت ہوں۔''

''میں منتظر رہوں گا۔ کہیں سے کوئی بھی خبر ملے تو مجھے بلاتاخیر آگاہ کرنا۔''

''شاید تم ابھی تک راستے میں ہی ہو!'' میں نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

''سلطان شاہ نے ابھی گاڑی راشد منہاس روڈ سے یونیورسٹی روڈ پر موڑی ہے۔ چند منٹ بعد ہم گھر پہنچ جائیں گے پھر میں وہی رہوں گا۔''

''میں خود بھی نکل رہا ہوں۔ میدان میں اترے بغیر

حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا۔ تھوڑی دیر بعد صورت حال واضح ہو جائے گی۔''

''کیا وہ بچ گیا؟'' موبائل فون پر جلال سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''نہ صرف بچ گیا بلکہ جائے حادثہ سے سنیل سمیت غائب ہے۔'' میں نے فکرمندانہ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔

جلال کے ذریعے ملنے والی وہ خبر واقعی فکروتشویش کا باعث تھی۔ اس وقت تک ہماری حکمتِ عملی یہ رہی تھی کہ سوبھراج کو اپنے خلاف ہونے والی درونِ پردہ تیاریوں کی بھنک نہ مل سکے تاکہ وہ پوری بے فکری کے ساتھ پاکستان واپس آنے کا پروگرام بنا سکے۔

اس کی بنکاک سے واپسی تک اسے صرف یہ معلوم تھا کہ میں ڈینی کے روپ میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے اس دشمن سے خائف ضرور تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ میں زیرِ زمین ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کھل کر کوئی قدم نہیں اٹھا سکوں گا جو کچھ کروں گا قانون سے بالاتر ہو کر اچانک کر گزروں گا۔

اپنے اس خوف کے ازالے کے لیے اس نے مجھ سے ایک سمجھوتا کر لیا تھا جس کی رو سے اسے پاکستان آنے کے بعد دو روز تک چھوٹ ملنی تھی۔

اس نے واپسی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی دانست میں ہر خطرے کا سدِباب کر لیا تھا۔ پجیرو والا معاملہ ذرا پیچیدہ تھا لیکن اسے یقین رہا ہوگا کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس معاملے کو دبانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

ان تمام احتیاطی تدابیر کے بعد اس نے بہت خاموشی اور راز داری کے ساتھ، ایک عام مسافر کے بھیس میں پاکستان واپس آنے کا فیصلہ کیا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ کراچی کے ہوائی اڈے پر یا وہاں سے واپسی پر اسے کوئی خطرہ درپیش ہوگا۔

وہ اپنی جانب سے ہر پیش بندی کرنے کے بعد کراچی آیا تھا لیکن راستے میں وہ واقعہ پیش آ گیا جو اس کے کیا، میرے بھی سان و گمان میں نہیں تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج ایک ذہین مجرم تھا۔ وہ عقل سے عاری ہوتا تو اپنی زیرِ زمین سرگرمیوں کے سہارے پاکستانی سیاست میں کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے پاتا۔ اپنے اس صبر آزما سفر میں کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتا اور اپنا سارا بھرم کھو بیٹھتا۔

وہ نہ جانے کتنی مدت سے بھارتی اور امریکی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہا تھا لیکن کسی کو اس کے جرائم کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ حد یہ ہے کہ جلال جیسا زیرک اور باخبر سرکاری افسر بھی اپنی ناک کے نیچے پروان چڑھنے والے اس سیاسی بدمعاش کے سیاہ کرتوتوں سے یکسر بےخبر رہا تھا۔

سوبھراج سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ مرسڈیز پر فائرنگ کرنے والے، موٹر سائیکل سواروں کی صورتیں دیکھ لینے کے بعد بھی صورت احوال کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام رہا ہو۔ سفید فام امریکی کمانڈوز کے چہرے دیکھتے ہی اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ کن لوگوں کے ناگہانی عتاب کی زد میں آیا ہوا تھا۔

وہ ایک پوشیدہ محاذ تھا۔ اپنے امریکی دشمنوں کا تعین کر لینے کے بعد سوبھراج کے دل میں مقامی قانون اور دشمنوں کا کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ منطقی طور پر اسے راج محل کی محفوظ چار دیواری میں پہنچ کر محصور ہو جانا چاہیے تھا۔

وہ وہاں رہتا تو ہم ریاستی طاقت کے بل بوتے پر کسی بھی وقت اس کی گردن ناپ سکتے تھے۔ شرط صرف اتنی تھی کہ اس کو ملی ہوئی مراعات کا خاتمہ ہو جاتا۔

سلطان شاہ میرا ہم خیال تھا۔ اس کی رائے میں سوبھراج کے بارے میں جلال کی فکرمندی غیر ضروری تھی۔

گھر پر اول خان بہت اچھے موڈ میں ویرا سے فلیش سیکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ غزالہ ان کے ساتھ بیٹھی، دلچسپی سے یہ کھیل دیکھ رہی تھی۔

ہمارے گھر پہنچتے ہی اول خان نے سارے کارڈ ملا دیے اور ہنستے ہوئے بولا ''اپنے مہمان کو گھر پہنچا کر آئے یا اس کی صورت دیکھ کر لوٹ آئے۔''

''امریکی بہت منتقم مزاج ہیں.....'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات شروع کی تھی کہ ویرا نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''منتقم مزاج ہونے کے ساتھ وہ کینہ پرور بھی ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نک کے آدمی بھی سوبھراج کے استقبال کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔''

''پتا نہیں تم دوسروں کی بات کاٹ کر اپنی قابلیت بگھارنے پر کیوں تلی رہتی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''ڈینی کی پوری بات سن لینے میں کیا حرج تھا۔''

''ویرا اس سے الجھنے کے بجائے خلافِ توقع مسکرا دی اور بولی ''سوری! ہاں تو تم اس کے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟''

اس کا تخاطب مجھ سے تھا۔ میں نے بہت اختصار سے

سوبھراج کا واقعہ دہرا دیا۔
''اچھا ہوا کہ وہ آپس میں ٹکرا گئے۔'' غزالہ نے بے ساختہ کہا ''اب آپ کو سوبھراج سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ دور سے اس کا تماشا دیکھتے رہیں۔''
''مجھے حیرت ہے کہ امریکی کمانڈوز ایسے نکمے ہوگئے ہیں کہ ان کے نشانے بھی خطا ہونے لگے ہیں۔'' ویرا بولی ''ان کی ایک گولی نشانے پر لگتی اور سوبھراج کا قصہ ہمیشہ کے لیے نمٹ جاتا۔ اب وہ ہوشیار ہوگیا ہے۔ اس پر دوسرا وار کرنا اتنا آسان نہیں رہے گا۔''
''کمانڈوز ہوں یا عام فوجی، ان کو صرف ان کا جذبہ لڑاتا ہے۔'' غزالہ نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''کوئی واضح قومی مقصد سامنے... ہو تو یہ لوگ محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں۔ پرائی سرزمین پر بے مقصد خوں ریزی کرتے ہوئے ان کے ذہنوں کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں احساسِ جرم ضرور موجود ہوتا ہے جو انہیں لے ڈوبتا ہے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہر قیمت پر اپنا مشن پورا کرنے کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔''
''یہ بحث بے کار ہے۔'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''اصل بات اتنی سی ہے کہ نک کی طرف سے کیا گیا ایک وار ناکام ہوگیا۔''
''اب نک کو اس پر دوسرا وار کرنے کا شاید ہی موقع مل سکے۔'' ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔
''تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ اب ہم دور رہ کر تماشا دیکھیں گے۔ اس کو ٹھکانے لگانے کا سارا بوجھ اب ہمارے کندھوں پر ہے یا پھر جلال اسے سنبھالے گا۔''
''حیرت ہے کہ نک نے اتنی عجلت سے کام لیا!'' غزالہ شا نے اچکا کر بولی۔
''یہ لوگ ہر وقت اپنے دشمنوں کو یہ باور کرانے کے چکر میں رہتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، اسے پوری قوت اور سرعت سے عملی جامہ پہنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' ویرا نے بے پروایانہ انداز میں وضاحت کی ''سوبھراج کا یہ قصور ناقابلِ معافی تھا کہ اس نے مجھے پکڑ لینے کے باوجود، اپنی حماقت سے کھو دیا اور نک وغیرہ کو آخر تک کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دی۔''
''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' کچھ دیر کی فکر انگیز خاموشی کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔
''ابھی میرا ذہن ماؤف ہے۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ''اس واقعے سے مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا ہے۔ سوبھراج کے بارے میں کہیں سے کوئی تازہ ترین خیر خبر ملے تو آگے کچھ سوچا جائے گا۔''
''خبر کیا آئے گی۔ راج محل کے سوا اور کہاں جا سکتا ہے۔''
''میرا بھی یہی اندازہ ہے لیکن مجھے اس کی تصدیق کا انتظار ہے۔''
''تصدیق بھی ہو جائے گی۔ تمہیں اپنا ذہن بنا لینا چاہیے۔ نک کی ناکامی کے بعد سوبھراج کو ڈھیل دینا خطرناک ثابت ہوگا۔''
''میں تمہاری ہم خیال ہوں۔'' ویرا بولی ''اسے جتنی زیادہ مہلت ملے گی، اسے اندازہ ہوتا چلا جائے گا کہ وہ چاروں طرف سے کیسے سنگین خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف سے مایوسیوں کا اندھیرا پھیلتا نظر آئے گا تو وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا لے گا۔''
''تمہاری دانست میں اس کا انتہائی قدم کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے ویرا کی طرف تکتے ہوئے پُر خیال لہجے میں پوچھا۔
''وہ پاکستان سے بھاگ سکتا ہے۔'' ویرا کے پاس جواب تیار تھا۔
''تم بھول رہی ہو کہ جلال نے اس کا اور سنیل کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کروانے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
''ایسی فہرستیں صرف شرفا کی راہ روک سکتی ہیں۔ مجرمانہ ذہن رکھنے والے اور جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایسی فہرستوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اس نے کوئی فیصلہ کر لیا تو پھر چپکے سے سرحد پار نکل جائے گا۔ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''
''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی تائید کی ''قانون ایسے لوگوں کی راہ نہیں روک سکتا۔ پاکستان میں شراب کی درآمد پر سخت پابندی ہے لیکن دیکھ لو کہ ویرا کو چور بازار سے ہر برانڈ کی شراب بہ آسانی مل جاتی ہے۔ جب ایسی چیزیں ملک میں آ سکتی ہیں تو انسانوں کا باہر جانا کیا مشکل ہے۔ انسانی اسمگلنگ کی مقامی اور بین الاقوامی خبریں آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔''
اول خان بے ساختہ ہنس پڑا ''تم کو ہر بات میں ویرا کی مثال ضرور نظر آتی ہے۔ اس وقت اس کی شراب کا کیا ذکر تھا!''
''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب بے جان اور بے روح چیزوں کی غیر قانونی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے تو انسان

جیسی چالاک اور جان دار مخلوق کو کون روک سکتا ہے۔''
سلطان شاہ نے اپنی بات کی وضاحت کی۔
''وہ اپنا سب کچھ چھوڑ دے گا۔'' غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا۔
''ہوا خیزی ہونے کے بعد جب جان پر بنتی ہوئی نظر آئے تو انسان سب کچھ کر گزرتا ہے۔ ہر چیز کی محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک جان کی پوری پوری امان حاصل ہو۔ آڑے وقت میں آدمی مال و دولت سمیت کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔'' اول خان نے مربیانہ انداز میں غزالہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ دوبارہ بہت سنجیدہ ہو چکا تھا۔

میرے لیے ان لوگوں کی وہ باتیں تشویش انگیز تھیں۔ وہ بالکل بے سروپا خدشات نہیں تھے۔ ان میں بڑی جان نظر آ رہی تھی۔ میں نے بہت سے پاپڑ بیل کر سوبھراج کو ایک بار تو بنکاک سے کراچی واپس بلوالیا تھا۔ وہ دوسری بار پاکستان سے بھاگتا تو اسے واپس لانا ممکن نہیں رہتا کیونکہ نک جیسا ترپ کا پتّا ناکارہ ہو چکا تھا۔

پھر ہم پانچوں ہی خاموش ہو گئے۔ سوبھراج کے ساتھ پیش آنے والے غیر متوقع واقعے نے سب ہی کے اعصاب پر اثر ڈالا تھا اور ہر ایک اس بارے میں اپنی اپنی فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''بی گن کا کیا بنا؟'' خاموشی کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو میں نے ہی چونک کر توڑا۔ مجھے اچانک نک کا دیا ہوا ہتھیار یاد آ گیا تھا۔

''اس کے بارے میں میرے شبہات درست ثابت ہوئے۔'' اول خان سے پہلے ویرا فخر آمیز لہجے میں بول پڑی
''وہ کیمیائی گن ضرور ہے لیکن اس میں کچھ الیکٹرانک آلات بھی پوشیدہ ہیں جن کے ذریعے ان کو ہر لمحے اس گن کی پوزیشن کا علم ہوتا رہے گا۔ ان آلات کے دوسرے خواص اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتے جب تک بی گن کو توڑ کر وہ آلات حسّاس مشینوں پر نہ جانچے جائیں۔ میرا پہلے ہی ماتھا ٹھنکا تھا کہ نک کو اس گن کے بارے میں تم کو اتنا کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تم ہر وقت اپنے ساتھ اسے لیے پھرتے ہو۔''

''وہ اپنے تحفظات کے ساتھ تم سے مل رہے ہیں۔'' اول خان نے کہا ''لیکن ان کے ذہن کرنل داور کی طرف سے صاف نہیں ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔''
''گن کہاں ہے؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
''وہ اسٹیشن فور پر محفوظ ہے۔'' اول خان نے اطمینان سے کہا۔
''سب کچھ درست ہے لیکن پھر بھی مجھ سے ایک غلطی ہو چکی ہے۔'' میں نے اول خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔
''وہ کیا؟''
''میں نک سے ملنے کے بعد اس گن کو لے کر سیدھا یہاں چلا آیا اور ہم سب اس کے بارے میں کھل کر باتیں کرتے رہے۔ اگر گن کے خول میں کوئی صوتی آلہ بھی نصب ہے تو ہماری وہ کھلی کھلی باتیں سنی گئی ہوں گی......''
''ایسے دور دراز کے اندیشوں میں پڑ کر خود کو ہلکان مت کرو۔'' اول خان نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''بس ایک بات یقینی ہے کہ یہ علاقہ ان کی نظروں میں آ گیا ہوگا۔''
''علاقہ نہیں، گھر بھی نظروں میں آ سکتا ہے۔'' ویرا نے کہا ''گلوبل پوزیشننگ سسٹم سے منسلک چپس کے ذریعے دس پندرہ گز کی حد میں کسی بھی مقام کی صحیح نشاندہی ہو سکتی ہے۔''
''کسی نے جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا۔ اس پر سر کھپانے کے بجائے آگے کی بات سوچو۔''
''انہیں کرنل داور پر شبہ ہے تو وہ کسی وقت اس گھر کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔'' ویرا نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
''ضرور آئیں۔ اللہ نے چاہا تو منہ کی کھا کر بھاگیں گے۔'' اول خان نے جواب دیا۔
''برا نہ مانو تو ایک ذاتی سوال پوچھ لوں۔'' ویرا نے کہا۔
''ضرور پوچھو۔ میں خوشی سے اس کا جواب دوں گا۔'' اول خان بولا۔
''تم اللہ پر بہت زیادہ توکل کرتے ہو مگر عملی طور پر بہت زیادہ مذہبی نظر نہیں آتے۔ یہ بات ایک عرصے سے میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی لیکن تم سے کچھ پوچھتے ہوئے میں ہچکچاتی تھی۔ میں خود مذہب سے بہت دور بلکہ بڑی حد تک لاتعلق ہوں اس لیے خود کو کسی اور کے طور طریقوں کے بارے میں سوال کرنے کا حق دار نہیں سمجھتی!''
''تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں مذہب سے دور ہوں۔'' اول خان نے مسکرا کر سوال کیا۔
''غزالہ اپنے کمرے میں باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہے۔ سلطان شاہ گھر پر موجود ہوتا ہے تو ہر جمعے کی دوپہر بہت اہتمام سے مسجد جاتا ہے۔ کبھی کبھار گھر پر بھی نماز پڑھ لیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد ڈینی نے بھی کسی کسی جمعے کو مسجد جانا شروع کر دیا ہے مگر میں نے تمہیں کبھی نماز

پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔''
''خوب!'' اول خان نے ایک قہقہہ لگا کر کہا ''تمہارا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ دراصل یہ تینوں دن رات تمہارے ساتھ رہتے ہیں، ان کے معمولات تمہارے سامنے ہیں۔ میں الگ گھر میں رہتا ہوں۔ میرے بارے میں میرے بیوی بچے زیادہ جانتے ہیں۔ میں عبادت میں نمائش یا دکھاوے کا قائل نہیں ہوں۔ وقت ہوتا ہے تو مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نماز کا وقت نکل گیا ہو اور میں یہاں بیٹھا رہ گیا ہوں۔ وقت نکلنے سے پہلے میں خاموشی سے اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ ایک سپاہی کی تربیت میں عبادت اور تزکیہ نفس کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ میں ابتدا سے اس کا عادی ہوں۔''
''اچھا ہوا کہ آج یہ بات بھی صاف ہو گئی۔'' سلطان شاہ فضا میں ہاتھ لہرا کر بولا ''پتا نہیں ویرا اپنے دل میں کیا کچھ سوچتی رہی ہو گی۔''
''سوچتی رہے۔ یہ خالق اور مخلوق کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کو ویرا کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔
''اس بے چاری کے بارے میں ایسا نہ کہو۔'' سلطان شاہ بولا ''اس نے تمہارے نمازی ہونے کی تصدیق کی ہے۔''
''اس بے چاری کو تم ہی چارا ڈالتے رہو۔ مجھے اس کی کسی تصدیق یا تردید کی پروا نہیں ہے۔ میں جو ہوں وہی رہوں گا۔''
ہماری وہ جھڑپ وہیں ختم ہو گئی۔ میرے موبائل کی دھیمی گھنٹی نے سب کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
''ہاں نک! کیا حال ہے؟'' میں نے اس کی آواز پہچان کر خوش دلی سے پوچھا۔
''کرنل! تمہاری تیاری مکمل ہے؟'' نک کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔
''کس بارے میں؟'' میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

’’ہمارے درمیان صرف ایک ڈیل ہے سوبھراج اور ڈینی‘ تم ڈینی کو کتنی دیر میں میرے حوالے کر رہے ہو؟‘‘
’’اتنی بے صبری سے کام نہ لو۔ سوبھراج کو آ جانے دو......‘‘
’’سوبھراج آ چکا ہے۔‘‘ نک نے میری بات کاٹ کر کہا ’’اور ائرپورٹ سے آتے ہوئے، راستے میں اپنے تین ملازموں سمیت مارا گیا ہے۔‘‘
مجھے حیرت ہوئی کہ اس اہم ترین معاملے میں اس کی معلومات ادھوری تھیں۔ اپنے آدمیوں کے حملے کو سوبھراج کا انجام سمجھ کر وہ مجھے فون کر بیٹھا تھا۔
’’اسے کس نے مار دیا؟‘‘ میں نے انجان بن کر پوچھا۔
’’یہ غیر ضروری سوال ہے۔ اسے مرنا تھا اور وہ مار دیا گیا۔‘‘
’’میں تمہاری اس اطلاع پر کیسے اعتبار کر لوں؟‘‘
’’کیا میرا کچھ کہہ دینا کافی نہیں ہے!‘‘ اس کی آواز ترش ہو گئی۔
صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جائے واردات کی تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ اس نے اپنے کمانڈوز کی دی ہوئی اس اطلاع کو درست مان لیا تھا کہ وہ سوبھراج اور اس کے ملازموں کو راستے میں بے دردی سے مار آئے تھے۔
میرا دل چاہا کہ اسے صحیح صورت احوال بتا کر شرمندہ کروں لیکن وہ بہت نازک معاملہ تھا۔ میری طرف سے اتنی زیادہ باخبری کا اظہار اس کے دل میں شبہات پیدا کر سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اس کی کہی ہوئی باتیں سنی جائیں۔ اس وقت اس کا دماغ اونچا اڑ رہا تھا۔
’’اگر تمہاری دی ہوئی اطلاع درست ہے تو تھوڑی دیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل جائے گی۔‘‘
’’تم بے اعتباری ظاہر کر کے میری توہین کر رہے ہو۔‘‘
’’یہ تمہاری سوچ کا قصور ہے۔ تم نے خود زور دے کر کہا تھا کہ سوبھراج کی آمد کی اطلاع مجھے اخباروں سے ملے گی۔ اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔‘‘
’’تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ اس کی غداری ناقابل معافی تھی۔ کسی کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں دیر نہیں کرتے۔‘‘
’’اسے تمہارے آدمیوں نے مارا ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔
’’یہ بھی غیر ضروری سوال ہے۔ ان باتوں سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ تم اس کی واپسی کے خواہاں تھے۔ وہ واپس آ چکا ہے......‘‘
’’میں پھر کہوں گا کہ ذرا انتظار کرو۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ تمہاری دی ہوئی بی گن میرا کام بہت آسان کر دے گی۔‘‘
’’کیا وہ بی گن اس وقت بھی تمہارے پاس ہے؟‘‘ اس کا سوال اشتباہ آمیز تھا۔
’’میں اسے اپنے گلے میں لٹکائے نہیں پھر رہا۔ وہ ایک بے مثال ہتھیار ہے۔ میں نے اسے احتیاط سے ایک محفوظ مقام پر رکھ دیا ہے۔ ضرورت کے وقت اسے نکال لوں گا۔‘‘
’’وہ گن تمہیں رکھنے کے لیے نہیں دی گئی تھی۔‘‘ اس کا وہ جلا کٹا تبصرہ بالکل بے ساختہ تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ’’جب تک ڈینی کا قصہ پاک نہیں ہو جاتا، اسے تمہارے پاس رہنا چاہیے۔‘‘
’’تم تو اس طرح اصرار کر رہے ہو جیسے اس میں کوئی بگ لگا ہوا ہو۔‘‘ موقع پاتے ہی میں نے چٹکی لینے والے انداز میں کہا۔
’’یہ کیا واہیات باتیں کر رہے ہو۔‘‘ میری زبان سے وہ حقیقت سن کر نک کی کھوپڑی چیخ گئی۔ ’’ہمیں اس میں کوئی بگ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔‘‘
’’نہیں ہو گی لیکن تم اس کے ساتھ رکھنے پر تو اسی طرح اصرار کر رہے ہو۔‘‘
’’میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ انتہائی خفیہ اور اہم ہتھیار ہے۔ میں اس کے گم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ وہ میرے لیے ڈینی سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے تمہارے قبضے میں رہنا چاہیے۔ تم کو ہر حال میں اسے بہ حفاظت لوٹانا ہو گا۔‘‘
’’میں اسے اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکتا۔‘‘ میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا ’’تم نے یہ باتیں پہلے بتا دی ہوتیں تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ وہ تمہیں جوں کی توں واپس ملے گی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔ میرے اپنے بھی کچھ وسائل ہیں۔ میں نے بی گن کی جانچ پڑتال کی ہے۔ وہ ایک مشتبہ ہتھیار ہے۔‘‘
وہ بی گن کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پھیل رہا تھا۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت جارحانہ تیور اختیار کر لیے اور اسے بتا دیا کہ میں عقل سے کورا نہیں تھا۔
میرا الزام سن کر وہ چند ثانیوں تک کچھ نہ بول سکا پھر اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری ’’یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نہیں مان سکتا کہ بی گن میں کوئی ڈیوائس بھی لگی ہوئی ہے۔ ہم نے وہ ہتھیار مدد کے طور پر تمہارے حوالے کیا تھا۔‘‘
’’امریکی امداد ایسی ہی ہوتی ہے۔‘‘ میں نے کڑ دے

لہجے میں کہا ''اس کے پردے میں کوئی نہ کوئی خفیہ مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ میرے آلات نے واضح طور پر بتایا ہے کہ ہم گن سے طاقت ور ریڈیائی سگنل خارج ہورہے ہیں۔''

میرے اس حتمی جواب نے نک کو پسپائی پر مجبور کردیا۔ اس کی مدافعانہ آواز آئی ''تم یقین کرو کہ میں ایسی کسی ڈیوائس کے وجود سے لاعلم ہوں۔ ایڈی نے وہ گن مجھے دی اور میں نے اسے تمہارے حوالے کردیا۔''

''ایڈی نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ مجھے پہلے ہی اس گن پر شبہ ہوا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ چیونٹی کو پیر سے مسلنا ممکن ہو تو اس پر توپ کا گولا داغنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے پاس سے آتے ہی گن کو چیک کروایا تھا۔''

''اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو میں تم سے شرمندہ ہوں۔''

''مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے چڑ چڑے لہجے میں کہا۔

''تم ہوشیار افسر ہو۔'' نک کا لہجہ کچھ کھسیایا ہوا سا تھا ''ایسے لوگ اپنی زندگی میں بہت نام پیدا کرتے ہیں اسی لیے میرے بڑے تمہارا تعاون حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ تم کو دھوکا یا فریب دینا آسان نہیں ہے۔''

''دوستی کے خواہش مند ایسی بددیانتی نہیں کرتے۔ یہ بتاؤ کہ بی گن میں نصب آلات کی مدد سے میرے بارے میں اب تک کیا معلوم کرسکے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارے سامنے قسم کھاسکتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی کسی بگ کا علم نہیں ہے۔''

''ایڈی بھی ایف بی آئی کا آدمی تھا۔ تم یہاں اپنے محکمے کے رہائشی نگراں ہو۔ تم لاعلم ہو۔ اس سے کیا میں یہ نتیجہ اخذ کرلوں کہ یہاں ایف بی آئی کا کوئی اور متوازی دفتر بھی چل رہا ہے جس کے وجود سے تم بے خبر ہو۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ پریقین تھا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''آج کل کے آلات بہت حسّاس ہیں، دور دور تک کام کرتے ہیں۔ مجھے اب بھی شبہ ہے کہ بی گن میں کوئی خفیہ آلہ نصب ہوگا۔ اگر وہ لگایا گیا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے سگنل کراچی یا پاکستان میں ہی ریسیو کیے جائیں۔ خلائی رابطوں کے ذریعے ایسے سگنل سرحدوں سے باہر، ہزاروں میل کی دوری پر بھی وصول کیے جاسکتے ہیں۔''

''ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو کراچی کا جغرافیہ معلوم ہوگا اور نہ وہ یہ جانتے ہوں گے کہ کرنل داور کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں۔''

''تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیزیں معمول سے ہٹی ہوئی حرکات وسکنات کو نوٹ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ کل رات سے اب تک کچھ ہوا ہوتا تو اس کی اطلاع مجھے ضرور ملتی۔ ایڈی نے یہ کام مجھ سے بالا ہی بالا کیا ہے۔ تم نے بی گن سے چھٹکارا پالیا ہے۔ اب تم ہر طرح سے آزاد ہو۔''

''قدر''

''کل بلال نے مجھے خود پیشکش کی کہ میں چاہوں تو اس سے رقم ادھار لے سکتا ہوں۔''

''تو پھر کیا تم نے رقم لے لی؟''

''نہیں...... میں نے سوچا آج کل کے زمانے میں ایسے دوست کہاں ملتے ہیں۔ میں نے ایسے دوست کو ہاتھ سے کھونا مناسب نہیں سمجھا۔''

خوبی

''آج تو وحید صاحب نے تقریر کرکے محفل ہی لوٹ لی۔''

''کس موضوع پر تقریر کی انہوں نے؟''

''موضوع تو مجھے معلوم نہیں...... بہرحال وہ صرف دس سیکنڈ بولے۔''

''کیوں''

''میری عمر نوے سال ہے...... اور امید ہے ابھی میں بیس تیس سال اور زندہ رہوں گا۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ کبھی شراب یا کسی دوسرے نشے چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کبھی بے اعتدالی نہیں کی......''

''تو پھر آپ اتنے عرصے تک کیوں زندہ رہنا چاہتے ہیں؟''

میرے بھڑکنے کا اندازہ لگا لینے کے بعد وہ میری دل جوئی پر اتر آیا تھا۔

''تم نے غیر ضروری طور پر گن کے خواص وغیرہ مجھے بتا کر میرے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے تھے جو آخر کار درست ثابت ہوئے۔''

''میں اپنے ڈسپلن سے مجبور تھا۔ میں نے ایک کٹھ پتلی کی طرح وہ ساری باتیں تمہارے سامنے دہرا دیں جو ایڈی نے مجھے بتائی تھیں۔''

''آخر وہ اس حرکت سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا؟''

''وہ مجھ سے مشورہ کرتا تو میں اس کی تجویز مسترد کر دیتا۔ شاید اسے امید رہی ہو کہ اس طرح اسے وہ جگہ معلوم ہو جائے گی جہاں تم نے ڈینی کو قید رکھا ہے۔ اس کے لیے تمہاری یا کسی اور کی آوازیں سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس یہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی کہ تم کہاں کہاں جاتے ہو۔ ان ہی جگہوں میں ڈینی کا قید خانہ بھی شامل ہوتا۔''

''یہ تمہارا اندازہ ہے یا تم حقائق بتا رہے ہو۔''

''یہ میرا اندازہ ہے جو حقائق سے بہت قریب ہوگا۔ میں اپنے محکمے اور اس کے افسران کے طریقہ کار سے واقف ہوں۔ میرا تجربہ وہی بتاتا ہے جو میں کہہ چکا ہوں۔''

''ایڈی ناپسندیدہ آدمی تھا۔ اس نے کراچی میں رک کر اس مفاہمت کو نقصان پہنچایا ہے جو میرے اور تمہارے درمیان پیدا ہو چکی تھی۔''

''ایڈی یہاں سے چلا گیا۔ اس کی دی ہوئی بی گن کو ایک گوشے میں ڈال کر تم نے از خود ناکارہ کر دیا۔ اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ ان کاموں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات آدمی اپنے سائے پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔''

''میں کوئی بے نام سایہ نہیں ایک جیتا جاگتا انسان ہوں۔ سائے زیادتی ہونے پر احتجاج نہیں کرتے۔ میں اپنی آواز بلند کر سکتا ہوں۔''

''اسے نہیں تو مجھے معاف کر دو۔ اس کے چلے جانے کے بعد اب تمہارا واسطہ مجھ سے ہے۔ میں بلاوجہ کی تلخیوں سے فضا نہیں بگاڑنا چاہتا۔''

''تم کو یہ بات ایڈی کو سمجھانی چاہیے تھی۔''

''تم کو معلوم ہے کہ افسر پر تنقید کرنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ تم فوج میں رہے ہو۔ وہاں صرف حکم کی تعمیل کی جاتی ہے، کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

اس نے گفتگو کی ابتدا خاصی رعونت اور سرد مہری سے کی تھی۔ اس کے ساتھ ہر بار یہی ہوتا تھا۔ ابتدا میں وہ اپنے خول میں سمٹا رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن تھوڑی دیر کی زبانی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد خود ہی راہ راست پر آ جاتا تھا۔

میں نے اس کے انداز میں پیدا ہونے والی اس خوش گوار تبدیلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سوبھراج کو مارنے والے کون تھے۔''

''دیکھو کرنل! تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' اپنی اونچی اڑان سے اتر آنے کے باوجود وہ اس بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تمہاری شرط یہ تھی کہ وہ پاکستان واپس لوٹ آئے تاکہ تم اس سے اپنا حساب بے باق کر سکو۔ میں نے یہ شرط پوری کر دی۔ وہ خاموشی سے لوٹ آیا۔ اب اگر کسی اور نے اس سے تمہارا حساب برابر کر دیا تو تمہیں تجسس میں پڑنے کے بجائے خوش ہونا چاہیے کہ تم نے ایک تیر سے دو شکار کر لیے۔ تمہارا ایک بڑا کام خود بہ خود آسان ہو چکا ہے۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کی تعداد دو تھی تو تم کیا کہو گے؟'' میں نے اس سے کھیلنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''حملہ کرنے والے دو سو بھی رہے ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسے مارنے والی گولی کوئی ایک ہی رہی ہوگی۔''

''خوب!'' میں نے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''تو تم کو یہ معلوم ہے کہ اسے گولی سے مارا گیا ہے۔ گلا گھونٹ کر یا تیز دھار آلے سے نہیں مارا گیا۔''

''تم بلاوجہ بات سے بات نکال رہے ہو۔'' اس کی آواز میں بے چینی در آئی۔

''یہ بلاوجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ائرپورٹ سے آنے والی مرسڈیز پر دو موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کی تھی۔''

''ذرا سی دیر پہلے تم میری کسی بات پر اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ اب یکا یک اتنی زیادہ باخبری کا اظہار کر رہے ہو۔ آخر قصہ کیا ہے۔''

''میرے انداز گفتگو نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''میں ہر بات تمہاری زبان سے سننا چاہ رہا تھا۔ تم نے چپ سادھ لی ہے تو مجبور ہو کر مجھے تمہاری معلومات میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔''

''ایک ہی سانس میں بتا ڈالو کہ کیا کیا معلوم ہے۔''

''وہ دو تھے۔ بڑے انجن والی، سیاہ رنگ کی بھاری موٹر سائیکل پر سوار تھے جس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔'' میں نے

بہت رسانیت سے اور دھیرے دھیرے کہا "سادہ کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود وہ اپنی چال ڈھال اور اطوار سے پیشہ ور لڑاکا معلوم ہو رہے تھے۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ کمانڈوز تھے۔"

"میں وہاں نہیں تھا۔ یہ سب میرے علم میں نہیں ہے۔"

"میں بھی وہاں نہیں تھا مگر چشم دید گواہ بتا رہے ہیں کہ وہ دونوں سفید فام امریکی معلوم ہو رہے تھے۔"

"ہوسکتا ہے...... بالکل ہوسکتا ہے۔" اس کی اضطراری آواز سے بے چینی جھلک رہی تھی "وہ ہم سے غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ ہمارے آدمیوں نے اسے سزا دی ہوگی۔ مجھے یہاں رہنا ہے۔ یہ سب باتیں میرے علم میں نہیں تھیں۔ ایڈی نے یہاں رک کر پورا آپریشن پلان کیا اور چلا گیا۔ مجھے کچھ دیر پہلے آپریشن مکمل ہونے کی اطلاع ملی ہے۔"

"کل تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا بوریا بستر تیار ہے۔ تم کسی بھی وقت یہاں سے کوچ کر سکتے ہو۔ اب کہہ رہے ہو کہ تمہیں یہاں رہنا ہے۔"

"یہ بات ٹام، نک یا ایڈی کی نہیں ہے۔ میں عہدے کی بات کہہ رہا ہوں۔ ریذیڈنٹ آفیسر کو یہاں رہنا ہوتا ہے۔ میں گیا تو میری جگہ لینے کے لیے کوئی اور آجائے گا۔ یہاں رہنے والوں کو ضرورت سے زیادہ باخبر رکھنے میں خطرات مضمر ہوجاتے ہیں۔ اپنی سرگرمیوں کے علاوہ مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا جاننا ناگزیر ہو۔"

"گویا تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں سوبھراج پر وار کرنے والوں اور ان کے طریقہ کار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ یہ سب کام ایڈی نے بالا ہی بالا کیے تھے۔ تمہیں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ سوبھراج کو راستے میں مار دیا گیا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" اس نے پرزور لہجے میں میری تائید کی۔

"تو پھر کان کھول کر سن لو کہ تمہیں ناقص معلومات فراہم کی گئی ہیں۔"

"کیا یہ اطلاع غلط ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"غلط نہیں، ادھوری ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سنتے رہو۔ اصل خبر سامنے آئے گی تو تمہاری کھوپڑی چکرا کر رہ جائے گی۔"

"تم کیوں نہیں بتاتے کہ اصل خبر کیا ہے۔" اس نے مطالبہ کیا۔

"مائی ڈیئر نک! تمہاری طرح میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ میں ہر بات نہیں بتا سکتا۔ تم بے فکر رہو۔ ڈینی کے بارے میں میرا اور تمہارا معاہدہ برقرار ہے۔ مناسب وقت آتے ہی میں تمہارا مطلوب آدمی تمہارے حوالے کردوں گا۔"

"تم بلاوجہ مجھے الجھن اور ذہنی اذیت میں ڈال رہے ہو۔ کوئی اہم بات تمہیں معلوم ہے تو تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"میں نے جو کچھ بتایا ہے، فی الحال وہی کافی ہے۔ اب کل بات ہوگی۔" مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ذہن میں ایک گرہ پڑ جانے کے بعد وہ بار بار اصل بات جاننے کے لیے اصرار کرتا رہے گا۔ میں اس وقت اسے یہ خبر دینے کے موڈ میں نہیں تھا کہ سوبھراج قاتلانہ حملے میں بچ گیا تھا۔

میں نے اس کال کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"حیرت ہے کہ وہ حملے کی ناکامی سے باخبر نہیں ہے۔" اول خان نے تعجب سے کہا۔ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر سب نے اصل صورت احوال کا صحیح اندازہ لگالیا تھا۔

"یہ ایف بی آئی میں پائی جانے والی بیوروکریسی کا کمال ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "محکمے جتنے بڑے ہوتے ہیں، ان میں اتھارٹی کے اتنے ہی زیادہ جھگڑے اور بکھیڑے ہوتے ہیں۔ حدود اور اختیارات کے چکر میں نک بعض اہم باتوں سے بے خبر ہے۔ اسے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ راستے میں حملہ کر کے سوبھراج کو اس کے ملازموں سمیت ٹھکانے لگا دیا گیا۔"

"یہ لوگ ایک طرف مریخ، زہرہ اور سورج کی خبریں لاتے ہیں، دوسری طرف یہ حال ہے کہ انہیں ٹھوس زمینی حقائق کا بھی علم نہیں ہو پاتا۔" غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا "حیرت ہے کہ ایسے سنگین تضادات کے باوجود چار دانگ میں ان کا رعب و دبدبہ ہے۔"

"کسی کو مارنے اور بھاگ نکلنے میں سائنس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا "جب سائنس ساتھ نہ دے رہی ہو تو یہ بے چارے مار کھا جاتے ہیں۔"

نک نے مجھ سے گفتگو کے دوران میں اپنی بے خبری کے جواز کا بھرپور دفاع کیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اسے خود بھی اس بارے میں ملال ہوا ہوگا کہ ایڈی نے سوبھراج کے خاتمے کے سلسلے میں اسے پوری طرح اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

جب اسے یہ پتا چلتا کہ سوبھراج پر کیا جانے والا حملہ ناکام رہا تھا تو وہ بے بسی سے اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ اس وقت اسے صحیح اندازہ ہوتا کہ مجھ سے فون پر بات کر کے اس نے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا تھا۔

''سوبھراج کے بچ جانے میں اس کے اپنے نصیب کی خوبی بھی شامل ہے۔'' اول خان نے کہا ''کمانڈوز کیسے ہی گئے گزرے کیوں نہ ہوں، عام آدمی سے کہیں زیادہ پھرتیلے اور مشاق ہوتے ہیں۔ میرے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ سوبھراج محض زخمی ہو کر بچ گیا۔''

''اگر سوبھراج کے ستارے اتنے اچھے ہیں تو ہمیں بھی اس سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔'' سلطان شاہ نے فکر مندی سے کہا۔

''سوبھراج سے زیادہ اب مجھے نک کی فکر ہوگئی ہے۔'' اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اس سے تمہارا معاہدہ سوبھراج کو مارنے کا نہیں تھا۔ وہ واپس آ گیا ہے۔ اب نک تمہارا ناطقہ بند کر دے گا۔ وہ جلد از جلد ڈینی کو حاصل کرنا چاہے گا۔''

''تم لوگوں کا مشورہ شاملِ حال رہا تو میں اس کا مطالبہ پورا کر دوں گا۔''

''اس بات کو مذاق میں مت ٹالو...... یہ سنگین مسئلہ ہے۔ کرنل داور اور نک کے معاہدے کی خبریں امریکا تک میں پھیل چکی ہیں۔ تم کسی حالت میں اس معاہدے کو پورا نہیں کر سکتے۔ امریکا والے کرنل داور کی اس وعدہ خلافی پر اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس برے وقت کے لیے ہم کو ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہیے۔''

''یہ تشویش مجھے بھی ہے لیکن نک سے بات کرنے کے بعد جو صورت احوال سامنے آئی ہے، اس کی روشنی میں ہمارا اس مسئلے پر سر کھپانا ذرا قبل از وقت ہے۔ سوبھراج کے بارے میں کوئی خبر آنے دو پھر ہم اپنے لائحہ عمل کے بارے میں سوچیں گے۔''

''سوبھراج کی خبروں سے اس مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اول خان نے زور دے کر کہا ''وہ پاکستان لوٹ آیا ہے۔ اب نک ڈینی کا طلب گار رہے گا۔''

''ذرا صبر سے کام لو۔ کوئی نہ کوئی تعلق نکل ہی آئے گا۔''

اس وقت میرے پاس اول خان کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں تھا مگر میرا دل اندر سے مطمئن تھا۔ میں خود بھی اپنے اطمینان کا کوئی سبب جاننے سے قاصر تھا۔ آثار و قرائن یہ بتا رہے تھے کہ نک کے بارے میں اول خان کا اندیشہ حقیقت سے بہت قریب تھا۔

☆☆☆

شام ہو گئی لیکن سوبھراج کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اس دوران میں، میں نے جلال سے دو مرتبہ فون پر رابطہ کیا۔ دونوں بار وہ مایوس تھا۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ناکام قاتلانہ حملے کے بعد سوبھراج کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا تھا۔

اس وقت تک سوبھراج، اس کے ملازمین اور راج محل کو ملی ہوئی تمام سرکاری مراعات برقرار تھیں۔ کوئی سرکاری اہل کار راج محل کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ جلال کے اسٹاف کے دو افراد نے اپنی ملازمتوں کو داؤ پر لگا کر راج محل کی نگرانی کا کام سنبھالا ہوا تھا۔

جلال کو اعتراف تھا کہ محکمہ داخلہ کے واضح ترین احکام کو نظر انداز کر کے اس کے دونوں ماتحتوں نے بہت بے جگری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کڑے وقت میں ان دونوں کو اخلاقی اعانت کی ضرورت تھی۔ ان کو اپنی کھلی حمایت کا یقین دلانے کے لیے وہ خود بھی میدان میں اترا ہوا تھا اور اپنی گاڑی میں دور دور سے راج محل کا طواف کر رہا تھا۔

وہ تینوں رزق و روزی کے حصول سے زیادہ اپنی دھن کے پکے تھے۔ تینوں کو پورا یقین تھا کہ سوبھراج ایک بدمعاش سیاست دان تھا جو ملک کے بدترین دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس کو اس کے انجام تک پہنچانا ان کے منصبی فرائض میں شامل تھا۔

وہ سوبھراج کو ملی ہوئی رعایتوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس نے جوڑ توڑ کی سیاست کے ذریعے ایسا مقام حاصل کر لیا تھا جس کا وہ ذرا بھی مستحق نہیں تھا۔ اس کے گن رفتہ رفتہ ان کے سامنے آ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آخر کار سوبھراج کا وہ طلسم ٹوٹ جائے گا، اس سے ساری مراعات واپس لے لی جائیں گی۔ وہ بس وقت کا کھیل تھا۔ وہ مراعات کے خاتمے کے انتظار میں اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ ہر طرف پھیلے ہوئے جال سے دہشت زدہ ہو کر ان کا شکار کہیں فرار نہ ہو جائے۔

وہ نتائج سے بے پروا ہو کر راج محل کی نگرانی کر رہے تھے۔ جلال کی دانست میں شہر بھر میں وہی سوبھراج کا محفوظ ترین ٹھکانا تھا۔ زخمی حالت میں وہ کہیں اور نہیں جا سکتا تھا۔

وہ تینوں اتنا کچھ کر رہے تھے لیکن جلال کی حکمتِ عملی کے تحت کسی نے راج محل کے پھاٹک پر دستک نہیں دی تھی۔ جلال ڈسپلن کا آدمی تھا۔ وہ محکمہ داخلہ کے احکام کو کسی حد تک نظر انداز ضرور کر رہا تھا، ان کی دھجیاں نہیں اڑا سکتا تھا۔

وہ دور رہ کر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ راج محل کی اونچی چار دیواری کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔ اس جستجو میں اس نے دو مرتبہ اپنے موبائل فون سے راج محل کے نمبر ملائے اور سوبھراج سے

بات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن دونوں مرتبہ اسے ٹکا سا جواب دے دیا گیا کہ وہ گھر پر نہیں تھا۔

دونوں مرتبہ فون اٹھانے والے مختلف افراد تھے۔ ان کی آوازوں کا فرق بہت نمایاں تھا۔ دونوں نے ایک ہی انداز اختیار کیا تھا اور جلال کی مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

جلال نے رائے قائم کی تھی کہ اندر افراتفری کے بجائے کچھ نہ کچھ نظم وضبط موجود تھا۔ عمارت میں صرف ملازمین کا راج ہوتا تو وہ اپنے مالک کی مصیبت پر خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر بدنظمی کا شکار ہو جاتے۔ اس رویے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ راج محل کی نگرانی شروع ہونے سے پہلے سوبھراج اور سٹیل اندر پہنچ چکے تھے۔

حالات صبر آزما اور حوصلہ شکن تھے لیکن جلال نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ اپنے دونوں ماتحتوں کے ساتھ راج محل کے قرب وجوار میں ڈٹا ہوا تھا۔

اس کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملے کے نتیجے میں اس کا سارا ہوم ورک دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

جو لوگ سوبھراج کو گھیرے میں لینے کی مہم میں جلال کے ساتھ پیش پیش تھے، یکایک پسپا ہو گئے تھے اور جلال کو کوئی واضح جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

ناکام قاتلانہ حملے کے نتیجے میں سوبھراج یکایک مظلوم بن گیا تھا۔ وہ خبر بہت تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیلی تھی۔ اس کی لابی نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ سنسنی کے متلاشی اخبارات کو ایک نیا موضوع مل گیا تھا اور انہوں نے ڈرامائی سرخیوں کے ساتھ اپنے ضمیمے ہر طرف پھیلا دیے تھے۔

بدنصیبی کی بات یہ تھی کہ ان خبروں میں قاتلانہ حملے کا ذکر موجود تھا۔ حملہ آوروں کے بارے میں مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ ہر ایک نے وہ واردات نامعلوم حملہ آوروں کے کھاتے میں ڈالی تھی۔

ان حالات میں ہر افسر سوبھراج کے خلاف کسی بھی کاغذ پر اپنے دستخط ثبت کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ اتنی تیزی کے ساتھ کوئی نیا حکم نامہ جاری کیا جاتا تو سوبھراج کے حامیوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ پہلے سوبھراج کو قاتلانہ حملہ کر کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ وہ کوشش ناکام ہوتے ہی سازشی ٹولے نے بیوروکریسی میں موجود اپنے منظور نظر افسران کے ذریعے سوبھراج کے لیے باعزت بقا کی ساری راہیں مسدود کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

جلال سمجھ رہا تھا کہ اس مرحلے پر کوئی بھی سینئر افسر، کسی بھی قیمت پر ایسا الزام اپنے سر لینا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے دوست اور ہم نفس اسے یہ ساری باتیں بتانے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ جو فائل جہاں تھی وہیں جم کر رہ گئی تھی۔

جلال کو امید تھی کہ وہ سوبھراج کی واپسی کے چوبیس گھنٹوں میں بہت کچھ کر گزرے گا لیکن بدلے ہوئے حالات کی نزاکتوں کے سبب اسے وہ سب کئی دنوں کے لیے ملتوی ہوتا نظر آ رہا تھا۔ حالات سازگار نہ ہوتے تو یہ مدت ہفتوں پر بھی محیط ہو سکتی تھی۔

جب تک سوبھراج کی مراعات برقرار تھیں، جلال کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ خاموشی سے کسی بھی وقت دوبارہ پاکستان سے نکل جائے گا اور کوئی اسے دوسرے فرار سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

وہ ایک معزز شہری اور مراعات یافتہ سیاست دان کی حیثیت سے پاکستان سے باہر نکل جاتا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے پاکستان واپس نہیں لا سکتی تھی۔ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں ذرا سی رنگ آمیزی کر کے وہ ایشیا یا یورپ کے کئی ملکوں میں آسانی کے ساتھ سیاسی پناہ حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے بچ نکل جانے کا اندیشہ، اس وقت ہر دوسرے امکان پر حاوی تھا اور محض اسی ایک اندیشے نے جلال کو مضمحل کیا ہوا تھا۔

''سوبھراج بری طرح زخمی ہوا تھا۔ گاڑی کی نشستوں پر پائے جانے والے خون کے تازہ دھبوں سے کم از کم یہی ظاہر ہو رہا تھا۔'' ویرا نے سوچتے ہوئے کہا ''مجھے شبہ ہے کہ اس نے آرام اور علاج معالجے کے لیے راج محل کے بجائے کہیں اور پناہ لی ہوگی۔''

''وہ کہاں جا سکتا ہے!'' اول خان پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔

''ابھی تک وہ پوری طرح بے نقاب نہیں ہوا۔ اخبارات میں اس کے خلاف صرف بجیر و والا واقعہ رپورٹ ہوا ہے۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا ''اس میں بھی صرف ایک اخبار نے تمہاری فراہم کی ہوئی اطلاعات کی بنیاد پر گینگ وار کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد وہ معاملہ دب گیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اخبارات کو سوبھراج کے خلاف سارا مواد فراہم کر دیا جائے۔''

''اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے افسران نے رائے عامہ

کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔'' اول خان بولا ''اخبارات کے ذریعے رائے عامہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ان پر بھی دباؤ کم ہوگا۔''

''اس بارے میں جلال سے مشورہ ضرور کر لینا چاہیے۔'' ویرا بولی۔

''کیوں؟'' اول خان نے پوچھا۔

''معاملہ بگڑ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری بھلائی کی کوشش جلال کے لیے کوئی نئی دشواری پیدا کر دے۔''

اس وقت صرف ہم تینوں بیٹھے ہوئے تھے، غزالہ گھر کا سودا سلف لینے کے لیے سلطان شاہ کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔

''جلال اس وقت شدید ذہنی پراگندگی اور انتشار کا شکار ہے۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا ''میں اس کی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔ ہم کو جو کچھ کرنا ہے، کر لینا چاہیے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جلال اپنی انتظامی مجبوریوں میں بھی پھنسا ہوا ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی صحیح مشورہ نہیں دے سکے گا۔ یہ بڑی بات ہے کہ وہ اس وقت اپنے دو آدمیوں کے ساتھ راج محل کی نگرانی میں لگا ہوا ہے۔''

''اخباری نمائندے کو اعتماد میں لے کر بریف کر دو۔'' میں نے اول خان کی بات سن کر کہا ''کل صبح کے اخبارات میں سوبھراج کی پوری کہانی آ جانی چاہیے۔ اسی کے ساتھ اپنے کچھ آدمیوں کو راج محل کی دیکھ بھال پر مامور کر دو تاکہ جلال کو وہاں سے نجات مل سکے۔''

''یہ دونوں کام ہو سکتے ہیں۔ مجھے یہاں سے جانا پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''تم اسی وقت نکل جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا ''آدمی اپنی جگہ سنبھال لیں تو مجھے بتا دینا تاکہ میں جلال کو اطلاع دے سکوں۔''

''یہ بات بھی بتا دینا کہ سوبھراج نے سنیل کی بیوی سے مراسم استوار کیے ہوئے ہیں۔ اس بے شرم نے ابھی تک نوکری اور انعامات کے لالچ میں اپنی بیوی کی اس بے راہ روی کی طرف سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور ذات پات کی آڑ میں اپنی بے غیرتی کا دفاع کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات اخبارات میں اچھالی جائے تو اس کی غیرت کو کچھ جوش آئے اور وہ سوبھراج کا ساتھ چھوڑ دے۔''

''ویرا کا مشورہ صائب ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی ''اب کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانی ہمارے سروں تک آ چکا ہے۔ سوبھراج کے بارے میں ہر منفی بات عوام کے علم میں آ جانی چاہیے۔''

''پھر میں چلتا ہوں۔'' اس فیصلے پر پہنچتے ہی اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے رخصت کر کے ہم دونوں واپس آئے تو راہ داری میں ویرا نے بے تکلفی سے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا۔

میں تڑپ کر اس کی نرم گرفت سے نکل گیا اور اس پر آنکھیں نکال کر بولا ''یہ کیا حرکت ہے؟ تم کو اپنی اور میری عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔''

''ایسے معاملات میں پہل مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ میں پہل کر کے تمہاری عزت افزائی کر رہی ہوں۔'' اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایسی عزت افزائی کی ضرورت نہیں، مجھ سے دور رہو!''

''یہ کیسے ممکن ہے...... ہم چاروں دن رات ایک دوسرے کے سروں پر سوار رہتے ہیں۔ تم تو غزالہ کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر زبردستی تخلیہ کر لیتے ہو۔ مجھے ایسا موقع کہاں ملتا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

ہم ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے ایک دور افتادہ صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ''اس وقت تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ دین محمد اور ابرار چھت پر ہیں۔ کسی بھی وقت وہ نیچے آ سکتے ہیں۔''

''وفادار ملازم اپنے مالکوں کی خلوت میں مخل نہیں ہوتے، نظریں چرا کر ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔'' ویرا کے تیور یکایک بدلے تھے اور وہ مسلسل میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس گھڑی کو کوسنے لگا جب میں نے اول خان کو جانے کی اجازت دی تھی۔

میں صوفے کے قریب پہنچا تھا کہ ویرا نے اچانک اپنی کمر کو بل دے کر کولھے مٹکائے، جسموں کا تصادم ہوا اور میں بے دھیانی کی وجہ سے صوفے میں گر گیا۔

ویرا اطمینان سے اسی صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کی نیلی اور خوب صورت آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی تھی۔

''ویرا! پلیز کہیں اور بیٹھ جاؤ۔ پورا ڈرائنگ روم خالی پڑا ہوا ہے۔ میں سوبھراج کے بارے میں پریشان ہوں۔ اس وقت یہ باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔''

''ذرا غور سے میری طرف دیکھو۔ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

''قدرت نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی پریشانیوں کا درماں بنا کر پیدا کیا ہے۔ میں مفت میں تمہارے ہاتھ آئی ہوئی ایک نعمت ہوں۔ ماضی میں ہم ایک دوسرے کے جسموں کے راز دار رہے ہیں، اب تم مجھ سے اتنا کیوں بدکتے ہو۔''

''میں تم سے نہیں بدکتا۔ تم اب بھی مجھے اچھی لگتی ہو مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''اس نے میرا ہاتھ تھام کر اپنے سینے سے لگایا اور دونوں آنکھیں موند کر لذت آمیز انداز میں ہولے سے بولی ''ہائے ڈارلنگ! ذرا پھر یہی بات دہرا دو۔ تمہاری زبان سے اپنی تعریف کے دو بول سننے کے لیے کب سے میرے کان ترسے ہوئے ہیں۔''

وہ عجیب صورت حال تھی۔ ویرا صوفے کے ہتھے پر اس طرح لدی ہوئی تھی کہ اس کے مرمریں وجود کا نرم و نازک بوجھ براہِ راست میری گود میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کا ایک بازو میرے شانے پر رکھا ہوا تھا اور میں اس کے تنفس کی حرارت گاہے گاہے اپنے چہرے کی جلد پر محسوس کر رہا تھا۔

میں صوفے میں یوں پھنس کر رہ گیا تھا کہ ویرا کو اٹھائے بغیر اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں میں سے کوئی اُدھر نکل آیا تو اپنے دل میں ہم دونوں کے بارے میں کیا سوچے گا۔

اس وقت ساری فکر و تشویش میرے حصے میں آئی ہوئی تھی۔ ویرا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر خواب ناک لذتوں کی کسی انجان دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

یکا یک اس نے دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد حمائل کیے اور پھر اس کے سلگتے ہوئے یاقوتی ہونٹوں کی تپش سے میرا وجود سلگ اٹھا۔

میں شیطان نہیں تو فرشتہ بھی نہیں تھا۔ ایک عام سا بے بضاعت انسان تھا جسے بعض منہ زور جذبے اپنی رو میں بہا کر لے جا سکتے تھے۔ میرے لیے ویرا کا وجود کبھی بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ یوں بے حجابی سے میرے بدن سے لپٹی تو اس کے بدن کی مہکار سے میرے حواس مفلوج ہونے لگے۔ میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھتا چلا گیا اور ویرا خود بہ خود میری بانہوں میں آ گئی۔

وہ دانستہ مجھ سے الجھ رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے مجبور ہو کر اور بوکھلاہٹ میں اسے سمیٹا تھا۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی وہ کسی جونک کی طرح میرے جسم سے لپٹ گئی۔

ویرا کی مجنونانہ وارفتگی نے پہلے مجھے پریشان کیا ہوا تھا پھر میں مسحور سا ہو گیا۔ سوبھراج، جلال اور ان کے سارے مسائل میرے ذہن سے کافور ہو چکے تھے۔ وہ کیفیت نہ جانے کتنی دیر تک برقرار رہی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ چند لمحے تھے یا صدیاں ان چند لمحوں کے لیے ایک جگہ ٹھہر گئی تھیں۔

گھر کے کسی حصے سے کوئی آہٹ ہوئی اور میرے بدن کے گرد ویرا کی کسی ہوئی گرفت ڈھیلی پڑ کر یکا یک ختم ہو گئی۔

''ڈیئی!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے اور چہرے پر آسودگی کا نکھار پھیل گیا تھا۔

''میں پیار کی بھوکی ہوں۔'' اس نے کسی وقفے کے بغیر اپنی بات جاری رکھی ''تم میرے اچھے وقت کے دوست ہو۔ اب مجھ پر ذرا سا برا وقت آیا ہوا ہے تو مجھ سے نظریں نہ پھیرا کرو۔ تمہاری زبان سے نکلے ہوئے پیار اور محبت کے دو بول میرے ذہن کو ہلکا کر کے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ تمہاری تیوریوں پر بل آتے ہیں تو میری دنیا ویران ہو جاتی ہے...... تم یقین کرو کہ یہ ڈائیلاگ نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے دل کا حال بتا رہی ہوں۔''

میں تھکے ہوئے انداز میں دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''تم جانتی ہو کہ آدمی ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار نہیں رہ سکتا......''

ویرا نے میری بات کاٹ دی ''میں کچھ بھی نہیں چاہتی۔ غزالہ مجھے بھی عزیز ہے۔ میں اس کے کسی حق پر ڈاکا نہیں ڈالنا چاہتی۔ میں اس بات کی بھی قدر کرتی ہوں کہ اس سے شادی کرنے کے بعد تم جیسا دل پھینک آدمی ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ گیا ہے۔ تم جان بوجھ کر آوارہ گردی اور عیاشی نہیں کرتے لیکن کبھی کبھی مجبوریاں تمہیں بے راہ روی پر مائل کر دیتی ہیں......''

''یہ تمہاری الزام تراشی ہے!'' میں نے احتجاج کیا۔

''الزام نہیں یہ حقیقت ہے۔'' ویرا نے اپنی جگہ پہلو بدل کر کہا ''تم حقائق کو نہیں جھٹلا سکتے۔ یہ بتاؤ کہ دہلی میں نریش شرما اور انل بسواس کے پاس تمہارا کون سا کیسٹ تھا۔ کیا تم نے دہلی کے ہوٹل میں را کی بھیجی ہوئی ایک لڑکی کے ساتھ وقت نہیں گزارا تھا۔''

''وہ مجبوریاں تھیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہاں ایسے واقعات کن حالات کے تحت رونما ہوئے تھے۔ ان میں میری مرضی یا انتخاب کا کوئی دخل نہیں تھا۔''

''انتخاب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ را والوں نے تمہیں

پھانسنے کے لیے اپنی قوم کی ایسی سندر لڑکیوں کا انتخاب کیا تھا جنہیں دیکھ کر زاہدِ خشک کی بھی رال ٹپک سکتی تھی۔ انہیں دیکھ کر تمہارے اندر سویا ہوا پرانا ڈینی جاگ اٹھا تھا۔''

''ان مجبوریوں کو طعنہ بنا کر نہ دہراؤ۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''تم میرے پیارے، میرے ڈارلنگ ہو۔ میں تم کو ایسے طعنے دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ کبھی کبھی مجھ کو بھی ایسی ہی مجبوری سمجھ کر قبول کر لیا کرو۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر آنکھیں موندیں اور صوفے کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکا کر بوجھل آواز میں بولی ''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک طویل مدت کے بعد آج تمہارے بدن کو چھو کر، تمہارا لمس محسوس کر کے مجھے کتنا سکون حاصل ہوا ہے۔''

''تم ہر وقت قریب رہتی ہو۔ مجھے چھوتی رہتی ہو۔'' میں نے روانی اور بے دھیانی میں کہا۔

''تم شادی شدہ مرد ہو۔ تمہیں ایسی جاہلانہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تم خوب سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔''

''مجھ سے بغل گیر ہونے کے بعد اگر اب تم نارمل ہو چکی ہو تو ہم دوبارہ کام کی باتیں شروع کر دیں!'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔

''ماضی کو بھی کبھی دہراتے رہا کرو۔ میں بے چینی سے تمہاری دعوت کی منتظر رہوں گی۔'' اس نے بے باکی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ جسم و جان کے قریبی رابطے منصوبہ بندیوں سے پروان نہیں چڑھتے۔ ایسے رنگین حادثے بس اچانک رونما ہوتے ہیں اور وہ لمحات گزر جانے کے بعد آدمی سوچتا رہ جاتا ہے کہ وہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا۔

مرد و زن اس کائنات کے دو برقی سرے ہیں جو تنہائی میں قریب آتے ہیں تو شعلہ لپکتا ہے۔ مراسم کی بے حجابی اور قرب کے لیے تنہائی ایک زبردست عامل کا کردار ادا کرتی ہے۔ خلوت میں گناہ کا بیج بہت تیزی سے پھلتا پھولتا ہے اور اپنے کیف و سرور میں ہر دو فریقوں کو بہت دور لے جاتا ہے جہاں نظروں میں ایک دوسرے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

گو بات زیادہ نہیں بڑھی تھی مگر اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے سب چلے گئے اور ویرا کے ذہن میں شیطان نے ڈنک مار کر اسے بہکا دیا۔ ڈرائنگ روم کی محدود سی خلوت اس بہکاوے کے لیے زرخیز تھی۔ ویرا کو مجھ پر حاوی ہونے کا موقع مل گیا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا!'' مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹوکا۔

''تم لاجواب باتیں کرتی ہو۔ میں کیا جواب دوں۔''

''میں تمہاری نظروں کا سرور دیکھ رہی تھی، تمہارے بشرے کی تحریر پڑھ رہی تھی۔ تم خود بھی کسی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے، ان لمحوں میں مسرتیں کشید کر رہے تھے اور انہیں طول دینے کے خواہاں تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم نے اپنی ذات پر پارسائی کا ایک خول منڈھ لیا ہے۔ اندر سے تم وہی پرانے ڈینی ہو جو ہر لمحے میرے قرب کے خواہاں رہا کرتے تھے۔ تم ان پادریوں جیسے ہو گئے ہو جو مجمعوں میں مقدس لبادہ اوڑھ کر دین اور تثلیث کی باتیں کرتے ہیں، خلوت میں روحانی بالیدگی کے بہانے کمسن راہباؤں کے جسموں سے کھیلتے ہیں۔ ان کا ظاہر ان کے باطن کی پردہ داری کرتا ہے۔ وہ......''

''تم نے پھر یہ باتیں شروع کر دیں!'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کر ہنس پڑی اور بولی ''بس، بہک جاتی ہوں۔ دراصل میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم میرے سامنے بننے کی کوشش مت کیا کرو۔ جو دل میں آتا ہے وہ کھل کر کہہ دیا کرو۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اس بارے میں غزالہ کو ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی۔ ہر بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔''

''مجھے یہ فریب نہ دو۔'' میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''عورت نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔ تم مجھے گھر سے نکلواؤ گی۔''

''غزالہ بہت بڑے دل کی لڑکی ہے وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے لیکن ہر بات نظر انداز کرتی ہے۔ اس نے صحیح معنوں میں تم کو اپنا مجازی خدا بنایا ہوا ہے۔ وہ کسی حالت میں تم سے آنکھیں نہیں پھیرے گی۔''

''اول خان اپنے کام سے نکل گیا۔ تم یہ قصے لے بیٹھیں۔ مجھے فکر ہے کہ سوبھراج کہاں مر گیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں جا کر مر ہی گیا ہو۔ زیادہ زخمی ہو جانے کے بعد خون بہت تیزی سے ضائع ہوتا ہے۔ بروقت طبی امداد نہ ملے تو زخمی کو بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس بار میری کوشش بارآور ہوئی تھی اور اس نے باتوں کی روانی میں اپنا پسندیدہ موضوع چھوڑ کر

سوبھراج کی بات شروع کردی تھی۔
''مر گیا ہے تو اس کی لاش ملنی چاہیے تاکہ یہ قصہ ختم ہو۔''
وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز انداز میں مسکراتی رہی۔
''احمقوں کی طرح کیا مسکرائے جا رہی ہو۔'' چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے جھنجلا کر کہا ''کوئی بات ذہن میں آرہی ہے تو بولتی کیوں نہیں؟''
''یوں نہیں بولوں گی۔ اپنے سینے سے لگاؤ پھر بتاؤں گی۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔
میں بھنا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ بازو پکڑ کر ویرا کو اس کے صوفے سے اٹھایا اور پھر اچانک اسے پوری قوت سے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔
ویرا کے ہونٹوں سے ایک سسکاری سی نکلی اور وہ منمنائی ''اور زور سے بھینچو، اتنا کہ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں۔''
میں نے مشینی انداز میں اسے اپنے بازوؤں کی مضبوط گرفت سے آزاد کر دیا اور غصیلی آواز میں کہا ''بکو...... تم کیا بکنا چاہ رہی تھیں۔''
''غصے میں کتنے اچھے لگتے ہو۔'' وہ میرے چہرے کے سامنے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی نچاتے ہوئے بولی ''گال تمتمانے لگتے ہیں۔ پھنگی سرخ ہو جاتی ہے۔ آنکھیں ماتھے پر چڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اچھی بھلی صورت بگڑ کر کارٹون بننے لگتی ہے۔''
''ویرا! بعض اوقات تم بہت زچ کر دیتی ہو۔ کسی دن میں مار مار کر تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔
''کسی دن کا انتظار کیوں کر رہے ہو۔ یہ نیک کام ابھی کیوں شروع نہیں کر دیتے۔'' اس نے ایک نشیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اوہ خدایا! کتنا مزہ آئے گا۔ تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔ میں بھی آسانی سے دبنے والی نہیں ہوں۔ میں ترکی بہ ترکی جواب دوں گی، ہاتھا پائی ہو گی پھر ہم دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے پھر تم مجھے گرا لو گے اور میرے اوپر چڑھ کر بیٹھ جاؤ گے۔ میرے لیے یہ سب کتنا سنسنی خیز اور ہیجان انگیز ہو گا، تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آؤ! اس وقت میدان صاف ہے۔ کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ دونوں نوکر دخل دینے کی ہمت نہیں کریں گے۔ یہ سمجھ کر سہمے رہیں گے کہ ہم دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں۔ زندگی کا مزہ آجائے گا۔''
''اس وقت تمہاری ذہنی رو بہکی ہوئی ہے۔ تم بات کرنے کے قابل نہیں رہی ہو۔''

ویرا ہنس پڑی ''اور مجھے تم پر رحم آرہا ہے۔ ایک بات کہہ رہے ہو اور اس سے پھر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا چاہ رہے ہو۔''
اس وقت کی تنہائی سے ویرا کو شہ مل رہی تھی۔ اس کے تیور بالکل ہی بدلے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا اور شکست خوردہ انداز میں سر جھکا کر دوبارہ اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔
''اب کسی اداس بیوہ کی طرح منہ لٹکا کر نہ بیٹھو۔'' چند ثانیوں تک دلچسپی سے میرا جائزہ لینے کے بعد وہ پرسکون آواز میں بولی ''سوبھراج کا سراغ لگانا ہے تو اس سے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کیوں نہیں کر لیتے!''
اس کی زبان سے وہ تجویز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ بالکل سامنے کی اور آسان سی بات تھی۔ میں نے اچھل کر زقند لگائی اور ویرا کے لب و رخسار پر بوسوں کی بھرمار کر دی۔
کبھی کبھی وہ کفن پھاڑ کر بولتی تھی اور اپنی زبان کی ذرا سی جنبش سے کوئی مشکل گتھی نہایت آسانی سے سلجھا دیتی تھی۔
''تم درندے ہو۔'' چند ثانیوں بعد وہ اپنا داہنا رخسار سہلاتے ہوئے شوخی سے کہہ رہی تھی ''تمہارے دانت بہت تیز ہو گئے ہیں۔ غزالہ آئے گی تو یہ نشان اس کی عقابی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔''
''یہ تمہاری شاندار تجویز کی بے ساختہ داد تھی۔ میری اس حرکت سے کسی ناروا خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔''
''تو میں غزالہ کو بتا دوں کہ تم اب مجھے زبان کے بجائے لب و دنداں سے داد دینے لگے ہو!'' وہ ایک قہقہہ لگا کر بولی۔
''شرافت سے اپنے کمرے میں جاؤ اور ہلکا سا میک اپ کر لو۔ سب نشان چھپ جائیں گے۔'' میں نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔
''ایک منٹ ٹھہرو، میں کمرے سے ہو کر آتی ہوں۔ ابھی سوبھراج سے بات نہ کرنا۔'' وہ یہ کہتی ہوئی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔
میں نے دل ہی دل میں تجزیہ کیا تو پوری نیک نیتی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا دل بھی کسی نہ کسی حد تک ویرا کی طرف مائل رہتا تھا۔ وہ جارحانہ مزاج کی مالک تھی اور ہمیشہ پیش قدمی اختیار کرتی تھی اس لیے میں نے رفتہ رفتہ گریز کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔

میں جانتا تھا کہ میں اس کی انا کو مجروح کیے بغیر، اس سے کتنا ہی گریز اختیار کروں، وہ اپنے جذبوں کے اظہار سے کبھی باز نہیں آئے گی۔ سچ بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی اچانک چھڑپوں سے مجھے ایک عجیب سی تسکین ملتی تھی۔

وہ میرے لیے حلق کی ہڈی بنی ہوئی تھی۔ اگل سکتا تھا نہ نگل سکتا تھا۔ اسے دھتکارنا میرے دل اور ضمیر کو گوارا نہیں تھا، غزالہ کے ہوتے ہوئے اس سبک اندام مہ وش کو اپنانا محال تھا۔ وہ اس رمز کو سمجھتی تھی اس لیے جس حال میں تھی خوش تھی۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ دوسروں کی موجودگی میں محتاط رہتی تھی۔ تخلیہ میسر ہوتا تو وہ میرے سر چڑھ کر ناز و نخرے دکھاتی تھی۔ میرے نیم حوصلہ افزا رویے سے اس نے کبھی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ اپنے کمرے سے ہلکا سا میک اپ کر کے واپس نمودار ہوئی تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بلش کی ہلکی سی تہ سے اس کے چہرے کی جلد مخمل کی طرح ہموار ہوگئی تھی۔ کہیں کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

''اجازت ہو تو اب سوبھراج کو دیکھ لوں!'' میں نے اس کے چہرے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے پرمزاح انداز میں پوچھا۔

''سیٹ لائٹ فون شاید اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو اپنی کال خود ہی ریسیو کرے گا۔''

میں نے نمبر ملایا۔ ایک ریڈیائی گونج کے ساتھ رابطہ قائم ہوا اور دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی۔ اس دوران میں ویرا اپنے لیے سگریٹ سلگا چکی تھی۔

وقت رینگ کر گزر رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے تین طویل گھنٹیاں بج چکی تھیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ شاید میرا شکار اپنی موت آپ مر چکا تھا۔

چوتھی گھنٹی شروع ہونے کے بعد میرے کان میں سوبھراج کی نقاہت زدہ ہیلو گونجی۔ لہجہ وہی تھا، انداز تحکمانہ تھا لیکن آواز بہت کمزور تھی۔

''مبارک ہو! تم خاصے دھوم دھڑکے کے ساتھ پاکستان واپس آئے ہو۔'' میں نے اس کی آواز پہچان کر خوشی سے کہا۔

خوشی اس کی واپسی کی نہیں تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے ویرا کے مشورے پر عمل کر کے اپنے گمشدہ شکار کا سراغ لگا لیا تھا۔

''ڈینی!'' اس نے تعارف کے بغیر میری آواز پہچان لی اور بے ساختہ کہا ''تم نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔ میرا مقدر یاوری نہ کرتا تو میں مارا گیا تھا۔''

''میں نے دغا کی ہے!'' میں نے تحیر زدہ آواز میں سوال کیا۔

''میں نے موٹر سائیکل پر آنے والے دونوں حملہ آوروں کو دیکھا تھا۔ تم نے چالاکی سے کام لیا اور کرائے کے ایسے آدمیوں کو میرے پیچھے لگایا جو دیکھنے میں امریکی معلوم ہو رہے تھے۔ تم مجھ سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ وہ لوگ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ اس طرح سارا شبہ نک پر آئے گا۔ تم صاف بچے رہو گے لیکن میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ تم نے مجھ سے کھلی بدعہدی کی ہے۔''

میں نے بہت تحمل اور حیرت سے اس کی پوری بات سنی۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا ''یہ زہر کس نے اگلا ہے؟ وہ میرے آدمی نہیں تھے۔''

''تم مجھے الو نہیں بنا سکتے۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے تمہارے وعدے پر اعتبار کر لیا۔ تمہارے سوا یہاں میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔''

''وہ سو فیصد امریکی کمانڈوز تھے، کرائے کے آدمی نہیں تھے۔''

''میں کیسے مان لوں! میں ان لوگوں کے لیے اہم کام کر رہا ہوں۔ وہ برسوں سے میرے مربی اور ساتھی رہے ہیں۔ انہیں یکایک مجھ سے کیا پرخاش ہوگئی کہ انہوں نے مجھے صفائی کا کوئی موقع دیے بغیر مروانے کا فیصلہ کر لیا۔''

''تم نک ہاروے سے بات کرو۔ تم کو اپنے اس سوال کا جواب مل جائے گا۔''

''میں اس سے بات کر چکا ہوں۔ امریکی چہرے پہچان لینے کے بعد میرا خیال اسی کی طرف گیا تھا۔ وہ اب بھی میرا دوست اور بہی خواہ ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت نہیں کی۔ میرے ساتھ پیش آنے والے روح فرسا واقعے پر شروع سے آخر تک ہمدردی کا اظہار کرتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجھے کیوں مارنا چاہے گا۔''

''تو کیا اس نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ آدمی میرے بھیجے ہوئے تھے؟''

''اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ وہ راست گو آدمی ہے۔'' سوبھراج نک کے گن گا رہا تھا۔ ''اس نے یہ ضرور کہا کہ وہ حملہ میرے کسی دشمن کی طرف سے کیا گیا تھا۔ کوبرا کا درمیانی کردار اس کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے کھو جانے سے اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسے یہ جان کر

صدمہ ہوا تھا کہ سفید فام حملہ آوروں کی وجہ سے میں نے اس پر شبہ کیا تھا۔"
نک بہت شاطر آدمی تھا۔ اس نے بہت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے دامن کی سیاہی میرے چہرے پر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔
نک کی معلومات کے مطابق میں یعنی ڈینی، کرنل داور کی قید میں تھا اس لیے اس نے میرا نام نہیں لیا تھا۔ سوبھراج کے سامنے اپنی پوزیشن کی وضاحت پر اکتفا کیا تھا۔ وہ لومڑی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ چالاک تھا۔ اس نے سوبھراج کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہ کر کے اسے باور کرا دیا تھا کہ وہ حملہ امریکی کیمپ کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا۔
اس وقت سوبھراج کے سامنے اس کا سب سے سرگرم دشمن میں تھا۔ نک کی وضاحت قبول کر لینے کے بعد منطقی طور پر اس کا دھیان میری طرف جانا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے اسے دو دن کی مہلت دینے کے بجائے، وعدہ خلافی کرتے ہوئے، اس کی زندگی کا چراغ فوری طور پر گل کرنے کی کوشش کی تھی۔
چند لمحوں کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ سوبھراج کی وہ سنگین غلط فہمی رفع کرنے کے لیے کس رخ سے بات کروں۔
"تم کو معلوم ہے کہ آج کل کراچی امریکیوں کے لیے مرگھٹ بنا ہوا ہے۔" میں نے سنبھالا لے کر اپنی بات شروع کی "یہاں کرایے کی بات دور ہے، اصل امریکی بھی بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تم کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں انہیں کہاں سے لاتا۔"
"مجھے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں تم میرے اکلوتے دشمن ہو۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس میں صرف تمہارا ہاتھ ہوسکتا ہے۔" اس کی آواز تلخ ہوگئی۔ "اس وقت میرے سینے، شانے اور گردن پر زخم ہیں۔ ابھی میں ڈاکٹر کے مشورے سے آرام کر رہا ہوں صحت یاب ہوتے ہی تمہارا حساب بے باق کر دوں گا۔"
"تم کہاں ہو...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
میرے کانوں میں اس کی زہریلی ہنسی کی آواز گونجی پھر وہ بولا "تم راج محل کی دیواروں سے اپنا سر پھوڑتے رہو۔ کہیں تمہیں میرا سایہ نہیں مل سکے گا۔ علاج کے لیے میں نے روپوشی اختیار کر لی ہے۔ اب میں اسی وقت منظرِ عام پر آؤں گا جب فضا میں منڈلاتے ہوئے خطرات کے بادل چھٹ جائیں گے اور تمہارا صفایا ہو چکا ہوگا۔"
"نک پکا منافق ہے۔ وہ دیدہ دلیری سے جھوٹ بول رہا ہے۔" میں نے اپنی تشویش کو چھپاتے ہوئے جواب دیا "پجیرو والے حادثے کے بارے میں جو باتیں کل تک صرف مجھے معلوم تھیں اور پوری طرح صیغۂ راز میں تھیں۔ وہ پھیل رہی ہیں۔ پولیس کو سرگرمی سے میری کلارک کی تلاش ہے۔ جسے تمہاری پجیرو میں راج محل سے باہر لایا گیا تھا۔ میری طرح نک بھی یہ جان چکا ہے کہ میری کلارک کے بھیس میں ویرا راج محل میں گئی تھی۔ تم نے یہ خبر ان لوگوں سے چھپائے رکھی کہ تم نے ویرا کو پکڑ لیا ہے اور آخر کار وہ تمہارے قبضے سے نکل گئی۔ ان کے لیے ویرا بہت اہم تھی۔ تم نے اس کو پکڑ لینے کا قصہ چھپا کر ان سے غداری کی ہے۔"
"میں نے خود اس سے بات کی ہے۔ اس نے مجھ سے اس بارے میں کوئی شکوہ نہیں کیا۔"
"شکوہ کر کے وہ تمہیں ہوشیار کیسے کر دیتا۔ اس بار تم اپنی قسمت کی خوبی سے بچ گئے۔ اگلی بار وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے غداروں اور دشمنوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں۔ تم کو معاف نہیں کریں گے۔"
اس بار وہ بری طرح چونکا تھا "یہ جملہ تمہارا نہیں ہے۔ کیا اس بارے میں نک سے تمہاری کوئی بات ہوئی تھی؟"
وہ بہت نازک سوال تھا۔ میں نے اسے گھمانے کے ارادے سے پوچھا "تم کس فقرے کی بات کر رہے ہو؟"
"غداروں اور دشمنوں والی بات تم نے کہاں سنی تھی؟"
"نک ہاروے، ٹام پیٹرک اور ایڈی ہاک!" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے تینوں نام دہراتے ہوئے کہا "یہ سب اس ملک کے دشمن ہیں۔ وہ اسی اصول پر کام کرتے ہیں۔ وہ ناکامیوں کو درگزر کر دیتے ہیں، غداری کو معاف نہیں کرتے۔ ویرا کو ان سے چھپا کر تم اسی جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔"
"لیکن راج محل کے اندر کی بات اسے کیسے معلوم ہوسکتی تھی۔"
اس کی کم فہمی پر میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "وہ عالمگیر نیٹ ورک چلاتے ہیں۔ ہر بات سے باخبر رہنے کا فن جانتے ہیں۔ راج محل کے ملازموں میں ان کے مخبر بھی ہیں۔ وہ تم سے تنخواہ لیتے ہیں اور نک کے لیے کام کرتے ہیں۔ اس کا انہیں انعام ملتا ہے۔"
"یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن میرا ذہن تمہاری کہانی کو قبول نہیں کر رہا۔ اپنی پوزیشن بچانے کے لیے تم نک کو لپیٹ رہے

ہو۔''

''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ آج سے دو دن کی گنتی شروع ہو گئی۔ پرسوں شام تک تمہارے تائب ہونے کے شواہد سامنے آنے شروع نہ ہوئے تو میں تمہارے خون کا پیاسا بن جاؤں گا۔''

''میرا ذہن ماؤف ہے مگر میرا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ اب میں خطرات ٹلنے سے پہلے سامنے نہیں آؤں گا۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ یہاں میرے خون کے پیاسے پھر رہے ہیں تو میں بنکاک سے ہرگز واپس نہ آتا۔''

''میرا خیال ہے تم آئے نہیں ہو، زبردستی بلائے گئے ہو۔'' اس بار مجھے برجستہ وہ بات سوجھ گئی اور میں نے بلا تامل کہہ ڈالی۔

''ت یع...... یہ...... یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟''

میری زبان سے حقیقتِ حال کا اظہار سن کر وہ بوکھلا کر ہکلانے لگا تھا۔ شاید میرا وہ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے کہا ''مجھ سے زیادہ سوالات مت کرو۔ میں سوال سننے کا عادی نہیں ہوں۔ تم یہ دیکھو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اس میں کتنا وزن ہے۔''

''تم نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں یہاں بھی محفوظ نہیں ہوں۔'' اس کی آواز سے فکرمندی اور مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''تم کہاں ہو؟'' میں نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں ایک غلطی دہرانے کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے نک کو بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ اگر وہی میرا چھپا ہوا دشمن ہے تو میں یہاں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ اس کے آدمی کسی بھی وقت یہاں گھس سکتے ہیں۔''

''بہت اچھا کیا کہ تم نے یہ بات مجھے بتا دی۔ اب تمہارا دشمن آسانی سے تمہاری نظروں میں آ جائے گا اور تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو گے۔''

''وہ کیسے؟''

سوبھراج کا وہ سوال بے ساختہ تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے بعد کہنا شروع کیا ''تم خاموشی سے اپنا ٹھکانا بدل لو۔ نک اپنے آدمیوں کی ناکامی پر مشتعل ہو گا۔ اس وقت پورے شہر میں صرف وہ تمہارے موجودہ ٹھکانے سے باخبر ہے۔ وہ ناکامی کا ازالہ کرنے کے لیے تیزی سے دوبارہ وار کرے گا۔ جگہ بدل لینے کے بعد تم محفوظ رہو گے۔ ناکامی دوبارہ اس کے آدمیوں کا مقدر بنے گی۔ موجودہ ٹھکانے پر حملہ ہوتا ہے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ نک ہی تمہارا دشمن ہے۔''

''تم ذہین ہو!'' سوبھراج کی آواز سپاٹ تھی ''زخموں سے زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے میرا ذہن پوری طرح ساتھ نہیں دے رہا۔ یہ ترکیب بہت آسان اور محفوظ ہے۔ اگر نک مجھے غدار سمجھ رہا ہے تو وہ آج کی رات ضائع نہیں کرے گا۔''

''یہ بات طے ہے کہ تم اس وقت راج محل میں نہیں ہو!'' میں نے تصدیق چاہی۔

''میرے اعصاب ضرور بکھرے ہیں مگر ابھی میں اتنا دیوانہ نہیں ہوا کہ راج محل میں جا کر اپنے دشمنوں کے کھلے نشانے پر بیٹھ جاتا تاکہ آؤ اور مجھے مار کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے اپنے آدمی راج محل پر لگائے ہوئے ہیں تو انہیں واپس بلا لو۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔''

''سنیل بھی تمہارے ساتھ ہے؟'' میں نے روا روی میں پوچھا۔

''اچانک وہ تمہیں کیوں یاد آ گیا؟'' میرے سوال پر وہ بھڑک اٹھا۔

''مرسیڈیز سے صرف دو لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ سنیل ان میں شامل نہیں تھا۔''

''وہ بھی کہیں نہ کہیں زیر علاج ہے۔'' سوبھراج کا جواب مبہم تھا۔

''سنا ہے کہ تم اسے شہر سے باہر بھیج کر اس کی بیوی کو راج محل میں بلاتے رہے ہو اور کھتری ذات کی وہ عورت ایک برہمن کی ہوس کا کھلونا بننے میں فخر محسوس کرتی ہے۔''

''یہ بات تم نے کس سے سنی؟''

''پھر سوال کیا تم نے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں زیادہ سوال سننے کا عادی نہیں ہوں۔''

''میں کسی کی چوری نہیں کرتا۔ نیچ ذات کی عورتوں پر میرا حق بنتا ہے۔''

''یہ کس وید میں لکھا ہوا ہے؟''

''میں وید نہیں پڑھتا...... پنڈتوں پجاریوں سے یہی سنا ہے۔''

''سنیل کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی بیوی کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر تم اس کی عزت افزائی کرتے ہو۔''

''یہ دھرم کی بات ہے۔ نیچ ذات کی عورتیں اونچی ذات کے پنڈتوں سے ملاپ کرتی ہیں تو ان کے درجے بلند ہوتے

ہیں۔ میں دھرم کے ساتھ دنیا داری کا خیال رکھتا ہوں۔ اسے انعام و اکرام سے اتنا نوازتا ہوں کہ وہ خوش رہتا ہے۔''

''اور جب اونچی ذات کی کوئی عورت کسی نیچ مرد سے ملاپ کرے تو کیا ہوتا ہے؟ کیا مرد کے درجے بلند ہو جاتے ہیں!'' میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''یہ کشٹ ہے، پاپ ہے۔ ایسی عورت کو جو سزا نہ دی جائے وہ کم ہے۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا پھر کہا ''یہ تم کیا گندی باتیں لے بیٹھے۔''

بات اونچی ذات کے ہندوؤں کی عیاشی کی ہو رہی تھی تو سوبھراج کو اپنے دھرم کی باریکیاں سوجھ رہی تھیں۔ وہی موضوع اعلیٰ ذات کی عورتوں کی آوارگی کی طرف منتقل ہوا تو سوبھراج کو ان باتوں میں یکایک گندگی نظر آنے لگی۔

اس وقت مجھے اس سے کوئی محاذ آرائی مقصود نہیں تھی اس لیے میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی ورنہ یہ آج بھی ایک حقیقت ہے ذات پات کا کڑا ترجیحی نظام ہر روشن خیال ہندو کے لیے شرمندگی اور ندامت کا سبب بنتا ہے۔

''تم سے کل بات کی جائے تو تم زیادہ بہتر پوزیشن میں ہو گے!'' میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد نرمی سے کہا۔

''مشکل یہ ہے کہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے ورنہ میں اپنی سہولت کے مطابق تم سے بات کر لیتا۔ شاید کل بھی میری مرہم پٹی میں کافی وقت لگے گا۔ تم نے ڈریسنگ کے وقت فون کیا تو میں تم سے بات نہیں کر سکوں گا۔''

''ایسا ہو تو جواب ضرور دے دینا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گا۔''

سوبھراج سے بات ختم ہو جانے کے بعد ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی ''پانی ہمیشہ نشیب کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح بوکھلایا ہوا مرد اپنی محبوبہ کی طرف جاتا ہے۔''

''آج تمہارے ذہن پر یہی سب خرافات سوار ہیں۔'' میں نے ترشی سے کہا ''کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو۔ مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے دو۔''

میں نے سب سے پہلے جلال کو تازہ ترین خبر سے آگاہ کیا۔ وہ راج محل کے طواف میں کئی گھنٹے برباد کر چکا تھا۔ اسے یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ سوبھراج نے زخمی ہونے کے بعد اپنے گھر کا رخ نہیں کیا تھا بلکہ کہیں اور پناہ لی تھی۔

بہرحال اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا مزید وقت برباد ہونے سے بچ گیا تھا۔ وہ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ مسلسل راج محل کی نگرانی میں الجھا ہوا تھا۔

اس نے چند کاموں سے نمٹ کر ہماری طرف آنے کا وعدہ کیا اور بات ختم ہو گئی۔

جلال کو بریف کرنے کے بعد میں نے اول خان سے رابطہ کیا اور اسے بتایا کہ سوبھراج سے میری بات ہو جانے کے بعد کسی کو راج محل کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ اس وقت اپنے شناسا اخباری نمائندے کے ساتھ ملاقات میں مصروف تھا۔ اول خان کی زبانی وہ اطلاع پا کر میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اخبارات میں سوبھراج کے کرتوتوں کی تشہیر کا معاملہ ایک دو روز کے لیے موخر کر دوں لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا۔

سوبھراج کے ساتھ تصادم ناگزیر ہو چکا تھا۔ وہ پاکستان میں موجود تھا۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ فوری طور پر قانون اس کے خلاف حرکت میں نہیں آ سکے گا۔ اس کی سرکوبی کے لیے جو کچھ کرنا تھا، ہم کو اپنے طور پر کرنا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم اپنے ضروری کاموں سے نمٹ گئے ہو۔'' دوسری کال ختم ہونے کے بعد ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم کوئی معقول بات کرنا چاہتی ہو تو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ اس کا جواب تم پر قرض ہے۔''

''آفت زدہ مرد اپنی محبوبہ کو گولی مار کر نشیب میں کھڑے ہوئے پانی میں ڈوب کر خودکشی بھی کر سکتا ہے۔ اس کے رویے کا انحصار اس بات پر ہے کہ محبوبہ کیسی ہے اور اس کی عمر کیا ہے۔'' میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

''تم خوامخواہ پیچ و تاب کھا رہے ہو۔ میں کام کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''فرض کرو کہ مرد سوبھراج ہو اور سنیل کی بیوی اس کی محبوبہ یا رکھیل ہو تو کیا ہو گا۔''

''اوہ!'' میں چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''کیا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر پر پناہ لی ہوئی ہے!''

''چاہ نہیں رہی بلکہ میں یہی کہہ رہی ہوں۔ اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تمہاری زبان سے سنیل کا نام سن کر وہ بری طرح چونکا تھا۔''

''ہاں۔ مجھے یاد ہے وہ بری طرح چونکا تھا۔'' میں نے کہا ''لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وہ اپنی جان کے بدترین خوف میں مبتلا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اب تک وہ ٹھکانا چھوڑ دیا ہو۔''

''ہمیں اس سے کچھ نہیں لینا۔ اسے نک کا امتحان لینے دو تا کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والے تم نہیں تھے۔''

''پھر اس ساری بحث کا کیا فائدہ؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

''امریکی کیمپ کو آج کل ہماری طرف سے بہت زیادہ ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کیوں نہ ان کو تھوڑا سا رگید دیا جائے۔'' ویرا نے تجویز پیش کی۔

''خیال برا نہیں ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

''انتہائی برا بلکہ بالکل واہیات ہے۔'' باہر راہداری میں سے سلطان شاہ کی آواز آئی اور ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

چند ثانیوں کے بعد وہ غزالہ کے پیچھے پیچھے آ گیا۔

''تم میری کس بات کو واہیات کہہ رہے تھے؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''وہی جو تم کہہ رہی تھیں۔'' سلطان شاہ نے پیر پر پیر رکھ کر بے نیازی سے کہا۔

''میں یہی پوچھ رہی ہوں کہ تم نے میری زبان سے کیا سن کر اپنی قیمتی رائے صادر کی تھی۔''

''پتا نہیں۔ میں فضول باتیں زیادہ دیر تک یاد نہیں رکھتا۔''

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ وہ لوگ اس ٹھکانے پر آئیں گے اور اپنے مطلوب آدمی کی تلاش میں ناکام ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔'' ویرا نے اسے یکسر نظر انداز کر کے مجھ سے کہنا شروع کر دیا۔ ''مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم پہلے سے وہاں چھپ کر تماشا دیکھتے رہیں گے۔ وہ لوٹیں گے تو ہم یکایک ان پر حملہ کر دیں گے۔ ان میں سے ایک آدھ مر بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ کسی کو زندہ پکڑ لیں......''

سلطان شاہ سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے بے تابی سے ویرا کی بات کاٹ کر کہا ''یہ تم معمے میں کن لوگوں کی بات کر رہی ہو، مطلوب آدمی کون ہے۔ یہ اشارے کنایے میرے سر پر سے گزر رہے ہیں۔ ان کا سر پیر کیا ہے۔''

''وہ تمہارے لیے نہیں ہیں۔ ڈینی سمجھ رہا ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ تمہارے لیے یہ سب واہیات باتیں ہیں۔ ان پر اپنا ننھا سا سر نہ کھپاؤ۔''

''ارے، ہائیں!'' سلطان شاہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا ''تم دونوں اتنے بڑے گھر میں اکیلے بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ اول خان کہاں چلا گیا۔

''نچلے بیٹھے رہو۔ زیادہ چرب زبانی دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ دو منٹ پہلے اٹھ کر ایک ضروری کام سے گیا ہے۔'' ویرا غرائی۔

''اسے وہ کام تم ہی نے سمجھایا ہوگا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''تمہیں اول خان کیوں یاد آ رہا ہے۔ اس کے ہونے یا جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے سلطان شاہ کو مزید اکسانے کی کوشش کی۔

''یہاں کی فضا صاف نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے ایک بہت گہرا سانس لے کر کہا ''نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میسر ہو تو ان کے درمیان شیطان ضرور کود پڑتا ہے اور پھر یہاں تو عورت بھی ویرا خانم ہے۔ تم دیکھ نہیں رہیں کہ یہ بلی کی طرح بناؤ سنگھار کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔''

''ارے ہاں......'' غزالہ اسی بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ ویرا کی طرف متوجہ ہو گئی ''آج تمہیں میک اپ کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟''

''کبھی کبھی آ ہی جاتا ہے......'' ویرا نے ہلکی سی خفت کے ساتھ بات شروع کی اور میں نے اس کی شرمندگی کا اندازہ کرتے ہی بات درمیان سے اچک لی۔

''تم دونوں نے آتے ہی موڈ برباد کر دیا۔ اس وقت ہم سوبھراج کے بارے میں سوچ رہے تھے۔''

''کچھ پتا چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔'' سوبھراج کا نام سنتے ہی سلطان شان اپنی چوکڑی بھول کر راہِ راست پر آ گیا۔

''سیٹ لائٹ فون پر ڈینی نے اس سے بات کی ہے۔'' ویرا نے مجھ سے پہلے بولنا شروع کر دیا اور پھر ایک ہی سانس میں انہیں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''تمہارا نظریہ بہت جاندار ہے۔'' غزالہ نے پوری بات سن کر ویرا کی تائید کی ''سوبھراج کے سنیل کے گھر پر پائے جانے کے امکانات بہت قوی ہیں۔''

''سنیل بھی وہیں ہوگا۔'' سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

''اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے حقارت سے کہا ''وہ ایک بے غیرت شوہر ہے۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انجان بنا ہوا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مل کر اپنے ولی نعمت کی خدمت کر رہا ہوگا۔''

''اس وقت وہ کیا خدمت کرے گا۔ وہ خود زخموں سے

چور ہوگا۔'' غزالہ بولی۔

''اس عورت کے لیے یہ بڑا کڑا امتحان ہوگا۔'' ویرا نے کہا ''ایک بستر پر اس کا محبوب پڑا ہے اور دوسرے پر شوہر۔ دونوں زخموں سے بے حال ہیں۔ وہ کسے دیکھے گی؟''

''وہ سوبھراج کو دیکھے گی۔'' سلطان شاہ کے پاس جواب تیار تھا۔

''کیوں؟''

''وہ عورت ہے۔ اس سے وفا کی امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آم کے پیڑ میں پپیتا آنے کی توقع کی جائے۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے ایک انوکھی مثال پیش کر دی۔

''یہ تم پر چوٹ ہے۔'' ویرا نے غزالہ کو ورغلایا ''تم بھی ایک عورت ہو۔''

''میں نے یہ بات سب عورتوں کے لیے نہیں کہی۔'' سلطان شاہ نے بوکھلا کر اپنی بات کی تصحیح کی۔ ''ویسے تو تم بھی عورت ہو لیکن اتنی بے وفا نہیں ہو۔''

''بلاوجہ مکھن لگانے کی کوشش نہ کرو۔ وفا مجھے چھو کر بھی نہیں گزری۔'' ویرا کے لیے اس کی رائے سے متفق ہونا ناممکن تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''میرے مزاج میں وفا ہوتی تو اپنے وطن کو چھوڑ کر پاکستان آتی اور نہ یہاں اپنے ہم وطنوں سے لڑ رہی ہوتی۔''

ان کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چل پڑا۔ میں نے ان سب سے لاتعلقی اختیار کر کے اپنی آنکھیں موند لیں اور سنیل کے گھر کے بارے میں ویرا کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

جلالی آیا تو شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔ اس سے ملتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مضمحل اور بددل سا ہو رہا تھا۔

''کمال ہے کہ کسی کو بھی پہلے اس کے سیٹ لائٹ فون کا خیال نہیں آیا۔'' اس نے ہمارے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا ''راج محل کے پیچھے میرا بہت سارا وقت برباد ہونے سے بچ جاتا۔''

''پہلے فون کیا جاتا تو شاید جواب ہی نہ ملتا اور ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا ''اس وقت بھی اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سخت تکلیف اور اذیت میں مبتلا ہے۔ اس نے صرف زخموں کا ذکر کیا ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ گولیوں سے اس کی کوئی ہڈی بھی ٹوٹی ہے۔''

''مجھے تسلی ہے کہ وہ پاکستان ہی میں ہے۔ اس کے غائب ہونے سے میں شدید ذہنی پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا۔''

''میں بھی اس خلجان سے گزر تار ہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا ''اس الجھن میں تم اکیلے نہیں تھے۔ سب کو پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ تم نے وہاں کافی وقت گزارا ہے۔ یہ بتاؤ کہ حادثے کے بعد راج محل کے کیا حالات ہیں۔''

''اس پرشکوہ عمارت کے در و دیوار سے اداسی ٹپک رہی ہے۔ پھاٹک اور دروازہ مسلسل بند ہے حد یہ ہے کہ اندر سے چڑیا کا کوئی بچہ بھی باہر نہیں نکلا۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے سارے ملازمین اندر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔''

''میرا وہاں فون کرنے کا ارادہ تھا۔ میں سوبھراج سے ملاقات کے بہانے سے وہاں جانا چاہتا تھا۔ میں نے ائر پورٹ پر سنیل کو بتا دیا تھا کہ میں شام کو راج محل آؤں گا لیکن تمہارے تجربے کی روشنی میں، میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔''

''اب یہ پتا چل چکا ہے کہ سوبھراج اور سنیل وہاں نہیں ہیں پھر بھی میری رائے ہے کہ ہم میں سے کسی نہ کسی کو وہاں جانا چاہیے۔ پتا چلنا چاہیے کہ وہ سب اندر محصور ہو کر کیا کر رہے ہیں۔''

''آج کا وقت گزر گیا۔'' میں نے وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا ''کل سوبھراج سے بات کرنے کے بعد میں ہی کرنل داور بن کر وہاں جاؤں گا۔''

''تم اس وقت بھی کوشش کر سکتے ہو۔ ابھی رات زیادہ نہیں ڈھلی!''

''سوبھراج راج محل سے رابطے میں ہوگا۔ اسے کرنل داور کی آمد کی خبر ملی تو وہ الجھ جائے گا۔ آج کی رات اسے یکسو ہو کر یہ اطمینان کر لینے دو کہ ڈیئی نہیں بلکہ نک اس کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔''

''اس قاتلانہ حملے کی ناکامی نے سب کچھ چوپٹ کر کے رکھ دیا۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''اسلام آباد میں کیا ہو رہا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ میں اسی جمود پر کڑھ رہا ہوں۔ وہاں بیٹھے ہوئے بوجھ بجھکڑ نہ جانے کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ سب اس کے سیاسی مرتبے سے مرعوب بلکہ خائف نظر آ رہے ہیں۔''

''تم نے ہر ایک کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا پھر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔''

''میرا ڈائریکٹر، پاکستان کا صدر یا وزیراعظم اس کے وارنٹ پر دستخط نہیں کرے گا۔ یہ کام کسی متعلقہ مجسٹریٹ کو کرنا

ہے۔ وہ ڈرے ہوئے ہیں۔ بازی الٹ گئی تو کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا، دستخط کرنے والا عتاب میں آ جائے گا۔“

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ ان مجبوریوں کا تفصیلی ذکر پہلے بھی کر چکا تھا۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ ڈھول بیٹھنے سے پہلے اسلام آباد والے ٹس سے مس نہیں ہوں گے۔

”کل حالات ایک نئی کروٹ لیں گے۔ اول خان کو میں نے مشن پر لگا دیا ہے۔ کل کے کم از کم ایک بڑے اخبار میں سوبھراج کی پوری رام کہانی آ جائے گی۔“

”تم نے یہ کام لاجواب کیا ہے۔“ وہ خبر سن کر جلال اچھل پڑا ”راستے میں، میں یہی سوچ رہا تھا کہ سوبھراج کا سحر توڑنے کے لیے اخبارات وغیرہ موثر ثابت ہوں گے۔ ابھی تک اس کے خلاف جو فضا بنی ہے اس میں بعض اخباروں کا اہم کردار رہا ہے۔“

”اس سے بوجھ بجھکڑوں کا خوف بھی دور ہو گا لیکن اس کے بعد شاید ان کی مدد کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ہم اپنے طور پر اسے مار لیں گے۔“

”تم ہمیشہ بہت آگے کی بات سوچتے ہو۔ اخبار والے چاہیں تو ذرا سی دیر میں کسی کی مٹی پلید کر سکتے ہیں۔ سوبھراج کا کیس ان کے لیے جان دار ثابت ہو گا۔“

”آج رات نک کے آدمیوں سے چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ہے۔“ میں نے اسے بتایا۔

”تم گھر بیٹھے یہ سب کر رہے ہو۔ سوبھراج کا کھوج نکال لیا، اول خان کو اخبار والوں کی طرف روانہ کر دیا، اب اس مکار کے آدمیوں سے چھیڑ چھاڑ کی خبر سنا رہے ہو اور میں دن بھر سولجر بازار کی خاک چھاننے کے بعد بے نیل و مرام واپس لوٹا ہوں۔ وہ لوگ تمہیں کہاں ٹکرا سکتے ہیں۔“

”ویرا کا خیال ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر میں پناہ لی ہے۔“ میں نے بات شروع کی اور پھر اسے پورے منصوبے آگاہ کر دیا۔

فون پر اس سے تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ بعض باتیں اس کے لیے نئی تھیں۔ اس نے سوبھراج اور نک کے درمیان ہونے والی پرفریب باتیں بہت دھیان سے سنیں اور اس بات کا قائل ہو گیا کہ نک نے بہت عیاری کے ساتھ اپنا گناہ میرے سر ڈال کر سوبھراج کو اپنی معصومیت کا یقین دلا دیا تھا۔ مزید طرہ یہ تھا کہ سوبھراج نے اپنے اس جانی دشمن کو اپنا ہمدرد اور ہمنوا سمجھ کر اسے اپنی پناہ گاہ کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

”تم نے اس کی چالاکیوں کا زبردست توڑ کیا ہے۔“ پے در پے متعدد سوالات کرنے کے بعد اس نے طمانیت کے ساتھ کہا ”وہ سوبھراج پر ضرور دوسرا وار کرے گا۔ آج کی رات دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔“

”نک نے دوبارہ مجھے فون نہیں کیا۔ میں نے اس سے ادھوری بات کی تھی۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے آدمیوں کا وار ناکام رہا ہے اور سوبھراج زندہ بچ گیا ہے۔ جب اسے یہ خبر ملی ہو گی تو میری پوری بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہو گی اور اس کے فرشتے کوچ کر گئے ہوں گے۔“

”اس کا اصل ہدف ڈینی ہے۔ اسے دوبارہ تم کو فون کرنا چاہیے تھا۔“

”یہ ٹائمنگ کی بات نظر آتی ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”نک نے مجھے فون کیا تو اس وقت تک سوبھراج نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ بعد میں فون پر ان دونوں کی بات ہوئی اور نک کو اس کے نئے ٹھکانے کا سراغ مل گیا۔ اب وہ سوبھراج پر دوسرا وار کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گا۔ وہ مجھے دوبارہ اس وقت فون کرنا چاہ رہا ہو گا جب اس کے دوسرے وار کے نتیجے میں سوبھراج کا کام تمام ہو چکا ہو۔“

”بات سمجھ میں آنے والی ہے۔“ ویرا نے پہلی بار زبان کھولی ”اس طرح وہ اپنی پہلی گفتگو میں ہونے والی خفت کا ازالہ کرنا چاہتا ہو گا۔ پہلی بار وہ اپنے آدمیوں کے حملے کے نتائج سے بے خبر تھا۔ اب وہ اپنی دانست میں یہ جتانا چاہتا ہو گا کہ پہلی ناکامی کے صرف چند گھنٹوں بعد اس نے اپنے غدار کو جہنم واصل کر دیا۔“

”اس کی طویل خاموشی کا یہی سبب ہو سکتا ہے۔“ جلال نے اعتراف کیا ”اس وقت وہ پوری طرح نئے پلان پر کام کر رہا ہو گا۔ جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ سوبھراج وہ ٹھکانا چھوڑ چکا ہے تو یہ ناکامی اس کا دماغ الٹ دے گی۔“

”سوبھراج اب ہر طرف سے اپنے دشمنوں میں گھر گیا ہے۔“ میں نے کہا ”صرف را والوں کے دلوں میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ ہو گا لیکن سیتا اور گوپال کے بعد اب یہاں ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ سوبھراج کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔“

”رات کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔“ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد جلال نے پوچھا۔

”یہ کوئی بڑا مقابلہ نہیں ہو گا۔ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو آدمی سنیل کے گھر پہنچ سکتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے دو آدمی کافی ہوں گے۔“ میں نے اسے بتایا ”میں اپنے ساتھ سلطان شاہ کو بھی لے جا سکتا ہوں مگر اول خان سے مشورہ

ضرور کروں گا۔ اس نے چلنا چاہا تو پھر سلطان شاہ گھر پر رہے گا۔''

''تمہارے یہ اندازے درست نکلے تو پھر خوں ریزی بھی ہوگی۔'' جلال بولا۔

''ان میں سے کوئی زندہ ہاتھ نہ آیا تو میں بے دریغ گولی ماردوں گا لیکن تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ کوئی مقدس گائے ماری گئی تو اس کا عذاب تمہارے سر نہیں آئے گا۔ وہ پولیس کیس بنے گا۔ سنیل کے گھر والے یا گھر والی بتائے گی کہ مارا یا پکڑا جانے والا سوبھراج کی تلاش میں اس کے گھر میں گھسا تھا۔ ان پیش بندیوں کے لیے اول خان سے مشورے کی ضرورت ہے۔''

''یہ پولیس کیس ہی بننا چاہیے۔ نک براہِ راست لوگوں سے کام نہیں لیتا۔ تمہاری فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق ان کی فیلڈ فورس کوبرا کے اشاروں پر کام کرتی ہے۔ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد کوبرا والی کڑی ٹوٹ گئی ہے۔ نک کے پاس افرادی قوت کا شدید بحران آچکا ہوگا۔ وہ اس کام کے لیے گوروں پر ہی انحصار کرے گا۔''

''مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے۔'' میں نے جلال کے تجزیے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ بحران نہ ہوتا تو صبح کے حملے میں امریکی کمانڈوز استعمال نہ کیے جاتے۔''

''یہ لوگ کس قدر سفاک ہیں۔'' غزالہ پھریری لے کر بولی ''اپنا نیٹ ورک ٹوٹنے کی پروا کیے بغیر سوبھراج کو جلد از جلد پیوندِ زمین کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''شاید وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اسے کچھ ڈھیل دے دیتے۔ تمہارے شوہر نامدار کی وجہ سے وہ سوبھراج کو جلد از جلد ٹھکانے لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔''

''کیوں؟ ان کے اس فیصلے کا ڈینی سے کیا تعلق ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''انہیں معلوم ہے کہ ڈینی اور کرنل داور، دونوں سوبھراج کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ڈینی قید میں ہے لیکن کرنل داور آزاد اور پوری طرح فعال ہے۔ انہیں ڈر ہے کہ سوبھراج زندہ رہا اور کرنل داور کے ہاتھ آ گیا تو پھر وہ اپنا کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ نہ جانے وہ ان کے کن کن رازوں کا امین ہے۔''

''یوں کہو کہ وہ اپنے رازوں کی حفاظت کی طرف سے فکر مند ہیں۔ انہیں ڈینی کا نہیں کرنل داور کا خوف ستا رہا ہے۔'' ویرا بولی۔

''ان کے لیے یہ دونوں الگ الگ نام ہو سکتے ہیں۔ ہمارے لیے دونوں ڈینی ہیں۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے ویرا کی تصحیح کی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا ''سنیل کے گھر پر تم ان کو گھیرنا چاہ رہے ہو تو پھر تم کو نکلنا چاہیے۔''

''میں تیار ہوں۔ مجھے اول خان کی آمد کا انتظار ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کے انتظار میں تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں ہو کر لوٹ جائیں اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔''

''تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسے کاموں کے لیے رات گہری ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ ہر طرف ویرانی کا راج ہو اور کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہ ہو۔ ویسے بھی وہ سفید فام ہوں گے تو بلاوجہ ہر شخص کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ رات کے دو ڈھائی بجے سے پہلے سنیل کے گھر کا رخ نہیں کریں گے۔''

''یہ ویرا کا اندازہ ہے کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر پر پناہ لی ہوگی۔ اگر وہ وہاں نہ رہا ہو تو پھر کیا ہوگا؟'' سلطان شاہ نے اچانک سوال داغ دیا۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس چکر میں جلال کا دن برباد ہوا ہے، ہماری رات کالی ہوگی اور ہم منہ اندھیرے واپس آ کر سو جائیں گے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تمہیں سنیل کے گھر کا پتا معلوم ہے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''مشہور لوگوں کے حاشیہ بردار بھی اپنے ولی نعمت کی طرح مشہور ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا پتا معلوم کرنے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تمہارا یہی جواب ہوگا۔'' جلال بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا ''بعض امور کے بارے میں تمہارا تجربہ اور مشاہدہ قابلِ رشک ہے۔ تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے کہ وہ لوگ گہری رات کے سناٹے میں سنیل کے گھر کا رخ کریں گے۔ کوئی ان کا راستہ روکے گا اور نہ ان کو پہچان لیے جانے کا خوف ہوگا۔''

''آپس کی تعریفوں پر خوش ہونے کے بجائے اول خان کو کم از کم فون ہی کر دو۔'' ویرا نے مجھے سنجیدگی سے مشورہ دیا ''وہ کسی کو سنیل کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کر دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سوبھراج کے وہاں ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بھی پتا چل جائے۔''

ویرا کا وہ مشورہ بہت معقول تھا۔ میں نے فوری طور پر

اس پر عمل کر ڈالا۔ اول خان اپنے صحافی دوست سے ملاقات کے بعد ہماری طرف آ رہا تھا۔ راستے میں اس سے میری بات ہوئی اور اس نے آسانی سے وہ ذمے داری قبول کر لی۔

''کام ہو جائے گا لیکن تم کو اچانک سنیل کا گھر کیوں یاد آ گیا!'' اس نے میری پوری بات سن لینے کے بعد اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''سوبھراج اپنے گھر میں نہیں ہے۔ کہیں روپوش ہو گیا ہے......''

''اوہ! تو تمہارا خیال ہے کہ وہ سنیل کے گھر میں چھپا ہوا ہوگا۔'' وہ میری پوری بات سنے بغیر ہی میرا مدعا سمجھ کر بولا۔

''یہ ویرا کی رائے ہے جس سے سب متفق ہیں۔ تم آ جاؤ تو یہاں بیٹھ کر اس بارے میں تفصیلی باتیں ہوں گی۔'' میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''بی گن نک نے دی ہے۔ کیوں نہ آج اس کے آدمیوں پر یہی ہتھیار استعمال کیا جائے۔'' اس وقت ویرا کے ذہن میں اچانک نادر خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔

''مہلک تجویز ہے۔'' سلطان شاہ نے کسی تاخیر کے بغیر اعتراض کر دیا'' وہ گن نک نے کرنل داور کو دی ہے۔ حملہ ڈینی کی طرف سے ہوگا۔ وہ بی گن کو استعمال نہیں کر سکتا۔ تم ان دونوں کا بھانڈا پھوڑنے والی تجویز دے رہی ہو۔''

''ابھی وہ بڑی حد تک کرنل داور پر بھروسا کر رہا ہے۔ آج رات اس کے آدمیوں کے خلاف بی گن استعمال ہوئی تو وہ بدک جائے گا۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کی۔

''فی الحال اس کیمیائی ہتھیار کو بھولے رہنا ہی بہتر ہوگا۔'' میں نے نرمی سے کہا'' سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں کچھ نامعلوم آلات چھپے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے ہماری نقل و حرکت ان کی نظروں میں آ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ان آلات کے ذریعے وہ ہماری آوازیں سننے پر بھی قادر ہوں۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم بار بار اسے کیمیائی گن کیوں کہہ رہے ہو۔'' اعتراض کی معقولیت کا اندازہ لگاتے ہی ویرا نے بات دوسری طرف پلٹ دی۔

''پھر کیا کہا جائے؟'' جلال نے جاننا چاہا۔

''بایولوجیکل کا اردو مترادف حیاتیاتی ہوتا ہے۔'' ویرا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر عالمانہ انداز میں کہا۔

''سب مانتے ہیں کہ تمہاری اردو بہت سے اردو دانوں سے بہتر ہے لیکن گن کا یہ نام گمراہ کن ہوگا۔ اگر اس گن کو اس لیے حیاتیاتی کہنا چاہتی ہو کہ یہ زندگی کے معمولات پر اثر انداز ہوتی ہے تو پھر ڈنڈا بھی ایک حیاتیاتی ہتھیار کہلائے گا۔ یہ اصطلاح صرف لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اسے صرف جراثیمی ہتھیاروں تک محدود رہنا چاہیے۔ اس گن سے ٹریگر یا بٹن دبنے سے کیمیائی عمل کے ذریعے گیس کی ایک طے شدہ مقدار خارج ہوتی ہے جو اعصاب کو مفلوج کر دیتی ہے۔ نک نے اس گن کو غیر ضروری اہمیت دینے کے لیے بایولوجیکل کہہ دیا تو یہ حیاتیاتی گن نہیں بن گئی۔'' میں نے وضاحت کی۔

''ویری گڈ!'' جلال تحسین آمیز لہجے میں بولا'' میری غلط فہمی بھی دور ہو گئی۔ شاید ہم ایسے ہتھیاروں کو حیاتیاتی کہہ سکتے ہیں جن کے استعمال کے نتیجے میں چیچک، طاعون، ہیضے اور یرقان وغیرہ جیسی متعدی اور موذی بیماریوں کی وبا پھیل سکتی ہو۔''

''تم ان چکروں میں غلط پڑ گئے۔'' ویرا سر جھٹک کر مجھ سے بولی'' تم کو وکالت یا تدریس کا پیشہ اپنانا چاہیے تھا۔ رفتہ رفتہ تم اپنی بات منوانے کے فن میں طاق ہوتے جا رہے ہو۔ اپنے مطلب کی دلیلیں بھی خوب گھڑ لیتے ہو۔''

ویرا کے چڑ چڑے جواب پر غزالہ ہنس دی اور اس سے مخاطب ہو کر بولی'' خدا کا کچھ خوف کرو ویرا! انہوں نے کون سی من گھڑت بات کہی ہے۔''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ ڈینی کبھی بھی سائنس کا طالب علم نہیں رہا ہوگا۔'' ویرا چیلنج کرنے والے انداز میں بولی ''لیکن آج یہ ہم سب کو حیاتیات اور کیمیا کا فرق سمجھا رہا ہے۔ یہ اندھیر نہیں تو اور کیا ہے۔''

''اندھیر نہیں، یہ روشن خیالی ہے۔'' جلال نے ناصحانہ لہجے میں کہا'' تعلیم سے بعض لوگوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ وہ جیسے ہیں ویسے کے ویسے رہتے ہیں اور بیشتر لوگ پڑھ لکھ کر ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگتے ہیں۔ گن کے بارے میں ڈینی کی دی ہوئی دلیل میری سمجھ میں آ رہی ہے۔''

''سب لوگ ایک طرف ہو تو پھر میں ہی خاموشی اختیار کیے لیتی ہوں۔'' ویرا نے روٹھنے کے انداز میں کہا اور منہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔

جب سے ویرا نے دہلی سے میری حاصل کی ہوئی فائلوں کا پلندا حفاظت کے ساتھ لاہور پہنچایا تھا، جلال کے دل میں اس کے لیے عزت واحترام کے جذبات پیدا ہو گئے تھے جن میں کسی سفلی یا عامیانہ جذبے کا دور دور تک کوئی دخل نہیں تھا۔

ویرا کی ناراضی کو محسوس کر کے وہ اس کی دل جوئی کی کوششیں کرتا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ موقع پا کر ویرا

کو چڑانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس بہانے سے ڈرائنگ روم کی رونق برقرار تھی۔
اسی اثنا میں اول خان واپس لوٹ آیا۔ میں نے فون پر اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ جلال ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وہ آتے ہی پر جوش انداز میں اس سے بغل گیر ہو گیا۔
میں محسوس کر رہا تھا کہ کسی حد تک ایک دوسرے کی رفاقت میں کام کرنے کے نتیجے میں ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے پیشہ ورانہ فاصلے میں بتدریج کمی آتی جا رہی تھی ورنہ ابتدائی دنوں میں وہ آپس میں کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔
جلال سے پرتپاک ملاقات کے بعد اول خان نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر سنیل پرکاش کے نام کے نیچے سولجر بازار کا ایک تفصیلی پتا درج تھا۔ اس رقعے کے مطابق سنیل سولجر بازار کی مارکیٹ کے عقب میں رہائش پذیر تھا۔
پوری تفصیلات جاننے کے بعد اول خان میرے پروگرام سے متفق ہو گیا۔
''ایک حملے کی ناکامی کے بعد وہ پہلی فرصت میں سوبھراج کو مروانے کی کوشش کرے گا۔'' اول خان کہہ رہا تھا ''اگر سوبھراج کی غلط فہمی دور کرنے کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو اس کے آدمیوں کو سنیل کے گھر تک پہنچنے سے پہلے گھیرا جا سکتا تھا۔''
''اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہاں کچھ ہوتا ہے تو اس میں ہمارا یا ایس ٹی ایف کا کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔'' میں نے کہا ''یہ پولیس کیس بننا چاہیے۔''
''جلال کی موجودگی میں تمہیں کسی فکرمندی کی ضرورت نہیں......''
میں نے اول خان کی بات کاٹ دی ''جلال کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آئی بی اس وقت بھی الگ تھلگ رہے گی۔''
''یعنی اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی سوبھراج ایک معزز اور مراعات یافتہ شہری ہے!'' اول خان نے حیرت سے کہا۔
''مراعات وہی واپس لے سکتا ہے جس نے دی ہیں۔ میں اس معاملے میں بالکل بے قصور ہوں۔'' جلال نے اپنے شانے اچکا کے کہا۔
''لیکن تم کو پولیس کو ملوث کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟'' اس نے جلال کی پوزیشن کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر مجھ سے پوچھا۔
''میرا کوئی قانونی اختیار نہیں ہے اور ایس ٹی ایف تو خیر قانون کی نظروں میں اپنا کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ پولیس ایسی فورس ہے جو کسی بھی ہنگامے میں اپنی ٹانگ اڑا کر تفتیش کا آغاز کر سکتی ہے۔ اگر ان کا کوئی آدمی زندہ یا مردہ ہاتھ آ جاتا ہے تو پولیس ان لوگوں کو کسی الزام تراشی کا موقع دیے بغیر یہ سوال اٹھا سکتی ہے کہ نک کے بھیجے ہوئے آدمی اپنی حدود سے بہت دور، سنیل کے گھر کے پاس کیا کر رہے تھے۔''
''یہ بندوبست بھی ہو جائے گا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اول خان نے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''مناسب وقت پر پولیس بھی آ جائے گی۔''
''یہ ایسے کام ہیں جو میں نہیں کر سکتا۔'' جلال نے زور دے کر کہا ''میرے ایک اشارے پر پولیس کی بھاری نفری اس علاقے کا محاصرہ کر سکتی ہے لیکن میں ان کے افسروں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہماری موجودگی کا ذکر گول کر دیں۔''
''پولیس والے ایس ٹی ایف سے اسی لیے خوش رہتے ہیں کہ اول خان ہمیشہ پکی پکائی کھچڑی ان کے حوالے کر دیتا ہے۔'' ویرا سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولی ''سہرا ان کے سر بندھتا ہے اور شہر میں پولیس کی دھوم مچ جاتی ہے۔''
''مجھے دلی افسوس ہے کہ میں ابھی تک سوبھراج کے خلاف کچھ نہیں کر سکا مگر میں اس نئے مشن میں تم لوگوں کی کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔'' جلال یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔
نک بڑی حد تک کرنل داور پر اعتماد کر رہا تھا۔ سوبھراج نے ڈینی سے سمجھوتا کر کے دو دن کی مہلت لے لی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں ان دونوں کے ساتھ کامیابی سے کھیل رہا تھا۔ آثار کچھ ایسے نظر آنے لگے تھے جیسے سوبھراج کا قصہ، آنے والے دو چار دنوں میں نمٹ جائے گا اور پھر کوئی نیا مسئلہ سامنے آنے تک ہمیں کچھ آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔
شاید سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جاتا لیکن نک کے کیمپ کی طرف سے کیے جانے والے ناکام قاتلانہ حملے نے معاملے کو بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔
امریکی کمانڈوز سے بچ کر اگر سوبھراج اپنے گھر لوٹ گیا ہوتا تو وہ معاملہ اس قدر نہ الجھتا۔ اسلام آباد والوں کی لیت و لعل کے باوجود سوبھراج کو کسی نہ کسی طرح گھیر لیا جاتا۔ اس کی روپوشی نے ہمارے لیے سنگین مسائل پیدا کر دیے تھے۔
سوبھراج کو زعم تھا کہ وہ ایک عزت دار سیاست داں ہے۔ اسے حکومت وقت کی طرف سے بہت سی رعایتیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ کچھ بھی کرتا رہے، کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔

وہ یہ سوچ کر روپوش ہوا تھا کہ اس طرح وہ اپنے دشمنوں کی دسترس سے دور رہ سکے گا اور پھر اس دوران میں وہ اپنے اثر ورسوخ کو بروئے کار لا کر اپنی ذات کے گرد ایک ایسا حصار قائم کر لیتا جس سے گزر کر اس تک پہنچنا محال ہو جاتا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی لڑائی صرف ڈینی اور ویرا سے چل رہی ہے۔ جو کچھ ڈینی جانتا ہے، وہ دوسروں کے یا کم از کم قانون کے کسی محافظ کے علم میں نہیں ہے۔ اس کی خوش فہمی کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک اس کے جرائم کے سلسلے میں کسی نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔

ڈینی کو مار کر یا رام کر کے وہ کھلے دل سے زندگی گزارنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ اس وقت تک اسے یہ بھنک نہیں مل سکی تھی کہ جلال اس کے خلاف پوری قوت سے اپنی قانونی کارروائی کے آغاز کی تگ و دو کر رہا تھا۔

وہ بات زیادہ دیر تک چھپنے والی نہیں تھی۔ اپنے بارسوخ ہمدردوں اور سیاسی حلیفوں کے ذریعے جلد ہی اسے معلوم ہو جاتا کہ اسلام آباد میں اس کے خلاف کیا کھچڑی پکتی رہی تھی۔

اس انکشاف کے بعد وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہونے سے پہلے اسے بے بس کر لیا جائے۔

مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ سنیل کے گھر پر ہی چھپا ہوا ہوگا۔ اس وقت تک کوئی اور متبادل مفروضہ ہمارے سامنے نہیں تھا اس لیے میں نے اوپری دل سے ویرا کی وہ رائے قبول کر لی تھی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر، سوبھراج کے منظر عام پر آنے کا انتظار کرنے سے بہتر تھا کہ اس کی تلاش میں کچھ نہ کچھ کیا جائے۔

میں نے سلطان شاہ سے یہ بات بلا سبب نہیں کہی تھی کہ سنیل کے گھر تک دوڑ لگانے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ہماری رات کالی ہوگی۔ وہاں کچھ نہ ہونے کی صورت میں مجھے یہ اطمینان ضرور ہو جاتا کہ ہم نے سوبھراج تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ناکامی کے مقابلے میں کچھ نہ کرنے کی خلش میرے لیے زیادہ پریشان کن ہوتی۔

☆☆☆

میں نے اول خان سے تہ کیا ہوا رقعہ لے کر سنیل کے گھر کا پتا دیکھا تو اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ راج محل سے اس گھر کا فاصلہ مشکل سے ایک کلومیٹر یا اس سے بھی کم رہا ہوگا۔

راج محل پرانی فرودٹ مارکیٹ کے قریب واقع تھا۔ سنیل میونسپل مارکیٹ کے عقب میں رہتا تھا۔

وہاں پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ شاید سنیل نے ساری عمر راج محل والوں کی نوکری میں گزارنے کا فیصلہ کرنے کے بعد وہ گھر خریدا تھا جہاں سے وہ چند منٹ میں راج محل پہنچ سکتا تھا۔ وہاں سے اسے کام پر آنے جانے کی سہولت تھی تو سوبھراج کو بھی یہ اطمینان رہتا ہوگا کہ اس کا غلام اس کے ایک اشارے پر، ذرا سی دیر میں راج محل پہنچ جائے گا۔

اس گھر پر آدھی رات سے پہلے کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا پھر بھی اول خان نے اس گھر کا سراغ لگاتے ہی اپنے ایک آدمی کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔

رات کے بارہ بجے ہم وہاں پہنچے تو انگریزی حرف ایل کی صورت میں مارکیٹ کے ساتھ بنی ہوئی سڑک پر دور دور تک گہرے سناٹے کا راج تھا۔ مارکیٹ کی پختہ اور قدیم عمارت سے باہر بنے ہوئے چائے اور پان وغیرہ کے کیبن بھی بند پڑے ہوئے تھے۔

گنجان درختوں کے سائے میں کہیں کہیں بے سروسامان گداگر ایسی بے فکری سے سو رہے تھے جیسے انہیں اسی خاک نشینی کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی ناکافی روشنی سڑک پر پھیلے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور ماحول کچھ مہیب سا نظر آ رہا تھا۔

گھروں کے اندر وہ سونے کا وقت تھا مگر باہر کا سماں بھی کم خواب ناک نہیں تھا۔ اول خان نے سڑک کی ویرانی دیکھتے ہی ایریٹس پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور اسے اطلاع ملی کہ نگرانی بے سود رہی تھی۔ شام سے اس وقت کوئی مشتبہ فرد اس گھر کے قرب و جوار میں منڈلاتا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔

پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اول خان نے اسے اپنے ٹھکانے پر واپس جانے کی ہدایت دی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

گاڑی سست رفتار سے اس دو منزلہ مکان کے سامنے سے گزری جس کی اوپری منزل پر سنیل رہتا تھا۔ اوپر گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ گھر خالی پڑا ہوا تھا اور اگر وہاں کوئی رہ رہا تھا تو وہ آنے والے حالات سے بے خبر، اس وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ اول خان وہاں رکے بغیر، گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

مین روڈ سے مارکیٹ تک آنے والی سڑک زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن اس کا موڑ کے بعد والا حصہ خاصا طویل تھا۔ اول خان اپنی گاڑی میں آگے بڑھتا رہا۔ اس علاقے کا ایک چکر

لگانے کے بعد اس نے سڑک کے موڑ پر، مارکیٹ کے داخلی راستے کے قریب لگے ہوئے ایک تناور درخت کے نیچے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔

ہمارے کام لیے وہ جگہ بہت موزوں تھا۔ درخت کے گھنے سایے کی وجہ سے وہ جگہ اسٹریٹ لیمپس کی روشنی سے محفوظ تھی۔ وہاں کھڑی ہوئی گاڑی پر کسی کی نظر پڑ بھی جاتی تو اسے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اول خان کی گاڑی کے شیشے سیاہ تھے۔ وہاں رکنے کے چند منٹ بعد اس نے شیشے چڑھا دیے تاکہ باہر سے کسی کو اندر کا منظر نظر نہ آسکے۔

ہم دونوں نے وقت گزارنے کے لیے نیچی آواز میں باتیں شروع کر دیں۔ اس وقت ہمارے لیے سوبھراج ہی سب سے زیادہ حساس موضوع بنا ہوا تھا۔

انسان کے ذہن پر کوئی کام سوار نہ ہو تو وقت پر لگا کر اتنی تیزی سے اڑتا ہے کہ وہ حیران رہ جاتا ہے لیکن جب انتظار کا مرحلہ درپیش ہو تو وہی وقت ایک جگہ یوں تھما ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

''بیکاری میں وقت اسی رفتار سے گزرتا رہا تو میرے اوپر اونگھ سوار ہو جائے گی۔'' اول خان نے کچھ دیر بعد بے چینی سے کہا۔

''وقت ہمیشہ اپنی یکساں رفتار سے گزرتا ہے۔ یہ ہمارا احساس ہے کہ وقت کی نبض سست پڑ گئی ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''صبح کے اولین لمحات میں نیند بہت گہری ہوتی ہے۔ اگر ان لوگوں نے تین چار بجے آنے کا ارادہ کیا ہوا ہے تو ہم ان کے انتظار میں سوکھ جائیں گے۔''

''میں تو ناکامی کے لیے بھی تیار ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سرے سے ادھر کا رخ نہ کریں مگر ہم اذانوں کی ابتدا ہونے تک یہاں رکیں گے۔''

ہم دونوں کسی نہ کسی طرح وقت گزارتے ہی رہے۔ میرے لیے دہری مشکل یہ تھی کہ میں بند گاڑی میں سگریٹ نوشی نہیں کر سکتا تھا۔ مروت کا مارا اول خان میرے اگلے ہوئے دھوئیں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا مگر اندیشہ یہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں، سگریٹ کا سلگتا ہوا سرا بہت دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

اس وقت رات کے دو بجے کا عمل رہا ہوگا کہ مین روڈ سے گھوم کر کوئی گاڑی اس ذیلی سڑک پر آئی۔ اول خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عقب نما آئینے میں ہیڈ لیمپس کا روشن انعکاس دیکھتے ہی مجھے ہوشیار کیا لیکن میں نیم تاریک سڑک پر دور تک پھیلنے والی روشنی دیکھ کر پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔

وہ کار دھیمی رفتار سے آگے بڑھتی چلی آئی اور پھر موڑ گھوم کر سنیل کے گھر کی طرف چلی گئی۔ وہ سیاہ رنگ کی چھوٹی سی کار تھی۔ اس کی ساخت میرے لیے نامانوس تھی۔ اس میں اگلی نشستوں پر دو سفید فام سوار تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو پہلی نظر میں پہچان لیا کیونکہ میں سوبھراج کی آمد کے موقع پر اسے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ ائرپورٹ پر وہ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس نظر آیا تھا لیکن اس وقت قمیص شلوار میں ملبوس نظر آیا تھا۔

ائرپورٹ پر میں نے ان دونوں میں سے صرف ایک کو دیکھا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کا ساتھی بھی وہی رہا ہوگا۔ دن کے اجالے میں سوبھراج کو دوران سفر اپنا نشانہ بنانے کے لیے انہوں نے موٹر سائیکل استعمال کی تھی جو بلا رکاوٹ فرار کے لیے ایک بہترین سواری تصور کی جاتی ہے۔ سنیل کے گھر آنے کے لیے انہوں نے چار پہیوں والی سواری کا انتخاب کیا تھا اور اپنی وضع قطع بھی تبدیل کر لی تھی تاکہ سرسری نظر میں کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ کھلی سواری کے مقابلے میں کار کا ڈھانچا بھی انہیں دوسروں کی نظروں میں چھپانے کے لیے مددگار تھا۔ اپنا کام کرنے کے بعد ان کو واپسی کی کوئی فکر نہیں رہی ہوگی۔ رات کے دو بجے شہر کی ساری سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں۔ انہیں راستے میں کہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی۔

''یہ دونوں وہی کمانڈوز ہیں جنہوں نے سوبھراج کو زخمی کیا تھا۔'' میں نے اول خان کی طرف سے ان کی رنگت پر حیرت کے اظہار پر جواب دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دوسرا موقع دے کر اپنی پہلی ناکامی کے ازالے کی رعایت دی گئی ہے۔'' اول خان نے دھیرے سے کہا۔

''اس بار بھی ناکامی ان کا مقدر بننے والی ہے۔''

امریکی کمانڈوز کی سیاہ کار سنیل کے مکان سے ذرا پہلے رک گئی۔ گاڑی روکتے ہی انہوں نے اپنی ساری روشنیاں گل کر دیں۔

اسی لمحے صحت مند جسم والا ایک دراز قامت شخص پسنجر سیٹ سے اترا۔ سیاہ قمیص شلوار میں اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کی سفید رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سنیل کے دروازے پر رکا اور قدرے جھک گیا۔ اسٹریٹ لیمپس کی ناتواں روشنی میں مجھے

اس کی حرکات وسکنات صاف نظر آرہی تھیں۔
اس گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں دروازے کی ساخت پر زیادہ غور نہیں کرسکا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ وہ اندر سے بند تھا۔
اس شخص کو دروازہ کھولنے میں صرف چند سیکنڈ لگے پھر وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے روپوش ہوگیا۔
مقابلہ برابر کا تھا۔ ہم دو تھے اور میرے اندازے کے مطابق آنے والوں کی تعداد بھی دو ہی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے ہر قسم کے خطرے کو نظر انداز کردیا تھا۔ یہ ان کی بدترین بنیادی غلطی تھی۔
میں گاڑی سے اتر کر پیدل ان کی سیاہ کار کی طرف جاتا تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اپنے عقب نما آئینے میں میرا عکس دیکھ کر ہوشیار ہوجاتا۔ وہ پیشہ ور کمانڈو تھا۔ خطرے کا موہوم ترین اندازہ ہوتے ہی سفاکی کا کوئی بدترین مظاہرہ کرسکتا تھا۔
ایسی صورت میں وہ بند گاڑی میں میری دسترس سے دور ہوتا، میں اس کے کھلے نشانے پر آجاتا۔ اس کی چلائی ہوئی ایک گولی میرا کام تمام کرسکتی تھی۔ یہ توقع عبث تھی کہ میں کوئی پھرتی دکھا کر اس کے فائر سے بچ سکوں گا اور پھر مجھے دوڑ کر اس تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔
میں نے اول خان کے گھٹنے پر ہاتھ مار کر اسے گاڑی آگے بڑھانے کا مشورہ دیا۔ حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہ کسی بھی ہنگامی اقدام کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے اسٹیئرنگ گھمایا اور لینڈ روور کسی فولادی درندے کی طرح اچھل کر، غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔
''دیکھو، وہ بھاگ رہا ہے۔'' سیاہ کار کی عقبی سرخ روشنیاں جلتے ہی میں نے اضطراری انداز میں کہا ''اس کے پیچھے جانے سے پہلے مجھے سنیل کے دروازے پر اتار دینا۔''
اس وقت مزید کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں تھا۔ کمانڈوز کی موٹر سائیکل کی طرح ان کی چھوٹی سی سیاہ کار کا انجن بھی بہت طاقت ور تھا۔ حرکت میں آتے ہی وہ بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔
اول خان کی لینڈ روور پلک جھپکتے میں سنیل کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اول خان نے بریک لگا کر ایک تیز جھٹکے سے گاڑی کو روکا اور مجھے اتار کر دوبارہ تیزی سے آگے روانہ ہوگیا۔ اس وقت تک اگلی سیاہ کار اگلے موڑ تک پہنچ چکی تھی اور بھاگنے والے نے سیدھا راستہ چھوڑ کر گاڑی ادھر گھمالی تھی۔

وہ بہت مختصر اور طوفانی منظر تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں لینڈ روور بھی اگلی گاڑی کے تعاقب میں مڑ گئی۔
میرے لیے اس کا فرار بہت حیرت ناک ثابت ہوا۔ وہ گنتی کے دو نفوس تھے۔ ایک سنیل کے گھر میں محبوس ہوچکا تھا۔ ڈرائیو کرنے والے کمانڈو نے تناور درخت کے نیچے ہماری گاڑی کو متحرک ہوتے دیکھ کر اگر خطرہ محسوس کیا تھا تو اسے اپنی جگہ جم کر کم از کم اتنی دیر تک مزاحمت کرنی تھی کہ اس کا ساتھی حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر باہر آسکے۔ اس کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یوں بھاگ نکلنا ہر اعتبار سے بزدلی کے مترادف تھا۔
میں نے اس مکان کے احاطے کی دیوار سے چپکنے سے پہلے آہنی دروازے کا جائزہ لیا تو پٹ بند تھا۔ میں نے اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اندر جانے والے نے نہ جانے کس مصلحت کے تحت وہ دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا تھا۔
میرا ارادہ سنیل کے گھر میں گھس کر اسے زیر کرنے کا تھا۔ دروازہ بولٹ ہونے کی وجہ سے میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھا۔ میں دروازے کے ستون کے ساتھ، احاطے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔
اس وقت میرے کان کہیں سے بھی آنے والی کسی آواز پر مرکوز تھے لیکن دونوں گاڑیوں کے چلے جانے کے بعد فضا پر دوبارہ پرہول سناٹا چھا گیا تھا۔
میرا اندازہ تھا کہ سنیل اور سوبھراج کے زخمی ہونے سے سنیل کی بیوی نے ممکنہ خطرات کا ادراک کرلیا ہوگا۔ ان دونوں کے یکایک گھر سے چلے جانے کے بعد اس عورت کا پریشان ہونا ایک فطری عمل ہوتا۔ اکیلے گھر میں ایک سفید فام اجنبی کو اپنے روبرو پاکر اس کا دہشت زدہ ہو کر چیخنا چلانا بھی قرین قیاس تھا لیکن ہر طرف چھائے ہوئے گہرے سکوت سے اندازہ ہورہا تھا کہ سنیل کے گھر کی صورتِ حال پوری طرح اندر گھسنے والے کمانڈو کے کنٹرول میں تھی۔
مجھے بھاگنے والے کی حماقت پر زیادہ دیر سر نہیں کھپانا پڑا کیونکہ میں اچانک دور سے آنے والی تیز روشنی کی زد میں آگیا۔ اس بار وہ سیاہ کار بہت تیزی کے ساتھ اس سمت سے آئی تھی جدھر ہم نے اپنی لینڈ روور پارک کی ہوئی تھی۔
اسے سنیل کے گھر میں اپنے ساتھی کی مصروفیت کے دورانیے کا صحیح اندازہ تھا۔ ہماری گاڑی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے بہت تیزی سے فیصلہ کیا کہ اگر وہ کچھ دیر کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دے تو صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں

پڑے گا۔

وہ فرار نہیں ہوا تھا، اس نے مقابلے سے گریز کرتے ہوئے اچانک ایسی ترکیب استعمال کی تھی کہ اس کے سامنے ہمارے عزائم بے نقاب ہو گئے تھے۔

بھاگتے ہوئے وہ اول خان کو اپنے پیچھے لگا لے گیا اور مین روڈ کا ایک چکر لگا کر دوبارہ واپس آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کچھ فاصلے سے اول خان اس کا پیچھا کر رہا ہوگا۔

اس وقت میری ہر خوش فہمی کافور ہو چکی تھی اور موت تیزی سے اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

ایک قلیل سے عرصے میں وہ حالات کی بہت خطرناک کروٹ تھی۔ میں کھلی سڑک پر تھا، وہ کار میں سوار تھا۔ میرے لیے بس ایک ہی مثبت پہلو تھا کہ میں اس کے مخالف رخ پر تھا اور وہ آسانی سے میرے اوپر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔

وہ اس سڑک پر کچھ آگے آیا تھا کہ اول خان کی گاڑی بھی موڑ گھومتی نظر آئی۔ اس وقت ان دونوں کا وہ فاصلہ میرے لیے بہت اہم تھا۔

جتنی دیر میں اول خان اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا کر اس کے سر پر پہنچتا، وہ میرے خلاف اپنی من مانی کارروائی کر سکتا تھا۔

پھر سیاہ گاڑی کا رخ دیکھ کر اچانک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس نے بھی سنیل کے گھر کے باہر میرا رخ دیکھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ براہ راست فائر کر کے آسانی سے مجھے اپنا نشانہ نہیں بنا سکے گا۔ اگر وہ گاڑی چلاتے ہوئے پسنجر سیٹ کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر میرے اوپر گولی چلاتا تب بھی نشانہ خطا ہونے کے واضح امکانات موجود تھے۔

وہ دونوں اسی صبح سوبھراج کے سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ ان جیسے پیشہ وروں کے لیے وہی ایک ناکامی روسیاہی کے لیے کافی تھی۔ وہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں کسی دوسری ناکامی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

وہ گاڑی سڑک پر سیدھی چلتے چلتے، یکایک ترچھی ہو گئی تھی۔ ڈرائیور کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ فائرنگ کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر، اپنی گاڑی کو سڑک سے اتار کر مجھے سنیل کے احاطے کی دیوار اور گاڑی کے درمیان پیس کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

میرے پاس ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں دیوار سے ذرا آگے سرک کر نیچے جھکا اور... اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول کر ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

میں وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا تو میرے لیے تیز رفتار کار کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی بھی لمحے مجھے کچل دیتا۔

جب میری نگاہ چند قدم دور لگے ہوئے بجلی کے کھمبے پر پڑی تو کوئی متبادل راہ اختیار کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

میں اسٹریٹ لائٹ والے اس کھمبے کی آڑ لینے کے لیے ایک پل کے لیے بھی اپنی طرف بڑھتی ہوئی سیاہ کار پر سے نظریں ہٹاتا تو اگلے ہی لمحے وہ کار میرے اوپر چڑھ دوڑتی۔

اس وقت میرے حریف کے سامنے دو مسائل تھے۔ وہ مجھے گاڑی اور دیوار کے درمیان کچل کر یا گاڑی کے نیچے روند کر مارنا چاہ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی رہی ہوگی کہ اس کوشش میں اس کی گاڑی بری طرح تباہ نہ ہونے پائے تاکہ وہ سنیل کے گھر میں پھنسے ہوئے ساتھی کے باہر آتے ہی اپنی گاڑی میں فرار کی راہ اختیار کر سکے۔

میں کوئی غیب داں نہیں تھا۔ سیاہ کار کی رفتار میں اچانک کمی کی صورت میں مجھے اس کی حکمت عملی صاف نظر آ گئی تھی۔

وہ سب پلک جھپکنے کا کھیل تھا۔ رفتار کم ہونے کے باوجود خاصی تیز تھی۔ گاڑی زناٹے دار آواز کے ساتھ سڑک سے اتر کر میری طرف آئی اور میں اس کے بونٹ پر دونوں ہاتھ جما کر فضا میں یوں اچھلا جیسے میرے پیروں میں اچانک اسپرنگ نکل آئے ہوں۔

میں گاڑی کے بونٹ پر فضا میں اچھل گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ والے نے اسی لمحے بریک نہ لگا لیے ہوتے تو اس کی گاڑی دیوار سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی ہوتی۔

میرے ہاتھ بونٹ پر سے ہٹ گئے تھے مگر میں نے... بدحواس ہو جانے کے بجائے اپنے اوسان بحال رکھے تھے۔ میں دوبارہ پرشور آواز کے ساتھ سیاہ گاڑی کے سپاٹ اور پھسلواں بونٹ پر گرا تو وہ اپنی گاڑی ریورس گیئر میں ڈال چکا تھا۔

اس موذی کو میرے جسمانی توازن کا بخوبی احساس تھا۔ میرے بونٹ پر گرتے ہی اس نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی گاڑی الٹی چلائی۔ ہاتھ پیر مارنے کے باوجود میں چکنے بونٹ پر رکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

میں اس کی چال سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے گرا کر پھرتی سے دوبارہ گاڑی آگے بڑھاتا تو میں خود کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

بونٹ پر سے پھسلتے ہوئے میں نے پوری کوشش کی کہ گاڑی کے سامنے نہ گرنے پاؤں اور آخر کار میں بائیں طرف

زمین پر ٹکنے میں کامیاب ہو گیا۔
یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس طرف بجلی کا کھمبا بہت قریب تھا۔ میں دوڑ کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ اب وہ کھمبا گرائے بغیر اپنی گاڑی سے مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔
وہ اپنی الٹی چلتی ہوئی گاڑی کو روکنے بھی نہیں پایا تھا کہ اول خان نے اپنی وزنی گاڑی پیچھے سے سیاہ گاڑی سے ٹکرا دی۔
ایک پرشور دھماکے اور شدید جھٹکے کے ساتھ سیاہ کار کا رخ گھوم گیا۔
میرا مشکل وقت ٹل چکا تھا۔ میں نے کھمبے کی آڑ سے جگہ چھوڑ کر سیاہ کار کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس کا ڈرائیور تیزی سے پستول نکال چکا تھا مگر میں نے اسے کوئی فائر کرنے کا موقع دیے بغیر دروازہ کھولا اور اسے کالر سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔
اس افراتفری میں سیاہ کار کا انجن خاموش ہو چکا تھا اور اول خان بھی تیزی کے ساتھ گاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔
مجھے اپنے حریف کے خلاف پہل کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ میرے ہاتھوں میں بالکل بے بس تھا۔
میں نے اسے گاڑی سے اتارتے ہی اپنے داہنے گھٹنے سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں ایک شدید ضرب لگائی اور وہ کراہ کر دہرا ہو گیا۔
میں نے سرعت سے پیچھے ہٹ کر اس کے داہنے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کی۔ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اس کی گرفت سے نکل کر تیز اور ٹھوس آواز کے ساتھ سڑک پر جا گرا۔
پستول یقیناً بھرا ہوا رہا ہوگا اور اس کا سیفٹی لاک بھی ہٹا ہوا ہوگا۔ یہ اتفاق تھا کہ گرنے کے جھٹکے سے پستول سے فائر نہیں ہوا لیکن اس دوران میں یکے بعد دیگرے اتنی تیز آوازیں پیدا ہو چکی تھیں کہ قرب و جوار کے مکینوں کا چونکنا بعید از قیاس نہیں تھا۔
ان آوازوں کے نتیجے میں سنیل کے گھر میں جانے والا سیاہ پوش سفید فام بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے سے برآمد ہوا تھا۔
میں اس وقت اپنے شکار سے دست و گریباں تھا۔ میں نے دوسرے کمانڈو کی صرف ایک جھلک دیکھی۔ اس وقت اول خان میری مدد کے ارادے سے آگے بڑھ رہا تھا۔
''تم دوسرے کو سنبھالو۔'' میں نے چیخ کر اول خان سے کہا ''اس حرام زادے کو میں سنبھال لوں گا۔''
اول خان رخ بدل کر بہت پھرتی سے نو وارد کی طرف گھوم گیا۔
میں نے اپنے حریف کے پیٹ کے حساس حصے میں گھٹنے کی زوردار ضرب لگا کر اور پھر اس کی کلائی پر ٹھوکر رسید کر کے اپنی دانست میں اسے نڈھال کر دیا تھا لیکن اسے نہتا کر دینے کے بعد جب میں نے دوبارہ اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور اگلے ہی لمحے اس نے میرے جبڑے پر مکا رسید کر دیا۔
میں چند لمحوں قبل زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر چکا تھا اور اس وقت بہت بھڑکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ میں نے جھکائی دے کر خود کو اس کے وار سے بچانا چاہا لیکن پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔
میری طرح اسے بھی پوری کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا مکا میرے جبڑے پر رگڑ کھاتا ہوا آگے نکل گیا۔ وہ ضرب بہت پھسپھسی تھی مگر مجھے تاؤ آ گیا۔ میرا جوابی حملہ بہت وحشت ناک تھا۔ یکے بعد دیگرے میرے مکوں نے اس کے دونوں جبڑے سہلا دیے۔
مار کھا کر وہ محتاط ہو گیا۔ مکے بنا کر اس نے اپنی دونوں کلائیاں اپنے چہرے کے سامنے کر لیں۔ اب وہ کسی باکسر کی طرح میرے اوپر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔
باکسنگ میں میرا بہت وسیع تجربہ نہیں تھا لیکن کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران میں، میں ایک سال اپنے ویٹ میں چمپین رہ چکا تھا۔
میں نے اس دور میں سیکھے ہوئے اصولوں کو اپنے ذہن میں تازہ کیا اور پھر ہم دونوں کے درمیان باکسنگ کا مقابلہ شروع ہو گیا۔
مجھے ابتدا ہی سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا ڈیل ڈول محض دکھاوے کا نہیں تھا۔ اس کے ٹھوس وجود میں حیوانی طاقت رچی ہوئی تھی۔
برابر کے حریف ایک دوسرے کے مدمقابل آتے ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ جیتنے والا ہی شروع سے آخر تک مارتا رہتا ہے۔ گھاتیں لگا لگا کر دونوں ایک دوسرے کو دل کھول کر مارتے ہیں اور آخر میں کم پٹنے والا فاتح قرار پاتا ہے۔
جب پہلی بار اس کے آہنی مکے کی ایک بھرپور ضرب میری گردن کی بائیں طرف پڑی تو مجھے تارے نظر آ گئے۔ لمحہ بھر کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے میری گردن کے منکے ہل گئے ہوں اور میری گردن کسی بھی لمحے ایک طرف ڈھلک جائے گی۔

اس مرحلے پر میں نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے ذراسی بھی کمزوری دکھائی تو وہ کسی درندے کی طرح مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

میں ایسی لڑائی کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھا۔ اس کوشش میں مجھے مزید مار کھانا پڑی لیکن آخر کار میں نے اسے اپنے تابڑتوڑ مکوں پر رکھ لیا۔

چند لمحوں میں مجھے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں پر اس کے تازہ خون کی چپچپاہٹ محسوس ہونے لگی۔

اپنے ساتھی کی طرح وہ بھی رنگین قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ڈھیلا ڈھالا لباس اس کے لیے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آستینیں اور فضا میں بار بار لہرانے والا دامن اس کی نقل وحرکت میں رکاوٹ بن رہا تھا۔

میں اپنا چہرہ بچا رہا تھا۔ اس کے مکے میرے بدن کے دوسرے حصوں پر پڑ رہے تھے لیکن میں تاک تاک کر صرف اس کے چہرے کو نشانہ بنا رہا تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں اس کا چہرہ خون سے بھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی جلد پر آنے والی خراشیں مسلسل ضربات کے نتیجے میں زخموں میں تبدیل ہوتی جارہی تھیں۔

مقابلہ بہت تیزی کے ساتھ جاری تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے آس پاس سے مداخلت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس سے پہلے اس جھگڑے کا نمٹنا ضروری تھا۔

وہ بہت استقامت سے لڑ رہا تھا۔ پٹنے کے باوجود اس کے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ میں نے جھنجلا کر اس کا فضا میں لہراتا ہوا دامن پکڑ کر ایک جھٹکا مارا، اس کا کچھ نہ بگڑا لیکن دامن کے اطراف کی سلائیاں بغلوں تک ادھڑتی چلی گئیں۔

میں نے اس کا دامن چھوڑا تو وہ ہوا اور اس کی نقل و حرکت سے اس کے چہرے تک لہرا کر بہت زیادہ رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔

وہ غراتے ہوئے بے تحاشا گالیاں بک رہا تھا۔ ایک بار دامن الٹ کر اس کے چہرے تک اڑا تو مجھے اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں موجود انگوٹھیوں میں سے ایک کو گھمانے کا موقع مل گیا۔ وہ دامن چہرے سے جھٹک کر دوبارہ حملہ آور ہوا تو میں نے ہاتھ گھما دیا۔

اس بار میرے حریف نے اپنا چہرہ صاف بچالیا۔ میرا مکا اس کی کلائی پر پڑا۔ ضرب کے نتیجے میں انگوٹھی کا کھوکھلا نگینہ پچکا اور اس میں موجود سیال کی کچھ مقدار کلائی کے راستے اس کے خون میں شامل ہوگئی۔

لمحہ بھر بعد ہی سیال کے اثرات سامنے آگئے۔ مجھ سے لڑتے لڑتے وہ تیورا کر اچانک پختہ سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ کئی گھنٹوں تک ہوش میں نہیں آسکے گا۔ اس سے بے فکر ہو کر میں نے دوسری طرف کا جائزہ لیا تو اول خان دوسرے کمانڈو کو خاک پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھا بیٹھا تھا اور اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں لپک کر ان دونوں کے قریب پہنچا اور دوسری انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں بھرا ہوا مہلک سیال اول خان کے حریف کے بائیں کولہے میں اتار دیا۔

سریع الاثر زہر نے فوری رنگ دکھایا اور جب میں عقب سے وہ کارروائی کر کے اول خان کے سامنے پہنچا تو اس کا شکار بے حس وحرکت ہو چکا تھا۔

اس وقت اول خان کے خون میں گرمی سمائی ہوئی تھی۔ وہ بدستور اس کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے رہا۔

''اسے چھوڑ دو۔ یہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔'' میں نے اول خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''اب یہاں سے بھاگنے اور پولیس کو بلانے کی فکر کرو۔''

اول خان نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا۔ احتیاط سے اپنے شکار کی گردن پر گرفت ڈھیلی کی اور جب اس نے کوئی جنبش نہیں کی تو وہ تھکے ہوئے انداز میں اپنے مردہ حریف کے سینے پر سے اتر آیا۔

''یہ دم گھٹنے سے مرا ہے یا تم نے اس کے ساتھ کوئی حرکت کی ہے۔'' اول خان نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

میں نے اپنی انگلیوں میں موجود انگوٹھیاں اسے دکھادیں۔

وہ طلسماتی انگوٹھیاں مجھے اول خان کے ذخیرے سے ملی تھیں اور میں کئی اہم مواقع پر ان سے کام لیتا رہا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ میں نے اول خان کو کبھی ایسی کوئی انگوٹھی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اپنے ہر حریف سے آمنے سامنے کے صاف ستھرے مقابلے کا قائل تھا خواہ اس کے نتیجے میں خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ کھوکھلے نگینوں والی ان انگوٹھیوں کو وہ مکارانہ شعبدے قرار دیتا تھا جو صرف میرے لیے موزوں تھے۔

گاڑی میں سوار ہوتے ہی اول خان نے انجن اسٹارٹ کر کے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا اور یکے بعد دیگرے تین

ہوائی فائر کردیے۔

لینڈ روور کو دشمنوں کی سیاہ کار سے الگ کر کے اول خان نے تیزی سے آگے بڑھایا تو مجھے یقین تھا کہ چند منٹوں میں پولیس وہاں پہنچ جائے گی۔

اول خان نے پولیس افسران سے یہ بات پہلے سے طے کی ہوئی تھی کہ اس علاقے میں تصادم کی صورت احوال جو کچھ بھی ہو، پولیس فورس لگاتار تین فائر ہونے سے پہلے معاملات میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کرے گی۔

''ہم ناگزیر مجبوری کی صورت میں آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کا فیصلہ کر کے آئے تھے۔'' میں نے مین روڈ پر پہنچ جانے کے بعد اس سے کہا ''لیکن حیرت ہے کہ تمہارے حریف نے موقع ملنے کے باوجود کوئی فائر نہیں کیا۔''

''تم اپنی لڑائی میں مصروف تھے اس لیے تم نے کھٹکا نہیں سنا۔'' اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا ''اس خبیث نے میرے اوپر بے آواز فائر کیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی پھر میں نے اسے دوسری گولی چلانے کا موقع نہیں دیا۔ ایک لمبی جست لگا کر اسے دبوچ لیا۔''

''یہ بہت بڑی بات ہے کہ سب کچھ ہمارے منصوبے کے مطابق ہوگیا۔'' میں نے طمانیت کے گہرے احساس کے ساتھ کہا ''ان دونوں کے مخصوص انجام سے نک کو یہ پیغام مل جائے گا کہ میں ڈینی کے روپ میں میدان میں آچکا ہوں۔''

''اوہ! تو تم ان دونوں کو گولیوں سے محفوظ رکھ کر نک کو یہ پیغام دینا چاہ رہے تھے۔'' اس نے حیرت سے کہا ''لیکن تم یعنی ڈینی تو کرنل داور کا قیدی ہے۔''

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی ''اس سے بات ہوگی تو سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔''

اول خان نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ آپس میں کبھی غیر ضروری بحث نہیں کرتا تھا۔ میں جو کچھ کہتا تھا، اسے مان لیتا تھا۔

گھر سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے اسے یہ ہدایت دی کہ ہم سنیل کے گھر والوں پر فائرنگ سے حتی الامکان گریز کریں گے۔ ان کو کسی اور طریقے سے زیر کرنے کی کوشش کریں گے تو اس نے مجھ سے میرے اس فیصلے کا سبب جاننے کے لیے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ یہ ضرور کہا تھا کہ فائرنگ کی ضرورت کا فیصلہ کون کرے گا اور یہ بات میں نے اس کی صوابدید پر چھوڑ دی تھی۔ اپنی اپنی ضروریات کے مطابق ہم دونوں یہ فیصلہ کرنے کے لیے آزاد تھے کہ اپنے دشمن پر کب فائر کرنا ناگزیر ہوگا۔

****

اجزائے ترکیبی

وکالت کی کلاس میں تمام اسٹوڈنٹس بے حد کوڑھ مغز تھے۔ ایک روز لیکچرر نے وصیت نامہ تحریر کرنے کے موضوع پر ایک طویل لیکچر دیا۔ لیکچر کے اختتام پر انہوں نے اندازہ کرنا چاہا کہ اسٹوڈنٹس کس حد تک لیکچر کو سمجھ پائے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا ''وصیت نامہ تحریر کرنے کے لیے کیا چیزیں ضروری ہوتی ہیں؟''

''ایک مرتا ہوا آدمی اور کچھ دولت وجائداد''

ایک طالب علم نے جواب دیا۔

****

''تم نے میرے شکار کو بے ہوش کیا ہے یا مار دیا؟'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اول خان نے نپی تلی آواز میں سوال کیا۔

''ایک کو بے ہوش کیا ہے۔ تمہارے حریف کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان لوگوں کو کبھی کبھی یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ وہ امریکا میں نہیں دندنا رہے، پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بدمعاشی کی قیمت خون سے چکانی پڑتی ہے۔''

''یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔'' وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولا ''سنیل کے گھر پر ان دونوں کی آمد نے ویرا کا یہ نظریہ درست ثابت کر دیا کہ سوبھراج نے قاتلانہ حملے سے بچنے کے بعد یہیں پناہ لی ہوئی تھی۔''

''وہ اکثر ہماری مددگار ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بات اس کے سامنے نہ کہہ دینا۔ وہ کئی دن تک نخرے دکھاتی رہے گی۔''

''وہ بے چاری کیا نخرے دکھائے گی۔'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اس کے ساتھ اکثر زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں پھر بھی وہ بہت اپنائیت کے ساتھ تم تینوں کے ساتھ رہ رہی ہے۔''

''صرف سلطان شاہ کبھی کبھی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ہم دونوں محتاط رہتے ہیں۔ ویرا کو اتنا معصوم نہ سمجھو۔ وہ کسی سے کم نہیں ہے۔ ہمارا اور اس کا دن رات کا ساتھ ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتے۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اول خان معنی خیز لہجے میں بولا

''تمہارے بارے میں بھی وہ اکثر یہی دعویٰ کرتی رہتی ہے۔''
''تمہارے چہرے مہرے سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ تم کسی بڑے مقابلے سے نمٹ کر آرہے ہو۔'' میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا ''میرا کیا حال ہے؟''
''تمہارے دونوں رخساروں کی ہڈیاں پھولی ہوئی ہیں۔ ہر کمانڈو لازمی طور پر ایک اچھا باکسر ہوتا ہے۔ غنیمت ہے کہ تمہارے چہرے پر کوئی کھلا ہوا زخم نہیں آیا۔''
''باکسنگ کی پرانی تربیت کام آگئی ورنہ میرا چہرہ بھی لہولہان ہو گیا ہوتا۔ میں نے اس کا چہرہ بہت بری طرح ادھیڑا ہے تم کیسے بچ گئے۔ تمہارے فارمولے کے تحت دوسرے آدمی کو بھی اچھا باکسر ہونا چاہیے تھا۔''
''میں ابتدا میں ہی اس سے لپٹ گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے دور رہ کر لڑنے کی آزادی دی تو وہ میرا حلیہ بگاڑ دے گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔
میں نے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرے۔ مجھے ان ہڈیوں میں جلن کا سا احساس ہو رہا تھا۔ ہم نے اس مہم میں اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق جو اہم ترین کامیابیاں حاصل کی تھیں اس کے لیے وہ جلن بہت حقیری سی قیمت تھی۔
گھر پر تینوں بہت بے چینی سے ہماری واپسی کے منتظر تھے۔
میرے چہرے کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر ان کا مضطرب ہونا فطری تھا۔ میرے کپڑوں پر جا بہ جا خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی جلد پر بھی خون خشک ہو چکا تھا۔ اول خان نے مختصر الفاظ میں انہیں اپنے مشن کی کامیابی سے آگاہ کر دیا۔
جب میں نے انہیں یہ سمجھایا کہ وہ میرے نہیں، دشمن کے خون کے نشانات تھے تو ان کو قدرے اطمینان ہوا۔ غزالہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی تشویش کے باوجود ان لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے بہت زیادہ قریب آنے کی ہمت نہ کر سکی لیکن ویرا نے میرے سر پر سوار ہو کر بہت غور سے میری چوٹوں کا معائنہ شروع کر دیا۔
''ویرا ذرا دور رہو۔'' میں نے اس کے حد سے بڑھے ہوئے اور بے تکلفانہ قرب پر سٹپٹا کر کہا ''تم میرے اوپر چڑھی آرہی ہو۔''
''خاموشی سے بیٹھے رہو!'' اس نے میرے داہنے رخسار کی ہڈی کو نرمی سے سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے نرسنگ کورس کیا ہوا ہے مجھے معلوم ہے کہ کس طرح زخموں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری ہڈیاں سلامت ہیں۔''
اس کے بدن سے پھوٹنے والی مخصوص مہک میں اس کی عمر کے ساتھ کچھ پرفیوم کا بھی دخل تھا۔ وہ بو جب میرے نتھنوں میں گھس کر مجھے پریشان کرنے لگی تو میں نے اول خان کے اصرار کی پروا کیے بغیر، ہاتھ منہ دھونے کے بہانے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
کمرے سے ملحق باتھ روم میں غزالہ بھی میرے ساتھ ساتھ گھس آئی۔ وہ میری حالت پر خاصی دل گرفتہ نظر آرہی تھی۔
''میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' میں نے اس کے خوبصورت چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹ کر، محبت سے اسے سمجھایا ''باہر جا کر اول خان سے سنو کہ ہم کتنی بڑی کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔''
وہ ایک وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ اس وقت اسے میری کسی کامیابی سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ میرے لیے فکر مند تھی لیکن ضدی نہیں تھی۔ میں نے اسے سمجھا بجھا کر کسی نہ کسی طرح باتھ روم سے بھیج دیا۔
آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مجھے بھی جھٹکا لگا۔ میں چند ثانیوں تک زاویے بدل بدل کر خود کو دیکھتا رہا۔ مجھے فوری طور پر یہ فکر لاحق ہو گئی تھی میں اس حالت میں فوری طور پر نک کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔
کرنل داور کا زخمی چہرے اس کے ذہن میں بہت سے سنگین شکوک و شبہات کو جنم دے سکتا تھا!
میں نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کیے اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا فرسٹ ایڈ کا سامان لیے میری منتظر تھی۔ اس دوران میں وہ لوگ اول خان سے ہمارے تازہ ترین معرکے کی پوری تفصیل سن چکے تھے۔
میرا خیال تھا کہ سنیل کے گھر کے قریب حاصل ہونے والی بے مثال کامیابی کے ہیجان میں کھو کر وہ لوگ مجھے بھول جائیں گے لیکن ویرا ہر قیمت پر میری چوٹوں کی ڈریسنگ کرنے پر تلی ہوئی تھی میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ وہ کھلے ہوئے زخم نہیں تھے، اندرونی ضربات تھیں جو اپنے وقت پر از خود مندمل ہو جاتیں لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ دوسرے بھی اس کے ہم نوا بن گئے۔
اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی ڈریسنگ کے نتیجے میں چوٹوں کے نیچے جما ہوا خون بہت تیزی سے تحلیل ہو گا اور چوبیس گھنٹے

میں نیل کے نشانات معدوم ہونے کے بعد رخساروں کا ورم اترنا شروع ہوجائے گا۔

مجبور ہوکر میں خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

ویرا نے کسی پیشہ ور حجام کی طرح میرے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی ہتھیلیوں پر کوئی مرہم لگایا اور پھر ہولے ہولے مضروب رخساروں کی مالش شروع کردی۔

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا اسے ویرا کی دیدہ دلیری کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ وہ ممنونیت سے لب ریز نگاہوں سے ویرا کو دیکھ رہی تھی۔

''میں حیران ہوں کہ امریکا میں ایسے بودے اور نکمے کمانڈو ذیل رہے ہیں جن کا نشانہ درست ہے اور نہ وہ مردانہ وار لڑنا جانتے ہیں۔'' چند ثانیوں تک خاموشی سے میری چوٹیں سہلانے کے بعد ویرا نے زبان کھولی۔

''گھر میں بیٹھ کر یہی محسوس ہوتا ہے۔'' اول خان نے اس کی بات کا فوری جواب دیا ''ان دونوں کو خونریز مقابلے کے بعد زیر کیا گیا ہے......''

ویرا نے اس کی بات درمیان سے اڑادی اور بولی ''پھر تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ آج ان دونوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے ورنہ لاتوں، گھونسوں اور ہاتھا پائی سے دو امریکی کمانڈوز کا زیر ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''مار دھاڑ کے بعد آخر میں ڈینی نے ان دونوں کو زہریلی انگوٹھیوں سے زیر کیا تھا۔ وہ موم کے پتلے نہیں تھے جو ہمارا اشارہ پاتے ہی ڈھیر ہوگئے۔ ہم نے جی جان سے مقابلہ کرکے انہیں مارا ہے۔'' اول خان نے وضاحت کی۔

''مقابلے کی خون خواری کا اندازہ ڈینی کے حال سے ہو رہا ہے۔'' ویرا نے نیم استہزائیہ انداز میں بے پروائی سے کہا ''اصل بات یہ ہے کہ میں نے تم دونوں کو صحیح راہ دکھائی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ مصیبت میں گھرا ہوا مرد ہمیشہ اپنی محبوبہ کی طرف دوڑ لگاتا ہے۔''

''اور اگر کسی مرد نے محبوبہ نہ پالی ہوئی ہو!'' سلطان شاہ نے پوچھا۔

''وہ بے چارہ گھر جاکر بیوی کی جھڑکیاں سننے پر مجبور ہوتا ہے۔'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا ''اس لیے ہر عقل مند بیوی سے زیادہ محبوبہ کی تلاش میں رہتا ہے۔''

ویرا نے ہتھیلیوں سے ہڈیوں کی مالش کے بعد رخساروں پر موٹی موٹی چٹکیاں بھرنی شروع کردی تھیں۔ غزالہ کے

''ناگزیر''

ممتاز رضا صاحب کو ایک سنسان گلی میں ایک ڈاکو نے روک لیا اور پیشانی پر پستول رکھ کر بولا ''تمہارے پاس جو کچھ ہے نکال دو ورنہ بھیجا باہر نکال دوں گا۔''

''نکال دو......'' ممتاز صاحب نے بے پروائی سے کہا ''آج کے دور میں انسان بھیجے کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے...... پیسے بغیر نہیں......''

''احترام''

''فائیو اسٹار ہوٹل کے گارڈ نے جب تمہیں اٹھا کر پچھلے دروازے سے باہر پھینکا تو تم نے اس سے کچھ کہا؟''

''ہاں...... میں نے اسے بتایا کہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میرا تعلق بہت بڑے خاندان سے ہے۔''

''پھر اس نے کیا کہا؟''

''اس نے مجھ سے معذرت کی...... مجھے اٹھا کر اندر لایا...... اور پھر اگلے دروازے سے باہر پھینکا۔''

چہرے کے تاثرات دیکھ کر میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر ویرا کو خود اپنی بے شرمی پر شرم آگئی اور اس نے میرے چہرے کے متاثرہ حصوں پر مرہم کا لیپ کرکے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا۔

سلطان شاہ کی بروقت دخل اندازی کی وجہ سے ویرا کو صحیح قیاس کے بارے میں زیادہ اونچی اڑان لینے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ بات جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

میری طرح اول خان بھی شادی شدہ تھا۔ ویرا کی پھبتی اس پر بھی صادق آتی تھی لیکن اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مربیانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی وہ ویرا کے ساتھ عام طور پر بزرگانہ رویہ اختیار کیے رہتا تھا۔

اس رات کے واقعے سے فوری طور پر دوسرا محاذ بھی کھل گیا تھا۔ ایک طرف سوبھراج کا ہانکا جاری تھا تو دوسری طرف نک کے لیے سنگین مشکلات پیدا کردی گئی تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ ان سے کیسے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

اول خان کی وہ پوری رات برباد ہوچکی تھی۔ اس کے بارے میں مجھے ہمیشہ یہ تشویش رہتی تھی کہ وہ عیال دار آدمی تھا اور اپنے فرائض کی بجا آوری کی وجہ سے اپنے اہل خانہ کو بہت کم وقت دے پایا تھا۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اس کی بیوی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ایک صابر و شاکر عورت تھی۔

اول خان کے معمولات کو ایک مجبوری سمجھ کر ہمیشہ بلا عذر قبول کر لیتی تھی۔

پونے چار بجے وہ روانگی کے ارادے سے اٹھا تو ہم میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اسے دروازے تک چھوڑنے آیا تو اس نے جاتے جاتے سوبھراج اور نک سے میرے متوقع رابطوں کے بارے میں جاننا چاہا اور میں نے سرسری طور پر یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ فوری طور پر میرا کسی سے کوئی رابطہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

نک کے پاس میرا موبائل فون نمبر موجود تھا۔ وہ جب چاہتا مجھ سے از خود رابطہ کر سکتا تھا۔ مجھے اس سے چھیڑ چھاڑ میں پہل کرنے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔

سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد نک نے صرف ایک بار مجھے فون کیا تھا۔ اس نے سوبھراج کی واپسی کا حوالہ دے کر مجھ سے ڈینی کی سپردگی کا مطالبہ کیا تھا جو میں نے ٹال دیا تھا۔ میرا موقف تھا کہ سوبھراج کی واپسی کی اخباری تصدیق سے پہلے میں محض اس کی دی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

باتوں باتوں میں، میں نے اسے یہ جتا دیا تھا کہ میں سوبھراج پر قاتلانہ حملے کی خبر سے غافل نہیں تھا۔ مجھے اس واقعے کی ساری جزئیات معلوم تھیں۔ میں نے اسے تجسس کے ذہنی عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے دونوں قاتل سوبھراج کو مارنے میں ناکام رہے تھے۔

اپنی دانست میں وہ سوبھراج کو پاکستان بلا کر میری یعنی کرنل داور کی شرط پوری کر چکا تھا جس کے نتیجے میں ڈینی کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔ وہ اس کی غرض تھی۔ اسے خود مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔

سوبھراج کا معاملہ نک سے مختلف تھا کیونکہ میں نے اسے رابطے کے لیے کوئی فون نمبر وغیرہ نہیں دیا تھا۔ اسے مجھ سے کوئی کام نہیں تھا، صرف دو روز کی مہلت کی ضرورت تھی میں اسے وہ مہلت دے چکا تھا لیکن مجھے بہت شدت سے اس کی تلاش تھی۔ میں نے ویرا کی رائے کو ضروری اہمیت نہ دے کر سوبھراج کو سنیل کے گھر سے پکڑنے کا موقع کھو دیا تھا۔ وہ بدستور کہیں روپوش تھا۔

سوبھراج کو مقتدر حلقوں سے اپنے قریبی مراسم اور سیاسی رابطوں پر بہت گھمنڈ تھا۔ اسے خاک میں ملانے کے لیے صبح کے کم از کم ایک بڑے اخبار میں اس کے جرائم کی پوری روداد شائع ہونے والی تھی۔

مجھے پوری امید تھی کہ وہ تفصیل پڑھ کر سوبھراج کا دماغ اپنے ٹھکانے پر آ جائے گا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس کے بعد سوبھراج سے اس کے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کروں گا تاکہ اس کے آئندہ عزائم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

اول خان کو میں نے یہ تفصیل نہیں بتائی لیکن وہ خود سمجھدار تھا۔ جانتا تھا کہ آنے والی صبح کے اخبارات بازاروں میں آنے سے پہلے میرا کسی کو فون کرنا بلا جواز تھا کہ نک کو خود مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔

''میرا مشورہ ہے کہ اب نک کا فون آئے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔'' ویرا نے گویا میرا ذہن پڑھ کر اچانک مجھے مشورہ دیا۔

''کیوں؟ تمہیں یہ نادر خیال کیوں آیا؟'' میں نے پوچھا۔

''سوبھراج آ گیا ہے۔ صبح کے اخباروں میں ساری تفصیل آ جائے گی۔ وہ ڈینی کی واپسی کا مطالبہ کرے گا تو تم کیا جواب دے سکو گے۔''

''اس کا فون آنے دو پھر دیکھا جائے گا کہ اس سے کیا کہنا ہے۔'' میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''تھوڑی دیر میں ہر طرف صبح کا اجالا پھیل جائے گا۔ ہم سب کو کچھ دیر کے لیے سو لینا چاہیے تاکہ صبح تازہ دم ہو کر توجہ سے اخبار دیکھ سکیں۔''

میں باہر سے لڑ بھڑ کر گھر واپس آیا تھا۔ وہ تینوں شب بیداری کی وجہ سے تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سب نے میرا مشورہ بے چون و چرا مان لیا۔

روشنیاں گل کر کے میں بستر پر دراز ہوا تو غزالہ والہانہ انداز میں میرے قریب آ گئی اور میرے سینے پر سر رکھ کر کہنے لگی ''کبھی کبھی ویرا ایسی فرشتہ صفت ہو جاتی ہے کہ مجھے اس پر پیار آنے لگتا ہے۔ بے چاری نے اتنی محنت سے آپ کی چوٹوں کی دیکھ بھال کی ہے کہ مجھے اپنے اوپر شرم آنے لگی تھی۔''

''کیوں...... تمہیں کیوں شرم آ رہی تھی؟'' میں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''وہ میرا کام تھا جو ویرا کر رہی تھی۔ اول خان کے لحاظ کی وجہ سے میں بیٹھی رہ گئی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ اتنی بے لوثی سے آپ کا دھیان رکھتی ہے۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے ویرا کے بارے میں کوئی منفی بات کہہ کر میں اس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

ڈرائنگ روم میں مجھے واقعی نیند آ رہی تھی لیکن بستر پر

پہنچنے کے بعد غزالہ کا محبت آمیز قرب میسر ہوا تو نیند اڑ گئی۔ ہم دیر تک ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے پھر نیند اور تکان کا دوسرا غلبہ ہوا اور اس بار میری آنکھ لگ گئی۔

گہری نیند میں موبائل فون کی گھنٹی کا مسلسل شور اس قدر خلل انداز ہوا کہ آخر کار میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے غنودگی کے عالم میں سائڈ ٹیبل سے موبائل فون اٹھا کر کال وصول کی تو دوسری طرف سے نک مجھے صبح بخیر کہہ رہا تھا۔

''نک! اتنے سویرے فون کرنے کی کیا تک ہے!'' میں نے اسے کوئی معقول جواب دینے کے بجائے ناگواری سے کہا ''کم از کم دوسروں کے آرام کا خیال تو کیا کرو۔''

''یہ سویرا نہیں ہے، اس وقت صبح کے آٹھ بج چکے ہیں۔'' اس کی آواز آئی ''اگر تم دیر تک سونے کے عادی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔''

''میں نیند بھر کر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا۔'' میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے بیزاری سے جواب دیا۔

''نہیں کرنل...... اٹھ گئے ہو تو بات بھی کر لو۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' اس کی آواز سے فکرمندی اور گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کیا تمہیں اپنے کمانڈوز کے حملے کا انجام معلوم ہو گیا؟'' میں نے بستر چھوڑ کر، کرسی سنبھالتے ہوئے ذرا ترش لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں!'' اس نے کسی عذر کے بغیر اعتراف کر لیا ''وہ بچ گیا، اس کے دو نوکر مارے گئے۔ میں پھر بتا دوں کہ وہ میرے کمانڈوز نہیں تھے۔''

''جو بھی تھے، یہ طے ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔''

''فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ بری طرح زخمی ہوا ہے۔ امید نہیں ہے کہ زندہ بچ سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کو کب میرے حوالے کر رہے ہو۔''

''ابھی اس کا ذکر نہ کرو۔ یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ سوبھراج کہاں چھپا ہوا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''اسے ڈھونڈنا میرا دردِ سر نہیں ہے۔ تم اس کی پاکستان واپسی کے خواہاں تھے۔ میں نے یہ شرط پوری کر دی۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ ڈینی کو میرے سپرد کر دو۔ میں اس کام میں زیادہ تاخیر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے اسے پالنے پوسنے کے لیے پاکستان نہیں بلایا تھا۔'' میں نے تلخی سے جواب دیا'' وہ ایک غدار سیاست داں ہے۔ اسے اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا بہت ضروری......''

''یہ تمہارے مسائل ہیں۔ ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے اضطراری انداز میں میری بات درمیان سے اچک لی۔

''یہ نہ کہو نک! مسائل میرے ہیں۔ سوبھراج میرا مجرم ہے لیکن اس کی روپوشی کے ذمے دار تم ہو۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''کیا میں نے اسے کہیں چھپایا ہے؟'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

''تم نے نہیں چھپایا لیکن اسے بھگانے کی ذمے داری تمہارے سر ہے۔ وہ آرام سے پاکستان آ گیا تھا۔ تم لوگوں نے اپنی پھرتی دکھانے کے لیے بہت تیزی سے اس پر ایک اوچھا وار کیا اور اس نے خطرہ بھانپ کر روپوشی اختیار کر لی۔ اب میرے ساتھ تم کو بھی اس وقت کا انتظار کرنا ہو گا جب وہ میدان صاف پا کر دوبارہ منظرِ عام پر آئے گا۔''

''کیا میں سمجھ لوں کہ تم اپنے وعدے سے پھر رہے ہو؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''تیزی نہ دکھاؤ اور تحمل سے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اپنے وعدے پر سختی سے قائم ہوں۔ پاکستان آ کر روپوش ہونے سے بہتر تھا کہ سوبھراج بنکاک میں رہتا۔ کم از کم مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اب اس کے بارے میں ہم سب اندھیرے میں ہیں۔ وہ سامنے آ جائے، میں ڈینی کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''وہ ایک پرانا سیاست داں ہے۔ زیادہ عرصے تک روپوش نہیں رہے گا۔ یہاں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اپنا خوف دور ہو جانے پر وہ دو چار دنوں میں منظرِ عام پر آ جائے گا......''

''اسی وقت میں ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔'' میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنی بات میں

دوبارہ پکڑنے کا شوشا لگا دیا۔
''دوبارہ پکڑنے سے کیا مطلب ہے تمہارا!'' میری توقع کے عین مطابق وہ حیرت اور بے اعتباری سے تقریباً چیخ اٹھا تھا ''اس وقت ڈینی کہاں ہے؟''
''مجھے سخت افسوس ہے نک کہ کل رات وہ مجھے جل دے کر نکل گیا۔'' میں نے گہرے تاسف کے ساتھ کہا ''میں نے اس کی قید کے سلسلے میں کسی کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ یہ رازداری کا چکر مجھے لے ڈوبا۔ میں رات کو اسے کھانا دینے کے لیے گیا تو وہ کسی ترکیب سے اپنی بندشوں سے نجات حاصل کر چکا تھا۔ میرے جھکتے ہی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ سخت مقابلہ ہوا اور وہ مجھے ادھ موا کر کے فرار ہو گیا۔''
''تم بکواس کر رہے ہو، تم جھوٹے ہو، میں تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔''
''میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں لیکن وہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ اب وہ ہر وقت میری دسترس میں ہے۔ ابھی تک اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ پچھلے دنوں کس کا قیدی تھا۔ وہ مجھے سوبھراج کے کیمپ کا کوئی لالچی غنڈا سمجھ رہا ہے جو بالا ہی بالا انعام کی ساری رقم خود ہضم کرنا چاہ رہا تھا۔''
''تم پکے فراڈ اور دھوکے باز ہو۔ وہ بھاگ گیا تھا تو تم کو اسی وقت مجھے مطلع کرنا چاہیے تھا تاکہ میں اس کا توڑ کر کے نقصان سے بچا رہتا۔'' اس کی آواز غضب ناک ہو گئی ''میں حیران تھا کہ وہ شہر میں کیسے دندناتا پھر رہا ہے۔''
اس نے فرط جوش میں اپنے نقصان کا ذکر کر دیا تھا۔ کھل کر سنیل کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا تھا۔
''اس نے مجھے زک پہنچائی ہے، تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' میں نے انتہائی معصومانہ لہجے میں تعجب سے سوال کیا۔
''تم جھوٹے ہو۔'' قدرے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری ''وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ تم اسے میرے حوالے نہیں کرنا چاہتے اس لیے یہ بہانہ کر رہے ہو۔'' اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔
''یہ بہانہ نہیں، حقیقت ہے۔'' میں نے اس کی مکاری کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''وہ خود نہ بھاگتا تو میں زیادہ دنوں تک اسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی گمشدگی سے بے چین ہو رہے تھے۔ وہ ڈینی کی تلاش کی مہم شروع کر دیتے تو میرے لیے اسے چھپائے رکھنا ناممکن ہو جاتا۔ وہ لوگ بہت طاقت ور ہیں۔''
''میں یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ وہ تمہیں مار پیٹ کر بھاگ گیا۔''
''مجھ سے ملو گے تو میرا چہرہ دیکھ کر تمہیں یقین آ جائے گا۔ اس مردود نے بہت بے رحمی سے میرا چہرہ بگاڑا ہے۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح نقاب نوچ کر میرا چہرہ دیکھ لے لیکن وہ آخر تک اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''
''اس نے تم کو نہیں دیکھا لیکن اپنے قید خانے کو ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ اس کے سہارے وہ آسانی سے تم تک پہنچ سکتا ہے۔'' نک کی آواز سے مسلسل بے اعتباری جھلک رہی تھی۔
''اسے مر کر بھی کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔ وہ ملیر کے دور افتادہ علاقے میں پی ڈبلیو ڈی کے ایک ویران گودام کا کمرا تھا جہاں میں نے اسے رکھا تھا۔ میں نے اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہر ممکنہ خطرے کا توڑ کر لیا تھا۔''
اس سے وہ گفتگو کرتے ہوئے میں اس کی زبان سے دوبارہ اس کے نقصان کا ذکر سننا چاہ رہا تھا جسے اس نے گول کیا ہوا تھا۔ وہ روانی میں یہ بھی کہہ گیا تھا کہ اسے شہر میں ڈینی کی آزادانہ موجودگی کے آثار پر شدید حیرت تھی۔
''نہیں کرنل۔'' اس بار نک کی آواز سخت اور بے رحمانہ تھی ''میں تمہاری اس بے سروپا کہانی پر یقین نہیں کر سکتا۔ فوری طور پر ڈینی کو میرے حوالے کر دو ورنہ میں وہ قدم اٹھاؤں گا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔''
''ایک وقت میں ایک قدم اٹھانا، دوسرا اٹھایا تو اوندھے ہو جاؤ گے۔'' اس کے لہجے پر مجھے بھی طرارہ آ گیا۔
''میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک ہیں۔'' نک کی وہ دھمکی سن کر میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہری دوڑ گئی۔
''تم جو چاہو سمجھتے رہو۔'' میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا ''تمہاری دھمکیوں سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ وہ وہی رہیں گے جو ہیں۔ یہ تمہاری......''
اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں ہی عصیلی آواز میں غرایا ''او کے کرنل! اب میں تمہیں تماشا دکھاؤں گا۔''
نک کے ان الفاظ کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
میرے لیے یہ بات سخت پریشانی اور تشویش کا باعث تھی کہ سوبھراج کا فتنہ ختم ہونے سے پہلے ہی نک میرے خلاف دوسرا سرگرم محاذ کھولنے پر تل گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آرزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اشارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا مرحلہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کے گولڈ فارمیسی تک رسائی حاصل کرلی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک ہاروے نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم کھل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہوسکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معانی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہوگیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوش گوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پیشانی سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کردیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں سے اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کرلی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر یہ گن میرے سپرد کردی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تھا جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کردیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پچھاڑنا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کرائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

''کس کا فون تھا...... کیا بات ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔'' غزالہ کی نرم اور محبت آمیز آواز نے میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔

میں نے اپنے موبائل فون پر نک کی کال وصول کی تو وہ مسہری پر بے خبری کی گہری نیند سو رہی تھی۔ دوران گفتگو وہ نہ جانے کب جاگ گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے میری آخری گفتگو پوری بیداری کے عالم میں اور توجہ سے سنی تھی۔

''نک تھا!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ''وہ رات کے واقعے سے خوف زدہ ہونے کے بجائے مشتعل ہوگیا ہے۔''

میری کوشش اور خواہش تھی کہ میں جھوٹ بولے بغیر اسے اس صورتِ احوال سے آگاہ کردوں کہ اس کے نیم خوابیدہ ذہن پر زیادہ دباؤ نہ پڑے۔

''فون اس نے کیا تھا یا آپ نے پہل کی تھی۔'' اس نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اسی کا فون آیا تھا۔ مجھے کال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''فون کی گھنٹیاں سن کر میں گہری نیند سے بیدار ہوا ہوں۔''

''پولیس والوں کی کارروائیاں سست ہوتی ہیں۔ اسے اپنے کمانڈوز کے انجام کا علم دیر سے ہوا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے لاش کی شناخت کے لیے تھانے وغیرہ بھی جانا پڑا ہو۔ اس نے ان چکروں سے نمٹتے ہی آپ سے رابطہ کیا ہوگا۔ سوبھراج کو مروانے کی دو کوششوں میں اپنی ناکامی کے بعد وہ شاید اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ اب وہ تیسری مرتبہ سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا......''

''تمہارا اندازہ کسی حد تک درست ہے۔ وہ مصر تھا کہ

سوبھراج پاکستان آ گیا۔ اب مجھے ڈینی کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔''

''اور آپ نے انکار کر دیا ہوگا۔'' غزالہ نے مسکرا کر پُرسکون انداز میں قیاس آرائی کی اور آگے بولی ''وہ آپ کے انکار سے مشتعل ہوا ہوگا۔ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ وہ رات کے واقعے کی وجہ سے اشتعال کی حالت میں ہے۔''

''بات ایک ہی ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اس نے رات کے واقعے کے نتائج سے آگاہ ہونے کے بعد مجھ سے رابطہ کیا تھا۔''

''شاید آپ اس کی باتوں سے اُلجھ گئے ہیں۔ ورنہ یہ نہ کہتے۔'' غزالہ نے تحمل اور بردباری کے ساتھ کہا ''کل صبح ہونے والے ناکام قاتلانہ حملے کے بارے میں وہ یوں انجان بن گیا جیسے اسے اس واقعے کا علم ہی نہ ہو۔ اپنی صداکاری سے وہ سوبھراج کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے میں اس حد تک کامیاب ہو گیا کہ سوبھراج نے اسے اپنی کمین گاہ کے بارے میں بتا دیا۔ یہ نک کے لیے سنہرا موقع تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صبح کے حملے میں ناکامی کا منہ دیکھنے والے دونوں کمانڈوز اپنی غلطی کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس نے ان ہی دونوں کو سنیل کے گھر کی طرف ہانک دیا۔ جہاں سوبھراج کو موجود ہونا چاہیے تھا......''

غزالہ کی بات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے مضطرب ہو کر اس کی بات کاٹ دی ''یہ سب درست ہے۔ ان باتوں کو نہ دہراؤ۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ''ارے بھئی، وہ سمجھ رہا تھا کہ دونوں کمانڈوز سنیل کے گھر جائیں گے اور اسے ذبح کر کے کامیابی کے شادیانے بجاتے ہوئے لوٹ جائیں گے۔ یوں وہ اپنے ایک غدار کو سزا دینے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کی وہ بساط اسی پر الٹ گئی۔ نہ صرف سوبھراج ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آیا بلکہ ان میں سے ایک مارا گیا اور دوسرا پولیس کی تحویل میں ہے۔ اس انجام پر اسے صرف اور صرف مایوسی ہو سکتی تھی۔ اتنی بڑی ناکامی پر اس کے مشتعل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

میں اپنے سر کی اثباتی جنبش سے اس کی ساری بات سنتا رہا پھر کہا ''تھوڑی دیر کے لیے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل اہمیت اس کی دھمکی کی ہے۔ وہ اشتعال یا مایوسی کے عالم میں بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا ہے۔ کرنل داور اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ قرار دے کر اس نے مجھے فکرمند کر دیا ہے۔''

''آپ غیر ضروری طور پر فکرمند ہو رہے ہیں۔ ایک شکست خوردہ حریف کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کی بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے۔''

میں نے غزالہ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا مشورہ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے نک کو ڈینی کے فرار کی خبر سن کر سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ یہ حساب لگائے بیٹھا تھا کہ سوبھراج کو پاکستان میں واپس بلانے کے بعد وہ کرنل داور کی بنیادی شرط پوری کر دے گا اور اس کے نتیجے میں ڈینی اس کی تحویل میں آ جائے گا۔

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے سوبھراج کو واپس بلانے پر اکتفا نہیں کیا۔ اس کی دانست میں سوبھراج نے ویرا کو قید کر لینے کے معاملے میں غیر ضروری رازداری سے کام لے کر اس سے غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ویرا کو اپنی قید میں رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اسے جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

نک کی نظروں میں سوبھراج کا وہ جرم ناقابلِ معافی اور غداری پر مبنی تھا۔ ویرا کی قید کی خبر چھپا کر اس نے ایف بی آئی جیسے معتبر اور مقتدر امریکی ادارے کو فریب دینے کی کوشش کی تھی جس کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے سوبھراج کے پاکستان لوٹتے ہی اس پر قاتلانہ حملہ کرایا اور سوبھراج خطرہ بھانپ کر روپوش ہو گیا۔

نک بہت چالاک افسر تھا۔ وہ اپنی چرب زبانی سے سوبھراج کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ قاتلانہ حملے کی سازش میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ سوبھراج نے اس کی باتوں میں آ کر اسے یہ بتا دیا کہ اس وقت وہ اپنے راج محل کے بجائے اپنے ملازم سنیل کے گھر پر پناہ گزین تھا۔

نک اس کے لہو کا پیاسا ہو رہا تھا۔ وہ ایف بی آئی کے غدار کو جلد از جلد اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا خواہاں تھا۔ سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہوتے ہی اس نے اپنے غدار پر دوسرے اور بھرپور قاتلانہ حملے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

یہ اس کی مزید بدنصیبی تھی کہ اسی دوران میں، میں نے سوبھراج سے رابطہ کر لیا اور کسی نہ کسی طرح اسے اپنی نیک نیتی کا یقین دلا کر بعض اہم باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ اگر نک اس کی نئی پناہ گاہ سے واقف ہو چکا ہے تو پھر اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس پر کسی بھی وقت دوسرا قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔

بات سوبھراج کی سمجھ میں آ گئی۔ نک کے متوقع وار سے بچنے کے لیے اس نے فوری طور پر سنیل کا گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت تک مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ سوبھراج نے کہاں پناہ لی ہو گی۔ اس نے مجھ سے سنیل کے گھر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس بارے میں ویرا نے باتوں ہی باتوں میں میری رہنمائی کی اور مجھے بھی یقین ہو گیا کہ سوبھراج اس وقت سنیل کے گھر پر ہی ہو سکتا ہے۔

میرے اس نتیجے پر پہنچنے سے پہلے سوبھراج کو کافی وقت مل چکا تھا۔ وہ نک سے خوف زدہ تھا۔ یہ امکان دور دور تک نہیں تھا کہ ایک سنگین خطرے کی بھنک مل جانے کے بعد بھی وہ اپنے اسی ٹھکانے پر رکا رہا ہو گا۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ اولین فرصت میں سنیل کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل چکا تھا۔

نک اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اس نے سوبھراج کو اپنی بے گناہی کا یقین دلا دیا ہے۔ اس نے سوبھراج پر دوسرا وار کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا۔ اس کے دو کمانڈوز رات گئے سنیل کے گھر پہنچے اور میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔

سنیل کے گھر کے باہر جو کچھ ہوا۔ وہ سنسنی خیز اور چشم کشا تھا۔ وہاں آنے والے دو امریکیوں میں سے ایک مارا گیا تھا۔ دوسرا پکڑا گیا تھا۔ ان دونوں کی بدترین ناکامی کے بعد نک مر کر بھی سوبھراج کو اپنی خیر خواہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔

یہ بات نک بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ پچھلی رات کی ناکامی کے بعد وہ سوبھراج کے سامنے بے نقاب ہو گیا تھا۔ ایک طرف وہ سوبھراج کی رفاقت سے محروم ہو کر، اس کی کھلی دشمنی مول لے چکا تھا۔ دوسری طرف کرنل داور نے اسے ڈینی کے بارے میں دھتا بتائی تھی۔ ابتدا میں سہل نظر آنے والا ہر کام بری طرح ناکامی سے دوچار ہو چکا تھا۔

سوبھراج کے بنکاک سے کراچی واپس پہنچتے ہی نک کو پے در پے جس طرح ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کی روشنی میں اس پر مایوسی اور بد دلی کا غلبہ ہونا لازمی تھا۔ ایسی حالت میں وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے سوبھراج پر تیسرا مہلک وار کرنے کا موقع ملنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے کرنل داور کی حیثیت سے اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا تھا کہ ڈینی میری قید سے فرار ہو چکا تھا اور جب تک سوبھراج اپنی روپوشی ترک کر کے منظر عام پر نہیں آئے گا، میں ڈینی کے خلاف کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکوں گا۔

میرا اندازہ تھا کہ مقررہ مدت میں اپنے اہداف حاصل نہ کر سکنے کی بنا پر امریکا سے نک کے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے بڑوں کی نظروں میں سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے کچھ جتن کر کے عارضی طور پر اپنا تبادلہ رکوا لیا تھا۔

میری یعنی کرنل داور کی یقین دہانیوں کی بنا پر وہ پرامید ہو گیا تھا کہ پاکستان سے جاتے جاتے، وہ نہ صرف سوبھراج جیسے غدار کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا دے گا بلکہ ڈینی جیسے خطرناک اور مطلوب مجرم کو اپنی تحویل میں لے کر ہر طرف تہلکہ مچا دے گا۔

اس کے وہ سنہرے خواب خاک میں مل چکے تھے۔ شاید غزالہ درست کہہ رہی تھی۔ نک کی ساری باتیں ایک ہارے ہوئے جواری کی ہرزہ سرائیوں سے زیادہ وقعت کی حامل نہیں تھیں۔ اس کے بلند بانگ دعووں کی ناکامی کے بعد مجھے نظر آ رہا تھا کہ اب اس کے بڑے اس کی کسی بھی بات کو زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔

کچھ دیر کی خاموشی میں وہ سارا تجزیہ کر لینے کے بعد میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا ''تمہاری باتیں قرین قیاس ہیں۔ مجھے نک کی ہذیانی باتوں پر متفکر نہیں ہونا چاہیے۔ اب وہ اپنے بڑوں کا اعتبار کھو چکا ہے۔ اس کی کسی بھی بات پر زیادہ دھیان نہیں دیا جائے گا۔''

''وہ اب چند دنوں کا مہمان ہے......'' غزالہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بات شروع کی جو میں نے چونک کر حیرت سے کاٹ دی۔

''کیوں؟ تم کس بنیاد پر یہ بات کہہ رہی ہو۔''

میرے ردِعمل پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ''میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ چند دنوں میں عالم بالا کی طرف رخصت ہو جائے گا۔ ایسے فیصلے آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ لوگوں نے امریکیوں پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کیا ہوا ہے۔''

''دبس غیر ضروری خوں ریزی سے بچ رہے ہیں۔ ان کی حرکتیں حد سے متجاوز ہونے لگیں تو پھر ہم بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہیں گے۔ کل رات کو ہی ان کا ایک کمانڈو مارا گیا ہے۔''

''امریکی اپنی طاقت کے نشے میں اندھے ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ سنیل کے گھر کے پاس اپنے کمانڈوز کی موجودگی کا کیا جواز دیں گے۔''

''وہ باقاعدہ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ سنیل

کی بیوی گواہی دے گی کہ ان میں سے ایک نے اس کے گھر میں گھس کر کسی قسم کی پوچھ گچھ کی تھی۔ ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نک کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''

''وہ آپ کو خود بتا چکا ہے کہ اس کا سامان تیار ہے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں سے کوچ کر سکتا ہے۔ شاید اسے مصلحت کے تحت کچھ دنوں کی چھٹی دی گئی تھی۔ کمانڈوز والے قصے کو دبانے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ اسے جلد از جلد پاکستان سے رخصت کر دیا جائے۔''

''اب اس کا چلا جانا ہی بہتر ہے۔ یہاں رکا رہا تو وہ کسی وقت میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ وہ ہماری دی ہوئی ڈھیل کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔''

''وہ آپ کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ رات کے واقعے کے بعد سوبھراج بھی اس کی جان کا دشمن ہو جائے گا۔ اس نے صرف نک کو یہ بات بتائی تھی کہ وہ سنیل کے گھر میں پناہ گزین ہے۔ وہاں مارے اور پکڑے جانے والے امریکی کمانڈوز کا قصہ اب تک اس کے علم میں آ چکا ہوگا۔ جب کوئی قریبی حلیف دشمنی پر تل جائے تو اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''اب تک کھیل کے سارے کردار چھپے ہوئے تھے ان کے چہرے بے نقاب ہو جانے کے بعد کھیل میں یکا یک تیزی آ جائے گی۔ دیکھنا ہوگا کہ سوبھراج کیا کرتا ہے۔''

غزالہ سے وہ فقرے کہہ کر میں تیزی سے باتھ روم میں چلا گیا۔ اپنے سر سے نیند کا خمار دور کرنے کے لیے میں شدت سے غسل کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

ہمارے لیے سب کچھ بہت واضح تھا لیکن نک کی قلابازیاں جاری تھیں۔ اس نے اپنی تازہ ترین گفتگو میں سوبھراج پر کیے جانے والے قاتلانہ حملے کا اعتراف کیا تھا لیکن پچھلی رات کو کیے جانے والے دوسرے ناکام حملے کے بارے میں کھل کر ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ باتوں کی روانی میں اس نے بس اتنا ضرور کہا تھا کہ ڈینی شہر میں دندناتا پھر رہا تھا اور اس کی آزادی سے اسے نقصان پہنچا تھا۔

اپنی پوری کوشش کے باوجود میں اس کی زبان سے ان دو فقروں کے سوا کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

اپنے بدن پر گرم اور ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہا کر میں نے پوری دل جمعی کے ساتھ غسل کیا، تر و تازہ ہو کر لباس تبدیل کیا اور باتھ روم سے نکل کر میز پر پہنچا تو وہ تینوں مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے۔

ویرا کے سامنے وہی کثیر الاشاعت اخبار پھیلا ہوا تھا۔ جس کا ایک اہم نامہ نگار اول خان کا گرویدہ تھا۔

''حیرت ہے کہ آج تم اتنے سویرے ناشتے کی میز پر نظر آ رہی ہو!'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے، ہنس کر ویرا سے کہا۔

''مجھے بے چینی سے اخبار کا انتظار تھا۔ اس میں سب کچھ آ گیا ہے اور اب سوبھراج کی سلامتی کا ہر دروازہ بند ہو چکا ہے۔'' ویرا نے اخبار سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تم نے ڈینی کو اخبار کی اہم ترین خبر کے بارے میں نہیں بتایا۔'' سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

''کیا سوبھراج کے کرتوتوں کے علاوہ بھی اخبار میں کوئی اہم خبر ہے؟'' میں نے حیرت کے ساتھ اس سے پوچھا۔

''کہہ سکتے ہو۔'' سلطان شاہ سے پہلے ویرا بے پروائی سے بولی ''جلال کی کوششیں بار آور ہوئی ہیں۔ اسلام آباد میں چھایا ہوا جمود ٹوٹ چکا ہے۔''

''آگے بھی تو کچھ بکو۔'' اس کی خاموشی پر میں نے جھلّا کر کہا۔

''سوبھراج سے ساری مراعات واپس لے لی گئیں ہیں اور اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈال دیا گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے بتایا۔

''ویری گڈ!'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے کہا ''یہ خبر ایک دن بعد سامنے آتی تو میں سمجھتا کہ سوبھراج کے خلاف اخباری کہانیوں کے نتیجے میں یہ قدم اٹھایا گیا ہے لیکن کہانیوں کے ساتھ اس خبر کی اشاعت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام آباد والوں نے آخر کار جلال کی باتوں پر یقین کر لیا ہے۔''

''ذرا خبر پڑھ لو۔ پہلے صفحے پر ہی ایک کالم کا نمایاں بکس چھاپا گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا ''خبر کی زبان بہت محتاط ہے۔''

میں نے ویرا کے سامنے رکھا ہوا اخبار اٹھا لیا۔ اس کے پہلے صفحے پر ایک سنسنی خیز، چار کالمی سرخی میں سوبھراج کا نام نمایاں تھا۔ اسی کے برابر میں حاشیے کے ساتھ وہ ایک کالمی خبر تھی کہ وفاقی وزارت داخلہ نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ملک کے نامور اور معزز سیاست داں سے عارضی طور پر ساری مراعات واپس لے لی ہیں۔ اخبار نے اپنے طور پر صرف اتنا اضافہ کیا تھا کہ وفاق کی طرف سے اس فیصلے کی وجوہ ظاہر نہیں کی گئیں۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ بعض نازک معاملات کی چھان بین کے بعد مراعات بحال کر دی جائیں گی۔

''یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔'' میں نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا ''اپنے سر سے وفاقی تحفظ کی چھتری ہٹ جانے کے بعد سوبھراج یکایک یتیم ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے بدترین انجام سے نہیں بچ سکے گا۔''

''وہ اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے آسانی سے مار لیا جائے۔'' ویرا نے میرے لیے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے کہا ''تک نے اس پر دو او چھے وار کر کے اسے ہوشیار کر دیا ہے۔ وہ منظر عام پر آنے کے بجائے روپوش ہے......''

''وہ کب تک روپوش رہے گا؟'' غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا ''وہ بہت بڑے سیاسی، سماجی اور معاشرتی رتبے کا مالک ہے۔ یہاں اس کے کثیر اثاثے ہیں۔ وہ کب تک روپوش رہے گا۔ اسے جلد از جلد سامنے آ کر اپنا دفاع کرنا ہوگا۔''

''میری خواہش بھی یہی ہے کہ وہ جلد از جلد سامنے آجائے۔ وہ اس ملک سے دہری غداری کا مرتکب ہوا ہے۔ ایک طرف وہ را والوں کے کلیدی مہرے کا کردار ادا کر رہا تھا تو دوسری طرف وہ امریکا کی خفیہ ایجنسیوں کی فیلڈ فورس کا نگراں تھا۔'' میں نے حسرت زدہ لہجے میں کہا ''ایک بار وہ سامنے آ جائے تو میں اس سے یہ دونوں حساب بے باق کر لوں گا۔''

''وہ ان خطرات سے اچھی طرح واقف ہے۔'' ویرا نے تلخ لہجے میں کہا ''وفاقی وزارت داخلہ کے حکم نامے نے اس کے تابوت میں آخری کیل جڑ دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج جلال اس کی گرفتاری کے وارنٹ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔ اب سوبھراج آسانی سے منظر عام پر نہیں آئے گا۔ آدمی کی جان خطرے میں ہو تو وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی جان بچانے کے لیے عزت، شہرت اور دولت سمیت ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔''

''سوبھراج ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔'' سلطان شاہ بولا ''وہ اپنی عزت اور ساکھ کے لیے بہت فکر مند رہتا ہے۔ وہ ہر قیمت پر خود کو بچانے کی کوشش کرے گا۔''

''ضرور کرے گا۔'' ویرا نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''لیکن وہ بھی یہ بات محسوس کر رہا ہو گا کہ اب اس کی واپسی کے راستے تیزی سے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ سامنے آیا تو کوئی نہ کوئی وفاقی افسر اسے دھر لے گا۔''

ناشتے کے دوران میں سوبھراج ہی ہماری گفتگو کا مرکز و محور بنا رہا۔ اول خان کے ایما پر شہر کے سب سے بڑے اخبار نے اس کی ذات کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔

اپنے ملک میں وہ اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی بنا پر معزز اور معتبر بنا ہوا تھا لیکن پس پردہ اس نے کوبرا کا بھیانک روپ دھارا ہوا تھا۔ کوبرا بن کر وہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے امریکی مخبروں اور ایجنٹوں کی رہنمائی کرتا تھا اور اسی نام سے وہ را کے ایجنٹوں کے لیے امرت دھارا بنا ہوا تھا۔ اپنے ملک سے کسی بھی مشن پر پاکستان آنے والے، را کے ایجنٹ اس کے سیٹ لائٹ فون پر اس سے رابطہ کرتے تھے اور وہ ان کو ہر ممکن مدد اور تحفظ فراہم کرتا تھا۔ اول خان کے ایما پر اس رپورٹ میں سوبھراج کے خفیہ ترین سیٹ لائٹ فون کا نمبر بھی دے دیا گیا تھا۔

''اس کے لیے ہر راستہ بند ہو چکا ہے۔ اب دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا کرتا ہے۔'' میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

''یعنی اب تم انتظار کرو گے؟'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

میں ہنس پڑا اور ہنسی کے دوران ہی بولا ''انتظار رہے گا لیکن اس کے ساتھ ہاتھ پیر بھی چلتے رہیں گے۔ ابھی معاملہ تازہ ہے۔ میں سنیل کی بیوی سے مل کر یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ رات اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔''

''تمہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ویرا نے ترشی سے کہا ''وہ گندی ذہنیت کی عورت ہے۔ اپنی عزت افزائی کے نام پر سوبھراج کے پہلو کی زینت بنتی رہی ہے۔ وہ تم پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کر سکتی ہے۔''

بے اختیار میری نظریں غزالہ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ویرا

کی دلیل سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس وقت وہ سوبھراج کے قصے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی سراغ مل سکے۔''

''اس سے مزید کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔ ویرا نے تیزی سے کہا ''پولیس والوں نے اسے پہلے ہی نچوڑ لیا ہوگا۔ اول خان کے ذریعے تھانے سے اس کے بیان کی نقل لے لو۔ سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔''

''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' سلطان شاہ نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ اس عورت سے ملے بغیر بھی سب کچھ جان سکتے ہیں۔'' غزالہ نے بھی ان دونوں کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔

''پولیس والے پوری کہانی سے واقف نہیں ہیں۔ انہوں نے اگر اس عورت سے کوئی پوچھ گچھ کی ہوگی تو وہ رات کے واقعے تک محدود رہی ہوگی۔ اس میں سوبھراج اور سنیل کا ذکر نہیں آیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بارے میں کچھ بتا سکے۔''

رات والے واقعے میں پولیس نے اول خان کے منصوبے کے مطابق ایک خاص وقت پر مداخلت کی تھی۔ سب کچھ نمٹ جانے کے بعد اول خان نے انہیں تین ہوائی فائروں کے ذریعے مداخلت کا اشارہ دیا تھا۔ وہ آئے ہوں گے تو انہیں سڑک پر دو سفید فام امریکی زخمی حالت میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے ملے ہوں گے۔ جن میں سے ایک زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔

پولیس کو وہاں آمد کا اشارہ دینے کے بعد ہم نہیں رکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ پولیس والوں نے ان دونوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ لوگ فوری طور پر یہ جاننے میں کامیاب ہو گئے ہوں کہ ان امریکیوں کا اصل ہدف سنیل کا گھر تھا۔

وہ دونوں مجرم سہی لیکن امریکی تھے۔ مجھے شبہ تھا کہ ان کی چمڑی کی رنگت نے پولیس والوں کو مرعوب کیا ہوگا۔ زندہ بچنے والا بھی اس وقت بے ہوش تھا۔ جائے واردات پر اس کا بیان لینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ پولیس والے ان دونوں کو سڑک سے اٹھا کر سیدھے اسپتال لے گئے ہوں گے۔

اسپتال میں ہوش میں آنے کے بعد، زندہ بچ جانے والے کمانڈو سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے کھٹا کھٹ سچ بولنا شروع کر دیا ہوگا۔

تیسری دنیا کے ترقی پذیر ملکوں میں اپنی غیر قانونی سرگرمیاں انجام دینے والے امریکی ہمیشہ ایک مخصوص نسلی تکبر میں مبتلا رہتے تھے۔ امریکا کو ایک ارضی جنت تصور کرتے ہوئے، وہ روئے زمین کے دوسرے ملکوں کو حقیر سمجھتے تھے اور وہاں رہنے والوں کو عام طور پر دوسرے بلکہ تیسرے درجے کا شہری گردانتے تھے۔

ان لوگوں کی اس نفسیات کے پیشِ نظر مجھے اندیشہ تھا کہ رات کے اکلوتے قیدی نے پولیس کو اپنے عزائم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اپنی قومیت اور مراعات کی دھمکیاں دے کر اپنے کسی بڑے سے رابطہ کرنے کی اجازت حاصل کی ہوگی اور اس کے بعد سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا ہوگا جیسے وہ امریکی چاہتا تھا۔

اگر میرا وہ اندیشہ درست تھا تو پولیس کو سنیل کے گھر کی بھنک بھی نہیں مل سکی ہوگی۔ مغرور اور متکبر امریکی بھول کر بھی اپنے جرم کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے یقینی طور پر اس واقعے کو یہ رنگ دینے کی کوشش کی ہوگی کہ اس علاقے سے گزرتے ہوئے ان دونوں کو نامعلوم مجرموں کی ناگہانی مداخلت کا نشانہ بننا پڑا جس کے نتیجے میں ایک مر گیا، دوسرا زخمی ہوا اور پھر پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

سنیل کی بیوی کے معاملے میں وہ تینوں ہم نوا ہو چکے تھے۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ میرا وہاں جانا بے سود تھا۔

ان کے رویے کو دیکھتے ہوئے، میں نے ناشتے کے بعد اسپیکر فون پر اول خان سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے گھر پر تھا نہ دفتر میں موجود تھا لیکن موبائل فون پر ہاتھ آ گیا۔

''رات والی بھاگ دوڑ کے بعد اس وقت تمہیں محوِ خواب ہونا چاہیے تھا۔ حیرت ہے کہ تم جاگ رہے ہو!'' ہنسی کے درمیان اول خان کی آواز ابھری۔

''نک نے فون کر کے جگا دیا ورنہ میں ابھی تک سو رہا ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟''

''سولجر بازار کے تھانے کی طرف جا رہا ہوں۔ قیدی

نے پورا تھانہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔ پولیس والے اس پر اپنے حربے آزماتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔''
''پولیس والے اتنے بے بس بھی نہیں ہوتے۔ انہوں نے اس سے کچھ نہ کچھ اگلوایا ہوگا۔ صرف وہی نہیں پکڑا گیا۔ اس کا ایک ساتھی مارا بھی گیا ہے۔''
''پرانی کہانی ہے۔ وہ دونوں وہاں سے گزر رہے تھے غنڈوں نے ان کی گاڑی روک لی۔ مقابلہ ہوا اور جب ایک آدمی مارا گیا تو غنڈے بھاگ لیے۔''
''سنیل کے گھر کا کوئی ذکر نہیں آیا۔'' میں نے سوال کیا۔
''قیدی نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ پولیس والے پورے پس منظر سے بے خبر ہیں۔ اسی لیے میں خود تھانے جا رہا ہوں۔ پوری کہانی ریکارڈ پر آنے کے بعد امریکی قونصل خانے کو بتایا جائے گا کہ ان کا ایک پیشہ ور کمانڈو مارا گیا ہے اور دوسرا پکڑا لیا گیا ہے۔''
''اوہ...... ! پھر یہی وجہ ہے کہ نک نے اس تازہ واردات کا ذکر نہیں کیا۔ شاید انہیں امید ہوگی کہ دوسرا کمانڈو آسانی سے پولیس کے چنگل سے نکل آئے گا۔''
''وہ خبیث تم سے کیا کہہ رہا تھا؟'' اول خان نے پوچھا۔
''ڈینی کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا جو میں نے سختی سے مسترد کر دیا......''
''سوبھراج کی پاکستان واپسی کے بعد وہ اپنے اس مطالبے میں حق بجانب ہے۔ تم نے اس کو کس بنیاد پر کورا جواب دیا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔
''اس نے اپنی حماقتوں سے سوبھراج کو روپوشی کی راہ دکھائی ہے۔ جب تک وہ منظر عام پر نہیں آتا، میں اپنا وعدہ پورا کرنے کا پابند نہیں ہوں۔''
''ویری گڈ! تمہارا حیلہ بہت جان دار ہے۔''
''تم تھانے کی طرف ضرور جاؤ لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں پولیس کے پہنچنے سے پہلے سنیل کی بیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔''
''تم اطمینان سے ادھر جا سکتے ہو۔ میری کوشش ہوگی کہ معاملہ طول پکڑے۔ ابھی ابھی میرے ذہن میں خیال آیا ہے کہ ہم از خود قونصل خانے کو اطلاع نہ دیں بلکہ تھانے میں اپنے قیدی کی سُتائی کرتے رہیں۔ جب ان لوگوں کو اپنے آدمیوں کے بارے میں کہیں سے کوئی خیر خبر نہیں ملے گی تو وہ خود ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائیں گے۔ اس کے جواب میں انہیں بتایا جائے کہ ان کا ایک آدمی سولجر بازار کے تھانے میں بند ہے اور دوسرا سرکاری مردہ خانے میں احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔''
''یہ بہترین تجویز ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔'' ویرا اضطراری انداز میں بول پڑی۔
''جب یہ لوگ ہر عالمی کنونشن اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، اپنے جنگی قیدیوں کو حیوانوں جیسے آہنی پنجروں میں بند کر کے ذرائع ابلاغ پر ان کی کھلی تشہیر کر سکتے ہیں تو ہم ان کے مجرموں سے قرار واقعی سلوک کیوں نہیں کر سکتے۔''
''امریکی دن بہ دن مغرور ہوتے جا رہے ہیں۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''اپنی برتری کے زعم میں وہ دنیا میں اپنی مقبولیت کھوتے جا رہے ہیں۔ وہ دن زیادہ دور نہیں جب اس کرۂ ارض پر بسنے والا ہر انسان ان سے نفرت کرنے لگے گا۔ کوشش کرو کہ ان کا کمانڈو اپنی رہائی سے پہلے لنگڑا، لولا اور معذور ہو چکا ہو۔''
''یہی ہوگا۔'' اول خان کی آواز پُرعزم تھی ''یہ امریکی خود مختار قوموں کی آزادی پر شب خون مارتے ہیں تو حیوان بن جاتے ہیں۔ اپنی حریف قوموں کے حکمرانوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ کھلے بندوں بدسلوکیاں کرتے ہیں اور دنیا بھر کو دکھاتے ہیں۔ ان کا یہ گھمنڈ ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائے گا۔ ہمارا قیدی ان کے خلاف ہماری نفرت کا پہلا اظہار ہوگا۔''
''تمہاری ان باتوں سے دل میں ٹھنڈک سی پڑ رہی ہے۔ تم اسے ادھیڑو، میں مسز سنیل کی خبر لیتا ہوں۔''
''تم نے آج کا اخبار تو دیکھ لیا ہوگا۔'' اول خان نے پوچھا۔
''شان دار کہانی چھپی ہے۔ اس کے بعد سوبھراج کے لیے نجات کا ہر دروازہ بند ہو چکا ہے۔'' میں نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی ''دیکھنا ہے کہ اب وہ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔ آج اس سے مراعات بھی واپس لے لی گئی ہیں۔''
''وقت کا پہیہ اس کے خلاف گردش میں آ چکا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ جلال کسی وقت بھی راج محل پر دھاوا بول دے گا۔''
''اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب سوبھراج بھول کر بھی وہاں کا رخ نہیں کرے گا۔''
''وہ ادھر جائے یا نہ جائے، یہ علامتی کارروائی ضروری ہو گئی ہے۔ سب کو پتا چل جانا چاہیے کہ اب وہ ایک معزز

سیاست داں نہیں رہا، ایک مطلوب مجرم بن چکا ہے۔ وہ کو برا بنا ہوا تھا۔ پجیرو والے قصے میں ہونے والی خوں ریزی اس کی پیشانی کا داغ بن گئی ہے۔ اسے یہ بھی بتانا پڑے گا کہ راج محل میں آنے والی میری کلارک اب کہاں ہے۔''

''یہ سب اس وقت کی باتیں ہیں جب وہ ہم میں سے کسی کے ہاتھ آ جائے گا۔ اس نے وقت کے دھارے کو سمجھ لیا ہوگا۔ اب وہ مشکل سے کسی کی گرفت میں آئے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اول خان کی آواز تفکر آمیز ہو گئی۔ ''ہم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اپنے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بعد وہ روپوش بھی ہوسکتا ہے۔''

''میرے ذہن میں یہ اندیشہ روز اول سے موجود تھا۔ پہلے وہ عزت دار آدمی تھا۔ اب اس کی حیثیت بدل چکی ہے۔ ہمارے لیے اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہو گیا ہے۔''

اسی موضوع پر مزید کچھ باتیں کرنے کے بعد اول خان سے گفتگو ختم ہوگئی۔

اس سے بات ہو جانے کے بعد رہا سہا ابہام بھی دور ہو چکا تھا۔ پولیس والوں نے مہمان بن کر رات والے واقعے میں مداخلت کی تھی۔ انہیں اس معاملے کے سرپیر کا کوئی علم نہیں تھا۔ قیدی سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ خود اپنے جرم کا اعتراف کرلے گا۔ پولیس والوں نے اسے پکڑا اور لے جا کر تھانے کے لاک اپ میں ڈال دیا تھا۔ اس واردات کے بارے میں سنیل کی بیوی سے کسی پوچھ گچھ کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔

''کبھی کبھی مجھے تم پر رشک کے ساتھ غصہ آنے لگتا ہے۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد ویرا بولی ''تم بعض معاملات میں بیٹھے بٹھائے اس طرح صحیح قیافے لڑا لیتے ہیں۔ جیسے تم کو سب کچھ پہلے سے معلوم رہا ہو۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ذرا سے سکون اور توجہ کے ارتکاز سے تم اس سے بھی بہتر نتائج اخذ کرسکتی ہو۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ پولیس فورس اس معاملے میں اچانک ملوث ہوئی تھی۔ ان کو پورے معاملات کا علم نہیں تھا۔''

''اب آپ سنیل کی بیوی سے ملنے جا رہے ہیں؟'' غزالہ نے اچانک پوچھا۔

''ہاں!'' میں نے مسکرا کر اثبات میں جواب دیا۔ میں اول خان سے باتوں میں اس ارادے کا اظہار کر چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ میرے اس ارادے پر کوئی اعتراض کرے گی یا کم از کم میرے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن میرا جواب سننے کے بعد اس نے یکا یک خاموشی اختیار کرلی۔

میں ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے روانگی کے ارادے سے اپنی جگہ چھوڑی تو مجھے حیرت ہوئی کہ ان تینوں میں سے کسی نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

گھر میں ایس ٹی ایف کے دو آدمی مستقل طور پر مامور تھے اس لیے کسی کو میرے ہاتھ باہر آنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں میں سے ایک نے پھاٹک کھول کر گاڑی باہر نکالنے میں مجھے مدد دی اور میرے روانہ ہونے کے بعد دروازہ بند کرلیا۔

گلشن اقبال سے سولجر بازار تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ صبح کے ان اوقات میں سڑکوں پر ٹریفک کا زیادہ دباؤ نہیں تھا۔ میں ذرا سی دیر میں سنیل کے گھر پہنچ گیا۔

میں نے اپنی گاڑی اس دومنزلہ مکان کے سامنے روکی اور نیچے اترا تو مجھے زینوں تک رسائی کا دروازہ بند نظر آیا۔ میں نے سنگلاخ ستون پر لگا ہوا بٹن دبا کر گھنٹی بجائی اور اوپر سے کسی جواب کا انتظار کرنے لگا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس گھر میں عورت اکیلی تھی اور رات کے واقعے سے خوف زدہ تھی۔ میں نے دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے سے پہلے خاصا طویل انتظار کیا اور آخر کار وہ انتظار بار آور ثابت ہوا۔

اوپری منزل کا داخلی دروازہ کھلا اور مجھے وہاں ایک سبک اندام خاتون کا دلکش چہرہ نظر آیا جس پر خوف کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ دن کے اجالے میں اس کی پیشانی پر لگی ہوئی سرخ بندیا دور سے چمک رہی تھی۔

''میں سنیل کا خیر خواہ ہوں۔ اوپر آنا چاہتا ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

وہ فوری طور پر کچھ نہ بولی۔ اپنی جگہ پر خاموش کھڑی میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کا وہ تذبذب میرے لیے قابلِ فہم تھا۔ میں نے اس سے نظریں چار کیے رکھنے کے بجائے اپنا سر جھکا لیا۔ مختصر سی مدت میں، میں نے اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس کے سائے لرزاں دیکھ لیے تھے۔ میں اسے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ آخر کار اس کی نرم اور مترنم سی آواز سنائی دی۔ ''اندر ہاتھ ڈال کر کھٹکا کھول لو اور اوپر آ جاؤ۔''

میں نے دروازے کی آہنی گرل میں سے اپنا ہاتھ گزار کر کھٹکا ٹٹولا اور اسے کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

میرے اوپر پہنچنے تک وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا اور الجھن آمیز لہجے میں بولی ''میں نے تم کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ تم کون ہو اور سنیل کو کیسے جانتے ہو؟''

''ان باریکیوں میں نہ پڑو۔'' میں نے اس مختصر لیکن آراستہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ''میں اس کی تلاش میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے وہ سراسر تباہی کی طرف جا رہا ہے۔''

''وہ گھر پر نہیں ہے۔ میں خود بھی اس کے لیے پریشان ہوں۔'' میری زبان سے ہمدردی کے دو بول سنتے ہی اس کی آواز دل گرفتہ سی ہوگئی۔

''مجھے معلوم ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے، سوبھراج کے ساتھ کہیں غائب ہے۔ اگر تم کو اس کے ٹھکانے کا علم ہے تو اس سے رابطہ کرواور اسے بتاؤ......''

''سب بے کار ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر میری بات کاٹ دی ''سنیل میری کوئی بات نہیں سنتا۔ سوبھراج کی دولت کی چکا چوند نے اسے اندھا کر دیا ہے۔''

''سوبھراج بڑا آدمی ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے دس راستے نکال لے گا۔ سنیل پر برا وقت آیا تو اسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''میں بھی اسے سمجھاتی ہوں۔'' میرے لب و لہجے سے متاثر ہو کر وہ مجھ سے از خود کھلتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''پہلے سب ٹھیک ٹھاک تھا لیکن کچھ دنوں سے ایک کے بعد ایک گڑبڑ ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو کچھ لوگ سوبھراج کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کے ساتھ سنیل بھی نہ مارا جائے۔''

''کل رات کوئی گورا سوبھراج کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

''وہ زبردستی گھر میں گھسا تھا۔ اس نے سارے کمرے دیکھے۔ مجھ سے ٹیڑھے سوال کیے اور پھر گالیاں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔''

''سوبھراج بہت اونچا اور گندا کھیل کھیل رہا ہے۔ وہ بہت بری طرح مارا جائے گا۔ تم آج کا اخبار دیکھو گی تو تمہیں اس کا اصل چہرہ نظر آ جائے گا۔''

''ہمارے گھر اخبار نہیں آتا۔ میں باہر گئی تو ضرور اخبار دیکھوں گی۔''

''وہ گھناؤنا آدمی ہے۔ میں نے سنا ہے وہ تم سے چوری چھپے ملتا رہا ہے؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دے سکی۔ چند لمحوں کی خاموشی میں اپنے اندرونی ابال پر قابو پا کر اس نے کمزور آواز میں کہا ''تم کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔''

''میرا راج محل میں آنا جانا ہے۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ سینہ بہ سینہ آگے بڑھتی رہتی ہیں۔ سنیل کو بھی ان ملاقاتوں کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''وہ بے غیرت آدمی ہے۔'' سنیل کا نام سنتے ہی وہ پھٹ پڑی ''وہ پہلے سے مجھے سمجھاتا رہتا تھا کہ کبھی سوبھراج مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو میں اس سے انکار نہ کروں۔ وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہے۔ اسے خوش کر کے ہم بہت جلد مال دار بن سکتے ہیں۔ ایک دن سوبھراج نے مجھے راج محل میں بلوایا تو میں انکار نہ کر سکی۔ سنیل ٹنڈو آدم گیا ہوا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔ سوبھراج اسے بہانے سے شہر سے باہر بھیج دیتا ہے اور مجھے بلوا لیتا ہے۔ سنیل اس کو اپنی عزت افزائی سمجھتا ہے۔ اس میں نام کو بھی مردانہ غیرت نہیں ہے۔''

''وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ اس کا لالچ ہے۔'' وہ اپنے شوہر کی گھٹیا حرکتوں پر خوش نہیں تھی ''وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ کہیں اور نوکری کرے گا تو اسے چار پانچ ہزار روپے سے زیادہ تنخواہ نہیں ملے گی۔ سوبھراج اسے بیس ہزار دیتا ہے۔ وقت بے وقت کے انعام اس کے علاوہ ہیں۔''

''تم اس کے دوست ہو۔'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگی ''اسے سمجھاؤ اور غیرت دلاؤ کہ وہ یہ راستہ چھوڑ دے۔'' بات کرتے کرتے وہ یکایک لپک کر میرے قریب آ گئی اور سرسراتی ہوئی نیچی آواز میں اپنی بات جاری رکھی ''کچھ دنوں سے سنیل کی حرکتیں پراسرار ہو گئی ہیں۔ وہ گھر آتا ہے تو چپ چپ اور کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تب بھی وہ کچھ نہیں بتاتا۔ مجھے خوف آنے لگا ہے کہ بات اب بے غیرتی سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔''

وہ میرے بہت قریب آ گئی تھی۔ میں اس کے قرب سے بوکھلا کر صوفے کے ایک کونے میں سمٹ گیا۔ وہ اس وقت اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے گمان ہوا کہ میں نے ایک طرف سرک کر اس کے لیے اپنے قریب جگہ پیدا کی ہے۔ وہ وہیں ٹک گئی۔

''کیا بے غیرتی سے آگے بھی کچھ ہو سکتا ہے؟'' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اس کی بات سے بات ملاتے ہوئے، روانہ وی میں پوچھا۔

''مجھے ڈر ہے کہ وہ سوبھراج کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں کسی جرم کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔'' اس بار اس کی آواز سرگوشیانہ اور خوف آور ہو گئی۔

وہ تنہا اور سہمی ہوئی عورت تھی۔ اس کا شوہر اسے حالات کے بے رحم دھارے میں یکہ وتنہا چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ اسے شدت سے کسی سہارے کی تلاش تھی۔ میں نے اس کے سامنے پہنچ کر سنیل کی خیر خواہی کا فرضی عندیہ دیا تو اس گھبرائی ہوئی عورت نے کسی چھان بین کے بغیر، آنکھیں بند کر کے مجھ پر اعتبار کر لیا۔ اس وقت اسے شدت سے کسی ہمدرد اور ہم نوا کے سہارے کی ضرورت تھی۔ میری ذات کی صورت میں اسے وہ سہارا میسر آ گیا تھا۔

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خود بھی ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ''جو بات میں کھل کر نہیں کہہ سکا تھا وہ تم نے بھانپ لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شوہر کے بارے میں قدرت نے تمہیں کوئی چھٹی حس بھی دی ہوئی ہے۔ سوبھراج بہت بڑا مجرم ہے۔ آج کا اخبار اس کے کالے کرتوتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اس ملک سے غداری کر کے دشمنوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھ سنیل کو بھی مروا دے گا اور تم ہاتھ ملتی رہ جاؤں گی۔''

''پہلے مجھے صرف شبہ تھا لیکن کل صبح وہ دونوں زخمی حالت میں گھبرائے ہوئے یہاں آئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں خون خرابے کی راہ پر چل رہے ہیں۔ سنیل کے بدن پر گولیوں کے تین زخم تھے۔ سوبھراج کے کپڑے بھی خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مجھے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ گھر بند کر کے خاموشی سے بیٹھنے کا حکم دیا اور دونوں ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ وہاں انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کی مرہم پٹی کی ہو گی اور کپڑے بدلے ہوں گے۔ میں ان دونوں سے ڈرنے کے باوجود اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوپہر کو ایسا معلوم ہوا جیسے سوبھراج کسی سے فون پر بات کر رہا ہو۔ میں نے دوڑ کر گھر کا دوسرا فون اٹھایا تو ہماری لائن فارغ تھی۔ میں سمجھ گئی کہ وہ اپنے سیٹ لائٹ فون پر کسی سے بات کر رہا ہو گا۔ وہ اس چھوٹے سے سیٹ کو ہر وقت اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ راج محل میں میرے ساتھ وقت گزارتے ہوئے اس نے کئی بار سب کچھ بھول بھال کر اس فون پر آنے والی کالز سنی تھیں۔''

اسے پہلی بار اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع میسر آیا تھا اس لیے وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ میرے لیے وہ نئی اور اندر کی باتیں تھیں اس لیے میں کوئی نکتہ آفرینی کیے بغیر بالکل خاموشی سے اس کی باتیں سنے جا رہا تھا۔ بولتے بولتے وہ سانس لینے کے لیے رکی تو میری محویت کا تسلسل ٹوٹ گیا اور میں نے مضطربانہ انداز میں کہا ''مجھے معلوم ہے کہ وہ اس ذاتی فون پر اپنے بیرونی آقاؤں سے ہدایات لیتا ہے اور غداروں سے رابطے قائم کرتا ہے۔ تم نے اس کی کچھ نہ کچھ باتیں تو ضرور سنی ہوں گی۔ وہ فون پر کیا کہہ رہا تھا؟''

''بند کمرے میں اس کی آواز کبھی دھیمی اور کبھی تیز ہو جاتی تھی'' وہ بتانے لگی ''وہ اڑتی اڑتی باتیں میرے پلے نہیں پڑ سکیں۔ اس وقت مجھے یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ وہ دونوں کہیں سے مار کھا کر آئے ہیں۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت کی تو وہ میرے ساتھ بری طرح پیش آئیں گے۔ وہ شاید اپنے کسی دشمن اور روپوشی کی باتیں کر رہا تھا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' میں نے اسے دوبارہ لقمہ دیا۔

''کچھ دیر بعد وہ دونوں کمرے سے ایک چھوٹا سا تھیلا لے کر نکلے۔ ان کے زخموں کی مرہم پٹی ہو گئی تھی' کپڑے بھی صاف تھے لیکن سوبھراج کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ شاید اس کے زخموں سے زیادہ خون بہہ گیا تھا۔ سنیل نے جانے سے پہلے مجھے صرف اتنا بتایا کہ کچھ نامعلوم دشمن بلاوجہ ان دونوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ان سے بچنے کے لیے وہ دونوں کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے۔ خطرہ ٹلنے تک اس نے مجھ سے فون پر رابطہ رکھنے کا پکا وعدہ کیا تھا۔ رات کو میرے اوپر ایک قیامت گزر گئی۔ امریکی گورے نے میرے بدن کو کسی مویشی کے بدن کی طرح نوچا اور ٹٹولا تھا جیسے میں نے ان دونوں کو اپنی کوکھ میں چھپایا ہوا ہو۔ وہ مجھے ننگی ننگی گالیاں اور دھمکیاں دے کر چلا گیا۔ میں اس کی دہشت سے رات کو ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکی مگر اب تک سنیل نے پلٹ کر میری کوئی خبر نہیں لی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے؟''

اس کے آخری اور بے ساختہ فقرے میں مجھے وہ جواب مل گیا جس کی تلاش میں' میں نے اپنے گھر سے وہاں تک کی دوڑ لگائی تھی۔ میں نے ایک زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ میں پوری ایمانداری سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ اسے سنیل یا سوبھراج کے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

وہ دلکش اور خوبصورت ضرور تھی لیکن رنگین مزاج عورت نہیں تھی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ وہ ایک سیدھی سادی گھریلو عورت تھی جسے اس کے شوہر نے اپنے مالی مفادات کی خاطر سوبھراج جیسے ہوس کے پجاری کے چنگل میں دے دیا تھا۔

وہ عورت ان دونوں کی شریک کار تھی اور نہ راز داں تھی۔ اس کی بدقسمتی نے اسے سنیل جیسے بے ضمیر شخص کے سر منڈھ دیا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ اس سے نباہ کیے جا رہی تھی۔

''تمہیں اپنے گھر میں اس گورے کی آمد کے علاوہ کچھ اور بھی معلوم ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''یہ بہت پرسکون علاقہ ہے اور پھر اس وقت رات بھی بہت گہری ہو چکی تھی۔ اس کے اترتے ہی مجھے نیچے دھما چوکڑی کی آوازیں سنائی دی تھیں' پھر کسی گاڑی کے انجن کی تیز آواز سنائی دی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کھڑکی سے باہر جھانکا تو مجھے ملگجی روشنی میں کئی آدمی ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے نظر آئے۔ وہ سب وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کو مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے سہم کر کھڑکی کے پردے گرائے اور اپنے بستر پر گر کر کانپنے لگی'' اس کی آواز میں خوف یوں در آیا تھا جیسے وہ پچھلی رات کا ڈراؤنا واقعہ دوبارہ رونما ہوتے دیکھ رہی ہو۔
وہ اسی لب و لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی'' کچھ دیر بعد تڑاتڑ تین گولیاں چلیں' ان کے دھماکوں سے میرا بستر ہل کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آس پاس سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دیے اور نیچے چہل پہل ہونے لگی۔ میرا دم سوکھنے لگا۔ میں ڈر رہی تھی کہ وہ بدمعاش گورا دوبارہ دروازہ توڑ کر میرے گھر میں گھس آئے گا یا پھر پولیس والے میرے دروازے پر دستک دینا شروع کر دیں گے۔ میں اٹھ کر دوبارہ کھڑکی سے باہر جھانکنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ سارا وقت آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دیا۔ کافی دیر بعد وہ سب چلے گئے اور ہر طرف رات کے پہلے پہر جیسے سناٹے کا راج ہو گیا مگر میرا خوف صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کم نہیں ہوا۔''
وہ اپنے گھر میں ضرور محصور تھی لیکن رات کو نیچے رونما ہونے والے واقعے سے بالکل بے خبر نہیں تھی۔ میں نے اس سے پوچھا'' صبح تو تم کو پتا چل گیا ہوگا کہ نیچے کیا ہوا تھا؟''
''میں نے اب تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہم لوگ ہندو ہیں اس لیے ہمارے مسلمان پڑوسی ہم سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ بس ایک عورت کا فون آیا تھا۔ اس بے چاری کو بھی کچھ پتا نہیں تھا کہ رات کو کیا ہوا تھا۔ اس کا آدمی پولیس کے آنے کے بعد گھر سے نکلا تھا لیکن پولیس والوں نے ڈانٹ کر اسے گھر میں واپس بھگا دیا۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اپنے گھر سے کیا دیکھا تھا؟ میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں ڈر کے مارے باہر جھانکنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ تم کو معلوم ہے کہ کیا ہوا تھا؟''
مجھے مزید کچھ بتانے کے بجائے اس نے سوال کر کے سارا بوجھ میرے سر پر ڈال دیا تھا۔ میں نے پُر خیال انداز میں جواب دیا'' بات بہت آگے بڑھ گئی ہے اسی لیے مجھے سنیل کی تلاش میں یہاں آنا پڑا۔ رات کو یہاں سے دو امریکی پولیس کے ہاتھ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک مر چکا تھا اور دوسرا زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اب پولیس کو اس گورے کے قاتل کی سرگرمی سے تلاش ہے۔''
''یہاں سے وہ ٹھیک ٹھاک حالت میں اور غصے سے اکڑتا ہوا گیا تھا'' اس نے جلدی سے مدافعانہ لہجے میں کہا ''نیچے کوئی اس کی گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔''
''تم سختی سے اپنی زبان بند رکھو۔ کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ رات کو ان میں سے کوئی تمہارے پاس بھی آیا تھا۔ یہ بات باہر نکل گئی تو اصل قاتل پولیس کے ہاتھ آئے یا نہ آئے' وہ تم کو اٹھا کر لے جائیں گے اور تمہاری زندگی عذاب ہو جائے گی۔''
''اوہ بھگوان!'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر روہانسی آواز میں کراہی ''سنیل نے اپنی حرکتوں سے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا' اب میں کیا کروں؟''
''میں یہی کہہ رہا ہوں'' میں نے اسے سمجھایا'' کچھ نہ کرو' چپ چاپ اپنے گھر میں بیٹھی رہو اور اگر تم کو سنیل کا کوئی بھی پتا معلوم ہے تو وہ مجھے بتا دو۔''
''میں نے تم سے کہا ہے نا کہ مجھے کچھ پتا نہیں۔ ان دونوں پر برا وقت آیا ہے تو وہ راج محل میں ہی چھپ سکتے ہیں۔ دونوں زخمی ہیں' ان کو آرام کی ضرورت ہے۔ راج محل اونچی چار دیواری میں بسی ہوئی ایک چھوٹی سی دنیا ہے جہاں سوبھراج کا حکم چلتا ہے۔ وہ دونوں وہیں محفوظ رہ سکتے ہیں۔''
وہ گھریلو عورت تھی۔ اس نے اپنی سوچ کے مطابق بہت اہم رائے زنی کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ سوبھراج اس وقت کسی حالت میں راج محل کا رخ نہیں کرے گا۔
میں نے اس سے فون پر بات کرتے ہوئے بہت واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ راج محل میں اس کی تنخواہوں پر پلنے والے ملازموں کی فوج میں تک کے باقاعدہ مخبر بھی موجود تھے جنہوں نے اسے میری کلارک کی آمد اور پھر وہاں سے پُجیرو میں پراسرار روانگی کی پوری تفصیلات بتا دی تھیں۔ ایسے نمک حرام ملازموں کی موجودگی سے باخبر ہونے کے بعد سوبھراج اپنے گھر لوٹنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی محتاط روی کا یہ عالم تھا کہ میری زبانی وہ اطلاع ملنے سے پہلے ہی اس نے راج محل جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور اپنے اوپر ہونے والے پہلے قاتلانہ حملے کے بعد سنیل کے گھر میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔

میں نے سنیل کی بیوی کو رات والے واقعے کے بارے میں سختی سے اپنی زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر مجھے پوا یقین تھا کہ وہ میرے مشورے پر عمل کرے گی۔ اس سے مجھے ایک ہی فائدہ ہو سکتا تھا کہ پولیس والے اس عورت سے دور رہتے اور میں اسے اپنے ہاتھ میں لے کر کسی مناسب موقع پر سنیل اور سوبھراج کے خلاف استعمال کر گزرتا۔

جہاں تک ان دونوں کا تعلق تھا تو انہیں اس زبان بندی سے کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس عورت سے کچھ پوچھے بغیر وہ یہ جان لیتے کہ نک نے سوبھراج کو کھلی دغا دی تھی۔ سوبھراج سے اس کی کمین گاہ کا پتا معلوم کر کے اپنے آدمی وہاں بھیج دیے۔ ان کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ ان آدمیوں کی سرکوبی کس نے کی ہے؟

ہر چند کہ سوبھراج نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ شہر میں کہاں چھپا ہوا تھا لیکن واقعات کی روشنی میں وہ یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ڈینی کے آدمی نک اور اس کے حواریوں کا خفیہ طور پر پیچھا کرتے ہوئے سنیل کے گھر تک پہنچے ہوں گے اور سوبھراج کی تلاش میں ان کی ناکامی کے بعد اچانک ان پر حملہ کر دیا ہوگا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے انہیں سنیل کی بیوی سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''میرے گھر میں ایک کورا گھسا ہے۔ گھر کے نیچے مار دھاڑ ہوئی ہے۔ سنیل یہ نہیں پوچھے گا کہ یہ سب ہونے کے باوجود میں کیوں خاموش رہی'' کچھ دیر تک خاموشی سے سوچتے رہنے کے بعد اس نے آخرکار میری تجویز میں ایک خامی تلاش کر لی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا ''تم اس مقولے کو درست ثابت کر رہی ہو کہ عورتیں کم عقل ہوتی ہیں۔ تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ جب دوبارہ کوئی تمہارے دروازے پر نہیں آیا تو تم کس کو تفصیلات بتاتیں۔ تم نے خود پولیس والوں کے پاس جانے کا خطرہ مول نہیں لیا کیونکہ اس میں تمہاری گردن پھنسنے کا امکان ہے اور پھر سنیل اور سوبھراج کا ذکر آنا بھی لازمی ہے۔''

''اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے'' اس نے بے ساختہ میری تائید کی ''اصل بات بھی یہی ہے۔ پریشانی اور بے خوابی کی وجہ سے میرا ذہن تھکا ہوا ہے۔''

''اتنی باتیں ہو گئی ہیں تو اب مجھے اپنا نام بھی بتا دو۔'' میں نے خواہش ظاہر کی۔

''تم سنیل کے گہرے دوست ہو اور میرے نام سے واقف نہیں ہو'' اس نے حیرت ظاہر کی۔

''میں سوبھراج کی طرح عورتوں کا رسیا نہیں ہوں کہ ہر جاننے والے سے اس کی بیوی کے بارے میں چھان بین کر رہوں۔ اب سے پہلے تک میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ تم سنیل کی بیوی ہو۔ وہ غائب ہو چکا ہے۔ میں مجبور ہو کر تم سے مل بیٹھا ہوں تو مجھے تمہارا نام بھی معلوم ہونا چاہیے۔''

''اور یہی بات میں تمہارے بارے میں بھی کہہ سکتی ہوں' کیا نام ہے تمہارا؟''

میں اس سے ایسے برجستہ سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا نام دہراتے ہوئے کہا ''اگروال...... میرا پورا نام مہیش اگروال ہے۔ میں کیماڑی میں ہر چند رائے روڈ پر رہتا ہوں۔''

''میرا نام شیبا ہے اور میں یہیں رہتی ہوں'' میرے انداز کی نقل میں وہ فقرے ادا کرتے ہوئے اس کے گلابی ہونٹ قدرے وا ہوئے اور ان کے درمیان موتیوں جیسے سفید دانتوں کی قطار چمکنے لگی۔

''خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی'' میں نے ذرا بے تکلفی سے کہا ''جب سے میں یہاں آیا ہوں' تم اس طرح منہ لٹکائے بیٹھی ہو جیسے سنیل کا دیہانت ہو گیا ہو۔''

اس نے سنیل کے دیہانت والے تبصرے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی اور ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اس وقت تمہاری آمد سے میرے ذہن کا بوجھ اتر گیا ہے ورنہ میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ کاش سنیل یہ اندازہ کر لیتا کہ اس کے بھاگ جانے کے بعد میں کس حال سے گزر سکتی ہوں۔''

''اسے سب معلوم ہے اور وہ اسی لیے بھاگا ہے'' میں نے بے پروائی سے اسے اکسایا۔

''اس وقت وہ سوبھراج کا غلام بنا ہوا ہے'' شیبا کی آواز میں ہلکا سا تنفر جھلکنے لگا۔ ''اس کی خاطر وہ مجھے بالکل بھول گیا ہے۔''

''اور سوبھراج کو بھی تمہاری پروا نہیں ہے جبکہ تم نے اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا ہے۔''

''میں نے اپنی مرضی سے اسے کچھ نہیں سونپا۔ اس نے مجھ سے میری عزت چھینی ہے'' اس کا لہجہ یکا یک تلخ ہو گیا ''میں پہلی بار ریراج محل میں اس سے ملی تو مجھے اس کی انگلیوں سے گھن آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے موٹے موٹے کیچوے میرے بدن پر رینگ رہے ہوں......''

''میں تمہارے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا'' میں نے اس

کی بات کاٹ کر اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا ''مجھے دکھ ہے کہ تمہارے وہ دونوں خوشہ چین تمہیں بھولے ہوئے ہیں۔''

''تم نے میرے اس آڑے وقت میں یہاں آ کر مجھے سہارا دیا ہے۔تم سنیل کے کوئی بہت سچے دوست ہو۔ میں تم کو ضرور بتاؤں گی کہ میں سوبھراج کے ہاتھوں کیسے ذلیل اور رسوا ہوئی۔''

''اگر یہ باتیں بتانے سے تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے تو میں خاموشی سے سن لوں گا۔''

وہ مجھے مسلسل سنیل کا دوست سمجھ رہی تھی جبکہ میں نے ایک بار بھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ میں ابتدا سے اسے یہ بتا رہا تھا کہ میں سنیل کا خیر خواہ ہوں۔ اس نے میری اس بات اور عمل سے اپنے طور پر ایک نتیجہ اخذ کر لیا تھا اور اس پر قائم تھی۔

''میں وہ دن نہیں بھول سکتی'' شیبا خلا میں کسی نکتے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہہ رہی تھی ''میرے تیور دیکھ کر وہ مکار شکاری اپنی ذات میں سمٹ گیا۔ کیچوؤں کا رینگنا تھم گیا۔ وہ مجھے اپنے گلاس سے شراب پلانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ہنس بول کر اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ مجھے نشہ پلانے کی ضد کرتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے مرد کا اَن داتا ہے۔ میرے دماغ میں سنیل کی پڑھائی ہوئی بات بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کئی بار سمجھایا تھا کہ کبھی مالک مجھ سے دوستی کرنے کی کوشش کرے تو میں اسے مایوس نہ کروں' وہ خوش ہو گیا تو اس کی مہربان نظریں ہمارے دن پھیر دیں گی۔

''آخر میں نے مجبور ہو کر اس کے گلاس سے پہلا گھونٹ لے لیا۔ وہ میری بربادی کی پہلی سیڑھی تھی۔ گھونٹ گھونٹ کر کے اس نے میرے بدن میں اتنی شراب اتار دی کہ مجھے اپنی سدھ نہیں رہی۔ میرے بے سدھ ہونے سے پہلے ہی وہ بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ وہ زندہ شکار کھانے والا شیر نہیں' مردار کی بوٹیاں نوچنے والا گدھ ہے۔ مجھے ہوش آیا تو میں اپنی عزت' آبرو اور لباس سے محروم ہو چکی تھی۔''

میرے دل میں آئی کہ اس سے ایک سوال ضرور پوچھوں کہ وہ پہلا واقعہ تھا۔ وہ اس کے بعد بھی اس راہ پر آتی جاتی رہی۔ اس آمد و رفت میں جبر تھا نہ زبردستی۔ نہ سوبھراج ہر بار اس کی ناز برداریاں کر کے اسے اپنے گلاس سے نشہ پلاتا رہا ہو گا۔ پھر وہ اس دلدل میں کیوں دھنستی چلی گئی؟

شیبا نے شاید میرے دل میں ابھرنے والا وہ سوال میری آنکھوں میں پڑھ لیا اور چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد دوبارہ بولنے لگی ''وہ میری زندگی کا اندھیرا دن تھا۔ عورت زندگی میں صرف ایک بار لٹتی ہے' اس کے بعد وہ زندگی بھر بھی لٹتی رہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے تم کسی کے دل میں ایک گولی اتار دو اور پھر اس کی لاش پر زندگی بھر گولیاں برساتے رہو۔ میں نے سنیل کی خوشی اور خوش حالی کے لیے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے سوبھراج سے کبھی محبت نہیں رہی لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اب اس سے پہلی سی نفرت بھی نہیں۔ وہ کھرا سوداگر ہے۔ اس نے سنیل سے جو سودا چکایا' اس کے پورے دام چکاتا ہے۔ مجھے خالی ہاتھ لوٹاتا ہے نہ سنیل کی جیب خالی رہنے دیتا ہے۔ آج ہمارے پاس اتنا پیسہ جمع ہو چکا ہے کہ کل سوبھراج کو موت چاٹ جائے تو سنیل کو گزارے کے لیے دوبارہ چرس کے پوّے اور ہیروئن کی پڑیاں نہیں بیچنا پڑیں گی۔ وہ بچائی ہوئی رقم سے کوئی عزت کا دھندا شروع کر لے گا۔ اس نئی زندگی کی امید میں' میں یہ برے دن گزار رہی ہوں۔''

شیبا کی وہ باتیں بہت کھوکھلی تھیں۔ میں چاہتا تو اس کی ہر دلیل کی دھجیاں اڑا سکتا تھا مگر میں اس سے مباحثہ کرنے کے ارادے سے نہیں گیا تھا۔ میں نے اس کی کہی ہوئی باتوں پر ذرا بھی اعتراض نہیں کیا۔

اصل بات یہ تھی کہ مجھے اس کے اور سوبھراج کے مراسم کے بارے میں معلوم تھا۔ میں نے وہ بات اس کے منہ پر کہہ دی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہی تھی لیکن اس میں اس گالی کو سننے کی تاب نہیں تھی۔ اس نے بدچلن عورتوں کا روایتی طریقہ اختیار کر کے اپنی بے گناہی جتانے کے لیے مجھ سے وہ سب کہہ ڈالا تھا جو اسے نہیں کہنا چاہئے تھا۔ میرے لیے اس کی وہ صفائی قابلِ قبول نہیں تھی۔

اگر ان معاملات میں اس کی رضامندی شامل نہ ہوتی تو سنیل کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ شیبا کو زبردستی سوبھراج کی خلوت میں پہنچا دیتا۔ شیبا نے خود اپنے مالی حالات اور سنیل کی قابلیت کی جو منظر کشی کی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان دونوں نے ہوس پرست سوبھراج کو مشترکہ طور پر اپنا شکار بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی سازش کی تھی اور اس منصوبے میں وہ پوری طرح کامیاب رہے تھے۔

مجھے شیبا کی کہانی کے کسی حصے پر شبہ نہیں تھا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی تھی کہ اس نے سوبھراج سے پہلی ملاقات میں اپنی پاک دامنی کا ڈراما رچانے کے لیے گریز اور ہلکی پھلکی مزاحمت کی راہ اپنائی ہو تاکہ سوبھراج کے دل میں آتش شوق کو زیادہ ہوا دے سکے۔ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب رہی تھی اور ان باتوں کو مظلومیت کی کہانی کا روپ دے کر' میرے سامنے سارا گناہ سنیل کے سر ڈالنے کی کوشش

کر رہی تھی۔

وہ اس کے ذاتی افعال تھے جن سے مجھے کوئی غرض نہیں تھی مگر میں اس کی زبان سے یہ انکشاف سن کر ضرور چونکا تھا کہ سنیل کسی زمانے میں منشیات فروش بھی تھا۔

ابتدا میں شیبا تنہائی کے خوف اور صدمے کی وجہ سے کم گو نظر آئی تھی لیکن رات بھر کے وہ اثرات زائل ہونے کے بعد وہ رفتہ رفتہ کھلتی جا رہی تھی۔ اپنے مزاج میں وہ کسی بھی عام عورت سے کم باتونی نہیں تھی۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ چار برس پہلے تک سنیل حیدر آباد میں رکشا چلا کر اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس دوران میں وہ شام کے اوقات میں اسی رکشا پر سوار ہوکر ہیرآباد، مارکیٹ اور سرے گھاٹ کے مخصوص مقامات پر مقررہ اوقات میں رک کر ضرورت مند گاہکوں کو سستی منشیات فراہم کرتا تھا۔ اس نے کبھی ایسی چیزوں میں ہاتھ نہیں ڈالا تھا جن کا وزن اور حجم زیادہ ہو۔ وہ صرف چرس اور ہیروئن کا دھندا کرتا تھا جن کی آزادانہ نقل و حرکت میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔

وہ منشیات کا کوئی بڑا سوداگر نہیں تھا لیکن میرے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں تھی کہ فاضل آمدنی کے لالچ میں منشیات فروشی سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا سنیل کمار آخر کار اپنی حد سے اتنا گر گیا کہ ضمیر فروشی کی راہ پر چل پڑا۔

اس شخص نے پیسے کے لیے اپنی بیوی کو رضا کارانہ طور پر سوبھراج کو سونپ دیا تھا تو اس کے لیے اپنے ملک اور اس کے مفادات کی کیا اہمیت ہوسکتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو دولت کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ بیچنے اور لٹانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

میں شیبا کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ میں اس کے شوہر کا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اسے اپنے دل کے بھڑاس نکالنے اور اپنی صفائیاں پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کروں۔

میرا خیال تھا کہ میں نے اسے ضرورت سے زیادہ آزادی دے دی تھی اور اس کی بہت سی باتیں سن لی تھیں۔ اسے شیشے میں اتار لینے کے بعد میرا وہاں رکنا غیر ضروری ہوگیا تھا۔

''نالی کا کیڑا نالی میں ہی خوش رہتا ہے'' سنیل کی منشیات فروشی کی داستان سن لینے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''میں اس کے ماضی سے واقف نہیں ہوں۔ میری اور اس کی جان پہچان کچھ عرصے قبل کراچی میں ہوئی تھی۔ تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ سنیل کے دماغ میں ایک مجرم چھپا ہوا ہے جو اپنے فائدے کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ حیدر آباد میں وہ منشیات فروشی کرتا رہا۔ یہاں اس نے سوبھراج کے گرگے کا روپ دھار لیا ہے۔''

''حیدر آباد میں بھتے کے چکر میں مارکیٹ تھانے والے اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کراچی چلا آیا۔ یہاں اس نے راج محل میں ڈرائیور کی نوکری کے لیے کوشش کی تھی۔ وہ میٹرک پاس ہے۔ خاصی انگریزی بول لیتا ہے۔ سوبھراج نے سوچا ہوگا کہ سنیل اس کا ہم مذہب بھی ہے۔ اس نے اسے نوکری پر رکھ لیا اور آج وہ دونوں ایک دوسرے کے رازداں بنے ہوئے ہیں۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ساتھ رہ رہی ہو، اس کی مرضی پر چل رہی ہو اور اس کے خلاف بھی بول رہی ہو؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ اس سے زندگی بھر کا بندھن میری مجبوری ہے۔ اب مجھے اس کی حرکتوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ ہمیں دو وقت کی نہیں تو ایک وقت کی روٹی ضرور ملے گی مگر دن رات کے خوف سے چھٹکارا مل جائے گا۔ تم خود بھی ہندو ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے دھرم میں عورت کے لیے اپنے مرد کو چھوڑنا کتنا کٹھن ہے۔''

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہی تھی۔ بے خوابی کے ہلکے سے ورم سے بوجھل، بڑی بڑی آنکھوں میں ایک سوال سا مچل رہا تھا، جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''وہ گھر ضرور آئے گا۔ آئے تو خاموشی سے مجھے خبر کر دینا۔ میں مل کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''پتا نہیں، وہ کب آئے گا۔ میں اکیلی رہ کر دھڑکنوں میں ہی مر جاؤں گی۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم اپنا کچھ وقت میرے ساتھ گزار لو۔ میرے دل کو ڈھارس رہے گی۔ میں ہر طرح تمہاری خدمت کروں گی'' اس نے ذو معنی انداز میں ہر طرح پر زور دے کر کہا۔

''مرد اور عورت اکیلے ہوتے ہیں تو ان کے بیچ گناہ کا بیج پروان چڑھتا ہے......''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ عورت زندگی میں صرف ایک بار لٹتی ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا ''اس کے بعد وہ اس کھیل کی عادی ہو جاتی ہے۔ میں سوبھراج جیسے لٹیرے کو برداشت کر رہی ہوں۔ اس کے مقابلے میں تم بہت شریف اور اچھے ہو۔''

وہ میرے قریب سرک آئی اور اس نے اپنائیت سے اپنا

داہنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

وہ میرے لیے کڑا امتحان تھا۔ وہ خوب صورت اور سبک اندام تھی۔ میرے ایک حریف کی عورت اور دوسرے کی داشتہ تھی۔ میں اسے لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا مال تصور کر کے آسانی سے اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ میں کوئی جنبش کیے بغیر اپنی جگہ پر جما بیٹھا رہا۔

شیبا نے میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کیا اور میری طرف جھک آئی اور جسموں کے اتصال کے دوران میں سرگوشیانہ آواز میں بولی "مہیش! میری طرف دیکھو۔ میں اکیلی اور پیاسی عورت ہوں۔ مجھے اپنائیت کے ساتھ اپنے بازوؤں میں لے لو۔ اس وقت میں محبت کے دو بولوں کے لیے ترس رہی ہوں۔ میرے وجود میں بھڑکی ہوئی تنہائی کی آگ کو بجھا کر میرا دل ٹھنڈا کر دو۔ مجھے یقین آجائے گا کہ اس برے وقت میں، میں تنہا نہیں ہوں، تم میرے ساتھ ہو۔"

میں نے ایک ہلکی سی پھریری لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ دشمن کی عورت ضرور تھی لیکن میں اپنے دشمن کا جھوٹا کھانے کا عادی نہیں تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے اسے سمجھایا "یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ کیا پتا کہ پکڑا جانے والا گورا، پولیس والوں کو تمہارے گھر کے بارے میں بتا دے اور وہ کسی وقت یہاں پہنچ جائیں۔ ایسے وقت پر میرا یہاں موجود ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ تمہارے ساتھ میں بھی مصیبت میں گھر جاؤں گا اور کوئی ہماری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔"

پولیس کے ذکر پر اس کے ذہن پر چھایا ہوا خوف تازہ ہو گیا۔ میری دلیل وزنی تھی۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس کے سر پر سوار ہونے والا خمار یک لخت اتر گیا۔

"تمہاری موجودگی میں، میں یہ سب بھول بیٹھی تھی" وہ ہڑبڑا کر صوفے سے اٹھ گئی "تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اپنی دوستی بڑھانے کے لیے کسی بھلے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ سنیل گھر آئے یا اس کا فون آئے تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

میں نے اسے اپنا موبائل فون نمبر لکھوا دیا "اس نمبر پر مجھے خبر دے دینا۔ میں آکر اسے سمجھاؤں گا۔ اب سوبھراج کا وقت پورا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ سنیل کو اس ڈوبتے ہوئے جہاز سے اتر آنا چاہیے ورنہ وہ بھی اس کے ساتھ غرق ہو جائے گا۔"

وہ یکایک کسی جونک کی طرح میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنے بدن سے الگ کیا اور الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر گھر سے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

سنیل کے گھر کا رخ کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی بیوی سے کچھ اگلوانے کے لیے مجھے خاصے پاپڑ بیلنا پڑیں گے لیکن وہ مرحلہ میری توقع سے کہیں زیادہ آسان ثابت ہوا تھا۔ عملی طور پر شیبا کیسی بھی عورت رہی ہو ذہنی طور پر وہ بے راہ روی کا شکار تھی۔ اپنے گھر کی تنہائی میں آئے ہوئے ایک مرد کی باتوں کے جال میں آسانی سے پھنستی چلی گئی۔

میں دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ وہ سنیل اور سوبھراج کو میرے بارے میں کچھ نہ بتائے اور ان کے بارے میں خاموشی سے مجھے خبر دے دے تو ان دونوں کا قصہ آسانی سے نمٹ سکتا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے اس کی کسی بات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن اس کا پیش کیا ہوا یہ نکتہ میرے ذہن کے کسی خانے میں جم گیا تھا کہ وہ دونوں زخمی تھے۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ ان کے لیے راج محل ہی سب سے بہتر ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔

سنیل کے گھر سے راج محل زیادہ دور نہیں تھا۔ اس راستے پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ذریعے اپنے ملازمین میں نک کے وفادار مخبروں کی موجودگی کی اطلاع مل جانے کے بعد شاید سوبھراج کھلے بندوں وہاں جانے کی ہمت نہ کر سکے لیکن وہ عادی اور پرانا مجرم تھا۔ اس نے کئی برس پہلے پرانی عمارت کو گرا کر راج محل کو از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ نئی عمارت بنواتے ہوئے اس نے کہیں نہ کہیں ایسا خفیہ راستہ ضرور رکھا ہوگا جس کے ذریعے پوری رازداری کے ساتھ

اپنے گھر کے کسی اہم اور خاص حصے میں آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔

اگر راج محل میں آمدورفت کے لیے ایسا کوئی خفیہ راستہ موجود تھا تو پھر شیبا کی رائے درست ہوسکتی تھی۔ اس وقت ان دونوں کو وہیں ہونا چاہیے تھا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا' بے دھیانی سے گاڑی چلاتا رہا۔ ایک موڑ سے جوں ہی راج محل کی عمارت میری نظروں میں آئی تو میں بری طرح چونک پڑا۔

راج محل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک غیر معمولی طور پر کھلے ہوئے تھے اور بیرونی سڑک تک لوگوں کا ایک حیران و پریشان مجمع نظر آرہا تھا۔

میں نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ قریب پہنچنے پر مجھے راج محل کے احاطے میں سبز رنگ کی سرکاری نمبر پلیٹوں والی کئی گاڑیاں نظر آئیں تو فوری طور پر میرا خیال جلال کی طرف گیا تھا۔

اس روز جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ اس وقت بھی کراچی میں موجود تھا۔ تازہ ترین اخباری اطلاعات اس بات کا مظہر تھیں کہ سرتوڑ کوششوں کے بعد آخرکار جلال کو کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ سوبھراج کے اثرورسوخ کے مقابلے میں قانون بالادست رہا تھا اور رات گئے سوبھراج سے ساری مراعات واپس لے لی گئی تھیں۔

جب تک سوبھراج ایک مراعات یافتہ سیاست داں کے معزز رتبے پر فائز رہا' جلال اس سے دور رہ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور بل کھاتا رہا۔ جوں ہی سوبھراج کے سر سے تحفظ کا سایہ اٹھا' جلال نے شاید اپنے پورے قانونی جاہ وجلال کے ساتھ سوبھراج کے خلاف کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔

میری گاڑی پر غیر سرکاری نمبر پلیٹ تھی۔ راج محل کے پھاٹک پر موجود لوگوں نے ہیجان زدہ اشاروں اور آوازوں کے ذریعے مجھے باہر روکنے کی کوششیں کیں لیکن میں ان کے درمیان سے راستہ بنا کر گاڑی کو اندر' احاطے میں لیتا چلا گیا۔

گاڑی روکتے ہی میرے نتھنوں میں پیٹرول کی بہت تیز بُو آئی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں گھبرا گیا کہ میری گاڑی کی پیٹرول کی لائن کہاں سے لیک ہوگئی ہے۔ گاڑی سے نیچے قدم رکھتے ہی میری وہ پریشانی دور ہوگئی۔ اس وقت راج محل کی پوری فضا میں وہ تیز بو رچی ہوئی تھی۔

میں نے گاڑی چھوڑنے تک یہ اندازہ لگالیا تھا کہ دو سرکاری گاڑیوں میں مسلح اور سادہ پوش سرکاری اہل کاروں کی ایک معقول تعداد راج محل میں وارد ہوچکی تھی۔ گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ لوگوں کا مجمع اس عمارت کے ملازمین پر مشتمل تھا۔ ان سب کی پُرتشویش نگاہیں اس پرشکوہ عمارت پر جمی ہوئی تھیں جس میں ان کے شب وروز گزرتے رہے تھے۔

پھر مجھے جلال بھی نظر آگیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک میگافون لیے' اپنے ہتھیار بند محافظوں کے گھیرے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب ایک دو ایسے پریشان حال افراد بھی نظر آرہے تھے جو راج محل کے پرانے ملازم ہوسکتے تھے۔

جلال نے گاڑی کے انجن کے دھیمے شور اور ہٹو بچو' رکو کی آوازوں پر چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ میرے اترنے کے بعد اس نے گرم جوشی سے میری طرف ہاتھ لہرایا پھر میگافون اپنے دہانے کے قریب لا کر راج محل کی عمارت کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''سوبھراج! اب بھی وقت ہے'' اگلے ہی لمحے فضا میں جلال کی بھاری اور تحکم آمیز آواز گونجنے لگی۔ خود کو قانون کے حوالے کردو۔ ابھی تم ملزم ہو۔ تم کو اپنے دفاع کا پورا موقع دیا جائے گا۔ گھٹیا حرکتیں کر کے تم مجرم بن رہے ہو۔ تم زبردستی پکڑے گئے تو تمہیں روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملے گی۔''

''قانون میری ٹھوکر میں ہے'' دوسری طرف سے سوبھراج کی حقارت زدہ آواز گونجی۔ شاید وہ بھی میگافون استعمال کررہا تھا' ''قانون بنانے والے پر تم دو ٹکے کے سرکاری ملازم قانون لاگو کرنے چلے ہو۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھنا۔ میری پوری حویلی پیٹرول میں نہا چکی ہے۔ ایک دیاسلائی کے جلتے ہی یہ سب آگ میں گھر جائے گا۔ تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکے گا۔''

''یہ نہ بھولو کہ اپنی لگائی ہوئی آگ میں تم خود بھی جل مروگے'' جلال نے اسے ڈرایا ''راج محل کے چاروں طرف مسلح آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ تم بچ کر نہیں نکل سکو گے۔ شرافت سے گرفتاری دے دو۔''

''میں مکھن سے بال کی طرح نکل جاؤں گا اور تم سب دیکھتے رہ جاؤ گے'' سوبھراج کی آواز تکبر آمیز ہوگئی۔ ''میرے ملازموں سے پوچھ لو کہ کیا کسی نے مجھے راج محل میں آتے ہوئے دیکھا تھا' جو لوگ بڑا شکار کھیلتے ہیں' وہ اپنی واپسی کے دس راستے کھلے رکھتے ہیں۔ تم کو پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ میں کب اور کہاں سے نکل گیا۔ تم مر کر بھی مجھے نہیں پکڑ سکتے۔''

میں جلال کے قریب جا کر رک گیا۔ وہ خاصا فکرمند اور پریشان نظر آرہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں چمک رہی تھیں۔

''وہ یہاں کب آیا تھا؟'' جلال نے سوبھراج کے ایک نوکر سے قہربار آواز میں پوچھا۔

''صاحب! ہمیں نہیں پتا'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے گھگیا کر کہا ''میں تو شروع سے آپ سے کہہ رہا تھا کہ راج صاحب' ائرپورٹ سے گھر کی طرف نہیں آئے۔ ہم سب کل سے ان کا انتظار کررہے تھے۔ پتا نہیں وہ کب اور کہاں سے اندر پہنچ گئے۔''

جلال نے غصے میں اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا اور وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔ میں ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"میرے ساتھ آؤ!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا اور وہ راج محل کے دوسرے نوکروں کو غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا میرے ساتھ ہولیا۔

فضا میں لمحہ بہ لمحہ پیٹرول کی بو بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ پہلے سے پھیلائے ہوئے پیٹرول کی تیز تبخیر کا نتیجہ تھا یا سوبھراج بقیہ حویلی میں مزید پیٹرول چھڑک رہا تھا۔

"تم بلاوجہ ان ملازموں پر اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ واقعی بے خبر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی خفیہ اور زیر زمین راستے سے اندر پہنچا ہوگا۔ وہ دونوں زخمی ہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ وہ مجبور ہو کر خاموشی سے یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے اول خان سے تمہاری رات کی کارگزاری کا علم ہو چکا ہے۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے یہ خبر اخباروں کی زینت نہیں بن سکی لیکن بات ہر طرف پھیل چکی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ مراعات ختم ہو جانے کے ساتھ سوبھراج کا بھرم توڑنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ صبح سات بجے سنیل اور سوبھراج کی گرفتاری کے وارنٹ مجھے مل گئے تھے" وہ چوکنے انداز میں اپنے گرد و پیش میں نظریں دوڑاتے ہوئے بتانے لگا۔ "مجھے رائی کے برابر بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ راج محل میں آ چکا ہوگا۔ میں چند گاڑیوں میں اپنے اسٹاف کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچا ہوں۔ میری کل نفری یہی ہے جو احاطے میں تمہیں میرے آس پاس نظر آ رہی ہے......"

"لیکن تم تو اسے دھمکی دے رہے تھے کہ اس وقت پورا راج محل محاصرے کی حالت میں ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس کی یہاں موجودگی کے انکشاف کے بعد اس حکمتِ عملی کا اپنانا ضروری ہو گیا تھا ورنہ باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس دھمکی نے اس کا حوصلہ ضرور توڑ دیا ہوگا۔"

"صورت حال بہت گمبھیر ہے" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا "وہ اپنے نوکروں کی نظروں سے بچ کر گھر میں چھپا ہوا تھا تو یکایک یہ محاذ آرائی کی صورت حال کیسے پیدا ہو گئی؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم سے ایک بہت باریک تکنیکی غلطی ہو گئی" وہ دھیرے سے بولا "ایسے معاملات میں یہی ہوتا ہے کہ بروقت کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی' سب کچھ واضح ہوتا ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ مجھے یہ بات پہلے یاد آ گئی ہوتی تو ہم آسانی سے ان دونوں کو پکڑ سکتے تھے۔"

"پتا تو چلے کہ وہ تکنیکی غلطی کیا تھی؟" میں نے کہا۔

"میں نے کل دن بھر راج محل کی نگرانی کی تھی اور شاید میں نے تمہیں بتایا کہ کل دن بھر راج محل کا پھاٹک اور دروازہ بند رہا۔ چڑیا کا بچہ بھی اندر گیا نہ باہر آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر والوں کو سانپ سونگھ گیا ہو اور وہ اپنی چار دیواری میں محصور ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔"

"ہاں! یہ بات تم نے بتائی تھی" میں نے سر ہلا کر جلدی سے اقرار کیا۔ میں اس کی زبان سے اگلی بات سننے کے لیے بے چین تھا۔

"میں نے گاڑیاں باہر چھوڑ کر خاموشی سے اندر داخل ہونے کے بجائے گاڑیوں میں سوار ہو کر پورے طمطراق سے راج محل میں گھسنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ یہاں کے مکینوں کے حوصلے توڑ کر انہیں ہراساں کیا جا سکے۔ سرکاری نمبروں والی گاڑیوں کے سامنے گارڈز بے بس تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے پھاٹک کھول دیا اور شاید یہی سب سے بڑی غلطی تھی۔ پھاٹک کھلتے ہی سوبھراج کو کسی نہ کسی طرح مشتبہ افراد کی آمد کی اطلاع مل گئی۔ ہمارے رکتے ہی اس نے میگا فون پر للکارنا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ فضا میں پیٹرول کی بو پھیلنے لگی۔ اس نے کچھ دیر بعد انکشاف کیا کہ وہ اپنے اہم کمروں میں پیٹرول چھڑک چکا ہے۔ کسی نے زبردستی اندر پہنچنے کی کوشش کی تو وہ آگ لگا دے گا۔"

"یہی ہوا ہوگا۔ شاید پھاٹک سے منسلک کوئی سوئچ اس کے کمرے میں کوئی بلب یا گھنٹی وغیرہ آن کر دیتا ہوگا' جس سے اسے پتا چل گیا کہ اس کی اجازت کے بغیر پھاٹک کھولا گیا ہے۔ شاید ویرا نے بتایا تھا کہ راج محل میں اندر والوں کی اجازت کے بغیر پھاٹک نہیں کھولا جاتا۔"

"یہ اتنی باریک سی بات تھی کہ پہلے سے اس طرف دھیان جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ غلطی ہو گئی۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔"

"بات تل گئی ہے۔ وہ عمارت کو ضرور آگ لگائے گا تاکہ اندر کے ریکارڈ سے اس کے خلاف کوئی ثبوت کسی کے ہاتھ نہ آ سکے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "آگ لگانے سے پہلے وہ کچھ اہم دستاویزات یا نقدی وغیرہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے نکال رہا ہوگا۔"

"مجھے یہ اندازہ بھی ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اندر گھسنا اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف ہوگا۔ پیٹرول کی تیز بو بتا رہی ہے کہ اندر اس آتش گیر سیال کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔"

"آگ کی تباہ کاری کو قابو میں رکھنے کے لیے کم از کم فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو ضرور طلب کر لینا چاہیے۔ آگ لگاتے ہی وہ فرار کی راہ اختیار کرے گا۔"

"میں فون کر چکا ہوں۔ مقامی فائر اسٹیشن کی ایک گاڑی کا انجن کھلا ہوا ہے دوسری خراب ہے۔ اب کہیں اور سے گاڑیاں آ رہی ہوں گی۔"

"میں حیران ہوں کہ اس نے آتشیں اسلحہ کیوں استعمال

نہیں کیا؟"

"وہ بہت چالاک ہے۔ فائرنگ سے وہ دو آدمی اتنی بڑی عمارت کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ کہیں نہ کہیں سے میرے آدمی اندر گھسنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہولناک آتش زنی کا ہوا کھڑا کیا ہے۔"

"یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس خبیث نے شیطانی دماغ پایا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو اسے دوبارہ پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔"

"اس نے دھمکیوں کے آغاز میں اپنے نوکروں کو عمارت سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ آگ میں جل مرنے کی دہشت سے وہ سب ایک دوسرے پر گرتے پڑتے باہر نکل آئے۔"

"تم خاموش کیوں ہو؟" اچانک میگافون پر سوبھراج کی بھاری اور وحشت زدہ آواز گونجی "تمہاری خاموشی سے مجھے کسی سازش کی بُو آ رہی ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے اپنی چھت کے نیچے کہیں کوئی سایہ بھی نظر آیا تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو پھونک دوں گا۔"

فضا میں دور سے فائر انجنوں کے دل اڑا دینے والے سائرنوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ آوازیں بتدریج بلند اور واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

"تم جو چاہو کر لو اب تباہی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ مرد کے بچے ہو تو راج محل کی چتا سے باہر آ کر مقابلہ کرو۔ تمہیں قانون کی قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔"

فضا میں اس کا شیطانی قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا "تم بارود کے ڈھیر کو گھیرے کھڑے ہو۔ گولی چلتے ہی ہر طرف آگ پھیل جائے گی اور اس میں تم سب جل جاؤ گے۔"

وہ بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تھا پھر زہریلی آواز میں بولنے لگا "تم متعصب اور کمینے لوگ ہو۔ اپنے قنوطی معاشرے میں ایک ہندو کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھ سکتے۔ میں تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوں لیکن تم کو دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری سرکاری گاڑیاں بتا رہی ہیں کہ تم مجھ سے وہ عزت اور اعزاز چھین چکے ہو جو میں نے اپنی دن رات کی محنت سے حاصل کیا تھا۔"

"تم جیسے بدمعاش اور غدار کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ تم ہندو ہو نہ مسلمان۔ اپنی بے گناہی کے دعوے دار ہو تو کھلی عدالت کا سامنا کرنے سے کیوں ڈر رہے ہو، سامنے کیوں نہیں آتے؟"

ان دونوں کے درمیان میگافون پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس اثنا میں نہایت خاموشی اور تیز رفتاری سے پولیس والوں کی باوردی، مسلح نفری سے بھری ہوئی دو موبائلز دندناتی ہوئی راج محل کے احاطے میں گھس آئیں۔

دونوں گاڑیوں سے چاق و چوبند سپاہی اتر کر ہر طرف پھیلنے لگے۔ ان کی سربراہی ایک سب انسپکٹر کر رہا تھا۔

جلال اپنے محکمے کا سینئر افسر تھا۔ اسے ان معاملات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اس نے کسی مرحلے پر پولیس اسٹیشن فون کر کے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ سب انسپکٹر نے اپنی گاڑی سے اترتے ہی آئی بی کے وفاقی اہل کاروں کو سلیوٹ کیا تھا۔ شاید اس نے ان میں سے کسی کو پہچان لیا تھا۔

جلال کے ماتحتوں نے سب انسپکٹر کے ساتھ مختصر سے رسمی مذاکرات کیے۔ صورتِ حال سے واقف ہوتے ہی سب انسپکٹر نے اپنے عملے کو ہدایات دیں اور پولیس والے تقریباً دوڑتے ہوئے اس احاطے سے نکلتے چلے گئے۔

میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ پولیس والوں کی اضافی نفری آ جانے کے بعد آئی بی والے عملی طور پر راج محل کا محاصرہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

جب سے میں نے راج محل کی حدود میں قدم رکھا تھا، میں نے سوبھراج کی زبان سے ایک بار بھی یہ دھمکی نہیں سنی تھی کہ [illegible] معاشرے کا ایک مراعات یافتہ شہری تھا اور کسی بھی مر[illegible] قانون کے تحت اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

اس نکتے پر غور کر کے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ا[illegible] اخبارات کے ذریعے مراعات کی سلبی سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کی رہی سہی خوش فہمی سرکاری گاڑیوں اور پھر پولیس موبائلز کی آمد نے دور کر دی تھی۔ اس کے گھر کی حفاظت پر مامور پولیس والے بھی اپنے پیٹی بند بھائیوں کے ساتھ مل کر راج محل کا بیرونی محاصرہ کرنے کے لیے باہر جا چکے تھے۔

پھر سائرن بجاتے ہوئے، دو فائر انجن بھی وہاں آ گئے۔ راج محل کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ اتنی گاڑیوں کی آمد کے باوجود وہاں جگہ کی قلت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

سرخ رنگ کے دمکتے ہوئے فائر انجنوں پر سوار ہو کر شہر بھر کی مسیحائی کرنے والے فائر مین عام طور پر کثیف دھوئیں کے بادل یا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر اپنی منزل کا تعین کرتے ہیں۔ راج محل میں آتش زنی کی تیاریاں مکمل تھیں لیکن ان میں سے کوئی علامت موجود نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ فائر بریگیڈ کا عملہ اس کے باوجود صحیح مقام پر پہنچ گیا تھا۔

ان لوگوں نے آتے ہی فائر پروف کینوس کے لمبے لمبے سفید پائپ کھول کر تیزی سے فرش پر پھیلانے شروع کر دیے تھے۔ وہ سماں بہت وحشت ناک اور خوف آور تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس لڑائی کے کسی مرحلے پر سوبھراج اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دے گا۔

"سوبھراج! حماقت مت کرو۔ راج محل میں بھڑکنے والی آگ میں تمہارے بیشتر اثاثے جل کر راکھ ہو جائیں گے۔" جلال مضطربانہ آواز میں بے بسی کے ساتھ اسے سمجھانے کی

کوشش کررہا تھا ”جذباتی اور احمقانہ فیصلہ مت کرو۔ یہ آگ تمہارے خاندان کو تباہ و برباد کردے گی۔ سب مل کر تمہیں کوسیں گے کہ تم نے ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔“

”میں اپنا سب کچھ پھونک کر تمہارا مقابلہ کروں گا۔ تمہاری یہ دم کلیں کچھ بھی نہیں کرسکیں گی“ اس بار سوبھراج کی آواز قدرے بھرائی ہوئی تھی۔

میں نے سمجھ لیا کہ فیصلہ کن گھڑی آگئی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے فضا پر گہرا سکوت طاری رہا۔ جو بات میں نے سمجھ لی تھی، وہ دوسروں کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔ احاطے میں موجود ہر شخص ادم بخود تھا اور کچھ ہونے کا انتظار کررہا تھا۔

وہ چند اعصاب شکن لمحے دھیرے دھیرے گزرنے لگے۔ شاید وہ اپنے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کررہا تھا جہاں سے وہ اپنے گھر کو آگ لگا سکے۔

اچانک بھق کی ایک گھٹی گھٹی اور ہولناک آواز کے ساتھ راج محل کی کھڑکیوں اور دروازوں سے آتشیں شعلے بڑے ناگوں کی لہراتی ہوئی، زندہ زبانوں کی طرح باہر لپک پڑے۔ تیز آوازوں کے ساتھ آگ بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی۔

آگ بجھانے والی گاڑیوں کے پمپ چل پڑے اور بل کھائے ہوئے پائپوں سے پانی کی موٹی دھاریں جلتی ہوئی عمارت پر پڑنے لگیں۔

وہ آگ اتنی شدید تھی کہ اس کی تپش میں ہمارے لیے احاطے میں ٹھہرنا دشوار ہوگیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ خالی ہوگیا۔ بس آگ بجھانے والا عملہ بے بسی کے ساتھ اس خوفناک آگ سے لڑتا رہ گیا۔

کھڑکیوں وغیرہ سے شعلے گزوں دور تک لپک رہے تھے پھر ان شعلوں کے ساتھ عمارت سے کثیف دھوئیں کے گہرے بادل بھی اٹھنے لگے۔

پانی کی موٹی اور تیز دھاریں پڑنے کے باوجود آگ بڑھتی چلی جارہی تھی۔ آئی بی والوں نے اپنی گاڑیاں باہر نکالیں، پولیس والوں نے اپنی موبائلز بچانے میں سرعت دکھائی۔ میری گاڑی جلال کے ایک آدمی نے باہر نکال لی۔ سوبھراج کی کئی نئی نویلی اور بیش قیمت گاڑیاں جہاں تھیں، وہیں کھڑی رہیں۔ ان کو بچانے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ گاڑیاں جلتی ہوئی عمارت سے اتنے قریب تھیں کہ کسی بھی لمحے شعلوں کی لپیٹ میں آسکتی تھیں۔ ان میں آگ لگنے کے بعد پیٹرول کی ٹنکیاں بموں کی طرح دھماکوں سے پھٹتیں اور پھر ہر طرف آگ ہی آگ پھیل جاتی۔

”آؤ!“ جلال نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اداسی سے کہا ”اب یہاں کچھ نہیں رہا۔“

میں نے مایوسی اور بے بسی سے جلتے ہوئے راج محل کی طرف دیکھا اور بوجھل قدموں سے اس کے ساتھ ہولیا۔

راج محل ایک عمارت نہیں، پوری ایک کہانی تھی۔ سوبھراج نے اپنی زندگی کے قیمتی سالوں میں نہ جانے کیسی کیسی ریاکاریاں اور غداریاں کرکے بڑے ارمانوں کے ساتھ راج محل بنوایا تھا پھر اس کے ایک ایک گوشے کی آرائش کی تھی۔

اس نے اپنے جوڑ توڑ اور شعبدہ بازی سے ایک مقام حاصل کیا تھا لیکن راج محل کے حوالے سے بھی اس کی ایک خاص شہرت تھی۔ اس گھر سے نہ جانے کتنے خاندانوں کے چولھے جل رہے تھے۔ اسے نہ جانے کیا سوجھی تھی کہ اس نے پل بھر میں برسوں کی اس محنت کو آگ لگا کر برباد کردیا تھا۔ میرے لیے سوبھراج کا وہ قدم بہت حیرت ناک ثابت ہوا تھا۔

مجھے کچھ یوں محسوس ہورہا تھا کہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں اپنے اوپر ہونے والے دو ناکام حملوں میں اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا جس کے نتیجے میں اس پر شدید ترین مایوسی کا دورہ پڑا اور اس نے اسی کیفیت میں اپنا سب کچھ پھونک کر رکھ دیا۔

راج محل سے آگ اور دھوئیں کے کثیف مرغولے بلند ہونے کے بعد قرب و جوار سے بہت سے تماشائی وہاں آنا شروع ہوگئے تھے۔ سب کی حسرت زدہ نظریں ان بے رحم شعلوں پر جمی ہوئی تھیں جو تیزی سے سب کچھ چاٹتے جارہے تھے۔

جلال نے راستے میں رک کر اپنے ایک آدمی سے مختصر سی گفتگو کی اور دوبارہ میرے ساتھ آملا۔

جب تک سوبھراج اپنے گھر میں موجود تھا، ہم سب اسے گھیر کر پکڑنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ نہ کرنے کے باوجود ہر شخص اپنی جگہ پر مصروف تھا لیکن وہاں آگ لگنے کے بعد یوں محسوس ہورہا تھا جیسے سارے کام یک لخت ختم ہوگئے ہوں۔

میں نے جلال اور سوبھراج کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خاصا حصہ اپنے کانوں سے سنا تھا اور مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ سوبھراج نے اپنے محفوظ فرار کے متعلق کوئی بے بنیاد دعویٰ نہیں کیا تھا۔

وہ زخمی حالت میں جس رازداری کے ساتھ اپنے گھر پہنچا تھا اسی رازداری کے ساتھ وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ اس کے بارے میں کہیں سے کسی امید افزا خبر کی آمد کی توقع بے سود تھی۔ راج محل کے محاصرے کے لیے جانے والے پولیس والے اس کی راہ روک سکتے تھے نہ اس کی گرد پاسکتے تھے۔ وہ ان کے قدموں کے نیچے بنی ہوئی کسی سرنگ سے نکل کر دور کسی محفوظ علاقے کی طرف چلا گیا ہوگا۔

جلال نے کسی سرکاری گاڑی میں سفر کرنے کے بجائے میرے ساتھ سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ

کر کے دھیمی رفتار سے تماشائیوں کی بھیڑ میں سے گاڑی گزاری اور تیزی سے گلشن اقبال کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ دن کا وقت تھا اس لیے دور سے راج محل کے شعلے نظر نہیں آرہے تھے لیکن ایک موڑ گھومتے ہوئے میں نے اس حویلی پر سیاہ رنگ کے مہیب بادل چھائے ہوئے دیکھے جن میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

”میں ابھی تک پریشان ہوں کہ سوبھراج کب اور کیسے راج محل میں پہنچ گیا۔“ کچھ دیر کے بعد جلال نے مایوسانہ آواز سے سکوت توڑا۔

”بنکاک سے اس کی واپسی کے بعد کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ میری اس سے فون پر بات ضرور ہوئی مگر وہ مسلسل روپوش ہے۔ میں ابھی سنیل کی بیوی سے مل کر راج محل کی طرف آیا تھا......“

”اوہ!“ وہ میری بات کاٹ کر حیرت سے بولا ”رات کو تم نے اس کے گھر کے باہر نک کے دو آدمیوں سے مقابلہ کیا اور آج اس سے مل بھی آئے۔“

”اس نے بتایا کہ دونوں بری طرح زخمی تھے۔ سنیل کو تین گولیاں لگی تھیں۔ سوبھراج خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ نقاہت سے اس کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔“

”یہ تفصیلات پہلی مرتبہ سامنے آئی ہیں۔ وہ اتنے برے حال میں ہیں تو ان دونوں کو اب مرہی جانا چاہیے۔“ جلال کی دلی آرزو اس کی زبان پر آگئی۔

”شیبا نے خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ دونوں آرام کرنے کی غرض سے راج محل گئے ہوں گے۔ میں اس کی تھیوری پر غور کرتا ہوا راج محل کی طرف چل پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کھلے بندوں ادھر کا رخ نہیں کرسکیں گے پھر مجھے کسی خفیہ راستے کا خیال آیا تھا۔“

”اور وہی درست ثابت ہوا۔ کیا شیبا، سنیل کی بیوی کا نام ہے؟“

میں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

اس چکر میں بظاہر شیبا کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ سنیل نے اس کے حسن و شباب کو اپنی ترقی کا زینہ بنایا ہوا تھا۔ سوبھراج کے لیے وہ استنجے کے ڈھیلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی طبیعت اپنے رنگ پر آتی تھی تو وہ عیاشی کے لیے شیبا کو اپنے عشرت کدے پر بلوالیتا تھا اور اس کے ساتھ کچھ رنگین وقت گزارنے کے بعد اس کی مٹھی گرم کرکے اسے واپس بھیج دیتا تھا لیکن جلال کے لیے اس کا ذکر بہت اہم ثابت ہوا۔

سوبھراج کی حالت اور کیفیت کے بارے میں وہ اکلوتی گواہ تھی۔ اس نے قاتلانہ حملے کے بعد ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چھپ کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میری باتوں میں آگئی تھی۔

جلال مجھ سے کرید کرید کر شیبا کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ اس تذکرے کے بعد اس کی مایوسی یکایک دور ہوگئی تھی۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں اس کے سامنے بلاکم وکاست دہراتا چلا گیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ جلال کی دلچسپی بتدریج بڑھتی جارہی تھی۔

ان ہی باتوں میں ہم گھر پہنچ گئے۔ میں نے جلال کو مدد دینے کے خیال سے وہ باتیں بھی اس کے سامنے دہرادیں جن کا تعلق صرف میری اور شیبا کی ذات سے تھا۔

گھر پر اول خان بھی موجود تھا۔ وہ فون پر ویرا سے یہ خبر سننے کے بعد مضطرب ہوگیا تھا کہ اس سے بات کرنے کے بعد میں اکیلا سنیل کی بیوی سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہ بے چین ہوکر سیدھا ہمارے گھر دوڑا چلا آیا۔

”تم نے غلطی کی۔ تم کو اکیلے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔“ اول خان نے مجھ سے رسمی علیک سلیک کرنے کے بعد ہلکے سے فہمائشی لہجے میں کہا۔

”اکیلا ہونے کی وجہ سے ڈینی نے اس سے بہت سی باتیں کی ہیں۔ کوئی اور ساتھ ہوتا تو وہ عورت اتنی آسانی سے اس پر اعتماد نہ کرتی۔ بہت سی باتیں سرے سے ہوہی نہیں سکتی تھیں۔ ڈینی نے اسے دانہ بھی ڈال دیا ہے۔“ جلال نے میری حمایت کی۔

”اسے کیا دانہ ڈال کر آئے ہو؟“ ویرا نے پوچھا پھر وہ غزالہ سے مخاطب ہوگئی ”تم سن رہی ہو کہ جلال کیا کہہ رہا ہے؟“

”میں ان لوگوں کے آپس کے مذاق میں دخل نہیں دیتی۔“ غزالہ نے مسکرا کر بے پروائی سے جواب دیا اور میرا دل خوش کردیا۔

”پھر شاید تمہیں دانہ ڈالنے کا مطلب ہی معلوم نہیں ہے۔ ڈینی نے اس عورت کو ورغلانے کی کوشش کی ہے۔“ ویرا نے تیز لہجے میں کہا۔

”وہ پہلے ہی بگڑی ہوئی ہے، سوبھراج سے ملتی رہی ہے۔ اسے مزید کیا ورغلایا جاسکتا ہے۔“ ویرا کی کوشش کے باوجود غزالہ کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آسکا۔

”ویری گڈ!“ جلال نے غزالہ کے جواب کو سراہا ”اچھی بیویاں اپنے شوہروں پر اسی طرح اعتماد کرتی ہیں۔ بات بات پر ان پر شبہ نہیں کرتیں۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم سب بہک رہے ہیں۔“ اول خان نے سب کو ٹوکا ”سنیل کی بیوی سے ڈینی کی ملاقات کے معاملے پر گفتگو ہونی چاہیے۔“

”ضرور ہوگی۔ اس سے پہلے یہ سن لو کہ ہم دونوں ابھی راج محل سے آرہے ہیں۔ سوبھراج نے پیٹرول چھڑک کر

پوری عمارت کو آگ لگا دی ہے۔'' جلال نے اچانک دھماکا کر دیا۔

سب کے ہونٹوں سے بے ساختہ، مختلف تحیر زدہ آوازیں آزاد ہو گئیں، وہ اس قدر بڑی خبر تھی کہ کوئی فوری طور پر اس انکشاف پر یقین نہیں کر سکا۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''تم دونوں ایک وقت میں وہاں کیسے جمع ہو گئے!''

''یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے گھر کو کیسے آگ لگا سکتا ہے!''

''وہ اچانک راج محل میں کیسے پہنچ گیا؟''

ان چاروں نے بیک وقت الگ الگ سوال کیے تھے۔ اپنی جگہ پر ہر سوال اہم اور جامع تھا۔ جلال کے ہونٹوں پر گہری اور آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''چند منٹ کے لیے تم چاروں خاموشی اختیار کرو تو ہر بات سمجھ میں آ جائے گی۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ راج محل سے ہٹنے کے بعد اس کا موڈ تیزی سے بحال ہوا تھا۔

جلال کے مطالبے پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس نے میری اور شیبا کی ملاقات سے اپنی کہانی کی ابتدا کر دی۔

''جو کچھ ہوا، بالکل منطقی انداز میں ہوا ہے۔ کسی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔'' پوری بات سن لینے کے بعد اول خان نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا ''تم پھاٹک کھلوانے کے بجائے، گاڑیاں باہر چھوڑ کر دروازے سے اندر جاتے تب بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا۔''

''بنیادی بات یہ ہے کہ تمہیں یا راج محل کے کسی ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج اندر پہنچ چکا ہے۔ تم کسی طرح بھی اندر جاتے، ملازموں سے پوچھ گچھ میں الجھے رہتے۔ بات بڑھتی تو سوبھراج کو معاملے کا علم ہو جاتا اور قصہ پھر اسی موڑ پر پہنچ جاتا۔'' ویرا نے اول خان کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ایسی صورت میں شاید وہ خاموشی سے نکل جاتا۔ راج محل کو آگ لگانے کی نوبت نہ آتی۔'' جلال نے افسردگی سے جواب دیا۔

''یہ موقع اسے تم نے بھی دیا تھا۔'' جلال کی بات سن کر اول خان نے سمجھایا ''وہ چاہتا تو خاموشی سے فرار ہو جاتا۔ اس نے تمہیں للکارنے میں پہل کر کے معاملہ بگاڑ دیا۔ وہ خاموش رہتا تو راج محل بھی بچ جاتا۔''

''وہ حویلی ہماری نہیں، اس کی تھی۔'' سلطان شاہ نے زبان کھولی ''ہمیں اس کے جل جانے پر افسوس ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں...... اس نے بالکل وہی کیا جو اس نے سوچا ہوا تھا۔ وہ نکل جاتا تو تم لوگ راج محل پر قبضہ کر کے اس کے چپے چپے کی تلاشی لیتے۔ سوبھراج نہ جانے کب سے غداروں کا ساتھ دے رہا ہے۔ اس کی حویلی میں جگہ جگہ اس کی بدعنوانیوں اور سازشوں کے ثبوت بکھرے ہوئے ہوں گے۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ کسی وقت پولیس اور ایجنسیوں کے اہل کار اس کی حویلی میں گھس آئیں گے۔ اس کے لیے قلیل سے وقت میں سارے ثبوتوں کو مٹانا ناممکن تھا۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ پورے راج محل کو جلا کر کھنڈر بنا دیا جائے۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔''

''کمال ہے!'' ویرا بے ساختہ بول پڑی ''اصل بات یہی ہے۔ حویلی کو آگ لگانا اس کی ناگزیر ضرورت بن گیا تھا ورنہ ذرا سی دیر میں پیٹرول کی بڑی مقدار حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے اس برے وقت کے لیے پہلے سے تیاری کی ہوئی تھی۔''

''شاید اس کے بنکاک فرار ہونے کے بعد سنیل نے اس کی ہدایت پر پیٹرول کا ذخیرہ کیا ہوگا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''سوبھراج کو واپسی کے بعد راج محل میں ٹکنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ سارا بندوبست کرتا۔''

''اس نے بہت عجلت میں ایک احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ ریاست سے لڑ کر کوئی مجرم زیادہ دنوں تک نہیں پنپ سکتا۔ وہ بہت جلد کتے کی موت مارا جائے گا۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا۔

''حیرت ہے کہ وہ چند دنوں کی پریشانی سے اس قدر اعصاب زدہ ہو گیا!'' اول خان بولا ''وہ مشکل سے چند روز کے لیے امتحان سے گزرا ہے۔ یہ وقت اس نے بنکاک میں عیش کرتے ہوئے گزارا تھا۔ یہاں وہ کل صبح پہنچا تھا۔''

''یہ چوبیس گھنٹے اس کے لیے عذاب سے کم نہیں تھے۔ جو لوگ عیش و نشاط کی زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں ان میں پریشانیوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ وہ ذرا سی دیر میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتے ہیں۔'' میں نے کہا ''سنیل کے گھر پر رات کو پیش آنے والے واقعات نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہوگا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ نک جیسا قابلِ اعتماد ساتھی اس کے خون کا پیاسا بن سکتا ہے۔ سارے ثبوت اس کے سامنے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ایف بی آئی والے غداروں کو کیسے دردناک انجام سے دوچار کرتے ہیں۔''

''تو کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ ہم سے نہیں، ایف بی آئی والوں سے دہشت زدہ ہو گیا تھا؟'' جلال نے چونک کر پوچھا۔

''تم پاکستان کے شیر ہو۔ ایف بی آئی دنیا بھر کو آپریٹ کرتی ہے۔ اسے نظر آ گیا تھا کہ اب اسے زندہ رہنا ہے تو راج محل سے دور رہنا ہوگا۔ اس نے راج محل کو کھنڈر کر دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ ایف بی آئی کے تیسرے وار سے پہلے تم اس کی حویلی میں پہنچ گئے۔'' میں نے جلال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی بات پوری کی۔

''وہ یہی سمجھا ہوگا کہ نک نے دوبارہ منہ کی کھانے کے بعد

کسی ایجنسی کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے اور اب وہ مارا جائے گا۔'' ویرا نے پرزور لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم ان باتوں پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہ بلاوجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ سوبھراج زندہ ہے اور آزاد ہے۔ اب وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گا۔ ہمیں اس کی نفسیات کو سمجھنا پڑے گا تاکہ ہم اسے گھیر کر پکڑ سکیں۔'' جلال نے ناصحانہ لہجے میں اسے سمجھایا ''اب وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔''

''ہاں! سوبھراج کے بارے میں تو ضرور سوچنا پڑے گا۔'' سلطان شاہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ جلدی سے بولا ''میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں راج محل کی بربادی پر سوگ منانے کی کیا ضرورت ہے۔ جس لڑائی میں دسیوں انسان مارے جا چکے ہیں اس میں ایک عمارت کی تباہی ذرا سی بھی اہمیت نہیں رکھتی۔''

''مکاری مت دکھاؤ!'' ویرا نے سلطان شاہ پر آنکھیں نکالیں ''راج محل کا ذکر پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت صرف سوبھراج کی بات ہو رہی تھی۔''

''تم بات کرتی رہو۔ میں نے تمہیں کب روکا ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''ڈینی کی بات میرے دل کو لگی ہے۔'' اول خان نے ان کے درمیان کسی بحث کے آغاز سے پہلے کہا ''سی آئی اے، ایف بی آئی اور را سے سوبھراج کے برسوں پرانے مراسم ہیں۔ ان ہی کے سہارے اس نے پاکستان میں اپنا مقام بنایا تھا۔ میری کلارک بلکہ ویرا کے ذریعے ڈینی تک پہنچنے کے چکر میں وہ یہ بات فراموش کر بیٹھا کہ ویرا کو اپنی خفیہ قید میں رکھ کر وہ اپنے امریکی آقاؤں سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے اور اس کی یہی بھول آج اسے لے ڈوبی۔''

''یہ کرنل داور کا کمال ہے کہ سوبھراج کی پاکستان سے غیر حاضری میں وہ نک کو اس طرح ہینڈل کرتا رہا کہ آخر کار وہ سوبھراج کو بنکاک سے واپس بلانے پر مجبور ہو گیا۔'' جلال نے پوری فراخ دلی سے اعتراف کیا۔

''اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔'' اول خان نے بھرپور انداز میں اس کی تائید کی ''سوبھراج بنکاک سے چلا تو اس کے ذہن میں صرف ڈینی کی الجھن تھی۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکی ہوگی کہ نک اس کی جان کا دشمن ہو چکا ہے۔''

اول خان کی کہی ہوئی وہ بات سو فیصد درست تھی۔ سوبھراج کے ذہن میں نک کی طرف سے ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو گیا ہوتا تو وہ بھول کر بھی پاکستان کا رخ نہ کرتا۔ ائرپورٹ سے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس پر پہلا قاتلانہ حملہ ہوا تو اس کا ذہن نک کی طرف بھٹکا تھا لیکن نک نے بہت عیاری کے ساتھ اس کے شبہات کا رخ میری طرف موڑ دیا۔

وہ شطرنج کی ایک پُرپیچ بازی تھی۔ نک اپنی چالیں چل رہا تھا۔ میں اپنا کھیل کھیل رہا تھا۔ سوبھراج بیچ کا مہرہ بنا ہوا تھا۔ اسے بہت دیر سے اندازہ ہوا کہ اس کا دوست اس سے منہ پھیر چکا تھا۔

سوبھراج کو یہ مان تھا کہ کوبرا کے روپ میں وہ امریکی ایجنسی کی ایک ناگزیر ضرورت بنا ہوا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اس سے ہاتھ دھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اسے نک کی طرف سے بدظن کرنے کے لیے سنیل کے گھر پر ایک امریکی کمانڈو کی دستک ہی بہت کافی تھی لیکن اس رات ہمارے ستارے یاور تھے۔ سنیل کے گھر کے نیچے ایک کمانڈو کی موت اور دوسرے کی گرفتاری نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی کہ کون سوبھراج کا دشمن تھا۔

اس واقعے کے بعد یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ جانی چاہیے تھی کہ اس پر پہلا حملہ کرنے والے کون لوگ تھے۔

میں فیصلہ کن لمحات میں بہ نفس نفیس جلال کے ساتھ راج محل کے احاطے میں موجود تھا لیکن یہ غنیمت تھا کہ اس واقعے میں کہیں بھی میرا نام نہیں آیا تھا۔ سوبھراج نے شاید یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ سرکاری گاڑیوں میں اس کے گھر آنے والے لوگوں کا تعلق کس ادارے یا محکمے سے تھا۔

اس کے ذہن میں صرف اور صرف نک کی دہشت سوار ہو چکی تھی۔ اس نے خوف اور اعصاب زدگی کے عالم میں اپنے گھر کو پھونک دینے کا دشوار فیصلہ کر لیا۔

وہ نک سے دوبار چوٹ کھا چکا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ شکوے اور شکایت کے لیے نک سے رابطہ ضرور کرے گا لیکن تیسری بار اس کے دام میں نہیں پھنسے گا۔ رات کے کھلے واقعے کے بعد نک جلتے توے پر بیٹھ کر بھی سوبھراج کو یہ باور نہیں کرا سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف تھے۔

سوبھراج کے دل میں نک کی طرف سے گرہ پڑ چکی تھی۔ ایف بی آئی کے کام کرنے کے طور طریقوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ان لوگوں سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی تھی۔

دوسری طرف میرا راستہ صاف تھا۔ میں نے اسے پاکستان میں اپنے جرائم سے تائب ہونے کے لیے دو دنوں کی مہلت دی ہوئی تھی جس میں سے ایک دن گزر چکا تھا۔ سوبھراج کا دل جیتنے اور اس سے مفاہمت بڑھانے کے لیے میں اس مہلت میں چند روز کا اضافہ بھی کر سکتا تھا۔ میں جب چاہتا، سوبھراج سے بات کر سکتا تھا۔ اس وقت تک اسے میری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں اسے کوئی نہ کوئی فریب دے کر مار سکتا تھا۔

ہم سب کے اصرار کے باوجود جلال کھانے کے لیے نہیں رکا۔ وہ راج محل کے خلاف کیے جانے والے آپریشن کا چیف تھا۔ اپنی بددلی کے باعث وہ اس عمارت کو جلتا ہوا چھوڑ کر میرے ساتھ چلا آیا تھا۔ اس آپریشن کے بارے میں اس کا

فوری طور پر جائے واردات پر پہنچنا ضروری تھا۔
اس نے جو وقت ہمارے ساتھ گزارا تھا۔ وہ راج محل میں آگ سے لڑنے والوں کے لیے کافی تھا۔ آگ کی شدت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ راج محل میں کسی چیز کو بچانا انسانی بساط میں نہیں رہا تھا۔ یہ توقع ضرور تھی کہ اس دوران میں وہاں لگی ہوئی آگ کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔
جلال کے چلے جانے کے بعد مجھے سنیل کے گھر کے قریب سے زندہ حالت میں پکڑے جانے والے کمانڈو کا خیال آیا اور میں نے اول خان سے کہا ''امریکی قیدی کے بارے میں تازہ ترین خبریں کیا ہیں۔ وہ کیا کہہ رہا ہے۔''
''وہ پہلے والی گھسی پٹی کہانی پر اڑا رہا۔'' وہ لڑنے بھڑنے کے معاملے میں بودا ثابت ہوا لیکن زبان کا بہت تیز وطرار ہے۔'' اول خان نے بتایا ''اس نے مسلسل ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی کہ اسے اپنے قونصل خانے کے کسی سفارتی افسر سے رابطہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے ساتھ ہونے والی غنڈا گردی کی شکایت کرسکے!''
''یہ کھلی دیدہ دلیری ہے۔'' غزالہ نے کہا۔
''کیا اب تک قونصل خانے سے رابطہ نہیں کیا گیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ''اس واقعے کو تقریباً آدھا دن گزر چکا ہے۔''
''اسی لیے میں نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا'' اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا ''قونصل خانے والے اپنے ذرائع سے شاید سب کچھ معلوم کرچکے تھے لیکن پولیس کی طرف سے رسمی اطلاع ملے بغیر، از خود کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ ان سے رابطہ ہوتے ہی ٹام پیٹرک تھانے پہنچا تھا اور اپنی موجودگی میں کمانڈو کا بیان ریکارڈ کرا کے اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ابھی تک ان کا کوئی سرکاری ردِعمل سامنے نہیں آیا۔''
''اور لاش کا کیا بنا؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔
''اسے قیدی نے شناخت کرلیا تھا۔ ٹام نے بھی پہچان لیا۔ اب تک وہ لاش ان کے حوالے کی جاچکی ہوگی۔''
''کسی نے ان مردودوں سے نہیں پوچھا کہ وہ دونوں اتنی رات گئے اس علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔'' میں نے تیزی سے کہا۔
''ضرور پوچھا گیا ہوگا لیکن وہ اپنا جرم قبول نہیں کریں گے۔ بات اسی وقت بنے گی جب ہم پولیس کو پورے پس منظر سے آگاہ کریں گے اور شیبا سامنے آئے گی۔ اس وقت ان دونوں کے خلاف وہی سب سے مضبوط گواہ ہے۔''
میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا۔ ''اس کا نام فی الحال پردے میں رہنے دو۔ اسے سامنے لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ سفارتی مراعات کی آڑ میں بچے رہیں گے۔''

''تم شیبا کے بارے میں کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہو!'' اول خان نے پوچھا۔
''کم اور زیادہ کی بات نہیں۔ اس وقت صرف وہی ہمارے سامنے ہے جس سے سنیل یا سوبھراج کا کوئی رابطہ ہونے کی امید ہے۔''
''تم اس سے بہت زیادہ امید باندھ بیٹھے ہو!'' ویرا نے طنز سے کہا ''ایسی عورتیں ذرا سے بھی اعتبار کے لائق نہیں ہوتیں۔ ایک سے شادی کرتی ہیں۔ دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور تیسرے کا پہلو گرماتی رہتی ہیں۔ ہر مرد یہ سمجھتا ہے کہ عورت بس اسی کی ہے۔ وہ کسی کی نہیں ہوتیں۔ ہر وقت نئے مرد کی تلاش میں رہتی ہیں۔''
''ڈینی نے اس سے ایسا کوئی رشتہ استوار نہیں کیا۔'' اول خان نے میری صفائی پیش کی۔
''جلال نے شیبا کو دانہ ڈالنے کی بات کہی تھی؟'' ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ کافی وقت گزر جانے کے باوجود وہ بات اس کے ذہن سے نہیں نکل سکی تھی۔
''مجھے موہوم سی توقع ہے کہ ان دونوں میں سے کسی نے شیبا کے گھر کا رخ کیا تو شاید وہ خاموشی سے مجھے اطلاع دے دے۔'' میں نے بتایا۔
''تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟''
''وہ مجھے سنیل کا کوئی گہرا دوست سمجھ رہی ہے اور تمہارے قول کے مطابق اسے کسی نئے مرد کی تلاش بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے جھانسے میں آجائے۔''
ویرا نے استفسار طلب نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی مسکراتی رہی۔
''تم نے مجھے پولیس والوں کو اصل معاملے سے آگاہ کرنے سے روکا ہوا تھا۔'' اول خان کہہ رہا تھا ''اب اس بارے میں کیا کہتے ہو۔''
''فی الحال خاموش رہ کر تماشا دیکھتے رہو۔ شیبا کے بیان یا شناخت کے بغیر بھی امریکیوں کے لیے یہ سوال بہت مشکل ثابت ہوگا کہ ان کے دو آدمی رات کے دو بجے سولجر بازار کے ایک ویران اور رہائشی علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔''
''یہ یاد رکھنا کہ اب تم اکیلے شیبا سے ملنے نہیں جاؤ گے۔'' ویرا نے کہا۔
''مجھے اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی دل میں نیکی آئی تو وہ موبائل فون پر مجھ سے رابطہ کرلے گی۔''
''تمہاری طرف سے اس کے دل میں صرف بدی آسکتی ہے۔ نیکی کے فرشتے ایسی عورتوں سے بہت دور رہتے ہیں۔''
''تم نے اسے دیکھا ہے نہ اس بے چاری سے ملی ہو۔ کیوں اس کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا رہی ہو!'' غزالہ نے

ازراہِ تمسخر کہا۔

''یہ بدگمانیاں نہیں، زندہ حقیقتیں ہیں۔ میرے مقابلے میں تمہیں دنیا کا ذرا بھی تجربہ نہیں ہے۔ تم ڈینی کو اسی طرح ڈھیل دیتی رہیں تو یہ ایک دن تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور تم مجھے یاد کرتی رہ جاؤ گی۔''

''تم انتظار میں بوڑھی ہو جاؤ گی مگر وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔'' اس بار سلطان شاہ بولنے پر مجبور ہو گیا۔

''تم چپ رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہی۔''

''تم میرے سامنے ان دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو میں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں۔''

''غزالہ میری دوست ہے۔ اسے آنے والے طوفان سے باخبر رکھنا میرا فرض ہے۔ میں شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر مطمئن نہیں ہو جاتی۔''

''غنیمت ہے کہ تمہیں خود بھی اپنی حیثیت کا احساس ہے۔'' سلطان شاہ نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

''کیسی حیثیت؟ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''یہی کہ تم خود اپنا موازنہ شتر مرغ جیسے بدوضع جانور سے کر رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا ''اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہیں۔''

''بس! اب بات نہیں بڑھے گی؟'' میں نے ویرا کے تیور دیکھ کر فوری مداخلت کی ''بات کہیں کی ہو رہی ہوتی ہے اور تم دونوں اسے کہیں اور لے جاتے ہو۔ ہم بہت سنجیدگی سے امریکی کمانڈوز کے بارے میں بات کر رہے تھے۔''

اول خان کے پاس ساری خبریں کئی گھنٹے پہلے کی تھیں۔ میرے ایما پر اس نے سوبھر باز ارتھا نے فون کیا تو اسے بتایا گیا کہ قیدی کے بعد لاش بھی امریکی قونصل خانے کے ایک افسر کے حوالے کر دی گئی تھی۔

جلال ان دنوں کراچی میں امریکیوں کے تحفظ کے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھا۔ ہم لوگ سرکاری ملازم نہیں تھے۔ اس لیے سرکار کی بیشتر مصلحتیں ہماری نظروں سے اوجھل رہتی تھیں۔ ہم حالات کے پیش نظر فوری طور پر اپنے فیصلے کرتے تھے اور کسی تاخیر کے بغیر انہیں عملی جامہ پہنا دیتے تھے لیکن جلال کا معاملہ ہم سے بہت مختلف تھا۔

وہ ایک اہم سرکاری افسر تھا۔ اسلام آباد کے با اختیار حلقوں میں اس کی رسائی تھی اس وجہ سے وہ بعض ایسی باتوں سے بھی باخبر رہتا تھا جو کبھی منظر عام پر نہیں آتی تھیں لیکن ان کے اثرات ہر طرف نظر آتے تھے۔

ہمارے خطے میں امریکا کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ آئے دن ان لوگوں کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آتی رہتی تھی۔ ان کی ایجنسیاں دن رات پاکستان میں اپنے قدم جمانے کے لیے کوشاں تھیں لیکن سرکاری حلقوں میں موجود فرض شناس افسروں کے تعاون سے ایس ٹی ایف پوری طرح سرگرم اور فعال تھی۔ ہم سب مل جل کر ان لوگوں کی ایسی کوششوں کو ناکام بناتے رہتے تھے۔

امریکیوں نے ان ناکامیوں کے نتیجے میں بھاری جانی نقصان اٹھایا تھا۔ گمنام کارندوں کے ساتھ انہوں نے کراچی کی بستیوں میں اپنے کئی اعلیٰ افسر بھی کھوئے تھے۔

وہ اپنی سازشوں کا سلسلہ ختم کرنے پر آمادہ تھے نہ ہم ان کی سرکوبی کے مقدس فرض سے دستبردار ہو سکتے تھے۔ فرق صرف ایک تھا کہ ہم تیسری دنیا کے ایک ترقی پذیر ملک کے باشندے تھے اور امریکا کو اکلوتی عالمی سپر پاور ہونے کی سند مل چکی تھی۔

اس زعم میں امریکا کی طرف سے کچھ عرصے پہلے یہ وارننگ آ چکی تھی کہ کراچی میں امن و امان کی صورت حال اتنی خراب تھی کہ وہاں امریکیوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ امریکی حکومت ان حالات کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ مہذب الفاظ میں ایک کھلی سفارتی دھمکی تھی کہ امریکیوں کو کراچی میں من مانی کرنے کی آزادی نہ دی گئی تو امریکی حکومت اس شہر میں اپنے شہریوں کے تحفظ کے لیے بھی سخت کارروائی کر گزرے گی۔

کسی میں یہ تاب نہیں تھی کہ امریکیوں سے یہ کہا جاتا کہ ان کا کراچی میں جینا دوبھر ہو رہا ہے تو وہ سات سمندر پار کر کے، مرنے کے لیے کراچی کیوں چلے آ رہے ہیں۔ انہیں اپنی سلامتی عزیز ہے تو سازشوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے ملک میں مرے رہیں۔ اپنی سرحدوں سے باہر جہاں بانی کا شوق اپنے آس پاس کے چھوٹے اور کمزور ملکوں میں پورا کر لیں۔

جلال کا مشورہ تھا کہ ہم اس معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیں تاکہ امریکی انتظامیہ کو کسی بڑے اقدام کے لیے بہانہ نہ مل سکے۔

ہم لوگ کافی عرصے سے اس احتیاط پر کاربند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹام اور نک زندہ تھے۔ ان کا ایک افسر امریکا سے بھارت جاتے ہوئے کراچی میں رکا اور اپنی اوچھی حرکتوں کے باوجود زندہ سلامت آگے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن سنیل کے گھر کا رخ کرنے والے دونوں کمانڈوز کا معاملہ بہت مختلف تھا۔

سوبھراج کتنا ہی برا سہی لیکن ایک پاکستانی شہری تھا۔ ان دونوں نے ائرپورٹ کے راستے میں اس پر ناکام قاتلانہ حملہ کر کے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان دونوں کا اس سے زیادہ سنگین جرم یہ تھا کہ انہوں نے اس حملے میں سوبھراج کے دو

بیگناہ ملازموں کو قتل کر دیا تھا۔

ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا لیکن سارے شواہد یہی بتا رہے تھے کہ سنیل کے گھر کا رخ کرنے والے دونوں سفید فام وہی تھے جنہوں نے سوبھراج کی مرسڈیز پر حملہ کیا تھا۔

وہ دونوں قاتل تھے اور ہر قانون کے رو سے واجب القتل تھے۔

سنیل کے گھر کے باہر وہ ہماری گرفت میں آئے تو میں نے جلال کی دی ہوئی مصلحت آمیز ہدایت کو نظر انداز کر کے ان میں سے ایک کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اول خان کے ذریعے وہ خبر جلال کو بھی مل چکی تھی اور مجھے خوشی ہوئی تھی کہ اس نے میری کارروائی پر کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اس کے رویے میں صرف اتنی سی تبدیلی آئی تھی اس نے اپنے معمول کے خلاف، اس واقعے پر ہم میں سے کسی سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔

میرے لیے وہ بہت اچھی علامت تھی۔ ایک قاتل امریکی کے قتل پر جلال کی خاموشی بہت زیادہ پر معنی تھی۔ اس سے یہ اشارہ بھی مل رہا تھا کہ غیر ملکی ایجنٹوں کے بارے میں ہمارے سرکاری رویے میں ایک قدرے سخت تبدیلی آ چکی تھی اور ہم ذرا کھل کر اپنے دشمنوں کے خلاف قدم اٹھا سکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کی سرگرمیاں ماند پڑ سکتی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر اول خان بھی چلا گیا۔ وہ راج محل کے سوختہ کھنڈرات کا بچشم خود مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی اسے شہر میں اپنے آدمیوں کی سرگرمیوں کی خیر خبر لینی تھی۔

اسے گئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے چونک کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں نک کا نمبر آیا ہوا تھا اور گھنٹی بج رہی تھی۔

نک نے صبح آٹھ بجے مجھے نیند سے بیدار کر کے فون پر بات کی تھی۔ اس گفتگو میں تلخی کا رنگ نمایاں تھا۔ آخر میں اس نے دھمکیاں دے کر فون بند کر دیا تھا۔

مجھے توقع نہیں تھی کہ اس شدید تلخ کلامی کے بعد وہ دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے گا لیکن موبائل فون کی بجتی ہوئی گھنٹی میرے اس اندازے کی نفی کر رہی تھی۔

”کرنل! تم کیا کر رہے ہو؟“ رابطہ ہوتے ہی نک کی سپاٹ آواز میرے کان میں آئی۔

”سوچ رہا ہوں کہ میں داور ہوں یا ڈینی۔“ میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

”اوہ! تم میری غصے میں کہی ہوئی باتوں کو اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو!“

”تمہاری تلخ باتیں میرے دل پر نقش ہو چکی ہیں۔“ میں نے اسی لہجے میں اختصار سے کہا۔

”میں خلوص دل سے معذرت خواہ ہوں۔“ اس کی ڈھٹائی اور بے شرمی نے مجھے حیران کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ بیشتر امریکی بدزبان اور بے لگام ہوتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے میں زیادہ وقت برباد نہیں کرتے۔ جو دل میں آتا ہے، بے دھڑک کر ڈالتے ہیں۔ اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ سننے والے پر ان کی بات کا کیا اثر ہوگا۔

کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت ان کو اپنی کہی ہوئی بات واپس لینی ہو تو وہ کسی ندامت کے بغیر یہ بھی کر گزرتے ہیں۔

نک کوئی عام امریکی نہیں تھا۔ وہ امریکی انتظامیہ کا ایک اہم کارندہ تھا۔ اس نے نہایت کروفر کے ساتھ کہی ہوئی اپنی ایک بات پر معذرت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اپنے طرز عمل کے اعتبار سے وہ اپنے قومی دھارے سے الگ نہیں تھا۔

”تمہاری باتیں بہت ترش بلکہ زہریلی تھیں۔ میں انہیں آسانی سے فراموش نہیں کر سکوں گا۔“ میں نے گمبھیر آواز میں جواب دیا۔

میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اس نے اپنی کسی غرض کے تحت مجھے فون کیا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

”میں نے ڈینی کی گرفتاری پر بہت زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ واشنگٹن میں اس اہم قیدی کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ تم نے اچانک اس کے فرار کی خبر سنا کر میری کھوپڑی اڑا دی۔ تم یقین کرو کہ وہ بری خبر سن کر میں آپے میں نہیں رہا تھا۔“

”یقیناً تم اپنے آپے میں نہیں تھے۔ تم نے وہ باتیں بھی کہہ ڈالیں جو تمہارے ذہن میں نہ جانے کب سے پروان چڑھ رہی تھیں۔“

”تم کن باتوں کا حوالہ دینا چاہ رہے ہو؟“

”میں دوسری تمام باتوں کو تمہارے ذہنی خلفشار کا نتیجہ قرار دے کر نظر انداز کر سکتا ہوں مگر دو نکتے ہمیشہ جواب طلب رہیں گے......“

”تم کھل کر بتاؤ میں وضاحت کروں گا۔“ اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ اس وقت وہ غیر معمولی مفاہمانہ رویے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”تمہیں یہ خیال کیوں آیا کہ میں ہی ڈینی ہو سکتا ہوں۔“

”یہ اشتعال میں کہی ہوئی بات تھی۔ تم اسے اپنے دل پر کیوں لے بیٹھے ہو۔ میرے لیے ڈینی صرف ایک نام ہے جب کہ تم دیکھے بھالے آدمی ہو۔ میں خود تم سے مل چکا ہوں۔ غصے اور جھنجلاہٹ میں آدمی اس قسم کی الزام تراشیوں پر اتر آتا

ہے۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو گے تو میری ان باتوں کو درگزر کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

اس کی وہ وضاحت سن کر میرے وجود میں سکون کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔ اگر وہ کسی مصلحت کی وجہ سے اس وقت جھوٹ بھی بول رہا تھا تو غنیمت تھا۔ اس کی طرف سے ایک سنگین الزام تراشی کا خطرہ کم از کم عارضی طور پر ٹل رہا تھا۔

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ سوبھراج کو اس کے بل سے نکال کر منظرِ عام پر لے آؤ۔ میں ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر منظرِ عام پر لے آؤں گا۔"

"میں اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا ہوں لیکن پہلے تم اپنی دوسری شکایت کے بارے میں بتاؤ۔ ایک دوسرے کے دل صاف کیے بغیر ہم کھل کر بات نہیں کر سکیں گے۔"

"تم میرے خلاف کون سا ناقابلِ تصور قدم اٹھانے والے تھے؟"

"وہ ایک ہی بات تھی۔ تمہارے خلاف اس سے بڑا اقدام کیا ہو سکتا تھا کہ میں تمہیں ڈینی قرار دے دیتا۔ اس خبیث کے فرار سے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔"

"مناسب سمجھو تو اپنے نقصان کے بارے میں بتا دو۔"

"سوبھراج کو پتا چل گیا ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا ہوں۔"

"اور یہ بات ڈینی نے اسے بتائی ہے!" میں نے جواب طلب لہجے میں کہا۔

"بات اتنی سیدھی نہیں، ذرا الجھی ہوئی ہے۔" اس نے متذبذب لہجے میں جواب دیا "پچھلی رات میرے دو آدمی ڈینی کا نشانہ بنے ہیں۔ اس نے ایک کو مار دیا۔ دوسرا پکڑا گیا اور بات کھل گئی کہ سوبھراج کا پیچھا کون کر رہا ہے۔"

"تم سولجر بازار والے واقعے کی بات تو نہیں کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"اس واقعے نے مجھے پریشان کر دیا۔ اسی حالت میں، میں نے صبح تم کو فون کیا تھا۔ تم نے ڈینی کے فرار کی خبر سنائی تو میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"سوبھراج اپنے گھر سے اتنی دور کیا کر رہا تھا؟"

"ابھی یہ بات کھلی نہیں ہے۔ وہیں سنیل کا گھر ہے۔" نک نے اپنی دانست میں انکشاف کیا۔ "سوبھراج اسی کے گھر میں چھپا ہوا تھا۔ میرے آدمی وہاں پہنچے تو وہ سنیل سمیت غائب ہو چکا تھا۔"

"اوہ! تو یہ قصہ تھا۔" میں نے چونکنے کی صداکاری کی۔

"لیکن وہاں ڈینی کہاں سے آ گیا!"

"وہ وطن پرستی کے خبط میں مبتلا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کو کہیں سے سوبھراج کے بارے میں کوئی سن گن مل گئی ہو اور وہ تمہارے چنگل سے فرار ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا ہو۔"

"تم ڈینی کی موجودگی کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟ ہو سکتا ہے کہ تمہارے آدمیوں کو کسی اور نے نقصان پہنچایا ہو۔"

"ہر بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے۔ پہلے وہ صرف بیم گن استعمال کرتا تھا۔ اب دہلی سے کراچی تک میں پیش آنے والے واقعات سے ایسی مستند شہادتیں مل چکی ہیں کہ وہ اپنے حریفوں کے خلاف دو قسم کی زہریلی سوئیاں استعمال کرتا ہے۔ ایک زہر آدمی کو بہت سرعت سے ہلاک کرتا ہے اور دوسرا اعصاب کو ناکارہ کر کے اس کے حریف کو بے ہوش کر دیتا ہے۔"

"تو کیا تمہارے دونوں آدمیوں پر وہی زہر آزمائے گئے ہیں؟"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ اسی زہر کی کہانی سنا رہی ہے۔ زندہ بچ جانے والے کے خون کے ٹیسٹ میں دوسرے زہر کے سالمے پائے گئے ہیں۔"

"وہ واقعہ میرے علم میں آ چکا ہے۔ اس میں ملوث دونوں افراد سفید فام تھے۔ کیا تم کسی مقامی کو وہاں نہیں بھیج سکتے تھے؟"

"اس وقت یہ سب سے بڑی مجبوری ہے۔ مقامیوں سے میں سوبھراج کے ذریعے کام لیتا تھا۔ اب یہ کڑی ٹوٹ چکی ہے۔"

"وہ دونوں مقامی ہوتے تو سوبھراج تم پر شبہ نہ کرتا۔ اب معاملہ واقعی سنگین ہو گیا ہے۔ اس نے راج محل کو آگ لگا دی ہے....."

"میں یہی کہنے جا رہا تھا۔ ڈینی نے سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ میری طرف سے بدک جانے کے بعد سوبھراج کسی پر اعتماد نہیں کرے گا۔ راج محل کی آتش زنی کے بعد اب غالب امکان یہ ہے کہ وہ زیرِ زمین چلا جائے گا اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔"

"میں حیران ہوں کہ ڈینی سنیل کے گھر کیسے پہنچ گیا۔ اس کی کمین گاہ کے بارے میں تم نے اتنی راز داری سے کام لیا تھا کہ مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو۔"

اس سے رابطہ بحال ہونے پر مجھے خاصی تقویت ملی تھی اور میں وہ موقع بھرپور انداز میں استعمال کر کے اس کے ذہن سے ہر قسم کے شکوک و شبہات مٹا دینا چاہتا تھا۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ زندہ بچنے والے کو یقین ہے کہ ان دونوں کا پیچھا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈینی پھر میدان میں اتر آیا ہے۔ ان دونوں کو میرے ایما پر وہاں بھیجا گیا تھا۔

میں ایک قیمتی آدمی کے قتل کی ذمے داری سے نہیں بچ سکتا۔''
''تمہیں سرکاری سطح پر احتجاج کرنا چاہیے۔'' میں نے مشورہ دیا۔
''نہیں کر سکتے۔'' اس کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی
''پہلے ہمیں یہ بتانا پڑے گا کہ ہمارے دونوں آدمی اس علاقے میں کیوں گئے تھے۔''
''وہ راج محل میں آرام کر رہا تھا۔ تمہارے آدمی اسے سنیل کے گھر پر تلاش کر رہے تھے۔'' میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو دبایا۔
''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یکا یک کیا ہو گیا۔ میں بہت مشکل میں پھنس گیا ہوں۔''
''مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' میں نے خلوص سے پوچھا۔
''سوبھراج پر نگاہ رکھو اور ڈینی کو کسی طرح میرے حوالے کردو۔''
''نک......! یہ نہیں ہو سکتا۔ زیر زمین چلے جانے کے بعد سوبھراج ہم کو بھی نقصان پہنچائے گا۔ راواتے اسے بہت بے رحمی سے استعمال کریں گے۔ اب وہ عزت دوقار اور ساکھ سب کچھ کھو چکا ہے۔ ایک عام مجرم کی سطح پر گر کر وہ بہت خوفناک ہو جائے گا۔ اس کے بغیر ڈینی تمہارے ہاتھ نہیں آ سکتا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے یہ سودا طے کیا تھا۔''
''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انعام کی رقم دگنی کر دادوں گا۔''
''سو گنا بھی کم ہو گی۔ مجھے پیسے کی زیادہ ہوس نہیں ہے۔ میرا آدمی سامنے لے آؤ، اپنا آدمی مجھ سے لے لو۔ یہ بالکل سیدھا اور کھرا سودا ہے۔ اب تم کو یہ بات مان لینی چاہیے کہ تم نے تیزی دکھا کر اپنی غلطی سے حالات بگاڑے ہیں۔ بنکاک سے واپسی پر تم اسے نہ چھیڑتے تو وہ گھیر کر کسی چوہے کی طرح پکڑ لیا جاتا۔ اب وہ ہر طرف سے چوکنا ہو چکا ہے۔''
''خبریں واضح نہیں ہیں لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی سرکاری پارٹی اس کے وارنٹ لے کر راج محل پہنچی تھی۔ اس کے بعد سوبھراج نے اپنے گھر کو آگ لگائی تھی۔''
''تم نے ٹھیک سنا ہے۔ اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔''
''وہ مجھ سے بدظن ہو چکا ہے۔ اس سے ہر اعزاز چھین لیا گیا ہے۔ اس کے وارنٹ نکل چکے ہیں۔ ایک بڑے اخبار نے آج دل کھول کر اس کی کردار کشی کی ہے۔ اب وہ کسی قیمت پر سامنے نہیں آئے گا۔ بازی اچانک اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔''
''اور اس کے ذمے دار تم ہو۔ تم اسے ہوشیار نہ کرتے تو وہ بے خبری میں آسانی سے پکڑ لیا گیا ہوتا مگر تمہارے سر پر غداری کی سزا کا بھوت سوار تھا۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔''
''میرا کندھا استعمال ہوا ہے ورنہ بندوق چلانے والا کوئی اور ہے۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے دباؤ ڈال کر سوبھراج کو واپس آنے پر مجبور کر دیا تھا۔''
''ساری اطلاعات تم نے فراہم کیں۔ ان کی بنا پر ایڈی یا کسی اور نے کارروائی کی تو تمہیں اس کو روکنا چاہیے تھا۔''
''پہلا حملہ ناکام ہونے تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سوبھراج کو کراچی پہنچتے ہی غداری کی سزا دینے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ وہ جس کسی کا بھی فیصلہ تھا' بالکل غلط تھا۔ اب سب مل کر اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔''
''سنیل کے گھر آدمی بھیجنے کا فیصلہ تمہارا تھا' بات وہیں سے بگڑی ہے۔''
''اعتماد کی فضا میں اس نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ وہاں موجود ہے۔ میں نے سوچا کہ اب پہلی غلطی کا ازالہ کر دیا جانا چاہیے مگر یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔''
''تم نے میرا کام مشکل کر دیا ہے۔ پتا نہیں اب وہ کب قابو میں آئے گا؟''
''میں تمہاری جلد از جلد کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا'' اس وقت نک اپنی بدلی ہوئی عاجزانہ آواز کی وجہ سے کوئی اور ہی آدمی محسوس ہو رہا تھا ''اگر تم ڈینی کو اپنے ہاتھوں سے میرے حوالے نہیں کرنا چاہتے تو مجھے اس کا ٹھکانا ہی بتا دو۔''
''وہ ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ تم نے اس کے خلاف کوئی غلط قدم اٹھایا تو سوبھراج کی طرح وہ بھی زیر زمین چلا جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''
''میں حیران ہوں کہ ڈینی پر مقرر کیے ہوئے دو ملین ڈالر کے انعام میں کسی پاکستانی کو دلچسپی نہیں ہے۔'' اس کی مضمحل آواز ابھری ''اتنی بڑی رقم کے لیے امریکا میں لوگ اپنی جانیں لڑا دیتے۔''
''میرے لیے رقم سے زیادہ اہمیت اصولوں کی ہے۔''
''میرا خیال تھا کہ میں تمہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن تم بہت سخت آدمی ہو۔ مجھے زندگی بھر قلق رہے گا کہ میں پاکستان سے جاتے ہوئے ڈینی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا'' اس کی آواز میں افسردگی اتر آئی۔
''میں کافی دنوں سے تمہارے جانے کا ذکر سن رہا ہوں لیکن تم ابھی تک یہاں ٹکے ہوئے ہو۔ شاید آنے والے دنوں میں تمہاری یہ حسرت پوری ہو جائے۔''
''پرسوں میں چلا جاؤں گا'' نک کی شکست خوردہ آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی ''کئی دن

سے میں اپنی درخواست پر یہاں رکا ہوا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں تم سے ڈینی والی ڈیل مکمل کرسکوں۔"

"شاید تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ پاکستان سے تم کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ سیکرٹ ہوتا ہے۔ جانے سے پہلے مجھے بایولوجیکل گن واپس چاہیے" میرا خیال تھا کہ وہ اس گن کو بھول چکا ہے لیکن اسے اپنا دیا ہوا وہ ہتھیار یاد تھا۔"

"کیا وہ گن واقعی اہم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے دوٹوک جواب دیا "مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا، وہ میں نے تمہارے سامنے دہرا دیا تھا۔ اس سے آگے میں لاعلم ہوں۔"

"پھر تمہارے محکمے میں کوئی تمہیں چکر دے رہا ہے" میں نے اسے ذہنی جھٹکا دینے کے ارادے سے کہا "میں نے اس گن کو ایک بلی پر آزمایا تھا۔ اس سے خارج ہونے والی گیس اعصاب کو واقعی مفلوج کردیتی ہے مگر اسی کے ساتھ اس میں حساس آلات پوشیدہ ہیں......"

"ہوں گے" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "وہ جیسی بھی ہے، مجھے لوٹا دو۔"

"اگر میں انکار کردوں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں ایڈی کو بتا دوں گا۔ یہ چوٹ بھی میرے حساب میں ڈال دی جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ میرا جانشین تم سے یہ گن واپس لینے میں کامیاب ہوجائے۔"

میرے سوال نے اسے آزردہ کردیا تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا "کل صبح میرا کوئی آدمی وہ گن تمہارے دفتر پہنچا دے گا۔ میں ایسے شعبدوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔"

"گڈ! میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں خود کو ہارا ہوا جواری محسوس کررہا ہوں جسے ہر شخص زک پہنچا سکتا ہے۔"

"زندگی میں کبھی کبھی ایسا دور بھی آتا ہے۔ تمہیں دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں" میں نے اسے تسلی دی۔ مجھے حیرت ہورہی تھی کہ وہ اس قدر بددلی کا شکار ہوچکا تھا۔

"کامیابیاں اور ناکامیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد مجھے فریب اور ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میں ایک مشن پر یہاں آیا تھا، مجھے صدمہ ہے کہ پرسوں میں خالی ہاتھ واپس چلا جاؤں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ آئندہ کبھی پاکستان آنے کا نام نہیں لے گا۔ وہ خوش نصیب تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر واپس جارہا تھا۔ اس کے کئی ساتھی پاکستان سے تابوتوں میں بند کرکے لے جائے گئے تھے۔

"ماضی کی تلخیوں کو چھوڑ کر اس وقت ہمارے درمیان خیرسگالی موجود ہے۔ میں اسی جذبے کے تحت جاننا چاہتا ہوں کہ سوبھراج نے رات والے واقعے کے بعد تم سے کوئی بار ہے یا اس نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے؟"

اس نے میری بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "تم اس کے دشمن ہو اور ار میرا بھی دوست نہیں رہا۔ وہ تمہارے ہاتھوں سے شا جائے لیکن ہم بیس برس بعد بھی اسے ضرور سزا دیں گے۔ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ اس نے مجھ سے بدکلامی کی اس کا دعویٰ تھا کہ اب ہم کسی قیمت پر اس تک نہیں پہنچ گے۔ وہ چن چن کر ہمارے مفادات کو نشانہ بنائے گا۔"

"وہ تمہارے لیے دوسرا ڈینی بننے کی کوشش کرے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ ملول اور افسردہ تھا۔ ایک کامیاب افسر کی زندگ مسلسل ناکامیاں آنے لگیں تو شاید یہی ہوتا ہے۔ میں دیر تک اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر اس نے خود ہی کا وہ سلسلہ منقطع کردیا۔

"مبارک ہو" سلطان شاہ نے گرم جوشی سے کہا "ایک دشمن محاذ خالی کرکے میدان سے بھاگ رہا ہے۔"

"کیا احمقانہ بات کررہے ہو" ویرا منہ بنا کر بولی "دشمن کے مقابلے میں جانا بوجھا حریف ہمیشہ آسان ثابت ہے۔ وہ جائے گا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ ضر نہیں کہ وہ اسی آسانی سے ہمارے پھندے میں آجائے۔

"پچھلے دنوں یہ بات بھی سننے میں آئی تھی کہ اب سے کسی کو یہاں بھیجا جائے گا" غزالہ نے یاد دلایا۔

"دیکھیں گے کہ کون آتا ہے؟ نک پرسوں چلا جا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "سوبھراج کو ابھی میں کچھ وقت لگے گا۔"

"سوبھراج یہاں پھنس گیا ہے" سلطان شاہ۔ "ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام آجانے کے بعد وہ کہیں نہیں ہوسکتا۔"

"وہ باضابطہ طور پر کہیں نہیں جاسکتا۔ اس کے فرا سب راستے کھلے ہوئے ہیں" ویرا نے فوری طور پر جواب "وہ سندھ کے ویران ریگستان سے کسی بھی وقت سرحد ہے۔"

ویرا کی بات درست تھی۔ میں نے یہ سوچ کر اس ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کرانے کی تجویز دی تھی مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے سیاسی اور سماجی مقام پر فائ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے گا اور ہم رفتہ ر گھیرا تنگ کرکے آخرکار اس پر ہاتھ ڈالنے میں کا ہوجائیں گے مگر اس کے واپس آتے ہی حالات نے ا کھایا تھا کہ سوبھراج کو ہر طرف سے اپنا مستقبل تار

آنے لگا تھا۔

چار ہے جلال کی طرف سے خبر ملی کہ کچھ نامعلوم شرپسندوں نے محمود آباد کے علاقے میں ایک مقفل مندر کو آگ لگادی تھی اور اس علاقے کی ہندو آبادی میں بے چینی کی ایک شدید لہر دوڑ گئی تھی جس پر قابو پانے کے لیے سماجی عمائدین حرکت میں آ گئے تھے۔

''یہ تشویش ناک واقعہ ہے۔ یہ مذہبی رواداری کا شہر ہے۔ مسلمان آپس میں لڑتے رہتے ہیں لیکن اقلیتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''پچھلے کئی برسوں میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہاں اتفاقی طور پر آگ لگی ہو؟'' غزالہ بولی۔

''خبر کسی ایرے غیرے نے نہیں، جلال نے دی ہے'' سلطان شاہ نے توجہ دلائی ''وہ سوچے سمجھے بغیر اتفاقی آگ کو نامعلوم شرپسندوں کی کارروائی قرار نہیں دے سکتا۔''

جلال نے وقت نکال کر مجھے وہ اطلاع دی تھی۔ اس کے پاس زیادہ گفتگو کا وقت نہیں تھا ورنہ میں اس سے مزید کچھ پوچھتا۔ یہ بات بہرحال طے تھی کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی اہمیت ضرور تھی ورنہ جلال یوں مجھے مختصر فون نہ کرتا۔

''ایک مندر میں آگ لگنے کے واقعے میں ایسی کیا خاص بات پوشیدہ ہے کہ جلال نے اس بارے میں آپ کو فون کیا ہے؟'' غزالہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''میں خود بھی اسی فکر میں مبتلا ہوں'' میں نے اعتراف کیا۔

''زیادہ فکر نہ کرو۔ دبلے ہوجاؤ گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوبھراج کی حرکت ہے۔ اس نے شہر بھر میں پھیلی ہوئی ہندو برادری کو مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''کیا وہ چند گھنٹوں میں اتنا سنبھل گیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''سنبھل گیا ہوتا تو ایسی گھٹیا حرکت نہ کرتا'' ویرا نے بلاتوقف جواب دیا ''وہ ابھی تک صدمے، بے یقینی اور جھنجلاہٹ کا شکار ہے اور اسی عالم میں یہ حرکت کرگزرا ہے۔''

''اس وقت وہ روپوش ہے۔ سنیل کے سوا کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ دونوں زخمی ہیں۔ اس نے یہ کام کن لوگوں سے لیا ہوگا؟'' ویرا کی بات مجھے ہضم نہیں ہورہی تھی۔

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ کر اطمینان سے سگریٹ سلگائی پھر ٹہلتے ہوئے بولی ''وہ سوبھراج کے ساتھ کوبرا بھی ہے۔ شہر بھر کے چھٹے ہوئے بدمعاش اس کے رابطے میں ہیں۔ کوبرا کے روپ میں وہ کسی سے بھی کام لے سکتا ہے۔''

ویرا کی وہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ یہ بات نک بھی مجھے بتا چکا تھا کہ ایف بی آئی کی فیلڈ فورس سے کام لینے کی ساری ذمے داری سوبھراج کے سر تھی۔

''مندر کو اس نے آگ لگوائی ہے تو یہ آنے والے بڑے خطرے کی گھنٹی ہے'' میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''وہ امن وامان کے سنگین مسائل پیدا کردے گا۔''

''یہ دیوانگی ہے، اسے روکنا ضروری ہے'' ویرا نے پرتشویش لہجے میں کہا ''تم کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ صرف تمہاری بات سنے گا۔''

اصل صورت حال جو بھی رہی ہو، یہ ایک حقیقت تھی کہ میں نے ڈینی کی حیثیت سے سوبھراج کے ساتھ اپنے مراسم نہیں بگاڑے تھے۔ کراچی آنے کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی ذمے داری نک پر عائد ہوتی تھی اور یہ بات سوبھراج اچھی طرح جان چکا تھا۔

نک نے اپنی گردن بچانے کے لیے پہلے واقعے کی ذمے داری کا رخ میری طرف موڑنے کی کوشش کی تھی اور سوبھراج بھی اس جھانسے میں آ گیا تھا لیکن میں اسے سمجھانے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسرے واقعے کے نتیجے میں یہ بات خود بہ خود ابھر کر سامنے آ گئی کہ پہلی حرکت بھی نک کی ہی تھی۔

مجھے یہ موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں سوبھراج سے بات کرکے اس کے عزائم کا اندازہ لگاتا۔ وہ آسمان سے گر کر اچانک زمین پر آ گیا تھا۔ سب کچھ کھودینے کے بعد وہ جس ذہنی صدمے سے دوچار تھا، اس سے سنبھلنے کے لیے اسے دو چار دن درکار تھے۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے نارمل ہوجانے کے بعد اس سے بات کروں گا مگر تازہ ترین اطلاع اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ کام مؤخر نہ کیا جائے۔ نقصانات سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ مصلحت سے کام لے کر بھڑکے ہوئے دشمن کو ٹھنڈا کیا جائے۔

وہ ایک بڑا فیصلہ تھا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ضروری تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے ساتھ کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔

''کیا فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری محسوس کررہے ہو؟'' ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں فیصلہ کرچکا ہوں، بس اس سے بات کرنے کے لیے تھوڑی سی ذہنی تیاری کررہا ہوں۔ اس وقت وہ بہت زیادہ حساس اور چڑچڑا ہورہا ہوگا۔''

''یہ نہ بھولو کہ وہ ایک غدار ہے'' ویرا نے تیکھے لہجے میں کہا

''اس وقت مجھے اس کو ہر وہ رعایت دینی ہوگی جو میں ایک مجروح اور محروم دوست کو دے سکتا ہوں......'' میں نے کہا

شروع کیا لیکن ویرا نے درمیان میں ٹانگ اڑا دی۔

''ڈیل کارنیگی کے کتابی فلسفے پر چلنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کے شکستہ اعصاب پر نپی تلی ضربیں لگا کر اسے اتنا نڈھال کر دو کہ وہ کچھ کرنے کے قابل نہ رہے۔''

''اس وقت وہ چھپا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف اپنے دشمن ہی دشمن نظر آ رہے ہوں گے'' میں نے کہا۔ ''اسے سامنے لانے کے لیے یہ یقین دلانا ضروری ہے کہ ابھی شہر میں اس کا کوئی ہمدرد اور خیر خواہ موجود ہے۔''

ویرا اپنے شانے اچکا کر رہ گئی مگر اس کی چہل قدمی جاری رہی۔

''ویرا کی باتوں پر نہ جائیں۔ آپ بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں'' غزالہ نے بھرپور انداز میں میری حمایت کی ''اسے ہمدردی جتا کر ہی ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔''

''یہ بہت برا ہوا کہ اسے روپوش ہونے کا موقع مل گیا'' سلطان شاہ متاسفانہ لہجے میں بولا ''پتا نہیں اب وہ کب ہاتھ آئے گا؟''

''چپ چاپ بیٹھے رہو'' ویرا نے اسے ڈانٹا ''گڑے مردے مت اکھیڑو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب آگے کی فکر کرو۔''

''پتا نہیں سوبھراج کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اس نے تمہیں بچیرہ میں باہر نکلنے کی اجازت دے دی!'' سلطان شاہ نے غصے سے جواب دیا ''تم اسی کے پاس رہتیں تو آج ہم سب کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔ میں تمہارے سینے پر اسی طرح مونگ دلتی رہوں گی'' سلطان شاہ کو تاؤ دلا کر ویرا نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

''یہ پٹھان کا سینہ ہے'' سلطان شاہ اپنی چھاتی پر ہاتھ مار کر فخر سے بولا ''اس پر عورت تو کیا' کوئی سورما بھی سوار نہیں ہو سکتا۔ اس میں بس کوئی گولی ہی اتر سکتی ہے۔''

''کسی وقت مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ دو منٹ میں سارا زعم دور کر دوں گی'' ویرا نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

''عورتوں سے لڑنا بہادری کے خلاف ہے'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''بزدلی اور بہادری کے فیصلے بعد میں کر لینا۔ مجھے سوبھراج سے بات کرنے دو'' میں نے ترشی سے کہا اور ان دونوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن دوسری طرف سے جواب نہیں آیا۔ تیسری گھنٹی بجنے کے بعد مجھے شبہ ہونے لگا کہ بھاگ دوڑ میں سوبھراج اپنے سیٹ لائٹ فون سے محروم ہو چکا تھا۔ میں صبر کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ آخر پانچویں گھنٹی کے بعد سوبھراج کی گونجیلی آواز سنائی دی جس میں رعب و دبدبے کے بجائے مجھے نقاہت اور تشویش سی محسوس ہوئی۔

''تم کہاں ہو؟ اب تمہیں دوست اور دشمن کا علم ہو چکا ہوگا'' میں نے اپنے فون پر اس کی آواز سن کر بے تکلفی سے کہا۔

''دشمن نہیں' وہ آستین کا سانپ ہے'' سوبھراج کی آواز نفرت آمیز ہو گئی ''کسی نمک حرام کی مخبری پر انہوں نے میری برسوں کی خدمات بھلا دیں۔ ویرا کو ان سے چھپا کر میں غدار بن گیا۔ وہ میرے خون کے پیاسے ہیں تو اب میں بھی ان کی جانوں کا دشمن ہوں۔''

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لوگ بہت سفاک ہیں۔ تم تائب ہونا چاہو گے تب بھی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے' تمہیں مار دیں گے۔''

''اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس سے پہلے نک نے اپنا کمینہ پن دکھا دیا'' اس کی آواز درشت ہو گئی۔ ''یہ بتاؤ' کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''جھوٹ کا ایک دن پورا ہونے سے پہلے تم ان کی صفوں سے نکل چکے ہو......''

''اب یہ باتیں بے کار ہو چکی ہیں'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''میں نے اپنی عزت اور ساکھ بچانے کے لیے تم سے وعدے کیے تھے۔ اب سب کچھ خاک میں مل چکا ہے۔ تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر پھونک دیا۔ لوگ اپنی کشتیاں جلا کر میدانِ جنگ میں اترتے تھے۔ میں اپنا گھر جلا کر میدان میں اترا ہوں۔ بہت کچھ اخباروں میں آ گیا ہے۔ جو رہ گیا ہے وہ تم چھپوا دو۔ اب مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔''

''راج محل جلنے کی خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔''

''ایف بی آئی والے کینہ پرور ہوتے ہیں۔ ان کی ناگہانی دشمنی کا اندازہ ہونے کے بعد میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب مجھے پوری زندگی روپوش رہنا ہوگا۔ میں منظر عام پر آیا اور یہ درندے میرا خون پی جائیں گے۔ مجھے ان سے بچ کر رہنا ہوگا۔''

''لیکن اپنے گھر کو جلانا کہاں کی دانائی ہے؟'' میں نے ہمدردی جتائی۔

''یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیوں فون کیا ہے؟''

''میں جاننا چاہتا تھا کہ اب تمہیں مجھ پر یقین آ گیا یا اب بھی بے اعتباری میں مبتلا ہو۔''

''تم پر یقین آ گیا لیکن دوسری ہر ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری چند دنوں کی غیر حاضری میں

یہاں کیا ہوگیا۔ سب کچھ الٹ چکا ہے۔ زندگی بھر کے ساتھی میری جان کے دشمن ہوچکے ہیں۔ اخبار میرے خلاف زہر اگل رہے ہیں، سرکار خفا ہوگئی ہے۔ سرکاری کارندے میرے وارنٹ لیے گھوم رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ اگر میں اتنا ہی برا تھا تو مجھے اتنی عزت کیوں دی گئی تھی۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ اپنے غداروں اور دشمنوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں۔''

''یہ تم نے نہیں کہا تھا، تم سے کسی نے کہا ہوگا۔ یہ بات روز اول سے میرے ذہن میں بٹھادی گئی تھی۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ویرا کو چھپانا ایک قیامت بن جائے گا۔''

''تمہاری دشمنی میں انہوں نے ایک ساتھ سارے محاذ کھول دیے ہیں۔''

''میں بھی انہیں معاف نہیں کروں گا۔ نک کا حشر ایسا ہوگا کہ دوسرے کانپ اٹھیں گے'' اس کی آواز یکایک غضب ناک ہوگئی۔

''اس کا کیا کرو گے، وہ بے چارہ خود بھی ایک دو روز میں جانے والا ہے'' میں نے سرسری انداز میں اسے وہ اہم اطلاع فراہم کردی۔

''جانے والا ہے!'' اس نے میرے آخری الفاظ دہرائے اور کہا ''پھر مجھے تیزی سے کام لینا ہوگا۔ میری تباہی کا سبب تم ہو اور تباہی لانے والا نک ہے۔''

''مجھے یہ الزام نہ دو۔ میں اب بھی تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

''یہ خیر خواہی اب میرے کسی کام نہیں آسکتی'' وہ زہریلے لہجے میں بولا ''تم نے ویرا کو میرے آدمیوں کے قبضے سے نکال کر میرے لیے مشکلات کھڑی کی تھیں۔ یہ تم ہی تھے جسے پکڑ لینے کی امید میں، میں نے ویرا کو اپنے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے نکالا تھا۔ یہ باتیں میرے سینے پر نقش ہوچکی ہیں۔ انہیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔''

''خود کو اور ویرا کو بچانا میرا حق تھا اور موقع پا کر میں نے اسے استعمال کرلیا۔ لڑائی شروع ہوتی ہے تو یہی ہوتا ہے۔ ویرا کی آزادی کے بعد میری اور تمہاری لڑائی ختم ہوگئی تھی۔''

''بنکاک فون کرکے دوستی میں دھمکیاں دی تھیں!'' اس نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

''وہ دھمکیاں نہیں تھیں، میری خواہش تھی کہ تم پاکستانی ہو تو پاکستانی بن کر رہو۔ اس ملک کے دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلو۔ ان سے گلو خلاصی کے لیے میں نے تمہیں مہلت بھی دی تھی مگر نک نے سب کچھ تباہ کردیا۔''

''وہ اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ میرا ایسا دشمن ہوگیا ہے۔''

''تمہارا اصل دشمن وہی ہے۔ میری طرف سے تم بلاوجہ بدگمان ہورہے ہو۔ ذرا سی دیر کے لیے یہ بھول جاؤ کہ ماضی میں کیا ہوتا رہا تھا تو آج کی فضا میں تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ مجھے دکھ ہے کہ جب تک تم دوسروں کے اشاروں پر چلتے رہے، مقدر تمہارا ساتھ دیتا رہا اور جب تم نے اپنی مرضی کے راستے کا انتخاب کرنے کا فیصلہ کیا تو تقدیر کی دیوی تم سے روٹھ گئی۔''

''میری دوستی سے تمہیں کیا ملے گا؟'' یکایک اس نے سوال کیا۔

''دل کا سکون اور میرے لیے یہی سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنے گھر کو خود راکھ کردینا آسان کام نہیں ہے۔ تم بہت بڑے دل اور حوصلے کے مالک ہو۔''

''نہیں!'' قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی ''اس وقت میں کسی پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ مجھے کسی کی دوستی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اس وقت تم اشتعال اور صدمے کی وجہ سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہو۔ پرسکون ہوکر سوچو گے تو کسی مضبوط دوست کی ضرورت کے قائل ہوجاؤ گے۔''

''دوستی کے لیے دنیا میں صرف تم نہیں رہ گئے ہو۔ اپنا سب کچھ برباد کرکے مجھے عقل آئی ہے کہ تم بھی بھروسے کے قابل نہیں ہو۔ تم کو ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے۔ تم مجھے وہاں لے جا کر مارو گے جہاں مجھے پانی بھی نہیں مل سکے گا۔''

''یہ کہانیاں ان لوگوں کی پھیلائی ہوئی ہیں جنہوں نے میری گرفتاری پر بڑے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ میرا کسی ایجنسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''تم جھوٹے ہو، ایس ٹی ایف تمہاری پشت پناہی کرتی ہے'' اس کی آواز بلند ہوگئی۔

''یہ سب من گھڑت باتیں ہیں مگر میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت تم غصے میں ہو۔ تمہاری کسی بات پر میرا دماغ سنک گیا تو بات بگڑ جائے گی۔''

''ہاں اس وقت تمہاری خاموشی ہی بہتر رہے گی'' درشت لہجے میں جواب آیا۔

''تم چاہو تو میں ایک اہم بات بتادوں؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''اس میں تمہاری طرف سے دوستی کا کوئی دعویٰ شامل نہ ہو تو ضرور بتادو۔''

''آج سہ پہر محمود آباد کے ایک مندر......''

''ہاں۔ وہاں آگ لگی ہے جو میں نے لگوائی ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر اعتراف کیا ''میں اپنا گھر جلا سکتا ہوں تو بھگوان کا مندر کیوں چھوڑوں؟ کیا اسے نظر نہیں آرہا کہ میرے ساتھ اچانک کیسا ظلم ہورہا ہے، وہ کہاں سویا ہوا ہے؟''

''سوبھراج! اس وقت تمہاری ذہنی حالت قابل رحم ہے۔

اب تم اپنے بھگوان سے بھی لڑو گے؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

جواب میں اس کا ایک ہذیانی قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا ''اب یہ نہ کہہ دینا کہ راج محل کو جلانے کے بعد میرا دماغ چل گیا ہے۔ میں بالکل نارمل ہوں۔ مندر جلا ہے تو اب ہندو سڑکوں پر آجائیں گے۔ کل کچھ اور ہوگا' میں پورے شہر کی زندگی تہ و بالا کر کے رکھ دوں گا۔''

''دوسروں کو یہ بات معلوم نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ سوبھراج کے ساتھ تم کو برا بھی ہو' میں نے اس کی خطرناک ذہنی حالت کے پیش نظر تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نقاب پوش کو برا بن کر تم راداالوں سے ملتے رہے اور اسی کو برا کی آواز شہر کے زرخرید بدمعاشوں پر راج کرتی تھی۔ ان کے ذریعے تم شہر میں چند روز کے لیے ہیجان پیدا کر سکتے ہو لیکن تمہارے لیے خطرات بڑھ جائیں گے۔ یہ خودکشی کا راستہ ہے' اس پر چلنے سے گریز کرو۔''

''اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟'' اس نے ٹکا سا جواب دے کر مجھے خاموش کر دیا۔

اس وقت سوبھراج کی ذہنی رو میرے خلاف چل پڑی تھی۔ بات جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی' اس کا لہجہ جارحانہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تم جو چاہو کرتے رہو۔ میں تمہاری سلامتی کے لیے فکرمند رہوں گا۔'' میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا ''شہر کے بدمعاش کو برا کے لیے صرف چند روز کام کریں گے۔ جب انہیں پیسے نہیں ملیں گے تو وہ سب تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ کچھ باتیں آج کے اخبار میں چھپی ہیں' باقی کل آجائیں گی' پورے شہر کو پتا چل جائے گا کہ کو برا کون ہے؟''

''تم بہت دور دور کی کوڑیاں لا رہے ہو' میری بات پوری ہونے کے بعد وہ بولا'' کان کھول کر سن لو کہ سوبھراج اب بھی فقیر نہیں ہوا ہے۔ میں وہاں سے لاکھوں ڈالر لے کر نکلا ہوں۔ مجھے نظر آگیا تھا کہ میرے خلاف اب کیا ہونے والا ہے اسی لیے میں نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اب میں ہر فکر سے آزاد اور بے نیاز ہو چکا ہوں۔''

''تم نے سب کچھ کر لیا مگر اپنی ذات کے لیے۔ اپنے گھر والوں اور سنیل کی گھر والی کے لیے کیا سوچا ہے؟ وہ سب مشکل میں گھر جائیں گے۔''

بات کا رخ میری ذات سے اس کی طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے گفتگو منقطع کرنے کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔

''اگر قانون کے رکھوالوں نے انہیں تنگ نہ کیا تو وہ اپنا وقت گزار لیں گے اور اچھا گزاریں گے۔ کسی نے بلاوجہ ان کو ستایا تو وہ اپنی دردناک موت کو دعوت دے گا۔''

''پانی ابھی سر سے اتنا اونچا نہیں ہوا کہ تم ایسی حرکتیں کر کے اپنا دامن داغ دار کرو۔ ابھی بھی تم سامنے آ کر اپنا دفاع کر سکتے ہو۔ اچھے وکیل تمہیں عدالت سے بری کرا لیں گے۔ تم تنہائی اور روپوشی کی مجرمانہ زندگی گزارنے سے بچ جاؤ گے۔''

''نہیں ڈینی...... مجھے بچگانہ مشورے مت دو۔ میں قانون کی گرفت سے بچ جاؤں گا لیکن نک کا کوئی پالتو بھیڑیا مجھے عدالت کے کٹہرے میں گولی مار دے گا۔ ان کے اپنے طور طریقے ہیں جنہیں میں برسوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا۔''

''تم نے اپنے لیے جو راستہ چنا ہے اس کا رخ اسی انجام کی طرف جاتا ہے۔ نک کی نہیں تو قانون کے کسی محافظ کی گولی تمہارا کام تمام کر دے گی'' میں نے بے ساختہ اپنی نم ہوتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''یہ بھگوان کی مرضی ہوگی۔ انسان تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ اپنی تقدیر کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ تم مجھ سے ہمدردی کے دعوے دار ہو تو نک کو مارنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ......''

''میں یہی کہہ رہا تھا۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''تم نے کہا ہے کہ نک پرسوں یہاں سے جا رہا ہے۔ وقت کم رہ گیا ہے' پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ اس سے اپنا بدلہ لے لوں۔ اس دوران میں تم بھی لگے رہو' دوران گفتگو میں پہلی بار اس کی آواز میں کچھ بشاشت اور اعتدال کا احساس ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا'' اگر نک تمہارے ہاتھوں مارا گیا تو میں پرانی باتیں بھلا کر تم سے دوستی کر لوں گا۔ تم چھوٹ دینے کا وعدہ تمہارا ہے ہو' میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔''

سوبھراج کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کی طبیعت پر ہیجان اور تلون کا راج تھا۔ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ نام کو بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک ثانئے کے لیے اس صورت حال کے بارے میں سوچا پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ میں تم سے کوئی پکا وعدہ نہیں کر رہا لیکن اپنی سی پوری کوشش ضرور کروں گا۔ مجھے بھی اس سے نفرت ہوگئی ہے کیہ اس نے تم پر پہلے حملے کا الزام میرے سر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔''

''شاید تمہیں اندازہ نہ ہو۔ میں اپنی زندگی کے لیے ایک طرح سے تمہارا احسان مند ہوں'' مجھے برا بھلا کہتے کہتے اچانک اس نے میرے گن گانے شروع کر دیے ''تم نے سنیل کے گھر سے غائب ہونے کا مشورہ دے کر مجھے صحیح راہ سجھائی تھی۔ میں بچ گیا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ اس

وقت تم مجھ سے بات نہ کرتے اور مجھے ہوشیار نہ کرتے تو میں بے خبری میں سنبل کے گھر پڑا رہتا۔ نک کے آدمی آتے اور میرا گلا کاٹ کر چلے جاتے۔''

''خدا کا شکر ہے کہ تمہیں میری کوئی اچھی بات بھی یاد ہے'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''تم سے تائب ہونے والا معاہدہ ہونے کے بعد سے میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ تمہیں بچانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔''

''تمہارا ماضی بہت داغ دار ہے۔ تم پر بھروسا کرتے ہوئے خوف آتا ہے۔''

''میں نے نک کو مار دیا تو تمہارے دل سے یہ خوف نکل جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... ویسے تو وہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہے لیکن ابھی تک زندہ ہے۔ اسے تم میرے کہنے پر موت کے گھاٹ اتارو گے۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر انحصار نہ کرنا' میں کوشش کروں گا۔''

''فکر نہ کرو۔ اب میں فارغ ہوں۔ پورا دھیان اسی پر دوں گا۔''

''کچھ دیر پہلے تم شہر کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کی بات کر رہے تھے۔''

''وہ کام بعد میں بھی ہوسکتا ہے'' اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی ''نک یہاں سے بچ کر نکل گیا تو میں اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکوں گا۔''

اس کی زبان سے وہ فقرے سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں بہت مشکل سے اسے اس موڑ تک لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ مجھے یہ اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ کم از کم اگلے دو دنوں تک نک کی فکر میں مبتلا رہ کر دوسری تخریبی کارروائیوں سے دور رہے گا۔

جو شخص اپنی شکست کے انتقامی جنون میں مبتلا ہوکر اپنے بھگوان کے گھر کو آگ لگوا سکتا تھا' اس کے لیے شہر کی زندگی کو درہم برہم کرنا مشکل نہیں تھا۔

''کام کی کوئی بات سامنے آئی تو میں تم سے رابطہ کروں گا'' میں نے جلدی سے کہا۔ اس کی ذہنی رو کسی اور منفی سمت میں بھٹکنے سے پہلے میں خوشگوار فضا میں اس سے گفتگو ختم کرنا چاہتا تھا۔

سوبھراج نے کسی رسمی تکلفات کے بغیر محض او کے کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''کیا سر میں درد ہو رہا ہے؟'' غزالہ نے سادگی سے پوچھا۔

''درد!'' میں نے حیرت سے کہا ''اس خبیث نے اتنی دیر میں میرے داغ کی چولیں ہلا ڈالیں۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ کیسے نادر نکتے اٹھا رہا تھا۔''

''ناکامی سے اس کا دماغ چل گیا ہے'' ویرا تفکر آمیز لہجے میں بولی۔

''اس کی کسی بات سے پاگل پن نہیں جھلک رہا تھا'' سلطان شاہ نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''وہ ہر بات دلیل کے ساتھ کر رہا تھا۔''

''وہ صرف ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ اپنی زندگی کا بدترین صدمہ اور نقصان اٹھانے کے بعد کوئی بھی شخص اس سے زیادہ پراگندہ خیالی کا شکار ہوسکتا ہے'' میں نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''کاش' اسے یاد رہے کہ اس نے تم سے کیا طے کیا۔'' ویرا نے آرزو کی ''اس کے دماغ میں کوئی نیا فتور نہ آیا تو شہر میں دو دن سکون رہے گا۔''

''یہ ضمانت حاصل کرنے کے لیے آپ کو بہت پاپڑ بیلنے پڑے ہیں'' غزالہ بولی۔

''اسے سمجھاتے سمجھاتے میری عقل ماؤف ہونے لگی تھی۔ اب اسے نک کا شغل مل گیا ہے' اس دوران میں جلال اول خان کو اپنے سارے وسائل بروئے کار لانا پڑیں گے تاکہ جلد از جلد سوبھراج کی گردن دبوچی جاسکے۔''

''اور اس وقت وہی دونوں یہاں سے غائب ہیں۔''

''وہ دانستہ غائب نہیں ہوئے'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے جواب دیا ''اپنے کاموں میں الجھے ہوئے ہوں گے۔''

''راج محل اور پھر مندر کی تباہی معمولی واقعات نہیں ہیں'' سلطان شاہ تفہیمی انداز میں بولا۔ ''پورے شہر میں خوف دہراس پھیل گیا ہوگا۔''

سوبھراج سے میری فی البدیہہ گفتگو میرے لیے اعصاب شکن ثابت ہوئی تھی۔ اس کے تیکھے سوالات اور کاٹ دار تبصروں کو تحمل سے سننا اور پھر موزوں ترین جواب دینا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے صوفے پر ہی دراز ہوکر سگریٹ سلگایا اور آنکھ سے غزالہ کو اشارہ کیا تو اس نے سر ہلا کر مسکراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم نے غزالہ سے کیا کہا ہے؟'' ویرا نے چونک کر سے پوچھا۔

''کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تمہارے کان بج رہے ہیں'' سلطان شاہ نے کہا۔

''پھر وہ مسکراتی ہوئی کہاں گئی ہے؟'' ویرا کا لہجہ شک آمیز ہوگیا۔

''زحمت کرو اور اٹھ کر دیکھ لو'' میں نے جواب دیا

کچن میں ہوگی اور میرے لیے چائے بنا رہی ہوگی۔"
"جب گھر میں دو آدمی موجود ہیں تو اسے چائے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟"
"جس دن یہ رمز سمجھ لوگی، سگھڑ ہو جاؤ گی" سلطان شاہ نے فقرہ چست کیا "گھر میں آدمیوں کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ سارے کام ان کے سر ڈال کر مالکان حرام خوری کرتے رہیں۔ اپنا کام اپنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہاتھ پیر ہلانے ضروری ہوتے ہیں۔"
"چائے بنانے کے لیے کون سے کمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ دین محمد اور ابرار بہترین چائے بناتے ہیں۔ یہ بلاوجہ کے چونچلے ہیں کہ ڈیئی کے لیے ہر کام اس کی بیوی کرے۔"
"کبھی کبھی ایسا بھی ہونا چاہیے" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔
"غزالہ بھی موم کی پتلی ہے۔ تم مجھے اشارہ کرتے تو میں ہرگز نہ جاتی۔ دونوں میں سے کسی کو آواز دے کر چائے بنانے کی ہدایت دے دیتی۔"
"تم کند ذہن ہو اس لیے تم کو اشارے نہیں کیے جاتے" سلطان شاہ پھر بول پڑا "کہتے ہیں کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ کند ذہن کے لیے چابک بھی کم پڑتا ہے۔"
"فکر نہ کرو۔ کسی وقت تخلیے میں ہاتھ آ گئے تو میں سارا حساب بے باق کر دوں گی" ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی "میں نے نوٹ کر لیا ہے کہ تم اپنے چوڑے سینے کو کتنا مقدس سمجھتے ہو۔"
"اب تم ہوشیار رہنا" میں نے سلطان شاہ کو وارننگ دی "ویرا ایسے ارادوں کو بہت تیزی سے عملی جامہ پہناتی ہے۔"
"دیکھا جائے گا" سلطان شاہ کی بے پروائی نے مجھے حیران کر دیا۔ اس نے مزید کہا "میں یہ لحاظ نہیں کروں گا کہ ویرا ایک عورت ہے۔ عورت پہل کرے تو مرد کے لیے اپنا بچاؤ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔"
چائے غزالہ نے تیار کی لیکن کچن میں کھٹ پٹ کی آوازیں سن کر ابرار وہاں پہنچ گیا۔ وہ چائے لے کر آیا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔
سوبھراج سے تھکا دینے والے مذاکرات کے بعد آپس کی ہلکی پھلکی باتوں نے میرا دماغ تازہ کر دیا تھا۔ چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی مجھے جلال کا خیال آیا اور میں نے اس کا نمبر ملا لیا۔
جلال اس وقت کسی اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر میری کال وصول کرتے ہوئے فوری طور پر اپنی پوزیشن کی وضاحت کر دی۔
میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔ میں نے مختصر ترین الفاظ میں اسے یہ بتایا کہ فون پر نک اور سوبھراج سے میری کارآمد گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے اجلاس سے نمٹتے ہی مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔
"بیٹھے بٹھائے تم کو ایک دم جلال کیوں یاد آ گیا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"اس کی آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا" میں نے مسکرا کر اسے سلگایا۔
"تم اس کے عادی ہو گئے ہو" وہ جل کر بولی "بات بات پر تمہیں اس کا خیال آنے لگتا ہے جیسے وہ تمہارا استاد ہو۔"
"استاد طبلے بجاتے پھرتے ہیں۔ اس شریف آدمی کو یہ الزام نہ دو" میں نے کھولتی ہوئی خوشبودار چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔
"تم نے اسے اپنی کارگزاری کی رپورٹ اس طرح دی ہے جیسے تم اس کی ماتحتی میں کام کر رہے ہو۔" میرے برجستہ جواب سے وہ کھسیا گئی۔
"ہم سب ایک دوسرے کے افسر اور ماتحت ہیں۔ کبھی تم نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ بار بار یہاں کیوں دوڑا چلا آتا ہے۔ ہم اسے کیا دے سکتے ہیں؟"
"اسے یہاں سے تازہ ترین خبریں اور نت نئے خیالات ملتے ہیں۔"
"ہم سب اپنے لیے نہیں، ایک قومی مشن کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہم برابری کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں اور پھر باہمی مشورے سے اپنی راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ وہ پالیسی ساز سرکاری اداروں سے بہت قریب ہے اس لیے موجودہ مہم میں اس کی قریبی شمولیت بہت زیادہ ضروری ہے۔"
"مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔"
"پھر تم اس کے نام سے کیوں چڑ رہی ہو؟"
"تم نے ان دونوں سے بات کر لی تھی اور قصہ ختم ہو گیا تھا" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا "اس ذرا سی بات کی جلال کو رپورٹ دینے کی کیا ضرورت تھی؟"
"ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو" سلطان شاہ نے اپنی ٹانگ اڑائی "یہ ذرا سی بات نہیں تھی۔ نک آخرکار واپس جا رہا ہے۔ سوبھراج کی طرف سے شہر کا امن و امان خطرے میں تھا۔ شاید جلال اسی بارے میں کسی انتظامی اجلاس میں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑی خبریں ہیں۔ جلال کو معلوم رہنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟"
"تم خاک بھی نہیں کر رہے۔ خود کو درمیان میں نہ لپیٹو!" ویرا نے جلے بھنے لہجے میں بے ساختہ کہا اور سب ہنس دیے۔
"سوبھراج نے نک کو مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب یہ

ناگزیر ہوگیا ہے کہ وہ یا سنیل، نک کی گھات میں اس کے قرب وجوار میں منڈلانا شروع کر دے گا۔ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ کڑی نگرانی کا کام جلال کے پیشہ ور آدمی سرانجام دے سکتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ شہر میں سوبھراج کی طرف سے کوئی نئی تشدد آمیز کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہم اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکیں۔''

ویرا نے بہت غور سے میری وہ بات سنی پھر قائل ہو کر بولی ''یہ الجھی ہوئی باتیں ہیں، جو میرے ذہن میں نہیں آسکی تھیں۔''

''تم بلاوجہ بات بڑھاتی ہو۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو خاموش رہ کر اس کا نتیجہ برآمد ہونے کا انتظار کیا کرو'' غزالہ نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

''بات میں نہیں بڑھاتی، تم لوگ بڑھاتے ہو۔ ڈینی نے یہ باتیں پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیں، بات وہیں ختم ہو جاتی۔''

''چڑچڑاپن رفتہ رفتہ تمہارے مزاج کا حصہ بنتا جارہا ہے'' اس بار ناصح کا منصب سلطان شاہ نے سنبھال لیا ''تم چڑتی ہو اور سب کو تمہیں چڑانے میں مزہ آتا ہے۔''

ویرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولی ''جلال کو دعوت دی ہے تو پھر تمہیں اول خان کو بھی بلالینا چاہیے۔ ایس ٹی ایف کے سارے اہلکار گھاگ اور پیشہ ور ہیں۔ وہ نک کو مارنے یا سوبھراج کا سراغ لگانے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''یہ خیال ذہن سے نکال دو'' میں نے کہا ''ہم میں سے کوئی نک کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

''تم نے سوبھراج سے وعدہ کیا ہے کہ اسے ٹھکانے لگانے کی سرتوڑ کوشش کرو گے'' ویرا نے حیرت کے ساتھ مجھے یاد دلایا۔

''میں نے اسے شیشے میں اتارنے کے لیے بہت کچھ کہا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بات پر عمل بھی کیا جائے، جلال بھی سوبھراج کے اس ارادے کی تائید نہیں کرے گا۔''

''یہ فیصلے بعد میں ہوں گے، تم اول خان کو بلانے سے کیوں گریز کر رہے ہو؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اب وہ تمہارے سر پر سوار ہو گیا۔ مجھے سکون سے چائے ختم کر لینے دو۔ میں اس سے بھی بات کروں گا۔ اس کا آنا بھی بہت ضروری ہے۔''

چائے ختم کرنے کے بعد میں اول خان کو فون کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو ویرا دوبارہ میرے سر پر سوار ہو جاتی۔ میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ فوراً اس کا نمبر ملالوں۔

موبائل فون پر رابطہ ہونے پر پتا چلا کہ وہ سبزی منڈی کے علاقے سے گزر رہا تھا اور سیدھا ہماری طرف آرہا تھا۔

''جلدی آؤ۔ ویرا بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہے'' اول خان کو یہ پیغام دے کر میں نے فون بند کر دیا۔

چند منٹ بعد اول خان آپہنچا۔ اس کے بشرے سے تکان اور افسردگی کے آثار جھلک رہے تھے۔ چہرہ گرد آلود ہو رہا تھا۔

''معلوم ہو رہا ہے کہ کسی محاذ سے آرہے ہو'' میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''ہاتھ منہ دھولو پھر چائے کی پیالی پر باتیں ہوں گی۔''

وہ بیٹھتے بیٹھتے فوراً ہی اٹھ گیا ''میں محمود آباد سے آرہا ہوں۔ وہاں کے حالات بہت بگڑ گئے تھے۔ متعدد گاڑیوں، دکانوں اور مکانوں کو نقصان پہنچا ہے۔ پندرہ بیس آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ غنیمت ہے کہ کسی ہلاکت کے بغیر حالات پر قابو پالیا گیا۔ میرے آدمی رینجرز کے ساتھ گشت پر ہیں۔ اس وقت وہاں اعلان کے بغیر کرفیو نافذ کر دیا گیا ہے۔'' اس نے جانے سے پہلے سوبھراج کے پیدا کیے ہوئے فتنے کی تفصیل بتائی اور سلطان شاہ کے کمرے کی طرف ہولیا۔

''گھٹنے ہر حال میں پیٹ کی طرف جاتے ہیں۔'' اس کے جانے کے بعد ویرا نے دبی زبان سے کہا۔

''یہ مثال تمہیں کیوں یاد آگئی؟'' غزالہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ منہ دھونے کے لیے ہمارے کمروں کی طرف نہیں گیا۔ ایک پٹھان نے منہ دھونے کے لیے دوسرے پٹھان کا کمرا پسند کیا ہے۔'' ویرا اسی دبی آواز میں بولی۔

''تم بہت شرانگیز اور فتوری عورت ہو۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے ملامت کی ''جہاں کچھ نہ ہو وہاں تم فساد کھڑا کر سکتی ہو۔''

''کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی۔

''تم عورت ہو۔ میرے کمرے میں غزالہ بھی رہتی ہے۔ وہ عورتوں کے زیر استعمال کمروں میں بے دھڑک ہو کر کیسے جا سکتا تھا۔ اس کے لیے سلطان شاہ کا باتھ روم سب سے زیادہ موزوں تھا۔ وہ اسی طرف چلا گیا۔'' میں نے کہا۔

اول خان غسل خانے سے تازہ دم ہو کر سلطان شاہ کے ساتھ واپس آیا تو میں نے اسے کچھ بتانے کے بجائے محمود آباد کے بارے میں بات چھیڑ دی۔ میری خواہش تھی کہ کچھ دیر میں جلال بھی آجائے تو ان دونوں کی موجودگی میں نک اور سوبھراج کا ذکر کیا جائے۔

محمود آباد میں چھوٹے موٹے کام کرنے والے ناخواندہ ہندوؤں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ ان کا مندر عام طور پر مقفل رہتا تھا۔ خاص مواقع پر اس کا تالا کھول کر جھاڑ پونچھ کے بعد عبادت کی جاتی تھی۔ وہاں نامعلوم افراد نے چلتی گاڑی سے

آتش گیر بم پھینک کر آگ لگائی تو وہ خبر پھیلتے ہی ہندوؤں کی آبادی میں سخت اشتعال پھیل گیا۔

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سمیت پوری ہندو آبادی اپنے مندر پر جمع ہونے لگی۔ آگ سے مندر کی عمارت کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ شعلوں پر بروقت قابو پالیا گیا مگر وہ واقعہ سنگین تھا۔ مشتعل ہجوم نے سڑکوں اور گلیوں میں پھیل کر سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

دکانیں تیزی سے بند ہونے لگیں۔ ٹریفک کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا اسی دوران میں کچھ ہندو لڑکے ایک درگاہ میں گھس گئے جس پر مسلمان تماشائی بپھر کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ پولیس کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ محاذ آرائی زیادہ زور نہیں پکڑ سکی لیکن چند گھروں سے ہوائی فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

مشتعل ٹکڑیاں گلیوں میں پھیلی رہیں۔ متعدد افراد کو بے رحمی سے زدوکوب کیا گیا۔ چند افراد کو چاقوؤں کے زخم آئے۔ ان میں ہندو اور مسلمان، دونوں شامل تھے۔

حالات کا وہ رخ دیکھ کر علاقے کے بزرگ میدان میں آگئے۔ کئی تھانوں کی نفری کے علاوہ رینجرز کی طلبی کے بعد تشدد آمیز واقعات کا سلسلہ کم ہوا لیکن لوگوں میں اشتعال بڑھتا جارہا تھا۔ اندیشہ یہ تھا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد وہاں خوں ریزی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوجائے گا۔

کرفیو کا باضابطہ نفاذ انتظامیہ کی بدنامی تھی۔ تشدد کی لہر پر قابو پانے کے لیے متاثرہ علاقے کے رہے سہے بازار بند کرادیے گئے اور لوگوں کو اپنے گھروں میں محدود ہوجانے کا حکم دیا گیا تو حالات میں تیزی سے بہتری آئی اور مار دھاڑ کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ان سخت اقدامات کے باوجود دونوں طرف لٹھ بردار لڑکوں کی ٹولیاں دیکھی جارہی تھیں جو پولیس یا رینجرز کی گاڑیوں کے نمودار ہوتے ہی تنگ گلیوں میں بھاگ کر روپوش ہوجاتی تھیں۔ ان پر قابو پانے کے لیے پورے علاقے میں دو دو کی ٹولیوں میں مسلح سپاہیوں کی پیدل نفری پھیلائی جارہی تھی تاکہ رات امن و امان سے گزر سکے۔

سوبھراج کراچی کا قدیم باشندہ تھا۔ وہ شہر کی نبض سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اسے شہر کے مختلف علاقوں میں آباد ہندوؤں کی نفسیات سے بھی واقفیت تھی۔ اس نے شہر میں بدامنی پھیلانے کے لیے جان بوجھ کر اس حساس علاقے کا انتخاب کیا تھا جہاں انتظامیہ کی ذرا سی غفلت سے بڑے پیمانے پر خوں ریزی ہوسکتی تھی۔

یہ سوبھراج کی شیطانی کھوپڑی کا کمال تھا کہ اس نے فساد کی داغ بیل ڈالنے کے لیے ایک مندر کا انتخاب کیا تھا۔ مذہبی جنون انسانوں کو آپس میں لڑانے کا سب سے توانا مذ[illegible] ہے اور سوبھراج نے اپنی مذموم مہم کی ابتدا اسی نکتے سے کی تھی۔

شبہات سب کو تھے کہ مندر کی تباہی راج محل کی آتش ز[illegible] سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتی تھی۔ جب میں نے اول خان [illegible] یہ بتایا کہ مندر میں سوبھراج ہی نے آگ لگوائی تو حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ روپوشی کے دوران میں سوبھراج کو اپنے ہم مذہب لوگوں کی مظلومیت سے کیا فائدہ حاصل ہوسکے گا۔

وہاں سرے سے فائدے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اپنا گھر جلا دینے کے بعد سوبھراج کا مقصد صرف امن و امان کو تباہ کرنا تھا اور وہ اپنی پہلی کوشش میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب رہا تھا۔

وہ اس روز کا ایک سلگتا ہوا موضوع تھا۔ اول خان کی فراہم کی ہوئی چشم دید معلومات کی روشنی میں پورے زور و شور سے گفتگو کا دور چل رہا تھا کہ جلال بھی آ پہنچا۔

محفل میں شامل ہونے کے بعد جب اسے موضوع سخن کا علم ہوا تو اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا کہ وہ اسی سلسلے میں کمشنر ہاؤس میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں شریک تھا۔ وہاں فیصلہ کیا گیا تھا کہ فوری طور پر شہر بھر کے مندروں پر سخت حفاظتی پہرے بٹھا دیے جائیں۔

''میں تمہارے فون کی وجہ سے وہاں سے اٹھ آیا ورنہ اجلاس ابھی جاری ہے۔'' جلال نے بتایا ''وہاں یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے کہ سوبھراج کو کیسے زیر کیا جائے۔''

''وہ اس وقت زخمی لومڑی کی طرح بھڑکا ہوا ہے۔ اس پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکے گا۔'' میں نے اسے بتایا ''وہ پورے شہر کو ہلا دینے پر تلا ہوا تھا۔''

ان دونوں میں سے کسی کے استفسار سے پہلے میں نے اپنی کہانی شروع کردی۔

''مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد تم کامیابی سے اپنا دہرا کردار نبھا رہے ہو۔'' میرے خاموش ہوجانے پر جلال نے بے ساختہ کہا ''ذہانت اور حاضر دماغی کے بغیر ایسی کامیابی کا دور تک تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔''

''یہ بڑی بات ہے کہ وہ دو دن کے لیے اپنے تخریبی منصوبے التوا میں رکھنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ آج کے تجربے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ خطرناک تخریبی ذہن کا مالک ہے۔'' اول خان نے سنجیدگی سے کہا ''ان دو دنوں میں ہمیں اس تک پہنچ جانا چاہیے۔''

''سب اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔'' ویرا بولی ''سوال یہ ہے کہ وہ کیسے پکڑا جائے گا۔''

''اس سلسلے میں قونصل خانے والے کراچی کی انتظامیہ کی بھرپور مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''میٹنگ میں ڈی آئی جی کی زبانی پتا چلا ہے کہ وہ لوگ اپنے کمانڈوز کے بارے میں ایک انوکھی کہانی لے کر آئے ہیں۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ڈینی بھی سوبھراج سے ملا ہوا ہے۔ ان دونوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔''

''وہ کہانی کیا ہے؟'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''امریکی شہریوں کو کراچی میں آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہیں ہے۔'' جلال بتانے لگا ''کل رات ان کے دو کمانڈوز تھوڑی سی شراب پی کر سرور کے عالم میں شہر کی سیر کو نکلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رات گئے شہر میں انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میٹروپول ہوٹل کے قریب ایک خوب صورت اور خوش پوش لڑکی نے اشارے سے انہیں روکا اور ان سے لفٹ مانگی۔ وہ دونوں اپنے گھروں سے دور، کئی مہینوں سے یہاں سفارتی عمارتوں کی اندرونی حفاظت کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ وہ عورت کے سحر میں آ گئے۔ انہوں نے عورت کو اگلی سیٹ پر اپنے درمیان بیٹھنے کی پیش کش کی جو اس نے ہنستے ہوئے قبول کر لی۔ لڑکی بیٹھتے ہی ان سے بے تکلف ہو گئی۔ وہ شہر کی ویران سڑکوں پر گھومتے رہے۔ لڑکی نے انہیں اپنے گھر لے جانے کی پیش کش کی۔ وہ دونوں فوراً راضی ہو گئے۔ سولجر بازار میں اس عورت نے اپنے گھر کے قریب گاڑی رکوائی تو وہاں پہلے سے ایک گاڑی میں دو افراد بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ عورت گاڑی سے اترتے ہی تیزی سے زینوں پر چڑھتی چلی گئی۔ دونوں مرد اپنی گاڑی سے نکل کر کمانڈوز پر ٹوٹ پڑے۔ وہ شراب اور عورت کے نشے میں تھے، مار کھا گئے۔ ان کی اس کہانی کے چیتھڑے اڑائے جا سکتے تھے۔ لڑکی کو کیسے پتا چلا کہ وہ کمانڈوز اس راستے سے گزریں گے۔ اسے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ انہیں اپنے گھر لے جانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اس کے گھر کے باہر دو آدمی کب سے موجود تھے اور کب تک وہاں کھڑے رہتے۔ ڈی آئی جی کا کہنا ہے کہ ان کی وہ کہانی خاموشی سے لے لی گئی۔''

''اس طرح انہوں نے سنیل کی بیوی کو بھی گھیرنے کی کوشش کی ہے۔'' ویرا بولی۔

''ہاں۔ زندہ بچ جانے والے کمانڈو کا کہنا ہے کہ وہ دیکھتے ہی اس عورت کو پہچان لے گا۔'' جلال بولا۔

''اس لیے کہ وہی اوپر گیا تھا۔ اس نے شیبا کو دیکھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ڈینی کے بارے میں وہ اس وجہ سے پر یقین ہیں کہ اس واردات میں زہریلی سوئیاں استعمال ہوئی ہیں۔ انہوں نے سنیل کا نام نہیں لیا مگر مکان کی نشاندہی کر کے اسے بھی نامزد کر دیا ہے۔''

''پھر اس رپورٹ پر کیا کارروائی ہو گی۔'' اول خان نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ خامیوں کی نشاندہی کے ساتھ رپورٹ فائل کر دی جائے گی۔ یہ سفارتی حیلہ سازیاں ہیں۔ پاکستان میں اس کمانڈو پر مقدمہ نہیں بن سکتا اس لیے رپورٹ پر جرح بے سود تھی۔ انہوں نے اپنی طرف سے کاغذی خانہ پری کی ہے۔ انہیں اپنے سفید جھوٹ کا علم ہے۔ وہ کارروائی پر اصرار نہیں کریں گے۔ کبھی انہوں نے یہ مسئلہ اٹھانا چاہا تو ان کی رپورٹ کے سارے جھول ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ سفارتی معاملات میں ایسے خاموش سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔''

''یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ انہوں نے مجھے سوبھراج کا حلیف کیسے بنا دیا۔'' میں نے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

''ڈینی ایک مدت سے روپوش ہے۔ اب سوبھراج نے بھی وہی راہ اختیار کی ہے۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دونوں الگ الگ بھی بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں۔ ڈینی امریکا کو مطلوب ہے۔ سوبھراج پاکستان کو مطلوب ہے۔''

''اور وہ ان دونوں کی گرفتاری میں بھرپور مدد فراہم کریں گے۔'' ویرا نے سوال کیا۔

''میٹنگ میں ڈی آئی جی نے یہ تمام باتیں سب شرکا کے سامنے بتائی ہیں۔ وہ اس مہم کے لیے اپنے جدید ترین آلات بھی فراہم کریں گے جن میں فون اور انسانی آواز کی مدد سے کسی شخص کے ٹھکانے کا پتا چلانے والے حساس ترین آلات بھی شامل ہیں۔''

''ان کی اس چال میں ہرگز نہ آنا'' ویرا نے بے ساختہ کہا ''آلات دیں گے تو اس کے ساتھ ان کے ماہر بھی آئیں گے۔ وہ مقامی انتظامیہ میں گھسنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ایک بار ان کو ذرا سا موقع مل گیا تو ان سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

جلال کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے کہا ''مجھے بھی یہی شبہ تھا۔ میں نے یہ بات کہہ دی ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو تربیت دیں تو ہم ان کے آلات بھی لے لیں گے۔ عملے کے ساتھ آلات ہمیں قبول نہیں ہیں۔ کمشنر اور ڈی آئی جی میرے ہم خیال تھے۔''

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ کیا ان سے عارضی طور پر مدد لے کر سوبھراج کا سراغ لگانا ہمارے لیے سود مند نہیں رہے گا؟'' اول خان نے پوچھا ''سوبھراج کے لیے وہ ہم سے زیادہ پریشان ہیں۔ اس بات پر رضامند ہو جائیں گے۔''

''وہ موقع دیکھ کر پیشکش کر رہے ہیں ورنہ وہ منہ مانگے داموں پر بھی ہم جیسے ملکوں کو ایسے حساس اور جدید ترین آلات

کی ہوا نہیں لگنے دیتے'' جلال نے اول خان کی تجویز سے ذرا بھی اتفاق نہیں کیا۔

''ان کے چنگل میں پھنسنے سے بہتر ہے کہ ہم مردانہ وار سوبھراج کا مقابلہ کریں اور اپنے نقصان کی پروا کیے بغیر اسے تباہ کر دیں'' ویرا جلال سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی۔

''سوبھراج کی ذات اس طلسمی حصار سے باہر آچکی ہے جو سرکاری مراعات نے اسے فراہم کیا ہوا تھا۔'' میں نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا ''ہم سب کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہر قانونی اور غیر قانونی طریقہ اختیار کر کے اسے زیر کرنا پڑے گا۔''

''تم نک والی بات کیوں نہیں بتاتے!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اضطراری انداز میں کہا ''اس وقت وہ آسانی سے چارہ بن سکتا ہے۔''

''میں وہی بتانے جا رہا تھا۔ سوبھراج اس وقت نک سے اپنا بدلہ لینے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے اسے یہ بتا دیا ہے کہ نک پرسوں پاکستان سے چلا جائے گا۔ سوبھراج نے مجھے بھی نک پر ہاتھ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے مگر وہ مجھ پر انحصار نہیں کرے گا۔ سوبھراج اور سنیل میں سے کوئی ایک اس پر مہلک وار کرنے کی کوشش کرے گا۔ نک کا پیچھا کیا جائے تو اس کی گھات لگانے والے کو پکڑا جا سکتا ہے۔ دوسرا آسانی سے ہاتھ آ جائے گا۔''

''تمہاری تجویز معقول ہے۔ خرابی یہ ہے کہ نک اپنے گرد و پیش سے اتنا غافل نہیں رہے گا کہ دو آدمی اس کا پیچھا کریں اور وہ بے خبر رہے'' جلال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہمارے پاس اس کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں ہے'' اول خان بولا ''اس طریقۂ کار میں ایک خوبی یہ ہے کہ ہم نک کو ان دونوں کے ہاتھوں مرنے سے بچا سکیں گے۔''

''کیوں؟ اسے تم کیوں بچانا چاہتے ہو؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''پالیسی!'' اول خان پریشان ہو کر جلال کا منہ تکنے لگا۔ ''تم ہی نے تو کہا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر امریکیوں کا مزید خون بہنے سے شدید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔''

''ہمارے ہاتھ صاف رہنے چاہئیں'' جلال نے مضبوط لہجے میں زور دے کر کہا ''تم نے کل رات ایک کمانڈو کو صحیح موقع پر مار دیا۔ میں نے ایک لفظ کہا نہ کوئی مشکل پیدا ہوئی۔ اب سوبھراج یا کوئی اور نک کو مار دیتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''یہ سب سے اچھی بات ہوگی'' اول خان نے مسرت سے کہا۔ جلال کا جواب سن کر سب کے چہروں پر ایک چمک سی آ گئی تھی۔

''ایسے معاملات میں ہمدردیوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی مجبوری کے تحت رعایتیں دینا پڑتی ہیں اور وہ آج دی جا رہی ہیں۔ اس دوران میں کوئی موقع ہاتھ آتا ہے تو ہمیں اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' جلال نے وضاحت سے کہا۔

''اول خان کی حیرانی اپنی جگہ بجا تھی۔ میرے لیے بھی نئی خبر ہے کہ سوبھراج اور نک کی لڑائی میں ہمیں تماشائی یا ریفری کا کردار ادا کرنا ہے۔ اپنے مقدروں کا فیصلہ وہ آپس میں لڑ بھڑ کر خود کریں گے'' میں نے کہا ''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ ان میں سے کون کس کے ہاتھوں مرتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا تھا کہ ایک امریکی کمانڈو کی ہلاکت پر اپنا کوئی ردِعمل ظاہر نہ کر کے میں نے خاموشی سے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے'' جلال نے قدرے بے آرامی سے جواب دیا۔

''کمانڈو کے بارے میں تمہاری خاموشی میرے لیے حیران کن رہی تھی۔ میں سمجھا کہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے تم نے اسے نظر انداز کر دیا۔''

''تم یہ سوچ کر بھی خاموش رہ سکتے تھے کہ تمہاری کسی تنقید سے مرنے والے کمانڈو کی لاش میں جان نہیں پڑ سکے گی'' ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہاری رائے سامنے آنے کے بعد اب بہت بڑی الجھن دور ہو گئی ہے۔''

''امریکیوں کے تعاون کے بارے میں ہم نے انتظامی سطح پر اپنا فیصلہ کر لیا ہے لیکن کل صبح ایک مرحلہ درپیش ہے'' جلال نے قدرے توقف کے بعد آہستگی سے کہا ''ڈی آئی جی نے قونصل خانے کے ایک افسر سے پہلے سے وقت طے کر لیا تھا۔ کل صبح نو بجے تم کو میرے ساتھ وہاں جانا ہے۔ ڈی آئی جی بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔''

''وہاں کیا کرنا ہوگا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہم تینوں ان کے نمائندوں سے تعاون کے سوال پر رسمی مذاکرات کریں گے اور آخر میں انہیں اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔''

''اس کے لیے میرا جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ کام تم بھی کر سکتے ہو'' میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔

''وہاں نکتہ آفرینی کی ضرورت ہوگی۔ وہ تعاون کے لیے ہر طرح سے دباؤ ڈالیں گے۔ وہاں تمہاری موجودگی ضروری ہے'' جلال نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

میرے لیے وہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ وہاں نک سے بھی سامنا ہو سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں جانے کا مشورہ دیا جا رہا ہو!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا مرحلہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جارہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کے گولڈ فارمیسی تک رسائی حاصل کرلی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے پھانسنے میں آ کر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک باروے نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لیتے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک باروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر نک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہوسکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا بانکا شروع ہوگیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوش گوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کردیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں سے اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کرلی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بپی گن میرے سپرد کردی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تھا جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہوکر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کردیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پچھاڑنا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کرائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کرچکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کردوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جارہا ہو۔

اب آپ قسط نمبر 230 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

توقع یہ تھی کہ سوبھراج کو بہلا پھسلا کر کسی طرح بنکاک سے کراچی بلا لیا جائے تو اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ثابت ہوگا اور دو چار دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد اس کا قصہ نمٹا دیا جائے گا لیکن آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔

سوبھراج کا ماضی جو کچھ بھی رہا ہو..... تازہ ترین حقیقت یہ تھی کہ قدرت نے اسے عزت، دولت اور شہرت جیسی نعمتوں سے نوازا ہوا تھا لیکن وہ گندی نالی میں پنپنے والا ایک گندا کیڑا تھا جسے قسمت کے عطا کیے ہوئے وہ بے مثال انعامات راس

نہیں آسکے۔ وہ درپردہ اپنی گھناؤنی مصروفیات میں مشغول رہا اور جب اس کے کرتوت حد سے تجاوز کر گئے اور ہاتفِ غیبی نے اس کی لگام کھینچی تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنی اصل کی طرف واپس لوٹ گیا۔

وہ بنیادی اور فطری طور پر زیرزمین دنیا کا آدمی تھا جسے محض اپنے مقدر کی خوبی کی وجہ سے خوب پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا تھا۔ بُرا وقت آتے ہی وہ کسی تردد کے بغیر اپنی عزت، شہرت اور ساکھ سے دست بردار ہو کر زیرزمین چلا گیا۔

اس نے اپنے بچاؤ کے لیے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں پہلے سے اس کے متوقع اقدام کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ مجھے یہ خوش فہمی رہی تھی کہ وہ منظرِعام پر رہ کر اپنے تمام تر اثر ورسوخ اور وسائل سے ہمارا مقابلہ کرے گا لیکن وہ میری توقعات کے برعکس بزدل ثابت ہوا۔ آسانی سے حاصل کی ہوئی دنیاوی نعمتوں سے بہت آسانی کے ساتھ کنارہ کش ہو گیا۔ بھرے شہر میں اس کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس کا تعلق انسانوں کے اس سفاک قبیلے سے تھا جو اپنی تحویل میں آئے ہوئے ہر ذی روح کو اپنا حقیر غلام تصور کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک ماں باپ، بیوی اور بچوں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ ان سب کو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی ملکیت تصور کرتا تھا۔ جب تک قسمت اس پر مہربان رہی وہ ان سب پر مہربان رہا۔ وقت بگڑا تو وہ ان سب سے آنکھیں پھیر کر، انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو گیا۔

سوبھراج کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ اس کے یکایک روپوش ہو جانے سے اس کے اہلِ خانہ کن پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس کے وہ رشتے ویسے بھی کمزور ہی تھے۔ میرا یہ مشاہدہ اور اندازہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتے داروں کو عام طور پر راج محل سے دور اور اپنے آبائی گاؤں میں رکھتا تھا تاکہ اسے راج محل کی محفوظ چار دیواری میں اپنے کھیل کھیلنے کی مکمل آزادی میسر رہے۔ وہ اپنے قرابت داروں کے مقابلے میں خود کو اپنے ملازموں کے حصار میں زیادہ محفوظ اور آزاد تصور کرتا تھا۔ اس نے تنخواہوں اور بھاری انعامات کے ذریعے اپنے ملازموں کی زبانیں بند کی ہوئی تھیں۔ ان کے بارے میں یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ انہوں نے سوبھراج کے اہلِ خانہ کو اس کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتایا ہوگا۔

سوبھراج کا صرف ایک ملازم اس کا گہرا رازداں تھا۔ اسے وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان حالات میں یہ امید عبث تھی کہ سوبھراج کے اہلِ خانہ یا خاندان والوں پر محنت کر کے اس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی بات معلوم کی جا سکے گی۔

سوبھراج ایک شاطر مجرم تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کہ ہوا کا رخ اس کے خلاف ہو چکا تھا۔ اس نے کسی لالچ میں مبتلا ہوئے بغیر اولین موقع پر صحیح فیصلہ کیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روپوشی کی راہ اختیار کر لی۔

وہ ایک طویل عرصے سے دہری زندگی گزار رہا تھا۔ ایک طرف وہ معزز سیاست داں کے روپ میں کامیاب زندگی گزار رہا تھا تو دوسری طرف کوبرا بن کر ایف بی آئی، سی آئی اے اور را کے آدمیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ سوبھراج سے کوبرا کا روپ دھارنے کے لیے وہ درمیان میں حشمت بن کر ہوٹل میں کمرا حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کا وہ تیسرا روپ صرف ہوٹل والوں کے لیے مخصوص تھا کیونکہ وہ سوبھراج بن کر وہاں جانا چاہتا تھا اور نہ ہی کوبرا کے راز کو طشت ازبام کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔

ہوٹل والوں سے صرف یہ تصدیق ہو سکی تھی کہ سوبھراج کے چہرے پر داڑھی مونچھوں کا اضافہ کرنے کے نتیجے میں حشمت کا چہرہ وجود میں آ جاتا تھا۔ وہ سوبھراج کے خلاف سب سے بڑی شہادت تھی لیکن اس نے اپنے ہاتھوں سے راج محل کو آگ لگا کر ان چھوٹی موٹی شہادتوں کو خود ہی بے وقعت بنا دیا تھا۔

اس کے برسوں پرانے جرائم کا سارا ریکارڈ راج محل کی آگ میں جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ سوبھراج منظرِعام پر رہ کر باوقار انداز میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرتا تو وہ ثبوت اس کے خلاف کام آ سکتے تھے لیکن اس نے اپنے مسکن کو پھونک کر برسرِعام اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا تھا۔ اس کے بعد سوبھراج کو اس کے کیفرِکردار تک پہنچانے کے لیے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

جرائم سامنے تھے مگر مجرم روپوش تھا۔ اس وقت ملین ڈالر کا سوال یہ تھا کہ سوبھراج شہر کے کس حصے میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں رات بھر وہی سب باتیں خوابوں کی صورت میں گردش کرتی رہیں اور صبح جب میں بیدار ہوا تو میرا ذہن سوبھراج کے پیدا کیے ہوئے مسائل سے بوجھل تھا۔

''تم کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟'' ناشتے کی میز پر مجھے خاموش اور فکرمند پا کر ویرا نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بتایا ''رات کو خواب میں سوبھراج پریشان کرتا رہا

ہے۔''

''اسے تم نے بلاوجہ اپنے سر پر مسلّط کیا ہوا ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ریاست سے لڑ کر کوئی بھی شخص زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ مجرم ہو یا نہ ہو، آخر کار موت اس کا مقدر بنتی ہے۔''

''بعض اوقات تم خاصی بہکنے لگتی ہو۔'' سلطان شاہ نے پیالی سے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا ''تم زندہ ہو، کیسے کہہ سکتی ہو کہ ریاست سے لڑ کر زندگی گنوانے کا ذاتی تجربہ رکھتی ہو۔''

''تم احمق ہو۔ یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ جمی لائیڈ میرا باپ تھا اور وہ وائٹ ہاؤس کی حدود میں پُراسرار حالات میں مارا گیا تھا۔'' ویرا نے چڑ کر وضاحت کی۔

سلطان شاہ نے متفکرانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور کہا ''جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، وہ ریاست کا باغی نہیں تھا، صدر کا منظورِ نظر تھا اور وہی اسے پروان چڑھانے کا ذمے دار تھا۔''

''غنیمت ہے کہ تمہیں اتنا یاد ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس کے قتل کے پس پردہ امریکی صدر کی ایسی کوئی خواہش کارفرما تھی جسے جمی لائیڈ نے ماننے سے انکار کر دیا ہوگا اسے بلاوجہ قتل نہیں کیا گیا تھا۔''

''تم بلاوجہ سلطان شاہ سے کیوں الجھنے لگتی ہو۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے ان کی باتوں میں دخل اندازی کی ''یہ باتیں روزِ اوّل کی طرح آج بھی سب کے ذہنوں میں تازہ ہیں۔''

''سوبھراج کو بھول جاؤ!'' ویرا نے مجھے مشورہ دیا ''اس نے تصادم کی راہ اختیار کی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔ دیر سویر ہو سکتی ہے لیکن وہ اپنے عبرت ناک انجام سے نہیں بچ سکے گا۔''

''مجھے تمہاری ہر بات سے اتفاق ہے لیکن یہاں تم غلطی کر رہی ہو۔ اس کے دماغ پر انتقام کا جنون سوار ہے۔ اس تک پہنچنے میں دیر ہوئی تو وہ نہ جانے کیا کیا گل کھلائے گا۔ مندر کی آتش زنی سے اس کے خطرناک منفی رجحان کی نشان دہی ہو چکی ہے۔''

''بس، کوشش کرتے رہو۔ فکرمندی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی ''یہ یاد رکھو کہ عورت اس دنیا میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ مرد کو بنانے اور بگاڑنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تم نے شیبا پر ڈورے ڈالے ہوئے ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ عورت سوبھراج کو مروانے میں اپنا کردار ضرور ادا کرے گی۔''

''عورت جب وفا کے روپ میں دغا دیتی ہے تو اس کا ڈسا ہوا کبھی نہیں بچتا۔'' اس کے جواب میں سلطان شاہ بول پڑا ''اسی لیے میں ڈینی کو ہر قسم کی عورتوں سے دور رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔''

''کیا میں بھی ان عورتوں میں شامل ہوں۔'' ویرا نے غرا کر پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' سلطان شاہ نے سادگی سے کہا ''یہ بات آنے والا وقت بتائے گا۔ اس سے پہلے تمہیں اپنی داڑھی کا تنکا نظر آ جائے تو بہتر ہوگا۔''

''کیا اول فول بک رہے ہو!'' میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا ''عورتوں کی داڑھی نہیں ہوتی، وہ اس محاورے سے مستثنیٰ ہیں۔''

اسے میری مداخلت گراں گزری اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بول کر رہ گیا۔

میں ناشتا کر کے پوری تیاری کے ساتھ جلال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے اس کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی میں گھر سے باہر نکل آیا۔

''غنیمت ہے کہ مندر کو آگ لگانے کے بعد سوبھراج نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔'' جلال نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ خاموشی تک کی شامت کی نشاندہی کر رہی ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اسے علم ہو چکا ہے کہ تک کل کراچی بلکہ پاکستان سے جانے والا ہے۔ وہ پوری تن دہی سے اس کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر رہا ہوگا۔''

''کل تک یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ یوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے مگر آج یہ ایک اٹل حقیقت نظر آ رہی ہے۔ کم از کم اس معاملے میں، میں اس کی کامیابی کے لیے دعاگو ہوں۔''

''تم نیک اور شریف سرکاری افسر ہو۔ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''تم نے ان دونوں کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تمہاری ان کوششوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔''

''مجھے یہ الزام نہ دو۔ میں نے کوئی بدگمانی پیدا نہیں کی۔ بس حقائق کو ان کے علم میں لاتا رہا۔''

''اسی سے بات بگڑی ہے۔ اگر تم تک کو یہ نہ بتاتے کہ سوبھراج نے میری کلارک کے روپ میں راج محل میں آنے

والی ویرا کو پکڑ لیا تھا اور اپنی رازداری کے باوجود اس کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھا تو شاید آج کے حالات مختلف ہوتے۔''

''اس میں جھوٹ شامل نہیں تھا۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی۔''

''کبھی کبھی حقیقتیں بھی گلے کی ہڈی بن جاتی ہیں۔ ان سے فرار مشکل ہو جاتا ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ سوبھراج اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔'' جلال کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدہ تھا۔

''دیکھنا ہو گا کہ اب قونصل خانے میں کس کس سے سامنا ہوتا ہے۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

''کوئی بھی ہو، ہمارا فیصلہ اٹل رہے گا۔ ڈی آئی جی سے میری مفاہمت ہو گئی ہے۔ ان کی امدادی پیش کش کے بارے میں وہ میرا اہم خیال ہے۔''

ان موضوعات پر منتشر سی گفتگو کے دوران میں ہمارا سفر طے ہو گیا۔ اس وقت جلال کسی مصلحت کی بنا پر سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ڈرائیور کے بغیر آیا تھا۔ ہم قونصل خانے کے پھاٹک پر پہنچے تو میرا خیال تھا کہ گاڑی کو کسی روک ٹوک کے بغیر اندر جانے کی اجازت مل جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

سرکاری نمبر پلیٹ کا صرف اتنا فائدہ ہوا کہ گاڑی کو پھاٹک سے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی مگر پھر بھاری رکاوٹوں اور مسلح محافظوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ایک باوردی امریکی افسر کے ایما پر ہم دونوں کو گاڑی سے اترنا پڑا۔

ایک ٹیم اپنے حساس آلات کی مدد سے گاڑی کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئی۔ وردی والے ہماری جامہ تلاشی لیتے ہوئے نرم، معذرتی کلمات ادا کر رہے تھے۔

ان کا سارا زور ایک نکتے پر تھا کہ پورا شہر دہشت گردی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ مجرموں کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور مقامی انتظامیہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ان پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی اس لیے ان لوگوں کو اپنے طور پر غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار کرنا پڑ رہی تھیں۔

جلال سرد انداز میں، تحکم آمیز خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان لوگوں نے اپنا کام بہت تیزی سے نمٹایا اور ڈیڑھ دو منٹ کے مختصر سے وقفے کے بعد ہمیں گاڑی سمیت اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

پارکنگ لاٹ میں ایک اور گورا ہمارا منتظر تھا۔ ہماری گاڑی پارک ہوتے ہی وہ تیر کی طرح ہماری طرف آیا تھا۔ اس نے جلال سے اس کے نام کی توثیق چاہی اور تصدیق ہوتے ہی پُرتپاک انداز میں ہم سے باری باری ہاتھ ملانے لگا۔

بظاہر وہ استقبال کرنے کا ایک خوش گوار انداز تھا لیکن مجھے اس کی تہ میں ان کی اشتباہ آمیز حکمتِ عملی کارفرما نظر آ رہی تھی۔

وہ باہر سے آنے والے کسی بھی شخص کو یہ موقع دینے کے لیے آمادہ نہیں تھے کہ وہ غیر ضروری طور پر قونصل خانے میں آزادی سے بھٹکتا پھرے۔

ہر مہمان کو پھاٹک سے پارکنگ لاٹ تک اخلاق اور نرمی سے گھیر گھار کر براہِ راست اس مقام پر پہنچانے کا بندوبست کیا گیا تھا جہاں اس کی ملاقات کا وقت پہلے سے متعین تھا۔

اپنے حد سے بڑھے ہوئے خوف کو احتیاطی تدابیر کا نام دے کر ان دنوں قونصل خانے نے ویزا کے اجرا اور درخواستوں کی وصولی کا کام سرے سے معطل کیا ہوا تھا اس لیے عمارت کے احاطے میں عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔

اپنے امریکی مددگار کی رہنمائی میں ہم دونوں عمارت کے خاصے اندرونی حصے میں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ نو بجے سے دو منٹ اوپر کا وقت بتا رہی تھی۔

کمرا آراستہ و کشادہ تھا۔ اس میں ایک بڑی میز کے گرد آٹھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں سے چار پر کچھ افراد براجمان تھے۔

ان میں سے ایک شہر کا ڈی آئی جی تھا جو اپنی وردی کی بنا پر دور ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ بقیہ دو چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔ ان میں سے چوتھا فرد نک تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سب سے پہلے اپنی کرسی چھوڑی تھی اور غیر رسمی انداز میں میری طرف لپکا تھا۔

''یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ جلال کے ساتھ تم بھی آ گئے۔'' اس نے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''میری دلی خواہش تھی کہ کراچی چھوڑنے سے پہلے میں تم سے مل لوں۔ میں جلال کا ممنون ہوں کہ اس نے یہ موقع فراہم کر دیا۔''

''مجھے امید نہیں تھی کہ یہاں تم سے ملاقات ہو سکے گی۔'' میں نے کہا۔

''ٹام کو بھی آنا تھا مگر اسے رات سے پیچش ہو گئی ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو پتا چلا کہ گیری نامی امریکی شخص پینٹا گون کا نمائندہ تھا اور اس اجلاس میں وہی سب سے سینئر تھا۔ جیک نامی شخص کا تعلق امریکا کے محکمہ انصاف سے تھا۔

رسمی مزاج پرسی ختم ہونے کے بعد سب نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیں۔ وہ اجلاس بہت قلیل نوٹس پر منعقد ہو رہا تھا لیکن ہر شخص کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ وہاں آیا تھا۔

''یس سر!'' قدرے توقف کے بعد گیری نے ڈی آئی جی سے مخاطب ہو کر کہا ''دونوں مجرموں کے بارے میں ہماری پیش کش......''

''ذرا ایک منٹ!'' نک نے اس کی بات کاٹ کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''اصل موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ان لوگوں کو تازہ ترین واقعے سے بھی باخبر کر دیا جائے۔''

''میری گفتگو کا اگلا نکتہ یہی تھا۔'' گیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''تم کہتے ہو تو اب میں اسی سے ابتدا کرتا ہوں۔ ان لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان کی ناک کے نیچے پرورش پانے والے مجرموں کے حوصلے کتنے بڑھ چکے ہیں۔''

اس کے الفاظ میں چھپا ہوا تحقیر اور تنفر کا عنصر بہت ناگوار گزرا لیکن میں زبان بند کر کے اس کی بات پوری ہونے کا منتظر رہا۔

''گھر سے یہاں آتے ہوئے نک پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔'' گیری نے ڈی آئی جی سے مخاطب ہو کر سرد لہجے میں کہا ''نشانہ بہت بے خطا تھا۔ نک کو یہاں لانے والی گاڑی بلٹ پروف نہ ہوتی تو شاید ہم اس وقت نک کی نوحہ گری کر رہے ہوتے۔''

''اوہ...... یہ کب ہوا؟ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟'' ڈی آئی جی نے مضطرب ہو کر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا ''مجھے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی۔''

گیری کی سنائی ہوئی اس خبر نے مجھے بھی چونکا دیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ سوبھراج ہر خطرے کو نظر انداز کر کے اتنی تیزی سے کام دکھانے کی کوشش کرے گا۔

''کہیں کوئی رپورٹ نہیں کی گئی!'' نک نے کہا ''کسی بے آواز ہتھیار سے دو گولیاں چلائی گئی تھیں۔ بلٹ پروف شیشے ان گولیوں کو نہ روکتے تو وہ میرے سر یا چہرے میں پیوست ہو سکتی تھیں۔ یہ فائر اس وقت کیے گئے جب میری گاڑی احاطے سے نکل رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی پہلے سے وہاں میری گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میرا ڈرائیور تیزی سے گاڑی نکال لے گیا اور میں یہاں پہنچ گیا۔''

''اس خوش نصیبی پر تم مبارک باد کے مستحق ہو۔'' میں نے بے ساختہ مسرت سے کہا۔ مجھے اس کے بچنے سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ سوبھراج نے نک کے خلاف اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

''تمہاری دانست میں یہ کس کا کام ہو سکتا ہے؟'' جلال نے بقراطی انداز میں پوچھا۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس واقعے پر تشویش کا اظہار کرے۔

''ڈینی اینڈ سوبھراج!'' نک کے بجائے گیری نے کہا۔ ''اس وقت صرف وہی دو حریف ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی گردنوں کو ناپنا ضروری ہو گیا ہے۔''

''ان کی تلاش کے لیے ہم اپنے سارے وسائل بروئے کار لا چکے ہیں۔'' ڈی آئی جی پورے پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

''دونوں بہت ہائی پروفائل مجرم ہیں۔ ان کے لیے تمہارے وسائل ناکارہ ہیں۔'' جیک نے سرد مہری سے کہا۔ ''ہماری مدد کے بغیر تم ان کو نہیں پکڑ سکو گے۔ انصاف کے تقاضوں کو جلد از جلد پورا کرنے کے لیے تمہیں گیری کی پیش کش کو قبول کر لینا چاہیے۔''

''تمہاری بات درست ہے۔'' ڈی آئی جی سے پہلے جلال بول پڑا ''ہم خود بھی یہی محسوس کر رہے ہیں لیکن حالات ایسی کسی ڈیل کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ لوگ شور مچا دیں گے کہ پولیس کا محکمہ امریکیوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ہم آلات لے لیں گے مگر ان کو ہمارا عملہ استعمال کرے گا......''

''غیر تربیت یافتہ افراد ان آلات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔'' گیری نے بے رخی سے کہا۔

''میں تربیت کے لیے اپنے آدمی نامزد کر دوں گا۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جب تک تمہارے آدمی ان آلات وغیرہ کا استعمال سیکھیں گے، سوبھراج اور ڈینی مل کر یہاں ایک قیامت برپا کر دیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پولیس ہیڈ کوارٹرز میں آٹھ دس ہفتوں کے لیے تین امریکی ماہروں کے بیٹھنے سے کیا فرق پڑے گا۔ تعلیم و تربیت کے لیے دنیا بھر میں ایسی تعیناتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کہیں کوئی شور نہیں ہوتا۔''

''اس خطے کے حالات مختلف ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا ''یہاں عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ تم نے

سرکاری طور پر امریکی شہریوں کو ہدایت کی ہوئی ہے کہ وہ ناگزیر ضرورت کے بغیر ادھر کا رخ نہ کریں اور ادھر آنا ہی پڑے تو اپنی نقل و حرکت کو محدود رکھیں۔ یہ حالات ہمیں غیر ملکی تعاون کی اجازت نہیں دیتے۔''

''یہ تمہاری سوچ ہو سکتی ہے لیکن ہم انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر ایسا تعاون ضروری سمجھتے ہیں۔'' اس طرح وہ کالی بھیڑیں بھی بے نقاب ہو سکیں گی جو تمہاری صفوں میں شامل ہو کر مجرموں کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہیں۔''

''ایسے لوگوں کے احتساب کے لیے ہمارا اپنا نظام ہے۔'' ڈی آئی جی نے قدرے خفگی سے کہا ''ہم اپنی فورس کی تطہیر کے لیے دوسروں کی مدد کے محتاج نہیں ہیں۔''

''یہ تمہارا خیال ہے لیکن ایک بڑی تعداد ڈینی کے حوالے سے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ تم لوگ سرکاری سطح پر جو کچھ کہتے رہتے ہو، عملی حقائق اس سے بہت مختلف ہوتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص قانون کی گرفت سے مسلسل بچا رہے۔'' اس بار گیری نے جیک کی بات آگے بڑھائی تھی۔

''اس کے سلسلے میں تم لوگ بھی ناکام رہے ہو۔ تم نے اس کے خلاف ہر روایتی اور غیر روایتی حربہ آزما کر دیکھ لیا ہے لیکن نتیجہ صفر رہا ہے۔'' جلال نے جواب دیا ''تم لوگوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ امریکا بھی ہو آیا ہے۔ اس نے وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ وہاں بھی تم اسے گھیرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''وہ غیر معمولی کیس ہے۔'' نک نے اپنے ساتھیوں کو خفت سے بچانے کی کوشش کی ''اس کا عام مجرموں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''تم لوگ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو تو پھر تمہیں ہماری کارکردگی میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔'' جلال نے کہا۔

''میں کسی پر الزام تراشی نہیں کر رہا تھا۔'' جیک نے اپنی صفائی پیش کی ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے پاس معلومات ہیں۔ ہمارے پاس اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ جدید وسائل بھی ہیں، اپنے مشترک مجرموں کے خلاف ہمیں مل کر کام کرنا چاہیے۔ اس طرح بہت جلد اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔''

''اس بارے میں، میں تمہیں اپنے تحفظات سے آگاہ کر چکا ہوں۔'' اس بار میں نے جواب دیا ''تم ہمارے افسروں کی تربیت کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔''

''یہ بہت حساس معاملہ ہے۔'' گیری نے نئی قلابازی کھائی ''ہم اپنے جدید ترین آلات کسی وسیع تر مفاہمت کے بغیر کسی اور کو نہیں سونپ سکتے۔''

''پھر ان کا ذکر بے سود ہے۔'' وہ صاف بات ہو جانے کے بعد جلال نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا ''تم ساز و سامان نہیں دے سکتے، ہم تمہارا عملہ قبول نہیں کر سکتے۔ بات ختم ہو جاتی ہے۔''

''کیا تم بھی جلال کے ہم خیال ہو؟'' گیری نے ڈی آئی جی سے پوچھا۔

''اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ڈی آئی جی نے پرزور لہجے میں کہا ''پولیس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔ ایجنسیوں کو اپنے کاموں کی تکمیل کے لیے بہتر وسائل درکار ہوتے ہیں۔ تمہاری تجویز کا زیادہ تعلق جلال اور کرنل دادر سے ہے۔ میرا محکمہ ان سہولتوں سے صرف ضمنی فائدے حاصل کر سکتا تھا۔''

''پولیس کا کردار اتنا محدود نہیں ہوتا۔ سولجر بازار کے علاقے سے ہمارے آدمی کو تمہاری فورس نے اپنی تحویل میں لیا تھا۔'' جیک بولا۔

ڈی آئی جی کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ ''کیا تم اس ناخوش گوار واقعے کو بھی زیر بحث لانا چاہتے ہو؟''

''قطعی نہیں۔'' جیک نے صاف انکار کر دیا ''میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کوئی بھی واقعہ رونما ہونے کے بعد سب سے پہلے پولیس حرکت میں آتی ہے۔''

''اور معاملہ اس کے اختیار سے باہر ہو تو اسے متعلقہ لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے۔'' ڈی آئی جی نے اس کی بات میں اضافہ کیا۔

''یہ ذکر نکل ہی آیا ہے تو یہ بتاؤ کہ اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔'' جیک بولا۔

''کچھ نہیں۔'' ڈی آئی جی کے منہ توڑ جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ ''زندہ پکڑے...... جانے والے کمانڈو کے بیان میں جو جھول ہیں، وہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں ہوں گے۔ اس کیس پر کسی ذہین افسر نے کام شروع کر دیا تو وہ کہانی بے نقاب ہو جائے گی جسے چھپانے کے لیے کمانڈو نے ایک بے سروپا بیان دیا ہے۔''

''واقعات کچھ بھی رہے ہوں، یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے کہ وہ دونوں ڈینی کا نشانہ بنے تھے۔'' نک نے زور دے کر کہا ''ڈینی ہمارے ایک کمانڈو کا قاتل ہے۔ وہ پکڑا گیا تو اس سے اس خون کا حساب ضرور لیا جائے گا۔''

''ہم سب اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔'' جلال بولا ''سولجر بازار میں کمانڈوز والا واقعہ پیش نہ آتا تب بھی ڈینی کی تلاش کی مہم جاری رہتی۔''

''ویری گڈ!'' نک ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمارے آدمی کے بیان سے قطع نظر ڈینی کی تلاش ضروری ہے۔''

''اور اب سوبھراج کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔'' میں نے یاد دلایا۔

نک سر ہلا کر رہ گیا۔ فون پر وہ مجھ سے کھل کر باتیں کرتا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ سوبھراج کس وجہ سے ان لوگوں کے عتاب کا نشانہ بنا تھا لیکن اس اجلاس میں نک سمیت کسی نے بھی سوبھراج کے بارے میں اندر کی وہ باتیں نہیں چھیڑی تھیں۔

گفتگو کے دوران میں کافی لائی گئی مگر میں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں پوری طرح محتاط تھا کہ وہاں کسی چیز پر اپنے فنگر پرنٹس نہ چھوڑوں جنہیں وہ بعد میں اپنے ریکارڈ کا ایک حصہ بنا سکیں۔

''مجھے مایوسی ہوئی ہے کہ ہمارا یہ اجلاس نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکا۔'' گیری نے اپنے شانے اچکا کے کہا ''میرا اندازہ تھا کہ ہم مل کر بیٹھیں گے تو آئندہ کے لیے ایک دوسرے کے کام کرنے کی راہ نکل آئے گی۔''

''دیکھا جائے تو ہم اب بھی ایک دوسرے سے مل کر کام کر رہے ہیں۔'' ڈی آئی جی نے جواب دیا ''ہمارے ہدف مشترک ہیں۔ ہم سب قانون کی بالادستی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ بس اتنا سا فرق ہے کہ ہمارے طریقے الگ ہیں۔''

''برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں!'' میں نے گیری سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ایک نہیں، دو باتیں پوچھ لو۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہاری طرف سے اس اجلاس کا انعقاد کیا اس بات کا غماز نہیں ہے کہ اب پینٹا گون والے بھی ان معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''امریکا کی حدود سے باہر ہونے والی ہر سرگرمی میں میرا محکمہ کسی نہ کسی حد تک ملوث ہوتا ہے۔ اپنے مطلوب مجرموں کو امریکا لا کر انصاف کے کٹہرے تک پہنچانا بھی ملکی دفاع کے زمرے میں آتا ہے اور پھر یہ معاملہ زیادہ اہم ہے۔'' گیری نے پرسکون لہجے میں جواب دیا ''ہم جن آلات اور سہولتوں کی باتیں کر رہے ہیں، وہ سب حساس دفاعی نوعیت کی حامل ہیں اور پینٹا گون کی تحویل میں ہیں۔ بات بن جانے کی صورت میں سارا بندوبست مجھ ہی کو کرنا ہوتا۔''

گیری کا وہ اعتراف خیال انگیز تھا۔ بات رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کراچی میں اپنے کئی باوردی ملازمین کی جانوں سے ہاتھ دھو لینے کے بعد امریکی محکمہ دفاع براہِ راست ان معاملات میں کودنے کی تیاری کر رہا تھا۔

یہ غنیمت ہوا کہ ان کی پیش کی ہوئی تجویز مسترد کر دی گئی تھی ورنہ پینٹا گون والے کراچی میں اپنے پیر جمانے کے بعد اپنے مطلوب مجرم کی گرفتاری کے نام پر کوئی بھی محدود فوجی آپریشن شروع کر سکتے تھے۔

ان کو ایک بار مداخلت کی اجازت دے دینے کے بعد محض انتظامی سطح پر ان کو روکنا بہت مشکل ہو جاتا۔ فنی امداد اور سہولتوں کی فراہمی کے نام پر کراچی میں مامور کیے جانے والے امریکی افسر پوری انتظامیہ کے لیے ایک عذاب بن جاتے۔

میں نے اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد نک کی صورت دیکھتے ہی اندازہ لگایا تھا کہ اس اجلاس میں وہ معاملات بھی زیرِ بحث آ سکتے تھے جن پر میرے یعنی کرنل داور اور نک کے درمیان مذاکرات چلتے رہے تھے۔

ان لوگوں کے لیے وہ بہت حساس موضوعات تھے جن میں سوبھراج اور ڈینی کے تبادلے والا معاملہ سب سے اہم تھا۔ میرے لیے یہ باور کرنا ممکن نہیں تھا کہ گیری اور جیک کو ان سب باتوں کی کوئی بھنک نہیں ملی ہوگی۔

ان دونوں نے سب کچھ جانتے بوجھتے اپنی زبانیں سختی سے بند رکھی ہوئی تھیں اور ان خفیہ معاملات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

کافی دیر بعد ان کی پراسرار خاموشی کا جواز میری سمجھ میں آ گیا۔

یہ بات وہ سب جانتے تھے اور برملا اس کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ ڈینی کے بارے میں پاکستانی حکام کے دلوں میں نرم گوشے موجود تھے۔ ان صفوں میں صرف کرنل داور ایسا آدمی تھا جو ڈینی کی حد سے بڑھی ہوئی آزادروی اور خودسری کو پسند نہیں کرتا تھا۔

نک کے ساتھ طے ہونے والی ڈیل کرنل داور نے اپنی ذاتی حیثیت میں کی تھی۔ اس کا دوسرے افسران سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ شاید ان کے ذہنوں میں ڈینی کی قید اور پھر یکایک فرار کے بارے میں بہت سے سوالات کلبلا رہے ہوں مگر وہ جلال اور ڈی آئی جی کے سامنے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکتے تھے۔

وہ سب اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اپنے اصل مشن میں ناکام رہنے کے باوجود نک نے یہ کامیابی ضرور حاصل کی تھی کہ وہ ایس ٹی ایف کی ناقابلِ شکست صفوں میں دراڑ ڈال کر، ڈینی کے خلاف کرنل داور کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ ایک طویل مدت کے بعد اپنے ہاتھ آئے ہوئے اس مہرے سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ بات موجود رہی ہوگی کہ ڈینی ایک بار کرنل داور کے چنگل سے نکل گیا تھا لیکن بعد میں وہ دوبارہ اس کے قابو میں آسکتا تھا۔

وہ ان درپردہ معاملات کو موضوعِ سخن بنا کر ایسے امکانات ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''تمہارے چہرے پر کچھ ضربات نظر آرہی ہیں۔'' کافی نوشی کے دوران میں گیری نے مجھ سے کہا ''کیا تم اس سینئر پوزیشن میں بھی مار دھاڑ کے کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہو؟''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وہ سوال پوچھ لیا۔ وہ چوٹیں سنیل کے گھر کے باہر، امریکی کمانڈوز سے ہونے والے مقابلے کا نتیجہ تھیں مگر میں نے نک کو ان کے بارے میں کوئی اور کہانی سنائی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کسی وقت نک سے سامنا ہوا تو میرے چہرے پر نظر آنے والے وہ نشانات اسے شک و شبہے میں ڈال دیں گے۔ ایسے کسی امکان کا تدارک کرنے کے لیے میں نے فون پر اسے یہ بتایا تھا کہ ڈینی میرے ساتھ مقابلہ کر کے میری قید سے فرار ہوا تھا۔

گیری کے سوال پر میں نے مسکرا کر نک کی طرف دیکھا اور کہا ''ضرورت پڑ جائے تو پوزیشن کا خیال کیے بغیر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چہرے پر نظر آنے والی چوٹیں معمولی ہیں مگر یہ اس گہری چوٹ کی غماز ہیں جسے میں ایک مدت تک فراموش نہیں کرسکوں گا۔''

''تم ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ نک کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' جیک نے سوال کیا ''کھل کر ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔''

''یہ غیر ضروری اور ذاتی باتیں ہیں۔ ان کے لیے یہ فورم مناسب نہیں ہے۔'' نک نے جلدی سے اپنے ساتھی کی بات اڑا دی۔

وہ تینوں اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے تھے۔ کافی کا دور ختم ہونے کے ساتھ اجلاس بھی ختم ہوگیا۔ ان تینوں نے عمارت کے بیرونی دروازے تک آکر ہمیں گرم جوشی سے رخصت کیا۔ وہاں ہماری رہنمائی یا نگرانی کے لیے ایک باوردی گورا مستعدی سے کھڑا ہوا تھا۔ میری توقع کے برعکس نک نے بھول کر بھی اپنی بی گن کا کوئی ذکر نہیں نکالا تھا۔

گورے نے غیر ضروری طور پر پارکنگ لاٹ تک ہماری رہنمائی کی۔ وہاں ڈی آئی جی کی سرکاری جیپ میں ڈرائیور اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ ہم سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔

ہمارے سروں پر مسلط امریکی محافظ کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں کے درمیان کسی غیر رسمی تبادلہ خیال کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

قونصل خانے کی بلند فصیل سے باہر نکلتے ہی جلال نے آزادی کا ایک گہرا سانس لیا اور کہا ''اس اجلاس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کافی پلانے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ میں تو اس سے بھی محروم رہا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''اجلاس میں جو کچھ کہا گیا، وہ فون پر بھی بتایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے چھ آدمیوں کا اجلاس بلانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''گیری نے اپنی تجویز پر مذاکرات کی پیشکش کی تھی جو ڈی آئی جی نے قبول کرلی۔ وہ عجلت میں بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکا کہ آلات اور سہولتوں کی آڑ میں وہ اپنے آدمیوں کو پولیس کے محکمے میں بٹھانا چاہ رہا ہے۔''

''یہ بات تم نے اس کے ذہن میں ڈالی ہوگی!''

''نہیں۔ وہ خود ہی اس تجویز کے مضمرات سمجھ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے مشورہ کیا اور پھر ہم نے اجلاس میں شریک ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ بات سہولتوں تک محدود رہتی تو ان کو قبول کیا جا سکتا تھا۔ اسٹاف کے بارے میں ڈی آئی جی کا موقف بہت سخت تھا۔''

''وہ اپنی تجویز اوپر لے جائیں گے۔ آئی جی اور محکمہ داخلہ والے اس فریب میں آسکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص ان کی چال کو سمجھ سکے۔''

''ڈی آئی جی اس اجلاس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہے۔ وہ اس کی رپورٹ اوپر ضرور بھیجے گا۔ اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ تبدیل کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ ایک بات ریکارڈ پر آجاتی ہے تو اسے نظر انداز کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

''اب وہ زور پکڑ رہے ہیں۔'' میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا ''پینٹاگون کے کسی ذمے دار افسر کی کراچی میں موجودگی میرے لیے تعجب خیز ہے۔''

''اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کی نظروں میں پاکستان

کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ افسروں کی تعیناتی کے بارے میں ہم ان سے کوئی سوال نہیں کر سکتے۔ سرکاری محکموں میں افسران کے تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ کہہ دیا جائے گا کہ گیری کو کچھ عرصے کے لیے فارن سروس میں بھیج دیا گیا ہے۔''

''ان کی نظروں میں اہم ہونا ہمارے لیے اچھا شگون نہیں ہے۔ وہ یہاں پنجے گاڑنے کی کوششیں شروع کر چکے ہیں۔''

''یہاں ان کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ہر محکمے میں ڈی آئی جی جیسے راست گو اور بے خوف افسر موجود ہیں جو ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے۔''

''میں مانتا ہوں کہ اس ملک میں جہاں کرپشن کی جڑیں بہت گہری ہیں محبِ وطن اہلکاروں کی بھی کمی نہیں ہے لیکن کسی بھی سازش کی بیخ کنی کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ لوگ دشمنوں کے چہرے اور ان کے عزائم پہچانتے ہوں۔ یہاں خرابی یہ ہے کہ سب کچھ پس پردہ ہو رہا ہے۔ جو باتیں ہم لوگ جانتے ہیں، دوسرے ان سے بے خبر ہیں۔''

''عقابی نظریں رکھنے والے بین السطور بھی بہت کچھ پڑھ لیتے ہیں۔ اس وقت یہ سوال ہر حساس پاکستانی کو پریشان کر رہا ہے کہ دو امریکی کمانڈوز سولجر بازار کے علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔ کسی کے کچھ نہ کہنے کے باوجود لوگ اپنے طور پر صحیح نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور یہی رائے عامہ کسی ملک کے دفاع کی سب سے مضبوط ڈھال ہوتی ہے۔''

بات کرتے کرتے جلال چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''دو ریاستوں کی سرد جنگ میں افراد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہمیں اپنی توجہ سوبھراج پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ اس وقت وہ سب سے خطرناک مقامی فتنہ ہے۔ اس کی جلد از جلد سرکوبی ضروری ہے۔''

''تمہاری بات درست ہے۔ ہم لوگ رہیں یا نہ رہیں، یہ ملک قائم رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقت میں امریکا کی ترجیحات بدل جائیں اور وہ ہمارا دوست بن جائے لیکن جب تک ہمارے دم میں دم ہے اور امریکا کی نیت خراب ہے، ہمیں کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ یہ ہماری مٹی کا ہم پر قرض ہے جسے ادا کرنا ضروری ہے۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ سب کچھ دوسروں پر چھوڑ دو۔'' جلال نے جلدی سے کہا ''جو کچھ کر سکتے ہو وہ کرتے رہو اور تم کر ہی رہے ہو لیکن صرف مضبوط دیوار سے سر نہ ٹکراتے رہو۔ اس میں دراڑیں ڈالنے کے ساتھ دوسری کمزور دیواروں کو بھی گراتے رہو۔''

ہماری پے در پے کوششوں کے نتیجے میں سوبھراج کے جمے جمائے پاؤں اکھڑ گئے تھے لیکن پھر بھی وہ بہت زیادہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ شیبا کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق وہ خاصا زخمی ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کا حوصلہ بلند تھا۔

اپنا سب کچھ کھو کر بھی وہ تہی دست نہیں ہوا تھا۔ راج محل سے ایک خطیر رقم لے کر نکلا تھا۔ اس رقم کے ذریعے وہ اپنے من پسند لوگوں کی خدمات خریدنے کی پوزیشن میں تھا۔ کام کے لوگ پہلے سے اس کی نظروں میں تھے۔ وہ نہ جانے کب سے کوبرا کے روپ میں ان سے امریکی ایجنسیوں اور را کے لیے کام لے رہا تھا۔

امریکی قونصل خانے میں ہونے والے اجلاس میں گیری صدر نشین تھا اس لیے نک پر ہونے والے قاتلانہ حملے پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہوسکی تھی لیکن یہ جاننے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں تھی کہ نک پر ہونے والی فائرنگ نے امریکیوں کو مزید خوفزدہ کر دیا ہوگا۔

نک نے سوبھراج پر دو وار کیے تھے۔ ایک میں وہ زخمی ہوا، دوسرے میں صاف بچ کر نکل گیا۔ اس نے وہ حساب بے باق کرنے کے لیے نک پر جوابی وار کرنے میں بہت تیزی سے کام لیا تھا۔

یہ بات سوبھراج کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ نک کراچی سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ نک ایک بار کراچی سے نکل جاتا تو سوبھراج کے لیے اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو جاتا۔

سوبھراج زخمی تھا لیکن اس کا تخریبی ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ نک پر گولیاں برسانے کے لیے وہ خود میدان میں اترا ہوگا۔ وہ زخمی تھا۔ اس کے ساتھ سنیل بھی مجروح تھا۔ سوبھراج نے وہ کام یقینی طور پر کرایے کے کسی آدمی سے لیا تھا۔

اجلاس میں اس واردات کی جو مختصر روداد سامنے آئی تھی اس سے یہ واضح ہوگیا تھا کہ سوبھراج نے اس کام پر کسی ماہر نشانے باز کو مامور کیا تھا اور اگر نک کو بلٹ پروف کار کا تحفظ میسر نہ ہوتا تو اس کا کام تمام ہوگیا ہوتا۔

''سوبھراج کے لیے اب تم نے کیا سوچا ہے؟'' کچھ دیر بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

''نک پر ہونے والے حملے نے مجھے حیران کر دیا ہے۔

اپنی زندگی کے بدترین مراحل سے گزرنے کے باوجود سوبھراج کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔ میں نے ایسے مجرم کم دیکھے ہیں۔''

''نک کے لوٹ جانے کے بعد اس کی توجہ دوسری طرف مبذول ہوجائے گی۔ وہ دہشت گردی پر تلا ہوا ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''مندر میں آگ لگنے کا واقعہ معمولی نہیں تھا۔ ایسے کسی نئے واقعے کے سدباب کے لیے پوری شہری انتظامیہ کے ساتھ وفاقی ادارے بھی حرکت میں آئے ہوئے ہیں۔ سوبھراج ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ کہیں بھی اس کی جھلک نظر آگئی تو پھر وہیں ڈیرے ڈال دیے جائیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ وہ اب زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔''

''نک کی نگرانی ہورہی ہوتی تو اس پر حملہ کرنے والا ہاتھ آسکتا تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''نک غافل نہیں ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے خطرات کا اندازہ ہے اسی وجہ سے اس نے سفر کے لیے بلٹ پروف گاڑی کا انتخاب کیا۔ اس تازہ ترین واقعے کے بعد وہ اور زیادہ محتاط ہوجائے گا۔''

ہم دونوں کے ذہن بہت زیادہ الجھے ہوئے تھے۔ ہماری گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکی۔

وہ اس وقت سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں تھا۔ اس گاڑی کا زیادہ دیر تک ہمارے گھر کے سامنے موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے مجھے گھر پر اتارا اور ہاتھ لہرا کر تیزی سے آگے نکلتا چلا گیا۔

گھر پر اول خان بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کررہا تھا۔

''میٹنگ کا کیا رہا؟ نک بھی وہاں آیا ہوا تھا؟'' میری صورت دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ دو سوال داغ دیے۔

میں نے دل ہی دل میں اس کے تجسس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی کہ وہ مضطربانہ انداز میں دوبارہ بول پڑا۔

''اس نے اپنی گاڑی پر ہونے والی بے آواز فائرنگ کا ذکر کیا تھا؟''

اول خان کی زبان سے وہ تذکرہ سن کر میں چونک پڑا۔ وہ شہر میں رونما ہونے والا تازہ ترین اہم واقعہ تھا۔ گولیوں سے بچ کر نک سیدھا اپنے قونصل خانے میں پہنچا تھا۔ واردات کی کہیں کوئی رپورٹ درج کرانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ سوال یہ تھا کہ پھر اول خان کو آن واحد میں وہ خبر کہاں سے مل گئی۔

''اس بارے میں تمہیں کہاں سے اطلاع ملی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''کل کی گفتگو کے بعد میں نے اپنے ایک آدمی کو رابن ہائٹس نامی عمارت کی نگرانی پر مامور کردیا تھا۔ آج کل ٹام اور نک اسی کے ایک فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے نک کی گاڑی رابن ہائٹس کے احاطے سے جونہی باہر نکلی، نکڑ سے ایک شخص نے تاک کر اس پر دو فائر کیے۔ گاڑی بلٹ پروف تھی۔ گولیاں لگتے ہی وہ بہت تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔'' اول خان نے بتایا۔

''گڈ!'' وہ خوش خبری سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا ''تمہارے آدمی نے نک کا پیچھا کیا ہوگا۔''

''نک بچ کر نکل گیا۔ اس وقت حملہ آور زیادہ اہم تھا۔ فائرنگ کرتے ہی وہ اپنی کار میں وہاں سے فرار ہوا تھا۔'' اول خان پُرجوش لہجے میں بتا رہا تھا ''میرے آدمی نے موٹر سائیکل پر اس کا پیچھا کیا اور ڈیفنس کی ایک گلی میں اسے روکنے میں کامیاب ہوگیا۔ مزاحمت کے دوران میں اس کا داہنا بازو ٹوٹا ہے۔ اب تک وہ بے ہوش کرکے اسٹیشن فور میں پہنچایا جاچکا ہوگا۔''

''تم نے اور تمہارے آدمی نے غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔'' میں نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ نیا قیدی ہمیں سوبھراج کی کمین گاہ کا کوئی سراغ بتا سکے۔ وہ سیٹ لائٹ فون کے ذریعے بھی گرفت میں نہیں آسکتا۔''

''کوشش کرلینے میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھے قیدی سے زیادہ توقع نہیں ہے کہ وہ سوبھراج کے ٹھکانے کے بارے میں کچھ بتا سکے گا۔''

اجلاس کے بارے میں جان کر ان سب کو مایوسی ہوئی کیونکہ ہماری طرف سے وہاں وہی فیصلہ سنایا گیا جس پر پہلے سے اتفاق رائے ہوچکا تھا۔ کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔

''تم کو یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے لیکن تم نے ہمیں نک پر ہونے والے حملے اور قاتل کے پکڑے جانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اہم باتوں کا سلسلہ ختم ہوجانے کے بعد ویرا نے اول خان سے شکوہ کیا۔

''مجھے ڈینی کی واپسی کا انتظار تھا!'' اول خان نے ہنس کر کہا۔

''یہ مجھے بھی معلوم ہے۔ کیا تم ہم میں سے کسی کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اسے کوئی بات بتائی جائے!'' ویرا کے لہجے

میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اسے میری ذہنی اپچ کہہ لو۔ میں ڈینی کے آ جانے کے بعد ایک ہی مرتبہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس واقعے کے بعد نک کی کیا کیفیت تھی اور وہ اجلاس میں پہنچایا کہیں رہ گیا۔''

''یہ بلاوجہ کی باتیں ہیں۔ قونصل خانے میں اس کا دفتر ہے۔ وہ وہیں بیٹھتا ہے مگر اجلاس میں اس کی شرکت کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ جلال نے رات کو صرف یہ بتایا تھا کہ ڈی آئی جی نے باہمی تعاون کے مسئلے پر کسی افسر سے ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہاں ڈینی اور جلال کا جانا بھی ضروری نہیں تھا۔ وہ ڈی آئی جی اور گیری کی ون ٹو ون ملاقات تھی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی، معاف کر دو!'' اول خان نے خلوصِ دل سے اپنی غلطی تسلیم کرکے ہنستے ہوئے معافی مانگ لی۔

چائے کی ایک پیالی ختم ہونے تک ہم باتیں کرتے رہے۔ گیری اور جیک کے محکموں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی میری طرح دوسروں کے لیے بھی تشویش کا باعث تھی لیکن ہم اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ٹھوس حقائق تھے جن کا سامنا کرنا ہی تھا۔

''ابھی تک تمہاری نئی گرل فرینڈ کا کوئی پیغام نہیں آیا!'' اچانک ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا ''وہ کہاں سو رہی ہے؟''

''کس کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''شیبا کے علاوہ تم نے کسی اور سے بھی نئی دوستی کی ہے؟''

''لاحول ولاقوۃ!'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا ''تم بلاوجہ اسے ایک اعزاز دے رہی ہو۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے نزدیک اس کی حیثیت ایک ٹاؤٹ سے زیادہ نہیں ہے۔''

''حیثیت کچھ بھی ہو۔ اس کا فون کیوں نہیں آیا؟''

''سوبھراج یا سنیل کے بارے میں اس کے پاس کوئی خبر ہوگی تو وہ مجھے ضرور فون کرے گی۔ مجھے اس سے بے مقصد فون کی توقع نہیں ہے۔''

''آوارہ مزاج والی عورتیں وجیہہ مردوں سے کبھی مایوس نہیں ہوتیں۔ ان پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں جاری رکھتی ہیں۔''

''تم ڈینی کو وجیہہ سمجھتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس بارے میں شیبا تمہاری ہم خیال نہ ہو۔'' سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

ویرا نے پلٹ کر پھاڑ کھانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا ''میری زبان سے ڈینی کی تعریف سن کر تم کیوں مرچیں چبا رہے ہو۔''

''بلاوجہ لڑنے کی ضرورت نہیں۔ بات شیبا تک محدود رکھو۔'' اول خان نے ناصحانہ انداز میں ان دونوں کو ہلکی سی تادیب کی پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا ''یہ ممکن نہیں ہے کہ راج محل چھوڑنے کے بعد سنیل نے اپنی بیوی سے رابطہ نہ کیا ہو۔''

''شیبا کو وہ شاید اہمیت نہیں دیتا۔ بیوی سے ذرا بھی مخلص ہوتا تو اسے اتنی آسانی سے سوبھراج کی گود میں نہ ڈالتا۔ وہ ضرورت کے بغیر شاید کسی سے کوئی رابطہ نہ کرے۔ اس وقت وہ دونوں رازداری کی اہمیت کو سمجھ رہے ہوں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''وہ جانتے ہیں کہ ان کی جانوں کو سخت خطرہ لاحق ہے۔''

''چاہیں تو آپ شیبا سے بات کر لیں۔'' غزالہ نے پیشکش کی۔

''اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔'' میں نے کہا ''اپنے شوہر کو سوبھراج کے چنگل سے نکالنے کے لیے وہ مجھ سے ضرور رابطہ کرے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس کی کال کا انتظار کیا جائے۔''

اسے میں نے اپنا موبائل فون نمبر دیا ہوا تھا جو ان دنوں میرے ساتھ رہتا تھا۔ میں ان تینوں کو خدا حافظ کہہ کر اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گیا۔

''راج محل میں لگنے والی آگ اس قدر بھیانک تھی کہ عمارت میں سب کچھ جل کر خاک ہو گیا۔'' راستے میں جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''آگ اتنی شدید تھی کہ دھات کی بنی ہوئی بعض چیزیں پگھل کر بہہ گئیں۔ آہنی اشیاء یوں تڑ مڑ کر رہ گئی ہیں جیسے کسی دیوزاد وحشی نے ان پر زور آزمائی کی ہو۔''

''چشم دید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم ادھر گئے تھے۔''

''مجھے شبہ تھا کہ اس واقعے کی رپورٹنگ میں مبالغے سے کام لیا جا رہا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ تلاش کر لینے کی امید میں وہاں گیا تھا مگر مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آگ کی تپش سے کنکریٹ پھٹ جانے کے سبب سے عمارت کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے۔''

''راج محل کو آگ لگا کر اس نے اپنے خلاف موجود ہر ثبوت کو ضائع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب جو کچھ ہے، اس کے سینے میں دفن ہے۔''

''اگر وہ بھی کہیں مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا تو بے شمار باتیں

ہمیشہ کے لیے تشنہ رہ جائیں گی۔ اسے زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔''
وہ اول خان کی ایک نیک آرزو تھی۔ میں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔
اسٹیشن فور میں اول خان نے اپنی گاڑی اسی بیرک کے قریب لے جا کر روکی جس کے ایک کمرے میں زخمی قیدی کو رکھا گیا تھا۔
کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل تھا اور باہر ایک مسلح گارڈ موجود تھا۔ اول خان کو دیکھتے ہی اس نے کمرے کا تالا کھول دیا۔
وہ کمرا کشادہ ضرور تھا لیکن وہاں فرش پر ایک گدے کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ قیدی اسی گدے پر لیٹا ہوا تھا۔
اس کے داہنے بازو کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر تازہ اور گیلا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ بائیں کلائی میں پڑی ہوئی ہتھکڑی بیڑیوں سے منسلک تھی۔ مجموعی طور پر وہ اس حالت میں تھا کہ نقل و حرکت ممکن نہیں تھی۔
جسمانی طور پر وہ صحت منداور توانا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے مہرے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی پیشہ ور قاتل ہوگا۔
''تم لوگ کون ہو؟ تم نے مجھے یہاں کیوں بند کیا ہوا ہے۔'' ہم دونوں کے اندر پہنچنے کے بعد اس نے بگڑی ہوئی آواز میں پوچھا۔
''ہم خدائی فوج دار ہیں۔'' میں نے جارحانہ تیوروں کے ساتھ اسے گھورتے ہوئے جواب دیا ''ابھی تک تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوا کہ تمہارا کیا قصور ہے۔''
''میں نے کچھ نہیں کیا۔ میری چلائی ہوئی گولیوں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔'' اس نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔
''نقصان پہنچنا بعد کی بات ہے۔ تم نے ایک بڑے غیر ملکی افسر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔''
''جرم کی بات پولیس والوں کے منہ سے اچھی لگتی ہے۔ تم لوگ مجھے بلاوجہ دھمکا رہے ہو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔''
وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
''یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم پولیس والوں کے بجائے ہماری پارٹی کے ہاتھ آئے ہو۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ''تم نے شرافت سے ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیے تو میں تمہارا ٹوٹا ہوا بازو کاٹ کر تمہارے جسم سے الگ کر دوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟''
اول خان کے عملے نے شاید اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پلاسٹر چڑھا کر اسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اسے بے ہوش کر کے وہاں لایا گیا تھا۔ اس کی سرخ اور بوجھل آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہوش میں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔
میرے اگلے قدم کے اٹھتے ہی وہ بول پڑا ''شیر دل نام ہے میرا۔''
''تمہیں کس نے نک کے پیچھے لگایا تھا؟'' میں نے دوسرا سوال کیا لیکن اسی لمحے ہماری توجہ دروازے کی طرف مبذول ہو گئی۔
بیرک کے برآمدے کے پختہ فرش پر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ چند ثانیوں میں ایک شخص دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔
وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے رکتے ہی اول خان کو سلیوٹ کیا پھر چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ ''دسس...... سر! یہ بے ہوش تھا۔ اس کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ باز پرس کے لیے ہم اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔''
''یہ ہوش میں آنے کے لیے ہماری آمد کا انتظار کر رہا تھا۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا ''تم آرام کرو۔ اسے میں خود دیکھوں گا۔''
آنے والے کے سلیوٹ اور پھر تخاطب کے انداز نے قیدی کو پریشان کر دیا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہنا شروع کیا ''مم...... میں اسے نہیں جانتا۔ وہ فون پر مجھے کام بتاتا ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو اس کے بتائے ہوئے کام پر لگا دیتا ہوں۔ کل رات اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ نک کا کام مجھے تمام کرنا ہے۔ میں رات کے دو بجے سے وہاں پہنچا ہوا تھا۔''
وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ نووارد کی مداخلت سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پوری طرح ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ اس کے لیے گلوخلاصی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں کئی ممکنہ سوال کے جواب دے ڈالے۔
''کیا تم نک کو پہلے سے جانتے تھے؟'' اول خان نے درشت لہجے میں پوچھا۔
''ہاں!'' اس نے اپنے سر کی جنبش سے کہا ''میں نے ایک مرتبہ نک کے گھر سے مال لے کر ایک ہوٹل میں پہنچایا تھا۔''
''کیسا مال تھا وہ؟'' اول خان نے کڑک کر سوال کیا ''کس کو پہنچایا تھا تم نے؟''
ہم میں سے کسی کے ہاتھ لگائے بغیر اس کے سارے کس

بل نکل چکے تھے۔ وہ جلدی سے بولا ''وہ بند کارٹن تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔ نک سے لے کر میں نے وہ بھاری ڈبا ایک ہوٹل کے منیجر کو پہنچایا تھا۔''
شیر دل کے ان الفاظ پر اول خان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کے جواب نے قدرے پرانے قصے کی گمشدہ کڑیاں یکجا کر دی تھیں۔
''اسی طرح بولتے رہو گے تو فائدے میں رہو گے۔'' اس بار میں نے نرمی سے کہا ''اڑنے کی کوشش کرو گے تو بری طرح مار کھاؤ گے۔ یہاں دور دور تک کوئی تمہاری چیخیں نہیں سنے گا۔ ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ یہ تمہارے لیے زندگی اور موت کا سب سے کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے نتیجے کا انحصار تمہاری زبان پر ہے۔''
وہ کچھ نہیں بولا۔ میلے گدے پر پڑا، خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔
''ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟'' سوچنے کے لیے اسے چند لمحوں کا وقفہ دے کر میں نے سوال کیا۔
''میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ میں اسے نہیں جانتا۔'' اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا ''وہ ہمیشہ مجھے فون پر ہدایات دیتا ہے۔ میں اسے اس کی آواز سے پہچانتا ہوں۔ وہ اپنے لیے کوبرا کا لقب استعمال کرتا ہے۔''
''تم کو اپنے کام کا معاوضہ ملتا ہوگا۔ تم اس کے لیے مفت میں کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ پیسے کے لیے تم ہر کام کر سکتے ہو۔''
''ہاں...... وہ ہر کام کے لیے معقول رقم دیتا ہے۔''
''رقم فون کے ذریعے نہیں دی جا سکتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے ضرور ملتا ہوگا۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔''
''میں کسی کو نہیں جانتا۔ مجھے اچانک فون پر ہدایت ملتی ہے کہ فلاں جگہ جا کر نیلے رنگ کی تھیلی یا براؤن رنگ کا لفافہ اٹھا لوں۔ میں وہاں جاتا ہوں اور بتائی ہوئی تھیلی یا لفافے میں بڑی مالیت کے نئے نوٹ موجود ہوتے ہیں۔''
''کوئی فلمی کہانی سنا رہے ہو!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا۔
''یہ حقیقت ہے۔ وہ ہمیشہ کسی سنسان مقام کا انتخاب کرتا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ اس نے مجھے کہیں پہنچنے کی ہدایت کی ہو اور مجھے وہاں سے رقم نہ ملی ہو۔ ہو سکتا کہ رقم پہنچانے والا آدمی چھپ کر نگرانی کرتا رہتا ہو اور رقم میرے ہاتھ میں آ جانے کے بعد خاموشی سے واپس لوٹ جاتا ہو۔''
''تم نے کبھی اس آدمی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی!''
''مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ وہ کہہ چکا ہے کہ میں نے کبھی اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو کوئی اور خاموشی سے میری گردن کاٹ دے گا۔ اس سے کام ملتا رہتا ہے اور رقم بھی مل جاتی ہے تو مجھے ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔''
''نک کے قتل کے لیے کیا معاوضہ طے ہوا تھا؟''
''کچھ نہیں۔ کام ہو جانے کے بعد وہ اپنی مرضی سے رقم بھیجتا ہے جو کم نہیں ہوتی۔''
''پھر بھی وہ ایسے کاموں کے لیے کیا دیتا ہے۔''
اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی زبان سے کسی اور قتل کا اعتراف کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔
''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ تم پیشہ ور قاتل ہو......''
''میں قاتل نہیں ہوں۔'' اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی ''وہ مجھ سے دوسرے کام لیتا ہے۔ میں آج پہلی بار کسی کو مارنے کے ارادے سے......''
اس کے الفاظ یکا یک ایک دردناک چیخ میں تحلیل ہو گئے۔ میں نے غصے کی اضطراری رو میں اس کی پسلیوں میں زوردار ٹھوکر رسید کی تھی۔
''صفائی پیش مت کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دو۔'' میں نے کہا۔
''مم...... میرے آدمیوں نے اس کے کہنے پر دو خون کیے تھے۔'' وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے بولا ''دونوں بار اس نے ڈیڑھ لاکھ روپے پہنچائے تھے۔''
قتل اس نے کیے ہوں یا اس کے اشارے پر کسی اور نے انسانی خون بہایا ہو، بات ایک ہی تھی۔ اس تاویل سے شیر دل کی فرد جرم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔
''تم اس سے کیسے رابطہ کرتے ہو؟'' میں نے اگلا سوال پوچھا۔
''میں اس سے رابطہ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے جسم کو یوں سمیٹ رہا تھا جیسے میری لگائی ہوئی ضرب کے نتیجے میں اس کی پسلیوں میں شدید درد ہو رہا ہو۔
''اسے کام ہو جانے کی خبر کیسے دیتے ہو؟''
''اسے کام ہو جانے کی خبر خود بخود مل جاتی ہے اور

معاوضے کے لیے اس کا فون آجاتا ہے۔ مجھے اس کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''تمہاری ناکامی کی صورت میں کیا ہوتا ہے؟''

''آج سے پہلے میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔ میرے آدمی ہمیشہ سرخ رو رہے ہیں۔''

''نک اس کا اہم نشانہ تھا۔ تمہاری اس ناکامی کو وہ برداشت کرلے گا؟''

''میرا قصور نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ بلٹ پروف کار میں سفر کرتا ہے تو میں اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کردیتا۔''

''وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے بھی کام لیتا ہے؟'' میری جرح جاری رہی۔

''ضرور لیتا ہوگا۔ شہر میں کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں جن میں میرے آدمیوں کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔'' اس نے بتایا۔

''اور اس نے تمہیں دھمکی بھی دی تھی کہ تم نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ کسی اور کے ذریعے تمہیں مروا دے گا۔''

''یہ بات میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔''

''اب نک سے لیے ہوئے مال کی طرف آجاؤ۔ اس ڈبے میں کیا تھا؟''

''ڈبا بھاری تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔''

''کوکین...... ہیروئن!'' میں نے امکانات کی طرف اشارہ کیا ''یا پھر بارودی ہتھیار!''

''ہیروئن نہیں تھی۔ ڈبا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس میں ہتھیار نہیں ہوسکتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ٹائم بم وغیرہ رکھا گیا ہو۔ ایسے ہتھیار چھوٹے ہوں تب بھی بیٹری اور دوسرے آلات کی وجہ سے بہت بھاری ہوجاتے ہیں۔''

''وہ ڈبا تم نے ہوٹل کے کس منیجر کو پہنچایا تھا؟''

''اگلے روز وہ اپنے دفتر میں مارا گیا تھا۔ اس کا نام ارجن کمار تھا۔''

ارجن کمار کا نام آتے ہی بات واضح ہوگئی۔ وہ سوبھراج کی سازشوں میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔ شیر دل نے نک سے لے کر اسے وہی ٹائم بم پہنچایا ہوگا جو گوپال راج نامی بلیک کیٹ نے کچھ دنوں پہلے ایمپریس مارکیٹ کے ایک پیشاب خانے میں نصب کرکے اس علاقے میں انسانی خون کی ہولی کھیلنے کی کوشش کی تھی۔

اس روز ہمارے ستارے یاور تھے کہ گوپال کی وہ کوشش بروقت ناکام بنادی گئی ورنہ شہر کے باسیوں کو نہ جانے کتنے جنازے ایک ساتھ اٹھانے پڑتے۔

نک ان سازشوں کا روح رواں تھا۔ وہ سوبھراج کو بربادی کا سامان فراہم کررہا تھا۔ ان کے درمیانی رابطے مقامیوں کے ذریعے استوار تھے۔ اس سازو سامان کو سوبھراج را کے ایجنٹوں کے ذریعے شہر میں استعمال کرتا رہا تھا۔

وہ سب ملک وقوم کے دشمن تھے۔ وہ آپس میں اس طرح مربوط اور منظم تھے کہ ان کے درمیان کہیں بھی حد فاصل قائم کرکے یہ تعین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کون کیا کررہا تھا۔ ان تمام تخریبی رابطوں کی ہر کڑی اپنی جگہ پر بہت اہم تھی۔ اس میں شیر دل کا نام بھی شامل تھا۔

سیتا کانت کو غزالہ نے جہنم واصل کردیا تھا۔ گوپال آئی بی کی تحویل میں تھا۔ شیر دل ہمارے ہاتھ آچکا تھا مگر سوبھراج آزاد تھا اور نک ہمارے لیے شجر ممنوعہ بنا ہوا تھا۔

ہماری حکمتِ عملی کی بنا پر ان دونوں میں ٹھنی ہوئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہورہے تھے۔ میرے دل میں شدت سے آرزو ابھری کہ کاش اس روز شیر دل اپنے مشن میں ناکام نہ ہوا ہوتا۔

وہ نک کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تب بھی اول خان کے مامور کیے ہوئے آدمی کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ نک کی ہلاکت کے بعد شیر دل کی کہانی سامنے آتی تو دنیا بھر کے خفیہ اداروں میں ایک بھونچال آجاتا۔

یہ بات کسی کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی تھی کہ اعلیٰ ترین سطح پر قریبی مراسم رکھنے والے دو سیکرٹ ایجنٹ یکساں مفادات کے لیے کام کرنے کے باوجود ایک دوسرے کے اتنے بڑے دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔

شیر دل نے اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کا نشانہ بے خطا رہا تھا۔ جس کا ذکر میں نک کی زبان سے سن چکا تھا لیکن شیر دل کی کامیابی کا لمحہ بہت سرعت سے گزر گیا تھا۔ اس کی بدنصیبی بلٹ پروف کار کی صورت میں آڑے آگئی تھی۔

''ارجن کے قتل کے بعد تمہیں خیال نہیں آیا کہ تم ایک خطرناک کھیل میں گھسے ہوئے ہو۔'' میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد شیر دل سے پوچھا۔

''اس لائن میں دن رات خطروں سے کھیلنا پڑتا ہے۔ جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔ جب کوئی بات پہلے سے معلوم ہو

تو پھر کسی کے جینے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... خدا کے لیے اب تو مجھے بتادو کہ تم لوگ کون ہو اور میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اول خان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہم دونوں کی اچانک روانگی سے شیر دل دہشت زدہ ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا''مجھے مت مارو...... میں نے کچھ نہیں کیا...... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں......''

وہ سمجھ رہا تھا کہ ہم نے اس کی قسمت کا فیصلہ کر کے وہ کمرا چھوڑا تھا اور کسی بھی لمحے کوئی اور آدمی اندر آ کر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دے گا۔

''تم اس قدر اچانک اور ڈرامائی انداز میں کیوں لوٹ آئے؟'' اول خان نے شیر دل کے شور سے بچنے کے لیے اپنے کانوں پر ہتھیلیاں ٹکا کر مجھ سے پوچھا۔

''وہ وہی سمجھا ہے جو میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا''اپنے آس پاس موت کے قدموں کی آہٹیں سن کر اس کے اوسان ٹھکانے آ جائیں گے اور ہم اس سے بہتر انداز میں سودے بازی کر سکیں گے۔''

''سودے بازی!'' اول خان نے حیرت سے دہرایا ''تم اس سے کس قسم کی سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو۔''

''اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔'' برآمدے میں کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے کہا''اس نے بند کمرے کی دیواروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''

اول خان کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

''تمہارے سادہ پوش آدمیوں کے طور طریقوں کے علاوہ کوئی ایسی بات اس کے سامنے نہیں آئی جس سے وہ ہمارے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکے۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی''میری خواہش ہے کہ تھوڑی سی برین واشنگ کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے۔''

اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ میں نے اس کے دونوں آدمیوں کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے ہاتھ لہراتے ہوئے، وحشت زدہ انداز میں قیدی کے کمرے میں گھسیں اور اسے بری طرح خوف زدہ کر کے لوٹ آئیں۔

''پتا نہیں تم نے اچانک کیا چکر چلانا شروع کر دیا ہے۔'' ان کے چلے جانے کے بعد اول خان تشویش زدہ آواز میں بڑبڑایا۔

''میں اسے اپنی ناکامی کے ازالے کا ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کی کس ناکامی کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''شیر دل آج تک کو موت کے گھاٹ اتارنے کے مشن پر نکلا تھا۔''

''اوہ! تو تم تک کو اس کے ہاتھوں مروانا چاہتے ہو!'' اس کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔ میری بات سمجھ کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

فضا میں شیر دل کی گھگھیائی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو مسلح آدمیوں کے روپ میں اسے اپنی موت سر پر نظر آنے لگی تھی۔

ان دونوں کی بلند آہنگ ڈانٹ پھٹکار کے بعد فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ شیر دل نے کسی خوف زدہ گیدڑ کی طرح چیخنا بند کر دیا تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اول خان کو اپنی تجویز سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں اس کے دونوں آدمی اپنا کام پورا کر کے باہر آ چکے تھے اور داد طلب انداز میں شیر دل والے کمرے کے باہر ٹہل رہے تھے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے بیشتر اہلکار صلے کی تمنا یا کسی ستائش کی پروا کیے بغیر، سر جھکا کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے لیکن اپنی ہیئت میں وہ ایک انسانی فورس تھی جس میں ہر مزاج کے لوگ شامل تھے۔ ان دونوں کی فخریہ چہل قدمی کو ناپسند کرنے کے باوجود میں نے نظر انداز کر دیا۔

ہم دونوں دوبارہ کمرے میں پہنچے تو شیر دل کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا، اس کی آنکھیں متوقع موت کی دہشت سے پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''زندگی اور موت...... تم ان میں سے کیا چاہتے ہو؟'' میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی سے اسے گھورتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

''میرے سامنے موت کا نام نہ لو۔ ابھی میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔'' وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے، سہمی ہوئی آواز میں بولا''ابھی میری بیوی جوان ہے اور میرے دونوں بچے بہت چھوٹے ہیں، وہ اس عمر میں تمہارے ہاتھوں یتیم ہو گئے تو آگے چل کر مجھ سے بڑے مجرم بنیں گے...... مم...... میں انہیں پڑھا لکھا کر اچھا شہری بنانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی مجرمانہ زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔ مجھ پر

نہیں تو میرے بیوی بچوں پر رحم کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب کسی جرم کے قریب نہیں پھٹکوں گا......''

''تم ایک سانس میں اتنی باتیں کہہ گئے ہو جو تم جیسے آدمی پوری عمر گزار کر بھی نہیں سوچتے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ انقلاب کیسے آ گیا۔''

''اس وقت میں نے موت کے قدموں کی آہٹ سنی ہے اور میں اندر سے لرز کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز واقعی کانپ رہی تھی۔

''ہم اتنے اچھے آدمی نہیں ہیں کہ تم جیسوں کی اصلاح کرتے پھریں۔ تمہیں پکڑا نہیں گیا بلکہ کام کا آدمی سمجھ کر یہاں لایا گیا ہے۔ یہ تمہاری غلطی تھی کہ مزاحمت کی وجہ سے تمہارے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔''

اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ''میرے ساتھ ایسا بے رحمانہ مذاق مت کرو!''

''مذاق نہیں یہ حقیقت ہے۔ ہمارا آدمی بھی وہاں نک کی گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ نک بلٹ پروف کار میں نکلے گا۔ وہ خاموشی سے نک کا پیچھا کرتا اور وہ جہاں بھی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا، اس کے بھیجے میں گولی اتر جاتی۔ تم نے اس پر بے مقصد گولیاں چلا کر ہوشیار کر دیا۔ اب اسے مارنا مشکل ہو گیا ہے۔''

''دلل...... لیکن تم تو کوبرا کے دشمن معلوم ہوتے ہو۔ تم نک کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔''

''کیا کوبرا نے تمہیں نک کو مارنے کا مقصد بتایا تھا؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''نہیں!''

''پھر مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو۔ تم کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ یہ باتیں دس جنم لینے کے بعد بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔''

''اب میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔'' وہ عاجزی سے گڑگڑایا ''تم مجھے کوئی کام دو گے تو میں اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''بازو کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد تمہارے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ اب نک پر حملہ کر سکو۔''

''تم کام بتاؤ۔ میرے پاس آدمی ہیں۔ میرے ایک اشارے پر وہ اپنی جانیں لڑا دیں گے۔'' وہ ذرا سی حوصلہ افزائی پر دوبارہ اپنی پرانی ڈگر پر آ گیا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ چند منٹ پہلے وہ اپنے بچوں کی یتیمی کی دہائی دے کر مجھ سے تائب ہونے کے بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔

''حیرت ہے کہ نک کا نام سن لینے کے باوجود تم بار بار کام جاننے کی خواہش کر رہے ہو۔ اس وقت وہی سب سے اہم کام ہے جسے جلد از جلد تمام ہو جانا چاہیے۔''

''یع...... یعنی تم مجھے چھوڑ دو گے!'' مسرت سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''تم معذور ہو۔ خود کچھ نہیں کر سکتے۔ یہاں سے اپنے آدمیوں کو فون پر ہدایات دو۔ وہ اپنا کام پورا کر لیں گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔'' میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

''ان لوگوں میں پہنچے بغیر میں اتنے بڑے کام کی ذمے داری نہیں لے سکتا۔ آج کے حملے کے بعد وہ بہت زیادہ ہوشیار ہو چکا ہوگا۔''

''تم اخبار پڑھتے ہو؟'' اچانک میں اس سے سوال کر بیٹھا۔

وہ حیرانی سے میرا منہ تکتے ہوئے بولا ''اخبار پڑھنا ہماری مجبوری ہے۔ جو ساتھی پڑھنا نہیں جانتے، وہ دوسروں سے خبریں سنتے ہیں۔ اخباروں سے پتا چلتا ہے کہ پولیس کدھر جا رہی ہے اور شہر میں کیا ہو رہا ہے۔''

''آج تم نے سوبھراج کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہوگا۔''

''کل زیادہ خبریں آئی تھیں۔ آج صبح سے میں کام پر تھا، اخبار نہیں پڑھ سکا۔'' اس کے لیے سوبھراج کے نام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

''کوبرا کے نام سے وہی کام کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس جیسے مشہور، دولت مند اور عزت دار آدمی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''نک اسے بلیک میل کر رہا تھا اسی لیے وہ اسے مروانا چاہتا ہے۔''

''کوبرا والی بات ابھی اخبار میں نہیں آئی ہے۔ ایک آدھ دن میں یہ بھی آ جائے گی۔'' شیر دل کو خاموش پا کر میں نے دوبارہ اپنی بات شروع کر دی ''ہمیں سوبھراج کی بہت سی ایسی باتیں معلوم ہیں جو اب بھی کسی کے علم میں نہیں ہیں۔ نک راستے سے ہٹ جائے گا تو ہم سوبھراج یا کوبرا سے اپنا حصہ وصول کر لیں گے۔''

''وہ ہماری برادری سے ابھر کر سیاست میں آیا تھا۔

اسے عزت کی زندگی زیادہ راس نہیں آئی۔ سنا تھا کہ کل اس نے اپنے محل کو بھی آگ لگا دی۔'' تحفظ کی امید بندھ جانے کے بعد اس کی گفتگو میں اعتماد جھلکنے لگا تھا۔

''وہ پاگل ہوگیا ہے۔ پیسے کی کثرت نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس کی جیبیں ہلکی ہوں گی تو وہ اپنی عقل استعمال کرنی شروع کرے گا۔''

''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری آزادی کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''سوبھراج، کوبرا بن کر تم سے کام لے سکتا ہے تو تم فون پر اپنے آدمیوں سے فون پر کام کیوں نہیں لے سکتے؟''

''روز چہرے بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی حوالات میں چلا جاتا ہے، کوئی پولیس سے چھپتا پھر رہا ہوتا ہے۔ کسی کو مال مل جاتا ہے تو وہ شراب اور عورت کو لے کر کہیں پڑ جاتا ہے۔ ہم ساتھ رہ کر کام کرتے ہیں۔ ان باتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ میرے فون سے انہیں شبہ ہوجائے گا۔''

''رہا ہونے کے بعد تم اپنے وعدے سے پھر سکتے ہو۔''

''وعدے سے پھروں تو میری گردن کٹوا دینا۔''

''یہاں سے جانے کے بعد تم کو اس کام میں کتنا وقت لگے گا؟''

''اس کی زندگی پوری ہو چکی ہے تو ذرا سی دیر نہیں ہوگی۔ سوبھراج نے مجھے نک کا کام دیا تھا۔ وقت طے نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھے گا کہ میں نے اسی کے کہنے پر نک کو مارا ہے۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ تم نے بھی مجھے اسی کام پر لگایا ہے تاکہ مجھے کوبرا سے رقم مل جائے۔ کام ہوجانے پر وہ اس بار ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہی دے گا۔''

''تم آرام کرو۔ ہم سوچتے ہیں کہ تم پر کتنا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔''

''میری زبان پر یقین کرو۔ میں تمہیں دغا نہیں دوں گا۔'' میرے تذبذب کا اندازہ ہوتے ہی اس کی زبان تیزی سے چل پڑی ''تم سے وعدہ خلافی کروں تو میں اپنے باپ کی اولاد نہیں۔ میرے منہ پر پیشاب کر دینا۔''

''نئے آدمی کے مقابلے میں تم بہتر ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی ''تم نے نک کے ساتھ اس کا گھر بھی دیکھا ہوا ہے۔ تم آسانی سے اس تک پہنچ سکتے ہو۔''

''مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس کی گاڑی بلٹ پروف ہے تو میں اس کے گھر میں گھس کر اس کا کام نمٹاتا۔ ایک غلطی ہوگئی۔ اب میں اسے نہیں دہراؤں گا۔''

ہمارے باہر نکلتے نکلتے اس نے اپنی بات پوری کر ڈالی۔

اول خان کا دفتر اس بیرک سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم پیدل دفتر کی طرف چل دیئے۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم شیر دل کے ساتھ بہت سنگ دلی سے کھیل رہے ہو۔'' راستے میں اول خان نے کہا ''اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''وہ موت کا مستحق ہے مگر میں نک سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے آزاد کروں گا۔''

''یہ بات تم مجھے سمجھا چکے ہو لیکن مجھے اب بھی معاملہ الجھا ہوا نظر آرہا ہے۔ رابن ہائٹس میں سکیورٹی کا نظام بہت مضبوط ہے۔ کوئی بھی آسانی سے وہاں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ محض تحفظ کی وجہ سے بہت سے آسودہ حال گھرانے اپنے بڑے گھر چھوڑ کر ایسے فلیٹوں میں منتقل ہورہے ہیں جہاں اغوا، چوری اور ڈکیتی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔''

''آخر میں وہ نک کے فلیٹ میں گھسنے کی بات کر رہا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اس وقت وہ ہماری قید سے چھٹکارا پانے کے لیے آسمان میں تھگلی لگانے کا دعویٰ بھی کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کی تجویز کتنی قابلِ عمل ہے۔''

میں نک کی قیمت پر ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ شیر دل ہماری قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوتا۔ اس سے صورت حال پر کوئی فرق نہ پڑتا۔

ہم شیر دل کو قید رکھتے یا اس کے سنگین جرائم کی پاداش میں مار دیتے تب بھی نک پاکستان سے زندہ و سلامت واپس لوٹنے میں کامیاب ہوجاتا۔ دونوں صورتوں میں اصل مسئلہ جوں کا توں رہتا۔ سارا فرق شیر دل کی قید یا آزادی کا تھا۔

میری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی جبکہ اول خان کے ذہن میں کئی تحفظات موجود تھے۔ وہ شیر دل کی آزادی کو نقصان تصور کر رہا تھا۔

دفتر میں اپنی میز پر موجود کاغذات اور فائلوں کو نمٹاتے ہوئے وہ میرے ساتھ اسی بحث میں مشغول رہا۔

میں بہت مشکل سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھانے میں کامیاب ہوسکا کہ شیر دل، سوبھراج سے براہِ راست

رابطہ رکھنے والا آدمی تھا۔ اسے بساط پر آزاد چھوڑ کر ہم سوبھراج تک رسائی کی ایک نئی راہ پیدا کر سکتے تھے۔

اس دوران میں مجھے نک کی دی ہوئی بی گن یاد آ گئی۔ اس نے اجلاس کے دوران مجھ سے اپنے خفیہ مذاکرات کے حوالے سے کوئی بات کی تھی نہ اپنی گن کی واپسی کا سوال اٹھایا تھا مگر اس بارے میں مجھے اس کی بے چینی کا اندازہ تھا۔

میرے استفسار پر اول خان نے بتایا کہ پہلے سے دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں اس کا ایک آدمی اس گن کا سربمہر لفافہ نک کے نام تیار کر کے دس بجے قونصل خانے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے حساب سے اسے اپنا کام پورا کر کے کچھ دیر بعد اسٹیشن فور لوٹ آنا چاہیے تھا۔ دفتر سے نکلنے سے پہلے خبر ملی کہ وہ لفافہ منزل پر پہنچا کر لوٹ آیا تھا۔

میں کرنل داور کے روپ میں ایس ٹی ایف کا افسر تھا اس لیے اس کام کی غرض سے اول خان کے عملے کے کسی آدمی کا استعمال مصلحت کے خلاف نہیں تھا۔

اس نے اپنے طور پر نک کی نگرانی کا جو بندوبست کیا تھا اس کا ثمر شیر دل کی صورت میں ہمارے ہاتھ آ چکا تھا۔ اس واقعے کے بعد نگرانی کا سلسلہ ازخود منقطع ہو گیا تھا اور یہ بہتر ہی رہا تھا۔ نک کو اس بارے میں کوئی شبہ ہو جاتا تو وہ ایسی غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار کر سکتا تھا جن کے روبہ عمل آنے کی صورت میں اس تک رسائی ناممکن ہو کر رہ جاتی۔

اسٹیشن فور سے روانگی سے پہلے ہم دونوں ایک مرتبہ پھر شیر دل کے کمرے میں پہنچے تو وہ امید وبیم کی حالت میں ہمارا منتظر تھا۔

''میرے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' ہمیں دیکھ کر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''اس وقت میں بے یقینی کی اذیت ناک حالت میں مبتلا ہوں۔''

''تمہیں تنہائی میں سکون سے سوچنے کا موقع مل گیا ہے۔ اب میں تمہارے متوقع پلان کی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''میرا سکون غارت ہو چکا ہے۔ میں خود کو پھانسی گھاٹ پر محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ میرے پیروں کے نیچے سے تختہ نکل جائے گا یا میری گردن سے پھندا نکال لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں، میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوں۔''

''تم اس کے فلیٹ میں گھسنے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔ رابن ہائٹس میں کسی مکین کی اجازت کے بغیر تمہیں عمارت میں داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔''

وہ ایک عادی مجرم تھا۔ جرم کے بارے میں شاید سوتے ہوئے بھی اس کا ذہن کام کرتا رہتا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا ''یہ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میں ٹیلی فون کیبل کو کہیں سے کاٹ کر لائنوں کی مرمت کے بہانے وہاں جا سکتا ہوں۔ کوئی مجھے نہیں روکے گا۔''

اس کی وہ برجستہ تجویز واقعی بہت آسان اور قابل عمل تھی۔ ذہنی انتشار کے عالم میں وہ اتنا آسان نسخہ تجویز کر سکتا تھا تو یکسوئی کی حالت میں اس کی کامیابی پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے تائید طلب نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا تو وہ براہِ راست شیر دل سے مخاطب ہو گیا ''تمہاری یہ ترکیب بہت عامیانہ ہے۔ اس کا کوئی متبادل بھی ہے؟''

''پھر پندرہ بیس ہزار روپے خرچ کرنا ہوں گے۔'' اس بار بھی شیر دل نے بلاتوقف جواب دیا تھا ''بازار سے ایک نیا ریفریجریٹر خرید کر کرائے کی گاڑی میں وہاں پہنچ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آٹھ نمبر والوں کے لیے کسی کمپنی کے ایما پر مفت انعامی فرج لایا ہوں۔ مفت کے انعام سے کوئی انکار نہیں کرے گا۔ ہلچل مچ جائے گی۔ نک سات نمبر میں رہتا ہے۔ جتنی دیر میں مزدور گاڑی سے فریج اتاریں گے، میں سات نمبر میں اپنا کام کر لوں گا۔''

میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا ''تم نکل بھاگو گے۔ کرائے کی گاڑی کے ڈرائیور اور اس کے مزدوروں کا کیا بنے گا۔''

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ایک آدھ رات حوالات میں گزارنے کے بعد انہیں آزادی مل جائے گی۔ یہ میرا نہیں، ان کا مسئلہ ہوگا۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' میں نے اسے گھور کر سختی سے کہا ''ٹیلی فون کیبل کاٹنے والی بے ضرر تجویز زیادہ بہتر ہے۔''

''تو تم نے مجھے آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔

''تم جس طرح لائے گئے تھے، کچھ دیر بعد اسی طرح واپس بھجوا دیے جاؤ گے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ اس ملاقات کا تم کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔''

''کاش میرے ہاتھ پیر آزاد ہوتے اور بازو نہ ٹوٹا ہوا ہوتا تو میں تم دونوں کے ہاتھ پیر چوم لیتا۔'' اس کی آواز

دفورِ جذبات سے بھرّا گئی۔ ”تم نے مجھے نئی زندگی کی نوید سنائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔“

میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں واپس لوٹتے لوٹتے، ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔ اس کی فی البدیہہ تجاویز کے سحر میں گرفتار ہو کر میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ سب کام اس کی بساط سے باہر تھے۔ اپنے ٹوٹے ہوئے بازو کی وجہ سے وہ ہلنے جلنے سے بھی معذور تھا لیکن دعوے یوں کر رہا تھا جیسے نک جیسے شاطر حریف کو ٹھکانے لگانا اس کے بائیں ہاتھ کی بات ہو۔

”تم ہل جل بھی نہیں سکتے۔ رابن ہائٹس میں اپنی شعبدے بازیاں کیسے دکھاؤ گے۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا ”ہمیں چکر کیوں دے رہے ہو۔“

”میں چکر نہیں دے رہا۔“ اس نے عجلت سے جواب دیا ”میری حالت تمہارے سامنے ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی میں آگ سی بھری ہوئی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ کام میں کروں گا۔ میں سے مراد وہ چاق و چوبند آدمی ہے جسے میں اس کام پر لگاؤں گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ کام وہ کرے گا۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔“

اس کی وضاحت سے مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں نے جرائم پیشہ لوگوں کی زیرِ زمین دنیا میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ میرا تجربہ مجھے بتا رہا تھا کہ شیر دل جان بوجھ کر وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ حالات اس کے آدمی کی گرفت سے نکل جاتے تو اور بات تھی۔

شیر دل، سوبھراج کی طرح کوئی روپوش مجرم نہیں تھا۔ اول خان کے آدمی اس کے نام کے حوالے سے کسی بھی وقت اس تک رسائی حاصل کر سکتے تھے لیکن پھر بھی ہمارے لیے ضروری تھا کہ اس کے تمام رابطوں سے آگاہ رہتے۔

اسے نک کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کی اہمیت میں یکایک اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کو سونپے جانے والے کام کی تازہ ترین صورتِ احوال سے واقفیت کے لیے مجھے کسی بھی وقت اس سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔

وہ خود کسی مہم جوئی میں عملی حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ اسے گھر یا اپنے کسی اڈے پر بیٹھ کر اپنے کسی آدمی کو میدان میں اتارنا تھا اس وجہ سے وہ ہر وقت میرے رابطے میں آ سکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے بلا تامل مجھے اپنے ٹھکانوں کے پتے اور فون نمبر وغیرہ بتا دیے جو اول خان نے اپنی جیبی ڈائری کے ورق پر نوٹ کر لیے۔

”اور اب مجھے ایک اہم سوال کا جواب درکار ہے۔“ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر، جانے سے پہلے آخری بات چھیڑی۔

آزادی کی امید ہو جانے کے بعد شیر دل کا رویہ بہت سعادت مندانہ ہو چکا تھا۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

”کوبرا نے تم کو ذاتی طور پر نک کے پیچھے جانے کے لیے کہا تھا۔ کیونکہ تم اسے پہچانتے تھے۔ اب ایک نئے آدمی سے کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے شکار کی شناخت میں کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا؟“

”میں ہمیشہ کوبرا کی خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، میں کوئی چوں و چرا کیے بغیر اس پر عمل کر گزرتا ہوں۔ کراچی میں کسی سفید فام غیر ملکی کی شناخت زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں نے اس پر گھر سے باہر گولیاں چلائی تھیں۔ میرے پاس شناخت کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس وقت غلطی ہو سکتی تھی۔ میرا آدمی اس کے گھر میں جا کر اپنی کارروائی کرے گا۔ اس سے غلطی ہونے کا امکان نہیں ہے۔ وہ رابن ہائٹس کے سات نمبر فلیٹ میں جائے گا تو وہاں اسے نک ہی ملے گا۔“

”اس بھول میں نہ رہنا۔ وہاں اس کے ساتھ ٹام بھی رہتا ہے۔“

”میں نک کے خدوخال اس کے ذہن میں بٹھا دوں گا۔ تم بلاوجہ فکرمند ہو رہے ہو۔ دو میں سے ایک آدمی کی شناخت میں مشکل نہیں ہوگی۔“

اپنی حد تک وہ ہر یقین دہانی کرانے پر تلا ہوا تھا لیکن میرا ذہن اس منصوبے کی عملی کمزوریوں میں الجھا ہوا تھا۔

”یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارا آدمی وہاں پہنچے تو فلیٹ میں نک سرے سے موجود نہ ہو۔ اس کا سامنا صرف ٹام سے ہو۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے گا۔“

اس بار شیر دل میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا ”فون لائنوں کی مرمت کے لیے اسے دیر تک عمارت میں رکنا پڑے گا۔ وہ باہر آ کر نک کے پہنچنے کا انتظار کر لے گا......“

”اس حماقت کی ضرورت نہیں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”وہ دونوں خود کو درپیش خطرات سے پوری طرح واقف ہیں۔ تمہارے آدمی کو بار بار ان کے فلیٹ میں

گھسنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''پھر اسے کیا کرنا ہوگا؟'' شیر دل کی آواز میں ہلکی سی مایوسی ابھر آئی۔

''ہمارا اصل نشانہ نک ہے۔ کوبرا بھی اسی کو مردانا چاہتا ہے لیکن ناگزیر مجبوری درپیش ہو تو اسے دوسرے موقع کا رسک لینے کے بجائے ٹام کو ہی اڑا کر پہلی فرصت میں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ یہ نک کے لیے سنگین وارننگ ہوگی۔''

اس کا چہرہ کھل اٹھا ''تم نے کام آسان کر دیا۔ اب کسی بھی قسم کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''یہ کام آج ہو جانا چاہیے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''آج ہی ہوگا۔ میں خوش خبری کے بغیر کوبرا سے بات نہیں کروں گا۔ اس نے بھی مجھے وقت کے بارے میں سخت تاکید کی تھی۔''

''تھوڑی دیر میں تمہیں واپس بھجوا دیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر میں واپسی کے لیے مڑ گیا۔

اس کمرے سے باہر آنے کے بعد اول خان نے برآمدے میں رک کر اپنے آدمیوں کو شیر دل کی واپسی کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''تم نے بہت تفصیل سے شیر دل کی بریفنگ کی ہے لیکن پھر بھی ایک امکان پر سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔'' اسٹیشن فور کی حدود سے نکل کر چھاؤنی کی مرکزی سڑک پر آنے کے بعد اول خان نے لب کشائی کی۔

''اسے میں نے دانستہ چھوڑ دیا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''اس مہم پر سلطان شاہ کو بھیجا جاتا تو میں اسے بہت لمبی بریفنگ دیتا۔ شیر دل کے آدمی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ضرورت سے زیادہ اندیشوں کی نشان دہی ہونے کی صورت میں وہ تذبذب کا شکار ہو سکتا تھا۔ نک کے خلاف یہ آخری موقع ہے۔ اسے بار آور ثابت ہونا چاہیے۔''

''تم کو کیا معلوم کہ میں کس امکان کی بات کر رہا ہوں!''

''صرف ایک بات باقی رہی ہے۔ اگر اس فلیٹ میں شیر دل کے آدمی کو ٹام اور نک کا ایک ساتھ سامنا کرنا پڑا تو کیا ہوگا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن میں نے شیر دل کے سامنے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔ دراصل ایسی خون ریز کارروائیوں کے لیے پہلے سے سب کچھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ اہم ترین فیصلے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر بہت سرعت سے کرنا پڑتے ہیں۔ ساری اہمیت آدمی کے انتخاب کی ہوتی ہے۔ اگر شیر دل نے غلط آدمی چن لیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ آدمی ذہین اور حاضر دماغ ہوا تو ہر صورت حال کو سنبھال لے گا۔''

''وہ دونوں ہوئے تو ان کا پلہ بھاری رہے گا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''تم دونوں فریقوں کی نفسیات کو نظر انداز کر رہے ہو۔ شیر دل کا آدمی ایک جیتے جاگتے انسان کو قتل کرنے کی بھرپور ذہنی اور عملی تیاری کے ساتھ ان کے دروازے پر جائے گا۔ اپنی جانوں کے خوف میں مبتلا ہونے کے باوجود ان دونوں کے ذہن سپاٹ ہوں گے۔ قاتل نے پھرتی سے کام لیا تو وہ ان دونوں کے سنبھلنے سے پہلے اپنا کام کر گزرے گا۔ آگ اگلتے ہوئے بے آواز ریوالور کی نال کی ذرا سی جنبش دونوں کو ٹھنڈا کر سکتی ہے۔''

''یہ بہت بڑا رسک ہے۔ اس کے......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''ہمارا کوئی رسک نہیں ہے۔ سارا رسک سوبھراج کے لیے ہے۔ یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ ایک بڑا فیصلہ ہے۔ اس کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوں گے۔ شیر دل کی آزادی کے ساتھ تمہارے کسی آدمی کو رابن ہائٹس کے قرب و جوار میں موجود رہنا ہوگا تاکہ وہاں رونما ہونے والے کسی بھی واقعے کے بارے میں ہمیں فوری اطلاع مل سکے اور ہم اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ نک پر حملہ کرنے والے کو پکڑ کر ہم کسی اتنی بڑی کارروائی کی داغ بیل ڈال سکیں گے۔ تم نے شیر دل کو آج کا مرکزی کردار بنا دیا ہے۔''

میں نے اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میرا ذہن اس معاملے کے کچھ اور پہلوؤں میں الجھا ہوا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد اس بارے میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اول خان کے کسی آدمی کے بجائے سلطان شاہ کو رابن ہائٹس کی دیکھ بھال کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے فوری رابطے کی سہولت فراہم کرنے کے لیے اول خان نے اپنا موبائل فون پیش کیا جو میں نے شکریے کے ساتھ لے کر سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔

میرے موبائل کا نمبر نک اور سوبھراج کے علاوہ شیبا کے بھی علم میں تھا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی، کسی وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس فون کا ہر وقت میری تحویل میں رہنا ضروری تھا۔

''تم نے سلطان شاہ کے لیے کام نکال لیا ہے تو مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ گھر میں پڑے پڑے میرے بدن کو زنگ لگ رہا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے فرمائش کی۔

''زیتون کے تیل سے اپنے جوڑوں کی مالش کرو۔ سارا زنگ نکل جائے گا۔'' سلطان شاہ نے تمسخرانہ انداز میں تجویز پیش کی۔

''تمہارا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔'' میں نے ویرا کو سمجھایا ''میری کلارک کے روپ میں راج محل جانے کی وجہ سے تمہارا نام سب دشمنوں کے ذہنوں میں تازہ ہو گیا ہے۔ کسی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔''

''اس وقت ہمارے دشمن خوف زدہ ہو کر اپنی کمین گاہوں میں دبکے ہوئے ہیں۔ سوبھراج کو نک کے آدمیوں سے اپنی جان کا خطرہ ہے، نک صبح کے حملے سے ڈرا ہوا ہو گا۔ ہمیں بڑھ کر ان کا سر کچل دینا چاہیے۔''

''سوبھراج کا ٹھکانا معلوم ہے تو اپنا یہ شوق ضرور پورا کر لو۔ نک کے لیے شیر دل کا بندوبست ہو چکا ہے۔ اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہو گا۔'' غزالہ بولی۔

''تم سوبھراج کو فون کیوں نہیں کرتے۔ کچھ تو پتا چلے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''یہ سامنے کی بات ہے کہ وہ شیر دل کو نک کے پیچھے لگا کر نتیجے کا انتظار کر رہا ہے۔ تم اور کیا معلوم کرنا چاہتی ہو!'' میں نے سوال کیا۔

''کیا اسے یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ شیر دل اپنی پہلی کوشش میں ناکام رہا ہے؟''

''مشکل ہے!'' میں نے اسے جواب دیا ''نک کی گاڑی پر بے آواز فائر کیے گئے تھے۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہو گا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ شیر دل ایس ٹی ایف کی تحویل میں ہے۔ نک کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کوئی باضابطہ رپورٹ درج کرائی ہے یا اس واقعے پر خاموشی اختیار کر لی ہے۔''

''سب چھپ کر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جو سامنے آیا وہ بے موت مارا جائے گا۔'' ویرا نے بیزاری سے کہا ''ایسی صبر آزما لڑائیوں سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔ اعصاب تک چٹخنے لگتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے حریفوں کی غلطیوں کا انتظار کرتے رہو۔''

''تم شی والی مار دھاڑ کی عادی ہو اور ہر وقت ایکشن دیکھنا چاہتی ہو۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''آج صبح کے اجلاس میں کسی نے میرے اور سوبھراج کے لیے ہائی پروفائل مجرموں کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ جب مقابلہ چوروں، اُچکوں اور بدمعاشوں سے ہو تو ہر وقت ہاتھ پیر چلتے رہتے ہیں۔ ذہن پر بہت کم زور پڑتا ہے۔ خون خرابا اتنا ہوتا ہے کہ طبیعت مکدر ہونے لگتی ہے۔ جب جرائم کی نوعیت بدلتی ہے اور وہ بین الاقوامی روپ دھار لیتے ہیں تو ہر وقت ذہنی جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ جسمانی ٹوٹ پھوٹ کم رہ جاتی ہے۔ سوبھراج کو مہلت ملی تو وہ تمہارے شوق پورے کرا دے گا۔''

ویرا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے بٹن دبا کر انسٹرومنٹ اپنے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز میرے کانوں میں آئی ''کیا تم مہیش اگروال ہو؟''

آواز میرے لیے اجنبی تھی لیکن سوال سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ شیبا ہی ہو سکتی تھی۔

''میں مہیش ہی ہوں۔'' میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا کھانے کے کمرے کی طرف نکل گیا تاکہ اس سے ذرا آزادی سے بات کر سکوں۔

''سنیل کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔ اس نے گھر کا چکر لگایا نہ اس کا کوئی فون آیا۔ میں اس کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔''

''اس کی غیر حاضری تمہارے لیے نئی بات نہیں ہے۔''

''مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ راج محل میں ہے۔ جب چاہتی، اس سے بات کر لیتی تھی مگر اب تو کچھ پتا ہی نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔''

''اس نے یہ روپوشی خود مول لی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اسے کہاں تلاش کروں۔''

''وہ نہیں مل رہا تو کچھ دیر کے لیے تم میرے پاس آ جاؤ۔ تمہارے آ جانے سے میرے دل کو بہت حوصلہ ملا تھا۔''

''اسے تمہارے پاس کسی کی موجودگی کی بھنک مل گئی تو وہ گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اس وقت وہ بھڑکا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف خطرات ہی خطرات نظر آ رہے ہوں گے۔

حوصلے کے ساتھ اس کی واپسی کا انتظار کرو۔''
''میں تمہارے قریب ہونا چاہتی ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی ہوگئی ''تمہیں چھونا اور محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز! کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزار لو۔''
''جب تک سنیل سامنے نہیں آتا، یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ مجھے اس کے تعاون کی ضرورت تھی اس لیے میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ گھر میں اکیلی رہ کر میں گھٹ جاؤں گی۔''
''شاید تم بہت شدت سے کسی مرد کی ضرورت محسوس کررہی ہو!''
''میں کسی مرد کی نہیں، تمہاری ضرورت محسوس کررہی ہوں۔ میں نے بہت پریشان ہوکر اس وقت تمہیں فون کیا ہے۔ میں اتنی بری تو نہیں ہوں کہ تم مجھے یوں ٹھکرا رہے ہو۔''
''میں تمہیں نہیں ٹھکرا رہا۔ تم موتیوں میں تولے جانے کے قابل ہو، خوب صورت ہو، جوان ہو، اچھی باتیں کرتی ہو۔ سو بھراج بلاوجہ تمہارا دم نہیں بھرتا تھا۔ میں سنیل کے برے وقت سے ڈرا ہوا ہوں۔ حالات سازگار ہوگئے تو تم مجھے اپنے قریب پاؤ گی۔''
میری ان جھوٹی تسلیوں نے اسے کچھ تسکین فراہم کردی۔ میری ان چکنی چپڑی باتوں کے سہارے کچھ اچھا وقت گزار لینے کی امید میں اس نے اپنی وارفتگی کے اظہار کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
''تخلیے میں جا کر کس سے بات کررہے تھے؟'' میرے واپس لوٹتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا۔
''شیبا تھی۔ وہ سنیل کے لیے پریشان تھی۔'' میں نے بتایا۔
''تمہیں بلا رہی ہوگی تاکہ تم اس کے شوہر کی کمی کو پورا کرسکو!'' ویرا نے طنزیہ پیرایے میں تلخی سے کہا۔
''بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرنے لگتی ہو۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔'' اس بار مجھے اپنی مدافعت کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔
ایسے مشکوک معاملات میں ویرا کا قیاس اس قدر صحیح سمت میں کام کرتا تھا کہ وہ بے دھڑک ہوکر اپنے دل میں آئی ہوئی بات کہہ ڈالتی تھی جیسے اس نے دوسرے فریق کی پُر گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو۔
''اگر سنیل گھر نہیں لوٹا تو اس کے فون کرنے کا کیا مقصد تھا؟''
''وہ مجھے سنیل کا دوست اور خیر خواہ سمجھ رہی ہے۔ مجھ سے بات کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم ہر ایک کی طرف سے اتنی بدگمان کیوں ہوجاتی ہو۔''
''میں بلاوجہ کسی سے بدگمان نہیں ہوتی۔ باتوں کے آئینے میں بعض عورتوں کے چہرے مجھے صاف نظر آنے لگتے ہیں۔''
''اس نے بلایا ہے تب بھی ڈینی وہاں کب جارہے ہیں۔'' اس بار غزالہ خاموش نہیں رہ سکی۔ ''تم بلاوجہ ان کے پیچھے پڑ جاتی ہو۔''
ویرا نے مجروح نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولی ''تم گونگی گڑیا بنی رہتی ہو۔ میں تمہاری بھلائی کے لیے یہ سب کہتی ہوں۔ میری باتیں تمہیں ناگوار گزرتی ہیں تو میں بھی آئندہ تماشا دیکھتی رہوں گی، منہ سے کچھ نہیں بولوں گی۔''
''یہ بری بات ہے کہ آپس میں باتیں کرتے کرتے تم لوگ لڑنا شروع کردیتے ہو۔ ایسی تلخ کلامیوں سے بلاوجہ دل خراب ہوتے ہیں۔'' اول خان نے دونوں کو سمجھایا۔
کچھ دیر بعد سلطان شاہ مختصر سی تیاری کے ساتھ رابن ہائٹس کے لیے روانہ ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شیر دل اسٹیشن نور سے واپسی اور ہوش وحواس میں آنے کے بعد اپنا کام شروع کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔
شہر کے کسی ویران پارک یا میدان میں ہوش میں آنے کے بعد اسے اپنے ٹھکانے تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے تھی۔
پھر اول خان بھی چلا گیا۔ غزالہ اپنا کمرا سمیٹنے کے لیے چلی گئی لیکن ویرا ڈرائنگ روم میں میرے ساتھ بیٹھی سگریٹ پیتی رہی۔
بارہ بجے کے بعد میرے موبائل فون پر نک کی کال آئی تو میرا دل خوش ہوگیا۔ میرے ذہن میں اس کے لیے بہت سی باتیں جمع ہوچکی تھیں۔
میری آواز سن کر اس نے رسمی لہجے میں میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے اپنے وعدے کے مطابق بی گن اسے واپس بھجوا دی تھی۔
''مجھے خوشی ہے کہ تم صبح کے حملے میں بچ گئے۔'' میں نے اس کے رسمی الفاظ ختم ہوتے ہی وہ بات چھیڑ دی۔
''یہ اچھی بات ہے کہ یہاں ایسی ناکامیوں پر خوش ہونے والے کچھ لوگ بھی موجود ہیں۔'' میرے الفاظ پر اس نے

کسی خاص ردِّعمل کے بغیر کہا ''تمہارا ملک اب بہت بدل گیا ہے۔ میں نے خود کو دوستوں کے بجائے دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا محسوس کیا ہے۔''

''تم نے اس واقعے کی رپورٹ درج کرادی ہوگی۔''

''میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ کسی نہ کسی نے یہ کام کرلیا ہوگا۔'' اس نے سرسری سا جواب دیا۔

''کچھ عجلت میں معلوم ہورہے ہو!'' میں نے رائے زنی کی۔

''سر پر سفر سوار ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں جانے سے پہلے یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ صبح کے اجلاس میں تم کو دیکھنے کے بعد تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہوچکا ہے۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی چوٹوں کے نشان دیکھ کر یہ اندازہ ہوگیا کہ ڈینی تم کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا کر فرار ہوا تھا۔ مجھے اس بات کا قلق رہے گا کہ تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ میرے ساتھ تمہارے ہاتھوں سے بھی نکل گیا۔''

''دونوں کی طرف یکساں حال ہے۔ مجھے سوبھراج کے بارے میں افسوس ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ کسی چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''شاید میرے بعد آنے والے سے تمہاری کوئی بات بن سکے۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔ بس اپنا دھیان رکھنا۔'' اس نے فون بند کردیا۔

''اس کے سر پر سفر سوار ہوگیا ہے۔ وہ یہاں سے دل برداشتہ ہوکر جارہا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''دیکھنا ہے کہ وہ اپنے وطن جاتا ہے یا عالم بالا کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔'' ویرا نے سگریٹ کے دھویں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

''آدمی ساری عمر اپنی منصوبہ بندیوں میں لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے لیے پردۂ غیب سے اگلے لمحے میں کیا ظہور میں آئے گا۔''

''کاتب تقدیر نے اب نک کی زندگی کا فیصلہ شیر دل کو سونپ دیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کارنامہ دکھاتا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے کہ نک دفتر کے بجائے اپنے گھر میں ہے۔ موبائل فون میں یہ بڑی خوبی ہے کہ ہر آنے والے فون کا نمبر اسکرین پر آجاتا ہے۔'' یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب عام ٹیلی فون صارفین کو سی ایل آئی کی سہولت کا تصور ناپید تھا۔

''کل کسی وقت اسے روانہ ہوجانا ہے۔ اسے پیکنگ وغیرہ کے لیے چھٹی مل گئی ہوگی۔''

''صبح کے تلخ تجربے کے بعد اب وہ گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ صورتِ حال شیر دل کے آدمی کے لیے سازگار نظر آرہی ہے۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اب سوبھراج کو بھی ٹٹول لو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہانی سناتا ہے۔''

''کل بھی میں نے اسے فون کیا تھا۔ اب اس کا فون آنا چاہیے۔''

''اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ زخمی بھی ہے۔ اس وقت اس کی ساری توجہ نک پر مرکوز ہے۔ پتا چلنا چاہیے کہ اسے نک پر کیے جانے والے ناکام حملے کا علم ہوچکا ہے یا وہ ابھی تک بے خبر ہے۔''

میں نے کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملالیا۔

اس بار پہلی گھنٹی پر جواب مل گیا۔ اس کی آواز کا کھویا ہوا تحکم بحال ہوچکا تھا۔

''تمہاری آواز سے اندازہ ہورہا ہے کہ تمہارے زخموں کا حال بہتر ہے۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں اس کی مزاج پرسی سے بات کی ابتدا کی۔

''میں بہتر ہوں۔'' اس کا جواب بہت مختصر تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس سے بات کیسے آگے بڑھائی جائے پھر میں نے برجستہ کہا ''میں نک کی گھات میں لگا ہوا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے گھر پر ہے۔''

نک کا نام سنتے ہی اس کے ایک بے ساختہ قہقہے کی آواز آئی پھر وہ بولا ''کل تک وہ مجھے بھگا رہا تھا۔ آج اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا وہ بھی زخمی ہوگیا ہے!'' میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

''تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا۔ صبح وہ اپنی بلٹ پروف کار کی وجہ سے گولیوں کا نشانہ بننے سے بچا ہے۔ اب وہ مجھ سے صلح کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ وہ گولیاں تم نے چلوائی تھیں۔''

''جو لوگ خطرناک دشمنیاں پالتے ہیں، وہ اپنے دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس کی باری آئی ہے تو اب وہ گھبرایا ہوا ہے۔''

''میں اس کی گھات میں لگا رہا اور تم نے اپنا کام شروع بھی کردیا۔'' میں نے توصیفی لہجے میں اسے پھونک دینے کی کوشش کی۔

''اب وہ روئے زمین پر میرا بدترین دشمن ہے۔ اس

نے مجھے غدار قرار دے کر میری پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگایا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ ایف بی آئی والے اپنے غداروں سے کبھی صلح کرتے ہیں نہ ان کو معاف کرتے ہیں۔''

''اس کا جانا طے ہو چکا ہے۔ وہ ایک دو روز کے لیے تمہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا تاکہ اس دوران میں اسے اپنی جان بچا کر یہاں سے نکلنے کا موقع مل سکے۔ بعد میں کوئی زرخرید قاتل آسانی سے تمہارا کام کر دے گا۔''

''مجھے معلوم ہے کہ اب مجھے ان کے قاتلوں سے بچ کر زندہ رہنا ہوگا۔ میں ان کی نظروں میں آیا اور مار ڈالا جاؤں گا۔ اس سے پہلے میں نک کو جہنم واصل کرنا چاہتا ہوں۔ میری بربادی کے ذمے دار کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''ابھی تم نے کہا ہے کہ صبح تمہارا آدمی اسے مارنے میں ناکام ہو گیا۔ کل وہ پاکستان سے چلا جائے گا۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔''

''مجھے اسی آدمی کی تلاش ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مرا ہوا ہے۔'' اس کی غصیلی آواز گونجی۔

''تم اسے کیوں تلاش کر رہے ہو؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''میں سامنے نہیں آسکتا۔ اسی کو کچھ کرنا ہوگا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پے در پے حملوں کے باوجود نک مجھے نہیں مار سکا اور میں اسے نہیں مار سکا۔ پتا نہیں یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''ان ناکامیوں کا قصور میرے سر نہ ڈال دینا۔''

''یہ کسی کا قصور نہیں ہے، مقدر کی خرابیاں ہیں۔ وقت بگڑتا ہے تو سب کچھ بگڑتا چلا جاتا ہے، کوئی تدبیر کسی کام نہیں آتی۔''

''اپنا وقت تم نے خود خراب کیا ہے۔ شہر کے معزز ہندو کہہ رہے ہیں کہ تم نے ان کی نیک نامی کو داغ لگایا ہے۔''

''یہ کون کمینہ کہہ رہا ہے؟'' وہ غرایا۔

''یہ بات شہر میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں تم اکیلے نہیں رہتے۔ صرف کراچی میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو آباد ہیں۔ کوئی ان سے تعصب نہیں کرتا۔''

''وہ سب بزدل ہیں۔ یہاں دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی غلامی کرتے ہیں۔ میں نے ہر بات میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا ہے، ان کو مات دے کر ان سے بہت آگے نکلا ہوں۔ میری یہ ترقی ان کو کھل رہی ہے۔ میرے اوپر کیچڑ اچھالی جا رہی ہے۔ مجھے شرمناک نام دیے جا رہے ہیں......''

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ''یہ باتیں تم دوسروں کو بتا سکتے ہیں۔ مجھ سے نہیں کہہ سکتے۔ یہاں کسی کو تم سے کوئی پرخاش نہیں رہی۔ تمہاری گاڑی چل رہی تھی۔ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب تم نے خاموشی سے ویرا کو پکڑ لیا اور کسی کو ہوا نہیں لگنے دی......''

اس بار اس نے درمیان سے میری بات اچک لی ''میں مانتا ہوں کہ خرابی وہیں سے ہوئی مگر پھر بات کا بتنگڑ بنایا جانے لگا۔''

''یہ بھی غلط ہے۔ سارے الزامات درست ہیں۔ تم نے اس کا سامنا کیوں نہیں کیا۔''

''ڈینی! تم سب کچھ جانتے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ مجھے غدار قرار دے چکے تھے۔ میں اپنا دفاع کرنے کے لیے سامنے آتا اور وہ مجھے مروا دیتے۔''

''مائی ڈیئر سوبھراج! پھر مسلمانوں اور ہندوؤں کو گالیاں نہ دو۔ تمہاری بربادی کی ساری ذمے داری نک پر ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اس کا خوف نہ ہوتا تو آج میرے حالات مختلف ہوتے۔ میں بہترین وکیل کر سکتا تھا۔ منہ مانگی رشوتیں دے سکتا تھا۔ میرے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پیسے کے بل پر سب کچھ ہو سکتا ہے۔''

اس کی وہ بات بھی غلط تھی لیکن میں نے اسے چیلنج نہیں کیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جن معاملات کے پیچھے اول خان اور جلال جیسے لوگوں کا دماغ کام کر رہا ہو وہاں قارون کا خزانہ بھی حقائق کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت سوبھراج کی ذہنی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ ایک وقت میں متضاد باتیں کر رہا تھا۔ بے مثال عروج کے بعد آنے والے زوال نے اس کے دماغ پر اچھا اثر نہیں ڈالا تھا۔

اس کے دماغ میں دو باتیں جم کر رہ گئی تھیں۔ اول یہ کہ ایف بی آئی کی سزا سے بچنے کے لیے اسے اپنی بقیہ زندگی روپوش رہ کر گزارنی تھی۔ دوئم یہ کہ ایف بی آئی کے سفاکانہ فیصلے کی ساری ذمے داری نک ہار دے کی تھی، اس سے بدلہ لینا ضروری تھا۔

''وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اپنے آدمی کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ، میں اس کا کھوج لگانے کی کوشش کروں

گا۔'' میں نے اشتعال انگیز اور متنازعہ باتوں سے گریز کرتے ہوئے مخلصانہ لہجے میں اسے پیش کش کی۔

''ایسے کام کرنے والے رازداری کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ناکامی کے بعد کوئی دوسرا منصوبہ بنا رہا ہو۔ وہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔''

''میری کوشش سے وقت بچ سکتا ہے۔'' میں نے اسے ترغیب دلائی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے خود تلاش کروں گا۔''

''کیا سنیل بھی زخمی ہے۔'' میں نے محتاط الفاظ میں پوچھ لیا۔

''اس کا حال مجھ سے برا ہے۔ وہ ٹھیک ہوتا تو مجھے کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اب تک اپنا کام دکھا چکا ہوتا۔''

''وہ بھی تمہارے ساتھ روپوش ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''مجبوری ہے۔ مجھے ہر وقت ایک ساتھی اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اور تم بقیہ زندگی اسی طرح چھپ کر گزارو گے۔''

''دونوں سمندر امریکا پر چڑھ جائیں یا کوئی بھیانک زلزلہ آئے اور اس ملک کو ایف بی آئی سمیت صفحۂ ہستی سے مٹا دے تو اور بات ہے ورنہ مجھے یہی کرنا پڑے گا۔ اب روپوشی میرا مقدر بن چکی ہے۔''

''سکون اور خاموشی سے ایسی زندگی دشوار ہوجائے گی۔''

''تم میری فطرت سے واقف نہیں ہو۔ میں خاموش ہوکر بیٹھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس ملک اور معاشرے نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ بھلائے نہ بھولا جاسکے گا۔''

''یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اسی ملک اور معاشرے نے تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا۔ آج تم ان کے دشمن ہو رہے ہو؟''

''میرے لیے کسی نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنی کوششوں سے اپنا مقام بنایا تھا۔''

''اپنے اس مقام کو برقرار رکھنے کے لیے چند روز پہلے تک تم مجھ سے مہلت کے طلب گار تھے۔ کل نک کے خلاف مجھ سے مدد مانگ رہے تھے۔ آج تمہارے تیور بدلے ہوئے ہیں۔''

''مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اب کیا رہا ہے جسے تم مجھ سے چھین سکتے ہو، نک مر جائے گا یا چلا جائے گا۔ اس کا قصہ بھی ختم ہوجائے گا۔''

اس وقت سوبھراج کا ذہنی توازن کچھ بگڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے گفتگو کو طول دینے میں بات بگڑ سکتی تھی۔ میں نے اس کی صحت کی بحالی کے لیے ایک منافقانہ دعا مانگی اور فون بند کر دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تم سے بھی منحرف ہوگیا۔'' ویرا نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''وہ شدید مایوسی کا شکار ہو چکا ہے۔'' میں نے تفکر آمیز انداز میں بتایا۔

''پھر اس کی واپسی کے سب راستے بند سمجھو۔ کوئی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو وہ پاگل ہوکر کہیں مر جائے گا۔''

''ابھی تک میں اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ مجھ سے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے کہا ''لیکن اس وقت اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کسی بھی وقت قلابازی کھا سکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو تمہارے پیچھے لگا دے۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا۔ اب بھی نہ جانے کون کون میرے خون کا پیاسا ہے۔''

''ہم لوگ شہر کے اس کونے میں چھپے بیٹھے ہیں لیکن جہانگیر سب کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں مجھے اس کی فکر دامن گیر ہوجاتی ہے۔''

''کیا کیا جاسکتا ہے۔ فی الحال ایس ٹی ایف کے دو آدمی وہاں دن رات ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے۔''

''یہ مکان ہمارا اپنا ہے۔ تم اوپری منزل بنوا کر اسے یہاں کیوں نہیں بسا لیتے۔ آئے دن کے خدشوں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔''

''یہاں دوسرے جھگڑے شروع ہوجائیں گے۔'' میں نے سلمٰی کا تصور کرتے ہوئے کہا ''اکیلے رہتے ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہاں حمایتی مل جائیں گے تو ان دونوں کو سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔''

''جہانگیر سے زیادہ سلمٰی تمہیں پسند کرتی ہے۔ تمہیں وہ ایسی نظروں سے دیکھتی ہے جیسے تمہارا سینڈوچ بنا کر چٹ کر جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔''

''تمہیں دنیا کی ہر عورت میں یہی کیڑے نظر آتے ہیں۔ کسی کو تو معاف کر دیا کرو۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی ''ایک بات سامنے نظر آ رہی ہو تو میں اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتی۔ میں نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ تم اس کے رویے سے بے آرام ہونے لگتے ہو۔ وہ یہاں آباد ہو گئی تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''ان دونوں کے ساتھ گزارا ہونا مشکل ہے۔ گولڈن فارمیسی جلنے کے بعد جہانگیر ذرا سکون سے ہے۔ کیا پتا کہ کسی دن اس کے سر پر پرچون کی دکان کھولنے کا خبط سوار ہو جائے۔ اسے میں کہاں کہاں سنبھالتا پھروں گا۔''

''اسے درزی کی دکان کھلوا دو۔ وہ بہت خوش رہے گا۔ ہر آنے والی عورت کا ناپ خود لے گا اور مگن رہے گا۔''

''تم اسے غلط سمجھتی ہو، وہ عیاش طبع نہیں، بس ذرا سا ٹھرکی ہے۔ عورتوں سے بات کر کے خوش رہتا ہے۔''

''بیوی ہر وقت نظر رکھتی ہو تو شوہر مجبور ہو جاتا ہے لیکن اپنی ہیرا پھیری سے باز نہیں آتا۔ کبھی کبھی مجھے ان دونوں پر بہت ترس آتا ہے۔''

''میری طرف سے اجازت ہے، روز ادھر کا چکر لگا لیا کرو۔''

''سلمٰی مجھ پر شبہ کرنے لگے گی۔ وہ ایسی ہی عورت ہے۔''

''دین محمد نے کھانے کی میز لگنے کا اعلان کیا اور وہ گفتگو وہیں ختم ہو گئی۔

کھانے کے دوران میں گفتگو کا رخ نک اور سوبھراج کی طرف مرکوز رہا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں ستانے کے لیے اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

لیٹے لیٹے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ شاید میں دیر تک سوتا رہتا مگر غزالہ نے مجھے جھنجوڑ کر اٹھا دیا۔

''کیا بات ہے...... ایسی کیا قیامت آ گئی جو مجھے اس طرح جگا رہی ہو!'' میں نے بے زاری کے عالم میں اس سے پوچھا۔

''منہ ہاتھ دھو کر آ جائیں۔ سلطان شاہ لوٹ آیا ہے۔''

غزالہ کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میری نیند کافور ہو گئی۔ میں اچھل کر بستر سے اتر آیا۔ اس وقت وال کلاک شام کے چار بجا رہا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ سلطان شاہ نے اول خان کا دیا ہوا موبائل فون استعمال کرنے کے بجائے گھر واپس آنے کو ترجیح دی تھی۔

میرے ذہن میں سب سے پہلے اس شبہے نے سر ابھارا کہ سلطان شاہ کو کسی گڑبڑ سے بچنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا ہوگا ورنہ وہ اتنی جلدی واپس آنے والا نہیں تھا۔

میں منہ ہاتھ دھوئے بغیر تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ ڈرائنگ روم میں ویرا کو کچھ بتا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی فضا میں دونوں ہاتھ اچھال کر بولا ''وہاں ضرورت سے کچھ زیادہ کام ہو گیا۔ نک مارا گیا۔ ٹام زخمی ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک دبلے پتلے مقامی آدمی کو بھی زخمی حالت میں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ شیر دل کا بھیجا ہوا آدمی تھا۔''

''تمہیں وہاں اندازے لگانے کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا۔'' میں نے قدرے غصے سے کہا ''تم کو وہاں سے پوری معلومات یک جا کر کے ہلنا چاہیے تھا۔''

''میں ویرا کو یہی بتا رہا تھا کہ عین وقت پر موبائل کی بیٹری جواب دے گئی۔ اس کی اسکرین صاف پڑی ہوئی تھی۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر سکون سے بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا تھا۔'' ویرا نے اس کے دونوں شانے تھام کر اسے صوفے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''وہاں زبردست افراتفری اور خوف و ہراس کا راج ہے۔'' سلطان شاہ نے صوفے پر گر کر اپنی بات جاری رکھی ''میں بہت مشکل سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکا کہ نک اپنے فلیٹ میں مارا جا چکا ہے۔ دبلے پتلے مقامی کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ ٹیلی فون کمپنی کی طرف سے رابن ہائٹس کی بہت سی خراب لائنوں کی مرمت کے لیے وہاں آیا تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ زخمی ہونے والے کا نام ٹام ہے؟'' مین نے پوچھا۔

''وہ وہیں رہتا ہے۔ سکیورٹی والے اسے پہچانتے ہیں۔ ہر طرف یہی سننے میں آ رہا تھا کہ کسی نے ٹام صاحب کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔''

''نک کی موت کی تصدیق کیسے ہوئی؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''وہاں یہ خبر پھیلی ہوئی تھی کہ ٹام صاحب کے فلیٹ میں دوسرے گورے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اوپر سے ایک

فائر اور پھر چیخ کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔''
''یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک فائر سے دو آدمی زخمی ہوں اور تیسرا مر جائے۔'' غزالہ نے تائید طلب انداز میں کہا۔
''وہ ٹام کی پستول کی آواز رہی ہوگی۔'' میں نے کہا ''شیر دل کے آدمی نے یقینی طور پر بے آواز ہتھیار استعمال کیا ہوگا۔''
''مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آخر کار نک مارا گیا۔'' ویرا بولی۔
''دشمن کی موت پر خوش ہونا کم ظرفی کے زمرے میں آتا ہے۔'' سلطان شاہ نے اسے جواب دینا ضروری سمجھا۔
''بات سمجھ میں آئی کہ وہاں کیا ہوا ہوگا؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔
''میں اتنی روشن ضمیر نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھ کر وہاں کے بارے میں صحیح اندازے لگالوں۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ نک کی ہلاکت کی خبر سن کر واقعی بہت زیادہ مسرور نظر آرہی تھی۔
''میرا اندازہ ہے کہ قاتل فلیٹ میں داخل ہوا تو وہاں ٹام اور نک، دونوں موجود تھے۔'' سلطان شاہ نے از خود کہنا شروع کر دیا ''قاتل تیاری سے گیا تھا اور شاید اس نے ان میں سے نک کو پہچان لیا تھا۔''
''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
''قاتل نے اپنے بے آواز ہتھیار سے نک کا کام تمام کیا اور پھر ٹام پر گولی چلا دی۔ اس اثنا میں ٹام کو اپنا پستول وغیرہ نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے فائر کر کے قاتل کو زخمی کر دیا۔ اس کے فائر کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔''
''میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ نک کی لاش کے ساتھ دو زخمیوں کی موجودگی یہی کہانی سنا رہی ہے لیکن یہ بہت برا ہوا کہ شیر دل کا آدمی زخمی ہوگیا۔''
''زخمی ضرور ہوا لیکن اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔'' ویرا بولی ''یہ خبر ملے گی تو کچھ دیر کے لیے سوبھراج بھی خوش ہو جائے گا۔''
''میرے لیے یہ خوشی کے ساتھ تشویش کی بات ہے۔'' میں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا ''وہ زخمی ہوگیا ہے تو اسپتال میں ہی حراست میں لے لیا جائے گا۔''
غزالہ میرے الفاظ پر چونک پڑی اور بولی ''وہ کتنا ہی مضبوط ہو، پولیس کا تشدد زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ جائے واردات سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ اسے ادھیڑ کر رکھ دیا جائے گا اور وہ اگل دے گا کہ اسے شیر دل نے وہاں بھیجا تھا۔''
''یہ معاملہ ٹام اور نک کا ہے۔ اب تک پورے شہر کی پولیس حرکت میں آچکی ہوگی۔ شیر دل بھی زیادہ مضبوط آدمی نہیں ہے۔ اس کے ذریعے یہ بات پھیل جائے گی کہ سوبھراج کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی نک کی موت کے خواہاں تھے جنہوں نے بلٹ پروف کار والے معاملے کے بعد، بازو توڑ کر شیر دل کو اغوا کر لیا تھا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''نک کی موت کے بعد اس بات کا پھیلنا خطرناک ثابت ہوگا۔'' پوری بات سمجھ لینے کے بعد ویرا بھی فکرمند ہوگئی ''ایک نامعلوم پارٹی کا نام ریکارڈ پر آجائے گا اور امریکی اس فریق کا سراغ لگانے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔''
''وہ سوبھراج کے نام سے زیادہ اس مسئلے کو اچھالیں گے۔'' غزالہ بولی۔
''اس طرف میرا دھیان نہیں تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں رابن ہائٹس سے ایک بہت بڑی خوش خبری لے کر گھر پہنچوں گا۔'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا۔
''قاتل پولیس کی تحویل میں زیر علاج ہے۔ مگر شیر دل کا نام ابھی پردے میں ہے۔'' میں نے ان کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ پولیس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے شیر دل کو اڑا دیا جائے!''
''وہ قاتل اور مجرم ہے۔ اسے بے خوف ہو کر مارا جا سکتا ہے۔'' ویرا نے میری تائید کی۔
جلال صبح والے اجلاس کے بعد سے غائب تھا۔ میں نے اول خان کو اعتماد میں لینے کی نیت سے فون اٹھایا تو وہ اپنے دفتر میں تھا اور نہ گھر میں موجود تھا۔ اس کا موبائل فون اپنی ناکارہ بیٹری سمیت سلطان شاہ کی تحویل میں تھا۔ کوشش کی جاتی تو اسٹیشن فور کے ریڈیو روم والے اپنے وائرلیس سسٹم پر اول خان کو کہیں نہ کہیں تلاش کر کے میرے پیغام سے آگاہ کر سکتے تھے مگر میں وقت کے اس زیاں کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس وقت ساری اہمیت ٹائمنگ کی تھی۔ ہم سے پہلے پولیس شیر دل تک پہنچ جاتی تو آنے والے مصائب کو کسی طرح نہیں روکا جا سکتا تھا۔
''تم میرے ساتھ چلو گے۔'' میں نے سلطان شاہ سے کہا۔
''تو کیا تم شیر دل کے ٹھکانے کی طرف جا رہے ہو؟'' ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

''ارادہ یہی ہے۔ سلطان شاہ گاڑی میں رہ کر میرا انتظار کرے گا۔ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ کہاں رہتا ہے؟'' میرا ارادہ سن کر وہ مضطرب ہوگئی۔

''وہ دھوبی گھاٹ کے علاقے میں ملے گا۔ اس کا اڈا وہیں ہے۔ اس کے لیے میرے یا اول خان کے سوا کسی اور کا جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ ہم دونوں کو پہچانتا ہے۔ اعتماد میں مار کھا جائے گا۔ کوئی اور ادھر گیا تو مشکل میں پھنس جائے گا۔''

''نام سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوئی گنجان آباد علاقہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں جا کر پھنس جائیں۔'' غزالہ بھی یکا یک فکر مند نظر آنے لگی۔

''بڑے مسائل کو ٹالنے کے لیے یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''میں وہاں سے نمٹ کر تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔''

وہ بلاوجہ جھنجلانے لگی کہ ایسے نازک وقت پر اول خان کا موبائل فون سلطان شاہ کے پاس کیوں تھا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

غزالہ کی طرح دھوبی گھاٹ کے نام سے میرا یہ اندازہ تھا کہ وہ تیسرے درجے کی کوئی گنجان آبادی ہوگی وہاں کے لیے معمولی لباس کا استعمال ضروری تھا تاکہ میں بلاوجہ لوگوں کی نگاہوں میں نہ آسکوں۔

میں چند منٹ میں تیار ہو کر باہر نکلا تو سلطان شاہ بھی پھرتی سے قمیص شلوار تبدیل کر چکا تھا۔ چلتے چلتے میں نے سوچا کہ گاڑی بھی گھر پر چھوڑ دوں اور اس سفر کے لیے کرائے کی ٹیکسی لے لوں مگر پھر میں نے خود ہی وہ خیال مسترد کر دیا۔

شیر دل کے بارے میں مجھے زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ بہر حال ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس سے ملاقات کے دوران میں اگر کوئی ناخوش گوار صورت حال رونما ہوتی تو گاڑی نہ ہونے کی صورت میں میرا وہاں سے نکلنا محال ہو جاتا۔

''میں تمہارے ساتھ نکل آیا ہوں لیکن ایک بار پھر سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے گڑھ میں جا کر ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں'' کچھ دور تک خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلطان شاہ نے دھیرے سے کہا۔

''اس کا بازو ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ عجلت میں وہاں سے نہیں نکل سکتا۔ جب اسے یہ خبر ملے گی کہ اس کا بھیجا ہوا آدمی زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا ہے تو وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ غائب ہی ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہوشیار ہو، ہمیں اس کے سر پر پہنچ جانا چاہیے۔ میں نے ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد وہاں جانے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''اسٹیشن فور میں تم نے اس پر زیادہ تشدد تو نہیں کیا تھا''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ بس ایک مرتبہ اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مارنی پڑی تھی۔ اس کے بعد وہ سیدھا ہوگیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ حالات کے پیشِ نظر تم اس پر اپنی انگوٹھی آزماؤ گے!''

''تم سمجھ دار ہو۔ ایسی چھوٹی موٹی باتیں خود سمجھ لیتے ہو۔''

''میں راستے میں اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا لیکن میرا ذہن کہیں اور بھٹکتا رہا۔ شیر دل نے قتل سمیت متعدد جرائم کے ارتکاب کا اعتراف کیا تھا۔ اسی صبح اس نے نک کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ مجرم تھا مگر اس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تھا۔ دن ڈھلنے سے پہلے نک کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا تھا۔

رابن ہائٹس میں اس کے آدمی کے ساتھ بات نہ بگڑتی تو شیر دل کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سوبھراج سے بھاری معاوضہ لینے کی خاطر اسے ہمارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔

بدلی ہوئی صورت حال میں اس کو زندہ چھوڑنے کی دور دور تک کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی اور شاید اسی کا نام مکافاتِ عمل تھا۔

اپنے سارے جرائم کے باوجود وہ سزایاب ہونے سے بچا ہوا تھا۔ قانون اسے اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہا تھا۔ شاید اس کے اسی ریکارڈ کی وجہ سے سوبھراج نے اس پر بھروسا کیا ہوا تھا۔ اس نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے ہم سے مصالحت کرلی تھی لیکن تقدیر نے آخر کار اسے دھکیل کر اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں میرے ہاتھوں اس کے سارے جرائم کا حساب ایک ساتھ بے باق ہونا تھا۔

سلطان شاہ کراچی کا کیڑا تھا۔ اس نے اپنے اندازے سے دھوبی گھاٹ کے بارونق بازار سے پہلے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک لی۔ اس کی دانست میں شیر دل کا اڈا

ان ہی اطراف میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے ایک جواں سال لڑکے سے شیر دل کے بارے میں پوچھا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے ایک قریبی گلی کا راستہ بتا دیا۔

اس تنگ اور ٹیڑھی میڑھی گلی میں دوسرے مکان کی دیوار پر مجھے شیر دل کے نام کی تختی نظر آ گئی۔ دروازہ بند تھا اور اندر سے کئی افراد کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

گلی میں سارے مکان آباد تھے۔ مٹی اور کیچڑ میں ہر عمر کے بچے کھیل رہے تھے۔ اس مکان کی ساخت سے شیر دل کوئی سکہ بند یا بڑا بدمعاش نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آنے والی آوازیں یکایک تھم گئیں۔ دروازہ کھلا اور کالے کپڑوں میں ملبوس ایک درشت رو شخص ٹٹولنے والی نظروں سمیت میرے سامنے آ گیا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے آہستہ سے شیر دل کا نام لیا۔

وہ اپنے چوڑے چکلے وجود سے میرا راستہ روک کے دروازے پر جما ہوا تھا۔ اس نے وہاں سے ہلے بغیر، پلٹ کر کہا ''دادا! کوئی ملنے آیا ہے۔''

''اندر بلا لے!'' میں نے شیر دل کی آواز پہچان لی۔

اگلے ہی لمحے میں اندر داخل ہو چکا تھا۔ وہ مکان نہیں، اونچی چھت والا ایک بڑا سا کمرا تھا جہاں پورے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس پر جابجا کئی تکیے پڑے ہوئے تھے۔ اس ہال میں ہر قسم کا سامان تعیش موجود تھا جس میں ٹیلی وژن اور ڈیک بھی شامل تھے۔

ہال کے اندرونی حصے میں شیر دل ایک شاہانہ مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک بدمعاش اس کے پیر دبا رہا تھا۔ دو قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چوتھا میرے ساتھ تھا۔ اندر داخل ہونے کے بعد یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہال کسی گندی اور بے ترتیب آبادی میں واقع ہے۔

ہال میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں میرا چہرہ دیکھتے ہی شیر دل کے بشرے پر بے پناہ حیرت ابھر آئی ''ارے، تم یہاں کیسے!''

اس نے غیر ارادی طور پر بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بازو کی ٹوٹی ہوئی ہڈی میں ابھرنے والی ٹیس پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

میں نے لپک کر اس کے جسم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''تم لیٹے رہو۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس ملنے کے لیے آیا ہوں۔''

''شراب چلے گی یا باہر سے کچھ اور منگواؤں۔'' وہ میرے لیے بچھا جا رہا تھا۔

''کچھ نہیں، میں شراب نہیں پیتا......'' میں نے کہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

''تم پہلی بار آئے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ پیے بغیر چلے جاؤ۔ جاؤ تم چاروں ہوٹل میں چلے جاؤ اور لڑکے سے بسکٹ، پیسٹری کے ساتھ ٹھنڈی بوتل بھجوا دو۔''

انہوں نے کسی شاہی فرمان کی طرح شیر دل کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ایک کر کے ہال کے دروازے سے باہر نکلتے چلے گئے۔

میں شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی آمد کے راستے پر غور کیا۔ اس میں سرے سے کوئی ہوٹل نہیں آیا تھا۔ ہوٹل یقینی طور پر گلی میں سے نکلنے کے بعد بارونق بازار میں کہیں واقع تھا جبکہ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی بازار سے کافی پہلے روک دی تھی۔

''تم صرف ملنے کے لیے نہیں آئے'' تخلیہ ہو جانے کے بعد شیر دل نے نیچی آواز میں کہا ''تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے...... میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ میرا آدمی وہاں گیا ہوا ہے۔ وہ کسی بھی وقت اچھی خبر لے آئے گا۔''

میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے ہلاکت خیز زہر اگلنے والے نگینے کو ہتھیلی کی طرف گھمانا شروع کر دیا۔

''سوبھراج کیا کہہ رہا ہے؟'' میں نے بلاوجہ سوال کر دیا۔

''کچھ نہیں!'' وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا ''بار بار اس کے فون آ رہے ہیں۔ ابھی تک میں نے اس سے بات نہیں کی۔ اچھی خبر آ جائے گی تو بات کروں گا۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ وہاں سے گئے ہوئے چاروں بدمعاش اس وقت تک گلی سے نکل کر بازار کی طرف مڑ چکے ہوں گے۔

''تم کو کبھی افسوس نہیں ہوا کہ تم کو برا کے لیے کام کرتے ہو؟'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔ کھوکھلا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر آ چکا تھا۔

''نہیں!'' اس نے بلاتردد جواب دیا ''آج صبح تمہارے قید خانے میں جب موت سامنے نظر آ رہی تھی تو

میں تھوڑی دیر کے لیے بہک گیا تھا مگر پھر راہ پر آ گیا۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا مگر میرے بچے یہ سب نہیں کریں گے۔ ان کے لیے میں نے ڈیفنس میں بنگلا لیا ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں عزت کا کوئی کاروبار کرتا ہوں جس کے لیے کبھی کبھی مجھے دو چار دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا پڑتا ہے۔''

''مجھے ایک آدمی کو مروانا ہے......''

اس نے دھیرے سے ہنس کر میری بات اڑا دی ''میں نے تمہارے آتے ہی تمہاری آنکھوں میں پڑھ لیا تھا کہ تم کسی خاص کام سے آئے ہو۔''

''کتنے پیسے لو گے؟'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

''میں اس کام کی ڈیڑھ پیٹی لیتا ہوں مگر تم سے ایک لوں گا'' اس نے پورے خلوص سے کہا ''کام ستھرا ہوگا۔ تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔''

''دادا! تم واقعی عظیم انسان ہو'' میں نے اپنے والہانہ پن کے اظہار کے لیے اپنا بایاں ہاتھ اس کے شانے کی طرف اٹھایا ہی تھا کہ مجھے ہال کے دروازے پر کھٹکا سا محسوس ہوا۔ میرے بدن کو ایک بے ساختہ جھٹکا لگا اور میرا اٹھتا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو دروازہ خالی پڑا ہوا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

میرے تعریفی الفاظ پر اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی آسودہ مسکراہٹ اسی طرح جمی ہوئی تھی' وہ اپنی تعریف کے سحر میں مبتلا تھا کہ میں نے دروازے کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنا ہاتھ اس کے پلاسٹر چڑھے ہوئے شانے سے نیچے' ننگی گردن پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ اسے آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ میرے ہاتھ کے لمس کو میری طرف سے اپنائیت کا اظہار سمجھا اور جب ننھی سی سوئی سے گزر کر مہلک زہر کے قطرے اس کے جسم میں اترے تو اس کے بدن کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس کے ہونٹوں پر تیرتی ہوئی مسکراہٹ اسی طرح منجمد ہو گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی سہل ترین موت پر ناز کر رہا ہو۔

ڈیڑھ پیٹی میں دوسروں کی زندگی کا مول چکانے والا لمحہ بھر میں اجل کی سرد اور بے رحم وادیوں میں ڈوب چکا تھا۔

میرا دل چاہا کہ پوری قوت کے ساتھ دوڑ لگا کر گاڑی تک پہنچوں اور سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے دور نکلتا جاؤں لیکن احتیاط مانع تھی۔ میں نے اس کی بے جان گردن سے اپنا ہاتھ ہٹا کر ہال کی عقبی دیوار میں بنے ہوئے دوسرے بند دروازے پر نگاہ ڈالی اور تیز قدموں سے چلتا ہوا نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

گلی میں زندگی اپنے معمول کے مطابق رواں تھی۔ ایک عورت بچے کو گود میں لیے میرے سامنے سے گزری۔ میں ہموار قدموں سے واپسی کے راستے پر ہولیا۔

بظاہر میں نظریں جھکائے چلا جا رہا تھا لیکن گرد و پیش سے غافل نہیں تھا۔ کن انکھیوں سے میں ہر طرف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔

میں گلی سے نکل رہا تھا تو ایک لاابالی لڑکا کیک اسٹینڈ پر بہت سے لوازم سجائے اور دوسرے ہاتھ میں پیپسی کولا کی بوتل لیے' مخالف سمت سے گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ اسے شبہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ جس مہمان کے لیے وہ سب چیزیں لے جا رہا تھا' وہ اپنا کام پورا کر کے دادا کے اڈے سے نکل چکا تھا۔

میری دانست میں وہ بہت بڑا اور کٹھن کام تھا لیکن حیرت ناک سرعت اور آسانی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔

میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بیٹھا تو سلطان شاہ کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ جن میں سوال ہی سوال بسے ہوئے تھے۔

''یہاں سے جلدی نکلو ورنہ ابھی کہرام شروع ہو جائے گا'' میں نے دانت پیس کر مضطربانہ انداز میں سرگوشی کی ''میں نے اسے مار دیا ہے۔''

گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

گھر پہنچے تو وہاں جلال اور ادل خان بھی موجود تھے۔ فضا سوگوار سی تھی جیسے وہ سب کسی کی تدفین سے فارغ ہو کر وہاں بیٹھے ہوں۔

دین محمد پھاٹک پر ہی کھڑا ہوا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی باہر بند کر کے ہم دونوں اچانک اندر پہنچے تو سب حیرت اور خوشی سے اچھل پڑے۔

''تم نے بہت غلط کام کیا ہے'' جلال نے مجھ سے بغل گیر ہو کر برہمی سے کہا ''اس علاقے میں شہر کے کئی چھٹے

ہوئے بدمعاش رہتے ہیں۔ تم کو وہاں نہیں جانا چاہئے تھا۔''

''کام بن گیا۔ اب تنقید کرنے کے بجائے کوئی اور بات کرو'' میں ہنستے ہوئے' صوفے پر اول خان کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''تمہارا فیصلہ درست تھا'' جلال نے بیٹھ کر کہا ''کفیل کے زخمی اور گرفتار ہونے کے بعد شیر دل کا راستے سے ہٹایا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ کام کوئی بھی کر سکتا تھا۔ اس کے لیے تم کو وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنے کاموں میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہاں فون کرنے پر جب بتایا گیا کہ تم کسی کو مارنے کے لیے نکلے ہوئے ہو تو میں پریشان ہو کر یہاں آ گیا۔ تمہارے ستارے اچھے تھے کہ تم وہاں سے بچ کر نکل آئے۔''

''تم صبح سے غائب تھے' اول خان کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ان معاملات کا نک اور ٹام سے تعلق ہے اس لیے تمہارا کوئی آدمی آگے نہیں آئے گا۔ اسے لڑ بھڑ کر مارنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا۔ میں نے اسے اعتماد میں لے کر دھوکے سے مارا ہے۔ اس خطرے کو کسی اور طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''اسے بھی تم نے زہر اتار کر مارا ہوگا؟'' جلال نے تائید چاہی۔

''خاموشی سے موت کے گھاٹ اتارنے کا وہی ایک راستہ تھا'' میں نے کہا۔

''اب ایک نیا چکر چل پڑے گا۔ زہر کی وجہ سے تمہارا نام لیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم نے شیر دل کو نک کے پیچھے لگایا تھا۔ شیر دل نے کفیل کو وہاں بھیج دیا۔ وہ پکڑا گیا تو تم نے شیر دل کو مار دیا تاکہ وہ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتا سکے۔''

''تمہاری نظر ہمیشہ منفی پہلو پر جاتی ہے۔ کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شیر دل' سوبھراج کا دستِ راست بنا ہوا تھا۔ ڈینی نے اسے مار دیا تاکہ سوبھراج تنہا رہ جائے۔''

''یہ کون کہہ سکتا ہے' اس کے لیے کوئی جواز بھی ہونا چاہئے۔''

''جواز ان کے علم میں ہے۔ نک نے اپنی موت سے پہلے خود سوبھراج سے فون پر بات کی تھی اور اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی تھی'' میں نے اسے مسکت جواب دیا پھر پوچھا ''یہ بتاؤ کہ تم اپنے چکروں میں الجھے ہوئے تھے تو تمہیں سارے دن کی کہانیاں کہاں سے مل گئیں۔''

''میری دو مرتبہ اول خان سے بات ہوئی تھی'' جلال نے کہا ''میں ان معاملات سے کسی بھی وقت غافل نہیں رہا۔''

''رابن ہائٹس کے بارے میں تمہارے پاس کیا خبریں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے سنی سنائی باتیں معلوم ہیں۔ اصل خبریں تمہیں اول خان سے مل سکتی ہیں۔ میں آج دن بھر ادھر نہیں جا سکا۔''

''آخر ایسی کون سی مصروفیت تھی جو ان واقعات سے زیادہ اہم تھی'' اس بار ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ ''اب تک میں سمجھ رہی تھی کہ تم رابن ہائٹس سے سیدھے یہاں آئے ہو۔''

''میں تمہیں کیا بتاؤں؟'' وہ بے بسی سے ہنس دیا ''میں کام کے بارے میں مبالغہ آرائی کا قائل نہیں ہوں۔ آج کل واقعی بہت مصروف ہو گیا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے رازوں کے امین ہیں'' میں نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''تم نے اپنی مصروفیت کے بارے میں مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''تمہیں عبداللہ یاد ہے؟'' جلال نے چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا اور میرے چہرے پر اس نام کا کوئی ردِعمل نہ دیکھ کر' بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''یہ میرا وہی شہید ہے جو دہلی میں ریڈ بل کے کوڈ سے اپنے دن گزار رہا تھا۔ اپریٹس پر رابطے کے لیے اس کا کوڈ جی فور ہوا کرتا تھا۔''

اس کی زبان سے ریڈ بل کے الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں سب کچھ تازہ ہو گیا۔ وہ آئی بی کے ان تین ایجنٹوں میں سے ایک تھا جو دشمن کی سرزمین پر عدم تحفظ کی فضا میں اپنے شب و روز گزار کر اپنی مادرِ وطن کی خدمت کر رہے تھے۔

ہمارے بھارت کے سفر میں ان تینوں نے ہماری بہت مدد کی تھی۔ بعد میں عبداللہ پکڑا گیا اور ونود نامی ایک بھارتی افسر کے ہاتھوں بے رحمی سے مارا گیا۔

جلال اس کی شہادت کی خبر سن کر بہت افسردہ ہوا تھا۔ وہ اپنے فرض شناس ماتحتوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

''اب مجھے سب یاد آ گیا'' میں نے جواب دیا ''تم نے ونود سے یہاں بدلہ لے لیا تھا۔''

''ہمارے ایسے ہی کچھ اور آدمی بھارت میں قید ہیں۔

ان میں بے گناہ شہری بھی شامل ہیں۔ ان کی کل تعداد سات ہے۔ آج کل گوپال راج نامی بلیک کیٹ کو مذاکرات کے ذریعے چھڑا کر لے جانے کے لیے ایک بھارتی وفد یہاں آیا ہوا ہے۔ دو روز سے میں ان کے ساتھ سر کھپا رہا ہوں۔''

''تم بہت پہلے ان کی آمد کی توقع کر رہے تھے'' اول خان بولا۔

''ہم بلیک کیٹ کے بدلے اپنے ساتوں آدمی واپس لینا چاہتے ہیں۔ وہ تین پر اڑے ہوئے ہیں۔ میں آج بھی وہاں الجھا ہوا تھا۔''

''ہم سب تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہیں گے'' میں نے خلوص دل سے کہا ''مجھے معلوم ہے کہ یہ معاملہ تمہارے لیے بہت حساس اور جذباتی ہے۔''

''ہمارا کوئی آدمی زیادہ دنوں تک ان کی قید میں رہ جائے تو وہ اپنی درندگی سے اسے چلتی پھرتی لاش میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ میں اپنے قیدیوں کو اس دردناک انجام سے بچانا چاہتا ہوں۔ ان پر ایک ایک دن بھاری گزر رہا ہوگا۔''

سب کے چہروں پر اداسی تیر گئی اور فضا پر سوگوار خاموشی چھا گئی۔

''میں اسی لیے خاموش تھا'' جلال نے وہ رنگ دیکھ کر کہا ''یہ سب زندگی کے جھمیلے ہیں جو ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، تم اپنی باتیں کرو۔''

''وہاں کیا ہوا تھا؟'' اس بار میں نے اول خان سے سوال کیا۔

''کفیل ٹیلی فون کمپنی کا نمائندہ بن کر وہاں پہنچا تھا۔ وہاں بہت سے فون دیر سے بے جان پڑے ہوئے تھے'' اول خان بتانے لگا ''ان میں ٹام اور نک کا فون بھی شامل تھا۔ رابن ہائٹس میں ان دونوں کو وی آئی پی کا درجہ حاصل ہے۔ سکیورٹی گارڈ کفیل کو اپنے ساتھ لے کر سب سے پہلے ان ہی کے فلیٹ پر چلا گیا۔ نک نے دروازہ کھولا۔ ٹام لابی میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ کفیل نے اندر جاتے ہی اپنے ریوالور سے دو بے آواز گولیاں نک کے دل میں اتار دیں۔ ٹام آگے لپکا تو تیسری گولی، اس کے پیٹ میں لگی۔ اسی وقت گارڈ نے اپنا پستول نکال کر پیچھے سے کفیل کی کمر پر گولی چلا دی اور یوں آناً فاناً میں وہ خونین ڈراما ختم ہو گیا۔ گارڈ کے فائر کی آواز نے سب کو ہوشیار کر دیا۔''

''کفیل کو چوتھی گولی چلانے کی مہلت مل جاتی تو شاید ٹام کا کام بھی تمام ہو جاتا'' ویرا نے اس تفصیل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''شاید وہ بھی نک کے تابوت کے ساتھ واپس چلا جائے'' اول خان نے کہا ''وہ بہت خوف زدہ ہے۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہے۔''

''کفیل کا کیا حال ہے، وہ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ٹام کے ساتھ آغا خان اسپتال میں ہے۔ گولی نے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا آپریشن ہونے والا ہے۔''

''ابھی تک اس کا بیان لینے کی نوبت نہیں آئی ہوگی'' جلال نے پوچھا۔

''تکلیف کی شدت کی وجہ سے اسے خواب آور دوائیں دے دی گئی ہیں۔ اس کے کمرے پر پولیس کا پہرا لگا دیا گیا ہے۔ شاید کل اس کے بیان کی نوبت آئے گی۔''

''اس وقت تک شیر دل کا نام پوشیدہ رہے گا'' میں نے گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے خوف تھا کہ پولیس ذرا سی دیر میں اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔ اس خوف کی وجہ سے میں نے بہت تیزی سے دھوبی گھاٹ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔''

''اس واقعے سے سارے امریکی برہم اور خوف زدہ بلکہ اعصاب زدہ ہیں'' جلال نے ہنس کر کہا ''آغا خان اسپتال میں قونصل خانے کے ایک افسر نے ہوم سیکریٹری سے بہت بدتمیزی کی ہے۔ وہ واقعہ صحافیوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ ہوسکتا ہے، کل اس کی باضابطہ شکایت کر دی جائے اور اسے پاکستان سے نکال دیا جائے۔''

''اپنے ایک ساتھی کی موت پر اس کی دیوانگی قابلِ فہم ہے'' میں نے کہا۔

''اس نے ادھیڑ عمر سیکریٹری کا گریبان پکڑ کر فحش گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔ اس حرکت کو صدمے کا نتیجہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''ان لوگوں سے مراسم رکھنے ہیں تو یہ سب برداشت کرنا ہوگا'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''میں تو کہتی ہوں کہ ہمارے سفارتی افسروں کو بھی امریکا میں یہی سب کرنا چاہیے تب ان کی عقل کسی ٹھکانے پر آئے گی۔''

''بی جمالو نہ بنو'' جلال نے اسے مشورہ دیا ''گالی کا جواب گالی سے دیا جائے تو ان میں اور ہم کیا فرق رہ جائے گا۔''

''پھر جو ہو رہا ہے، اسے خاموشی سے بھگتو۔''

''ہمارے ساتھ ان کو بھی نتائج کا سامنا کرنا پڑ رہا

ہے'' سلطان شاہ نے اس دوران میں پہلی مرتبہ زبان کھولی ''وہ اب تک اپنے کتنے آدمی کھو چکے ہیں؟''

''دیکھنے والی بات یہ بھی ہے کہ ان کے مقابلے میں ہم نے بہت کم نقصان اٹھایا ہے'' غزالہ نے بھی بولنے کی ہمت کر ہی ڈالی۔

''یہ بے کار باتیں ہیں'' جلال نے مربیانہ انداز میں کہا ''جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ماضی کے واقعات پر سر کھپانا بے سود ہے۔ اپنی نگاہ آنے والے وقت پر رکھو۔ اس کا تقاضا ہے کہ دو باتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ یہ بات ہر طرف پھیل جانی چاہیے کہ نک کو سوبھراج کے ایما پر مارا گیا ہے۔ اسی طرح سوبھراج کو یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ ڈینی نے شیر دل کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اب اسے کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔''

''کل تک یہ دونوں کام خود بہ خود ہوجائیں گے'' اول خان بولا ''ڈینی نے بتایا ہے کہ صبح والے حملے کے بارے میں نک نے سوبھراج سے بات کی تھی۔ نک کے علاوہ دوسروں کے پاس بھی سوبھراج کا سیٹ لائٹ نمبر موجود ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ نک کی موت کے بعد سوبھراج سے کسی نہ کسی نے بات کی ہو۔ وہ اپنا سینہ ٹھونک کر کہے گا کہ نک کو اس نے مروایا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے یہ بات اخبار والوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔''

جلال بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت ان دو نکات میں دلچسپی لے رہا تھا۔

''یہی صورت شیر دل کے بارے میں ہے'' اول خان کی بات جاری تھی ''ابھی بہت وقت باقی ہے۔ صبح کے اخباروں میں شیر دل کی ہلاکت کے ساتھ اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آجائے گی۔ سولجر بازار میں امریکی کمانڈو کی موت کا واقعہ تازہ ہے۔ سوبھراج کو اندازہ ہوجائے گا کہ شیر دل کس کا نشانہ بنا ہے؟''

''سوبھراج کمزور، زخمی اور ہراساں ہے'' جلال نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''ہمیں کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں روپوش ہے۔ وہ جن حالات سے گزر رہا ہے، ان میں اپنے سائے پر بھی اعتماد نہیں کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ سوبھراج کو جلد از جلد پتا چلنا چاہیے کہ وہ اپنا ایک اہم ساتھی کھو بیٹھا ہے۔ ہمیں یہ اندازہ ہوسکے گا کہ وہ نک کو راستے سے ہٹانے کے بعد کیا سوچ رہا ہے؟''

میں نے محسوس کیا کہ جلال کے ذہن میں کوئی خاص بات چکرا رہی ہے، جسے وہ الفاظ کے جامے میں لانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

''مجھے اس سے بات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اسے چڑا کر مجھے دلی راحت ملتی ہے۔''

''لیکن تم اس سے کیا بات کرو گے؟'' ویرا نے درمیان میں ٹانگ اڑائی۔

''میں یہیں بیٹھ کر بات کروں گا۔ اپنے کانوں سے سن لینا کہ میں کیا کہتا ہوں۔''

''اس سے پہلے چائے کی ایک پیالی ضروری ہے'' جلال نے ہنستے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

غزالہ فرض شناس مہمان دار تھی۔ اس کے ایما پر ایک آدمی کچن میں مصروف تھا۔ اسے نئی ہدایت دینے کی دیر تھی کہ بہت سے لوازم کے ساتھ چائے کی ٹرالی آگئی۔

چائے کا دور ذرا طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں، جن کا کام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ آخرکار وہ سلسلہ ختم ہوا۔ برتن سمیٹ لیے گئے تو جلال نے مجھے فون کی طرف متوجہ کیا اور میں سوبھراج سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہوگیا۔

''ہیلو سوبھراج! میں ڈینی بول رہا ہوں'' اپنے ریسیور میں اس کی آواز سن کر میں نے کہا۔

''اچھا ہوا کہ تم نے فون کرلیا'' اس کی دبنگ آواز میں عجیب سی وحشیانہ مسرت عود کر آئی ''آج تمہارا یہ دوسرا فون ہے۔ تم نے ٹیلی وژن پر سن لیا ہوگا کہ آخرکار میں نے نک سے اپنا بدلہ لے لیا۔ اسے جہنم واصل کیا جاچکا ہے۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم کسی ویرانے میں نہیں، ایسے گھر میں روپوش ہو جہاں تم کو ٹیلی وژن جیسی سہولت بھی میسر ہے......''

''یہاں سب کچھ ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر فخریہ انداز میں بتایا ''مجھے دنیا کی سب سہولتیں میسر ہیں۔ کیا نک کا انجام سن کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''میرے لیے اب یہ خبر پرانی ہوچکی ہے، کچھ دیر پہلے یہ بات معلوم ہوئی تھی تو مجھے واقعی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اس سے زیادہ برے انجام کا مستحق تھا۔ تم نے اسے مروا کر کافی دنوں بعد ایک نیک کام کیا ہے۔ اس پر تم مبارک باد کے مستحق ہو۔''

''میرے ذہن پر سے پہاڑ جیسا ایک بوجھ ہٹ گیا

ہے۔ اب میں یکسو ہو کر اپنے دوسرے مشن پر کام کر سکوں گا۔''

اس کی آواز اور باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کی ذہنی حالت بڑی حد تک اعتدال پر آ چکی تھی۔ نک کے قتل کی خبر مل جانے کے بعد وہ بدترین ذہنی انتشار کے بھنور سے نکل چکا تھا۔

''دوسرے مشن کے بارے میں کچھ سوچنے سے پہلے اپنے کارنامے کی فکر کرو۔ تمہارے دشمن اس کامیابی کو کسی اور سے منسوب کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تم سے کس نے کہا۔'' میرے انکشاف نے اسے پریشان کر دیا۔

''کسی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارے نام کو دبا کر یہ سہرا میرے سر منڈھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابھی تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آیا۔''

''میں نے سب کچھ چھوڑ کر یہ راہ اپنائی ہے۔ وہ مجھ سے میرا یہ اعزاز نہیں چھین سکتے۔'' اس کی آواز قہر بار ہو گئی ''ان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ان کے غدار قرار دیے ہوئے کسی شخص نے پلٹ کر ان سے ان کی بے وفائی کا بھیانک انتقام لیا ہو۔ میرے خلاف اخبار زہر اگل رہے ہیں۔ اب اخباروں میں میری طرف سے یہ بھی چھپے گا کہ نک کو میں نے مروایا ہے۔ غدار میں نہیں، وہ ملعون تھا جس نے میری برسوں کی رفاقت کو ایک پل میں خاک کر دیا۔''

''اس طرح تم ایک بہت بڑے قتل کا الزام اپنے سر لے لو گے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اب یہی الزام میرا انعام ہے۔ اخباروں میں اس سے بڑے بڑے الزام لگ رہے ہیں۔ اب ایک یہ بھی سہی۔ میں ان کے ارادے ناکام بنا دوں گا۔ اخباروں کے صفحوں میں یہ بات امر ہو جائے گی کہ نک کو سزا میں نے دی تھی، وہ مجھ سے کریڈٹ نہیں چھین سکتے۔ مجھے برا کہا گیا ہے تو میں اتنا برا بن کر دکھاؤں گا کہ لوگ میرے نام سے تھرانے لگیں گے۔''

''ابھی تم اپنے کسی اگلے مشن کی بات کر رہے تھے۔'' میں نے یاد دلایا۔

''وہ بھی بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اب مجھے کسی مدد یا رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی راہ خود بنا سکتا ہوں۔''

آسانی

''میں اس معاشرے میں دیانتداری سے زندگی گزارنے کا عزم کر چکا ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے...... اس معاملے میں تمہیں یہاں زیادہ مقابلے بازی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

☆☆☆

ایک بھیڑ نے آواز نکالی ''بھے.... بھے..''

دوسری بھیڑ بولی ''میاؤں.... میاؤں..''

پہلی بھیڑ نے سمجھایا ''دیکھو۔ بھیڑیں میاؤں میاؤں نہیں کرتیں، بھے بھے کرتی ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے'' دوسری بھیڑ بولی ''لیکن میں آج کل دوسری زبان بھی سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''دوپہر کو کہی ہوئی یہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی ہے۔''

''مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں نک کو ٹھوکر مار سکتا ہوں تو تمہاری کیا حیثیت ہے!'' وہ جوشِ جنون میں بڑے بول بولنے لگا تھا۔

''تمہیں اپنے اس آدمی کی کوئی خیر خبر ہے جسے تم نے نک کا کام سونپا تھا۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تم بار بار اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس کے سوال سے ظاہر ہو گیا کہ وہ شیر دل کے انجام سے بے خبر تھا۔ وہ واقعہ اتنا تازہ تھا کہ سوبھراج کو اس کی خبر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

''مجھے ایک شیر دل آدمی کی تلاش ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کیا کہا؟'' میرے کانوں میں اس کی دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔

''مجھے ایک شیر دل آدمی کی تلاش ہے۔'' میں نے اپنا فقرہ دہرایا۔

''ڈینی! تم بہت کمینے آدمی ہو۔ تم مجھے کیا جتانا چاہ رہے ہو؟''

''میرے دوستی کے لیے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ٹھکرا کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ شیر دل تمہارا دستِ راست اور مددگار

تھا۔ میں نے تمہارا وہ ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا ہے۔''
''نہیں...... تم جھوٹے ہو۔'' اس کی آواز میں بے اعتباری تھی ''تم نے کہیں سے اس کا نام سن لیا ہے اور اب اس کی آڑ لے کر بے پر کی اڑا رہے ہو۔''
''نام ہی نہیں، کہو تو میں تمہیں اس کے اڈے کا پتا اور فون نمبر بھی بتا دوں۔ دھوبی گھاٹ کی آبادی میں اس وقت اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔''
''اوہ!'' اس کی آواز ایک بے ساختہ کراہ سے مشابہہ تھی۔ ''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''
''میں تم جیسے لوگوں کا دوست ہوتا ہوں۔ دوستی نہ ہو سکے تو پھر دشمن ہو جاتا ہوں۔ میں نے اندازہ لگالیا ہے کہ تم نے پاکستانی بننے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ تم اس گمان میں ہو کہ روپوش ہو کر اپنی من مانیاں کرتے رہو گے۔ اسی لیے تم کو میری طرف سے مہلت کی ضرورت ہے۔ ورنہ تم مجھ سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے ہو، یہ یاد رکھو کہ میں جس کے پیچھے لگ جاتا ہوں، پاتال تک اس کا پیچھا کرتا ہوں۔''
''اگر تم نے شیر دل کو واقعی کوئی نقصان پہنچایا ہے تو اس سے مجھے صدمہ ہوگا۔ کچھ تکلیف بھی ہوگی۔'' اس بار سوبھراج کا لہجہ بہت محتاط تھا ''لیکن میرے لیے وہ کوئی اکلوتا مددگار نہیں تھا۔ اس جیسے کئی آدمی میرے لیے کام کرتے ہیں۔ تھوڑا سا وقت لگے گا پھر وہ شیر دل کے حصے کا کام بھی سنبھال لیں گے۔''
''رفتہ رفتہ تم ان سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ شاید ایف بی آئی والے تمہیں بھول جائیں لیکن میں تمہیں من مانی نہیں کرنے دوں گا۔''
''یہ آنے والا وقت بتائے گا۔'' اس کی آواز سرد اور دھمکی آمیز تھی۔ ''مجھے معلوم تھا کہ تم کسی بھی وقت مجھے آنکھیں دکھا سکتے ہو۔ تمہاری ہمدردیاں فرضی اور خود غرضی پر مبنی تھیں۔ تم مجھے دھوکا دے کر گھیرنا چاہ رہے تھے۔ میں شروع سے اب تک غافل نہیں رہا۔ میں نے بھی تمہارا سر کچل دینے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔''
اس کی باتوں میں ہلکا پن نہیں تھا۔ وہ کسی نہ کسی بنیاد پر وہ باتیں کہہ رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ جس طرح میں اس کے ساتھ دہرا کھیل کھیل رہا تھا، اسی طرح وہ بھی ہر قیمت پر مجھے نیچا دکھانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔
''تم کسی خوف زدہ گیدڑ کی طرح چھپے ہوئے ہو۔ قانون کے محافظوں کو تمہاری تلاش ہے، ایف بی آئی والے تمہارے لہو کے پیاسے ہیں، تم نے مجھ سے دشمنی مول لی ہوئی ہے، شیر دل مارا جا چکا ہے۔ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔''
''تم نے بزدلی اور خاموشی سے شیر دل پر وار کیا ہے۔ میں تمہیں بتا کر اس کا جواب دوں گا میری طرح تم بھی پردوں میں چھپے رہتے ہو۔ میں تمہیں سامنے آنے پر مجبور کر دوں گا۔ شیر دل کا بدلہ اب میں جہانگیر سے لوں گا۔''
''اس کی زبان سے جہانگیر کا نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ گئیں۔
''وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے تم نے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔
''وہ کہیں کا بھی آدمی ہو، اس وقت میرے سامنے ہے۔'' اس نے سفاکی سے کہا ''وہ باہر کا آدمی ہو سکتا ہے تو شیر دل بھی باہر کا آدمی تھا۔''
''شیر دل تمہارے گندے کاموں میں تمہارا ساتھی تھا۔ جہانگیر میرا دوست ہے۔ اس کا میرے دھندوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔''
''نہ ہو...... اب اسی کی باری آئے گی۔'' وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔
لمحے بھر کے لیے میں سناٹے میں آ گیا۔ مجھے جہانگیر اور سلمیٰ کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا تھا۔ پھر یکایک میرے ذہن میں روشنی کی ایک طاقت ور کرن چمکی اور میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''تم روپوش ہو گئے ہو لیکن تم اپنے پورے خاندان کو پناہ نہیں دے سکتے۔ تمہارے بیوی بچے، ماں باپ بہن بھائی، ان میں سے کوئی میرے قہر سے نہیں بچ سکے گا۔ جہانگیر کا بال بھی بیکا ہوا تو یہ سب عتاب میں آ جائیں گے۔''
''آ جائیں! اب مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں صرف اپنے لیے زندہ ہوں۔'' اس کے الفاظ بہت سخت تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ میری دھمکی پر اس کا لہجہ اچانک ڈھیلا اور کمزور پڑ گیا تھا۔
''پھر جو چاہو کرتے رہو۔ اب ہمارے درمیان کھلی جنگ ہوگی جس میں کوئی محفوظ نہیں رہے گا۔ ایک ایک کر کے تم اپنے تمام ساتھیوں اور عزیزوں سے محروم ہو جاؤ گے۔''
میں اس کی طرف سے جواب کا منتظر تھا لیکن لائن پر گہرا سناٹا گونج رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد مجھے احساس ہوا کہ اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنا فون بند کر دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جان بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کا مکاؤ میں ڈون کا نگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو ہو کر انھیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پر اسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے لیے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کی گولڈن فارمیسی تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے را کے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انھیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن، ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چونکا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آ کر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر میں مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں قتل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہو گی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور روانی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر پی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے

خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار تنک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں تنک بھی موجود تھا۔ اس نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے تنک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے تنک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں تنک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد جہانگیر پر حملہ کرنے والا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 231 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

سوبھراج سے ہونے والی گفتگو نے اتنی تیزی سے رنگ بدلا تھا کہ آخر میں سب کے چہروں پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے۔

چند ثانیوں تک کمرے کی فضا پر گمبھیر سکوت چھایا رہا۔ آخر کار اول خان نے زبان کھولنے میں پہل کی اور کہا ”اب وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے پر اتر آیا ہے۔“

”قصور سوبھراج کا نہیں، کھمبے کا ہے۔ وہ کہیں آتا ہے نہ جاتا ہے۔ ہمیشہ اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے۔“ دیرا نے اس کی بات کاٹ کر نرم لہجے میں کہا ”یہی حال جہانگیر کا ہے۔ وہ سب کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کی دکان آگ کی نذر ہو گئی لیکن اب اس کا فلیٹ دشمنوں کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔“

”اس کے بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اول خان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”میرے دو آدمی ہر وقت وہاں موجود رہتے ہیں۔ میں انہیں مزید ہوشیار کر دوں گا۔ کسی نے ادھر کا رخ کیا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔“

”انہیں اسی وقت الرٹ کر دو۔“ میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا ”اس وقت سوبھراج کی ذہنی حالت پر زیادہ بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کسی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دے۔“

اول خان کو صورتِ احوال کی سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس کے پاس اپنے ان آدمیوں سے براہِ راست رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس نے فون پر اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے رابطہ کر کے ہدایت دی کہ وہاں سے لاسلکی ریڈیائی رابطے پر ان دونوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اول خان سے فوری طور پر اس کے موبائل فون پر رابطہ کریں۔

اس کے بعد کمرے کی فضا پر سکوت چھا گیا۔ ہم میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہی۔ پانچ منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ اول خان کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ہم لوگوں کے لیے اپنے دشمنوں کے چہرے جانے پہچانے تھے مگر اسپیشل ٹاسک فورس کے عام اہل کاروں کے لیے وہ سب اجنبی تھے۔ اول خان کی ہدایت پر وہ صرف ایسے لوگوں کے منتظر تھے جو جہانگیر کے خلاف کچھ معاندانہ عزائم رکھتے ہوں۔

اول خان نے اپنے آدمی کو بتایا کہ دشمن وقت اور خطرات کی پروا کیے بغیر، کسی بھی وقت جہانگیر کے گھر پر ایک مرتبہ پھر حملہ کر سکتا ہے اس لیے ان دونوں کو ہر وقت بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔

بات زیادہ پرانی نہیں تھی۔ چند ہی روز پہلے سنیل کے بھیجے ہوئے بدمعاشوں نے جہانگیر کے گھر پر دھاوا بول کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں چارلی نامی ایک مقامی بدمعاش ہمارے قبضے میں آیا تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا تھا کہ اس کام کے لیے سنیل نے پچاس ہزار روپے کے عوض اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ ان لوگوں کا معمول کا طریقہ کار تھا۔ وہ اپنی کھال بچانے کے لیے بھاری معاوضے پر مقامی بدمعاشوں سے کام لے رہے تھے۔ چارلی کے بعد انہوں نے شیر دل کو بھی اسی طرح استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان دنوں سوبھراج کے ستارے یاور نہیں تھے۔

جہانگیر کافی دنوں سے کلفٹن کے علاقے میں ایک محفوظ رہائشی عمارت کے فلیٹ میں رہ رہا تھا جہاں اسے روزمرہ زندگی کی تمام تر آسائشوں کے ساتھ خاصا تحفظ بھی حاصل تھا۔ اس عمارت کا اپنا حفاظتی نظام تھا۔ وہاں گراؤنڈ فلور پر موجود مسلح محافظ، چوبیس گھنٹے ہر آنے جانے والے اجنبی چہرے پر نظر رکھتے تھے۔ چارلی والے واقعے کے بعد انہوں نے اپنی دیکھ بھال میں زیادہ سختی کرنی شروع کر دی تھی۔

پروجیکٹ کے ان تنخواہ دار محافظوں کے علاوہ ایس ٹی ایف کے دو مسلح آدمی ہر وقت اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے مجھے توقع نہیں تھی کہ ان [illegible] انتظامات کی موجودگی

میں سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمی اپنے عزائم میں کامیابی حاصل کرسکیں گے۔

اول خان اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر ہمارے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا۔

جلال کے ذہن میں ان واقعات کے بارے میں نہ جانے کیا کھچڑی پک رہی تھی کہ وہ بہت الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھا۔

''سوبھراج سے بات ہوگئی ہے، اول خان نے جہانگیر کی حفاظت پر مامور اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر دیا ہے پھر تم کیوں پریشان نظر آ رہے ہو؟'' میں نے جلال کا شانہ ہلاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''معاملہ خاصا سنگین ہوتا نظر آ رہا ہے۔ جب تک صبح کے اخبارات میں سوبھراج کا یہ بیان نہیں آ جاتا کہ نک ہاروے کو اس نے مروایا ہے۔ میرا ذہن ہلکا نہیں ہو سکے گا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے جلال کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لیکن کیوں؟'' ویرا ..... نے زور دینے والے انداز میں سوال کیا۔

''یہ دوسری بار ہوا ہے کہ ڈینی کا نام بہت مشتبہ انداز میں سامنے آنے والا ہے۔'' جلال نے اسی پرخیال لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ ایسی کیا بات ہوئی ہے؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''حیرت ہے کہ ابھی تک تمہارے ذہن میں پورا منظر نامہ نہیں آ سکا۔'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ ہوگئی ''امریکی میرین کمانڈوز نے سوبھراج کو ہلاک کرنے کے لیے سنیل کے گھر کا رخ کیا تھا جہاں وہ پناہ گزین تھا.....''

''ان دونوں کو وہاں سوبھراج کا سایہ تک نہیں ملا۔'' ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک لی ''ان دونوں کا اول خان اور ڈینی سے تصادم ہوا۔ ان میں سے ایک مارا گیا۔ دوسرا بے ہوشی کی حالت میں پکڑا گیا۔''

''اہم ترین بات یہ تھی کہ ان دونوں کمانڈوز کو ہلاک اور بے ہوش کرنے کے لیے ان کے جسموں میں سریع الاثر زہروں کی خفیف سی مقدار انجکٹ کی گئی تھی۔'' جلال نے اسی متانت کے ساتھ کہا۔ ''یہ طریقہ اب ڈینی سے موسوم ہو چکا ہے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم رہی ہوگی کہ سوبھراج کی خفیہ پناہ گاہ کے قرب و جوار میں ڈینی کیا کر رہا تھا۔''

''شاید تم بھول رہے ہو۔'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''نک نے کرنل داور سے بات کرتے ہوئے اس الجھن کی وضاحت کر دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈینی کو بھی کہیں سے سوبھراج کی کمین گاہ کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ بھی سولجر بازار جا پہنچا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ دونوں فریق وہاں اتفاق سے یک جا ہو گئے اور سوبھراج کو نشانہ بنانے کے بجائے آپس میں لڑ پڑے۔''

''مجھے سب یاد ہے۔'' جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی ''اس واقعے کی ایک تکون بنی تھی۔ ڈینی، سوبھراج اور نک۔ اس میں کسی کا کچھ نہیں بگڑا۔ نک کا ایک کمانڈو مارا گیا، دوسرا بے ہوش ہوا۔ تازہ ترین واقعے کی تکون بھی بالکل یہی ہے۔ اس کے نتیجے میں نک کے ساتھ شیر دل بھی مارا گیا اور کفیل پکڑا گیا۔ کفیل ہوش میں آتے ہی شیر دل کی نشان دہی کرے گا۔ وہ ڈینی کے مخصوص زہر سے مارا گیا ہے۔ جب تک سوبھراج منظر میں آ کر نک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر پر نہیں لے لیتا، بادی النظر میں یہ سمجھا جائے گا کہ ڈینی نے پہلے شیر دل کے آدمی کے ذریعے نک کو مروایا پھر شیر دل کو بھی مار دیا۔''

''میرے دوست!'' میں نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تمہارے یہ اندیشے بجا ہیں لیکن تم نک کی موت سے کچھ زیادہ پریشان ہو گئے ہو۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو سوبھراج کسی بھی وقت کسی بڑے اخبار کے دفتر سے رابطہ کر کے نک کا قاتل ہونے کا دعویٰ کر ڈالے گا پھر کفیل زخمی اور بے ہوش ہے۔ کل دن سے پہلے اس کا بیان لینے کی نوبت نہیں آسکے گی۔ تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ شیر دل ایک بدمعاش تھا۔ اس کی موت کی خبر ضرور پھیلے گی لیکن اس کے قتل کے صحیح اسباب کا تعین کرنے کے لیے پوسٹ مارٹم کی نوبت دیر سے آئے گی۔ وہ نتائج آنے سے پہلے، صبح کے اخبارات میں سوبھراج کا اعلان چھپ چکا ہوگا۔''

''فرض کرو کہ یہ سب کچھ یوں ہی ہوتا ہے پھر بھی اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ تم سوبھراج کے ساتھ مسلسل نک کے خلاف کام کرتے ہوئے نظر آ رہے ہو۔''

''ہاں..... یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ بات نک سے بڑھ کر امریکی مفادات تک بھی پہنچ سکتی ہے۔'' ویرا نے جلال کی تائید کرتے ہوئے کہا ''وہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ امریکی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے ڈینی اور سوبھراج نے ایکا کر لیا ہے۔''

''ایسا سوچنے والوں کی عقلوں پر ماتم کرنا پڑے گا۔'' میں نے خوش دلی کے ساتھ ہنستے ہوئے کہا ''پچھلی بار اگر ایک

امریکی کمانڈو مارا گیا تھا تو آج سوبھراج کا ایک قابلِ اعتماد آدمی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا ہے۔ یہ دونوں واقعات کا بنیادی فرق ہے۔''
''اگر تم شیر دل پر انگوٹھیوں والا زہر استعمال نہ کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' اس بار اول خان نے اپنی رائے دی تھی ''قتل کے اس مخصوص طریقے کی وجہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔''
''اگر میں کچھ اور طے کر بھی لیتا تو اس پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔ شیر دل کا اڈا گنجان آبادی میں ہے۔ جہاں گھروں کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ ایک گھر میں زور سے بولنے کی آواز آسانی سے دوسرے میں سنی جا سکتی ہے۔ شیر دل کو ٹھکانے لگانے کے صرف دو راستے تھے۔ جن پر عمل کر کے میں رازداری اور خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ سکتا تھا۔ زہر یا بیم گن اور ان دونوں پر میرے نام کی چھاپ لگ چکی ہے۔''
''ظاہر ہے!'' میری وضاحت پر اول خان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''وہاں کسی کو بھی شبہ ہو جاتا کہ شیر دل کے ساتھ کوئی واردات ہو گئی ہے تو وہاں سے تمہارا صحیح سلامت نکل آنا دشوار ہو جاتا۔'' یہ تمہاری ناگزیر مجبوری تھی۔''
''اس وقت تمہاری کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔
''بہت نازک ہے۔'' وہ ہنس کر بولا ''نک کی موت کے اثرات دور تک محسوس ہوں گے اور شاید دیرپا بھی ثابت ہوں۔''
''تمہارا شیر دل واقعی شیر دل ثابت ہوا۔'' اول خان نے داد دی ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نک کو اتنی آسانی سے راستے سے ہٹایا جا سکے گا۔''
''سوبھراج اب بھی یہی سمجھ رہا ہو گا کہ شیر دل نے اس کے اشارے پر نک کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کیا ہو گا۔'' سلطان شاہ بولا ''اس بے چارے نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورے خلوص سے پورا کیا لیکن تم نے اسے کوئی اچھا صلہ نہیں دیا۔''
''وہ بے چارہ نہیں تھا۔'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا ''نہ جانے کتنے لوگوں کا قاتل تھا اور اب بھی ایک ڈیڑھ لاکھ لے کر کسی کو بھی مارنے کے لیے تیار تھا۔ ایسے موذی کا مر جانا ہی بہتر تھا۔ جو لوگ چند پیسوں کے عوض خود کو بیچ دینے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ جب تک جیتے ہیں، دوسروں کا خون پی کر جیتے ہیں۔''
''یہ سب ہو رہا ہے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ جہانگیر کے بارے میں سوبھراج کی دھمکی کو کوئی بھی زیادہ اہمیت نہیں دے رہا۔'' ویرا نے اچانک وہ ذکر نکال لیا۔
''اس سے زیادہ اور کیا اہمیت ہو گی کہ اول خان نے سب سے پہلے اپنے آدمیوں کو اس کی خصوصی حفاظت کی ہدایات دی ہیں۔ اب ہم وہاں ٹینک تو کھڑے نہیں کر سکتے۔'' میں نے قدرے ترشی سے کہا۔
''جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ کیا جا رہا ہے۔'' غزالہ نے تحمل سے کہا ''تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات آ رہی ہے تو وہ بھی کہہ ڈالو۔''
''ہم میں سے کسی نہ کسی کو اس کے گھر پر موجود رہنا چاہیے۔'' ویرا نے اپنی رائے دی۔
''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا ''ہم میں سے کسی کے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟''
''اور کچھ نہیں تو اس کی دل جوئی ہوتی رہے گی۔'' ویرا بولی۔
''وہ سوبھراج کی تازہ ترین دھمکی سے بے خبر اور اپنے گھر میں مطمئن بیٹھا ہوا ہے۔ اسے کسی کی طرف سے دلجوئی کی ضرورت نہیں۔ اگر اس کے لیے تمہارا پتا پھڑک رہا ہے تو پھر تم ہی وہاں چلی جاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔
''میں خوشی سے وہاں جانے کے لیے راضی ہوں۔ آج کے دور میں ایسے مخلص دوست نایاب ہوتے ہیں لیکن تم کو اس کی ذرا بھی قدر نہیں ہے۔''
میں نے اسے کوئی جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
''تم میری پوزیشن کی بات کر رہے تھے......'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جلال نے میری طرف متوجہ ہو کر کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات اڑا دی۔
''تمہاری پوزیشن مجھے معلوم ہے۔ تمہارا دل ہر لحہ ہمارے ساتھ ہے۔ تم وہی سوچتے ہو جو ہم سوچتے ہیں۔ میں تمہاری سرکاری پوزیشن کی بات کر رہا تھا۔''
اسی وقت ویرا نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑی اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔
ویرا ہمیشہ سے موڈی عورت تھی۔ اس کے وہ انداز ہم میں سے کسی کے لیے بھی نئے نہیں تھے۔ کسی نے اس کے چلے جانے پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے نظر انداز کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ہر

طرف شام کا اندھیرا اتر آیا تھا اور دیرا کے اعصاب پر شراب کی طلب سوار ہونے لگی تھی۔ وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر، اپنی پیاس بجھانے کے لیے اپنے کمرے کی طرف گئی ہوگی۔

وہ دیرا کی ایسی موروثی عادت تھی جسے چھڑانا کسی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ میں نے اسے جب بھی الکحل کے مضر اثرات کے بارے میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی، اس نے یہ کہہ کر میرا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی ہے۔

اس کے بتائے ہوئے حساب کی رو سے میں عین عالم شباب میں پہنچنے تک اتنی شراب پی چکا تھا جتنی کوئی عادی شرابی اپنی ساری عمر میں نہیں پی سکتا۔ اپنا زندگی بھر کا کوٹا پورا کر کے اگر میں نے وہ قبیح مشغلہ ترک کر دیا تھا تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی کہ جب اس کا کوٹا پورا ہو جائے گا تو وہ بھی میری طرح شراب نوشی سے تائب ہو جائے گی۔

آثار وقرائن یہ بتا رہے ہے کہ دیرا کو زندگی بھر اپنا کوٹا پورا ہونے کا احساس نہیں ہو سکے گا۔ وہ اپنے آخری سانس تک شراب خانہ خراب کے طلسم میں گرفتار رہے گی۔ یہ عقدہ سمجھ میں آ جانے کے بعد میں نے اسے روکنا ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔

''میں نے بھی جو کچھ کہا، اپنی سرکاری پوزیشن کے بارے میں کہا تھا۔ پہلے جو کچھ ہوتا رہا، اسے امریکی کسی نہ کسی طرح سہہ گئے لیکن آج کے بدلے ہوئے حالات میں ان کے جارحانہ عمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔''

''جو کچھ ہوا، وہ ایک عام واقعہ ہے۔ اس قسم کے واقعات دنیا بھر میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر بہت اودھم ہوتا ہے لیکن آج تک دنیا کا کوئی بھی ملک ایسے واقعات سو فیصد تدارک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔

''بات گھوم پھر کر اسی نکتے پر آ جاتی ہے جو اول خان نے اٹھایا تھا۔'' جلال نے ایک گہری سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''کفیل اور شیر دل کا تعلق زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہے گا۔ وہ اس بات کا بتنگڑ بنانے کی کوشش کریں گے کہ شیر دل کو تم نے مارا ہے اور اس طرح نک کے قتل کے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس واقعے میں کہیں نہ کہیں تمہارا ہاتھ ضرور ملوث ہے۔''

اول خان خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ آخر غزالہ نے مضطربانہ انداز میں کہا ''جب سوبھراج ساری ذمے داری اپنے سر لے گا تو شیر دل کی کیا اہمیت رہ جائے گی۔''

''یہ ہم لوگ کہہ رہے ہیں، تم کہہ رہی ہو۔ وہ سوبھراج کے بیان کو زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔ اپنے مطلب کے حقائق پر زور دیں گے۔'' جلال نے غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آج کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ شیر دل ایک زہریلی سوئی کا شکار ہوا ہے۔ ڈینی کے کئی حریف ایسی سوئیوں کے شکار ہو چکے ہیں۔ شاید وہ یہ دلیل اپنائیں گے کہ شیر دل کا قاتل ہی نک کا اصل قاتل ہے۔ اس نے اپنی پردہ پوشی کے لیے شیر دل کو مار ڈالا ورنہ قانون کے رکھوالے کفیل کے سہارے شیر دل تک پہنچ جاتے اور اس سے اصل قاتل کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جاتا۔ شیر دل کی موت سے وہ راہیں مسدود ہو گئیں۔''

''صورت احوال واقعی بہت گنجلک ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''کیا ہم اس معاملے میں وقت سے پہلے اور شاید ضرورت سے زیادہ دماغ سوزی کر رہے ہیں۔ ابھی واقعہ تازہ ہے۔ ہمیں آج رات سکھ کی نیند سو جانا چاہیے۔ صبح دیکھیں گے کہ سوبھراج نے کیا گل کھلائے ہیں۔ اس کے بعد ہی نیا نقشہ سامنے آ سکے گا۔''

''ہاں!'' جلال ہولے سے ہنس دیا ''انگریزی محاورے کے مطابق ہم جھاڑیوں کے گرد بھٹک رہے ہیں شکار کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ گھوم پھر ایک جیسے خطرات اور خدشات سامنے آ رہے ہیں۔''

''بس، کھانے کی تیاری کرو۔'' میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''آج ہم سب ایک ساتھ ڈنر کریں گے۔ یہ موضوعات کل زیر بحث آئیں گے۔''

جلال لاکھ انکار کرتا رہا۔ وہ دیر سے کھانا کھانے کا عادی تھا لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس کی سہولت کے لیے اسی وقت میز لگانے کی فیصلہ کن ہدایت جاری کر دی تاکہ اس کا زیادہ وقت خراب نہ ہو۔

غزالہ گھر میں موجود افراد کی تلاش میں اٹھ گئی۔ جب سے اول خان نے دو محافظوں کی صورت میں ہمیں ایسے افراد فراہم کیے تھے جو گھریلو کاموں میں بھی بھرپور مہارت رکھتے تھے، غزالہ کے سر سے کام کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اس کی سرسری ہدایات پر ہر کام اس قرینے سے انجام دیتے تھے کہ دل خوش ہو جاتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی غزالہ بوکھلائی ہوئی واپس آئی۔ اس نے بتایا کہ دیرا اپنے کمرے یا باتھ روم میں تھی نہ گھر کے کسی اور حصے میں۔

ہم سب کے لیے وہ خبر ایک دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں

اٹھ کر تیزی سے ویرا کے کمرے کی طرف گیا تو وہاں کی فضا میں الکحل کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ تپائی پر بلیک لیبل کی بوتل اور ایک گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ کی چند بوندیں چغلی کھا رہی تھیں کہ کہیں جانے سے پہلے ویرا نے اسکاچ کا ایک لمبا گلاس لیا تھا۔

پھر مجھے مسہری پر بے ترتیبی سے پڑے ہوئے وہ کپڑے بھی نظر آ گئے جو کچھ دیر پہلے ویرا کے سڈول بدن کی زینت بنے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل بھی بکھری بکھری سی نظر آ رہی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ ویرا لباس بدل کر پوری تیاری کے ساتھ گھر سے نکل گئی تھی۔

ویرا کی تلاش کے سلسلے میں گھر میں افراتفری پھیلی تو ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی بھی اندر آ گئے۔ میرے پُرتشویش استفسار پر ابرار نے بتایا کہ ویرا کچھ دیر پہلے پیدل گھر سے نکلی تھی۔ اس نے ابرار سے کہا تھا کہ کوئی اس کے بارے میں دریافت کرے تو وہ بتا دے کہ وہ جہانگیر کی طرف گئی تھی۔

ابرار کی زبان سے جہانگیر کا نام سن کر سب ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ دین محمد اور ابرار کی موجودگی میں کوئی کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ان دونوں کو میز لگانے کے لیے کچن کی طرف بھیجا اور خود سر جھکا کر ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔

''یہ عجیب غیر ذمے دار اور سنکی لڑکی ہے!'' جلال ڈرائنگ روم میں آ کر ناخوشگوار لہجے میں اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا ''ذرا سی بات پر یوں تنک کر گھر سے نکل گئی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ جہانگیر سے زیادہ وہ خود خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ ایسی حرکت سے آخر وہ کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہے۔''

جلال کے اشتعال کا اندازہ کر کے میں نے بلاوجہ مسکرانا شروع کر دیا جیسے میں ویرا کی اس طفلانہ حرکت سے محظوظ ہوا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میں غصے سے دل ہی دل میں ویرا پر بل کھا رہا تھا۔

''وہ کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہتی۔'' غزالہ نے جلدی سے کہا ''بس، کبھی کبھی اس کی ذہنی رو ذرا بہک جاتی ہے۔''

''اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کی ذہنی رو بہکنے کے نتیجے میں دوسروں کو کس قدر ذہنی انتشار کا سامنا کرنا پڑتا ہے!'' جلال براہِ راست غزالہ سے مخاطب ہو گیا۔

غزالہ اسے ترش سوال کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''وہ بدنیت یا بے وفا نہیں ہے۔'' غزالہ کے سٹپٹا جانے پر اول خان نے ویرا کی طرف داری کا فریضہ نبھانے کی کوشش کی ''بس ہر وقت ڈینی سے الجھی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ڈینی کو یہ جتانے کے لیے نکلی ہوگی کہ جہانگیر کی حفاظت سے بے پروائی دوستانہ مراسم کے منافی ہے۔ وہ غلطی کی مرتکب ضرور ہوئی ہے لیکن اس کی نیت نیک ہے۔ وہ اس آڑے وقت میں جہانگیر کے قریب رہ کر اس کی مدد کرنا چاہتی ہے۔''

''اس کی یہ حرکت ڈسپلن کے منافی ہے۔ ڈینی ان کا پارٹی لیڈر ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس نے گھر سے قدم کیسے نکالا؟ ایسی سر پھری لڑکی کیسی ہی دلیر اور نیک نیت ہو، میں اسے ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کر سکتا۔'' جلال کا غصہ برقرار تھا۔

''ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا'' اول خان نے قدرے متاسفانہ انداز میں کہا ''پاکستان کے لیے اپنے ملک اور ہم وطنوں کو چھوڑ کر اس نے سب کو اپنا بے کوڑی کا غلام بنا لیا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں۔''

''یہ ان ہی کا دل گردہ ہے کہ اسے برداشت کرتے ہیں۔ میری بات کہیں لکھ لو کہ اپنی ان غیر ذمے دارانہ حرکتوں کی وجہ سے وہ کسی بھی وقت بے موت ماری جائے گی۔ حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی آدمی کو لے ڈوبتی ہے۔''

''اس کی حرکتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی خبر گیری ہمارا فرض ہے۔'' جلال سے یہ کہہ کر غزالہ مجھ سے مخاطب ہو گئی ''آپ جہانگیر کو فون کر دیں کہ ویرا کو فوراً گھر لوٹا دے۔''

''ہرگز نہیں!'' جلال نے سختی سے غزالہ کی مخالفت کی ''وہ چلی گئی ہے تو اسے جانے دو۔ اب انتظار کرو کہ وہ کس خبر کے ساتھ واپس آتی ہے اور آتی بھی ہے یا نہیں آتی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسے سبق ملنا چاہیے۔''

میں جلال کی دیگر باتوں سے متفق نہیں تھا مگر اس کی مخالفت میرے لیے ایک سہارا ثابت ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ جہانگیر کے دل میں ویرا کے لیے بہت نرم گوشہ موجود تھا۔ وہ ہمیشہ ویرا کے ساتھ مل کر بیٹھنے کے لیے ترستا تھا۔

یہ ناممکن تھا کہ ویرا کی فوری واپسی کے بارے میں وہ میری کوئی ہدایت قبول کر لیتا۔ اس کے لیے ویرا کی صحبت ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔ وہ اپنے گھر آنے والی اس خوش رو مہمان کو کسی قیمت پر لوٹانے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ویرا کے بدخواہ نہیں ہو۔'' میں نے جلال سے کہا ''جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غصے کا نتیجہ ہے۔ یہ تمہارے دل کی آواز نہیں ہے مگر میں اس بات سے متفق ہوں

کہ اس وقت ویرا کے لیے ہمیں کسی سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ چلی گئی ہے تو ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ وہ خیریت کے ساتھ واپس بھی لوٹ آئے۔''

''حیرت ہے کہ تمہیں اس کی حمایت میں میرے دل کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' جلال اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر بولا ''تم تینوں اس کی شخصیت کے سحر میں بری طرح گرفتار ہو۔ میرے لیے یہی غنیمت ہے کہ تم میری ایک بات مان رہے ہو۔ اب اس قصے کو ختم کرو۔ میں اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

ویرا کی خاموش روانگی کے انکشاف سے گھر کی خوشگوار فضا یکا یک بوجھل ہو گئی۔ اول خان کے آدمیوں کو بھی اس صورت حال کا ادراک تھا۔ انہوں نے تیزی کے ساتھ میز لگا دی اور ہم خاموشی کے ساتھ میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر جم گئے۔

کھانے دوران میں اِدھر اُدھر کی بے ربط باتیں ہوتی رہیں۔ اس وقت سب کے ذہنوں پر ویرا کی سلامتی کا مسئلہ سوار تھا لیکن جلال نے اسے ذکر ممنوعہ قرار دے دیا تھا۔ کسی غیر ضروری بدمزگی سے بچنے کے لیے ہر ایک ویرا کا تذکرہ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

جب ذہن کہیں اور ہو، زبان ذہن کا ساتھ نہ دے رہی ہو تو کسی بات میں ربط اور تواتر برقرار نہیں رہتا۔ اس وقت کھانے کی میز پر یہی کچھ ہو رہا تھا۔

کھانا ختم ہوتے ہی چائے آ گئی اور وہ دور بھی خلاف توقع جلد ختم ہو گیا۔

جلال رسماً کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت ویرا اور جہانگیر کے سوا کیا بات کی جائے۔ ماحول پر عجیب سا جمود طاری ہو گیا۔

آخر کار جلال روانگی کے ارادے سے اٹھ گیا۔ میں اسے چھوڑنے کے لیے اس کی گاڑی تک آیا تو مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ ''وہ احمق لڑکی واپس آ جائے تو مجھے موبائل پر بتا دینا۔''

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ کھانے سے پیشتر اس نے ویرا کے بارے میں مزید کوئی بات نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اپنے مخصوص مزاج کے باوجود وہ ویرا سے لاتعلق نہیں تھا۔ اس کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے گہری فکرمندی جھلک رہی تھی۔

میں جلال کو رخصت کر کے اندر آیا تو غزالہ اور سلطان شاہ میں کسی مسئلے پر بحث چھڑی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی دونوں خاموش ہو گئے۔

''کیا ہو رہا تھا؟'' ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں!'' اس نے سٹپٹا کر جواب دیا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اول خان نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ایک حماقت ویرا نے کی ہے اور اب سلطان شاہ دوسری حماقت کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ یہ ویرا کے پیچھے جانا چاہتا ہے۔ غزالہ اسے روک رہی ہے۔''

''مجھے ہی نہیں، تم کو بھی چلنا چاہیے۔'' سلطان شاہ نے یکا یک مجھ سے نظریں ملا کر کہا ''ہمیں جلال کے ڈسپلن کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اس کے ماتحت نہیں ہیں۔ اس نے ایک بات کہی اور سب کی زبانوں کو لگام لگ گئی۔''

''اس کے سامنے کیوں نہیں بولے؟'' غزالہ اس پر غرائی ''کیا تم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ چلا گیا تو اب شیر ہو رہے ہو۔''

''وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے ویرا سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' سلطان شاہ بھرا بیٹھا تھا۔ ''میں اس سے الجھ کر کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ ہم سے زیادہ ویرا کا ہمدرد ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔ ''جاتے جاتے کہہ کر گیا ہے کہ ویرا کے آتے ہی اسے اطلاع دی جائے۔ ویرا نے حرکت ہی ایسی کی ہے کہ مجھے بھی اس پر غصہ آ رہا ہے۔''

''وہ تو ویرا کے بارے میں ایک لفظ سننے کا روادار نہیں تھا۔ اب کیوں اس کے دل میں درد اٹھا ہے؟'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

''ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا ویرا نے صحیح حرکت کی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں اس کا دفاع نہیں کر رہا۔ وہ پاگل ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش ہے۔''

سلطان شاہ کا جواب سن کر میں بے اختیار مسکرا دیا ''وہ سامنے ہوتی ہے تو تم ہر لمحے اپنے پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اس کے لیے فکرمند ہو۔ ہمیں ہیجانی انداز میں بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھے رہو۔ وہ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جائے

گی اور ضرور فون کرے گی۔"

میرے جواب پر سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا لیکن اس کی زبان بند رہی۔

اس وقت کے شہر کے حالات نارمل ہوتے تو شاید میں بھی ویرا کے پیچھے دوڑ لگا دیتا مگر حالات ہمارے دشمنوں کے خلاف جا رہے تھے۔ وہ آپس میں لڑ پڑے تھے۔ نک کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اس کیمپ کے لوگ بدترین خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی سلامتی کو پس پشت ڈال کر، شہر میں ہمیں اندھادھند تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔

یہی بات سوبھراج پر صادق آتی تھی۔ اس نے شیر دل کی ہلاکت کی خبر پر مشتعل ہو کر بہت کچھ کہا تھا لیکن وہ دوطرفہ خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ اسے پوری طرح احساس دلایا جا چکا تھا کہ ویرا کے بارے میں رازداری کا رویہ اختیار کر کے وہ ایف بی آئی سے سنگین غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ لوگ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے اور شکاری کتوں کی طرح شہر میں اس کی بو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

وہ مجروح اور شکست خوردہ حریف تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ جہانگیر کے بارے میں اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے واضح ترین سنگین خطرات کو پس پشت ڈال دے گا۔

اس کا ریکارڈ گواہ تھا کہ وہ ایک اچھا خاصا منصوبہ ساز ہونے کے باوجود پس پردہ رہ کر دوسروں پر حکم چلانے کا عادی تھا۔

اس کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ خطرہ تھا کہ وہ کرائے کے ایک دو بدمعاشوں کو جہانگیر کے پیچھے لگا دے۔ ایسے بدمعاش خطیر معاوضے کے لالچ میں اپنی ساری توجہ صرف اسی کام پر مرکوز رکھتے ہیں جو انہیں سونپا جاتا ہے۔ وہ اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں کرتے۔

نچلے درجے کے ان بدمعاشوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ویرا کے کردار کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہوں اور پہلی نظر میں اسے پہچان لیں۔ مجھے پورا اطمینان تھا کہ اگر سوبھراج کے کرائے کے غنڈے بہت زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کر کے جہانگیر کی رہائشی عمارت کے قرب و جوار میں پہنچ بھی چکے تھے تو وہ ویرا کے لیے براہِ راست کسی خطرے کا سبب نہیں بنیں گے۔ ویرا ان کے درمیان سے ہوتی ہوئی آسانی اور حفاظت سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

☆☆☆

یہ بات ویرا کے ذہن میں جڑ پکڑ گئی تھی کہ اب سوبھراج اپنی ذلتوں کا بدلہ چکانے کے لیے پوری قوت سے جہانگیر کے خلاف کوئی نہ کوئی بڑا اقدام اٹھائے گا۔

اس اندیشے کے دباؤ میں اس نے تمام معروضی حالات کو نظرانداز کر دیا تھا۔ جہانگیر کے بچاؤ کے سلسلے میں اسے خاص طور سے میرا رویہ بہت سرد بلکہ بےرحمانہ محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنے تحفظات کے بارے میں کسی سے کھل کر بات نہیں کی اور تشویش کے بدترین ذہنی دباؤ میں اس نے از خود کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کی دانست میں جہانگیر مظلوم تھا۔ میں نے اسے قربانی کا بکرا بنایا ہوا تھا۔ ویرا کا فرض تھا کہ وہ سرعت سے اس مظلوم کی مدد کو پہنچتی۔

اپنی طبیعت کی بدمزگی دور کرنے کے لیے اس نے تیاری کے دوران میں اسکاچ کے دو بڑے گلاس بہت تیزی سے اپنے معدے میں انڈیلے تھے۔ چلتے ہوئے اس نے ریوالور اور فاضل راؤنڈ سے بھرا ہوا پاؤچ اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

وہ بیم گن بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی لیکن اس وقت وہ میرے کمرے میں تھی۔ اس کی تلاش کے لیے ویرا کو ہمارے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ وہ کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے ہم سے کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہم سب مل کر اسے جانے سے روک لیں گے۔

وہ اسکاچ کے ہلکے سے سرور میں تھی اور کسی کو کچھ بتائے بغیر، خاموشی سے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے قد آدم آئینے کے سامنے جا کر آخری بار اپنا ناقدانہ جائزہ لیا، گلابی ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ جمائی اور گھر سے نکل گئی۔

گلی میں اسے ابرار نظر آیا جو بازار سے کچھ سامان لے کر آ رہا تھا۔

اس پر نظر پڑتے ہی ویرا کو ہم لوگوں کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس کی پُراسرار روانگی کا راز فاش ہوتے ہی سب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ اس نے ابرار کو روک کر سمجھایا کہ اسے اندر جا کر از خود کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو وہ صرف اتنا بتا دے کہ وہ جہانگیر کی طرف گئی ہے۔

ویرا اس گھر کی ایک معزز فرد تھی، اس وقت بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ ابرار کے لیے اس کی ہدایت پر عمل کرنا لازم تھا۔

اس نے بالکل وہی کیا جو ویرا نے اسے بتایا تھا۔
گھر سے ذرا دور پہنچنے پر ویرا کو ایک خالی ٹیکسی نظر آ گئی اور وہ اس میں سوار ہو کر جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔
راستے میں سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے وہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ جہانگیر کی خبر گیری کے معاملے میں وہ میرے اوپر بازی لے گئی تھی۔ جہانگیر کے ساتھ کچھ بھی نہ ہوتا تب بھی ویرا کے لیے یہ احساس طمانیت کا باعث ہوتا کہ اس نے اپنے اخلاقی فرض سے روگردانی نہیں کی تھی۔ ضرورت محسوس کرتے ہی، کسی تساہل کے بغیر جہانگیر کے گھر کی طرف دوڑ پڑی تھی۔
گراؤنڈ فلور کے کاؤنٹر سے سکیورٹی والے نے جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر ملا کر انٹر کام پر یہ بتایا کہ کوئی مس غزالہ ملنے کے لیے آئی ہے تو ویرا کو فوراً اوپر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ لفٹ استعمال کرنے کے بجائے زینے طے کر کے اوپر پہنچی تو سلمٰی دروازہ کھولے اس کا انتظار کر رہی تھی۔
غزالہ کے بجائے ویرا کو اپنے سامنے پا کر سلمٰی حیران رہ گئی۔ اس کے پیچھے جہانگیر بھی موجود تھا اور بے یقینی سے اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا۔
پرتپاک استقبال کے دوران میں ویرا نے ان دونوں کو بتایا کہ سکیورٹی والوں کا سامنا کرتے ہی اسے اچانک خیال آیا کہ اسے اپنا نام استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اپنا کوئی فرضی نام بتاتی تو غالب امکان یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی اسے نہ پہچانتے اور اس کا عمارت میں داخلہ مشکل ہو جاتا۔ اس نے فی البدیہہ غزالہ کا نام استعمال کر ڈالا۔
ویرا کی غیر متوقع آمد پر سلمٰی بھی بہت خوش ہوئی تھی لیکن جہانگیر کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ویرا اس سے ملنے کے لیے اکیلی آئی تھی۔
''آج تم اکیلی آئی ہو، ڈینی وغیرہ کہاں ہیں؟'' سلمٰی نے اپنے شوہر کی غیر معمولی مسرت پر دل ہی دل میں بل کھاتے ہوئے خوش خلقی سے پوچھا۔
''وہ تینوں ہی اپنی الجھنوں میں مصروف تھے۔ میرا دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آئی۔'' ویرا نے ہنس کر جواب دیا ''کچھ دیر گپ شپ کر کے چلی جاؤں گی۔''
''ارے، اب کہاں جاؤ گی۔'' جہانگیر نے ترنگ میں کہا ''یہ تو تمہارا میکا ہے۔ جب تک دل چاہے یہاں رہو۔ اب کوئی لینے آئے گا تب ہی تم واپس جاؤ گی۔''
''کیا کہہ رہے ہو۔'' سلمٰی نے اسے گھور کر کہا ''بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ میکا اور سسرال شادی شدہ لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔ ویرا ابھی کنواری ہے۔''
جہانگیر خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا ''ولایتی عورتوں میں سب چلتا ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تو بوائے فرینڈ ہوتا ہے کیوں ویرا؟ میں درست کہہ رہا ہوں نا!''
ویرا نے مسکرا کر تائیدی انداز میں اپنا سر ہلا دیا۔
''تو تم ویرا کے بوائے فرینڈ بننا چاہ رہے ہو!'' سلمٰی نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔
''تم ہر بات کے غلط معنے نکال لیتی ہو۔ یہ تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ میں ویرا کو یہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ وہ اسے اپنا ہی گھر سمجھے اور کم از کم آج یہاں رہ جائے۔''
''وہ تمہارے گھر کی گری پڑی نہیں ہے۔ ڈینی نے اسے بہت اچھے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ ہم سے ملنے آئی ہے۔ مل کر چلی جائے گی۔'' سلمٰی نے تیزی سے کہا۔
ویرا کند ذہن نہیں تھی۔ اس نے بھانپ لیا کہ اس کے وہاں پہنچتے ہی سلمٰی اور جہانگیر کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔
سلمٰی بہت خوش دلی کے ساتھ اس کی میزبانی کے لیے آمادہ تھی مگر اسے یہ بات ایک آنکھ بھی گوارا نہیں تھی کہ اس کا شوہر ویرا کے لیے فرش راہ ہو جائے۔ ان دونوں کی اس کشمکش میں ویرا کو اپنی عافیت بھی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔
''تم ان کی باتوں کا برا نہ منانا۔'' سلمٰی اچانک ویرا سے مخاطب ہو گئی ''کبھی کبھی یہ بے تول باتیں کہہ جاتے ہیں لیکن ان کا ارادہ نیک ہوتا ہے۔ تم کو اچانک اپنے گھر میں دیکھ کر اس وقت ان کا دماغ اپنے قابو میں نہیں رہا ہے۔''
ویرا نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''میرا خیال ہے کہ جہانگیر نے اب تک کوئی بات بے تول نہیں کہی ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی لیکن میرے ایک سے زائد بوائے فرینڈ رہے ہیں۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''یہ بات میں خود ڈینی اور جہانگیر کو بتا چکی ہوں۔''
''یہ تمہارا اپنا فعل ہے لیکن ہمارے یہاں ایسی باتیں معیوب سمجھی جاتی ہیں۔'' سلمٰی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''مجھے معلوم ہے۔'' ویرا نے اثبات میں سر ہلایا ''کاروکاری اور ایسی دوسری رسمیں بہت بھیانک ہیں جنہوں نے آزادروی کو بہت سفّاکی سے روکا ہوا ہے...... یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا پک رہا ہے۔ تمہارا فلیٹ اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکا ہوا ہے۔'' ویرا نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔

''بریانی کو دم دینے والی ہوں۔'' سلمٰی نے فخر سے بتایا اور اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ گئی ''تم ان کے ساتھ بیٹھو۔ میں دو منٹ میں آتی ہوں۔''

''ڈارلنگ!'' جہانگیر نے بہت پیار سے اسے پکارا ''تم آرام سے بریانی تیار کرو۔ میں ویرا کو اپنے کمرے میں لے جا رہا ہوں۔ یہ بھی ایک آدھ پیگ لے لے گی تو اسے کھانے کا مزہ آجائے گا۔''

''زیادہ نہ لے لینا۔'' سلمٰی نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''میں بستر پر کھانا نہیں لگاؤں گی۔ تم کو اپنے قدموں پر چل کر میز تک آنا ہوگا۔''

''آجاؤں گا، آجاؤں گا۔'' جہانگیر نے فضا میں ہاتھ لہرا کر بے پروائی سے کہا ''ضرورت پڑی تو ویرا مجھے ذرا سا سہارا دے دے گی۔ اب خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''

''ذرا ان کا دھیان رکھنا۔'' سلمٰی نے ویرا سے کہا ''یہ پیتے ہیں تو پھر پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ میں ان کو سنبھالتے سنبھالتے تھک کر چور چور ہوجاتی ہو۔ مجھ سے ہزار وعدے وعید کرتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں لیکن شراب کا پہلا گھونٹ لیتے ہی سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔''

''یہ بری بات ہے۔'' ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا ''یہ علامت عادی شرابی کی نشانی ہے جہانگیر کو علاج اور سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔ میں پیتی ہوں، ڈینی بھی ڈرنک کرتا تھا لیکن ہم کبھی نشے میں بدمست نہیں ہوئے۔''

''یہ میری ایک نہیں سنتے۔ تم انہیں کچھ سمجھاؤ۔ اپنی ان حرکتوں سے یہ مجھ سے زیادہ اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔''

سلمٰی کچن کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر نے ویرا کو آنکھ ماری اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا جہاں شراب نوشی کے لوازم ہر وقت تیار رہتے تھے۔

''تم کیوں شراب کو گالی بنانے پر تلے ہوئے ہو؟'' کمرے میں ویرا نے دو گلاسوں میں اسکاچ کا پہلا پیگ بناتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

''زندگی کی یکسانیت اور جمود سے میں اکتا گیا ہوں۔ اس سے فرار کے لیے پیتا ہوں تو کبھی کبھی زیادتی بھی ہوجاتی ہے۔'' جہانگیر نے معصومیت سے جواب دیا۔

''اس طرح تم سلمٰی کو اپنی ذات سے بیزار کر رہے ہو۔ تم نے کبھی یہ سوچا ہے!''

''تم ان چکروں میں پڑ کر اپنا موڈ غارت مت کرو۔ یہ ہمارے خانگی مسائل ہیں۔ انہیں ہم خود سلجھالیں گے۔ اب تم خود ایمانداری سے غور کرو۔ میں تھوڑی سی شراب پی کر کھانا کھاؤں گا اور سو جاؤں گا۔ رات کے دو تین بجے آنکھ کھلے گی اور سلمٰی کی ضرورت محسوس ہوگی تو یہ مجھے برا بھلا کہنا شروع کردے گی۔ بیزاری سے دھکے دے گی۔ اس وقت میں جھنجلا کر دوبارہ بوتل نہ کھولوں تو کیا کروں!''

''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔ یہ روز کا معمول بن جائے تو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ وہ دن بھر کی تھکی ہاری ہوتی ہے۔ اسے رات بھر کی گہری نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''تم اسے یہ مشورہ کیوں نہیں دیتیں کہ وہ اپنے معمولات کو تبدیل کرے۔ دن میں کچھ دیر کے لیے سولیا کرے تاکہ رات کو میرے جگانے سے اسے تکلیف نہ ہو۔''

ان دونوں نے اپنے دو دو پیگ اسی گفتگو میں ختم کیے۔ اس دوران میں ویرا کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی گفتگو ایک دائرے میں گھوم رہی تھی۔ اپنے مسائل وہ دونوں افہام و تفہیم سے حل کر سکتے تھے۔ کوئی تیسرا ان کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

''وہ مہمانوں کے آنے سے خوش ہوتی ہے لیکن اس وقت دل ہی دل میں جل بھن رہی ہوگی۔ یہ خیال اس کے لیے سینے پر سانپ بن کر لوٹ رہا ہوگا کہ اس وقت میں کمرے میں تمہارے ساتھ اکیلا ہوں۔'' جہانگیر نے اسی تسلسل میں بات ویرا کی ذات کی طرف موڑ دی۔

''اکیلے ہیں تو کیا ہوا۔ دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔'' ویرا نے ہنس کر کہا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ دبے قدموں قریب آکر اب تک کئی مرتبہ ہماری سن گن لے چکی ہوگی۔''

''تم ندیدے ہو۔'' ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی سے بولی ''ایسے مردوں کی بیویاں ان پر بھروسا نہیں کرتیں۔''

''سچ پوچھو تو تمہارے آنے سے میرا دل و دماغ تازہ ہوگیا ہے۔ دن رات سلمٰی کو ہی دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں پتھرانے لگی ہیں۔''

''یہ تمہارا اپنا قصور ہے کہ تم دن رات گھر میں پڑے رہتے ہو۔ تم کو کچھ وقت گھر سے باہر بھی گزارنا چاہیے۔''

''ویری گڈ!'' جہانگیر چٹکی بجا کر بولا ''بہت اچھا خیال ہے۔ کیوں نہ کھانے کے بعد ہم لوگ لمبی ڈرائیو پر چلیں۔ مزہ آجائے گا۔''

''ہم لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ویرا نے اسے

گھورا۔
''مم...... مطلب یہ کہ میں اور تم!'' جہانگیر نے گڑبڑا کر جواب دیا۔
''ہم باہر گئے تو سلمٰی بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔''
''اسے میز سمیٹنی ہوگی، برتن دھونے ہوں گے......''
جہانگیر نے بہانے بازی کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر ویرا نے درمیان سے اس کی بات کاٹ دی۔
''ہم باہر گئے تو وہ ضرور ہمارے ساتھ ہوگی۔'' ویرا نے سختی سے کہا ''ویسے بھی میں سیر وتفریح کی بات نہیں کر رہی تھی۔ میرا مطلب تھا کہ تم مرد ذات ہو تم کو روزی روزگار کے لیے اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا چاہیے۔''
''تم ہماری بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اپنا سارا وقت باہر بلکہ میدان میں رہ کر گزارتا تھا لیکن جب سے شی کا شیرازہ بکھرا ہے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں اس کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ گولڈن فارمیسی ذرا چل نکلی تھی لیکن سور کے بچوں نے اسے بھی تباہ کر ڈالا۔ میری عقل کام نہیں کرتی کہ اب کس کام میں ہاتھ ڈالوں جہاں اپنے دشمنوں سے بچا رہوں۔''
''اس وقت بھی دشمن تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔'' ویرا نے سوبھراج کا نام لیے بغیر اسے چوکنا کرنا چاہا ''تم سے ذرا سی غفلت ہوگی اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے اوپر بہت ترس آنے لگتا ہے۔''
''میں کوئی لولا، لنگڑا یا معذور نہیں ہوں۔ تم کو میرے اوپر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لیے کوئی کاروبار ذہن میں آتا ہو تو وہ بتاؤ۔''
سلمٰی پہلی بار کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ میز لگنے کا اعلان کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ اس نے فون پر مجھ سے بات کی تھی۔ وہ مجھ سے یہ جاننے کے خواہاں تھی کہ میں نے ویرا کو تن تنہا وہاں جانے کی اجازت کیسے دے دی۔
اس وقت میرا بلکہ سب ہی کا خیال ویرا کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے سلمٰی کی زبانی سے یہ سن کر سکون ہوا کہ ویرا خیریت سے اس کے گھر پہنچ گئی تھی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ آج ڈینی سے تمہاری کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے۔'' کھانے کے دوران سلمٰی نے اپنا خیال ظاہر کر کے ویرا کو حیران کر دیا۔
''تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟'' ویرا نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔
''ڈینی نے تمہارے بارے میں کوئی سوال کیا نہ تم سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ سچ سچ بتاؤ کہ کیا اس سے لڑ کر آئی ہو۔''
''ایسی باتیں مت کرو۔'' جہانگیر نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''آج ویرا ڈنر کے بعد ہم دونوں کو شہر کی سیر کرانے کے ارادے سے آئی ہے۔''
سلمٰی کے لیے جہانگیر کا وہ انکشاف اتنا ہیجان خیز ثابت ہوا کہ وہ ہر بات بھول گئی۔
جہانگیر کو درپیش خطرات کا ادراک کر کے ویرا گھر سے روانہ ہوئی تھی۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اپنے گھر کی چار دیواری میں جہانگیر زیادہ محفوظ تھا۔ باہر نکلنے کی صورت میں کہیں بھی کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آ سکتا تھا۔
جہانگیر اور سلمٰی خود بھی سیر وتفریح کے لیے باہر جا سکتے تھے لیکن آپس کی نوک جھوک نے ان کی کھوپڑیوں پر برف سی جما دی تھی۔ وہ دونوں ویرا کے ساتھ باہر جانے کے سلسلے میں اتنے پر جوش ہوگئے کہ ویرا سنجیدگی سے اس امکان پر غور کرنے پر مجبور ہوگئی۔
اسے یہ اندازہ تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ ضرور پہنائے گا، خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اس کے لیے اسے وقت درکار تھا۔ اگر اس نے کسی سے رابطہ کیا بھی تھا تو وہ اتنی سرعت سے جہانگیر کے گھر نہیں پہنچ سکتا تھا۔
پہلا اور غالب امکان یہی تھا کہ سوبھراج کا کوئی آدمی اپنے مورچے پر نہ پہنچا ہو۔ وہ لوگ آرام سے ایک لمبی ڈرائیو لے کر لوٹ آئیں۔ دوسری صورت میں ویرا کو احتیاط کی ایک صورت نظر آ رہی تھی۔
وہ لوگ ان پر چلتی گاڑی میں کوئی اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کا ہدف صرف جہانگیر ہوتا۔ وہ ان کی گاڑی کا تعاقب کر کے ان کے کہیں رکنے کا انتظار کرتے تا کہ جہانگیر کے قتل یا اغوا کا ہدف پورا کر سکیں۔ اگر وہ لوگ کہیں رکے بغیر، تفریح بلکہ ڈرائیو کر کے واپس لوٹ آتے تو دو کامیابیاں حاصل ہوسکتی تھیں۔ تعاقب کرنے والی مشتبہ گاڑی اور شاید اس کے سوار ان کی نظروں میں آ جاتے اور وہ ناکام رہتے۔
ویرا کافی دیر تک خاموشی سے اسے موضوع پر اپنا سر کھپاتی رہی۔ اس دوران میں سلمٰی کپڑے بدل کر روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔
ویرا کی دانست میں اس وقت خطرہ موہوم تھا۔ سلمٰی اور جہانگیر کو مایوس کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں خطرے

سے بالکل بے خبر تھے۔

آخر کار وہ تینوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ویرا ٹیکسی سے وہاں پہنچی تھی۔ اس کے ایما پر جہانگیر نے اپنی گاڑی کی چابی لے لی۔

جہانگیر نے کافی عرصے سے ڈرائیونگ نہیں کی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہی کار چلائے لیکن ویرا نے اس سے چابی لے کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ویرا ان دونوں کو متوقع تعاقب کے بارے میں کچھ بتا کر خوف زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہوتی تو عقب نما آئینوں کی مدد سے پوری طرح پیچھے کے حالات سے باخبر رہ سکتی تھی۔

عمارت کے احاطے اور سروس لین سے گزر کر مین روڈ پر آنے تک ویرا نے سیاہ رنگ کی اس چھوٹی کار کو نوٹ کر لیا جو ان کے پیچھے حرکت میں آ گئی تھی۔

اپنے اندازوں کی پہلی تردید سامنے آتے ہی ویرا کا دل حلق میں آ گیا۔ اس نے بہت دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے نیون سائنز کی روشنی میں دیکھ لیا کہ اس سیاہ گاڑی کی اگلی نشستوں پر دو افراد براجمان تھے۔ پچھلی نشستیں خالی تھیں۔

ویرا کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ وہ قریبی گلیوں کا چکر لگا کر گاڑی دوبارہ عمارت کے احاطے میں پارک کر کے تفریح کا ارادہ ملتوی کر دے۔

پھر اس نے سوچا کہ وہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔ کالی گاڑی والے بدستور اپنی جگہ جم کر کسی اور موقع کا انتظار کرتے رہتے۔ وہ گھر سے جہانگیر کے بھرپور تحفظ کا مصمم ارادہ کر کے نکلی تھی۔ ان لوگوں سے خوف زدہ ہو کر دوبارہ گھر میں گھس جانے سے خطرہ نہیں ٹل سکتا تھا۔ بہتر صورت یہی تھی کہ کھلی سڑکوں پر نکل کر ان کے عزائم کا اندازہ لگایا جائے۔

اس مرحلے پر جہانگیر اور سلمٰی کی بے خبری مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ ویرا نے مین روڈ پر آنے کے بعد عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا ”مجھے پیچھے آنے والی ایک گاڑی پر شبہ ہو رہا ہے۔ شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔“

”اوہ! تو اب ہم کیا کریں؟“ پچھلی سیٹ پر سے سلمٰی کی خوف زدہ آواز آئی۔

”صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کے علاوہ اور کیا کریں گے!“ جہانگیر نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ ویرا کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ویرا سے کہا ”بس ایک خراب بات ہے کہ اس وقت ہم لوگ غیر مسلح ہیں۔ شاید تمہارے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔“

”ریوالور اور کچھ فاضل راؤنڈز ہیں۔“ ویرا نے اسے خوش خبری سنائی۔

”بس تو پھر ساحل کی طرف چل نکلو اور ذرا گاڑی کا رنگ وغیرہ بھی بتا دو۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے، ہم ان سے ڈر کر لوٹ گئے تو یہ کسی وقت سلمٰی کو آتے جاتے گھیر لیں گے۔ اچھا ہے کہ اس وقت ہم تین ہیں۔“

ویرا کو خوشی ہوئی کہ خطرے کا ذکر سنتے ہی جہانگیر کا سرور غائب ہو چکا تھا۔ اس نے بہت دلیرانہ اور حوصلہ افزا ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

”یہ کون لوگ ہیں، انہیں ہم سے کیا دشمنی ہے۔“ سلمٰی خوف زدہ آواز میں منمنائی ”گوشہ نشین ہو جانے کے باوجود دشمن ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔“

”یہ اسی کے ساتھی ہو سکتے ہیں جو مسز جمشید کو گن پوائنٹ پر لے کر تمہارے فلیٹ پر آیا تھا۔“ ویرا نے اس کی دل جوئی کے لیے کہا۔

”اوہ میرے خدا!“ سلمٰی کی آواز کانپ رہی تھی ”وہ بھی بڑا بھیانک تجربہ تھا۔ ان کے ہاتھ میں وزنی بوتل نہ آ جاتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔“

”بوتل کبھی کبھی کام آ ہی جاتی ہے۔ اب ڈر خوف کو خیر باد کہہ کر کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم یکسوئی کے ساتھ ان لوگوں سے نمٹ سکیں۔“

”وہ کالے رنگ کی شیراڈ ہے۔ اس میں صرف دو آدمی سوار ہیں۔“ ویرا نے جہانگیر کو بتایا۔

”تم ڈرائیو کر رہی ہو۔ اپنا ریوالور مجھے دے دو۔“

”تم کئی پیگ پیے ہوئے ہو۔ تمہارا نشانہ خطا ہو جائے گا۔“ ویرا نے شبہ ظاہر کیا۔

”بستر پر سلمٰی قریب ہو تو بہت گہرا نشہ ہوتا ہے۔ اب وہ ہرن ہو چکا ہے۔“

ویرا نے اپنا وینٹی بیگ جہانگیر کی گود میں ڈال دیا ”ریوالور اور فاضل راؤنڈ کا پاؤچ اسی میں ہے نکال لو۔“

جہانگیر کے ایما پر ویرا عبداللہ شاہ غازی کے مزار سے آگے سیدھی نکلتی چلی گئی۔ اس دوران میں سیاہ شیراڈ مسلسل ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ ویرا نے کئی مرتبہ اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی لیکن شیراڈ والوں نے آگے جانے کے بجائے اس کی تقلید میں خود بھی سست روی اختیار کر لی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں انہیں یقیناً اندازہ ہو گیا تھا کہ انہیں دیکھ لیا گیا ہے۔

ٹریفک سگنل سے ویرا نے گاڑی داہنی طرف گھمالی۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد وہ ساحل کے متوازی بنی ہوئی میرین ڈرائیو پر پہنچ چکے تھے جہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں رونق کا ایک عجیب سماں تھا۔

ویرا کو یقین تھا کہ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں شیراڈ والوں کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان کے حریف بھاگنے والے نہیں تھے۔ ان سے کہیں نہ کہیں تصادم ہوسکتا تھا۔

میرین ڈرائیو کے قدرے سنسان حصے میں پہنچ کر ویرا نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی کہ اچانک نظر آنے والے اسپیڈ بریکر کی وجہ سے اسے بریک لگانا پڑ گئے۔

''لعنت ہو!'' وہ جھلا کر بڑبڑائی ''یہ اسپیڈ بریکرز کچھ نہیں کرنے دیں گے۔''

''بائیں طرف درخشاں میں گھس جاؤ!'' اس کی بڑبڑاہٹ سن کر جہانگیر نے پورے خلوص سے مشورہ دیا ''آبادی عبور کرتے ہی ہم کسی نہ کسی لمبی اور صاف سڑک پر نکل جائیں گے۔''

ویرا نے کچھ کہے بغیر گاڑی اس آبادی میں موڑ لی۔ ویرا کی وہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ شیراڈ چلانے والے کے لیے اپنی تیز رفتار گاڑی کو سنبھالنا دشوار ہوگیا۔

سڑک پر گاڑی کے رگڑتے ہوئے ٹائروں کے تیز شور میں شیراڈ چکنی سڑک پر پھسلتی اور لہراتی ہوئی قریب آتی چلی گئی۔

وہ بہترین موقع تھا۔ ویرا نے بریک لگا کر اپنی گاڑی روک دی اور جہانگیر ریوالور سنبھال کر بہت تیزی سے گاڑی سے نیچے اتر گیا۔

اس وقت اس کی پھرتی اور مہارت قابل دید تھی۔

سڑک پر لہراتی ہوئی گاڑی جوں ہی جہانگیر کی رینج میں آئی، اس نے نشانہ لے کر پے در پے دو فائر کرڈالے۔

ویرا کے اندیشے کے برعکس جہانگیر کا نشانہ بے خطا ثابت ہوا۔ پہلے فائر کے ساتھ فضا ایک کریہہ انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔

اس وقت تک ویرا بھی گاڑی سے نیچے اتر چکی تھی۔ سلمٰی پچھلی سیٹ میں دبکی خوف سے کانپ رہی تھی۔ گاڑی کا انجن بدستور چل رہا تھا۔ ویرا نے گیئر نیوٹرل کرکے ہینڈ بریک کھینچ دیا تھا۔

ویرا نے نیچے اترتے ہی دیکھ لیا کہ شیراڈ کے ڈرائیور کا ساتھی جہانگیر کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے لڑھک گیا تھا۔ اس کی سمت کی کھڑکی خالی نظر آرہی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ والا گاڑی کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوششوں میں اپنے ایک ساتھی کو کھو چکا تھا۔ یہ کہنا محال تھا کہ وہ صرف زخمی ہوا تھا یا جہنم واصل ہو چکا تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ عملی طور پر وہ ناکارہ ہو چکا تھا۔

جہانگیر نے شیراڈ پر تیسری گولی چلائی جو آہنی باڈی کے کسی حصے میں اتر گئی۔

اسی لمحے شیراڈ والے نے بھی نیچے اتر کر اپنی گاڑی کی اوٹ سے تین فائر کیے تھے جو شعلوں کی صورت میں دور تک تیرتے چلے گئے۔

وہ شہر کا حساس علاقہ تھا جہاں ہر وقت پولیس کی بھاری نفری کا گشت رہتا تھا۔ درخشاں کے مکانات بھی ساتھ ہی تھے جہاں بہت سی اہم شخصیات رہتی تھیں اس لیے وہ مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا، اچانک ہی ہوا تھا ورنہ ویرا کسی کھلی سڑک پر نکل کر لمبی دوڑ لگانے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کسی بھی ویرانے میں اچانک رک کر اپنا مورچا بنائے گی اور پھر شیراڈ والوں کو گھیرنے کی کوشش کرے گی۔

جہانگیر نے بہت پھرتی کے ساتھ اپنے ریوالور کا چیمبر خالی کر ڈالا مگر اس کا مزید کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ اس دوران میں شیراڈ والے نے مزید دو گولیاں چلائی تھیں۔

دور سے پولیس کار کے سائرن کی آواز سن کر ویرا تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف لوٹی تو جہانگیر اس سے پہلے وہاں موجود تھا۔

وہ پاؤچ سے گولیاں نکال کر ریوالور کا چیمبر لوڈ کررہا تھا۔

''اب اس کا وقت نہیں رہا۔ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے تیزی سے کہا اور ہینڈ بریک چھوڑ دیا۔

پولیس کار کے سائرن کی آواز جہانگیر بھی سن رہا تھا۔ وہ کار میں سوار ہوگیا اور ان کی گاڑی تیزی سے درخشاں کی سنسان آبادی میں گھستی چلی گئی۔

''وہ آدمی زندہ ہے یا مرگیا ہوگا۔''، سلمٰی نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' جہانگیر کے کسی ٹیڑھے سوال سے پہلے ویرا بول پڑی۔

''اب تم ہی بتاؤ ہم سیر و تفریح کے لیے کہاں نکلیں۔'' جہانگیر نے ویرا سے پوچھا ''باہر دن رات ایسے خونی خطرات کا راج ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دن رات ہمارے گھر کی نگرانی

ہو رہی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یہ لوگ ابھی آئے ہوں گے۔ مجھے ان کی بھنک مل گئی تھی اسی لیے میں تمہاری طرف آ گئی تھی۔ تمہیں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ آئے تھے تو ایس ٹی ایف کے دو آدمی بھی دن رات پوری مستعدی سے تمہارے فلیٹ کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

"اس وقت وہ کہاں تھے؟" جہانگیر نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ڈینی کی طرف سے تمہیں گھر میں محدود رہنے کی ہدایت ملی ہوئی تھی۔ وہ تمہارے گھر کی حفاظت پر مامور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی سواری نہ ہو۔ ہم اچانک باہر نکلے تو وہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکے۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اول خان کو ہم تینوں کی روانگی کی خبر ضرور دی ہوگی۔" ویرا نے اپنے ذہن پر ذرا سا زور دے کر ساری کڑیاں یکجا کر لیں۔

"تمہیں خطرے کی خبر کہاں سے اور کیسے ملی تھی؟ تم نے آتے ہی اس بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ ہوسکتا ہے کہ ہم باہر نکلنے کا ارادہ نہ کرتے۔"

"میں تم دونوں کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اچھا ہوا کہ اب ہمیں صحیح حالات کا اندازہ ہوگیا۔ گھر میں بیٹھے رہتے تو ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ باہر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ تم کسی وقت باہر نکلتے اور بے خبری میں دھر لیے جاتے۔"

"سلمٰی ہی گھر سے باہر کے سارے کام کاج کرتی ہے۔ ساری مصیبت اس کے سر آتی" جہانگیر نے فکرمندی کے ساتھ کہا "مجھے کچھ تو بتاؤ کہ یہ کس پارٹی کے آدمی تھے۔"

"یہ چارلی کے ساتھی تھے۔ وہ لوگ بار بار تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے پیچھے سوبھراج کا ذہن کام کر رہا ہے۔"

"سوبھراج!" جہانگیر نے چونک کر دہرایا "آج کل کے اخبارات نت نئی خبروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اندر سے اس قدر غلیظ اور قابلِ نفرت آدمی ہے۔"

جہانگیر کی تسلی کے لیے جو کچھ بتانا ناگزیر تھا، ویرا نے وہ بتا ڈالا۔ جہانگیر کے لیے بقیہ کہانی بے سود رہتی۔ تازہ ترین واقعے کے حوالے سے اس بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ گھر واپس پہنچ گئے۔

وہاں سب کچھ نارمل تھا۔ ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے ظاہر ہو کہ ان لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی نے گھر کی تلاشی لینے کی کوشش کی ہو۔

وہ تینوں آرام سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

☆☆☆

جب سے اول خان کے آدمیوں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ تینوں گاڑی میں کہیں روانہ ہوئے ہیں اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پیچھا نہیں کیا جا سکا تھا، وہ بہت زیادہ مضطرب تھا۔ وہ یوں شرمندہ تھا جیسے ویرا کو اسی نے اکسا کر جہانگیر کے گھر بھیجا ہو۔

تقریباً پون گھنٹے بعد جب اسے ان تینوں کی واپسی کی اطلاع ملی تو اس کی جان میں جان آئی اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔

میں نے اندازے سے صرف اتنا توقف کیا کہ وہ تینوں اوپر پہنچ کر آرام سے بیٹھ جائیں پھر میں نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

"میں نے تم کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا ہوا تھا۔ تم کہاں گئے تھے؟" فون پر جہانگیر کی آواز سنتے ہی میں نے غصے سے پوچھا۔

"ایک آدمی کے شکار پر گئے تھے۔ اس کے حلق میں کانٹا پھنسا کر لوٹ آئے۔" اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی "یہ بتاؤ کہ تم کیوں مرچیں چبا رہے ہو۔"

جہانگیر کے جواب اور لہجے کی خوش دلی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ گھر سے باہر نکل کر ان لوگوں نے کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل کی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو!" میں نے طنز سے کہا۔

"تیر نہیں، ایک دشمن کو گولی مار کر آئے ہیں۔ پتا نہیں سالا زندہ ہے یا مر گیا۔ تمہارے دنیا جہان میں بڑے مراسم ہیں۔ ذرا کلفٹن تھانے سے پتا کرو کہ وہ پکڑے گئے یا بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔" جہانگیر فخریہ لہجے میں بتا رہا تھا "ہم پولیس کار کا سائرن سن کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔"

میرے لیے اس کی فراہم کردہ اطلاعات اہم اور دلچسپ تھیں لیکن میں نے خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے خشک لہجے میں کہا "سیر سپاٹے سے ویرا کا دل بھر گیا ہو تو اسے واپس بھیج دو۔"

"بلاوجہ اس پر آنکھیں نہ نکالنا۔ میری اور سلمٰی کی فرمائش پر وہ ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ وہ کچھ دیر میں واپس پہنچ جائے گی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ میں اسے یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ میری واضح ہدایت سے اس کا کھلا انحراف مجھے ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا۔

اول خان کے لیے بھی وہ تفصیل بہت دلچسپ ثابت ہوئی۔ اس نے فوری طور پر پولیس ہیڈ آفس میں اپنے کسی شناسا سے رابطہ کیا اور وہاں سے یہ تصدیق ہو گئی کہ درخشاں تھانے کی حدود میں فائرنگ کے تبادلے کے بعد ایک شخص کو زخمی حالت میں پکڑ لیا گیا تھا جو اپنی سیاہ شیراڈ کار میں ایک تازہ لاش لے کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ زخمی کی حالت خاصی نازک تھی۔ اس کے زندہ بچنے کی زیادہ امید نہیں تھی۔

''اب ویرا فخر کے ساتھ سینہ تان کر آئے گی کہ اس کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ سوبھراج کے آدمی حیرت ناک سرعت کے ساتھ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''ویرا وہاں نہ جاتی تو وہ دونوں میاں بیوی باہر نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ دشمن عمارت میں گھس سکتے تھے۔'' میں نے جواب دیا ''وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رات سکھ چین سے گزر جاتی۔ اس میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک تجزیہ کر رہے ہو لیکن یہ باتیں ویرا کے منہ پر نہ کہہ دینا۔'' اول خان نے ٹہلتے ہوئے مشورہ دیا۔ ''اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''وہ ہماری اسی ڈھیل کے نتیجے میں بے لگام ہوئی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ اس کی واپسی پر کیا رویہ مناسب رہے گا۔'' میں نے اسے گول مول جواب دے کر ٹال دیا۔

ویرا کی خیریت کی اطلاع مل جانے کے بعد اول خان رخصت ہو گیا۔ اس نے ویرا کے بارے میں مجھ سے کوئی اصرار نہیں کیا۔

''تم نے غلطی کی۔'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے کہا ''جہانگیر کے گھر فون کیا تھا تو تم کو ویرا سے بھی بات کر لینی چاہیے تھی۔''

''کیوں؟ اس میں غلطی کی کیا بات ہے؟'' غزالہ نے رکھائی سے پوچھا۔

''وہ حساس اور ضدی عورت ہے۔ ابھی تک ہم میں سے کسی نے اس سے بات نہیں کی۔ ہمارے اس رویے کو وہ ہتک آمیز سمجھ کر آج کی رات وہیں گزار سکتی ہے۔''

''وہ جو کچھ بھی سمجھے، یہ اس کا فعل ہوگا۔ تم اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو کہ وہ رات جہانگیر کے گھر بسر کر لے گی۔ اس معاملے میں سلمیٰ بہت چالاک ہے۔ وہ اپنی چھت کے نیچے کسی دوسری عورت کو رات بسر نہیں کرنے دے گی۔ ویرا نے رکنا چاہا تب بھی وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اسے وہاں سے ٹال دے گی۔'' میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔

''دیکھتے ہیں۔ اگر وہ جہانگیر کی بات مان لیتی ہے تو اسے ایک آدھ گھنٹے میں گھر لوٹ آنا چاہیے۔''

اور یہی ہوا۔ ایک گھنٹا گزرنے سے پہلے ویرا واپس آ گئی۔

وہ بہت خوش اور پُراعتماد تھا۔ آتے ہی اس سے گلے شکوے کیے گئے اور اس نے صاف کہہ دیا کہ گھر سے جاتے ہوئے اس کے دل میں کسی کے خلاف کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ دوسروں میں سے کوئی اس کا ہم خیال نہیں ہے تو اس نے اپنے دل کی آواز پر خاموشی سے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور گھر سے نکل گئی۔

میں اس دوران میں خاموش رہا تھا۔ ان تینوں کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوا تو میں نے پوچھا ''تم نے انہیں اپنی آمد کا کیا سبب بتایا تھا؟''

''پہلے تو کچھ نہیں بتایا۔ تعاقب کا سلسلہ دراز ہونے پر ان دونوں کو ہوشیار کرنا ضروری تھا۔ میں نے بتا دیا کہ انہیں پھر کسی دشمن کی طرف سے خطرہ ہے۔''

''اور تم نے ہم تینوں کے خلاف خوب زہر اگلا ہوگا!'' سلطان شاہ بولا۔

''میں نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا نہ انہوں نے کچھ کریدنے کی کوشش کی۔ وہ دونوں اپنے خود ساختہ مسائل میں اس بری طرح گھرے ہوئے ہیں کہ انہیں کسی اور بات کا ہوش نہیں ہے۔ سلمیٰ کو ذرا سا تجسس تھا کہ میں خلافِ معمول تنہا وہاں کیسے پہنچ گئی۔''

''ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ واقعات کیسے رونما ہوئے۔'' غزالہ نے مطالبہ کیا۔ ویرا نے سگریٹ سلگائی۔ دو گہرے کش لیے اور اپنی کہانی چھیڑ دی۔

ویرا نے جو حرکت کی تھی اس کے بارے میں میری طے شدہ رائے تھی کہ وہ قطعی ناپسندیدہ تھی۔ ویرا کو بھول کر بھی وہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔

لیکن ان واقعات کے نتیجے میں سامنے آنے والے واقعات میرے لیے حیران کن تھے۔

سوبھراج کے دھمکی آمیز پیغام کے بعد ویرا نے جہانگیر کے گھر پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن اتنی قلیل سی مدت

میں سوبھراج کے دو خطرناک آدمی جہانگیر کے گھر کے قریب پہنچ گئے تھے۔

سوبھراج رسوا ہو چکا تھا، زخمی تھا، روپوش تھا۔ اس کے باوجود وہ بہت طاقت ور تھا۔ اس نے شیر دل کو نک کے خلاف میدان میں اتارا تھا اور اس روز ذرا سی دیر میں اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

اس کی وہ قوت ہر اعتبار سے بہت خطرناک تھی۔ اس نے نک کو مار لیا تھا۔ اس کے بعد وہ شہر میں دہشت پھیلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے کرایے کے آدمیوں کے ذریعے اپنا ہر کام نکال سکتا تھا۔

اخبارات اور دیگر ذرائع سے اس کے خلاف جو کچھ سامنے آرہا تھا، اس سے اس کی عمومی ساکھ تباہ ہوئی تھی۔ لوگ اس پر لعن طعن کر رہے تھے لیکن زیرزمین دنیا میں اس کی ساکھ پر کوئی منفی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔

کوبرا کے لیے کام کرنے والے ہر غنڈے کو کامل یقین تھا کہ وہ اپنے وعدے کا پکا ہے۔ کام پورا ہوتے ہی اسے معاوضہ ادا کر دے گا۔ اس کی ذات پر اس یقین کی وجہ سے شہر کے ناپسندیدہ عناصر اس کے ایک اشارے پر اپنا خون بہانے کے لیے تیار تھے۔

ویرا کی کہانی ختم ہو جانے کے بعد جب میں نے وہ بات ان تینوں کے سامنے دہرائی تو غزالہ اور سلطان شاہ کے بشروں پر فکر و تشویش کے سائے پھیل گئے لیکن ویرا کے لیے وہ اندیشہ قابلِ قبول ثابت نہیں ہوا۔

''یہ فیصلہ ابھی نہیں کیا جا سکتا۔'' اس نے برجستہ کہا ''ابھی تک سوبھراج کی آزمائش کا کوئی حقیقی مرحلہ نہیں آیا۔''

''چوبیس گھنٹوں سے بھی قلیل مدت میں دو سنگین واقعات سامنے آچکے ہیں۔ شیر دل نے نک کی بلٹ پروف کار پر بے آواز فائر کیے اور ابھی تم کالی شیراڈ میں آنے والوں کا قصہ سنا رہی تھیں۔ کیا یہ دونوں واقعات اس کی طاقت کے مظہر نہیں ہیں۔''

ویرا نے اپنے سر کو نفی میں ہلا دیا ''دونوں کام ادھورے رہے۔ سوبھراج آزمائش سے بچا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی نے کام پورا نہیں کیا اس لیے معاوضہ دینے کی نوبت نہیں آئی۔''

''ہاں!'' سلطان شاہ نے اس کا ساتھ دیا ''شیر دل کا حملہ ناکام رہا۔ وہ پکڑا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے آخر کار اس سے وہ کام لے ہی لیا لیکن سوبھراج یا کوبرا سے اپنے کام کا معاوضہ وصول کرنے سے پہلے وہ مار دیا گیا۔ شیراڈ والوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ایک مر چکا ہے۔ دوسرا قریب المرگ ہے۔ ان ناکامیوں کے سہارے اس کی ساکھ باقی ہے جو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ وہ فون پر احکام دے سکتا ہے معاوضہ نہیں پہنچا سکتا۔''

''کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ راج محل کو جلانے کے بعد کنگال ہو گیا ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''اس کے پاس کروڑوں روپے ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ رقم کون پہنچائے گا۔ اس کے ساتھ سنیل بھی زخمی ہے۔ کسی ایک کام کے معاوضے کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو اس کے نام کی دھول اڑ جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ کام پورا ہونا چاہیے۔'' میں نے قائل ہوتے ہوئے کہا۔

''پہلے وہ نک کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد اب اس نے جہانگیر کو تاکا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب تک جہانگیر کو کوئی واضح نقصان نہیں پہنچ جاتا۔ سوبھراج کے بھرم کی آزمائش کی نوبت نہیں آئے گی۔'' غزالہ نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''اس لمحے کی صورتِ حال یہی بتا رہی ہے۔ دعا کرو کہ آج کی ناکامیوں کے بعد وہ کسی کو کوئی اور کام بھی سونپ دے۔'' یہ میری ایماندارانہ رائے تھی۔

دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ویرا کے اچانک چلے جانے سے جو کشیدگی پیدا ہوئی تھی وہ مزید کسی بدمزگی میں تبدیل نہیں ہوئی۔ کھلے دل سے ہر بات صاف ہو گئی تھی۔ رات گئے سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اگلی صبح میری آنکھ جلد کھل گئی۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شعوری اور لاشعوری طور پر مجھے سوبھراج کے اعتراف کا انتظار تھا۔

میں بستر چھوڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ڈائننگ ٹیبل پر ربر بینڈ میں لپٹے ہوئے تازہ اردو اور انگریزی اخبارات رکھے ہوئے تھے۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے، ربر بینڈ اتار کر اخبار کھول لیے۔

اردو اخبار کے پہلے صفحے پر شہ سرخی کے نیچے چار کالم کی ذیلی سرخی میں ایف بی آئی اور سوبھراج کی ہولناک مخاصمت کی خبر نمایاں تھی۔ اخبار محتاط تھا اس لیے اس نے تیسری اور قدرے باریک سطر میں سوبھراج کا یہ دعویٰ نقل کیا تھا کہ 'نک ہاروے سے میں نے بے وفائی کا بدلہ لے لیا۔' وہ سب اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میں نے منہ ہاتھ دھوئے بغیر وہیں کرسی سنبھال لی۔

سوبھراج نے بالکل وہی کیا تھا جو اس نے مجھ سے کہا تھا۔

اس نے اخبار کے دفتر فون کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ اخبار کے پہلے صفحے پر اپنی طرف سے ایک جعلی اشتہار چھپوانا چاہتا تھا۔ اشتہار کا معاوضہ نقد ادا کرنے کی پیش کش کی گئی تھی۔

کئی دن سے سوبھراج کا نام اخباروں کی زینت بن رہا تھا۔ اس کے سیاہ کارناموں پر سے ایک ایک کر کے پردہ اٹھ رہا تھا۔ ہر باخبر حلقے میں اس کا نام موضوعِ سخن بنا ہوا تھا۔ جوں ہی متعلقہ شخص کے استفسار پر سوبھراج نے اپنا نام بتایا، اخبار کے دفتر میں کھلبلی مچ گئی۔

وہ ماضی کا ایک بہت بڑا سیاسی نام تھا مگر اس وقت ایک روپوش ملزم تھا۔ جس کی گرفتاری کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے وہ کال فوری طور پر اپنے چیف رپورٹر کو منتقل کر دی۔

اشتہارات ہر اخبار کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اور پہلے صفحے کے قیمتی اشتہارات کو ترجیحی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہ چیف رپورٹر سوبھراج کا شناسا تھا۔ مزاج پرسی کے بعد اس نے اشتہار چھاپنے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے قدرے مکاری سے کام لیا اور سوبھراج سے جاننا چاہا کہ وہ اس سے کہاں مل کر اشتہار کا متن اور رقم لے سکے گا۔

سوبھراج نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے مجوزہ اشتہار کا متن پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔ اس میں ایف بی آئی کے خلاف زہر اگلا گیا تھا اور یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ برسوں کی خدمات کے صلے میں ہاردے نے اسے ایف بی آئی کا غدار قرار دے کر اس سے بے وفائی کی تھی جس کے بعد عبرت ناک موت نک کا مقدر بن کر رہ گئی تھی کیونکہ اس نے سوبھراج کو واجب القتل قرار دیا تھا۔

اس نے ایف بی آئی کے سفّاکانہ فیصلے کو قبول کرنے کے بجائے روپوشی اختیار کر لی تھی کیونکہ پاکستان آتے ہی اسے مارنے کی کوششوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایف بی آئی والے اس کی گھات میں تھے، وہ نک کی تاک میں لگا رہا اور آخر کار اس نے اپنے ایک جاں نثار کے ذریعے نک کو اسی کے فلیٹ میں جہنم واصل کر دیا۔

اخباری متن میں اس اشتہار کا سارا مواد شامل نہیں کیا گیا تھا مگر خبر تفصیل سے بنائی گئی تھی۔ اس میں سوبھراج کا یہ دعویٰ بھی شامل تھا کہ وہ ایف بی آئی کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا جس میں غدار قرار دیے جانے والے شخص نے ان سے بھرپور انتقام لیا تھا۔

متن سننے کے بعد چیف رپورٹر نے اس اشتہار کی حسّاس نوعیت کی بنا پر اشاعت سے اپنی معذوری ظاہر کی تو سوبھراج نے دھمکی دی کہ صبح کے اخبار میں وہ سب نہ چھاپا گیا تو وہ نک کی طرح اخبار کے مالک کو بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

چیف رپورٹر کو یقین تھا کہ فون کرنے والا سوبھراج ہی تھا۔ اخبار کے مالک کی موت کی دھمکی سے قطع نظر وہ ایک بہت بڑی اور ہولناک خبر تھی۔ مجلس ادارت کے تجربے کار اراکین نے طویل مشاورت کے بعد رات گئے اس خبر کو شاملِ اشاعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس خبر میں نمائندوں کی بھاگ دوڑ کا نچوڑ بھی شامل تھا جس میں بہت سی باتیں پہلی مرتبہ منظرِ عام پر لائی گئی تھیں۔

مجھے خوشی تھی کہ سوبھراج کا وہ اعتراف منظرِ عام پر آ جانے کے بعد میرے خلاف کوئی بڑا محاذ کھلنے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔

پہلے ہی صفحے کی دوسری خبر کفیل کے بارے میں تھی۔ وہ نک کو قتل کرنے کے بعد رابن ہائٹس کے ساتویں فلیٹ سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

نک کے قتل کا معاملہ بہت سنگین اور نازک تھا اس لیے کفیل کی حالت کو نظر انداز کر کے اسے طاقت ور انجکشن دیے گئے جن کے نتیجے میں وہ اپنی تکلیف کو بھول کر بیان دینے کے قابل ہو گیا تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ خطیر معاوضے پر شیر دل کے لیے کام کرتا تھا۔ اس کے ایما پر اس نے رابن ہائٹس پہنچ کر وہاں موجود دونوں سفید فاموں کو ہلاک کرنے کے لیے بے آواز فائرنگ کی تھی۔ شیر دل کی پشت پر کون تھا۔ وہ اس راز سے بے خبر تھا۔

کفیل کی تان شیر دل پر آ کر ٹوٹ گئی تھی لیکن اخبار کے کرائم رپورٹر نے شہر کی زیرِ زمین دنیا کے سربرآوردہ لوگوں سے مراسم کی بنا پر سراغ لگا لیا تھا کہ شیر دل کافی عرصے سے کوبرا نامی کسی نامعلوم شخص کے لیے کام کر رہا تھا جب کہ پچھلے چند روز میں سامنے آنے والے انکشافات کی روشنی میں وہ سوبھراج کا ایک بہروپ تھا۔

وہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ اس سے آگے گڑبڑ ہو گئی تھی۔

شیر دل کی لاش کو سرکاری اسپتال کے روٹین کے مطابق مردہ خانے میں ڈال دیا گیا تھا لیکن جب کفیل کا بیان سامنے آیا تو شیر دل کا نام یکایک اہمیت اختیار کر گیا۔ اس کی لاش کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زہر کا شکار ہوا تھا۔

پھر بھی ہنگامی طور پر اس کا رسمی پوسٹ مارٹم کیا گیا اور پولیس سرجن نے اس کی گردن کے ایک ننھے سے سوراخ کے

ذریعے ایک مہلک زہر کے اترنے کی تصدیق کر دی۔
امریکی سفارتی عہدے داروں کا خیال تھا کہ شیر دل کی موت کا طریقہ اس گتھی کی کلید تھا۔ وہ ڈینی کا مخصوص طریقہ تھا۔ اس نے شیر دل کو صرف اس لیے راستے سے ہٹا دیا کہ وہ نک کے اصل قاتل کی نشان دہی کر سکتا تھا۔
ان لوگوں کا موقف تھا کہ سارا کیا دھرا ڈینی کا تھا۔ سرکاری حلقوں میں موجود اس کے ہمدرد اسے بچانے کے لیے سارا ملبہ سوبھراج پر گرا رہے تھے جو روپوش تھا۔ سامنے آ کر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔
وہ سوبھراج کے دعوے کو کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی ماہر صداکار نے فون پر اخبار کے چیف رپورٹر کو کامیابی سے دھوکا دیا تھا۔ سوبھراج ہر طرف سے اس بری طرف عتاب میں آیا ہوا تھا کہ اپنے بچاؤ کے سوا کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
اخبار کا چیف رپورٹر بہت گھاگ تھا۔ اس نے مسئلے کی نوعیت کا بروقت اندازہ کر کے سوبھراج سے ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی تھی۔ امریکی سفارتی موقف کے جواب میں اس نے قارئین کو بتا دیا تھا کہ مناسب وقت آنے پر وہ ریکارڈ کی ہوئی ساری گفتگو کسی بھی بااختیار فورم کے سامنے پیش کر دے گا۔
وہ تفصیل پڑھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ اخبار کے چیف رپورٹر نے غیر ارادی طور پر میرے ایک حلیف یا مددگار کی پوزیشن لے لی تھی۔ اس گفتگو کی اصلیت ثابت ہوتے ہی مجھ پر عائد کیا جانے والا قتل کا الزام باطل ثابت ہو جاتا۔
وہ پریس اور امریکی سفارت کاروں کی ایک قانونی لڑائی ہوتی جس کا نتیجہ سو فیصد میرے حق میں نکلنا تھا۔ اس میں دیر ہو سکتی تھی، تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ حالات کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ امریکی دوسروں سے مار کھا کر بھی میرے نام کا شور مچا رہے تھے اور ہر قسم کی بے بنیاد الزام تراشی پر اتر آئے تھے۔
ایک خبر اس جونیئر سفارت کار کی تھی جس نے مشتعل ہو کر آغا خان اسپتال میں ہوم سیکریٹری کا گریبان پکڑ کر فحش گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔ اس شرمناک واقعے کے متعدد چشم دید گواہ موجود تھے۔ اسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اس لیے امریکیوں نے ہوم سیکریٹری کی اشک شوئی کے طور پر اس افسر کو ملازمت سے معطل کر کے فوری طور پر امریکا واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔
ہمارا پچھلا دن بہت مصروف گزرا تھا۔ اس رعایت سے اخبار بھی بڑی بڑی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر شعبے کے لوگوں کی طرف سے سوبھراج کی مذمت میں بیانات آ رہے تھے۔ سیاسی پارٹی نے اس کی بنیادی رکنیت منسوخ کر دی تھی۔ معزز ہندو کھل کر اس پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔
میں نے اخبار کا پہلا اور آخری صفحہ پوری طرح چاٹ ڈالا لیکن مجھے کالی شیراڈ کا کہیں ذکر نظر نہیں آیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ خبر دوسری اہم خبروں کی وجہ سے کہیں دبی رہ گئی ہو گی۔
جب میں نے پہلا ورق موڑ کر مقامی صفحے پر نظر ڈالی تو مجھے وہ آخری خبر بھی نظر آ گئی۔
وہ ایسا الگ تھلگ واقعہ تھا کہ کوئی بھی اسے سوبھراج کی ذات سے منسوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے ایک بڑے مقامی واقعے کا درجہ دیا گیا تھا۔
خبر میں اس واقعے کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ بس یہ بتایا گیا تھا کہ درخشاں سے فائرنگ کی آوازیں سن کر پولیس کی ایک گشتی پارٹی تیزی سے ادھر روانہ ہوئی تو اسے دور سے ایک کار یوٹرن لے کر واپس آتی ہوئی نظر آ گئی۔ پولیس پارٹی نے اسے روکنا چاہا تو کالی شیراڈ سے ایک فائر ہوا اور اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ پولیس والوں نے گاڑی گھما کر اس کے پیچھے ڈال دی۔
پولیس فائرنگ کے نتیجے میں شیراڈ کا ڈرائیور زخمی ہو گیا اور گاڑی بے قابو ہو کر کچے میں اتر کر پھنس گئی۔ پولیس وہاں پہنچی تو ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر خون میں نہایا ہوا ایک بے جان انسانی وجود پڑا ہوا تھا۔ رات گئے تک دونوں کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔
پولیس ریکارڈ کے مطابق کالی شیراڈ مسروقہ تھی۔ اس میں پائے جانے والے کاغذات اصل مالک کے نام پر تھے۔ وہ گاڑی دو روز قبل ملیر کے علاقے سے چرائی گئی تھی۔
وہ خبر ختم کرتے ہی مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس وقت میرے اعصاب شاید ان خون آشام خبروں کے زیر اثر کچھ بھڑکے ہوئے تھے۔ میں سرعت سے پلٹا تو دیرا کھڑی مسکرا رہی تھی۔
''گڈ......تو تم میری بنائی ہوئی خبر پڑھ رہے تھے!'' اس نے ہنس کر پوچھا ''پولیس مقابلے میں زخمی ہونے والے کا اب کیا حال ہے؟''
''گولی اس کی گردن میں لگی ہے۔ اب تک بے ہوش ہے۔ دوسرا واقعی مر گیا۔ مجھے حیرت ہے کہ جہانگیر کثرت سے شراب نوشی کے باوجود صحیح نشانہ لے کر گولی چلا سکتا ہے۔''
''وہ میرے ساتھ تھا۔ پارٹی لیڈر مضبوط ہو تو کبوتر بھی عقاب سے لڑ پڑتا ہے۔ جہانگیر تو پھر پرانا پاپی ہے۔ اسے ماضی یاد آ گیا ہوگا۔''

''کیا تم میرے اوپر کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''ہرگز نہیں!'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''میں صرف یہ بتا رہی تھی کہ میں بھی خراب ٹیم لیڈر نہیں ہوں۔ جہانگیر حوصلے سے کام نہ لیتا تو ہمارے لیے شاید بھاگنا بھی دشوار ہو جاتا۔''

میں نے اس وقت تک ہاتھ منہ نہیں دھویا تھا۔ ویرا تازہ دم نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے سراپا پر ایک نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا اور اس نے اخبار اٹھالیا۔

غزالہ بیدار ہو چکی تھی اور غسل خانے میں منہ دھو رہی تھی۔ وہ نکلی تو میں غسل خانے میں گھس گیا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ اس وقت تک کچن میں کسی قسم کی سرگرمی کے کوئی آثار نہیں تھے اس لیے میں دیر تک نیم گرم پانی سے نہاتا رہا۔

میں لباس وغیرہ تبدیل کر کے اپنے کمرے سے دوبارہ باہر نکلا تو کچن آباد ہو چکا تھا اور میز پر ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی۔

''سوبھراج کا واقعی دماغ الٹ چکا ہے۔'' ویرا نے مجھے دیکھتے ہی اطلاع دی ''میرا خیال تھا کہ اس کے اعترافی اشتہار والی خبر صرف اردو اخبار میں آئی ہوگی کیونکہ وہی زیادہ پڑھا جاتا ہے مگر وہ خاصے اختصار کے ساتھ انگریزی اخبار میں بھی موجود ہے۔''

''اس کا کسی انگریزی اخبار سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔'' میں نے اپنی مخصوص کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''اس کا اصل پیغام ایف بی آئی والوں کے لیے ہے اور وہ صرف انگریزی پڑھ سکتے ہیں۔ اردو کا ترجمہ شاید ان کے لیے اتنا موثر نہ ہوتا۔''

تھوڑی دیر میں سلطان شاہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ سب اس بات پر مسرور تھے کہ اخبارات سے سوبھراج کے براہ راست رابطے کے نتیجے میں بازی بہت تیزی کے ساتھ ان کے ہاتھ سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

سوبھراج کی کھلی کھلی باتیں ہر ایک کے لیے چشم کشا تھیں۔ ان سے ثابت ہو رہا تھا کہ امریکی ایجنسیاں دنیا بھر میں صرف تنخواہ دار مقامیوں سے کام نہیں لیتیں بلکہ بڑے بڑے نام نہاد لیڈروں کو بھی ان کی کمزوریوں کی بنا پر بے رحمی سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

اس بدنامی اور روسیاہی کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہوا نظر آ رہا تھا کہ ان کی میرے خلاف چلائی ہوئی مہم کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔

انہوں نے سوبھراج کے تاریخی اعتراف کو فراڈ کہہ کر مسترد کر دیا تھا اور اصرار کیا تھا کہ شیر دل کی موت زہر سے ہونے کے سبب ساری ذمے داری میری تھی۔

وہ ایک مضحکہ خیز بیان تھا جو ان کی بوکھلاہٹ کا مظہر تھا۔ ساری تفصیلات پڑھ کر ایک عام آدمی بھی یہ آزادانہ رائے قائم کر سکتا تھا وہ امریکی ایجنسی اور سوبھراج کی لڑائی تھی جس میں مجھے زبردستی ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ اخبار والوں نے شیر دل کی موت کے سبب پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس کڑی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ اگر شیر دل سوبھراج کا آدمی تھا تو وہ ڈینی کا نشانہ کیسے بنا۔

اس نکتے پر خلوص نیت اور محنت کے ساتھ کام کیا جاتا تو ایک ہی نتیجہ سامنے آتا کہ ڈینی نے سوبھراج کی دشمنی میں شیر دل کو مار دیا۔ مجھے خلش تھی کہ وہ نکتہ ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔ سوبھراج کے سر پر نک سوار تھا۔ اس نے بھی شیر دل کے بارے میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی ورنہ یہ مسئلہ وہی حل کر دیتا۔

سوبھراج قانون سے چھپتا پھر رہا تھا۔ میں اپنے قانون کے سائے میں امریکیوں سے چھپا ہوا تھا۔ اس نے اخبارات سے رابطہ کر کے مجھے ایک نئی راہ دکھائی تھی۔

اس وقت تک امریکی میرے بارے میں دل کھول کر زہر اگل رہے تھے۔ حقائق صرف چند گنے چنے لوگوں کو معلوم تھے۔ وہ باتیں رائے عامہ کی نظروں سے اوجھل تھیں۔ میں سوبھراج کی تقلید میں اخبارات سے براہ راست رابطہ کر کے امریکیوں کے نفرت انگیز پروپیگنڈے کا موثر سدباب کر سکتا تھا۔

میں نے وہ نکتہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اس کے استعمال کا وقت نہیں آیا تھا لیکن ضرورت پڑنے پر میں پوری بے خوفی سے وہ طریقہ اپنا سکتا تھا۔ اس سے صرف ایک ہی نقصان ہو سکتا تھا کہ میرے دشمنوں کو شہر میں میری موجودگی کا علم ہو جاتا۔ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ لوگ ویسے بھی کسی تردید کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ان کو یقین تھا کہ مجھے پاکستانی ایجنسیوں نے کراچی میں کہیں چھپایا ہوا ہے۔

نو بجے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے ذہن میں جلال اور اول خان کا خیال آیا۔

میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو میرے کانوں میں ایک نامانوس غیر ملکی آواز آئی اور میں چونک پڑا۔

اس نے ''ہائے!'' کہہ کر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''کیا تم کرنل داور بول رہے ہو؟''

''ہاں! میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا۔'' میں نے ذہن

پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''میں گیری بول رہا ہوں...... گیری ہارٹ!''
''اوہ! مجھے افسوس ہے کہ گیری کہ آج نک ہم میں نہیں رہا۔''
''مجھے افسوس سے بڑھ کر صدمہ ہے۔ شاید اس کے مقدر کی خرابی اسے پاکستان لے کر آئی تھی۔ وہ زندہ رہتا تو آج یہاں سے چلا گیا ہوتا۔'' اس کی آواز سے غم و غصہ جھلک رہا تھا۔
''سوبھراج کی اس حرکت نے مجھے حیران کر دیا ہے......''
''تم بھی سرکاری بولی بول رہے ہو۔'' اس نے قطع کلامی کر کے کہا ''سوبھراج کے فرشتے بھی نک پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ یہ ڈینی کا کام ہے۔ تم نے اخباروں میں نہیں پڑھا کہ نک کو ہلاک کرتے ہی اس نے کیسی سرعت اور سفاکی سے شیر دل کو مار ڈالا تاکہ اس کے خلاف کہیں سے کوئی ثبوت نہ مل سکے۔ وہ بہت خود غرض اور مکّار ہے۔''
''ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو مگر اس بارے میں میرا اپنا نظریہ ہے۔ اس پر میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے فون کیا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔
''میں فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے میرا نظریہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی۔
میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ملائمت سے جواب دیا ''آج میں بہت مصروف ہوں۔ ایک دو دن میں وقت نکال لوں گا۔''
''نہیں...... میں آج ہی ملنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔
''میں ایک گھنٹے بعد بتا سکوں گا۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔
''ٹھیک ہے۔ میں دس بجے فون کروں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
پچھلے روز پے در پے رونما ہونے والے خوں ریز واقعات کے بعد گیری کا وہ فون بہت معنی خیز تھا۔ اپنے رتبے کے اعتبار سے وہ نک سے سینئر تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے رو بہ رو کچھ تلخ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا جن کا نتیجہ اچھا نہیں ہو سکتا تھا۔
اس کے اضطراب کا اندازہ لگا کر میں نے وقتی طور پر اسے ٹال دیا تھا لیکن مجھے احساس تھا کہ اس سے ملنا میرے لیے اس اعتبار سے سود مند رہتا کہ مجھے اس کا ذہن پڑھنے کا موقع مل جاتا۔ نک کی موت کے بعد ان لوگوں سے میرا رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ گیری نے پہل کر کے مجھے وہ رابطہ دوبارہ استوار کرنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا جسے گنوایا نہیں جا سکتا تھا۔
میرے ذہن میں ایک بات ضرور جم گئی تھی کہ اس سے ملنے کے لیے میرا تنہا جانا مناسب نہیں تھا۔ ویرا ان کو مطلوب تھی۔ غزالہ یا سلطان شاہ کو لے جا کر بلاوجہ خطرات میں ڈالنا تھا۔ ان کی رونمائی ہونے کے بعد وہ بھی دشمنوں کی نظروں میں آ جاتے۔ گیری سے ملاقات کے لیے پہلے سے جانا بوجھا کوئی فرد ہی موزوں ہو سکتا تھا۔
ان میں ایک نام جلال کا تھا۔ امریکیوں سے میل جول اور ڈینی کے مسئلے کے بارے میں اس کے اپنے تحفظات تھے۔ وہ ایسے معاملات سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا۔ اسے ہٹا دینے کے بعد صرف اول خان ہی رہ جاتا تھا جو میرا ساتھ دے سکتا تھا۔
وہ پینٹا گون کے گیری ہارٹ سے نہیں ملا تھا لیکن نک کے بعد نام اسے جانتا تھا۔ دوسرے کئی امریکی اہل کار اس بات سے واقف تھے کہ وہ کراچی میں ایس ٹی ایف کا چیف تھا۔
اس کا خیال آتے ہی میں نے اس کا موبائل نمبر ملایا تو اس نے بتایا کہ وہ ہمارے دروازے پر اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ چند ثانیوں میں وہ ہنستا ہوا اندر آ چکا تھا۔
''اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہونا۔'' میں نے کہا اور تپاک سے اسے گلے لگا لیا۔
اس دن کے لیے اخباری اطلاعات سب سے اہم اور سنسنی خیز موضوعِ سخن تھیں۔ ان پر اول خان کا ردِعمل ہم سے مختلف تھا۔
پچھلے دن کے واقعات اس قدر بھرپور تھے کہ ان کے مختلف پہلوؤں پر گھنٹوں بات کی جا سکتی تھی مگر میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد گیری کا فون آنا تھا۔ اس سے قبل مجھے اس سے ملاقات کے بارے میں کچھ طے کر لینا تھا۔
''کچھ اور بھی ہوا ہے۔'' میں نے خبروں پر سرسری گفتگو کے بعد موضوع بدلتے ہوئے کہا ''گیری جلد از جلد مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے دس بجے تک کے لیے ٹال دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کسی بہت اہم معاملے پر بات کرنے کا خواہاں ہے۔''
''یہ تشویش ناک خبر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت زیادہ اختیارات دے کر یہاں بھیجا گیا ہے۔'' اول خان فکرمند ہو گیا۔
''پینٹا گون کے ایک افسر کی یہاں آمد خطرے کی گھنٹی تھی اور اب وہ خطرہ سامنے آتا ہوا نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کہا ''اس

کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔"

"اس کے تیور جو بھی ہوں، ہمیں حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میری رائے ہے کہ تمہیں اس سے مل لینا چاہیے۔ اس ملاقات کے نتیجے میں ان کی نئی سوچ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی عذر نہیں۔" میری توقع کے عین مطابق وہ کسی پس وپیش کے بغیر آمادہ ہوگیا۔ "یہ مکار اور فریبی لوگ ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ تمہیں بلانے کے بعد وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

"میں سلوک سے نہیں ڈرتا۔ اندیشہ یہ ہے کہ انہیں کہیں سے کوئی نئی ٹپ نہ مل گئی ہو۔ نک مرنے سے پہلے کہہ چکا تھا کہ وہ کرنل داور اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھتا ہے......"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" اول خان نے میری بات کاٹ کر بے تابی سے کہا "اگر اس نے دھوکے سے بلا کر تمہیں طاقت کے بل پر وہیں روک لیا تو جب تک ہمیں حقیقت کا علم ہوگا، وہ تم کو پاکستان کی حدود سے کہیں اور منتقل کر چکے ہوں گے۔"

"تم بات سمجھ گئے۔ مجھے یہی خوف ہے۔ ان کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اکیلے آدمی کے ساتھ وہ کوئی بھی سلوک کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے اسے دس بار سوچنا پڑے گا۔ یہ ایک اور ایک گیارہ والی بات ہوگی۔ اس بارے میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔"

"سازش کے سوا ہر صورت حال کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ مکّار اور پکے سازشی ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اس وقت نک کا زخم تازہ ہے۔ اشتعال اور انتقام سے مغلوب ہو کر وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔" اول خان کے چہرے پر فکر مندی کے سائے لرزاں تھے۔

"بس تو پھر یہ طے ہوگیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ اس سے ملیں گے۔"

وہ فیصلہ کر لینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بوجھ اتر گیا ہو۔ اس نازک معاملے میں ویرا سمیت کسی نے ٹانگ اڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ دوبارہ خبروں کی طرف تبدیل ہوگیا۔

ٹھیک دس بجے دوبارہ گیری کا فون آ گیا۔

"ہاں کرنل! تم نے کیا فیصلہ کیا؟" سلسلہ جڑتے ہی اس نے پوچھا "تم میرے دفتر میں کب تک آ رہے ہو؟"

"میں ایک بجے اپنے ساتھی کے ہمراہ پہنچ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ نو!" اس کی بے ساختہ آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ میری اور تمہاری ون ٹو ون ملاقات ہوگی جس میں کسی تیسرے فرد کی شمولیت کی گنجائش نہیں ہے۔"

"ایسی کیا بات ہے جس کے لیے تم اتنی رازداری پر مصر ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے اور نک کے درمیان مفاہمت چل رہی تھی۔ پچھلے اجلاس میں بہت سے لوگ موجود تھے اس لیے وہاں اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ نک نے تیزی سے بات ٹال دی اس بارے میں کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ شاید تم بھی یہ پسند نہیں کرو گے کہ تمہارے تعاون کے بارے میں تمہارے کسی ساتھی کو علم ہو۔ میں اسی باہمی تعاون کے حوالے سے تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تمہارا اکیلا آنا ضروری ہے۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ میں گیری کو دوسری بار نہیں ٹال سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "پھر تم دو بجے کہیں مل لو۔"

"میرے دفتر آنے میں کیا دشواری ہے؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اس پُر تکلف فضا میں، میں خود کو بے آرام محسوس کرتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

"یہ بھروسے کی بات نہیں ہے۔ میں اپنے تحفظ کے دس طریقے جانتا ہوں۔ میں ایک بجے تمہارے پاس پہنچ کر دو بجے تک اپنے ٹھکانے پر واپس نہیں پہنچوں تو میرے مددگار حرکت میں آ سکتے ہیں۔ یہ بات تمہارے علم میں ہو تو تم بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکو گے۔ یہ بھروسے کی نہیں میرے ذہنی سکون کی بات ہے۔ ہم باہر کہیں بھی مل سکتے ہیں۔"

"او کے!" اس کا لہجہ سرد ہوگیا "میں ایک بجے اولڈ کافٹن پر پہنچوں گا۔ اگر تمہیں میری گاڑی میں بیٹھنا پسند نہ ہو تو میں تمہاری گاڑی میں بیٹھ کر گفتگو کر لوں گا۔"

"میری گاڑی بہتر رہے گی۔ مجھے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ میری گفتگو کسی خودکار نظام کے تحت ریکارڈ کی جا رہی ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کرنل! تم بہت چالاک اور راست گو آدمی ہو۔" اس کی

آواز آئی ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس خطے میں ایسی انسانی ذہانت بھی پنپ سکتی ہے۔ وقت یاد رکھنا۔ میں ایک بجے اولڈ کافٹن پہنچوں گا۔ مجھے توقع ہے کہ تم میرے ساتھ کوئی ہیر پھر نہیں کرو گے۔“

”تم بے فکر رہو۔ میں مقررہ وقت پر وہاں ملوں گا۔“

بات ختم ہوگئی۔ گیری نے ون ٹو ون ملاقات کی شرط عائد کر کے میری پیشگی تیاری پر پانی پھیر دیا تھا لیکن غنیمت تھا کہ بات بن گئی تھی۔

اس کے بنائے ہوئے کسی جال میں پھنسنے کے امکان کا سدباب کرنے کے لیے کھلی فضا میں ملاقات کی تجویز ایک بہترین متبادل تھی۔

”اب گیری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ ویرا نے اس معاملے میں پہلی بار دخل انداز ہوتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

”خطرناک آدمی ہے۔ وہ کسی بھی وقت کوئی قلابازی کھا سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”امریکا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ صدر کے دل و دماغ پر سی آئی اے کے بعد پینٹاگون والے راج کرتے ہیں۔ فوجی اور دفاعی حکمت عملی کے ساتھ خارجہ پالیسی کا منبع بھی وہی ہے۔“

”یہی وجہ ہے کہ امریکا میں سارے مسائل کو طاقت کے زور پر حل کرنے کا رجحان دن بہ دن زور پکڑ رہا ہے۔“ میں نے کہا ”اس وقت تمہیں یہ باتیں کیوں یاد آ رہی ہیں۔“

”بس گیری کے حوالے سے یہ باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کی شرائط ماننے کے بجائے اپنی شرط پر ملاقات طے کی ہے پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔“ ویرا بولی۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ ابھی سے اپنے چند آدمی وہاں مامور کر دوں۔“ اول خان نے کہا ”اگر گیری کی طرف سے وہاں کوئی غیر معمولی کارروائی کی جاتی ہے تو وہ میرے آدمیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ یہ شطرنج کی بساط ہے۔

اس پر جو پہلے اپنی چال چل جائے گا وہی کامیاب ہوگا۔''

''جب سے کلفٹن کی ساحلی پٹی کو ترقی دی گئی ہے، اولڈ کلفٹن اپنی کشش کھو چکا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''وہاں شام کو تھکے ہوئے جوڑے تازہ ہوا لینے کے لیے ضرور آتے ہیں لیکن دن کے وقت میں وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی۔ تمہارے آدمیوں کو بھیس بدلنا ہوگا تاکہ وہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکیں۔ دن میں وہاں بھکاری اور نشے باز ستاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

''میرا ارادہ ہے کہ میں خود بھی ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں۔'' اول خان نے ہنستے ہوئے عندیہ دیا ''اس بہانے گیری ہارٹ کا دیدار بھی ہو جائے گا۔''

''نیک خیال ہے۔'' غزالہ بولی ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم لوگ ہر بات نظر انداز کر کے گیری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔''

غزالہ کا وہ نکتہ کچھ انوکھا سا تھا۔ سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اس وقت گیری سامنے آنے پر مجبور ہے۔'' غزالہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔ ''نک مارا جا چکا ہے۔ ٹام زخمی ہو کر اسپتال میں پہنچا ہوا ہے۔ واقعات تیزی سے کروٹ لے رہے ہیں۔ وہ سامنے آنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ خفیہ بلکہ کسی حد تک مجرمانہ معاملات عام سفارتی عملے کے دائرۂ کار سے بالکل باہر ہیں۔''

''یہ نکتہ بجا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت وہ یہاں کیوں موجود ہے۔'' میں نے کہا ''اس کی جگہ ایف بی آئی یا سی آئی اے کا کوئی افسر بھی ہو سکتا تھا۔ پینٹا گون اور انصاف کے محکموں کے نمائندوں کی موجودگی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ امریکیوں نے کچھ نئے فیصلے کر لیے ہیں جو کسی بھی وقت ہمارے سامنے آ سکتے ہیں۔''

غزالہ کے پاس میرے اعتراض کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

گیری سے ملاقات کے لیے ایک کھلے مقام کا تعین ہو جانے کے بعد مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن سب احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر متفق تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اول خان اولڈ کلفٹن کے محاذ پر تیاریوں کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد ویرا کو خیال آیا کہ صبح کے اخبارات میں پچھلی رات تک کی خبریں چھپی تھیں۔ اول خان سے شیراڈ والوں کے بارے میں تازہ ترین پوزیشن نہیں پوچھی گئی تھی۔

وہ واقعی ایک تشنہ سوال تھا۔ گیری کی فون کال نے ہم سب کے ذہنوں کو اس طرح الجھایا تھا کہ ہم دوسری باتیں فراموش کر بیٹھے تھے۔

میں نے اسپیکر فون آن کر کے اول خان کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت راستے میں تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مسروقہ شیراڈ سے پکڑے جانے والے زخمی نے صبح سویرے اسپتال میں دم توڑ دیا تھا۔ ان دونوں کی شناخت ہو گئی تھی۔ وہ دونوں کلاکوٹ کے علاقے کے پرانے بدمعاش تھے جو اپنی مجرمانہ حرکتوں کی وجہ سے آئے دن جیل یاترا پر جاتے رہتے تھے۔

ان دونوں کے مر جانے کی وجہ سے سوبھراج ایک مرتبہ پھر اپنے بھرم کی آزمائش سے بچ گیا تھا۔ ان کو سونپا جانے والا کام نہیں ہو سکا تھا۔ جہانگیر محفوظ تھا اس لیے کسی کو کوئی معاوضہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دیکھنا یہ تھا کہ سوبھراج کب تک شہر کے بدمعاشوں کو اپنا تابع بنا کر رکھ سکتا ہے۔

بارہ بجے میں گھر سے روانگی کی تیاری میں مصروف تھا کہ جلال کا فون آ گیا۔

''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے!'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی مسرت کا اظہار کیا ''میں صبح سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''میں بہت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ بھارتی وفد کے ساتھ مذاکرات کا تیسرا دن بہت اعصاب شکن تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔''

''یعنی گوپال کے بدلے وہ سات قیدیوں کا تبادلہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں!''

''معاہدے پر دستخط ہو گئے ہیں۔ کسی بھی وقت تبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ اسی چکر میں، میں تفصیل سے اخبارات نہیں پڑھ سکا لیکن سرسری طور پر جو کچھ دیکھا ہے وہ بہت حوصلہ افزا ہے۔ سوبھراج نے احمقانہ شیخی میں آ کر ان پر کڑا وقت ڈال دیا ہے۔''

''کل تم نے گیری سے ملوایا تھا آج وہ مجھ سے ملنا چاہ رہا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اس سے کل مذاکرہ ہوا تھا یا وہ کئی دن پرانی بات ہے۔ سب کچھ ایک دوسرے میں خلط ملط

ہوکر رہ گیا ہے۔ وہ تم سے کیا چاہ رہا ہے۔''
''فی الحال صرف ملاقات۔ ایک بجے اس سے ملوں گا تو پتا چلے گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''
''میں ندامت محسوس کرتا ہوں کہ ان معاملات میں، میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ میں دل سے تم سب کی کامیابیوں کے لیے دعاگو رہتا ہوں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کل رات ویرا کا کیا رہا۔ اس وقت وہ کہاں ہے۔''
''میں بالکل بھول گیا تھا۔'' اس بار مجھے معذرت خواہ ہونا پڑا اور میں نے اسے ویرا کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیل سنا دی۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔ سوبھراج کو ایسی دو چار چوٹیں اور ہو گئیں تو وہ بلبلا اٹھے گا۔ میری طرف سے ویرا کو مبارک باد کے ساتھ یہ پیغام دینا کہ وہ جوش کے ساتھ ذرا ہوش سے بھی کام لیا کرے یہ ضروری نہیں کہ مقدر ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا رہے۔''
''بھارت سے تمہارے ساتوں آدمی کب آرہے ہیں؟'' میں نے اس کی بات سن کر پوچھا۔
''معاہدہ ہوگیا ہے۔ مجھے اب ان کی فکر نہیں۔ وہ جلد از جلد لوٹ آئیں گے۔ بھارتیوں کے لیے گوپال راج بہت اہم ہے۔ وہ اسے پہلی فرصت میں ہماری تحویل سے نکال لے جانا چاہتے ہیں۔ ہر بلیک کیٹ کو بھارتی نیٹ ورک میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔''
''تم داد کے مستحق ہو۔ مضبوط سودے بازی کے ذریعے تم نے ایک بلیک کیٹ کے بدلے سات پاکستانیوں کو آزادی دلائی ہے۔ ان کے خاندان تمہیں ہمیشہ دعائیں دیتے رہیں گے۔''
''ہم لوگ کسی نہ کسی کی دعاؤں کے سہارے چل رہے ہیں ورنہ عقل کام نہیں کرتی کہ ہم بڑے بڑے خطرات سے کیسے نکل جاتے ہیں۔ تمہیں ایک بجے گیری سے ملنے کے لیے جانا ہے۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آج کسی وقت ملاقات ہوگی۔''
میں نے جلال کا پیغام ویرا کو سنایا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ شہر میں ٹریفک کی بدترین صورتِ حال کے پیشِ نظر وقت کی تھوڑی سی گنجائش رکھنی ضروری تھی۔
میرے پاس اولڈ کلفٹن پہنچنے کے دو متبادل راستے تھے۔ میں نے شہر کی پُرہجوم سڑکوں میں گھسنے کے بجائے نیشنل اسٹیڈیم اور کارساز روڈ کے طویل تر راستے کا انتخاب کیا اور اسی طرف چل پڑا۔

سوالاً جواباً

☆''ویٹر! یہ میری چائے میں کیا تیر رہا ہے؟''
''سر مجھ سے نہ پوچھیں۔ مجھے کیڑے مکوڑوں کی زیادہ پہچان نہیں ہے۔''
☆''سر! کیا آپ چپاتی کے ساتھ کچھ اور بھی منگوانا پسند کریں گے؟''
''ہاں..... ایک پیپرویٹ لیتے آنا۔ پچھلی مرتبہ میں نے جو چپاتی منگوائی تھی وہ پنکھے کی ہوا سے اڑ گئی تھی۔''
☆''جناب! آپ کیوں اتنا شور مچا رہے ہیں؟ مجھے تو اس کافی میں کوئی خرابی نظر نہیں آرہی۔''
''خرابی صرف یہ ہے کہ جسے آپ کافی کہہ رہے ہیں، آپ کا ویٹر اسے سوپ کہہ کر میری میز پر رکھ کر گیا ہے۔''
☆''آپ نے اپنے ہوٹل کے اشتہار میں یہ کیوں لکھا تھا کہ اب یہ نئی انتظامیہ کے تحت چلے گا؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا منیجر تو وہی ہے جو پہلے تھا؟''
''وہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن کل منیجر صاحب کی شادی ہوگئی ہے۔''
☆''سر! میرا استرا کیسا تھا جس سے میں نے آپ کا شیو بنایا؟''
''اچھا..... تو تم استرے سے میرا شیو بنا رہے تھے؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم اس کام کے لیے ریگ مال استعمال کررہے ہو۔''

سوبھراج، سنیل، نک اور ٹام وغیرہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور پوری یک جہتی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ ہمیں بیک وقت ان سب سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ یہ ہماری حکمتِ عملی کی نمایاں کامیابی تھی کہ ہم ان کے اتحاد میں زبردست دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ہم اپنی جگہ پر موجود تھے مگر ہمارے دشمن دو ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے۔
دشمن کی صفوں میں ہونے والی اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں میدان میں دو کے بجائے تین حریف آگئے تھے جو ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔ ہر شخص موقع ملنے پر اپنے حریفوں کی گردن کاٹنے پر تلا ہوا تھا۔ سوبھراج کے چہرے سے

نقاب ہٹ چکا تھا لیکن کرنل داور کا بہروپ بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ڈینی امریکیوں کو مطلوب تھا مگر کرنل داور ان کا ہم خیال تھا۔

نک کے ساتھ میں نے بتدریج ایک مفاہمانہ فضا تیار کر لی تھی۔ مجھے ہر وقت یہ احساس رہتا تھا کہ میں تلوار کی باریک دھار پر چل رہا تھا۔ کرنل داور کی ذرا سی لغزش مجھے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی تھی۔ نک کے بعد گیری سامنے آیا تھا۔ میرے لیے وہ بالکل نیا آدمی تھا۔ پہلے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ کرنل داور کی شخصیت کو کس حد تک قبول کرتا ہے۔

میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے اولڈ کلفٹن پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں عبرت ناک ویرانی کا سماں تھا۔ وسیع پارکنگ لاٹ میں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں ظالم سماج کے ستائے اور شاید کالجوں سے بھاگے دو جوڑے راز و نیاز میں مشغول تھے۔ پان اور فاسٹ فوڈ کی دکانوں پر چند افراد اکٹھے ہو کر خوش گپیوں میں وقت گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لان کی جھلسی ہوئی خشک گھاس پر چند آوارہ کتے پڑے اونگھ رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی سایہ دار جگہوں پر گندے لباس والے کچھ ملنگ، گداگر، چرسی اور موالی بیٹھے یا لیٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

پارکنگ کے لیے کسی سایہ دار جگہ کی تلاش کے ساتھ ساتھ میری نظریں اول خان اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں بھی بھٹک رہی تھیں جنہیں اس وقت وہاں موجود ہونا چاہیے تھا مگر میں اپنی پوری کوشش کے باوجود وہاں کوئی مشتبہ آدمی تلاش نہیں کر سکا۔

شاید ان لوگوں نے اتنی کامیابی کے ساتھ اپنا بھیس بدلا تھا کہ آسانی کے ساتھ ان کا سراغ لگانا ممکن نہیں تھا۔

ایک جگہ اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا تا کہ گیری وہاں پہنچے تو دور ہی سے مجھے دیکھ کر پہچان لے۔

اس وقت گاڑی پر جعلی نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ان دنوں یہ احتیاط ضروری تھی تا کہ ہمارا کوئی حریف گاڑی کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے ہمارا سراغ نہ لگا سکے۔ میں مختصر لیکن پوری منصوبہ بندی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا اور گیری کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

اس کی چمکتی ہوئی بڑی سی سرخ گاڑی مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ڈھلان چڑھتی ہوئی اوپر آئی اور میری گاڑی کے قریب رک گئی۔

یہ بات اطمینان بخش تھی کہ گیری گاڑی میں تنہا تھا۔

اس کی گاڑی کے رکتے ہی میں اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اتر کر میرے برابر والی نشست پر آ بیٹھا۔

''تم دیکھ رہے ہو کہ اس شہر میں کیا ہو رہا ہے!'' اس نے بیٹھتے ہی کسی تمہید یا رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست سوال کیا۔

''بہت کچھ ہو رہا ہے۔ دنیا کے بڑے شہروں میں کبھی کبھی تسلسل کے ساتھ پرتشدد واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت کراچی بھی اسی لہر کی زد میں آیا ہوا ہے۔''

''یہاں ہم لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے۔'' میرے محتاط جواب پر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی ''چند روز پہلے ایک کمانڈو مارا گیا اور کل نک۔''

''نک کے بارے میں مجھے دلی افسوس ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا ''اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ ہمیں فوری طور پر ڈینی مطلوب ہے۔''

''تم اس طرح مطالبہ کر رہے ہو جیسے وہ میری تحویل میں ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''اس وقت ہو یا نہ ہو لیکن سوبھراج کے واپس لوٹنے تک وہ تمہارا قیدی تھا۔ نک نے بتایا تھا کہ اس کے بارے میں تم سے ڈیل بھی طے ہو گئی تھی۔''

''نک نے تمہیں کیا کیا بتایا تھا۔'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''سب کچھ...... ایک ایک بات میرے علم میں ہے۔ ہماری آج کی ملاقات پرانی مفاہمت کے تسلسل میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ آج میں نے نک کی جگہ لی ہوئی ہے۔''

''میرے چہرے پر نظر آنے والے زخموں کے نشانات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

میرے سوال سے صاف ظاہر تھا کہ میں اس کا امتحان لے رہا تھا۔ اس نے جھلّا کر کہا ''یہ زخم اسی سن آف اے گن کے لگائے ہوئے ہیں جو آج مجھے مطلوب ہے۔''

گیری کا وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی ایک گہری لہر سرایت کر گئی۔ اس جواب میں یہ نکتہ مضمر تھا کہ وہ اس وقت بھی ڈینی اور کرنل داور کو دو الگ الگ شخصیتیں تصور کر رہا تھا۔ اس بارے میں اس کا ذہن ہر شک و شبہے سے پاک تھا۔

''بس تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ میری قید سے فرار ہو گیا تھا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''تم کیوں چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ تم نے نک سے کہا

''تھا کہ سوبھراج روپوشی ختم کر کے سامنے آئے یا مار ڈالا جائے تو تم ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر اس کے حوالے کر دو گے۔''

''ان میں سے کوئی بھی شرط پوری نہیں ہوئی۔ سوبھراج نے نک کو بھی مار ڈالا۔''

''یہ بکواس ہے نک کا قاتل ڈینی ہے۔'' وہ مضطرب ہوا جا رہا تھا۔

''میں نے اخبارات دیکھے ہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ نک کا قاتل کون ہے۔ اٹل حقیقت یہ ہے کہ نک مارا جا چکا ہے۔ سوبھراج زندہ ہے اور روپوش ہے۔''

''اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اب اپنی شرائط کو بھول جاؤ اور ڈینی کو میرے حوالے کر دو۔ اسی میں ہم سب کی عافیت ہے ورنہ وہ ایک ایک کر کے سب کو کھا جائے گا۔''

''نہیں گیری! یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''ڈیل دوطرفہ ہوتی ہے۔ تم میری شرط پوری کرو۔ میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں گا اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ڈینی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس کے دروازے پر دستک دوں، وہ باہر آئے اور میں اسے پکڑ لوں۔ اس کا دوبارہ سراغ لگانے کے لیے مجھے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑے گا۔''

''تم نے نک کو یہ تاثر دیا ہوا تھا کہ ڈینی ہر وقت تمہاری دسترس میں ہے۔ نک تمہاری شرط پوری کرے گا اور تم ڈینی کو اس کے بل سے نکال کر نک کے حوالے کر دو گے۔''

''وہ سودے بازی کا ایک ڈھنگ تھا۔ تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ ڈینی جیسے چالاک آدمی کو دوبارہ پکڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''اسے آخر تک یہ پتا نہیں چلا کہ وہ تمہارا قیدی تھا۔ وہ اب بھی تم پر اعتماد کرتا ہوگا۔ ایس ٹی ایف والوں سے اس کی گاڑھی چھنتی ہے۔''

''نک کا تعلق ایف بی آئی سے تھا۔ گیری پینٹا گون سے آیا تھا لیکن اسے ایک ایک بات اس تفصیل کے ساتھ معلوم تھی جیسے نک اپنی ہر رپورٹ براہ راست اسی کو بھیجتا رہا ہو۔

''ڈینی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا اسی لیے وہ آج تک بچا ہوا ہے ورنہ وہ اب تک دس مرتبہ مارا جا چکا ہوتا۔''

''یہ سب تمہارے مسائل ہیں۔ اسے تلاش کرو اور جلد از جلد میرے حوالے کر دو۔''

''سوبھراج کے بارے میں تم کیا کر رہے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ پاگل کتا ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ وہ خود اپنی موت مر جائے گا۔''

''میں تم سے ڈینی کے بارے میں بھی بالکل یہی بات کہہ سکتا ہوں۔ کوئی ذی روح ابدی زندگی نہیں پا سکتا۔ ہر انسان کی طرح ڈینی بھی فانی ہے۔ وہ ایک دن خود اپنی موت مر جائے گا۔''

گیری کے پتلے پتلے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبی ہوئی سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی ''کرنل! تم یہ نہیں کہہ سکتے تم کو میرے لیے ڈینی کا کھوج نکالنا ہوگا۔ تم نے اس کام سے انکار کیا تو تمہاری بنیادیں ہلا دی جائیں گی۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔''

اس کے خوف ناک الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ مگر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''میری بنیاد ہی کیا ہے جسے تم ہلا سکو گے۔''

''میں تمہاری ذات کی نہیں، اس مافیا کی بات کر رہا ہوں جس کے تم تنخواہ دار ہو۔''

''اوہ!'' میں نے تحیر زدہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر کہا ''تو کیا تم اسپیشل ٹاسک فورس کو نقصان پہنچانے کی بات کر رہے ہو۔''

''نقصان بہت چھوٹا اور ہلکا لفظ ہے۔ ڈینی جلد از جلد ہاتھ نہیں آیا تو ایس ٹی ایف کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔'' گیری کی آواز بے رحمانہ ہو گئی۔

''ڈینی اور ایس ٹی ایف کے بارے میں تم کسی سنگین غلط فہمی کا شکار ہو۔ یہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے والی بات ہے۔''

''ڈینی کو ایس ٹی ایف نے پالا ہوا ہے۔ ایس ٹی ایف کے غنڈے اسے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ آج بھی تمہاری فورس اس کی پشت پناہ ہے۔ تم نے خود نک سے اعتراف کیا تھا کہ صرف تم ڈینی کی آزادروی سے متنفر ہو۔ دوسرے افسر اس کے حامی ہیں۔ پچھلے اجلاس میں تم لوگوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہماری بیش بہا امداد قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تم بلکہ تمہارے ہر ساتھی کو علم ہے کہ ہمارے دو تین ماہرین اپنے اپنے بہترین آلات اور مہارت کے ساتھ یہاں جم گئے تو ڈینی کا قصہ چند دنوں میں پاک ہو جائے گا۔''

''اب تم ڈیل سے پھر رہے ہو۔ یہ کھلی بلیک میلنگ ہے۔''

''تم جو چاہو کہہ لو۔ یہ ٹھوس حقیقت ہے۔ میں اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی نیت سے یہاں آیا ہوں۔ ڈینی دو ورنہ ایس ٹی ایف سے ہاتھ دھو لو۔''

''ایس ٹی ایف کے بارے میں تم لوگ ایک مدت سے بہت کچھ جانتے ہو لیکن آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے پھر اب.....''

اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی ''اس ناپاک فورس

کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہے۔ اب تک ہم چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتے رہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''آخر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔

''تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے یہ تصویر دکھانی ضروری ہے۔'' اس نے آسودگی کے ساتھ کہا۔ ''ہم سرکاری طور پر تمہاری حکومت سے اس گندی مافیا کے خاتمے کا مطالبہ کریں گے۔''

''تم ایک آزاد اور خودمختار ملک کے معاملات میں ایسی کھلی مداخلت نہیں کر سکتے۔ کل تم کہو گے کہ پولیس فورس توڑ دی جائے۔ پرسوں کسی اور ادارے کی باری آ سکتی ہے۔''

''اقوام متحدہ کے چارٹر کا مطالعہ کرو۔ کسی بھی رکن ملک کو اپنی حدود میں آئین سے ماورا کوئی غیر قانونی فورس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس ضمن میں اس فورس کا مسلح اور غیر مسلح ہونا غیر اہم ہے جب کہ تمہاری مافیا ایک مسلح اور بے لگام، بے دردی فورس ہے۔''

''جب تم اتنا کچھ جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ سرکاری سطح پر قائم کیے ہوئے کسی غیر آئینی ادارے کے وجود کو ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔''

''یہ تم کالے ایشیائیوں کی بھول ہے۔'' گیری نے حقارت سے کہا ''ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کی یکساں خبر رکھتے ہیں۔ کہیں کوئی بے اعتدالی ہو رہی ہو تو بظاہر ہم چشم پوشی سے کام لیتے ہیں لیکن در پردہ ہمارے ذہین ماہر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ ہم پندرہ برس سے ایس ٹی ایف کا پیچھا کر رہے ہیں۔ نادیدہ آنکھیں ایس ٹی ایف کے ہیڈ کوارٹرز اور دس مراکز کی تصاویر بناتی رہی ہیں۔ وہاں فوجی نوعیت کی گاڑیاں اور ہتھیار پائے جاتے ہیں۔ کہوٹہ کے گرد پھیلی ہوئی ایٹمی تنصیبات کی نگہداشت اسی مافیا کے غنڈے کرتے ہیں۔ کوئی بھول کر بھی ادھر نکل جائے تو مار مار کر اس کے ہاتھ پیر توڑ دیتے ہیں۔ ادھر جانے والے کئی سفارت کار ان کے تشدد کا نشانہ بنے ہیں۔ اس مافیا کے چیف کے ذاتی اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے آتے جاتے رہے ہیں۔ یہی حال ہر اسٹیشن کمانڈر کے بینک اکاؤنٹ کا ہے۔ ہمارے ماہر ورجینیا میں بیٹھے بیٹھے بینکوں کے کمپیوٹرز میں نقب لگا کر باقاعدگی سے ان کھاتوں کی فائلیں بناتے رہے ہیں۔ یہ سب ٹھوس ثبوت ہیں۔ میں نے تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے چند موٹی موٹی باتیں بتائی ہیں ورنہ ہمارا ریکارڈ بہت ضخیم ہے۔''

''میں تمہارے وسائل کی دسترس پر حیران ہوں۔ اتنے لمبے ہاتھ رکھنے کے باوجود تم اب تک ڈینی کو کیوں تلاش نہیں کر سکے۔''

''ہم اداروں، تنظیموں اور حکومتوں کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ ان کے ٹھکانے، پالیسیاں اور ریکارڈ ہوتے ہیں۔ ایس ٹی ایف غیر آئینی ہے لیکن ہماری سخت مانیٹرنگ کی زد میں ہے۔ ہم ہر وقت اسے نیست و نابود کر سکتے ہیں لیکن ڈینی ایک سرپھرا آوارہ گرد اور قاتل ہے۔ وہ اپنے زعم میں بہت بڑا محب وطن بنا پھرتا ہے لیکن تم کو یقین ہونا چاہیے کہ ہمیں للکار کر وہ اپنے ملک کی کوئی خدمت نہیں کر رہا، اسے نقصان پہنچا رہا ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''ہم ایسے بے گھر اور بے در بدمعاشوں پر نظر نہیں رکھ سکتے۔ وہ اپنی مرضی سے واردات کرتے ہیں پھر انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاتے ہیں۔ جب انہیں کسی کی مضبوط پشت پناہی حاصل ہو تو ان کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ کسی کے پاس اس حرام زادے کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تصویر ہے، آواز ہے اور نہ فنگر پرنٹس!''

اس کے آخری فقروں سے جھلکتی ہوئی مایوسی نے میرے اس تکدر کو دور کر دیا جو اس کی زبان سے اپنے لیے گالی سن کر ہوا تھا۔

''تمہاری باتیں چشم کشا ہیں لیکن میں اب یہ ضرور کہوں گا کہ نک کے قتل میں ڈینی ملوث نظر نہیں آتا۔ تم غیر ضروری طور پر بات بڑھا رہے ہو۔''

''میں بات نہیں بڑھا رہا۔ حقائق بتا رہا ہوں۔ تمہارا کیا جواب ہے۔''

''میں ایس ٹی ایف کا ایک معمولی افسر ہوں۔ یہ باتیں میرے منصب سے بہت بڑی ہیں۔ ان پر تمہیں ہمارے باس سے بات کرنی چاہیے۔''

''باس اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم یہاں ہو اور ایک بار ڈینی کو اپنے چوہے دان میں بند کر چکے ہو اس لیے تم ہی ان باتوں کے لیے موزوں ترین شخص ہو۔ تمہارے انکار کے بعد جو کچھ ہوگا وہ باس تو کیا پوری دنیا کے علم میں آ جائے گا۔''

''اگر صرف اتنی سی بات ہے تو میں کہوں گا کہ تم نے اب تک اپنا اور میرا وقت ضائع کیا ہے۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا اور وہ میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔

''میں یہ سب سنے بغیر بھی ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا'' میں نے اپنی بات جاری رکھی ''وہ کچھ کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو، اس کا نام کچھ دوستوں کے ساتھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے جن میں تمہارا ملک سرفہرست ہے۔''

"نک سے تمہارا ون ٹو ون رابطہ تھا۔ ٹام یہاں سی آئی اے کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ کئی بار تم سے ملا ہے لیکن تمہارے اور اس کے درمیان اعتماد کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ نک کے قتل کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بے نام خلا رہ گیا تھا جسے پاٹنا بہت دشوار تھا۔ اپنے رازوں میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں کر سکتے تھے۔"

"میں کسی اور کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتا تھا۔" میں نے بلاوجہ اعتراف کیا۔

"تم ڈینی کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو اسے کس کے حوالے کرتے؟" اس نے پوچھا۔

"کسی کے نہیں۔" میں نے خیال انگیز لہجے میں کہا "اسے دوبارہ پکڑنے کا ارادہ ترک کر دیتا یا اسے پکڑ لیتا تو خود ہی کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا۔"

"اس ساری گفتگو کا یہ فائدہ ہوا کہ سوبھراج کی شرط درمیان سے نکل گئی کیونکہ ایس ٹی ایف کی بقا کا سوال سامنے آ چکا ہے۔ دوسری طرف تمہیں یہ یقین آ گیا ہوگا کہ میں نک کے تسلسل میں کام کر رہا ہوں۔ اجنبی ہوں اور نہ تمہارے لیے خطرہ بنوں گا۔"

"کیا سوبھراج کو اسی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے گا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس نے ایف بی آئی کے خلاف بے بنیاد زہر اگلا ہے۔ اسے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ تم بھی کوشش کرتے رہو، جلد ہی اس کا انجام سامنے آ جائے گا۔"

"میں جلد از جلد اس کا انجام دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔"

"تم میری خواہش پوری کر دو۔ میں تمہاری آرزو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ یقین رکھو کہ ڈینی روئے زمین پر سوبھراج سے کئی ہزار گنا بڑا فتنہ ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو تو ضرور ہوگا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں تمہاری معلومات بہت بھرپور اور قابلِ رشک ہیں۔"

"ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کی کمزوریوں پر اسی طرح گہری نگاہ رکھتے ہیں۔" اس نے ایک آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"دوستوں اور دشمنوں والی بات تم نے دوسری مرتبہ کی ہے۔ میری دانست میں تم پاکستان کو بھی اپنا دوست ملک تصور کرتے ہو پھر دوستوں کی کمزوریوں پر نظر کیوں رکھتے ہو۔"

"یہ سیاسی رموز ہیں۔ اس طرح دوستوں کو قابو میں رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ تم دیکھو کہ ہم پندرہ برس سے ایس ٹی ایف کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ریکارڈ موجود ہے لیکن تمہاری حکومت کہتی ہے کہ ملک میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی وجود نہیں تو ہم بے چون و چرا یہ دعویٰ تسلیم کر لیتے ہیں۔ سیاست میں اسی کا نام دوستی ہے۔"

"لیکن ڈینی کے چکر میں تم حقائق سامنے لانے کا ارادہ کر چکے ہو!"

"یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہمیں یقین کی حد تک شبہ ہے کہ ڈینی کے خلاف تمہاری حکومت ہم سے بھرپور تعاون نہیں کر رہی۔ وہ کمی تم نے ذاتی طور پر پوری کر دی تو ایس ٹی ایف کا راز اسی طرح پوشیدہ رہے گا۔ ہم دوستوں کو بلاوجہ نقصان نہیں پہنچاتے۔"

"بہت صاف ستھری اور اصولی پالیسی ہے۔" میں نے کسی طنز یا استہزا کے بغیر اس منافقانہ پالیسی کی تعریف کی "اسی پالیسی کی وجہ سے دنیا بھر میں امریکا کی بات دھیان سے سنی جاتی ہے۔ اس کے لیے تمہارے منصوبہ ساز داد کے مستحق ہیں۔"

"ابھی نک کے سوگ میں تین دن تک دفاتر بند رہیں گے۔ اسی دوران میں، میں تمہیں اپنے رابطے کے نمبر دے دوں گا۔ مجھے جلد کوئی اچھی خبر ملنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ میری گاڑی سے اترا اور اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ میں بھی فوری طور پر وہاں سے چل دیا۔

راستے میں گیری کی کہی ہوئی باتیں ایک ایک کر کے میرے ذہن میں گونجتی رہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے برتری کا گھمنڈ جھلک رہا تھا۔ سب سے قابلِ نفرت بات یہ تھی کہ وہ دوستوں کے اعتماد کو دغا دے کر ان کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے کام کو بھی قابلِ فخر قرار دے رہا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں پاکستان کے مفاد کے حوالے سے کئی اہم ترین سوالات نے سر ابھارا تھا۔ باتوں کی روانی میں شاید وہ میرے سوالوں کے جواب بھی دے دیتا لیکن میں نے خود ہی ارادہ ترک کر دیا۔ ان حساس اور نازک معاملات پر زبان بندی ہی سب سے بہتر تھی۔ اس متعصب امریکی کی توجہ کسی اور کمزوری پر مرکوز ہو جاتی تو بات بگڑ سکتی تھی۔

ہم لوگوں کو جلال کے ذریعے سرکاری پالیسیوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ اشارے ملتے رہتے تھے۔ جب سے امریکی حکومت نے کراچی میں اپنے جانی نقصانات پر زیادہ سخت رویہ اختیار کیا تھا، میں محتاط ہو گیا تھا اور میں نے اپنی ساری توجہ سوبھراج پر مرکوز کر دی تھی۔

سوبھراج کے چکر میں ان کے کمانڈوز سے تصادم ہوا تھا اور پھر نک کے قتل میں بھی اصل سازش سوبھراج کی تھی جسے میں نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرلیا تھا۔ اس وقت مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ نک کی ہلاکت پر بات اتنی بڑھ جائے گی تو شاید میں شیر دل کو نک کے قتل کی دوسری کوشش پر اکسانے کا ارادہ سرے سے ترک کردیتا۔

یہی معاملہ گیری کا تھا۔ میں اس سے ملنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے خود پہل کی تھی تو اس کا جواب دینا لازم ہوگیا تھا مگر نتائج کے اعتبار سے مجھے وہ ملاقات اپنے گلے پڑتی نظر آرہی تھی۔ اس سے ملنے کے بعد میں ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا تھا۔

میں گھر پہنچا تو اول خان کو وہاں اپنا منتظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو اور میں وہاں گداگروں میں تمھیں تلاش کررہا تھا۔'' میں نے اسے دیکھ کر بے ساختہ کہا۔

''آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میرے آدمیوں نے بتایا کہ اولڈ کلفٹن پر پرانے اور لڑاکا بھکاریوں کا قبضہ ہے وہ نئے آدمی کو وہاں نہیں آنے دیتے۔ مار کر بھگا دیتے ہیں۔ میں نے خود جانے کا ارادہ ترک کر کے اپنے ایک آدمی کو ہیروئنچی کے روپ میں وہاں بھیج دیا تھا۔ اس نے تمھاری واپسی کے بعد اپنی جگہ چھوڑی ہوگی۔''

''وہ شاہی مزاج کے گداگر معلوم ہوتے ہیں''۔ میں نے ہنستے ہوئے بتایا''۔ ہم لوگوں نے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت وہاں گزارا لیکن کسی نے قریب آکر دست سوال دراز نہیں کیا۔''

''تم وہاں گداگروں پر ریسرچ کرنے کے لئے نہیں گئے تھے۔'' ویرا غرائی۔ ''ان پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ گیری سے ملاقات کا کیا رہا۔''

مجھے اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا۔ ویرا چڑنے میں حق بجانب تھی۔

میں نے اپنی اور گیری کی گفتگو کی پوری روداد دہرادی۔

''وہ کھلی بلیک میلنگ پر اتر آیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ ایس ٹی ایف کا کیا بگاڑ لیتا ہے۔'' اول خان نے فکرمند ہونے کے بجائے غصے سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ سوبھراج کا سراغ کھو چکے ہیں۔ اسی لیے اسے درمیان سے نکال دیا گیا ہے تاکہ ڈینی جلد از جلد ان کے ہاتھ آسکے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''ڈینی زندگی بھر ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔'' ویرا حقارت آمیز لہجے میں بولی۔ ''گیری یہ حسرت اپنے دل میں لے کر قبر میں چلا جائے گا۔''

''اب بات گیری کی نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔ ''وہ سرکاری پالیسی کی بات کررہا تھا۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو ان کا سارا نزلہ ایس ٹی ایف پر گرے گا۔''

''یہ اس کا فریب بھی ہوسکتا ہے۔'' اول خان نے تسلی دی۔ ''اتنی بڑی تبدیلیاں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں۔ امریکی حکومت نے ایسا کوئی فیصلہ کیا ہوتا تو اسلام آباد میں اس کی سن گن ضرور ہوتی جو جلال کے علم میں آجاتی۔''

اول خان کی بات اپنی جگہ پر درست تھی لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ جلال کئی روز سے مستقل طور پر کراچی میں پھنسا ہوا تھا۔ فون پر اسے سلام آباد سے ہر چھوٹی بڑی خبر اس تفصیل سے نہیں مل سکتی تھی جس طرح شہر میں رہتے ہوئے حاصل ہوسکتی تھی۔

''تمہارے اور دوسروں کے بینک اکاؤنٹس کے بارے میں اس کی باتوں میں کتنی صداقت ہے؟'' میں نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ بات درست ہے اور اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان لوگوں کے پاس ہمارے بارے میں بہت ٹھوس معلومات کا ذخیرہ ہے۔'' اول خان بولا۔

''تمہارے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آتا ہے؟'' ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ سب سرکار دیتی ہے اور ایک ایک پیسا سرکار کے متعین کئے ہوئے مقاصد پر خرچ کیا جاتا ہے۔'' اول خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایس ٹی ایف کے غیر آئینی وجود کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کا کسی بینک میں حساب ہے نہ اس کی کوئی ملکیت ہے جو کچھ ہے کمانڈرز یا پھر باس کے نام پر ہے۔ سرکار سے تنخواہوں اور دیگر ضروریات کے لئے باس کو نقد فنڈز فراہم کئے جاتے ہیں۔ یہ رقم باس بینک کے ذریعہ ہر اسٹیشن کمانڈر کے اکاؤنٹ میں منتقل کرتا ہے۔ برسوں سے یہ نظام اسی طرح چل رہا ہے۔ اس کا کوئی آڈٹ ہوتا ہے اور نہ حساب کتاب!''

''یہ تو بہت ہی خطرناک صورتِ حال ہے۔ سارا قانونی بوجھ بار تم لوگوں کے کندھوں پر ہے۔ آج کوئی تم سے پوچھ لے کہ یہ رقمیں کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں تو تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔'' ویرا تشویش سے بولی۔

''سب سے زیادہ نازک پوزیشن ہمارے باس کی ہوتی

ہے۔ اس کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں ہے کہ وہ لمبی رقمیں اسے کہاں سے ملتی ہیں کیونکہ ان کا کوئی ثبوت یا ریکارڈ نہیں ہوتا۔''

''میں اسلام آباد میں تمہارے باس سے مل چکا ہوں۔ وہ بہت ایمان دار اور مخلص آدمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کوئی بے لوث آدمی ہی ایسے کام اپنے ذمے لے سکتا ہے۔''

''پچھلے سال ہمارا باس تبدیل ہوگیا ہے۔ اب ایک ریٹائرڈ میجر جنرل یہ ذمے داری ادا کر رہا ہے۔ اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔'' اول خان نے بتایا۔

''وہ جو بھی ہے، میرا اندازہ ہے کہ تمہاری طرح نیک نیت اور پرخلوص ہوگا۔ بگاڑ کے دور میں مجھے تمہاری فورس اوپر سے نیچے تک شفاف نظر آتی ہے۔''

''شفاف ہوتی تو گیری اس کا نام لے کر تمہیں بلیک میل نہ کرتا۔'' سلطان شاہ بولا۔ ''سب کچھ مشتبہ ہے۔ ریاست اپنے مقاصد کے لئے ان لوگوں کے کندھے استعمال کر رہی ہے۔ خدانخواستہ کبھی کوئی آڑا وقت آیا تو حکومت ہی ان لوگوں سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائے گی کہ ان کے ذاتی کھاتوں میں بڑی بڑی رقوم کہاں سے آ رہی تھیں۔''

''ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو!'' غزالہ جھرجھری لے کر بے ساختہ بولی۔ ''ان لوگوں نے ملک اور قوم کی سلامتی کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا ہوا ہے۔ یہ قوم کے ہیرو ہیں۔ ان سے کوئی کسی قسم کی باز پرس نہیں کر سکتا۔''

''میری دلی آرزو بھی یہی ہے لیکن جب گیری جیسے بھیڑیے پندرہ سال سے کمر کس کر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہوں تو ہر طرف سے چوکنا رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''ان غیر ضروری وسوسوں میں پڑ کر اپنے ساتھ ہمیں بھی ہلکان مت کرو۔'' ویرا نے سلطان شاہ کو ہلکی سی سرزنش کی۔

''اس سے ملاقات کے بعد میرا ذہن ماؤف سا ہوگیا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''لیکن تم لوگوں کے درمیان آجانے کے بعد مجھے امید کی کچھ کرنیں نظر آ رہی ہیں۔''

''تمہارے لئے ہم سب روشنی کے مینار ہیں۔'' ویرا بولی۔ ''یہ ایک اچھی خبر ہے کہ یہاں آتے ہی تم امید سے ہوگئے ہو۔''

اول خان کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی خفیف سی مسکراہٹ دیکھ کر میں نے ویرا کو جھڑکنے کا ارادہ ترک کر کے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ ''میں گیری کی باتوں کو واقعات کے تسلسل میں دیکھ رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ گیری کو یہاں کسی مشن پر نہ بھیجا گیا ہو۔ وہ نک کی جگہ لینے کے لئے پاکستان آیا ہو اور یہ بات فی الحال چھپائی جا رہی ہو۔''

''اس کا امکان ہے۔'' اول خان نے میری تائید کی۔ ''ضرورت کے تحت کام کے آدمیوں کو ڈیپوٹیشن پر دوسرے محکموں میں بھیجنا معمول کی بات ہے۔''

''کل کے اجلاس میں گیری نے میرے سوال کے جواب میں خود کو ایف بی آئی کے بجائے پنیٹا گون کا نمائندہ ظاہر کیا تھا۔'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ اس کا نفسیاتی دباؤ کا حربہ بھی ہوسکتا تھا۔ ایک نیا اور بھاری نام سامنے آنے سے ہر پاکستانی افسر مرعوب ہوسکتا تھا۔'' ویرا نے مجھے سہارا دیا۔

''اس کی صحیح حیثیت کا علم ہو جائے تو کئی سوالوں کے جواب خود بخود مل جائیں گے۔''

''یہ مسئلہ صرف جلال حل کر سکتا ہے۔'' اول خان بولا ''یہ بتاؤ کہ اپنے مفروضے کے تحت تمہیں کیا نقشہ نظر آ رہا ہے۔''

''اسے نک کی مشکلات کا پورا علم ہے۔'' میں نے کہنا شروع کیا۔ ''اگر وہ نک کے جانشین کی صورت میں یہاں آیا ہے تو اس نے یہاں آتے ہی فنی اور افرادی امداد کے نام پر پولیس کے اہم ترین محکمے میں اپنے آدمی داخل کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہوگئی۔ وہ آج بھی برہم تھا کہ یہاں ڈینی کی تلاش میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ اب اس نے میرے اوپر دباؤ ڈالنے کا دوسرا حربہ استعمال کیا ہے۔ اب مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی پر چل رہا ہے اور غیر مشروط طور پر مجھے یعنی ڈینی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارے نئے نظریے کی کچھ نہ کچھ وجوہ بھی ہوں گی!'' ویرا نے پوچھا۔

''دو باتیں بہت اہم ہیں۔ وہ نک کی کارکردگی کی ساری جزئیات سے اس طرح واقف تھا جیسے نک براہ راست اسی کو رپورٹ کرتا رہا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نے ڈینی کے بارے میں وقت کا کوئی تعین نہیں کیا۔ وہ جانتا ہے کہ کام بہت مشکل ہے۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سی آئی اے کا کوئی شعبہ براہِ راست پنیٹا گون کے لئے کام کر رہا ہو اور نک کا تعلق اسی شعبے سے ہو۔'' سلطان شاہ کو ایک نیا خیال سوجھا۔

''پھر تم ایڈی کو کس خانے میں فٹ کرو گے جو چند روز پہلے نئی دہلی جاتے ہوئے چند گھنٹوں کے لئے یہاں رک کر بی گن دینے کے بہانے ڈینی سے ملا تھا۔'' اول خان نے اس سے ایک ٹیڑھا اور تیکھا سوال کر ڈالا۔

''یہ سوال یوں ہی نکلتے چلے آئیں گے۔'' میں نے

کہا۔ ''یہ ان کے اندر کے مسائل ہیں کہ کون کس کے لئے کام کر رہا ہے۔ ان سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ وہ مجھ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میرے ذکر میں ویرا کا نام دب گیا ہے لیکن یہ بھی ان کے نشانے پر ہے۔ وہ جس کے پیچھے لگ جائیں اس کو دوسری دنیا میں پہنچا کر رہتے ہیں۔ ان کی کینہ پروری کی تازہ ترین مثال سوبھراج کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔''

''اگر یہی قصہ ہے تو ہمیں گیری کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

''میں منطقی طور پر یہی کہنے جا رہا تھا۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ان کے پاس ایس ٹی ایف کے بارے میں حساس ترین معلومات ضرور موجود ہیں مگر امریکی حکومت فی الحال انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ گیری نے اپنے طور پر چالاکی سے میرے اوپر یہ کارڈ کھیلنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس نے وقت کا بھی کوئی تعین نہیں کیا۔'' ویرا بولی۔ ''تم نک کی طرح کچھ دنوں تک اسے بھی بہلاتے رہو۔ آخر کار ایک دن اس کا بھی وقت پورا ہو جائے گا۔''

''یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ گیری کی زبانی ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ہماری کمزوریوں سے کس حد تک واقف ہیں۔ ان کے آدمی پے در پے مرتے رہے تو زچ آ کر وہ ایس ٹی ایف کو اپنے انتقام کا کھلا نشانہ نہ بنالیں گے۔ ہماری قومی ضروریات ایسے کسی نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔'' اول خان نے ویرا کو سمجھایا۔

ویرا ہنس پڑی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اس کے تبادلے کی بات کر رہی تھی۔''

اول خان نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ان دنوں وہ اپنے آدمیوں سے رابطے کے لئے وائرلیس سیٹ وغیرہ کے بجائے موبائل فون پر زیادہ انحصار کرنے لگا تھا جو استعمال میں بہت آسان تھا۔

موبائل فون کی افادیت اپنی جگہ پر تھی لیکن طویل، مسلسل اور ایک سے زائد رابطوں کے لئے اپریٹس ہی سب سے بہتر تھے۔ کسی بھی مہم پر ایک سے زائد افراد سے رابطہ برقرار رکھنے کے لئے اول خان اپنے اپریٹس کو ترجیح دیتا تھا۔

وہ کال اس کے کسی آدمی کی طرف سے آئی تھی۔ اس سے گفتگو کر کے اول خان مسرت آمیز لہجے میں اعلان کیا کہ سوبھراج نے دوسرا دھماکا بھی کر دیا تھا۔

دھماکے کی نوعیت کی وضاحت کے بغیر اس کا وہ اعلان تشنہ تھا۔ سب کی مستفسرانہ نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

''شاید سوبھراج کو یہ بات گراں گزری ہے کہ امریکیوں نے شیر دل کی موت کو بنیاد بنا کر نک کے قتل کا کریڈٹ تمہیں دینے کی کوشش کی ہے۔'' اول خان نے کہا۔

''تمہاری یہ رائے الہامی نہیں ہو سکتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔'' اسے خاموش پا کر میں رسانیت سے لقمہ دیا۔

''آج صبح اس نے پھر شام کے ایک ممتاز اخبار کے دفتر فون کیا تھا۔'' اول خان بتانے لگا۔ ''اپنے روایتی ہذیان کے بعد اس نے کہا کہ امریکی عقل کے اندھے ہیں یا اپنی خجالت مٹانے کے لئے نک کے قتل کا سہرا زبردستی ڈینی کے سر منڈھ رہے ہیں۔ شیر دل اس کا آدمی تھا اور اسی نے نک کو مروایا تھا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ ڈینی نے اس کو مار ڈالا کیونکہ ڈینی سے اس کی یعنی سوبھراج کی دشمنی چل رہی ہے۔ اس نے یہ عزم ظاہر کیا ہے کہ نک کی طرح وہ ڈینی کو بھی بہت جلد جہنم واصل کر دے گا۔ اس سے ٹکرانے والا کوئی شخص زندہ نہیں بچے گا۔''

''تمہارے آدمی کو یہ خبر کہاں سے مل گئی؟'' ویرا نے پوچھا۔

''شام کے ایک اخبار نے یہی شہ سرخی لگائی ہے۔ مجھے اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے یہ اطلاع دی گئی ہے۔ ان کو فیلڈ اسٹاف سے اس خبر کے بارے میں کئی پیغام مل چکے ہیں۔''

''سوبھراج نے زبردست کام دکھایا ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ''اب ہر بات آئینے کی طرح صاف ہو گئی۔ گیری کے پورے کیمپ کے ارمانوں پر اوس پڑ جائے گی اور وہ تمہارے خلاف مزید کوئی الزام تراشی نہیں کر سکیں گے۔''

''وہ ہٹ دھرم ہیں۔ صبح کے فون کو فراڈ کہہ رہے تھے۔ اب سوبھراج کی دوسری فون کال کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں دشمنی کا یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا۔'' غزالہ کو خوشی کے ساتھ تشویش بھی تھی۔

''تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اول خان نے اسے دلاسا دیا۔ ''ڈینی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ سب کچھ یوں ہی چلتا رہے گا۔''

''سب کو ڈینی کی فکر ہے۔ میرا نام کوئی نہیں لیتا حالانکہ میں ان کی نظروں میں خار بن کر کھٹک رہی ہوں۔'' ویرا نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''ڈینی کا نام لیا جاتا ہے تو تمہارا نام از خود اس میں شامل ہوتا ہے۔'' اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کی نظروں میں تمہارا جرم ڈینی کے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے۔ تم امریکی نژاد ہوتے ہوئے ان سے منحرف ہوئی ہو۔''

ویرا کے رخساروں پر خوشی اور طمانیت کی سرخی پھیل گئی۔ ذہین، دلیر اور زمانہ شناس ہونے کے باوجود وہ ایک انسان تھی اور دوسرے عام انسانوں کی طرح اپنی تعریف و توصیف کی بھوکی تھی۔ اول خان کے کلمات سے اس کی انا کی تسکین ہوئی تھی۔

''کیوں نہ اس وقت سوبھراج کو چھیڑا جائے!'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

''وہ امریکیوں سے سینگ لڑا رہا ہے۔ اسے اس سمت میں مصروف رہنے دو۔ میرا خیال آگیا تو وہ ادھر گھوم جائے گا۔'' میں نے ہنس کر اسے ٹالنا چاہا۔

''اور کچھ نہیں تو اس کا شکریہ ہی ادا کردو۔ اس نے بہت لگن کے ساتھ تمہاری پوزیشن بالکل صاف کردی ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''یہ غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔'' ویرا نے بے ساختہ میرے دل کی بات کہہ دی۔ ''اس وقت وہ سنگل ٹریک ہو چکا ہے۔ اپنی طاقت اور بڑائی جتانے کی دھن میں وہ یہ بھولا ہوا ہے کہ اس کی اخباری وضاحتوں سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسے تمہارے فائدے کا دھیان آگیا تو وہ امریکیوں کو بھول کر تمہارے خلاف زہر اگلنا شروع کردے گا۔''

''تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔'' اول خان نے کھلے دل سے ویرا کی تعریف کی۔ ''اس وقت سوبھراج کو اس کے حال پر چھوڑ دینا سب سے اچھا ہے۔''

اول خان کی بات پوری ہونے سے پہلے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کا فقرہ مکمل ہونے پر میں بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو سوبھراج کی آواز سن کر دنگ رہ گیا۔

ہم نے اس شیطان کا ذکر چھیڑا تھا کہ وہ فون پر آموجود ہوا۔

''ڈینی! تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟'' سوبھراج نے اپنا نام بتانے کی زحمت کئے بغیر کہا تھا۔

''اپنے گھر میں ہوں اور مزے کر رہا ہوں۔'' میں نے بے فکری سے جواب دیا۔

''تم نے آج صبح اور شام کے اخبار دیکھ لئے ہوں گے۔'' میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس کی تحکم آمیز آواز میں اس وقت تخی نہیں تھی۔

''دیکھ چکا ہوں۔ ان میں میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ تمہارے حریف تک کے قتل کا سہرا کسی اور کے سر باندھیں گے۔ اتفاق سے انہوں نے مجھے ہی منتخب کرلیا۔ تمہارے یہ بیان پڑھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ وقت بگڑ جانے کے باوجود تمہاری سیاسی ٹھرک ختم نہیں ہوئی۔ تم خبروں میں زندہ رہنے کا فن جانتے ہو۔''

''یہ لوگ احسان فراموش اور دغاباز ہیں۔ انہوں نے مجھے برباد کردیا ہے۔''

''مجھے بھی یقین ہے کہ یہ ایسے ہیں۔ میں سنیل کے گھر پر تمہیں بروقت آگاہ نہ کرتا تو تم وہیں جمے رہتے اور اس رات تمہارا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ شروع سے میری ہر بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوتی آرہی ہے میں نے کھلے دل سے تمہاری مدد کرنے کی کوشش کی مگر تم نے میری دوستی کی پیشکش کو میری کمزوری سمجھ کر ٹھکرا دیا۔''

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں اس وقت سنیل کے گھر میں موجود تھا؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

''معلوم نہ ہوتا تو وہاں دونوں کمانڈوز کی درگت نہ بنتی۔ وہ آتے، تمہیں تلاش کرتے اور ناکام ہو کر واپس چلے جاتے۔''

''پھر تم نے مجھے وہاں سے کیوں نکل جانے دیا؟''

''میں وعدہ خلاف نہیں ہوں۔ اس وقت میں نے تمہیں دو دن کی مہلت دی ہوئی تھی۔''

''تم واقعی عظیم دشمن ہو۔'' اس کی آواز تشکر آمیز ہوگئی۔ ''خون آشام لڑائیوں میں اصولوں کا خیال رکھنے والے شاید ہی کہیں ملتے ہوں۔''

''آج تمہاری آواز میں پرانا دبدبہ نہیں ہے۔ کیا زیادہ کمزور ہوگئے ہو؟''

''میں پہلے سے بہتر ہوں اور تم سے سمجھوتے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مذاق مت کرو۔ میں نے تمہارا اخباری چیلنج بھی قبول کرلیا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ جہانگیر کے بعد اب تمہارے آدمی کب میری طرف آتے ہیں۔ اس بار ملنے والی لاشیں سربریدہ حالت میں ہوں گی۔'' میں نے سردمہری سے جواب دیا۔

''آج میں نے شام کے اخبار والوں کو فون کیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ کلفٹن سے کالی شیراڈ میں میرے آدمی پکڑے گئے تھے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے اپنے آدمی سے تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ ان دونوں کو اسی نے جہانگیر کے گھر کی طرف بھیجا تھا۔ ان کا انجام معلوم ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم سے ٹکرا کر میں نے غلطی کی ہے۔''

''تمہیں یہ احساس بہت دیر سے ہوا ہے۔ اب لڑائی شروع ہو چکی ہے۔''

’’صلح ہر وقت ہو سکتی ہے۔ تم سے لڑ کر میں نے کل چند گھنٹوں میں اپنے تین آدمی کھو دیے۔ میں مزید نقصان اٹھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔‘‘

’’اپنا وقت قریب دیکھ کر تم کو صلح کا خیال آیا ہے۔‘‘ میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

’’میں کوئی ڈینگ نہیں مار رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم دس آدمیوں کو مار بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ میں ان لوگوں کو بچانا چاہتا ہوں جونک کے ہمدردوں سے لڑائی میں میرے دست و بازو بن سکتے ہیں یہ میرا وعدہ ہے کہ اب جہانگیر کی طرف کوئی نہیں جائے گا۔‘‘

’’مجھے تمہاری یقین دہانی کی ضرورت نہیں۔ تم جب اور جسے چاہو بھیج دو مگر اس کے لئے پہلے سے قبر ضرور تیار کرا لینا میں اپنے دشمنوں پر رحم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔‘‘ میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ’’میں نے ابھی تک صرف شیر دل کو مارا ہے۔ باقی دو آدمی خود موت مانگنے آئے تھے۔ کوئی اور آیا تو وہ بھی مایوس نہیں لوٹے گا۔‘‘

’’تم بڑے ظرف کے مالک معلوم ہوتے ہو۔ ایسی ڈراؤنی باتیں نہ کرو......‘‘

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ ’’تم بھی ایک بلند پایہ قومی لیڈر رہ چکے ہو۔ خود کو اتنا نیچے نہ گراؤ۔ اگر مجھ سے کوئی سمجھوتا کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔ میں فون پر تم کو کوئی رعایت نہیں دوں گا۔‘‘

’’تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اس وقت خونی کتے میری بو پر لگے ہوئے ہیں۔ میں بہتر ضرور ہوں مگر اب بھی زخم تازہ ہیں۔ میں تم تک پہنچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔‘‘

’’نہ لو۔ مجھے اپنا ٹھکانا بتا دو۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔‘‘ رفتہ رفتہ میں اس پر بری طرح حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔

’’یہاں میں عیش و عشرت کے ساتھ ایک لمبی اور محفوظ زندگی گزار سکتا ہوں۔ اس کمین گاہ کے بارے میں، میں اپنے باپ کو بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔‘‘

’’میں تمہارا باپ نہیں ایک ہمدرد ہوں۔ تم مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے تو پھر صلح کی باتیں بالکل بے کار ہیں۔ تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔‘‘

’’صلح، دوستی اور سمجھوتے کی باتیں چھوڑ دو۔ مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ میں نے کوئی پہل نہیں کی تو تم میرے آدمیوں کو نہیں مارو گے۔‘‘ اس کا لہجہ عاجزانہ ہو گیا۔

’’میں بلاوجہ انسانی خون کی ہولی کھیلنے کا عادی نہیں ہوں۔‘‘

’’شیر دل نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ تم نے بے رحمی سے اسے مار ڈالا۔‘‘ اس نے شکوا کیا۔

’’تمہارے دماغ میں اپنی برتری کا خنّاس گھسا ہوا تھا۔ تم کو یہ جتانا ضروری ہو گیا تھا کہ میری مدد یا چشم پوشی کے بغیر تم اس شہر میں نہیں پنپ سکتے۔‘‘

’’کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم میری بات کی لاج رکھو گے؟‘‘

’’تم جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ نک کو مار کر تم نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ہے لیکن اس کی جگہ آنے والا اب تمہارا خون پی جائے گا۔ گیری ہارٹ ایک خوفناک دشمن ہے۔‘‘ میں نے اس کی خوش فہمی کا خون نہیں کیا۔ اس مغالطے کو برقرار رہنے دیا کہ نک کو اسی کے ایما پر قتل کیا گیا تھا۔ اس واقعے میں میرا یا کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اسی طرح میں نے روا روی میں گیری ہارٹ کا نام اس کے کان میں ڈال دیا تھا۔ شاید سوبھراج اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو پاتا لیکن وہ اس نام سے واقف ہونے کے بعد کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلا سکتا تھا۔

میں اسے گھیرنے کی فکر میں تھا۔ وہ لجاجت اور عاجزی کے ساتھ مجھے بے وقوف بنانا چاہ رہا تھا۔ اس سے روانی میں باتیں ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ مکالمات کی تیزی میں میں نے ایک پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

’’وہ میرے خون کی ایک بوند بھی نہیں بہا سکیں گے۔ اس سے پہلے میں گیری کو مروا دوں گا۔ جب انہوں نے میری زندگی تباہ کی ہے تو مجھے بھی ان کی زندگیاں تباہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں تم کہیں میرا ہاتھ نہیں روکو گے۔‘‘ وہ کہہ رہا تھا۔

’’تم کو یاد ہے کہ میں نے کس بنیاد پر تم کو بنکاک سے واپسی پر دو روز کی مہلت دی تھی!‘‘ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

’’اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ تم نے کہا تھا کہ ایف بی آئی اور را والے آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے خوش فہمی تھی کہ میں انہیں سنبھال لوں گا۔ شاید میں سنبھال بھی لیتا لیکن نک نے اچانک دیرا کے حوالے سے مجھ پر غداری کا الزام لگا دیا اور میرے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے۔‘‘

’’تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں شہر میں دہشت گردی برداشت نہیں کروں گا۔‘‘ میں نے اس کی چاپلوسی سے فائدہ اٹھا کر اسے دھمکایا۔

’’ایف بی آئی سے میں لڑ رہا ہوں۔ را سے میرا ہر رابطہ ٹوٹا

ہوا ہے۔ وہ بالا ہی بالا شہر میں کچھ کر گزریں تو میں اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔''
''محمود آباد کے ایک مندر میں آگ لگا کر تم نے شہر کو مذہبی فسادات کے جہنم میں دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد بھی تمہارے عزائم نیک نہیں تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
''راج محل میری عزت اور ساکھ کا نشان تھا۔'' اس کی آواز میں اداسی اُمڈ آئی۔ ''اسے آگ لگاتے ہوئے میرا دل خون کے آنسو رو دیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں پورے شہر کو جلا کر راکھ کر دوں۔ وہ میری بھول، میری غلطی تھی۔ اسے معاف کر دو۔ اس وقت میرا دماغ الٹ گیا تھا۔''
اس وقت وہ میری دسترس سے باہر، کسی محفوظ ٹھکانے پر روپوش تھا۔ میں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے تین آدمیوں کو کھو دینے کے بعد اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا یا شاید مجھ سے واقعی مرعوب ہو چکا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے نفرت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا مگر لفظی طور پر اسے معافی کا فریب دینے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔
''ماضی کو بھول جاؤ۔ میں ایف بی آئی کی طرح را کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب تک تمہارے پاس سیٹ لائٹ فون موجود ہے ان سے تمہارا رابطہ ختم نہیں ہو سکتا۔ جس دن تم نے ان کے لئے کوئی نیا کام کیا میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔'' میں نے کہا۔
''میں تمہاری ایک ایک بات یاد رکھوں گا۔'' اس کی آواز ممنونیت کے جذبے سے یوں لبریز تھی جیسے اسے میرے کھوکھلے وعدوں پر یقین آ گیا ہو۔
''تمہارے پاس اب بھی وقت ہے۔ خود کو قانون کے حوالے کر دو اور ایک مرد کی طرح حالات کا سامنا کرو تم اس دردناک زندگی سے بچ جاؤ گے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ مسلسل روپوشی کی زندگی کس قدر بھیانک ہو جاتی ہے۔'' میں نے اسے دعوت دی۔
''نہیں...... میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے قانون کا نہیں، ایف بی آئی کے بھیڑیوں کا خوف ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ سینوں میں چھپا ہوا گند اچھل کر اخباروں میں چھپ چکا ہے۔ روپوش رہ کر میں انہیں تگنی کا ناچ نچاتا رہوں گا۔ جس دن روپوشی ختم کی وہ میری زندگی کا چراغ گل کر دیں گے۔ میری پوری زندگی اب روپوشی ہی میں گزرے گی۔''
''میں دیکھوں گا کہ اب زندگی کے کس موڑ پر تم سے ملاقات ہوتی ہے۔'' سپاٹ لہجے میں وہ الوداعی فقرہ ادا کر کے میں نے فون بند کر دیا۔
''کیا اب وہ کسی قسم کی مفاہمت پر آمادہ ہے؟'' میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا جو وہ پہلے سے اپنے ذہن میں لئے بیٹھی تھی۔
''آمادہ نہیں بلکہ خواہش مند ہے۔'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لے کر جواب دیا۔'' میں نے اسے ہر طرح گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ سب کچھ فون پر طے کرنا چاہتا ہے۔''
ویرا کی بات کا جواب دے کر میں نے سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کا نچوڑ بھی بیان کر دیا۔
''تین آدمیوں کے پے در پے اتلاف نے اسے حواس باختہ کر دیا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے کوئی ڈھیل یا رعایت نہیں دی۔ اسے کس کر رکھا جائے تو شاید وہ کوئی بڑی شرارت نہ کرے۔ دوسری صورت میں وہ سنگین مسائل پیدا کر سکتا ہے۔'' اول خان نے اپنی رائے دی۔
''اس وقت اس کے کسی قول یا فعل پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔'' غزالہ نے پر خیال انداز میں کہا۔ ''وہ سب کچھ کھو دینے کے بعد بدترین ذہنی بحران سے گزر رہا ہے۔ پہلے آپ سے ذہنی لڑائیاں لڑتا رہا اور بار بار بدکتا رہا۔ آپ نے رفتہ رفتہ اسے زیر کر کے راہ پر ڈالا تو کل شام کو آپ کی زبانی شیر دل کی موت کی خبر سن کر ہتھے سے اکھڑ گیا اور اب خود گڑگڑا رہا ہے۔ اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہو۔''
''تم کیوں خاموش ہو؟'' سلطان شاہ نے ویرا کو چھیڑا۔ ''تم نے تو اس کے ساتھ خاصا وقت گزارا تھا۔ تم اپنی رائے کیوں نہیں دیتیں!''
''تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے'' ویرا کو اس پر اچانک غصہ آ گیا۔ ''مجھے کسی کے ساتھ وقت گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ مطلب کیا ہے تمہارا؟''
''میرا کچھ بھی مطلب نہیں ہے۔'' سلطان شاہ اس کے جارحانہ تیور دیکھ کر سٹپٹا گیا۔ ''کیا راج محل میں تم سنیل اور سوبھراج کے ساتھ نہیں رہی تھیں؟''
''میں نے ان کے ساتھ وقت گزارا تھا نہ ان کے ساتھ رہی تھی۔'' ویرا نے آنکھیں نکال کر، دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''میں راج محل میں ان کی قیدی تھی۔''
''میں بھی یہی کہہ رہا تھا دد... دراصل میری اردو ذرا کمزور ہے اس لئے کبھی کبھی الفاظ کے انتخاب کی غلطی ہو جاتی ہے۔ پشتو میں ایسا نہیں ہوتا۔'' ویرا سے وضاحت کر کے وہ اول

خان سے مخاطب ہو گیا۔ ’’کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی تھی۔‘‘

’’اب اس قدر معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔‘‘ ویرا نے تیزی سے کہا۔ ’’میں تمہاری ان گھٹیا حرکتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔‘‘

’’اسے اپنے آدمیوں کے مرنے کی پروا نہیں ہو سکتی۔‘‘ اول خان نے ان دونوں کی جھڑپ ختم کرانے کی کوشش میں کہا۔ ’’اسے ڈر ہے کہ ان دو واقعات کے بعد شہر کے بدمعاش اس کے لیے کام کرنے سے انکار نہ کر دیں۔ سب کو پیسے سے زیادہ جان پیاری ہوتی ہے۔‘‘

’’سبب کچھ بھی ہو۔ یہ نیک شگون ہے کہ وہ ڈینی سے دوستی کی طرف مائل ہے۔‘‘ ویرا نے پرسکون انداز میں کہا ’’کم از کم فوری طور پر وہ شہر میں کوئی گڑبڑ نہیں کرائے گا۔‘‘

’’راوالے بھی شاید کچھ دنوں کے لئے خاموش رہیں۔‘‘ میں نے امید ظاہر کی۔ ’’ابھی ان کا زخم تازہ ہے۔ جلال سے ہونے والے معاہدے کے نتیجے میں جب تک وہ اپنے بلیک کیٹ کو یہاں سے نکال کر نہیں لے جاتے ان کا کوئی نیا مشن یہاں وارد نہیں ہو گا۔‘‘

’’کیا قیدیوں کے سلسلے میں جلال ان سے کوئی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا......وہ خود آج کہاں غائب ہے؟‘‘ اول خان نے چونک کر ایک سانس میں دو سوال کر ڈالے۔

’’وہ ہمارے سات قیدی لوٹا کر گوپال راج کو لے جائیں گے۔ بارہ بجے جلال کا فون آیا تھا۔ وہ شام کو شاید یہاں کا چکر لگائے گا۔‘‘ میں نے اسے آگاہ کیا۔

وہ ہمارے لئے کامیابیوں اور آسانیوں کا دن تھا۔ صبح کے اخبارات لے کر سوبھراج کے فون تک اچھی خبریں مل رہی تھیں ان میں گیری کا کردار ہمارے لئے تشویش ناک ثابت ہوا تھا مگر وہ بھی اس اعتبار سے بہتر تھا کہ ہمیں امریکی ایجنسیوں کے مقابلے میں ایس ٹی ایف کی صحیح پوزیشن کا علم ہو گیا تھا۔

اول خان کی روانگی کے بعد میں آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں گیا تو چند منٹ بعد غزالہ بھی موقع پا کر وہیں آپہنچی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے آہستگی سے دروازہ بولٹ کیا اور پھر تقریباً دوڑتی ہوئی، والہانہ انداز میں میرے پہلو میں آگری۔ میں نے کروٹ لے کر اسے اپنے بازوؤں میں

سمیٹ لیا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آج میں گیری کی باتیں سن کر بہت پریشان ہوگئی ہوں۔'' اس نے خود کو میرے وجود میں سمیٹتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

''یہ نئی باتیں نہیں ہیں۔ برسوں سے یہی سب ہوتا چلا آرہا ہے۔'' میں نے بشاشت کے ساتھ اسے حوصلہ دیا۔ ''تم کو ان باتوں کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے۔''

''دشمن آپ کی جان لینے کی باتیں کر رہے ہوں اور میں ان کا اثر نہ لوں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔''

''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ لڑائی ہوتی ہے تو ہر فریق ایک دوسرے کے بارے میں ایسی ہرزہ سرائیاں کرتا رہتا ہے۔ انہیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینا چاہئے۔''

''ایک مرنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ دوسرا آجاتا ہے۔ خوف رفتہ رفتہ میرے ذہن میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ راتوں کو مجھے ڈراؤنے خواب آنے لگے ہیں۔ کبھی کبھی میں گہری نیند سے چونک کر بیدار ہو جاتی ہوں اور میرا بدن پسینے میں ڈوب جاتا ہے۔''

''یہ بات تم آج پہلی بار بتا رہی ہو۔'' میں نے شکایت کی۔

''میں دیکھتی ہوں کہ آپ دن رات کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔ دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے مسئلے پیش کر کے آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کروں۔ آج میں نے مجبور ہو کر زبان کھولی ہے۔ گیری اور اس کی باتوں نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے۔''

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں بھی سوبھراج کی طرح روپوشی اختیار کر لوں۔'' میں نے ازراہِ مذاق پوچھا۔

''روپوشی کی کیا ضرورت ہے ہم دونوں کچھ دنوں کے لئے ملک سے باہر جاسکتے ہیں۔ دن رات کے دھڑکوں سے نجات ملے گی۔ آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔''

''میں نے تمہاری یہ تجویز نوٹ کر لی۔ انشاء اللہ اس پر جلد ہی عمل ہوگا۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ غزالہ کا وہ مشورہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔

ہم دونوں بستر پر لیٹے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کے قرب سے اس وقت مجھے عجیب سے سرور کا احساس ہو رہا تھا لیکن ہماری وہ آزادی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گھر کی فضا میں یکا یک ایک فلمی دوگانے کی تیز آواز گونجنے لگی تھی۔

''دیکھ لیں ہم ذرا سی دیر کے لئے کمرے میں آئے ہیں اور کسی نے شرارت شروع کر دی!'' غزالہ نے میرے سینے پر سے اپنا سر اٹھا کر مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ شکایت کی۔

''یہ کون ہوسکتا ہے؟'' میں نے ہلکی سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''یہ بدتمیزی صرف ویرا کر سکتی ہے۔'' غزالہ نے بے ساختہ کہا۔

ویرا خاصی مہذب اور تمیز دار تھی۔ بدتمیز ہوتی تو بند دروازہ پیٹنا شروع کر دیتی مگر وہ ویرا تھی اس لئے اس نے دستک کے متبادل کے طور پر فلمی نغمے کی اونچی آواز کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

میں نے بستر چھوڑ کر آہستگی سے دروازہ کھولا تو ویرا ڈرائنگ روم میں ایک سنگل صوفے کو ایک سو اسی کے زاویے پر گھما کر ہمارے دروازے کی طرف منہ کئے بیٹھی ہوئی تھی اس کی گود میں رکھے ہوئے کیسٹ ریکارڈر سے نغماتی بول ابل رہے تھے۔

''مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ گانے کے شور میں میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے فوری طور پر اس سے کچھ کہنا بے سود تھا۔

وہ ڈھٹائی سے میری طرف دیکھ کر چڑانے والے انداز میں مسکراتی رہی۔ اس نے گانے کی آواز کم کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' میں اس کے قریب جا کر اونچی آواز میں غرایا کیا تم بہری ہوگئی ہو جو اتنی اونچی آواز میں گانا سن رہی ہو۔''

''بہری نہیں، آداب سے کچھ بے بہرہ ہوگئی ہوں۔'' وہ گانے کی آواز کم کرتے ہوئے بولی۔ ''جب لوگ دن دہاڑے کمرے میں بند ہو کر چابی گم کر دیں اور دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دینا معیوب ہو تو پھر بند دروازوں کے پیچھے چھپے ہوئے لوگوں تک اپنی فریاد پہنچانے کے لئے اونچے سروں میں گنگنانا ضروری ہو جاتا ہے۔''

''تم کو احساس ہونا چاہیے کہ کسی کو آرام کی ضرورت بھی ہوسکتی ہے۔''

''آرام سے ہے کون جہان خراب میں'' اس نے تحت اللفظ میں وہ مصرعہ ادا کیا پھر کہا ''زندگی نام ہی بے آرامی کا ہے جب کوئی اندر سے خود بے کل ہو تو وہ دوسروں کو بھی آرام نہیں کرنے دیتا۔ یہی حال میرا ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' میں نے اسے گھور کر

غصے سے کہا۔ ''تمہیں یہ حیا بھی نہیں رہی کہ تمہاری یہ باتیں غزالہ کے کانوں تک پہنچ گئیں تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے گی!''

''کچھ نہیں سوچے گی، وہ ایک ذہین بیوی ہے میرے اور تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ بھی جانتی ہے تم ایک بھونرے کی طرح ڈال ڈال پھر کر کلیوں سے سرگوشیاں کرتے رہے ہو۔ اس کی خاموشی سے تمہیں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے، وہ کمرے میں کیا کر رہی ہے۔''

''وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ تم کو اس سے کیا لینا ہے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہم لوگ ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کسی نہ کسی حد تک باخبر ضرور رہنا چاہیے۔''

''سلطان شاہ کہاں ہے؟'' میں نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

''یہ کیسٹ ریکارڈ اسی کا ہے۔ آج وہ بھی کچھ بہکا ہوا ہے۔ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے درد بھرے گانوں کا کیسٹ خریدنے گیا ہے۔ اردو گانوں میں اسے مزہ نہیں آرہا تھا'' اس نے ہلکے سے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تم دونوں ہی پٹری سے اترے ہوئے ہو!''

''ہاں! لیکن سمت کا فرق ہے۔ میں پٹری سے دائیں طرف اتری ہوں، وہ بائیں طرف اترا ہے۔ دونوں کی سمت ایک ہوتی تو ہم بھی کسی کمرے میں بند ہو کر آرام کر رہے ہوتے۔'' اس نے آرام کے لفظ کو بہت کھینچ کر ادا کیا تھا۔

اس وقت ویرا کی ذہنی رو بہکی ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کا ٹیڑھا جواب دے رہی تھی۔ میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا اور اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر دوبارہ اپنے کمرے میں آگیا۔ اس بار میں نے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

غزالہ واش روم میں تھی۔ میں خاموشی سے بستر پر دراز ہو گیا۔

ویرا کے رویے نے میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری کر دی تھی۔ میں ویرا کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ میرا دماغ مزید خراب کر دیتی۔ بستر پر میں اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھا۔ آخر مجھے جلال کا خیال آیا۔ اس نے شام کو آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت شام ڈھلنی شروع ہوئی تھی۔ فرصت پا کر وہ کسی بھی وقت آسکتا تھا۔

> **مجبوری**
>
> پولیس موبائل چند مجرموں کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ کافی دیر بعد موبائل واپس آئی تو اس میں کوئی مجرم نہیں تھا۔ ایس ایچ او نے غصے سے موبائل انچارج سے پوچھا ''مجرم کیوں نہیں پکڑے گئے؟''
>
> ''سر جی! ہم تو بڑی کامیابی سے مجرموں کا پیچھا کر رہے تھے لیکن ایک جگہ ہمیں مجبوراً رکنا پڑا۔'' موبائل انچارج نے جواب دیا۔
>
> ''کیوں......؟ کیا موبائل ٹریفک میں پھنس گئی تھی؟'' ایس ایچ او نے ذرا نرم پڑتے ہوئے پوچھا۔
>
> ''نہیں سر جی......سڑک تو بالکل سنسان پڑی تھی اور ہم مجرموں کی گاڑی کے قریب بھی پہنچ گئے تھے......''
>
> ''تو پھر کیا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا؟'' ایس ایچ او نے ذرا بے تابی سے پوچھا۔
>
> ''نہیں سر......ایسا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا......وہ دراصل پچھلی مرتبہ جب ہم نے موبائل مرمت ہونے کے لیے دی تھی تو مکینک نے کہا تھا کہ ہر پانچ سو میل کے بعد گاڑی کا آئل ضرور بدلی کرتے رہنا......تو سر جی......! جب ہماری گاڑی مجرموں کی گاڑی کے پاس پہنچی تو ہمارے پانچ سو میل پورے ہو گئے ...... اور ہمیں آئل بدلوانے کے لیے رکنا پڑا......مجبوری تھی سر......!''

میں نے اپنے ذہنی ہیجان سے نجات حاصل کرنے کے لیے اضطراری طور پر اس کا نمبر ملا لیا۔

جلال اس وقت شاید فارغ تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی کال لے لی اور میری آواز سن کر مسرت آمیز لہجے میں بولا ''میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔ اپنے چکروں سے ابھی فارغ ہو کر چائے پینے کے لیے بیٹھا ہوں۔''

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' میں نے پوچھ لیا۔

صدف مینشن میں فرصت سے بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ گیری سے تمہاری ملاقات کیسی رہی۔'' وہ بجا طور پر اس ملاقات کا احوال جاننے کے لیے مضطرب تھا۔

''اس نے مجھے بہت زیادہ الجھا دیا ہے۔ اس کی کہانی ذرا

لمبی ہے۔ یہاں آؤ گے تو تفصیل سے بات ہوگی۔ ہو سکے تو ذرا ایک بات معلوم کرتے آنا۔''

''تمہارے لیے میں ایک نہیں، دس باتیں معلوم کر سکتا ہوں۔''

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ گیری یہاں کس حیثیت سے آیا ہے۔''

جواب میں اس کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا ''کمال ہے، شاید ہم دونوں ہی ایک طرح سوچتے ہیں۔ اس سے کل کی ملاقات کے بعد سب سے پہلے میرا ذہن اسی نکتے کی طرف مبذول ہوا تھا اور میں نے اسے چیک کر لیا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے دفتر خارجہ کو واشنگٹن سے باضابطہ فیکس ملا تھا۔ وہ دونوں پینٹاگون اور محکمہ انصاف کے افسران کی حیثیت سے سرکاری طور پر یہاں آئے ہیں۔''

''گیری ہر بات سے بہت زیادہ باخبر ہے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ نک کے تبادلے کے بعد اس کی جگہ سنبھالنے کے لیے گیری کو یہاں بھیجا گیا ہے۔''

''یہ سب ان کے حساس محکمے ہیں۔ ان کے افسران مکمل بریفنگ اور ہوم ورک کے بغیر اپنے ملک سے باہر قدم نہیں نکالتے۔'' اس کی آواز سے خوش دلی رخصت ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں پھر کھل کر باتیں ہوں گی۔''

اس سے بات کر کے میرے ذہن سے سارا غبار دھل گیا۔ ویرا کے تمسخرانہ رویے سے پیدا ہونے والی جھلاہٹ بھی دور ہو چکی تھی۔

اس دوران میں غزالہ باتھ روم سے نکل کر باہر جا چکی تھی۔ میں بستر پر دراز اپنی سوچوں میں غلطاں تھا کہ اچانک گھر کی راہداری میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز کے ساتھ ویرا اور غزالہ کی تحیر زدہ آوازیں سنائی دیں۔ وہ دونوں کسی سے اس کی خیریت جاننا چاہ رہی تھیں۔

میں اچھل کر بستر سے اترا ہی تھا کہ سلطان شاہ دوڑتا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''ابھی...... ابھی ابھی اس علاقے میں ایک گاڑی داخل ہوئی ہے۔'' اس نے اپنے چڑھے ہوئے بے ترتیب سانسوں کے درمیان مشکل سے کہا ''اس میں دو امریکی سوار ہیں۔ گاڑی رینگتی ہوئی آئی ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں کسی کی تلاش ہے۔''

سلطان شاہ کی زبان سے وہ خبر سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ وہ اس کا مغالطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس علاقے میں ساری آبادی متمول مقامی باشندوں کی تھی۔ وہاں غیر ملکیوں، خاص طور سے امریکیوں کی کسی گاڑی کا نظر آنا بہت غیر معمولی تھا۔

''کیا وہ اسی طرف آ رہے ہیں؟'' میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

''وہ پہلی گلی میں گئے ہیں۔ ان کی رفتار بہت کم ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ باری باری ہر گلی سے ہوتے ہوئے اسی طرف آئیں گے۔''

وہ کس کی تلاش میں تھے، ادھر کیوں اور کیسے آئے تھے۔ وہ سوال میرے ذہن میں آندھیوں کی طرح گردش کر رہے تھے۔ سلطان شاہ کے پیچھے دونوں عورتیں بھی میرے کمرے میں آ گئی تھیں اور وہ خبر سن کر دم بخود تھیں۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ دوپہر کو اولڈ کلفٹن کے علاقے میں گیری سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر تک میری گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ ان لوگوں کے پاس جدید ترین سائنسی شعبدوں کی کمی نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی مختلف اقسام کے چپس اور دوسرے آلات استعمال کرتے رہے تھے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ دوپہر کو گیری نے موقع سے فائدہ اٹھا کر میری گاڑی کے کسی محفوظ حصے میں کوئی چپ ڈال دیا تھا جس سے خارج ہونے والے ریڈیائی سگنل ہر لمحے امریکیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

مشتبہ کار میں سوار امریکی کسی بھی لمحے ہمارے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ گاڑی کی تلاشی لے کر چپ کو تباہ کرتے۔ ہماری ایسی کوئی بھی کوشش ہمارے لیے تباہی کا سبب بن سکتی تھی۔

''میرے ساتھ آؤ!'' میں نے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور باتھ روم سلیپرز پہن کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ بھی میرے پیچھے دوڑ پڑا۔

چند ثانیوں بعد میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو وحشیانہ تیزی کے ساتھ گھر سے باہر لیتا چلا گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کا مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے لیے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کی گولڈن فارمیسی تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے را کے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آ کر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر میں مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازلے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی جیب برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر

وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے کیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ میں بے تابانہ انداز میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر سے روانہ ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 232 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ متمول شہریوں کی بستی تھی، گلشن اقبال کو کراچی کے ان منتخب علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے جہاں سفید پوش اور خوش حال پاکستانی امن وسکون کے ساتھ شانہ بہ شانہ رہتے ہیں۔

اس وسیع وعریض آبادی کا وہ بلاک جہاں ہم مقیم تھے۔ دوسرے حصوں سے بہتر تصور کیا جاتا تھا، جو وہاں بس گیا تھا ایک مدت سے وہیں رہتا چلا آ رہا تھا۔ علاقے میں مکان خال خال ہی بکتے تھے اور اگر کوئی گھر بیچ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کر لیتا تو اسے ہاتھوں ہاتھ منہ مانگے دام مل جاتے تھے۔ اس رہائشی علاقے کی مجموعی خوبیوں کی بنا پر میں نے اسے پسند کیا تھا اور پھر تیزی سے فیصلہ کر کے وہ گھر خرید لیا تھا۔

اس علاقے میں گاڑیوں کی بہتات تھی رات گئے ہر گھر کے اندر اور باہر ایک دو گاڑیوں کا نظر آنا معمولات میں شامل تھا اور وہ معمولات سلطان شاہ کے بھی علم میں تھے۔ وہ محض کوئی گاڑی دیکھ کر بھڑک اٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کی تشویش کا باعث وہ دو امریکی تھے جو اس گاڑی میں سوار تھے۔

اپنی پرانی لیکن جان دار کار کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے میں نے اپنے بلاک کی گلیوں میں رینگتی ہوئی مشتبہ کار کو چشم تصور سے دیکھا۔

کار کو ایک نپی تلی، سست رفتار کے ساتھ ایک مقررہ راستے پر رواں رکھنے کے لئے ایک ڈرائیور کا ہونا ناگزیر تھا۔ امریکا کے کراچی میں متعین سفارتی ملازمین میں مقامی ڈرائیوروں کی کمی نہیں تھی مقامی ڈرائیور راستوں اور ٹریفک قوانین سے اپنی واقفیت اور مروج طریقوں میں مہارت کی بنا پر ہر اعتبار سے بہتر ہوتے ہیں میں نے امریکی سفارتی نمبر پلیٹ والی کم وبیش ہر گاڑی میں اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقامی چہرہ ہی دیکھا تھا۔ سفارتی عملے کے علاوہ سیاحت یا کاروبار کی غرض سے آنے والے غیر ملکی بھی ہمیشہ مقامی ڈرائیوروں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ ایک موزوں گائیڈ بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ایک اشارہ پاتے ہی اپنے غیر ملکی مہمانوں کو ان کے مطلوب مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔

یہ کراچی کا کوئی انوکھا اصول نہیں ہے۔ دنیا کے ہر معروف اور بڑے شہر میں سفر کے لئے غیر ملکیوں کو مقامی ڈرائیوروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے بس لندن اور نیویارک جیسے میٹروپولیٹن شہر اس ضابطے سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں کیونکہ وہاں بسوں اور ٹیکسیوں وغیرہ کے ڈرائیوروں میں ترک وطن کر کے

آنے والے ایشیائی باشندوں کی کثیر تعداد بھی نظر آتی ہے۔ وہ محنت کر کے راستوں اور ضابطوں سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، مقررہ اتھارٹی کا امتحان وغیرہ پاس کرتے ہیں اور پبلک ٹرانسپورٹ چلانے کیلئے اہل قرار دے دیے جاتے ہیں۔

وہ کراچی تھا' لندن یا نیویارک نہیں تھا' اگر کسی امریکی کو اپنی ناگہانی ضرورت کے تحت ہمارے رہائشی علاقے کی اجنبی گلیوں کا رخ کرنا ہی پڑ گیا تھا تو اصولی طور پر اس کی گاڑی کا ڈرائیور کوئی مقامی ہونا چاہئے تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اس مشتبہ گاڑی کے دونوں سوار سفید فام امریکی ہیں؟'' میں نے اس موضوع پر مزید ذہنی مشقت کرنے سے پہلے سلطان شاہ سے پُرخیال لہجے میں تصدیق کرنی چاہی۔

''میرے لیے یہی ایک بات باعث تشویش تھی!'' اس نے بلا تامل جواب دیا'' روزانہ یہاں سیکڑوں گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ میں کسی پر دھیان نہیں دیتا لیکن اس گاڑی میں موجود دو امریکی چہرے سے دیکھ کر میں بری طرح چونکا تھا۔''

سلطان شاہ نے جس انداز میں ہمارے علاقے کی پہلی گلی کا ذکر کیا تھا اس سے یہ نکتہ واضح تھا کہ وہ لوگ یونیورسٹی روڈ کی طرف سے ادھر آئے تھے۔ میں گاڑی میں گھر سے روانہ ہوا تو یہ بات میرے ذہن میں جاگزیں ہو چکی تھی۔

میں نے فرار کے لئے فطری طور پر یونیورسٹی روڈ کا رخ کرنے سے گریز کیا تھا اور اندرونی راستے اختیار کر کے نیشنل اسٹیڈیم کے عقب سے ہوتا ہوا اس سڑک پر نکل آیا تھا جو کراچی سینٹرل جیل سے شروع ہو کر آغا خان اسپتال وغیرہ سے ہوتی ہوئی ڈرائیوان سنیما کے مقام پر دائیں بائیں طرف مڑ جاتی تھی۔

''تم اچانک گھر سے نکل کر کہاں بھاگے جا رہے ہو؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

اس کا وہ سوال برمحل تھا۔ اس نے جو کچھ دیکھا، وہ آکر مجھے بتا دیا میں نے اس سے صرف ایک سوال کیا اور بہت تیزی کے ساتھ اپنے ذہن میں امکانی خطرے کا ایک خاکہ بنا کر اسے اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی اور گھر سے گاڑی میں نکل کھڑا ہوا۔

اس بے چارے کو کچھ علم نہیں تھا کہ میرے ذہن میں کیا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' وہ دونوں اس طرف کیوں آئے ہیں؟'' میں نے پُرسکون لہجے میں اس سے سوال کیا۔ اپنے گھر سے دور نکل آنے کے بعد میری تشویش اور پریشانی بڑی حد تک رفع ہو چکی تھی۔

''آثار یہ بتا رہے تھے کہ انہیں کسی طرح ہمارے ٹھکانے کی بھنک مل گئی ہے اور وہ کسی اشارے کی مدد سے ہمارا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں'' وہ بولا۔

''ویری گڈ!'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا'' بالکل یہی بات ہو سکتی ہے اور میں اسی اندیشے کی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں۔''

''یہ تو مسئلے کا کوئی حل نہیں ہوا' اگر وہ ہمارے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو آسانی سے ویرا اور غزالہ کو زیر کر لیں گے گھر چھوڑنے سے پہلے تم نے ان دونوں کو کسی قسم کی کوئی ہدایت نہیں دی۔ وہ بے خبری میں ماری جا سکتی ہیں۔''

''وہ دونوں اتنی بے خبر اور سادہ لوح نہیں ہیں اڑتی چڑیا کے پر گن لینے کی صلاحیتیں رکھتی ہیں تمہاری دی ہوئی اطلاع سن کر انہوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس وقت ہم سب کو کس قسم کا خطرہ درپیش ہے۔''

''پھر بھی تمہیں ان کو کچھ نہ کچھ بتانا چاہئے تھا'' سلطان شاہ کا لہجہ شکایتی ہو گیا'' یہ بری بات ہے کہ ہم دونوں اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل آئے انہیں مشکل میں پھنسا ہوا چھوڑ دیا... کم از کم فون پر ہی انہیں کچھ بتا دو۔''

''ان کی حفاظت کے لئے گھر پر ایس ٹی ایف کے دو تجربے کار کمانڈوز بھی موجود ہیں'' میں نے اس کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا'' کسی نے زبردستی گھر میں گھسنے کی کوشش کی تو وہ اس کی لاش گرا دیں گے...... یہ بتاؤ کہ تم کیا سمجھ رہے ہو کیا میں ان دونوں سے ڈر کر گھر سے بھاگا ہوں!''

''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا' میں بری طرح الجھ کر رہ گیا ہوں'' اس نے سادگی سے اعتراف کیا'' تم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں آنے کو کہا اور میں تمہارے ساتھ دوڑا چلا آیا۔''

''پھر بھی یہ تو پتا چلے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''میرے ذہن میں جو بات آئی تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی ہم دونوں کا یوں نکل آنا مجھے اچھا نہیں لگا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ خالی پڑی ہوئی ہے' چلتے ہوئے ان دونوں کو بھی ساتھ لیا جا سکتا تھا' گھر کے دفاع کے لئے ایس ٹی ایف والے کافی تھے۔''

''تم گدھے ہو'' میں نے مصنوعی خفگی سے کہا'' مجھے ایسا گیا گزرا سمجھتے ہو کہ میں دونوں عورتوں کو مشکل میں چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلوں گا۔''

''ہرگز نہیں'' اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی ''لیکن عجلت اور گھبراہٹ میں کسی سے بھی فیصلے کی غلطی ہوسکتی ہے۔''

''اس وقت ہمارا گھر محفوظ ہے۔ سارا خطرہ اس گاڑی کو ہے جس میں ہم دونوں سفر کر رہے ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر ان دونوں کو گھر پر چھوڑا ہے تاکہ وہ ہرنا گہانی خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔''

''گاڑی کو خطرہ ہے!'' حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

''تمہاری لائی ہوئی خبر سنتے ہی میرے ذہن میں ایک نظریہ ابھرا تھا کہ دوپہر کو گیری نے اولڈ کلفٹن پر میری گاڑی میں کافی وقت گزارا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے میری گاڑی کو بگ کر دیا۔ اب انہیں اپنے آلات کے ذریعے ہر لمحے اس گاڑی کی پوزیشن معلوم ہورہی ہے گاڑی گھنٹوں سے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنے آلات کے سہارے اس علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ تم نے اتفاقاً ان کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو وہ ہماری بے خبری میں ہمارے دروازے پر پہنچ جاتے اور شاید گھر دیکھ کر چلے جاتے۔''

''لیکن تم گیری سے کرنل داور کے روپ میں ملے تھے۔ گیری کی اس حرکت کا مطلب ہے کہ اسے اب بھی کرنل داور پر شبہ ہے وہ تم سے مطمئن نہیں ہے۔''

''اس کی کہی ہوئی ایک کلیدی بات میرے ذہن پر نقش ہوچکی ہے۔ ان کی پالیسیاں دورخی ہوتی ہیں یہ اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستوں کے بھی پیچھے لگے رہتے ہیں اور ان کی کمزوریاں تلاش کرتے ہیں تاکہ انہیں قابو میں رکھ سکیں۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہارا نظریہ غلط ہو'وہ دونوں کسی اور چکر میں اس طرف آئے ہوں'' اس کا ذہن بدستور الجھا ہوا تھا۔

''وہ عام غیر ملکی ہوتے تو لازمی طور پر کسی مقامی ڈرائیور کے ساتھ اس اجنبی علاقے کا رخ کرتے۔ وہ کسی بہت اہم اور خفیہ مشن پر نکلے ہیں۔ انہیں کسی ماہر ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک گاڑی چلا رہا ہے دوسرا اپنے آلات پر ہماری گاڑی میں چھپے ہوئے چپ کے سگنل مانیٹر کر رہا ہوگا۔ اس مانیٹرنگ کے نتیجے میں انہیں رہنمائی مل رہی ہے۔''

''اوہ! اب میں سمجھا'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ''گاڑی گھر پر کھڑی رہتی تو وہ وہاں پہنچ جاتے۔ ہمارے روانہ ہوتے ہی وہ بوکھلا گئے ہوں گے' اب ان کے آلات ہر لمحے بدلتی ہوئی سمت کی نشان دہی کر رہے ہوں گے۔''

''گھر کو بھول کر اب وہ گاڑی کا پیچھا کر رہے ہوں گے'' میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا ''ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے اب تمہیں ان کی فکر نہ رہی ہوں۔''

''اب وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے'' میں نے پراعتماد لہجے میں اپنی بے فکری کا اظہار کیا'' انہیں ہماری بدلتی ہوئی پوزیشن کا علم ہورہا ہوگا لیکن وہ ان پُرپیچ راستوں سے ناواقف ہیں۔ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کون سا راستہ موزوں اور مختصر ثابت ہوگا۔''

''ان کے ساتھ کوئی مقامی ڈرائیور ہوتا تو شاید ان کی یہ مشکل بھی حل ہوجاتی۔ مسئلہ یہ ہے کہ انہیں چکما دینے کیلئے ہم کب تک گاڑی دوڑاتے رہیں گے۔ پیٹرول کسی نہ کسی مقام پر ختم ہوگا اور گاڑی کھڑی ہوجائے گی'' میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''مجھے چپ تلاش کرنا چاہئے!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اضطراری انداز میں کہا اور پھر اپنی سیٹ کے ارد گرد چپ کی تلاش شروع کردی۔

گیری نے وہ چپ گاڑی میں ڈالا تھا۔ اس سے پہلے ایڈی بھی میرے ساتھ وہی حرکت کرچکا تھا۔ وہ زیادہ ہوشیار تھا اس نے چپ ڈالنے کے لئے میری جیب منتخب کی تھی۔ گیری نے وہی حربہ گاڑی پر آزمایا تھا۔

گاڑی کی گلشن اقبال کے ایک مقام پر دیر تک موجودگی پر ان عیار لوگوں کو فکرمند ہونا لازمی تھا۔ ان کی اطلاعات کے مطابق کرنل داور اپنا بیشتر وقت اسٹیشن فور پر گزارتا تھا اس کا کوئی متبادل ٹھکانا ان کی نظروں میں نہیں تھا۔

انہیں گمان ہوا ہوگا کہ کرنل داور کی گاڑی کئی گھنٹوں سے گلشن اقبال میں ایک ہی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی تو وہ کرنل داور کا متبادل ٹھکانا یا اس کے کسی قریبی دوست کا گھر ہوسکتا تھا۔ انہوں نے وہ گھر دیکھنے کیلئے دوڑ لگادی۔

ایک مرتبہ وہ گھر ان کی نظروں میں آجاتا تو پھر وہ کوشش کر کے اپنے ذرائع سے بہت کچھ معلوم کرسکتے تھے لیکن سلطان شاہ کے عقابی مشاہدے نے ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں ان کے ساتھ مفاہمت کا اظہار ضرور کررہا تھا لیکن اپنے کسی بھی قول و فعل کے لئے ان کو جواب دہ نہیں تھا پھر بھی میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اس واقعے کے بارے میں گیری نے کسی وقت کوئی بات چھیڑی تو میں بے پروائی سے بتادوں گا کہ میں نے اس سے ملنے کے لئے کسی دوست سے گاڑی مستعار لی تھی اور میرا وہ دوست گلشن اقبال میں رہتا تھا۔

وہ مجھ سے پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ گاڑی میں ایک چپ ڈالا گیا تھا جو کئی گھنٹوں تک سگنل نشر کرتا رہا اور پھر یکا یک کیوں خاموش ہوگیا۔

اپنے اطمینان کے لئے وہ یہ فرض کرسکتا تھا کہ کار کی صفائی کے دوران وہ سخت جان چپ کسی طرح تباہ ہوگیا ہوگا۔

اس وقت کی پہلی اور اہم ترین ضرورت یہ تھی کہ کار میں چھپایا ہوا چپ جلد از جلد سلطان شاہ کے ہاتھ آجائے۔

میں نے گھر سے نکلتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اپنے گھر کے قرب و جوار میں مشتبہ غیر ملکیوں کی موجودگی کی خبر ملتے ہی میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے کار لے کر جلد از جلد گھر سے دور نکل جانا چاہئے۔

میں ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے فیول گیج پر نظر ڈال کر یہ اطمینان کرچکا تھا کہ کار کی ٹنکی میں پیٹرول کی خاصی مقدار موجود تھی، وہ لوگ اپنے آلات کی مدد سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرتے لیکن میں ان کی دسترس سے اتنی دور نکل چکا تھا کہ چند منٹ تو کیا کئی گھنٹوں میں بھی وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں اپنے جانے بوجھے راستوں پر رواں تھا وہ سڑکوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے پر مجبور تھے۔ اس دوران میں ضرورت پیش آتی تو ہم بے فکری سے کسی بھی پیٹرول پمپ پر رک کر مزید پیٹرول ڈلوا سکتے تھے۔

سلطان شاہ چپ کی تلاش میں مصروف تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر یاد کیا اور مجھے پورا یقین ہوگیا کہ کم و بیش آدھے گھنٹے کی ملاقات میں گیری کو میری کار میں ایک بار بھی میرے جسم سے اتنا قریب ہونے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ میری جیب میں کوئی چیز ڈالنے میں کامیاب ہوتا۔

میں نے اس بارے میں سلطان شاہ سے کوئی ذکر نہیں کیا لیکن سگریٹ اور لائٹر نکالنے کے بہانے، باری باری اپنی سب جیبوں کی تلاشی لے ڈالی۔ میری کسی جیب میں ایسی کوئی مشتبہ چیز نہیں تھی جس پر چپ ہونے کا شبہ کیا جاسکتا۔

میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر سلطان شاہ گاڑی میں چپ تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تو میں گاڑی کو خاموشی سے ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر ٹیکسی میں گھر چلا جاؤں گا۔

اپنی جان اور سلامتی کے لئے کوئی خطرہ مول لینے سے بہتر تھا کہ گیری کی بگ کی ہوئی گاڑی سے ہاتھ دھولیے جائیں۔

سلطان شاہ میرے اس فیصلے سے بے خبر اپنی دھن میں لگا ہوا تھا۔ میں نے ڈرگ روڈ اسٹیشن سے گاڑی بائیں طرف گھمائی اور شارع فیصل پر نکل آیا۔ میرا رخ کراچی کے ائیرپورٹ کی طرف تھا۔

اچانک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی مسرت آمیز آواز برآمد ہوئی ''مل گیا!''

اس کا وہ لفظی فقرہ اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میرے بدن کو اضطراری جھٹکا سا لگا اور لمحہ بھر کے لئے گاڑی سڑک پر لہرا کر رہ گئی۔

اس وقت وہ اپنے بائیں طرف، دروازے کے اندرونی حصے کے ساتھ لگی ہوئی جیب کی تلاشی میں مصروف تھا۔

چند ثانیوں بعد وہ اپنی سیٹ پر سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ کی چٹکی میں اسی قسم کا ایک بھدا سا چپ دبا ہوا تھا جیسا پہلے میری جیب سے برآمد ہوچکا تھا۔

وہ چھوٹا سا غیر متحرک اور بے آواز پرزہ بظاہر حقیر اور بے ضرر نظر آتا تھا لیکن مخصوص قسم کی ریت کے ذرات کو سمو کر گوندھا ہوا وہ آلہ طاقت ور ریڈیائی اشارے نشر کرکے ہر لمحے قدرت کی صناعی کا اعلان کرتا رہتا تھا۔

میں ایک نظر میں اس چپ کو پہچان گیا جو بیک وقت مفید تھا اور مہلک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ ان نتائج کا انحصار اس کے استعمال کرنے والے کی نیت اور ارادوں پر تھا۔ گیری نے اسے کرنل داور کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کیلئے استعمال کیا تھا لیکن مواصلات کے شعبے میں اس ننھے سے پرزے کو ایک مخصوص سسٹم سے منسلک کرکے بھٹکے یا ڈوبے ہوئے بحری جہازوں کا پتا چلانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

''اسے یہیں سڑک پر پھینک دوں!'' سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ایسی حماقت نہ کرنا'' میں نے جلدی سے کہا ''اپنے دائیں طرف دیکھو۔ مال گاڑی کے لدے ہوئے ڈبوں کی کئی قطاریں روانگی کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ میں آگے سے گاڑی گھمانے کے بعد اسی مقام پر رکوں گا' یہ چپ کسی ڈبے میں ڈال دینا۔''

میری تجویز سن کر سلطان شاہ خوش ہوگیا ''مال گاڑی کھڑی ہوتی ہے تو کئی دن کھڑی رہتی ہے۔ چلتی ہے تو سسک سسک کر چلتی ہے۔ کوئی میل ٹرین مل جائے تو مزہ آجائے وہ اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے سو پچاس میل کا فاصلہ ہوتے ہی ان کے آلات کا چپ سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔''

میں اس کا آخری فقرہ سن کر حیران رہ گیا۔ میرے ساتھ رہ کر اس نے خاصی روانی سے انگریزی بولنی سیکھ لی تھی لیکن اس کی تعلیم واجبی تھی یہ نئے دور کا کمال تھا کہ اسے بھی یہ

اندازہ تھا کہ حسّاس آلات ایک خاص حد میں کام کرتے ہیں۔ وہ حد عبور کرلی جائے تو رابطہ ٹوٹ جاتا ہے یہی کلیہ ہر اپریٹس کی رینج پر لاگو ہوتا تھا۔

''رفتہ رفتہ تم سائنسدان ہوتے جارہے ہو!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اب کانوں پر نہ گھسیٹو یہ باتیں آج کل کا بچہ بچہ جانتا ہے' ہمارے ٹیلی وژن کا ریموٹ کنٹرول تمہارے کمرے میں کام نہیں کرتا' دروازے پر کھٹا کھٹ چلتا ہے۔ یہی مسئلہ کارڈلیس فون کے ساتھ ہوتا ہے دور ہوتے چلے جاؤ تو آواز کمزور ہوتے ہوتے بالکل غائب ہوجاتی ہے ان باتوں کو جاننے کیلئے کسی سائنسی لیاقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

میں نے شاہ فیصل کالونی جانے والے راستے سے گاڑی کو واپس گھمایا اور اسٹیشن سے پہلے گاڑی کو سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لیا۔

اس مقام پر دور تک ریلوے کی پٹریاں پھیلی ہوئی تھیں جن پر مال گاڑی کے متعدد خاموش ڈبوں کے ساتھ کئی چلتے ہوئے ریلوے انجن اور مسافروں کی بوگیاں نظر آرہی تھیں۔ سڑک اور ریلوے ویگنوں کے درمیان دیوار جیسی کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔ سلطان شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ریلوے ٹریک پر پہنچا اور پھر مال گاڑی کے ڈبوں کی پہلی قطار کے نیچے سے ہوکر دوسری طرف میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ سلطان شاہ نے ہمارے گھر کے اطراف میں جن سفید فاموں کو دیکھا تھا وہ گیری کے آدمی تھے۔ وہ گیری کے چھوڑے ہوئے چپ سے خارج ہونے والے ریڈیائی اشاروں کی گھنٹوں مانیٹرنگ کے بعد جب اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ کرنل داور یا اس کی گاڑی اولڈ کلفٹن سے واپس اسٹیشن فور جانے کے بجائے مسلسل گلشن اقبال کے ایک مقام پر کھڑی ہوئی تھی تو انہوں نے گیری سے رجوع کیا ہوگا۔ گیری نے وہ اہم خبر ملتے ہی ان کو ہمارے گھر کا سراغ لگانے کا حکم دے دیا۔

سلطان شاہ گیری کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ یہ خبر لایا تھا کہ دو مشتبہ امریکی ہمارے علاقے کی گلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ وہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے درد بھرے گانوں کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا اور اپنی فطری ذہانت کے بل پر ایک چونکا دینے والی اطلاع کے ساتھ گھر واپس آیا تھا۔ ایک موہوم سا امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک پینٹا گون کا گیری رہا ہو۔

وہ لوگ ایک ساکت چپ کا سراغ لگاتے ہوئے گلشن اقبال تک پہنچے تھے۔ جب وہ اپنی منزل سے ذرا سی دور رہ گئے تھے تو سلطان شاہ نے ان کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ میں خطرے کو سر پر پاکر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گھنٹوں سے ساکن چپ کے یکایک متحرک ہوجانے پر وہ دونوں یقینی طور پر بوکھلا گئے ہوں گے۔ ان کو فطری طور پر چپ کے اشاروں کے سہارے گاڑی کا پیچھا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اسی کام میں انہیں الجھن اور دشواری ضرور پیش آسکتی تھی لیکن وہ کام ناممکن نہیں تھا۔ وہ آسانی سے ہار نہیں مان سکتے تھے۔

ہمیں گھر سے نکلے ہوئے مشکل سے نصف گھنٹا ہوا تھا۔ اس دوران میں ہماری گاڑی کی بدلتی ہوئی سمتوں نے ان دونوں کو خاصا پریشان کیا ہوگا لیکن آخر کار وہ اپنے جدید اور حسّاس آلات کے سہارے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں گے کہ ہم نے گلشن اقبال سے نکل کر شارع فیصل کا راستہ اختیار کیا تھا۔

وہ جہاں بھی تھے ان کو وہاں سے شارع فیصل کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ ہماری چلتی ہوئی گاڑی رک چکی تھی۔ سلطان شاہ چپ لے کر ریلوے لائنوں پر گیا ہوا تھا۔ ان چند سو میٹر کی نقل و حرکت سے زیادہ فرق نہیں پڑنا چاہیے تھا ہماری گاڑی کے رک جانے سے ان کا جوش بڑھنے کی توقع تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اس مقام پر پہنچتے تو شاید مال گاڑی حرکت میں نہ آئی ہوتی' وہ دونوں یہ دیکھ کر اپنے سر پیٹ لیتے کہ کرنل داور کی گاڑی میں ڈالا ہوا چپ مال گاڑی کے کسی ڈبے کے پوشیدہ مقام سے اپنے سگنل نشر کررہا تھا۔

''کیوں مسکرارہے ہو؟'' سلطان شاہ کی آواز سن کر میں چونک پڑا' وہ اپنا کام مکمل کرکے میری بے خبری میں واپس آچکا تھا۔

''یہ سوچ رہا تھا کہ انہیں اپنی بھاگ دوڑ کے اختتام پر ہماری گاڑی کے بجائے ریلوے ویگن ملے گی تو ان کا کیا حال ہوگا'' میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

ہمارے ذہنوں سے چپ کا بوجھ اتر چکا تھا۔ میں نے گھر واپسی کے لیے گاڑی کا رساز روڈ کی طرف ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

☆☆☆

گیری مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنے پیش رو کی طرح اسے بھی اپنی برتری کا گھمنڈ تھا۔ میں نے خاصی سوچ بچار اور مشاورت کے بعد اسے ایک جوابی جھٹکا دینے کا

فیصلہ کرلیا۔

میرے لئے یہ نکتہ غیر اہم ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق پینٹا گون سے تھا یا ایف بی آئی والوں نے اسے نک کی جگہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ میرے ہر روپ کا بدخواہ تھا۔ ڈینی کے خلاف اس نے کھل کر باتیں کی تھیں۔ وہ ڈینی کو مروانے یا پھر بے دست و پا کر کے پکڑ لینے کے عزائم کے ساتھ کراچی پہنچا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں یہ باتیں کرنل داور سے کی تھیں جسے وہ اپنا حلیف بنائے رکھنے کی کھوکھلی باتیں کرتا رہا تھا۔ اس کی اصل نیت کا اندازہ چپ والے واقعے سے ہو چکا تھا جو خاصا سنگین تھا۔

اس بارے میں میری ابتدائی رائے یہ تھی کہ جو کچھ ہوا ہے اسے وہیں چھوڑ دیا جائے۔ گیری خود اس معمے میں سر کھپاتا رہے کہ کرنل داور کی گاڑی میں ڈالا ہوا چپ ریلوے ویگن میں کیوں اور کیسے پہنچ گیا لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔

گیری کراچی میں نووارد تھا۔ اسے ابتدائی مراحل میں یہ سمجھانا ضروری تھا کہ ان لوگوں کے وسائل کے سامنے ہم اتنے زیادہ بے بس نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

اسے اور اس کے ہمدردوں کو سبق سکھانے کا بہترین راستہ یہ تھا کہ اسے کسی منفی قیاس آرائی کا موقع دیے بغیر میں اس کے سر پر سوار ہو جاؤں۔

میں نے اس کا دیا ہوا نمبر ملایا تو اس نے خود ہی فون اٹھایا۔

''میں داور بول رہا ہوں تم سے ملنا چاہتا ہوں'' میں نے کسی رسمی تمہید کے بغیر خاصے خشک لہجے میں کہا۔

''کل میں نے یہی خواہش ظاہر کی تھی تو تم ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ حیرت ہے کہ آج تم کو مجھ سے ملنے کی ضرورت پیش آ گئی' خیریت تو ہے نا!''

''یوں سمجھو کہ خیریت ہو گئی ورنہ کل کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔''

''لیکن...... کیا ہو گیا؟'' میرے جارحانہ لب و لہجے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

''یہ سب باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔ اسی لئے میں ملنا چاہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' دفتر آ جاؤ' تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ نک کی موت کے سوگ میں تمہارے دفاتر تین روز تک بند رہیں گے'' اس بار میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''روزمرہ کے کام بند ہیں لیکن اہم کاموں کو التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ میں بیٹھا ہوا ہوں تم کتنی دیر میں آ رہے ہو۔''

''ایک گھنٹے سے پہلے میں وہاں پہنچ جاؤں گا'' میں نے کہا۔

''او کے!'' اس کی آواز آئی اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

گیری کے بارے میں ایک بات صاف ہو چکی تھی کہ اسے میرے کرنل داور ہونے کا یقین تھا۔ وہ اپنے بدترین دشمن ڈینی کو میری ذات سے بالکل جدا شخص تصور کئے بیٹھا تھا۔ اس لئے میں نے بے خوف و خطر اس کے دفتر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اپنی گاڑی سے وہاں جانے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن میں گیری کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ گاڑی تسلسل سے میرے استعمال میں رہتی ہے۔

گیری کے حساس دفتر میں کسی بھی قسم کا ہتھیار لے کر داخل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ میں نے روانگی سے پہلے کھوکھلے نگینوں والی دونوں زہریلی انگوٹھیاں اپنی انگلیوں میں ڈال لیں۔ وہ آڑے وقتوں میں ہمیشہ میرے کام آتی رہی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ گیری نے اگر غیر متوقع طور پر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کسی بڑے ہتھیار کے مقابلے میں وہ بے ضرر انگوٹھیاں میرے زیادہ کام آ سکیں گے۔

رفتہ رفتہ میرے دشمنوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے کافی عرصے سے بیم گن سے خارج ہونے والی مہلک لیزر شعاعوں کا استعمال ترک کر کے زہر کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اس بارے میں اخبارات وغیرہ کے ذریعے جو تفصیل سامنے آئی تھی اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مرنے والوں کے جسموں میں ایک چھوٹی سی سوئی کے ذریعے زہر داخل کیا جاتا تھا۔ سوئی جسم میں خفیف سی گہرائی تک اترتی تھی۔ میرے کسی بھی شکار کے جسم سے یا اس کے بے جان جسم کے قریب سے کوئی سوئی نہیں ملی تھی اور یہ باور کیا جانے لگا تھا کہ میں کسی چھوٹی سرینج کے ذریعے ان لوگوں کو مارتا رہا تھا۔

کسی کو بھول کر بھی انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں سے زہر انجکٹ کرنے والی تکنیک کا خیال نہیں آیا تھا۔

انگوٹھیوں سے لیس ہو کر میں گھر سے نکلا اور ٹیکسی کے ذریعے گیری کے قونصل خانے کے گیٹ پر جا پہنچا۔ عمارت کے باہر فٹ پاتھ پر مقامی پولیس کے مسلح نوجوان مورچا لگائے حفاظت کے لئے مستعد بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور نے عمارت اور اس کے ظاہری حفاظتی

بندوبست سے مرعوب ہو کر ٹیکسی ذرا آگے لے جا کر روکی ہی تھی کہ ایک پولیس والے نے بلند اور کرخت آواز میں اسے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا اور گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ اس سے پہلے کہ ٹیکسی دوبارہ حرکت میں آتی دیو ہیکل فولادی دروازے کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک مسلح، باوردی امریکی سپاہی نے باہر نکل کر ہماری طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ اشارہ بہت واضح تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر اس کی طرف لپکا اس کی نظریں سخت ناقدانہ تھیں۔ اس نے نرم آواز میں مجھ سے وہاں رکنے کا مدعا پوچھا۔ جوں ہی اس نے میری زبان سے میرا اور گیری کا نام سنا اس نے مجھے ٹیکسی اندر لانے کیلئے کہا اور مڑ کر کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی میں غائب ہو گیا۔ پولیس والے حیرت سے وہ تماشا دیکھتے رہ گئے۔

اس باوردی سپاہی کی اچانک مداخلت سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ اندر والے باہر کے حالات کے بارے میں صرف مقامی پولیس پر انحصار نہیں کرتے تھے۔ اپنے خفیہ کیمروں کی مدد سے پھاٹک کے باہر ہونے والی ہر سرگرمی سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔

محض چند قدم کے فاصلے کے لئے دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ کر اندر جانا خاصا احمقانہ فعل تھا۔ میرے دل میں آئی کہ ڈرائیور کو کرایہ دے کر وہیں سے فارغ کر دوں مگر پھر میری انا آڑے آ گئی۔

گیری مجھے اتنی عزت دے رہا تھا تو اس سے مستفیض ہونا بہت ضروری تھا۔

حیران و پریشان ڈرائیور نے میرے ایما پر ٹیکسی کو ریورس کر کے گیٹ تک پہنچایا۔ اس بار مقامی پولیس والے خاموش تماشائی بنے رہے۔

پوشیدہ مشینی نظام کے سہارے ایک آہنی پھاٹک اندر کی طرف کھلتا چلا گیا اور اتنی جگہ پیدا ہو گئی کہ ٹیکسی تو کیا ٹرک بلکہ ٹینک بھی اندر جا سکتا تھا۔

میں جلال کے ساتھ وہاں آیا تھا تو ہم دونوں کو گاڑی سے اتار کر آلات اور لمبی لمبی چھڑیوں کے سروں پر لگے ہوئے آئینوں کی مدد سے پوری گاڑی کے اندرونی اور نچلے حصے کی تفصیلی تلاشی لی گئی تھی اور کار کو پارکنگ ایریا میں چھوڑ کر ہمیں ایک چالاک امریکی گارڈ کی رہنمائی بلکہ نگرانی میں اجلاس والے کمرے تک پہنچایا گیا تھا۔

جلال کی گاڑی کے مقابلے میں ٹیکسی بہت حقیر اور غیر معتبر تھی مگر مجھے حیرت ہوئی کہ اسے تلاشی وغیرہ کے لئے نہیں روکا گیا عمارت کے برآمدے میں کھڑا ہوا ایک شخص ہاتھ ہلا کر ہمیں اس طرف بلا رہا تھا۔

جلال ایک اجلاس میں شرکت کے لیے اپنی سرکاری حیثیت میں قونصل خانے میں پہنچا تھا۔ انہوں نے اپنی چار دیواری میں احتیاطی تدابیر کے نام پر اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے احساس برتری کا مظہر تھا۔ وہ وہاں آنے والے ہر پاکستانی اہل کار کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے جب کہ میں وہاں کسی سرکاری حیثیت میں نہیں آیا تھا۔ گیری کے ایک حلیف کے طور پر اس سے ملنے کے لیے وہاں پہنچا تھا۔

برآمدے کے قریب ٹیکسی سے اتر کر میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔ برآمدے میں کھڑا ہوا گورا میرے قریب آ گیا۔ اس نے اپنی رفتار دانستہ اتنی سست رکھی تھی کہ جب وہ میرے قریب پہنچے تو میں کرائے کی ادائیگی سے فارغ ہو چکا ہوں۔

''جیک!'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے دانت نکال کر اپنا تعارف کرایا۔

''ڈی!'' میں نے بھی اسی کے انداز میں برجستہ کہا۔ ٹیکسی واپس ہو رہی تھی۔

''ڈی؟'' اس نے حیرت سے دہرایا۔ میرا تعارف سنتے ہی اس کے بشرے سے ساری خوش خلقی رخصت ہو گئی تھی۔

''تم حیران کیوں ہو گئے؟'' میں نے اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت غیر دوستانہ حد تک سخت ہوتی ہوئی محسوس کی۔

''مجھے گیٹ سے بتایا گیا تھا کہ آنے والے کا نام کرنل داور ہے'' اس نے میری آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا بایاں ہاتھ اس دوران میں بیلٹ کلپ سے لگے ہوئے واکی ٹاکی تک پہنچ چکا تھا۔

''صحیح بتایا گیا تھا'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ڈی میرے نام کا پہلا حرف ہے اور بے تکلف ساتھی مجھے ڈی ہی کہتے ہیں۔ میں اپنے منہ سے اپنا سابق عہدہ دہرانا پسند نہیں کرتا۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں عہدہ جتا کر دوسروں کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

اس کے چہرے پر دوبارہ دوستانہ ملاحت پھیل گئی'' ویسے ڈی بہت زیادہ مختصر اور عجیب سا نام لگتا ہے۔''

''تم لوگوں کے نام بھی اتنے ہی مختصر ہوتے ہیں۔ جیک، ڈک، ٹام، نک وغیرہ!'' میں نے اس کے ساتھ برآمدے میں

داخل ہوتے ہوئے جان بوجھ کر نک کا نام لیا۔

''آہ بے چارہ نک!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر افسردگی سے بولا میرا چلایا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔

''وہ بہت اچھا آدمی تھا مگر اس کی محنت اور کارکردگی کی وجہ سے اس کے سارے دشمن اس سے نفرت کرتے تھے ان میں ڈینی سرفہرست تھا۔ تمہاری زبان سے ڈی سنتے ہی ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے تم نے ڈینی کہا ہو۔''

اس کا جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ قونصل خانے میں اپنے فرائض کے اعتبار سے ایک عام آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے ذہن میں میری طرف سے اتنا زہر بھرا ہوا تھا کہ میرا اصل نام اسے ازبر تھا۔

''یہ اتفاق ہے کہ ڈی دونوں جگہ مشترک ہے داور میں اور ڈینی میں بھی!'' میں نے اس کی بات مذاق میں اڑا دی۔

''ہم سب کے دل نک کے سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں'' وہ مغموم لہجے میں کہہ رہا تھا ''یہاں ہمارا سہ روزہ سرکاری سوگ کل ختم ہو جائے گا لیکن میرا دل مدتوں اسے فراموش نہیں کرسکے گا وہ بہت ہمدرد اور بے لوث انسان تھا۔''

''اس جیسے لوگوں کو موت بہت جلد چاٹ لیتی ہے'' میں نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے ذومعنی بات کہی ''میرے لئے وہ اب گیری کے روپ میں زندہ ہے۔''

اس نے یکا یک خاموشی اختیار کرلی ۔ میرا آخری فقرہ سن کر اسے احساس ہوا ہوگا کہ اس بے تکلفی نے ہماری گفتگو کو خطرناک رخ دے دیا تھا۔

روشن اور کشادہ راہ داریاں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ بیشتر دفاتر کے دروازے بند تھے اور ان کے شیشوں کے پیچھے اندھیرے کا راج نظر آرہا تھا۔ دبیز فرشی قالین پر ہم دونوں کے قدموں کی ہلکی سی دھمک سناٹے میں خاصی واضح سنائی دے رہی تھی۔

بقیہ راستہ ہم دونوں نے خاموشی سے طے کیا۔ جیک نے ایک بند دروازے کے سامنے رک کر اپنی شہادت کی انگلی سے چوبی دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور میرے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ باہر رکا رہا' میں اندر داخل ہوگیا۔

کمرے میں دودھیا روشنی ہونے کے باوجود ماحول پر عجیب سی پراسراریت طاری تھی۔ گیری ایک بڑی میز کے پیچھے دروازے کے مقابل بیٹھا ہوا تھا اس کی میز پر کئی فائلیں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں جو سوگ والے دن اس کی مصروفیت کی مظہر تھیں۔

''ہائے ڈی! کیا حال ہیں'' اس نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی اور میں اس کے منہ سے اپنا تازہ ترین نام سن کر بری طرح چونک پڑا۔

کوئی مجھے اس نام سے پکارتا تھا نہ میں نے کبھی خود کو اس نام سے متعارف کرایا تھا۔ جیک سے ملتے ہوئے وہ حرف برجستہ میرے ذہن میں آیا اور میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے لئے ڈی کا لقب استعمال کر ڈالا۔ میں پریشان تھا کہ جیک مجھے دروازے پر چھوڑ کر لوٹ گیا تھا اس کی گیری سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی پھر وہ نیا نام گیری کو کیسے معلوم ہو گیا تھا۔

اس اثنا میں' میں گیری کی میز تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر' گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''تم بہت بوکھلائے ہوئے نظر آرہے ہو۔ زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں نے تمہاری اور جیک کی گفتگو حرف بہ حرف اپنے ٹیبل ٹاپ پر سنی ہے۔ اس عمارت میں دنیا کا مضبوط ترین مواصلاتی نظام برقرار رکھا جاتا ہے۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے عمارت کے کسی بھی حصے میں ہونے والی باتیں سن سکتا ہوں۔''

میری پریشانی دور ہوگئی۔ میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے کہا ''پھر تو ویزا کے لئے آنے والوں کی باہمی باتیں بھی سنی جاتی ہوں گی۔''

''اوہ' یس!'' اس نے اپنی گھومنے والی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بے ساختہ کہا ''وہ ایک مستقل شعبہ ہے۔ چند لوگ کچھ دیر کے لیے مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنے تازہ ترین مسئلے پر باتیں ضرور کرتے ہیں ان کی مدد سے ویزا افسر کو یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے کہ کس کو ویزا دے دینا چاہئے اور کسے انکار کر دینا بہتر ہوگا۔ ویسے یہ پرانی باتیں ہیں آج کل کے حالات کے پیشِ نظر ہم نے کچھ عرصے سے یہاں سے ویزا کے اجرا کا سلسلہ بند کیا ہوا ہے......''

''پھر یہ انٹرویو کا سلسلہ بس رسمی ہی ہو کر رہ جاتا ہے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا کیونکہ وہ ایک اہم معاملہ تھا۔

''ہر شخص سادہ لوح اور باتونی نہیں ہوتا۔ بہت سے امیدوار چالاک اور محتاط ہوتے ہیں۔ وہ غیر ضروری طور پر اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ان کے ویزا کا فیصلہ صرف انٹرویو کے نتیجے پر منحصر ہوتا ہے ہم غیر ضروری طور پر کسی کو تنگ نہیں کرتے۔'' اس نے اپنی کرسی پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے کام کی بات چھیڑ دی۔ ''یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کیسے آئے ہو۔''

''میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ کل میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ مجھے اپنے ایک دوست کے سامنے سخت

ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔'' میں نے بہت سنجیدگی کے ساتھ سخت لہجے میں اپنی شکایت پیش کر دی۔

''تمہارے دوستوں کے معاملات سے مجھے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔'' اس نے بالکل لاتعلقی اختیار کر کے سادگی سے سوال کیا۔

حلیفوں کے ساتھ حریفوں والا سلوک نہیں کیا جاتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔'' کل تم نے میری مخبری کے لئے میری گاڑی کو بگ کیا تھا۔''

وہ الزام بہت واضح اور براہِ راست تھا۔ غصے کے ابال سے گیری کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ''تم کو اندازہ ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

مجھے احساس ہوا کہ میں نے براہِ راست الزام تراشی کر کے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ تھوڑی سی تمہید کے بعد وہ بات کہی جاتی تو شاید زیادہ کارگر رہتی۔

میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہنا شروع کیا۔ ''کم از کم میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کل دوپہر کو تم سے ملاقات کے لیے میں نے ایک دوست سے گاڑی مستعار لی تھی۔ واپسی پر میں نے وہ گاڑی اس کے گھر چھوڑ دی۔ شام کو ایک مشتبہ گاڑی اس کے گھر والی گلی میں سے رینگتی ہوئی گزری۔ اس میں تمہارے دو ہم قوم سوار تھے' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں کسی کی تلاش ہے۔ میرا دوست دل کا مریض ہے' وہ اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کار کے غائب ہوتے ہی اپنی گاڑی لے کر اپنے گھر سے بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا میرے پاس آپہنچا۔

میں دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ گیری بولا ''ابھی تک میرا کوئی ذکر سامنے نہیں آیا۔ یہ بالکل بے سروپا کہانی ہے اس وقت تم کہاں تھے؟''

میرے لئے وہ سوال متوقع تھا اور میرے ذہن میں اس کا مسکت جواب بھی پہلے سے موجود تھا۔ میں نے اس کے سوال میں پنہاں تجسس کو یکسر نظر انداز کر کے سرسری لہجے میں جواب دیا ''میں اپنے ٹھکانے پر تھا۔ میرے لئے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ چند روز پہلے ایڈی دہلی جاتے ہوئے کراچی میں رکا تھا تو کچھ دیر کے لیے مجھ سے بھی ملا تھا' اس سے ملاقات کے بعد مجھے اپنی جیب میں ایک چپ ملا تھا' تجزیہ کرانے پر پتا چلا کہ وہ سگنلز نشر کرنے والا ایک خاموش آلہ تھا میں نے اسے ایک طرف ڈال دیا اور آج تک تک سمیت کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں کی۔ اپنے دوست کی کہانی سنتے ہی میرے ذہن میں اپنا تجربہ تازہ ہوگیا۔ اسے روکنے کے بجائے میں بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ ڈرائیونگ کرتا رہا اور میں نے پسنجر سیٹ کے اردگرد کی تلاشی لینی شروع کر دی کیونکہ کل دوپہر کو تم تقریباً آدھے گھنٹے تک گاڑی کی اسی سیٹ پر بیٹھے رہے تھے۔ آخر کار مجھے ڈور پاکٹ میں اسی قسم کا دوسرا چپ مل گیا جیسا ایڈی نے میری جیب میں ڈالا تھا۔''

''اور تم کو یقین ہوگیا کہ وہ چپ میں نے گاڑی میں ڈالا تھا!'' اس بار گیری کی آواز نرم اور شاید قدرے تمسخرانہ بھی تھی۔ ''وہ چپ کہاں ہے؟''

''میں نے راستے میں اسے ریل کی پٹریوں کی طرف اچھال دیا تھا' وہ وہیں سنگریزوں میں پڑا ہوا ہوگا۔ پٹری پر گرا ہوگا تو کسی ٹرین کے پہیوں کے نیچے آکر تباہ ہوچکا ہوگا' اب اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اسے تم سمیت کوئی بھی جھٹلانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔''

گیری اچانک ہنس پڑا اور بولا ''تم کو بدترین غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے تجربے کی سچائی کو پوری طرح تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ کہانی ہی کچھ اور تھی۔ وہ بہت خاص اور بیش قیمت چپ ہے جسے چنے کے دانوں کی طرح برباد نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ جان بوجھ کر تمہاری گاڑی میں نہیں ڈالا تھا مڑنے تڑنے میں وہ میری جیب سے نکل گیا ہوگا۔ جب مجھے اس کی گمشدگی کا احساس ہوا تو اس کی تلاش شروع ہوئی......''

''تم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے وہ چپ میری گاڑی میں کھویا تھا۔'' میں نے اس کے سفید جھوٹ پر اپنا غصہ دباتے ہوئے ترشی سے پوچھا۔

''معلوم ہوتا تو یہ سب چکر ہی نہ چلتا۔ میں تم کو فون کر دیتا اور تم اس گاڑی کی تلاشی لے کر میرا چپ برآمد کر لیتے۔ بات ختم ہوجاتی۔''

''تم کو اقرار ہے کہ تمہارے دو آدمی اس چپ کی تلاش میں گلشن اقبال میں پہنچے تھے!'' میں نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔

اس نے پرسکون انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا ''اس چپ کے سگنل ایک خاص مشین پر مانیٹر کر کے یہ پتا چلایا جاسکتا ہے کہ وہ چپ ایک خاص وقت پر مشین سے کتنی دور اور کس سمت میں ہے۔ وہ دونوں آدمی اس مشین کے ساتھ ہی اپنی مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ اُلّو کے پٹھے تمہارے دوست کے مکان کے سامنے گزر گئے اور مشین پر یہ نہ دیکھ سکے کہ وہ اس وقت چپ سے کم ترین فاصلے پر تھے۔''

وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے بھی اس سے سچ نہیں بولا تھا۔ دوست اور اس کے گھر کی باتیں بے بنیاد تھیں۔ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میں بروقت ان کی دسترس سے دور نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ان کی ولدیت کے بارے میں، میں وثوق سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' اس بار میں نے اس کی ہڈیوں کو سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ تم کو اب احساس ہو جانا چاہئے کہ ان حالات میں میرا مشتعل ہونا اور یہاں تک آنا حق بجانب ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہاری مانیٹرنگ مشین اس چپ کے بارے میں کیا خبر دے رہی ہے۔''

گیری کی عقابی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ اس نے کہا ''وہ پٹری پر گرا اور نہ سنگ ریزوں میں۔ وہ مال گاڑی کی ایک بوگی کے کسی ایسے حصے میں پھنسا ہوا ہے جہاں تک پہنچنا محال ہے میرے آدمی وہاں رک کر اسے تلاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔''

''ظاہر ہے!'' میں نے سر ہلا کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔'' ریلوے ملازم یا پولیس والے ان کو مشتبہ انداز میں وہاں پھرتے ہوئے دیکھ لیتے تو غیر ملکی دہشت گردوں کے شبہے میں مار مار کر ان کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے۔ تمہاری مانیٹرنگ مشین بھی تباہ ہو جاتی۔ اچھا ہوا کہ اس کا سراغ لگا لینے کے باوجود وہ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ دو انسانی جانیں ایک چپ سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔''

''تمہارے لب و لہجے سے طنز کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔

''ہرگز نہیں، تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پھیلے ہوئے تخریب کار آئے دن ریل گاڑیوں اور ریلوے ٹریک کو دہشت گردی کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ میں اسی حوالے سے کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں وہاں رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے تو ان کی بہت بری درگت بنتی اور تمہاری کوششوں کے بغیر ان کی گلوخلاصی ممکن نہ ہوتی۔''

''ایڈی والا چپ کہاں ہے؟'' اس نے یکایک وہ ناخوشگوار موضوع بدل دیا جو اس کی دکھتی ہوئی رگ پر دباؤ ڈال رہا تھا۔

مجھے ابتدا ہی سے اندازہ تھا کہ وہ چپ بھی مانیٹر کیا جا رہا ہوگا۔ میں نے اس بارے میں کوئی سوال کیے بغیر سادگی سے کہا ''تمہارے لئے وہ بیش قیمت ہو سکتا ہے۔ میرے لیے اس کی قیمت کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے بے پروائی سے اسے اپنے دفتر کی کسی میز کی دراز میں ڈال دیا۔ وہ اب بھی اسٹیشن فور میں پڑا ہوا ہوگا۔''

''تم نے جب سب کچھ سمجھ لیا تھا تو ایڈی کی اس حرکت کے بارے میں نک سے کوئی شکایت کیوں نہیں کی۔'' اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''شکایت بے سود ہوتی۔ مجھے اپنی جیب میں چپ کی موجودگی کا پتا چلا تو ایڈی کو نئی دہلی پہنچے ہوئے ایک دن ہو چکا تھا۔ میں شکایت کرتا تو نک کچھ بھی نہ کرتا۔ ساری ذمے داری ایڈی کے سر ڈال دیتا جو رتبے کے لحاظ سے اس سے سینئر تھا۔''

''اور کچھ ہوتا یا نہ ہوتا' نک کو یہ پتا چل جاتا ہے کہ ایڈی اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا'' وہ میرے جواب سے مطمئن نظر آیا تھا۔

''میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔ میں نک کو ہر بات سے باخبر رکھنے کا پابند نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھ سے چپ کی واپسی کا مطالبہ کر دیتا۔''

اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کرسی آگے سرکائی اور کہنیوں کے بل اپنی میز پر آگے کی طرف جھک کر بولا ''یہ مطالبہ تو میرا بھی ہے۔ وہ چپ تمہارے لیے بے کار ہے۔ وہ مجھے لوٹا دو۔''

''میں لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا مال لوٹانے کا عادی نہیں ہوں خواہ اس کی وقعت دو کوڑی سے بھی کم ہو۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''نک سے تمہاری کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ تم دونوں کے درمیان جذباتی غلط فہمیاں جنم لیتی رہیں اور دور بھی ہوتی رہیں۔''

''وہ الگ قصے تھے۔ ایڈی باہر سے آیا تھا۔ اسے سارے پس منظر کا علم نہیں تھا۔ اس نے آتے ہی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی مگر وہ اس کے کسی کام نہیں آ سکی۔ یہ بات تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ میری بے خبری میں میری جیب میں چپ ڈال کر اس نے کوئی دوستانہ حرکت نہیں کی تھی۔ وہ چپ کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔''

''تم اسے میری دوستانہ التجا بھی سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے خلوص اور نرمی سے کہا لیکن مجھے اس کے ایک ایک لفظ سے مکاری کی بو آ رہی تھی۔

''نہیں گیری...... کوئی اور بات کرو۔ اس پرانے قصے کو طول دے کر تم میرے زخم کرید رہے ہو۔ یہاں آنے تک میں تمہیں بھی ایڈی کی قبیل کا مہم جو سمجھ رہا تھا کیونکہ تم نے بھی اسی کی طرح میری گاڑی میں چپ ڈالا تھا اور یہ دوستانہ فعل......''

اس نے مضطربانہ انداز میں میری بات درمیان سے اچک لی اور بولا ''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ چپ بے دھیانی میں میری جیب سے گر گئی تھی۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گری ہوگی میرے آدمی الل ٹپ اس کی تلاش میں نکلے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس گلی کے دوسرے سرے پر تم سے ملاقات ہوگی۔ تم بلاوجہ دوبارہ وہ ذکر نکال رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں میری مخلصانہ وضاحت پر یقین نہیں آیا۔''

''تم نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔ میں یہی کہنے جارہا تھا کہ یہاں آنے تک مجھے تمہاری حرکت پر غصہ تھا لیکن تمہاری وضاحت قبول کر لینے کے بعد میں ہر تلخی کو فراموش کر چکا ہوں اور تم سے دوستانہ ماحول میں باتیں کر رہا ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ تم یہاں آ گئے۔ فون پر یہ سب باتیں نہیں ہوسکتی تھیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری وضاحت تم نے قبول کر لی ہے۔ آپس کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے مذاکرات کی راہ سب سے بہتر ہوتی ہے۔''

''تم مجھ سے ملنے سے ہچکچا رہے تھے، مجھے فون پر ٹال رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ روبرو اور دوٹوک بات چیت کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''ایمانداری سے بتاؤ۔ نک کے بعد میری بھی تم سے ذہنی ہم آہنگی ہو چکی ہے۔ میں جب چاہوں تم سے مل سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن فور میں رہتے ہو اور وہیں تمہارا کوئی دفتر بھی ہوگا۔ آخر مجھے تمہاری گاڑی میں چپ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔''

اپنی پوزیشن کی ضرورت سے زیادہ صفائی پیش کرنے کی کوشش میں اس نے ایک بہت نازک سوال چھیڑ دیا تھا۔ مجھے دل کھول کر اسے رگیدنے کا موقع میسر آ گیا۔ میں نے اپنی کرسی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا ''بات بہت سیدھی سی ہے۔ تم لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں ڈینی کی کمین گاہ سے واقف ہوں اور تمہیں وہاں تک لے جا سکتا ہوں۔ نک کو شبہ تھا کہ میں نے ڈینی کی گرفتاری کو سوبھراج کی موت سے مشروط کر دیا ہے۔ جب تک سوبھراج سامنے نہیں آئے گا یا مارا نہیں جائے گا۔ میں ڈینی کو اس کے حوالے نہیں کروں گا۔''

گیری بہت توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔ میں نے سلسلہ کلام جاری رکھا ''میں تم سے ملنے کے لیے آتا ہوں تو تم مجھے پکڑ کر قید نہیں کر سکتے۔ تم جانتے ہو کہ میں احمق نہیں ہوں، اپنے اعتماد کے دو چار آدمیوں کو بتا کر آتا ہوں کہ کہاں جا رہا ہوں۔ اگر ایک مقررہ وقت میں میری واپسی نہ ہوئی تو وہ ایک ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔''

اس نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''خاموشی سے میری بات سنتے رہو۔ ضروری نہیں کہ یہ سب درست ہو لیکن میں یہی سوچ رہا تھا۔ تم مجھے دھوکے سے اپنا قیدی بنانا چاہتے ہو تاکہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چل سکے کہ کرنل داور کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ دوران قید مجھ پر تشدد کر کے تم میری زبان سے ڈینی کے ٹھکانے کا راز اگلوانا چاہتے ہو۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ تم لوگ میری پل پل کی نقل و حرکت سے باخبر رہو اور موقع ملتے ہی مجھ پر ہاتھ ڈال دو۔ اس بارے میں پہلی کوشش ایڈی نے کی۔ ایڈی چلا جاتا۔ وہ چپ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں بے فکری سے پورے شہر میں گھومتا رہتا اور اس کے آدمی میری گھات میں لگے رہتے اور کسی بھی وقت ان کا جال میرے اوپر آ گرتا۔ ایڈی ناکام ہو گیا، نک مارا گیا۔ تم آئے تو تم نے بھی ایڈی والی راہ اختیار کی اور اس بار چپ میری جیب میں ڈالنے کے بجائے گاڑی میں ڈال دیا کیونکہ تم اسے میری گاڑی سمجھ رہے تھے۔ تمہارا منصوبہ بھی بالکل وہی تھا جو ایڈی کا تھا۔ تم نے اسی کارڈ کو محض اس وجہ سے دوبارہ استعمال کیا کہ تم ایڈی والے چپ کے انجام سے بے خبر تھے اور میں نے اس کے بارے میں نک سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔''

''اوہ خدا!'' گیری اپنی دونوں ہتھیلیاں میز کی سطح پر مار کر بولا ''تم نے شیطانی دماغ پایا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں دور دور تک تمہارے اغوا کا کوئی گمان نہیں تھا اور تم نے ایک ذرا سی بات کو پکڑ کر اتنی لمبی چوڑی اور مربوط کہانی تیار کر لی۔ تم یقین کرو کہ یہ تمہارا وہم ہے۔ ہم ڈینی تک پہنچنے کے لیے واقعی بے چین ہیں لیکن اس کے لیے تمہارے ساتھ کسی غیر دوستانہ سلوک کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔''

میں نے اسے یہ یاد دلانا بھی مناسب نہیں سمجھا کہ اس نے ڈینی کے نہ ملنے کی صورت میں ایس ٹی ایف کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی کھلی دھمکی دی تھی۔ جو لوگ اداروں کے خلاف اس حد تک آگے جا سکتے تھے ان کے لیے کسی فرد واحد کو چیونٹی کی طرح مسل کر بھول جانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ اس ضمن میں ایس ٹی ایف کی قانونی پوزیشن غیر اہم تھی۔

''یہ حقیقت تم نے واضح کی ہے۔ آج میری اور تمہاری ملاقات نہ ہوتی تو میں اپنے مفروضات پر قائم رہتا اور

ہمارے درمیان عناد کی جڑیں گہری ہو جاتیں۔''
''اپنی مخاصمانہ رو میں بہتے ہوئے تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم ایک ناکام حربے کو تم پر دوبارہ نہیں آزما سکتے۔''
''سچ پوچھو تو میری دانست میں تمہیں ایڈی والے چپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ میری جیب میں تھا، جب اس کے سگنل مسلسل ایک ہی پوزیشن سے آتے رہے ہوں گے تو ایڈی یا نک کے کارندوں نے فرض کر لیا ہوگا کہ میں نے وہ لباس اتار کر میلے کپڑوں میں ڈال دیا ہے۔ انہیں چپ کی ناکامی کا علم اس وقت ہوتا جب میں نک سے اس کے بارے میں کوئی شکایت کرتا۔ میری خاموشی سے یہ مطلب اخذ کیا گیا کہ مجھے ایڈی والے چپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ میں نے بایولوجیکل گن کی شکایت کی تھی تو منطقی طور پر مجھے چپ کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا۔''
''تمہارے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔'' اس مرتبہ گیری کی آواز سے ہزیمت جھلک رہی تھی ''یہ بتاؤ کہ اب تمہارا ذہن صاف ہوا یا اس میں ابھی بھی بغض اور کینے کے کچھ جراثیم پرورش پا رہے ہیں؟''
''یہ بغض اور کینہ نہیں تھا۔ میرے نظریے کی بنیاد حقائق پر تھی۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں اس میں کہیں کوئی جھول نظر آیا۔''
''میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم نے غضب کا دماغ پایا ہے۔ بکھری ہوئی کڑیوں کو خوب یک جا کرتے ہو۔''
''منتشر واقعات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا میرے منصب کے فرائض میں داخل ہے۔''
''کم و بیش ہم سب یہی کام کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی اس ذمے داری سے مستثنیٰ ہو مگر میں خود ایسی کہانی تیار نہیں کر سکتا تھا۔''
''میں تمہارے اعتراف پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا۔ برا نہ مانو تو میں اپنے ذاتی تجسس کو دور کرنے کے لیے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''
''اس وقت ہم ایک دوسرے کو زیادہ بہتر جان چکے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ صاف گو بھی ہو۔ وسوسوں کو اپنے دل میں پروان چڑھانے کے بجائے یہاں آئے اور مجھ سے کھل کر بات کر لی، کہو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''
''میرے معاملے میں تم خود کو نک کا قریبی جانشین قرار دے رہے ہو۔ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا۔ تم پینٹا گون کے آدمی ہو۔ یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔''
''یہ اختیارات کی سطح کی بات ہے۔ اس مثلث کے نچلے سرے پر دونوں کنارے ایک دوسرے سے بہت دور نظر آتے ہیں جوں جوں اوپر بڑھتے رہو وہ کنارے قریب تر ہوتے جاتے ہیں اور اوپر جا کر ایک نکتے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ اوپری نوک کو امریکا کا صدر تصور کر لو۔ وہ سارے اختیارات کا منبع ہے۔ ہم سب اس نیچے والی مثلث میں کہیں نہ کہیں ہیں۔ ہم کہیں بھی ہوں، سب مل جل کر اپنے قومی مفاد کے لیے کام کرتے ہیں۔ تم ان چکروں میں نہ پڑو کہ کون کیا ہے۔ اب تمہارا واسطہ مجھ سے رہے گا۔''
اس نے بہت مدلل انداز میں میرے سوال کو ٹال دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کھیل کے کسی مرحلے پر پینٹا گون والے بھی درمیان میں آ کودیں گے۔
''تم نہیں بتانا چاہتے تو میں اصرار نہیں کروں گا۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔
''اب تک ہم ڈینی کے بارے میں بات کرتے رہے ہیں۔ ویرا کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔
''وہ بھی تمہیں مطلوب ہے اور آج کل پاکستان ہی میں موجود ہے۔''
''اندر کی یہ خبر تم نے نک تک پہنچائی تھی کہ سوبھراج نے ویرا کو پکڑ لیا تھا لیکن وہ اسے جُل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔''
''نک نے اپنے ذرائع سے میری دی ہوئی خبر کی تصدیق کی تھی۔''
''تم اس کے بارے میں بہت باخبر ہو۔ وہ اب کہاں ہے؟''
''میرے اندازے کے مطابق اسے کراچی میں موجود ہونا چاہیے۔'' میں نے اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کرتے ہوئے جواب دیا۔
''ہماری اطلاعات کے مطابق وہ ہر وقت ڈینی کے ساتھ رہتی ہے۔''
''تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں لیکن ایک ساتھ رہنے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ میں نے جب ڈینی کو پکڑا تو ویرا وہاں موجود نہیں تھی۔''
''اس کا جرم ڈینی سے زیادہ سنگین ہے۔ وہ ایک وفادار امریکی شہری تھی۔ کسی میں جمی لائیڈ کی دستِ راست بنی ہوئی تھی لیکن اب گمراہ ہو کر اپنے ملک کے خلاف میدان میں اتری ہوئی ہے۔ ڈینی نے اس کا برین واش کر دیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا ''وہ جمی لائیڈ کو اپنا باپ سمجھتی تھی۔ جب اسے وائٹ ہاؤس کے احاطے میں قتل کیا گیا تو وہ بغاوت پر اتر آئی۔ اگر یہودیوں کے ایما پر جمی لائیڈ کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو ویرا آج بھی باغی نہ ہوتی۔ صدر سے ملاقات کے چند منٹ بعد اس کا قتل بہت معنی خیز تھا۔''

''تم یہودیوں کے خلاف بغض اور منافرت میں مبتلا ہو......'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی۔ ویرا کی بات دہرائی تھی۔''

''ہم ویرا کو امریکا لے جاکر اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائیں گے اور میڈیا پر اس کی بھرپور تشہیر ہوگی تاکہ وہ زہریلی ناگن دوسرے امریکیوں کے لیے عبرت کا سامان بن سکے۔ وہ بدترین سزا اور انجام کی مستحق ہے۔''

''اس کا سب سے بڑا جرم تو یہی ہے کہ وہ ہیروئن کے انسداد کے نام پر شی کے ذریعے اس وبا کی اسمگلنگ اور فروغ کی سرپرستی کرتی رہی۔''

''شی میرا موضوع نہیں ہے۔'' وہ کسمسا کر بولا۔ وہ بھی اس کی دکھتی رگ تھی۔ یہ ریکارڈ کی بات تھی کہ اپنے اچھے دنوں میں شی عالمی سطح پر ہیروئن کی سب سے بڑی اکیلی سوداگر تھی اور اس کے سربراہ کو براہِ راست امریکی صدر تک رسائی حاصل تھی۔

''شی کے بغیر ویرا کا ذکر ادھورا رہتا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا ''مجھے معلوم ہے کہ اس تذکرے سے ہر امریکی بے آرام ہونے لگتا ہے۔ امریکا کی نئی نسل کو ہیروئن کی یلغار سے بچانے کے لیے شی کے ذریعے دنیا بھر میں اس نشے کی منڈیاں پیدا کرنا ایک بھیانک معاشرتی المیہ ہے۔ ڈینی اور ویرا نے اسی المیے سے جنم لیا تھا۔''

''بار بار ہیروئن کا ذکر درمیان میں نہ لاؤ۔ ماضی کو دفن رہنے دو اور آج کی بات کرو۔ میں ڈینی کے ساتھ ویرا کو بھی اپنے شکنجے میں کسنا چاہتا ہوں۔''

''وہ چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ ڈینی ایک بار میری گرفت میں آچکا ہے لیکن ویرا کے ٹھکانے پل پل بدلتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی وہ کبھی میرا ہدف نہیں رہی۔ میں خوب صورت، ذہین اور دلیر لڑکیوں کی قدر کرتا ہوں۔ جب تک وہ ہمارے قانون سے نہیں ٹکراتی، میں اس پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ اسے تم کو خود دیکھنا ہوگا۔''

''تو کیا قتل و خون ریزی کو تم اپنے قانون سے متصادم نہیں سمجھتے!'' اس نے حیرت اور قدرے اشتعال کے ساتھ کہا ''ویرا کے ہاتھ انسانی خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔''

''تمہاری کہی ہوئی بات کو سند نہیں مانا جا سکتا۔ میرے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں ہے۔ فی الحال بات ڈینی کی ذات تک محدود رکھو۔''

''ویرا کو تم ڈینی سے کم نہ سمجھو۔ وہ آفت کی پرکالہ ہے......''

''کم ہو یا زیادہ، وہ سو فیصد تمہارا دردِ سر ہے، میں اس کی کوئی ذمے داری قبول نہیں کروں گا، اب کوئی اور بات کرو یا مجھے اجازت دو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ اس بدمعاش لڑکی نے تم پر ڈورے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ مردوں کو رجھانے کے فن میں بہت طاق ہے۔'' اس نے یکایک لہجہ تبدیل کرلیا۔

''تم جو چاہو سمجھ لو۔ میں کسی بات کی تائید یا تردید نہیں کروں گا۔''

''وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے تو اس کے عبرت ناک انجام پر تمہیں بہت جلد افسوس کا سامنا کرنا ہوگا۔ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ مردوں کو اُلّو بنائے رکھتی ہے۔ حیرت ہے کہ ڈینی سے اس کے قریبی مراسم کے بارے میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم اس کے دام میں آگئے۔''

''تم بلاوجہ قیافے لڑا رہے ہو؟'' میں نے ہلکے سے طنز سے کہا ''کوئی کسی کے دام میں نہیں آیا۔ اس جنسی گند کو اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''یہ مشرق کا تصور ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ طویل سائنسی تحقیق کے بعد جنس کو انسانی ذہن اور اعصاب کے لیے سب سے بہترین فطری تفریح قرار دیا جارہا ہے۔''

''تم کو یہ آزادی ہے تو تمہارے گھر کی عورتوں کو بھی اس فطری تفریح سے فیض یاب ہونے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔''

گھر کی عورتوں کا ذکر آتے ہی گیری نے یوں برا سامنہ بنایا جیسے چاکلیٹ چباتے ہوئے یکایک کوئی کنکر اس کے دانتوں میں آگیا ہو۔ ''تم میں ایک بری عادت ہے کہ تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ گھریلو عورتوں کے لیے ان کے شوہر کافی ہوتے ہیں۔ میں دوسری قماش کی بات کررہا تھا۔''

''وہ بھی کسی کی بیوی، بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ دوسروں کی جیب میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ تمہاری

بے خبری میں کوئی تمہاری جیب بھی کاٹ سکتا ہے۔"
"تم تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے کے باوجود اندر سے ایک دقیانوسی آدمی ہو۔" میری نشتر زنی سے وہ جھلا کر بولا "ویرا جیسی آوارہ اور رنگین مزاج لڑکی کے ذکر کو طول دے کر کہاں سے کہاں لے گئے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت ٹیکسی سے کیوں آئے ہو۔"
"کل شام والے واقعے کے بعد میں اپنے دوست سے دوبارہ اس کی گاڑی مانگنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ اس کے سامنے مجھے بہت نادم ہونا پڑا ہے۔"
"اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بہترین گاڑیوں کی کمی نہیں ہے۔"
"اس ذاتی ملاقات کے لیے میں دفتر کی گاڑیوں میں سے کسی کا استعمال مناسب نہیں سمجھتا۔ وہ دفتری فرائض کی بجا آوری کے لیے مخصوص ہیں۔"
وہ دھیرے سے ہنس پڑا اور بولا "تمہاری پوری کہانی سن لینے کے بعد مجھے اندازہ ہے کہ تمہیں یہ خوف لاحق رہا ہوگا کہ کہیں تمہاری بے خبری میں گاڑی میں کوئی نیا چپ نہ لگا دیا جائے۔"
"میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔" میں نے بھی خوش دلی سے جواب دیا "میں گاڑی پارک کر کے تمہارے پاس بیٹھا رہتا اور تمہارے آدمی اطمینان سے کار کے کسی ایسے حصے میں چپ لگا دیتے کہ اسے ڈھونڈ نا مشکل ہو جاتا......"
"اور پھر ہم اس کی مدد سے تمہیں کسی سنسان سڑک سے اغوا کر لیتے۔" اس نے میری بات کاٹ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "کرنل! اب ان بے ہودہ خدشات کو اپنے ذہن سے نکال دو اور کھلے دل کے ساتھ مجھ سے تعاون کرو۔ ڈینی کی رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔ اب اسے زیر دام آنا چاہیے۔ یہ کام تم کر سکتے ہو۔ ویرا کو میں خود دیکھ لوں گا۔"
"او کے گیری! میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے کرسی چھوڑ کر اس سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔
دروازہ کھول کر ہم دونوں اس کمرے سے باہر نکلے تو مجھے وہاں تک لانے والا شخص راہ داری میں ٹہل کر میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔
گیری مجھے اس کے حوالے کرنے کے بجائے میرے ساتھ راہ داری سے نکاس والے سرے کی طرف چل دیا۔ دوسرا امریکی خاموشی سے ہم دونوں کے پیچھے ہولیا۔ گیری شروع سے ہی تند خو اور انا پسند افسر نظر آیا تھا۔ میرے لیے اس کا وہ مساویانہ رویہ حیران کن تھا۔
راستے میں ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے لیکن میرا ذہن گیری کے رویے میں الجھا رہا۔ وہ لوگ میرے اور ویرا کے بارے میں اپنے سارے وسائل آزما چکے تھے۔ کسی مخبر کے لیے لاکھوں ڈالر کے خطیر انعامات کی بڑے پیمانے پر تشہیر کر چکے تھے لیکن ان کی وہ تمام کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی تھیں۔ میری زندہ یا مردہ حالت میں گرفتاری ان کی انا کا زخم بن چکی تھی۔ شاید گیری اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ڈینی کے خلاف کرنل داور وقت کی بساط کا سب سے طاقت ور مہرہ تھا جسے بہت زیادہ احتیاط اور احترام سے کھیل کر وہ ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ گیری کے اس احساس نے اسے میرے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔
برآمدے میں پہنچ کر گیری نے پرتپاک انداز میں مجھے رخصت کر دیا اور میں وہاں سے اتر کر پھاٹک کی طرف روانہ ہو گیا۔ وسیع و عریض پورچ سے پھاٹک کا فاصلہ طویل تھا۔ سر پر سورج پوری حدت اور توانائی کے ساتھ چمک رہا تھا اور میں وہ راستہ طے کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اس چار دیواری میں اپنے ملک کی سلامتی اور بقا کے خلاف ہونے والی پراسرار سازشوں سے باخبر ہونے کے باوجود ہم کب تک خاموش رہ سکیں گے۔
پھاٹک پر مامور عملے نے مسکراہٹوں کے ساتھ مجھے الوداع کہا اور میں فولاد سے بنے ہوئے مشینی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے گزر کر باہر فٹ پاتھ پر نکل گیا۔
میں ٹیکسی سے گھر پہنچا تو وہاں ایس ٹی ایف کے دو محافظوں کے سوا صرف غزالہ موجود تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ گھر سے غائب تھے۔

☆☆☆

خبر بہت چھوٹی سی تھی لیکن وہ ویرا کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔
میری زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ شیر دل ایک عیال دار مجرم تھا۔ وہ اپنے بچوں پر جرائم کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس نے بیوی بچوں کو شہر کے ایک صاف ستھرے علاقے میں رکھا ہوا تھا۔ بچے اچھے اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔
ویرا نے اخبار میں جب یہ پڑھا کہ شیر دل کی لاش کے حصول کے لیے کسی نے پولیس یا اسپتال سے رجوع نہیں کیا تھا اور شیر دل کی لاش کو لاوارث قرار دے کر ایدھی کے مردہ خانے بھجوا دیا گیا تھا تو وہ مضطرب ہو گئی۔
وہ خود ایک عورت تھی اور خوب جانتی تھی کہ مرد کیسا ہی

مردود اور نابکار کیوں نہ ہو، عورت مرنے کے بعد اپنے شوہر کو یوں لاوارث نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے لیے وہ چونکا دینے والا معاشرتی سانحہ ثابت ہوا تھا۔

وہ کچھ دیر تک غزالہ اور سلطان شاہ سے اس خبر پر تبادلہ خیال کرتی رہی۔

شیر دل بلاشبہ ایک سفّاک قاتل اور بھیانک مجرم تھا۔ سوبھراج کا ساتھ دے کر اس نے اپنا نام ملک کے غداروں کی فہرست میں بھی شامل کرلیا تھا لیکن سوبھراج کے سونپے ہوئے مشن میں ناکام رہنے کے بعد، میرے ورغلانے پر اس نے نک کو مروا کر ادھورا مشن پورا کردیا تھا۔ اس کی وہ کارگزاری ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ثابت ہوئی تھی۔

شاید ہم اسے معاف کردیتے لیکن وقت کا بے رحم پہیہ اس کے خلاف حرکت میں آچکا تھا۔ وہ اپنی بدقسمتی سے میرے ہاتھوں مارا گیا۔

کچھ دیر بعد ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

شیر دل کے گھر کا پتا چلانے کے لیے دھوبی گھاٹ کے علاقے میں اس کے اڈے پر جانا ناگزیر تھا۔ ویرا اس اڈے کے محلِ وقوع سے لاعلم تھی۔ باخبر ہوتی تب بھی پوچھ گچھ کے لیے اس علاقے میں جانے کا خطرہ مول نہ لیتی جہاں اس کا وجود سر سے پیر تک ایک اجنبی تماشا بن کر رہ جاتا۔ وہ کام سلطان شاہ بہتر انداز میں کرسکتا تھا۔

ویرا کے خدوخال خالص امریکی تھے۔ اس کی جلد کی میدے جیسی رنگت پاکستان کے گرم موسم کی تمازت سے خاصی جھلس گئی تھی۔ وہ اپنی رنگت کو گوری چٹی مقامی خواتین کے مقابلے پر لانے کے لیے گردن، چہرے اور ہاتھوں پر باقاعدگی سے وہ کریمیں بھی استعمال کرتی تھی جو دیارِ مغرب کے صاف ستھرے ماحول پر سن باتھ لینے والے اپنی جلد میں آفتابی کرنوں کے بہتر انجذاب کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی ویرا کی جلد کی رنگت اس کے غیر مقامی ہونے کی چغلی کھاتی رہتی تھی۔ اسے بس ایک کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ باقاعدگی سے کانٹیکٹ لینس استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی نیلی آنکھوں کا رنگ سیاہ نظر آتا تھا۔

ویرا ایک ہلکے پھلکے مقامی سوٹ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے روانہ ہوگئی۔ غزالہ نے اسے میری واپسی تک روکنا چاہا لیکن ویرا نے اس کے مشورے کو یکسر نظر انداز کردیا۔ وہ جانتی تھی کہ میں لوٹ آیا تو پھر وہ شیر دل کی بیوہ کی طرف جانے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ میرے لوٹنے سے پہلے وہ اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد تھی۔

دھوبی گھاٹ کے علاقے میں پہنچ کر اس نے وہی کیا جو سلطان شاہ نے میرے ساتھ کیا تھا۔ وہ اسے گاڑی سے اتار کر آگے نکل گئی۔

وہ شیر دل کا علاقہ تھا۔ وہ کوئی نیک آدمی نہیں تھا لیکن اپنے علاقے میں بہت مقبول تھا۔ ہر ایک افسردہ اور اس کی موت کے سوگ میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا۔

ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں سمجھا دیا تھا کہ اسے شیر دل کے اڈے کے نواح میں پہنچ کر یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اس کا بہت قریبی دوست ہے۔ اس کی موت کی خبر سن کر اس کے بیوی بچوں سے تعزیت کرنے کے لیے ایبٹ آباد سے کراچی آیا ہے۔

وہاں کے سوگوار ماحول میں ویرا کی بتائی ہوئی تدبیر بہت کارگر رہی۔ شیر دل کی موت کا قصہ تازہ تھا۔ انسان کی بے ثبات زندگی کے مآل پر ہر دل موم بنا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک پان والے سے بات کی تو اس نے بہت دھیان سے سب کچھ سنا اور بتایا کہ گلی میں شیر دل کے اڈے پر اس کے بہت سے سوگوار دوست جمع تھے جو اس کی رہنمائی کرسکتے تھے۔

سلطان شاہ اس بھیڑ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ دوستوں سے ملنا بے سود ہوگا۔ وہ سب اس کے لیے اجنبی ہیں۔ وہ شیر دل کے بیوی بچوں سے ملنا چاہتا ہے۔

پان والے کے لیے وہ ایبٹ آباد سے آیا ہوا ایک پردیسی تھا۔ غریب غربا پردیسیوں، مسافروں اور ایک دوسرے کے مہمانوں کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ اس نے سلطان شاہ کو ایک سال خوردہ سی چوبی بنچ پر بٹھایا، آئس بکس سے پاکولا کی ایک ٹھنڈی بوتل نکال کر زبردستی اسے تھمائی اور قریب سے جاتے ہوئے ایک لڑکے کو آواز لگا کر ہدایت دی کہ وہ استاد کے ڈیرے سے شیدے کو وہاں بلا لائے۔

اس لڑکے کے ساتھ جو شخص آتا ہوا نظر آیا وہ خاصی مضحکہ خیز شخصیت کا حامل تھا۔ اتنا دبلا پتلا کہ تیز ہوا سے اس کے اڑ جانے کا خوف آئے۔ دراز قامت، پچکے ہوئے گالوں اور دھنسی ہوئی آنکھوں والا لمبوترا چہرہ اور بالائی لب پر لمبی لمبی سیاہ مونچھیں اسے دور ہی سے نمایاں کررہی تھیں۔

رہی سہی کسر اس کے کپڑوں نے پوری کردی تھی۔ اس نے سیاہ قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی۔ قمیص کے گریبان، کالر اور آستینوں کے سروں پر سنہری کڑھائی کا کام بنا ہوا تھا۔ مجموعی

طور پر وہ مدقوق شخص بدمعاش سے زیادہ کسی سرکس کا مسخرہ معلوم ہورہا تھا۔

وہ دور سے سلطان شاہ کا جائزہ لیتا ہوا آرہا تھا مگر قریب آ کر وہ براہِ راست پان والے سے مخاطب ہوگیا۔ پان والے نے اسے سلطان شاہ سے ملایا تو وہ یہ جان کر بہت متاثر ہوا کہ وہ ایبٹ آباد سے صرف تعزیت کے لیے آیا تھا۔

اس نے اچانک سلطان شاہ سے ہندکو میں بات شروع کردی۔ پشتو کی طرح سلطان شاہ کو اس زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ پان والے نے اس کے بیان کی سچائی آزمانے کے لیے شیر دل کے اڈے سے کسی ایسے آدمی کو بلایا ہوگا جو ایبٹ آباد میں کثرت سے بولی جانے والی زبان پر عبور رکھتا ہو۔

دونوں کے درمیان چند منٹ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں شیدے نے بتایا کہ وہ لوگ تین دنوں تک انتظار کریں گے کہ کوئی رشتے دار ایدھی کے مردہ خانے سے مرحوم استاد کی لاش لے جائے۔ کوئی نہ پہنچا تو استاد شیر دل کی لاش حاصل کر کے تیسرے دن اس کی تجہیز و تکفین کی ہوئی میت کی تدفین کا ارادہ کرلیا تھا۔

اس نے سلطان شاہ کو دعوت دی کہ وہ اس وقت تک کراچی میں رکا رہے تو استاد کے جنازے میں ضرور شرکت کرے۔

استاد کی بیوی کا ذکر کرتے ہوئے شیدے کا لب ولہجہ رازدارانہ ہوگیا۔ اس نے بتایا کہ اس کا استاد کھلے دل کا ایک یار باش آدمی تھا اور اپنے دھندوں کی وجہ سے گھر بار سے دور رہتا تھا۔ اس کی وصیت تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے گھر سے کوئی نہ آئے تو گھر والوں کو نہ چھیڑا جائے۔ دوست اور شاگرد اسے دفنا دیں۔

اس عجیب وصیت کے بارے میں شیدے نے سلطان شاہ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کردیا لیکن اسے پردیسی سمجھ کر ناظم آباد کے اس گھر کا پتا بتا دیا جہاں شیر دل کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔

پان والا اپنی گدی پر بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ آنے جانے والے گاہکوں کو تیزی سے نمٹا رہا تھا۔ سلطان شاہ کو پورا یقین تھا کہ وہ شیر دل اور اس کے آدمیوں کا خاص مخبر تھا جو گلی کے نکڑ پر پان کی دکان کی صورت میں ایک اہم مورچا سنبھال کر بیٹھا ہوا تھا۔

سلطان شاہ نے پاکولا کی بوتل ختم کی۔ پان والے اور شیدے کو الوداع کہا۔ شیدا اس سے گلے ملنے کے لیے اس کی بانہوں میں آیا تو سلطان شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی استخوانی ڈھانچے کو گلے سے لگالیا ہو۔

اپنے اہم ترین کام سے نمٹ کر وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے چند قدم کے فاصلے پر ایک رکشا خالی ہوتا نظر آیا۔

اس نے مڑ کر دیکھا تو شیدا واپس نہیں گیا تھا۔ پان کی دکان کے پاس کھڑا، سلطان شاہ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ نے اس کام کو اپنے لیے سہل تصور کیا تھا لیکن اس مرحلے پر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ لڑنے مرنے والے لوگ تھے۔ شیدے کو ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے تو بات وہیں بگڑ سکتی تھی۔

وقت کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ سلطان شاہ خالی رکشے میں بیٹھ کر کہیں بھی روانہ ہوجائے تاکہ شیدے کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔

اگر اس وقت سلطان شاہ دستیاب سواری استعمال کرنے کے بجائے اسے نظر انداز کرکے ویرا تک پہنچنے کے لیے آگے بڑھتا تو شیدے کی نگاہیں اس کا پیچھا کرتی رہتیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی لڑکے کو اس کے پیچھے لگا دیتا۔

اگر وہ لوگ اس بات سے واقف ہوجاتے کہ آگے کوئی گوری چٹی، فیشن ایبل لڑکی سلطان شاہ کا انتظار کررہی تھی تو وہاں کچھ ہوتا یا نہ ہوتا، ان دونوں کے لیے شیر دل کے ناظم آباد والے گھر پہنچ کر اس کی سابقہ بیوی اور حالیہ بیوہ سے ملنا ناممکن ہوجاتا۔

سلطان شاہ کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ مڑ کر شیدے کی طرف دیکھتے ہی اس نے سوچا اور رکشا خالی ہوتے ہی اس میں سوار ہوگیا۔

''ناظم آباد چلو!'' اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

ڈرائیور نے میٹر گھمایا اور رکشا وہیں سے واپس موڑ لیا۔

پان والے کی دکان کے قریب سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے دیکھا کہ شیدا مٹھی میں دبی ہوئی سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے چلتے رکشے میں سے اس کی طرف ہاتھ ہلایا تو شیدے نے بھی جواب میں ہاتھ لہرایا اور رکشا آگے نکلتا چلا گیا۔

گندی ندی کے ساتھ وہ سڑک سیدھی تھی۔ سلطان شاہ کو رکشے میں کم از کم اتنی دور ضرور جانا تھا کہ وہ شیدے اور پان والے کی نظروں سے اوجھل ہوجاتا۔

اس نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو اسے ویرا سے الگ ہوئے نصف گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

دونوں کے درمیان طے شدہ پروگرام کے مقابلے میں ویرا کو اگلے نکڑ پر انتظار کرتے ہوئے کم از کم سات منٹ ہو چکے تھے۔

ویرا بہت سادہ مزاج کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ عام طور پر میک اپ سے بے نیاز رہتا تھا لیکن اپنے رنگ روپ کی وجہ سے وہ معمولی کپڑوں میں بھی فیشن ایبل نظر آتی تھی۔ اس کے لیے تیسرے درجے کے اس علاقے میں زیادہ دیر تک رکنا اور آوارہ مزاج شہدوں کے آوازوں کو برداشت کرنا بہت کٹھن کام تھا۔

سلطان شاہ سوچ رہا تھا کہ وہ رکشے میں چلا جارہا تھا اور ویرا بے چاری مقررہ مقام پر گاڑی میں بیٹھی اس کے انتظار میں سوکھ رہی ہوگی۔

سلطان شاہ نے مڑکر دیکھا اور خوشی سے اس کا دل بلّیوں اچھل پڑا۔

وہ مڑکر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ شیدے وغیرہ کی نگاہوں کی رسائی سے دور آچکا ہو تو رکشا وہیں رکوا کر اتر پڑے لیکن اسے زیادہ دور تک نظریں اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ رکشے سے کچھ فاصلے پر ویرا کی گاڑی چلی آرہی تھی۔

اس کے مڑنے پر ویرا نے ہلکا سا ہارن بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سلطان شاہ نے اس سے پہلے ہی ویرا کو دیکھ لیا تھا۔

سڑک کے گنجان اور تنگ حصے پر وہ سفر یوں ہی جاری رہا۔ ویرا کو دیکھ لینے کے بعد سلطان شاہ کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اسے ویرا کی تلاش میں واپس نہیں جانا تھا۔ کسی بھی مناسب مقام پر وہ رکشا رکوا کر اترتا اور ویرا کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو جاتا۔

سڑک کشادہ ہوتے ہی سلطان شاہ نے رکشا رکوالیا۔ ڈرائیور نے حیرت ضرور ظاہر کی کہ وہ ناظم آباد جانے کے بجائے راستے میں اتر رہا تھا لیکن معترض نہیں ہوا۔ میٹر میں ظاہر ہونے والی رقم دو ہندسوں تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ سلطان شاہ نے دس دس کے دو نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھے اور رکشا چھوڑ دیا۔

ویرا نے کچھ دور اپنی گاڑی سڑک سے قدرے اتار کر روک لی تھی تاکہ پیچھے سے آنے والے ٹریفک کی روانی میں کوئی خلل نہ پڑے۔

رکشے سے اتر کر سلطان شاہ فوری طور پر ویرا کی طرف نہیں گیا۔ رک کر یوں جیبیں ٹٹولتا رہا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ چند ثانیے اسی طرح گزار کر وہ واپس لوٹا اور دروازہ کھول کر ویرا کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

''مجھے وہاں چھوڑ کر رکشے میں کہاں بھاگے جارہے تھے!'' ویرا نے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوتے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

''شیردل کے گرگوں سے بات کرکے سیدھا تمہاری طرف آتا تو میرے ساتھ تم بھی ان کے چکر میں پھنس جاتیں۔ میں تھوڑی دور جاکر رکشا چھوڑ دیتا اور کسی دوسرے راستے سے ذرا سی دیر میں تمہاری گاڑی تک لوٹ آتا۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''اس گنجان آبادی کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں راستہ تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ تم ندی کی دیوار کے ساتھ اندر ہی اندر چلتے ہوئے آسکتے تھے۔''

''تمہارے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا۔ اچھا ہوا کہ تم نے مجھے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور میں واپسی کی زحمت سے بچ گیا۔''

''میرے لیے کچھ نہ کچھ کرنے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا مجھ میں سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''تم بلاوجہ ہر بات کا مطلب نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بے چارگی سے کہا ''میں اسی لیے تمہارے ساتھ آنے سے انکار کررہا تھا۔''

''میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گی۔'' ویرا تنک کر بولی ''یہ یاد رکھو کہ حرکت میں برکت ہے۔ ہم گھر سے نکلے ہیں تو کچھ نہ کچھ کرکے واپس لوٹیں گے۔ تم کیا تیر مار کر آئے ہو۔''

''بھالا مارا ہے۔ شیردل کی بیوہ کا پتا مل گیا۔'' وہ بولا۔

''وری گڈ۔ تو اب ہمیں کہاں جانا ہے۔''

''ناظم آباد!'' سلطان شاہ نے مختصر ترین جواب دیا۔

''نام سنا ہوا ہے مگر وہ علاقہ میرا دیکھا ہوا نہیں ہے۔ تمہیں راستہ بتانا پڑے گا۔''

''سیدھی چلتی رہو۔ آگے یہ سڑک داہنی طرف گھوم جائے گی۔''

نشتر روڈ پر ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ سے ویرا بوکھلا گئی۔ ٹریفک میں کوئی نظم و ضبط نہیں تھا جس کو جہاں راہ مل رہی تھی وہ ادھر گاڑی گھمارہا تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اسے سلطان شاہ سے رہنمائی لینی پڑرہی تھی۔

پاکستان کوارٹرز سے ذرا آگے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کو سونپ دی اور خود اطمینان سے برابر والی نشست سنبھال لی۔

''یہ تم نے اچھا کیا۔'' سلطان شاہ نے گاڑی سڑک پر

دوڑاتے ہوئے مسرت سے کہا ''ڈرائیور عورتوں کے برابر میں بیٹھے ہوئے مرد مجھے احمق اور گاؤدی لگتے ہیں۔''
''فکر نہ کرو۔ تم اسٹیرنگ وہیل کے پیچھے بھی ایسے ہی نظر آ رہے ہو۔''
''ویرا! کیا میں واقعی تمہیں ایسا لگتا ہوں؟'' سلطان شاہ نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔
''ارے نہیں...... میں مذاق کر رہی تھی۔'' وہ جلدی سے بولی اور اس نے اپنا داہنا ہاتھ بے اختیار اس کے شانے پر رکھ دیا۔
''مہربانی کر کے اپنا ہاتھ ہٹالو۔ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ ضرور برقرار رہنا چاہیے ورنہ میری کھوپڑی سنک سکتی ہے۔''
''کیا واقعی!'' ویرا نے مسرت سے پوچھا ''کھوپڑی سنک گئی تو تم کیا کرو گے۔''
''گاڑی پر لعنت بھیجوں گا اور اتر کر پیدل گھر چل دوں گا۔''
ویرا نے جھلّا کر اس کا شانہ نوچا اور اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا ''تم بہت خشک آدمی ہو۔ عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ تمہیں چھو کر بھی نہیں گزرا۔''
''شکر ہے کہ اس وقت تم نے اپنا عورت ہونا تسلیم کر لیا ورنہ ابھی تک لال لگام لگا کر لڑکی ہونے کے دعوے کرتی رہتی تھیں۔'' اس نے برجستہ کہا۔
''خاموشی سے گاڑی چلاتے رہو۔ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔''
''پہلی بات یہ کہ میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔ اپنی مرضی سے گنگنا کر گاڑی چلاؤں گا اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھ سے دور ہی رہنا۔ کوئی بھی نرم چیز میرے منہ سے لگتی ہے تو کچا کچا کر اسے چبا ڈالنے کو دل چاہتا ہے۔''
''تمہاری ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اندر سے اتنے سیدھے نہیں ہو جتنا نظر آنے کی کوشش کرتے ہو' صنف لطیف کے بارے میں تمہارے ذہن میں ہمیشہ تشدد جھلکتا ہے نفسیاتی اصطلاح میں تم کو اذیت پرست کہا جا سکتا ہے۔''
''تمہاری جیسی باتیں کوئی مرد کرے تو میں اسے اذیت کے اظہار پر معاف نہیں کروں گا بلکہ اسے اس عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ اس میں عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں' یہ جیسے کو تیسا والی بات ہے'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔
''کسی بے لباس لڑکی کو رسیوں سے باندھ کر چمڑے کے چابک سے مارنے کے بارے میں تمہارا ذہن کیا کہتا ہے'' ویرا نے اسی کے جواب کو نظر انداز کر کے پوچھا۔
''کبھی ایسا تجربہ نہیں کیا'' وہ بے رخی سے بولا'' میں تصورات کی دنیا میں نہیں رہتا' عملی آدمی ہوں تمہاری طرح فضول باتوں میں اپنا سر نہیں کھپاتا۔''
''کیا میری باتیں فضول لگتی ہیں!'' ویرا نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔
''کبھی کبھی ایسا لگتا ہے'' سلطان شاہ کی بے پروائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔
''اچھا سچ سچ بتاؤ کہ کبھی کسی لڑکی سے تمہاری دوستی رہی ہے'' ویرا نے اپنی نشست میں پہلو بدل کر اچانک سوال کیا'' گاؤں' شہر یا تمہارے قصبے کی کوئی لڑکی۔''
''تم میری زبان سے کیا اگلوانا چاہ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
''کچھ نہیں میں تمہارے دل کو ٹٹولنا چاہتی ہوں' ویرا کی آواز دھیمی ہو گئی۔
''ناممکن ہے وہ پسلیوں کے پنجرے میں بند ہے تمہاری وہاں تک رسائی نہیں ہے' سلطان شاہ کا لب و لہجہ بے رحمانہ تھا۔
''کبھی تمہارے دل میں خیال نہیں آتا کہ تم بھی ڈیزی اور غزالہ کی طرح سکھ کی زندگی گزارو کوئی دردمندی کے ساتھ تمہاری خبر گیری کرنے والا ہو جس سے تم اپنے دل کی ہر بات بلاخوف خطر کہہ سکو' جو ہمیشہ تمہارے لئے فکر مند نظر آئے۔''
''کبھی کبھی خیال آنے لگا ہے۔ وہ دونوں مثالی اور قابلِ رشک زندگی گزار رہے ہیں'' اس بار سلطان شاہ بہت سنجیدہ تھا۔
''پھر اپنے آس پاس دیکھو کسی کو تلاش کرو دکھ سکھ کے لمحوں کے کسی ساتھی کے بغیر زندگی کا طویل سفر گزارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔''
''اوہ!'' وہ چونک کر بولا'' کیا تم میرے لئے اپنا رشتہ تجویز کر رہی ہو؟''
''لعنت ہے تمہاری صورت پر!'' ویرا نے اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں پھیلا کر ہتھیلی اس کے چہرے پر ٹکا دی'' میں کروں گی تم سے شادی! اپنی صورت دیکھی ہے تم نے آئینے میں۔''
سلطان شاہ کا سوال ایسا بے تکا تھا کہ اس پر ویرا کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔ دونوں کے درمیان مفاہمانہ فضا میں ہونے والی گفتگو یکا یک تکدر کا شکار ہو گئی' سلطان شاہ کے چڑانے والے

سوال کا وہی جواب ہو سکتا تھا جو تنک کر ویرا نے دیا تھا۔

''مم...... میرا یہ مطلب نہیں تھا'' سلطان شاہ نے بوکھلا کر مدافعانہ انداز میں کہا'' دیکھونا...... اس وقت میرے آس پاس تو صرف تم ہی ہو......''

''مجھے معلوم ہے تم اتنے ہی بھولے ہو'' وہ زہریلے لہجے میں غرائی'' پانی کو مما اور روٹی کو چوچی کہتے ہو۔ اب بک بک مت کرو' کوئی اور بونگی بات کی تو میں تماشا بننے کی پروا کیے بغیر ہاتھ مار دوں گی۔''

سلطان شاہ نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کے تیور واقعی بہت خراب تھے۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے ویرا سے وہ ٹیڑھا سوال کیوں پوچھا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان اسے نازک موضوع پر براہِ راست گفتگو کا زیادہ دیر تک جاری رہنا ناممکنات میں سے تھا۔

چند منٹ پہلے سلطان شاہ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا تو ویرا بدک رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ویرا راہ پر آئی تو سلطان شاہ نے اپنے ناموزوں سوال سے اسے پٹری سے اتار دیا۔

وہ آپس میں کچھ طے کرنے کے قابل تھے اور نہ دوسروں کے سامنے سنجیدگی سے وہ اہم باتیں کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کیا تھا یہ وہی جانتے تھے دونوں میں سے کسی نے اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ویرا چند ثانیوں تک منہ پھلائے خاموش بیٹھی رہی پھر اس نے اپنے غصے کے اظہار کے لئے سگریٹ سلگا کر بلاوجہ پھونکنی شروع کر دی۔

سلطان شاہ بظاہر پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف رہا لیکن وہ بار بار چور نظروں سے ویرا کے تنے ہوئے' بھبھوکا چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ ویرا کی مزید برہمی کے خوف سے اس کے ہونٹ بند رہے اور وہ خلوص دل سے چاہتے ہوئے بھی ویرا سے معذرت کے دو بول نہیں کہہ سکا۔

باہمی کشیدگی کی اسی کیفیت میں وہ ناظم آباد تھانے کے عقب میں پھیلے ہوئے پرسکون رہائشی علاقے میں شیر دل کا گھر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

گھنٹی کے جواب میں ایک خوش رو اور صحت مند عورت نے دروازہ کھولا جس کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ اس کی سوالیہ نظریں سلطان شاہ کے چہرے سے پھسل کر ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''میرا نام مریم ہے'' ویرا نے بہت نرمی اور شائستگی سے کہا'' میں عورت فاؤنڈیشن سے آئی ہوں۔ کیا میں کچھ دیر کے لیے تمہارے گھر میں آسکتی ہوں۔

''میرے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے'' اس عورت نے سلطان شاہ پر ایک نگاہ ڈال کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا'' تم اکیلی اندر آسکتی ہو۔''

''تم گاڑی میں بیٹھو' ویرا نے پلٹ کر سلطان شاہ کو ہدایت دی'' میں مسز شیر دل سے بات کر کے کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔''

ہدایت پسندیدہ نہیں تھی لیکن مسز شیر دل کی خواہش کا احترام لازمی تھا۔ سلطان شاہ سائے میں کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ عورت ویرا کو اپنے ساتھ لے کر اندر پہنچی تو ویرا کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈرائنگ روم مختصر تھا لیکن آرام و آسائش کی بیش قیمت اشیا سے لدا ہوا تھا۔ وہ مسز شیر دل کی چال ڈھال اور مختصر سی گفتگو سے اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ عورت تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ اس کا پھوہڑ پن اس کمرے کی آرائش کے ہر پہلو میں نمایاں تھا۔

''مجھے تمہارے شوہر کی ناگہانی موت پر گہرا دکھ ہے لیکن قانون سے کھیلنے والوں کا آخری انجام یہی ہوتا ہے جسے وہ ہر وقت بھولے رہتے ہیں'' ویرا نے بات شروع کی۔

عورت نے رونے کی آواز دبانے کے لیے اپنے دونوں ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیے لیکن اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کے گوشوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

''میری زندگی میں یہ برا وقت بھی آنا تھا'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی'' تم میرے مرد کو کیسے جانتی تھیں؟''

''میں کسی کو نہیں جانتی۔ ہم لوگ بے سہارا عورتوں کی مدد کرتے ہیں۔ شیر دل کی موت کی خبر ملی تو تمہاری تلاش میں نکلے۔ دھوبی گھاٹ سے یہاں کا پتا چلا تو ادھر آ گئے مجھے تمہارے دکھ اور غم کا پورا پورا احساس ہے......''

ویرا کی بات سن کر وہ عورت چونکی اور پھر اس کی بات کاٹ کر بولی'' شیر دل تو کہتا تھا کہ اس کے اڈے کے پتے سے کوئی یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ یہ گھر بس دو آدمیوں کو معلوم ہے اور وہ کسی کو یہاں کا پتا نہیں بتا سکتے پھر تم کیسے یہاں پہنچ گئیں؟''

''ہم تمہاری مدد کرنے کے لیے آئے تھے' شیدا نامی ایک آدمی نے پتا بتا دیا۔''

''اچھا...... تو شیدا نے تمہیں پتا بتایا ہے۔ بتاؤ تم میری کیا مدد کرو گی؟''

''کسی اور بات سے پہلے یہ جاننا چاہوں گی کہ تم نے شیر دل کی لاش لینے کے لیے اب تک اسپتال وغیرہ سے کیوں رجوع نہیں کیا۔''

''مرنے والے کی یہی خواہش تھی'' وہ ایک گہرا سانس لے کر دردناک آواز میں بولی ''وہ پڑھا لکھا تھا نہ اس کے پاس کوئی ہنر تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اپنے سائے سے بھی بچانا چاہتا تھا۔ اسے یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ اس کے بچوں کو ایک مجرم کی اولاد ہونے کے طعنے دیں۔ اس کے ساتھی اور دوست اسے دفنا دیں گے۔''

''کیا بچوں کو پتا نہیں چلے گا کہ ان کا باپ مارا گیا ہے۔'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں.....شاید کبھی نہیں'' اس نے مغموم انداز میں سر ہلا کر کہا ''ان کو بتایا گیا ہے کہ ان کا باپ ایک تاجر ہے اور کاروبار کے سلسلے میں باہر جاتا رہتا ہے۔ وہ ہفتے پندرہ دن میں ہم سب سے ملنے کے لئے یہاں آتا تھا اور خاموشی سے ایک دو راتیں گھر میں گزار کر چلا جاتا تھا اس بار وہ نہیں آئے گا تو بچے پریشان ہوں گے۔ میں انہیں دلاسے دوں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں صبر آجائے گا۔ وہ سمجھ لیں گے کہ ان کا باپ کہیں کام آچکا ہے۔''

''اسے مجرموں سے اتنی نفرت تھی تو وہ خود مجرم کیوں بن گیا۔ تم نے اسے اس راستے پر چلنے سے کیوں نہیں روکا؟'' ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے اسے ایک امیر تاجر سمجھا تھا۔ میرے گھر والے اس کے خلاف تھے۔ اس نے مجھے گھر سے بھاگ کر شادی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ فیصل آباد کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ میرے نصیب پھوٹے تھے کہ میں ایک دن گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ کراچی بھاگ آئی اور ہم نے شادی کر لی۔ اس کے اصل دھندوں کا مجھے اس وقت پتا چلا جب میں اس کے ایک بچے کی ماں بن چکی تھی'' بات بات کرتے اس نے اپنے دوپٹے میں منہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''صبر سے کام لو'' ویرا نے اٹھ کر اسے دلاسا دیا ''اب ماضی پر رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بڑوں کی عزت خراب کر کے جو کام کیے جاتے ہیں ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ غلط آدمی تھا اور آخر کار ان ہی چکروں کا ایندھن بن گیا اب اس سے تمہارا پیچھا چھوٹ چکا ہے۔''

اچانک اس نے اپنے منہ سے دوپٹا ہٹایا اور آنسو بھری سرخ آنکھوں سے ویرا کو گھورتے ہوئے دبی دبی آواز میں کسی شیرنی کی طرح غرائی۔ میرے سامنے دوبارہ ایسی بات کبھی تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔ وہ میرا مرد تھا میرا سہاگ تھا اب میری مانگ اجڑ چکی ہے میرا پوچھنے والا کوئی نہیں رہا۔ میں بے سہارا ہو گئی' میرے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو گئے اور تم کہہ رہی ہو کہ اس سے میرا پیچھا چھوٹ گیا یہ بات اب نہ کہنا۔

اس عورت کا لہجہ بہت خوں خوار اور جارحانہ تھا' رندھی ہوئی غراہٹ میں عجیب سی دہشت تھی۔ ویرا سہم کر رہ گئی۔

وہ اس عورت کی ذہنی کیفیت کو سمجھنے سے یکسر قاصر تھی۔ وہ شیر دل کو برا کہہ رہی تھی اور پھر اس کے مرجانے پر اپنے مان ٹوٹ جانے کا شکوہ بھی کر رہی تھی۔ محبت اور نفرت کے ملے جلے جذبوں میں گندھی ہوئی باتیں ویرا کے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔

''بعد میں اس نے تمہیں یہ تو بتایا ہوگا کہ وہ غلط راستوں پر کیسے پڑ گیا'' چند لمحوں کے اعصاب شکن سکوت کے بعد ویرا نے پوچھا۔ اس بار اس نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ جرم یا مجرم کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا تھا۔

''پرانی کہانی تھی اس بے چارے کی'' وہ دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی ''اس کی ماں بچپن میں مر گئی تھی باپ نے دوسری شادی کر لی سوتیلی ماں سے تنگ آ کر وہ گھر سے بھاگ گیا اور برے لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ اسے خوب استعمال کرتے رہے' جوان ہوا تو وہ خود بہت برا آدمی بن چکا تھا لیکن دولت سے اپنے سب عیب چھپائے رکھتا تھا' تم کو میرے مرد کی ان ساری باتوں سے کیا دلچسپی ہے۔''

''ہم جاننا چاہتے ہیں تاکہ دوسری لڑکیوں کی زندگی برباد ہونے سے بچا سکیں۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا'' وہ دکھی لہجے میں بولی ''جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ میرے مرد کے مقدر میں مرنا لکھا ہوا تھا' وہ مجھے چھوڑ کر مر گیا۔''

''خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر مرا ہے'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں بھرے ہوئے ساز و سامان پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''بہت سے لوگ دنیا میں کچھ لیے بغیر چلے جاتے ہیں اور ان کے بچے فاقوں میں پل کر بڑے ہوتے ہیں۔''

''جو کچھ ہے وہ یہی ہے'' وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف گھماتے ہوئے بولی ''میرے پاس دس بیس ہزار کی نقدی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سارے خرچے وہ خود پورے کرتا تھا۔ یہ پیسے کب تک میرا ساتھ دے سکتے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی دل میں اس کا خوف رکھنے والے لوگ زندہ ہیں۔ کل ایک آدمی پُرسہ دینے آیا تھا آج تم آئی ہو۔ کیسا

اندھیر ہے کہ میرا مرد مر گیا۔ میں دل کھول کر رو سکتی ہوں نہ اس کی میت گھر لا سکتی ہوں میرے گھر کل دو آدمی اس کی موت کا پرسہ دینے آئے ہیں......"

وہ بہک رہی تھی۔ خود کو سنبھالے رکھنے کے باوجود اندر سے بکھری ہوئی تھی پیسوں کی بات ادھوری رہ گئی تھی' ویرا کو اس کے بارے میں تجسس تھا۔ اس نے عورت کی بات کاٹ کر کہا "تم ابھی کسی کی خداترسی کی بات کر رہی تھیں۔"

"پتا نہیں وہ کون تھا مجھے بچوں کی تعلیم اور پرورش کیلئے دو لاکھ روپے دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ میرے آدمی نے اس کا کوئی بڑا کام کیا تھا۔ معاوضہ لینے سے پہلے وہ مر گیا وہ بچوں کا حق انہیں دینے کے لیے آیا تھا۔"

وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ دو لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی' اس معاوضے کا کوئی گواہ تھا اور نہ دعوے دار پھر بھی وہ ایمان دار اور خداترس شخص از خود چل کر اس عورت کے پاس پہنچا تھا اور اسے وہ رقم ادا کر کے چلا گیا تھا۔

وہ ذکر سنتے ہی ویرا کے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ اسے فوری طور پر یاد آیا کہ مرنے سے پہلے شیر دل نے صرف ایک بڑا کام کیا تھا کہ کفیل کے ذریعے نک ہاروے کو اس کے گھر میں مروا دیا تھا۔

اپنے اعترافی بیان کے مطابق وہ عام آدمیوں کے قتل کا معاوضہ ایک سے ڈیڑھ لاکھ تک لیتا تھا۔ نک بہت خاص آدمی تھا۔ اسے زبردست تحفظ اور مراعات حاصل تھیں۔ اس پر شیر دل کو خود وار کرنا تھا۔ اسے یہ کام سونپنے کے وقت سوبھراج انتقام کی آگ میں جل رہا تھا' عین ممکن تھا کہ اس نے نک کے قتل پر دو لاکھ روپے کے معاوضے کی پیشکش کی ہو۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ اصل بات ایک لاکھ کی ہی رہی ہو لیکن شیر دل کی موت کی وجہ سے سوبھراج نے اس کے ورثاء کے لئے دو لاکھ روپے بھجوا دیے ہوں تاکہ زیرزمین دنیا میں اس کی فیاضی اور دریا دلی کی شہرت ہو۔

شیر دل کے بیوی بچے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے لیکن شیر دل کے ایک دو مقربین سے اس کی بیوی کا رابطہ اور واسطہ رہتا تھا۔ سوبھراج کو پورا یقین رہا ہوگا کہ وہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی' زیرزمین دنیا میں سینہ بہ سینہ سفر کرے گی جس کے نتیجے میں اس کی ساکھ برقرار رہے گی اور شہر کا ہر بدمعاش اس کے ایک اشارے پر اپنی گردن کٹوانے کے لیے تیار رہے گا۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی ویرا نے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر دی۔ اس عورت کا زخم تازہ تھا اس کے لئے پیسے سے زیادہ قیمتی اس کے مرد کی جان تھی جو ضائع ہو چکی تھی۔ دورانِ گفتگو وہ بار بار بہکتی اور جانے والے کو روتی رہی۔ اسے دوبارہ مطلوب موضوع کی طرف لانے کے لئے ویرا کو دیر تک اس کی چاپلوسی کرنا پڑی۔

بات بہت دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی۔ ویرا کی یہ کوشش بھی آڑے آ رہی تھی کہ وہ عورت اس کا مدعا نہ بھانپ سکے' ان باتوں میں یہ معمّا بھی حل ہو گیا کہ وہ بار بار اپنے جن بچوں کا ذکر کر رہی تھی وہ کہیں نظر کیوں نہیں آ رہے تھے۔

ان بچوں کی تعداد تین تھی' بڑی بیٹیوں کی عمریں سات اور چھ سال تھیں چھوٹا بیٹا پانچ سال کا تھا۔ وہ جولائی کا مہینہ تھا' اسکولوں کی گرمیوں کی تعطیلات میں تینوں بچے اپنے ماموں کے ساتھ فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ وہ خود شہر نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ اس کے آدمی کے گھر آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ وہ ہفتے پندرہ دن میں جب بھی موقع ملتا گھر آ جاتا تھا۔ اس وفا شعار عورت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کا بگڑا ہوا شوہر اپنی بدمعاشیوں کے بھنور نکل کر گھر آئے تو وہاں اسے خوش آمدید کہنے والا کوئی نہ ہو۔ وہ دروازے پر تالا پڑا ہوا دیکھے اور مایوس ہو کر دوبارہ اپنی گناہوں کی دنیا میں لوٹ جائے۔

پچھلے روز آنے والے نے شیر دل کی بیوی کو اپنا کوئی نام نہیں بتایا تھا۔ اگر ویرا کا نظریہ درست تھا تو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی' ناظم آباد کے اس گھر کے دروازے پر آ کر شیر دل کا نام لینے والا کوئی خاص آدمی ہی ہو سکتا تھا۔

شیر دل سوبھراج کا دستِ راست تھا' اس اعتبار سے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے خاص آدمی تھے۔ اگر سوبھراج کو شیر دل کے اڈے کے ساتھ اس کے خفیہ گھر کا پتا بھی معلوم تھا تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی۔ اس کے ایما پر اس کا کوئی بھی آدمی وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ویرا کو اشارے مل رہے تھے کہ وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔ وہ شیر دل کی بیوی سے ہمدردی جتا کر اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ اسے عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے بچوں کی اسکول فیس کی صورت میں مسلسل ماہانہ امداد ملتی رہے گی۔

عورت فاؤنڈیشن کے مالی وسائل کا ذکر کرتے ہوئے اس نے عورت کو یہ بتایا کہ فاؤنڈیشن شہر کے مخیر حضرات کے تعاون سے اپنا کام آگے بڑھا رہی تھی۔ اگر وہ اسے دو لاکھ روپے پہنچانے والے خداترس آدمی کا کوئی پتا یا ٹھکانا بتا سکے تو یہ عورت فاؤنڈیشن پر ایک احسان ہوگا۔ شاید وہاں سے اسے بھی کوئی گراں قدر عطیہ مل سکے۔

ویرا کے مسلسل اور عاجزانہ اصرار کے سامنے وہ عورت بے بس ہوگئی۔ فیسوں کی ماہانہ ادائیگی کے لئے ویرا اس کے بچوں اور اسکولوں کے ضروری کوائف دریافت کر کے نوٹ کر چکی تھی۔ اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ فراخ دل شخص اسے اپنا فون نمبر دے کر گیا تھا تا کہ کسی مصیبت کے وقت وہ مدد کے لیے شیر دل کے حوالے سے اس فون نمبر پر پیغام دے دے۔

وہ عورت بچوں کی کسی کاپی پر لکھا ہو وہ نمبر تلاش کرنے کے لئے گھر کے اندرونی حصے کی طرف گئی تو خوشی کے باعث اس کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

وہ آگ لینے کے لئے آئی تھی مگر اسے پیغمبری مل رہی تھی۔ شیر دل کی بیوہ سے ملنے کا ارادہ کرتے ہوئے یہ بات اس کے قیاس میں بھی نہیں تھی کہ اس طرف سے سوبھراج اور شہر کے بدمعاشوں کے درمیان ہونے والے اہم ترین لین دین کی کوئی کڑی بھی مل جائے گی۔ لیکن اس غیر تعلیم یافتہ عورت کے تازہ زخم اور غیر محتاط انداز گفتگو کے باعث ویرا ایک بڑی کامیابی کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ اسے گھر میں بیٹھے کافی وقت گزر چکا تھا اور سلطان شاہ گاڑی میں کسی اداس اُلّو کی طرح اکیلا بیٹھا بری طرح بھنّا رہا ہوگا لیکن وہ مجبور تھی۔ اپنے شروع کئے کام کو ادھورا چھوڑ کر واپس جانا اس کے بس سے باہر تھا۔

چند منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد وہ اسکول کی ایک کاپی لے آئی۔ اس کے درمیانی صفحے پر بال پین سے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ نمبر بہت آسان تھا ویرا کو ایک نظر میں زبانی یاد ہوگیا لیکن وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

اس نے پرس سے قلم اور کاغذ نکال کر وہ نمبر نوٹ کیا اور دونوں چیزیں بے پروائی سے اپنے پرس میں ڈال لیں۔

''دعا کرو کہ یہ نیک آدمی عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہماری فاؤنڈیشن کا بھی ساتھ دے یہ کام بن گیا تو میں ہمیشہ تمہاری شکر گزار رہوں گی'' ویرا نے اس سے کہا۔

''مجھے دو بندے میرے آدمی کا پرسہ دینے کے لئے آئے اور دونوں ہی نیکی کے فرشتے نکلے'' وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں بولی ''بس یہ خیال رکھنا کہ میرے بچوں کی فیس دس تاریخ سے پہلے جمع ہو جایا کرے، دو لاکھ روپے میں بینک میں ڈال دوں گی۔''

فون نمبر مل جانے کے بعد ویرا پر لگا کر وہاں سے اڑ جانا چاہ رہی تھی' اس نے اٹھتے ہوئے کہا ''تم فکر نہ کرو میں دو چار روز میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گی۔ تمہارے گھر پر فون تو لگا ہوا ہے نا۔''

''نہیں!'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔ ''میری اور شیر دل کی دوستی فون سے شروع ہوئی تھی۔ اس نے یہاں فون نہیں لگوایا۔ وہ کہتا تھا کہ فون پر آوارہ مرد سیدھی سادی عورتوں کو آسانی سے پھانس لیتے ہیں یہ شیطانی چرخہ ہے۔''

ویرا نے دل ہی دل میں سوچا کہ مرنے والا ہر ایک کو اپنے جیسا سمجھتا تھا۔ اس نے فون کے غلط استعمال سے اپنی بیوی کو نکاح سے پہلے اپنے جال میں پھانس کر اس کی زندگی برباد کی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے گھر میں فون کیسے برداشت کرسکتا تھا۔

اس نے عورت کو کوئی جواب نہیں دیا' مسکرا کر رہ گئی۔

چند ثانیوں بعد ویرا اس الم رسیدہ اور تنہا عورت کو الوداع کہہ کر اس گھر سے نکل آئی۔

سلطان شاہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا' پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسی گھر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے غصے کا اندازہ لگاتے ہوئے ویرا نے تقریباً دوڑ کر سڑک عبور کی اور دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ اندر بیٹھے بیٹھے تمہارا انتقال ہو چکا ہے۔ اب اس گھر سے تمہارا جنازہ ہی نکلے گا' حیرت ہے کہ تم اپنے قدموں پر چل کر آئی ہو' سلطان شاہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''سنو گے تو حیرت سے اچھل پڑو گے۔ مجھے یہاں ایک غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جلدی سے گاڑی آگے بڑھاؤ' ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''تم اپنی مرضی سے واپس آئی ہو' میں اپنی مرضی سے واپس جاؤں گا۔'' سلطان شاہ نے سیٹ پر قدرے آگے سرک کر پائیدان میں اپنے پاؤں پسار دیے۔

''میں کہتی ہوں''

''ارے باپ رے!'' ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے سلطان شاہ بوکھلا کر بولا اور سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ سالا کالا مچھر یہاں کہاں آرہا ہے'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

اضطراری طور پر ویرا کی گردن گھوم گئی۔ پیچھے کالے رنگ کی ایک بڑی موٹر سائیکل پر کالے کپڑوں والا ایک مدقوق شخص چلا آرہا تھا' اس کے چہرے پر بڑی بڑی سیاہ مونچھیں حاوی تھیں۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

"کیا تم اس منحنی موٹر سائیکل سوار سے ڈر کر بھاگ گئے ہو!" ویرا نے تعجب سے پوچھا۔

"اس کی صورت اور جسامت پر نہ جاؤ یہ شیدا ہے۔اسی نے مجھے یہاں کا پتا بتایا تھا۔"

"اوہو! تو یہ دیکھنے کے لئے آیا ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔تم تعزیت کے لئے پہنچے ہو یا راستے سے کہیں غائب ہوگئے ہو۔"

"مجھے اسی وقت اس کی آنکھوں میں ہلکے سے شبہے کی جھلکیاں تیرتی ہوئی نظر آ گئی تھیں" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا "اسی لئے میں تمہاری طرف آنے کے بجائے رکشے میں واپس چل دیا تھا لیکن یہ اُلو کا پٹھا یہاں کیوں دوڑا چلا آیا۔فون پر شیر دل کی بیوہ سے بات کر سکتا تھا۔"

"شیر دل نے آج سے دس گیارہ سال پہلے فون پر اپنی بیوی سے عشق کا آغاز کیا تھا۔اس کے نتیجے میں یہ گھر فون سے محروم ہے' اسے ڈر ہوگا کہ فون پر اس کی بیوی سے کوئی اور عشق لڑانا شروع نہ کر دے۔"

"اس وقت ہم بال بال بچے ہیں یہ ذرا سی دیر پہلے آ جاتا تو تم اندر پھنس کر رہ جاتیں۔شیدا اپنی آنکھوں سے بے رحم قاتل نظر آتا ہے۔شک ہو جانے پر وہ تمہیں سرد مہری سے قتل کر ڈالتا۔"

"گاڑی کی رفتار بڑھاؤ اور راستہ بدل دو' ایسا نہ ہو کہ وہ اس عورت سے بات کرتے ہی ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہو اس سے تصادم ہمارے لئے بے سود ہوگا۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی' اس نے گاڑی ایک گلی میں گھمانے کے بعد مخالف سمت میں ڈال دی اس وقت وہ ایک عقبی سڑک سے دوبارہ شیر دل کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

وقت گزرنے کے ساتھ میری اور غزالہ کی تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں ویرا اور سلطان شاہ کے لئے خیر کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

اس تشویش اور فکر مندی کے ساتھ رہ رہ کر مجھے ویرا پر غصہ بھی آ رہا تھا جو بعض اوقات نہایت خود سری پر اتر آتی تھی۔ وہ نہ صرف خود گئی تھی بلکہ سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گئی... جو لڑائی بھڑائی کے معاملے میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔

بات اگر شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ہوتی تو مجھے اتنی فکر نہ ہوتی۔اصل خرابی شیر دل کے اڈے پر جانے اور وہاں سے اس عورت کے گھر کا سراغ لگانے میں مضمر تھی۔وہ جگہ میری دیکھی بھالی تھی اور کسی عورت کے جانے کے لائق نہیں تھی۔

شیر دل کے قتل کا واقعہ تازہ تھا۔اس کی لاش ایدھی کے مردہ خانے میں پڑی ہوئی تھی۔اس مرحلے پر وہاں جا کر شیر دل یا اس کی فیملی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا' مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ویرا اپنے ذہن میں کیا پروگرام لے کر وہاں گئی تھی۔

دو بجے کے قریب وہ دونوں واپس آئے تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔اس وقت ویرا سے میرا سامنا ہوتا تو کسی سنگین جھڑپ کی نوبت آ سکتی تھی۔

ان کی گاڑی کی آواز اس امر کی مظہر تھی کہ وہ دونوں کسی نہ کسی حد تک خیریت سے لوٹ آئے تھے۔میں نے ویرا کا سامنا نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

میں اندر سے غصے میں پھنک رہا تھا۔اس کے باوجود میں نے اجتماعی مفاد میں پسپائی کی راہ اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے باہر سے ان تینوں کی آہٹیں اور آوازیں سنائی دینے لگیں۔میں خاموشی سے بستر پر پڑا ویرا کے کسی ردِ عمل کا انتظار کرتا رہا لیکن کہیں کچھ نہیں ہوا۔

اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی' میں نے اضطراری طور پر بٹن دبا کر اپریٹس اپنے کان سے لگا کر ہیلو کہا۔

"مہیش! جلدی آ جاؤ' اس وقت میں خطرے میں ہوں!" میرے کانوں میں ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز آئی اور فون بند ہو گیا۔

وہ پیغام سنتے ہی میرا ذہن سنیل کی بیوی' شیبا کی طرف گیا تھا۔میں نے خود کو اس سے مہیش اگروال کے نام سے متعارف کرایا تھا۔پیغام اسی کا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ آواز اس کی نہیں تھی۔میں اس سے روبرو بہت دیر تک باتیں کرتا رہا تھا' وہ ایک خوش غلاف عورت تھی اور مردوں سے ایک خاص صوتی رچاؤ کے ساتھ بات کرتی تھی۔فون پر بھی میں دیر تک اس کی آواز سنتا رہا تھا جو فون پر سنائی دینے آواز سے بہت مختلف تھی۔

مجھے اس مسئلے پر زیادہ دیر تک اپنا سر نہیں کھپانا پڑا ایک فوری خیال کے تحت میں نے اپنے موبائل فون کے چند بٹن دبا کر آنے والے کال کا نمبر چیک کیا تو اسکرین پر ہمارے گھر کا فون نمبر میرے خیال کی تصدیق کر رہا تھا۔

ویرا نے مجھے کمرے سے باہر نکالنے کے لئے گھر کے عام فون پر آواز بدل کر مجھے وہ پیغام دیا تھا۔وہ ویرا کی بے

ضرر لیکن ذہانت سے بھرپور حرکت تھی' میرا غصہ یک لخت کافور ہوگیا۔

میں چند منٹ تک کمرے میں رکا رہا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ان تینوں کی نظریں میرے کمرے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی ویرا نے اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم اپنی چھچھوری حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔'' اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے ترش لہجے میں کہا'' تم کو کیا پریشانی لاحق ہے...... کیوں فون کیا تھا میرے موبائل پر؟''

میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ویرا کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ مردہ آواز میں بولی'' آئی ایم سوری! میرا خیال تھا کہ میں کچھ کامیابی حاصل کر کے آئی ہوں۔ اس بارے میں تم سے تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''زیادہ اچھلنے کودنے کی ضرورت نہیں'' میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔'' تم نے میرا خون خشک کر کے رکھ دیا۔ آرام سے بیٹھو اور بلا کم و کاست اپنی کہانی سنا ڈالو۔''

ویرا اپنی جگہ پر بیٹھ گئی میں نے بھی ایک نشست سنبھال لی۔

میرے درشت رویے کا یہ فائدہ ہوا کہ ویرا اپنی کامیابی کو بھول گئی۔ اس نے میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے شروع سے آخر تک کے واقعات تفصیل سے سنانے شروع کر دیئے' ابتدائی حصے میں سلطان شاہ نے اصل کردار ادا کیا تھا اس لئے اسے جا بہ جا ویرا کی تصحیح کرنی پڑی' ویرا نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی مداخلت قبول کر لی۔

ان دونوں نے باہمی کھنچاؤ کا حصہ گول کر دیا تھا جو بعد میں ان ہی کی زبانی رفتہ رفتہ میرے علم میں آ گیا۔ اس وقت ان ضمنی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

''یہ مسز شیر دل کا دیا ہوا فون نمبر ہے۔'' آخر میں ویرا نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ایک رقعہ میری طرف بڑھا دیا۔ وہ ہندسے ویرا کی تحریر میں لکھے ہوئے تھے۔

''یہ تو سرکاری فون نمبر ہے!'' میں نے نائن ٹو کے ابتدائی دو ہندسوں پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ کہا۔'' تم دھوکے سے کوئی غلط نمبر لے آئی ہو۔''

''اس نے کاپی پر لکھا ہوا یہی نمبر مجھے دکھایا تھا جو میں نے نوٹ کر لیا۔'' ویرا نے خفت سے اپنی صفائی پیش کی۔'' اس سے صفحہ تلاش کرنے میں غلطی ہوئی ہو گی۔''

''کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا...... تم نے یہ کہاوت تو سنی ہو گی!'' سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا'' تمہارے قصے میں کریلا نیم کے دو پیڑوں پر چڑھا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

میں خود بھی کشیدگی کی فضا کو ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ وہ دونوں اپنی مہم میں خاصی کامیابی حاصل کر کے لوٹے تھے۔ نتیجہ حوصلہ افزا رہا تھا لہٰذا میں اس سے پہلے کی ہر کدورت کو دل سے نکال دینا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک ہلکی پھلکی بات کہی تو میں اسی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ کریلے اور نیم سے تمہارا کیا مطلب ہے۔''

''مسز شیر دل عورت ہے اور پھر شاید جاہلِ مطلق ہے یعنی کریلی اور وہ بھی نیم چڑھی۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کی مضحکہ خیز حرکات کے ساتھ وضاحت کی۔'' رہی سہی کسر ہماری ویرا بیگم نے پوری کر دی کیونکہ یہ بھی ایک عورت ہے' معاملہ دو عورتوں کے درمیان تھا' جو کچھ ہو جاتا وہ کم تھا مرد بے چارہ باہر بیٹھا الّو کے تھپیڑے کھا رہا تھا۔''

''کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہمیں اس نمبر کو چیک کر لینا چاہئے۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تجویز پیش کی۔'' بہت سے سرکاری ملازم دل کھول کر دفتری فون کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اس کا بل نہیں دینا پڑتا اور وہ محفوظ ہوتا ہے۔''

''کل شام سے جلال کی کوئی خیر خبر نہیں ہے۔'' اچانک مجھے وہ غیر متعلقہ بات یاد آ گئی۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ وہ رات کو آیا نہ اب تک اس کا کوئی فون آیا۔''

''کیا اس سرکاری فون نمبر کے بارے میں تم اس سے کوئی مدد لینے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' ویرا نے رسانیت اور نرمی سے پوچھا۔

''اس بارے میں کسی کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ویسے ہی اس کا خیال آ گیا تھا۔ وہ عام طور پر وعدے کی پابندی کرتا ہے' وعدہ پورا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم فون پر معذرت ضرور کر لیتا ہے۔

وہ بہت بے چینی سے اس گفتگو کو جاننے کا خواہش مند تھا جو کل دوپہر کو میرے اور گیری کے درمیان ہوئی تھی۔

پچھلی شام سے ہم سب کی مصروفیات میں یکا یک تیزی آ گئی تھی۔ جلال سے فون پر آخری گفتگو ہونے اور اس سے قبل اول خان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ امریکیوں کی آمد کی خبر لایا تھا۔ اور ہماری لمبی دوڑ لگ گئی تھی۔ صبح میں گیری ہارٹ کی طرف نکل گیا' واپس لوٹا تو پتا چلا کہ ویرا' سلطان شاہ کو لے کر مسز شیر دل کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔

سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ میری دانست میں یہ اچھی بات تھی کہ ہم ایس ٹی ایف اور آئی بی کے وسائل پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کررہے تھے اور اس میں کامیابی کی امید نظر آرہی تھی۔

''چاہیں تو آپ خود جلال کو فون کرلیں۔'' غزالہ نے مجھے مشورہ دیا۔

''اسے چھیڑنا مناسب نہیں' پتا نہیں وہ کہاں الجھا ہوا ہوگا۔ وقت ملے گا وہ خود ہی فون کرلے گا میں اس سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ گیری نے کل ایس ٹی ایف کے خاتمے کے بارے میں دھمکیاں دی تھیں ان کی کیا حقیقت ہے۔''

''اس بارے میں تم اول خان کی کہی ہوئی بات بھول رہے ہو' ویرا نے مجھے یاد دلایا۔'' اس نے کہا تھا کہ ایسی بڑی تبدیلیاں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں۔ امریکی حکومت کے ایسے عزائم ہوتے تو ان کی طرف سے کوئی نہ کوئی پیش رفت ہوچکی ہوتی۔''

''ہم ایک نئے موضوع کی طرف بھٹک رہے ہیں۔'' غزالہ نے ہمیں ٹوکا'' اس وقت پہلا مسئلہ فون نمبر کا ہے جس کے ذریعے سوبھراج کا کوئی سراغ مل سکتا ہے۔''

''اس وقت ہم متضاد انتہاؤں کے درمیان جھول رہے ہیں۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔'' ایک طرف پاکستان کے خلاف عالمی سازشوں میں گیری ہارٹ کا نیا کردار ہے جو ایس ٹی ایف کی بقا کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن کر نمودار ہوا ہے' دوسری طرف شیر دل کی بیوہ کا مسئلہ ہے......''

''وہ ایک سنگین معاشرتی المیہ ہے'' میں نے ویرا کی بات کاٹ کر کہا'' تم نے اس کے بچوں کی جو عمریں بتائی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیصل آباد میں شیر دل کے ٹیلی فونک عشق کی کہانی کی داغ بیل گیارہ بارہ سال پہلے پڑی تھی' دونوں فریق جوانی کے جوش میں بدمست تھے۔ انہوں نے مستقبل کو فراموش کرکے باغیانہ راہ اپنائی اور اپنا گھر بسایا نتیجہ سامنے ہے۔ وقت نے اس لڑکی کے انتخاب کو غلط ثابت کردیا' بچوں کے مستقبل کی فکر نے شیر دل کو گھر سے دور کردیا ایک عشرے کے بعد آج چار انسان اس غلط فیصلے کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔''

''میں اس عورت سے بات کرتے ہوئے حیران ہورہی تھی۔'' ویرا.... اپنے شانے سمیٹ کر بولی'' یقین نہیں آرہا تھا کہ عملی زندگی میں بھی ایسا ہوسکتا ہے' اس کی باتیں مجھے کسی فلم کی کہانی سے ملتی جلتی معلوم ہورہی تھیں۔''

''تم مسلسل اسے عورت' عورت کہے جارہی ہو۔'' سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا'' اس کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد بھی تم اس کے نام سے بے خبر ہو!''

''کاش تم وہاں ہوتے'' ویرا بولی۔'' اس پر بار بار رقت آمیز جذباتی دورے پڑرہے تھے۔ اسے سنبھالنا اور پھر کام کی بات جاری رکھنا بہت دشوار ثابت ہورہا تھا۔ مجھے دھیان ہی نہیں آیا کہ اس بدنصیب عورت کا نام پوچھ لیتی۔''

''اسے معلوم ہے کہ تم مریم ہو اور تمہارا تعلق عورت فاؤنڈیشن سے ہے!'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''میں اپنا کوئی موزوں تعارف نہ کراتی تو میرے لیے اس کے گھر میں داخل ہونا مشکل ہوجاتا۔''

''اور کالا مچھر ذرا پہلے آجاتا تو تمہارا وہاں سے نکلنا مشکل ہوجاتا۔'' سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا'' پتا نہیں ہمارے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا ہوگا۔''

گھروں سے بھاگ کر شادی کرنے والے جوڑوں میں وہ ایک مثالی واقعہ تھا اور ایک خوفناک معاشرتی مسئلے کی عکاسی کرتا تھا۔ میڈیا کے ذریعے ملک میں آزادیوں کے فروغ اور دونوں اصناف کے درمیان آزادانہ میل جول کی وبا پاکستانی معاشرے کی جڑوں میں تیزی سے سرایت کرتی جارہی تھی۔ پسند کی شادی کسی بھی دور میں معیوب نہیں رہی تھی۔ روشن خیال اور شائستہ گھرانوں کے بزرگ اس اہم معاملے میں اپنے جگر گوشوں کی پسند اور ناپسند کو اولین ترجیح دیتے چلے آئے تھے۔ رشتوں کی تلاش میں گھر سے قدم نکالنے سے پہلے وہ ہر ممکن ذریعے سے یہ اطمینان کرلیتے تھے کہ کسی کے دل کی ڈور کہیں اٹکی ہوئی نہ ہو۔

اس ابتدائی احتیاط کے بعد بھی جو کچھ طے ہوتا تھا، اس کے لیے بالواسطہ طور پر بچوں کی پسند یا ناپسند کا دھیان رکھا جاتا تھا۔ وہ صدیوں پرانی خاندانی روایات تھیں جن کے ذریعے رشتوں کے بندھن ہمیشہ بہت مضبوطی سے جڑے رہتے تھے۔

کچھ عرصے سے نئی نسل کے چند مخصوص طبقوں میں بڑوں سے بغاوت کرکے گھروں سے فرار ہونے کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہورہا تھا۔ خاندان کی عزت اور نیک نامی کے لیے بہت سے واقعات سختی سے دبا دیے جاتے تھے۔ کسی کو کانوں کان ان کا پتا نہیں چلتا تھا۔ بس سینوں کے داغ زندگی بھر رستے رہتے تھے۔ ظاہری طور پر وقت کی دھول ایسے واقعات کی پردہ پوشی کرلیتی تھی۔

کبھی کبھار کوئی جوشیلا جوڑا پریس والوں کے ہتھے چڑھ

جاتا تھا یا انا پرست بزرگ باغیوں کی سرکوبی کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آتے تھے تو چند روز کے لیے اخبارات کو اپنی سنسنی خیز سرخیوں کا مواد مل جاتا تھا اور پھر شب و روز پہلے کی طرح ہو جاتے تھے۔

ایسے رجحانات طویل مباحث اور اصلاح کے طلب گار تھے لیکن ہم میں سے کوئی بھی سماجی مصلح نہیں تھا۔ وہ ہمارا موضوع نہیں تھا۔ ہم اس کی اہمیت کا ادراک کر رہے تھے لیکن اس کے تدارک کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی سے ان تینوں کے مذاکرات سننے کے بعد میں نے ویرا کے لائے ہوئے نمبر پر فون کر کے اس کا سراغ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

گھر والے فون پر سی ایل ڈی مسلسل آن رہتی تھی۔ وہ سرکاری فون کا معاملہ تھا اس لیے احتیاط ضروری تھی۔ میں نے خاموشی سے وہ نمبر ملا لیا۔

ان تینوں کو اندازہ تھا کہ اس وقت ساری اہمیت ویرا کے لائے ہوئے فون نمبر کی تھی۔ میں اسی پر رابطہ کر سکتا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور دیکھ کر ان تینوں نے خاموشی اختیار کر لی اور ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گئے۔

''کون بول رہا ہے۔'' فون پر مردانہ آواز میں ہیلو سن کر میں نے پوچھا۔

''بابا! یہ میرا نمبر ہے۔ تم نے ملایا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں کس سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف سے ہلکی سی ناگواری کے ساتھ کہا گیا۔

''مجھے صرف نمبر دیا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ کس سے بات ہوگی۔'' میں نے دھیمے لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

وہ کوئی راست باز اور اصول پرست افسر ہوتا تو میرے مبہم جواب پر تنک کر اپنا فون بند کر دیتا لیکن وہاں دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ میرے کانوں میں اس کی الجھی ہوئی آواز آئی ''یہ نمبر تمہیں کس نے دیا ہے؟''

''ایک عورت نے جو حال ہی میں بیوہ ہوئی ہے۔'' میں نے صرف ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہہ ڈالا۔ شبہ ہو جانے کے بعد میں نے اپنے مخاطب پر ہر کارڈ کھیل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''اوہ...... کہو، کیا پیغام ہے اس کا۔'' دوسری طرف سے جلدی سے سوال کیا گیا۔ میرا دیا ہوا اشارہ اس نے فوری طور پر سمجھ لیا تھا۔

''وہ تمہاری معاونت کے لیے اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری ممنون ہے۔ ہم لوگ بھی اس کی کچھ مدد کر رہے ہیں مگر ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ہماری فاؤنڈیشن پریشان حال اور بے سہارا خواتین کی مدد کرتی ہے۔ اس بارے میں ہم تمہارا تعاون چاہتے ہیں۔''

''تم کس فاؤنڈیشن کی بات کر رہے ہو؟'' یکا یک اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''عورت فاؤنڈیشن!'' میں نے جواب دیا ''یہ عورتوں کی معاشی اور معاشرتی امداد کے لیے قائم کیا ہوا ایک کثیر المقاصد ادارہ ہے جو اس وقت سات سو گیارہ......''

''بھاڑ میں گئی تمہاری فاؤنڈیشن!'' دوسری طرف سے غصیلے انداز میں میری بات کاٹ دی گئی ''یہ سرکاری دفتر ہے، کوئی یتیم خانہ نہیں ہے جو عورتوں کی مدد کرتا پھرے۔''

وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہو گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''اب مسز شیر دل کی شامت آ جائے گی۔'' ویرا نے بے ساختہ کہا ''تم نے یہ بتا کر اچھا نہیں کیا کہ فون نمبر تمہیں اس نے دیا ہے۔''

''اس نکتے کے بغیر پتا نہیں چل سکتا تھا کہ اس نمبر کا سوبھراج سے کوئی تعلق ہے۔ میری بات سنتے ہی اس نے تمہاری عورت کا پیغام جاننا چاہا تھا۔''

''مسز شیر دل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ بھول کر بھی اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' غزالہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ نمبر دیا جا چکا ہے۔ اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی کسی حقیقی ضرورت کے لیے بھی فون کرے گی تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ اسے صرف دو لاکھ روپے پر گزارا کرنا ہوگا۔''

''دو لاکھ وہ لے چکی ہے۔ فیسوں کی رقم ہم دیں گے۔ اس نے ہم سے تعاون کیا ہے۔ میرے وعدے کے مطابق اس کا صلہ ملنا چاہیے۔ ایک قاتل اور پاجی شخص کی اولادوں کی تعلیم و تربیت میں مدد دے کر ہم بہت بڑا کام کریں گے۔''

''ہم اپنے مسائل میں گھرے رہتے ہیں۔ ہر مہینے رقم پہنچانے کا کھٹ راگ ہمارے بس سے باہر ہے۔'' میں نے نیک نیتی سے کہا ''چاہو تو اسے یک مشت ایک دو لاکھ دے دو۔ وہ اس کے بچوں کی برسوں کی فیسوں کے لیے کافی ہوں گے۔''

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو گئی ''تمہاری تجویز زیادہ بہتر ہے۔ مجھے امید تھی کہ تم میرا مان رکھو گے۔ مجھے اس پر بہت

ترس آ رہا ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔''
''تم پٹری سے اتر رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا ''اب یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس سرکاری فون کا سوبھراج سے گہرا تعلق ہے تو ہمیں تیزی سے کام کرنا چاہیے۔ دیر ہوگئی تو ہم اس کامیابی کے ثمرات سے محروم رہ جائیں گے۔''
''محرومی کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا ''اس سے کوئی ٹیڑھی بات کی جاتی تو وہ بھڑک سکتا تھا۔ میں نے وہی بات آگے بڑھائی ہے جو ویرا نے مسز شیر دل سے کی تھی یعنی عورت فاؤنڈیشن۔ نام کے اس تسلسل کی وجہ سے اسے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔''
''اس واقعے کا تیسرا فریق شیدا بھی ہے......'' سلطان شاہ نے بولنا چاہا لیکن ویرا نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔
''عورت فاؤنڈیشن والی کہانی پر اسے بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ ہو بھی جائے تو وہ غیر متعلق آدمی ہے۔ سوبھراج یا اس کے کسی آدمی سے شیدے کا کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا۔''
ویرا درست کہہ رہی تھی۔ شیر دل کے گھر پر کوئی بھی دستک دے سکتا تھا۔ وہ ایک کھلا گھر تھا۔ اسے صرف یہ فکر ہوسکتی تھی کہ عورت فاؤنڈیشن والوں کو یہ کیسے پتا چلا کہ شیر دل کے بیوی بچے ناظم آباد کے اس مکان میں رہتے ہیں۔
شیر دل کا قتل کوئی ڈھکا چھپا معاملہ نہیں تھا۔ اخبارات میں اس کی خبر لگی تھی۔ شاید کسی چھوٹے موٹے اخبار نے مقتول کی تصویر بھی لگائی ہو۔ شیر دل ابتدا میں کھلے بندوں ازدواجی زندگی گزارتا رہا ہوگا۔ صاحب اولاد ہونے کے بعد اسے اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال آیا ہوگا اور اس نے اپنی بیوی کو ایک الگ گھر میں آباد کردیا ہوگا۔ اس ابتدائی دور کے حوالے سے شہر میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوسکتے ہیں جو زیادہ باخبر ہوں۔
عورت فاؤنڈیشن جیسے فلاحی اور بڑے ادارے کے لیے ایسے لوگوں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہوسکتا تھا۔ ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اپنے ذہن میں آنے والا ایک مرعوب کن نام لے ڈالا تھا۔ اس کی لفظی ترکیب پر غور کرتے ہوئے مجھے شبہ ہورہا تھا کہ اس دور میں اس نام کا کوئی نہ کوئی معتبر فلاحی ادارہ کہیں نہ کہیں کام ضرور کررہا ہوگا۔
شیدے کی تشویش صرف اس مہمان کے بارے میں ہوسکتی تھی جو شیر دل کی موت پر تعزیت کے لیے فوری طور پر ایبٹ آباد سے چل کر دھوبی گھاٹ تک پہنچ گیا تھا لیکن پھر وہاں سے ناظم آباد تک نہیں پہنچ سکا تھا۔
وہ لاینحل معما شیدے کے لیے کچھ دنوں تک الجھن کا سبب بنا رہتا پھر وہ اسے بھول جاتا۔ اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ عورت فاؤنڈیشن اور پردیسی مہمان کی آمد کو ایک دوسرے سے مربوط کرکے کوئی نتیجہ اخذ کرلیتا۔
''تم کہو تو اب میں اس نمبر پر فون کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ وہ کس سرکاری دفتر کا فون ہے اور وہ کہاں واقع ہے۔'' سلطان شاہ نے پیش کش کی۔
''اس وقت ڈینی نے ہوشیاری سے بات سنبھال لی۔'' ویرا نے کہا ''اسے دوبارہ کوئی مشتبہ فون ملا تو وہ چوکنا ہوجائے گا۔''
''ٹیلی فون انکوائری سے بھی مطلوبہ معلومات مل سکتی ہیں۔'' غزالہ نے تجویز دی۔
''یہ تو سب سے بہتر اور آسان راہ ہے!'' ویرا خوش ہوکر بولی۔
''کوشش کرکے دیکھ لو، کامیابی کا امکان نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ان سے نام بتا کر نمبر لیا جاسکتا ہے۔ نمبر کے ذریعے وہ نام پتا فراہم نہیں کرتے۔''
''نمبروں کی ترتیب سے ناموں والی ڈائریکٹری عرصہ دراز سے نہیں چھاپی گئی۔ پرانی ڈائریکٹری نامکمل اور فرسودہ ہے کیونکہ شہر کے بیشتر فون نمبر سات ہندسوں میں بدل چکے ہیں۔ لے دے کر اب اول خان ہی رہ جاتا ہے جو ہماری مدد کرسکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے قدرے مایوسی سے کہا ''وہ روز بروز ہمارے لیے ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔''
''کوئی ناگزیر نہیں ہوتا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''ذرا سی دیدہ ریزی کی زحمت کرو تو یہ کام تم خود بھی کرسکتے ہو۔''
''طریقہ بتاؤ، میں کام سے گھبرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔''
''عام ڈائریکٹری چھانو۔ سب کچھ مل جائے گا۔'' میں نے اسے چڑایا۔
''ان سیکڑوں صفحات میں ایک نمبر تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوگا۔'' میری تجویز پر اس کا منہ اتر گیا۔
''یہ ایسا مشکل کام نہیں ہے۔'' اس بار میں نے سنجیدگی سے کہا ''سارے صوبائی اور مرکزی فون نمبر پہلی جلد کے چند رنگین اوراق میں سمٹے ہوئے ہوتے ہیں، ان پر محنت کرو گے تو تھوڑی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔''
''آؤ! یہ کام ہم دونوں مل کر کرتے ہیں۔'' ویرا اسی لمحے

اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''انہیں دھندے سے لگا دیا۔ اب ہم آرام کرتے ہیں۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر غزالہ سے کہا ''یہ دونوں دو تین گھنٹوں کے لیے کام سے گئے۔''

''انہیں کوئی کام کی بات مل جائے گی یا آپ نے ان کے ساتھ شرارت کی ہے۔'' غزالہ نے اپنی غزالی نظریں میرے چہرے پر مرکوز کر کے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تھوڑی دیر میں نتیجہ سامنے آجائے گا۔'' میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ان دونوں کا پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ کے کمرے سے ویرا کی منمناتی ہوئی سی آواز آرہی تھی۔ شاید وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریکٹری کی رنگین اوراق والی پہلی جلد لے کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔ ویرا کی شراب نوشی کی وجہ سے سلطان شاہ اس کے کمرے میں کم ہی جاتا تھا۔

میں کمرے میں جاتے ہی بستر پر دراز ہوگیا۔ غزالہ اپنے مرمریں وجود کو سمیٹ کر میرے سرہانے بیٹھ گئی اور اپنے نرم و گداز ہاتھوں سے میرا سر دبانے لگی۔

''آج یہ دونوں خاصی اہم کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔ کام کے سلسلے میں دونوں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ ویسے ان میں ذرا بھی نہیں بنتی۔'' میں نے کہا۔

''ویرا اس کے سامنے ہر وقت کڑک مرغی کی طرح اکڑی رہتی ہے۔'' غزالہ نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ پٹھان ہے۔ عورت کی یہ اکڑفوں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب تک ویرا اپنے رویے میں نمایاں تبدیلی نہیں لائے گی۔ ان دونوں میں ذہنی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔''

''ویرا کی عادتیں بہت پرانی اور راسخ ہو چکی ہیں۔ وہ خود کو دوسروں پر مسلّط کرنے کی عادی ہے۔ اس کے لیے بھی خود کو بدلنا بہت مشکل ہے۔''

''یہ نہ کہیں۔'' اس نے اٹھلا کر شوخی سے کہا ''یہ اس کی عادت نہیں ہے۔ وہ بنتی ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ آپ کے سامنے وہ بھیگی بلی بن جاتی ہے۔ یہ فرق کیوں ہے۔ آپ بھی تو سلطان شاہ کی طرح ایک مرد ہیں۔''

غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بہت بھرپور وار کر دیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا مگر پھر میں نے سنبھل کر کہا ''تمہارے اور میرے درمیان اعتماد کا رشتہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ شادی کے بعد میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ میرے اور ویرا کے ماضی کے مراسم بھی تمہارے علم میں ہیں اور شاید اسی وجہ سے مجھ سے جھونک کھاتی ہے۔''

حجامتیں کیسی

''منیر صاحب کا انتقال کیسے ہوا؟''

''وہ ایک ماڈرن قسم کے باربر شاپ میں شیو کرانے گئے تھے جہاں لڑکیاں گاہکوں کا شیو کرتی تھیں۔ ایک لڑکی ان کا شیو بنا رہی تھی کہ ایک چوہا لڑکی کے پاؤں پر سے گزر گیا......''

☆☆☆

''تمہاری کبھی سرجری ہوئی ہے؟''

''بہت مرتبہ...... کیونکہ میں نائی سے شیو بنواتا ہوں۔''

☆☆☆

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ کیا تم میرا کالر موڑے بغیر اور میری گردن کے گرد تولیا لپیٹے بغیر میرا شیو بنا سکتے ہو؟''

''جی ہاں جناب...... اور اگر آپ حکم دیں تو میں آپ کی ٹوپی اتارے بغیر آپ کے بال بھی کاٹ سکتا ہوں۔''

☆☆☆

''تم بہت اچھے حجام ہو۔ تمہاری باتیں سنتے ہوئے پتا ہی نہیں چلتا کہ کب حجامت ہو گئی۔''

''یہ فن مجھے ورثے میں ملا ہے سر!''

''کیا تمہارے والد بھی حجام تھے؟''

''نہیں سر! وہ صرف داستان گو تھے۔ میں نے ان کے پیشے کو ترقی دی ہے۔''

☆☆☆

''سر آپ کس طرح حجامت بنوانا پسند کریں گے؟''

''تمہاری آواز سنے بغیر۔''

☆☆☆

''سر! میں شیو بنانے کے لیے آپ کے منہ پر جھاگ بنانے لگا ہوں۔ آپ اپنا منہ بند کر لیں۔''

''نہیں...... پہلے تم بند کرو۔''

☆☆☆

''سر آپ تیزی سے گنجے ہو رہے ہیں کیا آپ اس سلسلے میں کوئی احتیاطی تدبیر کر رہے ہیں؟''

''ہاں میں اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں۔''

☆☆☆

''آپ دونوں کا ماضی!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اس کا خیال آتا ہے تو میرے ذہن میں کبھی کبھی ٹیسیں سی اٹھنے لگتی ہیں۔ سوچتی ہوں کہ وہ سب میرے علم میں نہ آیا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ بعض معاملات میں بے خبری انسان کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوتی ہے۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایسے معاملات میں تم بھی عام عورتوں کی طرح متعصب ہو۔ آج تم پہلی بار یہ شکایت زبان پر لائی ہو۔''

''میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ ایک دوسرے کے ماضی پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ زندگی ہم نے اپنی اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ شادی کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے حساب لینے کا حق حاصل ہوا ہے۔ یہاں آکر میں احساسِ بے بسی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔''

''کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''یہ اعتبار ہی ہے جس کے سہارے میں سکھ کی زندگی گزار رہی ہوں'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ویرا، آپ کی زندگی کا ایک اہم سنگ میل تھی۔ شی کے مقابلے میں اس نے دل و جان سے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ اس منزل سے گزر آئے۔ سنگ میل وہیں رہ جاتا تو ہمارا ازدواجی سفر زیادہ آرام سے گزرتا لیکن ہم ابھی تک اس سنگ میل کو اٹھائے پھر رہے ہیں۔ دوسروں کی طرح ویرا آپ کی زندگی سے نکل جاتی تو کوئی بات نہیں تھی......''

''تمہارا مطلب ہے اب ہمیں اس سے اپنی جان چھڑا لینی چاہئے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی اور رسانیت سے پوچھا۔

''میں یہ بھی نہیں چاہتی'' غزالہ نے قدرے تذبذب کے ساتھ کہا۔

''یہ بھی نہیں چاہتیں، وہ بھی نہیں چاہتیں! ڈارلنگ، آج تم کیسی الجھی الجھی اور مبہم باتیں کر رہی ہو، آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''وہ ہمارے گھر کے ایک فرد کی طرح دن رات ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ آپ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے لیکن جب وہ تیکھی چتون سے آپ کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہوں میں ارمانوں کے الاؤ روشن ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوا ہے جیسے وہ اٹھے گی اور یکا یک آپ پر فدا ہو جائے گی۔ ان اشتعال انگیز لمحوں کو پی جانا میرے لیے ہمیشہ ایک کڑا امتحان ثابت ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی سے ان بدترین لمحات کو نکال دینا چاہتی ہوں۔''

''پھر تو وہی بات ہوئی نا کہ کسی مناسب ترکیب سے اسے گھر سے باہر ہانک دیا جائے۔''

''یہ اس کے ساتھ ظلم ہوگا۔ ہمارے اور ہمارے وطن کے لیے اس نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اپنے باپ کے خلاف صف آرا ہوئی، اپنی مٹی کو خیرباد کہا، اپنے ہم وطنوں سے ہماری خاطر آج تک لڑ رہی ہے۔ ہم ان احسانات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ ہم میں سے کسی کی طرف سے ایسے برے سلوک کی مستحق نہیں ہے۔''

میں بے بسی سے ہنس پڑا ''تو پھر اسے اور اس کی حرکتوں کو برداشت کرتی رہو۔''

''کیسے کروں؟ آپ جانتے ہیں کہ میں ٹھنڈے مزاج کی مالک ہوں لیکن ڈرتی ہوں کہ کسی دن غصے سے مغلوب ہو کر اس سے الجھ نہ پڑوں، میں ایسے وقت سے ڈرتی ہوں۔''

''تمہاری زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔ ان سے نفرت کی بُو آرہی ہے۔''

''کیا کروں، میں آخر ایک عورت ہوں، یہ باتیں نہیں سہہ سکتی۔''

''میں ابھی بتاتا ہوں کہ تم کیا کرو'' میں نے اچانک اسے دبوچ کر بستر پر گرا دیا اور کمرا اس کی دبی دبی، مترنم ہنسی کی آواز سے گنگنا اٹھا۔

ہمارے درمیان وہ دوستانہ زور آزمائی زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ گھر میں گھنٹی کی آواز گونجتے ہی غزالہ نے ایک جھرجھری سی لے کر نہایت مہارت سے اپنے مارشل آرٹ کا مظاہرہ کیا اور کسی چکنی مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل کر، فضا میں قلابازی کھاتی ہوئی فرش پر سیدھی جا کھڑی ہوئی۔

اس وقت اس کے انگ انگ سے کسی الہڑ دوشیزہ جیسی شوخی جھلک رہی تھی۔ بڑی بڑی چمک دار آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ یاقوتی ہونٹوں پر عجیب سی ہوش ربا مسکان تھی اور دورانِ خون کی تیزی کے سبب اس کے رخسار کشمیری سیبوں کی طرح تمتما رہے تھے۔

میں نے بستر سے اٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اس نے میرے تیور بھانپ کر پھرتی سے دروازے کا رخ کیا اور بولٹ گرا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

میں بستر سے اترا تو وہ مطمئن تھی کہ دروازے کا بولٹ گرا دیے جانے کے بعد میں اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کروں گا۔

میں نے عقب سے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر اس کے لب و رخسار کو والہانہ انداز میں اپنی چاہت کا خراج پیش کرنا شروع کر دیا۔

اس روز وہ ایک مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے شوخ و شنگ روپ میں نظر آئی تھی اور مجھ پر یکا یک کچھ دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ مسرت کے ایسے لمحے ہمیشہ ہم دونوں کے لیے ایک سرمایہ ثابت ہوتے تھے۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تو جلال اندر آ چکا تھا۔

''کیا کسی سے لڑ کر آ رہے ہو۔ چہرہ سرخ ہو رہا ہے'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا۔

''بدن ٹوٹ رہا تھا۔ کچھ ورزش شروع کی ہوئی تھی'' میں نے ویرا سے نظر بچا کر ایک آنکھ دبا کر جواب دیا ''اب ہاتھ پیر کچھ کھلے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔''

''ان کپڑوں میں ورزش کر رہے تھے!'' ویرا نے سر سے پیر تک میرا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''تو کیا کپڑے اتار کر ورزش کرتا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھ لیا۔ جلال کا ایک جاندار قہقہہ آزاد ہو گیا۔ ویرا برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

سلطان شاہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا اور جلال سے مل کر چلا گیا۔ ویرا وہیں جم گئی۔ غالباً اس نے رنگین اوراق کھنگالنے کا کام سلطان شاہ کے سر ڈال دیا تھا۔

''کل شام کے بعد مجھے اب وقت ملا ہے'' رسمی باتوں کے درمیان جلال نے کہا ''آج رات میں واپس اسلام آباد جا رہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم لوگوں سے مل لیا جائے۔''

''میں بے چینی سے تمہارا منتظر تھا۔ یہ بتاؤ کہ اسلام آباد کی کیا خبریں ہیں۔''

''کسی خبر کا نہ ہونا ہی اچھی خبر کہلاتا ہے'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''محاذ پر ہر طرف خاموشی ہے لیکن وہاں دفتری کام کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے۔ فیلڈ اسٹاف کو الاؤنسوں کی ادائیگی سمیت کئی معاملات رکے ہوئے ہیں، میری واپسی ضروری ہے۔''

''گیری ہارٹ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں'' میں نے کہا ''وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں رتی سے رائی تک ہر بات جانتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ڈینی کا قصہ جلد ہی ختم نہ ہوا تو اس کی حکومت ایس ٹی ایف کے خاتمے کے لیے بھرپور دباؤ ڈالنے کی تیاری کر رہی ہے۔''

''ایسے واقعات اچانک رونما نہیں ہوتے، اس کے لیے

مہینوں کی تیاریاں درکار ہوتی ہیں' اس نے بالکل وہی بات کہی جو ہم اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔

''ابھی تک ان کی طرف سے ایک سطر بھی ریکارڈ پر نہیں ہے'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یہ ان لوگوں کے نفسیاتی حربے ہیں۔ تم اس کے لیے کرنل داور بنے ہوئے ہو۔ اس نے تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے یہ بکواس کی ہوگی۔''

''وقتی طور پر میں پریشان ہوگیا تھا لیکن بعد میں، میں بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ اس کے دباؤ ڈالنے کے حربے تھے۔ وہ جانتا ہے کہ فورس کے بارے میں ہم لوگ کتنے حساس ہیں۔''

''کل اس نے تمہیں یہی جتانے کے لیے بلایا تھا؟'' جلال نے تصدیق چاہی۔

''جاتے ہوئے وہ میری گاڑی میں ایک چپ بھی ڈال گیا تھا'' میں نے کہا۔

چپ کے ذکر پر جلال کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ آئی بی کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔ جدید سراغ رسانی میں ایسے آلات کے استعمال سے اسے گہری واقفیت تھی۔ وہ پورا واقعہ جاننے کے لیے بے چین ہوگیا۔

میں نے اطمینان سے اسے پورا واقعہ سنا دیا جو ریلوے ویگن میں چپ کی تدفین پر ختم ہوگیا۔

''یہ کوئی تمہارے کان پر سے گزری ہے'' اس نے پورا قصہ سن کر کہا ''اگر تمہیں ان دونوں کی آمد کی بروقت اطلاع نہ ملتی تو یہ گھر اور یہاں رہنے والے چاروں افراد اب تک ان کے نرغے میں آچکے ہوتے۔ گیری نے یہاں آتے ہی اپنے ہاتھ دکھانے شروع کر دیے ہیں۔''

''پرسوں تم مجھے اس سے ملوانے کے لیے لے گئے تھے۔ کل اس نے مجھے اولڈ کلفٹن پر بلایا تھا۔ آج صبح میں اس کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔'' میں نے کہا۔

''خوب! تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم اس سے تیسری ملاقات بھی کر چکے ہو۔ تم اس سے کس سلسلے میں ملنے کے لیے گئے تھے؟''

''چپ والا واقعہ سنگین تھا۔ اسے یہ بتانا ضروری ہوگیا تھا کہ ہم لوگ مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔ اس کی دوغلی پالیسی کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔''

''سب کی بات نہ کرو۔ تمہاری اور اس کی ون ٹو ون بات چل رہی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ گیری اور کرنل داور کے درمیان ہے۔ اس میں کوئی تیسرا فریق شامل نہیں ہے'' اس نے میری بات کی تصحیح کی اور پوچھا ''تمہاری شکایت پر اس کا کیا ردِ عمل تھا؟''

''اسے ماننا پڑا۔ وہ چپ کو نہیں جھٹلا سکتا تھا لیکن اس نے یہ قلابازی کھائی کہ اس نے دانستہ چپ نہیں ڈالا تھا۔ وہ بے دھیانی میں اس کی جیب سے نکل گیا تھا اور اس کے آدمی اس انمول چپ کو شہر بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ اسے آئینہ دکھا دیا'' اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''تم سرکاری پالیسیوں کی اسیری سے بڑی حد تک آزاد ہو۔ اس روک ٹوک سے ان لوگوں کو احساس دلا سکتے ہو کہ یہ ان کے لیے کھلا میدان نہیں ہے۔''

''یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ ویرا کی گھات میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ آج اس نے مجھ سے ویرا کے بارے میں بھی بات کی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''میں اس بارے میں سوچتی رہی ہوں' ویرا نے ہماری باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ ایک مرتبہ تم مجھے گیری کے حوالے کر ہی دو۔''

''کیا کہہ رہی ہو!'' جلال نے حیرت زدہ ہوکر بے ساختہ کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں'' ویرا نے ہنس کر کہا ''کرنل داور اپنے فرض سے سبک دوش ہوجائے گا۔ میں اس کے ہاتھ پیر توڑ کر لوٹ آؤں گی۔ ان لوگوں کے جانی اتلاف سے تمہاری سرکار کے لیے کچھ پیچیدہ مسائل پیدا ہوسکتے ہیں لیکن اس قسم کی رسمی مار دھاڑ پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خود بھی اپنی اس تذلیل کا ڈھنڈورا نہیں پیٹیں گے۔''

''یہ نہ کہو۔ سیاسی فائدے کے لیے وہ اپنے آدمیوں کو ذلیل تو کیا، رسوا بھی کر سکتے ہیں۔ ان سے کوئی حرکت بعید نہیں ہے'' جلال نے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' میں نے پوچھا ''تمہاری بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اگر یہ کوئی قابلِ عمل تجویز ہوئی تو میں اس پر ضرور غور کروں گا۔''

''سو فیصد قابلِ عمل اور آسان ترکیب ہے'' ویرا چٹکی بجا کر بولی ''اس نے تمہیں اولڈ کلفٹن بلایا تھا۔ تم اسے نیو کلفٹن کے کسی ویران حصے میں بلا لو۔ میں بے ہوش بنی رہوں گی۔ تم مجھے اس کے حوالے کر کے لوٹ آنا۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گی۔''

''وہ تمہارے ساتھ کوئی نازیبا حرکت بھی کر سکتا ہے'' میں نے ہنس کر کہا ''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ سب تم سے کتنی نفرت کرتے ہیں؟''

''وہ کیا کریں گے۔'' ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی ''میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں، جسے وہ آسانی سے بے دست و پا کر کے من مانی کر لے گا۔ میں اسے زندگی بھر کے لیے عورت کی ضرورت سے محروم کر دوں گی۔''

''افوہ!'' میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا ''بعض اوقات تم سے بات کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ تمہیں لے جانے سے پہلے وہ تمہارے ہاتھ پیر باندھ سکتا ہے، تمہارے اعصاب کو مفلوج کرنے والی کسی دوا کا انجکشن لگا سکتا ہے۔ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ آخر تم اسے اتنا گھامڑ کیوں سمجھ رہی ہو، وہ بہت چالاک آدمی ہے۔''

اس کے بے جھجک جواب نے مجھے جلال کے سامنے شرمندہ کر دیا تھا۔

''وہ کتنا ہی چالاک ہو۔ اگر اسے یہ نہ بتایا جائے کہ تم اسے کس مقصد کے لیے بلا رہے ہو تو اس کے پاس ایک دو ہتھیاروں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ اس ویرانے میں رسی اور انجکشن وغیرہ کہاں سے حاصل کرے گا؟'' ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''بات سمجھ میں آ رہی ہے'' جلال نے مجھے آنکھ مار کر کہا ''یہ ویرا کے دل گردے کی بات ہے کہ وہ اتنی بڑی پیشکش کر رہی ہے۔ کسی مناسب وقت پر اس تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے۔''

جلال کے لیے گیری سے میری دو ملاقاتیں گہری دلچسپی کا مرکز تھیں۔ اس نے ویرا کی تجویز کی مشروط قبولیت کے ساتھ اسے خاموش کر دیا اور پھر اپنے سوالات کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

وہ ان ملاقاتوں کی ہر بات جاننے کا خواہاں تھا۔ اسے حیرت تھی کہ گیری نے جیپ کے بارے میں میرے الزام کو ذرا سے ہیر پھیر کے ساتھ تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے تجربے کے مطابق وہ لوگ آسانی سے اپنی غلطی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ہر حیل و حجت کے ساتھ اپنے سر سے بلا ٹالنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس کی دانست میں وہ میرے مذاکرات کی خوبی تھی کہ میں نے دلائل کے سہارے گیری کو ایسے گوشے میں لے جا کر کھڑا کر دیا تھا جہاں اس کے لیے حقیقت کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی متبادل چارۂ کار نہ رہا ہوگا۔

زور و شور سے باتیں ہوتی رہیں۔ ویرا پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ اس دوران میں جلال نے سوبھراج کا کوئی ذکر نکالا نہ میں نے وہ قصہ چھیڑا۔ اس بارے میں ہونے والی پیش رفت ویرا کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ شیخی میں آ کر اس بارے میں کچھ کہہ ڈالے گی اور ہمیں جلال کو وہ کہانی بھی سنانی پڑ جائے گی۔

ویرا بہت بولتی تھی۔ اسے دنیا کے ہر موضوع پر بے تکان بولنے کا خبط تھا لیکن دوران گفتگو وہ اپنے ہر مخاطب کے رجحان کا دھیان رکھتی تھی۔ اپنی اس ہوش مندی کی بنا پر اس نے اندازہ لگا لیا کہ بات چیت میں کئی مرتبہ موقع آنے کے باوجود میں نے اپنی طرف سے سوبھراج کا ذکر چھیڑنے میں پہل نہیں کی تھی۔

اس بارے میں، میں چپ تھا تو ویرا نے بھی اپنی زبان بند رکھی۔

گفتگو کے دوران میں غزالہ، ابرار کے ساتھ چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو جلال سے اس کی سلام دعا ہو چکی تھی۔ سلطان شاہ پہلے ہی اس سے مل کر چلا گیا تھا۔

جلال کے لیے اسلام آباد اور کراچی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کا ایک پیر کراچی میں تو دوسرا اسلام آباد میں ہوتا تھا مگر اس نے اسی رات شہر سے روانگی کی اطلاع دے کر اس ملاقات کو کسی حد تک الوداعی رنگ دے دیا تھا۔

وہ روانگی کے ارادے سے اٹھا تو میں نے آواز دے کر غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی بلا لیا۔ چاروں نے پھاٹک تک آ کر الوداعی انداز میں اسے رخصت کر دیا۔

''کیا کر رہے ہو؟ وہ نمبر تمہیں اب تک نہیں ملا'' گھر میں واپس جاتے ہوئے میں نے ازراہِ تمسخر سلطان شاہ سے سوال کیا۔

''ایک ایک نمبر کو دیکھنا بہت عرق ریزی کا کام ہے'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا ''کئی نمبر ایک ایک ہندسے سے رہ گئے لیکن میں لگا ہوا ہوں۔ آدھے سے زیادہ اوراق دیکھ لیے ہیں۔ تھوڑی دیر میں نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''

''جلال آ گیا تھا تو اس سے ذکر کر دیتے'' ویرا بولی ''اس کا کوئی آدمی ذرا سی دیر میں سب کچھ معلوم کر کے فون پر بتا دیتا۔''

''تمہاری زبان پر تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ یہ کام تم بھی کر سکتی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے اس کے سامنے سوبھراج کا نام ہی نہیں لیا۔ میں سمجھی کہ تم اس کے سامنے تازہ قصے کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔''

''تم نے اچھا کیا۔ ذرا سی بات کرتا تو اسے پورا قصہ بتانا پڑ جاتا'' ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں نے توصیفی لہجے میں کہا ''یہ ذرا نازک معاملہ ہے۔ سوبھراج کے وارنٹ نکلے ہوئے

ہیں، ملک بھر کی ساری صوبائی اور وفاقی ایجنسیاں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ جلال کو ذرا سی بھی بھنک مل جاتی تو یہ قصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا۔''

''تم نے اس بارے میں ابھی تک اول خان سے بھی بات نہیں کی۔ کیا اسے بھی اندھیرے میں رکھنے کا ارادہ ہے؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''وہ خود غائب ہے۔ پتا نہیں کہاں الجھا ہوا ہے۔ ابھی ہمارے پاس ایک مشتبہ فون نمبر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے گا تو دیکھا جائے گا کہ ہمیں کس سے کتنی مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت تک اول خان سے بھی رابطہ ہو جائے گا۔''

''آؤ! دھندے پر چلتی ہو؟'' سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

''میرا موڈ نہیں ہو رہا۔ باقی اوراق تم ہی دیکھ ڈالو'' ویرا نے کسل مندی سے کہا۔

''مجھے معلوم تھا کہ یہ کام مجھے کرنا پڑے گا۔ تم صبر اور تحمل کے ساتھ ٹک کر کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ فوری نتیجے والے کاموں میں تمہارا دل خوب لگتا ہے'' سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم سے جاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں، میں ایسی ہی نکمی اور نالائق ہوں۔ تم جا کر نمبر تلاش کرو۔ ہمیں اب دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے کام کرنے کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے'' ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر نرمی سے کہا اور سلطان شاہ ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''قصہ ہاتھ سے نکلنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی'' اس کے جاتے ہی ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی'' کیا تم سوبھراج کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا ارادہ کر چکے ہو۔''

''تم قبل از وقت نتیجے اخذ کر رہی ہو۔ یہ سوت نہ کپاس، جولاہے سے لٹھم لٹھا والی بات ہے۔ ہم اپنے طور پر ایسا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ہماری کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ ہمیں اول خان کو اعتماد میں لینا ہوگا۔''

''میں یہی کہنا چاہ رہی تھی'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی'' خوشی کی بات ہے کہ تمہیں اپنی قانونی حیثیت کا علم ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ اس معاملے میں اول خان اور ایس ٹی ایف کی پوزیشن ہم سے مختلف نہیں ہے۔''

اس کی بات درست تھی۔ ہم چاروں عام شہری تھے تو ایس ٹی ایف ماورائے آئین تھی۔ آئینی طور پر اسے قانون کے نفاذ یا تحفظ کا کوئی ریاستی اختیار حاصل نہیں تھا۔ ہمیشہ یہی ہوتا آیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے مکمل کیے ہوئے کیسز کا سہرا آخر میں پولیس کے سر سجا دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ہر پولیس افسر ایس ٹی ایف والوں کا لحاظ کرتا تھا۔

''سوبھراج وفاقی اور آئی بی کا کیس ہے۔ اگر کامیابی کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے جلال کو اعتماد میں لیا جائے گا۔''

''اور اول خان کو آپ نظر انداز کر دیں گے!'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی تم نے سنا نہیں کہ ویرا کیا کہہ رہی تھی۔ ہماری اور اول خان کی حیثیت یکساں ہے۔ ہم سب مل کر چلیں گے۔ کسی قانونی ادارے کی اعانت کی ضرورت پیش آئے تو جلال ہمارا پہلا اور آخری انتخاب ہوگا۔''

''اب بات صاف ہو گئی'' ویرا مطمئن ہو کر بولی'' یہ سوبھراج کیس میں ہماری پالیسی ہو گی۔ دیکھنا ہوگا کہ سلطان شاہ کیا خبر لاتا ہے۔''

''مجھے توی امید ہے کہ وہ اچھی خبر لائے گا۔ ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ سوبھراج کی کمین گاہ کا ابتدائی سراغ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔'' غزالہ نے کہا۔

''اپنی نہیں، میری محنت کہو'' ویرا نے شوخی سے اس کی تصحیح کی'' میرے چلے جانے پر تمہارے میاں مٹھو نے تو ناراض ہو کر خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔ میں گھر سے قدم باہر نہ نکالتی تو یہ ذرا سی ہلچل بھی نظر نہ آتی۔''

''چلو، یوں ہی سہی!'' غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا'' یہ صرف تمہارے قدموں کی برکت ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں، کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔''

''تم اپنی زبان سے جو چاہو کہتی رہو، اس وقت بھی تمہارا دل گواہی دے رہا ہوگا کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو کبھی خفت یا شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔''

''یہ فضول دعوے نہ کرو'' میں نے ان دونوں کی بحث میں شامل ہوتے ہوئے کہا'' تھوڑی دیر پہلے تم نے گیری کو عورت کی ضرورت سے محروم کرنے کا ذکر کر کے مجھے جلال کے سامنے پانی پانی کر دیا تھا۔ ایسی گھٹیا باتیں تیسرے درجے کے غنڈے کیا کرتے ہیں۔''

''میں بھول گئی تھی کہ آج کل گیری سے تمہاری گاڑھی چھن رہی ہے۔ میری بات تمہیں ضرور بری لگی ہو گی۔ اب تم اسے دوسرے پیرائے میں ظاہر کر رہے ہو۔''

''کیا قصہ تھا۔ کیا کہا تھا ویرا نے؟'' غزالہ نے متجسس

لہجے میں پوچھا۔
''میں ایسی فضول باتوں کو اپنی زبان سے دہرانا بھی پسند نہیں کرتا۔''
''حالانکہ تم نے ابھی چند ثانیوں پہلے میری کہی ہوئی بات دہرائی ہے'' ویرا بحث پر اتر آئی۔ ''کبھی کبھی تم میرے ساتھ گہری منافقت کا کھیل شروع کر دیتے ہو۔''
وہ غیر ضروری لیکن طبیعت کو چونچال کر دینے والی بحث زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ سلطان شاہ کو ڈائریکٹری میں مطلوب نمبر مل گیا تھا۔ وہ مسرت آمیز انداز میں ڈائریکٹری اٹھائے ہماری طرف دوڑتا چلا آیا تھا۔
''مل گیا، یہ دیکھو...... یہ رہا وہ نمبر'' اس نے ڈائریکٹری میز پر رکھ کر ایک نمبر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ''شروع سے آدھے صفحے دیکھ کر میں تھک گیا تو میں نے آخر سے الٹے صفحات دیکھنے شروع کر دیے۔ یہ نمبر تیسرے یا چوتھے صفحے پر مل گیا۔''
''پاپولیشن ویلفیئر یعنی خاندانی منصوبہ بندی!'' ویرا اس نمبر سے اوپر جلی حروف میں چھپی ہوئی تحریر پڑھتے ہوئے بولی ''یعنی خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے کا کوئی افسر شیر دل کے بچوں کی پرورش کی ذمے داری پوری کر رہا ہے۔''
میں نے ویرا کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ میں ڈائریکٹری کے مندرجات دیکھ رہا تھا۔ وہ سندھ کی صوبائی حکومت کا ایک محکمہ تھا۔ نمبر سے پہلے نرمل کمار کا نام لکھا ہوا تھا۔
میں نے ڈائریکٹری کا سرورق دیکھا تو پتا چلا کہ وہ ڈائریکٹری کم و بیش ڈیڑھ سال پرانی تھی۔ ملک کی آزادی کے بعد ٹیلی فون کا محکمہ اس قدر آزاد ہوا تھا کہ سالانہ ڈائریکٹری کی بروقت اشاعت اور ترسیل کو ایک عیب سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔
سرکاری محکموں میں آئے دن تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ فون نمبر ان دنوں بھی نرمل کمار نامی افسر کے استعمال میں رہا ہو۔
ڈائریکٹری سے محکمے کا نام اور پتا مل گیا تھا۔ نرمل کمار سمیت اس محکمے کے چند اور افسروں کے نام سامنے آ گئے تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ ڈیڑھ دو سال کی مدت میں سب تبادلوں کی زد میں آئے ہوں۔ ان میں سے کئی کو اسی دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔
''ساری تفصیلات ایک الگ کاغذ پر نوٹ کر لو'' میں نے ڈائریکٹری ویرا کی طرف سرکا دی۔
''یہ بھی عجیب محکمہ ہے۔ ہر دس پانچ سال بعد ان کے

کاریات

''آپ کی بیگم کی ڈرائیونگ کیسی ہے؟''
''وہ جس طرح گاڑی موڑتی ہے، کبھی کبھی اتفاقاً سڑک بھی اسی طرف مڑ رہی ہوتی ہے۔''
''آپ کی گاڑی ایک گیلن میں کتنا چل جاتی ہے؟''
''اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ گیلن کس چیز کا ہے؟''

☆☆☆

یہ خاتون سامنے سے اپنی گاڑی میں آ رہی تھیں۔ اگر آپ انہیں گزرنے کے لیے راستہ دے دیتے تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔''
''میں ضرور راستہ دے دیتا جناب! بشرطیکہ مجھے اندازہ ہو جاتا انہیں کس طرف کا راستہ چاہیے۔''

☆☆☆

''اچھا...... تو تمہیں تیز رفتاری کے جرم میں میرے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تم کتنی مرتبہ میرے سامنے پیش ہو چکے ہو؟''
''ایک مرتبہ بھی نہیں مجسٹریٹ صاحب! البتہ سڑکوں پر کئی مرتبہ میں نے آپ کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میری گاڑی اسّی میل فی گھنٹا کی رفتار سے زیادہ چلتی ہی نہیں......''

☆☆☆

''یہ صاحب اس وقت کس رفتار سے جا رہے تھے جب ان کا چالان کیا گیا؟''
''رفتار کا مسئلہ تو بعد کا ہے سر...... اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ صاحب بادلوں کے قریب رانگ سائڈ جا رہے تھے۔''

☆☆☆

''میں نے دیکھا ہے کہ آپ اپنی کار اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بھی چلانے کے لیے دینے لگے ہیں۔''
''ہاں...... اس کی عمر اور تجربہ اتنا نہیں ہے کہ میں اسے کراچی کی سڑکوں پر پیدل بھیجنے کا خطرہ مول لے سکوں۔''

نعرے بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے کہتے تھے، کم بچے خوش حال گھرانا۔ پھر رت بدل گئی۔ کہا جانے لگا کہ بچے دو ہی اچھے۔ یہ ہدایت لوگوں کو پسند نہیں آئی کیونکہ وہ ہر کھیل کی گھریلو ٹیم پر یقین رکھتے تھے جس میں کم از کم گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں'' تفصیل لکھتے ہوئے ویرا کی زبان چل پڑی تھی ''ریفری بے ایمانی پر اتر آئیں تو کھلاڑیوں کی تعداد تیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ادھر چین میں فی خاندان ایک بچے کی مہم زور وشور سے چل رہی تھی۔ انہیں اعتراض ہوسکتا تھا کہ چینیوں نے دو ہی اچھے پر عمل شروع کر دیا تو ان کی مہم پورے سو فیصد فرق سے ناکام ہو گی لہٰذا تعداد کو ترک کر کے وقفے پر زور دیا جانے لگا۔ دیکھنا.....''

''کیا تم یہ سب ڈائریکٹری سے پڑھ کر سنا رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کی قطع کلامی کر کے ترشی سے پوچھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری زبان میں بچہ لگا ہوا ہے۔''

''کہتے ہیں جس کا کھاؤ اسی کا گاؤ۔ اس اصول کے مطابق جس کا لکھواؤ اسی کا بتاؤ'' ویرا نے سب کچھ نوٹ کرنے کے بعد نظریں اٹھا کر کہا ''میں تمہیں فیملی پلاننگ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ نام بدلیں یا نعرے، ہماری زرخیزی میں فرق پڑے گا نہ پیداوار کم ہو گی۔''

''تم بہک رہی ہو'' میں نے سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے کہا ''شام ہو گئی ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور نارمل ہو کر واپس آؤ۔ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ میری ہدایت سن کر وہ خوش ہو گئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

غزالہ، ویرا کا لکھا ہوا کاغذ اٹھا کر پڑھنے کے بعد بولی ''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ دو سال گزر جانے کے باوجود نرمل کمار اس دفتر میں اس جگہ موجود ہو؟''

''یہ مثبت امکان بھی ہے'' میں نے سر ہلا کر اعتراف کیا ''فی الحال میں منفی پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کل بہت کچھ ہمارے سامنے آجائے گا۔''

''آپ اس بارے میں ویرا سے کیا کام لینا چاہ رہے ہیں؟'' غزالہ نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''ابھی میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی کام نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ نے اس سے کہا تھا کہ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں ہنس دیا ''حیرت ہے کہ تم اتنی آسان باتیں بھی بعض اوقات نہیں سمجھ پاتیں۔ میں اسے تاکید نہ کرتا تو وہ اندر سے اپنا پیٹ بھر کر آتی، اب وہ ایک دو گلاس لے کر نکل آئے گی۔''

''یہ رموز وہی سمجھ سکتا ہے جو پیتا ہو یا پیتا رہا ہو'' سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی ''ہم دونوں اس معاملے میں اناڑی اور بے قصور ہیں۔''

ویرا کے ذہن پر اپنی کامیابی کا خمار طاری تھا۔ اس کی فطری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے لائے ہوئے فون نمبر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر لے۔ اس خواہش کے زیر اثر وہ زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکی اور میری توقع سے پہلے لوٹ آئی۔

''ہاں، تو تم نے کیا سوچا ہے، نرمل کمار کے بارے میں؟'' اس نے آتے ہی سوال کیا۔

''اس کے بارے میں بھی سوچ لیں گے۔ فی الحال میں تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے امکانات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا'' میں نے سنجیدگی سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''کس تجویز کی بات کر رہے ہو؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں گیری ہارٹ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ بہت خطرناک تجویز ہے۔ اس کامیابی کا سارا دارومدار تمہاری ہمت اور حوصلے پر ہوگا۔ اس نے تمہیں زیر کر لیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان لوگوں کے شکنجے سے نہیں نکال سکے گی۔''

''کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں'' غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا ''جب آپ دونوں اس بارے میں جلال سے بات کر رہے تھے تو میں کچن میں سب سن رہی تھی۔ وہ بہت خطرناک تجویز ہے جو ناکام ہو گئی تو وہ ویرا کے ساتھ من مانا سلوک کریں گے اور اسے امریکا لے جا کر عدالتی انصاف کے نام پر برقی کرسی پر بٹھا دیں گے۔''

''اس بہانے ویرا کو کرسی تو مل جائے گی'' سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا۔

اس بار میں نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور وہ سہم گیا۔ میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ میری یا جلال کی نہیں، ویرا کی تجویز تھی۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ ویرا ناکام ہوئی تو اس کو بدترین انجام کا سامنا کرنا پڑے گا مگر میں پھر بھی سنجیدہ ہوں۔''

''تم دونوں بولے جا رہے ہو'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرے بارے میں بات ہو رہی ہے تو سب سے پہلے مجھے بولنے کا حق ہے۔ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر میں اب بھی اپنی

پیشکش پر قائم ہوں مگر یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے نرل کمار کے بارے میں کچھ طے کرو۔''
''تمہارے ذہن میں اس بارے میں کیا موجود ہے؟''
''ہمیں اپنے کام کی ابتدا دفتر سے کرنی پڑے گی'' ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''یہ ابتدا کون کرے گا؟'' میں نے براہِ راست اسی سے سوال کیا۔
''یہ تو سیکریٹریٹ کا ہے۔ وہ حسّاس علاقہ ہے۔ وہاں سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔ میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں مگر میری کامیابی کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس دفتر تک پہنچنے سے پہلے کسی شبہے میں دھرلی جاؤں اور پھر جلال کو میری رہائی کے لیے کام کرنا پڑے۔ یہ رسک منظور ہے تو میں صبح نکل جاؤں گی۔''
''میں یہ ہار تمہارے گلے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کررہا'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''میں نے تم سے مشورہ طلب کیا تھا۔''
''سلطان شاہ بھی یہ کام کرسکتا ہے لیکن اس میں تیزی سے بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت کی کمی ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا جانا بہتر رہے گا۔''
''مجھے کوئی عذر نہیں لیکن غزالہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''
''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو اور غزالہ رضامند ہو تو اسی کا جانا سب سے زیادہ سودمند رہے گا۔'' ویرا خوش ہوکر بولی ''بہبود آبادی والوں کو ہر وقت پڑھی لکھی لڑکیوں کی ضرورت رہتی ہے جو گھر گھر جاکر عورتوں کو اپنی مہم کی افادیت سمجھا سکیں۔ غزالہ ملازمت کی ایک امیدوار بن کر سیدھی نرل کمار کے پاس جاسکتی ہے۔''
''یہ طریقہ شان دار رہے گا'' سلطان شاہ نے اس کی تائید کی ''مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ میرے بارے میں ویرا کی رائے اچھی نہیں ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اس نے میرا مقابلہ کسی للو پنجو کے بجائے تم سے کیا ہے'' آخری فقرہ اس نے مجھ سے کہا تھا۔
''مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور شکایت کرو گے لیکن کام کے مسئلے میں، میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتی۔ بے خوف ہوکر اپنی بے لاگ رائے دیتی ہوں۔''
میں نے ویرا کی بات کاٹ دی ''اب اس بحث کو طول نہ دو۔ غزالہ کے بارے میں میری بھی یہی رائے تھی کہ یہ ملازمت کی تلاش میں وہاں پہنچے۔''
''اپنی ڈگری اور دوسرے کاغذات وغیرہ بھی ساتھ لیتی جانا تاکہ کسی کو تمہارے اوپر کوئی شبہ نہ ہو'' ویرا نے اسے مشورہ دیا۔
''مجھے خوشی ہورہی ہے کہ گریجویشن کے بعد میں آج پہلی بار اپنی ڈگری کا ذکر سن رہی ہوں'' غزالہ بولی ''گھرداری اور دوسرے مسائل میں پڑکر میں بھول چکی تھی کہ میں نے کوئی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔''
''ڈگری پر تمہارے نام کے ساتھ ڈیڈی کا نام تو نہیں ہے؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔
''ڈگری غزالہ زیدی کے نام پر ہے'' میں نے اسے بتایا ''غزالہ کے والد کا نام زوار زیدی تھا اور وہ ریٹائرڈ کرنل تھے۔ مرحوم بہت نفیس اور وضع دار انسان تھے۔''
''جبھی تم کرنل داور بنے ہوئے ہو'' ویرا یوں بولی جیسے اس نے کوئی بڑا راز پالیا ہو۔ دونوں ناموں میں حیرت انگیز مماثلت ہے اور عہدہ تو بالکل وہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سسر کا نام تمہارے لاشعور سے چپکا ہوا ہے۔ اس رشتے میں ایسی اپنائیت خال خال ہی ملتی ہے۔''
''ان کے ہمارے گھرانے پر بہت احسانات ہیں۔ ڈیڈی انہیں بہت پسند کرتے تھے۔'' بھولے بچھڑے باپ کا ذکر کرتے ہوئے یکا یک اس کی آواز کچھ کمزور پڑگئی۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی جھکی ہوئی آنکھوں کی نمی میں نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے سینے کا زیر و بم بتا رہا تھا کہ اسے یکا یک جذباتی ابال نے آلیا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں بیٹھ سکی۔ ان دونوں نے بھی غزالہ کی بدلی ہوئی کیفیت بھانپ لی تھی۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اور کمرے کی فضا پر اداسی چھا گئی تھی۔ اچانک غزالہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہمارے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''بے چاری!'' ویرا نے سر جھٹک کر ہمدردانہ لہجے میں کہا ''لڑکیوں کے لیے شریف النفس باپ واقعی ایک نعمت ہوتا ہے۔ بدنصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جو اپنی ماؤں سے پیار کرتی ہیں لیکن باپ کو ایک آنکھ پسند نہیں کرتیں۔''

''حیرت ہے کہ ایک بنتِ مغرب ایسی خالص مشرقی بات کہہ رہی ہے'' سلطان شاہ بولا۔

''ایک غزالہ ہے جو اپنے باپ کے ذکر پر آزردہ ہوگئی اور مجھے دیکھو، میں کبھی اپنے باپ کی یادوں کو پوجتی ہوں اور کبھی اس کی بے نیازی پر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔'' وہ سلطان شاہ کی بات کو نظر انداز کر کے اپنی رو میں بولنے لگی ''میں زندگی بھر تڑپتی رہی، اس سے التجائیں کرلیں۔ وہ مرتے مرگیا لیکن اس نے ایک بار بھی بیٹی کہہ کر میرے سر پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا۔ میری ماں کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے شادی کیے بغیر خود کو میرے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ ماں کی اس غلطی کی قیمت میں نے باپ کی محبت سے محرومی کی صورت میں ادا کی ہے۔ اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔''

''اب جی لائیڈ اس دنیا میں نہیں ہے'' میں نے نرمی سے ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''وہ کسی دوسرے جہان میں اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوگا۔ وہ میرا بدترین دشمن لیکن تمہارا باپ تھا۔ اب تمہیں اس کو معاف کردینا چاہیے۔''

ویرا تلخ انداز میں ہنس پڑی ''وہ میری پہنچ سے بہت دور چلا گیا۔ اب میں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ میں نے اسے معاف کردیا ہے اور کبھی کبھی اس کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرتی رہتی ہوں۔ میرے سینے میں ایک محروم بیٹی کا دل ہے۔ کبھی کبھی وہ تڑپتا ہے تو میری زبان کھل جاتی ہے، ورنہ بند رہتی ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب ویرا سے کیا بات کروں؟ کچھ یہی کیفیت سلطان شاہ کی تھی۔ وہ بھی اپنی زبان بند کیے بیٹھا تھا۔

ویرا نے میز پر سے پیکٹ اٹھا کر سگریٹ سلگائی اور اس کا ایک گہرا کش لے کر ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں سکیڑا اور دھوئیں کے گول گول مرغولے میرے چہرے پر چھوڑ دیے۔

''دغاباز!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استہزائیہ آواز نکلی جو میں نے سن لی لیکن دور ہونے کے سبب وہ دو ذو معنی الفاظ سلطان شاہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکے۔

میں یکا یک خود کو بے آرام محسوس کرنے لگا۔ میری دلی خواہش تھی، ویرا جلد از جلد اٹھے اور وہاں سے دوبارہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔

''تمہاری بیوی بہت خوبصورت اور باوقار ہے'' اس نے میری طرف متوجہ ہو کر بولنا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ ہمیشہ غزالہ کا نام لیتی تھی مگر اس وقت اس نے غزالہ کا ذکر میری بیوی کی حیثیت سے کیا تھا جو اچھا شگون نہیں تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''کسی مرد کے مقابلے میں اسے آسانی سے سندھ سیکریٹریٹ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ آج ماضی کی یادوں نے مجھے اور تمہاری بیوی کو کبیدہ خاطر کردیا۔ امید ہے کہ آنے والا دن ہم دونوں کے لیے خوشی کا پیغام لائے گا۔ یہ......''

ویرا کی بات نامکمل رہ گئی۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں نظر آنے والا نمبر میرے لیے اجنبی تھا۔ اسی لمحے سات کے ابتدائی ہندسے سے مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے سرعت سے کال لے لی۔

''مہیش! جلدی آؤ، وہ گھر آیا ہوا ہے'' فون پر شیبا کی دھیمی اور خوف زدہ آواز سنائی دی ''وہ کچن میں کاغذ جلا رہا ہے۔ میں نے اپنی جان پر کھیل کر تمہیں فون کیا ہے۔ اسی وقت اڑ کر یہاں آجاؤ!'' اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

دوپہر کو ویرا نے شیبا کے نام سے فون پر دھوکا دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس بار یقیناً وہی تھی، میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور اس کا پیغام سن کر سکتے میں آگیا تھا۔

وہ پیغام واضح نہیں تھا۔ شیبا کے پاس دونوں میں سے کوئی بھی آسکتا تھا۔ ایک اس کا شوہر تھا اور دوسرا اس کا عاشق۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس وقت شیبا کے کچن میں سوبھراج اور سنیل میں سے کون کاغذ جلا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازلے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معانی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ دکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار ننک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں ننک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے ننک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے ننک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں ننک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف ننک کی موت کو ڈیلی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسر پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی کا فون موصول ہوا اس کے گھر میں سوبھراج یا سنیل موجود تھا اور کچھ کاغذات کو نذر آتش کر رہا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 233 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''تم سکتے میں کیوں آ گئے؟ یہ کس کا فون تھا؟'' ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری کالی زبان سے جو کچھ نکلا تھا وہ ہو کر ہی رہا'' میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا ''دوپہر کو تم نے شیبا کے نام سے دھوکا دے کر مجھے میرے کمرے سے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت اسی کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' غزالہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''کیا وہ واقعی کسی خطرے سے دوچار ہے؟'' غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی ویرا نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''اس کے بارے میں یہ فرضی بات تم نے کہی تھی؟'' میں نے تلخی سے اسے جتایا ''اس وقت وہ کوئی اور خبر سنا رہی تھی۔''

ویرا ہنس دی اور قدرے بے بسی سے بولی ''کیا کہہ رہی تھی وہ؟''

''وہ آیا ہوا ہے اور کچن میں کاغذ جلا رہا ہے'' میں نے اسے بتایا۔

''کون...... وہاں کون آیا ہوا ہے؟'' اس ادھوری اطلاع کے نتیجے میں ویرا کے ذہن میں بھی وہی سوال ابھرا تھا جو میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

''اس نے جو کچھ بتایا' وہ میں نے دہرا دیا۔ یہ معمّا حل کرنا تمہارا کام ہے۔''

''سوبھراج یا سنیل...... ان دونوں میں سے کون وہاں ہو سکتا ہے؟'' سلطان شاہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''ایک اس کا شوہر ہے اور دوسرا عاشق، ہو سکتا ہے کہ تخلیے سے فائدہ اٹھانے کے لیے سوبھراج چپکے سے وہاں پہنچ گیا ہو۔ آوارہ مردوں کے لیے کسی پسندیدہ عورت کی طلب بہت منہ زور ہوتی ہے۔ اپنی من پسند عورت کی رفاقت میں چند خوشگوار لمحے گزارنے کی لیے وہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔''

''سوبھراج ہوتا تو شیبا اس کی آغوش میں ہوتی' اسے فون کرنے کا موقع نہ ملتا'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''وہاں آنے والے کو ایک دل کش اور جوان عورت سے زیادہ کاغذوں کی تلفی سے دلچسپی ہے......''

''کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ عاشق ہر لمحے اپنی معشوقہ پر فدا ہونے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ شوہر اپنی قابلِ رشک بیویوں کی طرف سے بھی اکثر بے رغبتی کا شکار ہونے لگتے ہیں' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

''ویرا!'' غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے مخاطب کیا ''تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ایک عورت کی زبان سے ایسی کھلی کھلی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

غزالہ کے اعتراض پر ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''کسی کے کچھ کہنے یا نہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' حقائق اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں پھر کیوں نہ زندگی کی حقیقتوں کے

بارے میں کھل کر بات کی جائے۔ اگر سوبھراج کے لیے عاشق کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے تو پھر اس کی معشوقہ کی بات کیوں نہ کی جائے؟''

''ضرور کرو!'' اس بار سلطان شاہ بول پڑا ''عشق کے لیے عاشق کی ایک طرح دار معشوقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جب وہ دونوں ملتے ہیں تو بات بہت آگے تک چلی جاتی ہے۔ ڈینی نے سوبھراج کی آغوش کا ذکر کر کے بات کو ٹال دیا۔ تم اس بارے میں دل کھول کر تفصیل بیان کر سکتی ہو۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''ہم چاروں قانونی اصطلاح میں عاقل و بالغ ہیں۔ ایک نکتے سے ہر رمز کو سمجھ سکتے ہیں۔ دو چاہنے والوں کے وصل کے لمحوں کی لفظی تصویر کشی فحاشی کے زمرے میں آتی ہے۔ میں یہ الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چاہو تو یہ کام تم کر سکتے ہو۔''

''میں بے تول بات نہیں کرتا'' سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا ''میں پہلے تولتا ہوں پھر بولتا ہوں۔ یہ سبق میں نے ڈینی سے سیکھا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو انسان کو اکثر اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑ جاتا ہے۔''

''تم لوگ کس بحث میں الجھ گئے؟'' میں نے ترش لہجے میں انہیں ڈانٹا۔ ''میں شیبا کی فون کال کے بارے میں تم تینوں کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔''

''میں تمہارے اندازے سے متفق ہوں'' ویرا نے بلا توقف جواب دیا ''وہاں آنے والا سوبھراج ہوتا تو وہ شیبا کے ساتھ بستر پر رنگ رلیوں میں مصروف ہوتا۔ شیبا کو تمہیں فون کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ شیبا کا فون آنے کا مطلب ہے کہ وہاں پہنچنے والا اس کا شوہر ہے جو گھر کی مرغی کو دال برابر تصور کرتا ہے' اس کی نظروں میں شیبا کے سنہرے وجود کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ جب چاہے اس سے کھیل سکتا ہے۔ اس کے لیے ان کاغذوں کی تلفی زیادہ اہم ہے جو اس کی گردن کٹوانے کا سبب بن سکتے ہیں......''

''یہ بقراطی جھاڑ کر تم وقت برباد کر رہی ہو'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا ''ہمارے لیے وہ دونوں اہم ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہاں آنے والا کون ہے۔ جو بھی ہے' اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔ شیبا نے فون کر کے اپنا فرض پورا کر دیا۔ ہم یہاں بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہیں۔''

سلطان شاہ کی وہ ناراضی بالکل بجا تھی۔ میں نے مزید کچھ کہے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''چاہو تو میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں'' ویرا نے کہا۔

میں نے ایک لحظے کے لیے سوچا پھر جواب دیا ''تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا'' یہ کہہ کر میں نے سلطان شاہ پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں ''تم تیار ہو جاؤ۔ میں دو منٹ میں اپنے کمرے سے ہو کر آتا ہوں۔''

سنیل کے گھر آنے والا کوئی بھی رہا ہو' میں اس سے اکیلا نمٹ سکتا تھا لیکن بہتر یہی تھا کہ اس مہم پر کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو۔ سنیل کے گھر میں اپنے حریف کا سامنا کرتے ہوئے یہ بات ہر حال میں طمانیت کا باعث ہوتی کہ باہر سلطان شاہ موجود تھا اور میری تیز تر واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آ سکتی تھی۔

چند منٹ بعد ہم دونوں سنیل کے گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

''سولجر بازار کا نام تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟'' راستے میں سلطان شاہ نے قدرے پرخیال انداز میں مجھ سے کہا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے چونک کر لمحہ بھر کے لیے اس کے الفاظ پر غور کیا پھر حلاوت سے پوچھا ''اس نام میں تمہیں کیا خرابی نظر آتی ہے۔''

''ہماری قومی زبان اردو ہے۔ سولجر انگریزی لفظ ہے۔ کیا ہمارے شہری قائد اس کا نام فوجی بازار نہیں رکھ سکتے تھے؟''

''وہ علاقہ آزادی کے بعد قائم ہوا ہوتا تو شاید اس کا نام یہی یا اس جیسا ہوتا'' میں نے ہنس کر کہا ''تم کمسن ہو اس لیے نادان بھی ہو۔ تمہاری عمر پاکستان کی عمر سے بہت کم ہے اس لیے تم ان باتوں سے ناواقف ہو۔''

اس وقت سلطان شاہ کا ذہن اس گرہ میں الجھ گیا تھا۔ ویسے بھی خاموشی سے سفر کرنے کے بجائے باتیں کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق اسے شہر کے ماضی کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

پاکستان کے قیام کے وقت کراچی کوئی بڑا اور مشہور شہر نہیں تھا، نہ اس کی آبادی کروڑ سے متجاوز تھی۔ مختصر سی آبادی کے روزگار کا انحصار ماہی گیری اور تجارت پر تھا۔ آبی اور فضائی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے شہر کی اہمیت تھی اور اسی وجہ سے یہاں برطانوی افواج کی چھاؤنی قائم تھی۔

اپنے شہری اور فوجی عملے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے شہر میں بہت سے ترقیاتی کام کیے تھے جن میں بازاروں' مارکیٹوں اور تفریح گاہوں کا قیام شامل تھا۔ سولجر بازار' ایمپریس مارکیٹ' بولٹن مارکیٹ' فریئر ہال' میری ویدر ٹاور' لی مارکیٹ اور سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ وغیرہ اسی

دور کی یادگاریں تھیں اور شہر کی سڑکوں پر بچھی ہوئی ٹراموے لائن کی پٹریاں ان میں سے بیشتر مقامات کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں۔ صرف کلفٹن کی ساحلی تفریح گاہ ٹرام کی سہولت سے محروم تھی۔

''تم نے میری الجھن دور کردی'' سلطان شاہ وہ سب سن کر بولا ''شہر بلکہ ملک کی تھوڑی بہت تاریخ تو میں نے اسکول میں بھی پڑھی تھی لیکن یہ سولجر بازار میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ اب بات بالکل صاف ہوگئی۔''

''سولجر بازار اور گرومندر اس زمانے میں شہر کی آخری حد ہوا کرتا تھا......''

سلطان شاہ نے شوخ انداز میں میری بات اڑادی ''تم اتنے اعتماد سے یہ بات بتا رہے ہو جیسے تم اس وقت موجود رہے ہو حالانکہ تمہاری عمر بھی پاکستان سے بہت کم ہے۔''

''یہ سنی اور پڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مہاجروں کی آمد کے نتیجے میں یہ شہر تینوں سمتوں میں بہت تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ اور آج بھی روزگار کی تلاش میں ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والوں کے لیے اس غریب پرور شہر کا دامن کشادہ ہے۔ تم اپنے شہر سے یہاں آئے ہو۔ میں لاہور میں ٹھوکریں کھانے کے بعد یہاں آیا تھا۔ آج یہ شہر ہم دونوں کی بہترین پناہ گاہ ہے۔''

''تم ویرا کو بھول گئے؟'' سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ امریکا سے ہجرت کرکے یہاں آئی ہے اور کراچی نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔''

''کراچی کی مہمان نوازی کی تاریخ بہت قدیم اور وسیع ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ سے آنے والے ہزاروں مصیبت زدہ لوگوں کے قافلوں نے یہاں پناہ لی تھی جن میں سے بہتیرے ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ وہ امتداد زمانہ سے مرکھپ گئے لیکن ان کی اولادیں آج بھی اسی شہر میں کہیں رہ رہی ہوں گی۔''

''سنیل کے گھر میں داخل ہونے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟'' جیل والے چوراہے سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

''شیبا میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہاں داخل ہونے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آنا چاہیے۔''

''اس نے سنیل کا دوست سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ تمہارے اندر پہنچنے کے بعد وہ تمہارے جارحانہ تیور دیکھے گی تو بوکھلا جائے گی......''

''ایک بار گھر میں داخل ہوجانے کے بعد میرے لیے ان دونوں کو سنبھالنا مشکل نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''وہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں اپنے لائحہ عمل کا کوئی نہ کوئی خاکہ بنالینا چاہیے'' اس نے دبے لفظوں میں مشورہ دیا۔

''سب کچھ سامنے کی بات ہے'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''میں اندر جاؤں گا۔ تم گاڑی کے ساتھ باہر رکے رہوگے۔ مجھے قوی امید ہے کہ میں اندر کے حالات پر قابو پالوں گا۔ احتیاط کے طور پر تمہیں یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ وہاں سے کوئی نکل کر فرار نہ ہونے پائے۔''

''میری دلی دعا ہے کہ تم اندر والے کو زیر کرلو لیکن وہاں سے کوئی نکلتا ہوا نظر آ گیا تو مجھے کس حد تک جا کر اسے روکنا ہوگا۔''

''ہاتھ پیروں سے کام نہ چلے تو تم بے دریغ ہتھیار استعمال کرسکتے ہو۔ اس کے زندہ ہاتھ آنے میں ذرا بھی شبہ ہو تو بے فکر ہو کر اسے وہیں ڈھیر کردینا۔ اب سوبھراج اور سنیل کی جوڑی کو ٹوٹنا چاہیے۔ ان کی رسی بہت دراز ہوچکی ہے۔''

''میں یہی جاننا چاہ رہا تھا'' سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''بات بڑھ جانے کی صورت میں اب میں کھلے دل کے ساتھ معاملات سنبھال سکوں گا۔''

باتیں کرتے ہوئے ہم سولجر بازار میں مارکیٹ کے عقبی علاقے میں پہنچے تو ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اور اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں۔

میں نے گاڑی سنیل کے گھر کے قریب روک دی اور الوداعی انداز میں سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر گاڑی سے اتر گیا۔

گھنٹی بجانے کے بجائے نیچے کا چوبی دروازہ کھول کر میں پنجوں کے بل مختصر سے زینے طے کرتا چلا گیا۔ دروازے پر دستک دینے کا ارادہ میں نے آخری لمحے پر ملتوی کردیا اور دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ دروازے کی خفیف سی جنبش محسوس کرتے ہی میں نے ہاتھ ہٹالیا۔ میرا دل خوش ہوگیا۔ واقعات سے ثابت ہورہا تھا کہ شیبا نے سنیل سے میری گہری دوستی کی کہانی کو پوری طرح قبول کرلیا تھا اور وہ میری مدد سے اپنے نابکار شوہر کو سوبھراج کے چنگل سے نکالنے کی خواہش مند تھی۔

اگر سنیل گھر آیا ہوا تھا تو شیبا کی دانست میں مجھے اس کو سمجھانا چاہیے تھا۔ سوبھراج وہاں تھا تو اس سے میرا تصادم ضروری تھا۔

وہ شیبا کی سوچ تھی۔ اس نے مجھے فون پر باخبر کرکے اپنا

فرض پورا کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مہیش اگروال اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گا اور وقت ضائع کیے بغیر اس کے گھر آئے گا اسی لیے اس نے دروازہ اندر سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں اس گھر میں شیبا کے ساتھ کچھ وقت گزار چکا تھا۔ میں نے اس گھر کا نقشہ اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ اگر میرا حریف کچن میں ہی مصروف تھا تو اسے بیرونی دروازہ کھلتا ہوا نظر نہیں آ سکتا تھا۔

میں نے دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گہرے سناٹے کا راج معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ اس دروازے کے قبضے سخت اور زنگ آلود نہ ہوں۔ قبضوں سے پیدا ہونے والی کوئی بھی آواز اس وقت میرا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ مزید چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے پٹ پر دباؤ ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر روانی سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

اس دوران میں، میں اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا۔ اپنے حریف کو دور سے خوف زدہ کرنے کے لیے کسی آتشیں ہتھیار کی نمائش ضروری تھی۔

میں نے دروازے کو صرف اتنا دھکیلا کہ میں گزر کر اندر داخل ہو سکوں۔ اگلے لمحے میں گھر میں داخل ہو چکا تھا جہاں جلے ہوئے کاغذوں کی تیز بو سے فضا بوجھل ہو رہی تھی۔

وہ قدیم طرز کی مضبوط پتھریلی عمارت کا اوپری حصہ تھا۔ فلیٹ نما گھر کی تعمیر بھی پرانے انداز میں کی گئی تھی۔ بیرونی دروازہ کسی راہ داری کے بجائے براہِ راست ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ وہ کمرا روشن اور خالی تھا۔

میں احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ اندرونی دروازے تک پہنچتے ہی میرے کانوں میں سنیل کی دھیمی آواز آئی۔ وہ اپنی بیوی سے کوئی الوداعی بات کہہ رہا تھا۔

وہ آواز اندرونی کمرے کی طرف سے آئی تھی اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہاں آنے والا سوبھراج نہیں تھا۔ وہ سنیل کا گھر تھا۔ یقینی طور پر وہاں کچھ اہم کاغذات موجود رہے تھے جنہیں تلف کرنے کے لیے وہ وہاں آیا تھا۔

راج محل ان لوگوں کی مجرمانہ سرگرمیوں اور سازشوں کا گڑھ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے ان سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ راج محل میں ان لوگوں کے کرتوتوں کے ثبوت چپّے چپّے پر پائے جا سکتے تھے۔ سوبھراج کو اپنے سیاسی مرتبے اور راز داری کی بنا پر یہ گھمنڈ تھا کہ قانون کے پاسبان کبھی بھول کر بھی اس کی حویلی پر بری نظر نہیں ڈال سکیں گے۔ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے راج محل میں بھی اپنی خفیہ چیزوں اور ریکارڈ کو یک جا رکھنے کی زحمت نہیں کی ہو گی۔ جب اچانک اس کی حویلی کا گھیراؤ ہوا تو سوبھراج کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان نازک لمحات میں ہر ثبوت کو یکجا کر کے تلف کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے خلاف کھلی شہادتوں کو ضائع کرنے کے لیے پورے راج محل کو آگ لگا دی اور خود وہاں سے فرار ہو گیا۔

راج محل میں موجود شہادتیں آگ کے بھیانک شعلوں کی نذر ہو چکی تھیں لیکن سنیل کے گھر میں کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا تھا۔ چند روز کے انتظار کے بعد آخر کار سنیل بھی اس اہم ریکارڈ کے اتلاف کے لیے اپنے گھر آ پہنچا تھا۔

سب لوگوں سے ایک بڑی غلطی ہوئی تھی کہ بڑے مجرم، سوبھراج کے چکر میں سنیل کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اگر اس کے گھر کی نگرانی ہوتی رہتی تو قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے آسانی سے اسے پکڑ سکتے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ شیبا نے اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اس بڑی غلطی کا ازالہ کر دیا تھا اور میں کامیابی کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

سنیل کے جواب میں گھر کی فضا میں شیبا کی منمناتی ہوئی، غیر واضح آواز گھر کی فضا میں گونجی اور میرے قدموں کی رفتار یکا یک تیز ہو گئی۔

چند لمحوں میں، میں ان کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ دونوں بستر کے قریب کھڑے، ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔

سنیل کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اسے میری آمد کی ہوا بھی نہیں لگ سکی لیکن اس کے سینے سے لگی ہوئی شیبا کا چہرہ میری طرف تھا۔ جوں ہی اس نے مجھے دیکھا، اس کی آنکھیں تحیر زدہ انداز میں پھیلیں اور میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ آزاد ہو گئی۔

یوں محسوس ہوا جیسے شیبا کی چیخ سے سنیل کو برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس نے شیبا کو زور سے جھٹک کر اپنے بدن سے الگ کیا اور پھرتی سے میری طرف گھوم گیا۔

وہ کمرے میں تھے۔ میں وہاں سے نکلنے کے اکلوتے راستے پر موجود تھا۔ وہ دونوں نہتّے تھے، میں ہتھیار بند تھا۔ میں ان دونوں کے ڈراماتی ردِعمل سے بے نیاز، اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

''تت......تم......تم اندر کیسے آ گئے؟'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔''

"مہیش! یہ کیا ہو رہا ہے..... تت..... تم تو سنیل کے دوست ہو' تمہارے ہاتھ میں یہ پستول کیوں ہے..... بھگوان کے لیے اسے رکھ لو' شیبا کے ہونٹوں سے ٹوٹے ہوئے الفاظ برآمد ہوئے۔ وہ دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

میں کچھ نہ بولا۔ خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔

"مہیش!" اپنی آوارہ بیوی کی زبان سے میرا اجنبی نام سن کر سنیل حیرت اور غصے سے غرایا "کیا تیرا دماغ چل گیا ہے ..... یہ ..... یہ کرنل دادور ہے۔"

"نہیں!" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شیبا اضطراری انداز میں بول پڑی "اس نے تو مجھے اپنا نام مہیش اگروال بتایا تھا..... کیا یہ تمہارا گہرا دوست نہیں ہے؟" شیبا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

سنیل تیز وطرار ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھا۔ شیبا کے کہے ہوئے آخری فقروں سے فوری طور پر صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ شیبا اس کی دسترس میں تھی۔ اچانک سنیل کا داہنا ہاتھ گردش میں آیا' پُرشور آواز کے ساتھ اس کا بھرپور تھپڑ شیبا کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ اپنا توازن کھو کر' لڑکھڑاتی ہوئی مسہری کے کنارے پر جا گری۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی تھی۔

"حرام زادی..... اُلو کی پٹھی!" سنیل اپنی بیوی پر برس رہا تھا "تو میری آستین میں پلی ہوئی ناگن ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو نے میرے دشمن کو اپنا یار بنایا ہوا ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا' فنا کر دوں گا۔"

اس نے بڑھ کر شیبا کے کولہوں پر ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلاتی ہوئی مسہری پر چڑھ کر اپنے مشتعل شوہر سے دور سرکتی چلی گئی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

میرے لیے زن وشوہر کی بے اعتمادی کا وہ تماشا خاصا دلچسپ تھا مگر میں اس تماشے میں اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

"خبردار! اب حرکت کی تو میں گولی مار دوں گا" میں نے نیچی مگر درشت آواز میں سنیل کو دھمکی دی۔

اس نے پلٹ کر خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ پستول کے سامنے وہ بالکل بے بس تھا۔

"تم بازی ہار چکے ہو' میں نے سرد لہجے میں کہا "مجرم کتنا ہی چالاک اور بااثر کیوں نہ ہو' ایک نہ ایک دن اپنے انجام کو ضرور پہنچتا ہے۔"

"اسے ہار نہیں' دھوکا کہتے ہیں' وہ غصے اور بے بسی سے بولا "میری عورت کو چارہ بنا کر تم نے مجھے گھیرا ہے۔ دلیر دشمن اس طرح پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپتے' سامنے سے کھلا وار کرتے ہیں۔ مارتے ہیں یا پھر خود مر جاتے ہیں۔"

"جو شخص اپنی عزت اور ترقی کے لیے اپنی بیوی کو چارہ بناتا رہا ہو' اسے یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شیبا کو تم نے سوبھراج کی گود میں ڈال کر گناہ کا جو بیج بویا تھا' آج اس کا پھل تمہارے سامنے ہے" میں نے دھیرے دھیرے اس کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

شیبا سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق سنیل کو سوبھراج کے ساتھ ائرپورٹ سے آتے ہوئے ہونے والے پہلے حملے میں تین گولیوں کے زخم آئے تھے۔ اس وقت میں نے غور سے اس کے بدن کا جائزہ لیا لیکن مجھے اس کے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے پر زخم یا جراحت کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ اس کے وہ زخم حیرت ناک سرعت سے مندمل ہو چکے تھے یا پھر اس کے کپڑوں نے جسم کے مجروح حصوں کی پردہ پوشی کی ہوئی تھی۔

"ہر بیوی اپنے دھرم پتی کی ملکیت ہوتی ہے" اس نے نادم ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے جواب دیا "میری مرضی کہ میں اپنی بیوی کو جیسے چاہوں' استعمال کروں۔ اس سے اپنا بستر سجاؤں یا کبھی کبھی اسے اپنے کسی محسن کو دان کر دوں' تم ہمارے بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو۔"

"تمہارا مذہب تمہیں یہ سکھاتا ہے یا یہ تمہارا خود ساختہ فلسفہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں تم سے تمہارے اور سوبھراج کے گٹھ جوڑ کا حساب ضرور لوں گا۔ اپنے گھر کا رخ کر کے آج تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔"

میں غیر محسوس انداز میں اس سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ میرے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی مہیب آہنی نال سنیل کی کھوپڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور میں انگوٹھے کی مدد سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کے رخ پر گھما چکا تھا۔

میں اس وقت سنیل کے سامنے پوری طرح بے خوف تھا۔ وہ قانون سے بھاگا ہوا ایک مستند مجرم تھا۔ اسے زیر کرتے ہوئے وہاں کوئی شور وغوغا ہوتا تب بھی کوئی نقصان نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ پولیس وہاں آ جاتی اور دخل انداز ہو کر اسے اپنے ساتھ تھانے لے جاتی مگر میری کوشش یہ تھی کہ میں خاموشی سے اسے زیر کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں۔

اپنا مدعا حاصل کرنے کے لیے اس سے وہاں مار کٹائی موزوں نہیں تھی۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سیال کے سہارے اسے بے ہوش کر کے میں سہولت سے اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ سنیل باتوں کے جال میں الجھ کر میری غیر محسوس پیش قدمی سے بالکل بے خبر نظر آ رہا تھا۔

''میں گیا گزرا نہیں ہوں'' وہ کہہ رہا تھا ''تم مجھے مار سکتے ہو لیکن زندہ نہیں پکڑ سکتے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جس کے لیے مجھے تنخواہ ملتی تھی۔ اگر مجھ سے کوئی غلط کام ہوا بھی ہے تو تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس کو راج صاحب سے اس کا حساب لینا چاہیے۔ میں بے قصور ہوں۔''

اس دوران میں شیبا مسہری کے آخری گوشے پر سکڑی سمٹی، خوف زدہ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اعصابی طور پر مفلوج ہو چکی تھی اور ہمارے مقابلے میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکتی تھی۔

''تمہیں شہر میں ہونے والی دہشت گردی کے ساتھ را اور بلیک کیٹس سے رابطوں کا حساب بھی دینا ہوگا۔ ان جرائم میں تم سوبھراج کے برابر کے شریک تھے'' میں نے کہا۔

میں اپنے ہدف کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا مگر میں نے اسی لمحے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے داہنے گال پر ایک نپا تلا، ہلکا سا تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کے دباؤ کے نتیجے میں کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے سیال کا اخراج ہوا اور وہ سنیل کے رخسار سے اس کے دوران خون میں داخل ہو گیا۔

سنیل کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کھڑے کھڑے اس کے بدن کو ایک تیز جھٹکا لگا اور وہ کسی کٹے ہوئے بے جان شہتیر کی طرح فرشی قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

''کیا ہوا..... کیا تم نے اسے مار ڈالا؟'' شیبا دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام کر مسہری پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کی سرسراتی ہوئی آواز میں خوف و دہشت کے سائے لرزاں تھے۔

''ہوش میں رہو!'' میں شیبا پر آنکھیں نکال کر غرایا ''یہ مرا نہیں، صرف بے ہوش ہوا ہے۔ نیچے آؤ اور اسے اٹھانے میں میری مدد کرو'' میں نے ٹریگر لاک کر کے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا ہے'' وہ مسہری سے اتر کر رو دینے والی آواز میں منمنانے لگی ''تم کھیش اگروال ہو اور نہ سنیل کے دوست ہو۔ میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں نہ آتی تو آج مجھے یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ پتا نہیں اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''

میرے لیے وہ بے سود باتیں تھیں۔ شیبا کو اس واقعے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میری نگاہ آخری نتیجے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ سنیل کو آسانی سے زیر کر کے میں نے سوبھراج کی کمر توڑ دی تھی۔

''اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟'' شیبا نے میرے قریب پہنچ کر خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں اسے اپنے مہمان خانے میں لے جاؤں گا'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر درشت لہجے میں کہا اور یکایک اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی برہنہ گردن دبوچ لی۔

میرا ہاتھ بڑھتا ہوا دیکھ کر شیبا ڈر گئی کہ شاید میں اس کا گلا گھونٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کا خوف لمحہ بھر سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکا۔ انگوٹھی کے نگینے میں موجود زہر اپنے جسم میں پہنچتے ہی وہ ہر فکر سے آزاد ہو کر قالین پر اپنے شوہر کے قریب ڈھیر ہو گئی۔

ان دونوں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈال کر میں اس کمرے سے نکل آیا۔ سب سے پہلے میں نے کچن کا رخ کیا۔ وہاں ہر طرف جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ پھیلی ہوئی تھی۔ کاغذوں کے اتلاف کے لیے سنیل نے کسی دھاتی بالٹی وغیرہ کے بجائے براہِ راست چولھے کا انتخاب کیا تھا۔ جس پر جلے ہوئے کاغذوں کی آخری پرت دار راکھ جوں کی توں موجود تھی۔

وہ چار کمروں پر مشتمل مکان تھا۔ اس کے ایک کمرے کی الماری اور درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان میں رکھا ہوا بیشتر سامان فرش پر بکھرا ہوا تھا جس میں بہت سی رنگین تصاویر بھی شامل تھیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ سنیل نے اپنے گھر آتے ہی اس الماری اور درازوں میں چھپائے ہوئے سارے کاغذات کی تلاش شروع کی تھی اور پھر انہیں یک جا کر کے کچن کے چولھے پر گیس کے شعلوں پر خاکستر کر دیا تھا۔

راکھ کی کثرت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلائے جانے والے کاغذوں کی تعداد کم نہیں ہوگی۔ انہیں کسی بالٹی وغیرہ میں جلانے کی صورت میں یہ اندیشہ باقی رہتا کہ دھوئیں کی گھٹن کی وجہ سے آگ بعض کاغذوں تک نہ پہنچ پاتی اور وہ جلنے سے محفوظ رہ جاتے۔

نذرِ آتش کیے جانے والے کاغذوں کی اہمیت اپنی جگہ

پر مسلمہ تھی۔ سنیل نے وہ کام جس اطمینان سے سرانجام دیا تھا' اس کے بعد یہ توقع عبث تھی کہ گھر کی تلاشی لے کر کوئی کارآمد کاغذ تلاش کرنے میں کامیابی ہو سکے گی۔
پورے گھر کا سرسری جائزہ لینے کے بعد میں دوبارہ اس خواب گاہ میں پہنچا جہاں میرا شکار اپنی بیوی کے ساتھ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔
سنیل صحت مند آدمی تھا۔ میں نے جھک کر اس کے بدن کا وزن اپنے ہاتھوں پر تولا' اس کی گردن اور کمر کے نیچے ہاتھ ڈالے اور پھر ایک ہی جھٹکے میں اس کے بے حس وحرکت وجود کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔
شیبا' سوبھراج جیسے عیاش طبع اور رنگین مزاج آدمی کے لیے بیش بہا مالِ غنیمت ہو سکتی تھی' میرے لیے بالکل ناکارہ بوجھ تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر میں کمرے سے نکل گیا۔
بیرونی دروازے سے نکل کر میں لمحہ بھر کے لیے رکا۔ شاید سلطان شاہ نچلے دروازے سے اندر گھس کر چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کمین گاہ سے میری ٹانگیں دیکھ لیں' ہو سکتا ہے کہ اسے میرے کندھے پر لدے ہوئے انسانی وجود کا کوئی حصہ بھی نظر آ گیا ہو۔ وہ پنجوں کے بل' بہت تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آ گیا۔
سلطان شاہ کی وہ مستعدی اور فرض شناسی میرے لیے ہمیشہ قابلِ رشک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔
وہ میرا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس نے میرا بوجھ اپنے شانے پر منتقل کرنا چاہا لیکن ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں سنیل کے نیچے لڑھک جانے کا خطرہ تھا۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں سختی سے انکار کر دیا اور اسے نیچے جا کر گاڑی دروازے کے ساتھ لگانے کی ہدایت کی۔
وہ چلا گیا۔ میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سنبھل کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ میں نیچے پہنچا تو گاڑی دروازے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا جاندار انجن بہت دھیمی آواز سے چل رہا تھا اور سلطان شاہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے میرا انتظار کر رہا تھا۔
میں نے وہاں پہنچتے ہی سنیل کے بے ہوش وجود کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔
شہر کی مہنگی اور متمول بستیوں کی گلیوں میں اور سڑکوں پر پائے جانے والے سناٹے کو ان علاقوں کے مکین سکون کا نام دیتے ہیں لیکن مجھے ہمیشہ سے وہ ویرانی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ کسی کا پتا معلوم کرنا ہو تو دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔ گھر برابر میں ہو تو پڑوسی فلسفیانہ غور وفکر کے بعد کہیں بہت دور بھٹکا دیتے ہیں' کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ اڑوس پڑوس میں کون رہ رہا ہے' برابر والے گھر کا کیا نمبر ہے۔ باہر نظر آنے والے اِکّا دُکّا چوکیدار اور گھریلو ملازم اس بارے میں معصوم اور بے خبر ہوتے ہیں۔ کم علم ہوتے ہیں اور مالکوں کے بے جا عتاب کا نشانہ بن کر آئے دن ملازمتیں بدلتے رہتے ہیں۔ اپنی دلی خواہش کے باوجود کسی بھٹکے ہوئے اجنبی کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔
سولجر بازار کا وہ رہائشی علاقہ بھی اسی طرح پرسکون یا ویران تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ آوارہ کتوں اور بلیوں کو قریبی مارکیٹ سے اپنی خوراک وافر مقدار میں مل جاتی تھی۔ وہ شاید مستقل طور پر اپنے اسی ٹھکانے کی چار دیواری میں پڑاؤ ڈالے رہتے تھے۔
اس سناٹے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی کارروائی اطمینان سے مکمل کی اور گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا' اس علاقے میں اغوا کی ایک واردات رونما ہو چکی تھی۔
گھر سے وہاں آتے ہوئے گاڑی میں نے چلائی تھی' واپسی میں وہ ذمے داری سلطان شاہ نے رضاکارانہ طور پر اپنے سر لے لی تھی۔
''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن اب اسے کہاں لے جانا ہے؟'' سنیل کے گھر سے کچھ دور' کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔
''اسے اسٹیشن فور ہی راس آ سکے گا۔ یہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''وہاں پوری آزادی کے ساتھ اس کی خاطر تواضع کی جا سکے گی۔''
''لمبا چکر لگانے کے بجائے گھر کی طرف سے ہو کر نکلنا بہتر رہے گا۔ یونیورسٹی روڈ کے راستے سے اسٹیشن فور قریب پڑے گا۔''
''جدھر سے چاہو' چلے چلو۔ پتا نہیں اول خان کل سے کہاں غائب ہے۔ پہلے میں اس کی خیر خبر لے لوں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اس کے لیے ایک مہمان لے کر آ رہے ہیں۔''
سلطان شاہ کو جواب دے کر میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔
رابطہ ہوتے ہی فون پر ریکارڈنگ چل پڑی۔ ایک نسوانی آواز بتا رہی تھی کہ اس وقت میرا مطلوبہ موبائل بند تھا۔
وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ اول خان اپنے فرائض منصبی کی اہم نوعیت کی وجہ سے دن رات اپنا موبائل فون کھلا رکھتا تھا

تاکہ اپنے آدمیوں سے ہر وقت رابطے میں رہ سکے۔ میں نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ کوشش کی اور ہر بار وہی ریکارڈنگ سنائی دی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

میں نے موبائل فون پر تیزی سے اول خان کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نامانوس آواز میں ہیلو کا لفظ سنائی دیا۔

مجھے مان تھا کہ اول خان کے دفتر سے وابستہ بیشتر اہل کار فون پر میری آواز پہچاننے لگے تھے اور کسی رسمی شناخت کے بغیر کھل کر مجھ سے بات کرتے تھے لیکن ہیلو کہنے والے کی آواز میں کچھ عجیب سی اجنبیت تھی، جس نے مجھے بے آرام کردیا۔

''میں ڈینی بول رہا ہوں۔ اول خان کہاں ہے؟'' میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا پیشگی تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''وہ موجود نہیں ہے سر!'' بولنے والے کے لہجے کی اجنبیت میں سرمو فرق نہیں آیا۔

''اس کا موبائل فون بند ہے، مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ وہ اس وقت کہاں مل سکے گا؟'' میں نے قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا'' آواز بالکل سپاٹ تھی۔

ایس ٹی ایف کے کسی رکن کی طرف سے ایسا سرد مہرانہ رویہ میرے لیے صدمے کا باعث تھا۔ وہ میرا نام جان لینے کے باوجود اپنے خول سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا جبکہ پچھلی شام تک اسپیشل ٹاسک فورس کا ہر ملازم میرے ایک اشارے پر اپنا سر بھی کٹوانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

وہ ایک غیر معمولی بلکہ انہونی سی بات تھی۔ میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اسی لمحے مجھے اندیشہ ہوا کہیں سوبھراج کا کوئی داؤ کامیاب نہ ہوگیا ہو۔ اخباری سرخیوں کا عنوان بننے تک وہ بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس کی ذات سے سیاسی فائدے حاصل کرنے والے شاید اس کا کریہہ کردار سامنے آجانے کے باوجود اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی رکھتے تھے اور پس پردہ رہ کر سوبھراج کی مدد کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

غالب امکان یہ تھا کہ سوبھراج کی شکایت پر اول خان کو فوری طور پر معزول یا معطل کردیا گیا ہو۔ کافی دنوں پہلے امریکی دباؤ پر اسے کراچی سے بھیجا جاچکا تھا۔ اس کے دفتری فون پر موجود شخص کے سرد انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ڈینی اور اول خان سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے ناواقف ہو۔'' میں نے آخری کوشش کے طور پر مجروح لہجے میں اس سے شکوہ کیا ''میرا نام......''

''سر! آپ کا نام میرے لیے نیا نہیں ہے میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ احترام آمیز ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں میرا اندرونی ابال کسی حد تک ٹھنڈا ہوگیا۔

''مگر میں مجبور ہوں۔ آپ کے نام سے کوئی بھی فون کرسکتا ہے شناختی کوڈ کے بغیر میں آپ کو کچھ بتانے کا مجاز نہیں ہوں۔'' اس نے اپنی بات پوری کرلی۔

''ڈیلٹا تھری ڈی زیرو سیون!'' میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ کوڈ دہرایا جو اول خان نے ایسے کسی آڑے وقت کے لیے مجھے بتایا ہوا تھا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا، لائن پر سکوت چھایا رہا۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک وقت میں بہت سے پاس ورڈز یاد رکھ سکے۔ وہ یقینی طور پر اپنی کوڈ بک میں میرا نام تلاش کررہا تھا۔

چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میرے کانوں میں اس کی معذرت خواہانہ آواز آئی۔ ''کل شام سے باس کراچی آئے ہوئے ہیں۔ اول خان ان ہی کے ساتھ مصروف ہیں اسی وجہ سے ان کا موبائل فون بند ہے۔''

اسپیشل ٹاسک فورس کے سربراہ کی کراچی آمد کی خبر سن کر میں چونک پڑا اور بے اختیار میرے ذہن میں گیری کی وہ دھمکیاں ابھر آئیں جو اس نے ایس ٹی ایف کے خاتمے کے بارے میں دی تھیں۔

''باس کراچی کیوں آئے ہیں؟'' میں اپنے اس بے ساختہ سوال کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

''مجھے نہیں معلوم'' اس بار اس کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا، نچلے درجے کا آدمی تھا۔ اسے یہ علم نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی فورس کا سربراہ کراچی میں کس مشن پر آیا تھا۔

''اس وقت ایک بہت اہم قیدی میری تحویل میں ہے'' میں نے اسے بتایا ''میں اسے لے کر سیدھا اسٹیشن فور پہنچ رہا ہوں۔ وہ وہیں زیر تفتیش رہے گا۔''

اس نے میری قطع کلامی نہیں کی، تحمل سے میری پوری بات سنی پھر کہا ''سوری سر! اس وقت کسی قیدی کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔''

''مگر یہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ وہ سوبھراج کا دست راست ہے'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اصرار کیا۔

''اسٹیشن فور پر باہر کے آدمیوں کی آمدورفت کل شام سے معطل ہے، سارے آپریشن روک دیے گئے ہیں۔ فیلڈز سے سارا اسٹاف واپس بلالیا گیا ہے۔ اگلی ہدایت ملنے تک یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

وہ بہت بری اور خطرناک خبر تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا یوں اچانک مفلوج ہو جانا میرے لیے بہت زیادہ تشویش ناک تھا۔ اس اطلاع سے یہ پتا چل گیا تھا کہ اول خان پچھلی شام سے بلاوجہ غائب نہیں تھا۔ وہ اپنے سنگین مسائل میں الجھا ہوا تھا۔

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''اول خان سے تمہارا کوئی رابطہ ہو تو اسے میرا یہ پیغام دے دینا کہ وہ چند لمحوں کے لیے مجھ سے بات کر لے۔ تمہاری سنائی ہوئی خبروں نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔''

اس نے مستعدی سے یس سر کہہ کر فون بند کر دیا۔

''اب یہ ہمارے گلے پڑ گیا ہے۔ اسے گھر ہی لے جانا ہوگا۔'' میں نے فون بند کر کے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔''

وہ میری باتیں سن کر پریشان ہو گیا تھا لیکن اسے معاملات کی سنگینی کا پورا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔

''اسٹیشن فور جانے میں کیا رکاوٹ درپیش ہے؟'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ایس ٹی ایف کا باس کل شام سے کراچی میں ہے، پوری فورس کو فیلڈ سے واپس بلا کر اسٹیشن فور میں گراؤنڈ کر دیا گیا ہے۔ آپریشنز معطل کر دیے گئے ہیں۔ ادھر کا رخ کیا تو ہمیں اندر داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔''

''یہ تو اسپیشل ٹاسک فورس کا بستر بوریا گول ہونے کی علامات ہیں!'' وہ پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا ''ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔''

''مایوسی کفر ہے'' میں نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی ''میں قبل از وقت نتائج اخذ کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ قدم ملک کے اقتدار اعلیٰ کے حکم پر اٹھایا گیا ہے یا ایس ٹی ایف کے باس نے اپنے طور پر کوئی فوری فیصلہ کیا ہے۔''

''سبب کوئی بھی ہو، آثار اچھے نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گیری کی ایک ہی دھمکی نے ان کو بری طرح اکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔''

''چرچل کے الفاظ میں مصلحت آمیز پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میری دلی آرزو ہے کہ یہ تعطل عارضی ثابت ہو۔''

''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہے۔'' سلطان شاہ نے شکایت کی۔

''سوبھراج کی تصویریں ملک بھر کے اخباروں میں چھپی ہیں کیا یہ تمہیں اس سے مختلف نظر نہیں آیا؟'' میں نے رکھائی سے پوچھا۔

''اس کا چہرہ تمہاری پشت پر تھا۔ اندھیرے میں مجھے کیا نظر آتا!''

''یہ سنیل ہے۔ کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا اور دھر لیا گیا ہے۔ پورے کچن میں جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ بکھری ہوئی ہے۔''

''اور اس کی بیوی کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔

''وہ اپنی خواب گاہ میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے اس پر طبع آزمائی کا ارادہ ہو تو ابھی واپس چل کر اسے اٹھا لاتے ہیں۔ خاصی خوبصورت اور گداز عورت ہے۔''

''لعنت ہے اس کی صورت پر۔ اس نازک وقت میں بھی تمہیں واہیات باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' وہ میری بات کا برا منا کر بولا ''میں نے تو روانی میں ویسے ہی اس کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ مجھے اس سے کیا لینا ہے۔''

''حالات کو فوری طور پر تبدیل کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے پھر کیوں نہ اپنا وقت ہنس بول کر گزاریں۔ دیکھنا ہوگا کہ یہ ہوش میں آکر کتنی سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''تم نے اسے پکڑ کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس کے ستارے اچھے ہیں کہ آج اسٹیشن فور کے دروازے بند ہیں۔ اپنے گھر لے جا کر ہم اس کی اچھی طرح مزاج پرسی نہیں کر سکیں گے۔ اس کی وحشیانہ چیخ پکار پورے محلے کو ہلا کر رکھ دے گی۔''

''محلے والے ویسے بھی ہم لوگوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں'' میں ہنس کر رہ گیا۔

ہم نے مزید کچھ فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ اس دوران میں میرے ذہن میں مسلسل ایک پھلجھڑی سی چمکتی رہی۔ پھر اچانک مجھے صدف مینشن کا نام یاد آ گیا۔ وہ ہمارے قیدی کے لیے ایک بہترین متبادل ٹھکانا ہو سکتا تھا۔ سنیل کو ہم اسٹیشن فور پر غیر معینہ مدت تک اپنا قیدی رکھ

سکتے تھے اور اس سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں اپنی مرضی سے کام آگے بڑھا سکتے تھے جب کہ صدف مینشن جانے کے بعد ہم ان آزادیوں سے محروم ہو جاتے۔

صدف مینشن میں وہ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کے لیے میری تحویل میں رہ سکتا تھا۔ جوں ہی یہ خبر پھیلتی کہ سوبھراج کا دستِ راست اس آسیبی عمارت کا قیدی بن چکا تھا' آئی بی کے اعلیٰ حکام فوری طور پر صدف مینشن پہنچ کر معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔

جلال پچھلی رات کراچی سے اسلام آباد جا چکا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ میری زیادہ مدد نہیں کر سکتا تھا۔ سنیل کے ساتھ وہی کچھ ہوتا جو ضابطوں کی رو سے روا ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ آئی بی میں ہر مرحلے پر ضابطوں کی مکمل پاس داری کی جاتی تھی۔ صرف پکے اور ڈھیٹ مجرموں سے باز پرس بلکہ قانونی اصطلاح میں تفتیش کے لیے ان ضابطوں کو کسی حد تک نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

سنیل کو ہم ویسے بھی زیادہ مدت تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ اچھی طرح نچوڑ لینے کے بعد آخر کار اسے پولیس یا انٹیلی جنس بیورو والوں کے ہی حوالے کیا جانا تھا کیونکہ وہ آئینی ادارے اسے عدالت کے کٹہرے میں لے جانے کے مجاز تھے۔

اس نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو فوری طور پر گاڑی موڑنے کی ہدایت کی تو وہ حیران رہ گیا۔

''برخوردار! یہ ضروری ہے!'' میں نے اس کے استفسار پر کہا ''اسٹیشن فور اور صدف مینشن کی سمتیں مختلف ہیں......''

''ویری گڈ!'' اس نے اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔'' میں نے وہ سرکاری قید خانہ نہیں دیکھا لیکن تم سے اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ سنیل کے حواس ٹھکانے پر لانے کے لیے کافی ہوگا۔''

سڑک کی وسطی پٹی میں پہلا راستہ نظر آتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی واپس گھما لی۔

''صدف مینشن میں مجھے اپنے ہاتھ سینکنے کا موقع مل جائے گا۔'' اس نے گاڑی سیدھی کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے اسٹیئرنگ چھوڑا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے مسرت سے کہا۔

''اس بھول میں نہ رہنا'' میں نے فوری طور پر اس کی تصحیح کی ''وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری سفارش کے باوجود تمہیں اندر جانے کی اجازت نہ ملے۔ میرے بارے میں جلال نے وہاں کے محافظوں کو... خصوصی ہدایات دی ہوئی ہیں۔''

''یہ بھی غنیمت ہے۔ میری طرف سے تم ہی دو چار ہاتھ جھاڑ دینا۔''

ہم دوبارہ سولجر بازار کی مرکزی سڑک سے گزرتے ہوئے' چڑیا گھر کے مین گیٹ کے سامنے نشتر روڈ پر جا نکلے۔ وہاں سے شومارکیٹ زیادہ دور نہیں تھی۔ مجھے منزل کے بارے میں سلطان شاہ کو کچھ نہیں بتانا پڑا۔ قدیم طرز کی بلند و بالا اور مہیب عمارت کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے گاڑی صدف مینشن کے سامنے روک دی۔

صدف مینشن کے قرب و جوار میں اسٹریٹ لائٹس غائب تھیں۔ عمارت کی اونچی دیواروں پر کم طاقت کے دو بلب ٹمٹما رہے تھے۔ قمقموں پر جمنے والے گرد و غبار کی وجہ سے ان کی روشنی قابلِ رحم حد تک ناکافی تھی جو نیچے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

میں نے دیوہیکل چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی کا کنڈا مخصوص انداز میں بجایا اور وہ کھڑکی فوراً کھل گئی۔

میں مختلف اوقات میں کئی بار وہاں آ چکا تھا۔ اس لیے شفٹوں میں اپنے فرائض انجام دینے والے کم و بیش سب محافظ مجھے پہچانتے تھے۔ کھڑکی کھولنے والے نے ادب سے مجھے سلام کیا۔

''گاڑی میں ایک بے ہوش قیدی اور دوسرا میرا ساتھی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''قیدی کو ہم ابھی اندر لے آتے ہیں' ساتھی کے لیے میں معافی چاہتا ہوں آپ کے سوا کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ جلال صاحب اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔''

''تم قیدی کو اندر لانے کا بندوبست کرو۔'' میں یہ کہہ کر گاڑی کی طرف لوٹ گیا۔

سلطان شاہ کو میں نے راستے میں ہی ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ اپنی واپسی کے بارے میں جان کر اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا۔

صدف مینشن اس علاقے میں ایک پر اسرار آسیبی عمارت کی شہرت رکھتی تھی۔ پیدل چلنے والے اس کے سایے تک سے بچ کر گزرتے تھے۔ اس وقت بھی دوسری طرف کی فٹ پاتھ پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن ہماری طرف کوئی نہیں تھا۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ آئی بی کے دو مخبر اس فٹ پاتھ کے دونوں سروں پر دن رات براجمان رہتے تھے اور آنے جانے

والوں کو بڑے بڑے پتھروں سے دھمکاتے رہتے تھے۔ کچھ عرصے کے اس معمول کے بعد وہ فٹ پاتھ عملی طور پر بالکل ویران ہوگئی۔ آسیبی عمارت کے خوف اور دونوں مجذوبوں کی دہشت کے سبب لوگوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔ مجذوب پرسکون ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے ٹھکانے نہیں چھوڑے تھے لوگ بدستور ان سے ڈرتے تھے۔

میں سلطان شاہ کو اس کی واپسی کے بارے میں بریف کر ہی رہا تھا کہ اندر سے پیرامیڈیکل اسٹاف جیسے، سفید براق کپڑوں میں ملبوس دو تنومند آدمی ایک اسٹریچر لیے نمودار ہوئے، انہوں نے آتے ہی سنیل کو ایک سفید چادر میں لپیٹ کر یوں تیزی سے اسٹریچر پر منتقل کیا جیسے اس عمل میں ذرا سی تاخیر بھی ان کے مریض کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہو۔

''تم جاؤ۔ میں فارغ ہوکر ٹیکسی سے گھر لوٹ آؤں گا''

میں نے عجلت میں سلطان شاہ سے کہا اور سنیل کو لے جانے والوں کے تعاقب میں تقریباً دوڑتا ہوا صدف مینشن کی نیم تاریک اور وحشت ناک عمارت میں داخل ہوگیا جہاں تاریک ترکونوں کھدروں میں الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑیں ترچ ترچ کی منحوس آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔

بڑے چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی بند کردی گئی تھی۔ اسٹریچر لانے والے میری نئی ہدایت کے منتظر تھے۔

صدف مینشن کی اوپری منزل پر بنی ہوئی کوٹھڑیاں زیادہ خوف آور تھیں لیکن میں نے سنیل کے لیے نچلی منزل کو ترجیح دی۔ میں نے دونوں آدمیوں کو اسے ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور گوشے میں بنے ہوئے دفتر کی طرف چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ صدف مینشن میں کبھی بھی عملے کی کثرت نہیں ہوتی۔ وہاں گنے چنے آدمی ہوتے تھے جو ضرورت پر ہر کام کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔

مجھے اس کمرے میں بیٹھے ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ ایک سفید پوش میرے لیے چائے کی پیالی لیے نمودار ہوا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ یخ بستہ پانی کے چھڑکاؤ اور چند اعصابی جھٹکوں کے نتیجے میں سنیل نے ہلنا جلنا شروع کردیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر چائے نوشی شروع کردی۔

لائبریری نما دفتر میں بیٹھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کمرا بھی صدف مینشن کا ہی ایک حصہ ہے۔ صرف باہر سے آنے والی آوازیں دفتر کی پرسکون فضا کو مکدر کرسکتی تھیں اور اس وقت وہ مفقود تھیں۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد سنیل کے ہوش میں آنے کی اطلاع ملی اور میں اٹھ کر نچلی منزل کے اس تنگ کمرے کی طرف ہولیا جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

تنگ اور ناکافی روشنی والے اس سیل میں سنیل گندے اور گیلے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ فوری طور پر اس کے ہاتھ پیر باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

''تم مجھے کہاں لے آئے ہو...... یہ کون سی جگہ ہے؟''

میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں سوال کیا۔

''سوال مت کرو!'' میں نے اس کے ایک ٹخنے پر زوردار ٹھوکر رسید کرکے بے رحمانہ غراہٹ کے ساتھ کہا'' جو پوچھا جائے، اس کا سیدھا اور سچا جواب دو!''

ضرب نازک مقام پہ آئی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ چیخ نہ روک سکا۔

''تم اچھا نہیں کررہے۔ اپنی حرکتوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔'' صدف مینشن کے اندرونی ماحول سے خوف زدہ ہونے کے باوجود اس کا حوصلہ باقی تھا۔

''تمہارے دماغ میں ابھی تک سوبھراج کی برتری کا خناس گھسا ہوا ہے۔'' میں نے نفرت سے کہا'' آج وہ کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کسی بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ ایک مجرم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''

''تم قانون کے رکھوالے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجرموں کے ساتھ بھی تم ایسا غیر قانونی سلوک نہیں کرسکتے۔ میں ملزم ہوں، جب تک میرے خلاف عدالت اپنا فیصلہ نہ سنا دے، مجھے مجرم نہیں کہا جاسکتا۔'' اس نے کہنیوں کے بل فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو، یہ بتاؤ کہ سوبھراج کہاں چھپا ہوا ہے۔'' میں نے اسے دوبارہ گرانے کی کوشش کیے بغیر پوچھا۔

میری چشم پوشی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا'' مجھے نہیں معلوم، راج محل میں آگ لگنے کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔''

''تم جھوٹے ہو۔ تم دونوں وہاں سے ایک ساتھ نکلے تھے۔''

''ہمت ہے تو خود اسے تلاش کرلو، میں کچھ نہیں جانتا۔''

میں نے محسوس کیا کہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کا حوصلہ بڑھتا جارہا تھا۔

فرش بہت بری طرح گیلا تھا، سنیل بھی سر سے پیر تک پانی میں شرابور تھا۔ اسے سبق سکھانے کے چکر میں میرا لباس

اتنا گندا ہو سکتا تھا کہ میرے لیے اس حالت میں گھر لوٹنا محال ہو جاتا۔ میں نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ایک سفید پوش کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ کسی پیشہ ور باکسر کی طرح اپنے دونوں مکے تان کر اچانک سنیل پر ٹوٹ پڑا۔

سنیل ایسے کسی ردِعمل کے لیے تیار تھا لیکن بے ہوشی سے ہوش میں آنے کی وجہ سے اس کے اعصاب شکستہ تھے۔ ابتدائی دو تین مکے اپنی کلائیوں پر روکنے کے بعد وہ سفید پوش کے تابڑ توڑ مکوں کی زد میں آ گیا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا حلیہ بگڑ گیا۔ سفید پوش کے لگائے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون کی لکیروں نے سنیل کا پورا چہرہ چھپا لیا تھا۔

پھر سفید پوش کا ایک اچٹتا ہوا مکا سنیل کے پیٹ سے لگا۔ یکا یک سنیل کی میلی قمیص پر خون کا رنگ پھیلنا شروع ہو گیا۔ ہلکے یا زور دار مکے سے پیٹ پر خون ریز زخم آنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سنیل کے جسم پر لگی ہوئی تین گولیوں میں سے کسی کا کچا زخم تھا جو مکے کی ہلکی سی رگڑ سے دوبارہ کھل گیا تھا۔

''اب یہ مر جائے گا، اس کا پیٹ پھٹ گیا ہے۔'' میں نے سنیل کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر وہ الفاظ کہے۔

سنیل کی نگاہیں بے اختیار اپنے پیٹ کی طرف گئیں، سفید پوش نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر سنیل کے بائیں جبڑے پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ وہ چکراتا ہوا اس تنگ کوٹھڑی کی عقبی دیوار سے ٹکرایا اور پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

''یہ سخت جان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے چیرا لگانے کی تیاری کرو۔'' میں نے درشت لہجے میں سفید پوش کو حکم دیا۔

''نہیں...... تم ایسا نہیں کر سکتے!'' سنیل فرش پر مکا مار کر پوری قوت سے چلایا ''تم لوگ خونی درندے ہو، انسانیت تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری۔''

''تم ہمیں نہیں روک سکتے۔ تمہیں صحیح چیرا لگ گیا تو عمر بھر تم شیبا کے قریب نہیں جا سکو گے۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھہرو...... ذرا سی دیر کے لیے ٹھہر جاؤ۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا ''تم مجھے مارے جا رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو!''

مار کھا کر شاید اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ میں نے سرد آواز میں کہا ''ہمیں ہر قیمت پر سوبھراج کا پتا چاہیے۔ تم نے اپنی زبان نہیں کھولی تو ہم مار مار کر تمہیں پیوندِ زمین کر دیں گے۔ سوبھراج اب ایک پٹا ہوا مہرہ ہے، جو وقت کی بساط پر دیوانہ وار بھاگ رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اس سنگین عمارت میں تم اس کے نام کی مالا جپتے رہے تو اس کے ساتھ تم بھی دردناک انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس گیدڑ تک پہنچ جائیں گے۔''

''یہ کوٹھڑی...... یہ چمگادڑوں کی بھوکی آوازیں...... یہ تمہارے خون آشام چہرے...... مجھے ان سب سے خوف آ رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہارے ہر سوال کا جواب دے دیا تب بھی تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے، مجھے میرے خون میں نہلا دو گے!''

''یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم راہِ راست پر آ گئے تو اس لمحے کے بعد تمہیں انگلی تک نہیں لگائی جائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''نہیں کرنل!'' وہ جھرجھری لے کر کراہنے والے انداز میں بولا ''مجھے یہ فریب مت دو۔ تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ نہ جانے کس کس کا خون پی چکے ہو۔ تمہیں قانون کا ڈر ہے نہ انصاف کا خوف۔ تم جو چاہتے ہو وہ کرتے پھرتے ہو اور کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ راج محل پھونک دینے کے بعد راج صاحب نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والے خونی درندے ہیں۔ وہ ایک بار جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، وہ یکا یک ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے مستقبل سے خوف زدہ تھا۔ اگر اسے مطمئن کر دیا جاتا تو شاید وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو جاتا۔ سوبھراج نے اپنے تحفظ کے لیے اس کے ذہن میں بہت زیادہ زہر انڈیلا ہوا تھا، اس زہر کا تریاق کرنا ضروری تھا۔

''یہ بے سبب، بے کار اور بے بنیاد باتیں ہیں جو سوبھراج نے اپنا الّو سیدھا کرنے کے لیے تمہیں سنائی ہیں۔'' اس بار میں نے قدرے نرمی سے کہا ''تم ہوش مندی سے کام لو تو تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن سکتے ہو۔''

وہ کراہتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ چکا تھا۔ میری بات پر اس نے چونک کر اپنا خون آلود چہرہ اوپر اٹھایا اور تحیر زدہ آواز میں بولا ''کیا میں تمہاری اس بات پر یقین کر لوں کہ ایس ٹی ایف والے راج صاحب پر مقدمہ چلائیں گے۔ آج تک ایسا ہوا اور نہ سننے میں آیا۔ تم لوگ اپنے دشمنوں کو اٹھاتے ہو اور خاموشی سے غائب کر دیتے ہو۔ تمہارا اپنا قانون ہے۔ تم کو کسی عدالت اور مقدمے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ''باہر سے آنے والے دشمن کے ایجنٹوں کے ساتھ ایس ٹی ایف یہی سلوک کرتی ہے مگر سوبھراج کا معاملہ ان سب سے الگ ہے۔ وہ یہاں کا شہری ہے۔ سماج اور سیاست میں اسے بہت اونچا مقام تھا۔ اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلے گا تو ساری دنیا کو اس کے کرتوتوں کا پتا چلے گا۔ یہاں کے بگڑے ہوئے سیاست دانوں کے لیے وہ عبرت کا نمونہ ثابت ہوگا۔''

''اخباروں نے راج صاحب کے خلاف دل کھول کر گند اچھالا ہے، انہیں سارے ملک میں بدنام کر دیا ہے۔ اب مقدمے سے ان کی اور کیا رسوائی ہوگی۔''

''اخبار جھوٹ سچ سب کچھ چھاپتے ہیں۔ بہت سے لوگ خبروں پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کرتے، خبریں پڑھ کر اپنے نتیجے اخذ کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اخباری خبریں لوگ جلدی بھول جاتے ہیں، عدالت کا ریکارڈ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ یہ بات شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر مقدمہ چلنا بہت ضروری ہے۔''

''اس کے خلاف اخباروں نے سب کچھ لکھ دیا ہے، سارے ثبوت موجود ہیں پھر تم میرے اوپر کیوں مہربان ہو رہے ہو؟''

''نک کے قتل کا اس نے اخباروں میں اعتراف کیا ہے۔ ہوٹل کے لوگ اسے حشمت کے روپ میں پہچانتے تھے۔ یہ باتیں اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ تم اس کے گھر کے بھیدی ہو۔ اس نے اپنا سارا ریکارڈ راج محل کے ساتھ جلا کر خاک کر دیا ہے۔ رہے سہے کاغذ آج تم نے اپنے گھر میں پھونک دیے۔ اب جو کچھ ہے وہ تمہارے اور سوبھراج کے سینوں میں ہے۔ تم ہمارے کہنے پر چلو گے تو سکھی ہو گے، تمہاری جان بچ جائے گی۔ آزادی برقرار رہے گی۔ دوسری صورت میں تم عدالت کا منہ دیکھے بغیر کہیں گاڑ دیے جاؤ گے۔ کسی کو کانوں کان تمہاری بھنک نہیں مل سکے گی۔''

اس نے خون آلود حلقوں میں گھری ہوئی وحشت زدہ نظریں میرے چہرے پر جما کر دھیمی آواز میں کہا ''تمہاری باتوں سے سچائی کی کچھ کچھ بو آ رہی ہے۔ تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کر چکے ہو۔ مجھے کچھ مہلت دے دو۔ میں کل تک اپنا فیصلہ کر لوں گا۔''

مجھے طرارہ آ گیا۔ میں تیزی سے آگے لپکا اور اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر عقبی دیوار پر دے مارا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر دردناک آواز میں چلا اٹھا۔

''تم یہاں چیخ چیخ کر مر جاؤ گے لیکن تمہاری آواز ان بے رحم دیواروں کے پار نہیں جا سکے گی۔ ہم ذہنی اور جسمانی مار کے ذریعے تمہارے وجود کو ایک زندہ لاش میں بدل کر رکھ دیں گے۔ موت تمہیں دیکھے گی تو کانپ اٹھے گی۔''

''مجھے ذرا سی مہلت دے دو۔ کل میں تمہاری ہر بات مان لوں گا یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''یہاں موت اتنی آسانی سے ملتی۔'' میں نے اس کی مکاری پر دانت پیستے ہوئے کہا۔

وہ شہر کے کسی حصے میں سوبھراج کے ساتھ روپوش تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ سوبھراج کے ایما پر ورنہ کم از کم اس کی رضامندی سے، ضروری کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا۔

اسے اپنا کام مکمل کر کے رات گہری ہونے سے پہلے سوبھراج کے پاس لوٹ جانا چاہیے تھا۔ واپسی میں ایک دو گھنٹے کی تاخیر کو سوبھراج بے چینی کے ساتھ برداشت کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ دیر ہوتی تو سوبھراج کا ماتھا ٹھنک جاتا کہ سنیل کسی مصیبت میں نہ گھر گیا ہو۔ وہ امریکی ایف بی آئی کے ایجنٹوں اور مقامی قانون سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سمجھ لیتا کہ سنیل تشدد سے مجبور ہو کر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی کر بیٹھے گا۔ وہ اسی لمحے اپنا ٹھکانا بدل لیتا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ سنیل کی واپسی میں تاخیر ہونے پر وہ اس کے گھر فون کرتا اور شیبا اسے ساری رام کہانی سنا دیتی۔

دونوں صورتوں میں ساری اہمیت وقت کی تھی۔

جیسے جیسے زیادہ وقت گزرتا جاتا، سوبھراج کے وسوسے قوی تر ہوتے جاتے۔ اس وقت سنیل اگلے روز تک کی مہلت مانگ کر اپنے نفس پرور آقا کو ہوشیار ہونے اور ٹھکانا بدل لینے کا موقع دینا چاہ رہا تھا۔

آگے بہت لمبی رات پڑی تھی۔ سوبھراج اس کی واپسی کے انتظار میں صبح تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آدھی رات تک انتظار کرتا اور پھر اپنی کمین گاہ سے نکل کر کسی نئے ٹھکانے کی طرف دوڑ لگا دیتا۔

اگلی صبح ہم سنیل سے رجوع کرتے تو وہ ہتھیار ڈال دیتا۔ وہ جو کچھ کہتا، شاید سچ ہوتا لیکن وقت گزر جانے کی وجہ سے وہ بالکل بے فیض سچ ہوتا۔ ہم اس کی نشاندہی کے مطابق شہر کے

کسی مکان پر دھاوا بولتے تو وہاں چڑیاں پہلے ہی کھیت چگ گئی ہوتیں۔ سوبھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل چکا ہوتا۔ ہم بے نیل ومرام واپس لوٹ آتے۔

''تم کو کوئی فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے کی مہلت دی جاسکتی ہے'' میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اتنا وقت نہیں دیا جاسکتا کہ سوبھراج تمہاری واپسی سے مایوس ہوکر کہیں اور جا چھپے۔''

''میرے بغیر وہ کہیں نہیں جائے گا'' سنیل نے کمزور لہجے میں اصرار کیا۔

''عام حالات میں شاید یہی ہوتا۔ وہ کاہل اور عیاش ہو چکا ہے۔ خود کوئی کام نہیں کرتا۔ اس نے تم کو اپنی بیساکھی بنایا ہوا ہے۔ تمہارے ذریعے وہ اپنے نوکروں کی فوج سے کام لیتا ہے۔ تم اس کی ناگزیر ضرورت اور عادت بن چکے ہو لیکن آج کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ سایوں سے ڈر رہا ہے' اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ اسے موت کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگے گی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں بعد اپنا موجودہ مسکن چھوڑ کر کہیں اور نکل جائے گا۔''

سنیل کا پورا چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں رہا تھا کہ میری باتوں کا اس پر کیا ردِعمل ہو رہا تھا۔

''وقت بہت کم ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے' ایسی حالت میں' میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ذہن ماؤف ہے تو پھر تمہیں کچھ توانائی کی ضرورت ہے'' میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا پھر میں اچانک اپنے قریب کھڑے ہوئے سفید پوش سے مخاطب ہوگیا'' اس کے لیے توانائی کا بندوبست کرو۔ پہلے سوواٹ کا بلب سیریز میں جوڑ کر اسے کنپٹیوں اور ایڑیوں سے بجلی فراہم کرو' ہوسکتا ہے کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔''

''تم مجھے بجلی کے جھٹکے دو گے' مارو گے مجھے......؟'' وہ اٹھ کر یکایک اچھلنے اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا مگر میں بے پروائی سے کوٹھری سے باہر نکل گیا۔

اس نے میرے پیچھے لپک کر باہر آنے کی کوشش کی تھی لیکن سفید پوش نے اندر ہی اسے دوبارہ اپنے مکوں پر رکھ لیا تھا۔

''سر! جلال صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں'' باہر موجود دوسرے سفید پوش نے مودب لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

''جلال کو کیسے پتا چلا کہ اس وقت میں یہاں موجود ہوں!'' میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

''آپ ان کے مہمان ہیں۔ کچھ اندازہ ہونے کے بعد میں نے فون کر کے انہیں خبر دی تھی کہ آپ سوبھراج کے سلسلے میں ایک قیدی کو یہاں لائے ہیں'' اس نے کسی ندامت کے بغیر نیچی آواز میں وہ جواب دے کر میری حیرت دور کردی۔

اسی وقت پہلا سفید پوش سنیل کو کوٹھری میں بند کر کے ہماری طرف آگیا۔ سنیل کے ساتھ مار دھاڑ کے نتیجے میں اس کا بے داغ لباس جگہ جگہ سے گندا اور خون آلود ہو چکا تھا۔ خون کے دھبے اس کے ہاتھوں اور چہرے پر بھی نمایاں تھے۔

''میں نے قیدی کے سامنے اپنی زبان بند رکھی۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اسے برقی جھٹکے نہیں دے سکیں گے۔ کسی ذمے دار افسر کی ہدایت پر اور اس کی نگرانی میں یہ طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے ایسا انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتے۔''

مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ہر معاملے میں پوری نیک نیتی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ میری ہدایت کو نرم الفاظ میں مسترد کیا جا رہا تھا۔

مجھے اس کیفیت سے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں ایس ٹی ایف کے ساتھ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد رہ کر کام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ آئی بی والوں کے ساتھ براہِ راست رابطے کا وہ پہلا موقع تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ قدم قدم پر اپنے آئینی ادارے کے کڑے ڈسپلن اور ضابطوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

وہ فرض شناس اہل کار یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کرنے کی صورت میں وہ سنیل سے پہلے کسی عدالت میں کھینچے جاسکتے تھے۔

وہ خیال ذہن میں آتے ہی میری کلفت دور ہوگئی۔ میں نے اپنی بات نبھانے کے لیے ہنستے ہوئے کہا'' مجھے تمہاری مجبوریوں کا احساس ہے۔ میں نے وہ بات اسے دھمکانے کے لیے کہی تھی' ضرورت ہوئی تو زیادہ سے زیادہ برقی جھٹکے کے لوازم ہم اس کے سامنے لے آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ان کے استعمال کے بغیر اپنی زبان کھول دے گا۔''

''ان آلات کا خیال ذہن سے نکال دو'' اس نے نہایت ملتجیانہ لہجے میں کہا'' کسی افسر کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو اسے یہ یقین دلانا مشکل ہوجائے گا کہ ہم ان آلات کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔''

''جلال سے بات کر کے کچھ سوچا جائے گا'' میں نے لفت آمیز لہجے میں'' وہ بات وہیں ختم کر دی اور تیزی سے راہداری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جلال اپنے گھر پر موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے پرتپاک لہجے میں کہا ''مبارک ہو' سنا ہے کہ آج تم کوئی بڑا شکار پکڑ کر صدف مینشن میں لائے ہو؟''

''وہ سنیل ہے اور آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے'' میں نے کسی گرم جوشی کے بغیر سرسری لہجے میں کہا ''مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اسے صدف مینشن لا کر غلطی کی ہے۔ تمہارے آدمی اس سے باز پرس میں ایک حد سے آگے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔''

''بعض مقامات پر میں خود بے بس ہو جاتا ہوں۔ یہ باتیں تمہارے لیے نئی نہیں ہیں' میں تمہیں ہر بات بتاتا رہا ہوں۔ وہ میرے ماتحت ہیں' ان کی مجبوریاں مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کیسے ہاتھ آ گیا اور اس کا گرو گھنٹال کہاں ہے؟''

''وہ سوبھراج کی کمین گاہ سے واقف ہے مگر زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''اسے تم صدف مینشن میں چھوڑ دو۔ صبح تک میرے آدمی راہِ راست پر لے آئیں گے'' جلال کی پُراعتماد آواز ابھری۔

''اس وقت تک سوبھراج خطرہ بھانپ کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا۔''

جلال کے لیے بھی وہ واقعہ بہت اہم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سنیل کے پکڑے جانے کے بعد سوبھراج کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔

اس کے اصرار پر میں نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سنا دیے اور واضح الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ سنیل کے معاملے میں ٹال مٹول کے نتیجے میں ہم سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے ایک سنہرے موقع سے محروم ہو جائیں گے۔

''کاش! میں آج کے لیے کراچی میں رک گیا ہوتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی۔ یہاں سے کراچی کے لیے آخری پرواز بھی نکل چکی ہے۔ میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی نائٹ کوچ کے ذریعے فجر سے پہلے کراچی نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت تک سوبھراج' سنیل کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا...... بدقسمتی یہ ہے کہ ماضی میں ہمیں کئی تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ اس کے بعد سے ہم لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔''

''ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں اچانک موقوف نہ ہو گئی ہوتیں تو مجھے یہ مشکل درپیش نہ ہوتی'' میں نے نرم لہجے میں شکایت کی۔

''یہاں ہر طرف اس واقعے کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہوا ہے۔ اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کہ ان کا باس بھی کراچی میں ہے۔''

مجھے اس بارے میں خاصی اطلاعات مل چکی تھیں لیکن میں نے جلال کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پوچھا ''پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت سنیل کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔''

''صدف مینشن میں آنے کے بعد وہ ہمارا قیدی ہے لیکن تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ کہیں بھی واپس لے جا سکتے ہو'' وہ رک رک کر' پُرخیال آواز میں کہہ رہا تھا ''پھر بھی میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے یہیں چھوڑ دو۔ میں اپنے کسی آدمی سے بات کرتا ہوں۔ تم چلے جاؤ' ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیں۔''

''میری موجودگی کیا ان کے لیے رکاوٹ ثابت ہوگی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ نازک باتیں ہیں۔ فی الحال انہیں بھول جاؤ اور کسی کو فون پر بلا دو۔''

میں نے ریسیور میز پر رکھا اور باہر جا کر صاف ستھرے سفید پوش کو اندر بھیج دیا کیونکہ اس نے جلال کو فون کر کے قیدی کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

اسے بھیج کر میں اندر نہیں گیا تاکہ وہ کسی جھجک کے بغیر جلال سے دوٹوک باتیں کر سکے۔ میں نے باہر رک کر سگریٹ سلگایا' گندے لباس والا مجھ سے اجازت لے کر اپنے داغ دار کپڑے تبدیل کرنے کے لیے چلا گیا تھا۔

میں سگریٹ کے کش لگا کر اسی راہداری میں ٹہلتا رہا۔ اس دوران میں مجھے صدف مینشن کی اوپری منزل سے ایک سے زیادہ افراد کی کراہیں اور بڑبڑاہٹیں سنائی دیں جن سے اندازہ ہوا کہ اس وقت سنیل وہاں کا اکلوتا قیدی نہیں تھا۔

اپنے آدمی سے جلال کی گفتگو زیادہ طویل نہیں رہی۔ سفید پوش نے اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد باہر آ کر مجھے اطلاع دی کہ جلال مجھ سے دوبارہ بات کرنے کا خواہاں تھا۔

اس وقت تک میری طبیعت مضمحل ہو چکی تھی۔ میں اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا کہ میرے لیے آئی بی والوں کے ساتھ رہ کر مکمل آزادی سے کام کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان

لوگوں کے اپنے لگے بندھے طریقے اور ضابطے تھے۔ میری خوشنودی کے لیے وہ کسی قیمت پر بھی ان سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔

اس مرتبہ جلال کا لہجہ امید افزا تھا جیسے اس نے اپنے آدمی سے بات کر کے کامیابی کی کوئی کنجی پالی ہو۔ مجھے حوصلہ دلاتے ہوئے اس نے اپنی بات کا اعادہ کیا کہ مجھے سنیل کو وہاں چھوڑ کر گھر لوٹ جانا چاہیے۔ اس وقت ہمیں سنیل سے صرف سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا درکار تھا۔ وہ کوئی پیچیدہ سوال نہیں تھا۔ اپنے روایتی طور طریقوں سے کام لیتے ہوئے، اس کے آدمی سنیل سے وہ تفصیل معلوم کر سکتے تھے۔

جلال سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اپنی جن مجبوریوں کا اسیر تھا وہ بار بار میرے سامنے آتی رہی تھیں۔ میری خاطر وہ انہیں نظر انداز کر کے اپنی نوکری داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے بلا حیل و حجت اس کی بات مان لی۔

''کامیاب ہوتے ہی میرے آدمی سب سے پہلے تمہیں فون پر اطلاع دیں گے'' اس نے میری دل جوئی کے لیے زور دے کر کہا۔

''اب کامیابی اور ناکامی کا دارومدار تمہارے آدمیوں کی کارکردگی پر ہے'' سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی میں اپنے لہجے میں در آنے والی ہلکی سی تلخی پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''مجھے تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم نیک توقعات رکھو اور گھر جا کر آرام کرو۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ تمہیں جلد ہی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ ابھی تک اس کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے نہ اس کا ریمانڈ لیا گیا ہے۔ میں تمہیں صرف اتنا اشارہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارے ہاتھ بڑی حد تک کھلے ہوئے ہیں۔ اسے پکڑنے کی کوششوں میں اسے کوئی بھی شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

وہ ایک قانونی باریکی تھی جو میری سمجھ میں آ گئی لیکن میں نے اس پر کوئی بات نہیں کی اور رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

اس مختصر سے وقفے میں دونوں سفید پوش اپنے کپڑے تبدیل کر چکے تھے۔ وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے عمارت کے صدر دروازے تک آئے۔ اس دوران میں ہمارے درمیان قیدی کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے میرا فون نمبر دریافت کیا۔ میں نے اس کی جیبی ڈائری پر گھر کے نمبر کے ساتھ موبائل فون کا نمبر بھی لکھوا دیا۔

دروازے پر ان دونوں کو الوداع کہہ کر میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ٹیکسی لینے سے پہلے مجھے اچانک خیال آیا کہ میں واقعات کی روانی میں بہہ کر سنیل سے ایک اہم سوال پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دوبارہ صدف مینشن کے دروازے پر پہنچ گیا۔

وہ لوگ چند منٹ بعد مجھے اپنے روبرو پا کر حیران رہ گئے۔

''قیدی سے ایک اہم سوال پوچھنا باقی رہ گیا ہے'' میں نے اندر پہنچ کر ان کے کسی سوال سے پہلے اپنی آمد کا مدعا بیان کر دیا۔

وہ میرا بہت زیادہ ادب کر رہے تھے۔ ایک نے پھرتی سے سیل کا جالی دار دروازہ کھول دیا۔ سنیل اس وقت فرش پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اپنے سیل کے سامنے آہٹیں سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بھڑک کر جارحانہ انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اب تم لوگ دوبارہ کیوں آئے ہو؟'' اس نے درشت آواز میں سوال کیا ''میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے آج کی رات یکسو ہو کر سوچنے دو، صبح میں تم سے بات کروں گا۔''

''میں تم سے تمہاری ولدیت کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''میرے باپ سے تمہیں کیا لینا ہے'' وہ چیخ کر بولا ''تمہارا جھگڑا مجھ سے ہے۔ مجھ سے میری بات کرو۔ باپ دادا تک کیوں پہنچ رہے ہو؟''

''یہ ضروری ہے'' میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھی ''یہاں ایک نام کے دو قیدی بھی آ جاتے ہیں۔ ان کی شناخت ولدیت سے ہوتی ہے۔''

اس بار اسے کسی قسم کے تشدد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے لیے ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس نے بحث کو طول نہیں دیا۔ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد بولا ''بھولا رام!''

''اگر بھولا رام تمہارا باپ تھا تو پھر نرمل کمار کون ہے؟'' میں نے اچانک تیز اور تلخ لہجے میں سوال کیا۔ وہ نام سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تلاش کیا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے یوں لہرایا جیسے میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اسے چکر آ گیا ہو مگر فوری طور پر اس نے سنبھالا لے لیا۔

''تم اس کے بیٹے کا نام جانتے ہو تو پھر میرے اوپر ظلم کیوں کر رہے ہو۔ جا کر اس کا گریبان پکڑو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیا جانتا ہے؟'' سنبھلتے ہی اس نے شکست خوردہ لہجے

میں اعتراض کیا۔ میرے لیے اس کے وہ الفاظ بہت اہم تھے۔

سنیل کے وہ فقرے میری اس کوشش کا ماحصل تھے۔ ان سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہو رہا تھا کہ نرمل کمار کا باپ اس چکر میں کوئی اہم حیثیت رکھتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ سنیل اور سوبھراج نے اسی کے گھر پناہ لی ہوئی ہو۔

وہ چالاک لوگ تھے۔ ہر محاذ پر اپنا دامن بچا کر لڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ شیر دل کی بیوہ کو نرمل کمار کے گھر کے بجائے دفتر کا نمبر دیا گیا تھا۔ سوبھراج اپنے وفاداروں میں بھی اپنی ساکھ قائم رکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے شیر دل کی بیوی کو ہر قسم کی مدد کی یقین دہانی کرائی تھی۔

اس مدد کے حصول کے لیے کسی نہ کسی رابطے کا ہونا ضروری تھا۔ سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس عورت کو نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر دے دیا۔

ان لوگوں کو یہ گمان نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ نمبر ہمارے ہاتھ لگ جائے گا۔ یہ ویرا کی چالاکی اور حاضر دماغی تھی کہ اس نے شیر دل کے گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی بات کا رخ دیکھ کر عورت فاؤنڈیشن کی فرضی کہانی گھڑ لی اور گھر کے اندر پہنچنے کے بعد اس عورت کے دل میں اترنے میں کامیاب ہوگئی۔

نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر ہمیں شیر دل کی بیوی یا بیوہ سے ملا تھا۔ اس نمبر پر میری بات ہو چکی تھی۔ بات کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن میری زبان سے حال ہی میں بیوہ ہونے والی عورت کا ذکر سن کر وہ ہمہ تن گوش ہوگیا تھا۔

یہ دیگر بات تھی کہ جب میں نے اس سے عورت فاؤنڈیشن کے رفاہی کاموں کے لیے امداد کی بات چھیڑی تو اس نے برہم ہو کر فون بند کر دیا تھا مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ شخص سوبھراج کے کیمپ سے تعلق رکھتا تھا۔

اس نمبر کی مدد سے سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر عرق ریزی سے کام کیا تھا اور اس نمبر کے حوالے سے پاپولیشن ویلفیئر کے نرمل کمار نامی افسر کا نام دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سنیل کافی مار کھانے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا لیکن میری زبان سے نرمل کمار کا نام سنتے ہی اس کا سارا کس بل نکل گیا تھا۔ اس کی زبان سے نکلنے والے بے ساختہ جواب نے میری مشکل یکایک آسان کر دی تھی۔

وہاں سے ناکام و نامراد لوٹتے لوٹتے' کامیابی نے اچانک میرے قدم چوم لیے تھے۔ سنیل پر اپنا وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں اس سے یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ مجھے نرمل کمار کے گھر کا پورا پتا بھی بتا دے گا۔

وہ کام مجھے اپنے طور پر اور بہت تیزی سے کرنا تھا۔

میرے اداس اور اترے ہوئے چہرے پر نمودار ہونے والی مسرت آئی بی والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ انہیں پس پردہ واقعات کے سر پیر کا علم نہیں تھا۔ وہ بات کی گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ انہیں صرف یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان چکروں میں نرمل کمار کے نام کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔

چلتے چلتے میرے دل میں آئی کہ شیر دل کی بیوی کو رقم پہنچانے والے شخص کے بارے میں بھی اس سے چند سوال کر ڈالوں لیکن میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ واقعات کی کڑیاں بتا رہی تھیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا' سوبھراج کا آدمی تھا۔ اس کے نام سے مجھے کچھ نہیں لینا تھا۔ میں خاموشی سے سنیل کی کوٹھری سے نکل آیا۔

آئی بی والوں کے چہرے متجسس تھے۔ وہ باز پرس کے مختصر سے نئے دور کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ان میں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ان کے محتاط اور مدافعانہ رویے کی وجہ سے میری رگ بھی ذرا بھڑ کی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے طور پر انہیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا اور خوش خلقی کے ساتھ ان سے مصافحہ کر کے صدف مینشن سے واپس روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

گھر پر ویرا منہ پھلائے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مجھ سے کسی محاذ آرائی کے لیے تلی بیٹھی تھی۔

''قدرت کے عطا کیے ہوئے خوبصورت چہرے کو تم نے کیوں بگاڑا ہوا ہے؟'' جمود توڑنے کے لیے میں نے اسے چھیڑنے میں پہل کر ڈالی۔

''اسٹیشن فور کے دروازے بند کر دیے گئے تھے تو تم اسے گھر کیوں نہیں لائے؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''مار کھانے کے بعد وہ پوری آواز میں چلا رہا تھا'' میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا ''یہاں آتا تو پورا محلہ ہمارے دروازے پر جمع ہو جاتا۔''

''اس حرام زادے کے منہ میں حلق تک روئی ٹھونس دیتے۔ پھر دیکھتے کہ وہ کیسے کوئی آواز نکالتا ہے۔ میں اسے اس بری طرح ادھیڑتی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔''

''ہمارا مقصد اسے مارنا پیٹنا نہیں تھا۔ اس سے سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا معلوم کرنا تھا'' میں نے ربانیت سے کہا ''مجرم کے منہ میں روئی ٹھونس کر باز پرس یا تفتیش نہیں کی جاسکتی۔ ہر تھپڑ اور مکے کے بعد رونما ہونے والی نفسیاتی تبدیلیوں سے آگاہ رہنے کے لیے قیدی کی زبان کا آزاد رہنا ضروری ہوتا ہے۔''

''پہلے اسے یہاں لانا چاہیے تھا کہ ہم سب اس پر اپنی بھڑاس نکال لیتے۔ وہ بے ہوش تھا۔ گاڑی اندر لاکر ہم پوری رازداری کے ساتھ اسے چوتھے بیڈ روم کے غسل خانے میں ڈال سکتے تھے'' ویرا میری بات سمجھنے پر آمادہ نہیں تھی۔

''وقت کی بھی اہمیت تھی۔ سوبھراج غیر معینہ مدت تک اپنی جگہ بیٹھا اس کی واپسی کا انتظار نہیں کرتا رہے گا۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔''

''وقت بچا کر تم نے کیا تیر مارا ہے؟ بتادیا اس نے سوبھراج کا پتا؟'' اس نے لڑاکا انداز میں اپنے ہاتھ فضا میں نچاتے ہوئے سوال کیا۔

''سوبھراج کو پاپولیشن ویلفیئر والے نرمل کمار کے باپ ... نے پناہ دی ہوئی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے ان تینوں کو اطلاع دی۔

وہ خبر ان کے لیے غیر متوقع تھی۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ سنیل آسانی سے کچھ اگل دے گا۔ ویرا چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں بیٹھی مجھے گھورتی رہی۔ میں گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی غصیلی نگاہوں میں دیکھتا رہا۔ آخر کار وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔

''نرمل کمار کا باپ کہاں رہتا ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''اس وقت یہ ملین ڈالر کا سوال ہے'' میں نے کہا ''اس بارے میں وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھا۔ صدف مینشن سے نکل آنے کے بعد مجھے نرمل کمار کا نام یاد آیا۔ میں نے دوبارہ اندر جا کر نرمل کمار کا نام لیا اور وہ اپنے اضطراری ردِ عمل پر قابو نہ رکھ سکا۔''

''میں نے اس کی سرسری سی جھلک دیکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے اپنی زبان کھولی ''ایسے قد' کاٹھ اور خدوخال والے عام طور پر بہت ڈھیٹ اور بے شرم ہوتے ہیں۔''

''واہ! تم تو قیافے کے پروفیسر ہوگئے۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا ''اس کے بارے میں تمہارا اندازہ سو فیصد سے زیادہ درست ہے۔ وہ مار کھانے کے باوجود نغمہ سرا نہیں ہوا۔ یہ اس کی ڈھٹائی کی دلیل ہے' بے شرمی کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہ سوبھراج اور اپنی بیوی کے قریبی مراسم سے چشم پوشی کرتا رہتا تھا۔''

''وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ نرمل کے گھر کا سراغ کیسے ملے گا؟'' غزالہ نے تادیبی لہجے میں کہا۔

''ڈائریکٹری پرانی ہے اور نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے میں ہر پتھر اپنی جگہ پر بھاری ہے'' غزالہ کی تنبیہہ سنتے ہی سلطان شاہ کی زبان چلنا شروع ہوگئی۔ وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے کہہ رہا تھا ''افسروں کے تبادلے کم ہوتے ہیں۔ نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے تو ڈائریکٹری کے مطابق دوسرے افسر بھی اپنی جگہوں پر موجود ہوں گے۔ میں ابھی کسی کو فون کرتا ہوں۔ ڈائریکٹری میں کئی افسروں کے گھروں کے فون نمبر بھی دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی سے نرمل کے گھر کا پتا مل جائے گا۔''

''کیا تم دیوانے ہوگئے ہو؟'' ویرا نے ترشی سے کہا ''کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ تم جیسے اجنبی کو فون پر اس کے گھر کا پتا بتائے؟''

''یہ عقل کا کھیل ہے جس کا تمہارے پاس قحط ہے'' اس نے برجستہ جواب دیا ''عورتوں کی بیشتر عقل ان کے لمبے بالوں کی کھاد بن کر ضائع ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے یہاں عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا جاتا ہے۔''

''ذرا پتا تو چلے کہ اس وقت تمہاری عقل پر کس قسم کا دورہ پڑا ہوا ہے؟'' ویرا غرائی۔

''مجھے گھبرائی ہوئی آواز میں صرف یہ کہنا ہوگا کہ نرمل ایک حادثے میں زخمی ہوکر اسپتال میں اپنے آخری سانس لے رہا ہے' اس کے گھر والوں سے فوری رابطہ ضروری ہے۔ پتا نہیں تو کم از کم اس کے گھر کا فون نمبر ضرور مل جائے گا۔''

''اس وقت تم واقعی دور کی کوڑی لائے ہو'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''اس نیک کام کو خود ہی انجام دو۔ اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرو۔''

ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد اس وقت بھی ڈرائنگ روم میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے سرکاری اوراق میں پاپولیشن ویلفیئر کا صفحہ کھولا اور محمد اصغر نامی ایک افسر کے گھر کا فون نمبر نوٹ کر کے ڈائریکٹری بند کردی۔

اس نے نمبر ملانے کے لیے فون کا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میرے اشارے پر اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے بٹن دبا کر

موبائل فون اپنے کان سے لگا لیا۔
''تم اس وقت کہاں ہو؟'' دوسری طرف سے آنے والی جلال کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔
''صدف مینشن سے واپس گھر آ چکا ہوں'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''تم نے اس وقت کیسے فون کیا؟''
''قیدی بول پڑا ہے۔ چلتے چلتے تم نے اس سے کسی نرمل کمار کے بارے میں بات کی تھی۔ میرے اسٹاف نے اس کلیو پر کام شروع کر دیا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سوبھراج اور سنیل نے نرمل کے گھر پر پناہ لی ہوئی تھی......''
''یہ بات اس نے میرے سامنے اگل دی تھی۔ ان دونوں کو نرمل نے نہیں' ان کے باپ نے پناہ دی ہوئی ہے۔ اس وقت میں اس کے گھر کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا ہوں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کرتے ہوئے کہا۔
''پھر بھی کام کچھ نہ کچھ آگے بڑھا ہے'' اس نے جواب دیا ''نرمل یا اس کے باپ کے گھر کا پتا بھی قیدی سے مل گیا ہے۔ وہ لوگ کینٹ اسٹیشن کے پاس رہتے ہیں۔ آج تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اب سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟''
میں سوچ میں پڑ گیا۔ سوبھراج نے ایک مدت سے شہر میں اودھم مچایا ہوا تھا۔ تسلسل اس کا نام سننے میں آ رہا تھا لیکن کہیں بھی میرا اور اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس مردود کی سرکوبی کروں لیکن میرے لیے وہ وقت ناموزوں تھا۔
ایس ٹی ایف کے عملے کے ساتھ میں مکمل آزادی اور بالادستی کے ساتھ ہر کام کر گزرتا تھا۔ وہ لوگ ایکا ایکی غیر فعال ہو چکے تھے' اول خان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ سوبھراج کے راج محل سے فرار کا واقعہ ابتدا سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ وہ بہت چالاک مجرم تھا۔ ہر وقت اپنے فرار کی راہیں کھلی رکھتا تھا۔
اس پر ہاتھ ڈالنا ہم چاروں کے بس سے باہر تھا۔ مسلح اور بھاری نفری کے ساتھ اس ٹھکانے کا محاصرہ کیے بغیر سوبھراج کو للکارنا بے سود ثابت ہو سکتا تھا۔ چند گولیاں برسا کر وہ ہمیں ایک سمت میں الجھاتا اور خود کسی اور راستے سے فرار ہو جاتا۔ سنیل کو کھو دینے کے بعد اس میں جم کر لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔
ویسے بھی وہ دلیر نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایف بی آئی والوں کی سزا سے بچنے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔ قانون نے بعد میں اس کا پیچھا لیا تھا۔
ایس ٹی ایف نامعلوم وجوہ کی بنا پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس کے محکمے سے کبھی بھی میری زیادہ رسم وراہ نہیں رہی تھی۔ لے دے کر آئی بی رہ جاتی تھی جو بھرپور طاقت اور اختیار کے ساتھ سوبھراج کو گھیر سکتی تھی۔
وہ پرتشدد تفتیش کی طرح کوئی صوابدیدی معاملہ نہیں تھا جس کے لیے جلال یا کسی اور اعلیٰ افسر کی کراچی میں موجودگی ضروری ہوتی۔ سوبھراج ایک خطرناک مجرم تھا۔ اس کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے۔ کسی بھی ایجنسی کا کوئی اہلکار اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ آئی بی والوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہوتی تو وہ باضابطہ طور پر پولیس سے مدد لے سکتے تھے۔
سوبھراج کی سرکوبی کے اس آپریشن میں شرکت کی خواہش کے باوجود میرا دل ادھر مائل نہیں ہو رہا تھا۔ سبب بہت واضح تھا۔ سنیل کے بارے میں میرا صدف مینشن کا تازہ ترین تجربہ زیادہ خوشگوار نہیں رہا تھا۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آئی بی والوں کے ساتھ اس مہم میں شامل ہو کر میں اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ اول تا آخر انہیں بالادستی حاصل رہے گی۔ ان کی اجازت کے بغیر میں شاید ایک گولی بھی نہیں چلا سکوں گا۔ میری حیثیت ثانوی اور مبصر کی ہو کر رہ جائے گی۔ ایسی بے عمل شمولیت سے بہتر تھا کہ میں گھر بیٹھ کر اس آپریشن کے نتائج کا انتظار کر لیتا۔
میں نے چند لمحوں میں' بہت سرعت سے اپنا وہ ذہنی تجزیہ مکمل کیا اور جلال کے ٹوکنے سے پہلے کہا۔
''ایس ٹی ایف پس پردہ چلی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو اسی وقت اس کام پر لگا دو۔ سوبھراج زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکے گا۔ وہ تمہاری تیاریوں کے باوجود راج محل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے پکڑنا ہم چاروں کے بس کی بات نہیں ہے۔''
''کیا تم میرے اسٹاف کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہونا چاہو گے؟'' اس نے حیرت زدہ آواز میں سوال کیا۔
''ایس ٹی ایف کے لمبے ساتھ نے قاعدوں اور ضابطوں کے بارے میں مجھے بے پروا بنا دیا ہے۔ میں تمہارے اسٹاف کے ڈسپلن کا ساتھ نہ دے سکا تو بلاوجہ کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے گی۔ مجھے بھول جاؤ اور اپنے آدمیوں کو حکم دے ڈالو۔ میں ان کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔''
''مجھے تمہارا رویہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا محسوس ہو رہا ہے'' میرے ساتھ خاصا وقت گزار کر وہ بڑی حد تک میرے موڈ اور

مزاج کو سمجھنے لگا تھا۔
''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔
''میں مان ہی نہیں سکتا'' اس کا لہجہ پرزور ہو گیا ''تم سنیل کے واقعے سے کچھ روٹھے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ وہاں کسی نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی؟''
''تمہارے آدمی بہت مستعد، فرض شناس اور تمیز دار ہیں۔ ان سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ قاعدے قوانین سے مجھے ذرا سی الجھن اور گھٹن محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں ان کا عادی نہیں رہا۔ اس میں تمہاری کوئی خرابی نہیں ہے، یہ میری کمزوری ہے۔''
''اوکے ڈیئی!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''دعا کرتے رہنا کہ آج کی رات سوبھراج کی آزادی کی آخری رات ثابت ہو۔''
''میری دعائیں تم سب کے ساتھ ہیں، گڈ لک!'' میں نے فون بند کر دیا۔
سلطان شاہ نے دوبارہ ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اسے روک دیا ''اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ سنیل نے وہ پتا بتا دیا ہے۔''
''اوہ!'' ویرا کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب میں سمجھی کہ تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ تم ان کے ساتھ شامل ہونے سے کیوں گریز کر رہے ہو؟''
''یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اب کوئی اور بات کرو'' میں نے ناگواری سے کہا۔
''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہونے لگا ہے'' غزالہ نے پرتشویش لہجے میں کہا ''کل تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ آج ایسا نظر آ رہا ہے جیسے ہمارے سارے موثر رابطے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے ہوں۔''
''کچھ نہیں۔ یہ سوبھراج کے ستاروں کی نحوست ہے جو ہمارے سروں پر بھی منڈلا رہی ہے'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا ''ایک بار اسے ہتھکڑیاں لگ جائیں گی تو سب حالات خودبخود ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔''
''سوبھراج گھیرے میں آ رہا ہے تو کل غزالہ کا کیا پروگرام رہے گا؟'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔
''وہ پروگرام اپنی جگہ برقرار ہے'' میں نے جواب دیا ''جب تک اس کی گرفتاری کی خبر نہیں آ جاتی، ہم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔''
''سنیل کے پکڑے جانے کے بعد وہ اپنے محور سے ہل چکا ہے۔ اس کے بدترین انجام میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے'' ویرا نے کہا۔
''سوبھراج کا ہانکا شروع ہونے والا ہے۔ سنیل پکڑا گیا۔ اب شیبا کا کیا ہوگا؟'' غزالہ نے یکایک بوجھل آواز میں پوچھا۔
''پہلے سلطان شاہ کو اس کی فکر لاحق ہوئی اب تم اس کے لیے پریشان ہو'' میں نے ہلکے سے استہزائیہ لہجے میں کہا ''وہ بے باک اور اوباش فطرت عورت ہے۔ اس کی فکر میں اپنی جان ہلکان مت کرو۔ وہ ہر صورت میں اچھی طرح وقت گزارتی رہے گی۔''
دیر ہو چکی تھی۔ ابرار کئی بار ڈرائنگ روم کے چکر لگا چکا تھا لیکن کسی نے اس کی بے چینی پر دھیان نہیں دیا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ اس وقت تک ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے بات چھیڑی تو ہر ایک کو بھوک کا احساس ستانے لگا اور وہ محفل ہلچل کا شکار ہو گئی۔
ابرار میز پر برتن وغیرہ لگا چکا تھا۔ قاب میں سالن وغیرہ نکالنے کی دیر تھی۔ وہ تیاری ہو ہی رہی تھی کہ ویرا کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی۔ وہ بازو پکڑ کر مجھے تقریباً کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم کے آخری کونے میں لے گئی۔
''تم کہہ رہے تھے کہ ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو فیلڈ سے واپس بلا لیا گیا ہے'' اس نے تائید طلب سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
''ہاں، اس میں ایسی رازداری کی کیا بات ہے؟'' میں نے جھنجلا کر پوچھا۔
''پھر یہ ابرار اور دین محمد یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے میری جھنجلاہٹ کو نظرانداز کر کے اپنا سوال کر ڈالا۔
ویرا کی وہ بات درست تھی۔ عملی طور پر وہ دونوں گھریلو کاموں میں ہم سب کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے لیکن اصولی طور پر انہیں گھر کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ رات کو ان میں سے ایک آدمی مسلح ہو کر چھت پر گشت کرتا رہتا تھا۔
''ہو سکتا ہے کہ اول خان نے ہماری ضروریات کی وجہ سے انہیں نظرانداز کر دیا ہو'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''اس قسم کے بڑے فیصلے کیے جاتے ہیں تو لوگوں کی چھوٹی موٹی ضروریات کو سرے سے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ایس ٹی ایف کو ختم نہیں کیا گیا۔ جو کچھ ہوا ہے، وہ ایک عارضی فیصلہ ہے۔ ایک دو روز میں ایس ٹی ایف کی ساری سرگرمیاں اپنے پرانے معمول پر آ جائیں گی۔''
''تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ فورس ختم کر دی گئی؟'' میں

نے ترشی سے پوچھا۔

''کسی نے نہیں کہا لیکن خبروں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ ابھی تک میں ابرار اور دین محمد کو بھولی نہیں تھی۔ ان کی موجودگی بتا رہی ہے کہ یہ تعطل عارضی ہے۔''

میں نے خود بھی اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ان دونوں کو ہمارے گھر آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے تھے کہ وہ بھی گھر کے افراد بن گئے تھے۔ یہ بات ہر ذہن سے محو ہو چکی تھی کہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں ایس ٹی ایف سے عارضی طور پر ہمارے گھر بھیجا گیا تھا۔

''یہ جمود جلد از جلد ختم ہونا چاہئے۔ پتا نہیں اول خان کہاں مرا ہوا ہے۔ اس سے بات ہو تو کچھ پتا چلے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔

''یوں سن رسیدہ بیوہ کی طرح کلکلا کر اسے نہ کوسو!'' ویرا نے مجھے سمجھایا ''وہ یقینی طور پر کسی بڑے چکر میں الجھا ہوا ہے ورنہ خود ہی تم سے رابطہ کرتا۔''

میں اسے گھور کر رہ گیا۔ مجھے اول خان پر غصہ اس بات کا تھا کہ وہ کہیں پھنس ہی گیا تھا۔ تو اسے کم از کم ایک مختصری کال کر کے مجھے کچھ بتا دینا چاہئے تھا کہ میرے ذہن پر وہ بوجھ نہ رہتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا رابطہ کب بحال ہونا تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر میں نے دوسرا لقمہ لیا ہی تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میرا ذہن مسلسل اول خان کی طرف لگا ہوا تھا۔ میں نے موبائل فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں اول خان کے موبائل فون کا نمبر آیا ہوا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر عجلت میں کال لی اور فون اپنے کان سے لگا لیا۔

''کل سے تم کہاں غائب ہو؟ کان تمہاری آواز سننے کو ترس گئے ہیں'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

حقیقت یہ تھی کہ جب سے مجھے ایس ٹی ایف کی بندش کی خبر ملی تھی' میرے ذہن میں اول خان کی طرف سے برے برے خیالات آ رہے تھے۔ فورس کے سربراہ کی کراچی میں موجودگی میری تشویش کا سب سے بڑا سبب تھی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی میں ہونے والی کسی گڑبڑ کے نتیجے میں وہ بڑا قدم اٹھایا گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فرائض سے غفلت برتنے کے کسی دور از کار الزام میں اسے فورس کے زنداں میں نہ ڈال دیا گیا ہو۔

''میں بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اٹھارہ بیس گھنٹوں کے بعد اب گھر جانے کی آزادی ملی ہے تو میں تمہیں راستے سے فون کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں پھر وہیں لوٹ جاؤں گا'' اس کی آواز سے گہری تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کچھ تو بتاؤ کہ تم کہاں پھنسے ہوئے ہو' یہ کیا چکر چلا ہوا ہے۔'' اس کی بات پوری ہوتے ہی میں نے مضطربانہ انداز میں کہا ''تمہارے دفتر میں بھی کوئی نیا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہاری ملازمت بحال ہے یا تم معزول کر دیے گئے ہو۔''

''ابھی ایسی نوبت نہیں آئی'' تھکی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا لیکن جنرل کی موجودگی میں' میں تم سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کل سے وہ بھی میرے ساتھ کام میں جتا ہوا تھا' ہمیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔''

''اچھا! میں اس وقت تمہارے گھر آ رہا ہوں'' اس کی مبہم باتوں سے مجھے شدید الجھن ہو رہی تھی۔ میں جلد از جلد اس کی زبان سے ساری روداد سن لینا چاہتا تھا۔

''گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ صبح نو بجے اسٹیشن فور آ جاؤ۔ جنرل تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''تو کیا تم لوگوں نے وہیں اپنا ڈیرا جمایا ہوا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں لیکن کل صبح ہم وہیں ہوں گے'' اس بار بھی اول خان کا جواب مبہم تھا۔

''یہ بتاؤ کہ تم خیریت سے تو ہو نا...... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟'' اس کے غیر واضح جواب مسلسل میرے اضطراب کو ہوا دے رہے تھے۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ صبح نو بجے کا وقت یاد رکھنا۔ یہ میری تجویز نہیں' جنرل کی ہدایت ہے۔ کام کا بوجھ ہلکا ہونے کے بعد وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔''

''تم مطمئن رہو۔ میں نو بجے اسٹیشن فور پہنچ جاؤں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

اول خان نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

میں اس سے فون پر باتیں کرتا ہوا غیر ارادی طور پر ڈرائنگ روم میں نکل گیا تھا۔ فون جیب میں ڈال کر میں کھانے کی میز پر واپس پہنچا تو میرے اوپر سوالوں کی بھرمار ہو گئی۔

''تم یقین کرو کہ اس نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ کل سے بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اب اسے کچھ دیر کے لیے گھر جانے کی چھٹی ملی ہے'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا ''اہم بات صرف ایک ہے کہ جنرل

مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''
''وہ خود تو خیریت سے ہے نا'' ویرا نے جھلا کر پوچھا۔
''خیریت سے ہے مگر بری طرح تھکا ہوا ہے۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے'' میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔
''اس نے یہ نہیں بتایا کہ جنرل آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔
''کچھ نہیں' ایک لفظ نہیں بتایا۔ وہ میرے ہر سوال کو ٹال رہا تھا'' میں نے جواب دیا'' کاش! مجھے تمہارے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔''
میز پر کھانے کے دوران میں اول خان کی ذات کے ساتھ ایس ٹی ایف ہمارا موضوع سخن بنی رہی۔ ہر بات قیاس آرائی پر مبنی تھی اور بے خبری کے دائرے میں گھوم رہی تھی۔ کسی کے پاس کسی سوال کا کوئی یقینی جواب موجود نہیں تھا پھر بھی گفتگو کا وہ سلسلہ زور و شور سے چلتا رہا۔
وہ باتیں ابرار کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ عام گھریلو ملازمین کی طرح عقل سے کورا نہیں تھا۔ نیم فوجی ہونے کے ناتے بہت اچھی طرح سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ان باتوں نے اس بے چارے کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ وہ مستعدی کے ساتھ میز کی ضروریات پوری کرتا رہا۔ اپنی پریشانی کے باوجود اس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ میں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ابرار نے مجھے فراغت سے سگریٹ نوشی کرتے دیکھا تو میز سمیٹنے کے بعد میرے پاس آ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔
''صاحب! یہ ہماری فورس کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے میرے قریب آ کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''باس اور چیف صاحب خیریت سے تو ہیں؟''
''سب خیریت سے ہیں۔ کہیں کچھ نہیں ہوا۔ تمہیں ہم لوگوں کی باتوں سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہارا باس اسلام آباد سے اچانک یہاں آ گیا ہے اور شہر سے سارے اسٹاف کو سمیٹ کر اسٹیشن فور میں بلا لیا گیا ہے۔''
''خدا خیر کرے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کل سے چیف صاحب بھی یہاں نظر نہیں آئے'' میرے جواب سے اس کی تشفی نہیں ہو سکی۔

''وہ باس کی آؤ بھگت میں لگے ہوئے ہیں۔ صبح میں ان دونوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دو۔ میں ان تک پہنچا دوں گا۔''
''صاحب! ہم چھوٹے آدمی ہیں۔ ان کو کیا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ یہاں آپ جیسے شریف لوگوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ گھر کا آرام مل رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان سب پر اپنے فضل کا سایہ رکھے۔''
وہ سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اپنی گفتگو سے اس سادہ لوح سپاہی کی ہر تشویش رفع کر دی تھی۔
اول خان کے بارے میں میری الجھن دور ہو چکی تھی۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جلال اور اس کے عملے کی طرف مبذول ہو گیا۔
جلال کے بارے میں میرے تازہ ترین تجربات بہت خوشگوار تھے۔ اس نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک نفیس اور حساس طبع انسان تھا۔
میں نے صدف مینشن سے واپس آنے سے پہلے اس کے ماتحتوں کو اپنے فون نمبر لکھوا دیے تھے تاکہ وہ سنیل کے بارے میں ہونے والی کسی بھی پیش رفت سے براہِ راست مجھے آگاہ کر سکیں۔ اس دوران میں ان میں سے کسی نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ سنیل کی خاموشی ٹوٹنے کی خبر جلال نے خود فون پر دی تھی۔
یہ یقینی طور پر اس کی محتاط روی کا کمال تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ میں صدف مینشن سے بے مزہ ہو کر واپس آیا تھا۔ اس کا کوئی آدمی مجھ سے رابطہ کرتا تو میں اسے اپنی ہتک تصور کر سکتا تھا۔ جلال نے براہِ راست رابطے کے بارے میں میری ہدایت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔
اپنے آدمیوں سے کامیابی کی اطلاع ملنے پر اس نے خود مجھے اسلام آباد سے فون کیا تھا اور وہ خوش خبری سنانے کے بعد مجھ سے میری مرضی معلوم کی تھی۔
میں جتنی دیر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرتا رہا' میرے دل میں جلال کے لیے عزت اور احترام کے جذبات میں اضافہ ہوتا رہا۔
میرا ذہن کہیں اور تھا لیکن میری نگاہیں ٹیلی وژن پر مرکوز تھیں جس پر رنگا رنگ تصاویر آ رہی تھیں لیکن اس کی آواز بند تھی۔
پھر اسکرین پر سوبھراج کی تصویر ابھری تو میں نے قریبی تپائی سے ریموٹ اٹھا کر ٹیلی وژن کی آواز مناسب حد تک

کھول دی۔
اسکرین پر ایک مذاکرے کے آغاز کا اعلان ہورہا تھا' جس کا عنوان سیاسی افلاس تھا۔ پروگرام کے شرکا میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے اور ممتاز شہری شامل تھے جو سوبھراج کے گھناؤنے کردار کی روشنی میں سیاسی عناصر کا جائزہ لینے کے لیے یکجا ہوئے تھے۔
پروگرام کا آغاز دلچسپ انداز میں ہوا۔ میزبان بہت نپے تلے اور محتاط انداز میں سوبھراج کے سیاہ کارناموں پر روشنی ڈال رہا تھا۔
پروگرام کے شرکا میں سے ایک صاحب سیاسی شعبے کے سرگرم ہم نوا تھے۔ میزبان نے جوں ہی سوبھراج کے لیے ممتاز سیاسی رہنما کے الفاظ استعمال کیے' انہوں نے اعتراض کردیا کہ کسی فرد واحد کے مجرمانہ فعل کی وجہ سے کسی ایک طبقے یا برادری کو ملامت کا ہدف نہیں بنایا جاسکتا۔ جرم کو طبقاتی' لسانی' مذہبی یا گروہی حوالے کے بجائے ہمیشہ شخصی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ ایک فرد کے قبیح فعل کی وجہ سے کسی پورے گروہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔
ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ الزام کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو' الزام رہتا ہے۔ عدالت کی توثیق کے بغیر اسے جرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ انہیں سوبھراج کے لیے مجرم سیاست داں کی اخباری اصطلاح پر سخت اعتراض تھا' جس سے سادہ لوح عوام گمراہ ہوسکتے تھے۔
میزبان کا ہوم ورک اچھا تھا۔ اس نے اپنے مسکت جواب سے ان صاحب کو لاجواب کرکے اپنی بات آگے جاری رکھی۔
سیاست داں کو کسی بھی ملک کا سب سے زیادہ باخبر شخص تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سوبھراج ایک مدت سے جرائم میں ملوث تھا تو دوسرے سیاست داں اس کی حرکتوں سے کیوں بے خبر تھے۔ باخبروں کی وہ بے خبری ایک ہولناک کوتاہی تھی جس کی ذمے داری سے کوئی سیاست داں اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا تھا۔
سوبھراج پر لگائے جانے والے الزامات کی فہرست طویل تھی لیکن اس نے اپنے دفاع میں قانون کا سامنا کرنے سے پہلے ازخود نک کے قتل کا اعتراف کرلیا تھا۔ دیگر الزامات کے ثابت ہونے سے پہلے قتل کا اعتراف کرکے اس نے اقبال جرم کرلیا تھا۔ اس کے بعد اسے مجرم قرار نہ دینے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی تھی۔
وہ سلجھے ہوئے' باشعور لوگوں کی محفل تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ آثار یہ بتارہے تھے کہ وہ پروگرام لمبا چلے گا۔ میری معلومات اس پروگرام سے کہیں زیادہ تھیں۔ سوبھراج کا قصہ الزامات کی حد تک بہت آگے جاچکا تھا۔ اس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔ اس کے بارے میں آئی بی والوں کی طرف سے کسی بھی وقت کوئی بڑی خبر آسکتی تھی۔ میں نے ٹیلی وژن بند کیا اور آرام کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔
میں کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہوا تو غزالہ کسی سلیقہ مند بیوی کی طرح اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے میرے پاس آگئی۔ سرہانے بیٹھ کر اس نے میرے بالوں میں اپنی نرم وملائم انگلیاں پھیرنی شروع کیں تو میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔
اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل رہا ہوگا کہ موبائل فون کی مسلسل بجتی ہوئی تیز گھنٹیوں سے میری آنکھ کھل گئی۔
''خدا خیر کرے......اس وقت کس کا فون آگیا'' میرے کانوں میں غزالہ کی غنودہ آواز آئی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوچکی تھی۔
''جلال کی کال ہوگی۔'' میں نے نیند سے بوجھل لہجے میں اسے جواب دیا اور فون پر کال لے کر اسے اپنے کان سے لگالیا۔
''اب بہت ہوگیا۔ میں سب کو برباد کردوں گا'' میرے کان میں سوبھراج کی غضب ناک آواز گونجی تو میری آنکھوں سے نیند کا سارا نشہ ہرن ہوگیا اور میں اچھل کر اپنے بستر پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔
''کیا ہوا' تم اس قدر اشتعال میں کیوں ہو؟'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے فون پر اس کی آواز سنتے ہی مجھے آئی بی والوں کے مشن کی ناکامی کا پورا یقین ہوگیا تھا۔ وہ کامیاب ہوگئے ہوتے تو سوبھراج اپنا فون استعمال کرنے کے قابل نہ رہتا۔
''خوں خوار بھیڑیے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں مردانہ وار سامنے آکر قانون کا سامنا کروں۔ یہ مجھے عدالت میں لے جانے سے پہلے مسل کر فنا کردینا چاہتے ہیں۔ میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا' کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''
''یہ سب باتیں تم مجھے کیوں سنارہے ہو؟'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔
''مجھے شبہ تھا کہ تم بھی میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہو اور ان کے لشکر میں شامل تھے' اس کی آواز کا زور اسی طرح

برقرار تھا'' میں نے ان کے نرغے سے نکلتے ہی تمہیں فون کیا تھا۔ وہ اندھیرے میں گولیاں برسا رہے ہیں اور دیوانہ وار مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے مگر اب میں ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا ہوں' وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہاری آواز میں نیند کا خمار ہے مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم کو اپنی بات کا پاس ہے۔ جب تک میں تمہارے دشمنوں کے لیے کام نہیں کرتا۔ تم مجھے بھولے رہو گے مگر میں پریشان ہوں کہ اس وقت آنے والے کون تھے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں تمہاری گھنٹیوں کی آواز سن کر گہری نیند سے اٹھا ہوں'' میں نے نرمی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''وہ سرکاری آدمی ہی ہو سکتے ہیں مگر حیرت ہے کہ ان میں کوئی وردی والا نہیں تھا سب کے سب سادے کپڑوں میں تھے وہ چوروں کی طرح دیواریں کود کر مدن لال کے گھر میں گھسے تھے۔ آہٹوں سے میری آنکھ نہ کھلتی تو آج میرا کام تمام ہو گیا تھا۔''

رفتہ رفتہ اس کی آواز میں ٹھہراؤ آ رہا تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدن لال کے گھر سے نکل کر کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ شہر میں اس کے کتنے ہمدرد اور ہم نوا تھے جو ہر خطرہ مول لے کر اسے پناہ دینے کے لیے تیار تھے۔

اپنے بھگوان کا شکر ادا کرو کہ تم بچ گئے میں نے تمہاری طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں مگر یہ نہ بھولو کہ قانون کے محافظ پورے شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں وہ کسی بھی وقت تمہیں پھر گھیر سکتے ہیں''

''ڈینی! تم تو ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نہ نکالو اس شہر میں اب تم ہی ایسے اکلوتے آدمی رہ گئے ہو جس سے کھل کر اپنے دل کی بات کر سکتا ہوں''

''لیکن تم مجھ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ مجھ سے ملنے سے انکاری ہو''

''وہ میری مجبوری ہے خود کو میری جگہ رکھ کر سوچ لو تم میری مجبوری کے قائل ہو جاؤ گے'' ابتدائی تیزی دکھانے کے بعد اس کا لہجہ معمول پر آ گیا تھا۔

''تم اتنے مجبور بھی نہیں ہو۔ مدن لال نے تمہیں پناہ دی ہوئی تھی وہاں سے بھاگے تو کسی اور گھر نے تمہیں اپنی چار دیواری کی پناہ میں لے لیا'' میں نے کہا۔

''یہ گھر نہیں ہے'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''مدن لال کے گھر سے نکلنے کے بعد میں کنکریٹ کے ایک بہت موٹے پائپ میں چھپا بیٹھا ہوں' اب یہاں سے کہاں جانا ہوتا ہے لگتا ہے کہ اب ساری زندگی اسی بھاگ دوڑ میں بسر ہوگی۔''

''سرکاری آدمیوں نے مدن لال کے گھر کا کھوج کیسے لگا لیا؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میں اس کی کہانی اس کی زبانی سننا چاہ رہا تھا۔

''یہ سب ایس ٹی ایف والے کرنل داور کا حرامی پن ہے'' کرنل داور کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر غصہ آ گیا۔ وہ بولتا رہا'' وہ بہت دوغلا اور مکار آدمی ہے میں بنکاک میں تھا تو اس نے راج محل میں آ کر سنیل سے معافیاں مانگی تھیں۔ اب میرا وقت بگڑا تو اس نے مہیش اگروال بن کر سنیل کی آوارہ بیوی سے دوستی گانٹھ لی آج سنیل کسی ضروری کام سے اپنے گھر گیا تو کسی طرح کرنل کو بھنک مل گئی اور وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔''

''تو سنیل کہاں ہے؟'' میں نے بے ساختہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''داور بے خبری میں وہاں پہنچا تھا۔ اس نے میاں بیوی کو بے ہوش کر دیا' شیبا ہوش میں آئی تو داور اس کے پتی کو اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔''

''تم کو یہ باتیں کس نے بتائیں؟'' میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کہانی کی گم شدہ کڑیاں یک جا کرنا چاہ رہا تھا۔

''شیبا اس واقعے کی اکلوتی گواہ تھی۔ اس کے سوا اور کون بتاتا؟ سنیل کو اپنا کام کر کے دو چار گھنٹوں میں لوٹ آنا چاہیے تھا میں اس کے انتظار میں غصے سے کھولتا رہا۔ نہ جانے کس وقت میں سو گیا' آنکھ کھلی تو مدن لال کے گھر میں سرکاری ڈکیت گھسے ہوئے تھے۔''

''کیا سونے سے پہلے تم نے شیبا سے فون پر بات نہیں کی تھی؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''بس مجھ سے یہی چوک ہو گئی اس کتیا کی بچی کو میں نے ابھی فون کیا تھا تو اس نے اپنی کتھا سنا دی' پتا نہیں اسے داور سے یاری گانٹھنے کی کیا ضرورت تھی اس عورت کی ذرا سی لغزش نے مجھے برباد کر دیا۔''

''سنیل بھی بودا نکلا وہ اپنی زبان بند رکھتا تو کوئی تمہارے ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے مدن لال کے گھر کا پتا ملتے ہی کرنل داور نے وہاں چڑھائی کر دی۔''

''اپنی عورت کی کمائی کھانے والے بزدل ہوتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں نفرت اور حقارت رچی ہوئی تھی۔

"مارسہناسینل کے بس کی بات نہیں تھی۔ اب وہ میرے سامنے آیا تو میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن کاٹ دوں گا۔"

"تم سرکاری آدمیوں کے بارے میں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو' ساری بات بہت سیدھی ہے سینل کو کرنل داور اٹھا لے گیا تھا تو پھر مدن لال کے گھر پر ایس ٹی ایف والے ہی پہنچے ہوں گے۔ اب وہ بھی تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' شاید پریشانیوں سے میری عقل الٹ گئی ہے جو اتنی آسان باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ میں نے تم کو اپنا ہمدرد سمجھ کر فون کیا ہے میں نے تنہائی میں بہت سکون سے تمہاری پچھلی باتوں پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم واقعی میرے بہی خواہ ہو تم کو معلوم تھا کہ میں نے ایئرپورٹ پر زخمی ہونے کے بعد سینل کے گھر پناہ لی ہوئی تھی۔ تم نے مجھے دو دن کی مہلت دی ہوئی تھی اس لیے تم نے مجھے بالکل نہیں چھیڑا' نک کو میں نے دوست سمجھا اور اس نے مجھے دغا دی۔ میری پناہ گاہ کا پتا چلتے ہی اس نے دو قاتل کمانڈو میری طرف دوڑا دیے اگر تم... بروقت مجھے...... اس خطرے سے ہوشیار نہ کرتے تو اس دن میرے لیے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔"

"مشکل کی بات نہیں تھی وہ غفلت میں تمہارا کام تمام کر دیتے' اس روز تمہیں نئی زندگی ملی تھی یہ باتیں سمجھ میں آ جانے کے بعد تمہیں مجھ سے نہیں ڈرنا چاہیے۔"

"میں تم سے نہیں اپنے برے وقت سے ڈرتا ہوں۔ سینل کے غائب ہو جانے کے بعد میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں لیکن میرا حوصلہ برقرار ہے یہ بتاؤ کہ کبھی تم تو مجھ سے دھوکے بازی نہیں کرو گے۔"

"میں کچھ نہیں کہوں گا یہ باتیں آنے والا وقت ثابت کرے گا میری یہ بات یاد رکھنا کہ میں اپنے شہر میں کوئی دہشت گردی برداشت نہیں کروں گا" میں نے سرد لہجے میں کہا "ابھی تم غصے کی رو میں سب کو برباد کرنے کی باتیں کر رہے تھے!"

"وہ میرے دشمنوں کا ذکر تھا" اس نے عجلت سے وضاحت کی "میری طرف سے شہر میں کچھ نہیں ہوگا دوسرے کچھ کر گزریں تو میں اس کے لیے جواب دہ نہیں ہوں گا"

"تم تنہا ہو...... قانون سے کب تک بھاگتے رہو گے؟"

نیند کے اثرات زائل ہونے کے بعد مجھے اپنے اس حریف سے لچھے دار باتوں میں لطف آنے لگا تھا۔

"جب تک میرے دم میں دم ہے' میں بھاگتا اور بھگاتا رہوں گا" وہ دعوا کرتے ہوئے اس کی آواز پُرعزم ہو گئی

"سینل کے پکڑے جانے کے بعد میں تنہا ضرور ہو گیا ہوں لیکن اس کا ایک فائدہ بھی ہوا ہے۔ میں کسی اور کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا جو کروں گا۔" "صرف اسی کی فکر ہوگی۔"

"کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لینے کے بعد تمہاری سوچ حقیقت پسندانہ ہو گئی ہے" میں نے ہلکے پھلکے' تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"مذاق مت سمجھو' یہ بات درست ہے" اپنی پریشانی کے باوجود میرے مذاق کو سمجھ گیا "راج محل میں رہ کر زندگی بہت حسین اور آسان نظر آتی تھی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔"

"کہو تو میں تمہارے لیے کوئی ٹھکانا تجویز کروں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ڈینی! ابھی وہ وقت نہیں آیا" اس نے دوٹوک الفاظ میں میری پیشکش مسترد کر دی۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ اب میں دوسروں کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا' اپنے فیصلے خود کروں گا بعد میں یہ خلش نہیں ہوگی کہ دوسروں نے مجھے مروا دیا۔"

"یہ تمہاری مرضی ہے میرے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔"

اس سے گفتگو کے دوران یہ نکتہ مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ مسز شیر دل سے ملے ہوئے فون نمبر کے ذریعے نرمل کمار کا نام سامنے آیا تھا۔ سوبھراج نے مدن لال کے گھر پر نامعلوم افراد کے شب خون کی کہانی سنائی تھی۔ دونوں ناموں میں زمین آسمان کا فرق تھا' ایک کمار تھا اور دوسرا لال' ہندوؤں کے خاندانی نام میں وہ فرق غیر معمولی تھا۔

سوبھراج کو ہر طرف سے گھیرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ اداروں کے پاس قانون کی قوت تھی میں اسے دوستی کا سراب دکھا رہا تھا۔ اس وقت میں اس سے کوئی ٹیڑھا سوال کر کے اسے بھڑکانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

نرمل کمار اور مدن لال' مسز شیر دل کو رقم پہنچانے والے شخص کی شناخت اور شیر دل کے جانشین وغیرہ کے سوالات ایسے تھے جن پر سوبھراج سے میری بات نہیں ہو سکتی تھی۔

"فی الحال مجھے تمہارے کھلے دروازوں سے زیادہ تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے' تم میرا ایک کام کر دو تو اس کام میں تم کو اپنی محنت کا انعام بھی مل جائے گا۔"

سوبھراج کی وہ پیشکش سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے میں اس کا اعتماد جیتنے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''کیا کام ہے؟'' میں نے کسی اشتیاق کے بغیر' سرسری لہجے میں پوچھا۔

''شیبا کو اٹھوالو' آج کی ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے' جب تک چاہو اسے اپنی داسی بنا کے رکھو' خود موج کرو' دوستوں کو موج کراؤ' میں پلٹ کر کچھ نہیں پوچھوں گا دل بھر جائے تو اس کی گردن مروڑ کر اسے کسی گندے نالے میں پھینک دینا۔''

''ڈیئی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا'' میں نے صاف انکار کر دیا۔

''تمہاری مرضی!'' میرا جواب سن کر اس نے اصرار نہیں کیا''اس وقت میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ مدن لال کے گھر پر آنے والوں میں تم شامل نہیں تھے' مجھے جیسے ہی کوئی ٹھکانا مل گیا' میں تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا تم سے بات کر کے دل کو ڈھارس سی ہوتی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

''اسے اتنی رات گئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' غزالہ نے خمار کے سرخ ڈوروں سے بوجھل نگاہیں میرے چہرے پر جما کر سوال کیا۔

''اس کی کمین گاہ پر منظم حملہ ہوا ہے مجھے حیرت ہے کہ سوبھراج کیسے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اس وقت وہ یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں حملہ آوروں میں تو شامل نہیں تھا۔''

''شاید وہ سٹھیا گیا ہے!'' غزالہ چڑ کر بولی''یہ جان کر اسے کیا مل گیا۔''

''ابھی تک وہ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر کہا''اسے تھوڑا سا تذبذب ہے وہ اسے دور کرنا چاہتا ہے۔''

''جو دشمنی سے زیر نہ ہو رہا ہو اسے دوستی کی آڑ میں گھیر لینا چاہئے' آپ نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا ہے آخر کار وہ آپ سے دھوکا کھائے گا۔''

درمیان میں نیند خراب ہونے کی وجہ سے غزالہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لیکن اس کی نیند غائب ہو چکی تھی ہم دونوں ٹانگوں پر کمبل ڈال کر مسہری کے سرہانے سے ٹک کر بیٹھ گئے میں نے ایش ٹرے گود میں رکھ کر سگریٹ سلگالی۔

کچھ دیر تک ہم دونوں سوبھراج کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر اچانک مجھے جلال کا دھیان آ گیا۔ سوبھراج کو مدن لال کے گھر سے فرار ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی مگر جلال کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ میرے لیے وہ تاخیر حیرانی کا باعث تھی۔

غزالہ ہمارے معاملات میں اکثر و بیشتر خاموش رہا کرتی تھی' میں نے بارہا دیکھا تھا کہ وہ جب بھی لب کشائی کرتی تھی' اس کی بات میں کوئی جھول نہیں ہوتا تھا وہ تول کر بولنے کی عادی تھی جلال کی طرف سے اطلاع میں تاخیر کے اسباب اس کے لیے قابل فہم تھے۔

سوبھراج اس واقعے کا ایک اور اکلوتا فریق تھا۔ اس کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں تھا۔ وہ پھنس جاتا تو پکڑا جاتا۔ قصہ ختم ہو جاتا یہ اس کی قسمت کی خوبی تھی کہ وہ مدن لال کے گھر سے آئی بی والوں کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ بولایا ہوا تھا۔ اس نے کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لیتے ہی مجھے فون کر ڈالا لیکن آئی بی والوں کا معاملہ مختلف تھا۔

سوبھراج کے بیان کے مطابق وہ بڑی نفری لے کر وہاں پہنچے تھے۔ گو اصل مجرم بچ نکلا تھا مگر وہ جب تک گھر کا ایک ایک حصہ نہ چھان مارتے' ان کے لیے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ وہ ناکام ہو چکے ہیں۔

اس گھر کے مکینوں کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے کے بعد... گھر کی مکمل تلاشی اور پھر با جماعت واپسی کے لیے انہیں وقت درکار تھا۔ ان کا سربراہ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچنے کے بعد جلال کو اپنی رپورٹ سے آگاہ کرتا تب جلال مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

وہ سلسلہ مکمل ہونے کے لیے خاصا وقت درکار تھا' ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنے کی ضرورت تھی' غزالہ کی اس وضاحت پر میں نے اپنی زبان بند کر لی لیکن میرے وجود میں اضطراب کی لہریں کروٹیں لیتی رہیں۔

سوا پانچ بجے جلال کا فون آ گیا اس کی آواز بے جان اور مرجھائی ہوئی تھی''زبردست چوٹ ہو گئی وہ سب کو جل دے کر نکل گیا۔''

''لیکن یہ کیسے ممکن ہوا؟'' میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے'' اس کی آواز تلخ ہو گئی''ہم دونوں بھی وہاں موجود ہوتے تو شاید اس غلطی کو رونما ہونے سے نہیں روک سکتے تھے۔ بس یہ کہہ لو کہ آج کی رات اس کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے۔''

''سنا ہے کہ وہاں گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا ہے!'' میں نے اپنے ابتدائی سوال کو ترک کر کے سرسری لہجے میں کہا۔

جلال وہ فقرہ سن کر چونک پڑا''تم نے کس سے سن لیا مجھے ابھی ابھی کراچی سے رپورٹ ملی ہے وہ فون بند کر کے میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔''

''کافی دیر پہلے سوبھراج کا فون آیا تھا' وہ بہت بپھرا

ہوا تھا۔''

''اپنے فرار کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' جلال کی آواز میں اضطراب سمٹ آیا۔

''میں اس پر جرح نہیں کر سکا' میں اس سے دوستی کا سوانگ چلا رہا ہوں وہ سلسلہ آج کی گفتگو میں بھی جاری رہا۔ وہ کہہ رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔''

''وہ آپریشن کی ابتدا میں ہی نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ احاطے میں کودنے کے بعد انہوں نے اصل عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سرونٹ کوارٹر کو سب نے نظر انداز کر دیا' وہ وہیں چھپا ہوا تھا۔ مدن لال نے ڈاکوؤں کی آمد کا کھٹکا محسوس کر کے ہوائی فائر کیا تو سب نے پوزیشن لے کر ساری توجہ عمارت پر مرکوز کر دی' گولیاں چلنے لگیں اور اسی افراتفری میں سوبھراج خاموشی سے نکل بھاگا۔''

''یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے پورا گھر چھوڑ کر سرونٹ کوارٹر میں رہنا پسند کیا تھا۔ یہ کیسے اور کب پتا چلا کہ وہ وہاں تھا۔''

''کچھ دیر فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ قانون کے نام پر گھر والوں نے گھبرا کر فائرنگ روک دی' سارے گھر کی تلاشی لینے کے بعد کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو مدن لال سے سوبھراج کے بارے میں پوچھا گیا اس کی نشان دہی پر سرونٹ کوارٹر کا رخ کیا گیا اور وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ یہ وہاں کی کل کہانی ہے اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا۔''

''یہ بات سنیل نے دانستہ چھپائی ہوگی وہ سوبھراج کے ساتھ وہیں رہ رہا تھا'' میں نے کہا'' اب اسے اس کے کیے کی مناسب سزا ملنی چاہیے یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتی تھی کہ سنیل سے گھر کے اس حصے یا کمرے کے بارے میں پوچھا جائے جہاں وہ دونوں روپوش تھے۔''

''غنیمت ہے کہ یہ بات آسانی سے تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ سبب کچھ بھی رہا ہو میں اس مشن کی ناکامی پر خفت محسوس کر رہا ہوں۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں کام میں اونچ نیچ چلتی رہتی ہے' یہ بتاؤ کہ وہاں سے نرمل کمار نامی کوئی شخص ہاتھ آیا یا وہ بھی نکل گیا۔''

''وہاں سے سوبھراج کو پناہ دینے کے جرم میں صرف دو مرد گرفتار کیے گئے ہیں' مدن لال اور اس کا بیٹا نرمل کمار دونوں صدف مینشن پہنچائے جا چکے ہیں۔''

''گڈ' مجھے خلش ہے کہ دونوں کے آخری نام مختلف کیوں ہیں۔ ہو سکے تو یہ بات معلوم کر کے مجھے ضرور بتانا میں بے چین رہوں گا۔''

''کل بلکہ آج سورج طلوع ہونے کے بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا میرے آدمی ناکامی کی جھنجلاہٹ میں ان سے کھایا پیا تک اگلوا لیں گے تم یہ بتاؤ کہ اب سوبھراج کیا سوچ رہا ہے۔''

''وہ بڑے بول بول رہا ہے لیکن اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے' مجھ پر پورا یقین نہ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے دوستی بڑھانے کا خواہاں ہے۔''

''یہ کہو کہ اب وہ خود اپنی قبر کھود رہا ہے۔'' وہ اطلاع جلال کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی ''معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے تابوت میں آخری کیل تم ہی ٹھوکو گے۔ سوبھراج کا معاملہ طول پکڑ گیا ہے اب اسے جلد ختم ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ مایوسی کے عالم میں دوبارہ تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کر دے۔''

''ابھی تک وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس سے میرا دو طرفہ سمجھوتا ہے اس نے شہر میں دہشت گردی کی کوئی حرکت کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''

''ہم سب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں دیکھنا ہے کہ کون پہلے کامیاب ہوتا ہے' آج ہم نے اسے پکڑنے کا ایک بہترین موقع گنوا دیا ہے۔''

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جلد ہی وہ ہمارے دام میں آ جائے گا۔''

''اول خان کی کیا خیر خبر ہے؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

''ابھی تک مکمل بلیک آؤٹ ہے صبح شاید کچھ معلوم ہو سکے گا'' میں نے گول مول جواب دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے وہ معاملات کتنی رازداری کے متقاضی تھے۔ ناواقف ہونے کی صورت میں زبان کا بند رہنا زیادہ مناسب تھا۔

''ان کا باس کراچی میں ہے خبر وہیں سے ملے گی کوئی اہم بات ہو تو فوراً مجھ سے رابطہ کر لینا میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔''

ناکامی کی وجہ سے جلال کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ میرا ذہن بھی انتشار کا شکار ہو چلا تھا ہم نے کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

ایک بار نیند خراب ہو جائے تو دوبارہ سونا مشکل ہو جاتا ہے' میں دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ غزالہ نے مجھ سے پہلے ہتھیار ڈال دیے تھے وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میری الماری سنوارنے

میں مصروف ہوگئی تھی۔
کافی دیر تک ناکام کوششوں کے بعد میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں میں سے کسی کی نیند خراب کرنے کے بجائے میں نے غزالہ کو ناشتا تیار کرنے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں گھس گیا۔
نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک نہانے کے بعد تازہ دم ہوکر باہر نکلا تو رہا سہا خمار بھی جاتا رہا تھا۔
کھڑکی سے باہر فضا میں صبح کا ملگجا اجالا پھیلنا شروع ہوگیا تھا ہر طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی خوشگوار آوازیں آرہی تھیں میں لباس تبدیل کرکے کمرے سے باہر نکل آیا۔
اس وقت تک اخبارات نہیں آئے تھے ہم دونوں نے ٹیلی ویژن آن کرکے اطمینان سے ناشتا کیا۔ ویرا اور سلطان شاہ اپنے کمروں کے دروازے بند کیے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا' منہ اندھیرے اٹھنے میں ہم دونوں کی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا لیکن وہ تجربہ بہت خوشگوار ثابت ہوا تھا' طبیعت بہت بشاش اور تازہ تھی۔
پھر اخبارات بھی آگئے میں نے پہلے اور آخری صفحات پر سرسری نظریں دوڑائیں تو کہیں کوئی کام کی خبر نہیں تھی۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ سوبھراج کے خلاف اس روز کی اشاعت میں بھی کچھ مواد شامل تھا۔ اخبارات نے تسلسل کے ساتھ اس موضوع کو زندہ رکھا ہوا تھا۔
مجھے اول خان اور اس کے باس سے ملنے کے لیے نو بجے اسٹیشن فور پہنچنا تھا۔ ہمارے گھر سے وہاں تک کی مسافت مشکل سے دس پندرہ منٹ کی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی' اس سے پہلے کہ گھر میں کوئی اور بیدار ہوتا، میں نے آٹھ بجے گھر چھوڑ دیا۔
اسٹیشن فور پہنچنے کے لیے میرے پاس کافی وقت تھا۔ اس وقت شہر کی طرف جانے والے راستے پر ہر قسم کی گاڑیوں کا بہت ہجوم تھا۔ ہر شخص کو دکان یا دفتر پہنچنے کی عجلت تھی۔ اس کے برعکس کراچی یونیورسٹی کی طرف جانے والی سڑک پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔
ٹریفک زیادہ ہو تو کراچی کی سڑکوں پر کوئی اپنی مرضی سے ڈرائیونگ نہیں کرسکتا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے والے ہر شخص کو ایک گلی بندھی اور بے تکی رفتار سے مخصوص سمت میں چلنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔
کہیں بس اور منی بس والے مسافروں کو اتارنے یا چڑھانے کے لیے مصروف سڑک کے عین وسط میں بریک لگا دیتے ہیں اور پیچھے آنے والی ٹریفک کی قطار یکا یک دور تک منجمد ہوکر رہ جاتی ہے۔ ہارن بجائے جاتے ہیں، گالیاں دی جاتی ہیں، خون سلگایا جاتا ہے لیکن اگلی بس یا منی بس اپنا من مانا ہدف حاصل کیے بغیر اپنی جگہ سے نہیں سرکتی۔ ایسی بے لگام گاڑیوں سے اترنے والے مسافر کترا کر گزرنے والے ٹریفک میں ہراساں کھڑے رہتے ہیں پھر اولین موقع پاتے ہی دوڑ لگا کر فٹ پاتھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اکثر خوش نصیب زندگی کی اس دوڑ میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور زندہ بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جن کا نصیب ساتھ نہ دے وہ کسی اور تیز رفتار، بے لگام گاڑی کی زد میں آکر اتنی بری طرح روندے جاتے ہیں کہ اگلے روز ان کی تصویر سیاہ حاشیے کے ساتھ اخباروں کی زینت بنتی ہے۔ شہر میں یہ آئے دن ہوتا ہے۔ ٹریفک پولیس کی ناک کے نیچے ہوتا ہے لیکن ان میں سے بیشتر کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ وہ حساس مقامات سے آگے اپنے مورچوں پر جمے رہتے ہیں جہاں ٹریفک کی نام نہاد خلاف ورزیوں کے نام پر چالان کی دھمکی دے کر مال غنیمت بٹورا جاتا ہے۔
اس وقت میری سڑک پر ایسی کوئی صورت حال درپیش نہیں تھی۔ میں سڑک کے بائیں سرے پر آرام سے گاڑی چلاتا رہا تاکہ وقت گزار سکوں۔
میری وہ محتاط اور محفوظ ڈرائیونگ ٹریفک پولیس کے ایک افسر کو پسند نہیں آئی۔ وہ ناگہانی طور پر اپنی موٹر سائیکل پر کہیں سے نمودار ہوا۔ سائرن بجاتا ہوا میرے برابر سے گزرا اور اشارہ دے کر مجھے روک لیا۔
وہ ایک ناگہانی افتاد تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے کسی قاعدے یا ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا اس افسر کی آمد کا منتظر رہا لیکن موصوف فرعون کے کوئی قریبی عزیز تھے۔ انہیں میری بے نیازی پسند نہیں آئی۔
اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کرکے نہایت درشت لہجے میں مجھے بلایا۔ وہ زبان کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی نہ کرتا تو مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے بلا رہا تھا۔ ایسی تحقیر اور ذلت کے ساتھ کبھی میرے دشمنوں نے بھی مجھے نہیں بلایا تھا!
مجھے غرور نہیں تھا لیکن اس بات سے خوشی ضرور ہوتی تھی کہ میں ملک و قوم کی بساط بھر خدمت کررہا تھا۔ سرکاری افسران مجھے ضرورت سے زیادہ عزت دیا کرتے تھے لیکن لوگوں کے ٹیکس پر پلنے والے ایک ٹریفک افسر نے نامعلوم

وجوہ کی بنا پر لمحہ بھر میں مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ میں اس کی نظروں میں بہت حقیر اور کم تر تھا۔

''میں اتر کر اس کے قریب پہنچا تو اس نے گاڑی کے کاغذات اور میرے ڈرائیونگ لائسنس کا مطالبہ کیا۔ میں نے نرم لہجے میں اپنا قصور جاننے کی خواہش کی تو اس کی زہریلی زبان مشینی انداز میں چل پڑی۔

اسے میری ڈرائیونگ ناقص، خطرناک اور اناڑیوں جیسی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے نہ روکتا تو اسے ڈر تھا کہ میں گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا کر کسی راہ گیر کو کچل دیتا۔

میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ میں ڈرائیونگ سے لطف اندوز ہونے کے لیے سست روی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن وہ نہ مانا۔ رجسٹریشن بک اور لائسنس پر قابض ہونے کے بعد اس نے چالان کاٹنے کے بجائے مجھے اس کے مضمرات سے ڈرانا شروع کر دیا۔ عدالت میں خواری اور پھر کاغذات کی گمشدگی کے اندیشے ظاہر کیے۔

اس کا مدعا صاف ظاہر تھا کہ میں ان مصائب سے گلوخلاصی کے لیے اسے نذرانہ دینے کی معقول پیش کش کروں اور مک مکا کر کے اپنی راہ لوں۔

سوبھراج جیسا قوی اور بارسوخ شخص میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا لیکن اس پولیس والے نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میرے ذہن پر بھی ضد سوار ہوگئی تھی کہ میں اسے رشوت نہیں دوں گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کاغذات کے ساتھ لائسنس بھی رکھ لیا اور کئی دفعات کے تحت میرا چالان کر کے پرچہ مجھے تھما دیا۔

میں نے ان میں کسی ایک چیز کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے بے رخی سے کہا کہ کاغذات عدالت میں پیشی کی ضمانت کے طور پر رکھے گئے تھے۔ لائسنس پر جعلی ہونے کا شبہ تھا۔ متعلقہ برانچ سے تصدیق کے بغیر وہ واپس نہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور دوبارہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس نے میرا کافی وقت برباد کر دیا تھا۔ اس بار میں سست روی ترک کر کے اپنی گاڑی سڑک کے وسط میں لے آیا تاکہ ایک ہی جرم میں دوسرے چالان کی نوبت نہ آسکے۔

میں گھر سے بہت خوش گوار موڈ میں روانہ ہوا تھا۔ اس پولیس افسر نے میرا موڈ غارت کر دیا تھا۔ غیر ارادی طور پر میرا وہ غصہ گاڑی کے کل پرزوں پر اتر رہا تھا۔

میں کراچی یونیورسٹی کے بارونق گیٹ سے کچھ آگے نکلا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے جلدی سے موبائل نکال کر کان سے لگا لیا۔

ہر مہذب ملک میں حادثات سے بچنے کے لیے ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون کے استعمال کو جرم تصور کیا جاتا ہے لیکن کراچی بلکہ پاکستان میں وہ فیشن اور اسٹیٹس سمبل تھا۔ اس وقت تک اس فعل کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔

وہ کال جلال کی تھی۔ وہ اچھے موڈ میں مجھ سے اول خان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

''اس وقت میں اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔'' ان آخری لمحات میں، میں نے اس سے کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح سویرے میں اسے ٹال چکا تھا۔

''وہ خیریت سے تو ہے نا؟ اس کا موبائل مسلسل بند ہے۔ میں کئی بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن فون پر ریکارڈنگ آ رہی ہے۔''

میں نے زیادہ معلومات کا اظہار نہیں کیا اور سرسری لہجے میں کہا ''بعض اوقات نیٹ ورک مصروف ہوتا ہے تب بھی یہی ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے۔''

''اسے میرا پیغام دے دینا۔ وقت ملے تو مجھ سے ضرور بات کرے۔ غیر مصدقہ خبروں نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔'' اس کی آواز سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

''فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام اس تک پہنچ جائے گا۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم منہ اندھیرے سے جاگ رہے ہو۔ کیا حال ہے تمہارا؟'' اچانک اسے یاد آ گیا کہ اس نے میری مزاج پرسی نہیں کی تھی۔

''حال ٹھیک ہے، چال بگڑی ہوئی ہے۔ ابھی ابھی چالان ہوا ہے میرا۔'' زخم تازہ تھا اس لیے وہ بات بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

''تمہارا چالان ہوگیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا ''مگر کیوں؟''

''سست رفتاری کے جرم میں رجسٹریشن بک ضبط ہو چکی ہے۔ لائسنس پر جعلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے لہٰذا وہ بھی... فی الحال سرکاری تحویل میں چلا گیا ہے۔''

''کس بے ایمان نے چالان کیا ہے تمہارا۔ مجھے نام بتاؤ اس کا۔'' جلال کو غصہ آ گیا۔

''نام نہیں معلوم۔ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اچھا خاصا بدزبان افسر تھا۔''

''پوچھنے کیا کیا ضرورت تھی۔ ہر پولیس والے کے سینے

پر اس کے نام کا ٹیگ ہوتا ہے۔"
"اس کا ٹیگ نہیں تھا۔تم اس چکر میں نہ الجھو۔ جو دوسروں کے ساتھ دن رات ہوتا رہتا ہے، وہ میرے ساتھ بھی ہوگا۔ جرمانہ دے کر دونوں چیزیں واپس مل جائیں گی۔"
"میں کیسے نہ الجھوں۔" وہ بپھر گیا۔"دوسروں میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ میں اسے معطل کرادوں گا۔اس نے تمہیں روکنے کی جرات کیسے کی۔"
"تم بلاوجہ اس پر برہم ہو رہے ہو۔میرے ماتھے پر کہیں نہیں لکھا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔اس کا دل چاہا اور اس نے مجھے روک لیا۔ایسے چھوٹے واقعات نہ ہوں تو یہ کیسے پتا چلے کہ میں پاکستان میں ہوں۔ یہ چلتا ہے۔اسے چلنے دو۔ یہ بتاؤ کہ نرمل کمار اور مدن لال کا کیا رہا۔"
"میرا خون کھول رہا ہے خیر! میں کراچی آ کر یہ معاملہ دیکھوں گا......"
"تم کس کس معاملے کو دیکھو گے۔" میں نے قطع کلامی کرکے کہا "یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ سب سدھریں گے تو ہماری پولیس بھی سدھر جائے گی۔"
"وہ دونوں باپ بیٹے ہی ہیں۔" قدرے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز آئی "اس کا اصل خاندانی نام نرم لال تھا۔ اس نام کی وجہ سے اسکول کے ساتھی اس کو اکثر چڑاتے رہتے تھے،اس نے اپنا نام بدل لیا۔"
"ایسا کم ہی ہوتا ہے۔شاید تمہیں چوپڑا یاد ہو۔وہ بدھولال چوپڑا تھا۔ترقی کی تو وہ بی ایل چوپڑا بن گیا۔یہ بھی این لال بن سکتا تھا۔"
"یہ جنریشن گیپ اور توہم پرستی کے مسائل ہوتے ہیں۔ پرانے ہندو جنم پتری دیکھ کر شگون لینے کے بعد نام رکھتے ہیں جو آج کل کے لڑکوں کی پسند پر پورے نہیں اترتے۔اب یہ بدھو لال بھی کوئی نام ہوا مگر ان کے یہاں ہوتا ہے۔"
"تم نے میری الجھن دور کردی۔ مجھے ڈر تھا کہ تم یہ نکتہ بھول جاؤ گے۔"
"میں تمہاری کہی ہوئی بات نہیں بھولتا۔تم کو نرمل کمار کا نام کہاں سے مل گیا؟"
"ہم نے اس پر کام شروع کیا ہوا تھا......"
"میں نے بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے میری بات کاٹ دی اور کہا "مجھے معلوم ہے کہ نرمل کمار کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے تم واپس جانے کے بعد خاص طور پر دوبارہ صدف مینشن میں آئے تھے۔ اس وقت اپنے آدمیوں کی رپورٹ سن کر میں اس نام کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا تھا۔

میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں اس کا سراغ کہاں سے ملا تھا۔"
"شیر دل کی بیوی سے اس کے دفتر کا فون نمبر ملا تھا۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "اگر تمہارے آدمی سنیل کو زبان کھولنے پر مجبور نہ کردیتے تو ہم تھوڑی سی محنت کے بعد نرمل کے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے بعد ہم نے اپنی کارروائی منسوخ کردی۔ ہم اتنی تیزی سے وہاں نہیں پہنچ پاتے۔"
"شیر دل کی بیوی تم لوگوں سے کہاں ٹکرا گئی؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔
"یہ لمبی کہانی ہے۔یوں سمجھ لو کہ وہ ویرا کے ذہن کی اپج تھی۔ وہ پریشان تھی کہ شیر دل کی لاش مردہ گھر میں لاوارث کیوں پڑی ہوئی ہے۔ اس کے بیوی بچے کہاں ہیں۔ وہ ڈھونڈتی ہوئی اس کے گھر تک پہنچ گئی۔"
"اور اس نے ویرا کو دیکھتے ہی نرمل کا فون نمبر دے دیا۔
" جلال کی آواز استہزائیہ ہوگئی "نہیں ڈیئی...... یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔اس کے لیے یقیناً خاصے پاپڑ بیلے گئے ہوں گے۔تم لوگ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہو۔ مجھے بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ مجھے پوری تفصیل بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا۔"
"ویرا کرتبی عورت ہے۔" میں نے سڑک کو بالکل ویران پا کر دوبارہ گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور اسے وہ واقعہ سنانا شروع کردیا۔
"تم چاروں پتھر میں جونک تلاش کرلیتے ہو۔" میرے خاموش ہو جانے پر اس کی آواز آئی۔"تم نے شیر دل کو ورغلا کر اس کے آدمی سے نک کو مروایا اور خطرہ محسوس کرکے شیر دل کو بھی راستے سے ہٹادیا۔بات وہیں ختم ہوگئی تھی۔ یقین نہیں آتا کہ عورت فاؤنڈیشن والی کہانی اسی وقت گھڑی گئی ہوگی۔ اب نرمل لال یا نرمل کمار ہمارا قیدی ہے مگر مجھے اب تک یہ پتا نہیں کہ وہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے کا کوئی سرکاری افسر ہے۔"
"سوبھراج کے مددگار ہر جگہ موجود ہیں۔ان کے تعاون کے بغیر وہ اتنی بلندی تک نہیں جاسکتا تھا۔"
"واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہندو اس کی زیادہ مدد کر رہے تھے!"
"شیر دل مسلمان اور نک عیسائی تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔"ویسے یہ بات درست ہے کہ بیشتر ہندو اس کے ہمدرد رہے ہوں گے۔وہ اس برادری سے تعلق رکھتا تھا۔اسے نیک نام اور بارسوخ سمجھا جاتا تھا۔ ہر برادری ایسے سپوتوں پر فخر کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش

کرتی ہے۔اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔''

''اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔اس کے کرتوت سامنے آچکے ہیں۔اس کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے۔اب جو لوگ اس کا ساتھ دے رہے ہیں، وہ بدنیت اور بدمعاش ہیں۔ مذہب کے کسی لحاظ کے بغیر وہ بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں۔''

''میں تمہاری اس رائے سے متفق ہوں۔ پہلے سب کچھ پوشیدہ تھا۔اب ہر راز طشت ازبام ہو چکا ہے۔تمہیں اس کے ساتھیوں کو کچلنے کا پورا حق حاصل ہے۔''

''تمہارے ان الفاظ نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی۔ میں یہاں کے معاملات سے نمٹ کر ایک دو روز میں کراچی آؤں گا تو مجھے امید ہے کہ حالات اور زیادہ حوصلہ افزا ہو چکے ہوں گے۔ مجھے اب ایک ہی فکر ہے جسے اول خان دور کرسکتا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو، وہ فرصت پاتے ہی تم سے بات کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

اس سے گفتگو کر کے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ چالان والے قصے کی وجہ سے راستے میں میرا خاصا وقت خراب ہو چکا تھا لیکن پھر بھی میں پونے نو بجے چھاؤنی کے علاقے کے آغاز میں واقع ملٹری چیک پوسٹ پر پہنچ چکا تھا۔

اسٹیشن فور میں اتنی کثرت سے آتا جاتا رہا تھا کہ چیک پوسٹ کا عملہ مجھے اور میری گاڑی کو دور ہی سے پہچاننے لگا تھا گاڑی کو دیکھ کر رکاوٹ ہٹا دی گئی اور میں دھیمی رفتار سے وہاں سے گزر کر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو گیا۔

اسٹیشن فور پر باہر سے بظاہر کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی سب کچھ جوں کا توں نظر آرہا تھا۔ عملے کو اگر واپس بلا لیا گیا تھا تو وہ لوگ اپنی بیرکوں میں رہے ہوں گے۔ میدان میں عملے کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی، وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر بھی مجھے نہیں روکا گیا' میں بدلے ہوئے حالات میں ہر تبدیلی کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اس وقت تک وہاں کچھ بھی بدلا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔

میں نے اول خان کی دفتری بیرک کے باہر تین گاڑیاں دور ہی سے دیکھ لیں' ان میں سے ایک اول خان کی لینڈ روور تھی' دوسری دو کاریں پرانی اور معمولی سی تھیں ان پر کراچی کی عام نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔

میں نے اپنی گاڑی ان تینوں گاڑیوں کے ساتھ قرینے سے روکی تو اول خان انجن کی آواز سن کر تیزی سے اپنے دفتر سے باہر آگیا تھا۔

اس کے چہرے پر تکان کے آثار تھے اور آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ وہ کام کی زیادتی کی علامات تھیں ورنہ اس کے چہرے پر ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جو میرے لیے باعث تشویش ہوتی۔

وہ بیرک کے برآمدے سے نیچے اتر کر پرتپاک انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ دن میں کئی بار ایک دوسرے سے ملنے والے کم وبیش دو دن کے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوں تو ایسی گرم جوشی کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔

''تمہارا جنرل کہاں ہے'' میں نے دھیمی اور تجسس آمیز آواز میں اس سے پوچھا۔

''میرے دفتر میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے تقریباً سرگوشیانہ لہجے میں بتایا۔

''تم دونوں یہیں بیٹھ رہے ہو تو کل تم نے میرا فون کیوں نہیں سنا تھا؟'' میں نے اس سے شکایت کے انداز میں کہا۔

''ہم آج پہلی بار یہاں بیٹھے ہیں' اندر چلو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔''

میں اس کے ساتھ تین سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں داخل ہوا۔ اول خان کے سادہ پوش اردلی نے ہمارے لیے دروازے کا پردہ اٹھایا اور ہم دونوں دفتر میں داخل ہو گئے۔

وہ بہت وجیہہ' دراز قامت اور دبلا پتلا شخص تھا جس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں سے ذہانت اور بے خوفی جھلک رہی تھی' وہ آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور خاکی پتلون میں ملبوس' اول خان کی میز کے عقب میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''سر! یہ ڈینی ہے'' اول خان نے کسی مصلحت کے تحت پہلے میرا تعارف کرایا۔

وہ میرا نام سنتے ہی ایک پھرتیلے جھٹکے اپنی کرسی سے اٹھا اور پھر اس نے میز پر قدرے جھک کر اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

''مجھے وقار کہتے ہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا ''ریٹائرڈ میجر جنرل ہوں' آج کل ایس ٹی ایف کی کمان کر رہا ہوں۔''

اسے اتنی تفصیل سے اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک بدیہی بات تھی کہ مجھے اس سے ملوانے کے لیے بلایا گیا تھا تو مجھے پہلے سے اس کے بارے میں بتا دیا گیا ہوگا۔ اسے اپنی زبان سے وہ سب کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اس کے مزاج کا عجز وانکسار تھا کہ وہ مجھ سے بالکل برابری سے پیش آرہا تھا۔

''میں آپ کے پیش رو سے......'' میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

''نو آپ جناب!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''تم ہمارے بلکہ سب پاکستانیوں کے دوست ہو' میرے ماتحت نہیں ہو' بے تکلف ہو کر بات کرو۔''

مجھے جنرل کا وہ انداز پسند آیا اور بے اختیار میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے اپنی ٹوٹی ہوئی بات جاری رکھی ''میں تمہارے پیش رو سے مل چکا تھا اور تم سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ آج میری یہ آرزو پوری ہو گئی۔''

''بیٹھو! اول خان' تم بھی بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا ''میں بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈینی کیا چیز ہے جس سے اس کے دشمن تھراتے ہیں۔ تم اچھے خاصے' خوبصورت شریف آدمی نظر آتے ہو۔''

''یہ دیکھنے والوں کی نظر کا حسن ہے دشمنوں کی رائے بہت مختلف ہوتی ہے۔''

''میں فوجی ہوں' ساری زندگی ٹیم ورک میں گزاری ہے اور اب بھی ایس ٹی ایف میری قابلِ رشک ٹیم ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی فرد اتنی بڑی بڑی اور مسلسل کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے جو تمہارا مقدر بنی ہیں۔''

''میں کل سے بہت پراگندہ خاطر ہوں۔ ایس ٹی ایف یکایک کیوں گراؤنڈ کر دی گئی ہے؟'' اس کے کھلے رویے سے حوصلہ پا کر میں نے وہ سوال کر ڈالا۔

''شاعری کرتے ہو؟'' جنرل کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ نظر کا حسن اور پراگندہ خاطر جیسے الفاظ عام بول چال میں کم سننے میں آتے ہیں۔''

''شاعری کر رہا ہوتا تو بس وہی کرتا رہتا۔ کسی اور کام کا نہ رہتا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جنرل نے میرے سوال کا جواب بہت خوبصورتی سے گول کر دیا تھا۔

''گیری ہارٹ سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟'' سوال کرتے ہوئے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

''میں ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے روپ میں ملتا ہوں' میں نے بہت گھما پھرا کر انہیں یہ تاثر دیا ہے کہ میں اپنی یعنی ڈینی کی حد سے بڑھی ہوئی آزادروی سے نالاں ہوں' یہ تاثر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ وہ مجھ پر محنت کر رہے ہیں' گیری کو بھی امید ہے کہ کسی نہ کسی وقت وہ مجھے فورس سے توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''بہت خوب......! اور وہ تمہارے ذریعے ڈینی پر ہاتھ ڈالنے کا خواب بھی دیکھ رہے ہیں!'' اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ان کا یہی خواب مجھے ان کی دشمنی سے بچائے ہوئے ہے۔ گیری میرے ساتھ ویرا کو بھی پکڑنے کے لیے بے چین ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ ایک امریکی لڑکی اپنے ہم قوموں کو ناک چنے چبواتی رہے۔''

''میں نے ویرا کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔ ویرا کے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ کے کارناموں کی خبریں بھی مجھے ملتی رہتی ہیں۔ موجودہ بحران سے نکلنے کے بعد میں کسی وقت ان تینوں سے بھی ملنا چاہوں گا۔ تم چاروں کو میں اپنا قومی سرمایہ تصور کرتا ہوں۔''

''تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو ہم وہی کرتے ہیں جو کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے' یہ اپنی مٹی کے لیے ہمارا فرض ہے جو ہم پورا کر رہے ہیں' اس کے عوض ہمیں کسی صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا نہیں ہے۔''

''یہ ایس ٹی ایف کا نصب العین ہے'' وہ یکایک پرجوش ہو گیا ''صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا کیے بغیر اپنے وطن کی بھلائی کے لیے لڑتے لڑتے ایک دن گمنام سپاہی کی طرح اپنی جان پر کھیل جاؤ۔''

''امریکیوں کے لیے یہ جذبہ ناقابلِ فہم ہے وہ دنیا کی ہر شے اور جذبے کو ڈالروں کی میزان میں تولنے کے عادی ہیں' گیری مجھے خریدنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اس نے ایس ٹی ایف کے بارے میں تمہارے سامنے بہت زہر اگلا ہے!'' جنرل نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تصدیق چاہی۔

''وہ ہر بات سے واقف ہیں'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا ''اس کے بعض انکشاف میرے لیے حیران کن تھے۔ اول خان اور ایس ٹی ایف سے بہت زیادہ قریب ہونے کے باوجود میں ان رازوں سے بے خبر تھا۔ حد یہ ہے کہ اسے تمہارے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔''

جنرل ایک گہرا سانس لے کر اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند کر اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا ''ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والی جدید ترین سائنسی تحقیق اور ترقی سے امریکا نے سب سے زیادہ فیض اٹھایا ہے حد یہ ہے کہ افغان وار کے بعد روس کا شیرازہ بکھرا تو امریکا نے ان کے بہترین اور منتخب دماغوں کو خرید کر اپنی شہریت دے دی۔ اب ان کی بڑی تعداد متعدد امریکی منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جیو اسٹیشنری سیارے کیا ہوتے ہیں؟

میں جنرل کی معلومات اور زور بیان سے ویسے ہی مرعوب ہوا جا رہا تھا' اس نے بات کرتے کرتے اچانک وہ سوال کیا تو میں بوکھلا کر رہ گیا۔

''اس بارے میں میری معلومات بہت ناقص ہیں'' میں نے اعتراف کیا۔

''یہ وہ جاسوس اور مواصلاتی سیارے ہوتے ہیں جو زمین سے ایک مخصوص بلندی پر اور اپنے مدار میں رہنے کے لیے ایسی رفتار سے گردش کرتے ہیں کہ زمین سے دیکھنے پر وہ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس وقت خلا میں ایسے امریکی سیاروں کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے ذریعے وہ زمین پر گری ہوئی سوئی کو بھی دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' جنرل نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا'' یہ اس کرۂ ارض پر بسنے والوں کی بدنصیبی ہے کہ ان کی ستر سے اسّی فیصد تعداد خلوت کا حق کھو بیٹھی ہے۔ ان امریکی سیاروں نے افراد اور قوموں سے یہ حق بہت خاموشی سے چھین لیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کچھ ہوتا ہے تو امریکی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان امریکی دلچسپی کے خطے میں واقع ہے۔

''ان کے سہارے وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہوں گے۔ زمین پر ہونے والی کوئی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

میرے لیے وہ موضوع ہمیشہ سے بہت مشکل اور ناقابل فہم رہا تھا لیکن جنرل کی باتیں آسانی سے سمجھ میں آنے والی تھیں۔ وہ تفصیل سن کر میں اندر سے کانپ اٹھا۔

''پھر تو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا'' ہماری دفاعی اور ایٹمی تنصیبات اور سرگرمیاں بھی ان کی نظروں میں ہوں گی!''

''زمین کی سطح پر جو کچھ ہوتا ہے وہ دیکھ لیتے ہیں۔'' جنرل نے پرزور لہجے میں کہا'' بہت سے سرکاری بقراط میری ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دیے بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امریکا سب کچھ جانتا ہے تو آئے دن ہماری تنصیبات کے بین الاقوامی معائنے کے مطالبے کیوں کرتا رہتا ہے۔''

''اس وقت بالکل یہی سوال میرے ذہن میں ابھرا تھا!'' میں نے کہا۔

''میں بتاتا ہوں'' جنرل نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنی ہتھیلیاں میز کی سطح پر ٹکا دیں اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ یا شاید سب کچھ جانتے ہیں مگر جب ہم سرکاری طور پر کہتے ہیں کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے تو وہ ہماری بات مان لیتے ہیں' انہیں ہمارا اندر کا حال خوب معلوم ہے ہماری ساری خوبیاں اور خامیاں ان کی نگاہوں میں ہیں۔ جب وہ ہمیں دبانا یا جھکانا چاہتے ہیں کہ تو کوئی حساس مطالبہ کر بیٹھتے ہیں ہمارے لیے اسے تسلیم کرنا ممکن نہیں ہوتا' پس پردہ ڈوریاں ہلتی ہیں اور پھر وہ مطالبہ سردخانے کی نذر ہو جاتا ہے وہ ہم سے کھیلتے رہتے ہیں۔''

اس کی وہ چشم کشا باتیں روح فرسا تھیں۔ امریکا نے طاقت اور سائنسی برتری کے زعم میں تقریباً پوری دنیا کو اپنے دالان میں تبدیل کر لیا تھا۔

''سر! میں ایک بات کہوں!'' اول خان نے پہلی مرتبہ زبان کھولی اور بولنے کی اجازت چاہی۔

جنرل کی استفسار طلب نگاہیں پھسل کر اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''سب کچھ اسی طرح ہے تو وہ لوگ یہ اعلان کیوں نہیں کر دیتے کہ اب وہ ہر کارروائی سے باخبر رہتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ملک اپنی روایتی یا غیر روایتی طاقت بڑھانے کی کوشش نہ کرے دنیا بھر میں ان کی بالادستی قائم ہو جائے گی۔'' اول خان نے کہا۔

''یہ بھی ایک فطری سا سوال ہو سکتا ہے'' جنرل بہت اعتماد سے' ماہرانہ انداز میں اپنی رائے دے رہا تھا'' کھلے اعلان کے بعد وہ جوڑتوڑ کرنے کے سارے مواقع کھو دیں گے۔ پہلے خلا کے غیر فوجی استعمال کا بہت غلغلہ تھا۔ روس ٹوٹنے کے بعد وہ دب گیا' اعلان ہوا تو فرانس' جرمنی اور بعض دوسرے یورپی ملک چیخ اٹھیں گے کہ امریکا خلا سے خلوت کی حرمت پامال کر رہا ہے۔ ان کی طرف سے اعلان کو اقرار جرم تصور کیا جائے گا۔ امریکیوں سے نفرت کی لہر بہت زیادہ زور پکڑ جائے گی یہ الجھی ہوئی اور بہت لمبی باتیں ہیں...... میں جذبات کی رو میں آ کر بہک گیا' بات یہ ہو رہی تھی امریکی ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ جانتے ہیں'' آخری فقرے اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

''ہاں! یہی بات ہو رہی تھی'' میں نے مسکرا کر اس کی تائید کی'' اس کی باتوں نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔''

''ایسی باتیں پہلے بھی میرے کانوں تک پہنچتی رہی ہیں میں ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بتاؤ کہ اس نے ہمارے مالی معاملات کے بارے میں کیا کہا تھا۔''

''وہ سب میں اول خان کو من وعن بتا چکا ہوں'' میں نے کہا۔

''میں ادل خان کی رپورٹ سن چکا ہوں' اس کی روشنی میں کچھ دوررس فیصلے بھی کیے جا چکے ہیں۔ میں تمہاری زبان سے ان باتوں کا اعادہ چاہتا ہوں۔'' اس نے اصرار کیا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے ذہن پر زور دیا پھر کہا ''الفاظ میں ردوبدل ہوسکتی ہے مگر اس نے کہا تھا کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کے ذاتی اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں یہی حال ہر اسٹیشن کمانڈر کے بینک اکاؤنٹ کا ہے۔ ان کے ماہرین ورجینیا میں بیٹھے بیٹھے بینکوں کے کمپیوٹرز میں نقب لگا کر ان کھاتوں کی فائلیں بناتے رہتے ہیں اسے اپنے اس ریکارڈ پر بہت ناز ہے۔''

''اس کی یہ باتیں میرے لیے ناقابل یقین ہیں۔'' جنرل کی آواز تشویش زدہ ہوگئی۔ ''بینکوں کا کمپیوٹر سسٹم بہت محفوظ اور فول پروف ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو عالمی بینکاری کا نظام چند سیکنڈ میں بیٹھ جائے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے بینکوں کے ریکارڈ تک کس طرح رسائی حاصل کی ہوگی۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہو۔'' میں نے پرامید انداز میں ایک امکان کی نشان دہی کی۔

''نہیں ڈینی! ایسا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے سمجھایا ''وہ حقائق کی بات کررہا ہے پرسوں تک سب کچھ اسی طرح تھا جیسا اس نے کہا تھا۔ ایس ٹی ایف ایک منظم فورس ہے وہ اس میں کسی فرد واحد کو نشانہ نہیں بنا سکتے لیکن اس ریکارڈ کی وجہ سے گیارہ افراد کے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکنے لگی ہے۔ مجھ سمیت وہ جسے چاہیں بدترین مشکلات میں مبتلا کرسکتے ہیں میں اور میرے دس اسٹیشن کمانڈر بہ یک وقت ان کے نشانے پر آگئے ہیں۔''

''مجھے فی الحال ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا'' میں نے انجان بن کر کہا۔ میں اس بارے میں جنرل کی زبان سے زیادہ تفصیل سننے کا متمنی تھا۔

''تنظیمیں ہوا میں معلق نہیں ہوتیں۔ افراد سے تشکیل پاتی ہیں۔ افراد کی سرکوبی کردی جائے تو تنظیمیں خود بہ خود مجہول ہوجاتی ہیں مجھ سے ادل خان تک وہ کسی بھی فعال شخص کو تاک سکتے ہیں۔ ریکارڈ کی صحت سے بینک انکار نہیں کرسکتے اگر وہ لوگ ہمارے خلاف کسی بدمعاشی پر تل جائیں تو ناقابل تصور مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے فنڈز فراہم کرنے والے ہمیں زنداں میں ڈال کر یہ پوچھنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ ہمارے پاس وہ سرمایہ کہاں سے آرہا تھا۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے لوگ یوں آنکھیں پھیر سکتے ہیں۔''

''وہ یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہیں گے لیکن انہیں ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ لاجواب کردیا جائے گا تو وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے' اتنا کالا دھن صرف ہیروئن کے دھندے سے آسکتا ہے۔ دنیا بھر میں منی لانڈرنگ کا شور مچا ہوا ہے۔ یہ مالیاتی اسکینڈل ہماری بھینٹ لے سکتا ہے ہمیں ہیروئن مافیا کا ساتھی قرار دے کر قربانی کا بکرا بنا دیا جائے گا۔''

''اوپر سے یہ یقین دہانی حاصل کی جاسکتی ہے کہ گیارہ میں سے کسی فرد کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''زبانی سب کچھ کہا جارہا ہے۔ کوئی بات ضبط تحریر میں نہیں ہے۔ ہم پر برا وقت آیا تو مہرے بدل جائیں گے۔ زبانی یقین دہانیاں کرانے والے اپنے منہ چھپالیں گے' نئے چہرے سامنے آکر بال کی کھال نکالنا شروع کردیں گے۔ اس وقت ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''یہ صورتِ حال ان لوگوں کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے جو دوسرے خفیہ منصوبوں پر کام کررہے ہیں اور انہیں خفیہ فنڈز فراہم کیے جارہے ہیں!'' میں نے سوچتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ ایٹمی منصوبوں پر بھی چوری چھپے کام ہورہا ہے۔ خلاؤں سے ان کی نگرانی ہورہی ہے خدا ان لوگوں کو ہر برے وقت سے محفوظ رکھے۔''

''یہ بہت بڑا مسئلہ ہے' ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹالینا اس کا حل نہیں ہے'' میں نے حوصلہ کرکے جنرل سے وہ چبھتی ہوئی بات کہہ ڈالی۔

جنرل نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا' اس کی چمکیلی نگاہیں ایک مرتبہ پھر میرے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

''ایس ٹی ایف کو میدان سے نہیں ہٹایا گیا یہ ایک......''

جنرل نے بولنا شروع کیا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہیں قریب ہی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا ایک خوفناک بارودی دھماکا ہوا اور دفتر کے درودیوار لرز کر رہ گئے۔ کمرے میں تیز جھونکے کے ساتھ گردوغبار کا ایک طوفان گھس آیا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اپنی جگہ ٹکا نہیں رہ سکا تھا۔ دھماکے کے ساتھ میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کر دیا۔ بس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے ٹکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ مین ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں ٹی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ”را“ کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالاخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازلے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیلی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اس وقت اول خان نے مجھے بتایا کہ اس کا باس کراچی میں تھا اور مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہماری ملاقات اسٹیشن فور میں ہوئی اور ابھی گفتگو کا ابتدائی مرحلہ تھا کہ اسٹیشن فور میں ایک دھماکا ہوا اور میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔

اب آپ قسط نمبر 234 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

جو کچھ ہوا، وہ اس قدر غیر متوقع اور حیران کن تھا کہ اپنی کرسی سے اچھل کر دور جا گرنے کے بعد میں کئی ثانیوں تک سکتے کی حالت میں اسی پوزیشن میں پڑا رہا، جس پوزیشن میں کرسی سے اچھل کر گرا تھا۔

وہ دھماکا ایک لمحاتی واقعہ تھا جو رونما ہو چکا تھا لیکن کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے بارودی دھماکے کی روح فرسا بازگشت میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ سب کچھ ہو جانے کے باوجود میرا ذہن یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ہمارے دشمن اسٹیشن فور کی محفوظ ترین حدود میں گھس کر کوئی تخریبی کارروائی کر سکتے ہیں۔

وہ بے یقینی کی ایک لمحاتی کیفیت تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ مجھے اپنی پشت میں درد کی لہریں کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ کرسی سے اچھل کر بے ڈھب انداز میں اچانک پختہ فرش پر گرنے کے سبب میری کمر میں خاصی ضرب آئی تھی۔ اسی کے ساتھ مجھے اپنی کہنیوں میں شدید جلن اور پھر خون کے رساؤ کا احساس ہوا۔

باہر سے چیخ و پکار اور متعدد لوگوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ دھماکا اس دفتر کے باہر ہوا تھا اس لیے اسٹیشن فور پر موجود عملے کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز تھی۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس دھماکے کے نتیجے میں دفتر والوں پر بھی اچانک براوقت آ گیا تھا۔

میں بدقت تمام اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے فرش سے اٹھا تو کمرے کی غبار آلود فضا میں مجھے جنرل وقار اور اول خان بھی کسی اچھی حالت میں نظر نہیں آئے۔

دھماکے نے انہیں بھی ان کی کرسیوں سے اڑا کر بے رحمی سے کنکریٹ کے پختہ فرش پر پٹخ دیا تھا اور وہ دونوں فرش سے اٹھنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔

بادی النظر میں اول خان کی حالت زیادہ بری نہیں تھی لیکن میجر جنرل وقار اس کی میز کے پیچھے والی کرسی پر براجمان تھا۔ اس کے اردگرد چوبی ریک وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اس کی پیشانی کسی ٹھوس اور سخت چیز سے ٹکرا کر لہولہان ہو گئی تھی۔ گرد و غبار سے اٹی ہوئی فضا میں جنرل کا خون میں ڈوبا ہوا چہرہ کچھ زیادہ ہی بھیانک نظر آ رہا تھا۔

سر یا پیشانی کی چوٹ فوری طور پر حواس مختل کر دیتی ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں تیزی سے ریٹائرڈ جنرل کی طرف لپکا اور اسے بغلوں میں سہارا دے کر اس کے قدموں پر سیدھا کھڑا کر دیا۔

''کیا ہوا..... یہ دھماکا کہاں ہوا؟'' اوسان قدرے بحال ہوتے ہی جنرل وقار کی زبان سے بے ساختہ وہ الفاظ برآمد ہوئے اور وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس دوران میں اول خان بھی سنبھالا لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم دونوں جنرل کے پیچھے دفتر سے باہر نکلے تو بیرک کے سامنے ہوش اڑا دینے والا ایک منظر ہماری نظروں کے سامنے تھا۔

میری گاڑی سمیت وہاں کل چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی شامل تھی۔ دھماکے کے نتیجے میں ان چاروں گاڑیوں کے چیتھڑے اڑ چکے تھے اور کچے میدان میں دور تک بکھرے ہوئے پرزوں میں جا بہ جا آگ لگی ہوئی تھی جو ان گاڑیوں کی ٹنکیوں میں بھرے ہوئے آتش گیر ایندھن کا نتیجہ تھی۔

گاڑیوں کے مڑے تڑے ہوئے' تباہ حال ڈھانچے شعلوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے بہت سے سادہ پوش نوجوان اضطراب اور بے بسی کے عالم میں تلملائے ہوئے پھر رہے تھے۔ اپنے گھر میں نازل ہونے والی اس تباہی کو وہ روک سکے تھے اور نہ اس پر قابو پانے پر قادر تھے۔ پیٹرول اور ڈیزل کی بھڑکی ہوئی آگ پر قابو پانا ان کے بس سے باہر تھا۔

چند جوشیلے جوان اپنے ہاتھوں سے ریت اور مٹی اس آگ پر اچھال رہے تھے۔ ان کوششوں کا آگ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فضا میں دھول اڑ رہی تھی۔

''چھوڑ دو!'' جنرل وقار نے وہ تماشا دیکھتے ہی تحکم آمیز لہجے میں کہا ''جو نقصان ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب یہ آگ خود ہی ٹھنڈی ہو گی۔ اس سے مزید کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔''

وہ خود زخمی تھا۔ اس کی پیشانی کے زخم سے بہہ نکلنے والی خون کی کئی لکیریں اس کے چہرے پر جمتی جا رہی تھیں جن کے نتیجے میں اس کا چہرہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔ ذہنی طور پر بھی وہ پریشان اور بوکھلایا ہوا تھا لیکن اس نے جائے وقوع پر پہنچتے ہی بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح فیصلہ صادر کیا تھا۔

ایس ٹی ایف مقاصد کی خاطر اپنی جان لڑا دینے والوں کی ایک منظم فورس تھی۔ اللہ کے ان غازیوں کے دلی جذبات کبھی احکام سے متصادم نہیں ہوتے تھے۔ وہ بدترین حالات میں بھی اپنے سینوں پر پتھر کی سل رکھ کر اپنی فورس کے کڑے ڈسپلن کی پابندی کرنے کے عادی بنائے گئے تھے۔ جنرل وقار کے خاموش ہوتے ہی سب لوگ واپس جانے لگے۔ جو لوگ دور سے دوڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے' وہ اپنے ساتھیوں کے اشاروں پر راستے سے ہی لوٹنا شروع ہو گئے۔ چند لمحوں میں وہاں صرف ہم تینوں کھڑے رہ گئے۔

''سر! آپ کی پیشانی زخمی ہے.....'' اول خان نے بھیڑ چھٹ جانے کے بعد زبان کھولی ہی تھی کہ جنرل وقار نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

''اول خان! پیشانی کے بجائے اس زخم کو ٹٹولنے کی کوشش کرو جس نے ہمیں اندر سے لہولہان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہیں؟''

''یہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے ہمارے لیے کھلا پیغام ہے کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں' ہمیں اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں'' میں نے سرہلا کر اس کی تائید کرتے ہوئے اس واقعے کی سنگینی پر روشنی ڈالی۔

''آثار بتا رہے ہیں کہ دھماکا میری گاڑی میں ہوا ہے'' جنرل وقار نے شعلوں میں دھڑا دھڑ جلتے ہوئے ڈھانچوں پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا ''ایسے خطرات سے بچنے کے لیے میں نے شہری نمبر پلیٹ والی ایک پرانی گاڑی اپنے استعمال میں رکھی تھی لیکن مجھے بدترین صدمہ ہے کہ میں خود کو اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

''اس میں تمہاری کسی کوتاہی سے زیادہ دشمنوں کی ہوشیاری کا دخل ہے۔ گیری ہارٹ کی باتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم امریکیوں کے لیے ایس ٹی ایف کوئی پراسرار معما نہیں رہی ہے۔ وہ لوگ فورس' اس کے سربراہ اور اس کے دس سینئر ماتحتوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ باخبر ہیں'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''دشمنوں کی کامیابی ہماری ناکامی ہے'' جنرل نے دوٹوک لہجے میں کہا ''اول خان کراچی میں رہتا ہے۔ تم یہیں شب و روز گزارتے ہو۔ تم دونوں ابھی تک ان کی گرفت سے محفوظ ہو۔ انہوں نے آتے ہی مجھے تاکا ہے۔''

''تمہیں دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں'' میں نے کہا ''یہ ان کا نفسیاتی حربہ ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو چھوڑ کر تمہاری گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔ وہ چاہتے تو گاڑی میں لگا ہوا بم اس وقت بھی پھٹ سکتا تھا جب تم گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف گاڑی کو تباہ کر کے تمہیں بلکہ ہم سب کو پیغام دیا گیا ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے تم خلا میں زمین کے مختلف مقامات پر ٹھہرے ہوئے تین سو سے

زائد مصنوعی سیاروں کا ذکر کررہے تھے، جن لوگوں کو ایسے وسائل دستیاب ہوں ان سے لڑنا آسان کام ثابت نہیں ہوگا۔''

''سر!'' اس آواز نے بہ یک وقت ہم تینوں کو چونکا دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اول خان کا اردلی تھا اور کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

''کہو آدم، کیا کہنا چاہ رہے ہو'' جنرل نے پلٹ کر نرم آواز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ اسے اول خان کے اردلی کا نام معلوم اور یاد تھا۔

''سر! گاڑیوں میں کچھ نہیں تھا'' اس نے بہت محتاط لہجے میں اپنی بات شروع کی ''میں برآمدے سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ جنوب کی طرف سے سیاہ رنگ کا ایک ڈیڑھ فٹ لمبا راکٹ اڑتا ہوا آیا اور آپ کی گاڑی پر گرا تھا۔ اس کے گرتے ہی دھماکا ہوا اور میں اچھل کر دور جا گرا۔ یہ حملہ باہر سے ہوا تھا۔''

''ویری گڈ!'' جنرل نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''تم نے بہت اہم بات بتائی ہے۔ ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔''

''آگ سرد ہونے سے پہلے کچھ نہیں ہوسکے گا، آؤ اندر چلتے ہیں'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جنرل نے ہم سے کہا۔

اس کا عندیہ پاتے ہی آدم لپک کر ہم سے پہلے دفتر میں جا گھسا۔ ہم تینوں بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو آدم الٹی ہوئی کرسیوں کو سیدھا کرچکا تھا اور فرش پر بکھری ہوئی فائلوں اور دیگر اشیا کو یک جا کرنے میں مصروف تھا۔

''ان سب چیزوں کو بعد میں سمیٹ لینا'' اول خان نے اس سے کہا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی جنرل وقار بول پڑا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا ہوگا۔ ممکن ہو تو مزے دار چائے پلانے کا بندوبست کرو۔ اس وقت اس کی ضرورت ہے۔''

آدم سر جھکا کر دفتر سے نکل گیا۔ اپنی فورس کے سربراہ کی زبان سے اپنا نام سننے کے بعد اس کے وجود میں ایک عجیب سا والہانہ جذبہ سرایت کرگیا تھا۔ یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ اپنے باس کے ایک اشارے پر اپنی گردن بھی کٹوانے سے گریز نہیں کرے گا۔

''جنوب کی طرف ایک کشادہ سڑک ہے جو اکثر ویران پڑی رہتی ہے'' آدم کے چلے جانے کے بعد اول خان نے فکرمندانہ انداز میں لب کشائی کی ''آدم نے اس سمت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کسی نے وہیں رک کر راکٹ فائر کیا ہوگا'' لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کا نشانہ قابلِ رشک تھا۔ درمیانی رکاوٹوں کے باوجود، زمین سے زمینی ٹارگٹ کو نشانہ بنالینا آسان نہیں ہوتا۔''

''ایسا بے خطا نشانہ لگانا انسانی بساط سے باہر ہے'' میں نے رسانیت سے اپنی رائے ظاہر کی ''آگ بجھ جائے اور ملبہ ٹھنڈا ہوجائے تو تھوڑی سی عرق ریزی کے بعد اس دھماکے کا راز بھی سامنے آجائے گا۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ جنرل کی گاڑی کو بگ کردیا گیا تھا۔ اس پر گائیڈڈ راکٹ چلایا گیا ہے۔ کوئی اناڑی بھی صحیح سمت میں راکٹ چلادے تو وہ حساس آلات کے سہارے اپنا نشانہ خود تلاش کرلیتا ہے۔''

''گائیڈڈ میزائلوں کا شہرہ بہت سنا ہوا ہے۔ شارٹ رینج راکٹوں کے لیے اس ٹیکنالوجی کا استعمال میرے لیے نئی بات ہے۔ یہ سسٹم بہت مہنگا اور......''

''نہیں، اول خان!'' جنرل نے اس کی بات کاٹ دی ''ڈینی صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔ سارے جدید آلات پچھلے چند برسوں میں بہت تیزی سے سستے اور عام ہوئے ہیں۔ انفرا ریڈ اور لیزر ٹیکنالوجی نے ہر طرف دھوم مچائی ہوئی ہے۔ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی دوربینیں، تاریکی میں واضح تصاویر لینے والے ننھے منے کیمرے اور وائرلیس مائیکروفون پر آوازیں سننے کے سسٹم ٹکے ٹوکرے ملنے لگے ہیں۔ اگر یہ مہنگے ہوتے تب بھی سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں کی دسترس میں رہتے۔ وہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اخراجات کی پروا نہیں کرتے۔''

''میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ باتیں اہم ہیں لیکن ان سے بھی اہم تر بات کو تم نے سرے سے نظرانداز کیا ہوا ہے'' میں نے جنرل کے چہرے پر نظریں جما کر دھیرے سے کہا۔

جنرل وقار کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف مرکوز ہوگئیں۔

''تم دلیر اور بے خوف آدمی ہو'' میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''تمہیں اپنی پیشانی کے زخم کی ذرا بھی پروا نہیں ہے لیکن تم ایس ٹی ایف کے وقار اور عظمت کی علامت ہو۔ تمہارا رستا ہوا زخم اور چہرے پر جما ہوا خون تمہارے ماتحتوں کا مورال گرانے کا سبب بن سکتا ہے۔ اجازت ہو تو میں یہ سب صاف کردوں؟''

جنرل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''بعض اوقات تم خاصی زہریلی باتیں کہہ جاتے ہو۔ میں باتھ روم میں جا کر خود یہ کام کرسکتا ہوں۔''

وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ دھل کر نکھر آیا تھا۔ خون کی لکیریں اور دھبے صاف ہوگئے تھے لیکن پیشانی کے بائیں گوشے پر آئے ہوئے زخم کے دہانے پر خون کو لوتھڑا بدستور موجود تھا۔ وہ اسے صاف کرتا تو زخم سے تازہ خون رسنا شروع ہوجاتا۔ وہ آیا اور پورے اعتماد کے ساتھ دوبارہ اپنی جگہ پر جم کر بیٹھ گیا۔

''ہاں' تو بات گائیڈڈ راکٹ کی ہورہی تھی'' اس نے میز کی سطح پر ہاتھ مار کر قدرے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''اس بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ میں نے محض ایک شبہ ظاہر کیا تھا۔ تم نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی تھی'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ میری تباہ ہونے والی گاڑی کے کسی حصے میں کوئی کثیرالمقاصد چپ لگادی گئی تھی'' جنرل نے سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا ''اس کی مدد سے میری نقل و حرکت پر نظر رکھی جارہی تھی' جب انہیں یہ پتا چلا کہ میں شہر بھر میں اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر یعنی اسٹیشن فور پر پہنچ چکا ہوں تو مجھے دہشت زدہ کرنے کے لیے انہوں نے میری گاڑی کی سمت میں گائیڈڈ راکٹ داغ دیا۔ اس راکٹ کے سرے پر کوئی نہ کوئی ایسا آلہ موجود رہا ہوگا جسے میری گاڑی میں پوشیدہ چپ سے رہنمائی مل رہی ہوگی۔ قریبی سڑک سے چلایا ہوا راکٹ فضا میں تیرتا ہوا سیدھا میری گاڑی پر آگرا۔''

''یہ گاڑی ابتدا سے تمہارے استعمال میں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں پرسوں کراچی آیا تھا۔ اس وقت سے وہی کار میرے زیرِ استعمال تھی۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟'' جنرل نے چونک کر پوچھا۔

''وہ کسی وقت اسے بگ کرچکے تھے تو ان کے پاس اسے تباہ کرنے کے لیے کئی بہترین مواقع میسر تھے'' میں نے کہا ''یہ بات یقینی ہے کہ کراچی آمد کے بعد تم اہم ترین مقامات پر بعض کلیدی شخصیات سے ملتے رہے ہوگے۔ وہ دھماکے کے لیے موزوں ترین وقت ہوسکتا تھا۔ آخر انہوں نے اسٹیشن فور کا ہی انتخاب کیوں کیا؟''

''ہوں......!'' جنرل ایک ہنکارا بھر کر خاموش ہوگیا۔

اس کی آنکھوں میں فکر و تشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میرے اٹھائے ہوئے نکتے نے شاید اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

میرے ساتھ جنرل کا رویہ بہت دوستانہ تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اسے دکھایا اور اس کے سر کی خفیف سی اثباتی جنبش پر پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگالی۔

''تمہاری ہر بات میں منطق اور استدلال کا گہرا دخل ہوتا ہے'' طویل خاموشی کے بعد جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی زبان کھولی ''یہ نکتہ واقعی اہم ہے کہ راکٹ فائر کرنے کے لیے انہوں نے میرے اسٹیشن فور پہنچنے کا انتظار کیوں کیا۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے یہ بات کہی تھی کہ حملے کے لیے انہوں نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب میں گاڑی میں نہ ہوں۔ غور کرنے کے بعد یہ تمام نکتے صرف اور صرف ایک سمت کی نشاندہی کررہے ہیں۔''

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی علامات سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

اس دوران میں آدم چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لے آیا۔ اس نے اول خان کی میز پر قرینے سے اپنی ٹرے خالی کی اور واپس لوٹ گیا۔

اول خان اس کا ماتحت تھا۔ وہ جنرل کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی پر اسے لقمہ دینے کی جرأت نہیں کرسکا۔ میں اس کے خیالات کا تسلسل نہیں توڑنا چاہتا تھا اس لیے دانستہ خاموش رہا۔ اپنی پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد جنرل بولا ''کسی کو اس کے گھر میں گھس کر مارنا دیدہ دلیری کی انتہا ہوتی ہے۔ انہوں نے وہی کیا ہے۔ ان کا مقصد کھلی دہشت گردی نہیں ہے۔ وہ مجھے یا ایس ٹی ایف کو سنگین پیغام دینا چاہتے تھے۔ یہ کام وہ کرگزرے ہیں۔ وہ ایس ٹی ایف کا خاتمہ چاہتے ہیں نہ فی الحال مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ بظاہر ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ایس ٹی ایف ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔ ان کی اس وارننگ کو نظر انداز کیا گیا تو پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ان کا اگلا وار زیادہ تباہ کن اور مہلک ہوگا۔

''مجھے تمہارے تجزیے سے پورا اتفاق ہے'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ انہوں نے تمہاری گاڑی تک کیسے رسائی حاصل کرلی۔''

''میں زیرِ زمین دنیا کا کوئی پراسرار نقاب پوش نہیں ہوں'' اس نے مضمحل سی ہنسی کے ساتھ کہا ''تھوڑی بہت

احتیاط ضرور کرتا ہوں لیکن کھلے بندوں گھومتا پھرتا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو میری آمد و رفت کے پروگرام کا علم ہوتا ہے۔ ان طویل سلسلوں کی کوئی بھی کمزور کڑی ان کے لیے ایک سہارا بن سکتی تھی۔"

"ابھی تک ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کا براہِ راست کوئی تصادم نہیں ہوا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انہوں نے ہم کو دھمکی دینے کی ضرورت کیوں محسوس کی" اول خان نے دھیمے لہجے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"وہ کراچی میں اپنے کئی اہم ترین اور تجربے کار آدمیوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "انہیں پورا یقین ہے کہ ڈینی ایس ٹی ایف کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ انہیں یہ زخم لگا تا رہا ہے۔ اب یہ سلسلہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔ وہ ایس ٹی ایف کو سختی کے ساتھ روکنا چاہتے ہیں۔"

"اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم پر ایس ٹی ایف کی مالی بے ضابطگیوں کا اظہار کیا ہے جس کا پورا ریکارڈ ان کی تحویل میں ہے" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ سب واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں" میں نے جواب دیا "میری چھٹی حس فضا میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ یہاں ہم سب سے آخری راؤنڈ لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔"

"اس وقت ان کا پانسا بھاری نظر آ رہا ہے" جنرل نے مضبوط لہجے میں کہا "لیکن حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ انہیں جدید ترین وسائل کی مدد حاصل ہے۔ مگر ان میں جذبے کا فقدان ہے۔ وقت بتائے گا کہ اللہ کی مدد اور اپنے سرفروشانہ جذبے سے ہم ان کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ پاکستان آنے کے نام سے ان کے افسروں کو ہول آنے لگیں گے۔"

"پہلے یہی ہو رہا تھا۔ آج کے حالات مختلف ہیں" میں نے نرمی سے کہا "تم جوش اور روانی میں آ کر آج کے بدلے ہوئے حالات کو فراموش کر رہے ہو۔ اس وقت ناگزیر عالمی مجبوریوں کی بنا پر پاکستانی سرزمین پر امریکیوں کا خون بہانا ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ وہ اس رعایت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"دشمن کو میدان سے بھگانے کے لیے ہمیشہ خوں ریزی ضروری نہیں ہوتی۔ بعض اوقات دوسرے حربے اس سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتے ہیں" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا "اسپیشل ٹاسک فورس ہر آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد ضرور ہے مگر یہ حکومت کی بنیادی پالیسیوں کا پورا احترام کرتی ہے۔"

"لڑائی زور پکڑ رہی ہے" میں نے تشویش ظاہر کی "تازہ ترین دھماکے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دشمن کسی بھی لمحے ہمارے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔"

"یہ لوگ اپنے جدید ترین وسائل کے ساتھ جس طرح دنیا بھر کی چھوٹی قوموں کو دبانے پر تلے ہوئے ہیں' اس کے نتائج کچھ حوصلہ افزا نظر نہیں آتے" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں کہا "ہم لوگ کب تک اور کہاں تک ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"تم جنرل کے الفاظ بھول رہے ہو۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر وہ جذبے سے عاری ہیں۔ وہ دوسروں کو کھا جانے کے لیے اپنے ملک سے نکلتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی بقا کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ویت نام سے افغانستان تک کی تاریخ دیکھ لو۔ طاقت کہیں بھی سرخ رو نہیں ہو سکی۔ ہمیشہ آخری فتح جذبے کی ہوتی ہے" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ دھماکا ہونے سے پہلے میں جنرل سے ایس ٹی ایف کے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنرل اور اول خان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر میں نے قدرے توقف کے بعد جنرل سے مخاطب ہو کر اپنی بات جاری رکھی "سچ پوچھو تو ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹا لینے کے فیصلے سے تمہارے آدمیوں میں بددلی اور مایوسی پھیلی ہے۔ ان کا اعتماد مجروح ہوا ہے۔ فورس کی بحالی کے بغیر اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔"

"مالی نظام میں فوری تبدیلیاں لانے کے لیے یہ فیصلہ ناگزیر تھا" جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا۔ ہمیں نقد رقمیں فراہم کرنے کا نظام خطرناک تھا۔ اس بارے میں غیر ملکیوں کے باخبر ہونے کے بعد اس نظام کو فوری طور پر ترک کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ متبادل نظام فوری طور پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اگر میں فورس کی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھتا تو کل شام کو ہمارے سارے فنڈز ختم ہو چکے ہوتے' میس میں جوانوں کو کھانا فراہم کرنے کے لیے بھی رقم نہ ہوتی۔ میں اگلی قسط نقدی کی صورت میں لینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ گیری کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔"

"اور اب کیا صورت ہے؟" اسے خاموش پا کر میں نے سوال کیا۔

"سارے آپریشنز روک دینے کے بعد ہم ایک ہفتے کی

ضروریات پوری کر سکتے ہیں" جنرل بولا۔ "ہم لوگوں کے ناموں پر کھلے ہوئے سب بینک اکاؤنٹ پرسوں بند کردیے گئے تھے۔ ہر اسٹیشن بینک سے نکالی ہوئی رقوم سے چلایا جارہا ہے۔"

"ایک ہفتے میں یہ رقوم ختم ہوجائیں گی' پھر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بینک اکاؤنٹ بند ہونے کے بعد متبادل نظام پر کام شروع ہوچکا ہے۔ ہم لوگ اپنا آڈٹ کرا رہے تھے۔ ایک ایک گولی کا حساب صاف ہے۔ اب ہمیں ایک قومی بینک کی دستخط کی ہوئی چیک بکس ملیں گی۔ ہمیں ان پر صرف رقم اور وصول کنندہ کا نام لکھنا ہوگا۔"

"ان چیکوں کی ادائی کس کھاتے سے ہوگی؟"

"یہ جاننا میرا کام نہیں ہے۔ امکان یہ ہے کہ سیکریٹ فنڈ سے ہماری ضروریات پوری کی جائیں گی۔ فنڈز کے لیے چیک بکس ملتے ہی ہم دوبارہ فعال ہوجائیں گے۔"

"اوہ!" میں نے بے ساختہ کہا "یہ ساری پیچیدگی فنڈز کی فراہمی کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میری دانست میں یہ معاملہ اتنا سنگین نہیں تھا کہ سب کچھ معطل کردیا جاتا۔ برسوں سے چلتا ہوا نظام مزید ایک دو ہفتوں کے لیے جاری رکھا جاسکتا تھا۔ متبادل بندوبست ہوتے ہی اسے ترک کردیا جاتا۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ایس ٹی ایف کے سر پر کس کا ہاتھ ہے۔ گیری نے بہت سنگین معاملے کی نشاندہی کی تھی۔ وہ خبر سن کر سب ہل کر رہ گئے تھے۔ بات ہم گیارہ افراد تک محدود نہیں تھی۔ فنڈز کی فراہمی کے سلسلے میں ایسے ایسے نام بے نقاب ہوسکتے تھے کہ لوگ اپنے دانتوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کوئی بھی آنے اور جانے والی رقوم کا حساب نہیں دے سکتا تھا۔ اس اسکینڈل کے انکشاف سے پورے ملک میں بھونچال آسکتا تھا۔"

"فنڈز اب بھی اسی مقدار میں آئیں گے۔ اس کی ذمے داری کس کے سر ہوگی۔"

"یہ باریکیاں شاید تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں" جنرل نے گہری سنجیدگی سے کہا "پہلے یہ کام کسی ضابطے کے بغیر ہورہا تھا۔ لین دین کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ سیکرٹ فنڈ کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔ وہ صوابدیدی فنڈ ہے جسے بااختیار شخص اپنی مرضی کے مطابق' جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ اس کا آڈٹ ہوتا ہے نہ کوئی باز پرس کی جاسکتی ہے۔"

"یہ محفوظ چینل موجود تھا تو ابتدا سے ہی اسے اختیار کیوں نہیں کیا گیا؟" میرے ذہن میں اس منطقی سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

"ایس ٹی ایف کو بہت خفیہ رکھا گیا تھا۔ سرکاری اداروں اور محکموں سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے اس کا مالی نظام انتہائی غیر روایتی رکھا گیا تھا۔ برسوں بہت سی اہم شخصیات کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ ملک میں ایسی کوئی فورس موجود ہے۔ اب بات اس حد تک کھل گئی ہے کہ ہمارے امریکی دوست سب کچھ جان چکے ہیں۔ اس مرحلے پر افراد کو قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاسکتا۔ ان کی گردنیں بچانے کے لیے سیکرٹ فنڈ کا سہارا ضروری ہے۔"

"سیکرٹ فنڈ کے استعمال کے بعد یہ بات کہی جاسکے گی کہ حکومت ایس ٹی ایف کی پشت پناہی کررہی ہے" میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا۔

"یہ بات تو امریکی کہتے رہتے ہیں۔ ان کا موقف ہوتا ہے کہ سرکاری سرپرستی کے بغیر اتنی بڑی اور منظم فورس پنپ ہی نہیں سکتی۔ اس میں چھٹے ہوئے ریٹائرڈ افسر اور جوان بھرتی کیے جاتے ہیں جن کی کفالت حکومت کرتی ہے۔ اب ان کے اس دعوے میں زیادہ زور پیدا ہوجائے گا۔ اس سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری اور دوسروں کی گردنیں ضرور بچ جائیں گی۔"

"حیرت ہے کہ ایک طرف وہ یہ زہر اگلتے رہتے ہیں دوسری طرف ان کی حکومت یہ تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔"

"یہ سیاسی منافقت ہے۔ سرکاری سطح پر وہ ہمارا دعویٰ مانتے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر زہر اگلتے رہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ کے حربے ہیں۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر درست ہے مگر میرا ذہن یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لیے ایس ٹی ایف کا ایکا ایکی گراؤنڈ کیا جانا کیوں ضروری ہوگیا تھا" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

جنرل ہنس پڑا "تمہارے ریکارڈ کی سوئی ابھی تک ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی ہے۔ میں بتا رہا ہوں کہ اس قصے میں ہم گیارہ افراد کے علاوہ بھی کئی بڑے پردہ نشینوں کے نام شامل تھے۔ بینکوں کے کھاتوں کا راز فاش ہوجانے کے بعد وہ ایک لمحے کا بھی رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میرے فیصلے میں ان لوگوں کی خواہشات کا بڑا دخل تھا۔"

بظاہر جنرل ہی ایس ٹی ایف کا کرتا دھرتا تھا۔ اس کی ہر کارگزاری اور ناکامی کی ذمے داری اسی کے سر آتی تھی لیکن

وہ اس قدر خود مختار نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔ ڈسپلن کے تقاضوں کے تحت وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

اس کے کہے ہوئے آخری فقروں میں اس کی مجبوری کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے وہ ساری ذمے داری اپنے سر لے رہا تھا لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ اوپر والے اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتے تھے۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ ایس ٹی ایف کو پرانے نظام کے تحت فنڈز کی فراہمی فوری طور پر روک دی جائے اور جنرل دستیاب وسائل کے سہارے زیادہ سے زیادہ دنوں تک اپنا کاروبار چلاتا رہے تاکہ اس دوران میں ادائیگیوں کا کوئی بہتر متبادل نظام وضع کیا جاسکے۔

وہ بات سمجھ لینے کے بعد جنرل سے بحث میں الجھنا بے سود تھا۔ وہ دوسروں کے کیے ہوئے فیصلے کا بھرپور دفاع کرنے پر مجبور تھا۔

میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ جو کچھ ہوا تھا' وہ کسی بڑی بربادی کا نکتۂ آغاز نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیوں کا تعطل ایک عارضی اقدام تھا۔ کسی بڑی بربادی اور ناکامی سے بچنے کے لیے وہ عارضی پسپائی بہتر تھی۔ آنے والے چند دنوں میں اس کی سرگرمیاں پہلے کی طرح بحال ہونے والی تھیں۔

''میرے ریکارڈ کی سوئی کو تم نے ایک مقام پر اٹکایا ہوا تھا'' میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''آخری جھٹکے سے یہ آگے چل پڑی ہے۔ گیری کو ایس ٹی ایف کے عارضی تعطل کا علم ہوگا تو وہ شیر ہو جائے گا۔''

''اسے ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا ہے۔ تم ہماری صفوں کے آدمی ہو۔ اگر تم نے بھی کل کسنیل کو اسٹیشن فور لانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو تمہیں اپنا پاس ورڈ بتانے کے بعد یہ تفصیل معلوم نہ ہوتی۔ دو چار دنوں تک تم الجھے رہتے۔ اس دوران میں سب نارمل ہو جاتا'' جنرل نے چائے کی پیالی خالی کر کے اطمینان سے جواب دیا ''تم اس گمان میں رہتے کہ ہم سب کسی خاص مشن پر کہیں مصروف ہو گئے تھے۔''

''یعنی مجھے اعتماد میں نہیں لیا جاتا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں غیر ضروری سنسنی خیزی سے گریز کرتا ہوں۔ از خود تمہیں کچھ بتایا جاتا نہ تم سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہماری اس ملاقات کے دو مقاصد تھے۔ تم سے ذاتی تعارف حاصل کرنا اور گیری کے حوالے سے کھل کر بات کرنا۔'' جنرل گہری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا ''دونوں کام ہو چکے ہیں۔

میں نے بعض ایسی باتیں بھی بتا ڈالی ہیں جو ابھی تک اول خان کے علم میں بھی نہیں تھیں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میرے دل میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔''

''تم کو معلوم ہے کہ آج کل گیری اور کرنل داور میں گاڑھی چھن رہی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میرا موبائل فون نمبر اس کے پاس ہے۔ اگر اس نے حالات نارمل ہونے سے پہلے مجھ سے رابطہ کر کے کچھ کریدنے کی کوشش کی تو میرا ردِّعمل کیا ہونا چاہیے؟''

''کم آن ڈینی! اب کھیلنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسے کیسے ٹالا جاسکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے دشمنوں کو بہت فراخ دلی سے اپنا موبائل فون نمبر دینا شروع کر دیا ہے۔''

''میں نے اپنی ضرورت کے تحت صرف تین حریفوں کو یہ نمبر دیا ہے'' میں نے بھرپور اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ ''گیری' سوبھراج اور شیبا۔ موبائل اول خان کے نام پر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی نمبر کے سہارے مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے فائدے ہم سب کے سامنے ہیں۔ شیبا نے میرے موبائل پر مخبری کر کے سنیل کو پکڑوا دیا۔ سوبھراج کے ذریعے مجھے جلال کے مشن کی ناکامی کی خبر قبل از وقت مل گئی۔ گیری' کرنل داور کو اپنا نرم چارہ سمجھ کر گا ہے گاہے اپنے دل کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میرے فیصلے بہت سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔ اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے سے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے دشمنوں سے بھی رابطہ استوار رکھا جائے۔''

''مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ آئی بی والوں نے رات گئے' سوبھراج کی تلاش میں مدن لال نامی ایک مقامی کے گھر پر چھاپا مارا تھا لیکن وہ مکھن میں سے بال کی طرح صاف بچ کر نکل گیا۔ وہ کیا قصہ تھا؟'' سوبھراج کا نام آتے ہی جنرل متجسس ہو گیا۔

''اسٹیشن فور سے کورا جواب ملنے کے بعد میرے پاس آئی بی والوں کے سوا کوئی متبادل نہیں رہا تھا۔ میں نے سنیل کو ان کے حوالے کر دیا۔''

''ابھی تم نے شیبا کی مخبری کا حوالہ دیا تھا'' اول خان نے کہا ''کیا سنیل کو اسی نے تمہارے ہاتھوں پکڑوایا تھا۔''

ان دونوں کے لیے وہ نئی کہانی تھی۔ اول خان سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ انہیں پورے واقعات سے آگاہ کر دیا۔ آئی بی والوں کے طریقۂ کار اور اس کے نتیجے میں اپنی طبیعت کی بدمزگی کا تذکرہ میں نے دانستہ حذف کر دیا۔

''کاش وہ خبیث نکلنے میں کامیاب نہ ہوا ہوتا!'' جنرل نے حسرت سے کہا ''آئی بی والے اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ سہرا بھی تمہارے سر رہتا کیونکہ سوبھراج کے دست راست کو بے دست و پا کر کے تم نے ان کے حوالے کیا تھا۔''

''میں کام پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے سہروں کی کبھی پروا نہیں رہی۔''

''مجھے معلوم ہے'' جنرل ہنستے ہوئے بولا ''مجھے بتایا گیا تھا کہ مکاؤ میں تمہاری شادی خوف اور افراتفری کے عالم میں ہوئی تھی۔ کسی مافیا کے ڈان نے چھین سے اغوا کیے ہوئے مولوی سے تمہارا نکاح پڑھوایا تھا۔ اس وقت بھی تم سہرے سے محروم رہے ہو گے۔''

''وہ واقعی ایک عجیب تجربہ تھا'' ماضی کی وہ یاد تازہ ہونے پر میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا ''یہ غنیمت تھا' ڈان کوانگ فو نے میرا نکاح غزالہ سے پڑھوایا۔ وہ چاہتا تو اپنے قیدی کو کسی بدصورت لٹیری کے پلے بھی باندھ سکتا تھا۔ تمہیں وہ باتیں کس نے بتائیں؟''

''پاکستان کے لیے قابلِ رشک کارنامے سرانجام دینے کے بعد اب تمہارا کچھ بھی اپنا نہیں رہا۔ ان دنوں میں حاضر سروس میں تھا۔ میس میں اکثر تمہاری ذات موضوعِ سخن بنی رہتی تھی۔ وہیں تمہارا ماضی بھی زیرِ بحث آتا تھا۔ تم نے یہاں جمی لائیڈ سے بروقت بغاوت کر کے اس کے قدم نہ اکھاڑے ہوتے تو آج یہاں کولمبیا سے زیادہ برے حالات ہو سکتے تھے۔''

''سوبھراج نے رات کا بقیہ حصہ کنکریٹ کے پائپ میں بسر کیا ہوگا'' اول خان نے پرخیال انداز میں رائے زنی کی ''یہ شخص شہر میں غنڈاراج کی سب سے بڑی علامت بن کر ابھرا ہے۔ اب اس کا آخری وقت قریب نظر آرہا ہے۔''

''نام اور روپ بدلتے رہتے ہیں' شیطانی حرکتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں'' میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے گا تو کوئی نیا نام اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک چلتی رہے گی۔ جس روز دنیا سے بدی کا نام ونشان مٹ گیا' اچھائیوں کی پہچان ختم ہو جائے گی۔''

''تم بہت دلچسپ آدمی ہو'' جنرل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی ''کبھی نثر میں شاعرانہ الفاظ استعمال کرتے ہو اور کبھی خشک فلسفہ بگھارنے لگتے ہو۔ تمہارے ذہن میں خیالات بہت روانی سے آتے ہیں اور تمہاری زبان سے بہتے چلے جاتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ میں بے سروپا باتیں نہیں کرتا' ہمیشہ محتاط رہتا ہوں۔''

''یہی تو کمال کی بات ہے۔ روانی سے بولتے رہنے کے باوجود تم کہیں نہیں بھٹکتے۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں مربوط اور خیال انگیز ہوتی ہیں۔ زیادہ بولنے والوں کی گفتگو میں یہ خوبی شاذ و نادر ہی مشاہدے میں آتی ہے۔''

''ایس ٹی ایف کے تعطل کا دور کب تک ختم ہونے کی توقع ہے؟ اس صورت احوال سے مجھے سخت گھٹن ہو رہی ہے'' میں نے اس کے توصیفی الفاظ کو نظرانداز کر کے سوال کیا۔

''ہم دونوں پچھلی رقوم کا حساب کتاب دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو تین روز میں چیک بکس مل جائیں گی اور سارا کاروبار چل پڑے گا۔ مجھے کچھ شبہ سا ہو رہا ہے کہ سنیل والے معاملے میں تمہیں آئی بی والوں کے ساتھ کام کر کے خوشی نہیں ہوئی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے بلاتوقف اس کی تردید ضروری سمجھی ''ان کا ایک لگا بندھا طریقۂ کار ہے۔ میرا ان کے ساتھ چلنا مناسب نہ ہوتا۔ میں نے سنیل کو ان کے سپرد کیا اور لوٹ آیا۔ خوشی یا ناخوشی کا سوال اس وقت پیدا ہوتا جب میں ان کے ساتھ رہنے پر اصرار کرتا۔ مجھے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔''

جنرل ذہین آدمی تھا' بھانپ گیا کہ میں اس موضوع پر متنازع باتوں سے گریزاں تھا۔ اس نے فوری طور پر موضوع بدل دیا ''تمہارا شہر خوب صورت ہے۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد اب میں دیکھوں گا کہ یہاں رات گئے تک لوگ سڑکوں پر کیوں نظر آتے ہیں۔''

''دھماکے کے بعد تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ شہرنوردی بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔''

''تمہارے ہمدردانہ مشورے کا شکریہ مگر ایک مسلمان اور پھر سپاہی کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ جب تک میرا وقت پورا نہیں ہوگا' دشمن میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ وقت آ گیا تو چلتے پھرتے کوئی ہارٹ اٹیک ہوگا اور قصہ ختم!''

''میں نے سب کچھ سن لیا اور مان بھی لیا مگر ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد ہے۔ سارے بڑے اور اہم ملکی معاملات وہیں طے ہوتے ہیں۔ تمہارا ہیڈ کوارٹر بھی وہیں ہے پھر تبدیلیوں کے انتظار میں تم کراچی میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ اصولی طور پر یہ سارے معاملات اسلام آباد ہی میں طے ہو جانے چاہیے تھے۔''

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نے اس اہم نکتے کو کیوں فراموش کیا ہوا ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''یہ بات شروع سے مجھے پریشان کر رہی تھی'' میں نے کہا۔

''اسلام آباد مرکزی شہر ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ایس ٹی ایف کو وہاں کے سرکاری حلقوں سے دور رکھنے کے لیے کراچی میں مرکزی وزارت خزانہ کا ایک خاص ونگ قائم کیا گیا ہے۔ وہ لوگ تبدیلیوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایک بار سب کچھ طے ہوگیا تو پھر ہمارا ان سے اس حد تک رابطہ رہ جائے گا کہ استعمال ہونے والی چیک بکس کے کاؤنٹر فائل انہیں لوٹا کر نئی چیک بکس لیتے رہیں۔''

میں نے وہاں کافی وقت گزار لیا تھا۔ میری بعض سنگین الجھنیں دور ہو چکی تھیں۔ اس دوران میں کاروں کی تباہی کا خوفناک واقعہ بھی رونما ہو چکا تھا۔ آدم کے ذریعے اس تباہ کن دھماکے کا سبب سامنے آ گیا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ جلی ہوئی گاڑیوں کا ملبہ ٹھنڈا ہونے پر وہ لوگ بہت احتیاط اور باریک بینی سے باقیات کا جائزہ لے کر اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کی کوشش کریں گے جس کے لیے وقت درکار تھا۔ میری موجودگی میں وہ اپنی کارروائی کا آغاز نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن جنرل نے اصرار کر کے مجھے روک لیا۔ وہ اس پہلی ملاقات میں میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا خواہاں نظر آ رہا تھا۔

آخر کار گیارہ بجے میں ان سے روانگی کی اجازت لینے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں ہونے والے دھماکے میں میری گاڑی بھی تباہ ہو چکی تھی۔ برآمدے میں نکلنے کے بعد اول خان کو احساس ہوا کہ وہاں میری واپسی کے لیے کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی دھماکے کی خوراک بن چکی تھی مگر اس کی ذاتی گاڑی اسٹیشن فور کے کسی دورافتادہ مقام پر محفوظ حالت میں موجود تھی۔

اس نے آدم کے ذریعے فون پر اپنے کسی آدمی کو پیغام بھجوایا۔ ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک شخص اول خان کی گاڑی لے کر چند منٹ میں وہاں آ گیا۔

جلتی ہوئی گاڑیوں کے شعلے دم توڑ چکے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ملبے میں چنگاریاں دہک رہی تھیں۔ جن سے کثیف دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔ اس دھوئیں میں تاروں اور گاڑیوں کے مختلف حصوں میں لگی ہوئی پلاسٹک کی اشیا جلنے کی بہت تیز اور ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ پانی کے وافر استعمال کے بغیر وہ ملبہ شام سے پہلے ٹھنڈا نہیں ہو سکے گا۔

اول خان خود بھی گاڑی سے محروم ہو چکا تھا۔ جنرل کی کار دھماکے کا براہِ راست نشانہ بنی تھی۔ ان دشواریوں کا احساس کرتے ہوئے میں نے اوّل خان کی گاڑی لے جانے سے لاکھ انکار کیا لیکن وہ نہ مانا۔ میری گاڑی اسٹیشن فور کی حدود میں تباہ ہوئی تھی۔ وہ اس نقصان کی اخلاقی ذمے داری کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذاتی گاڑی کی چابی زبردستی میرے حوالے کر دی۔

میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو اندر سے میرا دل اداس تھا۔ اسٹیشن فور کی حدود میں ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج تھا۔ عملے کو وہاں محدود ضرور کیا گیا تھا لیکن ان لوگوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ پھر بھی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سمٹے ہوئے تھے۔

وہ لوگ میدان میں مردانہ وار زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر اس کا سر کچلنے کے سارے حربی طریقوں کے تربیت یافتہ تھے۔ میدان سے سب کی واپسی اور پھر تعطل نے ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو شدید مایوسی میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ رہی سہی کسر راکٹ کے اس خوفناک دھماکے نے پوری کر دی تھی جس کے نتیجے میں، دیکھتے ہی دیکھتے چار قیمتی گاڑیاں شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھیں۔

اداسی اور بددلی کی اس مایوس کن فضا کو اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر الوداع کہہ کر میں نے گاڑی سڑک پر ڈالی اور تیزی سے واپس روانہ ہوگیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے میرے لیے صرف ایک خیال طمانیت کا باعث تھا کہ اس تاریک سرنگ کے آخری سرے پر امید کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ آنے والے چند دنوں میں ایس ٹی ایف کی مکمل بحالی ہونے والی تھی۔

☆☆☆

''ہمارا ایک چھت کے نیچے رہنے کا کیا فائدہ ہے!'' گھر پہنچتے ہی ویرا میرے اوپر پھٹ پڑی ''ہمیں یوں اجنبیوں کی طرح رہنا ہے تو ہم الگ الگ بھی رہ سکتے ہیں۔''

میرے لیے اس کے وہ تیور غیر متوقع تھے۔ میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سلطان شاہ کا منہ تکنے لگا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ اس نے میرے خلاف ویرا کے کان بھرے ہوں گے۔

''تم ان بے سروپا باتوں پر دھیان نہ دو!'' سلطان شاہ نے بے پروایانہ انداز میں مجھے دلاسا دیا۔ ''ہم ایک چھت کے نیچے بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی گود

میں نہیں چڑھارہتا۔ ہر ایک کو سونے کے لیے الگ کمرا میسر ہے۔ تمہاری اور غزالہ کی بات الگ ہے۔ میاں بیوی زیادہ دیر تک الگ الگ رہیں تو تشویش ہونے......''

''تم اپنی زبان بند رکھو!'' ویرا نے بات کاٹ کر اسے ڈانٹ دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی باتیں تلخ تھیں لیکن لہجہ دھیما ہی تھا۔ سلطان شاہ کو چپ کرانے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگئی۔ ''میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کیا چکر چلایا ہوا ہے؟''

''پتا نہیں تم کس چکر کے چکر میں ہو'' میں نے اطمینان سے ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا ''اگر اول خان سے میری ملاقات کو تم چکر سمجھ رہی ہو تو اس بارے میں شام ہی کو سب کو معلوم ہوگیا تھا۔ میں صبح سویرے تمہیں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔''

''تم گرامر کی غلطی کر رہے ہو'' سلطان شاہ نے اسی لمحے مجھے ٹوک دیا ''مرد گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں۔ قواعد کی رو سے عورتوں کو گدھیاں اور گھوڑیاں بیچ کر سونا چاہیے......''

''قواعد کے بچے! '' تم خاموش نہیں رہو گے؟'' ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

''میں تم سے نہیں، ڈینی سے بات کر رہا تھا'' سلطان شاہ نے معصومانہ سنجیدگی سے کہا ''تم کو سات خون معاف ہیں لیکن ڈینی پاکستانی ہے۔ میں اسے مادر پدر آزاد اردو بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''ذراسی دیر کے لیے تم خاموش رہو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر سلطان شاہ سے کہا۔ میں نے ویرا کے تیور خراب ہوتے دیکھ لیے تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان مداخلت نہ کرتا تو ان کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہوسکتا تھا۔

میری ہدایت پر سلطان شاہ نے سختی سے اپنے دونوں ہونٹ بھینچ کر سعادت مندانہ انداز میں اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے ویرا سے پوچھا ''ہاں' تم چھت کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟''

''رات کو فون پر تم نے سوبھراج اور جلال سے بات کی تھی؟''

''یکے بعد دیگرے ان دونوں کے فون آئے تھے۔ یہ رات کی نہیں، صبح سویرے کی بات ہے۔ اس وقت میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔''

''ان دونوں سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟'' ویرا نے اگلا سوال داغ دیا۔

''میں بتا چکی ہوں کہ سوبھراج نے اپنے فرار کی خبر دی تھی۔ بعد میں جلال نے اس کی تائید کردی' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔

''گویا تم ان دونوں کے آقا ہو۔ انہوں نے اتنی سی بات بتانے کے لیے تمہاری نیند خراب کی تھی!'' ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا ''ان ادھوری باتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ غزالہ سے پوچھو تو اسے کچھ ہوش ہی نہیں ہوتا۔ اس نے دونوں فون کالز کو ایک چھوٹے سے جملے میں نمٹا دیا۔ آگے پیچھے کی باتیں اسے نہیں معلوم۔ سیدھا سا جواب مل جاتا ہے کہ تم آؤ گے تو تفصیل بتا دو گے۔ اندر سے جل جل کر میرا خون سیاہ ہوگیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو' سلطان شاہ نے سر ہلا کر طنز سے کہا۔ ''یہ سیاہی تمہارے گلابی شہابی چہرے سے بھی جھلک رہی ہے۔''

''اتنی سی بات پر تم کیوں کڑھ رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ ان باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی۔ سلطان شاہ کو بھی زیادہ تفصیل نہیں معلوم لیکن یہ ہشاش بشاش ہے۔ تمہاری طرح جل بھن نہیں رہا۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''غزالہ زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ وہ گہری نیند سے اٹھی تھی' اس نے صرف میرے مکالمے سنے ہوں گے۔ اسے کیا پتا کہ دوسری طرف سے کیا کہا جا رہا تھا۔ اس نے وہ خلاصہ سنا دیا جو میں نے اسے بتایا تھا۔''

''یہ بات غزالہ بھی اسی پیرائے میں بتا سکتی تھی'' ویرا نے شکوہ کیا۔ ''لیکن یہ میرے سوالوں پر یوں چڑ رہی تھی جیسے جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ نہ بتانا چاہ رہی ہو۔''

''یہ تمہارا قصور ہے۔ بعض اوقات تم اس طرح دوسروں کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہو کہ اچھے خاصے آدمی کو تمہارے اوپر تاؤ آنے لگتا ہے۔ اگر کراچی یونیورسٹی نے کبھی چڑانے کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے اجرا کی منظوری دی تو اس کی سب سے پہلی حق دار تم ہوگی۔ تمہیں اپنے رویوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔''

''مانے لیتی ہوں کہ غزالہ کے ساتھ میرا رویہ درست نہیں رہا ہوگا لیکن تمہارے ساتھ میں نے کون سی بدسلوکی کی ہے جو تم اتنی دیر سے مجھے ٹال رہے ہو'' اس بار ویرا نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

''اس سے بڑی بدسلوکی کیا ہوگی کہ تم نے ڈینی سے تجریدی انداز میں بات شروع کی تھی۔'' سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر بول پڑا ''چھت' اجنبی' الگ الگ' چکر...... یہ سب بے سروپا باتیں تھیں۔ تمہیں براہِ راست پوچھنا چاہیے تھا کہ سوبھراج کیا بک رہا تھا اور جلال نے کیا فرمایا تھا۔ تمہیں

جواب مل جاتا۔‘‘

’’تم بہت آسانی سے مشتعل ہوجاتی ہو۔ سلطان شاہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ سلسلہ دراز ہوجاتا ہے‘‘ میں نے کہا۔

’’دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایسے لٹھ مار انداز میں بات کرتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میری کھوپڑی سنک جاتی ہے‘‘ ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

’’میں خان زادہ ہوں‘‘ سلطان شاہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا ’’میں کھیسیں نکال کر عورتوں کی خوشامد نہیں کرسکتا۔‘‘

’’دیکھو! یہ مجھ سے ایسی بکواس کرتا رہتا ہے‘‘ ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

’’تم لوگ مل کر مجھے پریشان کردیتے ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج اول خان کے دفتر کے سامنے ایک راکٹ گرا ہے جس نے میری گاڑی سمیت چار گاڑیاں جلا ڈالیں‘‘ میں نے ان کی زبانیں بند کروانے کے لیے اکتائے ہوئے انداز میں وہ خبر سنادی۔

’’یہ کیسے ہوا؟‘‘

’’یہ واردات کس کی جانب سے کی گئی ہے؟‘‘

’’پھر آپ یہاں تک کیسے آئے ہیں؟‘‘

وہ خبر سن کر ان تینوں کے اوسان خطا ہوگئے۔ ان کے بے ساختہ سوالوں پر میں افسردگی سے مسکرا کر رہ گیا۔

چند ثانیوں بعد میں نے انہیں اسٹیشن فور کی روداد سنادی جس میں سوبھراج اور جلال کا ذکر بھی شامل تھا۔ وہ تینوں حیرت اور بے یقینی سے منہ پھاڑے وہ تفصیل سن رہے تھے۔

’’اس وقت میدان میں صرف دو حریف ہمارے سامنے ہیں‘‘ میرے خاموش ہوتے ہی ویرا نے اپنی عادت کے مطابق تجزیہ نگاری شروع کردی ’’سوبھراج پہلا اور پکا دشمن ہے لیکن وہ ہر طرف سے اپنی چمڑی بچانے کے چکروں میں الجھا ہوا ہے۔ اپنے بچاؤ کی فکر میں وہ کسی جوابی وار کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ صبح سویرے وہ مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کنکریٹ کے پائپ میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے پاس حملے کے لیے وقت تھا اور نہ وسائل یہ کام صرف اور صرف گیری کا ہوسکتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ ہاتھ دھو کر ایس ٹی ایف کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے منتخب کیے ہوئے وقت پر جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔‘‘

’’سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوجی چوکیوں پر کڑی دیکھ بھال کے باوجود کوئی شخص میزائل اور لانچر سمیت چھاؤنی کی حدود میں کیسے داخل ہوا؟‘‘ غزالہ بولی۔

’’کوئی حادثہ ہوتا ہے تو چند روز کے لیے کڑی جانچ پڑتال شروع ہوجاتی ہے جو رفتہ رفتہ معمول کی سرسری دیکھ بھال تک محدود رہ جاتی ہے‘‘ میں نے جواب دیا ’’یہ میری سنی سنائی نہیں‘ ذاتی تجربے کی بات ہے۔ چوکیوں کے گارڈز ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔ مسلسل ایک جیسا کام کرتے کرتے اکتا جاتے ہیں۔ گاڑیوں پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر راستہ دے دیتے ہیں۔ کسی پر شبہ ہوجائے تو اسے تفصیلی تلاشی کے لیے روک لیتے ہیں۔‘‘

’’گیری کو کیسے پتا چل گیا کہ جنرل اسٹیشن فور میں موجود ہے؟‘‘ ویرا نے پوچھا۔

’’حیرت ہے کہ تم میرے تازہ ترین تجربات کو بھول رہی ہو۔ گیری نے میری گاڑی میں چپ ڈال کر اپنے آدمی میری راہ پر لگادیے تھے۔ یہی کچھ جنرل کے ساتھ ہوا ہوگا۔ جس چپ سے گاڑی کی پوزیشن کی نشان دہی ہورہی تھی اسی سے راکٹ کی رہنمائی کی گئی۔‘‘

’’تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟‘‘ سلطان شاہ کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئی تھیں۔ سنجیدہ باتیں شروع ہوتے ہی وہ ویرا کو بھلا بیٹھا تھا۔

’’جنرل سے میری ملاقات کا وقت نو بجے کا تھا لیکن وہ آٹھ بجے اسٹیشن فور میں پہنچا ہوا تھا۔ دھماکا ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ ہوا۔ اس ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے میں ان کا کوئی آدمی اطمینان سے وہاں پہنچ کر راکٹ فائر کرسکتا تھا۔‘‘

’’اس دھماکے کے نتیجے میں پوری چھاؤنی میں ہلچل مچ گئی ہوگی۔‘‘ غزالہ نے پھریری لے کر کہا۔

’’ایس ٹی ایف والوں میں بے چینی کی لہر دوڑی تھی۔ دوسروں نے اس دھماکے پر دھیان بھی نہیں دیا ہوگا۔ وہ چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ وہاں فائرنگ اور ہلکی گولا باری کی آوازیں معمولات میں شامل ہیں۔ دن میں چاند ماری کی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔‘‘ میں نے بتایا۔

’’یہ تصدیق ضروری ہے کہ جنرل کی گاڑی پر ایف بی آئی کی طرف سے حملہ ہوا ہے۔‘‘ ویرا بڑبڑائی۔

’’واقعات کھلی نشان دہی کررہے ہیں۔ مزید تصدیق ہو بھی گئی تو ہم کیا کرلیں گے!‘‘ میں نے کہا۔

’’وہ خود چھیڑ چھاڑ پر اتر آئے ہیں تو انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوگیا ہے۔ احتیاط کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان سے دست بستہ مار کھاتے رہیں۔‘‘

’’اس بارے میں جنرل یا اول خان نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا!‘‘ میں نے دل ہی دل میں ویرا کے اٹھائے

ہوئے نکتے کو سراہتے ہوئے اپنی تشویش ظاہر کی۔
''ان کے گھر میں ڈاکا پڑا ہے۔ ان کے اوسان ٹھکانے پر نہیں رہے ہوں گے۔ تمہارے آ جانے کے بعد انہوں نے اس حملے پر کھل کر بات کی ہوگی۔''
''چاہو تو تم کھوج لگا سکتے ہو۔'' سلطان شاہ بولا ''ڈینی بن کر تم نے سوبھراج سے دوستی گانٹھی ہوئی ہے۔ کرنل داور کے روپ میں تم گیری کے دوست ہو۔ اسے ایک فون کیوں نہیں کر لیتے۔ اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹے دو دن ہو رہے ہیں۔''
گیری ہارٹ کے ایما پر اس سے میری آخری ملاقات اولڈ کلفٹن پر ہوئی تھی جہاں اس نے میری گاڑی میں بیٹھ کر ایس ٹی ایف کے خلاف اس قدر زہر اگلا تھا کہ اس کی معلومات سے خوف زدہ ہو کر مقتدر قوتوں نے فوری طور پر اس فورس کی ساری سرگرمیاں معطل کرنے کا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں گیری نے کمینگی اور اپنی دانست میں چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری گاڑی میں ایک چپ ڈال دیا تھا جس کی مدد سے شام کو دو امریکی ہمارے رہائشی علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
سلطان شاہ نے اتفاق سے انہیں نہ دیکھ لیا ہوتا تو ہمارے لیے وہ رات بہت بھاری ہو سکتی تھی۔ گھر سے فرار کے بعد جب ہم چپ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو گیری کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی۔
ایک طرف وہ ایس ٹی ایف کے خلاف زہر فشانی کر رہا تھا دوسری طرف میرے خلاف اپنے مذموم عزائم کو پروان چڑھا رہا تھا۔
اگلے روز میں امریکی قونصل خانے میں اپنی شکایت لے کر اس سے ملا تھا اور وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نک ہاروے کی موت ان کے لیے ایک گہرا گھاؤ ثابت ہوئی تھی۔ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا گیا تھا۔ قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ان کے تمام دعووں کے برعکس، سوبھراج نے اخبارات سے رابطہ کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ نک کو اس نے مروایا تھا۔ سوبھراج ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے عین مطابق ہم لوگوں سے نک کے خون کا بدلہ لینے پر تل گئے تھے۔
گیری کی ساری حرکتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پاکستان میں جلد از جلد کوئی بڑی کامیابی حاصل کر کے نک کی موت کے نفسیاتی اثرات کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔
میں نے اپنے ذہن میں ماضی قریب کے ان واقعات کا اعادہ کیا اور پھر گیری سے گفتگو کا ایک اجمالی خاکہ ترتیب دے ڈالا جس کی روشنی میں اس کا ذہن پڑھنے میں خاصی مدد مل سکتی تھی۔
''سوچ کیا رہے ہو۔ اس وقت سلطان شاہ کی نکمی کھوپڑی میں کام کی بات آئی ہے۔ اس پر اسی وقت عمل کر ڈالو!'' ویرا نے مجھے خاموش پا کر کہا۔
''اب اسے ہرگز فون نہ کرنا۔'' سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر اتنی برجستگی سے کہا کہ میں حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔
''عورت کسی بات کی تائید کرے تو سمجھ لو کہ وہ بات بالکل غلط ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی ''اس کے خلاف عمل کرنے میں فائدہ حاصل ہوگا۔''
''یہ اوندھا سبق تم نے کہاں سے سیکھ لیا؟'' غزالہ نے ترشی سے پوچھا۔
''یہ سبق میں نے تجربوں سے سیکھا ہے۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہا تھا۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا دوسری قسم سے؟'' ویرا آنکھیں نکال کر بولی ''کیا میں کوئی گئی گزری عورت ہوں جو تم میرے بارے میں یہ ہذیان بک رہے ہو؟''
''ابھی تم کہاں گزری ہو، زندہ ہو اور بول رہی ہو۔ یقین کرو کہ تم گزر گئیں تو میں تیسرے ہی دن سے تمہاری قبر پر چراغ جلا کر قوالی شروع کرا دوں گا۔ تمہارے گزر جانے سے بہت سے لوگوں کو فیض حاصل ہوگا......''
''شٹ اَپ!'' سلطان شاہ کی زبان جس روانی سے چل پڑی تھی اس میں لکنت کے کوئی آثار نہ پا کر مجھے اسے پھٹکارنا پڑ گیا ''تمہیں ذرا سا خیال نہیں رہتا کہ کب کیا بات ہو رہی ہے۔ ہر وقت اپنی خرمستیوں میں لگے رہتے ہو۔''
''یہ ہے تمہاری اوقات!'' ویرا نے خوش ہو کر اس پر طنز کیا ''صحیح خوراک مل گئی۔ اب کئی گھنٹوں کے لیے راہِ راست پر رہو گے!''
''تم بھی ہوش میں رہو!'' دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے لیے میں نے ویرا کو بھی جھاڑ دیا ''تم بلاوجہ اس کے منہ کیوں لگتی ہو۔''
''میں اس جھاڑ کے کانٹے کے منہ نہیں لگتی۔ تم خاموش بیٹھے سوچے جا رہے تھے۔ بس میرا ایک مشورہ دینا قیامت ہو گیا اور اس کی زبان چل پڑی۔''
''گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں!''

سلطان شاہ نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر وہ مصرع پڑھا پھر غزالہ سے بولا ''سیاہ خون والی گلابی عورت کو اس مصرع کا مفہوم سمجھا دینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اپنی بات پوری کرتا ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

''خس کم جہاں پاک!'' اس کے جانے کے بعد ویرا... بڑبڑائی۔

''اب اس کے بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ''خود فساد کی داغ بیل ڈالتی ہو پھر شور مچاتی ہو کہ وہ زیادتی کر رہا ہے۔''

''اس وقت میں نے کیا کیا تھا۔ وہ بلاوجہ مجھ سے الجھا تھا۔''

''اتنی دیدہ دلیری اچھی نہیں ہوتی۔ نکمی کھوپڑی کہہ کر تم نے پہل کی تھی۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئی۔

میں گیری سے بات کرنے کے بارے میں اپنا ذہن بنا چکا تھا لیکن ویرا اور سلطان شاہ کی جھڑپ نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔ میں نے وہ ارادہ ملتوی کر کے سگریٹ سلگائی اور پاؤں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ غزالہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا گیری کو فون نہیں کرو گے؟'' چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''تم دونوں نے میرے دماغ کو اس قابل کہاں چھوڑا ہے کہ میں کسی سے ڈھنگ کی بات کر سکوں۔ تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ اس وقت ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں ہر وقت ذہنی یکسوئی اور ارتکاز کی ضرورت ہے۔''

''پتا نہیں کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ ہلکی پھلکی نوک جھوک انسان کو ہر وقت چاق و چوبند رکھتی ہے۔ موقع ملنے پر وہ چوکتا ہے نہ میری زبان رکتی ہے۔''

''چاق و چوبند رہنے کا اتنا شوق ہے تو اسے اپنے کمرے میں بند کر کے تلخ کلامی کر لیا کرو۔ ہر وقت کے تماشے کبھی کبھی مجھے گراں گزرنے لگتے ہیں۔'' میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

''ریفری کے بغیر زبانی لڑائی میں مزہ نہیں آتا۔ وہ میرے ساتھ اکیلا ہوتا ہے تو بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی ہو۔''

میں بے بسی سے ہنس پڑا ''ویرا! تم بہت ڈھیٹ ہو گئی ہو۔ جاؤ اور کچھ دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اس نے تمہاری بات سن لی تو وہ اعتراض کرے گا کہ تمہاری باتوں میں تذکیرو تانیث کی غلطی ہے۔ وہ بھیگا بلا بن سکتا ہے، بلی نہیں۔''

''تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی پھر جاتے جاتے رک کر بولی ''سچ بات یہ ہے کہ مجھے اس پر غصہ نہیں آتا۔ اسے چڑانے اور سلگانے میں لطف آتا ہے۔''

ویرا کے کچھ کہے بغیر بھی میں وہ بات جانتا تھا۔ میں نے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے خاموشی میں اپنی عافیت جانی اور وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

سگریٹ ختم کر کے میں کچھ دیر کے لیے آنکھیں موندے پڑا رہا۔ خلوت اور خاموشی کے وہ لمحات میرے لیے سکون آور ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ میرا ذہن اعتدال پر آ رہا تھا۔

نک کی موت کے سوگ کے تین دن پورے ہو چکے تھے۔ قونصل خانہ کھل جانا چاہیے تھا۔ ویسے بھی گیری ضروری کام نمٹانے کے لیے سوگ کی چھٹیوں میں بھی اپنے دفتر آتا رہا تھا اور اسی دوران میں، میں اس سے مل چکا تھا۔ اسے ہر حال میں اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد میں نے اپنے گھر والے فون سے گیری کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ میں یہ بات پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ میرے کمرے میں فون کی لائن سے منسلک سی ایس ڈی آن تھی۔ پہلی گھنٹی پر مجھے گیری کی تحکم آمیز ہیلو سنائی دی۔

''گیری! کیا حال ہے...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

''اوہ! داور! تم اس وقت کہاں ہو، خاصے مطمئن اور خوش معلوم ہو رہے ہو!'' میری توقع کے مطابق اسے میرے اطمینان پر اچنبھا ہوا تھا۔

''ایک دوست کے پاس آیا ہوں۔ وہ لنچ کی تیاری کے لیے بازار کی طرف نکلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر تم سے بات کر لوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ یہ سناؤ کہ کیا خبریں ہیں؟'' اس کی آواز میں ہلکا سا اضطراب پنہاں تھا۔ وہ یقینی طور پر میری زبان سے ایس ٹی ایف کے قلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر سننے کا خواہاں تھا۔

''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر ہوتی ہے'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم کافی دیر سے اپنے آدمیوں سے کٹے ہوئے ہو۔ کسی نے تمہارے اپریٹس یا موبائل فون پر تمہیں ایک بری خبر سے آگاہ کرنے کی زحمت نہیں کی!''

''میں صبح سویرے اس خبر سے واقف ہو چکا تھا'' میں

نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اس کی بات کا رخ گھمادیا ''یہ بہت برا ہوا کہ مدن لال کے گھر پر ہونے والی کارروائی ناکام ثابت ہوئی اور سوبھراج وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''وہ بھی آج کی بہت بری خبر تھی لیکن میں ایک اور واقعے کا تذکرہ کررہا تھا۔''

''میں اس کے علاوہ کسی اور واقعے سے بے خبر ہوں۔ برسوں بعد مجھے دو دن کی چھٹی ملی ہے۔ میں اسے بے خبر رہ کر ہنسی خوشی گزارنا چاہتا ہوں۔''

''تم جیسا ذمے دار افسر چھٹی پر ہوتے ہوئے بھی اپنے دفتری معاملات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ کچھ دیر پہلے اسٹیشن فور کی حدود میں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے گئے ہیں، وہاں کیا ہوا ہے؟''

''میں لاعلم ہوں'' میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔ ''کیا تمہارے آدمی اسٹیشن فور کی نگرانی کررہے ہیں؟''

''نن...... نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے'' اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں جلدی سے کہا۔

''پھر تمہیں دھماکے اور آگ کی اطلاع کس نے دی؟''

''مجھ سے یوں جرح مت کرو'' میرے سوال پر وہ تلملا اٹھا ''میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ تم سے صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس خبر میں کتنی صداقت ہے؟''

''تم تو یوں چڑ رہے ہو جیسے وہ دھماکا تم ہی نے کروایا ہو اور اب مجھ سے اس کی تصدیق چاہ رہے ہو'' میں ہلکے پھلکے لہجے میں گہرا طنز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''کل رات سے میں اپنے دوست کے پاس ہوں، اسٹیشن فور سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تمہاری خبر کی تصدیق یا تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم نے مجھے متفکر کردیا ہے۔ اب مجھے وہاں کی صورتِ احوال جاننے کے لیے فون کرنا پڑے گا۔''

''حیرت ہے کہ تمہیں اپنے گھر کی خبر نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ سوبھراج کو پکڑنے کی کوشش ناکام ہوگئی!'' اس کی طنزیہ آواز میں گہری کاٹ تھی۔

''میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ سوبھراج میری کمزوری بنا ہوا ہے۔ یہ کوئی خفیہ خبر نہیں ہے۔ پورے شہر کو معلوم ہے کہ ایک سرکاری ایجنسی اسے پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔''

''میں اس بارے میں تم سے ضرور بات کروں گا لیکن پہلے میں اسٹیشن فور کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے'' سوبھراج کے قصے کی اہمیت کو تسلیم کرلینے کے باوجود اس کا ذہن اسٹیشن فور میں الجھا ہوا تھا۔

اس کا حد سے بڑھا ہوا تجسس میرے لیے حیران کن تھا۔ آثار بتارہے تھے کہ وہ دھماکا ان لوگوں کے ایما پر کیا گیا تھا۔ ان کی دلی مراد پوری ہوگئی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ مجھ سے اس واقعے کی تصدیق کیوں چاہ رہا تھا۔

ذہن پر ذرا سا زور دیتے ہی سارے پردے سرک گئے اور بات یکا یک میری سمجھ میں آگئی۔

گیری ہارٹ اور اس کے سارے رازداں امریکی نژاد تھے۔ ان سفید فاموں کے لیے کسی حساس علاقے میں گھسنا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ کسی حیلے بہانے سے کہیں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے تو دھماکے جیسی کارروائی کرکے ان کا بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

پاکستان میں اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھنے کے لیے انہیں ہر لمحے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس کام کے لیے انہوں نے سوبھراج کو پالا ہوا تھا۔ پاکستان کی آستین میں پلنے والا وہ ناگ، نقاب پوش کوبرا کے روپ میں مقامی مجرموں سے گہرے روابط رکھتا تھا اور انہیں معقول معاوضے پر اپنے آقاؤں کے لیے استعمال کرتا تھا۔

سوبھراج کے یکا یک زیرزمین چلے جانے سے وہ خانہ خالی ہوگیا تھا اور امریکی مفلوج ہوکر رہ گئے تھے۔ وہ کراچی میں بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کچھ بھی نہیں کرپارہے تھے۔

مقامی مجرموں سے براہِ راست رابطے ان کے لیے اتنے ہی خطرناک ثابت ہوسکتے تھے جتنا ان کا جرائم میں خود ملوث ہونا۔ اس مشکل کا توڑ کرنے کے لیے شاید گیری نے اسٹیشن فور پر راکٹ فائر کرنے کے لیے کسی مقامی کو اپنے اعتماد میں لیا تھا۔

اس مقامی ذریعے نے شاید گیری کو اپنی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی اور وہ طے شدہ معاوضہ طلب کررہا تھا۔ گیری کے لیے معاوضے کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے چنے ہوئے آدمی نے ایک مشکل ہدف کو واقعی حاصل کرلیا تھا یا وہ جھوٹ بول کر رقم اینٹھنے کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے اس سے کہا ''تم ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں اپنے موبائل پر پتا کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔''

''ویری گڈ...... میں تم سے اسی تعاون کا خواہاں رہتا ہوں'' میری پیشکش سن کر وہ خوش ہوگیا۔

میں نے موبائل فون پر اپنا ہی نمبر ملایا تو مجھے اپنے ریسیور

پر موبائل کے خلل انداز ہونے کی آوازیں سنائی دیں جو گیری کے کانوں تک بھی پہنچ رہی ہوں گی۔

میرا فون مصروف تھا۔ موبائل پر ریکارڈنگ بجنے لگی لیکن میں نے چونکتے ہوئے انداز میں گفتگو کا انداز اختیار کیا اور چند مکالموں کی ادائیگی کے بعد موبائل فون بند کر دیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے تھے'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''وہاں کچھ دیر پہلے ایک راکٹ گرا ہے۔ کئی گاڑیاں تباہ ہو گئیں مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔''

''اتنی سی دیر میں انہوں نے یہ پتا بھی لگا لیا کہ وہاں راکٹ گرا ہے'' اس کے بے ساختہ فقروں سے مسرت اور غصے کا امتزاج جھلک رہا تھا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ یہ ایس ٹی ایف کے نامعلوم دشمنوں کا کام ہے۔ تمہارا لب و لہجہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس واقعے کے پیچھے تمہارا دماغ کام کر رہا تھا'' میں نے اسے سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع دیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی۔

''وار کامیاب ہوا ہے تو مجھے بھی یہ ماننے میں عذر نہیں ہے کہ یہ ہمارا کام ہے۔ اب ہم تمہیں ...... تم ہمارے دوست ہو۔ میرا مطلب ہے کہ ہم ایس ٹی ایف کو عقل کے ساتھ ساتھ طاقت سے بھی کچلیں گے۔ انہیں ہمارے آڑے نہیں آنا چاہیے۔''

''ابھی تک ایس ٹی ایف نے تمہارے ساتھ براہ راست تصادم کی راہ اختیار نہیں کی'' میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا ''تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟''

''یہ غلیظ فورس ڈینی کو تحفظ کی چھتری فراہم کر رہی ہے'' اس کی آواز تلخ ہو گئی ''ہمیں ہر قیمت پر ڈینی درکار ہے...... زندہ یا مردہ...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' آج کا دھماکا صرف ایک وارننگ تھا۔ یہ اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب تمہارا جنرل اس کار میں سفر کر رہا ہوتا۔ وقت کا انتخاب میں نے کیا تھا اور آئندہ بھی یہ انتخاب میرا ہوگا۔''

''تو کیا جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا گیا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ کئی دنوں سے کراچی میں ہے مگر مجھے کل شام کو اس کی شہر میں موجودگی کی اطلاع ملی ہے'' وہ پرغرور لہجے میں بتانے لگا ''وہ چوہے کی طرح چھپا رہ سکتا ہے لیکن دوسروں کی زبانیں بند نہیں رکھ سکتا۔ رات ہم نے ایک فون پر ہونے والی باتیں پکڑیں اور پتا چلا کہ جنرل آج صبح اسٹیشن فور میں ہوگا۔ شہر میں اس رتبے کے کسی آدمی کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔ رات کے دو بجے اس کی گاڑی میں موت کا بگ لگا دیا گیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتا، ہمیں پل پل کی خبر ملتی رہتی۔ وہ اسٹیشن فور پہنچا اور تھوڑی دیر بعد ہمارے نشانچی وہاں پہنچ چکے تھے۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'' میں واقعی الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''تم اپنی فورس میں خاصے سینئر ہو۔ ہمیں جانتے ہو اور ڈینی کی بدمعاشیوں سے بھی واقف ہو۔ تم اپنے جنرل کو سمجھا سکتے ہو کہ وہ غلط راستے پر ہے۔ ایک شخص کو تحفظ دینے کے لیے اتنی بڑی فورس کو تباہی کے دہانے میں ڈال دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ ڈینی اگر تمہارے ہاتھ میں نہیں آ رہا تو جنرل کو اس کے گلے میں رسی ڈال دینی چاہیے۔''

''جنرل ٹیڑھا آدمی ہے۔ میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکتا'' میں نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا ''تم خود اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ دھماکے کا واقعہ تازہ ہے۔ وہ تمہاری بات سننے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں اپنی حکومت کے موقف سے انحراف نہیں کر سکتا۔''

''اس میں انحراف کی کیا بات ہے۔ تم مجھ سے جو کچھ کہہ رہے ہو وہی اس سے براہِ راست کہہ ڈالو۔ نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''

''سرکاری سطح پر امریکا قائل ہے کہ پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس نام کی کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ میں سرکاری ملازم ہوں۔ جنرل سے میرے رابطے کا مطلب ہوگا کہ میں نے سرکاری پالیسی کو نظر انداز کیا ہے۔ تمہارے جنرل نے کسی ذریعے سے یہ شکایت کر دی تو مجھے ملازمت سے برطرف بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے استعمال کرنے کی صورت میں تم ان ممکنہ نتائج سے بچے رہو گے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوئی میرا نام نہیں لے سکے گا۔ سانپ مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''کیا یہ دو رخی حکمت عملی نہیں ہے'' رفتہ رفتہ اس کا اصل مفہوم میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔

''یہ تمہاری مرضی ہے۔ تم اس پالیسی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو'' گیری کی آواز سے بے پروائی مترشح ہو رہی تھی۔

''یہ دوغلا پن ہے۔ سرکاری سطح پر تم ایس ٹی ایف سے الجھنے سے گریز کر رہے ہو۔ دوسرے طریقوں سے تم اسے تباہ کر دینا چاہتے ہو۔''

''پاکستان ہمارا دوست ملک ہے۔ ہم اس سے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں میرے رویے میں اس خلوص اور

نیک نیتی کا تسلسل ملے گا۔''

''دوستی پورے وجود سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ تم اپنے دوست سے کہو کہ مجھے تمہارا پورا وجود بہت عزیز ہے لیکن تمہاری بائیں ٹانگ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دوستی کے نام پر اسے کٹوا کر الگ پھینک دو۔ غیر سرکاری طور پر تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف پاکستان کے لیے کتنا کام کر رہی ہے۔ اس کے خلاف قدم اٹھا کر تم پاکستان کو نقصان پہنچانے کی تیاری کر رہے ہو۔''

ریسیور پر اس کی ہلکی سی تکبّر آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی ''فورس سے تمہاری روزی وابستہ ہے اس لیے تم جذباتی ہو رہے ہو۔ مجھے فورس کے خاتمے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ٹارگٹ صرف ڈینی اور ویرا ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ آجائیں تو میں تمہاری فورس کو بھول جاؤں گا۔ تمہارے بڑوں کی حماقت سے یہ ٹوٹ گئی تو تم خاطر جمع رکھو، ہم تمہیں اس سے بہتر اور پرکشش ملازمت دیں گے۔ میرا اہم خیال ہے کہ تم نے اپنے شاندار مستقبل کی ضمانت حاصل کر لی ہے۔''

''مجھے بات بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہے'' میں نے تشویش سے کہا۔

''تم میرا پیغام جنرل تک پہنچا دو۔ بات ختم ہو جائے گی!'' اس کا لہجہ پرزور تھا۔

''میں اپنی فورس میں اتنا سینئر نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو'' میں نے بے بسی کا لہجہ اختیار کر لیا۔ ''وہ میری رسائی سے باہر ہے۔ تم بتا رہے ہو کہ جنرل کئی دن سے کراچی آیا ہوا ہے۔ میں فورس میں ہوں اور مجھے اس کی آمد کی بھنک نہیں ملی۔ وہ اسٹیشن فور آیا ہوا ہے، میں دو روز کی چھٹی پر ہوں۔ یہ پیغام رسانی میری بساط سے باہر ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سوبھراج کیوں راندۂ درگاہ ہوا ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سخت اور کھردری آواز ابھری۔ اس کا لہجہ بالکل بے لوچ تھا۔

''اس نے ویرا کے بارے میں تمہارے پیش روؤں کو اندھیرے میں رکھا۔ اسے پکڑا اور پھر کھو دیا۔ اس کا یہ جرم تم لوگوں کے نزدیک غداری کے برابر ہے۔''

''دیکھ لو۔ وہ پناہ کی تلاش میں دربدر مارا مارا پھر رہا ہے اور اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی۔''

''اس وقت کچھ دوسری قوتیں بھی اس کا پیچھا کر رہی ہیں۔''

''میری یہ بات لکھ لو کہ آخر کار وہ ہمارے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا۔''

''اس وقت تم نے اس کا ذکر کیوں چھیڑا ہے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''تم نے ڈینی کو پکڑا اور اپنی حماقت سے کھو دیا'' اس کی چبھتی ہوئی آواز ذومعنی تھی ''ڈینی ہمارے نزدیک ویرا سے بڑا اور خطرناک مجرم ہے۔''

''تم میرا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر سکتے'' میں نے تیز احتجاجی لہجے میں کہا ''وہ تمہارا تنخواہ دار ملازم تھا، میں نے آج تک تم سے ایک دمڑی نہیں لی۔ اس نے بدنیتی سے ویرا کو چھپا لیا تھا، میں نے نک کو بتا دیا تھا کہ میں نے ڈینی کو پکڑ لیا ہے، سوبھراج لوٹ آئے تو میں ڈینی کو اس کے حوالے کر دوں گا۔ وہ اوچھا وار کر کے سوبھراج کو بھڑکا نہ دیتا تو وہ ڈیل آسانی سے طے ہو جاتی۔ مہلت سے فائدہ اٹھا کر ڈینی بھاگ گیا۔''

''میں تمہارا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر رہا'' اس کی سرد آواز سے بے رحمی مترشح تھی ''صرف اتنا بتا رہا ہوں کہ واقعات میں کتنی گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اب تم ڈینی پر دوبارہ ہاتھ ڈال کر اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکتے تو جنرل کو رام کرو۔ اپنی فورس کی بقا کے لیے اسے ڈینی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔''

''نہیں گیری...... یہ ناممکن ہے'' میں نے اسے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا ''میری زبان سے کوئی کچی بات سنتے ہی وہ سمجھ جائے گا کہ میں تم لوگوں سے مل گیا ہوں۔ وہ سخت گیر اور سفّاک ہونے کی شہرت رکھتا ہے۔ بے دریغ مجھے گولی مار دے گا۔ تمہاری ایف بی آئی کی طرح ایس ٹی ایف بھی اپنے غداروں سے ذرا بھی رورعایت نہیں کرتی۔''

''تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میں اب تک تم پر اپنا وقت برباد کرتا رہا؟''

''جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ ویسے یہ تمہاری نہیں، میری کال تھی۔ تم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔''

''میں تم کو فون کرنا چاہ رہا تھا مگر تذبذب میں تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ کسی اور ذریعے سے اسٹیشن فور والی اطلاع کی تصدیق ہو جائے۔ تھوڑی دیر تک تمہارا فون نہ آتا تو میں خود تم سے رابطہ کرتا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں، حقیقت ہے۔''

''اتنی شدت سے تصدیق کی ضرورت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب تمہارے پاس قابلِ اعتماد آدمیوں کی کمی ہے۔ کام کرنے والوں کی دی ہوئی اطلاعات تمہارے لیے قابلِ اعتبار نہیں ہیں'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل کی گاڑی کو راکٹ کا

نشانہ بنانا آسان کام نہیں تھا۔ دوسرے ذرائع سے اس اہم خبر کی تصدیق ضروری تھی۔''

''سوبھراج کے ہٹ جانے کے بعد ان مشکلات کا پیدا ہونا فطری بات ہے'' وہ کھل کر بات کر رہا تھا اس لیے میں نے بھی بے دھڑک ہو کر وہ بات کہہ ڈالی ''کوبرا کے روپ میں وہ شہر کے ناپسندیدہ لوگوں سے ہر کام لے لیا کرتا تھا۔ وہ وسیلہ ختم ہو گیا ہے۔ اب تم کو یہ کام خود کرنا پڑ رہا ہوگا۔ وہ لوگ آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ موقع ملتے ہی چونا لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔''

''نک نے تمہیں پیش کش کی تھی کہ تم چاہو تو سوبھراج کی جگہ لے سکتے ہو۔ وہ پیش کش آج بھی برقرار ہے۔'' اس کی آواز میں بے آرامی اتر آئی ''تم کچھ ہی عرصے میں دولت میں کھیلنے لگو گے۔''

''عزت کی روزی کو لات مار کر میں یہ سب نہیں کر سکتا۔ وہ دولت آج سوبھراج کے کس کام آ رہی ہے؟ وہ ذہنی سکون اور تحفظ کھو چکا ہے۔''

''یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔ لالچ اور سنگین غلطیوں کو کوئی آجر معاف نہیں کرتا۔ تم انکار کرو گے تو ہمیں جلد ہی سوبھراج کا کوئی نہ کوئی متبادل مل جائے گا۔ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے دنیا کا کوئی کام نہیں رکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں بعد تمہارے خیالات میں تبدیلی آ جائے۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ ڈینی اور ویرا کے معاملے میں تم میرے ساتھ ہو۔''

''تم اس معاملے کو اپنی عینک سے دیکھتے ہو۔ میرا نظریہ تم سے مختلف ہے۔ میں ڈینی کی آزاد روی اور حد سے بڑھی ہوئی خود مختاری سے نالاں ہوں اس لیے اسے لگام دینا چاہتا ہوں۔ تمہارا اور اس کا معاملہ بالکل مختلف ہے......''

''اسباب کچھ بھی ہوں'' وہ میری بات کاٹ کر بولا ''یہ بات طے ہے کہ تم اسے پسند نہیں کرتے۔ یہ مشترک جذبہ اسی طرح برقرار رہنا چاہیے۔ اب یہ بتاؤ کہ سوبھراج کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔ ڈینی اور ویرا کے بعد وہ میری ترجیحات میں سب سے اوپر ہے۔''

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ آج پھر بچ نکلا۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

'اس کا نصیب اس کا ساتھ دے رہا ہے ورنہ اب تک اسے ملک عدم کا راہی ہو جانا چاہیے تھا۔ مجھے بھی اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کچھ دیر میں تفصیلات سامنے آ جائیں گی۔''

''تمہاری خواہش بہت فطری ہے'' وہ تم لوگوں کے بہت سے رازوں کا امین ہے۔ ابھی اس نے صرف نک کو مروایا ہے۔ وہ زبان کھولنے پر تل گیا تو تمہارے لیے خاصی مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔''

''گھر کا کوئی بھیدی غداری پر تل جائے تو اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی اور نہیں ہو سکتی۔''

سوبھراج کے بارے میں اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی' میں نے گفتگو کو طول دینے کے بجائے وہیں ختم کر دیا۔

گیری سے میری وہ گفتگو ہر لحاظ سے نتیجہ خیز رہی تھی' بات قیاس سے بڑھ کر یقین کی حد میں داخل ہو گئی تھی کہ جنرل کی گاڑی پر ان ہی لوگوں کے ایما پر راکٹ چلا گیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ سامنے آئی تھی کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں چشم پوشی کا سرکاری رویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ امریکی حکومت پاکستان کے ساتھ کھلی محاذ آرائی کے لیے آمادہ نہیں تھی لیکن سرکاری اہل کاروں کو یہ چھوٹ دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے طور پر اس فورس کے خلاف جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کرتے رہیں۔

غنیمت یہ تھا کہ گیری نے اپنے جملہ مذموم مقاصد کو میری اور ویرا کی ذات سے مربوط کر دیا تھا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہم دونوں کی سرکوبی کے بعد اسے فورس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔

جنرل وقار چوری چھپے کراچی آیا تھا نہ اس کی آمد کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا۔ وہ مخصوص مقصد کے لیے کراچی آیا تھا اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ یہ شرمناک بات تھی کہ ایک دوسرے پر اپنی باخبری کا رعب جھاڑنے کے لیے سرکاری افسران فون پر ایک دوسرے سے حساس موضوعات پر بات کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

اگر ایف بی آئی والوں نے اپنے موثر اور جدید ترین مواصلاتی آلات پر دو افسروں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سنی ہوتی تو انہیں کانوں کان بھی جنرل کی آمد کا پتا نہ چلتا اور اسٹیشن فور کا سانحہ وجود میں نہ آتا۔

مشکل یہ تھی کہ افسروں کی وہ عادتیں کسی حکم نامے سے تبدیل نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ان کا تعلق لوگوں کے انفرادی مزاج اور قومی شعور سے تھا' کسی کو یہ احساس نہیں تھا کہ کون سی بات کہاں کی جا سکتی ہے اور اس کے مضمرات کیا ہو سکتے

ہیں۔

وہ افسوسناک صورت احوال تھی جس کا مداوا کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

''تم نے شاید ایک اہم بات نوٹ نہیں کی۔'' گیری سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران ویرا نے کہا ''اپنی طویل باتوں میں گیری نے ایک بار بھی زہریلی باتوں کو نہیں دہرایا جو اس نے فورس کے مالی معاملات کے بارے میں تم سے کہی تھیں۔''

مجھے اولڈ کلفٹن پر ہونے والی وہ گفتگو لفظ بلفظ یاد تھی۔ میں نے کہا'' راکٹ فائر ہونے کے بعد اب وہ نئی راہ پر چل نکلا ہے' سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس سلسلے کا اختتام کہاں ہوگا۔''

''ہو جائے گا۔'' ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی'' نک کے بعد اب گیری کی باری آنی چاہیے!''

نک کے ستارے خراب تھے کہ شیر دل ہمارے جال میں پھنس گیا اور بعد میں سوبھراج نے شیخی میں آکر نک کے خون کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ ہر بار ایسے اتفاق رونما نہیں ہو سکتے۔'' میں نے قدرے سختی سے کہا۔'' گیری کا خون ہمیں مہنگا پڑ جائے گا۔''

''تم اسی سوچ بچار میں الجھے رہو۔ وہ اپنا کام کرتے رہیں گے یہ نہ بھولو کہ ان کا اصل نشانہ تمہاری ذات ہے۔ انہیں اسی طرح ڈھیل دی جاتی رہی تو ایک دن وہ تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈال دیں گے اور ہم ان کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔''

''وقت گزر رہا ہے' میرا خیال ہے کہ اب میر انرمل کمار کے دفتر جانا بے سود ہے......'' چند ثانیوں کا سکوت آتے ہی غزالہ نے اپنی بات کہہ ڈالی۔

میں اس کے خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ نرمل کمار بساط کا ایک معمولی مہرہ تھا اس کی اہمیت اسی وقت تک تھی جب تک سوبھراج کا سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ فرار ہو گیا تھا۔ نرمل اپنے باپ' مدن لال سمیت آئی بی والوں کے قبضے میں تھا اس کے دفتر جانا لا حاصل تھا۔

میرے ذہن پر ایک بوجھ سا سوار تھا۔ ویرا کی بات ایک گرہ کی طرح دماغ میں اٹک گئی تھی' گیری کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ بہت جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔ ڈھیل دینے سے اس کا حوصلہ بڑھ سکتا تھا یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اسے جنرل کی گاڑی پر حملے کا بھرپور جواب دیا جائے۔

اس بارے میں جنرل اور اول خان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ دونوں اپنے مسائل میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ ویسے بھی وہ کسی سخت قدم کی حمایت نہیں کر سکتے تھے مجھے جو کچھ کرنا تھا اپنے طور پر کرنا تھا۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد کوئی مجھ سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔

گیری کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو سنیل اور شیبا کی طرف بہک گئی۔ وہاں پیش آنے والے واقعات ایک ایک کر کے میرے ذہن میں تازہ ہونے لگے اور پھر یکا یک میں پریشان ہو گیا۔

اس وقت میں تلوار کی باریک دھار پر چل رہا تھا۔ گیری سے میں کرنل داور بن کر ملتا رہا تھا۔ سوبھراج سے میں نے ڈینی کی حیثیت سے رابطہ استوار رکھا ہوا تھا' میرا وہ خطرناک کھیل اسی وقت تک جاری رہ سکتا تھا جب تک وہ دونوں کردار ایک دوسرے سے الگ نظر آتے رہتے۔

سنیل کے گھر پر ایک گڑ بڑ ہو چکی تھی' شیبا مجھے مہیش اگروال کے نام سے جانتی تھی اپنی بیوی کے منہ سے میرا وہ نام سن کر سنیل نے بہت تلملائے ہوئے انداز میں اسے پھٹکار کر بتایا تھا کہ میرا اصل نام مہیش نہیں' کرنل داور تھا۔

یہ بات شیبا کے ذہن میں ایسی بیٹھی تھی کہ سوبھراج کا فون آنے پر اس نے یہی بتایا کہ کرنل داور اس کے شوہر کو اٹھا لے گیا تھا۔

اس بیان کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ سوبھراج کی تلاش میں مدن لال کے گھر کا رخ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے جب کہ میں نے گیری سے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ سوبھراج والے قصے کا فورس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کام کسی اور ایجنسی نے کیا تھا۔

اس تضاد پر پردہ ڈالنے کے لیے ضروری تھا کہ شیبا کی زبان بند کر دی جائے یا پھر اسے کچھ عرصے کے لیے غائب کر دیا جائے کچھ دنوں بعد معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا تو شیبا کو رہا کیا جا سکتا تھا۔

پہلی اور ضروری بات یہ تھی کہ شیبا کی اپنے گھر میں موجودگی کا یقین کر لیا جائے!

میں نے بلا توقف اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ پہلی چند گھنٹیوں کے بعد مجھے امید تھی کہ وہ ریسیور اٹھا لے گی لیکن پھر گھنٹیاں بجتی چلی گئیں' دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

میں نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا' شاید وہ خوف زدہ ہو کر اپنے گھر سے کہیں اور منتقل ہو گئی تھی۔ اس کے نئے ٹھکانے کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔

چار بجے غیر متوقع طور پر جلال آن وارد ہوا۔ وہ سہ پہر کی فلائٹ سے کراچی پہنچا تھا۔ اور صدف مینشن سے ہوتا ہوا میرے پاس پہنچا تھا۔

''میں صرف تمہاری دل جوئی کے لیے کراچی آیا ہوں۔'' اس نے مجھ سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا ''کل رات تم صدف مینشن والوں سے ناراض معلوم ہو رہے تھے۔''

''میں کسی سے ناراض نہیں تھا۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا'' مجھے تمہاری اور ان کی مجبوریوں کا علم ہے مجھے اس بات کا قلق تھا کہ میں ان کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ یہ میرے اپنے مزاج کی خامی یا خرابی ہے' جس کی ذمے داری دوسروں پر نہیں ڈالی جا سکتی۔''

''صدف مینشن میں یکایک بہت رونق ہو گئی ہے' اس کیس کے چار قیدیوں کے آجانے سے سارے سیل آباد ہو گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

میں چونک پڑا۔ ''سنیل' نرمل اور مدن کے علاوہ چوتھا قیدی کہاں سے آ گیا۔''

''شیبا!'' اس نے مسکرا کر بتایا۔'' وہ سنیل کے اغوا کی چشم دید گواہ تھی تمہیں پہچانتی ہے اور تم نے اس سے ناموں کا بھی کچھ چکر چلایا ہوا تھا' تم نے اسے چھوڑ دیا تھا میں نے صبح اٹھوالیا۔''

''وہ رنگین مزاج تتلی ہے وہاں کے ماحول سے دہشت زدہ ہو کر مر جائے گی۔''

''فکر نہ کرو اسے بہتر اور روشن کمرا دیا گیا ہے وہاں چمگادڑوں کی رسائی نہیں ہے۔ ان کی آسیبی آوازیں شیبا کو اسی کمرے میں محدود رکھیں گی۔''

جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ کے حملے کی خبر بہت سختی کے ساتھ دبا دی گئی تھی لیکن جلال اپنے حساس منصب کی بنا پر اس خبر سے واقف تھا۔ میں نے اسے اس واقعے کی ان تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا جو مجھے گیری سے معلوم ہوئی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ گیری کیا چاہ رہا ہے!'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ اپنے مجرموں تک رسائی کی دھن میں پاگل ہوا جا رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''ان کوششوں میں وہ جنگلی سور کی طرح ہر طرف منہ مار رہا ہے۔''

میں نے آئی بی والوں کے ہاتھوں شیبا کے پکڑے جانے کی اطلاع پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن مجھے خوشی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنی مستعدی سے کام لے کر میری ایک ضرورت پوری کر دی تھی۔

''حملے کی خبر نے سب کو فکر مند کر دیا ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔'' یہ ہم سب کے لیے سبکی کی بات ہے کہ اب دشمن ایس ٹی ایف کے گھر میں گھس کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔''

''خبر کی تشہیر ہو یا نہ ہو' دشمن کو اپنی کامیابی کا علم ہو چکا ہے۔ گاڑیوں کے ملبے سے کچھ نہ کچھ ایسے شواہد ضرور مل جائیں گے جن کی بنا پر ذمے داری کا تعین کیا جا سکے گا۔ میری خواہش ہے کہ اس واقعے کے بارے میں ان کے سفارت خانے سے احتجاج کر کے یہ بتا دیا جائے کہ ان کے آدمیوں کے غیر قانونی حرکات کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔''

''یہی کیا جا رہا ہے' آج رات ماہرین کی ایک ٹیم کراچی میں جمع ہو رہی ہے۔ کل صبح وہ باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیں گے' راکٹ اور گائیڈنگ ڈیوائس کے کچھ نہ کچھ حصے مل جائیں گے۔ سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ اب راکھ سے بھی چیزوں کی اصل ماہیت کے بارے میں بہت کچھ پتا چل سکتا ہے۔''

''ایک طرف تم جنرل وقار سے بالکل لاتعلق ہو' دوسری طرف اندر کی باتیں بتا رہے ہو' یہ کیا چکر ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جنرل سے میرا تعارف ہے اور نہ کوئی رابطہ!'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا'' میں وہ باتیں بتا رہا ہوں جو اسلام آباد میں میرے علم میں آتی رہی ہیں۔ میری میز پر نجی اور سرکاری ذرائع سے روزانہ کم و بیش ایک ہزار رپورٹیں آتی ہیں جن سے بہت کچھ سامنے آ جاتا ہے۔''

''اب ان رپورٹوں میں میرے بارے میں کوئی ٹیڑھی بات آ جائے تو اسے نظر انداز کر دینا۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس سے مطالبہ کیا۔

''کیوں؟ تمہارے کیا عزائم ہیں؟'' اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔

''گیری کی رفتار تیز ہے اسے روکنا ضروری ہو گیا

ہے۔''

''وہ تمہارا معاملہ ہے۔''اس نے جلدی سے وہ بات وہیں ختم کردی' یہ خیال رکھنا کہ تمہاری روک ٹوک کے نتیجے میں کوئی بڑا مسئلہ نہ کھڑا ہوجائے۔''

''تم بے فکر رہو۔''میں نے اسے یقین دہائی کرائی پھر پوچھا۔''مدن لال کیا بتا رہا ہے۔''

''وہ بہت خوف زدہ ہے کسی بڑے مجرم کے ساتھ چھوٹے موٹے تعاون کو لوگ جرم نہیں گردانتے ان کو صرف اسی وقت ہوش آتا ہے جب تباہ کن نتائج سامنے آتے ہیں'

.... وہ بتانے لگا''مدن لال کا نام ایک عرصے سے ہماری چیک لسٹ پر تھا۔وہ سوبھراج کو انتخابی مہم اور دوسرے مقاصد کے لیے اکثر بڑی بڑی رقمیں دیتا رہتا تھا۔اس طرح پروان چڑھنے والی دوستی کے نتیجے میں سوبھراج بھی اسے مراعات دلواتا رہتا تھا۔وہ پناہ کے لیے سنیل کے ہمراہ مدن لال کے گھر پہنچا تو وہ انکار نہیں کرسکا۔ایک دوست کو اس کے آڑے وقت میں سہارا دینے کے خیال سے اسے رکھ لیا۔مدن لال کا بیٹا سرکاری افسر ہے' سوبھراج نے کچھ فرضی باتیں بتا کر اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔نرمل کمار قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس نے ایک مظلوم بیوہ کا پیغام سن کر سوبھراج تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔اس کے سوا اس نے اپنے باپ کے دوست کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔''

''دونوں کے جرائم سنگین ہیں۔اخبارات میں سوبھراج کے خلاف مسلسل کہانیاں آرہی ہیں۔ہر طرف اس کے کرتوتوں کا شور ہے۔ان کو پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کررہے ہیں! ایک سرکاری افسر ایسے معاملات میں کچھ زیادہ حساس ہوتا ہے۔''

''ان کی بہت مناسب دیکھ بھال کی جارہی ہے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک سوبھراج کے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی کارآمد بات نہیں بتا سکے ہیں۔''

''وہ اپنی برادری میں گھوم رہا ہے۔''ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا''مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کسی راج کپور کے پاس چلا گیا ہوگا۔''

''شاید ایسا نہیں ہے۔''میں نے کہا''وہ بہت چالاک آدمی ہے اب اپنی برادری سے دور رہے گا۔اس کے ذہن میں کوئی متبادل ٹھکانا ہوتا تو وہ صبح کنکریٹ کے پائپ میں نہ ہوتا۔مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین ہوگیا ہوتا۔''

''تم اس کی بات کا یقین کررہے ہو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی آرام دہ بستر پر دراز ہوکر تمہیں پائپ کی کہانی سنا رہا ہو' ایسے آدمی کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔''

ویرا سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا میں نے خاموشی اختیار کرلی۔سوبھراج نے مجھے یعنی ڈینی کو اپنا خیر خواہ تصور کیا تھا۔میری دانست میں اسے مجھ سے ایسا کھلا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اپنی نئی کمین گاہ کے انتخاب کے سلسلے میں وہ واقعی محتاط تھا۔

جلال کے پاس سنیل اور سوبھراج کے بارے میں خبریں تھیں میں اسٹیشن فور میں ہونے والے دھماکے کا چشم دید گواہ تھا۔ہمارے درمیان کافی دیر تک جزئیات پر سرگرمی سے باتیں ہوتی رہیں۔ہم صرف ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرتے رہے تھے'ان میں کوئی بات نتیجہ خیز نہیں تھی۔

سنیل آئی بی والوں کے لیے بہت سخت جان ثابت ہوا تھا' جلال کے آدمیوں کا خیال تھا کہ میں صدف مینشن سے نکلنے کے بعد دوبارہ جاکر نرمل کمار کے بارے میں سوال نہ کرتا اور اس کا اضطراری ردِّعمل سامنے نہ آتا تو شاید وہ مرکر بھی سوبھراج کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولتا۔میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اس کے اوسان جاتے رہے تھے۔ اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس نے کچھ نہ بتایا تب بھی وہ لوگ نرمل کمار اور سوبھراج تک پہنچ جائیں گے۔بھرپور شکست کے اسی خوف نے اسے کچھ ہی دیر میں زبان کھولنے پر مجبور کردیا تھا۔

سوبھراج کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں تھا لیکن اپنے مضبوط اقلیتی گروپ کی سربراہی کرتا تھا۔وہ لوگ چڑھتے سورج کے پجاری تھے اور اقتدار میں رہ کر اپنی برادری کی بہبود کے لیے کام کرنے کے نام پر ہمیشہ حکومت وقت کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے۔

سیاست کا چسکا لگ جانے کے بعد سوبھراج نے تیسرے درجے کی غنڈا گردی ترک کردی تھی لیکن وہ دوسرے غیر قانونی کاموں میں گردن تک غرق تھا۔

پلاٹوں اور پرمٹوں کی سیاست اس قدر عام ہوچکی تھی کہ اسے بددیانتی اور جرم کے زمرے سے خارج کرکے سیاست کے چلن شمار کیا جانے لگا تھا۔سوبھراج شہر بھر میں پھیلے ہوئے گرگوں کے ذریعے جوئے کے اڈے اور منشیات

کے ٹھکانے چلاتا تھا ریکروٹنگ کی آڑ میں انسانوں کی اسمگلنگ کے گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ ایسے دھندے اس کے آدمی چلاتے تھے اور خاموشی سے اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسے پہنچا دیتے تھے' ان چکروں میں اس کا نام کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے آدمی پکڑے جاتے تھے تو وہ انسان دوستی اور ہمدردی کے نام پر سفارشوں کے ذریعے انہیں آزاد کرا دیتا تھا۔

سنیل کی نظروں میں اس کے مالک کے وہ جرائم سنگین تھے لیکن ہمارے لیے ان کی زیادہ وقعت نہیں تھی۔

را' بلیک کیٹس' سی آئی اے اور ایف بی آئی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سوبھراج ایسے غدارانہ جرائم کا مرتکب ہوتا رہا تھا جن کی معافی ممکن ہی نہیں تھی۔

سوبھراج کے ان جرائم سے سنیل بڑی حد تک لاعلم تھا۔ اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ اس کا مالک اکثر اپنے کمرے میں بند ہو کر سیٹ لائٹ فون پر نامعلوم لوگوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ اگر اس کے سیٹ لائٹ فون پر کوئی کال آجاتی تھی تو وہ سنیل کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے قریب نہیں ٹھہرنے دیتا تھا۔

راج محل میں سیاسی رہنماؤں سے لے کر شہر کے لفنگوں تک کی آمدورفت رہتی تھی۔ آبادی کے نچلے طبقات میں سوبھراج کے وہ روابط اس کے ماضی کا حصہ تھے۔ اس کی صرف ایک ہی خوبی تھی کہ اپنا سیاسی قد کاٹھ نکال لینے کے باوجود اس نے اپنے در پر آئے کسی شخص کو نہیں دھتکارا تھا۔ حتی الامکان ہمیشہ اور ہر شخص کے کام آنے کی کوشش کرتا تھا جسے اس کے مداح اور حواری اس کی غریب پروری کا نام دیتے تھے۔

سوبھراج عام ملاقاتیوں سے کھلی کچہری کی صورت میں ملتا تھا جہاں سنیل کسی ہم زاد کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور اپنے مالک کی ضروری ہدایات نوٹ کرتا رہتا تھا۔ کچھ مشتبہ لوگ فارغ اوقات میں اس سے ملنے کے لیے آتے تھے' وہ ملاقاتیں مکمل تخلیے میں ہوتی تھیں۔

سنیل اپنے مالک سے کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکتا تھا نہ سوبھراج نے کبھی اسے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن سنیل نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان اہم اور پراسرار مقامیوں اور غیر ملکیوں کی آمد سیاسی ضرورتوں سے زیادہ مجرمانہ مقاصد کے لیے ہوتی تھی۔

سنیل اپنے مالک کے شب و روز کی زندہ اور متکلم ڈائری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا' بس یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج نے اپنے مقام سے بہت نیچے گر کر شیبا کو اپنی داشتہ بنایا ہوا تھا۔

سنیل کے اس دعوے پر جلال کو یقین تھا نہ مجھے اعتبار آیا تھا۔ دوسری باتوں کی طرح وہ سوبھراج اور شیبا کے تعلقات سے بھی پوری طرح آگاہ تھا لیکن اس کا اعتراف کر کے روسیاہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد جلال واپس چلا گیا۔ اسلام آباد والوں کا کراچی میں جماؤ شروع ہو چکا تھا۔ جنرل وقار پہلے سے کراچی میں تھا' جلال سہ پہر کو آ گیا تھا۔ اس نے خبر دی تھی کہ رات تک بموں اور آتش گیر مادوں وغیرہ کے ماہرین کی جماعت بھی کراچی پہنچنے والی ہے۔ وہ آثار بہت حوصلہ افزا تھے امید بندھ رہی تھی کہ گیری کے دھماکے کے جواب میں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔

شام ڈھلے میرے موبائل پر سوبھراج کی کال آ گئی۔ وہ سیٹ لائٹ فون استعمال کر رہا تھا۔ میں اس کی آواز سن کر حیران رہ گیا مجھے اس کی طرف سے اتنی جلدی دوبارہ رابطے کی توقع نہیں تھی۔

''ڈینی!'' میں اس وقت سخت پریشان ہوں' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں!'' رسمی مزاج پرسی کے بعد اس کی بھرّائی ہوئی آواز آئی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ سوبھراج کا وہ لب و لہجہ میرے لیے اجنبی تھا۔ صبح سویرے بدترین حالات میں بھی اس کی آواز اتنی کمزور نہیں ہوئی تھی۔

''کہیں سے بھی شروع کر دو۔ میں تمہارا مقصد سمجھ لوں گا۔'' میں نے اضطراری انداز میں جواب دیا۔ ''بس خبر اچھی ہونی چاہیے!''

''مشکل یہی ہے...... میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے......''

''تم کہاں ہو؟ کوئی ٹھکانا ملا یا ابھی تک اسی پائپ میں پڑے ہوئے ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''میں سر چھپانے کے لیے ایک محفوظ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن اب یہ سیٹ لائٹ فون مجھے اپنے

گلے پڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں انہیں چھوڑنا چاہوں تب بھی وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''تم کس کی بات کر رہے ہو..... کیا ہوا ہے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔ اس کے پس وپیش پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

''ابھی تک میں ایف بی آئی والوں سے چھپتا پھر رہا تھا اب را والے میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔''

''را والے..... وہ کہاں سے آگئے؟'' اس کا انکشاف سن کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

''وہ آج ہی کراچی پہنچے ہیں اور میری مدد کے طلب گار ہیں تم یقین کرو کہ میری نیت صاف ہے۔ میں نے ان سے صاف انکار کر دیا ہے۔ کہہ دیا ہے کہ اس وقت میں خود مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا مگر وہ مجھ سے ملنے پر مصر ہیں۔''

''کیا تم پہلے بھی را والوں سے ملتے رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوبرا کا روپ ان ہی کے لیے دھارا گیا تھا'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا'' وہ مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔''

''صبح تک ان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اب وہ اچانک کہاں سے نازل ہوگئے!'' میں نے برہمی سے سوال کیا۔ اس غیر متوقع خبر نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔'' تم میرے ساتھ کیا چکر چلانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''مجھے ڈر تھا کہ تم یہی کہو گے! میں ان سے الگ تھلگ ہوں۔ میرے ہاتھ صاف ہیں وہ دونوں شہر میں کوئی گڑبڑ کریں گے تو میری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔ میں پہلے سے تمہیں ان کے بارے میں آگاہ کر رہا ہوں۔'' اس کا انداز سراسر مدافعانہ تھا۔

''وہ تم سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟'' چند ثانیوں کے سکون کے دوران میں نے اپنے ابال پر قابو پانے کے بعد پوچھا۔

''وہ خانماں برباد خانہ بدوشوں کے روپ میں تھرپارکر کے علاقے سے سرحد پار کر کے آتے ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔'' ان کے پاس رقم ہوتی ہے نہ ہتھیار یہ سب انہیں کراچی آنے کے بعد ملتا تھا۔ وہ اسی مقصد کے لیے مجھ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔ میرے صاف انکار کے باوجود دو مرتبہ مجھے فون پر تنگ کر چکے ہیں۔''

''حیرت ہے کہ سیتا کانت اور گوپال کے قصے کی دھول بیٹھنے سے پہلے یہ لوگ آپہنچے.....''

''وہ بلیک کیٹس تھے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا'' سیتا ماری گئی تھی' گوپال قیدی بنالیا گیا تھا۔ سنا ہے کہ تمہارے سات آدمیوں کے بدلے انہوں نے گوپال کو واپس لے لیا ہے۔ وہ قصہ ختم ہوگیا اب یہ نئی پارٹی آگئی ہے مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔''

''یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرو۔'' میں نے غصے سے جواب دیا۔

''میری عقل کام کر رہی ہوتی تو تمہیں کیوں فون کرتا۔ اس وقت روئے زمین پر تم میرے اکلوتے ہمدرد رہ گئے ہو آج صبح تم سے بات کرتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم میرے بدخواہ نہیں ہو اسی لیے میں تم کو پوری بات بتا رہا ہوں۔''

''کیا تمہارے پاس کوئی اور متبادل بھی تھا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دس متبادل تھے۔ میری ذات سے بڑے بڑے فائدے اٹھانے والے آج مجھ سے کترا رہے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بھارت سے آنے والوں کے لیے نرم گوشے موجود ہیں۔ میں ایک فون کر کے ان دونوں کو کہیں بھی بھیج دیتا تو ان کے مسئلے حل ہو جاتے لیکن میں نہیں چاہتا کہ دوسرے گڑبڑ کرتے پھریں اور تم میری طرف سے بدگمان ہو جاؤ۔''

''سوبھراج! مجھے گھسنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ گھسنے والی بات نہیں ہے میں یہ بات جانتا ہوں کہ جو شخص مجھے موت کے خطرے سے بروقت آگاہ کر کے بچا سکتا ہے وہ مجھے آسانی سے مار بھی سکتا ہے۔ ایف بی آئی والے اندھیروں میں بھٹکتے رہ جائیں گے لیکن تم میرا کام تمام کر دو گے۔''

'اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو تمہارے تعاون کے بغیر ان کا مشن کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ وہ مسلسل تمہیں تنگ کرتے رہیں گے!'' میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ دہلی سے ان کے کسی بڑے کا فون آجائے۔ ایسے رابطوں کے لیے میں ہمیشہ ان کے کام آیا

کرتا تھا۔'' باتوں باتوں میں وہ را کے طریقہ کار پر روشنی ڈال رہا تھا کسی پوچھ گچھ کے نتیجے میں وہ باریک باتیں میرے علم میں نہیں آسکتی تھیں۔
''ان سے ان کا پتا معلوم کرو اور کہہ دو کہ موقع ملنے پر تم خود ان سے ملنے کے لیے پہنچو گے۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری مشکل آسان ہو جائے۔''
''کیا تم انہیں مار دو گے؟'' سوبھراج نے بے ساختہ پوچھا۔
''میں نے یہ نہیں کہا۔ ویسے ضرورت ہوئی تو یہ کام بھی کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے وطن کے معاملے میں بہت حساس ہوں' یہاں کے امن و امان کی شرط پر میں نے تم کو چھوٹ دی ہوئی ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ قیدیوں کے تبادلے کے بعد یہاں آنے والے غیر ملکی خون کی ہولی کھیلیں اور اطمینان سے واپس چلے جائیں۔''
''تم نے گول مول جواب دیا ہے کھل کر نہیں بتایا کہ تم ان کے ساتھ کیا کرو گے۔''
''انہیں بھگانے کی کوشش کروں گا۔ وہ نہ بھاگے تو پھر مارے جائیں گے۔''
''نہیں ڈینی......رہنے دو۔'' وہ میرے بیان سے ڈر گیا ''میں خود ان سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تمہارے تیور مجھے اچھے نظر نہیں آرہے۔''
میں ہلکی سی بھیانک آواز میں ہنس پڑا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام ڈینی ہے میں ہر ایک پر اتنا مہربان نہیں ہوسکتا جتنا تم پر ہوں۔ راوالوں کے بارے میں مجھ سے مشورہ کر کے تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ان کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ تمہیں ان کا پتا معلوم کر کے مجھے بتانا ہوگا یہ میرے ساتھ تمہارے خلوص کا امتحان ہے۔ میں تمہارے کئی امتحانوں میں پورا اتر چکا ہوں اب تمہاری باری ہے یہ کام آج ہی ہو جانا چاہیے۔''
''تم بہت سخت آدمی ہوں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز آئی۔
''باتوں میں نہ بہلاؤ' مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔'' میں نے ٹہلتے ہوئے کہا۔
''میرے پاس ان کا فون نمبر نہیں ہے ان کی جیبیں خالی ہیں۔ پتا نہیں وہ کہاں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کے فون کا انتظار کرنا ہوگا وہ رابطہ کریں گے تو میں کچھ پوچھ سکوں گا۔''
اس کے لہجے سے سچائی کی بو آرہی تھی میں نے سخت لہجے میں کہا ''تمہارا یہ عذر میرے دل کو نہیں لگ رہا مگر میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں وہ زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ کل تک ان کا فون آجانا چاہیے۔ دشمن کی سرزمین پر آنے والے سیکرٹ ایجنٹ بلاوجہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ جلد از جلد اپنا مشن پورا کر کے واپس جانا چاہیں گے۔''
''ٹھیک ہے پہلے میں نے تمہاری بات پر کان نہیں دھرے تھے لیکن اب مجھے رہ رہ کر تمہاری بات یاد آرہی ہے۔ ایف بی آئی اور را میرے گلے کی چھچھوندر بن گئی ہیں' ان کی طرف سے فون آنے میں دیر ہوسکتی ہے میں تاخیر نہیں کروں گا۔''
''یہ تمہارا وعدہ تھا کہ تم ان دونوں کا ساتھ چھوڑ دو گے۔ میرے اور تمہارے سمجھوتے کی یہ اکلوتی شرط تھی اور تم نے ان دونوں کو سنبھالنے کی ذمے داری لی تھی۔''
''ذمے داری لیتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کتنا مشکل کام ثابت ہوگا۔ ہر جگہ مافیاؤں کا راج ہے ان میں گھسنا اتنا مشکل نہیں ہوتا لیکن واپسی بہت مشکل یا شاید ناممکن ہوتی ہے۔''
''یہ سب دیکھنا تمہارا کام ہے۔'' میں نے بے رخی سے جواب دیا ''مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے یہ یاد رکھنا کہ ہم دونوں بہت دیر میں ایک دوسرے کو سمجھ پائے ہیں' تمہاری ذرا سی لغزش سے یہ مفاہمت خاک میں مل سکتی ہے۔''
''تم بے فکر رہو' میں نے اپنی زندگی کی پہلی اور سب سے بڑی ٹھوکر کھائی ہے میری طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ یہ مفاہمت دن بدن بڑھتی رہے گی ہو سکے تو مجھے ایک بات اور بتا دو۔ میرے پاس اخبارات اور ٹیلی وژن کے سوا خبروں کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب یہ ذرائع بھی آسانی سے دستیاب نہ ہوں' نک کی موت کے بعد اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''
''بری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں' خوف زدہ ہیں اور چپ سادھ کر بیٹھ گئے ہیں۔'' میں نے اس کو خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا ''تمہاری کارروائی نے ان کے حوصلے توڑ کر رکھ دیے ہیں۔''

''اس کی جگہ کون کام کررہا ہے؟'' سوبھراج نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم!'' میں نے اس پر لاعلمی کا اظہار مناسب سمجھا۔

''کہا جاتا ہے کہ تم ایجنسیوں کے آدمی ہو۔ تمہیں ملک بھر کے واقعات کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس معاملے میں تم اتنے بے خبر کیوں ہو۔''

''یہ ان کے اندر کے معاملات ہیں جب تک کوئی کھل کر میدان میں نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ نک کا جانشین کون ہے۔'' میں نے کہا ''اس کی جگہ کوئی بھی ہو' تم کو اس سے کیا لینا ہے۔''

''ان سے میری ٹھن گئی ہے' یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے۔'' وہ مجھ پر واقعی پوری طرح اعتبار کر بیٹھا تھا اور اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا' وہ بولتا رہا ''انہوں نے غدار قرار دے کر میری موت کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔ نک کی موت سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی جگہ آنے والا بھی اسی کی طرح میرے لہو کا پیاسا ہو گا خود کو بچائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میں آنے والوں کو مارتا رہوں۔''

''اس وقت تم پر برا وقت آیا ہوا ہے' تم کسی کو کیا مارو گے!''

''یہ نہ کہو' پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی کاٹ لیتی ہے تو اس کے پھیلائے ہوئے زہر سے آدمی جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ میرے لیے کسی کو مروانا اب بھی زیادہ مشکل نہیں ہیں۔ بس نام سامنے ہونا چاہیئے۔''

''مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے آدمیوں کے حوصلے دیکھ چکا ہوں۔ وہ جہانگیر کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے۔''

''اپنی بات چھوڑ دو' ہر دشمن ڈینی نہیں ہوتا۔''

وہ خیال برا نہیں تھا' میں خود بھی ان لوگوں کو ہراساں کرنے کی فکر میں تھا اس ضمن میں اگر سوبھراج سے کوئی مدد مل سکتی تھی تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی۔

''تمہیں اتنا زعم ہے تو نک کے جانشین کا نام بھی سن لو۔ اسے گیری ہارٹ کہا جاتا ہے وہ امریکی دفتر خارجہ کا ملازم ہے اور اب نک کی جگہ کام کررہا ہے۔''

''یہ نام تم پہلے بھی بتا سکتے تھے!'' اس نے شکوہ کیا۔

''مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم اس سے معافی کی درخواست کرو گے۔''

''اسے بھول جاؤ۔ ایف بی آئی کے بڑوں کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں' وہ نوکریاں چھوڑ دیتے ہیں اپنے فیصلے نہیں بدلتے۔ وہ بھول کر بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔''

''کیا نک نے تمہیں تمہارے مقدر کے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ دغا باز لوگ ایسے فیصلوں سے آگاہ نہیں کرتے۔ گھیر کر دھوکے سے مارتے ہیں اگر تم نے بار بار میری مدد نہ کی ہوتی تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ بات آج صبح میری سمجھ میں آئی ہے۔'' اس نے خیال انگیز آواز میں جواب دیا۔

''تم نک کے خون کا الزام اپنے سر لے چکے ہو۔ تم کامیاب ہو جاتے ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ گیری بھی تمہارا نشانہ بنا ہے۔'' میں نے دور کی بات سوچتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

اسے ورغلانے میں وہ احتیاط ضروری تھی تا کہ اس خون کا الزام کسی اور کے سر پر تھوپ کر پاکستان کو بدنام نہ کیا جا سکے۔

ویسے وہ لوگ انتہائی درجے کے بدنیت تھے۔ سوبھراج کے اخباری اعلان کے باوجود اصرار کرتے رہے تھے کہ نک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن سوبھراج کے اعتراف کی وجہ سے ان کی الزام تراشی زیادہ زور نہیں پکڑ سکی تھی۔

''تم بے فکر رہو' میں اپنا کریڈٹ کسی اور کو نہیں جانے دوں گا کچھ دنوں بعد وہ میرے نام سے بھی اسی طرح کانپنے لگیں گے جیسے تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔''

''وہ مجھ سے نہیں' میری سفاکی سے ڈرتے ہیں!'' میں نے کہا۔

''تمہاری سفاکی نے مجھے بھی خوف زدہ کر دیا تھا' تم سے الجھ کر میں نے کئی آدمی کھوئے ہیں ان میں شیر دل مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا تم نے اسے مار کر اچھا نہیں کیا۔''

''اس وقت میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ لڑائی میں زیادہ سے زیادہ کاری زخم لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تم سامنے ہوتے تو شیر دل سے پہلے تمہاری باری آجاتی۔''

''اب یہ باتیں ختم کر دو' میں تمہاری دوستی کا خواہاں ہوں۔''

''تمہاری خواہش سے پہلے ہی میں تمہیں اتنی ڈھیل دیتا

رہا ہوں جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔'' میں نے ذہن میں ایک نیا خیال آتے ہی بات کا رخ بدل دیا۔

''میں سب جانتا ہوں' تم نے کم از کم دو مواقع پر مجھے نک سے بچایا ہے۔''

''شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کل بھی میں نے تمہیں چھوڑا ہے!''

''کل کہاں چھوٹ ملی' پچھلی رات میرے لیے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔''

''مدن لال کے گھر پر آنے والے دوسرے لوگ تھے' میں آتا تو تم بچ نہیں سکتے تھے۔''

''کیا تمہیں میری پناہ گاہ کا سراغ مل گیا تھا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے سب معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں تک پتا چل گیا تھا کہ تم نے شیر دل کی بیوہ کو ایک بڑی رقم بھجوائی ہے تاکہ جرائم کی منڈی میں تمہاری ساکھ خراب نہ ہو۔''

''یہ تمہیں کس نے بتادیا؟'' اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''میں دوسروں سے الگ رہ کر اپنی راہ بناتا ہوں۔ اس عورت سے نرمل کمار کا فون نمبر ملا اس کے ذریعے مدن لال میرے سامنے تھا۔ میں جب چاہتا اس کے گھر میں گھس کر تمہاری گردن ناپ سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ تم کو تمہارے حال پر چھوڑ دیا' یہ اور بات ہے کہ سنیل کو اٹھانے والوں نے صبر نہیں کیا اور وہاں چڑھ دوڑے۔''

میں نے وہ باتیں سوچ سمجھ کر دہرائی تھیں۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی ذریعے سے مسز شیر دل سے رابطہ کر کے میری باتوں کی تصدیق کرتا۔ ویسے بھی وہ حقائق تھے صرف ویرا اور عورت فاؤنڈیشن کا ذکر غائب تھا۔ اس گفتگو کے ذریعے میں سوبھراج کے یقین کو پختہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس حد تک اسے اپنے اعتماد میں لے لوں کہ وہ سامنے آنے پر آمادہ ہو جائے۔

اس سے لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی۔ اس سے کھٹی میٹھی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن اس خبیث سے میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی!

''تم یہ سب کرتے پھر رہے تھے۔ میرے خلاف مواد اکٹھا کر رہے تھے پھر ڈھیل کیوں دے رہے تھے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔''

''مجھے تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ تم میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہو اور کسی بھی وقت بھڑک کر تصادم پر تل سکتے ہو اس لیے تمہاری حرکتوں کا ٹریک رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ میری محفوظ چالیں تھیں مگر میں اپنے وعدے پر قائم تھا۔ جب تک تمہاری طرف سے وعدہ خلافی نہ ہوتی میں تم کو تمہارے حال پر چھوڑنے کا پابند تھا۔''

''اسی وجہ سے تم نے مدن لال کے گھر کا رخ نہیں کیا؟''

''رخ کیا تھا مگر باہر سے گھر کا جائزہ لے کر لوٹ آیا۔''

''یہ سب سنا کر تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں بھارت سے آئے ہوئے دونوں بدنصیب ایجنٹوں کے بارے میں تمہیں بتادوں۔'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''وہ آج کی رات صدر کے نیو خان نامی سستے سے ہوٹل میں گزاریں گے۔''

''کچھ دیر پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں ان کے ٹھکانے کا علم نہیں ہے۔'' میں نے اپنے فوری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''میں تمہاری طرح سنگ دل نہیں ہوں' سوچنے کے لیے وقت لینا چاہ رہا تھا!''

''اب ان کا پتا کیوں بتادیا؟'' وہ سوال کرتے ہوئے میری کھوپڑی سلگ رہی تھی۔

میں تمہاری دیانت کا قائل ہو چکا ہوں۔''

''کچھ دیر پہلے تم روئے زمین پر مجھے اپنا اکلوتا ہمدرد قرار دے رہے تھے' کیا وہ ڈھکوسلا تھا؟'' اس بار میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی تلخی آگئی۔

''تم میرے ہمدرد تھے لیکن را کے ایجنٹوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے تھے۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔ ''اب میں سمجھ چکا ہوں کہ میرے زندہ رہنے کے لیے ان دونوں کی بھینٹ ضروری ہو گئی ہے۔ تم جو چاہو کہتے رہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم ان کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔''

میں اسے باتوں کے داؤ پیچ میں الجھا رہا تھا تو وہ بھی مجھ سے کم نہیں تھا' اس کا نام سوبھراج تھا' چالاک آدمی کی طرح وہ ایک وقت میں اپنے سارے گھر کھیل جانے کا عادی نہیں تھا۔ رک رک کر اور سنبھل سنبھل کر مجھ سے کھل رہا تھا۔ ان باتوں پر اس سے الجھنا بے سود تھا۔ وہ ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا میری کسی بھی بات سے اچٹ جاتا تو میری وہ

ساری محنت پل بھر میں برباد ہوسکتی تھی۔

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو۔ میں اتنا کٹھور انسان نہیں ہوں۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ ''انسانوں کو گاجر مولی کی طرح نہیں کاٹا جاسکتا۔ ان کے بارے میں دیکھ بھال کر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''

''مجھے رہ رہ کر تمہاری باتوں سے خوف آرہا ہے تم میری شہ رگ سے بہت قریب رہ رہے ہو۔ اگر تم نے شیر دل کی بیوہ کو بھیجی جانے والے رقم کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے اب بھی تمہاری باتوں پر اعتبار کرنا مشکل ہوتا۔''

''آگ سے کھیلنے والے انگاروں سے نہیں ڈرا کرتے' اپنا دل بڑا کرو۔'' میں نے مربیانہ لہجے میں کہا ''مجھ سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ...... ہاں' اب ان دونوں کے نام بھی بتادو۔''

''حسن اور زکی ان دونوں کے نام ہیں۔'' میرے بے ساختہ سوال پر اسے سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''وہ صرف نام کے مسلمان ہیں یا دوسرا کام بھی کرا کے آئے ہیں۔''

وہ میری بات سمجھ کر ہنس پڑا اور بولا ''پاکستان آنے والوں کے لیے ختنہ لازمی ہوتی ہے۔ ویسے بھی آج کل ایڈز سے بچاؤ کے لیے دنیا بھر میں اس کا رواج ہوگیا ہے' ان دونوں کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا روٹین کے مطابق ہر کام مکمل ہونا چاہیے۔''

سیتا اور گوپال کے بعد وہ نئی جوڑی تھی جسے دہلی والوں نے آنکھیں بند کر سوئے مقتل ہانک دیا تھا۔ وہ آکر ہوٹل میں ٹھہرے ہی تھے اور سوبھراج میرے ساتھ ان کا سودا طے کر چکا تھا۔ وہ آنے والے برے وقت سے بالکل بے خبر تھے!

سوبھراج سے میری گفتگو خاصی طویل ہوچکی تھی لیکن نظریہ ضرورت کے تحت وہ جائز بلکہ ناگزیر تھی۔ میں مر کر بھی اس پر بھروسا نہیں کرسکتا تھا لیکن مجھے گمان تھا کہ میں اپنی باتوں اور یقین دہانیوں سے اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ را کے دونو وار دایجنٹوں کے نام اور پتے میرے علم میں آچکے تھے۔

چند ثانیوں بعد میں نے وہ سلسلہ منقطع کردیا۔

''تم اپنے دشمنوں کے ساتھ اتنی مغز زنی کرتے ہو۔ کیا تمہیں کوفت نہیں ہوتی؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ کئی منٹ پہلے وہاں آچکی تھی۔

''ان باتوں سے عقل رواں ہوتی ہے......''

''میری عقل رواں ہونے سے پہلے روانہ ہوگئی ہوتی۔'' وہ میری بات کاٹ کے بولی'' تم اتنی تیزی کے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہے تھے کہ میں حیران رہ گئی۔''

''میں نے کیا جھوٹ بولا؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

''تم نے کون سی چھوٹ دی ہوئی ہے'' ویرا نے پلٹ کر سوال کرڈالا۔

''وہ اب تک زندہ ہے یہ سب سے بڑی چھوٹ ہے۔''

''تمہیں اس کا سراغ ہی نہیں مل رہا تو تم اسے کیا چھوٹ دو گے۔ پچھلی رات بلکہ آج صبح جلال کا فون آنے تک تمہارے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ نرمل کہاں رہتا ہے' تم بلاوجہ اس سے اتنی لمبی چوڑی باتیں کررہے تھے۔''

''ان باتوں کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹوں کا سراغ ملا ہے۔'' میں نے اس کے چڑچڑے پن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''کھانے کے بعد ان پر کام شروع کردیا جائے گا۔''

''یہ سوبھراج کا کوئی نیا فریب بھی ہوسکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم وہاں پہنچو اور کسی طرف سے آنے والی گولی تمہاری خوبصورت کھوپڑی میں ہوادان ایجاد کردے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' میں نے وثوق سے کہا ''میں جھوٹ اور سچ میں اتنی تمیز کرسکتا ہوں۔'' ویرا کو وہ جواب دیتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ایجنٹوں کے پتے ٹھکانے سے لاعلمی ظاہر کر کے سوبھراج نے ایک مرتبہ مجھے فریب دے دیا تھا۔ اس وقت مجھے اپنی دانست میں اس کے لہجے سے سچائی کی بو آرہی تھی اور میں نے اس کی بات پر یقین کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر اس نے خود ساری تفصیل اگلی تو میں اپنے غلط اندازے پر خفت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اور کیا بتایا ہے تمہارے چہیتے نے ان کے بارے میں؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میرے ہوتے ہوئے کس چہیتے کی باتیں ہورہی ہیں یہاں؟'' سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہانک لگائی۔

''ابھی ابھی ڈیئی کا ایک نیا چہیتا پیدا ہوا ہے جس کا نام

سوبھراج ہے۔" ویرا نے شوخ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔
"میری معلومات کے مطابق وہ چالیس پینتالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔" سلطان شاہ نے اپنی ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے انکشاف کیا۔
"اس وقت یا شاید کچھ دیر بعد صدر کے نیو خان ہوٹل میں را کے دو ایجنٹ موجود ہوں گے۔" میں نے ویرا کو نظر انداز کر کے سلطان شاہ کو بتانا شروع کر دیا۔ "ان کے نام حسن اور ذکی ہیں وہ بھارت سے تازہ وارد ہوئے ہیں۔ سوبھراج کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ رقم اور ہتھیاروں کی جستجو میں ہیں، ہمیں ان کو دیکھنا ہے۔"
"نیو خان ہوٹل!" سلطان شاہ چٹکی بجا کر بولا "وہ تو میرے گاؤں والے آدمی کا ہے۔ میں ابھی پتا کر لیتا ہوں کہ اس نام کے آدمی وہاں ہیں یا نہیں۔"
"ویری گڈ، اب کام آسان ہو جائے گا۔" میرے لیے وہ اطلاع دل خوش کن تھی۔
"سوبھراج کی باتوں میں آ کر انہیں نہتا نہ سمجھ لینا۔" ویرا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"سیکرٹ ایجنٹ کبھی نہتا نہیں ہوتا۔ چند شعبدے ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے اطمینان دلایا۔ اس طرح وہ کنگال بھی نہیں ہوں گے۔ کراچی میں مخیر لوگوں کی کمی نہیں ہے انہوں نے مانگ تانگ کر اپنی ضرورت سے زیادہ رقم بٹور لی ہوگی، پرائے ملک کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی گزارے کے لیے بھیک بھی مانگ لے تو کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔"
"جعل سازوں کے ہتھے چڑھنے والے بعض تارکین وطن روزگار نہ ملنے کی صورت میں اس فارمولے پر عمل کرتے ہیں اور پھر اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔ "وطن واپس لوٹتے ہیں تو اپنی شاندار ملازمت کی کہانیاں سناتے ہیں۔"
"تم اس تجربے سے کب گزر رہے ہو؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"فکر نہ کرو، دونوں ساتھ چلیں گے میں اندھا بن جاؤں گا تم گوری ہو، آسانی سے کوڑھی بن سکتی ہو۔" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"لعنت ہے تم پر..... کیسی غلیظ باتیں کرتے ہو۔" ویرا پھریری لے کر بلبلا اٹھی۔

"جاؤ!" میں نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا "نیو خان ہوٹل کا نمبر دیکھو اور فون کرو۔ ان دونوں کو بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ ان کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔"
"تم فکر نہ کرو، وہ وہاں ہیں تو ان کا آملیٹ بن جائے گا۔"
وہ بائیں آنکھ دبا کر ہنستا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
ہوٹل کا نمبر سلطان شاہ کی ڈائری میں محفوظ تھا۔ وہ چند ثانیوں میں ڈائری لے کر لوٹ آیا۔ ہوٹل کا نمبر ملتے ہی اس نے چہک چہک کر گاڑھی پشتو میں باتیں شروع کر دی۔ شاید فون اس کے جاننے والے نے ہی اٹھایا تھا۔
اس گفتگو کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ ویرا غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔
سلطان شاہ کو احساس تھا کہ دو افراد اس گفتگو کا نتیجہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ اس نے محض دس منٹ کی قلیل سی مدت میں اپنی وہ بے تکلفانہ گفتگو ختم کر دی جس کے دوران میں اس کے زندگی سے بھرپور قہقہے بھی کمرے میں گونجتے رہے تھے۔
"وہ دونوں اسی ہوٹل میں ہیں لیکن اس وقت کہیں گئے ہوئے ہیں۔" اس نے ریسیور رکھتے ہی مسرت آمیز آواز میں اعلان کیا۔
"ویری گڈ..... اب ہم پوری تیاری کے ساتھ وہاں جائیں گے۔" اسے وہ جواب دے کر میں ویرا کی طرف گھوما تو حیران رہ گیا وہ تیز نگاہوں سے مسلسل سلطان شاہ کو گھورے جا رہی تھی۔
"گھنّے!" سلطان شاہ نے نگاہیں چار ہوتے ہیں وہ زہریلے لہجے میں بولی "تم ہر وقت بنتے رہتے ہو، اب پتا چلا کہ تم اندر سے کتنے گہرے ہو۔ اپنے دوست سے باتیں کرتے ہوئے تم یہ بات فراموش کر بیٹھے تھے کہ میں پشتو سے خوب واقف ہوں۔ مومن خان سے شی کے لیے ہیروئن کے سارے سودے میں ہی طے کرتی تھی۔"
ویرا کے وہ الفاظ سنتے ہی سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا، ہونٹوں کے گوشے کانپنے لگے اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ وہ ویرا سے نظریں چرا رہا تھا۔ وہ اس کیفیت میں بس چند لمحوں کے لیے وہاں رکا پھر سخت ندامت کے عالم میں سر جھکا کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

''یہ کیا باتیں کر رہا تھا اس سے؟'' میں نے حیران ہو کر ویرا سے پوچھا ''اچانک شرمندہ ہو کر یہاں سے کیوں بھاگا ہے۔''

''پشتو سیکھ لیتے تو یہ نازک اسباب تمہارے علم میں بھی آجاتے۔'' ویرا نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ ''اب وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملائے گا۔''

''یعنی تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی؟'' میں نے شکایت کی۔

''نہیں!'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''یہ میری اور اس کی بات ہے۔ وہ واقعی بھول گیا تھا کہ میں پشتو جانتی ہوں۔''

''پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ موضوع کیا تھا!'' میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا۔

''یہ دو مردوں کی باتیں تھیں۔ دونوں ہی کڑک پٹھان ہیں اور تجرد کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ اس کا دوست شاید رنگین مزاج ہے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان کے درمیان کیسی کھلی کھلی باتیں ہو رہی ہوں گی۔''

''شرم کی بات ہے۔'' میں نے اسے لتاڑا۔ ''تم کو ابتدا ہی میں پشتو میں اسے ٹوک دینا چاہیے تھا تاکہ وہ وہیں محتاط ہو جاتا۔''

''میں کیوں ٹوکتی۔'' اس نے اپنی آنکھیں مٹکائیں ''مجھے اس کی زبان سے وہ باتیں سن کر جہاں حیرت ہو رہی تھی وہاں مزہ بھی آرہا تھا یہ گھر میں ہر وقت بنا رہتا ہے اندر سے اتنا سیدھا نہیں تھا۔''

''اب اپنی زبان بند رکھو ورنہ وہ کئی دنوں تک میرے سامنے بھی نہیں آئے گا۔'' میں نے نیچی آواز میں سختی سے کہا۔

''ہائے!'' وہ آنکھ مار کر بولی ''جیسے وہ خان زادہ نہیں کوئی چلبلی دوشیزہ ہو...... تم کو کیسا جوش آرہا ہے اس کی حمایت میں، کبھی میرے بارے میں بھی اتنی ہمدردی سے سوچ لیا کرو۔''

''اچھا' اٹھو اور اب اپنے کمرے میں جاؤ' اسے نہ چھیڑنا۔'' میں نے خفگی سے کہا ''مجھے اس کے ساتھ بیٹھ کر ہوٹل کا پروگرام طے کرنا ہے۔''

''تم راوالوں سے نمٹ لو پھر دیکھنا کہ میں اس کی زندگی کیسے اجیرن کرتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے ایک ادا سے بولی ''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا کیا بک رہا تھا۔''

''ہاں' ہاں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے ساری دنیا کے بے تکلف مرد آپس میں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا ''تم نے اس کے ساتھ جو حرکت کی ہے وہ تمہیں ذرا بھی زیب نہیں دیتی۔''

وہ میری طرف ہاتھ لہرا کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

میں نے ابرار کے ذریعے سلطان شاہ کو بلانے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ اسے خاص طور پر بلانے سے بہتر تھا کہ کھانے کی میز پر سب کے یکجا ہونے کا انتظار کر لیا جائے۔ معمول کے مطابق جمع ہونے کی صورت میں سلطان شاہ کو زیادہ ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور جمود غیر محسوس طریقے پر ختم ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

ویسے تو صدر... شہر کا ایک مشہور اور قدیم علاقہ ہے جس کا ہر حصہ صدر کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن تھوڑے سے مشاہدے کے بعد اسے آسانی سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں سرفہرست زیب النسا اسٹریٹ اور اس سے ملحقہ گلیوں کا نام رہے گا جہاں لدی پھندی دکانوں میں قدم رکھتے ہوئے عام خریدار گھبراتا ہے۔ ان دکانوں کے بارے میں تاثر عام ہے کہ ان مہنگی دکانوں میں خریداری صرف امرا کے بس کی بات ہے' عام آدمی قمیص کی خریداری کا ارادہ کر کے ایسی کسی دکان میں چلا جائے تو ان داموں میں ایک بنیان خرید کر باہر آجائے گا۔

بوہری بازار' فریئر روڈ' زینب مارکیٹ وغیرہ عوامی خریداری کے علاقے ہیں۔ جہاں ہر شخص بے خوف و خطر کسی بھی دکان میں گھس کر آزادی سے مول تول کر سکتا ہے۔ سودا نہ بنے تو کسی خریداری کے بغیر باہر آنے میں بھی سبکی نہیں ہوتی۔

تیسرا علاقہ ایمپریس مارکیٹ اور اس کے سامنے والی سڑکوں پر مشتمل ہے۔ یہ صدر کا سب سے سستا علاقہ ہے جہاں شہر کے مضافات سے آنے جانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ نیو خان ہوٹل ایسی ایک سڑک پر قدرے آگے جا کر واقع تھا۔

اس کے محل وقوع سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ شہر کے قلب صدر میں واقع ہونے کے باوجود نیو خان ہوٹل بہت سستا ہوگا۔

گھر چھوڑنے سے پہلے ہم نے دونوں ایجنٹوں کو زیر کرنے کے بارے میں دل کھول کر بحث کی تھی۔ اس دوران

میں صحیح اندازے قائم کرنے کے لیے سلطان شاہ کو فون پر ایک بار پھر اپنے دوست سے رجوع کرنا پڑا تھا۔ اس بار وہ گفتگو میں بہت محتاط رہا تھا۔

حسن اور ذکی کے ناموں سے ٹھہرے ہوئے راوالوں پر ہاتھ ڈالنے کے دو ہی طریقے تھے انہیں نیو خان ہوٹل سے طاقت کے زور پر اٹھالیا جاتا یا پھر بہلا پھسلا کر وہاں سے نکال لیا جاتا۔

ہوٹل والے کو سلطان شاہ نے یہ بتادیا تھا کہ وہ دونوں آدمی مشتبہ اور قانون شکن تھے جن کو پولیس کے بجائے ایک ایجنسی اس کے تعاون سے اٹھانا چاہتی تھی۔

ہوٹل والے کی رائے تھی کہ وہ دونوں بہت صحت منداور چاق و چوبند تھے۔ ہر وقت بھرے رہنے والے ہوٹل میں ان پر زبردستی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اگر فائرنگ وغیرہ کی نوبت آجاتی تو وہاں خاصا جانی نقصان ہوسکتا تھا جو ہوٹل کی ساکھ کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا۔

اس مشورے کے بعد ایک ہی راہ باقی رہ جاتی تھی کہ انہیں کسی طرح دھوکا دے کر پھانسنے کی کوشش کی جائے۔

میرے ذہن میں تیسری اور آسان ترین تجویز نے سر ابھارا تھا۔ اگر ہوٹل کا عملہ ان دونوں کو چائے' پانی یا کسی اور مشروب میں کوئی خواب آور دوا ملا کر دے دیتا تو سارے مرحلے ہماری توقع سے زیادہ آسانی سے نمٹ سکتے تھے لیکن ہوٹل کی ساکھ کا ذکر سننے کے بعد میں نے اس تجویز کو اپنی زبان پر لانا بھی پسند نہیں کیا۔ ہوٹل والا اسے ہرگز قبول نہ کرتا۔

وہ کراچی کا بہت پرانا ہوٹل تھا اور خوب چلتا تھا' ہوٹل کا مالک سلطان شاہ سے دوستی کی خاطر اپنے چلتے ہوئے کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ان دونوں کو خواب آور دوا دے کر بے ہوش کیا جاتا یا انہیں پکڑنے کے لیے وہاں ہنگامہ آرائی کی جاتی۔ دونوں صورتیں ہوٹل والے کے مفاد میں نہیں تھیں۔ اس کی یہی مہربانی کافی تھی کہ اس نے ہمیں ان کے بارے میں کچھ اہم معلومات فراہم کردی تھیں۔

آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ان دونوں کو دھوکے سے گھیرنا سب سے بہتر تھا۔ ہمارا طریقہ ناکام رہتا تب بھی ہم انہیں اتنے قریب سے دیکھ لیتے کہ اگلی بار انہیں دور سے پہچان لیا جاتا' بعد میں پیچھا کرکے انہیں گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

میری گاڑی اسٹیشن فور کے دھماکے میں تباہ ہوچکی تھی اول خان کی ذاتی گاڑی میرے استعمال میں تھی۔ میں نے اسے ایمپریس مارکیٹ کی بغلی سڑک پر پارک کردیا تھا۔

را کے دو خرانٹ ایجنٹوں کو پکڑنے کے لیے شروع کی جانے والی وہ مہم مجھے عجیب سی محسوس ہورہی تھی۔ ان کے بارے میں سوبھراج کی مخبری نے اس کام کو بظاہر بہت آسان بنادیا تھا۔ رہی سہی کسر سلطان شاہ کے دوست نے پوری کردی تھی اس کے باوجود میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ جب تک وہ دونوں ہاتھ نہ آجاتے اطمینان نہیں ہوسکتا تھا۔

کسی نے مجھ سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کامیابی کی صورت میں' میں قیدیوں کو کہاں لے جاؤں گا لیکن وہ پہلو میری نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔

اسٹیشن فور کا تکنیکی تعطل بدستور جاری تھا' ادھر کارخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسرا ٹھکانا صدف مینشن تھا' را کے ایجنٹوں کے لیے وہی سب سے بہتر منزل تھی۔

مجھے توقع تھی کہ جلال کی کراچی آمد کے بعد مجھے صدف مینشن میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں آسانی کے ساتھ باز پرس کے سارے مراحل میں شریک رہ سکوں گا۔

ہم نیو خان ہوٹل پہنچے تو وہاں بیرونی ہال میں پڑی ہوئی ساری میزیں اور کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ فضا لوگوں کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ہم دونوں کرسیوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھے تو وہاں کیش پر بیٹھے ہوئے سرخ و سفید شخص نے رسمی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔

پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس نے سلطان شاہ کے لیے کسی خاص گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''دونوں اندر ہیں۔'' اس نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے رقم وصول کرنے کے بعد دھیرے سے کہا۔ ''کیا انہیں پیغام بھجواؤں؟''

سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی' اس نے اشارے سے ایک ویٹر کو اپنے پاس بلایا۔ اس کے کندھے پر صافی اور ہاتھ میں پانی کے کئی گلاس دبے ہوئے تھے۔ ہوٹل والے نے اسے ہدایت دے کر اندر بھیج دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آیا' ہمیں اندر بلایا جا رہا تھا۔
ہوٹل کے مالک کو اشارہ کر کے سلطان شاہ نے ویٹر سے ایک مرتبہ پھر ان دونوں کی موجودگی کے بارے میں تصدیق چاہی۔ اس نے بتایا کہ دونوں تین نمبر کمرے میں موجود تھے۔

ہم ویٹر کی رہنمائی میں اندر چل دیے۔ کچن کے برابر والی راہداری سے نکل کر ہم ہوٹل کے رہائشی حصے میں داخل ہو گئے۔

نیو خان ہوٹل صرف گراؤنڈ فلور پر واقع تھا اور خاصے وسیع رقبے پر مشتمل تھا۔ عقبی حصے میں پارٹیشن کھڑے کر کے چھوٹے چھوٹے رہائشی کمرے بنا دیے گئے تھے جو سستے کرائے کے متلاشی گاہکوں کے لیے اس علاقے میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھے۔

ویٹر نے اشارے سے تین نمبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بڑھ کر دروازہ پر دستک دی اور اندر سے جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ میرے اندر گھسنے کے بعد وہیں سے آجاؤ کی آواز ابھری تھی لیکن اندر قدم رکھتے ہی میرے قدم ٹھٹک کر رہ گئے۔

کمرے میں بستروں سمیت دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں ان کے درمیان بمشکل تین فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔

ان میں سے ایک چارپائی خالی پڑی تھی' دوسری پر کسرتی جسم والا ایک تنومند اور چالاک آدمی بیٹھا سپاٹ نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

ویٹر نے اس نام نہاد کمرے میں دو افراد کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی ان میں سے ایک باہر کھسک گیا تھا۔ وہ ان دونوں کی چالاکی اور ہوشیاری کی پہلی دلیل تھی۔

''تمہارا نام ذکی ہے؟'' میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے دھیمے' رازدارانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''وہ باہر گیا ہوا ہے میرا نام حسن ہے۔'' اس نے ڈھیلے انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا پھر پوچھا ''تم کون ہو؟''

اس دوران میں اس کی نگاہیں سر سے پیر تک میرا جائزہ لیتی رہی تھیں مجھے اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں اپنے بدن میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''ہم دوست ہیں' تمہیں لینے آئے ہیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کھڑے کھڑے' اسی نیچی آواز میں کہا۔
اس اثنا میں اس نے سلطان شاہ سے بھی ہاتھ ملا لیا تھا مگر اس کی نظریں مسلسل مجھے ٹٹولے جا رہی تھیں۔

میرا جواب بہت مبہم اور ناکافی تھا۔ وہ پرائی زمین پر بیٹھا ہوا تھا میرا جواب سن کر اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ اس نے نیچی آواز میں پوچھا ''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

میرے ذہن میں صرف کوبرا کا نام چکرا رہا تھا لیکن ان میں سے ایک کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ ہم جس راستے سے اندر آئے تھے ادھر سے کسی کو باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا' وہ نظر آتا تو ویٹر اسے راستے میں ہی پہچان لیتا مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ ہوٹل کے وسیع گراؤنڈ فلور سے نکاس کا کوئی متبادل راستہ بھی موجود تھا یا دوسرا شخص کسی غسل خانے وغیرہ میں جا چھپا تھا۔

جب تک وہ دونوں ہمارے سامنے نہ آجاتے' کوبرا کا نام لینا مناسب نہیں تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ دوسرا آدمی آسانی سے اندر لوٹ آئے گا۔

''ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے ذکی کو آنے دو پھر میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں چارپائی کے سرے پر ٹک گیا۔

اس بار بھی حسن نے کسی الجھن یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا' اطمینان سے بولا ''وہ غیر ذمے دار ہے پان والے کے پاس بیٹھ گیا ہوگا' تم یہیں رکو میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔''

ذکی نے وہ تجویز اتنے فطری انداز میں پیش کی تھی کہ میں اس سے اختلاف نہ کر سکا۔ اس نے چارپائی سے ٹانگیں لٹکا کر اپنی جوتیاں ٹٹولیں اور میری ٹانگوں سے پھنستا ہوا آگے نکل گیا۔

ذکی کے یکایک غائب ہونے کے علاوہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی مگر میری چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

جوں ہی حسن دروازے سے نکلا' میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن ذرا بھی نہ گھبرایا اپنی معمول کی رفتار سے چلتا ہوا ہوٹل سے

باہر نکلتا چلا گیا میں چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے تھا۔

ہوٹل سے باہر نکل کر اس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر پوری وقت سے دوڑ لگا دی۔

وہ کھلی ہزیمت تھی' ہاتھ آیا ہوا شکار میری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا جا رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا مگر میں وہ تعاقب برقرار نہ رکھ سکا اچانک کسی نے پیچھے سے اڑنگا لگایا اور میں ہتھیلیوں کے بل سڑک پر گر کر دور تک گھسٹتا چلا گیا' گرتے ہوئے میں بس اتنا دیکھ سکا کہ ایک شخص اپنے کندھے پر کالا بیگ لٹکائے میرے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ہماری اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں سڑک پر بھگدڑ اور افراتفری کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ میں سنبھل کر اٹھا تو دور دور تک حسن کا کوئی پتا تھا نہ کالے بیگ والا نظر آ رہا تھا وہ دونوں کسی گلی میں گھس گئے تھے یا انہوں نے سواری پکڑ لی تھی۔

سلطان شاہ کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ حسن اس انداز میں اپنے کمرے سے نکلا تھا کہ سلطان شاہ رکنے یا اس کے پیچھے آنے کے بارے میں تذبذب میں پڑا رہ گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس علاقے کی مصروف سڑک چکنی تھی جس کے نتیجے میں میری ہتھیلیوں پر گہری خراشیں نہیں آئی تھیں لیکن دونوں گھٹنوں میں خاصا درد ہو رہا تھا۔

نیوخان ہوٹل میں ہر حلیے کے لوگ موجود تھے۔ میں واپس ہال میں داخل ہوا تو کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی میں نے کاؤنٹر پر رک کر سلطان شاہ کو وہیں بلوالیا' وہ میری حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''یہ...... یہ کیا ہوا وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''کس دوسرے کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے بدمزگی سے پوچھا۔

''جسے حسن بلانے گیا تھا۔'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''وہ کسی کو بلانے نہیں گیا تھا باہر پہنچتے ہی بھاگ نکلا کسی نے اڑنگا دے کر مجھے اس کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔ ان کا سامان دیکھنا پڑے گا شاید کوئی سراغ مل جائے۔''

''میں اسی لیے رات کو کرایہ پیشگی لیتا ہوں۔'' کاؤنٹر والے نے فخریہ لہجے میں بتایا ''کیا پتا کون کب بھاگ جائے ان کنگلوں کے پاس ایک کالے بیگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔''

میں نے دل میں ان کے سامان کی بھی فاتحہ پڑھ لی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر ملتے ہی ان میں سے ایک اپنا تھیلا لے کر نکل گیا تھا اور اسی نے مجھے پیچھے سے گرا کر تعاقب سے روکا تھا۔

ویٹر نے کمرا دیکھ کر تصدیق کر دی کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ کچن کا ساز و سامان لانے لے جانے کے لیے ہوٹل کے پچھلے حصے میں بھی ایک چھوٹا دروازہ تھا جسے بعض لوگ آمد و رفت کے لیے استعمال کر لیتے تھے۔

وہ مہم کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت آنے سے پہلے انتہائی خاموشی سے ناکام ہوگئی تھی۔

را کے ایجنٹوں کا آسانی سے ہاتھ آیا ہوا سراغ ضائع ہو چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں نیوخان ہوٹل کے بعد کہاں پڑاؤ ڈالیں گے۔

اس ناکام جدوجہد میں مجھ سے بس ایک عقل مندی سرزد ہوئی تھی کہ میں نے حسن کے سامنے کوبرا کا نام نہیں لیا تھا۔ توقع یہ تھی کہ وہ دونوں فرار ہونے کے بعد پہلی فرصت میں سوبھراج سے رابطہ کر کے اپنے اس تجربے کی رپورٹ دیں گے تو اسے اپنے نئے ٹھکانے کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور بتائیں گے اور مجھے اپنی ابتدائی غلطی کا ازالہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

آثار یہ بتا رہے تھے کہ اس وقت سوبھراج عرف کوبرا پوری طرح میری خیر خواہی کے طلسم میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس سے راوالوں کے بارے میں دوسری مرتبہ بھی کوئی ایسا سراغ ملنے کی امید تھی جس کے سہارے انہیں گھیرا جا سکے۔

''وہ دونوں کون تھے تم ان کی طرف سے بہت پریشان نظر آ رہے ہو؟'' ہوٹل کے مالک نے میری موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے اردو میں پوچھا۔

کاؤنٹر خالی تھا۔ سلطان شاہ نے کہنیوں کے سہارے آگے جھک کر آہستہ سے کہا ''وہ دونوں غیر ملکی ایجنٹ تھے دہشت گردی کے لیے یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں یار!'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''دیکھنے میں دونوں مقامی لگتے تھے۔''

''کوئی اداکاری کرنے پر تل جائے تو بھارتی اور پاکستانی کے درمیان فرق محسوس کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

سلطان شاہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''وہ دوبارہ نظر آئیں تو ان کا دھیان رکھنا بلکہ کسی کو پیچھے لگا کر مجھے بھائی کے موبائل نمبر پر خبر دے دینا۔ وہ دونوں بہت خطرناک آدمی ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ہوٹل والے کو میرے موبائل فون کا نمبر لکھوا دیا۔

''وہ دونوں پکے خنزیر کے تخم ہیں۔'' ہوٹل والے نے نمبر لکھ لینے کے بعد سلطان شاہ سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا ''ایک آدمی ادھر سے نکلا تھا دوسرے کو میں نے جاتے نہیں دیکھا' وہ اپنا بیگ لے کر پیچھے سے نکلا ہوگا......''

''تمہارے پاس ان کے شناختی کارڈ کی نقل ہے؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

گاہکوں کی کاؤنٹر پر آمد و رفت کی وجہ سے ہمیں اس سے بات جاری رکھنے میں خاصی رکاوٹ پیش آ رہی تھی۔ اس مختصر سی گفتگو میں دونوں فریقوں کو کئی بار اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہونا پڑا تھا۔

''نہیں! اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا'' ہم آنے والوں کا شناختی کارڈ دیکھتے ضرور ہیں' فوٹو کاپی نہیں دیتے دونوں خدائی خواروں کے پاس ادھر کے پکے کارڈ تھے۔ میں کارڈ کے بغیر کسی کو کمرا نہیں دیتا۔''

اسی لمحے کئی گاہک کاؤنٹر پر آ گئے۔ ویٹر دور سے گاہکوں کی عجیب نشانیاں بتا کر ان کی رقمیں دہرا رہے تھے' ٹوپی والا بھائی اٹھارہ روپے' کرتا پاجامہ اکیس روپے' مولوی صاحب سے تیس روپے لینا۔

ان ملی جلی آوازوں کی وجہ سے ہوٹل کچھ دیر کے لیے مچھلی بازار بن گیا تھا۔ میرے لیے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اس شخص سے کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی میں نے آنکھ سے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہوٹل سے واپس روانہ ہو گئے۔

''یہ دونوں ہماری غلطی سے نکلے ہیں۔'' ہوٹل سے کچھ دور نکل آنے کے بعد میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''ایک ہماری کسی غلطی سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ تم دوسرے کے بارے میں جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔

''وہ جس وقت ذکی کو بلانے کے بہانے چلا تھا' مجھے اس کو زبردستی روک لینا چاہیے تھا مگر میں اس خیال سے اس سے اڑنے سے باز رہا کہ تمہارا دوست اپنے ہوٹل میں ہنگامہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''اس کے تیور اچھے نہیں تھے' وہ تمہارے روکنے سے بھی نہ رکتا' مار دھاڑ ہوتی اور میرا دوست مجھ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاتا۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا'' یہ ہوٹل ان کی تیسری نسل چلا رہی ہے ان کے بڑوں نے بہت محنت سے یہ کاروبار جمایا تھا۔ پورے مردان میں کراچی کا ہوٹل اس خاندان کی شناخت بنا ہوا ہے۔''

''کمرا اس قدر تنگ تھا کہ وہاں اپنی مرضی سے ہلنے جلنے کی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے پہلے سے اس کے فرار کا اندازہ ہوتا تو میں انگوٹھی کا رخ درست کر کے اسے خاموشی سے بے ہوش کر سکتا تھا۔ وہ اچانک اٹھا اور باہر نکل گیا۔

''یہ سب بعد کے پچھتاوے ہیں کام بگڑ جائے تو بعد میں بہت سی باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا۔ یہ سب بے کار ہے اصل بات وہ ہے جو وقت پر سوجھ جائے۔ وہ اپنی تیزی اور بے ساختگی سے ہمیں چکما دے کر نکل گیا۔ تمہیں ہوشیار ہونے میں بس پلک جھپکنے کی دیر ہوئی اور وہ کمرے سے باہر تھا' تم تقریباً اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلے تھے۔''

''میں ہوٹل ہی میں زقند لگا کر پیچھے سے اس کا کالر پکڑ سکتا تھا مگر بات وہی تھی کہ ہوٹل میں مار دھاڑ شروع ہو جاتی باہر پہنچنے تک وہ آگے نکل گیا تھا پھر اس نے دوڑ لگا دی۔''

''ان کے نکل جانے پر افسوس کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دیکھ لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ ہوٹل چھوڑ چکے ہوتے۔''

''مجھے بچوں کی طرح دلاسا دینے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا'' میرے لیے آج کا دن اچھا ثابت نہیں ہوا۔ صبح اسٹیشن فور میں دھما کا ہو گیا' کمر اور کہنیاں زخمی ہو گئیں اور اب گھٹنوں اور ہتھیلیوں کی باری آ گئی' بھاگتے ہوئے دشمن کو پیچھے سے اڑنگا مارنے کا خیال کسی بہت ہی چالاک اور پھرتیلے شخص کے ذہن میں آ سکتا تھا۔''

''کیسی مجبوری ہے کہ تم ان کے قصیدے پڑھ رہے

ہو!'' وہ بے بسی سے ہنس پڑا۔

میں نے خاموشی اختیار کرلی، دشمن کے اتنے قریب جاکر ناکام ہوجانے کے خیال سے میرے ذہن میں انگارے سے دہک رہے تھے، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جلد از جلد اس ناکامی کا کیسے ازالہ کرسکوں گا۔

دکھتے ہوئے گھٹنوں کے ساتھ طویل فاصلہ طے کرکے ہم گاڑی تک پہنچے تو میں نے چابی سلطان شاہ کی طرف بڑھادی۔ ''اب تم ڈرائیونگ کروگے۔''

اس نے سرسری انداز میں میرے ہاتھ سے چابی لی اور بولا ''یہی بہتر ہے گھٹنوں پر زور پڑا تو تکلیف بڑھ جائے گی تمہیں آرام کرنا چاہیے۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے اپنی چوٹوں کی ذرا بھی پروا نہیں تھی، میرے ذہن میں تو دونوں راوا لے سوار تھے۔ میں ہر پہلو سے ان کے فرار کے مضمرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

نیوخان ہوٹل آنے سے ان دونوں کے بارے میں سوبھراج کی کہی ہوئی کم از کم دو باتوں کی تصدیق ہوگئی تھی اور وہ دونوں ہی اہم تھیں۔

پہلی بات یہ تھی کہ ان کی مالی حالت پتلی تھی وہ کسی ڈھنگ کے ہوٹل میں قیام کرنے کے بجائے نیوخان ہوٹل کی ایک تنگ کوٹھڑی میں چارپائیوں پر گزارا کررہے تھے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ دہشت گردی کے مہلک سازوسامان سے لیس نہیں تھے۔ ان کا کل اثاثہ کالے رنگ کے ایک چھوٹے سفری بیگ پر مشتمل تھا جس میں زیادہ چیزیں نہیں چھپائی جاسکتی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے ان کے پاس کوئی پستول یا ریوالور موجود ہوتا تو دوسری بات تھی ورنہ وہ ان حالات میں شہر میں خوف وہراس پھیلانے کی کوئی کارروائی نہیں کرسکتے تھے۔

گاڑی صدر اور پھر ایم اے جناح روڈ کے گندے ٹریفک میں سسکتی اور آگے رینگتی رہی۔ ہم قائداعظم کے مزار سے شارع قائدین پر مڑے تو ٹریفک کی صورت حال بہتر ہوگئی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

''کس سے بات کرنے کا ارادہ ہے؟'' سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''سوبھراج کو ہوشیار کرنا ہے۔ وہ دونوں کسی بھی وقت

اس سے رابطہ کر سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔
''اسے ننھا سا بچہ نہ سمجھو۔ وہ بہت عیار ہے۔ ضروری نہیں کہ تمہاری ہر بات مان لے۔ تم سے مفاہمت کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ تمہیں چکر دیتا رہا ہے۔''
''خالی بیٹھ کر انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے اور کچھ نہیں تو فون ہی کیا جائے۔ پتا نہیں یہ نمبر کیوں نہیں مل رہا۔ تین بار کوشش کر چکا ہوں۔''
''جھنجلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی تکنیکی مسئلہ ہے۔ موبائل پر اس کا نمبر ملانے میں پہلے بھی تمہیں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ تمہارے موبائل کا نمبر ملا لیتا ہے۔''
میری یادداشت تازہ ہو گئی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کر کے فون جیب میں ڈال لیا۔
گھر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ نے سلطان شاہ کو گھیر لیا۔ میں سی ایس ڈی چیک کرنے کے بعد فون کے قریب آ بیٹھا۔
''یہاں شور نہ کرو!'' سلطان شاہ نے ان دونوں سے کہا ''ابھی سوبھراج سے بات ہونے والی ہے۔ آؤ، میرے کمرے میں آ جاؤ۔''
ویرا وہیں جمی رہی ''اس وقت سوبھراج اہم ہے۔ تمہاری کہانی بعد میں سن لیں گے۔''
دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا۔
میری آواز سنتے ہی سوبھراج بھڑک اٹھا ''مجھے پکا یقین ہے کہ تم ان دونوں کی طرف گئے تھے اور وہاں سے ناکام لوٹے ہو۔''
''تمہاری بات درست ہے۔ تمہیں یہ الہام کیسے ہو گیا؟''
''ابھی ابھی میں حسن سے بات کر کے فارغ ہوا ہوں۔ تم نے اس سے کیا کہا تھا۔''
''میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم اسے لینے آئے ہیں۔ وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کسی تردد کے بغیر صحیح بات بتا دی حسن سے اس کی بات ہو جانے کے بعد میرے لیے زیادہ ہیر پھیر کی گنجائش نہیں رہی تھی۔
''وہ کون؟'' سوبھراج نے تنک کر پوچھا۔
''اس نے بھی یہی پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے۔''
''تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کا دھیان میری طرف گیا تھا۔''
''میں اس کے دھیان کا ذمے دار نہیں ہوں۔ میں تمہارا نام استعمال کرتا تو شاید وہ چوں و چرا کیے بغیر میرے ساتھ ہو لیتا۔''
''پھر تمہارے ذہن میں کون تھا۔ اسے کس کے پاس لے جانا چاہ رہے تھے؟''
''کسی کے پاس نہیں۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے را والوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ میں خود ہی اسے پرانے گودام میں لے جا کر تفصیل سے دیکھنا چاہ رہا تھا۔''
''یہ پرانا گودام کہاں ہے؟'' میری پرسکون باتیں اسے تاؤ دلا رہی تھیں۔
''وہی جہاں میں اپنے معزز مہمانوں کو رکھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔
''اب ان کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ وہ بہت چالاک اور مکّار ہیں۔ ایک خطرے سے بال بال بچنے کے بعد وہ تمہارے کسی اور پھندے میں نہیں پھنسیں گے۔ انہیں مارنا اب تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔''
''تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مارنا ہوتا تو میں بات چیت کرنے کے بجائے اسے وہیں گولی مار دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''
''تم سے معاملات طے ہو جانے کے بعد ان کی مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''
''پھر بتاؤ کہ اب وہ کہاں مل سکیں گے!'' میں نے مطالبہ کیا۔
''ابھی ان کے اوسان خطا ہیں۔ اس نے کسی پی سی او سے مجھے فون کیا تھا۔ ان کو کوئی سستا سا نیا ٹھکانا تلاش کرنا ہو گا۔ وہ پیسوں سے بری طرح ٹوٹے ہوئے ہیں۔''
''پتا بتا دو۔ میں انہیں دس پندرہ ہزار پہنچا دوں گا۔'' میں نے ازراہ مذاق کہا۔
''مجھے معلوم ہو گیا تو میں تمہیں بھی پتا بتا دوں گا۔ مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ تم انہیں مارنا نہیں چاہتے۔ مارنا ہوتا تو وہیں زہر سے مار دیتے۔''
''میں انہیں ہراساں کر کے یہاں سے واپس بھگانا چاہتا ہوں۔''
''میری بھی یہی خواہش ہے کہ وہ واپس لوٹ جائیں۔

وہ جب تک یہاں رہیں گے، میرے اوپر دباؤ ڈالتے رہیں گے۔''

''اس بار اور کچھ نہ ہوسکا تو ان کی ٹھکائی ضرور ہوگی۔ انہیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ کوئی ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس خوف کے بغیر وہ واپس بھاگنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ ان کے بارے میں تمہیں تیسری بار تنگ نہیں کروں گا۔''

''کچھ پتا چلے گا تو میں بتادوں گا۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''تم ان کے ساتھ کیا کرتے ہو، یہ تمہیں اور تمہارے خدا کو ہی معلوم ہوگا۔ انہیں لنگڑا لولا کردیا ویسے ہی یہاں سے بھگادو۔ مجھے وہ پتا چلے گا جو تم بتاؤ گے۔''

''تم گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہوجاتے ہو۔'' میں نے قدرے چڑنے کی صداکاری کی ''ابھی کہہ رہے تھے کہ مجھے مارنا ہوتا تو میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے حسن کو زہر سے مار سکتا تھا۔ اب بے یقینی کی باتیں کررہے ہو۔''

''اس پر لعنت بھیجو۔ میرا دل تم سے کچھ ایسی باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے جو میں کسی اور سے نہیں کرسکتا۔'' اچانک اس کا لہجہ تبدیل ہوگیا۔

''شہر میں تمہارے بیسیوں ہمدرد اور غم گسار ہوں گے۔ یہ مہربانی تم مجھ پر کیوں کررہے ہو؟'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی روانی میں کہہ گیا۔ مجھے سکون سے اس کی بات سن لینی چاہیے تھی۔ میرے جواب سے وہ اچٹ سکتا تھا!

''میں تمہاری بات مانتا ہوں۔ میرے بہت سے دوست اور ساتھی ہیں مگر وہ سب مجھے اپنا لیڈر مانتے ہیں لیڈر ان سے ہلکی بات نہیں کرسکتا...... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ نک والے مجھے بار بار فون کررہے تھے۔ میں آواز سنتے ہی لائن کاٹ دیتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی ہے جانتے ہو وہ کون تھا؟''

اس بار میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور دھیرے سے کہا ''میں اندازہ نہیں لگا سکتا تم کو بتانا ہوگا۔''

''وہی گیری ہارٹ تھا جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔ ''بہت چکنی چپڑی باتیں کررہا تھا۔ تمہاری طرح وہ بھی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''اسے مجھ سے نہ ملاؤ۔ یہ بات اب تمہاری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ میں دوست ہوں، دوست اور دشمن میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

فرمائش

ہوائی جہاز میں پہلی مرتبہ سفر کرنے والے ایک صاحب کو الٹیاں آئے جارہی تھیں۔ آخر ائر ہوسٹس ان کے قریب آئی اور ہمدردانہ لہجے میں بولی ''سر! میں آپ کے لیے کچھ لاؤں؟''

''ہاں......'' ان صاحب نے ہانپتے اور ہوئے کراہتے جواب دیا ''میرے لیے ایک ائرپورٹ لے آؤ۔''

''میں دوستی اور دشمنی کی نہیں، صرف ملنے کی بات کررہا تھا۔''

''کب مل رہے ہو اس سے؟'' میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔

''میں پریشان ہوں لیکن ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا۔ یہ بات میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تمہیں سنا رہا ہوں۔ میں نے اس سے صاف انکار کردیا۔ نک بھی دوست بن کر میرے لیے اپنی بغل میں چھری لیے پھر رہا تھا! اب یہ اس کا باپ آیا ہے۔ تم راوالوں کو ڈھونڈ رہے ہو میں اس کی گھات میں لگ گیا ہوں۔''

''تمہیں... اسے انکار نہیں کرنا چاہیئے تھا وہ ملنا چاہتا ہے تو اس بے چارے کا دل رکھنے کے لیے تمہیں اس کو کوئی وقت دے دینا چاہیئے تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''صاف انکار سے میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اسے نہایت سخت شرائط کے ساتھ کل کا وقت دے دیا ہے۔ شرائط اتنی سخت ہیں کہ وہ کل وہاں نہیں پہنچے گا۔'' سوبھراج کی آواز میں گیری کے لیے تضحیک اور تحقیر کا عنصر شامل ہوگیا۔

''یار! تم پہیلیوں میں باتیں کررہے ہو۔ میں معمّوں میں سر کھپانے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ اس مردود سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے۔'' سوبھراج کی ادھوری باتیں سن کر میرے تجسس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

میں نے اس سے بے تکلفی اور قربت جتانے کے لیے جان بوجھ کر اسے یار کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اگر اس کے دل میں میری طرف سے کوئی خوف ہو تو وہ اس گفتگو کے نتیجے میں زائل ہوجائے۔

''یہ خوشی کی بات ہے کہ اب تم مجھے یار کہہ رہے ہو۔'' سوبھراج کی مسرت آمیز آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے

طرزِ تخاطب نے اسے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میری اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا خوفناک عمل میرے سامنے ہے لیکن زبان سے نک نے کبھی دشمنی کا اظہار کیا نہ گیری نے کوئی مخاصمانہ بات کہی۔ وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اس کی گردن کاٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہوں۔ میری ساری پریشانیاں ان لوگوں کی لائی ہوئی ہیں مجھے ان سے اپنی جان کا ڈر نہ ہوتا تو پاکستان کی ساری ایجنسیاں مل کر بھی میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتی تھیں۔''

''کل تم اس کے کہاں پہنچنے کی بات کر رہے تھے؟'' میں نے اسے دوبارہ ٹریک پر لانے کے لیے واضح الفاظ میں سوال کیا۔

میرے کان میں اس کی استہزائی ہنسی کی آواز گونجی پھر اس نے کہا ''وہ ایک ہوائی بات تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس برے وقت میں، میں اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو سوئمنگ کا سٹیوم میں یعنی صرف ایک چڈی میں کل دوپہر مجھے فرنچ بیچ پر ملے تاکہ میں دور ہی سے دیکھ لوں کہ اس کے ہاتھ خالی ہیں اور لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں ہے۔''

''کیا وہ وہاں آئے گا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''مشکل ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہوسکا تو وہ ایک اور دو بجے کے درمیان ساحل پر میرا انتظار کرے گا لیکن مجھے اس کے آنے کی امید نہیں ہے۔ وہ بعد میں غور کرے گا تو اسے خود اپنے وعدے پر شرم آ جائے گی۔ شہر سے میلوں دور بالشت بھر کی چڈی پہن کر اپنے کسی حریف کا انتظار کرنا اس جیسے فرعون کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم سے نجات پانے بلکہ تم کو سزایاب کرنے کے لیے یہ کوئی مشکل شرط نہیں ہے۔''

''بہت مشکل شرط ہے میں نے اس سے ملنے کا پکا وعدہ نہیں کیا۔ یہ کہا ہے کہ وہ وہاں موجود رہے مجھے موقع ملا تو میں وہاں ضرور پہنچوں گا۔ ذرا تصور کرو کہ مجھے موقع نہ ملا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ اپنی چڈی پھاڑ کر جھاگ اڑاتے ہوئے سمندر میں کود جائے گا۔''

میں نہایت پرخلوص انداز میں ہنس پڑا۔ ''وہ لوگ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں تو تم بھی مہا چالاک ہو۔ مجھے ایمانداری سے بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''میں ہرگز وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں نے اسے ذلیل کرنے اور بے بسی کا احساس دلانے کے لیے یہ باتیں کی تھیں ورنہ ان کی ضرورت نہیں تھی۔ چاہو تو تم وہاں جا کر اس سے پوچھ سکتے ہو کہ وہ تپتی ہوئی دھوپ میں جانگیہ پہنے وہاں کیا کر رہا ہے!''

''یہ پوچھنے والی بات نہیں ہے۔ یہاں آنے والے اکثر سفید فام سن باتھ لینے کے لیے اسی طرف جاتے ہیں، فرنچ بیچ اور مبارک ولیج ان لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔'' میں کہتا رہا۔ ''ویسے پیراڈائز پوائنٹ اور ہاکس بے پر بھی یہ شوق پورے کیے جاتے ہیں۔'' میں اس سے مزید باتیں معلوم کرنے کی امید میں گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

''وہاں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے۔ صرف کنگال گورے وہاں نظر آتے ہیں۔ ایک عورت اوندھی لیٹی ہوتی ہے تو اسے دیکھنے کے لیے سیکڑوں مقامیوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے، سوئمنگ سوٹ پہننے والیوں کو ہمارے لوگ ننگا ہی تصور کرتے ہیں۔ اگلے ساحلوں پر بہت کم مقامی پہنچ پاتے ہیں وہاں سفید فاموں کو بہت زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ آس پاس کا میدان صاف دیکھ کر بعض جوڑے فطری لباس میں شمسی توانائیاں جذب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''ان علاقوں کے بارے میں خاصے تجربے کار معلوم ہوتے ہو!''

''اب میرا وقت بگڑ گیا ہے۔'' وہ جذباتی لہجے میں بتا رہا تھا ''بھلے وقتوں میں، میں مہینے میں کم از کم ایک بار فرنچ بیچ پر پارٹی کرتا تھا۔ میرے مہمانوں کے سوا پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیٹرنگ والے جنگل میں منگل کر دیتے تھے۔ خوب شراب لنڈھائی جاتی تھی جب چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا ہوتا تھا تو چٹانوں کے رومان انگیز سائے میں چاند جیسے بیسیوں چہرے کسی نہ کسی کے ساتھ عہد و پیمان کے مراحل سے گزر رہے ہوتے تھے۔ ان میں مقامی اور غیر ملکی، سب شامل ہوتے تھے۔ اب شاید وہ راتیں اور وہ باتیں میرے لیے خواب ہو کر رہ جائیں گی۔''

''تم خاصے رنگین مزاج معلوم ہوتے ہو۔ ایسے لوگ عام طور سے نرم دل ہوتے ہیں۔ گیری کی طرف سے تمہارا دل اتنا سخت کیوں ہوگیا ہے؟''

''انہوں نے مجھ سے میرا سکھ چین اور ساری آسائشیں

چھین لیں۔ تم یقین کرو کہ آج پائپ میں بیٹھ کر میں آنسوؤں سے رویا ہوں۔ کیا میں نے اس دن کے لیے ان حرام زادوں کا ساتھ دیا تھا؟ یہ بربادی نک کی لائی ہوئی ہے' تم دیکھ لو کہ اس کا انجام کیسا برا ہوا۔ جنت اور جہنم تو بعد کی باتیں ہیں۔ برا کرنے والوں کو اپنی زندگی میں ہی اپنے کیئے کا پھل مل جاتا ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ کل ادھر جاسکوں۔'' میں نے نیم دلی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ویسے بہتر ہوتا کہ تم خود وہاں جا کر اس کی مزاج پرسی کرتے۔''

''تم ان کمینوں کی خصلت سے واقف نہیں ہو اس لیے ایسا کچا مشورہ دے رہے ہو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ دیکھنے میں اکیلا ہوگا اس کے ساتھی چٹانوں یا کھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ میں نے ادھر کا رخ کیا تو اچانک کہیں سے گولیوں کی باڑ آئے گی اور میرا بدن چھلنی کردے گی۔ یہ بھیڑیے جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے ہر حیلے بہانے سے ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایف بی آئی کی دھاک بٹھائے رکھنے کے لیے گیری مجھے گھیر رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں بے بنیاد نہیں ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔'' اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بات اچک لی۔ ''اب کل کے لیے مجھے وقت نکالنا ہی ہوگا میں دیکھوں گا کہ گیری کتنے پانی میں ہے۔''

''شاباش! تم نر کے بچے ہو' تم نے میرا دل خوش کر دیا۔'' اس کی آواز سے واقعی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ''تم نے گیری کو مار دیا تو میں تمہیں دو...... نہیں تین...... بلکہ پانچ پیٹی انعام میں دوں گا۔ ہم مل کر اس کامیابی کا جشن منائیں گے۔''

اس کے آخری الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کرگئیں۔ وہ گیری کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا مگر سرکار کی مصلحتوں کی وجہ سے میں گیری کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں سوبھراج میرا اہم ترہدف تھا۔

اس نے مسرور ہو کر میرے ساتھ جشن منانے کی نوید سنادی تھی۔ جشن کی شرط بہت کڑی تھی جسے پورا کرنا میرے بس سے باہر تھا' پھر بھی سوبھراج کی زبان سے مل بیٹھنے کا تذکرہ میرے لیے بہت رومان انگیز ثابت ہوا تھا۔

آخری پناہ گاہ

بچے نے ماں سے پوچھا ''مما! جب کار بہت زیادہ پرانی ہو جاتی ہے...... چلنے کے قابل نہیں رہتی تو اس کا کیا بنتا ہے...... وہ کہاں چلی جاتی ہے؟''

''تمہیں تو معلوم ہونا چاہیے بیٹا......!'' ماں نے افسوس زدہ لہجے میں کہا ''ایسی کار کا مالک اسے تمہارے پاپا کے ہاتھ یہ کہہ کر بیچ جاتا ہے'' کہنے کو یہ سیکنڈ ہینڈ کار ہے مگر نئی جیسی ہے......''

''میں نے شراب پینی چھوڑ دی ہے۔'' میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اسے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''تم کس برانڈ کی پیٹیوں کی بات کر رہے ہو۔''

''ارے یار ڈینی! تم نے تو حد کردی۔'' مجھ سے باتوں میں الجھ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے مصائب کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس نے بے تکلفانہ لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''یہ ممبئی کی پیٹی ہے۔ اپن سالا پیٹی بولے تو سمجھ کہ لاکھ بولا' کیا سمجھا!'' آخری فقرہ اس نے خالص ممبئی کی زبان میں ادا کیا اور ہنسنے لگا۔

''اس وقت تم موج میں آئے ہوئے ہو۔ یہ تم نہیں شراب بول رہی ہے' کتنی لی ہوئی ہے تم نے؟'' میں نے اس کی صداکاری سے محظوظ ہوتے ہوئے' معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تھوڑی سی لی ہے اور دیسی لی ہے۔'' وہ یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ اس کی آواز بھی دھیمی ہوگئی تھی۔'' میرا میزبان کھاتا پیتا آدمی ہے لیکن اسے ولایتی میں مزہ نہیں آتا۔ یہ مری والوں کا شیر پیتا ہے میں نے بھی وہی لی ہے لیکن یار تم بہت کائیاں ہو۔ تم کو کیسے پتا چل گیا کہ میں نے تھوڑی سی پی ہوئی ہے؟''

''تمہاری باتیں چغلی کھا رہی ہیں۔ پہلے تم نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اس کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔ ''ایک اچھے اور عادی شرابی کے لیے دیسی اور ولایتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے کسی شاعر کا کہا ہوا ضرور سنا یا پڑھا ہوگا' اچھی پی لی' خراب پی لی۔ جیسی مل گئی شراب پی لی۔''

وہ بے ساختہ انداز میں ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے وقار

کے بجائے عامیانہ انداز جھلک رہا تھا۔ ''یہ لاکھ روپے کی بات ہے وقت پر جو مل جائے وہی سب سے اچھی ہوتی ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' میں نے اچانک اس سے ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

''میں نے فون کیا ہے!'' اس نے حیرت سے کہا۔

''بھگوان سے ڈرو ڈینی۔ یہ میری نہیں تمہاری کال ہے کیا تم میرا امتحان لے رہے ہو؟''

''پھر میری ہی کال ہوگی۔'' میں نے بحث کیے بغیر کہا ''شراب تم نے پی ہے' نشہ مجھے ہو رہا ہے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔''

''معذرت کو زگ میں ڈالو۔ یہ بتاؤ کہ کل تم اسے مارو گے؟ میرا پانچ لاکھ کا وعدہ پکا ہے۔ تین دنوں میں ان کا دوسرا اہم آدمی مارا گیا تو وہ کئی مہینوں کے لیے خاموش ہو جائیں گے اور میں سکھ سے رہ سکوں گا۔ اس وقت میں اپنے سکھ اور آرام کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں پیسے کا لالچی نہیں ہوں لیکن اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''ان سے مجھے بھی پرخاش ہے۔ یہ لوگ یہاں بربادی کا کھیل کھیل رہے ہیں بس یہ سمجھ لو کہ مجھ سے دشمنی کے معاملے میں وہ را سے بھی اوپر ہیں۔''

''بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔ میرے دشمنوں کو اپنا دشمن کہہ کر تم نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی ہے۔ سامنے ہوتے تو اس وقت میں تمہیں اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیتا۔'' میری بات سن کر وہ بالکل ہی موم ہو گیا۔

وہ آگ اور پیغمبری والا معاملہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے صرف اس مقصد سے فون کیا تھا کہ اسے را کے ایک آدمی سے اپنے اچٹتے ہوئے مقابلے کے بارے میں بریف کر سکوں لیکن اس نے گیری کا ذکر چھیڑ کر ایک نئے تصادم کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

میں نے اس سے گفتگو ختم کی تو تینوں میرے قریب موجود تھے۔ میری باتوں سے ان تینوں کو میرے اور سوبھراج کے مذاکرات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن ویرا اس محاصرے سے فائدہ اٹھا کر میری زبان سے سب کچھ سننا چاہ رہی تھی۔

''یہ بہت بڑی کامیابی ہے وہ سوبھراج کو جہنم واصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ سوبھراج وہاں پہنچے یا نہ پہنچے' گیری مقررہ وقت پر وہاں ضرور موجود رہے گا۔'' غزالہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''پہلے میں فرنچ بیچ کے نام سے دھوکا کھا رہی تھی۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''میں سمجھی تھی کہ پاکستان سے باہر کی بات ہو رہی ہے۔ یہ سمندری کنارا اگر کراچی کے مضافات میں ہے تو کل ہم وہیں پکنک منائیں گے۔ گیری آ گیا تو شکار کا مزہ آ جائے گا وہ نہ آیا تب بھی ہمارا دن بہت اچھا گزرے گا' کلفٹن کی بھیڑ بھاڑ میں، میں سن باتھ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' وہاں دن بھر ریت پر پڑی دھوپ سینکتی رہوں گی۔''

''ڈھنگ کے کپڑے ساتھ لے لینا۔'' سلطان شاہ منہ بنا کر بولا ''سوئمنگ کاسٹیوم میں......''

''ابھی فیصلہ نہیں ہوا اور تم نے یہ طے کر لیا کہ کل پورا جلوس وہاں جائے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا'' وہ مجھے کرنل داور کے نام سے جانتے ہیں لیکن ویرا دور ہی سے پہچان لی جائے گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔''

''میں بدن پر لوشن لگا کر آنکھوں پر دھوپ کا تاریک چشمہ اور سر پر ٹوپی لگاؤں گی تو تم تینوں بھی مجھے نہیں پہچان سکو گے۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی۔ ''مار دھاڑ کی نوبت آئی تو میں گیری کے جبڑے ہلا دوں گی۔ لوشن کی وجہ سے اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پکڑ سکیں گے۔''

''ساحلوں پر نہانے والیوں سے فرشتے دور بھاگتے ہیں۔'' سلطان شاہ بڑبڑایا۔ ''وہ واقعی تمہیں نہیں پکڑ سکیں گے۔ سوئمنگ کاسٹیوم پہننے والیوں پر شیطان کا خاص سایہ ہوتا ہے انہیں جو دیکھتا ہے' بہکنے لگتا ہے۔''

''اتنا نہیں بہکتا جتنا تم پشتو میں بہکتے ہو۔'' ویرا نے مسکرا کر طنز سے کہا اور سلطان شاہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی رحم طلب نگاہیں ویرا کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے اور میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اگر گیری وہاں آ ہی جاتا تو وہ اس کو اغوا کرنے کا سنہری موقع تھا جس کے لیے پوری ہوش مندی سے تیاری اور منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہو گا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 235 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

”تم کہاں کھوئے ہو؟“ اچانک ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی ”تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

”ہوں......اوں......!“ میں نے تفکر آمیز نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے، خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا ”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

”مجھے چور بنا رہا ہے!“ ویرا غرائی۔

”تم نہ بنو......“ میں نے اپنی اسی رو میں جواب دیا ”یہ تمہارے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتا۔“

ویرا نے جھلّائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑی، تیزی سے میری طرف لپکی اور پھر اس نے میرے سامنے جھک کر میرے دونوں شانے تھام کر مجھے بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ”تم کہاں غائب ہو، تمہاری غنودہ آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ تم ہوش میں آ کر میری بات کیوں نہیں سنتے ؟“

ویرا نے مجھے ایسے جناتی انداز میں جھنجوڑا تھا کہ میں ایک ہلکی سی جھرجھری لے کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔

”کیا مصیبت ہے، کیا قیامت آ گئی جو اس طرح میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو؟“ میں نے تقریباً پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

”کچھ نہیں ہوا“ غزالہ نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”ویرا اپنے بدن پر لوشن لگا کر گیری کی گرفت سے پھسل جانے کی بات بتا رہی تھی۔ اس بے چارے نے کہہ دیا کہ پرانے زمانے کے خاندانی چور بھی اپنے بدن پر تیل مل کر صرف ایک لنگوٹ میں وارداتیں کیا کرتے تھے۔ گڑبڑ ہونے کی صورت میں بھی کوئی انہیں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا اور وہ صاف نکل جاتے تھے۔“

”اس میں چڑنے کی کیا بات ہے؟“ میں نے ویرا سے سنجیدگی سے پوچھا ”وہ تمہیں فخر کی بات بتا رہا ہے۔ پہلے ایسا ہی ہوتا تھا۔ پہلے چور اور ٹھگ بھی اپنی روایات سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ آج شرفا روایات شکن ہوتے جا رہے

ہیں۔‘‘

’’تمہارا خیال ہے کہ چوروں سے میرا موازنہ کرنا درست ہے‘‘ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترشی سے پوچھا۔

’’براہِ راست موازنہ کرنا مناسب نہیں لیکن ایک آدھ بات میں مثال دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو درگزر کر دینا چاہیے۔‘‘

’’آج تک میں اسے معصوم اور سادہ لوح سمجھ کر بہت ڈھیل دیتی آئی ہوں لیکن اب میں اسے معاف نہیں کروں گی......‘‘

’’چلو، غصہ تھوک دو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں‘‘ سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

’’کیوں؟ اب اس میں ایسی کیا خرابی پیدا ہوگئی ہے کہ اس کی طرف سے تمہارا دل سخت ہوگیا ہے؟‘‘ میں نے سلطان شاہ کے معذرتی فقروں کو نظرانداز کرکے ویرا سے پوچھا۔

’’اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ نیو خان ہوٹل والے سے فون پر اس کی باتیں سن کر میں ہکا بکا رہ گئی تھی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اندر سے اتنا بدمعاش ہوسکتا ہے......‘‘

’’تت......تم نے پھر وہ بات نکالی‘‘ سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر ویرا کی بات اڑا دی ’’میں اپنے الفاظ واپس لے چکا ہوں۔‘‘

ویرا نے مڑ کر سلطان شاہ سے پشتو میں کچھ کہا جو میرے پلّے نہیں پڑسکا لیکن سلطان شاہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ویرا سے نظریں چار کرنے کے بجائے، شپٹائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

ویرا سے نظریں ملائے بغیر اس نے نیم مردہ آواز میں، پشتو میں کچھ کہا۔ وہ یقیناً کئی فقرے تھے، وہ جواب سن کر ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی فتح مندانہ مسکراہٹ تیر گئی جس میں طنز بھی شامل تھا۔

’’یہ تم دونوں نے کیا شروع کردیا‘‘ غزالہ نے احتجاج کیا ’’اردو میں بات کرو تاکہ ہم بھی کچھ سمجھ سکیں۔‘‘

ان دونوں کی وہ خفیہ مفاہمانہ کارروائی مجھے بھی پسند نہیں آئی۔ میں نے ویرا سے کہا ’’تم نے سلطان شاہ کو دوسری بار اس پراسرار گفتگو کا طعنہ دیا ہے۔ ایک بار کھل کر بتا کیوں نہیں دیتیں کہ اس نے اپنے دوست سے کیا باتیں کی تھیں۔ کب تک اسے اس طرح بلیک میل کرتی رہوگی؟‘‘

سلطان شاہ نے مجروح اور شکایتی نظروں سے مجھے گھورا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

’’سلطان شاہ کی اجازت کے بغیر میں اس گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی‘‘ ویرا نے اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا ’’یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ کسی اور کو اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے۔‘‘

’’تمہارے ڈھنگ بہت نرالے ہیں‘‘ غزالہ نے طنز سے کہا ’’اسے دھمکاتی ہو اور پھر اس سے دوستی کی بھی دعوے دار ہو؟‘‘

’’سمجھا کرو!‘‘ ویرا نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ’’بہت مشکل سے اسے لگام دینے کا ایک موقع ہاتھ آیا ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گی۔ کم ازکم چند ہفتوں تک مجھ سے اس کی رگ دبی رہے گی۔‘‘

’’اس خوش فہمی میں نہ رہنا‘‘ غزالہ بولی ’’اس کا دماغ سنک گیا تو وہ کسی وقت بھی تمہارے سامنے تن کر کھڑا ہوجائے گا۔ اس وقت تم ساری باتیں دہرا کر بھی اسے شرمندہ نہیں کرسکوگی......‘‘

’’میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں‘‘ اس نے غزالہ کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ’’مجھے معلوم ہے کہ میں اس کو کہاں تک دبا سکتی ہوں۔ اس بارے میں مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

’’اس وقت تم نے شور مچا کر میرا موڈ غارت کردیا‘‘ میں نے برا سا منہ بنا کر کہا ’’بعض اوقات تم اپنی ذہنی سطح سے بہت نیچے آجاتی ہو۔ ایسے مفت کے جھگڑے اسکول اور کالج جانے والی لڑکیوں کو زیب دیتے ہیں۔‘‘

’’تم کون سا معرکہ سر کر رہے تھے جو میں نے تمہارا موڈ خراب کردیا؟‘‘ وہ تیزی سے بولی ’’اگر گھر میں ذرا سا شور شرابا نہ ہو تو میں دو دن میں اکتا کر یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں گی۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا سوچ رہے تھے؟‘‘

’’یہ بتانے والی بات نہیں ہے۔ تم کو خود اندازہ ہونا چاہئے کہ اس وقت سوبھراج نے گیری سے ہونے والے اپنے مذاکرات کا ذکر کرکے ہمارے لیے ایک نئی راہ کھولی ہے اور اس وقت وہی سب سے زیادہ اہم ہے۔‘‘

’’سوبھراج!‘‘ اس نے حقارت سے کہا ’’اس وقت وہ کسی خارش زدہ پلّے کی طرح پائپوں اور گندی نالیوں میں چھپتا پھر رہا ہے اور تم اس کی باتوں کو لیے بیٹھے ہو۔ اس کی باتوں پر غور کرنے کے لیے ابھی بہت وقت پڑا ہوا ہے، گیری وہاں آیا تو کل دوپہر کو آئے گا۔ ابھی پوری رات اور کل کا

آدھا دن باقی ہے۔‘‘
’’ابھی تم خود ہی سوئمنگ کا سٹیوم میں فرنچ بیچ پر سن باتھ لینے کا پروگرام بنا رہی تھیں اور اب کچھ اور کہہ رہی ہو‘‘ غزالہ نے اس پر چوٹ کی۔
’’میں تفریح کے خیال سے خوش ہو رہی تھی‘‘ ویرا ڈھٹائی کے ساتھ اپنے موقف پر اڑی رہی ’’کاموں میں الجھ کر ہم سب مشینی روبوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی کی تفریحات ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بن گئی ہوں۔ گیری کے دیدار کے بہانے اگر ہمیں شفاف ساحل پر کچھ وقت سکون سے گزارنے کا موقع مل جائے تو کیا برا ہے۔‘‘
’’یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو‘‘ میں نے اپنی بات دہرائی ’’گیری وہاں آ گیا تو تم دور ہی سے پہچان لی جاؤ گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ اس پروگرام میں تمہاری شمولیت کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔‘‘
’’اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس طرح اپنا حلیہ بدلوں گی کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکے گا‘‘ ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
’’اسی سے لوشن، تیل اور چوروالا ذکر نکلا تھا‘‘ غزالہ ہنس کر بولی۔
’’سب بے سود ہے‘‘ میں نے غزالہ کے تبصرے کو نظرانداز کر کے کہا ’’تم اپنے خدوخال اور رنگ کو کسی طرح نہیں چھپا سکتیں۔ گیری اپنی دانست میں سوبھراج کو گھیرنے کے لیے وہاں آئے گا۔ یقینی طور پر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔ وہ سب عقل سے کورے اور آنکھوں سے اندھے نہیں ہو سکتے۔ کوئی نہ کوئی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو ساری بازی الٹ جائے گی اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔‘‘
’’پھر تم نے کیا سوچا ہے؟‘‘ ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔
’’میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے لیکن تمہیں سوچ بچار سے للّٰہی بغض ہے۔ تم نے میرے خیالات کا تانا بانا بکھیر کے رکھ دیا۔‘‘
’’اب میں دخل نہیں دوں گی۔ اطمینان سے سوچ سمجھ لو۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو‘‘ میری دلیل سے قائل ہو جانے کے بعد اس نے اپنی شمولیت پر اصرار نہیں کیا تھا لیکن آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکا سا تحکم شامل ہو گیا تھا۔
’’بہت بہتر!‘‘ میں نے مسکرا کر کہا ’’تمہاری منظوری اور اجازت کے بغیر ہم فرنچ بیچ کا رخ نہیں کریں گے۔‘‘
’’کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم گیری کے بارے میں کن خطوط پر سوچ رہے ہو؟‘‘ اس بار ویرا نے سنجیدگی اور بردباری سے سوال کیا تھا۔
’’یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ گیری نے اپنا پروگرام سوبھراج کے ساتھ طے کیا ہے۔ اس میں کسی اور فریق کا کوئی دخل نہیں ہے‘‘ میں نے اسے بتانا شروع کیا ’’سوبھراج کا فرنچ بیچ جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس نے گیری کو ذلیل کرنے کے لیے ایک جانگیے میں اسے وہاں بلایا ہے۔ اس دوران میں گیری کے ساتھ جو کچھ ہوگا، وہ سوبھراج کے کھاتے میں جائے گا۔‘‘
’’آپ بھول رہے ہیں، یہ لوگ اتنے شریف نہیں ہیں۔ نک کو کفیل نے مارا تھا۔ وہ خود زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ اسے شیر دل نے اس کام پر مامور کیا تھا اور شیر دل کا سوبھراج سے گہرا تعلق تھا‘‘ غزالہ کہہ رہی تھی ’’سوبھراج نے خود ایک اخبار سے رابطہ کر کے فون پر اعتراف کیا کہ نک کو اس نے مروایا ہے لیکن ان لوگوں نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ نک کو آپ نے مارا ہے۔‘‘
’’زبان سے وہ جو چاہیں کہتے رہیں، حقائق ان کے سامنے ہیں۔ وہ لوگ میرے بارے میں حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے ایسی اوچھی حرکتیں کر رہے ہیں۔‘‘
’’گیری بھی اسی پالیسی پر عمل کرے گا۔ یہ لوگ ہر گڑبڑ میں آپ کو ملوث کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔‘‘ غزالہ فکرمندی کے ساتھ بولی۔
’’ان کی وجہ سے ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے‘‘ میں نے کہا۔
’’میں تم سے سو فیصد متفق ہوں‘‘ غزالہ بولی ’’کتوں کے بھونکنے سے گاڑی کو نہیں رکنا چاہیے۔ گیری کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے۔ وہ بات ادھوری رہ گئی۔‘‘
’’ہاں، یہ ہمارے لیے ایک بہترین موقع ہے، ہم گیری پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔‘‘
’’کیا تم اسے ختم کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو؟‘‘ ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
’’ابھی نک کے قتل کا معاملہ تازہ ہے۔ اس مرحلے پر گیری کے قتل سے سنگین پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں‘‘ میں نے رائے ظاہر کی ’’جلال کے ذریعے ملنے والی اندر کی معلومات فکرانگیز ہیں۔ ہم حکومت کے لیے کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے۔ گیری کو پکڑیں گے اور دل کھول کر اس کی دھنائی کر کے

چھوڑ دیں گے۔ اس وقت اس سے بڑی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد وہ جو چاہیں کرتے رہیں۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو لیکن بہتر ہوگا کہ اس بارے میں جلال کی رائے بھی لے لی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں گیری کے بارے میں اس سے گرین سگنل مل جائے'' ویرا پوری سنجیدگی سے اس مسئلے میں دلچسپی لے رہی تھی۔

''توقع نہیں ہے پھر بھی میں اس سے بات کرلوں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا اور ہمارے وہ مذاکرات وہیں ختم ہو گئے۔

سلطان شاہ پہلے ہی جمع کرا اپنے کمرے میں جا چکا تھا، ویرا بھی وہاں سے چلی گئی۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے شوخ نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کا جاگنے کا ارادہ ہے تو میں چائے بنا کر لے آتی ہوں'' اس نے کسمسا کر جواب دیا۔

''طبیعت خلوت کی طرف مائل ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں ابرار کو ناشتے کے بارے میں بتا کر آتی ہوں'' وہ سر جھکا کر ایک ادا کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے ذو معنی جملوں پر غزالہ کا وہ حیا آمیز رویہ ہمیشہ میرے دل کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

رات کے بارہ بجے کے قریب میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میں چونک پڑا۔ اس وقت تک غزالہ گہری نیند سو چکی تھی مگر ازدواجی طمانیت کے حصول کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟'' کال لیتے ہی میرے کانوں میں جلال کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ اس وقت وہ تازہ دم محسوس ہو رہا تھا۔

''بستر پر ہوں اور سونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟ خاصے تازہ دم معلوم ہو رہے ہو۔'' میں نے کہا ''گھنٹی کی آواز نے مجھے پریشان کر دیا تھا کہ اتنی رات گئے کس کا فون آ سکتا ہے؟''

''تم نے کئی خطرناک آدمیوں کو اپنا موبائل فون نمبر دیا ہوا ہے جو ہر وقت تمہیں تنگ کر سکتے ہیں'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تم نہایت شریف آدمی ہو۔ شیبا رنگیلی عورت تھی، وہ صدف مینشن میں ہے۔''

اس نے میری بات درمیان سے اچک لی اور بولا ''اس فہرست میں گیری اور سوبھراج کے نام سب سے اوپر آتے ہیں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''رابطوں کی یہ سہولت اول خان کے طفیل ملی ہوئی ہے۔ سوبھراج اس وقت ہر طرف سے کٹا ہوا ہے۔ گیری نے ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے تو اسے پتا چلا ہوگا کہ میرا موبائل فون اول خان کے نام پر ہے اور وہ مطمئن ہو گیا ہوگا۔ کرنل داور اسی کا فون استعمال کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ کراچی میں ایس ٹی ایف کا کمانڈر ہے۔''

''موڈ ہو تو صدف مینشن چلے آؤ۔ میں اسی طرف جا رہا ہوں۔''

''کیوں؟ وہاں کیا خاص بات ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جنرل وقار بھی اول خان کے ساتھ وہاں آ رہا ہے'' جلال نے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ جنرل سے میری پہلی ملاقات ہوگی۔''

''رات کے بارہ بجے ایسی کیا ایمرجنسی پیش آ گئی کہ تم لوگ ایک جگہ جمع ہو رہے ہو؟''

''ملبے سے کچھ ٹھوس شواہد ملے ہیں۔ اب بات آگے تک جائے گی۔''

''لیکن تم تو بتا رہے تھے کہ اسلام آباد سے ماہرین رات گئے پہنچیں گے اور ان کا کام صبح شروع ہوگا۔''

''پہلے یہی پروگرام تھا لیکن اس معاملے کی سنگین نوعیت کی وجہ سے ترجیحات تبدیل ہوئی ہیں اور کام وقت سے پہلے شروع کر دیا گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب اس شہر میں ایس ٹی ایف جیسی مضبوط فورس کا سربراہ محفوظ نہیں ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ سنگین واقعہ فوری توجہ کا متقاضی تھا۔''

''یہ فیصلہ مرکزی وزارت داخلہ نے کیا ہے۔ جنرل وقار اس واقعے کو ذاتی قرار دے کر زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔''

''وہ ٹھوس شواہد کیا ہیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے خود بھی صدف مینشن جانے کے بعد معلوم ہو سکے گا۔ اس وقت اسٹیشن فور کو کسی حد تک مخدوش سمجھا جا رہا ہے۔ صدف مینشن محفوظ ہے۔ شہر کے قلب میں کوئی دشمن ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔''

''او کے۔ میں اسی طرف آرہا ہوں'' میں نے اسے جواب دے کر آہستگی سے بستر چھوڑ دیا تاکہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بیوی ہی کیا جو اپنے شوہر سے لمحہ بھر بھی غافل رہے۔ میں دیوار گیر الماری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ کی بوجھل اور غنودہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

غزالہ کی غیر متوقع آواز سن کر لمحہ بھر کے لیے میرے قدم فرش پر گڑ کر رہ گئے پھر میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوتے ہوئے بھی میری چوکیداری کرتی رہتی ہو۔''

''یہ چوکیداری نہیں، اپنائیت کا احساس ہے جو سوتے ہوئے بھی مجھے آپ کی طرف سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ بستر کے ہلنے سے میری آنکھ کھلی ہے۔''

''ابھی جلال کا فون آیا تھا.....''

''اوہ! حیرت ہے کہ فون کی گھنٹی سے میری آنکھ نہیں کھلی، خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہی ہے۔ مجھے صدف مینشن میں ایک اہم اجلاس میں شریک ہونا ہے۔''

''یہ اجلاس کا کون سا وقت ہے؟'' اس نے اپنے چہرے پر بکھری ہوئی زلفیں سمیٹتے ہوئے قدرے بیزاری سے کہا۔

''اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو اور سو جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا'' میں نے الماری میں سے اپنے لیے ایک جوڑا منتخب کرتے ہوئے جواب دیا۔

غزالہ کی گہری نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔ وہ بستر چھوڑ کر میرا ہاتھ بٹانے لگی۔

وہ میری بیوی تھی۔ اپنے آرام کو خیرباد کہہ کر باہر تک میرے ساتھ آئی۔ چھت پر ابرار اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا۔ آہٹیں سن کر وہ بھی دبے پاؤں نیچے آ گیا لیکن گاڑی کا دھیما انجن اسٹارٹ ہونے پر بھی ویرا اور سلطان شاہ کی نیند میں کوئی فرق نہ آیا۔ میرے روانہ ہونے تک وہ دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

شہر پر رات کا سایہ گہرا ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کے نام پر برائے نام گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں گھر سے نکلا اور جیل کا طواف کرتا ہوا نشتر روڈ پر نکل آیا۔ راستے میں لسبیلہ چوک کے ہوٹلوں پر رونق تھی ورنہ ہر طرف رات کے سناٹے کا راج تھا۔ میں تیز رفتاری کے ساتھ ذرا سی دیر میں صدف مینشن پہنچ گیا۔

نشتر روڈ سے صدف مینشن والی ذیلی سڑک پر گھومتے ہی میں نے عمارت کے ان اضافی محافظوں کو دیکھ لیا تھا جو ملنگوں اور موالیوں کے روپ میں آس پاس جمے ہوئے تھے۔

وہ تینوں مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور عمارت کے اس اکلوتے، دفتر نما کمرے میں موجود تھے جہاں دفتری لوازم کے ساتھ دیوار گیر الماریوں میں کتابیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جلال سے سہ پہر کو میری ملاقات ہو چکی تھی۔ میجر جنرل وقار سے ملے ہوئے مجھے بارہ گھنٹے سے زائد مدت گزر چکی تھی۔ اس نے گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہو کر میرا استقبال کیا۔ اپنے افسر اعلیٰ کی موجودگی میں اول خان محتاط نظر آیا۔

''میرے لیے یہ فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آج جنرل نے صدف مینشن کو عزت افزائی کے قابل سمجھا'' جلال پرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''میرے لیے ایس ٹی ایف کے کسی سربراہ سے ملاقات کا یہ پہلا موقع ہے۔''

''یہ گیری کی مہربانی ہے کہ ہماری ملاقات ہو گئی'' جنرل نے ہنستے ہوئے کہا ''میری گاڑی پر راکٹ فائر کرنے کے لیے اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوتا جب میں گاڑی میں سفر کر رہا ہوتا تو شاید اس وقت ہم یک جا نہ ہوتے۔''

''ہماری طرح شاید وہ بھی کچھ محتاط ہو گئے ہیں'' جلال بولا ''دہشت گردی کر رہے ہیں مگر خوں ریزی سے گریز کر رہے ہیں۔''

''وہ پوری قوت سے میدان میں اترے ہوئے ہیں اور کسی چیز سے گریز نہیں کر رہے'' میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ''وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایس ٹی ایف کے سربراہ کو نشانہ بنایا تو ان کا کوئی آدمی جوابی کارروائی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ وہ اپنے محدود مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور ایس ٹی ایف پر دباؤ ڈال کر اسے میری حمایت سے باز رکھنا چاہ رہے ہیں۔ تمہاری گاڑی تباہ کر کے انہوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔''

''اور وہ اس میں کامیاب رہے ہیں'' جلال نے لقمہ دیا۔

''ایسے کچھ نہ کچھ وسائل ہمارے پاس بھی ہیں۔ ہم چاہیں تو نیویارک یا واشنگٹن کے کسی مرکزی علاقے میں کسی اہم سرکاری افسر کی گاڑی کو اڑا سکتے ہیں لیکن یہ ایک بے مقصد اور مجنونانہ کارروائی ہو گی'' جنرل بولا۔

''ہم میں اور ان میں یہی بنیادی فرق ہے'' میں نے کہا۔

''وہ کھلی ریاستی دہشت گردی پر اتر آئے ہیں۔ ہم اس میں یقین نہیں رکھتے۔ گیری کے پینٹا گون اور ایف بی آئی سے گہرے مراسم ہیں۔ وہ یہاں مامور سفارتی عملے کا ذمے دار رکن ہے لیکن اس کی حرکتیں گھٹیا ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ملبے کے معائنے سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔''

''ملبے سے ایچ فور نامی ایک خوفناک چپ برآمد ہوا ہے جو امریکا کی ایجاد ہے اور صرف ان ہی لوگوں کے استعمال میں ہے'' جنرل نے بتایا۔

''یہ کیسے پتا چلا کہ وہ جلی ہوئی شے ایچ فور ہے؟'' میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''وہ سالم اور فعال ہے۔ ایچ فور اس پر کندہ ہے۔''

''کیا وہ آگ میں جل کر تباہ نہیں ہوا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس کی خوبی یہی ہے کہ نوسو ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا، یہ چپ اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اسے تباہ کرنے کی صرف ایک صورت ہے کہ اسے ہتھوڑی سے کچل کر توڑ دیا جائے۔ یہ بمشکل آدھے انچ کا ایک حقیر سا اور چپٹا مربع ہے۔''

''اور یہ کام کیا کرتا ہے؟'' میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''سگنل نشر اور وصول کرتا ہے۔ نشر ہونے والے اشاروں سے یہ اپنی جائے وقوع کی نشان دہی کرتا ہے۔ آنے والے اشاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے برآمد ہونے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ میری گاڑی پر گرنے والے راکٹ کو اسی ایچ فور نے گائیڈ کیا ہوگا۔ صحیح نشانے پر لگنے والے ہتھیاروں میں یہ ہوش ربا اضافہ ہے۔''

''مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ میں نے ایچ فور کے بارے میں کہیں نہ کہیں سنا یا پڑھا ہے'' جلال نے خود کلامی کے انداز میں جنرل کی باتوں کی تائید کی۔

''اگر یہ چپ اسی قدر اہم ہے تو امریکیوں نے اسے خفیہ بھی رکھا ہوگا'' میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''جب سے ایچ فور کو فوجی اور دفاعی استعمال میں لایا گیا ہے، اس کے بارے میں ہر تفصیل کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا گیا ہے۔''

''کیا اس سے پہلے اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''یہ ناسا کے سائنس دانوں کی ایجاد ہے۔ سورج سے قریب، گرم سیاروں کی طرف بھیجی جانے والی خلائی مہمات میں اس کی کارکردگی کا چرچا ہوا تھا پھر امریکا یک امریکی فوج نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا'' جنرل کہہ رہا تھا۔

''مجھے حیرت تھی کہ اس خفیہ اور طاقت ور چپ کے بارے میں تمہیں کہاں سے معلومات مل گئیں'' میں نے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔'' جنرل وقار نے سادگی سے اعتراف کیا'' یہ باتیں مجھے اسلام آباد سے آنے والی ٹیم کے ایک رکن نے ایچ فور دریافت ہونے کے بعد بتائی تھیں۔ وہ اسی شعبے کا ماہر ہے۔ اس نے امریکا میں تعلیم اور تربیت حاصل کی ہے۔''

''اب وہ ایچ فور کہاں ہے؟'' جلال نے پوچھا۔

''وہ ان ہی لوگوں کے پاس ہے۔ وہ اسے پوری طرح تباہ کیے بغیر ناکارہ بنائیں گے تاکہ اس کے ذریعے کوئی دوسرا راکٹ نشانے پر نہ آسکے۔ اس کی باقیات کو شاید ثبوت کے طور پر اعلیٰ امریکی حکام کے حوالے کیا جائے گا۔''

''یہ بات بہت تشویش ناک ہے کہ اب یہ لوگ ایسی ہائی ٹیک ایجادات بھی یہاں استعمال کر رہے ہیں۔ وہ کھلی دوغلی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہمارے قریبی حلیف بنے ہوئے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر اپنے افسروں کو بدمعاشی کی چھوٹ دی ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کہاں رکے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم کچھ زیادہ پریشان ہو رہے ہو'' جنرل نے تشفی آمیز لہجے میں کہا'' ابھی بات اتنی زیادہ نہیں بڑھی ہے۔ وہ کسی پاکستانی ایجنسی سے نہیں الجھے، انہوں نے پہلی بار مجھے ہدف بنایا ہے اور میں واضح طور پر ایک غیر آئینی فورس کا سربراہ ہوں۔ میرے ساتھ ہونے والے تصادم پر حکومت زیادہ مؤثر احتجاج نہیں کر سکے گی۔''

''نہیں جنرل! ایسا نہیں ہے'' جلال نے پورے اعتماد سے جواب دیا'' یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وزارت خارجہ والے صرف محکمۂ داخلہ کی رپورٹ پر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ آئی بی سمیت دوسری ایجنسیوں سے بھی رپورٹیں طلب کی جائیں گی۔ میں نے اسی لمحے سے اپنا ذہن بنانا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری گاڑی کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ساری پاکستانی ایجنسیوں کے وقار کا معاملہ ہے۔''

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ان خطوط پر سوچ رہے ہو'' جنرل نے تشکر آمیز لہجے میں کہا'' تمہاری باتوں سے مجھے تقویت ملی ہے۔''

''یہ جلال کا فرض ہے بلکہ ہم سب کا'' میں نے گفتگو میں

حصہ لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف تمہاری خود ساختہ فورس نہیں ہے۔ کسی نہ کسی مقتدر شخصیت کے اشارے پر اس کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ تمہیں تحفظ فراہم کرنا ان قوتوں کی ذمے داری ہے۔ بیچ منجدھار میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا۔''

لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں جلال کی طرف متوجہ ہو گیا ''تم اپنی رپورٹ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔''

''پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔'' جلال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اس کے بغیر بات کیسے بنے گی؟'' اول خان نے مضطربانہ انداز میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔

''چھاؤنی کے حساس علاقے میں پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر جنرل کی گاڑی پر راکٹ فائر ہونے کی رپورٹ دی جائے گی۔''

''ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیا جا سکتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جنرل وقار اس وقت ایس ٹی ایف کے کمانڈر ہیں'' اول خان نے اعتراض کیا۔

''ان کی حکومت مانتی ہے کہ پاکستان میں ایس ٹی ایف نامی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنا موقف نہیں بدلتے، ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''یہ باریکی میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی'' اول خان نے اعتراف کیا ''اس وقت ہمارے آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مل بیٹھ کر آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کر لیا جائے۔''

''اسلام آباد بہت حساس شہر ہے۔ وہاں کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کس روپ میں کس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس معاملے میں کراچی محفوظ شہر ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو کانوں کان بھی ہماری اس ملاقات کا علم نہیں ہو سکے گا۔'' جنرل وقار نے مزید وضاحت کی۔

''اسی وجہ سے میں تمہارا پیغام ملتے ہی تیار ہو گیا'' جلال نے کہا ''ایس ٹی ایف کے غیر فعال ہونے سے مجھے قومی سلامتی کے ڈھانچے میں ایک بہت بڑے خلا کا احساس ہو رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ قومی ادارہ جلد از جلد بحال ہو۔''

''گیری نے ڈینی سے روح فرسا باتیں کی تھیں اور وہ سب سچ تھیں'' جنرل بولا ''ہم بے خبری میں تباہی کے ایک بھیانک غار کی طرف جا رہے تھے۔ ایس ٹی ایف کا ذکر درمیان میں لائے بغیر، کروڑوں کے لین دین کے الزام میں مجھے اپنے دس بارہ ساتھیوں سمیت اچانک پکڑا جا سکتا تھا۔ ہم سب بے موت مارے جا سکتے تھے۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو'' جلال سر ہلاتے ہوئے بولا ''ترقی یافتہ ملکوں نے کالے دھن کی منی لانڈرنگ کا بہت اودھم مچایا ہوا ہے۔ امریکی اشارے پر کسی بھی وقت انٹرپول حرکت میں آسکتی تھی۔ ادارے افراد سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ تمہارے ساتھ سارے اسٹیشن کمانڈر عتاب میں آتے تو اسپیشل ٹاسک فورس کی کمر ٹوٹ جاتی۔ ڈینی کے ذریعے وہ بھیانک خطرہ قبل از وقت سامنے آگیا۔ اس کے سدِباب کے لیے کیا ہو رہا ہے۔''

''بہت کچھ ہو چکا ہے چند روز میں اس پرانی کہانی کے سارے ورق سادہ رہ جائیں گے۔'' جنرل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''مجھے ان جزئیات سے دلچسپی نہیں رہی'' جلال نے جنرل کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''فورس کب تک میدان میں واپس آرہی ہے؟''

''میرا کام پورا ہو چکا ہے۔ صبح میں اسلام آباد واپس چلا جاؤں گا۔ اس وقت یہاں آنے کا سبب یہ بھی ہے کہ میرے پاس یہاں وقت نہیں رہا۔ اگلے دو روز میں ایس ٹی ایف کے سارے آپریشن دوبارہ شروع ہو جائیں گے۔''

''یہ میرے لیے بہت بڑی خوش خبری ہے'' اس اطلاع پر جلال کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تم کو یہ اطمینان بھی رہنا چاہیے کہ گیری سے ذاتی طور پر بدلہ لینے کی کوشش بھی جاری ہیں۔'' میری زبان سے وہ انکشافات سن کر تینوں چونک پڑے۔

''جوش میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا لینا'' جنرل نے جلدی سے کہا ''میں تمہاری مہم جویانہ طبیعت کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ یقین کرو کہ گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ وہ امریکی مشینری کا ایک پرزہ ہے۔ وہ اپنی ذمے داریاں پوری کر رہا ہے۔ اس کی ڈور کہیں اور سے ہلائی جا رہی ہے۔''

''آنے والی دوپہر تک اس کے ستارے گردش میں آسکتے ہیں'' میں نے بتایا۔

''تو......!'' جلال نے تیزی سے کہا ''تم اس سے دور رہو گے۔''

''اس کے قتل کے لیے مجھے پانچ لاکھ روپے کی پیشکش کی گئی ہے۔''

''کوئی تمہیں اس سے لڑوا کر ختم کرنا چاہتا ہے۔ بھول کر

بھی اس چکر میں نہ آنا'' اول خان نے بے ساختہ تنبیہہ کی۔

''دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں'' جنرل نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اس وقت پاکستان میں کسی امریکی کا خون بہا تو بہت سنگین مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ ہمارے لیے کڑا وقت ہے۔ تم کو بھی برداشت اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔''

''یہ دو گیدڑوں کی لڑائی ہے، جس میں مجھے مفت کا ایک موقع ہاتھ آرہا ہے اور تم سب میری پوری بات سنے بغیر اپنے فیصلے صادر کیے جا رہے ہو۔''

''تم اپنی کہانی سنا دو'' جنرل نے مربیانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''یہ خیال رہے کہ گیری کا خون اس وقت بہت قیمتی ہے۔ اس کا زیاں نہیں ہونا چاہیے۔''

میں نے ان تینوں کو پورے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''یہ حیرت ناک صورت حال ہے'' پوری تفصیل سن کر جلال بے ساختہ بول پڑا ''چور کو مور پڑنا اسی کو کہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مارنے کے در پے ہیں اور کمال ہے کہ سوبھراج اسے پلیٹ میں سجا کر نہ صرف تمہیں پیش کر رہا ہے بلکہ اس کام کے عوض پانچ لاکھ روپے دینے پر بھی آمادہ ہے۔''

''اب بتاؤ کہ ان حالات میں میری رال نہ ٹپکے تو کیا ہو؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ تم سوبھراج کی مکمل برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو'' اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا ''وہ تم پر پورا بھروسا کرنے لگا ہے۔''

''ایسا ویسا...... شام کو اس نے مجھے را کے دو ایجنٹوں کی آمد کی خبر دی تھی۔ ان دونوں کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گئے ورنہ اس وقت وہ بھی یہاں موجود ہوتے۔''

میں جلال کے ایما پر صدف مینشن پہنچا تھا۔ میں نے وہاں جاتے ہی اپنی کوئی بات شروع نہیں کی۔ پوری توجہ سے ان لوگوں کی گفتگو سنتا رہا کیونکہ اس غیر رسمی اجلاس کا مقصد جلال اور جنرل کے درمیان آزادانہ تبادلۂ خیال تھا۔

ان دونوں کی وہ باتیں ختم ہونے کے بعد میں نے گیری کا ذکر نکالا تو مجھے خود بھی را والوں کا خیال نہیں آسکا۔

حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے آئے ہوئے ایجنٹوں کے ساتھ کسی بڑی معرکہ آرائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں مجھے جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ قصہ اس قدر پھسپھسا تھا کہ میں اسے بھول ہی گیا تھا۔

اول خان کی زبان سے سوبھراج کی برین واشنگ کا ذکر سنتے ہی مجھے وہ دونوں بھی یاد آگئے۔

را کے ایجنٹوں کا ذکر اتنے سرسری انداز میں سامنے آیا تو وہ تینوں ہی حیرت سے اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔ جنرل کے لیے وہ دونوں گیری سے زیادہ اہم تھے۔

حسن اور ذکی کی روداد ان تینوں کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوئی۔

''صحیح معنوں میں یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے'' جلال نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''کاش ان دونوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ آگیا ہوتا۔''

''سوبھراج ان دونوں کی طرف سے خوف زدہ ہے۔ اسے ڈر ہے کہ ان کی کسی دہشت گردی کو میں اس کے کھاتے میں نہ ڈال دوں'' میں نے کہا ''مجھے امید ہے کہ وہ دونوں اس سے رابطہ کریں گے اور وہ فوری طور پر مجھے اطلاع دے دے گا۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ را والے ایک دو مہینے تک کسی کو ادھر بھیجنے کی ہمت کر سکیں گے۔'' جلال بولا ''گوپال راج ان کا بہت کامیاب بلیک کیٹ تھا۔ ہمارے سات قیدیوں کی رہائی کے بدلے اسے واپس لیتے ہی انہوں نے یہ ٹیم بھیجی ہے۔ میری تمنا ہے کہ وہ کوئی بڑی کارروائی کرنے سے پہلے پکڑے جائیں۔''

''ہر محاذ کی خبریں گرم ہیں'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا ''دیکھنا ہوگا کہ پہلے کہاں پیش رفت ہوتی ہے۔''

''پہلا معرکہ گیری والا ہی ہو سکتا ہے'' جنرل بولا ''اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا تھا؟''

''مجھے بھی اندازہ ہے کہ اس کی ہلاکت سے مسائل پیدا ہوں گے'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اسے مار پیٹ کر چھوڑنا زیادہ بہتر رہے گا۔''

''یہ کام تم کہاں کرو گے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔

''اسے اگر آنا ہے تو وہ فرنچ بیچ پر آئے گا۔ اس سے وہیں نمٹنا پڑے گا۔''

''شاید تم نے وہ علاقہ نہیں دیکھا، صرف فرنچ بیچ کا نام سنا ہے'' جلال نے میرے جواب پر اپنی رائے ظاہر کی اور میں اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

''وہ کھلا ساحلی علاقہ نہیں ہے، جہاں ہر شخص کو جانے کی آزادی ہو'' جلال مجھے بتانے لگا ''وہ اعلیٰ سرکاری افسروں اور غیر ملکی سفارت خانوں کے لیے محفوظ کیا ہوا ساحل ہے جہاں اجازت نامے کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ وہاں ہر وقت چاق و چوبند بلوچ محافظ گشت پر رہتے ہیں اور تاک جھانک

کرنے والوں کے ساتھ بہت درشتی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تم گیری پر اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ وہ سختی سے مداخلت کریں گے اور گیری کو تمہارے چنگل سے نکال لے جائیں گے۔''

''پھر تو مسئلہ الجھ جائے گا۔ پہلا مسئلہ اجازت نامے کا ہوگا، وہ کہاں سے ملے گا۔''

''اس کی تم پروا نہ کرو۔ میں بندوبست کردوں گا لیکن سوال یہ ہے، تم فرنچ بیچ پر پہنچ گئے اور گیری بھی وہاں آ گیا۔ تب بھی تم اس کا کیا بگاڑ لو گے؟ تم دونوں کے دست و گریباں ہوتے ہی محافظ اسے بچانے کے لیے آ جائیں گے۔''

میں الجھ کر رہ گیا۔ سوبھراج گردش میں آنے سے پہلے معزز سیاست دانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اپنی اس حیثیت میں اسے فرنچ بیچ تک رسائی حاصل تھی۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ وہاں دعوتیں کرتا رہتا تھا اور جنگل میں منگل کا سماں ہو جاتا تھا اور اس کے مہمانوں کے سوا وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

اس مقام پر کسی کمین گاہ سے گھات لگا کر کسی حریف کو موت کے گھاٹ اتارنا زیادہ آسان تھا۔ کسی کو مارنا پیٹنا اس کے مقابلے میں بہت دشوار تھا۔ سوبھراج نے یہ نکات اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے مجھے گیری کو ٹھکانے لگانے کا کام سونپا تھا۔

''تمہارا فرنچ بیچ جانا کیا ضروری ہے'' مجھے خاموش پا کر جنرل نے مشورہ دیا ''تم اسے راستے میں بھی روک سکتے ہو۔ وہاں آمدورفت کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔''

جنرل کا مشورہ کسی حد تک معقول تھا مگر اس میں ایک سنگین خطرہ مضمر تھا۔

گیری اور سوبھراج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ سوبھراج وہاں جانے سے منکر ہو گیا تھا۔ گیری اپنی دانست میں اسے مارنے کے لیے وہاں جاتا۔ اس مہم کے لیے گیری کا مسلح ہونا ناگزیر تھا۔

اسے راستے میں روکنے کی کوشش کی جاتی تو وہ بھڑک کر آتشیں ہتھیاروں کا استعمال شروع کرسکتا تھا اور وہ مقابلہ ایک خونی تصادم کی صورت اختیار کرسکتا تھا جب کہ میں خوں ریزی سے بچنا چاہتا تھا کیونکہ گیری کی موت ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔

''تم اجازت نامے کا بندوبست کرو۔ میں دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیے'' میں نے ان پر اپنے خدشات کا اظہار کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

''کم از کم مجھے تو بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ گیری کے معاملے میں آئی بی والے تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ ایس ٹی ایف اس وقت بالکل مفلوج ہے۔ تم کو زیادہ خطرات مول لینے سے گریز کرنا چاہیے۔''

''یہ سب پہلو میرے ذہن میں موجود ہیں'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تم بےفکر رہو۔ زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں گیری سے بھڑنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہارا وعدہ ہے!'' جلال نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پکا وعدہ!'' میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

مجھ سے مضبوطی سے ہاتھ ملاتے ہی جلال نے میز کی دراز کھول کر انٹیلی جنس بیورو کا ایک چھپا ہوا لیٹر ہیڈ نکالا، اس پر ہاتھ سے کچھ لکھ کر اپنے دستخط کیے اور وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے تحریر پر ایک نگاہ ڈالی۔ مخصوص سرکاری انداز میں لکھا ہوا تھا کہ اس تحریر کے حامل کو اپنے ہمراہیوں سمیت فرنچ بیچ کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔

وہ تحریر پڑھ کر میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیوں ہنس رہے ہو؟ کیا میری تحریر میں کوئی غلطی ہے؟'' جلال نے کچھ بےآرام ہو کر خفت سے سوال کیا۔

''بھول گیا تھا کہ تم بیسویں گریڈ کے ایک بڑے سرکاری افسر ہو'' میں نے وہ کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا'' جنرل نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کرسی چھوڑ دی ''اب میں چلوں گا۔''

وہ جلال کا مہمان تھا۔ اگلی صبح اسے اسلام آباد روانہ ہونا تھا۔ جلال نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھا اور ان دونوں کے ساتھ ہولیا۔

میں نے بھی دروازے تک آ کر ان کو رخصت کیا تو اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں ''کیا ابھی تم یہاں رکو گے؟''

''ڈسٹنیل سے مل کر جاؤں گا۔ اسٹیشن نور کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے میں نے اسے یہاں پہنچایا تھا'' میں نے جواب دیا۔

وہ جنرل وقار کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ جنرل نے جاتے جاتے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں گیری ہارٹ کے معاملے میں جوش کے بجائے ہوش سے کام لوں اور اپنی سلامتی کو

انتقامی جذبے پر مقدم رکھوں۔
ان کے جاتے ہی مسلح محافظ نے صدف مینشن کا وزنی دروازہ بند کر دیا۔
"مجھے وہ دونوں معزز چہرے ابھی تک نظر نہیں آئے جنہوں نے سنیل کو لے کر مجھے یہاں سے لوٹایا تھا۔" لوٹتے ہوئے میں نے جلال سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
"آج ان کی ہفتہ وار تعطیل ہے۔ میں پھر پوچھ رہا ہوں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی!"
"بدتمیزی نہیں کی تھی مگر اپنی اصول پرستی سے مجھے مایوس ضرور کیا تھا۔"
اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور اس بند کوٹھری کی طرف بڑھ گیا جس میں سنیل کو رکھا گیا تھا۔
دروازہ کھلتے ہی فرش پر سنیل نظر آ گیا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی یرقان زدہ روشنی میں اس کا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی، سر کے بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے اور لباس میلا ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر چمکتی ہوئی سفید آنکھوں میں دہشت کے سائے لرزاں تھے۔
"کرنل!" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ نحیف آواز میں کراہا "مجھے معاف کر دو، مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا......اپنے مالک کا حکم مانا ہے......"
"تم انسان کے نام پر ایک بدنما داغ ہو۔ تمہارے مقدر کا فیصلہ کوئی عدالت کرے گی۔ جب تک تمہارا مالک ہاتھ نہیں آ جاتا، تم کو یہیں رہنا ہوگا۔"
اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آئی بی والوں نے اس پر خاصی محنت کی تھی۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اگلوانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں کوٹھری سے نکل آیا۔
مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ سنیل سے اس کے شایانِ شان سلوک کیا گیا تھا۔ میرے سامنے ضابطے اور اختیار کی رٹ اس لیے لگائی گئی تھی کہ میں ان لوگوں کے لیے باہر کا آدمی تھا۔ وہ ایسے کسی آدمی کو اپنے غیر روایتی تفتیشی طریقوں کا گواہ نہیں بنا سکتے تھے۔
"تمہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔
"کس سوال کی بات کر رہے ہو؟" میں نے الجھ کر کہا۔
"میرے آدمیوں نے تمہیں ضرور مایوس کیا تھا لیکن سنیل کو مایوس نہیں کیا۔ کسی قیدی کو معذور کیے یا ہڈی پسلی توڑے بغیر مایوسی کی انتہا کو پہنچا دینا ایک پیشہ ورانہ فن ہے۔
جب قیدی کو کہیں سے کوئی مدد یا سہارا ملنے کی امید نہیں رہتی تو پھر وہ اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سنیل اب اس منزل پر آ پہنچا ہے۔"
"جب مدن لال بول پڑا تو اب اس کی کیا اہمیت رہ گئی ہے؟"
"مدن لال نے ان دونوں کو پناہ دی، سوبھراج کو رقوم وغیرہ فراہم کرتا رہا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کا بیٹا اس سے زیادہ ناکارہ ثابت ہوا ہے۔ وہ دونوں صرف مینشن کے باورچی خانے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ سوبھراج کے کرتوتوں کی اصل کہانیاں سنیل کے سینے میں دفن ہیں۔ عدالت میں وہی کام آئیں گی۔"
"اب یہاں آ ہی گیا ہوں تو بقیہ قیدیوں کے دیدار بھی کرا دو۔"
وہ اوپر جانے والے چوبی زینوں کی طرف ہو لیا۔
نرمل اور مدن ایک ہی کوٹھری کے فرش پر بالکل بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کو دنیا و مافیہا سے بے خبر پا کر میری سوالیہ نگاہیں جلال کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں تو اس نے بتایا کہ باپ بیٹے نے صدف مینشن کو سر پر اٹھایا ہوا تھا۔
الگ الگ کوٹھریوں میں بند ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے آوازیں ملا کر ایسے بھیانک سروں میں بین کر رہے تھے کہ اس عمارت کے سنگ دل محافظوں کے دل بھی لرزنے لگے تھے۔ جلال ان دونوں کی گرفتاری ظاہر کر کے ضمانت پر رہائی کا اصولی فیصلہ کر چکا تھا لیکن اس پر عمل درآمد کرنے سے پہلے انہیں چند دنوں کے لیے صدف مینشن کا مہمان رکھنا چاہتا تھا تاکہ بقیہ زندگی میں انہیں بھول کر بھی کسی مجرم کا ساتھ دینے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔
اوپر کی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں شیبا بند تھی۔ وہ کمرا قدرے صاف اور روشن تھا۔ شیبا کو فرش پر گدا، تکیہ اور چادر فراہم کی گئی تھی۔
وہ صدف مینشن کے ماحول اور وہاں کی فضا میں گونجنے والی لرزہ خیز آوازوں سے واضح طور پر خوف زدہ تھی لیکن اس کے حواس زائل نہیں ہوئے تھے۔
اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے احتیاط کے طور پر تحویل میں لیا گیا تھا۔ اس سے کوئی بازپرس کی گئی تھی نہ اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔
ہم دونوں کو دیکھتے ہی وہ بستر سے اچھل کر کھڑی ہو گئی اور اس کی غصیلی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔
"دغا باز!" وہ خوف سے سرسراتی ہوئی، نفرت آمیز

آواز میں بولی ''مجھ سے کہتے تھے کہ میں سنیل کا چہیتا دوست، مہیش اگروال ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم کرنل داور ہو تو تمہیں اپنے گھر میں نہ آنے دیتی۔ میں......''

''خاموش رہو!'' میں نے آنکھیں نکال کر غراتی ہوئی آواز میں اسے ڈانٹا ''جو عورت ایک وقت میں دو مردوں کے بستر پر وقت گزارتی ہے، اس سے بڑا دغا باز اور بے وفا کوئی نہیں ہوتا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ورنہ اب تک تمہارا حشر خراب ہو چکا ہوتا۔''

میری پھٹکار سے وہ سہم گئی اور مدافعانہ لہجے میں بولی ''تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر میں تمہیں ہر بات بتا چکی ہوں۔ میں اپنے مرد کی مرضی سے سوبھراج کو خوش کرتی تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اپنے مرد کی خوشی کے لیے کوئی عورت پاپ بھی کرتی ہے تو وہ اس کا پن بن جاتا ہے۔ میں نے......''

''شٹ اپ!'' اس بار جلال کو غصہ آ گیا ''دنیا کا کوئی دھرم ایسے غلیظ گناہوں کو نیکی کا درجہ نہیں دیتا۔ یہ سب تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔''

''میں اچھی بھلی اپنے گھر میں پڑی تھی۔ تم مجھے یہاں کیوں اٹھا کر لائے۔ مجھے میرا قصور تو بتا دو۔ میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے!'' وہ روہانسی ہو گئی۔

شیبا کے وہ سوال معقول تھے لیکن اسے یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ اسے سوبھراج کے پکڑے جانے تک کے لیے احتیاطاً قید کیا گیا ہے۔ جلال خاموش رہا۔ اسے جواب دینے کی ذمے داری میرے سر آن پڑی۔ میں نے کہا ''تمہارا یہ جرم معمولی نہیں ہے کہ تم نے ہمیشہ سنیل کا ساتھ دیا جو ایک مجرم ہے۔''

''مجھ سے بڑی سے بڑی سوگند لے لو۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ راج محل جا کر کیا کرتا ہے۔ میں مجرم نہیں ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔''

اس کے منہ لگنا فضول تھا۔ ہم واپسی کے لیے مڑے تو اس نے ہذیانی انداز میں اپنی رہائی کے لیے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں اس کی فریادوں پر کوئی دھیان دیے بغیر باہر نکل آئے اور وہ دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

میرے نکتہ نظر سے وہ تینوں قیدی بے کار تھے۔ ان میں صرف سنیل کارآمد ثابت ہو سکتا تھا مگر وہ جگر خراش تشدد سہنے کے باوجود اپنے اس موقف پر اڑا ہوا تھا کہ اسے سوبھراج کی مجرمانہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ مشتبہ معاملات سے وہ بالا ہی بالا خود نمٹتا تھا۔ اس طرح کے اس کے مجرمانہ روابط سیٹ لائٹ فون کے ذریعے برقرار تھے جو ہر وقت سوبھراج کی ذاتی تحویل میں رہتا تھا۔

میں دل ہی دل میں دعا مانگ کر رہ گیا کہ اس کے بارے میں جلال کی توقعات جلد پوری ہوں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سنیل اعصابی شکست و ریخت کے اس مرحلے پر آن پہنچا تھا جہاں اس کے لیے سچ کو چھپانا دشوار ہو جاتا۔

''تم ہر وقت یہاں نہیں ہوتے۔'' میں نے زینے اترتے ہوئے جلال سے کہا ''سنیل پر تمہارے خاص آدمی مامور ہوں گے۔ ان کو سنیل سے یہ ضرور پوچھنا چاہیے کہ اگر وہ جرائم میں اپنے مالک کا شریک نہیں تھا تو پھر زبردست خطرہ مول لے کر کسی قسم کے کاغذوں کو نذر آتش کرنے کے لیے اپنے گھر واپس کیوں آیا تھا؟''

''یہ کلیدی سوال ہے۔ میں انہیں ضرور بریف کروں گا۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا ''اسے تم نے پکڑا تھا۔ یہ سوال تمہارے ہی ذہن میں آ سکتا تھا۔ میرے آدمی اس کی گرفتاری کے پورے پس منظر سے بے خبر ہیں۔''

''اسی وجہ سے میں سنیل سے باز پرس کے دوران میں یہاں موجود رہنا چاہ رہا تھا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔''

''تم چاہو تو اس وقت سنیل پر کچھ طبع آزمائی کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے خوف سے اسی وقت بولنا شروع کر دے۔''

''اس وقت موڈ نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

زینے اتر کر میں سیدھا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ پھر ہم دونوں بند دروازے کے قریب رک گئے۔ محافظ دروازہ کھولنے کے لیے ہمارے اشارے کے منتظر تھا۔

میرے جواب پر جلال نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن پھر یکایک موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آ رہا ہے کہ کہیں دونوں کام ایک ہی وقت میں جمع نہ ہو جائیں۔''

اس کے وہ فقرے میرے سر پر سے گزر گئے۔ میں نے کہا ''تم کن دونوں کاموں کی بات کر رہے ہو؟''

''گیری نے سوبھراج کو ایک سے دو بجے کے درمیان کا وقت دیا ہے۔ اگر اسی دوران میں سوبھراج کی طرف سے را والوں کے بارے میں کوئی خبر آ گئی تو تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔''

''گیری سے فوری طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔'' میں نے ذہن پر قدرے زور دیتے ہوئے کہا ''میں اسے سوبھراج کے نام پر سبق دینا چاہتا ہوں۔ اس کے برعکس را کے دونوں آدمی خطرناک ہیں۔ وہ موقع پاتے ہی کہیں بھی اپنا

کام دکھا سکتے ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا میری پہلی ترجیح ہوگی۔''

''مجھے تمہاری یہی ادا بہت پسند ہے!'' جلال خوش ہو کر بولا ''تم بہت تیزی کے ساتھ مثبت اور صحیح فیصلے کرتے ہو۔ میں ذرا تذبذب میں تھا کہ دونوں کاموں میں وقت کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کو ترجیح دینا مناسب ہوگا۔ تمہاری دلیل بہت وزنی ہے۔ فوری خطرے کا فوری سدِباب ہونا چاہیے۔''

''جنرل صبح کراچی سے روانہ ہو جائے گا لیکن تم یہاں رہو گے!'' میں نے اس سے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''فی الحال یہاں رکنا پڑے گا۔ راوالوں کی آمد کی خبر دے کر تم نے میرے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان لوگوں کو مخبری کے لیے آنا ہوتا ہے تو یہ اسلام آباد کا رخ کرتے ہیں جہاں مرکزی حکومت کا سارا ریکارڈ رہتا ہے۔ کراچی میں ان کی موجودگی کا مقصد تخریب کاری اور دہشت گردی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے آدمیوں کو الرٹ کرنا پڑے گا۔ مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی ہے۔''

وہ جلال کی ایمانداری تھی کہ اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کیے بغیر صاف الفاظ میں حقیقت بیان کر دی۔ اس کی بے خبری میں ان کے محکمے کی کوتاہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ آنے والے سرحد پار سے غیر قانونی طریقوں سے آتے تھے اور اپنے رنگ روپ اور خدوخال کی بنا پر آسانی سے مقامیوں میں گھل مل جاتے تھے۔ کسی مخبری کے بغیر ان کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

میں اس سے رخصت ہو کر واپس گھر پہنچا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ ابرار اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ بقیہ لوگ اطمینان سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح پرسکون ثابت ہوئی۔ میرا دھیان مسلسل سوبھراج کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ راوالوں کے بارے میں کوئی خبر ملتے ہی مجھ سے رابطہ کرے گا لیکن اس کی طرف سے مسلسل خاموشی تھی۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ نیو خان ہوٹل کے تلخ تجربے کے بعد را کے دونوں کارندوں میں سے کسی نے سوبھراج سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کی وہ خاموشی میرے لیے تشویش ناک تھی۔

اس دوران میں ویرا نے مجھے مشورہ دیا کہ میں خود سوبھراج سے رابطہ کر کے حقیقت جاننے کی کوشش کروں لیکن میں نے اس کا وہ مشورہ مسترد کر دیا۔ پچھلی رات اول خان کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ چکی تھی کہ میری طرف سے سوبھراج کی مکمل برین واشنگ ہو چکی تھی۔ وہ میرے یعنی ڈینی کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اسے کوئی خبر ملتی تو اسے پہلی فرصت میں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اور سلطان شاہ کو بارہ بجے گیری کی تلاش میں میں ساحلی علاقے کی طرف روانہ ہو جانا تھا۔ ویرا نے ہمارے ساتھ جانے کے لیے ایک مرتبہ پھر اصرار کیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ قائل ہو چکی تھی کہ گیری سے اس کا سامنا ہونا ہمارے لیے کسی بھی طرح سودمند ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر کی نیم دلانہ بحث کے بعد ویرا نے خاموشی اختیار کر لی۔

صدف مینشن میں مجھے فرنچ بیچ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ بہت اہم تھا لیکن میں نے وہ باتیں ان تینوں کے سامنے نہیں دہرائی تھیں۔ وہاں درپیش مشکلات کے پیشِ نظر میں نے خاموشی سے ایک لائحہ عمل طے کر لیا تھا مگر وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ گیری ساحل پر موجود ہوگا اور ہم دونوں اسے وہیں گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

سوبھراج نے اسے سوئمنگ کاسٹیوم میں فرنچ بیچ پر ملنے کی شرط عائد کر کے بڑی حد تک بے دست و پا کر دیا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مخصوص ساحلی علاقے میں گیری کو تاک کر نشانہ بنانا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔

بارہ بجے ہم گھر سے روانہ ہوئے تو ویرا اور غزالہ بھی تیاری میں مصروف تھیں۔ انہوں نے دو کام از خود اپنے سر لیے تھے۔

مسز شیر دل سے ملاقات کا خیال ویرا کے ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جب سے اس سے ملی تھی، ایک لمحے کے لیے بھی اسے اور اس کے بچوں کو نہیں بھول سکی تھی۔ وہ ایک مجرم کا گھرانا تھا جو عزت اور شرافت کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

ویرا اس عورت سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ وہ اپنی مفروضہ این جی او کی طرف سے اس کے بچوں کی ماہانہ فیس ادا کرتی رہے گی۔ ہم میں کوئی بھی ویرا کے کیے ہوئے اس وعدے سے منحرف ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اپنے چکروں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وقت کی پابندی کے ساتھ ہر مہینے فیس کی رقوم باقاعدگی سے بھیجتے رہیں۔

اس دقت کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسز شیر دل کو

یک مشت ایک لاکھ روپے دے دیئے جائیں اور وہ اس رقم میں سے اپنے بچوں کی فیسیں ادا کرتی رہے۔ وہ اس روز کے لیے ان دونوں کا پہلا کام تھا۔

دوسرے کام کا تعلق گاڑی سے تھا۔ میری کار اسٹیشن فور پر گرنے والے راکٹ کا نشانہ بن کر تباہ ہو چکی تھی۔ میرے اس نقصان کے بارے میں جنرل سے زیادہ اول خان نادم تھا کیونکہ میں اسی کے بلاوے پر جنرل سے ملاقات کرنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مالی مسائل حل ہونے کے بعد شاید وہ میرے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش بھی کرتا لیکن میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اول خان متوسط طبقے کا ایک سفید پوش اور ایمان دار ملازم تھا۔ اس نے فوری طور پر اپنی گاڑی میرے حوالے کر دی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنی ذاتی گاڑی کے بغیر وہ پریشانی سے دوچار ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ وہ دونوں اپنی پسند سے کوئی اچھی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لیں تاکہ اول خان کی گاڑی فوری طور پر اسے لوٹائی جا سکے۔

گھر سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد سلطان شاہ بولا ''میں نے ابھی تک اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولی لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ ہم مفت میں مسز شیر دل پر ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم کیوں برباد کر رہے ہیں!''

''وہ ایک ضرورت مند بیوہ ہے!'' میں نے اختصار سے جواب دیا۔

''شہر میں اس سے کہیں زیادہ ضرورت مند بیوائیں موجود ہیں۔'' اس نے اعتراض کیا ''تم دس لاکھ روپے جیب میں ڈال کر میرے ساتھ چلو۔ میں پٹھان کالونی اور شیریں جناح کالونی میں تمہیں ایسے ایسے گھر دکھاؤں گا جہاں دو تین دنوں میں صرف ایک بار چولہا روشن ہونے کی نوبت آتی ہے۔ بیوائیں صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بھی اپنے بچوں کے لیے دو وقت کی روٹی فراہم نہیں کر سکتیں۔ تم اپنی جیبیں خالی کر دو گے لیکن ایسے گھرانے ختم نہیں ہوں گے۔ شیر دل کی بیوہ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

میں زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اس کی وہ جذباتی تقریر سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے آہستہ سے کہا ''تم بھول رہے ہو۔ اس نے ہماری مدد کی ہے۔''

''مدد کرنے سے زیادہ اس نے دیرا کو اپنی درد بھری داستان سنائی تھی۔ یہ ویرا کی مرضی ہے کہ وہ جہاں چاہے، رقم لٹاتی پھرے!'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نرمل کمار کا فون نمبر اسی سے ملا تھا۔ اگر سنیل کے سامنے وہ نام نہ لیا جاتا تو شاید وہ مر کر بھی یہ نہ بتاتا کہ سوبھراج نے مدن لال کے گھر میں پناہ لی ہوئی ہے۔ وہ بہت اہم پیش رفت تھی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''سوال افادیت کا ہے۔ اس پیش رفت سے ہمیں کیا ملا؟ آئی بی والے مدن لال کے گھر پہنچے لیکن سوبھراج ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔'' وہ جھلائے ہوئے انداز میں بحث پر آمادہ تھا۔

''سوبھراج کو وہاں سے بھاگنا نہ پڑتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ وہ میرے اوپر اتنا زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ایک لاکھ روپے مسز شیر دل کا انعام ہیں۔ اس نے ہماری مدد کی۔ ہم اس کی مالی مدد کر رہے ہیں۔''

''رقم تمہاری ہے۔ اگر تم اس طرح سوچتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے!''

''مرچیں نہ چباؤ۔ اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''اس وقت ہم ایک اہم مہم پر جا رہے ہیں۔ ہم ذرا بھی چوکے تو گیری ہم پر رحم نہیں کرے گا۔''

''تم پہلے بھی فرنچ بیچ گئے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے ایک معقول سوال کر کے اپنی حاضر دماغی کا ثبوت فراہم کر دیا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وقت نہیں تھا ورنہ ہمیں پہلے سے وہاں کا ایک چکر لگا کر جائزہ لے لینا چاہیے تھا۔''

''وہ کھلا ساحلی علاقہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے فرنچ بیچ کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

''پھر وہاں جانا بے سود ہے۔ اس بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ سوبھراج نے جگہ کے انتخاب میں زبردست غلطی کی ہے۔ اسے کسی اور مقام کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔''

''وہ ڈی آئی پی کی حیثیت سے وہاں جاتا رہا ہوگا۔ یہ تفصیلات اس کے علم میں نہیں ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گیری سے بات کرتے ہوئے اس نے تمہارے بارے میں نہ سوچا ہو۔ سب کچھ طے کر لینے کے بعد اسے تم کو گیری سے بھڑانے کا خیال آیا ہو۔''

سلطان شاہ کی دونوں باتیں درست تھیں۔ میں نے کہا ''وہاں جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ ہم اس پر رک کر گیری کو گھیرنے کی کوشش کریں گے۔''

''موجودہ حالات میں یہی ایک راہ رہ جاتی ہے۔'' وہ بولا۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خیالات کی رو میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حسن اسکوائر سے میں نے گاڑی لیاقت آباد کی طرف موڑ لی تھی۔ لیاقت آباد، ناظم آباد اور پھر سائٹ کی مرکزی شاہراہ سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر میں گلبائی کے چوک پر پہنچ گئے۔ وہاں سے داہنی طرف وہ سڑک تھی جو سرکلر ریلوے لائن کو عبور کر کے پی اے ایف مسرور سے ہوتی ہوئی ساحلی علاقے کی طرف نکل جاتی تھی۔

کسی کھلے ویرانے کے مقابلے میں پی اے ایف بیس سے آگے کا علاقہ میری نظر میں موزوں تھا۔ خودرو جھاڑیوں سے گھرے ہوئے میدان پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی گاڑی واپس گھمائی اور شہر کی طرف جانے والے رخ پر، سڑک سے اتار کر روک دی۔ اس طرح ہم شہر کی طرف سے آنے والی گاڑیوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔

ہم ساڑھے بارہ بجے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اس دوران میں ہم دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے پھر تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔ دونوں میں سے کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔

رسٹ واچ میں ایک بجا تو میرے ذہن پر مایوسی حملہ آور ہونے لگی۔ گیری کوئی احمق نہیں تھا۔ وہ سوبھراج کی چال کا اندازہ لگا کر فرنچ بیچ آنے کا ارادہ منسوخ کر سکتا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ اپنا مضبوط مورچا جمانے کے چکر میں ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ساحل کی طرف نکل گیا ہو۔

صورت احوال جو بھی رہی ہو، میں دو بجے تک وہاں رکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے منفی خیالات میں سلطان شاہ کو شریک نہیں کیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اکتاہٹ کا شکار ہو کر اسی وقت واپسی کا دباؤ ڈالنا شروع کر دے گا۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا اس لیے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں تھی۔ شہر سے آنے والی گاڑیوں میں اس وقت تک سفارتی نمبر پلیٹ والی کوئی گاڑی نہیں گزری تھی۔ ویسے بھی مجھے یقین تھا کہ گیری نے ادھر آنے کا ارادہ کیا تو وہ سفارتی گاڑی کو اپنی آمد کا اشتہار نہیں بنائے گا۔

وہ آتا تو اپنے دل میں سوبھراج کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر آتا۔ اس کے لیے بہتر یہ ہوتا کہ وہ عام نمبروں والی کسی بھی گاڑی میں مقررہ مقام پر پہنچتا اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔

ایک بجے کے بعد سڑک پر ایک شاندار گاڑی تیرتی ہوئی نظر آئی۔ شہر کی طرف سے آنے والی اس گاڑی کی انفرادیت نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

گاڑی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک مقامی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر والی نشست خالی تھی۔

گاڑی بہت تیزی سے آئی اور ہمارے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ گاڑی کے چڑھے ہوئے شفاف شیشوں کے عقب میں گاڑی کی پچھلی نشست پر ایک سفید فام اس طرح دھنسا ہوا بیٹھا تھا کہ بادی النظر میں دور سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میں پہلے سے اپنے شکار کی گھات میں تھا اور پھر گاڑی کے نئے نویلے پن نے مجھے مزید چوکنا کر دیا تھا اس لیے وہ سفید فام میری نظروں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ ہونے کی وجہ سے وہ کئی ثانیوں تک میری نگاہوں کی دسترس میں رہی تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ گیری ہی تھا جو گود میں رکھے ہوئے کسی اخبار یا رسالے کے مطالعے میں مستغرق تھا۔

مجھے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلطان شاہ نے میری نگاہوں اور جسمانی اضطراب سے معاملے کی نزاکت بھانپ لی اور ہیجان زدہ لہجے میں بولا ''کیا اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر کوئی موجود تھا؟''

میں نے گھور کر اسے دیکھا پھر مجھے خیال آیا کہ میرے مقابلے میں وہ خراب پوزیشن میں تھا۔ اپنی پسنجر سیٹ سے اس کے لیے سب کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

''وہی تھا، اب تک سوبھراج اپنی حکمت عملی میں کامیاب نظر آ رہا ہے'' میں نے کہا۔

''ایف بی آئی والے واقعی سوبھراج کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ گیری کی آمد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اسے مارنے کے لیے بے تاب ہیں'' وہ جھرجھری لے کر بولا۔

وہ ساحل کی طرف گیا تھا۔ اسے کم از کم دو بجے تک فرنچ بیچ پر رک کر سوبھراج کی آمد کا انتظار کرنا تھا اس لیے اس کی فوری واپسی کی امید نہیں تھی۔

میں نے جوں ہی انگنیشن آن کیا، سلطان شاہ چونک پڑا ''کیا اس کے پیچھے جانے کا ارادہ ہے تمہارا؟''

''میں عقل سے اتنا عاری نہیں ہوں۔ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ دیر میں واپس آئے گا۔ اس دوران میں ہم اپنے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔''

میں نے گاڑی دوبارہ گھمالی اور درمیانہ رفتار سے اسی سمت میں ہولیا جدھر گیری کی گاڑی گئی تھی۔

شکار نظر آ جانے کے نتیجے میں میرا ذہنی دباؤ ختم ہو چکا تھا۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ واپسی پر اسے کہاں اور کیسے روکا جائے۔

اپنی کارکردگی دکھانے کے چکر میں گیری تلوار کی دھار پر چل رہا تھا۔ نک ہاروے اس کا پیش رو تھا۔ اس کے انجام سے اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ آگ سے کھیلنے میں کیسے کیسے خطرات مضمر ہوتے ہیں۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھ دکھانے پر وہ ترس کھا کر اپنی گاڑی رکوا لے گا۔

کچھ دور جانے کے بعد ہمیں سڑک کی داہنی جانب مٹی کے اونچے ٹیلوں کی ایک لمبی سی قطار نظر آنے لگی۔ کافی فاصلے تک جائزہ لینے کے بعد میں نے گاڑی گھمالی اور اسے جھاڑیوں اور مٹی کے ٹیلوں کے قریب روک کر نیچے اتر گیا۔

وہاں کسی قسم کی موٹی پائپ لائن بچھانے کے لیے کھدائی کی گئی تھی لیکن شہر کی روایات کی پاس داری میں اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہمارا گیری کو ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن ہمارے تصرف میں اول خان کی گاڑی تھی۔ جس میں کئی قسم کے آتشیں ہتھیار موجود تھے۔ میں نے ایک مورچے کا انتخاب کرنے کے بعد واپس آ کر گاڑی میں موجود ہتھیاروں کا جائزہ لیا اور پھر ایک ہلکی، خودکار رائفل منتخب کر لی جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

''اب ذرا غور سے میری طرف دیکھو اور پوری ایمان داری سے بتاؤ کہ گیری مجھے کرنل داور کے طور پر پہچان سکے گا یا نہیں!''

''مشکل ہے۔'' اس نے میرا جائزہ لینے کے بعد کہا ''بڑی سی بے ترتیب داڑھی لگانے کے بعد تم کرنل داور سے زیادہ فیڈرل کاسترو کے بھتیجے معلوم ہو رہے ہو۔ بقیہ کسر کانٹیکٹ لینسز نے پوری کر دی ہے۔ ان بھوری آنکھوں کو دیکھ کر وہ کرنل داور کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں سامنے نہ آنا پڑے۔ میں خود بھی اسے سنبھال سکتا ہوں۔''

''سنبھالنے کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ پہلا مسئلہ اسے روکنے کا ہے۔ ہمیں دور سے نشانہ لے کر اس کی گاڑی کا ٹائر برسٹ کرنا ہوگا۔ تم یہ کام کر لو گے؟''

سلطان شاہ نے اپنے دونوں کان پکڑ کر کہا ''تمہارے ہوتے ہوئے میں یہ ذمے داری نہیں لے سکتا۔ تمہارا نشانہ بے خطا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی گڑبڑ ہوگئی تو وہ صاف بچ نکلے گا اور میں اپنا سر پیٹتا رہ جاؤں گا۔''

''تو پھر آؤ۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''رائفل بے آواز ہے۔ فاضل راؤنڈ بھی وافر مقدار میں میسر ہیں۔ ذرا سی چاند ماری کی مشق کر لی جائے۔''

رائفل اور فاضل راؤنڈ کا ڈبا لے کر ہم دونوں مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے نکل گئے۔

نرم اور گیلی مٹی میں بھٹکنے کے بعد ہم دونوں ایسی اوٹ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے پیچھے رہ کر ہم ساحل سے آنے والی سڑک پر دور تک نظر رکھ سکتے تھے۔

''لو، اب شروع ہو جاؤ!'' میں نے رائفل سلطان شاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''وہ کالا پتھر تمہارا ہدف ہے۔''

''پتھر چھوٹا ہے۔'' سلطان شاہ نے رائفل لے کر بے چارگی سے کہا۔

''متحرک ٹائر کے مقابلے میں یہ آسان نشانہ ہے۔'' میں نے اسے ہمت دلائی۔

اس نے نشست لی، ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر کیا۔ سڑک کے کنارے دھول اڑی مگر پتھر وہیں پڑا رہا۔

اس کے تیسرے فائر کے نتیجے میں پتھر کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔

اس سڑک پر ٹریفک میں تسلسل نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے اِکّا دُکّا گاڑیاں گزرتیں اور پھر کچھ دیر کے لیے سناٹا چھا جاتا۔ گاڑیوں کے نمودار ہونے سے پہلے ہوا کے دوش پر ان کے انجنوں کی ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی آوازیں یہ بتا دیتی تھیں کہ آنے والی گاڑی کس قماش کی ہے۔ ٹرک کے شور اور کار کے انجن کی گونج میں فرق بہت نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کو نشانے بازی کا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ سناٹے میں بار بار گولیاں چلا رہا تھا اور میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی۔

میں دل ہی دل میں ایک دعا مانگ رہا تھا کہ گیری کی واپسی کے وقت سڑک کے دونوں سمتوں میں کوئی اور گاڑی نہ ہو۔ عین موقع پر کوئی اور ادھر نکل آتا تو سارا کام خراب ہو سکتا تھا۔

دو بج کر دس منٹ پر سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا ''وہ

آ رہا ہے!''

میری نظریں دیر سے اسی سمت میں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے گیری کی گاڑی کی پہلی جھلک دیکھتے ہی رائفل سیدھی کرلی۔ گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ پہلی کوشش میں ناکامی کے بعد مجھے اس پر دوسرا وار کرنے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔

میری شہادت کی انگلی ٹریگر پر تیار تھی جوں ہی وہ گاڑی میری زد میں آئی، میں نے بہت احتیاط سے اس کے اگلے ٹائر کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ فائر بے آواز تھا لیکن ٹائر پھٹنے کی آواز خاصی پرشور تھی۔ گاڑی لہرا کر سڑک سے نیچے کچی اور ناہموار زمین پر اتر گئی۔ ڈرائیور بہت ہوشیار تھا۔ اس نے رفتار کم کرکے گاڑی کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی لیکن زمین کی ناہمواری نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔

گاڑی لہراتی ہوئی ہماری طرف آرہی تھی۔ اچانک پھٹا ہوا ٹائر ایک گڑھے میں گیا اور کار پہلو کے بل الٹ گئی۔

گاڑی کا ڈرائیور اس ناگہانی افتاد میں مبتلا تھا۔ گاڑی کے انجن کے ساتھ اس کے اگلے ٹائر تیزی سے گردش کررہے تھے۔ گاڑی الٹتے ہوئے فضا میں ڈرائیور کی بے ساختہ چیخ بھی گونجی تھی۔

گیری کو گاڑی یا ڈرائیور سے زیادہ اپنی سلامتی کی فکر تھی۔ اچانک اوپری سمت کی کھڑکی سے اس کا سر اور پھر دھڑ نمودار ہوا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے کے بجائے وہ عقبی کھڑکی کا شیشہ اتار کر گاڑی سے نکل رہا تھا۔

میں نے بس اتنی دیر انتظار کیا کہ وہ گاڑی سے باہر کود جائے۔ جوں ہی وہ گاڑی کی اوٹ میں میری نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے گاڑی پر دوسرا بے آواز فائر کردیا۔

گیری اپنی الٹی ہوئی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا تو میں نے نشانہ لے کر تیسرا فائر کردیا۔ گولی اس کے پیروں کے قریب زمین میں پیوست ہوگئی۔

تیسرے فائر سے وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ گیری نے حواس باختہ ہوکر اپنا رخ بدل لیا اور سڑک کی طرف جانے کے بجائے مٹی کے ٹیلوں کی طرف دوڑنے لگا۔

شکار دام میں آرہا تھا۔ میں نے اسے مزید بھڑکانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا ریوالور دبا ہوا تھا جسے وہ کسی بھی لمحے استعمال کرسکتا تھا۔ اس کے قریب جانے سے پہلے اسے غیر مسلح کرنا ضروری تھا۔

وہ مٹی کے ٹیلوں کو عبور کرگیا اور ان کی آڑ میں واپس ساحل کی طرف دوڑنے لگا۔ اس وقت اس کے بائیں ہاتھ پر مٹی کے انبار اور داہنی طرف گہری خندق تھی جو شہر کی انتظامیہ نے شاید اسی کے لیے بنوائی تھی۔

میں نے ایک نظر الٹی ہوئی گاڑی پر ڈالی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ کسی بے ڈھب چوٹ کی وجہ سے گاڑی میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ انجن سے تیل بہہ جانے کی وجہ سے انجن خود بہ خود بند ہوچکا تھا۔ گاڑی اور ڈرائیور کا حشر خراب ہوا تھا لیکن گیری اس وقت تک پوری طرح محفوظ تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی الٹنے کے باوجود اس میں آگ نہیں لگی تھی۔ میں نے نتھنے پھُلا کر فضا میں ایک گہرا سانس لیا۔ وہاں پیٹرول کی بو مفقود تھی۔ شاید وہ ڈیزل کی گاڑی تھی۔

الٹی ہوئی گاڑی کے قریب زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ سڑک سے گزرتی ہوئی ایک گاڑی کے سوار وہ منظر دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ انہوں نے اسے کوئی پرانا حادثہ تصور کرلیا ہوگا۔

ایک ہلکی سی اجنبی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ میں پلٹا تو سلطان شاہ ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پتھر دبا ہوا تھا۔

''کیا ہوا...... کون چیخا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔

''میرا مارا ہوا پتھر گیری کی ٹانگ پر لگا تھا۔'' اس نے یہ کہہ کر ہاتھ میں دبا ہوا پتھر پوری طاقت سے گیری پر دے مارا۔

پتھر گیری کی پشت پر پڑا۔ اس کی دوسری چیخ زیادہ تیز تھی۔

''کیا کررہے ہو...... یہ کیا حماقت ہے۔'' میں نے جھلّا کر کہا۔

''پتھر مار کر اس کے ہاتھ سے پستول گرانا چاہ رہا ہوں۔ یہ کام ہو یا نہ ہو، وہ سنگسار تو ہو ہی جائے گا۔''

سلطان شاہ کے اس خیال میں ندرت تھی لیکن اس کی کامیابی کی امید کم تھی میں نے ایک مرتبہ پھر رائفل سیدھی کرلی۔

گیری خندق اور مٹی کے سیدھے ٹیلوں کے درمیان بھاگتا ہوا خاصی دور نکل گیا تھا۔ میں کئی سیکنڈ تک اس کے داہنے ہاتھ کا نشانہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار میں نے یہ سوچ کر گولی چلادی کہ نشانہ خطا بھی ہوگیا تو گیری کی موت کا سبب نہیں بنے گا۔

اس کے متحرک وجود کے سبب میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اس کے بدن کے کس حصے کو چاٹا

لیکن ایک دم ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گہری خندق میں چلا گیا۔ اس کی تیسری چیخ بہت دردناک تھی۔

ہم دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اس کا تعاقب کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ لہرانے لگا تھا۔ شاید میری چلائی ہوئی گولی سے اس کے داہنے ہاتھ اور ران میں زخم آیا تھا!

وہ بدحواس تھا، بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا اور زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس کی رفتار دھیمی ہو گئی تھی جب کہ ہم دونوں تازہ دم اور ولولے سے سرشار تھے۔ ذرا سی دیر میں، میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔

وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن کر بہت زیادہ خوف زدہ تھا پھر بھی وہ مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ غفلت کا ہر لمحہ اس کی زندگی مختصر کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن پر یقینی طور پر یہ خوف طاری تھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ آخر کار موت اس کا مقدر بنے گی۔

اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک مجھے اپنا پچھلا تجربہ یاد آ گیا اور میں نے پیچھے سے اڑنگا دے کر گیری کا توازن بگاڑ دیا۔

سنبھلنے کی کوششوں میں وہ لڑکھڑا کر اس بری طرح گرا کہ اگر میں اس کا کالر پکڑ کر اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ سیدھا چھ سات فٹ گہری خندق میں جا گرتا۔

اس وقت میرے وجود میں نہ جانے کہاں کی طاقت سما گئی تھی کہ میں نے رائفل سلطان شاہ کی طرف اچھال کر گیری کے بھاری بھرکم وجود کو اس کے قدموں پر کھڑا کیا اور اس کے منہ پر داہنے ہاتھ کا زوردار مکا رسید کر کے اس کے ہوش اڑا دیے۔

''نخ...... خدا کے لئے...... مسیح کے نام پر...... مجھے مت مارو۔'' وہ بگڑی ہوئی اور دہشت زدہ آواز میں چلایا۔

''جیبیں خالی کر...... کتنا مال ہے تیرے پاس۔'' میں اس کے سر پر سوار ہو کر بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔ ''ہم سے بچ کر کہاں بھاگ رہا تھا۔''

''مم...... میرے پاس زیادہ رقم نہیں۔'' وہ سازشی درندہ اپنے انجام کو سامنے پا کر خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے بہت سرعت سے اپنی ہپ پاکٹ سے اپنا چرمی بٹوا نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ اس میں ڈیڑھ دو ہزار روپے اور سوا سو ڈالر ہوں گے۔''

''جھوٹے!'' اس بار میں نے اپنے بائیں مکے سے اس کا داہنا جبڑا سہلا دیا۔ ''سچ سچ بتا، تو نے رقم کہاں چھپائی ہے''۔ میں اس سے جان بوجھ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہا تھا تاکہ وہ اس واردات کو رہزنی کا واقعہ سمجھتا رہے۔

یہ بات عین اس موقع پر میرے ذہن میں آئی۔ اگر اسے کسی اور حوالے سے مارا پیٹا جاتا اور زندہ چھوڑ دیا جاتا تو بات نہیں بن سکتی تھی۔

''میں نے رقم کہیں نہیں چھپائی، گاڑی میں بھی کچھ نہیں ہے۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''تم میرے ساتھ چلو۔ جو مانگو گے میں دے دوں گا مگر میرے اوپر ظلم نہ کرو۔''

''تیری ایسی کی تیسی!'' سلطان شاہ اردو میں غرایا اور نال پکڑ کر اس نے رائفل کا دستہ گیری کی پنڈلی پر دے مارا۔

ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ گیری چیختا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ سلطان شاہ نے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

سلطان شاہ نے جو کچھ کیا، درست کیا تھا۔ میں نے بڑھ کر گیری کے چہرے پر تھپڑوں کی برسات کر دی، ساتھ ہی میں اسے برا بھلا بھی کہتا جا رہا تھا۔

''ابے ذلیل بندر! تیری جیب میں پیسے نہیں تھے تو اتنی اچھی گاڑی میں ادھر جھک مارنے کیوں آیا تھا۔ تجھے نہیں معلوم کہ کنگلے شکار پر گولی ضائع کر کے ہم لوگوں کو افسوس ہوتا ہے۔ اب میں قیمتی گولی چلانے کے بجائے ہاتھوں سے تیرا بھرتا بناؤں گا۔''

گیری کو حملہ کرنے کا سرے سے کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ مسلسل مدافعانہ جدوجہد کر رہا تھا جو یکسر ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

''گگ...... گولی نہیں، میں تمہیں رائفل کے پیسے بھی دے دوں گا۔ کنواری مریم کے نام پر...... اپنے خدا کے نام پر مجھے معاف کر دو...... آئندہ میں پیسے ساتھ لے کر نکلا کروں گا۔''

وہ سفاک ضرور تھا مگر نازک اندام بھی تھا۔ میرے چند تھپڑوں سے اس کے چہرے کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ خون کی لکیروں میں اس کا پورا چہرہ نیلا اودا ہو گیا تھا۔

دوسروں کے خلاف سفاکانہ سازشیں کرتے ہوئے اسے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ اس کی اپنی جان پر بن آئی تھی تو اسے خدا سے مریم تک سب یاد آ رہے تھے۔

''تیرا گھر کہاں ہے؟'' میں نے اس کی تذلیل اور توہین کرنے کے لئے اسے ہلکی سی ٹھوکر مار کر پوچھا۔ ''ہم کسی بھی

وقت وہاں آ کر تجھ سے اپنی اس محنت کا ہرجانہ وصول کریں گے۔''

''میں امریکن ڈپلومیٹ ہوں۔ قونصل خانے میں رہتا ہوں۔'' اس نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں جواب دیا۔

''ابے منحوس! یہ بات اب بتا رہا ہے۔'' میں نے اس کے بال نوچ کر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔'' ہم لوگ غیر ملکی افسروں کے منہ نہیں لگتے۔ تیری گاڑی کی نمبر پلیٹ سادی کیوں ہے؟''

''میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا اس لیے سرکاری گاڑی نہیں لایا۔'' اس نے عجلت سے بتایا پھر فریاد کی۔'' ذرا میری گاڑی میں دیکھ لو کہ میرا ڈرائیور صرف بے ہوش ہوا ہے یا مر چکا ہے۔ میرے لیے تو مٹی کے اس ڈھیر سے نکلنا عذاب ہو جائے گا۔''

''تو جھوٹا ہے۔ کس دوست سے ملنے آیا تھا؟ نام بتا اس کا!'' میں نے مطالبہ کیا۔

وہ میرے درشت بلکہ وحشیانہ رویے سے اس قدر دہشت زدہ تھا کہ بے ساختہ بول پڑا۔'' اس کا نام سوبھراج ہے۔ اس سے میرا وقت طے تھا۔''

عام حالات میں وہ فرعون ثانی بنا رہتا تھا لیکن جوتے کھا کر اس نے سچ بولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا کہ سوبھراج پر آنے والی اخباری کہانیوں کے حوالے سے اسے مزید لعن طعن کروں مگر پھر وہ ارادہ ترک کر دیا۔

وہ موضوع اس وقت کے لئے بہت حساس اور نازک ثابت ہوتا۔ میرا انجان بن جانا ہی بہتر تھا۔ ویسے بھی لٹیروں اور رہزنوں کو سیاسی معاملات سے کیا واسطہ...... اس وقت ہم دونوں نے وہی روپ دھارا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے۔ اسے زندہ رکھا جائے یا گلا گھونٹ کر اس خندق میں پھینک دیا جائے!'' میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر انگریزی میں پوچھا تاکہ گیری بھی بات سمجھ لے۔

''مار ڈالو!'' سلطان شاہ نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر بے پروائی سے جواب دیا۔'' ویسے بھی یہ یہاں پڑے پڑے سسک سسک کر مر جائے گا۔''

ہماری وہ مشاورت مہنگی پڑی۔ گیری نے حلق پھاڑ کر پوری قوت سے چلانا شروع کر دیا۔ میں نے اس کا منہ دبوچنے کی کوشش کی تو اس نے بلبلا کر میری انگلیاں چبانے کی کوشش کر ڈالی۔ موت کے قدموں کی چاپ سن کر اس کی ساری توانائیاں یک جا ہو گئی تھیں۔

میں نے بہت مشکل سے اپنے ہاتھ کو اس کے دانتوں کی زد سے بچایا، اس کے منہ پر تھوکا اور پھر بوکھلاہٹ میں اس کی کنپٹی پر ایک تگڑا ہاتھ جما دیا۔

وہ ناہموار مٹی پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک طرف لڑھک گیا۔

میں نے اس کی قمیص سے اپنے ہاتھ پونچھ لیے۔ ہم دونوں آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے، مٹی کے ٹیلوں سے نکلے تو میدان بدستور صاف تھا۔ گیری کی الٹی ہوئی کار آگ لگنے سے محفوظ تھی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ حادثے کو پرانا سمجھ کر کسی نے وہاں رکنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''ڈرائیور کا حشر بھی دیکھ لیا جائے!'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔

''ہمیں وہاں دیکھ کر کوئی اور بھی رک سکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کی کوئی نہ کوئی گشتی پارٹی اسے دیکھ لے گی۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہئے۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ہم دونوں برق رفتاری سے اپنی گاڑی تک پہنچے اور پھر تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''کچھ مزہ نہیں آیا۔'' ریلوے لائن عبور کر کے مین روڈ پر آنے کے بعد سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے اس کی پنڈلی توڑ دی اور پھر بھی تمہیں مزہ نہیں آیا۔ کیا اسے بھون کر کھانے کا ارادہ کیا ہوا تھا تم نے!''

وہ ہنس پڑا۔'' میں حرام نہیں کھاتا۔ گیری انتہائی بودا نکلا۔ پورا مقابلہ بے جان اور یک طرفہ رہا۔ مزہ تو جب تھا کہ وہ بھی جم کر مقابلہ کرتا اور زیر کر لیا جاتا۔''

''ویرا کا تجزیہ بالکل درست ہوتا ہے۔ یہ لوگ توپ و تفنگ اور ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں۔ ہاتھ پیروں کی لڑائی کا ان میں دم خم نہیں ہوتا۔''

''چیونٹی بھی پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ وہ چھوٹا انسان ہے۔ شروع سے آخر تک کسی چوہے کی طرح ڈرا سہارہا۔''

''میری انگلیاں کاٹنے کی کوشش اس نے بھی کی تھی مگر ناکام رہا۔''

''آج اس کے ستارے گردش میں تھے۔ اگر گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو کر نہ الٹتی تو ہم اسے اتنی آسانی سے زیر نہ کر پاتے۔''

''سلطان شاہ! خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں اس مہم میں سرخ روئی حاصل ہوئی۔ اسے ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو وہ ہمیں

مارنے سے نہ چوکتا۔'' میں نے اسے احساس دلایا۔'' یہ مزے اڑانے والی مہم نہیں تھی۔ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوں گے اور ایک آدھ روز میں سامنے آجائیں گے۔''

اس نے خاموشی اختیار کرلی اور پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف ہوگیا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں نئی جیسی سفید ٹویوٹا کرولا ہماری منتظر تھی جس پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ بتارہی تھی کہ وہ گاڑی نئی نہیں تھی۔

''تم دونوں نے کمال کردیا۔'' سلطان شاہ نے اندر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا۔'' گاجر مولی کی طرح ذرا سی دیر میں گاڑی خرید کرلے آئیں!''

''یہ چیچو کی ملیاں نہیں، کراچی ہے۔'' ویرا نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے جواب دیا۔'' جیب میں پیسے ہوں تو ذرا سی دیر میں ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے گھٹنے کیوں ڈھیلے ہیں۔ کیا تیر مار کر آئے ہو۔''

''آج کی ذلت گیری زندگی بھر فراموش نہیں کرسکے گا۔'' سلطان شاہ نے فخر سے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔'' ہم نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔''

گاڑی کی خریداری کا معاملہ ضمنی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیر دل کی بیوی کو ایک لاکھ روپے بھی بھجوا دیے گئے ہوں گے۔ اصل معاملہ گیری کا تھا۔ اس پر بات شروع ہوئی تو سلطان شاہ نے یوں چہکنا شروع کیا کہ میں حیران رہ گیا۔

راستے میں وہ مزہ نہ آنے کی شکایت کررہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی اس کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔ وہ ہر بات کو مزے لے لے کر اتنی تفصیل سے بیان کررہا تھا جیسے اس نے گیری سے مقابلے کا ہر لمحہ سنسنی اور دلچسپی میں گزارا ہو۔

وہ میرے ساتھ تھا تو اس کی حالت اپنی ڈار سے بچھڑی ہوئی بھیڑ جیسی تھی جو ہراساں اور پریشان ہوجاتی ہے۔ سب کے ساتھ یکجا ہوتے ہی وہ دوبارہ اپنے رنگ میں آگیا تھا اور دونوں عورتوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''وہ اس قدر بے بس ہوگیا تھا تو تمہیں اس کے ہاتھ پیر توڑ دینے چاہئے تھے۔'' گیری کی بے رحمانہ ٹھکائی کی تفصیل سن کر غزالہ نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

''سب نہیں لیکن میں نے رائفل کی بٹ مار کر اس کی ایک پنڈلی کی ہڈی توڑ ڈالی۔ اب وہ دو تین مہینوں تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکے گا۔''

''اس کے لئے یہ سزا کم رہے گی۔'' ویرا نے سنجیدگی سے اپنی رائے دی اور کہا۔'' امریکی فطرت سے تم واقف نہیں ہو۔ یہ اپنی گرفت میں آئے ہوئے مشتبہ قیدیوں سے نامعلوم مقامات پر ایسا گھٹیا سلوک کرتے ہیں کہ انسانیت شرما جائے۔ گیری بھی کچھ دیر کے لئے تمہارا ایسا ہی قیدی تھا۔ وہ مشتبہ نہیں مستند قانون شکن ہے۔ اس کے ساتھ ہر زیادتی جائز ہوتی۔ یہ رعایت کم نہیں ہے کہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔''

''تمہاری باتوں سے کبھی کبھی مجھے سہارا مل جاتا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔'' میں نے مشتعل ہوکر اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اپنی اس حرکت پر میں اب تک نادم ہوں۔''

''تم امریکی سپاہی نہیں ہو اس لئے نادم ہو۔ وہ اپنے قیدیوں کے منہ پر پیشاب کرکے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ اس کارنامے کو فخر سے اپنے ساتھیوں کو سناتے ہیں۔'' ویرا جب بھی اپنے ہم وطنوں کے بارے میں لب کشائی کرتی تھی، نت نئے انکشافات کرتی تھی۔ اس وقت تک امریکیوں کی وہ حرکتیں باہر کی دنیا کے علم میں نہیں آئی تھیں۔

''اسے مار مار کر لہولہان کردیا، پنڈلی توڑ دی، منہ پر تھوک دیا اور تم پھر بھی مطمئن نہیں ہو۔ تم ہوتیں تو اس کے ساتھ اور کیا کرتیں!'' سلطان شاہ بولا۔

''ہاتھوں کے بجائے کسی پھٹے ہوئے جوتے سے اس کی مرمت کرتی!''

''وہاں مہلت نہیں تھی۔ تم پھٹا ہوا جوتا کہاں......'' سلطان شاہ کا وہ تمسخرانہ فقرہ وہیں ادھورا رہ گیا کیونکہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

وہ کال سوبھراج کی تھی وہ میری طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ سلسلہ ملتے ہی پھٹ پڑا۔'' آج میں نے تمہیں بہترین موقع دیا تھا جو تم نے کھودیا۔ تم فرنچ بیچ کیوں نہیں پہنچے!''

وہ روپوش اور گوشہ نشین تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ اسے وہ خبر کیسے مل گئی۔

''وہ خبیث وہاں میرا انتظار کرتا رہا۔ دو بجے اس نے ریسٹ ہاؤس سے مجھے فون کیا کہ میں وہاں کیوں نہیں آیا۔''

''مجھے فرنچ بیچ کا جغرافیہ معلوم نہیں تھا ورنہ میں اسی وقت تم سے انکار کردیتا۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔'' تم وہاں کے محافظوں کو بھول گئے تھے۔ اسے مار کر میرا وہاں سے نکلنا ناممکن ہوجاتا۔ اس علاقے میں کسی کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

میں دل ہی دل میں یہ طے کرچکا تھا کہ اسے اپنے اور گیری کے تصادم کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ان دنوں اس پر اپنی بڑائی جتانے کا بھوت سوار تھا۔ اس رو میں آکر وہ کسی بھی اخبار کو فون کرکے یہ بتاسکتا تھا کہ اس کے ایما پر ڈینی نے گیری

کا حلیہ بگاڑا ہے۔

ویسے امریکی جو کچھ بھی کہتے رہتے مجھے اس کی پروا نہیں تھی لیکن دوٹوک انداز میں اپنا نام ملوث ہونا مجھے ذرا بھی پسند نہیں تھا۔ میں محتاط روی کی اس پالیسی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرسکتا تھا جو میں نے جنرل اور جلال کے ساتھ طے کی تھی۔

''آسان نہیں ہے تو ناممکن بھی نہیں ہے۔'' وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔''میں ان لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانی چاہتا ہوں تاکہ وہ میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔ آج تم نے یہ موقع ضائع کردیا۔''

''سوبھراج! ہوش میں رہو اور اپنا لہجہ درست کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے تادیب کی۔''میں سُنیل کی طرح تمہارا زرخرید غلام نہیں ہوں جو تم مجھ سے اس لب و لہجے میں بات کررہے ہو۔ میں نے تمہیں ڈھیل اور آزادی دی ہوئی ہے۔ تم پر میرے کئی احسانات ہیں جن کا بوجھ تم کبھی نہیں اتار سکتے۔''

''اوہ! تم برا مان گئے۔'' میری کڑی تادیب پر اس نے جلدی سے کہا۔''تم نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں گنا ڈالیں۔ میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا تھا۔ تم کو اپنا سمجھ کر کھلے دل سے شکوہ کررہا تھا۔''

''ایسے ناز یبا گلے شکوے مجھے پسند نہیں ہیں۔'' میرا انداز بدستور خشک رہا۔''تمہاری طرح میں اسے اپنا دشمن ضرور سمجھتا ہوں مگر میں نے اس کے بارے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ آج کے لیے مجھے وقت نکالنا ہوگا۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔ ان کو تم سے ڈرانے کے لیے میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔''

''تم اب بھی ناراض معلوم ہورہے ہو۔ میری باتیں بری لگی ہیں تو مجھے معاف کردو۔ اس آڑے وقت میں، میں تم جیسے دوست کو کھونا نہیں چاہتا۔ گیری کو خاک میں ڈالو۔ اس کے لیے یہی ذلت کافی ہے کہ وہ شہر سے میلوں دور ایک لنگوٹ باندھے، میرے انتظار میں چلچلاتی دھوپ پھانکتا رہا۔''

''اب تم نے مردوں والی بات کی ہے۔'' میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔''آدمی میں حوصلہ ہو تو دشمن کو کبھی بھی زیر کیا جاسکتا ہے۔ بے وقوفی سے اپنی جان جوکھم میں ڈالنا عقل مندی نہیں ہوتی۔ وہ اب بھی میرا دشمن ہے۔''

''تمہاری باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گیری ایک نہ ایک دن تمہارے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔''

''تم سے میری دوستی رہے یا نہ رہے، اس سے میری دشمنی باقی رہے گی۔ میں اپنے دشمنوں کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتا۔''

''یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ مجھ سے تمہاری دوستی کیسے ختم ہوسکتی ہے؟''

''تم نے دوبارہ کڑوی کسیلی باتیں کیں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تلوار کا گھاؤ بھر سکتا ہے زبان کا گھاؤ کبھی نہیں بھرتا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے حساس آدمی ہو۔ فون پر بات کرنے سے یہ سب معلوم نہیں ہوتا۔ آئندہ میں احتیاط سے کام لوں گا۔''

میں تم کو ملنے کی پیشکش کرچکا ہوں لیکن تم آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کی جائے تو ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہتر موقع ملتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں مناسب وقت کے انتظار میں ہوں' ایف بی آئی والوں کا دباؤ ذرا کم ہو تو ہم ضرور ایک دوسرے سے ملیں گے۔ انہیں میرے آنے جانے کی بھنک مل گئی تو میرے ساتھ تم بھی مفت میں مارے جاؤ گے وہ تمہارے خون کے بھی پیاسے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں مگر میں ان سے نہیں ڈرتا۔ آزادی کے ساتھ شہر بھر میں بلکہ پورے ملک میں گھومتا پھرتا ہوں۔ آج تک وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔''

''مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تمہاری شناخت کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تم گیری کے پاس سے گزر جاؤ تو بھی وہ تم کو شناخت نہیں کرسکے گا۔ میں ان کا دیکھا بھالا آدمی ہوں مجھے ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان لیا جائے گا۔''

اس وقت اس نے حسن اور ذکی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ ان کے بارے میں بات کئے بغیر فون بند نہ کردے۔ میں نے اسے ٹریک پر لانے کے لئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔''تم نے اپنے لیے بہت بکھیڑے پالے ہوئے ہیں۔ سیاست میں آجانے کے بعد بھی تم ایف بی آئی اور را وغیرہ سے اپنا پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔''

''جوانی میں انسان اپنے عملی سفر کا آغاز کرتا ہے تو اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ آگے کہاں تک جائے گا۔ اس سے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اب میں پلٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو پچھتاتا ہوں کہ میں نے وہ غلطیاں کیوں کی

تھیں!''

''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ان بڑی غلطیوں کے ارتکاب کے بغیر تم اس مقام تک نہ پہنچے ہوتے جہاں تم پہنچ چکے تھے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے بہت چبھتی ہوئی بات کہی ہے مگر میں اس کا برا نہیں مناؤں گا۔''

''ایف بی آئی تمہیں بھولنے پر آمادہ ہے نہ راوالے تمہارا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ نیو خان ہوٹل سے بھاگنے والوں نے دوبارہ تم سے رابطہ کیا یا کہیں غائب ہوگئے؟'' میں نے مضطرب ہو کر اس سے وہ براہ راست سوال کر ہی ڈالا۔

''کل رات فون آیا تھا۔ انہوں نے اسی واقعے کی اطلاع دی تھی جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔ رات انہوں نے کسی کھلے پارک میں بسر کی ہوگی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ فقیرانہ بھیس اختیار کر کے کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر چلے جائیں۔ ان کا فون نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔ وہاں ٹک کر وہ کسی اور ٹھکانے کا بندوبست کریں گے تو مجھ سے رابطہ کریں گے۔''

میں دل ہی دل میں اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اس نے بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں کو خاصی موثر رہنمائی فراہم کی تھی۔ مزار پر آنے والے بے شمار زائرین اور عقیدت مندوں سے انہیں خاصی مالی مدد مل سکتی تھی۔

''مزار پر ان کا گزارہ تو ہو جائے گا، انہیں ہتھیار کون دے گا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''یہاں تجربے کار لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔ مزار پر ان کے مقدر نے ساتھ دیا تو انہیں خاصا مال مل جائے گا۔ مال ہو تو بڑے شہروں میں انسان اپنی ضرورت کی ہر شے خرید لیتا ہے۔ ان دونوں سے میرا پیچھا چھوٹ جائے گا۔''

''ان کی رہنمائی کر کے تم نے سنگین بدعہدی کی ہے۔ انہوں نے شہر میں کوئی بھی گڑبڑ کی تو اس کا وبال تمہارے سر آئے گا۔''

''میں نے کوئی بدعہدی نہیں کی۔ وہ نیو خان ہوٹل والے تجربے سے خوف زدہ تھے اور ہر قیمت پر مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے اپنی جان چھڑانے کے لیے انہیں مزار پر جانے کا مشورہ دے دیا۔ میں انہیں نہ بتاتا تب بھی وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی ٹھکانا تلاش کر لیتے۔ وہ مشن پر آئے ہیں تو یہیں مرکھپ جائیں گے یا اپنا مشن پورا کر کے لوٹ جائیں گے۔''

''تم نے گیری کو فرنچ بیچ پر آنے کا مشورہ دیا تھا تو ان دونوں کو ملاقات کے بہانے جہانگیر پارک میں بھی بلا سکتے تھے۔ میں انہیں وہیں چھاپ لیتا۔''

''یہ بات میرے دماغ میں نہیں آئی۔ آج کل کے حالات نے میرا ذہن ماؤف کیا ہوا ہے۔ وہ دونوں ابھی تمہاری دسترس میں ہیں۔ مزار پر مل سکتے ہیں۔ دو چار روز گزر جانے کے بعد شاید وہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔''

''وہ دونوں مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ میں جا کر انہیں پکڑ لوں۔ انہوں نے ایسی جگہ پر قبضہ کیا ہوگا جہاں سے وہ آسانی سے بھاگ سکیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہے وہ دور سے مجھے پہچان کر کہیں بھی نکل جائیں گے۔''

''ڈینی! اب اتنی بے بسی ظاہر نہ کرو۔ تم اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگا سکتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بہت سے لوگوں کو پالا ہوا ہے۔''

''تمہاری عقل پر شاید کہر جم رہی ہے۔ ان دونوں کو میں نے دیکھا ہوا ہے۔ میرے آدمی بدلے ہوئے حلیے میں انہیں کیسے پہچان سکیں گے!''

''میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔'' اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔ ''فون پر ان میں سے ایک کی آواز سنی ہے۔''

میں نے اسے مزید ملامت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ تحکم آمیز مزاج کا مالک تھا۔ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے میری تلخ باتیں برداشت کر رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس کے دماغ پر بالادستی کا وائرس سوار ہو جاتا تو اس سے بات بگڑ سکتی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس نے ان دونوں کو مزار پر ڈیرا ڈالنے کا مشورہ دے کر میرا کام خاصا آسان کر دیا تھا۔ وہ ان کو وہ راہ نہ دکھاتا تو کراچی جیسے وسیع و عریض انسانی سمندر کو کھنگال کر ان دونوں کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہوتا۔

سوبھراج کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت واقعی ہماری دسترس میں تھے۔ مزار کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے سارے وسائل وہیں مرکوز کر دیتے تو را کے ایجنٹ وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

''تم نے انہیں نہیں دیکھا۔ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے مگر وہ دونوں مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی وہ بھڑک جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ یہ معمّا کیسے حل ہوگا۔''

''میری عقل کام نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز سے

یکایک تھکن مترشح ہونے لگی۔ ''اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو تم کو اس کا تو ڑ کرنا ہوگا۔''

میں نے چند لمحوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا جیسے میں سوچ میں پڑ گیا ہوں پھر میں نے پوچھا۔ ''ان دونوں کے پاس ورڈز کیا ہیں؟''

''کیسے پاس ورڈز؟'' اس کی تحیر زدہ آواز سے بے ساختگی جھلک رہی تھی۔

''اتنے انجان نہ بنو۔ ہرا ایرا غیرا تم سے فون پر را کا ایجنٹ بن کر بات نہیں کرسکتا۔ ان دونوں کی کوئی نہ کوئی خفیہ شناخت ضرور ہوگی۔''

تم یقین کرو کہ میرے فرشتوں کو بھی ان کی آمد کا علم نہیں تھا پھر مجھے کوئی پاس ورڈ کیسے پتا چلتا۔ آنے والے ہمیشہ سے اچانک آتے ہیں۔ وہ سب اپنے لیے کے ٹو یعنی کوبرا ٹو کا کوڈ استعمال کرتے ہیں اور میرے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کر کے کوبرا کو پوچھتے ہیں۔ یہ تین باتیں یہ جاننے کے لیے کافی ہوتی ہیں کہ بولنے والا میرے اعتماد کا آدمی ہے۔''

''پھر کے ٹو ہی ان کا پاس ورڈ ہوا نا!'' میں نے کہا۔

''ان کا نہیں، یہ ہر را والے کا کوڈ ہوتا ہے۔''

میں دیکھتا ہوں کہ ان دونوں کی تلاش کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔''

''تمہیں تیزی سے کام لینا ہوگا۔ انہیں بارود یا بموں کے بجائے ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں دہشت گردی سے پہلے کسی خاص ہدف پر وار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں......''

''یہ بات تم نے پہلے نہیں بتائی تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

''مجھے دھیان تھا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا تھا۔ مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ کہیں وہ کسی اہم شخصیت کو مارنے کے مشن پر نہ آئے ہوں۔''

''دیکھو سوبھراج! تمہاری پوزیشن بہت نازک ہوگئی ہے۔ اچھی طرح سوچ لو۔ کوئی اور خاص بات رہ گئی ہو تو وہ بھی بتا ڈالو۔ ان دونوں کے گرفت میں آنے کے بعد کوئی نئی بات سامنے آئی تو تم اپنا اعتماد کھو دوگے۔''

''میری ایک بات ذرا دھیان سے سن لو!'' سوبھراج کی آواز ملتجیانہ ہوگئی۔ ''میں جان بوجھ کر تم کو چکر نہیں دیتا۔ آج کل پریشانیوں کی وجہ سے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو تمہیں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اسے درگزر کر دینا چاہیے۔ میں نے تمہیں دوست مان لیا ہے تو اب آخری دم تک اس دوستی کو نبھاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ اب ان دونوں کی کوئی خاص بات باقی نہیں رہی۔''

''کل رات تم نے جان بوجھ کر مجھے چکر دیا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''ایسا نہیں ہے۔ تم کو کوئی بھول ہوگی!'' اس نے اپنا دفاع کیا۔

''میں کام کی باتیں دس برس میں بھی نہیں بھولتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے تم نے ان دونوں کے پتے ٹھکانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تم نے اگل دیا کہ وہ نیو خان ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم جب چاہتے ہو اپنی کینچلی بدل لیتے ہو۔''

''میں نے تمہاری الزام تراشی صبر اور خاموشی سے سن لی اب تم بھی میری بات پوری ہونے دو۔ وہ کل شام ڈھلے کی بات ہے۔ میں نے ان بن بلائے مہمانوں سے گھبرا کر تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک میں تم کو اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ حسن اور زکی نے میری کسی مدد کے بغیر اپنے وسائل سے کوئی واردات کر ڈالی تو تم اسے میرے کھاتے میں شمار کر کے مجھ سے خفا ہو جاؤ گے۔ میں نے سوچا کہ ایسا برا وقت آنے سے پہلے تم کو ان کے بارے میں خبردار کر دوں اس وقت تک مجھے تمہاری نیت کا اندازہ نہیں تھا۔ تم سے میری سرد جنگ چل رہی تھی اور میں تم سے ڈرا ہوا تھا اسی لیے میں نے دونوں کا پتا نہیں بتایا لیکن تم سے دیر تک باتیں ہونے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ وہاں سے ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی اور میں نے تمہیں ان کا پتا بتا دیا۔ اس کے بعد میں نے تم سے کوئی ہیر پھیر کیا ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں اپنی غلطی مان لوں گا۔ اس کے بعد تم نے رات کو فون کیا تو میں نے کھل کر تمہیں گیری کے بارے میں بتا دیا۔ کوئی بات راز نہیں رکھی۔''

''میں نے تمہاری اس لمبی تقریر میں کوئی دخل اندازی نہیں کی، میں مانے لیتا ہوں کہ تم صحیح کہہ رہے ہو گے۔ اب ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالو، ان دونوں کے بارے میں تم خاص باتیں بتا چکے ہو اب عام باتیں بھی بتا ڈالو۔''

''تم کو وکیل ہونا چاہیے تھا۔ تم ایک ایک لفظ کو پکڑتے ہو۔'' اس نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''ان لوگوں کے لیے کوبرا ایک بہت بڑا نام ہے۔ سب آنے والے میرا ادب کرتے ہیں۔ میں ان کو زیادہ منہ لگاتا ہوں نہ ان سے فالتو بات کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے مدد کے طلب گار تھے ان کی زبان میں مدد کا

مطلب روپیا اور ہتھیار ہوتے ہیں۔ ہتھیاروں کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ انہیں ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت ہے۔ وہ بے آواز ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا......''

''پہلے تم نے بے آواز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اسے وہیں ٹوک دیا۔

''ہاں' شاید میں بھول گیا تھا۔'' اس نے اعتراف کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان رائفلوں کے ساتھ انہیں طاقت ور دوربینیں بھی درکار ہیں۔ ان کی یہ ضروریات صاف چغلی کھا رہی ہیں کہ اس بار وہ کوئی نیا پلان لے کر آئے ہیں۔ وہ یہاں کسی بھی بڑے آدمی کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

''بے آواز رائفلیں اور دوربینیں اسی کام آسکتی ہیں۔ کراچی ویسے ہی آج کل جوالا مکھی بنا ہوا ہے۔ تم نے محمود آباد کے مندر کو آگ لگوا کر شہر میں مذہبی منافرت کو ہوا دینے کی بھیانک کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔''

''مجھے میرے پرانے گناہوں کے حوالے دے کر نادم نہ کرو۔'' اس نے قطع کلامی کر کے احتجاج کیا۔ ''اب میں ماضی کی کتاب بند کر چکا ہوں۔ زندہ رہنے کے لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر اپنی نئی زندگی کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں تمہیں طعنہ نہیں دے رہا تھا' حقیقت بتا رہا تھا۔ تم اس شہر کے پرانے باسی ہو اور سیاست میں رہے ہو۔ تم شہر کی نبض کو پہچانتے تھے۔ تم نے کمزور پہلو پر وار کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شہر میں فرقہ وارانہ 'مذہبی' لسانی اور سیاسی نفرتیں عروج پر ہیں۔ کوئی بھی شرپسند کسی ایک فریق کے کسی اہم فرد کو نشانہ بنا کر دوسرے فریق کو آسانی سے اشتعال دلا سکتا ہے۔ بھس میں ایک مرتبہ چنگاری ڈال دی جائے تو شعلوں پر قابو پانے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔''

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔'' اس کی پرخیال آواز ابھری۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ اسی مشن پر یہاں آئے ہوں۔''

''شاید تمہیں برا لگے لیکن میں پھر پرانی بات چھیڑنے پر مجبور ہوں۔ جب تک جڑوں کو نہ کریدا جائے اصل بات سامنے نہیں آسکتی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی نیت جو کچھ بھی رہی ہو' اس کا وہ پرخیال لب ولہجہ سن کر مجھے گمان ہوا تھا کہ حسن اور ذکی کے عزائم کے بارے میں میری باتیں سن کر اسے اندرونی آسودگی حاصل ہوئی تھی۔ راج محل کو جلانے کے بعد اس نے شہر کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کی جو وحشیانہ دھمکیاں دے تھیں' حسن اور ذکی کے عزائم ان ہی کو عملی صورت دیتے نظر آرہے تھے۔

''اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے پھونک دینے کے بعد تم بہت مشتعل تھے۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''شہر کو شعلوں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اس وقت اشتعال اور غصے کے عالم میں تم نے را کے کسی بڑے افسر سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہو۔''

''اس وقت میرے اوپر دیوانگی طاری ہوچکی تھی۔ جس شخص نے ساری زندگی شاہانہ ٹھاٹ سے بسر کی ہو' وہ اچانک فٹ پاتھ پر آجائے تو اس کی کیا حالت ہوسکتی ہے۔ وہی حال میرا تھا۔ پھر بھی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے ایسی کوئی بات کی ہو۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ میرے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی ہو تو اس کا حسن اور ذکی کی آمد سے بھلا کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔''

''مجھے ایک موہوم سا خیال آیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری پرانی آرزو کی تکمیل کے لیے نہ آئے ہوں۔''

''نہیں ڈینی! مجھے ایسا الزام نہ دو۔'' اس کی آواز میں ایک مدافعانہ تڑپ تھی۔ ''میرے بلاوے پر آنا ہوتا تو وہ اسی وقت آئے ہوتے۔ نہیں' نہیں ان کا میرے پرانے خیالوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اتنے دنوں میں تو چتا کی آگ بھی ٹھنڈی ہوجاتی ہے' آدمی کا جھاگ جیسا غصہ کہاں برقرار رہ سکتا ہے۔''

''سوبھراج! میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔'' میں نے بہت رسانیت اور نرمی سے کہا۔ ''اس وقت ہم ایک دوسرے پر الزام تراشی نہیں کر رہے۔ میں را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اس کوشش کا سارا گند میری ذات پر گر رہا ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ میرے کہنے پر آنا تھا تو وہ اس وقت کیوں نہیں آئے' اتنے دنوں بعد یہاں جھک مارنے کیوں آئے ہیں؟''

''تم بلاوجہ چڑ رہے ہو' وہ وقت ان کے لیے مناسب نہیں تھا۔ سیتا کانت ماری جاچکی تھی اور گوپال راج پکڑا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس بلیک کیٹ کو واپس لینے کے لیے بات چیت کا ڈول ڈالا ہوا تھا۔ وہ را کے نئے آدمیوں کو بھیج کر گوپال کی واپسی خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ ان کے لیے گوپال کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوجاتا ہے کہ اس کے بدلے میں انہوں نے سات پاکستانیوں کو آزاد کیا ہے۔''

''تم بلاوجہ اس بات پر اپنا دماغ لڑا رہے ہو' میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی بھارتی سے کوئی ایسی بات کی ہو۔'' وہ تلملا رہا تھا۔
''مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو!'' اس بار میں نے قدرے سختی سے کہا''تم نے مجھے دوست کہا ہے تو تمہیں میری ہر بری اور بھلی بات سننی پڑے گی۔ یہ سب میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ تمہارا برا چاہتا تو اب تک تمہیں مار چکا ہوتا۔''
میرا وہ آخری جھوٹ پھر کارگر رہا۔ اس کی اکتائی ہوئی آواز ابھری۔''کہو کہو...... تم کہے جاؤ۔ میں خاموشی سے سن رہا ہوں۔''
''میں کہہ رہا تھا کہ وہ وقت ان کے لیے سازگار نہیں تھا تمہاری کہی ہوئی بات کسی کے دماغ میں اٹکی رہی۔ پاکستانی قیدیوں سے گوپال کا تبادلہ ہوتے ہی ان کے ہاتھ کھل گئے اور انہوں نے تمہارے منصوبے کی تکمیل کے لیے اپنے دو آدمی بھیج دیے۔ ان کو یہ پتا نہیں ہے کہ گزرے ہوئے دنوں میں تم اپنے ماضی سے تائب ہو کر کچھ نئے دوررس فیصلے کر چکے ہو۔ ان کے لیے تم وہی خون خوار سوبھراج ہو جو اپنا گھر جلانے کے بعد پورے شہر کو پھونک دینا چاہتا تھا۔ یہ آنے والے دونوں آدمی بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہیں۔''
''یہ انطق منطق نہیں ہے۔ میری کسی سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ میرے بلانے پر یہاں نہیں آئے ہیں۔ میں یہ بات مانتا ہوں کہ ان کا آنا خطرے کی گھنٹی ہے' اس گھنٹی بلکہ گھنٹے کی آواز میں نے خود تمہیں سنائی ہے۔''
''تم سنانے پر مجبور تھے۔ تمہیں معلوم تھا شہر میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ میں نے اسی ایک شرط پر تمہیں چھوٹ دی تھی اور پوری شرافت سے اپنے وعدے پر عمل کر رہا تھا۔''
''تمہاری یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے' میری نیت کا حال میرا بھگوان جانتا ہے مگر تم کو یوں ہی سوچنا چاہیے۔''
''راوالوں کے لیے کوبرا یہاں کا ایک بہت بڑا اور بھرم والا نام ہے۔ تم نے انہیں ٹالنے کے لیے یہ چھوٹی بات کیوں کہی کہ تم خود مشکلات میں گھرے ہوئے ہو اس لیے ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟''
''کوبرا کا سارا بھرم راج محل کے ساتھ خاک میں مل گیا۔ یہاں کے اخبار والے ذلیل اور راشی ہیں۔ انہوں نے میرے خلاف جھوٹی سچی کہانیاں چھاپ کر ایک ناپاک مہم چلائی ہوئی ہے۔ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوبرا کون تھا۔ یہ بات حسن کو بھی معلوم ہو چکی ہوگی۔ یہ اس کی مہربانی تھی کہ اس نے پھر بھی مجھے کوبرا ہی کہا۔ مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ اب یہ چھوٹا کھیل بے کار ہو چکا ہے۔ راوالے یہاں آتے ہیں تو زبردست بریفنگ لے کر آتے ہیں اور تازہ ترین حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔''
وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ اس کی تضاد بیانی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہ ایک ہارتے ہوئے مجرم کی ہرزہ سرائی تھی جسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایک طرف وہ اخبارات کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسری طرف یہ اعتراف بھی کر رہا تھا کہ اخباری اطلاعات کی بنیاد پر سب کو اس حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ وہی کوبرا بنا ہوا تھا۔
''تم اسے ادب اور احترام کہہ رہے ہو' میرا خیال ہے کہ وہ جان بوجھ کر بن رہا تھا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔''کوبرا کہہ کر وہ تم سے ہر مدد کے طلب گار ہو سکتے ہیں۔ سوبھراج سے وہ کیا لیں' اپنے اصل روپ میں تم ان کے لیے یکسر اجنبی ہو۔''
''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم ہر بات میں فوراً منفی پہلو نکال لیتے ہو۔'' تھکی ہوئی اور خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔''ویسے آج کا دن میرے لیے بہت برا ثابت ہوا۔ تم نے گیری سے نجات پانے کا ایک نادر موقع ضائع کر دیا۔ رہی سہی کسر تم نے یہ الزام لگا کر پوری کر دی کہ را کے ایجنٹ میرے ایما پر یہاں آئے ہیں۔''
''اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے میں نے فرنچ بیچ کا رخ نہیں کیا لیکن آج دل بھر کر گیری کو کوسا ہے۔ میری بددعائیں بارآور ہوئیں تو اس کی گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آئے گا اور وہ سیدھا جہنم واصل ہو جائے گا۔''
''انسان اپنے بدترین دشمن کو کوسنے پر اتر آئے تو وہ اس کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں میں بھی اس عذاب سے گزرتا رہا ہوں۔ اکثر تمہیں اور ایف بی آئی والوں کو کوستا رہتا تھا۔ تم دونوں نے مل کر مجھے اس حال کر پہنچایا ہے۔'' اپنی حالت زار کا اعتراف کرتے ہوئے وہ کھوکھلی اور شکست خوردہ آواز میں ہنس رہا تھا۔
''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے مجھ تک رسائی کے چکر میں ویرا کو پکڑ کر اپنی خفیہ قید میں نہ رکھا ہوتا تو آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ ایف بی آئی والوں نے وہیں سے تمہارا پیچھا لیا ہے۔ ویرا کو اور مجھے وہ بیٹی داماد سمجھتے ہیں جن پر دوسروں کا حق جتانا ان کے لیے ذرا بھی قابل برداشت نہیں ہے۔''
''کیا تم نے ویرا سے دوسری شادی کر لی ہے؟'' اسے

یکا یک ایک بے تکا سوال سوجھ گیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم نے مکاؤ میں کسی لڑکی سے شادی کی تھی۔ تمہارے مذہب میں مرد کو ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔''

''اپنی بدخیالی پر توبہ کرو۔ وہ میری دوست ہے اور بس!'' میں نے کن انکھیوں سے ان تینوں کا جائزہ لیتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔

سوبھراج بہت کائیاں تھا۔ میرے لہجے کی تبدیلی پر چونکی ہوئی آواز میں بولا ''تمہاری آواز اتنی دھیمی کیوں ہوگئی؟ کیا وہ پاس ہی موجود ہے؟''

''پاس اور دور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے نارمل آواز میں محتاط رہ کر جواب دیا۔ کیونکہ میرے لہجے کی تبدیلی پر وہ تینوں بھی چونک گئے تھے۔ میں نے موضوع بدلنے کے لیے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان باتوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ آدمی دل پر رکھ لے تو پھر دوست ہو یا دشمن، وہ دنیا کے آخری سرے پر بھی اسے تلاش کر لیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ ان دونوں کے بارے میں مجھے کسی اچھی خبر کا انتظار رہے گا۔''

''تو کیا تم مزار پر دیکھ بھال کا ارادہ نہیں رکھتے؟'' وہ میری چال میں آکر اس نازک موضوع سے بھٹک گیا جو مجھے بے آرام کر رہا تھا۔

''میں تمہیں مسائل سے آگاہ کر چکا ہوں پھر بھی جو کچھ ہو سکے گا وہ ضرور کروں گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہاں گداگروں اور سائلوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ ان میں دو افراد کو تلاش کرنا آسان نہیں ہوگا۔ یاں، ایک بات ذہن میں ضرور رکھنا۔ میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی ہے۔ تمہارے ماضی کے حوالے سے چند ناگزیر باتوں کا ذکر کرنا پڑا ہے جو تمہاری بدقسمتی سے کچھ تلخ تھیں۔''

''میرا دل صاف ہے، آج جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا، تم سے میری ایک گزارش ہے کہ آئندہ میرے ماضی کا کوئی ذکر نہ کرنا میں اسے دفن کر چکا ہوں اس تذکرے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

میں اس کی ہاں میں ہاں ملا کر رہ گیا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اسے بہ نفس نفیس دفن کیے بغیر اس کے ماضی کی تدفین ممکن نہیں تھی۔

''ویری گڈ!'' بات ختم ہونے پر ویرا نے استہزائیہ انداز میں ہولے ہولے ہتھیلیاں بجا کر کہا ''مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے کسی اُلو کا دماغ پایا ہے۔ گھنٹوں بے تکان بولتے رہتے ہو اور پھر بھی تمہارا دماغ کام کرتا رہتا ہے۔''

''اپنے بیان پر نظرثانی کرلو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔ ''تم نادانستگی میں ڈینی کی تعریف کر گئی ہو۔ مغرب میں الو کو عقل و دانش کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔''

''میں پاکستان میں ہوں اور اردو بول رہی ہوں۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی ''میں مقامی الو کی بات کر رہی تھی۔ اس کا مغربی تصور سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔''

''الو کی مادہ کو کیا کہتے ہیں؟'' سلطان شاہ نے سادگی سے پوچھا۔

''الو ہی کہتے ہیں، کیا انسانوں سے مایوس ہو کر اب الو کی مادہ پر گزارہ کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔'' ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

''پالتو جانوروں کے ساتھ ایسے رشتے مغرب میں استوار کیے جاتے ہیں، ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے بے دھڑک ایک نہایت کڑوی بات کہہ ڈالی۔ ویرا نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان شاہ نے اپنی آواز اونچی کر کے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اپنی بات کہتا رہا۔ ''تمہارے لیے مجھے کوئی ایسا نام سوچنا ہوگا جس سے جنس کا صحیح پتا چل سکے۔ تمہارے لیے الو کی مادہ کا نام خاصا طویل رہے گا۔''

''تم نے پھر الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں!'' غزالہ نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

''ایسے معاملوں کا افتتاح ویرا خانم کی مبارک زبان سے ہوتا ہے۔ اس نے ڈینی کو الو کہہ کر مجھے راہ دکھائی تھی میں نے اسی کی کہی ہوئی بات آگے بڑھائی ہے۔''

''آخر میں سوبھراج سے آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' سلطان شاہ کا جواب سن کر غزالہ نے مجھ سے سوال کیا اور میں قدرے پریشان ہو گیا۔ اس کے الفاظ سپاٹ اور سیدھے تھے لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔

''راوالوں کے بارے میں بات ہوتی رہی تھی۔'' وہ جواب دیتے ہوئے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ غزالہ اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوگی۔

''ایف بی آئی اور ویرا کے حوالے سے آپ نے کچھ کہا تھا۔''

ویرا ہنس پڑی اور بے پروایانہ انداز میں بولی ''بیٹی اور داماد والی اس بات سے میں کافی محظوظ ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کو مارنے اور رگڑنے کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ سارے کام خود کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

انہوں نے ہمیں کسی عالمی مافیا سے خرید لیا ہو اور اب ہماری قضا وقدر کے مالک بن گئے ہوں۔''

''کیا میری وہ بات تمہیں ناگوار گزری ہے؟'' میں نے غزالہ سے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا'' اس سے تلخ وترش گفتگو ہونے کے بعد میں ذرا ہلکی پھلکی بات کر کے اسے ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ مذاق کی ایک بات تھی تمہیں اس کا.....''

''مجھے وہ بات ذرا بھی ناگوار نہیں لگی۔'' غزالہ نے ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ کہا'' بلکہ خوشی ہے کہ آپ نے اپنی زبان پر آنے والی بات دوٹوک انداز میں کہہ ڈالی۔ آپ چاہیں تو اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ میری طرف آپ دونوں کو اجازت ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' غزالہ کے تیور بھانپ کر سلطان شاہ نے اونچی آواز میں نعرہ لگایا۔'' ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں' مذاق میں کہی ہوئی ایک بات کو مذاق ہی رہنا چاہئے۔ کسی نے بھی اس گاڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو میں پٹری پر لیٹ جاؤں گا' اپنی جان دے دوں گا لیکن ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

سلطان شاہ کا انداز اس قدر تمسخرانہ تھا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہنسی کا سلسلہ تھما تو ویرا نے بڑھ کر غزالہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بہت اپنائیت سے بولی'' تم مسکرا رہی ہو لیکن میں تمہاری اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپا ہوا ملال محسوس کر رہی ہوں۔ عورت مذاق میں بھی اپنے سہاگ کی حصے داری برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ اس کی فطرت ہے تم یقین کرو کہ میرے اور ڈینی کے درمیان گہری دوستی سے زیادہ اور کوئی رشتہ اب باقی نہیں رہا۔ میں ذرا آزاد خیال ہوں ہوسکتا ہے کہ میری بے تکلفی تمہیں گراں گزرتی ہو۔ تم کہہ دو تو میں اس بارے میں بھی احتیاط سے کام لوں گی' مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی میں بے اختیار ہو کر حد سے تجاوز کر جاتی ہوں۔''

ویرا کی اس صاف گوئی پر غزالہ کی آنکھیں اندرونی مسرت سے جگمگا اٹھیں اور اس نے بھی ویرا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

میری دانست میں غزالہ کو ویرا کے ان معذرتی فقروں پر اخلاقاً وضاحت کرنی چاہئے تھی کہ اس کا وہ مقصد نہیں تھا جو ویرا سمجھ رہی تھی لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی باتوں کو اس نے اقرار جرم پر محمول کیا تھا اور جرم کے اعتراف پر کسی رسمی دلاسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''تم لوگ فضولیات میں الجھ گئیں۔'' سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔'' ان باتوں میں وقت برباد ہوتا رہا تو راوالے کچھ بھی کر گزریں گے۔''

''ان کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟ ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''تم لوگوں نے ساری باتیں اپنے کانوں سے سن لی ہیں۔ میں حقیقت میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گوپال کے تبادلے کے فوراً بعد آنے والے سوبھراج کی فرمائش پر آئے ہیں مگر ذرا دیر سے آئے ہیں۔ اب سوبھراج کا اونٹ پہاڑ تلے آچکا ہے اس کو اندازہ ہوگیا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے اسے کسی نہ کسی سے مفاہمت کرنا پڑے گی۔ وہ سب سے لڑتا رہا تو اس کی زندگی کا دورانیہ کسی بھی لمحے ختم ہو جائے گا۔''

''تم نے اس کے ماضی پر رکھ کر اپنی پوری بات اسے سمجھا دی۔'' ویرا نے توصیفی لہجے میں کہا'' یہ بتاؤ کہ حسن اور ذکی کے بارے میں کیا کیا جائے۔''

''اگر انہوں نے سوبھراج کے مشورے پر عمل کیا ہے تو ان کو کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر ہونا چاہئے۔ مجھے اور سلطان شاہ کو وہاں جانا ہوگا کیونکہ ہم دونوں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہوا ہے!'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم نے دوسرے کو بھی دیکھا ہوگا۔ اس نے اڑنگا مار کر تمہیں گرایا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''نہیں۔'' میں نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا'' وہ کسی چھلاوے کی طرح پیچھے سے آیا تھا اور مجھے گراتا ہوا آگے بھاگتا چلا گیا تھا اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ پشت سے اتنا ضرور نظر آیا کہ اس کے شانے پر ایک مختصر سا کالا بیگ جھول رہا تھا۔''

''آپ سوبھراج سے صحیح کہہ رہے تھے۔ آپ اسے پہچانیں گے تو وہ بھی آپ کو شناخت کرلے گا۔'' غزالہ نے فکر مندی سے کہا۔

''میں اسی حلیے میں وہاں جاؤں گا۔'' میں نے اپنی بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا'' جب گیری جیسا چالاک آدمی مجھے نہیں پہچان سکا تو وہ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں۔''

''اس حلیے میں تم واقعی کوئی خطرناک ڈاکو لگ رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی کامیابی سے پہلے پولیس تمہیں دھر لے۔'' ویرا بولی۔

''مزاروں پر ہر طرح کے لوگ اپنی منتیں اور مرادیں لے کر آتے ہیں ان میں چور' ڈاکو' قاتل اور اسمگلر بھی شامل ہوتے ہیں۔ پولیس والے یہ بات جانتے ہیں اس لیے مزاروں سے دور رہتے ہیں مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔''

''تم تو فیڈرل کاسٹرو کے بھتیجے بن گئے ہو' میرا کیا ہوگا؟'' سلطان شاہ کراہا۔

''وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔'' ویرا بے ساختہ بولی ''تم بھی اپنے حلیے میں تھوڑی بہت تبدیلی کرلینا تم پاگل کا روپ بھی دھار سکتے ہو' لوگ پاگلوں کو علاج کے لیے نفسیاتی ماہروں کے بجائے زیادہ تر مزاروں پر لے جاتے ہیں۔''

''صرف بال بکھیر لو تو تم خود پاگل نظر آنے لگو گی۔'' وہ ویرا کی ہنسی سے چڑ کر بولا ''مجھے معلوم ہے کہ تم بھول کر بھی مجھے نیک مشورہ نہیں دو گی۔''

''میں تمہیں ہمیشہ اچھی راہ بجھاتی ہوں۔ اس کا کیا علاج کہ تم ہر راہ میں کیڑے نکال لیتے ہو۔ ڈینی نے تمہارا انتخاب کرلیا ہے تو تمہیں مزار پر جانا ہی ہوگا۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ دیوانہ بن کر جاؤ یا فرزانہ بنے رہو۔''

''آپ نے سوبھراج سے گیری والا واقعہ کیوں چھپالیا'' غزالہ نے مجھ سے پوچھا ''اس کا حشر جان کر وہ آپ کی کارکردگی سے مرعوب ہوجاتا۔ یہ اس کا مزید اعتماد جیتنے کا سنہرا موقع تھا۔ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔''

''وہ ایک پٹا ہوا مہرہ ہے اور اپنی بڑائی جتانے کے خبط میں مبتلا ہوچکا ہے۔ اس معاملے میں وہ پیٹ کرا تنا ہلکا تھا کہ ذرا سی دیر میں اخبار والوں کو بتادیتا کہ گیری کو اس نے میرے ہاتھوں پٹوایا ہے۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہ جاتا۔ سرکاری سطح پر اس کے سنگین اثرات مرتب ہوسکتے تھے۔''

''تم منع کردیتے تو شاید وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرتا۔ تم سے بہت مرعوب ہوچکا ہے تمہارے مشورے کو مشکل سے نظر انداز کرتا۔'' ویرا بولی۔

''تم شاید کا لفظ استعمال کررہی ہو۔ یہی کھٹکا میرے ذہن میں بھی ہے۔ میں اس کے بہکنے کا ایک فیصد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔ اس سے ذکر کرنے میں ایک اور اندیشہ تھا۔ اسے شکوہ ہوتا کہ میں نے پوری طرح غالب آنے کے باوجود اسے زندہ کیوں چھوڑا۔ شاید بحث میں 'میں اسے خاموش کرنے میں کامیاب ہوجاتا لیکن اس کے دل میں گرہ پڑجاتی کہ میں نے اس کے خون کے ایک پیاسے کو زندہ چھوڑ کر بہت بڑی رعایت دی ہے۔''

''ہاں...... آں!'' ویرا پرخیال انداز میں بولی۔'' تمہاری دوسری بات قرین قیاس لگتی ہے یہ رعایت اسے بہت گراں گزرسکتی تھی۔''

''تم نے اس سے بہت کچھ کہہ ڈالا اور بات کو سنبھال بھی لیا میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی تمہاری رفاقت کا قائل ہے۔ تمہیں دغا نہیں دے گا۔''

''وہ بہت چالاک اور مکار شخص ہے۔ اس پر اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے مجھے بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھانا پڑ رہا ہے۔ ایک بار اس پر سے میری گرفت کمزور ہوئی تو میرے قابو سے باہر ہوجائے گا۔ اس کے دل میں کیا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

سلطان شاہ نہانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔ اسی وقت دین محمد نے کھانے کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نہائے بغیر کھانے کی میز پر نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ میرے ہاتھوں پر گیری کے خون کی چپچپاہٹ اس وقت تک موجود تھی۔

میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میرے پیچھے غزالہ بھی اندر آگئی۔ میں نے سنا کہ وہ ویرا سے میرے کپڑے نکالنے کا بہانہ کرکے آئی تھی۔

''تم نے ان دونوں کی موجودگی میں میری بات پکڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' تخلیہ میسر آتے ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا ''تمہیں اندازہ ہوجانا چاہیے تھا کہ میں نے سوبھراج سے وہ بات رواروی اور مذاق میں کہی تھی۔''

''میں معافی چاہتی ہوں کہ میری نشان دہی آپ کو ناگوار گزری۔'' اس نے بڑھ کر والہانہ انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا ''میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ سنجیدگی سے کہے ہوئے الفاظ اور مذاق میں امتیاز نہ کرسکوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کی محتاط روی کے باوجود وہ اکثر آپ کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہے......''

''سب کچھ سمجھتی ہو تو اس وقت زبان کھولنے کی کیا ضرورت تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔

''میں کافی دنوں سے گھات میں لگی ہوئی تھی لیکن اسے سبق سکھانے کی کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ آج موقع ملا اور میں نے آپ پر رکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں عقل سے پیدل نہیں' ایک دانا اور بینا عورت ہوں۔''

''تم نے اس کی موجودگی میں مجھے دوسری شادی کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔''

''وہ میرے اس کاٹ دار طنز کو نہ سمجھی ہوتی تو مجھ سے معافی نہ مانگتی۔ ایک بات کہہ کر میں نے اپنا سارا مفہوم اسے ذہن نشین کرادیا ہے۔''

''اس وقت مجھ سے دور رہو!'' میں نے نرمی سے اسے الگ کرتے ہوئے کہا ''اس وقت میرے بدن میں گیری کے خون اور پسینے کی بو رچی ہوئی ہے۔ جب تک اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرلوں، مجھے چین نہیں آئے گا۔''

''آپ کے بدن کی خوشگوار بو اس کی ساری بساند پر حاوی ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میں غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

پانچ بجے جلال گھر پر آ دھمکا اور آتے ہی پرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اس وقت اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ داڑھی وغیرہ کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

''تم واقعی اپنے قول کے دھنی ہو۔ گیری اب کئی ہفتوں کے لیے صاحب فراش ہو چکا ہے۔ وہ اپنے بستر سے بھی نہیں اٹھ سکے گا۔'' وہ مجھ سے معانقہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں یہ خبر کہاں سے اور کیسے مل گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''گیری کی گاڑی میں بھی شاید چپ لگا ہوا تھا۔'' اس نے ایک نشست سنبھالتے ہوئے بتایا ''انہیں معاملہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب وہ گاڑی دیر تک ایک ہی جگہ رکی رہی اور انہیں اپنے آلات پر اس کے حرکت کرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو قونصل خانے کے فرسٹ سیکریٹری نے پولیس کنٹرول سے رابطہ کر کے اندیشہ ظاہر کیا کہ ماری پور روڈ پر ان کے سینئر افسر کی گاڑی کو کوئی ناقابل فہم حادثہ پیش آ گیا ہے جس کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔''

''یہ کس وقت کی بات ہے؟'' میں نے درمیان میں سوال کیا۔

''پولیس کنٹرول کے ریکارڈ کے مطابق وہ کال دو بج کر اٹھائیس منٹ پر موصول ہوئی تھی!'' اس نے بتایا۔

میں سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر جھرجھری لے کر رہ گیا ''اس وقت ہم دونوں اس منحوس سے برسرپیکار تھے۔ چپ کی وجہ سے پانچ دس منٹ میں انہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ گیری کی گاڑی سڑک پر رواں ہونے کے بجائے ایک جگہ رکی ہوئی ہے۔''

''پولیس اسکواڈ کے ساتھ ایدھی ایمبولینس وہاں پہنچی تھی۔ اس کے بعد قونصل خانے کا عملہ اپنی ایک ایمبولینس سمیت وہاں پہنچ گیا۔'' جلال بتا رہا تھا ''گاڑی الٹنے کے جھٹکے کی وجہ سے ڈرائیور کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ کافی دیر کی تلاش کے بعد پولیس پارٹی گیری کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئی جو بے ہوشی کی حالت میں، مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔''

''ابھی صرف پانچ بجے ہیں۔ تمہیں اتنی تیزی سے یہ ساری خبریں کہاں سے مل گئیں؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے آدمی ہر وقت پولیس کنٹرول سے رابطے میں رہتے ہیں۔ پولیس کے ملوث ہو جانے کی وجہ سے مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ پراسرار حالات میں ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کا زخمی حالت میں ملنا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ابتدائی خبر سنتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ تمہارا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔ گیری کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''تمہاری یہاں آمد کا مطلب ہے کہ وہ قصہ تیزی سے نمٹا دیا گیا ہے۔''

''پچکی ہوئی کار کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈرائیور کی لاش کے ساتھ وہ گیری کو اپنی ایمبولینس میں لے گئے تھے۔''

''وہ کار اب پولیس کی تحویل میں ہو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''پولیس کو انہوں نے کار کی تلاشی لینے سے بھی روک دیا۔ اس کی نمبر پلیٹ غیر سفارتی ہے لیکن وہ کار قونصل خانے کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ پولیس بے بس ہو کر رہ گئی۔ جائے واردات پر پہنچنے والے ڈی ایس پی کی رائے ہے کہ کار کے معائنے سے کئی اہم باتیں سامنے آ سکتی تھیں۔ اب ہر شخص اندھیرے میں ہے۔''

''گیری کیا کہتا ہے؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ شاید کل تک بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ آ سکے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق اسے بہت بے رحمی سے مارا پیٹا گیا ہے۔ ابھی تک کسی نے اس واقعے کی ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ دیکھنا ہو گا کہ وہ لوگ کیا راستہ اختیار کرتے ہیں۔'' جلال بہت خوش اور پرجوش تھا۔

''بے چارے کے ساتھ برا ہوا۔'' ویرا استہزائی انداز میں بولی ''آرام سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں چور اچکوں کے ہاتھ پڑ گیا۔''

''کیا تم نے اس واقعے کو رہزنی کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی؟'' جلال نے پوچھا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

''وہ تمہاری کوشش تھی۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ گیری اس واقعے کو کس رنگ میں لیتا ہے۔ آج تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ ان لوگوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ جب تک گیری زندہ رہے گا، آج کی مار کو نہیں بھول سکے گا۔''

''مار پیٹ کر چھوڑ دینا کامیاب حکمت عملی نہیں ہے۔'' ویرا بولی ''گیری مار کو زندگی بھر یاد رکھے گا لیکن وہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان نہیں بن سکے گا۔ اپنے درد کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو اس کے درد کا ادراک نہیں ہوگا۔ ان کو یہ مار پیٹ کا ایک معمولی واقعہ محسوس ہوگا اور وہ اپنی حرکتوں میں لگے رہیں گے۔ موت سے ہر ایک سہم جاتا ہے۔''

''یہ واقعہ ابھی بہت تازہ ہے۔ کل تک اس بارے میں کچھ واضح ہو سکے گا۔'' جلال نے سگریٹ سلگا کر کہا ''اس دوران میں تمہیں سوبھراج کو بھی ٹٹول لینا چاہیے۔ گیری اس کی دعوت پر فرنچ بیچ گیا تھا۔ اسی کے ساتھی سوبھراج پر بھی شبہ کریں گے۔''

''تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آ گیا تھا۔ گیری نے دو بجے فرنچ بیچ کے کسی ریسٹ ہاؤس سے فون کر کے اس سے شکوہ کیا تھا کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق بیچ پر نہیں پہنچا......''

''اوہو...... یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے تھے؟'' اس نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی۔

''تمہاری لائی ہوئی دلچسپ رپورٹ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''اصل کام تم کر آئے تھے۔ میری رپورٹ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کو بہت جلد گیری کے انجام کا پتا چل گیا۔ اب ان کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہوگی۔''

''تم نے سوبھراج کو یہ تو نہیں بتایا کہ تم نے گیری کی ٹھکائی کی ہے؟'' کوئی خیال آتے ہی اس نے یکایک سوال کیا۔

''کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتے ہو۔ وہ اسی وقت اخباروں میں اشتہار لگوانے کی تگ و دو شروع کر دیتا اور تم مشکلات میں پڑ جاتے۔ میں کسی سے کوئی وعدہ کر لیتا ہوں تو پھر پوری طرح اس کا پاس کرتا ہوں۔''

''اس واقعے کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟'' جلال روانی میں سوال کر گیا۔

''تم کہاں ہو، کس واقعے کی بات کر رہے ہو؟ جب اسے گیری کے واقعے کی ہوا ہی نہیں لگنے دی گئی تو اس کے بارے میں اس کی رائے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔''

''اوہ! شاید میں الجھ گیا ہوں۔'' وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ اس کی رائے پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ اس سے تمہاری کیا بات ہوئی۔''

''راوالے بھٹک رہے ہیں۔ سوبھراج نے انہیں ایک مزار پر پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے۔'' میں نے اسے اپنی اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل سنانی شروع کر دی۔

جلال میری طرف ہمہ تن گوش تھا۔ وہ درمیان میں سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ پوری بات ختم ہونے پر وہ بولا ''گیری کے پٹنے کی خبر سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمہارا کام ہے لیکن مجھے یہ فکر ستا رہی تھی کہ گیری تم کو کرنل داور کے روپ میں بہت قریب سے جانتا ہے۔ یہاں آ کر میں نے تمہاری ہیئت کذائی دیکھی تو میری تشویش دور ہو گئی۔ جھاڑ جھنکاڑ جیسی داڑھی اور آنکھوں کے رنگ کی تبدیلی کے بعد کوئی تمہیں نہیں پہچان سکتا۔ اس حلیے میں تم آسانی کے ساتھ ان دونوں کی تلاش میں نکل سکتے ہو۔''

''سرکاری عملے کی امریکیوں سے دوری پالیسی کی مجبوری ہے۔ کیا تم راوالوں سے بھی الگ تھلگ رہو گے!'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آ گیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''تمہارے پاس عملہ ہے اور وسائل بھی۔ تم مجھے ان کی تلاش میں نکلنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''انہیں میرے آدمی تلاش کریں گے۔ انہیں تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچانا میرے محکمے کی ذمے داری ہے لیکن تم ان میں سے کم از کم ایک کو پہچانتے ہو۔ تم میدان میں نکل آئے تو ان تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

جلال کی اس وضاحت سے میں مطمئن ہو گیا اور وہ مجھے نئی مہم کی باریکیاں سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اس کا کہنا تھا کہ عام طور پر ایک کام کے لیے ایک سیکرٹ ایجنٹ کو مامور کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنی پوری توجہ کام پر مرکوز کر سکے۔ دشمن کی سرزمین پر ایک سے زیادہ افراد کو بھیجنا پڑ جائے تو مشن سے پہلے کلیدی اہمیت ان کے باہمی رابطے کی ہوتی ہے۔

محفوظ ترین رابطے کے لیے وائرلیس ٹرانسمیٹر کامیاب

سمجھے جاتے ہیں جن میں کنکشن وغیرہ کا کوئی جھنجٹ نہیں ہوتا اور مخصوص حدود میں ایک سے زیادہ افراد ہر وقت ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں موبائل فون کی وہ افادیت نہیں تھی۔

اسے یقین تھا کہ حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے کراچی پہنچنے والوں کے پاس خاص حد میں کام کرنے والے ٹرانسمٹرز ضرور موجود ہوں گے تاکہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ہر وقت باہمی رابطے میں رہ سکیں۔

ابتدا میں جلال کی وہ باتیں مجھے عجیب اور غیر ضروری محسوس ہورہی تھیں لیکن جب اس نے دہلی میں پکڑے جانے والے عبداللہ کا ذکر چھیڑا تو پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

عبداللہ دہلی میں آئی بی کا فعال ایجنٹ تھا۔ جن دنوں میں ویرا اور غزالہ کے ساتھ وہاں اہم بھارتی افسروں اور ٹھکانوں کو اپنی سرگرمیوں کا نشانہ بنا رہا تھا تو بھارتی دارالحکومت میں ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔

دہلی میں نامعلوم غیر ملکی ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے ایسی فوجی اور نیم فوجی، بکتر بند گاڑیاں سڑکوں پر لائی گئی تھیں جن میں حساس اسکینر لگے ہوئے تھے۔ مشتبہ علاقوں میں گشت کے دوران وہ گاڑیاں آسانی سے یہ سراغ لگا سکتی تھیں کہ ان کے آس پاس کسی بھی فری کوئنسی پر کوئی لاسلکی مواصلاتی آلہ تو استعمال نہیں ہورہا۔

بھارتی ایجنسیاں میرا سراغ نہیں لگا سکی تھیں لیکن ان ہیبت ناک گاڑیوں نے جامع مسجد کے علاقے میں ایک اپریٹس کے سگنل پکڑے اور ان کے سہارے عبداللہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔

وہ کہانی مجھے پاکستان آنے کے بعد معلوم ہوئی۔ دہلی میں نازل ہونے والی تباہیوں اور ہلاکتوں پر بھارتی حکام غصے سے پاگل ہورہے تھے۔ وہ اپنے اصل حریف تک پہنچنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ انہوں نے سارا غصہ عبداللہ پر اتار دیا۔ وہ ونود نامی ایک افسر کے بہیمانہ تشدد کا شکار ہوکر، گردے پھٹ جانے کی وجہ سے شہادت کے رتبے پر فائز ہوگیا۔

وہ واقعہ جلال کے اشتعال کے سبب میرے ذہن میں جاگزیں ہوکر رہ گیا تھا۔ جلال نے ونود سے عبداللہ کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ جب ونود ایک سورما کی طرح سفارتی چھتری کے سائے میں پاکستان پہنچا تو جلال نے بہت بے رحمی سے اس کا کام تمام کرکے ونود سے اپنے ساتھی کی وحشیانہ موت کا بدلہ چکا دیا۔

جلال کلفٹن کے علاقے میں ان دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس مشن میں شامل رہوں کیونکہ میں ان دونوں میں سے ایک کو پہلی نظر میں پہچان سکتا تھا۔

مشن میں شمولیت کے لیے ضروری تھا کہ مجھے پورے طریقہ کار کا علم ہو۔ جلال نے کسی تمہید کے بغیر وہ خلاصہ مجھے سنا دیا تھا۔

اصولی اتفاق ہوجانے کے بعد جلال نے وہیں سے اپنے کسی آدمی کو فون کرکے بتایا کہ را کے دو ایجنٹوں کے بارے میں کچھ سراغ ملے تھے جن کی روشنی میں اسکیننگ وہیکلز کے ساتھ فوری طور پر کام شروع کرنا تھا۔

اس کی باتوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ آئی بی والے پہلے سے ان دونوں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے بتایا کہ آپریشن کے آغاز کے لیے آٹھ بجے کا وقت طے ہوا تھا۔ وہ گاڑیاں آئی بی کی ملکیت نہیں تھیں۔ آرمی گیریزن سے ان کے بندوبست کے لیے کچھ وقت درکار تھا اس لیے آپریشن آٹھ بجے سے پہلے شروع نہیں ہوسکتا تھا۔

جلال کے لیے کسی اسکیننگ وہیکل میں ہمارے گھر آنا ممکن نہیں تھا۔ طے یہ ہوا کہ میں پونے آٹھ بجے سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ کے سامنے پہنچ جاؤں۔

''اس آپریشن میں تمہارا کوڈ ایم ٹو ہوگا۔ میں ایم ون رہوں گا۔'' اس نے اٹھنے سے پہلے مجھے بتایا ''ہم دونوں کے علاوہ مزید تین آدمی شریک ہوں گے۔ پانچوں کا اپریٹس پر ایک دوسرے سے رابطہ ہوسکے گا۔ تمہارا اپریٹس میں ابھی گاڑی میں سے دے دوں گا۔''

اس کے پاس وقت کم تھا۔ وہ فرصت کے ساتھ وقت گزارنے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا۔ سوبھراج سے ملنے والے سراغ کی روشنی میں جلد از جلد کام کا آغاز کرنا ضروری ہوگیا تھا جس کی تیاری کے لیے وقت درکار تھا۔ میری بریفنگ مکمل کرتے ہی وہ اٹھ گیا۔

اس نے گھر میں آکر نئی گاڑی کا کوئی ذکر نہ کیا۔ میں نے بھی اسے کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ایک سیاہ بریف کیس میں سے سگریٹ کے پیکٹ کے برابر ایک اپریٹس نکال کر میرے حوالے کیا، اختصار سے اس کے استعمال کا طریقہ بتایا اور واپس چلا گیا۔

میں اسے رخصت کرکے اندر پہنچا تو ویرا نے چھوٹتے ہی

سوال کیا ''اس نے ہماری گاڑی کے بارے میں کچھ کہا یا خاموشی سے چلا گیا۔''

''اس نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''وہ آئی بی کا افسر ہے۔ نئی گاڑی دیکھتے ہی اسے چوکنا ہو جانا چاہیے تھا کہ ہمارے گھر کون آیا ہوا ہے۔ وہ ذکر کرتا تو بات صاف ہو جاتی۔''

''وہ یہاں افسر نہیں، دوست بن کر آتا ہے۔ دوست اتنی باریکیوں میں نہیں جاتے۔'' ویرا کو وہ منہ توڑ جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''یہاں سے ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں سات بجے روانہ ہوں گے۔ میں راستے میں اول خان کی گاڑی اس کے گھر پر چھوڑ دوں گا۔ وہاں سے تم مجھے اپنے ساتھ لو گے اور کلفٹن چھوڑ کر لوٹ آؤ گے۔''

''تم نے میرے بارے میں جلال سے بات نہیں کی۔'' سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی شکایت کی ''میں نے بھی تو حسن کو دیکھا ہوا ہے۔ مجھے اس مشن میں شامل ہونا چاہیے تھا۔''

''میں نے تمہارے منہ میں لگام نہیں ڈالی ہوئی تھی۔ اپنی بات تم کو خود کرنی چاہیے تھی۔''

''میں اس ڈر سے خاموش رہا کہ کہیں تم دخل در معقولات پر ناراض نہ ہو جاؤ۔''

''بس تو اب بھی اسی ڈر سے خاموش رہو۔ تم نے سنا نہیں کہ پورے آپریشن میں کل پانچ افراد شریک ہوں گے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''پانچ کے بھی کل تین ہی سمجھو!'' ویرا نے میری حمایت میں کہا ''اسکینگ کے آلات والی گاڑیاں اگر آرمی گیریزن کی ہیں تو ڈرائیور بھی ان کے ہوں گے۔ اسپیشل گاڑیاں چلانے والے صرف ڈرائیور نہیں پورے آپریٹر ہوتے ہیں۔ سارے کل پرزوں کی کارکردگی ان کی صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔ کوئی نیا آدمی ایسی گاڑی نہیں سنبھال سکتا۔''

''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑاتی ہو اور عاقلہ فاضلہ بننے کی کوشش کرتی ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تم نے ایسی گاڑی کہاں دیکھ لی؟''

''ایسی گاڑی نہیں دیکھی لیکن اس جیسی دسیوں گاڑیوں میں سفر کر چکی ہوں۔ منشیات کے بڑے تاجروں کی گاڑیوں میں ریڈار لگے ہوتے ہیں۔ جو ارد گرد کے علاقے پر نظر رکھتے ہیں۔ جہاں خطرہ نظر آتا ہے، وہ گاڑیاں چھوڑ کر پیدل فرار ہو جاتے ہیں۔''

''کس سیارے کی بات کر رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''کولمبیا کے دارالحکومت بوگوٹا اور اس کے مضافات میں ایسی کئی گاڑیاں ہیں۔''

''اور حکومت انہیں کچھ نہیں کہتی!'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہاں لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ ذاتی تحفظ کے نام پر حکومت لوگوں کو بہت سی رعایتیں دینے پر مجبور ہے۔ ان رعایتوں سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ موت کے سوداگر اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔''

''حکومت ان کو کیوں نہیں پکڑتی؟'' غزالہ کے لیے وہ باتیں حیران کن تھیں۔

''ان کے خلاف کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ گواہ۔ رفتہ رفتہ وہ اتنے طاقت ور ہو گئے ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ کئی بار وہ حکومت سے ٹکرا چکے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اپنی بات منوائی ہے کیونکہ وہاں ان کے سوبھراج جیسے گرگے گھسے ہوئے ہیں۔ جو ان کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کرتا ہے، سرعام مار دیا جاتا ہے۔''

''ایسے معاملات میں بار بار کولمبیا کا نام کیوں آتا ہے؟'' اس بار میں نے ویرا سے سوال کیا تھا۔

''وہاں حکومت برائے نام ہے۔ پس پردہ ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ امن و امان کے لحاظ سے وہ دنیا کا بدترین ملک ہے جہاں سرشام سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں اور ہر طرف بدمعاشوں کا راج ہوتا ہے۔''

''سیاست میں گندے لوگ پیسے کے زور پر گھسنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملک کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''میری آرزو ہے کہ سوبھراج ہماری سیاست کی اکلوتی کالی بھیڑ ثابت ہو۔ اسے ہم نے مفلوج کر دیا ہے۔''

''نہیں ڈینی صاحب!'' ویرا طنز سے بولی ''اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ کھل کر تمہارے سامنے آ گیا۔ ذرا اخبار غور سے پڑھا کرو۔ اخبار بڑے ناموں سے ڈرتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی خبریں بھی گھٹا کر چھاپی جاتی ہیں۔ ان چھوٹی خبروں میں تمہیں ایسے چہرے نظر آئیں گے کہ تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہاں سیاسی کرپشن تیزی سے بڑھ رہا ہے۔''

''تمہاری دانست میں اس کے کیا اسباب ہیں؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کمزور حکومتیں!'' ویرا نے بے ساختہ اور دو ٹوک جواب دیا'' وہ احتساب کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بناتی ہیں اور ملزموں کے کیس داخل دفتر کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لیتی ہیں۔ جانے والوں کے ملزم آنے والوں کے منظور نظر بن جاتے ہیں اور یہی سب سے بڑا بگاڑ ہے۔''

وہ ہم میں سے نہیں تھی۔ سات سمندر پار سے دنیا جہان کے دھکے کھاتی ہوئی آئی اور پھر یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ اس نے تھوڑے سے عرصے میں اپنے مطالعے اور مشاہدے سے ایک ایسا ٹھوس نتیجہ اخذ کر لیا تھا جو نصف صدی گزر جانے کے باوجود ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

ایک غلط آدمی اوپر آ جاتا ہے تو پھر وہ بھی اپنوں کو نوازنا شروع کر دیتا ہے اور یوں آوے کا آوا بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اوپر والا کسی انقلاب یا احتساب کی نذر ہو جاتا ہے تب بھی اس کے لائے ہوئے، نیچے والے لوگ اپنی جگہوں پر جمے رہتے ہیں اور موذی تابکار شعاعوں کی طرح اندر ہی اندر سسٹم کو تباہی کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔

ویرا نے یہ بات کھل کر نہیں کہی تھی مگر بین السطور میں اس کا یہی مقصد تھا کہ کسی پر ایک مرتبہ کوئی الزام لگ جائے تو پھر اسے لازمی طور پر عدالتی عمل کی چھلنی سے گزارنا چاہیے۔ وہ مجرم ثابت ہو تو سزا کے ساتھ نا اہل بھی قرار دے دیا جائے، بے گناہ ہو تو عدالتی فیصلے کی سرخروئی کے ساتھ دوبارہ قومی دھارے میں شامل ہو جائے۔

''آپ دونوں نے حکومت اور سیاست پر کیا باتیں شروع کر دیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا'' یہ کبھی آپ کی دلچسپی کے شعبے نہیں رہے۔ اب اچانک ادھر کا خیال کیوں آ گیا؟''

''مجھے ان باتوں سے اب بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا'' بات کولمبیا سے شروع ہوئی اور سوبھراج سے ہوتی ہوئی سیاست کی طرف آ گئی۔ یہ مجبوری ہے کیونکہ سوبھراج چند روز پہلے تک ایک معتبر سیاست داں شمار کیا جاتا تھا۔''

''سیاست کو بھول جائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں!'' غزالہ نے مجھے مشورہ دیا۔

''ہم جو کچھ کرتے ہیں ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ اس کا فائدہ حکومت کو ہوتا ہے۔ کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ کس کی حکومت ہے اور ہماری محنت کا فائدہ کس کو حاصل ہوگا۔''

''یہ آپ کی سوچ ہو سکتی ہے میری نہیں!'' اس نے خوش دلی کے ساتھ اختلاف رائے کیا۔'' ہم کسی حکومت کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ ہمارا ہر فعل اب ملک اور قوم کے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔''

''تم خلوص سے یہ بات کہہ رہی ہو' تمہارے سیاست داں بھی یہی کہتے ہیں۔ وہ ملک و قوم کے مفاد کے لیے گھلے مرے جا رہے ہیں۔'' ویرا بولی'' کل تک سوبھراج بھی یہی دعویٰ کرتا تھا۔ آج اس کا چہرہ تمہارے سامنے ہے۔''

''لعنت بھیجو ان باتوں پر!'' آخر کار سلطان شاہ بھی بول پڑا۔'' یہ بتاؤ کہ نئے آپریشن کے لیے تم کیا تیاری کر رہے ہو۔''

''مجھے صرف وقت پر وہاں پہنچنا ہے۔ تیاری کرنا جلال کا کام ہے۔'' میں نے بے فکری سے کہا۔

اچانک میرے فون پر کال آ گئی۔ میں نے موبائل فون کا بٹن دبانے کے بعد ہیلو کہا تو دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی' شکستہ اور اجنبی آواز آئی۔'' کرنل! تم کہاں ہو؟''

''تم کون ہو؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا'' میں تم کو نہیں پہچان سکا۔''

''میں گیری بول رہا ہوں' گیری ہارٹ!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''تمہاری آواز کو کیا ہوا؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''گڑبڑ ہو گئی۔ آج دو لٹیرے ٹکرا گئے تھے' ان سے مقابلے میں میرے جبڑوں پر کچھ چوٹیں آئی ہیں جن کی وجہ سے بولنے میں ذرا سی دقت ہو رہی ہے۔''

''اوہ! یہ افسوسناک خبر ہے' تم لٹیروں میں کہاں پھنس گئے؟''

''یہ شہر رہنے کے قابل نہیں ہے یہاں کی پولیس نکمی ہے' غنڈے اور بدمعاش شہر میں من مانی کرتے پھرتے ہیں' امن و امان بالکل تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔''

اس سازشی سفارت کار نے ایک سانس میں شہر کی کئی خرابیاں گنوا دیں۔ میرا دل چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ جب اس نے جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ چلوایا تھا تو اسے شہر سے ایسی شکایات کیوں نہیں ہوئیں۔

اس کے آدمی غنڈا گردی کرتے پھر رہے تھے تو سب ٹھیک ٹھاک تھا' اس کی مرمت ہوئی تو اسے شہر کا پورا انتظامی ڈھانچا ناکارہ نظر آنے لگا۔

''پوری بات بتاؤ' یہ خبر سن کر تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''فائر کر کے میرے گاڑی کا ٹائر پھاڑ دیا تھا' گاڑی الٹ گئی اور دو درندوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ میرا پرس چھین کر بھاگ گئے۔
''بات سمجھ میں نہیں آتی' صرف پرس چھیننے کے لیے کوئی اتنی بڑی کارروائی نہیں کرتا۔ گولی سے کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟'' میں نے پرتشویش آواز میں پوچھا۔
''گولی سے ٹائر پھٹا تھا' گاڑی الٹنے سے میرے ڈرائیور کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ یہ قصہ میری بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔ پاکستان میں جہالت عام ہے زیادہ لوگ انگریزی نہیں بول سکتے مگر ان میں سے ایک اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔''
اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹے چند ہی گھنٹے گزرے تھے' مجھے حیرت تھی کہ باتیں کرتے ہوئے وہ ایک مرتبہ بھی نہیں کراہا تھا پھر اس کا سبب میرے ذہن میں آگیا۔ اسے یقینی طور پر طاقت ور درد کش دوا کا انجکشن دیا گیا تھا جس کے زیراثر وہ اپنی تکلیف کو بھولا ہوا تھا۔
''تم نے جنرل کی گاڑی پر وار کر کے ایک خطرناک دشمن کو للکارا ہے۔'' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے خیالی آرائی شروع کر دی۔'' ابھی تک جنرل سے میری ملاقات نہیں ہوئی مگر میں نے سنا ہے کہ تباہ ہونے والی گاڑیوں کے ملبے سے کچھ ایسے سراغ ملے ہیں جن سے نشان دہی ہو رہی ہے کہ حملے میں امریکی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جواب جنرل کی طرف سے آیا ہو۔ زک اٹھا کر خاموش رہنا ایس ٹی ایف کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔''
''ان بدمعاشوں نے بھاگنے سے پہلے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ہوش آیا ہے یہ میرا پہلا فون ہے نمبر ملانے تک میں خود بھی سوچتا ہوں۔ یہ ایس ٹی ایف کا کام نہیں ہوسکتا میں فرنچ بیچ گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ رونما ہو گیا۔ جاتے اور آتے ہوئے میں بہت محتاط تھا۔ کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ میرا پروگرام اچانک بنا تھا۔ جنرل کو کیسے علم ہوسکتا تھا کہ میں اس وقت وہاں سے گزروں گا۔''
''تمہاری دلیل قابل غور ہے۔'' میں نے اعتراف کیا'' اگر یہ لوٹ مار کی واردات نہیں ہے تو یہ کام کسی ایسے آدمی کا ہے جسے تمہارے پروگرام کا پوری طرح علم تھا۔''
اس کے ذہن کو جنرل وقار کی طرف بھٹکانے میں ناکامی کے بعد میں نے نام لیے بغیر اسے سوبھراج کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔
''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔'' اس کی آواز اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ اس کے لب و لہجے سے اس کی صحیح ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اس کی بات جاری رہی۔'' میرے مخالفوں میں صرف ایک شخص ایسا ہے جسے میرے پروگرام کا علم تھا لیکن اس وقت وہ خود بہت بری طرح خوف زدہ ہے۔ چوہے کی طرح کسی نامعلوم بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کے پاس ایسی کارروائی کرنے کے وسائل دستیاب نہیں ہیں۔''
''تم سوبھراج کا ذکر تو نہیں کر رہے!'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔
''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ اس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی حرکت کر سکتا ہے۔''
''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس نے ان ہی حالات میں نک کو مروایا تھا۔''
''یہ اس کی شیخی ہے' اب وہ چیونٹی کو بھی مروانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے ڈینی نے مروایا اور سوبھراج نے وہ سہرا اپنے سر سجالیا۔ تھوڑی دیر کے لیے میں تمہاری بات مان بھی لوں تو اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو مجھے ہلاک کر دینا چاہیے تھا۔ وہ آسانی سے مجھے قتل کر سکتے تھے' انہوں نے مجھے مار پیٹ کر کیوں چھوڑ دیا؟''
میں فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے فون کرنے سے پہلے اس مسئلے پر خاصا سر کھپایا تھا۔ یہ بات حیران کن تھی کہ بری طرح مجروح ہونے کے باوجود اتنے زیادہ ذہنی ارتکاز کے قابل تھا۔
''تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' چند ثانیوں بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا'' یہ ڈکیتی کی واردات نہیں ہے' جنرل کا جوابی وار نہیں ہے' سوبھراج کی حرکت نہیں ہے تو پھر آخر کیا ہے کسی نہ کسی نے تمہیں گھیرا تھا۔ وہ تمہارے دشمنوں میں سے نہیں تھا تو کیا تمہارے کسی ساتھی نے تم کو نیچا دکھانے کے لیے یہ حرکت کی ہے۔''
''یہ کسی ایجنسی کی حرکت بھی ہوسکتی ہے' چند سال پہلے فرانس کے ایک سینئر سفارتی افسر کے ساتھ بالکل ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی خیر خبر لینے کے لیے کچھ حساس آلات سمیت کہوٹہ کے ممنوعہ علاقے میں جا نکلا تھا۔ وہاں اسے سادہ کپڑوں میں ملبوس کچھ لوگوں نے گھیر لیا۔ بری طرح مار مار کر لہولہان کر دیا۔ سارے آلات توڑ دیے یا چھین لیے پھر وہ غائب ہوگئے۔ اس کی حکومت نے احتجاج کیا تو پاکستان نے پہلا سوال یہ کیا کہ وہ اس ممنوعہ علاقے میں بلا اجازت کیا کرتا پھر رہا تھا۔ ان لوگوں کو جواب دینا مشکل

ہوگیا۔ لینے کے دینے پڑ گئے اور وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہوگیا۔“

”کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ یہاں کے ایٹمی بجلی گھر کے محافظوں نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے؟“ میں نے تیزی سے سوال کیا۔

”فی الحال میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ اس بار اس کی بگڑی ہوئی آواز واضح طور پر الجھی ہوئی تھی۔ ”میں اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات تمہیں بتا رہا ہوں۔ شاید تم کسی نتیجے تک پہنچنے میں میری مدد کرسکو۔“

”میرے اور تمہارے درمیان کوئی رفاقت نہیں ہے۔ میں تمہاری خفیہ سرگرمیوں سے یکسر لاعلم ہوں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی ”سب سے پہلے تو یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دونوں تمہیں آزادی سے مار پیٹ کر نکلنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔ تم ایک پیشہ ور آدمی ہو۔ تم نے یہاں کئی محاذ کھولے ہوئے ہیں تم اپنے ٹھکانے سے خالی ہاتھ نہیں نکلتے ہوگے۔ کیا تمہارے ہتھیار بھی انہیں گرانے میں کامیاب نہیں ہوسکے؟“

”برا وقت بتا کر نہیں آتا۔ آتا ہے تو سب کچھ الٹا ہوتا چلا جاتا ہے‘ میرے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا اسمتھ اینڈ براؤن تھا۔ انہوں نے بے آواز رائفل سے میرے ہاتھ پر گولی چلا کر مجھے نہتا کردیا اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دونوں دیوہیکل تھے۔ میں نے ہاتھ زخمی ہونے کے باوجود جم کر ان کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں سے مار کھا کر ان کے چہرے بگڑ گئے تھے لیکن وہ دو تھے میں کہاں تک ان کا مقابلہ کرتا۔ انہوں نے آخر کار مجھے زیر کرلیا۔“

اس نے میرے اوپر اپنا بھرم رکھنے کے لیے سچ میں جھوٹ کی خاصی آمیزش کی تھی۔ اس کی بتائی ہوئی تفصیل سن کر مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ ہم نے اپنے منصوبے کے مطابق اسے بہت برے حال کو پہنچا دیا تھا۔

”فی الحال تم آرام کرو۔“ میں نے اسے مشورہ دیا ”میں دماغ لڑاتا ہوں کوئی بات ذہن میں آئے گی تو فون پر تم سے رابطہ کروں گا۔“

”میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔“ اس کی آواز سے اضطراب جھلکنے لگا۔ ”ان مردودوں نے رائفل مار کر میری پنڈلی توڑ ڈالی۔ دو پسلیوں میں بھی اسٹریس فریکچر کا شبہ کیا جارہا تھا‘ میرے علاج کے لیے میرے ساتھی چند گھنٹوں بعد مجھے اوماہا بھیج رہے ہیں۔ میں نے اسی وجہ سے اس وقت تمہیں فون کیا ہے ورنہ میرے ڈاکٹرز نے مجھے بولنے سے منع کیا ہوا

جواب

اسکول میں جمی نے کمال سے پوچھا ”فرض کرو۔ ایک بہت بڑا دریا ہے۔ دریا کے کنارے پر ہری ہری گھاس کا ایک گٹھا پڑا ہے۔ دوسرے کنارے پر ایک گدھا کھڑا ہے۔ دریا بہت گہرا ہے۔ گدھا تیر کر دوسری طرف نہیں جاسکتا۔ وہاں کوئی کشتی وغیرہ بھی نہیں ہے۔ بتاؤ گدھا گھاس تک کیسے پہنچے گا؟“

کمال نے کافی دیر تک سوچا اور آخر کار کہا ”میں نے ہار مان لی۔“

”گدھے نے بھی یہی کہا تھا۔“ جمی اطمینان سے بولا۔

ہے۔ جبڑوں کے ورم کی وجہ سے مجھے بولنے میں دقت ہو رہی ہے۔“

میرے لیے وہ خبر سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ بہت پرغرور انداز میں میدان میں اترا تھا اور ایک قلیل سی مدت میں ذلیل و خوار ہو کر واپس جا رہا تھا۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر جا سکے۔

یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنی روداد الم اسی شخص کی سنا رہا تھا جس کے ہاتھوں وہ اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ نک کی موت کے بعد زخمی حالت میں گیری کی واپسی ایف بی آئی کے دوسرے اہل کاروں کے لیے یقینی طور پر ایک خوفناک پیغام کی حیثیت رکھتی تھی۔

مجھے امید تھی کہ ان واقعات کے بعد ایف بی آئی والوں کے لیے پاکستان ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت اختیار کر لے گا اور کوئی بھی افسر رضا کارانہ طور پر ہمارے شہر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

”یہ اچھی خبر نہیں ہے۔“ میں نے اپنے مسرت آمیز جذبات پر قابو رکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔ ”تم جا رہے ہو تو تمہارا جانشین کون ہوگا۔“

”اس وقت ایمرجنسی ہے۔ ابھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ فی الحال ٹام تم سے رابطہ رکھے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اس سے بھی تعاون کرتے رہو گے۔ تمہاری ذات سے ہم لوگوں نے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے اوپر جبر کرکے تمہیں فون کیا ہے۔ میں یہاں سے جانے سے پہلے اس واقعے کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔“

''تم نے میرے پیش کیے ہوئے ہر امکان کو رد کر دیا ہے اور اس کے لیے تمہارے پاس معقول دلائل بھی ہیں۔ ایسی صورت میں' میں اسے لوٹ مار کی ایک واردات سمجھنے پر مجبور ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ تم اس کا نشانہ بن گئے۔''

''یہ کیسی لوٹ مار تھی کہ وہ صرف میرا پرس لے کر بھاگ گئے۔'' وہ پریشان تھا۔'' مجھے بے ہوش کرنے کے بعد وہ آرام سے میری جیبیں خالی کر سکتے تھے۔ میری رسٹ واچ بہت بیش قیمت ہے میری انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ جیب میں سونے کا سگریٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ وہ کیسے لٹیرے تھے کہ انہوں نے گولی چلا کر مجھے زبردستی روکا اور صرف پرس پر قناعت کر کے بھاگ گئے' انہوں نے کسی اور چیز پر دھیان ہی نہیں دیا!''

''تم نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک لٹیرا اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔'' اس کے تحفظات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد میں نے کہنا شروع کیا ''تم کو معلوم ہوگا کہ پاکستان میں بے روزگاری کی شرح بہت اونچی ہے۔ لڑکے دن رات محنت کر کے ڈگریاں حاصل کرتے ہیں' ماں باپ اپنا پیٹ کاٹ کر بہتر مستقبل کی امید میں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں لیکن جب وہ عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ ڈگریاں انہیں روزگار نہیں دلاتیں۔ ان کا منہ چڑانے لگتی ہیں' ان میں سے کچھ نوجوان معاشرے سے بغاوت کر کے غلط راستوں پر نکل جاتے ہیں۔ اپنے گھروں کے چولہے روشن رکھنے کے لیے وہ دوسروں کی کمائی پر شب خون مارنے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم ایسے اناڑی لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔ انہوں نے پوری واردات کامیابی سے مکمل کر لی لیکن تمہیں بے ہوش کرتے ہی ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں مردہ سمجھے ہوں اور گھبرا کر بھاگ گئے ہوں۔''

''تمہاری یہ بات دل کو لگتی ہے۔ ویسے وہ نوعمر لڑکے نہیں تھے لیکن عمر رسیدہ بھی نہیں تھے۔ دونوں درمیانی عمروں کے لگتے تھے۔ یہاں میں دیکھا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے والوں کی اوسط عمریں کچھ زیادہ ہوتی ہیں' وہ نوعمر آموز لٹیرے ہی رہے ہوں گے۔''

''تم اومان سے کب تک واپس لوٹ آؤ گے؟'' میں نے اس کے زخم کو کریدا۔

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس کی مایوسانہ آواز آئی۔ ''چلتی ہوئی مشین سے ایک بار کوئی پرزہ نکل جاتا ہے کہ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اسے دوبارہ کہاں استعمال کیا جائے گا۔ صحت یابی کے بعد کوئی فیصلہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔''

''میں تمہاری صحت یابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔'' نے اوپری دل سے کہا۔

''مجھے دکھ ہے کہ میں یہاں اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر جا ہوں۔ سوبھراج ہمارا مسئلہ ہے۔ اس نے غداری کی ہے۔ اسے ہم خود سزا دیں گے لیکن ڈینی کو پکڑنے کے لیے میں انحصار کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ آجائے تو ویرا بھی زیادہ دنوں آزاد نہیں رہ سکے گی۔ مجھے امید ہے کہ میری جگہ کسی اور کے آنے تک تم ٹام سے پورا تعاون کرو گے۔ تم یقین کرو کہ دن یہ معرکہ سر ہو گیا تم عزت اور دولت سے مالا مال ہو گے۔''

''میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم کو زیادہ بو کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے جبڑوں کا ورم خراب ہو جا گا۔ مجھے دکھ ہے کہ میرے ملک سے تم اتنی خراب حالت جا رہے ہو۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔ پسلیاں مجر ہیں' جبڑے سوجے ہوئے ہیں اور ہاتھ پر گولی کا زخم ہے۔ مہمان نواز لوگ ہیں آنے والوں کو پوری عزت د ہیں......''

''بس!'' اس نے تلملائی ہوئی آواز میں میری با کاٹ دی۔'' اب اتنے نوحے نہ پڑھو کہ مجھے اپنے مقدر خرابی پر سوگ منانا پڑ جائے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہمیں آ کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔''

میں گفتگو ختم کر کے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوا تو کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

''خس کم جہاں پاک!'' ویرا امریکی انداز میں ا داہنے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کر کے بولی۔ ''وہ چل کر آیا اور اب اسٹریچر پر لے جایا جائے گا۔ ان لوگوں کی اس بہتر مہمان نوازی کیا ہو سکتی تھی!''

''وہ تابوت میں جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' سلطان نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا ''لیکن یہ انجام بھی برا نہیں ہے ا کئی دنوں تک برے برے خواب آتے رہیں گے۔''

عارضی طور پر ہمارا ایک حریف کم ہو چکا تھا لیکن اس جگہ لینے کے لیے را کے دو ایجنٹ پہلے سے کراچی میں دا ہو چکے تھے اور اگلا معرکہ ان سے ہونے والا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف، جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو براکے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ پاکستان سے رخصت ہو رہا تھا اور اسے افسوس تھا کہ وہ اس مشن پر یہاں آیا تھا وہ مکمل نہیں ہو سکا۔ یہ خوشی کی بات تھی مگر اس کے ساتھ ہمیں علم تھا کہ را کے دو ایجنٹ ہمارے شہر میں موجود تھے اور ان سے بہت جلد ہمارا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 236 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ کراچی میں دو بلیک کیٹس کی بدترین ناکامی کے بعد را والوں نے اپنے دو ایجنٹ یہاں کیوں بھیجے ہیں۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے پرخیال آواز میں کہا۔

''تم کسی نکمے سرکاری افسر کے انداز میں سوچتے رہو گے تو کبھی کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکو گے۔ وہ دونوں اپنا کام کر گزریں گے'' ویرا بولی۔

''تم مجھے نکمے سرکاری افسر کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''تم اخباروں میں آئے دن پڑھتے رہتے ہو گے کہ قتل جیسی سنگین واردات کے بعد پولیس افسر تھانے کی حدود کے بارے میں ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں۔ حدود کے بارے میں لڑتے ہوئے وہ قتل کی واردات کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ ایک تھانہ کہتا ہے کہ مقتول کا دھڑ سڑک پر پایا گیا تھا اس لیے واردات اس کی حد سے باہر ہوئی ہے۔ دوسرا تھانہ کہتا ہے مقتول کی ٹانگیں سڑک سے نیچے تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے قتل کے وقت وہ دوسرے تھانے کی حد میں پیدل چل رہا تھا۔ قتل کی تفتیش دوسرے تھانے والوں کی ذمے داری ہے۔ کوئی اس حقیقت کا ادراک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ وہ واردات فوری کارروائی کی متقاضی ہے تاکہ ضابطے کی تکمیل کے بعد مقتول کے ورثا لاش کی تدفین کر سکیں۔''

''یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے'' سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اعتراف کیا۔ ''لیکن ایسے واقعات کا میری سوچ سے کیا تعلق ہے؟''

''سرکاری افسر ہی را والوں کے مقصد کے بارے میں سوچ سکتا ہے'' ویرا بولی ''اس بے چارے کو یہ تعین کرنا ہوتا ہے کہ وہ مقاصد اس کے دائرۂ کار میں آتے ہیں یا ان لوگوں سے نمٹنا کسی اور محکمے کی ذمے داری ہے۔ اس کی ساری سوچ بچار ذمے داری سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔ کسی حرام خور اہل کار کے سر پر بھاری ذمے داری آ جائے تو اسے نانی یاد آ جاتی ہے۔''

''سلطان شاہ نے کبھی کسی ذمے داری سے بچنے کی کوشش نہیں کی'' غزالہ نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

''پھر را والوں کے بارے میں کچھ سوچنا بے کار ہے'' ویرا بے پروائی سے بولی ''وہ دس جنم لینے بعد بھی تمہارے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے رہنماؤں نے یہ بات ان کے دل و دماغ میں بٹھا دی ہے کہ ان کے ملک کے ٹکڑے کر کے پاکستان بنایا گیا تھا۔ اس پر راج کرنا ہندوؤں کا پیدائشی حق ہے۔ تمہارے لیے ان کی سوچ اچھی نہیں ہو سکتی۔ وہ جب بھی یہاں آتے ہیں، بری نیت اور ارادے سے آتے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ سوچنا سمجھنا بے کار ہے۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ تم کو بے دھڑک پیش قدمی کر کے ان کا سر کچل دینا چاہیے۔''

''اس سمت میں کوششیں ہورہی ہیں'' اس وقت سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان مفاہمانہ انداز میں مذاکرات چل رہے تھے اس لیے میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے بعد بھی ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں کس مشن پر آئے ہیں۔''

''ویری گڈ! تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔''

''اور مجھے خوشی ہے کہ ایک طویل عرصے کی باہمی محاذ آرائی کے بعد آج تم دونوں دوستانہ انداز میں باتیں کررہے ہو'' غزالہ نے میرے دل کی بات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

''یہی مجھ سے لڑتا رہتا ہے۔ میں اس کی ہر درست بات کو تسلیم کرلیتی ہوں'' ویرا بولی۔

''بلاوجہ مجھے الزام نہ دو!'' سلطان شاہ کی آواز یکایک تیز ہوگئی ''ہمیشہ پہل تمہاری طرف سے ہوتی ہے۔ ہروقت کسی نہ کسی سے بھڑ جانے پر تلی رہتی ہو۔''

''کیا میرا دماغ خراب ہے جو میں بلاوجہ ہر ایک سے لڑنے پر آمادہ رہتی ہوں؟'' ویرا جارحانہ انداز میں غرائی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ معائنے کے بعد دماغی امراض کا کوئی ماہر ہی اس بات کی تصدیق کرسکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے معصومانہ بے بسی سے کہا۔

ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ سلطان شاہ کے چراغ پا کردینے والے جواب نے اسے مشتعل کردیا تھا۔ ان دونوں کی مفاہمت کو غزالہ کی نظر لگ گئی تھی۔ اس کے چند تعریفی کلمات نے ان دونوں کے درمیان مفت کے جھگڑے کی فضا پیدا کردی تھی۔ اس سے پہلے کہ فضا ناخوشگوار ہوتی' میں نے جلدی سے کہا ''ان کے مقصد کے بارے میں ایک اشارہ مل چکا ہے۔''

''تم بات مت ٹالو'' ویرا نے خشک لہجے میں مجھ سے کہا ''اس سے یہ پوچھو کہ اس نے یہ بات کیسے کہی...... میں اس کا دماغ درست کردوں گی۔''

''کیوں...... میں نے کیا کہہ دیا؟'' میرے کچھ پوچھنے سے پہلے سلطان شاہ نے سادگی سے سوال کیا۔

''ڈاکٹر کس بات کی تصدیق کرے گا؟ کیا کہا ہے تم نے؟'' ویرا نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ تمہارے شبہے کی بات تھی۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تصدیق ہی کرے گا' تردید نہیں کرسکتا؟''

''ڈاکٹر اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے' میں اس معاملے میں اناڑی ہوں۔ میں اپنی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''تم پھر بہک رہے ہو۔ مجھے اپنے بارے میں تمہاری رائے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ویرا چیخ کر بولی ''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے صرف تصدیق کی بات کیوں کی؟''

''غلطی ہوگئی!'' سلطان شاہ نے خلافِ توقع انتہائی تحمل سے کام لیتے ہوئے جواب دیا ''دراصل میں پٹھان آدمی ہوں' جو کچھ دل و دماغ میں آتا ہے' پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔ بعد میں سوچنا پڑجاتا ہے کہ میں کیا کہہ گیا ہوں۔ اس وقت بھی یہی ہوا ہے۔ مجھے تم بالکل ٹھیک ٹھاک لگتی ہو۔ اپنی دماغی حالت کے بارے میں تمہیں کسی ماہر سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ آج کل ہر طرف ہوس اور خودغرضی کا دور دورہ ہے۔ یہ لوگ اچھے بھلے آدمی میں بھی گھما پھرا کر کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے ہیں اور پھر مہینوں تک اپنی فیس سیدھی کرتے رہتے ہیں۔''

سلطان شاہ کے ان فقروں میں بھی ویرا کے لیے قدرے توہین آمیز اور اشتعال آور مواد موجود تھا لیکن اس کے نرم لب و لہجے کی وجہ سے ویرا نے خاموشی اختیار کرلی۔

ان دونوں کے بارے میں یہ سمجھنا بہت دشوار تھا کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کب نیک نیتی سے بات کررہے ہیں اور کب ان کے ارادوں میں فتور آچکا ہے۔

''آپ کسی اشارے کی بات کررہے تھے'' وہ جھگڑا نمٹ جانے پر غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''شاید تم دور مار رائفلوں والی بات کو لیے بیٹھے ہو؟'' ویرا نے قیاس آرائی کی۔

''کیا تمہیں اس نکتے کی اہمیت میں شک ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''شک نہیں ہے لیکن میں اسے بہت زیادہ اہم بھی نہیں سمجھتی۔ دہشت گردی کے لیے ہتھیار ضروری ہوتے ہیں۔''

''پاکستان کے کسی عام شہری کو ہلاک کرکے دہشت پھیلانے کے لیے ایسی رائفل ضروری نہیں ہے۔ خنجر دل میں اتار کر یا محض ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر وہ دونوں کسی کو بھی ہلاک کرنے کے اہل ہیں'' میں نے کہا۔ ''مخصوص بناوٹ کی رائفل کے ذریعے وہ کسی خاص شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا متوقع شکار کوئی عام آدمی نہیں ہوسکتا۔''

''وہ کوئی معروف سیاست داں بھی ہوسکتا ہے'' سلطان

شاہ نے رائے زنی کی۔
''سوبھراج بے نقاب ہونے سے پہلے ایک اہم لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ ایسے لوگ زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے معاشرے سے غداری پر تل جائیں تو ان کے لیے ہر قسم کی معلومات کا حصول بہت آسان ثابت ہوتا ہے'' میں نے کہا۔
''تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟'' ویرا نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔
''صاف ظاہر ہے کہ سوبھراج کی صورت میں بھارت والے یہاں اپنا اہم ترین مہرہ کھو بیٹھے ہیں'' سلطان شاہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔
''یہ پرانی بات ہو چکی' کوئی نئی بات بتاؤ۔'' ویرا بے رخی سے بولی۔
''وہ غافل نہیں ہیں۔ پوری صورتِ حال کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے ہوں گے'' اس بار میں نے ویرا کی بات کا جواب دیا ''ایسا مقام ایک دو روز میں نہیں مل جاتا۔ سوبھراج کئی عشروں کی محنت کے بعد یہاں تک پہنچا تھا۔ اس کا متبادل تلاش کرنے کے لیے یہاں کوئی بحران پیدا ہونا ضروری ہے۔ بحرانی حالات میں ہر شخص اپنی وفاداریاں بدلنے پر کمربستہ رہتا ہے۔ وہ صحیح وقت پر کسی صحیح آدمی کو دانہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کے سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔''
''کیا تمہارا خیال ہے کہ را کے وہ دو ایجنٹ جو آج چوہوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہیں' یہاں کسی قسم کا بحران پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' ویرا نے بے یقینی سے پوچھا۔
''مجھے ان کے یہی عزائم نظر آتے ہیں' آگے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''
''مجھے بھی کچھ بتاؤ' تم نے اتنا اہم نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟'' ویرا نے مطالبہ کیا۔
''آج کل سیاسی فضا بہت گرم ہے۔ جب تک سوبھراج آزاد ہے' اس ماحول میں اعتدال آنے کی امید نہیں ہے'' میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا ''سوبھراج کے حامی دبکے ہوئے ہیں۔ اس کے مخالفین روز بیان داغ رہے ہیں۔ ایجنسیوں کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' مخالف اسے پھانسی پر لٹکانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس پس منظر میں اگر سوبھراج کا کوئی سرکردہ مخالف اچانک مار دیا جاتا ہے تو تم خود اندازہ لگا سکتی ہو کہ کیا ہوگا؟''
''یہ بات دوسروں کو سمجھانی چاہیے تاکہ وہ حفاظتی انتظامات سخت کر سکیں'' ویرا پر تشویش لہجے میں بولی ''انتظامی کوششوں سے ایسے حادثے کو ٹالا جا سکتا ہے۔''
''میں اس موضوع پر بات کروں گا لیکن متعدد شخصیات کے لیے حفاظتی بندوبست کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ پولیس والے پہلے ہی نفری کی کمی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ وہ ایک وقت میں کس کس کو گارڈ مہیا کریں گے۔''
''یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہونا چاہیے'' غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا ''آپ ان واقعات میں جذباتی طور پر ملوث ہیں۔ میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اخبارات پڑھتی ہوں۔ اگر آپ کا نظریہ درست ہے تو اس وقت تین میں سے کوئی ایک شخص ان کا ہدف ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے آج تک صرف وہی تین افراد سوبھراج کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں۔''
''بعض نام واقعی بار بار سامنے آ رہے ہیں لیکن تم نے اتنی آسانی کے ساتھ تین نام کیسے چن لیے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ تینوں نام دہرا دیے۔ میں نے اپنے ذہن میں چند روز کی اخباری سرخیوں کو تازہ کیا اور کسی بحث کے بغیر قائل ہو گیا کہ غزالہ کا تجزیہ بڑی حد تک درست تھا۔
''اب ہمیں ذرا جلدی روانہ ہونا پڑے گا'' میں نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا ''کچھ دیر کے لیے اول خان کے پاس رکنا پڑے گا۔''
''اسے فون کیوں نہیں کر لیتے'' ویرا نے مشورہ دیا۔
''بہت سی باتیں روبرو ہی بہتر ہوتی ہیں۔ اس کی گاڑی چھوڑنے کے لیے ہمیں وہاں جانا ہے۔ چند منٹ کے لیے رک گئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''
ویرا خاموش ہو گئی مگر میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا تو وہ چونک پڑی اور بولی ''اب تم کسے فون کر رہے ہو؟''
''اول خان کو!''
''میں نے کہا تھا تو صاف انکار کر دیا۔ اب اسے کیوں فون کر رہے ہو؟'' اس نے چڑ کر پوچھا۔
''مقصد دوسرا ہے' وہ مصروف اور سیلانی آدمی ہے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس کے گھر پہنچوں تو وہ وہاں موجود ہو۔''
''میں بالکل تیار ہوں۔ تم چاہو تو ہم ابھی روانہ ہو سکتے ہیں'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔
''تیاری کیسی؟ تمہیں کون سا لام پر جانا ہے۔ مزے سے

گاڑی میں بیٹھ کر تماش بینی کرتے رہو گے۔ کچھ کرنا پڑا تو تم سے پہلے دوسرے موجود ہیں۔'' ویرا نے اسے چڑایا ''تم ڈینی کو چھوڑ کر آ جاؤ گے۔''

''تماش بینی نہیں کروں گا' دشمن کو تماشا بنا دوں گا'' سلطان شاہ نے اسے جواب دیا ''تم کو معلوم ہونا چاہیے' اس وقت پورے شہر میں ڈینی کے علاوہ صرف میں نے را کے ایک آدمی کو دیکھا ہوا ہے۔ اسے پہچاننا بہت بڑا کام ہوگا۔ آخر کار مجھے بھی میدان میں آنا پڑے گا۔''

''واقعی بڑا کام ہوگا'' ویرا نے اپنا سر ہلا کر استہزائی انداز میں کہا ''مینڈک کا ایک بچہ گلاب کے پودے کی ننھی سی شاخ پر چڑھ کر اسی فخر کے ساتھ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا کہ وہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اس کے بوجھ سے درختوں کی شاخیں جھولنے لگتی ہیں۔''

''ضرور کہہ رہا ہوگا لیکن میں تمہارے کسی بچے کے وجود سے لاعلم ہوں۔ کل کتنے ہیں......؟'' وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گیا کیونکہ ویرا اس کے ترکی بہ ترکی جواب پر پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے مارنے کو دوڑی تھی۔

''یہ بہت خبیث ہو گیا ہے'' ویرا خفت آمیز انداز میں اپنے دانت پیستے ہوئے بولی ''ہر بات کا منفی پہلو فوراً اس کی کھوپڑی میں اجاگر ہو جاتا ہے۔''

''تم بلاوجہ اس کے منہ لگتی ہو۔ بھلا اس وقت مینڈک کی اور اس کے بچے کا ذکر نکالنے کی کیا تک تھی؟'' غزالہ نے نرمی سے اسے سمجھایا ''سلطان شاہ بہت ذہین ہے۔ اس سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''میرا بس چلے تو میں اس سے بات ہی نہ کروں لیکن کیا کروں' ہم ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ بات کرنی ہی پڑتی ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اپنا سب کچھ چھن جانے کے بعد میں زبردستی تمہارے سروں پر مسلط ہو گئی ہوں۔ ایک ڈینی کی ذات کا مضبوط سہارا تھا۔ اس نے شراب نوشی ترک کر کے مجھے بالکل تنہا کر دیا ہے۔''

''یہ اب پتا چلا کہ تمہاری دوستی انسانوں سے نہیں' شراب نوشوں سے ہوتی ہے......''

''تو کیا شراب نوش انسان نہیں ہوتے؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا ''مغرب میں ساٹھ فیصد بالغ آبادی شراب پیتی ہے۔''

''وہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں لیکن تمہاری دوستی کے لیے شاید اتنا کافی نہیں۔ تم شراب نوش انسانوں میں رہنا پسند کرتی ہو؟'' غزالہ بولی۔

''بات کہیں اور نکل گئی۔ میں یہ بتا رہی تھی کہ حالات ذرا سازگار ہوئے تو میں کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی'' ویرا یکا یک کچھ اداس ہو گئی۔

''کیا سلطان شاہ کی باتوں نے تمہیں بہت زیادہ آزردہ کر دیا ہے؟'' میں نے بےچینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

ویرا بےساختہ ہنس پڑی اور بولی ''ارے' وہ تو میرا کھلونا ہے۔ جب اس کی چابی ذرا سا گھما دیتی ہوں' وہ چل پڑتا ہے ورنہ پرسکون رہتا ہے۔ اس کی بس زبان چلتی ہے۔ وہ دل کا صاف ہے' ایسے سادہ لوح آدمی میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔''

''نیو خان ہوٹل کے مالک سے ہونے والی اس کی گفتگو سن کر بھی تم اسے سادہ لوح سمجھتی ہو!'' میں نے اسے مزید ٹٹولنے کی نیت سے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں نے تمہیں اس گفتگو کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا لیکن تم یقین کرو کہ اس کی ان آوارہ اور بےلگام باتوں میں بدمعاشی نہیں' ایک معصومانہ مسرت پنہاں تھی۔''

''اور تم ایسے انوکھے انسان کو چھوڑ کر ہوٹل میں رہنے کے منصوبے بنا رہی ہو۔''

''یہ ناگزیر ہوتا جا رہا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے کے غیر ضروری تسلط سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ ہم چاہیں گے تو الگ رہ کر بھی روز ملتے رہیں گے۔''

''لوگ کہتے ہیں کہ دور رہنے سے آپس میں پیار بڑھتا ہے'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر میاں بیوی کیوں زندگی بھر ایک ساتھ رہتے ہیں۔''

''کہاں رہتے ہیں؟'' ویرا نے برجستہ کہا ''مغرب میں میاں بیوی لڑتے ہیں تو میاں اپنی گرل فرینڈ کے پاس چلا جاتا ہے۔ بیوی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ تمہارے رواج مختلف ہیں۔ جب دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہونے لگتے ہیں تو بیوی کچھ دنوں کے لیے اپنے میکے چلی جاتی ہے' واپسی پر شوہر اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔''

غزالہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ شاید لڑکیوں کی میکے کے ذکر نے اس کے دبے ہوئے زخم کرید دیے تھے۔ کرنل زوار زیدی' شمع زیدی اور کامران...... وہ پورا گھرانا ملکِ عدم کو سدھار چکا تھا۔ ماں' باپ اور بھائی کی شفقت سے محروم ہو کر وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

''کچھ لڑکیاں میکے کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں'' غزالہ سے رہا نہ گیا اور وہ بوجھل آواز میں بول پڑی ''انہیں ساری عمر مسلسل اپنے مجازی خدا کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ مجھے ایک اچھا شوہر ملا ہے اور مجھے

بھول کر بھی اپنے بچھڑے ہوئے میکے کا خیال نہیں آیا۔ یہ ان کی شرافت اور نیک نفسی ہے۔''

''بلاوجہ ڈینی کی خوشامد مت کرو'' ویرا نے ترشی سے کہا ''میکے کے نہ ہونے کے خوف سے اس کی زیادتیاں مت برداشت کیا کرو۔ تمہارے لیے سب گھر کھلے ہیں۔ جہانگیر تمہیں خوش آمدید کہے گا۔ سلطان شاہ تمہارا منہ بولا اور بہت سعادت مند بھائی ہے۔ میں ہوٹل میں چلی گئی تو بڑی بہن کی طرح تمہیں اپنے پاس رہنے کے لیے بلایا کروں گی۔ تم کو ڈینی سے بلاوجہ دبنے یا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''تمہارے مشوروں کا شکریہ!'' غزالہ نے ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ ویرا کو جواب دیا۔ ''میں ان کا بہت احترام کرتی ہوں۔ انہوں نے صرف مجھے نہیں' میرے ماں باپ اور بھائی کو بھی وہ عزت اور محبت دی جسے میں مرتے دم تک فراموش نہیں کرسکوں گی۔ کبھی یہ کسی کے ورغلانے میں آگئے تو بھی میں ان سے شکوہ نہیں کروں گی۔''

وہ شاید کوئی ناموزوں ساعت تھی جو سنجیدہ گفتگو کے لیے مناسب نہیں تھی۔ پہلے ویرا پر اداسی کا مختصر سا دورہ پڑا۔ وہ سنبھلی تو غزالہ نے بقراط جیسی باتیں شروع کردیں۔ میں کپڑے جھاڑ کر صوفے سے اٹھ گیا۔

''تم دونوں اس دنیا اور ازدواجی رشتے کی بے ثباتی پر اپنا غور جاری رکھو'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''میں اول خان کی طرف جارہا ہوں؟''

سلطان شاہ میری ایک آواز پر آموجود ہوا۔

غزالہ نے اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے ورغلائے جانے کا تذکرہ کرکے ویرا پر خاصی گہری چوٹ کی تھی۔ اس نے ویرا کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا لیکن اس کے الفاظ میں گہرا مفہوم پنہاں تھا جسے سمجھ کر ویرا کو چپ سی لگ گئی تھی۔

ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر میں نے کمرے سے جوتے پہنے اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے نئی خریدی ہوئی کرولا کی چابی مجھے دینی چاہی' اس کا خیال تھا کہ مجھے اس گاڑی کا آزمائشی تجربہ کرلینا چاہیے لیکن میں نے اول خان کی گاڑی چلانے کو ترجیح دی۔ وہ گاڑی اس نے مجھے دی تھی۔ اخلاق کا تقاضا تھا کہ میں اسے خود ہی چلا کر اسے واپس اس کے گھر تک پہنچاتا۔

حسن اسکوائر سے جمشید روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم دونوں آگے پیچھے اول خان کے گھر پہنچ گئے۔

میں کسی کے دروازے پر ہارن بجا کر اسے باہر بلانے کو بدتمیزی گردانتا ہوں۔ سڑک یا گلی سے گزرنے والی دسیوں گاڑیاں ہارن بجاتی ہوئی گزرتی ہیں۔ آنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنی گاڑی سے اتر کر ڈور بیل بجائے یا دروازے پر دستک دے کر اہلِ خانہ کو اپنی آمد سے باخبر کرے تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

میں انجن بند کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان دروازے پر اپنی گاڑی کے انجن کی آواز پہچان کر باہر آگیا۔ میں اسے فون پر اپنی آمد کی اطلاع دے چکا تھا اس لیے وہ پہلے سے میرا انتظار کررہا تھا۔

اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں نے گاڑی کی چابی اسے پیش کی تو اس نے بے پروائی سے کہا ''اسے رکھو۔ گاڑی نہ ہونے سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہورہی۔ کل تمہارے لیے کوئی اچھی سی مگر پرانی گاڑی خرید لی جائے گی۔ جنرل نے تمہارے نقصانات کے ازالے کے لیے تین لاکھ کا بیرر چیک دیا ہے۔''

''گاڑی آگئی!'' میں نے مسکراتے ہوئے مڑ کر سفید کرولا کی طرف اشارہ کیا ''یہ ویرا اور غزالہ کی پسند ہے۔''

''میرے ایما پر اول خان نے گاڑی کے ساتھ سلطان شاہ کو بھی دیکھا اور بڑھ کر تپاک سے اس سے ملا۔ وہ صرف دو تین قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ دونوں میرے قریب آئے تو اول خان اس سے یہ معلوم کرچکا تھا کہ سفید کرولا پونے چار لاکھ میں خریدی گئی تھی۔ اس وقت تک میں نے گاڑی کی قیمت جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''فی الحال پچھتر ہزار کا خسارہ ہے۔'' اول خان نے وہیں کھڑے کھڑے' اپنی قمیص کی جیب سے مڑا ہوا چیک نکال کر میری طرف بڑھا دیا ''مجھے یقین ہے کہ چند روز میں جنرل سے یہ رقم بھی مل جائے گی۔''

میں نے چیک لینے سے صاف انکار کردیا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ جنرل کی خواہش ہے۔ میں جنرل کے ایما پر اس سے ملنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا اور وہیں میری گاڑی تباہ ہوئی تھی۔ اس کی ذمے داری ایس ٹی ایف پر عائد ہوتی تھی۔

اسی تکرار کے دوران میں وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگیا۔

وہ ہم میں سے کسی کا ذاتی معاملہ نہیں تھا۔ رقم کسی شخص کی جیب سے نہیں جارہی تھی' ایک قومی مقصد کے حصول کی جدوجہد میں گاڑیاں تباہی سے دوچار ہوئی تھیں۔ جنرل نے اپنے صوابدیدی اختیار کے تحت قومی وسائل سے وہ رقم دے کر ہمارے نقصان کے ازالے کی کوشش کی تھی۔ اول خان نے

اپنے دلائل سے مجھے لاجواب کر دیا اور میں نے مجبور ہو کر وہ چیک اس شرط کے ساتھ قبول کر لیا کہ بات وہیں ختم ہو جائے گی کیونکہ میری تباہ ہونے والی گاڑی کی اس وقت کی مالیت کم وبیش تین لاکھ ہی رہی ہوگی۔ اگر ہم نے دوسری گاڑی کا سودا اپنی پسند سے کیا تھا تو اضافی لاگت ہمیں اپنی جیب سے ادا کرنی چاہیے تھی۔ اول خان کو وعدہ کرنا پڑا کہ وہ ہمارے لیے مزید رقم کی فراہمی کا سوال نہیں اٹھائے گا۔

وہ معاملہ غیر متوقع طور پر درمیان میں آ گیا۔ اس سے نمٹتے ہی اول خان نے گیری کا قصہ نکال لیا جس پر اسے بہت خوشی تھی۔

پچھلی رات صدف مینشن میں جلال کی موجودگی میں میری جنرل اور اول خان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس دوران میں جنرل نے گیری اور را کے ایجنٹوں کے بارے میں اپنی گہری دلچسپی ظاہر کی تھی۔ گیری کی خوفناک دھمکیوں کے نتیجے میں ان دنوں ایس ٹی ایف غیر فعال ہو چکی تھی لیکن جنرل ذاتی طور پر پوری طرح سرگرم اور باخبر تھا۔

اس کی دانست میں را کے نووارد ایجنٹ ہمارے لیے بہت زیادہ اہم تھے لیکن گیری کی سرزنش بھی ضروری تھی۔

اول خان کو اپنے ذرائع سے گیری کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا اور اس نے وہ خبریں جنرل کو بھی پہنچا دی تھیں۔ وہ کراچی میں اپنے کام نمٹانے کے بعد اسی صبح واپس اسلام آباد چلا گیا تھا۔ اس نے کراچی میں رہتے ہوئے ایس ٹی ایف کے لیے متبادل مالیاتی بندوبست مکمل کر لیا تھا۔ اسی کے تحت اس نے میری گاڑی کا نقصان پورا کرنے کے لیے چیک جاری کیا تھا۔ وہ مسئلہ حل ہو جانے کے بعد ایس ٹی ایف کسی بھی وقت پوری صلاحیتوں کے ساتھ دوبارہ میدانِ عمل میں آ سکتی تھی۔

اول خان کو یہ معلوم تھا کہ فرنچ بیچ سے واپسی پر گیری کی کار حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کا ڈرائیور مارا گیا تھا اور دو نامعلوم افراد نے گیری کو گھیر کر بری طرح مارا پیٹا تھا۔ درمیانی تفصیلات سے وہ بے خبر تھا۔

اس وقت اول خان ہمارا میزبان تھا۔ اپنی آمد کا مدعا بیان کرنے سے پہلے اس کی دلچسپی کے معاملے کو نمٹانا ضروری تھا۔

گیری کی مرمت کی تفصیلات جان کر وہ بہت محظوظ ہوا۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے پٹنے کے بعد اس نے اپنی درگت بننے کی کہانی خاصے مبالغے کے ساتھ مجھے سنائی تھی اور وہ مجروح حالت میں پاکستان سے باہر لے جایا جا رہا تھا۔

اول خان کے لیے وہ سب اتنا سنسنی خیز تھا کہ وہ دیر تک اس بارے میں کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ اندرونی دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک پر وہ سلسلہ منقطع ہوا۔

اول خان کی تعلیم یافتہ بیوی اپنی علاقائی روایات کے مطابق ایک پردہ نشین خاتون تھی۔ وہ اندر سے چائے اور اس کے لوازم کی ٹرے لے کر آیا تو میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔

سب سے پہلے اسے یہ بتانا ضروری تھا کہ سوبھراج نے را کے ایجنٹوں کو عارضی طور پر کلفٹن والے مزار پر پناہ لینے کا مشورہ دیا تھا اور ہم دونوں جلال کی ٹیم کے ساتھ شامل ہو کر ان کی تلاش میں جانے والے تھے۔

”یہ سو فیصد اسی کا کیس ہے“ اول خان نے وہ خبر سن کر پر جوش انداز میں کہا ”اس کے پاس ذرائع کی کمی نہیں ہے۔ وہ دونوں ان اطراف میں موجود ہوئے تو بچ نہیں سکیں گے۔“

”ان کی یہاں موجودگی خطرناک ہے۔ سوبھراج کو ان کے صحیح عزائم کا علم نہیں ہو سکا ہے لیکن اس نے یہ ضرور بتایا ہے کہ وہ دونوں دور مار رائفلوں اور دوربینوں کے طلب گار ہیں۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔“

”اوہ......!“ اول خان وہ خبر سن کر چونک پڑا ”وہ کسی کو تاک کر نشانہ بنانے کے چکر میں نظر آتے ہیں۔“

”بالکل یہی بات ہے۔“ میں نے اس کی بھرپور تائید کی ”کافی دماغ سوزی کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تین میں سے کوئی ایک اہم آدمی ان کا ہدف ہو سکتا ہے“ یہ کہہ کر میں نے اس کے سامنے وہ تینوں نام بھی دہرا دیے۔

”عام طور پر تمہارے اندازے غلط ثابت نہیں ہوتے“ اس نے تفکر آمیز انداز میں کہا ”فوری طور پر ان تینوں کے تحفظ کا بندوبست ضروری ہے لیکن ایمان داری کی بات ہے کہ ایسی تدابیر عام طور پر کامیاب نہیں ہو پاتیں۔ ان پر کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔ حملہ آور نامعلوم ہوں تو پھر ساری احتیاطی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ کسی بھی سمت سے آنے والی برق رفتار گولی کو پورا لشکر بھی نہیں روک سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ واقعہ رونما ہونے کے بعد حملہ آور اس علاقے سے بچ کر نہ نکل سکیں۔ محافظ بہت تیزی کے ساتھ پورے علاقے کا محاصرہ کر کے ان کے فرار کی کوشش کو ناکام بنا سکتے ہیں۔“

”اس سلسلے میں پولیس والے صحیح پیش بندی کر سکتے ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ چند روز تک وہ تینوں اپنے گھروں میں محدود رہیں۔ کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر منظرِ عام پر آنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔“

''تمہارا یہ مشورہ اعلیٰ پولیس حکام تک پہنچا دیا جائے گا مگر اس کے نتیجے میں ہر طرف خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ اتفاق سے وہ تینوں حزبِ مخالف کے سرکردہ رہنما ہیں۔ حکومت پر تنقید کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ ان کے تحفظ کے لیے انہیں کوئی کمزور مشورہ دیا گیا تو وہ اگلے ہی دن اخباری سرخیوں کی زینت بن جائے گا۔ اس اندیشے کے باوجود میں تمہاری بات اوپر والوں تک ضرور پہنچاؤں گا۔''

''انہیں یہ وارننگ ضرور دے دینا کہ انہوں نے ان تدابیر کے بارے میں اپنی زبان کھولی تو ان پر کسی متبادل منصوبے کے تحت کامیاب وار ہوسکتا ہے۔ شاید اپنی جانوں کے خوف سے وہ اپنی زبانیں بند رکھیں'' سلطان شاہ نے کہا۔

''ایسے معاملات میں میرا براہِ راست کوئی عمل دخل نہیں ہوتا'' اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ بہتر ہوگا کہ تم جلال سے بھی بات کرلو۔ اس کی طرف سے بھی اطلاع جائے گی تو بات میں وزن پیدا ہوجائے گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ وہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے پکڑے جائیں۔''

خواہشیں سب کی یکساں تھیں لیکن واقعات کی ایک اپنی رفتار تھی۔ تمام تر کوششوں کے باوجود یقین سے یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ راوا لے جلد ہاتھ آجائیں گے۔

ایس ٹی ایف کے چند روزہ تعطل میں اول خان اندر سے بجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کی بحالی کے آثار پیدا ہونے کے بعد اس کا جوش و خروش دوبارہ ابھر آیا تھا۔ اس وقت وہ زبانی حد تک اپنی پوری سرگرمی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اسے توقع تھی کہ کسی بھی وقت اسے میدان میں سرگرمِ عمل ہونے کے احکام مل جائیں گے۔

مجھے حیرت تھی کہ اول خان نے میرے حلیے میں تبدیلی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ نہ ہی اسے مجھے پہچاننے میں کوئی دقت پیش آئی۔ چائے نوشی کے بعد میں نے اس سے پوچھ ہی لیا ''تم نے میری داڑھی وغیرہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔''

''میں تمہیں اس حالت میں دیکھ کر چونکا ضرور تھا لیکن بات سمجھ میں آگئی تھی اس لیے میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔'' اس نے ہنس کر جواب دیا۔

''اس بارے میں کیا بات سمجھ میں آئی؟'' میں نے اپنی بے ہنگم داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

''تم گیری کے سامنے اپنی اصل شکل و صورت میں نہیں جاسکتے تھے کیونکہ وہ تم کو کرنل داور کے نام سے جانتا ہے۔ اس سے لڑائی بھڑائی میں تمہاری داڑھی اکھڑ جاتی تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔''

''لڑائی بھڑائی کا افسانہ اس کے شکست خوردہ ذہن کی پیداوار ہے۔ وہ مدافعت کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکا تھا۔ میں چاہتا تو بے فکری سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا تھا......''

''اور تمہیں اب پھر وہی مرحلہ درپیش ہے'' اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے بول پڑا ''ان میں سے ایک ایجنٹ سے تم براہِ راست ٹکرا چکے ہو۔ اس سے دوبارہ سامنا ہونے کی صورت میں اسے یہ اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس سے مل چکے ہو۔''

''مجھے اس ناکامی کا قلق ہے'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''میں نے ذرا سی بہتر منصوبہ بندی کرلی ہوتی تو ان دونوں کو نیو خان ہوٹل میں آسانی سے گھیرا جاسکتا تھا۔ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے مقابلہ کیے بغیر وہاں سے بگٹٹ بھاگ نکلے گا۔''

''ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ اور عام محبِ وطن لوگوں میں تربیت کا یہی بنیادی فرق ہوتا ہے جس سے دشمن فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ تم میں دلیری اور بے خوفی کے سارے جواہر موجود ہیں لیکن تم براوقت آنے پر دم دبا کر بھاگ نکلنے کے فن سے ناواقف ہو اس لیے مار کھا گئے۔ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔ تم ان تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔''

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے گھر سے نکل آئے۔ اس کی کار وہیں چھوڑ دی گئی۔ سلطان شاہ نے کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

اول خان کی زبان سے یہ بات سن کر مجھے حیرت ہوئی ہے کہ پیشگی اطلاع مل جانے کے باوجود کسی ناگہانی واردات کو روکنا سو فیصد ممکن نہیں ہے'' کچھ دیر تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

''اس نے حقیقت بیان کی ہے۔ دوسرے ان باتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ یہ صورتِ حال پوری دنیا میں پیش آتی رہتی ہے۔ دہشت گردی وغیرہ جیسے جرائم کی پیشگی اطلاع مل جانے کے بعد امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک میں ریڈ الرٹ کے احکام جاری ہوتے ہیں پھر بھی کوئی نہ کوئی واقعہ ہوجاتا ہے۔ جب تک مجرموں کی نشان دہی نہیں ہوتی، جرم کے ارتکاب کو روکنا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر ان تینوں کو خانہ نشین ہوجانا چاہیے۔'' اس نے رائے دی۔

''ہم صرف ایک امکان پر سر کھپا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے

کہ ان کی فہرست کچھ اور ہو یا پھر وہ ان تینوں کو چھوڑ کر کسی اور کو تاک لیں۔ وہ پروفیشنل ہیں۔ بھارت سے مرتے کھپتے یہاں تک آئے ہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیں گے۔''

''یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ان کی رسی دراز ہو۔ آج ان کا سراغ مل جاتا ہے تو ہر خطرہ سر سے ٹل جائے گا۔''

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں اپنی سوچ میں گم ہو گیا۔

میں اپنے اندازے سے پہلے ہی کلفٹن پہنچ گیا۔ وقت کے بہتر استعمال کے لیے میں نے سلطان شاہ سے کہا کہ وہ مجھے کوٹھاری پیریڈ پر اتارنے کے بجائے مزار کے سامنے اتارے اور وہاں سے سیدھا آگے نکل جائے۔

اس وقت شام ہو چکی تھی۔ دن بھر کے سفر کے بعد' تھکا ہارا سورج مغربی افق سے دور اتر چکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں اور اونچی پہاڑی پر واقع مزار کی سیڑھیوں سے نیچے بنے ہوئے عارضی بازار میں خاصی چہل پہل تھی۔

مین روڈ پر واقع باورچیوں کی دکانوں میں کھانوں کی تیار دیگیں ایسے عقیدت مندوں کی منتظر تھیں جو وہاں آ کر اپنے خرچ پر غربا اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ان کھانوں کی ملی جلی' اشتہا انگیز خوشبوؤں سے فضا مہک رہی تھی۔

گل فروشوں اور تبرکات و شیرینی والوں کے چھوٹے کیبنوں کی درمیانی گزرگاہ پر رنگ برنگ کپڑوں میں ملبوس' ہر عمر اور جنس کے زائرین کے ایک ہجوم کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ میں اس بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا کشادہ سیڑھیوں کی طرف ہولیا۔

میں بظاہر گردوپیش سے بے خبر تھا لیکن میری نگاہیں بہت باریکی سے ان فقیروں' ملنگوں اور موالیوں کا جائزہ لے رہی تھیں جو بھانت بھانت کے حلیوں میں زائرین کو گھیر کر ان کی عقیدت اور فراخ دلی سے فیض حاصل کر رہے تھے۔

سیڑھیوں کے دونوں سروں پر مانگنے والے تقریباً قطاروں کی صورت میں نیچے سے اوپر تک پھیلے ہوئے تھے۔ سیڑھیاں طے کرتے ہوئے میں نظروں ہی نظروں میں ان کو ٹٹولتا رہا۔ وہ سب دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنی اپنی دھن میں مگن تھے۔ بیشتر خاموش تھے' کچھ زائرین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے آوازیں لگا رہے تھے۔

باہر سے گزرتے ہوئے مجھے کبھی مزار کی حدود کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس روز پتا چلا کہ وہاں پہاڑی کی چوٹی سے دامن تک انسانوں کے دکھ سکھ کی ایک چھوٹی سی دنیا آباد تھی جس میں تماش بینوں اور سیلانیوں سے عقیدت مندوں تک ہر طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔

میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ رکھتے ہوئے میں نے اپنا مختصر اور سرسری جائزہ مکمل کر لیا جو عام گزرگاہ تک محدود تھا۔ کونوں کھانچوں میں پڑے ہوئے لوگوں تک رسائی کے لیے خاصی فرصت درکار تھی۔ جو اس وقت مجھے میسر نہیں تھی۔

اس بھیڑ میں مجھے کہیں کوئی مانوس یا مشتبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ اگر وہ دونوں سوبھراج کے مشورے پر عمل کر کے اس طرف آئے تھے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ میں دور سے انہیں پہچان لیتا۔ پکڑے جانے کے خوف سے وہ بھی اپنے خدوخال میں نمایاں تبدیلیاں لا سکتے تھے جن کی بنا پر بادی النظر میں حسن کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔

درگاہ کے دروازے پر ادب سے حاضری دے کر میں وہاں سے واپس ہولیا۔

میں مزار سے مقررہ مقام پر پہنچا تو مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر میں بند آہنی باڈی والے چھوٹے ٹرک سے مشابہ ایک گاڑی رینگتی ہوئی میری طرف آئی۔ وہ غالباً بکتر بند گاڑی تھی۔ اس کے کیبن میں ڈرائیور کے برابر میں جلال کی صورت نظر آ رہی تھی۔

میں ہاتھ لہرا کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی جلال کچھ ٹھٹکا تھا مگر پھر وہ ٹرک نما گاڑی میرے قریب رک گئی اور میں دروازہ کھول کر اندر سوار ہو گیا۔

میرے بیٹھتے ہی گاڑی دھیرے سے مزار کی طرف چل دی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس انداز میں بے فکری سے یہاں ٹہل رہے ہو گے۔'' جلال ہنستے ہوئے بولا ''میں نے تمہیں اس حلیے میں پہلے نہ دیکھا ہوتا تو میرے لیے تم کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ یہاں کی کھلی فضا میں تم بالکل ہی مختلف آدمی نظر آ رہے ہو۔''

اس دوران میں گاڑی کے ڈرائیور سے میری نگاہیں چار ہوئیں تو اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سر کو قدرے خم دے کر مجھے تعظیم دی۔ میں منتظر رہا کہ جلال میرے اور اس کے تعارف کے سلسلے میں کوئی پہل کرے۔

ہم وہاں سے آگے بڑھے تھے کہ مجھے مخالف سمت سے اسی ساخت کی دوسری گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے بائیں طرف گھوم کر دستکاری کے نمونوں والی دکانوں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ ایسی جگہ تھی جہاں گاڑی کی وجہ سے ٹریفک میں رکاوٹ پڑنے کا کوئی

امکان نہیں تھا۔

اس گاڑی میں صرف دو نفوس نظر آ رہے تھے۔ جلال نے مشن میں پانچ آدمیوں کی شرکت کا ذکر کیا تھا۔ اس اعتبار سے کورم پورا ہو چکا تھا۔

''یہ دوسری گاڑی بھی ہماری ہے؟'' میں نے اشارہ کیے بغیر جلال سے پوچھا۔

''ہاں، دو گاڑیاں اور پانچ افراد۔ اس وقت یہ ہماری کل طاقت ہے۔ ہر گاڑی تین کلومیٹر کے حیطۂ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی سرگرمی کو پکڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ یہاں مصروف کار ہوئے تو مجھے امید ہے کہ ہم ان کا سراغ لگا لیں گے۔''

''رینج تین کلومیٹر ہے تو پھر ایک گاڑی بھی کافی تھی۔'' میں نے کہا۔

''یہ حساس علاقہ ہے۔ تھانے کے علاوہ یہاں کئی بینکوں اور کمرشل اداروں کی تنصیبات ہیں۔ حساس سفارتی عمارتوں میں ان کے اپنے مواصلاتی سسٹم کام کر رہے ہیں۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے کم از کم دو گاڑیاں ضروری تھیں تاکہ کسی گڑبڑ کا خدشہ نہ رہے۔'' جلال بتانے لگا ''یہ آرمی سگنلز کے صوبے دار اشرف ہیں۔ ان کے افسروں کا مشورہ بھی یہی تھا کہ کم از کم دو سسٹم استعمال کرنے ضروری ہیں تاکہ کام کے ساتھ نتائج کا موازنہ بھی ہوتا رہے۔''

ایک گاڑی مزار کے پہلو میں دکانوں کے سامنے روک دی گئی تھی۔ دوسری میں جلال نے مزار کے دوسرے حصے سے ساحل کی طرف جانے والی سڑک پر چکر لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

مزار سے اگلے چوراہے پر وہ بھاری گاڑی داہنی طرف مڑ کر سست رفتاری سے ساحل کی طرف رواں ہو گئی۔

صوبے دار اشرف نے ڈیش بورڈ میں نصب کچھ سوئچز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور کیبن میں ہلکے ریڈیائی شور کے ساتھ بھانت بھانت کی انسانی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

''اس انسانی اور ریڈیائی شور میں تو کچھ بھی پلے نہیں پڑے گا۔'' چند لمحوں کے غور کے بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''ابھی یہ تین کلومیٹر کی حد میں پوری بینڈ وڈتھ کی سکیننگ ہو رہی ہے۔ اسی لیے ملی جلی اور بدلتی ہوئی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہر اپریٹس ایک الگ فری کوئنسی پر کام کرتا ہے اس لیے یہ اسکینر پورے بینڈ پر کام کر رہا ہے......'' جلال بتانے لگا لیکن مجھے ان فنی جزئیات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ہمیں ان کا کیسے پتا چلے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

اشرف نے دوبارہ چند بٹن چھیڑے۔ سب آوازیں معدوم ہو گئیں اور ایک چھوٹی سی اسکرین روشن ہو گئی۔

''اب یہ سیٹ ہو گیا۔'' اشرف بولا ''جوں ہی کوئی ریڈیائی سگنل پکڑا جائے گا، بیپ کی آواز کے ساتھ اسکرین پر اس کی فری کوئنسی ظاہر ہو جائے گی۔ اپریٹس کی فری کوئنسی سیٹ کرتے ہی ہم پوری گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکیں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ شور سے مجھے الجھن ہونی شروع ہو گئی تھی۔''

گاڑی دھیرے دھیرے ساحل کی طرف اترتی رہی۔ ساحل کے متوازی سڑک پر داہنی طرف گھوم کر ہم کچھ دور گئے اور فن لینڈ کی بغلی سڑک سے دوبارہ اوپر آنے لگے۔

وہ شہر کا پُرہجوم تفریحی علاقہ تھا۔ وہاں ہماری عجیب ساخت کی وزنی گاڑی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔ ہم ہلکی سی چڑھائی طے کر کے مین روڈ پر پہنچے اور وہاں سے دوبارہ مزار کی طرف مڑ گئے۔

غنیمت یہ تھا کہ صوبے دار اشرف سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے بدن پر فوجی وردی ہوتی تو ہماری گاڑی زیادہ توجہ کا مرکز بنتی۔

مزار سے اگلے چوراہے پر اشرف نے جلال کے ایما پر گاڑی کنارے سے لگا کر روک دی۔

''گاڑی کے سارے آلات بالکل صحیح کام کر رہے ہیں اور سیٹ ہیں۔'' انجن بند کرنے کے بعد اشرف نے کہا ''کوئی سگنل آئے گا تو تیز بیپ ہو گی۔ اجازت ہو تو میں کچھ دیر کے لیے گاڑی سے اتر کر آس پاس کا چکر لگا لوں۔''

جلال نے اسے اجازت دے دی۔ اشرف کے اتر جانے کے بعد اس نے بتایا ''یہ کافی دیر سے اپنے افسروں کے اور میرے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ شاید اسے سگریٹ وغیرہ کی طلب ستا رہی ہو گی۔ اچھا ہے کہ اس بہانے اپنی ٹانگیں سیدھی کر لے گا۔''

''اور انتظار کے چکر میں ہماری ٹانگیں ٹیڑھی ہو جائیں گی!'' میں نے منہ بنا کر کہا ''کسی بھی کام میں انتظار کا مرحلہ سب سے ٹیڑھا ہوتا ہے۔''

''اس کے بغیر کوئی چارہ ہو تو بتاؤ...... چلو، ہم دونوں بھی اپنی اپنی سگریٹیں سلگا لیتے ہیں۔ کچھ وقت سکون سے گزر جائے گا۔''

وقت اپنی رفتار سے آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ گھر سے نکلتے ہوئے مجھے وہ کام بہت آسان اور دلچسپ محسوس ہوا تھا لیکن

آثار بتارہے تھے کہ وہ روئے زمین کا سب سے زیادہ صبر آزما کام ثابت ہوسکتا تھا۔
کچھ دیر بعد اشرف واپس آیا تو میرے لیے اس آہنی کیبن میں بیٹھے رہنا دشوار ہوگیا۔ میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ جلال خاموش تھا مگر وہ بھی اکتایا ہوا تھا۔ اس نے بھی میری تقلید کی۔
اسٹریٹ کیمپس کی روشنی میں ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور دونوں ہی بے بسی سے ہنس پڑے۔
''اپنے کیریئر کی ابتدا میں، میں نے اکثر و بیشتر اسی قسم کے کام کیے ہیں لیکن اب عادت چھوٹ چکی ہے۔ نگرانی اور دیکھ بھال میرے آدمی کرتے ہیں۔''
''تمہیں اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا ''اگر تم اس مشن پر خود آنے کا ذکر نہ کرتے تو میں بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ میں صرف اس وجہ سے آیا ہوں کہ حسن کو دیکھ کر پہچان سکوں اور تم بے خبری میں ان کا نشانہ نہ بن جاؤ۔''
''میرا آنا ضروری تھا۔ آرمی گریزن والے اپنی یہ گاڑیاں میرے آدمیوں کی تحویل میں ہرگز نہ دیتے یہ بہت حساس اور بیش قیمت گاڑیاں ہیں۔''
''تم گاڑی کا کیا کررہے ہو۔ سارا کنٹرول اشرف کے پاس ہے۔ تمہارے آدمی بھی اسی پر انحصار کرتے۔ وہ گاڑیوں کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔''
''کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن بات پروٹوکول اور معاملے کی اہمیت کی ہوتی ہے۔ روٹین میں کام ہوتا تو کئی دنوں تک یہ گاڑیاں ہاتھ نہ آتیں۔ میری شمولیت کا لحاظ کرتے ہوئے کرنل انچارج نے ذراسی دیر میں فون پر اپنے افسرانِ بالا سے ضابطے کی ہر منظوری لے لی۔''
''حیرت ہے کہ را کے ایجنٹوں کی کراچی میں موجودگی بھی آرمی والوں کو تیزی سے متحرک نہیں کرسکتی تھی!'' میں نے بے ساختہ کہا۔
''اس وقت تم نے خاصی عامیانہ بات کہہ ڈالی ہے۔'' جلال نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اختلاف رائے کیا ''فوج کا ہر افسر اور جوان ملک کے دشمنوں کے لہو کا پیاسا ہے مگر وہ سب اپنے سخت ڈسپلن میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا۔ تم کو کیا معلوم کہ کراچی میں را والوں کی آمد کی خبر کے بعد ملٹری انٹیلی جنس اور انٹر سروسز انٹیلی جنس والے کیا کچھ کررہے ہیں۔''
''اوہ!'' میں نے حیرت سے کہا ''تو کیا ایم آئی اور آئی ایس آئی والوں کو بھی یہ خبر مل چکی ہے؟''
''ہمارے اور ان کے درمیان اہم اطلاعات کا بہت تیزی سے تبادلہ ہوتا ہے۔ قومی سلامتی کے معاملات میں سب چوکنا رہتے ہیں۔ تم سے بات ہوتے ہی میں نے یہ مصدقہ خبر آگے بڑھادی تھی۔ وہ اپنے طور پر کام کررہے ہوں گے۔''
مجھے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ جلال نے میری فراہم کردہ اطلاع کو خاطر خواہ اہمیت دی تھی اور اس پر ہر سمت سے کام شروع ہوچکا تھا۔
ہم اپنی باتوں کی دھن میں چہل قدمی کرتے ہوئے کافی دور نکل گئے تھے۔ اچانک مجھے اپنی جیب میں ہلکی سی.... تھرتھراہٹ کا احساس ہوا تو میں نے پھرتی سے اپنی جیب سے ٹرانسمٹر نکال لیا۔ شاید جلال کو بھی وہی احساس ہوا تھا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے اپنا اپریٹس جیب سے نکال کر آن کرچکا تھا۔ اس پر ایم فور یعنی اشرف ایم ون کو پکار رہا تھا۔
ایم ون اس مشن کے لیے جلال کا پاس ورڈ تھا۔
جلال نے جونہی اشرف کو اپنی موجودگی سے باخبر کیا، اشرف نے اسے بتایا کہ اس کے آلات نے سگنل پکڑے تھے۔ نامعلوم افراد کا کوئی اپریٹس آن ہوا تھا لیکن لائن خاموش تھی۔
''تم نگاہ رکھو، ہم آرہے ہیں۔'' جلال نے ہیجانی انداز میں یہ کہہ کر دوڑ لگادی۔ میں بھی اس کے پیچھے گاڑی کی طرف دوڑ پڑا۔
ہم دونوں تقریباً ہانپتے ہوئے، گاڑی میں سوار ہوئے تو اشرف پرسکون انداز میں ڈیش بورڈ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں روشن اسکرین پر مرکوز تھیں۔
''میں نے فری کوئنسی پکڑلی ہے۔'' اس نے مودب اور پرسکون لہجے میں اطلاع دی ''وہ دو مردانہ آوازیں تھیں۔ ان کے درمیان ایک تجرباتی پیغام کا تبادلہ ہوا ہے۔ ایک نے کہا تھا الفا کالنگ دوسرے نے جواب دیا تھا۔ چارلی ریسیونگ اور پھر خاموشی چھاگئی۔''
بے اختیار میری نظریں اپنی رسٹ واچ پر گئیں۔ ڈائل کی سوئیاں نو سے ذرا ہی آگے سرکی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ پیغامات کا وہ تبادلہ نو بجے عمل میں آیا ہوگا۔
''یہ کیا ہوا؟'' جلال نے میری طرف متوجہ ہوکر کہا ''کیا الفا اور چارلی نے ہمیں چڑانے کی کوشش کی ہے؟''
''تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اشرف سے پوچھا جو چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"یہ تجرباتی پیغام معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے ٹیسٹ میسج عام طور پر یہ اطمینان کرنے کے لیے نشر کیے جاتے ہیں کہ ہر متعلقہ فریق رابطے میں ہے۔" اس نے اپنے فوجی تجربے کا نچوڑ مختصر الفاظ میں بیان کیا۔

"اشرف کا خیال سو فیصد درست ہے۔" میں نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا "وہ دونوں بہت چالاک ہیں۔ نیو خان ہوٹل والے تجربے کے بعد ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ مقررہ اوقات میں وہ اپنے اپریٹس آن کر کے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہوں گے۔ شاید نو بجے بھی ان کا مقررہ وقت تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ اپنے اپریٹس آن رکھیں گے۔ اس دوران میں کوئی خاص واقعہ رونما نہ ہوا تو وہ کچھ دیر کے بعد اپنے اپریٹس آف کر کے دوبارہ عام لوگوں میں گھل مل جائیں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ اس وقت وہ کہاں ہو سکتے ہیں؟"

"جہاں بھی ہیں، ہماری گاڑی کے آلات کی رینج میں ہیں اور یقینی طور پر بھیڑ بھاڑ سے الگ ہوں گے۔ ہجوم میں رہ کر وہ اپریٹس استعمال نہیں کر سکتے۔"

"موبائل فون عام ہو جانے کے بعد اپریٹس کا استعمال اتنا دشوار نہیں رہا۔ دور سے دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ موبائل فون پر بات کی جا رہی ہے۔ مواصلاتی ترقی کے ساتھ وائرلیس ٹرانسمٹرز کی بناوٹ اور وزن میں انقلابی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔"

"موبائل فون عام ضرور ہوتے جا رہے ہیں لیکن ابھی فقیروں اور ملنگوں کے تصرف میں نہیں آئے ہیں۔ موبائل فون استعمال کرنے والا فقیر ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ اگر ان دونوں نے سوبھراج کا مشورہ قبول کر لیا ہے تو وہ یہاں ایسے ہی کسی روپ میں ہو سکتے ہیں۔ معززین بن کر وہ مزار کے قرب و جوار کے ماحول میں نہیں کھپ سکتے۔"

اچانک ڈیش بورڈ میں چھپے ہوئے اسپیکر سے ایک شناسا آواز ابھری۔ اس مرتبہ چارلی نے اپنے مخاطب کا نام لیے بغیر لائن پر اپنی موجودگی کا اعلان کیا تھا۔

ریڈیائی وسیلے کی وجہ سے آواز خاصی حد تک بدلی ہوئی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ را کے اسی ایجنٹ کی آواز تھی جو حسن کے فرضی نام سے نیو خان ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے تردد میں رہا پھر میرا ذہن صاف ہو گیا۔ مخصوص بٹن دبائے بغیر ہماری آواز کہیں بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے اضطراری لہجے میں جلال کو اپنے شک سے آگاہ کیا تو اس کا چہرہ وفورِ جوش سے تمتما اٹھا۔

"سر! ہم ان کی طرف چلتے ہیں۔" اشرف نے اجازت لینے والے انداز میں جلال سے کہا اور اس کا جواب سننے سے پہلے اگنیشن آن کر کے انجن چلا دیا۔

ذرا سے توقف کے بعد الفا بھی لائن پر آ گیا۔ اس کا پیغام سنتے ہی چارلی نے کسی جناتی زبان میں اپنی روداد شروع کر دی۔

"اوہ!" جلال کے منہ سے بے ساختہ نکلا "سالا تامل یا تلگو میں بات کر رہا ہے۔ تم یہ زبانیں سمجھ سکتے ہو؟"

میں بے بسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔ گاڑی حرکت میں آ چکی تھی۔

ایک آواز میں نے پہچان لی تھی۔ اس کا مخاطب ذکی ہی ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں بہت تیزی کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی اہم واقعے سے دوچار ہو چکے تھے۔

"تم ان تک کیسے پہنچ سکو گے؟" ان دونوں کی ناقابلِ فہم گفتگو سے مایوس ہو کر جلال اشرف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ سبز بتی ظاہر کر رہی ہے کہ ہم صحیح سمت میں، ان میں سے کسی ایک سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "چوراہا گھومتے ہوئے سرخ بتی جل اٹھی تھی۔ اسی لیے میں نے گھوم کر مزار کا راستہ اختیار کیا ہے۔ نصف چوراہا گھومتے ہی سرخ کی جگہ سبز بتی جل گئی تھی۔ جونہی ہم اس کے قریب سے گزر کر آگے نکلیں گے، دوبارہ سرخ بتی جل جائے گی اور مجھے پتا چل جائے گا کہ ہم مطلوب مقام پر پہنچ چکے ہیں......"

اشرف فخریہ لہجے میں اپنی گاڑی میں نصب بیش قیمت آلات کی کارکردگی پر روشنی ڈال رہا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں کی مدد سے کسی بھی ٹھکانے کا سراغ لگا سکتے تھے جبکہ میں چند روز پیشتر امریکیوں کے ان ہلکے پھلکے آلات کے تجربے سے گزر چکا تھا جو محض ایک چپ سے خارج ہونے والے اشاروں کی مدد سے مقام کی نشان دہی کر دیتے تھے۔

امریکی اپنے آلات کو ایک گاڑی میں ساتھ لیے پھر رہے تھے۔ ریڈیو سگنل پکڑنے والے وزنی آلات ہماری فوجی گاڑی میں نصب تھے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن ان کے نتائج بڑی حد تک یکساں تھے۔

پھر یکایک ایم تھری کی طرف سے اپریٹس پر جلال کے لیے پیغام آنے لگا۔

گاڑی کے سسٹم پر حسن اور ذکی کی ناقابلِ فہم گفتگو جاری

تھی۔ اس دوران میں ایم تھری یعنی دوسری گاڑی میں سوار، جلال کے آدمی کا پیغام بہت معنی خیز تھا۔

''لیس ایم تھری...... میں سن رہا ہوں......اوور!'' جلال نے جوابی پیغام نشر کیا۔

''سر! میں پچھلے بارہ منٹ سے گاڑی سے باہر ریکی پر ہوں۔'' جلال کا آدمی دبی دبی پر جوش آواز میں کہہ رہا تھا ''میں اپنی ٹانگیں سیدھی کرنے کے لیے گاڑی سے اتر کر فٹ پاتھ پر ٹہل رہا تھا تو مزار کی طرف سے لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا ایک لنگڑا فقیر نمودار ہوا۔ ہماری گاڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بھونچکا رہ گیا۔ چند لمحوں تک وہ ٹھٹک کر ایک جگہ رکا گاڑی کو تکتا رہا پھر لنگڑاتا ہوا پلے لینڈ سے آگے کی طرف نکلتا چلا گیا۔ راستے میں اس نے ایک مرتبہ مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا......''

''پوری الف لیلہ سنا رہا ہے۔'' جلال نے جھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا۔ اس کی مجبوری تھی کہ وہ اپنے آدمی کی بات درمیان میں نہیں کاٹ سکتا تھا۔ جب تک وہ اپنی بات مکمل کر کے لائن اسے منتقل نہ کرتا وہ اس سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس کی بات جاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس کی حرکتیں مشتبہ تھیں۔ میں نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔ وہ پلے لینڈ کے برابر والی ڈھلان سے تیزی سے نیچے اترا اور پھر میدان صاف دیکھ کر لاٹھی بغل میں دبائی اور دوڑتا ہوا ریت کے ٹیلوں کے پیچھے گھس گیا۔ وہ کنکریٹ کے بوسیدہ زینوں کے نیچے اس طرح بیٹھا ہوا ہے جیسے پیشاب کر رہا ہو۔ اس کے لیے کیا حکم ہے......اوور!''

''اسے ہر قیمت پر پکڑو......ہم بھی ادھر آ رہے ہیں۔ تم اس سے کتنی دور ہو......اوور!''

''میں اس سے بیس پچیس گز دور ہوں۔ مجھے اس کی... بڑبڑاہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔ شاید وہ کسی سے فون یا اپریٹس پر بات کر رہا ہے......اوور!''

''وہ ہمارا مطلوب آدمی ہے۔ ضرورت پڑے تو گولی چلا دینا۔ یہ یاد رہے کہ اس کا زندہ پکڑا جانا بہت اہم ہے...... اوور اینڈ آل!''

ہماری گاڑی مزار سے آگے نکل گئی مگر ڈیش بورڈ سے جڑے ہوئے حصے پر بدستور سبز بتی جلتی رہی۔ اگر ہم ایک اپریٹس والے کے قریب سے گزر کر دوسرے کی طرف جا رہے تھے تو اس دوران میں سرخ بتی جلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مجھے دل ہی دل میں قلق ہو رہا تھا کہ میں جلال کے ساتھ دور بیٹھا جھک مار رہا تھا اور اس کے آدمی نے کھیل شروع کر دیا تھا۔

''میں نے جان بوجھ کر اسے لمبی گفتگو پر تادیب نہیں کی۔'' جلال کہہ رہا تھا ''اس نازک مرحلے پر اس کی دل شکنی مناسب نہیں تھی۔ وہ اپنی دانست میں مشتبہ آدمی کا پورا پس منظر بتا رہا تھا تاکہ میں آسانی سے فیصلہ کر سکوں۔''

جلال کا فیصلہ نہایت مناسب تھا۔ ایک دل شکستہ آدمی سے بہترین کارکردگی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اشرف نے آواز دھیمی کر دی تھی لیکن اپریٹس کے آلات پر الفا اور چارلی کی ناقابلِ فہم گفتگو بدستور جاری تھی۔ اگر جلال کا آدمی ان دونوں میں سے کسی کا پیچھا کر رہا تھا تو وہ گفتگو کسی بھی لمحے اچانک ختم ہو سکتی تھی۔

پلے لینڈ سے پہلے ایک گاڑی اپنی مقررہ جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اپریٹس پر جلال اور ایم تھری کے درمیان ہونے والی گفتگو اس کے ڈرائیور نے بھی سنی ہوگی اور اسے صورت احوال کا مکمل ادراک ہو گیا ہوگا۔ کسی کو اس کے بارے میں فکر نہیں تھی۔

پلے لینڈ سے آگے ہماری گاڑی پتھریلے پلیٹ فارم کے قریب جھٹکے سے رکی ہی تھی کہ نامعلوم اپریٹس سے آنے والی، چارلی کی آواز یکایک معدوم ہو گئی۔ شاید ایم تھری نے گہری تاریکی میں اپنی پوزیشن مستحکم کرتے ہی اسے للکارا تھا۔

''چارلی......تم کہاں ہو......؟ اوور!'' الفا کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اس بار الفا نے انگریزی زبان کا سہارا لیا تھا۔

میں گاڑی سے اتر رہا تھا تو الفا کا پیغام دوبارہ فضا میں گونجا۔ میں صرف چارلی کا نام سمجھ سکا۔ بقیہ چند الفاظ میری فہم سے بالا تھے۔

میں نے پتھر کے چوڑے پلیٹ فارم پر دوڑ لگا دی۔ جلال کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک مجھے اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھی۔

یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ ایم تھری اپنی عقابی نظروں کی وجہ سے چارلی کو گھیرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر وہی خبیث شخص تھا جو حسن کے نام سے مجھے اور سلطان شاہ کو جل دے کر نیو خان ہوٹل سے نکل بھاگا تھا۔

پتھریلے پلیٹ فارم پر کچھ بھی نہیں تھا۔ نصف صدی پہلے اس پلیٹ فارم کے ستونوں کے نیچے تک سمندر کا پانی آتا تھا لیکن انسانی صناعی نے پتھروں کی دیوار چن کر پانی کو بہت پیچھے سے روک دیا تھا۔ اس بارونق پلیٹ فارم کے نیچے اب ریت کے ناہموار ٹیلوں کی کثرت تھی جہاں ہر وقت تعفن اور

اندھیرے کا راج ہوتا تھا۔ رات کے وقت وہ اندھیرا ہولناک ہو جاتا تھا۔

اچانک فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی، میرے کان کسی دلدوز انسانی چیخ کے منتظر رہے لیکن چند ثانیوں کے بعد فضا دوسرے فائر کی آواز سے لرز اٹھی۔

دوسرا فائر یقینی طور پر کسی اور ہتھیار سے کیا گیا تھا۔

میرے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ حسن نہتا نہیں تھا اور ایم تھری کا پہلا وار کارگر ثابت نہیں ہوا تھا۔ حسن کو سنبھل کر اس پر جوابی حملہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

کلفٹن کے بارونق میلے کو ہم دور چھوڑ آئے تھے۔ پتھریلی سیرگاہ پر اترے ہوئے لوگ پے در پے دو فائروں کی آوازیں سن کر بہت تیزی سے لوٹنے لگے تھے۔

ایم تھری نے بتایا تھا کہ لنگڑا فقیر پلے لینڈ کی سمت سے دوڑتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے روپوش ہوا تھا۔ میں نے داہنی طرف کی سنگی دیوار پر چڑھ کر نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں ریت پر چھلانگ لگادی۔ میں نے فوری طور پر اپنے قدموں پر اٹھنے کی حماقت نہیں کی۔ جہاں کودا تھا، دبک کر وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک دشمن کی کمین گاہ کی سمت کا تعین نہ ہو جاتا، میرا اٹھنا خطرناک تھا۔

دھم کی آواز کے ساتھ جلال بھی مجھ سے چند قدم دور آ کودا۔

وہ بہت کٹھن وقت تھا۔ مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔

''ایم ون کالنگ!'' اعصاب شکن سناٹے اور اندھیرے میں جلال کی سرگوشیانہ آواز میری سماعت کے پردے سے ٹکرائی۔ وہ ایر پیس پر بول رہا تھا ''ایم تھری تم کہاں ہو...... میں تمہارے آس پاس پہنچ چکا ہوں۔ مجھے تمہاری پوزیشن معلوم ہونی چاہیے۔ ورنہ ہم آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اوور!''

میں اضطراری انداز میں جلال کے قریب رینگ گیا تاکہ آسانی سے اس کے مذاکرات سننے میں کامیاب ہوسکوں۔

''یہاں اندھیرا ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ میں فائر......''

اچانک تیسرا فائر ہوا اور ایم تھری کی آواز معدوم ہوگئی۔ شاید حسن نے سناٹے میں اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سن کر گولی داغ دی تھی۔

میں نے پتھریلی چھت کے نیچے سے شعلہ نمودار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے نیچے جھک کر پنجوں کے بل اسی طرف دوڑ لگادی۔ اس وقت میرے ذہن پر صرف ایک دھن سوار تھی کہ را کا ایک خطرناک ایجنٹ ہم سے کچھ دور موجود تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اندھیرے میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد میری آنکھیں اس ماحول کی عادی ہوگئی تھیں۔ مجھے اپنے آگے پھیلی ہوئی تاریکی میں کوئی متحرک اور تاریک تر ہیولا نظر نہیں آرہا تھا۔

میں دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ آخری گولی چلانے کے بعد وہ اپنی جگہ پر نہیں رکا رہا ہوگا۔ حریف کی گولی کا نشانہ بننے کے خوف سے اس نے تیزی سے اپنی پوزیشن تبدیل کی ہوگی پھر بھی اس کی بدلی ہوئی پوزیشن کا سراغ لگانے کے لیے کوئی نہ کوئی کارروائی کرنی ضروری ہوگئی تھی۔

اس وقت میں بالکل بے خوف ہو چکا تھا۔ مجھے جلال کی پروا نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے اور کس حد تک میرا مددگار ثابت ہو سکے گا۔ میں نے اپنا ریوالور سنبھالا اور اسی سمت میں ایک فائر جھونک مارا جدھر سے آخری شعلہ تیرتا ہوا نظر آیا تھا۔

اسے شاید دوسری طرف سے فرار کی کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ ریت کے ٹیلوں اور کنکریٹ کی فرسودہ چھت کے نیچے پھنس کر رہ گیا تھا۔

وہ مدافعت کی فکر میں مبتلا تھا اور ہر طرف نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ میرے فائر کے جواب میں اس نے اپنی بدلی ہوئی پوزیشن سے گولی چلائی۔ میں اس جوابی وار کے لیے تیار تھا۔ میں فوراً ہی سینے کے بل ریت پر گر گیا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی میرے سر پر سے گزر گئی۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ میرا دشمن نشانے کا بہت سچا تھا۔ میں نے اپنا ردِعمل دکھانے میں ذرا سی بھی کاہلی سے کام لیا ہوتا تو اس کی گولی نے میری کھوپڑی میں سوراخ کردیا ہوتا۔

اس وقت تک وہ تین گولیاں چلا چکا تھا۔ میرے ذہن میں کسی کے کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ ایک سیکرٹ ایجنٹ بھی نہتا نہیں ہوتا۔

سوبھراج سے ملی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں وہ دونوں بالکل بے سروسامانی کی کیفیت میں کراچی پہنچے تھے۔ انہیں جلد از جلد رقم اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ گداگر کے بہروپ میں بے ضرر نظر آنے کے باوجود وہ مسلح تھا مگر مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے پاس فاضل راؤنڈز نہیں رہے ہوں

گے، وہ تین گولیاں چلا چکا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ مزید تین یا چار گولیاں ہو سکتی تھیں۔ انہیں ضائع کر دینے کے بعد وہ نہتا ہو جاتا۔

اس مقابلے کو قدرے طول دے کر اسے اپنا میگزین برباد کرنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ ایک بار وہ نہتا ہو جاتا تو میں تیزی کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو کر اسے دبوچ سکتا تھا۔

اسی لمحے ایک نئی فکر نے مجھے گھیر لیا۔ ہم کلفٹن کے ایسے علاقے کے قریب موجود تھے جہاں ہر شام شہریوں کی ایک بڑی تعداد سیر و تفریح کے لیے آتی تھی۔ ان میں ہر قماش کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لیے پولیس کی بھاری نفری گشت پر رہتی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ فائرنگ کے تبادلے کی وہ آوازیں زیادہ دیر تک پولیس والوں کو متوجہ نہ کر سکیں۔

مقابلہ طول پکڑتا تو پولیس والے دور ہی سے گولیاں برساتے ہوئے دخل انداز ہو سکتے تھے۔ جلال نے اپنی اس مہم کے سلسلے میں پولیس فورس سے کوئی مدد لی تھی، نہ انہیں اعتماد میں لیا گیا تھا۔ وہ بے خبری کے عالم میں مخل ہو کر ہماری ساری بساط بکھیر سکتے تھے۔

پولیس کی مداخلت کا وہ امکان کچھ دل خوش کن نہیں تھا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کی جائے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں نے پنجوں کے بل دوڑ کر اپنی جگہ تبدیل کی اور پھر ریت کے ٹیلوں میں گھستا چلا گیا۔ میں نرم ریت پر سینے کے بل آگے کھسک رہا تھا۔

اس وقت میرے حواس کسی وحشی درندے کی طرح پوری بیداری کی حالت میں تھے۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک پیچھے سے کسی نے میرا پیر پکڑ لیا۔ میں بھڑک کر پلٹا تو جلال پیچھے موجود تھا۔

''وہ چوہے دان میں پھنس کر خطرناک ہو گیا ہے'' وہ میرا پیر چھوڑے بغیر دردمندانہ آواز میں بولا ''آگے مت جاؤ۔ وہ نقصان پہنچا دے گا۔''

جلال کی آواز دھیمی تھی۔ میں نے بھی اسی لہجے میں کہا ''اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ ایم تھری کو بتا دو کہ اب وہ گولی نہ چلائے، میں آگے جا رہا ہوں۔''

جلال کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھوں میں اداسی تیر گئی اور اس نے خاموشی سے میرا پیر چھوڑ دیا۔ اس بار ہماری دبی دبی آوازوں پر اندر سے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔

میں نے اپنے ریوالور سے صرف ایک فائر کیا تھا جبکہ دشمن اپنی تین گولیاں برباد کر چکا تھا۔ میں نے اندھیرے میں مزید ایک گولی چلا دی۔

''وہ میری حکمتِ عملی کو سمجھ چکا تھا۔ اس بار اس نے جوابی فائر نہیں کیا۔

میں ریت کے ناہموار ٹیلوں پر رینگتا ہوا اندر تک چلا گیا لیکن وہاں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ میں نے رک کر ہر طرف کا جائزہ لیا۔ وہاں ایسے گہرے سناٹے کا راج تھا جیسے برسوں سے کسی نے وہاں قدم نہ رکھا ہو البتہ بند فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں مطمئن ہو کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے مجھے کچھ دور سے ایک بے ساختہ گہرے سانس کی موہوم سی آواز آئی اور میری پوری توجہ اسی طرف مبذول ہو گئی۔

اس کے سامنے ہم تھے۔ عقب میں ریت کے پہاڑ نے پلیٹ فارم کے نچلے حصے سے مل کر دوسری طرف نکلنے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ حسن یا چارلی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ریتیلے پہاڑ کو چیر کر اس پار نکل سکے۔ جب تک اس کے سامنے ایک حریف تھا وہ اپنی جگہ جم کر دشمن کو مار گرانے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ اس کے دشمن کی نفری میں اضافہ ہو چکا ہے تو اس نے نہایت عیاری سے کام لیتے ہوئے مقابلے کا ارادہ ترک کر کے فرار کی راہ اختیار کر لی تھی۔

اس کے سانس کی آواز میرے بائیں طرف سے آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ سمندر کی سمت میں دوڑ لگا کر اس متروکہ اور ریتیلی گزرگاہ پر نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا جو رات کے اندھیرے میں سنسان پڑی رہتی تھی۔

وہ پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا اس لیے کسی غیر متوقع نشیب یا فراز میں پیر پڑنے کے سبب اس کے سینے سے یکا یک ایک گہرا سا سانس خارج ہوا تھا۔ جس کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میری اور جلال کی مختصر سی اور سرگوشیانہ گفتگو کا کوئی بارودی جواب نہیں دیا تھا۔

چند ثانیوں قبل جلال کو اپنے قریب پا کر مجھے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ وہ لوگ مجھ سے غافل نہیں تھے اور میں اپنوں کی دوستانہ فائرنگ سے زخمی ہونے کے خطرے سے بے فکر ہو گیا تھا۔

وہ جان بچانے کے لیے دوڑ رہا تھا اور میں نے اسے پکڑنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

آخر کار اس کے سر پر سے سنگی پلیٹ فارم کا سایہ ختم ہوگیا اور وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے نکل آیا۔

ذرا سی دیر میں مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بھاگنے میں کسی ایتھلیٹ کی طرح تیز رفتار تھا۔ میری پوری کوشش کے باوجود ہمارا درمیانی فاصلہ غیر محسوس طریقے پر بڑھتا جارہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ میری رینج سے باہر نکلتا' میں نے رک کر نشانہ لیا اور سانس روک کر اس پر یکے بعد دیگرے دو فائر کردیے۔

پہلی گولی بھٹک گئی لیکن دوسری گولی اس کے جسم کے کسی حصے کو چاٹ گئی۔ فضا میں اس کی دبی دبی کراہ گونجی اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔ ہمارے درمیان فاصلہ گھٹنے لگا۔

وہ صورت حال بس لمحہ بھر کے لیے برقرار رہی۔ وہ سنبھل کر اٹھا اور اس نے دوبارہ دوڑنا شروع کردیا مگر اس بار وہ واقعی لنگڑا ہو چکا تھا۔ اس کی رفتار ٹوٹ گئی تھی۔

اس کے بدن پر موجود لمبا سا فقیری لبادہ ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا اور شاید اس کے لیے الجھن کا سبب بن رہا تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے وہ لبادہ اتار پھینکا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے بعد اس کے جسم پر صرف ایک بنیان اور گھٹنوں تک آیا ہوا چست نیکر باقی رہ گیا تھا۔

میں اس امکان سے غافل نہیں تھا کہ جلال کی طرح اسے بھی اپنے اپرنٹس پرذکی عرف الفا سے رابطہ کرنے کا موقع مل گیا ہو اور اس نے اپنے ساتھی کو صورت احوال کی سنگینی سے آگاہ کردیا ہو مگر مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ آپس میں بنی کے یار ہوتے ہیں۔ جب تک حالات سازگار رہیں' وہ دل و جان سے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن کسی ڈوبتے ہوئے جہاز پر ایک لمحے کے لیے نہیں ٹکتے۔ کسی پر بہت برا وقت آجائے تو اس کا ساتھ دینے کے بجائے تیزی سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ پٹنے والے کو بچانے کے چکر میں خود ان کی چمڑی ادھڑنے کی نوبت نہ آجائے۔

وہ دونوں کسی اہم مشن پر کراچی آئے ہوئے تھے۔ حسن کو بچانے کے چکر میں ذکی بھی مارا یا پکڑا جاتا تو ان کا مشن بری طرح ناکام ہوسکتا تھا۔ حسن کی بربادی کے بعد اگر ذکی بچا رہتا تو وہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بہت کچھ کرسکتا تھا۔ اس کے لیے فرد سے زیادہ اہمیت مشن کی ہونی چاہیے تھی۔ یہ فلسفہ اسے حسن کے جھگڑے میں شمولیت سے باز رکھنے کے لیے کافی تھا۔

تاریک اور بدبودار ریتیلے ٹیلوں میں ہونے والی لڑائی ناہموار ریتیلے میدان میں منتقل ہو چکی تھی۔ حسن میری گولی سے زخمی ہوگیا تھا۔ اس کی لنگڑاہٹ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ پر زخم آیا تھا۔

حسن کا بھاگنے کا دم خم ختم ہو چکا تھا۔ ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ لحہ لحہ گھٹ رہا تھا۔ حسن کو بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکے گا۔ اس کے پاس جم کر لڑنے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اچانک وہ پلٹا اور اس نے کسی بے خطا نشانے باز کی طرح دونوں ٹانگوں پر جھک کر اپنے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ہتھیار سے میری طرف فائر کردیا۔

اس وقت عزم' ارادے اور فیصلے کا کوئی کردار نہیں تھا۔ یہ میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے یکا یک بائیں طرف جھکنے پر مائل کردیا اور گولی سنسناتی ہوئی میرے داہنے شانے کے قریب سے گزر گئی۔ میں اپنی جگہ جما رہتا تو وہ گولی میرے دل میں اتر سکتی تھی۔

ذرا سی دیر میں حسن نے دوسری بار اپنی بہترین نشانہ بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر محض آواز پر صحیح نشانہ لینے پر قادر ہوتے ہیں۔ دوربین اور لمبی رینج کی رائفل کے سہارے وہ کسی مشکل ترین ٹارگٹ کو آسانی سے گرا دینے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

دونوں حریف اپنی چار چار گولیاں استعمال کرچکے تھے۔ حسن سے دور رہ کر مقابلہ کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کی بچی ہوئی دو یا تین گولیوں میں سے کوئی بھی میرے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنی مہارت کے باوجود مجھے زخمی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا جبکہ میں نے اسے لنگڑانے پر مجبور کردیا تھا۔

فضا میں اس کے فائر کی بازگشت معدوم ہونے سے پہلے میں نے ریوالور تانا اور اس پر فائر کرتے ہوئے پوری طاقت سے دوڑ لگادی۔

ایک خطرناک حریف کے سامنے وہ میری حرکت حسن کے وہم و خیال سے بھی ماورا تھی۔ میرا نشانہ بھی برا نہیں تھا۔ اسے بوکھلا کر دفاعی پوزیشن اختیار کرنی پڑی۔

وہ ایک جگہ رکا ہوا تھا، میں دوڑ رہا تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اس کے ہتھیار میں بچی ہوئی گولیاں میرے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھیں۔ پہلی گولی ہوا میں نکل جانے کے باوجود میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور دوسرا فائر کردیا۔

وہ دوسری گولی سے بھی خود کو بچا گیا۔ میں نے چند فٹ کے فاصلے سے اس پر اپنی آخری گولی استعمال کی جو اس کے بازو میں اتر گئی اور وہ لڑکھڑا کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے ریوالور کا چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ میں نے وزنی ریوالور پوری قوت سے حسن کے جسم پر دے مارا۔ وہ ٹھوس آہنی پتھر کی طرح حسن کی پسلیوں پر پڑا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اگلے ہی لمحے میں نے چھلانگ لگا کر اس کے تنومند اور کسرتی وجود کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

میرے ریوالور کی براہِ راست ضرب سے اس کا پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں، میں نے حسن کے چہرے پر خوف کا سایہ آتے دیکھا اور اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کی ناک پر پوری قوت سے ٹکر رسید کر دی۔

وہ ویرانہ اس کی دبی دبی چیخ سے گونج اٹھا۔ اس نے میرے پیٹ میں اپنے گھٹنے اڑا کر مجھے دور اچھالنے کے لیے بہت زور مارا لیکن میں حسّاس مقامات پر ضرب آنے کے باوجود جونک کی طرح اس سے لپٹا رہا۔

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ تنومند اور زور آور تھا۔ گولیوں کے دو زخم کھانے کے باوجود اس میں لڑمرنے کا حوصلہ باقی تھا۔ وہ چاروں ہاتھ پیروں سے مجھے مارنے کی کوششیں کر رہا تھا اور میرے دونوں ہاتھ اس کے سر کو زمین سے ٹکائے رکھنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔

اسے اپنے نیچے دبائے رکھنے کے لیے مجھے پوری طاقت صرف کرنی پڑ رہی تھی۔ میں مکا مارنے کے لیے ایک ہاتھ ہٹاتا تو اگلے ہی لمحے وہ زور لگا کر میرے نیچے سے نکل جاتا۔ سر میرے قابو میں آ جانے کی وجہ سے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر میں نے وحشیانہ انداز میں اس کے چہرے اور پیشانی پر زوردار ٹکریں رسید کرنا شروع کر دیں۔

حسن کے پاس اس حملے سے دفاع کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں اس کا چہرہ پھٹے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون سے لہولہان ہو گیا۔ ٹکروں سے اس کی تواضع کرتے ہوئے میرا سر بھی چکرانے لگا اور آخر کار میری آنکھوں کے سامنے رنگارنگ چنگاریاں سی اڑنے لگیں۔

اچانک پشت سے کسی نے نرمی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا ''الگ ہو جاؤ۔ اب یہ کہیں نہیں جا سکتا۔'' وہ جلال کی ہمدردانہ آواز تھی۔

اسی لمحے ایک اجنبی شخص نے اپنے ریوالور کی نال ریت پر گرے ہوئے حسن کی کھوپڑی سے لگا دی۔ شاید وہ ایم تھری تھا۔ ''ہلے تو گولی مار دوں گا۔ جہاں ہو وہیں پڑے رہو!'' اس نے خوں خوار لہجے میں حسن کو حکم دیا۔

میں حسن کے سینے سے اترا تو میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح اپنے دونوں پیر پھیلا کر ریت پر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت تک جلال کا ہاتھ میرے شانے پر تھا۔

دور سے پولیس کاروں کے سائرن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کلفٹن آنے والے بعض من چلے نوجوان محض اپنی خوشی کے اظہار یا تفریح کے لیے اِکّا دُکّا فائر کرتے رہتے تھے اس لیے پولیس ان پر زیادہ دھیان نہیں دیتی تھی لیکن تواتر سے ہونے والے دس سے زیادہ فائر کسی بھی پولیس والے کو تشویش زدہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔

حسن بہت سخت جان تھا۔ اس کے بدن پر گولیوں کے دو زخم آئے تھے، پسلیوں کو میرے آہنی ریوالور نے مجروح کر دیا تھا، چہرہ لہولہان تھا لیکن وہ ہاتھ پیر پھیلا کر اتنے اطمینان سے ریت پر چت لیٹا ہوا تھا جیسے اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہو۔

''لڑائی میں تمہاری داڑھی کے کئی حصے نکل گئے ہیں۔'' جلال نے میرے کان میں سرگوشی کی ''بہتر ہوگا کہ پولیس والوں کے آنے سے پہلے پوری داڑھی نکال دو۔''

میرے ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر چلے گئے اور میں نے بال صاف کرنے شروع کر دیے۔

جلال ایرپیس سنبھال کر اشرف کو گاڑی سمیت وہاں پہنچنے کی ہدایت دینے میں مصروف ہو گیا۔ حسن کے ساتھ آنکھ مچولی ہونے کے بعد اسے مقام کا تعین کرنے میں دشواری نہیں تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے پختہ سڑک موجود نہیں تھی لیکن جلال کو توقع تھی کہ اشرف کی طاقت ور گاڑی سڑک سے اتر کر مختصر سا ریتیلا حصہ آسانی سے عبور کر لے گی۔

میں نے اپنے چہرے سے داڑھی صاف کی تو مجھے حسن کی تازہ خون کی چپچپاہٹ اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوئی۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا تو حسن کی چمکتی ہوئی نظریں میری طرف مرکوز تھیں۔

میرا چہرہ قدرے صاف ہوتے ہی حسن بری طرح چونک پڑا اور بے ساختہ بولا ''اوہ! تو تم ہو۔ مجھے کل رات ہی شبہ ہو گیا تھا کہ دوستی کے پردے میں تم کسی بدترین دشمن کا پیغام لائے ہو۔ تم کون ہو؟'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی لیکن پُراعتماد تھی۔

''کوبرا!'' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اچانک کہہ ڈالا۔

''تت..... تم نے غداری کی ہے۔'' اس کی آواز میں تنفر

مت آیا "ہم سے مل کر دغا دینے سے بہتر تھا کہ تم صاف انکار کر دیتے۔ تمہارا حشر بہت عبرت ناک ہوگا۔"

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے بے پروائی سے کہا "میری طرح اسے بھی خود تلاش کر لو۔"

"تمہارا یہ خنّاس ذرا سی دیر میں نکل جائے گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم بازی ہار چکے ہو۔"

پولیس موبائلز کے سائرنوں کی آوازیں فضا میں مسلسل گردش کر رہی تھیں۔ مختصر وقفوں سے وہ آوازیں گھٹ اور بڑھ رہی تھیں۔ شاید پولیس والے جائے واردات کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اصل محاذ پر معاملہ ٹھنڈا ہو جانے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی تھا کہ پولیس کی مداخلت سے پہلے ہم لوگ را کے ایجنٹ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل جاتے۔

اشرف نے کافی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ جلال کی ہدایت ملنے کے چند منٹ بعد ہی وہ میدان اس کی گاڑی کے ہیڈ لیمپس سے دور تک روشن ہو گیا۔ مگر یہ دیکھ کر مجھے تشویش ہوئی کہ اس کے پیچھے ایک اور گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آ رہے تھے۔

دوسری گاڑی کے ہیڈ لیمپس سطح زمین سے زیادہ اونچے نہیں تھے اس لیے وہ ہمارے مشن پر آئی ہوئی دوسری گاڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی جلال نے اس کے بارے میں پریٹس پر کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ اسے اگلے حکم تک اپنی جگہ پر موجود رہنا چاہیے تھا۔

چند ثانیوں بعد اشرف کی گاڑی ہمارے قریب آ کر رکی تو حسن بے ساختہ بول پڑا "آخر میرا شبہ درست ثابت ہوا۔ آرمی کے نمبر والی یہ اسپیشل وہیکل دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ آج کی رات بھاری ہو سکتی ہے۔"

ہم تینوں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس وقت سب کی توجہ دوسری گاڑی کی طرف مرکوز تھی۔ وہ پولیس موبائل تھی جو سائرن بند کر کے خاموشی سے اشرف کا پیچھا کرتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی۔

اس موبائل میں سے چار مسلح پولیس والے اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہوئے بہت مستعدی کے ساتھ نیچے آئے۔ اشرف کی بھاری گاڑی کی نمبر پلیٹ سے انہیں علم ہو چکا تھا کہ وہ ایک فوجی گاڑی کا تعاقب کر رہے تھے اس لیے انہوں نے اپنے روایتی انداز سے ہٹ کر سائرن اور گردشی روشنی بند کی ہوئی تھی ان کے طور طریقوں سے بھی احتیاط کا اظہار ہو رہا تھا۔

پولیس موبائل کی اکلوتی پیسنجر سیٹ سے سب سے آخر میں ایک اے ایس آئی برآمد ہوا۔ اس سے پہلے اشرف اپنی گاڑی سے نیچے آ چکا تھا۔

پولیس موبائل کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے لیکن اشرف کی گاڑی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ نئے آنے والوں نے ہمارے زخمی شکار کو تحیر آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اس دوران میں حسن نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔ لاتعلقانہ انداز میں ریت پر اسی طرح چت پڑا رہا تھا جیسے اسے آنے جانے والوں سے کوئی سروکار نہ ہو۔

جلال اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور اے ایس آئی کی پیش قدمی رک گئی۔

جلال ایک سویلین محکمے کا ذمے دار افسر تھا۔ سادہ لباس میں اس کی شخصیت اتنی وجیہہ اور پروقار تھی کہ اے ایس آئی اس سے مرعوب نظر آنے لگا۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ جلال کو کوئی بڑا فوجی افسر تصور کر رہا ہو۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ کراچی اور دیگر بڑے شہروں میں بیشتر اعلیٰ پولیس افسران کسی موبائل میں بیٹھ کر علاقے کا گشت لگانے کو ہتک تصور کرتے ہیں۔ ابتدا میں شہری موبائل میں سوار کم خواندہ سپاہیوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ شکایات بڑھیں تو موبائل کی سربراہی ہیڈ کانسٹیبل اور اے ایس آئی کے عہدے کے جونیئر افسروں کو سونپ دی گئی جو عام شہریوں کو آسانی سے اپنے رعب میں لے لیتے ہیں لیکن جارح شخصیات اور بیش قیمت گاڑیوں سے نفسیاتی طور پر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک پر قانون کا یکساں اطلاق نہیں کرتے۔

موبائل میں آنے والے اے ایس آئی کا المیہ بھی یہی تھا۔ اسے ریت پر پڑے ہوئے شخص کا خون آلود چہرہ صاف نظر آ رہا تھا مگر اس نے انجان بنتے ہوئے انتہائی فدویانہ لہجے میں جلال سے پوچھا "سر! کیا یہاں کوئی واردات ہوئی ہے؟"

جلال نے اس کے مدافعانہ رویے کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور کھردرے لہجے میں بولا "اس سے تمہارا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ ہمارا کیس ہے۔"

"یس سر!" اے ایس آئی نے ایڑیوں سے ریت اڑا کر اسے سلیوٹ کیا۔ اس کے ماتحتوں نے اس کی تقلید کی اور وہ

سب اپنی موبائل کی طرف لوٹ آئے۔ کسی نے جلال سے اس کی شناخت طلب کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

شاید یہ اشرف کی گاڑی پر موجود آرمی کی نمبر پلیٹ کا کمال تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ مرعوب ہو کر لوٹ رہے تھے ورنہ انہیں کسی بھی مرکزی یا صوبائی ادارے کے بڑے سے بڑے افسر سے یہ پوچھنے کا حق حاصل تھا کہ وہ علاقے کے تھانے کو اطلاع دیے بغیر ان کی حدود میں کیا کرتا پھر رہا تھا، زخمی کون تھا اور اس واقعے کی نوعیت کیا تھی۔

ایسا وہیں ہوتا ہے جہاں قانون کی مکمل عمل داری اور بالادستی ہو۔ جس ملک میں ایک اہم شخصیت کی گاڑی کے سیاہ شیشوں سے تاریک اسٹکر اتارنے کے جرم میں ایک سپاہی کو معطل اور معتوب کر دیا جائے، وہاں پولیس والے بھی معاشرے کے رسوم ورواج کے ساتھ چل کر اپنی نوکریاں بچانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب تک سدھار کی کوئی بھی مہم اعلیٰ ترین سطح سے شروع نہ کی جائے، وہ مزید بگاڑ کا سبب بنتی رہے گی۔

''میں پولیس کی مداخلت سے خائف تھا۔ یہ تو بہت آسانی سے لوٹ گئے!'' میں نے جلال پر اپنی حقیقی حیرت کا اظہار کیا۔

''ہر پولیس والا ایسا مرنجانِ مرنج طبیعت کا مالک نہیں ہوتا۔ ہمیں قیدی سمیت جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ فضا میں ابھی تک دوسری گاڑیوں کے سائرن کی آواز سنائی دے رہی ہیں۔'' اس نے پرتشویش سنجیدگی سے کہا۔

حسن کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اس کے بدن پر پورے کپڑے تک نہیں تھے تو ان میں کیا ملتا۔ اس رسمی کارروائی کے بعد اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے۔ پوری طرح زیر ہونے کے بعد اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ یوں بن گیا تھا جیسے وہ ربڑ کا کوئی بے جان بت ہو جسے اپنی مرضی سے توڑا مروڑا جا سکے۔

حسن کے پستول سے زیادہ اہمیت اس کے اپریٹس کی تھی جو جلال نے آف کر کے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ایم تھری کی نگرانی میں حسن کو گاڑی کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا۔ ہم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھے اور اشرف کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

راستے میں ہمیں ہر طرف افراتفری وخوف وہراس کی کیفیات نظر آئیں۔ فائرنگ کے شور اور پولیس موبائلز کی کثرت سے نقل وحرکت نے تفریح کے لیے آئے ہوئے تماشائیوں کا سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ بیشتر افراد بال بچوں کو سمیٹ کر وہاں سے رخصت ہو چکے تھے۔ وہاں رہ جانے والے لوگ جگہ جگہ ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر اپنی قیاس آرائیوں میں مصروف تھے۔ ان میں سے کچھ تماشائی تھے۔ بقیہ افراد اپنے روزگار اور تعمیراتی سلسلے میں وہاں رہنے والے تھے جنہیں الگ سے پہچانا جا سکتا تھا۔

جلال نے واپسی کا سفر شروع ہوتے ہی اپریٹس پر ایم فائیو یعنی دوسری گاڑی کے ڈرائیور کو اپنے گیریزن میں واپسی کی ہدایت دے دی۔ اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اس مخصوص گاڑی کو بلا مقصد شہر کا طواف کرانا مناسب نہیں تھا۔

اشرف کی گاڑی کی اسکرین سپاٹ ہو چکی تھی۔ ذکی یا الفا نے اپنے ساتھی کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا اپریٹس بند کر دیا تھا۔ چارلی کا اپریٹس جلال بند کر چکا تھا۔ سارے واقعات جتنی تیزی سے رونما ہونے شروع ہوئے تھے اسی تیزی کے ساتھ ختم ہو چکے تھے۔

''اب کہاں کا ارادہ ہے؟'' اشرف کی موجودگی کی وجہ سے میں نے جھجکتے ہوئے جلال سے پوچھا۔

''ہمیں قیدی سمیت صدف مینشن اتار کر اشرف بھی اپنے گیریزن میں واپس چلا جائے گا۔'' اس نے بتایا ''میں نے دونوں گاڑیاں بارہ بجے تک کے لیے مستعار لی تھیں لیکن ایم فور کی حاضر دماغی کی وجہ سے ہم بہت جلد اس قصے سے نمٹ گئے ہیں۔''

''میں اپنے اپریٹس پر سب کچھ سن رہا تھا۔'' اشرف نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''اگر لنگڑا فقیر اس کی نظروں میں نہ آتا تو آپ لوگوں کو اپنے شکار تک پہنچنے میں کافی مشکل پیش آ سکتی تھی۔''

میری خواہش تھی کہ اول خان سے بات کر کے قیدی کو اسٹیشن فور منتقل کر دیا جائے۔ ایس ٹی ایف بحران سے نکل چکی تھی۔ کسی بھی وقت اس کی سرگرمیوں کی بحالی کا حکم آ سکتا تھا۔ اس عبوری مدت میں اول خان اپنے صوابدیدی اختیار سے کام لے کر چارلی کو قبول کر سکتا تھا۔

صدف مینشن میں مجھے سنیل کے بارے میں تلخ تجربہ ہوا تھا۔ آئی بی والے اپنے قیدیوں سے باز پرس کے سلسلے میں قانونی حدود کا خیال رکھنے کے عادی تھے جبکہ میں اس سے نہایت بے رحمانہ پوچھ گچھ کا ارادہ رکھتا تھا لیکن وہ ایک متنازعہ موضوع تھا جس پر اشرف کی موجودگی میں کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس وقت خاموشی بہتر تھی۔ جلال جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ ہو جاتا تو پھر میں اس سے چارلی کی منتقلی کے بارے میں بات

چھیڑ سکتا تھا۔
شہر سے گزرتے ہوئے ہم کچھ دیر میں صدف مینشن پہنچ گئے۔ جلال نے راستے میں ہی اپنے آدمیوں کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ صدف مینشن کے دیوہیکل چوبی دروازے کے نہ جانے کن سوراخوں سے جھانک رہے تھے کہ گاڑی رکتے ہی دروازے کی کشادہ ذیلی کھڑکی کھلی اور دو سفید پوش افراد اسٹریچر سنبھالے، لپک کر گاڑی کے قریب آ گئے۔
جلال نے اشرف کا شکریہ ادا کیا۔ ہم دونوں اس سے ہاتھ ملا کر گاڑی سے اتر گئے۔
''اندر چلے آؤ۔'' جلال نے مجھ سے کہا ''اسے میرے آدمی بے ہوش کر کے اندر لے آئیں گے۔''
عمارت کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ اشرف نے اتر کر ٹرک کا عقبی دروازہ کھول دیا تھا اور دونوں سفید پوش گاڑی میں گھس رہے تھے۔
جلال مجھے اپنے ساتھ لے کر اس کمرے میں چلا گیا جو بیک وقت دفتر، لائبریری اور آرام گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ چند منٹ بعد ایم تھری نے آ کر اطلاع دی کہ چارلی کو بے ہوش کر کے اندر منتقل کیا جا چکا تھا اور اشرف گاڑی لے کر واپس چلا گیا تھا۔
''اسے جلد از جلد ہوش میں آنا چاہیے۔ اس کا دوسرا ساتھی ابھی تک آزادی سے شہر میں دندناتا پھر رہا ہے۔'' جلال کی وہ ہدایت سن کر ایم تھری خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔
''میرا خیال ہے کہ چارلی کو اسٹیشن فور لے جانا زیادہ بہتر رہے گا۔'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے زبان کھولی۔
''فکر نہ کرو۔'' میری موجودگی میں یہاں تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ سنیل کے معاملے میں میرے آدمی ضابطوں سے مجبور تھے۔'' اس نے فوراً میری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''یہ بہت ڈھیٹ اور پکا معلوم ہوتا ہے۔ تم نے نوٹ کیا ہوگا کہ ایک بار زیر ہونے کے بعد وہ پولیس کی آمد اور روانگی تک بے فکری سے ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیں بے رحمانہ سلوک کرنا ہوگا۔''
''جو چاہو کر لینا۔ تمہیں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ میں صرف تماشا دیکھتا رہوں گا۔'' وہ مسکرا کر بولا ''تمہاری اجازت کے بعد میں اسے ہاتھ لگاؤں گا۔''
''بہتر ہوگا کہ دوسرے قیدیوں کو بھی اس کے سامنے جمع کر لیا جائے!'' میں نے مشورہ دیا۔
''اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ سب یک جا ہو کر رونا پیٹنا شروع کر دیں گے۔''
اس کے حشر سے دوسرے عبرت پکڑیں گے۔ کسی نے کوئی بات چھپائی ہوئی ہے تو وہ اسے بھی اگل دے گا۔ یہ سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور یکساں سلوک کے حق دار ہیں۔ ان میں سے کسی نے شور شرابا کیا تو اس کے حلق میں کپڑا ٹھونس دیا جائے گا۔''
''اسے ہوش میں آنے دو۔ یہ بھی ہو جائے گا۔'' جلال نے کسی بحث کے بغیر اپنی آمادگی ظاہر کر کے مجھے حیران کر دیا۔
''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر جلال نے اپنی بات جاری رکھی ''آج میں نے تمہارے ذہن سے دھند صاف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حالات مجبور کر دیں تو ہم اپنے دشمنوں کے حق میں بہت سفاک ثابت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں ہم قانونی حدود و قیود کا پورا احترام کرتے ہیں۔''
''دوسری بات اپریٹس کے بارے میں ہے۔ میں ایک دو روز کے لیے اسے اپنے پاس رکھنا چاہوں گا تا کہ الفا سے بات کر سکوں۔''
''رکھ لینا مگر یہ یاد رہے کہ اپریٹس مجھے واپس دینا ہوگا۔ یہ چارلی کے جرم کا پہلا اور بنیادی ثبوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم چکر دار باتیں کرنے میں مہارت رکھتے ہو۔ اس سے رابطہ ہو گیا تو کچھ نہ کچھ اگلوا لو گے۔''
''آج تم میری ہر بات پر آمناً و صدقناً کرتے جا رہے ہو۔''
''آج میں نے پہلی بار تمہاری بے جگری کا مظاہرہ دیکھا ہے۔ تم اپنی جان پر کھیل کر پیش قدمی نہ کرتے تو یہ معاملہ اتنی خوش اسلوبی سے نہیں نمٹ سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہی ٹیلوں میں پھنس کر ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہو جاتا۔'' وہ بہت فراخ دلی سے کہہ رہا تھا ''اسے زندہ پکڑ کر ہم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''
''کہیں تم گوپال کی طرح اس کا بھی تبادلہ کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے؟''
''اب بھارت میں ہمارا ایسا کوئی قیدی نہیں ہے جس کے تبادلے کی ضرورت ہو۔ فی الحال اس کی گرفتاری کے ریکارڈ پر نہیں لائی جائے گی۔ تم دل کھول کر اس کا بھرکس نکال لو۔ یہ زندہ بچا تو پھر سوچیں گے کہ اس کا کیا کیا جائے۔''

وقت گزارنے کے لیے ہم فرصت سے مشترکہ دلچسپی کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے جن میں گیری کی اومان روانگی کا معاملہ بھی شامل تھا۔

جلال نے چارلی کا اپریٹس اپنی جیب سے نکال کر میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس دوران میں اس کا ایک آدمی چائے بنا کر لے آیا تھا۔ جس کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

چارلی کو انجکشن لگانے کے بجائے ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد خبر آئی کہ وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ ہم دونوں چائے ختم کر کے سگریٹ نوشی سے بھی فارغ ہو چکے تھے۔ جلال نے بے تکلفی سے میرے شانے پر ہاتھ مارا اور ہم دونوں دفتر سے باہر نکل گئے۔

چارلی کے چہرے سے خون کے داغ صاف کر دیے گئے تھے لیکن اس کا پورا چہرہ کٹے پھٹے زخموں کی وجہ سے نیلا اودا ہو کر سوجا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بدستور پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ٹانگوں میں ڈیڑھ فٹ لمبی ہلکی زنجیر والی بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں جن کی وجہ سے وہ آسانی سے چل پھر سکتا تھا لیکن بھاگنے سے قاصر تھا۔

وہ فرش پر پیر سمیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بولا ''بڑے غداری پر تل جائیں تو آنے والی تباہی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم ہمارے سب سے بڑے مددگار ثابت ہو گے۔ تم کیسے کوبرا ہو کہ تم نے ہم کو ہی ڈس لیا!''

''یہ ہوتا رہتا ہے۔ اب اٹھو اور اوپر چلو۔ میں تم کو کچھ مہمانوں سے ملواتا ہوں۔'' میں نے کسی اشتعال کے بغیر، سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کاش! دہلی والوں کو علم ہو جائے کہ تم آرمی کے ہاتھوں بک چکے ہو اور کوبرا کے مقام سے گر کر ہماری آستین کے سانپ بن گئے ہو!'' اس نے اٹھتے ہوئے حسرت سے کہا۔

''رفتہ رفتہ سب کچھ پتا چل جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''میں وہ کام کرنے آیا ہوں جس کی مجھے تنخواہ ملتی ہے۔'' اس نے آہستہ آہستہ زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیر کی کڑیاں آپس میں ٹکرانے سے اونچے ہال میں ایک وحشت ناک گونج پھیل رہی تھی۔

جلال نے اپنے آدمیوں کو پہلے ہی ہدایت کر دی تھی۔

عمارت کی اوپری منزل سے ملی جلی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اوپر والے قیدیوں کو یکجا کیا جا رہا تھا۔

چارلی بالکل مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ جو کہا جا رہا تھا، اس پر خاموشی سے عمل کر رہا تھا۔ زنجیر کی وجہ سے اسے چوبی زینے طے کرنے میں دشواری ہو رہی تھی لیکن وہ کوئی حرفِ شکایت اپنی زبان پر نہیں لایا۔ سنبھل سنبھل کر زینے چڑھتا رہا اور آخر کار اوپری منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے رویے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے وہ سب اپنا نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا ہو۔

اوپر پانچ قیدی اپنے اپنے زنداں سے باہر نکل کر کھلی جگہ پر جمع کر لیے گئے تھے۔ ان میں سے چار کے چہروں کا تعلق سوبھراج کیس سے تھا۔ سنیل، نرمل، مدن لال اور شیاما کے علاوہ وہاں موجود پانچواں چہرہ میرے لیے نیا تھا۔

چارلی کو دیکھ کر ان میں سے کسی کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ سب اس کے لیے یکسر اجنبی ثابت ہوا تھا۔

''یہ سب یہاں کے قیدی ہیں۔'' میں نے چارلی کو مخاطب کر کے کہا۔ اس کو حسن تصور کرتے ہوئے مجھے کچھ ذہنی اذیت سی ہو رہی تھی۔ جب تک ان کے اصل نام سامنے نہیں آ جاتے تھے، ان کو حسن اور ذکی کے بجائے چارلی اور الفا کے ناموں سے یاد کرنا زیادہ بہتر تھا۔

''سب مردوں کی حالت ابتر ہے۔'' اس نے ان کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''ان کے شیو بڑھے ہوئے ہیں، بدن اور کپڑے گندے ہیں، آنکھوں میں وحشت اور ویرانی کا راج ہے مگر عورت بہت بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارے استعمال میں آتی رہتی ہے۔''

''ہم عورتوں کا احترام کرتے ہیں، مردوں سے ذرا سی بھی رعایت نہیں کرتے۔ چند روز میں تم بھی اسی حال کو پہنچ جاؤ گے۔''

''کیا تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم مجھے چند روز تک زندہ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہو!'' اس کی بھرّائی ہوئی آواز استہزائی ہو گئی۔

''اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہے۔ میں پھر پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔'' میں نے کینہ توز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''خود کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ کر تم یہ حق کھو چکے ہو۔'' اس نے جواب دیا ''اپنی قیمت لگوا کر تم کوبرا رہے ہو نہ یہ لوگ

تمہیں سوبھراج رہنے دیں۔ تم سے کام نکل جانے کے بعد یہ تمہیں مجھ سے برے انجام کو پہنچادیں گے۔''

''یہ...... یہ سوبھراج نہیں، کرنل داور ہے!'' سنیل پھنسی پھنسی آواز میں بولنے پر مجبور ہوگیا۔

میں زہریلے انداز میں مسکرایا ''اب بتاؤ کہ تم کیوں آئے ہو؟''

''بار بار اپنے سوال کو نہ دہراؤ۔'' اس کے تیوروں میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ''مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ ایک ہارا ہوا جواری تمہارے جیسے لب و لہجے میں بات نہیں کرسکتا۔ سوبھراج کہاں ہے؟''

''یہ سب اس کے چیلے ہیں۔'' میں نے پانچوں قیدیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا ''اسے کہیں اور رکھا گیا ہے۔ وہ تم سے عاجز ہے کیونکہ تم اس کے عذاب میں اضافے کا سبب بن کر یہاں نازل ہوئے ہو۔ تمہیں دور مار رائفلیں کیوں درکار ہیں؟''

''سوبھراج کو بھگوان کی مار پڑے!'' اس بار چارلی کو قدرے طیش آ گیا ''معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہارے سامنے اپنا کھایا پیا اگل دیا ہے مگر میں سوبھراج نہیں ہوں۔ میری زبان سے تم ایک لفظ نہیں اگلوا سکو گے۔''

''میں تمہاری زبان حلق سے باہر کھینچ کر اس میں سوئی بھونک دوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ تم کتنی دیر خاموش رہتے ہو۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''تم ایسا نہیں کرسکتے۔'' اس کی آواز کا اعتماد متزلزل ہوگیا۔

''یہ ابھی سب کے سامنے ہوگا۔'' اپنی زبان بندی سے پہلے اپنا نام بتادو۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر بعد تم اپنی زبان کو خود دو پھانکوں میں تبدیل کرلو اور چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بتا سکو۔'' اس سے بات کرتے ہوئے میں نے جلال کو اشارہ کیا۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ پلکیں جھکائے بغیر، مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا۔

''اور یہی سلوک تم سے بھی ہوگا۔'' یکا یک جلال نئے قیدی سے مخاطب ہوکر غرایا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور پریشانی کی علامات عود کر آئیں۔

میں اس شخص کے بارے میں الجھن میں مبتلا تھا لیکن سب قیدیوں کی موجودگی میں جلال سے اس کے بارے میں سوال کرنے سے قاصر تھا۔

صدف مینشن میں روایتی تفتیش کا بہت سا ساز و سامان موجود تھا لیکن لمبے سوئے وہاں دستیاب نہیں تھے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص بازار سے تین انچ لمبے سووں کا ایک پیکٹ خرید کر لے آیا۔

میں نے پیکٹ کھول کر ایک سوا اپنی چٹکی میں دبا کر چارلی کو دکھایا اور کہا ''اب یہ تمہاری زبان میں جائے گا۔ تم کتنے کی طرح منہ کھولے رہو گے تمہاری زبان باہر لٹکتی رہے گی۔''

اس وقت ایم تھری سمیت تین افراد ہماری معاونت کے لیے موجود تھے۔ میرا اشارہ پاتے ہی وہ چارلی پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ پیروں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ تنومند ہونے کے باوجود وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ چند لمحوں میں کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح ...... پختہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

فرش پر گر کر وہ بری طرح مچل رہا تھا لیکن جلد ہی بے بس ہوگیا۔ ایم تھری نے اس کی گردن پر گھٹنا جما کر اس کا سر قابو میں کرلیا تھا۔

میں نے اس پر ہاتھ ڈالا تو اس نے بہت سختی سے اپنے دانت بھینچ لیے۔ مجبور ہوکر میں نے اپنا ریوالور نکال لیا جس کا چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ جبڑوں پر نال کی دوسری ضرب پڑتے ہی چارلی نے منہ کھولا تو میں نے اس کے دانتوں کے درمیان ریوالور کی نال اڑا دی۔ اگلے ہی لمحے میں، میں نے رومال سے پکڑ کر اس کی لیس دار زبان دہانے سے باہر کھینچی اور ہونٹوں کے قریب سے اس میں سوا گزار دیا۔

زبان میں سوا اترتے ہی چارلی کے جسم کو زبردست جھٹکا لگا لیکن کام مکمل ہو چکا تھا۔ سب اسے اس کے حال پر چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔

چارلی کرب ناک حالت میں تھا۔ اس کے حلق سے خرخر کی عجیب آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ شیبا نے وہ منظر دیکھ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اور دوڑتی ہوئی اپنی کوٹھری میں جا گھسی۔

چارلی کی زبان کے زخم سے خون جاری ہو چکا تھا۔ سوجے ہوئے اور زخمی چہرے سے باہر نکلی ہوئی سرخ زبان بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کا تماشا دیکھنے والے قیدیوں کی حالت ابتر ہوئی جا رہی تھی۔

میرے ایما پر جلال نے چاروں قیدیوں کو ان کے ٹھکانے پر واپس پہنچانے کی ہدایت کی اور ہم دونوں واپس نیچے آ گئے۔

''یہ تشدد کا بہت بھیانک اور آسان طریقہ ہے۔'' راستے میں جھرجھری لے کر وہ بولا ''وہ اس عذاب کو زیادہ دیر تک نہیں سہہ سکے گا۔''

''نیا قیدی کون ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔'' دفتر میں واپس پہنچنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا۔

''اسے حیدرآباد سے پکڑا گیا ہے۔ سول ایوی ایشن کا ملازم ہے۔ شبہ ہے کہ وہاں کے ریکارڈ سے بہت سے اہم نقشے اس نے غائب کیے ہیں۔ اس کا سالا کراچی میں انڈین قونصل خانے کا پرانا ملازم ہے۔ اسے کل ہی اٹھایا گیا تھا۔''

''یہ بھی ہندو ہے۔'' میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''غدار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ یہ مسلمان ہے اور اس کے خلاف مضبوط واقعاتی شہادتیں موجود ہیں۔ میں نے دانستہ اسے بلوایا تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ تم چارلی کو کسی انوکھے تشدد کا نشانہ بناؤ گے۔ یہ طریقہ تمہارے ذہن میں کیسے آ گیا؟''

''را کا ہر ایجنٹ اپنے زعم میں مرد آہن ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے خلاف میدان میں اترتے ہوئے ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ جب تک ایسے لوگوں کے جسم کے حساس مقامات کو اذیت کا نشانہ نہ بنایا جائے، یہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔''

''اب اوپر سے کسی بھی وقت اچھی خبر آ سکتی ہے۔ ذرا سی دیر میں اس کے حلق میں کانٹے پڑنا شروع ہو جائیں گے اور وہ ہتھیار ڈال دے گا۔''

''اس نے اب بھی زبان نہ کھولی تو پانی میں تیز مرچیں گھول کر سارا پانی اس کے دہانے اور چہرے پر انڈیل دوں گا۔'' میں نے کہا ''ایسے لوگ مار پیٹ کے عادی ہوتے ہیں۔ اس سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار کرنا پڑا نہ اگلے مرحلے پر عمل پیرا ہونے کی نوبت آئی۔ صرف آدھے گھنٹے بعد ایم کھتری نے آ کر خبر دی کہ قیدی زمین سے اپنا سر ٹکرا کر اثباتی اشارے دے رہا تھا۔ زبان کے کھنچاؤ کی وجہ سے سوئے کا سوراخ خاصا پھیل گیا تھا جو اس کے لیے بدترین اذیت کا باعث بن رہا تھا۔

جلال نے ستائشی نظروں سے میری طرف دیکھا اور فاتحانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

☆☆☆

سلطان شاہ مجھے کلفٹن چھوڑنے کے بعد گھر پہنچا تو ویرا گھر سے باہر جانے کے لیے تیار بیٹھی ہوئی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ چونک پڑا۔

''خیریت تو ہے۔ آج کس سے ملنے کی تیاری ہے؟'' اس نے سیدھا سوال کرنے کے بجائے ویرا سے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''میں بہت بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' ویرا مسکرا کر ایک ادا سے اس کی طرف بڑھی اور وہ بری طرح بوکھلا گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے!'' وہ الٹے قدموں سرکتا ہوا ہکلایا ''اپنی جگہ پر بیٹھ کر بات کرو۔''

''صبح اٹھ کر آئینے میں اپنی صورت دیکھ لیا کرو، اوقات معلوم ہو جائے گی۔ میں تم سے ہم آغوش ہونے کے لیے نہیں، غزالہ کے دروازے پر دستک دینے کے لیے اٹھی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اس کے قریب سے گزرتی ہوئی غزالہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور سلطان شاہ خفت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

''جلدی آؤ۔ گاڑی لوٹ آئی ہے۔'' ویرا نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہانک لگائی۔

''دو منٹ میں آ رہی ہوں۔'' اندر سے غزالہ کا جواب آیا۔

''آج نئی گاڑی میں کہیں باہر کھانا کھانے کا ارادہ ہے۔ اکیلی عورتوں کو مرد ڈھٹائی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگتے ہیں۔ چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔''

''تم نے ڈینی کے بغیر یہ پروگرام بنا لیا؟'' سلطان شاہ نے سر کھجاتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ دن رات اپنے چکروں میں الجھا رہتا ہے۔ آج بھی آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہم لوٹ آئیں گے۔''

''تم دونوں کا جانا مناسب نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' سلطان شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''شام ڈھلے ہوٹلوں میں شرفا کے ساتھ اوباش لوگ بھی آ جاتے ہیں۔ کسی نے زبردستی تمہارے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی تو ساری تفریح غارت ہو جائے گی۔''

''تفریح برباد کرنے کے لیے تو تمہارا ساتھ ہونا ہی کافی ہے۔ کسی اور کو دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' ویرا نے آنکھ مار کر کہا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''تم ذہین اور بردبار عورت ہو۔ تم کو ایسی بازاری حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ بات کرتے ہوئے ذرا اپنی بائیں آنکھ پر قابو رکھا کرو۔''

''تم سامنے ہوتے ہو تو یہ بلاوجہ پھڑکنے لگتی ہے۔'' ویرا نے شوخی سے جواب دیا۔

اس وقت ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا موجود نہیں تھا اس لیے ویرا کھلے دل سے سلطان شاہ کو گھسنے پر تل گئی تھی۔ جب تک غزالہ تیار ہوکر اپنے کمرے سے باہر نہیں آ گئی ان دونوں کے درمیان نوک جھونک کا سلسلہ چلتا رہا۔

اس وقت ویرا کا ذہن منفی سمت میں چل رہا تھا۔ اس نے اصرار کیا کہ ڈنر کلفٹن کے علاقے کے کسی اچھے ہوٹل میں کیا جائے لیکن غزالہ نے کلفٹن کا رخ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ بات سب کے علم میں تھی کہ میں راوالوں کی تلاش میں جلال کے ساتھ کلفٹن کی طرف گیا ہوا تھا۔ میں اس بات کو ہرگز پسند نہ کرتا کہ وہ لوگ کسی حیلے بہانے سے ان اطراف میں آکر میری سرگرمی کے سلسلے میں کوئی متجسسانہ رویہ اختیار کریں۔

ویرا نے زیادہ زور دیا تو غزالہ نے صاف کہہ دیا کہ وہ اکیلی چلی جائے۔ سلطان شاہ غزالہ کا ساتھ دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی میرے مزاج اور ویرا کے شر پسندانہ رویے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ کسی کو چڑانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

آخر کار ویرا کو پسپائی اختیار کرنی پڑی اور قرعہ فال بیچ لگژری ہوٹل کے نام نکل آیا جو ساحل سمندر کے دوسرے سرے پر واقع تھا۔

گھر پر مامور ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کاروں کو چوکنا رہنے کی ہدایت کر کے وہ تینوں نئی گاڑی میں ہوٹل کے لیے روانہ ہوگئے۔

''کلفٹن پر مزار کے گرد و نواح کا علاقہ ڈینی اور جلال کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں نے پورے کلفٹن کو کیوں ممنوع علاقہ قرار دے دیا ہے۔'' راستے میں ویرا پھر وہی ذکر نکال بیٹھی۔

''وہ مزار سے کام کی ابتدا کریں گے لیکن ضروری نہیں کہ وہ دونوں وہیں تک محدود رہیں۔'' غزالہ نے اسے جواب دیا ''اپنے مطلوب افراد کی تلاش میں وہ کسی بھی سمت میں نکل سکتے ہیں۔ ان سے کہیں آمنا سامنا ہوگیا تو میں وہ خجالت برداشت نہیں کرسکوں گی۔''

''یہ وفا صرف عورت کے مزاج میں پائی جاتی ہے۔'' ویرا نے فوری طور پر پینترا بدل دیا۔ ''یہ چیز مردوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔''

''اپنے اپنے تجربے کی بات ہے۔'' غزالہ بے پروائی سے بولی ''ڈینی میرے لیے مثالی اور وفا شعار شوہر ثابت ہوئے ہیں۔''

''تم ان مردوں کو نہیں جانتی۔ یہ اوپر سے کچھ نظر آتے ہیں، اندر سے کچھ اور ہوتے ہیں۔ خوب صورت اور جواں سال عورتوں کے بارے میں دنیا کے سارے مرد ایک طرح سوچتے ہیں۔ ڈینی اور سلطان شاہ بھی اسی برادری میں شامل ہیں۔''

''بلاوجہ میرا نام مت لو۔ میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔'' سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

''میں کسی کا نام نہیں لے رہی۔'' سلطان شاہ کو جواب دے کر وہ غزالہ سے مخاطب ہوگئی ''میں نے تمہیں ایک لفظ نہیں بتایا لیکن مجھے معلوم ہے کہ مرد اپنے پرانے دوستوں سے کس طرح کھلی کھلی باتیں کرتے ہیں۔ پیر کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک، نسوانی سراپا کا کوئی حصہ ان کی زبانی دسترس سے باہر نہیں ہوتا، مثال کے طور پر......''

''کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتیں!'' سلطان شاہ نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''رہ سکتی ہوں، شرط یہ ہے کہ آج کے کھانے کا بل تم ادا کرو گے۔''

''بل کوئی بھی ادا کرے، زور ڈینی کی جیب پر پڑے گا، ہم اس کے مال پر مزے کر رہے ہیں۔''

''انہوں نے کبھی یہ بات نہیں کی!'' غزالہ نے اعتراض کیا۔

''کوئی کہے یا نہ کہے، حقیقت یہی ہے۔'' سلطان شاہ کو موضوع بدلنے کا موقع مل گیا۔

''یہ شی والوں کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والا سرمایہ ہے جو اب تک ہمارے کام آرہا ہے۔'' غزالہ نے وضاحت کی ''یہ رقم ہم سب کی مشترکہ ملکیت ہے۔ کوئی کسی پر بار نہیں بنا ہوا۔''

''اگر یہ ڈینی کی سوچ ہے تو یہ اس کی شرافت اور مہربانی ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''ورنہ سب کچھ تم دونوں کا ہے۔''

سلطان شاہ ان دونوں کی گفتگو میں پوری طرح شامل ہوگیا تا کہ ویرا کو دوبارہ کوئی نازک بات چھیڑنے کا موقع نہ مل سکے۔

مولوی تمیزالدین روڈ سے ہوتے ہوئے وہ لوگ بیچ لگژری ہوٹل کی طرف جانے والے مختصر راستے پر مڑ گئے۔ جوں ہی سلطان شاہ نے ہوٹل پہنچنے کے لیے دوسرا موڑ کاٹا، ویرا اچانک نیم ہذیانی انداز میں بول پڑی ''روکو...... گاڑی روکو!''

سلطان شاہ نے گھبرا کر بریک لگا دیے اور گاڑی ایک جھٹکے سے وہیں جھول کر رہ گئی۔

''کیا ہوا...... کیا بات ہے؟'' غزالہ پچھلی نشست سے گھبرا کر آگے جھک آئی۔

سلطان شاہ نے برابر والی نشست پر نگاہ ڈالی تو وہ ہوٹل کے سامنے والی عمارت کی سمت میں دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا، وہ ویرا کی غیر متوقع حرکت سے بھنّا گیا تھا۔

''وہ سامنے سوبھراج جا رہا ہے۔'' ویرا نے ہیجان زدہ آواز میں سرگوشی کی۔

ان دونوں کی نظریں بے اختیار اسی سمت میں اٹھ گئیں جدھر ویرا نگراں تھی۔

ہوٹل کے سامنے والی کمرشل بلڈنگ کے سائے میں ایک دراز قامت اور صحت مند شخص اپنے شانے جھکائے آگے چلا جا رہا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا ایک نفیس سوٹ تھا۔ وہ دونوں اس کی پشت دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ وہ کون تھا۔

''تم خواب تو نہیں دیکھ رہیں...... سوبھراج یہاں کرنے آئے گا؟'' سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' ویرا نے پرجوش لہجے میں دعویٰ کیا ''اس نے سیاہ شیشوں کی عینک لگائی ہوئی ہے۔ وہ سب کچھ بدل سکتا ہے لیکن طوطے کی چونچ کی طرح خم کھائی ہوئی اپنی ناک کو نہیں چھپا سکتا۔ میں نے صرف ایک جھلک دیکھ کر اسے پہچان لیا تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر لیتے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' غزالہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ ''گاڑی ذرا آگے نکال کر جاؤ' سامنے سے دیکھ کر تصدیق ہو جائے گی کہ......''

''ہرگز نہیں!'' ویرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا جس طرح میں نے اسے پہچانا ہے' وہ بھی ایک نظر میں مجھے پہچان لے گا۔ یہیں رکے رہو' دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔''

اچانک سیاہ سوٹ والے کا سفر ختم ہو گیا۔ وہ ایک سیاہ کار کے پاس رکا اور اطمینان سے دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے جم گیا۔ اس شاندار گاڑی کے دروازے غیر مقفل تھے یا پھر اس نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے دور ہی سے دروازے کا لاک کھول لیا تھا۔ اس کی گاڑی کا رخ اس سمت میں تھا جدھر وہ گیا تھا۔ اس لیے اندر بیٹھتے ہوئے بھی اس کی پشت ان تینوں کی طرف رہی تھی اور انہیں اس کی دوسری جھلک دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''اب دیکھتے ہیں کہ وہ کدھر جاتا ہے۔'' غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

ان تینوں نے دیکھا کہ کھڑے کھڑے اس گاڑی کے ٹائر پاور اسٹیئرنگ کی وجہ سے بائیں طرف گھومتے جا رہے ہیں، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سیاہ سوٹ والا یوٹرن لے کر ان کی طرف آنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اس بار ویرا کو کوئی ہدایت جاری کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ موقع کی نزاکت بھانپ کر سلطان شاہ گاڑی کو ریورس گیئر میں سڑک کے پچھلے کنارے تک لیتا چلا گیا۔

معاً سیاہ کار تیزی سے حرکت میں آئی اور مختصر سے نیم دائرے میں یوٹرن لے کر آگے بڑھتی چلی آئی۔ سڑک پر اس گاڑی کے ٹائروں کی تیز آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گاڑی چلانے والا اگر کوئی شہدا نہیں تو اعصاب زدہ شخص ضرور ہے۔

وہ گاڑی اس مختصر سی سڑک پر بہت تیز رفتاری کے ساتھ ان کے سامنے سے گزری۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی سے بچنے کے لیے ویرا ونڈ شیلڈ سے نیچے جھکتی چلی گئی۔ وہ گاڑی بائیں طرف مڑ کر مین روڈ کی طرف چلی گئی۔

اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ نے سیاہ کوٹ والے کی خم دار ناک دیکھ لی تھی اور قائل ہو گئے تھے کہ ویرا سے اندازے کی کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔

ان کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔ سلطان شاہ نے پہلا گیئر ڈال کر ہانک لگائی ''سوبھراج یا ڈنر...... اس وقت کسے تناول فرمایا جائے؟''

''ڈنر پر لعنت بھیجو۔ اس کے پیچھے چلو۔'' ویرا سیدھی ہو کر جھلائی ہوئی آواز میں بولی ''تم دونوں کی بے مقصد جرح میں الجھ کر میں اس کی گاڑی کا نمبر بھی نہیں دیکھ سکی، کسی نے نمبر نوٹ کیا ہے اس کا؟''

ان دونوں کے پاس مجرمانہ خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا!

سلطان شاہ نے خفت مٹانے کے لیے بہت تیزی سے گاڑی چلا دی۔ ویرا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہونے کے باوجود وہ یہ دیکھنا نہیں بھولا تھا کہ سوبھراج کی کار مین روڈ پر دائیں طرف مڑ کر پی آئی ڈی سی ہاؤس کی سمت میں گئی تھی۔

وہ سڑک صاف اور کشادہ تھی۔ سوبھراج اپنے دیکھ لیے جانے کے خوف سے بہت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا تھا گر

سلطان شاہ بھی اس وقت نئی جیسی اور طاقتور کار دوڑا رہا تھا۔ اس نے ذرا سی دیر میں سوبھراج کی کار کو جالیا۔

''تم نیچے جھک جاؤ!'' غزالہ نے ویرا کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا'' اس نے عقب نما آئینے میں کسی زاویے سے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو چوکنا ہو جائے گا۔''

ویرا نے بے چون و چرا اس کے مشورے کی تعمیل کی۔ اس کے لیے زیادہ دیر تک اس پوزیشن میں رہنا دشوار تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ وہ ذاتی مشاہدے کی نعمت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ پیچھے گھمایا اور اگلی نشستوں کے درمیان سے گزر کر عقبی نشست پر غزالہ کے برابر میں پہنچ گئی۔

وہ پیچھے جا رہی تھی تو سلطان شاہ نے غیر ارادی طور پر اس کی پشت پر ایک دھپ رسید کر دیا۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے تشینی انداز میں بولنا شروع کر دیا'' تمہیں چلتی گاڑی میں بھی چین نہیں ہے۔ ذرا سی یوں ہی جھک کر بیٹھی رہتیں تو کون سی قیامت آ جاتی۔ ابھی میرا ہاتھ بہک جاتا تو گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکرا جاتی۔''

''میں تمہاری ان گھٹیا حرکتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔'' ویرا برا منائے بغیر بولی'' اس کا حساب کتاب بعد میں ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارے پاس گاڑی میں کوئی ہتھیار موجود ہے؟''

''خدا کا خوف کرو ویرا۔'' وہ تلخی سے منمنایا'' ہم تفریح اور ڈنر کے لیے نکلے تھے۔ ہتھیار ساتھ لینے کی کیا تک تھی۔''

''پرانی گاڑی میں ہر وقت ایک آدھ پستول اور بھرے ہوئے میگزین پڑے رہتے تھے۔''

''یہ گاڑی ابھی نئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس میں بھی چیزیں جمع ہوتی چلی جائیں گے۔ اس وقت گاڑی میں اوزاروں کے تھیلے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔''

''عجیب بے بسی ہے۔ یہ سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کا سنہرا موقع ہے جو قدرت نے ہمیں عطا کیا ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں۔'' ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی'' اس وقت یہ نکل گیا تو ایسا موقع دوبارہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''کم از کم ہم نے گاڑی کا نمبر تو نوٹ کر لیا ہے۔ اس کے سہارے پتا چل سکے گا کہ اس وقت شہر کا کون ذی اثر شخص اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔'' غزالہ نے دلاسا دیا۔

''تم دونوں ہمت کرو تو میں اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے پر اعتماد لہجے میں پیشکش کی۔

''تم کیا کرو گے؟'' ویرا نے متجس لہجے میں سوال کیا۔

''سائیڈ مار کر گاڑی لڑا دوں گا، وہ رکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''یہ نہ بھولو کہ ہم بالکل نہتے ہیں وہ یقینی طور پر مسلح ہوگا۔ گاڑی سے اتر کر مقابلے پر جم گیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔''

''میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ تم دونوں اپنے بارے میں سوچ لو!''

''نہیں۔'' غزالہ نے سختی سے کہا'' جب ہماری کامیابی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے تو خطرہ مول لینا بے سود ہوگا، ایسی احمقانہ خودکشی مجھے منظور نہیں ہے۔''

''تم اس کے ہتھیاروں کے بارے میں سوچ کر حوصلہ ہار رہی ہو ورنہ صورت حال اتنی مایوس کن نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی۔'' چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ ایک مفرور اشتہاری ملزم ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی ٹک کر مقابلہ نہیں کرے گا۔ کوئی گڑبڑ ہوتے ہی بھاگ نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ہم اس کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر اسے زیر کر سکتے ہیں۔''

''یہ صرف تمہارا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔'' ویرا نے غزالہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا'' فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر غور کر لینا چاہئے۔ اس وقت سوبھراج کو نکل جانے دیا جائے تو بعد میں کار کے نمبر کے سہارے اس پر بھرپور تیاری کے ساتھ ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔''

''ابھی تم اسے گھیرنے کے لیے مری جا رہی تھیں اب نئی قلابازی کھا رہی ہو۔ ہمارے پاس زیادہ بحث کا وقت نہیں ہے۔ اس کشادہ سڑک سے گزر کر ہم شہر کے ٹریفک کی بھیڑ میں پھنس گئے تو چاہتے ہوئے بھی اسے نہیں روک سکیں گے۔''

''بولو! تم کیا کہتی ہو؟'' ویرا نے فیصلہ غزالہ کے سر ڈال دیا۔

''یہ سڑک تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔'' غزالہ کی آواز گمبھیر ہو گئی۔'' اللہ کا نام لے کر گاڑی لڑا دو۔ کوشش کرنا کہ اس کے قریب نہ رکنا پڑے۔ ہلکا سا سائیڈ مارتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ اس کی گاڑی میں پاور اسٹیئرنگ ہے اور وہ خوف زدہ بھی ہے۔ گھبرا کر اپنی گاڑی کہیں او رمار دے گا۔''

''او کے مادام!'' سلطان شاہ نے تمسخر سے کہا'' آج پتا چلا کہ تم بہت اچھی ہدایت کار بھی ثابت ہو سکتی ہو۔''

سلطان شاہ نے اچانک اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سوبھراج نے غالباً عقب نما آئینے میں اسے قریب ہوتے دیکھ کر اپنی سیاہ کار بائیں طرف کر کے اس کے گزرنے کا

راستہ خالی کر دیا۔ سلطان شاہ تیزی سے اس کے برابر میں پہنچا پھر اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھوں نے ہلکی سی جنبش دی۔ فضا ایک ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی۔ زبردست جھٹکے کے نتیجے میں ویرا اچھل کر غزالہ پر آ پڑی۔

سلطان شاہ سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ کا دروازہ پچک کر اندر آ گیا تھا۔ ویرا وہاں بیٹھی ہوتی تو اس کا شدید زخمی ہونے سے بچنا محال تھا۔ تصادم کچھ زوردار ہو گیا تھا۔

تصادم کے بعد سلطان شاہ نے اپنی گاڑی سنبھالی اور آگے بڑھتے ہوئے رفتار کم کرتا چلا گیا لیکن سوبھراج اپنی گاڑی پر کنٹرول برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کی گاڑی سڑک پر تیزی سے بائیں طرف لہرائی پھر یکایک رخ بدل کر دائیں طرف، دو رویہ سڑک کی وسطی پٹی پر چڑھ کر مخالف سمت کی سڑک پر چلی گئی۔

یک وقت بہت سی گاڑیوں کے بریک چیخے۔ تیزی سے چلتا ہوا ٹریفک تھما تو اندازہ ہوا کہ بظاہر خالی نظر آنے والی وہ سڑک اتنی ویران بھی نہیں تھی۔

ویرا اور غزالہ گاڑی سے اترتیں تو تماشا بن جاتیں۔ سلطان شاہ نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے گاڑی بائیں طرف کی فٹ پاتھ سے تقریباً ملا کر روکی تھی تاکہ گاڑی کا نقصان زدہ حصہ لوگوں کی نظروں میں نہ آ سکے۔

''خطرہ محسوس کرو تو گاڑی لے کر نکل جانا، میں اسے دیکھتا ہوں۔'' ویرا کو وہ دانش مندانہ مشورہ دے کر سلطان شاہ دوڑتا ہوا سیاہ کار کی طرف لپکا جو شہر سے آنے والی سڑک کے وسط میں ترچھی کھڑی ہوئی تھی۔

سیاہ کار کے گرد تماشائیوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔ ہر شخص اندر گھس کر اپنی نظروں سے گاڑی کا حشر دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اس ہجوم میں خم دار ناک والے سوبھراج کا کہیں پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ کو شبہ ہوا کہ وہ کسی شدید ضرب کے نتیجے میں بے ہوش نہ ہو گیا ہو۔

اپنے وجود اور طاقت ور بازوؤں کی مدد سے وہ ہجوم میں اپنا راستہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا پھر یہ دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا لگا کہ تباہ حال سیاہ گاڑی خالی پڑی ہوئی تھی۔ سوبھراج باہر کہیں نظر آیا تھا اور نہ اندر تھا۔

اس وقت اس کے حواس بہت تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اس کی توجہ فوری طور پر اس ٹرک ڈرائیور کی طرف مبذول ہو گئی جو دوسرے تماشائیوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کے لیے حادثے کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

اس کی زبان سے یہ سن کر سلطان شاہ کو مزید مایوسی ہوئی کہ ٹکر کے نتیجے میں کالے سوٹ والا زخمی ہو گیا تھا۔ اپنی گاڑی سے نکلتے ہی وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھا اور پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سڑک پر دونوں طرف ٹریفک جام ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ اگلے کسی کٹاؤ سے گاڑی گھما لیتا تب بھی اس کے لیے آگے بڑھنا محال ہوتا۔ وہ کسی صورت میں سوبھراج کی ٹیکسی کا پیچھا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دوڑتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف ہولیا۔

اس وقت ہر شخص کی توجہ سوبھراج کی سیاہ گاڑی پر مرکوز تھی جو دہرے حادثے کے نتیجے میں خاصی برباد ہو چکی تھی۔ کسی نے اس کی گاڑی کے پچکے ہوئے دروازے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ گاڑی بدستور وہیں موجود تھی جہاں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

''سوبھراج زندہ ہے یا اس حادثے میں مر گیا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''مردے فرار نہیں ہوا کرتے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پورٹ کی طرف فرار ہو گیا۔ اس وقت وہ راستہ مسدود ہے۔ کالی گاڑی کے ہٹنے سے پہلے راستہ صاف نہیں ہوگا۔''

''یہ بہت برا ہوا کہ وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔'' غزالہ نے رائے زنی کی ''ہمیں اس کو چھیڑنا نہیں تھا۔ چھیڑا تھا تو اسے پکڑنا یا پھر مار ڈالنا چاہیے تھا۔ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب وہ چوکنا ہو جائے گا۔''

''یہ تمہارے دل کا چور ہے جو تمہیں یہ بات کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔'' سلطان شاہ نے ہلکی سی ناگواری سے کہا ''ویرا تو خیر پردیسی ہے۔ تم اس شہر میں پلی بڑھی ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ شہر میں روزانہ کتنے سنگین حادثے ہوتے ہیں۔ اس نے ویرا کو دیکھا نہ اس پر کسی قسم کا کوئی حملہ ہوا۔ آخر وہ کس بات سے چوکنا ہو جائے گا۔''

''اگر اس کے نزدیک یہ کوئی عام حادثہ تھا تو وہ گاڑی چھوڑ کر کیوں بھاگ گیا؟'' اس نکتے پر غزالہ اس کے ساتھ بحث پر آمادہ ہو گئی۔

''تمہیں بار بار یاد دلانا پڑ رہا ہے کہ اب وہ ایک مفرور اشتہاری ملزم ہے۔ اس کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں

وہ کس مجبوری کے تحت اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان اطراف میں آنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک لمحے کے لیے بھی منظرِ عام پر آنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ جائے حادثہ پر رکا رہا تو کوئی نہ کوئی اسے پہچان لے گا اور وہ پکڑا جائے گا۔''

''اس ملعون کو کوئی مجبوری نہیں تھی۔ وہ ہماری ڈنر پارٹی خراب کرنے کے لیے وہاں نمودار ہوا تھا۔'' ویرا جھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی ''وہ ہمارے داؤ میں پھنسنے سے پہلے بھاگ نکلا۔ اب اسے جہنم میں ڈالو اور واپس بیچ لگژری کی طرف چلو۔ ہم پروگرام کے مطابق وہیں کھانا کھائیں گے۔''

''شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''ہمیں فوراً گھر لوٹ کر ڈینی کو اس واقعے سے آگاہ کرنا چاہیے۔''

''ڈینی کلفٹن پر موج کر رہا ہوگا۔ میں کہہ چکی ہوں کہ وہ بہت دیر سے واپس آئے گا۔ اس وقت اسے فون سننے کی فرصت بھی نہیں ہوگی۔''

''تم کچھ بھی کہتی رہو، ہم بیچ لگژری نہیں جائیں گے۔'' سلطان شاہ اڑ گیا۔

''کیسے نہیں جائیں گے۔ تمہارے تو فرشتے بھی وہاں جائیں گے۔'' ویرا نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔

''ہائیں ہائیں...... یہ تم کیا کر رہی ہو۔ گاڑی کہیں ٹکرا جائے گی اور اس کا حشر بھی سوبھراج کی کار جیسا ہو جائے گا۔'' وہ اپنی گردن ویرا کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ بیچ لگژری جاؤ گے یا نہیں!'' ویرا نے اصرار کیا۔

''میں پہلے بتا چکا ہوں کہ دونوں طرف کے راستے بند ہیں۔ ادھر واپس جانا ممکن ہوتا تو میں سوبھراج کی ٹیکسی کا تعاقب کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ تم بلاوجہ ذرا ذرا سی بات پر جذباتی ہو جاتی ہو۔ یہ انا کا مسئلہ نہیں مجبوری ہے۔''

''تم بلاوجہ مجھے تاؤ دلانے کی کوشش کرتے ہو۔'' ویرا نے اس کی گردن چھوڑ دی ''اب اپنی مرضی سے کسی اچھے ہوٹل میں لے چلو جہاں ہم ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر سکون سے کھانا کھا سکیں۔ آج باہر کا کھانا ہر حال میں ہوگا۔''

''اچھی زبردستی ہے تمہاری، دھونس دے کر تفریح کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے غصہ دلانے کی کوشش کی۔

''تم لوگ شاید ایسی گھریلو زندگی کے عادی ہو لیکن میں نے اپنی ساری زندگی سوشل رہ کر گزاری ہے۔ گھر میں پڑے پڑے مجھ پر گھٹن سوار ہونے لگتی ہے۔'' ویرا سنجیدگی سے غزالہ کو اپنا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

''ہوٹل میں کسی نے تمہیں پہچان لیا تو ساری گھٹن کافور ہو جائے گی۔ امریکیوں کی طرف سے تمہاری گرفتاری پر آج بھی ایک بڑا انعام برقرار ہے۔''

''پاکستان میرے لیے بہترین جائے پناہ ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ حکومتوں کے تعلقات خواہ کیسے ہی دوستانہ کیوں نہ ہوں، عام پاکستانی امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی انعام کے لالچ میں میری مخبری نہیں کرے گا۔''

''سوبھراج بھی پاکستانی ہے!'' سلطان شاہ اس سے الجھتا رہا۔

''اس گیدڑ کو میں جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم ہمیں کس ہوٹل میں لے جا رہے ہو۔''

''آج دفتری کام کاج کا دن ہے۔ ویرا کو لال قلعہ لے چلو۔ وہاں جگہ مل جائے گی۔'' غزالہ نے اس بحث سے اکتا کر مشورہ دیا جسے دونوں نے تسلیم کر لیا۔

☆☆☆

مجھے جلال نے اپنی گاڑی سے گھر کے دروازے پر چھوڑا تھا۔ میں اندر گیا تو وہاں میدان صاف تھا۔ ابرار نے بتایا کہ وہ تینوں شہر نوردی کے ارادے سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

میں نے ابرار کو اپنے لیے کھانا لگانے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں جا گھسا۔ بدن اور کپڑوں سے چمٹی ہوئی ریت کی چبھن سے نجات حاصل کرنے کے لیے غسل ضروری تھا۔

میں تازہ دم ہو کر کھانے کی میز پر پہنچا تو یکایک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری طرف اول خان موجود تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس وقت گھر میں اکیلا تھا اور کھانے کی تیاری کر رہا تھا تو اس نے اپنی آمد کی اطلاع دے کر فون بند کر دیا تاکہ میں فوری طور پر گرم کھانے سے لذت اندوز ہو سکوں۔

میں کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اول خان آ پہنچا۔ اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی کا احساس جھلک رہا تھا۔

''تمہارے مشن کے بارے میں بات کرنے سے پہلے میں ایک بہت بڑی خبر سنانی چاہتا ہوں۔'' چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قدرت کھل کر تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ تم نے گیری کو زندہ چھوڑ دیا تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''اسے کیا ہوا...... وہ کیسے مر گیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے لیے وہ خبر اچھی ضرور تھی لیکن انتہائی غیر متوقع تھی۔

''گیری کو یہاں سے اومان لے جانے والا چھوٹا امریکی طیارہ مسقط ائرپورٹ پر لینڈنگ سے کچھ پہلے فضا میں پھٹ کر تباہ ہو گیا۔''

''اللہ کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''ہم نے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اسے زندہ چھوڑ دیا لیکن وہ بدترین موت کا حق دار تھا۔ آخرکار موت نے اسے زمین سے اوپر، آسمان کے نیچے گھیر ہی لیا۔ یہ کب کی خبر ہے؟''

''خبر کچھ بھی نہیں ہے۔ امریکی اس معاملے کو دبانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اس واقعے میں مزید تین امریکی ہلاک ہوئے جن میں جہاز کے عملے کے دو افراد کے ساتھ گیری کے ساتھ جانے والی نرس بھی شامل ہے۔'' اول خان نے تفصیل بتائی ''مجھے کچھ دیر پہلے دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے۔ مسافروں سمیت جہاز کا ملبہ سمندر میں گرا ہے۔ مسقط میں موجود دو امریکی بحری جہازوں کے غوطہ خوروں نے سمندر میں لاشوں کی تلاش کا کام شروع کر دیا ہے۔''

''ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ فضا میں پھٹنے والے جہازوں کے مسافروں کے اعضا چیتھڑے ہو کر دور تک بکھر جاتے ہیں اور ان کی ایک آدھ ذاتی چیز کو علامتی تابوت میں رکھ کر باقیات کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ہوش مندوں کے لیے یہ عبرت کا مقام ہے کہ کل تک جو شخص یہاں فرعون بنا ہوا تھا آج اس کے بدن کے ٹکڑوں کی تلاش جاری ہے۔''

''موت اس کی آئی ہوئی تھی۔ اپنے ساتھ مزید تین جانیں لے گیا۔''

''ایسا نہ کہو۔ موت اس کی آتی ہے جس کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا۔ پتا نہیں ان تینوں کے کرتوتوں کی فہرست کتنی لمبی تھی جو وہ بھی گیری جیسی عبرت ناک موت کا شکار ہوئے ہیں۔''

''مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا اور ہمارے دامن اس کے خون سے آلودہ ہونے سے بچ گئے۔'' وہ واضح طور پر خوش نظر آ رہا تھا۔

''واقعہ اتنا سنگین ہے کہ وہ اسے چھپا نہیں سکیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے طیارے کی تباہی کا الزام کس کے سر ڈالتے ہیں۔''

''واقعہ پاکستانی سرحد سے بہت دور ہوا ہے۔ وہ اپنے سروں میں خاک ڈالنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔'' اول خان نے ہنستے ہوئے کہا ''آج کل وہ ڈینی فوبیا کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کے سروں پر تمہارا نام سوار ہے۔ یہ واقعہ پاکستانی حدود میں رونما ہوا ہوتا تو وہ اسے بھی کھینچ تان کر تمہارے سر منڈھ دیتے۔''

''تمہیں یہ خبر کس وقت مل گئی تھی؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ابتدائی اطلاع کوئی دو گھنٹے پہلے ملی تھی مجھے فوری طور پر اس اطلاع پر یقین نہیں آیا تھا۔ سنا ہے کہ کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے مگر گیری کے معاملے میں ایسا ہی ہوا ہے۔ ہماری بددعائیں اسے کھا گئیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تعطل کے اس دور میں بھی تمہارے ذرائع مسدود نہیں ہوئے۔ اطلاعات کی بروقت فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔ ابھی تک جلال اس واقعے سے بے خبر ہے۔ اسے کوئی بھنک ملی ہوتی تو وہ مجھ سے اس کا ذکر ضرور کرتا۔''

''وہ کراچی میں ہے اور اس وقت تمہارے ساتھ مصروف تھا۔ افواہوں اور کچی خبروں سے آدمی اسی وقت باخبر رہتا ہے جب وہ اپنے حلقے میں موجود ہو، اس سے نکل کر رابطے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اسلام آباد اس کا مستقر ہے اسے چھوڑ کر وہ کراچی آیا ہوا ہے اور یہاں بھی بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں کی مہم کی کیا نتیجہ نکلا۔''

''مہم بہت کامیاب رہی 'را' کا ایک ایجنٹ اس وقت صدف مینشن میں اپنی سوجی ہوئی زبان کا زخم سینک رہا ہے۔ دوسرے کی تلاش جاری ہے۔''

وہ خبر سن کر اول خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا ''انسانوں کے سمندر میں کسی گمنام آدمی کا کھوج لگانا آسان کام نہیں ہے۔ تم نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور اس ذکر کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھے ہو!''

''گیری کا قصہ زیادہ اہم ہے، میں اس کی تفصیل جاننے کے بعد اپنی کارگزاری کا تذکرہ شروع کرنے والا تھا۔

یہ کسی کی انفرادی کامیابی نہیں ہے۔ مربوط ٹیم ورک کے ذریعے ہم اس معاملے میں سرخ رو ہوئے ہیں۔ سوبھراج نے بے خبری میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اگر وہ یہ نہ بتاتا کہ اس نے راوالوں کو کلفٹن والی درگاہ پر پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے تو ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے' پکڑا جانے والا وہاں فقیر کے روپ میں روپوش تھا۔''

''گیری کا قصہ بس اتنا ہی تھا۔ وہ تمہارے ہاتھوں پٹ کر زخمی ہوا' یہاں سے لے جایا گیا اور پھر سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نک یہاں کفیل کے ہاتھوں مارا گیا' گیری مسقط کے کھلے سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بن چکا ہے۔ ان کے لیے یہ دونوں صدمے کم نہیں ہیں۔ فی الحال اسے بھول جاؤ اور اپنی کتھا سناؤ' را کے ایجنٹ کا پکڑا جانا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔''

''معاملہ بہت دلچسپ ہے۔ وہ دوستوں سے گھیرا گیا۔'' میں نے تمہید اٹھائی ''ایک طرف وہ دونوں اپریٹس پر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جو ہم اپنے حسّاس آلات کے ذریعے سن رہے تھے مگر زبان سمجھنے سے قاصر تھے اور دوسری طرف جلال کا ایک آدمی ان دونوں میں سے ایک کے پیچھے لگ گیا تھا اور اسے اپنے ساتھی سے رابطہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔''

اول خان گہری دلچسپی اور توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔

میں نے دھیرے دھیرے اسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے جب یہ بتایا کہ میں نے اپنے قیدی کی زبان کھلوانے کے لیے اس کی زبان میں لمبا سوا اتار دیا تو وہ چونک اٹھا۔

''یہ آسان کام نہیں تھا۔'' وہ بولا ''زبان بہت لجلجی' لچک دار اور لیس دار ہوتی ہے کسی کی زبان دہانے سے باہر کھینچنا آسان کام نہیں ہے۔''

وہ عملی دنیا کا آدمی تھا۔ ایک نکتہ سامنے آتے ہی پوری بات سمجھ گیا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''کام مشکل ضرور تھا لیکن وہاں افرادی قوت دستیاب تھی۔ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ اس دردناک سزا سے نہیں بچ سکا۔''

''اور اس کا نتیجہ کیا رہا۔'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ذرا سی دیر میں وہ پاگل ہو گیا اور اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر مرچوں کے پانی والا مرحلہ آزمانے کی نوبت نہیں آئی۔''

''وہ کیا کہتا ہے...... دونوں یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''کسی مہم پر آئے ہوئے ایسے لوگوں کو عمومی صورت حال کے بارے میں بریف ضرور کیا جاتا ہے لیکن انہیں اپنے مشن سے آگے کچھ معلوم نہیں ہوتا......''

''میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر وضاحت کی ''ان کے عزائم کے بارے میں ہمارے اندازے کہاں تک درست تھے۔''

''اس نے ہمارے اندازوں پر پانی پھیر دیا' حکومت کے مخالفین ان کے ہدف نہیں ہیں۔ اس بار اہم حکومتی عہدے داران کا نشانہ بننے والے تھے۔''

''پھر تو صورتِ احوال بالکل ہی بدل گئی۔ میں نے ان تینوں رہنماؤں کے بارے میں تمہارے خدشات آگے بڑھا دیے تھے جو خطرے میں نظر آ رہے تھے۔ اب تک ان کے لیے فول پروف حفاظتی انتظامات شروع کیے جا چکے ہوں گے۔''

''کوئی حرج نہیں' ان انتظامات کو چلنے دو۔ بقیہ لوگوں کی حفاظت کے لیے جلال اپنے وسائل کو متحرک کر چکا ہے۔ اس بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''جب تک دوسرا آدمی بھی گرفت میں نہیں آتا' خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔'' وہ تشویش میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

مجھے تمہارے اس خدشے سے پورا اتفاق ہے۔ وہ اکیلا رہ گیا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہم سب اس کے پیچھے لگ چکے ہیں۔ وہ کم سے کم وقت میں اپنا کام پورا کر کے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔''

''تم نے اس سے یہ ضرور پوچھا ہوگا کہ اپریٹس پر وہ دونوں کیا باتیں کر رہے تھے اور کون سی زبان استعمال کر رہے تھے۔''

''جلال کو اندازہ ہو گیا تھا وہ تلگو زبان میں اپنے ساتھی کو اس علاقے میں اسپیشل آرمی وہیکل کی موجودگی سے آگاہ کر رہا تھا۔'' میں نے بتایا ''وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے تاکہ کسی خطرے کی صورت میں دونوں ایک ساتھ نہ مارے جائیں۔ وہ ہر چار گھنٹے بعد کسی دور افتادہ گوشے میں جا کر ایک دوسرے کو اپنی خیریت سے آگاہ کر رہے تھے۔ نو بجے ہمارا قیدی اسی رابطے کے لیے تاریک ریتیلے ٹیلوں کی طرف جا رہا تھا تو اس نے آرمی کی گاڑی دیکھی۔ وہ اس کی نوعیت نہیں سمجھ سکا لیکن اسے خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی سے ابتدائی رابطہ ہونے تک وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اپنے ساتھی کو اس بارے میں بتائے یا اس گاڑی کو غیر متعلق سمجھ کر نظر انداز کر دے۔ اس نے ٹیلوں میں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا

کہ ہر بری بھلی بات میں دونوں کو شریک ہونا چاہیے۔ اس نے دوسرے کو اپنی مادری زبان میں وہ معاملہ بتایا اور ان کے درمیان بحث چھڑ گئی۔ اس دوران میں جلال کے آدمی نے ہدایت کے تحت اسے للکارا اور قصہ ادھورا رہ گیا۔''

''بات سمجھ میں آتی ہے۔'' اول خان سر ہلا کر بولا ''وہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس کا ساتھی اب کہاں ملے گا۔''

''وہ بھی مزار پر پڑا ہوا تھا لیکن اب وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ میں نے جلال سے قیدی کا ایریئل لے لیا ہے۔ کسی وقت کوشش کروں گا اس سے بات ہو سکے۔''

''اسی وقت کوشش کیوں نہیں کر لیتے؟'' اس نے متجسس لہجے میں کہا۔

''وہ بھڑک جائے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ایریئل بند ہو۔ اب وہ اپنے ساتھی کی خیر خبر لینے کے لیے ایک بجے اپنا ایریئل آن کرے گا۔ اس وقت میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''تم اسے دھوکا دے سکتے ہو کہ تم ہی اس کے ساتھی ہو۔''

''میں قیدی کی آواز کی نقل کر سکتا ہوں مگر تلگو زبان کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ آثار بتاتے ہیں کہ وہ آپس میں اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔ یہ فریب ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چل سکے گا۔ اسے گھیرنے کے لیے کوئی اور ہی گر آزمانا پڑے گا۔''

''وہ صدف مینشن لے جایا گیا ہے تو آئی بی والوں کا قیدی رہے گا یا اس کی ہمارے پاس منتقلی کا بھی کوئی امکان ہے؟''

''وہ وہیں رہے گا۔ جلال کی موجودگی میں مجھے وہاں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ نہ ہوتا تو قیدی کی زبان میں سوا اتارنا ممکن نہیں تھا۔''

''اس عجیب سزا کے نتائج کیا رہے، زبان بہت نرم عضو ہوتی ہے!''

''سوے کا سوراخ چھوٹا تھا جو بڑھ کر بڑے زخم میں تبدیل ہو گیا۔ اب اس کی زبان سوجی ہوئی ہے۔ اسے بولنے میں بہت دقت کا سامنا ہے۔''

''تم نے اس کا چہرہ اسیری سے پہلے ہی بگاڑ دیا تھا۔'' اول خان نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''میں چہرے کے ساتھ اس کا دماغ بھی بگاڑنا چاہ رہا تھا۔ ابتدا میں' میں نے اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں کوبرا ہوں یہ کوبرا ان لوگوں کے لیے ایک ان دیکھی شخصیت تھی' اخباروں میں بات کھل جانے کے باوجود اسے مجھ پر شبہ نہیں ہوا اور وہ مجھے سوبھراج یا کوبرا سمجھ کر لعن طعن کرنے لگا، مجھ سے چوک یہ ہوئی کہ میں نے دوسرے قیدیوں کے سامنے اسے تشدد کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور سنیل نے بات کھول دی۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ گرفت میں آ چکا ہے کس کو بتانے جائے گا وہ کس کا قیدی ہے۔''

''یہی سوچ کر میں نے سنیل کی حرکت کو نظر انداز کر دیا۔ ویسے بھی وہ بہت ابتر حالت میں ہے۔''

ابرار ہم دونوں کے لیے چائے بنا کر لے آیا تھا۔ چائے نوشی کے درمیان میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا دھیان ان تینوں کی طرف گیا۔ ابرار کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق انہیں گھر سے گئے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان کی طرف سے میری طبیعت فکر مند تھی۔

فون کی گھنٹی بجنے پر مجھے خیال آیا کہ شاید ان تینوں میں سے کسی نے یہ جاننے کے لیے فون کیا ہوگا کہ اس وقت میں کہاں تھا۔

فون پر سوبھراج تھا۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے تفکر آمیز انداز میں براہِ راست اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی ''اس وقت میں نے ایک ضروری کام کے لیے تم کو فون کیا ہے۔ میرے سامنے تمہارے سوا کوئی متبادل آدمی نہیں ہے تم میرا کام کر سکو گے؟''

''یہ کام کی نوعیت پر منحصر ہے۔'' اسے سرسری انداز میں جواب دیتے ہوئے میں اپنے اندر ایک ہیجانی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

''شہر میں میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا ''میں وہاں رک کر کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے گاڑی وہیں چھوڑ کر عجلت میں ٹیکسی سے لوٹ آیا۔ حادثے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ میں اس واقعے کی رپورٹ کے اندراج کے بغیر پولیس کی تحویل سے گاڑی نکالنا چاہتا ہوں۔''

میرے لیے وہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ اس گاڑی کے نمبر سے یہ سراغ لگایا جا سکتا تھا کہ ان دنوں سوبھراج نے کہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا ''گاڑی کا میک، ماڈل اور رجسٹریشن نمبر کیا ہے۔''

سوبھراج نے کالی ہنڈا اکارڈ کے وہ کوائف بلا تردد بتا دیے جو میں نے بہت تیزی سے ایک سادہ کاغذ پر لکھ لیے۔ سوبھراج کے سلسلے میں وہ اہم سراغ بہت آسانی سے

ہاتھ آ گیا تھا۔ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے گیری کے بعد اس کا وقت بھی پورا ہونے والا تھا۔

''تم روپوش ہو،شہر میں گاڑی میں کہاں گھومتے پھر رہے تھے؟'' کوائف مل جانے کے بعد میں نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''کئی دنوں سے میری ڈاڑھ میں ناقابلِ برداشت تکلیف تھی۔'' وہ بتانے لگا''ڈاکٹر پہلے ہی اسے نکلوانے کا مشورہ دے چکے تھے مگر میں ٹال رہا تھا۔آج ہمت جواب دے گئی تو میں مجبور ہوکر اپنے ڈینٹل سرجن کے پاس چلا گیا۔ڈاڑھ نکلوا کر آ رہا تھا تو یہ حادثہ ہوگیا۔ایک سفید گاڑی والا بلاوجہ مجھے سائیڈ مارتا ہوا نکل گیا۔''

''وہ بھاگ گیا تو اس معمولی حادثے کے بعد تمہیں گاڑی وہاں چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں نکل جاتے۔''

''تم بال کی کھال نکالتے ہو۔'' اس کی چڑچڑی آواز ابھری۔''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ بلاوجہ گاڑی وہاں چھوڑ کر چلا آتا' سفید گاڑی والا بھاگ گیا مگر ڈاڑھ نکلنے کی وجہ سے میرے اعصاب کشیدہ تھے۔میں رفتار کی وجہ سے اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا۔وہ سڑک کی وسطی پٹی پر ٹکرا کر دوسرے ٹریک پر چلی گئی اور انجن بند ہوگیا۔میری گاڑی بری طرح تباہ ہوئی ہے۔غنیمت ہے کہ میں بال بال بچ گیا۔''

''تمہاری پریشانی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔تم راج محل کو بھول سکتے ہو تو تمہارے لیے اس گاڑی کی کیا حیثیت ہے۔اسے بھی بھول جاؤ۔''

''گاڑی میری نہیں' میرے ایک دوست کی ہے۔اسے بھی گاڑی کی پروا نہیں ہوگی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی سامنے نہ آیا تو پولیس رجسٹریشن نمبر کے سہارے میرے دوست تک پہنچ جائے گی اور اسے تنگ کرے گی کہ حادثے کے بعد گاڑی کو مین روڈ پر لاوارث کیوں چھوڑ دیا گیا۔یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہوسکتا ہے۔تم ان دشواریوں کو نہیں سمجھتے۔یہ قصہ یہیں ختم ہونا ضروری ہے۔''

''تم نے کھل کر بتایا ہے تو اب بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ظاہر ہے کہ تمہارا دوست پولیس والوں کو حادثے اور کار کو لاوارث چھوڑنے کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے گا۔میں اسی وقت اپنے جاننے والوں سے رابطہ کرتا ہوں اور جو کچھ ممکن ہوا کر گزروں گا۔یہ بتاؤ کہ تھانے سے گاڑی مل جائے تو اسے کہاں پہنچانا ہوگا۔''

''میں وہ گھر جانتا ہوں۔اس کا پتا مجھے یاد نہیں ہے رجسٹریشن کے کاغذات ڈیش بورڈ میں ہیں۔ان سے تمہیں پورا پتا مل جائے گا۔کوئی دشواری محسوس کرو تو وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کر لینا۔یہ کام بہت ضروری ہے۔'' مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ڈیفنس کا علاقہ ہے۔''

''تم اپنے اسی دوست کے گھر ٹھہرے ہوئے ہو؟'' میں نے جاننا چاہا۔

وہ مجھ سے زیادہ چالاک تھا۔اس نے گول مول سا جواب دے کر مجھے ٹال دیا۔''تم گاڑی وہاں پہنچوا دو،میرے سر سے بوجھ اتر جائے گا۔میرے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔میں دوسرے چکروں میں بھی الجھا ہوا ہوں۔''

''سنیل کے بعد تم اپنے گمبھیر مسائل میں گھر کر بالکل تنہا رہ گئے ہو مجھ پر بھی پوری طرح اعتماد نہیں کرتے۔مجھ سے اپنے دل کی بات کرلیا کرو۔تمہارا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔''

''تم نے آج مزار پر حسن اور ذکی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی؟'' چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔اس نے میرا سوال پھر ٹال دیا تھا۔

''وقت ہی کہاں تھا۔کل ان کو دیکھوں گا۔'' میں نے اول خان کو آنکھ مار کر سوبھراج کو فون پر جواب دیا۔

''ذکی بہت بدتمیز اور حرام زادہ ہے۔'' میرا جواب سنتے ہی وہ پھٹ پڑا''تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا وہ مجھے اپنے مسائل کا ذمے دار ٹھہرا رہا تھا۔''

''اسے کون سے مسائل درپیش ہیں؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''اسے سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں اسے ٹال رہا ہوں۔آج اس نے یہ الزام تراشی کی ہے کہ میں ان دونوں کی مخبری کر رہا ہوں۔جو بات مجھے معلوم ہوتی ہے وہ کسی اور تک بھی پہنچ جاتی ہے۔نیو خان ہوٹل میں دو آدمیوں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی ، آج مزار کے قریب ایک فوجی گاڑی موجود تھی۔حسن اپریٹس پر اس سے اس بارے میں بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہوگیا۔اسے شبہ ہے کہ اس کا ساتھی کسی بڑی مشکل سے دوچار ہو چکا ہے۔''

''میں آج کے کسی واقعے سے بالکل بے خبر ہوں۔''

''میں کہتا ہوں کہ وقت نکال کر ان دونوں کا قصہ تمام کرو۔اس کمینے کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ پر الزام لگائے۔یہ امکان اس کے ذہن میں کیوں آیا کہ مجھ سے فون پر کی جانے والی باتیں کہیں سنی جاتی ہیں۔آدمی پر برا وقت آتا ہے

کہ اس پر چیونٹی بھی شیر ہونے لگتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دہلی میں میری شکایت کرے گا۔ تم اس سے پہلے دونوں کو جہنم واصل کر دو تا کہ ان کی واپسی اور شکایتوں کا کوئی امکان ہی نہ رہے۔''

''آج کوئی واقعہ ہوا ہے تو وہ دونوں مزار سے غائب ہو گئے ہوں گے۔ انہیں تم پر شبہ ہو گیا ہے تو مجھے اپنے طور پر انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ تم میرے بوجھ میں اضافہ کرتے جا رہے ہو۔ تمہیں زبان دے کر میں بندھ گیا ہوں۔''

''اس شہر کے لوگوں سے میرا دل اکتا گیا ہے۔ کل تک جو لوگ دن رات میرے دستر خوان پر منڈلاتے رہتے تھے آج میرا فون سننے سے بھی بچ رہے ہیں۔ ایسی طوطا چشمی میں نے کہیں سنی، نہ دیکھی ایک تم ہو جو مجھے سہارا دے رہے ہو۔''

''اس کے باوجود تم مجھ سے ملنے پر آمادہ نہیں ہو۔'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

''ملنے کا وقت بھی آجائے گا، ہو سکتا ہے کہ ہم پاکستان سے باہر بہت بہتر اور محفوظ ماحول میں آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی صحت کا جام تجویز کریں۔''

''کیا تم دوبارہ باہر جانے کے لیے پر تول رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''مسائل اسی رفتار سے بڑھتے رہے اور لوگوں نے دغابازی کا سلسلہ جاری رکھا تو مجبور ہو کر مجھے یہ قدم اٹھانا پڑے گا۔''

''تم نمک حراموں پر دھیان کیوں دیتے ہو۔ اپنی توجہ دوستوں پر مرکوز رکھو!''

''میں اتنی دیر سے یہی تو رو رہا ہوں کہ شہر میں میرے دوستوں کا کال پڑ گیا ہے۔''

''اس کے باوجود ابھی تم کم از کم دو ناموں کا حوالہ دے چکے ہو۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔'' اس نے سختی سے میری بات کی تردید کی ''میں نے تم سے گفتگو کے دوران ابھی تک کسی دوست کا نام نہیں لیا۔''

''میں محاورے میں بات کر رہا تھا۔'' میں نے جلدی سے تصحیح کی۔ ''تم نے بے شک کوئی نام نہیں لیا لیکن دو ہمدرد شخصیات کا ذکر کر چکے ہو۔''

''مجھے یہ بھی یاد نہیں آرہا۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟''

''شہر بلکہ ملک بھر میں سب کو علم ہے کہ تمہاری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ تم پر بہت گھناؤنے الزامات عائد کیے گئے ہیں اور قانونی چارہ جوئی سے پہلے تمہارا بدترین میڈیا ٹرائل ہو رہا ہے.....'' میں نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

''ہاں ہاں۔ بولتے رہو میں سن رہا ہوں۔'' اس نے بے چینی سے لقمہ دیا۔

''اور پڑھے لکھے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی ملزم کو پناہ دینا یا اس سے تعاون کرنا قابلِ سزا ہے۔ اس کے باوجود تمہارے ایک دوست نے اپنی گاڑی تمہارے تصرف میں دی ہوئی تھی۔ دوسرا تمہارا ڈینٹل سرجن ہے جس نے پولیس کو خبر دینے کے بجائے تمہاری خراب ڈاڑھ نکال کر تمہیں واپس آنے دیا۔ اب مجھے اور نام بھی یاد آرہے ہیں۔ مدن لال نے تمہیں پناہ دی، تمہارے کاموں کے لیے اپنے بیٹے کو استعمال کیا اور دونوں کسی ایجنسی کی بے رحمانہ گرفت میں آگئے۔ اس وقت بھی تمہارے کسی خیر خواہ نے تم کو پناہ دی ہوئی ہے۔ شکوے شکایات اپنی جگہ پر ہیں مگر ابھی یہ شہر اتنا بے مہر نہیں ہوا جتنا تم سمجھ رہے ہو!''

میں نے وہ تقریر بلا سبب نہیں کی تھی۔ اس نے ملک سے چلے جانے کا ذکر کر کے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر ہماری دسترس سے نکل جاتا۔ حادثے میں تباہ ہونے والی کار کے سلسلے میں میری مدد مانگ کر اس نے مجھے ایک راہ فراہم کی تھی۔ کار کے مالک پر کام شروع کر کے ہم بہت جلد سوبھراج تک پہنچ سکتے تھے۔

میری دلی خواہش تھی کہ وہ بس مزید چند دنوں کے لیے کراچی میں ٹکا رہے تا کہ ہم اس کی گردن ناپ سکیں۔ اس کے بعد کچھ بھی اس کے اختیار میں نہ رہتا۔

''تمہاری سوچ منطقی ہے۔ میں ذرا جذباتی ہو کر سوچتا ہوں۔'' اس نے تحمل سے میری پوری بات سن کر جواب دیا ''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ابھی یہ شہر میرے دوستوں سے خالی نہیں۔ یہ بتاؤ کہ گاڑی کے بارے میں تم مجھے کتنی دیر میں آگاہ کر رہے ہو۔''

''میں کسی قسم کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ بات بنی ہوئی تو دس منٹ میں بن جائے گی، کام کا آدمی ہاتھ نہ آیا تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ حادثہ پیش آئے ہوئے کتنی دیر ہو چکی ہے اور یہ کہاں ہوا تھا۔''

''ایسی دل توڑنے والی باتیں نہ کرو، میرے لیے یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ یہ واقعہ تقریباً دو گھنٹے پہلے ایم ٹی خان روڈ پر مائی کلاچی کراسنگ والے ٹریفک سگنل سے کچھ پہلے پیش آیا تھا اس وقت وہاں کوئی پولیس والا نہیں تھا۔''

''دو گھنٹے پہلے کا واقعہ ہے اور تم مجھے اب بتا رہے ہو!''

''میرا ذہن ماؤف ہوگیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں جوں ہی ذہن میں تمہارا نام آیا' میں نے تمہیں فون کرڈالا۔''

''چلو' میں دیکھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

اول خان کو میری باتوں سے بڑی حد تک صورت حال کا اندازہ ہوگیا تھا۔ وہ کاغذ پر لکھے ہوئے کالی ہنڈا اکارڈ کے کوائف بھی پڑھ چکا تھا۔ فون بند ہوتے ہی اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا ''گڈلک...... اندازہ ہورہا ہے کہ اب کوئی راہ ملی ہے۔''

''ذکی اس سے بدظن ہوگیا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اب صحیح معنوں میں اس کے ستارے گردش میں آئے ہیں۔''

''کیا وہ باہر جانے کی بات کررہا تھا؟ اس پر تم فکر مند ہوگئے تھے۔''

''وہ بھاگ گیا تو ہم اس کا کیا بگاڑلیں گے۔''

''اس کا ملک سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آچکا ہے۔ اس نے کسی بھی ایئرپورٹ کا رخ کیا تو دھرلیا جائے گا۔''

''یہ نہ کہو' سرحدیں سیل ہیں۔ فوج اور رینجرز مامور ہیں پھر بھی را کے دو ایجنٹ ملک میں گھسنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ سب کاغذی باتیں ہوتی ہیں۔ عملی طور پر کہیں نہ کہیں کوئی خلا رہ جاتا ہے۔ وہ چمن کے راستے زاہدان کی طرف نکل سکتا ہے' طورخم سے کابل جاسکتا ہے۔ ساری ایگزٹ لسٹ دھری رہ جائے گی۔ ایران یا افغانستان سے وہ دنیا کے کسی بھی ملک کا سفر کرسکتا ہے۔ ایسے لوگ پاسپورٹ اور ویزے ہر وقت تیار رکھتے ہیں۔''

''غیر قانونی حرکتوں سے روکنا واقعی مشکل کام ہے' مجھے ایسے بیان پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ کسی کو لوٹ مار' بدعنوانی کرنے یا امن وامان خراب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے آپ سے اجازت کیوں لیں گے۔ قانون شکن عناصر ہر ملک میں اپنی من مانی کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ بعد میں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

اول خان اس کی گاڑی کو پیش آنے والے حادثے کی تفصیل سن کر خاصا محظوظ ہوا۔'' اس کار سوار کو دعائیں دو جس نے سوبھراج کو سائیڈ مارا۔ اب ایک ٹھوس سراغ سامنے آگیا ہے۔ تم کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔''

''میں کیا کروں گا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔''

اول خان نے اپنی جیبی ڈائری نکالی اور متعلقہ تھانے کا فون نمبر تلاش کرکے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔

اس وقت تھانے میں صرف محرر موجود تھا۔ افسران اپنے اپنے عملے کے ساتھ گشت پر نکلے ہوئے تھے۔ اس نے فون پر ذرا ڈپٹ کر بات کی تو اسے تھانے کے انچارج کا موبائل فون نمبر مل گیا۔

ایس ایچ او کے لیے اول خان کا سرسری تعارف کافی ثابت ہوا۔ اس رتبے کے پولیس افسران ایس ٹی ایف کی اہمیت سے آگاہ ہوتے تھے۔

گاڑی تھانے میں نہیں لائی گئی تھی۔ کرین دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ کام اگلی صبح تک کے لیے ملتوی کردیا گیا تھا۔ اسے سڑک کے وسط سے ہٹا کر کنارے سے ضرور لگادیا گیا تھا۔

ان لوگوں کا خیال تھا کہ کالی اکارڈ والا حادثے میں زیادہ زخمی ہوگیا تھا۔ صبح تک کار کے کسی وارث کو تھانے سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اس خیال سے حادثے کی ایف آئی آر کاٹی گئی تھی نہ روزنامچے میں اس کا اندراج کیا گیا تھا۔

اول خان نے وہاں سے کار اٹھوانے کا ارادہ ظاہر کیا تو تھانے دار فوری طور پر رضامند ہوگیا۔ اس نے تھانے سے رجوع کیے بغیر کار اٹھانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ اپنے علاقے میں ایک حادثے کی ذمے داری سے محفوظ ہوگیا تھا۔

''پولیس کی طرف سے معاملہ صاف ہوگیا اب کیا کرنا ہے؟'' اول خان نے پوچھا۔

''ہم میں سے کسی کو وہاں جانا ہوگا تاکہ گاڑی کے کاغذات سے نام پتا وغیرہ لیا جاسکے۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پرتشویش لہجے میں کہا ''گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے پریشانی ہورہی ہے کہ یہ لوگ کہاں رہ گئے۔ اب تک انہیں لوٹ آنا چاہیے تھا۔''

''ایسے وقت میں موبائل فون کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے پاس کم ازکم ایک انسٹرومنٹ ہونا چاہیے۔''

''وہ بہت کم باہر جاتے ہیں۔ آج عجیب اتفاق ہے۔''

میری بات ادھوری رہ گئی چونکہ ہمارے گیٹ پر گاڑی رکنے کی آواز کے ساتھ ہارن سنائی دیا تھا۔

''لو شاید آگئے!'' اول خان بے ساختہ بول پڑا۔

دروازہ کھولنے کے لیے ابرار موجود تھا۔ چند لمحوں میں وہ تینوں ہنستے مسکراتے اندر آگئے۔

''یہ وقت ہے آنے کا!'' میں نے وال کلاک پر نظر ڈال کر خفگی سے کہا' میں نے جان بوجھ کر ان میں سے کسی کو مخاطب نہیں کیا تھا۔

''دیر سویر کی بات کر رہے ہو' یہ نہیں پوچھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے!'' ویرا نے میرے سوال کا جواب دینے کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔

''کیا ہوا؟'' اس بار میں نے اسی سے سوال کیا۔

''زبردست حادثہ۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا ''پسنجر سیٹ کا پورا دروازہ پچک کر اندر گھس گیا ہے اور تم دیر سے آنے پر ملامت کر رہے ہو۔''

وہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن اول خان اضطراری انداز میں گاڑی کا معائنہ کرنے چل دیا۔

''کوئی پریشانی لاحق ہوگئی تھی تو تم فون کر سکتی تھیں...... کسی کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔''

''ضرور آئی ہوگی۔ ملاقات ہوگی تو پتا چلے گا'' وہ آنکھیں پھرا کر بولی۔

''کیا بک رہی ہو...... کس کی بات کر رہی ہو میں تم تینوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''خدا نے خیر کی ہے۔'' اول خان واپس آتے ہوئے بولا ''پورا دروازہ تباہ ہو گیا ہے۔ وہ مرمت کے قابل نہیں رہا ہے۔''

''دوسری گاڑی کا حشر زیادہ خراب ہوا ہے۔'' ویرا نے اول خان کو بتایا ''ٹکر کے بعد وہ الٹتے الٹتے بچی تھی۔''

''وہ اندھا تھا یا نشے میں دھت ہو کر گاڑی چلا رہا تھا؟'' اول خان کو غصہ آ گیا۔

''تم کیا کہتے ہو اس کے بارے میں؟'' ویرا نے سوال میری طرف منتقل کر دیا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ کے لبوں پر ہلکا سا فخر آمیز تبسم رقصاں تھا۔ مجھے شبہ ہو گیا کہ ویرا مجھے چکر دے رہی تھی۔

حادثے کے بارے میں ویرا پر غلط بیانی کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اول خان اپنی آنکھوں سے گاڑی کا تباہ ہونے والا دروازہ دیکھ آیا تھا۔ میں الجھن میں پڑ گیا کہ ویرا کو کیا جواب دوں۔ اس وقت تک میرا ذہن ایک لمحے کے لیے بھی سوبھراج کی طرف نہیں گیا تھا۔

''مجھے ویرا کی کہانی میں کوئی شرارت کار فرما نظر آ رہی ہے۔'' میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''تم بتاؤ کہ اصل قصہ کیا تھا۔''

''خبردار!'' ویرا نے پلٹ کر تادیب کی۔ ''تم نے زبان کھولی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ذرا ان دونوں کے ذہنوں پر کچھ بوجھ پڑنے دو۔''

''تم لوگ گاڑی کو خاصا نقصان پہنچا کر آئے ہو۔ یہ فخر کی بات نہیں ہے۔'' اول خان نے ویرا کو سمجھایا ''ہو سکتا ہے کہ تمہاری کوئی غلطی نہ ہو۔ تم پورا واقعہ کیوں نہیں بتا دیتیں۔''

''نقصان کی ساری ذمے داری سلطان شاہ کی ہے۔ گاڑی یہی چلا رہا تھا۔'' ویرا نے برجستہ جواب دیا ''مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے۔ میں کسی اور کو جھوٹا الزام نہیں دوں گی۔''

''تم کسے سمجھا رہے ہو'' میں نے اول خان سے کہا ''ان چکروں میں نہ پڑو اور یہ بتاؤ کہ اس کی گاڑی کے لیے کرین کے بندوبست میں کتنی دیر لگے گی۔''

میری زبان سے گاڑی اور کرین کا ذکر سن کر ویرا چونکی اور معنی خیز نظروں سے باری باری غزالہ اور سلطان شاہ کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ''تم کس کی گاڑی کے لیے کرین کا بندوبست کر رہے ہو؟''

میرے جی میں آئی کہ میں بھی اسے کچھ نہ بتاؤں لیکن وہ واقعہ اتنا اہم تھا کہ اسے زیادہ دیر تک ان تینوں سے نہیں چھپایا جا سکتا تھا۔ میں کچھ دیر بعد کامیابی کی اطلاع دینے کے لیے سوبھراج کو فون کرتا تو انہیں از خود ہر بات معلوم ہو جاتی۔

''آج تمہارے اور سوبھراج کے ستارے خاصی حد تک مل رہے ہیں۔ وہ بھی بہت بری طرح اپنی گاڑی لڑا بیٹھا ہے'' میں نے سکون سے بتایا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میرے جواب پر ویرا ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''تھوڑی دیر پہلے اس نے گاڑی کی بازیابی کے لیے مجھے فون کیا تھا۔''

''سلطان شاہ نے اسی کی گاڑی کو سائیڈ مارا تھا'' وہ پرزور لہجے میں بولی ''میں نے اسے بیچ لگژری ہوٹل کے سامنے والی کمرشل عمارت سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم نے اس کا پیچھا کیا اور سائیڈ مار کر آگے نکل گئے۔ ہم نے تمہارے لیے کار کا نمبر لے لیا تھا۔''

''اسے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو۔ چاہو تو موم جامہ کرا لو۔ سوبھراج نے ہر بات بتا دی ہے۔ شاید وہ تمہیں نہیں دیکھ سکا۔ وہ اس واقعے کو ایک حادثہ ہی سمجھ رہا ہے۔''

اول خان نے اٹھ کر سلطان شاہ کو گرم جوشی سے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا ''آج تم نے کمال کر دیا۔ تمہارے کارنامے کی وجہ سے آج سوبھراج ہمارے قدموں میں آ گرا ہے۔ قسمت نے ساتھ دیا تو وہ بہت جلد زنداں کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئے گا۔''

''میں صرف ایک بات سمجھ سکا ہوں کہ سوبھراج نے اپنی چھوڑی ہوئی گاڑی کی واپسی کے لیے ڈینی سے رابطہ کیا۔

ہے'' سلطان شاہ نے کہا'' یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اس کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے؟''

ویرا نے آتے ہی تجسس اور اضطراب کی جو فضا پیدا کردی تھی' اس کے ردِعمل میں میری طرف سے سرد مہری کا مظاہرہ فطری تھا۔ وہ جمود ٹوٹتے ہی ہم پانچوں کے درمیان پورے زور وشور سے تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

ان تینوں کے پاس اپنی کامیابی کی ایک قابل فخر کہانی موجود تھی۔ میں بھی اپنی مہم سے ناکام نہیں لوٹا تھا۔ وہ الگ الگ واقعات معلوم ہوتے تھے لیکن درحقیقت ایک ہی لڑی سے وابستہ تھے اور ہماری مشترکہ کوششوں سے اس الجھی ہوئی گتھی کا سرا ملنے کی امید پیدا ہو چلی تھی۔

''یہ اچھا ہوا کہ گیری جہنم واصل ہوگیا'' اس کا انجام سن کر ویرا بے ساختہ بولی ''خس کم جہاں پاک۔ وہ پینٹا گون سے اپنی وابستگی کی بنا پر خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا تھا۔ آج اس کا زعم خاک میں مل گیا۔''

''دیکھنا یہ ہے کہ اس کی جگہ کون لیتا ہے؟'' غزالہ پرخیال انداز میں بولی۔

''ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک کوئی نیا آدمی نہ آئے۔ اس نے اومان جانے سے پہلے بتایا تھا کہ ٹام عارضی طور پر اس کی جگہ لے گا۔ کچھ عرصے تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ٹام دوسروں کے مقابلے میں تندخو اور سخت گیر معلوم ہوتا ہے'' میں نے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن اس طرح گاڑی نہیں چل سکے گی۔ نک اور گیری یہاں ایف بی آئی کے نمائندے تھے۔ ٹام سی آئی اے کی نمائندگی کرتا ہے۔ دونوں اداروں کے ملازم ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن پالیسیوں میں اختلاف ہے۔ سی آئی اے والے اپنے ڈائریکٹر کی وجہ سے ہر وفاقی ادارے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں'' ویرا نے اس بارے میں اپنی جامع معلومات کا اظہار کیا۔

''یہ ان کے اپنے بکھیڑے ہیں۔ وہ ٹام کو یہاں رکھیں یا دہلی سے ایڈی ہاک کو لے آئیں۔ بار بار آدمی بدلنے سے ان کی حرکتوں کا تسلسل ٹوٹے گا۔ یہ ہمارے لیے سودمند ہے۔''

''تم سب کی کارگزاریاں سن کر مجھے رشک آرہا ہے'' اول خان نے سنجیدگی سے کہا ''تم نے جلال کے ساتھ مل کر چارلی کو اپنے چوہے دان میں پھانس لیا۔ لڑکیاں ڈنر کے لیے نکلیں تو انہیں سوبھراج ٹکرا گیا۔ میں آج کل بالکل بے کار بیٹھا ہوا ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ سوبھراج کی گاڑی تم ہی پہنچاؤ گے'' میں نے اسے کام یاد دلایا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے' سوبھراج وہاں موجود ہوگا؟'' اول خان نے پوچھا۔

''مشکل ہے۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ وہ وہیں رہ رہا ہے تب بھی اس وقت وہاں سے سرک جائے گا۔ دیکھتا ہوں کہ فون پر اس سے کس ڈھب سے بات ہوتی ہے۔''

''تم نے کہا اور میں نے سن لیا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تھانے دار کو فون کرکے گاڑی چھڑانے کی بات اور تھی' جب تک جنرل کی طرف سے گرین سگنل نہیں مل جاتا' میں عملی طور پر تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکوں گا۔''

''تم مجبور ہو تو میں خود اس معاملے کو دیکھوں گا۔ راج محل کے عملے نے مجھے کرنل داور کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ سوبھراج سے آج تک کسی بھی روپ میں آمنا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ آج میں ڈینی کا ہرکارہ بن کر چلا جاؤں گا۔''

''تمہیں یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں' میں تروتازہ ہوں۔ چاہو گے تو گاڑی پہنچانے کے لیے میں چلا جاؤں گا۔''

''اسے فون کرلو'' اول خان نے مشورہ دیا ''وہ تمہارے انتظار میں بیٹھا سوکھ رہا ہوگا۔''

''سوکھنے دو۔ تھانے سے ایسی گاڑی چھڑانا آسان کام نہیں ہے۔ بھاگ دوڑ اور رابطوں میں وقت لگتا ہے'' میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یہ یاد رکھنا کہ ایک بجے ذکی یا الفا سے رابطے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سوبھراج کی گاڑی کے چکر میں وہ موقع ضائع ہوجائے'' اول خان نے بتایا۔

''یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی'' میں نے ممنونیت سے کہا ''اب ایک بجے کا دھیان رکھوں گا۔ گاڑی کے لیے سوبھراج اپنی رات کالی کرسکتا ہے۔''

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کالی اکارڈ اسی ڈینٹل سرجن کی تھی جو بیچ لگژری ہوٹل کے سامنے والی کمرشل بلڈنگ میں بیٹھتا تھا۔ شاید سوبھراج کو اسی نے اپنے گھر میں پناہ دی ہوئی تھی۔ اس کے گھر پر ڈاڑھ نکالنے کے اوزار نہیں رہے ہوں گے۔ جڑ ٹوٹ جانے کی صورت میں فوری طور پر ہلکی پھلکی سرجری کی نوبت بھی آسکتی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے اپنی گاڑی میں کلینک آنے کا مشورہ دے ڈالا جو اس وقت اس کے گلے پڑا ہوا تھا۔

میں کچھ دیر تک خاموش بیٹھا ذہنی ورزش کرتا رہا۔ وہ سب باہر سے شکم سیر اور تازہ دم ہوکر آئے تھے اس لیے بے

تکان اس دن کے واقعات پر بحث و تمحیص کیے جا رہے تھے۔
آخر کار میں نے سوبھراج کو فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے مجھ سے کھل کر اعتراف کر لیا تھا کہ اس کے لیے گاڑی کی واپسی کا مسئلہ سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

''تمہارا کام ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں جو میں نے تمہاری اجازت کے بغیر ادا کر دیے ہیں۔'' اس کی آواز سنتے ہی میں نے وہ تفصیل بتا کر اس کے سر کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''تم نے بہت اچھا کیا۔ تم عقل مند آدمی ہو۔ اس وقت گاڑی کی واپسی دس بیس ہزار روپے سے زیادہ اہم ہے۔ گاڑی لانے والے کو یہ رقم دے دی جائے گی'' اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خبر اس کے لیے سکون کا باعث بنی تھی۔

''مجھے رقم کی پروا نہیں ہے۔ میری ایک شام کی محفل کا خرچ تیس چالیس ہزار کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ تمہارے لیے میں دس ہزار قربان کر سکتا ہوں'' سوبھراج کے لیے میرا نام ایک محبِ وطن بدمعاش کی حیثیت رکھتا تھا جسے برقرار رکھنے کے لیے اس قسم کی کچھ عامیانہ گفتگو ضروری تھی۔ ''تھانے دار نے ڈیڑھ بجے بلایا ہے۔ وہ کرین سے گاڑی لے کر سیدھا تمہارے ٹھکانے پر پہنچے گا۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ میرا ٹھکانا نہیں ہے'' وہ اس معاملے میں بہت حسّاس ہو رہا تھا۔ ''ویسے میں کوشش کروں گا کہ تمہارے آدمی سے مل لوں۔ دس ہزار کے ساتھ اسے کچھ انعام بھی مل جائے گا تو اسے خوشی ہو گی۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے۔ کچھ نہیں دو گے تب بھی اسے شکایت نہیں ہو گی'' میں نے بے پروائی سے کہا ''وہ گاڑی چھوڑ کر چلا آئے گا۔''

میں چاہتے ہوئے بھی اس کی آمد کے امکان پر کوئی بات کرنے کا موقع نہ نکال سکا۔ مگر وہ خود ہی اس موضوع پر آ گیا۔

''رقم کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں ادھر نہ آتا۔ اب کوشش کروں گا کہ پہنچ جاؤں۔ اپنے آدمی سے کہہ دینا کہ وہ کسی سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔ میں پہنچ گیا تو خاموشی سے اسے رقم دے دوں گا ورنہ تمہارا حساب مجھ پر باقی رہے گا۔ کسی اور کو اس کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔''

''رقم کے لیے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔'' میں نے رقم کا شوشا اسے مرعوب کرنے کے لیے چھوڑا تھا اور ساری بات وہیں اٹکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارا یہ احسان بہت ہے کہ کسی چکر کے بغیر گاڑی واپس مل رہی ہے۔ جو خرچ ہوا ہے وہ میری ذمے داری ہے۔ دراصل میں نہیں چاہتا کہ میرے دوست پر مزید کوئی مالی بار پڑے۔ اکارڈ بڑی گاڑی ہے۔ اس کی مرمت پر بہت بھاری لاگت آئے گی مگر وہ مجھ سے ایک پیسا نہیں لے گا۔''

''تم حساب کتاب پر اتنا زور دے رہے ہو تو پھر آج ہی حساب برابر کر دینا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسے ایسے مہربانوں کے ہوتے ہوئے بھی تم کراچی والوں کی بے وفائی کا شکوہ کر رہے تھے۔''

''اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت شاید میں زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔'' اس نے میری بات کے پہلے حصے کا جواب نہیں دیا۔

''تو کیا میں سمجھ لوں کہ تم نے ملک چھوڑنے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے؟''

''اس کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ پنڈت اور کاہن کہتے ہیں کہ سمندر پار کر لیا جائے تو مقدر کی ساری نحوستیں دور ہو جاتی ہیں'' مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اپنی روشن خیالی اور آزاد روی کی باوجود وہ عام ہندوؤں کی طرح اوہام پرست تھا۔

''تمہارے کسی پنڈت نے یہ نہیں بتایا کہ آدمی سمندر

میں غرق ہو جائے تو ذرا سی دیر میں اس کے سارے دلدر دور ہو جاتے ہیں۔"

"اوہو...... تم میری بات سے چڑ گئے۔ یہ پنڈت اور پجاری اپنے تجربے سے گر کی باتیں بتاتے ہیں۔ مجھے ان کی سچائی کا تجربہ ہو چکا ہے۔"

"میں بھی تجربے کی بات کر رہا تھا۔ تمہاری بددعائیں گیری کو کھا گئیں۔ افواہیں ہیں کہ اس کو لے جانے والی ائر ایمبولینس مسقط کے قریب سمندر میں گر کر تباہ ہو گئی۔ سمندر میں غرق ہوتے ہی وہ تمہارے خوف سے آزاد ہو گیا۔"

"تمہارے منہ میں گھی شکر...... کاش ایسا ہی ہوا ہو" اس کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا" مجھے قلق رہے گا کہ ہم دونوں مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ دو بازاری لٹیرے اس کا حلیہ بگاڑ کر چلے گئے۔"

"تم بات نہیں سمجھے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ اس کے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ سمندر پار جا رہا تھا اور سمندر ہی کی نذر ہو گیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور مرے ہیں۔ سمندر پار کا سفر ہر ایک کو ہمیشہ راس نہیں آتا۔"

"افواہوں کی دھند چھٹے گی تو پتا چلے گا کہ کیا ہوا تھا۔ یہ کوئی تخریب کاری بھی ہو سکتی ہے۔ آج کل یمن سے اومان تک کے ساحلی علاقوں میں مذہبی انتہا پسندوں کا زور ہے۔ امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جہاز مار گرایا ہو" اس نے میری بات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"اگر گیری مر چکا ہے تو میں کچھ دنوں کے لیے آرام سے کراچی میں رہ سکتا ہوں" لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا" میں دوسروں سے آسانی سے نمٹ سکتا ہوں لیکن ایف بی آئی والے درندوں سے میں خائف تھا۔ اب انہیں سنبھلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہو گا۔ میں یک سو ہو کر اپنے دوسرے معاملات پر توجہ دے سکوں گا۔"

"میں نے کچھ دیر پہلے تم سے آج کا حساب آج ہی برابر کر دینے کے لیے کہا تھا۔ تم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا" اس بار میں نے ذرا سرد مہری سے کہا۔

"میں نے تمہاری بات سن لی تھی۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ کسی وجہ سے نہ آ سکا تو تمہارا مقروض رہوں گا۔ اپنا پتا بتا دو تو منی آرڈر بھجوا دوں گا۔"

میں اس کی آمد کی اس سے زیادہ یقین دہانی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے منی آرڈر بھجوانے کے بہانے میرے ٹھکانے کا سراغ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ میں نے مسکت لہجے میں کہا "منی آرڈر ضائع ہو جائے گا۔ خطرناک دشمنوں کی وجہ سے میں ٹھکانے بدلتا رہتا ہوں اسی لیے موبائل فون کے علاوہ میرا کوئی اور مستقل فون نمبر نہیں ہے۔ ادھر آؤ تو یہ دھیان میں رکھنا کہ میرا آدمی ڈھائی تین بجے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔"

"اوکے ڈینی! میں تہ دل سے تمہارا ممنون ہوں۔ میری وجہ سے تمہاری یہ رات کالی ہو گی۔"

میں نے ایک ہلکا سا استہزائی قہقہہ لگا کر کہا" میں ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ ابھی لمبی تان کر سو جاؤں گا۔ میرا آدمی تمہاری گاڑی کا کام نمٹا لے گا۔"

گفتگو ختم ہو گئی!

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔

"وہ وہیں ہے۔ نہیں ہے تو وہاں ضرور آئے گا۔ مجھے تذبذب میں رکھنے کے لیے وہ بے یقینی کی باتیں کر رہا تھا۔ میں اپنا آدمی بن کر خود گاڑی پہنچانے جاؤں گا۔"

"تنہا؟" اول خان نے حیرت سے یک لفظی سوال کیا۔

"کسی اور کے شامل ہونے سے کھیل بگڑ جائے۔ تم ویسے ہی مجبور ہو۔ جنرل کے اشارے کے بغیر فعال نہیں ہو سکتے۔ جلال اپنی تازہ ترین رپورٹ کے ساتھ اسلام آباد چلا گیا ہو گا۔ وہاں چارلی کے بیان کی روشنی میں فوری اقدامات ضروری ہو گئے ہیں۔"

میرا جواب سن کر ہر چہرے پر فکر و تشویش کے سائے پھیل گئے۔ ویرا کی ساری شوخی اور خوش مزاجی رخصت ہو چکی تھی۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کمزور آواز میں کہا" یہ صریحاً خودکشی ہو گی۔ میں تمہیں اس خطرناک ایڈونچر کا مشورہ نہیں دوں گی۔"

وہ بھول رہی تھی کہ جاں گسل معرکہ آرائیوں میں سوبھراج سے ایک بار بھی میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وہ مسلسل روپوش تھا۔ اگر اس سے ٹکراؤ ہونے کے ففٹی ففٹی امکانات بھی تھے تو میں وہ موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ سوبھراج سے میرے براہِ راست تصادم کی رات تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازلے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوبرو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کرلی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آچکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آرہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جاسکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہوگیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جان گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہوگیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی۔ وہ اس گاڑی کے لیے بے چین تھا اور میں وہ گاڑی اسے خود پہنچانے جانا چاہتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ سوبھراج سے میرا ٹکراؤ ہونے والا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 237 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نے فیصلہ کن لہجے میں ان چاروں کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ سب کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مجھے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

میرے فیصلے پر اول خان کے یک لفظی سوال اور ویرا کے کمزور مشورے کے بعد کمرے کی فضا پر گمبھیر سی خاموشی طاری ہوچکی تھی۔ ان میں ہر ایک اپنی جگہ پر فکرمند اور تشویش زدہ نظر آرہا تھا لیکن سب کی زبانیں بند تھیں۔ اس رات درپیش مہم کو خوش اسلوبی سے نمٹانے کے لیے کسی کے پاس کوئی ایسی متبادل تجویز نہیں تھی جس پر عمل کر کے سوبھراج تک رسائی کا کوئی بے ضرر راستہ تلاش کیا جاسکتا۔

''تم میری بات پر غور کیوں نہیں کر رہے؟'' آخر کار سلطان شاہ نے اس بوجھل سکوت کو توڑتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا ''میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں میں تروتازہ ہوں۔ گاڑی میں لے جاؤں گا......''

غزالہ نے اس کی بات کاٹ دی ''تمہارا جانا مناسب نہیں ہے اس قضیے کی ابتدا تم سے ہوئی تھی سب سے پہلے تم ویرا کو لے کر راج محل گئے تھے اور ویرا وہاں پھنس گئی تھی۔''

''میں ڈرائیور بن کر اس کے ساتھ گیا تھا اور راج محل کے باہر رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ مجھے راج محل کے ملازموں نے ضرور دیکھا تھا مگر سوبھراج سے میرا سامنا نہیں ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچان سکے گا۔''

''میں تمہاری پیشکش اور فکرمندی کی قدر کرتا ہوں۔'' میں نے سلطان شاہ سے کہا ''مسئلہ صرف گاڑی پہنچانے کا نہیں ہے یہ کام کرین والا بھی کرسکتا ہے۔ اسے پتا دے دیا جائے تو وہ اپنے کسی ساتھی کی مدد سے گاڑی وہاں پہنچا دے گا۔ اصل مسئلہ سوبھراج کا ہے اگر وہ وہاں موجود ہوا تو اسے گھیرنے کے لیے فوری طور پر فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''اس میں کیا پریشانی ہے۔'' سلطان شاہ نے فوری طور پر جواب دیا ''وہ نظر آ گیا تو اسے ہر قیمت پر زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنا ہوگا۔ وہاں اس کا سایہ بھی نظر آ گیا تو میں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا۔''

سلطان شاہ کی دلیل میں وزن تھا لیکن میں اس سے اپنے دل کی بات کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ بہت بے جگر اور دلیر شخص تھا لیکن مکاری اور چالاکی کے معاملے میں وہ سوبھراج کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ وہ

لڑ بھڑ کر سوبھراج کو زیر کرنے کی پوری اہلیت رکھتا تھا لیکن عیاری میں اس سے آسانی سے مار کھا سکتا تھا۔

مجھے اپنے دشمنوں کے خلاف بہت بڑی کامیابیاں نصیب ہوتی رہی تھیں لیکن مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی میں اپنی دانست میں ہمیشہ چاروں کھونٹ چوکس رہتا تھا مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں اندازے کی کوئی غلطی نقصان کا سبب بن جاتی تھی۔

نیوخان ہوٹل سے چارلی عرف حسن کا فرار زیادہ پرانا واقعہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی دانست میں اسے پوری طرح گھیر لیا تھا مگر وہ مجھے اور سلطان شاہ کو جل دے کر مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل گیا تھا سڑک پر بھاگتے ہوئے اوندھے منہ گرنے کے سبب میری ہتھیلیوں میں آنے والی خراشیں زیادہ گہری نہیں تھیں لیکن ان کی سوزش کے باعث وہ واقعہ بار بار ایک کسک بن کر میرے ذہن میں ڈنک سے مارتا رہتا تھا۔

پھر بھی میرا خیال تھا کہ میں سلطان شاہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر انداز میں سوبھراج کا سامنا کر سکتا تھا۔ میں نے اس نکتے پر سلطان شاہ کو قائل کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے یکا یک وہ موضوع ہی تبدیل کر دیا۔

''فی الحال یہ قصہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے!'' میں نے سنجیدگی سے کہا'' اس سے پہلے الفا کا معاملہ درپیش ہے۔ چارلی سے اس کا رابطہ اچانک ٹوٹا تھا۔ وہ اس کے بارے میں پریشان ہوگا اور وہ ایک بجے اپنا اپریٹس آن کر کے اس کی خیریت جاننے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوگا۔''

''کچھ دیر پہلے تم نے دوسرا فلسفہ بگھارا تھا۔'' ویرا نے مجھے ٹوکا'' تم کہہ رہے تھے کہ سیکرٹ ایجنٹ بنی کے یار ہوتے ہیں......''

میں نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا'' جب تک اسے چارلی کے انجام کا علم نہیں ہو جاتا وہ اسے فراموش نہیں کر سکتا۔ ایک بار اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن کی قید میں چلا گیا ہے تو وہ اسے بھول بھال کر اپنا کام شروع کر دے گا۔''

''چارلی کا اپریٹس تمہارے قبضے میں ہے۔ وہ دونوں آپس میں کسی نامانوس زبان میں باتیں کرتے ہیں تم اسے کس طرح مطمئن کرو گے......اس سے کیا کہو گے؟''

''مجھے یہی سب سوچنا ہے۔ اس کے لیے ذہنی یکسوئی درکار ہے۔'' میں نے دزدیدہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا'' یہاں یہ بحث ہو رہی ہے کہ سوبھراج کی تباہ حال گاڑی پہنچانے کے لیے کون جائے گا۔''

''تم ایسے بہانوں سے بات بدلتے ہو کہ سامنے والے کو لاجواب کر دیتے ہو۔'' ویرا خشک لہجے میں بولی'' اب کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ جو چاہو سوچتے رہو۔ زیادہ یکسوئی کی ضرورت محسوس کر رہے ہو تو غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں جا سکتے ہو۔ کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

غزالہ ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ ویرا کی وہ چوٹ سہہ گئی۔ اس کی بڑائی یہی تھی کہ وہ چھوٹی موٹی باتوں پر ویرا سے نہیں الجھتی تھی۔ یہ نکتہ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا تھا کہ ویرا نے ہم لوگوں کی رفاقت اور ہمارے وطن کے مفادات کے لیے اپنا سب کچھ تج دیا تھا اور امریکا کو خیر باد کہہ کر پاکستان میں بس گئی تھی جہاں اسے کھلی آزادیاں میسر تھیں نہ مثالی آسائشیں دستیاب تھیں۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ اس نے ویرا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے اور اسے اپنا نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ بظاہر وہ انجان بنی رہتی تھی مگر ویرا کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتی تھی اور جب بھی موقع ملتا تھا' سوسنار کی ایک لوہار کی کر جاتی تھی۔ غزالہ کے اِکّا دُکّا جوابی حملے بہت بھرپور ہوتے تھے جن میں سارا اگلا پچھلا حساب بے باق ہو جاتا تھا۔

وہ تینوں ہوٹل سے شکم سیر ہو کر آئے تھے۔ اول خان بھی اپنے گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا۔ اس بھیڑ میں صرف میں ہی بھوکا رہ گیا تھا۔ غزالہ کو میرا خیال آیا اور اس کی ہدایت پر ایس ٹی ایف کا ایک آدمی ذرا سی دیر میں میرے لیے ٹرالی پر کھانا سجا کر لے آیا۔

''تم نے الفا کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟'' میرے کھانے کے دوران میں اول خان نے پوچھا۔

''میں تذبذب کا شکار ہوں۔'' میں نے ایمان داری سے جواب دیا'' آخری فیصلہ شاید اس کی آواز سننے کے بعد ہی ہو سکے گا۔''

''پھر یکسوئی اور سوچ کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی۔'' ویرا منہ بنا کر بولی'' جب اس سے رابطہ ہوتا' جھٹ پٹ اپنا فیصلہ کر لیتے۔''

''اس کے لیے بھی پہلے سے ذہن میں کوئی خاکہ موجود ہونا ضروری ہے۔'' اول خان نے میری تائید کرتے ہوئے ویرا کو سمجھایا'' ایسے نازک معاملات فی البدیہہ نہیں نمٹائے جا سکتے۔''

''مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔'' ویرا نے خوش مزاجی سے کہا'' ابھی خود ڈپٹی سے اس کے فیصلے کے بارے میں پوچھ

رہے تھے اس پر میں نے زبان کھولی تھی۔''
''میں ایک چھوٹی سی بات جاننا چاہ رہا تھا۔'' اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''تم اس سے کس روپ میں بات کرو گے۔ دوست بن کر یا دشمن کے روپ میں؟''
''دوست بن کر دغا دینے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''وہ دونوں بہت رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں اور آنے کے بعد انہوں نے سوبھراج کے سوا کسی سے رابطہ نہیں کیا۔ اب الفا سوبھراج سے بھی بھڑ کا ہوا ہے۔ اسے بجا طور پر شبہ ہے کہ سوبھراج ان کی کمین گاہوں کے راز افشا کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی یا دوستی کی کوئی بنیاد نہیں بن سکتی۔''
''دشمنی میں اس سے کچھ اگلوانا ناممکن ہے۔'' ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا ''تم اسے دھمکیاں دو گے وہ تم کو برا بھلا کہتا رہے گا۔ حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔''
ویرا کی بات اسی لمحے میری سمجھ میں آ گئی اور میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ کر پوچھا ''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''
''اس سے دشمنی جتانا اور دھمکیاں دینا سب سے آسان کام ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''اس سے ہمدردی جتانے کی کوشش کرو، ہوسکتا ہے وہ دھوکا کھا جائے اور اپنے دل کی کوئی بات اگل بیٹھے یہ تمہاری ذہانت کا امتحان ثابت ہوسکتا ہے۔''
''احمقانہ باتیں مت کرو۔ ڈینی کی ذہانت کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم سے بہت زیادہ ذہین اور ہوشیار ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔
''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر بولی ''ڈینی سے کم ہی سہی لیکن اس بہانے تم نے مجھے ذہین تو مان لیا۔''
''میں نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا۔'' سلطان شاہ برجستہ بولا ''شیطان بہت ذہین ہے میں تم کو اس کی خالا مانتا ہوں۔''
''تم دونوں ہر وقت فضولیات میں الجھے رہتے ہو۔ کسی وقت سنجیدگی سے کام کی باتیں کرنے دیا کرو۔'' اول خان نے ملائمت سے کہا۔
''اسی طرح کام کی باتیں نکلتی ہیں۔'' ویرا نے جواب دیا ''میں دیکھ رہی ہوں کہ کھانے میں مصروف ہونے کے باوجود ڈینی کے بشرے پر تفکر کے سائے نظر آ رہے ہیں۔''
''ہاں...... آں!'' میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ''تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوشش ناکام ہوگی اور وہ مجھے اپنا ہمدرد تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔''
جب تک ہم باتوں میں الجھے رہے، وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ ایک بجنے کا انتظار کرنا شروع کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے وال کلاک کی سوئیاں جم جم کر سرک رہی ہوں۔
ایک بجنے سے پندرہ منٹ پہلے میں نے اپریٹس آن کر کے تپائی پر رکھ دیا تاکہ دوسری طرف سے اشارہ آنے پر ایک لمحہ بھی برباد نہ ہو اور ہم فوری طور پر الفا کا اولین پیغام اس کے فطری لب و لہجے میں سن سکیں۔
آخر کار گھڑی کی سوئیاں سسک سسک کر ایک پر پہنچ ہی گئیں۔ میرا اندازہ تھا کہ مقررہ وقت پر الفا کی آواز ابھرے گی لیکن گزرتے ہوئے لمحوں نے میرا وہ اندازہ غلط ثابت کر دیا۔
''الفا کہاں مر گیا۔ مقررہ وقت سے دو منٹ اوپر ہو چکے ہیں۔'' کچھ دیر بعد اول خان بے چین ہو کر بول پڑا۔
''ہوسکتا ہے کہ اپریٹس آن کر کے وہ اپنے ساتھی کے پیغام کا انتظار کر رہا ہو!'' ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔
وہی ایک امکان ہوسکتا تھا۔ چارلی پر بدنصیبی کا سایہ پڑنے سے پہلے شاید وہ دونوں پہل کرنے کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچتے ہوں جسے موقع ملتا ہو وہ دوسرے کے لیے اپنا پیغام نشر کر دیتا ہو۔ چارلی اچانک اور غیر متوقع طور پر غائب ہوا تھا۔ ہم نے فوجی گاڑی کے آلات پر اس کی بے تابانہ آوازیں سنی تھیں۔ وہ پریشان ہو گیا تھا کہ اس کا ساتھی اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک کہاں کھو گیا تھا۔
اس صورتِ حال کے پیشِ نظر الفا کا مضطرب ہونا ایک فطری امر تھا۔ وقت پورا ہوتے ہی اسے چارلی کی تلاش ہونی چاہیے تھی مگر وہ بہت چالاک تھا۔ اپنے تمام تر اضطراب کے باوجود خاموش تھا۔ اس کے حساب سے چارلی آزاد اور زندہ ہوتا تو مقررہ وقت پر خود اس سے رابطہ کرتا۔ اس کی طرف سے مکمل خاموشی سے ثابت ہو جاتا کہ چارلی کسی مصیبت میں گھر چکا تھا۔ الفا کچھ کہے بغیر اپنے نتائج اخذ کر سکتا تھا۔
یہ اس خبیث کی چالاکی اور مکاری کی انتہا تھی۔ کڑی مشکل سے دوچار ہونے کے باوجود اس کی ذہنی صلاحیتیں پوری طرح بیدار تھیں۔
آخر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں وہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپریٹس اٹھایا اور اس کا بٹن دبا کر بولنا شروع کر دیا ''موہن کالنگ فار الفا...... موہن کالنگ فار الفا اوور!''

میرے خاموش ہونے کے چند ثانیوں تک لائن پر اعصاب شکن سکوت چھایا رہا۔ بٹن چھوڑ دینے کے بعد ہماری آوازیں دوسری طرف پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن سب مہر بہ لب تھے۔

''الفا آن لائن۔اوور!'' آخر کار ایرئیس کا ریڈیائی سکوت ایک انسانی آواز نے توڑ دیا۔آواز میرے کانوں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

''میں چارلی کا ہمدرد ہوں اور اس کی ہدایات پر عمل کر رہا ہوں اس وقت وہ زخمی ہے۔کسی نے اس کی زبان کاٹ دی ہے۔وہ بولنے کے قابل نہیں ہے......اوور!'' میں نے لائن ملتے ہی تیزی سے کہا۔

''میں تم کو نہیں جانتا وہ یکا یک تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا؟اوور!'' الفا کی ٹھہری ہوئی اور پرسکون آواز ابھری۔

''یہ ایک اتفاق ہے۔یہ بہت ابتر حالت میں کلفٹن کے ایک ویران ساحلی علاقے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔میں اپنی دوست کے ساتھ تنہائی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا ادھر جا نکلا۔ مجھے اس پر شبہ ہوا میں اس کی طرف بڑھا تو یہ خوف زدہ ہو کر بھاگا۔میں نے پیچھا کر کے آسانی سے اسے پکڑ لیا۔اس کی حالت قابل رحم تھی۔باتوں باتوں میں میری ساتھی نے میرا نام لیا تو چونک پڑا وہ بولنے کے قابل نہیں تھا۔اس نے جلدی سے ریت پر اپنی انگلی سے دو الفاظ لکھے جو چارلی اور انڈیا تھے۔بات میری سمجھ میں آ گئی۔پہلے میں ڈر گیا مگر وہاں دور دور تک ہمیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا میں اسے اپنے گھر لے گیا......اوور۔''

''تمہاری کہانی بہت مختصر اور مکمل ہے۔''اس کی آواز میں طنز کی آمیزش ہوگئی۔''تم کو یہ سب سوچنے کے لیے کافی وقت ملا ہے۔کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تم بھارتیوں کے ہمدرد ہو اور مجھ کو تم پر بھروسا کر لینا چاہیے......اوور!''

''میں کچھ نہیں بتانا چاہ رہا۔میں انسانی ہمدردی کے تحت اسے اپنے گھر لے آیا ہوں لیکن اسے پال نہیں سکتا۔اس کی وجہ سے میں خود بھی کسی چکر میں پڑ سکتا ہوں۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا''میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔اس کے کہنے پر تم سے بات کر رہا ہوں۔تم کو اس سے ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہے تو میں اسے زبردستی کہیں بھی چھوڑ دوں گا۔یہ کھلی فضا میں نہیں جانا چاہتا۔اسے اپنے دشمنوں کا خوف ہے۔لکھ کر بہت زیادہ باتیں نہیں ہو سکتیں۔مگر اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ یہ کوئی سرکاری آدمی ہے اور انڈیا سے غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے۔اس طرح آنے والے کون ہو سکتے ہیں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔اوور!''

''تمہاری کہانی بہت مربوط ہے۔تم نے میرے پوچھے بغیر میرے کئی سوالوں کے جواب دے دیے ہیں لیکن یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ کسی نے زبان کاٹ کر الفا کو چھوڑ دیا ہے۔یہ زندگی اور موت کا کھیل ہے۔اس میں حریف ایک دوسرے کی زبانیں نہیں، گردنیں کاٹتے ہیں۔اس کا ایرئیس تمہارے قبضے میں ہے۔میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ چارلی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔اسے مار ڈالنے کے بعد اب تم میرے چکر میں ہو......اوور!'' الفا کی سوچ میری توقع سے کہیں زیادہ سیدھی اور درست تھی۔

''میں ایک سیدھا سادا، شریف آدمی ہوں۔اپنے ملک کا پکا وفادار ہوں۔بس دھرم کے ناتے سے جذباتی ہو کر اس چکر میں پھنس گیا ہوں۔تم کو اپنے ساتھی سے ہمدردی نہیں ہے تو میں بھی اس کے لیے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ رات کے اندھیرے میں، میں اسے کسی بھی ویرانے میں چھوڑوں گا......اوور۔''

''اس کی آواز سنے بغیر میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔وہ راستہ تم نے پہلے ہی بند کر دیا ہے جس کی زبان کٹ چکی ہو اور زخم تازہ ہو وہ غوں غاں کے سوا اور کیا بول سکتا ہے۔موہن جی! میں مانتا ہوں کہ تم جو کوئی بھی ہو، بہت چالاک ہو مگر میں بھی عقل سے کورا نہیں ہوں۔کان کھول کر سن لو کہ چارلی کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ہم نے جو سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔'' اس بار الفا کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔

''کیا ہو کر رہے گا۔کیا مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' اس کی بات پوری ہوتے ہی میں نے اضطراری انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔بات کچھ آگے بڑھ جانے کے بعد ایک دوسرے کو رسمی طور پر لائن منتقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

اس کی ہلکی سی تکبر آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا''تم بہت بودے اور ڈرپوک آدمی معلوم ہوتے ہو۔مجھے یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جس نے چارلی کو مارا ہے۔اپنے استاد سے کہو کہ کٹھ پتلیاں لڑانے کے بجائے مرد بن کر مجھ سے بات کرے۔ایرئیس پر میں اسے کہا نہیں جاؤں گا۔چارلی نے مجھے بتا دیا تھا کہ کلفٹن کے علاقے میں آرمی کی اسپیشل گاڑی موجود تھی۔تمہارا باس آرمی کا کوئی بڑا افسر ہی ہوگا۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کر دی۔ایرئیس پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔میں نے تم کو غلطی سے اپنا نام بتا دیا ہے۔

اس سے کیا فرق پڑے گا.....شہر میں دسیوں موہن ہوں گے۔ میں چارلی کو کہیں بھی پھینک دوں، تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں فوجی ہوں اور نہ کوئی میرا باس ہے میں خود اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں چارلی کا اپریٹس کسی آنے جانے والے کے ہاتھ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز میں بھجواؤں گا اور انہیں کہلواؤں گا کہ تم لوگ یہاں اپنے ہمدردوں کے ساتھ کیسی بدسلوکی کرتے ہو۔''

''تم ایک دم را کا نام بیچ میں کیوں لے آئے؟'' اس کی تلخ آواز ابھری۔

''میں ننھا سا بچہ نہیں ہوں۔ تمہیں بتا چکا ہوں کہ بھارت سے غیر قانونی طور پر یہاں آنے والے سرکاری افسر والی بات سن کر سب کچھ سمجھ لینا مشکل نہیں تھا۔ چارلی نے وہ باتیں لکھیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کون ہے۔ تم بھی اسی کے ساتھی ہو۔''

''اگر تم واقعی وہی ہو جو ظاہر کر رہے ہو تو میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔'' اس بار میرا زبانی وار خاصا کارگر رہا تھا۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں ڈرپوک ہونے کے باوجود احمق نہیں تھا اور اس کے طنزیہ انداز گفتگو نے مجھے خاصی حد تک برہم کر دیا تھا۔

اس نے کسی وقفے کے بغیر اپنی بات جاری رکھی ''تم سمجھ بوجھ کے مالک معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہئے کہ میں اس وقت بہت خراب حالات سے دوچار ہوں۔ میرے لیے دوست اور دشمن میں تمیز کرنا مشکل ہو چکا ہے۔ میں اپنے سائے پر بھی اعتماد نہیں کر سکتا۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں کتنی ہی سچی کیوں نہ ہوں میں ان پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ یہ بات دہلی میں بیٹھے ہوئے بڑے لوگ بھی جانتے ہیں۔ وہ بہت غور سے تمہاری شکایت سنیں گے مگر اس کی بنا پر میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ چارلی نے تم سے توقع وابستہ کر کے غلطی کی ہے مجھے اس بکھیڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے ترشی سے کہا۔

''ایک بار مجھے اس کی آواز سنوا دو!'' الفا نے مطالبہ کیا۔

''اس کی زبان کا زخم تازہ ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا ''اسے کسی بھی قسم کی آواز نکالنے میں تکلیف ہو رہی ہے پھر بھی میں تمہیں اس کی بے مقصد اور بھیانک آوازیں سنوائے دیتا ہوں۔''

میں نے اپریٹس کا بٹن چھوڑے بغیر وہ ریڈیائی آلہ سلطان شاہ کے دہانے کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میری آنکھ کا اشارہ پا کر تیار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دہانے میں زبان پھرا کر ایسی غضب ناک اور ڈراؤنی آوازیں نکالنی شروع کیں کہ میں لرز کر رہ گیا۔ سب ہی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف تکے جا رہے تھے۔

وہ مہمل اور بے معنی آوازیں ضرور تھیں لیکن ان میں بے بسی کے بجائے غیظ و غضب اور غصے کا بھرپور رچاؤ تھا۔ سلطان شاہ ان بھرپور غراہٹوں کے ذریعے الفا کو یہ پیغام پہنچانے میں کامیاب رہا تھا کہ چارلی اس کی باتوں سے خوش نہیں تھا۔

میں نے اپریٹس سلطان شاہ کے دہانے سے دور ہٹا کر بٹن چھوڑ دیا۔

''یہ تو بالکل گونگا ہو چکا ہے۔'' چند ثانیوں کے بعد الفا کی تھکی ہوئی آواز ابھری ''کیا اس کی زبان جڑ سے کاٹی گئی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم وہ اذیت میں ہے اور کچھ نہیں بول پا رہا۔ وہ تمہاری باتیں سن کر غصے میں آیا ہوا ہے۔ وحشت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی ہیں۔ اس کی آوازوں سے بھی غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔''

''اس کا غصہ بجا ہے۔ جب اس کے جذبات کا لاوا ٹھنڈا ہو گا تو اسے اندازہ ہو گا کہ میں غلطی پر نہیں ہوں۔ دشمن کی سرزمین پر کوئی کسی اور کی بدنصیبی میں حصے دار بننا پسند نہیں کرتا۔'' اس نے سلطان شاہ کی آوازوں پر کسی شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بات ہوتی تو وہ اپنے ساتھی کی آواز پہچان سکتا تھا۔ غراہٹوں اور غوغا کے الفاظ ہوتے ہیں اور نہ کوئی لب ولہجہ، اسے کوئی شک نہیں ہو سکا تھا۔

''یہ تم دونوں کے آپس کے معاملات ہیں۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''میں اس کے ساتھ جو بھلائی کر سکتا تھا وہ کر چکا ہوں۔ تم اس پر ہاتھ رکھنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اسے کہیں چھوڑ دوں گا۔ آگے اس کا مقدر ہو گا۔ وہ زندہ رہے یا مارا جائے، اس کا بوجھ بار میرے کندھوں پر نہیں ہو گا۔''

''مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم اسے کہاں چھوڑو گے!'' الفا کے لب ولہجے کی تلخی فکرمندی میں تحلیل ہو گئی تھی۔

''چارلی غصے سے مجھے گھور رہا ہے۔ یہ آسانی سے کہیں جانے کے لیے آمادہ نہیں ہو گا۔ میں اسے بے ہوش کر کے سہراب گوٹھ سے آگے کہیں بھی ویرانے میں ڈال دوں گا۔ جب تم کو اس سے دلچسپی نہیں ہے تو یہ سب کیوں جاننا چاہ رہے ہو؟''

''کچھ بھی ہو، وہ میرا پرانا ساتھی ہے۔ میں اس کے لیے

فکر مند ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ اسے بچانے کے لیے میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''چارلی بے یارومددگار ہے۔ تم اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہو۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ سیکرٹ ایجنٹ چلتے ہیں تو اپنے ساتھ حسن اور فتنوں کی برات لے کر چلتے ہیں، خوب رولڑکیوں کے ساتھ عیش کرتے رہتے ہیں یا دشمن کو موت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔ ان کو کہیں آنچ نہیں آتی!'' اس بار میں نے بہت زہریلے لہجے میں باتوں کا رخ بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''تم جیمز بانڈ کی فلموں کی باتیں کررہے ہو۔ عملی زندگی بہت مختلف اور کٹھن ہوتی ہے۔ کام کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو جانا چاہئے کہ اسے پورا کرنے کے لیے ہم نے اپنی جانوں کی بازی لگائی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ تم نہیں جان سکو گے۔ اگر تم کو چارلی سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو اسے اسی جگہ پہنچانا جس کا تم نے ذکر کیا ہے تم نے اپنا ارادہ بدل دیا تو اس کے بچنے کی موہوم امید بھی ختم ہو جائے گی۔''

''کیا تم اس کی مدد کے لیے وہاں پہنچو گے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا!'' اس کا لہجہ سرد اور روکھا ہو گیا۔

''پھر میں بھی وہاں پہنچنے کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ تمہارے نزدیک انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھ سے پہلے ان اطراف میں پہنچ جاؤ اور مجھے اپنی گولی کا نشانہ بنادو۔ ایک گواہ مر جائے گا اور چارلی تمہارے ہاتھ آجائے گا۔''

''میں یہ وعدہ ضرور کرسکتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔''

''میں تمہارے کسی وعدے پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ تمہاری طرح مجھ کو بھی اپنی زندگی عزیز ہے۔ مجھے اسی ملک میں رہنا اور مرنا جینا ہے۔ میں نے چارلی سے ہمدردی کر کے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ تم لوگوں کی سوچ اس قدر خودغرضانہ ہے تو میں ہرگز اسے منہ نہ لگاتا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھاگ رہا تھا تو میں اسے بھاگ جانے دیتا۔ زبردستی پکڑ کر اپنے گلے کا ہار نہ بناتا۔ اب میں اس غلطی کا ازالہ کروں گا۔''

وہ کسی طرح اپنے عزائم کا اظہار کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا کہ ایک پاکستانی ہوتے ہوئے بھی مجھے مذہب کی بنیاد پر ان

دونوں سے ہمدردی ہو گئی تھی لیکن وہ پھر بھی بہت محتاط تھا۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی پیشہ ور اور گھاگ ایجنٹ کو شیشے میں اتارنا آسان نہیں تھا لیکن رابطے کی ایک سہولت ہاتھ آجانے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف تھا۔ میں نے اپنی سی پوری کوشش کر لی تھی لیکن کامیابی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ الفا گفتگو کو طول دینا چاہ رہا تھا مگر میں نے ایک مرحلے پر وہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

''تم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔'' الفا سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہو جانے پر اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''مجھے سلطان شاہ پر حیرت ہے۔ یہ اپنے حلق سے کیسی عجیب وحیوانی آوازیں نکال رہا تھا۔ میں کانپ کر رہ گئی تھی۔'' ویرا بولی پھر وہ براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہو گئی ''تم نے مداریوں جیسی یہ حرکتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟''

''یہ سب تمہاری صحبت کا فیض ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''ایسی بے مقصد چیخ و پکار میرے بس سے باہر ہے۔ میں دوٹوک فیصلہ کر کے آر یا پار کر دینے کی عادی ہوں۔ دشمن کی چاپلوسی اور چکر بازیاں میرے مزاج سے میل نہیں کھاتیں۔ یہ تمہارے اور ڈینی کے شعبدے ہیں تم ہی کو مبارک ہوں۔'' ویرا نے کہا۔

''تم کس گیراج سے کرین کا بندوبست کر رہے ہو؟'' میں نے ان دونوں کی گفتگو کو نظرانداز کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

''کئی گیراج ہیں جو دن رات کرین سروس مہیا کرتے ہیں تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' اول خان کی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''ڈیڑھ بجنے والا ہے تم کرین کی بات کرلو۔ میں نکلنے کے لیے تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنی ٹیک چھوڑ دی۔

''تم ابھی تک اپنے ارادے پر اڑے ہوئے ہو؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

میں سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ چاروں میرے لیے فکرمند تھے میں نے اپنے ذہن میں ماضی قریب کے تمام تر واقعات کھنگال ڈالے تھے اور میں مطمئن تھا کہ میرا کسی بھی روپ میں سوبھراج سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں ڈینی کی حیثیت میں اس سے بارہا فون پر گفتگو کرتا رہا تھا۔ ابتدائی بے اعتمادی کے بعد رفتہ رفتہ اسے یہ یقین

ہوگیا تھا کہ میں اس کا بدخواہ نہیں تھا۔ یہ اس کے اعتماد کی انتہا تھی کہ اس نے حادثے میں تباہ ہونے والی سیاہ اکارڈ کی بازیابی کے لیے مجھ سے رجوع کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے ہمیشہ گریزاں رہا تھا۔ وہ میری آواز اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن میرا صورت آشنا نہیں تھا۔ یہ میری قسمت کی خوبی تھی کہ میرے بدترین دشمنوں کے پاس بھی میری کوئی تصویر تھی اور نہ مصدقہ فنگر پرنٹس۔ سوبھراج کے لیے یہ ناممکن تھا کہ مجھے دیکھ کر وہ مجھے پہچان لینے میں کامیاب ہوسکے۔

میرا دوسرا روپ کرنل داور کا تھا۔ میں اس روپ میں راج محل جاچکا تھا۔ وہاں میری سنیل سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان دنوں سوبھراج اپنے گھر میں نہیں تھا اس لیے اس سے میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں کرنل داور بن کر امریکی اداروں کے متعدد اہل کاروں سے مل چکا تھا جن میں سی آئی اے کا ٹام بھی شامل تھا۔ میں نے کرنل داور کے بہروپ کو اتنی کامیابی سے نبھایا تھا کہ ان میں سے کسی کو میری اصلیت پر ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکا تھا۔

ظاہری طور پر اس امر کا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ سوبھراج مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ بالفرض محال ایسا ہو بھی جاتا تو اس صورت میں میرے لیے کوئی فوری خطرہ ہرگز درپیش نہ ہوتا۔ میں اس کا خیر خواہ بنا ہوا تھا۔ انداز ذرا بدل جاتا لیکن میرے پروگرام میں کوئی خلل نہ پڑتا۔

سوبھراج کی پوزیشن اس کے برعکس تھی۔ وہ دنیا کا کوئی بھی بہروپ بدل لیتا، اس کے لیے اپنی ناک کی خم دار بناوٹ کو چھپانا ناممکن تھا۔ اس کی ناک اس کی پہچان کا ایک قدرتی اشتہار بنی ہوئی تھی۔ اسے ہزاروں کی بھیڑ میں الگ سے پہچانا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ منظر عام سے غائب ہوکر انتہائی سخت روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ اپنی ڈاڑھ کی تکلیف سے مجبور ہوکر اس نے اپنی کمین گاہ سے باہر نکلنے کی غلطی کی تھی اور ویرا کی عقابی نگاہوں میں آجانے کے سبب ایک مشکل سے دوچار ہوچکا تھا۔

میں اپنے کمرے سے تیار ہوکر باہر آیا تو اول خان نے بتایا کہ کرین دو بجے تک تباہ حال کار کے پاس پہنچ کر میرا انتظار کرے گی۔

انسان اپنی منصوبہ بندیوں میں ہر اہم نکتے پر ضرورت سے زیادہ دماغ سوزی کرتا ہے لیکن بعض چھوٹی باتوں کو یکسر نظر انداز کردیتا ہے۔ اس وقت میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ میں نے ان سب کے اصرار کے باوجود کسی کو اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کردیا تھا لیکن میری روانگی کا مرحلہ آیا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔

گھر سے کالی اکارڈ تک پہنچنا کوئی بڑا مرحلہ نہیں تھا۔ میں ٹیکسی لے کر آرام سے وہاں پہنچ سکتا تھا اور کالی اکارڈ میں بیٹھ کر، کرین کے سہارے اس ٹھکانے تک پہنچ جاتا جس کا سراغ گاڑی کے ڈیش بورڈ میں موجود کاغذات سے ملتا۔

سوبھراج نے مجھے صرف اتنا بتادیا تھا کہ سیاہ اکارڈ والا ڈیفنس کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا تفصیلی پتا کاغذات میں درج تھا۔ ڈیفنس کا رہائشی علاقہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ شہر کے متمول اور آسودہ حال لوگوں کی ایک پرسکون آبادی ہے جہاں محنت کی روزی کمانے والے تاجروں اور صنعت کاروں سے لے کر سرکاری افسران تک ہر طبقے کے خوش حال لوگ پُر امن بقائے باہمی کے سنہرے اصول کے تحت اپنی چار دیواری میں رہتے ہیں۔ ڈیفنس کے کمرشل علاقوں کے فلیٹوں کو چھوڑ کر وہاں کے ہر مکان میں رہنے والے اپنے اپنے سواری کے وسائل رکھتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ میں لوگوں کی خود کفالت کی وجہ سے آبادی کے اندرونی حصوں میں رکشے نایاب ہیں۔ بڑوں کے گھر آنے والے چھوٹے لوگ اس علاقے میں داخل ہونے کے لیے آٹو رکشے جیسی سواری کو ہتک آمیز تصور کرتے ہیں اور جیب پر ناگوار بوجھ پڑنے کے باوجود ٹیکسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہاں ٹیکسیاں بھی بھولے بھٹکے نظر آتی ہیں، قسمت کی خوبی کی بنا پر ہی کسی پیادے کو بروقت چار پہیوں والی وہ سواری میسر آسکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں طویل مسافت طے کرکے کسی مین روڈ پر پہنچے بغیر کرایے کی سواری کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔

مسئلہ صرف گاڑی پہنچانے کا ہوتا تو میں وہ کام پورا کرکے کرین ڈرائیور کے ساتھ کسی مناسب مقام تک واپس آسکتا تھا۔ اپنے مہم جویانہ مقاصد کے لیے میں سست رفتار کرین پر انحصار نہیں کرسکتا تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد مجھے کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا اور واپسی میں کیا صورت درپیش ہوتی۔

کسی ہنگامی صورت حال میں کرین پر واپسی میرے لیے موت کا پھندا ثابت ہوسکتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ اس مہم کے لیے اپنی گاڑی موجود ہو۔

میں نے شہر میں بہت سی نقصان زدہ گاڑیاں کرین کے پیچھے جاتی ہوئی دیکھی تھیں۔ اس کے لیے گاڑی میں کسی کا موجود ہونا ضروری نہیں تھا۔ میری گاڑی کا بایاں دروازہ پچک چکا تھا۔ سوبھراج نے بھی سفید گاڑی کا ذکر کیا تھا۔ وہ موجود ہوتا تو میری گاڑی کو دیکھتے ہی شک وشبہے کا شکار ہوجاتا۔

میں نے کھڑے کھڑے اس ساری اونچ نیچ کا جائزہ لیا پھر اول خان سے مخاطب ہو کر کہا ''میری گاڑی پہچانی جا سکتی ہے۔ اجازت ہو تو میں تمہاری کار لے جاؤں۔''

''شوق سے!'' اول خان نے سرعت سے اپنی جیب سے چابی نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ میں نے وہ چابی سلطان شاہ کو دے دی ''میرے ساتھ آؤ گاڑی تم چلاؤ گے۔''

میری غیر متوقع ہدایت پر سلطان شاہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا ''میں جوتے پہن کر ایک منٹ میں آتا ہوں۔'' اس نے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

ویرا اور غزالہ کو بھی میرے نئے فیصلے پر حیرت تھی۔ میں انہیں حیران چھوڑ کر باہر نکلا تو سلطان شاہ جوتے پہن کر مجھ سے پہلے گاڑی تک پہنچا ہوا تھا۔

''تم نے اچانک اپنا ارادہ کیوں بدل دیا؟'' گھر سے کچھ دور نکل آنے کے بعد سلطان شاہ سے نہ رہا گیا اور وہ سوال کر بیٹھا۔

''ڈیفنس کے رہائشی علاقے میں اس وقت پبلک ٹرانسپورٹ دستیاب نہیں ہوگی۔ اپنی گاڑی کا ہونا ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

میرا جواب تشنہ تھا لیکن سلطان شاہ سر ہلا کر مطمئن ہو گیا۔ اس کے لیے یہی بات کافی تھی کہ وہ اس مہم میں میرے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

شہر پر رات کا سناٹا محیط ہو چکا تھا۔ سڑکیں خاصی سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ہماری گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہی۔

پرل کانٹی ننٹل اور شیرٹن کی درمیانی سڑک سے گزر کر ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس کے قریب واقع پل پر چڑھے اور اسے عبور کر کے مولوی تمیز الدین خان روڈ پر اتر گئے۔ اس علاقے میں ضرورت سے زیادہ سناٹے کا راج تھا اور کشادہ سڑک دور تک ویران نظر آ رہی تھی۔

اس سڑک پر واقع اکلوتے کراسنگ سے آگے نکلتے ہی مجھے کالی اکارڈ نظر آ گئی۔ وہ کچھ دور سڑک سے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آگے ایک بریک ڈاؤن وہیکل موجود تھی۔ کرین والا ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔

سلطان شاہ نے مناسب فاصلے سے اپنی گاڑی کی رفتار گھٹانی شروع کی اور پھر اسے آہستگی سے اکارڈ کے پیچھے روک دیا۔ عقب سے وہ گاڑی بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی تھی۔

ہم اپنی گاڑی سے اتر کر طاقتور انجن والی اس ڈیزل پک اَپ کی طرف بڑھے جس کے عقبی حصے پر گاڑی کو سڑک سے اٹھا کر کھینچنے والے آلات نصب تھے تو مجھے اندازہ ہوا کہ گاڑی واقعی بری طرح تباہ ہوئی تھی۔

بریک ڈاؤن وہیکل کا ڈرائیور غیر تعلیم یافتہ لیکن مہذب آدمی تھا۔ ہمارے پہنچنے تک اس نے اکارڈ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

میں نے گاڑی کے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر کاغذات کا لفافہ نکالا اور دروازہ بند کر کے ڈرائیور کو گاڑی اٹھانے کی ہدایت دے دی۔

کاغذات پر سرسری نظر ڈالنے پر میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ گاڑی کا رجسٹریشن ڈاکٹر صادق احمد کے نام پر تھا۔ وہ وہی ڈینٹل سرجن ہو سکتا تھا جس کے کلینک سے واپسی پر سوبھراج ویرا کی نظروں میں آیا تھا۔

میں نے کاغذات لفافے میں ڈالے اور سلطان شاہ کے حوالے کر دیے ''انہیں احتیاط سے اپنی گاڑی میں رکھ لو۔''

اس دوران میں ڈرائیور اکارڈ کے دونوں اگلے ٹائر آہنی جھولے میں پھنسا کر بہت پھرتی کے ساتھ سڑک سے کئی انچ اوپر اٹھا چکا تھا۔

میں نے اسے ڈاکٹر صادق احمد کے پتے سے آگاہ کیا اور طے شدہ معاوضے سے دو سو روپے زائد اس کے حوالے کر دیے۔ اس نے جھک کر ادب سے میرا شکریہ ادا کیا اور اپنی پک اپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔ اس سے پہلے وہ اکارڈ کا گیئر اور ہینڈ بریک چیک کر چکا تھا۔

سڑک کشادہ ہونے کے باوجود ایک گاڑی کو ٹو کر کے وہاں سے یوٹرن لینا ممکن نہیں تھا۔ پک اپ کو ریوس کرنے کی صورت میں اکارڈ کو مزید نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ ڈرائیور کو انعام کی رقم پیشگی مل چکی تھی اس لیے وہ محتاط تھا۔ وہ سیدھا چل دیا اور ہماری گاڑی اس کے پیچھے ہو لی۔

اگلا کٹ اس مقام سے بہت دور تھا۔ وہاں سے یوٹرن لے کر وہ صحیح سمت میں چل دیا۔

مائی کلاچی بائی پاس سے ہوتے ہوئے ہم بوٹ بیسن کے علاقے سے گزرے جہاں شام کی بھرپور رونقیں ماند پڑ جانے کے باوجود خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

گزری سے ہو کر ہم ڈیفنس کے قلب میں داخل ہوئے تو سڑکوں پر ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ اسٹریٹ لیمپس نے سڑکوں کو روشن کیا ہوا تھا لیکن راتوں میں محل سراؤں کی طرح جگمگانے والے گھروں پر انرجی سیورز کی ناکافی دودھیا روشنی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

''بجلی کمپنی والے بہت سفاک ہیں دیکھو' گھروں میں

کیسا اندھیرا ہے۔'' اچانک سلطان شاہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''بجلی کمپنی کا کیا قصور ہے' سوئچ گھر والوں کے ہاتھوں میں ہیں چاہیں تو ہر طرف چراغاں کیے رکھیں۔ انہیں کس نے روکا ہے!'' میں نے کہا۔

''برسوں سے چوری کی کھلی چھوٹ تھی اب دیکھ بھال اور پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی ہے۔ بل آتا ہے تو لوگ بلبلانے لگتے ہیں۔ شام کے اخباروں کا کہنا ہے کہ متمول علاقوں میں زیادہ بجلی چوری ہے' غریب چوری کرے گا تو بلب اور پنکھا چلائے گا۔ بڑے گھروں میں ائر کنڈیشنرز سے گرائنڈر تک' ہر چیز بجلی کی کھپت کا ایک گھریلو کارخانہ ہے......''

''یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے میرا خیال ہے کہ ڈرائیور پریشان ہے۔ یہاں سناٹا پڑا ہوا ہے پتا تلاش کرنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

گاڑی روک کر پوچھا گیا تو ڈرائیور واقعی الجھن میں مبتلا تھا کیونکہ وہ اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے اپنی گاڑی آگے نکال لی۔

اکارڈ کی رجسٹریشن بک ایک ڈاکٹر کے نام پر تھی اس لیے اس پر گھر کا پتا بھی قرینے سے درج تھا۔ میں نے وہ ترتیب ذہن میں دہرائی۔ ہم اپنے مطلوب فیز میں پہنچ چکے تھے۔ صحیح سڑک پر پہنچ جاتے تو ذیلی سڑک اور گھر تک آسانی سے رسائی ہوسکتی تھی۔

کچھ دیر کی تلاش کے بعد ہم آخر کار اپنی منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ قرب و جوار کے دوسرے مکانات کے مقابلے میں اس وقت ڈاکٹر صادق کا مکان زیادہ روشن نظر آرہا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کردیا۔ بریک ڈاؤن وہیکل رک گئی مگر اس کا انجن چلتا رہا۔

''تم یہاں سے نہیں ہلو گے۔'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے' سلطان شاہ کو ہدایت دی۔

میرے پہنچنے سے پہلے چوکیدار پھاٹک کھول کر باہر آچکا تھا۔ غالباً اسے پہلے سے بتادیا گیا تھا کہ کچھ دیر بعد کرین گاڑی لے کر وہاں آنے والی تھی۔

چوکیدار کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر اور توانا آدمی اس گھر سے باہر آیا۔ اس کے بدن پر شلوار قمیص موجود تھی اور چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔

وہ کچھ معزز سا آدمی تھا۔ میری طرف کوئی دھیان دیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور اس پر ایک نگاہ ڈال کر چند ثانیوں تک برے برے منہ بناتا رہا پھر مڑ کر چوکیدار سے بولا'' گاڑی یہیں کنارے سے لگوالو' صبح یہ بننے کے لیے جائے گی۔''

چوکیدار کو ہدایت دے کر وہ دوبارہ اندر غائب ہوگیا۔ اس نے ایک بار بھی میری طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرے لیے وہ صورتِ حال انتہائی مایوس کن ثابت ہوئی۔ میرے اندازے کے مطابق باہر آنے والا صادق ہی ہوسکتا تھا۔ مجھے سوبھراج سے ملاقات کی امید پر اوس پڑتی نظر آرہی تھی۔ وہ گھر میں موجود ہوتا تو اخلاقی طور پر اسے اپنے میزبان کے ہمراہ باہر آنا چاہیے تھا تاکہ معذرت کے دو بول ادا کر کے اس کے صدمے کا کچھ ازالہ کرسکے۔

چوکیدار کرین والے کو گاڑی لگانے کے بارے میں ہدایات دے کر میری طرف آیا'' یہ گاڑی تم لے کر آئے ہو؟'' اس نے تفتیشی لہجے میں سوال کیا۔

میری طبیعت ویسے ہی مکدر ہو رہی تھی' میں نے بھنّا کر کہا'' کیا یہاں تمہیں کوئی اور بھی نظر آرہا ہے جو تم مجھ سے یہ سوال کررہے ہو!''

''اوئے برادر! غصہ مت کرو' غصہ حرام ہے۔'' اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا'' یہ گاڑی اتر جائے تو تم صاحب سے مل کر جانا۔''

''تمہارا صاحب ابھی باہر آیا تھا تو مجھ سے کیوں نہیں مل لیا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''بڑے لوگ کا بڑا نخرا ہوتا ہے۔'' وہ میرے قریب ہوکر سمجھانے والے' رازدارانہ لہجے میں بولا'' ابھی وہ تم سے گھر میں ملے گا۔''

چوکیدار پل بھر میں میرا دوست نہیں بن گیا تھا۔ وہ ایک طبقاتی رویہ تھا جس کا مظاہرہ ہر قدم پر سامنے آتا رہتا ہے۔ اپنے مالک کا وفادار اور خدمت گزار ہونے کے باوجود وہ ذہنی طور پر اس سے بہت دور تھا۔ موقع پاتے ہی اس نے میرے سامنے ایک ہلکی بات کہہ ڈالی تھی کیونکہ وہ اپنے مالک کے مقابلے میں مجھے خود سے قریب تر محسوس کررہا تھا۔

گاڑی کو احاطے کی دیوار کے ساتھ قرینے کے اتار کر بریک ڈاؤن وہیکل چلی گئی اور چوکیدار مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہوگیا۔

وہ مکان کافی وسیع وعریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ تباہ حال اکارڈ باہر کھڑی ہوئی تھی۔ اندر بغلی پورچ میں دو چمکتی ہوئی بیش قیمت گاڑیاں موجود تھیں۔

چوکیدار نے مجھے برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی ایک کرسی پر بٹھایا اور خود واپس اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

مجھے وہاں بیٹھے کئی منٹ گزر گئے۔ اندر سے کوئی آیا نہ مجھے بلایا گیا۔ میرے اعصاب پر سخت بے چینی سوار ہونے لگی۔ میں خود پر جبر کیے سکون سے بیٹھنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال کلبلا رہا تھا کہ کوئی کہیں چھپ کر پوری رازداری سے میرا جائزہ لے رہا ہے۔

اگر سوبھراج اسی چار دیواری میں موجود تھا تو وہ میرے سامنے آنے سے پہلے یہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ اسے میری ذات سے کوئی خطرہ تولاحق نہیں تھا۔

اعصاب شکن لمحات آہستہ آہستہ گزرتے رہے اور پھر میرے عقب سے ایک ہلکی مردانہ آواز ابھری ''اندر آجاؤ!''

وہ آواز سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ سوبھراج کی آواز میں ہزاروں آوازوں میں پہچان سکتا تھا۔

میں نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر اطمینان سے کرسی چھوڑ دی۔ میں کھڑا ہونے کے بعد اپنے قدموں پر گھوما تو ایک دروازہ کھلا ہوا تھا مگر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ آڑ میں ہو گیا تھا۔

میں چوکیدار کے ساتھ برآمدے میں پہنچا تو وہ دروازہ بند تھا۔ سوبھراج نے میری بے خبری میں وہ دروازہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھولا تھا۔

میں چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا اس دروازے میں داخل ہوا تو بہت کشادہ اور آراستہ ڈرائنگ روم میرے سامنے تھا۔

ڈرائنگ روم کی شوکت و وسعت سے کہیں زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ایک صحت مند، تندرست اور قدآور شخص صوفے پر بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشیانہ چمک تھی۔ اس کے چہرے پر سیاہ و سفید کھچڑی جیسی داڑھی تھی جو یقینی طور پر مصنوعی نہیں تھی اور اس کی ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے خم کھائی ہوئی تھی۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ سوبھراج تھا۔

اس نے خود کو چھپانے کے لیے روپوشی کے دنوں میں داڑھی بڑھالی تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کچھ دنوں بعد وہ اسے قرینے سے ترشوالیتا تو وہی روپ دھار لیتا جو حشمت کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ ویرا نے سچ کہا تھا کہ اپنی ناک کی بناوٹ کو چھپانا اس کے بس سے باہر تھا۔

پہلا جھٹکا اس کی آواز سن کر لگا تھا۔ اس پر نظر پڑنے کے بعد میرے دل کی حالت زیر و زبر ہو گئی، ہاتھوں میں خارش ہونے لگی۔ ایک روپوش مجرم یکا یک میرے سامنے آچکا تھا اور میری دسترس میں تھا۔ میرا جی چاہا کہ چھلانگ لگا کر اس پر ٹوٹ پڑوں اور اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں بھرا ہوا زہر اس کے توانا جسم کی رگوں میں اتار کر پل بھر میں اسے جہنم واصل کر دوں مگر وہ میری طرف سے غافل نہیں تھا۔ ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد اور چوکنا نظر آرہا تھا۔

میں نے بمشکل اپنے وجود میں ابھرنے والے طوفانی غبار پر قابو پایا اور ہموار چال چلتا ہوا اس کے مقابل ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟'' سوبھراج نے اپنی بھاری مگر دھیمی آواز میں پوچھا۔

''تمہاری گاڑی لائی گئی ہے تو تمہیں اپنے سوال کا جواب معلوم ہونا چاہیے۔'' میں نے براہِ راست جواب دینے کے بجائے ہلکی سی ناگواری سے کہا ''وہ خود نشے میں مست ہو کر گہری نیند سو رہا ہوگا۔ تمہاری گاڑی کے چکر میں اس نے میری رات برباد کرادی۔''

میں نے اسے راہ دینے کے لیے جان بوجھ کر بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ بولا'' خاموشی اور غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس کے لبوں کو جنبش ہوئی ''میں معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہاری رات کالی ہوئی مگر میرا یہ کام ہونا ضروری تھا۔ اس نے تمہیں اس بارے میں بتا دیا ہوگا۔''

''وہ کسی کو کام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتا۔ بس یہ کہا تھا کہ کوئی آدمی رقم دے تو وہ لے لوں۔ خود سے کوئی بات نہ کروں۔ تم نہ کریدتے تو میں یہ بات بھی نہ بتاتا۔ تمہیں کچھ دینا ہے یا میں واپس چلوں!'' میں اس سے آواز بدل کر بات کر رہا تھا۔

وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اس کے چہرے پر لحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخری سوال کرنے سے پہلے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میری اکھڑی اکھڑی باتوں کی وجہ سے وہ میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

''آرام سے بیٹھو، رات خراب ہو گئی ہے تو ذرا سی دیر سویر.... سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے کرین کے خرچ اور تمہارے انعام کے علاوہ اس کے دس ہزار روپے بھی لوٹانے ہیں۔ میری اس سے فون پر بات ضرور ہوئی ہے مگر مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہے۔''

انعام کا ذکر کر کے اس نے مجھے لالچ دیا تھا۔ میں نے ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا ''نام نہیں جانتے تو کیا فرق پڑتا ہے

تمہارا کام ہوگیا' ویسے وہ کوئی پردے دار آدمی نہیں ہے۔ آج کل وہ شہر میں اونچی بدمعاشی کررہا ہے۔"

"کون ہے وہ...... نام بتادو اس کا!" وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بننے کے اداکاری کررہا تھا۔ شاید آزما رہا تھا کہ میں اپنے مالک کا کتنا وفادار ہوں۔

"ڈینی!" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بے پروائی سے کہا" آج کل میں اس کے لیے کام کررہا ہوں۔ ذرا میرا وقت بگڑ گیا ہے۔ چند مہینے پہلے دس بارہ آدمی میرے لیے کام کرتے تھے۔ اب میں ڈینی کا ملازم ہوں۔"

اس نے اپنی جیب سے نئے نوٹوں کی دوگڈیاں نکال کر مجھے دکھائیں اور اپنی گود میں رکھنے کے بعد بولا" سو والی گڈی ڈینی کو پہنچانی ہے تم چاہو تو پانچ سو والی پوری گڈی یعنی پچاس ہزار تمہارے ہوسکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" میں نے ندیدے پن کے ساتھ بے ساختہ سوال کیا۔

سوبھراج کی آنکھوں کی چمک تیز ہوگئی" تمہارے لیے بہت آسان کام ہے۔ پہلے رضامندی ظاہر کردو پھر میں تمہیں طریقہ بھی بتادوں گا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ میری بات سن کر تم کام کرنے سے انکار کردو اور میں مشکل میں پڑ جاؤں۔"

"الٹی بات ہے لیکن تم نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کمزور آواز میں کہا" پچاس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی کیا تمہیں کسی کو اٹھوانا ہے؟"

"تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا' سارا کام میں خود کروں گا' تمہیں میری رہنمائی کرنی ہے۔"

میں نے چند لمحوں کے لیے خاموش ہوکر سوچنے کی اداکاری کی پھر تذبذب کے ساتھ کہا" اتنے آسان کام کے لیے کوئی پچاس ہزار جیسی رقم نہیں پھینک سکتا۔ پہلے تم کام بتاؤ اس کے بعد میں جواب دوں گا۔ یہ مرد کا وعدہ ہے کہ ہمارا سودا نہ بنا تو تمہاری بات باہر نہیں جائے گی۔"

"ڈینی تمہارا باس ہے۔ تم اسے بتانے پر مجبور ہوجاؤ گے۔" سوبھراج نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"وہ باس ضرور ہے مگر مجھے زیادہ منہ نہیں لگاتا۔ مجھے کیا ضرورت ہے جو اسے ہر بات بتاؤں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔ میں ڈینی کے ساتھ خوش نہیں ہوں۔ بس تم اپنا وقت گزار رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پچاس ہزار میرے لیے کوئی نیا راستہ کھول دیں۔"

"یہ تمہارا پکا وعدہ ہے؟" اس نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"پکا وعدہ!" میں نے پرزور لہجے میں جواب دیا" زیادہ شک میں نہ پڑو اور کام بتاؤ۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو!" وہ اصل معاملے پر اپنی لب کشائی سے پہلے پورا یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں اسے دھوکا نہیں دوں گا۔ وہ کہہ رہا تھا" میرے کام کا تعلق ڈینی کی ذات سے ہے!"

"یہ یاد رکھنا کہ میں اسے مار سکتا ہوں نہ اغوا کرسکتا ہوں۔"

"تم نے یہ باتیں کہہ کر میرا دل خوش کردیا۔ تم دلیر آدمی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ کسی کو مروانے کے لیے پچاس ہزار کی رقم کم ہے۔ میں تم کو بتا چکا ہوں کہ کام میں خود کروں گا۔ تم مجھے اپنی گاڑی میں پوری رازداری کے ساتھ اس ٹھکانے تک پہنچا دو۔ جہاں ڈینی نشے میں دھت ہوکر مدہوش پڑا ہوا ہے۔"

"اوہ!" میں نے تحیرزدہ انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر کہا "تم ڈینی تک پہنچنا چاہتے ہو۔ ابھی تمہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تمہاری گاڑی کس نے بھجوائی ہے۔ اب اس کے بارے میں تمہارے تیور اچھے نظر نہیں آرہے۔ کیا اس سے تمہارا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔"

"فی الحال یہی سمجھ لو۔" سوبھراج نے گول مول جواب دیا" یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"تم ادھر کب جانا چاہتے ہو؟" میں نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"ابھی...... اسی وقت!" اس نے زور دے کر کہا" اس وقت وہ نشے میں غافل پڑا ہوا ہے۔ بعد میں اس سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں نے کہا ہے نا کہ میں تمہاری گاڑی میں جانا چاہتا ہوں۔"

شکار خود میرے دام میں آرہا تھا۔ اسے قابو میں کرنے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ آنا ممکن نہیں تھا۔ وہ شاید اس بارے میں پہلے سے اپنے ذہن میں منصوبہ تیار کیے بیٹھا تھا۔ میں نے فون پر اسے بتایا تھا کہ میرے پاس چھوٹے موٹے کاموں کے لیے وقت نہیں تھا۔ میرا ارادہ لمبی تان کر سونے کا تھا۔ میرا کوئی آدمی ڈیڑھ بجے کے بعد گاڑی جائے حادثہ سے اٹھوا کر متعلقہ آدمی تک پہنچا دے گا۔

سوبھراج مجھے میرا بھیجا ہوا آدمی سمجھ رہا تھا۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی اس نے مجھے ٹٹولنے کی کوششیں شروع کردیں۔ وہ اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے پہلے اندازہ

لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کس حد تک ڈینی کا وفادار تھا۔
میں نے اس کی نیت بھانپ کر اسے راہ دینے کا فیصلہ کرلیا اور یوں وہ خود بخود میرے دام میں آتا چلا گیا۔
وہ خود اپنے قدموں پر چل کر پنجرے کی طرف جانے پر آمادہ تھا اس لیے گھر میں اس سے لڑائی بھڑائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسے اول خان کی گاڑی کی اگلی سیٹ پر، سلطان شاہ کے برابر میں بٹھاؤں گا اور خود عقبی نشست سنبھال لوں گا۔
راستے میں کہیں بھی میں پیچھے سے اس کی گردن پر انگوٹھی کا وار کرکے اسے بے ہوشی کی اتھاہ دلدل میں پہنچا سکتا تھا۔
بے ہوشی کی حالت میں اسے پورے اطمینان کے ساتھ کہیں بھی پہنچایا جاسکتا تھا۔ ایس ٹی ایف کا کیس صاف ہوچکا تھا لیکن اسے فعال ہونے کا پروانہ نہیں ملا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا تھا کہ بے ہوش کرنے کے بعد سوبھراج کو میں پہلے اپنے گھر لے جاؤں گا تاکہ سب دیکھ لیں کہ ہمارا بلکہ ملک کا ایک بدترین دشمن کتنی آسانی کے ساتھ میرے چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ وہاں سے اسے صدف مینشن پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوجاتا۔ آئی بی والے اس کے کرتوتوں سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اپنے روایتی طور طریقوں سے اس سے سب کچھ اگلوا سکتے تھے۔
اس پورے معاملے میں ایک نکتہ ایسا تھا جو مجھے مسلسل ستا رہا تھا۔
اپنی اصل حیثیت میں سوبھراج کے ساتھ میرے ٹیلی فونک مراسم بہت مضبوط بنیادوں پر استوار تھے۔ وہ میرے سامنے آنے سے کتراتا رہتا تھا۔ بالمشافہ ملاقات سے قطع نظر وہ میرے اوپر کامل بھروسا کرنے لگا تھا۔
یہ اس کے اعتماد کی انتہا تھی کہ کار کے حادثے سے دوچار ہونے کے بعد اسے کار کی خفیہ بازیابی کے لیے پورے شہر میں صرف میری ذات نظر آئی تھی۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ رات گئے کام مکمل ہوجانے کی خوش خبری سنادی تھی۔
میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس دوران میں ایسی کیا بات ہوگئی تھی کہ سوبھراج سب کچھ بھول بھال کر یکایک میرا دشمن ہوگیا تھا اور اپنی دانست میں میرے بھیجے ہوئے آدمی کو مجھ سے توڑنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا تھا۔
میں اس نکتے پر ہر پہلو سے سوچ رہا تھا۔ سوبھراج کے رویے میں انقلابی تبدیلی کا کوئی سبب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ گھوم پھر کر صرف ایک بات میرے دماغ میں چکرا رہی تھی۔ اس کا تعلق میری کسی غلطی سے نہیں بلکہ سوبھراج کی اپنی سوچ سے تھا۔
اس نے ویرا کو حبس بے جا میں رکھ کر وہ راز امریکی ایجنسیوں سے چھپایا تھا۔ اسی سنگین غلطی کو غداری قرار دے کر اسے جہنم واصل کرنے کی کوششیں شروع کی گئی تھیں۔
ابتدا میں سوبھراج کو اپنی طاقت اور تعلقات کے بارے میں گھمنڈ تھا۔ وہ جذبات کی رو میں آکر قانون کے سامنے ڈٹ گیا۔ خود کو ملکی قانون کے حوالے نہ کرنے کے نتیجے میں اسے روپوش ہونا پڑا اور رفتہ رفتہ وہ سہ رخی خطرات میں گھرتا چلا گیا۔
ایک طرف پاکستانی قوانین کے محافظوں کو شدت سے اس کی تلاش تھی، دوسری طرف را کے الفا نے اس پر اپنے شکوک و شبہات کا برملا اظہار کرکے کسی بھی قسم کی بھارتی امداد کے راستے بند کردیے تھے اور تیسری طرف ایف بی آئی اور سی آئی اے والے اس کے خون پیاسے ہورہے تھے۔
خود کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے اس نے مجھے ملک سے نکل بھاگنے کے اشارے دیے تھے جنہوں نے مجھے فکرمند کردیا تھا۔ را والے اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ امریکی ایجنسیاں تھیں جن کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔
اپنے کارکنوں پر اپنے نظم و ضبط کی ہیبت اور دہشت برقرار رکھنے کے لیے وہ سوبھراج کو عبرت کا نشان بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاتا، وہ لوگ آخر کار اس کا کھوج نکال کر اسے پیوندِ زمین کردیتے۔
شاید وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس وقت امریکا کے مطلوب ملزموں کی فہرست میں میرا نام سب سے اوپر تھا، اگر وہ کسی طرح مجھے مارنے میں کامیاب ہوجاتا تو ایف بی آئی والے اس کے پچھلے گناہ کو معاف کرسکتے تھے۔
میرے خون سے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرکے اگر اسے ایف بی آئی والوں سے معافی مل جاتی تو وہ پاکستان سے باہر بہت سکھ چین کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکتا تھا۔ ورنہ اسے دنیا کے کسی گوشے میں خوف و دہشت کے سایوں سے نجات نہیں مل سکتی تھی۔
''تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟'' سوبھراج نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا ''مجھے بھی واپس آکر آرام کرنا ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا جو اس نے قالین سے اٹھایا تھا۔
''تم ایک عزت دار شہری نظر آتے ہو۔'' میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے جواب دیا ''میری سمجھ میں نہیں آرہا

کہ ڈینی جیسے بدمعاش سے تمہارا کیا جھگڑا ہوسکتا ہے۔''
''اپنے دماغ پر اتنا زور نہ دو!'' میرے قریب آ کر اس نے نئے نوٹوں کی دونوں مہکتی ہوئی گڈیاں میرے حوالے کردیں ''یہ یاد رکھو کہ ہر بدمعاش کسی نہ کسی شریف کے پیسے پر پلتا ہے۔'' ڈینی نے بہت سے شریفوں کی پگڑیاں اچھالی ہیں۔ وہ مفرور اور روپوش مجرم ہے......''
''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے گڈیاں اپنی جیب میں اڑستے ہوئے اس کی بات کاٹ دی ''امریکیوں نے اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بہت بڑا انعام رکھا ہوا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے لیکن کوئی اسے نہیں پکڑواتا۔ مجھے دیکھ لو۔ میں اس فرعون سے نفرت کرتا ہوں لیکن اس کے خلاف مخبری نہیں کرتا۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''
''تم زیرزمین دنیا کے آدمی ہو۔ تمہیں اسی میں زندگی گزارنی ہے۔ تم ان اصولوں کی پاسداری پر مجبور ہو۔ میں ان کا پابند نہیں ہوں اور پھر میں کب اس کی مخبری کررہا ہوں یا اسے امریکیوں کے پاس لے جارہا ہوں۔ میرا اپنا حساب ہے جو میں اس سے بے باق کرنا چاہتا ہوں۔''
''تم کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ تم اسے مارنا چاہتے ہو!''
''مرنے یا زندہ رہنے کا فیصلہ اس کا اپنا ہوگا۔'' سوبھراج کی آواز میں سفّاکی اتر آئی ''میں اس سے کچھ باتیں کرنے کے لیے جارہا ہوں۔''
''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تک وہ نشے میں دھت ہوچکا ہوگا۔ ایک مدہوش آدمی سے تم کیا بات کرسکو گے؟''
''مجھے دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ ہاں، یہ بھی سن لو کہ ڈینی اپنی کسی حرکت کی وجہ سے میرے ہاتھوں مارا گیا تو پورے ساٹھ ہزار تمہارے ہوجائیں گے ورنہ پچاس پکے ہیں۔''
''آج کل میرے لیے ایک ایک پیسا بہت اہم ہے۔ میں تمہاری کامیابی کی دعا کروں گا۔''
میرے جواب پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ ڈینی کا ایک آدمی پوری طرح اس کی مٹھی میں آچکا تھا۔
ہم دونوں باہر نکلے کیوں کہ ہماری گاڑی اندر نہیں آئی تھی۔ سوبھراج کالی اکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ سوبھراج کو میرے ساتھ آتا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ بھونچکا رہ جائے گا۔
سلطان شاہ اپنی گاڑی سے باہر کھڑا ہوا میری واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ ہم دونوں کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ میں گھس گیا۔ شاید وہ اس طرح سوبھراج سے اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کررہا تھا۔
میں نے بڑھ کر سوبھراج کے لیے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔
''تم آگے بیٹھ جاؤ، میں پیچھے بیٹھنے کا عادی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے عقبی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔
سوبھراج کی اس حرکت سے مجھے مایوسی ہوئی۔ اس کے پیچھے رہ کر میں اس کی بے خبری میں کسی بھی لمحے اس پر وار کرسکتا تھا۔ اس کے پیچھے بیٹھ جانے سے وہ امکان معدوم ہوگیا تھا۔ پیچھے بیٹھ کر وہ ہر لمحے ہم دونوں پر نظر رکھتا۔ میرے لیے پلٹ کر اسے زیر کرنا آسان نہیں ہوسکتا تھا۔
سوبھراج کو بے ہوش کرکے گھر اور پھر صدف مینشن لے جانے کا منصوبہ التوا کا شکار ہوتا نظر آرہا تھا۔ سوبھراج کے فیصلے کی وجہ سے پہل کرنے کا موقع میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مجھے اپنے وار کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا۔ موقع نہ ملنے کی صورت میں اسے کسی ویرانے میں لے جاکر زبردستی بے ہوش کیا جاسکتا تھا۔
سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو حرکت میں لاچکا تھا مگر اسے منزل کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد جو کچھ ہوا تھا اس میں میری کسی پیشگی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سوبھراج کی نیت بھانپ کر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ جو ہونا تھا وہ خودبخود ہوتا چلا جارہا تھا۔ اس کے نتیجے میں ہم تینوں اس کار میں یکجا ہوچکے تھے۔
سلطان نے مختصر وقفے سے دومرتبہ دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں کئی سوال مچل رہے تھے لیکن وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔
''شارع فیصل سے ماڈل کالونی کی طرف چلو!'' میں نے اسے ہدایت دی اور اس نے گاڑی کی رفتار یکایک تیز کردی۔
''ماڈل کالونی!'' پیچھے سے سوبھراج کی تحیر زدہ آواز ابھری ''یہ وہی علاقہ ہے جو آگے جاکر ملیر چھاؤنی سے مل جاتا ہے؟''
''تم ٹھیک سمجھے...... ہم چھاؤنی سے پہلے کالونی میں داخل ہوجائیں گے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا ''ڈینی تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ آج وہ ماڈل کالونی میں ہے۔''
''کوئی حرج نہیں۔ اس کی تلاش میں، میں کہیں بھی

جا سکتا ہوں۔'' سوبھراج نے پرسکون انداز میں جواب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے لہجے کی تہ میں چھپی ہوئی بے آرامی مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

سفر جاری رہا۔ گاڑی میں سکوت چھایا رہا۔ سوبھراج خاموش تھا، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کو کس موضوع میں الجھاؤں کہ وہ مسلسل بولتا رہے۔

پھر میرا ذہن اس چھوٹے بریف کیس کی طرف منتقل ہوگیا جو اچانک سوبھراج کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ صوفے کے برابر میں قالین پر رکھا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ ابتدا میں میری نظروں میں نہیں آسکا تھا۔

وہ عام بریف کیس سے نصف اور قدرے پتلا تھا۔ سوبھراج جس انداز میں اسے اپنے ساتھ لایا تھا اس کی بنا پر مجھے شبہ ہورہا تھا کہ وہی اس کا سیٹ لائٹ فون تھا جسے وہ ہمیشہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

''تمہارا بریف کیس بہت چھوٹا اور شان دار ہے۔ میں نے آج سے پہلے یہ سائز نہیں دیکھا۔'' میں نے اور کوئی موضوع نہ پاکر وہی ذکر چھیڑ دیا۔

''ہاں...... یہ میں نے آرڈر دے کر بنوایا ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دے کر بات ختم کردی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر محسوس کیا کہ میری طرح اس کا ذہن بھی الجھا ہوا تھا۔

''خالص چرمی معلوم ہوتا ہے!'' میں نے زبردستی بات آگے بڑھانی چاہی۔

''ہاں!'' سوبھراج نے ایک لفظ میں بات وہیں ختم کردی۔

گاڑی میں دوبارہ گمبھیر خاموشی چھا گئی۔ مجھے بے نام سی خلش ستارہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس بے آرامی سے کیسے نجات مل سکے گی۔

جب گاڑی گورا قبرستان سے شارع فیصل پر داہنی طرف مڑرہی تھی تو سوبھراج یکایک بول پڑا ''ذرا دو منٹ کے لیے یہاں گاڑی روک لو مجھے پیشاب آرہا ہے۔''

اس کی فرمائش بہت بے ساختہ اور سرسری تھی۔ کوئی سبب نہیں تھا کہ گاڑی روکنے سے انکار کیا جاتا۔ سلطان شاہ نے گاڑی بائیں طرف کنارے سے لگا کر روک دی۔

سوبھراج اپنے بریف کیس سمیت گاڑی سے اترا تو میں خاموش نہ رہ سکا ''بریف کیس کہاں لیے جارہے ہو؟ گیلا ہوجائے گا ہم اسے لے کر نہیں بھاگیں گے۔''

سوبھراج اچانک پلٹا اور فضا دو فائروں کے ہولناک دھماکوں سے گونج اٹھی۔ اس نے نہ جانے کب اور کہاں سے ایک پستول نکال لیا تھا۔ فائر بہت قریب سے کیے گئے تھے جو مہلک ثابت ہوسکتے تھے لیکن سوبھراج یکا یک کچھ اعصاب زدہ سا ہوگیا تھا، ایک گولی ہوا میں تیرتی ہوئی دور نکل گئی دوسری گولی نے میری سمت کی کھڑکی سے ونڈ شیلڈ کو چکنا چور کردیا۔ اگر ہم دونوں بروقت نیچے نہ جھک گئے ہوتے تو دوسری گولی میرے جسم کے کسی اوپری حصے کو ضرور چاٹ جاتی۔

سوبھراج میری طرف اترا تھا اس لیے میں نے سیدھا ہونے میں ذرا ہچکچاہٹ سے کام لیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ نشانے پر تیسرا فائر کرنے کے انتظار میں وہیں کھڑا ہوا تھا یا اندھا دھند دو فائر کرکے کسی سمت میں بھاگ نکلا تھا۔

سلطان شاہ مجھ سے پہلے اپنا دروازہ کھول کر ایک پستول سمیت باہر رینگ گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے بائیں طرف تین فائر کیے تھے۔ وہ تینوں کارگر نہیں ہوسکے۔ ان فائروں کے سائے میں میں بھی گاڑی سے اتر آیا۔

سوبھراج ناہموار میدان میں دور بھاگا جارہا تھا۔ نیم تاریکی میں اس کا دراز قامت سایہ بہت نمایاں نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں نے پوری طاقت سے اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔ وہ ہم سے کافی دور نکل چکا تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جستی چادروں والے احاطے کے قریب پہنچا اور زمین پر تقریباً لیٹ کر نچلے خلا میں سے دوسری طرف غائب ہوگیا جہاں گہری تاریکی کا راج تھا۔ ہم دونوں چادروں والے احاطے تک پہنچے، میں نے جھک کر نیچے سے دوسری طرف جھانکا۔ وہاں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں دور تک کسی انسانی ہیولے کا نام و نشان نہیں تھا۔ آوارہ کتوں کی چند ٹولیوں نے میدان میں ڈیرا جمایا ہوا تھا۔

چادروں سے گھرا ہوا میدان بہت وسیع تھا۔ ان دنوں گورا قبرستان پر فلائی اوور کی داغ بیل نہیں پڑی تھی لیکن اس منصوبے کی ابتدا کے لیے ضروری زمین کی حد بندی شروع ہوچکی تھی۔ جستی چادروں سے گھرا ہوا علاقہ بہت سی ناجائز تعمیرات کے انہدام کے بعد وجود میں آیا تھا۔ تجاوزات کی نئی کھیپ سے بچانے کے لیے اس علاقے کے گرد ایک عارضی احاطہ کھڑا کردیا گیا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ چند منٹ میں سوبھراج وہ میدان پار کرکے دوسری طرف نکل گیا ہو۔ وہ اندھیرے اور چادروں کی باڑھ کا فائدہ اٹھا کر کہیں دبک گیا تھا۔ ہم اس طرف داخل ہونے کی کوشش کرتے تو اس کی چلائی ہوئی کسی گولی کا شکار ہوسکتے تھے۔

رات کے تین بجنے والے تھے۔ ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ مگر ہماری گاڑی شہر کی ایک اہم ترین شاہراہ کے کنارے

کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں کئی گولیاں چل چکی تھیں۔ وہ آوازیں سن کر پولیس کی کوئی گشتی گاڑی ادھر آسکتی تھی۔ میں نے تیزی سے گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی اور پولیس کی مداخلت سے پہلے ہم اپنی گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

مجھے سوبھراج کے ہاتھ آکر نکل جانے کا گہرا قلق تھا۔ اسے خوش اسلوبی کے ساتھ ڈھیر کرنے کے چکر میں' میں نے اسے بہت مہلت دے ڈالی تھی۔

ابتدا میں وہ جوش میں آکر ڈینی کو مارنے کے لیے میرے ساتھ چل پڑا تھا لیکن راستے میں ماڈل کالونی کا ذکر سن کر اس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ وہ مصائب میں گھرا ہوا تھا۔ ایک اشارہ ملتے ہی اس کی کھوپڑی سے خوش فہمی کی نقاب سرک گئی اور جوں جوں وہ اپنی ناکامی کے نتائج پر غور کرتا چلا گیا اسے یہ احساس ہونے لگا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک چوہے دان میں پھنسنے جا رہا تھا۔ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اسے پہلا اور بدیہی خطرہ یہ محسوس ہوا ہو گا کہ رقم میرے ہاتھ میں آچکی تھی۔ میں منزل پر پہنچ کر سوبھراج سے آنکھیں پھیر لیتا تو میں ہر طرح فائدے میں رہتا۔ رقم کے ساتھ ڈینی کی خوشنودی بھی میرا انعام بن جاتی ہے۔ میں اپنے وعدے پر قائم رہتا اور اسے ڈینی تک لے جاتا تو یہ ممکن نہ ہوتا کہ سوبھراج ڈینی کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر کے وہاں سے زندہ نکل جاتا۔

ان منفی امکانات نے اس کا دماغ الٹ دیا اور بہانے سے ہماری گرفت سے نکل بھاگا۔ جب تک ہمارا سفر اطمینان سے جاری تھا' مجھے سب کچھ ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔ سوبھراج کے فرار ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر ہماری گاڑی کی طرف آتے ہوئے وہ میرے بہترین نشانے پر تھا۔ میں جب چاہتا اسے بے ہوش کر سکتا تھا مگر ڈاکٹر صادق کے چوکیدار کی گیٹ سے باہر موجودگی کی وجہ سے میں نے وہ موقع ضائع کر دیا۔

سوبھراج کسی نرم و نازک وجود کا نام نہیں تھا۔ جسے آرام سے بانہوں پر سنبھالا جا سکتا۔ بے ہوش ہوتے ہی اس کا بھاری وجود کسی کٹتے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گرتا' ایسی حالت میں اسے چند گز دور لے جانا آسان نہ ہوتا۔ چوکیدار ہماری طرف متوجہ ہو جاتا اور کھیل وہیں خراب ہو جاتا۔ اس خوف نے مجھے پیش قدمی سے روک دیا تھا۔

ویسے فضا پرسکون تھی لیکن گاڑی کی رفتار کی وجہ سے گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ میں سے آنے والی تیز ہوا براہِ راست میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ ہم ہوا کے تھپیڑوں میں تیزی کے ساتھ گھر کی طرف بڑھتے رہے۔

اس ناکامی کے صدمے سے میرا دماغ ماؤف تھا۔ سلطان شاہ کو بھی چپ لگی ہوئی تھی۔ اتنا بڑا واقعہ رونما ہو گیا تھا لیکن ہمارے درمیان اس بارے میں ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ دونوں خاموش اور سوگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ہم کسی روک ٹوک کے بغیر گلشن اقبال کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ جب ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے ذرا دور تھے تو اسنیپ چیکنگ پر مامور موبائل کے باوردی عملے نے ہماری گاڑی روک لی۔

ونڈ اسکرین چکنا چور تھی اس کا وسطی حصہ نکل کر اندر اور باہر گر چکا تھا۔ ٹوٹے ہوئے کنارے ربڑ میں پیوست رہ گئے تھے۔ اس حالت میں وہ کار دور ہی سے مشتبہ نظر آرہی تھی۔ گاڑی میں ڈاکٹر صادق کی اکارڈ کے کاغذات موجود تھے۔ سلطان شاہ کا پستول میں نے دیکھ لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اول خان کی گاڑی کی نشستوں کے نیچے کچھ نہ کچھ ہتھیار موجود ہوں گے۔ میرا خون خشک ہونے لگا کہ اب ہم ایک نئی الجھن میں گرفتار ہو جائیں گے' جس میں ہمارا کافی وقت برباد ہو گا۔ یہ بات بہرحال یقینی تھی کہ اول خان کی مداخلت کے نتیجے میں ہم کسی بڑی پریشانی سے بچ سکتے تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کسی سپاہی کے بجائے ایک اے ایس آئی ہماری طرف آیا۔ اس نے آتے ہی ہم دونوں کو گاڑی سے اترنے کی ہدایت کی جس کی فوری تعمیل کی گئی۔

''یہ کس کی گاڑی ہے؟'' اے ایس آئی نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا۔

اس پولیس افسر کے لہجے میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ میں مداخلت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے سلطان شاہ کے بولنے سے پہلے کہا ''یہ ایس ٹی ایف کے اول خان کی گاڑی ہے جو ہم نے ایک کام کے لیے مستعار لی ہوئی ہے۔''

''ہوں'' اس نے ذومعنی ہنکار بھر کر اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں ''میں اس گاڑی کے ساتھ اس کے مالک کو بھی پہچانتا ہوں۔ اس سے بات کر کے تمہیں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ کچھ دیر بعد ہم کام ختم کر لیں گے تو تم کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔''

''کیا تھانے میں ہمارے خلاف ضابطے کی کوئی کارروائی ہو گی۔''

''میں وہاں سے اول خان کو فون کروں گا'' اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر اس کے سامنے کر دیا ''وہ ہمارے گھر پر بیٹھا ہوا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کے موبائل نمبر پر بات کر لو۔''

اسے اول خان کا نمبر زبانی یاد تھا۔ نمبر ملا کر اس نے ادب اور اخلاق کے ساتھ اول خان کو صورت حال بتائی۔ اس نے فون پر مجھ سے مختصر سی بات کی اور میں نے فون دوبارہ پولیس افسر کو لوٹا دیا۔ دونوں میں کچھ دیر تک پشتو میں بات ہوتی رہی۔ اے ایس آئی کا انداز بتا رہا تھا کہ اول خان سے اس کے گہرے نیاز مندانہ مراسم تھے۔

وہ مذاکرات ختم ہوتے ہی ہمیں روانگی کی اجازت مل گئی۔ میں نے اس گلوخلاصی پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اے ایس آئی اول خان کا شناسا نہ ہوتا تو وہ بات کافی زیادہ طول کھینچ سکتی تھی۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں کی فضا ہی بدلی ہوئی تھی۔ وہ تینوں خوف اور سنسنی کے عالم میں گھر سے باہر پورچ میں کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

پولیس افسر سے اول خان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمیں حسن اسکوائر کے قریب روکا گیا تھا۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ ہمیں چند منٹ میں گھر واپس پہنچ جانا چاہیے۔

باہر گاڑی رکتے ہی تینوں باہر آئے تھے۔ گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ کو انہوں نے تشویش زدہ نظروں سے دیکھا لیکن مجھے اور سلطان شاہ کو صحیح سالم دیکھ کر ان کے چہروں سے تشویش کے سائے چھٹ گئے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ویرا اور غزالہ نے ہم دونوں پر سوالات کی یلغار کر دی۔ تجسس کی علامات اول خان کے چہرے سے بھی عیاں ہو رہی تھی مگر وہ ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ خاموش تھا۔ اسے معلوم تھا کہ دونوں عورتیں خود ہی کرید کرید کر مجھ سے ساری تفصیلات اگلوا لیں گی۔ اس لیے اسے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''تم بتاتے کیوں نہیں کہ کیا ہوا تھا۔ گاڑی کی ونڈ شیلڈ کیسے ٹوٹ گئی...... تم لوگوں کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی......''

''ذرا سانس لینے دو۔ سب کچھ بتا دیں گے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تھکے ہوئے انداز میں کہا ''آج میں نے اسے زندہ پکڑنے کے چکر میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی چوٹ کھائی ہے جسے میں عمر بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

''ونڈ شیلڈ کی حالت بتا رہی ہے کہ آج خدا نے خیر کی'' غزالہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولی ''سامنے سے آنے والی گولی سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔''

''یہی غنیمت ہوا کہ وہ گولی سامنے سے نہیں آئی تھی'' سلطان شاہ بولا ''شیشہ ٹوٹ کر اندر بکھرتا تو ہمارے چہرے لہولہان ہو جاتے۔ اس کی چلائی ہوئی گولی بائیں طرف کی کھڑکی سے گاڑی میں گھسی تھی۔''

''آج کا دن ہماری گاڑیوں کے لیے منحوس ثابت ہوا ہے۔ ہماری گاڑی کا دروازہ تباہ ہو گیا۔ اول خان کی گاڑی کی ونڈ شیلڈ تباہ ہو گئی'' ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔

''تمہاری گاڑی کا واقعہ کل رونما ہوا تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ رات کے بارہ بجے تاریخ بدل جاتی ہے۔ دونوں واقعات ایک دن کے نہیں ہیں۔''

''البتہ یہ کہہ سکتی ہو کہ دونوں مرتبہ سوبھراج کے درشن نے گاڑیوں کے نقصان کی بھینٹ لی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

گھر میں موجود اول خان کے دونوں آدمیوں کو بھی وہ پریشان کن خبر مل چکی تھی اور وہ پورے واقعے کی سن گن لینے کے لیے آس پاس منڈلا رہے تھے۔

میں نے آہستہ آہستہ اس واقعے کی تفصیلات سنانا شروع کر دیں۔

سوبھراج سے سامنا ہونا میرے لیے بھی ہیجان آمیز ثابت ہوا تھا۔ میری طبیعت چاہی تھی کہ اڑ کر اس پر ٹوٹ پڑوں اور ذرا سی دیر میں اسے بے دست و پا کر دوں لیکن اس کی کمین گاہ میں بیٹھ کر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ویرا بھی کم و بیش اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

''تم کو اسے مہلت نہیں دینی چاہیے تھی۔ دیکھتے ہی اسے اڑا دیتے۔ قصہ وہیں ختم ہو جاتا'' میرے خاموش ہونے پر وہ جوش اور غصے کے عالم میں بولی۔

''سوبھراج کا قصہ ضرور ختم ہو جاتا لیکن ڈینی کا وہاں سے آنا بھی مشکل ہو جاتا۔ یہ خودکشی کا راستہ ہوتا۔ مجھے ڈینی کے ہر فیصلے سے پورا اتفاق ہے'' اول خان نے کہا۔

''تنقید سے آدمی کی اصلاح ہوتی ہے'' ویرا اول خان سے مخاطب ہو گئی ''میں ڈینی کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش نہیں کر رہی۔ کوتاہی کی نشاندہی کر رہی ہوں۔ سوبھراج جیسے مکّار مجرم روز ہاتھ نہیں آتے۔ آج ایک مدت کے بعد اس کا ڈینی سے سامنا ہوا اور وہ صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس واقعے پر ہم سب سے زیادہ دکھ ڈینی کو ہوا ہوگا۔ پتا نہیں اب وہ مردود کب گرفت میں آئے گا۔''

''سانپ نکل گیا۔ اب اس کی چھوڑی ہوئی لکیر کو پیٹنا بے سود ہے'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اب دیکھنا ہے کہ

آ گے کیا ہوتا ہے؟''

''آثار اچھے نہیں ہیں؟'' اول خان اداس لہجے میں بولا ''اب تک وہ تم پر بھروسا کررہا تھا اور تم نے اس سے رابطہ برقرار رکھا ہوا تھا۔ آج کے واقعے کے بعد اس کی دانست میں تم سے بھی ٹھن گئی ہے۔ تمہارے آدمی کے ساتھ معرکہ آرائی ہونے کے بعد وہ یہ توقع نہیں کرسکتا کہ تم اس واقعے سے بے خبر رہو گے۔''

میں نے جیب سے نوٹوں کی دونوں گڈیاں نکال کر میز پر ڈال دیں اور پژمردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو' کم از کم گاڑیوں کے نقصان کی رقم مل گئی ہے۔ آرام سے دونوں گاڑیاں بن جائیں گی۔''

''اپنا دل بہلانے کے لیے تم کچھ بھی سمجھ سکتے ہو' ویرا نے بے پروائی سے کہا'' یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''سوبھراج ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب صرف ڈاکٹر صادق ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ اس نے سوبھراج کو اپنے گھر میں پناہ دے کر ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے'' میں نے کہا'' یہی نہیں' اس نے سوبھراج کی ڈاڑھ کا علاج بھی کیا ہے۔''

''ڈاکٹر اپنے مریض سے اس کا پیشہ نہیں' مرض پوچھتے ہیں اور اس کا علاج کرتے ہیں۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی'' ان کے پاس شرفا کے ساتھ چور' ڈاکو اور قاتل بھی آتے ہیں۔ وہ بلاامتیاز ان کا علاج کرتے ہیں۔ علاج معالجے کی بنیاد پر اس کی گرفت نہیں کی جاسکتی۔''

''تم ایک بات پکڑ کر بیٹھ گئیں'' غزالہ نے اعتراض کیا ''علاج ضمنی بات ہے۔ اصل جرم یہ ہے کہ اس نے سوبھراج کو اپنے گھر میں پناہ دی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس نے پناہ نہ دی ہو۔ وہ ڈینی کو دس ہزار روپے دینے کے لیے وہاں آیا ہو'' ویرا سنجیدگی سے بحث پر آمادہ تھی۔

''ان دونوں کا گٹھ جوڑ ہر شک و شبہے سے بالا ہے'' سلطان شاہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔'' ڈاکٹر کی گاڑی سوبھراج کے استعمال میں تھی۔ وہ ڈاکٹر کے گھر میں موجود تھا۔ اگر ان کے درمیان صرف مریض اور معالج کا رشتہ تھا تو ان واقعات کیا جواز ہے؟''

یکا یک ویرا کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ سلطان شاہ سے بولی۔ ''ذرا اندر جاکر آئینہ دیکھو۔ تم لال پیلے ہوکر عجیب عجیب صورتیں بنارہے ہو۔ پتا نہیں تم لوگ ڈینی کی حمایت میں اتنے جذباتی کیوں ہوجاتے ہو۔ یہ موٹی موٹی باتیں مجھے بھی معلوم ہیں لیکن جب کوئی ڈینی کی بے جا حمایت کرتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے ہر کام میں کیڑے نکالنا شروع کردوں۔''

''ہم دل گرفتہ ہیں اور تم کو شوخیاں سوجھ رہی ہیں'' اول خان نے شکوہ کیا۔

''ہم رونما ہوجانے والے واقعات کو واپس نہیں لوٹا سکتے پھر روتی ہوئی صورتیں بنانے کا کیا فائدہ......! ہم سے کوئی بھی جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتا۔ خطا ایک بشری تقاضا ہے' ہمیں ہنس بول کر آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''ڈاکٹر صادق!'' میں نے زور دے کر کہا ''اب وہ ہمارا پہلا نشانہ ہونا چاہیے۔ اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ تباہ ہونے والی اکارڈ اس کے گھر پر کھڑی ہے۔ کاغذات میرے پاس ہیں۔ اس کے گھر پر سوبھراج سے میری ملاقات ہوچکی ہے۔ اس سے بہت کچھ اگلوایا جاسکتا ہے۔ ایسے نام نہاد شرفا جب گرفت میں آتے ہیں تو آسانی سے بولنا شروع کردیتے ہیں۔''

''تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟'' اول خان نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''اسٹیشن فور میرے لیے بہترین ٹھکانا ثابت ہوتا رہا ہے۔ جب تک تم پابندی سے آزاد نہیں ہوجاتے' میرے پاس صدف مینشن کے سوا کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ جلال کے واپس چلے جانے کے بعد میں وہاں آزادی سے کام نہیں کرسکوں گا۔''

''ڈاکٹر صادق کے خلاف مضبوط کیس ہے'' اول خان بولا'' پولیس سے رجوع کیا گیا تو انہیں پورا پس منظر سمجھانے میں بہت دقت پیش آئے گی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت تم الگ رہو۔ جلال کو تازہ ترین واقعات سے آگاہ کردو۔ آئی بی والے خود اس غدار سے نمٹ لیں گے جو سب کچھ جانتے بوجھتے سوبھراج کی مدد کرتا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کس محرک کی بنا پر ایسا کررہا تھا۔''

ابتدا میں ایسے لوگ ہمارے سامنے آرہے تھے جو ہم مذہب ہونے کی بنا پر بھارتی ایجنٹوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے پھر میں نے صدف مینشن میں سول ایوی ایشن کے اس مسلمان ملازم کو دیکھا جو حیدرآباد سے نقشے چرانے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ وہ ایک بے حیثیت شہری تھا۔ اس کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا تھا کہ وہ پیسے کے لالچ میں غداری کا مرتکب ہورہا تھا لیکن ڈاکٹر صادق کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے لالچ کا تصور محال تھا۔ امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ مشترکہ دلچسپیوں کی بنا پر سوبھراج کا پرانا اور گہرا دوست تھا اور صرف دوستی نبھانے کے لیے آڑے وقت میں اس کو مدد فراہم کررہا

تھا۔
سوبھراج فرار ہوگیا تھا لیکن ڈاکٹر صادق کے لیے بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اسی وقت جلال کی نیند میں خلل ڈالا جاتا۔
وہ کراچی میں مصروف وقت گزارنے کے بعد اسی رات کو اسلام آباد واپس لوٹا تھا۔ وہاں بھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ چارلی سے حاصل ہونے والی تازہ ترین معلومات کی روشنی میں کچھ اہم حفاظتی منصوبے بنانے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اسے بہت دیر سے بستر پر پہنچنا نصیب ہوا ہوگا۔ یہ سب سوچتے ہوئے میں نے اس سے بات کرنے کا پروگرام صبح تک ملتوی کردیا۔
''بعض اوقات جرم کا کوئی خاص محرک نہیں ہوتا۔ مجرم کو اس وقت تک اپنے جرم کی سنگینی کا ادراک نہیں ہوتا جب تک اس کا کوئی خوفناک نتیجہ سامنے نہ آجائے۔ شاید ڈاکٹر صادق کا کیس بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ صبح ہونے میں کچھ دیر رہ گئی ہے۔ جلال اپنی نیند پوری کرلے تو میں اسے بریف کردوں گا'' میں نے اول خان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
''تم اس ناکامی سے بہت مضمحل اور اداس نظر آرہے ہو'' ویرا کو یکایک میری فکر لاحق ہوگئی۔ ''تم بہت تیز بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔ ٹھوکر لگنی ہی تھی سو لگ گئی۔ اسے اپنے دل پر لے کر نہ بیٹھو۔ تمہیں یہ سوچ کر خوش رہنا چاہیے کہ کل تم نے اپنی بے جگری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چارلی کو پکڑا تھا۔ وہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ سوبھراج آج نکل گیا ہے تو کل ہاتھ آجائے گا۔ وہ یہاں سے کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ اس کے فرار کی راہیں مسدود ہیں۔ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہے۔ وہ تمہاری گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔''
ویرا اس وقت خوش رہنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے اس کی خوش گمانی دور کرنے کے کوئی کوشش نہیں کی۔ میں ایک بار بتاچکا تھا کہ جلال نے پیش بندیاں کرکے سوبھراج کے فرار کی قانونی راہیں مسدود کی تھیں۔ غیر قانونی راستے بدستور کھلے ہوئے تھے۔ وہ قانون شکن تھا اور جی جان سے اپنی بقا کی لڑائی لڑرہا تھا۔ اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ اس جاں سوز مرحلے پر قانون کی حدود میں رہنے کی کوشش کرے گا۔
''الفا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے وہ سوال کرکے مجھے چونکادیا۔
''میرا خیال ہے کہ اس وقت وہی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔'' میں نے کہا۔
''سوبھراج سے بھی زیادہ؟'' ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔
میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''وہ آزاد ہے ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہیں اور چارلی کے بیان سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ پاکستان کے لیے ان دونوں کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔ اس کے برعکس سوبھراج دفاعی لڑائی لڑرہا ہے۔ رہا ڈاکٹر صادق تو وہ اب بے ضرر ہے۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ سوبھراج اب دوبارہ اس کی طرف نہیں جائے گا۔''
''گڈ!'' ویرا مسرت آمیز آواز میں بولی ''یہ خوشی کی بات ہے کہ تم ناکامی کے صدمے سے باہر آچکے ہو اور ہر سمت میں سوچ رہے ہو۔''
''میری ناکامی پر یوں نوحہ گری نہ کرو کہ میں بھی رونا شروع کردوں'' میں نے کہا ''مقابلے میں کبھی دونوں فریق نہیں جیت سکتے۔ ایک نہ ایک ہار جاتا ہے۔ کل رات سے سوبھراج کے ستارے اس کی یاوری کررہے ہیں۔ پہلے وہ تم تینوں سے بچا پھر میرے ہاتھ سے بھی نکل گیا۔ لڑائی میں یہی سب ہوتا ہے کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں!''
''تاریخ بدلنے سے پہلے تک تم اس کے منظورِ نظر بنے ہوئے تھے۔ اکارڈ نکالنے کے لیے پورے شہر کو چھوڑ کر اس کی نگاہِ انتخاب تم پر پڑی تھی۔ ذرا دیکھو کہ اب وہ کیا کہتا ہے'' ویرا نے مجھے اس سے بات کرنے پر اکسایا۔
''میں یہی سوچ رہا ہوں'' میں نے اس کی تجویز کی تائید کی ''ذرا اسے اتنا وقت دے دوں کہ وہ فرار کے بعد کہیں ٹک سکے۔''
''وہ ڈاکٹر کے گھر سے تمہارے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا سیٹ لائٹ فون وہیں رہ گیا ہوگا'' اول خان نے اندیشہ ظاہر کیا ''اس سے رابطہ کیسے ہوگا؟''
''وہ ایک چھوٹا بریف کیس لے کر نکلا تھا۔'' اس بار سلطان شاہ بول پڑا ''اس کا سیٹ لائٹ فون اسی میں ہوسکتا ہے۔ سنا ہے کہ وہ اس فون کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا اور ہر وقت اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔''
''یہ بات تم نے کس سے سن لی؟ ہمیشہ بے پر کی اڑاتے رہتے ہو'' ویرا نے کہا۔
''میرا یقین نہیں ہے تو ڈینی سے پوچھ لو۔''
''سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے لیے رابطے کا وہی ایک محفوظ ذریعہ ہے ورنہ وہ اپنے موجودہ حالات میں ہر ایک سے کٹا ہوا ہے۔'' میں نے بات سنبھالی ''یہ سمجھ میں

نہیں آتا کہ اس نے اپنی رقم کہاں رکھی ہوئی ہے۔ رقم اور فون دونوں اس کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر صادق کی طرح کوئی بینکار بھی اس کی مدد کررہا ہو'' اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی'' پابندیوں کے باوجود بہت سے افسر اپنی کارکردگی میں اضافے کے لیے فرضی ناموں سے کھاتے کھلوانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ سوبھراج کے معاملے میں یہ کشش بھی ہے کہ وہ کسی مقابلے میں پکڑا یا مارا گیا تو اس کی ساری رقم بینک افسر کے حصے میں آسکتی ہے۔''

''نئی گڈیوں سے تمہارے اندازے کی تائید ہوتی ہے'' میں نے گڈیاں اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا'' مگر ان پر کسی بینک کی مہر نہیں ہے۔''

''تمہارا مشاہدہ کمزور ہے'' ویرا بولی'' نئے نوٹوں کی گڈیوں پر بینک عام طور پر اپنی مہر نہیں لگاتے کیونکہ وہ نمبروں سے گنی جاسکتی ہیں۔ استعمال شدہ نوٹوں کی گڈیوں کو کئی طرح سے سیل کر کے مہر لگانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بینک کی تصدیق ہوتی ہے کہ گڈی میں نوٹ پورے ہیں۔ کمی کی ذمے داری بینک پر ہوتی ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں پرائے نوٹوں کی گڈیاں دیکھنے کے سوا دنیا میں اور کوئی کام نہیں ہے۔ نئے اور پرانے سب نوٹوں کے بارے میں معلومات رکھتی ہو'' سلطان شاہ نے اس بات میں بھی اپنے تبصرے کی گنجائش نکال لی۔

''تمہاری طرح بے دردی سے' بغیر دیکھے بھالے خرچ نہیں کرتی۔ رقم اپنی ہو یا پرائی' آدمی کو دردمندی کے ساتھ پیسا خرچ کرنا چاہیے'' ویرا چوکنے والی نہیں تھی۔

ان کے درمیان ہونے والی یہ تکرار شاید اور طول پکڑ جاتی لیکن اسی وقت ہمارے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور سب چونک پڑے۔

میری نظر بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئی۔ صبح کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔ میں پریشان ہوگیا کہ اس وقت کس کا فون آگیا تھا۔

اس وقت ویرا فون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔ لائن ملتے ہی اسپیکر پر جلال کی آواز ابھری جس پر نیند کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔

''تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟'' اس کی آواز سن کر ویرا نے بے ساختہ کہا۔

''مجبوری ہے۔ اہم کام سامنے آجائے تو نیندیں خود ہی اڑ جاتی ہیں'' جلال کی طرف سے جواب آیا'' مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم بھی جاگ رہی ہو۔ پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا۔''

''یہاں بھی کام کا مسئلہ درپیش ہے۔ مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اپنے ہم وطنوں کی سکھ کی نیند کے لیے تم اپنے آرام کو بھول جاتے ہو' سب سوجاتے ہیں' تم جاگتے رہتے ہو۔''

''تم بھی اسی صف میں شامل ہو'' ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جلال نے جواب دیا'' کچھ نہ کچھ لوگوں کو ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہاں کیا ہورہا ہے' ڈینی کہاں ہے؟''

''یہاں اپنی ناکامی پر ماتم ہورہا ہے۔ آج سوبھراج ڈینی کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ پوری بات وہی بتائے گا۔''

میں اپنی جگہ چھوڑ کر فون کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے کہا'' تم مجھے گھر پر چھوڑ کر گئے اور واقعات کا ایک نیا سلسلہ چل پڑا۔ میں اسی وقت تمہیں فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اس خیال سے یہ ارادہ ترک کردیا کہ تم گہری نیند سو رہے ہوگے۔''

''اپنی قسمت میں گہری نیند کہاں!'' اس کی آواز سے حسرت جھلک رہی تھی'' الفا آزاد ہے۔ چارلی کا بیان سامنے آچکا ہے اور کل دو اہم ترین حکومتی شخصیات کراچی جارہی ہیں۔ میں ان کے حفاظتی انتظامات میں مصروف تھا۔''

''کیا ان کا یہ دورہ چند روز کے لیے ملتوی نہیں ہوسکتا؟'' میں نے بے آرامی سے پوچھا۔

''ناممکن ہے۔ میں نے متعلقہ حکام سے بات کی تھی۔ انہوں نے التوا کے ہر امکان کو مسترد کردیا۔ اسی وجہ سے میری مصروفیات اچانک بڑھ گئیں۔ آرمی ہیڈ کوارٹرز والے آج صبح سات بجے سی ون تھرٹی سے اپنے کمانڈوز کا ایک یونٹ کراچی بھیج رہے ہیں۔ دونوں شخصیات کو لے جانے والی پروازوں کے اوقات میں بھی ردوبدل کیا گیا ہے۔ یہ سب طے ہوجانے کے بعد میں تھوڑی دیر پہلے گھر آیا تھا۔ کھانا کھاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔''

''میں جھجکتا رہا۔ تم نے فون کر ڈالا۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات تھی؟'' میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

''اس وقت الفا اور چارلی ہی سب سے زیادہ اہم تھے۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ ایک بجے الفا سے تمہاری کیا بات ہوئی۔ ویرا کچھ اور کہانی سنا رہی ہے۔ اچانک سوبھراج کیسے تم سے ٹکرا گیا؟''

وہ ایک واقعہ نہیں تھا۔ واقعات کا تسلسل تھا۔ میں نے بیچ لگژری ہوٹل کے قریب سوبھراج کے نظر آنے سے لے کر آخر

تک سارے واقعات ترتیب اور اختصار کے ساتھ دہرا دیے۔
''یہ حیران کن باتیں ہیں۔ کراچی میں رہتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے واپس لوٹتے ہی وہاں ایسے واقعات رونما ہونے شروع ہو جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ضرورت کے تحت بہترین فیصلے کیے۔ ان میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ یہ ہم سب کی بدقسمتی یا سوبھراج کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''
''میری دانست میں مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی کہ میں نے سوبھراج کے سامنے ماڈل کالونی جانے کا ذکر کر دیا اور وہیں سے اس کے دماغ کی چرخی الٹی گھومنی شروع ہو گئی۔ وہ کراچی کا قدیم باشندہ ہے۔ شہر کے ہر گلی کوچے سے واقف ہے۔ اسے شک ہو گیا کہ میں گھیر گھار کر اسے ملیر چھاؤنی میں کسی کے حوالے کر دوں گا۔ امریکیوں نے میری گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے لاکھوں ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے تو ہماری حکومت نے بھی سوبھراج کا سراغ بتانے والے کے لیے دو لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا ہوا ہے۔ ساری بات وہیں سے بگڑی تھی۔''
''جو کچھ ہوا' اسے بھول جاؤ۔ مجھے اس ڈاکٹر کے بارے میں بتاؤ جو سوبھراج کا پشت پناہ بنا ہوا ہے۔ سوبھراج سے پہلے اس کی خبر لینی ضروری ہے۔''
''میں اسی کے لیے تمہیں فون کرنا چاہ رہا تھا۔ پھر یہ سوچ کر صبح ہونے تک ارادہ ملتوی کر دیا کہ وہ کہاں بھاگے گا' اسے کسی بھی وقت دبوچا جا سکتا ہے۔''
''اب ہمیں خوش فہمیوں کی دنیا سے نکل آنا چاہیے۔ گزرا ہوا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو کام کرنا ہے' اسے فوری طور پر کر لینا چاہیے۔''
میں نے اسے ڈاکٹر صادق کا پورا پتا بتا دیا جو اس نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔
''اب اسے صبح کا اجالا دیکھنا نصیب نہیں ہوگا'' فون پر جلال کی قہر بار آواز ابھری ''تھوڑی دیر میں اسے صدف مینشن میں پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں آنے والے قیدی سورج کی روشنی اور کھلا آسمان دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔''
''وہاں کے پرانے قیدی کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''وہ بہتر ہو رہا ہے' تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس کی زبان کا زخم کسی علاج کے بغیر خود ہی مندمل ہوگا۔ اسے بیرونی طور پر ایسے انجکشن دیے جا رہے ہیں' جن کے اثر سے وہ تکلیف محسوس نہیں کرے گا۔''
''کیا وہ کسی جناتی طاقت کا مالک ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔
''مجھے یہ بات پہلی بار پتا چلی ہے کہ ہر جاندار کا لعاب دہن جب تک منہ میں رہتا ہے' اس کے لیے جراثیم کش' صحت افزا بلکہ اکسیر ہوتا ہے۔ باہر آتے ہی اس میں خطرناک جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جن کا الٹا اثر ہوتا ہے۔''
''شاید اسی لیے تھوک کر چاٹنے والا محاورہ تذلیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''مجھے اندیشہ تھا کہ اس کی زبان کا زخم کہیں ناسور میں نہ بدل جائے۔ ایسا ہوتا تب بھی مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ را کے یہ دونوں ایجنٹ اس سے بری سزا کے مستحق ہیں۔ ان پر رحم نہیں کھایا جا سکتا۔''
''زخم تازہ ہونے کے باوجود اس نے تمہارے سامنے بولنا شروع کر دیا تھا۔ الفاظ شکستہ اور لہجہ بگڑا ہوا تھا مگر اس میں بتدریج بہتری آ رہی ہے لیکن ابھی تک اس سے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔''
''تم ایسے مجرموں کو بھی بہت فکر مندی سے اپنی تحویل میں رکھتے ہو۔ ان کے لیے خاص قانون ہونا چاہیے۔ یہ اپنے جرم کا اعتراف کریں اور انہیں سسکا سسکا کر مار دیا جائے۔ جب تک ایسے انجام کا خوف نہیں ہوگا' یہ دراندازیاں یوں ہی چلتی رہیں گی۔''
''ذرا دھیرج سے کام لو مہاراج!'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''ہمارے جیسے قانون بھارت میں بھی نافذ ہیں۔ اس کے باوجود وہ درندگی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اس ذکر پر مجھے ہمیشہ عبداللہ یاد آ جاتا ہے۔ وہ ایسی ہی بہیمت کا نشانہ بنا تھا۔ جنگل کا قانون چل پڑا تو وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ ان کی دراندازیوں پر ہم خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی سرحدوں میں آج بھی ہمارے ایجنٹ کام کر رہے ہیں۔''
''ایک دوسرے کے فوجی' دفاعی اور دوسری نوعیت کے رازوں تک رسائی کی کوششیں قابلِ فہم ہیں۔ دہشت گردی کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔''
''کسی حد تک تم ٹھیک کہہ رہے ہو' اس نے درمیان میں کہا ''ان کے ملک میں تخریبی کاموں کے سرچشمے موجود ہیں۔ مختلف قوم پرست گروپ آئے دن کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے آدمی کبھی کسی دہشت گردی میں ملوث نہیں رہے۔ یہ اور بات ہے کہ رائے عامہ کو بدلنے کے لیے وہ بعض واقعات میں بلا وجہ پاکستان کا نام اچھالنے لگتے ہیں۔''
''مجھے صدف مینشن میں چوپڑا نظر نہیں آیا۔ وہ کہاں

ہے؟'' اچانک مجھے آرام باغ کا رہائشی بدھولال چوپڑا یاد آ گیا جو واقعات کی کڑیوں میں ہمارا پہلا مشترکہ قیدی تھا۔

''اس کا کیس چل رہا ہے۔ وہ عدالتی ریمانڈ پر کوٹ لکھپت کی جیل میں ہے۔ اعترافی بیانات کی وجہ سے اسے رعایت مل جائے گی۔ امکان ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ سات برس قید کی سزا ہوگی۔ وہ تمہیں کیوں یاد آ گیا؟''

''اس کی وجہ سے میں نے پہلی بار صدف مینشن میں قدم رکھا تھا۔''

''اب ڈاکٹر صادق بھی وہیں کی ہوا کھائے گا۔ کوئی ضروری بات ہو تو وقت کا خیال کیے بغیر مجھے فون کرلیا کرو۔ میرے لیے کام ہر چیز پر مقدم ہے۔''

چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے شب بیداری کا پروگرام بنایا ہوا ہے؟'' ویرا نے اپنی انگڑائی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بشرے سے اضمحلال ٹپک رہا تھا۔ غزالہ بھی کچھ سست نظر آرہی تھی۔ میں نے ویرا کے فقرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''تم دونوں چاہو تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔ میری نیند اڑ چکی ہے۔ میں سوبھراج کو ٹٹولنے کے بعد چین سے لیٹ سکوں گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' اول خان نے ٹکڑا لگایا ''میں ڈینی کے ساتھ ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو ابرار یا دین محمد کو بلالیا جائے گا۔ تم دونوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہورہی ہیں۔ جاکر اپنے کمروں میں آرام کرو۔''

اول خان کی تائید سے ان دونوں کو سہارا ملا اور وہ تقریباً ایک ساتھ اٹھ کر اپنے کمروں کی طرف چل دیں۔

''ویرا بہت مضبوط اعصاب کی مالک ہے مگر آج تھکی ہوئی نظر آرہی ہے'' ان دونوں کے چلے جانے کے بعد اول خان نے کہا۔

''وہ موڈی عورت ہے۔ میں نے سوبھراج کے ہاتھوں چوٹ نہ کھائی ہوتی تو وہ ہنستے بولتے ہوئے ساری رات گزار دیتی۔ ناکامی اس سے برداشت نہیں ہوتی'' میں نے جواب دیا۔

''تم سے پہلے وہ ناکام لوٹی تھی'' اول خان بولا ''سوبھراج کی گاڑی کو تباہ کردینے کے باوجود کوئی اسے روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔''

''وہ ایک اتفاق تھا کہ ویرا کی نظر سوبھراج پر پڑگئی'' سلطان شاہ نے وضاحت کی ''ویرا اس کی گاڑی کا نمبر نوٹ کرکے بہت خوش تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نمبر بتا کر ڈینی کو حیران کردے گی۔ یہاں پہنچی تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ سوبھراج نے فون کرکے خود ڈینی کو ہر بات بتادی تھی۔ ویرا اسی وقت بجھ سی گئی تھی۔''

''یہ کہو کہ وہ اپنا جھنڈا اونچا رکھنا چاہ رہی تھی۔ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تو وہ اداس ہوگئی' یہ بچگانہ باتیں ہیں۔''

''اب بھی جھنڈا اسی کا اونچا ہے'' میں نے کہا ''وہ سوبھراج کو نہ دیکھتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ویرا کے تیز مشاہدے کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ سلطان شاہ نے سوبھراج کی گاڑی کو ناکارہ کردیا اور اسے عجلت میں ٹیکسی سے بھاگنا پڑا۔''

''ہاں' یہ کہہ سکتے ہو'' اول خان بولا ''گاڑی تباہ نہ ہوتی تو سوبھراج تم سے رجوع نہ کرتا۔ اپنی ناکارہ ڈاڑھ نکلوا کر مزے سے آرام کررہا ہوتا۔''

''ویرا کا سوچنے کا اپنا انداز ہے'' سلطان شاہ ہنس کر بولا ''یہ باتیں اس کی عقل میں آگئی ہوتیں تو وہ اس وقت بھی یہاں بیٹھی ہوئی ہوتی۔''

اول خان چائے کا رسیا تھا۔ باتوں کے ساتھ ساتھ چائے کا ایک دور چلا پھر اس نے سوبھراج سے ملے ہوئے ساٹھ ہزار روپوں کو اٹھا کر رکھنے کی بات کی تو میں نے اس مالِ غنیمت میں سے تیس ہزار روپے الگ کرکے اس کی طرف بڑھا دیے۔

میری طرف سے رقم کی پیش کش پر اول خان یوں بھڑکا جیسے میں نے اسے کوئی گالی دے ڈالی ہو۔ میں مشکل سے اسے ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوا اور اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل سے وہ مجھ سے صرف بیس ہزار روپے لینے پر آمادہ ہوسکا۔

میں نے اسے سمجھایا کہ سوبھراج نے دونوں گاڑیوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے سوبھراج کے ساٹھ ہزار روپے ہی استعمال ہونے چاہییں تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ونڈ شیلڈ چھ سات ہزار روپے میں بدل جائے گی۔ وہ میری دلیل کو مان لے تب بھی اس سے زیادہ رقم قبول نہیں کرے گا۔ میری کار کو زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ میں دروازہ بدلوا دیتا تب بھی دس پندرہ ہزار روپے سے زیادہ رقم درکار نہ ہوتی۔ تاوان کی رقم دونوں گاڑیوں کے نقصان سے زیادہ تھی۔

یہ فیصلہ سلطان شاہ کا تھا کہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے ایک اور دو کے تناسب سے بانٹ لی جائے' ہم دونوں کے یک زبان ہونے کے بعد اول خان کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا مگر اس کی آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس فیصلے سے خوش نہیں تھا۔

وہ ایک ایمان دار اور ریٹائرڈ فوجی افسر تھا جس نے اپنی پوری زندگی صبر وقناعت کے ساتھ بسر کی تھی اور ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے گزارے کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس میں کام

کررہا تھا۔
اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ مال و دولت کی طمع سے بے نیاز رہ کر اپنے کام میں مصروف رہنے کا عادی تھا۔ ہمارے طویل ساتھ میں وہ پہلا موقع آیا تھا کہ کسی رقم کی تقسیم کی نوبت آئی تھی۔ میرے بجائے اس نے سوبھراج سے وہ رقم وصول کی ہوتی تو شاید اسے جوں کا توں اپنے کسی بڑے کے حوالے کر دیتا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہاتھ آنے والی کسی بھی شے کو ذاتی تصرف میں لانا وہ گناہ تصور کرتا تھا اور ساٹھ ہزار روپے کی رقم کو بھی اسی زمرے میں شمار کر رہا تھا۔

''پانچ بج رہے ہیں۔ اب تک وہ کہیں نہ کہیں اپنا پڑاؤ ڈال چکا ہوگا'' سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی کہا ''اس سے بات کرلو۔ اسے کوئی اور ٹھکانا میسر نہ آیا تو وہ ایک مرتبہ پھر کسی پائپ میں اپنا ڈیرا جما چکا ہوگا۔''

''اب نمٹ لیا جائے تو بہتر رہے گا'' اول خان نے اس کی تائید کی ''ایک مرتبہ سورج کی روشنی پر نگاہیں پڑ گئیں تو نیند نہیں آئے گی' سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم تینوں دو تین گھنٹوں کی نیند لے لیں تو آنے والا دن اچھا گزرے گا۔''

میں نے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

حالات کی ستم ظریفیوں کا شکار ہوکر وہ اس وقت ہر طرف سے تنہا ہو چکا تھا۔ شہر میں اس کے ڈاکٹر صادق جیسے دوست موجود تھے لیکن اسے کسی پر بھروسا نہیں رہا تھا۔ میری طرف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو فوری طور پر جواب مل گیا۔

''گاڑی تمہیں واپس مل گئی؟'' میں نے رابطہ ہوتے ہی گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

دوسری طرف سے کئی لمحوں کی تاخیر سے جواب آیا ''ہاں' مل گئی!''

یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرا سوال اس کے لیے غیر متوقع رہا ہو۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں میرے آدمی سے تصادم مول لے کر مجھ سے دشمنی کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ میرے برہم نہ ہونے پر اس کا ششدر رہ جانا فطری امر تھا۔

''مگر میرا آدمی ابھی تک واپس نہیں آیا۔ وہ کہاں ہے؟'' میں نے اسی لہجے میں پوچھا۔

اول خان اور سلطان شاہ سے اس بارے میں کوئی تبادلۂ خیال نہیں ہوا تھا کہ میں سوبھراج سے کیا بات کروں گا۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ فون پر اس سے کھل کر تو تکار ہوگی۔ جو بات بگڑ چکی تھی۔ اس کا سنبھلنا بہت محال تھا۔ اس کی آواز سن کر یہ خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا تھا کہ مجھے اپنی طرف سے بدکلامی کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ سوبھراج کوئی غلط بات کہتا تو میں اس کا بھرپور جواب دینے کے لیے آزاد تھا۔

وہ دونوں گفتگو کے نرم آغاز پر بہت حیران تھے اور اپنی اپنی جگہوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔ آتشیں اسلحے کے ساتھ دو بدو مقابلے میں سوبھراج سے ہار جانے کے بعد وہ زبانی معرکہ آرائی ان دونوں کے لیے دلچسپی کا باعث تھی۔

''مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تمہارے پاس واپس نہیں لوٹے گا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے تمہارے دس ہزار کے علاوہ اسے پورے پچاس ہزار روپے تمہارے اور اس کے انعام کے دے دیے۔ اسی وقت اس کی آنکھوں میں لالچ کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔'' سوبھراج کھل کر جھوٹ بول رہا تھا نہ پورا سچ بتا رہا تھا۔ ہر طرف خطرات میں گھر جانے کے باوجود اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میری طرح اس نے کوئی پیشگی تیاری نہیں کی ہوئی تھی۔ اس نے جس صفائی سے اپنی لگائی ہوئی غداری کی قیمت کو انعام میں تبدیل کیا تھا اس پر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ افسانہ طرازی میں سوبھراج بہت آگے تھا۔

اسی لمحے سوبھراج کی کھلی اور برجستہ دروغ گوئی کا سبب بھی میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ بہت نچلی سطح سے تیزی کے ساتھ اوپر آیا تھا اور پھر سیاسی میدان میں جوڑ توڑ کر کے اس نے ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ اصول پرست' جدی پشتی سیاست دانوں کے برعکس وہ ریت کا ایک حقیر ذرہ تھا جو اپنی کسی صلاحیت کے بجائے ہوا کے گرداب میں آ کر اوپر ہی اوپر' آسمان کی طرف اٹھتا چلا گیا تھا۔ اس کا شمار ان سیاست دانوں میں کیا جاسکتا تھا جنہوں نے اپنے جھوٹ اور قلابازیوں سے معاشرتی خدمت کے اس مقدس شعبے کو بے توقیر کر دیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر جرائم پیشہ تھا لیکن یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ مورد الزام ٹھہرائے جانے سے پہلے وہ ایک سیاست داں کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

جھوٹ اس نام نہاد سیاست داں کا فن تھا' فریب اس کا ہنر۔ وہ پل بھر میں اپنی کہی ہوئی بات کی کوئی بھی تاویل پیش کر کے قلابازیاں کھانے کا عادی تھا۔ اس کے لیے حاضر دماغی کے ساتھ جھوٹ بولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس وقت اس کے جھوٹ کی روانی میں کچھ سچ بھی

خان آصف (مرحوم) کی
بے مثال اور یادگار تحریر

شائع ہو گئی ہے

سفیرانِ حرم

قیمت 225 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے

(امام ابو مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ،
امام ابو حنیفہؒ کے حالات و واقعات زندگی)

دعوت حق دینے والی جلیل ارواح کی داستان جنہوں نے اپنے اخلاق، کردار اور علم سے دینِ اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ ظالم اور جابر حاکمانِ وقت کے سامنے سینہ سپر ہو کر صدائے حق بلند کی اور اپنے نام اور کام کو رہتی دنیا تک لوگوں کیلئے مشعل راہ بنا گئے۔

(چاروں ائمائے کرام کی خدمت میں خان آصف کا اظہارِ عقیدت)

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

شامل تھا جس کا میں عینی شاہد تھا۔

''تم نے بہت بڑی غلطی کی۔ انعام میں اتنی بڑی رقم پا کر اس کا دماغ خراب ہوگیا ہوگا۔ اب میرے دس ہزار بھی خطرے میں ہیں۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔'' میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں اس سے احتجاج کیا۔

''میرے لیے تمہارا آدمی تم جیسا تھا کیونکہ وہ تمہاری نمائندگی کررہا تھا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں وہاں آ سکا تو اسے تمہارے دس ہزار کے ساتھ انعام بھی دوں گا۔ میرا خیال تھا کہ اسے انعام میں ایک بڑی رقم دے کر میں تم پر بوجھ ڈال رہا ہوں۔ رقم ملتے ہی اس نے تمہارے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا۔''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے پر تل گیا تھا۔

''چھوڑو اس نمک حرام کی باتوں کو...... بلاوجہ تمہیں تکلیف ہوگی'' اس مفروضہ آدمی کے غائب ہوجانے کی خبر پا کر سوبھراج شیر ہوگیا تھا۔

''مجھے اپنی آستین کے سانپوں کے بارے میں ہر بات کا علم ہونا چاہیے۔''

''اسے شکوہ تھا کہ تم نشے میں مست ہوکر سو رہے تھے اور اس کی رات خراب کرادی تھی۔ اس وقت تمہاری آواز بالکل صاف ہے۔ نشہ کرنا تو دور کی بات ہے' تمہاری آواز میں نیند کا خمار تک نہیں ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اسے انعام دے چکا تھا۔ مجھے تمہاری غیبت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''بعض لوگوں کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ رات ہونے سے پہلے میرے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ میں اس کی کھال میں بھس بھروادوں گا۔''

میرا دعویٰ سن کر شاید سوبھراج کو ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ اسے یہ توقع نہیں رہی ہوگی کہ میں اتنی تیزی سے اپنے باغی تک رسائی حاصل کرسکوں گا۔ اس نے قدرے توقف سے کہا ''وہ خطرناک آدمی تھا۔ اس نے مجھے تمہارے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ بہت بڑے انعام کی خاطر مخبری کرکے تمہیں مروانے کی بات کررہا تھا۔''

''اس انعام کے لیے تم کسی بھی وقت کوشش کرسکتے ہو۔''

''جس شخص نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگادی ہو' اس کے لیے بڑے سے بڑے انعام کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی'' اس کا لہجہ تکبر آمیز ہوگیا'' وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اکیلا تمہارے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ میں اس کا ساتھ دوں تو وہ تمہارا تختہ الٹ سکتا ہے۔''

''اوہ! تو اس کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا!'' میں نے غرا کر کہا ''تم نے اس کا منہ نہیں توڑا؟''

''دیکھو ڈینی! میں بھی ایک انسان ہوں۔ بہت سے مسائل میں گھرا ہوا ہوں'' اس نے نرم لہجے میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی'' سچ پوچھو تو میں اس کی باتوں میں آ کر کچھ دیر کے لیے بہک گیا۔ میں نے سوچا کہ تم میرے دوست' ہمدرد اور محسن ضرور ہو لیکن تمہاری قربانی دے کر میں اپنے سفید دشمنوں کی ناراضی دور کرسکتا ہوں۔ وہ مجھے معاف کردیں تو میری زندگی بہت آسان ہوجائے گی۔ میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا۔''

وہ سوچ سوچ کر' اپنی کہانی کو مرحلہ وار مگر بہت مربوط انداز میں آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ ذرا خاموش ہوا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''بولتے رہو۔ میں تمہاری کہانی سن رہا ہوں۔''

''میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا مگر میرے دل و دماغ میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا کہ میں اپنے ایک محسن پر چوری سے وار کرنے جارہا ہوں' میں کافی دیر تک اسی عذاب میں مبتلا رہا پھر اندر کی آواز ہر خود غرضی پر غالب آ گئی۔ گورا قبرستان پر میں نے خاموشی سے اس کا ساتھ چھوڑ دینے کی کوشش کی' اس نے مجھے للکارا اور میں گولیاں برساتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس نے بھی فائر کیے مگر میری زندگی تھی کہ میں بچ نکلا۔''

''سوبھراج! یہ بہت برا ہوا'' میں نے مضطربانہ آواز میں کہا'' وہ بہت کمینہ اور کینہ پرور آدمی ہے۔ میرے ساتھ تمہارا بھی دشمن ہوجائے گا۔''

''میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتادی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے دماغ پر مسلّط ہونے والے شیطانی خیال سے بھی آگاہ کردیا ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ' تمہارا باغی بہت کچھ کرسکتا ہے لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں روپوش ہوں۔ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔''

''اس خوش فہمی میں نہ رہو۔ گاڑی پہنچانے کے بہانے اس نے تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ میرا رخ کرنے سے پہلے وہ تمہیں ٹھکانے لگائے گا کیونکہ تم اس کی بدنیتی کے اکلوتے گواہ ہو۔''

''میں اس ٹھکانے پر کبھی نہیں رہا۔ میں تمہیں پہلے ہی

بتا چکا تھا کہ مجھے صرف رقم دینے کے لیے وہاں آنا تھا۔ وہ وہاں سے مایوس لوٹے گا۔"

"وہ اس گھر میں رہنے والوں کی زندگی جہنم بنادے گا" بات آگے بڑھنے کے ساتھ میری طبیعت میں اشتعال آتا جارہا تھا۔ سوبھراج نے جھوٹ اور سچ کے امتزاج کے ساتھ بہت خوبصورتی سے اپنی بے گناہی کی داستان مجھے سناڈالی تھی اور میں حقیقت سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود اس کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"مجھے یہ بھی اندازہ تھا۔ کھسیانی بلی ہمیشہ کھمبا نوچتی ہے۔ تم بدنام ہو تو میں بھی نیک نام نہیں ہوں اور کچھ نہ ہوسکا تو وہ مردود کسی ایجنسی کو میرے ڈاکٹر کے پیچھے لگادے گا۔ اس بے چارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس نے اپنے کلینک تک آنے کے لیے اپنی گاڑی مجھے دی تھی۔ وہ منحوس حادثہ نہ ہوا ہوتا تو مجھے آج کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

"تم نے اس کا کیا توڑ سوچا ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"سرکاری ایجنسیوں کے لیے سوبھراج ایک ڈراؤنا خواب بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ ہاتھ دھوکر کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو اس کی زندگی کو جہنم بنادیتے ہیں۔ وہ مرنے کی آرزو کرنے لگتا ہے لیکن موت اس سے دور کھڑی ہوکر ایسی زندگی سے لرزہ براندام رہتی ہے" میرے مفاہمانہ رویے کی وجہ سے سوبھراج کے اعتماد میں اضافہ ہوچکا تھا اور وہ بہت روانی کے ساتھ بول رہا تھا "مجھے معلوم تھا کہ میرے چکر میں وہ بے چارے ڈاکٹر کو ایک بار اٹھا کر لے جانے میں کامیاب ہوگئے تو میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ ڈاکٹر ان کی رسائی سے بہت دور، اتنی دور نکل جائے کہ وہ اپنے خواب میں بھی اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔ میں نے تمہارے آدمی کے چکر سے نکلتے ہی ڈاکٹر کو ایک جھٹکے میں ہمیشہ کی نیند سلادیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ میں اس طرف سے بالکل بے فکر ہوں۔"

سوبھراج کی زبان سے وہ خبر سن کر میں سناٹے میں آگیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ایک محسن کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا سوبھراج!" میرے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی "اپنی اس حرکت کا انکشاف کرکے تم نے میری نظروں میں اپنا مقام کھودیا ہے۔ ڈاکٹر تمہارا محسن تھا۔ تم نے اسے عذاب سے بچانے کے لیے نہیں، اپنی جان بچانے کے لیے مارا ہے۔ وہ یقینی طور پر کچھ ایسے رازوں سے واقف رہا ہوگا جن کے فاش ہونے سے تمہاری سلامتی خطرے میں پڑجاتی۔ میرے آدمی کے بہکاوے میں آکر تم مجھے مارنے کی آدھی کوشش کرچکے ہو۔ کل تم میری جان لینے کی کوشش بھی کرسکتے ہو۔ تم اعتماد کے قابل نہیں ہو۔ خونی بھیڑیے ہو جو بھوک سے مرنے کے بجائے اپنے کسی کمزور ساتھی کو چیر پھاڑ کر کھاجاتا ہے۔"

اس کے اعتراف کے نتیجے میں مجھے اپنے دل کا وہ غبار ہلکا کرنے کا موقع مل گیا تھا جو ابتدا سے میرے دل میں جمع ہورہا تھا۔

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہے ہو" میرے تیز و تند فقروں کے جواب میں اس نے مشتعل ہوئے بغیر کہا "شاید میں نے تم سے سچ بول کر غلطی کی ہے۔ میں تمہیں کوئی فرضی کہانی سنادیتا تو تم مطمئن ہوجاتے۔ ڈاکٹر کی طرف سے میرا دل صاف تھا۔ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا میں نے اسے اس کی بھلائی کے لیے مارا ہے۔ ہر شخص سوبھراج نہیں ہوتا۔ وہ عیال دار اور ذی حیثیت آدمی تھا۔ اپنی زندگی میں کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ جیتے جی اپنی عمر بھر کی ساکھ اور کمائی سے ہاتھ اٹھالینا آسان نہیں ہوتا۔ وہ زندہ ہوتا تو ایجنسیوں والے اس کے نام کو اس کے گھرانے اور خاندان کے لیے ایک گالی بنادیتے۔ تم ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کیوں نہیں کرتے۔"

"مجھے کسی بات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے رکھائی سے جوب دیا "تمہارے ہاتھ اپنے محسن کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ میرے لیے اتنی بات کافی ہے۔"

"میں تمہارے آدمی کی شیطانی باتوں میں آجاتا تو شاید تمہیں ہمیشہ کے لیے کھودیتا مگر مجھے تمہاری دوستی عزیز ہے۔"

"دوستی عزیز ہوتی تو تم میرے آدمی کی باتوں پر دھیان دینے کے بجائے اسے بے دست و پا کر کے میرے سپرد کرتے۔ اس کی پیروی نہ کرتے۔"

"میں پہلے ہی مان چکا ہوں کہ وہ میری غلطی تھی۔"

"میرے لیے یہ معمولی بات نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ میرے شکار کے لیے چل پڑے تھے۔" رفتہ رفتہ میرا پارا چڑھتا جارہا تھا مگر میں نے بہت مشکل سے خود کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔ اسے ملامت کرنے کے ساتھ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے تعلقات کے بگاڑ میں میری طرف سے کوئی پہل ہو۔

"تم اس حقیقت کی قدر کیوں نہیں کرتے کہ میں اپنی جان پر کھیل کر راستے میں ہی اس سے الگ ہوگیا تھا۔"

"تم نے جس بے دردی سے ڈاکٹر کو مارا ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تم میری محبت میں نہیں بھاگے تھے، تم کو

میرے آدمی پر کسی سازش کا شبہ ہو گیا تھا۔'' میں اس کی باتوں کا سہارا لے کر گفتگو کو حقائق کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تم ڈاکٹر کی مثال کو لیے بیٹھے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اسے بروقت زندگی سے چھٹکارا دلا کر میں نے اس پر احسان کیا ہے وہ زندہ رہتا تو مردوں سے بدتر حال کو پہنچا دیا جاتا۔ تم ان واقعات کو میری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے!''

اس نے بہت چالاکی سے کام لیتے ہوئے ڈاکٹر صادق کو اپنی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ سوبھراج اپنے تحفظ کے لیے پلٹ کر اس پر وار کر گزرے گا۔ اس اہم گواہ پر ہاتھ ڈالنے کی امیدیں خاک میں مل چکی تھیں اور وہاں جانے والے' آئی بی کے آدمیوں کو بے نیل و مرام لوٹ آنا تھا۔ وہ کٹھن حالات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود مجھے بار بار حیران کیے دے رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لڑائی کا اختتام کہاں ہوگا۔

''اب تک میں نے تمہارے لیے جو کچھ کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اپنی نازیبا حرکتوں کا تم خود اعتراف کر رہے ہو۔ اب صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ تم حیلوں اور بہانوں سے مجھ سے ملنے سے کتراتے رہے ہو۔ اب یہ ڈراما ختم ہونا چاہیے اگر تمہیں مجھ پر اعتماد ہے اور تم اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنا چاہتے ہو تو اب تم کو میرے سامنے آنا ہوگا۔''

''میں نے انکار نہیں کیا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ مناسب وقت پر میں تم سے ضرور ملوں گا۔''

''میری دانست میں وہ وقت آ چکا ہے۔ آج کا سورج طلوع ہونے کے بعد تمہیں مجھ سے ملنا ہوگا ورنہ ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔ کراچی میں حالات اچھے رخ پر نہیں جا رہے میں فوری طور پر ایک سفر پر نکلنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ واپسی پر تم سے ضرور ملاقات ہوگی۔''

آخر کار میرے اندیشے درست ثابت ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اپنی گفتگو کو قابو میں رکھ کر میں نے ایک کامیابی حاصل کر لی تھی اور یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ وہ کراچی سے فرار ہونے کی فکر میں تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے ترشی سے سوال کیا۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کے سفر پر جانے کی خبر میرے لیے ذرا بھی اہم نہیں تھی۔

''اس وقت کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے جدھر راہ ملی ادھر نکل جاؤں گا۔''

''ملک چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟'' اس بار میں نے گہرے طنز سے پوچھا۔

''ملک چھوڑ کر میں کہاں جاؤں گا۔'' اس کی حسرت زدہ آواز آئی'' یہاں کی مٹی سے جو کچھ کمایا تھا وہ یہیں خاک کر دیا۔ یہاں رہنا شاید میرا مقدر بن چکا ہے۔ ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں میرا نام آ جانے کے بعد میرے باہر جانے کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ شمال بہت خوب صورت ہے میں کسی گمنام گاؤں میں کچھ دن گزاروں گا جب گرد بیٹھ جائے گی تو خاموشی سے لوٹ آؤں گا۔''

میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن میں اسے چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اتنا بھولا بھالا نہیں تھا کہ ملک سے نکلنے کے دوسرے راستوں سے بے خبر ہوتا۔

''میں تمہیں کل تک کا وقت دے چکا ہوں۔ تم نے یہ وقت گزار دیا تو پھر میں خود تمہاری تلاش میں نکلوں گا۔ اس کے بعد ہمارا سامنا کسی اور انداز میں ہوگا۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''کہنے سننے کا وقت گزر گیا۔ اب تمہیں اپنے عمل سے اپنی نیک نیتی ثابت کرنا ہوگی۔ دوسری صورت میں تم میری مخاصمت مول لو گے۔''

''میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گا۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور آنے والے وقت کے لیے اس رشتے کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز بدستور نرم اور مصالحانہ تھی۔

گندی سیاست اس کے خون میں شامل ہو چکی تھی وہ اس وقت مجھ پر اسی کے داؤ آزمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر بتا دوں کہ وہ جسے میرا آدمی سمجھ رہا تھا وہ میں خود تھا لیکن میرے اس انکشاف سے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اس کے برعکس یہ امکان ظاہر تھا کہ وہ مفاہمت کا رویہ ترک کر کے مجھ سے کنارہ کش ہو جاتا۔

''میں اپنے طور پر تم تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہماری پہلی ملاقات تمہاری مرضی سے ہوگی مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ ڈاکٹر کو مار کر تم نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔''

''اس وقت تمہیں سمجھانا مشکل ہے میں کسی بھلے وقت میں تم سے بات کروں گا۔''

وہ میری دوسری کامیابی تھی۔ تلخ و ترش باتیں ہو جانے کے باوجود وہ مجھے مستقبل میں رابطے کی خبر دے رہا تھا۔

''بعد کی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی'' میں نے سرد مہری سے کہا ''اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنی مصلحتوں کے اسیر ہو۔ مجھ سے تعاون کے طلب گار ہو لیکن میرے اوپر مکمل بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ تمہارا دوغلا رویہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اصل غصہ اس بات پر ہے کہ میں نے ڈاکٹر کو کیوں مار دیا۔ تم نے دوسری باتوں کو بھی اس کے خون سے ملا لیا ہے۔ چھاپے والے دن سے مدن لال اور اس کے بیٹے کا کوئی پتا نہیں ہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ وہ دونوں کہاں ہیں اور کس عذاب سے گزر رہے ہیں۔ ڈاکٹر زندہ رہتا تو وہ بھی ان دونوں کی طرح اچانک غائب ہو جاتا۔ کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا۔ یہ سب......''

''اب ہماری ملاقات پر یہ سب باتیں طے ہوں گی'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں کہا ''اس وقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ زیادہ وضاحتیں کر کے مجھے غصہ نہ دلاؤ ورنہ بات بڑھ جائے گی۔''

''غصہ اتر جائے تو مجھے فون کر لینا ورنہ میں خود تم سے بات کروں گا۔''

اس کا جواب سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

''یہ بہت برا ہوا'' اول خان اضطراری لہجے میں بولا ''سوبھراج لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ اس نے پہلی فرصت میں ڈاکٹر کو مار ڈالا۔''

''ہر غدار کا انجام اسی قدر عبرت ناک ہوتا ہے'' میں نے ... ٹ آواز میں جواب دیا ''جلد ہی سوبھراج بھی مکافاتِ عمل سے دوچار ہوگا۔ قدرت اسے ڈھیل دے رہی ہے۔ یہ رسی یادہ دراز نہیں ہونے پائے گی۔''

''اس نے خود ہی تمہیں ہر بات بتا ڈالی!'' سلطان شاہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اس میں برابر کا جھوٹ شامل تھا۔ اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے اس نے ہر گناہ میرے سر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم اس کے جھوٹ سے واقف ہو کیونکہ تم نے خود وہ گاڑی ڈاکٹر کے گھر پہنچائی تھی۔''

''یہ معلوم ہوتے ہی سب راستے بند ہو جاتے'' اول خان نے سلطان شاہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''ڈینی نے بے خبری ظاہر کر کے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں، وہ ناکامی میں بدل جاتیں۔ اس سے ٹکراؤ بہت آسان تھا۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا۔''

''تم کن کامیابیوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' سلطان شاہ نے پوچھا۔ شاید وہ میری اور سوبھراج کی باتوں کے رموز و نکات کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔

''سب سے پہلا معاملہ ڈاکٹر صادق کے قتل کا ہے۔ وہ نہ بتاتا تو کل بلکہ تھوڑی دیر بعد آئی بی والے ڈاکٹر کے قاتل کی تلاش میں اپنا سر کھپا رہے ہوتے؟''

''یہ بات سمجھ میں آتی ہے'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا۔

''یہ پتا چل گیا کہ وہ شہر چھوڑ رہا ہے لیکن پھر بھی ڈینی سے اپنا رابطہ استوار رکھنا چاہتا ہے۔ یہ چھوٹی کامیابیاں نہیں ہیں۔''

اول خان ان باتوں کو اہمیت دے رہا تھا۔ وہ نکات میری نظروں میں بھی تھے لیکن میرے لیے ان کی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ بنیادی بات یہ تھی کہ سوبھراج ایک مرتبہ پھر ہماری دسترس سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ ملک کے کسی دور افتادہ شمالی علاقے میں پناہ لیتا یا ملک سے باہر نکل جاتا۔ دونوں صورتوں میں ہمارے لیے اس کا سراغ حاصل کرنا دشوار ہوتا۔ اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوجود وہ اپنی آزادی کا کامیابی سے تحفظ کر رہا تھا۔ اس وقت وہ تصور میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے؟

اس رات کے لیے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اول خان نے تقریباً وہ پوری رات ہمارے ساتھ گزاری تھی۔ وہ روانگی کے لیے اٹھا تو میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی کہ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کچھ دیر کی نیند لینے کا خواہاں تھا۔

''اب تم کب تک سوگ کی حالت میں بیٹھے رہو گے۔ کمرے میں جا کر کچھ دیر کے لیے آرام کر لو'' اول خان کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''میں ناکامی کا سوگ منانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ایک فون کا انتظار ہے'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔

''کیا سوبھراج سے کوئی توقع کر رہے ہو؟'' اس کی نظروں میں حیرت تیر گئی۔

''وہ اب کئی دن کے لیے غائب ہو جائے گا' مجھے......''

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

میری توقع کے مطابق دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح تھی ”میرے آدمیوں کو وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ خواب گاہ میں ڈاکٹر صادق کی لاش پڑی ہوئی ملی ہے۔ کسی نے اسے بستر پر گلا گھونٹ کر مارا ہے۔“

”تمہارے آدمیوں نے حیران کن تیزی دکھائی ہے“ میں نے اسے دلاسا دیا ”یہ اور بات ہے کہ ہمارا حریف ان سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا ہے۔“

”تم کس حریف کی بات کررہے ہو...... سوبھراج تو وہاں سے نکل گیا تھا۔“

”اس نے واپس لوٹ کر ڈاکٹر کو ٹھکانے لگایا ہے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر کی وجہ سے اس کے ستارے گردش میں آسکتے ہیں۔“

”تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟“ اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔

”میں نے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے سوبھراج کو فون کیا تھا۔ وہ ابھی تک اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ گاڑی لے کر میرا آدمی وہاں گیا تھا۔ اپنے سچ اور جھوٹ کے درمیان الجھ کر اس نے بتایا کہ ڈاکٹر کو ایجنسیوں کی گرفت سے بچانے کے لیے اس نے اسے مار ڈالا۔ مجھے اس کے اعتراف پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ تم اس کی تصدیق کررہے ہو۔“

”واردات پوری مہارت اور رازداری کے ساتھ کی گئی ہے۔ چوکیدار نے دوبارہ کسی کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ گھر سوبھراج کا دیکھا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر گھر میں اکیلا رہ رہا ہے۔ وہ چوری چھپے اندر داخل ہوا اور اسے مار کر نکل گیا۔ چوکیدار میرے آدمیوں کے ساتھ اپنے مالک کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو لاش دیکھ کر خوف سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بے خبر تھا۔“

”اتنے بڑے گھر میں وہ اکیلا رہ رہا تھا!“ میں نے حیرت اور بے یقینی سے کہا۔

”اس کی پوری فیملی سیر و سیاحت کے لیے یورپ گئی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کی لاش ملنے کی خبر نے میرا ذہن ماؤف کردیا تھا۔ تم نے سوبھراج کے بارے میں بتا کر میرا بوجھ ہلکا کردیا ہے ورنہ اس مسئلے کو حل کرنے میں میرے آدمیوں کا خاصا وقت برباد ہوجاتا۔“

”اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ ڈاکٹر کے قاتل کا نام ابھی صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ بات کھل جانے سے نقصان ہوسکتا ہے۔“

”اب کیا نقصان ہوگا۔ سوبھراج کھل کر تمہارے سامنے آ گیا ہے۔“

”وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کررہا ہے۔ میرے ساتھ اس کا رویہ مفاہمانہ ہے۔ اس نے ڈاکٹر کے قتل والی بات اعتماد میں بتائی ہے۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تمہارے اور سلطان شاہ سے ایک کھلے مقابلے کے بعد مفاہمت کی کیا گنجائش رہ گئی ہے۔ وہ تمہیں چکر دے رہا ہے۔“

”اگر چکر دے رہا ہے تب بھی خاموش رہنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ ساری بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی کا شکار ہے کہ حادثے میں تباہ ہونے والی گاڑی لے کر میرا کوئی آدمی اس کے پاس پہنچا تھا۔“

”یہ بھی اس کا فریب ہوسکتا ہے۔ وہ اوّل درجے کا مکار ہے۔“

”تجربہ بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس بارے میں اس نے سچ بولا ہے۔ میں نے اس کے سامنے اپنے بارے میں کچھ باغیانہ باتیں کی تھیں۔ ان سے شہ پاکر وہ مجھے گھیرنے کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ کھیل بکھر جانے کے بعد وہ معصوم بن رہا ہے۔ اس نے ساری ذمے داری میرے آدمی پر ڈال دی ہے اور اسے میرا باغی قرار دے رہا ہے۔“

”میں تمہارے تجربے اور مشاہدے کو چیلنج نہیں کررہا لیکن ایک بات جانتا ہوں کہ اس بار بہت مکار دشمن سے پالا پڑا ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔“

”میں غافل نہیں ہوں۔ جب تک وہ مجھ سے ملنے سے گریز کررہا ہے مجھے براہِ راست کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آمنا سامنے ہونے کی نوبت آئے گی تو مجھے ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”تم اور سلطان شاہ اس سے مل تو چکے ہو۔“ اس کی آواز الجھن آمیز تھی ”وہ تم دونوں کو جل دے کر گورا قبرستان کے قریب سے فرار ہوا تھا۔“

”اس بارے میں تمہارا ذہن صاف نہیں ہے۔“ میں نے رسانیت سے اسے سمجھایا ”اس وقت میں سوبھراج سے اپنے نمائندے کی حیثیت سے ملا تھا......“

”ٹھیک ہے!“ اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی ”مجھے یاد آ گیا۔ چند دنوں سے یہ نئی پریشانی شروع ہوئی ہے کہ بعض باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگی ہیں۔“

”یہ ذہنی پراگندگی کی پہلی علامت ہے، تم کو آرام کی ضرورت ہے۔“

”آرام ہمارے نصیب میں نہیں ہے کچھ عرصے پہلے پندرہ روز کی چھٹی لے کر سنگاپور گیا تھا لیکن تیسرے ہی دن

واپسی کا حکم آ گیا۔'' وہ بولا'' جب تک نوکری چل رہی ہے یوں ہی چلتی رہے گی تم ذرا کھل کر بتاؤ کہ سوبھراج سے تمہاری کیا باتیں ہوئی ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک طرف اس سے محاذ آرائی چل رہی ہے اور دوسری طرف وہ اب بھی تمہاری دوستی کا خواہاں ہے یہ کیا کھیل ہے۔''

وہ ایک پیچیدہ مذاکراتی سلسلہ تھا جس میں حاضر دماغی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ میرے لیے ہر بات کو لفظ بہ لفظ دہرانا ممکن نہیں تھا لیکن میں نے ترتیب وار اسے ساری جزئیات سے آگاہ کر دیا۔

اس بریفنگ کے نتیجے میں پوری بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ خوش ہو کر بولا'' تم نے نرم انداز میں اس سے بات شروع کر کے یہ کامیابی حاصل کی ہے۔ میں دعا گو رہوں گا کہ وہ جلد ہی تم سے رابطہ کرے۔ میرے آدمی ابھی تک اس کا کوئی سراغ حاصل نہیں کر سکے ہیں۔''

''اس نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ کا حوالہ دے کر مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب وہ ہر قیمت پر یہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ کام ناممکن ہے پھر بھی تمہارے آدمیوں کو کراچی سے نکلنے کے زمینی راستوں پر نظر رکھنی چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا پکڑا جائے۔''

''شہر سے تین راستے نکلتے ہیں۔'' اس کی آواز سے کسی حد تک خود کلامی کا اظہار ہو رہا تھا'' نیشنل ہائی وے، سپر ہائی وے اور حب ریور روڈ' اگر وہ کچے راستوں کا انتخاب نہیں کرتا تو ان تین راستوں کی دیکھ بھال زیادہ دشوار نہیں ہونی چاہیے۔''

''ابھی ہم نے اپنی ساری توجہ اس کی ذات پر مرکوز کی ہوئی ہے اس نے حرام کی دولت سے کئی کاروباری ادارے بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان کی چھان بین بھی ضروری ہے۔''

''وہ بہت چالاک ہے ایسے ادارے دوسرے ناموں پر چل رہے ہیں۔ ان پر کنٹرول اسی کا ہے ان کے کوائف یک جا کیے جا رہے ہیں۔ کسی بھی وقت بھرپور کریک ڈاؤن شروع ہو جائے گا۔''

ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کو سنانے کے لیے اچھی خبر موجود نہیں تھی۔ معلومات کے تبادلے اور بہتر امیدوں کے اظہار کے سوا ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ اختتام کو پہنچ گیا۔

☆☆☆

سلطان شاہ نے چند گھنٹوں میں گاڑی کا نقصان زدہ دروازہ تبدیل کرا لیا تھا۔ کرولا کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس کے ہر ماڈل کے نئے اور پرانے حصے آسانی سے دستیاب تھے۔ مستری کے ساتھ شیر شاہ کا چکر لگانے کے سبب وہ مسئلہ آسانی سے طے ہو گیا تھا۔

''کل تم دونوں نے سوبھراج کو نہ بھگایا ہوتا تو آج ہم اس کی میزبانی کر رہے ہوتے۔'' دوپہر کے کھانے پر ویرا نے اچانک وہ ذکر نکال لیا۔

اسے یہ جان کر افسوس ہوا تھا کہ پچھلی رات اس کے ڈرائنگ روم سے چلے جانے کے بعد بھی واقعات کا سلسلہ جاری رہا تھا جن میں ڈاکٹر صادق کے قتل کی اطلاع سب سے اہم تھی۔

رات کے دو بجے کے بعد تک سوبھراج ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے ہم سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر صادق پر ہاتھ ڈالا تھا۔ آئی بی کے آدمیوں کے سرگرم ہونے تک صبح کے ابتدائی پہر کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اہم خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہیں پا سکی تھی لیکن دن کے بارہ ایک بجے بازار میں آ جانے والے شام کے اخبارات میں اس خبر نے شہ سرخیوں میں جگہ پائی تھی۔ سلطان شاہ واپسی پر شام کے کئی اخبار خرید لایا تھا۔

وہ خبر خاصی تفصیلی اور چشم کشا تھی۔

ڈاکٹر صادق اس وقت شہر کا معروف ڈینٹل سرجن تھا۔ اس کی مالی حیثیت اور ساکھ قابل رشک تھی۔ اس کی بیوی اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ بیرون ملک تھی اور ان دنوں وہ اپنے وسیع و عریض گھر میں صرف چوکیدار کے ساتھ رہ رہا تھا۔ باورچی' ڈرائیور اور مالی اپنا کام ختم کر کے رات تک واپس چلے جاتے تھے۔ جوان بیٹیوں کا ساتھ ہونے کی وجہ ڈاکٹر صادق رات کو گھر میں ملازمین کے رہنے کے خلاف تھا۔

وہ آئی بی کا کیس تھا لیکن رسمی طور پر پولیس اس میں شامل تھی اور اخباری اطلاعات بھی اسی محکمے نے فراہم کی تھیں۔

چوکیدار نے بریک ڈاؤن وہیکل کے ذریعے اکارڈ کی آمد سمیت ہر بات درست بتائی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس موقع پر ڈاکٹر کا سرور نامی ایک پرانا دوست گھر میں موجود تھا جو گاڑی لانے والوں کے ساتھ واپس چلا گیا تھا۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سوبھراج اگر ڈاکٹر کا پرانا دوست تھا تو اس نے سرور کا نام کیوں اختیار کیا ہوا تھا۔ حالات بگڑنے سے پہلے اسے ایک فرضی نام اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی لیکن پوری خبر پڑھنے کے بعد بات صاف ہو گئی۔

ڈاکٹر کے گھر پر سرور کی آمد و رفت ایک ڈیڑھ ہفتے پہلے

شروع ہوئی تھی۔ اس وقت سوبھراج مصائب میں گھر چکا تھا۔ اور روپوشی اختیار کر چکا تھا۔ ان حالات میں وہ کہیں بھی اپنا اصل نام استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

چوکیدار کے لیے سرور ایک نیا چہرہ تھا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ سرور اس کا بچپن کا دوست تھا۔ شاید اس کی وہ بات درست تھی کیونکہ اخباری اطلاعات کے مطابق ڈاکٹر صادق ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی سخت محنت سے تعلیم حاصل کر کے معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا جسے سوبھراج نے خاک میں ملا دیا تھا۔

امکان یہ نظر آرہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان دوستی کی داغ بیل ان ہی دنوں پڑی ہوگی جب ڈاکٹر احمد اپنے گھرانے کی غربت کے ہاتھوں پریشان تھا اور سوبھراج بدمعاشی کے میدان میں اپنے کل پرزے نکال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ سوبھراج اس کی مالی مدد کرتا رہا ہو۔ اس احسان کے بوجھ تلے دب کر ڈاکٹر صادق سوبھراج کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اچانک ویرا نے میرے سامنے اخبار کھینچ لیا ''اس میں کیا رکھا ہے کیا چاٹ رہے ہو۔''

''یہ کیا حرکت ہے! میں ڈاکٹر صادق کے قتل کی تفصیل پڑھ رہا تھا۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اپنا وقت برباد کر رہے تھے۔'' ویرا نے بے ساختہ بولی ''اخبار والوں کے لیے یہ قتل کی ایک پراسرار واردات ہے، تم قاتل کا نام تک جانتے ہو......''

''تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''الفا آزاد ہے۔ دو اہم ترین حکومتی عہدے دار آج کراچی آرہے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ہم چاہیں بھی تو کچھ نہیں کر سکتے، عام حالات میں بھی لوگوں کو ان کی گزرگاہ پر پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔ آج بہت سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔'' سلطان شاہ نے جواب دیا۔

''یہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کی تائید کی ''ہم نے نیک نیتی سے ان کے کسی قافلے میں گھسنے کی کوشش کی تو مشکوک سمجھ کر دھر لیے جائیں گے۔''

''احتیاط کی جا رہی ہے یہ ضروری نہیں کہ آج کوئی واقعہ رونما ہو'' غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''ایسے کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''جب اکیلا آدمی کوئی کام کر رہا ہو تو سب کچھ اس کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ الفا کی کھوپڑی سنک جائے تو وہ آج ہی کچھ کر گزرے گا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسے اپنا مطلوب ہتھیار مل گیا ہو۔ جیب گرم ہو تو کراچی میں سب کچھ مل جاتا ہے۔''

''ویرا! اپنی زبان پر قابو رکھو۔ کیوں ایسے منحوس کلمات منہ سے نکال رہی ہو۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''شتر مرغ ریت میں گردن چھپا لے تو طوفان نہیں تھم جاتا۔ جب تک الفا آزاد ہے' خطرات سر پر منڈلاتے رہیں گے۔ نحوست اور برکت کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

وہ بحث پر آمادہ تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی سلطان شاہ نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا تھا لیکن میرا اشارہ پا کر اس نے بھی اپنی زبان بند کر لی۔

ویرا نے دزدیدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ ہم سر جھکا کر کھانے میں مصروف رہے اور ویرا نے بھی اپنی پوری توجہ اپنی پلیٹ پر مرکوز کر دی۔

پچھلی رات سب کی نیند خراب ہوئی تھی اس لیے ہر ایک کے بشرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر غزالہ ستانے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں ٹیلی وژن کھول کر ڈرائنگ روم میں ایک بڑے صوفے پر دراز ہو گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے بھی شاید اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تھا۔

میں سکون سے لیٹا ہوا ٹیلی وژن پر غزلوں کا ایک اچھا پروگرام دیکھ رہا تھا اچانک ویرا وہاں آگئی اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

خیریت تو ہے کیا کوئی نئی بات سوچ کر آئی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

وہ میرے قریب ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی ''میدان صاف تھا تم اکیلے تھے' میں نے سوچا کہ کچھ وقت تمہارے پاس گزار لوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''میرے اعتراض سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم کسی کی پروا نہیں کرتیں۔ جو تمہارے دل میں آتا ہے وہ کر گزرتی ہو لیکن یہ خیال رکھنا کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ غزالہ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی تو وہ کسی بھی لمحے یہاں آجائے گی۔''

''مجھے معلوم ہے وہ آج کل پولیس والی بنی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کو تخلیے کا کوئی موقع میسر نہیں آنے دیتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی ''اچانک کہیں سے نازل ہو جاتی ہے۔''

''یہ غنیمت ہے کہ وہ خندہ پیشانی سے تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس کی جگہ کوئی تنگ نظر اور متعصب عورت ہوتی تو اب تک ہمارے راستے جدا ہو گئے ہوتے۔''

’’یہ صرف اس کا کمال نہیں ہے‘ بارہا تمہارے قریب ہونے کو دل چاہتا ہے لیکن میں بھی احتیاط سے کام لیتی ہوں۔ اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتی!‘‘

’’یہ احتیاط ہے کہ مجھے اکیلا دیکھا اور تم یہاں آگئیں!‘‘ میں نے کہا۔

’’وہ تھکی ہوئی ہے اب تک گہری نیند سو چکی ہوگی۔‘‘ وہ میری پنڈلی میں چٹکی لیتے ہوئے بولی’’یہ بتاؤ کہ آج باہر کھانا کھانے کے بارے میں کیا کہتے ہو۔‘‘

’’تم تینوں پچھلی رات ہی تو باہر گئے تھے۔‘‘ میں نے اسے یاد دلایا۔

’’کل مزہ آگیا تھا اسی لیے آج پھر دل چاہ رہا ہے۔ تم ساتھ ہو گئے تو ڈنر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔‘‘ وہ مجھے آنکھ مار کر بولی۔

’’اپنے دل پر قابو رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سب ایک ساتھ کسی چوہے دان میں پھنس جائیں۔‘‘

’’یہ نام نہ لیا کرو‘ مجھے چوہے کے تصور سے گھن آتی ہے۔‘‘

’’اس کا کوئی متبادل بتا دو۔ میں یہ نام نہیں لوں گا۔‘‘ میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس وقت ویرا کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ مجھے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

’’ہوٹل نہ سہی تو پھر جہانگیر کی طرف چلو‘ کبھی کبھی تم اسے بالکل بھلا دیتے ہو‘ وہ بے چارہ تمہاری دوستی کی بہت بھاری قیمت ادا کر تا رہا ہے۔‘‘

ویرا کی اس بات پر میرے دل کے نہاں خانوں میں یکایک ندامت کا احساس جاگ اٹھا۔ میں ڈاکٹر صادق کے معاملے میں سوبھراج کو خود غرض اور احسان فراموش قرار دے رہا تھا۔ میرے لیے جہانگیر کا مرتبہ بہت بلند تھا لیکن اپنی مصروفیات میں گھر کر میں اس کی خبر گیری سے مجرمانہ غفلت کا مرتکب ہو رہا تھا۔ میں نے بلا تامل ویرا کی تجویز قبول کر لی’’جہانگیر کے گھر جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے، ہم وہاں چل سکتے ہیں۔‘‘

’’مجھے معلوم تھا کہ تم وہاں جانے کے لیے فوراً رضا مند ہو جاؤ گے۔‘‘ ویرا ہنستے ہوئے بولی’’اس گھر میں جہانگیر سے زیادہ سلمٰی کی کشش ہے۔ پتا نہیں وہ تمہاری ذات کے سحر میں کیوں گرفتار ہے۔ تمہارے آگے پیچھے گھومتی رہتی ہے۔‘‘

ویرا پہلی بار وہ ناگفتنی اپنی زبان پر لائی تھی‘ میں نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا’’ویرا! تم کسی کو تو معاف کر دیا کرو۔ وہ میرے جگری دوست کی بیوی ہے، میں اس کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس کے بارے میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا۔‘‘

’’میں تمہیں کب الزام دے رہی ہوں۔ وہ تمہارے لیے پسندیدگی کا جذبہ اپنے دل میں لیے پھرتی ہے۔ تم بے نیازی سے اسے نظر انداز کرتے رہتے ہو اور کچھ ہو یا نہ ہو اس طرح تمہاری مردانہ انا کو بہت تسکین ملتی ہوگی۔‘‘ اس نے ٹٹو لنے والے انداز میں کہا۔

’’تم رنگین مزاج لوگوں کی بات کر رہی ہو۔ وہ ایسے واقعات سے حظ اٹھاتے ہوں گے۔ میرا ان میں شمار نہیں ہے۔‘‘ میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

’’مرد کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ یہ بات مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ تم بھی بہت رنگیلے تھے۔ میرے بدن کا رواں رواں اس حقیقت کا گواہ ہے۔ اب تم نے اپنے اوپر پارسائی کا خول منڈھ لیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے! اندر سے تم وہی ہو جسے بلیک کوئن کو بار بار فتح کرنے کا جنون تھا۔‘‘

میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ماضی کا ذکر چھیڑ کر اس نے میرے وجود میں عجیب سی سنسنی کی لہریں دوڑا دی تھیں’’تم یہ باتیں کرنے کے لیے آئی ہو!‘‘

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ایک مسکان کے ساتھ بولی’’اتنی قربت اور چاہت کے بعد کبھی کبھی تمہارا رویہ دکھ دینے لگتا ہے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں نمودار ہونے والی حیوانی چمک بتا رہی ہے کہ آج بھی یہ سب تمہیں اچھا لگتا ہے اپنے خول میں کیوں سمٹے رہتے ہو۔‘‘ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔

’’اپنی جگہ پر بیٹھ کر بات کرو۔‘‘ میں نے بوکھلا کر اسے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ اسے چھوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے میرا وجود سلگ اٹھا ہو میں نے گھبرا کر وہ کوشش ترک کر دی۔

ویرا اپنا سرا اونچا کر کے آسودہ انداز میں ہنس پڑی اور نیم سرگوشیانہ آواز میں بولی’’مجھے خوشی ہے کہ میرے معاملے میں تم آج بھی اندر سے اتنے ہی کمزور ہو جتنے ماضی میں ہوا کرتے تھے۔ ڈر کیوں گئے مجھے خود سے دور دھکیل دو نا۔‘‘

وہ وہیں کھڑی رہی میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل برپا ہو چکی تھی۔ اس کے وجود سے پھوٹنے والی مخصوص نشیلی بو مزید چند لمحوں تک میرے حواس کو ماؤف کرتی رہتی تو میرے لیے ویرا کے ہوش ربا پیکر کے سحر سے نکلنا دشوار ہو جاتا۔

میں وہاں سے اٹھ کر ویرا سے دور جا کھڑا ہوا۔

’’ڈرپوک!‘‘ ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی شوخ آواز برآمد ہوئی’’دنیا جہان سے لڑتے پھرتے ہو کچھ اپنے آپ سے لڑنا بھی سیکھو‘ چند لمحوں میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔‘‘

''جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''مجھے کچھ دیر کے لیے سکون سے خبریں سننے دو میں بلاوجہ ڈرائنگ روم میں نہیں آیا تھا۔''

''خبریں سن کر میرے کمرے میں آؤ گے؟'' اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھتے ہوئے مخمور لہجے میں سوال کیا۔ مجھے چڑانے کے چکر میں وہ اس وقت خود بھی کچھ بہکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

''وہاں آیا یا نہ آیا' یہ وعدہ ہے کہ شام کو ہم چاروں جہانگیر کے گھر چلیں گے۔'' میں نے جلدی سے اسے یقین دلایا۔

اس نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ شکایتی نظروں سے مجھے گھورتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں نے اپنی گلوخلاصی ہو جانے پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور دوبارہ بڑے صوفے پر دراز ہو گیا وہ چلی گئی تھی لیکن میرے ذہن میں اس کا للکارتا ہوا چہرہ رقص کر رہا تھا۔

اپنی بے ہنگم مصروفیات کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو بھی مختلف ٹیلی وژن پروگراموں کے اوقات کا صحیح علم نہیں تھا۔ میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے بلاوجہ خبروں کا شوشا چھوڑا تھا جن کے نشر ہونے میں کافی وقت باقی تھا۔

وہیں لیٹے لیٹے میری ذہنی رو الفا کی طرف منتقل ہو گئی۔ یہ بہت اچھا تھا کہ جلال نے اسلام آباد پہنچتے ہی احتیاطی تدابیر کا ڈول ڈال دیا تھا اور اس روز کراچی آنے والے دو لیڈروں کے لیے فوجی کمانڈوز کے حفاظتی دستے کا بندوبست کر لیا تھا لیکن وہ تیاریاں کچھ قبل از وقت محسوس ہو رہی تھیں' وہ معاملہ اس قدر فوری نوعیت کا نہیں تھا۔

بھارت سے آنے والے ایجنٹوں کی نفری کل دو نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں ایک صدف مینشن میں پہنچایا جا چکا تھا۔ اس وقت الفا بالکل تنہا تھا۔ کراچی پہنچنے پر ان دونوں نے مدد کے لیے سوبھراج سے رابطہ کیا وہ میرے دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ اس نے دونوں کو ہری جھنڈی دکھا دی۔

یہ سوبھراج کا جھوٹ نہیں تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ سوبھراج نے انہیں کسی قسم کا تعاون فراہم نہیں کیا تھا۔

الفا کے پاس پیسا نہیں تھا۔ اسے اپنے کام کے لیے ہتھیار دستیاب تھا جو مفت میں نہیں مل سکتا تھا۔ چارلی کی طرح اس کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ ایک پستول یا ریوالور ہو سکتا تھا جو آمنے سامنے کی لڑائی میں ایک دفاعی ہتھیار ہو سکتا تھا لیکن تاک کر کسی کو نشانہ بنانے کے لیے وہ بالکل بے سود تھا۔

اگر کلفٹن میں مزار پر کچھ وقت گزار کر چارلی نے زائرین [illegible]

سے ایک بڑی رقم بٹور لی تھی تب بھی اسے بلیک مارکیٹ سے رائفل خریدنے کے لیے وقت درکار تھا۔

ہتھیار کھلے بازاروں میں نہیں بکتے تھے کہ ٹافی کی طرح قیمت ادا کر کے خریدے جا سکیں۔ جو لوگ اس غیر قانونی دھندے سے وابستہ تھے ان کو سب گھر گھاٹ معلوم تھے۔ وہ چٹکیوں میں بڑے چھوٹے سودے کرا سکتے تھے جب کہ الفا شہر میں اجنبی تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ رقم ہاتھ آتے ہی اپنی پسند کا ہتھیار خرید سکے۔

جب تک وہ مسلح نہیں ہو جاتا' اس وقت تک اس کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کڑیوں پر غور کرتے کرتے مجھے یقین ہو گیا کہ اس روز الفا کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکے گا۔

من پسند ہتھیار کے حصول کے ساتھ اس کے لیے ایک بڑا مسئلہ معلومات کی فراہمی کا تھا۔ وہ کوئی بھی روپ دھار کر مقامی آبادی میں گھل مل سکتا تھا لیکن اس کا ایسے لوگوں سے فوری رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا جو اندر کی خبریں اسے پہنچا سکیں۔

باخبر اور بارسوخ طبقے کے امرا اور شرفا اسے شہر کی گلیوں' بازاروں اور خانقاہوں میں نہیں مل سکتے تھے۔ اگر وہ کسی طرح ہتھیار حاصل کر بھی لیتا تو اس کے لیے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ مقتدر سیاسی شخصیات کی آمدورفت کے شیڈول کیا ہوں گے۔

ان معلومات کے بغیر وہ کوئی منصوبہ بندی نہیں کر سکتا تھا۔

ان دنوں ملک میں دہشت گردی کے واقعات زیادہ عام نہیں ہوئے تھے۔ پھر بھی بڑے آدمیوں کی نقل و حرکت کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط اور رازداری سے کام لیا جاتا تھا۔ موہوم ترین شبہ ہونے پر آخری لمحات پر پروگرام بدل دیے جاتے تھے۔ مجھے یہ ناممکن نظر آرہا تھا کہ الفا ان تمام رکاوٹوں کو توڑ کر اس روز کوئی کام دکھا سکے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اول خان کا فون آیا۔ جلال سے ساری گفتگو اس کے سامنے ہوئی تھی۔ بس ایک بات اس کے جانے کے بعد رونما ہوئی تھی کہ جلال نے اسلام آباد سے فون کر کے ڈاکٹر صادق کے قتل کی تصدیق کی تھی۔

اول خان نے پژمردہ انداز میں فون پر سلام دعا کی تو میں نے چونک کر پوچھا ''کیا بات ہے؟ تمہاری آواز سے کچھ پریشانی جھلک رہی ہے۔''

''خبر بہت پریشان کن ہے۔ ابھی ذرا سی دیر پہلے ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک اہم شخصیت کے موٹر کیڈ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ وہ اسلام آباد سے آنے والی پرواز سے ابھی کراچی آئے تھے اور ائرپورٹ سے شہر جا رہے تھے۔'' یکایک

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان کی آواز بہت دور کسی گہرے کنویں کی تہ سے آرہی ہو۔ میرے سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، ہونے والی بات ہوکر رہی تھی۔

''تم چپ کیوں ہوگئے...... آگے کیوں نہیں بولتے!'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''شاید تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے میں پوری بات بتا چکا ہوں۔ حملہ اس اعتبار سے ناکام رہا ہے کہ وی وی آئی پی کار بچ کر آگے نکل گئی۔ اس حملے میں ایک موٹر سائیکل سوار کمانڈو ہلاک ہوا ہے' دو شدید زخمی ہوئے ہیں۔'' اس بار اول خان کی آواز واضح تھی۔

''اصل گاڑی بچ گئی تو اس حملے کو ناکام ہی سمجھو بے چارہ کمانڈو مفت میں......''

''حملہ بہت شدید اور خوفناک تھا۔'' اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا ''اس گاڑی پر کئی گولیاں لگی تھیں، نامعلوم نشانچی نے پورا برسٹ مارا تھا۔ وہ گاڑی بلٹ پروف نہ ہوتی تو آج ایک بدترین سانحہ رونما ہو چکا ہوتا۔''

''لیکن یہ کیسے ہوگیا۔'' میں نے بے یقینی سے کہا ''چند منٹ پہلے تک میں اسی مسئلے پر دماغ سوزی کر رہا تھا۔ الفا کے پاس کچھ بھی نہیں، وقت نہ سرمایہ نہ ہتھیار۔ نہ ہی اس کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے اسے آنے والے کے پروگرام کی اطلاع مل سکتی!''

''فی الحال میرے پاس ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔ میں تمہیں ایک ٹھوس زمینی حقیقت بتا رہا ہوں۔ بھاری فورس نے پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور سرگرمی سے حملہ آور کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔''

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' اس کے ہیجان آمیز لب و لہجے نے مجھے وہ سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔

''میں اپنے یونٹ کے ساتھ کارساز روڈ کے اتصال کے مقام پر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔'' وہ اسی لہجے میں بتا رہا تھا ''وی وی آئی پی موٹر کیڈ کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے وائرلیس پر خبر گردش میں آگئی تھی اور بقیہ راستے پر کھڑی ہوئی نفری کو ہائی الرٹ کے احکام جاری کر دیئے گئے تھے۔ وہ کارواں گزرتے ہی میں اپنے جوانوں کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ گیا تھا۔''

''اوہ! تو تم بھی ان حفاظتی انتظامات میں شامل تھے۔''

''ہاں!'' اس نے اقرار کیا ''جلال کے پیغام کے بعد شہر میں ہنگامی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ ملٹری پولیس سمیت ہر فورس کو گزرگاہ کے چھوٹے چھوٹے حصوں کی دیکھ بھال سونپ دی گئی تھی۔ عام پولیس والے ان انتظامات سے بے خبر تھے اور اپنی مقررہ جگہوں پر کھڑے ہوئے ساری نقل و حرکت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ رازداری کے ساتھ کیئے گئے ان حفاظتی اقدامات کے باوجود واردات کو نہیں روکا جاسکا۔''

''کیا تم وہاں بہت زیادہ مصروف ہو؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میرا یونٹ محاصرہ کرنے والوں میں شامل ہے۔ میں مغربی حصے کے سرچ آپریشن کی کمان کر رہا ہوں۔ مشکل سے وقت نکال کر تم کو فون کیا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس وقت یہاں خوف و ہراس اور افراتفری کا کیا عالم ہے۔''

''تم اپنا کام کرو۔ میں کسی اور کو پکڑتا ہوں۔'' میں نے بات مختصر کر دی۔

''فکر نہ کرو۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں سیدھا تمہاری طرف آؤں گا۔'' بات ختم ہوگئی۔

ٹیلی وژن کے خبرنامے میں پانچ بجے کوئی غیر معمولی بات نہیں بتائی گئی' شاید وہ واقعہ نیوز بلیٹن کا وقت نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ اول خان کی باتوں سے بھی اندازہ ہوا تھا کہ موٹر کیڈ پر فائرنگ کا واقعہ پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان پیش آیا تھا۔

دہشت گردی کی وارداتوں کے بارے میں دنیا کے سارے ممالک یہ راگ الاپتے رہتے تھے کہ کسی حادثے یا واقعے کے بارے میں پیشگی اطلاع مل جانے کے باوجود اسے رونما ہونے سے روکنا سو فیصد ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک مجروں کی واضح نشان دہی نہ ہو' ایسے واقعات پر قبل از وقت قابو نہیں پایا جاسکتا۔

میں ایسے بیانات کو ہمیشہ سرسری طور پر پڑھتا تھا اور اعلیٰ حکام کی اس ٹال مٹول پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ جاتا تھا۔ میری دانست میں وہ باتیں صرف ذمے داری سے بچنے کے لیے کی جاتی تھیں لیکن تازہ ترین واقعے نے میرے اس خیال کی نفی کر دی تھی۔

گنے چنے لیکن کلیدی افسروں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ راکا ایک ایجنٹ کسی انتہائی اہم حکومتی شخصیت کو نشانہ بنانے کے عزائم کے ساتھ شہر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ پھر جلال کے ذہن میں اس شبہے نے سر ابھارا کہ اسلام آباد سے کراچی جانے والے دو اہم حکومتی عہدے داروں پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ ہنگامی طور پر ساری پیش بندیاں کرلی گئیں لیکن فائرنگ کے واقعے کو نہیں روکا جاسکا۔ زبردست حفاظتی حصار کے باوجود دہشت گرد اپنے مشن میں کسی حد تک کامیاب ہوگیا تھا۔ ذہن میں تمام تر منفی پہلو روشن ہونے کے باوجود میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ واقعہ الفا

کی مہم جوئی کا نتیجہ تھا۔ اس نے اپنی مشکلات پر کب اور کیسے قابو پایا تھا' یہ عقل کو حیران کر دینے والا ٹیڑھا معما تھا۔

اس خبر نے مجھے اندرونی ہیجان میں مبتلا کر دیا' آدمی ایسی کسی کیفیت سے دوچار ہو جائے تو تنہائی میں اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ فوری طور پر تنہائی سے نجات حاصل کر کے کسی ایسے ہم نفس کو تلاش کیا جائے جس کے سامنے آزادی کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالی جاسکے۔

غزالہ میری رفیق حیات اور فطرت کے اعتبار سے صلح جو تھی۔ اس سے جو کچھ بھی کہہ دیتا۔ وہ سعادت مندی سے سنتی رہتی۔ ویرا کا مزاج اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اتنے انہماک سے بال کی کھال نکالنے کا فریضہ انجام دیتی تھی کہ اس کے سامنے بات کو آگے بڑھانا مشکل ہو جاتا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے رک کر اسے آواز دی تو اس سے پہلے ویرا اپنے کمرے سے نکل آئی۔

''کیا بات ہے...... کیوں شور مچا رہے ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے میں آرام کرو۔'' میں نے غور سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''میں اس سے کسی طرح کم تر نہیں ہوں' تم مجھ سے بھی بات کر سکتے ہو۔'' اس نے اصرار کیا ''میں تم کو کچھ اچھے مشورے بھی دے سکوں گی۔''

''مجھے معلوم ہے!'' میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے ہلکے سے طنز سے کہا ''تم نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا تو اندر سے عقل مندی کی خاصی تیز بو آئی تھی۔ تمہارے چہرے اور آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت تم مفت مشورے دینے کے موڈ میں آچکی ہو۔''

وہ عجیب سے والہانہ انداز میں اپنا سر جھٹک کر ہنس پڑی اور بولی ''تم عورتوں سے زیادہ طنز کرتے ہوا اور طعنے دیتے ہو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اب تمہیں عقل مندی کی بو آنے لگی ہے۔ ایسا ہے تو تمہیں سلطان شاہ کے کمرے سے بے وقوفی کی بدبو بھی آنی چاہیے۔''

اسی وقت سلطان شاہ اس کی ادھوری بات سنتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے پر آ گیا اور گہرے گہرے سانس لیتا ہوا مدافعانہ انداز میں بولا ''تم غلط کہہ رہی ہو یہاں کوئی بدبو نہیں آ رہی۔ یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے۔'' ویرا کی پوری بات سرے سے اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

''تم کو نہیں آئے گی۔'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''جو جہاں رہتا ہے وہاں کے ماحول اور بو کا عادی ہو جاتا ہے۔ آؤ ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔''

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

ویرا نے چلتے چلتے وہ شعر پڑھا اور میرے کندھے پر ہاتھ مار کر بولی ''مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس شاعر کا شعر ہے لیکن میرے لیے حسب حال ہے۔ تم میرے پینے پر اعتراض کرتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں شراب خانہ خراب کو کیوں منہ لگاتی ہوں۔ میں اپنی غریب الوطنی کا دکھ بھلانے کے لیے تھوڑی سی پی رہی تھی کہ تم نے چیخ و پکار شروع کر دی۔''

اس کے لہجے میں لکنت تھی نہ چال میں لڑکھڑاہٹ۔ وہ بہت نپے تلے انداز میں بول رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے سرخ ڈورے چغلی کھا رہے تھے کہ اس نے دن دیہاڑے خاصی اسکاچ بوتل سے اپنے معدے میں منتقل کر لی تھی۔

''غم بھلانے کے اور بھی طریقے ہیں' تم کو یہی ایک طریقہ راس آتا ہے۔'' میں نے کہا ''ابھی سورج ڈھلنے میں دیر ہے' تھوڑی دیر میں اول خان آتا ہوگا۔ تم نے ابھی سے اپنا تماشا بنانا شروع کر دیا' پتا نہیں ان حرکتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔''

''وہی جو میں کچھ دیر پہلے تم سے کہہ رہی تھی۔'' اس نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اب تم ایک اور شعر سنو۔

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
چوری تو نہیں کی ہے ڈاکا تو نہیں ڈالا

''شریف گھرانوں میں اس حرکت کو چوری اور ڈکیتی سے زیادہ برا سمجھا جاتا ہے۔''

''سبحان اللہ!'' اس نے روانی سے کہا ''تمہیں یہ شوق ترک کیے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ اس سے پہلے یہ رذیل گھرانا تھا!''

''مس ویرا لائیڈ!'' میں نے دانت پیستے ہوئے اسے مخاطب کیا ''کیا ہم اس وقت کسی اور موضوع پر بات کر سکتے ہیں؟ میں نے ایک ضرورت کے تحت سلطان شاہ کو آواز دی تھی۔ تم بلائے ناگہانی کی طرح کیوں نازل ہو گئیں!''

ہماری آوازیں سن کر غزالہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی اور ہم چاروں ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔

''بالکل کر سکتے ہو تم خاموش تھے اس لیے میں بول رہی

تھی۔ تم بولنا شروع کردو' میں خود ہی خاموش ہو جاؤں گی۔''

حاضر جوابی میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔

مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ قہر درویش برجان درویش کے مصداق میں بھنا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''آپ کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔'' میرے تیور دیکھتے ہوئے غزالہ نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ''ویرا کو بھول کر مجھ سے بات کریں۔''

''خبروں میں کچھ نہیں تھا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے کہا ''ابھی ابھی اول خان کا فون آیا تھا تھوڑی دیر پہلے ملک کی ایک اہم مقتدر شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا ہے!''

''واقعی!'' ویرا نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھاڑ کر سوال کیا۔

''اگر یہ مذاق ہے تو اس کی ذمے داری اول خان کے سر پر ہے۔'' میں نے جل کر کہا۔

''اوہو...... ڈینی ڈارلنگ!'' وہ لہک کر بولی ''بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات کا برا مان جاتے ہو۔ یہ بہت اہم واقعہ ہے اس کی تفصیل بتاؤ۔''

غزالہ خاموش بیٹھی اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرے لیے ویرا کا وہ بے تکلفانہ انداز تکلم غزالہ کی برداشت سے باہر تھا۔

ویرا کے پُرسرور موڈ کو بھول کر مجھے غزالہ کی فکر ہوگئی۔ آثار بتا رہے تھے کہ ویرا نے اسی انداز میں مزید کچھ کہا تو وہ پھٹ پڑے گی۔

اس متوقع تصادم کو ٹالنے کے لیے میں نے کسی توقف کے بغیر وہ سب دہرانا شروع کردیا جو میں فون پر اول خان سے سن چکا تھا۔

میری بات مکمل ہوتے ہی ان تینوں نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ ہر ایک پرجوش انداز میں کوئی نہ کوئی اہم بات کہنا چاہ رہا تھا۔

سلطان شاہ کی خالص مردانہ آواز ان دونوں کی آواز پر حاوی تھی۔ انہیں پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ الفا کے لیے اتنے قلیل وقت میں سنبھلنا اور اتنی بڑی واردات کی تیاری کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں اپنی بات ختم کرچکا تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔ سلطان شاہ کے مدلل نظریے کا بیان مکمل ہونے کے بعد غزالہ اور ویرا کو بھی بولنے کا موقع مل گیا۔

اس واقعے کے بارے میں ان تینوں کے دماغوں میں کم و بیش وہی تحفظات تھے جن پر میں غور کرتا رہا تھا۔ کوئی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ حملہ الفا نے کیا ہوگا۔

''پھر وہ کون ہوسکتا ہے؟'' میں نے اس اہم سوال کا بوجھ ان پر ڈال دیا۔

''تم بتا رہے ہو کہ وہاں محاصرے کی حالت ہے۔ حملہ آور کی تلاش جاری ہے۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں!'' ویرا کہہ رہی تھی ''ہائی الرٹ پوزیشن میں پہلی گولی نکلتے ہی حملہ آور کی کمین گاہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ اسے رنگے ہاتھوں وہیں پکڑا جانا چاہیے تھا۔ اسے فرار کے لیے چند لمحوں کی مہلت درکار تھی۔ وہ اسے مل گئی وہ پورا برسٹ فائر کرکے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اب وہاں رسمی کارروائی ہو رہی ہے۔ وہ سب مل کر بھی اس کی گرد نہ پا سکیں گے۔ یہ ایک نہیں کئی آدمیوں کا کام معلوم ہوتا ہے۔''

اور اگر حملہ آور اکیلا تھا تب بھی وہ الفا نہیں ہوسکتا۔ وہ کئی مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی اپنی جان خطرے میں ہے۔'' سلطان شاہ پرزور لہجے میں بولا ''کل رات اس کا اکلوتا ساتھی پکڑا گیا ہے۔ اس کے لیے اتنے کم وقت میں وسائل یکجا کرنا اور ٹارگٹ کی نقل و حرکت کے خفیہ پروگرام سے آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔''

''گولی چلانے والا ایک ہی رہا ہوگا لیکن اسے دوسروں کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔'' غزالہ نے مزید باریکی میں جاتے ہوئے کہا ''ویرا صحیح سمت میں سوچ رہی ہے۔ یہ ایک فرد کے بجائے کسی دہشت گرد گروہ کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ الفا کی طرح اجنبی نہیں تھے۔ انہیں پورے علاقے سے اچھی طرح واقفیت تھی اور انہوں نے حملہ کرنے سے پہلے اپنے فرار کی محفوظ راہ کا تعین کرلیا تھا۔''

''آئی ایم سوری ڈینی!'' ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''یہ آج کی اہم ترین خبر تھی اور میں شعر و شاعری میں تمہارا وقت برباد کر رہی تھی۔ اپنی بے وقت کی راگنی پر میں شرمندہ ہوں۔ خبر سن کر میرا نشہ ہرن ہو چکا ہے۔''

''اس بارے میں جلال کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی!'' غزالہ بولی۔

''ناکام حملے کی خبر پر اسلام آباد میں کہرام برپا ہوگیا ہوگا۔'' میں نے بوجھل لہجے میں کہا ''اول خان جائے واردات سے بہت قریب تھا۔ اس نے واقعہ رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن بعد کے حالات اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اسلام آباد والے سیکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا سارا شہر اس وقت بدترین افواہوں کی زد میں آیا ہوا ہوگا۔ مجھے یقین ہے

کہ جلال اس بحران سے نکلتے ہی مجھے فون کرے گا۔''
''اول خان وہاں کیسے پہنچ گیا۔ اہم لوگوں کے راستوں کی حفاظت کرنا اسپیشل ٹاسک کے فورس کا کام نہیں ہوسکتا۔'' ویرا نے اچانک سوال کیا۔
''بات صدف مینشن سے شروع ہوئی تھی۔'' میں نے اسے پس منظر سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''وہاں چارلی نے سنسنی خیز انکشاف کئے اور جلال اپنی رپورٹ کے ساتھ فوری طور پر اسلام آباد روانہ ہوگیا۔ الفا کراچی میں دندناتا پھر رہا ہے اس لیے ساری توجہ یہیں مرکوز کردی گئی۔ کوئی حملہ روکنے کے لیے شہر میں موجود ہر فورس کو حفاظتی انتظامات میں شامل کرلیا گیا۔ اول خان اور اس کے یونٹ کو شارع فیصل پر کارساز کے آس پاس کا علاقہ سونپا گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ان انتظامات میں ملٹری پولیس بھی شامل تھی۔''
''ایسے کام پھر بھی ایس ٹی ایف کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔'' ویرا مصر رہی۔
''دائرہ کار دوسرے اداروں کا ہوتا ہے۔ ایس ٹی ایف کا سرے سے کوئی دائرہ کار نہیں ہے۔ یہ معاملہ اونچی سطح کا تھا۔ یقینی طور پر مرکزی وزارت داخلہ نے جملہ مقامی وسائل کو متحرک کرنے کی ہدایت کی ہوگی۔ اسے نہیں ٹالا جاسکتا تھا۔''
میرے جواب سے ویرا خاموش ضرور ہوگئی لیکن اس کی نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔
''تم مزید کچھ کہنے کے موڈ میں نظر آرہی ہو۔'' غزالہ نے اسے ٹوکا۔
''یہ حکم حاکم مرگ مفاجات والی بات ہے۔ مرکز کی ہدایت کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ہر حکومت میں وزیر داخلہ سب سے طاقتور ہوتا ہے۔'' سہارا پاتے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا ''میں نے اکثر دیکھا ہے کہ سڑکوں کے کنارے پولیس والے اپنی رائفلوں کو لاٹھیوں کی طرح زمین پر ٹیک کر بیزاری سے اونگھتے رہتے ہیں۔ کسی کار، موبائل موٹر سائیکل کا سائرن سنائی دیتا ہے تو چونک کر ذرا سیدھے ہوتے ہیں اور اس کے گزرتے ہی دوبارہ اپنے پرانے شغل میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ان میں ذرا سی دیر کے لیے اس وقت چونچالی نظر آتی ہے جب فرسٹ پائلٹ کے پیچھے پورا کارواں طوفانی رفتار سے نمودار ہوتا ہے اور زن سے آگے گزر جاتا ہے۔ یہ کام ایس ٹی ایف کا نہیں ہے۔''
''اس موضوع پر اول خان تمہیں بہتر جواب دے سکے گا۔'' میں نے تحمل سے اسے سمجھایا ''یہ وقت تنقید کا نہیں غور و خوض کا ہے۔ اگر حملہ آور اس وقت ہاتھ نہ آیا تو پھر انتہائی مغز سوزی کے بعد ہی اس تک رسائی کی کوئی راہ سامنے آسکے گی۔''
ہم چاروں ڈرائنگ روم میں اس طرح جم کر بیٹھے کہ شام کی چائے بھی وہیں منگوالی گئی۔ ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اس واقعے کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھا۔
ویرا نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سچ ثابت ہوتا نظر آرہا تھا۔ نشہ مدہوش کردیتا ہے لیکن فکر نشے کو نگل جاتی ہے۔ ویرا اس بحث میں اتنی سرگرمی سے ملوث ہوئی تھی کہ اس کے چہرے سے مے نوشی کے سارے اثرات کافور ہوگئے تھے۔ حد یہ تھی کہ اس کی خوب صورت آنکھوں میں تیرتے ہوئے 'خمار کے ڈورے بھی غائب ہوچکے تھے۔ وہ پوری ذہانت اور حاضر دماغی کے ساتھ بحث کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کررہی تھی۔
سرکاری ذرائع سے کسی خبر کی امید میں ٹیلی وژن مسلسل کھلا ہوا تھا۔ اس پر معمول کے پروگرام جاری تھے۔ مجھے توقع تھی کہ اس بڑی خبر کا بلیک آؤٹ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ یہی ہوا سات بجے مختصر خبروں میں وہ واقعہ قدرے تفصیل سے رپورٹ کیا گیا پھر بھی اول خان کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کا دائرہ وسیع تر تھا۔
آٹھ بجے اول خان آپہنچا۔ پولیس اور ایجنسیوں کے عملے نے مل کر وہ پورا علاقہ چھان مارا تھا مگر حملہ آور تو دور کی بات تھی وہاں سے کوئی مشتبہ شخص بھی ہاتھ نہیں آسکا تھا۔
''اس قافلے پر حملہ کہاں ہوا تھا؟'' میں نے متجسس لہجے میں سوال پوچھا۔
''شاید میں نے تمہیں فون پر بتایا تھا کہ یہ واقعہ ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے قریب پیش آیا ہے۔'' اس نے مضمحل لہجے میں جواب دیا ''بعد میں پتا چلا کہ قافلے پر اسٹیشن کی چھت پر سے گولیاں چلائی گئی تھیں۔''
''وہاں موجود حفاظتی عملے نے وہاں سے گولیوں کی بوچھاڑ آتی دیکھی ہوگی۔'' ویرا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
''دن کا وقت تھا۔ ہر طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے کوئی بھی یہ نہ دیکھ سکا کہ گولیاں کہاں سے آرہی تھیں۔ تڑاتڑ کی آوازیں سنتے ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔'' اول خان بتا رہا تھا ''کچھ مسلح افسروں نے جوش میں آکر اندھا دھند جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ وہاں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ لمحوں کے لیے وہاں قیامت کا سماں پیدا ہوگیا تھا......''
''یہ کیسے پتا چلا کہ فائرنگ اسٹیشن کی عمارت کی چھت سے کی گئی تھی؟'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر بے تابی سے سوال کیا۔ میں اس ہولناک واقعے کی تفصیل سے زیادہ نتائج

جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"افراتفری میں سارا عملہ آس پاس پھیل گیا تھا لیکن ڈی آئی جی نے فوری طور پر بلند مقامات پر پہنچنے کی ہدایت کی۔ وہ خود اسٹیشن کی عمارت میں گھس کر چھت پر چڑھا تو وہاں خود کار رائفل پڑی ہوئی تھی جس کا آدھا میگزین خالی تھا۔"

وہ خالص پیشہ ورانہ واردات تھی۔ حملہ آور پہلے سے سوچ کر آیا تھا کہ واپسی میں اسے خالی ہاتھ فرار ہونا ہے تاکہ کسی کو اس پر شبہ نہ ہو اور وہ عام لوگوں میں گھل مل کر جائے واردات سے دور نکل جانے میں کامیاب ہو سکے۔

"روسی کلاشنکوف اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ اسے کپڑوں میں چھپا کر آسانی سے کہیں بھی لے جایا جا سکتا اور یہ آسانی سے سستے داموں مل جاتی ہے۔" سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر پرتشویش لہجے میں کہا۔

"وہ کلاشنکوف نہیں تھی۔" اول خان نے اس کی تردید کی۔ "اس سے بڑی امریکی ساخت کی بہتر اور طاقت ور رائفل تھی اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔"

اول خان کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میں چونک پڑا۔

کراچی میں ہتھیاروں کے چور بازار کے بارے میں میری معلومات قابل رشک نہیں تھیں لیکن مجھے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس بازار میں امریکی ہتھیار دستیاب نہیں تھے۔ افغانستان میں روسی مہم جوئی کے زمانے میں ہر طرف امریکی ہتھیاروں کی بھرمار نظر آنے لگی تھی وہ آندھی کے بیر تھے۔ اس لائن سے تعلق رکھنے والوں کو معلوم تھا کہ ان ہتھیاروں کی سپلائی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکے گی۔ انہوں نے منہ مانگے داموں پر بازار خالی کر دیئے اور جب افغانستان میں روس کی پسپائی کے جشن کا آغاز ہوا تو بازار سے وہ ہتھیار غائب ہو چکے تھے۔

حملہ آور نے اگر امریکی ساخت کی رائفل استعمال کی تھی تو وہ واقعہ بہت خیال انگیز تھا۔

میرا ذہن بھارتی دہشت گرد اور امریکی رائفل کی گتھی میں الجھا ہوا تھا اور ویرا نے اپنا سوال اول خان کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

مجھے ان دونوں کی گفتگو سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن میں اپنے کان بند نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سنا کہ جب ویرا نے حفاظتی فرائض کو معمولی قرار دے کر ان میں ایس ٹی ایف کی شمولیت پر اعتراض کیا تو اول خان ذرا جذباتی ہو گیا۔

اس کا کہنا تھا کہ ایس ٹی ایف آسمان سے اتاری ہوئی کوئی مخصوص فورس نہیں تھی۔ وہ لوگ آئین اور قانون کی پابندیوں سے ماورا ضرور تھے لیکن عام پاکستانیوں کے ادا کیے ہوئے ٹیکسوں کی رقوم پر پروان چڑھائے گئے تھے۔ ان کے لیے اس کام میں حصہ لینا ضروری تھا جس سے ملک اور قوم کے مفادات کے تحفظ کا فریضہ ادا ہوتا ہو۔

اس وقت ملکی قیادت کو غیر ملکی دہشت گردوں سے خطرہ لاحق تھا۔ ایس ٹی ایف ایک چھوٹی سی فورس تھی ضرورت پیش آتی تو فوج کے بکتر بند دستے بھی شہر کی سڑکوں پر لائے جا سکتے تھے۔ وہ جواب ویرا کے لیے مسکت ثابت ہوا اور وہ خاموش ہو گئی۔

ان دونوں کی خاموشی سے ذرا سی ذہنی یکسوئی میسر ہوئی تو میرے ذہن میں اچانک ایک جھما کا ہوا اور مجھے اندھیرے میں یکا یک ایک نئی راہ جھائی دینے لگی۔ ایک اہم نکتہ جسے ہم نے نظر انداز کیا ہوا تھا، یہ تھا کہ را اور امریکی ایجنسیوں کا بہت پرانا گٹھ جوڑ چلا آ رہا تھا۔ الفا اپنے ساتھی کو کھو دینے کے بعد شہر میں تنہا رہ گیا تھا۔ سوبھراج سے اسے کوئی مدد نہیں مل رہی تھی بلکہ اسے شبہ ہو چکا تھا کہ سوبھراج نے اس سے تعاون کرنے کے بجائے اس کی کاٹ شروع کر دی ہے۔

الفا یہ سمجھ چکا تھا کہ اس نے اپنے مشن کو پورا کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو وقت کا بے رحم پہیہ اسے کچلتا ہوا آگے نکل جائے گا۔ اس کی بہتری اسی میں تھی کہ وہ جلد از جلد اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے پاکستان سے نکل جائے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے طور پر یا دہلی سے ملنے والی ہدایات کے تحت کراچی میں امریکی ایجنسیوں کے دفاتر سے رجوع کر سکتا تھا۔ نک کے جہنم واصل ہونے کے بعد ٹام عارضی طور پر سی آئی اے کے ساتھ ایف بی آئی کا بھی نگراں بن گیا تھا۔ خود پس پردہ رہتے ہوئے کسی بڑی واردات کے لیے امداد فراہم کر کے اسے دلی مسرت حاصل ہوتی۔

اسٹیشن کی چھت پر پائی جانے والی امریکی رائفل یہ امکان ظاہر کر رہی تھی کہ الفا نے انتہائی مایوسی کے عالم میں ٹام سے رجوع کیا ہوا اور اس نے را کے بے وسیلہ دہشت گرد کو فوری طور پر ہر ممکن مدد فراہم کر دی ہو۔

میں نے اچھی طرح سوچ بچار کے بعد ان لوگوں کو اپنے نئے اندیشے سے آگاہ کیا تو حیرت سے سب کے منہ کھل گئے۔ اول خان نے اضطراری انداز میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس کے الفاظ اس کے دہانے میں ہی اٹک کر رہ گئے کیونکہ یکا یک فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کروایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ ابھی کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر ایک گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سینل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سینل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سینل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو گیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈینی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔

اب آپ قسط نمبر 238 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

اس وقت ویرا فون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ گھنٹی بجتے ہی اس نے بٹن دبا کر انسٹرومنٹ آن کر دیا اور فوری طور پر ہیلو کہا۔

''کون بول رہا ہے؟'' اسپیکر فون پر سلمٰی کی روہانسی آواز سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ ویرا کا ان لوگوں سے کوئی گہرا جذباتی تعلق نہیں تھا۔ وہ سلمٰی کی آواز میں پنہاں کرب اور پریشانی کو محسوس کر سکی نہ اسے یہ اندازہ ہو سکا کہ دوسری طرف سے سلمٰی بول رہی تھی۔ اس نے سرسری انداز میں کہا ''تم کون ہو...... کس سے بات کرنا چاہتی ہو؟''

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان وہ گفتگو آگے بڑھتی، میں لپک کر آگے بڑھا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا ''کیا بات ہے سلمٰی...... اس وقت تم خاصی پریشان ہو۔''

''ہم زیادہ دنوں تک سکھ سے نہیں رہ سکتے۔'' میری آواز پہچانتے ہی وہ رندھے ہوئے لہجے میں فون پر بولی ''کچھ دیر پہلے دو آدمی انہیں اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

''اوہ! یہ بہت برا ہوا...... کون تھے وہ' کیا چاہ رہے تھے؟'' میں نے غیر ارادی طور پر کہا۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا سنا...... وہ انہیں پہچانتے تھے۔'' اسپیکر فون پر سلمٰی کی خوف سے رندھی ہوئی آواز ابھری ''پچھلی مرتبہ کوئی منحوس مسز جمشید کی آڑ لے کر ہمارے گھر میں گھس آیا تھا۔ آج وہ دونوں سیدھے آئے۔ میں نے ڈور بیل سن کر بغیر کچھ سوچے سمجھے دروازہ کھولا اور ان میں سے ایک مجھے اپنے ریوالور کی نال پر دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا۔ دوسرا اس کے پیچھے تھا......'' وہ واقعہ دہراتے ہوئے خوف سے سلمٰی کی گھگی بندھ گئی اور وہ بات پوری ہونے سے قبل ہی زار و قطار رونے لگی۔

جہانگیر کے بارے میں کچھ دیر پہلے ویرا باتیں کر رہی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ شام کو ہم لوگ اس سے ملنے کے لیے جائیں گے۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اچانک ایسی ناگہانی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی کہ مجھے ہنگامی طور پر اس کی طرف جانا پڑے گا۔

وہ کافی عرصے سے میرے دشمنوں کی نگاہوں میں آیا ہوا تھا لیکن اپنے مقدر کی خوبی اور ہماری احتیاطی تدابیر کی بنا پر برے وقت سے بچتا رہا تھا۔

اس کے فلیٹ کی حفاظت کے لیے اول خان نے میرے

ایما پر اپنے دو آدمیوں کو وہاں مامور کیا ہوا تھا۔ ان سے قطع نظر عمارت کے اپنے حفاظتی انتظامات خاصے اطمینان بخش تھے۔ وہاں کے چوکیداروں وغیرہ کو ہدایات دی جا چکی تھیں۔ کسی بھی اجنبی شخص کو جہانگیر کے فلیٹ کا رخ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

میں حیران تھا کہ اس دہرے حفاظتی حصار کو توڑ کر کون اس کے فلیٹ تک پہنچ گیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ عمارت کے داخلی دروازے پر ایس ٹی ایف کے دو آدمی موجود ہونے کے باوجود وہ نامعلوم افراد جہانگیر کو نکال لے گئے تھے اور ہمیں خبر نہیں ہو سکی تھی۔

کافی دیر کے دلاسے کے بعد سلمٰی اس قابل ہو سکی کہ کوئی بامعنی بات کر سکے۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے ایک باتھ روم میں ڈال گئے تھے۔ اس کے منہ پر مضبوط ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ بندشیں ایسی تھیں کہ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد سلمٰی اپنے ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ جہانگیر کو اغوا کر کے لے جانے والے سلمٰی کو کوئی گزند پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اسے عارضی طور پر محبوس کیا تھا کہ وہ ان کی کارروائی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

وہ چاہتے تو اسے اس بری طرح جکڑ سکتے تھے کہ وہ سارے جتن کر کے بھی آزادی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے پاتی۔ انہوں نے بندشیں دانستہ ڈھیلی رکھی ہوں گی تاکہ ان کے نکل جانے کے بعد سلمٰی رسیوں کی قید سے نجات پا کر وہ خبر آگے بڑھا سکے۔

سلمٰی نے اپنے ہاتھ آزاد کرانے کے بعد اپنے ہونٹوں پر مضبوطی سے چپکا ہوا ٹیپ ہٹایا تو رواں نچنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ پُرہول اندیشوں کی وجہ سے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔

آنے والوں کے تیور شروع سے خراب اور جارحانہ تھے۔ وہ ان سے کسی بھلائی کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد اپنے باتھ روم کی تنگ چار دیواری سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخ چیخ کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر لے لیکن اندر کی کوئی قوت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ خود پر قابو پا کر اس نے فلیٹ میں جہانگیر کی تلاش شروع کی۔ اس نے اپنے شوہر کو پکارنا چاہا لیکن اس کا حلق سوکھ چکا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اسے نہیں پکار سکی۔

اس نے دیوانہ وار گھر کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن جہانگیر کا کہیں پتا نہیں تھا۔ خوف سے سلمٰی کا دل بیٹھنے لگا اور پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔

اسے سارے پس منظر کا علم نہیں تھا لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جان چکی تھی کہ میرا اور جہانگیر کا ماضی بڑی حد تک مشترک تھا۔ جہانگیر نے اپنی پرانی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے خون کے پیاسے مجھ پر براہِ راست ہاتھ ڈالنے میں پے در پے منہ کی کھانے کے بعد آئے دن جہانگیر کو ہراساں کرتے رہتے تھے۔

سلمٰی کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ جہانگیر کا اغوا اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ ایک مدت سے تمام سرگرمیوں سے تائب ہو کر خانہ نشین ہو چکا تھا۔ گولڈن فارمیسی کی تباہی کے بعد اس کی کاروباری مصروفیت ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنا سارا وقت گھر میں گزارنے لگا تھا۔ کسی سے اس کی دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

سلمٰی نے بلڈنگ میں کوئی ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے اپنے حواس یکجا کرنے کی کوشش کی۔ پانی کے چند گلاس پی کر خوف اور کپکپی پر قابو پایا اور پھر میرا نمبر ملا لیا۔

وہ نہایت ذہانت سے کام لے کر اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس معاملے میں میرے مشورے کے بغیر اس نے کوئی قدم اٹھایا تو اس کے لیے پیچیدہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

میں سلمٰی کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا لیکن اول خان اس کی زبان سے جہانگیر کے اغوا کی خبر سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے اس کا چہرہ طیش سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

میری اور سلمٰی کی گفتگو ختم ہونے سے پہلے وہ واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کے بجائے تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا مختصر سا ٹرانسمٹر دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ اس نے ڈرائنگ روم سے جا کر اپنے ان آدمیوں سے باز پرس کی تھی جو جہانگیر کے فلیٹ کی دیکھ بھال اور نگرانی پر مامور تھے۔

میں نے سلمٰی کو تسلی دی کہ میں ذرا سی دیر میں اس کے گھر پہنچ رہا ہوں۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے وہ کسی کے لیے اپنا دروازہ نہ کھولے۔

''ذرا ایک منٹ!'' میری آخری ہدایت مکمل ہوتے ہی اول خان مضطربانہ انداز میں بول پڑا۔

''اوہ! یہ کس کی آواز تھی؟'' [illegible] خان کی آواز سن کر سلمٰی بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئی ''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔''

''بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے نرمی سے دلاسا دیا ''یہ اول خان کی آواز تھی۔ ہم لوگ اس وقت اسپیکر فون پر بات کررہے ہیں۔''

''ہاں...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی اول خان نے براہِ راست سلمٰی سے کہنا شروع کیا ''میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو فوری طور پر تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ نیچے ڈیوٹی دے رہے تھے۔ میں ڈینی سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا تم ان دونوں کے لیے بھی دروازہ نہیں کھولو گی۔''

''ہاں فی الحال انہیں بھی روک دو۔'' میں نے اول خان سے مخاطب ہوکر کہا ''اجنبی چہرے اس وقت سلمٰی کے لیے مزید ذہنی خلفشار کا سبب بنیں گے۔ اس وقت اسے جانے بوجھے لوگوں کی رفاقت کی ضرورت ہے۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے میں انہیں روک دیتا ہوں۔'' اول خان اپنا ایرپیس سنبھالتا ہوا دوبارہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

وہ گفتگو اسپیکر فون کے ذریعے لفظ بلفظ سلمٰی کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ مجھے ان الفاظ کو دہرانے کی حاجت نہیں تھی۔

''یہ بہت بُرا ہوا۔'' فون بند ہوتے ہی ویرا دبی زبان سے بولی ''اول خان کے آدمیوں کے موجود ہوتے ہوئے وہ لوگ جہانگیر کو نکال لے گئے یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ آخر وہ وہاں کس قسم کی دیکھ بھال کررہے تھے؟''

''اول خان کو تمہارے ان الفاظ کی بھنک مل گئی تو وہ برا مان جائے گا۔'' میں نے دھیمی آواز میں اسے سرزنش کی ''واقعے کی تفصیلات جانے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ میرا تجربہ ہے کہ ایس ٹی ایف کے آدمی اپنے فرائض سے لمحہ بھر کے لیے غافل نہیں رہتے۔''

''غافل نہیں رہتے تو کیا جہانگیر فضا میں تحلیل ہوگیا؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر ترشی سے کہا ''وہ اسے کیسے نکال لے گئے؟''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جہانگیر کے گھر سے واپسی پر میں اس بارے میں کچھ کہہ سکوں گا۔'' میں نے روانگی کے ارادے سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

''ذرا یہ بھی سوچنا کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ اس کی بازیابی کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے اور اس کی زندگی کو کتنا خطرہ درپیش ہے!'' ویرا نے میرے چلتے چلتے قدرے استہزائی انداز میں وہ نکات گنوائے۔

میرے ساتھ غزالہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم کہاں چلیں؟'' ویرا نے اس پر ناقدانہ نظریں ڈال کر پوچھا۔

''میرا جانا ضروری ہے۔ وہ ان کے گہرے دوست کی بیوی ہے۔ اس مشکل وقت میں اسے کسی عورت کے سہارے کی شدید ضرورت ہوگی۔'' غزالہ نے متانت سے کہا۔

''غزالہ کے ساتھ تم بھی چل سکتی ہو۔'' میں نے مڑ کر ویرا کو پیشکش کی ''ویسے بھی آج تم ان لوگوں سے ملنا چاہ رہی تھیں۔''

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' ویرا نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''عورتیں ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہیں۔ روتی پیٹتی ہوئی عورتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے اس وقت سلمٰی کا سامنا کیا تو زندگی بھر کے لیے میرے ذہن میں اس کا ماتمی سراپا نقش ہوکر رہ جائے گا۔ میں کسی بھلے وقت میں اس سے ضرور ملوں گی۔''

راہداری میں اول خان مل گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو جہانگیر کے دروازے سے لوٹنے کی ہدایت کردی تھی۔ وہ خود وہاں جاکر یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے آدمیوں کے ہوتے ہوئے جہانگیر کو کیسے اغوا کرلیا گیا۔

اس نے دونوں آدمیوں کو جہانگیر کے فلیٹ میں جانے سے روک دیا تھا لیکن انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے طور پر یہ معلوم کرنے کی کوششیں کریں کہ جہانگیر کو کس راستے سے عمارت سے باہر لے جایا گیا تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں تیزی سے کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئے۔

''یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اول خان الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''اس وقت صرف سوبھراج میدان میں ہے۔'' عقبی نشست سے غزالہ نے جواب دیا ''وہ پہلے بھی جہانگیر کو اٹھوانے کی ایک ناکام کوشش کرچکا ہے۔''

''لیکن اس کے بعد اس نے ڈینی سے سمجھوتا کرلیا تھا۔'' اول خان فکر مندانہ لہجے میں کہا ''اس لڑائی میں وہ اپنے آدمی تیزی سے کھو رہا تھا۔''

''اس وقت وہ خود کو ہر طرف سے گھرا ہوا محسوس کررہا ہے اور اپنے بچاؤ کے لیے بری طرح ہاتھ پیر ماررہا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت اسے جہانگیر کی طرف دھیان دینے کا وقت کیسے مل سکا ہوگا۔'' وہ معما میرے لیے بھی قابلِ غور تھا۔

''جب تک یہ اندازہ نہیں ہوجاتا کہ جہانگیر کو اغوا کرنے والے کون تھے' اس کی تلاش کی کسی کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکے گی۔'' اول خان بولا۔

''ایک بات طے ہے کہ جہانگیر کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ وہ ایک مدت سے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ماضی قریب میں اس کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان کا صرف ایک سبب تھا کہ اس کے مجھ سے قریبی مراسم تھے۔ مجھ تک رسائی حاصل کرنے یا مجھے بلیک میل کرنے کے لیے کئی بار اس پر وار کیے گئے جو کارگر نہ ہوسکے۔''

''آثار بتا رہے ہیں کہ اس بار آپ کے دشمنوں کا وار کامیاب رہا ہے۔'' چند لمحوں کے سکون کے بعد غزالہ بولی۔

''میرے دشمن سامنے ہیں۔ شاید الفا نے ذاتی طور پر کل کام دکھایا ہو لیکن اس وقت کراچی میں را والوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ وہ میرے خلاف کوئی منظم قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں رہے ہیں۔ سوبھراج بظاہر مجھ سے دوستی کا دم بھر رہا ہے لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ اس کی نیت میں فتور آچکا ہے۔ امریکی ایجنسیوں کو بھی روزِ اول سے میری تلاش ہے لیکن ان کے اہل کاروں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کا خطرہ مول لینے کی ہمت کرسکیں گے۔'' میں نے اپنے ذہن میں پکنے والی کھچڑی ان دونوں کے سامنے اگل دی۔

''امریکی اپنے مقصد کے حصول کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔'' اول خان نے اختلافِ رائے کیا' ''وہ طاقت کے نشے میں چور ہیں اور بے غیرتی کے ساتھ ہر ملک کے قوانین بلکہ بین الاقوامی قوانین تک کی دھجیاں اڑانے پر تلے رہتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری ان کا وتیرہ بن چکا ہے۔ ان کو اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''پچھلے کئی واقعات ہمارے سامنے ہیں۔'' غزالہ نے اس کی تائید میں کہا' ''ان کے کمانڈوز نے سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا اور شاید وہی آدمی سنیل کے گھر بھی پہنچے تھے۔ ان سے کوئی حرکت بعید نہیں ہے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''را کا مقامی نیٹ ورک ٹوٹ چکا ہے۔'' اول خان نے پُرخیال آواز میں اپنی بات آگے بڑھائی' ''یہ کام سوبھراج یا پھر ٹام کا ہوسکتا ہے۔ سوبھراج اس وقت ہر طرف سے پھنسا ہوا ہے۔ اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ گیری ہارٹ کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد ٹام کے سر پر اپنی کارکردگی دکھانے کا بھوت سوار ہوگیا ہو۔''

''یہ ان لوگوں کی پہلی کوشش ہے!'' غزالہ نے تبصرہ کیا' ''ان کو جہانگیر کی قیام گاہ کا علم کیسے ہوا ہوگا؟''

وہ دونوں آپس میں باتیں کررہے تھے۔ میرے کان ان کی طرف لگے ہوئے تھے' ذہن اپنے طور پر الجھا ہوا تھا' نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں اور میں پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں مصروف تھا۔

''یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے۔'' اول خان کہہ رہا تھا کہ ''جہانگیر کا موجودہ گھر پہلے سے ڈینی کے دشمنوں کی نظر میں ہے۔ سوبھراج کی طرف سے وہاں حملہ ہوچکا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی نے نک، گیری یا ٹام وغیرہ کو اس پتے سے آگاہ کیا ہو۔''

''یہ بعد کی بات ہوسکتی ہے۔ ابتدا میں ان لوگوں کو جہانگیر کا پتا معلوم ہوتا تو بن ڈیوڈ گولڈن فاریسی کو اپنے انتقام کا نشانہ بناتا' براہِ راست جہانگیر کے گھر پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا۔'' غزالہ نے ایک معقول نکتہ اٹھایا۔

ان کی باتوں میں وقت کا زیادہ احساس نہیں ہوا اور تھوڑی دیر میں ہم کلفٹن کی اس عمارت تک پہنچ گئے جس کی اوپری منزل پر جہانگیر کی رہائش تھی۔

وہ ایک معقول احاطے میں گھری ہوئی عمارت تھی۔ احاطے میں داخلے کا صرف ایک راستہ تھا جس سے عمارت کے مکینوں کی گاڑیاں اندر جاسکتی تھیں۔ مہمانوں کو اپنی گاڑیاں اندر لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

عمارت کے سامنے کے رخ پر نچلی منزل کی دیواریں شفاف شیشے کی تھیں۔ عمارت کے استقبالیہ عملے اور محافظوں سے بچ کر کسی کا اندر داخل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ ہر آنے جانے والا اس داخلی ہال سے گزرے بغیر کسی کی رہائش گاہ کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ اس وقت وہاں کے حالات پُرسکون تھے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوسکی تھی کہ وہاں سے ایک شخص کو اغوا کیا جاچکا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے بھی ایرٹس پر خبر مل جانے کے بعد شاید کسی کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

ایس ٹی ایف کے دونوں سادہ پوش نوجوان باہر موجود تھے۔ جوں ہی ہماری گاڑی احاطے کی دیوار کے قریب رکی، وہ تیزی سے قریب آگئے۔ ان کے بشروں سے ندامت اور شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اول خان سے نگاہیں چار کرنے سے کترا رہے تھے۔

''سر! یہ عجیب واقعہ ہوا ہے۔'' ان میں سے ایک نے اپنا سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا ''ادھر سے کوئی مشکوک آدمی عمارت میں داخل نہیں ہوا۔ آپ سے بات ہونے کے بعد ہم نے جائزہ لیا تو ہمیں اس پچھلے دروازے کا ہضمی قفل ٹوٹا ہوا ملا ہے جس کا مقصد عمارت میں آگ وغیرہ لگنے کی صورت میں لوگوں کو نکلنے کا متبادل راستہ فراہم کرنا ہے۔''

وہ ایک چونکا دینے والی خبر تھی۔ اول خان نے پوری حاضر دماغی کے ساتھ ان سے چند سوالات کیے جن کے جوابات سے صورتِ احوال خاصی حد تک واضح ہو گئی۔

ایمرجنسی میں کام آنے والا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ عمارت آباد ہونے کے بعد بھی اس دروازے کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ دروازے میں لگے ہوئے قفل کی ساخت ایسی تھی کہ اسے باہر سے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ کسی بھی ہنگامی ضرورت کے وقت اسے اندر سے ایک اشارے سے کھولا جا سکتا تھا۔ اس دروازے تک رسائی کے لیے اندر ہی ایک گردشی زینہ بنا ہوا تھا۔ جو ہر فلور کی راہداری سے ہوتا ہوا اوپر تک چلا گیا تھا۔

اس دروازے پر باہر کسی پہرے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس سے نکلنے والے بھی شیشے کی دیوار کے سامنے سے گزرے بغیر احاطے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ ضرور ہوتا تھا کہ صبح سات بجے ڈیوٹی پر آنے والے عملے کا نگراں روزانہ اندر سے اس دروازے کو چیک کرنے کا پابند تھا۔ وہ ایک بار یہ ضرور دیکھتا تھا کہ عمارت کے اندر اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آجائے تو وہ دروازہ اندر سے آسانی سے کھولا جا سکے۔

معمول کی اس دیکھ بھال کے علاوہ کسی نے اس دروازے پر بھی زیادہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنے طور پر بالا ہی بالا یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس صبح بھی وہ دروازہ چیک کیا گیا تھا اور وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ انہوں نے عمارت کے عملے کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی تھی کہ جہانگیر کے اغوا ہونے کے بعد اس دروازے کا تالا ٹوٹا ہوا پایا گیا تھا جیسے اسے باہر سے زبردستی کھولا گیا ہو۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ان دونوں اہل کاروں کی ذہانت کی وجہ سے ہمیں فلیٹ میں جانے سے پہلے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ واردات کس طرح رونما ہوئی ہو گی لیکن ایک نکتہ پھر بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

آنے والے ہنگامی دروازہ استعمال کر کے حفاظتی عملے میں سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر اوپر پہنچ گئے تھے۔ وہ جہانگیر کو اپنے ہمراہ لے کر اسی راستے سے نیچے اور عمارت سے باہر آئے ہوں گے۔ سوال یہ تھا کہ وہ احاطے سے باہر نکلنے میں کیسے کامیاب ہوئے!

احاطے سے باہر نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جہاں چوبیس گھنٹے مسلح محافظ موجود رہتے تھے اور وہ آنے جانے والی گاڑیوں کو پہچان کر راستے کی رکاوٹ ہٹاتے تھے۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی کہ وہ نامعلوم افراد ان چاق و چوبند محافظوں کو دھوکا دے کر کس طرح اندر آنے اور پھر جہانگیر سمیت باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

واردات کو خفیہ رکھ کر اور وہاں خوف و ہراس پھیلائے بغیر ایس ٹی ایف والے جو کچھ معلوم کر سکتے تھے وہ سامنے آ چکا تھا۔ چھان بین کا دائرہ وسیع کیا جاتا تو بات پھیلنی یقینی تھی۔ سنسنی اور ہراس کے عالم میں ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اغوا جیسی بڑی واردات کی خبر پولیس سے کیوں چھپائی گئی ہے۔

اپنے طور پر تفتیش کرنے میں قوی اندیشہ تھا کہ سلمیٰ اپنے پڑوسیوں کی تمام تر ہمدردیاں کھو کر شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی۔

میری دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس کے دونوں محافظوں سے کوئی سنگین غلطی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدا سے ساری توجہ اس راستے پر مرکوز رکھی تھی جو عمارت میں عام آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ انہیں ایمرجنسی راستے کی موجودگی کا علم تھا نہ کسی نے اس کی نشان دہی کی تھی۔ جہانگیر کے اغوا کی خبر ملنے کے بعد وہ اس دروازے کی موجودگی دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے تھے پھر بھی اول خان ان پر برہم تھا۔

اس کے ذہن میں وہی بات چبھ رہی تھی جو ویرا نے اس کی لاعلمی میں مجھ سے کہی تھی۔ اسے قلق تھا کہ اس کے آدمیوں کے ہوتے ہوئے ہمارے نامعلوم دشمن جہانگیر کو آسانی سے نکال لے گئے تھے اور ان کے فرشتوں کو بھی اس واقعے کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

وہ دونوں سعادت مند ماتحتوں کی طرح سر جھکا کر اول خان کی لعن طعن سنتے رہے پھر میں اول خان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

مجھے جہانگیر کے اغوا پر سخت تشویش تھی۔ اسے لے جانے والے اپنا مہمان بنا کر نہیں لے گئے تھے۔ ان کے مذموم عزائم صاف ظاہر تھے۔ مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کو ہوش میں آتے ہی

ان کے بدترین تشدد کا سامنا کرنے پڑے گا۔ مجھے قدرے اطمینان اس بات سے تھا کہ جہانگیر کی زندگی کو کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ لوگ اسے مارنا چاہتے تو فلیٹ ہی میں اس کا کام کر دیتے۔ اسے لاد کر اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے۔

ہم جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچے تو سلمٰی خوف اور دہشت کے عالم میں ہماری منتظر تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ جہانگیر کا نام پکارا۔ اسے نیچے سے انٹر کام پر ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے میری آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں دہشت رچی ہوئی۔ ہم تینوں کو اپنے سامنے پا کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بے اختیار غزالہ سے لپٹ گئی۔

وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی اور شکستہ فقروں کی صورت میں اس قیامت کا بیان کرتی جارہی تھی جو اس پر گزر چکی تھی۔

کافی دیر کے بعد غزالہ اسے دلاسا دے کر الگ کرنے میں کامیاب ہوسکی۔ سلمٰی کے چہرے پر ویرانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اس کی حالت ایسی کسی نئی سہاگن سے مختلف نہیں تھی جو تازہ تازہ بیوہ ہوئی ہو۔

جہانگیر اور سلمٰی کبھی قابلِ رشک میاں بیوی نہیں رہے تھے۔ دونوں میں ذرا ذرا سی بات پر کھٹ پٹ ہوتی رہتی تھی۔ حد یہ تھی کہ سلمٰی میرے سامنے بھی جہانگیر کی شکایتیں کرنے کا موقع ضائع نہیں کرتی تھی لیکن اس وقت سلمٰی کا بے ساختہ ردِ عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ چھوٹی موٹی چھڑپوں کے باوجود وہ دل و جان سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔

جہانگیر کے اغوا کا واقعہ بہت مختصر تھا۔ وہ ہتھیاروں کے زور پر زبردستی اندر آئے، سلمٰی کو بے بس کیا اور جہانگیر کو لے گئے۔ سلمٰی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ دونوں اس کے شوہر کو کس طرح لے گئے تھے۔ اصل واردات کے وقت وہ باتھ روم میں بے بسی کی حالت میں پڑی، اپنی رہائی کی کوششیں کر رہی تھی۔

روبرو گفتگو میں اس سے صرف ایک کام کی بات معلوم ہوئی کہ دونوں افراد کسی قسم کے میک اپ میں نہیں تھے۔ سلمٰی نے انہیں اچھی طرح پہچان لیا تھا اور دوبارہ سامنا ہونے کی صورت میں آسانی سے انہیں شناخت کر سکتی تھی۔

ان دونوں کے چہرے عام آدمیوں جیسے تھے۔ دونوں توانا اور جان دار نظر آرہے تھے اور ریوالوروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے کام سے کام رکھا تھا۔ سلمٰی خوب رو اور متناسب بدن کی مالک تھی لیکن ان دونوں میں سے کسی نے اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ انتہائی سپاٹ انداز میں اسے بے بس کر کے بے رخی سے باتھ روم میں بند کر دیا۔

خاصی تفصیلی جرح کے بعد وہ یہ بتا سکی کہ ان میں سے ایک کے داہنے جبڑے پر کان سے لے کر دہانے تک کسی پرانے زخم کا نشان تھا جس کی چکنی جلد بالوں سے یکسر محروم تھی۔

وہ ایک بڑی اور واضح نشانی تھی جس کے سہارے مجرموں کا کھوج لگایا جاسکتا تھا۔

باہمی مشورے کے بعد اول نے علاقے کی پولیس کو اس واقعے سے باخبر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ ہونا یا نہ ہونا بعد کی بات تھی، ہم تینوں کی رائے میں اس واقعے کا ریکارڈ پر آنا ضروری تھا۔

اول خان نے فون پر علاقے کے تھانے سے رابطہ کیا تو تھانے دار موجود نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے مختصر تعارف کے بعد سب انسپکٹر کو واقعے سے آگاہ کر دیا۔

اول خان اور ایس ٹی ایف کے تذکرے کی وجہ سے مشکل مرحلہ بہت آسان ہوگیا۔ ذرا سی دیر میں تھانے دار اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ وہاں آموجود ہوا۔

تھانے دار نے کسی جرح کے بغیر وہ واقعہ سنا۔ سلمٰی سے چند سوالات کئے اور پھر اس کا مختصر بیان قلم بند کر کے واپس چلا گیا۔ اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اول خان نے رسمی کارروائی پوری کرنے کی غرض سے تھانے کو واقعے سے آگاہ کیا تھا ورنہ ایس ٹی ایف اس واردات کا کھوج لگانے کی پوری طرح اہل تھی۔ اس کی نگاہ میں دو نکات اہم تھے۔ اول یہ کہ مجرم عمارت سے پہلے احاطے میں گھسنے میں کیسے کامیاب ہوئے جب کہ احاطے کا راستہ ہر وقت نگرانی میں رہتا تھا۔ دوئم یہ کہ وہ عمارت میں سے ایک شخص کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے میں کیسے کامیاب ہوئے۔

تیسرا نکتہ اسے میں نے سمجھایا۔ سلمٰی کی کہانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں آنے والے پیشہ ور مجرم تھے اور پولیس کے محکمے میں ان کا ریکارڈ ہونا چاہئے تھا۔ اس ریکارڈ کی چھان بین کر کے زخمی چہرے والے مجرم کی نشان دہی ہوسکتی تھی۔ اگر وہ سامنے آجاتا تو اس کیس کی باقی کڑیاں بھی آسانی سے یکجا کی جاسکتی تھیں۔

تھانے دار نے جاتے جاتے بہت خلوص کے ساتھ وعدہ

کیا تھا کہ وہ اپنی ساری توجہ اس واقعے پر مرکوز کر کے اول خان کو جلد از جلد اپنی تفتیش کے نتائج سے آگاہ کرے گا۔

جہانگیر کے اغوا ہو جانے کے بعد سلمیٰ اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ بہت پریشان اور خوف زدہ تھی۔ جب غزالہ نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو وہ بلا پس و پیش ہمارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔

ہماری واپسی پر پوری عمارت کا ماحول بدلا ہوا تھا۔ جہانگیر کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل چکی تھی۔ پولیس والوں نے اپنے روایتی انداز میں گراؤنڈ فلور پر واقع منتظم کے کمرے میں اپنا ڈیرا جمایا ہوا تھا جہاں پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری تھا۔

پولیس والوں کا اپنا طریقۂ کار ہوتا ہے۔ ہمیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اطلاع دے کر ہم نے اپنی قانونی ذمے داری پوری کر دی تھی۔ اگر وہ جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کوئی راہ تلاش کر لیتے تو ہمارا کام آسان ہو سکتا تھا ورنہ یہ سامنے کی بات تھی کہ ہمیں جو کچھ کرنا تھا اپنے طور پر کرنا تھا۔

واپسی سے پہلے اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں پھر ہم وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

سلمیٰ اپنے شوہر کے اغوا کی عینی شاہدہ تھی۔ خوف اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر ایسی شدید رقت طاری تھی کہ وہ بات بات پر روئے جا رہی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ویرا نے روتی ہوئی عورتوں کے بارے میں کوئی فرضی بات نہیں کہی تھی۔ روتی ہوئی عورت واقعی اپنی ساری کشش کھو بیٹھتی ہے۔

ہم گھر پہنچے تو ویرا نے بڑی ہمدردی کے ساتھ سلمیٰ کا استقبال کیا لیکن میں اس کے ابتدائی تاثر سے بھانپ چکا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ سلمیٰ کی آمد سے خوش نہیں تھی۔ اس نے ہمارے ساتھ جانے سے انکار کر کے جس صورت حال سے بچنے کی کوشش کی تھی وہ آخر کار اس کے سر پر مسلط ہو گئی تھی۔

''تمہاری دانست میں یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟'' سلمیٰ کے کچھ پرسکون ہو جانے کے بعد ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''میرے لیے وہ ناگہانی آفت تھی جو اچانک نازل ہو گئی۔ مجھے اس کے سر پیر کا کوئی علم نہیں ہے'' سلمیٰ نے بے چارگی سے جواب دیا ''یہ ڈینی سے ان کی دوستی کا شاخسانہ ہو سکتا ہے۔ ان کی کسی سے دوستی یا دشمنی نہیں تھی۔''

''تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟'' ویرا کا رخ میری طرف ہو گیا۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا'' میں نے سلمیٰ سے نظریں بچا کر ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا ''اس وقت ایسے سوالات سے سلمیٰ کو پریشان نہ کرو۔ وہ ایک بھیانک تجربے سے دوچار ہوئی ہے۔ اس وقت اسے آرام اور ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔''

''میں بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہی ہوں'' سلمیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کئی آدمیوں سے لڑ کر آئی ہوں۔''

''ان بدمعاشوں نے تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کی ہوگی'' ویرا ہر وقت گھات میں لگی رہتی تھی۔ سلمیٰ کی بات سے اسے ایک نیا موضوع مل گیا۔

''نہیں!'' سلمیٰ کے جواب نے ویرا کے تجسس پر اوس ڈال دی۔ وہ کہہ رہی تھی ''اس وقت وہ دونوں غالب تھے۔ جو چاہتے، کر سکتے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے مجھے بے بس کرنے کے باوجود میرے ساتھ کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔''

''اس بات سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ پرانے اور عادی مجرم تھے۔ اناڑی کسی گھر میں گھستے ہیں تو عورتوں کو اپنی تحویل میں پا کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اپنا اصل مقصد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان عورتوں کو ستانا اور ان کی تذلیل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔

''یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں کہا پھر غزالہ سے مخاطب ہو گیا۔ ''چوتھا بیڈ روم خالی ہے۔ ضرورت کی چیزیں مہیا کر کے سلمیٰ کو وہاں پہنچا دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے کیا، کیا جا سکتا ہے؟''

''وہ دونوں اپنی شکلوں سے سفاک اور خونی لگ رہے تھے'' سلمیٰ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ''ان کا سراغ لگاؤ۔ مجھے ہول آ رہے ہیں کہ ان تک پہنچنے میں دیر ہوئی تو کہیں وہ مار مار کر ان کو ہلاک نہ کر دیں۔''

''تم بے فکر رہو'' میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی ''اس وقت ہمارے سامنے سب سے مقدم کام یہی ہے۔''

''میں نے اپنے دونوں آدمیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ پولیس والوں کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ ہم جلد از جلد جہانگیر تک پہنچ سکیں'' اول خان نے اسے یقین دہانی کرائی۔

غزالہ اسے لے کر خالی بیڈ روم کی طرف چل دی۔

"مجھے اس بے چاری سے بہت ہمدردی ہے" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نیچی آواز میں بولی "لیکن میں کیا کروں، مجھے رونی صورتیں اچھی نہیں لگتیں......"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس گھر میں چار بیڈ روم ہیں۔ چوتھا کمرا خالی نہ ہوتا تو ساری مہمان داری تمہارے سر آتی" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"کیا مطلب!" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"سلمٰی کو تمہارے کمرے میں آباد کیا جاتا۔ یہاں ایک تم ہی فالتو عورت ہو۔"

وہ ایک ان ہونی سی بات تھی، سلمٰی کا مسئلہ طے ہو چکا تھا مگر بات سلطان شاہ نے کہی تھی اس لیے ویرا کا چٹخنا ضروری تھا۔ وہ بلا توقف بولی "یہاں صرف میں ہی نہیں ہوں۔ غزالہ بھی اسی گھر میں رہتی ہے۔"

"وہ شوہر والی ہے۔ ڈینی کے ساتھ رہتی ہے۔ تم اپنے ڈبل بلکہ کنگ سائز بیڈ پر اکیلی سوتی ہو۔ سلمٰی کے لیے تمہارا ہی کمرا موزوں رہتا۔"

ان دونوں کی بحث آگے بڑھنے کے آثار واضح تھے۔ میں نے سختی سے مداخلت کر کے دونوں کو خاموش کر دیا "تم کو ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ وہ اس چھت کے نیچے ہماری مہمان ہے۔ اسے تم دونوں کی ان واہیات باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ کس قدر آزردہ ہوگی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے فوری طور پر کیا، کیا جائے؟" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"فی الحال انتظار کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ زخم کے نشان والے کی تلاش میں شہر کے بدنام علاقوں کا چکر لگاؤں۔ شاید وہاں سے اس کا کوئی سراغ مل سکے" میں نے شکست خوردہ انداز میں جواب دیا "زیرِ زمین دنیا میں وہ اپنے چہرے کے نشان کی وجہ سے آسانی سے پہچانا جاتا ہوگا۔"

"کوفت اور وقت کی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا" اول خان بولا "تم جانتے ہو کہ مجرموں کی برادری میں بہت ایکا ہوتا ہے۔ وہ آسانی سے ایک دوسرے کے خلاف زبان نہیں کھولتے۔"

"میں جہانگیر کے لیے ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو" اول خان نے ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھایا "تم کسی ایک آدھ آدمی کو تاڑ کر اپنے تشدد کا نشانہ بناؤ گے۔ تمہیں آخر تک اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ تمہارے مطلوب آدمی سے واقعی لاعلم ہے یا جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم سب سر سے کفن باندھ کر اسی وقت جہانگیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ ہمیں جلد از جلد اس واردات کا کوئی سرا تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"کیوں نہ سوبھراج کو ٹٹولا جائے؟" ویرا نے تجویز پیش کی۔

اس کا مشورہ بہت صائب تھا۔ سیاہ اکارڈ کی واپسی کے مرحلے پر سوبھراج کی بدنیتی کھل کر میرے سامنے آچکی تھی۔ وہ منہ پر میری دوستی کا دم بھر رہا تھا لیکن میری طرف سے اپنے دل میں کینہ لیے بیٹھا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح میرا کام تمام کر کے اپنے امریکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کر لے تاکہ اسے سکون سے اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا حق مل سکے۔

یہ اور بات تھی کہ اس نے فون پر بھرپور منافقت کا مظاہرہ کر کے ایک مرتبہ پھر میری خیر خواہی کے دعوے کیے تھے۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں اس سے بذات خود ملا تھا۔ وہ مجھے، میرا بھیجا ہوا کوئی حریص آدمی تصور کر رہا تھا۔

پاکستان کے قانون سے اسے اسی وقت تک خطرہ لاحق تھا جب تک وہ پاکستان میں رہ رہا تھا۔ پاکستان سے کسی اور ملک میں جانے کے بعد اسے اس خطرے سے نجات مل سکتی تھی لیکن امریکی سی آئی اے والوں سے اسے دنیا کے کسی گوشے میں امان نہیں مل سکتی تھی۔

شاید وہ پاکستان چھوڑنے سے پہلے مجھے ختم کر کے اپنے امریکی دشمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایک ادھوری اور ناکام کوشش کے بعد اگر اس نے کسی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دیا تھا تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔

"کچھ نہ کرنے سے بہتر ہے کہ سوبھراج کو دیکھ لیا جائے" میری سوالیہ نظریں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اول خان نے ویرا کی تائید کی۔

میں نے وقفے وقفے سے تین مرتبہ سوبھراج کا سیٹلائٹ فون نمبر ملایا اور تینوں مرتبہ لائن انگیج ملی۔ میری دانست میں یہ امکان نہیں تھا کہ وہ کسی سے اتنی طویل گفتگو کر رہا ہو۔ مجھے سیٹلائٹ فون کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے اس وقت کسی مصروفیت کی بنا پر اپنا فون بند کیا ہوا تھا۔

"ایسا تو نہیں کہ وہ پاکستان سے فرار کے سفر پر نکل کھڑا

ہوا ہو‘‘ سلطان شاہ نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔
’’اگر وہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث ہے تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے‘‘ میں نے وثوق سے کہا ’’وہ یہاں رک کر پورے قصے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، اس کے بعد اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔‘‘
’’یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت جہانگیر سے باز پرس میں مصروف ہو‘‘ ویرا نے تشویش آمیز لہجے میں خدشہ ظاہر کیا۔
اس کے جواب میں کوئی کچھ نہ بولا۔ جہانگیر سے پر تشدد باز پرس کا تصور اس قدر اندوہناک تھا کہ ہم میں سے کوئی اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
’’یہ مسئلہ اچانک سامنے آجانے سے الفا کا معاملہ پس پشت چلا گیا ہے‘‘ کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد اول خان نے جھجکتے ہوئے زبان کھولی ’’پولیس کی تحویل میں آنے والی، امریکی ساخت کی طاقتور رائفل کا ذکر سن کر تم چونک گئے تھے۔‘‘
’’مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے دشمنوں کا دائرہ بار بار پھیلتا اور سکڑتا جا رہا ہے‘‘ میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں جواب دیا۔
’’تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟‘‘ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔
’’بہت سیدھی سی بات ہے، کبھی وہ ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں وار کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں، کبھی یکجا ہو جاتے ہیں۔‘‘
’’تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟‘‘ اول خان نے پوچھا
’’میں نے تم سے امریکی رائفل کے بارے میں ایک چھوٹا سا سوال پوچھا تھا۔‘‘
’’امریکی رائفل کے ذکر پر میرے ذہن میں ایک مفروضے نے سر ابھارا تھا‘‘ میں نے نیچی آواز میں جواب دیا ’’الفا بے یار و مددگار تھا۔ اس کا اکلوتا ساتھی پراسرار طور پر غائب ہو چکا ہے۔ سوبھراج نے اس کی مدد کرنے سے پہلو تہی اختیار کی ہوئی ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنا مشن مکمل کرنا تھا۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا جو اس نے اختیار کرلیا۔‘‘
’’امریکی رائفل اور ایک ہی راستہ!‘‘ ویرا کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری پھر اس نے بے ساختہ کہا ’’کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ الفا نے آخری در قسمت آزمائی کے ارادے سے کسی امریکی سے رجوع کیا اور وہ لوگ اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوگئے؟‘‘
’’میں بالکل یہی کہنا چاہ رہا ہوں‘‘ میں نے اس کی تائید کی۔
’’الفا سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہوگئی‘‘ سلطان شاہ بولا ’’چارلی کے پکڑے جانے تک حالات کچھ اور تھے۔ اب سوبھراج کے دل میں بے ایمانی آگئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ الفا کی مدد کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جاتا۔‘‘
’’وہ ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ سوبھراج اس وقت دہری چال چل رہا ہے۔ وہ ایک طرف میری دوستی کا دم بھر رہا ہے اور دوسری طرف میرا کام تمام کرنے کی فکر میں ہے۔ اس مشن کے پیش نظر وہ کوئی اور ذمے داری قبول نہیں کرے گا۔‘‘ میں نے جواب دیا۔
’’تم نے سوبھراج کا ذکر کہاں نکال لیا‘‘ ویرا نے چڑ کر سلطان شاہ سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوگئی ’’ہاں، تو الفا کے بارے میں تمہاری تھیوری کیا کہتی ہے؟‘‘
’’اسے نہ صرف ہتھیار فراہم کیے گئے بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ آج اسلام آباد سے کچھ اہم سرکاری شخصیات کراچی آرہی ہیں۔‘‘
’’اس معاملے میں رازداری سے کام لیا جا رہا تھا‘‘ سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ’’انہیں ہماری اہم شخصیات کی نقل و حرکت کی اطلاع کیسے مل گئی؟‘‘
’’سفارتی حلقوں کے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔ امریکی ان ذرائع سے تجاوز کر کے جاسوسی کے فراق میں بھی رہتے ہیں۔ پروگرام پہلے سے طے تھا۔ جلال کی کوششوں کے نتیجے میں ان کی آمد کے اوقات میں خاموشی سے تبدیلی کی گئی تھی۔ الفا کے لیے انتظار کرنا مشکل نہیں تھا۔‘‘
’’الفا کا نشانہ خطا ہوگیا لیکن اس کا ناکام قاتلانہ حملہ ہم سب کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے‘‘ سلطان شاہ بولا ’’شہر کی سڑکوں پر جب حکمراں محفوظ نہیں ہیں تو عام آدمی کس گنتی میں ہیں۔ الفا جیسے دہشت گرد جب چاہیں، شہر کے حالات بگاڑ سکتے ہیں۔‘‘
’’تم نے صحیح رائے قائم کی ہے۔ الفا کو اپنا مشن پورا کرنے کے لیے وسائل کی ضرورت تھی‘‘ ویرا نے کہا ’’امریکیوں کے پاس سارے وسائل موجود ہیں، افرادی قوت کا قحط ہے۔ دونوں نے مل کر آج کے لیے ایک خونین ڈرامے کی تیاری کی تھی۔ یہ آنے والے وی آئی پی کے مقدر کی خوبی تھی کہ الفا کا نشانہ خطا ہوگیا۔‘‘
’’صرف امریکیوں کا ذکر کرنے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ الفا نے کس سے رابطہ کیا

ہو گا؟'' سلطان شاہ بولا۔
''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے رسانیت سے سوال کیا۔
''نک ہاروے اپنے فلیٹ میں مارا گیا۔ گیری ہارٹ زخمی حالت میں سمندر میں غرق ہو گیا۔ اب لے دے کر ٹام ہی رہ گیا ہے۔ الفانے اس سے کیسے رابطہ کیا ہو گا؟''
سلطان شاہ کا وہ سوال سطحی تھا۔ ضروری نہیں کہ الفا نے براہِ راست ٹام ہی سے رابطہ کیا ہو۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ معلومات کی روشنی میں کسی بھی امریکی اہل کار سے رابطہ کرتا، وہ تخریبی مقاصد کے حصول کے لیے اسے ٹام تک پہنچا دیتا۔
ٹام پاکستان میں سی آئی اے کا نمائندہ تھا اور یقینی طور پر ایف بی آئی والوں کے ساتھ قریبی روابط رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دفاتر الگ الگ ہونے کے باوجود وہ ایف بی آئی کے نک ہاروے کے ساتھ ایک ہی فلیٹ میں رہتا تھا۔
نک ہاروے، شیردل کے بھیجے ہوئے ایک قاتل کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا تو اس واقعے میں ٹام بھی زخمی ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نک کا تابوت اپنے وطن روانہ کیا تھا۔ نک کا جانشین گیری ہارٹ تھا جسے ٹام نے زخمی حالت میں اسٹریچر پر اومان کے امریکی اسپتال کے لیے رخصت کیا تھا۔ یہ گیری کی بدنصیبی تھی جو پورے جہاز اور اس کے مسافروں کو بحیرۂ عرب میں لے ڈوبی تھی۔
مقامی قیادت کی ان تبدیلیوں کی وجہ سے ایف بی آئی والوں کو ٹام کی اعانت کی سخت ضرورت تھی۔ حالات کی بنا پر اس کی پوزیشن خود بخود مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔ گیری کے بعد عملی طور پر وہ ایف بی آئی کے معاملات کا بھی نگراں بن گیا تھا۔ یوں پاکستان کے خلاف پروان چڑھنے والی ہر امریکی سازش کا روحِ رواں تھا۔ بات کہیں سے بھی چلتی، فیصلہ کن شخصیت کے طور پر آخری ذمے داری اسی کے سر آتی اس لیے اس بات پر سر کھپانا بے سود تھا کہ الفا نے ٹام سے رابطہ کیسے کیا ہو گا۔
پاکستان کے مفادات کے خلاف سی آئی اے، ایف بی آئی، را اور سوبھراج کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک تھا۔ سازشی افراد کا وہ ٹولا بہت دیدہ دلیری کے ساتھ پیش رفت کر رہا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اپنی کوششوں سے اس اتحاد میں دراڑیں ڈال دی تھیں اور نک یکا یک سوبھراج کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔
میں ان خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' رابطہ ہوتے ہی کسی تمہید کے بغیر میرے کانوں میں ٹام کی سرد آواز آئی۔
''تم کون بول رہے ہو؟'' میں نے اسے اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے سپاٹ بلکہ چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
''کرنل! میرا خیال ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران زیادہ غیر ملکیوں سے میل جول نہیں رکھتے!'' اس کی طنزیہ آواز ابھری۔
''اوہ...... تو یہ تم ہو!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''بعض سرکاری شعبوں میں امریکی اور غیر ملکی مشیر آ جانے سے ہمارے رابطے بڑھ گئے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''
''یہ بہت ضروری ہے کرنل۔'' اس نے زور دے کر کہا ''ہو سکے تو اسی وقت میرے دفتر آ جاؤ۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''
''ٹام! تم میرے تحفظات سے خوب واقف ہو۔ میں تم سے تمہارے دفتر میں نہیں مل سکتا۔ ایڈی ہاک اور گیری سے میری ملاقاتیں کھلے مقامات پر ہوئی تھیں جہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دوسری اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میری اپنی بھی ذمے داریاں ہیں فی الحال میں مصروف ہوں، وقت نہیں نکال سکتا۔''
''اس وقت مصروف ہو تو کل صبح مل لو مگر میرے دفتر میں نہ آنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔'' وہ بولا۔
''یہ پرانی بات ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ میرے بڑے یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ میں غیر ملکی ایجنسیوں کے ملازمین سے اپنا میل جول رکھوں۔ مجھے اپنی حفاظت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔''
''پتا نہیں یہ خوف تمہارے دل سے کیوں نہیں نکلتا۔ ہم لوگ تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔
''کوئی کسی کو نہیں کھاتا۔ زد پر آ جائے تو بس ذرا سا مروا دیتا ہے۔ نک اور گیری دونوں مر چکے ہیں لیکن وہ کبھی یہ بات واضح نہیں کر سکے کہ وہ مجھ سے دوستی رکھنا چاہتے ہیں یا مجھے بلیک میل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''
''میری کوشش ہو گی کہ میں ایسی غلط فہمیوں کو دور کر سکوں۔ تم سے کئی بار میرا آمنا سامنا ہوا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ میں دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا۔ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔''
''سچی بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کبھی

سوچنے کی کوشش نہیں کی۔ جن لوگوں کے بارے میں غور کیا انہیں اپنی میزان پر پورا نہیں پایا۔‘‘ میں نے اس بار بھی اس کی اہمیت گھٹانے کے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔

’’ملتے رہو گے تو میری طرف سے تمہارا ذہن صاف ہوجائے گا۔ میں دوست بناتا ہوں یا دشمن۔ بیچ کا راستہ مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ کل کس وقت اور کہاں مل رہے ہو؟‘‘ اس نے میری بات کا برا منائے بغیر سوال کیا۔

’’دوستی اور دشمنی کا اصول تمہارے پیشے سے میل نہیں کھاتا۔ اس میں منافقت اور دھوکے بازی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں!‘‘

’’تم بھی کسی حد تک میرے ہم پیشہ ہو۔ ان باتوں کو چھوڑ دو۔ یہ بہت دور نکل جائیں گی۔ مجھے ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔‘‘ وہ میری بات ٹال کر اپنے سوال پر اڑا رہا۔

’’تم شہر میں رونما ہونے والے بدترین واقعے سے بے خبر تو نہیں ہو گئے!‘‘ میں نے پوچھا۔

’’اہم واقعات سے باخبر رہنا میرے فرائض میں داخل ہے۔ تم کس واقعے کا ذکر کر رہے ہو۔ آج شہر میں دو اہم واقعات نے جنم لیا ہے۔ ایک ناکام قاتلانہ حملہ اور دوسرا ایک ڈاکٹر کا قتل۔ تمہاری سرکار کو ڈاکٹر کے قاتل کا پتا ہے اور نہ قاتلانہ حملہ کرنے والے کا!‘‘

’’ڈاکٹر صادق کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟‘‘ میں نے اچانک پوچھ لیا۔

’’فی الحال وہی جانتا ہوں جو اخباروں میں چھپا ہے۔‘‘ اس نے جواب دیا ’’میں کہہ رہا ہوں کہ فون پر یہ سب باتیں نہیں ہوسکتیں۔ ملاقات کا وقت طے کرلو۔ ہم دونوں کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔‘‘

’’ابھی تم نے حکومت کی بے خبری کے بارے میں بہت عامیانہ سا طنز کیا تھا۔‘‘ میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے کہا ’’تم ایک ذمے دار افسر ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ عام طور پر حکومتیں اتنی بے خبر نہیں ہوتیں جتنی اخباری اطلاعات میں نظر آتی ہیں۔‘‘

’’اوہ...... تمہیں میری بات بری لگ گئی میں تم کو حکومت کا کوئی کل پرزہ نہیں سمجھتا۔ تمہاری فورس ایک انوکھی فورس ہے جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہے۔‘‘

’’گیری کے سینے میں میری فورس کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا جسے وہ خاص موقع پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس بے چارے کی بدنصیبی دیکھو کہ اپنی ساری معلومات سمیت سمندر کی تہ میں ڈوب کر مر گیا

یہ فورس جو کچھ بھی ہے اس کے بارے میں تم لوگوں کی معلومات قابلِ رشک ہیں۔‘‘

’’پاکستان کے تجربے کی بنا پر دو اور ملکوں میں ایسی فورس قائم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ آج کی دنیا میں ہر راز کھلا راز ہوتا ہے جس کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے۔ صرف وہ باتیں خفیہ رہ سکتی ہیں جو افراد کے درمیان طے ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت دنیا کے کئی ملکوں میں تمہاری ایس ٹی ایف تحقیق کا موضوع بنی ہوئی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ اپنی حکومت کی بے خبری اور باخبری کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔‘‘

’’آج کا ناکام قاتلانہ حملہ امریکی ساخت کی ایک جدید رائفل سے کیا گیا ہے۔‘‘

’’ہتھیار سازی اور اس کی فروخت میں امریکا کا نام سرِفہرست ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں قانونی اور غیر قانونی طور پر امریکی ہتھیار پائے جاتے ہیں۔‘‘ اس کی آواز میں ہلکا سا غرور ابھر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا ’’امریکی رائفل سے کچھ بھی پتا نہیں چل سکے گا۔‘‘

’’اسے چلانے والا را کا ایک ایجنٹ تھا!‘‘ میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

’’یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟‘‘ اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

’’کہنے والے کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کسی نہ کسی شہادت کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا۔ میں نے اڑتی اڑتی خبر سنی ہے۔‘‘

’’سب بکواس کر رہے ہیں۔‘‘ وہ جھنجلا گیا ’’فائرنگ کرنے والا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اب اس کے بارے میں اندازے لگائے جاسکتے ہیں۔ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔‘‘

’’میں دوست سمجھ کر تمہیں بتا رہا ہوں کہ اسے پہچان لیا گیا ہے۔‘‘ میں نے یوں کہا جیسے میں اپنی خفیہ معلومات کو ظاہر کرکے اسے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ’’وہ ذکی کے فرضی نام سے کراچی میں ٹھہرا ہوا ہے اور الفا اس کا خفیہ پاس ورڈ ہے۔‘‘

’’یہ ناممکن ہے کہ اتنی جلدی یہ سب معلوم کرلیا گیا ہو۔‘‘ اس کی اضطراری آواز ابھری ’’ہو نہ ہو، یہ باتیں اس کے ساتھی سے اگلوائی گئی ہوں گی جنہیں آج کے واقعے سے جوڑ کر ایک کہانی بنالی گئی۔‘‘

اس کی بدحواسی پر میں دل ہی دل میں ہنس پڑا پھر میں نے معصومیت سے پوچھا ’’تم کس کے ساتھی کی بات کر رہے

ہو؟''

''میں کسی کی بات نہیں کررہا۔'' اس نے جھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا ''ان باتوں پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ تم کل کس وقت مجھ سے مل رہے ہو۔''

زبان سے بے ساختہ نکل جانے والے کلمات کی ادائیگی کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ کلفٹن کے علاقے سے را کے ایک ایجنٹ کی گرفتاری کا واقعہ پریس میں رپورٹ نہیں ہوا تھا۔ وہ خبر آئی بی اور مقامی آرمی گیریزن کے گنے چنے افراد تک محدود رہی تھی یا پھر ہمارے علم میں آئی تھی۔

اس نے ایک ایسی بات پر تبصرہ کرنے کی غیر ارادی غلطی کی تھی جس کا سرے سے کہیں ذکر نہیں آیا تھا۔ میری باتوں پر اشتعال میں آکر وہ اضطراری طور پر چند فقرے کہہ گیا تھا کہ مگر فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اور اس نے بگڑی ہوئی بات سنبھالنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

مجھے اس کے اعتراف یا انکار سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ ہمارے ملک میں دنیا کی اکلوتی سپر پاور کے ایک انتہائی طاقت ور شعبے کی نمائندگی کررہا تھا۔ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کے پرانے تجربات میرے سامنے تھے۔ وہ دوسرے ملکوں کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی ثبوت کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنے مفادات کے نام پر ہر جائز اور ناجائز کارروائی کو اپنا حق تصور کرتے تھے۔ ان حالات میں ٹام کے کسی اقرار سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑسکتا تھا۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے اس کی زبان سے نکلے ہوئے چند اضطراری فقروں سے اندر کی یہ بات جان لی تھی کہ الفا عرف ذکی اس سے مل چکا تھا اور ٹام اس کی پوری کہانی سے باخبر تھا۔

ان دونوں کے درمیان رابطے کے بعد وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ الفا نے بہت سرعت سے کام کرکے دہشت گردی کی ایک بڑی واردات کر ڈالی تھی۔ اگر وہ اپنے اس مشن میں کامیاب ہوجاتا تو ملک میں افراتفری اور ابتری کا ایک دور شروع ہوسکتا تھا۔

''کل کے بارے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ٹام کو جواب دیا ''وقت ملا تو میں فون کرکے تم سے پروگرام طے کرلوں گا۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔'' اپنی بات کا حتمی جواب ملتے ہی اس نے فون بند کردیا۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ گفتگو نے غیر ضروری طول پکڑا تو بے دھیانی میں اس کی زبان سے مزید کوئی غیر محتاط بات نکل سکتی ہے۔

''یہ قصہ بھی صاف ہوگیا۔'' میری اور ٹام کی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''انہیں جو کچھ کرنا ہے وہ کررہے ہیں۔ بات کھل کر تمہارے سامنے آچکی ہے۔ اب تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟''

''بے بسی کا یہ احساس عارضی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آگے چل کر ہمیں کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔'' اول خان نے پرامید لہجے میں کہا۔

''دراصل وہ اپنی پوزیشن سے بہت بے رحمی سے فائدہ اٹھانے پر تل گئے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اپنی تمام تر بدمعاشیوں کے باوجود انہوں نے دھونس اور دھمکیوں سے کام لے کر ہمیں ایسی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے کہ آج ہم اپنی سرزمین پر امریکیوں کا خون بہانے سے خوف زدہ ہیں۔ وہ تو غنیمت ہے کہ گیری کا جہاز پاکستان کی بحری سرحد سے بہت دور سمندر میں گر کر تباہ ہوا۔ یہ حادثہ آس پاس رونما ہوا ہوتا تو اس کی ذمے داری بھی ہمارے سر ڈال دی جاتی۔''

''اندازہ یہ تھا کہ نک کے قتل کے بعد ان کی رفتار سست پڑ جائے گی۔'' اول خان بولا ''گیری نے اس کی جگہ لی تو واقعات کا رخ تیزی سے بدل گیا اور ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں موقوف کرنی پڑگئیں۔ وہ مرا ہے تو اب ٹام نئے تیور دکھا رہا ہے۔ الفا کا ساتھ دے کر اس نے اپنی طرف سے اعلان جنگ کردیا ہے۔''

''یہ ریاستی مفادات کی جنگ ہے جس میں ہم لوگ بہت سی مصلحتوں کے قیدی بنے ہوئے ہیں۔'' میں نے کہا ''ہمارا کردار صرف اتنا رہ گیا ہے کہ ہم ان لوگوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے رہیں۔ یہ کام ہم پوری سرگرمی سے انجام دے رہے ہیں۔''

''جلال را کے ایجنٹوں کے بارے میں بہت پرجوش تھا۔'' ویرا بولی ''اس کے لیے یہ اطلاع ایک جھٹکے سے کم نہیں ہوگی کہ ٹام نے الفا کی مدد کی ہے۔''

''یہ معاملہ اب اسی کے دائرہ کار میں آگیا ہے۔ ہم اپنے طور پر ٹام سے کوئی تصادم مول نہیں لے سکتے۔ آثار بتارہے ہیں کہ اس وقت سوبھراج بھی ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی جدوجہد کررہا ہے۔ وہ ان کے خلاف میدان میں ڈٹا رہتا تو ہم اس کی آڑ لے کر ٹام کو کوئی سبق سکھانے کی کوشش کرسکتے تھے۔'' اول خان نے قدرے حسرت سے کہا۔

''تم کیا کرسکتے تھے؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا ''تمہارے تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تمہاری فورس کو ابھی تک میدان میں اترنے کی اجازت نہیں ملی۔''

''وہ برا وقت تھا جو گزر گیا۔ اب ہمارے لیے حالات

نارمل ہو چکے ہیں، ہمیں ملکی دھارے میں اپنا کردار ادا کرنے کی چھوٹ مل گئی ہے۔''

اول خان کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں بھی چونک پڑا ''یہ بہت بڑی خبر ہے، یہ واقعہ کب رونما ہوا؟''

''آج صبح جنرل کا فون آیا تھا۔ اس کی طرف سے اجازت نہ ملی ہوتی تو میری فورس آج کے حفاظتی انتظامات میں شامل نہیں ہوسکتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ بات تم لوگوں پر واضح ہوچکی ہوگی اسی لیے میں نے خاص طور پر اس کا ذکر نہیں کیا۔''

''تمہاری زبانی سب کچھ سن لینے کے باوجود میرا ذہن اس نکتے کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا کہ پابندی کے ہوتے ہوئے تمہاری فورس کو نقل و حرکت کی اجازت کیسے مل گئی'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''یہ آج کی پہلی اچھی خبر ہے۔ یوں سمجھو کہ میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ ایس ٹی ایف پر پابندی لگنے کے بعد میں نفسیاتی دباؤ میں آگیا تھا۔''

''خس کم جہاں پاک!'' ویرا مسکرا کر بولی ''گیری سمندر میں غرق ہوا اور اس کا جگایا ہوا فتنہ بھی اسی کے ساتھ دم توڑ گیا۔''

''میں جہانگیر کی طرف سے فکر مند ہوں۔ پتا نہیں اس بے چارے پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اب اس کے بارے میں کوئی اچھی خبر آنی چاہیے۔'' اول خان نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا ''اگر ہم پر پابندی برقرار رہتی تو میں آج اپنے آدمیوں کو پولیس والوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ہدایت نہیں دے سکتا تھا۔ ہم دور کے تماشائی بنے رہتے۔''

کچھ دیر بعد غزالہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر حزن و ملال کے سائے لرزاں تھے۔

میں جہانگیر کے اغوا کے واقعے کو منطقی نکتہ نظر سے دیکھ رہا تھا۔ میری دانست میں اس کی زندگی کو فوری طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن سلمیٰ اپنے شوہر کے بارے میں شدید جذباتی صدمے سے دوچار تھی۔ غزالہ بہت مشکل سے اسے سنبھالنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اسے ایک مسکن دوا دے کر وہ اس وقت تک کمرے میں بیٹھی رہی جب تک سلمیٰ کو نیند نہ آگئی۔

ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہر ایک کے ذہن پر جہانگیر کی فکر سوار تھی لیکن کوئی بھی اس تکلیف دہ موضوع پر بات نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت تک ہمیں اس کی بازیابی کی کوئی راہ نظر نہیں آئی تھی۔ ہمارے ساری امیدیں پولیس سے وابستہ تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی گہری دلچسپی کی وجہ سے پولیس والے اپنے ریکارڈ کی چھان بین میں غیر معمولی سرگرمی سے کام لیں گے اور ہمیں جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو مل جائے گی۔ اس بارے میں ان پر مزید کوئی دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔

بارہ بجے تک ہم اداسی کے عالم میں انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ تشویش اور مایوسی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ آخر کار اول خان نے اپنے آدمیوں سے ٹرانسمٹر پر بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ان دونوں کے لیے کلفٹن کی رہائشی عمارت کی اہمیت ختم ہوچکی تھی، جہانگیر کو اغوا کرلیا گیا تھا۔ سلمیٰ ہمارے ساتھ آگئی تھی۔ وہ دونوں پولیس پارٹیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔

اس واقعے کی تفتیش میں پولیس کے شامل ہونے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ قلیل سی مدت میں اس واردات کے خدوخال خاصی حد تک واضح ہوگئے تھے۔

باوردی پولیس کی موجودگی کی وجہ سے وہ خبر قرب و جوار میں بھی پھیل گئی تھی جس کے نتیجے میں دو اہم گواہ سامنے آئے تھے۔

انہوں نے عمارت کے احاطے کی عقبی دیوار کے قریب لگے ہوئے ٹیلی فون کے کھمبے پر دو آدمیوں کو کام کرتے دیکھا تھا۔

دن کا وقت ہوتا تو شاید کوئی ان دونوں پر دھیان نہ دیتا کیونکہ دن کے اجالے میں ہر سرکاری اہل کار کچھ نہ کچھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد ان کی تعداد میں تیزی سے کمی آنے لگتی ہے اور آؤٹ ڈور میں کام کرنے والے بقیہ کاموں کو اگلے دن کے لیے ٹال دیتے ہیں۔

دیکھنے والوں کے لیے ان دونوں کی فرض شناسی حیرت ناک تھی کہ وہ اپنے اوقات کار ختم ہوجانے کے بعد رات کے اندھیرے میں بھی بہت انہماک سے اپنی ذمے داریاں سرانجام دے رہے تھے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹیلی فون کے عملے کے وہ لوگ کسی وی آئی پی کی شکایت پر وقت کی پروا کیے بغیر وہاں آگئے تھے اور اس کی فون لائن کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔

ان میں سے ایک نیچے کھڑا رہا۔ دوسرا کسی بندر کی طرح کھمبے پر چڑھ کر کچھ دیر تک مصروف نظر آتا رہا۔ پھر کھمبے سے احاطے کی دیوار پر پہنچ کر اندر کود گیا۔ دوسرے نے اس کی تقلید کی اور وہ بھی تیزی سے کھمبے پر چڑھ کر احاطے کی دیوار کے پیچھے غائب ہوگیا۔

دیکھنے والوں کو ان پر کوئی شبہ نہیں ہوسکا۔ دونوں کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کھمبے کے تاروں پر اپنا کام ختم کر کے مزید دیکھ بھال لیے شارٹ کٹ سے عمارت میں گئے ہوں

گے۔
پولیس والوں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ دونوں جہانگیر کے اغوا کے ذمے دار تھے۔ رات ہو چکی تھی اور ٹیلی فون کے محکمے کے اعلیٰ افسران اپنے گھروں کو جا چکے تھے لیکن شفٹ ڈیوٹی پر موجود عملے کے نگراں نے تصدیق کر دی کہ ایکسچینج میں اس علاقے کی کوئی شکایت درج تھی اور نہ عملے کے کسی رکن کو ان اطراف میں بھیجا گیا تھا۔

گواہوں کے بیان اور محکمے کی تصدیق کے نتیجے میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اغوا کرنے والے چوروں کی طرح احاطے میں داخل ہوئے اور ایمرجنسی ڈور کا تالا توڑ کر عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

جہانگیر کے فلیٹ میں رونما ہونے والے واقعات کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ اغوا کنندگان نے وہاں غلبہ پاتے ہی جہانگیر کو بے ہوش کرنے میں پھرتی دکھائی ہوگی۔ وہ ہوش وحواس میں رہتا تو کسی قیمت پر ان لوگوں کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوتا۔

وہ دونوں اسے لاد کر گردشی زینے سے نیچے اترے اور ایمرجنسی ڈور سے باہر نکل گئے۔

اپنے قیدی کے ساتھ عمارت سے نکلنے کے لیے انہوں نے نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک گاڑی چوری کی تھی جس کا پتا چلانے میں خاصی دیر لگ گئی۔

یہ تھانے دار کی ذہنی اپچ تھی کہ ہر ایک سے پوچھ گچھ کے بعد اس نے احاطے میں پارک کی ہوئی گاڑیاں چیک کرنے کی ہدایت کی۔ عمارت کے محافظوں نے انٹر کام پر ہر فلیٹ کے مکین کو اپنی گاڑی دیکھنے کے لیے کہا تو پتا چلا کہ ایک گاڑی غائب تھی۔

وہ کڑیاں مل جانے کے بعد عمارت بلکہ احاطے سے نکاسی کے راستے پر مامور محافظوں کی باری آئی اور ایک گاڑی غائب ہونے کی خبر سن کر ان کے ہوش اڑ گئے۔

انہوں نے بتایا کہ وہ باہر سے آنے والی گاڑیوں کو دیکھ بھال کر احاطے میں آنے کی اجازت دیتے تھے۔ کیونکہ عمارت میں رہنے والوں کے سوا کسی کو اپنی گاڑی اندر لانے کی اجازت نہیں تھی البتہ احاطے سے باہر نکلنے والی گاڑیوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا جاتا تھا۔ یک طرفہ دیکھ بھال کے نتیجے میں یہ امکان نہیں تھا کہ باہر جانے والی گاڑی کسی مجرمانہ مقصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہو۔

عمارت کے نگراں گاڑیوں کو ان کی ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے اسٹکر سے پہچانتے تھے اور ویسے بھی ہر گاڑی ان کی نظروں میں تھی۔ انہوں نے کبھی اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا کہ آنے جانے والی گاڑیاں کو کون چلا رہا تھا۔

بعض گاڑیاں گھر کے ایک سے زیادہ افراد چلاتے تھے۔ کبھی کبھار مہمان اپنے میزبان کی گاڑی لے کر نکل جاتے تھے۔ ایک دو مرتبہ اجنبی مہمانوں کو گیٹ پر کار سمیت روکا گیا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اس روک ٹوک کو بیشتر مکینوں نے اپنی توہین تصور کیا تھا۔ ان واقعات کے بعد یہ اصول طے پا گیا تھا کہ عمارت کے چوکیدار گاڑیوں کی شناخت کریں گے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ گاڑی کون چلا رہا ہے۔

ان اطلاعات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جہانگیر کو اغوا کرنے سے پہلے مجرموں نے مکمل معلومات حاصل کر کے واردات کی بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔

پولیس والوں کو یقین تھا کہ مسروقہ کار جلد ہی کہیں نہ کہیں لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔ چالاک مجرم اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک اپنے گلے کا ہار نہیں بنائیں گے۔

''مجھے امید ہے کہ اب تمہیں اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔'' اول خان کی گفتگو ختم ہونے کے بعد میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ابھی صرف ایک رخ واضح ہوا ہے۔'' ویرا نے اطمینان سے جواب دیا'' مجرموں نے کسی کی غفلت سے زیادہ اپنی چالاکی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ اسے کن لوگوں نے اٹھایا ہے۔''

''وہ لوگ لگے ہوئے ہیں۔'' اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے جواب دیا'' توقع ہے کہ جلد ہی یہ بات سامنے آ جائے گی۔''

''تم سے ایک چوک ہو گئی۔'' ویرا نے مجھ سے کہا'' تم نے ٹام سے جہاں بہت سی باتیں کہیں وہاں اس سے جہانگیر کے بارے میں بھی بات کر لیتے۔ شاید کوئی......''

''اس تذکرے کی کوئی تک نہیں تھی۔ اس کے لیے میں کرنل داور ہوں۔ میرا ڈینی کے کسی دوست سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کرنل داور اور ڈینی میں ٹھنی ہوئی ہے۔'' اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا'' کرنل کو ڈینی کے دوستوں سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت وہ ذکر نکالا جاتا تو ٹام کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔ وہ عقل سے کورا نہیں ہے۔''

''میں ان باریکیوں میں نہیں پڑتی۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا'' میرا مدعا صرف یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد

جہانگیر کے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دینا چاہئے۔"
"فکر نہ کرو۔ وہ وقت بھی آجائے گا۔" اول خان نے اسے تسلی دی اور نکاس کے راستے کی طرف ہولیا۔
رات گہری ہوچکی تھی۔ ہم میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

اگلی صبح کا آغاز بوجھل انداز میں ہوا۔
سلمٰی مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند لے کر سب سے پہلے بیدار ہوچکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے تیار ہوکر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ اداسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی دیوار کو تک رہی تھی۔ تازہ اخبار اس کے سامنے میز پر بکھرے ہوئے تھے۔
"ان کے بارے میں اخبار میں کوئی خبر نہیں ہے۔" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔
"اس معاملے کو ایس ٹی ایف والے بھی دیکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس واقعے کی باقاعدہ ایف آئی آر نہ کاٹی گئی ہو۔ پولیس والے عام طور پر کچی رپورٹ کی خبر آگے نہیں بڑھاتے۔ تم اخباری خبر کو اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔
"میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سوچ رہی تھی کہ خبر آئی ہوتی تو اس سے کچھ پتا چل جاتا کہ ان کی تلاش کے لیے کیا ہورہا ہے۔"
"ایسے کام اعلان کر کے نہیں کیے جاتے۔ سب لوگ خاموشی مگر تن دہی سے سراغ لگانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔"
"کیا کامیابی کی کوئی امید نظر آرہی ہے؟" اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔
"کافی پیش رفت ہوئی ہے۔" میں نے اسے تسلی دی اور پھر وہ تفصیلات دہرانی شروع کردیں جو اول خان کو پچھلی رات اپنے آدمی سے ملی تھیں۔
"ابھی تک یہ پتا نہیں چلا کہ انہیں کن لوگوں نے اغوا کیا ہے!" میرے خاموش ہوجانے پر اس نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"یہ معلوم ہوجائے تو ذرا سی دیر میں انہیں گھیر لیا جائے گا۔"
"میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا "یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ تمہارے دشمن ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم اپنے دشمنوں کو پہچانتے ہو۔ ان کو کیوں نہیں پکڑتے؟"
وہ بہت ٹیڑھا مسئلہ تھا جسے سلمٰی نے بہت آسانی سے بیان کردیا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "میں اپنے دشمنوں سے واقف ہوں لیکن وہ تیزی سے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ روپوش مجرموں کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ ہماری طرف سے کوئی اندھا دھند کارروائی کی گئی تو وہ بھڑک کر جہانگیر کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس وقت ہم مجبور ہیں ان پر کوئی اوچھا وار نہیں کرسکتے۔"
اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔ اس وقت وہ پرانی سلمٰی سے بالکل مختلف نظر آرہی تھی۔ تنہائی میسر ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔
ہم دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اول خان آگیا۔ اسی کے ساتھ ویرا اور غزالہ بھی اپنے اپنے کمروں سے برآمد ہوگئیں۔
"تین تصویریں ملی ہیں۔" اول خان نے ایک خاکی لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میری دلی دعا ہے کہ ہمارا مطلوب آدمی ان میں شامل ہو۔"
میں نے تیزی کے ساتھ لفافے میں سے وہ تینوں تصویریں نکال لیں۔
وہ تینوں اپنے بشروں سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے تھے اور تینوں کے داہنے رخسار پرانے زخموں کے نشانات سے داغ دار تھے۔
میں پوری طرح ان تصاویر کا جائزہ نہیں لے پایا تھا کہ سلمٰی اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے میرے پیچھے آئی اور پھر اس نے تینوں میں سے ایک تصویر پر بے ساختہ انگلی رکھ دی "یہی ہے وہ مردود جس نے مجھے ریوالور کی نوک پر بے بس کیا تھا۔" وہ رندھی ہوئی، جذباتی آواز میں بولی "خدا کا شکر ہے کہ تم نے اسے تلاش کرلیا۔"
میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کرسکا کہ اس وقت اسے صرف پہچانا گیا تھا۔ اس کی تلاش کا مرحلہ باقی تھا۔
اس زمانے میں ہر طرف کمپیوٹر اور اس کے بے اندازہ کمالات کا خوب چرچا تھا لیکن سرکاری محکموں اور خاص طور پر پولیس ڈپارٹمنٹ میں اسے رائج نہیں کیا گیا تھا۔ عادی مجرموں کا ریکارڈ، تصاویر، فائلوں اور رپورٹوں کی صورت میں کئی جگہ بکھرا ہوا ہوتا تھا۔
خاصی تلاش کے بعد وہ تینوں تصاویر پولیس ہیڈ آفس کے ریکارڈ سے حاصل کی گئی تھیں۔ ان کی پشت پر مجرموں کے مختصر کوائف درج تھے جن سے پتا چلا کہ ہمارے مطلوب آدمی کا نام

رشید عرف شیدا تھا اور وہ بیماڑی کے علاقے کا ایک عادی بدمعاش تھا جو مختلف افراد کو زخمی کرنے کے جرم میں دو بار جیل کی ہوا کھا چکا تھا۔ اس کے خلاف عدالتوں میں کئی بڑے مقدمات التوا میں پڑے ہوئے تھے کیونکہ وہ دوسری بار جیل سے رہا ہونے کے بعد روپوش ہو گیا تھا۔

''اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟'' وہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

''رشید کی تلاش کے سوا اور کیا مشورہ ہو سکتا ہے؟'' میرے بجائے ویرا بول پڑی۔

''میں یہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اس کی تلاش کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہئے۔'' اول خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اپنے مجرم کی تصویر دیکھ لینے کے بعد سلمٰی کے چہرے پر ہلکی سی رونق آ گئی تھی اور وہ پرامید نظروں سے باری باری ہمارے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''پولیس کے محکمے میں کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں۔'' میں نے سگریٹ کا ایک ہلکا سا کش لے کر کہا ''ان کی وجہ سے بہت سی اہم باتیں قبل از وقت باہر نکل جاتی ہیں۔ اگر رشید کو یہ بھنک مل گئی کہ اسے پہچان لیا گیا ہے تو ہم اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

''تم جیسے ملکوں میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ کرپشن ناسور کی طرح ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔'' ویرا نے ناگواری سے دخل اندازی کی ''اول تو بہت کم لوگ کام کرنے کے موڈ میں نظر آتے ہیں۔ وہ کام کرنا چاہیں تو کالی بھیڑیں ان کی راہ روک دیتی ہیں۔''

''یہ خرابیاں تمہارے وطن میں بھی پائی جاتی ہیں۔'' سلطان شاہ نے اپنے کمرے سے برآمد ہونے کے بعد پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''وہاں جنم لینے والے اسکینڈل آئے دن اخباروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔''

''میں نے کبھی امریکا کی بے جا حمایت نہیں کی۔'' ویرا نے کھلے دل کے ساتھ کہا ''کرپشن وہاں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا رواج کم ہے کیونکہ میڈیا والے ہر وقت اپنے کیمرے اور مائکروفون سنبھالے، بدعنوانیوں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں جو بھی ان کی گرفت میں آ جائے اسے اس بری طرح رگڑتے ہیں کہ وہ زندگی بھر سوسائٹی میں اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ ہمیشہ کے لیے عوامی اداروں سے دور ہو جاتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ ان باتوں سے سلمٰی مضطرب ہو رہی تھی۔ اس کی فطری خواہش تھی کہ جب تک جہانگیر بازیاب نہ ہو جائے۔ ہم سب کو اس کی تلاش کے امکانات پر مسلسل غور کرتے رہنا چاہئے۔

''میری رائے میں پولیس کا کام پورا ہو گیا۔'' میں نے اپنا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا ''ایک سرا ہمارے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ہمیں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم نے اپنے مطلوب مجرم کو پہچان لیا ہے۔ اس کی تلاش کی مہم تمہارے آدمی سر کر سکتے ہیں۔''

''یہ کام رازداری سے ہونا چاہئے۔'' سلمٰی سے خاموش نہیں رہا گیا ''رشید ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہ جائیں گے۔''

''تم بے فکر رہو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ ہم کسے ڈھونڈ رہے ہیں۔'' اول خان نے اپنی چائے کی پیالی خالی کی اور اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے لیے میز سے اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

''ایس ٹی ایف والوں پر سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے۔'' ویرا نے دبی زبان سے کہا ''کل انہیں اپنے ہاتھ پیر چلانے کی آزادی ملی ہے اور کل ہی سے یہ مصروف ہو گئے ہیں۔''

''یہ لوگ کام میں مصروف رہ کر شاید زیادہ خوش رہتے ہیں بے کاری انہیں کھل رہی ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔

اول خان تینوں تصاویر کی شناخت کے لیے ہماری طرف آیا تھا۔ رشید کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ہمارے لیے سرکاری ریکارڈ سے حاصل کی ہوئی تینوں تصاویر کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی۔ اول خان کچھ دیر بعد ان تصاویر کے ساتھ واپس چلا گیا۔

میں نے سلمٰی کے بارے میں رات کو غزالہ کو ہدایات دے دی تھیں۔ سلمٰی اور ویرا کے مزاج میں بہت فرق تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکیں گے اور ان میں جھڑپ ہو جائے گی۔

سلمٰی اس وقت پریشان اور دل گرفتہ تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ جب تک وہ ہماری چھت کے نیچے رہے۔ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ ہو جو اس کی دل آزادی کا سبب بنے۔ اس کی دیکھ بھال کی ذمے داری میں نے غزالہ کو سونپ دی تھی۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد غزالہ ناشتے سے فارغ ہوئی تو ویرا نے سلمٰی کے ساتھ اپنی چھیڑ چھاڑ کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ ہنس بول کر وقت گزارنا اور شاید سلمٰی کا دل بہلانا چاہ رہی تھی لیکن اس کے باتیں سلمٰی پر گراں گزر رہی تھیں۔ میری نگاہوں کا

اشارہ پا کر غزالہ نے سلمیٰ کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔
سلطان شاہ کو کپڑے لانڈری میں ڈالنے تھے۔ اس کام کے لیے وہ ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو استعمال کرنے سے گریز کرتا تھا۔ کپڑے سمیٹ کر خود ہی گھر سے روانہ ہو گیا۔
''میں تم سے ایک ذاتی سوال کرنا چاہتی ہوں۔ اجازت ہو تو پوچھ لوں!'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں میرے قریب نشست سنبھال کر پوچھا۔
''آج تمہاری طبیعت کچھ خراب لگ رہی ہے۔'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔
''کیوں...... کیا میرے چہرے سے کچھ ظاہر ہو رہا ہے؟'' اس نے قدرے بوکھلا کر پوچھا۔
''چہرے سے نہیں باتوں سے ایسا ظاہر ہو رہا ہے۔'' میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔
''تو کیا اب تمہیں میری باتوں میں بھی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔'' اس نے اپنی غیر ارادی بوکھلاہٹ کی خفت کو لہجے کی ترشی میں چھپانے کی کوشش کی۔
''آج سے پہلے تم میری اجازت کے بغیر بہت کچھ پوچھتی رہی ہو۔ حیرت ہے کہ آج تم مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس کر رہی ہو۔''
''اوہ!'' اس کے خدوخال کی ترشی یک لخت ہلکی سی مسکراہٹ میں تحلیل ہو گئی ''آج تمہاری پرانی سہیلی آئی ہوئی ہے اس لیے میں محتاط رہنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''
''میں تمہاری احتیاط کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ وہ خود اندر سے بجھی ہوئی ہے ذرا بھی چوکتی تو تم پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتیں۔''
''رات سے وہ تم سے کچھ روٹھی ہوئی نظر آ رہی ہے!''
''بولتی ہو تو کم از کم ڈھنگ کے الفاظ چن لیا کرو۔ روٹھنے اور ناراض ہونے میں بہت فرق ہے۔ وہ اس بات سے ناراض ہو سکتی ہے کہ میری وجہ سے اس کا شوہر مصیبت میں گرفتار ہوا ہے......''
''مجھے الفاظ کی باریکیاں نہ سمجھاؤ۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا ''اب میں تم سے زیادہ اردو داں ہو چکی ہوں۔''
''تمہیں اللہ ہی سمجھا سکتا ہے۔ یہ کام انسانی بساط سے باہر ہے۔''
''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی ''وہ تمہیں تیکھی نظروں سے دیکھ رہی ہے نہ تم سے میٹھے بول بول رہی ہے۔''
''بہتر ہوگا کہ یہ سوال اسی سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں تھپڑ کی صورت میں جواب دے گی۔''
''چوری پکڑی جائے تو ہر عورت اسی طرح برہمی کا مظاہرہ کرے گی۔ شرافت سے کوئی ایسی باتوں کا اعتراف نہیں کرتا۔''
''ہر عورت کو اپنے جیسا نہ سمجھا کرو۔ وہ ایک شریف اور خانہ دار عورت ہے۔ اپنے شوہر سے میرے دیرینہ مراسم کی وجہ سے کبھی ہنس بول لیتی ہے تو اس سے غلط مفہوم اخذ مت کرو۔ ایسی باتیں بہتان طرازی کے زمرے میں آتی ہیں۔''
''تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ یہ بتاؤ کہ اسے کب تک ہمارے سروں پر مسلّط رکھو گے۔ اس کے آنے سے فضا بوجھل اور اداس ہو گئی ہے۔''
''اس کو تنہا وہاں نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ جہانگیر کے ملتے ہی وہ اپنے گھر لوٹ جائے گی۔''
''وہ نہ ملا تو سلمیٰ یہیں رہتی رہے گی۔'' اس نے بھویں اچکا کر پوچھا۔
''کیوں ایسے منحوس کلمات منہ سے نکالتی ہو۔ رشید کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ہمیں کسی بھی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔''
''اس دوران میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے لے جانے والے بہت بے رحمی سے اس کو تشدد کو نشانہ بنا رہے ہوں گے۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
''کھل کر کہو کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔
''وہ ایک مدت سے دل کھول کر شراب پی رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ دیر تک سختیاں نہیں جھیل سکے گا۔ اگر اس نے مجبور ہو کر اپنی زبان کھول دی تو پھر ہم سب کہاں ہوں گے!''
ویرا کے سوال پر میرے بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی، وہ کوئی نرالی بات نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ خطرہ شروع سے موجود تھا لیکن میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔
میری دانست میں جہانگیر ایک جہاں دیدہ آدمی تھا اور فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ ہماری اور اس کی سلامتی اس کی خاموشی سے وابستہ تھی۔ وہ لوگ اس کی زبان کھلوانے کے لیے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ جوں ہی وہ ان کے سامنے ہتھیار ڈالتا' وہ ہماری طرف چڑھ دوڑتے۔ ہمارا انجام جو بھی ہوتا اس مہم کی تکمیل کے بعد وہ جہانگیر کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے۔

''ایسی حوصلہ شکن باتیں مت کرو۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''جہانگیر شی کا پرانا آدمی ہے اس سے کسی حماقت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

''توقعات میری بھی یہی ہیں لیکن ہمیں شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ تشدد کی ایک رات بہت لمبی ہوتی ہے ہمیں ابرار اور دین محمد کو ہوشیار کر دینا چاہیے، گھر داری میں پڑ کر وہ اپنے اصل کام سے خاصے بے پروا ہو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کر دشمن ہمارے سروں پر آ پہنچے اور وہ ہماری خوشنودی کے لیے ہانڈی چولہے میں الجھے رہ جائیں۔ انہیں ہر وقت چھت پر موجود رہنا چاہیے۔''

ویرا کی باتیں ناخوشگوار ہونے کے باوجود حقیقت سے بہت قریب تھیں۔ کچھ ہونا یا نہ ہونا بعد کی بات تھی۔ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ان احتیاطی تدابیر پر فوری عمل کیا جائے۔

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ابرار کو آواز دی۔ وہ لپک کر آیا میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دین محمد بھی کچن سمیٹنے میں اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

''کچن چھوڑ دو۔ اگلی ہدایات تک تم دونوں کو ہر وقت چھت پر موجود رہ کر اپنے اصل کام پر دھیان دینا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''سر! ہم سے گھر کے کام میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے یا کوئی نیا خطرہ سر اٹھا رہا ہے؟'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''تم دونوں سے گھر کے کاموں میں بہت مدد مل رہی ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن رات سے حالات نے نئی کروٹ لی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے گھر کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں تم دونوں کا چوکنا رہنا ضروری ہے۔''

میری وضاحت سن کر اس کے سہمے ہوئے چہرے پر رونق لوٹ آئی میری ابتدائی ہدایت سے اسے شبہ ہوا تھا کہ شاید میں اسے کسی کوتاہی کی بنا پر کچن سے ہٹانے کا فرمان سنا رہا ہوں۔

''ہم دونوں کچن سمیٹ کر ابھی اوپر جاتے ہیں!'' اس نے سر جھکا کر کہا اور تیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آج تم نے بے چون و چرا میرا مشورہ مان لیا'' ابرار کے جانے کے بعد ویرا نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

''میں ہر معقول بات کو اسی آسانی کے ساتھ مان لیتا ہوں۔''

''لیکن پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا!'' اس نے روانی میں کہا۔

''پہلے تم نے کوئی معقول مشورہ دیا ہوتا تو ایسا ضرور ہوتا۔''

''تم نے بارہا میرے مشوروں پر عمل کر کے کامیابیاں حاصل کی ہیں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''تم میں ایک بڑی خرابی یہ آ گئی ہے کہ تم اچھے مشورے دینے کے بجائے ہر وقت تنقید کی تاک میں لگی رہتی ہو بال کی کھال نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ بیچ میں کوئی کام کی بات زبان سے نکل جائے تو اس میں تمہارے ارادے کا قصور نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ تمہاری کس بات نے دوسروں کو متاثر کیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ''میں آئندہ محتاط رہنے کی کوشش کروں گی۔'' دراصل ہمارے درمیان اس قسم کی ذاتی گفتگو ہونے کی نوبت نہیں آتی......''

''کیسے آئے گی۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی ''غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے اس قسم کی کوئی بات کہی جائے تو تم اسے ذاتی تنقید سمجھ کر چڑنے لگتی ہو۔ کبھی کبھار تخلیے کی گنجائش نکلتی ہے تو تمہارا دماغ آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوتا ہے۔''

وہ بے ساختہ مسکرا دی ''کبھی کبھی مجھے وہ دن بہت شدت سے یاد آتے ہیں جب میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی اور تم مجھ سے ملنے کے بہانوں کی تلاش میں رہتے تھے۔''

''تم نے پھر بہکنا شروع کر دیا۔ یہ تمہاری سب سے بڑی خرابی ہے۔ ماضی تم سے بھلائے نہیں بھولتا۔ وہ باتیں تمہارے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہیں۔ ماضی میں رہنا چھوڑ دو۔ یہ دیکھو کہ آج کے حالات کے کیا تقاضے ہیں۔''

''یاد ماضی عذاب ہے یارب...... چھین لے مجھ سے حافظہ میرا'' ویرا نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہ شعر دہرایا پھر بولی ''ماضی کو بھلانا شاید دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔''

''اور حافظہ چھن جانے کے بعد انسان اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ ماضی اس کے لیے ایک بھولا ہوا خواب بن جاتا ہے جس کے دھندلائے ہوئے سپنے اسے ہر آن بے کل اور پریشان رکھتے ہیں۔ اس کے لیے بس وہ لمحہ اپنا ہوتا ہے جس میں وہ سانس لے رہا ہوتا ہے۔ گزرا ہوا ہر پل اس کے لیے خواب بن جاتا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''نہ یاد ماضی عذاب ہے اور نہ حافظے کا چھن جانا اچھا ہوتا ہے، میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اپنے رویوں میں اعتدال اور توازن رکھا جائے۔''

''کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن یہ باتیں انسان کے بس

سے باہر ہوتی ہیں۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی تک انسان کی ایک سرشت بنتی چلی جاتی ہے جسے بدلنا اس کے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ میں دانستہ اپنے ماضی کو نہیں کریدتی۔ میرے خیالات کی رو خود بہ خود ادھر بہک جاتی ہے۔ میں بے بس ہو جاتی ہوں۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ ویرا کی باتیں بے بنیاد نہیں تھیں۔ اس کا ماضی شان و شوکت کا نقیب رہا تھا۔ اس کے اشاروں کو حکم کا درجہ حاصل تھا۔ اس نے جمی لائیڈ سے تصادم مول لینے سے پہلے بہت پرشکوہ زندگی گزاری تھی۔ ایسے شاندار ماضی سے رشتہ توڑنا آسان کام نہیں تھا۔

ویرا کے ماضی کے حوالے سے میرا ذہن بھٹک کر اچانک سوبھراج کی طرف چلا گیا۔ اس نے بے سروسامانی کے عالم میں اپنی زندگی کی ابتدا کی تھی اور قلیل سی مدت میں اپنے جوڑ توڑ کے نتیجے میں ایسے مقام پر جا پہنچا تھا۔ جہاں دولت اس کی باندی تھی اور مقتدر حلقوں میں اس کی آواز بہت دھیان سے سنی جاتی تھی۔ اپنی ایک لغزش کے نتیجے میں وہ اپنا سب کچھ کھو کر سڑک پر آ چکا تھا۔ اسے کہیں امان نہیں تھی۔ اس کے خون کے پیاسے ہر طرف اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اس کی گہری رفاقتیں خون آشام دشمنیوں میں بدل چکی تھیں۔

پچھلی رات میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کئی کوششیں کی تھیں اور ناکام رہا تھا۔ جہانگیر کے قصے کی وجہ سے میرا ذہن اس قدر الجھ گیا تھا کہ مجھے دوبارہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کا خیال نہیں آ سکا تھا۔ کسی اور نے بھی اس بارے میں مجھے یاد دہانی کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ٹام کے لیے میں کرنل داور بنا ہوا تھا۔ اس حیثیت میں، میں اس سے ڈینی کے کسی دوست کے بارے میں براہِ راست بات نہیں کر سکتا تھا لیکن سوبھراج کے ساتھ میں نے اصل روپ میں رابطہ برقرار رکھا ہوا تھا۔ مجھ سے مصالحت کرنے سے پہلے وہ جہانگیر کے چکر میں اپنے آدمی کھو چکا تھا۔ اپنے آدمیوں کی پے در پے موت سے گھبرا کر اس نے مجھے صلح کی پیش کش کی تھی۔ اس جنگ بندی کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ اس کا کوئی آدمی جہانگیر کو پریشان نہیں کرے گا۔

اس پس منظر کی وجہ سے میں اس سے بہت سی باتیں کر سکتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے کے بعد میرے ساتھ اس کا رویّہ بدل جائے گا۔ اپنے اس اندازے کی تائید یا تردید کے لیے اس سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔

''اب کسے فون کر رہے ہو؟'' مجھے فون کی طرف متوجہ دیکھتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا ''میں تمہارے ساتھ سکون کے کچھ لمحے گزارنا چاہتی ہوں۔ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ غزالہ، سلمٰی کو لیے بیٹھی ہے۔ ایسا پرسکون ماحول آسانی سے میسر نہیں آتا۔ تم بعد میں بھی فون کر سکتے ہو۔''

''ہم رشید کی تلاش پر انحصار کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس وقت میں سوبھراج کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔'' وہ اپنی نشست میں پہلو بدل کر پرزور لہجے میں بولی ''مجھے یقین ہے ٹام کی طرح تم اس سے بھی کچھ نہ کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ جہانگیر کے اغوا کے بعد اس سے رابطہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔''

''سوبھراج نے مجھے الجھا دیا ہے۔ اس سے آخری بار بات ہوئی تو وہ کراچی سے کسی دور افتادہ علاقے میں جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ اب جہانگیر کا قصہ درپیش ہے۔ اگر اس کے اغوا میں سوبھراج کا ہاتھ ہے تو وہ کراچی ہی میں جما ہوا ہے۔''

ویرا سے وہ فقرے کہنے کے ساتھ ہی میں نے سوبھراج کا نمبر بھی ملا لیا۔ چند ثانیوں کے بعد دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تو یک بیک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے چہرے کے تاثرات سے ویرا نے اندازہ لگا لیا کہ میری کال مل گئی تھی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمہ تن گوش ہو کر سیدھی بیٹھ گئی۔

دوسری گھنٹی پر فون وصول کر لیا گیا۔ میرے کان میں سوبھراج کی جانی پہچانی، ہیلو کی آواز گونجی جس میں معمول کے مطابق تحکم رچا ہوا تھا۔

مجھے یاد تھا کہ آخری بار ہونے والی گفتگو میں سوبھراج کا انداز مدافعانہ تھا۔ جب کہ میں اس کی باتوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی برہمی کا اظہار کرتا رہا تھا۔ ہماری گفتگو کا اختتام سوبھراج کے اس فقرے پر ہوا تھا کہ میرا غصہ اتر جائے تو میں اسے فون کر لوں ورنہ وہ خود مجھ سے دوبارہ بات کرے گا۔

میں نے اسی حوالے سے کہا ''تم کہاں غائب ہو...... میں تمہارے فون کا منتظر تھا۔''

''اوہ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا غصہ اتر گیا۔'' اس کی آواز میں ایسا عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا کہ میں بے اختیار پھریری لے کر رہ گیا۔

''کیا تم میرا غصہ اترنے کا انتظار کر رہے تھے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم نے کہا تھا کہ میں نے فون نہ کیا تو تم خود مجھ سے بات کرو گے۔'' میں نے دانستہ یہ ذکر گول کر دیا کہ میں نے پچھلی رات کو بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میں اچانک مصروف ہو گیا تھا ورنہ تم سے ضرور بات

کرتا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت مجھے کیسے یاد کیا ہے۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اب بھی میرے رابطے میں ہو۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر کی موت کے بارے میں تم نے حقائق کو تسلیم کرلیا ہوگا۔''

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ کچھ دیر کے لیے جہانگیر کے ذکر کو التوا میں رکھ کر اسے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوشش کروں لیکن میں نے وہ خیال اسی لمحے مسترد کردیا۔

اگر وہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث تھا اور مجھے قوی اندیشہ تھا کہ ایسا ہی تھا تو اس بارے میں میری خاموشی اسے ہوشیار کرسکتی تھی۔ اسے میرے اور جہانگیر کے انتہائی قریبی مراسم کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ میں اس ذکر کو گول کر کے دوسری باتیں شروع کرتا تو سوبھراج بھانپ لیتا کہ مجھے اس پر شبہ ہوچکا ہے اور میں اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اپنے ایک خیال کو مسترد کرنے کے بعد میرے لیے ایک ہی متبادل راہ رہ گئی تھی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا ''آج میں نے تمہیں ایک ضرورت کے تحت فون کیا ہے۔''

''کہو...... میں اپنی مجبوریوں کے باوجود تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھ پر تمہارے کئی احسانات ہیں جبکہ میرا خانہ خالی ہے۔'' اس کی آواز پرتجسس تھی۔

''تم سے میرا معاہدہ ہوا تھا کہ جہانگیر کو نہیں چھیڑا جائے گا لیکن کل رات کو اسے اس کے گھر سے اغوا کرلیا گیا۔'' میں نے فوری فیصلے کے تحت ذمے داری اس کے سر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا جو اس واقعے پر میرا فطری اور منطقی ردِّعمل ہونا چاہیے تھا۔

''وہ اغوا ہوگیا!'' سوبھراج نے حیرت ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز کا کھوکھلا پن مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''یہ بہت برا ہوا۔ تم یقین کرو کہ اس واقعے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میں خود کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ میں کسی قیدی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر کہاں لیے پھروں گا۔ مجھے اس کو ستانے یا اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا اصل جھگڑا تم سے تھا۔ وہ بے چارہ بلا وجہ میری نظروں میں آگیا تھا۔ تم سے معاملات درست ہونے کی بعد میں اسے بھول گیا۔ اس بارے میں مجھ پر شبہ مت کرو۔''

''میں کسی پر شبہ نہیں کر رہا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''جب سے مجھے اس کے اغوا کی خبر ملی ہے، میرا دماغ گھوما ہوا ہے۔ میں رات سے ایک ایک کر کے ان سب لوگوں کو چیک کر رہا ہوں جن سے جہانگیر کی ذرا سی بھی دشمنی تھی۔ اب تک میں چھ آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ ان میں سے دو کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے مگر اس معاملے سے ان کا کوئی تعلق سامنے نہیں آسکا۔ تم ساتویں آدمی ہو اور ایک بار اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر چکے ہو......''

''وہ قصہ پارینہ ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا احسان مند ہوں۔ مجھے اب بھی تمہاری ضرورت ہے۔ میں اسے چھیڑ کر تمہاری مخاصمت مول نہیں لے سکتا۔''

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن تمہارا ریکارڈ اتنا صاف نہیں ہے۔ جو شخص سرد مہری سے اپنے ایک محسن کو مار سکتا ہے وہ ماضی کے ایک حریف پر بھی پلٹ کر حملہ کرسکتا ہے......''

''تم پھر ڈاکٹر صادق کا قصہ لے بیٹھے!'' اس نے میری بات کاٹ کر شکوہ کیا ''اس کا جہانگیر سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر کو مارنے کا ایک مقصد تھا۔ میں اسے بے آبروئی اور اذیت کی زندگی سے بچانا چاہتا تھا۔ تمہارا نظریہ ہے کہ میں نے اسے جان بچانے کے لیے مارا۔ ہر حال میں اس کے قتل کا ایک سبب تھا۔ [illegible] جہانگیر کو اغوا کر کے میں کیا حاصل کرتا؟ تم مجھ سے رابطے میں [illegible] ملنے کے لیے بے چین ہو۔ میری نیت میں کوئی [illegible] ہوتا تو میں تم کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا۔ مجھے اس کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت تھی!''

ہم دونوں کے درمیان رابطہ ضرور تھا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کی پہنچ سے دور تھے اور در پردہ ایک دوسرے کی گھات میں لگے ہوئے تھے۔ میرے سامنے کوئی ایسا مہرہ نہیں تھا جسے استعمال کر کے میں سوبھراج کے ٹھکانے تک پہنچتا۔ سوبھراج کے سامنے جہانگیر کا نام تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنے کے بعد جہانگیر پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں گھما پھرا کر اپنی بات واضح کرچکا تھا لیکن نتائج کے ڈر سے اس پر کھل کر الزام نہیں لگا پا رہا تھا۔

''میں تم سے ملنے کے لیے اب بھی بے چین ہوں۔ کیا تم آج کوئی وقت نکال سکتے ہو؟''

''ڈیئی! مجھے خوف زدہ مت کرو۔ شاید اس وقت تم پر دیوانگی طاری ہے۔ تم چھ آدمیوں کی کہانی سنا چکے ہو جن میں سے دو کے ہاتھ پیر توڑے گئے ہیں۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گا کہ مجھ سے سامنا ہونے پر تم مشتعل ہو کر تصادم پر تل جاؤ اور ہم دونوں میں سے کسی ایک کی دو چار ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔''

''سوبھراج! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سرد لہجے میں کہا۔

''اپنے لہجے پر غور کر و ڈینی...... تمہاری آواز تمہارے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ اپنے دوست کے صدمے سے تمہارے سر پر خون سوار ہو چکا ہے۔ میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ کسی بھلے وقت میں ہماری ملاقات ہوگی۔''

''تم میرے احسان مند ہو، میری دوستی کے گن گا رہے ہو لیکن مجھ سے ملنے سے کترا رہے ہو۔ کہیں تمہیں یہ خوف تو نہیں ہے کہ میں دو لاکھ روپے کے انعام کے لالچ میں تمہیں پکڑوا دوں گا۔ مجھے دیکھو کہ میرے اوپر لاکھوں ڈالر کا انعام مقرر ہے پھر بھی میں بے خوف ہوں، مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم مجھے امریکیوں کے حوالے کر کے انعام کے ساتھ ان کی خوشنودی بھی حاصل کر لو گے۔''

''وہ باسٹرڈ ہیں۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کا نفرت آمیز جواب آیا ''میرے اور ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکے ہیں۔ اب میرا اور ان کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔''

اس مرتبہ وہ بے ساختہ نہیں بولا تھا۔ بگڑا ہوا سیاست داں تھا اس لیے میرے الفاظ کی اونچ نیچ پر لمحہ بھر کے لیے غور کر کے گویا ہوا تھا۔ میں اس کی ان ہی حرکتوں پر غور کرنے کے لیے جان بوجھ کر نپی تلی باتیں کر رہا تھا۔

''میں ان کا سب سے زیادہ مطلوب شخص ہوں۔ میرے بدلے میں ان سے اپنی معافی کا سودا کر لو۔ وہ سر کے بل تم سے سودا کریں گے۔ میں مکھن میں سے بال کی طرح ان کی گرفت سے نکل آؤں گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے...... بالکل ناممکن!'' میری تجویز پر وہ بوکھلا کر رہ گیا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی گلوخلاصی کے لیے تمہیں مصیبت میں ڈال دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم طنز کر رہے ہو، سنجیدگی سے مشورہ دے رہے ہو یا میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''یہ ایک دانا دوست کا بہترین مشورہ ہے۔ فرصت میں اس پر غور کر لینا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میرے لیے تم نادان دوست ثابت ہو رہے ہو جس سے کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا۔''

''مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ تم اپنی زہریلی باتوں سے مفاہمانہ فضا کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا ہے؟'' پہلی بار اس کے لہجے میں ہلکی سی ترشی آ گئی۔ میری زبان سے اپنے دل کی باتیں سنتے سنتے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''سب سے پہلا اور بڑا نقصان پرسوں ہوا۔ تم نے میرے ایک کارآمد کارکن کو ورغلا کر مجھ سے باغی کر دیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے آدمی مشکل سے ملتے ہیں۔''

''کیا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا؟'' اس نے اپنی ہلکی سی تلخ نوائی پر قابو پا کر حیرت کا اظہار کیا۔

''وہ کس منہ سے آئے گا۔ تمہارے بھاگ نکلنے سے اس کی بازی بھی بگڑ گئی۔ اسے ڈر ہوگا کہ اس کی باغیانہ باتیں میرے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ اس کنگلے کی جیب میں ساٹھ ہزار کی رقم آ چکی ہے۔ اب تک وہ کراچی سے بہت دور نکل چکا ہوگا۔''

''میں مانتا ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ میں نے اسے اتنی بڑی رقم دے دی۔ میں تمہارے اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ وہ کہیں نظر آ جائے تو خاموشی سے اسے وہیں پہنچا دوں جہاں ڈاکٹر صادق جا چکا ہے۔''

''تم نے پھر اس کا نام لیا۔'' میں نے اسے ٹوکا ''تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ اس کے باوجود مجھے اس کے قتل کی خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ اس کا ذکر کر کے تم میرے دکھ کو تازہ کر رہے ہو۔ میرے غدار سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''اب اس کا ذکر نہیں آئے گا۔'' اس نے یقین دہانی کرائی اور پھر پوچھا ''تم نے میرے کام کے بارے میں اب تک کیا کیا ہے؟''

''کس کام کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ الفا کو ٹھکانے لگا دو۔ تم راوالوں کے دشمن ہو۔ اس کے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی خبر نہیں ملی۔''

''وہ غائب ہے۔ تم سے اس کا آخری رابطہ کب ہوا تھا؟'' میں نے اس سے یوں سوال کیا جیسے وہ اس معاملے میں میرا رفیق کار رہا ہو۔

''میرے اوپر الزام تراشی کے بعد سے وہ غائب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے۔ میں دو ٹکے کے آدمی کی بدتمیزی اور الزام تراشی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''میں اس کی تلاش میں ہوں۔ تم سے زیادہ وہ میرا مجرم ہے۔ مل گیا تو عبرت ناک انجام سے دوچار ہوگا۔ اس کی بگڑی ہوئی لاش کی تصویریں اخباروں کی زینت بنیں گی۔''

''مجھے افسوس ہے کہ تمہارا دوست غائب ہے اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

''وہ بہت دلیر اور بے خوف آدمی ہے۔ اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں اس کو اغوا کرنے والے کو اس کے پورے گھرانے سمیت خون میں نہلا دوں گا۔'' جہانگیر کا ذکر آتے ہی میرا پارا چڑھ گیا ''اس کے خاندان کا نام ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔''

''میرے لیے تمہارا یہ غصہ قابلِ فہم ہے۔ میری دعا ہے کہ اسے کچھ نہ ہو اور وہ خیریت سے اپنے گھر لوٹ آئے۔'' سوبھراج کی منافقانہ آواز ابھری۔

''تم یہاں بیٹھے ہمدردی کا اظہار کرتے رہو۔ میں جلد ہی اسے ڈھونڈ لوں گا۔'' میں نے جل کر کہا۔

سوبھراج کی باتوں اور ردِعمل سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ جہانگیر کے اغوا میں اسی مردود کا ہاتھ تھا مگر میں اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود اس سے واضح طور پر کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

میرا ذہن الجھا ہوا تھا کہ جب جہانگیر اس کے قبضے میں چلا گیا تھا تو وہ کھل کر مجھے بلیک میل کرنے کے بجائے مسلسل دوستی اور مفاہمت کی باتیں کیوں کیے جا رہا تھا۔ اس مرحلے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ذہن میں سوچ کے نئے دریچے کھل گئے ہوں۔

وہ بہت گھاگ اور مکّار تھا۔ حالات کے گرداب میں پھنس کر وسائل کی قلت کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ مجھے اپنی کامیابی کی ہوا نہ لگنے دے تاکہ میں اس کی طرف سے غافل ہو جاؤں۔ وہ جہانگیر سے میرا پتا ٹھکانا معلوم کر کے اچانک وار کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ وہ بے خبری میں مجھے آسانی سے مار لے گا۔ میرے بعد وہ جہانگیر کو بھی ٹھکانے لگا دیتا۔ اپنے اس کارنامے کے صلے میں وہ وہی کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی تجویز میں دے چکا تھا۔

''تم بلاوجہ میری باتوں سے چڑ رہے ہو؟'' سوبھراج فون پر کہہ رہا تھا ''میں پہلے بھی تم کو بتا تا رہا ہوں کہ گیری کس طرح مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے اس سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیتا تھا۔ اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد ٹام میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ مجھے ان درندوں کا خوف نہ ہوتا تو زبانی ہمدردی جتانے کے بجائے تمہارا ہاتھ بٹا سکتا تھا۔ زبانی ہمدردی کو میری مجبوری سمجھ کر قبول کر لو۔''

''تم کراچی سے نکلنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ابھی تک یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟'' بات ہو رہی تھی تو میں نے لگے ہاتھوں وہ سوال بھی پوچھ لیا۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا!'' اس بار اس نے برجستہ کہا ''میں کراچی سے سیکڑوں میل دور بیٹھا ہوا ہوں۔ سیٹ لائٹ فون میں یہ کمال ہے کہ دنیا میں کہیں بھی چلا جاؤں، تم مجھ سے اسی آسانی کے ساتھ رابطہ کر سکو گے۔''

وہ ایک مرتبہ پھر سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ چند لمحے پہلے وہ میرا ہاتھ بٹانے کی بات کر رہا تھا۔ گیری اور ٹام کے خوف کا اظہار کرنے کے ساتھ اسے یہ بھی کہہ دینا چاہیے تھا کہ شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ آخری جواب سے پہلے اس نے کسی بھی مرحلے پر بیرونی شہر ہونے کا تاثر نہیں دیا تھا۔ میرے سوالوں کے جواب میں پے در پے جھوٹ بولے جا رہا تھا جس کا واحد مقصد یہ نظر آ رہا تھا کہ میں اس کی بدنیتی اور مکروہ عزائم کا اندازہ نہ لگا سکوں اور اسے شہر سے باہر تصور کر کے بھولا رہوں۔

''ایسی ایجادات کا دہرا فائدہ ہوتا ہے۔ موبائل اور سیٹ لائٹ فون میں جہاں ہر وقت رابطے کی سہولت ہے، وہاں یہ آزادی بھی ہے کہ تم جہاں موجود نہ ہونا چاہو، وہاں موجود نہیں ہوتے۔ کیماڑی میں بیٹھ کر تم جھوٹ بول سکتے ہو کہ اس وقت نیو کراچی میں ہو۔ سننے والا یہ بات ماننے پر مجبور ہوگا۔''

میں نے رشید کے حوالے سے جان بوجھ کر کیماڑی کا ذکر کیا تھا لیکن سوبھراج نے اس پر کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ہنس کر بولا ''سہولتوں کے ساتھ آزادیاں میسر نہ ہوں تو وہ بے سود ہو جاتی ہیں۔ یقین کرو کہ میں کراچی میں نہیں ہوں۔''

''میں تمہاری ہر بات پر یقین کرتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے تم پر طنز نہیں کیا، ایک عمومی بات کہی تھی جس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا ''شہر سے نکلنے کے بعد تمہیں فرصت اور سکون کے لمحات میسر آ گئے ہوں گے۔ اگر تم چاہو تو میں تم سے ملاقات کرنے کے لیے لمبا سفر طے کر کے تمہارے پاس آ سکتا ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ میں ایسے موقع کی تلاش میں ہوں۔ بہت جلد تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ آپس میں اعتماد کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔'' مجھے اس کا جواب ذومعنی محسوس ہوا۔

''میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔'' میں نے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا۔

''تم ہوشیار ہو تو وہ بھی بہت شاطر ہے!'' سوبھراج سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران میں ویرا نے کہا ''تم اس کی طرف سے اپنے ذہن میں کچھ مفروضے لیے بیٹھے ہو۔ اس لیے تم نے اس کی باتوں سے کئی نتائج اخذ کر لیے لیکن وہ

اب بھی تمہارے جال میں نہیں آ سکا۔''
''وہ کھل کر مقابلے پر آنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس سے کہیں اچانک سامنا ہوگا۔''
''تمہارے ارادے اس سے مختلف نہیں ہیں۔ تم پہلی فرصت میں اسے جہنم واصل کرنے کا فیصلہ کیے بیٹھے ہو لیکن فون پر اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہو۔ دونوں طرف ایک جیسا حال ہے۔ دونوں کی بغلوں میں چھریاں ہیں اور منہ سے رام کی مالا جپ رہے ہو۔''
''سوبھراج میری توقع سے بڑھ کر سخت جان ثابت ہوا ہے۔ وہ عیش وعشرت اور سہاروں کا عادی تھا۔ اسے اب تک بکھر کر رہ جانا چاہیے تھا لیکن وہ بہت دل جمعی سے حالات کا مقابلہ کر رہا ہے۔ سنیل کے پکڑے جانے سے بھی اس کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔''
''بعض لوگ اس سے زیادہ سخت جان ہوتے ہیں۔'' ویرا بولی ''ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے حالات کو اپنا تابع نہ بنایا تو وہ خود واقعات کی چکی میں پس کر فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔''
اسی وقت بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کو گھر کی حفاظت کی ڈیوٹی پر اوپر بھیج دیا گیا تھا لیکن وہ آنے جانے والوں کے لیے گیٹ اور دروازے کا خیال رکھ رہے تھے۔ ہم میں سے کسی کو اٹھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میرا خیال تھا کہ سلطان شاہ لانڈری میں کپڑے ڈال کر لوٹا ہوگا۔
فرش پر قالین کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو سکا کہ گھر میں آنے والوں کی تعداد ایک سے زائد تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے پیچھے جلال کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو حیرت سے غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
''تت..... تم کراچی کب آئے؟'' ویرا بھی اچانک اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔
''صبح کی پہلی پرواز سے آیا تھا'' اس نے مجھ سے بغل گیر ہو کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''صدف مینشن میں چارلی سے تفصیلی ملاقات کر کے سیدھا ادھر آ رہا ہوں۔''
''اس سے ملاقات کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''جو بولے وہ دروازہ کھولے۔'' اس نے جگہ سنبھالتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا ''کراچی میں کسی وی آئی پی پر قاتلانہ حملے کی سازش کی اطلاع میں نے اسلام آباد پہنچائی تھی اس لیے اس واقعے کی تفتیش میں میری شمولیت ضروری سمجھی گئی

ہے۔''
اسے جہانگیر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کا علم نہیں تھا اس لیے وہ اپنے فطری انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر غزالہ اپنے کمرے سے باہر آئی تو سلمٰی بھی اس کے ساتھ تھی۔
ان دونوں کو دیکھتے ہی جلال اپنی نشست سے احتراماً کھڑا ہو گیا۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی نظریں سلمٰی کے سوگوار چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔
''یہ میرے دوست جہانگیر کی بیوی سلمٰی ہے۔'' اس کے کسی سوال سے پہلے میں نے بتایا ''کل رات اسے گھر سے اغوا کر لیا گیا۔ ہم سلمٰی کو عارضی طور پر یہاں لے آئے ہیں۔''
''اس پر پہلے بھی ہاتھ ڈالنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ یہ میرے لیے بہت اندوہناک خبر ہے۔'' جلال نے گہرے افسوس کے ساتھ کہا ''اس کی بازیابی کے لیے کیا کر رہے ہو؟''
''غزالہ کو اپنی ذمے داری کا احساس تھا۔ وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکی۔ سلمٰی کے ساتھ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ ہم آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔
جلال کی آمد کا قصہ ادھورا رہ گیا۔ وہ جہانگیر کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ اسے شکوہ تھا کہ میں نے اسے اس واقعے کی اطلاع نہیں دی تھی۔
وہ جہانگیر سے ذاتی طور پر متعارف نہیں تھا۔ میری زبان سے اس کے تذکرے سنتا رہا تھا۔ میں نے اسے ابتدا سے لے کر سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کی ساری جزئیات ایک ہی سانس میں بتا ڈالیں۔ اسے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ اغوا کرنے والوں میں سے ایک کا سراغ مل چکا تھا اور اس کی تلاش کی مہم جاری تھی۔
''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برا وقت آتا ہے تو ہر طرف سے ایک جیسی خبریں آنے لگتی ہیں۔ گیری کے سمندر میں ڈوبنے کے بعد سے کان کسی اچھی خبر کے لیے ترس گئے ہیں۔ سوبھراج کی آنکھ مچولی پہلے کی طرح جاری ہے۔ وہ ڈاکٹر صادق کو ہلاک کر کے ایک اہم گواہ سے چھٹکارا حاصل کر چکا ہے۔ الفا غائب ہے۔ ایک وی آئی پی پر ناکام قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ جہانگیر کو اغوا کر لیا گیا ہے اور ہم ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔''
''جب شیطانی قوتیں کسی کے خلاف ایکا کر لیتی ہیں تو ایسے مشکل مرحلے آ جاتے ہیں۔ حالات بتا رہے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کو ایک مرتبہ پھر یکجا ہونے کا موقع مل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''جلال کی آنکھوں میں چمک سی عود کر آئی۔ ''تم کن حالات کی بات کررہے ہو؟''

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ ٹام اور سوبھراج سے فون پر میری بات ہو چکی ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ رشید کو سوبھراج نے استعمال کیا ہے اور ٹام نے کھلے دل سے الفا کی مدد کی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔''

''سوبھراج کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ٹام کے بارے میں تمہاری رائے بالکل درست ہے۔'' اس نے پرزور انداز میں کہا ''میں نے چارلی پر ایک گھنٹے تک بہت محنت کی ہے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا ہے۔ بھارت سے روانہ ہونے سے پہلے اسے مشن کا جو ماسٹر پلان دیا گیا تھا اس میں یہ نکتہ مدِنظر رکھا گیا تھا کہ اپنی مشکلات کی وجہ سے سوبھراج ان دونوں کی خاطر خواہ مدد نہ کر سکے تو انہیں کیا کرنا ہوگا۔''

ہم تینوں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس پلان کے مطابق سی آئی اے کا کراچی آفس میں متبادل امدادی سہولیات فراہم کر سکتا تھا۔''

''انہیں نیو خان ہوٹل والے تجربے کے بعد سی آئی اے سے رجوع کر لینا چاہیے تھا۔ انہوں نے سوبھراج کے مشورے پر مزار کا رخ کرنے کی غلطی کیوں کی؟'' ویرا کے پاس سوال تیار تھا جو اس نے کسی پس و پیش کے بغیر داغ دیا۔

''سوبھراج ان کے ماسٹر پلان سے واقف نہیں تھا۔ وہ انہیں ٹال رہا تھا۔ دونوں کو توقع تھی کہ سوبھراج ان کی مدد کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گا۔ وہ راوالوں کا پرانا مددگار تھا۔ جب مزار کے نواح میں چارلی پراسرار حالات کا شکار ہو کر غائب ہوا تو الفا کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ یہ بات تم بتا چکے ہو کہ چارلی کے پکڑے جانے کے بعد الفا نے فون پر سوبھراج کو کھری کھری سنا ڈالی تھیں۔ اس نے سوبھراج پر لعنت بھیج کر ٹام کا رخ کیا ہوگا۔ وہاں اسے بھرپور پذیرائی ملی اور یوں وہ سانحہ رونما ہو گیا جسے روکنے کے لیے میں نے اسلام آباد کی دوڑ لگائی تھی۔ وہ واقعہ ٹام اور الفا کی سازش کا نتیجہ تھا۔''

''یہ پیش رفت بہت اہم ہے۔ ان لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اب اسلام آباد والوں کا کیا ردِعمل ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''ردِعمل کچھ بھی ہو۔ ان کو لگام دینا بہت مشکل ہے'' ویرا اپنے ہم وطنوں کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کل کا واقعہ ان کے لیے بہت معمولی تھا۔ وہ پس پردہ تھے۔ کام کرنے والا را کا آدمی تھا۔ ان کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن میں سی آئی اے نے حکومتوں اور حکمرانوں کے خلاف براہِ راست سازشیں تیار کیں اور ان کا تختہ الٹ دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ خفیہ کہانیاں منظرِ عام پر آچکی ہیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ سی آئی اے امریکا سے باہر آج بھی وہی سب کر رہی ہے جو ماضی میں کرتی تھی۔ فرق یہ پڑا ہے کہ آج انہوں نے جدید ترین ٹیکنالوجی کا سہارا لیا ہوا ہے۔''

''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تفصیلات وقت گزر جانے کے بعد منظرِ عام پر آتی ہیں۔ اس وقت الزامات کو ثابت کرنا دشوار ہوگا۔ عدالت کے کٹہرے میں پہنچتے ہی سیکرٹ ایجنٹ اپنے اقبالی بیان سے پھر جاتے ہیں۔ اپنی لڑائی ہمیں خود لڑنا ہوگی۔''

''کیا ہمیں ٹام کو ٹھکانے لگانے کی اجازت ہوگی؟'' ویرا نے پوچھا۔

''خون سے ہاتھ رنگنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا'' جلال نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ مدافعانہ لہجے میں کہا ''ایک ایک کر کے ان کے کئی اہم آدمی موت کی آغوش میں جا چکے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ٹام مارا گیا تو کوئی اور آجائے گا۔ انہیں روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔''

''لیکن الفا پر تم اس اصول کا اطلاق نہیں کر سکتے'' میں نے کہا۔

''الفا اور ٹام میں بہت فرق ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر مسلّمہ دہشت گردی کے عزائم لے کر یہاں آیا ہے۔ ٹام کی حیثیت سرکاری اور قانونی ہے۔''

اس نے کھل کر بات نہیں کی تھی لیکن اس کے فقروں میں پنہاں اشارہ بہت واضح تھا۔ راوالوں کو اس نے کبھی نہیں بخشا تھا بلکہ ان میں سے ایک کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

''میں نے کچھ ایسے اداروں کے نام حاصل کیے ہیں جو دوسروں کے نام پر غیر قانونی دھندے کر رہے ہیں لیکن خفیہ اطلاعات کے مطابق ان میں ساری سرمایہ کاری سوبھراج کی ہے۔ ان سے حاصل ہونے والی خطیر آمدنی اس کی جیب میں جاتی ہے۔''

''ان اداروں سے اسے افرادی قوت بھی دستیاب ہو سکتی ہے'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''فی الحال اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

جلال نے جواب دیا ''ہوسکتا ہے کہ وہاں کام کرنے والے عام شہری ہوں اور جرائم سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہو مگر ان سب کو ضرور دیکھا جائے گا۔ یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ وہ اپنے اداروں کے غیر قانونی کاموں سے بے خبر نہیں ہوں گے۔ جرم میں دانستہ اعانت جرم سے کم نہیں ہوتی۔''

''ان کاروباری اداروں کی ظاہری مصروفیات کیا ہیں؟'' ویرا نے پوچھا۔

''ایک ریکروٹنگ ایجنسی ہے جو جعلی کاغذات پر انسانوں کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ دوسری ایک فشری ہے۔ شبہ ہے کہ سمندری غذا کے ساتھ وہ منشیات کی برآمد میں مصروف ہے۔ تیسرا ایک کلیرنگ فارورڈنگ کا ادارہ ہے۔''

''اس نے چھانٹ کر تینوں شعبوں کا انتخاب کیا ہے'' میں نے بے ساختہ کہا ''ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں دفاتر ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے رہے ہوں۔''

''اچانک کارروائی کر کے ریکارڈ قبضے میں لیا جائے گا تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ یہ کام اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں کسی بھی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے گا۔''

سوبھراج کے کاروباری اداروں کے بارے میں چند روز پہلے میری اور جلال کی گفتگو ہو چکی تھی۔ اس نے اس سمت میں فوری طور پر کام شروع کرنے کا عندیہ دیا تو مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سوبھراج بے اندازہ دولت کا مالک ہوتے ہوئے بھی ملک میں غیر قانونی دھندے چلا رہا ہوگا۔

یہ اس کی عیاری تھی کہ اس نے اپنا کالا دھن ٹھکانے لگانے کے لیے دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا۔ خود پس پردہ رہ کر ان کی ڈوریاں ہلاتا رہتا تھا۔ ظاہری طور پر دوسرے ان دھندوں کے مالک بنے ہوئے تھے۔

سوبھراج ابتدا سے مجرمانہ ذہنیت کا مالک تھا۔ اسے سیدھے سادے کاموں سے ہونے والی محدود آمدنی سے کوئی سروکار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنے اعتماد میں لیا ہوگا جو ہیر پھیر میں ماہر ہوں۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ خطیر آمدنی کے لالچ میں اس نے اپنے کچھ شناساؤں کی تجاویز قبول کر کے وہ راہ اختیار کی ہو۔

اپنا دامن بے داغ رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ سوبھراج ان اداروں میں کام کرنے والوں سے دور رہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شیر دل اور اس جیسے لوگوں کو بھاری معاوضے دے کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا رہا تھا۔

اپنی بقا کی لڑائی لڑتے ہوئے رفتہ رفتہ وہ تنہا ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے لیے معاوضے پر کام کرنے والے مارے یا پکڑے گئے تھے۔ سنیل جیسا وفادار غلام صدف مینشن میں پڑا سڑ رہا تھا۔ یہ امکان قوی نظر آتا تھا کہ اس برے وقت میں سوبھراج نے اپنے کسی کاروباری حلیف کے ذریعے ان بدمعاشوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہو جنھیں بدعنوانیوں کی پردہ پوشی کے لیے ان اداروں میں پروان چڑھایا جا رہا تھا۔

جلال نے دھیرے دھیرے مجھے ان اداروں کے کوائف سے آگاہ کر دیا جن کے بارے میں وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کر چکا تھا کہ وہ سوبھراج کے سرمائے سے چل رہے تھے۔

جلال کی کراچی آمد کا اصل مقصد ناکام قاتلانہ حملے کی تفتیش میں مقامی حکام کی مدد کرنا تھا۔ اس بارے میں اسے کئی میٹنگز میں شرکت کرنی تھی۔ اس نے چارلی سے اپنی تازہ ترین بازپرس کے نتیجے میں ٹام کی نگرانی بھی شروع کرا دی تھی۔

ٹام ایک امریکی خفیہ ایجنسی کا عہدے دار تھا۔ اسے پاکستان میں کئی سفارتی مراعات بھی حاصل تھیں اس لیے اس کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا مصلحت کے تقاضوں کے منافی تھا۔ اس پر نظر رکھ کر وہ الفا پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ ٹام نے اسے ہتھیاروں کے ساتھ کوئی محفوظ ٹھکانا بھی فراہم کیا ہوگا۔

وہ دونوں ایک سازش میں شریک تھا۔ اپنے سارے معاملات ریموٹ کنٹرول کے ذریعے نہیں چلا سکتے تھے۔ مشاورت اور افہام و تفہیم کے لیے ان کی ملاقاتیں ناگزیر تھیں۔ الفا اس کے پاس آتا یا ٹام اس سے ملنے کے لیے جاتا، دونوں صورتوں میں آئی بی کے نگراں الفا تک پہنچ سکتے تھے۔ ایک بار وہ ان کی نظروں میں آجاتا تو اس کا بچنا ممکن نہیں تھا۔

جلال وقت نکال کر ہم سے ملنے کے لیے چلا آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ہمارے پاس نہیں رک سکتا تھا۔ معلومات کا دوطرفہ تبادلہ ہو چکا تھا۔ وہ جہانگیر کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند تھا۔ وہ متذبذب تھا کہ اپنی کارروائیوں کو جہانگیر کی بازیابی تک موخر کر دے یا ان پر فوری طور پر عمل کر گزرے۔

اسے اندیشہ تھا کہ سوبھراج کے مفادات پر کاری ضرب پڑنے کے بعد وہ جھنجلا کر جہانگیر کے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ اس کا وہ خدشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ وہ نکتہ اس نے اٹھایا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے فیصلہ کیا کہ عمل کا مرحلہ آنے پر وہ مجھ سے آخری بار مشورہ ضرور کرے گا اور رشید کی تلاش میں ہونے والی پیش رفت کی روشنی میں طے کرے گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

☆☆☆

شام تک اول خان کی طرف سے کوئی خبر نہیں مل سکی۔

رشید کی شناخت کا مرحلہ جتنی سرعت کے ساتھ طے کیا گیا تھا۔ اس کی تلاش میں اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔

گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ایک طرف میرے اعصابی تناؤ میں اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف سلمٰی کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس پر بار بار رقت آمیز دورے پڑ رہے تھے جن کی وجہ سے گھر کی فضا بہت بوجھل اور سوگوار ہو گئی تھی۔

ویرا زندہ دلی کے ساتھ ہنس بول کر وقت گزارنے کی عادی تھی۔ اس ماحول سے وہ سخت گھٹن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہونے لگا تھا کہ اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ ایک دم پھٹ پڑے گی۔

میں خود بھی اس فضا سے دل برداشتہ تھا۔ سلمٰی کی موجودگی میں ہنسنا تو در کنار، مجھے مسکرانا بھی جرم محسوس ہو رہا تھا۔ ہم سب کے اداس اور لٹکے ہوئے چہرے جہانگیر کی بازیابی میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہے تھے بلکہ ہر ایک کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف سی ہو رہی تھیں۔

چار بجے میں نے اپنے وقت کو بہتر انداز میں استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ویسے سارے معاملات ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے تھے لیکن جب تک سوبھراج اور ٹام کے درمیان صلح نہیں ہو جاتی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھے۔

جہانگیر کا قصہ سوبھراج کی ذات سے وابستہ تھا۔ اس سے میں بہت زیادہ باتیں کر چکا تھا اور شاید اسے یہ پیغام دینے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ جہانگیر کی زندگی میرے لیے بہت اہم تھی۔ اسے کچھ ہوتا تو سوبھراج کے ساتھ اس کا پورا خاندان میرے انتقام کا نشانہ بن سکتا تھا۔

اس کے برعکس ٹام سے میری زیادہ گفتگو نہیں ہو سکی۔ اسے چھیڑ چھیڑ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ را کا اکلوتا ایجنٹ اس کی مدد حاصل کر چکا ہے۔ جلال نے چارلی سے معلوم ہونے والے ماسٹر پلان کی مدد سے میرے شبہے کی تصدیق کر دی تھی۔

ٹام جس شدت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کا خواہاں تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی نئی بات جنم لے چکی تھی۔

چار بجے میں نے ٹام کو فون کیا۔ اس وقت اندھیرا پھیلنے میں کافی وقت باقی تھا۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ پانچ بجے اسٹیڈیم کے سامنے اس سے ملنے کو تیار تھا۔ تو اسے کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔

وہ ملاقات کے لیے شہر کے کسی مرکزی علاقے میں ملاقات کا خواہاں تھا۔ اس کی دانست میں میری مجوزہ جگہ اس کے لیے دور اور غیر محفوظ تھی۔

کرنل داور کے روپ میں، میں ایک سے زائد مرتبہ اس سے مل چکا تھا۔ وہ تند خُو اور بد دماغ تھا اس لیے مجھے کبھی بھی متاثر نہیں کر سکا تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کے لیے جان بوجھ کر اسٹیڈیم کا علاقہ منتخب کیا تھا۔ وہ میرے گھر سے قریب ہونے کے ساتھ اس اعتبار سے محفوظ تھا کہ وہاں میں دور تک نگاہ رکھ سکتا تھا۔

اس نے مقام کی تبدیلی کے لیے اصرار کیا تو میں نے اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ اس شام میں صرف اسٹیڈیم تک آ سکتا تھا۔ وہ مقام میں تبدیلی چاہتا تھا تو اسے ملاقات کا پروگرام ملتوی کر دینا چاہیے۔ میں اگلے ایک دو روز میں دوبارہ وقت نکالنے کی کوشش کروں گا۔

وہ حربہ کارگر رہا اور ٹام نیشنل اسٹیڈیم آنے پر تیار ہو گیا۔

میں نے بہت خاموشی کے ساتھ ٹام کو فون کیا تھا۔ ویرا اکتائے ہوئے انداز میں گھر بھر میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اس نے مجھے فون پر انگریزی میں بات کرتے سنا تو سیدھی وہیں آ گئی۔ اسے ابتدائی مذاکرات کا علم نہیں ہو سکا لیکن گفتگو کا اختتام اس کے لیے واضح تھا۔

''بیٹھے بٹھائے تم کو کیا سوجھی ہے کہ کسی سے مشورہ کیے بغیر اس سے ملنے جا رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

''طبیعت اکتا رہی تھی۔ پتا چل جائے گا کہ وہ کیوں ملنا چاہ رہا ہے۔''

''اس کیفیت میں تم حاضر دماغی سے کام نہیں لے سکو گے۔ تمہارے چہرے سے بیزاری جھلک رہی ہے۔ میں اس حالت میں تمہیں اس سے ملنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔''

''فکر نہ کرو۔ گھر سے نکلتے ہی میرا موڈ بحال ہو جائے گا۔''

''میرا بھی دم گھٹ رہا ہے'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا ''سلمٰی کی وجہ سے گھر کا ماحول یکا یک بوجھل ہو گیا ہے۔''

''مجبوری ہے۔ اسے برداشت کرو'' میں نے کسی برہمی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔

''کیا میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں؟'' اس نے میری نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جھٹ فرمائش کر دی ''ذرا ماحول بدل جائے گا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ کیا میری ساری محنت پر پانی پھیرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ وہ ایک نظر میں تمہیں پہچان لے گا

پھر اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ میں کرنل داور بن کر ایک مدت سے ان لوگوں کو فریب دیتا چلا آرہا ہوں۔''

''مجھے اس سے ملنے کا شوق نہیں ہے۔ راستے میں مجھے کہیں بھی اتار دینا، واپسی میں ساتھ لیتے آنا۔ کھلی ہوا میں نکل کر میرا دماغ تازہ ہو جائے گا۔''

''اس مقصد کے لیے میرا ساتھ ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو دھند کا پھیلنے کے بعد سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر نکل جانا۔ اس وقت تک میں بھی لوٹ آؤں گا۔''

''تمہارے پاس ہر وقت بہانے تیار رہتے ہیں'' وہ چڑ کر بولی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔''

وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں گاڑی کا جائزہ لینے کے لیے پورچ کی طرف ہو لیا۔

اپنی حساس مصروفیات کی وجہ سے میرے لیے اپنی گاڑی کے نمبروں کو چھپائے رکھنا ضروری تھا۔ نمبر پلیٹوں کو بار بار تبدیل کرنا دشوار تھا اس لیے میں نے سلطان شاہ کی ذمے داری لگائی ہوئی تھی کہ نئی کرولا کی دونوں نمبر پلیٹیں ہر وقت اس طرح مٹی سے لتھڑی رہیں کہ انہیں صاف کیے بغیر کار کا رجسٹریشن نمبر پڑھنے میں نہ آسکے۔ پورچ میں یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میری ہدایت پر پابندی سے عمل ہو رہا تھا۔ ٹام کی طرف جانے کے لیے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں کرنا تھا۔

میں واپس آیا تو غزالہ میری منتظر تھی۔ ویرا نے میری نئی مصروفیت کے بارے میں اس کے کان بھر دیے تھے۔

غزالہ نے مجھ سے سوال ضرور کیا لیکن الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ویرا کی کوششوں کے باوجود وہ میرے ساتھ الجھنے سے گریز کرتی تھی۔ میں نے اسے اپنے پروگرام کی نوعیت سے آگاہ کیا اور وہ سر ہلا کر یوں مطمئن ہو گئی جیسے کوئی بات نہ ہو۔

''سلمٰی کہاں ہے؟'' میں نے وہ بات ختم کر کے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''اپنے کمرے میں سو رہی ہے'' غزالہ نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ کسی غم زدہ فرد کا ساتھ دینا کتنا مشکل کام ہے۔ میں نے آرام کرنے کے لیے اسے خواب آور دوا دے دی ہے۔ اسے سکون ملے گا اور میں بھی تھوڑی سی بے فکر ہو جاؤں گی۔''

گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کا فاصلہ چند منٹ کا تھا۔ میں نے فرصت سے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنی ضروریات پر غور کیا۔ ٹام کوئی غنڈا نہیں تھا، جس سے مار دھاڑ ہونے کا خطرہ ہو۔ حفظِ ماتقدم کے لیے میرے پاس بیم گن اور دو انگوٹھیوں کا ہونا کافی تھا۔ ان کی مدد سے میں ہر قسم کی صورت حال پر قابو پا سکتا تھا۔

ٹام نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس بارے میں اس سے فون پر دو مرتبہ میری بات ہوئی اور کچھ دیر بعد میں اس سے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ میں ملاقات کے مدعا سے بالکل ناواقف تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹام مجھ سے ملنے کے لیے کیوں بے چین تھا۔

پونے پانچ بجے میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور مقررہ وقت سے کئی منٹ پہلے نیشنل اسٹیڈیم کے سامنے کے حصے میں داخل ہوا تو وہاں بنی ہوئی پختہ پارکنگ میں پہلے سے کچھ گاڑیاں موجود تھیں۔ میں اپنی گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے داہنی طرف کی پارکنگ میں مڑنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر ٹام پر پڑی۔ وہ بائیں طرف اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔

میں اپنی گاڑی اسی طرف لیتا چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ بائیں طرف کے حصے میں ہماری دو گاڑیوں کے سوا کسی تیسری گاڑی کا وجود نہیں تھا۔ ٹام نے شاید اسی لیے اس حصے کا انتخاب کیا تھا۔

ٹام بہت ہوشیار اور چوکنا نظر آرہا تھا۔ اس نے دور ہی سے مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ میں نے کار روکی تو ٹام لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میرے قریب آگیا۔

''ویری گڈ!'' اس نے خشک لہجے میں کہا ''ہم دونوں وقت سے چند منٹ پہلے آگئے۔ میں اس طرف پہلی بار آیا ہوں۔ بس آغا خان اسپتال میرا دیکھا ہوا تھا۔ اسی کے سہارے میں بھٹکے بغیر یہاں تک پہنچ گیا۔''

اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے میں پہل نہیں کی تھی۔ میں نے گاڑی سے اتر کر بے نیازی سے اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑس لیے۔

''کیا تمہاری گاڑی میں بیٹھ کر بات کرنا مناسب نہیں رہے گا؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے پچھلے تجربات تلخ ہیں'' میں نے طنز سے کہا ''ایسا نہ ہو کہ تمہاری جیب سے کوئی قیمتی چپ میری گاڑی میں گر جائے اور تمہارے آدمیوں کو میرا گھر ڈھونڈنا پڑ جائے۔ بیٹھنا ضروری ہے تو میں کچھ دیر کے لیے تمہاری گاڑی میں بیٹھ سکتا ہوں۔''

''تم بہت منہ زور ہو...... آؤ!'' وہ اپنی گاڑی کی طرف مڑ گیا۔

''میں صاف بات کرنے کا قائل ہوں۔ اپنے دل میں گرہ ڈال کر نہیں بیٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ نک اور گیری کے بعد آج

تم سے میری ملاقات ہو رہی ہے۔''
وہ دروازہ کھول کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، میں نے دوسری طرف جا کر اس کے برابر والی نشست سنبھال لی۔
''صاف گوئی میں اعتدال ضروری ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم اپنے مخاطب کی دل آزاری کے اندیشے کی وجہ سے اپنی زبان پر نہیں لاتے۔''
''یہ یورپ کا رواج ہو سکتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ امریکی منہ پھٹ ہوتے ہیں۔ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ جو کہنا ہوتا ہے، کہہ ڈالتے ہیں۔''
''اس اعتبار سے تمہارا مزاج امریکیوں سے قریب تر ہے۔''
''شاید اسی لیے میں اس وقت ایک امریکی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس کے روکھے سوکھے چہرے کو دیکھ کر میں نے سرد مہری اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
''ڈینی آج کل کہاں ہے؟'' اس نے اپنی نشست میں ترچھا ہو کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرم آواز میں سوال کیا۔
''وہ زیادہ تر اسی شہر میں ہوتا ہے مگر ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ میں اس کے موجودہ ٹھکانے سے بے خبر ہوں'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا۔
''وہ کب تک پکڑا جائے گا؟'' ٹام نے اگلا سوال کیا۔
''ایک دن...... ایک ماہ یا شاید ایک سال میں...... میں اس بارے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ کیا تم نے اتنی سی بات پوچھنے کے لیے مجھے بلایا تھا؟''
''یہ باتیں فون پر بھی ہو سکتی تھیں'' وہ بولا ''تم کو یہاں بلانے کا مقصد کچھ اور تھا۔ تم کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ وہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔''
اس کا جواب سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا اور میری چھٹی حس نے اچانک خطرے کا اعلان کر دیا مگر میں نے کسی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر بہت سکون سے کہا ''اگر تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے تو مجھے چلا جانا چاہیے۔''
''ضرور چلے جانا۔ آئے ہو تو کچھ اور باتیں بھی ہو جائیں۔ تم بے فکر رہو کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہمیں تمہارے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔''
اس کی مبہم باتوں سے مجھے بے چینی ہونے لگی تھی۔ میں نے کہا ''ان باتوں سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ مجھے بلانے سے تمہارا کیا مقصد تھا جو میری بے خبری میں پورا ہو چکا ہے۔''
''کل تم نے فون پر بہت زہریلی باتیں کی تھیں'' ٹام کا لہجہ درشت ہو گیا ''تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تم کل کے قاتلانہ حملے کا ذمے دار ہمیں سمجھتے ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ سب کس بنیاد پر کہا تھا۔''
''اگر تم مجھے دھمکی دے رہے ہو تو اس بارے میں میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سن سکو گے۔'' میں نے سختی سے جواب دیا۔
''دیکھو کرنل! ہم نے تمہارے بہت نخرے برداشت کر لیے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ کوئی بہت لمبا کھیل، کھیل رہے ہو۔ اصولی طور پر ہم کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے جو امریکا اور پاکستان کے دوستانہ مراسم میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔''
''یہ تمہاری الزام تراشی ہے'' میں نے برہمی سے کہا ''اب یہ بھی سن لو کہ تمہاری ایجنسیوں کی تمام غیر قانونی سرگرمیاں میرے سامنے ہیں۔ تم ہر قیمت پر یہاں اپنی من مانی کرنا چاہتے ہو۔ ڈینی کی بات اور تھی۔ اس سے بہت سے لوگ نالاں ہیں۔ اس سے آگے میری زبان نہ کھلواؤ ورنہ بات بگڑ جائے گی اور تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ کرنل داور دھمکیوں سے خوف زدہ ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ وہ سر اٹھا کر زندہ رہنا جانتا ہے۔''
وہ کسی سانپ کی طرح چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا ''نک اور گیری بے وقوف تھے۔ میں تمہارے کھیل کو بڑی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم قیامت تک ڈینی یا ویرا کو ہمارے حوالے کرنے کے قابل نہیں ہو سکو گے۔ تم ان کے ناموں کی آڑ لے کر ہمارے پیٹ میں گھسے ہوئے تھے مگر اب تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ میں تمہارے کسی چکمے میں نہیں آؤں گا۔''
وہ بہت کھل کر بول رہا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکی تھی کہ میری اور ٹام کی وہ ون ٹو ون ملاقات اس قدر اہم ثابت ہو گی۔ میں نے پُراعتماد انداز میں کہا ''میں اپنی دنیا میں مگن ہوں۔ مجھے کسی کو چکمہ دینے کی ضرورت نہیں۔ نک نے مجھے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی۔ میں تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ تمہارے پیش رو ایف بی آئی میں ملازمت کی پیشکش کے ساتھ میرا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ یہ سب ریکارڈ کی باتیں ہیں۔''
''مجھے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے غلطیاں

کیں تو اس کا نتیجہ بھی بھگت لیا۔ مجھے شبہ ہے کہ اب سوبھراج بھی تمہارے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ ہر وہ بات جو اس کے علم میں آتی ہے، الٹی پڑ جاتی ہے۔ گیری اس سے ملنے کے لیے فرنچ پیچ گیا اور واپسی میں لہولہان ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ را والے اس پر بھروسا کر کے مار کھا رہے ہیں...... آخر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب تمہارے اندر جنم لینے والے خوف کا نتیجہ ہے۔ تم را کے کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔ آدمی اندر سے خوف زدہ ہو تو اسے چھوٹی چھوٹی باتیں بہت بڑی نظر آنے لگتی ہیں۔ تم......"

"مجھے یہ فلسفے پڑھانے کی کوشش نہ کرو" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "مجھے دوسروں سے کوئی غرض نہیں ہے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے کل والے حملے کا الزام میرے سر کیوں ڈالا۔ تمہارے پاس اپنے ہذیان کا کیا ثبوت ہے؟"

اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی اور وہ واضح طور پر محاذ آرائی پر تل گیا تھا۔ بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ اس کے سنبھلنے کا ہر امکان ختم ہو گیا تھا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ ہاتھا پائی سے گریز نہیں کرے گا اور شاید ہتھیار بھی نکال لے۔

میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پڑی ہوئی زہر آلود انگوٹھیوں کے نگینے دھیرے دھیرے ہتھیلی کے رخ پر گھمانے شروع کر دیے اور فیصلہ کن لہجے میں کہا "کل مجھے صرف شبہ تھا اور اس کی بنیاد وہ امریکی رائفل تھی جو ریلوے اسٹیشن کی چھت سے ملی تھی۔ آج بات کھل چکی ہے۔ تم را والوں کے ساتھ مل کر یہاں دہشت پھیلانا چاہ رہے ہو۔ ابھی تم نے را والوں سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس پر بھروسا کر رہے تھے لیکن تمہارے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے۔"

"کرنل!" اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی "شروع سے میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم خطرناک آدمی ہو۔ آج تمہاری شناخت ہو گئی ہے۔ ادھر جھاڑیوں میں ایک گن مین چھپا بیٹھا ہے۔ تمہارے اترتے ہی اس نے اشارہ دے دیا ہے۔ تم نے اسے صدر کے ایک ہوٹل میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ ہے۔"

"مجھے کل ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ الفاتم سے مل گیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ اس کا ساتھی غائب ہے۔ اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ یہاں تک بتا دیا ہے کہ سوبھراج کے بعد تم ان کے وارث تھے۔"

"چارہ۔لی کہاں ہے؟" میں نے محسوس کیا کہ میرے انکشاف سے اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"جہاں ہے، بہت برے حال میں ہے اور کھایا پیا نکلنے کے لیے تیار ہے۔"

"اب تک کوئی فورس یا ایجنسی ہمارے سامنے نہیں آئی۔ ہر طرف تمہارے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آتے رہے ہیں۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ یہ ملاقاتیں خفیہ ہوتی ہیں اس لیے کسی کو بتا کر نہیں آئے ہو گے۔ کرنل! ڈرنے اور پہلو بدلنے کی ضرورت نہیں، میں امن پرور آدمی ہوں۔ ہتھیاروں کے استعمال سے ڈرتا ہوں، تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اب میری گاڑی سے اترو اور اپنی راہ لو۔ میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

اس نے اچانک بات ختم کر دی۔ میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ چند ثانیے قبل اس نے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے گن مین کا ذکر کیا تھا۔ وہ الفا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ را کا خونی درندہ اپنی کمین گاہ میں تیار بیٹھا ہوا تھا۔

وہ کسی بھی لمحے میرے اوپر گولی چلا سکتا تھا۔ ٹام واپسی میں اسے اپنے ساتھ لے کر تیزی سے نکل جاتا۔

حالات بگڑنے کی صورت میں ٹام اسے اس کے حال پر چھوڑ کر فرار ہو سکتا تھا۔ الفا اپنے انجام کا خود ذمے دار ہوتا۔

بہتر ماحول میں شروع ہونے والی اس ملاقات کا انجام میرے لیے بہت غیر متوقع اور خون آشام نظر آ رہا تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی موت سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ میں نے بدترین حالات میں موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر زندگی کی نوید حاصل کی تھی لیکن اس وقت ٹام نے نہایت مکاری سے مجھے عجیب صورت حال میں ڈال دیا تھا۔

را کا ایک مسلح کارندہ ڈھلتی شام کے سایوں میں کہیں چھپا ہوا تھا۔ وہ میری گھات میں تھا مگر میں اس کی پوزیشن سے بے خبر تھا۔ میرے پاس بیم گن اور انگوٹھیوں کے سوا کوئی تیسرا ہتھیار نہیں تھا جو زیادہ دور تک مار کر سکتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ٹام کی گاڑی سے اتر کر اپنی گاڑی تک جانے کے دوران میں کب اور کہاں سے مجھ پر فائر کرنا ہوگا۔ وہ مقابلہ نہیں، گھات لگا کر مجھے ہلاک کرنے کی گہری سازش تھی جس کا بظاہر کوئی توڑ نہیں تھا۔

اس وقت صرف ٹام میرے قریب موجود تھا۔ وہ مجھے ہاتھ نہ لگانے کا اعلان کر چکا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر جمے ہوئے تھے۔ وہ تحقیر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے میرے اترنے کا منتظر ہو۔

میرے لیے ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال کر ٹام کو یرغمال بناتا اور اس کی آڑ میں وہاں سے بچ کر نکل جاتا۔

اس دباؤ کے عالم میں میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے سویں حصے کے لیے اپنی گلو خلاصی کی اس تدبیر کے بارے میں سوچا اور اسے مسترد کر دیا۔ ٹام جیسے مکار اور سازشی کی آڑ لے کر اس محاذ سے بھاگنا، ذلت آمیز تھا۔ اگر میرا وقت پورا ہو چکا تھا تو ٹام کی آڑ کیا، دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔

میں نے اللہ پر توکل کر کے دروازہ کھولا اور ٹام کی گاڑی سے اتر گیا۔

وہ انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میرے اترتے ہی گاڑی بہت تیزی سے آگے نکال لے گیا۔ میں اپنے چھپے ہوئے دشمن کے کھلے نشانے پر آسمان تلے کھڑا رہ گیا۔

میں نے اپنی کار کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ فضا فائر کی ایک ہولناک آواز سے لرز اٹھی۔ شاید میرے دشمن نے گولی چلا دی تھی۔ میں بے اختیار تارکول سے بنی ہوئی پارکنگ لاٹ پر گر گیا۔ اسی لمحے فضا میں ایک بھیانک انسانی چیخ گونجی اور میں چکرا کر رہ گیا۔

وہ سب تواتر کے ساتھ ایک ہی وقت میں یوں رونما ہوا تھا کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ میں سڑک پر سینے کے بل سرکتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا' دروازہ کھول کر جھکے جھکے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ٹام کی کار کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میرے سامنے بھی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھا دی۔

نیشنل اسٹیڈیم سے مین روڈ پر نکلتے ہوئے میں نے داہنی طرف سے جھاڑیوں میں کچھ ہلچل سی دیکھی لیکن میں نے وہاں رکنے کی حماقت نہیں کی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میں الفا کا نشانہ بننے سے بال بال بچ گیا تھا اور میری واپسی کی راہ مسدود نہیں تھی۔

انسانی چیخ کس کی تھی...... جھاڑیوں میں کیا ہو رہا تھا، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ دھماکے اور چیخ کی آوازیں سن کر وہاں آنے والے خود ہی ان سب باتوں کا سراغ لگا لیتے۔

نیشنل اسٹیڈیم سے میں چند منٹ میں واپس گھر پہنچ گیا۔ وہاں تینوں سکون سے ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھے میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سلمٰی بدستور اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

''ٹام سے ملاقات کیسی رہی...... تمہارا چہرہ تمتمایا ہوا کیوں ہے؟'' ویرا نے میری طرف دیکھتے ہی سوال کیا۔

''ملاقات زوردار رہی۔ ٹام دوسروں سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ آج اس نے کرنل داور کا قصہ ختم کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

''کیا اس نے تمہیں پہچان لیا؟'' ویرا میرے ذو معنی الفاظ کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔

''پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کرنل داور انہیں چکر دے رہا ہے۔ وہ الفا کو مسلح کر کے اپنے ساتھ لایا تھا اور اس کے ہاتھوں مجھے مروانا چاہتا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں کیا ہوا۔ گولی چلی' کوئی بے ساختہ چیخا اور میں وہاں سے نکل آیا۔''

میری زبان سے سپاٹ انداز میں وہ تفصیل سن کر تینوں کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر جا چڑھیں۔ غزالہ اٹھ کر میرے قریب آئی اور دوسروں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر' والہانہ انداز میں میرے بدن کو ٹٹولتے ہوئے بولی' ''ایسا بھیانک واقعہ ہو گیا اور آپ اس طرح بتا رہے ہیں جیسے آپ ٹام کے ساتھ پنگ پانگ کھیل کر آئے ہوں۔''

''ٹام نے مجھے حیران کر دیا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی تیزی سے نتائج اخذ کر لے گا۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس نے الفا کی کہانی سننے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ کرنل داور سے اپنی جان چھڑا لے گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا'' کل فون پر بات کرتے ہوئے اس کا ذہن بہت صاف تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھ سے ملنا چاہتا تھا اس لیے اس نے میری وہ باتیں بھی خندہ پیشانی سے سن لیں جو اسے اشتعال دلانے کے لیے کافی تھیں۔''

''الفا سے تمہارا یعنی کرنل داور کا کیا واسطہ!'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ماننا پڑے گا کہ ٹام بہت ذہین ہے۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں ڈینی کے روپ میں سوبھراج سے مل بیٹھا ہوں۔ اس کے باوجود اسے میری اور سوبھراج کی سازباز کا شبہ ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر الفا کی شناخت نے پوری کر دی۔''

وہ بہت الجھی ہوئی باتیں تھیں جنہیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔ میں بہت تحمل کے ساتھ انہیں ٹام کے بھڑکنے کے اسباب سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔

واقعہ رونما ہو چکا تھا' میں بچ کر گھر لوٹ آیا تھا لیکن وہ تینوں رہ رہ کر یوں قلق کا اظہار کر رہے تھے جیسے وہ میرے ساتھ گئے ہوتے تو صورت بدل گئی ہوتی۔ وہ میرے ہم دم اور ہم نوا تھے میں خاموشی سے ان کے پرخلوص تبصرے سنتا رہا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح وسلامت لوٹ آئے لیکن فائر اور چیخ کا معماحل نہیں ہوسکا۔'' ان باتوں سے نمٹتے ہی ویرا کو وہ موضوع یاد آ گیا' فائر تم پر کیا گیا تھا تو وہ چیخ کس کی تھی۔ اگر چیخنے والے پر گولی چلائی گئی تو عین وقت پر الفا کہاں غائب ہو گیا۔ تم ایک دو منٹ کے لیے وہاں رک جاتے تو یہ باتیں بھی صاف ہو جاتیں۔''

''وہاں رکنے میں میری کھوپڑی صاف ہونے کا خطرہ تھا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر یہ رائے دینا بہت آسان ہے موت پیچھا کر رہی ہو تو انسان کو اور کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔'' میں نے قدرے تلخی سے جواب دیا اور ویرا سر ہلا کر رہ گئی۔

''اسٹیڈیم کتنی دور ہے۔ ہم وہاں کا ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ اب تک ہر خطرہ ٹل چکا ہوگا اور واقعات سامنے آ چکے ہوں گے۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا۔

''ہاں!'' ویرا اسی لمحے اٹھ کھڑی ہوئی ''تجسس میں سسکتے رہنے سے بہتر ہے کہ وہاں کا ایک چکر لگا ہی لیا جائے۔''

میں نے ان دونوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ سلطان شاہ نے کہنے کو بات کہہ دی تھی لیکن اپنی جگہ سے اٹھنے میں کسمسا رہا تھا۔ اسی لیت ولعل میں اچانک گھنٹی چیخ اٹھی۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں کے آ جانے کے بعد سب کی عادتیں بگڑ گئی تھی۔ کسی نے دروازے کی طرف جانے کی زحمت نہیں کی سب استفہامیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند لمحوں بعد جلال اندر آ گیا۔ مجھے اول خان کی آمد کی توقع تھی۔ جلال کی بے وقت آمد نے مجھے چونکا دیا۔ شہر میں اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر اس کا ہماری طرف آنا معنی خیز تھا۔

''تھوڑی دیر پہلے تم ٹام سے ملنے کے لیے نیشنل اسٹیڈیم کی طرف گئے تھے؟'' اس نے بیٹھتے ہی مضطربانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا۔

''تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تم کو اندازہ ہے کہ آج تم موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچے ہو!'' اس نے ہلکی سی جھرجھری لے کر اگلا سوال کیا اور میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''الفا جھاڑیوں میں پورے میگزین کے ساتھ اسی قسم کی رائفل لیے تیار بیٹھا ہوا تھا جو نا کام قاتلانہ حملے میں استعمال کی گئی تھی۔'' جلال کہہ رہا تھا ''اگر میرا آدمی اس پر فائر کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کرتا تو وہ پورا برسٹ چلا کر تمہارا بدن چھلنی کر دیتا۔''

''اوہ!'' میں بے ساختہ کہہ اٹھا ''وہ چیخ الفا کی تھی!''

''تم یہ سب بتا کر حیران کیے دے رہے ہو۔'' ویرا جلال سے مخاطب ہو کر بولی ''یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تمہارا آدمی اچانک وہاں کیسے پہنچ گیا۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ الفا کی تلاش کے لیے میں نے اپنے آدمیوں کو ٹام کی نگرانی میں مامور کر دیا تھا۔'' جلال نے بتانا شروع کیا ''آج ٹام اپنے دفتر سے نکلا تو میرے آدمی اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ گاڑی میں الفا بھی اس کے ساتھ موجود ہے۔ شاید ٹام نے اسے اپنی دفتری عمارت میں پناہ دی ہوئی تھی......''

''ذرا ایک منٹ!'' ویرا نے جلال کی بات میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''تمہارے آدمیوں کو کیسے پتا چلا کہ وہ الفا ہی ہے۔''

''ان دونوں کو الفا کا وہ حلیہ ذہن نشین کرا دیا گیا تھا جو چارلی نے بتایا تھا'' جلال نے وضاحت کی ''وہ ساڑھے چار بجے نیشنل اسٹیڈیم پہنچ گئے تھے۔ ٹام نے ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسٹیڈیم کے آس پاس کے علاقے میں کئی چکر لگائے اور پھر میدان صاف پا کر پھرتی سے الفا کو جھاڑیوں کے پاس اتار دیا۔ وہ ایک تھیلا لے کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ ٹام گاڑی کو پارکنگ کی طرف نکال لے گیا۔''

''حیرت ہے کہ تمہارے آدمی اتنے قریب رہ کر ان کا پیچھا کر رہے تھے اور ٹام جیسے زیرک آدمی کو ان کی موجودگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔'' اسے خاموش پا کر ویرا بولی۔ ہم تینوں نے انہماک کے ساتھ مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

''تم بھول رہی ہو۔ آئی بی میں ایسے تجربے کار آدمیوں کی کمی نہیں ہے جن کی عمریں ان ہی کاموں میں گزری ہیں۔ وہ گاڑیوں کے بجائے اسکوٹرز استعمال کرتے ہیں اور ہمیشہ دو کی نفری میں چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ٹام کو ان اطراف میں بار بار منڈلاتے دیکھ کر دونوں الگ ہو گئے ہوں اور ان میں سے ایک نے کسی اوٹ میں پناہ لے لی ہو۔ مجھے اپنے آدمیوں کے طریقہ کار سے زیادہ نتائج سے دلچسپی ہوتی ہے۔ مطلوب نتائج کے لیے انہیں اپنی مرضی کے طریقے اختیار کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔''

''بار بار دخل اندازی نہ کرو۔'' سلطان شاہ نے مربیانہ انداز میں ویرا کو فہمائش کی ''جو کہا جا رہا ہے اسے غور سے سنو۔ سوال بعد میں کر لینا۔''

''ٹام کافی دیر تک اپنی گاڑی میں بیٹھا رہا۔ اس دوران

میں الفا نے جھاڑیوں میں رائفل کے حصے جوڑ کر اسے لوڈ کر لیا تھا۔ اسی اثنا میں تم وہاں پہنچ گئے۔ میرے دونوں آدمی تمہیں پہچانتے ہیں۔ ٹام کی دیکھ بھال کرنے والے کا ماتھا ٹھنک گیا۔ جب تم ٹام کی گاڑی سے اترے تو الفا نے تمہاری شست باندھ لی تھی۔ ٹام کی گاڑی روانہ ہوتے ہی وہ تمہارے نشانے پر برسٹ فائر کرنے والا تھا۔ میرے دوسرے آدمی نے پشت سے فائر کر کے اس کا بھیجا اڑا دیا، وہ ذرا بھی چوکتا تو وہاں الفا کے بجائے تم مارے گئے ہوتے۔''

''لرزہ خیز واقعہ ہے!'' غزالہ بے اختیار پھریری لے کر بولی۔

''مجھے یہی پریشانی تھی کہ مجھ پر فائر ہوا ہے تو وہ چیخ کس کی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ تم پر فائر ہونے والا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''ٹام نے مجھے بتا دیا تھا کہ اور میں تن بہ تقدیر ہو کر اس کی گاڑی سے اتر گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا وقت پورا نہیں ہوا تو الفا مجھے نہیں مار سکے گا۔''

''وہی ہوا۔ اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔'' ویرا نے ٹکڑا لگایا ''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کسی کو دوسرے کے پروگرام کا علم نہیں تھا۔ سب اپنی دھن میں مگن تھے لیکن کاتب تقدیر نے تینوں فریقوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔''

''مجھے جوں ہی اپنے آدمیوں سے اطلاع ملی۔ میں تمہاری طرف دوڑا چلا آیا۔ یہ میرے لیے دہری خوشی کا موقع ہے۔ تم بچ گئے اور ہم نے را کے مطلوب دہشت گرد کو مار کر بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ ریلوے اسٹیشن کی چھت سے ملنے والی رائفل پر پائے جانے والے فنگر پرنٹس محفوظ کر لیے گئے تھے۔ ان سے تصدیق ہو جائے گی کہ وی آئی پی موٹر کیڈ پر الفا نے حملہ کیا تھا۔''

''تم رائفلوں کی مشابہت کو بھول رہے ہو۔ الفا کے پاس آج بھی اس امریکی ساخت کی رائفل تھی جو پچھلے قاتلانہ حملے میں استعمال کی گئی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ مر چکا ہے اس لیے اب یہ رسمی باتیں ہیں۔ زندہ ہاتھ آتا تو اس کا جرم ثابت کرنے کے لیے ان سب چیزوں کی اہمیت ہوتی۔ یہ بتاؤ کہ اچانک ٹام سے ملنے کا پروگرام کیسے بن گیا؟'' جلال نے وہ سوال مجھ سے کیا تھا۔

''ملاقات طے نہ ہوتی تو آج اتنی بڑی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ الفا آزادی سے شہر میں دندناتا رہتا۔'' میرے بجائے ویرا نے جواب دیا ''یہ ڈینی کی ذہنی اپچ تھی، جہانگیر کے اغوا کی کوفت دور کرنے کے لیے یہ کسی مشغلے کی تلاش میں تھا کہ اسے ٹام کا خیال آ گیا۔ ڈینی نے میرے سامنے فون کر کے اسے پانچ بجے کا وقت دیا اور وہ کچھ پس و پیش کے بعد ملنے پر رضامند ہو گیا۔''

جلال بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے میرے دونوں بازو تھام کر مجھے صوفے سے اٹھایا اور والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

''آج مجھے یقین آ گیا کہ تم مقدر کے دھنی ہو۔'' وہ مجھ سے کہہ رہا تھا ''اندھیرے میں تیر چلاتے ہو تو وہ بھی نشانے پر لگتا ہے شاید تمہارا وجدان تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔''

''مجھے ایک خلش ہے کہ ٹام صاف بچ کر نکل گیا۔ اس موقع پر اسے بھی رنگے ہاتھوں پکڑا جانا چاہیے تھا۔'' ویرا نے مجھے دل کی بات جلال سے کہہ دی۔

''وہ پکڑا جاتا تو اس کے لیے جواب دہی خاص مشکل ہو جاتی لیکن ہم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ مجھے زیادہ تفصیل کا علم نہیں ہے۔ وہاں جاؤں گا تو بات پتا چلے گی۔ میرا خیال ہے کہ اسے دو وجوہ کی بنا پر نہیں روکا گیا ہوگا۔ میری ہدایت ہے کہ جرم کے ارتکاب کے بغیر غیر ملکیوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ ملک کی نیک نامی کے لیے ضروری ہے۔ ٹام نے اپنی روانگی تک کوئی جرم نہیں کیا تھا میرے آدمی نے اسے نہیں روکا۔ دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کو ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ کوئی پیغام دینے کی کوشش کرتے تو ان کی آوازیں سن کر دشمن چونک سکتے تھے۔''

''جب اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے تو اس کو روکنا بھی بے سود ہوتا۔'' ویرا نے مایوسی سے کہا ''بات تو جب بنتی کہ اس کی کچھ درگت بنائی جاتی۔''

''یہ کہہ سکتی ہو۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک بلائنڈ واردات کے ارتکاب کے چوبیس گھنٹوں میں الفا کو ٹھکانے لگا کر ہم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ مجھے ٹام کے نکل جانے کا کوئی ملال نہیں ہے۔ تم یہ دیکھو کہ انسانوں کے سمندر میں گم ہو جانے والے را کے دونوں ایجنٹ کتنی سرعت سے اپنے کیفر کردار کو پہنچے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ہم الفا کو اتنی تیزی اور آسانی سے ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

جلال پوری تفصیلات جان لینے کے بعد خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور کامیابی کا سارا کریڈٹ مجھے دے رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے آدمیوں کا ٹام کے پیچھے نہ لگایا ہوتا تو میری مہم جوئی کا نتیجہ بہت ہولناک ہو سکتا تھا۔ وہ کوئی باقاعدہ مہم تھی نہ الفا کو گھیرنے کے لیے کوئی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ ایک قابلِ

رشک اتفاق تھا کہ دشمن آئی بی کے آدمیوں کی نظروں میں آ گیا تھا۔ صحیح وقت پر طاقتور مہرے مناسب ترین مقامات پر موجود تھے۔ جلال وہ خبر سنتے ہی ہماری طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کے آدمی الفا کی لاش کے ساتھ نیشنل اسٹیڈیم کے قریب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قریبی پولیس چوکی سے ایک پارٹی جائے واردات پر پہنچ چکی تھی۔ اگر جلال کو وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوتی تو رسمی کارروائیوں کے ضمن میں گڑبڑ ہونے کے امکانات تھے۔

وہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے اپنی بہترین امیدوں کا اظہار کرتا ہوا اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ویرا نے اس طرف کا ایک چکر لگانے کا خیال ظاہر کیا تو جلال نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ اس کی رائے میں ہم میں سے کسی کا وہاں پایا جانا مناسب نہیں تھا۔

اسے یقین تھا کہ ٹام کو واپسی پر الفا کو اپنے ساتھ لے جانا تھا لیکن اس کی گاڑی حرکت میں آتے ہی امریکی رائفل کے برسٹ کے بجائے فضا میں اکلوتے فائر اور الفا کی ہولناک چیخ کی آوازیں گونجنے کے سبب اسے گڑبڑ کا احساس ہو گیا اور وہ رکے بغیر اس علاقے سے نکلتا چلا گیا۔ حالات و واقعات کے پیش نظر یہ خدشہ باقی تھا کہ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ دوبارہ وہاں لوٹ کر اصل صورت احوال جاننے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ویرا کو وہاں منڈلاتا ہوا دیکھ لیتا تو اس کے لیے نئی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

''خدا خدا کر کے ناکامیوں کا حصار ٹوٹا ہے۔'' جلال کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''اب جہانگیر کے بارے میں بھی کوئی اچھی خبر آ جائے تو اس خوشی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ میں نے جلال کو پہلی بار اتنا خوش دیکھا ہے۔''

''اس قسم کے واقعات میں لمبی تحقیقات چلتی ہیں۔ بہت سے مشتبہ افراد پکڑے اور پھر چھوڑے جاتے ہیں اور کچھ عرصے بعد فائلیں سرد خانے کی زینت بن جاتی ہیں۔ اصل مجرم کبھی ہاتھ نہیں آتے۔'' میں نے کہا ''اس پس منظر میں آج کا واقعہ ناقابلِ فراموش ہے مجھے توقع نہیں تھی کہ الفا اتنی آسانی سے چوہے دان میں پھنس جائے گا۔''

''یہ برا ہوا کہ ٹام سے تمہارا رابطہ ختم ہو گیا'' ویرا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی ''اب ہمیں ان کے عزائم کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔''

''وہ کاٹھ کی ہانڈی تھی جو بہت دیر تک چڑھی رہی۔'' میں نے جواب دیا ''یہ قصہ بہت پہلے ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن نک اور گیری کی حماقتوں کی وجہ سے چلتا رہا۔''

''اب بھی ٹام کو یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ تم کرنل داور نہیں ہو!'' سلطان شاہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

''وہ آخر تک اس فریب سے نہیں نکل سکا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ان کے بارے میں بہت زیادہ جاننے کی کیا ضرورت ہے۔'' غزالہ ویرا سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ وہ تمہاری اور ان کی تلاش میں ہیں۔ اسی کے ساتھ یہاں افراتفری پھیلانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔''

ان کی.... حرکتوں کو ان چند فقروں میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔'' ویرا نے اعتراض کیا ''جوڑ توڑ ذہنی لڑائی اور سازشوں کا ایک باب بند ہو گیا۔ جب تک ان سے رابطہ برقرار تھا ہمیں کچھ نہ کچھ کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔''

''کامیابیاں مل رہی تھیں، انہیں نقصان بھی پہنچ رہا تھا غور کرو تو وہ عارضی اور وقتی فائدے تھے۔ کرنل داور انہیں روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔

''اب تم زیادہ انکسار سے کام نہ لو۔'' ویرا تیزی سے بولی ''آج کا واقعہ لے لو۔ ٹام سے تمہارا رابطہ نہ ہوتا تو تم اس سے ملاقات کا وقت طے نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ وہ تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک افسر سمجھنے کے باوجود تم پر بڑی حد تک اعتماد کرتے تھے۔ اعتماد کا وہ رشتہ اب ٹوٹ چکا ہے۔''

''رابطے کے لیے ڈینی کے پاس اب بھی ٹام کے نمبر موجود ہیں۔ ان پر اس سے ہر وقت رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''تم نے میرے آخری جملے پر دھیان نہیں دیا۔'' ویرا ہلکے سے غصے سے بولی ''سب کچھ ہے مگر ان کا اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ اب شاید وہ کرنل داور سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''بات ہو گی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''لیکن وہ دل کی بات نہیں کرے گا۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ ابھی تو وہ اس چکر میں ہو گا کہ اسٹیڈیم میں اچانک کیا ہو گیا۔ یہ معاملہ آسانی سے اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے گا۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ تفصیل کریدنے کے لیے آپ کو فون کر لے۔'' غزالہ بولی۔

''یہ ناممکن ہے۔ اس کی آخری گفتگو نفرت اور غصے سے بھرپور تھی۔ وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کرے گا۔''

''سوبھراج کوبرا کے روپ میں ان لوگوں کا بہت مددگار تھا۔'' ویرا کو یکا یک ایک نئی بات یاد آ گئی وہ کہہ رہی تھی ''انہیں سامنے آنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ زبان ہلاتے تھے اور وہ مقامی لوگوں کی مدد سے کام کروالیتا تھا۔ اب ان کے پاس فیلڈ فورس کا قحط تھا۔ یہ انتہا ہے کہ آج ''را'' کے ایک ایجنٹ کو وہ براہ راست میدان میں لے آئے اور اس سے ہاتھ دھو بیٹھے، نفری کا یہ بحران انہیں مفلوج کر کے رکھ لے گا۔''

''ان کے بارے میں سوچ کر خود کو ہلکان مت کرو۔'' سلطان شاہ بولا ''اچھا ہوا کہ ڈینی کو ان کے چکروں سے نجات مل گئی۔ یہ سوچو کہ اب جہانگیر کے لیے کیا کرنا ہے۔''

''اس کا بھی کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔'' غزالہ نے پرامید لہجے میں کہا ''ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے۔ اول خان کی طرف سے جلد ہی کوئی اچھی خبر آئے گی۔''

اسی وقت سلمٰی مضمحل انداز میں وہاں آ گئی۔ وہ اپنے کمرے سے ہاتھ منہ دھو کر آئی تھی اور قدرے بشاش لگ رہی تھی۔ خواب آور دواؤں کے زیر اثر زیادہ سونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے کچھ سوجے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

''یہ گولیاں بہت تیز ہیں۔ اس وقت بھی میرا دماغ بوجھل ہو رہا ہے۔'' اس نے ہمارے درمیان بیٹھتے ہوئے غزالہ سے شکایت کی پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔ ''اس آدمی کا کچھ پتا چلا؟''

''وہ ایک روپوش ملزم ہے۔ اس کا سراغ آسانی سے نہیں مل سکے گا۔'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں بتایا ''اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش پر مامور کیا ہوا ہے۔''

''پولیس والے بھی اسے تلاش کر رہے ہوں گے!'' اس نے جاننا چاہا اس کی دھیمی آواز میں عجیب سا کرب پنہاں تھا۔

''انہیں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔'' میں نے سر جھکا کر جھوٹ بولا۔ میں سلمٰی کی اس امید کی تردید کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

میرے جواب پر ویرا نے چونک کر میری طرف دیکھا مگر بات سمجھ کر نظریں جھکا لیں۔ پولیس والوں کے طریقہ کار اور اس کے بارے میں میرے تحفظات پر پہلے ہی تفصیلی بات ہو چکی تھی۔ سلمٰی کی پریشان خیالی کی وجہ سے وہ نکات اس کے ذہن سے نکل گئے تھے اس لیے میں نے نئے سرے سے پوری بات دہرانے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانی ضروری سمجھی تھی۔

اس شکستہ دل عورت کے لیے اس کا شوہر ہی سب کچھ تھا۔ سسرال نام کو بھی موجود نہیں تھی۔ میکے والے لاہور میں تھے۔ جہانگیر کے اغوا کے بعد وہ بالکل تنہا ہو کر ہم لوگوں کے رحم و کرم پر رہ گئی تھی۔ میں اس کی موہوم سی امید پر بھی پانی نہیں پھیر سکتا تھا۔

''پتا نہیں وہ کس حال میں ہوں گے۔'' سلمٰی بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''مجھے رہ رہ کر ان کا خیال آ رہا ہے۔ وہ میرے بغیر پانی کا ایک گلاس بھی نہیں پی سکتے تھے۔ اب ان ظالموں کے رحم و کرم پر بھوکے پیاسے پڑے ہوئے ہوں گے۔''

''اس کے بارے میں اتنا نہ سوچو۔'' میں نے غزالہ کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا ''وہ بہت مضبوط اور بہادر آدمی ہے۔ میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ حالات سے سمجھوتا کرنا جانتا ہے۔ وہ یہ کٹھن وقت آسانی سے گزار لے گا۔''

سلمٰی کو دوسرے واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسے ہماری سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں نے بھی اسے کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ویسے بھی اس کی آمد کے بعد جہانگیر کی ذات کے سوا ہمارے درمیان کوئی مشترک موضوع نہیں رہا تھا۔ اس بارے میں بات کرتے ہوئے سلمٰی کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اس لیے سب نے خاموش رہنا بہتر سمجھا اور اسی خاموش فکرمندی کے عالم میں چائے کا دور شروع ہو گیا۔

ہر طرف سے فرصت اور فراغت میسر آنے کے بعد ذہن اول خان کی طرف مبذول ہو گیا۔ وہ پولیس ریکارڈ سے حاصل کی ہوئی تصویر کی شناخت کے بعد صبح سے ایسا گیا تھا کہ اس نے پلٹ کر اپنے بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی۔

مجھے احساس تھا کہ ایس ٹی ایف کے طویل تعطل کے بعد سرگرمیاں بحال ہونے سے اول خان کی مصروفیت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن وہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سب لوگ جہانگیر کے بارے میں فکرمند تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کی سلامتی کے بارے میں میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اگر اول خان کچھ وقت نکال کر صرف فون ہی کر لیتا تو میری اور سلمٰی کی پریشانی میں خاصی کمی آ سکتی تھی۔

چائے ختم کرنے کے بعد میں نے موبائل فون پر اس سے رابطہ کرنا چاہا تو اس کا فون بند تھا۔ اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو پتا چلا کہ وہ صبح سے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میری تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی کوئی اطلاع نہ ملنے پر دوسرے بھی فکرمند نظر آنے لگے تھے۔

میرے لیے زیادہ دیر تک سلمٰی کے ساتھ بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب بھی اس سے نگاہیں چار ہو رہی تھیں میں اندر سے خود کو اس کا مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اسے چپ لگی ہوئی تھی مگر اس کی نگاہوں میں ایک ہی سوال بسا ہوا تھا جس کا میرے پاس کوئی

جواب نہیں تھا۔
میں خاموشی سے ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آخر رات کے آٹھ بجے اول خان کا فون گیا۔ اس نے سلام دعا کرتے ہی یہ خوش خبری سنائی کہ آخر کار رشید عرف شیدے کا سراغ مل گیا تھا۔

”کیا صبح سے تم اسی کی تلاش میں مصروف تھے!“ وہ اچھی خبر سن لینے کے بعد اس کی طویل غیر حاضری کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

”یہ کام میں نے اپنے آدمیوں کو سونپ دیا تھا۔ وہ بہت عرق ریزی کے بعد اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ میں صبح سے میٹنگز میں الجھا ہوا تھا۔ وہ آئی پی قافلے پر ہونے والے حملے کے سلسلے میں ہر طرف سے سخت دباؤ آیا ہوا ہے۔“

”کیا جلال اسی واقعے کے بارے میں الگ رہ کر کام کر رہا ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا کیونکہ جلال نے اول خان سے اپنی کسی ملاقات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب کہ وہ بھی دن بھر اجلاسوں وغیرہ میں الجھا رہا تھا۔

”اس سے ایک جگہ ملاقات ہوئی تھی۔ اسی پر سب سے زیادہ دباؤ ہے۔ بے چارے کو اسلام آباد سے یہاں طلب کر لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اسی نے خطرے کی نشان دہی کی تھی اس لیے ہر شخص اسی کی طرف دیکھ رہا ہے۔“

”اب سے کچھ دیر پہلے اس کہانی کا اختتام ہو چکا ہے۔“ میں نے اسے اطلاع دی ”کچھ دیر پہلے آئی بی والوں نے الفا کو مار لیا ہے۔“

میں نے دانستہ وہ خبر اسے سنائی تھی تا کہ وہ یکسو ہو کر مجھ سے رشید کے معاملے پر بات کر سکے۔ اس کے لیے وہ خبر ناقابل یقین ثابت ہوئی تھی۔

وہ فون پر ہی سب کچھ جاننا چاہ رہا تھا مگر میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ قصہ طویل تھا۔ وہ آئے گا تو اسے سب کچھ بتا دیا جائے گا۔

وہ عقل مند تھا۔ میرا اشارہ سمجھ گیا اور رشید کے بارے میں بتانے لگا ”وہ فش ہاربر کے علاقے میں ایک فشری میں کام کر رہا ہے اور دن رات وہیں رہتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ وہ قاسم فشریز والوں کی ناک کا بال بنا ہوا ہے۔“

فشریز کا ذکر آتے ہی میرا ذہن جلال کی کہانی کی طرف مبذول ہو گیا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق سوبھراج کے تین دھندوں میں ایک فشری بھی شامل تھی۔

”تم نے قاسم فشریز کی نگرانی شروع کرا دی ہو گی۔“ میں نے دبے دبے جوش کے ساتھ پوچھا۔

”نگرانی ہو رہی ہے مگر اس میں کچھ مشکلات کا سامنا ہے۔ کچھ لوگ پہلے سے اس کارخانے کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ میرے آدمیوں کو ان سے بچ کر اپنا کام کرنا پڑ رہا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہی لوگوں کے کارندے ہوں اور باہر سے کارخانے کی حفاظت کر رہے ہوں۔“ میں نے خیال ظاہر کیا ”رشید کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہاں کوئی نہ کوئی غیر قانونی دھندا ابھی چل رہا ہے جس کے تحفظ کے لیے وہ کوئی بھی چکر چلا سکتے ہیں۔“

”ایسا نہیں ہے۔“ اس نے پورے اعتماد سے میری تائید کی ”وہ لوگ مشتبہ ہیں۔ میرے آدمیوں کی طرح وہ بھی کارخانے والوں سے چھپ کر کام کر رہے ہیں۔“

”اب تمہاری کیا مصروفیت ہے......تم کب تک فارغ ہو رہے ہو؟“ میں نے تیزی سے سوال کیا

”اگر الفا مارا جا چکا ہے تو یہ خبر پھیلتے ہی دباؤ ختم ہو جائے گا۔ میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔“

”خبر مصدقہ ہے۔ میں خود اس واقعے کا ایک کردار تھا۔“ میں نے اسے یقین دلایا ”جلال اس وقت نیشنل اسٹیڈیم کی پارکنگ سے اس کی لاش اٹھوا رہا ہو گا۔ تم اپنے طور پر اس خبر کی تصدیق کرو اور جلد از جلد یہاں آ جاؤ۔“

میری ہیجانی آواز سے اس نے ایمرجنسی کا اندازہ لگا لیا۔ اس وقت فون پر مزید کسی سوال جواب کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے فون بند کر دیا۔

اگر قاسم فشریز کے گرد منڈلانے والے مشتبہ آدمی مجرموں کے ساتھی نہیں تھے تو پھر وہ آئی بی کے اہل کار ہی ہو سکتے تھے۔ جلال بتا چکا تھا کہ اس نے فوری طور پر سوبھراج کے تینوں کاروباری اداروں کے خلاف کریک ڈاؤن کا فیصلہ کر لیا تھا جن میں سے ایک مچھلیوں وغیرہ کی برآمد میں مصروف تھا لیکن مجھے اس ادارے کا نام معلوم نہیں تھا۔

اگر قاسم فشریز کا نام جلال کی فہرست میں شامل تھا تو اس سے میرا فوری رابطہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ آئی بی والوں کو قاسم فشریز کے خلاف کارروائی سے روکنا ضروری تھا تا کہ میں اول خان کے تعاون سے محتاط اور بھرپور کارروائی کر کے جہانگیر کو ان کے چنگل سے نکال سکوں۔ آئی بی والے جہانگیر کے پورے قصے سے بے خبر تھے۔ ان کی ذرا سی بے احتیاطی کے نتیجے میں جہانگیر کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بلی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈبی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا تھا۔ سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں معروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کرلی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کرسکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جاسکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہوگیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہوگیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہوگیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہوگئی۔ میں اس سے ڈبی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کرسکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہوگیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کرلیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اترا یا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔

اب آپ قسط نمبر 239 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

مسئلہ بہت سنگین اور فوری اہمیت کا حامل تھا۔ جلال مجھے پہلے ہی اپنے عزائم سے آگاہ کر چکا تھا۔ اگر نیشنل اسٹیڈیم کے قریب الفا کی ہلاکت کا سنسنی خیز واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو شاید اس کی پوری توجہ ان مشکوک کاروباری اداروں پر مرکوز رہتی جو اس کی معلومات کے مطابق سوبھراج کے کالے دھن سے چل رہے تھے۔ ان اداروں کو چلانے والے دوسرے لوگ تھے لیکن ان کے پیچھے سوبھراج کا ذہن اور سرمایہ کام کر رہا تھا۔

جلال واقعی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس کی فہرست میں ایک ریکروٹنگ ایجنسی اور دوسری کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ فرم کے ساتھ ایک فشری کا نام بھی شامل تھا۔ مجھے اس فشری کا نام معلوم نہیں ہوسکا تھا لیکن اول خان سے بات ہونے کے بعد اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ قاسم فشریز ہی ہوسکتی تھی۔

جلال نے سوبھراج کی آمدنی کے وسائل پر کام کرتے ہوئے قاسم فشریز تک رسائی حاصل کی تھی۔ اول خان کے آدمی رشید عرف شیدے کا کھوج لگاتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں ٹیمیں پوری رازداری کے ساتھ اپنے اپنے طور پر قاسم فشریز پر دھاوا بولنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اگر فوری طور پر ان دونوں میں سے ایک فریق کو نہ روکا جاتا تو غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ دشمن پر چڑھائی کرتے ہوئے وہ دونوں حلیف پوری شدت سے آپس میں نہ ٹکرا جائیں۔

آئی بی اور ایس ٹی ایف، دونوں بہت مضبوط ادارے تھے۔ ان کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ملک بلکہ کراچی میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعات کے پیش نظر وہ سب پورے جوش و خروش کے ساتھ پیش قدمی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اگر وہ قاسم فشریز پر شب خون مارنے کے چکر میں پوری قوت کے ساتھ آپس میں ٹکرا جاتے تو اس کا سارا فائدہ ہمارے دشمنوں کو حاصل ہوتا۔ اگر جہانگیر اس وقت تک

رشید ہی کی تحویل میں تھا تو اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

رشید عرف شیدا ہمارے لیے ایک کلیدی کردار تھا۔ سلمٰی نے کسی شک وشبہے کے بغیر اس کی تصویر شناخت کی تھی۔ وہ جہانگیر کو اغوا کرنے والی دونفری جماعت میں پیش پیش تھا۔ کیماڑی کے علاقے کا وہ بدنام ہسٹری شیٹر دومرتبہ کا سزایافتہ اور مفرور تھا۔ قانون کے محافظ اسے اپنی گرفت میں لینے میں ناکام تھے لیکن ایس ٹی ایف والوں نے سراغ لگالیا تھا کہ وہ سفاک غنڈا سوبھراج کی قاسم فشریز میں ملازمت کررہا تھا۔

اگر جہانگیر کو قاسم فشریز میں قید نہیں کیا گیا تھا تب بھی رشید پر ہاتھ ڈال کر اس سے یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ اس نے جہانگیر کو اغوا کرنے کے بعد کس کے حوالے کیا تھا۔

اس وقت جلال نیشنل اسٹیڈیم کے علاقے میں الفا کے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ ملک کے کسی مقتدر شخص کے خلاف بدترین دہشت گردی کرنے والے کو بہت کم وقت میں کیفرِ کردار تک پہنچادیا گیا تھا۔ اس کا سہرا جلال اور اس کے محکمے کے سر تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اعلیٰ ترین ریاستی افسران اور میڈیا کے جونک جیسے کارکنوں کے ہجوم میں وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سے فون پر کوئی تفصیلی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔

بہتر یہی تھا کہ میں خود وہاں جاکر اس سے مل لیتا۔ گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کا فاصلہ مختصر ہونے کی وجہ سے وہ مرحلہ دشوار نہیں تھا۔

اس وقت میں اپنے کمرے میں اکیلا تھا کیونکہ غزالہ مسلسل سلمٰی کی دیکھ بھال اور دل جوئی میں لگی ہوئی تھی۔ جب سے سلمٰی ہمارے گھر آئی تھی، غزالہ پر ذمے داری کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ میری تادیب کے باوجود ویرا نے سلمٰی کو زیادہ گھاس نہیں ڈالی تھی۔ میں نے اسے سلمٰی کے رویوں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا لیکن ویرا کی نسوانی چھٹی حس سلمٰی سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے بارے میں سلمٰی کے عزائم نیک نہیں تھے۔ جہانگیر کے اغوا ہوجانے کی وجہ سے وہ عاضی طور پر ذہنی اور جذباتی صدموں سے مغلوب ہوگئی تھی۔ وہ مسئلہ حل ہوتے ہی سلمٰی مجھے رجھانے کی کوششیں شروع کردے گی۔ وہ ہر لمحے سلمٰی کا ناقدانہ جائزہ لے رہی تھی۔ ایسی صورت میں اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سلمٰی سے ہمدردی کے دو بول بھی بول سکے گی۔

میں روانگی کے ارادے سے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو صرف ویرا ڈرائنگ روم میں بیٹھی، ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔

''کہاں جارہے ہو، کدھر کا خیال ہے؟'' مجھے دیکھتے ہی ویرا نے ہانک لگائی ''ابھی کس کا فون آیا ہوا تھا؟''

''جلال سے ملنے جارہا ہوں۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''اسے بتادینا کہ اس کے آدمیوں کے کارنامے کی خبر ٹیلی وژن پر آگئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ وی آئی پی پر ناکام قاتلانہ حملے کا مجرم ایک ایجنسی سے مقابلے میں مارا گیا۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر ہلکے سے طنزیہ لہجے میں بتایا ''تمہارے یہاں یہ عجیب بات ہے کہ خبر کو خبر نہیں رہنے دیا جاتا، انا کا مسئلہ بنالیا جاتا ہے۔ بری خبروں کو سرے سے دبادیا جاتا ہے یا پھر گھنٹوں بعد مبہم الفاظ میں تھوڑا بہت بتادیا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آج کی اچھی خبر بہت تیزی سے ٹیلی وژن اسکرین کی زینت بنی ہے۔''

''مرنے والے کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟'' میں نے رک کر سوال کیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وقت گزاری کے دوران کام کی وہ خبر سن لی تھی۔

''فی الحال اسے ایک غیر ملکی دہشت گرد کا نام دیا گیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی ''را کے ایجنٹوں کا یوں بے نام ونشان مرجانا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی آئی بی کے نشانچی نے الفا کی کھوپڑی اڑادی تھی۔ بغیر چہرے والی لاش کو پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

ویرا کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ ٹام نے مجھے بتایا تھا کہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے مسلح شخص نے اشارے سے بتادیا تھا کہ میں نے ہی اسے نیوخان ہوٹل میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ یوں مجھے پتا چل گیا کہ ٹام کا ساتھی صرف اور صرف الفا تھا۔ دوسری طرف جلال کے آدمیوں نے اسے ٹام کی گاڑی میں دیکھ کر پہچانا تھا۔ انہوں نے چارلی کے بتائے ہوئے حلیے کی بناپر الفا کو شناخت کیا تھا۔ ان دونوں باتوں کا اظہار قطعی ضروری نہیں تھا۔ مرنے والے کا بے نام ونشان رہنا ہی سب سے بہتر تھا۔ ہمارے سوا صرف ٹام اس کی اصلیت پر روشنی ڈال سکتا تھا۔

الفا کی لاش کے ساتھ برآمد ہونے والی امریکی، ساختہ رائفل اور الفا کے فنگر پرنٹس یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھے کہ ڈرگ روڈ، ریلوے اسٹیشن کی چھت پر سے وی وی آئی پی موٹر کیڈ پر اسی نے حملہ کیا تھا۔ وہ سب سامنے کی باتیں تھیں۔ آنے والا وقت انہیں آسانی سے ثابت کردیتا لیکن میری دانست میں ٹیلی وژن پر وہ باتیں بتاکر عجلت کا مظاہرہ کیا گیا

تھا۔ شاید اس طرح شہریوں کو یہ تسلی دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ شہری انتظامیہ حساس اداروں کے تعاون سے دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے ہمہ تن تیار تھی۔

''مجھے اس بات کا قلق رہے گا کہ الفا میرے ہاتھوں اپنے انجام کو نہیں پہنچا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس اہم ترین کامیابی میں کلیدی کردار تمہارا ہی ہے.....'' وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔

وہ خاموش ہوگئی لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے اپنی مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔

''اگر تم ٹام کو پانچ بجے نیشنل اسٹیڈیم کے پاس ملنے کا وقت نہ دیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' وہ دوبارہ بولنے لگی ''وہ تمہاری وجہ سے الفا کو اپنے ساتھ لے کر اپنی کچھار سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پھر وہ ہو گیا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ وہ الفا کو اپنے ساتھ کیوں لے کر آیا تھا۔ اگر تم کو مارنا تھا تو اس کے لیے الفا کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ یہ کام وہ خود زیادہ آسانی سے کرسکتا تھا۔''

''تم نے ہر نکتے پر غور نہیں کیا۔'' میں نے کہا ''وہ میری یعنی کرنل داور کی طرف سے شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا اور اپنے اس تذبذب کو دور کرنا چاہتا تھا۔ جب الفا نے جھاڑیوں میں سے اشارہ کر کے اسے یہ بتایا کہ میں نے ہی اسے نیو خان ہوٹل میں ہراساں کیا تھا تو ٹام کا ذہن صاف ہوگیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ سوبھراج نے کرنل داور سے را کے دو ایجنٹوں کی مخبری کی ہوگی ورنہ شہر میں کوئی اور ان دونوں کی نقل و حرکت سے باخبر نہیں تھا۔ مجھے سوبھراج کا ساتھی تصور کرتے ہوئے اس نے اپنا آخری فیصلہ کرلیا۔''

''اب بات واضح ہوگئی۔ تم اس کے نزدیک دہرے مجرم تھے۔ ایک طرف سوبھراج سے مل کر را والوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے تھے اور دوسری طرف ایف بی آئی والوں سے ملے ہوئے تھے اور ان کو ڈبل کراس کر رہے تھے۔''

''بس یہی اس معرکہ آرائی کا نچوڑ تھا۔ ٹام کو یہ جان کر بدترین جھٹکا لگا ہوگا کہ اس کا مشن ناکام ہوگیا۔ میں زندہ ہوں، الفا جہنم واصل ہو چکا ہے۔''

''ہاں! اس نے تو اپنی طرف سے تمہاری زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند کردیا تھا۔ دیکھنا ہے کہ اب اس کا کیا ردِّعمل ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت تم سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔''

''دیکھا جائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''ابھی دوسرے مسائل اس کی ذات سے زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔''

''لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت جلال سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔'' میرے پیش قدمی کرتے ہی اس نے سوال کیا۔

''اول خان نے رشید کا سراغ لگالیا ہے۔'' میں نے دھیمی آواز میں اسے بتایا ''وہ ایک فشری میں کام کررہا ہے۔ ایس ٹی ایف والوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے کچھ لوگ چوری چھپے اس فشری کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں جلال سے بات کرنی ضروری ہے۔''

''جلال کے آدمیوں کو شیدے کی بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا ''تم نے تو اس کی شناخت کا معاملہ پولیس والوں سے بھی چھپانے کا ارادہ کیا ہوا تھا!''

''یہ دوسرا چکر ہے۔ جلال نے تین ایسے اداروں کے خلاف کریک ڈاؤن کی تیاری کی ہوئی ہے جن کے مالک بظاہر دوسرے لوگ ہیں لیکن ان میں ساری سرمایہ کاری سوبھراج کی ہے وہ فشری بھی ان میں شامل ہے۔''

''حیران کن بات ہے۔'' ویرا اپنی بھویں چڑھا کر بولی

''تم ثام سے ملنے کے لیے گئے اور جلال کے آدمی پہلے سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ نیشنل اسٹیڈیم میں سب یک جا ہوگئے۔ اب پھر وہی صورتِ حال بنتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اول خان جہانگیر کی وجہ سے شیدے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ جلال نے سوبھراج کے مالی مفادات پر کاری ضرب لگانے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور دونوں ہی کی توجہ اس فشری پر مرکوز ہے۔''

''یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ مجرم مشترک ہوں تو ہر سمت سے کی جانے والی چھان بین ایک ہی راستے کی نشاندہی کرتی ہے۔ فی الحال اس بارے میں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔''

ویرا کو وہ ہدایت دے کر میں آگے بڑھ گیا۔ میری توقع کے برعکس اس نے میرے ساتھ چلنے کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور میں اطمینان سے گھر سے نکل گیا۔

میں گھر سے نکل کر اسٹیڈیم کے قریب پہنچا تو مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہاں دور تک پولیس اور رینجرز کی موبائلیں کھڑی ہوئی تھیں جن میں آئے ہوئے باوردی اہل کار ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔

میں نے مین روڈ سے جائے واردات کی طرف مڑنا چاہا تو مجھے سختی سے روک دیا گیا۔ متعدد سرکاری محکموں کے باوردی اور سادہ پوش اہل کاروں نے جائے واردات کے قرب و جوار میں ایک وسیع علاقے کا سختی سے محاصرہ کیا ہوا تھا اور کسی غیر متعلقہ شخص کو ان حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ حد یہ تھی کہ متعدد اخبار نویس قلم اور کاغذ یا کیمرے سنبھالے اس حصار سے باہر سن گن لیتے پھر رہے تھے۔ ان کو بھی آگے جانے کی اجازت نہیں دی جارہی تھی۔ اندر سے خبر رسانی کا انحصار شاید سرکاری رپورٹروں تک محدود تھا۔

الفا کے قتل کا واقعہ پانچ اور ساڑھے پانچ کے درمیان پیش آیا تھا۔ تین گھنٹے گزر جانے کے باوجود وہاں ایک مہیب سماں بندھا ہوا تھا۔ پولیس گاڑیوں کی چھتوں پر لگی ہوئی گردشی روشنیاں دور دور تک بھیانک سائے پیدا کررہی تھیں۔ اپنی رینگتی ہوئی گاڑی میں سے اس علاقے کا جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ سرکاری عمال کے لیے الفا کی موت کا واقعہ کس قدر اہم تھا۔

آس پاس کی سڑکوں پر بیشتر سرکاری گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ رہی سہی کسر ٹریفک کی سست روی نے پوری کردی تھی۔ ہر گزرنے والی گاڑی کے سوار رک کر یا رفتار کم کرکے وہاں رونما ہونے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کررہے تھے۔

اس بے ہنگم ٹریفک سے کشاں کشاں کچھ دور نکل کر میں نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کیا اور اپنے موبائل پر جلال کا نمبر ملالیا۔

تیسری گھنٹی پر اس کی طرف سے جواب ملا تو اس کی آواز پرسکون تھی۔

''میں آس پاس بھٹک رہا ہوں لیکن تم تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی!'' میں نے کسی تمہید کے بغیر اپنا مدعا بیان کردیا۔

''سکیورٹی بہت سخت ہے۔ تمہارا اندر آنا ممکن نہیں ہے۔ اپنی لوکیشن بتاؤ، میں تمہارے پاس آجاتا ہوں۔'' اس نے میری آمد کے مدعا کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر کہا۔

''باہر خوف و ہراس اور تشویش کا عجیب سماں ہے۔ تم اپنی آواز سے بہت مطمئن نظر آرہے ہو۔ یہ کیا چکر ہے؟'' میں اس سے وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''باہر افواہیں گردش کررہی ہیں۔ اندر حقائق سب کے سامنے ہیں۔ تم تصور نہیں کرسکتے کہ آج ہم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے...... یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟''

''اس وقت اپنی مرضی سے کہیں رکنا ممکن نہیں ہے۔ میں کافی دور ہوں۔ اپنی گاڑی گھما کر مراد میڈیکوز کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم وہیں پہنچو۔''

''او کے!'' اس نے فون بند کردیا۔ اس مختصر گفتگو کے دوران میں، میں نے دوسری ہیجان آمیز آوازیں بھی سنی تھیں جن سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ خونین واقعہ رونما ہوجانے کے بعد جائے وقوع پر پہنچنے والا ہر شخص بڑھ چڑھ کر اپنی اہمیت جتانے میں مصروف تھا۔

موبائل فون جیب میں ڈالنے کے بعد میں نے گاڑی گھمائی اور اسٹیڈیم کی طرف جانے والے ٹریفک میں شامل ہوگیا جو بہت سست رفتار سے آگے رینگ رہا تھا۔

مجھے مطلوب مقام تک پہنچنے میں اپنے اندازے سے زیادہ وقت لگ گیا۔

مراد میڈیکوز والے نکڑ پر ٹریفک پولیس کی ایک موبائل کھڑی ہوئی تھی اور وہاں کسی گاڑی کو رکنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف جلال کی گاڑی وہاں موجود تھی۔ اسے دیکھ کر میں نے جوں ہی ٹریفک سے الگ ہونے کے لیے بایاں انڈیکیٹر جلایا، کئی سپاہیوں نے غصیلے انداز میں ہاتھ لہرا کر میری طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

جلال اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کے کچھ کہتے ہی ٹریفک کے عملے کے تیور اچانک بدل گئے اور وہ پارکنگ کے

لیے میری رہنمائی کرنے لگے۔
جوں ہی میں نے گاڑی روک کر انجن بند کیا، جلال بے تکلفی سے میرے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا اور ہنستے ہوئے بولا ''میں پہلے بھی ادھر سے گزر تا رہا ہوں۔ آج تمہارے دم سے یہاں جنگل میں منگل ہو گیا ہے۔ اندر سے آنے والے ہر شخص پر رپورٹر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ میں بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں تک آیا ہوں۔''
''گھر پر بیٹھ کر مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہاں ایسی گمبھیر صورت حال ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ اب تک لاش اٹھوائی جا چکی ہوگی۔''
''لاش اٹھوانے کا مرحلہ ابھی دور ہے۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی ایک خوف ناک بارودی بیلٹ دریافت ہوئی ہے۔ اسے خطرے کا ذرا سا بھی ادراک ہو جاتا تو وہ ایک بٹن دبا کر پل بھر میں چیتھڑوں میں تبدیل ہو جاتا اور اپنے ساتھ نہ جانے کس کس کو لے ڈوبتا۔ ابھی وہ بیلٹ ناکارہ بنا کر اس کے جسم سے الگ کی گئی ہے......''
''حیرت ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''کچھ دیر پہلے یہ خبر ٹیلی وژن پر آ چکی ہے کہ ناکام قاتلانہ حملے کا مجرم ایک مقابلے میں مارا گیا۔ ضابطے کی ساری کارروائیاں مکمل ہونے سے پہلے یہ اعلان کیسے کر دیا گیا۔''
''شاید محکمہ اطلاعات والوں سے صبر نہیں ہو سکا۔ وہ اندر ہونے والی باتوں کو لے اڑے۔ تم کو بھی معلوم ہے کہ ضابطے کی کارروائی اس خبر کی تردید نہیں کر سکے گی۔ دوسری شہادتوں کے علاوہ صدف مینشن سے چارلی کو بھی یہاں بلوا لیا گیا تھا۔ وہ تصدیق کر چکا ہے کہ مرنے والا اس کا ساتھی ہے۔ اس سے مزید پتا چلا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی بارودی بیلٹ نہیں تھی۔ الفا کو وہ بیلٹ ٹام نے فراہم کی ہوگی۔
بارودی بیلٹ کی فراہمی کے صرف دو مقاصد ہو سکتے تھے۔ اول یہ کہ کسی بھی خطرناک صورت حال سے دوچار ہونے کی صورت میں الفا خود کو دھماکے سے اڑا کر اپنی شناخت کا ہر امکان ختم کر سکے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ مجھ سے نمٹنے کے بعد الفا شہر کے کسی مصروف علاقے میں خودکش حملہ کر کے بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلانے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہو۔
اصل مقصد جو بھی رہا ہو، بنیادی نکتہ یہ تھا کہ الفا بہت بے خوف ایجنٹ تھا اور اپنے مقصد کی بھرپور تکمیل کے لیے ذہنی طور پر خودکشی کے لیے تیار ہو چکا تھا۔
مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنی مصروفیات ادھوری چھوڑ کر وہاں تک آیا تھا۔ میں نے اس نکتے پر کوئی بات کیے بغیر کہا

ترجیح

ٹریول ایجنٹ ایک صاحب کو سیر کے لیے یونان جانے کا مشورہ دیتے ہوئے بولا ''سر! وہاں آپ کو پرانے کھنڈرات دیکھنے کو ملیں گے۔''
وہ صاحب نفی میں سر ہلاتے ہوئے ''میں نئے کھنڈرات دیکھنے کے لیے فرانس جانا پسند کروں گا۔''

''قاسم فشریز کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟''
''آج رات بارہ بجے قاسم فشریز کے ساتھ روز گار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ پر بھی کارروائی ہوگی اور سارا ریکارڈ قبضے میں لے لیا جائے گا۔'' اس نے بتایا۔
''رات کے بارہ بجے وہاں کوئی متنفس نہیں ملے گا۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔
''نہ ملے، ہم صرف ریکارڈ قبضے میں لیں گے اور ان کے نام نہاد مالکان کو ان کے گھروں سے اٹھائیں گے۔ باقی اقدامات کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔''
''قاسم فشریز کو اس پروگرام سے خارج کر دو۔ تمہارے آدمی اس وقت بھی فشری کے گرد موجود ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔
''آدمی تینوں جگہ موجود ہیں۔ کیا قاسم فشریز میں تم دلچسپی لے رہے ہو؟''
''جہانگیر کو اغوا کرنے والوں میں سے ایک عادی مجرم وہاں موجود ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔
''یہ سمجھ لو کہ وہاں کچھ ہوا تو اس کا مالک غائب ہو جائے گا......''
''مالک کو تم اٹھوا لو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''میری اطلاع کے مطابق رشید نامی مجرم فشری میں موجود ہے۔ فی الحال میری دلچسپی اس کی ذات تک محدود ہے۔''
''تو کیا وہ دن رات وہیں رہتا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔
''ہو سکتا ہے۔'' میں نے بے یقینی سے جواب دیا ''اس کے خلاف عدالتوں میں کئی مقدمات زیر سماعت ہیں اور وہ روپوش ہے۔ اس کی روپوشی کے لیے قاسم فشریز ایک بہترین ٹھکانا ثابت ہو سکتی ہے۔ اول خان کا قیاس ہے کہ وہ وہیں رہتا ہوگا۔''
''ٹھیک ہے۔ میں فشری سے آدمی ہٹائے لیتا ہوں۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا ''لیکن یہ خیال رکھنا کہ آج کل

مچھلیوں کا سیزن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں عملہ موجود ہو اور کسی مداخلت پر مزاحمت کرنے کی کوشش کرے۔ ان کا سامنا کرنے کے لیے تمھیں نفری کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اول خان تمہارا ساتھ دے گا۔''

''رشید کی تلاش پر وہی کام کر رہا ہے۔'' میں نے بتایا ''اس کے آدمی میرے ساتھ ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ جہانگیر کو اسی کارخانے میں رکھا گیا ہے۔''

''میری دلی دعا ہے کہ تمہاری کوششیں بار آور ثابت ہوں۔ یہ اچھا ہوا کہ تم بروقت یہاں چلے آئے۔ میرے آدمی اچانک وہاں گھستے تو جہانگیر کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں ابھی ان کو ہدایات جاری کر دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اول خان کے آدمیوں کو اس فیکٹری کے آس پاس منڈلاتا ہوا دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گئے ہوں۔''

''میں چلتا ہوں۔ اب تم سے کل ملاقات ہوگی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اچھا کیا تم خود چلے آئے۔'' اس نے پرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ''میں لوگوں کے درمیان اس طرح گھرا ہوا تھا کہ فون پر کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔''

وہ گاڑی سے اتر گیا اور میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر سے جاتے ہوئے میں نے ویرا کو منع کیا تھا کہ وہ رشید کے بارے میں ہونے والی نئی پیش رفت کے سلسلے میں کسی سے بات نہ کرے مگر وہ پیٹ کی ہلکی تھی۔ اس نے یہ خبر سب کو سنا دی تھی کہ اول خان کے آدمی رشید کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

میں واپس پہنچا تو سب بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سلمٰی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے روبرو آ کھڑی ہوئی۔

''اب وہ مل جائیں گے نا؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عجیب سے ملتجیانہ لہجے میں سوال کیا۔

''ضرور ملے گا۔ ہم سب اسی کے لیے کام کر رہے ہیں۔'' میں نے نرمی سے اسے دلاسا دیا ''سب سے پہلے ہمیں اس آدمی کو اپنے قابو میں کرنا ہے جس نے تمہارے گھر سے جہانگیر کو اغوا کیا تھا۔''

''ویرا بتا رہی تھی کہ اس کا پتا چل گیا ہے۔ وہ کب تک پکڑ لیا جائے گا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں امید و ناامیدی کا امتزاج رچا ہوا تھا۔

''ویرا درست کہہ رہی تھی۔ دعا کرو کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔ اب مجھے سکون سے اس کے بارے میں کچھ سوچنا ہے۔'' میں نے تحمل سے کہا۔

سلمٰی آسانی سے میرا پیچھا چھوڑتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ویرا اپنی جگہ پر بیٹھی استہزائی انداز میں وہ تماشا دیکھ رہی تھی لیکن غزالہ موقع کی نزاکت بھانپ کر میری مدد کے لیے آگے بڑھی اور سلمٰی کا ہاتھ تھام کر اس کے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے بولی ''یوں فکرمند ہو کر اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ ان کو آرام سے سوچنے دو۔ یہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

سلمٰی نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور مجبوری کے عالم میں غزالہ کے ساتھ ہو لی۔

''کیا تیر مار کر آئے ہو؟'' ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''قاسم فشریز سے آئی بی والے اپنا ہاتھ اٹھا لیں گے!'' میں نے اسے اطلاع دی۔

''اور تم تنہا وہاں جاؤ گے!'' ویرا نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔'' میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''اول خان اپنے آدمیوں سمیت میرے ہمراہ ہوگا۔''

''ویری گڈ!'' اس نے تعریفی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی پھر پوچھا ''غزالہ کو تم نے سلمٰی خانم کی باندی بنایا ہوا ہے۔ رہے ہم دونوں تو ہمارے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تمہاری زبان بہت زیادہ لمبی ہو گئی ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''غزالہ کو باندی نہیں بنایا گیا۔ وہ اپنی دوستی اور میزبانی کا حق ادا کر رہی ہے۔''

''چلو، یوں ہی سہی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی ''میں تمہارے ساتھ چلوں گی؟''

''واقعات نے تیزی سے رخ بدلا ہے۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا ''اپنی شکست پر ٹام سکتے کی حالت میں نہ ہوا تو جھلا کر اپنے بال ضرور نوچ رہا ہوگا۔ وہ ہم پر کسی اور سمت سے حملہ آور ہو سکتا ہے......''

''یہ باتیں رہنے دو!'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''اس نے جو کچھ کیا ہے، کرنل داور کے ساتھ کیا ہے۔ ڈینی اس کے لیے ایک الگ شخصیت ہے۔ فی الحال وہ سب کو بھول کر کرنل داور کے پیچھے لگا رہے گا۔''

''اور دوسری طرف سوبھراج جو تمہیں پہچانتا ہے۔'' اس بار سلطان شاہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''اس نے کھل کر ڈینی سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کی باتوں میں ایسے اشارے تھے

کہ اب وہ بھی دہرا کھیل، کھیل رہا ہے۔ قاسم فشریز کا اصل مالک وہ ہے۔ رشید وہاں اہم حیثیت کا حامل ہے اور وہ جہانگیر کے اغوا میں شامل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاسم فشریز میں سوبھراج سے بھی ہمارا آمنا سامنا ہو جائے۔''

سلطان شاہ نے بہت ہوشیاری کے ساتھ مجھے یہ جتا دیا تھا کہ ویرا کے بارے میں میرا جو بھی فیصلہ ہو، وہ بہرحال مہم میں شریک ہوگا۔ میں نے اس کے آخری فقرے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ویرا شاید کچھ اور سوچ رہی تھی۔ سلطان شاہ کا وہ ذومعنی فقرہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سلمیٰ از خود کمرے میں چلی گئی۔ شاید غزالہ اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ اسے جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کو ہماری پرخلوص صوابدید پر چھوڑ کر خود دست بہ دعا رہنا چاہیے۔ کھانے کی میز پر بھی اسے چپ سی لگی رہی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی شکم سیری کرتی رہی۔ اس کی موجودگی میں دوسروں نے بھی سنجیدگی اختیار کرنے کی ضرورت کا احساس کرلیا تھا۔

سلمیٰ کے بعد ویرا اور سلطان شاہ نے بھی اپنے کمروں کا رخ کیا۔ میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ سلمیٰ کی آمد کے بعد اسے پہلی بار میرے ساتھ فرصت سے بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔ وہ اس مہلت سے خوش نظر آ رہی تھی۔

وہ جب بھی جہانگیر کے گھر گئی، اس نے میاں بیوی کے درمیان تناؤ کی کیفیت محسوس کی تھی۔ میری طرح اس کا بھی یہی مشاہدہ تھا کہ سلمیٰ اپنے شوہر کی بلانوشی سے عاجز تھی اور ہر وقت اس پر تنقید کرتی رہتی تھی جبکہ جہانگیر اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں اپنے مقدر کے بندھن کو زبردستی گزار رہے ہوں۔

اپنی چھت کے نیچے غزالہ نے سلمیٰ کا ایک بدلا ہوا روپ دیکھا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اپنے شوہر کی حرکتوں سے نالاں رہنے والی وہ عورت جہانگیر کے اغوا پر غم واندوہ کے ایسے اتھاہ سمندر میں ڈوب کر رہ گئی تھی جس سے باہر آنا اس کے بس سے باہر تھا۔

وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کی ایک ایک حرکت کا ذکر کرتی تھی اور پھر اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھی۔

سلمیٰ کی دردناک گریہ وزاری غزالہ کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیتی تھی۔ اسے ماننا پڑا تھا کہ مشرق میں ازدواجی بندھن کے رموز ہی نرالے ہوتے ہیں جن کی تھاہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

میں غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا۔ ہماری گفتگو کے موضوعات بار بار بدل رہے تھے۔ میں اس کی ذات کو موضوعِ سخن بنائے رکھنا چاہ رہا تھا اور وہ بار بار دوسری باتیں چھیڑ رہی تھی جن میں ہمارے سرکردہ دشمنوں کے تذکرے بھی شامل تھے۔

''سچ سچ بتاؤ کہ کبھی میرے دشمن مجھے یرغمال بنانے میں کامیاب ہو......'' میں نے موقع پا کر ایک مفروضے کا ذکر کرنا چاہا لیکن غزالہ نے بوکھلا کر میرے دہانے پر اپنی نرم و نازک ہتھیلی جما دی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی ''اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آپ کی بلائیں مجھے دے دے، ایسی بدفالیں منہ سے کیوں نکال رہے ہیں۔''

میں نے بے اختیار اس کی گداز ہتھیلی چوم لی۔ اس نے یوں چونک کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا جیسے میرے ہونٹوں سے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''کوئی بھی ہمیشہ فاتح نہیں رہتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں۔ لڑنے والوں کو کبھی کبھار ہار کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔''

''میرے علاوہ نہ جانے کتنے لوگوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ اپنے دشمنوں پر غالب رہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے۔ آپ کے دشمن اسی طرح ایک ایک کر کے فنا ہوتے رہیں گے جیسے آج الفا موت کے منہ میں گیا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے نہایت جذباتی انداز میں کہا۔

ہماری شادی کو کافی عرصہ ہوگیا تھا لیکن اس وقت غزالہ کے چہرے پر اور آنکھوں میں یوں جوش و حیا کی تمازت تیر گئی تھی جیسے ہمارے درمیان وہ رشتہ نیا ہو۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ وہی غزالہ تھی جو ویرا کے ہاتھوں ملک بدر ہونے کے بعد دیارِ مغرب میں بہت جاں فروشی کے ساتھ اپنی بقا کی لڑائی لڑتی رہی تھی۔ وہ سو فیصد مشرقی لڑکی نظر آ رہی تھی جو روایتی طور پر شرم و حیا کا پیکر ہوتی ہے۔

ڈرائنگ روم کی کھلی خلوت میں وقت بہت خوش گوار انداز میں تیزی سے گزر گیا اور پھر اول خان آ پہنچا اور ہم دونوں کی ذاتی باتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

اس نے آتے ہی پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے مژدہ سنایا کہ الفا کے بارے میں میری دی ہوئی اطلاع درست ثابت ہوئی تھی۔ شہر کے انتظامی شعبوں پر آیا ہوا دباؤ

یکلخت ختم ہو چکا تھا اور وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر وہاں آیا تھا۔

جہانگیر کو اغوا کرنے والوں کی طرف سے کسی خطرناک اقدام کے پیش نظر ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کاروں کو گھریلو خدمات سے سبک دوش کر کے فوری طور پر چھت پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کچن وغیرہ کی ذمے داری ایک مرتبہ پھر غزالہ اور ویرا کے سر آ گئی تھی۔ عام دنوں میں ویرا بہت لیت و لعل سے کام لیتی تھی اور کاموں کا زیادہ بوجھ غزالہ کو اٹھانا پڑتا تھا لیکن اس بار ویرا کو یہ احساس تھا کہ غزالہ، سلمیٰ کے ساتھ الجھی ہوئی ہے۔ اول خان کی آواز سن کر وہ اپنے کمرے سے نکل آئی اور جب اس نے اپنے معمول کے مطابق گرما گرم چائے کی فرمائش کی تو ویرا رضا کارانہ طور پر کچن کی طرف چلی گئی۔

اول خان کے لیے الفا اور ٹام کی کہانی خاصی حیران کن ثابت ہوئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ الفا تک رسائی اتنی آسان ثابت ہوگی۔ سوبھراج سے مایوس ہونے کے بعد اس نے جن لوگوں پر انحصار کیا، ان کا ماضی قابل رشک نہیں تھا۔

دنیا کے مختلف خطوں میں جنم لینے والی کہانیاں وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہی تھیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ امریکی اپنا آلہ کار بننے والوں کو ہر قسم کی امداد دے کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ ہتھیار فراہم کرتے ہیں، تربیت دیتے ہیں، ڈالروں سے بھرے ہوئے بریف کیس سونپ دیتے ہیں لیکن اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔ کوئی برا وقت آ جائے تو وہ اپنے خون کا ایک قطرہ تک قربان کرنے پر از خود آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے پٹھوؤں کو قربانی کا بکرا بنا کر بے رحمی سے ذبح کرا دیتے ہیں اور خود صاف بچ نکلتے ہیں۔

الفا کے ساتھ بھی وہی کہانی دہرائی گئی۔ ٹام نے اسے بے رحمی سے اپنی سازش کا ایندھن بنا دیا۔ وہ کامیاب ہو جاتا تو ٹام اسے اپنے ساتھ لے کر نکل جاتا۔ ناکامی کی صورت میں اسے خود اپنا نوشتہ تقدیر بھگتنا پڑتا۔ بازی الٹ گئی اور ٹام لقمہ اجل بن گیا۔

''تم اس کا منصوبہ سمجھ گئے تھے تو تم نے اسے اتنی آسانی سے کیوں نکل جانے دیا۔ تم کو اسے وہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے تھا۔'' اول خان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ہونے والی باتیں تیزی سے رونما ہوتی چلی گئی تھیں۔ نتائج سامنے آ چکے تھے جو حوصلہ افزا ثابت ہوئے تھے لیکن ان واقعات پر کسی سے تفصیلی گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اول خان نے وہ بات نکالی تو میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہیں دے سکا۔

میں نے نیشنل اسٹیڈیم کی سنسان پارکنگ میں رونما ہونے والے اس واقعے کی جزئیات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا اور کہا ''اس کے عزائم نیک نہیں تھے۔ اس سے میری تلخ و ترش باتیں بھی ہوئی لیکن اس نے کھل کر یہ عندیہ نہیں دیا تھا کہ وہ مجھے مروانے کی کوشش بھی کر گزرے گا۔ اگر وہ ایسی کوئی بات کہتا تو میں اس سے مقابلے کی تیاری کر چکا تھا۔''

''اس کے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم اس کی باتوں سے اس کے ارادوں کا صحیح اندازہ لگا چکے تھے۔''

''یہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس وقت وہ صرف اندازہ تھا۔ جھاڑیوں میں اس کا گن مین چھپا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے گاڑی سے اترنے کے لیے کہا تو میں تذبذب میں تھا۔ اس وقت ٹام کو مارنا بالکل بلا جواز تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے ملک کے دشمنوں کی گردنیں اتارنے میں ذرا سی بھی نرمی اور لچک کا مظاہرہ نہیں کرتا لیکن محض ایک قیاس کے نتائج دور رس ہو سکتے تھے۔ فرض کرو کہ وہاں کچھ بھی نہ ہوتا تو بات بہت بڑھ جاتی۔ وہ میری شکایت کرتا اور اسی بات کی پردہ پوشی مشکل ہو جاتی کہ کرنل داور کا ایس ٹی ایف میں کوئی وجود نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ حرکت بزدلانہ ہوتی۔ میرے لیے وہ طریقہ توہین آمیز تھا۔ میں نے بہت تیزی سے یہ سب سوچا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی سر ابھار چکا تھا کہ ٹام مارا گیا تو امریکی ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ سرکاری سطح پر ہمارے حکمراں بدترین دفاعی پوزیشن سے دوچار ہو جاتے۔ میں نے تن بہ تقدیر ہو کر اس کی گاڑی چھوڑ دی۔ میری نیت صاف تھی اور ارادہ راسخ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔''

''نیت اور ارادوں کی راستی ہمیشہ اس طرح ساتھ نہیں دیتی۔'' اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''مجھے یہ سوچ کر پھریریاں آ رہی ہیں کہ آئی بی والے ان دونوں کے پیچھے نہ لگے ہوئے ہوتے تو کیا ہوتا!''

میں بے ساختہ ہنس پڑا ''اس بارے میں زیادہ نہ سوچو۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں جن کو بدلنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ ہونے والی بات کو ہم کسی صورت میں نہیں ٹال سکتے۔ اس قصے کو چھوڑو اور آگے کے لیے سوچو۔''

ویرا ہر بات میں حصہ لینا اپنا حق تصور کرتی تھی۔ وہ بہت پھرتی کے ساتھ چائے تیار کر کے لے آئی تاکہ ہمارے درمیان ہونے والی زیادہ سے زیادہ باتوں سے باخبر رہ سکے۔

''یہ واقعہ مدتوں میرے ذہن پر سوار رہے گا۔'' اول

خان نے ٹرے میں سے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا ''اس کے باوجود میں جہانگیر کے لیے فکر مند ہوں۔ اب سلمٰی کا کیا حال ہے؟''

''برا حال ہے۔'' مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی ''بے چاری غزالہ مسلسل اس کی نرسنگ میں لگی ہوئی ہے۔ شیدے کا سراغ ملنے کی خبر سن کر سلمٰی کی بے چینی بڑھ گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جہانگیر کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو سلمٰی کا کیا بنے گا۔''

''اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ''پتا نہیں تمہارے ذہن میں بار بار ایسی باتیں کیوں آرہی ہیں!''

''قاسم فشریز کے گرد منڈلانے والے لوگوں کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟'' اول خان نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ آئی بی کے آدمی ہیں۔ آج رات بارہ بجے سوبھراج کے تینوں اداروں پر بیک وقت چھاپے مارے جائیں گے۔'' میں نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تم نے جلال کو شیدے کے بارے میں ضرور بریف کردیا ہوگا!'' اول نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا ''اس پر بہت احتیاط سے ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو ہم جہانگیر کا ہر سراغ کھودیں گے۔''

''اب کڑیاں مل گئی ہیں کہ جہانگیر کے اغوا میں سوبھراج کے آدمی ملوث ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ سوبھراج، جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر پاکستان سے نکل گیا ہو!'' ویرا بولی۔

''تمہارے ذہن پر مسلسل منفی امکانات کیوں سوار ہیں؟'' میں نے رکھائی سے پوچھا ''تم کوئی اچھی بات کیوں نہیں سوچ سکتیں!''

''میں خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی، حقائق پر نظر رکھتی ہوں۔ سوبھراج تم سے کہہ چکا ہے کہ اس وقت وہ کراچی سے سیکڑوں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر اس کے لیے اہم ہے وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔''

''وہ جھوٹا ہے اور اسی شہر میں موجود ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا ''جہانگیر سے اسے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ اسے مجھ تک رسائی کے لیے اغوا کیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں وہ کراچی سے نکلنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''جب تک وہ اپنے کرائے کے آدمیوں پر انحصار کررہا تھا وہ مجبور تھا۔ اب اس نے اپنے کاروباری اداروں میں موجود بدمعاشوں سے کام لینے کا ارادہ کرلیا ہے تو حالات بدل گئے ہیں۔ روزگار انٹرنیشنل اور کار گو کنگ کی مدد سے وہ شہر اور ملک سے باہر نکل سکتا ہے۔ اس کے لیے فرار کے سارے غیر قانونی راستے شروع سے کھلے ہوئے ہیں۔ اب وہ انہیں استعمال کرسکتا ہے۔''

''اس وقت یہ بحث بالکل بے سود ہے۔'' اول خان نے ہمارے درمیان مداخلت کرتے ہوئے کہا ''فی الحال ہمیں رشید پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔''

''میں نے جلال سے کہہ دیا ہے، اس کے آدمی قاسم فشریز سے دور رہیں گے۔'' میں نے اول خان کو آگاہ کیا ''وہاں ہم خود جائیں گے۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ رشید دن رات اس فیکٹری میں رہتا ہے۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق وہ وہیں موجود تھا۔ کچھ کرنا ہے تو ہمیں تیاری کرلینی چاہئے۔''

''میں ایک ذہنی کشمکش سے دوچار ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ''وہاں زبردستی گھسنے کی کوشش سودمند ثابت ہوگی یا ہمیں چوری چھپے وہاں داخل ہونا چاہئے؟''

''چوری چھپے اندر جانے میں نقصان اور ناکامی کا اندیشہ ہے۔'' اول خان نے جواب دیا ''یہ بات سو فیصد درست ہے کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ پوری تیاری کے ساتھ قاسم فشریز کا محاصرہ کرلیا جائے تو وہ گھبرا جائے گا۔''

وہ مسئلہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ دونوں طریقوں میں کچھ نہ کچھ خطرات مضمر تھے۔ اس بارے میں تبادلہ خیال شروع ہوا تو ہماری آوازیں سن کر غزالہ بھی سلمٰی کے کمرے سے آگئی۔ سلمٰی کے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے اسے تسلسل کے ساتھ ہلکی مسکن دوائیں دی جارہی تھیں اس لیے وہ اس وقت تک سوچکی تھی۔

کچھ دیر بعد وہی فیصلہ ہوا جس کے تجویز اول خان نے پیش کی تھی۔

وقت گزرتا جارہا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ قاسم فشریز کے خلاف ہمیں بارہ بجے سے پہلے اپنی کارروائی کا آغاز کردینا چاہئے۔ اگر ان لوگوں کو روزگار انٹرنیشنل اور کار گو کنگ کے خلاف کسی کارروائی کی بھنک مل جاتی تو ہمیں وہاں ناکامی کے سوا کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ خطرے کی بو پاتے ہی رشید وہاں سے غائب ہوجاتا۔

اول خان کی فورس پر سے ہر اختیاری پابندی ختم ہو چکی تھی۔ اپنے آدمیوں کے فعال ہو جانے کے بعد وہ اپرٹیس سے لیس تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے آدمیوں کو گیارہ بجے قاسم فشریز کا مکمل محاصرہ کرنے کی ہدایات دینی شروع کر دیں۔

اول خان نے خود قاسم فشریز کا گہرا جائزہ لیا ہوا تھا۔ وہ فش ہاربر کے علاقے میں اس فیکٹری کے محل وقوع سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ وہ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچے گا اور پھر آپریشن کر دیا جائے گا۔

جلال اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ ٹام کی طرف سے مکمل خاموشی تھی مگر مجھے امید تھی کہ وہ واقعات کی دھند صاف ہونے کے بعد مجھے ضرور فون کرے گا۔ را کے بھیجے ہوئے دونوں دہشت گردوں کا قصہ بھی تمام ہو چکا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف دو اہم کام باقی رہ گئے جن میں جہانگیر کی بازیابی ہماری اولین ترجیح تھی۔ اس کی واپسی کے بعد سوبھراج کی سرکوبی کی کوششیں نئے سرے سے شروع کی جا سکتی تھیں۔

اس مشن میں ویرا کی شمولیت کے بارے میں اول خان میرا ہم خیال تھا۔ ویرا نے بھی اصرار نہیں کیا اور گیارہ بجے ہم گھر سے بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان شاہ ہم دونوں کے ساتھ گاڑی میں موجود تھا۔

اول خان کے زیر استعمال ہر گاڑی ہمیشہ سے ایک چلتے پھرتے اسلحہ خانے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہمیں روانگی سے پہلے کسی خاص تیاری کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میرے مشورے پر تینوں نے بڑے بور کے پستول فاضل میگزین کے ساتھ اپنی جیبوں میں ڈال لیے کیونکہ گاڑی سے اتر جانے کے بعد ہتھیاروں کے بارے میں ہم تینوں کا خود کفیل ہونا ضروری تھا۔

سفر کے دوران میں اول خان کو اچانک پولیس کی طرف سے کسی امکانی مداخلت کا خیال آ گیا۔ اگر رشید اس فیکٹری میں موجود تھا تو طاقت کے استعمال کے بغیر وہاں داخلے کا امکان بہت کم تھا۔ شور شرابے اور فائرنگ کی نوبت آ جاتی تو پولیس والوں کی بے وقت مداخلت سے ہمارا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ اس بارے میں ان کا بریف کیا جانا ضروری تھا۔

اول خان نے اپنے موبائل فون پر کسی اعلیٰ پولیس سے رابطہ کیا۔ اپنے تعارف کے بعد اپنا خفیہ شناختی کوڈ بتایا اور پھر فش ہاربر کے علاقے میں اپنے مجوزہ آپریشن کے بارے میں بریف کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ پولیس فورس اس معاملے سے دور اور لاتعلق رہے۔ شہر میں امن و امان کے قیام کی بنیادی ذمے داری پولیس کی ہوتی ہے اور اول خان کا مخاطب کوئی عام تھانے دار نہیں بلکہ شہر کا کوئی کوتوال تھا۔ اس لیے اول خان کو اپنے مشن کی نوعیت کے بارے میں اس کے کچھ سوالوں کے جواب دینا پڑے۔ دوسری طرف سے پولیس کی عدم مداخلت کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد اول خان نے فون بند کر دیا۔

کراچی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں راتیں جاگتی ہیں لیکن اس کہاوت کا اطلاق شہر کے گنے چنے علاقوں پر ہوتا ہے۔ شہر کے خالص کاروباری علاقوں میں رات اپنے وقت سے ڈیرے ڈالتی ہے اور سڑکیں سنسان ہونے لگتی ہیں۔

اس وقت ایم اے جناح روڈ پر عیدگاہ سے آگے سناٹے کا راج تھا جو ہمارے آگے بڑھنے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

ہم مقررہ وقت سے پہلے فش ہاربر کے علاقے میں داخل ہو گئے جہاں فضا میں مچھلیوں کی مخصوص بسا ندرچی ہوئی تھی۔

اس علاقے میں صبح پو پھٹنے سے پہلے چہل پہل کا آغاز ہوتا ہے جو رات گئے تک انسانی رونق اور سرگرمیوں کی صورت میں برقرار رہتی ہے مگر اس وقت وہاں بھی تقریباً سناٹا ہی تھا۔ ہم مچھلی کو منجمد کر کے پیک اور برآمد کرنے والے کارخانوں کے علاقے میں داخل ہوئے تو قاسم فشریز کا بورڈ دور ہی سے نظر آ گیا۔

رات کی پرسکون فضا میں اس علاقے میں مشینوں کی ہلکی سی گونج رچی ہوئی تھی جو وہاں موجود برف خانوں میں زندگی کے آثار کا پتا دے رہی تھی۔ سمندر سے آنے والی مچھلیوں کو برآمد کے مرحلے تک محفوظ رکھنے کے لیے ان کارخانوں کے کولڈ اسٹوریج یا برف خانے دن رات مصروف کار رہتے ہیں۔ ان مشینوں کی دیکھ بھال کے لیے راتوں میں وہاں ضروری عملے کی موجودگی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔

مجھے توقع تھی کہ رشید جیسا بدمعاش رات کو اپنی فیکٹری میں اکیلا نہیں رہتا ہوگا۔ ضروری عملے میں اس کے مطلب کے ایسے مضبوط آدمی ضرور شامل ہوں گے جو کسی برے وقت میں اس کے کام آ سکیں۔

اول خان نے مطلوبہ فیکٹری کا بورڈ نظر آتے ہی اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اس اہم برآمدی علاقے میں صنعتوں کی سہولت کے لیے مناسب انتظام نہیں تھے۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ بیشتر کھمبوں پر اسٹریٹ لائٹس تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ جل رہی تھیں تو گرد و غبار میں

اُلٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان کی روشنی ناکافی تھی۔

دور سے مجھے فیکٹری کے آس پاس ایسا کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آرہا تھا جس پر نگرانی کرنے والے کا گمان کیا جا سکے۔ دوسری جو چیز میں نے فوری طور پر نوٹ کی وہ یہ تھی کہ قاسم فشریز کے دونوں پہلوؤں پر فیکٹریاں واقع تھیں جن کی وجہ سے قاسم فشریز کا مکمل محاصرہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

''دونوں طرف کارخانے موجود ہیں۔'' میں نے پرتشویش لہجے میں اول خان سے کہا'' وہ کسی طرف بھی کود کر فرار ہو سکتا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ اگر وہ اب تک اندر موجود ہے تو اب کہیں فرار نہیں ہو سکے گا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا'' یہ نکتہ شروع سے میرے ذہن میں تھا اور محاصرے کی ہدایت میں اسے شامل کر لیا گیا تھا۔ دونوں بغلی فیکٹریوں کی طرف سے میرے دو دو آدمی قسم فشریز میں کود چکے ہوں گے۔ جب تک کوئی ان سمتوں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا وہ خاموشی سے اپنی کمین گاہوں میں دبکے تماشا دیکھتے رہیں گے۔''

میں لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے اپنے طور طریقے تھے جن میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے قاسم فشریز کے مکمل محاصرے کی کارروائی پوری ہو چکی تھی۔

اول خان نے قاسم فشریز سے کچھ پہلے اپنی گاڑی ایک تناور درخت کے گھنے سائے میں روک دی اور جیب سے ایر پیس نکال کر کسی ایگل ٹو کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔

''ایگل ٹو آن لائن سر!'' اول خان کے پہلے نشریے کے جواب میں دوسری طرف سے ایک بھاری اور مودب آواز آئی۔

''میں آ چکا ہوں یہاں کیا پوزیشن ہے؟'' اول خان نے پوچھا۔

''سر! میں نے آپ کی گاڑی دیکھ لی ہے۔ یہاں سب اپنی فارمیشن لے چکے ہیں۔ ہر ایگل الرٹ ہے میں لوکیشن کے سامنے کوڑا گھر کی دیوار کے پیچھے موجود ہوں۔''

''ٹارگٹ کی کیا لوکیشن ہے؟'' اول خان کا وہ مبہم سوال میرے پلے نہ پڑ سکا۔

''وہ شام سے اندر ہے' ابھی تک اسے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔'' ایگل ٹو کے جواب سے بات واضح ہو گئی کہ ٹارگٹ سے مراد رشید کی ذات تھی۔

''ایڈوانس ون پوزیشن لے لو۔ میں گیٹ پر جا رہا ہوں۔''

اس آخری ہدایت کے اجرا کے ساتھ ہی اول خان نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔ چند ثانیوں بعد اس نے گاڑی قاسم فشریز کے سیاہ آہنی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا۔ سنسنی خیز انتظار کے کئی لمحے گزر گئے۔ اول خان کی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پھاٹک کی درزوں سے براہ راست فیکٹری کے احاطے میں پڑ رہی تھی جو چوکیدار کو یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ گیٹ پر کوئی موجود تھا۔ رہی سہی کسر تیز ہارن کی آواز نے پوری کر دی تھی لیکن لمحے گزرتے گئے۔ اندر سے کوئی جواب ملنے کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔

میں اول خان کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔ اس نے فیکٹری کے گیٹ لیمپس کی روشنی میں پرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس بار میں نے گاڑی کا ہارن بجایا۔

''شاید چوکیدار نشے میں دھت ہو کر سو رہا ہے۔'' ہارن کی آواز فضا میں تحلیل ہونے پر سلطان شاہ پچھلی نشست سے بڑبڑایا'' کہو تو میں نیچے اتر کر پھاٹک پیٹوں۔''

نقارے پر چوٹ پڑ چکی تھی۔ قاسم فشریز کے پھاٹک پر پہنچ کر ہم نے رشید کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اسے عبور کرنے کے بعد ہی کوئی پیش رفت ممکن تھی۔ میں نے سلطان شاہ کی تجویز اسی لمحے منظور کر لی۔

سلطان شاہ کو ہدایت دینے کے لیے میں پیچھے گھوما تو میری نگاہ ان تین افراد پر پڑی جو ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر رہ کر آہستہ آہستہ ہماری طرف آرہے تھے۔ ان کے ڈھیلے ڈھالے اور پھولے ہوئے لباسوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مسلح تھے۔ ان کے اطمینان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اول خان کے آدمی تھے۔

تین وہ تھے۔ چار فیکٹری کی بغلی سمتوں میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ اگر فیکٹری کے پیچھے بھی تین ہی آدمی تھے تو ان کی کل نفری دس ہو جاتی تھی۔ ہم تینوں کو ملا کر کل تعداد تیرہ تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان نے اس مہم کے لیے واقعی بھرپور تیاری کی تھی۔

سلطان شاہ نے زور زور سے پھاٹک پیٹنا شروع کیا تو میں نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی اور لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

''کون ہے...... کیا مصیبت ہے؟'' میرے پہنچنے پر اندر سے ایک غراتی ہوئی آواز ابھری۔

''پھاٹک کھولو...... ہم سرکاری آدمی ہیں۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

''صبح آنا۔ اس وقت پھاٹک نہیں کھلے گا۔'' اندر والے کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہماری حیثیت کے بارے میں جان کر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

پھاٹک کھلا نہ ذیلی کھڑکی۔ آہنی کھٹکے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ زمین سے تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر ایک چوکور اور روشن خلا پیدا ہوا جو بمشکل چار انچ قطر کا تھا۔ اس کے پیچھے ایک چہرہ نظر آیا۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں وہ چہرہ خاصا درشت بلکہ مجرمانہ نظر آ رہا تھا۔

''تم نے ہمیں اندر آنے کا راستہ نہ دیا تو ہم پھاٹک توڑ دیں گے۔'' میں نے گول خلا کے پیچھے نظر آنے والے چہرے پر اپنی نگاہیں جما کر کہا۔

''تم لوگ کون ہو اور کیوں آئے ہو؟'' اس نے اسی مختصر کھڑکی میں سے جرح جاری رکھی۔

''میں بتا چکا ہوں کہ ہم سرکاری آدمی ہیں۔ ہم رشید سے ملنے آئے ہیں۔''

''یہاں کوئی رشید نہیں ہوتا۔'' اس کا جواب بے ساختہ تھا۔

مجھے احساس ہوا کہ میں نے براہِ راست اس کا نام لے کر غلطی کی تھی وہ ایک روپوش مجرم تھا۔ مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا کہ وہ نام بدل کر اس کارخانے میں کام کر رہا ہوگا۔ میں نے بات سنبھالتے ہوئے کہا ''رشید ہو یا نہ ہو، ہمارا فیکٹری میں آنا ضروری ہے ہم کسی ذمے دار آدمی سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''یہ ملنے کا وقت نہیں ہے۔ صبح نو بجے آنا۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا اور کھٹاک کی آواز سے وہ گول کھڑکی بھی بند ہوگئی۔

میرے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چوکیدار کی ہٹ دھرمی کا کیا سدِباب کیا جائے مجھے وہ رشید کا خاص آدمی نظر آ رہا تھا۔

چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ اندر سے دھینگا مشتی کے ساتھ اوغ...... اوغ کی دبی دبی آوازیں آئیں جیسے کوئی کسی کو دبوچ کر اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

میں تیزی سے پیچھے پلٹا تو اول خان کو بھی گاڑی سے باہر موجود پایا۔ گاڑی کا انجن چل رہا تھا ہیڈ لیمپس بھی روشن تھے۔ اول خان تفکر آمیز انداز میں قاسم فشریز کے پھاٹک کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے تینوں آدمی غائب ہو چکے تھے۔

میری بے چین اور استفہامیہ نظریں اول خان کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ چوکیدار ہٹ دھرم ہے۔ وہ تینوں اندر کود چکے ہیں۔ چوکیدار کو بے بس کر کے وہ دروازہ کھول دیں گے۔'' اول خان دھیمی آواز میں بولا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اس نازک مرحلے پر خاموش تماشائی نہیں بنا رہا تھا۔ اس نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر بہت مناسب فیصلہ کیا تھا۔

اندر سے چند لمحوں تک زور آزمائی کی آوازیں آتی رہیں جو زیادہ واضح نہیں تھیں۔ اگر میں نے اپنی پوری توجہ اس طرف مرکوز نہ کی ہوئی ہوتی تو شاید میں بھی ان آوازوں پر دھیان نہ دے پاتا۔

ہمارا انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ اول خان کے آدمی جفاکش اور زور آور تھے۔ انہوں نے ذرا سی دیر میں اپنے حریف کو بے بس کیا اور پھر اندرونی کھٹکا کھول کر فیکٹری کا پھاٹک کھول دیا۔ اول خان نے پھرتی سے اپنی نشست سنبھالی اور اپنی گاڑی اندر لے کر جا کر روک دی۔

میں اس سے پہلے اندر پہنچ چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

گاڑی کے اندر پہنچتے ہی ایک شخص نے پھاٹک دوبارہ بند کر دیا۔

چوکیدار کچی زمین پر منہ کے بل بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ایک شخص اسے گھسیٹ کر تیزی سے لکڑی سے بنے ہوئے کیبن کی طرف لے گیا۔ اس اثنا میں اول خان بھی گاڑی بند کر کے ہم لوگوں سے آن ملا۔

''تم تینوں یہیں رک کر پھیل جاؤ۔'' میں نے اول خان کے آدمیوں کو ہدایت دی ''اندر سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکلنا چاہئے۔''

انہیں ہدایات دے کر ہم تیزی سے عمارت کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اچانک چوبی کیبن میں انٹرکام کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔

وہ کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ ہم اوکھلی میں سر دے چکے تھے۔ آگے جو کچھ ہونا تھا اس کا مردانہ وار مقابلہ ضروری تھا۔

میں تیزی سے پلٹا اور میں نے چوبی کیبن کی دیوار سے لٹکے ہوئے انٹرکام کا ریسیور اٹھا لیا۔

''اے گلو! یہ تیرے پھاٹک پر کیا ہو رہا ہے' ابھی پھاٹک کھلنے کی آواز آئی تھی!'' میرے کانوں میں ایک بگڑی ہوئی آواز گونجی۔

اس وقت مجھے یاد آیا کہ پھاٹک کے آہنی قبضے واقعی بالکل

خشک تھے جو کھلتے اور بند ہوتے وقت تیز آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ ماحول میں گنگناتی ہوئی یکساں مشینی گونج میں وہ آوازیں کہیں سن لی گئی تھیں۔

چوکیدار سے مذاکرات کے دوران میں اس کی آواز سن چکا تھا۔ میں نے اس کی نقل اتارتے ہوئے عجلت آمیز انداز میں کہا ''پھاٹک تو نہیں کھلا تھا۔ سامنے پچرا گھر پر ایک ٹرک آیا تھا۔ اس کا ڈھکن کھلنے کی آوازیں آئی ہوں گی۔''

انٹر کام پر ایک غلیظ گالی سنائی دی اور پھر وہ بے جان ہو گیا مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میری صداکاری کامیاب رہی تھی یا میرا مخاطب شبہے میں پڑ گیا تھا۔

میں نے کیبن سے نکلتے ہی تیزی سے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ روپوشی کا وہ اشارہ پاتے ہی اول خان اور سلطان شاہ نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں لوٹ کر کیبن میں دبک گیا۔

اندر گھسنے سے پہلے کچھ دیر تک رک کر یہ اندازہ لگانا ضروری ہو گیا تھا کہ انٹر کام پر ہونے والی مختصر سی گفتگو کا کیا نتیجہ رہا تھا۔

گیٹ سے ملحق کیبن میں بیٹھ کر مجھے گرد و پیش کا جائزہ لینے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ سامنے چند پختہ کمروں پر مشتمل دفاتر کے پہلو میں ٹرکوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لیے خاصی جگہ چھوڑ کر کولڈ اسٹوریج کی مخصوص دو منزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔ مشینوں کی ہموار گھوں گھوں کی آوازیں اسی سمت سے آرہی تھیں۔

دفتری عمارت کے کمروں کی کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں لیکن راہ داری روشن تھی۔ میں نے اپنی توجہ اس روشن راہ داری پر مرکوز کر دی۔

ایک مرتبہ پھر انتظار کے صبر آزما لمحات شروع ہو گئے۔ بمشکل ڈیڑھ دو منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ راہ داری یکا یک تاریکی میں ڈوب گئی۔

''گلو!'' اس تاریکی میں سے ایک قہر بار آواز گونجی ''یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟'' وہ وہی آواز تھی جو میں سن چکا تھا۔

وہ آواز معدوم ہوتے ہی کسی نے گولی چلا دی۔ فضا میں تیرتے ہوئے شعلے کی سمت بتا رہی تھی کہ وہ فائر ہماری طرف سے کیا گیا تھا۔ اول خان نے مقابلے میں پہل کرنے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ دشمن کی آواز پر پہلی گولی اسی نے چلائی تھی۔

وہ فائر رائیگاں گیا لیکن اس کی گونج ختم ہونے سے پہلے مزید تین رائفلیں چلیں۔ اس بار تاریک راہ داری کی طرف سے ایک ہلکی سی کراہ سنائی دی۔

میرے پاس پستول موجود تھا جو دو بدو مقابلے کے لیے بہت کارآمد تھا لیکن دور کی لڑائی میں اس کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

لمحہ بھر بعد عمارت کی طرف سے گولیوں کی ایک زبردست باڑھ آئی۔ اسی دوران میں اس طرف سے مزید دو خودکار رائفلیں حرکت میں آگئیں۔ اندر والوں نے نامعلوم حملہ آوروں کے خوف سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

اول خان اور اس کے آدمیوں نے اس وقت تک ایک ایک فائر کیا تھا۔ اندر والے اندھا دھند اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک نہیں جمے رہ سکیں گے۔ میگزین خالی ہونے پر ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے تو انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔

وہ تاریک راہ داری میں سے فائرنگ کر رہے تھے اس لیے ان کی شعلے اگلتی والی نالوں کی پوزیشن بہت واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بے چین تھا۔ اگر میرے پاس لمبی رینج کا کوئی ہتھیار ہوتا تو میں تاک کر ان میں سے ایک آدھ کو اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔

اچانک باہر سے پانچواں فائر ہوا۔ اس بار فضا ایک بے ساختہ انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ کسی نے میری سوچ کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

چیخ کے ساتھ کسی وزنی وجود کے پختہ فرش پر گرنے کی ہلکی سی دھمک میرے کانوں میں آئی۔

راہ داری کی طرف سے تین کی جگہ صرف دو رائفلیں چل رہی تھیں جب کہ اول خان اور اس کے آدمیوں نے اپنے کسی حریف کی چیخ سننے کے بعد کئی فائر کیے اور دفاتر کے کھڑکیوں کے شیشے پر شور چھناکوں کے ساتھ چکنا چور ہو گئے۔

پھر بہت تیزی کے ساتھ وہ لمحہ آگیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ دو میں سے ایک رائفل کے خالی کھٹکے کی آواز آئی۔ وہ ٹھک کر کے رہ گئی۔ میگزین خالی ہونے کے بعد اس طرف صرف ایک رائفل بردار رہ گیا۔

ایک رائفل کا میگزین ختم ہو جانے کے بعد تیسرے کو اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ اچانک اس نے فائرنگ کا سلسلہ ختم کر دیا اور تاریک راہ داری کے پختہ فرش پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے اپنے کانوں پر ذرا سا زور دیا۔ بھاگنے والے دو تھے۔ تیسرا زخمی ہو گیا تھا۔ محاذ خالی ہونے کا اندازہ ہوتے ہی

میں نے اپنی جگہ سے دوڑ لگا دی۔ مجھے امید تھی کہ فیکٹری کے گیٹ لیمپس کی روشنی میں میرے ساتھی سمت کی بنا پر آسانی سے مجھے پہچان لیں گے اور میں کسی دوستانہ گولی کی زد میں نہیں آؤں گا۔

میں نے رک کر اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست کے پائیدان سے لمبے میگزین والی ایک خودکار رائفل نکال کر پستول کو جیب میں اڑسا اور دوبارہ راہ داری کی طرف دوڑ پڑا۔ میں جتنی دیر گاڑی کے قریب رہا اتنی دیر میں اول خان اور سلطان شاہ بھی میری طرف آ چکے تھے۔ ان دونوں نے میری رفتار سے میرے ارادے کا اندازہ لگا لیا تھا۔

میں اندھا دھند دوڑتا ہوا راہ داری میں گھستا تو بے خبری میں زخمی شکار سے الجھ کر بہت بری طرح منہ کے بل گرتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس کی ہلکی سی کراہ نے عین وقت پر ہم تینوں کو ہوشیار کر دیا اور ہم یک لخت اس کے قریب رک گئے۔

اول خان نے اپنی جیبی ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی تو اس کا چہرہ زخم کے کسی بھی نشان سے عاری تھا۔ اس کا داہنا بازو بری طرح زخمی تھا۔ رائفل دیوار کی جڑ میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ اندھیرے میں سنبھل کر اپنے قدموں پر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم اسے سنبھالو ہم اندر جا رہے ہیں۔'' میں نے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تیز لہجے میں سرگوشی کی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

اس وقت تک آگے دوڑنے والوں کے قدموں کی آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کہیں اور نکل گئے تھے یا راستے میں کہیں چھپ گئے تھے۔

میں رک گیا۔ اول خان میرے ساتھ تھا۔ اس وقت میں کسی بھڑکے ہوئے درندے کی طرح اپنے سارے حواسوں سے کام لے رہا تھا لیکن آگے پھیلی ہوئی تاریکی میں مجھے کوئی تاریک تر ہیولا نظر آ رہا تھا نہ کسی کے سانس لینے کی کوئی موہوم سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''مین سوئچ یہیں کہیں ہونا چاہیے۔ اسے آن کرو!'' میں نے اول خان کی طرف جھک کر سرگوشی کی مگر مجھے اپنی آواز اس سناٹے میں بہت بلند محسوس ہوئی۔

اول خان نے ٹارچ روشن کیے بغیر سوئچ بورڈ تلاش کر لیا۔ کھٹکے کے ساتھ ہر طرف روشنی پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ پیچھے سے راہ داری کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے دروازے بند تھے۔

''وہ گھیر لیے گئے ہیں!'' اچانک اول خان نے ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

پھر میں نے بھی جسمانی تصادم کی وہ آوازیں سن لیں جو ہوا کے دوش پر پچھلے حصے سے آ رہی تھیں۔ میں غیر ارادی طور پر ادھر دوڑ پڑا۔

اس کارخانے کا عقبی میدان بہت متعفن اور سیلن زدہ تھا۔ وہاں ناکافی روشنی میں پانچ افراد دست بدست لڑائی میں مصروف تھے۔ اس حصے میں ان پانچوں کے سوا اور تک کوئی اور متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے دو آدمی گلی سڑی ہوئی مچھلیوں کے ڈھیر پر گرے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایس ٹی ایف کے جوانوں نے بڑھ کر انہیں اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ ان دونوں نے عجیب وغریب اور اذیت ناک آوازوں کے ساتھ اپنا دفاع کرنے اور حریفوں کو گرانے کی کوششیں کیں لیکن مسلسل زخم کھانے کے بعد ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔

بھاگنے والوں کا وہ انجام میرے لیے اطمینان بخش تھا۔ قریب پہنچ جانے کے باوجود میں نے اس لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ایک کے داہنے جبڑے پر کان سے دہانے تک پھیلا ہوا پرانے زخم کا نشان یہ ثابت کر رہا تھا کہ ہماری بھاگ دوڑ بے ثمر نہیں رہی تھی۔ آخر کار ہم اپنے مطلوب آدمی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جو جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کارگر ثابت ہو سکتا تھا۔

رشید کو پہچانتے ہی میرا دورانِ خون یکا یک تیز ہو گیا اور سلمٰی کی غم زدہ صورت میری نظروں میں گھومنے لگی۔ رشید نے بہت چالاکی اور سفاکی سے کام لیتے ہوئے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کیا تھا۔ میں اس کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والی نفرت کی لہر پر قابو نہ پا سکا اور اپنی رائفل کو لاٹھی کی طرح استعمال کرتے ہوئے اس کے آہنی کندے کو رشید کے شانے پر دے مارا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ بلبلا کر زمین پر دہرا ہو گیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اس چوٹ سے خوف زدہ ہو جائے گا لیکن اس کے خون آلود اور زخمی چہرے پر عزم و استقامت کی عجیب سی جھلک رقصاں تھی۔ ایس ٹی ایف والوں کے بے رحمانہ مار بھی اس کی قوتِ ارادی کو متاثر نہیں کر سکتی تھی۔

اس کارخانے کے چوکیدار نے رشید کے نام سے کسی کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ وہاں کسی اور نام سے رہ رہا تھا۔ میں نے اپنے جوتے کی نوک سے اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے اس کا نام پوچھا تو وہ چند ثانیوں کے لیے مجھے گھورتا رہا

پھر ہکلاتے ہوئے اس نے اپنا نام صفدر بتایا۔
''میں وہ نام پوچھ رہا ہوں جو تیرے باپ نے رکھا تھا۔'' میں نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر مار کر درشت لہجے میں کہا۔
وہ ضرب رشید ایک گھٹی گھٹی غراہٹ کے ساتھ سہہ گیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ کمزور آواز میں بولا ''تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''
''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔
''اوہ!'' اس کے حلق سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی ''میں نے اسے اٹھایا ضرور تھا مگر بے ہوش کر کے اولڈ کلفٹن کی پارکنگ میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد اسے کون اور کہاں لے گیا' یہ مجھے نہیں معلوم۔''
''تم جھوٹے ہو۔ اسے یہیں رکھا گیا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔
''نہیں صاحب...... یہاں کوئی قیدی نہیں ہے میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا'' اس بار رشید کا زخمی ساتھی بول پڑا تھا۔
''تم پورا کارخانہ دیکھ لو وہ یہاں نہیں ہے۔'' رشید نے کراہ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
رشید بہت سخت جان تھا۔ وہاں رک کر اس پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے اول خان کے تینوں آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ زخمیوں کو پھاٹک کی طرف لے آئیں۔
''اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے نیچی آواز میں سوال کیا۔
''اب تک صرف چار آدمی ہمارے مقابلے پر آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہی اصل گرگے ہیں۔ یہاں موجود دوسرے لوگوں کا مجرمانہ سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا ''ان دونوں کے بیان کے باوجود پوری فیکٹری کی تلاشی لینی ضروری ہے یہاں سے جانے سے پہلے میں یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ جہانگیر یہاں نہیں ہے۔''
اول خان نے اسی وقت ایرپیس پر اپنے عملے کے اراکین کو ہدایت کی کہ وہ سب تیزی سے پھاٹک کے قریب جمع ہو جائیں۔
ہم راہ داری پار کر کے دوسری طرف نکلے تو سلطان شاہ گولی سے زخمی ہونے والے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اطمینان سے ٹہل رہا تھا۔
رشید اور اس کے ساتھی کے وہاں لائے جانے تک ایس ٹی ایف کا پورا عملہ پھاٹک کے قریب جمع ہو چکا تھا۔ اتنی بھاری نفری کو دیکھ کر وہ تینوں پریشان نظر آنے لگے۔ چوکیدار اپنی بے ہوشی کے سبب ہر فکر سے آزاد ہو چکا تھا۔
''اس کا نام صفدر نہیں رشید ہے۔'' میں نے دونوں خائف قیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا ''اس نے شہر کے ایک اہم آدمی کو اغوا کیا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ سچ اگل دو۔ ابھی ہم چپّے چپّے کی تلاشی لیں گے۔ اگر مغوی یہاں سے برآمد ہوا تو یہیں تمہاری کھالیں جسموں سے اتار لی جائیں گی۔''
رشید کے مقابلے میں وہ دونوں کمزور اور بودے تھے۔ میری دھمکی پر وہ بری طرح رونے اور گڑگڑانے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی کے اغوا میں شامل نہیں رہے اور نہ فیکٹری میں کسی قیدی کو رکھا گیا ہے۔
رشید ایک طرف کھڑا خاموشی سے ان کا تماشا دیکھ رہا تھا۔
''فی الحال ان تینوں کو بے ہوش کر دو۔'' میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی ''تا کہ ہم بے فکری سے پورے کارخانے کی تلاشی لے سکیں۔''
وہ دونوں میرے قدموں میں گرنے کے لیے روتے ہوئے آگے بڑھے تھے کہ سلطان شاہ نے ان میں سے ایک کو درمیان میں ہی چھاپ لیا۔ اس نے اپنے شکار کی بائیں کنپٹی پر اتنا زوردار گھونسا رسید کیا کہ وہ اپنی ہی جھوک میں زمین پر گر کے بے سدھ ہو گیا۔
دوسرے کو میں نے ٹھوکر ماری۔ وہ چیخ مار کر سیدھا ہوا اور سلطان شاہ نے اس کی گردن دبوچ کر چند ثانیوں میں اسے بھی زمین بوس کر دیا۔
''میرے قریب نہ آنا میں......مم......'' رشید نے لنگڑا کر پیچھے سرکتے ہوئے سلطان شاہ کو کوئی دھمکی دینے کی کوشش کی۔ وہ یہ بھول گیا کہ اول خان اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس نے بہت سرعت اور خاموشی سے اپنی رائفل کا آہنی کندہ رشید کی داہنی کنپٹی پر بجا دیا۔ وہ اپنی دھمکی مکمل کرنے سے پہلے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔
''خس کم جہاں پاک!'' سلطان شاہ اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بڑبڑایا۔
وہ اس کا اضطراری ردِّعمل تھا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔
اول خان نے پوری فیکٹری کی تلاشی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو بریف کیا اور وہ سرعت سے مختلف سمتوں میں پھیل کر غائب ہو گئے۔

سلطان شاہ کو بے ہوش قیدیوں کی نگرانی پر چھوڑ کر ہم دونوں عمارت میں گھس گئے۔ ہم نے چھت سے لے کر تمام دفتری کمروں کو چھان مارا لیکن وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا پھر ہم دونوں نے برف خانے کا رخ کیا جہاں کی یخ بستہ فضا میں سانس سینے میں جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہاں اونگھنے والے اکا دکا ملازمین نے خوف زدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

سرد خانے میں زیادہ رکنا محال تھا لیکن سرسری نظر میں یہ پتا چل گیا کہ وہاں مختلف حالتوں میں مچھلیوں کے انبار اور چھوٹے بڑے پیکٹ چنے ہوئے تھے۔ وہاں کسی ذی روح کا زیادہ دیر تک زندہ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔

اول خان کے آدمی بھی ایک ایک کر کے بے نیل و مرام لوٹ آئے۔ اس پوری مہم کا ثمر رشید کی صورت میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سخت جان اور ڈھیٹ شخص پر کچھ محنت کر کے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔

''ان چاروں خبیثوں کا کیا کرنا ہے؟'' اپنی نفری گن لینے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

''تینوں رشید کے ساتھی ہیں لیکن ہمارے لیے بے کار ہیں۔ انہیں یوں ہی کھلے آسمان کے نیچے پڑا رہنے دو۔ رشید کو اسٹیشن فور کی ہوا کھلانی ہوگی۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

اول خان نے رشید کو لے جانے کی ذمے داری اپنے آدمیوں کو سونپی اور ہم دونوں کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ رشید کے بھاری وجود کو پچھلی سیٹ پر ڈالنے کی صورت میں سلطان شاہ بے آرام ہو جائے گا۔

''رشید کی کہانی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے سفر کرنے کے بعد سلطان شاہ نے کسی کو خاص طور سے مخاطب کیے بغیر سوال کیا۔

''وہ بدمعاش اور جھوٹا ہے۔'' اول خان بھرا بیٹھا تھا ''اس کی کہانی پر اعتبار ہوتا تو پھر اسے اسٹیشن فور لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی کمر سے بھاری بوجھ باندھ کر اسے اونچائی سے فرش پر اچانک کھڑا کیا جائے گا تو ذرا سی دیر میں اسے نانی یاد آ جائے گی۔''

''کیا ہوگا۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ!'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بغلوں میں بیلٹ ڈال کر اسے اٹھایا جائے گا اور بلندی سے بوجھ سمیت اچانک فرش پر پھینک دیا جائے گا۔ یہ تازہ اور محفوظ ترکیب ہے جو ایک امریکی سرجن کے مشورے پر خطرناک غیر ملکی قیدیوں پر کامیابی سے آزمائی گئی ہے۔''

''اگر یہ کسی سرجن کا مشورہ ہے تو ان جھٹکوں کے بہت برے اثرات ہو سکتے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ہرنیا کی بدترین تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔''

''وہی ہوتی ہے۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں میری تائید کی ''رشید تھرڈ ڈگری کی اس ترکیب کا پہلا شکار ہوگا۔''

''تجربہ کامیاب رہا تو میں اس بارے میں جلال کو ضرور بتاؤں گا۔ وہ مجرموں سے باز پرس کے معاملے میں قانونی حدود کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔'' میں نے کہا ''ہرنیا ایک قدرتی بیماری ہے۔ کوئی بھی بے رحمانہ تشدد ثابت نہیں کر سکے گا۔''

''بارہ بجے اس کے اسٹاف نے بھی کام شروع کیا ہوگا۔ پتا نہیں ان کے کیا نتائج رہتے ہیں۔'' اول خان نے یاد دلایا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا بارہ بجے تھے۔ جلال سے ایک بجے کے لگ بھگ ہی کوئی جامع رپورٹ مل سکتی تھی۔

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ تینوں اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ قاسم فشریز سے جہانگیر کے برآمد نہ ہونے سے ہمیں گہری مایوسی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ ہم کچھ دیر کے لیے گھر پر رک جائیں لیکن سلمٰی کا خیال آتے ہی میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بے چاری رشید کی تلاش سے بہت آس لگائے بیٹھی تھی۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوتا کہ رشید کے ہاتھ آ جانے کے باوجود جہانگیر کی بازیابی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی تھی۔

ہم دونوں نے وقت پر رات کا کھانا کھا لیا تھا لیکن اول خان اپنی مصروفیات کی بنا پر بھوکا رہ گیا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہونے کے بعد بھوک اسے ستا رہی تھی۔ میرے ایما پر اس نے گاڑی عثمانیہ ریستوران کے قریب روک لی۔

اندر کی خنک فضا میں مختلف کھانوں کی ملی جلی، اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ ہم نے کچھ اضافی آرڈر دے دیا۔ کھانے کا آغاز لذت انگیز تھا۔ ہم تینوں کے ہاتھ اس وقت رکے جب میز پر کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور اول خان کی کمزوری تھا۔ ہم شکم سیر ہو کر ریستوران سے باہر نکلے تو فضا کچھ خنک ہو چکی تھی۔

اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر پتا چلا کہ اول خان کے آدمی قیدی سمیت واپس آ چکے تھے۔ ہوٹل پر رکنے کی وجہ سے ہمیں وہاں پہنچنے میں خاصی تاخیر ہو گئی تھی۔

اول خان نے دفتر میں پہنچتے ہی انٹرکام پر اپنے کسی ماتحت سے بات کی اور بتایا کہ رشید کو راستے میں ہی ہوش آ گیا تھا۔ اس

کے آدمیوں نے اپنے ٹھکانے پر واپس آتے ہی رشید پر تشدد کا نیا حربہ آزمانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ لے کر تیزی سے اس بیرک کی طرف چل دیا جہاں قیدی سے باز پرس ہوئی تھی۔

رشید کے بدن پر ایک بنیان اور انڈر ویئر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ قاسم فشریز میں اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تھی۔ اس تواضع کے نشانات اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں پر نمایاں تھے۔ اندرونی ضربات کے ساتھ اس کے جسم پر متعدد کھلے ہوئے زخم بھی تھے جن سے بہنے والا خون جم کر سیاہی مائل رنگت اختیار کر چکا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ دونوں بغلوں کے درمیان سے نواڑ کا پٹا گزار کر ایک رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس رسی کا دوسرا سرا ایک سقف گیر چرخی پر سے ہو کر فرش تک آیا ہوا تھا۔

کمرے میں رشید کے علاوہ مزید دو آدمی تھے۔ اول خان کے وہاں پہنچتے ہی ان میں سے ایک نے فرش پر پڑی ہوئی چرمی بیلٹ اٹھائی اور ذرا سی دیر میں ویٹ لفٹنگ میں استعمال ہونے والی دو وزنی آہنی پلیٹیں اس بیلٹ کی مدد سے رشید کی کمر سے باندھ دی گئیں۔ رشید ان حرکتوں سے بہت ہراساں نظر آ رہا تھا لیکن اس وقت وہ بالکل مجبور اور بے بس تھا۔ احتجاج اور اچھل کود کے باوجود وہ خود کو اس بوجھ سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

مجھے اول خان نے تشدد کے اس حربے کے بارے میں راستے میں بریف کر دیا تھا لیکن رشید کے چہرے پر پائے جانے والے الجھن کے آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

وہ ان دونوں کو برا بھلا کہتا رہا لیکن کسی نے اس کی پروا نہیں کی۔ ایک بڑی کارروائی کی تیاری ہو جانے کے بعد انہوں نے اسے ہاتھ لگانے کی زحمت بھی نہیں کی۔

''شیدے!'' اس تیاری کی تکمیل کا اندازہ ہو جانے کے بعد میں نے آگے بڑھ کر اسے مخاطب کیا۔ ''اگر تو نے اب بھی جہانگیر کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو تُو زندگی بھر پچھتائے گا۔''

''مجھے جو معلوم تھا وہ میں نے بتا دیا۔'' وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا ''پتا نہیں، تم کون ہو اور مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو۔''

وہ اپنے انجام سے ہراساں اور خوف زدہ ضرور تھا لیکن اس کے کس بل ختم نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے، اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کیا۔

اسے اپنے آدمیوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ چرخی پر سے آئی ہوئی رسی کا سرا آہستہ آہستہ کھینچنے لگے۔ رشید کے پیر فرش سے اٹھے تو وہ بری طرح بلبلایا۔ اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ وہ فضا میں معلق کسی قدِ آدم پتلے کی طرح ٹانگیں چلا رہا تھا۔ پیٹ اور کمر سے لٹکی ہوئی گول گول آہنی پلیٹوں نے اس کی ٹانگوں کی بے ساختہ حرکات کو بڑی حد تک محدود کیا ہوا تھا۔

ڈھلوان چھت کے ایک شہتیر سے بندھی ہوئی چرخی کے سہارے اس کا وجود فرش سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔

ان دونوں کو بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ انہیں اپنے شکار سے کیا سلوک کرنا ہے۔ وہ رشید کے بدن کو چھ سات فٹ کی بلندی تک اٹھاتے چلے گئے۔ پھر انہوں نے اچانک رسی چھوڑ دی۔

رشید شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے اضافی بوجھ کے ساتھ لٹکا کر اذیت سے دوچار کیا جائے گا۔ رسی کا سرا چھوٹتے ہی اس کا بھاری وجود کشش ثقل کے تحت تیزی سے نیچے آیا تو بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی۔

فاصلہ کم تھا اور وجود ضرورت سے زیادہ وزنی ہو چکا تھا۔ ایک تیز دھمک کے ساتھ رشید کے قدم فرش سے ٹکرائے۔ اس بار وہ ایسی وحشت ناک آواز میں چیخا جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو۔ اس نے غیر ارادی طور پر سارا جھٹکا اپنے قدموں پر لیا تھا لیکن اس جھٹکے کے نتیجے میں رونما ہونے والی اندرونی تبدیلیوں نے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے قدموں پر نہیں کھڑا رہنے دیا۔ وہ فرش پر گر کر بری طرح تڑپنے اور چلّانے لگا۔

''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

''مجھے نہیں معلوم!'' وہ حلق کے بل چیخا ''تم درندے ہو۔ تم نے مجھے تباہ کر دیا۔ میں درد سے مر رہا ہوں...... ظالمو! میرے ہاتھ کھول دو۔''

''تمہیں بار بار اسی طرح لٹکایا اور گرایا جائے گا۔'' اس بار اول خان نے درشت لہجے میں کہا ''حتیٰ کہ لوہے کی پلیٹیں تمہاری رانوں کی ہڈیاں اور ریڑھ کی ہڈی توڑ دیں گی اور تم اپنے قدموں پر اپنا بوجھ بھی سہارنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری اس وقت کی تکلیف تمہارے انجام کے مقابلے میں بہت حقیر ہے۔ اب بھی بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔''

اس کی آنکھوں سے خوف کے ساتھ بے پایاں نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چیخا ''میں نہیں جانتا...... مجھے نہیں معلوم!''

اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کمرے

میں شیدے کی چیخ و پکار جاری تھی۔ میں تیزی کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا۔

''ہمارے لیے یہ کامیابیوں کی رات ثابت ہوئی ہے۔'' دوسری طرف سے جلال خوش دلانہ لہجے میں بتا رہا تھا ''الفا مارا گیا۔ ہلکا پھلکا مقابلہ ہونے کے بعد تینوں دفاتر کے مالکان ہاتھ آ گئے۔ ان کا سارا ریکارڈ بھی ہمارے قبضے میں ہے۔''

''کیا قاسم فشریز کا مالک بھی تمہاری تحویل میں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں! وہ اپنی ایک داشتہ کے فلیٹ سے ہاتھ آیا ہے۔ وہ تینوں مسلسل میرے اسٹاف کے آبزرویشن میں تھے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد ان تک پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ سناؤ کہ قاسم فشریز کا کیا بنا، جہانگیر کہاں ہے؟''

اس کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ اپنی کامیابیوں کے خمار میں ڈوب کر وہ میرے مسئلے کو نہیں بھولا تھا۔

''قاسم فشریز سے شیدا ہاتھ آ گیا ہے لیکن وہ بہت ڈھیٹ ثابت ہوا ہے۔ جہانگیر کے بارے میں کوئی کارآمد بات بتانے پر آمادہ نہیں ہے۔'' موبائل فون پر اس سے بات کرتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اول خان کے دفتر کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا اور وہ خود بھی شیدے کو اپنے دونوں ماتحتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میرے ساتھ آ گیا تھا۔

''شاید اس پر اپنے آقا کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔'' جلال نے اپنا قیاس ظاہر کیا ''وہ روپوش مجرم ہے۔ ڈر رہا ہوگا کہ اس نے اپنی زبان کھولی تو اس کا مالک اسے جہنم واصل کر دے گا۔''

''کیا تمہارا اشارہ سوبھراج کی طرف ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری معلومات کے مطابق ان تینوں کاروباری اداروں میں ساری سرمایہ کاری اسی کی ہے۔ سامنے کوئی بھی ہو، پس پردہ ڈوریاں سوبھراج کے ہاتھ میں ہوں گی۔''

''کیا ان تینوں نے اس کے بارے کوئی بات اگلی ہے؟''

''ابھی میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تینوں کو صدف مینشن پہنچایا جا رہا ہے۔ میں نے رپورٹیں ملتے ہی تم سے رابطہ کیا ہے۔ میں اس وقت ملٹری انٹیلی جنس والوں کے دفتر میں ہوں۔ یہاں سے نمٹوں گا تو ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔ شیدے کو تم نے کہاں رکھا ہے؟''

''صدف مینشن کے علاوہ اسٹیشن فور ہی رہ جاتا ہے۔'' وہ جواب دیتے ہوئے یکایک میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اور میں نے قدرے پرجوش لہجے میں کہا ''کیا یہ ممکن ہے کہ تم فشریز کے مالک کو صدف مینشن کے بجائے یہاں بھجوا دو؟''

''تم کہو تو میں اسے جہنم میں بھی بھجوا سکتا ہوں۔'' ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ''الفا کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد تم اس وقت ہر بڑے آدمی کے منظورِ نظر بن چکے ہو۔ ضرورت پیش آئی تو وہ تمہاری ہر بات مان لیں گے۔''

''الفا کو تمہارے کسی آدمی نے مارا ہے۔ اس میں میرا کوئی حصہ نہیں تھا!'' میں نے قدرے حیرت سے کہا۔ اس وقت رشید کا معاملہ یکایک پسِ پشت چلا گیا تھا۔

''میں دوسروں کا کریڈٹ اپنے سر منڈھنے کا قائل نہیں ہوں۔ الفا کے معاملے میں ہم سب کی تیز ترین کامیابی پر سب حیران ہیں اور میں نے انہیں اس کا جواز پیش کر دیا ہے۔ اسے بے شک میرے آدمی نے مارا لیکن وہ تمہارا پلان تھا۔ اگر تمہیں ٹام سے ملاقات کی راہ نہ سوجھتی تو الفا جیسے بزدل چوہے کو اس کے محفوظ بل سے باہر نکالنا مشکل تھا۔''

''اگر تم میرا نام جھنڈے پر چڑھانا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فشریز والے کو کب بھیج رہے ہو۔'' میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''وہ سیٹھ قاسم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ جب تک اس کی گرفتاری کا معاملہ ریکارڈ پر نہیں آتا، میں اس کے بارے میں اپنے طور پر فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ہو سکا تو میں کسی ایک پارٹی کو راستے سے ہی تمہاری طرف بھیج دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جہانگیر کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جائے۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا ''اس وقت سوبھراج خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ کسی کے سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نے قاسم کے ذریعے شیدے کو استعمال کیا ہوگا۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔'' اس نے میری تائید کی ''ہو سکتا ہے کہ شیدا اسی کے زعم میں اپنا دم خم دکھا رہا ہو۔ اسے بے دست و پا دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دے جائے گا۔ میں ابھی قاسم کو تمہاری طرف بھجوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''یہ پورا کیس تمہارا ہے۔ میں قاسم کو ادھار مانگ رہا ہوں۔ کام پورا ہونے کے بعد اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔''

''اب اس کی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ سوبھراج جیسے غدار کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ ہر بے رحمانہ

سلوک روا ہوگا۔ فی الحال میں اسے بھول جاؤں گا۔ ادھار میں لیا ہوا مجرم پوچھ گچھ میں خرچ نہ ہوا تو اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''

اس کی یقین دہانی پر بات ختم ہوگئی۔ اس گفتگو کے دوران میں ہم اول خان کے دفتر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

''شیدے کو ہم درمیان میں چھوڑ آئے ہیں!'' اول خان نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

''اسے کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ۔ جلال کے آدمی کچھ دیر میں قاسم کو لے کر آئیں گے تو دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لیا جائے گا۔ اس وقت تک ہم تمہارے دفتر میں بیٹھتے ہیں۔'' میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان شاہ وہیں رہ گیا ہے۔ اسے بھی بلا لیا جائے!''

''فضا میں رہ رہ کر شیدے کی چیخیں ابھر رہی ہیں۔ درد کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، آدمی یوں بے ساختہ نہیں چیختا۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس پر کام کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے بھی بلوا لو۔ کچھ دیر کے سکون کے بعد شیدا اپنے باس کو اچانک اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کا ردِعمل زیادہ فطری ہوگا۔ اس جھٹکے کے لیے وقفہ دینا ضروری ہے۔''

دفتر میں پہنچ کر اول خان نے انٹرکام پر کسی سے بات کی اور سلطان شاہ کو اپنے دفتر میں بلوانے کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی کہ قیدی کو عارضی طور پر تنہا چھوڑ دیا جائے۔

''سیٹھ قاسم کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اپنی میز پر سامنے رکھے ہوئے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے، اول خان نے سوال کیا۔

''شیدا میری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت نہ ہوا ہوتا تو شاید میں قاسم کی طرف دھیان نہ دیتا لیکن اب باز پرس کا سارا دارومدار اسی کی ذات پر ہوگا۔''

چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی وہیں آ گیا۔ اس کے بشرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی فون کے بارے میں سوال کیا۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ کال جلال کی تھی تو اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

اول خان کے استفسار پر اس نے بتایا کہ رشید اس کمرے میں شدید درد اور اذیت میں مبتلا تھا اور ہم لوگوں کو مغلظات بک رہا تھا۔ وہ کوئی مظلوم ہوتا تو شاید سلطان شاہ اس کی ہرزہ سرائی کو درگزر کر دیتا لیکن ایسا نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے خاصی فراخ دلی سے اس کی مرمت کی لیکن وہ پھر بھی اپنی بدگوئی سے باز آیا نہ اس نے جہانگیر کے بارے میں کوئی بات بتائی۔ وہ مسلسل اپنی ابتدائی کہانی پر اڑا ہوا تھا۔

ہمیں گھر سے نکلے کافی دیر ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کو ہماری تازہ مہم کے نتائج کا بے چینی سے انتظار ہونا چاہیے تھا۔ سلطان شاہ کے ایما پر میں نے گھر فون کیا تو میری غزالہ سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اس وقت ویرا، سلمٰی پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہوگئی تھی اور اسے اپنی خواب گاہ میں لے گئی تھی اور اسے فرصت کے کچھ لمحات میسر آگئے تھے۔

غزالہ کو یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ رشید کے ہاتھ آ جانے کے باوجود ہم لوگ جہانگیر کا کوئی سراغ پانے میں ناکام رہے تھے۔ سلمٰی یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ رشید کے ہاتھ آتے ہی ہمیں جہانگیر کا پتا مل جائے گا اور وہ قصہ تیزی سے نمٹ جائے گا۔

میں نے واپسی میں تاخیر کے امکان کا ذکر کرنے کے بعد بات ختم کر دی اور سلطان شاہ مطمئن نظر آنے لگا۔ اس وقت اس کا رویّہ کسی ایسی عمر رسیدہ خاتون جیسا تھا جو گھر سے باہر گئے ہوئے ہر فرد کے بارے میں اس کی واپسی تک مسلسل فکرمند رہنا اپنا فرض سمجھتی ہو۔

جلال کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ قاسم سمیت اسٹیشن فور کی طرف آ رہے تھے۔

اول خان نے فوری طور پر اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مامور عملے کے نگراں کو متوقع مہمانوں کے بارے میں ہدایات دیں اور ہم دوبارہ رشید کی طرف چل دیے۔

ملیر چھاؤنی کے علاقے میں اسپیشل ٹاسک فورس کا وہ ٹھکانا کچھ متروک بیرکوں اور ایک وسیع میدان پر مشتمل تھا۔ وہاں لائے جانے والے قیدیوں سے پوچھ گچھ کے لیے ایک الگ تھلگ بیرک مخصوص تھی جس میں کئی چھوٹے بڑے کمروں کے علاوہ ایک کمرا ایسا بھی تھا جہاں لیٹ بیٹھ کر آرام سے وقت گزارا جا سکتا تھا۔ عملے کے آرام اور باہمی مشاورت کے علاوہ وہ کمرا ان ملزموں سے تفتیش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا جو کسی قسم کے تشدد کا سامنا کرنے سے پہلے سچ اگلنے پر آمادگی ظاہر کر دیتے تھے یا مار کھا کر راہِ راست پر آ جاتے تھے۔

رشید کے قید خانے کا دروازہ بند تھا اور اس کے دونوں نگراں باہر برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ رشید کو فرش سے چند فٹ اوپر لٹکا کر رسی کا سرا فرشی کنڈے سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس عذاب کے نتیجے میں اس کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے تھے۔

قاسم کی آمد سے پہلے میں دوبارہ رشید کا سامنا کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اسے یکایک اس کے حال پر چھوڑ دینا بھی ایک ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔ ہم تینوں ریٹائرنگ روم میں چلے

گئے۔
ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انٹیلی جنس بیورو کے دو اہل کار قاسم کو لے کر آ گئے۔ قاسم متوسط قامت و جسامت کا ایک عام اور بے ضرر شخص نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں اسے اول خان کے سپرد کر کے لوٹ گئے۔
میں قاسم کے قریب گیا تو اس کے منہ سے شراب کے بھپکے آ رہے تھے۔ جلال نے مجھے اس کی گرفتاری کے پس منظر سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر وہ نشے میں دھت ہو کر اپنی داشتہ کے پہلو میں پڑا ہوا پایا گیا تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ناجائز ذرائع سے حرام کی بے اندازہ دولت کمانے والے عام طور پر ایسی کج روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے نفس کی بھڑکتی ہوئی آگ رفتہ رفتہ کبھی سرد نہ ہونے والے جہنم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ در بدر بھٹکتے ہیں اور ہر نیا وجود ان کے اندر کی اس آگ کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔
اس نے جی بھر کر شراب پی ہوئی تھی لیکن انٹیلی جنس بیورو والوں کے مخصوص رویے کی وجہ سے اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ اپنی سرخ اور خوف زدہ آنکھوں سے باری باری ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔
آئی بی والوں کی موجودگی میں، میں نے قاسم کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ ان کے جانے کے بعد میں خشم ناک تیوروں کے ساتھ قاسم کے قریب گیا تو وہ سٹپٹا گیا۔
''تم کون لوگ ہو!'' وہ الٹے قدموں پیچھے سرکتا ہوا خوف زدہ آواز میں بولا ''اب تک مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا کیا قصور ہے۔''
''میں نے اس کے بائیں رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔
''ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ بتایا جائے۔ ہر مجرم اپنے جرم کے بارے میں جانتا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
''مم...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے ہاتھ صاف ہیں...... تت...... تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہکلایا۔
سلطان شاہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے لپک کر اپنا بایاں گھٹنا زور سے اس کی پشت پر رسید کیا۔ اس بار قاسم اپنی اضطراری چیخ پر قابو نہیں پا سکا اور خوف زدہ آواز میں نکلتا ہوا دروازے سے باہر، برآمدے میں جا گرا۔
اس کے سنبھلنے سے پہلے سلطان شاہ دوبارہ اس کے سر پر سوار ہو چکا تھا۔
''مم...... میں عزت دار شہری ہوں۔'' قاسم نے ہانپتے ہوئے احتجاج کیا ''ملک کے لیے زر مبادلہ کماتا ہوں، حکومت کو انکم ٹیکس دو...... دیتا ہوں۔ تم لوگوں کی یہ مجال کہ مجھے دو کوڑی کے چوروں اور اچکوں کی طرح یوں ذلیل کرو!''
''بیٹے! سب کچھ درست ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس کاروبار کے لیے مال کہاں سے آیا اور مچھلیوں کے ساتھ کیا کیا باہر جا رہا ہے۔'' سلطان شاہ نے کالر پکڑ کر اسے دوبارہ قدموں پر کھڑا کیا اور رشید والے بند دروازے کی طرف دھکا دے دیا۔
قاسم کے ہاتھوں کے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ جوں ہی وہ اپنی جھونک سے سنبھلا، اس کی نگاہ رشید کے فضا میں جھولتے ہوئے زندہ وجود پر پڑی اور وہ بھونچکا رہ گیا۔
''یہ...... لیع...... یہ تمہیں بھی لے آئے!'' قاسم کو دیکھ کر رشید کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔
''اوہ......!'' قاسم اپنے ابتدائی ردِعمل سے سنبھل کر بولا ''اب سمجھا کہ یہ لوگ تیری وجہ سے مجھے یہاں لائے ہیں۔''
''خدا پاک کی قسم باس، میں نے تمہارا نام بھی نہیں لیا۔'' رشید بے ساختہ بولا ''پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے انہیں کچھ نہیں......''
وہ نئے قیدی کو بریف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان شاہ نے لوہے کی پلیٹوں سے ہاتھ بچا کر رشید کے پیٹ کے نچلے حصے میں اچانک ایک زوردار مکا رسید کیا اور رشید کی ادھوری بات ایک دردناک چیخ میں ڈھل گئی۔
''قاسم کو دکھاؤ کہ رشید کے ساتھ کیا ہوا ہے۔'' میں نے اول خان کے آدمیوں سے کہا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے اس کمرے میں آ گئے تھے۔
انہوں نے نہایت سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرشی کنڈے سے بندھی ہوئی رسی کھول کر آزاد چھوڑ دی۔ رشید کسی زندہ لوتھڑے کی طرح تڑپتا ہوا نیچے آیا۔ اس بار اس کے پیر اس کا بوجھ نہ سہار سکے۔ وہ بہت بری طرح فرش پر ڈھیر ہوا۔ لوہے کی وزنی پلیٹوں نے اس بار اسے بہت بری طرح مجروح کیا تھا۔
''میں مر گیا...... میں مر گیا!'' رشید فرش پر اس طرح پیر چلاتے ہوئے تڑپ رہا تھا جیسے اس پر واقعی نزع کا عالم طاری ہو۔
''تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔'' میں نے رشید کو نظر انداز کر کے قاسم سے کہا۔
وہ رشید پر ہونے والا عملی مظاہرہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا تھا اور اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پہلے

اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑ کے پھر ان سے نقاہت زدہ آواز برآمد ہوئی ''رقم میرے ایک دوست کی ہے اور قاسم فشریز کی اصل آمدنی ہیروئن کے دھندے سے ہے۔ باہر اس کی بہت ڈیمانڈ ہے۔''

اس کا وہ رضا کارانہ اعتراف چشم کشا تھا۔ اس نے ابتدا میں سلطان شاہ کے کیے ہوئے دونوں سوالوں کے ایک سانس میں جواب دے دیے تھے۔

اس وقت تک قاسم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اسے لائے جانے کے مقاصد وہی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ نے اس سے سوال کیے تھے۔ وہ دونوں سوال ٹیڑھے تھے۔ میرے لیے یہ بات قابل اطمینان تھی کہ وہ رشید کی طرح ڈھیٹ اور بے خوف نہیں تھا۔ اس نے صرف ایک ٹھڈا کھانے کے بعد سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں ہونا چاہیے تھا کہ رشید پر آزمائے جانے والے آسان حربے سے پیچیدہ انسانی آنتوں پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

''یہ بات بعد میں ہوگی۔ اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے۔'' میں نے رشید کی چیخ وپکار کے دوران قاسم سے سوال کیا۔

اس بار اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے تذبذب کا اظہار ہو رہا تھا، آنکھوں میں گہرا خوف اتر آیا تھا۔

''کک...... کیا تم ڈیئی ہو؟'' اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں کالا چور ہوں۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''جو کچھ پوچھا جارہا ہے، اس کا جواب دو ورنہ لٹکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا مگر اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''وہ مجھے کھا جائے گا، زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''اگر تم سوبھراج سے خوف زدہ ہو تو اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے یقین دلایا ''وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میری زبان سے سوبھراج کا نام سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں ''تمہیں کس نے بتایا کہ میری اس سے دوستی ہے۔ یہ بات تو اس کمینے شیدے کو بھی نہیں معلوم تھی۔''

''یہ سوال کرنے سے باز نہیں آئے گا۔'' سلطان شاہ نے دانت پیس کر دخل اندازی کی ''میں کہتا ہوں کہ اس سالے کو بھی لٹکا دو۔''

''لٹکا دو!'' میں نے بے جان آواز میں کہا۔ اس دوران میں، میں کن انکھیوں سے قاسم کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے پسینے آنا شروع ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ وحشیانہ انداز میں قاسم کی طرف لپکا اور اسے زبردستی اپنے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو!'' قاسم اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے چیخا ''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''جہانگیر کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے اس کی کمر پر زوردار جھٹکا دے کر پوچھا۔

قاسم کے حلق سے ایک بے ساختہ کراہ برآمد ہوئی پھر وہ جلدی سے بولا ''اگر سوبھراج ابھی تک ایران سے واپس نہیں آیا تو جہانگیر کو میرے گھر پر ہونا چاہیے۔''

ہم تینوں کے لیے وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ سوبھراج نے کراچی سے سیکڑوں میل دور ہونے کی بات کی تھی مگر میں اس کے بیان پر یقین نہیں کر سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لیے وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن قاسم کا بیان کچھ اور ظاہر کر رہا تھا۔

اس کا انکشاف سنتے ہی سلطان شاہ نے اسے چھوڑ دیا یا شاید اضطراری طور پر اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ قاسم مچل کر اس کی گرفت سے نکلا اور چند قدم دور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم یقین کرو کہ میں بے قصور ہوں۔'' وہ کمزور شکست خوردہ آواز میں کہہ رہا تھا ''میں محنت مزدوری کر کے چار پیسے کمانے والا کاروباری آدمی ہوں۔ دو نمبر کے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ میں پیسے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میرا مقدر خراب تھا۔ میں سوبھراج کی باتوں میں آ گیا۔ آج کل کوئی چار پیسے کے لیے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ سوبھراج نے میرے نام سے فشری خریدی تو میں اس کے احسان تلے دب گیا۔ میں نے اسی کے کہنے پر شیدے کو کام بتایا تھا۔ جب سے شیدے نے اسے میرے گھر کے تہ خانے میں پہنچایا ہے، میں اپنے گھر نہیں گیا۔ کل سے روحی کے فلیٹ پر سو رہا ہوں۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے وہیں سے اٹھایا ہے۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو تم ابھی روحی سے پوچھ سکتے ہو۔''

شیدا اپنی شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اسے اپنے انجام کی فکر ستا رہی تھی اس لیے اس کے کان ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف میں یہ بھی دیکھ رہا تھا

کہ قاسم کی خوف زدہ نظریں بار بار رشیدے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''میں نے اپنی مرضی سے اسے اٹھایا نہ کہیں لے گیا۔'' قاسم کے خاموش ہوتے ہی شیدے نے کمزور آواز میں بولنا شروع کر دیا ''میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں نے ہر کام تمہارے حکم پر کیا ہے۔ میں نے اپنی زبان بند رکھ کر ان لوگوں کے ہاتھوں خود کو برباد کروالیا ہے اور تم نے آتے ہی سب کچھ اگلنا اور میرے سر ڈالنا شروع کر دیا۔ یہ یاد رکھنا کہ میرا نام شیدا ہے۔ اس وقت بھی تین سودو کے تین کیس میرے نام پر چڑھے ہوئے ہیں۔ بچ گیا تو میں تم کو دیکھ لوں گا۔''

ان دونوں کی راہیں جدا ہو گئی تھیں۔ رشید برے انجام سے دو چار ہونے کے باوجود اپنی ذات کے زعم میں مبتلا تھا۔ قاسم اس کا حشر دیکھ کر راہِ راست پر آ گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ رشید کی غیر موجودگی میں وہ زیادہ کھل کر بات کر سکے گا۔

''اسے دوسرے کمرے میں لے آؤ۔'' میں نے قاسم کے بارے میں ہدایت دی اور وہاں سے نکل گیا۔

دوسرے کمرے کا نارمل ماحول قاسم کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ میں اس وقت وہاں رک کر اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس وقت میری ساری دلچسپی جہانگیر کی ذات پر مرکوز تھی۔ قاسم سے بقیہ باتیں بعد میں بھی معلوم کی جاسکتی تھیں۔

قاسم کی زبان سے سوبھراج کی ایران سے واپسی کا ذکر سنتے ہی میری طبیعت بے چین ہوگئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سوبھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے جہانگیر کو نہ لے اڑے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

شیدا، سوبھراج سے قطعی واقف نہیں تھا۔ نہ ہی سوبھراج نے کبھی اس سے براہِ راست کام لیا تھا لیکن اس سمیت کل چار افراد کا تقرر سوبھراج کے ایما پر کیا گیا تھا۔ فشری خریدنے کے بعد سوبھراج نے قاسم کو ان چاروں کے نام اور متوقع ٹھکانے بتاتے ہوئے، انہیں فیکٹری میں ملازم رکھنے کی سفارش کی تھی جو قاسم کے لیے اس وقت ہدایت کا درجہ رکھتی تھی۔

وہ چاروں ابتدا سے فیکٹری کے کل وقتی ملازم تھے اور دن رات وہیں رہتے تھے۔ رشید ان کا سرغنہ تھا۔ سوبھراج، قاسم کے ذریعے کئی مرتبہ رشید سے کام لے چکا تھا لیکن خود کبھی اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس نے قاسم کو سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی کہ فشری کے معاملات میں کہیں بھی اس کا نام نہ آنے پائے۔

قاسم کی تعلیم واجبی سی تھی لیکن وہ کافی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ سوبھراج کی سیاسی شہرت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس وقت سے سوبھراج کو جانتا تھا جب وہ نچلے درجے سے اوپر جانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے سوبھراج سے کوئی سوال کیے بغیر یہ اندازہ لگا لیا کہ سوبھراج الگ تھلگ رہ کر اپنے کالے دھن سے ایک مستقل کاروبار کی داغ بیل ڈالنے کا خواہاں تھا۔

اس پس منظر میں سوبھراج نے فون پر قاسم کو جہانگیر کے اغوا کی ہدایت کی تھی۔ وہ کام بہت خطرناک تھا۔ قاسم کے پس وپیش پر سوبھراج نے بتایا کہ جہانگیر کا تعلق اس کے ان دشمنوں سے ہے جنہوں نے اسے تباہ و برباد کر کے اس حال کو پہنچا دیا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

قاسم اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ مچھلی کی برآمد کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت میں ملوث ہونے کے بعد اس کی لگام سوبھراج کے ہاتھ میں چلی گئی تھیں۔ اس نے سوبھراج کی ناراضی مول لی تو وہ اسے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

اس وقت تک سوبھراج کراچی میں موجود تھا اور کسی بھی وقت قاسم کے سر پر سوار ہوسکتا تھا۔ اس نے رشید عرف شیدے کو کام پر لگا دیا۔

شیدے نے جہانگیر کے گھر کا جائزہ لے کر قاسم کو بتایا کہ کام بہت کٹھن تھا۔ وہ بات سوبھراج تک پہنچی تو وہ برہم ہو گیا۔ وہ جہانگیر کو ہر حال میں اپنا قیدی دیکھنا چاہتا تھا۔

دو دن کی منصوبہ بندی کے بعد آخر کار شیدا اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا۔ جہانگیر کو فیکٹری میں رکھنا خطرناک تھا کیونکہ دن میں وہاں خواتین اور مردوں کی خاصی تعداد کام کرتی تھی۔ قاسم نے رازداری کے خیال سے جہانگیر کو اپنے گھر بھجوا دیا۔

اس نے سوبھراج کو فون پر کامیابی کی اطلاع دی تو اسے پتا چلا کہ وہ پاکستان سے ایران پہنچ چکا تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کے اغوا کی خبر اتنی اہم تھی کہ وہ پہلی فرصت میں کراچی آنے پر تیار ہو گیا۔

قاسم نے اسے بتا دیا کہ قیدی کو تہ خانے میں رکھا گیا تھا اور وہ اپنا گھر چھوڑ رہا تھا۔ سوبھراج کو قاسم کا گھریلو چوکیدار پہچانتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر میں داخل ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کو اپنا قیدی بنا لینے کے بعد قاسم زبردست ذہنی دباؤ کا شکار ہو گیا۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اغوا جیسے سنگین جرم میں ملوث ہونے کا تصور نہیں کر سکا تھا لیکن سوبھراج نے اسے زبردستی اس اندھی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

وہ اپنے گھر سے بھاگا ہوا تھا۔ چوکیدار اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ گھر کے تہ خانے میں کوئی شخص قید تھا۔ قاسم نے اپنے

گھر سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سوبھراج اپنے شکار تک پہنچے گا تو خود اسے اطلاع دے گا۔

ان میں سے کچھ باتیں ایس ٹی ایف کے مہمان خانے میں قاسم سے معلوم ہوئیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ قاسم نے جہانگیر کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ شیدے نے اسے تہ خانے میں جس حال میں چھوڑا تھا وہ اسی حال میں، بھوکا پیاسا وہاں بند تھا۔

وہ بات سن کر غصے سے میرا خون کھول کھول اٹھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت شیدے کو مار مار کر مزید لہولہان کر دوں مگر مسئلہ وہی تھا کہ وقت دھیرے دھیرے ہمارے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ہم تینوں قاسم کو اپنے ساتھ لے کر اسی لمحے اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس بارے میں مزید باتیں سفر کے دوران میں پتا چلیں۔ قاسم نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور ہماری ہر بات کا بے چون و چرا جواب دے رہا تھا۔

راستے میں قاسم سے بہت کھل کر باتیں ہوئیں مگر ان کا محور صرف اور صرف جہانگیر کی ذات تھی۔ اس وقت سوبھراج کا نام میرے لیے ثانوی ہو کر رہ گیا۔ شدید غصہ آنے کے باوجود شیدے کا نام بھی ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ مجھے صرف جہانگیر کی فکر تھی۔

اس کی ذات کو سب سے بڑا خطرہ سوبھراج کی ذات سے تھا۔ زیر زمین دنیا میں کوبرا کے لقب سے اپنا سکہ چلانے والا وہ زہریلا ناگ کسی بھی وقت اپنے شکار پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جہانگیر جیسے تندرست اور توانا شخص کے لیے ایک دو دن کی بھوک پیاس مہلک ثابت نہیں ہو سکتی تھی لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ ایسی ناتوانی کے عالم میں وہ سوبھراج تو کیا، قاسم جیسے آدمی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اسٹیشن فور سے ایک طویل مسافت طے کر کے آخر کار ہم شارع فیصل پر لال کوٹھی کے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پی ای سی ایچ ایس میں قاسم کی رہائش تھی۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ درمیانی رقبے پر بنے ہوئے اس مکان کے باہر کوئی اور گاڑی موجود نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے گاڑی گیٹ کے سامنے لگا کر ہارن بجایا تو چوکیدار بہت پھرتی کے ساتھ باہر آیا۔

سلطان شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا کر کیبن لائٹ آن کر دی۔ چوکیدار نے ڈرائیور کے برابر والی نشست پر اپنے گم شدہ مالک کی صورت دیکھی تو خوش ہو کر تیزی سے گیٹ کھول دیا اور ہماری گاڑی مختصر پورچ میں سما گئی۔

''ہم سے پہلے یہاں اور کوئی آیا تھا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہی چوکیدار سے سوال کیا۔

''صاحب! کوئی نہیں آیا۔'' چوکیدار نے گیٹ بند کرتے ہوئے جواب دیا ''میں نے کل صبح کے بعد اب اپنے صاحب کی صورت دیکھی ہے خیر ہے نا!''

''میں کام میں پھنس گیا تھا۔'' قاسم نے متانت سے کہا۔ چوکیدار سر ہلا کر رہ گیا جیسے وہ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

بعد میں پتا چلا کہ چوکیدار کے تاثرات کے بارے میں میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ قاسم لاولد تھا۔ اس کی بیوی کافی عرصے پہلے اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا اور اپنی تنہائی کا احساس بھلانے کے لیے کبھی کبھی اپنی راتیں باہر گزارتا تھا۔

مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے اس کا گھر ایک بہترین ٹھکانا تھا کیونکہ وہاں چوکیدار کے سوا کوئی اور کل وقتی ملازم نہیں تھا۔ دن میں دو جز وقتی ماسیاں آتی تھیں جو گھر کی صفائی کرنے اور کھانا پکانے کے بعد واپس چلی جاتی تھیں۔

وہ اپنی محدود ترین ضروریات سے زیادہ کشادہ گھر میں اپنی زندگی کیسے گزار رہا تھا۔ مجھے اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت میں جلد از جلد اس کے گھر میں بنے ہوئے تہ خانے تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا پھر میں نے ٹھٹک کر سلطان شاہ کو پورچ میں چوکیدار کے ساتھ رکنے کی ہدایت کی۔ میرے ذہن میں اچانک اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ اگر سوبھراج وہاں آ نکلا تو وہ تنہا ہونے کے باوجود ہمیں کچھ دیر کے لیے گھر میں محصور ہونے پر مجبور کر دے گا۔

قاسم کے چوکیدار کے سرپر کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس کے لیے سوبھراج ایک شناسا چہرہ تھا۔ وہ آ جاتا تو چوکیدار اسے بلا کم و کاست ہر بات بتا دیتا۔

سلطان شاہ اہم مواقع پر ہمیشہ بہت گہری سوجھ بوجھ اور سعادت مندی کا مظاہرہ کرتا تھا، وہ وہیں رک گیا۔ ہم دونوں قاسم کے ساتھ برآمدے میں داخل ہو گئے۔

قاسم نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی سوئچ آن کر کے تاریک راہ داری روشن کر دی۔

وہ مختصر سی راہ داری گھر کی لابی میں ختم ہو گئی۔ اس سے آگے زینے تھے جو اوپر جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ نیچے اترنے والے زینوں پر ایک مقفل دروازہ سدراہ بنا ہوا تھا۔

قاسم نے اپنی جیب سے دوسری چابی نکال کر جوں ہی وہ

دروازہ کھولا۔ میں اسے ایک طرف دھکیل کر تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

آخری زینے سے فرش پر قدم رکھتے ہی میں نے ہولے سے جہانگیر کو آواز دی' تہ خانے کی فضا میں حلق سے نکلنے والی چند مضطرب آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ اسی لمحے قاسم نے مجھ سے آگے بڑھ کر تہ خانہ روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر میرا دورانِ خون اچانک تیز ہو گیا کہ جہانگیر ایک کشادہ مسہری پر پڑے ہوئے شکن آلود بستر پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے' ٹخنوں سے پنڈلیوں تک بھی رسی بندھی ہوئی نظر آ رہی تھی اور ہونٹوں پر چوڑا ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ تہ خانے میں یکایک روشنی ہونے سے میری آنکھیں چند ثانیوں کے لیے چندھیا گئیں۔

میری بصارت بحال ہوئی تو جہانگیر حیرت اور مسرت سے دیدے پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نے بے اختیاری کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑی اور دوڑ کر اس کے بے دست و پا وجود سے والہانہ انداز میں لپٹ گیا۔

جہانگیر نے اپنے حلق سے غوں غاں کی تیز آوازیں نکال کر اپنے بدن کو جھٹکے دیے۔ فوری طور پر بات میرے پلے نہیں پڑ سکی لیکن لمحہ بھر بعد مسئلہ سمجھ میں آ گیا اور میں نے اس کے ہونٹوں پر چپکا ہوا ٹیپ ایک جھٹکے سے اکھاڑ دیا۔

ٹیپ کے ساتھ اس کے قدرے بڑھے ہوئے شیو کی جڑیں بھی اپنی جگہ سے ہل گئی ہوں گی۔ دہانہ آزاد ہونے کے بعد اس کے ہونٹوں سے پہلی آواز ایک سسکاری کی صورت میں آزاد ہوئی پھر اس نے اپنے اغوا کنندگان کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

''تم ٹوٹ پھوٹ سے تو محفوظ ہونا؟'' میں نے اس کے بدن کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے یہ رسیاں کھولو!'' وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے غرایا۔

رسیوں کی بندشیں بہت سخت تھیں۔ میں ان میں الجھا ہوا تھا کہ اول خان اوپر سے ایک چھری ڈھونڈ کر لے آیا اور اس نے رسیاں کاٹ کر اس کے ہاتھ پیر بھی آزاد کر دیے۔

''خدا کی پناہ!'' وہ مسہری پر ہی کھڑا ہو گیا' ''ایسا لگ رہا تھا جیسے میں یوں ہی بستر پر پڑے پڑے مر جاؤں گا' بھوک اور پیاس سے میرا برا حال ہے۔''

میں نے سہارا دے کر اسے مسہری کے لچک دار گدے سے فرش پر اتار لیا۔ اول خان نے تہ خانے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ جہانگیر نے مسہری کے کونے پر ٹک کر غٹا غٹ وہ چھوٹی بوتل خالی کر کے مسہری پر اچھال دی۔

''تمہارے ساتھ یہ چوہا کون ہے...... اس کے چہرے پر پھٹکار کیوں برس رہی ہے؟'' قاسم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے سوال کیا۔

''یہ اس گھر کا مظلوم مالک ہے......'' میں نے اسے بتانا چاہا لیکن جہانگیر نے میری وہ ادھوری بات سنتے ہی قاسم کا گریبان پکڑا اور اس کے چہرے پر وحشیانہ انداز میں ٹکر رسید کر دی۔ تہ خانے کی بند فضا قاسم کی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس کی ناک سے خون کی کئی پتلی پتلی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

اس سے پہلے کہ جہانگیر اسے مزید تشدد کا نشانہ بناتا' اول خان جھپٹ کر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

میں بہ دقت جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ اس وقت قاسم ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ اسے برے حال کو پہنچانے والے دوسرے تھے جن میں سے ایک ہمارے قبضے میں تھا' دوسرے کو کسی بھی وقت اٹھایا جا سکتا تھا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ دوسرا آدمی قاسم کے کارخانے میں ملازم تھا۔

قاسم اتنا صلح جو ثابت ہوا کہ اپنی آستین سے ناک سے بہنے والا خون صاف کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ اوپر کچن ریفریجریٹر میں موجود اشیائے خورد و نوش سے جہانگیر اپنی شکم سیری کر لے لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں سوبھراج کی طرف سے مسلسل خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کے لیے میرا اور جہانگیر کا معاملہ بہت اہم تھا۔ وہ کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے آنے سے قبل جہانگیر کا وہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ کسی فوری تصادم کی صورت میں اسے سنبھالنا دشوار ہو سکتا تھا۔

ہم بہت تیزی کے ساتھ تہ خانے سے نکلے۔ میں نے قاسم کو بتا دیا تھا کہ اس سے کچھ اہم گفتگو باقی رہ گئی تھی۔ اسے بھی ہمارے ساتھ چلنا تھا۔ وہ اس وقت موم کی ناک بنا ہوا تھا۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ نکلتا چلا آیا۔

ہم زینے طے کرنے کے بعد لابی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ لمحہ بھر بعد اسی ہتھیار سے دوسرے فائر کی آواز آئی پھر کسی گاڑی کے انجن کی پرشور آواز سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بدحواسی میں گیئر بدلے بغیر اپنی گاڑی کو ہوا کے دوش پر اڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''سلطان شاہ! کیا ہو رہا ہے؟'' اول خان نے چیخ کر پوچھا۔

قاسم کا گھر زیادہ وسیع و عریض نہیں تھا۔ فوری طور پر جواب آ گیا ''جلدی باہر آؤ' وہ آ گیا ہے۔ میں نے اسے بھگا دیا۔''

میں دوڑتا ہوا گھر سے نکلتا چلا گیا۔ برآمدے میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور سلطان شاہ اپنا پستول ہاتھ میں لیے پھاٹک کی کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ چوکیدار اس کے پیچھے سہا ہوا کھڑا تھا۔

جہانگیر کے ذہن پر اپنی افتاد سوار تھی۔ وہ اس قابل نہیں ہو سکا تھا کہ ان الجھنوں کو فوری طور پر سمجھ سکے وہ مسحور سے انداز میں اول خان کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

سلطان شاہ نے تیز اور پرجوش لہجے میں اپنی کہانی سنانی شروع کر دی تھی۔

وہ چوکیدار کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا کہ قاسم کے دروازے پر کوئی گاڑی آ کر رکی۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار نے آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھولی تو سلطان شاہ بھی اس کے پیچھے موجود تھا۔

آنے والی گاڑی میں کل دو نفوس موجود تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اجنبی چہرہ براجمان تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر ایک باریش اور توانا شخص موجود تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور گھنی مونچھوں کے باوجود وہ اپنی مڑی ہوئی ناک کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

چوکیدار اسے پہچانتا تھا، وہ ادب سے اس کی طرف بڑھا۔ سلطان شاہ کے لیے وہ بہت نازک لمحہ تھا۔ ایک رسوائے زمانہ مجرم اس کی دسترس میں تھا۔ جس شخص نے ملک کی ساری ایجنسیوں کو نچایا ہوا تھا' اسے وہ پل بھر میں خون میں نہلا سکتا تھا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکالا اور تاک کر سوبھراج پر گولی چلا دی مگر چوکیدار کو بچانے کے چکر میں اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔

سوبھراج کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔ پہلی گولی چلتے ہی ڈرائیور نے گاڑی ریورس کی، سلطان شاہ نے گاڑی کے ٹائر پر دوسرا فائر کیا لیکن گاڑی نہ رک سکی۔ ڈرائیور اگلا ٹائر پھٹنے کی پروا کیے بغیر گاڑی کو آگے دوڑاتا لے گیا۔

''یہ بہت برا ہوا۔ وہ یہاں آ گیا تھا تو اسے بچ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' میں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''تمہیں دوسرا فائر گاڑی کے ٹائر کے بجائے ان دونوں پر کرنا چاہیے تھا......''

''سوبھراج ڈرائیور کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔'' سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر اپنی صفائی پیش کی ''میں گولی چلاتا تو سوبھراج کا کچھ نہیں بگڑتا' ڈرائیور ہلاک یا زخمی ہو جاتا۔''

''گاڑی رک جاتی' تمہیں وقت مل جاتا ہم لوگ باہر آ جاتے۔'' میں نے تیزی سے کہا ''ذرا سا وقت مل جاتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے نہ نکل پاتا۔''

''بس غلطی ہو گئی!'' سلطان شاہ نے اپنی نظریں جھکا کر مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا ''یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔''

''انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا ''کسی زور آور حریف کو اچانک اپنے سامنے پا کر بڑے بڑوں کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔ ہر شخص کے اعصاب فولادی نہیں ہوتے۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر میں جانتا کہ سوبھراج دوبارہ ادھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ بہت چالاک اور بزدل مجرم تھا۔ میدان صاف پانے کی توقع میں ادھر آ گیا تھا۔ دو گولیوں کا سامنا کرنے کے بعد اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑا خطرہ مول لیتا۔

''گھر میں تالا ڈال دو۔'' میں نے چوکیدار سے تحکمانہ لہجے میں کہا ''کوئی بھی آ جائے' دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔''

قاسم نے زور زور سے سر ہلا کر میری تائید کی اور گاڑی کی پچھلی سیٹ میں گھس گیا۔ جہانگیر کو اس وقت آرام کی ضرورت تھی' اول خان نے اسے اگلی نشست پیش کر دی اور چابی میری طرف بڑھا دیا۔

گاڑی چلتے ہی اول خان نے قرب و جوار کی گلیوں کا ایک چکر لگانے کی تجویز پیش کی۔ وہ اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ دونوں کہیں رک کر اپنی گاڑی کا ٹائر بدل رہے ہوں گے۔ میری دانست میں وہ وقت کی بربادی تھی لیکن اس وقت ہمیں کوئی فوری کام درپیش نہیں تھا۔ میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑ لی۔

کافی دیر تک آس پاس کی گلیوں میں بے نیل و مرام بھٹکنے کے بعد میں نے گاڑی شارع فیصل پر نکال لی۔

''سلمٰی کا کیا حال ہے...... وہ کہاں ہے؟'' اچانک جہانگیر کو اپنی بیوی کا خیال آ گیا۔

''اس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے میں اپنے گھر لے آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا واقعی اس کی حالت بہت خراب ہے؟'' جہانگیر نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس سے بات کر لو۔'' میں نے اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھا دیا ''ہم لوگوں کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا

ہے۔''

''گاڑی میں تمہارا ایک مددگار بھی موجود ہے۔'' جہانگیر نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا ''جب ہم گھر کی طرف جا رہے ہیں تو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے وہیں ملاقات ہو جائے گی۔''

''گھر نہیں، اب تم اسٹیشن فور جاؤ گے۔'' اول خان نے دوٹوک الفاظ میں وہ فیصلہ صادر کر کے مجھے حیران کر دیا۔

''کیوں؟'' جہانگیر نے سوال کیا ''کیا وہاں کوئی ضروری کام ہے؟''

''تمہارے لیے اب وہی سب سے بہتر اور محفوظ ٹھکانا ہے۔'' اول خان بھی قاسم کی موجودگی کی وجہ سے کھل کر بات کرنے سے جھجک رہا تھا ''تمہاری بیوی کو بھی عارضی طور پر وہیں بلا لیا جائے گا۔ کسی متبادل جگہ کا بندوبست ہونے تک تم دونوں میرے مہمان رہو گے۔''

''لیکن کیوں؟'' جہانگیر نے احتجاج کیا ''میں اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ خوش رہتا ہوں۔ میں سلمٰی کو لے کر اسی وقت گھر جانے کو ترجیح دوں گا۔''

''ہم دوسری بار تمہارے اغوا کے متحمل نہیں ہو سکتے۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس بحث میں دخل اندازی کی ''فی الحال اتنا کافی ہے باقی باتیں اسٹیشن فور پر ہوں گی۔''

جہانگیر میرا اشارہ سمجھ گیا اور اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ شدید ذہنی اور جسمانی عذاب سے گزرنے کے باوجود وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا تھا اور یہ بات اس اعتبار سے اچھی تھی کہ میں نے قاسم کو آخر کار آزاد کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسٹیشن فور پر حفاظتی تحویل کے چند روز گزارنے کے بعد وہ اپنے معمولات کی طرف لوٹتا تو کسی سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ڈینی کو دیکھ چکا ہے۔

گھر کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ جہانگیر سب کی موجودگی میں اپنی بیوی کو فون کرنے سے کترا رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ آپس میں دن رات کی تُو تکار کے باوجود جب وہ فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سنیں گے تو دونوں ہی جذباتی ہو جائیں گے۔ جہانگیر کسی کو اپنی ان احمقانہ حرکات اور باتوں کا گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون سلطان شاہ کو دے دیا تا کہ وہ گھر پر موجود خواتین کو جہانگیر کی صحیح سلامت واپسی کی خوش خبری سنا دے۔

☆☆☆

اسٹیشن فور پر سب سے اہم مسئلہ جہانگیر کی بحالی کا تھا۔ اول خان نے دورانِ سفر اپریٹس استعمال کر کے اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی روشنی میں ایک آرام دہ اور کشادہ کمرا اس کی میزبانی کے لیے تیار کر لیا گیا تھا۔ ایک آدمی سلمٰی کو ہمارے گھر سے وہاں لانے کے لیے گیا ہوا تھا۔

قاسم کو اسی بیرک پر اتار کر اول خان نے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا جہاں شیدا قید تھا۔ قاسم بھی ایس ٹی ایف کا قیدی تھا لیکن اس کے رضا کارانہ تعاون کی روشنی میں اسے بستر اور پنکھے وغیرہ کی مراعات دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

اس سے جہانگیر کے بارے میں گفتگو چلتی رہی تھی۔ سوبھراج اور اس کی سرگرمیوں کا معاملہ ہنوز باقی تھا۔ وہ مرحلہ بعد میں طے کیا جا سکتا تھا۔

قاسم کو اتارتے ہوئے جب میں نے جہانگیر کو یہ بتایا کہ اسے اغوا کرنے والا ایک شخص اسی بیرک کے ایک عقوبت خانے میں قید ہے تو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے اسے ایک نظر دیکھنے پر تل گیا۔ وہ خاصے خراب تیوروں کے ساتھ شیدے کے کمرے میں داخل ہوا لیکن اس کا عبرت ناک حشر دیکھ کر اس کا غصہ خود ہی کافور ہو گیا۔

شیدے کا رسی سے بندھا ہوا جسم بہت غیر فطری انداز میں فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا بدن زخموں سے چور تھا۔ چہرے پر ورم آیا ہوا تھا اور داہنی ران کی ہڈی ٹوٹ جانے کے باعث وہ سوج کر کپا ہو رہی تھی۔

تکلیف کی شدت سے شیدا اس وقت بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

''مجھ سے پہلے تم لوگوں نے اس کا حلیہ بگاڑا ہوا ہے۔ اب میں اسے اور کیا سزا دوں گا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔'' اسے دیکھ کر جہانگیر نے آسودہ لہجے میں کہا ''اس کے ساتھی پر میں اپنا کام کروں گا۔''

میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کا مطلوب مجرم اگلے دن وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

جہانگیر ہنگامہ خیز شہری زندگی کا عادی تھا۔ اسے اسٹیشن فور پر چھایا ہوا خواب ناک سناٹا بہت حیران کر رہا تھا۔ اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے شکایت کی کہ وہ ایسی سنسان جگہ پر کس طرح رہ سکے گا۔ میں نے اسے دلاسا دیا کہ اس کا کلفٹن والا فلیٹ کئی دشمنوں کی نظروں میں آ چکا تھا۔ اس کا فوری طور پر وہاں جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ کسی متبادل ٹھکانے کا بندوبست ہونے تک اس کا اسٹیشن فور پر رہنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

ہم لوگوں کی آمد کی وجہ سے وہاں بہت محدود سی نقل و حرکت شروع ہو چکی تھی۔ اول خان کی رہنمائی میں ہم جہانگیر کے لیے تیار کیے

گئے کمرے میں پہنچے تو حیران رہ گئے۔ وہاں ائرکنڈیشنر سے ٹیلی وژن تک ہر چیز موجود تھی۔ میں دل ہی دل میں اول خان کی مہمان نوازی کا قائل ہو گیا۔

ہم چاروں کو وہاں بیٹھے ہوئے چند منٹ ہوئے تھے کہ جہانگیر کے لیے گرما گرم کھانے کے ٹرے آ گئی اور وہ ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر اپنی شکم سیری میں مصروف ہو گیا۔ میں بہت غور سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ خوراک کے وہ چند لقمے ہیں جو انسان کی بنیادی ضرورت ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ جو کچھ بھی کماتا اور خرچ کرتا ہے، حقیقی معنوں میں اس کے کام نہیں آتا۔ اس کے ذریعے دوسروں کی نذر ہو جاتا ہے۔

وہ کھانے میں مصروف تھا کہ ویرا کے ساتھ سلمٰی وہاں آ پہنچی۔ جہانگیر نے اچانک سلمٰی کو اپنے سامنے دیکھا تو بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ دوسری طرف سلمٰی کی آنکھوں سے اچانک موتیوں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں۔

میں نے اپنے خون آشام دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی زندگی گزاری تھی۔ اس جنگ میں انسانی جانوں کی کوئی اہمیت تھی نہ انسانی جذبوں کا کوئی گزر۔ پھر بھی ان دونوں کی اس ملاقات نے میرا دل یوں پانی پانی کر دیا کہ میں سب کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''تم مجھے باہر کیوں بلا لائے۔ میں وہیں رک کر ان دونوں کا تماشا دیکھنا چاہ رہی تھی۔'' ویرا نے کمرے سے باہر آنے کے بعد احتجاج کیا۔

''اسے نئی زندگی ملی ہے اور تم اسے تماشا کہہ رہی ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''یہ دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہتے ہیں تو پھر گھر میں ہر وقت لڑتے کیوں رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے تو پھر وہ تماشا ہوتا ہوگا۔'' اس نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہ مشرق ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا۔ ''یہاں زندگی کی یہی رونق ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بپھر کر بکھر جانا یہاں کا رواج نہیں ہے۔ ڈینی نے بالکل ٹھیک کیا کہ سب کو باہر لے آیا۔ یہ ان کے ذاتی لمحے ہیں کسی کو ان میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔''

ویرا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر رہ گئی۔

''تم غزالہ کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر آئی ہو؟'' اچانک سلطان شاہ نے رکھائی سے پوچھا۔

''وہ اکیلی نہیں ہے۔ وہاں ابرار اور دین محمد بھی موجود ہیں۔'' ویرا بولی۔

''وہ چھت پر ہوں گے، گھر میں تو صرف وہی ہے!''

''تو کیا ہوا۔ وہ کوئی نابالغ لڑکی نہیں ہے۔ وہ سلمٰی کی دیکھ بھال کی وجہ سے اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ہمارے ساتھ آنے پر رضا مند نہیں ہوئی۔ وہ اپنا کمرا بند کرکے گہری نیند سو رہی ہوگی۔'' سلطان شاہ سے بات کرتے کرتے وہ میری طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ ''یہ بتاؤ کہ کیا یہ دونوں اب اسٹیشن فور پر ہی رہیں گے!''

''فی الحال یہی پروگرام ہے۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''زبردست پروگرام ہے۔ ہمارے گھر میں زیادہ مہمان نوازی کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ غزالہ کا حوصلہ ہے کہ اس نے سلمٰی کو سہہ لیا۔ مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔''

ویرا نے اپنے دل کی بات کھل کر کہہ دی تھی۔ میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی۔ جہانگیر کے لیے اس کا گھر محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہم نے اسے اغوا کرنے والوں کی کمر توڑ دی تھی لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس ناکامی پر سوبھراج کا کیا ردِعمل ہوگا۔ ایران کے کسی سرحدی قصبے سے کراچی آنے کے بعد وہ اپنی ناکامی کے ازالے کے لیے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔

گھر کی طرح شہر کا کوئی ہوٹل بھی ان دونوں کے لیے محفوظ نہیں تھا۔ لے دے کر ہمارا گھر ان کے لیے بہتر پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ وہاں ان دونوں کے طویل قیام سے ہمارے لیے بہت سنگین مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ میں اپنی گہری دوستی کی بنا پر جہانگیر اور اس کی بیوی کو برداشت کر سکتا تھا لیکن ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجموعی طور پر ہمارے گھر کا ماحول گھٹن کا شکار ہو جاتا۔ اسی کے ساتھ آزادیاں بھی محدود ہو جاتیں۔

اول خان نے ان کے لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کرکے ہماری ایک بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے قیدیوں والی بیرک تک پہنچ گئے۔ میں اول خان کے ساتھ ریٹائرنگ روم میں آ گیا۔ ویرا، سلطان شاہ کو ساتھ لے کر اس کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں شیدے کو رکھا گیا تھا۔ ہر آنے والا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔

جلال نے اس معاملے میں جس دلچسپی کا مظاہرہ کیا وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ اس نے میرے ایک اشارے پر قاسم کو ہمارے حوالے کرکے جہانگیر کی واپسی میں اہم ترین

کردار ادا کیا تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ ہم نے جہانگیر تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کی ہوتی تو سوبھراج اس پر ہاتھ ڈال چکا ہوتا۔

میں نے جلال کو فون کیا تو وہ صدف مینشن پہنچ چکا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس کا پہلا سوال جہانگیر کے بارے میں تھا۔

میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہو گیا ''خدا کا شکر ہے کہ وہ سوبھراج کے چنگل میں جانے سے بال بال بچ گیا۔ تمہیں بروقت قاسم کا خیال کیسے آ گیا؟''

''شیدے پر محنت بارآور نہ ہونے کے بعد ایک وہی نام سامنے رہ گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا ''مجھے یہ امید نہیں تھی کہ جہانگیر اسی کے گھر سے بازیاب ہو سکے گا۔''

''وہ میرے آدمیوں کی تحویل میں رہتا تو روٹین میں اب اس کی باری آ گئی ہوتی۔ ہماری پوچھ گچھ سوبھراج کی ذات تک محدود رہتی اور وقت ہاتھ سے نکل جاتا۔'' وہ کہہ رہا تھا ''بس یہ برا ہوا کہ سوبھراج ایک مرتبہ پھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

میں نے اسے یا ویرا کو سلطان شاہ کی اس حماقت کے بارے میں نہیں بتایا کہ اس نے بوکھلاہٹ میں دوسرا فائر سوبھراج کی گاڑی کے ٹائر پر کیا تھا۔ ان دونوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ سلطان شاہ کی فائرنگ کے باوجود سوبھراج نکل گیا۔ ویرا کو اصل واقعے کی بھنک مل جاتی تو وہ سلطان شاہ کا جینا حرام کر سکتی تھی۔

''یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم لوگوں کی ساری تدابیر کے باوجود وہ سرحد پار کر کے ایران جانے میں کامیاب ہو گیا'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''اب وہ کراچی لوٹ آیا ہے تو ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ اس بار وہ سرحد پار نہ جا سکے۔''

''وہ بہت عیار اور جھوٹا ہے' ہو سکتا ہے کہ کراچی میں چھپا ہوا اور اس نے قاسم سے جھوٹ بولا ہو'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اس بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ کراچی کے قرب و جوار میں ہوتا تو کامیاب اغوا کی خبر ملنے کے بعد قاسم کے گھر تک پہنچنے میں اتنی دیر نہ کرتا۔ آثار بتا رہے ہیں کہ پاکستان میں اسے اپنے گرد موت کے سائے پھیلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ جہانگیر کے ذریعے مجھے گھیرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکے گا۔ پہلی فرصت میں بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ اس بار بھی ایران کا آزمودہ راستہ اختیار کرے۔''

''کراچی سے نکلنے والے راستوں کی مسلسل نگرانی ہو رہی ہے۔ کچے اور غیر روایتی راستوں کو سیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ناکہ بندی زیادہ سخت ہو جائے۔ تم بھی قاسم پر محنت کرو۔ اس وقت وہ بہت اہم مہرہ ہے۔''

''دوسرے کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی وہ صدف مینشن کے اعصاب شکن ماحول سے خوف زدہ کیے جا رہے ہیں۔ میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ان دونوں کا رخ کروں گا۔ چاہو تو تم بھی میرے ساتھ شامل ہو سکتے ہو۔ تمہارے بیشتر سوال بہت تیکھے اور برجستہ ہوتے ہیں۔''

میں نے اس سے صدف مینشن کا چکر لگانے کا وعدہ کیا اور ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔ اسے تازہ ترین واقعات سے باخبر کرنے کے بعد میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ واپس آ چکے تھے۔ غالباً اس دوران میں سلطان شاہ نے اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دیا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کی سنگین غلطی کو چھپا لیا تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ احساس اس کے سر پر مسلّط ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کی فطری خوش دلی رخصت ہو چکی تھی اور وہ ویرا کے مقابلے میں دبا دبا نظر آ رہا تھا۔

''شیدے پر بلاوجہ اتنی محنت کی گئی۔'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا بولی ''شاید قاسم اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

''اس وقت صرف شیدا ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ برے حال کو پہنچ جانے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میں نے ایسے سخت جان مجرم بہت کم دیکھے ہیں۔''

''اسی وجہ سے سوبھراج نے اسے قاسم فشریز میں لگوایا ہوگا۔'' اول خان بولا ''جرائم کی دنیا میں ایسے جی دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اپنی جان دے دیتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے۔ مجھے حیرت ہے کہ اسے سوبھراج کی ہدایت پر قاسم نے اپنی فیکٹری میں ملازم رکھا لیکن شیدا سوبھراج سے بالکل واقف نہیں ہے۔''

''سوبھراج عتاب میں آنے سے پہلے دہری زندگی گزار رہا تھا۔'' میں نے کہا ''ایک طرف اسے اقتدار کے ایوانوں میں رسائی حاصل تھی تو دوسری طرف کوبرا کے روپ میں مجرموں سے اس کے گہرے روابط تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان دنوں شیدا اس کی نظروں میں آیا ہوگا۔ اسے قانون سے پناہ اور گزارے کے لیے روزگار کی ضرورت تھی' سوبھراج کام کے آدمیوں کی تلاش میں تھا۔ شیدا آرام سے قاسم فشریز میں کھپ گیا۔''

''ہر طرف سے رابطے ختم ہونے کے بعد وہ اس سے کام

لینے پر مجبور ہوگیا۔'' ویرا نے بات آگے بڑھائی'' اس کے حالات زیادہ خراب نہ ہوتے تو شاید وہ اسے داؤ پر نہ لگاتا۔''

''شیدا ایک مفرور اشتہاری مجرم ہے۔ یہاں اسے کافی سزا مل گئی۔ اسے یہاں رکھ کر پالنے کے بجائے اب پولیس کی تحویل میں دے دینا بہتر ہوگا تاکہ وہ کھلی عدالتوں میں اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کرکے اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے۔'' اول خان نے تائید طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا'' رات تقریباً گزرنے والی ہے کیوں نہ ہم قاسم کا قصہ بھی نمٹالیں۔''

قاسم کو اسی وقت بلالیا جائے تو میں بھی اس کارروائی میں شامل ہوجاؤں گی۔'' ویرا نے اپنی ٹانگ اڑائی'' البتہ شیدے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے مجنوں سے مشورہ ضرور کرلینا۔ اپنے ہاتھوں سے شیدے کو مارے بغیر اسے چین نہیں آئے گا۔''

''وہ شیدے کی حالت زار پر ترس کھا کر اسے اپنی طرف سے معاف کرچکا ہے۔'' سلطان شاہ نے ویرا کو آگاہ کیا'' ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھی پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہو۔ شیدے کے بارے میں اس سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

قاسم کو ریٹائرنگ روم میں بلوایا گیا تو ناک پھول جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی خون آلود قمیص دھولی تھی پھر بھی اس کی ناک سے گرنے والے خون کے داغ خاصے نمایاں تھے۔ ہمارے ساتھ ویرا کو موجود پاکر اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی مگر اس نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس وقت تک اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ ہم لوگ اپنے قیدی کی زبان سے سوال سننا پسند نہیں کرتے۔

اسے اپنی طلبی کا سبب نہیں بتایا گیا تھا اس لیے وہ بہت زیادہ سہما ہوا تھا۔ جب میں نے اسے بٹھا کو سوبھراج کے بارے میں پہلا سوال کیا تو اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

قاسم کی معلومات کے مطابق شہر کے کاروباری حلقوں میں سوبھراج کے جاننے والوں کی تعداد کافی تھی لیکن اس نے اپنے کالے دھن کی سرمایہ کاری کے لیے کسی چلتے ہوئے کاروبار کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ اپنے پیسے کی مدد سے ڈوبے ہوئے لوگوں کو سہارا دے کر دوبارہ کھڑا کیا تھا۔

قاسم فش ہاربر کا ایک کامیاب تاجر تھا۔ وہ نیلام ہونے مچھلی خرید کر آگے بیچتا تھا۔ ایک بڑے سودے میں رقم ڈوب جانے کی وجہ سے وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔ دوسرا شیرازی تھا جو کلیئرنگ اور فارورڈنگ کی مشہور فرم میں بڑے عہدے پر ملازم تھا۔ اسے غبن کرنے کے الزام میں کئی برس پہلے ملازمت سے برطرف کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ دوسری ملازمت حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ تیسرے شخص کا نام رفیق تھا۔ وہ ریکروٹنگ کا کام کرتا تھا۔ فراڈ اور جعل سازی کی متعدد شکایتوں کے بعد اس کا زرضمانت ضبط کرکے اس کی ریکروٹنگ ایجنسی کا لائسنس منسوخ کردیا گیا تھا۔

قاسم فشریز کی کامیابی کے بعد سوبھراج نے ایک ایک کرکے رفیق اور شیرازی کو ان کے مخصوص شعبوں میں دوبارہ مارکیٹ میں آنے میں مدد دی تھی۔

قاسم کے ان دونوں سے گہرے روابط تھے۔ ان کے سوا وہ کسی چوتھے شخص سے واقف نہیں تھا جو سوبھراج کا شریک کار ہو۔

قاسم انڈسٹریز سے بیرون ملک بھیجی جانے والی مچھلی کے کنٹینرز لوڈ کرنے کے لیے کارگوکنگ کے دو مخصوص آدمی آتے تھے۔ قاسم ہیروئن کے پیکٹ ان کے حوالے کردیتا تھا جو صفائی سے آگے نکل جاتے تھے۔ اس بارے میں کہیں سے کوئی شکایت نہیں آئی تھی۔

باہر کے خریداروں کی ضرورت کے مطابق مقامی بلیک مارکیٹ سے ہیروئن کی خریداری شیدے کے ذمے تھی۔ وہ نہایت مناسب نرخوں پر اعلیٰ ترین معیار کی ہیروئن مہیا کرنے میں پوری رازداری سے کام لیتا تھا۔ بظاہر کسی اور کو فشری کے اس غیر قانونی دھندے کا علم نہیں تھا لیکن قاسم کو شبہ تھا کہ فشری میں سوبھراج کے رکھوائے ہوئے دو ملازم بھی اس کام میں رشید کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ صرف چوکیدار بے خبر ہوسکتا تھا۔

برآمدی مچھلی کے ساتھ اسمگل ہونے والی ہیروئن کی قیمت براہِ راست سوبھراج کے ان کھاتوں میں منتقل ہوجاتی تھی جو روایتی قانون سے ماورا' آف شور بینکوں میں کھلے ہوئے تھے۔ قاسم کو منافع کا بیس فیصد حصہ مقامی کرنسی میں الگ سے مل جاتا تھا۔ جب کہ مچھلی کے کاروبار میں وہ نصف منافع کھاتوں سے باہر رکھ کر خاموشی سے سوبھراج کو ادا کردیتا تھا۔

وہ قاسم فشریز میں سوبھراج کے غیر قانونی کاروبار کی ایک کہانی تھی۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی تھی کہ روزگار انٹرنیشنل اور کارگوکنگ کو بھی ان خطوط پر چلایا جارہا تھا۔ سوبھراج نے اپنے راج محل کو آگ لگادی تھی مگر اس کے خفیہ مقامی اثاثے محفوظ تھے۔ اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع سامنے آگئے تھے لیکن پھر بھی سوبھراج کی اندھی آمدنی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

اتنے رازدارانہ روابط کے باوجود سوبھراج کسی پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنے کا قائل نہیں تھا۔ نہ وہ اپنے ذاتی معاملات

میں کسی کو دخیل ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ قاسم اس کی سرحدوں سے غیر قانونی نقل وحرکت پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ جہانگیر کے اغوا کی خبر دینے کے موقع پر اسے سوبھراج کی زبانی یہ معلوم ہو گیا کہ ایران میں ہونے کی وجہ سے اسے جہانگیر تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ وہ چاہتا تو اپنی بیرون ملک موجودگی کا ذکر کیے بغیر تاخیر سے آمد کا فیصلہ سنا سکتا تھا۔

سوبھراج کے جرائم بہت واضح اور سنگین تھے۔ اس کے خلاف کئی گواہ آئی بی کے قبضے میں آ چکے تھے۔ ان میں سنیل اور چارلی کے نام قابل ذکر تھے۔ اس صف میں قاسم کا نام نیا مگر بہت اہم تھا۔ اگر اسے پوچھ گچھ کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ امکان بہت روشن تھا کہ سوبھراج' ڈاکٹر صادق کی طرح اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے۔

سوبھراج ایک بھڑکے ہوئے درندے کا روپ دھار چکا تھا۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آنکھ مچولی کب اور کیسے ختم ہوگی۔ اس محاذ آرائی کے نتیجے میں اگر وہ مارا جاتا تو اس کا حساب بے باق ہو جاتا۔ کسی مقدمے کی نوبت آتی نہ گواہوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس کے زندہ پکڑے جانے کی صورت میں دوسروں کے ساتھ قاسم کی ذات بھی اہمیت اختیار کر جاتی۔

قاسم تھکا ہوا اور خوف زدہ تھا' پہلے سلطان شاہ نے اس کی ٹھکائی کی پھر جہانگیر نے اسے اپنے قہر کا نشانہ بنایا۔ اسے یقینی طور پر آرام کی ضرورت تھی۔ میں نے باز پرس کے ابتدائی مراحل ختم ہونے کی نوید سنا کر اسے اس کے کمرے کی طرف بھیج دیا۔

''صبح کے تین بج رہے تھے۔ اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر سوال کیا۔ اس کے بشرے سے تکان کے آثار مترشح تھے۔

''آج کا کام پورا ہو گیا۔ ہم تینوں کی روانگی کا بندوبست کرو!'' میں نے ہلکی سی جمائی لے کر کسل مندانہ انداز میں کہا۔

''میں تمہیں چھوڑتا ہوا گھر نکل جاؤں گا۔ تم جہانگیر کو بریف کر دو کہ اب وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جہانگیر کو ایک کرب ناک تجربے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ملنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت ان دونوں کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ جہانگیر سمجھ دار تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ اندازہ ہو چکا تھا کہ حالات نے کس قدر سنگین رخ اختیار کر لیا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ وقت کے دھارے کے خلاف چل کر کوئی خطرہ مول لے گا۔

اول خان ہمیں گھر کے دروازے پر گاڑی سے اتار کر آگے نکل گیا۔ ابرار نے چھت سے ہمیں دیکھا اور نیچے آ کر دروازہ کھول دیا۔ ہم گھر میں داخل ہوا تو غزالہ اپنے کمرے سے برآمد ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آہٹیں سن کر گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔

''آخر آپ لوٹ آئے!'' اس نے اپنے بکھرے ہوئے بال پشت پر سمیٹتے ہوئے کہا'' جہانگیر کہاں ہے' سلمٰی کو کہاں چھوڑ آئے؟''

''ابھی تمہاری نیند اچاٹ ہوئی ہے اور غنودگی کے عالم میں بھی تمہیں ان دونوں کی فکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں ان ہی کے خواب دیکھ رہی تھیں۔'' ویرا طنز سے بولی۔

''سلمٰی کے آ جانے سے سب سے زیادہ پریشانی تم کو تھی۔ یہ تمہاری کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔'' غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

''یہ کسی کی شرارت نہیں ہے۔ وہ دونوں اب اول خان کے مہمان ہیں!'' میں نے بات وہیں ختم کرنے کے لیے جلدی سے کہا۔

''اب میں سکھ کی نیند سوؤں گی' سوگ کی فضا میں میری نیند بھی اڑ گئی تھی۔'' ویرا یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے سر ہلا کر اسے بھی رخصت کر دیا اور غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

غزالہ کی خمار سے بوجھل آنکھوں میں ایسی کشش عود کر آئی تھی کہ میں کمرے کی خلوت میں اس سے دور نہ رہ سکا اور والہانہ انداز میں اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ جیسی بیوی میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس کی ذات سے مجھے خلوص' محبت' دردمندی اور خوش مزاجی کے ایسے لاہوتی چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے جن سے انسان صرف مسرتیں اور آسودگی کشید کرتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے کبھی مجھ سے تلخ کلامی کی ہو۔ میں باہر سے جب بھی گھر میں داخل ہوا اس نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اس کی رفاقت میں' میں باہر کی ساری کلفتیں بھول جاتا تھا۔

''آپ تھکے ہارے آئے ہیں۔ کپڑے بدل کر آرام سے سو جائیں!'' اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا' اور مچل کر میری باہوں سے پھسل گئی۔ مجھ سے چند قدم دور جا کر اس نے میری طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی'' اس وقت نیند سے میرا برا حال ہو رہا ہے۔ مجھے سو جانے دیں تو یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔''

میں نے بھی اس کی طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کروٹ سے بستر پر دراز ہوگئی اور میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں بھی لیٹنے کی تیاری کررہا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے غزالہ پر ایک نظر ڈالی وہ ذراسی دیر میں نیند کی گہری آغوش میں جاچکی تھی۔ میں سرعت سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا تو ٹام کی خشک آواز سنائی دی ''کرنل! مجھے کل شام کے واقعے پر دلی صدمہ ہے۔''

''بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے۔ اب تمہاری یہ ریاکاری نہیں چل سکے گی۔'' میں نے تاریک ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر ٹک کر تلخی سے کہا۔

''یہ ریاکاری نہیں' حقیقت ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا ''مجھے واقعی دکھ ہوا ہے۔''

''شاید اب تم یہ کہو گے کہ الفا سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے مارنے کے لیے آسمان سے وہاں ٹپکا تھا'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کرنل! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے اصل ملال اس بات کا ہے کہ وہ کوشش ناکام ہوگئی۔ اس ناکامی سے میرا یہ شبہ بھی درست ثابت ہوگیا کہ تم مجھ سے مخلص نہیں رہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا میں یہ سمجھتا رہا کہ تم پوری رازداری کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ تم اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد پھیلائے رکھتے تھے۔''

''بہت خوب! اگر میں الفا کے ہاتھوں مارا جاتا تو تمہیں میرے مخلص ہونے کا یقین آجاتا۔ یہ بہت عجیب منطق ہے جو صرف تم پیش کرسکتے ہو۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا کوئی عام آدمی بھی ایسی نرالی منطق پیش نہیں کرسکتا۔''

''یہ کوئی منطق نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں تھا تو میں بھی تمہاری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوچکا تھا۔ تم ایک وار سے بچ گئے۔ اگلی بار تمہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اگر تم نے یہ دھمکی دینے کے لیے فون کیا ہے تو کان کھول کر سن لو کہ میں ایسے ہذیان کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔'' میں نے درشت لہجے میں جواب دیا ''ایسی گیدڑ بھبکیاں میں ایک مدت سے سنتا چلا آرہا ہوں۔ اب ان کا عادی ہوچکا ہوں۔''

''یہ دھمکی نہیں ایک حقیقت ہے۔ ابھی اس واقعے کے خدوخال واضح نہیں ہوئے۔ وہ باتیں سامنے آئی ہیں جو ٹیلی وژن پر بار بار دہرائی جارہی ہیں۔ ان میں تمہارے انجام کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ تمہارا فون آن ہوا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ الفا اپنا کام دکھانے سے پہلے بدنصیبی کا نشانہ بن گیا۔ کل شام ہمارے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔ اس واقعے میں تم نے کہیں بھی میرا نام لیا تو پھر میں برائی کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔''

''تم نے دیر کردی!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تم سکتے کے عالم میں تھے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔''

''بکواس مت کرو!'' فون پر اس کی غراہٹ سنائی دی ''تم نے میرے اوپر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو وہ تمہارے منہ پر گرے گی۔ تمہارے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ اپنی زبان بند رکھو' ایس بی ایف سے مستعفی ہوجاؤ اور کہیں روپوشی اختیار کرلو۔''

''کیا میرے لیے ایف بی آئی میں شاندار ملازمت کی پیشکش واپس لے لی گئی ہے!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

''کرنل! تم کو اپنی ان باتوں پر پچھتانا پڑے گا۔ تم سوبھراج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ تمہارے ملک کا ایک نامور آدمی تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے غداری کرنے کے بعد وہ کتنا خوف زدہ ہے۔ اب وہ ہم سے معافی اور سمجھوتے کا طلب گار ہے' گڑگڑا رہا ہے' وہ جانتا ہے کہ ہم سے دشمنی مول لینے والے کو کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اب وہی وقت تم پر آنے والا ہے۔''

ٹام کے دماغ میں اپنی بڑائی اور برتری کا خناس گھسا ہوا تھا۔ اس گھمنڈ میں اس سے پہلے بھی غلطی ہوچکی تھی اور اس وقت اس نے یہ اہم انکشاف کرڈالا کہ سوبھراج اپنے بارے میں ایف بی آئی کے سفاکانہ عزائم سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود اس سے معافی اور سمجھوتے کا خواہاں تھا۔

اپنے ڈسپلن کے معاملے میں وہ لوگ بہت سخت اور سنگ دل تھے۔ کوئی فیصلہ کرلیتے تھے تو وقت اور فاصلے کی پروا کیے بغیر اسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ ان سے مفاہمت کے لیے سوبھراج کے پاس کوئی ایسی پیشکش ہونی ضروری تھی جس کے عوض ایف بی آئی والے اسے معاف کرسکیں۔

اس خطے میں ان دنوں امریکیوں کی ساری دلچسپی صرف میری ذات میں مرکوز تھی۔ اپنے عالمگیر مقاصد کے تحفظ کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے لقمہ اجل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

سوبھراج نے ایک طرف جہانگیر کے اغوا کا بندوبست کرکے میری گردن پر ہاتھ ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ دوسری

طرف وہ ٹام سے رعایت اور مفاہمت چاہتا تھا۔ بات بالکل واضح تھی کہ ٹام اس کی کسی یقین دہانی پر اعتبار کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سوبھراج مجھے ان کے حوالے کر کے خود کو ان کی سزا سے بچا سکتا تھا۔

سوبھراج کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ میرے مقدر کی خوبی کی وجہ سے الفا مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے چکر میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ میرے دشمنوں کی خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں اور میں ان کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے زندہ تھا۔

''سوبھراج تمہارے لیے کوئی نامور اور بڑا آدمی ہو سکتا ہے' میری نظروں میں اس کی حیثیت دو ٹکے کے کسی بازاری بدمعاش سے زیادہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا ''وہ تمہارے سامنے گڑگڑا سکتا ہے' تمہارے پیروں میں گر سکتا ہے' میں مسلمان ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو تم جیسے ہزار بندر مل کر بھی مجھے نہیں مار سکیں گے.....''

''شٹ اَپ!'' اس نے دہاڑتے ہوئے میری بات کاٹ دی ''میں دیکھوں گا کہ تمہارا کیا انجام ہوتا ہے۔ موت سے اس بے خوفی نے تم لوگوں کو سرکش بنا دیا ہے۔''

تم لوگوں کا اجتماعی صیغہ استعمال کر کے اس نے مسلمانوں کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کر دیا۔ میں نے باتوں کی روانی میں اپنے مسلمان ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ وہ بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی۔ اس کے دل میں چھپا ہوا زہر زبان پر آ گیا۔

میں نے اس کے تعصب کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ میرے کہے ہوئے چند کڑوے کسیلے جملے اس کی ذہنیت نہیں بدل سکتے تھے۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا ''میرا انجام دیکھنے کے شوق میں تم الفا کو کھو چکے ہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اتنا سا فرق ہے کہ تم موت سے ڈر کر منصوبے بناتے ہو ہم بے خوف ہو کر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ہماری سرزمین پر ایک ذمے دار امریکی افسر ہوتے ہوئے تم ایسی گھٹیا باتیں کر رہے ہو۔''

''تم میری اس گفتگو کو کہیں ثابت نہیں کر سکو گے۔ میرے ایریئس سے لگے ہوئے آلات بتا رہے ہیں کہ تم یہ گفتگو ریکارڈ نہیں کر رہے۔ میں نے تمہیں وارننگ دے دی ہے۔ اپنی زبان بند رکھو اور اپنا راستہ بدل لو۔ دوسری صورت میں تم برے انجام کا سامنا کرو گے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب مجھے ڈینی کی تلاش کی ذمے داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے؟'' میں نے اچانک اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ ہم لوگ کی غلطی تھی کہ ہم نے اس مردود کو پکڑنے کے لیے تمہارا سہارا لیا۔'' اس کی آواز ایک دم تیز ہو گئی ''میں نے کل کھل کر تمہیں بتا دیا تھا کہ اب ہم نے تمہیں سمجھ لیا ہے۔ تم ڈینی کا نام لے کر ہمارے ساتھ کوئی گھناؤنا کھیل' کھیل رہے ہو۔ اسے ہم خود پکڑ لیں گے۔ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے اب ہم دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''ذرا جڑ سے پکڑنا ورنہ وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''یہ اچھی بات ہے کہ اب تمہیں عقل آتی جا رہی ہے۔ تم مجھے دھمکا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ میں بھی تمہاری درگت بنا سکتا ہوں۔ بعد میں وزارت خارجہ میں شکایتیں نہ کرتے پھرنا۔''

''تم بہت لاف وگزاف کر رہے ہو۔ میری خواہش ہو گی کہ کوئی تمہارے منہ میں نال ٹھونس کر گولی چلائے تاکہ اس بڑے منہ کا نام ونشان باقی نہ رہے۔''

''میں نے تمہارا چیلنج قبول کر لیا ہے۔'' میں نے اس کی بات اڑا کر کہا ''بات مرنے مارنے کی ہے تو میری کوشش ہو گی کہ یہاں سے تمہارا تابوت جائے اور......''

اس بار میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ٹام نے فون بند کر دیا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان پچھلی شام جو تلخیاں پیدا ہوئی تھیں انہیں کسی نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' بات بڑھتی چلی گئی۔

ان لوگوں کے دماغوں پر اپنی طاقت کا نشہ سوار تھا۔ وہ جو چاہتے کہہ سکتے تھے مگر میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی حیثیت سے کوئی غیر ذمے دارانہ بات کرنے سے کافی دیر تک گریز کرتا رہا مگر اس نے آخر میں مجھے جوابی دھمکیاں دینے پر مجبور کر دیا۔

ٹام سے گفتگو ختم ہونے کے بعد میں کافی دیر تک ڈرائنگ روم کے اندھیرے میں بیٹھا سوچتا رہا کہ ٹام کی اس کال کا کیا مقصد تھا۔

اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی ساری باتیں خرافات پر مبنی تھیں۔ اس فون کال کے ذریعے وہ صرف میرے انجام کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ ٹیلی وژن پر وی آئی پی کے کارواں پر ناکام قاتلانہ حملہ کرنے والے کے مارے جانے کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ اس میں کسی اور کردار یا واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

اسٹیڈیم کی پارکنگ سے ٹام کی گاڑی روانہ ہوتے ہی وہاں گولی چلی تھی۔ اس ایک فائر سے ہونے والی موت کی خبر شہر میں ہر طرف پھیل چکی تھی۔ وہاں کوئی دوسرا فائر نہیں ہوا تھا۔ مجھے

حیرت تھی کہ ثام کو میری سلامتی کے بارے میں خدشات کیوں تھے۔
پھر وہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی۔ جلال سے ضرورت کے تحت فون پر کئی مرتبہ میری بات ہو چکی تھی۔ پچھلی شام مراد میڈیکوز کے قریب اس سے ملنے کے لیے بھی گیا تھا لیکن اس سے تفصیلی بات چیت کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ ہر بار مختصر اور کام کی باتوں کے بعد سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے یہ بتایا کہ الفا کی لاش کے قریب پورے میگزین کے ساتھ امریکی ساخت کی ایک رائفل ملی تھی۔ اس نے سائلنسر کا ذکر کیا تھا نہ مجھے اس بارے میں کچھ کریدنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ثام کے تجسس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ الفا کی رائفل بے آواز تھی۔ اس نے صرف یہ جاننے کے لیے مجھے فون کیا تھا کہ الفا اپنا کام پورا کرنے کے بعد مارا گیا یا تھا اس سے پہلے فرشتہ اجل نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔
میں اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پہلو میں لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔
میں تھکا ہوا تھا اور چند گھنٹوں کے لیے سونا چاہ رہا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں مگر ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا۔ دھیمی روشنی میں خواب گاہ کا سناٹا میرے لیے خیال انگیز ثابت ہو رہا تھا۔ ذہن میں دوستوں اور دشمنوں کے عجیب و غریب پیکر بن اور بگڑ رہے تھے۔
میں کافی دیر تک بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے ذہن میں ابھرنے والے تصوراتی خاکوں میں ثام اور سوبھراج کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری بے چینی غزالہ کی نیند میں خلل کا سبب نہ بن جائے۔ میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ اس بار میں نے باہر سے آنے والے انعکاس کو ناکافی تصور کرتے ہوئے ایک سائیڈ لیمپ روشن کر دیا۔
میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ صبح کا اجالا نمودار ہونے میں بہت دیر باقی تھی۔ مجھے نیند آ جاتی تو وہی وقت تیزی سے گزر جاتا۔ بے خوابی اور تنہائی کے عالم میں ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔
خود رو خیالات میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اپنا ذہن پچھلے چند گھنٹوں کے واقعات پر مرکوز کر دیا۔
جہانگیر کو سوبھراج کے بھیانک چنگل میں جانے سے پہلے رہا کرا کے میں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہو۔ میرے ساتھ میرے دشمنوں کے ستارے بھی ان کی یاوری کر رہے تھے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک ہی وقت میں دونوں حریف اپنی اپنی جگہ پر کامیاب تھے۔
آئی بی والوں نے الفا کو مار کر کامیابی حاصل کی تھی تو ثام نے اسٹیڈیم کی پارکنگ سے بروقت فرار ہو کر اپنی جان بچانے میں کامیابی حاصل کی تھی‘ سوسائٹی کے علاقے میں‘ میں نے جہانگیر کو رہا کرا کے سرخروئی حاصل کی تھی اور اسی مقام سے سوبھراج‘ سلطان شاہ کی فائرنگ سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
آویزش جاری تھی۔ ہمیں کوئی فیصلہ کن فتح نصیب نہیں ہو سکی تھی۔ یہ نقصان ضرور ہوا تھا کہ میں کرنل داور بن کر امریکی اہل کاروں کے ساتھ بلی اور چوہے کا جو دہرا کھیل‘ کھیل رہا تھا اس کا خاتمہ ہو چکا تھا‘ ثام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی۔
اس حد تک سب کچھ واضح تھا لیکن سوبھراج کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ حیران کن تیزی کے ساتھ ایران سے کراچی پہنچا اور ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔
ثام نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خود سوبھراج کو ٹٹول کر اپنی الجھن دور کرنے کی کوشش کرلوں۔ وہ میرے وقت کا بہترین مصرف ثابت ہو سکتا تھا۔
قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بعد یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ اس وقت سوبھراج کی سوچ کس سمت میں کام کر رہی تھی۔
میں نے خاموشی سے اس کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔
دوسری گھنٹی پر سوبھراج کی ہیلو کی آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔ میں اپنے گھر میں مضطرب تھا تو میرے دشمن بھی سکھ کی نیند سے محروم ہو چکے تھے۔ سوبھراج کی بھاری آواز میں خمار کا ہلکا سا شائبہ تک نہیں تھا۔
”کیا اس وقت بھی تم کراچی سے سیکڑوں میل دور ہو؟“ میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اپنی طرف سے تلخ کلامی کی ابتدا نہیں کروں گا۔
”اوہ......! ڈینی!“ اس کی تحیرزدہ آواز آئی ”کیا تمہیں جہانگیر کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی ہے؟“ اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے میرے سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔
اس کا سوال بہت مشکل تھا۔ اصولی طور پر اس کے معصومانہ

انداز پر مجھے پھٹ پڑنا چاہیے تھا۔ مصلحت کا تقاضا تھا کہ میں نرمی سے کام لوں۔ میں نے کہا ”اسے انٹیلی جنس بیورو والوں نے کسی مکان کے خانے سے برآمد کرلیا ہے۔ ابھی وہ ان کی تحویل میں ہے۔“

”یہ بہت اچھی خبر ہے۔ ایجنسیوں سے تمہارے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اب تک اسے گھر لوٹ آنا چاہیے تھا۔“ میری طرح وہ بھی صبر اور تحمل سے بات کررہا تھا۔

”وہ ابھی نہیں لوٹا۔ آئی بی والے اپنی پوچھ گچھ مکمل کرنے کے بعد اس کی جان چھوڑیں گے۔ کام کے معاملے وہ کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ وہ تمہارے آدمیوں کے خلاف کسی کریک ڈاؤن میں مصروف ہیں۔ اس دوران میں جہانگیر ان کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ خاص طور پر اس کو تلاش نہیں کررہے تھے۔“

”تم کس کریک ڈاؤن کی بات کررہے ہو؟“ اس کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ شہر میں لوٹ آیا تھا۔ شاید اسے اپنے کاروباری دوستوں سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے وہ تفصیلات سے بے خبر تھا یا شاید بن رہا تھا۔

”تم نے میرے پہلے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ اس بار میں نے اس کی بات ٹال دی۔

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ”میں کراچی سے بہت دور تھا۔ چند گھنٹے پہلے یہاں واپس آیا ہوں جہانگیر کے اغوا سے میرا یا میرے کسی آدمی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کسی نے تم کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش کی ہے۔ میں ایک بہت ضروری فائل لینے کے لیے آیا ہوں۔ کچھ آرام کر کے دوبارہ لوٹ جاؤں گا۔“

”اگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو خاموشی سے لوٹ جانا چاہیے۔“ کوشش کے باوجود میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہیں پاسکا۔ وہ بہت دیدہ دلیری کے ساتھ میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ ضروری فائل والی بات مجھے بے سروپا محسوس ہوئی تھی۔

”میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ شہر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ میں اپنے جن دوستوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہا ہوں ان کے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔“

”کیا میں تمہارے ان دوستوں کے نام جان سکتا ہوں؟“

”تمہارے لیے وہ اجنبی ہیں۔ تم میرے خیر خواہ ہو اس لیے یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ انہیں رفیق اور شیرازی کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔“ اس نے بہت مکاری سے کام لیتے ہوئے قاسم کا نام حذف کردیا۔

”یہ نام میرے لیے واقعی اجنبی ہیں۔“ میں نے بے ساختہ کہا ”مجھے صرف قاسم کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جہانگیر کو اس کے گھر میں قید کیا گیا تھا۔“

”یہ وہی قاسم تو نہیں جو ایک فشری کا مالک ہے؟“ سوبھراج نے قلابازی کھائی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ مکمل بے خبری کا اظہار کر کے وہ بات آگے نہیں بڑھا سکے گا۔

”سوبھراج! مجھ سے چال بازی مت کرو!“ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ پھر بھی میں نے اپنی آواز زیادہ تلخ نہیں ہونے دی۔ ”وہ تمہارا پارٹنر بتایا گیا ہے۔ اسے پکڑ لیا گیا ہے اور اس نے بدترین عذاب کے سامنے ہتھیار ڈال کر بہت کچھ اگل دیا ہے۔“

”وہ جھوٹا ہے اپنی جان بچانے کے لیے میرا نام لے رہا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا کہا ہے اس حرام زادے نے؟“

”میں بتا چکا ہوں کہ ابھی مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں۔“ قاسم کا نام لے کر اسے مضطرب کرتے ہی میری کھوپڑی کچھ ٹھنڈی ہوگئی اور میں اپنے لب و لہجے پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا ”مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم اپنے محسنوں کو ٹھکانے لگانے پر تل گئے ہو۔ ڈاکٹر صادق کے بعد قاسم بھی تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو مجھے تعجب نہیں ہوگا۔“

”تم پھر صادق کا نام لے بیٹھے۔ اس کا معاملہ دوسرا تھا۔ قاسم کو اس کے جھوٹ کی سزا ملنی چاہیے۔“

”یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قاسم کے گھر پر خفیہ چھاپے کے وقت ایک گاڑی میں دو مشتبہ آدمی وہاں آئے تھے جو للکارنے پر وہاں سے بھاگ گئے۔“ میں نے سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

”کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک میں خود تھا۔“ اس نے جھلاہٹ کا سا لہجہ اختیار کر کے پیش بندی کرنی چاہی۔

”یہی کہا جارہا ہے۔ خم دار ناک کی وجہ سے تم کو ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ تم وہاں کیا کرنے کے لیے گئے تھے؟“ میں نے بات کھول دی۔

”یہ جھوٹ ہے سراسر بکواس ہے۔ آئی بی کوئی معمولی ایجنسی نہیں ہے۔ انہوں نے میرا سایہ بھی دیکھ لیا ہوتا تو دنیا کے آخری سرے تک میرا پیچھا کرتے۔ مشتبہ آدمیوں کے فرار ہونے کی کہانی کیا تمہیں بودی نہیں معلوم ہوتی؟“

وہ اس کا مضبوط نکتہ تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے کہا ”میں کہانی نویس ہوں اور نہ کہانیوں پر غور کرتا ہوں۔ مجھے حقائق بتائے گئے ہیں جنہیں جھٹلانا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ان کی ساری توجہ قاسم کے گھر پر مرکوز تھی جہاں ایک قیدی مل چکا

تھا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر تمہارے پیچھے نہیں جا سکتے تھے اس لیے تم نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تم خود سوچو! میرے لیے وہاں کیا رکھا ہوا تھا۔ میں وہاں کیوں جاتا؟"

"سوچنے کی بات مت کرو۔ میں نے ان کڑیوں پر بہت غور کیا ہے اور ایک نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔ میں اس بارے میں ابھی اپنی زبان نہیں کھولنا چاہتا۔ جہانگیر آ جائے تو اس کی کہانی سننے کے بعد میں کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔ تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دشمن میرے خلاف تمہارے کانوں میں زہر انڈیلنے میں کامیاب رہے ہیں۔ مجھ سے کھل کر بات کرو میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مناؤں گا۔"

وہ مجھے خود راہ دے رہا تھا۔ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔ میں نے ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں "سچی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ تم میری نظروں میں دھیرے دھیرے اپنا اعتبار کھوتے جا رہے ہو۔ میرے ذہن میں ایک کچا نظریہ جنم لے چکا ہے۔ جہانگیر آ جائے تو وہ اس کی تائید یا تردید کر سکے گا۔" میں دانستہ خاموش ہو گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے۔ بولتے رہو۔ میں دھیان سے تمہاری بات سن رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "مجھے اپنے کچے نظریے کے بارے میں بتاؤ۔"

"قاسم تمہارا دوست اور پارٹنر ہے۔ تمہارے اشارے پر اس نے جہانگیر کو پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر لیا۔ قاسم سے وہ خبر ملتے ہی تم لوٹے اور اس کے گھر پہنچے لیکن آئی بی والے تم سے پہلے وہاں موجود تھے۔ تمہیں بھاگنا پڑا۔"

"مگر کیوں؟ تم نے یہ نہیں سوچا کہ میرا تم سے براہ راست رابطہ تھا تو میرے لیے جہانگیر کی کیا افادیت رہ گئی تھی۔ اتنے پاپڑ بیل کر مجھے کیا مل جاتا؟"

"میں نے خود تم کو مشورہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں سے میرا سودا کر لو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مشورہ بلا سبب نہیں دیا گیا تھا۔ میں تمہارا ذہن پڑھ رہا تھا تم پہلے سے اس لائن پر کام شروع کر چکے تھے۔ مجھے امریکیوں کے حوالے کر کے تمہیں ایف بی آئی سے معافی مل سکتی تھی۔ تمہیں امید تھی کہ جہانگیر تمہیں میرے ٹھکانے تک پہنچا دے گا لیکن آئی بی والوں نے تمہاری ان امیدوں پر پانی پھیر دیا۔"

"بہت انوکھی کہانی سوچی ہے تم نے!" وہ گمبھیر آواز میں بولا "میرے خلاف تمہارے دماغ میں لاوا ایک رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تمہاری ان غلط فہمیوں کو کیسے دور

کر سکوں گا۔"

"تم مجھ سے ملنے سے ہمیشہ کتراتے رہے ہو۔ ایک بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرلو۔ میں تمہاری آنکھوں میں سچ پڑھ لوں گا۔"

"میں بھی بہت شدت سے ایک تفصیلی ملاقات کی ضرورت محسوس کررہا ہوں۔ یہ بدقسمتی ہے کہ میرے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی مجبوری ہے۔ مجھے بینک لاکر سے ایک اہم فائل نکال کرلے جانی ہے اس کام سے نمٹنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔"

اس کی زبان سے دوسری بار فائل کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا "تم بار بار کس فائل کا ذکر کررہے ہو۔ اس کی کیا اہمیت ہے۔"

"تم یہ سوال نہ کرتے تب بھی میں تمہیں ضرور بتاتا کہ وہ کیسی فائل ہے۔ تم کو گرین کوبرا یاد ہے؟" اس کی آواز یکایک پرسکون ہوگئی۔

فائل کا وہ نام میرے دل ودماغ پر نقش تھا۔ یادداشت تازہ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دہلی کے تیرتھ رام اسپتال کے قریب واقع را کے دفاتر کا سربراہ انل بسواس تھا۔ میں نے اس کے ماتحت نریش شرما کو جہنم واصل کرکے اور اپنی جان پر کھیل کر گیارہ اہم ترین فائلوں کا بنڈل وہاں سے نکالا تھا۔ جن میں گرین کوبرا فائل سب سے اہم اور خطرناک تھی جسے جی سی کا کوڈ دیا گیا تھا۔

ویرا نے وہ تمام فائلیں لاہور میں جلال کے حوالے کی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ فائل سرکاری تحویل سے سوبھراج کے قبضے میں کیسے چلی گئی تھی۔

"یہ کوئی پرانی بات ہے تو مجھے یاد نہیں رہی۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"ذہن پر زور دو۔ سب یاد آجائے گا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کے سربراہ انل کی بنائی ہوئی فائل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسے تم اڑا کر لائے تھے۔ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔"

وہ ہولناک انکشاف تھا۔ میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس فائل کا غیر متعلقہ لوگوں کے ہاتھ میں جانا بہت خطرناک تھا۔ میں نے اپنے اوپر جبر کرکے بےزاری سے کہا "یہ سب تم مجھے کیوں بتارہے ہو؟"

"جنگل میں مورناچا، کس نے دیکھا۔ یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ وہ فائل میرے پاس ہے۔ تم یہ بات دوسروں کو ضرور بتاؤ گے۔ مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسرائیل اور امریکا اس فائل کے بہت بڑے خریدار ہیں۔ بتا کر ایسے کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اب میں اسے کھلی منڈی میں نیلام کروں گا۔ اب تک مجھے کچھ امید تھی کہ پاکستان میں میرے لیے فضا سازگار ہوجائے گی اور میں یہاں رہ سکوں گا مگر اب میں مایوس ہوچکا ہوں۔ جس ملک میں مجھے عزت نہیں مل سکتی، مجھے اس کی پروا نہیں ہوگی۔"

"مجھ سے ملنے کی بات کرتے کرتے تم نے اچانک یہ نئی کہانی شروع کردی۔ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"اب میرے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ تم فکر نہ کرو فائل اپنے قبضے میں محفوظ کرنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اب وہ فائل میری زندگی کی ضمانت ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے تم سمیت پاکستان کا ہر نمک خوار مجھے زندہ رکھنے پر مجبور ہوگا۔"

"میرا کسی فائل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس گمان میں نہ رہنا کہ میں چند کاغذوں کے لیے اپنے فیصلے بدلوں گا۔ اگر تم کو مجھ سے کوئی ڈر ہے تو پھر مجھ سے نہ ملو۔"

"نہیں ڈینی! میں تم سے ضرور ملوں گا۔ یہ ملاقات مجھ پر قرض ہے۔ تم جو چاہو کہتے رہو۔ تمہارا عمل میرے سامنے ہے راوالے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے یہاں آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تم اس فائل کو کیسے بھلا سکتے ہو جسے حاصل کرنے کے لیے تم نے دہلی میں خون کا ایک دریا پار کیا تھا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا "اس وقت تم متضاد باتیں کررہے ہو۔ کبھی فائل کو نیلام کرنے کی بات کررہے ہو اور کبھی اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہے ہو۔ تمہارا دماغ دھندلایا ہوا ہے۔"

"پہلے میں قاسم جیسے لوگوں سے یہاں اپنے حساب بےباق کروں گا۔ اس دوران میں فائل کی بولی بڑھتی رہے گی۔ بھارت والے بھی اسے واپس خریدنا چاہیں گے۔ وہ اسرائیل اور امریکا سے بڑے دام لگائیں گے۔ جب میں تمہاری مٹی کو آخری بار خیرباد کہوں گا تو اس فائل کا فیصلہ ہوگا۔ اس وقت تک یہ میری ڈھال بنی رہے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ اب جلد ہی میرا اور تمہارا آمنا سامنا ہوگا۔"

ہلکی سی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن اچانک خالی ہوگیا ہو۔ اس میں کوئی بات باقی نہیں رہی تھی، صرف گرین کوبرا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ فائل محفوظ ترین سرکاری تحویل سے سوبھراج کے ہاتھ میں کیسے چلی گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈپٹی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔

اب آپ قسط نمبر 240 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"تم خاموش کیوں ہو...... کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے زچ ہو کر تیسری مرتبہ وہ سوال کیا اور میں نے اسے ٹالنے کے لیے تپائی سے اخبار اٹھا کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"آپ اس بے چاری کو کیوں ستا رہے ہیں؟" غزالہ

نے اس کی سفارش کی" وہ آپ سے کچھ پوچھ رہی ہے۔"

"جب میں کچھ سوچ ہی نہیں رہا تو اسے کیا بتاؤں!" میں نے غزالہ سے کہا "کبھی کبھی آدمی کو خاموش رہ کر سکون ملتا ہے۔ اس وقت میں ایسی ہی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔"

"زیکھوڈِینی!" ویرا آنکھیں نکال کر بولی "میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔"

"بے شک!" اچانک سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "میں ایک مدت سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم ایک بالغ اور نیم عاقل عورت ہو، بچی یا لڑکی نہیں رہی ہو مگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بڈھے طوطے! تم خاموش رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہی۔" ویرا جل کر بولی "خود کو افلاطون مت سمجھا کرو۔ میں تم سے زیادہ عقل مند ہوں...... اگر میں نیم عاقل ہوں تو تم چوتھائی بلکہ اس سے بھی کم عاقل ہو۔"

"میرا درجہ گھٹانے کی کوشش مت کرو۔ تم ہر حال میں مجھ سے آدھی رہو گی۔" سلطان شاہ اس کے تلملانے پر ہنستے ہوئے بولا "اپنے مسلک میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوتی ہے۔"

"مسلک کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ تمہاری بدزبانی کے جواب میں دوسروں کی دل آزاری نہیں کی جاسکتی لیکن میری آرزو ہے کہ تمہاری شہادت کا موقع جلد از جلد آئے تاکہ زمین کا بوجھ کچھ کم ہو سکے!" ویرا نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

"میں اصلی شہادت کی نہیں، گواہی کی بات کر رہا تھا۔" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "تم میرے مرنے کی دعاؤں پر اتر آئیں!"

"مجھے پڑھانے کی کوشش مت کرو، اتنی اردو میں بھی جانتی ہوں۔" ویرا نے اسی لہجے میں کہا "میں نے وہی لفظ استعمال کیا ہے جو تمہاری زبان پر آیا تھا۔ حیرت ہے کہ تم ایک مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور شہید ہونے سے ڈرتے ہو!"

سلطان شاہ منہ چلا کر رہ گیا۔ اسے ویرا کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تم نے جو بات اچھے پیرایے میں استعمال کی ہے، وہ ٹام کے لیے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے۔" میں نے ان کی تکرار ختم کرانے کے لیے دخل اندازی کی۔

"تمہیں یکایک ٹام کیسے یاد آگیا؟" ویرا اپنی بحث کو بھول کر میری طرف متوجہ ہوگئی۔

"رات گئے اس کا فون آیا تھا۔ اسے سخت تکلیف ہے کہ موت سے بے خوفی نے ہم لوگوں یعنی مسلمانوں کو سرکش بنا دیا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"وہ صحیح کہتا ہے۔ دنیا بھر میں یہ سوچ بہت تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے کہ شہادت کے نظریے نے مسلمانوں کے لیے موت کو پرکشش بنا دیا ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والے اور دہریے بھی موت سے ڈرتے کانپتے ہیں۔" ویرا نے کسی تردد کے بغیر کہا "یہ اس کرۂ ارض کی بدنصیبی ہے کہ طاقت کا توازن اس وقت عیسائی دنیا کے ہاتھ میں ہے اور امریکا اس کا سرخیل بنا ہوا ہے۔ دنیا میں جہاں بھی ظلم ہوتا ہے اس کی ذمے داری امریکا کے سر پر ڈالی جاتی ہے اور ظلم کے خلاف لڑنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ وہ اپنے اللہ کے احکام کی سربلندی اور زمین کی حفاظت یا آزادی کے جذبے میں ڈوب کر لڑتے ہیں۔ ان کے دلوں میں موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ ان کے مخالف مرنے سے ڈرتے ہیں، کئی عشروں سے چلنے والی یہ مقامی لڑائیاں اب رفتہ رفتہ امریکا اور مسلمانوں کے تصادم میں ڈھل چکی ہیں۔ اسی وجہ سے امریکی زیادہ تشویش میں مبتلا ہیں۔ سب وہی سوچتے ہیں جو ٹام کہہ چکا ہے لیکن یہ بات دانستہ اچھالی نہیں جا رہی۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آج کی مشینی دنیا کی روح یعنی تیل پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اگر امریکا کھل کر مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتر آیا تو اس کے جگمگاتے ہوئے شہر ہولناک اندھیروں میں ڈوب جائیں گے اس کے لیے اپنا تیل ناکافی ہے۔"

"بہت خوب!" ویرا کی تقریر پر سلطان شاہ خاموش نہ رہ سکا۔ "تم نے ٹام کی ذرا سی بات کو کھینچ تان کر اس عالمی سیاست سے ملا دیا جس کے خلاف دنیا بھر میں شدید غم و غصے کی لہر اٹھی ہوئی ہے۔ تیل اور دوسرے وسائل کی لڑائی سے ہمارا کیا تعلق......! اس وقت ہمارا جھگڑا ٹام اور سوبھراج سے ہے۔ بات کو وہیں تک رہنے دو۔"

"تم میرا مضحکہ اڑاتے رہو لیکن میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ ایک دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ میری ہر بات سچ ہے۔" ویرا بولی۔

"پاکستان میں کہیں بھی قابلِ ذکر مقدار میں تیل نہیں پایا جاتا پھر تمہارے ہم وطن کیوں ہمارا تیل نکالنے پر تلے ہوئے ہیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"تمہارے دو قصور ہیں۔ اول یہ کہ تمہارا ملک انتہائی حساس جغرافیائی خطے میں واقع ہے۔ روس کو دندان شکن ہار کا

سامنا نہ کرنا پڑتا تو وہ افغانستان کو روندنے کے بعد پاکستان کا رخ کرتا تاکہ اسے گرم پانی کی سال بھر کھلی رہنے والی بندرگاہوں تک رسائی مل سکے۔'' سلطان شاہ کی ظالمانہ جرح کے باوجود ویرا کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی اور میں محض اس وجہ سے خاموش تھا کہ سلطان شاہ سے الجھ کر وہ مجھے بھولی ہوئی تھی۔

''تمہاری یہ اسٹرٹیجک اہمیت ہمیشہ بڑی طاقتوں کی نگاہ میں کھٹکتی رہی ہے۔ بھارت تم سے بہت بڑا ملک ہے لیکن اسے یہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی ''اس کو یہ خلش ہے کہ پاکستان نہ بنا ہوتا اور برصغیر ایک ہی مملکت ہوتی تو یہ اعزاز بھارت کو ملتا۔ اب ان کے پاس ایک کمزور کارڈ ہے کہ وہ چین کے پڑوسی ہیں۔ چین نے جب سے آہنی دیوار گرا کر معاشی میدان میں اوپن ڈور پالیسی اپنائی ہے' اس کے بارے میں مغرب کا رویہ بہت تیزی سے بدلا ہے۔ دشمنی اور مخاصمت کو بھول کر ہر ترقی یافتہ ملک اب دنیا کی سب سے بڑی منڈی میں گھسنے کی کوشش کررہا ہے......''

''تم بالکل درست کہہ رہی ہو!'' سلطان شاہ نے تمسخر آمیز انداز میں سرہلاتے ہوئے اس کی بات میں دخل اندازی کی ''سامراجیت کے نئے روپ کے بارے میں برسوں سے شور مچا ہوا ہے۔ اب فوجی قبضے کا تصور معاشی غلبے میں معدوم ہورہا ہے۔ امن و امان کے ساتھ آمدنی اور وسائل پر قبضہ ہوجانے کے بعد کسی جگہ فوجیں اتارنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اپنی بات آگے بڑھاؤ۔''

''بار بار بیچ میں ٹانگ مت اڑاؤ!'' ویرا نے ناگواری سے کہا ''مجھے بولنے دو۔ مصر ایک زمانے میں عرب قومیت کا سب سے بڑا داعی تھا۔ آج جمال عبدالناصر کا وہ مصر امریکا کی بغل میں دبا ہوا ہے۔ سوئیکارنو کے انڈونیشیا کا کیا حشر ہوا...... یہ سب کھلے کھلے سبق ہیں۔ چین کے گلی کوچوں میں آج راک' پاپ اور ڈسکو میوزک کی دھنیں گونج رہی ہیں۔ چینی نوجوانوں میں جینز اور ٹی شرٹ تیزی سے مقبول ہورہی ہے۔ اس ثقافتی اور معاشی یلغار سے بچنا بہت مشکل ہے۔ امریکی فرعونوں کے لیے تیسری دنیا سے کوئی موسیٰ نہ اٹھا تو اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں امریکی پوری دنیا کو نگل جائیں گے۔ اقوام متحدہ کٹھ پتلی اور بے بس تماشائی بن کر رہ جائے گی۔ دنیا بھر کے لیے فرمان امروز ہر صبح وائٹ ہاؤس سے جاری ہوا کرے گا۔ اس سے انحراف کرنے والوں کو پابہ جولاں کرکے دنیا بھر کے سامنے کسی چوپائے کی طرح ذلیل کیا جائے گا۔ کمزور قومیں ان سے دوستی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھیں گی۔ بے فیض حکمراں ان کے بڑوں کے ساتھ اپنی تصویریں کھنچوانے کو عین سعادت تصور کریں گے۔''

''یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے تجزیے بہت بے لاگ اور تیکھے ہوتے ہیں۔'' ویرا کے خاموش ہونے پر میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''امریکی ہونے کے باوجود تم ہر بات کو غیر جانب داری کی عینک سے دیکھتی ہو۔ اپنوں کی برائی کو بھی برائی سمجھتی ہو۔ دوسرے امریکیوں کی طرح اس کی پردہ پوشی کی کوشش نہیں کرتیں!''

''عام امریکی میری طرح سوچتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''جس طرح امریکا دوسری دنیا سے الگ تھلگ' تقریباً ایک براعظم ہے اسی طرح امریکی سوسائٹی بھی دوسرے معاشروں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ وہاں ہر شخص سیاست میں اپنا سر کھپانے کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی کھال میں مست اور اپنے حال پر خوش رہنے والوں کا ملک ہے۔ ہر چار برس بعد وہ اپنے صدر کا انتخاب کرتے ہیں اور پوری نیک نیتی سے پچھلے چار سالوں کی حکومتی کارکردگی کا جائزہ لے کر اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیتے ہیں اور پھر سیاست کو بھول کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ملک اور سیاست کو چلانا ان پیشہ ور لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے جو ان کے ووٹ سے برسرِ اقتدار آتے ہیں۔''

''حکمرانوں کے ساتھ رائے عامہ کا بھی ایک وزن ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ فراڈ ہے۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''وہاں حکومت کے علاوہ دوسری قوت ذرائع ابلاغ کی ہوتی ہے۔ وہ گیلپ پول کے نام پر ہر مسئلے پر رائے شماری کراتے رہتے ہیں اور اس کے نتائج کو خوب اچھالتے ہیں جسے رائے عامہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں دس پانچ ہزار افراد کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسے گیلپ پول میں جان بوجھ کر سوالات کی زبان اس طرح احتیاط سے منتخب کی جاتی ہے کہ ہر صورت میں پہلے سے طے شدہ ایک اکثریتی فیصلہ سامنے آجائے۔ امریکی معاشرت کا محور ڈالر ہیں۔ وہاں ہر شخص' ہر لمحے ڈالر کمانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے پاس سیاست لڑانے کا وقت نہیں ہوتا۔''

''تم یہ نہیں کہہ سکتیں' عام امریکی اتنے بے حس ہوں تو وہاں حکومتوں کی تبدیلی عمل میں نہیں آسکتی!'' میں نے اعتراض کیا۔

''وہ بے حس نہیں ہوتے۔'' اس نے تیزی سے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا ''پوری ہوش مندی سے ووٹ دیتے ہیں

اور چار سال کے لیے اکثریتی فیصلہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ دوبارہ ووٹ دینے کا وقت آتا ہے تو پچھلے چار سالوں کا کچا چٹھا ان کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ کمزور ہو تو حکمراں پارٹی آن واحد میں اپوزیشن میں دھکیل دی جاتی ہے۔''

''پتا نہیں یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا ''امریکا اپنی ایسی کی تیسی میں جائے ہمیں اپنے مسائل کے حل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''ہم اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا ''پوراپس منظر جانے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔''

''امریکیوں کی پاکستان دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بولی ''اس موضوع پر ہم بارہا بات کر چکے ہیں۔''

''کچھ باتیں نئی ہیں۔'' ویرا نے جواب دیا ''پچھلے چند برسوں میں دہشت گردی کو مسلمانوں سے منسوب کر کے امریکیوں کے ذہنوں میں پروپیگنڈے کے ذریعے اتنا زہر بھر دیا گیا ہے کہ اب امریکا میں وہی پارٹی حکمرانی کرے گی جو مکاری کے ساتھ دنیا بھر میں مسلمانوں کی سرکوبی کے عزائم رکھتی ہو۔ آج عام طور پر ہر امریکی مسلمانوں سے ڈرا سہما ہوا ہے۔''

''تمہارے پاس کوئی اور موضوع نہیں ہے تو میں باہر چلا جاؤں؟'' سلطان شاہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہاری وجہ سے بات اتنی بڑھی ہے۔'' ویرا نے دھیمے انداز میں کہا ''میں ڈینی کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ تمہارا دوسرا قصور یہ ہے کہ تم عالم اسلام کی اکلوتی ایٹمی طاقت بن چکے ہو۔ امریکی یہ بات جانتے ہیں کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنے عزائم کی پردہ پوشی نہیں کر سکیں گے۔ فیصلہ کن معرکے کے لیے انہیں ایک نہ ایک دن کھل کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑے گا۔ اس وقت کے آنے سے پہلے وہ تمہاری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ شہادت کے جذبے میں ڈوبے ہوئے مسلمان کے ہاتھ میں ایٹم بم آجانے کے تصور سے وہ لرزہ براندام ہیں۔''

ویرا خاموش ہوگئی۔ اس کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔

ٹام اور پھر سوبھراج سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد رات کا بقیہ حصہ جیسے تیسے گزر گیا تھا۔ وہ تینوں دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتے رہے لیکن میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا میں نے ناشتا کرتے ہوئے تازہ اخبار کا مطالعہ کیا پھر ایک ایک کر کے وہ تینوں بھی میز پر آگئے۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ویرا نے میرے بشرے سے فکرمندی بھانپ لی اور پھر اس نے میری تفکر آمیز خاموشی کے بارے میں پے در پے سوال کر کے دوسروں کو بھی اکسانا شروع کر دیا۔

''ٹام کے بارے میں آپ کیا کہہ رہے تھے...... اس سے آپ کی کب بات ہوئی؟'' ویرا کی پچھے دار باتوں کے سحر سے آزاد ہوتے ہی غزالہ کو ٹام یاد آگیا۔ اس نے میری بات وہیں سے پکڑی تھی جہاں سے میری فکرمندی کا سرا نکلتا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے جس نے ڈینی کو پریشان کیا ہوا ہے۔'' غزالہ کے سوال سے شہ پا کر ویرا شیر ہوگئی ''میں اتنی مدت سے تم لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ ایک ایک..... کے تیوروں کو پہچانتی ہوں۔ میں نے آتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈینی فکرمند ہے اور شاید رات کو سو بھی نہیں سکا۔'' عمومی انداز میں وہ شیخی بگھارنے کے بعد ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی ''تم سے کیا کہہ رہا تھا ٹام!''

''اتنی اونچی اڑان لینے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا ''ٹام کی بکواس کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ الفا نے مرنے سے پہلے اپنے کام دکھا دیا تھا یا وہ حرکت میں آنے سے پہلے مارا گیا تھا۔''

''خبر شہر میں پھیل چکی تھی۔ اسے یہ سب معلوم ہو چکا ہوگا۔'' ویرا نے بے اعتباری سے کہا۔

''شہر میں صرف یہ خبر پھیلی تھی کہ وی آئی پی موٹر کیڈ پر حملہ کرنے والا دہشت گرد ایک ایجنسی کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ خبر سرکاری ذرائع سے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر نشر کی گئی تھی۔ اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔''

''وہ اتنا اُلو کا پٹھا نہیں ہو سکتا تھا کہ فائر کی آواز سن کر بھی صحیح نتیجہ اخذ نہ کر سکا ہو۔'' ویرا نے جل کر کہا۔

''اس پر تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رسانیت سے اسے سمجھایا ''ہر روز نت نئے ہتھیار بازار میں آرہے ہیں۔ پھر سائلنسر لگے ہوئے بے آواز ہتھیاروں کا رواج پرانا ہے۔ اسے الفا کی تیزی کے بارے میں خوش فہمی رہی ہوگی۔ اس نے سمجھا کہ الفا نے اپنی رائفل سے ایک بے خطا فائر کر کے میرا کام تمام کیا اور پھر خود کسی نے بے آواز گولی کا نشانہ بن گیا۔''

''یہ ایک کمزور نظریہ ہے۔'' ویرا مطمئن نہیں ہو سکی ''ہر ہتھیار کے فائر کی ایک مخصوص آواز اور گونج ہوتی ہے وہ کیسا

سیکرٹ ایجنٹ ہے کہ اپنی دی ہوئی امریکن رائفل کے فائر کی آواز نہیں پہچانتا۔ اسے کہیں ڈوب مرنا چاہیے۔''

''عجلت اور بدحواسی میں آدمی ایسی تکنیکی باریکیوں کو فراموش کر جاتا ہے۔'' غزالہ نے میرا ساتھ دیا ''تم نے سنا نہیں کہ وہ انہیں اپنی گاڑی سے اتارتے ہی کیسی عجلت میں وہاں سے فرار ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی خاموشی سے اس کا پیچھا کرتا ہوا نیشنل اسٹیڈیم کی پارکنگ میں پہنچ چکا ہوگا۔''

''ٹام کے قصے پر لعنت بھیجو!'' ویرا نے جھلّائے ہوئے انداز میں کہا ''تم کہہ چکے ہو کہ ٹام سے ہونے والی گفتگو تمہارے لیے پریشان کن نہیں تھی پھر تم کس کے فراق میں رات بھر جاگتے رہے؟''

''میں نے سوبھراج سے بات کی تھی!'' میری زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی وہ تینوں حیران رہ گئے۔

''اور تم اتنی دیر سے ہر بات اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو!'' ویرا چیخ کر بولی۔

''قاسم، رفیق اور شیرازی کی گرفتاری نے اس کے اوسان خطا کیے ہوئے ہوں گے!'' سلطان شاہ نے پورے وثوق سے امید ظاہر کی۔

''اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ قاسم نے اپنے پکڑے جانے کے بعد اس کی پول کھول دی ہے۔ وہ مسلسل اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔''

''ظاہر ہے کہ وہ کھل کر جہانگیر کے اغوا کا کبھی اعتراف نہیں کرے گا۔'' ویرا نے کہا ''اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے کہ اصل بات کچھ اور ہے جسے تم نے ظاہر نہیں کیا۔''

''تم پوری بات سنے بغیر نتائج پر چھلانگ لگانے لگتی ہو۔'' میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا ''اس کے ساتھ میرا رویہ شروع سے آخر تک جارحانہ رہا۔ وہ مدافعت کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے گرین کوبرا کا ذکر کر کے مجھے حیران کر دیا۔''

''گرین کوبرا!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو وہی اہم ترین فائل تھی جسے تم نے دوسری فائلوں کے پلندے کے ساتھ دہلی سے اڑایا تھا۔''

''وہ پلندا ویرا نے امرتسر سے لا کر لاہور میں جلال کے حوالے کیا تھا'' ویرا کی بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے ٹکڑا لگایا۔

''اس کا کہنا ہے کہ وہ فائل اب اس کے قبضے میں ہے۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''وہ جھوٹ بولتا ہے۔'' ویرا کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ ''تمہاری زبان سے کئی مایوس کن خبریں سننے کے بعد اس نے تم سے جھوٹ بولا ہوگا۔''

''ایسا نہیں تھا۔'' میں نے اس کی خوش فہمی کی تردید کی ''گفتگو کی ابتدا میں ہی اس نے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک ضروری فائل لینے کے لیے بہت دور سے کراچی واپس آیا تھا۔ اس وقت میں نے فائل کے تذکرے کو اہمیت نہیں دی تھی۔ دوبارہ اس نے اپنے بینک لاکر سے فائل نکالنے کا ذکر کیا تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ میرے استفسار پر اس نے گرین کوبرا کا نام اگلا۔ وہ اس فائل کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اب اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہا ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے!'' میری وضاحت اسے مطمئن نہیں کر سکی۔ ''وہ ایک اہم ترین فائل تھی۔ جلال نے پوری ذمے داری کے ساتھ اسے آگے پہنچا دیا تھا۔ بعد میں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ فائل میں موجود مواد حیران کن اور چشم کشا ثابت ہوا تھا۔ اس کی روشنی میں حکومت پاکستان دوسرے دوست ممالک سے خصوصی رابطے کر رہی تھی۔''

''یہ سب مجھے یاد ہے۔ سب سے پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ اسے گرین کوبرا فائل کے بارے میں کیسے علم ہوا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ پوری طرح بے نقاب ہونے سے پہلے وہ ایک اہم اور انتہائی بارسوخ سیاست داں تھا۔ اسے حکومتی حلقوں میں رسائی حاصل تھی۔ گرین کوبرا فائل کے علاوہ وہ نہ جانے کن کن سرکاری رازوں سے واقف ہوگا۔''

''وہ آستین کا سانپ تھا۔'' سلطان شاہ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا ''سیاست کی بازی گری میں اپنے کمال دکھا کر اس نے اپنا ایسا مقام بنا لیا تھا کہ اسے بہت کچھ معلوم ہوگا۔ دوسری طرف وہ را کا ہمدرد تھا۔ ساری خبریں اپنے اَن داتاؤں کو پہنچاتا ہوگا۔''

''اس نے گرین کوبرا فائل کی نقل بھی بھارتیوں کو پہنچا دی ہوگی۔'' غزالہ اپنے غصے کے اظہار میں ان دونوں سے پیچھے نہیں رہی۔

''وہ خودغرض اور دغاباز آدمی ہے۔'' ان کے دلوں کی کچھ بھڑاس نکل جانے کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں اپنی زبان کھولی ''اس نے فائل کی نقل ابھی تک کسی کو نہیں دی۔ اس نے فائل اپنے راج محل کے بجائے کسی بینک کے لاکر میں رکھی ہوئی ہے اور اب وہ اسے بھارتیوں، اسرائیلیوں یا امریکیوں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''بھارتی اسے کیوں خریدیں گے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا''وہ ان ہی کی بنائی ہوئی فائل ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا مواد تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فائل کو دہلی میں بہت محفوظ رکھا گیا تھا۔ دوسروں کو سن گن رہی ہوگی کہ گرین کوبرا کے نام سے راداولے دہلی میں کسی بڑے منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ اس کی تفصیل انل بسواس اور نریش شرما کے سوا شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ وہ دونوں جہنم واصل کردیے گئے تھے۔ ان کے بعد منصوبے کے خدوخال صرف فائل میں محفوظ ہیں۔ ایسی فائلوں کی نقلیں نہیں بنائی جاتیں۔ اصل فائل پر اصل آدمی کام کرتا ہے۔ پورا منصوبہ تیار ہوجانے کے بعد ہر ایک کو اس کے حصے کا کام بتادیا جاتا ہے۔ ڈینی ان کی ساری تیاریوں اور حفاظتی تدابیر پر پانی پھیر کر وہ فائل اڑالایا تھا۔ بھارتی اس فائل کے سب سے بڑے خریدار ہوں گے۔'' ویرا نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس فائل کی اہمیت اجاگر کی۔

''سوبھراج نے ایک بات کہی اور ہم اسے سچ مان کر اپنے سر جوڑے بیٹھے ہیں۔'' غزالہ نے کوئی نئی بات شروع کی''سب سے پہلے ہمیں یہ تصدیق کرلینی چاہیے کہ وہ فائل کہاں ہے۔ اس بات کا سراغ صرف جلال سے مل سکتا ہے۔''

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس خبر پر تم سے زیادہ پریشان ہوجاتی۔'' ویرا نے مجھے دلاسا دینے والے بزرگانہ انداز میں کہا''لیکن کسی بات کو اپنے دل پر لے کر بیٹھ جانا اچھا نہیں ہوتا۔ اتنا وقت گزارنے کے بجائے تمہیں چاہیے تھا کہ اسی وقت ہم لوگوں کو جگادیتے۔ آپس میں مشورہ کرنے سے نئے راستے کھلتے ہیں۔ اس وقت غزالہ کا مشورہ بہت صائب ہے۔ تمہیں اسی وقت جلال سے بات کرلینی چاہیے۔ وہ اپنے ذرائع سے اس فائل کے بارے میں معلوم کرلے گا۔''

میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر جلال کا موبائل فون نمبر ملالیا۔

اس وقت جلال بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے بتایا کہ وہ ہماری طرف آرہا تھا اور چند منٹ میں وہاں پہنچنے والا تھا۔

میں نے مزید کچھ کہے سنے بغیر فون بند کردیا۔

''کیا وہ زیادہ مصروف ہے؟'' ویرا نے بے تابی سے سوال کیا۔

''یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ یہیں آرہا ہے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر ہم بہتر انداز میں گفتگو کرسکیں گے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ خوش ہوگئی۔

''جلال اچھا اور محنتی آدمی ہے!'' وہ روارَوی میں بولی۔

''ہوں...... خاصا اچھا اور وجیہہ ہے ہوسکتا ہے اس نے تم پر محنت کی ہو مگر وہ عیال دار ہے۔ ایسی حرکتیں نہیں کرسکتا۔'' دباؤ اور تناؤ کی کیفیت میں ذرا سی نرمی آتے ہی سلطان شاہ کی زبان چل پڑی۔ اس نے وہ فقرے ذومعنی انداز میں ادا کیے تھے۔

''اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ!'' ویرا نے اسے گھور کر کہا''میں اس کے کام کے حوالے سے بات کررہی تھی۔ مجھے اس کی وجاہت سے کیا لینا۔''

''بلی اگر دودھ سے بھرے ہوئے برتن کی تعریف کرے تو یہ نہیں مانا جاسکتا کہ اس کی نگاہیں دودھ پر نہیں ہیں۔'' سلطان شاہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔'' ویرا تاؤ میں آگئی۔

''ضرور توڑ دو مگر یہ سوچ لینا کہ پھر کہاں سوار ہوسکو گی!'' وہ اسی بے نیازی سے بولا۔

''تو میں تمہارے سر پر سوار ہورہی ہوں؟'' ویرا کا پارا چڑھنے لگا۔

''آواز نیچی اور موڈ اچھا رکھو۔ اچھا اور محنتی آدمی کسی بھی لمحے یہاں وارد ہوسکتا ہے۔'' اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تم بولے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے...... لل...... لو! میں چپ ہوگیا۔'' سلطان شاہ کو بولتے بولتے اپنا ٹریک بدلنا پڑا کیونکہ ویرا اپنی جگہ سے اٹھنے کی پوزیشن لے چکی تھی۔

''تم دونوں اپنا زیادہ وقت بے مقصد باتوں میں ضائع کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہو۔'' غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

''مجبوری ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنے کندھے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا''بات کرتے ہوئے اپنے سامنے والے کی ذہنی سطح کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لیے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ آدمی کو اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔''

''کچھ دیر کے لیے سنجیدگی اختیار کرلو!'' میں نے کہا''گرین کوبراوالے معاملے نے میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی ہے، یہ بہت سنگین معاملہ ہے۔''

سلطان شاہ نے چپ سادھ لی۔ ویرا کی پیشانی پر کئی بل

آئے ہوئے تھے۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔'' غزالہ نے مجھے تسلی دی ''جب تک جلال کی طرف سے اس اطلاع کی تصدیق یا تردید نہیں ہو جاتی۔ ہم سوبھراج کے بیان پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کر سکتے' وہ سازشی اور جھوٹا ہے۔''

غزالہ سوبھراج کے الفاظ میری زبانی سن چکی تھی۔ وہ اس کے لب و لہجے اور گفتگو کے تسلسل سے سراسر ناواقف تھی۔ اگر سوبھراج کو صرف دھمکی دینا ہوتی تو اسے ابتدا میں کوبرا فائل کا نام لینا چاہیے تھا۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے تیسری مرتبہ اس اہم فائل کا ذکر کیا تھا جسے لینے کے لیے اسے ایران سے کراچی واپس آنا پڑا تھا۔

آثار و قرائن سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سوبھراج ابتدائی جھٹکوں سے سنبھالا لے چکا تھا اور اس کا ذہن صدماتی کیفیت سے باہر آ چکا تھا۔

اسے پاکستان میں اپنے سیاسی جوڑ توڑ اور داؤ پیچ کے ذریعے جو اہم مقام مل گیا تھا۔ وہ کبھی بھی اس کا اہل نہیں رہا تھا لیکن اسے زعم تھا کہ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔

وہ بہت کامیابی کے ساتھ کوبرا کا دہرا رول ادا کر رہا تھا' اس راز سے ایف بی آئی کے سرکردہ افسران واقف تھے یا دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے اعلیٰ عہدے دار۔ دوسروں کے لیے وہ صرف کوبرا تھا۔ اس روپ میں وہ ایک آواز کی صورت میں اپنے مخبروں اور را کے ایجنٹوں پر راج کر رہا تھا۔ اسے کبھی ان کے سامنے آنا پڑتا تھا تو وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپ کر ان سے ملتا تھا۔ اس کام میں ہوٹل کا ارجن نامی منیجر اس کا بہترین معاون بنا ہوا تھا۔ جوں ہی حالات نے پلٹا کھایا' سوبھراج نے اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے ارجن کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دغابازی اور محسن کشی سوبھراج کے خمیر میں شامل تھی۔ اسے پاکستان میں عزت' شہرت اور دولت ملی تھی۔ اس نے اسی ملک کی جڑیں کاٹنے پر کمر باندھی ہوئی تھی۔ ارجن اور ڈاکٹر صادق نے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں کو نہایت سفاکی سے جہنم واصل کر دیا۔

اسے گھمنڈ تھا کہ اس کی طاقت اور حیثیت کی وجہ سے اس کا گھناؤنا کردار کبھی بے نقاب نہیں ہو سکے گا لیکن وقت کا پہیہ اس کے خلاف حرکت میں آ چکا تھا۔

اس کی بے خبری میں اس کے خلاف چپکے چپکے کام ہوتا رہا اور جب ساری پیش بندیوں کے بعد ایک روز اچانک اس کے راج محل پر دھاوا بولا گیا تو اس اچانک کایا پلٹ پر سوبھراج کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔

ایسا برا وقت اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ صدمے' جنون اور اشتعال کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگا دی تاکہ قانون کے محافظ اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہ کر سکیں۔

اس کے بعد وہ جو کچھ کرتا رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہا تھا۔ اس کی ناکام دفاعی کوششوں کے نتیجے میں اس کے خلاف فرد جرم طویل ہوتی چلی گئی۔ دن بہ دن اس کے گرد دائرہ تنگ ہو رہا تھا۔

جہانگیر کے اغوا کی گتھی سلجھنے کے بعد یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سوبھراج جنون اور انتقام کے اعصاب شکن گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سنیل جیسے بے ضمیر غلام کو کھو دینے کے بعد اس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ حقیقت میں اتنا بے یار و مددگار نہیں ہوا تھا' جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

اس نے اپنے ان کاروباری حلیفوں پر نگاہ دوڑائی جو اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے اپنے شعبوں میں نااہل قرار دے کر کسمپرسی کی راہوں پر دھکیل دیے گئے تھے اور سوبھراج نے انہیں اپنے کالے دھن سے سہارا دے کر غیر قانونی دھندوں میں لگا دیا تھا۔

سوبھراج بن کر وہ روپوش مجرم منظر عام پر آنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ زیر زمین دنیا میں کوبرا کی ساکھ تیزی سے ختم ہو چکی تھی۔ کھلے جرائم میں اس کا دست و بازو بننے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے تھے۔ اس نے کالے دھن سے کالا کاروبار کرنے والوں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اس کی طاقت کا ذریعہ تھے لیکن یہ سوبھراج کی بدقسمتی تھی کہ اسی وقت جلال نے بھی اس کے دوسرے دھندوں کا کھوج لگانے کا ارادہ کر لیا۔

سوبھراج نے جہانگیر کے اغوا کے لیے قاسم کے ذریعے اپنے پروردہ بدمعاشوں سے کام لیا لیکن عین وقت پر اس کا وہ منصوبہ ناکامی سے دوچار ہو گیا۔ جہانگیر کی بازیابی کے ساتھ' سوبھراج کے سارے حلیف قانون کے آہنی چنگل میں پھنس چکے تھے۔

حالات بتا رہے تھے کہ اپنے بدترین دماغی بحران سے نکل جانے کے بعد سوبھراج نے انفرادی قوت کی دستیابی کے ساتھ اپنے ان وسائل کے بارے میں بھی سوچنا شروع کر دیا تھا جو راج محل کے خاک ہو جانے کے باوجود دوسری

جگہوں پر محفوظ تھے۔
مجھے اس کے مال و دولت کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جب بھی قانون کی گرفت میں آتا، لوٹ کا سارا مال اس کی تحویل سے نکل جاتا۔ فکرمندی کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی سیاسی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جن قومی رازوں تک رسائی حاصل کی تھی، وہ خطرے میں پڑ گئے تھے۔ اس کی پہلی مثال گرین کوبرا فائل کے تذکرے کی صورت میں سامنے آچکی تھی۔

مصائب کے بے امان صحرا میں اپنی زندگی بچانے کے لیے بگٹٹ بھاگتے ہوئے سوبھراج کو یکا یک ایک مضبوط سائبان میسر آ گیا تھا۔ اگر گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی تو اس کی واپسی تک سوبھراج کو نہیں مارا جا سکتا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ بالکل درست تھا کہ گرین کوبرا فائل اس کے لیے زندگی کی ضمانت ثابت ہوگی۔

میں ان ہی خیالات میں غلطاں تھا کہ جلال آ گیا۔ اس کے چہرے کی نس نس سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

اس سے پتا چلا کہ اسٹیشن فور میں موجود دونوں قیدیوں کو اول خان نے آئی بی کے حوالے کر دیا تھا۔ ان دونوں کا تعلق سوبھراج کے کیس سے تھا اور وہ معاملہ سرکاری طور پر آئی بی کے سپرد کیا جا چکا تھا۔ ہمیں ان لوگوں سے براہ راست صرف اتنا سروکار تھا کہ ان کی چمڑی ادھیڑ کر جہانگیر کا سراغ لگایا جائے۔ ان دونوں کو اسٹیشن فور کا مہمان بنا کر ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا تھا۔

جہانگیر کی بازیابی کے بعد قاسم اور رشیدے کی محدود افادیت ختم ہو گئی تھی۔ اول خان نے ان دونوں کو ایس ٹی ایف کے وسائل پر بوجھ بنائے رکھنے کے بجائے آئی بی والوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے اپنی معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔

جلال خوشی خوشی ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسے ذہنی جھٹکا دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کچھ دیر تک گزرے ہوئے واقعات پر باتیں کرتا رہا۔ اس کے لیے الفا کی اتفاقی موت اس وقت بھی حیران کن بنی ہوئی تھی۔ وہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ٹام کی نگرانی کی ایک روٹین کی کارروائی اس قدر بار آور ثابت ہو سکے گی۔ وہ واقعہ اپنی جگہ پر اتنا اہم تھا کہ کراچی سے اسلام آباد تک اس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جلال نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ ٹام کو اس کی کمین گاہ سے ہانک کر الفا سمیت میدان میں لانا میری حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا مگر ایس ٹی ایف کی طرح میں بھی پسِ پردہ رہنے پر مجبور تھا۔ امریکیوں کی طرف سے دہشت گردوں کی پشت پناہی کے الزام سے بچنے کے لیے بھی کوئی سرکاری ایجنسی کھل کر مجھے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی اس لیے الفا کی موت کا سہرا آئی بی کے سر باندھا جا رہا تھا۔

''تازہ ترین واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب سوبھراج دوبارہ اپنے پیر جمانے کی کوششیں کر رہا ہے۔'' اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران جلال نے کہا۔

''جلد ہی کوبرا کا سر کچل دیا جائے گا۔'' میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات نکالی ''یہ بتاؤ کہ گرین کوبرا کا کیا ہو رہا ہے۔ کافی دنوں سے اس پر کوئی بات نہیں ہوئی۔''

جلال کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا پھر اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اچانک تمہیں وہ فائل کیوں یاد آ گئی؟''

''پرانی باتیں کبھی کبھی یاد آ ہی جاتی ہیں!'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں دانستہ اس فائل کے تذکرے سے گریز کرتا رہا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''تم اپنی جان پر کھیل کر وہ فائل بھارت سے نکال لائے تھے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ وہ کئی ہفتوں پہلے گم ہو چکی ہے!''

''گم ہو چکی ہے!'' ویرا حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑی۔

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ وفاقی وزارت داخلہ کے سیکریٹری دفتر سے چرالی گئی ہے۔'' جلال نے آزردگی کے ساتھ اپنے ابتدائی بیان کی تصحیح کی ''غنیمت یہ ہے کہ وہ فائل آتے ہی اس کی تین نقلیں کرالی گئی تھیں جو صدر، وزیراعظم اور وزیر خارجہ کے دفاتر میں محفوظ ہیں اور اب ان ہی سے مدد لی جا رہی ہے ورنہ دوسری صورت میں ہم اس خوف ناک ماسٹر پلان سے ہاتھ دھو چکے ہوتے۔''

''لیکن اصل فائل کیسے چوری ہو گئی؟'' ویرا کے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا ''دشمن کے جبڑوں سے نکالی ہوئی ایک اہم فائل چوری ہو چکی ہے تو اس ملک میں کیا چیز محفوظ ہے؟ ہوم سیکریٹری ملک بھر کا نباض ہوتا ہے۔ وہ اپنے دفتر کی حفاظت نہیں کر سکتا تو اتنے بڑے ملک کی داخلی سیکورٹی کو کیسے سنبھال سکتا ہے۔''

''اسے معطل کر کے حراست میں لے لیا گیا ہے۔ اس کے دفتر کے مزید سات افراد پکڑے گئے تھے جن میں سے چھ بے گناہ ثابت ہوئے۔ جب گھر میں بدنیت لوگ موجود ہوں تو

باہر سے کسی چور کو آنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غداری کے ایسے واقعات دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں......"

"یہ کوئی جواز نہیں ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "دنیا بھر کے کلبوں میں ننگے ناچ ہوتے ہیں، یہاں کیوں نہیں ہوتے؟"

ہم سب بہت حسّاس اور دردمند پاکستانی تھے لیکن اس وقت ویرا ہم سے زیادہ غصے میں آئی ہوئی تھی۔ جلال نے اس کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے اسے کوئی سخت جواب نہیں دیا۔ نرمی سے بولا "تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ اس واردات میں کسی لالچ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ان دفاتر کا سکیورٹی افسر سوبھراج کا گہرا دوست ہے۔ وہ اسلام آباد جاتا تھا تو ہر شام سکیورٹی آفیسر کے گھر پر شراب وشباب کی مہکتی محفلیں سجاتا تھا۔ جن میں دوسرے لوگ بھی بلائے جاتے تھے۔ سوبھراج نے پڑھنے کے لیے اس سے وہ فائل مانگی تھی۔ وہ شیخی میں آ کر آمادہ ہوگیا۔ سوبھراج نے کہا تھا کہ گرین کوبرا فائل کے مطالعے سے اسے زبردست سیاسی فائدہ حاصل ہوگا۔ دفتر بند ہونے کے بعد فائل نکالی جاتی اور اگلی صبح واپس اپنی جگہ پر رکھ دی جاتی تو کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہ چلتا۔ اس نے فائل سوبھراج کے حوالے کردی۔ فائل ملتے ہی سوبھراج نائٹ کوچ سے کراچی آ گیا۔ اگلی صبح سکیورٹی افسر کو اس کی واپسی کی خبر ملی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ دن بھر فون کرتا رہا لیکن سوبھراج نہیں ملا۔ اس کے ملازمین بتاتے رہے کہ وہ راج محل سے باہر ہے۔ سکیورٹی افسر کراچی آیا۔ اس نے اپنی ملازمت کے واسطے دیے، روتا اور گڑگڑاتا رہا لیکن سوبھراج نے فائل لوٹانے سے صاف انکار کردیا۔ مایوس ہوکر وہ لوٹ آیا اور خاموشی سے برے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ دوسرے دن فائل منگوائی گئی تو وہ غائب تھی!"

"خلوت کی دوستیاں پیسے کے لالچ سے زیادہ رنگ دکھاتی ہیں۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "اب اس افسر کا کیا بنے گا؟"

"سیکریٹری کو برطرف کردیا جائے گا۔ سکیورٹی آفیسر کو عمر قید کی سزا ہوگی۔" جلال نے بے آرامی سے جواب دیا "وہ اپنی بقیہ عمر سلاخوں کے پیچھے گزارے گا۔"

"اس بارے میں تم نے ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔" ویرا نے شکایت کی۔

"میں دانستہ خاموش رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر تم کو دکھ ہوگا۔ فائل لانے میں ڈینی کے ساتھ تمہارا اور غزالہ کا کردار بھی بہت اہم تھا۔ ویسے بھی اس واردات پر مکمل راز داری سے کام کیا گیا تھا۔ سارے معاملات خاموشی سے نمٹا دیے گئے۔"

"یہ واقعہ کب رونما ہوا تھا؟" میں نے جلال سے پوچھا۔ وہ سوال جلال کے لیے مبہم ثابت ہوا۔ وہ استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں سوبھراج کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔ ان دنوں اس کی کیا پوزیشن تھی۔" میں نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

"جب میں نے راج محل پر ریڈ کیا اور اس نے وہاں آگ لگائی تو فائل کو اس کے قبضے میں آئے ہوئے دو دن ہوئے تھے۔ اس وقت تک سکیورٹی افسر نے اپنی زبان نہیں کھولی تھی۔" سوال سمجھ میں آ جانے کے بعد اس نے بتایا۔

"یہ بھی عجیب اتفاق تھا۔ وقت مل گیا ہوتا تو سب سے پہلے اسے سرکاری رازوں کے تحفظ کے قانون کے تحت، فائل رکھنے کے جرم میں پکڑا جا سکتا تھا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"بعد میں بات کھل جانے کے بعد میں یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ راج محل میں لگنے والی ہولناک آگ کے شعلوں نے اس فائل کے اوراق کو راکھ میں بدل دیا ہوگا۔ فائل کی نقلیں ہمارے کام آئیں گی۔ اصل کا نام ونشان ہمیشہ کے لیے مٹ گیا ہوگا۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک چونکا پھر تیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوگیا "اس وقت تمہیں گرین کوبرا فائل کیوں یاد آ گئی؟"

"تمہاری اور ہماری سب خوش فہمیاں بے سود ہیں۔ وہ فائل جلی نہ برباد ہوئی۔ اس وقت سوبھراج کے قبضے میں ہے۔" میں نے پژمردہ لہجے میں بتایا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ انکشاف سن کر جلال اپنی جگہ سے بے ساختہ اچھل پڑا۔

"رات گئے میں نے اسے فون کیا تھا۔ وہ اس فائل کو ہمارے دشمنوں میں سے کسی کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"اتنے دنوں سے وہ خاموش تھا۔ اب اسے اچانک وہ فائل کیسے یاد آ گئی!" جلال کا وہ سوال کافی جان دار تھا۔

اس کے جواب میں، میں نے اسے پوری کتھا سنا دی۔

"وہ اتنے دنوں سے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح دربدر مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنے اوپر برا وقت آتے ہی اسے گرین کوبرا فائل کیوں یاد نہیں آئی۔" اس مرتبہ جلال نے ذرا مختلف الفاظ میں اپنا پہلا سوال دہراتے ہوئے کہا "اتنے لمبے عرصے کے بعد اس نے یہ شوشا چھوڑا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔"

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' ویرا نے جلدی سے جواب دیا ''لیکن پھر... بات سمجھ میں آ گئی۔ پہلے وہ غصے میں اپنے آپے سے باہر ہو رہا تھا اور اسے کچھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے مقدر کے لکھے سے سمجھوتا کرلیا ہے تو اسے بہت کچھ نظر آنے لگا ہے۔''

''یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ مجرموں کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے۔ پھنسنے سے پہلے وہ اپنی نکاس کے راستے پر نظر رکھتے ہیں۔'' جلال اپنی بات پر اڑا رہا۔

''سوبھراج کو اس اصول سے مستثنیٰ سمجھ لو۔'' میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''اس کا دماغ صحیح خطوط پر کام کر رہا ہوتا تو وہ صرف سنیل اور شیر دل پر انحصار نہ کرتا۔ اسی وقت قاسم وغیرہ کے آدمیوں کو میدان میں لے آتا۔''

''ہم گرین کو برا فائل سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور اس کے انجام سے بے خبر ہیں اس لیے ہمیں اس کی بات پر اعتبار کرنا پڑے گا۔'' جلال قدرے توقف کے بعد فکرمندانہ انداز میں بولا ''اب اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔''

''اس پر ہاتھ ڈالنا روز اول سے ضروری تھا۔'' ویرا جلال کے عہدے کی پروا کیے بغیر اس سے برابری اور بے باکی کے ساتھ بات کرنے کی عادی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''پتا نہیں ہم کیا کر رہے ہیں کہ وہ کئی بار سامنے آنے کے باوجود کسی چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔''

مدن لال کے مکان سے اس کے فرار ہونے میں میرے آدمیوں کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں تھا۔'' جلال نے اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''کون سوچ سکتا تھا کہ اپنے دور کا اتنا اہم آدمی مدن لال کے سرونٹ کوارٹر میں رہ رہا ہوگا۔''

''میں نے ڈاکٹر صادق کے گھر پر اسے تقریباً گھیر لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ ڈینی کو پکڑنے کے چکر میں خود میرے ساتھ چل پڑا تھا۔ راستے میں اس کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میری گاڑی سے اتر کر وہ تاریک ویرانے میں روپوش ہوگیا۔''

''میں کسی کو الزام نہیں دے رہی۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سرِمو فرق نہیں آیا ''دیکھا جائے تو اس نے سلطان شاہ کو دو مواقع پر زک دی ہے۔ اس نے سائیڈ مار کر سوبھراج کی کالی اکارڈ کو تباہ کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ غائب ہوگیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قاسم کے گھر پر سلطان شاہ نے اسے پہچان لیا تھا تو اسے للکارنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوتا تو اسے کسی خون خرابے کے بغیر آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔''

یہ غنیمت تھا کہ ویرا کو قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے حقیقی خدوخال سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ سلطان شاہ کے ایک غلط فائر نے اس خبیث کو مکمل ترین تباہی کے دہانے سے زندہ لوٹ جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''تم بھول رہی ہو'' جلال نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ویرا سے کہا۔ ''سلطان شاہ کو تین چوٹیں ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صادق کے گھر سے واپسی پر پیش آنے والے واقعے میں یہ بھی ڈینی کے ساتھ شامل تھا۔''

''اب میرا خون نہ سلگاؤ'' ویرا اچانک ہنس پڑی ''ہم سب ایک ہی ہیں، چوٹ کسی کو بھی ہوئی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہی ہوں کہ کئی مواقع ملنے کے باوجود ہم اسے پکڑنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''اب تم نے ڈھنگ کی بات کی ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ کچھ کہنے کے لیے سلطان شاہ کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے تھے لیکن پھر وہ بولنے سے پہلے خاموش ہوگیا۔ غزالہ اور وہ، دونوں جلال کی موجودگی کا لحاظ کرتے تھے۔ اس کے سامنے آپس میں بے تکلفانہ گفتگو سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے۔

''تمہارا غم و غصہ میرے لیے قابلِ فہم ہے'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''میرا خیال ہے کہ اس کی رسّی دراز ہونے میں ہماری کسی کوتاہی سے زیادہ اس کے مقدر کا دخل ہے۔ قدرت اسے بے سروسامانی کے عالم میں بھگا بھگا کر ہلکان کر رہی ہے۔ اس کا وقت پورا ہوگا تو وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح اچانک ہمارے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا۔''

''گڈ!'' ویرا نے سر ہلا کر زہرخند سے کہا ''تم مسلمانوں کی یہ ادا بھی خوب ہے کہ جہاں بے بس ہو جاتے ہو تو اپنے حصے کا بہت سا کام قدرت اور اپنے اللہ پر چھوڑ دیتے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ اب اسے گھیرنے کے لیے منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ابھی اس نے گرین کو برا فائل کا ذکر کیا ہے۔ نہ جانے اس کے پٹارے میں اور کیا مواد ہوگا۔ اسے یوں ہی وقت ملتا رہا تو وہ ہمارے سروں پر ناچے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

گرین کو برا فائل کی گمشدگی کا اعتراف کرکے جلال دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ فائل کا غائب ہونا ایک بڑا واقعہ تھا۔ اس کی پوری ذمے داری اس محکمے کے سر جاتی تھی جہاں سے فائل غائب ہوئی تھی۔ آئی بی والے قصوروار نہیں تھے لیکن ہمارے درمیان اکلوتا سرکاری اہلکار ہونے کے ناتے سے وہ

خود شرمسار سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جذبات کی رو میں آ کر ویرا حد سے تجاوز کر رہی تھی۔ میں نے ذرا سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے اس سے کہا ''تم قنوطیت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوبھراج کسی آسیب کی طرح تمہارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ افرادی قوت اور وسائل ہی سب کچھ ہوتے تو اب تک تمہارے ہم وطن ایک ہزار مرتبہ تمہیں اور مجھے پکڑ چکے ہوتے۔ انہیں ہماری گرفتاری پر بڑے بڑے انعام مقرر کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔''

سو سنار کی، ایک لوہار کی۔ میرا وہ جواب ویرا کے لیے مسکت ثابت ہوا۔ وہ کھسیانے انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔ اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

''ہم لوگوں نے بھی سوبھراج کی کامیاب نشان دہی کرنے والے کے لیے دو لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اب اس رقم میں اضافہ کرنا پڑے گا'' ویرا کی خفت کا اندازہ لگا کر جلال نے پرسکون انداز میں کہا ''اب وہ یہاں آ گیا ہے تو اسے دوبارہ باہر بھاگنے کا راستہ نہیں ملنا چاہیے۔''

''تازہ ترین پوزیشن تمہارے سامنے آ گئی ہے۔ اس کے بارے میں تم خود صحیح ترین فیصلے کر سکتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب ٹام کا کیا، کیا جائے۔''

''الفا والے قصے کے بعد اب وہ تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ تمہیں اس کی فکر کیوں ہے؟'' جلال نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ ڈھیٹ اور بے شرم ہے!'' ویرا سنبھالا لے چکی تھی، دوبارہ گفتگو میں شامل ہو گئی ''رات کو اس نے ڈینی کو فون کیا تھا۔''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' جلال نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

''مجھے یعنی کرنل داور کو دھمکیاں دے رہا تھا کہ میں ایس ٹی ایف چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جاؤں ورنہ وہ مجھ پر زمین تنگ کر دے گا'' میں نے کہا۔

وہ بات میں نے پہلے نہیں بتائی تھی۔ گفتگو کسی اور ڈھب پر چل رہی تھی اس لیے وہ بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میری زبان سے وہ الفاظ سن کر غزالہ کی نگاہوں میں عجیب سا ملال سمٹ آیا۔ شاید اسے شکوہ تھا کہ میں نے اسے بھی اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

''ویرا کو مجھ سے پھر شکایت ہو گی کہ ہم اپنے بہت سے کام اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں'' جلال نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ''لیکن مجھے مکافاتِ عمل پر بہت پختہ یقین ہے۔ جو جیسا کرتا ہے، ویسا بھرتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ ہم نے گیری ہارٹ کو اس کی ساری خباثتوں کے باوجود ہلاک نہیں کیا لیکن قدرت نے اسے ہمیشہ کے لیے خلیج کے گہرے پانیوں میں غرق کر دیا۔ تم موجودہ سرکاری پالیسی سے واقف ہو، ہم گندے خون کے چھینٹوں سے اپنا دامن بچا رہے ہیں۔ میں ایک ذمے دار سرکاری افسر ہوتے ہوئے تمہیں کوئی سخت مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرے دوست ہونے کے ساتھ تم ایک آزاد اور خود مختار شہری ہو۔ اگر کوئی شخص تمہاری زندگی کے لیے کھلا خطرہ بن رہا ہے تو تم کو اس کی قومیت کا لحاظ کیے بغیر اپنے دفاع میں ہر کارروائی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔''

جلال محتاط آدمی تھا۔ اس نے سوچ سمجھ کر الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے فقروں میں چھپا ہوا پیغام میرے لیے بہت امید افزا تھا۔ میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ویرا نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔

جلال تازہ ترین کامیابی پر ذاتی مبارک باد دینے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا لیکن وہاں اسے ٹام اور سوبھراج کے دہرے بوجھ کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی اور سوبھراج گرین کو برا فائنل پر قابض ہونے کا دعوے دار تھا۔

اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے ٹام سے ٹکرا جانے کی چھوٹ دے دی تھی۔ اس معاملے میں وہ کھل کر میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا لیکن سوبھراج کے سلسلے میں سب کچھ اسی کو کرنا تھا۔ اس وقت اہم ترین کام، اس کے فرار کی راہوں کو مسدود کرنے سے متعلق تھا۔

جلال زیادہ دیر تک ہمارے پاس نہیں رکا۔ کام کی باتوں کا سلسلہ مکمل ہونے کے بعد اس نے عجلت میں چائے کی پیالی خالی کی اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

''بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرنے لگتی ہو'' جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا ''جلال ایک شریف آدمی ہے۔ تم پنجے جھاڑ کر اس طرح اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں جیسے سارے بگاڑ کا وہی ذمے دار ہو۔''

''تمہیں زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے اسے جھاڑ دیا ''وہ اتنا شریف نہیں ہے کہ کوئی غلط بات خاموشی سے برداشت کر لے، وہ سمجھ رہا تھا کہ میرے کیا جذبات ہیں۔ میں اسے لعن طعن نہیں کر رہی تھی، کھلے دل سے اور اپنائیت کے

ساتھ سوبھراج پر بات کر رہی تھی۔''

''سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے'' غزالہ نے ویرا سے کہا ''فائل کی گمشدگی کی وجہ سے اس کی پوزیشن خراب ہوئی ہے۔ تم نے اس کے گال پر تھپکیاں دیتے دیتے ہلکے تھپڑ لگانے شروع کر دیے تھے۔ تمہیں نہ روکا جاتا تو تلخ کلامی کی نوبت آ سکتی تھی۔''

''اب اس قصے کو ختم کرو'' میں نے بیزاری سے کہا ''مجھے ٹام کے بارے میں سوچنے دو۔''

''ضرور سوچو مگر یہ یاد رکھنا کہ سوبھراج بھی کم اہم نہیں ہے'' ویرا بولی۔

''اصل اہمیت اسی کی ہے'' میں نے جواب دیا ''اس کو قابو میں کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ ٹام کا معاملہ جلد نمٹ جائے گا۔ جلال کی طرف سے چھوٹ مل گئی ہے تو میں جلد از جلد اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''جہانگیر کی بازیابی کے بعد ہمارے گھر پر کسی حملے کا خطرہ شاید ٹل چکا ہے'' ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اگر تم اجازت دو تو اوپر سے ایک آدمی کو کچن میں واپس بلا لیا جائے۔ بے چاری غزالہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''تم کس مرض کی دوا ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جو مل جائے، صبر شکر کر کے کھا لیتی ہوں، کسی سے شکوہ نہیں کرتی'' اس نے منہ بنا کر جواب دیا ''یہ طے ہے کہ مرد عورتوں سے اچھا کھانا بناتے ہیں۔''

''ڈھٹائی اور باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتیں'' سلطان شاہ نے کڑوے لہجے میں کہا ''کام سے جان بچانے کا یہ اچھا نسخہ ہے کہ مرد باورچیوں کو آسمان پر چڑھا دو۔''

''تم کیوں کسی بھٹیارن کی طرح جل رہے ہو؟'' ویرا ہنستے ہوئے بولی ''میری تعریف غلط ہے تو مجھے یہ بتا دو کہ دعوتوں کا منوں کھانا کون پکاتا ہے...... بڑے ہوٹلوں کے شیف اور چیف کک کون ہوتے ہیں۔ گھروں میں کھانا پکانے کی ذمے داری بلاوجہ بے چاری عورتوں کے سر ڈال دی گئی ہے۔ کمانے اور پکانے کا کام مرد ہی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔''

''اور عورتیں صرف کھانے اور بستر توڑنے کے لیے بنائی گئی ہیں؟'' سلطان شاہ نے جل کر کہا۔

''انہیں نزاکت، حسن اور کشش دے کر مردوں کی دل جوئی کے لیے بنایا گیا ہے'' ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر چڑانے والے انداز میں جواب دیا ''انہیں دن بھر عیش و آرام کرنا چاہیے۔ شام کو بن سنور کر اپنے مردوں کو خوش کرنا چاہیے۔''

''اور جن کے اپنے مرد نہ ہوں وہ دوسرے مردوں پر ڈورے ڈالنے کی کوشش میں لگی رہیں'' سلطان شاہ نے براہ راست ویرا پر طنز کیا۔

''تمہاری سوچ بہت گھٹیا ہے، تم ساری کنواریوں پر الزام تراشی کر رہے ہو۔''

''ساری دنیا کو بیچ میں نہ گھسیٹو۔ اس وقت میری اور تمہاری بات ہو رہی ہے۔ اس کو اسی حد میں رہنے دو۔ تمہیں عیش و آرام اور مردوں سے سروکار ہے۔ غزالہ بھی تم جیسی عورت ہے مگر وہ گھر کے سارے کام کرتی ہے۔ عورت کا اصل روپ اور حسن یہی ہوتا ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے کمرے میں چلا جائے؟'' میں نے سنجیدہ ہو کر تیکھے لہجے میں ان دونوں سے سوال کیا۔

دونوں اپنی جگہ پر جمے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی ''آپ نے بہت زیادہ ڈھیل دے کر ان دونوں کو سر چڑھا لیا ہے'' وہ کہہ رہی تھی ''یہ دونوں کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کو زچ کر دیں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ سکون سے اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ وہاں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''

ان دونوں پر سر کھپانے سے بہتر تھا کہ غزالہ کی تجویز پر عمل کر لیا جاتا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے مجھے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

میں زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکا۔ ڈور بیل بجنے کے چند ثانیوں بعد باہر سے اول خان کی آواز سنائی دی تو مجھے اپنا کمرا چھوڑنا پڑا۔ جلال کی طرح اول خان بھی خوش و خرم نظر آیا۔ پچھلی رات کو وہ ہمیں اتارنے کے بعد اپنے گھر کی طرف گیا تھا لیکن صبح سویرے پھر اسٹیشن فوراً پہنچا تھا۔

وہ قاسم کو آئی بی والوں کے حوالے کرنے سے پہلے مزید باتیں اگلوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

شیدے کا حشر دیکھ کر قاسم نے ہاتھ پیر چھوڑ دیے تھے۔ اس کے سینے میں بہت سے راز پنہاں تھے جنہیں وہ از خود نہیں اگل سکتا تھا۔ اس سے حاصل کی جانے والی معلومات کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس سے کس نوعیت کے سوالات کیے جاتے

ہیں۔
اول خان کو اپنے دشمن کو تہس نہس کرنے میں خاص درک حاصل تھا۔ پیچ دار باتیں اس کے بس سے باہر تھیں۔ پھر بھی اس نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے ایک نیا نام معلوم کر لیا۔
وہ ممبئی اور دہلی کی زیرزمین دنیا کا ایک معروف نام تھا۔ بھارت ایک بڑا ملک ہے، بڑی معیشت کی وجہ سے وہاں کی انڈرورلڈ بھی بہت وسیع ہے جہاں کئی بڑے ناموں کا راج ہے۔ ان میں سے داؤد کا نام پہلے ہی میرے سامنے آ چکا تھا اور میں نے دہلی میں دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہرکاروں سے پولیس اہلکار کس طرح ڈرتے تھے۔
دوسرا نام جو قاسم نے بتایا، وہ چھوٹا راجن تھا۔ شاید اس قانون شکن سلطنت میں کوئی بڑا راجن بھی رہا ہو لیکن ان دنوں چھوٹا راجن ایک ہوّا بنا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے کئی ساتھی طاقت اور پیسے کے بل پر بھارتی پارلیمنٹ میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر قتل اور ڈکیتیوں جیسے سنگین جرائم میں معاونت اور سرپرستی کے الزامات تھے۔ پراسرار وجوہ کی بنا پر عدالتیں ان کے خلاف فیصلے نہیں سنا سکی تھیں۔ مقدمات زیرِ سماعت تھے یا التوا میں پڑے ہوئے تھے۔ سزایافتہ نہ ہونے کی بنا پر وہ اسمبلیوں میں بیٹھنے کے حق دار بنے ہوئے تھے۔
چھوٹا راجن اپنی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ پس پردہ رہ کر ڈوریاں ہلاتا رہتا تھا۔ اس کے پالے ہوئے اراکین اسمبلی اس کو بھرپور حمایت فراہم کرتے تھے لیکن وہ اپنے وطن میں رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بھارت آتا جاتا رہتا تھا لیکن اس کی آمد کی سنسنی خیز کہانیاں اس وقت منظرِعام پر آتی تھیں جب وہ خاموشی سے واپس لوٹ چکا ہوتا تھا۔
چھوٹا راجن مستقل طور پر بنکاک میں رہتا تھا۔ قاسم نے بتایا کہ وہ اس خطے میں ہیروئن کا بہت بڑا خریدار تھا۔ اس کے سوبھراج سے دوستانہ مراسم تھے۔ قاسم فشریز کے ذریعے ہیروئن چھوٹے راجن کو بھیجی جاتی تھی۔ لین دین کے معاملات وہ براہِ راست سوبھراج سے طے کرتا تھا۔
قاسم سے وہ سب معلوم کرنے کے بعد اول خان نے اسے اور رشیدے کو آئی بی کے ان اہلکاروں کے حوالے کر دیا جو اس کے ایما پر سورج طلوع ہوتے ہی ایک بند وین لے کر اسٹیشن فور پہنچ چکے تھے۔ اسے امید تھی کہ آئی بی والے اس سے مزید جو باتیں معلوم کریں گے، وہ جلال کے ذریعے اس کے علم میں ضرور آ جائیں گی۔
اس کام سے نمٹ کر اس نے جہانگیر کی خیر خبر لی۔ وہ بے چارہ اپنی زندگی کے ایک کرب ناک تجربے سے گزرا تھا۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا۔ بھوک اور پیاس کے عالم میں قاسم کی قید بھگتنے کے بعد اسے طویل آرام کی ضرورت تھی۔
وہ اسٹیشن فور کے آرام دہ اور ائر کنڈیشنڈ کمرے میں سلمٰی کے ساتھ بے خبر سویا ہوا تھا۔ اول خان دن چڑھنے تک اپنے دفتر میں مصروف رہا۔ اس دوران میں ان دونوں کی بیداری کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ وہ ان دونوں کی خبر گیری کے بارے میں اپنے آدمیوں کو مزید ہدایات دے کر ہماری طرف چلا آیا۔
اس کی پوری کہانی سننے کے بعد میں نے ٹام اور سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کا ماجرا اس کے گوش گزار کر دیا۔
اس کے لیے وہ خبریں تشویش انگیز ثابت ہوئیں۔ گرین کوبرا فائل کو فراموش کیا جا سکتا تھا نہ ٹام کو نظرانداز کیا جا سکتا تھا۔
''یہ دائرہ پھیلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔'' ہم دونوں کو یکسوئی سے باتیں کرنے کا وافر موقع دینے کے بعد ویرا نے اپنی زبان کھولی ''چھوٹا راجن کوئی نیا اور معمولی نام نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنی قید سے میرے فرار کے بعد سوبھراج بنکاک فرار ہوا تھا تو وہ چھوٹے راجن کے پاس گیا ہوگا۔''
''وہ اتنا جانا بوجھا مجرم ہے تو تھائی لینڈ میں آزادی سے کیسے دندناتا۔۔ پھر رہا ہے۔'' غزالہ نے اپنے بے ساختہ سوال سے گفتگو کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔
''شاید بھارت اور تھائی حکومت کے درمیان تحویل مجرمان کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔'' ویرا نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''وہ بھارت کا مجرم ہے۔ تھائی قانون کے تحت وہ آزاد ہے۔''
''وہ وہاں بھی شرافت سے نہیں رہتا ہوگا۔ بدمعاش ہر جگہ اپنی بدمعاشی کے بل بوتے پر پنپتا ہے۔ ان جرائم پر اس کی گرفت کیوں نہیں ہوتی؟'' غزالہ نے اعتراض کیا۔
''چند مہینے پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ بنکاک کے مضافات میں غنڈوں کی لڑائی میں چھوٹے راجن کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔'' سلطان شاہ نے غزالہ کے اعتراض کے لیے ایک اخباری سند فراہم کرتے ہوئے کہا۔
''اخباری اطلاعات کا قانونی پوزیشن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''بڑے مجرم اپنے وطن کی سرحدوں سے باہر بہت محتاط رہتے ہیں۔ اپنے جاں نثاروں کے جتھے ساتھ لے کر نکلتے ہیں اور بہت ہوشیاری سے اپنا دامن بچا کر کام کرتے ہیں۔ سیاحت تھائی لینڈ کی آمدنی کا

سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ باہر سے آنے والوں کے لیے وہاں کے قوانین بہت نرم اور لچک دار ہوں گے۔ چھوٹے راجن جیسے لوگ اس لچک اور نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''ٹام کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تمہیں اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔'' اول خان نے گفتگو کو دوبارہ اصل موضوع پر لاتے ہوئے کہا ''یہ کینہ پرور لوگ ہیں۔ ٹام نے کچھ کہا ہے تو اسے دیوانے کی بڑ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''میں کہیں چھپنے یا فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔''

''میرا بھی یہ مطلب نہیں ہے لیکن اب تم کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔''

''جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ میں کبھی بھی غافل نہیں رہتا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ یہ حقیقت تھی کہ ٹام کی دھمکیوں نے مجھے ذرا بھی خوف زدہ نہیں کیا تھا۔

''اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل وقار کی اور تمہاری گاڑی کی تباہی کا قصہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''میں اس واقعے کو بھولا نہیں ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہم میں سے کوئی بھی وہاں ہوتا تو گاڑیوں کے ساتھ اس کے بھی چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔ مجھ میں اور جنرل میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کی نقل و حرکت کے دوران انہوں نے کسی وقت اس کی گاڑی میں سینسر ڈیوائس چپکادی اور پھر موقع پا کر مناسب فاصلے سے ایک گائیڈڈ بم یا راکٹ چلا دیا جو سیدھا ڈیوائس سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ یہ بچگانہ شعبدے ہیں۔ ان پڑھ افغان قبائلی بھی ان کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔ میں ان کے لیے بالکل گمنام اور بے نشان ہوں۔ وہ کرنل داور کو کہاں تلاش کریں گے؟''

میرے اختتامی سوال پر اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے ''کیا اسے ابھی تک شبہ نہیں ہوا کہ ڈینی اور کرنل داور ایک ہی ہیں۔''

''کم از کم مجھے یہی خوش گمانی ہے۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے وہ دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''یہ سب سے اچھی خبر ہے۔'' اول خان کے چہرے پر بشاشت لوٹ آئی ''کرنل داور کو وہ قیامت تک نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور ڈینی پہلے ہی ان کے لیے چھلاوا بنا ہوا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

اول خان کے پاس فوری اہمیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے جیبی اپریٹس پر چند لوگوں سے رپورٹیں لیں جن کی نوعیت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے اس بارے میں اول خان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

''اب جہانگیر کی بھی خبر لے لی جائے۔'' ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنے کوڈ میں اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو پکارنے لگا۔

رابطہ ہوتے ہی اول خان نے ''مہمانوں'' کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی کھلی فضا میں کرسیاں ڈالے، دھوپ سینک رہے تھے اور خاصے بشاش نظر آرہے تھے۔

''وہ میرے خاص مہمان ہیں۔'' اول خان نے وہ تفصیل سن کر کہا ''ہر طرح ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ میں ذرا دیر سے دفتر آؤں گا...... اوور!''

''سر! بات تو کوئی خاص نہیں ہے لیکن میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں...... اوور!'' اپریٹس پر ابھرنے والی آواز میں ہچکچاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

''جو کہنا چاہتے ہو، کہہ ڈالو۔ میں سن رہا ہوں۔ اوور۔''

''سر! پچھلے دس منٹ سے ایک ہیلی کاپٹر اس علاقے میں منڈلا رہا ہے۔ ابھی ابھی وہ ایک چکر کاٹ کر تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا ہے۔ اس کی پرواز بہت نیچی ہے۔ ہمارا ایریا اس کا خاص ہدف معلوم ہو رہا ہے۔ اوور!''

''کیا یہ آرمی یا ائرفورس کا ہیلی کاپٹر ہے؟ اوور!'' اول خان نے پوچھا۔

''نو سر!'' اس کا جواب میرے لیے غیر متوقع ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس پر اقوام متحدہ کا نمایاں نشان نظر آرہا ہے۔ اوور!''

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ اقوام متحدہ کے کسی ادارے کو اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔

''وہ اب کہاں ہے......؟ مجھے دال میں کالا نظر آرہا ہے۔ اوور!''

''وہ اسٹیشن فور پر ایک دائرے کی صورت میں پرواز کررہا ہے۔ ابھی میری بیرک کے اوپر سے گزرا ہے۔ شاید آپ نے اس کے انجن اور پنکھوں کا شور سنا ہو۔ اوور!''

''تم خطرے کی بو پانے کی سپاہیانہ صفت رکھتے ہو!'' اول خان نے بجا طور پر اپنے ریڈیو آپریٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''اقوام متحدہ کا ہیلی کاپٹر اس فوجی علاقے میں کیا

تلاش کررہا ہے۔ میں ابھی اس کی چھان بین کرتا ہوں۔ تم ڈی او سے کہہ کر دونوں مہمانوں کو بلاتا خیر کھلے میدان سے ہٹا کر ان کے کمرے میں پہنچادو۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ میری طرف سے آرڈر جاری کرادو کہ ساری نفری خودکار رائفلیں لے کر میدان میں نکل آئے اور ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھنا شروع کردے۔ کسی کو فائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خوف زدہ ہوکر اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ اوور اینڈ آل۔''

اول خان نے اپریٹس بند کردیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا ''اقوام متحدہ والے اس فوجی علاقے میں کیا کرسکتے ہیں۔ یہ پرواز تشویش ناک ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ بھٹک کر ادھر نکل آئے ہوں۔'' سلطان شاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ ذرا سی دیر میں تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا تھا اور ایک دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔'' اول خان نے تیزی سے کہا ''مجھے سول ایوی ایشن والوں سے معلوم کرنا ہوگا کہ وہ ہیلی کاپٹر کس مشن پر ہے۔''

ویرا نے اپنی شہادت کی انگلی سے پُرزور انداز میں میری طرف اشارہ کیا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اشارے کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ سب میری وجہ سے ہورہا تھا مگر اس کا صحیح مقصد میرے پلے نہیں پڑسکا۔

سول ایوی ایشن کے مقامی دفتر کے نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں آسانی سے مل گئے۔ اول خان براہِ راست ان کے افسرِ اعلیٰ سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے مشورہ دیا کہ اعلیٰ ترین سطح سے فوری طور پر کام کی کوئی بات معلوم نہیں کرسکے گا۔ اسے سول ایوی ایشن اتھارٹی کے متعلقہ شعبے سے رجوع کرنا چاہیے جو اسے شہر کی فضا میں موجود ہوائی ٹریفک کے بارے میں تازہ ترین معلومات فراہم کرسکے۔

مختلف سرکاری محکموں کی ہیت کے بارے میں اول خان کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ اس نے فوری طور پر ان کے ائرٹریفک کنٹرولر کا نمبر ملالیا۔

بات اسپیکر فون پر کی جانی تھی۔ ہم نے سنا کہ دوسری طرف سے بولنے والے تندخو افسر کے لیے اول خان کا نام بے اثر ثابت ہوا تھا۔ اول خان نے ایس ٹی ایف کے حوالے سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کوئی کوڈ دہرایا تو اس کی مشکل آسان ہوگئی۔

بولنے والے افسر کا لہجہ نرم ہوگیا مگر وہ تفصیل بتانے میں متذبذب تھا۔ اول خان نے اسے بتایا کہ ملیر چھاؤنی کے حساس فوجی علاقے پر ایک مشتبہ ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کررہا تھا۔ وہ شہر کے بین الاقوامی ائرپورٹ کی لینڈنگ اور ٹیک آف حدود میں موجود تھا جس کے نتیجے میں شہر میں کوئی ہولناک تباہ کن حادثہ پیش آسکتا تھا۔

وہ وضاحت کارگر ثابت ہوئی۔ پتا چلا کہ اس وقت فضا میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کا اکلوتا ہیلی کاپٹر محوِ پرواز تھا جو کُل تین رکنی ٹیم کے ساتھ شہر کے مضافاتی علاقوں کی غریب بستیوں کا فضائی سروے کرنے کے مشن پر تھا۔

ائرٹریفک کنٹرول کے افسر کے لیے وہ اطلاع پریشان کن تھی۔ اس نے اول خان سے وعدہ کیا کہ کنٹرول ٹاور سے لاسلکی ریڈیائی رابطے پر اس ہیلی کاپٹر کو مخدوش اور حساس علاقے سے فوری طور پر دور نکل جانے کا حکم دیا جائے گا۔ کسی بھی اَن شیڈولڈ ہیلی کاپٹر یا طیارے کو بین الاقوامی ائرپورٹ کے گرد، مخصوص حدود میں پرواز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی پرواز اس علاقے میں سختی سے ممنوع تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر کی شناخت ظاہر کیے بغیر اسے مشتبہ قرار دیا تھا۔ ائرٹریفک کنٹرول والوں نے تصدیق کردی کہ وہ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کا ہیلی کاپٹر ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے ریڈیو آپریٹر نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر میں سوار تینوں افراد کے بارے میں جاننا چاہا لیکن اسے اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ وہ لوگ ہر پرواز کے عملے اور مسافروں کی تعداد کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ محوِ پرواز ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے کوائف حاصل کرنا اس وقت تک ان کے دائرۂ کار میں شامل نہیں تھا۔

اول خان کے اصرار پر بات کرنے والے افسر نے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے مقامی دفتر کا فون نمبر دے دیا جہاں سے مسافروں کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا تھا۔

''یہ کوئی نیا چکر چل پڑا ہے۔'' اول خان نے فون بند کرتے ہی ہیجانی انداز میں کہا ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے جہانگیر اور سلمٰی کو کھلے میدان سے ہٹوانے کی ہدایت دے دی۔'' ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے یقین تھا کہ دھمکیاں دینے کے بعد ٹام نچلا نہیں بیٹھے گا۔ شاید اس نے کرنل داور کی تلاش شروع کردی ہے۔''

ویرا کی بات سن کر میں بھی سناٹے میں آگیا۔ ٹام کی ناقص معلومات کے مطابق کرنل داور ایس ٹی ایف کا افسر تھا۔ اسٹیشن فور پر نیچی پرواز بلکہ اونچی پرواز کر کے حساس کیمروں کی

مدد سے ان حدود میں نقل و حرکت کرنے والے کسی بھی شخص کی واضح تصاویر لی جا سکتی تھیں اور دوربینوں کی مدد سے تنکوں تک کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

''مگر وہ اقوام متحدہ کے نشان والا ہیلی کاپٹر ہے۔'' اول خان نے کمزور آواز میں اعتراض کیا۔

''اقوام متحدہ ان لوگوں کی لونڈی ہے۔'' ویرا بولی ''اپنے مقاصد کے لیے انہوں نے کراچی میں ایسے لوگوں کو مامور کرایا ہوگا جو ضرورت پڑنے پر ان کے اشاروں پر ناچ سکیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اس ہیلی کاپٹر کے تین سواروں میں ٹام ضرور ہوگا۔''

''اگر ٹام بھی فضا میں ہے تو وہ دوربینوں اور کیمروں کے استعمال پر اکتفا نہیں کرے گا۔'' میں نے کہا ''میری نشان دہی ہوتے ہی وہ فضا سے قاتلانہ حملے کی پوری تیاری کر کے آیا ہوگا۔''

''میں یہی کہہ رہی تھی۔'' ویرا مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے بولی ''انتقام کے معاملے میں امریکی بہت سفاک اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ بدلہ لینے کا پہلا موقع ملتے ہی وار کر گزرتے ہیں۔''

اول خان نے تیزی سے اپریٹس پر اپنے کسی آدمی سے رابطہ کیا اور اسے جلدی جلدی ہدایات دیں کہ کراچی میں اس ہیلی پیڈ یا عمارت کا سراغ لگائے جہاں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے ہیلی کاپٹر زرکھے جاتے ہیں اور یہ معلوم کرے کہ وہاں سے اڑنے والے ہیلی کاپٹر کے تین مسافروں میں کون کون شامل تھا۔

''اگر انہوں نے اقوام متحدہ کے ملازمین کو بھی اپنا آلہ کار بنالیا ہے تو یہ بات بہت افسوس ناک ہے۔'' اول خان نے اپنے آدمی کو پوری بات سمجھانے کے بعد متاسفانہ لہجے میں کہا ''یہ دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ وہ قانون اور اخلاقیات کے ہر ضابطے کو پامال کرنے پر تل گئے ہیں۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' ویرا نے استہزائی انداز میں کہا ''ٹام اس وقت خود کو کرنل داور کے خلاف میدانِ جنگ میں تصور کر رہا ہے۔ الفا کے عبرت ناک انجام نے اسے مایوسی کے عالم میں انتہا کی طرف دھکیل دیا ہے۔''

''اب سو بھراج سے پہلے آپ کو ٹام کے فتنے پر توجہ دینی ہوگی۔'' غزالہ نے تفکر آمیز لہجے میں زبان کھولی۔

''وہ ہیلی کاپٹر میں کرنل داور کے شکار پر نکلا ہوا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اسٹیشن فور میں اسے تمہاری ایک جھلک بھی نظر آجاتی تو وہ بے دریغ گولی چلا دیتا۔ آن واحد میں کرنل داور کا قصہ ختم ہو جاتا۔ ٹام اسے اتفاقی فائر قرار دے کر معذرت کر لیتا۔ اس کے ہم سفر بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے۔''

''غزالہ کو اس منظر کشی سے زیادہ خوف زدہ مت کرو۔'' میں نے مسکرا کر ویرا سے کہا پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''بات صرف اتنی سی ہے کہ وہاں ایک ہیلی کاپٹر اڑتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اس میں کون کون پرواز کر رہا ہے، ان کے کیا عزائم ہیں...... یہ سب ہماری خیال آفرینی ہے۔ جب تک کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آ جاتا، فکر مند ہونا بیکار ہے۔ وہ بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ دیکھ لینا کہ میری یہی خیال آفرینی حقیقت ثابت ہوگی۔'' ویرا نے چیلنج کرنے والے انداز میں جواب دیا ''تم مجھے بار بار یہ بات جتانے پر مجبور کر دیتے ہو کہ میں اپنے ہم وطنوں کو تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔''

''کم از کم ایک بات تو میں اسی وقت چیک کر سکتا ہوں۔'' میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالتے ہوئے کہا ''اگر وہ اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہے تو تمہاری کہانی یہیں دم توڑ دے گی۔ وہ ایک وقت میں دو مختلف مقامات پر نہیں ہو سکتا۔''

وہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ ویرا چپ رہی اور میں نے ٹام کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پرکشش نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے ٹام سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ وہ دفتر میں موجود نہیں تھا۔ وہ عورت یا لڑکی اس کی واپسی کے وقت کا تعین کرنے سے بھی قاصر تھی۔

''جب وہ اپنی پرواز سے واپس آئے تو اسے بتا دینا کہ کرنل داور نے اسے یاد کیا تھا۔'' میں نے وہ چبھتا ہوا پیغام دیا تو میری مخاطب چونک گئی۔

''تم کس پرواز کا حوالہ دے رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔ ٹام کو میرا پیغام من و عن سنا دینا۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر بولی ''یہ میرے شبہات کی تصدیق کا پہلا مرحلہ تھا جو خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔''

اسی دوران میں اسٹیشن فور سے اپریٹس پر ریڈیو آپریٹر کی کال آگئی۔ اس نے جوشیلی آواز میں خبر دی کہ اول خان کی بتائی ہوئی تدبیر کارگر رہی تھی۔ جونہی ایس ٹی ایف کے مسلح اہلکار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے اپنی بیرکوں سے میدان

میں آ ئے ، فضا میں منڈلانے والا ہیلی کاپٹر بہت تیزی سے مغرب کی طرف پرواز کرتا ہوا معدوم ہو گیا۔

''یہ دوسری تصدیق ہے۔'' ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا ''بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر کبھی دائرے میں پرواز نہیں کرتا اور نہ ڈر کر یوں فرار ہوتا ہے۔''

''دل بہلانے کی بات اور ہے۔ مجھے تمہارے نظریے سے پورا اتفاق ہے۔'' غزالہ ہولے سے بولی ''ایک خطرہ سامنے آ گیا ہے تو ہمیں خود فریبی میں مبتلا رہ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے دلیری سے اس کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وہی کیا جائے گا۔'' اول خان نے اسے یقین دلایا ''مگر اپنے وقت پر۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم سب اسی وقت تلواریں سونت کر ٹام کی طرف مارچ شروع کر دیں۔''

اول خان کا جواب بالکل درست لیکن ذرا سخت تھا۔ غزالہ کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھی رہی پھر خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ اتنے ڈھیلے تیوروں کے ساتھ گئی تھی کہ کسی کو اس کی خفگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ میں نے بھانپ لیا کہ اول خان کا کڑک اور دوٹوک جواب اسے پسند نہیں آیا تھا۔

اول خان فرصت کے ایک دو گھنٹے ہمارے ساتھ گزارنے کے ارادے سے آیا تھا۔ پہلے ٹام اور سوبھراج کے ذکر نے اسے فکرمند کیا پھر ہیلی کاپٹر کی مشتبہ پرواز کا چکر چل نکلا۔ وہ وہیں جم کر رہ گیا۔

تین بجے میرے موبائل فون پر ٹام کی کال آ گئی۔ میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں اپنے ذومعنی پیغام کے نتیجے میں اس کال کی توقع کر رہا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میری آواز سنتے ہی ٹام نے کٹکھنے کتے جیسی آواز میں سوال کیا۔

''آج تم واقعی اونچی اڑان لے رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر کے لیے تمہیں زمین پر لے آؤں۔'' اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی جگہ سے اضطراری انداز میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

میرے جواب سے ان چاروں نے کال کرنے والے کا اندازہ لگا لیا تھا اور اپنے سانس روک کر ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''چبا چبا کر کیوں بول رہے ہو۔ کھل کر کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تمہاری آج کی پرواز کیسی رہی؟'' میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ اس سے بات بگڑ چکی تھی۔ مزید بگاڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

''کس پرواز کی بات کر رہے ہو؟'' وہ دہاڑا۔

''تم اپنی دوربین سے مجھے اسٹیشن فور میں تلاش نہیں کرسکے مگر میں نے اپنی دوربین سے تمہیں یو این او کے ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اگر تم کچھ دیر کے لیے وہیں فضا میں رہنے کی ہمت کر لیتے تو میری رائفل تمہیں نیچے لے آتی۔''

میرے دو ٹوک تلے فقرے جھوٹ اور سچ کا مرکب تھے مگر نشانے پر بیٹھے اور وہ بھڑک اٹھا ''کرنل! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ ہم بیس بال نہیں کھیل رہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ روپوشی اختیار کر لو ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں مارنے کے لیے پورے اسٹیشن فور کو تباہ کرنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''معلوم ہوتا کہ مجھے ایس ٹی ایف چھوڑنے کا مشورہ دیتے دیتے تم نے سی آئی اے کی نوکری ترک کر کے یو این او کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔''

''تم نے دیکھ لیا ہے کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ تم نے ڈینی کے نام پر بھی بہت گمراہ کیا ہے۔ میں تم سے یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔ روپوش ہو کر بھی تم میری دسترس سے دور نہیں جاسکو گے۔ اب عبرت ناک موت تمہارا مقدر بنے گی۔''

''ایسی باتیں نہ کرو کہ مجھے اپنے انجام پر خود رونا آ جائے۔ میں نے ان دونوں کو بھی دیکھ لیا ہے جو ہیلی کاپٹر میں تمہارے ہم سفر تھے۔'' میں نے ترش آواز میں کہا ''اب تمہارے ساتھ وہ دونوں بھی جہنم کا سفر کریں گے۔''

''ڈینی سے زیادہ دہشت گرد تم ہو...... سارے پاکستانی دہشت گرد ہو۔ ان دونوں کا بال بھی بیکا ہوا تو یہاں یو این کے سارے امدادی دفاتر بند ہو جائیں گے۔ چار دنوں میں تمہارا خزانہ خالی ہو جائے گا اور یہاں دھول اڑنے لگے گی۔''

مجھے طمانیت کا ہلکا سا احساس ہوا۔ ان دونوں کا دفاع کر کے اس نے وہ سب مان لیا تھا جو لاوا بن کر ویرا کے ذہن میں کھول رہا تھا۔

''تم مارے گئے تو شاید آسمان ٹوٹ کر گر جائے گا، پہاڑ دھنس جائیں گے اور سمندر ابل پڑیں گے؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''تم زندہ ہاتھ آ گئے تو یقین کرو کہ میں نال تمہارے منہ میں ٹھونس کر گولی چلاؤں گا۔'' اس نے اپنی پرانی بات دہراتے ہوئے کہا ''تم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔''

''مجبوری ہے۔ ایک بڑے آدمی سے چھوٹی باتیں نہیں کی جاسکتیں۔ تمہیں شکرگزار ہونا چاہیے کہ میں تمہارے رتبے کا لحاظ کرتا ہوں۔''

''ان باتوں سے تم اپنے برے وقت کو قریب سے قریب ترلا رہے ہو۔'' رفتہ رفتہ اس کا پارا مزید چڑھتا جارہا تھا اور لہجہ زہریلا ہورہا تھا ''تمہیں زیادہ مہلت نہیں دی جاسکتی۔ اگلے دو دنوں میں یہ زمین تمہارے ناپاک وجود سے آزاد ہوجائے گی۔''

''میرے لیے یہ گیدڑ بھبکیاں بے سود ہیں۔ اپنے دعوؤں کے باوجود تم آج تک ڈینی کو پکڑ سکے ہو نہ مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ مرد اور اپنی آن کے سچے ہوتے تو آج سے ایک مدت پہلے ڈینی کو مار چکے ہوتے۔ اب میں تمہارے دل کا دوسرا ناسور بن جاؤں گا۔''

''دو دن یا اڑتالیس گھنٹے...... یہ یاد رکھنا۔'' اس کی قہر بار آواز ابھری ''ڈینی صرف ایک نام ہے اس لیے وہ آج تک بچا ہوا ہے۔ تم کو یہ تحفظ حاصل نہیں ہے۔ تم میری نظروں میں ہو۔ دیکھتا ہوں کہ کیسے بچتے ہو!''

وہ اس کی کال تھی۔ اسی نے سلسلہ منقطع کردیا۔

''وہ واقعی غصے میں پاگل ہوا جارہا ہے۔'' میں نے انہیں بتایا ''اب اس نے اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں مجھے مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔''

''ڈینی کی کیا بات ہورہی تھی؟'' ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

''وہ تذکرہ میں نے اسے آزمانے کے لیے جان بوجھ کر چھیڑا تھا۔ معاملہ صاف ہے۔ وہ پوری سنجیدگی سے ان دونوں کو الگ الگ آدمی سمجھ رہا ہے۔''

''اب تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اول خان نے پوری تفصیل سننے کے بعد پوچھا۔

''ایک انوکھی بات ذہن میں آرہی ہے۔'' میں نے بے خوفی سے مسکراتے ہوئے کہا ''کسی طرح کرنل داور کی خودکشی کی خبر اخباروں میں آجائے تو ٹام کا سارا جوش وخروش ٹھنڈا ہوجائے گا اور میں اطمینان سے اسے گھیر سکوں گا۔''

''تجویز شان دار ہے۔'' ویرا بول اٹھی ''ویسے بھی اب کرنل داور کا کردار بیکار ہوگیا ہے۔ اس سے خوامخواہ الجھاوے پیدا ہوتے رہیں گے۔''

''یہ اچھا ہوا کہ ٹام سے ہی ہر بات کی تصدیق ہوگئی۔'' میں نے اول خان سے کہا ''ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے بارے میں ابھی تک تمہارے آدمی سے کوئی خبر نہیں ملی۔''

میرے توجہ دلانے پر اول خان نے اسی وقت اپنے ماتحت سے آپریٹس پر رابطہ کیا۔ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود صرف یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوسکا تھا کہ ہیلی کاپٹر مشن پر تین افراد گئے تھے۔ ان کے نام سختی سے صیغہ راز میں رکھے گئے تھے۔

شام ڈھلے جلال کی طرف سے آنے والی خبر نے ہر شبہ زائل کردیا۔

اس نے الفا کا سراغ لگانے کے لیے اپنے دو آدمیوں کو ٹام کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ الفا کا قصہ نمٹ جانے کے بعد بھی نگرانی جاری تھی۔ جلال کے لیے یہ خبر حیران کن ثابت ہوئی تھی کہ ٹام نے اس روز تقریباً تین گھنٹے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے دفتر میں گزارے تھے۔ اس کے اندر جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد اس عمارت کی چھت سے ایک ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے بعد اسی مقام پر واپس اترا تھا۔ اس ہیلی کاپٹر کی واپسی کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹام وہاں سے واپس لوٹا تھا اور سیدھا اپنے دفتر چلا گیا۔

وہ دو اور دو، چار والی سیدھی سی بات تھی۔ پرواز سے واپس آنے کے بعد کیمروں وغیرہ کے ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے ٹام کو ایک گھنٹے تک وہاں رکنا پڑا۔ ساری تفصیلات کے حصول کے بعد وہ اپنے دفتر لوٹ گیا۔

سرکاری طور پر وہ سہ نفری ٹیم ایک سروے کے لیے گئی تھی۔ اسٹیشن فور کا فضائی سروے کر کے آدھے گھنٹے میں لوٹ آنے سے اس مشن کی حیثیت مشکوک ہوسکتی تھی۔ ٹام اپنا اصل کام ذرا سی دیر میں پورا کرلینے کے باوجود کراچی کی فضاؤں میں موجود رہا اور ڈیڑھ گھنٹے کا معقول وقت گزارنے کے بعد وہ تینوں واپس آگئے۔

''تمہارے آدمیوں نے بہت کارآمد معلومات حاصل کی ہیں۔'' میں نے وہ باتیں سننے کے بعد کہا ''میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے۔ مجھے خودکشی کرلینی چاہیے۔''

میرے اس ارادے پر جلال کا بھونچکا رہ جانا ایک فطری امر تھا۔ وہ بھول کر بھی مجھ سے خودکشی جیسی گھٹیا حرکت کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہوگیا۔

''تم نے بہت موزوں ترکیب سوچی ہے۔ اس طرح فوری طور پر کم از کم ایک سرگرم محاذ بند ہوجائے گا۔'' اس نے میری تائید کی ''لیکن ایک بات بتادوں۔ یہ لوگ بال کی کھال نکالتے ہیں۔ اپنے مجرموں کی ہلاکت کا پکا یقین کرنے کے لیے ان کی ناقابلِ شناخت لاشوں کے ڈی این اے ٹیسٹ تک

کرانے سے گریز نہیں کرتے۔ صرف اخباری خبر سے کام نہیں چلے گا۔''
''کیا تم چاہتے ہو کہ میں واقعی خودکشی کرلوں؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔
''اول خان سارا بندوبست کرلے گا۔ اسے بھی کرنل داور کی طرف سے بار بار وضاحتیں کرنے سے چھٹکارا مل جائے گا۔ سرکاری مردہ خانے سے کوئی تازہ لاش لے کر اسے کرنل داور کے نام سے باضابطہ طور پر دفن کرنا بہتر رہے گا۔ وہاں روز لاوارث لاشیں آتی رہتی ہیں۔ قبرستان کے رجسٹر میں بھی اس کا اندراج ہونا ضروری ہے۔'' وہ بتانے لگا ''وہ لوگ چھان بین کریں تو کسی مقام پر انہیں شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ انہیں دھوکا دینے کے لیے کوئی ڈراما رچایا گیا ہے۔''
''کل یہ کام اسی طرح کرلیا جائے گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''پرسوں کے اخباروں میں چھوٹی سی خبر آجائے گی۔ اس دوران میں اپنے آدمیوں کو دوڑاتے رہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی موقع مل جائے اور اس ڈرامے کی نوبت ہی نہ آئے۔''
''یہ ڈراما بہت ضروری ہوگیا ہے۔ میری نظریں بہت دور تک دیکھ رہی ہیں۔ تمہارا اور ٹام کا حساب برابر ہوجانے کے بعد بھی اس کی ضرورت رہے گی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''مشترکہ اجلاسوں میں تمہاری کارکردگی کی بنا پر تمہارا نام اوپر تک پہنچ چکا ہے۔ ان سے مراسم خراب ہونے کے بعد کرنل داور والا باب اب ہمیشہ کے لیے بند ہوجانا چاہیے۔''
''یہ سوچ لو کہ خودکشی کرنے کے بعد میں اپنی اصل شکل و صورت میں کبھی ان کے سامنے نہیں آسکوں گا۔'' میں نے اس پر ایک منفی پہلو واضح کیا۔
''شاید اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔'' وہ اپنی تجویز پر قائم رہا۔ جو دراصل میں نے ہی پیش کی تھی لیکن جلال نے اسے ایک نیا روپ دے دیا تھا۔
''سوبھراج کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''فی الحال اسے بھول جاؤ۔ اپنا ذہن ایک طرف مرکوز رکھو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ پولیس اور رینجرز کی مدد سے کچے راستے بھی بلاک کردیے جائیں لیکن تم جانتے ہو۔ میلوں لمبے ناہموار اور دشوار گزار راستوں کو سیل کرنا کتنا مشکل ہے۔''
اس سے بات ختم ہونے کو تھی کہ مجھے چھوٹا راجن یاد آگیا۔ جلال کے لیے وہ نیا نام نہیں تھا۔ وہ اسے ایک سیاسی بدمعاش کی حیثیت سے اچھی طرح جانتا تھا۔ قاسم اس کی تحویل میں تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے پاس جانے سے پہلے وہ اول خان کو کیا کچھ بتا چکا تھا۔
سوبھراج ایک بدمعاش سیاست داں تھا۔ جبکہ چھوٹا راجن سیاسی بدمعاش تھا۔ ذرا سے فرق کے ساتھ سیاست اور بدمعاشی دونوں کے خون میں رچی بسی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ کی اطلاع جلال کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث بنی تھی۔
بنکاک میں جہاں پاکستان سے جانے والے سیاحوں کی بہتات ہوتی ہے وہیں قانونی اور غیر قانونی طور پر طویل عرصے سے مقیم پاکستانیوں کی تعداد بھی قابل ذکر ہے۔ جلال نے بتایا کہ اس شہر کی مقامی آبادی میں پاکستانیوں کی تعداد کے پیش نظر وہاں ان دنوں آئی بی کا ایک نفری بیورو قائم تھا جو عارضی طور پر رکھے گئے مقامیوں کی مدد سے پاکستانیوں کے حالات اور مشاغل پر گہری نظر رکھتا تھا۔
اگر سوبھراج دوبارہ بنکاک کا رخ کرتا تو آئی بی کا وہ آدمی اس پر نظر رکھ سکتا تھا۔
وہ گفتگو سب کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہوچکی تھی کہ ٹام، کرنل داور تک رسائی کے لیے اپنی قانونی حدود سے کہیں زیادہ تجاوز کر رہا تھا اور اسے اس کی چیرہ دستیوں کی سزا دینا ضروری ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اگلی شام کرنل داور کی خودکشی کی شام تھی!
ہونا کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اس بہروپ کا خاتمہ ہونا تھا جو میں نے ضرورت کے تحت اختیار کیا ہوا تھا لیکن میں نے ایک طویل عرصے تک جس محنت اور دل سوزی سے اس بہروپ کو نبھایا تھا، اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس شام میری ذات کا کوئی لازمی حصہ میرے بقیہ وجود سے الگ ہوجائے گا اور میں ادھورا رہ جاؤں گا۔
میری طبیعت پر اداسی کی لہر غالب آتی جا رہی تھی۔ میں اپنا دل بہلانے کے لیے اسٹیشن فور کی طرف ہولیا جہاں جہانگیر مقیم تھا۔ اس بہانے اس کی مزاج پرسی اور خبر گیری بھی ہوجاتی ورنہ اسے اور سلمٰی کو شکوہ ہوتا کہ میں نے وہاں ڈال کر ان کی خبر تک نہ لی۔
اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مجھے پتا چلا کہ اول خان اپنے اسٹاف کے کئی آدمیوں کے ساتھ کسی کی تدفین میں گیا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ اسے کوئی تازہ اور لاوارث لاش مل چکی تھی جسے کرنل داور کا نام دے کر عزت و احترام سے دفن کرنا تھا۔

میرے لیے وہاں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں سیدھا اس پر آسائش کمرے کی طرف گاڑی لیتا چلا گیا جہاں وہ دونوں مقیم تھے۔

اسٹیشن فور کی حدود میں گاڑیوں کی آمدورفت کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں انجن بند کرکے گاڑی سے اترا تو اندر سے کسی ردِعمل کے آثار نظر نہ آئے۔ میں نے دروازے پر دستک دینے کے بعد دروازہ کھولا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑے۔

''آؤ، آؤ......تم بہت عظیم آدمی ہو۔'' جہانگیر اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے، دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر مسرت آمیز آواز میں بولا ''تم مجھے ایک عذاب سے نکال کر جنت میں لے آئے ہو۔''

میں اس کا لب ولہجہ سن کر چونک گیا۔ وہ ہلکی سی ترنگ میں آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں دو قدم آگے بڑھنے کے بعد، ائرکنڈیشنر کی بند خنکی میں مجھے الکحل کی بو آنے لگی۔

''وہ لوگ تمہیں جنت یا جہنم میں پہنچانے کے ارادے سے لے گئے تھے۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''میں نہ پہنچتا تو اس وقت تم وہیں ہوتے۔''

''تم نے واقعی دوستی کا حق ادا کردیا۔'' سلمٰی نے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا۔ مجھے غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر وہ یکا یک جذباتی ہوگئی تھی ''اس بار مجھے ان کے بچنے کی امید نہیں تھی۔''

''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے!'' میں نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا ''اور یہ تو چکھنے میں بھی بہت کڑوا ہوگا۔ پتا نہیں تم اسے کیسے برداشت کرتی ہو۔''

''ایسا نہ کہو!'' وہ تڑپ کر بولی ''یہ میرے سرتاج ہیں، میری زندگی انہی کے دم سے ہے۔''

''ضرور ہوگی۔'' میں نے اس کی طرف جھک کر دھیرے سے کہا ''مگر میرا بازو چھوڑ دو۔ تمہارے ناخن میری جلد میں چبھ رہے ہیں۔''

سلمٰی نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے میرا بازو چھوڑ دیا۔

''اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔'' میں نے مسہری کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھال کر بے تکلفی سے کہا ''سلمٰی تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ اس نے تمہارے فراق میں رو رو کر ہمارا برا حال کردیا تھا۔ تم دونوں بلاوجہ آپس کے جھگڑوں کے ڈرامے کرتے رہتے ہو۔''

''میں نے تمہارا برا حال کردیا تھا یا میں خود ہلکان ہو رہی تھی؟'' سلمٰی نے تیزی سے پوچھا۔

''تم آنسوؤں سے روتی تھیں تو میرا دل روتا تھا کہ میں کس مصیبت میں پڑ گیا۔ تمہارے لیے جہانگیر کو کہاں سے پیدا کروں!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس وقت ان دونوں کے پاس پہنچتے ہی میرے ذہن پر چھائی ہوئی قنوطیت کی دھند اچانک معدوم ہوگئی تھی۔

''بڑے بے درد ہو تم!'' سلمٰی نے مجھے کہنی مار کر رکھائی سے کہا ''اس وقت بڑے ہمدرد بنے ہوئے تھے اور اب مذاق اڑا رہے ہو۔ خود آئینہ نہیں دیکھا کہ اس وقت تمہارا منہ کسی گھوڑے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔ اس قدر بونگے لگ رہے تھے کہ بس!''

''اس وقت نہ لڑو سلمٰی!'' جہانگیر کراہا ''تمہاری بک بک سے میرا سارا سرور غارت ہوجائے گا۔''

''تم یہاں بھی پی رہے ہو؟'' میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''یار، کئی وقت کے فاقے سے تھا۔ سالا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ اول بھائی سے التجا کی تو انہوں نے ذرا سی دیر میں ڈیلکس اسکاچ کی میگنم سائز بوتل منگوادی۔'' جہانگیر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا ''میں نے اس میں سے صرف چار پیگ لیے ہیں۔ باقی بوتل سلمٰی نے تالے میں رکھ دی ہے۔ وہ کل پیوں گا۔''

''تم کون سے فاقے سے تھے۔ کل رات میں نے اپنے سامنے تمہیں کھانا کھلایا تھا۔''

''کھانے کا نہیں، پینے کا فاقہ چل رہا تھا اپنا۔ پینے کے نام پر پانی تک نہیں تھا وہاں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے بھوکا پیاسا مارنا چاہتے تھے!'' اس نے کھیسیں نکالیں ''وہ کون لوگ تھے......مجھ سے ان کو کیا پرخاش تھی۔ اب وہ کہاں ہیں؟''

''ٹیڑھے لوگ ہیں۔'' میں نے سلمٰی کی موجودگی کی وجہ سے اسے گول مول جواب دیا ''ان میں سے ایک کا براحشر تم رات کو دیکھ چکے ہو۔ اب وہ دونوں بہت بری جگہ پر ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا حال ہے۔''

''اصل پریشانی بھوک اور پیاس کی تھی۔ اس کے بعد آج ذرا سی شراب پیٹ میں پڑی ہے تو طبیعت چونچال ہوگئی۔ اب دماغ صحیح طرح کام کررہا ہے۔''

''تمہاری یہ باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔'' میں نے چڑ کر کہا ''تم ان پاپی شرابیوں کی طرح ندیدے پن کا اظہار کرتے ہو جو دنیا و مافیہا کو بھول کر دن رات شراب کے نشے میں دھت پڑے رہتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''دن رات سلمٰی بیگم کی ایسی باتیں سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ تم آئے ہو تو تم نے بھی وہی تقریر شروع کردی۔ ایسی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ کچھ دن پہلے تک تم میرے ہم پیالہ ہوتے تھے۔ تمہارے خون میں اب تک شراب کے اثرات باقی ہوں گے۔'' جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔

''میں پیتا ضرور تھا لیکن میں نے تمہاری طرح کبھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔''

''لو، میں نے کون سی گھٹیا حرکت کی ہے۔'' اس نے اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر احتجاج کیا۔ گھر میں بندہ بشر سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ یہاں تو مجھے اول بھائی کی بھی فکر ہے کہ ان کے سامنے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''اس نے تمہیں بوتل منگوادی تو اب وہ تمہارا بھائی ہو گیا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''دو بوتلیں لا دیتا تو تم ابا جان کہہ کر اس کے سینے سے لپٹ جاتے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شراب کے چکر میں نئے رشتے کیوں ایجاد کر رہے ہو؟''

''تمہیں اعتراض ہے تو میں اسے بھائی نہیں کہتا۔'' اس نے سر جھکا کر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا ''میں اسے عزت دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے ہمیں اتنے شان دار اور آرام دہ کمرے میں مہمان رکھا ہوا ہے۔ میں یہاں ہر خوف اور فکر سے بے پروا ہو کر، دونوں پاؤں پسار کر سو سکتا ہوں۔ ایسے میزبان آج کل کہاں ملتے ہیں۔''

''وہ بے چارہ رات سے تمہاری میزبانی میں لگا ہوا ہے۔'' سلمٰی نے تیزی سے کہا ''اس وقت تم اسے اول خان کہے جا رہے تھے۔ جب سے بوتل ملی ہے وہ تمہارا بھائی ہو گیا۔ ڈینی تمہاری رگ رگ کو پہچانتا ہے۔ اس حرام شربت کے لیے تم گدھے کو بھی باپ بنا سکتے ہو۔''

''آہستہ بولو!'' جہانگیر نے تیز سرگوشی کی ''اس نے سن لیا کہ تم اسے گدھے سے ملا رہی ہو تو وہ کھڑے کھڑے ہمیں یہاں سے نکال دے گا۔''

''میں اسے کچھ نہیں کہہ رہی۔ تمہاری ذہنیت کی بات کر رہی ہوں۔'' سلمٰی نے برا سا منہ بنا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم سے خدا سمجھے گا۔'' جہانگیر چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کر بولا ''ڈینی جب بھی مجھ سے ملنے کے لیے آتا ہے تم شیر ہو جاتی ہو۔''

''میں خدا لگتی بات کرتی ہوں۔'' سلمٰی سب کچھ بھول بھال کر اس سے لڑنے پر آمادہ تھی ''مجھے رو رو کر اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنی ہے۔ ڈینی کا کیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر تک بیٹھ کر یہاں سے چلا جائے گا۔''

جہانگیر نے کسی چڑچڑی بیوہ کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور کراہتے ہوئے بولا ''خدایا......! میں کہاں جاؤں......؟ یہاں تو دوسرا کمرا بھی نہیں ہے۔ تم مفت کا جھگڑا کھڑا کر رہی ہو مجھے غصہ آیا تو بات بڑھ جائے گی۔''

''میں بات بڑھنے سے نہیں ڈرتی۔ تم ہزار بار طلاق دینے کی دھمکی دے چکے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ تم میں ہمت ہے تو ابھی تین بول کہہ دو۔ میں ڈینی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

وہ واقعی مفت کا جھگڑا تھا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ پچھلی رات تک جہانگیر کے لیے رو رو کر بے حال ہونے والی سلمٰی اس وقت بے بات پر ناروا طرزِ عمل کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ شاید وہ دونوں خلوت میں ایک دوسرے کو آخری حد تک برداشت کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ درمیان میں کسی مشترک شناسا کے آتے ہی وہ ایک دوسرے پر اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر تل جاتے تھے۔ ان کا وہ رویہ میرے لیے بالکل ناقابلِ فہم تھا۔

''سلمٰی!'' میں نے ترش لہجے میں اسے فہمائش کی ''تم بلاوجہ بات بڑھا رہی ہو۔ اس وقت جہانگیر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ تم طلاق کا مطالبہ لے کر بیٹھ جاؤ۔''

''اس وقت نہیں کہا تو کیا ہوا۔ گھر پر تو یہ کہتے رہتے ہیں!''

''گھر کی باتیں بھول جاؤ!'' میں نے تقریباً دانت پیستے ہوئے کہا ''میرا خیال تھا کہ اس کے اغوا ہو جانے سے تم نے نئی زندگی شروع کی ہے دونوں کو ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو چکا ہوگا مگر یہ میری بھول تھی۔ تم دونوں کے پرنالے اپنی اپنی جگہ پر بہہ رہے ہیں۔''

''پچیس ہزار!'' جہانگیر نے میری سرزنش پر خوش ہو کر ہانک لگائی۔

''کیا بک رہے ہو۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''غصہ مت کرو مائی ڈارلنگ ڈینی!'' وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا ''تم قدر و قیمت کی بات کر رہے تھے نا۔ تو مرد بے چارہ ہمیشہ سے دو کوڑی کا رہا ہے، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پہلے ماں کی خدمت کرتا ہے پھر بہنوں کے مان رکھتا ہے اور آخرکار بیوی کی ناز برداریاں کرتے کرتے قبر میں اتر جاتا ہے۔ کان میں اذان سے آخری نماز تک عورت کسی خرکار کی طرح اسے گھن چکر بنائے رکھتی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ سلمٰی

ابھی اڑ جائے تو مجھے اس کو پچیس ہزار سکہ رائج الوقت دینا پڑیں گے۔ یہ موجل تھے۔ سلمیٰ جب چاہے مجھ سے طلب کرسکتی ہے۔''

''طبیعت چاہ رہی ہے کہ میں پوری قوت سے تم دونوں کے سر آپس میں لڑادوں۔'' میں نے غصے میں پھنکتے ہوئے کہا۔

''جاؤ! تم باہر کھلی ہوا میں چلی جاؤ۔'' جہانگیر نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلمیٰ کو مشورہ دیا ''کچھ دیر ٹہلنے سے طبیعت ہری ہوجائے گی۔ آپس کا جھگڑا اہم ڈیئی کے جانے کے بعد طے کرنے کی کوشش کریں گے۔''

سلمیٰ نے غصے سے ناک بھوں چڑھا کر اس کی طرف دیکھا اور تنک کر پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس نے جہانگیر کے مشورے یا ہدایت پر بے چون و چرا عمل کر کے مجھے ایک مرتبہ پھر حیران کر دیا تھا۔ ان کے باہمی مراسم کی سیمابی نوعیت میری عقل سے بالا تھی۔

''چلی گئی!'' سلمیٰ کے نکل جانے اور دروازہ پرشور آواز میں بند ہونے کے بعد وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا ''اب کونے والی الماری سے بوتل نکال لاؤ۔ چابی وہیں لگی ہوئی ہے۔ ہم بیٹھ کر آرام سے باتیں کرسکیں گے۔''

''اب تم بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ تمہیں پہلے ہی کافی چڑھی ہوئی ہے۔''

''تمہارے سر کی قسم، مجھے ذرا سا بھی نشہ نہیں ہوا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''شراب اپنے لیے پانی بن چکی ہے۔ اس کے سامنے میں اداکاری کر رہا تھا۔ بہت مزہ آتا ہے۔ اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نشے میں میرے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو ذرا سی دیر میں ہم دونوں کی زندگیاں تباہ ہوجائیں گی۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ سلمیٰ کے وہاں سے جاتے ہی جہانگیر کی آواز سے خمار کے اثرات یکایک کافور ہوگئے تھے۔

''تم اپنی بیوی کے ساتھ مکاری کرتے ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''مجبوری ہے۔ اسے دبائے رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔'' اس نے معصومیت سے کہا ''میں نارمل ہوتا ہوں تو وہ مجھ پر حاوی رہتی ہے۔''

''کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی!'' اس کی سادگی پر میرا غصہ رفع ہوگیا ''اس طرح تم دونوں کا حساب کتاب برابر رہتا ہے۔''

''تمہارے جانے کے بعد وہ ناک منہ چڑھا کر روہانسی آواز میں مجھ سے شکایت کرے گی کہ میں دوسروں کے سامنے اسے برا بھلا کہتا رہتا ہوں اور میں اسے پچکارنا شروع کر دوں گا۔ اپنی زندگی میں اسی طرح کچھ رنگ آمیزی ہوتی رہتی ہے ورنہ ہم ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوجائیں۔ ہمارے درمیان یہ سب چلتا رہتا ہے۔ تم ان باتوں کو اپنے دل پر نہ لو۔''

''تمہارے فراق میں سلمیٰ کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم دونوں مل کر دوسروں کو چکر دیتے اور بے وقوف بناتے ہو۔ اندر سے شیر وشکر ہو۔''

''ان چھوٹی موٹی باتوں پر لعنت بھیجو۔'' اس نے بے پروائی سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا ''یہ چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کن چکروں میں پھنسے ہوئے ہو۔''

''امریکیوں نے میرے اوپر بڑے انعام مقرر کر کے مجھے دیوار سے لگایا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تسلی کے لیے افسردگی سے بتایا ''زندہ رہنے کے لیے دشمنوں سے چومکھی لڑائی لڑنا پڑ رہی ہے۔ جس دن خطرے کی یہ تلوار میرے سر سے ہٹ گئی، میں نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤں گا۔''

''تم حکومتوں سے لڑ کر نہیں جیت سکتے۔'' وہ پورے ہوش وحواس میں بہت دانش مندی سے بات کر رہا تھا۔ ''ایک کے بعد دوسری حکومتیں آتی جاتی رہیں گی۔ یہ انعام واپس نہیں لیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ سو برس بعد بھی خطرے کی تلوار نہیں ہٹے گی لیکن تم سو برس تک نہیں جیو گے۔ بتاؤ، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اپنی جگہ پر تمہاری باتیں درست ہیں مگر میں ان مردودوں کے سامنے ہتھیار ڈال سکتا ہوں، نہ ان سے معافی مانگ سکتا ہوں۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''ویرا کا ساتھ مل جانے سے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ وہ ساری آستینوں کو لات مار کر اپنے ہم وطنوں سے ہماری لڑائی لڑ رہی ہے۔ اس روشن مثال کی موجودگی میں، میں دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ میری پوری زندگی اسی طرح لڑتے لڑتے گزر جائے۔''

''میں تم سے بے وقوفی کی باتوں کی توقع نہیں کرسکتا۔'' وہ اپنی بلا کی سنجیدگی سے مجھے حیران کیے دے رہا تھا۔ ''خاموشی سے کہیں بھی نکل جاؤ۔ دنیا تمہارے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔ نئے ناموں اور نئی شناختوں کے ساتھ تم چاروں یورپ سے افریقا تک کہیں بھی سکھ کی زندگی گزار سکتے ہو۔ اپنی زندگی کو یوں برباد نہ کرو۔ سنجیدگی سے کچھ سوچو۔ غزالہ پر دھیان دو۔

اب تک اسے ماں بن جانا چاہیے تھا۔ تمہارے گھر میں اولاد کی بہار آئے گی تو تمہیں خود اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔''
''اب اس زاویے سے بھی سوچوں گا!'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔
''سوچنے سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ اپنا اور غزالہ کا علاج کراؤ۔ سلمیٰ مجھ سے بار بار پوچھتی ہے کہ تم دونوں اب تک بے اولاد کیوں ہو۔ یہ سوال میرے دل میں بھی پھانس بن کر چبھا ہوا ہے۔ آج ہمت کر کے میں نے تم سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ اس پر غور کرو۔ تمہاری زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جائے گا۔''
''ابے اُلّو!'' میں نے مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے کہا ''کیا تو سمجھتا ہے کہ تو ہی بیٹے کا باپ بن سکتا ہے۔ غزالہ کو کسی علاج کی ضرورت ہے نہ مجھے۔ ہم فیصلہ کر لیں گے تو قدرت ہمیں بھی نو مہینوں میں اولاد کی نعمت سے نواز دے گی مگر یار! میں ڈرتا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک خطرناک راہ اختیار کی ہے۔ میں غداروں سے اپنی مٹی کی آبرو کے لیے لڑتا ہوا مارا گیا تو میری اولاد دربدر ہو جائے گی۔ میرے لہو کے پیاسے میری اولاد سے اپنا انتقام لینے پر تل جائیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میرے بچے بھی میری طرح مقدر کے سکندر ثابت ہوں گے۔ ہم دونوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ جب تک ہم بھیڑیوں کے لشکر سے لڑ رہے ہیں، خود لڑتے رہیں، کسی تیسری معصوم زندگی کو اس خطرے میں نہ ڈالیں۔ کبھی نہ کبھی یہ دن گزر جائیں گے۔ مطلع صاف ہوگا تو ہماری گودوں میں بھی معصوم بچے تلقاریاں ماریں گے۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہارے شیر خوار بیٹے کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی تلاش میں ہم نے کس طرح دیوانہ وار شہر کی خاک چھانی تھی۔ اسے اٹھانے والی ویرا تھی۔ وہ بدمعاشی کرتی تھی مگر سفاک اور درندہ صفت نہیں تھی اس لیے تمہارا بیٹا واپس مل گیا اور آج وہ لاہور میں پل کر دھیرے دھیرے اپنی جوانی کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن میرے دشمن ویرا سے بہت مختلف ہیں۔ ان میں رحم اور انسانیت نام کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ درندے اپنی راہ میں آنے والے بوڑھے کو بخشیں گے نہ بچوں پر رحم کھائیں گے۔ میرے دوست...... میرے پیارے! میں تمہاری ہڑک اور دردمندی کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ڈینی اور غزالہ اپنے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے نور کو اولاد کی صورت میں مجسم دیکھ سکیں۔ ابھی وطن کی خاک کو ہماری قربانیوں کی ضرورت ہے۔''
جہانگیر کسی بت کی طرح خاموشی سے اپنے بستر پر بیٹھا میری باتیں سنتا رہا پھر اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسوؤں کے دو موتی لڑھک کر اس کی گود میں گر گئے۔
''تم اپنے حق میں اپنے دشمنوں سے زیادہ سفاک اور سرد مہر ہو۔'' وہ اپنی آنکھیں بھینچ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''میں کہہ رہا ہوں کہ امن و امان کے سائے میں کہیں سکھ اور گمنامی کی زندگی گزارنے کے بارے میں سوچو۔ لڑائیاں لڑنے والے دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ سارا بوجھ بار تمہارے سر پر نہیں ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے؟''
اس کا آخری سوال ایک ہلکی سی بے ساختہ چیخ کی صورت میں اس کے حلق سے برآمد ہوا اور دیر تک کمرے کی بند فضا میں گونجتا رہا۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے در و دیوار سے بھی وہ سوال ایک لاہوتی صدا بن کر ابل رہا ہو۔
یکایک وہ سحر ٹوٹ گیا۔ سلمیٰ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر داخل ہوئی اور وہ کرشماتی لمحے چشم زدن میں گزر گئے۔ میں عالم خیال سے عالم ہست و بود میں لوٹ آیا۔
''اول خان ابھی اپنی گاڑی میں یہاں سے گزرا ہے۔'' سلمیٰ نے اندر آتے ہی کچھ سوچے سمجھے بغیر، اپنی دھن میں کہنا شروع کر دیا ''اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں اس کی واپسی کے بارے میں بتا دوں۔ وہ اپنے دفتر میں تمہارا انتظار کرے گا۔''
''یہ یاد رکھنا کہ میں تمہارے کمرے سے چائے پیے بغیر جا رہا ہوں۔'' میں نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے سلمیٰ سے شکوہ کیا۔
''ارے بیٹھ جاؤ!'' وہ دوڑ کر مجھ سے تقریباً لپٹ گئی اور مجھے کرسی میں گرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ''تاؤ میں آکر میں ہر بات بھول گئی تھی۔ تمہارے لیے ابھی چائے منگواتی ہوں۔''
''میں مذاق کر رہا تھا۔ ایسا ہی اصرار کر رہی ہو تو اپنی چائے اول خان کے دفتر میں بھجوا دینا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔
''ہم خود اس کے مہمان ہیں۔ یہاں بھی تمہیں جو چائے ملتی وہ اسی کی ہوتی۔'' سلمیٰ مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ اس وقت اس کی ہر حرکت میں اپنائیت اور بے ساختگی تھی۔ میرے اندیشوں کے برعکس اس کے ذہن میں کسی فتور نے جنم نہیں لیا تھا۔
''ذرا ایک بات کا خیال رکھنا۔'' میرے چلتے چلتے جہانگیر نے ہانک لگائی اور میں ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔
''اب کیا یاد آ گیا تم کو؟'' میں نے پلٹ کر پوچھا۔
''جب تک ہم یہاں موج کر رہے ہیں، ہمارے فلیٹ کو

لاوارث نہ چھوڑ دینا۔ سلمٰی کے کپڑوں کی الماری میں تمہارا خزانہ محفوظ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کہاں اتنا لمبا ہاتھ مارا تھا۔ وہ تھیلا خالی ہونے کا نام نہیں لے رہا۔''

''اب سارا نشہ ہرن ہوگیا۔'' سلمٰی نے خوش ہو کر مجھ سے کہا ''دیکھو کیسی دور دور کی کوڑیاں لا رہے ہیں۔ تمہارے آنے سے ان پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ چکر لگاتے رہا کرو لیکن تمہیں وقت ہی نہیں ملتا۔''

''میرے نہ آنے پر یہ حال ہے کہ جہانگیر آخر کار اغوا ہوگیا۔ میں نے آمدورفت کا سلسلہ شروع کر دیا تو وہاں ایسا دنگا فساد ہوگا کہ بس رہے نام اللہ کا۔''

''فلیٹ بلکہ اپنی رقم کے بارے میں تم نے میری بات سن لی نا!'' جہانگیر نے مجھ سے تائید چاہی۔

''تم بے فکر رہو۔ وہاں سے تنکا بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوگا۔ ویسے میری جیب خالی ہوتی جا رہی ہے۔ دو چار دن میں مجھے کچھ ڈالروں کی ضرورت پڑے گی۔''

''اس حساب سے وہ رقم تمہارے عمر بھر کے گزارے کے لیے کافی ہوگی۔ جب ضرورت ہو سلمٰی سے الماری کی چابی لے لینا۔ یہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ ہر وقت اس کے ازار بند سے بندھی رہتی ہے۔'' جہانگیر نے بتایا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ شرم اور خفت سے سلمٰی کا گورا چٹا چہرہ لال بھبوکا ہوگیا۔ وہ جہانگیر کو غصیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

سلمٰی کا وہ بے ساختہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ میرے لیے وہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔ سلمٰی نے مجھے چابی کے ٹھکانے کے بارے میں بہت پہلے بتا دیا تھا۔ اس وقت حد ہوگئی تھی جب اس نے اپنی کسی ذہنی کج روی کی وجہ سے مجھے خود چابی حاصل کرنے پر اکسایا تھا اور میرے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''بہت محفوظ جگہ ہے۔'' میں نے ایک قہقہہ لگا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ''وہاں تم دونوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

تیزی سے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سنا کہ سلمٰی بے شرمی کے بارے میں جہانگیر کو جھاڑ پلا رہی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور سرعت کے ساتھ چند لمحوں میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا۔

ویسے ہم روز ہی ملتے رہتے تھے لیکن میرا اسٹیشن فور کی طرف زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ اول خان ایک مہذب اور وضع دار آدمی تھا۔ اس نے اپنے دفتر کے برآمدے سے نیچے آ کر

میرا استقبال کیا اور گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام کر واپس اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔

''کس کی تدفین میں گئے ہوئے تھے؟'' میں نے انجان بن کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

اول خان نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا اردلی دروازے کی چق اٹھانے کے لیے لپک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''کرنل داور کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آرہا ہوں۔''

کرنل داور کا کردار میری تخلیق تھا۔ ایس ٹی ایف کے عام اہلکار اس کے وجود سے باخبر نہیں تھے۔ اس فورس کی ساخت کچھ ایسی پراسرار تھی کہ ہر شخص کا ہر بات سے باخبر ہونا ضروری نہیں تھا۔ اول خان نے بالا ہی بالا اس کردار کو زندہ رکھا ہوا تھا جس سے ایس ٹی ایف کے چند بڑے اور گنے چنے افسر واقف تھے۔ اردلی اپنے افسر کی زبان سے کرنل داور کا نام سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن اول خان اپنی احتیاط کی عادت سے مجبور تھا۔

''مجھے تم سے ایک سنگین شکایت ہے۔'' اس کے دفتر میں تخلیہ میسر آتے ہی میں نے کہا۔

وہ بے چارہ حیران ہو کر مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''تم نے جہانگیر کے لیے اسکاچ کی بوتل کا بندوبست کر کے بہت ظلم کیا۔ وہ شراب کے بغیر یہاں دس پانچ دن گزار لیتا تو شاید میری طرح اس بری عادت کو ترک کر دیتا۔ بوتل ملنے کے بعد یہ امکان سرے سے ختم ہو گیا ہے۔''

''تمہاری شکایت بجا ہے لیکن اس کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔ اس کا سانس سینے میں رک رک کر آرہا تھا اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے گڑگڑا کر مجھ سے التجا کی تھی اور میرا دل پسیج گیا۔ میں نے سنا تھا کہ نشے کے عادی کو وقت پر کوٹا نہ ملے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں نے ڈر کر جلدی سے بوتل منگوادی۔'' اول خان نے اپنی صفائی پیش کی۔

''وہ بہت بڑا اداکار اور مکار ہے۔ اپنی بیوی کو ایسے چکمے دیتا ہے کہ وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ سینے میں سانس پھنسانے اور آنکھیں پھیلانے کے لیے کسی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نے بہت کامیابی سے تمہیں اُلو بنالیا۔''

بات پوری کرتے ہی میں نے آنکھیں پھیلا کر دونوں ہاتھ ڈھیلے چھوڑے اور یوں رک رک کر سانس لینے لگا جیسے چند لمحوں میں میرا دم نکلنے والا ہو۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' اول خان مضطرب ہو کر بولا ''اس پاجی کی حرکتیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔ اگر وہ اس کی اداکاری تھی تب بھی وہ بہترین اداکاری کے انعام کا مستحق تھا۔ وہ اسے بوتل کی صورت میں مل گیا۔ اب اسے بھول جاؤ۔''

''میں نے اس پر تمہارا بھرم رکھا ہوا تھا۔ میں تمہیں گاہے گاہے اس کی حرکتوں کے بارے میں بتا تا رہا ہوں۔ تم اپنا دل سخت کر لیتے تو یہ اس سے شراب چھڑوانے کا بہترین موقع تھا جو تمہاری رحم دلی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔''

''اب اس لکیر کو زیادہ نہ پیٹو۔'' وہ مسکرا کر بولا ''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے واپس لانا ناممکن ہے۔ قصور تمہارا بھی ہے۔ تم نے مجھے کبھی یہ بات نہیں بتائی کہ جہانگیر مکر بھی کر سکتا ہے۔ مکاری کے لیے ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اسے نرا گاؤدی سمجھتا تھا۔''

''اس گمان میں نہ رہنا۔ وہ بہت کائیاں ہے۔ میں نے شی میں پس پردہ رہ کر اسے اپنا باس بنایا ہوا تھا۔ وہ بہت تحکم اور اعتماد کے ساتھ مجھ سے کام لیتا تھا۔''

''تمہاری خواہش کے مطابق اسپتال میں تجہیز و تکفین کے بعد کرنل داور کو میوہ شاہ قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اس جنازے میں میری فورس کے دس آدمی شامل تھے۔'' اس نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر کے مجھے اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔

''وہ لاش کس بدنصیب کی تھی؟'' میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

''بدنصیب نہیں، اسے خوش نصیب کہو۔ وہ لیاری میں موسیٰ لین کے علاقے میں کچّی کی زہریلی شراب پی کر مرا تھا۔ اسے بہت عزت اور احترام کے ساتھ دفنایا گیا ہے۔ اسپتال میں پڑا رہتا تو نہ جانے کب اسے دفن کرنے کی باری آتی۔ ہر لاوارث لاش کو شناخت کے لیے ایک مقررہ مدت تک مردہ خانے میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایدھی والوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔''

''دیکھنا ہوگا کہ یہ خبر ہمارے حریفوں تک کب پہنچتی ہے'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''یہ پورے پلان کا مرکزی نکتہ ہے۔ خبر لیک کرادی گئی ہے'' اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے بتایا۔ ''ایس ٹی ایف کا ملک میں کوئی قانونی وجود نہیں ہے۔ اس کا نام کسی خبر میں نہیں آسکتا مگر صبح کے کم از کم دو اخبارات میں ریٹائرڈ کرنل داور کی خودکشی کی خبر نمایاں طور پر شائع ہوگی۔''

''میں نے کوشش کی ہے کہ اخبارات آنے سے پہلے یہ خبر پھیل جائے'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے اپنی بات آگے بڑھائی ''کرنل داور کے ساتھ مشترکہ اجلاسوں میں شرکت کرنے والے افسروں کے لیے یہ خبر الم ناک ہونے کے ساتھ سنسنی خیز بھی ثابت ہوگی۔ ہر ذہن میں سوال اٹھے گا کہ اس رتبے کے ایک معزز آدمی کی خودکشی کے کیا اسباب ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات امریکی کیمپ تک پہنچ جائے گی اور ہمارا مقصد حل ہوجائے گا۔''

''رات گزر جائے گی اور صبح کے اخبارات بازار میں آجائیں گے'' میں نے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ رات یوں ہی نہیں گزرے گی۔ میں نے لاش کا بندوبست ہوتے ہی اپنے ایک خاص اخباری رپورٹر کو ٹپ دے دی تھی۔ اب تک وہ کئی دروازوں پر دستک دے چکا ہوگا۔ ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں پھر ان کا ردِعمل آنا شروع ہوجاتا ہے۔''

''تم اجلاسوں کے شرکا کی بات کررہے ہو تو ایس ٹی ایف کا نام بھی ضرور سامنے آئے گا'' میں نے ایک قوی اندیشے کا اظہار کیا۔

''بعض سینئر صحافیوں کے لیے ایس ٹی ایف کا نام نیا نہیں ہوگا۔ جب امریکا والے ہر بات سے باخبر ہوسکتے ہیں تو خبروں کی تلاش میں سرگرداں رہنے والے مقامی صحافی کیسے بے خبر رہ سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ایس ٹی ایف ایک ریاستی راز ہے جسے قانون سے بالاتر رکھ کر بھرپور تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کسی نے ان چنگاریوں کو کریدنے کی کوشش کی تو اس کا دامن جل اٹھے گا۔''

''کرنل داور کی خودکشی کی خبر کس ادارے نے جاری کی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

میرا سوال سن کر اول خان مسکرا دیا ''کرنل داور ایس ٹی ایف کے لیے کام کررہا تھا۔ قانونی طور پر یہ فورس بے وجود ہے۔ خبر کون جاری کرتا۔ یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ کسی نے کوئی خبر جاری نہیں کی بلکہ یوں ظاہر کیا گیا ہے جیسے اس واقعے کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہو۔ تم نے غور نہیں کیا۔ میں نے خبر لیک ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اخباروں میں جو کچھ آئے گا وہ اخباروں کے اپنے ذرائع سے آئے گا۔ ایک خاموش اور پراسرار جنازہ کسی بھی رپورٹر کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''تم نے اس معاملے کے ہر نشیب و فراز پر نظر رکھی ہے۔ اب میں بھی تمہارا

ہم خیال ہوں کہ یہ رات خالی نہیں جائے گی۔''
''ابھی صرف چھ بجے ہیں'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا''آنے والی رات بہت لمبی ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کرنل داور کی خودکشی کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔ کیا ہوگا...... کیسے ہوگا...... پہل کہاں سے ہوگی۔ اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''
میں نے اول خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں ازخود ٹام کا خیال ابھر آیا تھا۔ پچھلی رات کے آخری پہر میں اس سے ہونے والی باتوں کی روشنی میں کرنل داور کی خودکشی کی خبر اس کے لیے کسی ایٹمی دھماکے سے کم نہیں ہوتی۔

اردلی چائے کی ٹرے لایا تو اول خان کے لیے انٹرکام پر ایک کال آگئی۔ وہ چند ثانیوں تک ہوں ہاں کرکے دوسری جانب والے کی باتیں سنتا رہا پھر مجھے چائے پینے کا مشورہ دے کر چند منٹ میں واپسی کے وعدے پر اپنے دفتر سے نکل گیا۔
دفتر میں تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن غیر ارادی طور پر سلمیٰ کی طرف پھسل گیا۔
میری واپسی کے آخری لمحات میں اس کا رویہ میرے لیے بہت حیران کن رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ تنہائی میں مجھ سے بے حجابی سے باتیں کرنے والی یکا یک اتنی شرمیلی ہوسکتی ہے کہ اپنے شوہر کے چند الفاظ پر شرم سے گلابی ہوجائے۔
وہ کسی بنا پر مجھ سے بدظن ہوگئی تھی یا پھر اسے دھیان آگیا تھا کہ وہ جس راستے پر چل رہی تھی وہ شوہر سے کھلی بے وفائی کی طرف جاتا تھا۔
ماضی میں، میں نے سلمیٰ کی کسی پیش قدمی کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ لغزشوں کے بہت سے لمحات میں نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے محض ہنس بول کر گزار دیے تھے۔ وہ میرے ایک عزیز ترین دوست کی بیوی تھی۔ اس کے حوالے سے میرے ذہن کے دور دراز گوشوں میں بھی گناہ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ پھر بھی مجھے اس کی بے تکلفیاں اچھی لگتی تھیں۔ اس نے ایکا ایکی تکلف کا بالواسطہ اظہار کرکے مجھے بے نام سی خلش میں مبتلا کردیا تھا۔
شاید اس کے بدلے ہوئے تیوروں سے میرے مردانہ پندار کو کوئی ٹھیس پہنچی تھی۔
اول خان اپنے وعدے کے مطابق بہت جلد لوٹ آیا اور میری سوچ کی وہ لڑی وہیں بکھر گئی۔
چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے لیے فون آتے رہے۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ بار بار ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔ اول خان نے افادیت کے پیش نظر اپنی میز پر اسپیکر فون لگوالیا تھا۔ کاغذات اور فائلوں کو نمٹاتے ہوئے وہ ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون استعمال کررہا تھا۔
ساڑھے چھ بجے اول خان اخراجات کا ایک گوشوارہ دیکھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذوں سے نظریں ہٹائے بغیر، بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔
''ہائے...... میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں'' وہ جملہ خالص امریکی لب و لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔ وہ آواز پہچانتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
آواز اول خان کے لیے بھی اجنبی نہیں تھی۔ اس نے گوشوارے کو یوں چھوڑا جیسے اسے ان کاغذوں پر بچھو نظر آگیا ہو۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی نگاہیں بلور کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چارا کامیاب رہا تھا۔ شکار نے اس پر منہ مار دیا تھا۔
''تم کون بول رہے ہو؟'' اول خان نے نہایت پرسکون آواز میں سوال کیا۔
''ٹام...... ٹام پیٹرک فرام سی آئی اے۔ مجھے اول خان سے ضروری بات کرنی ہے'' اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کی آواز میں رعونت آگئی تھی۔ وہ اول خان کی آواز نہیں پہچان سکا۔
''ہیلو ٹام! میں اول خان ہی بول رہا ہوں'' اس نے دھیمی مگر بوجھل آواز میں کہا''تم نے مجھے کیسے فون کرلیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ رابطہ پروٹوکول کے خلاف ہے۔''
''ان رسمی باتوں کو چھوڑو'' ٹام کی آواز دوستانہ ہوگئی ''میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ یہ بتاؤ کہ آج کی کیا خبریں ہیں؟''
''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر کہلاتا ہے'' اول خان نے انگریزی محاورہ دہرا دیا۔ اس وقت مجھے اس کے صبر اور سکون پر رشک آرہا تھا۔ وہ میرے بدترین حریف کو بہت خوب صورتی سے ہینڈل کررہا تھا۔
''تم بے شناخت لوگ ہو۔ میں نے پروٹوکول توڑ کر کچھ دوستانہ تبادلۂ خیال کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ تم مجھ سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔''
''میری انگریزی کمزور ہے۔ اپنی مادری زبان میں، میں روانی سے بات کرسکتا ہوں۔ اس وقت تم کس قسم کے تبادلۂ خیال کی ضرورت محسوس کررہے ہو؟''
''کرنل داور تو بہت شستہ اور رواں انگریزی بولتا ہے''

ٹام نے اول خان کے سوال کو نظر انداز کر کے کرنل داور کے ذکر کا موقع نکال لیا۔
اول خانہ ایک ہنکارہ بھر کر رہ گیا۔
''کرنل داور کے ذکر پر تم چپ کیوں ہو گئے؟''
''کہنے کے لیے کچھ نہ ہو تو چپ رہنا بہتر ہوتا ہے۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''
''اس وقت کرنل داور کہاں ہے؟'' ٹام کو براہِ راست وہ تجسس آمیز سوال کرنا پڑ گیا۔
''ہم سے اچھی جگہ پر ہے'' جواب مبہم لیکن اول خان کے عقیدے کے عین مطابق تھا۔ اس کی سرد اور سپاٹ آواز سن کر مجھے ماننا پڑا کہ وقت اور ضرورت کے مطابق وہ اپنی آواز پر قابو رکھنے پر قادر تھا۔
''شہر میں خبر گرم ہے کہ اس نے خودکشی کر لی ہے'' اول خان نے آخر کار اسے کھل کر سوال کرنے پر مجبور کر دیا ''کیا یہ خبر درست ہے؟''
''اوہ!'' اول خان کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ سی آواز برآمد ہوئی ''مجھے افسوس ہے کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خبر لیک ہو گئی۔''
میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے اول خان کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ بہت کامیابی کے ساتھ بات آگے بڑھا رہا تھا۔
''اخباری رپورٹر جونکوں سے کم نہیں ہوتے۔ پاتال سے بھی خبریں نکال لاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی رپورٹر نے اس افواہ کی تصدیق کے لیے آئی جی سے رابطہ کیا تھا۔''
''وہ واقعی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا اور ذہین ساتھی تھا۔ اس کے لیے میرا دل اداس ہے۔'' اول خان نے رقت سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اس کی نیک روح کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں۔''
''لیکن اس نے اچانک خودکشی کیوں کر لی؟''
''ان باتوں کو نہ کریدو تو بہتر ہے۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''
''میں......؟'' ٹام کی پاٹ دار آواز ابھری ''تم نے مجھ پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا دیا؟''
''ایس ٹی ایف کا بہت مضبوط نیٹ ورک ہے۔ باتیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں۔'' اول خان نے کسی بحث کا آغاز کرنے کے بجائے کوئی کہانی سوچ لی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔
''میں تم لوگوں کا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ وہ واقعی ذہین افسر تھا۔ مجھے اس کے انجام پر دکھ ہوا ہے۔ میں اس کی غلطیوں کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں۔''
''ڈینی کے معاملے میں وہ فورس کی پالیسی سے انحراف کر کے اپنی راہ پر چل پڑا تھا'' اول خان کی اس تمہید نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''ملک اور قوم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم سب امن و امان کے علم بردار اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ اس جذبے کے تحت میں نے کسی عذر کے بغیر، تمہاری سنائی ہوئی خبر کی تصدیق کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اسی رواداری سے کام لو گے۔ ہمیں مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ وہ تم لوگوں سے قریبی رابطے میں ہے۔ اس نے ڈینی کی نقل و حرکت کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا تھا۔ اپنی معلومات اپنی ذات تک محدود کر لی تھیں۔ دفتر میں کوئی رپورٹ داخل نہیں کر رہا تھا۔ شبہ کیا جا رہا تھا کہ بڑے انعام کے لالچ میں وہ تم لوگوں سے ڈینی کا سودا کرنے کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے رویے سے اسے شبہ ہو گیا تھا کہ اس کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے اور اس کی ذاتی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیا جا رہا ہے۔ ان باتوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ کئی دنوں سے خاموش اور فکرمند رہنے لگا تھا۔ آج اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔''
اول خان بہت تسلسل اور روانی کے ساتھ بولتا چلا گیا۔ اس کی وہ صلاحیت پہلی مرتبہ میرے مشاہدے میں آئی تھی۔
''خودکشی کے وقت کو تم کوئی اہمیت دیتے ہو؟'' ٹام نے اول خان کے الزامات کی تردید کیے بغیر پوچھا۔
''مزید کسی سوال کا جواب دینے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کرنل داور کی خفیہ سرگرمیوں کی رپورٹیں کس حد تک درست تھیں؟'' اول خان نے باوقار انداز اپنایا ہوا تھا۔
''میں کسی بات کی تردید نہیں کروں گا'' قدرے سکوت کے بعد ٹام کا جواب آیا ''تمہیں بخوبی اندازہ ہونا چاہیے کہ ڈینی نے ہمارے مفادات کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ وہ خونی درندہ ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر قیمت پر اسے پکڑ کر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری میرا اور میرے پیش رووں کا مشن ہے۔ وہ خونی دہشت گرد امریکی حکومت کے لیے ایک چیلنج اور انا کا مسئلہ بن چکا ہے لیکن کسی طرح ہاتھ نہیں آ رہا۔ سننے میں آیا ہے کہ بعض پاکستانی ایجنسیاں اس کی پشت پناہ ہیں۔ کرنل داور اس کی راہ پر لگ گیا تھا۔ اسے انعام کی ہوس تھی۔ ہمیں ڈینی کا سر درکار تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے درمیان بہت سنجیدہ ڈیل چل رہی تھی۔ میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی اس موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا پھر کرنل نے کیوں خودکشی

کر لی؟''

''کوئی نہیں جانتا کہ کرنل کے دل میں کیا تھا'' اول خان نے کہنا شروع کیا ''وہ کئی دنوں سے پریشان تھا لیکن کل صبح سے وہ عجیب کرب اور اضطراب کے عالم میں تھا۔ شاید کوئی نئی بات رونما ہوئی تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایس ٹی ایف کا اعتماد کھو کر کڑی نگرانی میں آچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے اسے تمہاری نیت پر شبہ ہوگیا ہو۔ ڈینی کو اپنی تحویل میں لے کر تم انعام کی رقم دینے سے انکار کردیتے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تم اسے بلیک میل کرسکتے تھے۔''

''تم نے کہا کہ کل صبح سے وہ اضطرابی کیفیت سے گزر رہا تھا'' ٹام نے تائید چاہی۔ وہ کرنل داور کی حرام موت کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کررہا تھا۔

''میرا یہی مشاہدہ ہے'' اول خان نے گمبھیر لہجے میں کہا ''رات گئے کچھ نہ کچھ ہوا تھا جس نے کرنل داور کے دل ودماغ کو زیروزبر کردیا۔ شاید وہ اپنی فورس سے غداری کررہا تھا۔ اس کے صلے میں تم سے کچھ پانے کی امید ختم ہوگئی تو اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ ہر سیکرٹ سروس کی طرح ایس ٹی ایف میں بھی غداری کی ایک ہی سزا ہوتی ہے۔ کرنل داور کسی جان لیوا حادثے میں نہیں مرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی لیکن بہکے ہوئے افسر کا افسوس ناک انجام تھا۔ اس کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے میں ساری رپورٹوں سے واقف ہوں پھر بھی مجھے کرنل کی موت کا قلق ہے۔ میں نے اپنا ایک بہترین ساتھی کھو دیا۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو'' ٹام کی آواز میں عجیب سی وحشیانہ طمانیت ابھر آئی ''گیری ہارٹ کے بعد میں محسوس کررہا تھا کہ کرنل نے ہماری کمزوری کو بھانپ لیا ہے۔ وہ ڈینی کے نام پر ہمارے ساتھ کھیل رہا تھا۔ پرسوں رات میں نے اسے اپنی بے لاگ سوچ سے آگاہ کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کے بعد اس کا دماغ الٹ گیا ہو اور اس نے خودکشی کا مصمم ارادہ کرلیا ہو۔''

''تم نے ابھی تک اس تبادلہ خیال کی ابتدا نہیں کی جس کا شروع میں حوالہ دیا تھا!'' اول خان نے سپاٹ انداز میں اسے یاد دلایا۔

''وہ یہی سب باتیں تھیں۔ میں تم سے کرنل کی خودکشی کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے ہر بات صاف کردی۔ تم بہت کھرے اور اچھے انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ اپنا مخلص دوست پاؤ گے۔ میں رسمی مراسم سے بڑھ کر تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔''

کرنل داور کا قصہ نمٹ گیا تھا۔ وہ بہت ہوشیاری کے ساتھ اول خان کو دانہ ڈالنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اول خان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''آج اداکاروں اور صداکاروں کا دن ہے۔'' فون بند ہوتے ہی میں نے کہا ''پہلے جہانگیر نے تم کو اپنی اداکاری کے جوہر دکھا کر موم کیا۔ اب تم نے اپنی صداکاری سے ٹام کو چت کردیا۔ اتنی عمدہ اور مربوط کہانی گھڑنا میرے بس سے باہر تھا۔''

''لیکن یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔'' اول خان نے مایوسی سے کہا ''باتوں ہی باتوں میں معاملہ ٹل گیا۔ وہ اپنے گھر خوش ہے۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم کسی چاند ماری کی آس لگائے بیٹھے تھے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم نے اپنے ہاتھوں سے کرنل داور کی تدفین کی ہے تو دشمن کا بھی ایک آدھ آدمی گرنا چاہیے۔'' اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور مرنے لگتے تو آج ہم بھی سبزی خور ہوتے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''سب کچھ ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ دیکھتے ہیں کہ ٹام کب ہماری دھار پر آتا ہے۔''

وہ مجھے روکتا رہ گیا لیکن میں واپسی کا قصد کرچکا تھا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہاں آکر میں نے اپنے وقت کا بہترین مصرف تلاش کیا تھا۔

ٹام' کرنل داور سے پرپیچ باتیں کرتا تھا۔ اس نے اول خان سے گفتگو میں اپنے دل کا سارا غبار نکال لیا تھا' اس کی نیت اور ارادوں کے بارے میں ہماری سوچی ہوئی ہر بات درست نکلی تھی۔

وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے میرے بدترین انجام کا خواہاں تھا اسی طرح میں اسے ہر قیمت پر نیچا دکھانے کا آرزو مند تھا۔

☆☆☆

میں گھر پہنچا تو جلال مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی موجود تھا لیکن

اس کی میزبانی کا بیشتر بوجھ ویرانے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پورے زوروشور کے ساتھ اس سے کسی بحث میں الجھی ہوئی تھی۔
''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج سرکاری ریکارڈ کے مطابق تم اپنے ایک روپ میں مرحوم ومغفور ہو چکے ہو۔'' جلال نے مجھ سے ملتے ہی پرتپاک انداز میں کہا۔
''کس سرکاری ریکارڈ کی بات کررہے ہو۔ کرنل داور ایک خیالی افسانہ تھا۔ کس سرکاری ریکارڈ میں اس کا اندراج تھا؟'' ویرانے برجستہ سوال کیا۔
''زندگی میں اس کا کہیں ریکارڈ نہ رہا ہو۔ خودکشی کے بعد قبرستان کے ریکارڈ میں اس کا نام ضرور آچکا ہے۔'' جلال نے خوش دلی سے اسے یاددلایا۔
''اول خان بہت زیرک اور پھرتیلا آدمی ہے۔'' میں نے ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بتایا ''اس کی لیک کی ہوئی خبر تیزی سے اپنا سفر طے کرتی ہوئی ہمارے دشمن تک پہنچ گئی ہے۔''
''خبر واقعی سرعت سے پھیلی ہے۔ کرنل داور کو ایک زندہ کردار سمجھنے والے بہت سے افسران اس خبر کی تصدیق کے لیے اِدھر اُدھر فون گھما رہے ہیں۔ جلال بولا'' یہ پتا چلنا چاہیے کہ تمہارے حریفوں کے کیمپ میں اس خبر پر کیا ردِعمل ہے۔''
''وہ سامنے آچکا ہے۔'' میں نے کہا ''ٹام نے کہیں اور بھٹکنے کے بجائے براہِ راست اول خان کو فون کیا تھا۔ ساری گفتگو میری موجودگی میں ہوئی ہے۔ وہ اس خبر پر بہت خوش ہے۔''
''تم خاموشی سے ادھر کیوں نکل گئے تھے؟'' ویرانے پوچھا۔
''اپنی خودکشی کے پروگرام پر دل اداس تھا۔ جہانگیر سے ملنے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر بہت سی باتیں سامنے آگئی ہیں۔ ٹام نے اپنی کئی چالبازیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔''
''مجھے یقین تھا کہ یہ خبر ان کے لیے طمانیت کا باعث بنے گی۔'' جلال نے کہا ''ٹام نے جس طرح الفا کو داؤ پر لگا کر تم کو مروانے کی ناکام کوشش کی تھی اس سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ اب تمہارا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''
''وہ مجھے مروانے میں ناکام رہا۔ اب اس کی باری ہے!''
''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جلال کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ رقصاں تھی۔
''کچھ کہو یا چپ رہو، میری مدد تو کرتے رہو گے نا......!'' میں نے پوچھا۔

''اس بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی قونصل خانے کے باہر موجود ہیں۔ وہ اپنے شب وروز وہیں بسر کررہا ہے۔''
''اس قلعے میں گھسنا محال ہے۔ اسے وہاں سے نکلنا چاہیے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''اس نے الفا کو بھی وہیں روکا ہوا تھا۔ وہ کب تک وہاں محصور رہ سکے گا۔''
''قونصل خانے میں آسائشوں کی کمی نہیں ہے۔'' جلال نے بتایا ''حساس ملکوں میں ان کی سرکاری عمارات بہت وسیع و عریض ہوتی ہیں جہاں سوئمنگ پول سے بلیرڈ ٹیبل تک کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ایسی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی برے وقت میں ان کے شہریوں کی ایک معقول تعداد وہاں پناہ لے سکے۔ ٹام ایک لمبی مدت تک وہاں رہ سکتا ہے۔''
''تم اپنی کتھا سناؤ۔'' ویرانے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''تمہاری تدفین کے علاوہ دوسری اطلاعات بھی بہت دلچسپ ہونی چاہئیں۔''
اس روز جہانگیر سے پہلی مرتبہ کھل کر باتیں ہوئی تھیں جن کا تعلق صرف میری ذات سے تھا۔ اس نجی گفتگو کا ہمارے کاموں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ذکر گول کر کے میں نے دوسری تمام باتیں، پوری جزئیات کے ساتھ دہرانا شروع کردیں۔
میرے پہنچنے کے بعد غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ ان چاروں نے گہری دلچسپی کے ساتھ وہ تفصیلات سنیں۔ اس دوران میں میری بیشتر توجہ جلال پر مرکوز رہی تھی۔ واقعات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات میں پل پل تبدیلی آرہی تھی۔
''مجھے ڈر تھا کہ کرنل داور کا کردار ختم ہوتے ہی ہماری صفوں میں ایک خلا پیدا ہوجائے گا۔'' میرے خاموش ہونے کے بعد جلال نے طمانیت سے بھرپور لہجے میں کہا ''لیکن اول خان نے بہت کامیابی سے یہ خلا پر کرنے کی کوشش کی ہے۔''
''اس قماش کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔'' ویرانے اقرار کیا ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اول خان نے یہ مرحلہ کامیابی سے سر کرلیا۔''
''اس سے ایک غلطی ہوگئی'' جلال نے توقف کے بعد اپنی بات آگے بڑھائی ''ٹام سے اس کی اتنی لمبی گفتگو ہوئی تھی تو اسے کرنل داور کے حوالے سے کوئی ایسا شوشا بھی چھوڑ دینا چاہیے تھا کہ ٹام اس سے فوری طور پر ملنے کے لیے بے چین ہوجاتا۔''
''اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آرہی تو

بے چارہ اول خان ذہنی دباؤ کے عالم میں کیا سوچ سکتا تھا؟'' ویرا نے اول خان کی طرف داری کی۔

''بس اپنی اپنی سوچ کی بات ہوتی ہے۔ میں جلال کے خیال سے متفق ہوں۔'' میں نے کہا ''اور کچھ نہیں تو کرنل داور کی چھوڑی ہوئی کسی ڈائری کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ ٹام اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا۔''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اپنے کانوں سے ساری باتیں سننے کے باوجود اس وقت یہ نکتہ تمہارے دماغ میں نہیں آیا ہوگا تو بے چارہ اول خان کیسے یہ بات سوچ سکتا تھا'' ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

''یہ بحث بے سود ہے۔ اب آنے والے وقت پر نگاہ رکھو'' جلال نے بردباری سے کہا۔

''اب سارا انحصار تمہارے آدمیوں کی رپورٹ پر ہے۔ ہم میں سے کوئی ان اطراف میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''ان کی طرف سے تم بے فکر رہو'' جلال میری بات کے جواب میں بولا ''وہ پل پل کی خبریں دیتے رہیں گے۔ دونوں تجربے کار آدمی ہیں۔ عقاب جیسی نگاہیں رکھتے ہیں۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ اب اس مہم میں ہمارا زبانی کلامی ساتھ رہے گا۔ عملی فیصلے تمہارے ہوں گے۔ اس میدان میں میرا کوئی آدمی تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گا۔''

اسے وہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ضابطوں کی سختی سے پابندی کرنے والا افسر تھا۔ اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ ہم سے اپنے مراسم نبھانے کے لیے سرکاری پالیسی سے تجاوز کر کے کسی بدطینت امریکی افسر کی گوشمالی میں ہمیں عملی مدد فراہم کرے گا۔

''ٹام کے چکر میں ہم نے سوبھراج کو فراموش کر دیا ہے'' میں نے دھیرے سے کہا ''گرین کوبرا کی وجہ سے اس وقت وہ زیادہ اہم ہے۔''

''اس پر بھی کام ہو رہا ہے۔ اس کا سراغ مل جائے تو ہم بے خوف ہو کر اسے رگید سکتے ہیں۔ ٹام کے معاملے میں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے صرف تم نمٹ سکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے لیے کہا ہے۔ جو سامنے ہے اسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ سوبھراج بھی جلد ہی سامنے آ جائے گا۔ اس وقت تک تم ٹام سے نمٹ چکے ہو گے۔''

''تم نے اپنے طور پر کام بانٹ لیا ہے لیکن معلومات میں شراکت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔'' میں نے نرمی سے کہا ''سوبھراج کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟''

''فی الحال سناٹا ہے'' جلال نے بتایا ''میں نے بنکاک والے آدمی کو ہوشیار کر دیا ہے۔ اس سے چھوٹے راجن کا ذاتی موبائل فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ سوبھراج نے ادھر کا رخ کیا تو ہمیں بلا تاخیر اطلاع مل جائے گی۔ میں کسی طرف سے غافل نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں وہ فوری طور پر یہاں سے نہیں جائے گا'' ویرا پرخیال انداز میں بولی ''کسی نہ کسی طرح یہ بات جلد ہی سامنے آ جائے گی۔''

وہ سلسلہ آگے بڑھانے سے پہلے میں نے جلال سے راجن کا فون نمبر مانگ لیا۔ دوسرے مسائل میں الجھ کر وہ نکتہ میرے ذہن سے نکل سکتا تھا۔ جلال کو پہلے سے میری فرمائش کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک مڑا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا اور خود ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمہارے اس اندازے کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہو گی'' اس نے ویرا سے کہا۔

''ابھی تک وہ ڈینی کے نام پر امریکیوں سے سودے بازی کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید ڈینی کے بدلے ایف بی آئی اس کے ناکردہ گناہ کو معاف کر دیتی لیکن جہانگیر کی بازیابی نے سوبھراج کی بساط الٹ دی ہے۔ وہ مر کر بھی دوبارہ اس پوزیشن میں نہیں آ سکتا۔ اب اس کے ہاتھ میں گرین کوبرا کارڈ ہے۔ اسے اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ اس پر کوئی سمجھوتا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے وقت درکار ہے۔ وہ یہاں رکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

سوبھراج نے مجھ سے گرین کوبرا کی نیلامی کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی تھی وہ میرے لیے اس کے جذباتی ابال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ اس معاملے میں ویرا نے بہت قوی امکان کی نشاندہی کی تھی۔ سوبھراج کے پاس کالے دھن کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اپنی تمام تر بدنصیبی کے باوجود وہ بہت خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا اہل تھا اور زندگی اس کے لیے سب سے بڑا سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ جب تک ایف بی آئی والے اسے معاف نہیں کرتے، وہ سکھ کی نیند نہیں سو سکتا تھا۔

اس موضوع پر جلال کے ذہن میں کئی سوال مچل رہے تھے۔ ان پر اطمینان ہو جانے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہوا تو سوبھراج کے معاملے میں وہ ویرا کا ہم خیال ہو چکا تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیالات کے گرداب سے بن اور

بگڑ رہے تھے۔ میرے لیے ٹام اور سوبھراج دونوں ہی اہم حریف تھے۔ اپنی سہولت کے لیے ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کر کے دوسرے پر پوری توجہ مرکوز کرنا مناسب نہیں تھا۔ دونوں مہلک اور موذی دشمن تھے۔ ان پر بیک وقت نگاہ رکھنی ضروری تھی۔

پھر غزالہ بھی کمرے میں آ گئی۔ دوسرے مسائل کے باوجود جہانگیر سے ہونے والی باتیں میرے دل پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ میں نے بہت نرمی اور چاہت کے ساتھ غزالہ سے اس ذاتی موضوع پر بات چھیڑ دی۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ میرے موبائل فون پر جلال کی کال آ گئی۔

''تمہاری دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ ٹام اپنی کمین گاہ سے نکل کر ساحل سمندر کی کھلی فضا میں پہنچ چکا ہے'' اس نے پر جوش آواز میں بتایا۔

''خبر بہت اچھی ہے۔ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آج چودھویں نہیں لیکن چاندنی رات ہے'' جلال کہہ رہا تھا ''ٹام دو گاڑیوں میں سات نفری کا رواں لے کر شب بسری کی پوری تیاری کے ساتھ ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچا ہے۔ ایک گاڑی میں اس کے ساتھ ایک اور مرد اور دو عورتیں تھیں۔ دوسری گاڑی میں سوار تینوں آدمیوں نے اپنے اسلحے کے ساتھ ہٹ کے گرد اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں۔ وہ کمانڈوز معلوم ہو رہے ہیں۔''

''دو مرد، دو عورتیں، تین کمانڈوز اور شب بسری کے لوازم!'' میں نے اس کی بتائی ہوئی تفصیل دہراتے ہوئے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرنل داور کی موت کا مادر پدر آزاد جشن منانے کی نیت سے وہاں پہنچا ہے۔ دو مردوں کے لیے دو عورتوں کی موجودگی بتا رہی ہے کہ رات گہری ہونے تک وہاں طرب ونشاط کی محفل سج چکی ہوگی۔''

''معلوم یہی ہو رہا ہے'' اس نے میری تائید کی۔ ''تم دو عورتوں کے لیے دو مرد بھی کہہ سکتے ہو۔ ان لوگوں کی جدید معاشرت میں جنس سے عزت وعصمت کا تصور ناپید ہو چکا ہے۔ اسے جسمانی تفریح کا ایک درجہ دے دیا گیا ہے۔''

''ان کی اخلاقیات پر زیادہ دھیان مت دو۔ یہ سوچو کہ اس وقت ہمارا ہدف ایک ساحلی ویرانے میں موجود ہے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہمارا نہیں صرف اپنا ہدف کہو'' اس نے میری تصحیح کی

''اور یہ بھی سن لو کہ آج ہفتے کی رات ہے۔ شہر کے من چلوں کی خاصی تعداد وہاں پہنچی ہوئی ہے۔ ساحل پر خاصے ہٹ آباد نظر آ رہے ہیں۔ کوئی بھی پلان بناتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔''

''وہ سات ہیں۔ ساحل پر دوسرے لوگ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ زیادہ نفری درکار ہوگی۔ مجھے اول خان کو ٹٹولنا پڑے گا'' میں نے تفکر آمیز انداز میں کہا۔ میرے ذہن میں ہاکس بے کی ساحلی پٹی کا نقشہ جمنا شروع ہو گیا تھا۔

''جنرل کی طرف سے پابندیاں ہٹائے جانے کے بعد وہ تمہارا ساتھ دے سکے گا'' جلال نے اپنا خیال ظاہر کیا ''آج کی رات تمہارے لیے فیصلہ کن ہے۔ یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہے، دو بجے کے بعد کرنا۔ شراب کے بغیر ان کا کوئی جشن پورا نہیں ہوتا۔ وہ دو جوڑے ہیں۔ اس وقت تک نشے میں دھت ہو چکے ہوں گے اور آسانی سے زیر ہو جائیں گے۔ تم کو تینوں کمانڈوز سے اصل مقابلہ کرنا ہوگا۔ ان کے لیے بہت زیادہ آدمیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''تمہارے دونوں آدمی کب تک وہاں رہیں گے؟''

''انہیں بھول جاؤ۔ اپنے بارے میں وہ خود فیصلہ کریں گے۔ فی الحال وہ وہیں موجود ہیں۔ کوئی نئی بات سامنے آئی تو وہ فوراً مجھے اطلاع دیں گے۔''

''اوکے جلال۔ میں ان تفصیلی معلومات کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔''

''میں تمہاری سلامتی اور کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا'' ان کلمات کے ساتھ فون خاموش ہو گیا۔

اس خبر پر ہمارے درمیان جوش اور سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ غزالہ سمیت ہر ایک اس مہم پر جانے کے لیے کمربستہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے اول خان کو فون کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر رک گیا۔ دو عیش کوش جوڑوں کو مقابلے سے خارج کر کے تین کمانڈو رہ جاتے تھے۔ وہ ہٹ کے گرد موجود اور آنے والے وقت سے بے خبر تھے۔ ہم پوری تیاری کے ساتھ ان پر شب خون مارتے تو ان تینوں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ہم چاروں کافی تھے۔ اضافی نفری اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

میں کچھ دیر تک اس مشن کے نشیب وفراز پر غور کرتا رہا۔ ہمارے پاس پستول، ریوالور، بیم گن اور زہریلی انگوٹھیوں جیسے

دستی ہتھیار موجود تھے جب کہ اس مہم کے لیے لمبی رینج کے جدید ہتھیار لے جانے ضروری تھے جو اول خان ہی ہمیں فراہم کر سکتا تھا۔

فائرنگ کے نتیجے میں پولیس کی مداخلت متوقع تھی۔ اس سے نمٹنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مجھے اس جشن کے دوسرے شرکا سے کوئی سروکار نہیں تھا مگر میری خواہش تھی ٹام کو زندہ قیدی بنایا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کی صورت میں اسے ہاکس بے سے شہر لانا ایک دشوار ترین مرحلہ تھا۔ جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھا۔ ٹام کو صرف اسٹیشن فور لے جایا جا سکتا تھا۔

وہ ایک خطرناک اور بڑی مہم تھی۔ اس میں اول خان کی عدم شمولیت کی وجہ سے ہماری اولین کامیابی کسی بھی مرحلے پر بدترین ناکامی اور سنگین مسائل سے دوچار ہو سکتی تھی۔

وہ بہت واضح خطرات تھے۔ مجھے اس بارے میں کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس فیصلے پر پہنچتے ہی اول خان سے موبائل فون پر رابطہ کر لیا۔

اس وقت وہ اپنے گھر پر آرام کر رہا تھا۔ نئی خبر سنتے ہی وہ چونچال ہو گیا ”میں کہہ رہا تھا کہ میری چھٹی حس مجھے آج کی رات بھاری پڑنے کی خبر دے رہی تھی۔ دیکھ لو کہ بڑی خبر آ ہی گئی۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ وہ سات ہیں تو ہم بھی دس بارہ ہونے چاہئیں۔“

”یہ رات ہم پر نہیں، ان پر بھاری پڑے گی۔“ یہ کہہ کر میں نے اسے تفصیلات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ ان میں جلال کے بیش قیمت مشورے بھی شامل تھے۔

اس نے بہت سکون اور تحمل سے ہر بات سنی پھر بولا ”جلال نے تجربے کے گر بتائے ہیں۔ سب کچھ اسی طرح ہو جاتا ہے تو زیادہ پھیلاوے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی جیپ میں ایک آدمی کے ساتھ ہتھیار لے کر آتا ہوں۔ تم چاروں روانگی کی تیاری شروع کر دو۔ دونوں گاڑیوں میں تین تین کی نفری بٹ جائے گی۔ چاہو تو صرف میری جیپ میں چل سکتے ہو۔ سب آرام سے اس میں سما جائیں گے۔“

”اس اہم مشن میں دو گاڑیاں بہتر رہیں گی۔ راستے میں کوئی ٹائر پنکچر ہو گیا تو بلاوجہ کوفت ہو گی۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے اپنی گاڑی اور اس کے ٹائروں کی شان میں کچھ قصیدے سنائے مگر اصولی طور پر میری تجویز مان لی۔

اس سنہرے موقع کے انتظار میں ہم کب سے گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہے تھے۔ سب کچھ یکایک اتنا آسان نظر آنے لگا تھا جیسے ہم ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچیں گے اور ٹام دست بستہ ہمارے سامنے آ جائے گا۔ آنے والے وقت کی ہم میں سے کسی کو خبر نہیں تھی۔

اول خان کا گھر ہتھیار خانہ نہیں تھا۔ ضروری ہتھیاروں اور میگزین وغیرہ کے لیے اسے اپنے گھر سے اسٹیشن فور جانا تھا۔ وہ ہر طرف سے فارغ ہو کر ٹھیک گیارہ بجے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

ٹام سے ہماری ذاتی لڑائی چل رہی تھی۔ اس کے اسباب کی جڑیں قومی سلامتی کے اہم ترین معاملات تک جاتی تھیں لیکن یہ کھلی بدنصیبی تھی کہ وہ ہمارے قوانین کی نظروں میں مجرم نہیں، ایک مراعات یافتہ سفارتی اہل کار تھا جسے انگلی لگانا بھی قابلِ تعزیر تھا۔

ہاکس بے کے ساحل پر جرم کر ان لوگوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجرم ہوتے تو ان سے ڈٹ کر محاذ آرائی کی جا سکتی تھی۔ میں اس مشن میں مارنے اور بھاگ نکلنے کے نظریے پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

بارہ بجے ہم دونوں گاڑیوں میں گھر سے روانہ ہو گئے۔ میں اول خان اور اس کے آدمی کے ساتھ جیپ میں سوار تھا۔ بقیہ تینوں نفوس ہماری گاڑی میں پیچھے آ رہے تھے۔

ہم وقت سے پہلے ہاکس بے پہنچ کر حملے سے پہلے سنی ہٹ اور اس کے قرب و جوار میں پائے جانے والے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینا چاہتے تھے تاکہ بعد کی امکانی دشواریوں کا پیشگی سدِ باب کیا جا سکے۔ ڈرائیونگ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہم مقررہ وقت سے بہت پہلے آبادی کو بہت پیچھے چھوڑ کر سمندر کے متوازی پھیلی ہوئی سڑک پر پہنچ گئے جہاں چڑھتی رات کی خنک ساحلی ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا۔

عام دنوں میں تاریک اور ویران ساحل کے ساتھ جا بہ جا روشنیوں کے جگنو چمک رہے تھے۔ جلال کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق بہت سے ہٹ روشن نظر آ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر کبھی کبھی مسرت آمیز انسانی آوازیں اور چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

راستے میں تین مقامات پر پولیس موبائلوں سے ہمارا سامنا ہوا تھا لیکن کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عام پولیس والے افراد سے پہلے شان دار گاڑیوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اول خان کی چمچماتی ہوئی جیپ ان کے سامنے ہماری ڈھال بنی ہوئی تھی۔

اپنے رقبے، ساخت اور بلندی کی وجہ سے سنی ہٹ اس علاقے کی مشہور عمارت تھی۔ اس پر جس فراخ دلی سے کثیر

سرمایہ لگایا گیا تھا اس سے اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ عمارت امریکی قونصل خانے کی ملکیت رہی ہوگی۔
اول خان کے ایما پر ڈرائیور نے جیپ کی رفتار کم کردی۔ میری نگاہیں سنی ہٹ پر مرکوز ہوگئیں۔ درمیان میں آنے والے ناہموار ٹیلوں کی وجہ سے اس طرف کی ساحلی پٹی ابھرابھر کر معدوم ہورہی تھی۔ چاند کی ٹھنڈی اور دھیمی روشنی میں مجھے ساحل ویران نظر آیا۔ ٹام اور اس کے تینوں ساتھیوں میں سے کوئی بھی باہر نظر نہیں آرہا تھا۔ ان کے محافظوں میں سے صرف ایک میری نظر میں آسکا۔ وہ وسیع ہٹ کے عقبی چبوترے پر اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔
سنی ہٹ کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے ہم آگے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ اس دوران میں اول نے اس مقام کا تعین کرلیا تھا جہاں سے ہم اپنی گاڑیاں ریتیلی پگڈنڈی پر اتار کر سنی ہٹ کے ایک قریبی ہٹ تک پہنچ سکتے تھے جو تاریک اور ویران نظر آرہا تھا۔
جیپ بائیں طرف مڑ کر ریت میں اتری تو مجھے دوسرا کمانڈو نظر آگیا۔ وہ سنی ہٹ کی بغلی سمت میں بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے بھاری وجود پر منڈھے ہوئے کپڑوں پر نظر آنے والی گن کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تیسرا ساتھی ہٹ کے دوسرے پہلو کی حفاظت کررہا ہوگا۔
بظاہر کوئی خطرہ نہ ہونے کے باوجود وہ تینوں نہایت پیشہ ورانہ انداز میں اپنی اپنی جگہوں پر چٹان بنے ہوئے تھے۔
تاریک ہٹ سے آگے نکل کر جیپ روک دی گئی۔ وہاں سے سنی کا برآمدہ اور اگلا حصہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔ وہ چاروں نہانے کے مختصرترین لباسوں میں روشن برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر رکھی ہوئی کسی شراب کی بڑی بوتل دوسرے لوازم سے بہت ممتاز تھی۔
اتنی دور سے ٹام مجھے نہیں پہچان سکتا تھا مگر پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ میں خالی ہاتھ جیپ سے دوسری طرف اتر گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کوفت ہوئی تھی کہ ڈیڑھ بجنے کے باوجود وہ چاروں اس قابل تھے کہ ساحل کی طرف سے کھلے ہوئے برآمدے میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرسکیں۔
صرف ایک بات حوصلہ افزا تھی کہ وہ چاروں شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ان کی دلچسپیاں جھاگ اڑاتے سمندر سے ہٹ کر ایک دوسرے کے جسموں تک محدود ہوچکی تھیں۔ مردوں کی چھیڑ چھاڑ اور لڑکیوں کے بے ساختہ قہقہے فضا میں ترنم سا بکھیر رہے تھے۔
اس سے آگے بہت سے سرپھرے لڑکے لڑکیاں پانی سے اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ وہ خوش حال گھرانوں کے روشن خیال چشم و چراغ تھے۔ انہیں نیم برہنہ سفید فاموں اور ان کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہاں آئے ہوئے سب لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن تھے۔
اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہم شہر سے میلوں دور، ساحل پر آگئے تھے لیکن کسی کے پاس تیراکی کا لباس نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہاں متعدد لوگ پائنچے چڑھا کر پورے لباس کے ساتھ سمندر کی خنکی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ میں نے جھک کر پائنچے چڑھائے اور خراماں خراماں ساحل کی لکیر کی طرف ہولیا۔
میں خود کو ٹام کی نظروں سے بچائے رکھنے کی پوری کوشش کررہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا سفید فام ہونے کی وجہ سے مجھ سے زیادہ مشکل سے دوچار ہوگی۔ اول خان کا بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔
چند منٹ بعد ہم سب سنی ہٹ سے کافی دور، سمندر کے اتھلے پانی میں کھڑے ہوئے تھے۔
''چاروں بلانوش لگتے ہیں۔'' ویرا تشویش آمیز آواز میں بڑبڑائی ''ان کے مدہوش ہونے کا انتظار کرتے رہے تو ہمیں سویرا ہوجائے گا۔''
''اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' میں نے کہا ''یہاں تک آگئے ہیں تو انتظار کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہمارے اطمینان کے لیے کافی ہے کہ ٹام ہمارے سامنے ہے۔ کچھ دیر تک تیل اور تیل کی دھار دیکھتے ہیں پھر فیصلہ کریں گے کہ انتظار کرنا بہتر رہے گا یا اللہ کا نام لے کر دھاوا بول دینا چاہیے۔''
''انتظار بھی کرلیا جائے گا۔'' سلطان شاہ بولا ''اس دوران میں یہ فیصلہ کرلو کہ کون کدھر کا رخ سنبھالے گا۔ تینوں کمانڈوز الگ الگ سمتوں میں جمے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک پوزیشن سے نشانے پر نہیں لیا جاسکے گا۔''
مجھے چاندنی کی فکر ہونے لگی۔ وہ باضابطہ طور پر مسلح کمانڈوز کو اپنے ساتھ لے کر سمندری پکنک پر آئے تھے اور بے فکری سے اپنے ہتھیاروں کی نمائش کررہے تھے۔ ان کی بے خبری میں حملہ آور ہونے کے لیے آڑ بہت ضروری تھی لیکن چاند کی پھیکی روشنی نے دور دور تک سب کچھ اتنا واضح کردیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے ریتیلے ٹیلے ہمیں کوئی تحفظ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔
میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند پر بدلی آنے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں

تھے۔
گھر بیٹھ کر نہایت آسان نظر آنے والا وہ مشن میدان میں اترتے ہی دشواریوں کا شکار ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ان تینوں محافظوں کو بیک وقت پہلے فائر میں ہلاک یا زخمی کرنا بہت ضروری تھا۔ انہیں ذرا بھی مہلت ملتی تو وہ اپنے جوابی فائر سے سامنے والے کو بھون ڈالتے۔ ہماری کسی غلطی سے فائدہ اٹھا کر وہ کمانڈوز ہٹ میں گھسنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہم کسی قیمت پر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ پولیس یا اپنے قونصل خانے سے کوئی کمک آنے تک وہ ہمیں آسانی سے باہر روک سکتے تھے۔ سنی ہٹ کی چھت پر پہنچا ہوا ایک کمانڈو باہر پھیلے ہوئے بیس آدمیوں کے لیے کافی ہوتا جبکہ ہماری نفری کل چھ تھی جن میں دو عورتیں شامل تھیں۔

میرا ذہن بری طرح الجھ گیا۔ وہاں تک آ جانے کے بعد دشمن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر واپس لوٹ جانا ناممکن تھا۔ تصادم میں پوشیدہ خطرات و امکانات دماغ کو ماؤف کیے دے رہے تھے۔ میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہو چکا تھا۔
مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں ٹام بھی سوبھراج کی طرح ہمیں اپنی جھلک دکھا کر صاف نہ نکل جائے۔ اندیشوں کے اس ہجوم میں کامیابی کی صرف ایک راہ نظر آ رہی تھی کہ بے مقصد گولیاں چلا کر انہیں ہوشیار کرنے کے بجائے سنی ہٹ پر ایک ساتھ کئی دستی بموں سے حملہ کر دیا جائے۔ یقینی طور پر وہ ایک اندھا دھند اور خودکش حملہ ہوتا جو جس کی زد میں آتا، مارا جاتا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر سرعت سے ٹام تک پہنچنا ممکن تھا۔
وہ کامیابی کی ایک راہ ضرور ثابت ہو سکتی تھی لیکن ہمیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی۔ ہماری ٹیم میں سب ایک دوسرے کے چہیتے اور پیارے تھے کوئی ایسا نہیں تھا جسے اس نازک وقت پر قربانی کا بکرا بنایا جا سکے۔
ٹام کے لیے وہ قیمت بہت زیادہ تھی، میں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔
''کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو!'' اول خان نے مجھے ایک طرف لے جا کر پوچھا۔
اسے سب کچھ بتانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا ''آمنے سامنے کے مقابلے کے لیے ان کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط ہے۔ میں سنی ہٹ پر دستی بموں سے اچانک حملہ کرنے کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔''

اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسے بہت سے تماشے دیکھے ہوئے تھے۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیا ''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہم میں سے ایک بھی مارا گیا تو تم ساری زندگی خود کو کوستے رہو گے۔ اس سے بہتر ہوگا کہ ہم جس طرح آئے ہیں، خاموشی سے واپس لوٹ جائیں۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ یہ بھی بتا دوں کہ ہم یہاں بمباری کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ میری جیپ میں دو چار ہلکے دستی بم ضرور ہوں گے لیکن وہ سنی ہٹ کی مضبوط عمارت کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔''
''میں پہلے ہی نکال چکا ہوں، اپنی تسلی کے لیے تمہاری رائے لے رہا تھا۔''
''اوہ! اندھیرا ہو گیا!'' یکایک ویرا کی بے ساختہ آواز ابھری۔
میں نے چونک کر سر گھمایا تو سنی ہٹ کا روشن برآمدہ تاریک ہو چکا تھا۔ وہ چاند کی براہِ راست کرنوں سے محروم تھا لیکن ادھر ادھر سے آنے والے انعکاس میں صاف نظر آ رہا تھا کہ برآمدے کی دو کرسیاں خالی ہو چکی تھیں۔ ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے بعد بے چین اور بھاری ہیولوں کی کل تعداد دو رہ گئی تھی۔
ان کے معدوں میں اتری ہوئی شراب ان کے دماغوں میں چڑھ رہی تھی۔ بنتِ عنب نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ عفت و آبرو کے مفہوم سے ناآشنا کھوپڑیوں پر شیطان نے اپنی سواری گانٹھنی شروع کر دی تھی۔
ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے ہلکے ہلکے ماورائی شور میں وہ چاروں تاریک برآمدے میں بیٹھے رہے۔ میری نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں مگر میرا ذہن کہیں اور تھا۔ میں نے سنجیدگی سے اول خان کی دی ہوئی واپسی کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔
اچانک رات کے سناٹے میں کہیں سے فائر کی ایک گرج دار آواز گونجی اور میں بے اختیار اپنے سینے کے بل نرم اور گیلی ریت پر گرتا چلا گیا۔ آواز قریب کی تھی۔ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خود کشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ موقع اچھا تھا اور اس موقع پر انہیں گھیرا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے دھیمے دھیمے مگر پُر ہول شور میں فائر کی وہ آواز کسی بھیانک آسیبی چیخ سے کم نہیں تھی۔ ٹام اور اس کے ساتھی اس ساحلی ویرانے میں بےفکری سے جشن منانے کے ارادے سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے وہ فائر قطعی غیر متوقع تھا۔

میں نے سینے کے بل نرم ریت پر گرتے ہی اپنے گرد و پیش میں نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میرے تمام ساتھی میرے آس پاس' کم و بیش اسی دفاعی پوزیشن میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

فائر کی گرج دار آواز سے صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی طاقت ور رائفل سے کیا گیا تھا۔

فضا میں اس فائر کی گونج معدوم ہونے سے پہلے اچانک غزالہ کی دبی دبی ہیجانی آواز ابھری ''وہ کیا...... ابھی ابھی ہوا میں کوئی چوپایہ سا اچھلا ہے!''

اس وقت میں ان لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی آواز سنتے ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر اس سمت میں اٹھ گئیں جدھر غزالہ دیکھ رہی تھی۔

''میں نے بھی سنی ہٹ کے پیچھے وہ سایہ اچھلتے دیکھا ہے۔'' اول خان نے دھیمی آواز میں غزالہ کی تائید کی ''کوئی کتا یا بھیڑیا معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے ان دونوں کی آرا پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری نگاہیں سنی ہٹ کی طرف جمی رہیں۔

وہ شہر سے بہت دور' ویران ساحلی علاقہ ضرور تھا لیکن وہاں بھیڑیوں اور گیدڑوں وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اگر غزالہ اور اول خان نے مختصر وجود والے کسی چوپائے کو فضا میں اچھل کر گرتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ کوئی آوارہ کتا ہی ہو سکتا تھا۔

کھلے ویرانے میں فائر کی آواز بہت دور تک پھیلی تھی۔ وقتی طور پر شاید لوگ چونکے ہوں مگر ان کی تفریحی سرگرمیاں دوبارہ بحال ہو چکی تھیں۔

وہ ایک تفریحی علاقہ تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ شہر کے اوباش امراء اپنی عیاشیوں کے لیے اکثر اپنے ان ساحلی ٹھکانوں میں راتیں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جہاں قانون کی عمل داری برائے نام ہے۔ جب تک کہیں کوئی دنگا فساد نہ ہو' قانون کے رکھوالے لوگوں کی خلوتوں میں دخل انداز ہو کر رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے۔ کبھی کبھار نشے میں بہکا ہوا کوئی شخص اپنی والہانہ خوشی کے اظہار میں اکا دکا ہوائی فائر بھی کر ڈالتا ہے جسے لوگ جشنِ طرب کا ایک حصہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہماری ٹولی کی کیفیت وہاں آئے ہوئے دوسرے سیلانیوں سے بہت مختلف تھی۔ ہم اپنے ایک اہم اور خطرناک دشمن کی سرکوبی کے مشن پر آئے ہوئے تھے۔ دشمن مسلح اور چوکنا تھا۔ اس کے عشرت کدے کی طرف سے چلائی جانے والی گولی کو ہم میں سے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ میں کئی ثانیوں تک ریت پر اسی طرح پڑا' کسی اور فائر یا جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔ پہلے کی طرح ہر طرف سکوت کا راج ہو چکا تھا۔ سمندری پانی میں تفریح کرنے والوں کی مسرت آمیز آوازیں' ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کی مہیب آوازوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔

اس فائر کے نتیجے میں سنی ہٹ کا ساحلی برآمدہ ویران ہو چکا تھا۔ وہاں کی روشنیاں گل ہونے کے بعد دو کرسیاں پہلے ہی خالی ہو چکی تھیں۔ بقیہ دو کرسیوں پر باہم شیر و شکر ہونے والے چاروں وجود فائر ہوتے ہی اندر بھاگ گئے تھے۔ اس وقت چاروں خالی کرسیاں ہمارا منہ چڑا رہی تھیں۔

ابتدائی جھٹکے سے سنبھالا لینے میں کئی ثانیے گزر گئے۔ اندھیرا ہونے کے باوجود ہم میں سے کسی نے فائر کی چمک نہیں دیکھی تھی لیکن آواز کی سمت سے یہ تعین ہو گیا تھا کہ گولی سنی ہٹ کی طرف سے چلائی گئی تھی۔ وہاں نظر آنے والے چاروں افراد کا ردِعمل ہم سے مختلف نہیں تھا۔ گولی چلتے ہی وہ اضطراری طور پر اندر بھاگ گئے تھے۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ سامنے آ رہا تھا کہ وہ گولی سنی ہٹ کے گرد مامور کسی کمانڈو نے چلائی تھی۔

اس مفروضے کو غزالہ اور اول خان کے مشاہدے سے جوڑنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی امکان ابھر رہا تھا کہ خوراک کی بُو پا کر سنی ہٹ کا رخ کرنے والا کوئی آوارہ کتا کسی محافظ کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ گولی کی زد میں آ کر مرنے والے کتے کی چیخ نہ ابھرنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ طاقت ور رائفل کے فائر نے چشم زدن میں کتے کی مختصر سی کھوپڑی اڑا دی ہو۔

وہ خیال ذہن میں راسخ ہوتے ہی میں زمین چھوڑ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' دیرا میری پتلون کا گیلا پائنچا کھینچ کر

مضطربانہ آواز میں بولی ''کچھ دیر تک نیچے پڑے رہو۔ پتا نہیں کب دوسری گولی چل جائے۔''

''اب کوئی گولی نہیں چلے گی۔'' میں نے نیچی آواز میں پورے اعتماد سے جواب دیا ''سنی ہٹ کی طرف بڑھنے والا کوئی بھوکا اور آوارہ کتا مارا گیا ہے۔ ابھی انسانوں کا نشانہ لینے کی باری نہیں آئی ہے۔ میں بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے۔''

میرے تجزیے سے میرے ساتھیوں کو حوصلہ ملا اور وہ ایک ایک کر کے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے چلے گئے۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن وہ سب ہوشیار ہیں۔ اس وقت تمہارا ان کی طرف جانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔'' اول خان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''کتا مارا گیا ہے تو اسے دیکھ کر تم کیا تیر مار لو گے!'' ویرا نے اپنے مخصوص انداز میں مجھے پیش قدمی سے روکنے کی کوشش کی۔

میں نے ان دونوں کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس واقعے کے نتیجے میں مجھے اپنی مشکل آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔ چند منٹ پہلے میں بے نیل ومرام واپسی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا تھا مگر عین وقت پر قدرت نے مجھے سنی ہٹ تک جانے کا ایک سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

میرے ذہن میں یکا یک روشن امکانات کی ایک یلغار ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کو چند فقروں میں وہ سب سمجھانا ممکن نہیں تھا۔ میرے لیے کچھ کر گزرنے کے بس وہی چند لمحے تھا۔ وقت گزر جاتا تو میری حکمتِ عملی بری طرح ناکام ہوسکتی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد انہیں یقین دلایا ''ہوسکتا ہے کہ مجھے ان سے مل بیٹھنے کا کوئی موقع مل جائے۔ خطرہ دیکھتے ہی میں لوٹ آؤں گا۔''

میں نے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چھوٹے چھوٹے قدموں سے سنی ہٹ کی طرف ہولیا۔

یہ خیال میرے ذہن میں شروع سے ہی جاگزیں تھا کہ اس علاقے میں ٹام اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کی اطلاع ہمیں جلال کے آدمیوں سے ملی تھی جو الفاوالے قصے کی ابتدا سے سایہ بن کر ٹام کی نگرانی کررہے تھے۔ ان لوگوں سے ہمیں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی مگر یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ تجسس سے مجبور ہوکر اس کھیل کا اختتام ضرور دیکھنا چاہتے جس کی داغ بیل انہوں نے ڈالی تھی۔

آئی بی والے ہماری نظروں سے اوجھل تھے مگر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس وقت بھی کسی نہ کسی بہروپ میں کسی ایسے مقام پر منڈلا رہے ہوں گے جہاں سے سنی ہٹ پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں چند قدم آگے بڑھا تو میں نے یہ دیکھ لیا کہ سنی ہٹ کی وہ سمت خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس طرف مامور کمانڈو شاید فائر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کسی اور طرف نکل گیا تھا۔

میں نے اپنی رفتار بڑھادی۔

سنی ہٹ کی باہر کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور شاید ان پر پردے بھی کھنچے ہوئے تھے لیکن درزوں سے جھلکنے والی روشنی اندر کی زندگی کی خبر دے رہی تھی۔ چار سفید فام افراد یا دو جوڑے باہر سے بھاگ کر اندر پناہ لے چکے تھے۔ گزرے ہوئے لمحوں میں انہیں اپنے کسی محافظ سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ فائر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ وہ باہر کی دنیا سے اپنا ہر رابطہ ختم کر کے اندر مگن تھے۔

میں عجلت میں آگے بڑھتا رہا پھر مجھے وہ دونوں کمانڈوز نظر آگئے جو سنی ہٹ کی پچھلی سمت میں کھڑے باتیں کررہے تھے۔ ان کے تیسرے ساتھی نے ان کے ساتھ آ ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں بہت تیزی سے گردوپیش کا نقشہ اپنے ذہن میں محفوظ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

اچانک ایک کمانڈو نے مجھے دیکھ لیا۔ وہاں میرے چھپنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں ان میں سے کسی سے ملاقات کا ارادہ کر کے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوا تھا۔

''ہالٹ! کون ادھر آرہا ہے؟'' اس نے اضطراری آواز میں مجھے للکارتے ہوئے اچانک اپنی گن سے نشانہ لے لیا۔

''میں دوست ہوں۔'' میں نے خطرے کے پیشِ نظر اپنی پیش قدمی ترک کر کے نرمی سے جواب دیا ''ابھی ابھی ادھر سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ کیا تم نے سنی تھی؟''

اکلوتے فائر کی آواز نہ سننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر میرا آخری سوال اضطراری سا تھا۔ اس نے بلا توقف کہا ''ہاں۔ ہم نے ایک آوارہ کتا مارا ہے۔ ادھر آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس جا کر موج کرو۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''کیا میں ایک نظر مرے ہوئے کتے کو دیکھ سکتا ہوں؟ میرا پالتو کتا کہیں بھٹک گیا ہے اور ڈیڑھ دو گھنٹے سے غائب ہے۔''

''کتا مرچکا ہے!'' اس نے اپنی رائفل شانے سے لٹکا کر جواب دیا ''اگر یہ تمہارا پالتو تھا تب بھی تم اسے دیکھ کر زندہ نہیں کرسکو گے۔ ہم لوگوں کے جانے کے بعد اچھی طرح اسے دیکھ لینا۔ اس وقت یہاں سے دور رہو۔''

جواب دیتے ہوئے' اس نے میری طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز کسی بھی اعتبار سے جارحانہ نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے اپنی جگہ پر واپس پہنچنے کے ارادے سے اچانک میری طرف چلنا شروع کر دیا تھا۔

شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اپنی جگہ پر موجود نہ ہونے کے باعث مجھے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر رہتا تو مجھے پہلے ہی روک سکتا تھا۔

''تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''لیکن ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکیں گے۔ ہمارے ساتھ گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں شہر واپس چلے جائیں گے۔''

وہ میرے قریب پہنچ کر رک گیا اور اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر بولا ''کیسی گڑ بڑ ہوئی ہے...... ؟ تم بلاوجہ بحث کیوں کر رہے ہو؟'' اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

''میں بلاوجہ بحث نہیں کر رہا۔ میری شکل و صورت سے تم کو اندازہ لگا لینا چاہیے کہ میں ایک معزز اور شریف آدمی ہوں۔'' اس بار میں نے اسے قائل کرنے کے لیے ہلکی سی خفگی کا اظہار ضروری سمجھا ''ہم نے پکنک منانے کے لیے جو ہٹ کرایے پر لیا تھا اس کا چوکیدار چابی سمیت غائب ہے۔ پتا نہیں اس پر کیا مصیبت آ گئی ہے۔ ہم اس موسم میں کھلے آسمان کے نیچے پوری رات نہیں گزار سکتے۔ ہمیں ابھی واپس جانا پڑے گا۔ آخر تم مجھے کتے کو دیکھنے سے کیوں روک رہے ہو؟''

''صورت سے تم واقعی شریف لگتے ہو۔'' اس نے میرے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں کہا ''خالی ہاتھ بھی ہو۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ تمہارا پالتو کتا غائب ہو گیا اور ہٹ کا چوکیدار بھی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار ہو گیا ہو۔ کبھی کبھی ایسے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں۔ جاؤ اور اس پاکستانی کتے کو ایک نظر دیکھ کر فوراً لوٹ آؤ۔''

وہ حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس سے اجازت مل جانے پر میں نے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں اس کی زہر فشانی برداشت نہ کر سکا۔

''میں نے بہت سے امریکی کتے بھی دیکھے ہیں۔ وہ انگریزی نہیں بولتے۔ پاکستانی کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔ کیا تمہیں ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟'' میں نے کڑوے لہجے میں پوچھا۔

''تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں امریکی ہوں؟'' اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

''میں نے تمہارا نہیں' امریکی کتوں کا ذکر کیا تھا۔'' مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں...... تمہیں فرنچ' جرمن یا انگلش کتے کیوں یاد نہیں آئے؟''

''میرا مخاطب کوئی جرمن ہوتا تو میں جرمن کتے کی بات کرتا۔''

''میں یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے مجھے امریکی کیسے سمجھ لیا؟''

اس کا سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ میں مشتعل ہو کر اسے منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ضرور ہو گیا لیکن اس کی قومیت کا حوالہ میرے لیے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ وہ ان ڈھیٹ اور بے شرم لوگوں میں سے نظر آ رہا تھا جو دوسروں کو گالی دینے میں عار سمجھتے ہیں نہ گالیاں کھا کے بے مزہ ہوتے ہیں۔ اس نے یکایک وہ نکتہ پکڑ لیا تھا جو مجھے لاجواب کر سکتا تھا۔

اسے برابری سے جواب دینے کے بعد میرا غصہ دب چکا تھا۔ بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں مجھے موزوں جواب سوجھ ہی گیا۔ میں نے بہت نرمی سے کہا ''اس طرف آنے والوں کو معلوم ہے کہ سنی ہٹ امریکیوں کی ملکیت ہے۔ یہاں وہ خود آتے ہیں یا ان کے مہمان۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔''

وہ پرغرور انداز میں دھیرے سے ہنس پڑا۔ یہ جان کر اس کی انا کی تسکین ہوئی تھی کہ کسی واضح حوالے کے بغیر بھی اس کی قومیت کا تعین کر لیا گیا تھا۔

''جاؤ اور اسے دیکھ کر الٹے قدموں لوٹ آؤ۔ ہماری موجودگی میں یہ ممنوعہ علاقہ بن جاتا ہے۔ میرے للکارنے پر تم نہ رکے ہوتے تو میں ایک گولی تمہارے نام بھی کر دیتا۔ آج رات یہاں پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' اس سے کسی غیر ضروری بات میں الجھنے کے بجائے میں ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اس وقت میں کامل بے یقینی کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہو جائے گا۔ مجھے اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں سی مار رہا تھا۔

ان میں سے کسی نے ایک آوارہ کتے پر طبع آزمائی کر کے اچانک ایک نئی راہ کھولی تھی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر کی کچھار میں قدم رکھ دیا تھا جہاں سے واپسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں لوٹتا تو وہ مجھے بے دریغ گولیوں کی باڑ پر لے کر بھون ڈالتے۔ واحد راستہ یہ تھا کہ میں مردانہ

دار ان سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی کوشش کرتا۔ کامیابی کی صورت میں مجھے زندہ رہنے اور لوٹنے کا حق مل سکتا تھا۔

مجھے پیش قدمی کی اجازت دینے والا کمانڈو پیچھے رہ گیا تھا۔ سنی ہٹ کے عقبی حصے کی حفاظت کرنے والا پوری مستعدی کے ساتھ میرے استقبال کے لیے تیار تھا۔ سنی ہٹ کے دوسرے پہلو پر مامور تیسرا کمانڈو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

''مرنے والا کتا تمہارا ہے؟'' میرے قریب پہنچنے پر اس نے تفتیشی رکھائی کے ساتھ سوال کیا۔

''میں اسے دیکھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے محتاط لہجے میں کہا ''وہ کوئی آواز نکالے بغیر مرا ہے۔ چیخا ہوتا تو شاید میں اسے اس کی آواز سے پہچان لیتا۔''

ان کے درمیان پہنچنے تک میں نے کچھ طے نہیں کیا تھا کہ میں کس حیلے سے ان کا قرب حاصل کرسکوں گا۔ بات سے بات نکلی اور میں نے مرنے والے کتے کی ملکیت کا امکانی دعویٰ کردیا۔ وہ بہت معمولی سا واقعہ تھا جو اچانک اہمیت اختیار کرگیا تھا۔ میں اپنے دوسرے حریف سے مکالمہ کرتے ہوئے اپنے دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کتے کی ملکیت کا دعویٰ میرے گلے نہ پڑنے پائے۔

''پالتو کتے اپنے مالک کی بُو پہچانتے ہیں۔ یوں ویرانوں میں مارے مارے نہیں پھرتے!'' وہ آسانی سے مجھے راہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں تمہارے ساتھی کو اپنی کتھا سنا چکا ہوں۔'' میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''اب تم کو بھی بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے ہٹ کرایے پر لیا تھا۔ ہم یہاں آگئے۔ چوکیدار نہیں پہنچا۔ ہٹ پر تالا پڑا ہوا ہے۔ ہمارا کتا بوکھلا کر غائب ہوگیا۔ ہم اس کی تلاش میں یہاں رکے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں مرچکا ہے تو ہم ابھی لوٹ جائیں گے۔''

''اوہ! اس کا مطلب ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟'' اس خبیث کو ایک نئی بات سوجھ گئی۔

''وہ دو یا دو سو بھی ہوسکتے ہیں۔'' میں نے چڑ کر جواب دیا ''تمہیں ان سے کیا لینا ہے۔ تمہارے پاس میں اکیلا آیا ہوں۔ تم لوگ ایک معمولی سی بات کو اتنا طول کیوں دے رہے ہو۔ کتے کی لاش دکھانے میں تم اتنی حیل حجت کیوں کررہے ہو؟''

''بات کتے کی نہیں، سنی ہٹ کی ہے۔'' اس نے میرے لہجے کا برا منائے بغیر تشویش زدہ لہجے میں کہا ''تم نے مشتبہ انداز میں ہمارے ہٹ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ اپنا اطمینان کرنا میرا پورا حق ہے۔ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے کہ میں نے ایک کتے کو مارا اور تم اس کے مالک ہونے کا دعویٰ کرکے سامنے آگئے۔ ساحلوں پر کون پالتو کتے لے کر آتا ہے!''

''تم غیر ضروری باتیں کررہے ہو۔ لوگ کتوں کو بستر میں اپنے ساتھ لے کر سوتے ہیں۔ میں اسے ساحل پر ہوا خوری کے لیے لے آیا تو کیا برا کیا؟''

''یہ انگریزوں کے شوق ہوتے ہیں۔'' میرے چڑنے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا ''تم کسی کالے انگریز سے کم نظر نہیں آتے۔ جاؤ! اسے دیکھ لو۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے۔'' اس نے چند گز دور ایک تاریک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت وہ میری پہنچ سے دور تھا۔ میں نے سرسری انداز میں سر گھمایا تو پہلا کمانڈو نظر آیا۔ وہ پوری طرح ہم دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ اس وقت میں ذرا بھی گڑبڑ کرتا تو وہ لمحہ بھر میں اپنے ساتھی کی مدد کے لیے آسکتا تھا۔ میرے لیے ان مسلح گینڈوں کا مقابلہ کرنا محال تھا۔

میں سر جھٹک کر اس مختصر سی ڈھلان سے اترنے لگا جو ریتیلے ٹیلے پر ختم ہورہی تھی۔

میں نے ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا تو چاند کی پھیکی روشنی میں مجھے کتے کا بے جان دھڑ نظر آگیا۔ اس بے حس و حرکت وجود کا سر سرے سے غائب تھا۔

اس وقت تک میں انہیں فریب دینے میں کامیاب رہا تھا اور ان کے درمیان گھس آیا تھا لیکن مجھے ان پر وار کرنے کا کوئی بے داغ موقع نہیں مل سکا تھا۔ میری صحیح سلامت واپسی کے لیے اتنا کافی ہوتا کہ میں متوفی کتے کی ملکیت کے دعوے سے یکسر دستبردار ہوجاتا، اسے پہچاننے سے انکار کردیتا اور ان دونوں زور آور کمانڈوز کا شکریہ ادا کرکے واپس لوٹ جاتا۔

مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ مجھے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوئے خاصی دیر ہوچکی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تشویش میں اضافہ ہونا لازمی تھا۔ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ سب اپنی اعصابی کشیدگی کے نتیجے میں کسی بھی لمحے میرے لیے کوئی امدادی کارروائی عمل میں لاسکتے تھے۔ اس وقت تک انہیں ایک ہی بات نے کسی عملی قدم سے روکا ہوا تھا کہ اپنے حریفوں سے میرے مذاکرات میں کوئی شدید تلخی پیدا ہوئی تھی نہ کوئی ہنگامہ خیز شور شرابا ہوا تھا۔ تصادم کی ایسی کوئی بھی علامت انہیں اندھا دھند حملے پر مجبور کرسکتی تھی۔

میں ٹیلے پر بس لمحہ بھر کے لیے رکا۔ خالی ہاتھ واپس لوٹنا ذلت کے مترادف ہوتا۔

''اوہ! مائی ہمبگ ڈارلنگ!'' میں نے ایک بہت ہلکی سی جذباتی چیخ ماری اور ٹیلے سے نیچے کود گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری آواز دوسرے کمانڈو کے کانوں تک ضرور پہنچی ہوگی۔

نرم ریت پر قدم ٹکاتے ہی میں نے کسی آنے والے کے استقبال کی تیاری کرنے کا ارادہ کیا مگر اسے فوری طور پر ملتوی کردیا۔ وہ دونوں محتاط تھے۔ ان سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ میری دردمندانہ آواز سنتے ہی ٹیلے سے نیچے کود پڑیں گے۔ وہ اوپر رک کر نگاہیں دوڑاتے اور مجھے اوٹ میں دبکا ہوا دیکھتے تو ایک ہی سانس میں کئی گولیاں میرے بدن میں اتار دیتے۔

میں لپک کر کتے کی لاش کی دوسری جانب پہنچ گیا۔ اس پوزیشن سے میں ٹیلے پر نمودار ہونے والے ہر شخص پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر' اپنائے ہوئے اس بے نام ونشان کتے کی لاش کے قریب ریت پر بیٹھ گیا۔

چند لمحوں میں میری توقع پوری ہوگئی۔ میری ترکیب کارگر رہی اور کتوں کی ساحلی سیر پر اعتراض کرنے والا دوسرا کمانڈو ٹیلے کے سرے پر آموجود ہوا۔

''اب کیا مصیبت ہے۔'' وہ اوپر سے غرایا ''تم نے اپنے کتے کو پہچان لیا ہے تو اسے اٹھاؤ اور یہاں سے چلتے بنو...... ہمارا وقت برباد مت کرو!''

''تم بہت نرم دل اور مہربان ہو!'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''اپنے چہیتے کتے کی لاش کو یہاں گیدڑوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس بدنصیب کا وقت پورا ہوگیا تھا جو یہ تمہارے نشانے پر آ گیا۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ذرا نیچے آ کر اسے میرے کندھے پر ڈلوا دو۔ میں چلا جاؤں گا۔ تمہارا وقت برباد نہیں کروں گا۔''

اس نے ریت پر ٹھوکر مار کر' بڑبڑاتے ہوئے چند پیچیدہ گالیاں دیں اور کود کر نیچے آ گیا۔ میں اسی مبارک لمحے کا منتظر تھا۔ نیچے قدم ٹکانے کے بعد وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں چھوٹی سی جست لگا کر اس کے قریب پہنچا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے اپنا بایاں ہاتھ اس کی ننگی گردن پر رکھ دیا۔

میری انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کا 'موت کا زہر اگلنے والا کھوکھلا نگینہ میری ہتھیلی کے رخ پر آیا ہوا تھا۔ اس کمانڈو کی گردن پر میری گرفت قدرے سخت ہوتے ہی سریع الاثر زہر اس کے بدن میں سرایت کر گیا۔

مرے ہوئے کتے کی طرح کمانڈو کے حلق سے کوئی آواز نکلی نہ وہ اپنے ہاتھ پیروں کو کوئی دفاعی حرکت دے سکا۔ میں نے اس کے گرتے ہوئے وجود کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کی بے جان لاش اوندھے منہ کتے کے دھڑ پر جا گری۔

امریکی اور کتا بلکہ امریکی کتا۔ میرے دل و دماغ کی گہرائیوں سے ایک اچھوتا خیال ابھرا اور میرے پورے وجود کو نہال کر گیا۔

باتوں کا وقت گزر چکا تھا۔ تیز ترین عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک لمحے کی لغزش بھی میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میں نے کمانڈو کی لاش سے رائفل اتارنے کے بارے میں سوچا لیکن اس وقت میرا یوں مسلح ہونا سودمند نہیں تھا۔ نہتا رہ کر میں اپنے حریفوں سے بہتر انداز میں نمٹ سکتا تھا۔

میں بغلی سمت سے قدرے لمبا چکر کاٹ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ دوسرے کمانڈو کی نگاہیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان کا تیسرا ساتھی میری نظروں سے بدستور اوجھل تھا۔ وہ کسی ایسی پوزیشن میں موجود تھا جہاں سے اسے اپنے دونوں ساتھیوں کی خیر خبر نہیں مل سکتی تھی۔

میری چیخ وپکار تیسرے کمانڈو کو بھی ہوشیار کردیتی۔ میں نے ٹیلے پر پہنچتے ہی اپنے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر دوسرے کمانڈو کو اپنی طرف بلانا شروع کردیا۔

اپنے ساتھی کے بجائے مجھے ٹیلے پر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ رہی سہی کسر میرے مضطربانہ اشاروں نے پوری کردی۔

''منہ سے کچھ پھوٹو...... وہاں کیا ہو رہا ہے؟'' وہ میری طرف دوڑتے ہوئے غرایا۔

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ ہوا کے دوش پر تیسرے کمانڈو کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ اپنی رائفل تانے اوٹ سے نکل آیا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔

وہ سنی ہٹ کی دوسری سمت میں تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر میں ایک وقت میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

تیسرے کمانڈو کو واقعات کے سر پیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اپنی رائفل تانے بہت احتیاط سے ایک ایک قدم کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔

اسی اثناء میں دوسرا کمانڈو دوڑتا ہوا سنی ہٹ کی اوٹ سے نکل آیا۔ تیسرے کمانڈو نے اسے دیکھ لیا لیکن دوڑنے والے کی پشت سنی ہٹ کی طرف تھی۔ وہ میری سمت میں آ رہا تھا' اپنے تیسرے ساتھی کو نہیں دیکھ سکا۔

''کیا ہوا...... ٹیڈ کہاں ہے؟'' اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹیلے سے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے کی طرف اشارہ کر کے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا ''وو...... وہ اچانک کتے پر گر گیا......!''

غصے، تجسس اور سنسنی سے مغلوب ہو کر وہ اپنے ساتھی کا جائزہ لینے کے لیے بس لحہ بھر کے لیے ٹیلے کے سرے پر رکا۔ اس کی ساری توجہ نشیب میں مرکوز تھی۔ میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے اچانک اس کی داہنی کلائی تھام لی۔

میرے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ اتنی دیر میں زہر اس کے دوران خون میں شامل ہو کر اپنا رنگ دکھا چکا تھا۔ وہ ٹیلے سے اچانک نشیب میں گرا۔ میں نے اس سے پہلے نیچے چھلانگ لگادی۔

میں نے قلیل سے وقت میں بہت کامیابی سے اپنے دو حریفوں کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ تیسرے نے کچھ مناظر دیکھ لیے تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس جال میں پھنس سکے گا۔

میں نے پھرتی سے دونوں کمانڈوز کی رائفلوں پر قبضہ کر لیا۔ ایک اپنے شانے سے لٹکا کر دوسری کو ہاتھ میں رکھا اور جیب سے ایرپیس نکال لیا تاکہ اپنے انتظار میں سوکھتے ہوئے ساتھیوں کو اپنی تازہ ترین پوزیشن سے باخبر کرسکوں۔

''ہے...... ٹیڈ...... گراہم......! تم کہاں ہو...... وہاں کیا ہو رہا ہے؟'' فضا میں تیسرے کمانڈو کی بھاری اور تشویش زدہ آواز گونجی۔

''میں نے دو کو مار دیا ہے۔'' ایرپیس اپنے دہانے کے قریب لا کر میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا ''ان کی رائفلیں میرے پاس ہیں۔ تیسرا زندہ ہے۔ سارا کھیل ہٹ کے پیچھے مرکوز ہے۔ تم لوگ بقیہ تین سمتوں سے دھاوا بول دو! اوور!'' میں نے اس خطرناک نشیب سے کسی بہتر پوزیشن کی تلاش میں نکلتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔'' اول خان کی آواز ابھری ''تیسرے کو اسی طرف الجھائے رکھو۔ ہم بڑھ رہے ہیں...... اوور......''

میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر ایرپیس اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ دوسروں نے میرا پیغام سن لیا تھا۔ میرے ذہن سے یہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کہیں میں بےخبری میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں نہ مارا جاؤں۔

میں نرم ریت پر بھاگنے میں دقت محسوس کر رہا تھا۔ اندھیرے میں خودرو جھاڑیاں بھی میری راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی فائر ہونے سے پہلے میں اس نشیب سے کافی دور نکلنے میں کامیاب ہو گیا جہاں دو کمانڈوز کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

''ٹیڈ...... گراہم...... میری آواز کا جواب دو!'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد پھر وہی آواز گونجی۔ اس بار آواز خاصی بلند تھی اور اس میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔

میں ٹیلے کی طرف گھات لگائے، جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا بیٹھا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے دو ساتھیوں کی اچانک اور پراسرار خاموشی تیسرے کمانڈو کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دے گی۔ کوئی گولی چلی تھی نہ تصادم ہوا تھا پھر بھی ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو سنی ہٹ کے عقب میں دوڑ لگاتے اور پھر ریتیلے ٹیلے سے نشیب میں کودتے یا گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد اسے صورتِ حال کا صحیح ادراک کرنے کے لیے ٹیلے پر آنا چاہیے تھا۔ اسے صرف ایک خوف نے فوری طور پر ادھر کا رخ کرنے سے روکا ہوا تھا۔ وہ دوسرے کمانڈو کے ساتھ مجھے دیکھ چکا تھا۔ اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے میں دوسرے کمانڈو کا کام تمام کرتا ہوا نشیب میں کود گیا تھا۔ اسے یہ خوف ہو سکتا تھا کہ میں نے طاقت کے بل پر اس کے ساتھی یا ساتھیوں کو یرغمال بنا رکھا ہو اور جب وہ سامنے آئے تو اسے بھی میں اپنی زد پر لے لوں۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میری بےچینی میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ میرے اصل حریف وہ کمانڈوز نہیں تھے۔ وہ تینوں ہماری راہ کی بھاری رکاوٹیں بنے ہوئے تھے۔ دو کے مار لیے جانے کے بعد تیسرے نے مجھے اٹکایا ہوا تھا۔ اس کا قصہ نمٹ جاتا تو میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنے اس اصل حریف سے ٹکر لے سکتا تھا جو سنی ہٹ کی چاردیواری میں پناہ گزیں تھا۔

اول خان وغیرہ کی طرف سے بھی خاموشی تھی۔ شاید وہ سنی ہٹ کے گرد اپنی فارمیشن ترتیب دے رہے تھے۔ وقت مل جانے کے بعد اس حملے کے لیے منصوبہ بندی ناگزیر تھی۔

اچانک مجھے ٹیلے کے سرے پر ایک سیاہ دھبا ابھرتا ہوا نظر آیا اور میرے سینے سے بےاختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ٹیڈ اور گراہم کی تلاش میں نکلا ہوا شخص منجھا ہوا کمانڈو ثابت ہوا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ریت کا ٹیلا اس کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتا ہے۔ اپنے قدموں پر چل کر وہاں تک

پہنچنے کے بجائے وہ کسی عیار چیتے کی طرح سینے کے بل ریت پر سرکتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ ٹیلے پر اس کے ابھرے ہوئے سر کا نشانہ لینا آسان نہیں تھا۔

میں نے اسے وہاں ٹکنے کا وقت نہیں دیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے نشیب کا منظر دیکھ لیتا تو بہت کچھ سمجھ سکتا تھا۔ اس کا تجسس اور بے یقینی میں مبتلا رہنا میرے لیے سود مند تھا۔ ٹیلے پر اس کا سر ابھرتے ہی میں نے نشست باندھ کر امریکی رائفل سے فائر کر دیا۔

فضا میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ میری چلائی ہوئی گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ اسی لمحے وہاں سے غائب ہو گیا۔

اگلے لمحے میں ٹیلے سے ایک پرشور آواز کے ساتھ گولی میری طرف آئی۔ میں نے فائر کرتے ہی اپنی جگہ تبدیل نہ کر لی ہوتی تو میرے حریف کا فائر مجھے چاٹ گیا ہوتا۔ اس کی عقابی نظروں نے میرے فائر کی چمک سے میری پوزیشن کا بالکل صحیح اندازہ لگاتے ہی بے خطا فائر کیا تھا۔

میرے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ میں نے زبردست مکاری سے کام لے کر دو کمانڈوز کو اپنا نشانہ بنالیا تھا۔ مجھے گمان تھا کہ تیسرا بھی میرے لیے آسان شکار ثابت ہوگا مگر اس کے طور طریقے بتا رہے تھے کہ وہ آسانی سے مار کھانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے فنِ حرب پر پوری دسترس حاصل تھی۔ اس سے مقابلہ طول پکڑتا ہوا نظر آنے لگا۔

دور دور سے گولیوں کے تبادلے میں اسے مات دینا مشکل نظر آرہا تھا۔ مجھے فکر و تشویش نے آن گھیرا۔ اس معرکے میں ایس ٹی ایف پس پردہ تھی اس لیے اول خان نے مقامی پولیس سے کسی قسم کی مراعات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مقابلہ طول پکڑتا تو پولیس کی مداخلت یقینی تھی۔ ایک مسلمہ سفارتی پارٹی کے مقابلے میں ہم بے نام و نشان حملہ آور تھے۔ پولیس ہمارے خلاف پوری طرح ان لوگوں کا ساتھ دیتی اور ہمارا مشن ناکام ہو جاتا۔

چند لمحوں کے بعد فضا پستول یا ریوالور کے فائروں سے گونج اٹھی۔ اول خان اور دوسرے لوگوں سے اس مقابلے میں ایسے بے وقعت ہتھیاروں کے استعمال کی توقع نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے خاموشی سے سنی ہٹ پر دھاوا بول دیا تھا۔ اپنی خلوت کے اطراف میں مشتبہ قسم کی نقل و حرکت کے آثار محسوس کر کے ٹام یا اس کے بہکے ہوئے ساتھی نے خوف زدگی کے عالم میں اپنا پورا پستول یا ریوالور خالی کر دیا تھا۔ پورے سات فائر ہونے کے بعد وہ آوازیں دم توڑ گئیں۔

میں نے مضطرب ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر سنی ہٹ تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ تیسرا کمانڈو میری تلاش میں وہیں بھٹکتا رہ جاتا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ رکاوٹیں ختم ہو جانے کے بعد مجھے صرف ٹام تک رسائی کی جستجو تھی۔

میں دو بھری ہوئی وزنی رائفلوں کے بوجھ کے ساتھ دوڑتا ہوا آخرکار ایک ایسے مقام پر جا نکلا جہاں سے سنی ہٹ صاف نظر آرہا تھا۔

بھاری فائرنگ کے نتیجے میں پوری ساحلی پٹی ویران ہو چکی تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ رات کے گہرے سکوت میں بکھری ہوئی ہلکی سی چاندنی میں سمندر کا مزہ لینے والے قتل و غارت گری کے خوف سے اپنے اپنے ہٹ کی چار دیواری میں سمٹ چکے تھے۔

رائفل کا ایک فائر ہوا۔ وہ آواز امریکی رائفلوں کے فائر سے مختلف تھی۔ اسی کے ساتھ ایک کرب ناک انسانی چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بتدریج دم توڑ گئی۔ چیخ اجنبی تھی۔ یقینی طور پر دشمن کا کوئی اور آدمی گرا لیا گیا تھا۔

سنی ہٹ کی طرف دوڑتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ چیخ کسی بند چار دیواری سے نہیں ابھری تھی۔ اس کی گونج بتا رہی تھی کہ کوئی کھلی فضا میں مارا گیا تھا۔ اگر میرے ساتھی سنی ہٹ میں گھس چکے تھے تو انہیں اپنے بدمست حریفوں کو زیر کرنے کے لیے رائفل جیسے طاقت ور ہتھیار کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ انہیں ٹام کو بے بس کرنا تھا۔ اسے مارنے یا زندہ رکھنے کا فیصلہ کرنے کا حق صرف مجھے حاصل تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے کوئی اسے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات طے تھی کہ سنی ہٹ میں موجود دونوں جوڑوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا تھا۔ لے دے کر وہ تیسرا کمانڈو ہو سکتا تھا جو اپنی بدقسمتی سے میرے کسی ساتھی کی زد میں آ گیا ہو۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی میرے وجود میں جوش و ولولے کی ایک نئی لہر سرایت کر گئی۔ میں پوری طاقت سے دوڑتا ہوا سنی ہٹ کے برآمدے تک پہنچ گیا۔

وہاں بدستور اندھیرے کا راج تھا مگر ہلکی چاندنی میں سب کچھ نظر آرہا تھا۔ ویران برآمدے میں پڑی ہوئی خالی کرسیوں اور مے نوشی کے لوازمات کے سوا وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ البتہ اندر سے کچھ عجیب و غریب اور ملی

جلی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں ان پر دھیان دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ تاریکی میں سے اچانک ایک سایہ برآمد ہوا اور میرے گلے میں جھول گیا۔ مجھے اس کو پہچاننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کے وجود کی خوشبو بتا رہی تھی کہ وہ غزالہ تھی۔

''تم یہاں اندھیرے میں کہاں چھپی ہوئی تھیں؟'' میں نے تحیر زدہ سرگوشی میں پوچھا۔

''یہاں پہرا دے رہی ہوں۔ ویرا عجیب سنکی عورت ہے۔ رائفل لے کر آپ کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اول خان اپنے آدمی اور سلطان شاہ کے ساتھ اندر ہے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

''ابھی رائفل کہاں چلی تھی؟'' میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''باہر!'' عقب سے آواز آئی۔ میں بری طرح چونک کر مڑا تو ویرا اپنی رائفل سمیت موجود تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر آنکھوں کے نچلے حصے تک سیاہ اسکارف باندھا ہوا تھا۔ اس نے ہم دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے تمہاری تلاش تھی۔ میں نے تیسرے کمانڈو کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اب اندر والے چار رہ گئے ہیں۔ ان کی طرف جانے سے پہلے اپنے چہرے پر رومال یا پھر اپنا بنیان باندھ لو۔ اول خان نے بھی یہی کیا ہے۔ ٹام ہم تینوں کو دیکھتے ہی پہچان لے گا۔''

ویرا کا مشورہ بہت صائب اور قیمتی تھا۔ جیب میں رومال رکھنے کی پرانی عادت اس وقت میرے کام آئی۔ میں نے ہاتھ میں موجود امریکی رائفل غزالہ کے حوالے کی اور شانے سے دوسری رائفل اتار کر بہت تیزی سے اندر گھس گیا۔

برآمدے سے گزر کر میں لابی میں پہنچا جہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی داہنی طرف وہ تینوں ایک بند دروازے کے دائیں بائیں موجود تھے۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔

''چاروں اندر بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں، میں......'' اول خان نے میری آمد کا اندازہ لگاتے ہی کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم دروازہ کیوں نہیں توڑ دیتے؟'' میں نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کوشش کی تھی۔ اس نے اندر سے فائرنگ شروع کر دی'' منہ پر چڑھے ہوئے بنیان کے پیچھے سے اول خان کی آواز آئی ''دروازہ بہت مضبوط ہے مگر کوئی بھی گولی دروازہ پار کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''ٹام! دروازہ کھولو ورنہ ہم تمہیں اڑا دیں گے'' میں نے بدلی ہوئی اونچی آواز میں اپنے اصل حریف کو للکارا۔

''اس سے پہلے تم فنا ہو جاؤ گے'' اندر سے آنے والی ٹام کی آواز میں دور دور تک نشے کا شائبہ نہیں تھا ''میں نے اپنے موبائل پر آگے خبر دے دی ہے۔ کسی بھی وقت تم سب گھیر لیے جاؤ گے۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

وہ اس کا سفید جھوٹ بھی ہو سکتا تھا مگر ہم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وقت کھونے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اول خان وہاں خاصا وقت ضائع کرنے کے باوجود کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ شاید وہ اس احتیاط میں الجھا رہ گیا تھا کہ اسے ٹام کو ہر حال میں زندہ پکڑنا ہے۔

ٹام نے مجھے للکارا تھا۔ وہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ میرے لیے اس کی سلامتی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں نے دوسروں کو صرف اس وجہ سے محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔ میری وہ ہدایت اس وقت تک اول خان کے قدموں کی زنجیر بنی ہوئی تھی۔

میں نے اپنے قبضے میں موجود رائفل کی نال ٹھوس لکڑی کے بنے ہوئے دروازے کے اس اوپری کونے پر ٹکا دی جہاں اندر کا بولٹ ہو سکتا تھا۔ ٹریگر دباتے ہی فضا لرز اٹھی۔ اندر سے کئی بے ساختہ چیخوں کی آوازیں آئیں جن میں لڑکیوں کی بھی بھی چیخیں نمایاں تھیں۔ چیخنے کے ساتھ انہوں نے رونا بھی شروع کر دیا تھا۔

میں نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر زوردار لات ماری لیکن وزنی دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ انہوں نے اندر سے دروازے کا ہضمی قفل بھی بند کیا ہوا تھا۔

ٹام کی زبان سے موبائل فون کا ذکر سن کر میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔ ہماری مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ اس بار میں نے دروازے کے قفل کا نشانہ لے کر رائفل سے فائر کیا اور خوش نما دروازے میں تالے کی جگہ ایک بھدا سا سوراخ نمودار ہو گیا۔

اندر چیخ و پکار کا ایک طوفان برپا تھا۔ تاہم ان میں سے کسی نے جوابی گولی چلانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اس بار سلطان شاہ نے پوری طرح بے خوف ہو کر دروازے پر زور ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

بے دھڑک ہو کر اندر گھسنا دل گردے کا کام تھا جو ہم

چاروں میں سے کسی ایک کو کرنا تھا۔ اول خان کے آدمی نے ہمیں اس بارے میں سوچنے کی کوئی مہلت دیے بغیر پہل کر ڈالی۔ کمرے میں چند قدم آگے بڑھتے ہی وہ بہت تیزی سے پلٹا تھا۔ اس وقت تک میں بھی اندر پہنچ چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ چاروں دروازے والی دیوار سے لگے، خوف سے کانپ رہے تھے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد انہیں اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔

لڑکیاں نیم برہنہ اور شرمناک حالت میں تھیں۔ دونوں خوش شکل اور سیمیں بدن تھیں لیکن سلطان شاہ میرے پیچھے کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے بھی مرمر سے تراشے ہوئے ان گلابی پیکروں سے محظوظ نہ ہوسکا۔ وہ خاصا نیک نفس آدمی تھا۔ انہیں دیکھتے ہی آگ بگولا ہو کر ان کی طرف لپکا اور ان میں سے ایک کے کولہوں پر زوردار لات رسید کر کے بے ساختہ اردو میں گرجنے لگا ''بے شرمو! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ منہ کالا کرلو اپنا۔''

اردو ان دونوں کے بس سے باہر کی بات تھی۔ ان کے رونے کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں نے شہادت کی انگلی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کر کے پاٹ دار آواز میں گٹ آؤٹ کہا تو وہ گرتی پڑتی اسی سمت میں بھاگ نکلیں۔

مجھے توقع تھی کہ برآمدے میں موجود غزالہ اور ویرا انہیں وہاں سے نکلنے نہیں دیں گی۔ ان کی مزید درگت بنا کر انہیں بے حال کردیں گی۔ ان بدکار لڑکیوں سے نمٹنے کے لیے وہی دونوں موزوں تھیں۔

سلطان شاہ نے ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے بھگا کر مجھے ایک نئی راہ سجھا دی۔ ہمارے سامنے صرف ٹام اور اس کا ساتھی رہ گیا تھا۔

وہ چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ وہ عیاشی میں ٹام کا ساتھی تھا لیکن جرائم میں شاید اس کا شریک کار نہیں تھا۔ اسے صرف اس بنا پر مارنا مناسب نہیں تھا کہ اپنے چہرے مہرے سے وہ بھی امریکی نظر آرہا تھا۔

اس بار میں نے اپنی انگلی میں پڑی ہوئی دوسری انگوٹھی کو گھمایا اور بڑھ کر ٹام کے ساتھی کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک ہچکی سی برآمد ہوئی اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ دو تین گھنٹوں سے پہلے اپنے ہوش و حواس میں نہیں آسکے گا۔

''تم لوگ کون ہو...... ہم سے کیا چاہتے ہو؟'' ٹام کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

اس کے لٹکے ہوئے داہنے ہاتھ میں اس وقت بھی پستول دبا ہوا تھا۔ ٹام دہشت کی وجہ سے اپنے اس ہاتھ کو جنبش دینے سے معذور ہو چکا تھا۔ یا پھر میگزین خالی ہو جانے کے سبب سے وہ پستول لوہے کے ایک ٹکڑے کی طرح بے وقعت ہو کر رہ گیا تھا اور ٹام نے اس سے کوئی کام لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ پستول فرش پر گرا دے۔ ٹام نے میرے الفاظ پورے ہونے سے پہلے اپنا پستول چھوڑ دیا۔

''تم کون ہو...... تم دونوں کے چہرے چھپے ہوئے کیوں ہیں؟'' ٹام کی مضطربانہ آواز ابھری۔

سلطان شاہ کی عمدہ حکمت عملی کی بنا پر میدان صاف ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی ایسا گواہ نہیں رہا تھا جو اپنے زندہ بچ جانے کی صورت میں ٹام کے کہے ہوئے الفاظ کو کسی اور تک پہنچا سکے۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے چہرے سے رومال الگ کردیا۔

''کک...... کرنل تم......!'' اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ بے یقینی کے سبب سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں ''تت...... تم تو خودکشی کر چکے تھے۔''

''میں زندہ ہوں اور تمہارے سامنے موجود ہوں۔ میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔'' میں نے زہریلی آواز میں کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں، میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ فساد کی جڑ ڈینی ہے۔ اس کی وجہ سے میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لیا تھا۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے تیزی سے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

وہ میرے دام میں آیا ہوا دلچسپ شکار تھا۔ مہلت ہوتی تو میں گھنٹوں اس کا خون خشک کرسکتا تھا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے ترشی سے کہا ''یہ اور بھی بری بات ہے کیونکہ تمہارے اسی خادم کو کچھ لوگ ڈینی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ آؤ، اب میں دیکھوں کہ تمہارے بازوؤں میں کتنا دم خم ہے؟''

میں نے اپنی رائفل سلطان شاہ کی طرف اچھال دی۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھے جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرا انکشاف سن کر اس پر سکتہ طاری ہوگیا ہو۔

میں نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک فلائنگ کک ماری اور وہ کربیہہ چیخ مار کر اپنی عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔

''آؤ!'' میں نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا ''میں تمہیں گولی بھی مار سکتا تھا مگر میں تمہارا گھمنڈ توڑنا چاہتا

ہوں۔ تم نہتے ہو تو میں بھی خالی ہاتھ ہوں۔ تمہارے ہاتھوں میں دم ہے تو آگے بڑھ کر اپنے ارمان پورے کرلو۔"

"میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں" وہ اپنے دہانے سے بہنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا "میں امریکا کو مطلوب مجرموں کی فہرست سے تمہارا نام نکلوا سکتا ہوں۔"

"ان باتوں کا وقت گزر گیا۔ اب تم آسمان سے تارے توڑ لانے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہو۔ مجھے کسی سودے سے زیادہ تمہارے انجام سے دلچسپی ہے۔"

"ڈینی! یہ تماشا ختم کرو" اول خان نے مجھے تنبیہ کی "پولیس کسی بھی وقت آسکتی ہے۔"

اول خان کی بات سننے کے لیے میں لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ٹام نے اپنا سر آگے جھکا کر اچانک میری طرف دوڑ لگا دی۔

وہ میرے پیٹ میں ٹکر رسید کر کے مجھے مفلوج کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جوں ہی وہ میرے قریب آیا، میں نے پھرتی سے ایک طرف سرک کر اس کے جبڑے پر ایسا زوردار مکا رسید کیا کہ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا اپنے بے ہوش ساتھی پر جا گرا۔

میں نے اسے وہاں سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔ اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

وہ بری طرح مچل کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ میرے اندازے سے زیادہ جان دار ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے جھک کر اس کی گردن کو اپنی بے رحمانہ گرفت میں جکڑ لیا۔ میری دونوں کہنیاں آہنی شکنجوں کی طرح اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنس گئی تھیں۔

ٹام کے حلق سے صحیح طرح آواز نہیں نکل پا رہی تھی لیکن وہ بے تحاشا مغلظات بکنے پر اتر آیا تھا۔

بہت احتیاط کے ساتھ میں نے اس کی پشت پر ڈھیرے ڈھیرے سرک کر ایسی سواری گانٹھی کہ اس کے لیے ہلنا جلنا مشکل ہو گیا۔ میں نے پوری قوت مجتمع کر کے اس کی گردن کو پیچھے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹنے کی آواز بہت نمایاں تھی۔ وہ اس قدر وحشیانہ انداز میں اچھلا کہ اس بار میں اس کی پشت پر سوار نہ رہ سکا اور الگ جا گرا۔

اس کے حلق سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں اور جسم بری طرح تھرا رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے آخری لمحے تھے جو نہایت عبرت آموز تھے۔

مجبوری

گاؤں میں رہنے والے پپو میاں کے نانا جان نہایت کم گو اور ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرنے والے آدمی تھے۔ ایک روز وہ صبح سیر کرنے گھر سے نکلے تو شام ڈھلے تک واپس نہیں آئے۔ اندھیرا پھیلنے لگا تو گھر والوں کو تشویش ہوئی۔ انہیں تلاش کرنے کے لیے پپو میاں کو روانہ کیا گیا۔ کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد آخر کار وہ پپو میاں کو جنگل کے قریب ایک جگہ جھاڑیوں میں کھڑے مل گئے۔

"نانا جان! شام ہو گئی ہے۔" پپو میاں نے آغاز کلام کیا۔

"ہاں۔" نانا جان نے حسب عادت مختصر جواب دیا۔

"نانا جان! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔" پپو میاں نے اپنی دانست میں انہیں احساس دلانے کی کوشش کی کہ انہیں گھر سے نکلے کتنی دیر ہو گئی ہے۔

"ہاں۔" ساکت کھڑے نانا جان نے اس بار بھی پپو میاں سے اتفاق کیا۔

"کیا آپ کو بھوک نہیں لگی نانا جان؟" پپو میاں نے دریافت کیا۔

"لگی ہے۔"

"تو کیا آپ گھر نہیں چلیں گے؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"مجبوری ہے۔"

"مجبوری......؟ کیسی مجبوری؟" پپو میاں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں پتا ہے یہاں کچھ لوگوں کو گیدڑ پکڑنے کا شوق ہے۔"

"جی ہاں۔" پپو میاں نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ ادھر اُدھر پھندے لگا دیتے ہیں؟"

"جی ہاں، نانا جان! مجھے پتا ہے۔"

"میرے دونوں پاؤں اس وقت ایسے ہی ایک پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔" نانا جان نے اب ہلکی سی کراہ کے ساتھ کہا۔

میں نے اسے دوبارہ ہاتھ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کی بھیانک دلدل میں ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

آخرکار اس کے جسم نے آخری جھٹکا لیا۔ اس کا پورا وجود فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ دھپ سے فرش پر دوبارہ گرنے کے بعد اس کا جسم بالکل ساکت ہوگیا۔

میرے نزدیک اس کی کوئی قومیت تھی نہ عہدہ۔ وہ امریکی تھا اور نہ سفارت کار۔ وہ صرف ایک مجرم تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے دنیا کے کسی اخلاقی یا تعزیری قانون کو خاطر میں نہ لانے کا عادی ہو چکا تھا۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ بہت آسان طریقے سے اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ میرے سر پر پولیس کی مداخلت کا خوف سوار نہ ہوتا تو اس کے لیے گھنٹوں اور دنوں پر محیط موت کا سسکتا اور تڑپتا ہوا عمل اس قدر بھیانک بنا دیا جاتا کہ وہ جہنم میں بھی اس کا تصور کر کے دہشت سے لرز جاتا۔

ٹام کو بے جان چھوڑ کر ہم تینوں بہت تیزی سے برآمدے تک پہنچے۔ غزالہ رائفل لیے ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے ایک خالی کرسی پر بیٹھی اس اسکاچ کا گلاس نوش کر رہی تھی جو ٹام اور اس کے ساتھی گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس کی رائفل اس کے شانے سے جھول رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس وقت اسے کسی قسم کی فکر لاحق نہیں تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ اندر سے نکالی جانے والی دونوں نیم برہنہ لڑکیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا نے انہیں بے مصرف سمجھ کر وہاں سے بھگا دیا تھا۔

پہلے کمانڈو سے سامنا ہونے سے ٹام کی گردن توڑنے تک میں نے سب سے زیادہ جاں گسل لمحات گزارے تھے۔ ویرا کو اس حالت میں دیکھتے ہی میرا پارا چڑھ گیا ''یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں آئی ہو'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

معاملے کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہی اول خان کا ماتحت برآمدے میں رکنے کے بجائے ریت پر اتر کر سیدھا گاڑیوں کی طرف ہولیا۔

ویرا نے میری بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکاچ اور سوڈے سے بھرے ہوئے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بجائے اس نے پانی کی طرح وہ ساری شراب غٹاغٹ اپنے معدے میں اتار لی اور خالی گلاس کو زور سے میز پر رکھ کر کرسی سے اٹھ گئی۔

''دشمنوں کے مال پر موج نہ اڑانا کفران نعمت کہلاتا ہے'' اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ان میں سے کوئی بھی اب شراب نوشی کے قابل نہیں رہا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ بچی کھچی اسکاچ میں ہی ٹھکانے لگا دوں۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ دیتی تو اس سے پولیس والوں کا اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔''

''تمہیں احساس نہیں ہے کہ ہم کتنے نازک اور خطرناک مشن پر آئے ہوئے ہیں؟'' میں نے غصے سے تقریباً دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

''سب معلوم ہے'' اس نے بے پروائی سے کہا ''فساد کی اصل جڑ وہ تینوں کمانڈو تھے۔ دو کو تم نے مار دیا، تیسرے کا میں نے صفایا کر دیا۔ اب کیا رہ گیا تھا۔ میرے اور تمہارے لوٹ آنے کے بعد چار شرابیوں کے خلاف رسمی کارروائی ہونی تھی۔ وہ ہوگئی ہوگی۔ اس میں مجھے کیا کرنا تھا۔ میں نے چوکیداری کرنے کے ساتھ ذرا اپنا دل بھی بہلا لیا۔''

''وہ دونوں لڑکیاں کہاں ہیں جنہیں میں نے اندر سے بھگایا تھا؟'' اس بار سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''اوہ..... تو تمہیں ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا قلق ہے؟'' وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ جل پریاں تھیں۔ سمندر کے کنارے مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہوں گی۔ میں نے ان کے جسموں پر نظر آنے والی چند دھجیاں بھی نوچ کر اتار دی تھیں۔ مطلع صاف ہوگا تو کوئی بھی شوقین سیلانی انہیں سمندر کا تحفہ سمجھ کر اپنے ہٹ میں اٹھا لے جائے گا۔ چاہو تو یہ نیک کام تم بھی کر سکتے ہو۔ زیادہ دیر تک وہاں پڑے رہنے سے بے چاریوں کو نمونیا نہ ہو جائے۔''

''ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں'' اول خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ''ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔''

''میں تیار ہوں'' یہ کہہ کر ویرا برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی ''لڑکیوں کے چکر میں سلطان شاہ وقت خراب کر رہا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مہنگی تفریح کے شوق میں بہت سی ناسمجھ لڑکیاں مجرموں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔''

کسی نے ویرا کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس مہم

کے مثبت نتائج کے بارے میں حد سے زیادہ پرامید نظر آ رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ اس نے کسی سے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ ہم نے ٹام کو وہاں کس حال میں چھوڑا تھا۔

ہم سب بہت تیز رفتاری کے ساتھ اپنی گاڑیوں تک پہنچے۔ اول خان کی سرزنش کے بعد ویرا نے بھی چپ سادھ لی تھی لیکن اس کی حرکتوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ دہاں تک غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ آئی تھی۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلے اول خان کی گاڑی کی عقبی سیٹ میں جا گھسی۔

اول خان نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں بے بسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

میرے ایما پر اول خان کا آدمی اپنی گاڑی کو ساحل کے متوازی دور تک لیتا چلا گیا۔ سلطان شاہ ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ اس وقت میں سنی ہٹ کے قریب سے سڑک پر نکلنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

کئی سو گز دور نکلنے کے بعد ہمارے ڈرائیور نے ایک موزوں مقام پر جیپ بائیں طرف گھمالی۔ ہماری گاڑی کہیں سے بھی ریتیلا راستہ پار کرسکتی تھی مگر ہمیں اپنی کرولا کا بھی خیال تھا۔ کہیں وہ ریت میں پھنس جاتی تو اسے نکالنے کی کوششوں میں ہمارے کئی گھنٹے برباد ہو سکتے تھے۔

پانی کی چمکیلی ساحلی لکیر اور ہٹس کے درمیان سفر کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بیشتر ہٹس روشن اور آباد تھے لیکن باہر کوئی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ سنی ہٹ کے قرب و جوار میں ہونے والی روح فرسا فائرنگ نے اس طرف آئے ہوئے لوگوں کو خوف زدہ کر کے اندر محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ سنی ہٹ کو ہم دور چھوڑ آئے تھے۔ اس وقت سنی ہٹ کے قرب و جوار کا علاقہ بہت حساس ہو چکا تھا۔ پولیس کی نفری وہاں پہنچنے کے بعد کئی غیر ملکیوں کی لاشیں دریافت کرتی تو ان اطراف میں موجود افراد، تفتیش کے نام پر خاصی پریشانیوں سے دوچار ہو سکتے تھے۔

”تم نے اب تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ٹام کا کیا انجام ہوا ہے“ ہموار سڑک پر کچھ دیر کے سفر کے بعد اول خان نے ویرا سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے مار آئے ہو؟“ ویرا پورے اعتماد سے بولی۔

”کیا الہام ہوا ہے تم کو؟“ اول خان نے چڑ کر پوچھا۔

''ڈینی اپنے چہرے پر رومال باندھ کر اندر گیا تھا۔ واپس آیا تو اس کا چہرہ بے نقاب تھا۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ ڈینی نے اپنی رونمائی کرانے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑا ہوگا ورنہ ٹام دنیا کو بتاتا پھرتا کہ کرنل داور زندہ ہے۔ اس کی خودکشی محض ایک ڈراما تھی۔''

اس وقت ویرا کا انداز چڑانے والا تھا اور اول خان کی کھوپڑی واقعی سنک گئی۔ اس نے ترش لہجے میں کہا ''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ڈینی نے برآمدے کی طرف آتے ہوئے، راستے میں اپنا چہرہ بے نقاب کیا ہو۔''

''ایسا ہوا ہوتا تو تم بھی اپنے چہرے سے بنیان اتار لیتے۔ تم دونوں ٹام کے قتل کے ٹرانس میں آئے ہوئے تھے۔ راستے میں تم دونوں کو کسی بات کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ تم نے برآمدے میں پہنچنے کے کئی منٹ بعد اپنے چہرے سے بنیان اتارا تھا'' ویرا کے پاس اس وقت ہر سوال کا ایک منطقی جواب موجود تھا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''چلو اب بتادو کہ ٹام کا کیا، کیا گیا۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اول خان کو سبکی سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے جواب دیا ''اسے ہر قیمت پر جہنم واصل ہونا تھا۔ آج اس سمیت چار آدمی مارے گئے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس خوں ریزی پر ہمارا مخالف کیمپ کس ردِّعمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''وہ بلبلا اٹھیں گے'' ویرا آسودہ لہجے میں بولی ''اب جلال اور دوسرے اعلیٰ سرکاری افسروں کا کڑا امتحان شروع ہوگا۔ ہونے والا کام ذرا سی دیر میں ہوجاتا ہے۔ اس کے اثرات برسوں تک زائل نہیں ہوتے۔''

''میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم ان لوگوں میں گھس کر دیر تک کیا کرتے رہے اور تم نے خاموشی سے دو کمانڈوز کو کیسے مار لیا؟'' اول خان کو میدان کارزار سے دور نکلنے کے بعد دوسری باتیں یاد آنا شروع ہوگئی تھیں۔

''تمہارا اور غزالہ کا مشاہدہ سوفیصد درست تھا۔ انہوں نے میرے پالتو کتے کو مار دیا تھا......''

''تمہارا پالتو کتا کہاں سے آگیا؟'' ویرا نے میری بات درمیان سے اڑا کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''پہلے کمانڈو سے ملاقات ہونے تک مجھے خود بھی اس بے چارے کے وجود کا علم نہیں تھا'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''انہوں نے مجھے بہت مشکل سے اپنے کتے کے پاس جانے کی اجازت دی اور وہیں سے میرا کھیل شروع ہوگیا۔ وہ دونوں ایک ایک کر کے انگوٹھی کے شکار ہوئے تھے۔ سچ پوچھو تو آج کا اصل ہیرو وہی آوارہ اور گمنام کتا ہے جو اُن کا نشانہ بنا تھا۔ وہ نہ مارا گیا ہوتا تو ہم سنی ہٹ کے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔''

''دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے'' اول خان بولا ''ذرا تفصیل سے واقعات سناؤ۔ سفر مزے سے گزر جائے گا۔''

''گھر چل کر بات ہوگی۔ حسب منشا نتائج حاصل کر لینے کے بعد مجھے یکایک تکان کا احساس ہونے لگا ہے۔ میں کچھ دیر اونگھنا چاہتا ہوں'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''بڑے معرکوں کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ تم واقعی تھک گئے ہوگے!'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں میری تائید کی اور پھر چپ سادھ لی۔

ویرا بھی خاموش ہوگئی۔ وہ دشمن کا خون نہیں پی سکی تھی لیکن اس کی خاصی شراب پی گئی تھی اور شاید کچھ دیر کے لیے اس کے سرور میں کھو جانا چاہتی تھی۔

میں نے نشستوں کی درمیانی جگہ میں اپنے پاؤں پسار کر اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

اول خان کی جیپ ویران سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی تیزی سے منزل کی طرف رواں تھی۔

☆☆☆

کہیں سے خبر تولد ہونے کی موہوم سی امید بھی ہو تو اخباری رپورٹر وہاں منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہاکس بے اور اس سے ملحقہ طویل ساحلی پٹی کراچی کے شہریوں اور باہر سے آنے والے سیاحوں کے لیے نہایت پرکشش ضرور ہے لیکن خبروں کے اعتبار سے وہ پوری پٹی خاصی بنجر تصور کی جاتی ہے۔ اخباری صنعت سے وابستہ افراد سیر و تفریح کے لیے ادھر جا نکلیں تو اور بات ہے، خبر کی تلاش میں کوئی سمجھ دار رپورٹر اس دور افتادہ ساحل ویرانے کا رخ نہیں کرتا۔ وہاں کوئی واقعہ رونما ہونے کے بعد ریکارڈ پر آ ہی جائے تو اس کی خبر متعلقہ تھانے کے ذریعے چند گھنٹوں میں اخبارات تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صبح کے اخباروں میں ہاکس بے کی اس خوں آشام رات کے بارے میں کوئی خبر جگہ نہیں پاسکی۔ واقعہ بہت دیر سے رونما ہوا تھا۔ جب تک اخبار والوں کو اس کی بھنک ملتی، اخبارات کی آخری کاپیاں شاید طباعت کے آخری مراحل سے گزر رہی تھیں۔

واقعہ بلکہ واقعات بہت سنگین اور سنسنی خیز تھے۔ سلطان شاہ دس بجے بازار سے سودا سلف لینے کے لیے گیا تو واپسی پر

اس کی بغل میں کئی اخباری ضمیمے دبے ہوئے تھے جن کی چنگھاڑتی ہوئی سرخیاں کراچی کے ساحلی ویرانے میں ہولناک دہشت گردی کی خبر دے رہی تھیں۔ ایک ضمیمے کی شہ سرخی میں میرا نام نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کے لائے ہوئے وہ اخباری ضمیمے ہم سب کے لیے گہری دلچسپی کا مرکز بن گئے۔ ہر ضمیمے کی سرخیوں میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ متن میں ایسی کوئی نئی بات نہیں ہوگی جسے سرخیوں میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ میں نے عجلت میں سب ضمیموں کی سرخیاں دیکھ ڈالیں۔

وہاں کمانڈوز کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہر کمانڈو اپنے آخری لمحات کی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے سدھار گیا تھا۔ اخبارات نے ان تینوں کی اموات کے بارے میں قیاس آرائیاں کی تھیں۔ ان کے نزدیک اہم ترین نکتے صرف دو تھے۔ اول یہ کہ دو کمانڈوز کی بے داغ لاشیں، ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ پڑی ہوئی ملی تھیں۔ اسے قاتل کی طرف سے ایک پیغام قرار دیا گیا تھا، جس کا ایک مفہوم یہ نکالا گیا تھا کہ کراچی میں باہر سے آئے ہوئے مسلح فوجیوں کو اس کتے جیسے انجام سے دوچار کر دیا جائے گا۔ میں متعلقہ نامہ نگار کی افتادِ طبع پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ دوسرا نکتہ بہت اہم اور پُرمغز تھا۔ کتے کے بغیر سر والی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز بظاہر کسی زہر کا شکار ہوئے تھے۔ شہر میں اس سے پہلے پائی جانے والی ایسی لاشیں ڈینی کے نام سے منسوب کی جاتی رہی تھیں۔ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ تازہ واردات میں میرا ہاتھ تھا۔

امریکی قونصل خانے کے حکام نے اپنے ابتدائی ردِعمل کے اظہار میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بیم گن کی طرح زہریلی سوئیوں سے ہونے والی ہلاکتیں ڈینی کی شناخت ضرور بنی ہوئی تھیں لیکن نئے واقعات کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوتا۔ لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور دیگر شواہد کے سامنے آنے کے بعد قاتل کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی۔

ٹام کے رنگین مزاج ساتھی کا نام فشر تھا۔ وہ کراچی میں ایک امریکی بینک کا افسر تھا۔ وہاں آئی ہوئی دونوں لڑکیاں بھی اسی بینک میں اہم عہدوں پر کام کر رہی تھیں۔ ان تینوں کے بیانات کو صیغۂ راز میں رکھا جا رہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ تینوں پولیس یا امریکی حکام کو کوئی قابلِ ذکر بات نہیں بتا سکیں گے۔

ویرا کے اندازے کے عین مطابق شہر کے ایک نامور گھرانے کے نوجوان ساحل پر بے ہوش پڑی ہوئی لڑکیوں کو انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اٹھا کر اپنے ہٹ میں لے گئے تھے لیکن جب وہاں ہونے والے کشت و خون کی خبریں ان کے کانوں تک پہنچیں تو انہوں نے رضاکارانہ طور پر دونوں لڑکیوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

ان خبروں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹام اور تینوں کمانڈوز کی موت نے امریکی حکام کو بری طرح خائف کر دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نک اور گیری کے بعد ٹام نے کسی سے تصادم مول لیا ہوا تھا۔ انہوں نے بیک وقت اپنے چار انتہائی اہم آدمیوں کے جانی نقصان کی صورت میں میری طاقت کا مظاہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ کھل کر کہہ سکتے تھے کہ ان چاروں کی موت میں میرا ہاتھ تھا مگر وہ ڈرے ہوئے تھے کہ ان کی کھلی الزام تراشی پر مشتعل ہو کر میں ان کے مزید آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دوں۔ ان کے وہ رجحانات میری نگاہ میں پسپائی سے کم نہیں تھے۔ مجھے جہانگیر کی کہی ہوئی یہ بات لغو محسوس ہونے لگی کہ حکومتوں سے ٹکرا کر کوئی فرد زیادہ دیر تک نہیں پنپ سکتا۔

امریکی انتظامیہ کے بہترین دماغ میرے خلاف یک جا تھے، وہ میری بو پر لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جدید ترین وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی مگر وہ سہم گئے تھے۔ وہ ان کی سرکاری مشینری کی ایک فرد کے ہاتھوں کھلی شکست تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو!'' ویرا نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ''تمہارے ہونٹوں پر خود بخود ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی ہے'' وہ بہت غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال تھا کہ وہ بلبلا اٹھیں گے۔ وہ بے چارے تو کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجھ پر الزام لگانے سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کے بجائے اخبار والوں نے میرا نام اچھالنے کی کوشش کی ہے۔''

''ان کی مجبوری پر نازمت کرو۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں چرچل نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری فوجیں بہادری سے پسپا ہو رہی ہیں۔ ان کی یہ پسپائی مصلحت آمیز اور خطرناک ہے۔ اندر کا حال تمہیں اپنے گرد گھنٹال سے معلوم ہوگا۔''

''میں دو مرتبہ جلال کا فون ملانے کی کوشش کر چکا

ہوں۔ اس کا موبائل بند پڑا ہوا ہے۔ دونوں بار ریکارڈنگ چل پڑی تھی۔''

''اب اس کا نمبر ملانے کی غلطی نہ کرنا۔ اس وقت تمہاری پوزیشن بہت مخدوش ہے۔ وہ تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہارے کسی رابطے سے بچنے کے لیے اپنا فون بند کیا ہوگا۔ موقع ملنے پر وہ خود تم سے رابطہ کرے گا۔'' ویرا نے بہت سنجیدہ ہو کر مشورہ دیا ''یہ کھیل بہت خطرناک حدوں میں داخل ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے پہلے وہ کسی ناگہانی عتاب کا نشانہ بن جائے!''

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جلال کے بارے میں وہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی اجلاس وغیرہ میں الجھا ہوا ہوگا۔

''اخبار والوں نے بدنصیب کتے کو بھی زبردستی ایک علامتی دھمکی بنا ڈالا ہے۔ کیا ان دونوں کی لاشیں وہاں ڈالتے ہوئے تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خیال آیا تھا؟'' سلطان شاہ نے اپنے سامنے پھیلا ہوا آخری ضمیمہ ایک طرف ڈالتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''میں نے کسی کو نہیں ڈالا!'' میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا جو کچھ ہوا، وہ ہوتا چلا گیا۔ اس میں میری حاضر دماغی کے علاوہ کسی منصوبہ بندی کا دخل نہیں تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے لڑکیوں کے بارے میں بے چارے سلطان شاہ کی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔''

''میری کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی۔ یہ سب تمہارے دماغ کی گندگی ہے۔'' سلطان شاہ نے کھسیا کر جواب دیا ''میں نے تو ان بے شرموں کو لات مار کر کمرے سے بھگایا تھا۔''

''اور ندیدے انہیں ساحل سے اٹھا لے گئے!'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

''وہ شہر کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ تھے!'' میں نے متاسفانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

''ایسی حرکتیں بڑے گھرانوں کے بگڑے ہوئے لڑکے ہی کرتے ہیں۔'' ویرا نے برجستہ جواب دیا ''کوئی ایرا غیرا ان لڑکیوں کو ہاتھ لگانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔''

''اخبار والوں نے ان لڑکوں کے نام نہیں دیے لیکن سینہ بہ سینہ بات بہت پھیلی ہوگی۔'' سلطان شاہ نے کہا ''انہیں اپنے گھرانے کی عزت و آبرو کا بھی خیال نہیں آیا!''

''یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ عورت کا نشہ آدمی کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتا ہے۔'' ویرا کو اس پر فقرہ چست کرنے کا موقع مل گیا ''تم ذرا بڑے ہو جاؤ تو یہ نازک باتیں تمہاری سمجھ میں آنے لگیں گی۔''

''میں اتنا بڑا ضرور ہوں کہ تمہاری گھٹیا باتوں اور حرکتوں کو سمجھ سکوں۔ نشہ عورت کا ہو یا شراب کا۔ یہ ہر وقت تمہارا پسندیدہ موضوع ہوتا ہے۔ شی کی تربیت تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے۔ آج تک تم اس سحر سے باہر نہیں آ سکیں۔'' سلطان شاہ نے یکایک بہت لمبی چھلانگ لگا ڈالی مجھے ڈر تھا کہ شی کے حوالے پر ویرا بپھر جائے گی لیکن وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آج میں اسی تربیت کے سہارے زندہ ہوں۔'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا ''شی میں رہ کر میں نے بدترین حالات میں زندہ رہنا سیکھا ہے۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک دس دفعہ خودکشی کر چکی ہوتی۔''

''اپنے اس اعتراف پر ٹھنڈے دل سے غور کر لو۔ مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' سلطان کا لہجہ طنز کی تلخی میں ڈوبا ہوا تھا ''آن کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والے لوگ دوسرے ہوتے ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خوبو نہیں ہے۔''

''دونوں کان پکڑ کر اپنے منہ پر زور سے تھپڑ لگاؤ۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا ''تم حرام موت مرنے والوں کی شان میں قصیدے پڑھ رہے ہو۔ خودکشی کرنے والے دنیا کے بزدل ترین لوگ ہوتے ہیں جس میں زندگی کی تلخ و ترش سچائیوں سے لڑ کر جینے کا حوصلہ نہ ہو وہ موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔''

''میں بھی خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا ''لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جانتے بوجھتے ہوئے موت کو گلے لگانے کے لیے دل گردہ درکار ہوتا ہے۔''

''تم دوغلی باتیں کر رہے ہو۔'' ویرا نے احتجاج کیا ''ایک حرام کام کی تکمیل میں کہیں بھی کوئی قابلِ تعریف مرحلہ آ ہی نہیں سکتا۔ جس فعل کا کل حرام ہو، اس کا ہر جز حرام ہوگا۔ اس میں دل گردوں اور پھیپھڑوں کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔''

بات لڑکیوں کے ذکر سے شروع ہوئی تھی لیکن ایک

دوسرے کو نیچا دکھانے کی بحث میں وہ دونوں اپنے اصل موضوع کو بھول کر بہت آگے نکل گئے تھے۔ میں نے سختی سے کہا ''تم دونوں شرفا کی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ ہر وقت چڑی ماروں کی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔''

'اوہو...... تو یہاں کوئی شریف بھی ہے!'' ویرا نے اپنے اردگرد نگاہیں دوڑاتے ہوئے بے ساختہ کہا ''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔''

''تم نے اپنی زبان بند نہ کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔'' میں نے جھلا کر دھمکی دی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اندر سے خالی نکلے گا۔'' اس بار سلطان شاہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''تم اس کی زبان درازی پر دھیان نہیں دیتے۔'' ویرا تنک کر بولی ''بس یہ چاہتے ہو کہ میں اس کی کسی بات کا جواب نہ دوں۔ یہ جو چاہے بکتا رہے!''

''میں کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔' میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے کہا ''تھوڑی دیر کے لیے ذہنی سکون چاہتا ہوں۔''

''ہم پنگ پانگ نہیں کھیل رہے۔'' غزالہ نے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر ناصحانہ لہجے میں کہا ''دشمنوں سے ہونے والی لڑائی بہت نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، ہم کو ہر وقت سنجیدہ اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔''

''میری رائے تم سے مختلف ہے۔'' ویرا ایک بیک سنجیدہ نظر آنے لگی ''نازک ترین مرحلہ پچھلی رات کو گزر گیا۔ ٹام کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہمیں کچھ دنوں کے لیے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل گیا ہے۔ ان کو اپنا کوئی متبادل مہرہ میدان میں اتارنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔''

''وہ ٹام کی موت کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے۔'' غزالہ نے متانت کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ہمیں اخباری اطلاعات پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ پسِ پردہ نہ جانے کیا کچھ ہو رہا ہوگا۔''

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا ''چند منٹ پہلے میں ڈینی کو یہی سب سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تم میری کہی ہوئی بات دہرا رہی ہو۔''

''پھر تم نے نازک ترین مرحلہ گزر جانے والی بات کیوں کہی؟ میرا خیال ہے کہ اصل امتحان اب شروع ہوگا۔'' غزالہ بولی۔

''میں جسمانی مشقت اور مار دھاڑ کی بات کر رہی تھی۔ ٹام کو ٹھکانے لگا کر ہم نے وہ محاذ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اب ذہنی جمناسٹک کا آغاز ہوگا۔ ٹام کا کوئی جانشین سامنے آنے تک ہم دہری مشقت سے بچے رہیں گے۔''

غزالہ کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ان دونوں کے موڈ اور ماحول میں یکایک سنجیدگی کا عنصر آ گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تینوں حالات و واقعات پر اپنا سر کھپانے میں مصروف ہو گئے۔ میرے کان ان کی طرف لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

شام کو پانچ بجے غیر متوقع طور پر سوبھراج کا فون آ گیا۔ وہ اسی شام مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔

میرے لیے اس کی وہ فرمائش بہت انوکھی تھی۔ پچھلے دن تک وہ مجھ سے کترا رہا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی تھا، مکمل روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا اور اس وقت یکایک مجھ سے مل بیٹھنے کی نرالی بات کر رہا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا مگر پھر میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ سبب کچھ بھی رہا ہو یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ کئی بار مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر چکا تھا اور ہمیشہ یہ کہتا رہا تھا کہ وہ موزوں وقت پر مجھ سے ضرور ملے گا۔ شاید اس کی دانست میں وہ موزوں وقت آ ہی گیا تھا۔

اس ملاقات کا امکان سامنے آتے ہی میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھرے تھے مگر میں نے اس سے کوئی بات پوچھنی مناسب نہیں سمجھی۔ میں اس کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وقت گزر جانے کے بعد میری نگاہوں میں اس ملاقات کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ ملنے کا خواہاں تھا تو میں کسی پس و پیش کے بغیر اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔

سوبھراج کی دانست میں میری اور اس کی پوزیشن تقریباً یکساں تھی۔ وہ قانون کو مطلوب تھا۔ ریکارڈ کی حد تک میری بھی وہی حیثیت تھی۔ اسے ایف بی آئی والوں کی کسی خون ریز انتقامی کارروائی کا خدشہ تھا تو میری گرفتاری کے لیے امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے خطیر انعام کا اعلان کیا ہوا تھا۔ دونوں کے مسائل مشترک تھے۔ ہم دونوں روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے اور بے خوف ہو کر منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ملاقات پر اصولی آمادگی کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ کہاں ملا جائے۔ وہ میرے طے کیے ہوئے مقام پر آنے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں اس کی تجویز قبول کرنے سے گریزاں تھا۔ زبان

سے دونوں ایک دوسرے کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلا رہے تھے مگر اسے مجھ پر بھروسا تھا نہ میں اس کے لیے آسان شکار بننے پر آمادہ تھا۔

میں نے شہر کے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ملنے کا مشورہ دیا تو وہ اس پر بھی رضا مند نہیں ہوا۔ یہ بات کئی مرتبہ اس کے تجربے میں آ چکی تھی کہ وہ اپنی شکل وصورت میں لاکھ تبدیلیاں کر لے، اپنی ناک کی غیر معمولی بناوٹ کو نہیں چھپا سکتا۔ بڑے ہوٹلوں کے اخراجات ہر کس و ناکس کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ وہاں وہی لوگ پہنچتے ہیں جن کے لیے بھاری اخراجات کی کوئی وقعت نہ ہو۔ یہ ہمارے ملک کی بڑی بدنصیبی ہے کہ سیاست اور سماج میں کسی کو عقل ودانش کے اعتبار سے رتبہ نہیں ملتا۔ جس کی جیب میں پیسے ہوں اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔ سوبھراج کے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں بکثرت آنے والے متمول اور مقتدر لوگوں میں اس کے شناساؤں میں سے کسی نے اسے دیکھ کر پہچان لیا تو وہ ناقابلِ تصور مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔

آخر اس نے خود ہی پارک ٹاورز کا نام تجویز کیا۔

وہ کلفٹن کے مہنگے اور ستھرے علاقے کی ایک جدید اور کئی منزلہ مارکیٹ ہے جہاں نیچے سے اوپر تک ہر قسم کے سازوسامان کی خوب صورت دکانیں خریداروں کے استقبال کے لیے تیار رہتی ہیں۔

اس مارکیٹ کی ایک اوپری منزل خریداروں کے ستانے اور کھانے پینے کے لیے مخصوص ہے جہاں شہر کے مشہور ریستوران وغیرہ اپنے اسٹال سجائے بیٹھے ہیں۔ روغنی نان سے اطالوی پزا تک ہر شے مناسب نرخوں پر دستیاب ہوتی ہے۔ جی چاہے تو پیسے دے کر خود کچھ خرید یں، اپنی میز پر لائیں اور شوق کریں۔ کوئی تھکا ہارا خریدار اس فوڈ کورٹ کی دکانوں سے کچھ خریدے بغیر وہاں بیٹھا ستا تا رہے تو کوئی اس سے یہ پوچھنے کے لیے نہیں آتا کہ وہ وہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ شہر کے متوسط طبقے کے بالائی خاندانوں کا ایک مقبول ٹھکانا ہے۔

پارک ٹاورز میں عام خریداری کے لیے امرا اور رؤسا یا پھر شاہ خرچ نوجوان آتے ہیں۔ فوڈ کورٹ ان کی منزل نہیں ہوتی۔ شاید وہ جگہ سوبھراج کی دیکھی بھالی تھی۔ اسے یقین رہا ہوگا کہ اس کے جاننے والوں میں سے کوئی وہاں نہیں پھٹکے گا اور وہ شناخت کے خطرے سے محفوظ رہ کر مجھ سے ملاقات کر سکے گا۔

پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں سات بجے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد سوبھراج نے میری پہچان کا سوال اٹھا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اسے بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا مگر اس نے اپنی دانست میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک حقیقت تھی کہ اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود میں کبھی ڈیی کی حیثیت میں اس سے نہیں مل سکا تھا۔ کرنل داور کے روپ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے راج محل پہنچا تو وہ غائب تھا۔ مجھے سنیل سے مل کر لوٹ آنا پڑا۔

میں نے اسے حادثے میں تباہ ہونے والی کالی اکارڈ یاد دلائی۔ وہ اس واقعے کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ میرے بھیجے ہوئے اس آدمی کو بھی نہیں بھول سکا تھا جو اس کی مولوی تمیزالدین روڈ پر چھوڑی ہوئی گاڑی کو کرین کے ذریعے لے کر ڈاکٹر صادق کے گھر پہنچا تھا۔

سوبھراج نے رقم کا لالچ دے کر اس آدمی کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میرے جال میں پھنستے پھنستے رہ گیا تھا۔

جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ میرا آدمی نہیں، میں خود تھا، وہ اس صورت کو اپنے ذہن میں تازہ کر لے تو پل بھر میں

مجھے پہچان لے گا تو فرطِ حیرت سے وہ ہکلا کر رہ گیا۔
اس واقعے کے بارے میں سوبھراج نے دل کھول کر مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور میں نے اسے اصلیت سے آگاہ کیے بغیر یہ شکایت کی تھی کہ اس سے رقم لینے کے بعد میرا آدمی واپس نہیں لوٹا تھا۔ اس نے اپنی فیاضی کے سبب سے مجھے اپنے ایک کارآمد آدمی سے محروم کر دیا تھا۔
اس وقت میں نے سوبھراج سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مجھے کیسے پہچان سکے گا لیکن اس کے دل میں چور تھا۔ اس نے میرے بہروپ سے فریب کھا کر مجھ سے بہت زہریلی باتیں کی تھیں۔ اس نے ازخود کہا کہ وہ سات بجے کی مجوزہ ملاقات میں اس واقعے کے بارے میں اپنی پوزیشن صاف کرے گا۔
میں نے ہنس کر اس کی بات سنی اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہوگئی۔
''اسے اچانک تم سے ملنے کا خیال کیوں آ گیا؟'' ویرا میرے اور سوبھراج کے درمیان طے ہونے والی ملاقات کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔
''وہ آزاد ہے اس لیے ابھی تک اسے قانون کا کوئی خوف نہیں ہے۔ اسے دو فریقوں کی طرف سے خطرات لاحق ہیں۔ ایف بی آئی اور میں۔ ہوسکتا ہے اب وہ مجھ سے مفاہمت کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ اس ملاقات میں جنگ و جدل کا امکان نہیں ہے۔ یہ بس ملاقات ہی رہے گی۔''
''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ بچھو سے بوسے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ جب آگے بڑھے گا، ڈنک مارنے کی کوشش کرے گا۔ تم اسے نہ مارو لیکن وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''
''اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔'' غزالہ نے اس کی تائید کی ''آپ نے بہت آسانی کے ساتھ اس کی تجویز قبول کرلی۔''
''تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں اس پر بھروسا کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا ''میں وہاں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اسے وہیں کچل دیا جائے گا۔''
''اسے اپنی شناخت بتا کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' ویرا بولی ''ابھی تک تم اس کے لیے صرف ایک نام تھے۔ تم اس کے برابر میں سے گزر جاتے تو بھی وہ تمہیں نہیں پہچان سکتا تھا......''
''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں اس سے اپنے ایک آدمی کے روپ میں مل چکا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
''میں ڈینی کی بات کر رہی ہوں۔'' ویرا زور دے کر بولی ''اسے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ تم ڈینی ہو۔ اب تم اس کے سامنے آ گئے ہو۔ وہ ایک نظر میں تمہیں پہچان لے گا۔''
''تم ایک دور از کار اندیشے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''
''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے ذہن پر ذرا سا زور دو۔'' اس نے کہا ''ہوسکتا ہے اس نے یہی جاننے کے لیے ملاقات کا ڈراما رچایا ہو۔ تمہیں مان لینا چاہیے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔''
''ویرا ایک معقول اندیشے کا اظہار کر رہی ہے۔ آپ اس کی بات پر غور کیوں نہیں کرتے۔'' غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔
''ہم ان اندیشوں میں الجھتے رہے تو یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''آسمان ہمارے سروں پر معلق ہے۔ کل کلاں کو یہ اچانک نیچے گرسکتا ہے۔''
''آسمان کچھ بھی نہیں ہے۔'' ویرا نے پرسکون رہتے ہوئے نکتہ آفرینی کی ''یہ ہماری حدِ نگاہ کا ایک نام ہے مگر سوبھراج ٹھوس زمینی حقیقت ہے۔ ہم یہ بات فراموش نہیں کرسکتے کہ وہ پرلے درجے کا عیار اور مکار ہے۔''
''تمہاری دانست میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔
''اپنی شناخت بتانے کے بجائے اسے آمادہ کرتے کہ وہ مقررہ وقت پر فوڈ کوٹ میں پہنچ جائے۔ تم خود اسے پہچان کر اس تک پہنچ جاتے۔''
''اسے کیسے پتا چلتا کہ وہ ڈینی ہی سے مل رہا ہے؟'' دل ہی دل میں ویرا کی بات کی معقولیت کو ماننے کے باوجود میں نے کٹ حجتی اختیار کرلی۔
''اپنے اور اس کے درمیان ہونے والی کلیدی باتوں کو دہرا کر تم آسانی سے اسے باور کرا سکتے تھے کہ تم کون ہو؟''
''چلو، مان لیا کہ مجھ سے یہ احمقانہ غلطی سرزد ہوگئی۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''
''ہوشیاری کے ساتھ ہوش میں رہنا چاہیے۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سر مو فرق نہیں آیا ''سوبھراج اپنا مقصد حاصل

کر چکا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ سات بجے فوڈ کورٹ میں نہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری نشاندہی کر کے کرائے کے کسی قاتل کو وہاں بھیج دے۔ تم سے مصالحت کے مقابلے میں وہ چھٹکارا پانے کو ترجیح دے گا۔ یہی اس کا منصوبہ نظر آتا ہے۔''

''ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس امکان کو نشاندہی کر دی۔'' میں نے اس کی فکرمندی کا اندازہ کرتے ہوئے پورے خلوص سے کہا ''میں وہاں جاؤں گا تو اس امکان کو نظر انداز نہیں کروں گا۔''

''اپنے ساتھ کس کس کو لے جانے کا ارادہ ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''سلطان شاہ مجھ سے الگ رہ کر حالات پر نظر رکھے گا۔ اس کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ خاموشی سے لوٹ آئے گا۔''

''اگر سوبھراج آ ہی جاتا ہے تو کیوں نہ سلطان شاہ کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے!'' اس وقت غزالہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''تمہارے کہنے سے پہلے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا۔'' سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا ''وہاں جا کر خالی ہاتھ لوٹ آنے سے بہتر ہے کہ اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح میری غلطی کا ازالہ ہو جائے!''

اس کی زبان سے غلطی کا ذکر سن کر ویرا بری طرح چونکی تھی۔ اس کا ردِعمل دیکھتے ہی سلطان شاہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ روانی میں ایک غلط بات کہہ گیا ہے۔ میں نے اس صورت حال کو سنبھالتے ہوئے دخل اندازی کی ''اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ بے چارے کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ ڈاکٹر صادق کے مکان سے اس نے سوبھراج کو میرے ساتھ لانے کے بجائے اسے وہیں گولی ماردی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

''یہی ہونا چاہیے تھا۔'' ویرا نے زور دے کر کہا ''یہ بات کئی مرتبہ میرے ذہن میں آ چکی ہے مگر میں نے اب تک منہ نہیں کھولا۔ سوبھراج کو وہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

''سانپ گزرنے کے بعد لکیر کو پیٹنا فضول ہے۔ اب آگے کے بارے میں سوچو۔'' میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

''آج چاروں کھونٹ چوکس رہنا!'' ویرا نے سلطان شاہ کو تاکید کی ''ایسا نہ ہو کہ وہ راستے میں تمہیں جل دے کر کہیں غائب ہو جائے۔''

وہ بات وہیں آئی گئی ہوگی۔ سلطان شاہ کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت کا جذبہ موجزن نظر آرہا تھا۔

میں نے سوبھراج سے فون پر بہت بے فکری کے ساتھ گفتگو کی تھی اور ان تینوں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے بھی میں نے کسی گہری تشویش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس میں میری کسی خاص کوشش کا دخل نہیں تھا۔ اس وقت میرا موڈ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں کسی بات کو زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اس کے بعد میرے ذہن میں وسوسوں نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔

میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی آیا کہ سوبھراج زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کو چھوڑ کر اپنے ان کاروباری حلیفوں سے مدد لے رہا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے قانون شکنی کے مرتکب ہو رہے تھے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جرائم پیشہ افراد کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ ان میں تین پر آئی بی والے ہاتھ ڈال چکے تھے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ شہر میں ایسے مزید کتنے لوگ موجود تھے۔

ضرورت

کراچی کے بہت سے اسٹیٹ ایجنٹ ان دنوں ایک دور دراز اور بنجر علاقے کی زمینیں مہنگے داموں بیچنے میں مصروف تھے جہاں کئی ترقیاتی منصوبے زیرِ تکمیل تھے اور مزید بہت سے منصوبوں کے بارے میں بڑی امید افزا باتیں سننے میں آرہی تھیں۔

ایک اسٹیٹ ایجنٹ وہاں کی چند ایکڑ زمین خریدنے کے سلسلے میں ایک سیٹھ صاحب کو راضی کرنے کے لیے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہا تھا ''ارے صاحب......! دیکھیے گا۔ وہ علاقہ تو جنت بن جائے گا۔ جنت......! وہاں کی زمین آج کی مٹی کل کا سونا ہے۔ اس علاقے کو جنت بنانے کے لیے بس صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو میٹھے پانی کی۔ دوسرے اچھے اور شریف لوگوں کی۔''

''جہنم کو بھی جنت بنانے کے لیے صرف انہی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔'' سیٹھ صاحب نے جواب دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگر سوبھراج پارک ٹاورز والے مشن کے لیے ان کا رخ کر لیتا تو وہاں خاصا بڑا ہنگامہ جنم لے سکتا تھا جس سے نمٹنے کے لیے سلطان شاہ ناکافی ہوتا۔ ایسی کسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ اول خان سے چند افراد کی کمک طلب کی جائے مگر پھر خود ہی یہ خیال ترک کر دیا۔

پچھلی رات کو ہم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد اول خان نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹام کے خلاف مہم میں جس طرح کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا اس کے بعد اسے چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود وہ بہرحال جلال کی طرح ایک سرکاری افسر تھا۔ اس پر کسی قسم کی قانونی پابندیاں نہیں تھیں پھر بھی وہ کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ رات کے واقعات کے بعد اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے وہ دانستہ ہم سے الگ تھلگ ہو گیا۔ اسے غیر قانونی طور پر کسی نئے معاملے میں گھسیٹنا مناسب نہیں تھا۔ ٹام کی ہلاکت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں اسے اپنے بچاؤ کے لیے وقت دینا ہماری اخلاقی ذمے داری تھی۔

میں نے اپنے ذہن میں آنے والے ان خیالات میں کسی کو شریک نہیں کیا، خاموشی سے اپنی تیاری میں لگا رہا۔ ٹھیک چھ بجے میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گھر کے پرتجسس ماحول سے باہر آتے ہی سلطان شاہ بولا ''آج تم نے عین وقت پر مجھے بہت بڑی شرمندگی سے بچا لیا۔''

''میرا کام اب یہی رہ گیا ہے کہ میں تم لوگوں کی غلطیوں کی لیپا پوتی کرتا پھروں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہیں اپنی غلطی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجھے آپس میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ روا روی میں زبان پھسل گئی تھی لیکن ویرا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں پریشان ہو گیا تھا۔ پتا نہیں اسے دوسروں کی خامیوں کی ٹوہ لگانے میں کیا مزہ آتا ہے۔'' اس نے نادم ہوتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

''حیرت ہے کہ اس کے ساتھ اتنی مدت گزار لینے کے بعد آج تمہیں یہ سوال یاد آیا ہے۔ اس کے حواس ہر وقت پوری طرح کام کرتے ہیں۔ جہاں ذرا سی چوک ہوتی ہے اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دھیمی آواز میں کہا ''تم مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے ہو لیکن ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

میں نے آنے والے وقت کے بارے میں اسے بریف کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

پارک ٹاورز کی عمارت باہر سے اتنی روشن نظر نہیں آتی۔ خواب ناک روشنی میں نہائے ہوئے سائن بورڈ اپنی طرف بلاتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اندر پوری عمارت یوں جگمگا رہی تھی کہ فرش پر گری ہوئی سوئی بھی آسانی سے تلاش کی جا سکتی تھی۔

میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوا، میں فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوا تو شام کا وقت ہونے کے باوجود وہاں بیشتر میزیں بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

میں خاموشی سے ایک ستون کی آڑ میں اس طرح کھڑا ہو گیا کہ ستون کے سائے نے مجھے اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔ میں مضبوط ریلنگ کے سہارے یوں ٹک کر کھڑا ہوا تھا جیسے مجھے کسی کی آمد کا انتظار ہو اور واقعی، مجھے انتظار تھا۔ کسی خوش جمال کا نہیں بلکہ سوبھراج جیسے بدخصال کا۔ میں نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہاں سے فوڈ کورٹ میں آنے جانے والوں پر آسانی سے نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

اس وقت سوبھراج کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ دھیرے دھیرے سات بھی بج گئے لیکن اس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، میرے اعصاب پر عجیب سی بے چینی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

کسی جگہ کچھ دیر کے لیے کسی کا انتظار کیا جائے تو آدمی دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ انتظار ضرورت سے زیادہ طویل ہو جائے تو بلاوجہ ہر ایک کی نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ میں نے فوڈ کورٹ آنے والوں پر نگاہ رکھنے کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے اپنے قرب و جوار میں اس کی کوئی متبادل جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ جہاں بھی کھڑا ہوتا، ہر اوٹ اور سائے سے محروم ہوتا۔

سات بج کر دس منٹ پر میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک پڑا۔

''تم کہاں ہو؟ کیا ملاقات کا پروگرام منسوخ کر دیا

ہے؟'' دوسری طرف سے سوبھراج نے کسی تمہید کے بغیر متجسس لہجے میں سوال کیا تھا۔
''میں تمہارا منتظر ہوں، تم کہاں ہو؟'' میں نے اپنی پوزیشن کی نشان دہی کیے بغیر کہا۔
''لیکن تم فوڈ کورٹ میں نہیں ہو'' اس کی آواز پُریقین تھی۔
''تم وہاں پہنچو، اگلے لمحے میں، میں بھی پہنچ جاؤں گا۔''
''اوہ......! تم سامنے آنے سے ڈر رہے ہو؟'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔
''میں کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔''
''محتاط رہنا اچھی عادت ہے۔ ہم دونوں میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ میں بھی غیر ضروری طور پر منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کرتا۔ ایک جگہ رک کر تمہارے نمودار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تم کہتے ہو تو میں پانچ منٹ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔''
''پانچ منٹ!'' میں نے حیرت اور طنز سے کہا ''اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس وقت اس عمارت میں نہیں ہو۔''
''میں وہیں تھا۔ سیٹ لائٹ فون کا بکھیڑا ہر جگہ نہیں پھیلایا جاسکتا۔ تم سے رابطہ کرنے کے لیے مجھے اپنی گاڑی میں واپس آنا پڑا ہے۔ مجھے فوڈ کورٹ میں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔''
فون بند ہوگیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ سوبھراج عقل سے عاری نہیں تھا۔ سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانے کا عادی تھا۔ اس سے بات ہوجانے کے بعد میرے اعصابی تناؤ میں کمی آگئی۔ اس کے آنے کی اطلاع نے ویرا کے ایک اندیشے کو باطل ثابت کردیا تھا۔
آخرکار وہ مجھے زینوں سے نمودار ہوتا نظر آگیا۔ اس کے چہرے پر گھنی داڑھی اگی ہوئی تھی۔ سر پر بنی ہوئی ٹوپی اور آنکھوں پر کشادہ فریم والی شفاف عینک نظر آرہی تھی۔ اپنی ناک کی بناوٹ سے قطع نظر، اسے پہچاننا مشکل تھا۔
اگر وہ اپنی ناک کی اوپری گولائی کی سرجری کرالیتا تو اسے خود کو چھپائے رکھنے میں قابلِ رشک کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔
وہ فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی مشروبات کے اسٹال پر گیا تھا۔ میں نے بہت تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کی طرف ہولیا۔
''ایک نہیں، دو گلاس لو'' میں نے اس کے عقب میں پہنچ کر دھیرے سے کہا ''اس وقت میں تمہارا مہمان ہوں۔''
میری آواز سنتے ہی وہ بہت پھرتی سے ایڑیوں کے بل گھوما تھا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر مکّارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
کاؤنٹر والا دو دوستوں کی اس اتفاقی ملاقات پر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔
فریش لائم کے دو گلاس خرید کر ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے میں لگی ہوئی اس خالی میز کی طرف بڑھ گئے جس کے ساتھ صرف دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس میز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ایک اور کرسی لگائی جاسکتی تھی۔ چوتھی طرف میز دیوار سے جڑی ہوئی تھی۔
''سیٹ لائٹ فون میں واقعی بکھیڑا ہوتا ہوگا'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہی اس سے کہا ''تم کو موبائل فون خرید لینا چاہیے۔''
''جس زمانے میں موبائل یہاں بہت مہنگا اور عجوبہ تھا، راج محل کے سارے ملازم اس سے لیس ہوتے تھے'' شاید اسے موبائل فون خریدنے کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''موبائل بہت خطرناک ہے۔ آدمی کسی بھی وقت پکڑا جاسکتا ہے۔ میں ایسا خطرہ مول نہیں لیتا۔''
''تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھتے ہو اسی لیے اب تک محفوظ ہو ورنہ اب تک کہیں اور ہی ہوتے'' میں نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

''میرے پاس وقت کم ہے'' وہ اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر بولا ''میں تمہارے لیے خیرسگالی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میری طرف سے تمہارے دماغ میں بہت زہر بھرا ہوا ہے۔''

''اس کے ذمے دار تم خود ہو'' میں نے میز پر کہنیاں ٹکا کر نیچی آواز میں کہا ''تمہیں یاد ہے کہ جب میں اکارڈ لے کر پہنچا تھا تو تم نے کیا کچھ کہا تھا؟''

''وہ میری غلطی تھی'' اس نے خندہ پیشانی سے سرگوشی کی ''میں نے یہاں آ کر پچھلی تمام غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' میں نے زور دے کر سوال کیا ''تمہیں میری دل جوئی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''بنکاک سے میری واپسی کے بعد تم نے مجھے بہت سہارا دیا تھا'' اس نے بدستور نیچی لیکن تشکر آمیز آواز میں کہا ''میں تمہارے اس تعاون کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ بعد میں ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس ناخوشگوار ماضی کو بھلا دو۔''

''شاید تم میرے اصولوں کو بھول گئے ہو؟'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے سب یاد ہے۔ را والے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تمہاری کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ تم اپنے ملک کے دشمن کے دشمن ہو۔ میں پاکستان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ اس ملک کا برا نہیں چاہوں گا۔''

''یہ تمہاری سوچ کی نئی تبدیلی ہے جو میرے لیے حیران کن ہے۔ پرسوں تک تم پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تلے ہوئے تھے کیونکہ یہاں تمہاری عزت اور ساکھ کو خاک میں ملا دیا گیا ہے۔''

''غصے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے، اسے درگزر کر دینا چاہیے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ میں تمہارے لیے کیا کر سکوں گا؟''

''تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں سے لڑائی لڑنے دو۔ میں نے تمہاری طاقت دیکھ لی ہے۔ جو شخص ٹام کو اس کے محافظوں سمیت جہنم واصل کر سکتا ہے وہ میری راہ میں بہت سے روڑے اٹکا سکتا ہے۔''

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی'' میں نے بے پروائی سے کہا ''تم نے بھی شیر دل کے ہاتھوں نک ہاردے کو مروایا تھا'' میں نے اسے اس کا فرضی کارنامہ یاد دلایا۔ وہ اس واقعے کے پس پردہ محرکات اور حالات سے یکسر بے خبر تھا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے شیر دل پکڑا گیا تھا۔ اس نے میرے ایما پر دوسری کوشش میں نک کو ٹھکانے لگایا تھا۔ اس راز کی حفاظت کے لیے مجھے بعد میں شیر دل کو بھی ٹھکانے لگانا پڑ گیا۔ سوبھراج نیک نیتی سے نک کے قتل کو اپنا کارنامہ سمجھتا رہا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنے اس کارنامے کی تشہیر اخباروں تک میں کر ڈالی تھی۔

''وہ میری طاقت کا مظاہرہ تھا۔ نیا واقعہ تمہاری طاقت کا مظہر ہے۔ سچ پوچھو تو ٹام کی بے وقت موت سے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔''

اس کا آخری فقرہ چونکانے والا تھا مگر میں نے میز کی سطح پر اپنی کہنیوں کے بل مزید آگے کی طرف جھکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا ''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اس سے میرا سمجھوتا ہونے والا تھا'' سوبھراج نے انکشاف کیا ''ایف بی آئی والے میرا پیچھا چھوڑ دیں تو میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ اب بھی بہت لمبے ہیں۔''

''سمجھوتا کس بات پر ہونا تھا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''سچ پوچھو تو تم ان کے سینوں کا ناسور بنے ہوئے ہو'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر بدستور نیچی آواز میں جواب دیا ''وہ اڑے ہوئے تھے کہ میری جان صرف تمہارے عوض بخشی جا سکتی ہے۔''

''اور اسی لیے تم نے جہانگیر کو اغوا کرایا تھا؟'' میرے زخم تازہ ہونے لگے۔

''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ تم میرے رابطے میں تھے تو مجھے جہانگیر کو اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر جہانگیر قاسم کے گھر پر قید تھا تو اس کا ذمے دار قاسم ہے۔ میں اپنے جاننے والوں کی ہر حرکت کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''تو کیا آج تم نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم میری طرف سے پھر بدگمان ہو رہے ہو'' اس نے

نرمی سے احتجاج کیا ''میں نے تمہیں دوستی بحال کرنے کے لیے بلایا ہے، تم دشمنی کی باتیں نکال رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں میری موت بھی آسکتی ہے۔''

''ان باتوں کو تم خود اپنی گفتگو سے ہوا دے رہے ہو۔ نک مرا تو اس کی جگہ گیری آگیا۔ گیری سمندر میں غرق ہوا تو ٹام نے اس کی جگہ لے لی۔ اب ٹام مر چکا ہے تو کوئی اور اس کی جگہ آجائے گا۔ تمہارا سودا چلتا رہے گا۔ نئے آدمی سے پروگرام طے کر کے مجھے بتا دینا۔ میں آجاؤں گا۔ مجھے ان کے حوالے کر کے تمہاری جان بچ......!''

اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی ''آدمی ڈھنگ کے ہو لیکن باتیں بہت کڑوی کرتے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں، ان سے میری دوسری ڈیل چل رہی ہے۔''

''ایسی کیا ڈیل ہو سکتی ہے۔ کہیں تم نے گرین کوبرا ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا ہے؟'' اس بار میں نے چونک کر قدرے برہمی سے سوال کیا تھا۔

''ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ میں نے ٹام کو پیشکش کی ہے۔ اسے واشنگٹن سے منظوری آنے کا انتظار تھا۔ اب دیکھو کہ اس کے مارے جانے کے بعد کیا ہوتا ہے؟''

''تو کیا تم گرین کوبرا فائل انہیں دے دو گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''مجبوری ہے۔ میری وفاداری کے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے یکایک اس کی بائیں کلائی مضبوطی سے تھام کر کہا ''سوبھراج! تم جانتے ہو کہ وہ فائل کتنی اہم ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ملک کے دشمنوں کا بدترین دشمن ہوں۔ وہ فائل ان کے ہاتھ لگی تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

اس نے زور لگانے کی کوشش کی تو میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ بے ڈھنگی ہنسی کے ساتھ بولا ''تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم بات بات پر بگڑ جاتے ہو۔ میں اسی سے ملتی جلتی، اوٹ پٹانگ کاغذوں پر مشتمل جعلی فائل بنا کر ٹام کو تھما دیتا اور میری جان بچ جاتی۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس فائل میں کیا ہے، جو کچھ میں دے دوں گا، وہ قبول کر لیں گے۔''

''عالمی ایجنسیاں کچی گولیاں نہیں کھیلتیں۔ ان سے تمہاری جعلسازی زیادہ دیر تک نہیں چھپی رہے گی۔ حقائق کے سامنے آتے ہی وہ تمہاری گردن مار دیں گے۔ یہ باتیں تم بھی جانتے ہو۔ مجھے کوئی ایسی کہانی سناؤ جو سمجھ میں آنے والی ہو!'' اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے ایک پل کے لیے بھی اس کے چہرے سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

''وہ مر کر بھی اصلیت کا پتا نہیں چلا سکیں گے'' وہ کچھ پریشان ہو کر بولا ''ان کے ماہران کاغذوں پر مہینوں اپنا سر کھپاتے رہیں گے......''

''اتنے بھولے نہ بنو۔ دنیا بھر میں سرکش حکومتوں کے تختے الٹنے والے اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے۔ ان کو معلوم ہے کہ گرین کوبرا فائل دہلی سے اڑائی گئی ہے۔ کاغذوں کا کوئی سر پیر نہ ملا تو وہ بھارتیوں سے رجوع کریں گے۔ وہ ان کے گہرے دوست ہیں۔ تمہاری پول کھل جائے گی'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''سوبھراج کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا'' یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔''

''اب آگئی ہے تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا۔ تمہاری باتیں عجیب ہیں۔ مم...... میں تم کو نقصان پہنچا سکتا ہوں، نہ اپنے پاکستان کو۔ ہوسکتا ہے کہ میں اب ان سے کوئی بات نہ کروں، جو جیسا چل رہا ہے، چلنے دوں'' وہ بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آنے لگا تھا۔

اس کی زبان سے اپنے پاکستان کے الفاظ بالکل اوپری اور بناوٹی محسوس ہوئے۔ میرا مشاہدہ بتا رہا تھا کہ وہ واقعی بہت بڑا سیاست داں بن چکا تھا۔ اس کی ہر بات میں سیاست اور مکاری گھسی ہوئی تھی۔ اس کی کسی بات پر یقین کرنا دشوار تھا۔

''اتنا وقت گزر جانے کے باوجود میں اس ملاقات کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں'' چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے گھورنے کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ابھی تک اس ملاقات کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا...... خوب...... بہت خوب......''

اپنی بات پوری کر کے اس نے ہنسنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے سرد آواز میں اسے ٹوک دیا'' میری باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے دل کی باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے چند جملوں میں بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''ایف بی آئی والے تمہارے عوض میری خطا معاف کرنے پر تیار تھے۔ میں نے دیکھا کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کوشش میں میری جان ضرور جاسکتی ہے۔ میں نے ان سے انکار کر دیا'' وہ سوچ سوچ کر نپے تلے الفاظ میں کہہ رہا تھا'' دشمنی اور مکاری ختم ہوگئی تو اب میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اصل کہانی ہے باقی میرا اور ایف بی آئی والوں کا معاملہ ہے۔ اسے میں خود نمٹالوں گا۔ اس کا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

مجھے اس کی باتیں بے وزن محسوس ہوئیں۔ مجھے ویرا کا آدھا نظریہ درست نظر آنے لگا۔ وہ مجھے مروانے کا کوئی فوری منصوبہ لے کر نہیں آیا تھا لیکن مجھے دیکھنے اور پہچاننے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس وقت تک میرے دشمنوں میں ایسا کوئی فرد زندہ نہیں رہا تھا جس نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے دیکھا یا پہچان لیا ہو۔ سوبھراج مجھ سے مل کر واپس لوٹ جاتا تو وہ مجھے پہچاننے والا اکلوتا حریف ہوتا جسے ایف بی آئی اور سی آئی اے والے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔

وہ ادارے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ ان کی واحد کمزوری یہ تھی کہ ان کے پاس میرے نام کے سوا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ تصویر، خاکہ یا فنگر پرنٹس نہ ہونے کے سبب وہ مسلسل اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ایسی بے بسی کے عالم میں اگر سوبھراج ان سے جاملتا تو وہ اس کی یادداشت کی مدد سے میرا خاکہ تیار کرسکتے تھے، جس کے بعد میرے لیے بہت سی دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔

وہ ایک قرین قیاس امکان تھا لیکن اس کا ایک پہلو بہت کمزور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ سوبھراج نے اس موقع پر صرف مل بیٹھنے پر کیوں اکتفا کیا۔ وہ چاہتا تو ٹام کے ماتحتوں میں سے کسی کو اعتماد میں لے کر یہ خبر پہنچا سکتا تھا کہ میں اس رات سات بجے پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں پہنچنے والا تھا۔ امریکیوں کے لیے یہ اشارہ کافی ہوتا۔ وہ بے گناہوں کی ہلاکت اور مقامیوں کے بھاری مالی نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی بھرپور طاقت استعمال کر کے مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے پہنچ جاتے۔ سوبھراج کو نہ صرف معافی مل جاتی بلکہ وہ دو ملین ڈالر کے خطیر انعام کا حق دار بھی بن جاتا۔

وہ گتھی میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ اسی اثنا میں مجھے راج محل میں ویرا کے پکڑے جانے کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ سوبھراج کے برے وقت کے آغاز کی پہلی کڑی تھی۔ امریکی حکام کی نظروں میں ویرا مجھ سے کم معتوب نہیں تھی۔ انہوں نے اس کی گرفتاری پر بھی دو ملین ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ سوبھراج نے وہ سب جانتے بوجھتے ہوئے نک ہاروے یا کسی اور امریکی کو ویرا کے پکڑے جانے کی خبر نہیں دی۔ خاموشی سے اسے اپنی قید میں لیے بیٹھا رہا۔ یہ ویرا کی قسمت تھی کہ وہ راج محل سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی جہاں سے اس کو طاقت کے زور پر چھڑا لیا گیا۔

وہ سوبھراج کی کوئی ذہنی گرہ ہوسکتی تھی۔ جس طرح اس نے کسی کو کانوں کان یہ خبر نہیں ہونے دی تھی کہ ویرا اس کی گرفت میں آچکی تھی اسی طرح وہ میرے بارے میں ہر

بات اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مجوزہ ملاقات کے لیے میری آمد کے بارے میں وہ شکوک وشبہات کا شکار رہا ہو۔ ادھوری اطلاع دے کر اپنا مذاق بنوانے کے بجائے اس نے پہلے مرحلے میں صرف اپنا اطمینان کرنا کافی سمجھا ہو۔ اس وقت اس کے لیے میری تباہی سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی سلامتی کا تھا۔ ایک بار مجھے اچھی طرح شناخت کر لینے کے بعد وہ مجھے پکڑوانے یا مروانے کے لیے کسی بھی وقت دوسری کوشش کر سکتا تھا۔ اس حکمتِ عملی میں ناکامی یا سبکی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس کے کھل کر اعتراف نہ کرنے کے باوجود مجھے بہت کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ رازداری کی وجہ سے وہ اکیلا ہی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہوگا۔ وہ کسی کو ساتھ لاتا تو وہ ڈینی کو پہچاننے والا دوسرا شخص بن جاتا۔ سوبھراج کی اہمیت گھٹ جاتی۔ وہ اس قدر انا پرست اور متکبر تھا کہ اس طرح اپنے پیروں پر خود کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔

''ایف بی آئی سے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے تم آزاد ہو مگر گرین کوبرا ایک قومی راز ہے۔ وہ فائل اپنے دوست کو نہ لوٹا کر تم نے بد دیانتی کی ہے۔ اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ فائل مجھے درکار ہے'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں......!'' اس نے سختی سے جواب دیا ''میں وہ فائل کسی کو نہیں دوں گا'' میرا مطالبہ سنتے ہی اس کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں۔

''اگر میں کہوں کہ فائل لوٹانے کا وعدہ کیے بغیر تم یہاں سے نہیں جا سکو گے تو تمہارا فیصلہ کیا ہوگا؟''

''مجھے معلوم ہے کہ تم ایسی نامناسب بات نہیں کہو گے'' اس نے پلکیں جھپکائے بغیر اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔ گرین کوبرا مجھے واپس چاہیے۔''

''تلخی پیدا نہ کرو ڈینی! یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے آخری سہارے سے محروم نہیں ہو سکتا۔''

''تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو اور میری اجازت کے بغیر واپس نہیں جا سکو گے'' اس کے لہجے کی سختی محسوس کر کے میں نے کھلی دھمکی دی۔

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ کون مجھے روک سکتا ہے'' اس نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس تمہارے آدمی پھیلے ہوئے ہیں؟''

''میرے ساتھ چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے'' اس نے اپنی گردن جھٹک کر جواب دیا ''میں اکیلا یہاں آیا ہوں اور اکیلا ہی واپس جاؤں گا۔''

میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ اس انا پرست نے میری شناخت کے مرحلے میں کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

''یہاں تماشا بن جائے گا۔ میں دو منٹ میں تمہارا سارا بھرم خاک میں ملا دوں گا۔'' میں نے بہت ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا ''دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے جاتے ہو؟''

''کرسی چھوڑنے کی کوشش نہ کرو'' اس نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ''عجلت میں تم سب کچھ کھو دو گے۔ بیٹھ کر اطمینان سے پوزیشن سمجھ لو پھر جو دل چاہے کر گزرنا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا اسے گھورتا رہا۔

''فائل ایک لفافے میں سیل ہے اور وہ لفافہ میرے ایک گہرے دوست کی تحویل میں ہے'' اس نے میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں کہنا شروع کیا ''مجھے یہاں آئے ہوئے خاصا وقت گزر چکا ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ وقت کم رہ گیا ہے۔ میں نے ٹھیک پونے آٹھ بجے اپنے دوست کو فون کر کے ایک مخصوص پیغام نہ دیا تو وہ گرین کوبرا فائل والا لفافہ اسی وقت امریکی قونصل خانے کو پہنچا دے گا اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

میرے دماغ میں بے ساختہ ایک گالی نے جنم لیا جسے میں نے اپنے لبوں پر آنے سے روکتے ہوئے کہا ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔''

''پھر من مانی کر گزرو۔ میرے اور تمہارے لیے سب کچھ تباہ ہو جائے گا'' اپنی وضاحت کے بعد وہ خاصا مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

میں مخمصے میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی اچانک قلابازی سے مجھے جائے ماندن نہ پائے رفتن والی صورتِ حال سے دوچار کر دیا تھا۔

''آج میرے بُرے وقت نے مجھے آن گھیرا ہے مگر تم

میرے ماضی سے اچھی طرح واقف ہو" قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا تھا "میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جب میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کیا تو یہ خطرہ میرے دماغ میں کلبلایا تھا جو اس وقت سامنے آچکا ہے۔ میری نیت صاف تھی۔ میری جیب میں ہتھیار کے نام پر قلم تراش چاقو تک نہیں ہے۔ چاہو تو تم میری جامہ تلاشی لے کر اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری کینہ پروری کے قصے سنے ہوئے ہیں۔ تم اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ مجھے شبہ تھا کہ مجھے اکیلا اور نہتا دیکھ کر تمہاری نیت ڈانواڈول ہو جائے گی۔ ایسے میں گیدڑ بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ تمہارے بھٹکنے کا خطرہ بہت قوی تھا۔ میں اس کا پورا بندوبست کر کے یہاں آیا ہوں۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

اس بار بھی میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ میں غصے سے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ خبیث میری دسترس میں آ کر بھی نکل بھاگنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا، کیا جائے؟

گرین کوبرا اس کی تحویل میں رہتی تو کسی نہ کسی وقت اس کی بازیابی کی امید کی جا سکتی تھی۔ وہ فائل ایک مرتبہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو سب کچھ زیر و زبر ہو سکتا تھا۔

"جلدی فیصلہ کرو!" سوبھراج نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے لقمہ دیا "میرے دیے ہوئے وقت میں صرف چھ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ سیٹ لائٹ فون گاڑی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے وہاں تک پہنچنے کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ پونے آٹھ بجتے ہی وہ اپنے ٹھکانے سے نکل کھڑا ہو گا۔ میرا فون بھی اسے نہیں روک سکے گا کیونکہ وہ موبائل فون رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس کے گھر کا فون گھر ہی میں رہ جائے گا۔"

وہ مجھے اعصاب زدہ کیے دے رہا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بایاں بازو جھٹک کر اپنی رسٹ واچ دیکھی، پونے آٹھ بجنے میں چھ منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔

"جاؤ!" میں نے اسے خوں خوار نظروں سے گھورتے ہوئے دانت پیس کر کہا "بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی......"

وہ میری پوری بات سننے کے لیے نہیں رکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ دبایا اور تیزی سے زینوں کی طرف ہو لیا۔

فریش لائم کے دونوں گلاس آدھے سے زیادہ بھرے ہوئے تھے۔

جوں ہی وہ زینوں پر میری نگاہوں سے اوجھل ہوا، میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے اپنی محویت سے چونک کر میری طرف دیکھا مگر میں کسی کی پروا کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف چل دیا۔ اس وقت میں سوبھراج کی گردن ناپنے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جس طرح مجھے چوٹ دے کر نکلا تھا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کے لیے بغض اور نفرت کے جذبات جنم لے چکے تھے۔

میں بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے پہنچا تو سوبھراج کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

اس وقت میری ساری توقعات سلطان شاہ سے وابستہ تھیں۔ میرا رواں رواں اس کی بڑی کامیابی کے لیے دعا گو تھا۔

ہم دونوں وہاں پہنچے تو پارک ٹاور کے قرب و جوار میں پارکنگ کا بہت رش تھا۔ دور دور تک گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس علاقے کے سارے مکین اس مختصر سے ٹکڑے میں سمٹ آئے ہوں۔

ہمیں بہت مشکل سے اپنی گاڑی پارک کرنے کی جگہ ملی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ سوبھراج کی کار اس کے قریب موجود ہو۔ سوبھراج کی روانگی کے بعد اگر سلطان شاہ کو اپنی گاڑی تک پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو اس دوران میں سوبھراج نہ جانے کس طرف نکل جاتا۔ پارکنگ کے مسائل کی وجہ سے تعاقب کا موقع ضائع ہو سکتا تھا۔

سوبھراج کی تلاش میں بھٹک کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے میں عمارت سے نکل کر سیدھا اس طرف ہو لیا جہاں ہماری سفید کرولا پارک کی گئی تھی۔ مجھے دور ہی سے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہماری گاڑی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس کی جگہ سرخ رنگ کی بی ایم ڈبلیو کھڑی ہوئی تھی۔

شکست کی تلخی میں وہ ایک حوصلہ افزا علامت تھی۔ میں تیزی سے اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے وہاں ٹہلتے ہوئے پرائیویٹ سیکیورٹی گارڈ سے سفید کرولا کے بارے میں استفسار کیا تو وہ بے چارہ پریشان نظر آنے لگا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ میری گاڑی وہاں سے چرالی گئی تھی۔ میرے اطمینان دلانے پر اس نے بتایا کہ رش کے ان اوقات میں اس کے لیے ہر گاڑی کے بارے میں یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے

البتہ اس نے یہ بتادیا کہ سرخ بی ایم ڈبلیو وہاں کم وبیش بیس پچیس منٹ سے کھڑی ہوئی تھی۔

میں ٹہلتا ہوا مین روڈ کی طرف چل دیا تاکہ وہاں سے ٹیکسی لے کر گھر جاسکوں۔ اپنی گاڑی کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے سلطان شاہ کی کامیابی کی کچھ نہ کچھ آس ہو چلی تھی۔

☆☆☆

سلطان شاہ کو میری دیکھ بھال نہیں کرنی تھی۔ اس کا پہلا ہدف سوبھراج تھا۔ وہ ہر فلور پر موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا فوڈ کورٹ سے اوپری منزل کی راہ داری میں پہنچا تو اسے وہ دراز قامت شخص دوسروں سے بالکل الگ تھلگ نظر آیا جو ریلنگ کے سہارے کھڑا، نیچے کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

وہ آنے جانے والوں کی طرف پشت کیے کھڑا ہوا تھا اس لیے سلطان شاہ اس کا چہرہ دیکھنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔ کافی دور نکلنے کے بعد وہ پلٹا تو اس مشتبہ آدمی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس معتنک اور باریش شخص کی ناک آگے سے خم دار تھی!

سلطان شاہ کسی ایسے مورچے کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا جہاں جم کر وہ سوبھراج کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکے۔ اس نے سوبھراج کو پہچان لیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے سامنے ہی رہتا۔ اس نے سوبھراج کی پشت پر واقع ایک دکان میں چمڑے کی بیلٹیں دیکھنی شروع کر دیں۔

دکان میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے اس نے غیر ضروری طور پر چند بیلٹیں پسند کر کے الگ رکھوالیں۔ اس دوران میں وہ بار بار وقت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب سات بج گئے اور اس کے شکار نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تو سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی۔ اس نے بڑھ کر ریلنگ سے نیچے نظریں دوڑائیں تو میرا ابھی کہیں پتا نہیں تھا۔

میرا نظر نہ آنا اس کے لیے زیادہ اہم نہیں تھا کیونکہ اوپر کے کسی بھی فلور سے ایک وقت میں پورے فوڈ کورٹ کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ میں شاید کسی ایسی میز پر بیٹھا ہوا تھا جو اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔

یکا یک سوبھراج نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ نے عجلت میں رقم ادا کر کے اپنی خریدی ہوئی بیلٹوں کا تھیلا اٹھایا اور آگے چل پڑا۔

سوبھراج نے ریلنگ کے سہارے کشادہ راہداری کا پورا چکر لگایا۔ اس دوران میں اس کی نظریں بار بار نچلے فلور کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اپنا جائزہ مکمل کر کے وہ فلور پر موجود لفٹ کے کھلے ہوئے دروازے میں گھس گیا۔ سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ چاہتا تو وہ بھی لپک کر لفٹ میں سوار ہو سکتا تھا لیکن اسے سوبھراج کا پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا لگانے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ وہ غیر ضروری طور پر اس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف ہولیا۔ اس کے ذہن میں یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ شاید ڈاکٹر صادق والے قصے میں سوبھراج نے اس کی صورت ذہن نشین کر لی ہو اور اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی یادداشت تازہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں سلطان شاہ کا تعاقب کا منصوبہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہو سکتا تھا۔

وہ نیچے پہنچا تو سوبھراج لفٹ سے نکل کر عمارت کے نکاس کی طرف بڑھ رہا تھا اور خاصی عجلت میں تھا۔ اس وقت وہ اپنے گردوپیش سے قدرے غافل نظر آ رہا تھا۔ انتہائی روشن فلور کا راستہ طے کرتے ہوئے اس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا تاکہ کم سے کم لوگ اس کا چہرہ دیکھ سکیں۔

سلطان شاہ چند قدموں کے فاصلے پر اس کا پیچھا کرتا رہا۔ سوبھراج پارک ٹاورز سے نکل کر پارکنگ ایریا میں ہولیا۔ عمارت کے گرد بنے ہوئے پختہ راستے کی ایک جانب گاڑیوں کی طویل قطار لگی ہوئی تھی۔ وہیں سلطان شاہ کی گاڑی بھی موجود تھی۔

سوبھراج کہیں رکے بغیر تیزی سے مین روڈ پر نکل آیا۔ گاڑیوں کی بھیڑ وہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی، وہ سمجھ رہا تھا کہ سوبھراج کسی وجہ سے چوکنا ہو گیا تھا اور مجھ سے ملنے کا ارادہ منسوخ کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔

سوبھراج کی گاڑی مین روڈ پر کہیں پارک کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ اسے دیکھ کر جتنی دیر میں اپنی گاڑی تک پہنچتا، سوبھراج کہیں کا کہیں نکل سکتا تھا۔

سخت ذہنی دباؤ اور تذبذب کے عالم میں سلطان شاہ اس کے پیچھے لگا رہا۔ سوبھراج کی گاڑی دیکھے بغیر وہ کوئی متبادل راہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

جب سوبھراج نے ایک کالی مرسڈیز کے پاس رک کر دروازہ کھولا تو سلطان شاہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ اپنی

گاڑی لینے کے چکر میں وہ کسی طرح سوبھراج کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے مرسیڈیز کا نمبر ذہن نشین کرتے ہی کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں سڑک پر نظریں دوڑانا شروع کردیں۔

وہاں سے کچھ فاصلے پر کلفٹن کے مین بس اسٹینڈ پر ہی ٹیکسی اسٹینڈ بھی تھا جہاں سے وہ کسی بہتر ٹیکسی کا انتخاب کرسکتا تھا مگر مسئلہ وہی تھا کہ سوبھراج کے عزائم کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے ہلتا اور سوبھراج غائب ہوجاتا تو وہ اسے کھودینے کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

سڑک پر دور دور تک کسی خالی ٹیکسی کا پتا نہیں تھا۔ ناکامی کے احساس سے سلطان شاہ کے ہاتھ پیروں میں ہلکی ہلکی اینٹھن سی ہونے لگی جو اس کے بدترین اعصابی دباؤ کا نتیجہ تھی۔

اس دوران میں اس کی نظر بار بار کالی مرسیڈیز کی طرف اٹھتی رہی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ سوبھراج نے گاڑی میں بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ نہیں کیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اس نے دروازہ بند کرلیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ میں ایک بڑا اور دقیانوسی سا موبائل فون نظر آیا۔ وہ اس پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ زیرک آدمی تھا۔ چند لمحوں کی بے یقینی کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ وہ موبائل فون نہیں تھا۔ سوبھراج گاڑی میں رکھے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ کو ایک خالی ٹیکسی نظر آگئی۔ اس نے ہاتھ کے بے تابانہ اشارے سے اسے روک لیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اس نے شہر کے دستور کے خلاف ڈرائیور سے کچھ کہے سنے بغیر اگلا دروازہ کھولا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔

''بابو! کیا بات ہے، کدھر جانا ہے؟'' ڈرائیور نے ناپسندیدہ نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ کن انکھیوں سے مسلسل سوبھراج کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کے لہجے اور نگاہوں کو برداشت کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''معمولی کام ہے۔ میٹر سے سو روپے زیادہ دوں گا......''

''نیچے اتر جاؤ'' ڈرائیور نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا ''میں صاف ستھری سواریاں اٹھاتا ہوں۔ ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔''

سلطان شاہ کا خون کھول اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ مرسیڈیز حرکت میں آگئی تو وہ اپنا پستول دکھا کر ٹیکسی ڈرائیور کو نیچے اتار دے گا اور خود اس کی ٹیکسی لے کر سوبھراج کے تعاقب میں روانہ ہوجائے گا۔ آگے جو کچھ ہوگا، اسے بعد میں بھگت لیا جائے گا۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، سوبھراج اپنی گاڑی سے اترتا ہوا نظر آیا۔ فون پر اس کی گفتگو بہت مختصر ثابت ہوئی تھی۔ گاڑی بند کرکے وہ تیزی سے پارک ٹاورز کی طرف واپس جارہا تھا۔

سلطان شاہ نے کینہ توز نظروں سے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور نے اسے برا بھلا کہا تھا نہ گالی دی تھی۔ بس ایک مشتبہ ذمے داری قبول کرنے سے انکار کیا تھا جس پر سلطان شاہ کا مشتعل ہونا غیر ضروری تھا مگر وہ خود حالات کے دباؤ کا شکار تھا۔ اس نے ٹیکسی سے اتر کر اپنے غصے کے اظہار میں دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ پوری ٹیکسی ہل کررہ گئی۔

سلطان شاہ وہاں رکنے کے بجائے واپس چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ سوبھراج کیا کرتا پھر رہا تھا؟ اس نے کسے فون کیا تھا اور مجھ سے مجوزہ ملاقات کا کیا بنا تھا۔

اس بار سوبھراج سیدھا فوڈ کورٹ میں پہنچا اور مشروبات والے کاؤنٹر پر جا پہنچا۔ سلطان شاہ نے چند لمحوں بعد مجھے اس کے قریب پہنچتے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔

سوبھراج کی مشتبہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ ملاقات خاصی تاخیر سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو توقع تھی کہ ہم دونوں کم ازکم پندرہ بیس منٹ تک ضرور مصروف رہیں گے۔ ٹیکسی کے حصول کے سلسلے میں اسے تلخ تجربہ ہوا تھا۔ فوری طور پر وہ ڈرائیور کے رویے پر مشتعل ہوگیا تھا لیکن راستے میں اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ کراچی میں کچھ ٹیکسی ڈرائیور ایسے بھی تھے جو رزق وروزی کے مسائل میں مبتلا ہونے کے باوجود آمدنی کے مشتبہ ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔

اس کے لیے وہ مہلت ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ ہم دونوں فریش لائم کے گلاس لے کر میز کی طرف بڑھے تو سلطان شاہ آسودہ انداز میں وہاں سے واپس ہولیا۔

اس نے اپنی گاڑی پارکنگ سے نکالی اور ایک لمبا چکر کاٹ کر مین روڈ کی اس سمت میں پہنچ گیا جہاں سوبھراج کی کالی مرسڈیز کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اپنی گاڑی لگانے کے لیے فوری طور پر کوئی موزوں جگہ نہیں مل سکی۔ وہ انجن

اسٹارٹ کیے انتظار کرتا رہا۔ جوں ہی اسے ایک گاڑی اپنی جگہ سے باہر نکلتی نظر آئی' اس نے کرولا آگے بڑھا کر خالی جگہ میں پارک کردی۔

وہ سوبھراج کو میرے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ گاڑی بھی اس کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ اسے جل دے کر کہیں نہیں نکل سکے گا۔ اسے ہر حال میں اپنی گاڑی تک واپس آنا تھا۔

اپنی کار پارک کرنے کے بعد وہ بے پروایانہ انداز میں ٹہلتا ہوا کالی مرسڈیز تک پہنچ گیا۔ رات گہری ہوتی جارہی تھی لیکن اس علاقے میں اسٹریٹ لائٹس اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن تھیں۔ سلطان شاہ کسی خاص زحمت کے بغیر مرسڈیز کا اندرونی جائزہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔

سوبھراج کی گاڑی کی تمام نشستیں خالی تھیں لیکن پسنجر سیٹ کے پائیدان میں ایک چوکور چرمی بریف کیس نظر آرہا تھا جو سلطان شاہ نے سیٹ لائٹ فون کے طور پر پہچان لیا۔

بے اختیار اس کا دل چاہا کہ مرسڈیز کی کھڑکی کا کوئی شیشہ توڑ کر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نکال لے جو اس کے رابطوں کا اہم ترین ذریعہ تھا مگر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد اس نے اپنا وہ منصوبہ ترک کردیا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ گاڑی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج ضرورت سے زیادہ چوکنا ہوجاتا۔ اسے یہ احساس ہوجاتا کہ اس کی گاڑی کسی کی نگاہوں میں آچکی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے تعاقب کے امکانات پر غور کرتا۔ شہر کے اس ساحلی علاقے میں ایسی ویران سڑکوں کی کمی نہیں تھی جہاں تیز رفتاری کے ساتھ میلوں کی مسافت طے کی جاسکتی ہے۔ اپنے اصل راستے پر جانے سے پہلے وہ ایسے کسی راستے پر نکل جاتا تو سلطان شاہ کے لیے خود کو چھپائے رکھنا ناممکن ہوجاتا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ جہاں سوبھراج اپنے سیٹ لائٹ فون کو مجرمانہ رابطوں کے لیے استعمال کرتا تھا وہیں مجھ سے بھی اسی فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ سوبھراج سیٹ لائٹ فون سے محروم ہوجاتا تو مجھ سے اس کا رابطہ یکسر ختم ہوجاتا۔

ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ واپس پارک ٹاورز کی طرف چل پڑا۔ اس نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جس پر چل کر سوبھراج دوبارہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔

ہمارے مذاکرات جاری تھے' ہم دونوں اپنی کہنیاں میز پر ٹکائے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے نیچی آواز میں باتیں کرتے رہے' سلطان شاہ ہم دونوں کی نگاہوں سے دور رہ کر خاموشی سے ہمارا جائزہ لیتا رہا۔ آخر کار وہ سلسلہ ختم ہوا جوں ہی سوبھراج میرا ہاتھ دبا کر واپسی کے لیے پلٹا' سلطان شاہ بھی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ میں نے اپنے دشمن کو آسانی سے لوٹ جانے دیا۔ اس بار اس نے سوبھراج کا پیچھا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ مجھ سے رخصت ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف جائے گا۔ سلطان شاہ اس کے آنے سے پہلے اپنی گاڑی تک پہنچ گیا اور نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرلیا۔

اس مرتبہ سوبھراج بہت زیادہ عجلت میں اپنی گاڑی تک آیا اور اس میں سوار ہوتے ہی وہاں سے آگے روانہ ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا جیسے اسے کسی کے پیچھا کرنے کا خطرہ ہو۔

سوبھراج کی طاقتور مرسڈیز کا پیچھا کرتے ہوئے سلطان شاہ زیادہ درمیانی فاصلہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے پاس نئی جیسی اور جاندار انجن والی کرولا تھی لیکن وہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے مرسڈیز کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

پُرہجوم ٹریفک میں بے قاعدگی سے اپنا راستہ بناتا ہوا' سوبھراج ذراسی دیر میں اس کشادہ سڑک پر جا نکلا جو ساحل کے متوازی بہت دور تک چلی گئی ہے۔

سلطان شاہ کا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ خالص تفریحی علاقے کی سڑک تھی' داہنی طرف پتھر کی بنی ہوئی فصیل تھی دوسری طرف رہائشی مکانات تھے جن کا سلسلہ کچھ دور جا کر ختم ہوگیا تھا۔ سوبھراج کی رفتار سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اس سڑک پر کہیں مڑے بغیر سیدھا نکلتا چلا جائے گا' وہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ تفریحی حدود سے باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ کے لیے اس سنسان اور کشادہ سڑک پر خود کو چھپائے رکھنا ناممکن تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس وقت تک وہ خود کو سوبھراج کی نظروں سے بچانے میں کامیاب رہا تھا لیکن سوبھراج نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس پر زیادہ دیر تک وہ بھرم برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس نے کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا بھرا ہوا پستول جیب سے نکال کر اپنی گود میں ڈال دیا۔

بائیں طرف پھیلی ہوئی آبادی کا سلسلہ ختم ہونے کے

بعد ویرانہ شروع ہو گیا۔ سڑک پر جلنے والے اسٹریٹ لیمپس کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ دونوں گاڑیاں اپنے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں تارکول کی سیاہ سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سلطان شاہ کو اپنے عقب نما آئینے میں دور تک کسی گاڑی کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

اچانک مرسڈیز کی سرخ بریک لائٹس جل اٹھیں۔ سلطان شاہ کا داہنا پیر ایکسی لریٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر منتقل ہو گیا۔

چند لمحوں میں مرسڈیز رک گئی۔ وہ سلطان شاہ کے لیے فیصلہ کن لمحہ تھا۔ وہ رکتا تو سوبھراج کو یقین ہو جاتا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ سیدھا نکل جاتا تو سوبھراج کو کھو دینے کا اندیشہ تھا۔ کرولا اور مرسڈیز کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور ایک زناٹے کے ساتھ مرسڈیز کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔

اس کے آگے نکلتے ہی مرسڈیز نے واپسی کے لیے یُوٹرن لے لیا۔ سلطان شاہ کو یہی خدشہ تھا۔ تعاقب کا اندازہ لگانے کی وہ مثالی ترکیب تھی سوبھراج اس پر عمل کر گزرا تھا۔

اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ کسی قیمت پر سوبھراج کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر اپنی گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے گھما کر دوبارہ سوبھراج کے پیچھے ہو لیا۔

سوبھراج نے اپنے عقب نما آئینے میں اسے پلٹتے دیکھا تو اپنی گاڑی روک لی۔ اپنے اندیشے کی تصدیق کے بعد وہ تصادم کے موڈ میں آ گیا تھا۔

سلطان شاہ نے بھی اپنی گاڑی سڑک کے کنارے روک کر ہیڈ لیمپس گل کیے اور بہت خاموشی سے گاڑی سے اتر کر تاریک میدان میں آگے کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کا خیال تھا کہ سوبھراج کی توجہ اس کی گاڑی پر مرکوز رہے گی۔ اتنی دیر میں وہ ریتیلے میدان پر راج کرنے والی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اسے قوی امید تھی کہ اس کی کوشش کامیاب رہی تو وہ دوبدو مقابلے میں سوبھراج کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس رات بھی ہر سو چاند کی بہت ہلکی روشنی چٹکی ہوئی تھی جس پر بار بار گھرے بادلوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ وہ روشنی بہت ناکافی تھی پھر بھی دور سے ہیولے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے چاند گھرے بادلوں کی اوٹ میں چلا جائے تا کہ اسے سوبھراج کو مکمل بے خبری کے عالم میں ڈھیر کرنے کا موقع مل جائے۔

اس کی دعا بارآور ثابت نہ ہو سکی۔ آسمان پر تیرنے والے بادلوں کا رخ بدل گیا اور سوبھراج نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنی گاڑی کے باہر کھڑا ہر سمت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ایک فائر کیا۔ گولی سلطان شاہ کے قریب سے گزر گئی۔ وہ فوری طور پر وہیں رک گیا۔

سوبھراج کو اپنا نشانہ خطا ہونے پر مایوسی ہوئی۔ اس نے دوسری گولی نہیں چلائی۔ سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ سے اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

سوبھراج ایک دبی چیخ کے ساتھ فضا میں اچھلا اور بہت تیزی سے اپنی گاڑی میں گھس گیا۔ سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مرسڈیز پر گولی چلا دی۔ گولی اس کار کی باڈی میں گھس گئی یا پھر ہوا میں تیر گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ فضا میں مرسڈیز کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ہی سلطان شاہ نے اس کی طرف دوڑ لگائی لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے سوبھراج رفوچکر ہو گیا۔

سلطان شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ سوبھراج مرسڈیز میں بھاگ گیا تھا۔ وہ جوش میں آ کر اپنی گاڑی سے کافی دور آ چکا تھا۔ جتنی دیر میں وہ اپنی گاڑی تک پہنچتا سوبھراج غائب ہو چکا ہوتا۔

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا سڑک تک آیا اور سر جھکا کر اپنی گاڑی کی طرف ہو لیا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ سوبھراج کو مار گرانے کے چکر میں اپنی گاڑی سے دور آ کر اس نے غلطی کی تھی۔ سوبھراج اپنے بنیادی مورچے پر جما رہا تھا اور اس کی گولی سے زخمی ہونے کے باوجود اپنی گاڑی میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سلطان شاہ نے اس مہم میں دو نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ مرسڈیز کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور سوبھراج کو زخمی کر دیا تھا۔ اس کے باوجود سوبھراج کے تجربے نے اس کے جوش و جذبے کو مات دے دی تھی۔

اس کے لیے بس ایک خیال تسلی بخش تھا۔ میں تو رو بیٹھنے کے باوجود سوبھراج کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا تو بھاگتے ہوئے مجرم کو پکڑنا یا اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانا اس سے کہیں زیادہ مشکل کام تھا۔ اپنی اس دلیل

سے وہ ویرا سمیت کسی کو بھی قائل کرسکتا تھا۔

☆☆☆

میرے گھر پہنچنے کے چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا۔ میری طرح اس کا بھی چہرہ اترا ہوا تھا۔ ویرا نے نظر بھر کر اس کا جائزہ لیا اور خلاف معمول خاموش رہی۔ اس نے سلطان شاہ پر کوئی زہریلا فقرہ کسانہ اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

''شاید میری طرح وہ تمہیں بھی جُل دے کر نکل گیا!'' میں نے مسکراتے ہوئے گفتگو میں پہل کی۔

''وہ ہر بار اس طرح پھسل کر نکل جاتا ہے کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔'' اس نے ڈھیلی آواز میں جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسیبی صفات کا مالک ہے۔''

سلطان شاہ نے میرے ایما پر اپنی مختصر سی کہانی سناڈالی۔ اس میں ابتدا سے انتہا تک اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

اسی دوران میں اچانک جلال آپہنچا۔ وہ بشرے سے خاصا مطمئن اور آسودہ نظر آرہا تھا۔

''کہاں غائب تھے۔ تمہارا موبائل فون بھی بند پڑا ہوا تھا۔'' علیک سلیک کے بعد میں نے ازراہِ تمسخر اس سے پوچھ لیا ''کیا مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے آف کیا ہوا تھا؟''

''موبائل فون اب میری ضرورت بن کر رہ گیا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ وہ میری جیب سے نکل کر پانی میں گر گیا اور اب خاموش ہے۔ سروس ہوگی تو پھر چل پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''میں اسے ٹام کے قتل کا شاخسانہ سمجھ رہا تھا۔'' میں نے ہنس کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''وہاں خاصی ماردھاڑ کے آثار پائے گئے ہیں۔ تم لوگوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟'' ٹام کا نام آتے ہی اس نے ہم چاروں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''مقدر ساتھ دے رہا ہو تو آدمی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا ''ان کا کوئی وار کارگر نہیں ہوسکا ہم سب صحیح سلامت لوٹ آئے۔''

''سب کچھ واضح تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے اب تک قاصر ہوں کہ تم کو ایک کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی!'' اس نے قدرے حیرت سے کہا ''بہت بے رحمی سے اس کا سر اڑا دیا گیا تھا۔''

''وہ اس مقابلے کا پہلا مقتول تھا اور ٹام کے کسی محافظ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔''

''اسے کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

''وہ کتا نہ مارا گیا ہوتا تو شاید ٹام بھی بچ جاتا۔'' میں نے یہ کہہ کر ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ بیان کرنا شروع کردیا۔

''ناقابلِ یقین اور حیرت ناک کہانی ہے۔'' میرے خاموش ہو جانے پر وہ تعجب سے بولا ''تمہیں بر وقت کیسے خیال آگیا کہ اس کتے کی ملکیت کا دعویٰ سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔''

''ابتدا میں میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔'' میں نے ایمان داری سے بتایا ''میں ان اطراف میں پہنچنے کے کسی بہانے کی تلاش میں تھا۔ ان کے ہاتھوں کتے کی موت کی تصدیق ہوئی تو ایک ہی خیال سوجھا کہ میں اس کی ملکیت کا دعوے دار بن جاؤں۔ وہاں سے بات چلی تھی جو آخر کار ٹام کی ہلاکت پر ختم ہوئی۔''

''کتے کی لاش پر دو کمانڈوز بے جان پڑے ہوئے تھے۔ میں ان تینوں کو تمہارے حساب میں گن رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ دونوں تمہارے جال میں پھنس گئے؟''

''ہونے والی بات ہوکر رہتی ہے۔ میں نے اپنے پالتو کتے کی لاش کو پہچان لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''پہلا کمانڈو لاش اٹھانے میں میری مدد کرنے کے لیے آیا تھا۔ جب وہ بے جان ہوکر گر گیا تو میں نے بوکھلا کر دوسرے کو بلایا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی کچھ دیکھ بھال کرسکے۔''

''ایسے برجستہ خیال ہر ایک کے ذہن میں نہیں اگتے۔'' جلال نے توصیفی لہجے میں کہا ''میں شروع سے دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ تمہیں بر وقت بہت عمدہ بلکہ نادر نکتے یاد آتے ہیں۔''

''مجھے بہلانے کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ اب میں اس منزل سے گزر چکا ہوں جہاں انسان اپنی تعریف سننے کا خواہاں ہوتا ہے۔''

''بہت ہولناک اور بھرپور واقعہ تھا۔'' جلال میری بات کو نظر انداز کر کے بولا ''تین کمانڈوز سمیت ٹام کی موت پر ان میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بار انہوں نے زیادہ اودھم نہیں مچایا۔''

''اس کا اندازہ آج کے اخباری ضمیموں سے ہوگیا تھا۔'' ویرا نے کہا ''دو کمانڈوز زہر سے مارے گئے۔ فشر بھی

ایک زہر کے زیر اثر بے ہوش کیا گیا تھا۔ ان شہادتوں کے باوجود انہوں نے کھل کر ڈینی پر الزام تراشی نہیں کی۔‘‘

’’ادھم سے میری یہی مراد تھی۔‘‘ جلال نے اپنی بات کی وضاحت کی ’’اخبار والوں کے سامنے انہوں نے باوقار انداز اپنایا ہے مگر سرکاری سطح پر سارا نزلہ ڈینی کی ذات پر گرا ہے۔ جو باتیں اخباروں تک نہیں پہنچیں وہ خفیہ سرکاری ریکارڈ پر آ چکی ہیں۔ پوری شدومد کے ساتھ تم دونوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔‘‘

’’سرکاری موقف کیا ہے؟‘‘ میں نے پرخیال لہجے میں سوال کیا۔

’’ان کے سارے عملے کو ہدایت کی گئی ہے کہ کہیں بھی جانے سے قبل مقامی انتظامیہ کے سکیورٹی کلیرنس لیں اور پولیس گارڈز کے بغیر کہیں نہ جائیں۔‘‘ جلال بتانے لگا ’’وہ اس ہدایت پر کان نہیں دھرتے ان کو شبہ ہے کہ پولیس میں موجود کالی بھیڑیں ان کی نقل و حرکت کی اطلاع تخریب کاروں تک پہنچا دیں گی۔ انہیں صرف تم سے نہیں عالمی دہشت گردوں سے بھی خطرہ ہے جن کے متعدد ایجنٹ کراچی میں زیرزمین زندگی گزار رہے ہیں۔‘‘

’’شاید تمہاری بات ادھوری رہ گئی ہے!‘‘ میں نے اسے ٹوکا۔

’’میرا خیال ہے کہ میں نے پوری بات واضح کر دی۔ ٹام نے اپنی بیچ پارٹی کے بارے میں کوئی سکیورٹی کلیرنس لی تھی نہ انتظامیہ کو کوئی اطلاع دی تھی۔‘‘ وہ بولا ’’ہدایات اور ضابطوں کی اس سنگین خلاف ورزی کے پیشِ نظر مقامی انتظامیہ پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔‘‘

’’کیا یہ بات انہیں بتا دی گئی ہے؟‘‘ ویرا نے پوچھا۔

’’ان کا شکایت نامہ ملتے ہی تحریری جواب دے دیا گیا ہے۔ اسی خط میں پچھلے تمام واقعات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ اپنی دانست میں جس عمل کو احتیاط سمجھ رہے ہیں وہی ان کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو رہی ہے۔‘‘

میری اور سوبھراج کی ملاقات کے بارے میں جلال سمیت سب ہی تجسس میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کر دی۔

سوبھراج ایک بدنام مجرم تھا جس نے سیاست میں اپنا قد کاٹھ نکال کر اس سے ناجائز فائدے اٹھانے شروع کر دیے تھے۔ اس کی یہ بے راہ روی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کارروائی شروع کر دی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے واجب القتل تھا۔ سب کو حیرت تھی کہ وہ آیا، مجھ سے ملا اور صحیح سلامت واپس لوٹ گیا۔ جلال کی اطلاع کے لیے میں نے اپنی کہانی کے اختتام سے سلطان شاہ کی کارکردگی بھی جوڑ دی تاکہ اس کے ذہن میں مکمل صورتحال کے بارے میں کوئی شائبہ نہ رہے۔

’’مجھے اس کی باتوں پر بھروسا نہیں ہے وہ تمہیں فریب دے رہا ہے۔‘‘ پوری تفصیل جاننے کے بعد جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا ’’وہ گرین کوبرا کے بارے میں سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔‘‘

’’تم اسے جھوٹا کیسے کہہ سکتے ہو۔ فائل غائب ہے۔ اس کے ذمے دار عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ تم خود بتا چکے ہو کہ سکیورٹی افسر نے خود وہ فائل سوبھراج کو دی تھی۔ ان تمام شواہد کے باوجود تم اسے کیسے جھوٹا قرار دے رہے ہو؟‘‘ میں نے جرح کی۔

’’سب کچھ درست ہے۔ فائل سرکاری ریکارڈ سے نکل کر اس کے قبضے میں چلی گئی تھی اور واپس نہیں آئی مگر اب وہ اس کے پاس بھی نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ فائل راج محل کے ساتھ جل کر خاک ہو گئی ہو گی۔‘‘ جلال نے پرزور لہجے میں کہا۔

’’میری بھی یہی آرزو ہے۔ کاش ایسا ہی ہوا ہو۔ مگر ہمارے پاس ایسا ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’وہ اسی بات کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔‘‘ جلال بولا۔

’’مجھے اس میں شبہ ہے۔ اگر وہ جھوٹ بول رہا ہوتا تو آج پوری دیدہ دلیری سے مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آ سکتا تھا۔‘‘

’’تم نے اس کی دو باتوں پر یقین کر لیا ہے۔ وہ غیر مسلح تھا اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ تم نے ان میں سے کسی بات کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔‘‘

’’جب میں نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا تھا تو میں نے ہاتھ مار کر اس کی جیبیں دیکھ لی تھیں۔ وہ خالی تھیں۔ ہتھیار کے بوجھ سے جھولتی ہوئی جیبیں دور سے نظر آ جاتی ہیں......‘‘

’’پھر اس نے سلطان شاہ پر کیسے گولی چلا دی؟ اس کے پاس وہ ہتھیار کہاں سے آ گیا؟‘‘ اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

’’ہو سکتا ہے کہ پستول اس کی گاڑی میں پڑا ہوا ہو۔‘‘

’’سلطان شاہ نے اس کی گاڑی میں جھانک لیا تھا۔اس کے پائیدان میں سیٹ لائٹ فون کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔‘‘

’’اس وقت تم ویرا کی طرح بحث برائے بحث پر تل گئے ہو۔‘‘میں نے ایک لمبا سانس لے کر کہا’’کوئی اپنی گاڑی میں کھلے بندوں ہتھیار لے کر نہیں پھرتا۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ ایسی چیزوں کے لیے ڈیش بورڈ کا خانہ سب سے موزوں ہوتا ہے۔‘‘

’’اور اس کے اکیلا ہونے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟‘‘ویرا نے سوال کیا۔

’’اس کے ثبوت کے لیے سلطان شاہ کی کہانی کافی ہے۔‘‘میں نے جواب دیا’’اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو سلطان شاہ کے لیے بچ کر لوٹنا محال ہو جاتا۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست ہے۔تم اس کی بات پر یقین کرنے کے لیے ان دو نکتوں پر انحصار کر رہے ہو!‘‘ جلال نے تصدیق چاہی۔

’’یہ دو نکتے خاصے اہم ہیں۔جھوٹ بولنے والے کو خود اپنی بات پر یقین نہیں ہوتا۔اپنے جھوٹ کا سب سے بڑا گواہ وہ خود ہوتا ہے۔آدمی اندر سے متذبذب ہو تو وہ یوں بے خوفی سے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔‘‘ میں نے کہا۔

’’سوبھراج سب کچھ کر سکتا ہے۔‘‘اس وقت ویرا جلال کا ساتھ دے رہی تھی’’تم یہ بات بھول رہے ہو کہ آج کل اس کی زندگی ہر وقت خطرے میں ہے اسے بچانے کے لیے وہ کوئی جوا کھیل سکتا ہے۔اسے معلوم تھا کہ اس کا کارڈ مضبوط ہے۔وہ بے خوف ہو کر تمہارے سامنے آ گیا۔‘‘

جلال ابتدا سے اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ سوبھراج نے کافی دنوں کے بعد یکایک گرین کوبرا فائل کا ذکر چھیڑا تھا اس لیے یہ سو فیصد اس کا سوچا سمجھا جھوٹ تھا۔اس میں دور دور تک حقیقت نہیں تھی۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہم اس کا جھوٹ ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ہمیں مجبور ہو کر اس کی بات سننا پڑ رہی تھی۔

’’آج اس نے تمہیں نفسیاتی مات دی ہے۔‘‘ جلال نے اپنی بات آگے بڑھائی’’اس کی دھمکی کی پروا کیے بغیر تم اسے روک لیتے تو اس کا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔‘‘

’’اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ گرین کوبرا ایک غیر اہم فائل ہے۔‘‘ میں نے تیکھے انداز لہجے میں اس سے تائید چاہی۔

’’قطعی نہیں...... اس وقت وہ ہمارے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں جنگی پلان سے لے کر ایسے آبی ذخیروں کا ذکر بھی موجود ہے جو عام دنوں میں پاکستان کے بیشتر علاقوں کو بنجر کر سکتے ہیں۔بارانی موسم میں ان کے گیٹ کھول کر بالائی پنجاب کو تباہ کن سیلابی حالات سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔اس فائل کو بھارت سے نکال لانا تمہارا بہت بڑا کارنامہ تھا۔‘‘ فائل کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے جلال کچھ جذباتی ہو گیا۔

’’بس میں نے یہی سوچ کر اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ننانوے فیصد امکان تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن ایک فیصد شبہ سچائی کا بھی تھا یوں سمجھ لو کہ میں نے اس ایک فیصد کی وجہ سے وہ کڑوا گھونٹ پی لیا۔ میں زبانی دعویٰ نہیں کر رہا یہ حقیقت ہے کہ اس سے دشمنی کے معاملے میں‘ میں تم سب سے آگے ہوں۔‘‘

’’اس بارے میں بحث بے سود ہے۔‘‘ ویرا بولی’’ایک واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس پر تنقید کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ڈینی وہاں خود موجود تھا۔اس کی حاضر دماغی اور تیز مشاہدے کے ہم سب قائل ہیں۔اس نے اپنی دانست میں بہترین فیصلہ کیا ہوگا۔‘‘

’’میں تنقید نہیں کر رہا۔‘‘ جلال نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی’’گزرے ہوئے تلخ تجربات کا ناقدانہ جائزہ لے کر انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ٹام کی بات اور تھی وہ تمہارا اپنا معاملہ تھا جس سے مجھے یا میری ایجنسی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔سوبھراج کا قصہ مختلف ہے۔ہم سب کو اس کی تلاش ہے ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ اسی دھمکی کے ساتھ دوبارہ ہمارے سامنے آیا تو ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔‘‘

’’جب تک ہمیں پورا یقین نہیں ہو جاتا کہ فائل آگ میں جل کر تباہ ہو گئی تھی ہمیں اس کو ڈھیل دینا ہوگی۔‘‘ میں نے اسے اپنا بے لاگ فیصلہ سنا دیا۔

’’وہ پہلے سے پروگرام طے کر کے آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔‘‘ غزالہ نے زبان کھولی اور سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔وہ ابتدا سے خاموش بیٹھی پوری توجہ سے ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی’’اس کے پاس یہ عذر تھا کہ وہ ایک مقررہ وقت تک واپس نہ لوٹا یا اس نے کسی کو کوئی مخصوص پیغام نہ دیا تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ گرین کوبرا ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔آج سلطان شاہ نے دو

بڑے کام کیے ہیں۔ سوبھراج کو زخمی کیا ہے اور اس کی مرسڈیز کا نمبر لے آیا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسے تلاش کر کے اچانک پکڑ لیں۔ اس وقت وہ ایسا کوئی بہانہ نہیں بنا سکے گا۔ وہ کچھ کہے گا تو اس کی بات بے وزن ہوگی۔ اس وقت وہ سچ اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں نے سنا ہے کہ صدف مینشن کے در و دیوار مجرموں کا آدھا خون خشک کر دیتے ہیں۔''

''تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا'' سب سے بڑا مسئلہ اسے پکڑنے کا ہے۔ وہ پکڑا جائے تو سارا چکر ختم ہو جائے گا۔ ہاں اس کی گاڑی کے نمبر والی بات بہت اہم ہے میں ابھی اس کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔''

سلطان شاہ نے اسے سوبھراج کی مرسڈیز کا نمبر بتایا جو جلال نے فون پر اسی وقت اپنے کسی شناسا کو لکھوا دیا۔ اس سے ہونے والی گفتگو میں جلال نے اسے تاکید کی کہ وہ جلد از جلد اس گاڑی کے کوائف حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے وہ دفاتر کھلنے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری جانب سے کرائی جانے والی کسی یقین دہانی پر اپنے تشکر کا اظہار کر کے جلال نے فون بند کر دیا۔

''کار کا سراغ مل جاتا ہے تو میں اسے ذرا بھی مہلت نہیں دوں گا۔'' جلال کہہ رہا تھا'' ابھی اس کی پنڈلی زخمی ہے۔ اسے فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہوگی۔ وہ جہاں ہے وہیں زیر کیا جا سکتا ہے۔''

''فرض کرو کہ تمہارے موبائل فون نے غسل نہ کیا ہوتا اور میں تمہیں آج کی ملاقات کے بارے میں مطلع کر دیتا تو تمہارا کیا ردِعمل ہوتا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اسے گھیرنے کے لیے اپنے گھٹنے ٹیک دیتا۔ ساری نفری وہیں لگا دیتا۔ آج وہ بچ کر نہیں نکل پاتا'' جلال نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''میرے لیے تمہارا کیا مشورہ ہوتا؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''جب پہلے سے کچھ معلوم ہو تو کوئی مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ وقت پر جو بات سوجھ جائے وہی سب سے بہتر ہوتی ہے۔'' اس نے جواب دیا'' تم بہت ذہین اور حاضر جواب ہو۔ ویسے بھی میں تم کو کیا مشورہ دے سکتا تھا۔''

''وہ مجھے پونے آٹھ بجے والا ہوّا دکھاتا اور میں مجبور ہو کر اسے جانے کی اجازت دے دیتا۔'' میں اسے گھیرنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ یہاں تمہاری کہی ہوئی بات آ جاتی ہے۔ اگر اس کی سچائی کا ایک فیصد بھی امکان تھا تو وہ اپنی گاڑی میں واپس پہنچتے ہی فون پر اپنے آدمی کو مخصوص پیغام دیتا۔ گرین کو برا فائل کا سفر رک جاتا۔ وہ وہاں سے چلتا تو میرے آدمی اسے گھیر لیتے۔''

''ضروری نہیں کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا۔'' ویرا نے شوخ لہجے میں کہا'' دو حریف میدان میں ٹکراتے ہیں تو سوچی ہوئی چالیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اور تمہارے آدمی اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتے۔ راستے میں اسے دبوچ لیتے۔''

''یہ امکان بھی ہو سکتا تھا۔'' جلال نے اعتراف کیا۔

''اور وہ ایک فیصد خطرہ اسی طرح برقرار رہتا!'' میں نے کہا۔

جلال اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

جو ہو چکا ہوتا ہے اس کے بارے میں انسان ہزار پہلوؤں سے سوچتا ہے اور اسے اپنے پسندیدہ نتائج حاصل کرنے کے بہتیرے امکانات نظر آنے لگتے ہیں لیکن آنے والے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ اچانک سامنے آتا ہے اور انسان ایک اضطراری کیفیت میں پیش آمدہ حالات و واقعات سے نمٹتا چلا جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد جب وہی سب ماضی بن جاتا ہے تو انسان اضطرار کی حالت سے باہر آ چکا ہوتا ہے۔ اسے اپنے رویے میں بہتری پیدا کرنے کے بہت سے گر یاد آنے لگتے ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ ماضی کو لوٹانا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے چند سوالات کے ذریعے جلال کو یہ امر سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''اب تمہارے لیے دہرا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد جلال نے زبان کھولی۔

''کن خطروں کی بات کر رہے ہو؟'' مجھ سے پہلے ویرا نے سوال کر ڈالا۔

''پاکستانی ایجنسیوں کو ڈینی کی تلاش ہے جسے کوئی نہیں پہچانتا۔''

''یہ نہ کہو۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی'' تم سمیت بہت سے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ تم جب چاہو مجھے آہنی زیور پہنا سکتے ہو۔''

''لاحول ولا قوۃ!'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا'' میں ایسا

سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تمہارے حریفوں کی بات کر رہا تھا۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ اب سوبھراج نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اگر میرا یہ شبہ درست ہے کہ سوبھراج اپنے پرانے آقاؤں سے مل گیا ہے تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارا ایک حقیقی خاکہ جاری ہوسکتا ہے۔''

''یہ سر پر موم بتی جلا کر بگلا پکڑنے والی بات ہوگی۔'' میں نے اس امکان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ''میں اس پہلو پر غور کر چکا ہوں۔ انہیں میرے خاکوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ سوبھراج چاہتا تو ملاقات کے موقع پر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔''

''اس کوشش کے نتیجے میں وہ خود بھی مارا یا پکڑا جاتا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ زندہ رہنے کے لیے وہ ایسی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔''

''میں غیر ضروری بحث میں نہیں پڑتا۔ اگلے دو چار دن میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''خاکہ جاری ہوگیا تو میرا اندازہ غلط ثابت ہوجائے گا۔''

اس روز میں نے جلال کے رویے میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ میرا ہم خیال ہوتا تھا اور بڑھ چڑھ کر میرے ہر قول و فعل کی تائید کرتا رہتا تھا لیکن اس دن وہ ہر بات میں اٹک رہا تھا۔ سوبھراج کے پاس گرین فائل کے ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں اس سے پہلی بار جو اختلاف ہوا تھا وہ شاید اس کے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

وہ پڑھا لکھا، تجربے کار اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے کھل کر کسی بڑے اختلاف کا مظاہرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے طور طریقوں کی تبدیلی میری نظروں میں کھٹک رہی تھی۔ ان دنوں مجھے اس کی مدد اور معاونت کی ضرورت تھی۔ میں نے غیر محسوس تلخی کو وہیں تک محدود رکھنے کی نیت سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی بھی موضوع پر اس سے بحث نہیں کروں گا۔ اس نے کہیں بھی کوئی اختلافی نکتہ اٹھایا تو میں خاموشی اختیار کر کے بات کو ٹال دوں گا۔

''تم آگئے لیکن اول خان کل رات سے غائب ہے۔'' ویرا سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد دھواں اگلتے ہوئے جلال سے کہہ رہی تھی۔

''وہ بھی کہیں پھنسا ہوا ہوگا۔ ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعے کے بعد کراچی میں غیر اعلانیہ ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے۔ کیا اس آپریشن میں ایس ٹی ایف بھی تمہارے ساتھ شامل تھی؟'' جلال نے وضاحت کرنے کے ساتھ سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف نہیں، صرف دو آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ اول خان اور ایک ڈرائیور تم جانتے ہو کہ وہ لوگ ہرفن مولا ہوتے ہیں ضرورت پڑتی تو وہ ڈرائیور بھی اپنے سپاہیانہ جوہر ضرور دکھاتا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔''

''انہوں نے شکایت کی ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے۔'' جلال بولا ''اس بار اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

''ٹام اور فشر ان کے ساتھ زیادتیاں کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انہیں ہمارا ممنون ہونا چاہیے کہ انہیں ایسی کارروائیوں سے بچا لیا گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے ان کا نشہ ہرن کرنے کے لیے انہیں بے ہوش کر کے ساحل پر ڈال دیا تھا۔'' ویرا نے اپنی کارکردگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا ''وہاں سے انہیں کچھ لڑکے اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کے ساتھ کوئی ناروا حرکت کی ہو تو ہم اس کے ذمے دار نہیں ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے بات کا بتنگڑ بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔''

صاف پتا چل رہا تھا کہ جلال نے میری خفگی کا اندازہ لگا لیا تھا اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے بار بار موضوع بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے اختلاف رائے اپنی جگہ پر تھا مگر میرے دل میں اس محنتی اور فرض شناس افسر کی بڑی قدر تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس وقت وہ ہمارے گھر آیا ہوا مہمان تھا۔ میں نے کسی اختلافی مسئلے میں الجھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا ''ابھی اول خان کی بات ہورہی تھی اس نے پورے مشن میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا لیکن اتفاق سے کلیدی کردار مجھے ادا کرنا پڑا۔ ٹام کی گردن میرے ہاتھوں ٹوٹی تھی۔ فشر کو بھی میں نے بے ہوش کیا تھا۔ کتے کی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز میرا شکار ہوئے تھے۔ تیسرے کو ویرا نے اپنی گولی کا نشانہ بنالیا تھا۔''

''یہ باتیں میں جاننا چاہ رہا تھا۔'' جلال نے گہری دلچسپی کے ساتھ کہا ''وہاں پہلی گولی چلنے کے ساتھ ہی میرے آدمیوں نے اپریٹس پر مار دھاڑ شروع ہونے کی خبر دے دی تھی لیکن انہیں دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لیے وہ پوری تفصیل نہیں جان سکے۔ بقیہ اعداد و شمار پولیس کے ذریعے

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پاکر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپالیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹادیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتادیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تروتازہ محسوس کروگے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کررہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جاسکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کررہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوادوں گا۔''

حالات کا ذکر کرکے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کرلو۔'' جلال نے مجھے خاموش پاکر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہوکر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہوجاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جاسکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کردیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کررہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کرسکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جاکر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترقی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کرکے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا' ویرا کا لب ولہجہ یکایک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر لٹکی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھمادیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کرلی ''بات غزالہ کے جانے کی ہورہی تھی۔

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ بھی نہیں!'' ویرا نے معصومیت سے کہا'' وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے' بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی'' بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔''

''مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟'' جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب و ہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔''

''تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا'' پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔''

''اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا'' تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔''

''سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔'' ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی'' ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے'' کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈ از گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر کر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپنشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھمبا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جو لگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالانشیں، پائیدار، فائدے بے شمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب ''لب دوست'' سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پاکر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹا دیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تروتازہ محسوس کرو گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''

حالات کا ذکر کر کے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کر لو۔'' جلال نے مجھے خاموش پاکر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہو جاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کر سکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جا کر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترقی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کر کے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا' ویرا کا لب و لہجہ یکا یک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھما دیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کر لی ''بات غزالہ کے جانے کی ہو رہی تھی۔

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ بھی نہیں!'' ویرا نے معصومیت سے کہا'' وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے' بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی'' بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔''

''مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟'' جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب وہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔''

''تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا'' پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔''

''اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا'' تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔''

''سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔'' ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی'' ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے'' کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈ از گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر کر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپنشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھمبا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جو لگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بےخبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بےفکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالا نشیں، پائیدار، فائدے بےشمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب ''لے دست'' سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

''یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ اس نے اتنی عجلت میں یہاں سے بھاگنے کا ارادہ کرلیا ہوتا تو وہ مجھ سے ملنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ فی الحال میرے ذہن میں صرف چھوٹا راجن ہے۔ آس پاس کے ملکوں میں پھیلے ہوئے بھارتی بدمعاش ہمیشہ سے میری دلچسپی کا مرکز رہے ہیں۔ اب سوبھراج کے حوالے سے چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا ہے تو میں دیکھنا چاہوں گا کہ یہ لوگ دوسرے ملکوں میں رہ کر اپنا نیٹ ورک کیسے چلاتے ہیں۔''

''یہ اچھا ہے کہ اس وقت جلال بھی یہاں موجود ہے۔'' ویرا کچھ سوچتے ہوئے بولی ''میری التجا ہے کہ اس سفر میں مجھے بھی شامل کرلو۔ ایک اجنبی سرزمین پر تم شدت سے افرادی قوت کی کمی محسوس کروگے۔ میں وہاں تمہارا ہاتھ بٹا سکوں گی۔ یہاں رکی رہی تو سلطان شاہ دو چار دنوں میں مجھے پاگل کردے گا۔''

''تمہارے اعصاب اتنے کمزور نہیں ہیں۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے ویرا کی تعریف کی ''میں تمہاری بہت سی صلاحیتوں کا معترف ہوں۔ میری پیشہ ورانہ زندگی میں تم جیسی دلیر اور صاف گو لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔''

''صاف گو سے زیادہ منہ پھٹ بہتر ہے گا۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''صاف گوئی میں اکثر یہ محسوس ہونے لگتا ہے۔'' جلال نے میری تائید کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اپنی ان صفات کے باوجود تمہارا بنکاک جانا مناسب نہیں رہے گا۔''

''مجھے روکنے کے لیے تم نے خاصی لمبی تمہید باندھی ہے۔'' ویرا نے منہ بنا کر کہا ''کیا میں جان سکتی ہوں کہ میری تفریح کو تم کیوں نامناسب قرار دے رہے ہو!''

''وہ تمہید نہیں تھی۔ میں نے پورے خلوص سے اپنے دل کی بات کہی تھی۔'' جلال بولا ''تم ایک جانی پہچانی شخصیت کی مالک ہو۔ تمہارے دشمن تمہیں دنیا کے ہر خطے میں بہت آسانی سے شناخت کرسکتے ہیں۔ ڈینی کا معاملہ مختلف ہے یہ اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہے اب تک صرف سوبھراج نے اسے دیکھا ہے۔ تم ساتھ گئیں تو ڈینی کے پہچانے جانے کے امکانات بہت بڑھ جائیں گے۔ تم دونوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہوجائے گا۔''

''بھارت کے سفر میں بھی یہ مسئلہ درپیش تھا۔'' ویرا کے پاس جلال کی دلیل کا جواب تیار تھا ''ہم نے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر اس کا توڑ کرلیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ بنکاک میں بھی یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔''

''میں نے اپنی رائے دے دی۔'' جلال نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے دوٹوک جواب دیا ''اگر تم لوگ اس سے مختلف فیصلہ کرتے ہو تو مجھے تمہارے سفری کاغذات بنوانے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ڈینی اور غزالہ کے ساتھ تمہارا پاسپورٹ بھی آجائے گا۔''

''اسی وجہ سے میں تمہاری موجودگی میں فیصلہ کرنا چاہ رہی ہوں۔'' ویرا نے اصرار کیا ''تینوں کا کام ایک ساتھ ہوجانا چاہیے۔''

''اتنی بے تابی کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ویرا کو سمجھایا ''پاکستانی پاسپورٹ پانچ سال کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔ اول خان نے بھارت کے سفر کے لیے جو پاسپورٹ بنوائے تھے وہ ابھی کارآمد ہوں گے۔ سفر کے لیے صرف ویزا درکار ہوگا۔''

''گڈ......کام بہت آسان ہوجائے گا۔ ویزا ایک دن میں مل جائے گا۔'' جلال کے لیے وہ اطلاع سودمند ثابت ہوئی۔ ''سفر کے لیے کچھ طے کرلو تو مجھے بتادینا۔''

''جانے سے پہلے میں چھوٹا راجن کا فون نمبر لینا چاہوں گا۔'' میں نے اس بات کو وہیں ختم کرنے کے لیے جلال سے فرمائش کی۔

میرا وہ مطالبہ سن کر جلال چونک کر بولا ''کیا تم ابھی سے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا ذہن بن گیا تو میں اسے فون کرنے سے پہلے تم سے مشورہ ضرور کروں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''میں تھوڑی دیر میں تمہیں اس کا فون نمبر دے دوں گا۔'' اس نے وعدہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی ''بنکاک سے موصول ہونے والی فیکس رپورٹوں میں اس کے بارے میں خاصی معلومات مل جائیں گی۔ وہ ریکارڈ تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔''

جلال روانگی کے ارادے سے ڈرائنگ روم سے نکاس کے راستے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اپنی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پرپرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکر اتار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد

دیگر ے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور نام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

اب آپ قسط نمبر 242 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''جلال کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ تمہارے موبائل فون کی گھنٹی بج رہی ہے!'' ویرا نے چڑ کر مجھے یوں مطلع کیا جیسے مجھے اس حقیقت کا علم نہ ہو۔

''مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کال میرے لیے آئی ہے تو جلال کو رکنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے ویرا کو جواب دیا ''میں بہرا نہیں ہوں۔ میں نے اپنے فون کی گھنٹی سن لی ہے۔''

اس اثناء میں فون کی دوسری گھنٹی بج اٹھی تھی۔ میں نے جلدی سے بٹن دبا کر موبائل فون اپنے کان سے لگا لیا۔

''لعنت ہو تم پر۔ تم بہت جھوٹے اور مکّار ہو!'' سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے سوبھراج کی بپھری ہوئی آواز ابھری۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کی تھی کہ اس کی کال میں نے ہی وصول کی تھی یا میرا فون کسی اور کے استعمال میں تھا۔

''تم کو یہ اطلاعات کس اُلّو کے چرخے سے ملی ہیں؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں سوال کیا۔

''میری بات اڑانے کی کوشش مت کرو۔'' سوبھراج کا وہی لہجہ برقرار رہا ''میں تم سے دوستی کا پیغام لے کر خالی ہاتھ اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ میں نے اپنے سارے کارڈز تمہارے سامنے رکھ دیے تھے لیکن تمہاری نیت میں ابتدا سے فتور تھا۔ پارک ٹاورز کے باہر تمہارے مسلح غنڈے موجود تھے جو میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔''

سچ بولنا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ اس سے ذہن پر کوئی بوجھ پڑتا ہے نہ آگے چل کر یادداشت کے کسی کڑے سے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو بات جس طرح رونما ہوتی ہے اسی طرح یاد رہتی ہے جھوٹ بولا جائے تو کچھ دنوں کے بعد یہ یاد نہیں رہتا کہ کس موقع پر کس سے کیا کہا گیا تھا۔ سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو جاتا ہے مگر سوبھراج ٹیڑھا آدمی تھا۔ وہ جس طرح دھمکی دے کر میرے سامنے سے واپس لوٹا تھا اس کی روشنی میں اس کو چکر دینا بہت ضروری ہوگیا تھا۔ میں نے کسی توقف کے بغیر کہا ''تم کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تمہاری طرح میں بھی وہاں اکیلا پہنچا تھا۔''

بات اس کے لیے ناقابل یقین تھی مگر میرا لب و لہجہ اتنا پُراعتماد تھا کہ وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''وہ تمہارا آدمی نہیں تھا تو پھر کون تھا؟'' فون پر اس کی پُرتشویش آواز ابھری۔

''تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ کچھ پتا چلے تو میں اپنی رائے دے سکوں گا۔ میں صاف ستھری لڑائی لڑنے والا آدمی ہوں۔ تم نے گرین کوبرا والا چکر نہ چلایا ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم فوڈ کورٹ سے اپنی مرضی سے کیسے جاتے ہو!''

میری وہ دو رخی حکمت عملی کامیاب رہی۔ میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اسے دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس سے میرا رابطہ ختم نہ ہوتا کہ مجھے اس کے ارادوں کی کچھ نہ کچھ سن گن ملتی رہے۔ وہ اپنے سیٹ لائٹ فون پر میری آواز سنتے تو نفرت اور غصے سے فون بند نہ کرے۔ اس سے وہ صوتی رابطہ ٹوٹ جاتا تو کراچی میں انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں مڑی ہوئی ناک والے اس مردود کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا۔

فوڈ کورٹ میں سامنا ہونے کے بعد بات جہاں ختم ہوئی تھی۔ وہاں اس سے دوبارہ بات ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے اشتعال اور غصے کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے لیے فون کر کے مجھے اپنی ساکھ دوبارہ بحال کرنے کا سنہرا موقع فراہم کیا تھا جسے میں کسی قیمت پر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا......!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

''کہو تو لکھ کر دوں کہ تمہارے رام کی قسم کھاؤں۔ تمہیں کیسے یقین آئے گا میری بات کا؟'' اس بار میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ راہِ راست پر لانے کے لیے اسے اس قسم کے جھٹکے دینے ضروری تھے۔ میرا مفاہمانہ انداز اس وقت نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''تمہارے پاس سے واپسی پر کسی نے سفید رنگ کی ایک کرولا میں میرا پیچھا کیا تھا۔'' آخر کار اس نے تشویش زدہ آواز میں ذکر کیا۔

میرا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ پلان میرا تھا مگر سلطان شاہ نے اس پر بہت خوش اسلوبی سے عمل کیا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ تھا کہ سوبھراج مجھے اپنی پریشانی کی کتھا سنا رہا تھا۔

''باہر میرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ تم میرے پاس سے بھڑک کر بھاگے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں وہم ہوا ہوگا۔'' میں اسے مزید کھلنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا۔

''میں بہت محتاط ہو گیا ہوں۔ باہر نکلتا ہوں تو سب سے پہلے چند بے مقصد چکر لگا کر یہ دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی میرے پیچھے تو نہیں لگا ہوا ہے۔'' وہ پُرخیال آواز میں کہہ رہا تھا ''پارک ٹاورز سے نکلنے کے بعد میں اسی خیال سے میرین ڈرائیو پر کافی دور تک نکلتا چلا گیا۔ وہاں وہ خود کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

''یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔'' میں اسے چڑانے پر تل گیا ''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو گاڑیاں میلوں دور تک ایک دوسری کے پیچھے دوڑتی چلی جاتی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے غرض نہیں ہوتی۔ آگے والے کے ہاتھ پیر پھولنے لگتے ہیں کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔''

''تم وہی مرغے کی ایک ٹانگ لیے بیٹھے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ پیچھا کیا گیا تھا۔'' میری مسلسل تکرار پر اسے طرارہ آ گیا ''ہمارے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس کی ایک گولی میری پنڈلی کا گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ اب تم کہو گے کہ وہ زخم بھی میرا وہم ہے۔''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔'' اس بار میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

''کیوں......؟ تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے...... یہ نہ کہنا کہ میرے زخمی ہونے کی خبر نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔ مجھ سے یہ ڈھکوسلا نہیں چلے گا۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں وحشیانہ چمک دیکھی تھی۔ تمہارا بس چلتا تو تم فوڈ کورٹ میں مجھے مار ڈالتے۔''

''اچھا ہوا کہ اس نے تمہاری پنڈلی توڑ دی......''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا ''صرف زخم آیا ہے۔ ہڈی سلامت ہے۔ میں خود اپنی کار چلا کر واپس آیا ہوں۔''

''مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے یا صرف زخم آیا ہے مجھے اپنی سلامتی کی فکر ہو گئی ہے۔ تمہارا تعاقب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کسی حماقت کی وجہ سے کسی تیسرے فریق کو ہماری ملاقات کا علم ہو گیا تھا۔ اس کے کسی آدمی نے تمہارا پیچھا کیا تھا تو لامحالہ میں بھی اس کی نظروں میں آ گیا ہوں گا۔ اب مجھے ازسرنو سارے معاملات کو دیکھنا پڑے گا۔ میں اسی وقت موجودہ ٹھکانا چھوڑ رہا ہوں۔'' میرے ذہن میں اچھوتے خیالات کی یلغار شروع ہو گئی تھی۔

دوسروں کو ستانے والا خود بھی سکھی نہیں رہتا۔'' اس کی آواز سے گہری سنجیدگی جھلک رہی تھی ''اسے آپس کی پھوٹ، جگت کی لوٹ کہتے ہیں۔ میرے ساتھ تم بھی پریشان ہو گئے۔ تیسرا آدمی ہم دونوں کو رگید دے گا۔''

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔

''گالیاں سنانے کے لیے!'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''میں تم کو اپنے مسائل کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔''

''میرا وقت برباد مت کرو۔ میں فرصت میں کسی وقت بات کروں گا۔ اس وقت مجھے یہاں سے بستر بوریا سمیٹ کر کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

اسے متاثر کرنے کے لیے میں نے فون بند کر دیا۔

''یار! تم مجھے صرف ایک بات بتا دو!'' میری گفتگو ختم ہوتے ہی جلال نے پُراشتیاق لہجے میں کہا ''تمہارے بھیجے میں یکایک ایسی پُرپیچ باتیں کہاں سے اترنا شروع ہو جاتی ہیں؟'' وہ میرے یک طرفہ مکالموں سے بڑی حد تک صورت حال کا اندازہ کر چکا تھا۔

''اللہ کی دین ہے!'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''جب بھی کوئی آڑا وقت آتا ہے، کسی کوشش کے بغیر دماغ تیزی سے اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔''

''ڈینی نے اُلّو کا گوشت کھایا ہوا ہے۔'' ویرا نے تیزی سے کہا ''مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنی روانی سے خرافات کا دریا کیسے بہا دیتا ہے۔''

''روایت ہے کہ اُلّو کا گوشت کھا کر آدمی زن مرید ہو جاتا ہے......'' غزالہ نے میرے دفاع میں کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

''یہ یہاں کی روایت ہوگی۔ میں مغرب کی بات کر رہی تھی۔ وہاں اُلّو کو عقل و دانش کی علامت سمجھا جاتا ہے۔''

''تم اسے مسلسل بولتے رہنے پر اکسا رہے تھے پھر تم نے فون کیوں بند کر دیا؟'' جلال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''میں نے اگلے رابطے کی داغ بیل ڈالی ہے۔'' میں

نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "مجھے قلق تھا کہ گدھے کے ساتھ رسی بھی ہاتھ سے گئی۔ فوڈ کورٹ سے وہ بچ کر صاف نکل گیا تھا۔ وہاں تلخی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے فون پر دوبارہ بات ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔" میں نے لحہ بھر خاموش رہنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "کال اس کی تھی۔ میں نے عجلت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا ہوگا کہ اس کے زخمی ہونے کی خبر سن کر میں اپنی سلامتی کے بارے میں واقعی فکر مند ہو گیا ہوں۔"

"اس کی تسلی کے لیے تمہیں کوئی تیسرا فریق پیدا کرنا پڑے گا۔" جلال نے مسکرا کر کہا "ٹام کی موت کے بعد یہ آسان کام نہیں ہوگا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اس نے اپنی گفتگو میں ٹام کے قتل کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔" ویرا اچانک بولی۔

"تم ذہنی طور پر اس وقت کہیں اور ہو۔" سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا "پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں وہ ٹام کے بارے میں کھل کر باتیں کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے ذکر کی کیا تک ہوتی؟"

"میں تم سے نہیں، سمجھ دار لوگوں سے بات کر رہی تھی۔" ویرا نے متانت سے جواب دیا "جلال اور ڈینی میرے اس استعارے کو سمجھ چکے ہیں۔"

"اسے تیسرا فریق قرار نہیں دیا جا سکتا۔" جلال بولا "ٹام کی موت کے ساتھ ان لوگوں کا فتنہ کافی دنوں کے لیے دب گیا ہے۔ یہ بات سوبھراج بھی جانتا ہوگا کہ ٹام کے قتل کے بعد وہ اتنی تیزی سے میدان میں نہیں اتر سکتے۔"

"ہمیں اس نکتے پر اپنا سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے کہا "تیسرے فریق کا شوشا میں نے چھوڑا تھا۔ یہ سوبھراج کا دردِ سر ہے کہ وہ اسے تلاش کرے۔ یہ اچھا ہے کہ اس کی توجہ کسی اور طرف بھی بٹی رہے گی۔"

پارک ٹاورز میں سوبھراج سے میری کڑوی کسیلی گفتگو اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ اس کے ہلکے پھلکے بارودی تصادم کے بعد میری دانست میں اس سے دوبارہ رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان کھلی محاذ آرائی کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے جھلاہٹ کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے ارادے سے فون کر کے وہ رکاوٹ دور کر دی تھی۔

وقتی طور پر میں نے کسی تیسرے فریق کا ذکر کر کے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ کچھ غور کرنے کے بعد میں کوئی مناسب پلان بنا کر اسے گھیرنے کی از سرِ نو کوشش کر سکتا تھا۔

اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ خیال بھی کھٹک رہا تھا کہ قاسم کے بیان کے مطابق سوبھراج ایران سے پاکستان واپس آیا تھا۔ میرے ساتھ مراسم میں خرابی پیدا ہونے سے پہلے بھی سوبھراج مجھ پر پوری طرح اعتماد نہیں کر رہا تھا لیکن لاسلکی رابطے پر ہونے والی باتوں میں وہ کئی بار یہ عندیہ دے چکا تھا کہ پاکستان میں اس کے لیے حالات کا رخ سازگار نہ رہا تو وہ خاموشی سے باہر چلا جائے گا۔

شاید اسے ایف بی آئی کے قاتلوں سے کچھ زیادہ ہی خوف آنے لگا تھا کہ وہ قاسم کے ذریعے شیدے وغیرہ کو جہانگیر کو اغوا کرنے کی ذمے داری سونپ کر کسی سے کچھ کہے سنے بغیر، کسی غیر روایتی راستے سے ایران کی طرف فرار ہو گیا۔

قاسم سے جہانگیر کے کامیاب اغوا کی خبر سننے کے بعد وہ عجلت میں ایران سے دوبارہ سرحد عبور کر کے کراچی پہنچا لیکن وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ہم اس سے پہلے قاسم کے گھر پہنچ کر جہانگیر کو آزادی دلا چکے تھے۔

جہانگیر کے ذریعے میری ذات تک پہنچنے کا خواب چکنا چور ہونے کے بعد مجھے سوبھراج کا زیادہ دیر تک پاکستان میں رکنا محال نظر آ رہا تھا۔ اپنے قول کے مطابق اس نے اپنے کسی بینک کے لاکر سے گرین کو برا فائل بھی حاصل کر لی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کراچی میں رک کر کسی تیسرے فریق کے کھوج میں اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ چپ چپاتے ایک مرتبہ پھر پاکستان سے نکل جائے گا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کی ایسی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو اور میں اسے پاکستان کی حدود میں ہی کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

انسان اپنے کسی مضبوط حریف کے خلاف صف آرا ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کی سب خواہشات پوری ہوتی چلی جائیں۔ اگر سوبھراج مجھے جُل دے کر پاکستان سے بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ ایران میں زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا تھا۔

پہلی بار خطرے کا ادراک کرتے ہی اس نے بنکاک کا رخ کیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہاں اس کے مضبوط روابط رہے ہوں گے۔ اس دوران میں چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس بار سوبھراج نے پاکستان چھوڑا تو ابتدائی مرحلے میں ایران کا رخ کرنے کے باوجود وہ بنکاک پہنچنے سے پہلے دم نہیں لے گا۔

اس اندیشے کی بنا پر میں نے جلال سے چھوٹا راجن کے فون نمبر کی فرمائش کی تھی۔ ویسے بھی وہ ٹام کے قتل کے بعد پیدا

ہو جانے والے حالات کی روشنی میں مجھے پاکستان سے عارضی طور پر کہیں نکل جانے کا مشورہ دے چکا تھا۔ وہ ایک اہم اور ذمے دار سرکاری افسر تھا۔ اس سے زیادہ کھل کر وہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا تھا۔

جلال کے پُرخلوص مشورے میں یہ حقیقت بھی پنہاں تھی کہ وقت کا دھارا میرے حق میں نہیں رہا تھا۔ میں کسی ناگہانی مصیبت کی زد میں آجاتا تو جلال میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ گفتگو کا دور چلتا رہا لیکن میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔

میرے موبائل پر سوبھراج کا فون آنے سے پہلے جلال وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھ گیا تھا۔ فون کی گھنٹی سن کر وہ رک گیا۔ میری اور سوبھراج کی گفتگو کے دوران وہ واپسی کا ارادہ ملتوی کر کے ایک صوفے پر ٹک گیا۔ اپنی سوچ کے دھارے میں بہتے ہوئے یہ خیال رہ رہ کر میرے ذہن میں ابھر رہا تھا کہ جلال نے دوبارہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ جم کر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اسے کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کا انتظار ہو۔

''تم نے اپنی بات بہت خوب صورتی سے نبھائی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا ''تم بے ساختہ اس کی ہر بات کا جواب دے رہے تھے۔ تمہاری کہانی میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس پر پوری طرح اعتبار کر لینے کے بعد وہ فکر مند ہو گیا ہوگا کہ ایف بی آئی والوں کے علاوہ اور کون اس کا پیچھا کرسکتا ہے۔''

''اصولی طور پر اسے زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''ہوسکتا ہے کہ تمہارے نظریے کے مطابق اس نے ٹام کے پس ماندگان کو خارج از امکان تصور کر لیا ہو مگر وہ جانتا ہے کہ اب وہ پاکستان میں اپنے ہر مرتبے اور اعزاز سے محروم ہو چکا ہے' اسے اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔ پولیس کے علاوہ ساری ایجنسیاں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہوسکتا ہے۔''

جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے بہت تحمل اور خاموشی سے ویرا کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ وہ چپ ہوگئی تو جلال بولا ''ایجنسی کوئی بھی ہو' سرکاری ہرکاروں کا اپنا ہی انداز ہوتا ہے۔ بڑے مجرموں سے کوئی اکیلا نہیں ٹکراتا۔ وہ اپنے شکار کا خاموشی سے پیچھا کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے ایسے موقع پر گھیرتے ہیں جہاں سے اس کا زندہ بچ نکلنا ممکن ہوتا ہے۔ سوبھراج بہت گھاگ مجرم ہے۔ وہ اس نکتے کو سمجھتا ہے۔ وہ سلطان شاہ سے ہونے والے ٹکراؤ کے بارے میں کسی مغالطے کا شکار رہا تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''ہمیں اس کے ذہن میں جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اچانک غزالہ بول اٹھی ''کیا ہمارے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس وقت اس نے ڈیبی کی اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ اس سے ٹکرانے والا ان کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔''

''میرے لیے سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔'' جلال نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا ''مجھے ڈیبی کا یہ انداز اچھا لگا کہ وہ اپنے دشمن کی ٹھکائی کرنے کے بعد اسے پچکارنے کا فن جانتا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری چلائی ہوئی گولی اس کی پنڈلی کی ہڈی توڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔'' سلطان شاہ متاسفانہ لہجے میں بولا ''موجودہ زخم کے باوجود وہ پوری آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کرسکتا ہے۔ ہڈی ٹوٹ جاتی تو وہ کچھ دنوں کے لیے معذور ہو جاتا اور ہمیں اس تک پہنچنے کا موقع مل جاتا۔''

''تمہارے ہر کام میں کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے۔'' ویرا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''ذرا دیکھ بھال کر فائر کرتے اور اسے وہیں لنگڑا کر دیتے تو اس کی کہانی ختم ہو جاتی۔ وہ اپنی گاڑی میں نہ بھاگ پاتا' تم آسانی سے اس کی گردن ناپ لیتے۔''

''کیوں اس بے چارے کی ٹانگ کھینچ رہی ہو۔'' جلال نے سلطان شاہ کی طرف داری کی ''دوبدو ہونے والے مقابلوں میں گھات یا نشانہ لگانے کی نوبت نہیں آتی۔ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ سلطان شاہ کے بس میں ہوتا تو یہ سوبھراج کو وہاں سے زندہ نہ نکلنے دیتا۔''

''قسمت کسی کا ساتھ دے رہی ہو تو اسے مار گرانا ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔'' میں نے وہ بحث وہیں ختم کرنے کی کوشش کی اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا ''اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کھانا ہمارے ساتھ کھالو!''

''میں سوبھراج کے فون کی وجہ سے جاتے جاتے رک گیا تھا۔ تمہیں فرار کے لیے خاصا وقت مل گیا ہے۔ تم اسے دوبارہ فون کر لو تو میں سکون سے واپس لوٹ سکوں گا۔'' وہ بولا ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ کن خطوط پر سوچ رہا ہے۔''

لمحہ بھر کے لیے میں الجھ گیا۔ اس کی بات فوری طور پر میرے پلے نہیں پڑسکی تھی لیکن پھر اس کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔ میں نے سوبھراج سے گفتگو کے اختتام پر یہ فرضی عذر پیش کیا تھا کہ اس کے زخمی ہو جانے کے بعد مجھے بھی تیسرے فریق کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس کے سدِّباب کے لیے ضروری تھا کہ میں کسی تاخیر کے بغیر اپنا ٹھکانا تبدیل کر لوں۔ جلال نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

مجھے سوبھراج سے بات ختم کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ایک مقام سے نکل کر کسی دوسری جگہ تک پہنچنے کے لیے وہ وقت زیادہ نہیں تو مناسب ضرور تھا۔

''میں نے اس سے کل بات کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تم کہتے ہو تو ابھی بات کیے لیتا ہوں۔'' اس کی بات سمجھتے ہی میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اب تمہیں اس کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ پتا نہیں وہ کب کیا کر بیٹھے!'' جلال نے زور دے کر جواب دیا۔

''اس کے علاوہ تمہیں بھی اپنا فیصلہ کرنا ہے۔'' ویرا نے اس کی تائید کی'' ٹام کی موت کے بعد وقت کا پہیہ تمہارے خلاف گردش میں آ چکا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کب گمبھیر رخ اختیار کر لیں۔ تمہیں اس کا قصہ ابھی نمٹا لینا چاہیے۔''

میں نے مزید کچھ کہے بغیر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔

''اب سناؤ' تم کیا کہہ رہے تھے!'' میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

''اوہ......! تم نے بہت تیزی سے اپنا ٹھکانا تبدیل کیا ہے۔'' اس کی آواز سے ہلکی سی حیرت مترشح تھی'' میں آج کی تاریخ میں تمہارے فون کی توقع نہیں کر رہا تھا۔''

''میں تمہاری طرح کسی راج محل میں نہیں رہتا جسے آگ لگائے بغیر بھاگنا ممکن نہ ہو۔'' میں نے اپنے لہجے میں نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا'' میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔ تن کے دو کپڑوں اور چند دفاعی ہتھیاروں کے ساتھ ذرا سی دیر میں ایک سے دوسری جگہ جا سکتا ہوں۔ باقی ضروریات خود بخود پوری ہو جاتی ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دفاعی ہتھیار بہت خوفناک ہیں۔'' اس نے کہا'' پہلے تمہاری بیم گن کا بہت شہرہ تھا۔ لیزر شعاعوں سے بدن میں سوراخ ہونے کی وجہ سے مرنے والوں کی لاشیں دیکھتے ہی شور مچ جاتا تھا کہ اسے تم نے مارا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری وہ گن اب ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب تمہارے شکار زہریلی سوئیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ تم روایتی ہتھیاروں کے استعمال سے گریز کرتے ہو۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں ہر داؤ اور ہتھیار استعمال کرتا ہوں۔ اپنے بچاؤ کے لیے اگر دشمن کو دانتوں سے کاٹنا پڑے تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''مجھے اس کا بھی اندازہ ہو چکا ہے۔ ٹام کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی پائی گئی ہے۔'' اس کی آواز معنی خیز ہو گئی'' اگر تم نے کمانڈوز اور ٹام کے دوست پر زہریلی سوئیاں نہ آزمائی ہوتیں تو اس واقعے کو آسانی سے تمہارے سر نہیں تھوپا جا سکتا تھا۔''

''کیا تم مجھ سے اس واقعے کی تفتیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں اس کے سوال پر چونکنا ہو گیا۔

''ان کی کل تعداد سات تھی۔'' سوبھراج نے اسی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی'' چار مارے گئے تین کو بے ہوش کر دیا گیا۔ مرنے والوں میں دو اور بے ہوش ہونے والوں میں سے ایک کی جلد میں زہریلی سوئی چبھنے کا نمایاں نشان موجود تھا۔ ہر باخبر شخص سمجھتا ہے کہ وہ تینوں تمہارے ہاتھوں اس انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ٹام کی بات سیدھی سی ہے۔ تم نے اسے آسان موت مارنا پسند نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں سے مرمت کرنے کے بعد اس کی گردن توڑ دی۔ اس وقت تین امریکی جانوں کا تازہ وبال تمہارے سر آ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گولی کا نشانہ بننے والا کمانڈو بھی تمہارا شکار ہوا ہو۔''

''شہر میں مارے جانے والے ہر امریکی کا خون میں کرتا ہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا'' ان لوگوں کا بس نہیں چلا ورنہ خلیج کے سمندر میں گیری ہارٹ کا ہوائی جہاز غرق ہونے کی ذمے داری بھی میرے سر ڈال دیتے۔ آخر یہ باتیں دہرا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ آخر تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔''

''میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم سمجھا دو!'' میں نے چیخ کر کہا۔

''تم میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تمہیں بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔'' اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا'' تمہارے لیے حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔ کھلے ثبوت سامنے آ جانے کے بعد مقامی حکام بھی تمہاری کوئی مدد وغیرہ نہیں کر سکیں گے۔ اب تک سب نے مل کر تمہاری تلاش کی مہم شروع کر دی ہو گی۔''

''تمہیں زیادہ ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں۔''

''میری مانو تو اس آڑے وقت میں اپنی اکڑفوں کو بالائے طاق رکھ کر خاموشی سے پاکستان سے باہر نکل جاؤ۔'' آخر کار اس نے بھی وہی بات کہہ ڈالی جو جلال مجھ سے کہہ چکا تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر اپنی بات جاری رکھی'' چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ ایسے کئی لوگوں سے میرے گہرے

مراسم ہیں جو لوگوں کو بہت حفاظت اور رازداری کے ساتھ سمندر اور خشکی کے راستے سے ملک سے باہر بھیجتے رہتے ہیں۔''

وہ بہت مکاری سے کام لے کر مجھے ایک نئے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہا تھا۔ بگڑتے ہوئے مقامی حالات کا ہوّا دکھا کر اس نے ابتدائی طور پر مجھے اچھا مشورہ دیا تھا کہ میں ملک سے کہیں چلا جاؤں۔ وہ میرے اثر رسوخ سے بے خبر تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے آسانی سے مفروضہ نام پر سفری دستاویزات مل سکتی ہیں۔ اسے یقین تھا کہ میں خوف زدہ ہوکر فرار پر مائل ہوا تو مجھے یقینی طور پر غیر قانونی راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

پہلے سانس میں ایک اچھی بات کہہ کر اس نے دوسرے سانس میں زہر گھولنا شروع کردیا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں رہا ہوگا کہ ہر کس و ناکس کے لیے چوری چھپے سرحد عبور کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کام کے لیے مجھے کسی نہ کسی کی مدد درکار ہوتی۔ میں اس کی پیشکش قبول کرلیتا تو وہ حیلے بہانے سے کسی بھی وقت مجھے اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔

مکاریوں میں وہ بے مثال ملکہ رکھتا تھا۔ بات میں سے بات نکالنا اور پھر اسے اپنے ڈھب پر لے جانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

وہ میرے ساتھ کوئی سیدھی بات کرتا تھا نہ میں اس پر لمحہ بھر کے لیے بھروسا کرنے پر تیار تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا ''تمہارا مشورہ قابلِ غور ہے۔ یہی بات میرا ایک اور جاں نثار کہہ چکا تھا۔ ایک طرف میرے اور تمہارے درمیان کوئی تیسرا آدمی آن کودا ہے۔ دوسری طرف ملک بھر میں میری تلاش شروع ہونے والی ہے۔ تیسری طرف دشمنوں کی طرف سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لالچ میں کوئی بھی مہم جو میرے لیے خطرہ بن سکتا ہے......''

''وہ موقعے سے فائدہ اٹھانے میں ماہر ہیں۔ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگادیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر لقمہ دیا ''ہوسکتا ہے کہ وہ انعام کی رقم بڑھادیں۔''

''تم نے مجھے تشویش میں ڈال دیا ہے۔ میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا۔''

''میں دل کھول کر تمہاری مدد کروں گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں تمہیں دھوکا دوں گا۔''

''کارگو کنگ اور روزگار انٹرنیشنل کے دفاتر سیل ہونے کے بعد تم میرے نکلنے کے لیے کن لوگوں سے مدد لے سکو گے؟'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

''دفاتر سیل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قاسم، رفیق اور شیرازی پکڑے گئے ہیں۔ سارے کام وہ خود نہیں کرتے تھے۔ ان کے مضبوط مہرے آج بھی بازار میں موجود ہیں۔ بس اتنا فرق ضرور پڑگیا ہوگا کہ اب وہ صرف پیسے کے لیے اندھا دھند کام نہیں کریں گے۔ اپنے دیکھے بھالے لوگوں کے لیے بہت احتیاط سے کسی کام میں ہاتھ ڈالیں گے۔ ان کے لیے میرا نام کافی ہے۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''ٹام کے مارے جانے کے بعد حالات میرے خلاف ہوگئے ہیں تو تم بہت پہلے سے عتاب میں آئے ہوئے ہو۔ اخبارات نے تمہارے خلاف اتنا زہر اگلا ہے کہ ہر شخص تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔''

میرے فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی کھوکھلی آواز آئی پھر وہ بولا ''یوں سمجھو کہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ امریکیوں اور پاکستانی ایجنسیوں کو ہم دونوں کی تلاش ہے۔ اصولی طور پر ہمیں اکٹھا کرلینا چاہیے تھا مگر ہم ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کررہے ہیں۔ تم یہاں چوہے دان میں پھنسے ہوئے ہو، میں پاکستان سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں واپس آیا ہوں۔ مجھے گرین کو برا فائل کا دھیان نہ آتا تو میں اب تک نہ جانے کہاں نکل گیا ہوتا۔ میرے رابطے اب بھی برقرار ہیں۔''

اس وقت بھی وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کے اغوا کی خبر سننے کے بعد ایران سے سیدھا قاسم کے گھر لوٹا تھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی وہ پوری حاضری دماغی سے کام لے رہا تھا اور اپنے موقف پر قائم تھا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کرلی۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا جیسے اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہو پھر میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''مجھے اپنے کسی آدمی کا نام اور پتا ٹھکانا بتادو۔ ضرورت پڑی تو میں اس سے رابطہ کرلوں گا۔''

''بچوں جیسی باتیں مت کرو۔'' اس کا لہجہ خشک ہوگیا ''ایسے نام آسانی سے ظاہر نہیں کیے جاتے۔ کوئی فیصلہ کرلو تو مجھے فون پر آگاہ کردینا۔ میں تمہیں اس سے ملوانے کا بندوبست کردوں گا۔ اس وقت وہ براہِ راست کسی نئے آدمی سے بات بھی نہیں کرے گا۔''

''کیا میں یقین کرلوں کہ میں نے اس سلسلے میں تم سے رجوع کیا تو تم امریکیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کروگے؟'' میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''ان وسوسوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے دل میں تمہاری بہت عزت ہے۔ اگر تم گرین کو برا فائل کو فراموش کر دو تو ہم ایک دوسرے کے بہترین دوست اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''پاکستان چھوڑنے کے بعد میں کچھ عرصے کے لیے یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر چھٹیاں گزارنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ایک دفعہ یہاں سے نکل جاؤ تو پھر تمہاری مرضی ہوگی کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ تمہارے لیے ساتوں براعظموں کے راستے کھلے ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہاں سے نکلنے کا ہے۔''

''یہاں سے نکلنے سے پہلے نئی منزل کا تعین ہونا ضروری ہے؟'' میں نے اصرار کیا۔

''آج کل افغانستان کے حالات بہت مخدوش ہیں۔'' وہ بولا ''وہاں کے باشندے اپنے ملک میں محفوظ نہیں ہیں۔ آئے دن قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اجنبیوں کو کوئی اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتا' دیکھتے ہی گولی مار دیتا ہے۔ میرا آدمی تمہیں سرحد پار کرا کے ایران کے کسی سرحدی قصبے میں پہنچا دے گا۔ وہاں دم لینے کے بعد تم جدھر چاہو' نکل سکتے ہو۔ ایران تمہارا عارضی پڑاؤ ہوگا۔ تم وہاں پہنچنے کے بعد اپنی نئی منزل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو گے۔''

''یہ معاملہ اتنا آسان اور سیدھا نہیں ہے۔ ایران سے آگے سفر کرنے کے لیے میرے پاس پاسپورٹ اور ویزا ہونا ضروری ہے۔ یورپی ممالک پاکستانیوں کو آسانی سے ویزا نہیں دیتے۔ میں نے یہاں سے پاسپورٹ حاصل کر لیا تو اس پر ایران میں داخلے کا اندراج نہیں ہوگا۔ میں نے اس پاسپورٹ پر ایران سے نکلنے کی کوشش کی تو ایرانی امیگریشن پولیس مجھے دھر لے گی.....''

''تم ان تفکرات میں پڑ کر بلاوجہ ہلکان ہو رہے ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر تشفی آمیز لہجے میں کہا ''تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ پیسے خرچ کر کے تمہیں ایران میں ایرانی پاسپورٹ مل جائے گا۔ میں یہ بندوبست بھی کروا دوں گا۔''

میری توقع کے برعکس سوبھراج نے ایک بار بھی مجھے تھائی لینڈ کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ سرحد پار کرانے کے چکر میں ہی مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر اپنے امریکی آقاؤں سے اپنی شرائط پر میرا سودا کر لے گا۔

سوبھراج بہت پُراسرار انداز میں یکا یک میرے سامنے آیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ میرے لیے ایک بڑے چیلنج کا روپ دھار گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں تہیہ کیا ہوا تھا کہ اسے جہنم واصل کرنے کے لیے مجھے دنیا کے آخری سرے تک دوڑ لگانا پڑی تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ اس مرتبہ وہ پاکستان سے نکل کر بنکاک کا رخ کرے گا اور میں ذہنی طور پر اس سفر کے لیے تیار تھا۔

اس دوران میں اگر اسے پاکستان ہی میں رگیدنے کا کوئی موقع میسر آ سکتا تھا تو میں پوری سنجیدگی سے اس سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔

''پھر تم بندوبست کر لو۔ میں کل یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی یقین دہانیوں کی روشنی میں' میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''ویری گڈ!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی ''تم بہت ذہین اور معاملہ فہم ہو۔ ٹام کے قتل کا قصہ آسانی سے نہیں دبے گا۔ پانی سر سے اونچا ہونے لگے تو کامیاب پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میں کل کے لیے تیاری کر لیتا ہوں۔''

''اور تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' مصالحانہ فضا ہموار ہو جانے کے بعد میرا وہ سوال کسی بھی اعتبار سے ناموزوں نہیں تھا۔

''میں گرین کو برا فائل کے لیے آیا تھا۔ آج یہاں سے نکل جاتا۔ اب تمہارا معاملہ سامنے آ گیا ہے تو تمہاری روانگی کے بعد یہاں سے جاؤں گا۔''

''تمہیں بھی ایران کے راستے جانا ہے۔ میرے ساتھ کیوں نہیں نکل جاتے؟''

''تم ذہن پڑھنے میں ماہر ہو!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرا یہی ارادہ ہے مگر ابھی میں بات کھولنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔''

''تم یہاں سے نکل جاؤ گے تو ٹام کے جانشینوں سے گرین کو برا والے سودے کا کیا بنے گا؟'' میں نے اس کے توصیفی کلمات کو نظرانداز کر کے نیا سوال داغ دیا۔

''سیٹ لائٹ فون پر وہ مجھ سے دنیا کے ہر گوشے میں ہر وقت رابطہ کر سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ہلکا سا تکبر ابھر آیا۔

''اپنے لوگوں سے ہر وقت رابطے میں رہنے کے لیے مجھے بھی ایک سیٹ لائٹ فون لینا پڑے گا۔''

''لائسنس کے بغیر اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ مجھے اپنے اثر رسوخ کی وجہ سے یہ سیٹ مل گیا تھا اور اس کا کہیں کوئی

ریکارڈ نہیں ہے۔ یہ تمہارے شعبدوں میں ایک اضافہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم زہریلی سوئیاں چلانے کے لیے کون سا ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ جلد میں ایک ہلکا سا سوراخ ہوتا ہے اور تمہارا شکار مرجاتا ہے۔ کوئی سوئی گہرائی تک نہیں اترتی اور آج تک کہیں کوئی سوئی نہیں ملی۔ تم ہمیشہ اسے نکال لے جاتے ہو۔''

''یہ تبت کے سانگ پو قبیلے کا قدیم روایتی ہتھیار ہے۔'' میں نے اسے چکر دیا ''ایران تک قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تو میں وہاں تمہیں اس کا عملی مظاہرہ دکھاؤں گا۔''

''وہاں سب دوست ہوں گے۔ اپنا ہتھیار کس پر آزماؤ گے؟'' اس کا لہجہ یکا یک محتاط اور اشتباہ آمیز ہوگیا۔

''آوارہ کتے کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ یہ زہر انسانوں سمیت ہر جان دار پر یکساں اثر کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زہریلے سانپوں پر یہ بے اثر ثابت ہو۔ مجھے یہ تجربہ کرنے کا ابھی تک کوئی موقع نہیں مل سکا۔''

''تبت کا یہ ہتھیار تم تک کیسے پہنچ گیا؟'' سوبھراج نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''تم ایک سانس میں سب کچھ جان لینا چاہ رہے ہو۔ صبر سے کام لو۔ رفتہ رفتہ سب راز تم پر ظاہر ہوجائیں گے۔''

''تم بہت شکی مزاج کے مالک ہو۔ اپنے رازوں میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔'' خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''ایسے لوگ اپنی زندگی میں کامیاب رہتے ہیں جو غیر ضروری باتیں اپنی زبان پر لانے سے گریز کرتے ہیں۔ تم اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔''

''دھیرے دھیرے ہم ایک دوسرے کے قبیلے کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔''

''اوکے ڈینی! میں کل کے لیے پروگرام طے کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔'' آخر کار اس نے گفتگو کے اختتام کا اعلان کردیا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم نے آوارہ کتوں کو مارنے کا ٹھیکا لے لیا ہے۔'' میری اور سوبھراج کی گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا بول پڑی ''سنا ہے کارپوریشن والے دس روپے فی کتے کے حساب سے شکاریوں کو معاوضہ دے رہے ہیں۔''

''تمہارے ذہن میں یہ نادر خیال کہاں سے سما گیا؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کل سنی ہٹ کے قریب ایک مردہ کتے کو تم سے منسوب کیا جارہا تھا۔ ابھی تم سوبھراج سے آوارہ کتوں پر کوئی زہر آزمانے کی بات کررہے تھے!'' اس نے دیدہ دلیری سے جواب دیا۔

''وہ اس ہتھیار کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا جس سے پھینکی جانے والی زہریلی سوئیوں کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''اس حوالے سے کتوں کا ذکر آگیا تھا۔''

میری اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل جلال کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی۔

''شروع سے اب تک اس کے ساتھ مفاہمت کا ایک تسلسل چل رہا ہے جو پارک ٹاورز میں گرین کو برا کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے ٹوٹا تھا۔ ظاہری طور پر وہ تسلسل برقرار ہے۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا ''وہاں سے وہ دھمکی دے کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اب سامنا ہوا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہو۔'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''اس نے ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس نے قاسم اور رشیدے کے ذریعے جہانگیر کو اٹھوایا تھا نہ تم نے یہ مانا ہے کہ پارک ٹاورز سے واپسی پر تمہارے کسی آدمی نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کینہ پروان چڑھ رہا ہے۔ وہ بھی یہ سوچ بیٹھا ہوگا کہ اپنی اولین فرصت میں تمہارا کام تمام کردے گا۔ وہ یقینی طور پر کل تمہیں نہیں بلائے گا؟''

جلال کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ بلائے گا تو میں ضرور جاؤں گا۔''

''میرے آدمی ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''تمہاری یا اول خان کی مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ کل جو کچھ ہوگا باہمی مشورے سے ہوگا۔''

''ٹام کا معاملہ مختلف تھا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ اس معاملے میں تم میری سرکاری مجبوریوں کو سمجھ رہے تھے۔ اس کے بارے میں تم نے مکمل آزادی سے اپنا فیصلہ کیا اور اسے کامیابی سے عملی جامہ پہنا دیا۔ سوبھراج قومی مجرم ہے۔ تمہارا نام درمیان میں لائے بغیر اسے پکڑنے میں میرے آدمی پیش پیش رہیں گے۔''

مجھے بھرپور یقین دہانی کرانے کے بعد وہ رخصت ہوگیا۔

''مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آرہے۔'' کچھ دیر بعد ویرا

کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنا ہونے والا شوہر تصور نہیں کرسکتی۔''

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں؟'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان تھام کر یکا یک بات بدل دی ''میرا مطلب تھا کہ اس کے لیے لڑکی تم ہی کو تلاش کرنا ہوگی۔''

''لڑکی تو کیا میں اس کے لیے لڑکی کی جوتی بھی تلاش نہیں کروں گی۔'' ویرا کا پارا بتدریج چڑھتا جارہا تھا۔

''شاید اس وقت ستارے کوئی الٹی چال چل رہے ہیں۔ فی الحال اس موضوع کو بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تمہیں آثار میں کیا خرابی نظر آرہی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کسی چیز میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس وقت مجھے مت چھیڑو۔ میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔'' ویرا یہ کہہ کر اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہ گیا۔

''اس وقت آپ نے اس کا موڈ خراب کردیا۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ بولی۔

''ہمارے درمیان مذاق چلتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اس کی ذہنی رو کیوں بہکی ہوئی تھی۔ وہ بلاوجہ اتنی جذباتی ہوگئی۔''

''اب کئی دنوں تک وہ روٹھی رہے گی۔ گھر کی فضا بھی مکدر رہے گی۔''

میں بے ساختہ ہنس دیا ''وہ اپنے کمرے میں نہ جاتی تو شاید ایسا ہی ہوتا۔ وہ دو تگڑے پیگ لگا کر خود نارمل ہوجائے گی۔''

''ذائقہ تلخ' بُو ناگوار' اثرات انتہائی ناخوشگوار...... پتا نہیں لوگ اتنے ذوق وشوق سے شراب کیوں پیتے ہیں!'' غزالہ ناک منہ چڑھا کر بولی۔

''تم جیسے لوگوں کے لیے شاعر نے کہا ہے کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔'' میں نے اس کے شانے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ بات آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ سچ بتائیں کہ آپ شراب نوشی کرتے تھے تو اس سے کیا حاصل ہوتا تھا؟'' اس نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''بے خودی اور ہلکی سی خود فراموشی...... دراصل پینے کا ایک اپنا سرور ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ بلانوشی کی طرف لے جاتا ہے جہاں آدمی مدہوشی کی نرم دلدل میں پھنس کر سارے آلام ومصائب کو بھول جاتا ہے۔ تائب ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ نہ پینے میں ہی انسان کی عظمت اور بڑائی ہے۔ قدرت نے اسے ہوش مند بنایا اور پیدا کیا ہے۔ دانستہ مدہوش ہوکر آدمی بڑے گناہ کے ساتھ کفرانِ نعمت کا بھی مرتکب ہوتا ہے......''

غزالہ نے اچانک میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''میں مزید کچھ نہیں جاننا چاہتی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے جتنا بتادیا گیا ہے۔ اس میں آپ سمیت کوئی بھی کمی یا بیشی نہیں کرسکتا۔ گناہ اور ثواب' حلال اور حرام کے موضوع پر میں جب کچھ سوچتی ہوں تو ہیبت سے میری روح تک کانپ جاتی ہے۔ ان معاملات میں حد سے ذرا سا تجاوز انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ یہ بہت نازک معاملے ہوتے ہیں۔''

ازل سے دنیا میں جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا' وہ سراسر مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ انسان اللہ کی تخلیق ہے تو شیطان بھی اسی کی مخلوق ہے۔ جنت میں حضرت آدمؑ کو بہکانے والا شیطان تھا اور آج کے انسانوں کو بھی وہی راہ سے ہٹا کر بے راہ روی پر مائل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھلے الفاظ میں اچھائی اور برائی کا فرق بتادیا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما ہوا ہے' ان کے ایمان مضبوط ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔ جو کج روی کا شکار ہیں وہ آسانی سے اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور تیزی سے گمراہی کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک وقت وہ آتا ہے کہ ان کے ضمیر مردہ ہوجاتے ہیں۔ وہ نیکی اور بدی کے فرق کو بھول جاتے ہیں۔ اپنی بربادی کے آخری مرحلے میں ایسے لوگ اپنے استدلال سے غلط کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں شروع کردیتے ہیں اور آخر کار اپنے تیرہ و تار دلوں کے ساتھ ابدی سفر پر روانہ ہوجاتے ہیں۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور غزالہ کی سوچ بہت صحت مند تھی۔ ہم تینوں میں سے کوئی بھی بہت کٹر مذہبی نہیں تھا لیکن ہم جان بوجھ کر کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ ہمیں اپنی خطاؤں پر ندامت رہتی تھی۔ ہمارے ضمیر زندہ تھے جو ہماری کوتاہیوں پر ہمیں ملامت کرتے رہتے تھے۔

غزالہ کے چند فقروں سے میری ذہنی رو کو عجیب سی جلا ملی تھی۔ میں دیر تک بہت کچھ سوچتا رہا۔ ڈور بیل کی آواز سن کر میں چونکا تو غزالہ وہاں نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کب اٹھ کر جاچکی تھی اور مجھے پتا تک نہیں چل سکا تھا۔

محویت کا طلسم ٹوٹتے ہی میں ہلکی سی جھرجھری لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ' اول خان کو اپنے ساتھ گھر میں لے آیا۔

''رات کو تم ایسے بچھڑے کہ اب اپنی صورت دکھائی ہے۔'' میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے

ہوئے کہا۔
''تم مصرع غلط پڑھ گئے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اصل یوں ہے' اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں۔''
''حیرت ہے کہ تم جیسا کڑک سپاہی بھی شعر جانتا ہے!'' میں نے کہا۔
''تمہاری اس حیرت پر بھی مجھے ایک لنگڑا لولا فلمی شعر یاد ہے۔ میں شاعر تو نہیں۔ جب سے دیکھا ہے تم کو' مجھ کو شاعری آ گئی۔'' اول خان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
''کمال کر دیا تم نے۔'' سلطان شاہ پھڑک اٹھا ''ایسے برمحل شعر تو شاید استاد بھی نہ سنا سکیں۔''
''شاید تم ٹرانسپورٹ لائن والے استادوں کی بات کر رہے ہو!'' ویرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تبصرہ کیا ''اصل استاد دوسروں کے شعر نہیں سناتے' برجستہ اپنے شعر موزوں کرتے ہیں۔ بات کس کے شعر کی ہو رہی ہے؟''
میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھیں بلور کے ڈھیلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے الکحل کی تیز بو مارنے کے لیے کوئی ٹوٹکا استعمال کیا تھا مگر میں اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ اسکاچ کی خاصی مقدار اپنے معدے میں اتار کر آئی تھی۔
ویرا کی اس عادت بد کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ کچھ دیر قبل ہونے والی تلخ گفتگو کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔ سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس پر قادر نہیں رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ اس کے موڈ میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔
''اول خان کے اعصاب پر اس وقت شاعری سوار ہے۔'' میں نے آنکھ مار کر ویرا کو آگاہ کیا۔
''اتفاق ہے کہ اس وقت کچھ یاد آ گیا ورنہ تمہارے گھر کی گھنٹی بجانے تک میرا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔'' اول خان یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔
''کیا کوئی گمبھیر مسئلہ درپیش ہے؟'' میں نے اپنی جگہ سے آگے سرک کر پوچھا۔
''امریکی قونصلر کے پی' اے نے تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرا دی ہے۔ ٹام کے قتل کے بارے میں شہادتیں اتنی مضبوط ہیں کہ سندھ کے ہوم سیکریٹری کی ہدایت پر مجسٹریٹ نے تمہاری گرفتاری کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ جاری کر دیے ہیں۔'' خان نے بتایا۔
''یہ وارنٹ رکوائے نہیں جا سکتے تھے؟'' میں نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔
''سیاہ کو گہرا سرمئی' نیلا یا سبز تو کہا جا سکتا ہے' سفید نہیں۔ وہاں تم نے فراخ دلی سے زہریلی انگوٹھیاں استعمال کی تھیں۔ اب وہ تمہاری شناخت بن چکی ہیں۔ یہ بات جلال کے بھی علم میں ہے۔ کچھ ممکن ہوتا تو وہ وارنٹ نہ نکلنے دیتا۔ صوبے میں اس کے رتبے کا وفاقی افسر بہت طاقت ور ہوتا ہے۔''
''وہ تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا ہے۔ اس نے وارنٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا......!'' میں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''شاید وہ تمہیں یہ بری خبر سناتے ہوئے ہچکچا رہا ہو!'' اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی۔
''اس نے وارنٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن اس میں مضمر سارے خطرات کا برملا اظہار کر کے گیا ہے۔'' ویرا نے اچانک کہا ''اس نے تمہیں کچھ دنوں کے لیے پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ بلاوجہ نہیں دیا...... اس کا سبب وارنٹ ہی رہا ہوگا۔''
''یہی بات ہو سکتی ہے۔'' اول خان نے پُرتشویش انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''اس وقت یہاں کے حالات کا رخ تمہارے خلاف جا رہا ہے۔ ہر طرف تمہاری تلاش جاری ہے۔ سچ پوچھو تو جنرل نے مجبور ہو کر مجھے بھی ہدایت دی ہے کہ میں تمہاری گرفتاری کے سلسلے میں مقامی حکام کی مدد کروں۔ شاید آج کی رات جیسے تیسے گزر جائے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اگلی صبح سے ہر طرف سے میرے اوپر دباؤ آنا شروع ہو جائے گا۔''
''یہی ہوگا۔'' اس بار ویرا نے اس کی تائید کی ''تمہارے اور ڈینی کے مراسم اب ایک کھلے راز کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جن سے بہت سے اعلیٰ افسران باخبر ہیں۔''
''اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
''جلال نے بہترین مشورہ دیا ہے۔ میں اس سے بہتر رائے نہیں دے سکتا۔ تم کو آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کر گزرنا چاہیے۔''
''مجھے کل کا دن درکار ہے' پرسوں میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''تم نے میرا تذبذب ختم کر دیا ہے۔ ہر طرف سے ایک ہی صدا آ رہی ہے کہ اب میرا یہاں رہنا خطرناک ہو چکا ہے۔''
''وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔'' اول خان کی آواز گمبھیر تھی ''تمہیں جلد از جلد پاکستان سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم سب اپنے سر پیٹتے رہ

جائیں گے۔ تمہارے لیے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"کل سوبھراج سے آمنا سامنا ہونے کی توقع ہے۔ میں اس کا حساب بے باق کرتے ہی یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ اس دوران میں ویزا وغیرہ کے مراحل طے ہو جائیں گے۔"

"سوبھراج پر لعنت بھیجو اور اپنی فکر کرو!" اس وقت اول خان کو میری ذات کے سوا کسی کی پروا نہیں رہی تھی۔" اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس پر یہاں کی زمین تنگ ہو چکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹک سکے گا۔ اسے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ تم پاکستان سے باہر کہیں بھی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔"

اول خان روانی میں اپنے دل کی بات کہہ گیا تھا لیکن اس کے آخری فقرے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی تپتے ہوئے صحرا میں بے یار و مددگار کھڑا رہ گیا ہوں۔ میرے دل و دماغ پر یکایک مایوسی کی ایک خوف ناک لہر حملہ آور ہوئی تھی۔

سوبھراج نے میری جاگیر نہیں ماری تھی۔ اس سے میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں صرف اس وجہ سے اس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سیاسی منصب اور اثر و رسوخ کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہا تھا۔ میں ذاتی نفع و نقصان کے تصور سے بہت بالا ہو کر اس سے ایک اصولی لڑائی لڑ رہا تھا۔

میں اپنے ملک میں رہ کر اس لڑائی کو اس کے فطری انجام تک نہیں پہنچا سکتا تھا تو ملک سے باہر اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ کسی اجنبی سرزمین پر میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دوسرے ملکوں کو پاکستان کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے لیے میری اور سوبھراج کی حیثیت میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ وہاں کی سرکاری صفوں میں میرے لیے کوئی جلال یا اول خان نہ ہوتا۔ میں سوبھراج کو ہاتھ بھی لگاتا تو وہاں کے قانون کا مجرم قرار پاتا۔

میں پاکستان میں رہ کر، اپنے وسائل کے سہارے اور اپنے زور بازو پر سوبھراج کا قلع قمع کرنا چاہ رہا تھا لیکن میری راہیں مسدود کی جا رہی تھیں۔

میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں نے ایک بے ایمان اور بدمعاش امریکی کو اس کے حواریوں سمیت کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے ٹام کے رتبے اور عہدے سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ملک دشمن عناصر سے اپنے قریبی گٹھ جوڑ کی وجہ سے وہ میری نظروں میں آیا۔ وہی حرکتیں کوئی نامور اور بارسوخ پاکستانی کر رہا ہوتا تو میں اس کی رگوں سے بھی لہو کی آخری بوند نچوڑنے پر تل جاتا۔ سوبھراج اس کی واضح ترین مثال تھا۔

یہ ایک اتفاق ہے کہ سوبھراج ہندو تھا اور درپردہ امریکی ایجنسیوں کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔ میں نے مذہب کی بنا پر اس سے کبھی کوئی تعصب نہیں برتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مسلمان بھی اس جیسی حرکتوں میں ملوث ہوتا تو میں اس سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا۔

میری اور سوبھراج کی لڑائی میں ٹام کا خون ایک آہنی دیوار کی طرح حائل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ میری ہی نہیں، پورے کرۂ ارض کی بدنصیبی تھی کہ روسی فیڈریشن کی شکست و ریخت کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن بگڑ گیا تھا۔ ایک مضبوط اور بے خوف حریف کو مٹا دینے کے بعد امریکا نے دنیا بھر کا عسکری اور سیاسی نظام اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس سے اتفاق نہ رکھنے والے بھی اس کی ہم نوائی کرنے پر مجبور تھے۔

امریکا نے دنیا کو ایک نیا نعرہ دیا تھا جو ہمارا دوست نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ انہوں نے کسی ملک کے لیے کوئی تیسری راہ نہیں چھوڑی تھی۔ وہ زبردست کی دوستی تھی جسے اختیار کرنا دنیا کے بیشتر ملکوں کی مجبوری تھی۔

پاکستان عالمی سورما کی دشمنی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اپنے کھیتوں کو سرسبز و شاداب، آبادیوں کو روشن و خوش حال اور جوانوں کو زندہ رکھنا تھا۔ اس نے زبردست کی دوستی قبول کر لی تھی۔ اس دوستی کی قیمت چکانا ضروری تھا۔ وہ سود در سود ادائیگی جاری تھی۔

بات بہت دور کی تھی لیکن وہ ہر جہت میں اثر انداز ہو رہی تھی۔ امریکی چوہوں تک کو عالمی مراعات مل گئی تھیں۔ وہ لوگ چاہتے تو اپنی امدادی گندم کے ساتھ دساور کی بندرگاہ میں پہنچ جانے والے کسی چوہے کی ناگہانی موت پر ذمے دار ملک پر لشکر کشی کر سکتے تھے۔

ٹام چوہے کی طرح بزدل ضرور تھا مگر وہ چوہا نہیں تھا، ایک جیتا جاگتا سفارت زدہ انسان تھا۔ اس کے جہنم واصل ہو جانے پر وہ لوگ جو طوفان چاہتے، برپا کر سکتے تھے لیکن انہیں اپنی تمام کمزوریوں کا مکمل ادراک تھا۔ ٹام نے مقامی قوانین اور ہدایات سے کھلا انحراف کیا تھا۔

بظاہر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے پاکستان سے فرار ہونے کا مشورہ دے کر میرے ساتھ سنگین ظلم کیا جا رہا ہو لیکن سارے پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں یہ بہت غنیمت تھا کہ امریکی حکام نے پاکستان سے کوئی سرکاری لڑائی مول

نہیں لی تھی۔ انہوں نے ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے، میرے خلاف قتل کی ایف آئی آر کٹوانے پر اکتفا کیا تھا۔

تھانے میں چار ایسے افراد کے قتل کی ایف آئی آر درج ہونے کے بعد، جنہیں بھرپور انفرادی اور اجتماعی سفارتی تحفظ حاصل رہا ہو، مقامی انتظامیہ کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ رپورٹ میں مجھے قاتل نامزد کیا گیا تھا۔ اخلاق اور قانون کے تقاضوں کے مطابق میری تلاش اور گرفتاری ضروری ہوگئی تھی۔

صوبے کے ہوم سیکریٹری سے لے کر عام سپاہی تک کسی کو مجھ سے پرخاش نہیں تھی، کوئی میری راہ روکنے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔ وہ ٹام کے قتل کا کم از کم ردِعمل تھا جو سامنے آرہا تھا۔ مجھے بہت تحمل اور ہوشیاری کے ساتھ خود کو اس خوف ناک لہر سے بچانا تھا۔

اول خان سے ملاقات ہونے سے پہلے تک میں جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ مجھے اپنوں کے رویے میں بے اعتنائی کی بُو آرہی تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اپنے اور پرائے، سب میرے خلاف یک جا ہورہے ہوں مگر حالات کے معروضی تجزیے کے بعد مجھے سب کچھ قابلِ فہم اور فطری محسوس ہونے لگا تھا اور میرا جذباتی ابال سرد ہونے لگا تھا۔

ہاکس بے کے علاقے میں ٹام کے قتل کے بعد سے اول خان غائب تھا۔ اس دوران میں سوبھراج کے قصے نے بہت تیزی سے رخ بدلا تھا۔ اول خان ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ میں نے چند ثانیوں کی خاموشی میں اپنا ذہنی تجزیہ مکمل کرنے کے بعد اسے پوری روداد سنادی۔

اس کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ چند گھنٹوں کے قلیل سے عرصے میں سوبھراج سے میری ایک سنسنی خیز ملاقات ہوچکی تھی اور دو بار فون پر رابطہ ہوا تھا۔

''وہ اول درجے کا فریبی اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔'' اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''وہ بزدلی سے وار کرنے والوں میں سے ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ وہ سامنے آکر کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت کرے گا۔ پھر بھی تمہیں خطرہ مول لینا پڑے گا۔ یہاں کا قضیہ یہیں نمٹ جائے تو سب سے بہتر رہے گا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد تمہیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

ہم سب سر جوڑ کر اس بارے میں مشورے کرتے رہے۔ یہ بات بیشتر سرکاری افسران جانتے تھے کہ میں مسلسل کراچی میں موجود تھا۔ گاہے گاہے رونما ہونے والے واقعات میرے دشمنوں اور بہی خواہوں کو شہر میں میری موجودگی کی خبر دیتے رہے تھے لیکن بہت زیادہ بھروسے کے چند گنے چنے افراد کے علاوہ کسی کو ہمارے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔

ہم ایک طویل عرصے سے کراچی میں رہ رہے تھے۔ میرے اور ویرا کے خلاف امریکی افسران ایک سے زائد بار اشتہاری مہم چلا چکے تھے لیکن ہم کسی نہ کسی طرح خطرات سے محفوظ رہے تھے۔ ہم نے جہاں اتنا وقت گزارا تھا وہاں مزید ایک دن عافیت سے گزار لینا بظاہر زیادہ دشوار نظر نہیں آرہا تھا۔ اول خان میرے اس استدلال سے متفق ہوچکا تھا۔

''یہ سوچ لو کہ کوئی پُرجوش افسر ہتھکڑیاں لے کر ہمارے دروازے پر آ پہنچا تو تم کیا کرو گے!'' وہ سب طے ہوجانے کے بعد ویرا نے قدرے شوخی سے کہا۔

''تمہارے منہ میں خاک!'' سلطان شاہ نے جل کر کہا ''کیوں ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نکال رہی ہو؟''

''اپنی ناپسندیدہ باتوں کو منحوس قرار دے کر تم حقائق کو تبدیل نہیں کرسکتے۔'' ویرا نے کسی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''آدمی کو بہتر توقعات رکھنا چاہئیں۔ اسی کے ساتھ بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ جو لوگ اس اصول کو فراموش کرکے خوش فہمیوں کے سراب میں گم رہتے ہیں وہ خسارہ اٹھاتے ہیں۔''

''ایسا کوئی امکان نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں بات کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔'' اول خان نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''ایسی کسی صورت حال میں تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟ مقابلہ کرو گے یا ہتھیار ڈال دو گے؟''

''میں اپنے ملک کے قانون سے بغاوت کرسکتا ہوں نہ اپنی گردن میں خود پھانسی کا پھندا ڈال سکتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''کسی کو زحمت دینے کے بجائے میں خود دروازے پر جاکر اسے بتاؤں گا کہ ڈینی گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''اور وہ مان لے گا!'' ویرا نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف اور آئی بی کے چند اہل کاروں کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ڈینی کون ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''نام سب کو معلوم ہے۔ صورت آشنا کوئی نہیں ہے۔ محض اسی وجہ سے میں آج تک اپنے دشمنوں کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ رہا ہوں۔ دشمنوں میں سے صرف سوبھراج نے آج مجھے دیکھا ہے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مجھے پکڑوانے کے لیے کسی پولیس افسر سے رجوع کرسکے۔ ایسا

کرے گا تو مجھ سے پہلے اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ کسی بھی آنے والے کو میری بات پر یقین کرنا پڑے گا۔ وہ ہٹ دھرم نہ ہوا تو مجھے اطمینان سے نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ سانپ مرجائے گا، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''بالکل سامنے کی بات ہے!'' ویرا نے سر ہلا کر اقرار کیا ''یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہوتی تو میں اپنا سوال زبان پر نہ لاتی۔''

''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہارے بال بہت گھنے ہیں یہ تمہاری خاصی عقل چوس گئے ہیں۔'' سلطان شاہ نے متانت سے کہا 'زیادہ تر عورتوں کے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ مسائل آگے دوڑتے رہتے ہیں، ان کی عقلیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ ایک دن کوئی عورت ہی تمہیں راہِ راست پر لائے گی۔''

باہمی مشاورت سے ایک فیصلے پر پہنچ جانے کے بعد ماحول کے تناؤ میں خاصی کمی آگئی تھی۔ نیا مسئلہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ سوبھراج سے مجوزہ ملاقات میں کون میرا ساتھ دے گا۔ اس معرکے میں اول خان میرا ہم رکاب رہنے کا متمنی تھا جب کہ جلال پہلے سے اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

ٹام کے برعکس سوبھراج ایک مسلمہ قانون شکن اور دہشت گرد تھا جسے آخر کار ملکی قانون کی گرفت میں آنا تھا۔ میں نے اول خان کے جذبات کو مجروح کیے بغیر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ایس ٹی ایف کی نفری کو بھول جائے۔ افرادی قوت جلال اپنے محکمے سے فراہم کرے اور وہ انفرادی حیثیت میں میرے ساتھ اس مہم میں شریک ہو۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے نوشی میں مصروف تھے کہ میرے موبائل فون پر سوبھراج کی کال آگئی جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

''میں نے کل کے لیے سب کچھ طے کرلیا ہے۔'' وہ اپنی مخصوص، تحکم آمیز آواز میں مجھے بتارہا تھا ''تم خالی ہاتھ آؤ تو زیادہ بہتر رہے گا لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ چیزیں تم ضرور اپنے ساتھ لوگے۔ یہ خیال رکھنا کہ تمہارا کل اسباب ایک ہلکے پھلکے دستی تھیلے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم کو ٹھیک نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔''

وہ اپنے بچھائے ہوئے جال کی رسیاں کھینچ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کررہا ہوں۔ اس احساس سے میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس مقررہ مقام کا نام کیا ہے؟''

''ابھی صرف وقت دیا گیا ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ تم کو کہاں پہنچنا ہوگا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ اصل آدمی کو تم پر بھروسا نہیں ہے!'' میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

''اس دھندے میں کوئی اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے جانتا ہے تم اس کے لیے نئے آدمی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں ایک ساتھ وقت اور جگہ کا پتا چل جائے تو تم پولیس میں مخبری کردو اور اس کا سارا کام چوپٹ ہوجائے۔''

''جگہ کے بارے میں کب پتا چلے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں نو بجے پہنچنا ہے۔ وہ کل رات سات آٹھ بجے تک جیسے ہی مجھے جگہ کے بارے میں بتائے گا، میں تمہیں فون کردوں گا۔ تمہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ تم آسانی سے وہاں پہنچ سکو۔''

''کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے دل کڑا کرکے وہ ٹیڑھا سوال بھی کرڈالا۔

''میری فکر چھوڑ دو۔ میں نے تمہارے نکلنے کا بندوبست کردیا ہے۔ مجھے آنا ہوا تو میں بھی نو بجے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''مائی ڈیئر سوبھراج! مجھے تمہاری نہیں اپنی فکر ہے۔'' میں نے کہا ''تم وہاں نہ ہوئے تو میں اسے کیسے پہچانوں گا؟''

''اب اتنے بھولے نہ بنو۔ تم ان چکروں کو خوب سمجھتے ہو۔ کل رات جگہ کے بارے میں بتاؤں گا تو یہ سب بھی طے ہوجائے گا۔ میں فول پروف کام کرنے کا عادی ہوں۔''

''میں کل تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔'' میرا جواب سن کر اس نے فون بند کردیا۔

''وہ کوئی رسک لینے پر آمادہ نہیں ہے۔'' ویرا نے تفصیل جاننے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کیا ''دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو اور حریف کو بہلا پھسلا کر اپنا اپنا وار کرنے کی تیاریاں کررہے ہو۔ ایسا مقابلہ میں نے پہلے نہیں دیکھا۔ آنے والی رات کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔ وہ بہت خون آشام رات ثابت ہوگی۔''

''خون ریزی ضرور ہوگی۔ اسے ٹالنا ناممکن ہے۔'' اول خان نے پورے وثوق سے کہا ''اتنے کم وقت میں آدمیوں کو وہاں پہنچا کر مورچے جمانا بہت مشکل ہوگا۔''

''یہی اس کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ مجھے کسی پیش بندی کا

موقع نہیں دے رہا۔'' میں نے اس کی تائید کی ''وہ اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مجھے مقام کے بارے میں آگاہ کرے گا تاکہ کوئی مشتبہ شخص ان حدود میں نہ گھس سکے۔''

''خبر ملنے کے بعد جلال کے آدمیوں نے ادھر کارخ کیا تو وہ بے موت مارے جائیں گے۔'' اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ''سوبھراج کے آدمی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ وہاں پہلے سے تیار بیٹھے ہوں گے۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی بے دردی سے فائر کھول دیں گے۔''

''مفروضوں میں الجھ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات ایسے لہجے میں کہی کہ میں چونک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اب سب کچھ کل رات کے لیے ٹل گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ سوبھراج لڑنے مرنے پر تلا بیٹھا ہو۔ وہ تمہیں کراچی سے نکال کر ویران سرحدی علاقے میں آسانی سے بے قابو کر سکتا ہے۔ شہر میں لڑائی بھڑائی کا امکان بہت کم ہے۔''

''ہمیں اس کے ارادوں سے زیادہ اسے پکڑنے میں دلچسپی ہے۔'' میں نے ہلکا سا توقف اختیار کر کے ویرا کو بولنے کا موقع فراہم کر دیا۔ میری کوشش تھی کہ وہ آپس میں زیادہ سے زیادہ بات چیت کرتے رہیں تاکہ ان کے دلوں سے ہر کدورت دور ہو جائے۔

''ڈینی اس کے کسی آدمی کے ساتھ سرحد کارخ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔'' ویرا کی بات جاری تھی ''وہ چاہے یا نہ چاہے، کل تصادم ضرور ہوگا۔ وہ اکیلا آئے یا اپنے ساتھ لشکر لے آئے، جلال کے آدمی اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔''

''کل کا معاملہ جلال کو سنبھالنا ہے۔'' اول خان بولا ''اسے سوبھراج کی چال سے اسی وقت آگاہ کر دو تاکہ وہ اپنی منصوبہ بندی کر سکے۔''

اول خان کی یاددہانی سے پہلے میں جلال کو اسی وقت فون کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ سوبھراج کے علاوہ مجھے اس سے اپنی روانگی کے بارے میں بھی بات کرنی تھی۔

''ایک منٹ ٹھہرو۔'' مجھے فون کی طرف متوجہ ہوتا ہوا دیکھ کر ویرا اچانک بول پڑی ''وہ تم سے یہ بھی جاننا چاہے گا کہ تم نے ملک چھوڑنے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''فیصلہ ہو چکا ہے، پرسوں ہم نکل جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے ہم میں کون کون شامل ہے؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں اور غزالہ...... تم سلطان شاہ کے ساتھ یہیں رہو گی۔'' میں نے کہا ''کیا تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض ہے؟''

''مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟'' اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا ''میں اس مرحلے پر ضد کر کے کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی۔ تمہیں اپنے اور غزالہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اپنا فیصلہ میں خود کروں گی۔ اس سے کہو کہ میں بھی ملک سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ وہ میرا بھی بندوبست کر دے۔''

''اور سلطان شاہ کا کیا بنے گا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ شیرخوار بچہ نہیں ہے۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا ''اپنی دیکھ بھال خود کر لے گا۔ ہم تینوں بھارت کے سفر پر گئے تھے تو یہ اکیلا کراچی میں تھا۔''

''تم کہاں جاؤ گی؟'' اول خان نے الجھن آمیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست!'' اس نے اردو میں رائج وہ ثقیل فارسی محاورہ دہرا کر سب کو حیران کر دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی ''میں درویش صفت عورت ہوں۔ کسی کو میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جدھر منہ اٹھا، ادھر نکل جاؤں گی۔ ایک لمبے عرصے سے یہاں پڑے پڑے میں بھی اکتا گئی ہوں۔''

''جلال کو ویزا اور ٹکٹ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اسے میں کیا بتاؤں؟''

''کہہ دینا کہ میں چند روز کے لیے لندن میں رک کر نیویارک جانا چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ یہ ساحلی شہر سمندر میں ڈوب جائے، میں ایک بار پھر دل بھر کر اس کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''خدا کے غضب سے ڈرو ویرا...... تم مایوسی کے عالم میں اپنے ہم وطنوں کو بددعا دے رہی ہو۔'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

''میں مایوس ہوں نہ یہ کوئی بددعا ہے۔ میرے وہ ہم وطن اپنی حرکتوں سے بار بار قہرِ خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا ہے کہ یہ رنگینیاں چند روز کی ہیں پھر سمندر ایک بھیانک انگڑائی لے گا اور سارے ساحل ویرانوں میں ڈوب جائیں گے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' غزالہ بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے بولی ''ہر وقت اپنی زبان سے

سے وہاں کا سفر کیا تھا۔ وہ بھی ایک چکر میں ملوث ہو گئی تھی۔ میں اس نام کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔"

"اس بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔" میں نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے اس کی بات مان لی "اب تمہیں ہم چاروں کی تصاویر کی ضرورت ہوگی۔"

"کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا۔

"ہماری تصاویر تمہارے پاس کیسے آ گئیں؟" میں وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہیں علم نہیں مگر میں تم سب کی تصاویر لے چکا ہوں جو میرے ذاتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔"

میرے وجود میں سنسنی کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی۔ جلال کے الفاظ نے مجھے ہکا بکا کر دیا تھا۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا لیکن اس کی پیشہ ورانہ ذمے داریاں اس کے ہر جذبے پر غالب تھیں۔ اس نے میری لاعلمی میں ہماری تصاویر لے کر میرے اندھے اعتماد کو نقصان پہنچایا تھا جس کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ اول و آخر آئی بی کا ایک افسر تھا۔ شاید اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ میں اس سے منحرف بھی ہو سکتا ہوں۔ اگر اس نے ہماری تصاویر لی ہوئی تھیں تو اس کے ریکارڈ میں ہم چاروں کے فنگر پرنٹس بھی ہونے ضروری تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس نے وہ کارروائی کب کی تھی۔

دوستی کے نام پر اس نے ہماری شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اپنے منصب سے وابستہ فرض کی کسی پکار کے سامنے بے بس ہو کر وہ کسی بھی وقت ہمیں اپنے آہنی چنگل میں لے سکتا تھا۔ وہ ایک دور از کار امکان تھا مگر اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یکا یک مجھے اندر سے اپنے خالی پن کا احساس ہونے لگا۔

"کیا بات ہے؟ کس سوچ میں گم ہو گئے؟" میری خاموشی پر جلال نے مجھے ٹوکا۔

"تم نے خاموشی سے ہماری تصاویر لے لی تھیں تو یہ بات مجھ پر ظاہر نہ کرتے۔" میں نے مجروح لہجے میں کہا "یہ بات جان کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔"

"اوہو...... تم یہ سمجھ رہے ہو گے کہ تصویریں لینے کے بعد اب میں کسی بھی وقت تمہیں پکڑوا دوں گا کیونکہ تمہارے لیے میں آئی بی کا ایک افسر ہوں۔" اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا۔

"ایسا ہو یا نہ ہو مجھے دھچکا لگا ہے۔" میں بدستور سنجیدہ رہا۔

"میں نے دانستہ کچھ نہیں کیا یہ سسٹم کی کارکردگی ہے۔" اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "تم کو معلوم ہے کہ یہ جدید آلات کا دور ہے میری جیب میں قلم نما اسپائی کیمرا ہر وقت موجود رہتا ہے۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس فتنے کی میموری چھ ہزار فریم کی ہے۔ جب بھی میں کسی نئے آدمی سے ملتا ہوں یہ خود بخود اس کی تصویر لے لیتا ہے۔ میرے ملاقاتی کی تصویر پہلے سے کیمرے کی میموری میں موجود ہو تو یہ حرکت میں نہیں آتا۔ کسی وقت عجلت میں یہ کیمرا کھلا رہ گیا ہوگا۔ میرے علم اور ارادے کے بغیر تم چاروں کی تصاویر محفوظ ہو گئیں۔"

"ایسا ہوا تھا تو تمہیں اسی وقت مجھ کو بتا دینا چاہیے تھا۔" میں نے شکایت کی۔

"میں ہفتے میں ایک آدھ بار اس کیمرے کو اپنے کمپیوٹر سے جوڑ کر نئے فریم دیکھتا ہوں اور میموری سے غیر ضروری تصاویر صاف کر دیتا ہوں تاکہ کیمرے پر ہر وقت فاضل میموری دستیاب رہے۔" وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "کچھ عرصے پہلے ایسی چیکنگ کے دوران تمہاری تصاویر سامنے آئیں تو میں چونکا۔ یہ کام میں اپنے اسلام آباد کے دفتر میں کرتا ہوں۔ میں نے تم چاروں کی تصاویر کو رہنے دیا تاکہ کیمرا دوبارہ حرکت میں نہ آئے۔ بعد میں یہ بات میرے ذہن میں سے نکل گئی۔ اب تصویروں کا ذکر آیا تو مجھے وہ قصہ یاد آ گیا۔ میرے دوست! میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں تمہارا بدخواہ ہوتا تو اس وقت بھی تمہیں ان تصویروں کی ہوا نہ لگنے دیتا۔"

اس کا دیا ہوا جواز معقول اور قابلِ فہم تھا۔ اپنے دل کی خلش کے باوجود میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شروع سے اس وقت تک ہم چاروں اس کی دسترس میں تھے۔ ایسے لمبے چوڑے چکروں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتا مجھے یا چاروں کو اطمینان سے داخلِ زنداں کر سکتا تھا۔

اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ میرے دل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا چور تھا جو مجھے ذرا ذرا سی بات پر اپنے ہمدردوں سے بدگمان کر دیتا تھا۔

"کیا تمہارے ننھے سے کیمرے کی لی ہوئی تصاویر پاسپورٹ اور ویزا کے لیے کارآمد ثابت ہوں گی؟" میں نے

شکوک وشبہات کی دلدل سے باہر آ کر سوال کیا۔
''چھوٹے قد والے جاپانیوں نے اس ننھے سے کیمرے میں حیرتوں کی ایک دنیا سموئی ہوئی ہے۔ کیمرا جب کسی نئے چہرے کو دیکھ لیتا ہے تو خود کار طریقے سے اپنے ہدف کے چہرے کو فوکس کر کے اس کی پورٹریٹ محفوظ کر لیتا ہے۔ تصویر کو کمپیوٹر پر لے کر ہزار شعبدے دکھائے جاسکتے ہیں۔'' اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے اس کی وضاحت قبول کر لی تھی۔ وہ قدرے پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا''تم لوگوں کی تصاویر صرف پاسپورٹ پر لگیں گی کیونکہ وہ ناگزیر ہیں۔ پاسپورٹ تمہاری تحویل میں رہیں گے۔ ویزا کے لیے کوئی تصویر دینے کا خطرہ مول نہیں لیا جائے گا۔''
''پھر ویزا کا کیا بنے گا؟'' میں مسئلے کا حل جاننا چاہ رہا تھا۔
''یہ تمہارا نہیں میرا دردِ سر ہے۔ تم چاروں کو کئی اہم ممالک کے ویزا کے ساتھ پاسپورٹ ملیں گے۔ ان پر تم بے دھڑک ہو کر سفر کرو گے۔''
وہ اپنی زبان سے کھل کر کوئی غیر قانونی بات کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اس کے فقروں میں مضمر مفہوم پالیا تھا۔ خطرات سے بچنے کے لیے وہ بالا ہی بالا اپنا کام کرنا چاہ رہا تھا۔
''پاسپورٹ کب مل جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔
''پرسوں تم روانہ ہو جاؤ گے۔ اس سے پہلے پاسپورٹ اور ٹکٹ پہنچ جائیں گے۔ میری کوشش ہوگی کہ ویرا اور سلطان شاہ بھی پرسوں نکل جائیں۔''
''ٹکٹوں کے لیے اندازاً کتنی رقم درکار ہوگی؟''
''تم اس کی فکر نہ کرو۔ سیکرٹ فنڈ سے ادائیگی ہو جائے گی۔'' اس نے بے پروایانہ آواز میں جواب دیا''بہت سے سرکاری کام انجام دینے کے بعد تمہارا اتنا حق بنتا ہے۔''
''وہ ہمارے ساتھ خوش کلامی اور نرم گفتاری سے پیش آتا تھا لیکن اندر سے خاصا سخت آدمی تھا۔ اس نے وہ خطیر رقم اپنی جیب سے ادا کرنے کی بات نہیں کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی بحث نہیں کی۔
ہماری گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ اسے یکایک اول خان کا خیال آ گیا''وہ تمہارا ریٹائرڈ کرنل کہاں غائب ہے۔ اس کی کوئی خیر خبر ہے۔''
''وہ میرے ساتھ موجود ہے۔'' میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا''اس کی لائی ہوئی خبریں وہی ہیں جو تم نے سنائی تھیں۔ اس نے وارنٹ کے اجرا کا اضافہ کیا ہے۔''
''مجھے وہ خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر تم سے اس کا ذکر نہیں کیا۔''
''رفتہ رفتہ یہ مجبوریاں میری سمجھ میں آ چکی ہیں۔ واقعاتی شہادتیں میری نشان دہی نہ کر رہی ہوتیں تو یہ نوبت نہ آتی...... اول خان کا ذکر نکلا ہے تو یہ بتا دوں کہ کل رات وہ بھی میرے ساتھ آئے گا۔''
''یہ گڑبڑ ہو جائے گی۔'' اس کی آواز تشویش آمیز ہو گئی''کسی غلط فہمی کے نتیجے میں میرے آدمی ایس ٹی ایف کے جوانوں سے بھڑ گئے تو بہت نقصان ہوگا۔ دشمن اس بحران سے فائدہ اٹھا لے گا۔''
''اس کی فورس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ وہ اکیلا میرے ساتھ آئے گا۔''
''پھر تو وہ سر آنکھوں پر آئے!'' میری وضاحت سنتے ہی جلال کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا''مجھے خوشی ہوگی۔''
اول خان کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت جھلک رہی تھی۔ اس کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ میں نے جلال سے اس کی شمولیت کا معاملہ طے کر لیا تھا۔
''تمہیں اور ویرا کو اب گھر میں رہنا ہے۔'' جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی اول خان نے تاکید کی''آج اور کل کا دن خیریت سے گزر جائے تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا۔''
''کل دشمن کی تباہی کا دن ہوگا۔'' ویرا نے اسے لقمہ دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو گئی''تمہارے اور جلال کے درمیان تصاویر کا کیا تنازع کھڑا ہو گیا تھا؟''
''میری غلطی تھی۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ حسّاس ہو گیا ہوں۔''
''اول خان اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہم لوگوں سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسے ان جزئیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ جلال سے اگلے دن کا پروگرام طے ہو گیا تھا اور اسے میرے ساتھ سوبھراج کی مزاج پرسی کے لیے جانا تھا۔
وہ رخصت ہو گیا اور میں نے خود کو ویرا کی جرح کے لیے تیار کر لیا۔

☆☆☆

میں نے غزالہ سمیت کسی سے اس مسئلے پر دوبارہ بات نہیں کی لیکن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ پورے دن رہ رہ کر مجھے پریشان کرتا رہا۔
میرے نزدیک سلطان شاہ کے رویے میں کہیں کوئی

ابہام نہیں تھا۔ وہ ویرا کو چڑا کر اور ستا کر خوشی محسوس کرتا تھا لیکن کبھی بھی اپنے مردانہ وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس نے بھی ویرا کے لیے ایک خاص مفہوم میں اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ ویرا کو اور اس کی بہت سی باتوں کو پسند کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ویرا کی حد سے بڑھی ہوئی بے باکی اور بے حجابی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔

ویرا کے لیے اپنی ان راسخ عادتوں کو ترک کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اسے جوں کا توں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی طرف سے معاملہ بالکل صاف تھا۔

ویرا کا رویّہ بہت عجیب اور پر اسرار تھا۔ ابتدائی ایام میں میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھا پائی تک میں مصروف دیکھا تھا۔

دراصل ڈان مرسیانو نے خود آگاہی کے جس اصول کے تحت ویرا کو تربیت دی تھی، اس کی روشنی میں وہ اپنے حسن وشباب کی فتنہ انگیزی سے خوب واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ایک ایک حرکت کسی بھی زندہ دل مرد کے دل و دماغ میں ہلچل برپا کر سکتی تھی۔ اسے شاید سلطان شاہ کی ذات سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی خود آگاہی اس کی نسوانی انا کو ابھار کر اس درجے پر لے گئی تھی کہ وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے پسندیدگی کے اظہار کو اپنی ہتک تصور کرنے لگی تھی۔

اس کو گھمنڈ تھا کہ اس کے حسن و شباب سے سلطان شاہ خود پگھل کر موم ہو جائے گا۔ یہ نہ ہوا تو اس نے اپنے جسمانی لمس کا سہارا لیا۔ شاید اس کی دست درازیوں پر سلطان شاہ کا جوان خون اس کی کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگتا ہو لیکن اس نے کبھی ویرا کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ اپنی زبان سے مسلسل اسے چڑ کے لگاتا رہا۔

زبانی جنگ میں ویرا نے بھی کبھی ہار نہیں مانی۔ اس لڑائی میں وہ سلطان شاہ پر حاوی رہنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی لیکن جذباتی محاذ پر وہ رفتہ رفتہ شکست سے دوچار ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ نے کبھی اس کا دل جیتنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس خلش کے انگارے ویرا کے دل میں الاؤ کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

سلطان شاہ سے ایک شدید زبانی جھڑپ کے بعد اس کی طرف سے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ امریکا لے جانے کی پیشکش میری نگاہ میں بہت ذومعنی اور دوررس نتائج کی حامل تھی۔

اپنی تمام تر فکر مندی کے باوجود میں دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ ان دونوں کا امریکا کا سفر ان کے لیے مفاہمت اور مصالحت کا ایسا سنگ میل ثابت ہو کہ ان کے ذاتی مسائل ہمیشہ کے لیے حل ہو جائیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال سے چھٹکارا مل سکے۔

وہ دن جیسے تیسے گزرتا چلا گیا۔ گھر کی فضا میں کشیدگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ویرا امریکا جانے کے لیے اپنا رختِ سفر سمیٹنے میں مصروف رہی۔ سلطان شاہ لمبے سفر پر روانہ ہونے کے خیال سے خوش نظر آرہا تھا۔

شام کو پانچ بجے اول خان آموجود ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ میری تلاش میں سارا دن اپنے آدمیوں کو شہر میں دوڑاتا رہا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق متعدد امریکی افسران شہر میں قانون کے محافظوں کی سرگرمیوں پر قریبی نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ مقامی حکام میری گرفتاری کے معاملے میں کتنے سنجیدہ تھے۔

اول خان کے آنے تک ہم چاروں اپنی اپنی مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے۔ صرف لنچ کے لیے چاروں کچھ دیر کے لیے میز پر یک جا ہوئے تھے پھر وہ تینوں اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ میں اپنے ذہنی بوجھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جم گیا۔

اول خان آیا تو ایک ایک کر کے سب جمع ہوتے چلے گئے۔ ابرار معاملہ فہم آدمی تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سے پہلے کچن میں جا گھسا اور چائے تیار کر کے لے آیا۔

ہم چاروں کے مجوزہ سفر سے لے کر سوبھراج اور پھر چھوٹا راجن تک کے موضوعات پر باتوں کا نہ ختم ہونے والا دلچسپ سلسلہ چل پڑا جس میں ویرا پیش پیش تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ امریکا یاترا کے لیے ایک دوسرے کا ساتھی بننے کے بعد ان کے باہمی رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ بار بار مواقع آنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے سے دانستہ گریز کر رہے تھے۔

میری دانست میں وہ آغاز سفر کا ایک نیک شگون تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوبھراج کی ذات ہمارے مذکرات کا محور بنتی چلی گئی۔ اس کے بارے میں ہر ایک کا ذہن اپنی زرخیزی کی بہار دکھا رہا تھا۔ ہزار اندیشوں اور وسوسوں میں کامیابی کی بہت سی کرنیں بھی نظر آرہی تھیں۔

چھ بجے جلال کا ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا اور سلطان شاہ کو ایک پھولا ہوا وزنی لفافہ تھما کر واپس چلا گیا۔

لفافے پر کسی کا نام درج نہیں تھا مگر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جلال نے اپنے وعدے کے مطابق ہماری سفری دستاویزات

تیار کرا کے بھیج دی تھیں۔

میں نے لفافہ کھولا تو اس میں چاروں پاسپورٹوں کے ساتھ ہمارے ٹکٹ اور شناختی کارڈ بھی موجود تھے۔ میں کارڈز پر لگی ہوئی تصاویر دیکھ کر جلال کے ننھے سے اسپائی کیمرے کی افادیت کا قائل ہو گیا۔

چاروں تصاویر بہت صاف اور واضح تھیں جن سے ہر ایک کو پہلی نظر میں پہچانا جا سکتا تھا مگر چاروں نام اجنبی تھے۔

ان شناختی کارڈز کے مطابق مجھے علی احمد کا نام دیا گیا تھا۔ سلطان شاہ کو اکبر خان بنا دیا گیا تھا۔ غزالہ کو صدف علی اور ویرا کو مس ریٹا ایف ہیریسن کے نام دیے گئے تھے۔

بھارت کا تلخ تجربہ جلال کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہاں ابتدائی مرحلے میں پولیس افسر نے سب سے پہلے یہ نکتہ پکڑا تھا کہ ایک جوان اور دلکش عورت جو میری بیوی نہیں تھی، پاکستان سے میرے ساتھ کیوں آئی تھی اور میرے ساتھ ایک کمرے میں کیوں رہ رہی تھی۔

وہاں میرا نام مظہر خان تھا جبکہ غزالہ کا پاسپورٹ غزالہ تنویر کے اصل نام پر بنا ہوا تھا۔ اس بار جلال نے ناموں کا وہ تضاد دور کر دیا تھا۔ میں علی احمد تھا اور صدف میری بیوی۔ ہمارے فرضی ناموں کی بنا پر بنکاک میں کوئی ہم پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم ہر شک و شبہے سے بالاتر ہو کر ایک ساتھ رہ سکتے تھے۔ میں جلال کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی کال آ گئی۔ وہ لفافہ مل جانے کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

''تصویریں اور سب نام بہت اچھے ہیں۔ میں ابھی تمہارا شکریہ ادا کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''ابھی تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی جیسے ہی اطلاع ملے گی، میں تم کو خبر دے دوں گا۔''

''میرے پاس ایک خبر ہے، کل سلطان شاہ کی ساری محنت رائگاں گئی۔ اس نے سوبھراج کی مرسیڈیز کا جو نمبر نوٹ کیا تھا وہ جعلی ثابت ہوا ہے۔ بہت مشکل سے سراغ ملا ہے کہ اس نمبر کی گاڑی دو سال پہلے شیر شاہ کے کباڑ خانے میں مکمل چکی ہے۔''

''سوبھراج سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اصل نمبر پلیٹ کے ساتھ کوئی بھی گاڑی لے کر شہر میں گھومتا پھرے گا۔'' وہ خبر سن کر میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی مایوسی سمٹ آئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''شہر میں کالے رنگ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں مرسیڈیز گاڑیاں ہوں گی۔ ان سب کو ایک ایک کر کے چیک کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''بظاہر یہ خبر مایوس کن معلوم ہوتی ہے لیکن میرے خیال میں اس کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ واقعات تیز رفتاری سے آگے بڑھے ہیں۔'' جلال کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''اگر وہ آج نو بجے کہیں بھی تم سے ملنے کے لیے آ جاتا ہے تو پھر ہمیں کہیں سر کھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ قصہ آج ہی ختم ہو جائے گا۔''

''کاش! ایسا ہو سکے۔'' میں نے حسرت سے کہا ''میں بہت ہلکے دل کے ساتھ ملک سے باہر جا سکوں گا ورنہ سوبھراج میرے سینے کا ناسور بنا رہے گا۔''

''آخر کار اس کا انجام بہت برا ہونا ہے۔ اب تک اسے قدرت کی طرف سے ڈھیل ملی ہوئی تھی۔ کہیں نہ کہیں اس کی ڈوری کھینچ لی جائے گی۔''

اس سے میری بات ختم ہو گئی ''مرسیڈیز کے نمبر جعلی تھے!'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے پست لہجے میں کہا۔

''مجھے پہلی نظر میں شبہ ہوا تھا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

''کیا میں تمہارے شبہے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''وہ دیکھنے میں تقریباً نئی گاڑی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے نمبر کی سیریز پرانی تھی۔ ٹرانسپورٹ لائن میں رہ کر مجھے نمبروں سے گاڑی کی عمر کا اندازہ لگانے کی مشق ہو گئی تھی۔'' اس نے بھی پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟ تم سلطان شاہ سے بہت ادب سے بات کر رہی ہو!'' ان دونوں کا براہِ راست مکالمہ مکمل ہو جانے کے بعد غزالہ نے ویرا سے کہا۔

''مجبوری ہے!'' ویرا نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا ''سفر لمبا ہے، کچھ عرصہ امریکا میں بھی گزارنا ہے۔ میں نے ابھی سے اکبر خان کو برداشت کرنے کی مشق شروع کر دی ہے۔''

''اب بھی وقت ہے!'' سلطان شاہ بولا ''مجھے بوجھ سمجھتی ہو تو اکیلی چلی جاؤ۔ میں تمہارے مشورے کے مطابق اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔ جلال میرا ٹکٹ واپس کر کے سرکاری رقم کھری کر لے گا۔ اچھا ہے، سرکار کی کچھ بچت ہو جائے گی۔''

''تم سراسر بوجھ ہو...... وزن کرنے کی مشین پر چڑھ جاؤ تو اس کی سوئی دو مرتبہ گھوم جائے گی۔'' ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ہر ذی روح کا کوئی نہ کوئی وزن یا بوجھ ہوتا ہے۔ دراصل میں ابھی سے تمہارا موڈ درست رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم نے امریکا پہنچ کر اپنے نخرے دکھانے شروع

کردیے تو میں مشکلات سے دوچار ہو جاؤں گی۔ وہاں دور دور تک کوئی بیچ بچاؤ کرانے والا بھی دستیاب نہیں ہوگا۔"
"تم مبالغے سے کام لے رہی ہو۔" اول خان نے ہنس کر ویرا سے کہا "تم تینوں بھارت گئے ہوئے تھے تو اس نے میرے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ یہ بہت ذہین، دلیر اور کھرا آدمی ہے۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ اس کی کیوں نہیں بنتی۔"
"اب بننے لگے گی۔" غزالہ بولی "سفر وسیاحت میں اجنبی لوگ ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ تو ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہیں۔ یہاں ہم کو سنانے کے لیے لڑتے رہتے ہیں۔ ہم سے الگ ہوتے ہی ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہو جائیں گے۔"
میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ویرا نے سب کی نظریں بچا کر سلطان شاہ کو معنی خیز انداز میں آنکھ ماری اور وہ برا سا منہ بنا کر خاموشی سے چھت میں کوئی خرابی تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔
"ابھی سلطان شاہ سرکاری رقم کا کیا تذکرہ کر رہا تھا؟" اول خان نے ان دونوں کو مزید کوئی موقع دیے بغیر، متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
"جلال نے ہم چاروں کے ٹکٹ کسی سیکرٹ فنڈ سے بنوائے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ!" اول خان کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا تم لوگوں نے کسی فارم یا کاغذ پر دستخط بھی کیے تھے؟"
سیکرٹ فنڈ کا ذکر سن کر اول خان کے تجسس میں یکا یک اضافہ ہو چکا تھا۔ اس کے دوسرے سوال پر سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"کسی نے کوئی دستخط نہیں کیے!" میں نے جواب دیا "کیا تمہیں اس معاملے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے؟"
"جلال اپنی صوابدید سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔" اس نے کہا "گڑبڑ بالکل نہیں ہوئی۔ بس میں تم لوگوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم چاروں کا سفر آئی بی کے عارضی ایجنٹوں کی حیثیت سے شروع ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ جلال تم کو اخراجات کے لیے بھی کوئی آفر دے۔"
"ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔" ویرا بولی "ابھی ہمارے پاس اتنی رقم محفوظ ہے کہ ہم ایسے دس سفر کر سکتے ہیں۔"
"تم ہر بات پر بلاوجہ اُچٹ جاتی ہو!" اول خان کی آواز میں بہت ہلکی سی بزرگانہ خفگی تھی "یہ برا ماننے کی نہیں، فخر کرنے کی بات ہے۔ مستقل عملے کے علاوہ آئی بی کسی مشن کے لیے بہت چیدہ اور گھاگ افراد کو بھی عارضی طور پر اپنے لیے منتخب کرتی ہے۔ یہ اس قدر پرکشش تقرری ہوتی ہے کہ بڑے بڑے سینئر اور ریٹائرڈ افسران اس کے چکر میں لگے رہتے ہیں اور ان کی دال نہیں گلتی۔ تم چاروں خوش قسمت ہو کہ تم بیٹھے بٹھائے آئی بی کے ایجنٹ بن گئے ہو۔"
"تم تو یہ بات نہ کہو!" میں نے احتجاج کیا "ہم نے کسی صلے کی تمنا کیے بغیر ان کے کاموں کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔"
"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت کی "میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم کو کسی خواہش اور کوشش کے بغیر یہ انعام ملا ہے۔ اب تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تم یہاں سے معتوب ہو کر فرار نہیں ہو رہے، ایک اعزاز کے ساتھ باہر جا رہے ہو۔"
"اب بات سمجھ میں آ گئی۔" ویرا خوش ہو کر بولی "کاش تمہارا یہ اندازہ درست ہو!"
"میں کہتا ہوں کہ یہ سو فیصد درست ہے۔" اول خان نے دعویٰ کیا "آئی بی والے اپنا بلکہ عوام کا پیسا بلاوجہ خرچ نہیں کرتے۔ کہیں تم جلال کو نہ بتا دینا کہ میں نے تم کو بریف کیا ہے۔ وہ جو کچھ دے، اسے اپنا حق سمجھ کر قبول کر لینا۔"
"میں انعام کی ایک دمڑی بھی چھوڑنے کی قائل نہیں ہوں۔"
"لیکن ہمارا مشن کیا ہے؟" سلطان شاہ نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔
"گرین کوبرا فائل کا حصول، سوبھراج کی سرکوبی!" اول خان نے جواب دیا۔
"ڈینی اور غزالہ کی حد تک یہ بات درست ہے۔ ہم دونوں امریکا میں تفریح کے علاوہ اور کیا کریں گے؟" ویرا بولی۔
"اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی اہم کام رہا ہوگا۔" اول خان نے وثوق سے کہا "مناسب وقت آنے پر وہ خود ہی تمہیں تفصیل سے آگاہ کر دے گا۔"
وہ بہت اہم اور نازک موضوع تھا جو غیر ارادی طور پر زیر بحث آ گیا تھا۔ اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا اور ایس ٹی ایف میں ملازمت کی وجہ سے بہت سے سرکاری اداروں کے طریقہ کار سے قریبی واقفیت رکھتا تھا۔ اسے ان امور تک بھی رسائی حاصل تھی جو عام شہریوں کی نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ اس کی کسی بات کو اس کی ذہنی اپچ قرار دے کر نظر

اندازنہیں کیا جاسکتا تھا۔
ہم پانچوں کو سوبھراج کے متوقع فون کے انتظار میں بہرحال وقت گزارنا تھا۔ ہم اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔
توقعات، امکانات اور خدشوں کا ایک سیل رواں تھا جو ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں موج زن تھا اور پرجوش الفاظ وفقروں کی صورت میں سامنے آتا جارہا تھا۔
اول خان کے لیے اپنے دل میں موجود ادب واحترام کے باوجود میری رائے تھی کہ کراچی میں امریکی ایجنسیوں کے کچھ قانون شکن افسران کے عبرت انجام کی روشنی میں جلال فوری طور پر امریکی سرزمین پر کوئی مشن بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس وقت امریکی اہل کار بھڑکے ہوئے تھے۔ انہیں کسی پاکستانی مشن کی بھنک مل جاتی تو وہ انتقامی جذبے کے زیر اثر، مشن کے اراکین کو پھانسنے کے لیے اپنے سردھڑ کی بازی لگادیتے۔ یہ امکان بھی تھا کہ جوابی کارروائی کے طور پر وہ ان لوگوں کو کسی نام نہاد مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار کر الزامات کا ایک پلندا ان کے سر ڈال دیتے۔
میری اور غزالہ کی حد تک یہ امکان ہوسکتا تھا کہ جلال نے اپنے ریکارڈ میں ہماری عارضی ایجنٹوں کے طور پر تقرری کرلی ہو لیکن ویرا اور سلطان شاہ کے لیے امریکا کا تفریحی سفر ایک بونس سے زیادہ نہیں ہوسکتا تھا۔
پرجوش اور گرما گرم باتوں میں وقت یوں چپکے سے گزرتا چلا گیا کہ ہمیں احساس نہ ہوسکا۔ ہم سب اس وقت چونکے جب اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی۔ وہ کال وصول کرنے سے قبل میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف گئیں تو وہاں سوئیاں آٹھ بجنے کا اعلان کررہی تھیں۔
''جلدی دیکھو، کہیں وہ فون بند نہ کردے!'' ویرا نے موبائل فون کی دوسری گھنٹی بجتے ہی اضطراری لہجے میں مجھے ٹوکا۔
کال وصول کرتے ہی میرے کانوں میں سوبھراج کی بھاری اور پرسکون آواز گونجی ''تم تیار ہو یا ارادہ کچھ ڈانواں ڈول ہے۔''
''یہی سوال میں تم سے کرسکتا ہوں۔ تم کہاں پہنچ رہے ہو؟'' میں نے اپنے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔
''تم نے کبھی آرسی ڈی ہائی وے پر سفر کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
مجھے فخر تھا کہ اپنے شہر کے بارے میں میری معلومات خاصی وسیع تھیں مگر اس کے سوال پر میں لمحہ بھر کے لیے الجھ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا ''میرا امتحان لینے کے بجائے تم اپنے مقرر کیے ہوئے مقام کے بارے میں بتاؤ!''
''مقام میں نے مقرر نہیں کیا۔ وہ تیسرے آدمی کا انتخاب ہے۔ وہ تمہیں اسی راستے سے آگے سرحد کی طرف لے جائے گا۔''
''بتاتے جاؤ! میں سن رہا ہوں۔'' اسے خاموش پاکر میں نے ٹوکا۔
''اس سڑک پر پرانا مہاجر کیمپ اور بلدیہ کالونی وغیرہ بھی واقع ہے۔ سعید آباد سے آگے، حب چوکی کی طرف جاتے ہوئے ویرانہ شروع ہوتو ذرا اپنی رفتار دھیمی کرلینا۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں تم بائیں طرف کی ایک پہاڑی پر بنی ہوئی درگاہ کو نظر انداز کردو۔ وہاں عام طور پر کچھ نہ کچھ روشنی رہتی ہے جسے میلوں دور سے دیکھا جاسکتا ہے۔ تمہیں سڑک کا ہلکا سا گھماؤ طے کرکے اسی پہاڑی کے دامن میں رکنا ہے۔''
''وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے کوئی سواری لینی پڑے گی۔'' میں نے تشویش ظاہر کی ''اتنے کم وقت میں وہاں کے لیے سواری کا ملنا دشوار ہوگا۔''
''ڈرائیور کے ساتھ اپنی گاڑی میں آجاؤ۔'' اس نے فراخ دلی سے پیش کش کی ''تم کو وہاں سے آگے روانہ ہونا ہے۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو تم اپنی جان سے ہاتھ دھو سکتے ہو۔ ایسے کام والے لوگ بہت سفاک ہوتے ہیں خطرہ بھانپتے ہی خون ریزی شروع کردیتے ہیں۔''
''جو شخص اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر پھونک دے اس سے زیادہ سفاک کون ہوسکتا ہے۔'' میں نے موقع پاتے ہی اس پر فقرہ چسپاں کردیا۔
''مجھے راج محل کا قصہ جب بھی یاد آتا ہے، دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ مجھ سے اس کا ذکر مت کرو۔ وہ کل کی بات ہے لیکن اب ایک بھولا بسرا خواب بن چکی ہے!'' اس کی بھاری آواز میں حسرت سی تیر گئی۔
''تم نے مجھے مزار والی پہاڑی کے دامن میں تو پہنچا دیا۔ یہ نہیں بتایا کہ ہم دونوں خود ایک دوسرے کو پہچانیں گے یا تم میرا تعارف کراؤ گے۔ وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے۔ نو بجے پہاڑی کے دامن میں اتنا گھور اندھیرا ہوگا کہ کسی کو پہچاننا مشکل ہوگا۔ میں اپنا اطمینان کیے بغیر خود کو کسی اجنبی کے حوالے نہیں کرسکتا۔''
''مجھے معلوم ہے!'' اس کی ہلکی سی ہنسی میں مجھے استہزا کا احساس ہوا ''تم کو ذرا سا بھی شبہ ہوا تو تم بیم گن یا زہریلی سوئی

سے اس کا خاتمہ کردو گے۔ دراصل میری بات ادھوری رہ گئی۔ راج محل کے ذکر پر میری ذہنی رو ہمیشہ بہک جاتی ہے۔ وہاں پہنچتے ہی تم اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس دو مرتبہ جلا کر بجھاؤ گے تو اسے پتا چل جائے گا کہ صحیح آدمی پہنچ گیا ہے۔ وہ تمہاری گاڑی کے قریب آکر رام کہے گا اور تم روان کہہ کر جواب دو گے۔ یہ تم دونوں کی باہمی شناخت ہوگی۔ بقیہ باتیں وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی تم اپنے ڈرائیور کو گاڑی سمیت لوٹا دو گے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''رام اور راون کے پاس ورڈز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی بھی تمہارا اہم مذہب ہے۔''

''غیر ضروری باتیں مت چھیڑو۔'' اس نے میرے قیاس کا جواب سختی سے گول کر دیا ''تم آم کھانے سے غرض رکھو۔ پیڑ گننے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''بھ) تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہاں آرہے ہو یا نہیں!''

''میرے کام تقریباً نمٹ چکے ہیں۔ عین وقت پر کوئی اڑچن پیدا نہ ہوئی تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کسی وجہ سے دیر سویر ہوئی تو آگے حب میں تم دونوں سے مل جاؤں گا۔''

''تم میرے دفاعی ہتھیاروں کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہ رہے تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''حب سے سرحد تک ساری رات کا سفر ہے۔ راستے میں کہیں بھی موقع مل جائے گا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔

اس کی زبان سے آر سی ڈی ہائی وے یا پرانے حب ریور کا ذکر سنتے ہی میرا دل چاہا کہ میں فوری طور پر فون بند کردوں اور ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اول خان کو اس مقام سے آگاہ کردوں تاکہ وہ تیزی سے اپنے آدمیوں کو وہاں پہنچا سکے لیکن میں سوبھراج کو کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس سے کچھ اور باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا جن میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نو بجے اپنے مقرر کیے ہوئے مقام پر پہنچنے کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔

اس نکتے پر سوبھراج کا جواب بہت مبہم اور حوصلہ شکن تھا جس سے اس کی چالاکی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اگر وہ وہاں آرہا تھا تب بھی اس بارے میں مجھے بتانا غیر ضروری سمجھ رہا تھا۔ اگر میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا تو سوبھراج کے لیے وہ رات بہت اہم تھی۔ اگر وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول رہا تھا تو اس وقت میری ذات اس کے لیے ہر خوف سے آزادی کی کلید بنی ہوئی تھی۔

گرین کو برا فائل پر سودے بازی کے لیے امریکی اہل کاروں کو واشنگٹن کی منظوری کا انتظار تھا لیکن وہ سوبھراج سے میرا سودا طے کرنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کرتے۔ یہ بات بدستور سوبھراج کے دماغ میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

راج محل کی طرح اس کی پنڈلی کا زخم بھی اس کی دکھتی ہوئی رگ بنا ہوا تھا۔ میں نے اس سے زخم کا حال پوچھا تو چڑ گیا۔ اس نے میری مزاج پرسی کا کوئی جواب دیے بغیر مجھ پر فضول گوئی کا الزام لگایا اور نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا۔

میں نے اسی لمحے جلال کا نمبر ملایا۔ وہ بہت بے چینی سے میرے پیغام کا منتظر تھا۔ میں نے اسے اختصار کے ساتھ کام کی باتوں سے آگاہ کر دیا۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' وہ مزار والی پہاڑی کا ذکر سنتے ہی بولا ''یہاں اس سے ایک سنگین عسکری غلطی ہوگئی۔ میرے آدمی ملنگوں اور درویشوں کے روپ میں ایک ایک کر کے پہاڑی پر پہنچ جائیں گے۔ بلندی سے وہ اپنے حریف کو بہت آسانی سے بھون ڈالیں گے۔ اس کے آدمی وہاں ہوئے تب بھی وہ خستہ حال لوگوں کی آمد و رفت پر دھیان نہیں دیں گے۔''

''اگر وہ خود وہاں نہ آیا!'' میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''اب اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ مجھے سرعت سے اپنے آدمیوں کو حرکت میں لانا ہے۔ وہاں جو بھی آیا، مارا یا پکڑا جائے گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ ادپر سے آنے والی باڑ مجھے یا اول خان کو چاٹ جائے!''

''پہلی گولی چلتے ہی اپنی گاڑی میں مورچا بنا لینا۔ میرے آدمی اس کا خیال رکھیں گے۔'' بات کرتے کرتے اچانک اسے اپنا اپریٹس یاد آ گیا ''میرا دیا ہوا ایک اپریٹس کافی دنوں سے تمہارے پاس پڑا ہوا ہے۔ ابھی اس کی بیٹری وغیرہ چیک کرلو۔ چلتے ہوئے ساتھ لے لینا۔ اس آپریشن میں اسی ساخت کے اپریٹس استعمال ہوں گے۔ ضرورت ہوئی تو میں تم سے رابطہ کرلوں گا۔ تمہارا کوڈ ڈبل اے یعنی علی احمد ہوگا۔ تم مجھے چیف کے نام سے مخاطب کرسکو گے۔''

''تو کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”وقت کی کمی کی وجہ سے میری موجودگی ضروری ہوگئی ہے۔ کوئی اور اس صورتِ حال کو آسانی سے نہیں سنبھال سکے گا۔“

وقت سرکتا جارہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ اس کے پاس زیادہ باتوں یا تبصروں کے لیے وقت نہیں تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے اور بات ختم ہوگئی۔

میرا اور اول خان کا پروگرام پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی ذاتی گاڑی سالخوردہ اور ناقابل اعتبار تھی۔ وہ کسی حساب کتاب کے بغیر لاکھوں کی رقوم استعمال کرتا تھا لیکن اس نے اپنی تنخواہ کے علاوہ کبھی کوئی پیسہ اپنے ذاتی تصرف میں نہیں لیا تھا۔ وہ بے ایمان ہوتا تو گھسی پٹی کار کی جگہ کئی نئی اور شان دار گاڑیوں کا مالک بن سکتا تھا۔

اس کی سرکاری جیپ بہت طاقت ور اور نئی جیسی تھی لیکن اس کا پہچان لیا جانا قرین قیاس تھا۔ سوبھراج نے مجھے کسی ڈرائیور کے ساتھ مقررہ مقام پر پہنچنے کی رعایت دے کر کام بہت آسان کردیا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ بے فکری سے اپنی گاڑی میں وہاں جاسکتا تھا۔

اپنے کاموں کی ہنگامی نوعیت کی وجہ سے میری گاڑی کی دونوں نمبر پلیٹیں ہمیشہ خشک کیچڑ اور مٹی میں اس طرح لتھڑی رہتی تھیں کہ قریب سے بھی ان کے نمبر پڑھنے ممکن نہیں تھے۔ اس میں ضرورت کے چند ہتھیار ہر وقت پڑے رہتے تھے۔

ہر وقت ہتھیار بند رہنے کا وہ سنہرا اصول میں نے اول خان سے سیکھا تھا۔ اس کی دونوں گاڑیاں چلتے پھرتے اسلحہ خانوں سے کم نہیں جن میں جدید رائفلوں سے لے کر ہلکے پھلکے دستی بموں تک، ہر چیز موجود رہتی تھی۔ اسے اپنی حیثیت کا بھرپور فائدہ حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف سے وابستہ ہونے کی بنا پر وہ ہر چیکنگ سے بہ آسانی نکل جاتا تھا جبکہ میرے لیے ہتھیاروں کی موجودگی کا کوئی جواز پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ میری گاڑی میں چند گنے چنے اور موثر ہتھیار موجود تھے۔

ہمارے لیے گلشن اقبال سے مقررہ مقام تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے آدھا گھنٹا بہت کافی تھا لیکن میں گھر میں بیٹھ کر انتظار کے اعصابی دباؤ سے گزرنے کے بجائے اسی وقت گھر سے روانہ ہوگیا۔

ہمارا مقصد واضح تھا۔ منزل متعین تھی۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

حسن اسکوائر کے چوراہے سے گاڑی سیدھی سرشاہ سلیمان روڈ پر نکلتی چلی گئی۔ لیاقت آباد کے پُرہجوم ٹریفک سے نکلنے کے بعد راستہ صاف ملا۔ ہم ناظم آباد سے گزر کر سائٹ کے صنعتی علاقے میں داخل ہوگئے۔

”میرا اندازہ ہے کہ ہم نو بجنے سے بیس پچیس منٹ پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔“ اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

”دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“ میں نے چونک کر جواب دیا ”اس وقت میرا ذہن آنے والے وقت میں الجھا ہوا تھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس ویرانے میں ہم اتنا وقت کیسے گزاریں گے!“

”وقت گزر ہی جائے گا۔“ میں نے کہا ”فی الحال ہم وہاں نہیں رکیں گے۔ سست روی سے مزار والی پہاڑی کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ ہمیں وہاں کوئی نہ کوئی سرگرمی نظر آجانی چاہیے۔ اگر سوبھراج کے آدمی پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے ہیں تو دیکھنا ہوگا کہ جلال کا اسٹاف ان سے بچ کر اوپر جانے میں کیسے کامیابی حاصل کرتا ہے۔“

”جلال کا دماغ تیزی سے کام کرتا ہے۔“ اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”مزار کا نام سنتے ہی اسے ملنگوں اور فقیروں کا خیال آگیا۔ اس کا پلان کامیاب رہے گا۔“

باتوں باتوں میں ہم شیر شاہ کے چوراہے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں دائنی طرف مڑ جانا تھا۔

سڑک پر لگے ہوئے بعض اسٹریٹ لیمپس روشن تھے لیکن بیشتر تاریک پڑے ہوئے تھے۔ دونوں طرف بنی ہوئی روشن فیکٹریوں کا سلسلہ ختم ہوا تو ان سے تقریباً جڑی ہوئی رہائشی عمارات اور مکانات کی روشن قطاریں شروع ہوگئیں۔

ہم تیزی کے ساتھ شہری زندگی کی ان علامات کو پیچھے چھوڑتے جارہے تھے۔ گنجان آبادی کا تسلسل رفتہ رفتہ ٹوٹنے لگا۔ تاریک قطعات کے درمیان کہیں کہیں روشنی کے جزیرے نظر آرہے تھے پھر وہ بھی ختم ہوگئے اور سڑک کے دونوں جانب تاریکی میں ڈوبے ہوئے چٹیل میدان نظر آنے لگے جن کے درمیان سے گزرتی ہوئی تارکول کی سڑک ہماری گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کسی بل کھاتی ہوئی سیاہ ناگن کی طرح چمک رہی تھی۔

”اس ویرانے میں کہیں بھی کوئی گاڑی رک جائے تو وہ تاریکی میں چھپے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔“ اول خان بولا۔

”اور وہ گولیاں برسا کر اسے چھلنی کردیں گے!“ میں

نے اپنی بات پوری کر کے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''گاڑی کے مسافروں کی جان بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔''

''کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خوف زدہ ہوں؟'' اس نے میرے قہقہے کا برا مان کر قدرے ترشی سے سوال کیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' میں نے جلدی سے کہا ''مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ جو نکتہ تمہارے ذہن میں اب آیا ہے، اس پر میں گھر سے نکلتے ہوئے غور کر چکا ہوں، ہمارا مشن واقعی خطرناک ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ میری طرح تم بھی بے خوف ہو کر خطروں میں کودپڑنے کے عادی ہو۔ آدمی کا حوصلہ بلند ہو تو کامیابی خود بہ خود قدم چومتی ہے۔''

''اس وقت مقابلے میں دو حریف ہیں۔ ایک طرف سوبھراج اور دوسری طرف جلال۔ دونوں کے آدمی اندھیرے میں ایک دوسرے کی گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہم دونوں کی حیثیت قربانی کے بکروں جیسی ہے۔ جب تک تم وہاں جا کر روشنی کے مخصوص اشارے نہیں کرو گے، دونوں فریق خاموشی سے اپنی کمین گاہوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔''

''کبھی کبھی قربانی کے بکرے قصاب کو ٹکر بھی مار دیتے ہیں۔''

''آج یہی کرنا ہوگا۔ مگر اپنے ہاتھ پیر بچا کر۔ اندازے کی کوئی غلطی ہوئی تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔'' اس نے کسی فکر اور تشویش کے بغیر کہا۔

تاریک سڑک پر گاڑی کا سفر جاری رہا۔ اس وقت کراچی سے حب جانے والا ٹریفک سرے سے مفقود تھا۔ ہمارے آگے اور پیچھے سڑک پر دور تک ویران پڑی ہوئی تھی البتہ حب کی جانب سے کراچی جانے والی گاڑیوں کی بہتات تھی۔

مزار والی پہاڑی میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں پہلے بھی وہاں ایک معرکے سے دوچار ہو چکا تھا۔ دور ہی سے پہاڑی کی چوٹی پر روشنی نظر آنا شروع ہوگئی۔

وہ شہر سے دور افتادہ ویرانہ تھا۔ لوگ وہاں آئے تھے تو قرب و جوار میں ان کی گاڑیوں وغیرہ کو بھی نظر آنا چاہیے تھا۔ میں اپنی جگہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

اسی سمت میں جاتے ہوئے چڑھائی کے ساتھ سڑک بھی خم دار تھی۔ اول خان نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ گاڑی کے ہیڈلیمپس کا انعکاس دونوں سمتوں میں کافی دور تک پھیل رہا تھا۔ میں اس سے بھی آگے پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے کہیں کسی گاڑی کی پرچھائی تک نظر نہیں آئی۔

''یہاں تو ہر طرف لامتناہی سناٹے کا راج ہے۔ کہیں کوئی سرگرمی نظر نہیں آرہی۔'' اول خان نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اسی وقت مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کوسٹر کی روشنی، سڑک کے خم کی وجہ سے، پہاڑی کے دامن میں پڑی تو بس لمحہ بھر کے لیے مجھے کم از کم دو گاڑیوں کے چمکتے ہوئے ہیولے نظر آئے جو اگلے لمحے ہی معدوم ہو چکے تھے۔ موڑ گھومتے ہوئے، کوسٹر کا رخ تیزی کے ساتھ بدلا تھا اور اسی کے ساتھ پہاڑی کا دامن پھر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

''ابھی مجھے اس طرف دو گاڑیاں نظر آئی ہیں۔'' میں نے داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا۔

''سوبھراج یا اس کے آدمی پہنچے ہوئے ہیں۔'' اول خان بولا۔

''یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جلال کے آدمی فقیروں وغیرہ کے حلیے میں آئے ہوں گے۔ ایسے تہی دست لوگ گاڑیوں سے اترتے تو اسی لمحے مار دیے جاتے۔''

ہم اس مقام کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو نو بجنے میں دس منٹ باقی تھی۔

اس وقت مجھے جلال کے اپریٹس کا خیال آیا اور میں نے اسے آن کر کے اپنی گود میں رکھ لیا۔ لاسلکی آلے پر بس لمحہ بھر کے لیے ریڈیائی شور برقرار رہا پھر وقفے وقفے سے کئی انسانی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک دوسرے سے ناقابل فہم انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے الفاظ مانوس تھے مگر فقرے مہمل معلوم ہو رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اردو اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ کو کوڈ ورڈز کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

مجھے اپریٹس کے حیطہ عمل کا علم نہیں تھا اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ کہاں تھے۔ اپنے مورچوں پر پہنچ گئے تھے یا وہاں تک جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ریڈیائی لہروں کی وجہ سے آوازیں اتنی بگڑی ہوئی تھیں کہ انہیں شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ کوشش کرنے کے باوجود میں ان میں جلال کی آواز نہیں پہچان سکا۔

آخر میں نے براہِ راست اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بار سکون طاری ہوتے ہی اپریٹس اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور جلال کے لیے اپنا پیغام نشر کر دیا۔

''چیف کالنگ!'' فوری طور پر اس کی طرف سے جواب آ گیا اس کی آواز اتنی بدلی ہوئی تھی کہ اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا ''تم بے فکر رہو۔ میرے تین آدمی اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں کچھ لوگوں کے ساتھ نیچے موجود ہوں۔ ہم نے دامن میں ان کی دو گاڑیاں دیکھ لی ہیں۔ وہ ہم سے پہلے سڑک کی سمت سے یہاں پہنچے ہوئے تھے۔ ہم کچے راستے سے پہاڑی کے پچھلے حصے میں آئے تھے اور میں وہیں ہوں۔ تمہاری کیا پوزیشن ہے؟ اوور!''

جلال کا پیغام سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے فوری طور پر جواب دیا ''ہم سڑک سے جائزہ لیتے ہوئے آگے جا رہے ہیں، چند منٹ بعد واپس لوٹیں گے۔ ان کی دو گاڑیاں پل بھر کے لیے مجھے بھی نظر آئی ہیں لیکن ان کی پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔ اوور۔''

''میرے اوپر والے آدمیوں نے اپنی انفراریڈ دور بینوں سے انہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ اوپر سے بالکل بے پروا ہیں اور اپنی گاڑیوں کے عقب میں چل پھر رہے ہیں۔ ان کی تعداد سات ہے اور ان میں لنگڑانے والا کوئی آدمی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چند منٹ بعد یہ پھیلنا شروع کر دیں۔ دعا کرو کہ یہ اسی جگہ جمع رہیں۔ کام بہت آسان ہو جائے گا۔ اوور!''

''وہ لنگڑا نہیں ہے!'' میں نے مایوسی سے دہرایا ''ابھی دس منٹ باقی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آخری لمحات پر پہنچے۔ اوور!''

''مجھے بھی اسی کا انتظار ہے، حالات پوری طرح میرے کنٹرول میں ہیں۔ اوور!''

''تمہیں یقین ہے کہ ان اطراف میں ان کا کوئی آٹھواں آدمی موجود نہیں ہے؟ اوور!''

''بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ لوگ پہلے سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کوئی ایک آدھ آدمی اِدھر اُدھر نکل گیا ہو۔ اوور!''

''پھر نو بجے کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ساتوں کو اسی وقت کیوں نہیں گھیر لیتے؟ اوور!'' میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔

''یہ خیال آیا تھا لیکن میں لنگڑے کی وجہ سے رکا ہوا ہوں۔ آج کا بڑا شکار وہی ہے۔ اوور!'' جلال نے سوبھراج کا نام لیے بغیر جواب دیا۔

اپریٹس پر ہونے والی وہ گفتگو اس کے دوسرے آدمی بھی اپنے اپنے ٹرانسمیٹر پر سن رہے تھے اس لیے جلال بے تکلفی سے بات نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں بھی اس سے محتاط رہ کر بات کر رہا تھا تا کہ اسے اپنے ماتحتوں کے سامنے کسی سبکی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

گفتگو میں وقفہ آتے ہی اچانک کسی اور نے بولنا شروع کر دیا۔ اس بار میں نے اندازے کی غلطی نہیں کی۔ بولنے والے کو جلال نے مانوس الفاظ لیکن ناقابل فہم فقروں میں جواب دیا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ دخل اندازی کسی ایمرجنسی کی مظہر تھی۔

اول خان گاڑی کو اتنی دور تک لیتا چلا گیا کہ طے شدہ پہاڑی تک واپس پہنچنے میں وقت پورا ہو جائے۔ اس نے واپسی کے لیے گاڑی گھمائی تو نو بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔

اپریٹس پر مختصر وقفوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔

پہاڑی کے قریب پہنچنے پر میں نے موقع پاتے ہی جلال کو بتایا کہ ہم کسی بھی لمحے وہاں پہنچنے والے تھے۔ جلال نے مجھے گرین سگنل دیتے ہوئے بتایا کہ لنگڑا اس وقت تک وہاں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے تین سڑک کی طرف بڑھ گئے تھے۔ چار افراد بدستور گاڑیوں کے عقب میں موجود تھے۔

اول خان نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے اپنے پائیدان میں رکھی ہوئی چھوٹی خود کار رائفل کی پوزیشن درست کی اور پھر رفتار بڑھا دی۔

چند لمحوں بعد ہماری گاڑی بہت دھیمی رفتار سے سڑک سے اتری اور ناہموار پتھریلی زمین پر ہچکولے لیتی ہوئی پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھی تو ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہماری گاڑی کے ہیڈ لیمپس کا رخ اسی سمت میں تھا جہاں میں نے حریفوں کی دو گاڑیاں دیکھی تھیں۔

وہ لوگ کچے راستے پر کافی دور چلے گئے تھے۔ ہماری گاڑی کی بھرپور روشنی وہاں تک ساتھ نہیں دے سکی لیکن اس کے انعکاس میں ان دونوں گاڑیوں کے ہیولے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اول خان نے بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ میں نے اپریٹس آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس سنگلاخ ویرانے میں مجھے کوئی متنفس نظر نہیں آیا تھا۔ اول خان نے سوبھراج کی ہدایت کے مطابق دو مرتبہ ہیڈ لیمپس جلا کر بجھا دیے۔ اسی لمحے سامنے سے کسی ٹارچ کی روشنی چمکی اور معدوم ہو گئی۔

میں نے جھک کر اپنے پائیدان سے رائفل اٹھا لی۔ اول خان بھی کسی اچانک افتاد کے مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

میں سامنے پھیلے ہوئے گہرے اندھیرے میں نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ آخر کار مجھے پہاڑی کے پیش منظر میں ایک متحرک انسانی ہیولا نظر آیا جو چھوٹے چھوٹے بے آواز قدموں سے ہماری گاڑی کی طرف آرہا تھا۔

''یہ تو اکیلا ہے...... جلال نے تین بتائے تھے!'' اول خان نے زیر لب سرگوشی کی۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ پیچھے رک گئے ہوں۔'' میں نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

فضا پر چھائے ہوئے گہرے اور پر ہول سکوت میں وہ متحرک انسانی ہیولا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف دبی ہوئی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بے جگر تھا یا پھر پرلے درجے کا گدھا تھا' اسے یہ خوف نہیں تھا کہ آنے والا اسے اپنی گولی کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔

وہ انتہائی مخدوش پوزیشن میں یوں بے فکری سے چلا آرہا تھا جیسے اسے ہم دونوں کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

اس وقت میرے ذہن نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کردیا تھا۔

دو گاڑیوں میں سوار ہوکر سات افراد کے آنے کا مطلب تھا کہ وہ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرکے وہاں پہنچے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ کسی تصادم کی صورت میں انہیں آتشین ہتھیاروں کے ساتھ افرادی قوت کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔

ایسی مخدوش صورتِ حال میں کلاشنکوف بردار کا بے خوفی سے بڑھتا چلا آنا بہت غیر فطری محسوس ہورہا تھا۔ میں سانس روکے اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔

شاید اسے بھی توقع تھی کہ جب تک کوئی گڑبڑ نہ ہو اس کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میری اور اول خان کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ اس کے بقیہ دو ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اچانک وہ سینے کے بل زمین پر گر گیا۔ اس وقت وہ ہماری گاڑی سے کئی گز دور تھا۔ خطرہ بھانپ کر میں نے پائیدان سے رائفل اٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ایک سرد آہنی نال میری کنپٹی سے آلگی اور میں اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اول خان کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ اس طرف بھی ایک رائفل بردار موجود تھا جس نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیا ہوا تھا۔

بے اختیار میرے سینے سے ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

ان لوگوں نے ہمیں اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ایک زبردست نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔ تین کی وہ ٹکڑی اپنے ساتھیوں سے الگ ہوکر ہماری طرف آئی تو سامنے سے آنے والے نے دانستہ اپنی رفتار دھیمی رکھ کر ہمیں پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ہمیں ہر حال میں اس پر نگاہ رکھنی تھی۔ ہم اس کی پیش قدمی کا مشاہدہ کرتے رہے اور اس کے دونوں ساتھی گہری تاریکی میں ایک لمبا چکر کاٹ کر ہمارے پیچھے سے نمودار ہوگئے۔

وہ بہت خطرناک صورت حال تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اسلحہ برداروں کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت کرتا تو پل بھر میں اس کا بھیجا اڑ سکتا تھا۔

سامنے سے آنے والا اپنے دونوں ساتھیوں کو ہماری گاڑی کے پہلوؤں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر چند سیکنڈ کے لیے پوزیشن لیتا ہوا زمین پر گرا تھا۔ جب اس نے اندازہ لگالیا کہ اس کے ساتھیوں نے چیتے کی سی عیاری اور خاموشی سے ہمیں اپنی زد پر لے لیا ہے تو وہ بھی اپنی کلاشنکوف تان کر پھرتی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

وہ ساتوں دو ٹکڑیوں میں بٹے تو جلال کے آدمیوں کی دوربینوں کی زد میں تھے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اپنی گاڑیوں سے اتنی دور نکل آنے کے بعد وہ دیکھے جارہے تھے یا نہیں میرے ذہن پر بے یقینی کی وہ لہر بس لمحہ بھر کے لیے چھائی رہی۔ بے اختیار میری نگاہیں پہاڑی کی چوٹی کی طرف اٹھ گئیں جہاں اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ مزار اور اس کی روشنی اس پہاڑی کی ڈھلانوں کی عقب میں اوجھل ہوچکی تھی۔

جلال وہاں صرف سوبھراج کو مارنے یا پکڑنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اس کا اولین مقصد ہم دونوں کی حفاظت کرنا تھا۔ وہ اس فرض سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے تین آدمی بھیس بدل کر پچھلے حصے سے اس پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی انفرا ریڈ دوربینوں سے بھی لیس تھے۔

وہ تین تھے تو ایک ہی وقت میں تین مختلف سمتوں کی دیکھ بھال کرسکتے تھے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ تینوں سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں الجھے ہوئے ہوں۔

جلال کو علم تھا کہ ہم دونوں کو ٹھیک نو بجے سڑک کے راستے سے وہاں پہنچنا تھا۔ رابطے کے آخری لمحات میں اس کا

کہا ہوا یہ فقرہ میرے ذہن میں گونجا کہ صورت حال اس کے کنٹرول میں تھی اور ہم بے فکر ہو کر مقررہ جگہ پر پہنچ سکتے تھے۔

اس نے یقینی طور پر اپنے کسی آدمی کو اس سمت کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہوا تھا۔ میرا اپریٹس بند پڑا ہوا تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ اس وقت چوٹی پر بیٹھا ہوا کوئی نہ کوئی شخص جلال کو نیچے کے پل پل کے حالات سے آگاہ کر رہا ہوگا۔

اس بار سامنے والا بہت تیزی سے ہماری گاڑی کی طرف آیا اور چند قدم دور سے للکار کر بولا ''اپنا نام بولو!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوبھراج سے طے ہونے والے کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بغیر میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالنا چاہتا تھا۔

رائفل کی نال میری کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جبکہ جلال اور اس کے آدمی مجھ سے بہت دور تھے۔ میری کسی بھی اضطراری حرکت کے نتیجے میں چشم زدن میں میرا کام تمام ہو سکتا تھا۔ جب تک جلال کے آدمی حرکت میں آتے میں ان کی کسی مدد کی ضرورت سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہوتا۔

سامنے والے نے شاید میرا امتحان لینے کے لیے میرا نام پوچھا تھا۔ اپنے دبے دبے چھپے خدوخال اور لہجے کی بنا پر وہ مقامی نظر نہیں آ رہا تھا۔ چھوٹے قد، چوڑے شانوں اور بھرے بھرے جسم کی وجہ سے وہ بھارتی گجرات کے کسی ساحلی علاقے کا باشندہ معلوم ہو رہا تھا۔

''رام!'' میرے خاموش رہنے پر اس نے اپنا داہنا پیر زمین پر مار کر زور سے کہا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال میری طرف سیدھی کر لی تھی۔

''راون!'' میں نے مشینی انداز میں بلا تامل جواب دیا۔

''گڈ ی گڈ!'' اس نے جاہلوں والے انداز میں کہا ''تم دونوں سالا نیچو اترو!''

وہ اس کا حکم تھا۔ میری کنپٹی سے سرد نال ہٹ گئی۔ اس وقت تک ان تینوں میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہماری گاڑی میں ہتھیار بھی موجود تھے۔

میرے لیے وہ کچھ کر گزرنے کا اکلوتا موقع تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ شرافت سے نیچے اترنے کے بعد میں ان کے سامنے بے بس ہو جاؤں گا۔ بعد میں جلال کے آدمی ان کا جو حشر کرتے، سو کرتے مگر اس سے پہلے میرا تتمہ بالخیر ہو جاتا۔

دوسری طرف مجھے اول خان کی جان کی فکر تھی۔ اس کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ان نازک لمحات میں ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ میں اسے نظر انداز کر کے اپنے موقع کو دیکھ کر کوئی کارروائی کر بیٹھتا تو شاید میں بچ جاتا مگر اول خان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے، گھپ اندھیرے میں وہ اعصاب شکن کھیل جاری تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مسلح بدمعاشوں کی اس سہ نفری ٹولی نے صرف ایک مرتبہ اپنی ٹارچ چمکانے کے بعد دوبارہ کسی قسم کی روشنی نہیں کی تھی۔ انہیں اندیشہ رہا ہوگا کہ سڑک سے گزرنے والے کسی بھی گاڑی کے سوار اس ویرانے میں روشنی دیکھ کر ادھر کا رخ کر سکتے تھے۔

میں نے تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے اول خان کو ہولے سے کہنی ماری اور داہنے ہاتھ میں رائفل سنبھالتے ہوئے دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اترا۔

سامنے والا فاتحانہ انداز میں گاڑی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی زد پر لینے والے نے مجھے نیچے اترنے کے لیے جگہ دے دی تھی۔

میں نے کار سے نیچے اترتے ہی اپنے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ کی آواز نکالی۔ میرے سامنے والے کی توجہ لمحہ بھر کے لیے زمین کی طرف مبذول ہوئی اور میں نے اپنی رائفل کی نال پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں گھسا دی۔

وہ قیامت کے لمحات تھے۔ میرا حریف اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ اس کی رائفل ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے بہت سرعت سے اپنی رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ وہ ان لمحات میں زمین بوس ہونے کے تیز عمل سے گزر رہا تھا۔ میری رائفل کی گولی تیز ترین رفتار سے اس کے جسم کے آر پار گزر گئی اور فضا اس کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔

وہ کھڑا ہوا تھا۔ میں کار کی نشست سے اٹھ کر اس پر حملہ آور ہوا تھا اس لیے میری رائفل کی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ گولی اس کے پیٹ میں گھس کر سارے اعضائے رئیسہ کو چیرتی پھاڑتی ہوئی اس کے شانوں کے قریب سے نکلی ہوگی۔

ان ہی لمحات میں اول خان شاید اپنے حریف سے لپٹ گیا تھا۔ میری اچانک چیخ نے چند ثانیوں کے لیے ان تینوں کو بوکھلا دیا تھا اور ان کے کچھ سمجھنے سے پہلے مجھے اور اول خان کو حرکت میں آنے کا موقع مل گیا تھا۔

تین میں سے دو زیر ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ سامنے والا خطرہ بھانپتے ہی دوبارہ زمین پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے میری طرف پے در پے تین گولیاں چلائیں مگر میں اپنے مدِ

مقابل کو ڈھیر کرتے ہی سینے کے بل زمین پر گر چکا تھا۔ سخت سنگریزوں کی چبھن سے میرے سینے میں خاصی تکلیف ہوئی مگر سامنے سے آنے والی تینوں گولیاں مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر اوپر سے گزر گئیں۔

میں نے لیٹے لیٹے تیسرے کی پوزیشن کا جائزہ لینا چاہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ فائر کرتے ہی کسی اور طرف رینگ گیا ہوگا۔ اس پر اندھا دھند گولیاں برسانا بے سود تھا۔

مجھے کہیں بھی اس کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ اول خان کو اپنا نشانہ نہ بنالے۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کی اور اسے جنبش دیتے ہوئے تڑاتڑ تقریباً آدھا میگزین خالی کر دیا۔ فائرنگ کی بازگشت میں چیخ تو درکنار کوئی انسانی کراہ بھی نہیں سنائی دی۔

پھر وہاں قیامت سی برپا ہوگئی پہاڑی کی چوٹی پر سے رائفلوں کے نغمے گونجنے لگے۔ کہیں دور سے پے در پے کئی لرزہ خیز انسانی چیخیں سنائی دیں۔ پھر قریب سے ایک ہولناک چیخ ابھری۔ مجھے گمان ہوا کہ میرا تیسرا حریف بھاگتے ہوئی کسی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔

وہ سب کچھ چشم زدن میں تقریباً ایک ساتھ ہوتا چلا گیا۔ جلال کے آدمیوں کو انفرا ریڈ دوربینوں کی مدد حاصل تھی۔ وہ نشانے تاک کر بلندی سے آگ برسا رہے تھے۔ ان کے حریف نشیب میں ان کے کھلے نشانے پر تھے۔ ان کا برے انجام سے بچنا ناممکنات میں سے تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کسی متوقع خطرے کا انتظار کیا پھر دوڑ کر اپنی کار کے آگے سے ہوتا ہوا۔ اول خان والی سمت میں پہنچا تو وہاں ایک روح پرور منظر میرا منتظر تھا۔

اول خان ریٹائرڈ فوجی اور تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ اس نے اپنے حریف کو کار کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب زمین پر گرایا ہوا تھا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر مکوں سے اس کا چہرہ بگاڑنے میں مصروف تھا۔ اس کا حریف بے دست و پا ہو کر گھٹی گھٹی آواز میں چیخ رہا تھا۔

اس نے اچانک نمودار ہو کر اول خان کی کھوپڑی کا نشانہ لیا تھا۔ وہ تماشا دیکھتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے بڑھ کر اپنی رائفل کی نال اس کے بائیں کان پر رکھی۔ لمحہ بھر کے لیے اول خان کے ہاتھ رکے اور میں نے رائفل چلا دی۔

کھوپڑی سمیت اس کا آدھا چہرہ اڑ کر تاریکی میں کہیں بکھر گیا۔ اول خان اس کے تڑپتے ہوئے وجود کو چھوڑ کر تیزی سے نیچے اتر گیا۔

''باقی دونوں کا کیا بنا؟'' اول خان نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

''دونوں جہنم واصل ہوگئے۔'' فائروں کی گونج میں میں نے اسے بتایا ''گاڑی میں گھس جاؤ کوئی بھٹکی ہوئی گولی ادھر بھی آسکتی ہے۔''

میں نے لپک کر اپنی جگہ سنبھالی اور جیب سے ایرپیس نکال کر آن کر لیا۔

''چیف کالنگ ڈبل اے......اوور!'' ایرپیس آن ہوتے ہی میرے کانوں میں جلال کی وحشت زدہ آواز ابھری وہ نہ جانے کب سے مجھے پکار رہا تھا۔

''ڈبل اے آن لائن!'' میں نے بلاتاخیر جواب دیا ''میں نے ابھی ابھی ایرپیس آن کیا ہے ہم بدترین مشکل میں پھنس گئے تھے۔ اب مطلع صاف ہے۔ اوور!''

''خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرے آدمی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں میں سے دو اچانک کہیں غائب ہوگئے۔ وہ دوبارہ نظر آئے تو تمہاری گاڑی کے دونوں دروازوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اس پوزیشن میں ان پر گولی نہیں چلائی جاسکتی تھی۔ لنگڑا کہیں نظر نہیں آیا۔ تم تیزی سے لوٹ جاؤ......اوور اینڈ آل!''

''جلال کی گفتگو بہت منتشر سی تھی۔ اس کے مدافعانہ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہماری ناگہانی مشکل کے لیے خود کو ذمے دار تصور کر رہا تھا۔

اول خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس پہاڑی کے دامن میں ہونے والی دھواں دھار فائرنگ دم توڑ چکی تھی۔ نیچے سے کی جانے والی فائرنگ کا سلسلہ یکسر موقوف ہو چکا تھا۔ اوپر سے اِکّا دُکّا فائر ہو رہے تھے۔

اول خان نے میرے کچھ کہنے سے پہلے گاڑی سڑک کی طرف گھمالی۔

''خوفناک معرکہ تھا'' سڑک پر آنے کے بعد اول خان نے جھرجھری لے کر کہا ''اپنے سر پر رائفل کی نال کا دباؤ محسوس کرتے ہی میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔''

''وہ واقعی جاں گسل لمحات تھے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''خرابی یہ ہوئی کہ ہم دونوں نے اپنی ساری توجہ سامنے سے آنے والے پر مرکوز کر دی تھی۔ بقیہ دو کو بھول گئے۔ آج قدرت نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو کام تمام ہوگیا تھا۔''

''اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ کسی اُلّو کے پٹھے کی طرح سینہ

تانے یوں بے خوف وخطر چلا آرہا تھا جیسے اپنی سسرال میں آرہا ہو۔'' اول خان کی آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔
''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ پاکستانی نہیں تھا۔'' میں نے زور دے کر کہا'' مجھے شبہ ہے کہ سوبھراج نے دوبارہ راوالوں کے لیے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔''
''وہ را کے لیے کام کرے گا تو گرین کوبرا فائل پر کھلی سودے بازی کر کے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ وہ اس سے فائل کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اور اسے جھکنا پڑے گا۔''
''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا'' ہوسکتا ہے کہ وہ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے ساحلوں سے مشرق وسطیٰ کی طرف انسانی اسمگلنگ کرنے والا کوئی گروہ بند ہو جو سوبھراج سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو۔''
''وہ جو بھی رہا ہو، یہ خوشی کی بات ہے کہ اس کا قصہ تمام ہوگیا۔ آج سوبھراج کی نیت کھل کر سامنے آگئی۔ وہ اب بھی تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' اول خان بولا'' آج اگر ہمارا ہوم ورک ذرا بھی کمزور ہوتا تو سوبھراج اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا۔''
''مجھے اس بات کی خلش ہے کہ آج اس سے سامنا نہیں ہوا۔''
''اس کی کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے وہ ہر صورت سے تمہیں گھیر گھار کر یہاں بلانا چاہ رہا تھا اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا۔ اپنی آمد کے بارے میں اس نے تمہیں شروع سے تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا کیے رکھا۔''
''وہ جتنی شدت سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس کی بنا پر میرے ذہن میں ایک نیا نظریہ جنم لے رہا ہے۔ آج کے واقعات اس نظریے کی تائید کر رہے ہیں۔''
''کیا کوئی نئی بات ذہن میں آئی ہے؟'' اول خان نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔
''مجھے جلال کی باتوں میں وزن نظر آرہا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا'' شروع سے اسے شبہ ہے کہ گرین کوبرا راج محل کی آتش زنی میں جل کر راکھ ہوچکی ہے۔ سوبھراج نے اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے فائل محفوظ ہونے کا شوشا چھوڑا ہے۔''
''پہلے تم جلال سے اختلاف کر رہے تھے۔ اس تبدیلی کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا!''
''وہ امریکیوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر ان سے معافی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں جواب دیا'' اس کے لیے گرین کوبرا کافی ہے۔ امریکی اس خطے میں چین اور بھارت کے ماسٹر پلان جاننے کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرسکتے ہیں۔ فائل کے مقابلے میں سوبھراج کی معافی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ یہ بات یوں ہی ہوتی تو اب تک طے ہوچکی ہوتی۔ سوبھراج نے بلاوجہ واشنگٹن کی منظوری کا ڈھکوسلا کھڑا کیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم اس کے دعوے کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''
''میری بات کا برا نہ منانا۔'' اول خان نے نرمی سے کہا ''تمہاری اس تھیوری میں کئی خامیاں ہیں۔ اول تو یہ تمہاری رائے ہے۔ تم نے اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں دی......''
''دلیل بھی سن لو!'' میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی'' مجھ تک رسائی کی کوششوں میں حریفوں کے بہت سے اہم مہرے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ ٹام کا تازہ ترین واقعہ اس کی بدترین مثال تھا۔ سوبھراج یہ باتیں جانتا ہے اس لیے خود الگ تھلگ رہ کر مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہا ہے۔ وہ اپنے پیسے کے بل پر آدمی لڑانے کا عادی ہے۔ آج بھی اس نے ایک ایسی کوشش کر کے منہ کی کھائی ہے۔ اس کے پاس وہ فائل ہوتی تو وہ بھاری کشت وخون کا خطرہ مول لیے بغیر اسی کے ذریعے اپنی راہ سیدھی کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس متبادل راستے سے محروم ہے اس لیے اپنے سردھڑ کی بازی لگا کر مجھے پکڑنے یا مارنے کی کوششیں کر رہا ہے۔''
''تمہاری یہ بات درست ثابت ہوئی تو تمہیں گہرا قلق ہوگا۔''
''قلق کس بات کا ہوگا!'' میں نے نیم دلی سے کہا'' لڑائی میں حقائق ہر لمحے بدلتے رہتے ہیں۔ سچائی آخر میں سامنے آتی ہے۔''
''پارک ٹاورز میں وہ تمہیں گرین کوبرا کا فریب دے کر بھاگنے میں کامیاب ہوا تھا'' اول خان نے مجھے یاد دلایا'' اس وقت تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے تو سوبھراج کا قصہ وہیں ختم ہوجاتا۔ اتنی بھاگ دوڑ کی نوبت نہ آتی۔''
''یہ ہوتا رہتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں چھوڑا تھا۔ ابھی بھی یہ سب ہمارے خیالات ہیں حقیقت سوبھراج اپنی زبان سے اگلے گا کہ فائل آگ کی نذر ہوگئی تھی یا واقعی اس کی تحویل میں ہے۔''
''دوسری بات یہ ہے کہ چین کی حد تک تمہاری بات درست ہے۔ گہری دوستی نہ ہونے کی وجہ سے امریکا چینی عزائم سے بے خبر ہے اور ان کے ہر راز کا سب سے بڑا خریدار ثابت ہوسکتا ہے مگر بھارت سے اس کی گہری دوستی

ہے۔ خطے میں دونوں کی ملی بھگت چل رہی ہے۔ اس کے لیے اس فائل کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے!''

''بھارت بہت بڑا جمہوری ملک ہے۔ وہ اپنے خفیہ قومی منصوبے کسی دوست کو بھی نہیں سونپ سکتے۔ امریکا وہ جانتا ہے جو سامنے ہے۔ طویل مدت کے بھارتی منصوبے ایک راز ہیں۔ وہ فائل ان رازوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔'' میں نے تفصیل سے بتایا ''اگر وہ فائل جل چکی ہے تو اس کی نقلیں بھی اسی قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ سوبھراج کے پاس اصل ہے اور نہ اس کی نقل۔ اس نے مجھے اپنے اعتماد میں لینے کے لیے وہ کہانی سنائی تھی۔ اس کی ساری جستجو مجھے زیر کرنے کے لیے ہے۔''

''آج ہونے والا بھاری جانی نقصان اس کے ہوش اڑا دے گا۔''

''اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے کہا ''اسی وجہ سے اس نے بیک وقت سات آدمیوں کا لشکر بھیجا تھا۔ یہ ان کے مقدر کی خرابی تھی کہ ان کی موجودگی میں جلال کے تین آدمی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''ساتوں میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں نکل سکا ہوگا۔ سب زخمی یا مردہ حالت میں وہاں پڑے ہوئے ہوں گے۔ آئی بی والوں کو خراش تک نہیں آئی ہوگی۔''

''یہ تفصیل جلال سے معلوم ہوگی۔ آج کا سہرا اسی کے سر ہے۔''

''اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے بروقت فائر کھول کر تمہارے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے لیکن پہل تم نے کی تھی۔ تم نے پہلے سے کہنی مار کر مجھے ہوشیار نہ کر دیا ہوتا تو میں تمہاری چیخ سن کر گھبرا جاتا میں نے وہ اشارہ پاتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔''

''میں حیران ہوں کہ دونوں انفرا ریڈ دوربینوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہو گئی۔''

''وہ سب کرائے کے جنگجو تھے۔ انہیں پہاڑی پر جمے ہوئے لوگوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اتفاق سے پہاڑی کی جڑ میں چلے گئے ہوں گے۔ ڈھلان اور چٹانوں کی وجہ سے وہ دونوں اوپر والوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔''

''میں حیران ہوں کہ سوبھراج کو پیسے کے بل پر ایسے لوگ کہاں سے مل جاتے ہیں جو چند سکوں کے حصول کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں!''

''شیر دل کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بعد میں تم نے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لیا لیکن اس نے تک کو مارنے کی پہلی کوشش سوبھراج کے ایما پر کی تھی۔ یہ دور بہت برا آ گیا ہے۔ لوگوں نے پیسے کو اپنی ذات بنا لیا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لیے وہ عزت، شہرت اور جان تک داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ میں اپنے شکار کو سکے مار مار کر ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ ایسے لوگ سسک سسک کر مریں تو انہیں اندازہ ہو کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ تم نے غصے میں اس کی کھوپڑی اڑا کر میرے ساتھ ظلم کیا۔ آج میرا اسکور پھر صفر رہ گیا ہے۔''

''یہ سب دل کو سمجھانے والی باتیں ہیں۔ ہم دونوں کا کوئی اسکور نہیں ہے۔ آج کا پورا آپریشن آئی بی والوں کے کھاتے میں درج کیا جائے گا۔''

''وہ چوروں اور اسمگلروں کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے پر ہر اعزاز کے مستحق ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان ساتوں میں کوئی نام نہاد شریف آدمی بھی شامل نہیں ہوگا۔ ایسے بدخصلت لوگوں کی سرکوبی آئی بی کے دائرہ کار میں نہیں آتی۔ سوبھراج کی وجہ سے جلال کو آج کے قضیے میں ہاتھ ڈالنا پڑا۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ سرخرو رہا۔''

اس دوران میں ایریٹس میری گود میں پڑا رہا۔ کچھ دیر تک اس پر پیغامات کے بھرپور تبادلے کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید وہ لوگ اپنے حریفوں کے گرد سمٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر انسانی آوازوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ شاید وہ پہاڑی سے اتر کر نیچے آ چکے تھے۔ میں نے ریڈیائی لہروں کے بے معنی شور سے اکتا کر ایریٹس بند کر دیا۔

کارروائی کے اس مرحلے پر جلال کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم روشنیوں کی حدود میں داخل ہوئے تو مجھے اول خان کے چہرے پر ایک دو ضربات نظر آئیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر سوکھے ہوئے خون کے نشان بھی نمایاں تھے۔ میں نے کسی چیز کی نشان دہی نہیں کی اور سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں سب لوگ بے چینی سے ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

اول خان ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہونے کے لیے سیدھا سلطان شاہ کے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ ان تینوں نے مجھے گھیر لیا۔

کچھ تفصیلات کے ساتھ تازہ ترین واقعات سن کر غزالہ نے سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم دونوں ایک جان لیوا صورت حال سے دو چار ہونے کے بعد کامیابی سے زندہ

وسلامت لوٹ آئے تھے۔ سلطان شاہ کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ لوگ تعداد میں سات ہونے کے باوجود ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے تھے۔ ان دونوں کے برعکس ویرا نے کسی خاص ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کے لیے ان واقعات کی زیادہ اہمیت نہ ہو۔

''تم ان دونوں کی واپسی سے کچھ ناخوش نظر آرہی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

''تمہیں عینک کی ضرورت ہے۔ تمہاری بینائی خراب ہو رہی ہے۔'' ویرا کے پاس دندان شکن جواب تیار تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سلطان شاہ کے ساتھ میانہ روی ترک کر کے دوبارہ جارحانہ انداز اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسی لمحے ویرا کو احساس ہو گیا کہ وہ اسے سخت جواب دے بیٹھی ہے۔ اس نے کسی کے منہ کھولنے سے پہلے جلدی سے کہا ''میرا مطلب ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے۔ میرے حساب سے سوبھراج کو خود وہاں آنا چاہیے تھا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈینی سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔''

''ڈینی سر کے بل کھڑا ہو جاتا تب بھی وہ بزدل وہاں نہ آتا۔'' اول خان نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا ''اس وقت سوبھراج کا صرف ایک مقصد نظر آرہا ہے کہ وہ کسی بھی طرح ڈینی کو زیر کر لے۔ وہ خود مقابلے پر آنے سے گھبرا رہا ہے۔ سارا کام بھاڑے کے ٹٹوؤں سے نکلوانا چاہ رہا ہے اور آج اس کوشش میں ناکام ہوا ہے۔''

''حیرت ہے کہ وہ سات تھے اور تم دونوں کو زیر نہیں کر سکے۔'' ویرا کی منفی تنقید جاری رہی۔

''تم وہاں موجود ہوتیں تو یہ سوال نہ کرتیں۔ ان کے تین آدمی سامنے آئے تھے۔ چار افراد اپنی کمین گاہ میں دبکے ہوئے تھے۔ ضرورت پڑنے پر وہ بھی سامنے آتے لیکن واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ ان کی مداخلت کی نوبت آنے سے پہلے ان پر آگ برسنے لگی۔'' میں نے بتایا۔

''یعنی اب سوبھراج کھل کر تمہارے سامنے آ گیا ہے!'' ویرا نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

''آج کے واقعات کے بعد کسی آڑ موڑ کی گنجائش نہیں رہی۔''

''یہ برا ہوا۔'' ویرا سوچتے ہوئے بولی ''اب اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹ جائے گا اور کچھ پتا نہیں چل سکے گا، وہ کس سمت میں سوچ رہا ہے۔''

''کھلی دشمنی میں یہی ہوتا ہے۔ حریف ایک دوسرے کو بتا کر وار نہیں کرتے۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب سوبھراج اس صف میں آ گیا ہے۔''

''اسے فون کر کے دیکھو کہ اب وہ کیا کہتا ہے۔'' ویرا نے مشورہ دیا۔

''اس کے آدمی بدترین شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''میں نے اپنے ہاتھ سے دو آدمیوں کو مارا ہے مگر مجھے یہ پتا نہیں کہ سات میں سے کتنے زندہ بچے ہیں۔ آج کی رات گزر جانے دو کل روانگی سے پہلے اسے چھیڑوں گا۔ اس وقت تک اسے اپنے بھیجے ہوئے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''میں نے ٹکٹ دیکھے ہیں۔ ہماری سمتیں مختلف ہیں مگر دونوں پروازوں کی روانگی میں صرف آدھے گھنٹے کا فرق ہے۔ تم گیارہ بجے اور میں ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہو جاؤں گی۔''

''میں اس سے بہت پہلے سوبھراج سے بات کر لوں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''میں تمہارے مشورے سے پہلے یہ فیصلہ کر چکا تھا۔''

ہمارے ساتھ پیش آنے والے واقعات بہت سنگین نوعیت کے تھے وہ تینوں اس بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ہم خود پوری تفصیلات سے باخبر نہیں تھے۔ اس تصادم میں میری اور اول خان کی حیثیت مہمان اداکاروں جیسی رہی تھی۔ ہم سجے سجائے محاذ پر پہنچے، دشمن نے للکارا تو ہم نے اپنے جوہر دکھائے اور واپس لوٹ آئے۔ اس سے آگے کی تفصیلات جلال سے معلوم ہو سکتی تھیں۔

اگلی صبح ہماری روانگی کے پیش نظر مجھے قوی امید تھی کہ وہ ان ساتوں کے معاملے کو تیزی سے نمٹا کر کسی بھی وقت ہم سے ملنے کے لیے ضرور آئے گا۔ دو بجے میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ڈور بیل بجی اور پھر وہ ابرار کے ساتھ گھر میں آ گیا۔

اس وقت تک ہم سب ان واقعات پر مغز زنی کر رہے تھے۔ اول خان اپنے گھر فون کرنے کے بعد جم کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہماری روانگی سے قبل وہ رات ہمارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اسے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔

وہ آتے ہی باری باری ہم دونوں سے بغل گیر ہوا اور پھر خاص طور پر ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''آج ساری تیاریوں کے باوجود میں یکا یک بے بس ہو گیا تھا۔ بدمعاشوں پر فائر کیا جاتا تو گولی بھٹک کر ان کو ہلاک یا زخمی کر سکتی تھی مگر

ان دونوں نے زبردست بہادری دکھائی اور چشم زدن میں وہاں کا نقشہ بدل کرر کھ دیا۔''

''جس طرح تمہارے آدمی بعد میں لڑائی میں شامل ہو گئے تھے اسی طرح میں نے بھی ڈینی کی تقلید کی تھی۔'' اول خان نے وہ وضاحت ضروری سمجھی۔'' اصل کارستانی ڈینی کی تھی۔ اس کی کہنی لگتے ہی میں تیار ہو گیا کہ بس اب کچھ ہونے والا ہے اور وہ ہو گیا۔''

''ان میں سے چار مرے ہیں۔ تین زخمی حالت میں پکڑے گئے ہیں۔ وہ سب سورت کے وجے نامی بدمعاش کے لیے کام کررہے تھے۔ تینوں میں سے کوئی سوبھراج کو نہیں جانتا۔'' جلال نے مزید انکشاف کیا۔

''سورت!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو شاید کوئی بھارتی شہر ہے!''

''ہاں! ایک شخص کی اکھڑی اکھڑی اردو اور ناک نقشے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہے۔'' میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اب جلال اس کی تائید کررہا ہے۔''

''وجے کیا کہتا ہے؟'' اول خان نے تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

''وہ کچھ کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔'' جلال نے متاسفانہ لہجے میں بتایا ''جیسے ہی وہ بھاگتا ہوا تمہاری گاڑی سے دور نکلا، میرے ایک نشانچی نے اسے تاک کر ڈھیر کر دیا۔ پکڑے جانے والوں میں دو اس کے ساتھی ہیں۔ وہ بھی بھارتی شہری ہیں۔''

''سورت کے بدمعاش کراچی میں کیا کررہے تھے!'' ویرا نے حیرت سے کہا۔

''یہ وجے اور سوبھراج کا گٹھ جوڑ تھا۔'' جلال نے بتانا شروع کیا ''ان تین بھارتیوں سمیت چاروں پاکستانی بھی ماہی گیری کرتے ہیں۔ اس آڑ میں یہ سب سیادہ لوح لوگوں کو بھاری رقموں کے عوض خلیج کے دہانے پر واقع ریاستوں میں اسمگل کرتے ہیں۔ وجے ایک بڑے فشنگ ٹرالر کا مالک تھا۔ وہ سال کے زیادہ حصے میں گہرے سمندر میں رہتا تھا۔ اس کے کارندے ماہی گیری کی چھوٹی لانچوں میں چوری چھپے لوگوں کو وجے کے ٹرالر پر پہنچاتے ہیں۔ یہ دھندا کاٹھیاواڑ سے گوادر تک کی ساحلی پٹی پر ہوتا ہے۔ ہمارے بعض ماہی گیر بھی وجے کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔ ٹرالر پر پہنچائے جانے والے بے یقینی کے عالم میں جانوروں کی طرح اپنے دن گزارتے ہیں۔ بیماروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ مرنے والوں کی لاشوں کو بے رحمی سے سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جب ٹرالر پر

پیمانہ صبر

چڑیا گھر میں ایک خاتون نے چڑیا گھر کے ایک ایسے ملازم کو روک لیا جو دیکھ بھال کے لیے اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ انہوں نے جانوروں کے بارے میں سوالات کر کر کے ملازم کا ناک میں دم کر دیا۔

آخر میں وہ دریائی گھوڑے کے پنجرے کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور اس کے بارے میں بھی کئی سوالات کرنے کے بعد بولیں ''اچھا...... یہ نر ہے یا مادہ......؟''

ان کے سوالات سے ملازم کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے محترمہ؟ فرق تو صرف اس صورت میں پڑسکتا تھا کہ آپ خود دریائی گھوڑا...... یا پھر اس کی مادہ ہوتیں!''

کھیپ پوری ہوجاتی ہے تو وجے اپنا رخ خلیج کی طرف موڑ لیتا تھا۔ وہاں اس کا ٹرالر گہرے سمندر میں بظاہر ماہی گیری کرتا رہتا تھا۔ اس دوران میں اس کے عرب ایجنٹ اپنی لانچوں کے ذریعے ان لوگوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اومان کے کسی ویران ساحل تک پہنچادیتے تھے۔''

''یہ وجے کی کہانی ہوئی، وہ سوبھراج سے کیسے مل بیٹھا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکا۔ قاسم فشریز، روزگار انٹرنیشنل اور کارگوکنگ کے واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے پرانے مراسم تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وجے مقامیوں سے لین دین کے معاملات نمٹانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو اور سوبھراج نے اسے اپنے کام میں اٹکا لیا ہو۔ یہ سب ابتدائی معلومات ہیں۔ تفتیش ہوگی تو بہت کچھ سامنے آسکتا ہے۔ میں تم لوگوں کی روانگی کے پروگرام کی وجہ سے سب کچھ ادھورا چھوڑ کر ادھر چلا آیا تھا کہ تم کو بریف کرسکوں!''

''کس سلسلے میں؟'' بریفنگ کا ذکر آتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔

جلال نے اول خان پر ایک نظر ڈالی پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا ''یہ تم لوگوں کی سفری ضروریات کے لیے ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے۔ اس میں چالیس ہزار ڈالر کے ٹریولرز چیک ہیں۔ انہیں آپس میں بانٹ کر پشت پر دستخط کرلینا تاکہ ان کے

کھوتے کی صورت میں کلیم کیا جاسکے۔"
میں نے لفافہ تھام کر کہا "ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بڑی رقم ہے۔ کہاں سے دے رہے ہو؟"

"میں خود تنخواہ دار سرکاری ملازم ہوں۔ اپنی جیب سے نہیں دے سکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ رقم اسی مد میں سے آئی ہے جس سے ٹکٹ بنوائے گئے ہیں۔" اول خان کی موجودگی کی وجہ سے اس نے سیکرٹ فنڈ کا ذکر گول کر دیا۔

"ایسا تو نہیں کہ یہ ہمارے کام کا پیشگی معاوضہ ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔" اس نے بلا پس و پیش جواب دیا "تم نے پہلے بہت سے کام کیے ہیں اور اب گرین کوبرا قاتل کی تلاش میں ہو، و جے کا معاملہ سامنے آنے کے بعد مجھے یقین ہو چلا ہے کہ چھوٹا راجن اور سوبھراج میں بھی مخاصمت چل رہی ہے۔"

"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے۔" میں نے کہا "قاسم بتا چکا ہے کہ یہاں سے جانے والی ہیروئن چھوٹا راجن کے ذریعے ہی بکی جاتی تھی اور سوبھراج اسی سے اپنا حساب کتاب کرتا تھا۔"

"بس یہی تمہاری بریفنگ ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے۔"

"میں مشرق کی طرف جا رہا ہوں۔ ویرا اور سلطان شاہ کا رخ مغرب کی طرف ہوگا۔ یہ دونوں سیر و تفریح کے سوا کیا کریں گے۔ انہیں نذرانہ مل رہا ہے تو کام بھی ملنا چاہیے!"

"تمہاری طرح ویرا بھی بہت سمجھ دار ہے۔ اگر اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان مخاصمت کی فضا رہی تو یہ دونوں وہاں سے واپسی پر خالی ہاتھ نہیں آئیں گے۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اس سرزمین پر تم سے کوئی چوک ہوگئی تو پھر نجات کی راہ نہیں مل سکے گی۔ کوئی کام ہو یا نہ ہو، اپنی زندگیوں کو ہرگز داؤ پر نہ لگانا۔" آخری فقرے اس نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

"کام ہو یا نہ ہو، سرکاری وظیفہ مل گیا ہے۔" ویرا نے شوخی سے کہا "اپنی جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ کوئی اسے بلاوجہ داؤ پر نہیں لگاتا۔ تم مجھے ان لوگوں کے فون نمبر دے دو جو امریکا میں تمہارے لیے کام کرتے ہیں تاکہ کسی ضرورت کے وقت میں ان سے رابطہ کرسکوں۔"

"فی الحال یہ ممکن نہیں ہے!" جلال نے کہا۔

اس کا جواب سن کر ویرا کا چہرہ اتر گیا اور وہ بولی "تم نے ڈینی کو اپنے بنکاک بیورو والے کا نمبر دے دیا ہے تو میرے لیے یہ سہولت کیوں نہیں ہے؟"

"اوہو! تم ہر بات کو پل بھر میں ذاتی سطح پر لے جاتی ہو۔" جلال نے ہنس کر جواب دیا "تمہارے بجائے ڈینی امریکا جا رہا ہوتا تو اسے بھی میرا یہی جواب ہوتا۔ اس وقت امریکا اور یورپ کے بعض اہم ملکوں میں ہمارے آدمی کسی خاص مشن میں مصروف ہیں۔ ہم خود بھی کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ان سے رابطہ کرتے ہیں۔"

جلال کا جواب سن کر اول خان کی آنکھوں میں یکایک چمک سی لہرا گئی جیسے وہ جلال کی بات کی تہ تک پہنچ گیا ہو مگر ویرا مطمئن نہیں ہوسکی۔

"تم بھی ان سے رابطہ کرنے سے گریز کر رہے ہو تو وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں؟"

"میں اس تفصیل پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔" جلال نے معذرت کی "تمہارے اس سوال کا جواب ریاستی رازوں کے تحفظ کے قانون کے دائرے میں آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ جوں ہی حالات نے اجازت دی تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔"

"یہ تمہارے مسائل ہیں!" ویرا نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا "ان کے بارے میں تم بہتر فیصلے کرسکتے ہو۔ میں امریکا میں اپنے وسائل سے بھی بہت کچھ کرسکتی ہوں۔"

ویرا اس وقت اچھے موڈ میں تھی۔ وہ بات کسی بدمزگی کے بغیر ٹل گئی۔

جلال کو زندہ پکڑے جانے والوں سے بازپرس کی زیادہ فکر تھی۔ وہ اس اہم کام کو ذاتی طور پر انجام دینا چاہتا تھا۔ ویرانے ---- میں ہمارے ساتھ اچانک رونما ہونے والی خطرناک صورت حال پر ذاتی معذرت کرنے کے لیے وہ لاشوں اور قیدیوں کو اپنے آدمیوں کے سپرد کر کے ہماری طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ چند منٹ بعد وہ انتہائی پرتپاک انداز میں ہم چاروں کو الوداع کہہ کر رخصت ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مصروفیات کی بنا پر ہماری روانگی کے وقت ائرپورٹ پر نہیں آسکے گا۔

میں نے بھی اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

مجھے امید تھی کہ ہماری پاکستان سے روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش آئی تو اول خان ہماری مدد کے لیے وہاں موجود ہوگا۔ ایک بار اپنے وطن کی زمین چھوڑ دینے کے بعد ہمیں درپیش فوری خطرات میں نمایاں کمی آسکتی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا الپا کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سامان پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور نام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کردیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برانامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کرسکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کیے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے نام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں میرا ملک سے نکل جانا ہی بہتر تھا لہٰذا میں نے اپنی تیاریاں مکمل کرلیں۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ جانے کا تھا۔ جب کہ ویرا نے حیرت انگیز طور پر سلطان شاہ کے ساتھ امریکا کا رخت سفر باندھ لیا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 243 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''مبارک ہو!'' ایک قدرے طویل اور بوجھل سکوت کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی'' اب ہم چاروں پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ بن گئے ہیں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا'' تم ننھی سی بچی نہیں ہو۔ ان کھیلوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہو۔ ہم امن و عافیت کی راہ سے اچانک تلوار کی تیز دھار پر آگئے ہیں۔ تلوار اپنی جگہ سے ہل جائے یا ہم سے کوئی لغزش ہو' دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ہم بے موت مارے جائیں گے۔''

''یہ ایسا خطرناک معاملہ ہے تو تمہیں جلال کی پیشکش قبول کرنے سے صاف انکار کردینا چاہیے تھا۔'' وہ میرے لہجے کی ترشی کی پروا کیے بغیر بولی'' وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔ تم پر زبردستی کوئی ذمے داری نہیں تھوپے گا۔''

''اس نے اپنی دانست میں ہمارے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی ہے۔ میں اس سے اس فیصلے کے منفی پہلوؤں پر بات نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر تمہیں اس فیصلے میں کیڑے کیوں نظر آرہے ہیں؟'' اس نے برجستہ سوال کر ڈالا'' تم اس وقت الجھی ہوئی باتیں کررہے ہو۔''

''ڈینی کی باتوں میں کوئی ابہام نہیں ہے۔'' اول خان نے مضبوط لہجے میں میرا ساتھ دیا'' ایسے کاموں میں عارضی عملے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ کرائے کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ جب تک حالات سازگار رہتے ہیں سب انہیں اپنے سر کا تاج بنائے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی برا وقت آتا ہے تو ان سے فیض اٹھانے والے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ وہ دشمن کے چنگل میں بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں انہیں اپنی لڑائی خود لڑنا پڑتی ہے۔''

اول خان میرے ذرا سے اشارے پر بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہی ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔

ان دنوں میں نے اخبارات میں ایک بھارتی مسلمان کا دردناک احوال پڑھا تھا جو بارہ برس پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے پاکستان جانے کا خواہش مند تھا۔ شاید را کے کسی سورما نے اسے پہلے سے تاکا ہوا تھا۔ کافی پھیروں کے بعد جب وہ آخر کار اپنا ویزا حاصل کرکے پاکستانی سفارت خانے سے لوٹ رہا تھا تو راستے میں را کے آدمی نے اسے گھیر لیا۔

وہ شخص غریب طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ را والے نے اسے بھاری زادِ راہ کے ساتھ آنے والے دنوں کے سہانے سپنے دکھائے تو وہ اس ترغیب کو نظر انداز نہیں کرسکا' آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنس گیا۔

دو ہفتوں کی ہنگامی تربیت اور بریفنگ کے بعد اسے پاکستان روانگی کی اجازت مل گئی۔ وہاں وہ چشمہ نیوکلیر پاور پروجیکٹ کے قریب مشتبہ حالت میں گھومتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کے کیمرے میں کئی حسّاس مقامات کی تصاویر موجود تھیں۔ وہ پاکستانی حکام کے عتاب کا نشانہ بن گیا۔

اپنی زندگی کے اس بدترین دور میں اسے را والوں کی طرف سے مدد کی امید تھی لیکن کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں تھا۔

وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور غیر ملکی تخریب کار ثابت ہوچکا تھا۔ تفتیش اور مقدمے کے دوران وہ کئی برس تک مختلف پاکستانی جیلوں میں سڑتا رہا پھر اسے لمبی مدت کی قید

با مشقت کی سزا سنا دی گئی۔ بھارت سے کسی نے پلٹ کر اس کی خبر لی نہ اس کے مقدمے کی پیروی میں کوئی مدد فراہم کی گئی۔

وہ بارہ برس بعد رہا ہو کر بیماری اور کمزوری کی حالت میں اپنے وطن واپس پہنچا تو را والوں نے سرے سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا، مہینوں اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد اس نے پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دینے کی کوشش کی تو پولیس والوں نے لاتیں مار کر اسے بھگا دیا۔

وہ را والوں سے اس رقم کا طلب گار تھا جو اسے پاکستان سے واپسی پر غیر مشروط طور پر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے محض اپنے وطن کی خاطر اپنی جوانی کے بارہ برس دشمن کی جیلوں میں گزارے تھے تو اسے باقی ماندہ زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کے لیے وہ رقم طلب کرنے کا پورا اخلاقی اور قانونی حق حاصل تھا۔

نئی دہلی کے ایک مشہور وکیل نے اس بدنصیب کی کتھا سن کر اس کی طرف سے عدالت میں را کے خلاف ہر جانے کا دعویٰ دائر کر دیا تھا جسے سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا تھا۔

ویسے شاید کسی کو کانوں کان بھی اس شخص کی روداد ابتلا کا علم نہ ہوتا لیکن عدالت میں مقدمے کی سماعت کی منظوری ملتے ہی اس کی کہانی نے اخباری حلقوں کی توجہ حاصل کر لی اور یوں وہ خبر میری نظروں میں بھی آ گئی جو ریاستی مہم جوئی کے خوفناک حقائق کو بے نقاب کرتی تھی۔ کہنے کو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا لیکن میری نگاہ حقائق پر مرکوز تھی۔

ہمارے لیے حالات سازگار نہیں رہے تھے۔ دشمن نے ہمارے ہاتھوں پے در پے اتنی مار کھائی تھی کہ اس وقت اپنی پوری توجہ ہماری سرکوبی پر مرکوز کر دی تھی۔ ان لوگوں کے دماغوں میں بجا طور پر یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ بعض با رسوخ اور سرکردہ سرکاری اہل کار ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ وہ چوہوں کی طرح بلوں میں چھپے ہوئے اپنے حریفوں کو ڈھونڈ نکالنے کے دعوے دار تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے اور ویرا کے بارے میں وہ ایک مدت سے ناکامیوں کی خاک چاٹ رہے تھے۔

حد یہ تھی کہ مقامی حالات کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے کراچی کی پوری انتظامیہ کی سرگرمیوں کی انفرادی مانیٹرنگ شروع کی ہوئی تھی۔ وہ ان افراد اور قوتوں کا کھوج لگانا چاہتے تھے جو زبانی طور پر ہمارے بدترین دشمن بنے ہوئے تھے اور ہمیں ہر قیمت پر پکڑنے کے لیے کوشاں تھے لیکن عملی طور پر ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

وہ کوئی بے سروپا افواہ نہیں ایک مصدقہ خبر تھی۔ ان لوگوں کی پراسرار سرگرمیوں کی بنا پر اول خان جیسا جاں نثار دوست بھی ہماری بے مقصد تلاش میں اپنے آدمیوں کو شہر بھر میں ادھر سے ادھر دوڑانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ان حالات میں ہم شہر بلکہ ملک سے کوچ کرنے والے تھے۔ ہماری کوئی چیز اصلی نہیں تھی۔ ناموں اور شناخت ناموں سے لے کر ویزا تک ہر چیز جعلی تھی۔ ایک مرتبہ ہم اپنے وطن کی مٹی چھوڑ کر دور نکل جاتے تو یقینی طور پر بے امان ہو جاتے۔ جب تک تقدیر ہمارا ساتھ دیتی ہم آگے بڑھتے رہتے۔ کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آنے کی صورت میں اپنی کھال بچانے کی ذمے داری ہماری اپنی ہوتی۔ پاکستان سے کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ایک تلخ ترین حقیقت تھی جس کا پوری طرح ادراک کیے بغیر ملک سے باہر قدم نکالنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

ملک اور قوم کے دشمنوں سے محاذ آرائی کے لیے کسی نے ہمیں مجبور نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے کروڑوں شہری ان سیاسی، فوجی، معاشی اور معاشرتی دشمنیوں سے بے نیاز ہو کر، لگے بندھے انداز میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سر جھکا کر اپنی روزی اور روزگار کے مسائل حل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور پھر فرصت کے اوقات اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ہنسی خوشی گزارتے ہیں۔ انہیں کسی سوبھراج کی فکر ہوتی ہے نہ ٹام ڈک اور ہیری کی۔

چاہتا تو میں بھی کروڑوں کی اس بھیڑ میں شامل ہو کر سکھ چین کی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن میں نے ملک میں ہیروئن کی پھیلتی ہوئی وبا کے خطرے کو بھانپ کر جمی لائیڈ اور اس کی شی کی خلاف بغاوت کر کے اپنی مرضی سے اس پُرخطر راہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے جلال، اول خان یا کسی اور نے ان معرکہ آرائیوں میں نہیں دھکیلا تھا۔

کروڑوں انسانوں کے سکون کے لیے ملک بھر میں ہزاروں یا شاید لاکھوں انسان دن رات خطرات سے کھیل کر اپنے وطن کی مٹی کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کبھی یہ زعم نہیں رہا تھا کہ میں ان راستوں کا اکلوتا راہی تھا۔ بہت سے لوگ حدود و قیود میں رہ کر بھی بڑے بڑے کام کر رہے تھے۔ مجھے یہ فخر ضرور تھا کہ میں بھی ان کا ہم سفر تھا اور اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہمیں بیرون ملک کا سفر درپیش تھا۔

اس مرحلے پر ملک سے باہر کا سفر خطرناک ضرور تھا لیکن

مایوس کن نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جمی لائیڈ سے شروع ہونے والی لڑائی کی بنا ہیروئن بنی تھی جو قرب و جوار کے سرحدی علاقوں سے سستے داموں لاکر اس سے بھی سستے داموں پر ملک بھر میں پھیلائی جا رہی تھی اور کئی سو گنا منافع پر باہر بھی اسمگل کی جا رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بنیاد وسیع تر ہوتی چلی گئی منفی مقاصد کے لیے کام کرنے والے دشمنوں کے چہرے مختلف تھے لیکن ان میں کہیں نہ کہیں ہیروئن ایک قدر مشترک ضرور تھی۔ میں اس بات کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ افیم کی کاشت والے پاکستانی اور افغان علاقوں میں ایک جرمن کیمسٹ نے ہیروئن بنانے کا نسخہ پھیلایا اور پھر پیداوار پر جمی لائیڈ نے قبضہ جمالیا۔ جمی لائیڈ وہ شخص تھا جو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کی پختہ روش پر اپنی کار کے قریب کسی بے آواز رائفل کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ ایک مستند ہیروئن فروش کا امریکی ایوانِ صدر میں مارا جانا کسی وضاحت کا محتاج نہیں تھا۔ دوسرے سرے پر سوبھراج نظر آرہا تھا جو خود بھی در پردہ ہیروئن کی بھاری اسمگلنگ میں ملوث تھا۔

''تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟'' مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹوکا۔

''میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا تھا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''کیا بھارت کا سفر یاد آ گیا؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ڈالٹن...... ڈاکٹر پی جے ڈالٹن یاد آ گیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''اوہ!'' ویرا نے ہلکا سا بے ساختہ قہقہہ لگایا ''تم تو بہت پیچھے چلے گئے۔ اب یہ نہ کہہ دینا کہ اس خطے میں ہیروئن کو میں نے متعارف کرایا ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میرے کہنے سے پہلے تم نے یہ بات کہہ ڈالی۔ اسی کو ضمیر کہتے ہیں۔ انسان زبان سے جو چاہے کہتا رہے' اندر کی آواز رہ رہ کر اسے کچوکے لگاتی رہتی ہے۔''

''میں نے یہ بات مذاق میں کہی تھی تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔'' ویرا کے تیور بدل گئے۔

''تم دونوں نے اچانک کیا قصہ شروع کر دیا؟'' اول خان نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''دلچسپ کہانی ہے۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

''اس علاقے میں افیم صدیوں سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا ہیروئن نامی الکلائیڈ بنانے کی سادہ سی ٹکنالوجی ڈاکٹر ڈالٹن نے سب سے پہلے مومن خان کو فروخت کی تھی۔ یہ زیادہ پرانا واقعہ نہیں ہے۔'' میں نے اول خان کو بتا کر تائید طلب نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔

''آج تم نے میرے سامنے پہلی بار یہ ذکر چھیڑا ہے تو اپنی معلومات کی تصحیح بھی کر لو۔'' ویرا نے دھیمے اور قدرے شکست خوردہ لہجے میں کہا ''مومن خان اس وقت افیم کی سب سے بڑی فصل کا مالک تھا۔ ڈالٹن کو شی نے ایک لاکھ جرمن مارک دیے تھے۔ مومن خان بیچ کا آدمی تھا۔ ڈالٹن اسے طریقہ سکھا کر واپس چلا گیا۔ ہم مومن خان سے اس کی فصل کا سودا افیم کے دام پر طے کرتے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کی ہیروئن بنا کر ہمیں دے دیتا تھا۔ مومن خان کی لیبارٹری سے بات باہر نکلنے کے بعد صورتحال بدل گئی۔ لوگ افیم کے بجائے ہیروئن کے سودے کرنے لگے۔''

''شاید تم لوگ ہیروئن کی تاریخ میں الجھ گئے ہو۔'' اول خان نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اس وقت اس تذکرے کی کیا تک ہے...... صبح تم چاروں کی روانگی ہے۔''

''اس سفر کے خیال سے پرانی یادیں خود بہ خود یک جا ہو رہی ہیں۔'' میں نے دھیمے سے کہا ''وہ میرے سفر کی ابتدا تھی اور اب تک میں کم و بیش وہی لڑائی لڑ رہا ہوں۔''

اول خان ہنس دیا ''تم بھی دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اب سوبھراج اور چھوٹا راجن ہیروئن کے بڑے بیوپاری ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔''

''ڈینی کے ذہن میں فلیش بیک ہو رہے ہیں۔'' ویرا نے ہنستے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''شاید اس کا سبب وہی دونوں ہیں جن کے نام تم نے لیے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ ہیروئن کوئی نئی ایجاد نہیں تھی۔ یورپ میں اسے بنانے کا نسخہ موجود تھا لیکن اس کے مضر اثرات کی وجہ سے اسے ادویات کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔ شی نے میرے ذریعے ایک لاکھ جرمن مارک کے عوض ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات خریدی تھیں تاکہ وہ تمہارے قبائلی علاقے کے سب سے بڑے زمیندار اور اس کے آدمیوں کو افیم سے ہیروئن بنانا سکھا دے۔ ڈالٹن نے یہ گر مومن خان کے آدمیوں کو سکھا دیا اور افغانستان پر روسی یورش کے دنوں میں اس خطے میں پہلی بار ہیروئن بننا شروع ہو گئی۔ یوں سمجھ لو کہ تقریباً سات کلو افیم سے صرف ایک کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے۔ نقل و حمل کے وزن میں

زبردست کمی ہو جاتی ہے اور ایک کلو ہیروئن کے دام عالمی منڈی میں سات کلو کیا بلکہ دس کلو افیم سے بھی کئی سو گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ شی نے مختصر سی مدت میں مومن خان کی مدد سے کروڑوں ڈالر کما لیے۔''

''ہمارے خطے کے لیے ہیروئن کا نشہ چند برس پہلے تک کوئی وجود نہیں رکھتا تھا'' اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا'' اگر ڈالٹن نے رقم کے لالچ میں یہ بیج یہاں بویا تھا تو تاریخ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اچھا ہوا کہ یہ راز بھی آج کھل کر سامنے آ گیا۔ مجھے ہمیشہ سے حیرت تھی کہ مجرموں نے خسارے کی سرمایہ کاری کیسے کی۔ اب پتا چلا کہ وہ مومن خان کو اندھیرے میں رکھ کر ہیروئن کوڑیوں کے مول خرید رہے تھے!''

''یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ شی کا بانی جمی لائیڈ تھا جسے ویرا اپنا باپ کہتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات پوری ہوتے ہی لقمہ دیا'' اور شی کے ایما پر ویرا نے ڈالٹن کو گھیر کر جرمنی سے ہمارے سرحدی پہاڑوں میں پہنچایا تھا۔''

اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی، بے جان مسکراہٹ تیر گئی'' میرے یاد رکھنے یا بھول جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آنے والے وقتوں میں ساری کڑیاں خود بہ خود سامنے آتی چلی جائیں گی۔ تاریخ کے بے رحم دھارے کو موڑا نہیں جا سکتا۔''

''آج اتنے برسوں کے بعد تمہیں یہ بھولی بسری باتیں کیسے یاد آ گئیں؟'' ویرا نے مجھ سے خفت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تم اول خان کے ایسے ہی سوال کا جواب دے چکی ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا'' ایسے دور رس حقائق پر جب تک کھل کر تبادلہ خیال نہ ہو، الجھنیں ستاتی رہتی ہیں، بنلیش بیک ہوتے رہتے ہیں۔''

''ہم مدت سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ تم کسی بھی وقت بات کر کے اپنی الجھنیں دور کر سکتے تھے!'' ویرا نے نرمی سے کہا۔

''بس تمہاری دل آزاری کے خیال سے خاموش رہا۔''

''تو کیا اب مجھے نادم کرنے کے لیے یہ قصہ نکالا ہے؟''

''دیکھو! تم نے بہکنا شروع کر دیا۔'' میں نے اسے وہیں ٹوک دیا'' اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی میں وہیں کھڑا ہوا ہوں۔ صرف نام اور چہرے بدلے ہیں، دھندا وہی پرانا ہے۔ بس یہ خیال مجھے دور تک بہا کر لے گیا۔''

ویرا چند ثانیوں تک خاموش رہی پھر ہلکے سے استہزائیہ انداز میں بولی'' میرے بارے میں تم کو دوسرے ذرائع سے بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ مجھے بھی تمہارے بارے میں بالا ہی بالا بہت کچھ معلوم ہوتا رہا۔ ہم ایک دوسرے کی دشمنی کو بھول کر اب دوستی کی راہ پر گامزن ہیں لیکن ہم نے کبھی آمنے سامنے بیٹھ ان باتوں کو صاف نہیں کیا جو ایک دوسرے کے خلاف ہمارے ذہن میں جڑیں پکڑی ہوئی ہیں۔''

''میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی وضاحت یا صفائی کی ضرورت ہو۔''

''ابھی تم نے ڈالٹن کا ذکر چھیڑا تھا!'' ویرا نے طنز سے کہا۔

''وہ کوئی وہم نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوس حقیقت کا ذکر کیا تھا۔ تم اسے تسلیم کر رہی ہو۔ حقائق اور شکوک و شبہات میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تمہیں میرے کسی قول، فعل یا نیت پر کسی قسم کا کوئی شک یا شبہ نہیں ہے؟'' ویرا نے زور دے کر مجھ سے تائید طلب کی۔

''چاہو تو میں یہ باتیں لکھ کر دے سکتا ہوں۔ ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کیے بغیر ہم زیادہ دیر تک ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔''

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر اپنے دیدے گھماتے ہوئے بولی'' یہ میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ تم سب گواہ رہنا کہ آج ڈینی نے مجھے زبانی سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بلا توقف بولی'' ہم سب عملی طور پر تم پر اپنے پورے اعتماد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ڈینی تم کو بعض ایسے رازوں میں شریک کر لیتے ہیں جن کے بارے میں مجھے بہت دیر سے علم ہوتا ہے۔''

''میرے لیے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' ویرا اپنے شانے جھٹک کر بے پروائی سے بولی'' قصہ دراصل یہ ہے کہ تم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد خالص خانہ دار خاتون بن گئی ہو عملی کارروائیوں سے عام طور پر دور رہتی ہو۔ کبھی کبھی جوش آتا ہے تو کچھ کر گزرتی ہو ورنہ تمہاری ذات پر پھر وہی جمود طاری ہو جاتا ہے۔ یہ.....''

غزالہ نے اچانک اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میری تعریف کر رہی ہو

یا میرا مذاق اڑا رہی ہو!''

''میں تمہارا مذاق اڑانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔'' ویرا نے جلدی سے وضاحت کی ''ہم میں سے کسی نہ کسی کو گھر بھی سنبھالنا چاہیے۔ ایک سگھڑ بیوی کی حیثیت سے تم نے یہ ذمے داری رضا کارانہ طور پر اپنے سر لی ہوئی ہے۔ یہ بہت اچھی اور قابلِ تعریف بات ہے۔ ذرا سی تنقید کا جواز یہ ہے کہ ڈینی کو اپنا کام آگے بڑھانے کے لیے ہر وقت نفری کی ضرورت رہتی ہے۔ اس معاملے میں تم پیچھے رہتی ہو۔''

''میں ہر جگہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتی جہاں میری ضرورت ہوتی ہے' میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتی۔ متعدد واقعات کی تم خود گواہ ہو۔'' غزالہ نے بے باکی سے جواب دیا۔

''ہاں......آں......!'' ویرا پُر خیال انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ''تمہاری یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے۔ دراصل میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ڈینی مجھے اعتماد میں لے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ مشورے اور معاونت کے لیے مجھے بہت کچھ بتانا اس کی مجبوری بن جاتا ہے اور میں نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا۔''

''ہٹ دھرمی ایک خوفناک بیماری ہے۔'' سلطان شاہ نے اول خان سے مخاطب ہو کر گہری سنجیدگی سے کہا ''یہ کسی کو لاحق ہو جائے تو اسے اپنے گرد و پیش میں اپنی ذات کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ کوئی ہوتا بھی ہے تو وہ اسے بونا لگتا ہے۔''

''اول خان کو کیا بتا رہے ہو۔ میری طرف دیکھ کر بات کرو؟'' ویرا بولی۔

''میں خاص طور پر تمہاری بات نہیں کر رہا۔ اول خان کو اپنے تجربے کی بات بتا رہا تھا۔ میں نے عام طور پر یہی سب دیکھا ہے۔''

''تم جو چاہو کہتے رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''میں بھی اول خان کو یہی بتا رہا تھا۔ ہٹ دھرم پر کسی کے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی ہانکنے میں مگن رہتا ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔ اس نے درمیان میں دخل انداز ہو کر غزالہ اور ویرا کی بحث کا رخ اچانک موڑ دیا تھا۔

''دنیا کا کوئی معقول آدمی بے سر و پا باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' قدرے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو وہ جواب دے کر ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی ''جلال کا دیا ہوا لفافہ کب تک میز پر پڑا رہے گا۔''

''اوہ......تو تمہاری نظر ان ٹریولرز چیکس پر ہے!'' سلطان شاہ نے پھر اپنی ٹانگ اڑائی۔ ویرا نے اس کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ اس کی نگاہیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''چاہو تو تم پورا لفافہ لے سکتی ہو۔''

''میں نے ساری رقم لے لی تو میں عمر بھر تم تینوں میں سے ایک شخص کے جلے کٹے طعنے سنتی رہوں گی۔'' اس نے کہا ''بہتر یہی ہے کہ جلال کے مشورے کے مطابق اس کے حصے بخرے کر دو۔ کسی کے پیٹ میں مروڑ نہیں ہو گی۔''

اس نے کسی کا نام نہیں لیا تھا لیکن اس کا واضح اشارہ سلطان شاہ کی طرف تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔

میں نے لفافہ اٹھایا اور اس میں سے دس دس ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک گن کر ویرا اور سلطان شاہ کے حوالے کر دیے۔

ویرا نے اس گڈی کو گنے بغیر' موڑ کر چوما اور فخریہ لہجے میں بولی ''میں جب سے پاکستان میں ہوں تم لوگوں کے مال پر عیش کر رہی ہوں۔ یہ یہاں میری پہلی کمائی ہے جو مجھے میرے حق کے طور پر ملی ہے۔''

''شہر کی کچی آبادیوں میں ابھی کمانے والیوں کی مانگ ہے۔ تم چاہو تو وہاں دل کھول کر کما سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

ویرا بہت اردو داں بنتی تھی لیکن اس وقت سلطان شاہ سے مات کھا گئی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانے والی بات اس کے سر پر سے گزر گئی تھی۔ شاید وہ اپنی خفت چھپانے کے لیے اسے گول ہی کر دیتی مگر غزالہ اور اول خان کے ہونٹوں پر ابھرنے والی خفیف سی مسکراہٹ نے اسے تذبذب میں ڈال دیا۔

''تم کن کمانے والیوں کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے غرا کر سلطان شاہ سے پوچھا۔

''ابھی رہنے دو۔ امریکا پہنچ کر بتا دوں گا۔'' سلطان شاہ نے فتح مند انداز میں جواب دیا ''بے فکر رہو۔ یہ کوئی برا حوالہ نہیں ہے۔''

''یہ باتیں ساری رات چلتی رہیں گی۔'' اول خان نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو کچھ شکم پری کے بعد آرام کر لیا جائے۔''

باتوں میں کسی کو کھانے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں دین محمد ہم لوگوں کی جانب سے کسی ہدایت کے انتظار میں آس پاس منڈلا رہا تھا۔ اول خان کے بلند آہنگ لہجے میں شکم پری کا ذکر سنتے ہی وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ویرا ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر جمی رہی۔ غزالہ اٹھ کر اس کے ساتھ کچن کی طرف ہولی۔

''کھانے اور آرام کے درمیان میں سوبھراج کا کوئی ذکر نہیں ہے!'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد ویرا نے اول خان سے کہا۔

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

''میرا ارادہ ہے کہ دو بجے کے بعد اس کو دیکھا جائے۔'' میں نے کہا۔

تو کیا سفر سے پہلے سونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تم چاہو تو اسی وقت سو سکتی ہو۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کے بعد میں سکون کے ساتھ اس سے بات کروں گا۔''

''کیا دو بجے کے بارے میں تمہیں کسی جوتشی نے ہدایت دی ہے؟'' ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''بعض اوقات تمہاری عقل پٹری سے اتر جاتی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا' سوبھراج کے لیے وہ بہت بڑی مہم تھی۔ تمہیں اس کا اندازہ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی تعداد سے ہو جانا چاہیے۔ وہ خود وہاں نہیں آیا۔ اپنی کمین گاہ پر رک کر اپنی مہم جوئی کے نتائج کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کم از کم دو تین گھنٹوں تک وہ اپنے آدمیوں کی طرف سے کسی خبر کا انتظار کرے گا۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو کر دوسرے ذرائع کو حرکت میں لائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں اسے فون کروں تو اسے اپنے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہو۔''

ویرا خاموشی اور دھیان سے میری بات سنتی رہی۔ میرے خاموش ہوتے ہی وہ فیصلہ کن انداز میں بولی'' تم اس انتظار میں ہو تو میری بات کہیں لکھ لو کہ اسے اپنے ذرائع سے زندگی بھر ان ساتوں کے انجام کا علم نہیں ہو سکے گا۔''

''میں نے تلخی سے اس کے دعوے پر تنقید کرنے کا ارادہ کیا اور اسے فوری طور پر ملتوی بلکہ منسوخ کر دیا۔

اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہونے سے اسے یہ یقین تو ہو جاتا کہ وہ ناکامی سے دو چار ہو چکے ہیں لیکن اس کے پاس یہ حقیقت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان سب کا کیا انجام ہوا ہے۔

واقعہ بھرے پرے شہر میں نہیں بلکہ ایک ویرانے میں پیش آیا تھا۔ فائرنگ کے دھواں دھار تبادلے اور انجام سے صرف وہی لوگ واقف تھے جو اس مقابلے میں شریک تھے اور زندہ بچے تھے۔ سوبھراج یا وجے کے زندہ بچنے والے تینوں آدمی آئی بی کے قیدی بن چکے تھے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ سوبھراج یا کسی اور کو اپنی حالت سے آگاہ کر سکیں۔ جو مارے گئے تھے' ان کا ذکر ہی بے سود تھا۔

دوسری طرف سوبھراج خود مخدوش حالات سے دوچار تھا اور روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ چوری چھپے باہر نکلنے کا خطرہ مول لیتا تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کی تلاش میں جائے واردات تک پہنچنے کی ہمت کر سکے۔

وقت گزرنے اور اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہ ملنے سے اسے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ناکامی سے دو چار ہوئے ہیں۔ اس سے آگے کچھ جاننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اسے صرف اخبارات میں آنے والی خبروں سے ہی کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

آئی بی والے اپنی سرگرمیوں کی اخباری تشہیر سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔ ان کے آپریشنز کی کوریج کے لیے اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر موجود نہیں ہوتے۔ ملک وقوم کے مفاد میں انہیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کر گزرتے ہیں اور ضروری ہو تو ان کے اعلیٰ افسران غور وفکر کے بعد اپنی پالیسی کے مطابق اخبارات کے لیے بریفنگ جاری کر دیتے ہیں۔

مجھے مکمل یقین تھا کہ اگلی صبح کے اخبارات میں اس واقعے کے بارے میں کچھ بھی نہیں آسکے گا۔ واقعہ بہت اہم تھا جس میں دو مقامیوں کے ساتھ پانچ بھارتی اسمگلر بھی ملوث تھے جن میں سورت کا وجے نامی بدمعاش بھی شامل تھا۔ چار بدمعاشوں کی ہلاکت اور تین کی گرفتاری کے بارے میں کم از کم ایک دن کی تاخیر سے اخبارات میں کوئی خبر آسکتی تھی۔ اس وقت سے پہلے سوبھراج کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے درندے کس افتاد سے گزرے تھے۔

''اسے صحیح واقعات کا علم ہو یا نہ ہو' وقت گزرنے سے

اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے آدمی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔'' میں نے مصالحت آمیز انداز میں ویرا سے کہا۔

''سوبھراج نے وہ بکھیڑا تمہیں گھیرنے کے لیے پھیلایا تھا۔ تمہاری آواز سنتے ہی اسے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس کے آدمی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔'' ویرا اپنی جگہ پر اڑی رہی۔

''یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے زچ ہو کر پوچھا۔

''وقت ضائع کرنے کے بجائے کھانے سے فارغ ہو کر اس خبیث سے بات کرو۔'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا'' ذہن سے ایک بوجھ اتر جائے گا اور ہم یکسو ہو کر کچھ دیر کے لیے آرام کر سکیں گے۔ ہم کسی غیر معمولی بندوبست کے بغیر عام مسافروں کی طرح اپنے سفر پر روانہ ہوں گے۔ ہمیں نو بجے تک ائرپورٹ پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ ہم روٹین میں چیک اِن اور امیگریشن کے مراحل سے گزر سکیں۔ اس کے لیے ہمیں سات بجے سے تیاری شروع کرنا ہوگی۔''

''چلو تمہاری یہ بات مان لی گئی!'' میں نے اس کے مشورے کی معقولیت تسلیم کر لی۔

''اور یہ بھی طے کر لو کہ گھر کا کیا بنے گا۔ ہم چاروں کے روانہ ہونے سے پہلے گھر کو بھی سمیٹنا ہے۔'' وہ بولی۔ ''گلنے سڑنے والی چیزوں کو ریفریجریٹر سے نکال کر پھینکنا ہے۔ گھر کو احتیاط سے مقفل کرنا ہے۔ بہتر ہوگا کہ جہانگیر کو بھی اپنے پروگرام سے مطلع کر دو۔ تمہارے یکایک غائب ہونے سے وہ بے چارہ اور اس کی بیوی پریشان ہو جائے گی۔''

''تم کو بھی سوچنے کی عادت پڑتی جا رہی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا'' گھر کو سمیٹنا اور سنگوانا عورتوں کا کام ہے۔ اس بارے میں تم غزالہ سے مشورہ کر لو۔ میں جہانگیر سے بات کر لوں گا۔ یہ ضروری ہے اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ میں اسے بھول گیا تھا۔''

''گھر کو مقفل کر کے چابیاں اول خان کو دے دی جائیں!'' ویرا نے تائید چاہی۔

''یہ تمہارا گھر ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان بول پڑا'' جو چاہو فیصلہ کرو' میری رائے ہے کہ تمہیں ان بکھیڑوں میں الجھ کر اپنا وقت خراب کرنے کی ضرورت نہیں' ابرار اور دین محمد میرے اعتماد کے آدمی ہیں تم چاہو تو تمہاری غیر حاضری میں وہ یہاں رہ کر گھر کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ تم لوگ آؤ گے تو تمہیں گھر صاف ستھرا اور کھلا ہوا ملے گا۔''

''ویری گڈ...... یہ تجویز بہت اچھی ہے۔'' ویرا خوش ہو کر بولی'' تمہارے شہر میں سبزے کا قحط ہے۔ ہوا کے ساتھ ہر وقت دھول اڑتی رہتی ہے' چار دنوں میں پورا گھر گرد و غبار سے اٹ جائے گا۔ وہ دونوں یہاں رہتے رہیں گے تو ہمیں بے فکری رہے گی۔ تمہارے دونوں آدمی محنتی اور ایمان دار ہیں۔ بس ایک ڈر ہے۔ کمرے میں میری کئی بوتلیں پڑی ہوئی ہیں۔ میدان صاف پا کر کہیں ان کی نیت خراب نہ ہو جائے۔''

''دونوں پکے دین دار اور نمازی ہیں۔ مجھے ان سے ایسی توقع نہیں ہے۔'' اول خان نے پورے اعتماد سے کہا'' پھر بھی تنہائی میں شیطان کو آتے دیر نہیں لگتی۔ میرا مشورہ ہے کہ بوتلوں کو کہیں چھپا کر مقفل کر دو۔''

''بہتر یہی ہوگا کہ انہیں نالی میں بہا کر خالی کر دو۔'' سلطان شاہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا'' شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا اور تم ڈینی کی طرح پارسا ہو جاؤ گی۔''

''شیطان تمہاری کھوپڑی میں گھسا رہتا ہے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''مجھے بیچ میں مت لاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا' اول خان کی بات دہرائی ہے' تم اپنے کمرے میں تنہا ہوتی ہو اور تم پر شیطان آ جاتا ہے۔ نتیجے میں ایک آدھ بوتل خالی ہو جاتی ہے۔ اس کا عذاب ہم سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے!'' ویرا اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں بولی'' کسی کو اس پر رائے زنی کا حق نہیں ہے میں جو کچھ کرتی ہوں' اپنے کمرے میں کرتی ہوں۔ تمہاری طرح گھر بھر میں بہکی بہکی باتیں نہیں کرتی پھرتی۔ جس دن مجھ پر واقعی شیطان آ گیا میں ایسی بے ہودہ باتوں پر تمہارا گلا دبوچ لوں گی اور تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے قرار آ جائے گا۔''

''میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا'' ویرا کے تیور دیکھ کر اول خان نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی'' میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے آدمیوں پر تنہائی

میں شیطان آ گیا تو وہ تمہاری امانت میں خیانت کر سکتے ہیں۔ کیوں کسی کو ایسی کھلی آزمائش میں ڈالا جائے۔''

وہ بات وہیں ختم ہوگئی۔ غزالہ نے آکر کھانے کی میز لگ جانے کا اعلان کیا تھا۔

کھانے کے دوران میں باتوں کا دور چلتا رہا۔ ان میں تلخی نام کو نہیں تھی۔ ہم لوگوں میں یہ رسم اچھی تھی کہ کوئی کسی بات کو اپنے دل میں لے کر نہیں بیٹھتا تھا۔ وقتی طور پر کوئی تلخی ترشی ہو جاتی تھی تو ہر فریق اسی وقت اپنی بھڑاس نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیتا تھا' کوئی بات ضرورت سے زیادہ طول نہیں پکڑتی تھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پانچوں ایک ایک کر کے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں سگریٹ سلگا کر فون کے قریب والے صوفے پر ٹک گیا۔

چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا رہ رہ کر مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے انتظار تھا کہ میں کب سوبھراج سے رابطہ کرتا ہوں۔

میں نے چائے ختم کرنے کے بعد فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ویرا غیر ارادی طور پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ میں نے نمبر ملانے کے بعد اسٹیشن فور کے آپریٹر سے جہانگیر کا نمبر مانگا تو ویرا کے چہرے پر یکایک مایوسی پھیل گئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے کن انکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔

جہانگیر سے فون پر بات کرنے کا مشورہ بھی اسی کا تھا اس لیے وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکی۔ غصیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہ گئی۔

اسٹیشن فور پر جہانگیر ہائی سکیورٹی کے درجے کا مہمان تھا۔ کسی اجنبی کے لیے اس سے کسی بھی طرح رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسٹیشن فور کا آپریٹر میری آواز پہچانتا تھا اور ایس ٹی ایف کے ساتھ میرے قریبی مراسم سے بھی پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر جہانگیر سے لائن ملا دی۔

آپریٹر نے جہانگیر کو شاید یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ میری کال تھی۔ اس نے بہت خشک لہجے میں ہیلو کہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مادہ تم سے کچھ روٹھی ہوئی ہے!'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''ابے! یہ تم ہو!'' میرے کان میں اس کی بے ساختہ اور مسرت آمیز آواز گونجی ''کہاں مرے ہوئے ہو۔ یہاں تو کوئی تم کو نہیں جانتا۔ جس سے تمہارے بارے میں پوچھتا ہوں وہ من بھر کی منڈیا ہلا کر صاف انجان بن جاتا ہے۔ یہ کیا چکر ہے؟''

''کوئی چکر نہیں ہے۔ تم بے فکری سے مفت کی روٹیاں توڑتے رہو اور عیش کرو' وہاں پرندہ بھی اجازت کے بغیر پر نہیں مار سکتا۔ میرے بارے میں اول خان کے سوا کوئی تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ یہ بتاؤ کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''یہ لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ ہر بات کا خیال رکھتے ہیں۔ کمرے میں ساری سہولتیں موجود ہیں۔ سچ پوچھو تو میرے لیے یہ جگہ جنت سے کم نہیں۔ جان کا خطرہ ہے نہ دشمن کا کوئی خوف' جب جی چاہتا ہے بے فکری سے ٹانگیں پسار کر سوتا ہوں' بس ایک چیز کی کمی ہے۔''

''وہ کیا۔'' میں نے فکر مندی سے پوچھا ''مجھے بتاؤ میں اول خان سے بات کروں گا۔''

فون پر اس کی ہنسی کی بے ساختہ آواز آئی پھر اس نے کہا ''وہ شریف آدمی ہے اس سے کوئی بات نہ کرنا دراصل یہاں رونق نہیں ہے۔''

''میں تمہاری بات نہیں سمجھا' کیا تمہارے باہر نکلنے پر اب بھی پابندی ہے؟'' جہانگیر سے وہ سوال کرتے ہوئے میری نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ ریسیور پر بات ہونے کی وجہ سے اول خان کو موضوع سخن کا علم نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے میرا سوال سن کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

اسی لمحے جہانگیر نے اول خان کی تائید کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا ''ہیلی کاپٹر کی پرواز والے واقعے کے بعد ذرا احتیاط کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اب ہر طرف گھومنے پھرنے کی پوری آزادی ہے۔ ایس ٹی ایف والے فوجی تو نہیں ہیں لیکن ان کی ساری عادتیں اور طور طریقے فوجیوں جیسے ہیں۔ ہر وقت سنجیدہ اور مودب رہتے ہیں۔ کھانا لانے والے سے ذرا مذاق کرنے کی کوشش کی تو وہ یوں اٹینشن کھڑا رہا جیسے میں اسے کوئی سنگین حکم نامہ سنا رہا ہوں......''

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے گفتگو مختصر کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر کہا ''اول خان اپنے عملے کو ہدایت کر دے گا کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ برابری کا دوستانہ رویہ اپنائیں......''

''خاک سمجھ گئے۔'' اس بار جہانگیر نے جل کر میری بات کاٹ دی ''مجھے ان لوگوں کی دوستی اور دشمنی سے کیا لینا ہے میں کہہ رہا تھا کہ یہ بغیر حوروں کی جنت ہے۔ روکھی پھیکی اور بے رونق!''

''لعنت ہو تم پر!'' میں نے جھلّا کر کہا ''دشمن کی قید میں بھوکا پیاسا مرنے کے بعد تمہارا یہ حال ہے۔ سلمٰی کہاں ہے اس وقت؟''

''غسل فرما رہی ہے!'' جہانگیر کی آواز میں شوخی اُمڈ آئی ''اس پر فرض ہو گیا تھا۔''

''میں نے تم سے زیادہ ڈھیٹ اور بے شرم آدمی آج تک نہیں دیکھا!'' اس کا جواب سن کر میرا پارا چڑھ گیا ''وہ کمرے میں نہیں ہے۔ اسی لیے تم بہک رہے ہو۔''

''ابھی کہاں۔ بہکنے کا وقت تو سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اول بھائی نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے اور یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ میں دن میں نہ پیا کروں۔ میں پورے خلوص سے ان کے مشورے پر عمل کر رہا ہوں۔ جب تک باہر نکل کر سورج غروب ہونے کا یقین نہیں کر لیتا، بوتل کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ میرے اس روٹین سے سلمٰی بھی بہت خوش ہے۔ اول بھائی کو دل سے دعائیں دیتی ہے۔''

اس کی زبان سے اول بھائی کی تکرار سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ اسٹیشن فور پر ملاقات کے موقع پر اس نے یکایک اول خان کو اپنا بھائی قرار دیا تھا تو میرے ساتھ مل کر سلمٰی نے بھی اسے بہت مطعون کیا تھا کہ محض شراب ملنے کے چکر میں اس نے اول خان کو اول بھائی بنا لیا تھا۔ اس وقت جہانگیر شرمندہ ہوا تھا۔ رواروی میں اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اسے اول بھائی نہیں کہے گا لیکن وہ شرابی ہی کیا جو اپنے دماغ میں گھسی ہوئی کسی بات کو آسانی سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ اپنا وعدہ بھول گیا مگر اسے اول بھائی یاد رہا۔

اسے لعنت ملامت کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اول خان کے نام کے ساتھ پہلے کی طرح مزید کچھ نازیبا حوالے دیے جاتے لیکن اول خان ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وہ جہانگیر کا کہا ہوا نہیں سن رہا تھا۔ میری باتیں اسے ناگوار گزر سکتی تھیں۔

میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''اول خان تمہارا سگا بھائی ہے تو میرا گہرا دوست ہے۔ میں اسے منع کر دوں تو اسٹیشن فور میں تمہیں شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔''

''ایسا ظلم نہ کرنا!'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ''میرے لیے یہاں سکھ سے رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں ذرا نشے میں ہوتا ہوں تو سلمٰی اول فول بک کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لیتی ہے۔ مجھے پتا بھی نہیں چلتا کیونکہ میرے لیے اس وقت وہ صرف ایک عورت ہوتی ہے۔ مرد اپنے پہلو میں آئی ہوئی عورت کی گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔ صبح ہوتی ہے اور سلمٰی کا دل ہلکا ہو چکا ہوتا ہے، اپن کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ سارا دن اچھا گزر جاتا ہے۔''

''اگر تم سکھی ہو تو میں بھی خوش ہوں۔'' میں نے اس کی وضاحت قبول کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے اس وقت یہی معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ دراصل میں کچھ عرصے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اول خان تمہاری ضروریات کا خیال رکھے گا۔ اس دوران میں تم اپنے فلیٹ میں واپسی کے بارے میں نہیں سوچو گے۔''

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''تمہاری بازیابی کے بعد سے میرے دشمنوں کے حملوں میں تیزی آ گئی ہے۔ ان کا زور توڑنے کے لیے میرا کراچی سے غائب ہونا ضروری ہو گیا ہے۔''

میرے پیش کیے ہوئے اس مضبوط جواز نے اسے تشویش میں ڈال دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سنجیدہ آواز ابھری ''اکیلے جا رہے ہو؟''

''غزالہ میرے ساتھ ہوگی۔'' میں نے اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے جواب دیا۔

''پھر اپنی بلبل کو بھی یہاں بھیج دو۔'' وہ خوش ہو کر بولا ''ویرا بہت اچھی لڑکی ہے۔ آئے گی تو یہاں رونق ہو جائے گی۔''

جہانگیر جو اپنے دور کا ایک بے جگر لڑاکا اور نامور سورما تھا، خانہ نشین ہونے کے بعد رفتہ رفتہ اس حال کو پہنچ گیا تھا کہ اسے شراب اور عورت کے سوا دنیا و مافیہا میں کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ شراب نوشی کے معاملے میں وہ اپنے شوق سے زیادہ ندیدے پن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ عورتوں کے بارے میں اس پر ایک ٹھرک سوار تھی۔ وہ کسی کا پیچھا نہیں کرتا تھا۔ سامنے آنے والی ہر عورت پر اس کی رال ٹپک پڑتی تھی۔ اس کی اسی عورت نوازی سے تنگ آ کر سلمٰی نے گھر میں کام کرنے والی کئی عورتوں کو نکالا تھا اور آخر کار خود ہی گھریلو کام کرنے لگی تھی۔

غصے کے ساتھ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میں نے اسے زیادہ ملامت کرنے کے بجائے ہلکی سی سرزنش پر اکتفا کرتے ہوئے کہا ''یہ بلبل عقاب کی طرح پنجوں سے آنکھ نوچ لینے کا فن جانتی ہے۔ ان چیزوں کی خواہش مت کیا کرو جو کبھی تمہاری دسترس میں نہ آ سکیں۔''

''شاعری کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قتالہ تمہارے

آس پاس موجود ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنے ہوش حواس میں رہا کرو۔ تمہاری باتیں کسی اور نے سن لیں تو تمہارا اعتبار جاتا رہے گا۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔ اتنی اجازت تو ہے نا کہ کبھی دل گھبرائے تو فون پر اس سے بات کرلیا کروں۔ اس بہانے تمہاری یاد تازہ ہوتی رہے گی۔''

''ابھی میں مرنہیں رہا جو تمہیں میری یاد تازہ کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ میری غیر حاضری میں تمہارا فون کرنا بے سود ہوگا۔ دشمن ہم سب کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سلطان شاہ گھر کو تالا ڈال کر ویرا کو اپنے ساتھ گاؤں لے جائے گا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں بھی یہاں رہنے کے بجائے سلطان شاہ کے گاؤں چلے جائیں۔ ہماری آب و ہوا تبدیل ہوجائے گی۔'' اس نے جھٹ سوال کردیا۔

''میرے فیصلے کے مطابق تم کو وہیں رہنا ہے۔ اپنی مرضی سے تم جہنم میں بھی جاسکتے ہو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

''نہیں بھیجنا تو انکار کردو۔ یوں ناراض کیوں ہورہے ہو۔'' بات کرتے کرتے اچانک اس کا لہجہ بدل گیا۔ ''لو! تمہاری چہیتی بھی بدن پر گز بھر کا تولیا لپیٹ کر غسل خانے سے آگئیں؟''

وہ اس کی طرف سے اطلاع تھی۔ میں نے کہا ''ابھی تم مجھ سے جو بکواس کررہے تھے وہ سلمٰی کے سامنے دہرادو تو میں تمہاری باتیں مان لوں گا۔''

''یار! تم بھی نرے گھامڑ ہو۔ میں تو مذاق کررہا تھا۔ تم ذرا ذرا سی بات پر سنجیدہ ہوجاتے ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔''

''بس، اب اپنی کھال میں رہنا۔ اول خان کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ واپسی پر میں نے تمہاری کوئی شکایت سنی تو کھال گرادوں گا۔''

''میں کسی کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا لیکن یہ میرا شریفانہ وعدہ ہے کہ اول...... بھھ...... بھا...... خان کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم کتنے دنوں میں آجاؤ گے۔؟''

اس نے جن مضحکہ خیز آوازوں کے ساتھ اول خان سے اپنا برادرانہ رشتہ جوڑنے سے گریز کیا تھا ان پر میں بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرسکا۔ لمحہ بھر بعد میں نے جواب دیا۔ ''مطلع صاف ہونے سے پہلے میری واپسی مشکل ہے۔ یہ مدت دو دن سے دو چار مہینے تک کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ میں آتے ہی تم سے رابطہ کروں گا۔''

''اب اتنے طوطا چشم نہ بنو۔ کبھی کبھی باہر سے بھی فون کرلینا۔''

میں نے اس سے رسمی وعدہ کرکے فون بند کردیا۔

''اس سے کس بلبل کا ذکر ہورہا تھا؟'' ویرا اسی لمحے سوال کر بیٹھی۔

''بلبل!'' میں نے حیرت سے دہرایا پھر سنبھل کر کہا۔ ''ہاں...... دراصل وہ کسی ایسی بلبل کی تمنا کررہا تھا جو اس کے اشاروں پر سلمٰی کو تنگ کرسکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بلبل پلٹ کر خود اس پر بھی حملہ کرسکتی ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی۔''

''تم کچھ چھپارہے ہو!'' ویرا نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''تم نے کسی خاص بلبل کے بارے میں پورے وثوق سے بتایا تھا کہ وہ عقاب کی طرح آنکھ نوچنے کا فن بھی جانتی ہے۔''

''بتایا تھا!'' میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراف کیا ''جانور کتنا ہی پالتو اور وفادار کیوں نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر کب حیوانی جبلّت غالب آجائے گی۔''

ویرا کی آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوسکی تھی لیکن اس نے مجھ سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ چپ سادھ لی۔

جہانگیر سے ہونے والی گفتگو سب نے سنی تھی۔ اس کی ذاتی نوعیت کی بنا پر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے ویرا کی زبان بند رکھنے کے لیے اسپیکر فون پر سوبھراج کا نمبر ملالیا۔

''تت...... تم ڈینی...... تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ جب ریور روڈ والے واقعے کے بعد میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں نو بجے سے وہاں تمہارا انتظار کررہا تھا۔ ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔''

''تم جھوٹے اور اوّل درجے کے کمینے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ میرے آدمی کہاں ہیں۔''

''کن آدمیوں کی بات کررہے ہو؟'' میں نے ذہن میں ایک خیال آتے ہی معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہی جو تمہیں اپنے ساتھ سرحد لے جاتے۔'' اس کی اضطراری آواز آئی۔

''مجھے بھی شکوہ ہے کہ تمہارے مضبوط وعدے کے باوجود کوئی وہاں نہیں آیا۔ کسی وجہ سے پروگرام بدل گیا تھا تو مجھے

فون کر دیتے!''

ویرا نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر مسرت سے فضا میں ہاتھ اچھالے۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے سوبھراج کی بے خبری اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک برجستہ قلابازی کھائی تھی۔

''ڈینی! مجھ سے تمہارا یہ حرامی پن نہیں چلے گا۔'' اس بار سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی ''تم نے میرے ساتھ کوئی بڑا گیم کھیلا ہے۔ کہیں سے کوئی خبر نہ ملنے پر، میں نے مجبور ہو کر ایک آدمی کو ادھر بھیجا تھا۔ وہ پہاڑی پر بنے ہوئے مزار کے اندھے مجاور سے مل کر تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہے۔ اس نے مجھے رپورٹ دی ہے کہ وہاں زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ دھواں دھار فائرنگ کے ساتھ چیخیں بھی فضا میں گونجتی رہی تھیں۔ اندھے مجاور کو کچھ پتا نہیں چلا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ وہاں کی کھلی ہوئی فضا میں ابھی تک جلتے ہوئے بارود کی بو موجود تھی اور تم سفید جھوٹ بول رہے ہو کہ کوئی وہاں نہیں پہنچا۔ وہاں کوئی نہیں تھا تو گولیاں کس نے چلائیں؟ چیخیں کس کی تھیں؟''

''ہوسکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہاں کچھ ہوا ہو۔ میں سڑک کے کنارے رکا رہا لیکن راون سے ملنے کے لیے کوئی رام نہیں آیا۔'' اس کے مشتعل ہونے کے باوجود میں اپنی کہانی پر ڈٹا رہا۔ میں کچے میں اترتا تو شاید مجھے بھی جلتے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو جاتی۔ تمہارا آدمی وہاں سے اور کیا خبر لایا ہے۔''

''وہ چوہے کا بچہ تھا۔ وہاں سے ڈر کر بھاگ آیا۔'' اس کی آواز میں نفرت اور حقارت کے کوندے لپک رہے تھے ''وہ کچھ معلوم کر کے آیا ہوتا تو مجھے تم سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہاں سات آدمی گئے تھے۔ ان میں سے کسی کی کوئی خبر نہیں مل رہی۔ یہ بتاؤ کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان؟''

''مجھے سرحد پار پہنچانے کے لیے سات آدمی بھیجے گئے تھے!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ وہاں گولیاں چلی ہیں، خون بہا ہے۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ کل تک اخباروں میں سب کچھ آجائے گا۔ اب میں تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ تم میری گھات میں لگے ہوئے ہو اور میں تمہاری تاک میں تھا۔ وہ لوگ تمہاری قبر کھودنے کے لیے گئے تھے۔''

''میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ تم میرے اتنے خطرناک دشمن ہو۔ میں اب تک تم پر بھروسا کر رہا تھا۔ اب مجھے خوشی ہے کہ میرے چکر میں تم اپنے سات آدمی کھو چکے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں ڈھیل دے کر تمہارے جھوٹے وعدوں پر اعتبار کیا ہے۔ آج پتا چلا کہ تم روز اول کی طرح اب بھی میرے خون کے پیاسے ہو۔ اب میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ خوف، تذبذب اور انتشار کی ملی جلی کیفیات میں مبتلا تھا۔ اس نے میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کا فائدہ اٹھا کر کوئی نئی کہانی تراشنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کھل کر اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے بعد میری طرف سے جوابی سختی کا مظاہرہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ سوبھراج سے منافقانہ مفاہمت کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے۔ میرا لب ولہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔

''دیکھتا ہوں کہ کون کس کو چھوڑتا ہے۔'' اس کی سفاکانہ آواز ابھری ''اب تک تمہارے بچے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی تم کو نہیں پہچانتا تھا۔ نک سے ٹام تک سب اسی سبب سے تم سے مار کھاتے رہے۔ میں نے پارک ٹاورز میں تم کو دیکھ لیا ہے۔ میں سیکڑوں کی بھیڑ میں تمہیں الگ سے پہچان سکتا ہوں۔ اب تم میرے ہاتھوں کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

''سنی ہٹ کا واقعہ یاد رکھنا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا ''وہاں ٹام کے دو کمانڈوز کتے کے ساتھ مارے گئے تھے۔ تمہاری لاش کسی خارش زدہ کتے کی دم سے بندھی ہوئی پائی جائے گی۔ جسے اپنے بھیجے ہوئے سات آدمیوں کی کوئی خیر خبر نہیں وہ زیادہ دیر تک اپنی چمڑی نہیں بچا سکتا۔''

''وہ فریب کا شکار ہوئے ہیں۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے!'' وہ غرایا۔

''بہت خوب۔ وہ ساتوں شاید میرے لیے حلوا پوری کے خوان لے کر آئے تھے۔''

''تم مان رہے ہو کہ ان سے تمہارا سامنا ہوا تھا؟'' بگڑی ہوئی دماغی حالت کے باعث وہ اپنے بے ساختہ تجسس کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

''تم جیسے مکار بھیڑیے سے اب کچھ چھپانا بے سود ہے۔ آخر کار تم اپنی اصل کی طرف لوٹ کر پاکستانی ہندوؤں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بن رہے ہو۔ تمہارے بھارتی بدمعاشوں نے مجھے گن پوائنٹ پر لے کر تصادم کی ابتدا کی تھی۔ اس کے بعد وہاں وہ ہوا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔''

''یہ جھوٹ ہے۔ ان میں کوئی بھارتی نہیں تھا۔'' وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''سورت کا وجے کہاں سے آیا؟ اس کے دونوں ساتھی

کون تھے؟''
''پتا نہیں تم کہاں کی ہانک رہے ہو۔ وہ تین نہیں، سات تھے، سات!''
''رام بن کے میرے سامنے آنے والا وجے بھی سات کی ٹولی میں آیا تھا۔ تین بھارتی اور چار مقامی۔ اب تم کبھی ان سے نہیں مل سکو گے!''
''کیا تم نے ان سب کو مار ڈالا؟'' پہلی بار اس کی آواز سے سراسیمگی کا اظہار ہوا۔
''مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے طنز سے کہا ''کل کے اخبارات سے تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وجے سورتی کی جے ہوگی۔ تمہارا بول بالا ہوگا۔''
''تم بار بار وجے کا نام لے کر مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ مرتے مرتے بھی اپنے ساتھ دو چار کو لے مرے گا۔''
''ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔ وہ اپنے ساتھ اپنے تین ساتھیوں کو بھی لے مرا ہو۔''
''یعنی چار مارے گئے' تین زندہ ہیں!'' اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ سے ایک مفہوم اخذ کر کے تائید طلب لہجے میں کہا۔
''مجھے پتا نہیں کہ کتنے مارے گئے اور کتنے زندہ پکڑے گئے۔'' میں نے اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا ''تم نے دو چار کو لے مرنے کی بات کی تھی۔ یہ مل کر چھ ہو جاتے ہیں اور اوسط تین نکلتا ہے۔ وہ میں نے دہرایا تھا۔''
''وجے اتنا مردار نہیں ہے کہ اسے کسی چوپائے کی طرح مار لیا جائے' تمہیں خود کچھ پتا نہیں ہے۔ تم بلاوجہ بے پر کی اڑا رہے ہو۔'' میرے جوابات پر وہ جھنجلا گیا۔
''پتا نہ ہوتا تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ ان مرداروں میں وجے بھی شامل تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تم انکار کر رہے تھے کہ ان میں بھارتی بھی تھے۔ غنیمت ہے کہ اب تم نے اپنی زبان سے وجے کے خواص گنوانا شروع کر دیے ہیں۔''
''مجھ سے وکیلوں جیسی جرح مت کرو۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔''
''اپنا یہ شوق بھی پورا کر لو۔ مجھے بتاؤ کہ میں اپنا منہ تڑوانے کے لیے کہاں پہنچوں!''
سوبھراج اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ فون پر گندی گالیاں برسنے لگیں۔ وہ مزید کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ذرا سی دیر کی ذہنی ورزش نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔
''تم اسی بے رحمی سے ہر ایک کو زچ کر دیتے ہو۔'' ویرا بولی ''تمہارے حریف کے اعصاب کمزور ہوں تو وہ ذرا سی دیر میں اپنے ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔''
''یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنی کمین نگاہ سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تیر چلا دیتا ہے مگر اسے یہ پتا نہیں چلتا کہ تیر نشانے پر لگا ہے یا بھٹک کر برباد ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔
''یہ اس کی آخری اور بھرپور کوشش تھی۔ وجے اور اس کے ساتھیوں کے عبرتناک انجام سے واقف ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹکے گا۔'' اول خان نے مطمئن انداز میں اپنی رائے دی۔
''سوبھراج سے بات کرنے کے بعد میری دلی خواہش ہے کہ جلال نے بلاتاخیر اخبارات کو خبر جاری کرا دی ہو۔ سب کچھ صبح کے اخبارات میں چھپ جائے تو سوبھراج کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے اور وہ یہاں سے بھاگ نکلے گا۔'' میں نے اول خان کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
''وہ سمجھ دار آدمی ہے۔'' غزالہ دھیرے سے بولی ''اس نے ہم سے پہلے ان نزاکتوں کے بارے میں سوچ لیا ہوگا۔''
''کیوں نہ اسے ایک فون کر لیا جائے!'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔
''ملکی سرزمین پر پانچ غیر ملکی دہشت گردوں کی ہلاکت اور گرفتاری کا واقعہ معمولی نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس وقت وہ بہت زیادہ مصروف ہوگا۔ وقت ہوتا تو وہ ہمارے پاس سے اتنی عجلت میں رخصت نہ ہوتا۔''
''رات گزر رہی ہے۔ چند گھنٹوں بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اول خان نے ہلکی سی جمائی لیتے ہوئے کہا ''تم سے جو کچھ ہوسکتا تھا' وہ کر گزرے ہو۔ اب ہمیں صبر کے ساتھ ان کاوشوں کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔ زیادہ اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''
''وہ بھی صبح بنکاک فرار ہونے کے لیے اسی پرواز پر سوار ہو جس سے تم جا رہی ہو تو مزہ آ جائے۔'' ویرا' غزالہ سے کہہ رہی تھی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ تم عقل کی کوئی بات کہنا گناہ سمجھتی ہو!'' سلطان شاہ کو پھر اس سے الجھنے کا موقع مل گیا۔
''کیا تم نے انسانی خواہشوں کو بھی عقل کے پیمانے پر ناپنا شروع کر دیا ہے؟'' ویرا نے ترش روئی سے سوال کیا۔

''سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آدمی کو محفل میں کوئی بات اپنی زبان پر لانے سے پہلے اسے عقل کے پیمانے میں تول لینا چاہیے۔ پہلے تولو پھر بولو کی بنیاد یہی ہے۔''

''اس وقت میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو تمہاری نحیف عقل سے باہر ہے؟'' ان دونوں کے درمیان باقاعدہ بحث کا آغاز ہوگیا۔

اول خان اکتائے ہوئے انداز میں باری باری انہیں دیکھ رہا تھا' مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔ فرصت میسر آجانے کے باعث کچھ دیر کے لیے شدت سے آرام کی طلب محسوس کر رہا تھا لیکن محفل کو چھوڑ کر اکیلا اٹھنے کی اخلاقی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کی بحث کے درمیان میں اول خان سے مخاطب ہو کر کہا ''یہاں سب کے سروں پر اُلّو کا سایہ ہے' یہ رات بھر جاگتے رہیں گے۔ تم جا کر آرام کرلو۔''

اول نے مسکرا کر ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کسی سے کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔

میری مداخلت کی بنا پر سلطان شاہ ویرا کو جواب دیتے دیتے رک گیا تھا۔ اول خان کے وہاں سے جاتے ہی اس کی زبان دوبارہ چل پڑی' وہ کہہ رہا تھا ''اول تو اسے اتنی رات گئے بنکاک جانے والی کسی بھی پرواز پر کھڑے گھاٹ سیٹ نہیں مل سکتی۔ دوسری اور سب سے اہم بات جو تم فراموش کر رہی ہو وہ یہ ہے کہ سوبھراج کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ پر موجود ہے۔ ائرپورٹ کا رخ کرتے ہی وہ دھرلیا جائے گا۔ اس وقت وہ کتنا ہی خبط الحواس کیوں نہ ہو رہا ہو' بھول کر بھی ایسی سنگین غلطی نہیں کرے گا۔ اب تم خود سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

اس بار سلطان شاہ کا لہجہ جارحانہ نہیں رہا تھا۔ گفتگو میں ناگہانی وقفہ آنے کی وجہ سے اس کے لہجے کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا نتیجہ خوشگوار نکلا۔ بات ویرا کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بحث آگے بڑھانے کے بجائے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''ہاں! جوشِ انتقام میں ایگزٹ کنٹرول لسٹ میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ وہ کسی بھی طرح ڈینی کا ہم سفر ہونے کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ گھبرا کر بھاگا تو زمینی راستے سے ایران کا رخ کرے گا۔''

''وہاں سے وہ کہیں بھی نکل سکتا ہے!'' غزالہ نے لقمہ دیا۔

''ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو' سلطان شاہ بولا ''دعا کرو کہ وہ صرف اور صرف بنکاک ہی کا رخ کرے۔ یہاں اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔ وہ کسی بزدل چوہے کی طرح اپنے بل میں چھپا رہتا ہے۔ بنکاک میں وہ تمہارے کھلے نشانے پر آجائے گا۔''

''اللہ نے چاہا تو یہی ہوگا۔'' غزالہ نے بھی اس کی بات مان لی۔

''ہم نے ایک ایک کر کے ہر اہم موضوع پر مغز زنی کرلی ہے۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا ''تمہاری اجازت ہو تو ہم لوگ بھی کچھ دیر کے لیے آرام کرلیں۔''

''بیٹھے رہو!'' وہ داہنا ہاتھ جھٹک کر بولی ''آج کے بعد ایک لمبی مدت کے لیے آرام ہی آرام کرتے رہنا۔ سفر سے پہلے یہ ہماری آخری رات ہے۔ مل جل کر گزارو گے اور جاگتے رہو گے تو فلائٹ پر سوتے ہوئے جاؤ گے۔ سفر میں سونے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔''

''سفر کو وسیلہ ظفر کہا جاتا ہے۔ آدمی کو کھلی آنکھوں اور حاضر دماغی کے ساتھ سفر کرنا چاہیے تاکہ وہ راستے کے ہر تجربے سے کچھ نہ کچھ سیکھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے گر کی بات بتائی ہے۔'' وہ زور زور سے اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ''ابھی ہم اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے ہوتے تو میں تمہارے اس سنہرے مشورے سے محروم رہ جاتی۔ جاگتے رہنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے!''

''سندھی میں گدھے کو کھوتا کہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اپنی علمیت بگھاری۔

''اس سے بھی محاورے کے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا بلکہ بات زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔'' رات گہری ہونے کے ساتھ ویرا کی چونچالی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ''بعض جگہوں پر لفظوں کے یا معنی کے ہیر پھیر سے بات بالکل بدل جاتی ہے۔''

''کوئی مثال دے کر بتاؤ!'' سلطان شاہ نے مطالبہ کیا۔

''تم میں سے کسی نے داشتہ آید بکار کا کوئی انوکھا مطلب بتایا تھا۔'' ویرا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''یہ تو سیدھا سا محاورہ ہے کہ رکھی ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آہی جاتی ہے۔''

''دوسرا مطلب یہ بتایا گیا تھا کہ داشتہ کار سے آتی ہے۔'' ویرا نے ذہن پر زور دے کر کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' غزالہ نے اعتراض کیا ''کوئی کسی سے بھی آئے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ایک سیدھا

سا بیانیہ فقرہ رہ جاتا ہے۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ روزمرہ کی بول چال میں اس محاورے کا پہلا حصہ عام طور سے حذف کر دیا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے پوری بات سمجھ لیتے ہیں۔" ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"یاد کر کے دونوں حصے بتاؤ۔ پتا چل جائے گا کہ یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔" سلطان شاہ اسے پوری طرح گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ میرے کان ان تینوں کی گفتگو پر مرکوز تھے مگر بظاہر میں نے بے تعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں ترمیم کا سہرا اپنے سر نہیں لے سکتا تھا۔

"زن آید یا پیادہ، داشتہ آید بکار!" ویرا کو وہ جدت یاد آ ہی گئی۔

سلطان شاہ کے ساتھ غزالہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ کسی رنگین مزاج مرد کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے ہنسی کے درمیان کہا "بیوی پیدل آتی ہے اور داشتہ گاڑی سے۔ یہ بالکل لغو بات ہے۔ کسی نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ آئندہ کسی کے سامنے یہ خود ساختہ محاورہ نہ دہرا دینا۔"

ویرا کی غصیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "میرا کہیں آنا جانا نہیں ہے۔ صرف ڈینی ہی مجھے زبان کے بارے میں گمراہ کر سکتا ہے۔"

"بلاوجہ میرا نام مت لو۔" میں نے بگڑ کر کہا "میں ایسی احمقانہ باتوں میں نہیں پڑتا۔ پشتو کے ساتھ سلطان شاہ کی اردو اور فارسی بھی بہت اچھی ہے۔ اس سے تمہاری کھٹتی رہتی ہے۔ وہی تم کو ایسی باتیں سکھا سکتا ہے۔"

میں اپنے ساتھیوں میں کسی پر براہِ راست الزام تراشی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس وقت لفظی تصرف کا وہ ناموزوں الزام بجا طور پر میرے سر آیا تو بوکھلاہٹ میں مجھے سلطان شاہ ہی ایک ایسا حلیف نظر آیا جس کی ذات کا سہارا لے کر میں غزالہ کی نگاہوں میں سرخ رو رہ سکتا تھا۔

سلطان شاہ ویرا کے ساتھ عام طور پر کج بحثی کا مظاہرہ کیا کرتا تھا لیکن وہ عقل و دانش کے کسی بھی پیمانے سے غبی نہیں تھا۔ ہمیشہ اپنے ذہین ہونے کے ثبوت فراہم کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ میری زبان سے غیر متوقع طور پر اپنی نامزدگی سن کر لمحہ بھر کے لیے پریشان نظر آیا پھر اسے میری پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

میرے جواب کے نتیجے میں ویرا کی نگاہیں میرے چہرے سے ہٹ کر سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔ غزالہ بھی اس صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھی۔ دونوں کی عدم توجہی کا فائدہ اٹھا کر میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور اس کے ذہن پر رہی سہی دھند اسی لمحے میں صاف ہو گئی۔

"ہو سکتا ہے کہ تمہاری فضول باتوں کے جواب میں، میں نے تمہیں بیوی اور داشتہ کا فرق سمجھانے کے لیے یہ محاورہ ایجاد کیا ہو۔" اس نے پرخلوص انداز میں الزام اپنے سر لیتے ہوئے کہا "سامنے والا ڈھنگ کی بات نہ کر رہا ہو تو یہی سب ہوتا رہتا ہے۔"

"تم کو شرم آنی چاہیے۔" ویرا نے اسے ملامت کی "اردو میری مادری زبان نہیں ہے۔ اپنی زبان سیکھنے کے شوقین غیر ملکی کی رہنمائی کرنے کے بجائے تم اسے گمراہ کرتے ہو!"

"تم اردو کہاں سیکھ رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا "تم ہمیشہ ہماری زبان کی والدہ صاحبہ ہونے کے دعوے کرتی رہی ہو۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بے مغز باتوں کے جواب میں کیا سکھا سکتا ہوں۔"

"یہ بھی غنیمت ہے۔" میں نے سلطان شاہ کا ساتھ دینا ضروری سمجھا "مفت میں اجنبی زبان سیکھنے کے شوقینوں کا پہلا واسطہ گندی گالیوں سے پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سلطان شاہ نے اس میدان میں تم کو کچھ نہیں سکھایا ہوگا۔"

دیرا ہنس پڑی "اس ضمن میں میری اردو بہت مضبوط ہے۔ سلطان شاہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے بھی اردو گالیاں سیکھی تھیں، کہو تو دو چار سناؤں!"

غزالہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی اس لمحے اپنی جگہ سے اٹھ گئی "اپنی معلومات کا خزانہ اپنی ذات تک محدود رکھو تو بہتر رہے گا۔ اب میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔"

ویرا اسے روکتی رہ گئی۔ وہ وعدے کر رہی تھی کہ اپنی زبان پر اردو کا کوئی ناز یبا لفظ نہیں لائے گی لیکن غزالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔ مڑے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"اول خان کے بعد یہ بھی گئی۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "اب تم بھی اس کے پیچھے چلے جاؤ گے۔ یہاں ہم دونوں رہ جائیں گے۔"

"تمہاری لمبی زبان سے سب گھبراتے ہیں۔" سلطان شاہ بولا "تم اچانک وزنی گالیاں بکنا شروع کر دیتیں تو وہ بے چاری شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔"

"وہ اتنی حیادار نہیں ہے۔ یہ باتیں اس کو سنانا جس نے غزالہ کو انگلینڈ میں نہ دیکھا ہو۔ وہ خاصی مرد مار عورت ہے۔ یہاں مسکین بنی رہتی ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑو۔ عورت

کی یہی ادائیں مرد کو فنا کر دیتی ہیں۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا مرد کیا پسند کرتا ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے ہر وقت وہی روپ دھارے رہتی ہے۔''

''اس کے جاتے ہی تم نے اس کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا'' میں نے خفگی سے کہا'' انگلینڈ میں تمہارے آدمی اس کی عزت اور جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ یہ نہ بھولو کہ پیر کے نیچے آئی چیونٹی بھی زچ ہو کر کاٹ لیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ بے ضرر چیونٹی ہی بنی رہتی ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔''

سلطان شاہ کی موجودگی میں مجھے کبھی غزالہ کی حمایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ خود ہی پنجے جھاڑ کر دیرا کے پیچھے پڑ جاتا تھا اسے عاجز کر دیتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان نئی تکرار کی ابتداء ہوئی تو میں کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا دونوں کی ترکی بہ ترکی گفتگو سنتا رہا پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ دونوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

غزالہ اپنے بیڈروم کا دروازہ بند کر کے صبح روانگی کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے ایک مختصر سے سوٹ کیس میں میرے اور اپنے چند جوڑے ڈال لیے تھے۔ دیگر ضروری اشیاء ایک دستی بیگ میں رکھ لی تھیں۔ اس کے حساب سے وہ تیاری مکمل تھی۔

بنکاک کے لیے ہمیں کسی آتشین ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ میری معلومات کے مطابق وہ بھی کراچی کی طرح کھلا شہر تھا جہاں پیسے کے زور پر دنیا کی ہر شے آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ اپنی ضرورت کے مطابق ہم وہاں سے کوئی بھی ہتھیار خرید سکتے تھے۔

تین چیزیں ایسی تھیں جو ہمارے لیے ناگزیر تھیں اور دنیا کی کسی کھلی منڈی میں میسر نہیں تھیں۔ ان میں سے زہریلی انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود تھیں۔ غزالہ نے سی ایس ڈی سوٹ کیس میں ڈال دی تھی مگر بیم گن باقی رہ گئی تھی۔

غزالہ کو خوف تھا کہ مشین پر سامان کی اسکیننگ میں وہ ہتھیار کسی کی نظروں میں آ گیا تو نہ صرف ہم اس نادر الوجود سے محروم ہو جائیں گے بلکہ دوسری سنگین مشکلات سے بھی دوچار ہو سکتے تھے۔ اس کے وہ اندیشے بے بنیاد نہیں تھے۔

بیم گن کو ساتھ لے جانے اور خطرات سے بچنے کی صرف ایک ہی ممکنہ صورت تھی کہ اسے کسی مضبوط آہنی بکس میں بند کر دیا جائے تا کہ اسکرین پر بیم گن کے بجائے بکس نظر آئے۔

اس مسئلے کو صبح تک التوا میں ڈال کر میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اول خان بھی کوئی بہتر مشورہ دے سکتا تھا۔

☆☆☆

نو بجے سے پہلے اول خان ہمیں ہماری سفید کرولا میں لے کر ائرپورٹ پہنچ گیا۔ ہماری روانگی کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ ہم چاروں کو دو الگ الگ پروازوں پر عام مسافروں کی طرح روانہ ہونا تھا اس لیے اس نے اپنی سرکاری گاڑی کا استعمال موزوں نہیں سمجھا تھا۔

اس نے ہمیں قائد اعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ کی بالائی منزل پر انٹرنیشنل ڈپارچر لاؤنج کے سامنے اتارا اور ایک ٹریفک کانسٹیبل کی ہدایت پر گاڑی کو پارکنگ کے لیے آگے نکال لے گیا۔

گاڑی سے اترتے ہی دیرا اور سلطان شاہ ہم سے الگ ہو گئے۔ ان کے پاس زیادہ سامان تھا نہ ہمارے پاس، دونوں پارٹیوں کی منزلیں ایسی تھیں جہاں ضرورت کی ہر چیز آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ کراچی سے غیر ضروری سامان لاد کر اس سفر پر نکلنا حماقت کے مترادف ہوتا۔

میں غزالہ کے ساتھ برآمدے کے ایک گوشے میں ستون کی اوٹ میں چلا گیا۔ وہ دونوں ریلنگ کے سہارے جا کھڑے ہوئے۔ ان کے رخ اندرونی لاؤنج کی طرف تھے۔ باہر گھومنے پھرنے والے ان کے پورے چہرے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پارکنگ لاٹ سے اول خان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تھی کیونکہ فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگالی۔

اول خان کے مشورے سے بیم گن کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا تھا۔ اسے جیومیٹری بکس جیسے ایک ڈبے میں بند کرنے کے بعد غزالہ کے ایک خالص ریشمی سوٹ میں لپیٹ کر سوٹ کیس میں رکھ دیا گیا تھا۔ اول خان کی رائے تھی کہ اس طرح جستی ڈبے کی واضح تصویر بہت مشکل سے اسکرین پر دیکھی جا سکتی تھی۔ سرسری دیکھ بھال میں اس کا پکڑا جانا ممکن نہیں تھا۔

میرے ذہن پر دوسرا مسئلہ جو سوار تھا' اس خطیر رقم کے تحفظ کا تھا جو جہانگیر کے ویران فلیٹ میں بند تھی۔ اس فلیٹ کی بھی نگرانی ہو رہی تھی لیکن فول پروف بندوبست کے لیے اول خان نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ جہانگیر کی اجازت سے کسی کو وہاں بسا دے گا۔

اس عمارت کا حفاظتی نظام بہت مضبوط تھا۔ اس کے باوجود ہمارے دشمن دو مرتبہ ہر ایک کو چکما دے کر جہانگیر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ اپنی حاضر دماغی اور شراب کی خالی بوتل کی وجہ سے بال بال بچ گیا تھا جب کہ دوسری بار اسے بہت کامیابی سے اغوا کرلیا گیا تھا۔ فلیٹ خالی رہتا تو عین ممکن تھا کہ وہاں کوئی تیسری واردات بھی ہو جاتی۔ وہاں کسی ہوشیار اور اسلحہ بند آدمی کی ہمہ وقت موجودگی ایسے ہر خطرے کا سدِّ باب کرسکتی تھی۔

میری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے اول خان خود کار زینوں سے اوپری منزل پر نمودار ہوا۔ اس وقت تک سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ ٹریفک کانسٹیبل اسے نہ ٹوکتا تب بھی گاڑی کو پارکنگ ہی میں کھڑا کرنا تھا۔

متحرک زینوں سے فلور پر آتے ہی اول خان نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تقلید میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ موٹے پائپوں کی ریلنگ سے آگے بڑھا تو ویرا اور سلطان شاہ نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

ان دنوں اعلان شدہ پرواز کے ٹکٹ یا خصوصی پاس کے بغیر ائر پورٹ کی عمارت میں کسی غیر متعلقہ شخص کا داخلہ ناممکن تھا لیکن اول خان کا ایس ٹی ایف کا کارڈ ایک ایسا شعبدہ تھا جس کے سامنے ہر بند راستہ کھل جاتا تھا۔ وہ تقریباً بار کے بغیر ہال میں داخل ہوا تھا۔

روشن اور کشادہ ہال میں داخل ہو کر اول خان اطمینان سے ایک ایسے خالی صوفے پر جا بیٹھا جہاں سے وہ تقریباً ہر طرف نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے سامنے رکھے ہوئے کنوے یر پر سوٹ کیس اور بیگ رکھ دیا اور خود دھڑ کتے ہوئے دل کے ساتھ گھوم کر آگے پہنچا تو دونوں عدد اسکیننگ کے بعد مشین سے نکل آئے۔ اسکرین پر سامان کی پڑتال کرنے والے کو سوٹ کیس پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

اگلا مرحلہ چیک اِن کا تھا۔ میں نے سامنے قطار سے بنے ہوئے کاؤنٹر پر نگاہ ڈالی۔ بیشتر مصروف تھے اور ان پر متعلقہ پروازکے نمبر جلی ہندسوں میں روشن تھے۔ بعض کاؤنٹر خالی اور تاریک پڑے ہوئے تھے جو کسی بھی وقت فعال ہو سکتے تھے۔

اپنی پرواز کا نمبر دیکھ کر میں کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو اس وقت تک وہاں بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ بروقت پہنچ جانے کی وجہ سے وہاں چند مسافر قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچنے تک میری نگاہیں ویرا اور سلطان شاہ کی پرواز کے نمبروں کی تلاش میں سرگرداں رہیں لیکن وہ حروف اور ہندسے کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ دونوں ہماری وجہ سے قبل از وقت وہاں آگئے تھے۔ انہیں اپنا کاؤنٹر کھلنے کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے مڑ کر ہال سے داخلی گیٹ تک کا جائزہ لے ڈالا لیکن ان دونوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اول خان بدستور اپنی جگہ پر براجمان تھا اور گردوپیش سے بظاہر بے پروا نظر آرہا تھا۔

ہم چاروں نے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے بالوں کے اسٹائل میں تبدیلی اور چشموں کے استعمال سے اپنے حلیوں کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ ہمیں ایک بار دیکھنے والا سرسری نظر میں دوبارہ نہیں پہچان سکتا تھا۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ہم محتاط تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں نے وقت گزارنے کے لیے اس کھلے ہال کے کسی ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ میری نظروں سے بھی بچے ہوئے تھے۔

اول خان کو اپنی جگہ پر دیکھنے کے باعث مجھے یہ اطمینان تھا کہ ان دونوں کو ابتدائی مرحلے پر نہیں روکا گیا ہوگا۔ انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اول خان فوری طور پر ان کی مدد کے لیے پہنچ جاتا۔

قطار سرکتی رہی اور آخرکار ہمارا نمبر بھی آگیا۔ کمپیوٹر پر پاسپورٹ اور ٹکٹ کے کوائف ڈالتے ہی ہمارے بورڈنگ کارڈز پرنٹر سے چھپ کر باہر آگئے۔

سوٹ کیس وزن کرنے کی مشین سے ہوتا ہوا پہلے ہی لوڈنگ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ ہم نے بورڈنگ کارڈز لے کر اپنے دستی سامان پر ٹیگ لگائے اور امیگریشن کاؤنٹر کی طرف ہو لیے۔

چیک ان کاؤنٹر پروازوں اور درجوں کی وجہ سے بٹے ہوئے تھے لیکن وہاں سے فارغ ہونے والوں کے لیے امیگریشن کے صرف تین کاؤنٹر کام کر رہے تھے جن میں سے ایک خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ دو پر مردوں کی قطاریں تھیں۔

میری باری آئی تو ترش رو امیگریشن افسر نے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر پر ایک نظر ڈال کر مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا اور دوبارہ پاسپورٹ کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

''پہلی بار باہر جارہے ہو؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا ''اس کے تیور دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

میں پہلے بھی باہر جاتا رہا تھا مگر اس وقت مجھے وہی کہنا تھا جو میرا پاسپورٹ بتا رہا تھا ''ہاں! یہ میرا پہلا سفر ہے۔'' میرے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

''ادھر آجاؤ۔'' اس نے پاسپورٹ اپنے پاس رکھ کر برابر والی خالی ڈیسک کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی ایک باوردی شخص وہاں نمودار ہوچکا تھا۔

میں نے قطار سے الگ ہوتے ہوئے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ اول خان میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ غزالہ عورتوں کی قطار میں اپنی باری آنے پر پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔

مجھے اپنے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ پیٹ بھی عجیب سی گرہیں پڑ رہی تھیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میرا جعلی پاسپورٹ پکڑا گیا تھا۔ پرواز سے پہلے میرے پر قینچ ہونے والے تھے اور کسی مددگار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں قطار سے نکل کر دوسرے کاؤنٹر پر پہنچا تو وہاں موجود شخص نے میری طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا ''تمہارا پاسپورٹ ضبط ہوگیا ہے۔ تمہیں بورڈنگ کارڈ لوٹانا ہوگا۔''

''مگر کیوں......؟ میرے پاسپورٹ پر کیا اعتراض ہے؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے سوال کیا۔ وہ پہلے افسر کے مقابلے میں ذرا نرم مزاج کا مالک نظر آرہا تھا۔

''یہ سب ضابطے کی کارروائی کے بعد بتایا جائے گا۔ ابھی تم سفر نہیں کرسکتے۔''

''اس پابندی کا سبب جاننا میرا حق ہے۔'' میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

''میرا افسر ہوشیار آدمی ہے اور غصے والا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ رازدارانہ ہوگیا ''تم کو نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کتنے اختیارات حاصل ہیں۔ اس سے حق اور قانون کی بات کروگے تو وہ تمہیں آف لوڈ کرا کے لاک اپ کرادے گا۔ جانا ہے تو دو سو ڈالر دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ اس نے تمہارے پاسپورٹ میں کچھ دیکھ کر تم کو روکا ہے۔''

بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اختیارات بیان کرکے مجھے ڈرا رہا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ کاغذات کے مطابق میں پہلی بار کسی غیر ملکی سفر پر جارہا تھا۔ وہ دونوں مجھے ڈرا دھمکا کر ڈالر وصول کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ دھندا کھلے بندوں ہو رہا تھا اور کوئی ان سے بازپرس کرنے والا نہیں تھا۔

میرا مسئلہ یہ تھا کہ غزالہ اندر جاچکی تھی۔ میں اس سے اڑنے کی کوشش کرتا تو میرا اس پرواز سے روانہ ہونا محال تھا۔ غزالہ پریشان ہوجاتی۔ سارا منصوبہ درہم برہم ہوجاتا۔

اس کی نیت ظاہر ہونے کے بعد میرے اندر ابھرنے والا خوف ماند پڑ چکا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''کیوں تنگ کرتے ہو کوئی ڈھنگ کی بات کرو تو میں تیار ہوں۔ دو سو ڈالر بہت زیادہ ہوتے ہیں۔''

''چلو! جلدی سے سو ڈالر کا نوٹ نکالو!'' وہ بھی جھٹ پٹ معاملہ نمٹانے کے موڈ میں تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سو ڈالروں کو مقامی کرنسی میں تبدیل کیا اور رقم نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی لمحے عقب سے اول خان کی آواز آئی ''کیا بات ہے؟ تمہیں کیوں روکا گیا ہے؟'' اس کی تحکم آمیز اور اونچی آواز سن کر مجھ سے مک مکا کرنے والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اول خان کی بے جا مداخلت پہلے ترش رو افسر کو بہت گراں گزری۔ وہ اپنے سامنے موجود قطار کو بھول کر خطرناک تیوروں کے ساتھ اپنی کرسی سے اترا اور اول خان سے بھی زیادہ دبنگ آواز میں بولا ''تم کون ہوتے ہو سرکاری کام میں مداخلت کرنے والے؟''

اول خان میرے قریب آچکا تھا۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی ''بات مت بڑھاؤ۔ صرف سو ڈالر کا معاملہ ہے۔''

''سو ڈالر!'' اول خان دہاڑا ''میں ان حرام خوروں کو ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ ایسی کالی بھیڑوں نے سارے سرکاری اہل کاروں کو بدنام کیا ہوا ہے۔''

قطاروں میں اضطراب کی حالت میں کھڑے ہوئے مسافر وہ تماشا دیکھ کر حیران تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے پورٹرز وغیرہ بھی اونچی آوازیں سن کر رک گئے۔ اس بار اول خان کے الفاظ اور لب و لہجے نے ان دونوں راشیوں کو ہراساں کردیا۔

''سس......سر! آپ کون ہیں؟'' نرم خو افسر نے خوشامدانہ لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ اس کا ترش رو ساتھی تشویش زدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اول خان نے اپنی جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور اس نے بوکھلا کر ڈیسک کے پیچھے کھڑے کھڑے اسے سلیوٹ جھاڑ دیا۔

اول خان نے بڑے افسر کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نخوت کے ساتھ کارڈ دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کی خشمناک نگاہیں سلیوٹ کرنے والے پر مرکوز تھیں۔

''سر! فیڈرل اتھارٹی!'' نرم خو افسر نے اپنے ترش روساتھی کی طرف متوجہ ہو کر رو دینے والی آواز میں انکشاف کیا۔

دوسرے نے وہیں کھڑے کھڑے میرے پاسپورٹ میں سے روانگی کا کارڈ نکالا' ایک صفحے پر مہر لگائی اور پاسپورٹ مجھے لوٹاتے ہوئے بولا ''سر! آپ ادھر سے نکل جائیں۔''

ہر رشوت خور کی طرح وہ بھی بہت بزدل اور بے ضمیر تھا۔ ذرا سی دیر پہلے مجھ سے توہین آمیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اول خان کے دخل انداز ہوتے ہی آپ جناب پر آ گیا۔

میں ملک اور قوم کے ان دشمنوں سے لڑ رہا تھا جو باہر سے آ کر ہمارے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ کوئی ہیروئن فروشی میں مصروف تھا اور کوئی دہشت گردی کی کارروائیاں کر رہا تھا۔ ان سب سے بڑے ملک دشمن وہ تھے جنہیں اپنے لوگوں کی خدمات کا مقدس فریضہ سونپ کر کرسیوں پر بٹھایا گیا تھا۔ انہیں شہریوں کے ٹیکسوں کی رقوم سے بھاری تنخواہیں اور سہولیات دی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہم وطنوں کو ستا کر دونوں ہاتھوں سے رشوتیں بٹور رہے تھے۔ دولت کی ہولناک چمک نے ان کے دماغوں کو مفلوج' ضمیر کو مردہ اور دلوں کو تاریک کر دیا تھا۔ سوبھراج اور چھوٹا راجن سے پہلے ان کے سروں کو کچلنا ضروری تھا۔

اس وقت میں جس ڈیسک پر موجود تھا وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ مشینی آلات بند تھے۔ اس تند خو' ترش رو اور بد دماغ افسر نے میرے دستی سامان کی کسی مشینی دیکھ بھال کے بغیر مجھے بند مقناطیسی چوکھٹ سے گزرنے کا اشارہ کیا تھا۔

میں نے پلٹ کر اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر تیزی سے کہا ''تم اپنا وقت خراب نہ کرو۔ اندر جاؤ میں انہیں ڈالر دلواتا ہوں۔''

''مشینی انداز میں میرے قدم بڑھ گئے۔ میں نے آگے جا کر آخری بار پیچھے نظر دوڑائی تو وہ دونوں ہکا بکا کھڑے ہوئے تھے۔ اول خان ان سے بحث میں الجھنے کے بجائے مڑ کر تیزی سے واپس جا رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ میرا معاملے ان کے بڑے افسر سے طے کرے گا۔

رشوت ایک ناسور بن کر معاشرے کی ہر رگ میں سرایت کر چکی ہے۔ اس کے بغیر بجلی کا کنکشن ملتا ہے نہ ریل کا ٹکٹ۔ چھوٹے سے بڑے تک سرکاری ملازم ریٹائر ہوتے ہیں تو برسرکار افسر اور کلرک ان کے واجبات ادا کرنے سے پہلے انہیں دفتروں کے دھکے کھلواتے ہیں' فائل جگہ جگہ رکتی ہے' اعتراضات ہوتے ہیں' رشوت کے پہیے لگتے ہیں تو فائل چلتی رہتی ہے ورنہ اس کے گم ہونے کے امکانات ہر وقت ایک تلوار بن کر حق دار کے سر پر سوار رہتے ہیں۔

میں اس لعنت کے سدباب کے بارے میں سوچتا ہوا دوسری طرف نکلا تو غزالہ پریشانی کے عالم میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ ان جانے اندیشوں سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بے تابی سے لپک کر میری طرف آئی۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے...... وسوسوں سے مجھے ہول آنے لگے تھے۔'' اس نے آتے ہی اضطراری لہجے میں شکایت کی۔

اپنی روداد سنا کر اسے پریشان کرنا بے سود تھا۔ میں نے ہنس کر کہا ''ایک شخص جعلی ویزا پر جاپان جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے میری باری آنے میں دیر ہو گئی۔ بس اتنی سی بات تھی تم بلاوجہ پریشان ہو رہی تھیں۔''

''جب تک ہمارا جہاز فضا میں بلند نہیں ہو جاتا مجھے دھڑکا لگا رہے گا۔ ابھی تو پونے دس بھی نہیں بجے۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا ہوگا۔'' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے منمنائی۔

''حوصلہ رکھو اب کچھ نہیں ہوگا۔ تم یوں ہی ہراساں ہوتی رہیں تو تمہیں دیکھ کر کوئی بھی شک و شبے میں پڑ سکتا ہے۔''

ہم طویل راہ داری طے کر کے اس ویٹنگ روم میں پہنچ گئے جہاں ہمارے طیارے تک جانے والے گینگ وے کا دروازہ کھلتا تھا۔ اس دروازے پر ائرلائن کے عملے کے دو باوردی افراد واکی ٹاکی سمیت موجود تھے۔ ان میں سے ایک مرد اور دوسری خاتون تھی۔

ائرپورٹ کی وسیع و عریض عمارت کے مقابلے میں وہ ویٹنگ روم چھوٹا تھا لیکن اس کا سائز بھی کسی حال سے کم نہیں تھا۔ وہاں نشستوں کی تعداد زیادہ تھی جن میں سے بیشتر خالی تھیں۔ ہم دونوں پہلی قطار کے سرے پر بیٹھ گئے۔

رفتہ رفتہ مسافروں کی آمد کی رفتار تیز ہو گئی۔ نشستیں بھرتی جا رہی تھیں۔ اسی دوران میں پیجنگ سسٹم پر ہماری پرواز پر بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا اور گینگ وے کا بند دروازہ کھول دیا گیا۔

اس سفر میں میری مرضی اور انتخاب کا سرے سے کوئی دخل نہیں تھا۔ میں نے جلال کے ایک مشورے پر عمل کرنے کی رضامندی ظاہر کی تھی۔ فرضی نام پر شناخت نامے کی تیاری سے لے کر سیٹ کی بکنگ تک کے سارے مراحل جلال نے اپنی مرضی سے طے کیے تھے۔

میں طیارے میں پہنچا تو میرا دل خوش ہو گیا۔ وہ بڑا جہاز

تھا جس میں بیٹھنے کے بعد گھٹن کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

خوش رو عملے کی استقبالیہ مسکراہٹوں سے گزرنے کے بعد میں نے اخبارات و رسائل کی ٹرالی سے بے اختیار دو بڑے مقامی اخبار اٹھالیے۔

وہ عجیب اتفاق تھا کہ اس روز ہماری روانگی تک ہاکر ہمارے گھر نہیں پہنچا تھا۔ ہمارے ذہنوں پر سفر کے مضمرات کا اتنا بوجھ تھا کہ کسی کو اخبارات کا خیال نہیں آیا۔ طیارے میں اس ٹرالی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج کے بارے میں میرے ذہن میں سویا ہوا تجسس جاگ اٹھا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوگیا کہ اس کے بھیجے ہوئے سات بدمعاشوں کے بارے میں اخبارات کیا کہہ رہے تھے۔

دستی بیگ جہاز کے کیبن ریک میں اڑسنے کے بعد میں نے غزالہ کے ساتھ اپنی سیٹ سنبھالی اور پھر ایک اخبار اس کی گود میں ڈال کر دوسرا خود کھول لیا۔

انگریزی اخبار کے پہلے صفحے پر رات کے واقعے کی تین کالمی سرخی دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔

غیر ملکی دہشت گردوں سے خون ریز مقابلہ' چار ہلاک تین گرفتار وہ جلی سرخی تھی۔ ذیلی سرخی میں سوبھراج کے بچ جانے کی اطلاع تھی۔

ہم سب اپنے گھر کے بند کمرے میں بیٹھ کر جو کچھ سوچ رہے تھے' جلال بے خوفی سے اس پر عمل کر گزرا تھا۔ بروقت اور صحیح فیصلے اس کے کردار کی خاص پہچان بنتے جا رہے تھے۔

''جلال بہت تیز اور فطین آدمی ہے۔'' غزالہ اردو اخبار دیکھ کر دبی آواز میں کہہ رہی تھی ''وہ اپنے دشمن سے نفسیاتی جنگ لڑنا جانتا ہے۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' آس پاس نظریں دوڑائیں پھر آہستہ سے کہا ''میں بھی وہی خبر پڑھ رہا ہوں' اس پر کوئی تبصرہ مت کرو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''او کے سر!'' غزالہ نے ایک ادا سے اپنے سر کو خم دے کر کہا ''میں بھی محتاط ہوں۔ ابھی ہمارے آس پاس کی بیشتر نشستیں خالی ہیں۔''

وہ خاصی طویل خبر تھی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اخبار نے اس واقعے کی پوری تفصیل رپورٹ کی تھی۔

خبر میں سب کچھ وہی تھا جو جائے واردات پر پیش آیا تھا۔ اس میں صرف اتنا اضافہ کیا گیا تھا کہ سرکاری ایجنسیاں اپنے بھرپور وسائل کے ساتھ سوبھراج کا پیچھا کر رہی تھیں۔ انہیں باوثوق ذرائع سے خبر ملی تھی کہ سوبھراج بھارت سے آئے ہوئے پانچ خطرناک دہشت گردوں کے ساتھ ان کے دو مقامی ساتھیوں کو شہر میں دہشت گردی کی نئی وارداتوں کے بارے میں ہدایات دینے کے لیے نو بجے حب ریور روڈ پر واقع مزار والی پہاڑی کے دامن میں آئے گا۔ ایک ایجنسی کی پارٹی نے اسے وہاں گھیرنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ ساتوں افراد مقررہ وقت تک وہاں پہنچ گئے لیکن سوبھراج نہیں آیا۔ اس کے طویل انتظار کے بعد ساتوں مجرموں نے وہاں سے لوٹنا چاہا تو انہیں للکارا گیا۔ انہوں نے اچانک اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ ایجنسی کے مشاق عملے نے اپنے دفاع میں جوابی فائر کھولا اور کچھ دیر کی خوفناک فائرنگ کے بعد مجرموں کے ہتھیار خاموش ہوگئے۔

ان تک پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ ساتوں میں سے چار افراد ہلاک ہوچکے تھے جن میں بھارتی گجرات کے شہر' سورت کا بدنام زمانہ اسمگلر اور دہشت گرد ڈوجے بھی شامل تھا۔ اس کے بقیہ تین ساتھی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔

زخمی حالت میں گرفتار ہونے والوں میں رتن سیٹھ نامی ایک بھارتی مجرم بھی شامل تھا جس نے کچھ اہم انکشافات کیے تھے۔ قیدیوں سے تفتیش کے نتیجے میں مزید اہم معلومات حاصل ہونے کی توقع تھی جس کے بعد سوبھراج کے گرد گھیرا تنگ ہوجاتا۔ خبر میں سرکاری ایجنسی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

واقعے کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں مصلحت کے تحت مبالغے سے کام لیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس خون آشام واقعے کی ذمے داری سوبھراج کے سر جاتی تھی اور وہی ہمارا اصل ہدف تھا۔ خبر کا اختتامی حصہ بہت بھرپور تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سب پڑھ لینے کے بعد سوبھراج ایک لمحے کے لیے بھی کراچی میں رکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

خبر تفصیلی تھی لیکن اسے پڑھ کر میری تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے غزالہ سے اخبار بدل لیا۔ اس انگریزی اخبار کا سپاٹ اور پھیکا انداز مجھے کبھی پسند نہیں آسکا تھا۔ اپنی رپورٹنگ میں وہ حقائق بیان کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی ذمے داری اپنے قاری پر چھوڑ دیتا تھا جبکہ اردو اخبار خبر کے حقائق کے ساتھ اپنے رپورٹرز کی تحقیق و تفتیش کو خبر کا ایک حصہ بنا کر تاثر کو بھرپور بنا دیتا تھا۔

دوسرے اخبار میں وہی خبر پڑھ کر مجھے واقعی مزہ آگیا۔ اس کے مطابق سوبھراج کو کسی طرح عین وقت پر یہ بھنک مل گئی تھی کہ وہ ان ساتوں سے ملنے کے لیے گیا تو اس کی آزادی کے دن پورے ہوسکتے ہیں۔ اس نے وہاں جانے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ

وجے اور اس کے ساتھیوں کو مزار والی پہاڑی تک پہنچنے سے روکتا۔ اس نے سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اپنی جان بچا کر ان ساتوں کو سرکاری ایجنسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

دونوں اخبارات پڑھ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس واقعے پر اخبارات کو بھرپور بریفنگ دی گئی تھی۔ جو باتیں کھل کر نہیں کہی جاسکتی تھیں۔ وہ بین السطور میں بیان کر دی گئی تھیں۔ ان مستور نکات کو دوسروں نے نظر انداز کر دیا۔ اردو رپورٹر نے انہیں شامل کر کے خبر میں جان ڈال دی تھی۔

اردو اخبار میں سوبھراج کے ماضی کے بارے میں کئی چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں جو اس کے گھناؤنے کردار کو اجاگر کر رہی تھیں۔ میں نے وہ سب چاٹ کر اخبار اگلی نشست کی عقبی جیب میں ڈالا تو جہاز میں مسافروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاز کی دونوں راہداریوں میں مسافر اپنی اپنی نشستوں کی تلاش میں بڑھ رہے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پرواز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ بے اختیار مجھے سلطان شاہ اور ویرا کا خیال آیا۔ ان کی پرواز پون گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ شاید وہ اپنے جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ جہاز میں حفاظتی بند باندھنے اور موبائل فون بند کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں۔ تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات پہلے سے روشن تھیں۔

چند ثانیوں کی تاخیر سے مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں موبائل فون موجود تھا۔ میں نے عجلت میں اسے نکال کر بند کر دیا۔

اول خان نے وہ موبائل فون اس وعدے کے ساتھ سفر پر لے جانے پر اصرار کیا تھا کہ وہ فوری طور پر اس پر بین الاقوامی رومنگ جاری کرا دے گا۔ اس صورت میں واجبی اضافی نرخ ادا کر کے میں ہر وقت اسی نمبر پر کراچی سے رابطہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اول خان کو مقامی نرخوں پر مجھ سے رابطے کی سہولت دستیاب ہوتی' رومنگ میرے بل میں ڈال دی جاتی۔

دونوں صورتوں میں خسارہ اول خان کا تھا کیونکہ فون اسی کے نام پر تھا اور بل بھی اسی کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کی طرف سے مجھے ملی ہوئی ایک اعزازی سہولت تھی جس کے برقرار رہنے سے مجھے بنکاک میں بہت آسانی ہو سکتی تھی۔

جہاز کے انجن چل رہے تھے۔ گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے دروازہ بند کر دیا گیا۔ مسافر اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ ہنگامی حالت پیش آنے کی صورت میں اختیار کی جانے والی تدابیر پر ایک مختصر تقریر اور عملے کے عملی مظاہرے ساتھ جہاز رن وے پر حرکت میں آ گیا۔

دھیمی رفتار سے رن وے کے سرے پر پہنچنے کے بعد طیارہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ اس کے انجنوں کی رفتار تیز ہوئی اور رن وے پر بڑھتی ہوئی رفتار سے دوڑ لگانے کے بعد جہاز تیزی سے فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

غزالہ کی سیٹ جہاز کی کھڑکی کے ساتھ تھی۔ وہ مسلسل اس سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ چند منٹ بعد جہاز بادلوں کی چادر سے اوپر نکلا اور نیچے پھیلے ہوئے شہر کے گھٹتے ہوئے مناظر نظر آنا بند ہو گئے تو وہ میری طرف متوجہ ہو گئی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے حالات کے گرداب سے نکل آئے ہیں۔'' اس نے آسودہ لہجے میں کہا۔

''سرکاری سطح پر میری تلاش شروع ہو جانے کے بعد حالات واقعی بہت خراب ہو گئے تھے۔ اب دیکھنا ہو گا کہ بنکاک میں کیا ہوتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''وہاں جو کچھ ہو گا' سامنے ہو گا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی تو کچھ بھی نہیں ہو گا مگر یہ ممکن نہیں ہے پھر بھی وہاں یہ ڈر نہیں ہو گا کہ راستے میں کوئی بھی آپ کو پہچان کر ٹوٹ پڑے اور پکڑوا دے۔ ان لوگوں نے بدمعاشی کی انتہا کی ہوئی ہے۔ ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں کہ کراچی کی انتظامیہ ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔''

''اب کراچی کے تذکرے بے سود ہیں۔ وہاں رہ جانے والے وہاں کے مسائل حل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

دائیں بائیں گھومتے ہوئے اونچی اڑان لینے کے بعد طیارہ اپنی مقررہ بلندی پر پہنچنے کے بعد سیدھا ہوا تو مسافروں کو ہلکے پھلکے مشروبات فراہم کرنے کے لیے کیبن کا عملہ حرکت میں آ گیا۔ میں نے طیارے میں موجود مسافروں کا جائزہ لینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہی مجھے ہر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکے ہوئے انسانی سر ہی سر نظر آئے۔ ان میں ہر رنگ اور قومیت کے لوگ نظر آ رہے تھے لیکن سفر کرنے والوں میں اکثریت مقامیوں کی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سب ہی مردانہ اور نوجوان چہرے تھے۔ کوئی مقامی عورت مسافروں کی بھیڑ میں شامل نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں دنیا بھر میں تھائی لینڈ اور اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ وہاں عیاشی کی سستی سہولیات میسر آنے کا شہرہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ تھائی لینڈ کی معیشت صنعتوں یا

زراعت کے بجائے سیاحت سے ہونے والی قومی آمدنی پر چل رہی تھی۔ اس میں سے بیشتر زرمبادلہ وہ منظم گروہ کمار ہے تھے جو آمدنی اور ملازمت کے لالچ میں دیہی علاقوں سے بنکاک کا رخ کرنے والی نوخیز مقامی لڑکیوں کو گھیر کر گناہوں کی دلدل میں اترنے پر مجبور کرتے تھے۔ ان لڑکیوں کی رفاقت میں رنگین لمحات گزارنے کے سہانے سپنوں کے ساتھ عیاش طبع مقامی جوق در جوق ادھر جاتے تھے۔ ان کے ایسے پروگراموں میں کسی عورت کا ساتھ نہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

دوسری قوموں کے مسافروں میں خال خال عورتیں نظر آرہی تھیں۔ راہداری سے گزر کر عقبی باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے میری نظر چند حسین اور شاداب سفید فام نسوانی چہروں پر پڑی تو میرے ذہن میں غیر ملکی چینل سے نشر ہونے والا ایک انٹرویو تازہ ہوگیا جو بنکاک کی معاشرت کے ساتھ مغرب کی بے راہ روی کا کھلا اشتہار تھا۔

وہ ایک جرمن جوڑے کی کہانی تھی۔ دونوں کسی اولاد کے بغیر خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے اور ایک دوسرے کی خفیہ سرگرمیوں سے یکسر بے خبر تھے۔ دس برس گزار لینے کے بعد دونوں کو تھائی لینڈ کی سیاحت کی سوجھی۔ بنکاک پہنچنے کے پانچویں دن عورت نے ایک قریبی ہوٹل میں اپنے شوہر کو رنگے ہاتھوں پکڑلیا۔ وہ ہوٹل میں ایک سترہ سالہ مقامی لڑکے سے کئی روز سے ملاقاتیں کررہا تھا۔ بیوی کی لاعلمی میں اس نے ایک کمرا اس ہوٹل میں بھی لیا ہوا تھا۔

شوہر دہل گیا۔ اس کی ازدواجی زندگی یکایک تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔ دونوں میں علیحدگی کی نوبت آتی تو وہ بدترین مالی بحران کا شکار ہوجاتا مگر اس کی بیوی سمجھ دار تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں اپنے شوہر کو بتایا کہ پچھلے کئی سالوں سے وہ اس سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ کسی کم عمر نوجوان سے مراسم استوار کرے۔ اس مقصد کے لیے اسے اپنے شوہر کا مقامی دوست پسند آیا تھا۔ دونوں میں سمجھوتا ہوگیا۔ شوہر نے دوسرے ہوٹل کا کمرا چھوڑ دیا اور وہ مقامی لڑکا ان دونوں کی خلوت کا تیسرا شریک بن گیا۔

انہوں نے لڑکے کو اپنے ساتھ جرمنی چلنے کی پیشکش کی۔ اس نے مقامی مافیا کے چنگل سے نکلنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چوری چھپے سفر کی تیاری کرلی۔ وہ تینوں روانگی کے ارادے سے ائرپورٹ پہنچے تو جرمن جوڑے کو اس نابالغ لڑکے کو ورغلا کر بیرون ملک اسمگل کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ سترہ سالہ لڑکا بلوغت کی قانونی عمر سے ایک برس چھوٹا تھا۔ بنکاک کی جنسی مافیا کے کارندے خود کو اس کا سرپرست ظاہر کرکے لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جرمن جوڑا اپنے مقدر کا لکھا بھگتنے کے لیے مقدمے کا سامنا کررہا تھا۔

میں بنکاک جارہا تھا۔ اس شہر کے بارے میں سنے سنائے واقعات یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ سارا شہر اور سارا ملک ایسا نہیں تھا لیکن وہاں اخلاقی بگاڑ کی جڑیں خاصی گہری ہوچکی تھیں۔ بے راہ روی کے واقعات عام تھے۔ میرے لیے اس کیچڑ سے اپنا دامن بچائے رکھنا ضروری تھا۔

میں واش روم سے ہوکر اپنی سیٹ پر واپس لوٹا تو غزالہ سنگتروں کے ٹھنڈے رس سے لطف اندوز ہورہی تھی۔

''آپ نے مسافروں کا جائزہ لے لیا......!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''مطلع صاف ہے۔ اس طرف کوئی مشتبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ سب شرفا ہیں۔''

بنکاک تک کا سفر کم و بیش ساڑھے چار گھنٹے کا تھا۔ ہم مشرق کی سمت میں سفر کررہے تھے اس لیے وقت لحہ بہ لحہ بڑھتا جارہا تھا۔ ہمارے بنکاک پہنچنے پر وقت ہماری گھڑیوں سے دو گھنٹے آگے ہوچکا ہوتا۔ وقت کے اس زیاں کو پورا کرنے کے لیے جہاز میں کچھ دیر بعد ہی دوپہر کے کھانے کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کھانے کے بعد میرے ذہن پر ہلکی سی غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ غزالہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ جہاز ابر آلود فضاؤں سے نکل کر شفاف فضا میں اڑ رہا تھا جس کے نتیجے میں زمینی مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

پرواز موسمی زیر و بم سے آزاد اور بہت ہموار تھی۔ میں اپنی سیٹ میں کافی دیر تک اونگھتا رہا۔ چائے اور کافی کا دور شروع ہوا تو میں سنبھل کر سیدھا ہوگیا۔

جہاز کے پیجنگ سسٹم پر بنکاک کے موسم وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں پھر لگی بندھی احتیاطی پیش بندیوں کے ساتھ لینڈنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

اس پرواز کے لیے بنکاک آخری منزل نہیں تھی۔ کچھ دیر رک کر طیارے کو ہانگ کانگ کے لیے روانہ جانا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جہاز میں نظر آنے والے بیشتر پاکستانیوں کا سفر بنکاک میں ختم ہوجانا تھا۔

ہم بنکاک پہنچے تو فضا روشن تھی۔ سورج غروب ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ امیگریشن اور کسٹم کے رسمی مراحل سے

گزر کر ہم باہر نکلے تو زرمبادلہ کا کاؤنٹر نظر آیا۔ میں نے سوٹ کیس غزالہ کے پاس چھوڑ کر فوری ضروریات کے لیے سو ڈالر کا ایک چیک بھات میں منتقل کرایا پھر ہم دونوں گرد و پیش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خراماں خراماں عمارت سے نکاس کے راستے پر چل پڑے۔ بنکاک میں کسی نے ہمارا سوٹ کیس کھلوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور ہیم گن آرام سے نکل آئی تھی۔

بیرونی ہال میں تھائی لینڈ کے کئی محکموں کے اسٹال وہاں آنے والے سیاحوں کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔ میں نے ہوٹل میں کمرے کے حصول کے لیے ایک کاؤنٹر کا رخ کیا جہاں ایک متبسم خاتون سیاحوں کی میزبانی کے لیے موجود تھی۔

میں تنہا ہوتا تو تیسرے درجے کے ہوٹل میں بھی قیام کر سکتا تھا لیکن غزالہ کے ساتھ اس شہر خرابات میں کوئی رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ خوش شکل سفید فام خواتین پر نظر پڑنے کے بعد یاد آنے والے انٹرویو کی وجہ سے میں اس بارے میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

ڈبل روم کی فرمائش پر اس خاتون نے اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلائیں پھر یکے بعد دیگرے کئی ہوٹلوں کے نام لیے جہاں معیاری کمرے دستیاب تھے۔ میرے استفسار پر اس نے بہت تحمل کے ساتھ ان ہوٹلوں کے کرائے بھی بتائے اور میں نے اسی وقت ہلٹن ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔

اس عورت نے ہم دونوں کے نام اور پاسپورٹ نمبر کمپیوٹر میں ڈالے اور پرنٹر سے ایک سلپ نکال کر مجھے تھما دی جسے دکھا کر میں ہوٹل میں کمرا حاصل کر سکتا تھا۔

بیرونی ہال سے نکلتے ہی ٹیکسیوں کی قطار ہمارے سامنے تھی۔ اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور ہماری طرف لپکا۔ اسے توقع تھی کہ میں اپنے معیار کے کسی ہوٹل تک رسائی کے لیے اس کی مدد لوں گا۔ یوں اسے ہوٹل سے کمیشن کی صورت میں اضافی آمدنی ہو سکتی تھی۔

میں نے ہلٹن ہوٹل کا نام لے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے وہاں تک پہنچانے کے لیے سات سو بھات طلب کیے جو میری دانست میں بہت زیادہ تھے۔ دوسرے ایشیائی ملکوں کی طرح تھائی لینڈ بھی مول تول کے لیے بدنام ہے۔ ٹیکسی کے کرائے سے چیزوں کے دام تک بڑھا چڑھا کر بتانا وہاں کا رواج ہے۔ بھاؤ طے ہونے کا انحصار خریدار کے حوصلے پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات کہاں سے شروع کرتا ہے۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنے والے تھائی ڈرائیور کی آنکھوں میں حریصانہ چمک دیکھ کر اسے دو سو بھات کی پیشکش کی۔

اس نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے میں نے اس کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو۔ وہ اس کا ایک انداز تھا۔ میرے بجائے کوئی نرم دل اور مہذب سیاح ہوتا تو شرمندہ ہو کر فوری طور پر اپنی پیشکش میں خاطر خواہ اضافہ کر دیتا جسے مول تول کے ذریعے مزید بڑھایا جا سکتا تھا۔ میرے لیے وہ شہر نیا نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اس کے جواب کا منتظر رہا۔ اس نے منہ بنانے کے نفسیاتی حربے کے استعمال کے بعد کچھ دیر توقف کیا۔ مجھے خاموش پا کر وہ یکایک چار سو پر آ گیا۔

ان لوگوں میں اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ اپنا اور خریدار کا زیادہ وقت برباد نہیں کرتے۔ ہر حجت کے جواب میں اپنی مانگ میں ڈرامائی کمی کرتے ہیں اور پھر ایک مقام پر اٹک جاتے ہیں۔

وہ تین سو پر اٹک گیا اور میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

اپنی نگرانی میں ہلکا پھلکا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈکی میں رکھوانے کے بعد ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی اور ٹیکسی تیزی کے ساتھ چل پڑی۔

غزالہ کے لیے وہ مول تول بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ وہ اس کے لیے بنکاک کا پہلا سبق تھا۔ ٹیکسی کچھ دیر تک باغات یا کھیتوں کے درمیان سے گزرتی رہی۔ سڑک کشادہ تھی اور اس پر ٹریفک بہت زیادہ نہیں تھا۔ شاید وہ سڑک ائرپورٹ تک آنے جانے کے لیے ہی بنائی گئی تھی۔

رفتہ رفتہ آبادی کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے۔ غزالہ حیرت اور دلچسپی سے ان اجنبی مناظر کا نظارہ کر رہی تھی۔

گنجان اور بارونق شہری علاقے میں داخل ہوتے ہی غزالہ رکشے نما عجیب سی سواری کو سڑک پر دوڑتا ہوا دیکھ کر چونک پڑی ”رکشوں کی وبا یہاں بھی پھیلی ہوئی ہے!“

”یہ یہاں کی سب سے مقبول پبلک ٹرانسپورٹ ہے۔ اسے ٹک ٹک کہا جاتا ہے۔“

”کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ہمارے آٹو رکشا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔“

شہر میں ہر طرف گندمی رنگت کے پستہ قامت تھائی باشندوں کے ہجوم رواں دواں تھے۔ ان میں کثرت سے غیر ملکی چہرے نظر آ رہے تھے۔

بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں میرے پرانے تجربات خوشگوار نہیں تھے۔ وہ غیر ملکی سیاحوں پر

ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی سیٹ کے قرب و جوار میں کسی پوشیدہ جگہ سے تصویری البم نکال کر سواری کو دکھانا وہ اپنا فرض تصور کرتے تھے۔

میں راستے بھر ڈرتا رہا کہ کہیں وہ مجھے بھی البم نہ تھما دے۔ وہ یک طرفہ طور پر ہمیں راستے میں آنے والے مشہور مقامات کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ ایک طرف اس کا لہجہ صاف نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ تھائی نام اور الفاظ ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے تھے کہ مجھے ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے میں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے ذرا بھی منہ لگایا تو وہ مجھے کوئی شرمناک البم تھما دے گا۔

وہ معاملہ فہم ثابت ہوا۔ اس کی ٹیکسی ہوٹل کے ڈرائیو وے میں داخل ہوگئی لیکن اس نے راستے بھر مجھے کوئی البم وغیرہ نہیں دی۔ اپنے تجربات کی بنا پر وہ جانتا تھا کہ اپنی عورتوں کے ساتھ بیرون ملک سے آنے والے لوگ عیاشی کے معاملے میں اتنے بے حوصلہ ہوتے ہیں کہ ان پر محنت کرنا کبھی بار آور ثابت نہیں ہوسکتا۔

ائرپورٹ سے ہوٹل کا فاصلہ خاصا طویل ثابت ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے تین سو بھات پر اپنی رضامندی ظاہر کر کے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔

ہوٹل کے باوردی پورٹر نے ٹیکسی سے ہمارا سوٹ کیس اتارا اور ہم ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

میں نے اپنے پاس موجود رسید دی جس کا اندراج ہوٹل کے کمپیوٹر میں موجود تھا۔ کچھ لیے دیے بغیر ائرپورٹ سے ہی کمرا محفوظ ہو چکا تھا۔ ہم دونوں کے پاسپورٹ لے کر ہوٹل والے نے اپنے اندراجات مکمل کیے اور ذرا سی دیر میں ہم ہوٹل کی چوتھی منزل پر اپنے کمرے میں موجود تھے۔ جو آنے والے دنوں میں ہماری پناہ گاہ ثابت ہونے والا تھا۔

''آخر کار ہم اس گرداب سے نکل ہی آئے!'' پورٹر کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے آرام دہ بستر پر گر کر مسرت کے ساتھ کہا۔

''ابھی ان خوش فہمیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ ہم کراچی سے نکل آئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کے حالات وہاں سے زیادہ گمبھیر ثابت ہوں۔'' میں نے اس کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''یہاں تمہارے کہنے کے مطابق ایک اچھائی ہے کہ امریکیوں کا سازشی عنصر ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔''

کمرے میں ضرورت کی بنیادی چیزیں موجود تھیں۔ منی بار میں مختلف مشروبات کے ساتھ شراب کی کئی چھوٹی بوتلیں بھی موجود تھیں جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ غزالہ کی خواہش تھی کہ روم سروس والوں سے کہہ کر وہ بوتلیں وہاں سے ہٹوا دی جائیں۔ چھوٹے ریفریجریٹر میں ان کی جگہ دوسری چیزیں رکھی جاسکتی تھیں۔

میرے پاس بنکاک کے دو اہم فون نمبر موجود تھے۔ ان میں سے ایک نمبر آئی بی کے مقامی بیورو چیف اسد خان کا تھا۔ جلال کے اندازے کے مطابق وہ شخص چھوٹا راجن تک میری رسائی کے سلسلے میں مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔

دوسرا فون نمبر راجن کا تھا۔ کراچی میں رہ کر اسے چھیڑنا ہوتا تو میں وہ نمبر استعمال کرسکتا تھا۔ میں نے یہی سوچ کر وہ نمبر حاصل کیا تھا۔ بنکاک پہنچنے کے بعد چھوٹا راجن سے رابطہ کرنا غیر ضروری تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خاموشی سے اس تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

کمرے میں کچھ دیر تک ستانے کے بعد میں نے اسد خان سے رابطہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

میں نے چیک کرنے کے لیے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا تو اس پر کوئی سگنل نہیں آ رہا تھا۔ دستیاب نیٹ ورک کی حدود سے ہزاروں میل دور نکل آنے کی وجہ سے فون نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جب تک اس پر رومنگ بحال نہ ہوتی، فون بے کار تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں براہِ راست ڈائلنگ کی سہولت دستیاب تھی۔ میں آپریٹر کو درمیان میں لائے بغیر اسد کو فون کرسکتا تھا۔ میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا۔ ہوٹل سے فون کرنے کی سہولت مفت میں فراہم نہیں کی جاتی تھی۔ دنیا کے ہر حصے میں ہوٹل والے فون کے اصل بل کے ساتھ ہر کال پر اپنے اضافی سروس چارجز بھی وصول کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر کال کا کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہونا ضرور تھا۔

میں نے وہ نکتہ ذہن نشین کرلیا۔ اس سسٹم کے تحت اسد سے رابطہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں آئی بی کا اکلوتا افسر ہونے کے ساتھ ایک عام پاکستانی بھی تھا۔ اس کے برعکس میں راجن کے لیے ہوٹل کا فون استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

''یہاں قدم رکھتے ہی آپ کی مصروفیات شروع ہوگئیں!'' غزالہ نے مجھے فون کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر کہا۔

''زندگی حرکت کا نام ہے۔ جمود آدمی کو لے ڈوبتا ہے۔'' اسے جواب دے کر میں نے اسد کا نمبر ملالیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی ہی رہی۔ تیسری گھنٹی پر

مجھے شبہ ہوا کہ اس نمبر پر کوئی موجود نہیں تھا۔ جلال نے مجھے اس کا فون نمبر دے دیا تھا مگر مجھے اس سے یہ پوچھنا یاد نہیں رہا تھا کہ وہ نمبر اس کے دفتر کا تھا یا گھر کا۔

اگر وہ دفتر کا نمبر تھا تو دفتری اوقات ختم ہو چکے تھے۔ اس سے اگلے دن رابطہ ہو سکتا تھا۔ میں فون بند کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ہیلو کی ایک بھاری مردانہ آواز گونجی۔

''اسد خان؟'' میں نے استفسار طلب لہجے میں دھیرے سے کہا۔

''بول رہا ہوں!'' میرے سوال کا جواب شستہ اردو میں آیا تھا۔

''میں علی احمد بول رہا ہوں۔ تھوڑی دیر......'' میں نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا تھا کہ اس نے گرمجوشی کے ساتھ میری بات درمیان سے اچک لی۔

''ویری گڈ...... میں نے ائرپورٹ سے فلائٹ کی آمد کنفرم کرلی تھی اور تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے ائرپورٹ جانے سے منع کر دیا گیا تھا ورنہ تم سے وہیں ملاقات ہوتی۔ یہ بتاؤ کہ سفر کیسا گزرا۔ اس وقت تم کہاں ہو۔''

وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔ اس کے لب و لہجے سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے برسوں سے میرا آشنا سا ہو۔

''سفر خوشگوار گزرا۔ میں اپنے ہوٹل میں ہوں۔ تم کو معلوم ہوگا کہ صدف میرے ساتھ آئی ہے۔''

''سب معلوم ہے۔ اگر تم تکان محسوس نہ کر رہے ہو تو ہم رات کے کھانے پر کہیں مل سکتے ہیں۔'' میں نے محسوس کیا کہ وہ فون پر تفصیلی بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

''یہیں آ جاؤ۔ نو بجے لابی میں ملاقات ہوگی پھر ہم ریستوران میں کھانا کھائیں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے اسے پیشکش کی۔

''یہی بہتر رہے گا۔ ابھی یہ شہر تمہارے لیے اجنبی ہے۔ تمہارے لیے کہیں اور پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ تم برا نہ مانو تو صدف کو کمرے میں چھوڑ سکتے ہو۔''

''میں دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ یہ فون نمبر تمہارے دفتر کا ہے گھر کا۔''

''دونوں ایک ہیں۔ میں نے گھر کو دفتر بھی بنایا ہوا ہے۔ تم کو یہ خیال کیوں آیا؟''

''تم نے کافی دیر بعد فون اٹھایا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

ہنسی کے ساتھ اس کی بے تکلفانہ آواز آئی ''اکیلے مرد کے یہی مسائل ہوتے ہیں۔ میں کچن میں اپنے لیے چائے اور سینڈوچ بنا رہا تھا۔''

وہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میرے لیے احتیاط غیر ضروری تھی۔ میں نے پوچھا ''تمہارے گھر میں کچن کے لیے کوئی ملازمہ نہیں ہے۔''

''یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ وہ جملہ خدمات انجام دینے کے لیے زیادہ تنخواہیں مانگتی ہیں۔ میں اتنے پیسے دے سکتا ہوں نہ مجھے ان کی دوسری خوبیوں سے دلچسپی ہے۔ تنخواہ کے مطابق اپنی اوقات میں رہتا ہوں۔ کچن کے تھوڑے سے کام اپنے ہاتھوں سے کرکے ڈیڑھ دو ہزار ماہانہ بچالیتا ہوں۔ یہاں کی یہ کہانیاں عجیب ہیں۔ ملو گے تو سناؤں گا۔ میں نو بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے خوش دلی سے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کر دیا۔

بنکاک میں وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ اس سے بات کرکے مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اپنی باتوں سے وہ کھلے دل و دماغ کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ آئی بی جیسے حساس ادارے میں ایک غیر ملکی محاذ پر تن تنہا کام کرنے والا شخص اس قدر خوش مزاج کیسے تھا!

اس سے بات ہونے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا جو خاکہ تھا' اس کے مطابق اسے خشک مزاج اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تھا۔ سرکاری ایجنسیوں میں طویل مدت تک کام کرنے والے عام طور پر اپنے کام سے کام رکھنے والے' محتاط' سرد مہر اور جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اسد اس سے مختلف محسوس ہوا تھا۔

فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کی وجہ سے مجھے غزالہ کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں نے ائرپورٹ سے ہوٹل تک کے طویل سفر میں کہیں دنگا فساد ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود تھائی قوم مجھے صلح جو اور امن پرور محسوس ہوئی تھی۔ کم از کم بنکاک میں ایسا ہی تھا۔

ہمارے پاس جلال کے دیے ہوئے بیس ہزار ڈالروں کے علاوہ وہ خطیر رقم بھی موجود تھی جو میں روزمرہ اخراجات کے لیے آخری بار سلمٰی سے لایا تھا۔ غزالہ نے چالاکی بلکہ بڑی حد تک خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیرا اور سلطان شاہ سے اس بچی ہوئی رقم کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے سب کچھ سمیٹ کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس رقم کی

موجودگی میں ہم بے فکر ہو کر بنکاک میں ایک طویل عرصہ گزار سکتے تھے۔

پونے نو بجے میں نے غزالہ کے ساتھ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ بنکاک میں اس کا پہلا ڈنر تھا۔ بند کمرے میں تنہا بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ نچلے فلور پر پہنچتے ہی مجھ سے الگ ہو کر ہوٹل کے ریستوران کی طرف چل دی۔ میں مڑ کر لابی کی طرف ہولیا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ قریبی صوفے سے ایک خوش شکل پاکستانی اٹھ کر مسکراتا ہوا میری طرف آیا۔ اس نے مقامی رواج کے مطابق شوخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں ہلکا سا پھول دار اسکارف قرینے سے لگا ہوا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا مگر اس کے قریب آنے تک میں انجان بنا بیٹھا رہا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے اسد سے ملاقات کا وقت طے کرتے ہوئے باہمی شناخت کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا تھا۔

''مجھے اسد کہتے ہیں۔'' اس شخص نے میرے قریب آکر کہا ''کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ میرے خدوخال کی بنا پر اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا اور میرے قریب آ پہنچا تھا مگر وہ اس بارے میں پر یقین نہیں تھا۔ اسے اپنے اندازے پر سو فیصد یقین ہوتا تو وہ مجھے آپ جناب سے مخاطب نہ کرتا۔ فون والی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغل گیر ہو جاتا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اجنبیت کا اظہار کر کے اسے ذہنی جھٹکا دوں مگر پھر وہ ارادہ منسوخ کر دیا اور علی احمد کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں وقت سے پہلے آ گیا تھا۔'' اس نے ہاتھ ملا کر بے تکلفی سے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''میں نے اوپر سے آنے والوں پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ شاید صدف بھی تمہارے ساتھ نیچے آئی تھی اور کھانے کے لیے ریستوران کی طرف نکل گئی۔''

''مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کس محکمے کے لیے کام کرتے ہو۔''

''میں کیا مرعوب کروں گا!'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم خاصی توپ چیز ہو۔ ہم لوگوں کے لیے اکثر کام کرتے رہتے ہو۔''

''اور کیا بتایا گیا ہے؟'' میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اطمینان سے سوال کیا۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ اسے میرے بارے میں کیا بتایا گیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے کراچی چھوڑنے سے پہلے جلال سے اس بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا چاہیے تھا۔ عجلت اور شاید خوداعتمادی کی وجہ سے مجھ سے وہ چوک ہو گئی تھی جس کا تدارک مجھے خود کرنا تھا۔

''تم کو کسی مشن پر یہاں بھیجا گیا ہے'' اس نے نیچی آواز میں کہا ''اس میں چھوٹا راجن ایک اہم آدمی ہے۔ اس تک پہنچنے میں مجھے تمہاری مدد کرنا ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ راجن تک محدود نہ رہے۔ اس چکر میں کوئی اور اہم نام بھی ملوث ہوسکتا ہے۔''

''اس بارے میں تم کیا کر سکتے ہو؟'' میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر پوچھا۔

''فی الحال انتظار کرنا ہوگا۔ ایک ہفتے سے راجن غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام سے ممبئی چلا گیا ہو۔ اس کے کام وہاں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔''

''وہ یہاں کیا کرتا ہے؟'' راجن کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

''بظاہر وہ ایک مال دار بھارتی ہے جو اپنا زیادہ وقت بنکاک میں گزارنا پسند کرتا ہے۔ پارٹیوں پر وہ پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ یہاں کے بڑے سرکاری افسروں میں اس کا بہت اثر ورسوخ ہے۔ وہ بہت شوق سے راجن کی پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں۔''

''یہ راجن کی اپنی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ دوسروں کے لیے یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دراصل بھارت کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش ہے جس کی ساری دولت غیر قانونی ہے۔''

''اس کی قانونی آمدنی بھی بے حساب ہے۔ وہ ممبئی میں بڑی جائیدادوں کا لین دین کرتا ہے۔ بنکاک میں اس کے کئی نائٹ کلب اور کیسینو چل رہے ہیں۔ حال ہی میں اس نے وائٹ ہاک نامی ایک لگژری بوٹ خرید کر اس پر تیرتا ہوا کیسینو اور عیاشی کا اڈا قائم کیا ہے جہاں ہر کس وناکس نہیں جا سکتا۔ وہ صرف ممبروں کے لیے مخصوص ہے۔ ان ذرائع سے وہ کروڑوں کماتا ہے۔ اس پر یہاں اور بھارت میں ٹیکس بھی دیتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ایسے کاموں میں بدمعاشی ضروری ہوتی ہے اس لیے وہ راجن کے خلاف پھیلنے والی کہانیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔''

''اس وقت تم بھی اس کے مداح معلوم ہو رہے ہو'' میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ تصویر کا ایک رخ ہے، اس کا دوسرا رخ بہت بھیانک ہے۔ اس نے بنکاک سے ممبئی تک میں غنڈوں کی ایک فوج پالی ہوئی ہے۔ وہ راجن کے نام پر چھوٹے دھندے کرنے والوں سے بھتے لیتے ہیں۔ لاوارث جائدادوں پر جعلی کاغذوں کے ذریعے قبضہ کر لیتے ہیں۔ اسمگلنگ اور منشیات فروشی پر ان کا راج ہے۔ حریفوں سے سرکاری افسران تک جو کوئی ان کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے اسے وہ خاموشی اور سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں" اسد نے بتایا۔

"اس کے باوجود اسے معزز سمجھا جاتا ہے" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے آدمی بے داغ جرائم کرتے ہیں۔ کسی سے لغزش ہو جائے تو وہ اس کا بھی صفایا کرا دیتا ہے۔ جب تک کوئی ثبوت نہ ہو، ان کہانیوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔"

"اس تک رسائی کی کیا صورت ممکن ہے؟" میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہاں کی مہنگی آبادی میں اس کا گھر کسی قلعے سے کم نہیں ہے۔ مسلح بدمعاشوں کی ایک بڑی ٹولی گھریلو ملازموں کی صورت میں وہاں ہر وقت دندناتی رہتی ہے۔ وہاں اس کی مرضی کے خلاف اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔ وہ باہر نکلتا ہے تو اس وقت بھی محافظ اس کے ساتھ چلتے ہیں" اس نے منفی نکتے بیان کر دیے۔

"ملکوں کے حکمراں منصوبہ بندی کر کے مار دیے جاتے ہیں۔ راجن ایسا ناقابلِ تسخیر نہیں ہو سکتا۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"کوئی ناقابلِ تسخیر نہیں ہوتا۔ اگر تم اس تک پہنچنا چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکال لی جائے گی۔ میں تمہیں اس کے معمولات بتا رہا تھا" اسد نے کہا۔

اسد نے پوری گفتگو میں ایک بار بھی میرے اصل نام کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جلال نے اسے میرے بارے میں محدود معلومات فراہم کی تھیں۔ اس سے آگے کا معاملہ میری صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر ہوٹل کے اس ریستوران کی طرف چل دیے جہاں خاص طور پر کئی ملکوں کے ایشیائی کھانے دستیاب تھے۔

ریستوران بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ فضا میں تمباکو کے دھوئیں، الکحل اور کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں کے گہرے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ میں نے وہاں داخل ہوتے ہی پورے ہال پر نگاہیں دوڑائیں۔ وہاں غزالہ کا نام و نشان نہیں تھا۔ شاید اس نے اپنی شکم پری کے لیے ہوٹل کے کسی اور حصے کا انتخاب کیا تھا۔

ہم ایک گوشے میں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی، ایسی میز کے گرد جا بیٹھے جہاں صرف تین کرسیوں کی گنجائش تھی۔ اسی مناسبت سے وہ میز بھی چھوٹی تھی۔

ریستوران میں بیٹھنے کے بعد گفتگو کا رخ بدل گیا۔ وہ مجھے اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے بیوی بچے لاہور میں رہتے تھے۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی انجام دہی اور بچت کے لیے وہ تقریباً دو سال سے بنکاک میں تنہا رہ رہا تھا۔ اس کی بیرون ملک تعیناتی کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ کسی بھی وقت اس کی پاکستان واپسی کے احکام آ سکتے تھے۔

اس کے تجربے اور مشاہدے کے مطابق مشرق کا وہ شہر اپنی رنگا رنگی اور حیات آفرینی کے باوجود گناہوں کی ایک خوشنما دلدل میں تبدیل ہو چکا تھا جہاں قدم قدم پر اس دلدل کی طرف بھٹکنے کے واضح امکان تھے لیکن وہ نہایت صبر و قناعت کے ساتھ وہاں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ ہر قسم کے مقامی اور غیر مقامی لوگوں سے مراسم ہونے کے باوجود وہ شراب اور عورت کے سحر سے آزاد تھا۔

بنکاک میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔ وہ لوگ ملازمتوں اور چھوٹے موٹے کاروبار سے اپنی روزی کما رہے تھے۔ اسد کے لیے پوری پاکستانی برادری کی انفرادی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن اپنے خصوصی مراسم کی وجہ سے اسے اہم واقعات سے بروقت آگاہی حاصل ہو جاتی تھی۔ اس کا کام کسی کارروائی میں ملوث ہونے کے بجائے اہم واقعات کی مانیٹرنگ تک محدود تھا۔ وہ اپنی ساری ماہانہ رپورٹیں اسلام آباد کو ارسال کرتا تھا۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دو سالوں میں اسے اس وقت پہلا ذہنی جھٹکا پہنچا تھا جب اسے یہ پتا چلا کہ سوبھراج پاکستان میں غداری جیسے سنگین جرائم میں ملوث ہے۔ سوبھراج اپنے عروج کے زمانے میں اکثر نجی دوروں پر بنکاک آتا رہا تھا۔ سفارتی عملے کے علاوہ اسد بھی اسے اپنا بھرپور ذاتی تعاون فراہم کرتا تھا۔ میل جول کی وجہ سے اس کی سوبھراج سے خاصی شناسائی تھی۔

اسے سوبھراج کی صرف ایک بات ناپسند تھی۔ وہ پاکستان کا ایک معروف سیاست داں تھا لیکن بنکاک میں اس کی راجن سے گہری دوستی تھی۔

بنکاک میں اپنی موجودگی کے دوران میں وہ راجن کی کوئی پارٹی نہیں چھوڑتا تھا۔ عیاش طبع ہونے کی وجہ سے

بنکاک کی بدنام عورتیں اکثر اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی گندی دلچسپیاں تھیں۔ اسد کئی بار اپنی رپورٹوں میں ان کا ذکر کر چکا تھا۔

پاکستان سے سوبھراج کے خلاف چشم کشا خبریں آنے تک وہ اسے ایک بگڑا ہوا اور رنگین مزاج سیاست داں سمجھتا رہا تھا۔ وہ خبریں سننے کے بعد اسے صدمہ ہوا کہ وہ بے خبری کے عالم میں دو سال سے ملک وقوم کے ایک غدار کی خدمت کرتا رہا تھا۔

اسی دوران میں اسد نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا شروع ہوا تو ہم دونوں کی گفتگو پھر پچھلے ڈھب پر آ گئی۔

''مجھے تمہارے بارے میں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں ہے'' وہ کہہ رہا تھا ''مجھے ہر حال میں تمہاری مدد کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم راجن میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔ کیا تم کو اسی کے خلاف کسی مشن پر مامور کیا گیا ہے؟''

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''بنکاک میں اس جیسے نہ جانے کتنے بدمعاش پل رہے ہوں گے۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ہدف سوبھراج ہے......''

''اوہ خدا!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر حیرت سے بولا ''راجن کی جڑ بنیاد کرید کر تم نے میرا خون آدھا کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم دو بے بساط آدمی اس عفریت کو کیسے پچھاڑ سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں سوبھراج چوہا ہے۔ اسے مارنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''بنکاک آنے کے بعد وہ راجن کا مہمان ہوتا ہے۔ ہمیں دونوں کو نگاہ میں رکھنا ہوگا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہمارے آس پاس کی میزوں پر غیر ملکی بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی ہم اردو میں نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

''کیا وہ یہاں آ گیا ہے؟'' اسد نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔

''نہیں، آیا تو آ جائے گا'' میں نے اطمینان سے جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم کو یہاں پاکستانی اخبار دستیاب نہیں ہوتے؟''

''پی آئی اے کی پرواز شام کو یہاں پہنچتی ہے۔ اسی وقت اخبار آتے ہیں۔ آج تمہاری فکر میں، میں اخبارات لینے کے لیے نہیں جا سکا۔ میں پاکستانی اخباروں کا مستقل خریدار ہوں۔ آج کی کاپی صبح جا کر لے لوں گا۔ کیا آج کوئی خاص خبر ہے؟''

''خبریں ہی خبریں ہیں۔ پچھلی رات سوبھراج کے چار آدمی مارے گئے ہیں، تین پکڑے گئے ہیں۔ ان میں وجے نام کا کوئی نامی گرامی بدمعاش بھی شامل تھا'' میں نے اسے بتایا۔

''پھر تو میں یہاں سے واپسی پر ہی اخبار لیتا ہوا جاؤں گا۔ کیا تمہاری آمد اسی سلسلے کی کڑی ہے؟'' وہ یکایک ہیجان زدہ نظر آنے لگا۔

''اب اس کے لیے پاکستان میں رہنا ممکن نہیں رہا۔ وہ سیدھا اسی طرف آئے گا۔ ہم کو پہلے سے راجن پر نظر رکھنا ہوگی۔ جیسے ہی سوبھراج اس سے ملے، ہمارا کام شروع ہو جائے گا۔''

''پاکستان کے حوالے سے پچھلے دنوں دو ناموں نے بہت شہرت پائی ہے'' وہ لقمہ نگل کر بولا ''سوبھراج سے پہلے ڈینی کا قصہ چلا آ رہا ہے۔ امریکی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ پتا نہیں اسے امریکیوں سے کیا پرخاش ہے۔ آئے دن ان کے کسی نہ کسی اہم آدمی کو مارتا رہتا ہے۔''

میری دانست میں اسد ایک باخبر آدمی تھا۔ اس کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے صدمہ ہوا۔ اس کا وہ حال تھا تو عام پاکستانیوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے ملک کی نہیں، کوئی ذاتی لڑائی لڑ رہا ہوں جس سے گنے چنے لوگوں کے سوا کسی کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ عین ممکن تھا کہ بہت سے لوگ یہ بھی سوچتے ہوں کہ میں امریکیوں کو اشتعال دلا کر پاکستان کے لیے غیر ضروری طور پر مشکلات پیدا کر رہا تھا، میری سرزنش ضروری تھی۔

میں اس نکتے پر ہر ایک کو قائل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اسد کو بات سمجھانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ میں نے کہا ''شاید تم اس مسئلے کے پورے پس منظر سے بے خبر ہو۔''

''میں سب کچھ جانتا ہوں'' اس نے سر ہلا کر کہا ''میری دانست میں کوئی شخص ریاست سے لڑ کر نہیں جیت سکتا اور پھر ریاست بھی وہ جو دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہو۔ اس نے امریکیوں کی شی سے بغاوت کر کے ہیروئن کے خلاف علم اٹھایا تھا۔ اس کی کوششوں سے شی برباد ہو گئی۔ ڈینی کا مشن پورا ہو گیا، اب وہ خودکشی کے راستے پر بڑھ رہا ہے۔''

''شی کی تباہی سے پہلے امریکیوں نے اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیے تھے'' میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا ''وہاں سے لڑائی

کا رخ بدل گیا۔ اب ڈینی خاموش ہو کر بیٹھ جائے، تب بھی وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کسی بے گناہ کو نہیں مارتا۔ پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خون کا پیاسا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان میں سوبھراج کو کن قوتوں نے پالا ہوا تھا؟'' میں نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں ''ڈینی کیا کر رہا ہے؟''

''محکمے میں ڈینی کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھولتا'' اس نے مایوسی سے کہا'' مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے محکمے کے لیے وہ ایک حسّاس نام ہے۔ میری اطلاعات ان خبروں تک محدود ہیں جو کبھی کبھی اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ یہی معاملہ سوبھراج کا ہے۔ یہاں رہ کر اس کے بارے میں زیادہ جاننا مشکل ہے۔''

''را اور سی آئی اے بیک وقت دونوں بدنام ایجنسیاں سوبھراج کی پشت پناہی کر رہی تھیں اور اس سے گھناؤنے کام لے رہی تھیں۔ اب امریکی ایجنسیاں اس کی بھی دشمن ہیں۔''

میرے بارے میں اسد کی معلومات محدود اور ناقص تھیں۔ یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ میری اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔

اپنے پیشے کی وجہ سے تجسس اس کے خمیر میں شامل ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ بات چھڑ گئی تو اس نے پے در پے سوالات کرنا شروع کر دیے۔ میں بہت مشکل سے اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہو سکا کہ سوبھراج اپنی کالی کمائی کے سہارے سیاسی قد کاٹھ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ بنیادی طور پر وہ گندی نالی کا کیڑا تھا جو صرف غلاظت میں پنپ سکتا تھا۔ جرائم سے کنارہ کش ہو کر وہ اپنا وجود تک برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے بے نقاب کرنے میں ڈینی نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

''ڈینی کے بارے میں ریکارڈ پر ناقص اور ادھوری باتیں ہوں گی'' وہ بولا ''اسلام آباد میں سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کوئی پاگل شخص یا پھر حد سے زیادہ بے خوف اور دلیر ہے۔ کاش کبھی اس سے سامنا ہو سکے۔ اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔''

''فری لانسر ہر شخص کے لیے کام کرتے ہیں'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

''اس کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں؟'' اسد آسانی سے میری جان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا ''اپنے ذاتی وسائل سے ایسی لڑائی لڑنا ناممکن ہے۔''

''ان سوالوں کے جواب وہی دے سکتا ہے یا پھر جلال کو کچھ معلوم ہوگا۔''

''جلال بہت ٹیڑھا اور خطرناک افسر ہے۔ ڈینی اور سوبھراج کے معاملات کسی اور کے پاس ہوتے تو کوئی نہ کوئی خبر لیک ہو جاتی۔ اب مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ اسی لیے میں تم سے زیادہ سوالات کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم نے برا نہیں مانا ہوگا؟''

''برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔''

''سنا تھا کہ ڈینی کے ساتھ ویرا لائیڈ نامی کوئی لڑکی بھی ملی ہوئی ہے'' راہ پاتے ہی اسد نے اگلا سوال داغ دیا ''امریکیوں نے دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑے بڑے انعامات رکھے ہوئے ہیں؟''

''یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس بارے میں ان کی طرف سے اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات آتے رہے ہیں'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''شبہ مجھے بھی ہے کہ ہماری کوئی نہ کوئی ایجنسی ڈینی کو بچا رہی ہے ورنہ وہ اب تک پکڑا گیا ہوتا۔ درپردہ وہ پاکستان کے لیے کام کر رہا ہوگا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر کار میں اسے اندر کی بات سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے غیر ضروری ذکر سے جان چھڑانے کے لیے کہا ''مجھے سوبھراج کے فتنے کے خاتمے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے اور تم ڈینی کے قصوں میں الجھے ہوئے ہو۔''

اس کا ہاتھ پلیٹ میں رک کر رہ گیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور نیچی آواز میں بولا ''کیا تم اسے مارنے کا مشن لے کر آئے ہو؟''

''یہاں اس کے خلاف اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں ہمیں اس کی گرفتاری کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقامی انتظامیہ کی مدد لینے کا طریقہ کار اتنا طویل ہے کہ فیصلہ ہونے تک سوبھراج یہاں سے نکل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ راجن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی کامیابی نہ ہو۔''

''علی! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ دشمن کو مارنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ تصادم میں کوئی حریف اتفاق سے مارا جائے تو دوسری بات ہے۔ تم تو براہِ راست اسے مارنے کا ارادہ کر کے آئے ہو۔ مجھے اپنے افسرانِ بالا سے رجوع کرنا ہوگا۔''

''تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ سارا کام میں خود کر دوں گا۔ تم

مجھے راجن تک پہنچنے کا راستہ بتادو۔ باقی کام میں خود کرلوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''میں اس بارے میں کل کوئی جواب دے سکوں گا'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

جوش وخروش سے شروع ہونے والی وہ ملاقات آخرکار سردمہری پر ختم ہوگئی۔ وہ مجھ سے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لے کر رخصت ہوگیا۔ میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا جہاں غزالہ مجھ سے پہلے فارغ ہوکر واپس آچکی تھی اور کپڑے بدل کا بستر پر آرام کررہی تھی۔

میرا لٹکا ہوا چہرہ دیکھتے ہی غزالہ نے گڑبڑ کا اندازہ لگالیا اور بولی ''معلوم ہوتا ہے کہ اسد سے آپ کی ملاقات کامیاب نہیں رہی؟''

''عجلت میں کیے جانے والے کاموں میں کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضروری ہوتی ہے۔ جلال سے اسد کے بارے میں تفصیلی بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ سوبھراج کو مارنے میں میرا ساتھ دینے سے گریز کررہا ہے۔'' میں نے افسردگی سے بتایا۔

''اسے کیسے پتا چلا کہ آپ اسے مارنے کا ارادہ لے کر آئے ہیں؟''

''مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے خود ہی ذکر کردیا تھا'' میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ''وہ جلال سے بہت جونیئر ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنا قاعدہ قانون لے کر بیٹھ جائے گا۔ جلال سے ایک بات طے ہوچکی تھی، سوبھراج کو زندہ یا مردہ زیر کرنا ہے۔ اس کے ہر ماتحت کو اس فیصلے پر سرجھکا کر عمل کرنا چاہیے۔''

''کسی کو زندہ یا مردہ پکڑنے اور گھیر کر مار دینے میں بہت فرق ہے۔ آپ خود اس غلطی کو مان چکے ہیں پھر بےچارے اسد کو الزام کیوں دے رہے ہیں؟ سوبھراج کے خلاف الزامات کی فہرست کتنی ہی گندی اور طویل کیوں نہ ہو، یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ماضی قریب میں وہ ممتاز سیاسی حیثیت کا حامل تھا۔ ایسے مجرموں پر ہاتھ ڈالنے سے ہر ایک گھبراتا ہے۔''

''غلطی کسی کی بھی ہو، گڑبڑ ہوچکی ہے۔ اسد کو یہاں آئے دو سال سے زیادہ عرصہ ہوچکا ہے۔ کسی بھی وقت اسے پاکستان واپس بلایا جاسکتا ہے۔ اس مرحلے پر وہ ازخود کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلال یا کسی اور افسر سے ہدایات لینے کے بعد مجھے اس معاملے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرے گا۔''

''اس سے پہلے آپ جلال کو فون کرکے بریف کیوں نہیں کردیتے؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ جلال پوری بات سمجھ لے گا۔ اس کا فیصلہ برقرار رہے گا'' میں نے کہا ''رہی سہی کسر آج کے اخبارات پوری کردیں گے۔''

غزالہ نے حسب عادت بحث نہیں کی، خاموشی اختیار کرلی۔

اس وقت ساڑھے دس بجے تھے۔ کراچی کا وقت دو گھنٹے پیچھے تھا اور ہم وہاں سے تازہ وارد ہوئے تھے۔ میرے اعصاب پوری طرح تروتازہ تھے۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں نے بنکاک کی جاگتی ہوئی راتوں کا سرسری نظارہ کرنے کا ارادہ کیا اور غزالہ کی طرف دیکھتے ہی ترک کردیا۔ اس نے سونے کا لباس پہن کر بزبان خاموشی یہ اعلان کردیا تھا کہ وہ باہر نہیں جائے گی۔

میں نے کمرے میں موجود ٹیلی وژن آن کیا اور وی سی لگا کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ میں نے روشنی گل کرکے ہلکی روشنی والا بیڈ لیمپ روشن کردیا تھا۔

میں دیر تک ٹیلی وژن کے سامنے جما رہا۔ نگاہیں روشن اسکرین پر مرکوز تھیں، ذہن سوبھراج اور راجن میں الجھا ہوا تھا۔

اسد نے راجن کے سلسلے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ بدمعاش کتنا ہی دولت مند ہوجائے، ہمیشہ بدمعاش رہتا ہے۔ لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اس کی عزت نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اس کے لیے نفرت کے جذبات موجزن رہتے ہیں لیکن راجن کے معاملے میں وہاں الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔ تھائی حکام نے اس کی بدمعاشیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے ایک معزز سیاح کا درجہ دیا ہوا تھا۔

مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ مجھے راجن اور سوبھراج کے خلاف کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر کرنا تھا۔

میری دلی خواہش تھی کہ ان دونوں کے خلاف میری پہلی کارروائی اتنی سخت اور بھرپور ہو کہ ان کے ہوش اڑ جائیں۔ اس خواہش کے باوجود مجھے اپنے کام کے آغاز کے لیے کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔

بارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ بنکاک میں ایسا کون تھا جو اتنی دیر سے مجھے فون کرسکتا تھا؟

میں نے غزالہ پر نظر ڈالی تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس

کی نیند خراب ہونے کے خوف سے میں نے لپک کر فون اٹھالیا۔

ریسیور کان سے لگتے ہی میرے کانوں میں ایک رسیلی نسوانی آواز آئی ''گڈ ایوننگ سر! میرا نام سیفل ہے، عمر بائیس سال ہے۔ کسی کام کے لیے میری ضرورت ہو تو میں ذرا سی دیر میں آپ کے دروازے پر آسکتی ہوں'' وہ مقامی لہجے میں صاف ستھری انگریزی بول رہی تھی۔

''شاید تم کو علم نہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ مقیم ہوں'' میں نے غزالہ کی طرف دیکھ کر خاصے تیکھے بلکہ ترش لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے سر!'' نہایت سعادت مندی سے کہا گیا ''میں بہترین مساج کرتی ہوں۔ آپ کی مسز کو لطف آجائے گا۔ میری فیس بھی بہت کم ہے......''

''فیس پر لعنت بھیجو۔ میں ابھی آپریٹر سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت اس نے میرے کمرے سے تمہاری کال کیوں ملائی۔''

''سر! کال میں نے خود ملائی ہے۔ ہوٹل کا نمبر ملانے کے بعد اب کمرے کا نمبر ڈائل کرنا ہوتا ہے۔ آپریٹر کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کمرے کا نمبر معلوم نہ ہو۔ آپ چاہیں تو مجھے کل وقت دے سکتے ہیں۔ میں پہنچ جاؤں گی'' اس نے میری برہمی کو سرے سے نظر انداز کردیا تھا۔

''مجھے کسی مساج کی ضرورت نہیں ہے۔ دوبارہ مجھے فون نہ کرنا'' میں نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بھنّا کر ریسیور اٹھالیا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس بار میں سیفل کو ایسی کھری کھری سناؤں گا کہ وہ تیسری بار مجھے فون کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گی ''اب کیا مصیبت ہے؟''

''کیا بات ہے...... اس وقت تم بہت غصے میں ہو؟'' اسد کی آواز سن کر میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ''کیا کسی سے لڑ رہے تھے؟''

''ابھی ابھی کوئی عورت کان کھا رہی تھی۔ وہ میرا اور صدف کا مساج کرنا چاہتی تھی'' میں نے بے بسی کی ہنسی کے ساتھ اسے بتایا ''میں سمجھا کہ اس نے دوبارہ فون کیا ہے۔''

''یہاں یہ ہوتا رہتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تاؤ کھاؤ گے تو بنکاک میں رہنا دشوار ہوجائے گا۔'' اس نے ہمدردانہ مشورہ دینے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''وہ معاملہ صاف ہوگیا ہے۔ جیسا تم چاہو گے، وہی ہوگا۔ آج کے پاکستانی اخبارات نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ رحم کھانے کے قابل نہیں ہیں۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فوری طور پر اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''آنے والے پر نگاہ رکھو، مجھے فوری طور پر اس کی آمد کی خبر لینی چاہیے'' میں نے فون پر سوبھراج کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

''تم بے فکر رہو۔ مجھے بتادیا گیا ہے کہ اس بار وہ کراچی کے بجائے تہران سے آئے گا۔ ادھر سے روزانہ صرف ایک پرواز آتی ہے۔ اسے میں خود دیکھوں گا۔''

اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اس کے ابتدائی تذبذب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، میں کسی قریبی معاون کے بغیر اس اجنبی شہر میں ایک بڑا معرکہ کیسے سر کرسکوں گا۔

نیند اس وقت بھی میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ٹیلی وژن میں مجھے کوئی دلچسپی نظر نہیں آرہی تھی۔ اسے آف کرکے میں بستر پر غزالہ کے پہلو میں دراز ہوگیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں اپنے ذہن میں کوئی حکمتِ عملی بنانے کی کوشش کررہا تھا لیکن کامیابی نہیں ہورہی تھی۔ یکایک میرے ذہن میں راجن کی وائٹ ہاک نامی بوٹ کا نام ابھرا۔ وہ بنکاک میں راجن کی تازہ ترین سرمایہ کاری تھی۔ شاید اسد کو بھی اس بوٹ پر جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن اس نے سنی سنائی باتوں کی بنا پر جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لیے دلچسپ تھا۔

شہر کے گنے چنے لوگوں اور ان کے مہمانوں کے لیے وہ تیرتا ہوا عشرت کدہ بنا کر راجن نے ایک منفرد اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے وائٹ ہاک پر ناز ہونا چاہیے تھا۔ یہ امکان قوی نظر آرہا تھا کہ بنکاک کے ممتاز شہریوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے وہ اپنی بیشتر شامیں اسی پرشکوہ بوٹ پر گزارتا ہو۔ اس تک پہنچنے کے لیے وہ بہترین راستہ تھا۔

اسد کی معلومات کے مطابق راجن ان دنوں شہر میں نہیں تھا۔ میں اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وائٹ ہاک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ راجن اور اس کے بعد سوبھراج شہر آجاتا تو میں تیزی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل کرسکتا تھا۔

کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی سبز روشنی میں میرے ذہن میں نت نئے امکانات ابھر رہے تھے۔ خاکے بننے اور بگڑنے کا سلسلہ جاری تھا۔ اس دوران میں کسی وقت میری

آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح ہم دونوں کمرے میں ناشتا کر رہے تھے تو اچانک میرے موبائل فون میں جان پڑ گئی اور اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ میرے لیے خوشی کا موقع تھا۔ میں نے ناشتا چھوڑ کر وہ کال وصول کر لی۔

''کیا حال ہیں۔ میں نے تمہیں نیند سے تو نہیں اٹھایا'' موبائل فون پر جلال چہک رہا تھا۔

''ہم ناشتا کر رہے ہیں۔ تم نے اتنے سویرے کیسے فون کر لیا۔ اس وقت وہاں سات بجے ہوں گے'' میں نے کمرے میں لگے ہوئے خوبصورت وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا۔

''تمہارے فون پر ایمرجنسی میں رومنگ کھلوائی گئی ہے۔ میں ہوٹل کے فون پر تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم یہاں سے اتنی افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے کہ کئی باتیں ہونے سے رہ گئیں۔ رات کو میرے پاس اسد کا فون آیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم وہاں پہنچتے ہی اس سے کھل کر بات کر دو گے، وہ سخت تذبذب میں مبتلا تھا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ میری بات کا اتنا اثر لے گا۔ وہی بات میں دوسرے پیرائے میں بھی کہہ سکتا تھا۔ یہ غلطی ہونا تھی اور ہو گئی۔''

''ہر آدمی جلال نہیں ہوتا۔ کل کے اخباروں نے اسے بہت متاثر کیا ہوا تھا۔ میں نے بہت تحمل سے کام لے کر اسے سمجھا دیا ہے۔ تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں اس غلط فہمی پر تم سے معذرت خواہ ہوں۔ تمہارے وہاں جانے سے پہلے مجھے تم کو اور اسد کو بریف کر دینا چاہیے تھا۔''

''رات بارہ بجے کے بعد اس کا فون آ گیا تھا۔ بات صاف ہو گئی ہے۔ یہ سناؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اسے کب تک ادھر ہانک رہے ہو؟''

''تمہیں اس کی وجہ سے وہاں نہیں بھیجا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہو گئے تھے۔ آج انہوں نے ممتاز مقامی اخبارات میں پہلے صفحے پر تمہارے اور ویرا کے خلاف پھر انعامی اشتہار چھپوائے ہیں۔ یہاں تمہاری تلاش کی مہم میں بھی تیزی آ گئی ہے۔''

''اس وقت پورے زور و شور سے ہم دونوں کو تلاش کر کے انہیں باور کرایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں کوئی ہمارا ساتھ نہیں دے رہا۔ اس مہم میں ہمارے مکان پر کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔''

''نہ، نہ! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔'' فقرہ پورا ہوتے ہی اس نے میری بات کاٹ دی ''انہیں یہ علم ہو گیا کہ تم دونوں نے کچھ عرصہ اس گھر میں گزارا ہے تو وہ اپنے جدید ترین آلات کے ساتھ وہیں ڈیرے ڈال دیں گے اور تمہارے خلاف خاصا مواد حاصل کر لیں گے، جن میں تمہارے فنگر پرنٹس بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دیں گے۔''

''یہ باتیں تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ منظر سے تم دونوں کے ہٹ جانے کے بعد ان کے ذہنوں سے ہر شک و شبہ مٹا دیا جائے گا'' جلال نے کاٹ دار آواز میں کہا ''وہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اب تم دونوں کراچی میں نہیں ہو۔ ایک بار یہ ثابت کر دیا جائے تو وہ مہینوں کے لیے خاموش ہو کر چین سے بیٹھ جائیں گے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میرے لیے خالی رہ کر وقت گزارنا بہت مشکل ہوگا۔''

''مجھے یقین ہے کہ اب تک وہ پاکستان سے نکل چکا ہوگا۔ وہ پڑوسی ملک میں زیادہ دیر تک نہیں رکے گا۔ جلد از جلد تمہاری طرف آئے گا۔ اس دوران میں تم راجن کے بارے میں اپنا ہوم ورک مکمل کر لو۔ وہ زیر ہو گیا تو تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''رتن سیٹھ کیا کہانی سنا رہا ہے؟'' جلال کی آواز سن کر میں ناشتے کو بھول چکا تھا اور اس سے جلد از جلد پچھلے چوبیس گھنٹوں کی روداد جاننے کے لیے مضطرب ہو گیا تھا۔

''وجے کی سرگرمیوں کی ہولناک داستانوں کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے'' اس نے بتایا ''وہ ہر کام میں وجے کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کے بارے میں وہ اندھیرے میں ہے۔ مقامیوں کو بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ صرف وجے کو جانتے تھے اور اسی کے ایما پر آخری مہم میں شریک ہوئے تھے۔ وجے کی موت سے معلومات کا ہر دروازہ بند ہو گیا۔''

اس مہم میں چار پاکستانی ماہی گیروں کی شمولیت کے بارے میں کوئی سوال کرنا بے سود تھا۔ اس بارے میں صرف قیاس کیا جا سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے مجھے گھیرنے کا کام وجے کو سونپا تھا۔ اس کا کراچی آنا جانا رہا ہوگا مگر وہ کراچی کے مضافات سے اتنا واقف نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک خوں ریز ڈراما اسٹیج کرنے کے لیے کسی موزوں ویرانے کا انتخاب کر سکے۔ اس کام کے لیے اسے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس نے اپنے لیے کام کرنے والے چار پاکستانیوں سے مشورہ کر کے مزار والی پہاڑی کا انتخاب کیا اور سوبھراج کو

گرین سگنل دے دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے تھا۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ وقت ضائع کیے بغیر ساری تفصیلات اخبارات کو جاری کرادیں'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''کراچی چھوڑنے سے پہلے میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس معاملے میں تاخیر ہمارے مقاصد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ سوبھراج کو جلد از جلد پتا چلنا چاہیے تھا کہ اس کے آدمیوں کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس کے لیے اخبارات بہترین ذریعہ تھے۔''

''وہ میری زبان سے وجے کا نام سن کر ہراساں ہوگیا تھا'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔ اول خان نے بتایا تھا کہ تم نے فون پر اسے بہت سلگایا تھا۔''

''وہ یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ اس کے آدمی برے حشر سے دوچار ہوئے ہیں۔ میری آواز سن کر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔''

''وہ تم سے خوف زدہ ہو چکا ہے۔ اسے بری خبر کا انتظار تھا۔ اسے وہی خبر ملی جو اس کے اپنے آدمیوں کے بارے میں تھی۔ سوبھراج جانتا ہے کہ وہ سارا چکر تمہیں گھیرنے کے لیے چلایا گیا تھا۔ تم اس واقعے میں شریک تھے لیکن اخبارات میں کہیں بھی تمہارا نام نہیں ہے۔ امریکی اپنے شبہات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سوبھراج پر یہ بات کھل گئی ہے کہ کوئی ایجنسی تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ اب وہ تمہارے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرے گا۔''

''کہیں تم یہ تو نہیں کہہ رہے کہ اسے بنکاک میں میری موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''یہ میرا بہترین مشورہ ہے۔ اسے تمہاری موجودگی کا علم ہوگیا تو وہ وہاں سے کہیں اور نکل جائے گا۔ تم کو خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہیے۔''

میں نے جلال کے مشورے پر کوئی اعتراض نہیں کیا مگر میری رائے اس سے مختلف تھی۔

پاکستان میں سوبھراج تنہا رہ گیا تھا جبکہ میرے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ اپنے ساتھ پیش آنے والے پے در پے واقعات سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ بہت سے لوگ میرے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ جو دشمن سے لڑائی میں میری بھرپور مدد کر رہے تھے۔

جلال کے کہنے کے مطابق وجے والے واقعے کی رپورٹنگ نے سوبھراج کو یہ بھی باور کرادیا ہوگا کہ پاکستان کی کوئی ایجنسی میرا بھرپور ساتھ دے رہی ہے۔ یہ اطلاعات سوبھراج کے حق میں نہیں تھیں۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مجھ سے لڑنے کے لیے پاکستان اس کے لیے سازگار میدان نہیں تھا۔

بنکاک سوبھراج کے لیے اس کا اپنا شہر تھا جہاں اسے راجن جیسے مضبوط گروہ بند کی پوری حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں پاکستان چھوڑ کر بنکاک میں اس کے مضبوط چنگل میں آ پھنسا تھا۔ وہ اپنے بلکہ راجن کے پورے وسائل کے ساتھ میری تلاش شروع کردیتا۔ اس کے بنکاک سے فرار کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

وہ بعد کا مسئلہ تھا جس کے بارے میں ضرورت کے تحت کوئی بھی فیصلہ کیا جاسکتا۔ میں اس نکتے پر قبل از وقت بحث کرکے جلال کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یہ سب زندگی کے بکھیڑے ہیں۔ ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے۔ یہ بتاؤ کہ وجے اینڈ پارٹی کے انجام پر بھارتیوں کا کیا ردِعمل ہے؟''

''وہ بہت محتاط ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کی کہانی نے انہیں پریشان کردیا ہے۔ اخباروں میں تین مجرموں کی قومیت کے بارے میں کھل کر لکھا گیا ہے اس لیے اسلام آباد سے ان کا ایک سفارتی افسر کراچی آ گیا ہے۔ وہ قیدی سے ملاقات کے ساتھ دونوں لاشوں کو دیکھنے کا خواہاں ہے۔''

''تم ان تینوں کی قومیت کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟''

''ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس پہاڑی کے دامن میں بھارتی بدمعاش گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اگر رتن بھی مارا جاتا تو ان تینوں کی شناخت بہت دشوار ہوتی۔ اس کی زندہ گرفتاری کی وجہ سے وہ کام بہت آسان ہوگیا۔''

''اور امریکی کیا کہتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''تمہاری تلاش جاری ہے اس لیے ان سے رابطے چل رہے ہیں، انہیں کراچی میں امن و امان کے حالات پر تشویش ہے۔ اس واقعے سے ٹام اور تین کمانڈوز کی موت کا زخم تازہ ہوگیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کراچی رفتہ رفتہ بین الاقوامی بدمعاشوں کا گڑھ بنتا جارہا ہے۔''

''کاش! انہیں یہ بتایا جاسکے کہ سب سے بڑے بدمعاش وہ خود ہیں۔''

''تم ان کو یہ بات بتاتے رہے ہو۔ سرکاری سطح پر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میرا موبائل فون کھل گیا۔ اب تم لوگوں سے بات ہوتی رہے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے؟''

''ان کی پرواز تم سے لمبی تھی۔ دوپہر میں لندن پہنچنے کے بعد اب وہ ٹرانزٹ ہوٹل میں رات گزار رہے ہوں گے۔ وہاں کے وقت کے مطابق صبح وہ نیویارک کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔''

جلال سے وقت کی کمی کی وجہ سے جو باتیں کراچی میں نہیں ہو سکی تھیں، وہ فون پر ہوگئیں۔ اس نے غزالہ کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل گئے۔ ہر طرف زندگی کے معمولات بھرپور توانائیوں کے ساتھ رواں تھے۔ پرہجوم راستوں پر ٹہلتے ہوئے ہم قریبی بازار کی طرف نکل گئے جہاں مقامی دستکاری کی بہت سی اشیا غزالہ کی توجہ کا مرکز بنیں لیکن وہ خریداری سے گریز کرتی رہی۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمیں کتنے دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ اتنی مدت تک ان چیزوں کو سنبھالنا ممکن نہیں تھا۔ غزالہ نے وہ خریداریاں آخری ایام کے لیے التوا میں ڈال دیں۔

بازار گھوم کر ہم واپس اپنے ہوٹل پہنچے تو اسد لابی میں بیٹھا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے صدف کے نام سے غزالہ کو اس سے متعارف کرایا۔ اس نے روایتی ادب واحترام سے غزالہ کو سلام کیا پھر ہم لابی کے اندرونی حصے میں ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں زیادہ روشنی کا گزر نہیں تھا۔

ہم دونوں بازار سے تھک کر آئے تھے۔ میں نے بیٹھتے ہی چائے کا آرڈر دیا اور اسد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ جن میں غزالہ کے لیے مقامی مصروفیات اور دلچسپیوں کا ذکر بھی شامل تھا۔ چائے آئی اور ختم کر لی گئی لیکن اسد نے کوئی کام کی بات نہیں چھیڑی تو مجھے الجھن ہونے لگی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیوں آیا تھا اور کیا چاہتا تھا۔

اس نے دو مرتبہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی لیکن اپنی جگہ جما رہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ طے شدہ وقت پر کہیں جانا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے میرے پاس سے نہیں اٹھ رہا تھا۔

''اگر تم کو کہیں جانا ہے تو چلے جاؤ۔'' اس نے تیسری مرتبہ اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

''جانا ہے لیکن اس سے پہلے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' اسد نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس نے خاموش ہو کر ایک لمحے کے لیے غزالہ کی طرف دیکھا پھر اس سے نظریں چرا کر بات جاری رکھی ''میں تم سے تخلیے میں بات کروں گا۔''

وہ مہذب اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے غزالہ کے منہ پر وہ بات کہہ کر اچھے قرینے کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا ''میاں بیوی میں مفاہمت ہو تو وہ ایک دوسرے کے بہترین معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں صدف میری رازدار بھی ہے اور دستِ راست بھی۔ تم بے فکر ہو کر اس کے سامنے ہر بات کر سکتے ہو۔''

اسد کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ تیر گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس سے غلطی ہو گئی تھی۔ اسی وقت غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ واپسی کا ارادہ کر رہی تھی۔

''ارے بھابی!'' اسد بوکھلا کر احتراماً کھڑا ہو گیا ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ علی کی خواہش ہے تو تم بیٹھی رہو۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں تمہارے سامنے لڑائی جھگڑے اور بدمعاشی کی باتیں کروں میں انہیں مردانہ کھیل سمجھتا ہوں۔''

میری آنکھ کا اشارہ پا کر غزالہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور خندہ پیشانی سے بولی ''میں برا مان کر نہیں جا رہی۔ مجھے ابھی ابھی یاد آیا ہے کہ مجھے اپنے کمرے سے کسی کو فون کرنا ہے۔ تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے پھر کبھی ملاقات ہو گی۔''

وہ اسد کی طرف دیکھ کر الوداعی انداز میں مسکرائی اور پھر لابی سے چل دی۔

''یار! مجھے ندامت ہو رہی ہے۔'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد اسد متاسفانہ لہجے میں بولا ''بھابی کو میری بات ضرور بری لگی ہو گی۔ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی کو ملاقات کا وقت دیا ہوا ہے۔ اسے میرا گھر بند ملا تو اسے تلاش کرنا دشوار ہو جائے گا۔''

''اب تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ اپنی بات شروع کیوں نہیں کرتے؟''

''تم سوبھراج سے پہلے راجن پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہو؟'' دھیمی آواز میں وہ فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

''ہاتھ صاف ہو یا نہ ہو میں اس تک پہنچنے کی کوئی سبیل ضرور نکالنا چاہتا ہوں۔''

''میرے نزدیک بات ایک ہی ہے۔ دراصل یہاں میرا کام کسی آپریشن کے بجائے صرف مانیٹرنگ کا رہا

ہے۔‘‘اس نے پُرخیال انداز میں تمہید باندھتے ہوئے کہا’’میں نے کبھی کسی کے بارے میں تخریبی انداز میں نہیں سوچا لیکن تمہارے یہاں آتے ہی حالات نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ تمہاری زبان سے راجن کے بارے میں سخت کلمات سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ مجھے تمہارے آنے کی خبر مل گئی تھی مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہارے کام کا اسکوپ کیا ہے۔ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہونی چاہیے تھی۔ بہر حال میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس گڑبڑ کا برا نہیں مانا اور میری مجبوری کو سمجھ لیا۔ رات کو میں نے یہاں سے واپس جاتے ہوئے کراچی کے اخبار اپنے بک اسٹال سے لے لیے تھے۔ ان میں سوبھراج اور وجے کے بارے میں چھپنے والی خبریں پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اب پانی سر سے گزرتا جارہا ہے۔ اس سے پہلے ہاکس بے کے سنی ہٹ کے قریب و جوار میں امریکیوں سے ڈینی کا تصادم ہوا تھا جس میں دو امریکی کمانڈو ڈینی کی زہریلی سوئیوں کا شکار ہوئے تھے‘ تیسرا گولی سے مارا گیا تھا اور ٹام نامی افسر کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ آثار یہ بتارہے کہ سنی ہٹ کے واقعے کا انتقام لینے کے لیے وجے کی پارٹی کو کراچی بلایا گیا تھا۔ ان کے کچھ کرنے سے پہلے انہیں کچل دیا گیا۔ اب سوبھراج کے بارے میں بھی اسی بے رحمی کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا۔‘‘

میں خاموشی سے اس کی وہ تقریر سنتا رہا۔ نتائج اس کے اپنے اخذ کردہ تھے۔ میں نے ان کی تصحیح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے زبان کھولی’’تمہیں یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تمہارے بڑوں نے میری بات کی توثیق کی ہے۔ اب تم میرے ساتھ مل کر سکون سے کام کرسکو گے۔‘‘

’’دیارِ غیر میں کسی خطرناک مشن پر ایک ساتھ کام کرنے والوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ضروری ہوتی ہے اس لیے یہ صفائی پیش کرنی ضروری ہے۔ مجھے خوب اندازہ ہے کہ کل رات میرے انکار سے تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہوگی۔‘‘

اس کے آخری فقرے نے میرا دل ٹھنڈا کردیا۔ مجھے اس سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس نے اپنی حدود میں رہنے کی کوشش کی تھی جس پر برا نہیں ماننا چاہیے تھا۔ مجھے ہر حال میں اس کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا۔ وہ اتنی لمبی تقریر نہ کرتا تب بھی میں اس سے مدد لینے پر مجبور تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ اس نے اپنی حدود و قیود کے ساتھ میرے جذبات کا بھی احترام کیا تھا اور کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم کرکے میرا دل صاف کردیا تھا۔

’’یہ باتیں تم صدف کے سامنے بھی کرسکتے تھے۔‘‘ میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے خوش دلی سے کہا’’تم نے ابھی تک مار دھاڑ یا بدمعاشی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔‘‘

’’میں اسی طرف آرہا ہوں۔‘‘وہ بولا’’کام کی نوعیت بدل جانے کے بعد میں نے بہت غور سے سارے نکات کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ڈان برنارڈ سے تمہاری ملاقات بہت سودمند رہے گی۔‘‘

’’یہ کون ہے؟‘‘اس کی زبان سے وہ نیا نام سن کر میں نے حیرت سے پوچھا۔

’’دو سال پہلے تک وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔‘‘اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا’’میری یہاں پوسٹنگ ہوئی تو یہاں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما اس کے نام سے تھراتے تھے۔ راجن یہاں قدم جمارہا تھا لیکن اسے ڈان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ آئے دن راجن کے آدمی ہلاک اور زخمی ہورہے تھے۔ شاید یہاں سے اس کے قدم اکھڑ جاتے لیکن ایک بائیس سالہ عورت نے یکایک سب کچھ بدل دیا۔ ڈان گوشہ نشین ہوگیا۔ اور چھوٹا راجن ہر طرف چھاتا چلا گیا۔‘‘

’’وہ بائیس سالہ عورت کون تھی۔ اس کا ہمارے کام سے کیا تعلق ہے؟‘‘

’’ڈان برنارڈ پختہ عمر کا آدمی ہے۔ اس نے ایک بائیس سالہ لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوکر اس سے شادی کرلی۔ ایک دن اس لڑکی نے کسی بات پر مشتعل ہوکر بھرے بازار میں جوتی سے ڈان کی پٹائی کردی۔ وہ اپنے بچاؤ کی کوششوں میں لڑکی سے پٹتا رہا۔ پلٹ کر اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تھک کر لڑکی نے وہیں بیٹھ کر رونا شروع کردیا۔ ڈان اسے چھوڑ کر سر جھکائے واپس لوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ذلت آمیز واقعے نے ڈان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ کئی دنوں تک وہ منہ چھپائے اپنے گھر میں چھپا رہا۔ اس کے بعد وہ سیلرز بار میں نمودار ہوا تو بالکل بدل چکا تھا۔ اپنی روزی کمانے کے لیے وہ خاموشی سے اپنا بار چلاتا ہے۔ بدمعاشی سے تائب ہوچکا ہے۔ بنکاک والوں کے لیے وہ عبرت کا ایک مرقع ہے۔‘‘

’’کم سن بیوی کی جوتیوں نے اسے یکایک شرافت کی راہ پر ڈال دیا۔‘‘

’’یہی کہا جاتا ہے۔‘‘اس نے سنجیدگی سے میرے مزاحیہ تبصرے کی تائید کی’’وہ واقعہ کمزور عورت کی طاقت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔‘‘

’’ڈان میرے لیے کس طرح سودمند ثابت ہوسکتا ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’اس کی پسپائی کے بعد یہاں چھوٹا راجن کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے بہت تیزی سے ڈان کی خالی کی ہوئی جگہ پر قبضہ کرلیا۔ ڈان آج بھی کڑھتا رہتا ہے اور بنکاک کے بدمعاشوں کو گالیاں دیتا ہے کہ وہ اپنی سلطنت نہیں بچا سکے اس کے ہٹتے ہی چھوٹا راجن کے باج گزار بن گئے۔ اب اس کی غلامی کررہے ہیں۔‘‘

وہ دو سال سے عملی زندگی سے کنارہ کش ہے تو میرے یا تمہارے لیے کیا کرسکے گا؟‘‘

’’اس کے دل میں راجن کے خلاف نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ اسے ذرا سے تیل کی ضرورت ہے وہ تمہارے ساتھ میدان میں آئے یا نہ آئے، تمہارے لیے مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔‘‘

’’ڈان اس کے نام کا حصہ ہے یا وہ واقعی مافیا کا ڈان تھا؟‘‘

’’اس کی بدمعاشی کے اعتراف میں زیرزمین دنیا کے لوگوں نے خود ہی اسے اپنا ڈان تسلیم کرلیا تھا۔ ان کے آپس کے جھگڑوں میں برنارڈ کا فیصلہ آخری ہوتا تھا جسے تسلیم کرنا ہر فریق کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ یہاں اس کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔‘‘

’’اور اب وہ سیلرز بار کی آمدنی پر گزارا کررہا تھا!‘‘ میں نے تائید چاہی۔

اسد اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ ڈان سے خاصا متاثر نظر آرہا تھا۔

’’تم اس سے مل چکے ہو؟‘‘ میں نے اس کی تجویز کے عملی امکانات پر غور کرتے ہوئے سوال کیا۔

’’باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی لیکن سیلرز بار میں کئی بار اسے دیکھا ہے۔ اب بھی اس کی صورت دیکھ کر لوگوں کا دم نکلتا ہے۔ وہ کسی بات میں دخل دیتا ہے نہ کسی کو کچھ کہتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے بار میں لوگ نشے میں دھت ہوکر آپس میں نہیں لڑتے۔ نشے کی حالت میں بھی ڈان کی موجودگی کا احترام کرتے ہیں۔‘‘

’’عجیب وغریب کہانی ہے اس کی!‘‘ میں نے اپنے سینے سے گہرا سانس خارج کرکے کہا ’’کام ہو یا نہ ہو اس سے ملنا ضروری ہوگیا ہے۔ اس کی کایا پلٹ کی ذمے دار لڑکی کہاں ہے؟‘‘

’’اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ بعض لوگ

کہتے ہیں کہ بھرے بازار میں ڈان کی بے عزتی کرنے کے بعد اس نے خودکشی کر لی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ خاموشی سے شمال میں اپنے گاؤں چلی گئی۔ صحیح بات کا کچھ پتا نہیں چلتا۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ بنکاک سے نکل کر کہیں اور دھندے سے لگ گئی ہو۔''

''اس پر بھی قیاس آرائیاں ہوئی تھیں۔ ڈان نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ وہ ایسا کرتی تو ڈان اسے چیر کر رکھ دیتا۔ وہ کم بولتا ہے لیکن ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔''

''ڈان برنارڈ.....'' میں نے کہا ''کیا تمہیں یہ نام عجیب نہیں لگتا؟''

''یہاں دوغلی نسل کے لوگوں میں ایسے نام عام ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''تو کیا ڈان تھائی نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہ دوغلا ہے۔ ماں کمبوڈین تھی۔ باپ امریکن سپاہی تھا۔''

وہ ڈان کی ذات کا ایک نیا پہلو تھا جو غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا۔ میں نے کہا ''امریکا اور کمبوڈیا میں دور دور تک کوئی تال میل نہیں ملتا۔ یہ شادی کیسے ہوگئی۔''

''یہ اس علاقے کا بہت بڑا المیہ ہے۔ امریکا نے ویت نام کی جنگ میں اندھا دھند فوج جھونکی تھی۔ اس کی طرف سے لڑنے والوں میں کنوارے لڑکوں کی کثرت تھی۔ ویت کانگ گوریلوں نے ان پر زمین تنگ کی ہوئی تھی۔ ان کو محاذ پر ہر طرف موت کے سائے لہراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ویت نام میں لڑنے والے امریکی سپاہی مختصر چھٹیوں پر لاؤس، کمبوڈیا اور تھائی لینڈ آتے تھے تو اپنی چھٹیوں کو زندگی کے آخری جشن کے طور پر مناتے تھے۔ بہت سے سپاہی جذبات کی رو میں بہہ کر کھڑے کھڑے ایک رات کی ساتھیوں سے شادی کر لیتے تھے تاکہ ویت کانگ گوریلوں کے ہاتھوں ان کی موت کے بعد اولاد ان کے نام کو زندہ رکھ سکے۔ وہ جنگ اور موت کی وحشت میں ڈوبے ہوئے رشتے ہوتے تھے جو اکثر ایک ملاقات سے زیادہ قائم نہیں رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ برنارڈ کے والدین کی شادی بھی ایسے ہی کسی واقعے کا شاخسانہ ہو۔''

''بڑی گہری نظر ہے تمہاری ان باریکیوں پر!'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''یہاں آتے ہی میں نے یہ سب جاننے کی کوشش کی تھی۔ کمبوڈیا اور لاؤس کی سرحدیں ویت نام سے ملی ہوئی تھیں۔ جنگ کے بھٹکے ہوئے بادل اکثر ان کے سرحدی علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے۔ ان کے مقابلے میں تھائی لینڈ محفوظ ملک تھا۔ محاذ کے بھیانک ماحول سے نکلنے والے زیادہ تر سپاہی اس طرف آتے تھے۔ انہیں صرف اور صرف زندگی کی رعنائیوں سے پیار تھا۔ وہ اندھا دھند ڈالر لٹاتے تھے۔ یہ اسی دور میں پروان چڑھنے والی خرابیاں ہیں جو آج بھی تھائی معاشرے پر چھائی ہوئی ہیں۔''

''جنگ سب سے پہلے اخلاق کو تباہ کرتی ہے اور یہ تباہی برسوں پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ معاشرتی ماہروں کے سوچنے کی بات ہے۔ میری خواہش صرف اتنی تھی کہ ڈان برنارڈ سے ملاقات سے پہلے مجھے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوجائیں۔ یہ بتاؤ کہ سیلرز بار کہاں ہے اور ڈان وہاں کن اوقات میں بیٹھتا ہے۔''

''تم پروگرام طے کرلو۔ میں خود تمہیں وہاں تک پہنچادوں گا۔'' اس نے پیشکش کی۔'' برنارڈ شام چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک خود کاؤنٹر پر موجود ہوتا ہے۔ بار بند ہونے کے بعد وہ حساب کتاب کرکے سونے کے لیے اوپر چلا جاتا ہے۔''

''تو کیا وہ وہیں رہتا ہے؟''

''اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد اس نے سب کچھ بدل ڈالا ہے۔'' اسد نے بتایا ''گھر چھوڑ کر اپنے بار کی اوپری منزل پر رہنا شروع کردیا ہے۔''

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اس سے بار کے بجائے فرصت کے اوقات میں گھر پر مل لیا جائے۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسد نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ گھر پر کسی سے نہیں ملتا ایک بار اس نے انکار کردیا تو بار میں بھی اس سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

''ضدی اور انا پرست آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''ایک کام کرنا ہے تو اس میں وقت ضائع کرنا بے سود ہے ہمیں آج شام کو اس سے مل لینا چاہیے۔''

''اوکے میں پانچ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اسے رخصت کرکے میں اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ راجن اور سوبھراج کے معاملے میں برنارڈ بہت کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذہنی کاہر کارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف، چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد

دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے بختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ ہمارے سفری اور دیگر اخراجات آئی بی نے ادا کیے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم لوگ آئی بی کے عارضی ایجنٹ قرار پائے تھے۔ اول خان کا کہنا تھا کہ یہ ہم سب کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ تھائی لینڈ کا سفر خوش گوار تھا۔ اس سے پہلے سوبھراج نے مجھ سے فون پر اپنے فرستادوں کی خیر خبر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تھائی لینڈ میں میرا اولین رابطہ آئی بی کے ایجنٹ اسد سے ہوا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمارے مشن میں ڈان برنارڈ اہم کردار ادا کر سکے گا۔

اب آپ قسط نمبر 244 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

غزالہ کمرے میں ٹیلی وژن آن کیے، بے چینی سے میرا انتظار کررہی تھی۔ ہلکی سی دستک پر اس نے پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ اس کی تجسس میں ڈوبی ہوئی، گہری سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''آپ کے دوست نے آپ سے تخلیے میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کرکے میری طبیعت مکدر کردی تھی۔''

اس نے میرے ساتھ کمرے کے وسط کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ایک لمحے کے لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ ڈھیٹ بن کر وہیں بیٹھی رہوں گی مگر اس خیال سے اٹھ گئی کہ کہیں میری وجہ سے آپ کے مشن میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آجائے۔''

میں نے ہنس کر ہولے سے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور جواب دیا ''وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہماری گفتگو میں بعض باتیں ایسی تھیں جو تمہاری موجودگی میں نہیں ہوسکتی تھیں۔ وہ غریب تم کو ایک شریف اور خانہ دار عورت سمجھ رہا ہے۔''

غزالہ چلتے چلتے وہیں رک گئی اور پلٹ کر مجھے شکایتی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی ''وہ مجھے ایسا سمجھ رہا تھا لیکن میں درحقیقت ایسی نہیں ہوں...... آپ یہی کہنا چاہ رہے ہیں نا؟''

''تم ایسی ہی ہو۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر آگے کھینچتے ہوئے کہا ''لیکن ضرورت پیش آجائے تو خاصا ڈھول دھمکا بھی کرلیتی ہو۔ وہ اب تک اس بات سے بے خبر ہے۔ جلد ہی اس پر تمہارے جوہر کھل جائیں گے۔''

وہ اپنی مصنوعی خفگی کو بھول کر، کھلکھلاتی ہوئی، میرے ساتھ صوفے پر تقریباً گر گئی۔ میرے لیے وہ چند لمحات عجیب سی مسرت اور سنسنی سے بھرے ہوئے ثابت ہوئے۔

وہی غزالہ تھی اور وہی میں تھا۔ فرق یہ تھا کہ بنکاک کے ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔

گلشن اقبال میں ہمارا ذاتی گھر خاصا کشادہ تھا۔ وہاں ویرا اور سلطان شاہ کے لیے الگ کمرے مخصوص تھے۔ اس کے علاوہ گھر میں ایک فاضل خواب گاہ بھی موجود تھی لیکن وہاں ہم اپنے کمرے سے باہر ایک لمحے کے لیے بھی ایک دوسرے سے بے تکلف ہونے کا تصور نہیں کرسکتے تھے۔ خاص طور پر میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ہر وقت ویرا کا خوف بسا رہتا تھا۔ کچھ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چوبیس گھنٹے میرے اور غزالہ کے سامنے نہ رہتے ہوئے بھی وہ چھپ کر ہماری سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے کی کوشش کرتی ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ ویرا ایسی گئی گزری عورت نہیں تھی۔ اپنے کردار کی تمام خامیوں کے باوجود وہ دوسروں کے ساتھ باوقار انداز میں رہنے کے فن میں طاق تھی۔ یہ اس کا قصور نہیں تھا۔ بس میرے ذہن میں گھسے ہوئے وسوسے تھے جو ویرا کی موجودگی میں مجھے کچھ مضطرب کیے رہتے تھے۔ بنکاک میں ویرا نہیں تھی۔ کمرے میں غزالہ کے سوا کسی تیسرے نفس کا وجود نہیں تھا۔ مجھے اس کی بے ساختہ اور فطری بے تکلفی بہت بھلی لگی تھی۔

''کراچی سے نکلنے کے بعد تم بہت تروتازہ نظر آرہی ہو!'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں کب سے آپ سے کہہ رہی تھی کہ کہیں سفر پر چلیں۔'' اس نے شوخی سے جواب دیا۔ ''وہاں رہتے رہتے

مجھے گھٹن کا احساس ستانے لگا تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے ہم چاروں ایک دوسرے کے لیے آسیب بن گئے ہوں۔''

''کچھ دنوں پہلے تم میرے ساتھ بھارت گئی تھیں!'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہاں پیش آنے والے واقعات کو کچھ دیر کے لیے فراموش کر دیا جائے تو میرے لیے وہ سفر بہت خوش گوار تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے احساس ہوا کہ ہمیں گھر میں محصور ہو کر بیٹھ جانے کے بجائے کبھی کبھی سیر و تفریح کے لیے بھی نکلنا چاہیے۔''

اس وقت مجھے غزالہ کی خاطر داری عزیز تھی۔ میں نے اس کی رائے سے اختلاف نہیں کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اپنے درندہ صفت اور خون آشام دشمنوں سے جاری پیکار میں میرے لیے ذاتی آرام اور تفریح کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔ ایک چکر ختم ہونے سے پہلے کوئی ایسا گمبھیر مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا کہ میں حالات کے اس گرداب سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ غزالہ کی خوش گمانی تھی کہ ہم تفریح کے لیے بنکاک آئے تھے۔ وہ اتنی غافل اور بے خبر نہیں تھی کہ وقت کی سنگین حقیقتوں کو یکسر نظر انداز کر دیتی۔ جذبات کی ایک وقتی رو میں بہہ کر اگر وہ کچھ دیر کے لیے ایسا سمجھ رہی تھی تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔ دوسروں کی طرح اسے بھی اپنے تصورات کی جنت میں رہنے کا حق حاصل تھا۔

وہ کسی جواب کی توقع میں چند ثانیوں تک اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کیے رہی۔ میری طرف سے ایک خاموش مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ پا کر اسے اچانک اسد خان یاد آ گیا۔

''تخلیے میں اسد آپ کو کیا بتانا چاہ رہا تھا؟'' اس نے یکایک سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''چھوٹا راجن یہاں ایک بڑا نام ہے۔'' میں نے پرسکون ہو کر اپنی بات شروع کی ''اس کی کہانی سوبھراج سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کا کوئی مجرم اپنے زورِ بازو اور ذہانت کے بل پر ناقابلِ تسخیر نہیں بنتا۔ اسے عیاش طبع اور کرپٹ افسران رفتہ رفتہ اتنا بڑا بنا دیتے ہیں کہ آخر کار وہ خود اس عفریت سے ڈرنے لگتے ہیں۔ راجن نے ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی بے حساب دولت کو بہت قرینے سے استعمال کیا ہے۔ بھارت سے کروڑوں کمانے کے بعد وہ کسی فیاض شہزادے کی طرح یہاں آیا ہے۔ اپنی پُرتعیش دعوتوں کے ذریعے اس نے بنکاک کے مقتدر حلقوں میں اس قدر اثر و نفوذ حاصل کر لیا ہے کہ اس کے جرائم کے بارے میں گردش کرنے والی کہانیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ثبوت کے بغیر پھیلنے والے قصوں کو راجن کے حاسدوں کی شرانگیزی قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پالتو غنڈوں کے خوف سے ہر شخص اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کو بہت صفائی اور سفاکی سے ہمیشہ کے لیے غائب کرا دیتا ہے......''

''اس کے یہ پالتو غنڈے بنکاک کی انتظامیہ کو نظر نہیں آتے؟'' غزالہ نے میری بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

''وہ یہاں کاروبار کر رہا ہے۔ کئی نائٹ کلب اور کیسنو اس کی ملکیت ہیں۔ ایسے کاموں کو چلانے کے لیے دادا گیر قسم کے چند تنومند اور جھگڑالو آدمی ضروری ہوتے ہیں۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اس نکتے سے فائدہ اٹھایا ہے اور اب یہاں کا سب سے بڑا گروہ بند بنا ہوا ہے۔ یہاں کی زیرزمین دنیا کے لوگ بھی شاید اس سے ڈرتے ہوں۔ اسد نے ان کی سرگرمیوں کی جو تصویر کشی کی ہے اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''آپ کی باتوں سے شبہ ہو رہا ہے کہ آپ اس سے کچھ مرعوب ہو گئے ہیں!'' غزالہ نے شوخی سے ہنس کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ڈر اور خوف میری سرشت میں شامل نہیں ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بدمعاش بھی مجھے مرعوب نہیں کر سکتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس وقت ہم اپنی سرزمین پر نہیں ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے وسائل بہت محدود ہیں۔ ہمیں ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ اس وقت میری تمام امیدیں ڈان سے وابستہ ہیں!''

''ڈان!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں وہ نام دہرایا اور بھڑکے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ڈان کو ہانگ کانگ یا مکاؤ سے یہاں آیا ہوا ہے۔''

میں بے ساختہ ہنسنے لگا۔ غزالہ کچھ سہمے ہوئے انداز میں مسلسل مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میری ہنسی کم ہوئی تو میں نے اسے سمجھایا ''تمہارے ذہن پر وہی ایک ڈان سوار ہے۔ پھر وہ بے چارہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے ہم دونوں کو رشتے کے بندھن میں باندھنے کے لیے چین سے ایک مسلمان نکاح خواں نہ بلوا لیا ہوتا تو کیا پتا کہ ہم آج بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہوتے۔ اس کی ایک نیکی کے عوض اس کی ساری زیادتیاں معاف کی جا سکتی ہیں......''

''پھر آپ کس ڈان کا ذکر کررہے ہیں؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ بنکاک کا ڈان برنارڈ ہے، بہت انوکھا آدمی ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''اگر وہ کسی طرح میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تو پوری دنیا راجن اور سوبھراج کا تماشا دیکھے گی۔''

''ڈان برنارڈ اچانک کیسے دریافت ہوگیا؟''

''اسد نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ وہ میرے کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''کل اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس سے مل کر آئے تو آپ کے چہرے پر مایوسی جھلک رہی تھی۔ اس کی موشگافیوں نے آپ کو پراگندہ خاطر کردیا تھا۔ آپ کا موڈ اتنا خراب تھا کہ میں نے اسد سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ اب اٹھارہ بیس گھنٹوں میں اس میں ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ وہ آپ کو نئے راستے بتارہا ہے؟''

''یہاں آکر تمہارا حافظہ خراب ہوگیا ہے۔ کل میں نے اسد کے پاس سے لوٹتے ہی تمہیں بتایا تھا کہ وہ اپنی تعیناتی کی مدت پوری کرنے کے بعد اپنی پاکستان واپسی کا انتظار کررہا ہے۔ اس مرحلے پر وہ اپنے افسران بالا سے ہدایات لیے بغیر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔''

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنے کسی بڑے سے بات کرنے کے بعد آپ سے دوبارہ ملنے کے لیے آیا تھا!'' غزالہ نے تائیدطلب لہجے میں کہا۔

''ان ہدایات کے ساتھ اسے کراچی کی اخباری اطلاعات نے بھی بہت متاثر کیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''کل وہ یہاں سے واپسی پر اپنے اخبارات لیتا ہوا گیا تھا۔ جب ریور روڈ کے ویرانے میں وجے اور اس کے ساتھیوں کے انجام نے اس کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب وہ راجن اور سوبھراج کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوچکا ہے۔ ڈان برنارڈ اسی کی دریافت ہے۔ وہ بنکاک کا ایک گوشہ نشین بدمعاش ہے۔ جس سے آج بھی ہر شخص تھرّاتا ہے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بےخبر ہوکر اپنی گزر اوقات کے لیے ایک شراب خانہ چلارہا ہے۔''

''بدمعاش اگر قانون کی گرفت سے بچے رہیں تب بھی ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ اگر برنارڈ اپنا سارا دم خم کھودینے کے بعد تائب ہوچکا ہے تو وہ آپ کے لیے کیا کرسکے گا؟''

''اس کا دم خم ختم نہیں ہوا۔ دو سال پہلے تک وہ یہاں راجن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا پھر یکایک ایک بائیس سالہ عورت نے سب کچھ بدل دیا'' ڈان گمنامی کے گوشے میں چلا گیا اور راجن بہت تیزی کے ساتھ یہاں اپنے قدم جماتا چلا گیا۔''

''بائیس سال کی عمر تو کچھ بھی نہیں ہوتی۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا ''اس بےبساط لڑکی نے ڈان جیسے گھاگ آدمی کو ایسی پسپائی پر کیوں مجبور کردیا؟''

''وہ لڑکی نہیں، عورت تھی، عورت!'' میں نے زور دے کر جواب دیا ''وہ ڈان کی عورت تھی جو اس کی محبوبہ سے بیوی بنی تھی۔ ایک روز اس نے بھرے بازار میں ڈان پر جوتیاں برسانی شروع کردیں۔ ڈان اس سے پٹتا رہا اور جب وہ تھک کر رونے بیٹھ گئی تو ڈان سرجھکا کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدمعاشی ترک کردی۔''

''وہ چاہتا تو اس بےہودہ عورت کے چیتھڑے اڑا سکتا تھا۔'' غزالہ کو اس کہانی پر فوری طور پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''یہ اس کی شرافت تھی کہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہونے کے باوجود اس نے اپنی گستاخ بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس معاملے میں دوسری کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔''

''آخر اسے اپنے شوہر پر جوتی اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' وہ ایک عورت کی سنگ دلی کا واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں غزالہ کا تجسس بیدار ہوچکا تھا۔

''میں نے اس بارے میں اسد سے کوئی سوال نہیں کیا۔'' میں نے ایمان داری سے اعتراف کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''اسے سبب معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ راز اب ہمیشہ برنارڈ کے سینے میں دفن رہے گا۔''

''کیوں؟ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے تو اس کی بیوی لوگوں کو اصل حقیقت بتاسکتی تھی۔ وہ کہاں ہے؟'' غزالہ سب کچھ بھول کر ڈان اور اس کی بیوی کے پیچھے پڑگئی تھی۔

''اس واقعے کے بعد سے وہ غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے خودکشی کرلی ہو۔''

''عورت کوئی بھی ہو، بہت ٹھنڈے دل و دماغ کی مالک ہوتی ہے، آسانی سے چراغ پا نہیں ہوتی۔ ان دونوں کے درمیان یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہوگی جس کے نتیجے میں ایک کی کایا پلٹ گئی اور دوسری ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئی۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی لیکن اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز پُرخیال تھی ''ہوسکتا ہے کہ ڈان نے کسی راہ چلتی عورت

کے مقابلے میں اس کی تذلیل کی ہو۔ کوئی عورت بلاوجہ اتنی مشتعل نہیں ہوسکتی کہ دیوانی ہوکر اپنے شوہر کو مارنا شروع کردے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں مسئلے کے اس پہلو پر ریسرچ نہیں کرسکا۔“ میں نے ہلکی سی ترشی کے ساتھ جواب دیا ”اسد اس واقعے کا چشم دید گواہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے سنی سنائی باتیں بتائی ہیں۔ یہ بات ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے کہ تقریباً دو سال پہلے یہاں ایسا واقعہ رونما ہوا تھا اور اس کا ایک کردار میرے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔“

”اوہو...... آپ برا مان گئے!“ وہ ہنس کر بولی ”ہمیں اس عورت سے کیا لینا۔ ہمیں اپنی توجہ ڈان برنارڈ پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ اگر وہ چھوٹا راجن کا پرانا حریف ہے تو اسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر راہ پر لایا جاسکتا ہے۔“

”میں تمہیں یہی بتا رہا تھا۔ میں اس پر کچھ محنت کرنا چاہتا ہوں۔ آج شام کو پانچ بجے اسد یہاں آئے گا اور مجھے سیلرز بار لے جائے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس بار میں میرا جانا مناسب نہیں رہے گا۔“ وہ بولی ”نام ہی سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہوگی۔“

وہ معاملہ فہمی اور مزاج شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ میرے چڑچڑے پن کا اندازہ کرتے ہی اس نے ڈان برنارڈ کے موضوع کو وہیں سمیٹ دیا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم ہوٹل میں رکی رہو یا آس پاس کے بازار کی سیر کرلو۔“ میں نے نرمی سے مشورہ دیا ”یہ خیال رکھنا کہ ہوٹل سے زیادہ دور نہ نکل جانا۔ میں اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ بنکاک کی کسی ٹیکسی میں اکیلی لمبا سفر نہ کرے۔

میرا پچھلا تجربہ تھا کہ بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر لفنگے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی سواریوں سے کرائے کے مول تول میں اپنے گر ضرور آزماتے ہیں لیکن اپنے بقیہ کام نہایت سپاٹ اور پیشہ ورانہ انداز میں سرانجام دیتے ہیں۔ کسی سواری سے جھگڑا کرتے ہیں نہ اکیلی دکیلی عورتوں کے ساتھ کوئی لوفرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ مجھے ڈر صرف اس بات کا تھا کہ وہ جس طرح مردانہ سواریوں کی مہمان داری کے لیے لڑکیوں کے تصویری البم ساتھ لیے پھرتے ہیں، اسی طرح زنانی سواریوں کی دلبستگی کے لیے کہیں مردانہ البم لیے نہ گھومتے ہوں۔ میرے اس شبہے کی تصدیق یا تردید کوئی اکیلی سیاح ہی کرسکتی تھی جو بنکاک کی ٹیکسیوں میں کثرت سے سفر کرتی رہی ہو۔ ایسی کسی عورت سے میرا رابطہ ہونا محال تھا۔

اپنے پہلے پھیرے میں، میں نے دیکھا تھا کہ بنکاک میں نظر آنے والے غیر ملکی سیاحوں میں یورپ سے افریقا تک کے مرد اور عورت شامل تھے۔ بیشتر خواتین اپنے اہل خانہ کے ساتھ یا گروپوں کی شکل میں گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں لیکن ایک بڑی تعداد اکیلی عورتوں اور لڑکیوں کی بھی تھی۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ ان کا مقصود صرف سیاحت تھا یا وہ اس مردم خیز خطے کے دوسرے اسرار ورموز سے بھی بہرہ ور ہونے کا ارادہ لے کر آئی تھیں۔ یورپ سے آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سیام کی سرزمین عیاش طبع مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول تھی۔

”میرے لیے ہوٹل کا وسیع شاپنگ آرکیڈ بہت کافی ہے۔“ غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ رائے ظاہر کرکے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کردیا ”یہاں نوادرات سے روزمرہ کی ضرورت کی اشیا تک بھری ہوئی ہیں۔ آپ کے بغیر دور جانے کے بجائے ان دکانوں کی سیر کو ترجیح دوں گی۔“

وہ بات ختم ہوتے ہی میرے ذہن پر خود ملامتی کی ایک رو سوار ہوگئی۔

تھائی لینڈ اور ان اطراف میں واقع دوسرے ممالک میں ہزاروں میل لمبے، صاف ستھرے ساحل، قدرتی جنگلات، چھوٹی چھوٹی جھیلوں، جھرنوں، حیوانی حیات اور نوادرات سمیت، سیاحوں کی دلچسپی کے بے شمار لوازم ہر طرف کثرت سے بکھرے ہوئے تھے اور دور دراز سے سیاحت کے لیے ان علاقوں میں آنے والے بیشتر افراد ان علاقوں میں اس قدرتی حسن اور فطری رنگینیوں کے مشاہدے سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے آتے تھے۔ گھٹیا قسم کی شبینہ تفریحات کا جال صرف بنکاک اور اِکا دُکا قریبی مراکز میں پھیلا ہوا ہوسکتا تھا۔ اس غریب اور ترقی پذیر ملک کے دور افتادہ مقامات میں ایسی خرافات کا گزر نہیں ہوسکتا تھا مگر ساری خوبیوں کو نظر انداز کرکے میرے ذہن میں بنکاک کی زندگی کا صرف وہ پہلو جاگزیں ہوچکا تھا جس کی عکاسی رات گئے کمرے میں آنے والے سیفل کے فون نے کی تھی۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی کہ میں بنکاک میں بسنے والے عزت دار شرفا کی اکثریت کو بھول کر صرف ان بگڑے ہوئے لوگوں کے حوالے سے فکر مند تھا جو عزت، انا اور خودداری جیسی ذاتی صفات کو بھول بھال کر، ہر قیمت پر غیر ملکی سیاحوں کی جیبیں خالی کرانے پر تلے رہتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر میں ایسے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ پائے جاتے

ہیں۔فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک میں شاید ایسے گروہ زیادہ بڑے تھے اور ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ نفس پرستوں کو لبھانے اور رجھانے کی کوششیں ضرور کر سکتے تھے، کسی کو زبردستی اس دلدل میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

صبح بازار کا چکر لگاتے ہوئے ہم دونوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس روز بنکاک کا موسم گرم اور کچھ مرطوب سا تھا۔فضائی کے بڑھتے ہوئے تناسب کی وجہ سے اس قدر بوجھل ہو رہی تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔کھانے کے بعد میں نے غزالہ کو سیر کے لیے نکلنے کی پیش کش کی لیکن اس نے حبس اور گرمی کی وجہ سے کسل مندی کا اظہار کیا اور ہم نے اپنا وقت ہوٹل کے خنک اور آرام دہ کمرے میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔

ٹھیک پانچ بجے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو اسد ہوٹل کی لابی میں اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

میں پہلے سے روانگی کے لیے تیار تھا۔صرف جوتے پہننے کی دیر تھی۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو غزالہ نے مجھے ٹوک دیا ''کیا آپ خالی ہاتھ وہاں جا رہے ہیں؟''

اول خان سے حاصل کی ہوئی زہریلی انگوٹھیاں ہر وقت میری انگلیوں میں موجود رہتی تھیں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''میں وہاں لڑنے کے لیے نہیں جا رہا۔پھر بھی یہ انگوٹھیاں موجود ہیں۔کسی ہنگامی صورتِ حال میں کام آسکتی ہیں۔''

''ڈان برنارڈ کوئی نیک انسان نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنی بیوی سے پٹ کر گوشہ نشین ہوا ہے۔اس کی خصلت وہی پرانی ہوگی۔ ہم بیم گن یہاں تک لانے میں کامیاب ہوگئے ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ اسے ساتھ لیتے جائیں۔ اچھا ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی فالتو ہتھیار جیب میں پڑا رہے۔وہ زیادہ بھاری نہیں ہے۔''

میری رضامندی پاکر غزالہ نے سوٹ کیس میں سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کردی۔

میں چوتھی رہائشی منزل سے لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو سامنے ہی اسد ایک صوفے پر آرام سے بیٹھا، سگریٹ کے گہرے کش لیتا ہوا نظر آیا۔اس کی نگاہیں لفٹ کی طرف مرکوز تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر نرم سی دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں سیدھا اس کی طرف ہولیا۔اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پُرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا۔پھر میرا ہاتھ تھام کر لابی کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

''ادھر کہاں جا رہے ہو...... کیا ڈان کی طرف جانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر بھی چلیں گے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''آج کل یہاں کے دن لمبے ہوتے ہیں۔ ابھی جھٹپٹا ہونے میں دیر ہے۔ چائے کی ایک پیالی پر کچھ باتیں کرکے نکل جائیں گے۔ اس سے ہمارا کوئی وقت طے نہیں ہے۔بن بلائے مہمان کسی بھی وقت پہنچ سکتے ہیں۔''

اس کا جواب معقول تھا۔ میں مطمئن ہوگیا اور اس کی رہنمائی میں ایک الگ تھلگ صوفے پر جا بیٹھا۔

اس نے قریب ہی منڈلاتے ہوئے ویٹر کو کافی کا آرڈر دیا اور پھر میری طرف متوجہ ہوگیا۔

''مجھے میدان میں کوئی عملی کام کیے تقریباً دو سال گزر چکے ہیں۔'' اس نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں کہنا شروع کیا ''جب سے یہاں آیا ہوں، اوپری دیکھ بھال اور مانیٹرنگ کا کام کر رہا ہوں۔ اب تمہارے آجانے کے بعد ایک کام سامنے آیا ہے تو وہ بہت بڑا محسوس ہو رہا ہے۔''

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہاں میری طرح خفیہ طور پر نہیں آئے۔تمہاری باقاعدہ پوسٹنگ ہوئی ہے۔تم بنکاک کے مقامی حکام کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔عین ممکن ہے کہ تمہاری خفیہ نگرانی بھی ہوتی ہو۔ان حالات میں تمہارے لیے کھل کر میدان میں آنا دشوار ہوسکتا ہے......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے جواب دیا ''ابتدا میں بہت سے چکر تھے۔کئی ہفتوں تک میری نگرانی بھی ہوتی رہی۔رفتہ رفتہ مقامی حکام میری سرگرمیوں سے مطمئن ہوگئے اور اب میں آزادی سے پورے شہر بلکہ ملک بھر میں گھومتا پھرتا ہوں۔ پتایا اور پھوکٹ سے چیانگ مائی تک میرے مرغوب ٹھکانے ہیں۔کراچی سے ملنے والی اخباری اطلاعات سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ سوبھراج اب ایک زخم خوردہ ناگ بن چکا ہے۔اسے چھوٹا راجن کی پناہ میں جانے سے پہلے مارلیا جائے تو کام آسان ہوسکتا ہے۔ ایک بار وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تو ہمیں اسے زیر کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔''

اس کی زبان سے سوبھراج کو مار لینے کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی۔اپنے کسی بڑے افسر سے رابطہ کرنے کے بعد اس کی سوچ میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا ''اب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔ میں اس مشکل کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے مجھے یہ کام پورا کرنا

ہے۔‘‘

’’شاید میری طرف سے تمہارے ذہن میں کوئی گرہ پڑ گئی ہے۔‘‘ اس نے مجروح لہجے میں کہا ’’میں محسوس کر رہا ہوں، تم میری ہر بات کو غلط پیرائے میں لے رہے ہو۔‘‘

’’یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔‘‘ میں نے اس کا بازو دبا کر کہا ’’میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھ رہا ہوں۔ میں اپنی سہولت کے لیے تمہیں کسی مشکل صورت حال میں پھنسانا پسند نہیں کروں گا۔‘‘

اس نے خاموشی سے میری بات سنی پھر ایک گہرا سانس لے کر بولا ’’میرا خیال ہے کہ غلطی میری ہے مجھے لمبی تمہید اٹھانے کے بجائے براہِ راست سیدھی بات کہنی چاہیے تھی۔ یہ کام آسان ہو یا مشکل میں گلے تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ اس معاملے میں ڈان سے ہونے والی ملاقات بہت اہم ہے اگر تم اسے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ کسی وجہ سے ڈان نے تمہیں اپنے پٹھے پر ہاتھ نہ رکھنے دیا تو ہمیں اپنا کام خود پورا کرنا ہوگا۔‘‘

’’مجھے اس بات کا پورا ادراک ہے۔‘‘ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا ’’میری کوشش ہوگی کہ میں ڈان کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس سے اکیلا ملوں۔ تم مجھے دور سے سیلرز بار دکھا کر لوٹ آنا۔‘‘

’’یہ نہیں ہو سکتا۔‘‘ اس نے تیزی سے کہا ’’اس ملاقات میں ہم دونوں کا ساتھ رہنا ضروری ہے میں نے یہاں رہ کر اتنی تھائی سیکھ لی ہے کہ پوری بات سمجھ لیتا ہوں۔ تھوڑی سی دشواری سے بات بھی کر لیتا ہوں۔ مقامی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے تمہارا اکیلا جانا مناسب نہیں ہوگا۔‘‘

’’تو کیا ڈان صرف تھائی زبان میں بات کرتا ہے؟‘‘ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

’’وہ روانی سے انگریزی بھی بولتا ہے لیکن اپنے آدمیوں سے مقامی زبان میں بات کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنے آدمیوں سے کیا کہتا ہے۔‘‘

میں نے وہ پیشکش کر کے اسے دور رہنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ اس نے مضبوط جواز کے ساتھ میری پیشکش مسترد کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ میرا شریکِ کار بننے کے لیے تیار تھا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ’’پھر تو معاملہ فہمی کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سیلرز بار میں الجھ جانے کی وجہ سے تم تہران سے بنکاک آنے والی آج کی پرواز کی دیکھ بھال نہ کر سکو۔ اس وقت وہ معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے۔‘‘

’’وہ پرواز رات کو دیر سے آتی ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔‘‘ اس نے اپنے جواب سے مجھے مطمئن کر دیا۔

اس دوران میں کافی آئی اور ختم کر لی گئی۔ ویٹر کو بل ادا کر کے ہم دونوں وہاں سے اٹھے اور ہوٹل کی عمارت سے باہر نکل گئے۔

اسد اپنے خدوخال کے لحاظ سے اس شہر میں اجنبی تھا لیکن وہاں اپنی دو سالہ اقامت کے نتیجے میں وہ ہر طور طریقے سے پوری طرح باخبر تھا۔

باہر موجود ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوتے ہوئے اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو مقامی زبان میں کچھ ہدایت دی جس میں صرف سیلرز بار کے دو الفاظ میرے پلے پڑ سکے۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کا میٹر چلایا اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔

ٹیکسی ہوٹل کے صاف ستھرے علاقے سے جوں ہی ایک مصروف شاہراہ پر آئی۔ مجھے بے اختیار اپنا شہر یاد آ گیا۔ سڑک پر ٹریفک کا زبردست ہجوم تھا۔ دفتری اور کاروباری اوقات ختم ہونے کے بعد ہر شخص سڑک پر آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ دو طرفہ سڑک خاصی کشادہ تھی لیکن بسوں، ٹیکسیوں، ٹک ٹک اور بھانت بھانت کی سواریوں کی کثرت کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ ان گاڑیوں کے درمیان نوجوان اپنی موٹر سائیکلوں پر ڈرائیونگ کے کرتب دکھا کر سب سے پہلے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دونوں طرف بنی ہوئی فٹ پاتھوں پر ساز و سامان بیچنے والے خوانچہ فروشوں کا قبضہ تھا، پیدل چلنے والوں کے لیے فٹ پاتھ پر جگہ نہیں تھی تو وہ بچ بچا کر سڑک پر اپنی راہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجموعی طور پر ایسی بدنظمی کا راج تھا کہ اپنا شہر کراچی یاد آ رہا تھا۔ فرق صرف ایک تھا۔ کراچی کے ڈرائیور عام طور پر بے صبرے ہوتے ہیں اپنے سے آگے والے کی مجبوری کا پورا اندازہ ہونے کے باوجود راستہ لینے کے لیے ہارن بجاتے رہتے ہیں۔ بسوں اور منی بسوں والے اس دوڑ میں سب سے آگے نظر آتے ہیں لیکن بنکاک کے ڈرائیوران کے مقابلے میں بہت صابر و شاکر نظر آ رہے تھے، جو جہاں تھا اپنے حال میں مگن تھا۔ ہر قسم کے ملے جلے شور میں کسی ہارن کی اعصاب شکن آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آگے بڑھنے پر ایک اور تماشا نظر آیا۔ بازار کی گہما گہمی

ذرا کم ہوئی اور فٹ پاتھ خوانچوں سے خالی نظر آئے تو ان پر موٹر سائیکلیں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ بے صبرے نوجوان سڑک پر رینگنے والے ٹریفک میں پھنس کر اپنا وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھے جس کو جہاں راہ مل رہی تھی وہ اسی طرف دوڑا جا رہا تھا۔ ان کے لیے آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ سڑک کے کنارے آکر اپنی موٹر سائیکل کے اگلے ٹائر کو اچھال کر سڑک سے اٹھی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھیں اور جہاں تک راہ ملے سیدھے دوڑتے چلے جائیں۔ ان خطرناک موٹر سائیکلوں سے بچنا پیدل چلنے والوں کی اپنی ذمے داری تھی۔

''آ رہا ہے اپنے لاہور کا سا مزہ!'' مجھے اس بے ہنگم ٹریفک کے مشاہدے میں منہمک پا کر اسد نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔

''لاہور!'' میں نے حیرت سے دہرایا ''مجھے تو کراچی یاد آ رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آنے والے نوجوان واپسی پر فٹ پاتھوں کا صحیح استعمال سیکھ کر وہاں جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پیدل چلنے والے حادثات سے کیسے بچتے ہیں۔''

''بس بچ ہی جاتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولا ''مقامی ان چیزوں کے عادی ہیں۔ باہر سے آنے والے دو چار دنوں میں سب سیکھ جاتے ہیں۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہاں ٹریفک کے حادثات کی شرح بہت کم ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر کہنے لگا ''پہلے میں بھی کراچی کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا۔ اب لاہور اس کا مقابلہ کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت عرصے سے لاہور نہیں گئے۔ کراچی ہی میں پلے بڑھے ہو۔''

اس کے آخری تبصرے پر مجھے اپنے دل میں کسک سی محسوس ہوئی۔ وہ میری جائے پیدائش کو میرے لیے اجنبی قرار دے رہا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا مگر اس شہر سے میرے ماضی کی بہت سی تلخ یادیں وابستہ تھیں۔ میں اسی شہر میں گھر سے بے گھر اور یتیم سے یسیر ہوا تھا۔ اپنے موروثی شہر کی زمین تنگ ہو جانے کے بعد میں نے اسے خیرباد کہا تھا۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''میں کافی دنوں سے لاہور نہیں گیا۔'' میں نے اس کے ساتھ مل کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کے بجائے مختصر سا جواب دیا۔

اسد سے ذکرِ شہرِ خوباں چھڑ جاتا تو بات بہت لمبی ہو سکتی تھی جب کہ میں اس وقت ہر جذباتی ابال سے الگ تھلک رہ کر اپنی ساری توجہ ڈان برنارڈ کے معاملے پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

سورج مغرب کی طرف ڈھلتا جا رہا تھا۔ شہر کی اونچی نیچی عمارتوں کے عقب میں سرخی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شہر کے گنجان وسطی علاقے میں ہمارے سفر کی رفتار بہت سست رہی۔ اس ہجوم سے نکلنے کے بعد ٹیکسی کی رفتار تیز ہوگئی۔

منزل پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارے ہوٹل سے سیلرز بار کا فاصلہ اتنا نہیں تھا جتنا وقت صرف ہوا۔ ہم ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ میں نہ پھنسے ہوتے تو زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔

اسد نے ٹیکسی کچھ دور رکوالی مگر میں وہاں سے بڑے بڑے روشن حروف میں سیلرز بار کا رنگ بدلتا ہوا نیون سائن دیکھ رہا تھا۔

وہ شہر کا خاصا قدیم اور پسماندہ علاقہ تھا۔ بیشتر مکانات سال خوردہ تھے لیکن ان کے درمیان کہیں کہیں کئی منزلہ شاندار مکانات بھی نظر آ رہے تھے۔ ہوا میں رچی ہوئی مخصوص سیلن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بندرگاہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

مکانوں کے درمیان اِکّا دُکّا دکانیں اور ہوٹل بھی موجود تھے۔ ان ہی میں سیلرز بار بھی شامل تھا۔ ان دکانوں وغیرہ نے بازار کی صورت اختیار نہیں کی تھی البتہ ایک بات بہت نمایاں تھی کہ رہائشی مکانات کے مقابلے میں ہر تجارتی ٹھکانا بہت روشن اور پرکشش نظر آ رہا تھا۔ دکانوں کی بیرونی آرائش اور گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لیے مقامی انداز کے ساتھ شوخ رنگ استعمال کیے گئے تھے۔

سورج راستے میں ہی غروب ہوگیا تھا۔ اسٹریٹ لیمپس روشن ہو چکے تھے۔ اندھیرے کی گہری ہوتی ہوئی چادر میں دور تک روشن گھر نمایاں تھے۔

''چلو اب ہم کچھ دور پیدل چلیں گے۔'' اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو نمٹانے کے بعد کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈان نے شہر کے مرکز سے اتنی دور آکر بار کیوں کھولا ہے۔'' میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''اس کے کاروبار کے لیے یہ علاقہ خاصا زرخیز ہے۔ یہ دیکھ رہے ہو۔'' اس نے فٹ پاتھوں پر چلتے ہوئے نوجوان اور معمر مرد و زن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ان میں سے بیشتر اس کے مستقل گاہک ہوں گے۔ گودی سے آنے والوں کے لیے بھی سیلرز بار سانس لینے کا اکلوتا ٹھکانا ہے۔ ڈان کے مقابلے میں آج تک کوئی شخص کئی کلومیٹر دور تک کوئی بار کھولنے کی ہمت نہیں کر سکا۔''

''حیرت ہے کہ تھائی معاشرہ ایک مردہ گھوڑے کا اتنا

احترام کرتا ہے۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا "یہ احترام سے زیادہ روایت کی بات ہے۔ ڈان کا یہ بار اس وقت سے قائم ہے جب ہر طرف اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بعد میں وہ سمٹ کر اسی ایک ٹھکانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔"

اس سے میں نے ڈان کے بارے میں جو کچھ سنا اس کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر بے وقوف ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کچھ نہ کچھ سوچ سمجھ کر بندرگاہ سے آنے والے راستے پر اپنا ٹھکانا بنایا تھا۔ وہ اس کے عروج کا زمانہ رہا ہوگا۔ وہ چاہتا تو سیلرز بار کے لیے شہر کے قلب میں کوئی جگہ لے سکتا تھا لیکن وہ شاید اس کے لیے موزوں ثابت نہ ہوتی۔

اس الگ تھلگ علاقے میں وہ شہری انتظامیہ کی نظروں سے دور رہ کر اسمگلنگ اور چوری کے مال کی خرید و فروخت سے لے کر نوادرات کے ہیر پھیر تک ہر کام اطمینان سے سرانجام دے سکتا تھا۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو اس کے کارندے دور ہی سے اس ناپسندیدہ شخص کو تاڑ کر ڈان کو بروقت ہوشیار کر سکتے تھے۔ یہ اس کے مقدر کی بات تھی کہ زوال کی راہ اختیار کر لینے کے بعد بھی وہ وہیں پھنسا ہوا تھا۔

"سنو!" چلتے چلتے میں نے ایک فوری خیال کے تحت اسد کوٹو کا "ہم سیلرز بار میں عام گاہکوں کی طرح داخل ہوں گے تم تھوڑی بہت تو پی لیتے ہو نا؟"

"پہلے نہیں پیتا تھا۔ بال بچوں سے دوری کی وجہ سے میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔ کسی دوست کے مشورے پر پینی شروع کر دی۔"

"بس، بس یہ کافی ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم اسکاچ لو گے، میں فریش لیمن۔"

"یہ کیا بات ہوئی!" اس نے چونک کر پوچھا "تم فریش لیمن کیوں پیو گے؟"

"مجھے معدے کی ایک بیماری لاحق ہے۔" میں نے اسے بہت سنجیدگی سے بتایا "الکحل کی ایک بوند بھی میرے لیے زہر ثابت ہو سکتی ہے۔"

وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ شام کے ابتدائی لمحات تھے پھر بھی سیلرز بار کے سامنے فٹ پاتھ کے کنارے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

پگوڈا جیسی ڈھلوان چھت والے مختصر سے داخلی برآمدے میں قدم رکھتے ہی وزنی چوبی فریم والے شیشے کے دروازے سے میں نے ایک نظر اندر ڈالی اور پھر دروازہ کھول کر بار میں داخل ہو گیا۔

باہر کی آرائش کے مقابلے میں اندر سے بار بہت خوب صورت تھا۔ میزوں کے گرد بید کی بنی ہوئی ہلکی اور آرام دہ کرسیاں قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ نیلے کپڑوں میں ملبوس ایک سبک اندام اور خوش رو لڑکی میزوں اور کرسیوں کی مزید دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ نیچی چھت کے ساتھ جا بجا ایسی چھوٹی چھوٹی آرائشی اشیا جھول رہی تھیں جو شاید مقامی تہذیب کے بعض پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھیں۔

عقبی حصے میں لکڑی کا منقش بار کاؤنٹر نیم دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ چوڑی سطح والے کاؤنٹر کے سامنے کئی اونچے اسٹول رکھے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے کا حصہ مختصر سے ہال کے مقابلے میں زیادہ روشن تھا جہاں بھانت بھانت کی شرابوں کی بوتلیں سجی یا لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں دو لڑکیاں شیشے کے گلاسوں اور پیمانوں کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

میں نے ان جزئیات سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ بار کی صرف دو میزیں آباد تھیں جن پر کل پانچ نوجوان نظر آ رہے تھے جن میں دو لڑکیاں تھیں جو ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر لگی ہوئی میزوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو الگ الگ ٹولیاں تھیں جو ظالم سماج کے چنگل سے بچ کر ڈان کے گوشہ عافیت میں آ گئی ہوئی تھیں۔

کاؤنٹر کے انتہائی عقبی داہنے سرے پر خطرناک صورت والا ایک تنومند اور دراز قامت شخص اونچی کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ بار کا دروازہ کھلنے پر بجنے والی مترنم گھنٹیوں کی ہلکی سی آواز پر اس شخص نے اطمینان سے گردن گھما کر گہری نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا پھر بے فکر ہو کر دوبارہ اپنے سامنے رکھے ہوئے چھوٹے سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کی اسکرین پر ہونے والی وحشیانہ کشتی ہمیں کئی لمحوں بعد نظر آ سکی تھی۔

ہمارے کاؤنٹر پر پہنچتے ہی ایک وردی پوش لڑکی اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی ہماری طرف متوجہ ہوئی۔

لڑکی کی زبان سے یس سر کے الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ وہ پوری نہیں تو تھوڑی بہت انگریزی ضرور سمجھ سکتی تھی۔ ہوٹل، بار اور دکانوں میں آنے والے گاہکوں سے لین دین کرنے کے لیے انگریزی سے واقفیت تھائی باشندوں کی مجبوری تھی جس کا مشاہدہ شہروں اور سیاحتی مراکز میں کیا جا سکتا تھا۔ عام مقامیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کوئی

دوسری زبان جانتے ہوں۔

ہم دونوں نے کاؤنٹر کے سامنے پڑے ہوئے اسٹول سنبھالے اور میں نے لڑکی کو آرڈر دے دیا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنے بدن کو کئی ہلکورے دیتے ہوئے چند لمحوں میں دونوں مطلوب مشروبات کے گلاس ہمارے سامنے سجا دیے۔

میں نے اسے سو بھات کا نوٹ دیا۔ وہ نوٹ لے کر مرد کی طرف گئی اور اس سے بقیہ رقم لے کر مجھے لوٹا دی۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ بار کے عقب میں بیٹھا ہوا دراز قامت شخص پوری توجہ سے ٹی وی پر خونی مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹی وی کی آواز بند کی ہوئی تھی۔

ہمیں سرو کرنے کے بعد وہ لڑکی دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ اس کی ہمراہی دوسری سمت میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت تک بار میں کام کرنے والوں میں کوئی مرد نظر نہیں آیا تھا۔ نیلی وردیوں میں ملبوس تینوں لڑکیاں پھرکی بنی ہوئی تھیں۔

''مس!'' میں نے قدرے بلند آواز میں لڑکی کو پکارا تاکہ میری آواز ریسلنگ کے شوقین کے کانوں تک پہنچ سکے۔ لڑکی اپنی جگہ کھڑے کھڑے میری طرف گھومی تو میں نے اپنی بات شروع کردی ''میں خاص طور پر ڈان برنارڈ کی زیارت کے لیے یہاں آیا ہوں۔''

مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ لڑکی میری پوری بات سمجھ گئی تھی یا نہیں۔ اتنا ضرور ہوا کہ میری زبان سے ڈان کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار عود کر آئے۔

لڑکی نے براہِ راست میری بات کا جواب دینے کے بجائے بے بسی سے ٹیلی وژن والے کی طرف دیکھا۔ وہ میری بات سن کر پہلے ہی میری طرف متوجہ ہو چکا تھا اور کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میری اور ڈان کی نظریں چار ہوئیں۔ میں نے دوستانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن ڈان کے چہرے کی کرختگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ہمیں سرو کرنے والی لڑکی اس صورت حال سے سراسیمہ ہوگئی اور تیزی کے ساتھ کاؤنٹر کی گولائی کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی جہاں نیلی وردی والی تیسری لڑکی کسی گاہک کے نہ ہونے کے باوجود مصروف نظر آرہی تھی۔

ڈان نے میرے چہرے سے ایک لمحے کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر ٹیلی وژن کے پینل کے کسی بٹن پر زور سے ہاتھ مارا۔ اسکرین یکایک تاریک ہوگئی۔

ڈان نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اسی وقت کسی میز سے اٹھ کر ایک لڑکا بار کے کاؤنٹر پر آگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں بیئر کے خالی مگ دبے ہوئے تھے۔

مجھے اس لڑکے پر دھیان دینے کی فرصت نہیں تھی۔ ڈان کے عجیب و غریب اور جارحانہ تیوروں نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ رہی سہی کسر اسد نے پوری کردی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں میرے پہلو میں مسلسل دو باریوں کہنی ماری جیسے مجھے وہاں سے نکل بھاگنے پر اکسانا چاہ رہا ہو۔ میں فوری طور پر بار اسٹول سے اتر کر فرش پر کھڑا ہوگیا تاکہ ڈان کی کسی جارحانہ پیش دستی سے اپنا بچاؤ کرسکوں۔

ڈان نے کاؤنٹر کے عقب میں اپنی کرسی چھوڑنے کے بعد کسی اشتعال آمیز عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا نپے تلے قدموں سے کاؤنٹر کے پیچھے عین میرے سامنے آکر رک گیا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں بار کے کاؤنٹر کی چوبی سطح پر ٹکائیں اور دھیمی مگر غراتی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہوکر لوٹنے کے ارادے سے آئے ہو۔ میں نے آج ایک مدت کے بعد کسی اجنبی کی زبان سے اپنا پورا نام سنا ہے!''

لمحہ بھر میں بات میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ادب و احترام کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا لیکن نادانستگی میں مجھ سے یہ غلطی ہوچکی تھی کہ میں نے اس کا پورا نام لے لیا تھا۔ اس جیسے اونچے پائے کے بدمعاش عام طور پر اپنی عرفیت سے پکارا جانا پسند کرتے ہیں۔ اس کے ہم جلیسوں نے اسے بنکاک کے ڈان کے رتبے پر فائز کردیا تھا۔ وہ فعال تھا یا اپنی ساری سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوچکا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی تھی۔ وہ بزعم خود ڈان تھا اور مرتے دم تک ڈان ہی رہنا چاہتا تھا۔

میں اس کے اعتراض کا خاصا مسکت جواب دے سکتا تھا لیکن اس طرح بات بڑھ جاتی۔ میں اس سے لڑنے کے لیے نہیں مل بیٹھنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے روایتی انداز میں لمحہ بھر کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم جوڑ کر کہا ''ڈان! یہ واقعی خطا ہے جو نادانستگی میں سرزد ہوگئی۔ اس پر میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔''

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ عقابی نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری آنکھوں میں سچ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اسے میری بات پر اعتبار آگیا۔ اس نے اپنی آواز بلند کیے بغیر اسی لہجے میں کہا ''تم کون ہو...... تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟''

عقب میں سیلرز بار کے داخلی دروازے کی گھنٹیاں گنگنائیں۔ اسی کے ساتھ میرے کانوں میں کئی قدموں کی آہٹیں اور ملی جلی شوخ آوازیں آئیں جو مقامی تھیں۔ میں نے مڑنے کی حماقت کیے بغیر اندازہ لگایا کہ کوئی نیا گروپ بار میں وارد ہو چکا تھا۔

''چھوٹا راجن!'' میں نے ڈان ہی کے انداز میں کہنیوں کے بل کاؤنٹر پر جھک کر سرگوشی کی ''میں اس کا خون پینے کا ارادہ لے کر یہاں آیا ہوں۔''

اس مرتبہ وہ پھر چند ثانیوں تک متردد رہا پھر اس نے اپنا بھاری ہاتھ فضا میں لہرا کر آہستہ سے کہا ''ادھر چلے آؤ۔''

مجھے ہدایت دے کر وہ دوبارہ اپنے ٹیلی وژن والے گوشے کی طرف چل دیا۔

ڈان کے اشارے پر میں اپنا گلاس اسی طرح چھوڑ کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔ اس دوران میں اسد نے گھبرا کر اپنا لارج پیگ تیزی سے حلق سے اتار لیا تھا اور میرے ساتھ ہولیا تھا۔

ڈان سے وہ مختصر سا مذاکرہ ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ بار کی مزید کئی میزیں آباد ہو چکی تھیں اور چند نئے چہرے مشروبات خریدنے کے لیے کاؤنٹر پر آ گئے تھے۔ نیلی وردی والی دونوں لڑکیاں نئے گاہکوں کی طرف متوجہ تھیں لیکن ان کی خوف زدہ نظریں ایک آدھ بار ہماری طرف بھی اٹھی تھیں۔ ان کی دانست میں ہم دونوں ڈان کے عتاب میں آ چکے تھے۔

ہم کاؤنٹر کے اختتامی سرے پر موجود بند ٹیلی وژن کے پیچھے پہنچے تو ڈان پہلے ہی کاؤنٹر سے باہر آ کر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

کاؤنٹر کے پیچھے والے حصے کے مقابلے میں پورے بار میں روشنی خاصی کم تھی۔ شراب خانوں کے اندرونی ماحول کو خواب ناک بلکہ ہوش ربا بنانے کے لیے روشنی کی وہ تقسیم غیر معمولی نہیں تھی۔ ہر بار میں کم و بیش ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن ہماری موجودگی کے مقام سے آگے جانے والا راستہ خطرناک حد تک نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس راستے کے ایک سرے پر چوکور سرخ سائن روشن تھا۔ دھندلائی ہوئی مقامی تحریر میرے لیے ناقابلِ فہم تھی مگر تحریر کے نیچے بنے ہوئے خاکے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بار کا واش روم تھا۔ مرد وزن کسی امتیاز کے بغیر اس سے مساویانہ استفادہ کر سکتے تھے۔

اس اکلوتے واش روم کے سامنے مجھے اوپر جانے والے زینے نظر آ رہے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی ڈان اس تنگ اور نیم تاریک راہ داری میں گھس گیا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اسد نے مجھے بتایا تھا کہ ڈان کی رہائش اسی شراب خانے کی اوپری منزل پر ہے اور وہ اپنے گھر میں کسی سے نہیں ملتا لیکن اس وقت نظر آنے والے آثار کچھ اور بتا رہے تھے۔ ڈان بہت بے پروائی کے ساتھ ہمیں اپنے گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔

ڈان اصول پرست آدمی تھا۔ اپنے شراب خانے میں میرے ساتھ مار دھاڑ کر کے وہ اپنے بار کی ساکھ اور کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا ہمیں اوپر لے جا کر وہ ہمارے ساتھ درشت اور توہین آمیز رویہ اختیار کرے گا۔

اس نے ابتدا ہی سے مجھ پر اپنی گرفت اتنی مضبوط رکھی تھی کہ مجھے اس سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ڈان سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنا سر جھکا کر اس کی تقلید کرنے پر مجبور تھا۔

ڈان اتنا مطمئن تھا کہ چلتے ہوئے بھی سگار پی رہا تھا۔ تنگ اور نیم تاریک راہ داری جلتے ہوئے عمدہ تمباکو کی بو سے بھرتی جا رہی تھی۔

''ڈان......!'' میں نے کچھ جاننے کی نیت سے سرگوشیانہ آواز میں اسے پکارا لیکن اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''خاموش رہو۔ تم سے اوپر بات ہوگی!'' اس کی تحکم آمیز آواز فیصلہ کن تھی۔

پھر مجھے اس راہ داری کے اختتام پر دیوار کا ہم رنگ دروازہ نظر آیا جو بند تھا۔ صورت کچھ یوں تھی کہ ہمارے داہنے ہاتھ پر واش روم تھا' بائیں طرف اوپر جانے والے زینے تھے اور سامنے وہ بند دروازہ تھا جسے استعمال کر کے خاموشی سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔

لکڑی دنیا کے اس خطے کی اعلیٰ پیداوار ہے اور ہر جگہ مضبوط اور عمدہ لکڑی کا استعمال کثرت سے نظر آتا ہے۔ ڈان نے زینوں پر قدم رکھا اور ہلکی سی چرچراہٹ سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ چوبی زینے تھے۔ نکاس کے چور دروازے پر ہاتھ مار کر میں نے یہ اطمینان کر لیا کہ وہ بھی چوبی دروازہ تھا۔ کوئی برا وقت آنے کی صورت میں اس پر بیم گن استعمال کر کے ذرا سی دیر میں راہ کھولی جا سکتی تھی۔

زینوں کے اختتام پر ایک روشن بلب کی وجہ سے گھٹن کا احساس یکایک ختم ہو گیا۔ ڈان نے بند دروازے کو اندر دھکیلا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے بھی اندر گھسنے میں تکلف نہیں کیا اسد خاموشی سے میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

نچلی منزل کا خاصا رقبہ کاؤنٹر اور اس کے پیچھے بنے ہوئے بار نے گھیرا ہوا تھا۔ وہاں جگہ کی تنگی کا شدت سے احساس ہوا تھا لیکن شراب خانے کی اوپری منزل بہت کشادہ نظر آ رہی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کمرے اور دیواریں نہیں تھیں جو کچھ تھا ایک ہال کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔ ہال صاف ستھرا تھا۔ وہاں کنگ سائز کی صرف ایک مسہری تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں خطرناک چہروں اور مضبوط جسموں والے چار مقامی باشندے ایک میز کے گرد بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان چاروں کے سامنے موجود رقموں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جوا کھیل رہے تھے۔ میز کے وسط میں بھی رقم پڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ان چاروں سے کوئی جواری شراب سے شغل نہیں کر رہا تھا۔

ان چاروں نے ڈان کی طرف دیکھا' اپنے سروں کو تھوڑا سا تعظیمی خم دیا اور دوبارہ اپنے کھیل میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے مجھے یا اسد کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ڈان اپنی مسہری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مسہری کے گرد آرام دہ کرسیاں اور صوفے ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ ڈان مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں بھی صوفے پر ایک دوسرے کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔

ڈان نے مسہری پر بیٹھنے کے بعد سگار کا ایک گہرا کش لیا پھر اپنے دہانے سے کثیف دھوئیں کے مرغولے خارج کرتا ہوا بولا ''راجن اس زمین کی سب سے گندی اور خبیث مخلوق ہے۔ کوئی اسے زیر کر دے تو میں اسے اس دور کا سب سے بڑا ڈان مان لوں گا۔''

''یہ کام تم خود کر سکتے ہو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''بنکاک کے سارے سورما دل و جان سے تمہاری عزت کرتے ہیں تم ایک اشارہ کر دو تو وہ سب مل کر اسے چیونٹی کی طرح پیس ڈالیں گے۔''

ڈان نے متاسفانہ انداز میں زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی ''یہ سب بودے اور بزدل ہیں مجھے امید تھی کہ میرے کنارہ کش ہونے کے بعد یہ اس بھارتی کتے کی ٹانگیں چیر ڈالیں گے مگر ان سے کچھ بھی نہیں ہوا! ایک ایک کر کے سب اس کی غلامی میں چلے گئے اور آج وہ پورے بنکاک پر راج کر رہا ہے۔''

''تم خود اس کا سر کیوں نہیں کچل دیتے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اپنا تھوکا ہوا نہیں چاٹتا۔ جو میدان چھوڑ دیا' دوبارہ اس میں نہیں اتروں گا۔'' ڈان نے نخوت سے جواب دے کر سگار ہونٹوں سے لگایا۔

''تم ان چاروں کو دیکھ رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے بعد تاش کھیلنے والوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ''دو سال پہلے شہر میں ان کا بھی طوطی بولتا تھا مگر چھوٹا راجن نے انہیں بھی میدان سے بھگا دیا۔ یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے اس کی غلامی نہیں کی میرے پاس چلے آئے۔ اب ان کو پالنا بھی میری ذمے داری ہے۔''

ڈان نے جس بے فکری سے ان چاروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور وہ جس بے نیازی سے اپنے کھیل میں منہمک رہے تھے اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ انگریزی زبان سے بالکل نابلد تھے۔ میرے لیے یہ بات اہم تھی کہ اپنے ان آدمیوں کی طرف سے ڈان برنارڈ کے دل میں کینہ موجود تھا۔

''انہیں مفت کی روٹیاں نہ توڑنے دو۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''تمہارے پاس آدمی ہیں۔ میرے پاس راجن سے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے انہیں میرے حوالے کر دو۔ میں راجن کو چند ہی دنوں میں پیوند زمین کر دوں گا۔''

''تم بہت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو!'' ڈان نے میرے چہرے پر نظریں جما کر ہلکے سے استہزائی انداز میں کہا ''چھوٹا راجن بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس سے ٹکرانے کے لیے زور بازو چاہیے!''

''بارہ برس کے ایک دھان پان سے لڑکے میں حوصلہ ہو تو وہ میرے سینے میں چار گولیاں اتار سکتا ہے......'' میں نے اسے قائل کرنے کے لیے کہنا چاہا لیکن اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی۔

''مجھ سے بحث مت کرو۔ میری کہی ہوئی ہر بات کے پیچھے تجربہ ہوتا ہے اور وہ پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہوتی ہے۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ تمہارے منہ سے ابھی دودھ کی بو آ رہی ہے۔ میرے تجربے کو چیلنج مت کرو۔''

''ڈان......! میں بڑی امیدیں لے کر تمہارے در پر آیا تھا۔'' میں نے التجا کی۔

''میں نے بھی تمہیں مایوس نہیں کیا۔ میں اجنبیوں کو اپنے گھر میں نہیں بلاتا۔''

''تو کیا میں خود کو تمہارا دوست سمجھ لوں؟'' میں نے خوش ہو کر سوال کیا۔

''ابھی دوست ہو نہ اجنبی۔ میں نے تم سے تمہارا نام تک نہیں پوچھا۔ پچھلے دو برسوں میں تم پہلے جوان ہو جو اپنی آنکھوں میں راجن کی بربادی کے خواب لیے میرے پاس آئے ہو۔ تم نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چھوٹا راجن کا خون پی لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آج تک کسی نے میرے سامنے ایسا حوصلہ نہیں دکھایا۔''

اس کی زبان سے حوصلے کا ذکر سنتے ہی میں نے سوچا کہ

اسے زور بازو کے مقابلے میں حوصلے کی اہمیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے چپ سادھ لی۔ دوبارہ اس کی انا کو ٹھیس پہنچانے کی صورت میں' میں بھاری خسارے سے دو چار ہو سکتا تھا۔

''بنکاک کے سارے سورما نامرد ہو گئے ہیں۔'' ڈان کہہ رہا تھا ''وہ میرے سامنے آتے ہیں تو بوڑھی بیواؤں کی طرح چھوٹا راجن کو آگ اور پانی کی دردناک موت کی بددعائیں دیتے ہیں لیکن اس سے لڑنے کی ہمت کسی میں نہیں ہے۔''

''ڈان! تم میرے سر پر ہاتھ رکھ دو۔ میں آخری سانس تک اس سے لڑوں گا۔'' موقع پاتے ہی میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی کوشش کی۔

''لڑائی ہتھیاروں سے نہیں ہوتی۔ آئندہ میرے سامنے یہ بات نہ دہرانا۔'' اس نے مجھے نصیحت کی ''ہتھیاروں کے بل پر چور اُچکے دلیری دکھاتے ہیں۔ کسی کو نوچا' لوٹا اور گولی مار کر بھاگ گئے۔ نر ہمیشہ اپنے زور بازو سے لڑتا ہے۔ ہتھیار ناکارہ ہو جائیں تو اپنے ہاتھوں سے دشمن کی گردن اس کے شانوں سے اکھاڑ لیتا ہے۔''

''میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے سر جھکا کے ادب سے کہا ''تم دیکھو گے کہ میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔''

''یہ چاروں نکمے ہیں۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے جواریوں کے بارے میں زبان کھولی ''تم راجن سے لڑنے کے لیے انہیں مانگ رہے تھے۔ یہ تمہارے لیے عذاب بن جائیں گے کیونکہ یہ اپنی بولی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے۔ تم ان سے بیٹھنے کے لیے کہو گے' یہ لیٹ جائیں گے۔''

''تمہاری باتیں بہت امید افزا ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آج میں یہاں سے مایوس نہیں جاؤں گا۔''

''تمہاری یہ توقعات قبل از وقت ہیں۔ تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم میں چھوٹا راجن سے لڑنے کا دم خم ہے۔''

''میں ہر امتحان کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے بلا جھجک اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔

''اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تم بنکاک کے کسی ویرانے میں دس منٹ تک میرا مقابلہ کرو۔ تم اپنے قدموں پر کھڑے رہے تو میں تمہیں مان لوں گا۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ وہ ڈان کو شیشے میں اتارنے کا بہترین موقع تھا۔ میں نے مایوسی سے جواب دیا ''یہ ناممکن ہے۔ میں پہلے منٹ میں ہی خاک چاٹتا نظر آؤں گا۔''

''کیوں؟'' اس نے پہلی بار حیرت سے پوچھا ''تم خود کو اتنا گیا گزرا سمجھتے ہو اور صرف ہتھیاروں کے بل پر چھوٹا راجن کو مارنے کے لیے نکلے ہو!''

''میں ہتھیاروں پر لعنت بھیجتا ہوں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''تم میری بات کو نہیں سمجھ سکے۔ دراصل میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہوں' اس پر میرا ہاتھ کبھی نہیں اٹھ سکے گا۔ اپنے کسی آدمی کو نامزد کر دو۔ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔''

ڈان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ نکتہ اس کے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ آواز نکلی ''تم واقعی اصیل اور خاندانی آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم جیسا کڑیل جوان لڑنے پر تل جائے تو مجھ جیسے ادھیڑ عمر ڈان کو ذرا سی دیر میں تھکا سکتا ہے۔''

''یہی تمہارا امتحان ہے تو مجھے مقابلہ کیے بغیر اپنی شکست منظور ہے!'' لوہا گرم دیکھ کر میں نے ایک اور ضرب لگا دی۔

''میں اپنی کہی ہوئی بات واپس نہیں لیتا۔ یہ میں نے امتحان کی ایک صورت بتائی تھی۔ اپنی شرافت کی وجہ سے یہ تمہیں قبول نہیں تو پھر مجھ سے ہاتھ لڑا لو۔ تم کو میری کلائی گرانی ہوگی۔''

مجھے محسوس ہوا کہ ڈان برنارڈ کی کوئی رگ بھڑک ہوئی تھی۔ اس نے اپنی کہی ہوئی بات واپس نہ لینے کا ذکر کر کے مجھے فکر مند کر دیا۔ میں کلائی گرانے والی تجویز نہ مانتا تو وہ کوئی مشکل تر متبادل پیش کر سکتا تھا۔

اس کا جسم بہت مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ توانا نظر آ رہا تھا مگر پھر بھی مجھے امید تھی کہ میں اس پر حاوی ہو جاؤں گا۔ میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔

ڈان نے مسہری پر رکھی ہوئی بلور کی بڑی ایش ٹرے میں سگار کا سلگتا ہوا سرا مسل کر بجھا دیا۔ وہ اس کی طرف سے مقابلے کی تیاری کی ابتدا تھی۔

''اب مجھے تمہارا نام معلوم ہو جانا چاہیے۔'' اس نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''علی احمد اور یہ اسد خان ہے۔'' میں نے اسے دونوں کے نام بتا دیے۔

''جب سے آئے ہو' تم ہی بولے جا رہے ہو۔ اس بے چارے کو وہسکی کے ایک ڈبل پیگ کے بعد چپ لگ گئی ہے۔'' ڈان نے سنجیدگی سے کہا۔

بار کاؤنٹر پر وہ بظاہر ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک تھا لیکن اپنے گرد و پیش میں ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر تھا۔

میں نے وضاحت کی کہ اسد اپنے روزگار کے سلسلے میں کچھ عرصے سے بنکاک میں مقیم تھا۔ وہ مجھے سیلرز بار تک پہنچانے کے لیے آیا تھا۔ چھوٹا راجن والے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ اسد مجھ سے دوستی کی وجہ سے میرے ساتھ تھا۔ پورے جھمیلے سے واقف نہ ہونے کی بنا پر وہ گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ڈان اس کے بعد مجھے مزید کریدنے کی کوشش کرے مگر اس نے میری قومیت اور راجن سے میری دشمنی کے سبب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

مسہری سے اٹھنے کے بعد اس نے اونچی آواز میں اپنے چاروں آدمیوں سے کچھ کہا۔ انہوں نے فوری طور پر رقم اور پتے سمیٹ کر میز خالی کر دی۔

آثار بتا رہے تھے کہ دست آزمائی کا مقابلہ اسی میز پر ہوگا جو زیادہ چوڑی اور اونچی تھی۔ وہ چاروں اپنی رقوم جیبوں میں ڈال چکے تھے اور مقابلہ شروع ہونے کے منتظر تھے۔

میرے لیے وہ ہر لحاظ سے ایک عجیب تماشا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ ڈان کا فیصلہ تھا۔ اس کے نتیجے پر میرے آئندہ منصوبوں کا دارومدار تھا۔

میں نے اٹھ کر اس وسیع و عریض ہال پر نظر دوڑائی تو مجھے ڈان کی مسہری سے دور ایک دیوار کے سہارے فرش پر چار گدے پڑے ہوئے نظر آئے جو ان چاروں کے لیے ہو سکتے تھے۔ ڈان کے دل میں ان کے لیے عزت نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے اپنی ضرورت اور مصلحت کے لیے ان کو قبول کیا ہوا تھا۔ کسی بھی بڑے بدمعاش کے لیے یہ بات بہت سکی کا سبب بنتی ہے کہ اپنی زندگی کے کسی مرحلے پر وہ بالکل تنہا رہ جائے۔ ان مفت خوروں کی موجودگی نے ڈان کو اس سکی سے بچایا ہوا تھا۔

ڈان ایک چوبی سینٹر ٹیبل کے ساتھ فرشی قالین پر بیٹھ گیا۔ مکروہ چہروں والے بدمعاش اپنی زبان میں ہنستے بولتے اس کے قریب پہنچ گئے۔

میں نے ڈان کے سامنے والی جگہ سنبھال لی۔ میرا حمایتی صرف اسد تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے بارے میں ڈان سے میری گفتگو ہونے کے بعد اس کے بشرے پر کبیدگی کے آثار ابھر آئے تھے۔ شاید اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے اسے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ڈان نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس رسمی انداز میں میری طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش شروع کرے گا مگر اس نے نرمی سے ہاتھ ملا کر چھوڑ دیا۔

لمحہ بھر بعد ہم دونوں سینٹر ٹیبل پر اپنی داہنی کہنیاں ٹکا کر ایک دوسرے کے ہاتھوں کو اپنی مخصوص گرفت میں لے چکے تھے۔

مجھے ڈان پر اپنی طاقت کا اظہار کرنا تھا۔ میں نے گرفت درست ہوتے ہی زور لگایا۔ ڈان اپنا بایاں ہاتھ پشت پر رکھے سکون سے بیٹھا رہا۔ میرے ابتدائی جھٹکے میں ڈان کی کلائی میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ تھم گئی۔

میں نے بتدریج زیادہ زور لگانا شروع کیا اور ڈان کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ اسے اپنی کلائی کو روکنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے حمایتی اچھل اچھل کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ڈان عمر میں مجھ سے کافی بڑا تھا مگر اس کے جسم میں توانائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جاں گسل زور آزمائی کئی منٹ تک جاری رہی۔ دو تین بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کا دم ٹوٹ رہا ہو۔ میں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن اس کی کلائی گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

زور لگانے کی وجہ سے ہم دونوں کے داہنے ہاتھوں کی انگلیاں سفید پڑ چکی تھیں۔ مجھے اپنا بازو سن ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ڈان اپنی کلائی کو گرنے سے روک رہا تھا۔ یکایک اس نے جوابی کارروائی شروع کر دی اور میری کلائی گرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

لمحہ بھر بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف میرا احساس تھا۔ اصل صورتِ حال جوں کی توں تھی۔ اولین لمحے سے ہی ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ گرانے کے لیے اپنی اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے اور نتیجہ صفر تھا۔

اس وحشیانہ زور آزمائی کے نتیجے میں میرے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے تھے۔ ہر طرف پسینے کی لکیریں بہہ نکلی تھیں۔ یہی حال ڈان کا تھا۔ بڑھتے ہوئے دورانِ خون سے اس کا گندمی چہرہ سیاہی مائل ہو چلا تھا اور پسینوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

ڈان کے چاروں ساتھیوں کا جوش و خروش دھیما پڑ چکا تھا۔ ہم دونوں کے دہانوں سے غیر ارادی طور پر خارج ہونے والی آوازیں واضح ہو گئیں۔

ایک لمبا سانس کھینچ کر میں نے سینے میں روکا اور سر جھکا کر آخری زور لگانا شروع کر دیا۔ ڈان کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش نمودار ہونے لگی۔

یکایک کوئی بھاری وجود میرے بائیں جوتے کے تلے پر سوار ہو گیا۔ وہ بہت بے رحمی سے میرے پیر کو دبا رہا تھا۔ میں اس وقت بول سکتا تھا نہ سر گھما سکتا تھا۔ میری ذرا سی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوتی اور ڈان میری کلائی گرا دیتا۔

بائیں پیر کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہونے لگی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا ٹخنا اتر جائے گا۔ میں نے یکا یک ڈان کا ہاتھ چھوڑا اور قالین پر ذرا گھوم کر بائیں گھٹنے سے ایک اٹھتی ہوئی ضرب لگائی۔ ڈان کا ایک ساتھی کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

اپنے بائیں پیر کو آزادی ملنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ڈان کے پیچھے تین آدمی رہ گئے تھے۔ چوتھا میری بےخبری میں میرے پیچھے آکر میرا پیر کچل رہا تھا تاکہ میں ڈان کے مقابلے پر جما نہ رہ سکوں۔

''ڈان! یہ زیادتی ہے۔'' میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو تیزی سے حرکت دے کر گرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا ''تمہارا آدمی میرا پیر کچل رہا تھا۔''

میری شکایت سن کر ڈان آگ بگولا ہوگیا۔ پلٹ کر اپنی زبان میں گرجنے برسنے لگا۔

بقیہ تینوں نے شاید میری شکایت کی تائید کی۔ ڈان نے وہیں سے ایک لمبی زقند لگائی اور فضا میں اڑتا ہوا اپنے اس آدمی پر جا گرا جو میرے ہاتھوں پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا۔

ڈان نے اسے گریبان سے پکڑ کر بہت بےرحمی سے فرش سے اٹھایا۔ وہ مدافعانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر جلدی جلدی کچھ کہہ رہا تھا۔ یقینی طور پر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ ڈان نے اس کی ایک نہ سنی۔ یکے بعد دیگرے دو زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کیے اور پھر اسے زور سے دھکا دے کر پیچھے گرا دیا۔

اسے سزا دے کر ڈان اپنی زبان میں بڑبڑاتا ہوا واپس لوٹا۔ میرے قریب آکر اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اس بےایمانی میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔'' اس نے سیدھے اور سپاٹ انداز میں انگریزی میں کہا ''یہ وہ لوگ ہیں جو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مقابلہ جتوانے کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ تم میرا بازو نہیں گرا سکے۔ اس کے ساتھ تم نے اپنا بہترین دفاع کیا ہے۔ چند منٹ کی اس آزمائش کے بعد میں تمہارے دم خم کا قائل ہوگیا ہوں۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کی آواز بہت دور، کسی گہرے کنویں سے آرہی ہو۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ مقابلہ نہ جیتنے کے باوجود میں ڈان کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرے لیے وہ ایک عظیم کامیابی تھی۔

سیلرز بار میں پہنچنے کے بعد سے جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ نہایت عجیب اور سنسنی خیز تھا۔ ڈان نے ایک بالا دست کی طرح اپنی مرضی سے سب کچھ طے کیا تھا۔ ایک مرحلے پر مجھے وہ سب نہایت مضحکہ خیز نظر آرہا تھا۔ چھوٹا راجن اور سوبھراج جیسے خطرناک مجرموں کے خاتمے کے لیے تعاون کا فیصلہ دست بدست لڑائی یا بازو گرانے کے مقابلے کے ذریعے کرنا ایک مذاق معلوم ہورہا تھا۔ مجھے شک ہورہا تھا کہ ڈان میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب تک میں نے مقابلے کو بھول کر ڈان کے آدمی کو گھٹنے کی ضرب نہیں لگائی میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ڈان کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ اس کی جیت کے لیے اس کے آدمی نے اس کی پیشگی رضامندی سے میرا پیر کچل کر مجھے ہروانے کی کوشش کی تھی۔ میرا ہاتھ گرانے کے بعد ڈان مجھے ذلیل کرکے اپنے گھر سے نکال دیتا۔

ڈان نے اپنی برہمی سے میرے ان تمام اندیشوں کو باطل ثابت کر دیا تھا۔ میں نے اس سے زور آزمائی کرکے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کی ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی اس کی ہڈیوں میں بہت جان تھی۔ وہ خود جاندار تھا اور حوصلہ مند شہ زوروں کی قدر کرتا تھا۔

ڈان نے پلٹ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ چاروں خاموشی سے اس طرف چلے گئے جہاں دیوار کے ساتھ ان کے لیے بستر لگے ہوئے تھے۔

ڈان مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی ذہنیت کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات اہم تھی کہ اس بار اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے الگ جگہ کا انتخاب کرکے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میری طاقت کا اعتراف کر لینے کے بعد وہ عملی طور پر برابری کی سطح پر آ گیا تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم چھوٹا راجن سے کیا چاہتے ہو۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''دراصل اس سے میری پرانی دشمنی ہے۔ میں......!'' میں نے ازخود اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔

''علی! مجھے ان کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ تم کسی وجہ سے اس کے خون کے پیاسے ہورہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دو برس کے بعد آخرکار ایک ایسا بےجگر نوجوان میرے پاس آیا ہے جو میرے حریف کو بددعائیں دینے کے بجائے اسے واقعی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ مجھے کسی دروغ گوئی کی

ضرورت نہیں تھی۔ ڈان سے سوبھراج کا کوئی ذکر کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کی دشمنی صرف راجن سے تھی۔ اس بغض سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے اپنی ساری گفتگو راجن کی ذات پر مرکوز رکھی تھی۔

''سب سے پہلے میں اسے ہراساں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد جواب دیا ''اسے پتا چل جانا چاہیے کہ اب اسے للکارنے والا میدان میں آ گیا ہے۔''

پہلی بار ڈان کے موٹے موٹے اور سیاہی مائل ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی ''مجھے یہ بات پسند آئی۔ بے خبری میں کوئی بھی کسی کو مار سکتا ہے۔ دشمن کو للکار کر خاک چٹوانے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے تمہیں آدمی درکار ہوں گے۔''

''اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ مجھے مسلح آدمیوں کے ساتھ کچھ بارودی شعبدوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ میں ان کی قیمت ادا کروں گا۔''

''یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیے۔ ڈان کنارہ کش ہوا ہے، ابھی کنگال نہیں ہوا۔ چھوٹا راجن دو برسوں سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے سارے وسائل میں اپنے خرچ پر فراہم کروں گا۔ کمان تمہاری ہوگی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''میرے لیے بس ایک مشکل ہوگی۔ تم غیر ملکی ہو۔ ہماری زبان سے ناواقف ہو۔ مجھے ایسے آدمی تلاش کرنا ہوں گے جو انگریزی بھی سمجھ لیتے ہوں اور تمہارے ساتھ آسانی سے کام کرسکیں۔''

مجھے اچانک اسد کا خیال آ گیا۔ وہ سارے معاملات سے الگ تھلگ کر دیے جانے پر ناراض ناراض سا تھا۔ میں نے ڈان سے کہا ''تم زبان کی فکر نہ کرو۔ اسد انگریزی کے ساتھ تھائی بھی بول لیتا ہے اور میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ اس کے ذریعے میں اپنا کام چلالوں گا۔''

وہ تجویز سن کر اسد کے چہرے پر رونق آ گئی۔

''راجن اور اس کے آدمیوں کو خون میں نہلا دو!'' ڈان کہہ رہا تھا ''میری خواہش ہے کہ کسی بے گناہ کے خون کی ایک بوند بھی نہ بہے۔ یہ میری پوری زندگی کا ریکارڈ ہے۔ اسے داغ دار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاتھیوں کی لڑائی میں مینڈکوں کا پسنا مجھے پسند نہیں ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ میری بھی یہی کوشش ہوگی۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''یہاں کی پولیس سے بچ کر رہنا۔'' اس نے مجھے نصیحت کی ''یہ سختی سے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرتے ہیں۔ ہمارے آپس کے جھگڑوں میں بلاوجہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔ جس پر ہاتھ ڈال دیں اس کی آسانی سے گلوخلاصی نہیں ہوتی۔''

میں اس وقت ڈان کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ میں نے خلوص سے کہا ''میں تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ یہ بتاؤ کہ میں کب سے کام شروع کرسکتا ہوں۔''

''کل آ جاؤ۔ میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔'' اس نے نپے تلے لہجے میں جواب دیا ''میں گیارہ بجے تک ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو جاتا ہوں اور شام تک گھر میں رہتا ہوں۔ چھ بجے بار کھل جاتا ہے۔ اس وقت سے رات گئے تک میں نیچے رہتا ہوں۔ مجھ سے وہاں ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ کوئی ضرورت ہو تو فون پر بات کرسکتے ہو۔''

اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ایک طرف تھائی زبان میں کچھ چھپا ہوا تھا۔ دوسری طرف انگریزی میں سیلرز بار کا نام، پتا اور فون نمبرز موجود تھے۔ کارڈ پر ڈان کا نام کہیں نہیں تھا۔

''موبائل فون پر میں ہر وقت دستیاب ہوتا ہوں۔'' کارڈ دینے کے بعد ڈان نے اپنی بات میں اضافہ کیا ''اس پر میرا نام نہیں ہے لیکن سب کچھ میرا ہے۔''

میں نے کارڈ پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔

''بار میں رش اور بزنس کا وقت شروع ہو گیا ہے۔'' ڈان یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا ''میرا وہاں موجود رہنا ضروری ہے۔''

ہم دونوں بھی اٹھ گئے۔ ڈان کی رہنمائی میں ہم زینے سے نیچے نیم تاریک راہداری میں پہنچے تو بار سے آنے والی ملی جلی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں بنکاک کے زندہ دلوں کا خاصا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ ان انسانی آوازوں کے درمیان بار کے ساؤنڈ سسٹم پر ایک مشہور امریکی نغمے کی گونج بہت نمایاں تھی۔

ڈان نے بار کا رخ کرنے کے بجائے عقبی دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں کے باہر نکلتے ہی وہ وزنی چوبی دروازہ پھرتی سے بند کرلیا گیا۔

ہم سیلرز بار کی عمارت سے شکستہ اور ناہموار، پتلی سی سڑک پر نکل آئے تھے جو زیادہ روشن نہیں تھی اور دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔

اسد تیزی کے ساتھ ایک طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہم ایک لمبا چکر کاٹے بغیر مین روڈ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

''آج تم نے مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر میرا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔'' سیلرز بار سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اسد نے کہا ''تم نے بعد میں بات نہ سنبھالی ہوتی تو آج میرے اور تمہارے درمیان شدید جھڑپ ہو جاتی۔''

''ڈان اور راجن ہمارے لیے درمیان کے آدمی ہیں۔ ان

کے ذریعے ہمیں سوبھراج تک پہنچنا ہے۔ میں اپنے سارے کارڈ ڈان پر ظاہر نہیں کر سکتا۔" میں نے فوری طور پر سوچتے ہوئے بات بنائی۔ "بہتر یہی تھا کہ تمہارا کردار پس منظر میں رہے۔ اب ڈان کے لیے تمہارا کردار صرف ایک مترجم کا ہے۔ وہ تمہیں دوسرے چکروں سے لاتعلق سمجھتا رہے گا۔"

ڈان تمہارے ساتھ مخلص نظر آ رہا ہے اور تم اسے بے رحمی سے غیر متعلق بلکہ بیچ کا آدمی قرار دے رہے ہو۔ ڈان کو تمہارے یہ رائے جان کر صدمہ ہوگا۔"

"تو کیا تم اس سے میری مخبری کرو گے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ اپنے کانوں کو چھو کر بولا "آج میں ڈان سے پہلی بار ملا ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ بہت ٹیڑھا آدمی ہے مگر تم اس سے زیادہ خطرناک ہو۔ تم نے اس کے تکبر سے کھیل کر بہت خوب صورتی سے اسے رام کیا ہے۔"

"بس یہی ہنر ہے جو تم لوگوں سے کام دلاتا رہتا ہے۔ ورنہ تمہارے محکمے میں محنت اور لگن سے کام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔"

"کیا پاکستان میں تم نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے؟" اسد نے غیر متوقع طور پر وہ سوال کر کے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ پچھلے روز بھی اس نے یہی سوال کیا تھا اور میں نے اسے ٹال دیا تھا۔

"میری طرح وہ بھی فری لانسر ہے۔" میں نے اس کے سوال پر کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر کہا "دونوں کی لائن ایک ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اس لیے آج تک اس سے میرا سامنا نہیں ہوا۔ مل جائے تو میری لاٹری نکل آئے گی۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو...... تم اسے پکڑوا دو گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دو ملین یعنی بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ آدمی عیش سے بقیہ زندگی گزار سکتا ہے۔" میں نے اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم بہت عجیب آدمی ہو۔" اسد کی آواز تحیر زدہ تھی "کل تم ڈینی کے گن گا رہے تھے۔ پورے زور و شور سے اس کی وکالت کر رہے تھے اور آج اس سے بدظن نظر آ رہے ہو۔"

"میں کسی سے بدظن نہیں ہوں۔ مجھے اس کی کارکردگی کا بھی پورا اعتراف ہے لیکن یار، یہ تو دیکھو کہ کسی کو بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم مل رہی ہو تو کون دل پر پتھر رکھے......"

اسد نے میری بات کاٹ دی "دولت سب کچھ نہیں ہوتی۔ تمہارے نزدیک عزتِ نفس، قومی وقار اور اپنی زمین سے محبت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میرے سامنے اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ میں نے اپنی زندگی کسی اور ڈھب سے گزاری ہے۔ میں اندر سے بہت مطمئن اور آسودہ ہوں۔ مجھے دولت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے اس کی پیٹھ تھپک کر کہا "میں تمہاری زبان سے یہی سب سننا چاہ رہا تھا۔ امریکیوں کو یہی خلش ہے کہ ان کی طرف سے اتنے بڑے بڑے انعامات کی پیشکش کے باوجود آج تک ڈینی اور ویرا کے خلاف پاکستان سے کوئی آگے نہیں آیا۔ ہمارے لوگ غریب ضرور ہیں، وطن فروش نہیں ہیں۔ دنیا چاہے کتنا ہی زہر اگلتی رہے، وہ جانتے ہیں کہ کون ان کا ہیرو ہے اور کون دشمن!"

"یار، تم عجیب آدمی ہو۔" اسد بدمزگی سے بولا "کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کس موڈ میں بات کر رہے ہو۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ٹوہ لینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے یقین دلایا "رفتہ رفتہ سب کچھ تمہاری سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی غلط خیال سر ابھارے تو فوری طور پر جلال سے بات کر لینا۔ روئے زمین پر شاید میں ڈینی کا سب سے بڑا پرستار ہوں۔ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

ہم مین روڈ پر نکل آئے تھے۔ اسد نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس وقت تک ہم نے راجن کے خلاف کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ خوش قسمتی سے ڈان برنارڈ پہلی ہی ملاقات میں میرے دام میں آ گیا تھا۔ اس نے ہمیں اگلے دن کا وقت دے دیا تھا۔ اس سے دوسری ملاقات سے پہلے ہمارا کچھ نہ کچھ ہوم ورک ہونا ضروری تھا۔ اسد بھی اس معاملے میں میرا ہمنوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر لے جانے کی پیشکش کی جسے میں نے نرمی سے ٹال دیا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ہوٹل میں میرے پاس رک جائے تا کہ میں غزالہ کی موجودگی میں کوئی لائحہ عمل طے کر سکوں۔

میرا خیال تھا کہ اسد ان معاملات میں غزالہ کی شمولیت پر اعتراض کرے گا لیکن اس نے خاموشی سے میری تجویز مان لی۔ میں خود اپنی بیوی کو آگے لانا چاہ رہا تھا تو اسے کیا عذر ہو سکتا تھا۔

مضافات کے راستے عبور کر کے ہماری ٹیکسی بنکاک کی شہری حدود میں داخل ہوئی تو ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا

ہوا تھا۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر لوگوں کی زیادہ بھیڑ تھی۔ چند معروف سڑکوں پر تجارتی ساز و سامان سے لدی پھندی فٹ پاتھوں کے قرب و جوار میں پیدل چلنے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ شہر کے سارے سیاح سڑکوں پر نکلے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ٹریفک سے بچنے کے لیے ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے چند اندرونی راستے اور گلیاں استعمال کیں اور ہم کچھ دیر بعد ہوٹل پہنچ گئے۔

اسد کو کچھ دیر کے لیے ہوٹل کی لابی میں روکنا نا مناسب ہوتا۔ میں اسے ساتھ لے کر اچانک اپنے کمرے میں پہنچ جاتا تو غزالہ کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے لابی کے ایک گوشے سے انٹرکام پر اسے بتا دیا کہ میں چند منٹ میں اسد کے ساتھ اوپر آ رہا تھا۔

اسد ہوشیار آدمی تھا۔ میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ میں سگریٹ خریدنے کے لیے ہوٹل کی ایک اندرونی دکان میں داخل ہوا تو اس نے دیکھ بھال کے بہانے چند منٹ وہیں گزار دیے۔ غزالہ کے لیے وہ مہلت کافی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کمرے میں موجود تھے۔

مغربی معاشرت کے اعتبار سے ہمارے کمرے میں اسد کی موجودگی معیوب تھی کیونکہ وہ اکلوتا کمرا ہماری خواب گاہ بھی تھا مگر وہاں بیٹھنا ہماری مجبوری تھی۔ راجن کے بارے میں کسی کھلے مقام پر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اجنبی سرزمین پر اپنی مادری زبان میں بات کرنے کا فائدہ حاصل ہونے کے باوجود راجن کے نام پر کسی کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔

ہمیں سیلرز بار میں اپنے لبوں کو تر کیے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ ڈان نے ہمارے ساتھ اپنی گرم جوشی کے تمام تر مظاہرے کے باوجود مہمان داری کے نام پر پانی کے ایک گلاس تک کی پیشکش نہیں کی تھی۔ میرے ایما پر غزالہ نے انٹرکام پر روم سروس کو چائے اور کلب سینڈوچز کا آرڈر دے دیا۔

غزالہ کے لیے اسد کی موجودگی میں بے تکلفی کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے میں نے اسے یہ خوش خبری سنا دی کہ ہم ڈان برنارڈ کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''اب اگلے قدم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اسد سے پوچھا۔

''تم ڈان سے کہہ کر آئے ہو کہ فوری طور پر راجن کو ہراساں کرنا چاہو گے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ یہ ارادہ ظاہر کرتے ہوئے تمہارے دماغ میں کیا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں نے وہ بات روانی میں کہہ دی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ راجن اس وقت تھائی لینڈ میں نہیں ہے۔ وہ آ جائے تو اس تک رسائی دشوار ہو گی......''

''وہ ہو یا نہ ہو یہاں اس کے مفادات ہیں۔'' غزالہ نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا ''آپ نے بتایا تھا کہ یہاں اس کے کئی کیسینو اور نائٹ کلب چلتے ہیں۔''

اسد ہمہ تن غزالہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا ''یہ بات میں نے ہی علی کو بتائی تھی۔''

''انہیں نقصان پہنچا کر راجن کو پیغام دیا جا سکتا ہے۔'' غزالہ نے برجستہ کہا۔

''تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے۔ یہ کام نسبتاً آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔'' اسد نے اعتراف کیا ''تمہارے بارے میں میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو رہا ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے تم ایسے معاملات میں کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکو گی۔''

''ان ٹھکانوں کی فہرست تم کو مہیا کرنا ہو گی۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں سے جاتے ہی فہرست تیار کر لوں گا۔ کم از کم تین کیسینو اور دو نائٹ کلب میری نظروں میں ہیں جو بلاشرکت غیرے راجن کی ملکیت ہیں۔''

''یہ کام کی ابتدا ہو گی۔ آگے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ایک مرتبہ آغاز ہو جائے پھر راہیں نکلتی چلی آئیں گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا سوبھراج کے یہاں آنے سے پہلے ایسی کارروائیاں راجن کو ہوشیار نہیں کر دیں گی؟'' غزالہ نے ایک معقول نکتہ اٹھایا۔

''وہ ضرور چوکنا ہو جائے گا۔ ڈان کی تسلی کے لیے ہمیں ایسے اقدام اٹھانا ہوں گے۔'' میں نے وضاحت کی ''اسے راجن سے پرخاش ہے۔ وہ ہر قیمت پر اسے نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سوبھراج ایک نیا نام ہو گا۔ وہ ہمارا مسئلہ ہے۔''

''اب بات سمجھ میں آئی۔'' غزالہ پُرخیال انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر بولی ''آپ نے راجن اور ڈان کی دشمنی سے فائدہ اٹھا کر ڈان کو رام کیا ہے۔''

''اصل بات یہی ہے۔'' اسد نے کہا ''ہمیں سوبھراج کا نام لیے بغیر اس کا کھوج لگانا ہو گا۔ بظاہر ہم راجن کے خلاف کام کر رہے ہوں گے۔''

اسی وقت روم سروس کی ایک مقامی ویٹرس چائے اور سینڈوچز کی ٹرالی لے کر آ گئی اور کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

اس وقت صورتِ حال واضح نہیں تھی۔ چھوٹا راجن نامعلوم وجوہ کی بنا پر بنکاک سے باہر گیا ہوا تھا۔ سوبھراج یقینی طور پر کراچی سے فرار ہو کر ایران پہنچ چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب تک بنکاک کا رخ کرے گا۔ وہ آخری لمحات پر اپنا ارادہ تبدیل کر کے خاموشی سے کسی اور سمت میں نکل جاتا تو ہماری پوری مہم بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

یہ ہماری تقدیر کی خوبی تھی کہ ہمیں ڈان کی حمایت میسر آ گئی تھی۔ اسے ہاتھ میں رکھنے کے لیے ہمارا راجن کے مفادات کے خلاف میدان میں اترنا لازم ہو گیا تھا۔ ڈان کا مان رکھنے کے لیے راجن کے ملکیتی کاروبار کو نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ وہ کام ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں کرنا تھا۔ اس کے لیے ڈان کے آدمیوں کو دھندے سے لگایا جا سکتا تھا۔

چائے نوشی کے درمیان ہم تینوں ان معاملات کے مختلف پہلوؤں پر باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسکرین پر نمودار ہونے والا نمبر دیکھا۔ وہ جلال کی کال تھی۔ میں لمحہ بھر کے لیے الجھن میں پڑ گیا۔ اسد کی موجودگی میں، میں جلال سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ کال منقطع کرنا مناسب نہیں تھا، پتا نہیں اس نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر کس ضرورت کے تحت فون کیا تھا۔

گھنٹی کی آواز پر اسد نے کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ غزالہ کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور کال وصول کر لی۔

''بنکاک میں تمہارا وقت کیسا گزر رہا ہے شہزادے!'' میرے کان میں جلال کی بے تکلفانہ آواز آئی۔ وہ اس وقت اچھے موڈ میں تھا۔

''میں خیریت سے ہوں سر!'' میں نے محتاط ہو کر جواب دیا۔

جلال کے لیے میرا وہ تخاطب اجنبی تھا۔ وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا ''مجھے اتنی عزت دے رہے ہو۔ کون آیا ہوا ہے تمہارے پاس؟''

''اسد بیٹھا ہوا ہے۔ ہم ابھی ڈان برنارڈ سے مل کر آئے ہیں۔'' میری زبان سے اپنا نام سن کر اسد چونکا اور گفتگو روک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ ڈان برنارڈ کیا بلا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''اس پر اسد زیادہ بہتر روشنی ڈال سکے گا۔'' میں نے مودب رہتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی اس سے بھی بات کروں گا۔ میں نے تمہیں دو باتیں بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ بھارتی سفارت خانے کے افسر نے وجے کی لاش اور دوسرے بھارتی شہریوں کو شناخت کر لیا ہے۔ وہ مدافعانہ پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں ہمارے ایما پر ایک ایجنسی نے دو آدمی پکڑ لیے ہیں۔ ان سے باز پرس کی جا رہی ہے۔''

''دونوں خبریں اچھی ہیں۔ ڈینی کا قصہ کہیں نہ کہیں ختم ہونا چاہیے۔ اسد کو اس سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی ہے۔''

اس بار اسد اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ میں جلال سے بات کر رہا تھا لیکن میرے لب و لہجے سے اس نے اتنا ضرور سمجھ لیا تھا کہ میں رتبے میں اپنے سے بڑے آدمی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس بے چارے کے ساتھ کوئی شرارت کی ہے۔ اسے پریشان مت کرو۔ وہ بہت محنتی اور محب وطن آدمی ہے۔''

''میں نے اس سے ذرا سا مذاق کیا تھا جس پر وہ پریشان ہے۔ آپ اسے بتا دیں کہ میں بھی ڈینی کا خیرخواہ ہوں۔''

''میں اس کی الجھن دور کر دوں گا اور ہاں، یہ بھی سن لو کہ وہ دونوں نیویارک پہنچ گئے ہیں۔ اول خان نے آخری لمحات میں اپنا موبائل فون ریٹا کو دے دیا تھا۔ اس نمبر پر بھی رومنگ کھل چکی ہے۔ چاہو تو اس سے بات کر سکتے ہو۔''

''اطلاع دینے کا شکریہ۔ اب میں فون اسد کو دے رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ٹھہرو۔ ڈان برنارڈ کے ذکر سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے وہاں پہنچتے ہی دوڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس وقت راجن اور سوبھراج سے زیادہ اہم تمہاری سلامتی ہے۔ کام ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ تم کو یہاں موجود خطرات کی وجہ سے باہر جانا پڑا ہے۔''

''سب یاد ہے سر! آپ میری فکر نہ کریں اور اسد سے بات کریں۔''

میں نے اپنا موبائل فون اسد کی طرف بڑھا دیا۔ فون ہاتھ میں آتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی پھر اس کی زبان سے مشینی انداز میں سر، سر کی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ بات کرتے ہوئے بلکہ سنتے ہوئے اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

شاید جلال اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ سلسلہ جاری رہا پھر اس نے اپنے باس کو ڈان کے بارے میں اختصار سے بتانا شروع کر دیا۔

وہ افسری اور ماتحتی کا معاملہ تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ جلال اپنے آدمیوں پر مہربان ہونے کے ساتھ ڈسپلن کے معاملے میں بہت

سخت تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ اسد نے فون بند کر کے میرے حوالے کیا اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اچھا ہوا کہ بات اسی وقت صاف ہو گئی۔" چند ثانیوں بعد اس نے رومال سے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے کہا "ڈینی پر مقرر کیے ہوئے انعام کے بارے میں تمہاری حریصانہ باتوں نے ابھی تک مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔ تمہارے صفائی پیش کرنے کے باوجود میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا تھا۔ اس بارے میں تمہیں مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" میں نے مسکرا کر وہ بات وہیں ختم کر دی۔

اسد اگلے روز گیارہ بجے آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

گیارہ بجے اسد نے فون پر اطلاع دی کہ سوبھراج اس رات کی ایئر ایران کی پرواز سے خاموشی سے بنکاک پہنچ گیا تھا۔

اس کے بارے میں ہمارا یہ اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا کہ پاکستان سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بعد وہ غیر ضروری طور پر ایران میں رک کر اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ پہلی فرصت میں بنکاک کا رخ کرے گا جہاں اس کے لیے چھوٹا راجن جیسا میزبان موجود تھا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آمد کی اطلاع سے مجھے دہری خوشی ہوئی تھی۔ اس نے پناہ لینے کے لیے کسی اور ملک کا انتخاب نہیں کیا تھا اور بہت جلد بنکاک آگیا تھا۔

جو لوگ اپنے اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے ایمان داری سے دولت کماتے ہیں وہ کروڑ پتی ہو جانے کے باوجود بے جا اصراف اور نمود نمائش کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ ناجائز ذرائع استعمال کر کے آسانی سے دولت بٹورنے والوں کا حال ان سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر اپنی ثروت اور حیثیت کا مظاہرہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

چھوٹا راجن کا تعلق اس دوسرے قبیلے سے تھا۔ وہ خود بنکاک میں نہیں تھا لیکن اس کے آدمیوں کو سوبھراج کی آمد کا علم تھا۔ اس کے تین مسلح محافظ ایک پرشکوہ بلٹ پروف گاڑی میں ائرپورٹ پہنچے تھے اور سوبھراج کو اپنی حفاظت میں براہِ راست راجن کے گھر لے گئے تھے۔

سوبھراج اپنے ساتھ صرف ایک سوٹ کیس لے کر بنکاک پہنچا تھا۔ اسد کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق سوبھراج جب بھی بنکاک آتا تھا شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے ائرپورٹ سے راجن کے گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

سوبھراج کے لیے حالات نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ پہلے وہ پاکستان کے ایک معزز سیاست دان کی حیثیت سے بنکاک آتا تھا' اس بار وہ پاکستانی قانون کو مطلوب ایک مفرور مجرم تھا جو اپنے ملک کی سرحد کو غیر قانونی طور پر عبور کر کے پڑوسی ملک سے بنکاک پہنچا تھا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ ہوائی اڈے سے راجن کے گھر منتقل ہو کر اس نے اپنی آمد کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی ہو تا کہ اس کی نئی کمین گاہ کا علم نہ ہو سکے۔

اسباب و امکانات کچھ بھی رہے ہوں' یہ خبر بہت بڑی تھی کہ میرا بدترین حریف آخر کار میرے قریب آچکا تھا۔

اسد ہمارے ہوٹل سے رخصت ہو کر سیدھا ہوائی اڈے کی طرف گیا تھا۔ وہاں پتا چلا کہ تہران سے آنے والی پرواز تاخیر سے بنکاک پہنچے گی۔ اس کا کافی وقت انتظار کی کوفت میں برباد ہوا تھا۔ میں نے اس سے طویل گفتگو نہیں کی۔ کام کی چند باتیں معلوم کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

"سوبھراج آگیا ہے اور راجن یہاں سے غائب ہے کیا یہ موقع اسے گھیرنے کے لیے مناسب نہیں ہے؟" غزالہ نے تجسس لہجے میں پوچھا۔

"تم نے سنا نہیں کہ وہ راجن کے گھر میں ٹھہرا ہے۔ وہ گھر کسی ہتھیار بند مورچے سے کم نہیں ہے۔ کسی کا وہاں گھسنا ممکن نہیں ہے۔"

"اسے خاصی ڈھیل مل چکی ہے۔ اب آپ اسے فون کر کے تو پریشان کر ہی سکتے ہیں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے مجھ سے نظریں چرا کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

"جب ریور روڈ والے تصادم کے بعد اسے فون کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" میں نے کہا۔

"آپ آنکھ مچولی کی بات سوچ رہے ہیں میں اسے دھمکانے کا مشورہ دے رہی ہوں۔ اب ہر بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ آپ اس سے دوٹوک بات کر سکتے ہیں۔"

"وہ بھڑک سکتا ہے۔ بنکاک پہنچتے ہی اسے میرا فون موصول ہوا تو اس کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔"

"آپ کو کیا پتا کہ وہ کہاں ہے' سیٹ لائٹ فون پر اس سے دنیا کے ہر حصے میں رابطہ ہو سکتا ہے وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔"

"اسے فون کر کے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟" میں نے چڑ کر پوچھا۔

"ذہنی سکون اور آسودگی۔" اس نے جواب دیا "لڑائی کا

بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے دشمن کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دو۔ مار نہ سکو تو اسے بھگاتے رہو۔ آپ کا ایک فون اس کی راتوں کی نیند حرام کر دے گا۔''

''تمہارے مزاج میں کسی کو اذیت پہنچانے کا عنصر نہیں ہے لیکن بنکاک آنے کے بعد تم رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ میں اس سے کیا کہوں۔''

وہ ہنس پڑی ''باتیں بنانا آپ کا فن ہے۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں۔''

میں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل فون اٹھایا تھا کہ اس کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی اور وہاں اول خان کا فون نمبر دیکھ کر غزالہ سے کہا ''لو! امریکا سے تمہاری چہیتی کا فون آ گیا!''

دوسری طرف واقعی ویرا تھی اور چہک رہی تھی ''میں نے جان بوجھ کر اس وقت فون کیا ہے تم دونوں کسی ہوٹل کے کمرے میں اپنے بستر میں لیٹے ہوئے ہو گے۔''

''اس وقت اور کیا کیا جا سکتا ہے!'' میں نے کہا۔

''قدرت کا کیا نظام ہے تم وہاں گہری رات کے مزے لے رہے ہو۔ میں ناشتا کر کے بیٹھی ہوں اور باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔''

''سورج کی تیز روشنی سے تمہاری آنکھیں چندھیا رہی ہوں گی!''

''چمگادڑوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ راتوں کو جاگنا اور دشمن کی تلاش میں مارے مارے پھرنا تمہارا شوق ہے یہ تم ہی کو مبارک ہو۔''

''کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ دشمن کے پیچھے جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ان خرافات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو۔ سوبھراج کہاں ہے، راجن کا کیا بن رہا ہے۔'' وہ اچانک اپنے مدعا پر آ گئی۔

جب تک وہ میرے ساتھ تھی، میں ہر بات میں اس کا مشورہ ضرور لیتا تھا۔ اس مشاورت میں اکثر کوئی نئی راہ سوجھ جایا کرتی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے ہزاروں میل دور مختلف ماحول میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے ساری تفصیلات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں اسے کوئی ایک بات بتاتا اور وہ بال کی کھال نکالنا شروع کر دیتی۔ گفتگو کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جاتا۔

میرے اور اس کے موبائل فون ہماری اپنی ملکیت نہیں تھے۔ وہ دونوں اول خان بلکہ ایس ٹی ایف کی ملکیت تھے، ہمیں اس میں کارڈ ڈالنا تھا نہ کوئی بل ادا کرنا تھا۔ انٹرنیشنل رومنگ پر طویل فاصلے کی گفتگو کے جاری اخراجات اول خان کے سر جاتے تھے۔ بہتر یہ تھا کہ فون کے استعمال میں احتیاط برتی جاتی۔

میں نے بے پروائی سے کہا ''ابھی ہر طرف سناٹا ہے۔ ہمارے لیے راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ دن میں شہر گھومتے ہیں۔ رات کو پاؤں پسار کر سوتے ہیں۔''

''یہ چند دنوں کی بات ہے۔ جلال کے دیے ہوئے ٹریولرز چیک جلد حلال کرنا پڑیں گے۔''

''یہ سچ تم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تمہارا جوڑی دار کہاں ہے؟''

''وہ میرے لیے ناقابلِ فہم آدمی ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''جہاز میں سوار ہونے کے بعد یوں کھویا کھویا نظر آ رہا تھا جیسے اپنی ماں سے بچھڑا ہوا بچہ...... پتا نہیں اس کی عقل کب بالغ ہو گی۔''

''فکر نہ کرو۔ امریکا میں کچھ دن تمہارے ساتھ رہے گا تو بلوغت کے سارے رموز سمجھ جائے گا۔''

''شاید وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔ لندن سے پرواز کے بعد ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگ گئی اور میری گردن ڈھلک کر اس کے شانے پر ٹک گئی۔ وہ بدک گیا بے دردی سے میری گردن ہٹا کر جہاز کے پچھلے حصے میں چل دیا۔ میں آدھے گھنٹے بعد اسے منا کر سیٹ پر واپس لا سکی۔''

''شاید وہ تمہارے پاس نہیں ہے ورنہ تم یہ ہرزہ سرائی نہیں کر سکتی تھیں۔''

''اب میں نے اسے گھن چکر بنایا ہوا ہے۔'' اس نے ایک جان دار قہقہہ لگا کر بتایا ''میرے الٹے ٹخنے میں موچ آ گئی ہے۔ وہ اس کے لیے اینٹی فلوجسٹین اور بینڈیج خریدنے کے لیے نکلا ہوا ہے۔ پتا نہیں کتنی دیر میں واپس آئے گا۔''

''تمہارے ٹخنے میں موچ کیسے آ گئی؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''میرے پیر میں موچ نہیں آ سکتی۔ وہ تین گھنٹوں سے میرے پیر کو اپنی گود میں لے کر برل کریم سے مالش کر رہا تھا اور مجھے مزہ آ رہا تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر میں نے اپنی تکلیف بڑھا دی اور اسے بازار بھیج دیا۔ اسی طرح اس کی عقل ٹھکانے پر آئے گی۔''

''تم اس کے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ یہ بدسلوکی رنگ لائے گی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''ظلم نہیں یہ پُرامن بقائے باہمی کے نادر حربے ہیں۔ میرے پیر میں موچ آنے سے پہلے وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔ اب میرے لیے پریشان ہے۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''ابھی تم اپنے بدن میں درد

ہونے کی شکایت کرو۔ غزالہ اپنی نیند کو بھول کر ایسی چاہت سے تمہارا بدن دبائے گی کہ تمہاری طبیعت نکھر جائے گی۔ ایسے بے ضرر حیلوں اور بہانوں سے آپس کی محبت بڑھتی ہے۔''

''تم یہ کھیل کھیلنے کے لیے وہاں گئی ہو؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''جب تک کام کا آغاز کرنے کے لیے کوئی سرا نہیں ملتا اسی طرح خوش رہ کر وقت گزارنا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ بل کلنٹن یہاں آکر مجھے پاکستان کے خلاف اپنے سرکاری منصوبوں سے آگاہ کردے۔'' وہ رکے بغیر بولتی چلی گئی۔

وہ نیویارک میں صبح کا وقت تھا۔ ویرا کا ذہن تر و تازہ تھا۔ میں نے بات ختم کرنے کے لیے نرمی سے کہا ''جھوٹ سچ بول کر سلطان شاہ کو تنگ نہ کرو۔ وہ دوسرے ڈھب کا آدمی ہے' میری دعا ہے کہ تم دونوں کے درمیان کوئی تلخی جنم نہ لے۔''

''غزالہ جاگ رہی ہو تو اس سے بھی بات کرادو۔'' ویرا نے میرا ارادہ بھانپ کر کہا۔

''وہ سو چکی ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر جواب دیا۔

''او کے میں رات کو اس سے بات کرلوں گی۔''

''موبائل فون کو اتنی بیدردی سے استعمال نہ کرو۔ یہ اول خان کی مہربانی ہے کہ اس نے چلتے چلتے اپنا سیٹ تمہارے حوالے کردیا۔ اسے اہم ضرورت کے لیے مخصوص رکھو۔ چند روز تک ہم لوگوں سے بات نہیں کرو گی تو قیامت نہیں آجائے گی۔''

''میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے شرافت سے میری بات مان کر مجھے حیران کردیا اور اسی کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔

''کیا آپ سوبھراج سے بات نہیں کریں گے؟'' میں نے جوں ہی فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا' غزالہ نے ایک سوال داغ دیا۔

''صبح دیکھا جائے گا۔ اب بہت دیر ہوگئی ہے۔'' میں نے کسل مندی سے جواب دیا۔

''وہ آپ کا دوست نہیں' دشمن ہے' آپ وقت کی پروا کیوں کررہے ہیں...... رات کے اندھیرے میں لفظوں کی کاٹ بڑھ جاتی ہے' اس وقت وہ زیادہ بے چین ہوگا۔''

غزالہ کی بات درست تھی۔ مجھے اس نابکار کا سیٹ لائٹ فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے تیزی سے سوبھراج کا نمبر ملایا۔

میں نے بولنے میں پہل نہیں کی۔ تیسری گھنٹی کی ادھوری آواز ختم ہونے کے بعد دوسری طرف سے آنے والی آواز کا منتظر رہا پھر میرے کان میں سوبھراج کی مانوس ہیلو گونجی۔

''مجھے دکھ ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو!'' میں نے سرد اور زہریلی آواز میں کہا۔

''اور یہی رنج مجھے بھی ہے۔'' لمحہ بھر کے بعد سوبھراج کی آواز آئی۔

''تم پرلے درجے کے مکار اور دغا باز ہو' مجھے سرحد پار کرانے کا فریب دے کر تم نے قاتلوں کے نرغے میں لینے کا پروگرام بنایا تھا جو الٹا ہوگیا...... کاش تم بھی لنگڑاتے ہوئے وہاں آگئے ہوتے تو وہاں سے تمہارا تابوت واپس جاتا۔''

''ڈینی! تم سے بڑا دھوکے باز میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ تمہاری نیت صاف تھی تو وہاں لشکر لے کر کیوں آئے تھے...... مجھے شروع سے تمہاری نیت پر شک تھا' آخرکار وہ درست ثابت ہوا تم تنہا وہاں آئے ہوتے تو میرے آدمی واقعی تمہیں سرحد پار لے جاتے!''

''دوستوں پر خودکار رائفلیں نہیں تانی جاتیں' خود کو رام کہنے والے نے مجھے اپنے نشانے پر لیا ہوا تھا۔ میں نے تیاری نہ کی ہوئی ہوتی تو وہ میری زندگی کی آخری رات ثابت ہوسکتی تھی۔ تمہارا اوجے اپنی حسرتوں سمیت جہنم میں پہنچا دیا گیا' میں زندہ ہوں۔''

''سازشیں کرنے والوں کی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی' اس کی بھاری اور زہریلی آواز آئی ''تم ایجنسیوں کے سہارے زندہ ہو۔ ان سے مل کر تم نے اس معاملے میں بلاوجہ میرا نام اچھالا ہے' مجھ پر بہتان لگائے ہیں تم کو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔''

''میں تیار ہوں' آؤ اور قیمت لے جاؤ!'' میں نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔

''میں آؤں گا اور اس بار تمہیں ٹھنڈا کر کے لوٹوں گا۔''

''زیادہ ٹھنڈا نہ کرنا۔ مجھے سردی محسوس ہوگی۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا ''تم جیسا بھگوڑا اب کچھ نہیں کرسکتا۔ جو اپنی جان بچانے کے لیے دربدر مارا مارا پھر رہا ہو وہ کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ تم دہشت زدہ ہو کر کراچی سے بھاگ چکے ہو۔''

''کراچی میں تم میری دھول بھی نہیں پاسکو گے۔ میں تمہارے قانون کی گرفت سے بہت دور آچکا ہوں' یہ دہشت نہیں میری مصلحت کا کمال ہے میرا راستہ روکنے کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوسکی۔ میں وہاں سے نکل آیا۔''

''وجے مارا گیا۔ اس کے دو بھارتی ساتھی زندہ پکڑے گئے ہیں۔''

''مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی ''ایجنسیوں کے دلال اخبار...... یہ سب چھاپ چکے ہیں۔''

''یہ نہیں چھاپا کہ ایک بھارتی افسر نے ان تینوں کو اپنا شہری مان لیا ہے۔''

''اس سے میرے لیے کیا فرق پڑے گا؟'' وہ سوال استہزائی تھا۔
''تمہارے خلاف دو نئے زندہ گواہ موجود ہیں۔''
''وہ کاٹھ کے اُلّو ہیں ایک لفظ بھی نہیں بتا سکیں گے۔ جو جانتا تھا وہ اب زندہ نہیں ہے۔'' اس نے فاتحانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا' ''میری یہ بات لکھ لو کہ اب تم بہت جلد مارے جاؤ گے۔''
''مجھے بتا دو کہ تم کہاں ہو۔ میں اپنی گردن سمیت تمہارے پاس آجاؤں گا۔''
''اب یہ کھیل ختم ہوگیا۔ روز اول سے مجھے تمہاری نیت پر بھروسا تھا نہ تم مجھ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار تھے۔ دونوں خود کو ہوشیار سمجھ کر ایک دوسرے پر چالیں چل رہے تھے' شطرنج کھیل رہے تھے۔ اب یہ بساط الٹ چکی ہے۔ ہمت ہے تو مجھے ڈھونڈ لو ورنہ میں تم تک پہنچ کر تمہارا کام تمام کردوں گا۔ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میری تقدیر بگاڑنے میں شروع سے تمہارا دخل رہا ہے۔ یہ میری بھاری غلطی تھی کہ شروع میں میں نے تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ لیا' غنیمت ہے کہ میرا وہ گمان زیادہ دیر باقی نہیں رہا۔ میں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ ہزاروں کی بھیڑ میں دوبارہ دیکھا تو ایک نظر میں پہچان لوں گا تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔''
''کون بچتا ہے اور کون اپنے انجام کو پہنچتا ہے' یہ آنے والا وقت بتائے گا۔'' میں نے سرد لہجے میں وہ بات کہہ کر فون بند کردیا۔

بنکاک پہنچنے کے بعد مجھے کسی بھی لمحے تنہائی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ احساس بے کاری سے جنم لیتا ہے اور میں وہاں آنے کے بعد ایک دن بھی بیکار نہیں رہا تھا۔ اسد سے ملاقات ہونے کے بعد ڈان برنارڈ تک رسائی کی راہ نکلی تھی اور پھر سوبھراج کے وہاں پہنچنے کی خبر نے حالات میں مزید گرمی آنے کا امکان پیدا کردیا تھا۔

غزالہ بھی اس پیش رفت پر خوش تھی۔ پاکستان سے روانہ ہوتے ہوئے وہ یہ سوچ کر اداس تھی کہ ہم اپنی مرضی سے اپنا ملک اور شہر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہمارے خلاف پیدا ہوجانے والے حالات کے جبر نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم بنکاک پہنچ کر بے کاری اور جلاوطنی کے عالم میں اپنا وقت بسر کریں گے۔ ان امکانات کے باوجود اس نے سفر کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ وہ خود بھی اس بات سے پریشان رہتی تھی کہ ہمارے خلاف غیر ملکی دشمنوں کی سازشیں روز بروز زور پکڑتی جارہی تھیں۔ اس نے کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حالات کے اس گرداب سے نکلنے کے لیے مجھے کچھ عرصے کے لیے خاموشی کے ساتھ ملک سے باہر نکل جانا چاہیے۔ اس سفر کے لیے ہمیں زیادہ منصوبہ بندی کی مہلت نہیں ملی تھی۔ حالات خود بخود اس نہج پر آگئے تھے کہ آخرکار ہم پاکستان سے باہر آگئے تھے۔

اگلی صبح اسد اپنے وعدے کے مطابق گیارہ بجے آگیا اور میں نے اسے اوپر اپنے کمرے میں بلالیا۔

اس نے آتے ہی سلام دعا کے بعد پچھلے روز کے دو پاکستانی اخبار میرے سامنے ڈال دیے۔ دیار غیر میں اپنے وطن سے آئے ہوئے ہر سند یسے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ پورے اخبار تھے میں نے جوں ہی ایک اخبار کی تہ کھولی' پہلے صفحے کے نچلے حصے میں چھپے ہوئے بڑے سے اشتہار پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں جلال کے الفاظ تازہ ہوگئے۔

اس نے اپنی پہلی کال میں ہی مجھے بتا دیا تھا کہ پچھلے دن کے اخبارات میں امریکیوں نے میرے اور ویرا کے خلاف نمایاں انعامی اشتہارات چھپوائے تھے۔ اسد کی مہربانی سے ان میں سے ایک اشتہار اس وقت میرے سامنے تھا۔

اشتہاری متن مختصر اور بہت نمایاں تھا۔ ماضی کے مقابلے میں اس میں کئی تبدیلیاں کردی گئی تھیں جو چونکا دینے والی تھیں۔

اس بار انہوں نے مجھے مفرور اشتہاری مجرم قرار دیا تھا۔ پاکستان میں میرے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر کے اندراج کے بغیر مجھے باضابطہ طور پر مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ ان لوگوں نے ہاکس بے پر سی ہٹ کے خونیں واقعے کو بنیاد بنا کر مجھے ملزم نامزد کیا تھا۔ اس بارے میں وہ بڑی حد تک حق بجانب تھے کیونکہ ان کے دو تربیت یافتہ کمانڈوز میرے ہاتھوں ان زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے جو میری ذات سے منسوب ہوکر رہ گئی تھیں۔

پہلے بیم گن میری شناخت ہوا کرتی تھی بعد میں زہریلی سوئیوں کا چرچا شروع ہوگیا۔ یہ بات کسی کے علم میں نہیں آسکی تھی کہ وہ سریع الاثر زہر سوئیوں کے ذریعے میرے شکار کے جسم میں داخل نہیں ہوتا تھا' اس کا مخرج وہ کھوکھلے اور زہر سے بھرے ہوئے مصنوعی نگینے تھے جو اول خان سے ملنے والی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے تھے۔

اشتہار میں میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دھندلائی ہوئی ناقابل شناخت تصویر کو انہوں نے سرے سے حذف کردیا تھا البتہ ویرا کی پرانی تصویر بہت واضح تھی۔ ہم دونوں پر سنگین الزامات عائد کیے گئے تھے اور ہمیں پاکستانی قانون کے ساتھ بعض امریکی قوانین کا مجرم بھی قرار دیا گیا تھا۔ ہم دونوں کے بارے میں کارآمد مخبری کرنے والوں کے لیے دو ملین ڈالر کے الگ الگ انعام کے ساتھ مکمل رازداری' تحفظ اور مستقل امریکی شہریت فراہم کرنے کے اعلان اخبار میں موجود تھے۔

میں نے دوسرے اخبار کا جائزہ لیا۔ اس کے پہلے صفحے پر

بھی وہی اشتہار من وعن موجود تھا۔
جلال کی زبان سے اشتہارات کا ذکر سن کر میں نے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ امریکیوں کی طرف سے ماضی میں کسی نہ کسی قانونی سہارے کے ساتھ وہ اشتہار آتے رہے تھے لیکن اسد کے لائے ہوئے اخبارات دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔
اول خان نے مجھے یہ بتایا تھا کہ امریکیوں نے ہاکس بے کے تفریحی مقام پر ہونے والے تصادم کے بعد میرے خلاف خاموشی سے ایف آئی آر درج کرادی تھی اور اسی وجہ سے میری پاکستان میں موجودگی مخدوش ہوگئی تھی۔ جلال نے البتہ وہ حقیقت چھپا کر اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر دیا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان سے باہر نکل جاؤں۔ آخر کار وہ اپنی ان مخلصانہ کوششوں میں کامیاب ہوگیا تھا۔
جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا' ماضی میں انہوں نے ویرا کو اپنا قومی مجرم بنا کر مجھے اس کے سرگرم معاون کے طور پر اپنا ہدف بنایا تھا۔ میرے خلاف قتلِ عمد کی شکایات کے اندراج کے بعد انہیں اس آڑ موڑ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں براہِ راست ان کی دسترس میں آگیا تھا۔
کراچی سے بنکاک کے لیے روانہ ہونے تک مجھے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ میرے خلاف حالات کتنا خطرناک رخ اختیار کر چکے تھے۔ جلال کے رویے کو میں احتیاط اور دوست نوازی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا جب کہ وہ دباؤ میں آیا ہوا تھا۔
یہ اوپر سے آنے والے اسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے پاکستان سے نکل آنے کے بعد کراچی میں دو افراد کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا گیا تھا تاکہ امریکیوں کا منہ بند کیا جاسکے۔
مجھے ماننا پڑا کہ جلال نے اس معاملے میں بھی بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان دونوں کو اس کے محکمے نے نہیں پکڑا تھا' ان کے ایما پر کسی اور ایجنسی نے گرفتار کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دونوں بے گناہ نہیں ہوں گے۔ یقینی طور پر سنگین جرائم میں ملوث رہے ہوں۔ ان کے ریکارڈ کی پوری جانچ پڑتال کے بعد ان پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔
وہ لوگ شبہے میں کسی ایک شخص کو گرفتار کرتے تو باز پرس کے سلسلے میں امریکی اس کی زندگی جہنم بنا سکتے تھے۔ ان کے آدمی مارے جا رہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر تفتیش میں شامل رہنے کی کوشش کرتے اور کامیاب ہوجاتے' پھر اکلوتے ملزم سے ڈینی ہونے کا اقبالی بیان لینے کے لیے اپنی پوری کوششیں صرف کر دیتے۔ دو ملزموں کی گرفتاری سے وہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ یقین میں بے یقینی اور تذبذب کا عنصر غالب آگیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت ڈینی نہیں ہوسکتے تھے۔ تفتیشی حکام کا بے یقینی کا رویہ ان دونوں کو بہت سے ناگفتہ مصائب سے بچا سکتا تھا۔
وقت کو ٹالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی راہ نہیں ہوسکتی تھی۔ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے بعد میری تلاش کی مہم ٹھنڈی پڑ جاتی۔ کچھ دن دونوں ملزموں سے تفتیش میں گزر جاتے۔ آخر کار یہ ثابت ہوجاتا کہ اپنی ناپسندیدہ اور غیر قانونی سرگرمیوں کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ڈینی نہیں تھا۔ قصہ وہیں ختم ہوجاتا اور امریکی تفتیش کار مایوسی کے عالم میں اپنے بال نوچتے رہ جاتے۔
اس ناکامی کے بعد میری تلاش کی مہم دوبارہ شروع ہو جاتی۔ اس میں کوئی جوش ہوتا نہ جذبہ۔ وہ کاغذی خانہ پری کے لیے چلائی جانے والی ایک روایتی مہم ہوتی۔ امریکی تھک ہار کر خاموش ہوجاتے۔ کسی اگلے بڑے واقعے تک کے لیے ہر محاذ پر خاموشی چھا جاتی۔
میری پاکستان سے روانگی تک صورتِ حال واقعی بہت نازک تھی جسے بہت ہوش مندی کے ساتھ ٹالنے کا عمل بدستور جاری تھا۔ میرے تجزیے کے مطابق مایوسی اور جھنجلاہٹ ایک مرتبہ پھر میرے سفید فام دشمنوں کا مقدر بننے والی تھی۔
''تم نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح ڈینی کی جان کے درپے ہیں۔'' اسد نے مجھ سے کہا'' وہ اسے زندہ یا مردہ' کسی بھی حالت میں پکڑنا چاہتے ہیں۔''
''لوگوں کی بات کر کے تم نے مجھے بھی لپیٹ لیا ہے۔ لوگ نہیں صرف امریکی اہلکار کہو۔'' میں نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی'' تم نے بہت اچھا کیا کہ کل کے اخبارات اپنے ساتھ لے آئے۔ انہیں دیکھے بغیر کسی بات کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''
''میں ایک نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' اس نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا'' امریکی ہر محبِ وطن پاکستانی کے بدترین دشمن ہیں۔ ایٹمی استعداد کے میدان میں ترقی سے روزمرہ کاروبار تک میں یہی صورت کارفرما ہے۔''
''ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔'' غزالہ نے لقمہ دیا'' ان کی دوستی ایسی ہے تو دشمنی کیا ہوگی!''
''ان کے حکمراں طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر زمین' آسمان اور سمندروں میں اپنی بڑائی کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب دنیا ان کی مرضی پر چلے۔ جو اس راہ پر چلنے سے انکار کرے' اس کا سر کچل دیا جائے۔'' میں نے کہا۔
''اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' اسد بولا'' سب مل کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے یا وہ سب کی سب بستیوں کو تاراج کر دیں گے۔''

''یہ عالمی سیاست کی باتیں ہیں۔ ان کا رخ موڑنا ہمارے بس سے باہر ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اپنے ضمیر کے مطابق کام کر رہے ہیں۔''

''میں مختصر سی ملاقاتوں میں تمہاری کارکردگی کا قائل ہو گیا ہوں۔ تم نے جس طرح ڈان کو رام کیا ہے وہ ناقابل یقین ہے۔ اپنے مخاطب کی بات کو سننا' سمجھنا اور پھر اس کے دل کی تحریر پڑھ کر اسے برجستہ جواب دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ سچ پوچھو تو کل انعام کے لانچ میں تمہاری زبان سے ڈینی کو پکڑوانے کا ذکر سن کر میرے ذہن میں بیک وقت دو متضاد خیالات آئے تھے۔''

''وہ کیا؟'' غزالہ نے اخبار ایک طرف ڈال کر بے اختیار سوال کیا۔

''تم خود ڈینی ہو اور نام بدل کر یہاں آئے ہو یا پھر واقعی اس کے بدترین دشمن ہو!'' اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''کوئی بھی عام پاکستانی اس کے بارے میں سفاکی سے بات نہیں کر سکتا۔''

''اسد! خدا کا خوف کرو۔ کسی کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو میری زندگی عذاب ہو جائے گی۔ مجھے وہی رہنے دو جو میں ہوں۔ مجھے دنیا جہان سے لڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں نے وہ بات یوں ہی مذاق میں کہہ دی تھی۔''

''وہ ایک خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا اور گزر گیا۔'' وہ ہنس کر بولا ''رات کو جلال صاحب نے بتایا کہ تم ڈینی کے بہت بڑے غائبانہ مداح ہو۔''

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ کام کا کیا رہا۔'' میں نے یکا یک موضوع بدل دیا۔

''یہ پانچ نام اور پتے ہیں۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا ''دو نائٹ کلب اور تین کیسینو' سب راجن کی ملکیت ہیں اس کا چھٹا اڈا وائٹ ہاک ہے جو کھلے سمندر میں اپنی جگہیں بدلتا رہتا ہے۔ آج کل ہاربر سے دو ناٹ کے فاصلے پر ایک دلدلی جزیرے کے قریب لنگر انداز ہے۔''

''یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ ڈان بھی راجن کے ان ٹھکانوں کے بارے میں جانتا ہوگا۔'' وہ سوال کرتے ہوئے میں نے کاغذ پڑھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ میز پر رہ گیا۔

''یہ ایک کھلا راز ہے۔ ڈان کو علم ہونا چاہیے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی بات جاری رکھنے کے لیے وہ موزوں الفاظ کی تلاش میں تھا۔

''رات کو میں نے بہت غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فی الحال مجھے تمہارے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہیے۔ ابتدائی مراحل تم خود طے کر سکتے ہو!'' آخر اس نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آ گیا؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''ابھی راجن کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا مرحلہ ہے۔ یہ کام تم ڈان کے آدمیوں سے لو گے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ میں الگ رہوں۔''

''کل تم دودھ میں سے مکھی کی طرح نکالے جانے کی شکایت کر رہے تھے۔ آج ایک نئی بات کیوں کر رہے ہو۔ کیا میری کوئی بات بری لگی ہے؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا ''تمہاری کوئی بات بری لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دو تین دنوں میں تم سے عجیب سی اپنائیت محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ قصہ کچھ اور ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میری جلال صاحب سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کرنے کی ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔''

''اوہ......! تو تم جلال سے بھی بات کر چکے ہو۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''پتا تو چلے کہ قصہ کیا ہے' ایسی کیا بات ہوئی ہے کہ تمہیں اپنے افسر سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آ گئی؟''

''صاف بات یہ ہے کہ تھائی لینڈ پاکستان کا دوست ملک ہے' یہاں راجن کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا تو امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ زیادہ واضح الفاظ میں ایسی کارروائیاں دہشت گردی کے زمرے میں شمار کی جائیں گی......''

''آگے بولو!'' اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

''ہر کام کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے' تم بھی کرو گے۔'' اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا ''یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہر کام ہمارے منصوبے کے مطابق پورا ہو۔ کوئی ناکامی ہوئی اور ڈان کا کوئی آدمی دھر لیا گیا تو میرا نام کھلنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سرکاری پوزیشن میں تعینات ہوں۔ ایسی کسی ناکامی کے اثرات بہت دور رس ہوں گے جنہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔''

''یہی خطرہ مجھے بھی لاحق ہو سکتا ہے میرے بارے میں تم کیا کہو گے؟''

''تم پاکستانی ضرور ہو مگر انفرادی حیثیت میں یہاں آئے ہو۔ میری اور تمہاری پوزیشن میں فرق ہے۔ خدانخواستہ تمہارے ساتھ کچھ ہوتا ہے تو تمہارے اعمال کی ذمے داری پاکستانی حکومت پر نہیں ڈالی جا سکے گی۔ انفرادی طور پر کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''پھر تو تم کہیں بھی میرا ساتھ نہیں دے سکو گے!''

''تم نے میری بات پر غور نہیں کیا، میں کہہ رہا ہوں کہ ابتدائی مرحلہ میری شمولیت کے بغیر بھی طے کیا جاسکتا ہے اس میں میرا کوئی اہم کردار نہیں ہے۔ جہاں ضروری ہوا میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔ یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ رہا ہوں۔''

وہ محتاط روی ان لوگوں کا خاصہ تھی۔ میں پاکستان میں بارہا ایسے تجربات سے گزر چکا تھا۔ وہ لوگ کسی کام سے منہ نہیں موڑتے تھے لیکن ہمیشہ اپنا دامن بچا کر چلنے کے عادی تھے۔

''شاید آج مجھے اکیلا جانا پڑے گا!'' میں نے اس سے تائید چاہی۔

''میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ فیصلہ تمہارا ہوگا میں اس کی پوری پابندی کروں گا۔ تم کہو تو میں تمہارے ساتھ ڈان کے گھر جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

''ٹھیک ہے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کوشش کروں گا کہ تمہارے بغیر کام چل جائے۔ کل میں نے ڈان سے تمہارے مترجم ہونے کا ذکر کردیا تھا۔ دعا کرو کہ اس کے بلائے ہوئے آدمی انگریزی میں کورے نہ ہوں۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کہیں کوئی ضرورت یا مجبوری پیش آگئی تو میں حاضر ہوں۔ مجھے تمہارا ساتھ دینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ کوشش یہ ہے کہ خطرات سے بچ کر چلا جائے۔''

''مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ انتخاب کے بعد تم سب کی ایک ہی سانچے میں برین واشنگ کی جاتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''مشترک معاملات پر سب ایک بولی بولتے ہیں۔''

''کل رات تم جس بے تکلفی سے فون پر جلال صاحب سے بات کررہے تھے اس کی وجہ سے میرے دل میں تمہاری قدرومنزلت بہت بڑھ گئی ہے۔''

''بے تکلفی!'' میں نے حیرت سے کہا ''تم نے غور نہیں کیا میں اس سے بہت ادب سے بات کررہا تھا۔''

''علی! میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ جناب سے مخاطب کے باوجود تمہارے انداز میں بے تکلفی تھی۔ اب بھی تم برابری سے ان کا ذکر کررہے ہو۔ وہ بہت سخت اور ایمان دار افسر ہیں۔ اپنے سے جونیئر افراد سے زیادہ بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے۔''

''مجھے ان باتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ میری عزت افزائی پر تلے ہوئے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

میرے لیے راجن کے سب ٹھکانے اہم تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت وائٹ ہاک کی تھی۔ اسد سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں وہ راجن کی تازہ ترین اور سب سے بڑی سرمایہ کاری تھی۔ جس پر اسے خود بھی ناز تھا۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وائٹ ہاک شہری بندرگاہ سے کافی دور کھلے سمندر میں لنگر انداز تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ معزز مہمانوں اور گاہکوں کو شہر سے اس لگژری بوٹ تک پہنچانے کے لیے شہری گھاٹ سے بوٹ تک چھوٹی موٹر بوٹس چلتی ہوں گی۔ شہری حدود سے باہر کھلے سمندر کے سینے پر موجود وہ بحری عشرت کدہ بنکاک کے قانون کی دسترس سے آزاد تھا۔ اسد کی زبان سے پہلی بار وائٹ ہاک کا ذکر سن کر مجھے خیال آیا تھا کہ ایک غوطہ خور کے ساتھ کسی چھوٹی اور برق رفتار موٹر بوٹ میں وائٹ ہاک تک پہنچ کر اس کے نیچے کوئی واٹر پروف بم نصب کردیا جائے تو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وائٹ ہاک کو کسی بھی وقت اڑایا جاسکتا تھا۔

سوچنے کی حد تک وہ کام بہت آسان اور سنسنی خیز تھا لیکن عملی طور پر اس کی راہ میں بہت سی دشواریاں تھیں، سب سے بڑا خطرہ وائٹ ہاک پر مامور مسلح محافظوں کی طرف سے تھا۔ راجن نے بوٹ خریدنے سے پہلے یہ امکان اپنے ذہن میں رکھا ہوگا کہ اس کے بحری اڈے پر سمندر کی راہ سے کوئی حریف یا حاسد حملہ آور ہوسکتا ہے۔

برا آدمی کوئی بھی منصوبہ بناتا ہے تو سب سے پہلے اس کے برے پہلوؤں پر غور کرتا ہے۔ چھوٹا راجن اپنی ظاہری حیثیت اور امارت کے باوجود زیر زمین دنیا کا ایک برا آدمی تھا۔ وہ بنکاک میں ڈان پر نارڈ سے نبرد آزما بھی رہ چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے وائٹ ہاک جیسی بیش قیمت بوٹ کے تحفظ کا کوئی پہلو نظرانداز کردیا ہوگا۔

اسد بھی وائٹ ہاک پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے سہ منزلہ بوٹ کو افتتاحی تقریب کے موقع پر دور سے دیکھا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ شام کے تفریحی اوقات میں اس پر ڈیڑھ دو سو افراد کے سمانے کی گنجائش تھی۔ ان آنے جانے والوں کے علاوہ بوٹ پر ہر وقت مامور رہنے والے ملازموں کی تعداد بھی قابل لحاظ ہونی چاہیے تھی۔ بار، ریستوران اور چھوٹے کیبنوں میں مدہوش جوڑوں کو جملہ خدمات مہیا کرنے والے راجن کے ملازم ضرور تھے لیکن سب کے سب مجرم نہیں ہوسکتے تھے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں ان بے چاروں کی موت یقینی تھی۔

میں نے راجن کی بوٹ کا خیال ترک کردیا۔ دوسری پانچ میں سے چار جگہوں پر ہر عام آدمی تفریح کے لیے جاسکتا تھا لیکن گولڈن ڈریگن نامی کیسینو کا معاملہ مختلف تھا۔

اس زمینی جوئے خانے کے حفاظتی انتظامات وائٹ ہاک سے کم نہیں تھے۔ وہاں داخلے کے لیے رکنیت کی کوئی پابندی نہیں

تھی لیکن آنے والے کا شکل وصورت اور لباس سے معزز و معقول نظر آنا ضروری تھا۔

اسد سے ان موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہو جانے کے بعد میں چند منٹ میں تیار ہو گیا پھر ہم دونوں غزالہ کو الوداع کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

اسد کو ڈاک، فون اور فیکس کے ذریعے آنے والے پیغامات وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیے اپنے دفتر جانا ضروری تھا۔ بنکاک کے گنجان ٹریفک کی وجہ سے اس نے ذاتی گاڑی کا روگ نہیں پالا تھا۔ اس کی آمد ورفت کا انحصار پبلک ٹرانسپورٹ پر تھا۔ وہ ہوٹل سے ٹیکسی میں میرے ساتھ روانہ ہوا اور پھر ایک قریبی بس اسٹاپ پر اتر گیا۔

اسے اتارنے کے بعد ٹیکسی آگے روانہ ہو گئی۔

سیلرز بار بنکاک میں مشہور تھا۔ ڈرائیور اس کا نام سنتے ہی کسی حیل وحجت کے بغیر روانگی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اسد کو اتارنے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

''تم سیلرز بار کیوں جا رہے ہو؟'' میرے لیے اس کا پہلا سوال چونکا دینے والا ثابت ہوا۔ ''وہ تو اس وقت بند ہو گا۔''

اس کا دوسرا فقرہ سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''مجھے وہاں نہیں اس کے قریب جانا ہے۔''

''تم ٹورسٹ معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے پاس وقت ہو تو میں تمہیں بعض بہترین مقامات کی سیر کرا سکتا ہوں۔ میرا شہر بہت خوب صورت اور رنگینیوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''اگر تم ہمیشہ ہلٹن کے باہر ہوتے ہو تو پھر کسی وقت تمہارے ساتھ گھوموں گا۔ اس وقت مجھے ایک جاننے والے سے ضروری کام ہے۔''

''ادھر کاسٹ یونیورسٹی کے پاس سیام پارک سٹی ہے بہت خوب صورت جگہ ہے' چاہو تو یہاں سے دس منٹ کے فاصلے پر مگرمچھوں کے فارم کی سیر کر سکتے ہو۔ میجک لینڈ یہیں شہر میں ہے۔ شہر میں بہت سے قابل دید بدھ مندر اور پگوڈا ہیں۔ ان میں گھس کر آدمی صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے۔ گولڈن پیلس ضرور دیکھنا' وہاں تم بدھا کی جڑاؤ مورتی کو دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

وہ بولے جا رہا تھا اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ مجھے ان لچھے دار باتوں میں الجھا کر کب اپنی پٹری بدلتا ہے۔

وہ بے چارہ رک رک کر مجھے اپنے شہر کے تاریخی ورثے کے بارے میں بتاتا رہا۔ اپنے ملک کے لیے وہ بار بار سیام کا متروک نام استعمال کر رہا تھا۔ جب اس نے کافی دیر تک زندہ حسن و نزاکت کا کوئی ذکر نہیں کیا تو میں نے اسے ٹوک دیا ''میں نے سنا ہے کہ یہاں کی لڑکیاں بہت مہمان نواز ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہیں!'' اس کی دھیمی آواز میں مایوسی اتر آئی ''روزی کمانے کے لیے لڑکیاں ہر قسم کے کام کرتی ہیں مگر ان کی زیادہ آمدنی دلال لوٹ لیتے ہیں۔ اس کام میں بہت آمدنی ہے مگر میں لڑکیوں کی دلالی نہیں کرتا۔ تمہیں قدم قدم پر ایسے ٹیکسی ڈرائیور مل جائیں گے جو بہت شوق سے یہ کام کرتے ہیں انہوں نے مجھ جیسے لوگوں کو بھی بدنام کیا ہوا ہے۔''

میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ پانچوں انگلیاں واقعی برابر نہیں ہوتیں۔ اس ایک سادہ لوح شخص نے پل بھر میں بنکاک کے بارے میں میرا تصور بدل کر رکھ دیا۔ پتا نہیں شہر میں اس جیسے کتنے ڈرائیور ہوں گے۔ مجھے ندامت ہونے لگی کہ میں نے اس سے وہ ذو معنی سوال کیوں کیا تھا۔

وہ اپنے شہر میں ہونے والے جنس کے بیوپار سے خوش نہیں تھا۔ اس کی ناخوشی کا اندازہ اس کے کہے ہوئے چند فقروں سے ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

میرے سوال نے شاید اسے آزردہ کر دیا تھا۔ اسے بھی چپ لگ گئی اور سفر خاموشی کے ساتھ طے ہونے لگا۔

''ہم قریب آ گئے ہیں۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد ڈرائیور نے مجھے آگاہ کیا ''جہاں گاڑی رکوانی ہو مجھے بتا دینا۔''

ڈرائیور کا وہ اعلان سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنی نظریں تیزی سے پیچھے دوڑتے ہوئے مناظر پر مرکوز کر دیں۔

پچھلی بار اسد میرے ساتھ تھا۔ آپس کی باتوں میں' میں نے راستے پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دوسری بار مجھے تنہا ادھر آنا ہو گا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر دیکھتا رہا میرے لیے سب کچھ اجنبی تھا۔

یکایک ڈرائیور نے ٹیکسی کے بریک لگائے اور اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ مجھے سامنے ہی سیلرز بار کا نمایاں سائن بورڈ نظر آیا جو اس وقت روشن نہیں تھا۔

''تم یہاں بالکل نئے معلوم ہوتے ہو۔'' ڈرائیور نے کرایہ وصول کرتے ہوئے ہنس کر کہا ''یہ کوئی اچھا علاقہ نہیں ہے۔ ذرا اپنی جیب سے ہوشیار رہنا۔ یہاں ٹھگ بھی گھومتے رہتے ہیں جو نوادرات کے نام پر بے وقعت نقلی چیزیں لوگوں کو بیچ دیتے ہیں۔''

''مفت مشوروں کا شکریہ' میں یہاں اتنا نیا بھی نہیں ہوں۔''

مجھے بار سے ذرا آگے جانا ہے۔" یہ کہہ کر میں ٹیکسی سے اتر گیا۔
میرا اندازہ تھا کہ سیلرز بار کی عقبی گلی سے دونوں سمتوں میں باہر نکلنے کا راستہ ہوگا۔ میں نے بار کے بند دروازے پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور بے فکری سے آگے چل دیا۔
پچھلی گلی اس وقت بھی تقریباً سنسان پڑی ہوئی تھی۔ راستے میں دو بچے اپنی سائیکل کی اتری ہوئی چین چڑھانے میں مصروف نظر آئے۔ میں مسکرا کر ان کی طرف دیکھتا ہوا آگے نکل گیا۔
وہاں بنے ہوئے مکانات کا سامنے کا حصہ بہت سجا بنا ہوا تھا۔ دکانوں کی آرائش کی بات ہی کیا تھی۔ دن کی روشنی میں اس گلی میں گھسنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ کسی واضح نشانی کے بغیر پیچھے سے کسی مکان یا دکان کا پہچاننا تقریباً ناممکن تھا' پیچھے سے ہر عمارت اپنے مکینوں کی غفلت کا شکوہ کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔
میں رات کے اندھیرے میں سیلرز بار کے پیچھے سے نکلا تھا۔ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اس گلی سے سیلرز بار کی عمارت کو پہچاننا مشکل نہ ہو جائے۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ کسی دشواری کی صورت میں سامنے جا کر سرے سے عمارتیں گنوں گا اور پھر پیچھے آ کر اسی گنتی کے سہارے ڈان کے دروازے تک پہنچ جاؤں گا۔
غنیمت ہوا کہ وہ نوبت نہیں آئی۔ سیلرز بار کا سیاہ چوبی دروازہ اس گلی میں سب سے نمایاں تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر چوکھٹ پر لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔
مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازہ کھل گیا میرے سامنے چست پھول دار کپڑوں میں ملبوس ایک دھان پان سی لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلی رات وہ نیلی وردی پہنے بار کی میزیں وغیرہ درست کرتی پھر رہی تھی۔
"میرا نام علی ہے...... میں ڈان سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔
"ٹھہرو...... میں پوچھتی ہوں۔" مجھے جواب دے کر لڑکی دروازہ بند کر رہی تھی کہ اندر سے یا شاید اوپر سے ڈان کی دبنگ آواز آئی وہ اپنی زبان میں لڑکی سے کچھ پوچھ رہا تھا۔
ان دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے کھل گیا۔ لڑکی نے راہ دی اور میں اندر داخل ہو گیا۔
دروازہ بند ہوتے ہی سیلرز بار کی عقبی راہ داری میں رات جیسا نیم اندھیرا پھیل گیا۔
"اوپر آ جاؤ!" ڈان کی آواز سنائی دی اور میں چوبی زینوں پر بڑھ گیا۔ لڑکی نیچے رہ گئی۔
ڈان اوپر کا دروازہ کھولے میرا منتظر تھا۔ اس وقت وہ قمیص اور جینز کے بجائے سفید سلک کے پاجامے اور گاؤن میں ملبوس تھا۔
ڈان نے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرا دل خوش کر دیا۔ مجھے وہ عزت مل رہی تھی جس کا میں طلب گار تھا۔
ڈان دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے رہائشی ہال میں داخل ہوا تو وہاں اس کے چاروں چیلوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔ مجھے ان کے نہ ہونے کے بارے میں تجسس ضرور ہوا مگر میں خاموش رہا۔ کوئی غیر متعلقہ سوال کر کے میں ڈان کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔
"تم ہلٹن میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" ڈان نے اپنی مسہری پر بیٹھ کر پہلا سوال کیا۔
میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ڈان اتنا سیدھا اور بے ضرر نہیں تھا جتنا مجھے نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔
"چھوٹا راجن سے لڑنے کے لیے آئے ہو تو اپنی خوب صورت بیوی کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟" ڈان نے دوسرا سوال کر کے اپنی باخبری کا مربیانہ اظہار کیا۔
"بیوی ہونے کے ساتھ وہ میری دستِ راست بھی ہے۔ مارشل آرٹس جانتی ہے، لڑنے پر آ جائے تو جان دار مردوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔"
"گڈ!" ڈان نے توصیفی انداز میں سر ہلایا "آج تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"
ڈان مجھ سے اس طرح سوالات کر رہا تھا جیسے میرا انٹرویو لے رہا ہو۔ میں فوری طور پر اس کے آخری سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ وہ مجھ سے جس انداز میں پوچھ گچھ کر رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پچھلی رات سیلرز بار سے واپسی پر ہمارا تعاقب کیا گیا تھا۔ ہمارا پیچھا کرنے والے کے لیے ہوٹل کے ریکارڈ سے یہ جاننا دشوار نہیں تھا کہ میں ہوٹل کے کس کمرے میں اور کس کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا؟ مجھے تشویش یہ تھی کہ کہیں بعد میں اسد کا بھی پیچھا نہ کیا گیا ہو۔
میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسد کی پیشانی پر اس کے محکمے کا نام درج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں واقعی ایک دفتر چلا رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا' "وہ نوکری پر گیا ہوا ہے۔"
"یہ بتاؤ کہ تم کیا پلان لائے ہو؟" ڈان مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے اصل موضوع کی طرف آ گیا۔
میں نے اسد کا دیا ہوا کاغذ اپنی جیب سے نکالا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈان کو پیش کر دیا۔ اس نے کاغذ کی تحریر پر ایک نظر ڈال کر پوچھا "ان کا کیا کرو گے؟"
"یہ سب مصروف تفریحی مقامات ہیں اور راجن کی ملکیت

ہیں۔ میں ان پانچوں ٹھکانوں پر صبح سویرے بموں کے دھماکے کرانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو اور راجن کو پیغام مل جائے کہ اب وہ میدان میں اکیلا نہیں ہے۔"

نیچے والی لڑکی ایک ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں لے آئی۔ پیالیاں ہم دونوں کے سامنے رکھ کر وہ لوٹ گئی تو ڈان بولا "ان کے علاوہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا ایک گھر ہے اور ایک دفتر۔ ان دونوں جگہوں پر کسی کا گھسنا ناممکن ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا جائے۔"

"یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ رفتہ رفتہ وہ بھی ڈان بنتا جا رہا ہے۔ اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنے ٹھکانوں سے دور قابو میں آئے گا۔"

"تم مجھے آدمی اور سامان دے دو۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گا۔"

"تم بہت بڑے دعوے کر رہے ہو" ڈان کی آواز سرد ہو گئی "یاد رکھو کہ تم ایک بہت بڑے کام میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔ اسے ادھورا چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہیں مار کر کھال میں بھس بھروا دوں گا۔"

"وہ نہیں یا پھر میں نہیں...... یہی میرا مشن ہے۔"

"چاؤ فان بہت دلیر اور ذہین آدمی ہے" ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "بہت روانی سے انگریزی بولتا ہے۔ آج کے بعد تم سیلرز بار کا رخ نہیں کرو گے۔ تمہارا رابطہ چاؤ فان سے رہے گا۔ کاغذ پر اس کا فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ چاہو تو اس سے آج ہی مل سکتے ہو۔ وہ تمہیں علی کے نام سے پہچان لے گا۔"

"کل تم نے میرے لیے اپنے دروازے کھول دیے تھے۔ آج پابندی کیوں لگا رہے ہو؟" میں نے کاغذ پر چاؤ کا نام اور فون نمبر پڑھ کر کہا۔

"یہ سزا نہیں احتیاط ہے، میں اب لڑائی بھڑائی سے دور ہو چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس جھگڑے میں میرا نام لیا جائے۔ تمہاری زبان سے چھوٹا راجن کو مارنے کا ذکر سنا تو پرانا زخم تازہ ہو گیا۔ تمہارے بازوؤں کا دم دیکھ کر میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"چاؤ سے میرا فون پر رابطہ رہے گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تم دونوں کی مرضی اور سہولت پر منحصر ہے" ڈان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "چاؤ فان تمہیں آدمی سے ہتھیاروں تک ہر چیز فراہم کرے گا۔ ہو سکے تو اپنی عورت کو ان چکروں سے دور رکھنا۔ چھوٹا راجن دل کے ساتھ نگاہوں کا بھی گندا ہے۔"

میرے پاس ڈان کے اس مشورے کا جواب نہیں تھا میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ڈان نے مختصر الفاظ میں طریقۂ کار بتا دیا تھا۔ مجھے ایک مرتبہ پھر خیال آیا کہ ڈان سے اس کے چاروں آدمیوں کے بارے میں کچھ پوچھوں کہ کہیں ان میں سے کسی کا نام تو چاؤ نہیں تھا مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کر دیا۔

ڈان کے بیان کے مطابق چاؤ روانی سے انگریزی بول سکتا تھا جبکہ پچھلی رات وہاں نظر آنے والے چاروں جواری صرف مقامی زبان جانتے تھے۔

"میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ بے گناہوں کا خیال رکھنا، وہ نہ مارے جائیں۔"

"اسی وجہ سے میں صبح سویرے دھماکوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس وقت تک ساری تفریح گاہیں ویران ہو چکی ہوں گی۔"

"صبح کا وقت اس لیے چنا ہے تو اسے اور آگے بڑھا دو۔ ایسی گھٹیا جگہوں پر آنے والے لوگ بھی گھٹیا ہوتے ہیں۔ دھت ہو کر گرتے ہیں تو ساری رات اسی عالم میں گزار دیتے ہیں۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے کوئی ٹھکانا خالی نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی مردہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔" یہ سامنے کی بات تھی کہ وہ کسی لاش کا ذکر نہیں کر رہا تھا۔ ازراہِ تحقیر مدہوشوں کو مردہ قرار دے رہا تھا۔

میں کسی نہ کسی بہانے سے وہاں مزید وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ ڈان کے ساتھ بیٹھ کر مجھے عافیت کا عجیب سا احساس ہو رہا تھا مگر اس نے اپنی جگہ چھوڑی تو مجھے بھی اٹھنا پڑ گیا۔

"بس، ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں" میں نے اٹھ کر کہا۔

ڈان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ میرے سوال کا منتظر تھا، میں نے اپنی بات جاری رکھی "میرے آنے پر پابندی ہے۔ میں تم کو فون تو کر سکتا ہوں نا؟"

"ضرورت پڑ جائے تو فون کر سکتے ہو" ڈان نے مجھے رعایت دے دی۔

اس نے اوپر کے دروازے سے مجھے رخصت کر دیا۔ ہماری آوازیں سن کر شراب خانے کی ملازمہ نچلے دروازے پر آ گئی تھی۔ نیچے اتر کر میں نے اس کے سراپا پر مسکراتی ہوئی نظریں ڈالیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

میں واپس ہوٹل پہنچا تو غزالہ کمرے میں نہیں تھی۔ کاؤنٹر سے چابی لے کر میں اوپر پہنچا تو وہاں ایک رقعہ میرا منتظر تھا۔ وہ کچھ خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھی۔

میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوگیا۔ میرے شناساؤں میں صرف جلال ایسا تھا جسے پوری بات بتادی گئی تھی۔ ویرا کو بریف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مجھے اول خان کا خیال آیا۔ بنکاک آنے کے بعد اس سے سرے سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ذریعے مجھے سلمٰی اور جہانگیر کی خیریت بھی مل سکتی تھی ان دنوں وہ اسٹیشن فور کے مہمان تھے۔

اول خان ہم لوگوں کی خیر خواہی میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا، مجھے توقع تھی کہ جلال نے اسے میرے اور غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اس کی خاطر داری کے لیے مجھے جلد از جلد اس سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔

جلال کو ڈان برنارڈ سے ملاقات تک کا احوال بتایا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے چاؤ فان سے بات کرلوں تاکہ اول خان کو کچھ اضافی معلومات بھی فراہم کرسکوں۔

فون پر پہلے کسی مقامی کی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ میں نے چاؤ فان کا نام لیا تو وہ کوئی نامانوس لفظ کہہ کر غائب ہوگیا۔ اس کال کے لیے میں نے ہوٹل کا فون استعمال کیا تھا، کریڈل دبانے پر لائن منقطع نہیں ہوئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ دوسری طرف مکمل سناٹے کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے فون کے آس پاس کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔

طویل انتظار کے بعد ہیلو کی آواز آئی۔ میں نے تائید طلب انداز میں صرف چاؤ فان کا نام دہرایا۔ وہ میرے لہجے سے کوئی اندازہ نہیں لگاسکا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا جو میرے پلے نہیں پڑسکا۔

''میں صرف انگریزی جانتا ہوں'' میں نے مخاطب کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔

''اوہ...... مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں چاؤ بول رہا ہوں'' اس بار اس نے انگریزی میں جواب دیا۔ اس کی گفتگو میں روانی تھی لیکن وہ غلط سلط زبان بول رہا تھا۔

''میں علی ہوں'' میں نے اپنا تعارف کرایا۔

''تمہاری آواز سن کر خوشی ہوئی۔ میں تمہاری کال کا انتظار کررہا تھا'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی ''میرے لیے کیا حکم ہے ماسٹر!''

اس کا دیا ہوا خود ساختہ خطاب آبرومندانہ تھا۔ فون پر زیادہ بات کرنے سے گریز کرتے ہوئے میں نے کہا ''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں ابھی آجاتا ہوں'' وہ مجھ سے ملنے پر تلا بیٹھا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے پوچھا۔

''یس ماسٹر! روم چار سو دس، ہلٹن بنکاک!''

اس کی زبان سے اپنے کمرے کا نمبر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میرے بارے میں جملہ معلومات ڈان اور اس کے ساتھیوں میں پھیل چکی تھیں۔

''آجاؤ...... لابی سے فون کرکے اپنا نام بتادینا۔''

''اوکے ماسٹر۔ یہ یاد رکھنا کہ شناخت کے لیے میرا نام صرف چاؤ ہوگا۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ ہم کسی پارک میں بیٹھیں گے۔''

میں نے فون بند کردیا۔ یہ اچھا تھا کہ اس نے خود ہی پارک میں بیٹھنے کی تجویز پیش کردی تھی۔ آواز اور لب و لہجے سے وہ مجھے پسندیدہ آدمی نہیں لگا تھا۔ وہ آتا تو میں اسے اپنے کمرے میں ہرگز نہ بٹھاتا۔

غزالہ غائب تھی۔ چاؤ آنے والا تھا۔ میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ میری خوش قسمتی سے وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔

میری آواز سن کر اس نے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے بتایا کہ جہانگیر اسٹیشن فور کے ایک آرام دہ کمرے میں پڑا پڑا گھبرا گیا تھا اور اپنے گھر جانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔

میری دانست میں خطرات ٹل چکے تھے۔ ''کل رات سوبھراج یہاں آگیا ہے۔ وہ ضد کررہا ہے تو اسے گھر جانے دو'' میں نے کہا۔

''تم وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ اسی کی کھوج میں لگے ہوئے ہو۔''

''یہاں باخبر رہنا میری مجبوری ہے۔ راجن بھی میری نگاہوں میں آنے والا ہے۔''

''ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ایک دو ہفتوں کے لیے آرام کرو'' اس نے اپنائیت سے مشورہ دیا ''اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم یہاں سے بروقت نکل گئے۔ تمہارے دشمنوں نے ایک بار پھر اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ کل فون پر رومنگ کھلنے کے بعد دو مرتبہ جلال کا فون آیا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ تم نے اپنا فون ویرا کو دے دیا تھا۔ اب تمہارا نیا نمبر کیا ہے؟''

اول خان نے اپنا نیا موبائل نمبر نوٹ کرادیا۔ اس کے پاس وہی خبریں تھیں جو مجھے جلال سے معلوم ہوچکی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات نہ ہونے کے باوجود میں اس کے تبصروں میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ دوران گفتگو اس کا بھی سارا زور اسی نکتے پر تھا جس کا ذکر جلال کرچکا تھا۔ مجھے تحفظ فراہم کرنے کے لیے

پاکستان سے باہر بھیجا گیا تھا۔ عجلت میں دشمنوں کا پیچھا کرنے کے بجائے مجھے کچھ دنوں کے لیے خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔

وہ کراچی میں بیٹھ کر مجھے کچھ کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے خلوص کی بنا پر میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر بات ختم ہوگئی۔

ٹھیک دس منٹ پورے ہونے پر چاؤ کی کال آ گئی۔ وہ قابلِ رشک حد تک وقت کا پابند تھا۔ میں کمرا مقفل کر کے نیچے پہنچ گیا۔

وہ لفٹ سے ذرا دور میرا انتظار کر رہا تھا۔ تھائی فیشن کے مطابق اس کے بدن پر آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور جینز نظر آ رہی تھی۔ اس کے کشادہ شانوں پر لمبے لمبے، موٹے موٹے بال بھلے لگ رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ گٹھے ہوئے جسم والا ایک صحت مند شخص تھا۔

اس نے میرے قریب آ کر اپنا نصف نام بتایا۔ میں نے علی کہا اور اندازے کی کسی غلطی کے بغیر باہمی شناخت کا وہ مرحلہ طے ہوگیا۔

''ماسٹر! میرے ساتھ آؤ'' اس نے دونوں ہاتھوں سے ہوٹل کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں، میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر چھوڑ دی۔

فون پر بات کرتے ہوئے اس کے بارے میں پیدا ہونے والی ناپسندیدگی اس سے بالمشافہ ملاقات کے بعد دور ہوگئی تھی۔ اپنے بشرے سے وہ ملنسار اور وفادار نظر آ رہا تھا۔

ہوٹل کے پورچ میں اس کی کالی اکارڈ ایک کنارے سے لگی کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بنکاک کا کوئی ٹٹ پونجیا بدمعاش نہیں تھا۔ رہنے سہنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔

ہوٹل سے نکل کر اس کی گاڑی تک آتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ باہر کا موسم گرم ہونا شروع ہوگیا تھا۔ گاڑی ٹھنڈی تھی۔ اس کے حرکت میں آتے ہی چاؤ نے ائرکنڈیشنر چلا دیا تھا۔

''کسی پارک میں بیٹھنے کے بجائے ہم گاڑی میں بات کرسکتے ہیں۔ گاڑی کسی ویران سڑک پر لے لو'' ہوٹل کی حدود سے نکل آنے پر میں نے کہا۔

''ماسٹر!'' تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ آج واقعی گرمی ہے'' اس نے میری تائید کی پھر کہا'' تم آج پانچ گملوں میں پھول کھلانا چاہتے ہو۔''

اس کی وہ پہیلی میرے سر سے گزر گئی'' میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔''

''ماسٹر! یہ بنکاک ہے۔ یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پانچ گملے راجن کے ہیں۔ تین کلب اور دو کیسینو۔ بم پھٹتا ہے تو باہر بارود کا پھول بنتا ہے۔ فون پر ہم ان اشاروں میں بات کریں گے اور کبھی ڈان کا نام نہیں لیں گے۔''

''ماسٹر میں ہوں اور ہدایات تم دے رہے ہو؟'' میں نے مذاق میں کہا۔

اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اپنے گال چھوئے اور جلدی سے دوبارہ اسٹیئرنگ تھام کر بولا۔ ''ماسٹر! یہ مشورہ ہے، میری یہ ہمت نہیں کہ تم کو ہدایت دے سکوں۔ میں تمہارا بے دام غلام ہوں۔ جو کہو گے وہی کروں گا۔''

''تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تمہارا کیا ارادہ ہے...... یہ کام آج ہو جائے گا؟'' میں نے کہا۔

''بھاگ دوڑ کی جائے تو کام آج بھی ہوسکتا ہے۔ اچھا یہ ہوگا کہ مجھے کل تک کی چھوٹ دے دو۔ ہر کام سکون سے ہو جائے گا۔ آج میرے آدمی ان ٹھکانوں کو دیکھ لیں گے۔ کل رات گملوں میں بیج ڈال دیے جائیں گے۔ پرسوں صبح وہاں پھول کھل اٹھیں گے'' وہ کسی جوش یا ہیجان کے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''بس ایک گڑبڑ ہے۔ چار گملوں کی طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ پانچویں کو چھوڑ دو۔ وہاں بڑے گیم ہوتے ہیں۔ چپے چپے پر محافظ ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھ بچا کر کچھ کرنا مشکل ہے۔''

''گولڈن ڈریگن کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''تم کو ہر بات معلوم ہے۔ اسے میری لسٹ سے نکال دو۔''

''تمہارے لیے مشکل ہے تو اسے میں خود دیکھ لوں گا۔''

''ماسٹر! جو کام میرے لیے مشکل ہے۔ وہ تمہارے لیے بھی مشکل ہوگا'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے زور دے کر کہا۔

''سب ہلکی قوت کے آتش گیر بم ہوں گے تاکہ ان کے پھٹنے سے زیادہ تباہی نہ ہو'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا'' ہر جگہ ایک بم رکھا جائے گا۔ دو ٹائم بم مجھے دے دو۔''

''گولڈن ڈریگن کے لیے؟'' اس نے بے بسی سے پوچھا۔

''ہاں، میرا بس چلے تو میں وائٹ ہاک کو بھی نہ چھوڑوں۔ شہر کے ہر ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ یہ میری انا کا مسئلہ ہے۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ باقی چار ٹھکانوں کی ذمے داری تمہاری ہے۔ جو کہا ہے وہ ہو جانا چاہیے۔''

''اور وقت کے لیے کیا کہتے ہو؟'' اس نے بے جان آواز

میں سوال کیا۔
''آج کا دن لے لو اور اس وقت مجھے دور سے گولڈن ڈریگن دکھا دو۔''
وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ سر ہلا کر رہ گیا۔ گولڈن ڈریگن کے بارے میں اس نے مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آ رہا تھا جیسے میں واقعی اس کا آقا ہوں۔
''ٹائم بم مجھے کب ملیں گے؟'' کچھ دیر بعد میں نے سکوت توڑا۔
''اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر کینوس کا تھیلا نکال لو۔ اس میں دو پاؤنڈ بارودی طاقت والے پانچ ٹائم بم موجود ہیں'' اس نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔
میرے بدن میں بے اختیار سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ خیال روح فرسا تھا کہ میں ایک اجنبی کے ساتھ بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔
ہتھیار اور گولا بارود میرے لیے نئے نہیں تھے۔ اول خان کی گاڑی میں ہر وقت ایسے بیسیوں شعبدے پڑے رہتے تھے اور میں بے فکر ہو کر اس کے ساتھ سفر کرتا تھا مگر چاؤ فان، اول خان سے بہت مختلف تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ بارودی بموں کے بارے میں اسے کتنی معلومات حاصل تھیں۔
''تم اتنی غیر ذمے داری سے ٹائم بم اپنے ساتھ لے کر گھوم رہے ہو؟'' میں نے ترشی سے کہا۔
''ماسٹر! سب کے ٹائمر آف ہیں۔ وہ خود سے آن نہیں ہو سکتے'' اس نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی ''میں تیاری کے ساتھ پانچ ٹائم بم لے کر نکلا تھا۔ اگر تم ایک دن کی مہلت دینے پر راضی نہ ہوتے تو مجھے اسی وقت سے کام شروع کرنا ہوتا۔ بم اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے انہیں بریف کرنا ہوتا۔ ان کے ٹائمر صرف بارہ گھنٹے کے ہیں۔ صبح کے دھماکے کے لیے انہیں رات گئے آن کرنا ضروری ہے۔ کوئی آدمی وقت سے پہلے ٹائمر آن کر دے تو خود دھماکے سے اڑ سکتا ہے.....''
''یہ باتیں مجھے معلوم ہیں۔ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے خاموش کر دیا۔ سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر میں نے وزنی تھیلا نکالا، پائیدان میں اس کی زپ کھولی اور سیاہ پلاسٹک کی ایک وزنی ڈبیا باہر نکال لی۔
وہ خاصے قیمتی بم تھے۔ ان کے پچھلے حصے پر گول اور شفاف پلاسٹک کے نیچے سرخ اور سیاہ رنگ کی دو گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ سیاہ بٹن وقت کے تعین کے لیے تھا۔ سرخ بٹن سے ٹائمر کو آن کیا جا سکتا تھا۔ اس بم کو صبح گیارہ بجے سیٹ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ سیاہ بٹن سے بارہ گھنٹے کا وقت مقرر کر کے سرخ بٹن رات کے گیارہ بجے کے بعد آن کیا جائے۔ مہم کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے کم مدت کے ٹائمر والے سستے بم کسی مصرف کے نہ ہوتے۔
میں نے چاؤ کے تھیلے سے ایک اور ڈبیا نکال کر اپنی گود میں رکھی اور تھیلا بند کر کے واپس سیٹ کے نیچے سرکا دیا۔
''یہ دونوں ٹائم بم تم اسی طرح لے جاؤ گے؟'' چاؤ نے ہراساں ہو کر پوچھا۔
''کوئی تھیلا ہے تو دے دو ورنہ ایسے بھی لے جا سکتا ہوں'' میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا۔
اس نے اپنی سمت کے دروازے کی جیب سے گاڑی صاف کرنے والا بڑا سا کپڑا نکال کر جلدی سے میری طرف بڑھا دیا۔
میں نے دونوں بموں کو احتیاط کے ساتھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔
''ماسٹر! میری بات مان لو۔ گولڈن ڈریگن کو فی الحال بھول جاؤ'' کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد چاؤ نے فکرمندانہ آواز میں کہا ''مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے کر تم میری سات پشتوں پر لعنت ملامت کر رہے ہو۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ وہاں موجود خطرات نے میرا حوصلہ پست کیا ہے۔ وہاں ایک آدمی پکڑا گیا تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''
''تم اس بارے میں خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''مجھے خودکشی کا شوق نہیں ہے۔ بہت زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں خاموشی سے لوٹ آؤں گا۔''
وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر فکرمندی کی علامات واضح تھیں۔
چاؤ کی گاڑی بنکاک کی غیر مصروف سڑکوں کو چھوڑ کر دوبارہ مصروف علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ چاؤ کو گولڈن ڈریگن کی طرف سے نکلنا یاد ہوگا۔
کچھ دیر بعد ہم شہر کے تفریحی علاقے سے گزر رہے تھے جہاں عمارتوں پر بڑے بڑے نیون سائن لگے ہوئے۔ اس وقت ان عمارتوں پر ویرانی کا راج تھا لیکن قرب و جوار میں انسانوں کی خاصی ریل پیل تھی۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنی دھن میں چلے جا رہے تھے۔
''ماسٹر! آگے بائیں ہاتھ پر پانچواں کمپلا آئے گا'' چاؤ نے مجھے آگاہ کیا ''میں وہاں سے گاڑی سست رفتار سے گزاروں گا۔ جگہ اچھی طرح دیکھ لینا۔''
گولڈن ڈریگن قدیم طرز کی دو منزلہ اور پرشکوہ عمارت تھی۔ عمارت کی چھت پر ڈریگن کا بہت بڑا خاکہ لگا ہوا تھا جو رات میں دور سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہوگا۔ عمارت کا داخلی برآمدہ بہت وسیع

تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ کم حیثیت افراد ادھر کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

گولڈن ڈریگن پیچھے رہ گیا تو چاؤ نے اس کے بارے میں کوئی بات کرنے کے بجائے ایک نیا ذکر نکال لیا اور پوچھا ''ماسٹر! ہلٹن میں تمہارا دل لگ رہا ہے؟''

''رہنے کے لیے اچھی جگہ ہے'' میں نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''مجھے بڑے بڑے ہوٹل، روکھے پھیکے اور بناوٹی نظر آتے ہیں۔'' اس نے اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا ''یہ امیروں کے چونچلے ہیں۔ بنکاک میں لندن جیسے ہوٹل میں رہنا ہے تو پھر بنکاک آنے کی کیا ضرورت ہے۔ لندن میں رہو۔ بنکاک کا اصل مزہ گیسٹ ہاؤسز میں آتا ہے۔ جہاں بھانت بھانت کے لوگ مقامیوں سے مل کر رہتے ہیں۔''

''وہاں دوسرا گند بھی بہت ہوتا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''بالکل ہوتا ہے...... دنیا بھر میں ہوتا ہے'' اس نے اعتراف کیا ''یہاں کے فیملی گیسٹ ہاؤسز بہت صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ کمپنی کے ساتھ تازہ گھریلو کھانے ملتے ہیں۔ یہاں رہنے کا مزہ اٹھانا ہے تو ماسٹر! میں کہتا ہوں جگہ بدل لو۔''

''میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا'' میں نے اسے ٹال دیا۔

''ماسٹر! کھاؤ سان روڈ یہاں کا دل ہے۔ کہو گے تو وہاں بندوبست کرا دوں گا۔ میں اپنے دوستوں کو وہیں ٹھہراتا ہوں۔''

ہوسکتا ہے کہ اس کی تجویز معقول رہی ہو۔ سیاحت کا صحیح لطف مقامیوں میں گھل مل کر ہی آتا ہے۔ مگر میں وہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری نقل و حرکت دوسرے مقامیوں کی نظروں میں آنے سے ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ ہمیں سیاحت سے زیادہ اپنے دوسرے اہداف سے دلچسپی تھی۔ ان کے حصول کے لیے بہتر یہی تھا کہ ہم ہلٹن میں سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے رہیں۔ سوبھراج کا قصہ نمٹ جانے کے بعد حالات اجازت دیتے تو سیاحت کے پہلو پر بھی غور کیا جاسکتا تھا۔

ہوٹل کے قریب پہنچنے پر چاؤ نے مجھے اپنا موبائل فون نمبر لکھواتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ رات کو فون پر مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے گا۔ اس وقت ہم اگلے دن کے لیے کچھ طے کرسکتے تھے۔

ہوٹل کے پورچ میں اس کی گاڑی سے اترتے ہی گرم ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔ میں ٹائم بموں والے پیکٹ کو سنبھال کر تیزی سے ہوٹل میں گھس گیا۔

چیک ان کاؤنٹر کے پیچھے، دیوار پر آویزاں کی بورڈ پر کمرا نمبر چار سو دس کی جگہ خالی تھی۔ غزالہ یقینی طور پر کمرے میں واپس آچکی تھی۔

غزالہ میرے انتظار میں پریشان اور متفکر تھی۔ میرے پہنچتے ہی اس نے شکایتی سوالات کی بھرمار کردی۔ میں اس سے بچتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور کپڑے میں لپٹے ہوئے ٹائم بم احتیاط سے وہاں رکھ دیے۔

''آپ یہ کیا اٹھالائے؟'' پیکٹ کو دیکھ کر غزالہ اپنے سارے شکوے بھول گئی۔

''چاؤ فان کے دیے ہوئے ٹائم بم ہیں جو کل گولڈن ڈریگن میں پہنچانے ہیں'' میں نے مسہری پر گر کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''چاؤ فان کون ہے؟ آپ تو ڈان برنارڈ سے ملنے گئے تھے۔''

مجھے یاد آیا کہ اسد کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد وہ غزالہ سے میری پہلی ملاقات تھی۔ میں واپس آیا تو وہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں نے اسے ابتدا سے سب کچھ بتانا شروع کیا۔

اپنی ٹولی سے بچھڑ جانے کے بعد وہی میری ہم دم اور ہم ساز رہ گئی تھی۔ ہر قسم کے برے بھلے مشورے بھی اسی سے مل سکتے تھے اور حالات سے واقف رہنا اس کا حق بھی تھا۔

میری روداد اس کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی لیکن اسے اس بات کا رنج تھا کہ میں اپنے لیے گولڈن ڈریگن کی ایک ذمے داری سمیٹ لایا تھا۔

''جب تک یہ ہم یہاں رہیں گے، میری جان سولی پر ٹنگی رہے گی'' غزالہ بولی ''انہیں کل استعمال کرنا تھا تو آج یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجبوری تھی۔ چاؤ یہ مال گاڑی میں لے کر آیا تھا'' میں نے بتایا ''اگر ان کو گرایا نہ جائے تو یہ موجودہ حالت میں بالکل بے ضرر ہیں۔''

''یہاں آپ دونوں بم لے آئے۔ کراچی میں ہوتے تو ان بموں کی وجہ سے ہوٹل کے گیٹ پر ہی دھر لیے گئے ہوتے۔ آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے۔''

کراچی میں ایسا ہونا واقعی ناممکن تھا۔ شہر میں بیرونی قوتوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ہر اہم عمارت میں سیکیورٹی کے ایسے فول پروف انتظامات کیے گئے تھے کہ کسی بارودی یا مشتبہ چیز کے ساتھ ان عمارات میں داخلہ ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ بنکاک میں حالات اتنے خراب نہیں تھے۔ مجھے اس کا فائدہ مل گیا تھا۔

''میں کہتی ہوں کہ آپ اب بھی یہ بم چاؤ کو لوٹا دیں۔ جب

وہ آپ کو وہاں جانے سے خود روک رہا ہے تو آپ اس کام پر کیوں مصر ہیں۔ راجن کے چار ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکے اسے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"اس بارے میں مزید بحث بے سود ہے" میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اسے تبدیل کرنا ناممکن ہے۔ میں کل وہاں ضرور جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ وہاں کوئی موقع میسر نہ ہوا تو یہ دونوں بم ہمارے ساتھ واپس آ جائیں گے۔"

غزالہ کو میرے مزاج کا بخوبی اندازہ تھا، اس نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

ہمارے درمیان گولڈن ڈریگن ممنوعہ موضوع قرار پا چکا تھا لیکن وقفے وقفے سے ہمارے درمیان دوسرے واقعات اور نئے کرداروں کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ غزالہ کی نپی تلی رائے تھی کہ بنکاک آنے کے بعد ہمارے کام کی رفتار سست ہونے کے بجائے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ راجن کے خلاف ڈان کے منفی جذبات اور سوبھراج کی آمد نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

میرے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو چکی تھی کہ جب تک دونوں ٹائم بم ٹھکانے نہ لگ جاتے، ہوٹل کے کمرے کو خالی چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ کمروں کی صفائی پر مامور عملے کا ذرا سا تجسس ہمارا پورا کام بگاڑ سکتا تھا۔ اس خدشے کے پیشِ نظر میں نے دوپہر کا کھانا کمرے میں منگوایا اور پھر شام کی چائے بھی وہیں منگوالی۔ میں نے غزالہ کو ہدایت کر دی تھی کہ مجھے کسی کام سے باہر جانا پڑے تو وہ کمرے کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

سات بجے اسد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا تھا جس سے اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں آتے ہی اس نے وہ تھیلا میز پر رکھ دیا۔

"تم یہ کیا اٹھا لائے؟" سلام دعا کے بعد غزالہ نے اس سے سوال کیا۔

"امپیریل تارا ہوٹل سے ڈنر کا ساز و سامان لے کر آیا ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مجھے وہاں کے کھانے بہت پسند ہیں۔ جبری تجرد کی دو سالہ زندگی گزار کر میں نے صرف یہ دریافت کیا ہے کہ بنکاک میں ہم لوگوں کے مطلب کے کھانے کہاں کہاں ملتے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے چٹخاروں کے لحاظ سے بنکاک کو دہلی کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔"

"ابھی تھیلا کھلے گا تو تمہارے ذوق کا اندازہ ہو جائے گا...... یہ بتاؤ کہ تم آج دن بھر کہاں غائب تھے؟ صبح کے بعد اب نظر آئے ہو۔"

"روٹین کی کچھ رپورٹیں وغیرہ اسلام آباد بھیجنا تھیں۔ اس کے بعد میں سوبھراج کے چکر میں لگا۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے یہاں پہنچتے ہی اسے زمین نگل گئی ہو۔"

سوبھراج اپنے عروج کے دنوں میں بنکاک آتا تھا تو اس معزز پاکستانی سیاست داں کی مہمان داری کے سلسلے میں اسد کا شہر کے بہتیرے لوگوں سے رابطہ رہتا تھا۔ اس نے ایک ایک کر کے ان سب کو ٹٹول لیا تھا لیکن سوبھراج کی آمد کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔ اس نے خود اسے بنکاک میں اترتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو ہمیں کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ ہمارا سب سے بڑا حریف شہر میں وارد ہو چکا ہے۔

قرائن بتا رہے تھے کہ پاکستان میں ہوا خیزی کے بعد سوبھراج نے ذہنی طور پر اپنے زوال کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ سینہ تان کر وہاں آنے کے بجائے خاموشی سے آیا تھا اور راجن کے گھر میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ وہاں سے اس کے بارے میں کسی خبر کا باہر آنا ممکن نہیں تھا۔

"وہ اسی طرح وہاں دبکا رہا تو ہمیں اس قلعے کو سر کرنے کے بارے میں سوچنا ہوگا" وہ سب سن کر میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ایک بار اس گھر کو دیکھ لو گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب ڈان کہاں تک تعاون کرنے پر آمادہ ہے" اپنی روداد سناتے سناتے اسد کو اچانک ڈان برنارڈ کا خیال آ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ فٹ بال ہو رہی ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا "تم نے ڈان کی طرف لڑھکایا تھا۔ اس نے چاؤ فان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جی دار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ڈان نے تمہیں صحیح آدمی سے ملایا ہے" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا "وہ بنکاک کا بہت خطرناک بدمعاش ہے۔ ہر ایک کے اثر سے آزاد رہ کر اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔ وہ چاہے تو تمہیں لڑنے والوں کا پورا لشکر فراہم کر سکتا ہے۔"

میرے لیے یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ چاؤ کا نام اسد کے لیے نیا نہیں تھا۔ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔

چاؤ کا ذکر آیا تو اسد تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ بات ایک سے دوسرے آدمی تک پہنچ گئی تھی۔

میرے لیے تفصیلات دہرانا مشکل تھا۔ میرے اشارے پر غزالہ نے اسے شروع سے ہر بات بتانی شروع کر دی۔ گولڈن ڈریگن کا ذکر کرنے سے پہلے اس نے اسد کو یہ بتا دیا کہ میں اس بارے میں ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اس پر کوئی تنقید سننے کے لیے

تیار نہیں تھا۔

غزالہ سے سب کچھ سن لینے کے بعد وہ تیر کی طرح ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور احتیاط سے کپڑا ہٹا کر ایک چوکور ٹائم بم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تیز روشنی میں کئی منٹ تک اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بم واپس رکھتے ہوئے انکشاف کیا کہ اس پر ساخت کے بارے میں کوئی نشان نہ ہونے کے باوجود اسے شبہ تھا کہ وہ امریکی ساختہ تھا اور اپنے وزن کے اعتبار سے خاصا تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

بنکاک میں مستقل بنیادوں پر ایک فوجی اڈا قائم تھا جس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شہر سے دور ایک بھاری اسلحہ ڈپو بھی موجود تھا۔ اسد کی اطلاعات کے مطابق بہت سے امریکی سپاہی فاضل رقم کے لالچ میں ہتھیار اور اسلحہ چرا کر شہر کے گنے چنے لوگوں کے ہاتھوں بیچ دیتے تھے جو بعد میں چور بازار میں دستیاب ہوتا تھا۔

چوروں کے لیے چور بازار تک رسائی دشوار نہیں تھی۔ چاؤ نے اپنی ضرورت کے تحت وہ بم ایسے ہی کسی ذریعے سے خریدے تھے۔ اسد کی رائے میں گولڈن ڈریگن میں محدود تباہی پھیلانے کے لیے ایک آتش گیر بم کافی تھا۔ دونوں کے بیک وقت استعمال کے نتیجے میں جوئے خانے کی عمارت سنگین نقصان سے دوچار ہو سکتی تھی۔

غزالہ نے روم سروس کے عملے سے کچھ مشروبات کے ساتھ خالی پلیٹیں اور ڈشیں منگوالی تھیں۔ وہ اسد کا لایا ہوا کھانا میز پر لگانے کے ساتھ ہماری باتوں میں بھی حصہ لے رہی تھی۔

کھانے کے دوران میں زور و شور سے گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اسد نے ایک عمدہ تجویز پیش کی کہ وہ شہر سے کسی اچھی گاڑی کا بندوبست کر کے ڈرائیور کی حیثیت سے ہمارے ساتھ گولڈن ڈریگن جائے تاکہ اپنا کام پورا کرنے کے بعد ہمیں وہاں سے واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

میری مہم کے لیے وہ نکتہ بہت اہم تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ گولڈن ڈریگن میں کیا حالات پیش آتے۔ وہاں ہماری اپنی گاڑی موجود ہوتی تو ہم کسی بھی وقت سرعت سے وہاں سے نکل سکتے تھے۔

بات طے ہو گئی۔ ٹائم بم ایک استعمال کیا جانا تھا۔ اس کو آن کرنے کے لیے رات کے گیارہ بجے کے بعد کا وقت ضروری تھا اس لیے یہ پروگرام بنا لیا گیا کہ اسد گاڑی لے کر دس بجے ہمارے ہوٹل آ جائے۔ وہاں سے گولڈن ڈریگن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔

ساتھ اس کے ساتھ ہماری ذہنی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے بھی ہمارے کمرے میں گھر کا سا ماحول مل رہا تھا۔ وہ جم کر ہمارے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ دو سالہ جمود کے بعد کوئی بڑا کام شروع ہونے کی وجہ سے وہ خاصا پرجوش نظر آ رہا تھا اور ہمیں درپیش مہم کے ہر پہلو پر باریک بینی کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ گیارہ بجے وہ رخصت ہو گیا۔ ہم دونوں بھی کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہو گئے۔

غزالہ کے ذہن پر کمرے میں رکھے ہوئے ٹائم بموں کا خوف سوار تھا۔ پھر بھی مجھ سے پہلے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میں بستر پر لیٹا خاموشی سے آنے والے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایک بجے یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی نیند میں خلل پڑنے کے خوف سے میں نے جلدی سے فون اٹھایا لیکن وہ بے جان ہو چکا تھا۔

اس وقت میرے ذہن پر اس متوقع تصادم کے مسائل سوار تھے جو راجن اور سوبھراج کے ساتھ ہونے والا تھا۔ ایک گھنٹی بج کر فون بند ہونے سے مجھے تشویش ہونے لگی۔ نہ جانے وہ کون تھا جو اتنی رات گئے مجھے ہراساں کرنا چاہ رہا تھا۔

میں نے بٹن دبا کر کال کرنے والے کا فون نمبر دیکھا اور میری ہڈیاں تک سلگ اٹھیں۔ اسکرین پر اول خان کا فون نمبر میرا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ نمبر اس وقت دیرا کے استعمال میں تھا۔

وہ امریکا میں بیٹھی ہوئی تھی مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ ہمارے سونے کا وقت تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ہمارے آرام میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنی رات کی نیند پوری کر چکی تھی۔ دوبارہ مجھے ستانے کی کوشش کر سکتی تھی۔ میں نے فون بند کر کے تپائی پر رکھ دیا۔

رات گزر گئی، اگلا دن پرسکون انداز میں شروع ہوا۔ اسد کو شام کو گاڑی لے کر ہمارے پاس آنا تھا۔ صبح اس نے چکر لگانے کے بجائے فون کرنے پر اکتفا کیا۔ دوپہر کو چاؤ کا فون آیا اور اس نے اطلاع دی کہ گملوں میں بیج اگانے کے لیے اس نے اپنے چار ہوشیار مالیوں کو مامور کر دیا تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے میرے پروگرام کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے خشک لہجے میں اسے بتا دیا کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پانچواں گملا میرا تھا۔

آدمی مصروف ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ انتظار میں وہی لمحات اتنے طویل ہو جاتے ہیں کہ ایک ایک پل گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دن ڈھلنے کے ساتھ میرے اعصاب پر ہلکی سی بے چینی سوار ہوتی جا رہی تھی جو انتظار کے تناؤ کا نتیجہ تھا۔

اسد ہنس مکھ اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ وقت گزرنے کے ... اس دوران میں غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ میں نے گولڈن

ن میں ایک بم استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دوسرے بم کو
سے پہلے کہیں چھپانا ضروری تھا۔ اسے کمرے میں چھوڑنے
رہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

وہ مسئلہ اہم تھا۔ چند لمحوں کے لیے میں چکرا گیا۔ اس وزنی
و بلاوجہ ساتھ لے کر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ اچانک میرے
میں اس مسئلے کا حل آ گیا۔

اس رات اسد کی لائی ہوئی گاڑی ہمارے استعمال میں
فاضل بم اس میں چھوڑا جا سکتا تھا۔ بعد میں اسد وہ بم اپنے
لے جا کر محفوظ کر لیتا۔ ضرورت پیش آنے پر اسے دوبارہ
ں کیا جا سکتا تھا۔ نو بجے ہم دونوں نے گولڈن ڈریگن جانے
لیے تیاری شروع کر دی۔

غزالہ پاکستان میں ہمیشہ پاکستانی لباس میں رہتی تھی۔ اس
ہ دوپہر میں بازار گئی تھی تو اپنے لیے کچھ قمیصیں اور پتلونیں
ئی تھی۔ وہ کپڑے زیب تن کرنے کے بعد غزالہ کی سج دھج ہی
ئی۔ سیاہ ہم رنگ پھولوں والے لباس اور گلے میں اسکارف
اتھ وہ پاکستانی تو کیا ایشیائی بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے
ہوئے رنگ روپ پر ہلکے سے میک اپ نے رہی سہی کسر
پوری کر دی تھی میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔

”کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں جو مجھے اتنے غور سے گھورے جا رہے ہیں۔“ اس نے میری شوخ اور تیز نظروں سے بے آرام ہو کر کہا۔

”میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں آ کر تم نے بھی پر پرزے نکال لیے ہیں۔ اس وقت تم سراپا قیامت لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے وہاں کسی سے میری جھڑپ ہو جائے۔“

”معزز اور باوقار نظر آنے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔“ میری بالواسطہ تعریف پر اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا ”میں نے یہ کپڑے خریدے تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آج مجھے آپ کے ساتھ گولڈن ڈریگن جانا پڑے گا۔“

غزالہ بہرحال عورت تھی، ذاتی زیبائش اس کا فطری حق تھا مگر مجھے مرد ہوتے ہوئے بھی اپنے لباس پر خاص توجہ دینی پڑی۔ ٹائم بم کو اپنے لباس میں چھپا کر لے جانے کے لیے کوٹ کا استعمال ناگزیر نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک وزنی ڈبیا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر آئینے میں جھول وغیرہ کا جائزہ لیا اور اس رات سوٹ پہننے کا فیصلہ کر لیا۔

اسد اپنے وعدے کے مطابق گاڑی لے کر دس بجے آ گیا۔ انٹر کام پر اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔ فاضل ٹائم بم غزالہ کے وینٹی بیگ میں رکھ لیا گیا تھا۔

اسد نے ہم دونوں کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا "اب کوئی مائی کا لال تم دونوں کو وہاں سے نہیں لوٹا سکے گا۔ دونوں ایک دوسرے کی شان بڑھا رہے ہو۔"

سفر مختصر تھا۔ میں نے راستے میں فاضل ٹائم بم اسد کے حوالے کر دیا۔ ذرا سی دیر میں ہماری گاڑی گولڈن ڈریگن کے سامنے جا رکی۔ برآمدے سے ایک پستہ قامت آدمی لپک کر گاڑی کی طرف آیا اور میری سمت کا دروازہ کھول کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اسد نے پیشہ ور ڈرائیور کی طرح اتر کر غزالہ کا دروازہ کھول دیا۔

ہم دونوں اتر کر برآمدے کی طرف بڑھے۔ وہاں موجود دربان نے ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔ میں نے برآمدے میں گھستے ہی یہ نوٹ کیا تھا کہ کیسینو میں بڑے گملے کثرت سے رکھے ہوئے تھے۔

داخلی زینوں کے قریب رکھی ہوئی تختی سے پتا چلا کہ کیسینو کی اوپری منزل بھری ہوئی تھی وہاں داخلہ بند تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے دو ہزار بھات کے ٹوکن خریدے اور غزالہ کے ساتھ ہال میں داخل ہو گیا جہاں مخصوص بوجھل ماحول میں ہر طرف رقموں کی بازیاں لگی ہوئی تھیں۔

وہاں کارڈز اور بلیرڈ سے لے کر مشینوں پر رقمیں لگ رہی تھیں۔ ہال کی فضا میں الکحل اور تمباکو کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔ ہال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہاں جوڑیں کے علاوہ پیشہ ور لڑکیوں اور عورتوں کی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔

ہال کے کئی گوشوں میں پودوں کے گملے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے راجن کو پھولوں اور پودوں کے استعمال کا خبط ہو۔ عین ممکن تھا کہ چاؤ نے اسی وجہ سے راجن کے ٹھکانوں کے لیے پھولوں اور گملوں کے استعارے استعمال کیے ہوں۔

میں غزالہ کے ساتھ ایک رولیٹ مشین پر رک گیا۔ وہاں آنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کام کرنے سے پہلے کچھ رقم گنوانی ضروری تھی۔ ہم دونوں مشین پر کافی دیر تک مختلف نمبروں پر ٹوکن لگاتے رہے۔ ہمارے ستارے یاور نہیں تھے۔ ٹوکن تیزی کے ساتھ ختم ہوتے رہے۔

تقریباً پون گھنٹے میں ہمارے ہاتھ خالی ہو چکے تھے۔ میں ہال کے دور افتادہ گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں میزوں پر لوگ خورد نوش میں مصروف تھے۔

ایک خالی میز پر قبضہ جمانے کے بعد میں نے خوبرو ویٹرس کو مشروبات کا آرڈر دیا۔ میں اپنی جیب میں موجود وزنی ٹائم بم کی وجہ سے بہت بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔ میری نظریں کیسینو کے واش روم کی تلاش میں چکرا رہی تھیں۔

آخر کار مجھے واش روم نظر آ گیا۔ غزالہ کو میز پر چھوڑ کر میں تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں اوٹ میں ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو میدان بالکل صاف تھا۔

میرے سوا اندر کوئی موجود نہیں تھا۔ میں لمحہ بھر کے لیے واش بیسن پر رکا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جیب سے ٹائم بم نکالا، پلٹ کر دیکھا تو میدان بدستور صاف تھا۔ میں اندر آتے ہوئے ان دو گملوں کو دیکھ چکا تھا جو ان حدود میں قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے بم نکال کر اس کا سرخ بٹن آن کیا اور بہت سرعت سے وہ ڈبیا گملے پر جھکے ہوئے پتوں کے نیچے ڈال دی۔

میں سیدھا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ایک آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا "مسٹر! تم نے وہاں کیا رکھا ہے؟"

وہ درشت آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں پلٹا تو باہر والا مسلح چوکیدار اندر آ چکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں واضح طور پر شکوک و شبہات نظر آ رہے تھے۔

"یہاں مجھے سرسراہٹ کی آواز آئی تھی۔" بوکھلاہٹ کے عالم میں، میں نے اسے بتایا "شاید اس گملے میں کوئی چوہا گھسا ہوا ہے۔"

"چوہا!" اس نے حیرت سے دہرایا اور تیزی سے آگے گملے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے لیے وہ بہت نازک لمحات تھے۔ چوہے کی تلاش میں محافظ ٹائم بم تک پہنچ جاتا تو میرے فرار کی ہر راہ مسدود ہو سکتی تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ میرے پاس اس محافظ کو ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

وہ جاندار آدمی تھا۔ اس کا گلا گھونٹنا آسان کام نہ ہوتا۔ دوسری طرف مجھے ہر آن کسی ضرورت مند کی ادھر آمد کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ میرے پاس انگوٹھی کا زہر موجود تھا جو میرا سب سے موثر ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے نگینے کو ہتھیلی کے رخ پر گھمایا۔ جوں ہی محافظ چوہا تلاش کرنے کے لیے گملے پر جھکا، میں نے عقب سے جھپٹ کر اس کی برہنہ گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ اپنے منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر اسی گملے پر ڈھیر ہو گیا جس میں ٹائم بم رکھا ہوا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ ٹک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوب رو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن نور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہو گی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے پیچھے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا الپا کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تار ہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے ۔

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کیے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ امریکا پہنچ چکے تھے اور بے کاری کے دن گزار رہے تھے۔ میں نے چھوٹا راجن کے مختلف کلبز میں دھماکے کرنے کی ٹھانی۔ چاؤفان میرے ساتھ تھا۔ سب سے اہم ٹھکانے پر میں خود گیا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ جب میں نے وہاں بم رکھا ہی تھا، ایک محافظ میرے سر پر مسلط ہوگیا۔

اب آپ قسط نمبر 245 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ فرش سے دیواروں تک سفید ٹائلوں سے مزین ایک کافی کشادہ کمرا تھا جہاں ایک طرف دیوار کے ساتھ چھ بڑے بڑے واش بیسن ٹھنڈے اور گرم پانی کی دہری ٹونٹیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ہر واش بیسن کے اوپر الگ دمکتا ہوا آئینہ لگا ہوا تھا' بغلی دیوار کے ساتھ مردوں کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا بندوبست تھا۔ عقب میں ایک قطار سے کموڈ وغیرہ کے ساتھ کئی کیبن بنے ہوئے تھے میں ان میں سے کسی کیبن میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن ان کے دروازوں کی قدرے کشادہ جھریوں سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

مسلح محافظ اس کمرے سے باہر جس طرح جم کر کھڑا تھا اس کے پیش نظر مجھے گمان تک نہیں تھا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اندر کا رخ کرے گا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ یہ دھڑکا تھا کہ گولڈن ڈریگن کا کوئی اور گاہک فطری دباؤ کے تحت مجبور ہوکر ادھر نہ آنکلے۔

ایسی کسی امکانی مداخلت سے بچنے کے لیے میں نے بہت تیزی سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔ محافظ کو وہاں آنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر ہوتی تو میں سرسبز گملے کے پتوں میں ٹائم بم چھپا کر وہاں سے صاف نکل گیا ہوتا۔

قدرت کو وہ منظور نہیں تھا۔ چوکیدار نہ صرف وہاں آیا تھا بلکہ اس نے مجھے گملے میں کچھ ڈالتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ میرے لیے وہ زندگی کے بدترین لمحات تھے۔ میں اسے ذرا بھی مہلت دیتا یا کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ لپک کر... مشکوک گملے تک پہنچ جاتا اور سیاہ ڈبیا میں بند ٹائم بم دریافت کر لیتا۔ اس کی نوعیت سمجھنے کے لیے محافظ یا چوکیدار کو کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ٹائمر چلا چکا تھا۔ بم ہاتھ میں لیتے ہی اسے موت کی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے جاتی اور میرا وہاں سے بچ کر نکلنا ناممکن ہو جاتا۔

گولڈن ڈریگن راجن کی ملکیت تھا۔ بات اس تک پہنچتی تو وہ کسی صورت میں مجھے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سفاکی اور بربریت کے قصے میں سن چکا تھا۔ ڈان نے اس کی بدنگاہی کا بھی ذکر کیا تھا۔ میرے ساتھ جو ہوتا سو ہوتا' غزالہ اس درندے کے ہاتھوں زندہ درگور ہوجاتی۔ اس وقت میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے بہت تیزی سے وہ سب سوچا۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ پاکستان میں زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات کا بہت چرچا ہوچکا۔ انہیں میری شناخت بنا دیا گیا تھا۔ ہاکس بے کے سنی ہٹ کے پاس دو امریکی کمانڈوز اس ہتھیار کے زیادہ پرانے شکار نہیں تھے۔

سوبھراج کو ڈان کے ذریعے اس محافظ کی موت کا سبب معلوم ہوتا تو فوری طور پر اس کا ذہن میری طرف مبذول ہوجاتا۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ زہر کے استعمال کے نتیجے میں بنکاک میں میری موجودگی کا راز فاش ہوسکتا تھا۔

نفع اور نقصان' زندگی اور موت...... وہ سب پلک جھپکتے میں ایک فلم کی طرح میرے ذہن میں گھوم گیا۔ اس وقت میرے لیے اپنی جان بچانا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے گملے پر جھکے ہوئے مسلح محافظ کی

ننگی گردن میں سرعت سے زہر اتار دیا تھا۔
وہاں خون کا کوئی نشان تھا نہ تشدد کی کوئی علامت۔ اس کے باوجود وہ جس غیر فطری انداز میں منہ کے بل گھٹنے گملے کے پتوں پر گرا ہوا تھا اس سے کوئی بھی آنے والا دور سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی اچانک اور ناگہانی حادثہ پیش آیا ہے۔
اسے اٹھایا جاتا تو ٹک ٹک کی بہت مدھم سی آواز پیدا کرتا ہوا ٹائم بم لوگوں کی نظر میں آجاتا۔ گولڈن ڈریگن کے منتظمین کو اس کی اصلیت معلوم ہونے میں دیر نہ لگتی۔ بم کے پھٹنے کا وقت صبح کا تھا کسی نہ کسی طرح اسے ناکارہ بنا دیا جاتا لیکن اگلی صبح راجن کے چار ٹھکانوں پر دھماکے ہونے کے بعد پانچوں واقعات ایک لڑی میں پرو دیے جاتے۔
وہاں بم کی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ کسی بھی طرح گولڈن ڈریگن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔
میں نے مسلح محافظ کو مار کر اپنے خلاف ایک شہادت پیدا کر لی تھی۔ بے مصرف بم کو وہاں چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے مردہ محافظ کے سینے کے نیچے ہاتھ ڈال کر گملے میں سے بم اٹھایا اور کچھ دیکھے بھالے بغیر دوبارہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔
اس زندہ بم کی ٹک ٹک محسوس کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اگلی صبح سے پہلے نہیں پھٹے گا مگر وہ انسان کا بنایا ہوا تھا۔ سرکٹ کے کسی معمولی نقص کی وجہ سے میری جیب میں ایک ہولناک دھماکا ہو سکتا تھا۔
خیالات کی تیز ترین روانی جگہ پر تھی۔ اس کی وجہ سے میری عملی کارروائی میں کہیں بھی کوئی تاخیر نہیں ہوئی۔ بم اپنی جیب میں ڈالتے ہی میں نے واش رومز کا وہ حصہ چھوڑ دیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔
ہال میں جواری اپنے کھیل میں بہت زیادہ منہمک تھے یا پھر ان کے مثانے مضبوط تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ قریب میں کوئی امیدوار موجود نہیں تھا۔ کئی قدم دور سے ایک ادھیڑ عمر امریکی سیدھ باندھ کر ٹوائلٹ کی طرف آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کے باتھ روم میں پہنچنے سے پہلے میں غزالہ تک پہنچ جاؤں گا۔
حالات کی نزاکت کی وجہ سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں پوری قوت سے غزالہ کی طرف دوڑ لگا دوں لیکن میں دل پر جبر کر کے ہموار قدموں سے چلتا رہا۔ میری کوئی بھی غیر معمولی حرکت وہاں کے نگرانوں کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔
اسے معلوم تھا کہ میں کس ارادے سے واش روم کی طرف گیا تھا۔ وہ کسی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر کن انکھیوں سے واش روم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں میں نے گردن کی خفیف سی جنبش سے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔
میرے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک غزالہ نے مزید کسی چیز کا آرڈر نہیں دیا تھا۔ مشروب کے دو گلاس میز پر آئے تھے جن میں سے ایک خالی ہو چکا تھا۔ میرے لیے آنے والا دوسرا گلاس جوں کا توں لبریز رکھا ہوا تھا۔
میری گردن کی جنبش دیکھتے ہی غزالہ نے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔ میرے میز تک پہنچنے کا انتظار کیے بغیر اپنے وینٹی بیگ سے ایک بڑا نوٹ نکال کر خالی گلاس کے نیچے دبا دیا اور وہاں سے اٹھ کر پورے اطمینان سے نکاس کے راستے کی طرف چل دی۔ میں چند قدموں کے فاصلے سے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔
اس وقت میری کیفیت ناقابلِ بیان حد تک عجیب تھی۔ بدن میں رہ رہ کر پھریریاں دوڑ رہی تھیں کہ میں جاتے جاتے کسی ناگہانی مصیبت میں دوچار نہ ہو جاؤں۔
ہال کے سرے پر پہنچنے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اس وقت تک ادھیڑ عمر امریکی نے واش روم جا کر محافظ کی لاش دریافت کر لی ہوگی یہ اور بات تھی کہ اس کی ساکت نبضیں دیکھے بغیر کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔
گڑبڑ کی ابتدا مردہ محافظ کی دیکھ بھال سے ہوتی۔ جب تک لوگوں کو اس کی ہلاکت کا اندازہ ہوتا، ہم دونوں گولڈن ڈریگن سے دور نکل گئے ہوتے۔
میں نے راستے میں عجلت دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی' کیسینو کے باہر ہماری گاڑی موجود نہیں تھی' اسد کسی فرض شناس پیشہ ور ڈرائیور کی طرح ہمارے انتظار میں برآمدے کے نیچے منڈلا رہا تھا تاکہ گاڑی تک ہماری رہنمائی کر سکے۔
ہم دونوں کی جھلک دیکھتے ہی وہ آگے چل دیا۔ گولڈن ڈریگن کے برآمدے سے اتر کر میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں برابر میں پہنچا تو غزالہ نے لاتعلقانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور اس کے قدم بھی تیز ہو گئے۔
چند لمحوں میں ہم اسد کی لائی ہوئی گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔
''آپ کچھ خاموش اور گھبرائے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔'' گاڑی کے حرکت میں آتے ہی غزالہ نے میری طرف

دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی' چلتا ہوا ٹائم بم میری جیب میں ہے وہاں ایک محافظ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھے اس پر انگوٹھی استعمال کرنی پڑ گئی۔'' میں نے مختصر ترین الفاظ میں ان دونوں کو اپنی روداد سے آگاہ کیا۔

''کیا...... زندہ بم تمہاری جیب میں ہے؟'' میرا انکشاف سنتے ہی اسد اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا ''مجھے ایسے بموں کے بارے میں تھوڑی بہت شدبد ہے۔ اسے جیب سے نکالو میں گاڑی کسی ویران مقام پر روک کر اسے ناکارہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''نہیں اسد!'' میں نے سختی سے کہا ''کسی تجربے کی گنجائش نہیں ہے' ذرا بھی گڑبڑ ہو گئی تو ہم تینوں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''تو کیا اس مصیبت کو ساتھ لے کر پھرتے رہو گے؟'' وہ اعصاب زدہ ہوا جا رہا تھا۔

''اگر کوئی بدنصیبی آڑے نہ آئی تو یہ بم صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں پھٹے گا۔ اپنے حواس یکجا کرو اور اسی حالت میں اسے ٹھکانے لگانے کا کوئی طریقہ سوچو!''

اسد چپ ہو گیا۔ غزالہ کے استفسار پر میں نے پورا واقعہ سنا دیا جو بہت مختصر لیکن انتہائی ہولناک تھا۔

''کچھ لیا دیا کام آ گیا تم بال بال بچے ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''گولڈن ڈریگن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں گڑبڑ کرنے والا اچانک غائب ہو جاتا ہے پولیس ڈھونڈتی رہ جاتی ہے مگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ وہاں کا ہر محافظ تربیت یافتہ اور ظالم ہے۔ وہ کسی پر رحم کھانا نہیں جانتے۔''

''آئندہ ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔'' میں نے ہنس کر بے پروائی سے جواب دیا۔ میں خود بھی اس واقعے کے اعصاب شکن اثرات سے نکلنے کی شعوری کوشش کر رہا تھا

''ہم نے ابھی تک بم کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا!'' غزالہ نے مخل ہو کر ہم دونوں کو یاد دلایا۔

''گاڑی کسی ویرانے کی طرف نکال لو۔'' میں نے اسد سے مخاطب ہو کر کہا ''موقع پا کر بم وہیں کہیں پھینک دیں گے تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو۔''

''اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا ''رات کے اندھیرے میں ہر غیر آباد جگہ ویرانہ نظر آتی ہے کیا پتا اجالا پھیلتے ہی وہاں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو جائے۔ تمہارے حساب سے یہ بم صبح گیارہ بجے کے لگ بھگ پھٹے گا۔''

''ہم نے اس سے چھٹکارا نہ پایا تو یہ بم ہمیں لے ڈوبے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ دریا کی طرف نکلا جائے۔'' اسد نے تجویز پیش کی۔

''کس دریا کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دریائے چاؤ پرایا۔'' اس نے کہا ''بنکاک کسی طرح لندن سے کم نہیں ہے یہ دریا شہر کے وسط میں بہتا ہے۔ پل سے دریا عبور کرتے ہوئے تم اس منحوس بم کو دریا میں اچھال دینا جان چھوٹ جائے گی۔''

''اگر بم کسی کشتی وغیرہ پر جا گرا تو کیا ہوگا۔''

''رات کو دریا میں زیادہ کشتی رانی نہیں ہوتی۔ بنکاک کی تفریحات دوسری ہیں۔ دریا کی تہ گہری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانی میں بھیگ کر بم ناکارہ ہو جائے۔ یہ دریا کی تہ میں پھٹا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ گہرائی میں دھماکے کی آواز بھی دب جائے گی۔''

اسد کی وہ تجویز قابلِ عمل محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا ''دریا یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''میں گاڑی اس راستے پر ڈال چکا ہوں۔ چند منٹ میں ہم میموریل برج پر سے گزریں گے۔ میں گاڑی کی رفتار دھیمی رکھوں گا۔ تم دیکھ بھال کر اپنا کام کر لینا۔''

اس سمت میں سفر جاری رہا۔ ہمارے درمیان گزرے ہوئے واقعے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے اپنے ذہن میں جائے واردات کا پورا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہمارے فرار کے بعد کے واقعات کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھے اور مسلسل قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں خاموشی سے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

وہ علاقہ زیادہ روشن نہیں تھا۔ دور سے دریا کے تاریک پانی میں قرب و جوار کی روشنیوں کا انعکاس نظر آ رہا تھا۔ گاڑی پل پر چڑھی تو اسد کے اندازے کی تائید ہو گئی۔ دریا میں تیرتی ہوئی روشنیوں کے فقدان سے میری ہمت بندھی اور میں نے جیب سے سیاہ وزنی ڈبیا نکال کر اپنی سمت کا پورا شیشہ اتار دیا۔

اسد کہہ چکا تھا کہ دریا گہرا ہے مگر میں بھی عقل سے پیدل نہیں تھا وہ گہرائی دریا کے وسط ہی میں مل سکتی تھی میں نے مڑ کر دیکھا ہمارے پیچھے زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ اسد کی سمت

روی کی وجہ سے دو گاڑیاں تیزی سے قریب آتی جارہی تھیں۔ یکے بعد دیگرے وہ دونوں گاڑیاں ہمارے برابر سے آگے نکل گئیں۔ اس وقت اس کی کار پل کے وسط سے ذرا دور تھی۔ اس سے پہلے کہ ہمارے پیچھے کسی اور گاڑی... کی روشنیاں نمودار ہوتیں، میں نے بم کو اپنے ہاتھ میں تولا اور سیٹ سے اچک کر اسے پوری قوت سے کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ وہ فضا میں اڑتا ہوا نیچے کی طرف چلا اور لمحہ بھر میں نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

میں دم بخود اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے غزالہ بھی سہمی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میرے کان کسی بھی لمحے دھماکے کے منتظر تھے۔

اسد باقاعدہ ڈرائیور کے روپ میں تھا اس لیے اس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ ہم دونوں عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ کب کیا ہوا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا ''میدان صاف ہے اب اسے پھینک دو!''

''بم اب تک دریا میں تہ نشین ہو چکا ہوگا۔'' میں نے اسے مطلع کیا ''میں پہلے ہی اس بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوں۔''

''زندہ باد!'' اسد نے بے ساختہ کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

میموریل برج کے اختتام پر واقعی کوئی یادگار تھی جہاں روشنیوں کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا مگر اس وقت ہم تینوں میں سے کسی کو ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی، اسد اپنی گاڑی حتی الامکان تیزی سے بھگاتا لے گیا۔

اسد کی معلومات کے مطابق اس دریا پر کئی پل تھے۔ وہ کسی دوسرے پل سے دریا کو واپس عبور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے فرمائش کی کہ وہ دوبارہ اسی طرف سے لوٹے جہاں سے ہم آئے تھے تاکہ ہمیں اپنے پھینکے ہوئے ٹائم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

اس نے میری بات مان لی۔ ہم وہیں سے گزرے، دونوں سمتوں کا ہلکا پھلکا ٹریفک پل پر سے معمول کے مطابق گزر رہا تھا۔ کہیں کوئی ہلچل نظر نہیں آرہی تھی۔ ان علامتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بم ایک چھپاکے کے ساتھ دریا کی دلدلی تہ میں بیٹھ چکا تھا۔ امید یہ تھی کہ پانی میں غرق ہو جانے کی وجہ سے وہ مقررہ وقت پر ناکارہ ثابت ہوگا۔

''سب کچھ خیریت سے ہوگیا، صبح گولڈن ڈریگن پر دھماکا نہیں ہو سکے گا۔'' غزالہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا ''چاؤ کے چاروں پھول شاید کھل جائیں گے۔''

''میری کوشش کو چاؤ فان کی نظر لگ گئی۔ وہ مسلسل مجھے اس کوشش سے باز رہنے کے مشورے دے رہا تھا'' میں نے جواب دیا۔

''وہاں کے محافظ کو مار کر تم نے دھماکے سے بڑا دھماکا کر دیا ہے۔'' اسد حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا ''آج چھوٹا راجن کی نیند حرام ہو جائے گی۔ لاش کا معما حل ہونے سے پہلے صبح چار دھماکے بھی ہو جائیں گے۔''

''چاؤ کی دم اونچی ہو جائے گی۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''وہ بدمعاش مجھے ماسٹر کہتا ہے لیکن میرے ساتھ اس کا رویہ کسی اتالیق جیسا ہوتا ہے۔''

''اس طرف کے لوگوں سے آپ کا تال میل نہیں ملتا۔'' غزالہ ہنس کر بولی ''ڈان کوانگ فو، ڈان برنارڈ اور اب چاؤ فان آپ سے ٹکرایا ہے۔''

باتوں باتوں میں ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ اسد نے ہمیں پورچ میں اتارا اور وہیں سے گاڑی میں ہوا ہو گیا۔

ہم دونوں کمرا کھول کر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور پھاڑ کھانے والی آواز میں ہیلو کہا۔

''ماسٹر! گرم معلوم ہو رہے ہو!'' میرے کان میں چاؤ کی دھیمی آواز گونجی ''وہاں تم بہت کرارا کام کر کے آئے ہو!''

میری سمجھ میں نہ آسکا کہ میں فون پر اس کی بات کا کیا جواب دوں۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا ''تم کہاں ہو؟''

''میں نیچے لابی میں ہوں، کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم وہاں سے بہت پہلے نکل گئے تھے۔ اتنی دیر کہاں ہو گئی؟''

اس نے ایک سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ ابتدائی فقروں میں پورے وثوق سے کرارے کام کا حوالہ دے کر اس نے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ وہ گولڈن ڈریگن میں رونما ہونے والی واردات سے باخبر تھا۔

میرے ذہن میں کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ وہ مقررہ وقت پر کسی کونے کھانچے سے کیسینو میں آنے جانے والوں کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اس نے ہمیں کیسینو میں جاتے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید ہمارے گاڑی تک پہنچنے سے پہلے کیسینو میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ گولڈن ڈریگن جیسی پرسکون جگہ پر کسی ملازم کا پراسرار حالات میں بے ہوش پایا جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے الکحل کے نشے میں مخمور جواریوں کو ہراساں کر دیا ہوگا۔ مجھے پوری امید تھی کہ پہلی نظر میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ محافظ اپنی زندگی کے بوجھ سے ہمیشہ

کے لیے آزاد ہو چکا تھا۔

تفریحی مقامات پر رونما ہونے والے معمولی واقعات بھی اہم ثابت ہوتے ہیں اور ذرا سی دیر میں وہاں اُلّو بولنے لگتا ہے۔ چاؤ نے گولڈن ڈریگن سے من چلوں کی اچانک روانگی کا منظر دیکھتے ہی اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

ہم دونوں کو اس نے خیریت کے ساتھ وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے مشن سے پوری طرح باخبر تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ میں نے اپنا کام پورا کردیا تھا اور ہم وہاں سے واپس اپنے ہوٹل جائیں گے۔

چاؤ گولڈن ڈریگن میں یکا یک رونما ہونے والی افراتفری کے اسباب جاننے کے لیے وہاں رک گیا۔ اسی دوران میں یہ انکشاف ہوگیا ہوگا کہ واش روم میں پایا جانے والا مسلح محافظ بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ مر چکا تھا۔

وہ وہاں سے پوری بات کا کھوج لگانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ محافظ کی موت کا میرے مشن سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ اس نے ہمارے ہوٹل کی طرف دوڑ لگادی۔ اس کے اندازے کے مطابق ہمیں اس سے پہلے اپنے ہوٹل پہنچ جانا چاہیے تھا مگر ہم غائب تھے اور ٹائم بم کی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مخالف سمت میں دریا کے پار نکل گئے تھے۔

میں نے شاید ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ان سب نکات کے بارے میں سوچا اور فون پر چاؤ سے کہا ''فوراً واپس چلے جاؤ اس وقت تمہارا یہاں پایا جانا بہت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ میں الجھن سے دوچار ہوگیا تھا۔ کل دن میں ملاقات ہوگی۔''

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ وہ زیر زمین دنیا کا ایک سکہ بند آدمی تھا۔ میرا جواب سن کر اسے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا۔

''کون تھا؟'' غزالہ نے اسی لمحے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''ان اطراف کے لوگ جونک ہوتے ہیں۔'' میں نے بےزاری سے جواب دیا ''جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اُلّو کا پٹھا مجھ سے بات کرتا ہے تو ماسٹر ماسٹر کرتے ہوئے آدھا ہوا جاتا ہے اور اب میری نگرانی کررہا تھا۔ اسے سب معلوم ہے۔ پوچھ رہا تھا کہ مجھے وہاں سے ہوٹل پہنچنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی!''

''ایسے جاں نثار معاون مشکل سے ملتے ہیں۔ آپ کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ڈان نے کچھ سوچ سمجھ کر اسے آپ کے حوالے کیا ہے۔'' غزالہ نے ہنس کر مجھے چڑانے کی کوشش کی۔

''آئندہ اس نے میری اجازت کے بغیر ایسی حرکت کی تو اس کی ایسی قدر کروں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''ویرا سچ کہتی ہے۔ جہاں آپ کے قدم جاتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی کام پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ گولڈن ڈریگن میں سیدھا سا کام تھا لیکن وہ ناگہانی سامنے آکر اپنی جان گنوا بیٹھا۔ خدا کرے کہ افراتفری میں کسی نے ہماری طرف دھیان نہ دیا ہو۔''

''ہمارے بارے میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔ مجھے صرف اس ویٹر کی فکر ہے جو تمہاری میز پر مشروب لایا تھا۔ میرا گلاس بھرا ہوا تھا اور تم ویٹر کا انتظار کیے بغیر بڑی مالیت کا ایک نوٹ میز پر رکھ کر آگئی تھیں۔ اس کے لیے یہ بات بھلانی مشکل ہے'' میں نے ویرا کے حوالے کو دانستہ نظر انداز کرکے کہا۔

''اسے واقعہ ضرور یاد رہے گا، میری شکل یاد نہیں رہ سکتی'' غزالہ نے وثوق سے کہا ''جب کسی حادثے کی خبر اچانک پھیلتی ہے تو جائے واردات کے آس پاس پائے جانے والے لوگوں کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔ ذہن میں اٹکی رہ جانے والی چیزیں بھی یقین اور بےیقینی کے درمیان گم ہوجاتی ہیں۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو'' میرے دل سے بےساختہ دعا نکلی ''رات یوں ہی گزر جائے گی۔ کل پتا چلے گا کہ ہمارے چلے آنے کے بعد حالات کیا رہے تھے؟''

''یہاں ایک بڑی خرابی ہے کہ ہر طرف مقامی زبان کا راج ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ مقامی ٹی وی پر کیا ہورہا ہے۔ ابھی تک مجھے کوئی انگریزی پروگرام نظر نہیں آیا۔ ہمیں کہیں سے تازہ خبریں نہیں مل سکیں گی۔ بازار میں کوئی انگریزی اخبار ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''مختصر دورانیے کی انگریزی خبریں ضرور آتی ہوں گی۔ وقت کا دھیان رکھنا ہوگا'' میں نے کہا ''یہاں دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں اور وہی تھائی لینڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کے لیے انگریزی پروگرام بھی آتے ہوں گے۔ اس بارے میں اسد سے معلوم کرنا پڑے گا۔ معتبر انگریزی اخبار کے بارے میں بھی وہی بتا سکے گا۔''

میں نے چاؤ کو اپنی دانست میں ڈانٹ کر اس سے بات کرنے سے انکار کردیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہوا تو میرے

ذہن میں ایک خلش موجود تھی۔ غصے میں آ کر مجھے اس سے یہ پوچھنا ہی یاد نہیں رہا تھا کہ شہر میں پائے جانے والے راجن کے بقیہ چار ٹھکانوں میں ٹائم بم نصب کرنے کے پروگرام کا کیا رہا تھا۔

غزالہ من موجی عورت تھی۔ گھر کے کاموں سے لے کر بیرونی مہم جوئی تک پر پوری سنجیدگی سے محنت کرتی تھی۔ جب تک کوئی بھی کام اس کے سامنے رہتا تھا، وہ جی جان سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف رہتی تھی، اسے بھول کر بھی آرام کا خیال نہیں آتا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہو کر وہ بستر پر دراز ہوتی تو ذرا سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند کی آغوش میں پہنچ جاتی تھی۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی اس کی بے فکری کی نیند میں حارج نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی اور مجھ سے باتیں کرتے کرتے سو گئی۔

مجھے اکثر اس پر رشک آتا تھا۔ میں اس کی طرح دنیا جہان کے بکھیڑوں کو نہیں بھول سکتا تھا۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ادھورے رہ جانے والے کام ایک آسیب بن کر میرے ذہن پر سوار ہو جاتے اور جب تک سوچتے سوچتے میرے اعصاب شل نہ ہو جاتے، نیند کی دیوی مجھ سے روٹھی رہتی۔

اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی۔ اسد اپنا کام خوش اسلوبی سے نمٹا کر اپنے گھر جا چکا تھا۔ چاؤ کو میں نے ہوٹل سے بھگا دیا تھا۔ ڈان برنارڈ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ راجن کے معاملے کو میرے اور چاؤ کے سپرد کر دینے کے بعد ہماری سرگرمیوں میں کس حد تک دلچسپی لے رہا تھا۔

مجھے جو کچھ کرنا تھا، میں کر گزرا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شومئی قسمت کی وجہ سے میرا ہدف از خود بدل گیا تھا۔ میں اگلی صبح گولڈن ڈریگن کی عمارت کو نقصان پہنچانے کا کوئی بندوبست نہیں کر سکا تھا۔ راجن کے قیمتی کیسینو کے بجائے اس کا ایک تربیت یافتہ نمک خوار میرا نشانہ بن گیا تھا۔

رات بہت لمبی تھی۔ نیند کب تک نہ آتی۔ کمرے کی خوابناک اور خنک فضا نے آخر کار مجھے نیند کی دیوی کی آغوش میں پہنچا دیا۔

میں دیر سے سویا تھا اس لیے صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ غزالہ مجھ سے پہلے نہ صرف بیدار ہو چکی تھی بلکہ اس نے تیار ہونے کے بعد کمرے میں ہی ناشتا بھی کر لیا تھا۔ ہوٹل کی روم سروس کا عملہ بہت مستعد تھا۔ وہ کمرے میں جھوٹے برتن زیادہ دیر تک نہیں چھوڑتے تھے۔ کمرے میں موجود ٹرے وغیرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ غزالہ کو ناشتا کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

میں نے بستر سے اٹھ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر میری نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

پچھلی رات اس نے گولڈن ڈریگن جانے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی تو میں نے رواروی میں اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ اس وقت غزالہ کے چہرے پر نظر پڑی تو مجھے احساس ہوا کہ پچھلی شب اس نے میک اپ کا سہارا لے کر اپنے چہرے مہرے کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ دوبارہ اسے اس حیثیت میں کسی طرح نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔

''صبح ہی صبح میرے چہرے کو کیا تک رہے ہیں؟'' غزالہ نے میری تیز... نگاہوں سے کسمسا کر خفت آمیز لہجے میں کہا۔

''اللہ کی قدرت دیکھ رہا ہوں'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''رات کو تم آفت کی پرکالہ بنی ہوئی تھیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ کل رات تم گولڈن ڈریگن میں تھیں۔''

''آپ کو میرا وہ روپ اچھا لگا ہو تو میں پاکستان جانے کے بعد وہی ڈھنگ اپنا لوں گی'' اس نے خوش ہو کر ایک ادا سے کہا ''میں نے کوشش کی تھی کہ میک اپ سے میری شکل صورت بدلی ہوئی نظر آئے۔ شاید میں اس کوشش میں کامیاب رہی، مجھے یہ گر ویرا نے سکھائے ہیں۔''

''مجھے سرخی پاؤڈر اور ایسے دوسرے لوازم کھانے کا شوق نہیں ہے۔ تم جیسی ہو اسی طرح زیادہ اچھی اور لذیذ لگتی ہو؟'' میں نے ذومعنی لہجے میں اس کی ستائش کی ''فی الحال میرے لیے ناشتے کا آرڈر دے دو۔ میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں'' اس کا آخری فقرہ میں نے نظر انداز کر دیا۔

اسے ہدایت دیتا ہوا میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں شاور سے گرنے والی ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہوا نہا رہا تھا کہ مجھے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ شاید غزالہ نے فون اٹھا لیا تھا۔

میرا ذہن فون کی طرف مبذول ہو گیا۔ میں نے تیزی سے شاور میں پانی کا بہاؤ بڑھا دیا تا کہ بدن پر لگے ہوئے صابن سے جلد چھٹکارا مل جائے۔

میں غسل ختم کر کے تولیے سے بدن خشک کر رہا تھا کہ باتھ روم کے دروازے پر غزالہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ''آپ کے ہم زاد کا فون تھا۔ وہ دس منٹ بعد دوبارہ فون کرے گا۔''

بنکاک میں میرے دو ہم زاد کہے جا سکتے تھے۔ ایک

اسد اور دوسرا چاؤ۔ پتا نہیں وہ کس کا فون تھا۔ میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بدن خشک کر کے کپڑے پہنے اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔

''میرے کس ہم زاد کا فون آیا تھا؟'' باہر آتے ہی میں نے غزالہ سے پوچھا۔

''وہ بے چارہ ایک ہی تو ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولی ''رات کو آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اب وہ ہوٹل نہیں آیا، کہیں اور سے فون کر رہا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ آپ نہا رہے ہیں......''

''یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر قدرے سختی سے کہا ''تم نے اسے دیکھا ہے، نہ اب سے پہلے اس کی آواز سنی تھی۔ تم نے کیسے یقین کر لیا کہ آنے والی کال چاؤ فان ہی کی تھی؟''

''میری آواز سنتے ہی اس نے نہایت فدویانہ انداز میں ماسٹر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد اس پر شبہ کرنے کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی تھی۔''

''اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی ''آپ اس بے چارے کے بارے میں اتنے بدگمان کیوں ہو رہے ہیں، وہ مجھے مادام کہہ رہا تھا۔''

''آہستہ آہستہ یہ باتیں سمجھنے لگوگی'' میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا ''میرے ہاتھوں ایک آدمی کی ہلاکت کے بعد ہماری پوزیشن بہت نازک ہوگئی ہے۔ آئندہ محتاط رہنا۔ تم کو سب سے پہلے اس کا نام پوچھنا چاہیے تھا۔''

اس نے کسی تاخیر کے بغیر اپنی غلطی مان لی، بات وہیں ختم ہوگئی۔

چند منٹ بعد میرے لیے ناشتا آ گیا۔ ناشتے کے دوران میں چاؤ کا فون آ گیا۔

''ماسٹر!'' میری آواز سنتے ہی چاؤ مودب انداز میں بولا ''میں مارکیٹ کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''مگر ہمارا تو کوئی پروگرام طے نہیں تھا!'' میں نے دانستہ بے اعتنائی سے کہا۔

''میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں، پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ کسی ایک گملے کے پاس موجود رہنا چاہتا ہوں۔''

میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ سوئیاں واقعی پونے گیارہ بجا رہی تھیں، پندرہ منٹ بعد راجن کے ٹھکانوں پر تباہی نازل ہونے والی تھی۔

''میں ناشتے سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اسے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

''کیا اس کے ساتھ آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' غزالہ نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''اس کا دماغ خراب ہے۔ وہ کسی ایک ٹھکانے کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ وہ اپنے ساتھ مجھے بھی مروائے گا۔ وہ گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا ہوگا۔ میں اس سے مل کر تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔'' میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔

میں نے عجلت میں ناشتا ختم کیا اور بیم گن اپنی جیب میں ڈال کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ میں خود بھی اس سے مل کر کئی سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے آدمی بھی میری طرح ناکامی سے دوچار نہ ہوئے ہوں۔ اس نے پندرہ منٹ بعد کسی گملے کے پاس موجود رہنے کی خواہش ظاہر کر کے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ پچھلی رات کم ازکم اس کے سب آدمی ناکام نہیں ہوئے تھے۔

بنکاک ایک وسیع شہر ہے۔ میں مختصر سی مدت میں اس کے ہر علاقے سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہوٹل کے قرب وجوار کا جغرافیہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا اس لیے مجھے ہوٹل سے نکل کر مارکیٹ کے مجوزہ چوراہے تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

اس وقت تک اس علاقے میں کاروبار پوری طرح بحال نہیں ہوا تھا لیکن سڑک پر بسوں اور گاڑیوں وغیرہ کا خاصا ہجوم تھا۔ ڈرائیوروں کی عجلت پسندی اور بدنظمی کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ اصولی طور پر ان اوقات میں وہاں گاڑی پارک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود چاؤ نے اپنی کالی اکارڈ نہایت ڈھٹائی سے ایک طرف کھڑی کی ہوئی تھی۔ وہ بنکاک کا چلن تھا۔ کسی کو اس سے شکایت نہیں تھی۔ سب گاڑیاں کالی اکارڈ سے بچ کر گزر رہی تھیں۔

غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ چاؤ کی بے چین نظریں میری تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اس نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ میرے سوار ہونے سے پہلے وہ اپنی گاڑی کا انجن چلا چکا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے ایک ہچکولے سے اپنی گاڑی آگے بڑھا لی۔ اس کے پیچھے سے

آنے والی کئی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بال بال بچیں۔ کچھ دل جلوں نے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ بے فکری سے ٹریفک میں اپنا راستہ بناتا رہا۔

''تم نے پیچھے سے آنے والوں کے ساتھ زیادتی کی ہے'' میں اس کی حرکت پر اپنی زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا ''کوئی غصہ ور ڈرائیور اتر کر تمہارا گریبان تھام سکتا تھا۔''

وہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! تم یہاں پردیسی ہو۔ رفتہ رفتہ ہم لوگوں کے مزاج کو سمجھ جاؤ گے۔ ہم ٹھنڈے ماتھے کے لوگ ہیں۔ غصہ کر کے رہ جاتے ہیں۔ ہاتھا پائی نہیں کرتے اور ویسے بھی تم دیکھو، اس ٹریفک میں اتنا راستہ کہاں ہے جو کوئی میرے برابر میں آ کر منہ در منہ گالی دے۔ کوئی اپنی گاڑی چھوڑ کر لڑنے کے لیے اترے گا تو پیچھے والے اسے گھسیٹ کر واپس اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچا دیں گے۔ یہ بنکاک ہے، یہاں یہ سب چلتا ہے'' اپنی بات پوری کر کے وہ پھر ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی ہنسی کا سلسلہ ختم کرانے کے لیے میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے فون پر بتایا تھا نا'' وہ بے پروائی سے بولا ''چھوٹا راجن کا بے بی کلب یہاں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں گیارہ بجے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''میں وہاں نہیں جاؤں گا'' اس کی بے نیازی پر مجھے واقعی غصہ آ گیا۔

''ارے ماسٹر! غصہ کیوں کر رہے ہو؟ وہاں گملے میں پھول کھلتا دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔ میں نے رات تمہارا کام دیکھا تھا۔ اب تم میرا کام دیکھو!''

''ماسٹر میں ہو یا تم؟'' میں نے بھنا کر سوال کیا۔

''ماسٹر تو تم ہی ہو۔ میں تمہارا معمولی خادم ہوں'' اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔

''بس، میرا حکم ہے کہ ہم کسی گملے کی طرف نہیں جائیں گے'' اس کی آواز کی کمزوری بھانپ کر میں شیر ہو گیا۔

''جیسی تمہاری مرضی!'' وہ منہ لٹکا کے بولا ''شاید تم ڈر رہے ہو کہ کہیں کوئی تمہیں پہچان نہ لے۔ یہ خدشہ بے کار ہے۔ رات کو تم نے کمال کی تیاری کی تھی۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ راجن کا مرنے والا آدمی زندہ ہو جائے تو وہ بھی اب تمہیں نہیں پہچان سکتا۔''

اس کا انداز سعادت مندانہ تھا لیکن باتیں سلگانے والی تھیں۔ میں نے چیخ کر کہا ''میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن جان بوجھ کر اپنی گردن چھری کے نیچے دینے کا قائل نہیں ہوں۔ وہاں جو کچھ ہو گا، تھوڑی دیر میں پورے شہر کو معلوم ہو جائے گا۔''

غنیمت ہوا کہ اس بار چاؤ خان نے اپنی زبان نہیں کھولی، سر ہلا کر رہ گیا۔

''کچھ دیر پہلے تم نے بے بی کلب کا نام لیا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر سوال کرنا پڑ گیا۔

''بے بی کا مطلب بتاؤں یا کلب کا؟'' اس نے بے ساختہ معصومیت سے پوچھا۔

میں نے گھور کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں گمبھیر سنجیدگی کا راج تھا۔ مذاق کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ یکا یک میرا اشتعال دور ہو گیا۔ میں نے نرمی سے کہا ''دونوں کا مطلب بتاؤ۔ وہ کس قسم کا کلب ہے؟''

''درمیانے درجے کا نائٹ کلب ہے۔ وہاں بیس سال سے کم عمر کی لڑکیاں اپنی اپنی کھال میں ناچتی ہیں اس لیے اس کا نام بے بی کلب رکھا گیا ہے۔ دو بجے فلور شو ختم ہوتا ہے تو وہ ان تماشائیوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں جن کو وہ شو کے دوران میں تاک چکی ہوتی ہیں۔''

''وہ کلب دھڑلے سے چل رہا ہے؟''

''ہاں ماسٹر...... اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ بنکاک میں ایسے کئی نائٹ کلب ہیں مگر راجن نے نام چھانٹ کر بہت انوکھا رکھا ہے۔ سب کو لائسنس ملے ہوئے ہیں۔ کلب والے کسی ڈانسر کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ پیسہ کمانے کے شوق میں لڑکیاں خود وہاں آتی ہیں۔ رات گہری ہوتی ہے تو ان نائٹ کلبوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ آنے والے دونوں ہاتھوں سے ڈالر لٹاتے ہیں اور خوش ہو کر جاتے ہیں۔''

''نابالغ اور کم سن لڑکیوں کو اس گندے دھندے میں لگانا سنگین جرم ہے۔ ان کو اس کام کے لائسنس کون دیتا ہے؟''

''ماسٹر! تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ یہاں سیکس مافیا بہت مضبوط ہے۔ یہ لوگ ہر کام دیکھ بھال کر کرتے ہیں۔ بارہ برس کی لڑکی کو فلور پر لانے سے پہلے اس کے پکے کاغذات بنوا لیے جاتے ہیں جن کی رو سے وہ بالغ ہوتی ہے۔ ریکارڈ کی رو سے پورے بنکاک کے کسی نائٹ کلب میں اٹھارہ برس سے کم عمر کی کوئی لڑکی نہیں مل سکتی۔ ڈانسر ہو یا ویٹریس، سب بالغ ہوتی ہیں، یہ دھندے ہر فریق کی رضامندی سے ہوتے

ہیں۔“

بے بی کلب سے بات نکلی اور دور چلی گئی۔ دنیا کے کس بڑے شہر میں ایسے گھناؤنے دھندے نہیں ہو رہے تھے۔ لندن، پیرس اور نیویارک جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ نام نہاد کاروبار اس سے زیادہ کریہہ صورتوں میں خوب پھل پھول رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک کو ذرا زیادہ شہرت دے دی گئی تھی۔ اس بگاڑ پر میرا خون کھولانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چاؤ فان ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو کر مجھے ان رموز سے آگاہ کر رہا تھا تو مجھے ان باتوں پر جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ میرا ملک تھا نہ میری قوم!

”تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری اس وقت کی ملاقات کا کیا مقصد تھا؟“ قدرے توقف کے بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

”ماسٹر! مجھے یہ الزام نہ دو“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا۔ تم نے بے بی کلب کی طرف جانے سے انکار کر کے بات ختم کر دی!“

”پھر گاڑی کنارے سے لگا کر مجھے اتار دو“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”میں یہاں سے ٹہلتا ہوا اپنے ہوٹل چلا جاؤں گا۔“

”ضرور چلے جانا۔ میری بس ایک گزارش ہے کہ مجھے رات کی کتھا سنا دو“ اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ”رات کو مرنے والے کی لاش اتنی تیزی سے نیلی ہونا شروع ہوئی کہ گولڈن ڈریگن میں سانپ، سانپ کا شور مچ گیا۔ کیسینو کا خوف زدہ عملہ بہت دیر تک وہاں انڈین کوبرا تلاش کرتا رہا، تم نے اسے کیسے مارا تھا؟“

”وہ انڈین کوبرا کے زہر سے مرا ہے۔ زہر اتنی تیزی سے کام کرتا ہے کہ اس کا شکار ہونے والے کو اپنا سانس پورا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔“

”یہ زہر تم اپنے شکار کے بدن میں کیسے اتارتے ہو؟“ اس بارے میں چاؤ فان کا تجسس حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

”ایک بہت خاص اور مختصر سا ہتھیار ہے“ میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔

”افریقی بلو پائپ جس میں زہریلا تیر رکھ کر منہ سے پھونک ماری جاتی ہے اور ہلکا تیر اڑتا ہوا نشانے میں پیوست ہو جاتا ہے“ اس نے تائید طلب لہجے میں قیاس آرائی کی۔

”آسانی کے لیے کچھ ایسا ہی سمجھ لو“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”ماسٹر! تم مجھے چکر دے رہے ہو؟“ اس نے میرے

چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔ ''میں دیر تک گولڈن ڈریگن کے آس پاس منڈلاتا رہا تھا۔ تیرا استعمال کیا گیا ہوتا تو بات صاف ہو جاتی۔ وہ لوگ کوبرا کی تلاش میں پورے کیسینو کو تہ و بالا نہ کرتے۔ لاش میں کوئی تیر نہیں تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیا منتر پڑھا تھا؟''

''میں تمہیں کوئی چکر نہیں دے رہا۔ تم نے خود بلو پائپ کا نظریہ پیش کیا۔ اب خود اس کی تردید کر رہے ہو۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار ہے، میں تمہیں بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس کے بدن میں خارجی طریقے سے زہر داخل کیا گیا تھا۔''

''ماسٹر! تم بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''لاٹھی اور گولی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن زہر......'' وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''رات والے واقعے کے بارے میں تمہارے اصلی ماسٹر کی کیا رائے ہے؟'' چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا اشارہ ڈان برنارڈ کی طرف تھا۔

وہ فوراً میری بات سمجھ گیا اور خشک لہجے میں بولا ''تم اس کی ہدایت کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیا اس نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب تم بھول کر بھی اس کا نام اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے؟''

''اس نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہ ضرور کہا تھا کہ اب میں سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایک ہی بات ہے۔ ویسے تم میرے ماسٹر ہو۔ میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا لیکن یہ نکتہ کان کھول کر سن لو کہ اب تم بڑے آدمی کا کوئی ذکر نہیں کرو گے۔ تم نے ایسی غلطی کی تو ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ سنگین نتائج کے تم خود ذمے دار ہو گے۔''

اس کا لہجہ ایسا سرد اور سفاکانہ تھا کہ میرے بدن میں پھریری سی دوڑ گئی۔ میں اس کے بارے میں اس سے کوئی اور سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ گاڑی ٹریفک میں اپنی راہ بناتی رہی۔ ڈان کے بارے میں رازداری کے حوالے سے ایک کھلی دھمکی دے کر چاؤ فان نے ماحول میں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنی دھمکی کی اہمیت جتانے کے لیے مجھے خاموشی کے ساتھ ہوٹل کی طرف لے جا رہا ہوگا۔

چند منٹ بعد فاسٹ فوڈ کی ایک مخصوص دکان دوبارہ میری نظروں کے سامنے سے گزری تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ فاسٹ فوڈ کی بڑی اور عالمگیر چین سے تعلق رکھنے والی بیشتر دکانیں یکساں انداز میں بنائی اور سجائی جاتی ہیں اور ہر سلسلہ اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ کی وجہ سے الگ پہچانا جاتا ہے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دو دکانوں کی یکسانیت کا معاملہ نہیں تھا۔ چند منٹ کی مدت میں ہم دوسری بار اس دکان کے سامنے سے گزرے تھے۔

''ہم ایک ہی علاقے میں کیوں گھوم رہے ہیں؟'' نرم الفاظ میں کسی شک و شبہے کا اظہار کرنے کے بجائے میں نے چاؤ فان سے دوٹوک الفاظ میں پوچھا۔

کچھ دیر پہلے کی ترشی کو بھول کر وہ اچانک ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! تم بہت چالاک ہو...... تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ ہم ایک علاقے میں گھوم رہے ہیں؟''

پہل اس نے کی تھی۔ میں نے بھی جمود توڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا ''ہم کے ایف سی کی ایک برانچ کے سامنے سے دوبارہ گزر رہے ہیں۔''

''تمہارا مشاہدہ واقعی بہت تیز ہے'' یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھی ''تم نے مجھے بے بی کلب کی طرف جانے سے روک دیا، میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ اب گیارہ بج کر پانچ منٹ ہو رہے ہیں۔ چاروں ٹھکانوں پر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہوگا۔ اگر تم اجازت دو تو اب دور سے بے بی کلب کا جائزہ لیتے ہوئے گزر جائیں۔''

چاؤ فان کی وہ خواہش غیر فطری نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے آدمیوں کی کارکردگی دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ چاہتا تو تنہا ادھر جا سکتا تھا، میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ ادھر گیا تھا۔

وہ ہر کام ترتیب اور تیزی سے کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گیارہ بجے تک بیکار بیٹھنے کے بجائے مجھے بلا لیا تھا کہ میری زبان سے گولڈن ڈریگن کا اصل احوال سن سکے۔ میرا کارنامہ اس نے دیکھ لیا تھا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے اپنی کارگزاری دکھانے کا خواہش مند تھا۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔

سوا گیارہ بجے کے قریب مجھے ٹریفک کے بے ہنگم الجھاؤ، رکاوٹوں اور افراتفری سے اندازہ ہو گیا کہ چاؤ فان کی گاڑی راجن کے بے بی کلب کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لمحہ بھر بعد چاؤ فان کے مسرت آمیز لہجے نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔

''یہاں تو کچھ زیادہ ہی گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے، ماسٹر!''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"ماسٹر! وہ دیکھ رہے ہو...... تین اونچے اور دیوہیکل بل بورڈز......" وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "چھوٹا راجن کا قحبہ خانہ ٹھیک ان بل بورڈز کے سائے میں ہے۔ بم زیادہ طاقت ور نہیں تھے، پھر بھی ان سے کافی دہشت پھیلی ہے، سب کچھ درہم برہم نظر آ رہا ہے۔"

"تم بے بی کلب کی بات کر رہے ہو؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"اس وقت میں اور کس کی بات کروں گا!"

کچھ آگے بڑھنے کے بعد ٹریفک کی حد سے زیادہ بدنظمی کا سبب میرے سامنے آ گیا۔

اگر چاؤ فان کے آدمیوں کا نصب کیا ہوا ٹائم بم گیارہ بجے ہی پھٹنا تھا تو بے بی کلب میں اس واقعے کو رونما ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس قلیل مدت میں بھاری پولیس فورس کے ساتھ امدادی ٹیمیں بھی جائے وقوعہ پر پہنچ چکی تھیں۔ ان کی امدادی کارروائیوں میں سہولت کے لیے پولیس والوں نے عارضی رکاوٹیں کھڑی کر کے آدھی سڑک کو ہر قسم کے ٹریفک کے لیے بند کر دیا تھا۔ اس خالی سڑک پر متعدد باوردی افراد کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں بھی آ موجود ہوئی تھیں۔ سارا دوطرفہ ٹریفک پتلی سی آدھی سڑک سے گزر رہا تھا اور اس کی رفتار بہت سست تھی۔

"ماسٹر! یہاں تو پورا ڈراما چل رہا ہے" چاؤ فان نے وہ صورت احوال دیکھ کر خوشی سے کہا پھر چونک کر اپنی بات آگے بڑھائی "اوہو...... وہ دیکھو، بے بی کلب کا ایک حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ پرانی عمارتوں میں یہی خرابی ہوتی ہے یہ ذرا سا دھماکا بھی نہیں سہار سکتیں، سیدھی سجدے میں چلی جاتی ہیں۔"

"عمارت کا ایک حصہ گرا ہے تو کچھ لوگ بھی ہلاک اور زخمی ہوئے ہوں گے" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"ماسٹر! جس کی موت آ گئی ہے اسے عظیم بدھا بھی مرنے سے نہیں بچا سکتے۔ میں نے پوری احتیاط کی تھی کہ کوئی بے گناہ اس دھماکے کی زد میں نہ آئے۔ کوئی مارا گیا ہے تو یقین کر لو کہ وہ بے گناہ نہیں ہوگا۔"

بے بی کلب کی تباہ حال عمارت کا جائزہ لینے کے لیے چاؤ فان کو کوئی کاوش نہیں کرنا پڑی۔ ٹریفک رک رک کر جوں کی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نائٹ کلب کا اگلا حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ شاید اندر کسی حصے میں آگ بھی لگی تھی کیونکہ فائر انجنوں کی ٹنکیوں سے منسلک کئی موٹے موٹے پائپ عمارت کے ملبے سے گزر کر اندر جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ درمیان میں کھڑے ہوئے فائر مین چلا چلا کر دونوں اطراف کے ساتھیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ واقعہ شاید بہت بڑا نہیں تھا لیکن تھائی اہل کاروں کی غیر معمولی مستعدی نے واردات کے مقام پر خاصا سنگین اور پرہول سماں پیدا کر دیا تھا۔

وہاں جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ میری توقع سے بہت زیادہ تھا۔ دو پاؤنڈ بارودی قوت والے ٹائم بم سے مجھے اتنی بربادی پھیلنے کی امید نہیں تھی۔ اگر بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی وہی کچھ ہوا تھا تو چھوٹا راجن کے لیے پیغام بہت واضح تھا۔ بنکاک میں اس کی بادشاہی کا زمانہ لد چکا تھا۔ اسے اپنا بستر بوریا سمیٹ لینا چاہیے تھا۔

ہم یک طرفہ سڑک سے گزرنے والے دوطرفہ ٹریفک سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک موبائل فون کی گھنٹی نے میرے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ میرا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف گیا۔

میرا فون خاموش تھا۔ اس اثنا میں چاؤ فان ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھام کر دوسرے سے اپنا موبائل فون نکال کر کان سے لگا چکا تھا۔

وہ گاڑی چلاتے ہوئے، فون پر ہوں ہاں کر کے دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اس نے فون بند کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"ماسٹر! آج کی تازہ خبر!" اس نے بازاری انداز میں ایک ہاتھ میری ران پر مار کر، خوشی سے کہا۔ وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے خفگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

بوجھ

طلاق کی درخواست علاقے کے کونسلر کے پاس گئی تو اس نے درخواست گزار کو بلا کر صورت حال معلوم کرتے ہوئے پوچھا "تم نے لکھا ہے کہ تمہیں اپنی بیوی کے کنبے کی کفالت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی ہاں۔ جناب عالی!" درخواست گزار نے جواب دیا۔

"تمہاری بیوی کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟" کونسلر نے پوچھا۔

"آٹھ بچے ہیں جناب عالی!" درخواست گزار نے بتایا۔

"ان بچوں کا باپ کون ہے؟" کونسلر نے پوچھا۔

"میں......" درخواست گزار نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''چاؤ! یہ کیا حرکت ہے۔ کیا تمہارے یہاں ماسٹروں سے اسی طرح بدتمیزی کی جاتی ہے؟ تم نے میری ران پر ہاتھ کیوں مارا؟''

''ماسٹر! مجھے معاف کردو'' اس نے پورے خلوص سے کہا ''میں خوشی سے بے قابو ہو کر یہ اضطراری حرکت کر گیا۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا اور ہاں، مجھے چاؤ نہ کہا کرو۔ میرا نام چاؤفان ہے اور یہ ایک ہی لفظ ہے۔''

''کسی وقت میں خوشی میں آپے سے باہر ہو کر تمہارے ساتھ کوئی حرکت کر گزرا تو تم روتے پھرو گے۔ ہمارے درمیان کوئی نہ کوئی حد فاصل قائم رہنی چاہیے!''

''تم میرے ماسٹر ہو، میری گردن بھی مار دو گے تو میں اُف نہیں کروں گا'' اس کی زبان تیز چلتی تھی۔ ذرا سا موقع ملنے پر وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے سے گریز نہیں کرتا تھا لیکن اس کا عمل اس کے قول سے زیادہ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے ذرا دیر پہلے اس وقت ہوا تھا جب میں نے نادانستگی میں ڈان کا ذکر چھیڑا تھا۔

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کس بات پر خوشی سے بے قابو ہوئے تھے؟''

''بڑی خبر ہے'' وہ مسکراتے ہوئے بولا ''تم باتوں میں اس طرح الجھاتے ہو کہ آدمی اصل بات بھول جاتا ہے۔ میرا آدمی بتا رہا تھا کہ چھوٹا راجن ممبئی سے اچانک بنکاک پہنچ گیا ہے اور اس وقت گولڈن ڈریگن میں ہے۔''

وہ واقعی بہت اہم اطلاع تھی۔ اس کی بنکاک آمد کا سبب بہت واضح تھا۔ اس کے آدمیوں نے فون پر اسے پچھلی رات کو ہی یہ اطلاع دے دی ہوگی کہ گولڈن ڈریگن کا ایک محافظ زہر کا شکار ہو کر پراسرار حالات میں مارا گیا تھا۔ راجن پچھلے دو برسوں سے بنکاک کی زیرزمین دنیا پر بلاشرکت غیرے راج کر رہا تھا۔ اس کے لیے وہ دھچکا ناقابلِ برداشت تھا۔ یقینی بات تھی کہ وہ اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے بنکاک پہنچنے کے لیے بے چین ہو گیا اور پہلی دستیاب پرواز سے وہاں آ گیا۔

یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ اس کے بنکاک پہنچنے تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ وہ ایک محافظ کی موت کی خبر سن کر بنکاک آیا تھا۔ وہاں مزید چار تباہ کن دھماکے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

''کیا اسے اب تک بے بی کلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر نہیں ملی ہوگی؟'' میں نے چاؤفان سے پوچھا۔

''یہ ناممکن ہے'' اس نے سر ہلا کر وثوق سے جواب دیا ''جرائم کی دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہر لمحے باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے۔ چھوٹا راجن کا مواصلاتی نیٹ ورک بہت مضبوط ہے۔ اس کے آدمی وائرلیس، موبائل فون اور کمپیوٹر نیٹ ورک پر ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں۔ کہیں بھی کچھ ہوتا ہے تو چھوٹا راجن کو خبر مل جاتی ہے۔''

''میں نے تم سے ایک چھوٹا سا سوال کیا تھا۔ چھوٹا راجن کا قصیدہ پڑھنے کے لیے نہیں کہا تھا!''

''ماسٹر! یہ قصیدہ نہیں، ٹھوس حقیقت ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا حریف کتنے پانی میں ہے۔ اب تک اس نے بنکاک کی پوری انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ وہ زخمی ناگ کی طرح ہر ایک پر اپنا پھن مار رہا ہوگا لیکن ہمارے کیے ہوئے کام کا کوئی توڑ نہیں کر سکتا۔ اس وقت اس پاپی کی حالت دیکھنے والی ہوگی۔''

''مجھے اس کی حالت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بھیڑیا زخمی ہوتا ہے تو روتا اور غراتا ہے۔ اس کا زخم مندمل ہو جائے تو وہ دوبارہ کمزوروں کو چیرنے اور پھاڑنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ وہ یہاں لوٹ آیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دشمن کے یعنی ہمارے بارے میں کچھ جان سکے، میں اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔''

''ماسٹر! تمہاری یہ جذباتی تقریر بہت عمدہ تھی۔ میرے جذبات تم سے مختلف نہیں ہیں مگر مسئلہ اسے ٹھکانے لگانے کا ہے۔ اس تک رسائی دشوار ہے۔''

''اس وقت وہ گولڈن ڈریگن میں ہے۔ افراتفری میں ہم اپنا راستہ بنا کر اس تک پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے بےخوفی سے کہا۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے حیرت بھری نگاہوں سے میری طرف یوں دیکھا جیسے وہ میری دماغی صحت پر شبہ کر رہا ہو۔ پھر وہ دھیرے سے بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ اس کے بعد ہمارا انجام کیا ہوگا؟''

''ہم اسے ماریں گے تو اس کے محافظ ہمیں مار دیں گے یا شاید پولیس والے ہمیں پکڑ لیں۔ کچھ بھی ہو، یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔''

''تم بہت ہوشیار اور ذہین آدمی ہو، میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر وہ وہاں موجود ہے تو اس کے درجنوں محافظوں اور پولیس والوں نے گولڈن ڈریگن کی عمارت کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہوگا۔ ہم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو زندہ واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔ ہمارا بڑا ابھی یہ

نہیں چاہتا کہ ہم اپنی جانیں داؤ پر لگا کر اس خبیث کو زیر کریں۔''

''مجھے روک رہے تھے۔ اب خود اس کا ذکر نکال بیٹھے ہو؟'' میں نے غرا کر کہا۔

''غلطی ہوگئی، میں معافی چاہتا ہوں'' اس نے بلاتوقف میرا اعتراض تسلیم کرلیا۔

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم خطرات سے ڈرتے رہے تو چھوٹا راجن تک کیسے پہنچیں گے؟''

''اسے ٹھکانے لگانے کے لیے خطرہ تو مول لینا ہوگا۔ اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ تم بہت زیادہ جوش میں آئے ہوئے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بات تب بنے گی جب دشمن کا کام تمام ہوجائے اور ہمارا بال بیکا نہ ہو۔ تحمل سے انتظار کیا جائے تو ایسا موقع ضرور ملے گا۔''

''میں دشمنی نکالنے میں اتنی سوچ بچار کا قائل نہیں ہوں'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا'' اب ایسا موقع تم کو تلاش کرنا ہوگا۔''

''اس کے دھندے شہر سے باہر بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جس روز اس کا قافلہ بنکاک سے نکلا، ہم راستے میں اسے گھیر لیں گے'' اس نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا ''تمہاری ذات سے مجھے بہت تقویت مل رہی ہے۔ تم بے خوف ہوکر لڑنے والوں میں سے ہو۔ میں ذرا مکاری سے کام لیتا ہوں۔ مل کر ہم ضرور سرخ رو ہوں گے۔''

''اب تم مجھے کہاں لیے پھر رہے ہو؟'' میں نے بےزاری سے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ہوٹل کی طرف جارہا ہوں'' چاؤفان نے مجھے دلاسا دیا ''تم کو اتار کر میں بقیہ تین اڈوں کا تماشا دیکھوں گا۔ آج چھوٹا راجن کی زندگی کا بدترین دن ہے۔ ڈان کو دو برسوں میں پہلی بار خوشی ہوگی۔''

''ابھی تم نے اس کے ذکر پر معافی مانگی تھی۔ اب اس کا نام لے رہے ہو۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا ذکر کیے بغیر بات نہیں بنتی'' اس نے اس ایک گہرا سانس لے کر بےچارگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں اس کے بارے میں بات کرلیں تو اس کی ہدایت سے کوئی انحراف نہیں ہوگا۔ کسی تیسرے آدمی کو اس بات کی بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو اس کام میں ڈان کی خوشنودی حاصل ہے۔''

''تمہیں دیر سے عقل آئی ہے۔ ڈان کا اصل مقصد بھی یہی تھا'' میں نے طنز سے کہا۔

وہ ہنس پڑا اور بولا'' ماسٹر! میں غلطی کررہا تھا تو تم مجھے سمجھا سکتے تھے۔''

''میری زبان سے اس کا ذکر سنتے ہی تم کسی شکاری کتے کی طرح غرائے تھے۔ کچھ سمجھانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں بحث کرتا تو تم لڑ پڑتے۔''

''ماسٹر! تم مجھے کتا کہہ رہے ہو؟'' اس نے منہ لٹکا کے شکایت کی۔

''ہماری طرف بےمثال وفاداری کی تعریف میں کسی کو کتا کہا جاتا ہے'' میں نے بےپروائی سے جواب دیا'' یہاں کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تم لوگ کتے کو برا سمجھتے ہو تو میں آئندہ یہ لفظ استعمال نہیں کروں گا۔''

''تم مجھے ضرور کتا کہو مگر کسی اور کے سامنے نہیں۔ یہاں اسے بہت ذلیل اور گھٹیا جانور سمجھا جاتا ہے۔ کسی مقامی نے

تمہاری زبان سے میرے لیے یہ لفظ سن لیا تو سوچے گا کہ میں نے اپنی روح تمہارے ہاتھ بیچ دی ہے۔''

وہ دلچسپ اور زبان دراز آدمی تھا۔ ڈان نے یقینی طور پر کچھ سوچ سمجھ کر ہی مجھے اس سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی کوفت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے رگڑا دے کر مجھے دلی خوشی ہو رہی تھی۔

''کیا تھائی لینڈ میں روحوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جہالت کی وجہ سے یہاں کے لوگ ضعیف الاعتقاد ہیں، ان میں ایسی بہت سی روایتیں چلتی رہتی ہیں'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے بتایا ''میرے گاؤں میں کوئی مرغی غلطی سے بڑا انڈا دے بیٹھے تو اسے فوراً ہلاک کر کے، اس کا گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا جاتا ہے۔ لوگ بڑے انڈے کو شیطان کا انڈا کہتے ہیں۔ اسے گاؤں سے بہت دور لے جا کر جنگل میں پھینک دیا جاتا ہے۔ بنکاک میں لوگ شوق سے بڑے انڈے خریدتے ہیں۔''

''تم کسی گاؤں سے بنکاک میں آئے ہو؟''

''بنکاک کی آدھی سے زیادہ آبادی دوسرے قصبوں سے آئی ہوئی ہے۔ ویت نام کی جنگ کے اکیس سالوں میں بنکاک کی آبادی بے تحاشا بڑھی ہے۔ اس سے پہلے یہ چھوٹا سا پر سکون شہر ہوا کرتا تھا۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میں نے اس کی گفتگو میں ذرا بھی دلچسپی ظاہر کی تو وہ مجھے بنکاک کی تاریخ سنانا شروع کر دے گا۔

''ماسٹر! ایک بات کہوں؟'' چاؤفان اپنی عادت کے مطابق زیادہ دیر تک خاموش نہیں بیٹھ سکا۔

میں اسے مناسب جواب دینے کے بجائے ہوں کر کے رہ گیا۔

''تم پچھلی رات کو اپنی عورت کے ساتھ گولڈن ڈریگن گئے تھے نا؟''

''ہاں...... کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''مجھے کہنے دو کہ وہ بہت زوردار ہے۔''

''چاؤفان! کیا تم اپنے ہوش میں ہو؟'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو خوش نصیبوں کو ملتی ہے'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''کل رات میں نے پہلی بار تمہاری عورت کو دیکھا اور بس دیکھتا رہ گیا۔ خدا اسے اپنی امان میں رکھے۔ تم کو بے خوف ہو کر چھوٹا راجن سے لڑنا ہے تو اپنی عورت کو پہلی پرواز سے اپنے وطن واپس بھیج دو!''

اس کی پوری بات سن کر میرا چڑھتا ہوا پارا نیچے گر گیا۔ چاؤفان سے پہلے ڈان بھی مجھے راجن کی بدنگاہی سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا ''میں اپنے زور بازو سے اپنی بیوی کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کا سر توڑنے کی اہلیت رکھتی ہے۔''

''سمجھانا میرا کام تھا'' وہ سر ہلا کر بولا ''اس معاملے میں چھوٹا راجن کی شہرت بہت خراب ہے۔ حسین عورتیں اس کی کمزوری ہیں۔ اس کے آدمی آس پاس کے ملکوں سے خوبصورت عورتیں خرید کر یا اغوا کر کے لاتے ہیں۔ وہ کڑے پہرے میں رکھی جاتی ہیں۔ چھوٹا راجن کا دل بھر جاتا ہے تو ان کو کسی نائٹ کلب یا کیسینو میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ تم ایسی عورت کے مالک ہو تو وہ تمہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔''

اس کی زبان سے عورت کا لفظ بہت تحقیر آمیز معلوم ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ عورتوں کو بازار کی کوئی بے جان جنس سمجھتا ہو۔ میں نے سخت لہجے میں کہا ''تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب اس بارے میں مزید ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ کوئی گئی گزری عورت ہے نہ میں اس کا مالک ہوں۔ ہم دونوں میں میاں بیوی کا مضبوط رشتہ ہے۔''

''ماسٹر! معلوم ہوتا ہے کہ تم آگ سے بنے ہوئے ہو، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہو۔ میں کوئی غلط بات کہوں تو تم میری میری زبان گدی سے کھینچ سکتے ہو۔ اس وقت میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دے رہا تھا، میری نیت بہت نیک تھی۔''

میں نے اسے نظر انداز کر کے اپنی طرف کی بند کھڑکی کے شفاف شیشے سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس بار چاؤفان نے کسی نہ کسی طرح اپنی زبان پر قابو پائے رکھا۔ چند منٹ کا سفر مکمل خاموشی کے ساتھ طے ہوا اور گاڑی ہمارے ہوٹل کی پرشکوہ عمارت کے قریب رک گئی۔

''کہو تو میں تمہیں اندر پورچ میں اتار دوں'' چاؤفان نے بریک لگاتے ہوئے پوچھا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ وہ یقینی طور پر بنکاک کا ایک معروف بدمعاش تھا۔ میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

''ماسٹر! غصہ تھوک دو۔ جانے سے پہلے ایک بار مسکرا کر میری طرف دیکھ لو'' گاڑی روکتے ہی اس نے عجیب سے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی۔

بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔ میں نے دل ہی دل

میں سوچا کہ عجیب ڈھیٹ آدمی سے میرا پالا پڑا تھا۔ وہ بدتمیزیاں اور زبانی گستاخیاں کرنے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ میری ڈانٹ پھٹکار سن کر بھی برا نہیں مناتا تھا اور غیر ارادی طور پر اپنی حرکتوں کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟'' میں نے اس سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''ضرور سوچنا۔ تم کسی اچھے نتیجے پر پہنچو گے؟''

میرے اترتے ہی وہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر ہوٹل کے احاطے کے داخلی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

بنکاک پہنچنے کے بعد واقعات جس انداز میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھے تھے، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اجنبی شہر میں مجھے اتنی تیزی سے پیش رفت کرنے کا موقع مل سکے گا۔

آئی بی کا اسد ایک مدت سے اسی شہر میں رہ رہا تھا لیکن اپنی تمام تر معلومات کے باوجود وہ زیر زمین دنیا کے کسی بااثر آدمی سے اپنے مراسم استوار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس کے ایما بلکہ نشان دہی پر میں نے راجن کے گوشہ نشین حریف سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا اور آسانی سے ڈان کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔

ڈان کے اشیرباد کے بعد جو کچھ ہوا وہ کم حیران کن نہیں تھا۔ چاؤ فان نے اپنی چرب زبانی کے باوجود شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بروقت مہنگے ٹائم بموں کی فراہمی سے لے کر ان کی طے شدہ ٹھکانوں پر تنصیب تک، ہر کام خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔ بیک وقت کیے جانے والے وہ اقدام راجن کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھے۔

میرے ہاتھوں گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے مسلح محافظ کی موت کے اسباب کے سوا، کہیں کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا گیا تھا جس سے راجن کو یہ اندازہ ہوسکے کہ کہ اس کے دشمن کون تھے۔ جب تک یہ بات چھپی رہتی، ہم پوری بے خوفی کے ساتھ بنکاک میں اس کے مفادات کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

اس دوران میں اگر وہ بنکاک سے کہیں نکلنے کی کوشش کرتا تو چاؤ فان کے منصوبے کے مطابق اسے راستے میں گھیر کر جہنم واصل کیا جاسکتا تھا۔ اس کی موت ڈان برنارڈ کے کلیجے میں ٹھنڈک ڈال سکتی تھی لیکن وہ میرا اصل ہدف نہیں تھا۔

چاؤ فان کے علم میں لائے بغیر مجھے یہ سراغ لگانا تھا کہ سوبھراج کہاں تھا؟ اس تک رسائی کے بغیر بنکاک میں میرا مشن مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ غزالہ بہت بے چینی کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔

''چاؤ سے آپ کی ملاقات کچھ زیادہ طویل ہوگئی!'' اس نے مجھ سے شکایت کرنے کے بجائے خندہ پیشانی سے تبصرہ کیا۔

''کچھ خبطی سا آدمی ہے'' میں نے بستر پر دراز ہوکر جواب دیا ''کبھی وہ بھیگی بلی بنا رہتا ہے، کینچلی بدلتا ہے تو خادم نما آقا نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے کا یہ فائدہ ہوا کہ راجن کی بنکاک آمد کی خبر مل گئی۔''

''میں یہ سوچ رہی تھی کہ اسے جلد از جلد آنا چاہیے۔ گولڈن ڈریگن کا واقعہ اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوگا۔''

''سوبھراج کی یہاں آمد کی اطلاع اسد نے دی تھی۔ راجن کی واپسی کی خبر چاؤ فان نے دی ہے۔ شطرنج کے سب مہرے رفتہ رفتہ اپنی جگہ لیتے جارہے ہیں۔ قسمت نے اسی طرح ہمارا ساتھ دیا تو کامیابی قریب نظر آرہی ہے۔''

''ڈان برنارڈ آپ سے متاثر نہ ہوتا تو یہ سب ناممکن تھا۔ یہ بتائیں کہ چاؤ فان کے ساتھ آپ اتنی دیر تک کہاں مصروف رہے۔''

بنکاک آنے کے بعد ہماری چوپال بکھر گئی تھی۔ کراچی میں سب یک جا رہتے تھے تو مجھے کریدنے کی ذمے داری دیرا اپنے سر لے لیتی تھی۔ وہ اس طرح بال کی کھال نکالتی کہ میں زچ ہوجاتا تھا۔ اس مذاکرے میں غزالہ کو اپنی لب کشائی کیے بغیر سب کچھ معلوم ہوجاتا۔ بنکاک میں صورت احوال یکسر بدل گئی تھی۔ پوچھے بغیر اسے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ میرا بتایا ہوا خلاصہ اس کا تجسس دور کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ میں نے اسے تفصیل سے اس ملاقات کا حال سنانا شروع کردیا۔

غزالہ کے بارے میں چاؤ فان کے کہے ہوئے الفاظ میرے دل میں تیر کی طرح بیٹھ گئے تھے مگر میں نے غزالہ کے سامنے انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسے یہ ضرور بتادیا کہ راجن اپنی زن پرستی کے بارے میں بہت زیادہ بدنام تھا۔

''بے بی کلب ہولناک عشرت کدہ معلوم ہوتا ہے'' پوری تفصیل سن کر غزالہ نے زبان کھولی ''روزگار کی متلاشی کم سن لڑکیوں کو بربادی کی راہ پر ڈالنے والا ہر شخص بدترین موت کا

مستحق ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ بنکاک کی بدنامی کے اسباب کیا ہیں۔ یہاں بعض بدنیت لوگوں نے اپنے غیر قانونی دھندوں کو قانون کی نقاب پہنائی ہوئی ہے۔ یہ شرمناک حرکتیں ہیں، ان کا.....''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا ''اس بارے میں چاؤ فان کا مشورہ مجھے پسند آیا۔ ہمیں اس بارے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی آنکھیں موند لینا چاہیے۔ ہم مصلح نہیں ہیں۔ ایک مشن پر یہاں آئے ہیں۔ ہم کو اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے۔''

''بے بی کلب کی تباہی پر مجھے خوشی ہوئی ہے!''

''امید ہے کہ بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی یہی حشر ہوا ہوگا۔ شہر کی کوچہ نوردی کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ بیشتر تفریحی مقامات پرانی وضع کی عمارات میں پائے جاتے ہیں۔ جدید اور اونچی عمارتوں میں شاپنگ کے مراکز اور دفاتر وغیرہ ہیں۔''

''اب دیکھنا ہوگا کہ گولڈن ڈریگن کے محافظ کی موت کو کیا رنگ دیا جاتا ہے'' وہ لمحہ بھر توقف کے بعد بولی ''سوبھراج اور راجن کا گٹھ جوڑ سامنے آ چکا ہے۔ سوبھراج اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس شخص کو کیسے مارا گیا؟''

''یہی اندیشہ مجھے بھی ستا رہا ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب ہم صرف انتظار کر سکتے ہیں۔ سوبھراج سے یہاں چوک ہوگئی تو ہمارا راستہ بالکل صاف ہوگا۔''

''آپ اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا!''

''کیا احمقانہ بات کر رہی ہو۔ بم کا ٹائمر صبح گیارہ بجے پر سیٹ تھا۔ کیا وہ لاش رات بھر وہاں پڑی رہ سکتی تھی؟''

''یہ تو خیر ناممکن تھا۔ ٹائمر کو پیچھے کیا جا سکتا تھا'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''جدید قسم کے بم بہت حساس اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ان چیزوں کی ابجد بھی معلوم نہیں ہے۔ مجھ سے ذرا سی غلطی ہوتی اور میرے چیتھڑے اڑ جاتے۔ بدترین اعصابی دباؤ کی حالت میں، میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔''

''سوچنے کی حد تک ہر بات آسان نظر آتی ہے۔ عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرنا ممکن نہیں تھا'' میرے جواب پر غور کر کے وہ میری ہم نوا ہوگئی۔

''پتا نہیں اسد کہاں مصروف ہے۔ اس کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟''

''فون آیا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ اب آپ سب سے پہلے اس ٹائم بم کے بارے میں فیصلہ کریں جو اس کمرے میں موجود ہے۔ اس کی وجہ سے میں خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہوں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''ابھی مجھے ٹائمر آگے پیچھے کرنے کے مشورے دے رہی تھیں اور اب ایسے بم سے خوف زدہ ہو رہی ہو جس کا ٹائمر بند پڑا ہوا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور یوں ہی پڑا رہنے دو۔ وہ مالِ غنیمت ہے کسی وقت کام آ جائے گا۔''

''ابھی آپ راجن کی آوارہ مزاجی کا ذکر کر رہے تھے تو مجھے بے ساختہ ویرا یاد آ گئی تھی!''

''یہاں آنے کے بعد تم تیسری بار ویرا کا ذکر کر رہی ہو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے سر پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔''

''ہمارا اور اس کا ایک مدت کا ساتھ ہے اسے آسانی سے نہیں بھلایا جا سکتا۔''

''راجن کے ذکر پر وہ کیوں یاد آ گئی تھی؟''

''بلاسبب یاد نہیں آئی تھی۔'' اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا'' وہ بہت خوبصورت ہے۔ مردوں کو رجھانے اور سکانے کے فن میں ماہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راجن جیسے اوباش مرد کو آسانی سے دیوانہ بنا سکتی تھی وہ بہت آسانی کے ساتھ یہ فالتو ٹائم بم اس کی خواب گاہ میں پہنچا سکتی تھی!''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے کمزور آواز میں کہا مجھے محسوس ہوا جیسے اس نے ویرا کا ذکر کر کے مجھ پر لطیف طنز کیا ہوا۔ اوباش نہ سہی مگر میں ایک مرد تھا شاید غزالہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ویرا دنیا کے ہر مرد کو اپنی ذات کے سحر میں لینا چاہتی تھی!

میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''اس کی ذات شکستہ جذبوں اور ناکام امیدوں کا مجموعہ ہے۔ وہ مردوں کو اپنے اشاروں پر نچا کر شاید کسی قسم کی تسکین حاصل کرتی ہے۔ راجن کے لیے وہ ایک بہترین شکاری ثابت ہو سکتی تھی۔ سیکڑوں عورتوں کی بھیڑ میں بھی کوئی نگاہ باز مرد اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''مجھے بے چارے سلطان شاہ پر ترس آیا ہے اب وہ پیر میں موچ کی اداکاری کر کے اسے بری طرح الّو بنا رہی ہے۔''

''کل اس نے اپنی دانست میں ہمارے آرام میں خلل اندازی کی تھی۔ آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں کیا کر رہے ہیں۔''

''اس وقت وہاں آدھی رات ہو چکی ہوگی!'' غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''یہی تو دیکھنا ہے کہ اس وقت ان کی مصروفیات کیا ہیں۔''

میں نے اول خان کے اس موبائل فون کا جو ویرا کے پاس تھا' نمبر ملالیا۔ پہلی گھنٹی پر سلطان شاہ نے کال وصول کرلی۔

''برخوردار! کیا حال ہیں تمہارے...... کیا ہورہا ہے؟'' میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ میرے کانوں میں تمہاری آواز آئی میں تم لوگوں کی آوازیں سننے کو ترس گیا ہوں۔ یہاں بے چاری ریٹا کے بائیں ٹخنے میں موچ آئی ہوئی ہے وہ میرے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔'' میری آواز سنتے ہی وہ یکا یک جذباتی ہوگیا۔

اس کی آواز پر یقین تھی۔ ویرا موچ آجانے کی ایسی مکمل اداکاری کررہی تھی کہ سلطان شاہ کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکا تھا وہ ویرا کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند معلوم ہورہا تھا۔

''اس وقت ریٹا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی ابھی سہارا دے کر میں نے واش روم میں پہنچایا ہے۔ اس کے آنے کے بعد سونے کا ارادہ تھا یہ سناؤ کہ تمہاری کیسے گزر رہی ہے۔''

''ہم مزے میں ہیں فی الحال آرام کررہے ہیں' مجھے تمہاری فکر لاحق رہتی ہے۔ ریٹا کو سہارے کے بغیر چلنے پر مجبور کرو بہت زیادہ ہمدردی جتا کر تم اس کی موچ بگاڑ دو گے اور اس کی بیساکھی بن کر رہ جاؤ گے۔'' میں نے ویرا کی مکاری کا انکشاف کیے بغیر اس عافیت کی راہ سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز آئی ''میں کھانے پینے کا سامان یا دوائیں لینے کے لیے باہر جاتا ہوں تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح چل پھر کر اپنی ضروریات پوری کرلیتی ہے' بستر سے اتر کر کرسی پر چلی جاتی ہے' اٹھ کر دروازہ کھولتی ہے میں آتا ہوں تو اس کا سارا حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ اب مجھے تمہارے مشورے کے مطابق اپنا دل سخت کرنا ہوگا ورنہ وہ یوں ہی پڑی رہے گی۔''

''ریٹا کی دیکھ بھال کے علاوہ اور کیا ہورہا ہے؟''

''ابھی میں یہاں کے طور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ ماحول سے طبیعت مانوس ہوجائے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ ابھی ہمیں یہاں آئے مشکل سے ایک دو دن ہوئے ہیں ...... لو وہ دیوار کا سہارا لے کر واش روم سے باہر آرہی ہے۔''

''اسے آنے دو میں بھی اسے سمجھاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ کل تک وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوجائے گی تم اس کی طرف سے اپنا دل ذرا سخت کرلو۔''

''تمہارے سمجھانے سے اس کی موچ کیسے ٹھیک ہوجائے گی؟'' سلطان شاہ کی آواز میں شبہات کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ اس کی آواز یکا یک دھیمی ہوگئی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ باتوں کی روانی میں' میں بہک گیا تھا میں نے جلدی سے کہا ''سمجھانے سے موچ کا کوئی تعلق نہیں ہے' اسے ہمت کرکے تکلیف کو برداشت کرنا چاہیے۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ اسے اپنے پیر کی رگوں پر زور ڈالنا چاہیے ورنہ وہ ہفتوں لنگڑاتی رہے گی۔''

''سنا ہے کہ تمہارا شکار کراچی سے بھاگ کر بنکاک پہنچ چکا ہے۔'' میرے جواب سے مطمئن ہوکر اس نے موضوع بدل دیا۔

''یہ خبر تم نے کس سے سن لی؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''آج صبح اول خان سے فون پر بات ہوئی تھی۔''

''خبر درست ہے!'' اس کی زبان سے خبر کا ذریعہ جان لینے کے بعد میں نے تصدیق کی ''وہ یہاں آگیا ہے لیکن اس سے ابھی تک میرا سامنا نہیں ہوا۔''

''سامنا تو ایک بار ہی ہوگا اور وہ فیصلہ کن ثابت ہوگا۔''

''کاش ایسا ہی ہو!'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے کہا۔

''خدائی فوجدار آگئی ہے اور فون مانگ رہی ہے اب تم اس سے بات کرلو۔ میری طرف سے فی امان اللہ۔''

''اس وقت فون کرکے کیا میرا بدلہ چکا رہے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ شاید سلطان شاہ نے اسے بتادیا تھا کہ وہ فون پر مجھ سے بات کررہا تھا۔

''کل تک تم نے موچ کا ڈراما ختم نہ کیا تو میں سلطان شاہ کو تمہاری مکاری سے آگاہ کردوں گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا ''اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ تم سمجھ سکتی ہو۔''

''بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔'' ویرا نے محتاط رہ کر کہا ''سب کچھ چوپٹ ہوکر رہ جائے گا۔ اکبر کی محنت سے اب مجھے بہت افاقہ ہے مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ایک دو روز میں' میں چلنے پھرنے کے قابل ہوجاؤں گی۔''

''دو روز نہیں' میں نے تمہیں صرف کل تک کی مہلت دی

ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ایسا ہی ہوگا۔'' وہ اس طرح گول مول بات کر رہی تھی کہ سلطان شاہ کو موضوع سخن کا اندازہ نہ ہوسکے۔ میری بات کا جواب دے کر اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا ''تمہارے چہیتے نے آج پورے دس ڈالر مفت میں برباد کئے ہیں' مزے کی بات یہ ہے کہ دس ڈالر اینٹھنے والے بھکاری نے موصوف کی سخاوت سے مرعوب ہوکر ان کو کل تین بجے اپنے پاس بلایا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ یہاں ہماری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس طرح پیسے لٹانے پر تل گیا تو چند روز میں ہم دونوں نیویارک کی سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔''

''میں اس کے مزاج سے واقف ہوں وہ اتنا فیاض طبع نہیں ہے۔ تم نے اس سے اس سخاوت کا سبب ضرور پوچھا ہوگا وہ کیا کہتا ہے؟''

''اسے بھکاری کی خستہ حالی اور نقاہت پر بے ساختہ رحم آگیا تھا۔ اس نے ترحم کے لاہوتی جذبے سے مغلوب ہوکر ہاتھ میں آنے والا نوٹ اس کے ہیٹ میں ڈال دیا۔ بعد میں اسے خود بھی افسوس ہوا کہ اس نے ایک بڑی رقم برباد کردی۔''

''اگر اسے زیاں کا احساس ہوگیا تو اس سے مزید کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔ آئندہ وہ محتاط رہے گا میرا مشورہ ہے کہ کل تین بجے اس بھکاری سے مل لو جب انسان کے سامنے کوئی سرا نہ ہو تو سراب کا بھی پیچھا کرنا چاہیے ہوسکتا ہے کہ وہ کام کا آدمی ثابت ہو۔''

''یہاں ہزاروں حرام خور فٹ پاتھوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں ہم کس کس سراب کا پیچھا کریں گے!'' ویرا نے چڑ کر کہا۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا ''اب تم سے کل رات کو بات ہوگی۔''

میں نے فون بند کردیا۔

''کسی بھکاری کو دینے کے لیے دس ڈالر کی رقم واقعی بہت بڑی ہے۔'' غزالہ نے وہ ماجرا سن کر کہا ''ویرا کی مصنوعی موچ نے سلطان شاہ کا دل نرم کیا ہوا ہے وہ آسانی سے گورے بھکاری کے جھانسے میں آگیا۔''

''ضروری نہیں کہ وہ سفید فام رہا ہو وہ کوئی کالا بھی ہوسکتا ہے۔''

''کل وہ اسے کوئی دردناک کہانی سنا کر مزید رقم اینٹھنے کی کوشش کرے گا۔''

''اب سلطان شاہ میں اس چکر میں نہیں آئے گا۔ اگر ویرا نے میری بات مان لی تو شاید وہ بھی اس کے ساتھ چلی جائے۔''

''آپ کو ان دونوں کے فرضی نام خوب یاد رہے میں بھول گئی تھی کہ وہ اپنے نام بدل کر امریکا کے سفر پر گئے ہیں۔''

''موبائل فون پر کہیں بات نہ سنے جانے کا یقین ہونے کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ امریکا میں انہیں ریٹا اور اکبر بن کر رہنا چاہیے۔''

''موبائل فون پر گفتگو کی رازداری مجھے ڈھکوسلا معلوم ہوتی ہے۔'' غزالہ نے بے اعتباری سے کہا ''پتا نہیں اس چھوٹے سے آلے میں کیا کچھ چھپا ہو۔ میں......''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی ایک دو مرتبہ پھر بج اٹھی تھی۔

''تم کہاں ہو؟'' کال وصول کرتے ہی مجھے سوبھراج کی سرد اور تحکم آمیز آواز سنائی دی اور میں اپنی جگہ منجمد ہوکر رہ گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اچانک مجھ سے فون پر رابطہ قائم کر بیٹھے گا۔

''جہاں بھی ہوں' خوش ہوں۔ تمہیں دکھ ہوگا کہ تمہاری بدخواہی کے باوجود میں ابھی تک زندہ و سلامت ہوں۔''

''وقت آنے پر میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ تمہاری شامت اب تمہیں بنکاک میں کھینچ لائی ہے۔''

میں چوکنا ہوگیا۔ وہ بنکاک میں موجود تھا۔ گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے محافظ کی موت کا سبب اس کے علم میں آچکا تھا۔ اس کا سرپرست ممبئی سے بنکاک واپس آچکا تھا۔ وہ یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی بنکاک میں موجود تھا۔ میں نے اسے جل دینے کا فیصلہ کرلیا۔

''فی الحال میں کراچی میں ہوں اگر تم بنکاک میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو میں پہلی پرواز سے وہاں آسکتا ہوں۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم ذلیل اور کمینے ہو تم جھوٹ بول رہے ہو!''

''گالیاں دینا کمزوروں کا شیوہ ہوتا ہے' گالیاں دینے کے بعد تم تالیاں پیٹ کر مجھے بددعائیں دینے لگو گے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

''تم بنکاک میں ایک قتل کا ارتکاب کرچکے ہو۔'' سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

''ایف آئی آر درج کرادو۔ بنکاک کی پولیس مستعد ہے

مجھے گرفتار کرلے گی۔''
''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کہاں ہاتھ ڈالا ہے تم کو اس حرکت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں سے تم بچ کر نہیں نکل سکو گے تم سے اپنا حساب میں خود بے باق کروں گا۔ تم پولیس کی پناہ میں نہیں جا سکو گے۔''
''میں کراچی میں بیٹھ کر یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری ان بے سروپا باتوں کا کیا مفہوم ہے۔''
''تم جھوٹے ہو' کل رات تم نے گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی کو مارا ہے۔''
''ابھی تم نے بنکاک کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ اب گولڈن ڈریگن کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نام کے کسی شہر سے واقف نہیں ہوں۔'' میں خود پرسکون رہ کر اسے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ بولتا رہے۔
''مرنے والے کی گردن کی جلد میں ہلکا سا سوراخ پایا گیا ہے جس سے زہر اس کے بدن میں داخل ہوا۔ زہر وہی ہے' واردات اسی طرح ہوئی ہے تم بہت سے لوگوں کو اس طریقے سے ہلاک کر چکے ہو تم اس قتل سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔''
''اوہ...... ایک قتل کی وجہ سے تم اتنا طومار باندھ رہے ہو۔'' میں نے اپنی تشویش کے باوجود بے پروائی سے ہنس کر کہا ''یہ میرے نالائق آدمی کی حرکت ہو سکتی ہے میں نے اسے تمہارا کھوج لگانے کے لیے بنکاک بھیجا ہوا ہے۔''
''واردات کا انداز سو فیصد تمہارا ہے میں یہاں موجود نہ ہوتا تو کسی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ خون تم نے کیا ہے۔ اتنی تیزی سے اثر کرنے والا زہر کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا۔''
''میں پوری بات سمجھ گیا۔ تم بھاگ کر بنکاک پہنچ گئے ہو اور تمہیں میرے خواب آنا شروع ہو گئے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ وہ زہر میرے دانتوں سے خارج نہیں ہوتا' ہتھیار سے حریف کے بدن میں اترتا ہے میرا بھیجا ہوا آدمی اس ہتھیار سے لیس ہے۔ مرنے والے نے میرے آدمی سے بدتمیزی کی ہوگی اور جہنم میں پہنچ گیا۔ اگر وہ تمہارا کوئی رشتے دار تھا تو تمہیں اس کا خون بہا دینے کے لیے تیار ہوں بلاوجہ اس خون کا الزام میرے سر نہ ڈالو۔''
میری بات لمبی ہو گئی تھی۔ سوبھراج نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ میری سنائی ہوئی کہانی کی صداقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے صرف قتل کا ذکر کیا تھا' راجن کے بقیہ ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

سوبھراج کی اس کال کا سبب واضح تھا' قتل کی واردات کو اس نے میری ذات سے منسوب کر لیا تھا۔ وہ اس حوالے سے مجھ سے اقبالِ جرم کرانا چاہتا تھا۔ ایک بار یہ بات ثابت ہو جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا تو بقیہ واقعات خود بخود میرے ذمے آ جاتے اور وہ راجن کی مدد سے بنکاک میں میری تلاش کی مہم شروع کر دیتا۔
میرے لیے وہ بہت خطرناک صورت حال تھی وہ لوگ بنکاک میں رونما ہونے والے سارے واقعات کی ذمے داری میرے اوپر ڈال کر زور و شور سے ڈینی کی تلاش شروع کرتے تو یہ بات ڈان برنارڈ کے کانوں تک ضرور پہنچتی۔ اسے اور چاؤ فان کو علم تھا کہ محافظ کو میں نے مارا تھا۔ ان کے لیے میرا نام علی احمد تھا۔ ڈان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا کہ میں نے اسے اپنا غلط نام بتا کر اس کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔ وہ سرپھرا آدمی تھا۔ غضب ناک ہو کر وہ میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔
میں نے انتہائی درجے مجبور ہو کر اور اپنے بچاؤ کی کوئی متبادل راہ نہ پا کر گولڈن ڈریگن کے محافظ کو زہریلی انگوٹھی کے ذریعے شکار کیا تھا۔ وہ کام کر گزرنے کے بعد میرے ذہن میں جن بدترین خدشات نے سر ابھارا تھا وہ آخر کار میرے سامنے آ گئے تھے' آلہ قتل کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے سوبھراج کو سوچنے کی صحیح سمت مل گئی تھی۔
''تم جھوٹ بول رہے ہو میرے لیے اب تمہاری ہر بات ناقابلِ اعتبار ہے۔'' چند ثانیوں کے غیر محسوس توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔
''تمہارے اعتبار نہ کرنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا ''اسے میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے، بات ایک ہی ہے اگر مرنے والا تمہارے آدمیوں میں سے تھا تو یہ بہر حال میری کامیابی اور تمہاری شرمناک ناکامی ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ بڑا کام میرے ہاتھوں نہیں ہوا......''
''وہ میرا نہیں' چھوٹا راجن کا آدمی تھا'' اس نے میری بات کاٹ کر زہریلے لہجے میں کہا ''اس کے ایک ٹھکانے میں خون ریزی کر کے تمہارے آدمی نے شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اب تم اپنے حواریوں سمیت چیونٹی کی طرح مسل دیے جاؤ گے۔''
''تم میرے سینے میں شوق کی آگ بھڑکا رہے ہو' کاش میں خود بنکاک میں ہوتا اور یہ مقدس کام میں نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہوتا۔'' میں نے سوچے سمجھے مگر بظاہر بے ساختہ انداز

میں بنکاک سے اپنی غیر حاضری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آؤ.....تم بھی یہاں آجاؤ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے لاشعوری انداز میں میری دلیل کو مانتے ہوئے بھڑک کر کہا''میں تم کو اپنے ہاتھوں سے پیوند خاک کروں گا۔ یہاں تمہارے پر کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔''

''فکر نہ کرو میں پہلے سے کرایے پر رونے والوں کا بندوبست کرلوں گا۔''

''تو کون ہے بے؟'' یکا یک میرے کانوں میں ایک بدلی ہوئی، بھاری آواز گونجی۔سوبھراج نے اپنا موبائل فون کسی اور کو دے دیا تھا۔

میں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آگیا۔سوبھراج کے برعکس نئے آدمی کا لب ولہجہ بہت توہین آمیز تھا۔میں نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا''جو شخص اپنے باپ کو نہ پہچانے اسے حرامی کہا جاتا ہے۔''

''کیا بک رہا ہے.....میں تیری ایسی کی تیسی کردوں گا.....''میرے جواب نے اسے آپے سے باہر کردیا اور اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا جس میں میرا نام بھی شامل تھا۔

''ویری گڈ!''اس کی غلیظ گالیوں میں وقفہ آتے ہی میں نے اس کی جھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا''اپنی اصلیت معلوم ہوتے ہی تجھے میرا نام یاد آگیا اب اپنا نام بھی بتادے تاکہ مجھے معلوم ہوسکے کہ میں کس نالائق سے بات کررہا ہوں۔''

''میرا نام چھوٹا راجن ہے، راجن...... جسے سن کر بڑے بڑوں کو پسینے آجاتے ہیں تو میرے سامنے آجائے تو میں ابھی تیری تکا بوٹی کردوں گا۔''

''ذات کا قصاب معلوم ہوتا ہے......میں چھوٹوں کے منہ نہیں لگتا، تیرا کوئی بڑا راجن ہے تو فون اسے دے دے!''

''بزدلوں کی طرح فون پر اول فول بک رہا ہے ہمت ہے تو میرے سامنے آ پھر دیکھوں گا کہ تیری ماں نے تجھے کتنا دودھ پلایا ہے۔''

''آج کل بچے ڈبے کے دودھ پر پلتے ہیں اور توانا ہوتے ہیں۔''میں نے اس کا مضحکہ اڑایا''تو آمنے سامنے مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اپنے بنکاک کے بل سے نکل کر کراچی آجا۔تیرے ہاتھ پیر توڑ کر ریڑھی پر نہ ڈال دوں تو میرا نام ڈینی نہیں۔لنگڑے لولے راجن کی ریڑھی دھکیل کر سوبھراج صدا لگائے گا تو دن بھر میں اچھی کمائی ہوجائے گی۔''

میں ہر بار گھما پھرا کر اس ایک نکتے پر زور دے رہا تھا کہ اس وقت میں بنکاک میں نہیں، کراچی میں تھا سوبھراج کے بعد راجن نے بھی اس پر کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔

''میں کیڑوں مکوڑوں پر اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔''اس بار راجن کا لہجہ کس حد تک نارمل ہوگیا۔اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ فون پر اس کی بدکلامی رایئگاں جارہی تھی۔ مشتعل ہوکر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا''یہ تیری اور سوبھراج کی لڑائی ہے وہ اب میرا مہمان ہے کسی نے اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو میں اس کی دونوں آنکھیں نکال دوں گا۔''

بے بی کلب اور دوسرے تین ٹھکانوں پر بربادی نازل ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔یہ فرض کرنا ناممکن تھا کہ راجن کو ان واقعات کی خبر نہ ملی ہو۔مجھے حیرت تھی کہ سوبھراج کی طرح اس نے بھی اپنی اشتعال آمیز گفتگو میں ان چاروں واقعات کے بارے میں کوئی مبہم ترین اشارہ نہیں کیا تھا۔

ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ ان واقعات کو الگ الگ دیکھ رہے ہوں۔گولڈن ڈریگن سے انہیں ایک سراغ مل گیا تھا اس لیے وہ میرے پیچھے لگ گئے تھے۔بقیہ چاروں دھماکوں کے بارے میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ بنکاک کے چار مختلف ٹھکانوں پر بیک وقت دھماکوں کی منصوبہ بندی میرے بس کی بات ہوسکتی ہے۔

''تیرے آدمی کو میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے بات ایک ہی ہے، میں نے اپنا حساب کھول لیا ہے اور تو ایک آدمی کے خسارے میں جاچکا ہے۔اس کی لاش ٹھکانے لگائے گا تو میں بنکاک پہنچ کر تیرے لیے مزید لاشوں کا بندوبست کردوں گا۔سوبھراج پر اس وقت نحوست کے سائے لہرا رہے ہیں تو اس کی مہمان داری سے کنارہ کش نہ ہوا تو اس کے ساتھ خود بھی ڈوب جائے گا۔''

''میں دیکھوں گا کہ کون کس کو ڈبوتا ہے۔''یہ کہہ کر اس نے میرے انجام کے بارے میں مغلظات کا سلسلہ شروع کردیا۔وہ مجھے ایسے مقامات پر پہنچانے کے ہذیانی دعوے کررہا تھا جہاں وہ مر کر بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

''آخر کار وہی ہوا جس کا آپ کو اندیشہ تھا۔''غزالہ نے میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا''اب سوبھراج کے ساتھ راجن بھی کھل کر آپ کے سامنے آگیا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ ان دونوں کی گفتگو محافظ کے قتل تک محدود رہی۔انہوں نے دوسرے واقعات کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔''

''دوسروں کے ساتھ اب میں بھی آپ کے برجستہ

فیصلوں کی افادیت کی قائل ہوتی جا رہی ہوں۔''

اس نے مسہری پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں جو کچھ ہوا وہ انتہائی غیر متوقع تھا۔ شاید آپ کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا ہو آپ اضطراری طور پر اپنا کام کرتے چلے گئے۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہاں سے ٹائم بم واپس لا کر آپ نے بہت دور رس قدم اٹھایا تھا۔ وہاں سے بم برآمد ہونے کے بعد اس واقعے کو دوسری وارداتوں سے الگ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اب صورت حال مختلف ہے وہ ان کڑیوں کو کبھی یک جا نہیں کر سکیں گے۔''

''تمہاری رائے تھی کہ مجھے اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دینا چاہیے تھا۔''

''وہ میری رائے تھی۔ آپ اس سے پہلے صحیح فیصلہ کر چکے تھے۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ بار بار اپنی کراچی میں موجودگی پر کیوں زور دے رہے تھے؟''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس باریک نکتے کا اندازہ لگا لیا۔ اس وقت وہ نکتہ ساری بحث کا محور بنا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ موبائل فون پر انٹرنیشنل رومنگ کے باعث وہ میرا جھوٹ پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں یہ باور کرا دیا ہے کہ میں اس وقت کراچی میں ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔

مجھے اس کو تفصیل سے بتانا پڑا کہ میرے اعتراف کی صورت میں میرے لیے کتنی سنگین پریشانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

''آپ کی کامیابیاں ڈان برنارڈ کی حمایت کی مرہون منت ہیں۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''اس نے کمال کا آدمی آپ کے حوالے کیا ہے، اسد کے ساتھ آپ اتنی بڑی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ ناموں کے ہیر پھیر کی وجہ سے ڈان بگڑ گیا تو ہم ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹک سکیں گے۔ ایک طرف سوبھراج اور راجن آپ کے خون کے پیاسے ہیں دوسری طرف ڈان کے آدمی آپ کو ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔ یہ بات میں نہیں سمجھ سکی تھی۔''

''ڈان گوشہ نشین ہے مگر اب بھی اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ چاؤ فان جیسا خطرناک آدمی بلا وجہ اس کی اطاعت نہیں کر رہا۔''

''شاید ایسے موقعوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ ہاتھی مر کر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ سوبھراج اور راجن سے فون پر میری گفتگو ہونے کے بعد غزالہ بہت زیادہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس طرح وہ میری اس کوفت کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو ان سے گفتگو کے نتیجے میں ہوئی تھی۔

''چاؤ فان سے میری ملاقات ہو گئی' سوبھراج کا فون آ گیا مگر اسد اب تک غائب ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں پھنسا ہوا ہے۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش لاحق ہو رہی ہے۔'' میں نے فکر مندانہ لہجے میں رسانیت سے کہا۔

''آپ بلا وجہ پریشانیوں کو پالتے پوستے ہیں اسے فون کیوں نہیں کر لیتے!''

''میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ گولڈن ڈریگن والے واقعے کے بعد اسے صبح کے گیارہ بجے کا شدت سے انتظار تھا۔ اب بارہ بج چکے ہیں اور اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں ہے۔''

ہمارے درمیان اس معاملے پر کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اسد کی طرف سے میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ آخر میں نے غزالہ کے ایما پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے ہوٹل کے فون پر اس کے گھر کے نمبر سے ابتدا کی۔ وہاں گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دیتی رہی' کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے دفتر کا نمبر ملایا وہاں بھی وہی صورتِ حال درپیش تھی۔ وہ دونوں میں سے کسی ٹھکانے پر نہیں تھا۔

''آپ اِدھر اُدھر کیوں بھٹک رہے ہیں اس کا موبائل نمبر کیوں نہیں ملاتے؟'' میری دو نا کام کوششوں پر غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

میں اس وقت عجیب ذہنی کیفیت میں مبتلا تھا۔ غزالہ کے ٹوکنے پر مجھے احساس ہوا کہ مجھے سب سے پہلے اس کا موبائل نمبر ملانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنا موبائل فون نکال لیا۔

موبائل پر دو گھنٹیاں بجیں اور پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا، بے اختیار میرا دل دھڑک کر حلق میں آ گیا۔

مجھے پہلا گمان یہ ہوا کہ اسد دشمنوں کی قید میں جا چکا تھا۔ اس کا موبائل فون کسی اور کے قبضے میں تھا۔ اس نے فون کھلا رکھا تھا لیکن آنے والی کال وصول نہیں کر رہا تھا۔ اسد کے موبائل فون پر ایک نئی آواز سن کر اس کا کوئی بھی دوست یا شناسا شکوک و شبہات کا شکار ہو سکتا تھا۔

میں دوبارہ اس کا نمبر ملا رہا تھا کہ اچانک کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

موبائل بند کر کے میں فون کی طرف جھپٹا اور ریسیور اٹھالیا۔

''میں ہوٹل کی لابی میں تھا۔ تمہاری کال وصول نہ کر کے میں نے تمہارے کچھ پیسے بچادیے ہیں۔'' میرے کان میں اسد کی چہکتی ہوئی آواز آئی ''کیا میں اوپر آسکتا ہوں؟''

''تم نے میرا آدھا خون خشک کر دیا' جلدی اوپر آؤ'' اس نے واقعی میری بلکہ اول خان کی خاصی بچت کی تھی۔ میرے فون پر کراچی کا نمبر چل رہا تھا۔ رومنگ کی وجہ سے وہ نمبر بنکاک میں کراچی کی طرح کارآمد تھا۔ میں کراچی میں کسی سے بات کرتا تو وہ لوکل کال شمار ہوتی لیکن بنکاک میں بیٹھ کر وہیں کے کسی فون پر بات کرنا میرے لیے بہت مہنگا تھا۔ ایسی ہر کال کراچی سے بنکاک کے لیے غیر ملکی کال کے زمرے میں آتی۔ شاید میں نے لاشعوری طور پر اسی وجہ سے اسد کی تلاش کے لیے اپنا موبائل فون استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ جواز ضرور تھا لیکن اس میں زیادہ جان نہیں تھی کیونکہ اس کا موبائل نمبر ہوٹل کے فون سے بھی ملایا جاسکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ اسد کے غائب ہونے کی وجہ سے میرا دماغ تقریباً ماؤف تھا۔

اسد چند منٹ میں اوپر آگیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ہمارے لیے لذیذ پاکستانی کھانے لے کر آیا تھا۔

''تم عجیب آدمی ہو صبح سے اب تک کہاں غائب تھے؟'' اسے دیکھتے ہی میں نے اپنے دل کا غبار ہلکا کرتے ہوئے سوال کیا۔

''بھابی! کیسا برا وقت آگیا ہے۔'' وہ میرے بجائے غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''لوگ آنے والے مہمان سے اس کی خیریت دریافت کرنے کے بجائے بازپرس کرنے لگے ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ آج گیارہ بجے کا وقت ہمارے لیے کتنا اہم تھا!''

''سب معلوم ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج صبح سویرے میرے گھر پہنچ جائے گا۔''

اس کی زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی میں بھونچکا رہ گیا ''اسے تم سے کیا کام پڑ گیا تھا؟''

اسد ایک جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اس نے ایک کرسی سنبھال کر اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں اور دھیرے سے کہا ''اسے ڈینی کی تلاش ہے!''

مجھے اس کی چبھتی ہوئی نگاہوں سے بے چینی سی ہونے لگی ''اتنی سی بات تم اتنے پراسرار انداز میں کیوں بتارہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے سو فیصد یقین ہے کہ کل رات کو ڈینی گولڈن ڈریگن میں تھا اور اسی نے وہاں کے ایک محافظ کو مارا ہے۔'' اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''تم میرے ساتھ موجود تھے تم کو معلوم ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سوبھراج کا دماغ چل گیا ہے مگر تم مجھے کیوں اس طرح گھورے جارہے ہو؟''

''کیا تم واقعی ڈینی نہیں ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں ڈینی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اس کی وجہ سے تم میری شناخت پر کیوں شبہ کر رہے ہو؟''

''وہ بتا رہا تھا اور یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ ڈینی کے دو خاص ہتھیار ہیں ہیم گن اور بہت تیزی سے اثر کرنے والا زہر۔ محافظ اسی زہر کا شکار ہوا ہے۔''

''اوہ..... تو یہ کہو کہ سوبھراج نے تمہارے دل میں بھی شک کا بیج بودیا ہے۔''

''شک کی بات نہیں ہے۔'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بولا ''ہم ایک ساتھ کام کررہے ہیں تم مجھے جان چکے ہو۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم کون ہو۔ میرے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہوگی کہ تم ڈینی ہو اور میں تمہارے ساتھ کام کررہا ہوں۔''

''تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔ میں علی احمد ہوں۔ میرے لیے جلال جھوٹ نہیں بولے گا۔''

''یہ نہ کہو!'' اس نے مجھے آگے نہیں بولنے دیا ''ڈینی کو بچانے کے لیے سب جھوٹ بول سکتے ہیں۔ تم مجھے اصلیت بتادو میں بھی جھوٹ بولتا رہوں گا۔''

''تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم میری انگلی میں پڑی ہوئی یہ انگوٹھی دیکھ رہے ہو!'' میں نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگوٹھے سے ایک انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''قصہ صرف یہ ہے کہ میں نے یہ انگوٹھی ڈینی سے لی ہے، اس کا نگینہ کھوکھلا اور لچک دار ہے اس میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا ہے۔ نگینے پر ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی ایک سوئی سے زہر کی بہت خفیف مقدار شکار کے خون میں سرایت کر جاتی ہے۔ کل رات میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر پہلی بار یہ انگوٹھی استعمال کی اور میری جان بچ گئی۔ اتنی سی بات کو تم نے افسانہ بنالیا ہے۔''

''تمہیں اصرار ہے کہ تم ڈینی نہیں ہو!'' اسد کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم اب بھی یہ سوال کر رہے ہو۔ پہلے تم نے جاننا چاہا تھا کہ کیا میں نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں نے اس سوال کا واضح جواب نہیں دیا تھا۔ اب سن لو کہ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کام کی وجہ سے وہ میری عزت کرتا ہے۔ اس سے میری دوستی ہے زہر بھری انگوٹھی کو تم اس دوستی کا تحفہ سمجھ سکتے ہو۔''

''جو چاہو کہہ دو۔ میں مان لوں گا میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔'' اس نے ہلکی سی آزردگی سے اپنے سر کو ایک طرف جنبش دے کر کہا۔

''تم کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔ یہ بتاؤ کہ سوبھراج تمہارے گھر کیسے پہنچ گیا'' غزالہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنی ٹانگ اڑا دی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اور اس کی پرانی شناسائی ہے۔'' اس نے مضمحل انداز میں کہا'' وہ پاکستان کے ایک عزت دار سیاست داں کی حیثیت سے یہاں آتا تھا تو اسے پورا سرکاری پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ مجھے بھی اس کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس سے میری دوستی نہیں تھی لیکن وہ مجھ سے کسی حد تک بے تکلف ضرور تھا۔''

''اسے تمہارے گھر کا پتا کیسے معلوم ہو گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''ماضی میں، میں بارہا اس کے ساتھ رہا۔ کئی بار اس نے اپنی گاڑی میں مجھے میرے گھر کے باہر اتارا تھا وہ جگہ اس کی دیکھی بھالی تھی۔ گھر کے اندر وہ آج پہلی بار آیا۔''

''تم نے اسے جتا دیا کہ تم اسے ایک مفرور ملزم سمجھتے ہو؟''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی وہ خود اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔''

''ڈینی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ تمہارے پاس کیوں آیا؟''

''اس کو معلوم ہے کہ میں بنکاک میں انٹیلی جنس بیورو کا یک نفری دفتر چلا رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ آئی بی بھی ڈینی کی پشت پناہی کر رہی ہے وہ بنکاک آیا ہے تو مجھے اس کی آمد کا علم ضرور ہو گا۔''

''بار بار سوال کے جواب دینے سے بہتر ہو گا کہ تم تفصیل سے پورا واقعہ دہرا دو۔'' میں نے کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے کہا'' میں اس کی دیدہ دلیری پر حیران ہوں وہ یہاں اس طرح دندناتا پھر رہا ہے جیسے بنکاک اس کے باپ کی جاگیر ہو۔''

وہ سات بجے چار مسلح محافظوں کے ساتھ ایک بلٹ پروف گاڑی میں اسد کے گھر پہنچا۔ وہ پچھلی رات کی مصروفیت کی بنا پر گہری نیند سو رہا تھا۔ پے در پے گھنٹیوں کی آواز سن کر وہ بیدار ہوا اور دروازہ کھولا تو پانچوں اندر گھس آئے۔

سوبھراج نے آتے ہی ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے بارے میں باز پرس شروع کر دی۔ اس بارے میں اسد کی معلومات صفر تھیں۔ اس نے بہت فطری انداز میں لاعلمی کا اظہار کیا اور سوبھراج کو اس پر یقین کرنا پڑا۔

وہ مجھے یعنی ڈینی کو اپنی بربادی کا ذمے دار قرار دے رہا تھا۔ اسد کو معلوم تھا کہ وہ سوبھراج کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اس لیے وہ سوبھراج سے مفاہمانہ ماحول میں باتیں کرتا رہا۔

سوبھراج کا کہنا تھا کہ میں نے راجن کے کیسینو میں ایک آدمی کو مار کر اسے چیلنج دیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر محافظ کو زہر سے شکار کیا تھا تا کہ سوبھراج کو بنکاک میں میری موجودگی کا علم ہو سکے۔ اس وقت راجن ملک سے باہر تھا۔ سوبھرج اپنی دانست میں قاتل سے واقف تھا۔ وہ کمر کس کر میری تلاش میں اسد کے گھر کی طرف چل پڑا۔

اس کے ذاتی دشمن نے راجن کے آدمی کو مارا تھا۔ وہ راجن کی واپسی سے پہلے اس خون کا بدلہ چکانا چاہتا تھا تا کہ اس کے سامنے سرخ رو ہو سکے۔ اسد سے مل کر اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے جاتے جاتے اسد کو لالچ دیا کہ بنکاک میں ڈینی کی موجودگی کا کوئی سراغ ملتے ہی وہ اسے فون پر اطلاع دے دے تو وہ اسد کو اتنے بڑے انعام سے نوازے گا کہ وہ سرکاری نوکری کو لات مار کر فراخ دستی سے اپنی بقیہ زندگی بسر کر سکے۔

اس وقت اسد کی پوزیشن نازک تھی۔ وہ سوبھراج کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ اس نے سوبھراج کی پیشکش قبول کر لی اور وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گیا۔

وہ واقعہ اسد کی نیند اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اب سوبھراج اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ راجن کے کسی بھی آدمی کو اسد کی نگرانی پر لگا سکتا تھا۔

نو بجے اسد تیار ہو کر گھر سے نکلا تو اپنے گرد و پیش کے بارے میں بہت چوکنا تھا۔ اس نے ایک قریبی کیفے میں ناشتا کیا اور اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ کافی کوشش کے باوجود وہ اپنا پیچھا کرنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔

دفتر میں کچھ وقت گزار کر وہ پھر بنکاک کی سڑکوں پر آ گیا۔ وہ ہمارے ہوٹل تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا لیکن اوہام اور وسوسوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ اسے اپنے پیچھے آنے والے ہر آدمی پر سوبھراج کا مخبر ہونے کا شبہ ہو رہا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنی پوسٹنگ کے آخری ایام گزار رہا تھا۔ اس کا ماضی بالکل بے داغ تھا۔ اسے خوف تھا کہ سوبھراج کا کوئی آدمی اس کا پیچھا کرتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا تو اس کا منہ کالا ہو جائے گا۔ وہ اپنے محکمے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

وہ دیر تک پیدل شہر کی سڑکیں ناپتا رہا۔ ٹیکسی، بسوں اور تک تک میں سفر کیا۔ جب اسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا تو اس نے ایک سردار جی کے ہوٹل سے ہمارے لیے کچھ حلال کھانے خریدے اور ہماری طرف آ گیا۔

''ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔'' میں نے اس کی پوری کہانی سننے کے بعد مسکرا کر کہا ''تم اپنے چکروں میں الجھے ہوئے تھے اور یہاں میرا دم نکلا جا رہا تھا کہ تم کہاں رہ گئے۔''

''سوبھراج کو اپنے دروازے پر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے تھے۔ یہ میرے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک مفرور ملزم بلکہ مجرم مجھ سے مدد کا طلب گار تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔''

''یہ اطلاعات دلچسپ اور سنسنی خیز ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آیا تو صرف ایک واقعہ رونما ہوا تھا اور راجن شہر میں نہیں تھا۔ گیارہ بجے سے پہلے راجن واپس آ چکا تھا۔ جب چاروں بموں کے دھماکے ہوئے تو وہ گولڈن ڈریگن میں تھا۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں چاؤ فان کے ساتھ شہر میں گھوم رہا تھا۔ اس کے آدمی خبریں پہنچا رہے تھے۔''

''آج وہ دونوں پاگل ہو جائیں گے۔ شہر میں بھٹکنے کے دوران میں، میں نے راجن کے تین ٹھکانوں کا حال دیکھا ہے۔ وہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی اور تباہی کے آثار باہر تک نمایاں تھے۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ چاؤ فان نے ہمارے ساتھ غلط بیانی کی ہے۔ اس کے فراہم کیے ہوئے بم زیادہ طاقت ور تھے۔'' غزالہ نے کہا۔

''صحیح مقام پر دو پاؤنڈ کے بارودی دھماکے اس سے زیادہ تباہ کن ہو سکتے ہیں۔'' اسد نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اصل بارودی بم اور پٹاخے کی تباہ کاری میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

غزالہ کو وہ نکتہ سمجھاتے ہی اسد میری طرف متوجہ ہو گیا ''ابھی تم نے چاؤ فان کی لائی ہوئی خبروں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے چیک کرنا ہوگا کہ راجن کی واپسی کے بارے میں اس کی لائی ہوئی اطلاع میں کتنی صداقت ہے۔''

''اس خبر کی سچائی سامنے آ چکی ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''سوبھراج نے......'' بے دھیانی میں اسے سوبھراج کے فون کے بارے میں بتاتے بتاتے مجھے اچانک یاد آ گیا کہ سوبھراج نے وہ فون ڈینی کو کیا تھا جو کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں ڈینی نہیں، علی احمد تھا جس سے اسد کی شناسائی تھی۔ روانی میں، میں اپنی بات پوری کرتا چلا جاتا تو اسد کے سامنے میرا دہرا روپ لمحہ بھر میں بے نقاب ہو جاتا۔ میرے لیے یہ بتانا محال ہو جاتا کہ سوبھراج نے یکایک علی احمد سے کیسے رابطہ کر لیا تھا اور اگر اس نے ڈینی کو فون کیا تھا تو مجھے اس کا علم کیسے ہوا۔

غنیمت تھا کہ مجھے وہ پیچیدگی بر وقت یاد آ گئی تھی اور میں نے ادھوری بات ختم کر دی تھی۔

''ہاں' بات پوری کرو۔ تم راجن اور سوبھراج کے بارے میں کیا بتا رہے تھے۔'' اسد نے مجھے خاموش پا کر متجسس انداز میں ٹوک دیا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ بات وہیں سے شروع ہونا چاہیے تھی جہاں چھوڑی گئی تھی پھر میں نے اطمینان سے کہا ''سوبھراج نے کچھ دیر پہلے راجن کے ساتھ بے بی کلب کا چکر لگایا تھا۔''

''تم یہ بات بتاتے بتاتے کیوں رک گئے تھے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''سوچ رہا تھا کہ اس اطلاع پر تم پھر ایک اعتراض جڑ دو گے۔''

''اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں بلاوجہ کسی بات پر شک نہیں کرتا۔''

''مگر یہ بات مشکوک ہو سکتی ہے کیونکہ مجھے یہ اطلاع بھی چاؤ فان نے دی ہے۔'' میں نے بے خطر اس کا نام لے ڈالا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مستقبل قریب میں ان دونوں کی ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''وہ بلاوجہ تم سے جھوٹ نہیں بولے گا۔'' اسد نے

وضاحت کی ''سنی سنائی خبر کی صداقت مشکوک ہوسکتی ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے بے بی کلب کے آس پاس دیکھا ہے تو ہمیں اس بات پر یقین کر لینا چاہیے۔''

میں ہنس دیا ''تم کہتے ہو تو یقین کیے لیتا ہوں۔''

اپنی زبان کی ذرا سی لغزش کو سنبھالنے کے لیے مجھے اسد سے کئی جھوٹ بولنا پڑ گئے۔ غنیمت یہ تھا کہ میری حاضر دماغی کی وجہ سے بات سنبھل گئی۔

میں ڈینی اور علی احمد کے دہرے کردار کا راز فاش ہونے کی صورت میں ڈان برنارڈ کی خفگی کے بارے میں پریشان تھا۔ اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس معاملے میں وہ بھی حسّاس تھا۔

اس نے بحث کرنے کے بجائے بظاہر میری بات مان لی تھی لیکن میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوا تھا۔ یہ شک اس کے دل میں جنم لے چکا تھا کہ میں نے جلال کی ملی بھگت سے علی احمد کا نام اختیار کر کے بنکاک میں اپنے حریفوں کے ساتھ حلیفوں کو بھی چکما دینے کی کوشش کی تھی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اسد نے پوچھا۔

''میں انتظار کروں گا اور حالات کے دھارے کا جائزہ لوں گا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں آتے ہی واقعات رونما ہونے کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھا جائے تو اصل قصہ کل رات سے شروع ہوا ہے۔ گولڈن ڈریگن کا محافظ تمہارے آڑے نہ آیا ہوتا تو رات خاموشی سے گزر جاتی۔ آج صبح شہر میں چار کے بجائے پانچ دھماکوں سے ہمارے کام کا آغاز ہوتا۔''

''یہ دھماکے اچانک نہیں ہوئے۔ اس کے لیے خاصے پاپڑ بیلے گئے ہیں۔''

''سب سے بڑا پاپڑ ڈان تھا۔ اسے تم نے بیلا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا ''ڈان قابو میں نہ آتا تو یہ سب نہیں ہوسکتا تھا۔''

''میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں شروع سے رونما ہونے والے واقعات پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ تمہارے ذریعے ڈان کا نام سامنے نہ آیا ہوتا تو ابھی تک ہم تینوں ذہنی ورزشیں کر رہے ہوتے۔ دشمنوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہوتا۔''

''اس وقت وہ بدحواس ہیں۔ انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہم کو اگلا وار کر گزرنا چاہیے۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بلبلا جائیں گے۔''

''میں تمہارا ہم خیال ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگلا وار کہاں اور کیسے کیا جائے؟''

اسد خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ہمیں یہاں بسنے والوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔'' اسے خاموش پا کر میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ بات شروع کی ''ہم نے اب تک یہاں جو کچھ کیا ہے وہ سوبھراج کے خلاف کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری کارروائی میں ڈان برنارڈ کے منتقمانہ جذبات حاوی رہے ہیں لیکن ہمارا ہدف تبدیل نہیں ہوا۔ ہم صرف اور صرف سوبھراج اور اس کے سرپرست کی سرکوبی کرنا چاہتے ہیں اور اسی راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی جھوٹ یا مبالغہ نہیں ہے۔ اب ان واقعات کو مقامی انتظامیہ اور تھائی عوام کی نظر سے دیکھو۔ بات واضح ہو جائے گی۔''

''اصل پس منظر تاریکی میں ہے۔ میں نے آج شہر کی خاک چھانتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ بنکاک والے ان واقعات کو دہشت گردی قرار دے کر اپنی نفرت ظاہر کر رہے ہیں۔''

''اس لیے اب ہمارا رک جانا ضروری ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ سرکار کیا کہتی ہے۔ راجن کس نتیجے پر پہنچتا ہے۔ وہ کس قسم کی پیش بندیاں کرتے ہیں۔ یہ سب پہلو سامنے آ جانے کے بعد ہم اپنی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ آج وہ بےخبری میں مارے گئے۔ ان واقعات نے انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ اب وہ ہر طرف اپنا جال بچھا دیں گے۔'' اس نے میری تائید کی۔

ہم نے اپنے دشمن کی بےخبری میں اس پر ہولناک وار کیا تھا اور جنگی اصطلاح کے عین مطابق پہل کرنے کا فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگلے مرحلے میں ہمیں شدید مزاحمت اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہماری اولین کامیابی کے ساتھ سب کچھ بہت بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اصل خرابی کی ابتداء اس وقت ہوئی تھی جب مجھے ناگزیر حالات میں اپنی انگوٹھی کے شعبدے کو استعمال کرنا پڑا تھا۔

انگوٹھی کے استعمال کے نتائج پر میں اسد سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ سوبھراج' سے ہونے والی غیر متوقع ملاقات میں اسے بہت سی اہم باتوں کا براہِ راست علم ہو گیا تھا۔ ان میں یہ نکتہ سرفہرست تھا کہ سوبھراج ڈینی کو محافظ کا قاتل قرار دے رہا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ ڈینی بنکاک

آ چکا تھا۔
ہم تینوں دیر تک سر جوڑے ان مسائل میں سر کھپاتے رہے۔ اسد کی دانست میں یہ بہت اچھی بات تھی کہ سو بھراج اپنے حقیقی دشمنوں کو بھول کر ڈینی کے فراق میں لگا ہوا تھا۔ اس کی ساری توجہ ایک بڑے دشمن کی تلاش پر مرکوز تھی۔ اس سے ہم کو کچھ آسانیاں مل سکتی تھیں۔
اس دوران میں، میں نے اس سے بنکاک کے دو معتبر انگریزی اخباروں کے نام معلوم کر لیے جن کے ذریعے ہمیں شہر کی خبریں مل سکتی تھیں۔
میرے پاس کراچی کا موبائل فون تھا جو دور دراز رابطوں کے لیے بہت موزوں تھا۔ میں بنکاک میں کسی کو فون کرنے کے لیے اس کے استعمال کو اسراف بے جا تصور کرتا تھا۔ وہ مسئلہ اسد کے سامنے آیا تو وہ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ لے کر نیچے اترا اور ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی ایک دکان میں میرے کمرے کا نمبر بتا کر کھڑے کھڑے ایک نیا موبائل فون کنکشن سمیت خرید لیا۔ جس میں کارڈ کے استعمال کی سہولت کی وجہ سے بلنگ کا کوئی بکھیڑا نہیں تھا۔ وہاں ان دنوں فون اور کنکشن کراچی کے مقابلے میں بہت سستے تھے۔
ہم واپس کمرے میں پہنچے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ روم سروس سے کراکری اور کٹلری طلب کر کے ہم تینوں نے اسد کے لائے ہوئے لذیذ کھانوں سے پورا انصاف کیا۔
مزید کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔
اس کے جاتے ہی غزالہ نے ٹیلی ویژن کھول کر ایک انگریزی چینل لگا دیا۔ ٹیلی ویژن پر کیبل سے آنے والے پروگراموں پر محنت کر کے اس نے وہ اکلوتا چینل دریافت کیا تھا جس پر پیش تر اوقات میں انگریزی فلمیں اور گانے کے پروگرام آتے رہتے تھے۔ اسی کے ساتھ انگریزی میں ملکی خبریں بھی سنائی اور دکھائی جاتی تھیں۔
اس وقت ٹیلی ویژن پر ایک فلم چل رہی تھی۔ غزالہ نے آواز دھیمی کر دی۔ میں اچھی طرح شکم سیر ہونے کے بعد غنودگی کی لہر محسوس کر رہا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا اور آنکھیں موند لیں۔
مجھے لیٹے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ہوٹل کے فون پر چاؤفان کی کال آ گئی۔
''ماسٹر! کیا کر رہے ہو؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔
''سر کے بل کھڑا ہو کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔
''بدھا یہی کام بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ اس مشق سے فارغ ہو کر بڑے آدمی کو فون کر لینا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''
''کیوں، خیریت تو ہے!'' وہ ہدایت سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔
''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے ابھی ابھی مجھے مختصر سی ہدایت دی ہے۔''
''وہ کس نمبر پر ملے گا؟'' میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔
''یہ تم کو معلوم ہونا چاہیے...... میرا خیال ہے کہ موبائل نمبر تمہارے پاس ہو تو وہی بہتر رہے گا۔''
''میرے پاس اس کے سب نمبر موجود ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔
ڈان کی طرف سے ملنے والے اس پیغام نے میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے ہاتھوں

سرزد ہونے والے قتل پر میری سرزنش کرے گا۔
''آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے'' مجھے متفکر دیکھ کر غزالہ نے دھیرے سے مشورہ دیا ''وہ کچھ کہے تو آپ کو خاموشی سے سن لینا چاہیے۔ میرا اندازہ ہے کہ ڈان نایاب نسل کا آدمی ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا آپ کے لیے سودمند رہے گا۔''
''حیرت ہے کہ تم نے اسے دیکھے بغیر یہ اندازہ لگا لیا۔ میں نے دو بار اس سے ملنے کے بعد بالکل یہی رائے قائم کی تھی۔ وہ اول درجے کا انا پرست انسان ہے'' میں نے خوش ہو کر کہا۔
''میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں، یہ سب میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔''
''میری انا کو ابھارنے کی کوشش نہ کرو۔ میں ڈان نہیں ہوں'' میں نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے نئے موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔
ڈان سے فون پر وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ میری آواز شاید اس کے لیے اجنبی ہوتی۔ میں نے سلسلہ ملنے کے بعد اس کی آواز سنتے ہی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا۔
''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔
''شان دار......!'' اس کا پہلا لفظ میری ہر تشویش رفع کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بہت شاندار طریقے سے اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔ نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ دشمن کو للکارا گیا ہے۔ اس کی صفوں میں ہلچل مچ گئی ہے۔''
''میں تمہاری اعلیٰ ظرفی اور اس عزت افزائی پر ممنون ہوں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ سب تمہارے دیے ہوئے آدمیوں کا کمال ہے۔''
''تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے کیا، کیا ہے۔ تم نے یہاں آ کر مرداروں کو حوصلہ دیا ہے۔ دو برسوں سے یہی بنکاک تھا اور یہی چاؤ فان تھا۔ مجھے حسرت تھی کہ کوئی چھوٹا راجن کو للکارے مگر کسی مائی کے لال میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ تم نے آتے ہی سب کچھ بدل دیا۔ ہاتھ پیر اور ہتھیار سب کے پاس ہوتے ہیں، حوصلہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ مجھے آج بہت خوشی ہے کہ اپنے بدترین دشمن سے لڑانے کے لیے تمہارا انتخاب کر کے میں نے غلطی نہیں کی، تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟''
ابتدا سے اس وقت تک ڈان نے میرے ماضی اور وطن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ اس بارے میں وہ اس کا پہلا سوال تھا۔ میں نے کہا ''پاکستان سے آیا ہوں۔''
''اس مٹی کو میرا اسلام جس سے تم جیسے جی دار جنم لیتے ہیں'' اپنے دشمن کو بہت بڑی زک پہنچانے پر ڈان اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور درندوں سے زیادہ سفاک نظر آنے والے سرد مہر ڈان سے مجھے اتنی حوصلہ افزائی ملنے کی امید نہیں تھی۔
''ڈان! یہ تمہاری محبت ہے ورنہ میں اس ستائش کے قابل نہیں ہوں'' میں نے اپنے وطن کو سلامی ملنے پر جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔
''علی......میرے بچے! تم میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرو گے۔ جب سے مجھے گولڈن ڈریگن والے واقعے کی خبر ملی تھی، میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ دشمن کے گڑھ میں گھس کر اس کے ایک موذی آدمی کو مارنا اور پھر مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل آنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں تمہاری لاش بھی گر سکتی تھی۔ پھر آج حد ہو گئی۔ چھوٹا راجن کا بہت کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس میں صرف دو آدمی مرے ہیں۔ ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ وہ کتنے گنہگار تھے۔''
''میری کوشش ہو گی کہ میں اس لڑائی کے ہر مرحلے میں تمہاری توقعات پر پورا اترتا رہوں۔''
''بارہ گھنٹوں میں بہت کچھ ہو گیا۔ اب ذرا آرام کرو۔ تم نے چھوٹا راجن کا دماغ الٹ دیا ہے۔ وہ پاگل کتے کی طرح اپنے آدمیوں پر برس رہا ہے۔ ان لوگوں نے بنکاک میں بربریت کا بازار گرم کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو اٹھا رہے ہیں، بے رحمی سے مار رہے ہیں۔ انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جنہوں نے سازش میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا ہے۔ دو تین روز تک یہ سب ہوتا رہا تو یہاں کی زیر زمین دنیا میں چھوٹا راجن کے خلاف بغاوت ہو جائے گی۔ لوگ اس کے آدمیوں کو پیٹنا شروع کر دیں گے۔ اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔''
خرانٹ اور کم گو ڈان اس وقت اپنی دو برس کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ وہ کبھی اپنی زبان سے کوئی فالتو یا غیر ضروری لفظ ادا نہیں کرتا ہو گا۔ اس نے بے تکان بول کر مجھے حیران کر دیا تھا۔
''وہ وقت بہت قریب ہے جب تمہارا حریف شہر کے...

بازاروں میں ذلیل اور رسوا ہوگا'' میں نے ڈان کی باتوں پر گرہ لگائی۔

''تم دل لگا کر اسی بے جگری سے اپنا کام کرتے رہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں بنکاک کا ڈان بنا دوں گا'' ابتدائی کامیابیوں پر ڈان کی آنکھوں میں سحر آفریں خواب اترنا شروع ہوگئے ''کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ تم سے نظریں چار کر سکے۔ مجھے تمہارا تابناک مستقبل صاف نظر آ رہا ہے۔''

''اس وقت بھی تم مجھے اپنا بے دام غلام پاؤ گے'' میں نے ڈان کے دل کی بات کہہ دی۔

''تم بہت سعادت مند اور بامروت لڑکے ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں'' میں اس کی چاپلوسی کر رہا تھا اور وہ میری تعریفیں کرتا جا رہا تھا۔ اس نے میرے ایسے خواص گنوا دیے تھے جن کے وجود سے میں خود بھی بے خبر تھا۔

''اجازت ہو تو میں ایک سوال کرلوں؟'' میں نے گفتگو کے اختتامی لمحات کا ادراک کرتے ہوئے بہت رسانیت کے ساتھ کہا۔

''بولو!'' ڈان کی آواز میں تحکم سمٹ آیا۔

''آج تم نے میری بہت عزت افزائی کی ہے۔ تم سے بات کر کے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ اجازت ہو تو میں کبھی کبھی تم کو فون کرلیا کروں؟'' میں نے لجاجت سے کہا۔

''میرے پاس آنے پر اور غیروں کے سامنے میرا نام لینے پر پابندی ہے۔ فون ہر وقت کر سکتے ہو۔ ذہین اور دلیر لوگوں سے بات کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں'' میں نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ڈان سر سے پیر تک اپنی بڑائی کے نشے میں غرق تھا۔ وہ اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں کے سامنے جو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، اس نے مجھ سے کہہ ڈالا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں کھولتے ہوئے لاوے کا ابال ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے فون بند کر دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ڈان آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوگیا ہے'' غزالہ نے شوخی سے کہا ''اس سے بات کرتے ہوئے آپ کے چہرے پر بار بار سرخی تیر رہی تھی۔''

''وہ ایک زوال پذیر بدمعاش ہے۔ میرے ذریعے اسے اپنے سنہرے دن لوٹتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ وہ دل کھول کر میری کارکردگی کی تعریفیں کر رہا تھا۔''

''اور آپ بہت ہوشیاری سے اسے مزید اکسا رہے تھے؟''

کوشش

محلے کے دکان دار نے ننھے راشد کو تیزی سے دوڑتے دیکھا تو روک کر پوچھا ''بیٹا! اتنی تیزی سے کہاں دوڑے جا رہے ہو؟''

''انکل! میں دو لڑکوں کو آپس میں لڑنے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' ننھے راشد نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''کون ہیں وہ دو لڑکے؟'' دکان دار نے پوچھا۔

''ایک الیاس ... اور دوسرا میں......'' راشد نے جواب دیا۔

''مجھ سے شادی کرلو۔ میں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی خواہش پوری کر دوں گا۔''

''چھوٹی چھوٹی خواہشیں تو میں خود بھی پوری کرلیتی ہوں۔ میں تو بڑی بڑی خواہشیں پوری کرنے کے لیے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہ میری مجبوری ہے۔ اسے خوش رکھ کر ہی میں سوبھراج کا کام تمام کر سکتا ہوں۔''

''بے چارے ڈان کو سوبھراج کے نام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ کا نشانہ صرف راجن ہے۔ اصل قصے کا پتا چلے گا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

''اسے الہام نہیں ہوسکتا۔ یہاں تمہارے اور اسد کے سوا کسی کو اندر کی اس کہانی کا علم نہیں ہے۔ تم دونوں اسے کچھ بتانے سے رہے۔''

اس وقت تک حالات انتہائی غیر متوقع طور پر صحیح رخ پر جا رہے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ یوں ہی چلتا رہا تو ہم بہت جلد سوبھراج اور راجن پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ٹیلی وژن مسلسل کھلا ہوا تھا۔ اسکرین پر میوزک کے نام پر نیم برہنہ لڑکیوں کی اچھل کود کا سلسلہ جاری تھا۔ غزالہ نے ریموٹ سے آواز بند کی ہوئی تھی۔ ہم خبروں کے انتظار میں وہ سب دیکھنے پر مجبور تھے۔

اس دوران میں ایک مرتبہ خبروں کی باری آئی۔ چند منٹ کے قلیل عرصے میں اختصار کے ساتھ اہم خبریں سنائی گئیں جن میں بنکاک میں مذہبی انتہا پسندوں کی دہشت گردی میں دو افراد کی ہلاکت کی خبر شامل تھی۔

وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ دھماکوں میں دو افراد کی ہلاکت

کی خبر ڈان برنارڈ سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ اس میں ایک پہلو حیرت ناک تھا۔ ٹیلی وژن کے اس خبری نشریے میں دھماکوں کو مذہبی انتہا پسندوں سے منسوب کیا گیا تھا۔ وہ سو فیصد سرکاری نظریہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ نظریہ کس بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد تفصیلی خبروں کی باری آ گئی۔ اس نشریے میں وہ خبر دوسرے نمبر پر تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ انتہا پسند دہشت گردوں نے بنکاک کے چار معروف تفریحی مقامات پر طاقت ور ٹائم بموں سے ایک ہی وقت میں دھماکے کر کے یہ پیغام دیا تھا کہ ملک بھر میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کو روکنے کے لیے ایسے ٹھکانوں کو بند کر دیا جائے جو ملک میں سیاحت کے فروغ کے لیے ناگزیر تھے۔ انتظامیہ پوری سرگرمی سے مجرموں کی تلاش میں مصروف تھی۔

میں حیران تھا کہ حکام نے یہ بات سرے سے نظر انداز کر دی تھی کہ وہ چاروں ٹھکانے راجن کی ملکیت تھے اور انہیں کسی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہوں نے واقعات کا رخ کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔ اس خبرنامے میں گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اسے مقامی نوعیت کا واقعہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا تھا یا پھر وہ خبر اس سے پہلے نشر ہو جانے کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی۔

''یہاں پوری کہانی بدلی ہوئی نظر آ رہی ہے'' میں نے ٹیلی وژن آف کر کے فکرمندی سے کہا ''راجن کا ذکر سرے سے غائب کر دیا گیا ہے۔''

''مجھے یہ بھی راجن کی چال معلوم ہو رہی ہے'' غزالہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کی ساکھ کے لیے اصل خبر تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ کوئی سورما اپنی بدقسمتی سے کسی کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے تو اس واقعے کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ اس سے دوسروں کو سرکشی کی ترغیب ملتی ہے۔ انتظامیہ نے راجن کی اس مصلحت کوشی سے فائدہ اٹھایا ہے اور سارا ملبہ حکومت کے مخالف گروپوں پر ڈال دیا ہے۔ یہاں آج کل کئی گروپوں نے سر اٹھایا ہوا ہے۔ وہ آئے دن کوئی نہ کوئی دہشت گردی کرتے رہتے ہیں۔ انتظامیہ نے اس واقعے سے فائدہ اٹھا کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''تم یہاں کے سیاسی حالات پر کب سے نظر رکھنے لگیں؟'' میں نے اس کے تجزیے پر اپنی حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اخبار شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس بارے میں کئی مہینوں سے خبریں آ رہی ہیں جنہیں پاکستانی اخبارات نمایاں طریقے سے شائع کرتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ راجن کی ملی بھگت سے انتظامیہ نے ان واقعات سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔''

وہ غزالہ کی اپنی رائے تھی جس سے اختلاف کرنا دشوار تھا۔ میری نظر ان واقعات کے دوسرے پہلو پر بھی تھی۔

اسد کی معلومات کے مطابق وہ ناچ گھر اور جواخانے راجن کی ملکیت تھے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ملکیت کے قانونی کاغذات بھی اس حقیقت کی غمازی کرتے ہوں۔ اس قسم کے دھندوں میں کسی ممکنہ قانونی گرفت اور ٹیکس کے مسائل سے بچنے کے لیے لوگ قانونی ملکیت کے خانے میں عام طور پر اپنے کسی حواری کا نام ڈال دیتے ہیں۔ ایسے کاروبار کا سارا مالی فائدہ وہ خود اٹھاتے ہیں، کوئی برا وقت آ جائے تو اپنے حواری کو چارہ بنا کر سامنے لے آتے ہیں۔ مجھے شبہ تھا کہ اس معاملے میں بھی یہی صورت حال درپیش تھی۔ راجن ان سب تفریح گاہوں کا اکلوتا مالک ہونے کا اقرار کر کے آئندہ کے لیے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو، سرکاری طور پر راجن کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ ٹیلی وژن کی خبر زیادہ تفصیلی نہیں تھی، یک طرفہ انداز میں تخلیق کی گئی تھی۔ تفصیلی معلومات اگلے دن کے اخبارات سے حاصل ہو سکتی تھیں۔

میں نے اس روز کے لیے اپنے ہدف کے عین مطابق کامیابی حاصل کر لی تھی۔ شام تک ہم اپنے کمرے میں آرام کرتے رہے۔ کھڑکیوں سے باہر دھندلکا پھیلنا شروع ہوا تو ہم دونوں تیار ہو کر شہر کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

رات ہوتی ہے تو بنکاک کا سماں کچھ اور ہو جاتا ہے۔ ہر طرف رنگ و نور کا ایک سیلاب امڈ آتا ہے۔ دن بھر ساحلی مقامات کی جنت نظیر پٹیوں پر سن باتھ لینے والے تھکے ماندے سیاح بھی شہر کی سحر آفریں راتوں کے جادو سے مسحور ہو کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ تفریحی مقامات پر اور بازاروں میں زندگی کی رعنائیاں انگڑائیاں لے کر بیدار ہونے لگتی ہیں۔ دیر تک یہ سرگرمیاں یوں ہی جاری رہتی ہیں۔ شہر کی رونق بھانت بھانت کے انسانوں کے ملے جلے ہجوم سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ ان میں افریقا کے کالوں سے لے کر امریکا کے نخوت پسند گوروں تک ہر قوم اور ہر رنگ کے لوگ نظر آتے ہیں جو اس مہمان نواز شہر میں ہر تفریق سے بے نیاز، اپنی اپنی دھن میں مگن نظر آتے ہیں۔

مول تول، بھاری خریداریوں اور ناآسودہ جذبوں کی

تسکین کے بعد جب لوگ واپسی کا رخ اختیار کرتے ہیں تو شہر کی رونقیں سمٹنے لگتی ہیں۔ انسانوں کے بغیر شہر کے کوچہ و بازار اپنی ساری کشش کھونے لگتے ہیں۔ پھر روشنیاں ہی روشنیاں رہ جاتی ہیں۔ سیاح اپنے مسکنوں کو لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ بس مے کدوں میں شب بیدار رندوں کی محفلیں جمی رہتی ہیں۔ باہر پھیلے ہوئے پراسرار سناٹے میں سرمست خریدار گناہوں کا مول چکانے کے لیے شہر کی ان گلیوں اور بازاروں کا رخ کرتے ہیں جہاں راجن جیسے زبردست ان کی جیبیں خالی کرانے کے لیے اپنے جیتے جاگتے مال کے ساتھ ہمہ تن تیار بیٹھے رہتے ہیں۔

ہمیں بنکاک کے شب و روز کے ان پوشیدہ گوشوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بارہ بجے کے قریب ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ دونوں کے جسم تھکن سے بے حال تھے لیکن وجود میں بہت کچھ جان لینے کی ایک عجیب سی ناقابل بیان سرشاری رچی ہوئی تھی۔

اگلی صبح روم سروس والوں نے میری ہدایت کے مطابق بنکاک کے دو مؤقر انگریزی اخبارات ہمارے کمرے میں پہنچا دیے۔

اخبارات نے بنکاک میں ہونے والے چار دھماکوں کے بارے میں یہ انکشاف کیا تھا کہ دو افراد کی ہلاکت کے علاوہ زخمی ہونے والوں کی تعداد تین تھی۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ بموں کے دھماکوں کا شکار ہونے والے چاروں تفریحی مراکز مشہور بھارتی تاجر چھوٹا راجن کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور وہ دھماکے زیرزمین کے طاقت ور گروہوں میں اقتدار کی جنگ کا نتیجہ ہوسکتے تھے۔

مذہبی انتہا پسندوں کے حملے والے سرکاری مؤقف کو رپورٹ ضرور کیا گیا تھا لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ کسی بھی خطے میں صحافیوں کا تعلق معاشرے کے حسّاس ترین طبقوں سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ایمان دار ہوں تو ان کے پڑھنے والوں کو سچ تک رسائی حاصل رہتی ہے۔ وہ لفافوں کے عوض اپنے قلم کا سودا کرلیں تو جھوٹ بہت تیزی کے ساتھ ساری سچائیوں کو نگل جاتا ہے۔

اخباری نامہ نگاروں نے ان دھماکوں کے بعد راجن سے مل کر اس کے تاثرات جاننا چاہے تو اس نے حیرت انگیز طور پر میرا یا کسی اور کا نام نہیں لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تھائی لینڈ میں بھاری سرمایہ کاری کی ہوئی ہے، حکومت کو ٹیکسوں کی مد میں ہر سال بھاری رقوم ادا کرتا ہے۔ اس کے کاروبار کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمے داری ہے۔ وہ

برسوں سے تھائی لینڈ میں کام کررہا ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ یہ دیکھنا پولیس اور دوسرے محکموں کا کام ہے کہ اس تخریب کاری کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ اس نے گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے آدمی کے قتل کے واقعے کو چاروں دھماکوں کی تمہید کا خیال سرے سے مسترد کردیا۔ اس کا خیال تھا کہ نوعیت کے اعتبار سے دونوں واقعات ایک دوسرے سے الگ اور غیر متعلق تھے۔ اسے سوچنا پڑے گا کہ وہ یکے بعد دیگرے کیوں رونما ہوئے۔

چھوٹا راجن ایک سکہ بند بدمعاش تھا۔ بنکاک میں اس کے ستارے عروج پر تھے۔ زیرزمین دنیا کے پروٹوکول کے عین مطابق اس نے باوقار رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اور میرا نام نہیں لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس وغیرہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکے گی۔

قانون کے محافظوں سے کسی دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے اپنی شکست مان لی ہے۔ بڑے مجرموں کی روایات کے مطابق اسے دوسروں کو الگ تھلگ رکھ کر اپنے معاملات خود سنبھالنے تھے۔ اس سے چوک ہوجاتی تو ہواخیزی اس کا مقدر بن جاتی۔

دونوں اخباروں میں چھپنے والی خبروں کی تفصیل پڑھ کر مجھے یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ میرے خلاف پولیس سے کوئی مدد نہ لینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ مقابلہ میرے اور اس کے درمیان تھا۔

یہ اچھی بات تھی کہ ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ راجن دونوں واقعات کو الگ الگ دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دو سمتوں میں بٹ گئی تھی جبکہ میرا ہدف ایک تھا۔ مجھے اس کے ان گرگوں سے ہوشیار رہنا تھا جو میری تلاش میں شہر کو تہ و بالا کرسکتے تھے۔

راجن کا ابتدائی ردِعمل سامنے آگیا تھا۔ اس کی روشنی میں، میں کسی اگلی کارروائی کا منصوبہ بنا سکتا تھا جس کے نتیجے میں سوبھراج میری گرفت میں آسکے لیکن بہتر یہی تھا کہ میں ڈان کے مشورے سے انحراف نہ کروں۔ چند روز کی خاموشی کے بعد اچانک کیا جانے والا وار زیادہ کارگر ثابت ہوسکتا تھا۔

ہمارے دیر سے بیدار ہونے کی وجہ سے ہوٹل کے ریستوران میں ناشتے کا وقت گزر چکا تھا۔ کمرے کے درودیوار میں زیادہ دیر تک رکنے کی وجہ سے مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ ویسے بھی میرے پاس فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کمرے میں ناشتا کرنے کے بعد میں غزالہ کو ساتھ لے کر شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کے لیے نکل جاؤں تا کہ ہمارا وقت بہتر انداز میں گزر سکے۔

ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ میرے کراچی والے موبائل فون پر اول خان کی کال آ گئی۔

''یہاں سے ایسے گئے ہو کہ یہاں والوں کو بھول ہی گئے؟'' اس نے چھوٹتے ہی شکایت کی ''معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بہت مصروف ہو گئے ہو؟''

''ایسی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔ اس وقت بھی بنکاک کی سیر پر نکلنے کا ارادہ ہے'' میں نے اس کی شکایت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کے اخبار میں راجن کے پانچ ٹھکانوں میں انتہا پسندوں کی کارروائیوں کی خبر چھپی ہے۔ اس میں تمہارا کتنا حصہ تھا؟'' وہ براہِ راست مطلب کی بات پر آ گیا۔

''انتہا پسندوں پر سرکاری تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ میری منصوبہ بندی تھی۔ میں ایک جگہ بال بال بچا ہوں۔ یہ خبر اتنی تیزی سے وہاں کیسے پہنچ گئی؟''

''یہ ای میل، انٹرنیٹ اور فیکس کا دور ہے۔ خبریں ہزاروں میل فی منٹ کی رفتار سے ہواؤں پر اڑتی ہیں۔ مجھے کچھ تو بتاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟''

بنکاک میں راجن کا تجزیہ گمراہ کن تھا۔ فاصلہ بڑھ جانے سے اصلیت نتھر کر سامنے آ گئی تھی۔ مقامی اخبار نے وہ واقعات دو الگ الگ خبروں کی صورت میں چھاپے تھے۔ برق رفتار مواصلاتی رابطوں پر شاید وہ دو خبریں ہی پاکستان پہنچی ہوں لیکن ادارتی ڈیسک پر بیٹھے ہوئے کسی ذہین شخص نے مالک کے مشترک نام کو دیکھتے ہی دونوں خبروں کو یکجا کر دیا۔ حقیقت بھی وہی تھی۔

کسی واقعے میں ملوث افراد کے لیے جذباتی الجھاؤ کی وجہ سے صحیح نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دور سے واقعہ دیکھنے یا سننے والے منطقی انداز میں فوراً صحیح نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ راجن واضح طور پر اسی غلطی کا شکار ہوا تھا۔ کراچی کے اخبار نے ازخود اس غلطی کو درست کر لیا تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اول خان کو ان واقعات کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم احتیاط سے کام لو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔ کوئی ٹھوکر لگی تو وہاں دور دور تک کوئی سہارا دینے والا نہیں ملے گا۔ تم کو یہاں کے بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے نکالا گیا ہے۔ تمہارے سر پر کوئی ذمے داری مسلط نہیں کی گئی۔''

''ذمے داریاں خود بخود آ جاتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ سوبھراج خاموشی اور رازداری سے یہاں آیا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ اسے کس طرح سامنے آنے پر مجبور کیا جائے۔ گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا تو اس نے میرے تجسس میں پڑ کر خود اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ مجھے فون نہ کرتا تو بنکاک میں اس کی موجودگی کچھ دنوں کے لیے ایک راز بنی رہتی اور میں آرام سے بیٹھا رہتا۔''

''میں عرصے سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ تمہارے مقابلے پر آنے والوں کے اعصاب بہت جلد جواب دے جاتے ہیں اور وہ غلطیاں کرنے لگتے ہیں۔''

''یہی نہیں بلکہ وہ میرا پتا معلوم کرنے کے لیے آئی بی کے آدمی کے گھر پر بھی پہنچ گیا تھا۔ اگر وہ شہر میں اس طرح اپنی شامت کو ڈھونڈتا پھر رہا ہو تو میں کس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہوں، مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''تمہیں اپنی من مانیوں سے روکنا بہت مشکل کام ہے۔ کم از کم مجھے فون تو کرتے رہا کرو۔''

''کوشش کروں گا۔ میرا اندازہ ہے کہ جلال ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔ اس کا آدمی یہاں سے اسے پل پل کی رپورٹیں بھیجتا ہوگا۔ اس سے رابطے میں رہا کرو۔''

''یہاں کی رونقیں تمہارے دم سے تھیں۔ اب کراچی میں سناٹا ہے۔ جلال اسلام آباد جا چکا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میری زیادہ بے تکلفی نہیں ہے۔ گریڈوں والے افسر کتنے ہی شریف النفس کیوں نہ ہوں، وہ بغیر گریڈ والوں کو منہ نہیں لگاتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اپنی ایس ٹی ایف میں کوئی تمغا ہے نہ گریڈ سب زبانی کلامی چلتا ہے۔''

''یہ تمہارے اور جلال کے معاملات ہیں میں ان میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔ وہ بیوروکریٹ ضرور ہے لیکن اپنی برادری کے نک چڑھے افسروں سے بہت مختلف ہے۔''

''ضروری نہیں کہ ایک شخص کے بارے میں سب کی رائے یکساں ہو، اس قصے کو چھوڑو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے جنرل سے بات کر کے تمہارا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک دو آدمی ادھر بھیج دوں تمہارا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں یہاں آدمیوں کی کان

میں پہنچا ہوا ہوں۔“
”ضرورت محسوس کرو تو مجھے بتا دینا، معلوم ہوتا ہے کہ تم چاروں ہاتھ پیروں سے ڈان کے سر پر سوار ہو گئے ہو!“ ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔
”زندگی نے ساتھ دیا تو وہ جلد ہی مجھے بنکاک کا ڈان بنوا دے گا۔ میں یہیں کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کروں گا۔ بقیہ کام شہر کے بدمعاش کرتے رہیں گے۔“
”تمہاری چرب زبانی کا مارا مشکل ہی سے بچتا ہے، پتا نہیں اس بے چارے ڈان کا کیا انجام ہوگا۔ اس نے تمہیں بہت بڑا اسہارا دیا ہے۔“
”ہو سکے تو ایک کام ضرور کرلو۔“ میں نے فوری خیال کے تحت چونک کر کہا ”سوبھراج وہاں روپوش تھا۔ وہ چوری چھپے ایران گیا اور وہاں سے ادھر آ گیا۔ اس کے لہو کے پیاسوں کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ اب وہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا مہمان ہے۔“
”تم امریکیوں کی بات کر رہے ہو!“ اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔
”ایف بی آئی والے۔“ میں نے زور دے کر کہا ”تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ ویرا کو خاموشی سے اپنی ذاتی قید میں رکھنے کی کوشش کر کے سوبھراج نے ان لوگوں سے غداری کی تھی وہیں سے وہ اس کی جان کے دشمن ہوئے تھے اب انہیں بھی حرکت میں آنا چاہیے۔“
”وہ تمہارا شکار کھا جائیں گے۔“ اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ”تھائی حکومتیں ہمیشہ سے امریکا نواز ہی ہیں اور بنکاک میں ان کا مضبوط فوجی اڈا ہے وہ ایک جھٹکے میں اسے گردن سے دبوچ لیں گے۔“
”اتنی سی بات کو عالمی سیاست سے نہ ملاؤ، ہم بھی امریکا نواز ہیں تمہیں معلوم ہے کہ ایک مدت سے پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ ہاکس بے میں سی ہٹ کا واقعہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ زمینی حقائق سرکاری پالیسیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں یہ منافقت کے کھیل ہیں میں ان سے دور بھاگتا ہوں۔“
”تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے یہ کام آج ہی ہو جائے گا۔“
”ہمیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے، پیڑ گننے سے نہیں۔“ میں نے سنبھالا لے کر نرمی سے کہا ”میں چاہتا ہوں کہ اس پر ہر طرف سے دباؤ آ جائے میں اس غدار کی جلد از جلد موت کا خواہاں ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔ اس سے پہلے کہ

شکر

ایک صاحب کی بیگم میٹرنٹی ہوم میں داخل تھیں۔ وہ دو بجے وہاں پہنچے تو نرس نے انہیں دیکھ کر مسرت بھرے لہجے میں بتایا ”آپ بڑے اچھے وقت پر آئے۔ اس وقت دو بجے ہیں اور آپ دو بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔ آپ کے ہاں دو جڑواں بچے ہوئے ہیں۔“
”اوہ...... یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے!“ وہ صاحب گہری سانس لے کر بولے ”لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں بارہ بجے یہاں نہیں پہنچا۔“

اسے بنکاک میں اپنی موت نظر آنے لگے اور وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے کسی نہ کسی کو اس کے گلے میں پھندا ڈال دینا چاہیے۔“
”ایف بی آئی والوں کو یہ خبر تمہاری طرف سے پہنچائی جائے تو کیسا رہے گا۔“
”اس سے کیا حاصل ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔
”شاید ان کے دلوں میں تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو سکے۔“
”مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا ہے۔ اب تک تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میری اور ان کی دشمنی اب کسی مصالحت کی توقع سے بہت دور نکل چکی ہے۔ وہ نہیں مجھے بخشیں گے نہ میں ان کو چھوڑوں گا۔ اب یہ لڑائی میری زندگی بھریوں ہی چلے گی۔“
”مجھے سب معلوم ہے، ہر بات کا اندازہ ہے۔“ اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔ ”پھر بھی کبھی کبھی بے ساختہ خوش گمان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ میں تمہاری طرح ہر وقت اٹل حقیقتوں میں گھرا ہوا نہیں رہ سکتا۔“
وہ اپنی سہل کلامی پر شرمسار ہو رہا تھا۔ میں نے اسی لمحے موضوع بدل دیا ”میری خبر گیری کے ساتھ کبھی کبھی سلطان شاہ کی خیر خبر بھی لیتے رہا کرو۔“
”وقت کے لمبے فرق کی وجہ سے دنوں کا تصور گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنے حساب سے میں نے کل اس سے بات کی تھی، ویرا کے پیر میں موچ آ گئی......“
”کوئی موچ دوچ نہیں آئی۔ یہ اس کی بدمعاشی ہے۔“ میں نے اول خان کی بات کاٹ کر کہا ”وہ سلطان شاہ سے سفر میں سرزد ہونے والی ایک غلطی کا بدلہ لے رہی ہے۔

آج اسے ٹھیک ہو جانا چاہیے ورنہ میں سلطان شاہ کو اس کی مکاری سے آگاہ کردوں گا۔"

"مجھے وہ اپنی آواز سے اذیت میں معلوم ہو رہی تھی۔" اس نے تحیرزدہ آواز میں کہا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے؟"

"اس نے خود بتایا تھا۔ ایسی گھٹیا حرکتوں میں جب تک کسی کو اپنا رازدار نہ بنایا جائے، مزہ نہیں آتا۔ وہ اس صدی کی سب سے بڑی اداکارہ ہے۔ ہالی ووڈ میں ہوتی تو اب تک نہ جانے کتنے آسکر ایوارڈ لے چکی ہوتی۔"

"اس پر اتنا غصہ نہ کرو۔ وقت گزارنے کے لیے وہ کوئی شغل کررہی ہے تو کرنے دو۔ وہ سلطان شاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ وہ دونوں خوش ہیں تو ہمیں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظرانداز کرکے خوش رہنا چاہیے۔"

وہ مثبت سوچ کا انداز تھا۔ میں نے اول خان سے اختلاف نہیں کیا اور ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔

غزالہ روانگی کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ میں نے پھرتی سے جوتے پہنے اور اس کے ساتھ ہوٹل سے چل دیا۔ بدھ مندروں اور پرشکوہ نقاہوں کا وہ فسوں خیز شہر دیکھنے کے لیے اس سے بہتر فرصت کے لمحات شاید بعد میں میسر نہیں آسکتے تھے۔

ہوٹل کی حدود سے نکل کر فٹ پاتھ پر پہنچتے ہی غزالہ کے بارے میں چاؤ فان کے کہے ہوئے بے ہودہ الفاظ بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں چبھے اور میری نظریں بے اختیار غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

بلاشبہ وہ بہت حسین تھی اور قدرت کی صناعی کا شاہکار کہی جاسکتی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز تھا پھر بھی اس کے رخساروں سے شفق رنگ سرخی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ گولڈن ڈریگن میں قتل کی واردات والی رات وہ بھرپور میک اپ کرکے شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا وہی روپ دیکھ کر چاؤ فان نے اپنی بے لاگ رائے دی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میک اپ کی غیر موجودگی میں اس وقت غزالہ کسی بھی طرح اتنی زوردار نہیں لگ رہی تھی کہ نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھنے لگیں۔ ہم کسی کی نگاہوں کا مرکز بنے بغیر اطمینان سے شہر گھوم سکتے تھے۔

غزالہ کی فرمائش پر میں نے ہاتھ اٹھا کر ایک خالی ٹک ٹک کو روکا اور ڈرائیور کو ہم گولڈن پیلس کا نام بتا کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"واٹ فراکاؤ!" مقامی ڈرائیور نے اپنی سفید بتیسی نکال کر تفہیمی انداز میں کہا اور وہ پرشور سواری بنکاک کی سڑک پر اچھلتی کودتی، ہمیں لے کر آگے روانہ ہوگئی۔

سواری بہت نامعقول تھی لیکن اس کا ڈرائیور خوش اخلاق تھا۔ ہوٹل میں روم سروس کے عملے سے لے کر ٹک ٹک ڈرائیور تک جو بھی تھائی باشندہ ہمارے سامنے آتا رہا تھا اس کے لبوں پر اپنائیت سے بھرپور ایک استقبالیہ مسکراہٹ سجی ہوئی ہوتی تھی۔ وہ لوگ دور دیس سے اپنے ملک میں آنے والوں کے لیے سراپا انکسار و تواضع بنے رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ تھائی لینڈ کو عرف عام میں مسکراہٹوں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔

☆☆☆

اگلے دو دن بیکاری اور انتظار میں گزر گئے۔ ڈان کے فرمان استراحت کے بعد اپنی مرضی سے کوئی کام شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اسد نے ہماری میزبانی کے فرائض سنبھالنے کے لیے اپنے دفتر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ وہ رات کو سونے کے لیے گھر جاتا اور صبح سویرے واپس آکر ہمارے اترنے کے انتظار میں ہوٹل کی لابی میں جم جاتا۔ وہاں سے ہم تینوں شہر کی کوچہ نوردی کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ لاکھوں کی بھیڑ میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ سوبھراج مجھے کہیں دیکھ کر پہچان لے اور وہیں ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔

قابلِ دید مقامات کی سیر کے سلسلے میں اسد کی رہنمائی نے عجیب ہی مزہ دیا۔ وہ کافی عرصے سے وہاں اکیلا رہ رہا تھا۔ اس کی قابلِ رشک معلومات نے ہر تفریح کا لطف دوبالا کردیا۔ شہر سے گزرنے والے دریا میں ایکسپریس بوٹ سسٹم کی بڑی سی لانچ میں بیٹھ کر، سرشام شہر کا روشن نظارہ دیکھنا بھی ایک انوکھا تجربہ تھا۔ دریا میں اتنی کشتیاں رواں تھیں کہ مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے رات گئے گولڈن ڈریگن سے واپسی پر زندہ ٹائم بم دریا میں پھینکا تو مجھے نیچے پھیلی ہوئی نیم تاریکی میں دریا خالی نظر آیا تھا۔ وہ کسی بوٹ پر گرا ہوتا تو کیا ہوتا میرے لیے وہ خیال خوف آور تھا۔

میری حیرت دور کرنے کے لیے اسد نے بتایا کہ رات گہری ہونے کے ساتھ دریائی ٹریفک برائے نام رہ جاتا ہے۔ کام کی نازک نوعیت کی وجہ سے اس نے جان بوجھ کر دریا ایسے پل پر سے عبور کیا تھا جس کے نیچے عام طور پر زیادہ کشتیاں نہیں ہوتیں۔

پھوکیٹ اور جیانگ مائی قابلِ دید ہونے کے باوجود بنکاک سے بہت دور تھے ہمیں اس سفر پر آمادہ نہ پا کر اسد نے ہمیں وہاں کی زبانی سیر کرادی۔ پتایا شہر سے زیادہ دور نہیں

تھا۔ وہاں کے سبز سمندری پانی کے کنارے حسن وشوق کی ایک انوکھی دنیا بکھری ہوئی تھی جہاں ہر ایک دوسروں کو یکسر فراموش کر کے اپنی ذات میں مگن تھا۔

پیراکی کے مختصر کپڑوں میں ملبوس، بے پروا نازنینوں کا ساحلی میلہ پتایا میں ہم جیسے رجعت پسند سیاحوں کے ہوش اڑانے کے لیے کافی سے بہت زیادہ تھا۔ جمال پرستوں کے لیے وہاں قدم قدم پر ایسی رنگین وسنگین رکاوٹیں غسل آفتابی میں کروٹیں لے رہی تھیں کہ لہریے دار کنارے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لیے انہیں ایک مدت درکار تھی۔

ان تفریحی سرگرمیوں کے ساتھ میرا فون بھی باقاعدگی سے استعمال ہو رہا تھا۔ امریکا سے پاکستان تک کی خبریں تواتر سے مل رہی تھیں۔ ویرا کے بیر کی موج میری ہدایت کے عین مطابق ٹھیک ہو چکی تھی۔ دس ڈالر لینے والا بھکاری پر اسرار ثابت ہو رہا تھا۔ اول خان نے ایک امریکی سفارت کار کو براہ راست یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ سوبھراج ایران کے راستے بنکاک بھاگ چکا تھا۔

جلال اسلام آباد میں حسب معمول بہت زیادہ مصروف تھا۔ رتن سیٹھ سوبھراج کے خلاف اہم ترین گواہ تھا، اسے خصوصی حفاظتی انتظامات کے تحت صدف مینشن سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا تھا اور سوبھراج کے خلاف اس کی غیر حاضری میں مقدمہ چلانے کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ جلال کو امید تھی کہ عدالت جلد ہی سوبھراج کو مفرور قرار دے دے گی۔

دوسری طرف چاؤ فان میری جان کا آزار بنا ہوا تھا۔ میں نے جب سے اسے اپنے مقامی موبائل فون کا نمبر دیا تھا وہ ہر دو تین گھنٹوں بعد مجھے فون کر کے میری خیریت معلوم کرنے لگا تھا۔ اسے شکایت تھی کہ میں نے ہوٹل میں ٹکنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب بھی کوئی تحفہ لے کر ہوٹل میں پہنچتا تھا، میرے کمرے میں بجنے والی انٹرکام کی طویل گھنٹیاں اس کا منہ چڑانے لگتی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے چاؤ فان کو شہر میں میری خبر گیری کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔

اس نے ابتدا میں یہ جاننے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے کہ ڈان سے فون پر میری کیا بات ہوئی تھی مگر میں نے اسے ایک لفظ نہیں بتایا۔ وہ جس طرح مجھے خبر گیری کی مار مار رہا تھا اس کا تقاضا تھا کہ جواب میں اسے بھی ستایا جائے۔

ڈان نے مجھے وہ گفتگو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی مگر میں چاؤ فان سے کوئی

موازنہ

''دنیا میں عجیب عجیب واقعات رونما ہوتے ہیں۔'' فیصل فریدی نے ارشد صاحب سے گپ شپ کرتے ہوئے کہا ''ایک صاحب بیس سال میں ایک لفظ بھی نہیں بولے تھے۔ ایک روز ایک گدھے نے انہیں دولتی رسید کی تو اچانک ان کی قوت گویائی واپس آگئی۔''

''قوت گویائی بحال کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جو کم تکلیف دہ ہے۔'' ارشد صاحب بولے۔

''وہ کیا؟'' فیصل نے جاننا چاہا۔

''بیوی کو میکے بھیج دیا جائے۔'' ارشد صاحب نے جواب دیا۔

کھلا جھوٹ بولے بغیر یہ تاثر دیتا رہا کہ کسی تیسرے فرد کو اس گفتگو کا امین بنانا ڈان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہوتا۔

تیسرے دن میں نے اسد کے ساتھ باہر جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا وہ آیا تو میں نے اسے اوپر کمرے میں بلا لیا۔

ہم تینوں خوش گپیوں میں وقت گزار رہے تھے کہ میرے موبائل فون پر چاؤ فان کی کال آگئی۔

''صبح بخیر ماسٹر! کیا حال ہے...... اس وقت کہاں گھوم رہے ہو میں نے ساری زندگی میں اتنا شہر نہیں دیکھا جتنا تم نے دو تین دنوں میں دیکھ لیا ہے!'' میری آواز سن کر وہ ایک ہی سانس میں بے تکان بولتا چلا گیا۔

''میں خیریت سے ہوں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور میں ہر وقت تمہاری سلامتی کے لیے دعاگو رہتا ہوں...... کیا میں اب فون بند کر دوں۔'' میں نے اسے ہوٹل میں اپنی موجودگی سے باخبر کیے بغیر اس کے انداز میں جواب دیا۔

وہ ہنس پڑا ''ماسٹر! تم بہت دلچسپ آدمی ہو، تم سے بات کر کے میری طبیعت بے مزہ نہیں ہوتی، جلی کٹی باتیں بھی بہت ڈھنگ سے کرتے ہو۔ اب یہی دیکھو کہ آج کل فرصت کے دن ہیں اس کے باوجود تم میری سلامتی کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔''

''اب نہیں کروں گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اور کوئی شکایت ہو تو وہ بھی بتا دو۔ میں اسے بھی دور کر دوں گا۔''

''ماسٹر! میرے پاس ایک چٹ پٹی خبر ہے سوچا کہ تمہیں بھی سنا دوں!''

وہ خاموش ہوگیا میں نے قدرے تیزی سے کہا ''جلدی سے سناڈالو۔ میں اس وقت بہت زیادہ مصروف ہوں۔''

''دس منٹ پہلے مسلح اور باوردی امریکی فوجیوں سے بھری ہوئی تین گاڑیاں موتی محل میں گئی ہیں۔ بنکاک کا پولیس کمشنر بھی ان کے ساتھ تھا۔'' اس نے بتایا۔

وہ بہت اہم اطلاع تھی۔ میرا ذہن فوری طور پر اول خان کی طرف مبذول ہوگیا۔ کراچی میں سوبھراج روپوش تھا۔ امریکی اپنے طور پر اسے تلاش کررہے تھے۔ اس بارے میں ان کا مقامی حکام سے کوئی رابطہ نہیں تھا اس لیے وہ اس کی نقل وحرکت سے بالکل بے خبر تھے۔

میں نے اول خان کو اس بارے میں امریکیوں کو معلومات فراہم کرنے کی جو ہدایت کی تھی اس کا نتیجہ سامنے آگیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی سے وہ خبر بنکاک پہنچتے ہی امریکی حرکت میں آچکے تھے۔

ایف بی آئی والے اپنے غداروں کو کسی قانونی مرحلے سے گزارے بغیر خاموشی سے مار ڈالنے کے قائل تھے اور وہ کراچی میں مسلسل ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ قرائن بتارہے تھے کہ اس کے بنکاک آنے کے اطلاع پاتے ہی امریکیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ انہوں نے سوبھراج کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کا ارادہ ترک کرکے اسے قانون کے بے رحم شکنجے میں جکڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

قیدیوں سے بدسلوکی کے معاملے میں دنیا بھر میں امریکیوں کی شہرت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی۔ ان کی تحویل میں آئے ہوئے مجرم اور مشتبہ قیدی آئے دن مشکوک حالات میں مارے جاتے تھے۔ سوبھراج کو اپنے قبضے میں لے کر وہ کسی بھی وقت اس کا نرخرا کاٹ کے یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ سوبھراج نے قید وبند کی سختیوں سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ وہ قانون کا سامنا کیے بغیر مارا جاتا۔ یوں ایف بی آئی والوں کی روایت برقرار رہتی۔

بنکاک میں متعین امریکی اہل کاروں نے کراچی سے آنے والی خبر کو آنکھیں بند کرکے قبول نہیں کیا ہوگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے اپنے طور پر اس اطلاع کی تفتیش کی ہو اور جب انہیں یہ یقین ہوگیا کہ سوبھراج شہر میں راجن کا مہمان ہے تو ان کا ایک یونٹ سوبھراج کی گرفتاری کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

غالب امکان یہ تھا کہ امریکیوں نے تھائی حکام کے ذریعے راجن سے مذاکرات نہیں کیے ہوں گے۔ اپنی چھان بین کے دوران میں انہیں سوبھراج اور راجن کے گہرے گٹھ جوڑ کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ مذاکرات کی راہ اختیار کرتے تو راجن اپنے جگری دوست کی موجودگی سے انکار کرتے ہوئے بہت خاموشی کے ساتھ اسے تھائی لینڈ سے نکال دیتا۔

امریکی اہل کار اتنے احمق نہیں تھے کہ اپنے بڑے مجرم تک پہنچنے کے لیے وہ خطرہ مول لیتے۔

پلک جھپکتے میں وہ سارے امکانات میرے ذہن میں روشن ہوگئے۔ میں نے بے پروائی سے چاؤ فان سے پوچھا۔ ''پولیس کمشنر راجن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا ہے تو اس میں کیا خاص بات ہے؟''

''کمشنر کو گولی مارو۔ وہ بے چارہ یتیم افسر ہے۔ چھوٹا راجن جب چاہے کان پکڑ کر اسے اپنے پاس بلواسکتا ہے۔ تم امریکی فوجیوں پر کیوں غور نہیں کرتے وہ وہاں کیوں گئے ہیں۔''

''چاؤ فان! تم بلاوجہ میرا دماغ کھا رہے ہو۔'' میں نے مصنوعی اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ کوئی فوجی افسر بھی راجن سے ملنے گیا ہو۔ فوجی افسر رکھ رکھاؤ اور دبدبے کے اظہار کے عادی ہوتے ہیں' دس بیس فوجیوں کا بھرم بہت ہوتا ہے وہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گیا تاکہ راجن کو مرعوب کرسکے!''

''ماسٹر! تم کچھ بھی کہو مجھے دال میں کالا لگتا ہے۔''

چاؤ فان کو سوبھراج کی کہانی کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اسے وہ سب بتانا بے سود تھا جو میرے ذہن میں آچکا تھا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ چاؤ فان نے مجھے بہت اہم خبر دی تھی لیکن میں اس کی اہمیت تسلیم کرکے کھیل بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بہتر راہ وہی تھی جو میں نے اختیار کی تھی اور اسی کا تسلسل برقرار رہنا ضروری تھا۔

''دال میں کچھ کالا ہے تو اسے تلاش کرو۔ اس وقت تم کہاں ہو؟'' میں نے اصل معاملے کا کھوج لگانے کی ذمہ داری اسی کے سر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''ماسٹر! تم نے میرا دل توڑ دیا۔ میرا خیال تھا کہ تم یہ خبر سنتے ہی اچھل پڑو گے۔ موتی محل پر میں نے دن رات چار آدمی لگائے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے خبر ملتے ہی میں موتی محل کی طرف چل پڑا تھا پہچان سے بچنے کے لیے میں نے ایک پرانی گاڑی لی ہے۔ بس پانچ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''چاؤ فان! ذرا عقل سے کام لو۔ اس خبر پر میں کیسے اچھل سکتا ہوں؟ وہ لشکر لے کر راجن کو مارنے کے لیے نہیں

گئے ہوں گے۔ یہ صرف ایک دوستانہ ملاقات ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ امریکی افسر راجن کی املاک کے نقصان پر اظہار افسوس کے لیے گیا ہو۔''

''یہ بات تم کہہ سکتے ہو میں نہیں مانتا۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا ''نئی تھائی نسل امریکیوں اور امریکی اڈوں کے خلاف ہے۔ یونیورسٹی اور کالجوں کے لڑکے اس سوال پر بہت ہنگامہ آرائی کر چکے ہیں۔ اب امریکی سپاہی اپنے اڈوں پر اور بیرکوں میں رہتے ہیں۔ شہر میں سادہ کپڑے پہن کر آتے ہیں۔ میری گناہ گار آنکھیں آج ایک مدت کے بعد اتنی تعداد میں باوردی امریکی فوجیوں کو شہر میں دیکھیں گی۔ مان لو کہ یہ غیر معمولی واقعہ ہے۔''

''دیکھو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کردو کہ اصل واقعہ کیا تھا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں تمہاری محنت اور فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے اندازوں کی تائید سن کر دلی خوشی محسوس ہوگی۔''

''ماسٹر! تم عظیم آدمی ہو اس وقت تم نے میرا دل رکھ لیا۔'' اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا ''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ آج موتی محل سے کوئی بڑی کہانی برآمد ہوگی۔ امریکی بہت مغرور ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا راجن کے نقصان پر بھی ہمدردی کے دو بول نہیں کہیں گے۔''

''تمہاری طرف سے اجازت ہو تو یہ عظیم آدمی اپنا فون بند کردے!''

چاؤ فان کھلکھلا کر ہنس پڑا اور میں نے فون بند کردیا۔

''تم اس بے چارے کو بہت بے رحمی سے رگڑتے ہو'' اسد نے تحیرزدہ لہجے میں کہا ''یہ بھی یہاں کا نامی گرامی بدمعاش ہے، کہیں یہ تم سے بدک نہ جائے!''

''فکر نہ کرو۔ میں جنگلی گھوڑوں پر سواری کرنا جانتا ہوں وہ بدکا تو میں اسے سنبھال لوں گا۔''

اسد نے پہلی بار میری اور چاؤ فان کی گفتگو سنی تھی۔ اس کی حیرت اپنی جگہ بجا تھی۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں نے روز اول سے چاؤ فان کے ساتھ وہ رویہ نہیں اپنایا تھا۔ اس کا مزاج سمجھنے کے ساتھ تدریج میں اس پر حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔ اسد کے اندیشے کے برعکس مجھے پورا یقین تھا کہ میں چاؤ فان کو گالیاں بھی دے بیٹھوں تو وہ ہنس کر ٹال دے گا۔

''چاؤ فان کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا ''پولیس کمشنر، امریکی افسر اور فوجیوں کا کیا چکر ہے؟''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آج سوبھراج میرے

> ''جج صاحب! میری بیوی خوامخواہ مجھ پر جھگڑا کرنے کا الزام لگارہی ہے۔ میں نے تو پچھلے پانچ سال سے اس سے بات ہی نہیں کی۔''
>
> ''تم نے پچھلے پانچ سال سے اس سے بات کیوں نہیں کی؟''
>
> ''سر! میں اس کی بات کاٹنا نہیں چاہتا تھا۔''

پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے ہی والا ہے۔'' میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا ''امریکی فوجیوں سے بھری ہوئی تین گاڑیاں کچھ دیر پہلے راجن کے محل میں داخل ہوئی ہیں۔ بنکاک کا پولیس کمشنر ان کے ساتھ ہے۔''

اسد اپنی جگہ پر اچھل پڑا ''اتنی تعداد میں باوردی امریکی فوجیوں کا شہر میں آنا بہت غیر معمولی واقعہ ہے۔ اتنی اہم خبر دینے پر تم اس کو اس بری طرح رگید رہے تھے!''

''اسے مصلحت کہتے ہیں۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر اسے جواب دیا ''چاؤ فان راجن کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسے سوبھراج کی کہانی کا علم نہیں ہے۔''

''تمہارا جال کیا تھا، امریکی فوجی وہاں کیسے پہنچ گئے..... کچھ تفصیل تو بتاؤ!'' اسد نے بے چین ہوکر تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ان دونوں کو وہ سب بتانا شروع کردیا جو چاؤ فان سے گفتگو کے دوران میں میرے ذہن میں آتا رہا تھا۔

''یہ کہو کہ بنکاک میں بیٹھ کر کراچی میں ڈوریاں ہلارہے ہو۔'' اسد نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''یہ زبردست چال ہے۔ اس مرتبہ سوبھراج نہیں بچ سکے گا۔''

''تم میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''سچائی!'' اس نے برجستہ کہا ''تم نے سوبھراج کے خلاف جو چال چلی ہے اور امریکیوں کی چڑھائی کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ میں نے انٹیلی جنس بیورو میں اپنی ساری عمر جھوٹ اور سچ کو پرکھنے میں گزاری ہے۔ جھوٹ زبان پر آنے سے پہلے آنکھوں میں میں جھلکنے لگتا ہے۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتے ہو۔''

''تم نے کیا پہیلیاں شروع کردیں۔'' غزالہ نے موضوع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ترشی سے اسد کو اپنا نشانہ بنالیا۔ ''بات سوبھراج کی ہورہی تھی، تم کہیں اور پہنچ گئے!''

اسد اپنا سر ہلا کر تفہیمی انداز میں مسکرا دیا جیسے میری اور غزالہ کی ملی بھگت کو خوب سمجھ رہا ہو۔ پھر وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں کہہ رہا تھا کہ پاکستان میں سوبھراج کو امریکیوں نے پال پوس کر ایک اونچے سیاسی مرتبے تک پہنچایا تھا۔ اچھا ہے کہ اب وہ ان ہی کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ پرائی مٹی پر تمہارے ہاتھ خون سے بچے رہیں گے۔''

''یہ نہ کہو دوست!'' میں نے احتجاج کیا ''میں ایک مدت سے اسے اپنے ہاتھوں سے مارنے کی آرزو اپنے دل میں لیے بیٹھا ہوں۔''

''ہماری آرزوئیں اور ہماری خوشیاں کچھ بھی نہیں ہیں۔'' اسد سنجیدگی سے بولا ''ملک کی ضرورتیں ہماری جانوں سے زیادہ افضل ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک کو سوبھراج کی ذات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام جس کسی کے ہاتھوں ہوتا ہے، ہونے دو۔ اس میں کسی کی انا کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ''میرے ذہن میں ایک نیا خیال سر ابھار رہا تھا۔ امریکی بہت خودغرض اور سفاک تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سوبھراج جیسے سرکش باغی کو ضرورت سے ایک لمحہ بھی زیادہ جینے دیں گے۔ ایف بی آئی کے بڑے اس کی عبرت ناک موت کا فیصلہ صادر کر چکے تھے۔ وہ اسے زندہ ہرگز نہ پکڑتے۔ موتی محل میں گھیرتے ہی اسے گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔ میرے لیے اس موذی سے کھیلنے کا وقت ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

''علی!'' اسد کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تمہاری آنکھوں میں اداسی اتر آئی ہے۔ اپنے اور ملک کے دشمن کے عبرت ناک انجام پر تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ تم دل گرفتہ کیوں نظر آ رہے ہو۔ یہ جال تمہارا پھیلایا ہوا تھا۔ چال بھی تمہاری تھی۔ تم کامیاب اور سرخ رو ہونے والے ہو۔ تمہارا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اور پرواز کرتا ہوا اپنے نشانے کی طرف جا رہا ہے۔ اب تک امریکی فوجی موتی محل میں پھیل چکے ہوں گے۔ سوبھراج کسی خوف زدہ چوہے کی طرح چھپتا پھر رہا ہوگا مگر کب تک۔ آخر کار وہ اسے ڈھونڈ کر پکڑ لیں گے۔ اسے زندہ اپنے ساتھ لے جانا یاد ہیں گولیوں سے چھلنی کر دینا ان کے افسر کا صوابدیدی فیصلہ ہوگا جس کے لیے کوئی اس سے جواب طلب نہیں کرے گا۔''

''میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہو!'' میں نے مجروح مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''زخم کیسے...... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ آج تمہارا ایک بڑا اشکار زیر ہونے والا ہے۔''

''اس کی موت کی خبر سن کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی مگر زندگی بھر اس بات کا قلق رہے گا کہ اس کی زندگی میں، میں اسے ایک ٹھوکر بھی نہ مار سکا۔''

''یہ سب چلتا رہتا ہے، زندگی کا ایک حصہ ہے۔'' اس کی آواز ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔

اچانک میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے سرعت سے کال وصول کرلی۔

''ماسٹر! یہاں گڑبڑ شروع ہوگئی ہے...... میری چھٹی حس صحیح بات بتا رہی تھی۔'' دوسری طرف سے چاؤفان کی ہذیانی آواز وفور جوش سے کپکپا رہی تھی۔ ''اندر گاڑیاں رکتے ہی امریکی فوجی اپنی رائفلیں تان کر ہر طرف پھیل گئے ہیں۔ موتی محل کا کھلا رہنے والا پھاٹک بند کر دیا گیا ہے۔''

''ویری گڈ! وہیں رکے رہو اور حالات پر نگاہ رکھو۔ فون کھلا رکھو اور اس پر مجھے خبر دیتے رہو۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں اسے ہدایت دی۔

''ماسٹر! میرے نتھنوں میں ابھی سے انسانی خون کی بو آنے لگی ہے۔ یہ امریکی سپاہی درندوں کی طرح لڑتے ہیں۔ گناہ گار کو دیکھتے ہیں نہ بے گناہ کو...... سامنے آنے والے ہر شخص کو بھون ڈالتے ہیں۔ اب کسی بھی لمحے اندر گولیاں چلنے لگیں گی...... لاشیں گریں گی اور چھوٹا راجن کا نام مٹی میں مل جائے گا۔''

آپریشن سوبھراج کے خلاف ہو رہا تھا۔ وہ راجن کی تباہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے ذرا سختی سے کہا ''چاؤفان! ہوش میں رہو۔ تم اس ٹکراؤ میں شامل نہیں ہو۔ ایک تماشائی ہو، تماشائی بنے رہو۔ لفاظی کی ضرورت نہیں، صرف رپورٹ دیتے رہو!''

''او کے ماسٹر!'' اس کی آواز پر یکا یک مردنی چھا گئی۔

کراچی کے راج محل کو آگ لگا کر فرار ہونے والا آخر کار بنکاک کے موتی محل کی فصیلوں کے پیچھے اپنے بدترین دشمن کے حصار میں آنے والا تھا۔

فیصلہ کن لمحوں کے انتظار میں میرا دوران خون تیز ہو گیا کسی بھی لمحے موتی محل میں پہلی گولی چلنے والی تھی۔ اس کے بعد وہاں ایک قیامت برپا ہو جاتی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیس میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی نظانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن نور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا اتار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس

نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کرسکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کرسکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ میں ابھی مزید کسی کارروائی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ چاؤفان نے بتایا کہ امریکی فوجیوں کی بڑی تعداد چھوٹا راجن کی حویلی میں داخل ہوگئی تھی۔ شاید سوبھراج کا آخری وقت آگیا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 246 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

بنکاک سے کراچی تک بہت سے لوگ سوبھراج سے نبرد آزما تھے۔ ان میں سے کسی سے بھی بات کی جاتی تو اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتی تھیں کہ اس غدار اعظم کی فوری موت پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری ہوچکی تھی۔

پرکشش سیاسی نعروں سے بار بار فریب کھانے والے سادہ لوح پاکستانی عوام نے مل جل کر اسے ایک ایسے منصب پر پہنچایا تھا جہاں وہ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کرسکتا تھا۔ وہ نالی کا کیڑا تھا۔ اسے نالی سے اٹھا کر مخملیں مسند پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا ماضی اس کا پیچھا چھوڑتا تھا نہ اس کی فطرت میں تبدیلی آئی تھی۔ اس کا ذہن بھی تعمیر کی طرف نہیں چل سکا۔ اس کی بنیاد تخریب کے خمیر سے اٹھی تھی۔ وہ اوپر پہنچ کر بھی بگاڑ کے راستوں پر چلتا رہا۔

کون سوچ سکتا تھا کہ عوامی حمایت سے اپنے لوگوں کی نمائندگی کرنے والا وہ خود غرض شخص اپنے منصب کو بھی ذاتی مفاد کے لیے استعمال کررہا تھا۔ وہ پاکستان میں رہ کر پاکستان سے دشمنی کررہا تھا۔ را، ایف بی آئی اور سی آئی اے والوں کا مخبر اور رہبر بنا ہوا تھا۔ اس کے لیے صرف ایک سزا تجویز کی جاسکتی تھی جو موت سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

اس کے جرائم اپنی جگہ تھے۔ ان کے ساتھ یہ خرابی بھی تھی کہ اس نے مجھے اپنے پیچھے بہت دوڑ لگوائی تھی۔ میں اپنی خواہش اور بھرپور کوششوں کے باوجود اسے کہیں زیر نہیں کرسکا۔ وہ ہر بار کسی چکنی مچھلی کی طرح مجھے جل دے کر صاف نکل گیا۔ اس وقت اس کے مقدر کی خرابی نے مسلح امریکی فوجیوں کو موتی محل میں پہنچا دیا تھا۔ تب بھی وہ میری دسترس سے بہت دور تھا۔

اسد کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ وہ ملک کے مفاد کی لڑائی تھی جس میں کسی کی انا کو سدِراہ نہیں بننا چاہیے تھا۔ اسے امریکی فوجی کیا، خون خوار کتے اور بھیڑیے بھی مارتے تو انہیں کامیاب ہونا چاہیے تھا۔ سوبھراج نے سب کو بہت تھکا دیا تھا۔ اسے مرجانا چاہیے تھا۔

میں تجسس اور ہیجان کے عالم میں خاموش بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ موبائل فون میرے کان سے لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤفان بھی خاموش تھا۔ اسے موتی محل میں سے چیخ بن کر نمودار ہونے والی کسی خبر یا پہلی گولی کا انتظار تھا۔

غزالہ اور اسد کے چہرے بھی اعصاب شکن انتظار کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ مضطرب تھے، آنے والے لمحوں کا شدت سے انتظار کررہے تھے۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا جارہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ چاؤفان کسی بھی لمحے چلاّ کر مجھے فون پر کوئی اچھی خبر سنائے گا۔

ثانیے گزر کر منٹوں میں ڈھل گئے۔ دو چار منٹ کے بعد میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ میں نے فون پر کہا ''چاؤفان! کیا تم سو گئے؟''

''ماسٹر! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اندر کیا ہورہا ہے۔ ہر طرف گہرا سناٹا ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ میری عقل خود حیران ہے۔''

''زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے اسے نرمی سے مشورہ دیا۔ کان اور آنکھیں کھلی رکھو۔ ان لوگوں کی آمد خالی از علت نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ کوئی خاص بات ہو تو فوراً مجھے بتاؤ۔''

''ماسٹر! فون بند کردوں!'' اس بار چاؤفان کی آواز مجھے کچھ سہمی ہوئی محسوس ہوئی۔

''نہیں!'' میں نے سختی سے کہا ''ہوسکتا ہے کہ عین وقت پر تمہیں دوبارہ نمبر ملانے کا موقع نہ ملے۔ فون کو آن رہنے

دو۔"

"یہ کسی بھی وقت جواب دے جائے گا۔" اس بار چاؤ فان کی آواز سے واضح طور پر بے بسی مترشح تھی "کچھ دیر پہلے کارڈ کا بیلنس بہت کم رہ گیا تھا۔"

"چاؤ فان! تم سے خدا سمجھے۔ تم نے فون میں نیا کارڈ چارج کیوں نہیں کیا؟"

"وہی کرنے والا تھا کہ میرے آدمی کا فون آ گیا۔" اس نے گھگیا کر وضاحت کی "موتی محل میں امریکی فوجیوں کے داخلے کی خبر سنتے ہی میں سب کچھ بھول بھال کر اس طرف دوڑ پڑا تھا۔ یہاں سے واپسی پر نیا کارڈ خرید کر چارج کروں گا۔"

اس کے جواب پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور تیزی سے کہا "اپنا فون آن رہنے دو۔ وہ جواب دے گیا تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اس کی بیٹری کام کر رہی ہے یا وہ بھی جواب دینے والی ہے؟"

"ماسٹر! وہ بالکل ٹھیک ہے۔" میری زبان سے رابطے کی متبادل تجویز سن کر اس کی جان میں جان آ گئی۔

انتظار کی سولی پر آدھا گھنٹا اسی طرح گزر گیا۔ چاؤ فان کا فون سگنل ٹون کے بعد بند ہوا تو میں نے اسے فون کرلیا۔ موتی محل میں حالات جوں کے توں تھے۔ اس مدت میں وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

کوئی گولی چلی نہ شور شرابا ہوا۔ امریکی فوجی بدستور اندر موجود تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ راجن کے مہمان خانے میں قیام کرنے کے ارادے سے آئے ہوں۔ چاؤ فان نے بس ایک اہم تبدیلی نوٹ کی تھی کہ اس دوران میں اندر سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ باہر سے وہاں آنے والوں کو پھاٹک یا اس کا ذیلی دروازہ کھولے بغیر واپس لوٹا دیا گیا تھا۔

فون پر مسلسل رابطہ رکھنے میں میرے بھات خرچ ہو رہے تھے۔ میں نے چاؤ فان سے کہا کہ جیسے ہی کوئی خاص بات ہو وہ کسی بھی طرح فون کر کے مجھے اطلاع دے۔ اسے آخری ہدایت دے کر میں نے فون بند کر دیا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"دو باتیں ممکن نظر آتی ہیں۔ راجن نے ان کی فوجی طاقت سے مرعوب ہو کر سوبھراج کو خاموشی سے ان کے حوالے کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی ہے یا امریکیوں کے اس اہم ترین مشن کو تمہاری بددعا لگ گئی ہے۔"

"میری بددعا کیوں لگے گی...... میں انہیں بددعا کیوں دوں گا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے تنک کر پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ سوبھراج ان لوگوں کے بجائے تمہارے ہاتھوں مرنا چاہتا ہو۔" میرے تیور دیکھ کر اس نے دھیرے سے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی ذومعنی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

"انتظار کی اذیت سے گزرنے سے بہتر ہے کہ آپ اسی وقت سوبھراج کو فون کرلیں۔" غزالہ نے تجویز پیش کی "وہ مصیبت میں گھر گیا ہے تو آپ کی کال کوئی وصول نہیں کرے گا۔ دوسری صورت میں اس سے آپ کی بات ہو جائے گی۔"

میں نے لحہ بھر کے لیے غور کیا۔ غزالہ کی تجویز بہت محفوظ اور معقول تھی۔

میں نے کراچی والے موبائل فون پر سوبھراج کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ اسد کی مسکراہٹ اور باتوں کو میں نے نظرانداز کرنا مناسب سمجھا تھا۔ اس کی جگہ میں خود ہوتا تو شاید میرا رویہ زیادہ جارحانہ ہوتا۔ اسد نے میرے ساتھ بے تکلف ہونے کے باوجود اپنے شکوک و شبہات کے اظہار میں ادب و لحاظ کا پہلو بہرحال برقرار رکھا تھا۔

غزالہ کی آخری تجویز میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ مصیبت کے ان لمحات میں سوبھراج میری فون کال کا کوئی جواب دے گا۔

میری حیرت اور بے یقینی کی انتہا نہ رہی جب پہلی گھنٹی بجتے ہی مجھے اپنے فون پر سوبھراج کی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز سے کسی تشویش اور پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

غزالہ کے مشورے پر میں نے جھونک میں آ کر اسے فون تو کرلیا تھا لیکن پہلے سے یہ نہیں سوچ سکا کہ اس سے رابطہ ہو جانے کی صورت میں، میں کیا بات کروں گا۔ فون پر اس کی آواز سنتے ہی لحہ بھر کے لیے میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں اس سے بات کس انداز میں آگے بڑھاؤں۔ میری کال وصول کر کے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس وقت تک آزاد تھا۔

میں نے اپنے بارے میں اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں بنکاک میں نہیں تھا بلکہ اپنے شہر کراچی ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں چھوٹا راجن کا جو آدمی مارا گیا وہ میرے بھیجے ہوئے ایک ہرکارے کا نشانہ بنا تھا جو انسانی جسم میں پراسرار طریقے سے سریع الاثر زہر داخل کرنے والے مہلک ہتھیار سے لیس تھا۔

اس وقت تک میرے حریفوں میں سے کسی کو اس حقیقت کی ہوا نہیں لگی تھی کہ وہ زہر میری انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے میرے شکار کے جسم میں داخل ہوتا تھا۔ اسد سمیت ہر شخص کا ذہن بلو پائپ کی طرف جاتا تھا جو جدید تہذیب سے نابلد افریقی قبیلوں کے لیے آج بھی ایک بہترین ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔ خطرناک زہر میں بجھے ہوئے ہلکے پھلکے تیر کو پتلی سی نالی میں رکھ کر ایک زوردار پھونک کے ذریعے حریف پر چلایا جاتا ہے۔ تیر کی نوک جلد میں پیوست ہوتے ہی زہر اپنا کام کر گزرتا ہے۔ انسانی خون دودھ کی طرح پھٹ کر دہی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ خون کے وہ لوتھڑے لمحہ بھر میں شریانوں میں جم کر دورانِ خون کو معطل کردیتے ہیں اور فوری طور پر انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

میری انگوٹھی کے نگینے کا زہر بھی شاید اسی قسم کا تھا۔ پراسراریت کی بات یہ تھی کہ میرے ہاتھوں اس طرح مرنے والے کسی مجرم کے بدن سے کبھی کوئی تیر برآمد نہیں ہوسکا تھا۔ مرنے والوں کی جلد میں موجود ننھا سا سوراخ ہر بار اس امر کی نشان دہی کرتا رہا کہ مرنے والے کے جسم میں خارجی طور پر زہر داخل کیا گیا تھا۔

بظاہر یہ محسوس ہوا تھا کہ سوبھراج نے بنکاک میں میرے آدمی کی موجودگی کی کہانی پر یقین کرلیا تھا۔ میں بنکاک میں نہیں تھا تو میرے لیے وہاں کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنا ممکن نہیں تھا۔ میں صرف ایک ہی کارڈ کھیل سکتا تھا کہ میرا آدمی مجھے بنکاک کی صورتِ احوال سے پل پل باخبر رکھ رہا تھا اور وہاں کے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں مجھ سے براہِ راست تازہ ترین ہدایات لے رہا تھا۔

وقت کی سدا سے اپنی ایک رفتار ہے۔ وہ ازل سے اسی رفتار سے گزرتا چلا آرہا ہے۔ سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور دن وغیرہ وقت کے معین پیمانے ہیں۔ واقعات وقت..... کے انہی پیمانوں پر رونما ہوتے ہیں اور اسی گردش دوران میں انسان اپنی عمر پوری کرکے فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے لیکن انسانی ذہن کی رسائی وقت کی ان پابندیوں سے یکسر آزاد ہے۔ انسان سوچنے پر آتا ہے تو برسوں پر محیط کہانیاں لمحہ بھر میں اس کے ذہن سے گزرتی چلی جاتی ہیں۔

اس وقت سوبھراج کی آواز سن کر میں نے بھی بہت کچھ سوچا لیکن وہ بس پل بھر کی بات تھی۔ سوبھراج کو اندازہ بھی نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں کسی تذبذب سے دوچار ہوگیا تھا۔ میں نے ذرا سے توقف کے بعد پوچھا ''مہاراج! کیا حال احوال ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب تک تمہارا غصہ اتر چکا ہوگا۔''

''اوہ...... ڈینی!'' اس کی بے ساختہ آواز میرے موبائل فون کے لاسلکی ریسیور پر ابھری ''تم اپنی خباثتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس وقت تم نے اپنی نئی بدمعاشی کا نتیجہ جاننے کے لیے مجھے فون کیا ہے۔ تم یہ بات بھول گئے کہ اونٹ پالنے والے اپنے دروازے اونچے رکھتے ہیں۔''

وہ ذہین بدمعاش تھا۔ فوری طور پر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ میں نے بھی گھما پھرا کر بات کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور خوشگوار لہجے میں پوچھا ''تم میری کس چال کی بات کررہے ہو؟ اس وقت میں نے تم پر کئی طرف سے جال ڈالے ہوئے ہیں۔''

''مرد اپنی لڑائی خود لڑتے ہیں۔ دوسروں کو بیچ میں نہیں لاتے۔ تمہارے آدمی نے امریکی کتوں سے میری مخبری کرکے اچھا نہیں کیا۔ تم کو معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم دونوں ان کے سامنے ہوں تو وہ مجھے بھول کر تمہیں جہنم واصل کرنے کو ترجیح دیں گے۔'' وہ کسی اشتعال کے بغیر، سرد لہجے میں کہتا چلا گیا۔

''کتا قرار دے کر تم ان کی عزت افزائی کررہے ہو۔'' میں نے اسے ٹوکا ''وہ کتے کو دوستی، محبت اور وفاداری کی علامت سمجھتے ہیں۔ دوستوں کو کتا بنا کر ان کی عزت افزائی کرتے ہیں۔''

''وہ اور بھی بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کے کچھ سمجھنے سے اصل حقائق نہیں بدل سکتے۔ میرے لیے کتا اس دنیا کی ذلیل ترین مخلوق ہے جسے صرف بھونکنے اور کاٹنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم ان غیر ضروری باتوں میں مجھے کیوں الجھا رہے ہو؟''

''یہ غیر ضروری بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''بھونکنے اور کاٹنے کے علاوہ وہ سونگھتے بھی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بنکاک میں تمہاری بُو پالی ہو۔''

''یہ ناممکن ہے!'' اس نے وہ امکان یکسر مسترد کردیا ''میں خاموشی اور مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔ میرے دشمنوں میں سے صرف تم میری یہاں موجودگی کا سراغ لگا سکے ہو۔ دوسرے ابھی تک بے خبر تھے۔''

''میں تم سے بحث میں نہیں الجھنا چاہتا۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ بنکاک میں بھی امریکی تمہارے پیچھے لگ چکے ہیں۔ انہوں نے تم کو مار لیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔''

''سوبھراج مٹی کا باد ھو نہیں ہے جسے یہ کتیا کہ پلّے زیر کر سکیں۔ ان اُلّو کے پٹھوں کو یہ نہیں معلوم کہ موتی محل میں داخلے کا ایک راستہ ہے تو وہاں سے نکلنے کے چار راستے ہیں۔ احاطے میں ان کی گاڑیاں گھستے ہی میں تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ اب اس یونٹ کا افسر وہاں اپنے سر کے بال نوچ رہا ہوگا۔ وہ موتی محل سے ذلیل و خوار ہو کر لوٹیں گے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم ان کے ایک وار سے بچ گئے۔''

''بکواس مت کرو۔'' وہ غرایا ''مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے آدمی نے تمہاری ہدایت پر انہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔''

''اس بدگمانی کو اپنے ذہن سے جھٹک دو......!''

اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''یہ تمہارے آدمی کی حرکت نہیں تھی تو اس نازک وقت پر تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟''

''ٹھنڈے دل سے سوچو۔ میری اور امریکیوں کی ٹھنی ہوئی ہے۔ میرا آدمی ان سے کیسے رابطہ کر سکتا ہے۔'' بڑی پیچیدگی دور ہو جانے کے بعد میں نے اس سے کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس آنکھ مچولی میں میری کامیابی کی صرف ایک صورت تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس سے میرا رابطہ برقرار رہے اور مجھے اس کی نقل و حرکت کا صحیح علم ہوتا رہے۔

''فون کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ تمہارے آدمی نے ایسی ہی کوئی ذلیل حرکت کی ہوگی۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

وہ میری پیش کی ہوئی صفائی کو قبول نہیں کر رہا تھا لیکن مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس بار سوبھراج نے واضح طور پر میرا پیش کیا ہوا' میرے آدمی کا نظریہ قبول کر لیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے میری یہ بات مان لی تھی کہ میں بنکاک میں نہیں' کراچی میں تھا۔

''میں ان اوچھے ہتھکنڈوں کا قائل نہیں ہوں۔ اپنی لڑائی خود لڑتا ہوں' دوسروں کو بیچ میں نہیں لاتا۔'' میں نے پُرزور لہجے میں جواب دیا ''اصل قصہ یہ ہے کہ تمہارے بنکاک پہنچتے ہی میرا آدمی تمہاری گھات میں لگ گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ موتی محل کے باہر اپنی کسی کمین گاہ میں موجود ہے۔ اس نے ابھی ابھی فون کر کے مجھے اطلاع دی ہے کہ تین بھاری گاڑیوں میں سوار' مسلح امریکی فوجی موتی محل میں داخل ہوئے ہیں۔ ان گاڑیوں کے اندر گھستے ہی موتی محل کا ہمیشہ کھلا رہنے والا پھاٹک بند کر دیا گیا ہے' اندر سے کوئی باہر آیا ہے نہ باہر سے کسی کو اندر جانے کی اجازت ہے۔ میرے لیے یہ خبر حد سے زیادہ پریشان کن تھی' میں نے تمہیں فون کر لیا۔''

میں نے چاؤ فان سے ملنے والی معلومات کا اہم ترین حصہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا۔

''ابتدا میں تمہارا لہجہ طنزیہ بلکہ استہزائیہ تھا!'' سوبھراج نے اشتباہ آمیز لہجے میں شکایت کی۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ مجھے بہت زیادہ تجسس تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ موتی محل میں پہنچنے والے امریکی فوج وہاں کیا کر رہے ہیں۔''

''وہ مجھے حلوہ کھلانے کے لیے نہیں آئے۔ میری اور تمہاری دشمنی ہے۔ تم کو ان کے یوں اچانک آنے سے تشویش کیوں تھی؟''

''تم میرے شکار ہو۔ تمہاری گردن دبوچنے کا پہلا حق مجھے حاصل ہے۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ میری زد پر آئے ہوئے شکار کو میری آنکھوں کے سامنے کوئی اور اُچک کر لے جائے۔'' اس بار میں نے ذرا ترشی کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا۔

میرے کانوں میں اس کی ہنسی کی آواز آئی۔ جس میں تکبّر نمایاں تھا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہوا ہو۔ اس نے کہا ''ڈینی! یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میں تمہارا شکار نہیں' شکاری ہوں۔ بہت جلد تمہاری کھوپڑی شانوں پر سے کاٹ لی جائے گی۔ میں اپنی بربادی کے ذمے دار کو بھول کر بھی معاف نہیں کر سکتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ تمہارا آدمی راہ تکتا رہ گیا' امریکی جھک مار رہے ہوں گے اور میں صاف بچ نکلا ہوں۔ یوں جیسے مکھن میں سے بال!''

''قسمت نے تم کو میرے لیے ان سے بچایا ہے۔ یہ نتیجہ بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اس وقت ان تلخ باتوں کو بھول جاؤ۔'' سوبھراج نے یکایک وہ مشورہ دے کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''امریکی ہم دونوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ہم دونوں آپس کی لڑائی کے باوجود ان کا منہ کالا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر موتی محل سے نکل آیا ہوں۔ اس وقت میں چھوٹا راجن کو فون نہیں کر سکتا۔ تمہارا آدمی موتی محل کے باہر موجود ہے۔ اس سے پتا کر کے بتاؤ کہ امریکی وہاں کیا کر رہے ہیں۔''

وہ سوبھراج کی طرف سے عارضی جنگ بندی کا کھلا اعلان تھا۔ مجھے اس سے کوئی خوش فہمی نہیں ہوئی۔ وہ بہت بڑا

مکار تھا۔ میں اس کے کسی قول یا فعل پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے اپنی طرف سے دھوکے میں رکھنا ضروری تھا۔

وہ اس وقت بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بھول گیا کہ میں موتی محل کے بند پھاٹک کے پیچھے ہونی والی کارروائیوں سے اپنے مفروضہ آدمی کی بے خبری کا تذکرہ کر چکا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے نکل آنے کے بعد موتی محل میں کیا ہو رہا تھا۔

اسے شیشے میں اتارنے کے لیے میں نے اسے کچھ امکانی تفصیلات سنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ”پھاٹک بند ہو جانے کے بعد اندر کا حال جاننا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ میں نے موتی محل دیکھا ہے نہ اس کے آس پاس کا علاقہ۔ میرے آدمی کا کہنا ہے کہ اندر زبردست گڑبڑ ہو رہی ہے۔ امریکی فوجی وہاں تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ شاید ابھی تک ان کے دماغ میں یہ خیال نہیں آیا کہ تم موتی محل کے کسی اور راستے سے نکل چکے ہو۔“

”انہیں وہاں آئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ وہ بددماغ ہوتے ہیں۔ انہوں نے چھوٹا راجن کو پریشان کر کے رکھ دیا ہوگا۔“

”اگر وہ وہاں موجود ہے تو ساری جرح اسی سے ہو رہی ہوگی۔“ میں نے سوبھراج کی فکرمندی کو ہوا دینے کی کوشش کی ”ان کے ساتھ بنکاک کا پولیس کمشنر بھی وہاں پہنچا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ باضابطہ میری گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔“ اس کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پولیس کمشنر کا نام سن کر وہ چونکا تھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بنکاک کے سارے اعلیٰ حکام چھوٹا راجن کی مٹھی میں ہیں۔ کمشنر اس کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔“

”دوستی اپنی جگہ رہتی ہے۔ کوئی بات ریکارڈ پر آ جائے تو پھر فائلوں کا پیٹ بھرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ بالا ہی بالا میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یہ ان کا گڑھ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انہوں نے میرے خلاف قانونی محاذ بھی کھول لیا ہے۔“

وہ ایک باریک نکتہ تھا جو میرے ذہن میں نہیں آ سکا تھا۔ اگر سوبھراج کا شبہ درست تھا تو اس کے لیے بنکاک میں بھی کراچی جیسی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ ایک طرف امریکی ایف بی آئی اسے اپنا غدار قرار دے کر خفیہ طور پر اس کا پیچھا کر رہی تھی تو دوسری طرف وہ ایک عام مجرم کی طرح مقامی قانون کو مطلوب تھا۔

اول خان کے ذریعے امریکیوں سے رجوع کرنے کا وہ فائدہ بہت اہم تھا۔ مجھے شک تھا کہ سوبھراج کا وہ اندیشہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔ وہ موتی محل سے تازہ تازہ فرار ہوا تھا۔ اس کے اعصاب بھڑکے ہوئے تھے۔ ذہن پر ایف بی آئی کے خون آشام دشمنوں کی دہشت سوار تھی۔ اس حالت میں وہ کوئی صحیح فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور نہ ہی صحیح سمت میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل رہا تھا۔

چاؤ فان کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق امریکی فوجیوں کے ساتھ صرف پولیس کمشنر کو دیکھا گیا تھا۔ شاید وہ لوگ چھوٹا راجن کو مرعوب کرنے کے لیے پولیس کمشنر کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اگر وہ باقاعدہ بلکہ باضابطہ پولیس ایکشن..... ہوتا تو اس میں کمشنر کے ماتحت عملے کی شمولیت ناگزیر ہوتی۔ شکایت کسی لاٹ صاحب کی ہی کیوں نہ ہو‘ بڑے افسران کبھی تن تنہا کوئی کارروائی کرنے کے لیے ایک فریق کے ساتھ نہیں نکلتے۔ ایسے اقدام سے ان پر انگشت نمائی کا پہلو نکل آتا ہے۔ وہ میری اپنی رائے تھی جس سے سوبھراج کو آگاہ کرنا ضروری نہیں تھا۔

”چلو‘ حساب برابر ہو گیا۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ”اب ہم دونوں ایک مرتبہ پھر ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میں کراچی میں ہوں اور تم بنکاک میں!“

”مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش مت کرو۔“ اس بار سوبھراج کی آواز میں ہلکی سی ترشی در آئی ”کراچی میں بلکہ پاکستان بھر میں تمہاری سرکاری تلاش کا ڈھکوسلا مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم ایجنسیوں کے پکے ٹاؤٹ ہو جبکہ مجھے حقیقی خطرہ لاحق ہے۔“

”تم اپنا دل خوش کرنے کے لیے جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔“ میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا ”اس سے میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ اب چھوٹا راجن کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟“

”مجھ سے چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ میرے لیے تم بھی اتنے ہی موذی ہو جتنے ایف بی آئی والے‘ اپنے آدمی سے کہو کہ اب وہ میرا سراغ لگائے...... اور ہاں! اس بھول میں نہ رہنا کہ میں نے چھوٹا راجن کو یا اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت بھی میں اسی کی گاڑی میں سفر کر رہا ہوں۔ اس کے دوستوں کے لیے تھائی لینڈ میں ٹھکانوں کی کمی نہیں ہے۔“

”میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم امریکیوں سے بچ گئے ہو۔ تم کہیں بھی پناہ لے لو‘ یہ بات طے ہے کہ تمہارا انجام

میرے ہاتھوں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ میں جلد ہی تھائی لینڈ پہنچ کر تمہارے کریا کرم کا بندوبست شروع کردوں۔‘‘
’’اب تم اپنے اصل روپ میں آئے ہو۔‘‘ اس کی آواز زہریلی ہوگئی ’’تمہاری زبان سے میرے لیے دوستی اور ہمدردی کے بول بہت عجیب لگتے ہیں۔‘‘
’’میں تم سے دوستی کا خواہش مند ہوں نہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی ہے۔ تم نے سازشیں کرکے مجھے ٹھکانے لگانے کی کئی ناکام کوششیں کیں۔ میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔‘‘
’’یہ خواب تم کئی دنوں سے دیکھ رہے ہو۔ دیکھتے رہو۔ میں تمہارا نزخرا کاٹ سکتا ہوں، تمہارے خوابوں پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتا۔‘‘
’’تم مجھے طعنہ دے رہے ہو لیکن کچھ دیر پہلے تم نے مجھے تلخ باتیں بھلا دینے کا مشورہ دیا تھا۔ کیا تم مجھے مفاہمت کا فریب دینے کی کوشش نہیں کررہے تھے؟‘‘
’’میری بات کو توڑ مروڑ کر نہ دہراؤ۔ اب ہم مفاہمت کی راہ سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ جہاں سے واپسی کم از کم میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ وہ بات میں نے امریکیوں کے حوالے سے کہی تھی۔ وہ میرے ساتھ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ آپس کی لڑائی میں ہمیں ان کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے غفلت کی وہ مارا جائے گا۔ میں صرف یہ بات تمہارے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس سے غلط معنی نہ لو۔‘‘
’’بالکل یہی بات میں بھی کہہ رہا ہوں۔ فی الحال تم اپنے سفید فام دشمنوں سے بچ گئے ہو۔ میری خواہش ہے کہ اب جلد از جلد تم سے میرا آمنا سامنا ہوجائے تاکہ میں ان سے پہلے تم سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔‘‘
’’تم اپنی حسرتوں پر جلتے اور کڑھتے رہو۔ تم میرے سایے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔‘‘
’’سنا ہے کہ پلید جسموں اور بدروحوں کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔‘‘
گفتگو تلخ تر ہوتی جارہی تھی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔
’’اس سے بات لمبی ہوگئی۔‘‘ اسد نے مایوسی سے کہا ’’معلوم ہوتا ہے کہ وہ موتی محل سے بچ کر بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔‘‘
’’قسمت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔‘‘ میں نے بات شروع کی تھی کہ غزالہ نے فقرہ درمیان سے اچک لیا۔
’’ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت معین ہے۔‘‘ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی ’’یہ ہر مسلمان کا یقین ہے۔ ابھی سوبھراج کا وقت پورا نہیں ہوا۔‘‘
’’لیکن وہ وہاں سے کیسے نکل گیا؟‘‘ اسد کے بشرے سے الجھن مترشح تھی۔
’’سامنے کی بات ہے۔ نام سے ظاہر ہے کہ موتی محل کوئی بڑی رہائشی حویلی ہوگی۔‘‘ میں نے کہا ’’وہاں پھاٹک کے سوا نکاس کے اور بھی کئی راستے ہیں۔ امریکیوں کی اچانک آمد کی خبر ملتے ہی وہ کسی طرف سے نکل گیا۔‘‘
’’یہ پولیس کمشنر کی ذمے داری تھی کہ وہ چھاپے سے پہلے موتی محل کے ہر راستے کو سیل کرنے کا کوئی مناسب بندوبست کرتا۔‘‘ غزالہ بولی۔
’’کرپٹ افسر اسی طرح اپنا دامن بچا کر مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔‘‘ اسد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ’’ہر کارروائی میں جان بوجھ کر کہیں نہ کہیں ایسا جھول چھوڑ دیتے ہیں جس سے ان کے دوست بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔‘‘
’’مجھے آپ کی یہ بات درست معلوم ہورہی ہے کہ قدرت نے اسے آپ کے لیے امریکی دشمنوں کی گرفت سے بچایا ہے۔‘‘ غزالہ نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔
’’میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ان کے مشن کو علی کی بددعا لگ سکتی ہے اور وہ لگ گئی۔‘‘ غزالہ نے اسد کو بولنے کا موقع فراہم کیا اور اس نے اس سے اسی لمحے فائدہ اٹھالیا ’’اب سوبھراج کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا سارا بوجھ ہمارے کندھوں پر آگیا ہے۔‘‘
’’بددعا لگی ہو یا اس کا وقت پورا نہ ہوا ہو...... اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ فتنہ انگیز شخص اب بھی آزاد اور زندہ ہے۔‘‘ میں نے کہا۔
’’ہمیں سوچنا چاہیے کہ چھوٹا راجن کو چھوڑ کر وہ کہاں گیا ہوگا۔‘‘ اسد نے تفکر آمیز لہجے میں اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا۔
’’وہ اب بھی چھوٹا راجن کی پناہ میں ہے۔‘‘ میں نے بلا توقف اس کی تصحیح کی۔‘‘ میں نے یہ بات خاص طور پر کریدی تھی۔ وہ اپنے مربی کی گاڑی میں موتی محل سے فرار ہوا ہے۔‘‘
’’میں نے اس بارے میں تمہارا سوال سنا تھا۔ کیا اس نے خود بتایا کہ وہ چھوٹا راجن کی گاڑی میں سفر کررہا ہے؟‘‘ اسد نے چونک کر سوال کیا۔
میرے سر کی تائیدی جنبش پر اس نے دوبارہ اپنی بات شروع کردی ’’وہ بدمعاش ہونے کے باوجود خود کو بنکاک کے

رؤسا میں شمار کرتا ہے۔ موتی محل میں ہونے والی رنگین پارٹیوں میں آنے والے زیادہ تر امرا چھوٹا راجن کے ہم ذوق ہوتے ہیں۔ بہت سے معززین اور شرفا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان پارٹیوں میں شرکت کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر چھوٹا راجن نے ان کے طور طریقے اپنا لیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سوبھراج کا کوئی سراغ مل جائے۔''

غزالہ اس کی بے تکی بات سن کر بھونچکا رہ گئی اور حیرت سے بولی ''اس کے طور طریقوں کا سوبھراج کے سراغ سے کیا تعلق نکل آیا۔''

اسد خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا ''بات لمبی ہو رہی تھی۔ اختصار کے چکر میں، میں گڑبڑا گیا۔ آج کل یہاں قیمتی اور مہنگی گاڑیوں میں ٹریکر سسٹم لگوانے کا فیشن چلا ہوا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ چھوٹا راجن کی گاڑیاں اس سسٹم سے لیس ہیں۔ کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ وہ کس کمپنی کا سسٹم استعمال کر رہا ہے تو کچھ محنت کر کے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کس سمت میں گئی ہے۔ وہ لوگ ہر لمحے اس کی صحیح ترین پوزیشن بتا سکتے ہیں۔''

اسد کا ذہن یکایک بہت دور بھٹک گیا تھا۔ میری دانست میں وہ آسان کام نہیں تھا۔ صرف کمپنی کا نام معلوم ہو جانے سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا۔ چھوٹا راجن کے پاس مالِ حرام کی ریل پیل تھی۔ اس کے پاس جدید اور تیز رفتار گاڑیوں کا پورا بیڑا رہا ہوگا۔ کمپنی سے رجوع کرنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کی مکمل شناخت کیا تھی۔

دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ کمپنی والے کسی بھی قیمت پر غیر متعلقہ فرد کو کسی گاڑی کی پوزیشن یا منزل کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ مالک کے نامزد کیے ہوئے ایک دو افراد اپنے فون کے ذریعے اور پاس ورڈ بتا کر ہی کچھ معلوم کر سکتے تھے۔

اسد نے از خود گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کا ذکر نکالا تھا تو اسے ان دشواریوں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی نشان دہی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کی ہاں میں ہاں ملا کر رہ گیا۔

''بے چارے چاؤ فان کا فون کارڈ ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ بلاوجہ وہاں سوکھ رہا ہے۔'' غزالہ نے مجھے یاد دلایا ''آپ فون کر کے اس کی چھٹی کرا دیں۔''

''سوبھراج بھاگ چکا ہے۔ اب چاؤ فان کی وہاں موجودگی بے سود ہے۔'' اسد نے کچھ سوچے سمجھے بغیر غزالہ کی تائید کی۔

''میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔ فوجیوں کی واپسی کے ساتھ وہ بھی لوٹ آئے گا۔ وہ اور ڈان برنارڈ اب تک سوبھراج والے قصے سے بے خبر ہیں۔ چاؤ فان سمجھ رہا ہے کہ امریکی فوجی چھوٹا راجن کو پکڑنے آئے ہیں۔ اسے اسی غلط فہمی میں بتلا رہنا چاہیے۔ میری کوئی وضاحت کھیل بگاڑ دے گی۔''

میری بات بہت واضح تھی۔ دونوں خاموش ہو گئے۔

وضاحت نقصان دہ تھی لیکن چاؤ فان سے رابطہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ چند ثانیوں بعد میں نے اس کا نمبر ملا لیا۔

''ماسٹر! یہاں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔'' میری آواز سنتے ہی وہ فریادی لب و لہجے میں بولا۔ ''اتنے مسلح فوجیوں کے ساتھ ہمارا پولیس کمشنر بھی اندر گیا ہے پھر بھی وہاں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ گولیاں چلی ہیں نہ چیخیں سنائی دی ہیں اور میں باہر مر رہا ہوں۔''

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ شاید کوئی امریکی فوجی افسر اپنے سرکاری رعب اور دبدبے کے ساتھ چھوٹا راجن سے ملنے گیا ہوگا لیکن تمہیں ہر دال میں کالا نظر آنے لگا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ یوں بے رحمی سے میرا مذاق مت اڑاؤ۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اب کیا کروں۔ اس پرانی گاڑی میں ائرکنڈیشنر بھی نہیں ہے۔ ورنہ اس گرمی سے بچنے کے لیے انجن اور اے سی چلا کر اطمینان سے یہاں بیٹھا رہتا۔''

''وقت گزارنے کے لیے تم کچھ دعاؤں کا سہارا لے سکتے ہو۔ چاہو تو چھوٹا راجن کو بددعائیں دیتے رہو۔ دل سے نکلی ہوئی بددعائیں آسمان تک جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے ہارٹ اٹیک ہو اور وہ اسی لمحے جہنم واصل ہو جائے۔''

''آہ ماسٹر! مجھے معلوم نہیں تھا کہ اندر سے تم اتنے سنگ دل اور سفاک ہو۔ شروع سے اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ مجھے سچ ثابت ہوتی نظر آ رہی ہے لیکن کیا تم میرے لیے ہمدردی کے دو بول بھی نہیں کہہ سکتے!''

''چاؤ فان! میرے دوست! مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے۔ اس کے اظہار میں فصاحت اور بلاغت کے دریا بہائے جاسکتے ہیں۔ تم اپنی مرضی سے وہاں گئے ہو، میں نے تمہیں وہاں نہیں بھیجا تھا۔ بتاؤ، میں کیا کروں۔''

''تم اس وقت بھی مجھ پر طنز کے تیر چلا رہے ہو۔ یہ......''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ طنز نہیں' میرے دل کی آواز تھی۔ تم چاہو تو اس قافلے کی واپسی تک وہاں رک کے رہو۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنی جگہ اپنے کسی آدمی کو موتی محل کے پھاٹک کے سامنے مامور کردو۔ خود گھوم پھر کر اندر کی خیر خبر لینے کی کوشش کرو۔ اکتا جاؤ تو گھر لوٹ جانا۔ تمہارا آدمی تمہیں گھر پر بتا دے گا کہ وہ امریکی پارٹی موتی محل سے کب اور کیسے واپس جاتی ہے۔''

''ماسٹر! میں تمہارا ممنون ہوں۔ تم نے اتنی آسانی سے میری مشکل آسان کردی۔ گرمی سے میرا بھیجا یوں ابل رہا ہے کہ مجھے سامنے کی سیدھی سی باتیں بھی نہیں سوجھ رہی تھیں۔''

''جب ان کے لوٹنے کی خبر ملے تو مجھے ضرور آگاہ کردینا۔''

''لیں' ماسٹر!'' اس کا جواب سن کر میں نے فون بند کردیا۔

''آپ اس سے بہت بے رحمی سے پیش آتے ہیں۔'' غزالہ نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات میں بہت پہلے کہہ چکا ہوں۔'' غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی اسد بول پڑا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چاؤ فان جیسا زیرک اور مشہور بدمعاش تمہارے لیے موم کی ناک کیسے بن گیا ہے۔''

''میں تمہاری اس بات کا جواب دے چکا ہوں۔'' میں نے اسے یاد دلایا ''یہ سب ڈان برنارڈ کی برکت ہے۔ گرو کو متاثر کرلو' چیلے خود بخود تمہارے بے دام غلام بن جائیں گے۔''

موتی محل میں مسلح امریکی فوجیوں کے داخلے کی خبر بہت سنسنی خیز انداز میں ہمارے سامنے آئی تھی۔ سچ بات یہ تھی کہ چاؤ فان کی طرح مجھے بھی اس کا کوئی بھرپور نتیجہ برآمد ہونے کی امید تھی لیکن سوبھراج سے بات ہونے کے بعد ان امیدوں پر اوس پڑ گئی تھی۔

چاؤ فان کے لیے ان فوجیوں کا دیر تک موتی محل میں رکنا ناقابلِ فہم تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ سوبھراج کے نہ ہونے کے بارے میں انہوں نے چھوٹا راجن کی بات پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ وہ اپنے ذرائع سے چھان بین کر کے موتی محل پہنچے تھے اور جب تک اس کا چپا چپا نہ چھان لیتے' ان کا واپس جانا دشوار تھا۔

اپنے حریفوں اور حلیفوں سے ہر وقت رابطے کے لیے میرے پاس دو موبائل فون موجود تھے۔ لنچ کے لیے ہم اسد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

چند روز کی کوچہ نوردی کے نتیجے میں بنکاک کا جغرافیہ کافی حد تک میری سمجھ میں آچکا تھا۔ ہوٹل سے سیلم روڈ پر واقع پاکستانی اور ہندوستانی کھانوں کے مراکز کا فاصلہ زیادہ تھا۔ گرمی کی شدت میں اتنی دور تک پیدل جانے کی ہمت نہیں تھی۔ ٹیکسی لے کر ہم تینوں ذرا سی دیر میں منزل مقصود پر پہنچ گئے اور اسد کے پیچھے ایک ائرکنڈیشنڈ پاکستانی ہوٹل میں گھس گئے۔

بنکاک میں دنیا بھر کے سیاح نظر آتے ہیں۔ ان میں سفید فاموں سے لے کر کالے اور رنگ دار نسلوں کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ مقامی آبادی کا معاملہ بھی ملا جلا ہے۔ بہت بھاری اور واضح اکثریت تھائی باشندوں کی ہے لیکن روزگار اور کاروبار کے مختلف شعبوں میں بہت سے دوسرے ایشیائی بھی شامل نظر آتے ہیں۔ اپنی نمایاں شناخت کی وجہ سے غیر ملکی تارکین وطن میں، سکھوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ فٹ پاتھ پر خوانچہ لگا کر بھانت بھانت کا سامان بیچنے والوں سے لے کر مشہور ہوٹلوں تک پر سکھوں کی ایک قابلِ لحاظ نفری قابض ہے۔

اسد نے بتایا کہ بنکاک میں ایک سردار جی کا ہوٹل لذیذ اور چٹپٹے کھانوں کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مسلمانوں کو ادھر راغب کرنے کے لیے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ وہاں کی ساری ڈشیں حلال کیے ہوئے گوشت سے تیار کی جاتی ہیں پھر بھی وہ حب الوطنی کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس ہوٹل کو ترجیح دیتا تھا جس کا مالک شیخوپورہ سے تعلق رکھتا ہے۔

کھانے کے بعد قلفی نے لذت کو دوبالا کردیا۔ تینوں نے اس طرح شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا کہ جب میں نے واپس ہوٹل جا کر کچھ دیر کے لیے سستانے کی تجویز پیش کی تو کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

اسد ہم سے الگ ہو کر اپنے دفتر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں غزالہ کے ساتھ کھلے ٹک ٹک میں ہوا کھاتا ہوا ہوٹل پہنچ گیا۔

پانچ بجے چاؤ فان نے اطلاع دی کہ امریکی فوجی کئی گھنٹوں تک موتی محل میں رہنے کے بعد واپس لوٹ گئے تھے۔ ان کی واپسی میں کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی گئی۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جیسے آئے تھے، اسی طرح واپس چلے گئے۔ ان کے ساتھ کوئی اضافی آدمی یا قیدی نہیں دیکھا گیا۔ اس نے اپنے آدمی سے خبر ملتے ہی مجھ سے رجوع

کیا تھا۔

وہ اطلاع دینے کے بعد اس نے رات کو کسی وقت مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں اسے اتنا ارگڑ چکا تھا کہ میں نے اس ملاقات کے بارے میں اس سے کوئی جرح نہیں کی۔ آٹھ بجے ہوٹل کے احاطے سے باہر اس سے ملاقات کرنے کا وعدہ کرلیا۔

وہ شام ہم نے کمرے میں گزاردی۔ اس دوران میں فون پر اول خان سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج کے فرار کے بعد کراچی کے حالات پرسکون تھے۔ کہیں کوئی گڑبڑیا تخریب کاری کی کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔

دوسری طرف جلال کے محکمے کی طرف سے عدالت میں سوبھراج کے خلاف کارروائی کا آغاز ہوگیا تھا۔ وکیل سرکار کی جان سوزی کے سبب معزز عدالت نے پکی سماعت کی دوسری تاریخ پر سوبھراج کو مفرور اشتہاری ملزم قرار دے کر مقدمے کی سماعت جاری رکھنے کا فیصلہ صادر کردیا تھا۔

ٹیلی وژن پر انگریزی میں نشر ہونے والی خبروں میں چھوٹا راجن کے ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکوں کی بازگشت موجود تھی۔ اخبارات میں دشمنی کا نظریہ پیش کیے جانے کے باوجود ٹیلی وژن پر ایک ہی رٹ لگائی جارہی تھی۔ گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے محافظ کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ بقیہ چار مقامات پر ہونے والے دھماکوں کے سلسلے میں کئی مشتبہ افراد کو تفتیش کے لیے حراست میں لے لیا گیا تھا۔

وہ سرکاری چینل اپنا راگ الاپ رہا تھا۔ حقیقت اس سے بہت مختلف تھی۔ چھوٹا راجن کے پانچوں ٹھکانوں پر دھماکوں کے ذمے دار پوری طرح محفوظ تھے۔ ان واقعات کو رونما ہوئے کئی دن گزر جانے کے باوجود چاؤفان نے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔

میں رات کو مقررہ وقت پر کمرے سے نکلا تو میری خواہش تھی کہ غزالہ بھی میرے ساتھ ہو۔ میں اسے چاؤفان سے پوری طرح متعارف کرانا چاہتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ چاؤفان کی زبان بہت لمبی تھی۔ جو کچھ اس کے دل میں آتا تھا، بے دھڑک ہوکر کہہ ڈالتا تھا۔ وہ غزالہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ ڈالتا جو میری برداشت سے باہر ہوتی تو پل بھر میں بگاڑ پیدا ہوسکتا تھا۔

میں نے غزالہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اسے ہوٹل کی حدود میں رہنے کی تلقین کر کے چل دیا۔

ہوٹل کی لابی اس وقت بہت بارونق اور آباد تھی۔ ہلٹن اپنے نرخوں کے سبب عام ایشیائیوں کے لیے بہت مہنگا ہوٹل تھا۔ یورپ اور امریکا سے آنے والے جب اپنی کرنسی کو مقامی بھات میں تبدیل کر کے ہوٹل کے کرائے وغیرہ کا موازنہ کرتے تو وہ اپنے ملک کے مقابلے میں انہیں کوڑیوں کے مول محسوس ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اس وقت لابی سفید فام مردوں، عورتوں اور لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ گرمی کا موسم ہونے کی وجہ سے بیشتر افراد نے نیکر اور ٹی شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ لڑکیوں کے چست اور مختصر نیکر اور بغیر آستین کی ٹی شرٹس باہر کے گرم موسم میں ان کے لیے ضرور آرام دہ رہی ہوں گی مگر ہوٹل میں وہ صنف مخالف کے لیے کڑا امتحان بنی ہوئی تھیں۔

میں اس چلتی پھرتی بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤفان اپنی کالی اکارڈ سڑک کے کنارے روکے، اطمینان سے سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔

میری جھلک دیکھتے ہی وہ اپنی سیٹ میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

میں نے اس کے برابر نشست سنبھالی تو وہ جلدی سے بولا ''ماسٹر! دھواں ناگوار گزر رہا ہو تو میں سگریٹ بجھادوں۔ میں نے ابھی ابھی سلگائی تھی!''

''اگر اس میں چرس نہیں ہے تو پیتے رہو'' میں نے دانستہ چبھتا ہوا جواب دیا۔

گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے وہ دھیمے سے ہنسا پھر بولا ''یہ تم نے کیا بات کہہ دی۔ چرس جلتی ہے تو اس کی تیز بو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ کیا گاڑی میں تمہیں تمباکو کے علاوہ کسی اور چیز کی بو محسوس ہورہی ہے؟''

''میری طرف نہیں، سڑک کی طرف دیکھو'' میں نے اسے ہدایت دی ''مجھے ہر بو کا اندازہ ہے۔ مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو!''

''کیا بات ہے...... آج تمہارا موڈ کچھ خراب نظر آرہا ہے۔''

''جب پہاڑ کھودنے کے بعد چوہا بھی برآمد نہ ہو تو موڈ اس سے زیادہ خراب ہوسکتا ہے۔ آج تم نے موتی محل کے معاملے میں اپنے ساتھ میرا وقت بھی ضائع کیا۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ امریکی وہاں دل لگی کے لیے آئے ہوں گے۔ میں نے اس معاملے پر بہت محنت کی ہے اور کام کی باتیں نکال کرلایا ہوں۔''

''کام کی باتیں جان کر مجھے خوشی ہوگی'' میں نے قدرے حوصلہ افزا جواب دیا۔

''اس سے پہلے میں تمہیں مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ تم

نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا مگر مجھے پتا چلا ہے کہ ڈان تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہے۔''

''میں نے ایک آدمی کو مارنے کے سوا اور کیا، کیا ہے۔ ساری کارگزاری تمہارے آدمیوں کی تھی۔ ڈان کو ان سے خوش ہونا چاہیے۔''

''کام ہمیشہ نیچے والے کرتے ہیں۔ کریڈٹ منصوبہ بنانے والے کو ملتا ہے۔ وہ پلان تمہارا تھا۔ ہم نے اس پر عمل کیا تھا، یہ بات ڈان بھی جانتا ہے۔''

''واقعی، یہ اچھی بات ہے کہ ڈان ہم سب سے خوش ہے۔ کام اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو چھوٹا راجن بہت جلد منظر سے غائب ہو جائے گا۔''

''موتی محل والوں سے امریکیوں کو کوئی عناد نہیں ہے'' چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد چاؤفان بولا ''وہ چھوٹا راجن کے کسی مہمان کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔''

''یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' میں نے اس سے جرح کی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ بہت کم وقت میں اصل معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دس برس کی عمر میں اپنا گاؤں چھوڑا تھا۔ اس کے بعد سے بنکاک میں پلا بڑھا ہوں۔ میں بھی اسی لائن کا آدمی ہوں جس پر چھوٹا راجن چلتا ہے۔ موتی محل میں میرے کئی جاننے والے کام کرتے ہیں۔ جب سے ڈان اور چھوٹا راجن میں دشمنی ہوئی ہے، میں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ مجھے ان میں سے ایک کو تلاش کرنا پڑا۔ اس سے مجھے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ تم کو معلوم ہے کہ پرانے دوستوں سے کوئی کچھ نہیں چھپاتا۔''

''وہاں ایسا کون سا مہمان آ گیا؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''وہ موتی محل کا کوئی اہم آدمی نہیں ہے۔ اسے یہ سب معلوم نہیں تھا۔ ان فوجیوں نے اپنے مطلوب آدمی کی تلاش میں موتی محل کے ایک ایک کمرے اور تہ خانوں میں جھانکا۔ چھوٹا راجن ان حرکتوں پر بہت برہم تھا لیکن وہ انہیں نہیں روک سکا۔''

''وہ آدمی نہیں ملا تو فوجی خاموشی سے چلے گئے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اس نے ایک خاص بات یہ بتائی کہ پھاٹک سے فوجیوں کے اندر گھسنے کے بعد موتی محل کے پچھلے گیٹ سے چھوٹا راجن کا ڈرائیور ایک لینڈ کروزر میں کسی کو لے کر تیزی کے ساتھ کہیں روانہ ہوا تھا۔ آخر تک وہ گاڑی موتی محل میں واپس نہیں آئی تھی۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ چھوٹا راجن کا پراسرار مہمان اسی گاڑی میں گیا ہوگا'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدہ بلکہ پُرتشویش لہجے میں بتا رہا تھا۔

میرے لیے وہ تفصیلات سنسنی خیز تھیں۔ میرے ذہن میں یکایک اسد کی باتیں تازہ ہو گئیں۔ اس نے ٹریکر کمپنی کے ذریعے گاڑی کا سراغ لگانے کی توقع ظاہر کی تھی جب کہ اسے گاڑی کی ساخت اور شناخت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ناکافی معلومات کی وجہ سے اس کی کوششوں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چاؤفان اس بارے میں امید افزا خبر لایا تھا۔

''لینڈ کروزر کس رنگ کی تھی...... تم نے اس کا نمبر تو معلوم کیا ہوگا؟'' میں نے بے چینی سے اپنی سیٹ میں پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

''چھوٹا راجن کو نو دولتیوں کی طرح نئی نویلی گاڑیوں کا شوق ہے۔ اس کے پاس لینڈ کروزر ایک ہی ہے۔ اس کا رنگ سفید ہے۔ نمبر بھی آسانی سے مل سکتا ہے۔ تم یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میرے سوالوں پر وہ چونکا ہوگیا۔

''امریکیوں کو یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو وہ چھوٹا راجن کے مہمان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح اسے نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔''

''نہیں ماسٹر!'' میری توقع کے برعکس اس نے کہا ''یہاں بڑی امریکی فوج ہے۔ انہوں نے ہماری زمین پر فوجی اڈے بنائے ہوئے ہیں مگر ہم ان سے نفرت کرتے ہیں۔ ڈان یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ چھوٹا راجن کو ذلیل کرنے کے لیے ہم امریکیوں سے کوئی مدد لیں۔ اس کے مقابلے میں وہ دس بارہ ہفتوں تک مناسب موقع کا انتظار کرنے کو ترجیح دے گا...... تم یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''میں بھی امریکیوں سے نفرت کرتا ہوں'' میں نے بگڑتی ہوئی بات سنبھالنے کے لیے جلدی سے کہا۔ ''آج دنیا کا ہر سمجھ دار آدمی ان کے تکبر آمیز رویے اور غرور کی وجہ سے ان سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے سرسری طور پر ان کا ذکر کیا تھا۔ تفصیلات سامنے آئیں تو ہم بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں!''

''ہم کیا کریں گے...... ہمیں اس کے مہمان سے کیا لینا؟''

''اس وقت مہمان اس کی کمزوری بن گیا ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس وقت

چھوٹا راجن کا ہر دوست اور ہر مہمان ہمارا دشمن ہے۔ اسے پکڑ کر ہم چھوٹا راجن کو کسی جال میں پھانس سکتے ہیں۔''

''ماسٹر! تم ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہو۔ ہم اسے یرغمال ضرور بنا سکتے ہیں۔''

''تم بتا رہے ہو کہ وہ موتی محل سے سفید لینڈ کروزر میں نکالا گیا تھا'' میں نے اس سے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''میرے دوست کو یہی شبہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور رہا ہو۔ گاڑی نکلنے کی ٹائمنگ کی وجہ سے اسے شبہ ہوا تھا۔''

''ہوسکے تو لینڈ کروزر کا نمبر معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔''

''بتا دوں گا'' اس نے سعادت مندی سے جواب دیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میرے دوست نے مجھے ایک اور نئی بات بتائی ہے کہ آج کل چھوٹا راجن نئے گارڈز کی تلاش میں ہے۔''

''کیا اسے آدمی کم پڑ رہے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو باتیں ہوسکتی ہیں۔ دھماکوں اور ایک آدمی کے قتل سے وہ ڈر گیا ہے یا پھر وہ اپنے مہمان کی حفاظت کے لیے آدمیوں کی تلاش میں ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''تم نے بتایا تھا کہ وہ جب چلتا ہے تو کئی مسلح گارڈز اس کے ساتھ ہوتے ہیں؟''

''بالکل کہا تھا۔ تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کے گھر اور ناچ گھروں میں بہت سے تھائی کام کرتے ہیں لیکن اپنی حفاظت کے لیے وہ ہم پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے گارڈز اس کے ہم وطن ہیں۔ خدوخال سے تم بھی ہندوستانی لگتے ہو۔ کوشش کرو تو تم گارڈز میں شامل ہو کر اس پر بہت قریب سے وار کر سکتے ہو۔ تم دلیر بھی ہو اور ذہین بھی۔ اسے مشکل سے تمہارے پائے کا آدمی ملے گا۔''

''چاؤ! شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے؟'' میں نے کڑے لہجے میں کہا۔

''پھر وہی چاؤ'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر کراہا ''ماسٹر! میں نے التجا کی ہے کہ میرے نام کے ٹکڑے مت کیا کرو۔ چاؤفان ایک لفظ ہے۔ تم خود غور کرو، میں تمہیں ماسٹر کے بجائے صرف ما کہوں تو تمہارے دل و دماغ پر کیا گزرے گی؟''

''دماغ پر کچھ بھی نہیں گزرے گی، میں دل ہی دل میں تمہاری جہالت پر ہنس کر رہ جاؤں گا۔'' میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''میں یہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتا ہوں'' اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

''میں آئندہ احتیاط رکھوں گا۔ کبھی کبھی تم ایسی بات کہہ جاتے ہو کہ نام کے ساتھ تمہارا حلیہ تک بگاڑنے کو دل چاہتا ہے۔''

''ماسٹر! اس وقت میں نے کوئی بے تکی بات نہیں کہی تھی۔''

''تم مجھے چھوٹا راجن کا گارڈ بن جانے کا مشورہ دے رہے تھے!''

''میں تمہیں دشمن کی شہ رگ کے قریب پہنچنے کی ترکیب بتا رہا تھا۔''

''اپنی ترکیبیں اپنے پاس رکھو!'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''ڈان کہہ رہا تھا کہ چھوٹا راجن بھی اب بنکاک کا ڈان بننے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہوسکتا کہ بغیر دیکھے بھالے مجھے ملازمت دے دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ہندوستانی نہیں ہوں۔''

بنکاک کے بدمعاشوں کی اس ٹولی کی خاص خوبی یہ تھی کہ کسی نے مجھ سے قومیت سمیت ذاتی نوعیت کے سوالات نہیں کیے تھے۔ صرف ڈان نے میری بے جگری کی تعریف کرتے ہوئے میری قومیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ فخر اور خوشی کا موقع تھا۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میں پاکستانی ہوں جس پر ڈان نے میری مٹی کی عظمت کو اپنا سلام پیش کیا تھا۔

چاؤفان کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ میں ہندوستانی نہیں تھا۔ وہ بولا ''تم کہیں بھی پیدا ہوئے ہو، چھوٹا راجن تمہیں ہندوستانی سمجھے گا......''

''اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ جب چھوٹا راجن کو علم ہوگا کہ اس کے پاس نوکری کے لیے آنے والا اپنی بیوی کے ساتھ ہلٹن ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ میری گردن دبوچ لے گا۔ مجھے ایسے نادر مشورے نہ دو کہ ان پر عمل کر کے مجھے بجائے لینے کے، دینے پڑ جائیں۔''

وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بدمعاشی میں نام پیدا کرنے کے باوجود وہ زیادہ اوپر کیوں نہیں جا سکا۔ اس میں ذہانت اور صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت کی کمی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ڈان کا نیازمند بن کر اپنا وقت گزار رہا تھا۔ اس اطاعت کے لیے اسے ڈان کو اپنی آمدنی میں سے کوئی خراج نہیں دینا پڑتا تھا۔ ایک بڑے نام سے وابستہ ہو کر اس نے زیرزمین دنیا کے ایک مخصوص حلقے میں اپنی ساکھ بنائی

ہوئی تھی۔
وہ ایک اچھا اور محنتی کارندہ تھا لیکن اپنی برادری میں زیادہ اونچی اڑان لینا اس کے بس سے باہر تھا۔
خفت آمیز اور طویل خاموشی کے بعد اس نے پژمردہ لہجے میں زبان کھولی ''مجھے تم پر رشک آتا ہے کہ میں تمہاری طرح تیزی سے کیوں نہیں سوچ سکتا۔''
''نہار منہ مرچوں کے مربّے کا ایک چمچا لے لیا کرو، عقل تیز ہوجائے گی۔''
''میں نے یہ تو سنا ہے کہ مرچوں اور مسالوں کے استعمال سے معدہ مضبوط ہوتا ہے لیکن تم نئی بات بتا رہے ہو، کیا میں اس پر یقین کرلوں؟''
''بھول کر بھی یقین نہ کرنا۔ عقل اور رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اسے بڑھانا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے۔ تم خاصے ذہین ہو، سمجھ بوجھ رکھتے ہو لیکن بولنے میں عجلت سے کام لیتے ہو۔''
''ماسٹر! تم ہمیشہ پتے کی بات بتاتے ہو۔ کبھی کبھی میں خود بھی اپنی اس کمزوری کا شدت سے احساس کرتا ہوں۔''
''اسے چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ لینڈ کروزر کا نمبر کب دے رہے ہو؟''
''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ کہو تو گاڑی یہیں کہیں پارک کردوں۔ یہ بنکاک کا بہت خاص علاقہ ہے۔ اسے پیٹ پونگ کہتے ہیں'' میری بات کا جواب دے کر اس نے پوچھا۔ وہ گاڑی کی رفتار بہت دھیمی کرچکا تھا۔
''یہاں کیا خاص بات ہے؟'' میں نے کھڑکی سے باہر نظر آنے والے مناظر پر ذرا گہری نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔
''ماسٹر! زندہ دل گوروں کے لیے یہ بنکاک کا دل ہے۔ ایک پرائیویٹ سڑک پر جنوب مشرقی ایشیا کا سارا حسن جمع ہے۔ یہاں صرف حسن پرست گورے آتے ہیں۔ دوسرے سیاحوں کے لیے دو الگ الگ گلیاں ہیں۔ وہاں بھی سب کچھ ہے مگر معیار اور دام کم ہیں......''
''کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ یہ یہاں کا ریڈ لائٹ ایریا ہے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
''ماسٹر! یہاں کوئی ریڈ لائٹ ایریا نہیں ہے۔ بنکاک میں جگہ جگہ جسمانی تفریح گاہیں موجود ہیں۔ کلونگ ٹوئی بندرگاہ کے پاس اور شہر میں پیٹ پونگ کی تین متوازی سڑکیں ذرا زیادہ مشہور ہیں۔ مرد سیاحوں کی اکثریت رات کو یہاں سمٹ آتی ہے۔''
''گاڑی کہیں نہ روکنا'' اس کا ارادہ بھانپ کر میں نے اسے ہدایت کردی ''مجھے تمہارے شہر کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''
''ماسٹر! ہر سیاح کے دل میں ایسی جگہیں دیکھنے کی آرزوئیں مچلتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی سے پوچھتے ہوئے ہچکچاتا ہے، خود سے کوئی نہیں بتاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ گاڑی سے اتر کر تم ان گلیوں کا چکر لگالو تو بہت کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ یہ زندگی اور مسکراہٹوں کی سرزمین ہے۔ یہاں تم ہر ایک کو خلیق اور مہربان پاؤ گے۔''
''مسٹر چاوفان! میں سیاح نہیں ہوں۔ انتقام لینے کے ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ میں ان رنگینیوں میں الجھ گیا تو میرا مشن ادھورا رہ جائے گا۔ ہوسکے تو چلتی ہوئی گاڑی میں سے مجھے چھوٹا راجن کے ایک دو وہ ٹھکانے دکھادو جہاں تم نے بارود کے پھول کھلائے تھے۔''
''بے بی کلب تم نے اسی دن دیکھ لیا تھا۔ بیچ بری روڈ پر گولڈن ڈریگن میں تم خود گئے تھے۔ اس سڑک پر ایک کیسینو ہم پیچھے چھوڑ آئے۔ اس کے دو نائٹ کلب پیٹ پونگ میں ہیں۔ اس وقت وہاں سے گاڑی میں گزرنا ناممکن ہے۔ دھماکوں سے کوئی عمارت بری طرح تباہ نہیں ہوئی۔ پہلے دن کہیں کہیں تباہی کے کچھ آثار نظر آئے تھے جو اگلی شام سے پہلے مٹادیے گئے۔ اب گولڈن ڈریگن سمیت پانچوں ٹھکانے اپنے معمول کے مطابق چل رہے ہیں۔''
''دھماکوں سے ان کا کاروبار متاثر نہیں ہوا؟'' میں نے پوچھا۔
''یہ دھندے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔ جب پورا ویت نام جنگ کی آگ میں جل رہا تھا اور وہ شعلے پڑوسی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے تو بنکاک کی راتیں زیادہ جوان ہوتی تھیں۔ امریکی سپاہی شراب پی کر موسیقی کے تیز شور میں رات بھر لڑکیوں کے ساتھ ناچتے رہتے تھے۔ اس جنگ کے مقابلے میں وہ دھماکے کچھ بھی نہیں تھے۔ ان پانچوں کلبوں کا دھندا مندا ہوا ہے مگر چل رہا ہے'' وہ جذبات کی رو میں بھٹکتے بھٹکتے ازخود راہِ راست پر آگیا۔
''ایسا تو نہیں کہ چھوٹا راجن اپنے ان کلبوں کے لیے محافظ تلاش کررہا ہو؟'' میں نے فوری خیال کے تحت اس سے پوچھا۔
اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''کلبوں کا سارا عملہ مقامی ہے۔ وہ بدمعاشی کے ساتھ اس کاروبار کے گر بھی جانتا ہے۔ سیاح تھائی میزبانوں کی قاتل

مسکراہٹیں دیکھنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ بھارتیوں کو جاننے کے لیے وہ تاج محل اور اجنتا ایلورا کے غاروں میں جاتے ہیں۔ ہندوستانی گارڈز وہ صرف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

''دھماکوں کے بعد اس نے یہاں بھی حفاظتی انتظامات بڑھا دیے ہوں گے۔''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سنا ہے کہ اب وہ چوکنا ہو گئے ہیں۔ اپنے کلبوں میں آنے جانے والوں پر گہری نظر رکھنے لگے ہیں۔''

میرے موڈ کا اندازہ ہو جانے کے بعد اس نے بنکاک کی شبینہ تفریحات کا ذکر گول کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا کر ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو گیا۔ چند منٹ بعد ہم ایک کشادہ دورویہ سڑک پر بائیں طرف مڑ گئے۔

''یہ سڑک راما فور روڈ کہلاتی ہے'' چاؤفان مجھے بتانے لگا ''یہاں سے ہم چائنا ٹاؤن ہوتے ہوئے واٹ پھو کی سمت سے ایک دریائی جزیرے میں داخل ہوں گے۔ صدیوں پہلے بنکاک اس چھوٹے سے جزیرے پر مشتمل تھا۔ انسانی ہاتھوں نے دریا سے ایک مصنوعی نہر کاٹ کر دوبارہ دریا سے ملا دی تھی۔ اس طرح وجود میں آنے والا جزیرہ آج بھی پورے تھائی لینڈ کی عزت اور طاقت کا مظہر ہے۔ شاہی محل، دفاتر، فوجی ہیڈ کوارٹر اور قدیم بدھ مندر، سب اسی جزیرے میں ہیں یا اس کے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔ بنکاک بہت پھیل چکا ہے لیکن اس علاقے کی اہمیت آج بھی برقرار ہے۔''

وہ چاؤفان کی قومی انا کا تقاضا تھا۔ ان مقامات کی سیر کراتے ہوئے وہ اس خطے کی تاریخی اہمیت سے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔ پیٹ پونگ وغیرہ سے میری عدم دلچسپی کے باعث اسے جو خفت اٹھانی پڑی تھی، اس کا ازالہ صرف تاریخ ہی کر سکتی تھی۔

ہماری وہ ڈرائیو خاصی طویل لیکن دلچسپ رہی۔ اس دوران میں کئی بار مجھے لینڈ کروزر کے نمبروں کا خیال آیا لیکن میں چاؤفان کی دل شکنی کے خیال سے خاموش رہا۔ ویسے بھی رات اترتی چلی آ رہی تھی۔ گاڑی کا نمبر مل جانے کے بعد اسد اس پر صبح ہونے سے پہلے کام نہیں کر سکتا تھا۔

دس بجے کے قریب چاؤفان نے مجھے ہوٹل پہنچا دیا اور پرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر یہ وعدہ کرتا ہوا رخصت ہو گیا کہ آدھے گھنٹے میں مجھے چھوٹا راجن کی سفید لینڈ کروزر کا نمبر مل جائے گا۔''

میں نے استقبالیہ کاؤنٹر پر اپنے کمرے کی چابی کے بارے میں معلوم کیا تو وہ بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ غزالہ کمرے میں یا پھر ہوٹل کی حدود میں کہیں موجود تھی۔

میں نے اوپر جانے کے بجائے لابی سے انٹرکام پر رابطہ کیا تو وہ کمرے میں موجود تھی۔ میں نے ہلٹن کے ریستوران میں کھانا کھانے کے ارادے سے اسے نیچے بلا لیا۔

''اپنے دوست سے ملاقات کا کیا نتیجہ رہا؟'' اس نے آتے ہی ہنس کر پوچھا۔

''کام کا آدمی ہے، جب بھی آتا ہے، کام کی کوئی نہ کوئی خبر سنا جاتا ہے'' میں نے بتایا۔

''آپ بلاوجہ اس بے چارے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں!''

''اس کی ٹانگ کھینچنے میں مزہ آتا ہے۔ وہ بھی پرلے درجے کا ڈھیٹ ہے۔ میں اسے کچھ بھی کہہ دوں، وہ برا نہیں مانے گا۔''

''وہ آپ کا نہیں، اپنے بڑے کا احترام کرتا ہے۔ مجھے اس سے ملنے کا موقع نہیں ملا پھر بھی میرا اندازہ ہے کہ اس جیسے لوگ منہ پھٹ ہوتے ہیں۔''

غزالہ سے ٹریکر سسٹم کے بارے میں میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ حیران تھی کہ سوبھراج کو موتی محل سے لے جانے والی گاڑی کی کسی شناخت کے بغیر اسد کیا کر سکے گا۔ وہ تجربے کار اور ذہین آدمی تھا، پتا نہیں اس نے وہ بات کیسے فراموش کر دی تھی۔

ریستوران میں مجھے عملے کی یقین دہانی پر اعتماد تھا کہ مسلمان گاہکوں کو ان کی فرمائش پر ذبح کیے ہوئے گوشت کی ڈشیں فراہم کی جاتی ہیں۔ جو ہر وقت ہوٹل کے اسٹاک میں موجود رہتا ہے مگر غزالہ اس بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کی ضد کے نتیجے میں ہماری میز پر بگھاری ہوئی دال اور آلو میتھی کی بھجیا نظر آ رہی تھی۔

کھانے کے دوران میں باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اچانک یاد آنے پر غزالہ نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے ویرا کا فون آیا تھا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔

''اس نے تمہیں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہوگا؟'' میں نے پر امید لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

''وہ آپ کی گرل فرینڈ ہے۔ آپ ہی کو راز کی بات بتائے گی۔ مجھ سے خیر خیریت کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی'' اس نے شرارت آمیز لہجے میں شوخی سے جواب دیا ''سلطان شاہ سے دیر تک میری بات ہوئی۔ وہ اب تک حیران ہے کہ آپ کے مشوروں کے نتیجے میں ویرا کے پیر کی موچ اچانک

کیسے ٹھیک ہوگئی۔''

''اس راز کا اس سے پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ نیویارک میں ان دونوں کے درمیان کوئی فساد کھڑا ہو۔''

''ان دونوں کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہونا شروع ہوگیا ہے۔'' غزالہ نے انکشاف کیا۔ ''سلطان شاہ شکایت کررہا تھا کہ اسے نیویارک کا بھکاری کارآمد نظر آرہا ہے۔ وہ مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے بے بسی کے عالم میں اپنی راتیں بسر کرتا ہے۔ سلطان شاہ اسے اپنے خرچ پر کسی سستے سے ہوٹل میں ڈالنا چاہتا ہے تاکہ اس پر کچھ کام کرسکے۔ ویرا سختی سے اس کی مخالفت کررہی ہے۔ وہ بھکاری کا خرچ اپنے سر لینے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''ویرا ہوشیار ہے'' میں نے کہا ''وہ بھی اس بھکاری سے ملی ہوگی۔ اس کی مخالفت بلا سبب نہیں ہوسکتی۔ اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہوگی۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ وہ بولی ''مجھے اندازہ تھا کہ آپ اس کی حمایت کریں گے۔ سلطان شاہ کو آپ سے یہی شکایت رہتی ہے۔''

''وہ غلط کہتا ہے۔ میں ضرورت سے زیادہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ تم مجھے مضبوط جواز دے دو، میں ویرا پر دباؤ ڈالوں گا کہ وہ سلطان شاہ کی بات مان لے۔''

''ویرا کو اپنی مخالفت کا کوئی بہتر جواز پیش کرنا چاہیے۔ آپ یہ بوجھ سلطان شاہ پر کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟''

''پھر بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے؟''

''اسے اپنے امریکی ہونے کا زعم ہے۔ وہ کہتی ہے کہ امریکا میں رہنے بسنے والوں کے بارے میں وہ سب سے زیادہ جانتی ہے۔ نیویارک کے بھکاری سادہ لوح لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لیے عجیب وغریب کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس نے سلطان شاہ کی کوئی کمزوری بھانپ کر سے اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا لیا ہے اور اس نے وہاں کے پھیرے لگانا شروع کردیے ہیں۔ ہر بار وہ اسے کچھ نہ کچھ ے آتا ہے۔''

''اس نے دس ڈالر کی بخشش سے ابتدا کی تھی'' میں نے سے یاد دلایا۔

''وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ ہر بار اتنی رقم لٹاتا رہے۔ کہہ ہا تھا کہ اب وہ اسے ایک آدھ ڈالر ہی دیتا ہے۔''

''بھکاری کی ذات میں وہ اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے تفصیل نہیں پوچھی'' غزالہ نے مختصر سا جواب دے کر اپنی جان چھڑالی۔

اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون پر چاؤفان کی کال آگئی۔ اس نے راجن کی لینڈ کروزر کا رجسٹریشن نمبر معلوم کرلیا تھا۔ ریستوران میں بیٹھ کر میں اس سے زیادہ لمبی بات نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے گاڑی کا نمبر لے کر میں نے فون بند کردیا۔

غزالہ نے ویرا اور سلطان شاہ کے اختلاف رائے کا ذکر کرکے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کھانا ختم کرتے ہوئے میرا ذہن ان دونوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے حیرانی تھی کہ سلطان شاہ کو ایک بھکاری کی ذات میں کیا دلچسپی نظر آرہی تھی۔

کھانا ختم کرکے ہم اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے کاریڈور سے لفٹوں کی طرف بڑھ رہے تھے کہ مجھے دور سے اسد کی جھلک نظر آئی۔ وہ قدرے بے چینی کے ساتھ اچک اچک کر اپنے آس پاس سے گزرنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم دونوں اس تک پہنچتے، اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

لفٹ کے قریب وہ ہم سے آملا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا ''تم کو ناگوار نہ گزرے تو میں تمہارے ساتھ اوپر جانا چاہتا ہوں۔''

''ضرور چلو!'' میں نے بے تکلفی سے کہا ''ہم یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آئے، ہماری شادی کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔''

جیسے ہی اوپر سے ایک خالی لفٹ گراؤنڈ فلور پر آئی، ہم تینوں اس میں سوار ہوگئے۔ ہمارے ساتھ مزید دو سفید فام لڑکیاں اندر آگئیں۔ ان کی موجودگی میں، میں نے اسد سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خود بھی خاموش تھا۔

میرے پاس اس کے لیے ایک اہم اطلاع موجود تھی۔ چاؤفان کا فراہم کیا ہوا رجسٹریشن نمبر اس کے لیے بہت مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ خود ہماری طرف آگیا تھا ورنہ وہ نمبر دینے کے لیے مجھے فون کا سہارا لینا پڑتا۔

لفٹ سے نکل کر کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسد نے دھیرے سے کہا ''میں تمہارے لیے ایک اہم خبر لایا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ سوبھراج بنکاک سے زیادہ دور نہیں گیا۔ وہ شمال کی طرف لوپ بوری نامی قصبے میں ہوسکتا ہے جو یہاں سے بمشکل ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے۔''

اسد کے وہ فقرے سن کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں حیران تھا کہ گاڑی کے کوائف جانے بغیر اس نے کس طرح سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا سراغ لگالیا۔

''تم نے سوبھراج کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کرلی؟'' کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نئی ایجادات نے سب کچھ سمیٹ کرر کھ دیا ہے۔ ٹریکر کمپنی نے معلومات فراہم کی ہیں'' اس نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔

میرے لیے وہ اچنبھے والی بات تھی۔ گاڑی کے نام اور نمبر کے بغیر اگر ایک غیر متعلقہ شخص کسی کی نقل وحرکت کے بارے میں سب کچھ جان سکتا ہے تو اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ ٹریکر سسٹم لوگ اپنی اور گاڑیوں کی حفاظت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہاں معاملہ بالکل متضاد نظر آرہا تھا۔ بات میری سمجھ سے باہر تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کی تفصیلات معلوم کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوگا......''

میرے استفسار پر اس نے اپنی بات شروع کی تھی کہ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ کام مشکل تھا، ناممکن نہیں تھا'' میں نے اس سے کہا ''جاؤفان اس گاڑی کے جملہ کوائف حاصل کرچکا ہے۔ وہ سفید رنگ کی لینڈ کروزر تھی۔ اس کا......''

وہ اچھل پڑا۔ اس بار اس نے فرط جوش سے میری بات کاٹ کر کہا ''بس کام بن گیا۔ وہ سو فیصد لوپ بوری میں ہے۔''

''مگر کیسے...... کچھ تو بتاؤ کہ یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' وہ اپنی باتوں سے مجھے حیران کیے جارہا تھا۔

''ذرا لمبا قصہ ہے'' اس نے کہا ''یہاں تین ٹریکر کمپنیاں ہیں۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہے۔ راجن جیسے لوگ بڑے ناموں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اسی کمپنی کے سسٹم استعمال کررہا ہوگا۔ وہاں میرے ایک مقامی دوست کا بھائی کام کرتا ہے۔ میں نے اس مسئلے کے بارے میں اپنے دوست سے رجوع کیا۔ یہ اتفاق ہے کہ اس کا بھائی ڈیوٹی پر تھا۔ اس نے راجن کی پانچوں گاڑیوں کی تازہ ترین پوزیشن بتادی۔ ان میں سے چار گاڑیاں شہر میں موجود تھیں۔ لینڈ کروزر دو بجے موتی محل سے نکل کر شمال کی طرف روانہ ہوئی تھی اور لوپ بوری پہنچ کر رک گئی تھی۔ اس وقت سے وہ گاڑی وہیں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا انجن دوبارہ اسٹارٹ نہیں کیا گیا۔ موتی محل سے گاڑی کے روانہ ہونے کا وقت اور پھر لوپ بوری میں قیام میرے شبہے کو تقویت دے رہا تھا۔ اپنے دوست سے یہ معلومات حاصل کرتے ہی میں تمہاری طرف چلا آیا۔ تم نے سفید لینڈ کروزر کا نمبر بتا کر سوبھراج کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ وہ بے فکر ہوکر وہاں عیش کررہا ہوگا۔ ہم تیاری کرکے وہاں پہنچ جائیں تو اسے گھیر سکتے ہیں۔''

''مجھے یہ سب طلسماتی باتیں معلوم ہورہی ہیں۔ راجن یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ تمہارے دوست نے یہ ضرور جاننا چاہا ہوگا کہ تمہیں راجن کی گاڑیوں سے کیا سروکار ہے؟''

''وہ میرا بینک منیجر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں اپنے محکمے کی طرف سے پاکستانیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے یہاں تعینات ہوں۔ ہر مہینے اسی بینک میں میری تنخواہ آتی ہے۔ میں نے اسے ایک پاکستانی لڑکی کے اغوا کی کہانی سنائی تھی جسے موتی محل لے جاکر غائب کردیا گیا۔ ان معاملات میں راجن کی شہرت بہت خراب ہے۔ وہ فوراً میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔''

''اس نے یہ نہیں سوچا کہ بات راجن کے کانوں تک پہنچ گئی تو اس کے بھائی کو بلاتاخیر نوکری سے نکال دیا جائے گا؟'' غزالہ نے اعتراض کیا۔

''نیک دل لوگ اتنی دور تک نہیں سوچتے۔ میں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ پاکستانی لڑکی کو موتی محل سے نکال کر کہیں اور پہنچا دیا گیا ہے۔ وہ میری مدد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔''

''شہر میں اس کے پانچ کلب اور کیسینو ہیں۔ لڑکی وہاں پہنچائی جاسکتی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ اسے لوپ بوری لے جایا گیا ہو؟'' وہ مسئلہ مجھے ہضم نہیں ہورہا تھا۔

''یہ باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں۔ اس بے چارے سے میں نے گاڑیوں کا ریکارڈ مانگا، وہ اس نے فراہم کردیا۔ اب لڑکی کو تلاش کرنا میرا کام ہے'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' اس نے مجھ سے یہ یقین دہانی ضرور چاہی تھی کہ گاڑیوں کی ٹریکنگ کا قصہ ہم تینوں کے سوا کسی چوتھے آدمی کے علم میں نہ آئے۔ اس کی دانست میں میرے، اس کے اور اس کے بھائی کے علاوہ کسی اور کو یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ اغوا کی جانے والی پاکستانی لڑکی کی تلاش میں ٹریکنگ سسٹم سے بھی کوئی مدد لی گئی ہے۔''

دو سال کے قیام کے دوران میں بینک منیجر سے اس کے گہرے تعلقات بھی میرے محلِ نظر تھے۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ اس کا سسرا ٹیکسلا کے گردونواح میں

جعلی نوادرات فروخت کرنے والے ہنر مندوں کو جاتا ہے۔

بنکاک آنے سے پہلے اسد نے ان اطراف سے مہاتما گوتم بدھ کے کئی ایسے مجسمے خرید لیے تھے جو بادی النظر میں بہت قدیم اور خستہ حال نظر آتے تھے۔ جعل ساز اپنے گھروں میں مٹی، لکڑی اور دھاتوں سے بہت سے نوادرات کی تازہ نقلیں بنا کر اسے کسی ایسے عمل سے گزارتے ہیں کہ وہ بظاہر صدیوں پرانی نظر آنے لگتی ہیں۔ ماہرانہ تجزیے میں ان کی پول کھل سکتی تھی لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنی دانست میں چوری کے نوادرات خریدنے والے خود ماہرانہ رائے لینے سے گھبراتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ نمونے کی عمر کی تصدیق ہوتے ہی وہ بیش قیمت شے ان کی تحویل سے نکل جائے گی۔

بنکاک پہنچنے کے بعد اسد نے اپنے گاؤں کی مضافاتی پہاڑیوں کی کھدائی سے برآمد ہونے کی کہانی سنا کر کانسی کے وہ چھوٹے چھوٹے مجسمے جس کسی کو تحفے میں دیئے وہ اس کا گہرا دوست بن گیا۔ ان میں اس کے بینک کا منیجر بھی شامل تھا جو مہاتما گوتم بدھ کا صدیوں پرانا نادر مجسمہ مل جانے پر تہ دل سے اسد کا ممنون تھا۔

سوبھراج کے بارے میں دو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی کڑیاں یک جا ہو چکی تھیں۔ چاؤ فان نے اپنے ذرائع سے سفید لینڈ کروزر کی روانگی کی اطلاع فراہم کی تھی۔ اسد نے اس گاڑی کی روانگی کے ساتھ منزل کا کھوج بھی لگا لیا تھا۔

لوپ بوری پہنچنے کے بعد لینڈ کروزر کا انجن دوبارہ اسٹارٹ نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ سوبھراج کا عارضی پڑاؤ نہیں تھا۔ وہ اپنے امریکی دشمنوں سے بچنے کے لیے وہیں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔

اس نے اس قصبے کی جو مسافت بتائی وہ دشوار نہیں تھی۔ سوبھراج جب چاہتا' بنکاک کا چکر لگا سکتا تھا۔ چند روز میں اس کی تلاش کا معاملہ دب جاتا تو وہ خاموشی سے بنکاک لوٹ آتا۔

وہ بنیادی طور پر ایک شہری تھا۔ شہر کی تیز رفتار' رنگین اور ہنگامہ پرور زندگی کو یکسر ترک کر کے زیادہ دیر تک لوپ بوری میں نہیں رہ سکتا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ لوپ بوری بھی راجن کا کوئی محفوظ ٹھکانا ہے۔'' غزالہ پُرخیال لہجے میں بولی ''وہاں بھی سوبھراج کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا گیا ہوگا۔''

''راجن اور سوبھراج کے لیے پورے تھائی لینڈ میں موتی محل سے زیادہ محفوظ جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔'' میں نے

فرمائش

نئے نئے دولت مند ہونے والے ایک صاحب کی بیگم ایک سرجن کے پاس پہنچیں اور بولیں ''ڈاکٹر صاحب! میرا آپریشن کر دیجئے۔''

''مگر...... کس چیز کا آپریشن؟'' سرجن نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کسی بھی چیز کا۔'' خاتون نے بے پروائی سے کہا ''دراصل میرا کبھی کسی مرض کے سلسلے میں آپریشن نہیں ہوا۔ اس کی وجہ سے مجھے بیگمات کے درمیان بیٹھ کر بات چیت کرنے میں مشکل پیش آتی ہے...... اور احساسِ کمتری سا ہونے لگتا ہے۔

اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''یہاں اسے گھیرنا بہت مشکل تھا۔ لوپ بوری میں یہ کام آسان ثابت ہونا چاہیے۔''

''تم اس شہر یا قصبے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' غزالہ نے اسد سے پوچھا۔

''یہ کوئی شہر ہرگز نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں نے یہ غیر معروف نام پہلی بار سنا ہے۔''

''اگر یہ نام تمہارے لیے اتنا نیا ہے تو پھر یہ کوئی چھوٹی سی بستی ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر واقع ہو۔ سوبھراج وہاں راجن کے کسی ریسٹ ہاؤس وغیرہ میں ٹھہرا ہوگا۔ ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ کوئی حریف وہاں تک پہنچ سکے گا۔ مجھے توقع نہیں کہ موتی محل سے سوبھراج کے ہنگامی فرار کے موقع پر لوپ بوری میں کوئی غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا ہوگا۔'' میں نے اپنے ذہن میں کڑیاں ملاتے ہوئے کہا۔

''آثار یہی نظر آ رہے ہیں۔ راجن کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مستقل بنیادوں پر ہر جگہ بھاری نفری کو ملازم رکھ سکے۔ سوبھراج کی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست کیا جاتا تو بنکاک سے مسلح آدمیوں کو لوپ بوری بھیجنا ضروری تھا۔ ایسی صورت میں ٹریکنگ سسٹم پر راجن کی کسی اور گاڑی کی لوپ بوری کی طرف روانگی بھی ریکارڈ ہو جاتی۔''

''اس معاملے میں چاؤ فان ہمارا بہترین مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔'' غزالہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد رائے دی۔

اسد نے ایک بڑا کام سر انجام دیا تھا۔ ناقص اور ادھوری معلومات کے ساتھ سوبھراج کی نئی کمین گاہ کا کھوج لگانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ سراغ مل جانے کے بعد چاؤ فان یکا یک اہمیت اختیار کرگیا تھا۔ وہ مقامی باشندہ تھا۔ لوپ بوری کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرسکتا تھا۔ ذہن میں وہاں کا نقشہ جمانے کے بعد ہمیں ہر حال میں مسلح نفری کی ضرورت پڑتی جو صرف چاؤ فان فراہم کرسکتا تھا۔

سوبھراج کا سر کچلنے کے لیے چاؤ فان کلیدی اہمیت اختیار کرگیا تھا۔ مجھے یہ سوچ کر دل ہی دل میں اطمینان ہوا کہ سوبھراج کے معاملے میں، میں نے اسے بالکل بے خبر نہیں رکھا تھا۔

چند گھنٹے قبل ہونے والی ملاقات میں چاؤ فان نے خود ہی اندر کی یہ کہانی سنائی تھی کہ موتی محل میں گھسنے والے امریکی فوجیوں کو راجن کے کسی پراسرار مہمان کی تلاش تھی جسے راز داری کے ساتھ لینڈ کروزر میں وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔

اس قصے میں کہیں بھی سوبھراج کا نام نہیں آیا تھا۔ چاؤ فان یا ڈان برنارڈ کو سوبھراج کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ میں نے چاؤ فان کے تذبذب کے باوجود راجن کے مہمان کو گھیرنے کا نظریہ پیش کرکے اسے کسی حد تک اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔

راجن کے مفرور مہمان کے بارے میں چاؤ فان سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں دور دور تک یہ امکان نہیں تھا کہ چند گھنٹوں بعد ہم اسے مارنے کے لیے نکل سکتے ہیں۔ میری ساری گفتگو معروضی انداز تک محدود رہی تھی۔ اسد سے تبادلہ خیال ہونے کے بعد اس گفتگو کی اہمیت ابھر کر سامنے آگئی تھی۔ میں نے بے خبری کے عالم میں، کسی لاشعوری ذہنی رو کے تحت، اپنے اگلے اقدامات کے لیے میدان ہموار کرلیا تھا۔ چاؤ فان یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں نے بیٹھے بٹھائے، اچانک راجن کے مہمان پر دھاوا بولنے کی ٹھان لی تھی۔ اس کا جواز پہلے سے موجود تھا۔

بھاگ دوڑ کا کام اسد اور چاؤ فان انجام دے رہے تھے۔ ان دونوں کی طرف سے ملنے والی اطلاعات کو یکجا کرکے ان سے کوئی مدلل نتیجہ اخذ کرنا اور پھر اگلی منصوبہ بندی کرنا میری ذمے داری تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس مرحلے پر اسد کو کیسے الگ رکھوں۔

اسد نے بنکاک میں پیر جمانے میں میری بہت مدد کی تھی۔ اس نے مجھے ڈان برنارڈ سے نہ ملایا ہوتا تو وہاں واقعات کی رفتار بہت سست اور حوصلہ شکن رہتی۔ میں اس کے بھرپور کردار کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

وہ ڈان سے متعارف ہوچکا تھا لیکن چاؤ فان سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ چاؤ فان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ بنکاک میں صرف وہی میرا مددگار تھا۔ اس کی وہ خوش گمانی برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسد آنے والی مہم میں بھی اس کی نگاہوں سے دور رہے۔

''تم کس سوچ میں کھوگئے؟'' مجھے خاموش پا کر اسد نے ٹوکا۔

''چاؤ فان کو فون کرنے کے لیے ذہنی تیاری کررہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''تم بہت حاضر جواب ہو۔ کسی سے بات کرنے کے لیے تمہیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فی البدیہہ بات کرتے چلے جاتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ چکر کیا ہے!''

''چاؤ فان کو میں کمرے میں نہیں بلانا چاہتا۔'' میں نے غزالہ کے سراپا پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا ''اس وقت اس سے باہر بات نہیں ہوسکتی......''

''صرف غزالہ کے بارے میں نہ سوچو۔ میں بھی اس بدمعاش کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔''

اسد کے وہ الفاظ سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے حیرت سے پوچھا ''کیا تم اس آپریشن میں شامل نہیں رہوگے؟''

''میری دلی خواہش ہے کہ میں سوبھراج کی سرکوبی کی مہم میں تمہارے ساتھ رہوں لیکن میں چاؤ فان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ میں نے بہت عزت اور وقار کے ساتھ یہاں تعیناتی کے دو سال پورے کرلیے ہیں۔ پتا نہیں کب یہاں سے میرے تبادلے کے احکام آجائیں۔ میں یہ الزام سننا پسند نہیں کروں گا کہ پاکستانی افسر یہاں مجرموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔''

''یہ الزام کون لگائے گا......؟ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تم ہمارے ساتھ تھے۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے کہا۔

''میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری کامیابی کا خواہش مند ہوں لیکن لڑائی میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ سوچو کہ چاؤ فان ان کے ہاتھ لگ گیا تو کیا ہوگا۔ ہر بدمعاش کی اپنی قوتِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ دو نہیں تو دس جوتے کھا کر سب کچھ اگلنا شروع کردے گا۔''

''خدا نہ کرے کہ ایسا ہو!'' غزالہ جلدی سے بولی۔

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ انسان کا چاہا ہوا ہمیشہ پورا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی تقدیر بازی الٹ دیتی ہے۔ اب یہی دیکھو

کہ سوبھراج موتی محل کے پنجرے سے صاف نکل گیا۔ میرے دامن پر ایک بار داغ لگ گیا تو میرے بعد آنے والے برسوں اس کے نتائج بھگتیں گے۔"

"تمہاری یہی مرضی ہے تو میں چاؤ فان کو کمرے میں بلالوں گا۔"

"بلالو...... میں نیچے کافی شاپ میں چلا جاؤں گا۔ اس کے جانے کے بعد تم سے مل لوں گا تاکہ تمہارے پروگرام کا علم ہو سکے۔"

"یہ اور بھی اچھا ہوگا۔ اپنے ساتھ غزالہ کو بھی کافی شاپ میں لے جانا۔ میں فون کر کے تم دونوں کو واپس بلالوں گا۔"

میرا سنگین مسئلہ کسی خرابی کے بغیر، خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔

میں نے نمبر ملایا تو چاؤ فان میری پہلی آواز سنتے ہی مجھے پہچان گیا "یس ماسٹر! خیریت تو ہے......! اس وقت مجھے کیسے یاد کر لیا۔"

"تمہاری آواز بھاری کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"او ہو......!" وہ دھیمے سے ہنسا "ماسٹر! تم خطرناک آدمی ہو۔ آواز سے بھی اندازے لگا لیتے ہو۔ میں تھوڑی سی اسکاچ پی رہا ہوں۔ آج میکانگ کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تم ہوش و حواس میں تو ہونا......!" میں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"بالکل...... آدمی ہوش و حواس میں نہ رہے تو یہ سالی لڑکیاں پوری جیب خالی کر لیتی ہیں۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے درشت لہجے میں پوچھا "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"ماسٹر! معاف کرنا، میں نے اپنی دانست میں کام ختم کر لیا تھا۔ تم سے ملنے کے بعد میں ذرا سی دل لگی کے لیے پیٹ پونگ وان آ گیا۔"

"اس وقت تم کسی لڑکی کے ساتھ ہو!" میں نے تصدیق چاہی۔

"یس ماسٹر، یہاں اس کے سوا ہوتا ہی کیا ہے!"

"اس کے سامنے تم مجھ سے یہ خرافات بک رہے ہو!" مجھے غصہ آ گیا۔

"ماسٹر! تم بے فکر رہو۔ اسے انگریزی کا ایک لفظ نہیں آتا۔ دیہاتی لڑکی ہے۔ اس کا لب و لہجہ نرالا ہے۔ بنکاک کی

مختصر مختصر

☆ "مسز زاہد کا کہنا ہے کہ ان کی پیدائش کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔"

"جی ہاں۔ وہ ان کی تاریخ پیدائش ہے۔"

☆ "مسز منیر! کیا آپ نے اپنے بیٹے کو منع کیا تھا کہ وہ میری نقلیں نہ اتارا کرے؟"

"ہاں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کیا کرو۔"

☆ "کیسا عجیب دور ہے۔ پڑوسی کو پڑوسی کے بارے میں پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس حال میں ہے!"

"خیر...... آپ میرے بارے میں ایسا مت کہیے۔ میں گاؤں میں رہتا ہوں۔"

☆ "جانِ من! آج ہماری شادی کی پہلی سالگرہ ہے۔ تم میرے لیے کوئی تحفہ لائے ہو؟"

"ہاں...... کھانا پکانے کی ترکیبوں کی کتاب!"

☆ "سنا ہے خدا بخش حلوائی بہت امیر ہو گیا ہے؟"

"ہاں۔ اس نے ڈائٹنگ کرنے والی عورتوں کے لیے ایسا گلاب جامن ایجاد کیا تھا جس کے بیچ میں سلاد کا پتا ہوتا تھا۔"

بولی بھی مشکل سے سمجھ رہی ہے۔" اس کی آواز سے سرور کی ہلکی سی بے پروائی مترشح تھی۔

"چاؤ فان! خدا مجھ پر اور تم پر رحم کرے۔ تم نے مجھے عین وقت پر دھوکا دیا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم اتنے رنگین مزاج ہو تو میں بھول کر بھی تم پر بھروسا نہ کرتا۔"

"تمہیں دھوکا دینے سے بہتر ہوگا کہ میں بلیڈ سے اپنا گلا کاٹ کر اپنا خون تمہارے قدموں میں بہادوں۔" میری لعن طعن سن کر وہ یکا یک جذباتی ہو گیا "میں نے تمہیں ماسٹر کہا ہے تو زندگی بھر اس رتبے کی لاج رکھوں گا۔ غداری کی تو جنگلوں میں بھٹکنے والی بدروحیں میرا بدن نوچیں گی۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے مجھے کیسے یاد کیا ہے!"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا یہ عذر کسی حد تک قابلِ قبول تھا کہ وہ کام ختم کر لینے کے بعد اس بدنام کوچے میں گیا تھا۔ جنگل کی بدروحوں کا حوالہ دے کر اس نے

ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی حد تک بہکا ہوا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اسے منہ لگائے بغیر فون بند کر دیتا مگر اس وقت چاؤ فان سے بات کرنا میری مجبوری تھی۔

''میں ایک اہم معاملے میں تمہیں اپنے پاس بلانا چاہ رہا تھا۔'' میں نے نہایت کوفت کے عالم میں بیزاری سے کہا ''مجھے تمہارے ان مشغلوں کا علم نہیں تھا۔''

''ماسٹر! میرے مشغلوں پر لعنت بھیجو۔ میں اس لڑکی کو لات مار کر، سر کے بل ابھی آتا ہوں۔'' اس کی آواز کے ساتھ فون پر کسی لڑکی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ شاید چاؤ فان نے اپنے ساتھ موجود لڑکی کو واقعی لات رسید کر دی تھی۔

''اسے میرے وقت سے زیادہ اپنے پیسوں سے سروکار ہے۔'' اس کی بات جاری تھی ''پیسے اس کے منہ پر ماروں گا' باہر نکل کر فریش لیمن جوس کے دو گلاس پیوں گا اور بالکل تازہ دم ہو کر آ جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم سے کہاں ملنا ہے۔''

وہ بہت زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ اس نے تازہ لیموں کے عرق کی صورت میں اپنے نشے کا توڑ بھی بتا دیا تھا مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ آئے گا تو کس حال میں ہوگا۔ اس کے ساتھ کسی غیر متعلق آدمی کی نظروں میں آنا مناسب نہیں تھا۔

میں نے فوری طور پر اسے اپنے کمرے میں بلانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا ''وہیں آ جاؤ، جہاں شام ملے تھے۔ یہ یاد رکھنا کہ اہم معاملہ درپیش ہے۔''

''بے فکر ہو جاؤ۔ میں نے آنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔ میری لات کھا کر وہ سہم کر بستر کے ایک کونے میں سمٹ گئی ہے اور خوف زدہ بندریا کی طرح میری طرف دیکھے جا رہی ہے۔ میں پانچ منٹ میں یہاں سے نکلتا ہوں۔'' اس نے اپنے انداز میں مجھے یقین دہانی کرائی ''پندرہ منٹ بعد میں تمہارے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤں گا۔''

اس سے ہونے والی گفتگو میں' میں نے اس کے ساتھ کسی لڑکی کی موجودگی اور اس کی رنگین مزاجی کا حوالہ دیا تھا۔ اپنے بارے میں بقیہ اعترافات چاؤ فان نے خود کیے تھے۔ میرے مکالمے سن کر اسد اور غزالہ کو صحیح صورتِ حال کا اندازہ نہیں ہو سکا۔

''کیا ہوا...... تم اس پر بہت زیادہ برہم ہو رہے تھے؟'' اسد نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''وہ پیٹ پونگ میں کسی عشرت کدے میں گھسا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی شراب نوشی کا ذکر دانستہ گول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ اس کی شرافت ہے کہ اس نے تمہاری ڈانٹ ڈپٹ سن لی۔ وہ تمہارے کسی کام میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اس کے بعد اسے پورا حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنا وقت گزارے۔'' اسد نے چاؤ فان کی حمایت کرتے ہوئے کہا ''تمہیں اس کی ذاتی سرگرمیوں سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔''

''اسد کی بات قابلِ غور ہے۔'' غزالہ بولی ''آپ اس کے ساتھ کسی غبی شاگرد جیسا سلوک کرتے ہیں۔ کسی وقت وہ پلٹ کر کوئی کڑوا جواب بھی دے سکتا ہے۔''

''تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کہاں اپنا منہ کالا کرتا ہے۔'' میں نے رسانیت سے جواب دیا ''اب اس کا کیا کیا جائے کہ رات کے گیارہ بجے کے بعد سوبھراج کا سراغ ملا ہے۔ اس کے خلاف کارروائی کے لیے رات کا اندھیرا سب سے زیادہ موزوں ہے۔ وہاں شب خون مارنے کی صورت میں ہماری کامیابی کے امکان روشن ہیں۔ رات گزر گئی تو دن کے اجالے میں شاید ہم اس کے ٹھکانے کے آس پاس بھی نہ پھٹک سکیں۔''

''یہ تمہاری مجبوریاں ہیں۔ ان میں چاؤ فان کا قصور نہیں ہے۔'' اسد مجھے پوری طرح قائل کرنے پر تلا ہوا تھا ''یہ دیکھو کہ اس نے تمہارے ایک اشارے پر اپنی ساری عیاشی ترک کر کے تمہارے پاس آنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ وہ کوئی بہانہ کر کے تمہیں صبح تک ٹال سکتا تھا۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔''

اس کی کسی بات کی معقولیت پر حرف گیری نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس سے جو کوئی دبتا ہے اسے وہ دباتا ہی چلا جاتا ہے۔ پلٹ کر جواب دینے والوں سے بات کرتے ہوئے ہر ایک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ چاؤ فان کی کمزوری تھی کہ بیچ میں ڈان کا نام ہونے کی وجہ سے وہ روزِ اول سے میرا لحاظ کرتا رہا تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر' محض اپنی جبلت کے تحت اس رجحان سے فائدہ اٹھاتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اس سے ذاتی مصروفیات کا حساب بھی لینا شروع کر دیا۔

میں نے اسد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن دل میں یہ طے کر لیا کہ میں آئندہ اس حد تک جانے سے گریز کروں گا جہاں چاؤ فان کی قوتِ برداشت جواب دے جائے۔

چاؤ فان کے اپنے قول کے مطابق اس کا وطن

مسکراہٹوں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ نرم خُو، ملنسار اور حلیم الطبع تھے۔ کم از کم میری حد تک وہ ان میں سے ہر تعریف پر پورا اترنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میرے لیے اس کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔

اسد معاملہ فہم آدمی تھا۔ اس نے وہ بات وہیں ختم کردی اور مجھ سے پوچھا ''وہ تم سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ تم نے کیا سوچا ہے۔''

''میں نے ابھی بتایا ہے کہ وہاں آج ہی شب خون مارنا مناسب رہے گا۔'' میں نے اسے یاد دلایا ''لوپ بوری کے بارے میں وہ جانتا ہوگا۔ یہ فیصلہ اس سے مشورے کے بعد کیا جائے گا کہ سوبھراج سے نمٹنے کے لیے ہمیں کن تیاریوں کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''تم نے اسے کمرے میں بلانے کا ارادہ ترک کردیا ہے تو اب شاید ہم دونوں کو کافی شاپ میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' اس نے پوچھا۔

میں بہر حال ایک پاکستانی مرد تھا۔ میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایک نامحرم کو اکیلا چھوڑ کر جانا کہاں تک مناسب تھا!

اسد خود بھی عیال دار اور شریف آدمی تھا۔ بنکاک جیسے شہر خرابات میں تجرد کے دن گزارنے کے باوجود اس کا دامن ہر آلائش سے پاک تھا۔ ادھر غزالہ بھی کوئی نیک پروین نہیں تھی۔ مجھ سے الگ ہو کر اس نے دشمنوں کے غول میں ایک مدت تک بہت کامیابی سے اپنی حفاظت کی تھی۔ میں نے کہا ''تم یہیں رک کر میری واپسی کا انتظار کرو۔ میں اسے زیادہ وقت نہیں دوں گا۔''

رذیل آدمی کو جوتے بھی لگائے جائیں تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شریف آدمی کے لیے ایک موہوم سا اشارہ کافی ہوتا ہے۔ میرے خفیف سے توقف سے اسد نے گویا میرے دل کی بات پڑھ لی اور ہنستے ہوئے بولا ''اب موڈ بن گیا ہے۔ میں کافی ضرور پینا چاہوں گا۔ تم واپس آکر فون پر مجھے بلا لینا۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' میں اس سے کمرے میں رکنے کے لیے اصرار نہیں کرسکتا تھا۔

چاؤ فان نے ہوٹل تک پہنچنے کے لیے پندرہ منٹ کا وقت دیا تھا۔ میں روانگی کے ارادے سے اٹھا تو اسد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے نیچے آئے۔ وہ کافی شاپ کی طرف ہولیا۔ میں نے مرکزی دروازے کا رخ

کرلیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ہوٹل میں لوٹنے والوں کی آمد قابل فہم تھی لیکن وہاں رہنے والوں کی روانگی کا پرشوق انداز بنکاک کی شبینہ تفریحات کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔

میرے پہنچنے کے چند منٹ بعد چاؤ فان وہاں آ گیا۔ میں خاموشی سے اس کی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا تو وہ پوری طرح چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

گاڑی کی سب کھڑکیاں بند تھیں۔ ائر کنڈیشنر چل رہا تھا لیکن الکحل کی بو کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے میرے پاس آنے سے پہلے شراب کے جملہ اثرات زائل کرنے کے لیے بیک وقت سارے جتن کر ڈالے تھے۔

''ماسٹر! کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' آخر اس نے ہی سکوت توڑنے میں پہل کی۔

''میں سوچ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ تم لوپ بوری کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''بہت اچھی اور سرسبز جگہ ہے۔ بنکاک سے زیادہ دور نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کے متوالے اس چھوٹے سے قصبے کے اردگرد پھیلی ہوئی تاریخی باقیات کو دیکھنے ضرور جاتے ہیں۔'' اس نے سرعت سے جواب دیا ''کیا تمہارا ابھی وہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''ہمیں آج رات وہاں پہنچنا ہے!'' میں نے دانستہ اسے ادھوری بات بتائی۔

''رات کو وہاں ذرا بھی لطف نہیں آئے گا۔ دیہاتی سرِ شام اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں۔ اندھیری رات میں کھنڈرات بھی آسیب زدہ سے نظر آئیں گے......''

''ہم وہاں سیر و تفریح کے لیے نہیں جا رہے۔ راجن کا مہمان وہاں ٹھہرا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ ہمارے لیے بہترین موقع ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ وہاں گیا ہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ میں نے بلاوجہ چھوٹا راجن سے ٹکر نہیں لی ہے۔''

''وہاں کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ کئی کمروں والا ایک ریسٹ ہاؤس ہے جہاں دن میں آنے والے سیاح کچھ دیر رک کر آرام کرتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں۔ شب بسری کے لیے وہ ڈھنگ کی جگہ نہیں ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بتا رہا تھا ''چھوٹا راجن کا مہمان لوپ بوری میں ٹھہرا ہے تو اسے ریسٹ ہاؤس کے کسی کمرے میں ہونا چاہیے۔ وہاں وہ کھلے نشانے پر ہے۔''

''اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے کوچ کرے، ہم کو اس کے سر پر پہنچ جانا چاہیے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''ماسٹر! وہ وہاں کسی گاڑی سے گیا ہوگا نا!''

''تمہاری لائی ہوئی خبر ٹھیک تھی۔ وہ سفید لینڈ کروزر میں ہی گیا ہے۔''

''اس کے پاس وقت ہے، اپنی سواری ہے تو وہ لوپ بوری میں کیوں رکے گا۔ تھوڑا سا سفر کر کے وہ کسی اچھی جگہ رک سکتا ہے۔ چھوٹا راجن اپنے کسی اہم مہمان کو لوپ بوری جیسی جگہ پر نہیں بھیج سکتا۔ وہاں رک کر وہ آگے نکل گیا ہوگا۔ شاید تمہیں پرانی اطلاع دیر سے ملی ہے۔'' چاؤ فان کے پاس یقین نہ کرنے کی مضبوط وجوہ موجود تھیں۔

اسے یہ بتانا بے سود تھا کہ اس وقت سوبھراج خوف زدہ تھا۔ بارونق شہروں کے مقابلے میں گمنام ویرانے اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے تھے۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ ایک کیا، کئی راتوں کی بے آرامی قبول کر سکتا تھا۔

''اب تصدیق یا تردید حاصل کرنے کا وقت گزر چکا۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کتنے آدمیوں کا بندوبست کر سکتے ہو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرنے کے بجائے فیصلہ کن لہجے میں پوچھا۔

''پانچ چھ آدمی مل جائیں گے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس نے میری اطلاعات کی افادیت پر دوبارہ کوئی بات نہیں کہی۔

''ہم یہاں سے کس وقت نکل سکتے ہیں؟'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر سوال کیا۔

''آدمیوں کو جمع کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ کم از کم ...دو گھنٹے کی مہلت دے دو۔''

''میرے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ ہمیں اجالا پھیلنے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ اگر میرے اور تمہارے اندازے درست ہیں تو ذرا سی دیر میں کھیل نمٹ جائے گا۔ تم اپنی سہولت دیکھو۔ آدمیوں کے ساتھ تمہیں ہتھیاروں کا بندوبست بھی کرنا ہے۔''

''میں ساڑھے بارہ بجے تک تمہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں گا۔ تمہارے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہوگا؟'' اس کا ذہن الکحل کے اثرات سے پوری طرح آزاد تھا۔

''میری عورت میرے ساتھ ہوگی!'' میں نے اس کی زبان استعمال کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اسے نہ لو۔ اتنی بھیڑ میں اس کا شامل ہونا غیر ضروری ہے۔'' اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا ''وہ بلاوجہ میرے آدمیوں کی نظروں میں آجائے گی۔''

''کیا تمہیں ان پر بھروسا نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''پورا بھروسا ہے لیکن بنکاک میں ہر ایک چاؤفان نہیں ہے۔'' بات کرتے کرتے اس نے الجھ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا اور توقف کے بعد بولا ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنی بات تم پر کس طرح واضح کروں۔ عورت کی موجودگی مناسب نہیں رہے گی۔''

چاؤفان کی باتوں میں اس کا تجربہ بول رہا تھا۔ وہ روئے زمین کا ایک عجیب خطہ تھا جہاں عورت کو ایک طرف بازار کی سستی جنس بنا کر رکھ دیا گیا تھا تو دوسری طرف اس کی تحریم کا یہ عالم تھا کہ عورت کے ہاتھ سے بھکشوؤں تک کو کچھ دینا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ دان، بخشش یا نذرانہ دینے کے لیے عورت کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو تب بھی عورت براہِ راست کچھ نہیں دے سکتی تھی۔ کچھ دینا ہی ہو تو وہ میز یا کسی چوکی وغیرہ پر رکھ دے۔ بھکشو وہاں سے اٹھا لے گا۔

''میں اسے روک دوں گا۔'' میں نے اس کی بات مان لی ''تمہارے آدمی انگریزی سے نابلد ہوں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم کو سائے کی طرح میرے ساتھ رہنا ہوگا تاکہ میری ہدایات اپنے آدمیوں تک پہنچا سکو۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

''ماسٹر! تم فکر نہ کرو۔ تم خادم کو ہر لمحے اپنے پاس موجود پاؤ گے۔''

''چاہو تو اب مجھے واپس چھوڑ دو!'' میں نے فراخ دلی سے کہا۔

''یہ بتادو کہ اس مہمان کو زندہ پکڑنا ہے یا مار ڈالنا ہے۔''

''اس کا انحصار وہاں کے حالات پر ہوگا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔

''ایسے مقابلوں میں پہلے سے کیے ہوئے فیصلے کام نہیں آتے۔ موقع پر بروقت فیصلے کرنا پڑتے ہیں پھر بھی مجھے تمہاری ترجیحات کا علم ہونا چاہیے تاکہ اس کے مطابق کوشش کی جائے۔''

''اسے زندہ پکڑنا ہی بہتر رہے گا۔'' میں نے اپنی دلی خواہش کے برعکس جواب دیا۔ پرانی باتوں کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے اس وقت وہی جواب موزوں ترین تھا۔

وہ خاموش ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے گاڑی کو واپسی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔

''ماسٹر!'' ایک لمبے سکوت کے بعد اس نے دبی دبی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ میں صرف ہوں کر کے رہ گیا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' اس نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

''ناراض ہوتا تو اس وقت تمہارے ساتھ لوپ بوری جانے کا پروگرام نہ بنا رہا ہوتا۔'' اس نے مجرمانہ احساس کے ساتھ ذرا سی دیر میں وہ سوال دہرا کر یکایک میرا دل صاف کردیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے خوشی ہے کہ تم الکحل کے اثرات سے آزاد ہو کر آئے ہو۔ تمہیں اپنے تمام شوق پورے کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں اس میں اپنی ٹانگ نہیں اڑا سکتا۔ اس وقت میں بھول گیا تھا کہ یہاں بہت سے لوگ انگریزی نہیں جانتے۔ ناوقت کوئی کام نکل آئے تو اچھا خاصا آدمی چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا تفریح کا موڈ غارت کردیا۔''

''ماسٹر! تم گریٹ آدمی ہو۔'' اس نے بے اختیار میری داہنی ران دبا کر بھرّائی ہوئی آواز میں کہا ''لوگوں کا دل رکھنا جانتے ہو۔ میرے دماغ میں کوئی کام پیدا ہونے کا شائبہ بھی ہوتا تو میں ادھر نہ جاتا۔ جب ہر طرف سے فرصت میسر آتی ہے تو میں ذرا بے لگام ہوجاتا ہوں ورنہ کام میں لگا رہتا ہوں۔''

ہاتھوں کے بے ساختہ استعمال پر میں پہلے اسے سرزنش کرچکا تھا۔ اس بار اس نے میری ران پر ہاتھ مارا تو فضا بہت مختلف تھی۔ میں خاموش رہا۔

مجھے ہوٹل پہنچا کر وہ واپس چلا گیا۔ عجیب جذباتی آدمی تھا۔ راستے میں، میں ذرا سا چھیڑتا تو شاید وہ بے اختیار رونا شروع کردیتا۔

میں نے لابی سے انٹرکام پر غزالہ کو پیغام دیا کہ وہ اسد کے انتظار میں بت بنی ہوئی نہ بیٹھی رہے۔ کپڑے بدل کر آرام کرے کیونکہ مشن میں اس کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا اور میں اسد کو رخصت کرنے کے لیے خود کافی شاپ میں جارہا تھا۔

غزالہ تلملا کر رہ گئی۔ میں انٹرکام بند کر کے کافی شاپ کی طرف چل دیا۔

سوبھراج کے بارے میں سب کچھ طے ہوجانے کے بعد مجھے یاد آیا کہ ویرا نیویارک میں بیٹھی میری جوابی کال کا

انتظار کر رہی ہوگی۔ پتا نہیں وہ کس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اسد سے فارغ ہونے کے بعد میں اس سے بات کرلوں گا۔ رات کا بقیہ حصہ مجھے سوبھراج کے پیچھے برباد ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ایک دفعہ وہ مصروفیت شروع ہوجاتی تو پھر کسی لمبی فون کال کے لیے وقت نکالنا محال ہوجاتا۔

اسد ہوٹل کی کافی شاپ میں بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے لیے بے خوابی کی وہ رات بہت لمبی ثابت ہونے والی تھی۔ میں نے اس کی میز پر بیٹھ کر اپنے لیے بھی کافی طلب کرلی اور پھر اسے چاؤ فان سے طے ہونے والے پروگرام کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

سوبھراج کی جائے پناہ کے بارے میں چاؤ فان کی بتائی ہوئی باتیں سن کر اسد کا حافظہ بھی تازہ ہوگیا۔ اسے بنکاک کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے تفریحی مقامات کے پیچیدہ ناموں کا علم نہیں تھا مگر وہ یہ جانتا تھا کہ وہاں پرانے بدھ مندروں وغیرہ کے آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قدرتی جنگلات میں کیمپنگ کی سہولتوں کے ساتھ متعدد تفریحی مقامات موجود ہیں جہاں سیاح کثرت سے پائے جاتے تھے۔

میری کافی ختم ہونے تک وہ اس مہم کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرتا اور مشورے دیتا رہا۔ اسے خوشی تھی کہ غزالہ کو ہوٹل میں چھوڑنے کے بارے میں، میں نے چاؤ فان کا مشورہ قبول کرلیا تھا۔

پورے بنکاک میں صرف سوبھراج مجھے پہچان سکتا تھا اور وہ شہر سے باہر تھا۔ میں خاصی دیر تک اسد کے ساتھ بیٹھا رہا۔ میں اپنی طرف سے اسے رخصت ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہلٹن ہوٹل کی حدود میں وہ میرا مہمان تھا۔ آخر کار اسے خود ہی میرے آرام کا خیال آگیا اور میں بل ادا کرکے اس کے ساتھ کافی شاپ سے باہر چل دیا۔

اسد نے بنکاک کے بے ہنگم اور خطرناک ٹریفک کی وجہ سے اپنی گاڑی نہیں رکھی ہوئی تھی۔ اسے باہر نکلتے ہی پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی مل گئی اور پرتپاک انداز میں مجھ سے رخصت ہوگیا۔

کمرے میں پہنچا تو غزالہ کے تیور کچھ بگڑے ہوئے نظر آئے۔ اس نے جس لہجے میں ویرا کے دوسرے فون کا ذکر کیا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی برہمی دہری تھی۔ اول یہ کہ میں نے اسے مہم میں شریک نہ کرنے کی خبر دی تھی۔ دوم یہ کہ ویرا کو نیویارک میں بھی چین نہیں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں میرے لیے دو بار فون کر چکی تھی۔

اس سے پہلے کہ ویرا کا تیسری بار فون آتا، میں نے کچھ دیر کے لیے غزالہ کی برہمی کو نظر انداز کرکے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''کہاں غائب تھے...... معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جاکر تمہاری مصروفیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔'' رابطہ ہونے پر ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''بس کچھ نہ کچھ چلتا رہتا ہے۔ میں نے واپس آتے ہی تمہیں فون کیا ہے۔'' میں نے اپنی تازہ ترین مصروفیت کا کوئی تذکرہ کیے بغیر کہا۔

''کیا پورے تھائی لینڈ کا انتظام تمہارے سر ڈال دیا گیا ہے؟''

''ملک کسی قاعدے قانون کے تحت چلتے ہیں۔ دوسرے چکر ہر پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔''

''ان چکروں میں سوبھراج کی کیا پوزیشن ہے وہ کب تک تمہارے سینے پر مونگ دلتا رہے گا؟'' اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا جیسے وہ مجھ سے جواب طلب کر رہی ہو۔

''ابھی اس کا وقت پورا نہیں ہوا۔ ملزم قرار دیے جانے کے باوجود وی آئی پی ہے۔ جس دن مارا گیا تم کو امریکی ذرائع ابلاغ سے خبر مل جائے گی۔''

''یعنی تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''وقت مل گیا تو ضرور بتاؤں گا۔ اس کے خاتمے کے بعد اپنی کھال بچانے کے لیے مجھے بھی ہاتھ پیر مارنا پڑیں گے۔ چھوٹا راجن کے بارے میں تم کراچی میں سن ہی چکی ہو۔''

''اس وقت تم عجلت میں معلوم ہو رہے ہو۔'' اس نے اچانک کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔''

''میں اپنی بات بھی کروں گی لیکن پہلے اپنی عجلت کا سبب بتاؤ۔'' اس نے مطالبہ کیا ''اس وقت تم تفصیل سے بات کرنے کے بجائے حوالوں سے کام چلا رہے ہو۔''

وہ فرصت سے لمبی گفتگو کرنے کے موڈ میں تھی جب کہ میں واقعی عجلت میں تھا۔ میں نے ہتھیار ڈالنے کی صداکاری کرتے ہوئے جواب دیا ''تم سے جیتنا مشکل ہے ایک گھنٹے بعد مجھے سوبھراج کے چکر میں کسی سے ملنے کے لیے جانا ہے۔''

''خدا کرے کہ تمہاری یہ ملاقات کامیاب ثابت ہو۔''

ان دعائیہ کلمات کے بعد اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا

پھر بولی ''سلطان شاہ نے اطالوی فقیر کے چکر میں مجھے بہت پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ چالیس پچاس ڈالر یومیہ کا خرچ اپنے ذمے لینے کے لیے پر تول رہا ہے۔''

''اس کا دماغ خراب ہوا ہے وہ اتنی رقم کہاں سے لائے گا؟''

''یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ وہ البرٹو کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر کسی ہوٹل میں ڈالنا چاہ رہا ہے۔ یہاں بیس پچیس ڈالر سے کم میں صرف بستر بھی ملنا مشکل ہے ابھی وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کر لیتا ہے ہوٹل میں رہے گا تو اس کے کھانے پینے کا خرچ بھی ہمارے سر آجائے گا۔''

''وہ اس کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟'' میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

''فی الحال کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے کہتا ہے کہ وہ اس پر سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے البرٹو سے ملاقات تو ضرور کی ہوگی۔''

''پیر کی موچ صحیح ہوجانے کے بعد میں گئی تھی۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''عجیب سنکی سا آدمی ہے۔ مجھے اس کی شخصیت یا باتوں میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آئی۔ اس کی باتیں بے سروپا ہیں۔ سی آئی اے کی بات پوری نہیں کرتا کہ اچانک برازیل کا ذکر شروع کر دیتا ہے۔''

ویرا بے زاری کے عالم میں مجھے وہ باتیں بتا رہی تھی لیکن میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سلطان شاہ احمق نہیں تھا۔ اسے اپنے محدود مالی وسائل کا علم تھا۔ پاکستان میں ہمارے پاس ڈالروں کی کمی نہیں تھی لیکن پاکستان سے ہنگامی طور پر انہیں کسی بڑی رقم کی ترسیل ممکن نہیں تھی۔ کسی نہ کسی طرح رقم بھیج دی جاتی تو وہ محض اسی بنا پر امریکی حکام کی نظروں میں آسکتے تھے کہ انہیں پاکستان سے قابلِ ذکر مالی امداد مل رہی تھی۔

یقینی طور پر وہ کوئی اور ہی چکر تھا جسے سلطان شاہ نے کسی وجہ سے اپنی ذات تک محدود کر رکھا تھا۔

''سلطان شاہ کہاں ہے۔ فون اسے دے دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

''میں نے مشکل سے اسے روکا ہوا تھا۔ ابھی ابھی وہ باہر گیا ہے۔''

''اس سے بات کیے بغیر میں کوئی فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں؟''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ وقت نکال کر جلد از جلد اسے گھیر لو۔ شام کو وہ عام طور پر گھر میں ہی ہوتا ہے۔ ایک بار وہ اسے ہوٹل میں لے گیا تو یہ گھنٹی ہمارے گلے میں بندھ جائے گی۔''

''اسے میری طرف سے بہت سختی سے بتا دینا کہ مجھ سے اجازت لیے بغیر وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔'' میں نے قدرے غصے سے کہا۔

''گڈ!'' ویرا نے اطمینان کا سانس لیا ''موچ ٹھیک ہوتے ہی اس نے مجھے سلگانا شروع کر دیا ہے۔ میری بات نہیں مانتا۔ تمہاری ہدایت کے بعد وہ کسی حماقت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ وہ جلدی واپس آگیا تو میں ابھی اس سے تمہاری بات کرادوں گی۔''

''اس وقت مجھے معاف کر دو۔ ملاقات سے پہلے مجھے کچھ ہوم ورک بھی کرنا ہے۔ تمہاری شام ہونے تک میں خود اسے گھیر لوں گا۔''

ویرا سے گفتگو ختم ہوگئی۔ ان کے درمیان اختلاف کا سبب سامنے آجانے کے بعد میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا۔

وہ دونوں امریکا گئے ہوئے تھے جو ہم پانچوں کے بدترین دشمنوں کی سرزمین تھی۔ میں ان کی سلامتی کی طرف سے فکرمند رہتا تھا کیونکہ ویرا کی ذات اس ملک میں بسنے والے بہتیرے لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

نام بدل کر وہاں پہنچ جانے کے بعد وہ پہچان لی جاتی تو ان دونوں کے لیے ناقابلِ تصور مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

ان کی طرف سے فکر و تشویش لاحق ہونے کے باوجود میں اس وقت ان کے مسائل پر توجہ مرکوز کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ سوبھراج کا معاملہ میرے اعصاب پر سوار ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں یکسو ہوکر ان کے مسئلے کے حل پر توجہ دے سکتا تھا۔ سلطان شاہ کے موجود نہ ہونے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس وقت ایک الجھن آمیز امتحان سے بچ گیا تھا۔

''آپ کی چہیتی کا کیا مسئلہ تھا؟'' غزالہ نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے ذرا چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''کوئی بات نہیں تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بلاوجہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس سے موچ کا بدلہ لے رہا ہے۔''

''کیا اسے پتا چل گیا کہ ویرا کی موچ ایک فرضی افسانے سے زیادہ نہیں تھی؟'' غزالہ نے چونک کر سوال کیا۔

''جب تک کوئی ویرا کی اس حرکت کی چغلی نہیں کھائے گا' سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی حقیقت کا علم نہیں ہوسکے گا۔

جب تک وہ بیمار بنی ہوئی تھی سلطان شاہ دل و جان سے اس کی خدمت کرر ہا تھا۔ اور اس کے صحت مند ہو جانے کے بعد وہ اپنی صعوبتوں کے بارے میں سوچ کر دل ہی دل میں کڑھ رہا ہوگا کہ وہ کیا کیا کرتا رہا تھا۔''

''اور اب وہ ویرا کو ستا کر بدلہ لے رہا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''کم از کم میرا یہی خیال ہے اب تم بھی غصہ تھوک دو۔ تمہیں میں نے نہیں روکا۔ چاؤ فان نے تمہیں ساتھ لے جانے کی سخت مخالفت کی ہے۔''

''مجھے کوئی غصہ نہیں ہے۔'' اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا'' مجھے اپنے ساتھ لے جانا یا نہ لے جانا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ یہ ذمے داری آپ چاؤ فان سمیت جس کے سر چاہیں ڈال سکتے ہیں۔''

''یقین کرو کہ اس نے مجھے روکا ہے۔ اس ذرا سی بات پر دو دن تم منہ پھلائے رہو گی' دو چار دن میرا موڈ خراب رہے گا۔ میاں بیوی کے درمیان اسی طرح غیر محسوس طریقے سے خلیج پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔''

''آپ اس طرح شکایت کر رہے ہیں جیسے میں آئے دن ایسا کرتی رہتی ہوں۔''

''ایسا کرتی رہتیں تو میں ان باتوں کا عادی ہو جاتا۔ تم نے پہلی بار منہ بنایا ہے اس لیے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں تاکہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔''

''اس بدمعاش کو میرے جانے پر کیا اعتراض ہے؟'' غزالہ کے چہرے کی سختی یکایک پگھل گئی۔

''اس کا کہنا ہے کہ بنکاک کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے ساتھ ایک شریف عورت کا لڑائی بھڑائی میں شریک ہونا مناسب نہیں ہے۔''

''آپ نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں ماضی میں کس طرح آپ کا ساتھ دیتی رہی ہوں۔''

''کاش! میں اسے یہ بتا سکتا' گھما پھرا کر بات کرنے سے بہتر ہے کہ میں اسے اور ڈان کو اپنی اصلیت سے آگاہ کردوں۔''

وہ بات وہیں ختم ہوگئی کیونکہ میرے مقامی موبائل فون پر چاؤ فان کی کال آگئی تھی۔

''ماسٹر! صرف چار آدمی ہو سکے ہیں۔ دو مال لینے کے چکر میں ملائیشیا گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''چار وہ ہوں گے۔ ہمیں ملا کر کل تعداد چھ ہو جائے گی۔ یہ خیال رکھنا کہ ہتھیار جدید ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ نفری بھی کافی رہے گی۔''

''میدان صاف ہوا تو تمہارا یہ خادم اکیلا ہی اس کی گردن ناپ لے گا۔ سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہاں ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''اگر وہاں راجن کا اپنا ریسٹ ہاؤس نہیں ہے تو ہمیں زیادہ نفری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

''یہ بات میں تمہیں لکھ کر دے سکتا ہوں۔'' چاؤ فان نے پرزور لہجے میں کہا'' چھوٹا راجن کی ساری جائدادیں تھائی لینڈ کے مشہور اور مہنگے شہروں میں ہیں۔ دور دراز اور مضافاتی علاقوں میں اسے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ ممبئی کی لینڈ مافیا کا سرکردہ رہنما تھا۔ لاوارث جائدادوں کو کوڑیوں کے مول خریدنے اور زمینوں پر قبضہ کرنے کے فن میں ماہر ہے۔''

''چاؤ فان! مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں اتنا جانتے ہو!''

''ماسٹر! میں بہت کچھ جانتا ہوں مگر بلاوجہ اپنی زبان نہیں کھولتا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہاں چھوٹا راجن کا ریسٹ ہاؤس نہ ہونے کے باوجود کسی گڑبڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چھوٹا راجن اپنے اہم مہمان کو وہاں بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔''

فون پر میں اس سے زیادہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ بات آسانی سے اس کی عقل میں آ سکتی تھی کہ جہاں آدمی کو کسی کی طرف سے مداخلت کا موہوم سا خدشہ بھی نہ ہو وہاں کسی غیر معمولی بندوبست کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔

''بحث بیکار ہے۔ صبح سے پہلے سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں نے وہ موضوع وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''یہ بتاؤ کہ کب روانہ ہونا ہے!''

''وہ چاروں میرے پاس پہنچنے والے ہیں۔ ہم دو ڈھائی بجے روانہ ہو سکتے ہیں۔''

''دو اور ڈھائی میں پورے تیس منٹ کا فرق ہے۔ مجھے صحیح وقت بتاؤ تاکہ مجھے یا تمہیں انتظار کی کوفت سے نہ گزرنا پڑے۔''

''دو بجے کا وقت مناسب رہے گا۔'' اس نے لمحہ بھر کی خاموشی اختیار کر کے کچھ سوچا پھر پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''روانگی کا ذریعہ کیا ہوگا؟'' اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے تنک کر پوچھا۔ وہ منصوبہ بندی سے ناآشنا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے لیے ایک وقت میں مشن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا دشوار نظر آ رہا تھا۔

''میری گاڑی میں آرام سے چھ آدمی سفر کر سکتے

ہیں۔‘‘

’’اگر کوئی بس چلتی ہو تو کیوں نہ اسی سے لوپ بوری چلا جائے!‘‘ میں نے جل کر کہا۔

’’ماسٹر! میں سنجیدہ ہوں اور تم اس وقت بھی مذاق کر رہے ہو۔‘‘

’’معلوم ہوتا کہ یہ تمہارے لیے اس قسم کی پہلی مہم ہے۔‘‘

’’ہاں ماسٹر! میں ایسے چکروں سے دور رہا ہوں۔ اپنا کام اس کے بغیر چل جاتا ہے۔‘‘ اس نے کسی حیل وحجت کے بغیر اعتراف کر لیا۔

’’کان کھول کر سنو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اسے ذہن نشین کر لو۔‘‘ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہنا شروع کیا ’’روانگی کا وقت وہی رہے گا جو تم نے دیا ہے مگر گاڑیاں دو ہوں گی۔ ایک گاڑی میں وہ چاروں کسی جگہ رک کر تمہارا انتظار کریں گے۔ تم ٹھیک دو بجے اپنی گاڑی لے کر میرے ہوٹل آؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ دونوں گاڑیوں میں ضرورت کا سامان موجود ہونا چاہیے۔ تمہاری گاڑی دیکھتے ہی وہ چاروں بھی چل پڑیں گے۔ منزل تک ہماری یعنی تمہاری گاڑی آگے رہے گی۔‘‘

’’ماسٹر! تم نے تو پورا نقشہ کھینچ دیا۔ تم مطمئن رہو۔ ایسا ہی ہوگا۔‘‘ اس نے مسرت آمیز آواز میں میری تعریف کی ’’ایسی پلاننگ میرے لیے نئی چیز ہے۔‘‘

’’گاڑی کتنی ہی قابلِ اعتماد ہو' کسی جگہ دھوکا دے سکتی ہے اس لیے دو گاڑیوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ راستے میں وقت کی بربادی کا کوئی امکان نہ رہے۔‘‘

’’یہ نکتہ میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ تم سے میں بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔‘‘

’’ہمیں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ریسٹ ہاؤس کو گھیرنا ہوگا۔ وہ چاروں تم سے الگ ہو جائیں گے۔ ان کو ہدایات دینے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔‘‘

’’اس کی فکر نہ کرو۔ حلق سے آوازیں نکال کر ہم ایک دوسرے کو سگنل دے سکتے ہیں۔ یہ ہمارا برسوں پرانا سسٹم ہے جو کبھی فیل نہیں ہوا۔‘‘

’’شٹ اپ...... سب کے پاس واکی ٹاکی ہونے ضروری ہیں۔‘‘

’’اوکے ماسٹر!‘‘ اس کی طرف سے عجلت میں جواب آیا ’’بندوبست ہو جائے گا۔ آج کل تو بچے بھی ان سے کھیلتے ہیں۔‘‘

''میں ٹھیک دو بجے تمہارا انتظار کروں گا۔'' اسے وہ بات جتا کر میں نے فون بند کر دیا۔
میری بات سن کر غزالہ کے چہرے پر سراسیمگی سی پھیل گئی تھی۔ اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا ''آپ کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ جاؤ فان ایسے معاملات میں اناڑی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ساتھ آپ کو بھی مروا دے۔''
میں نے پلکیں جھپکا کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ میری فکر میں پڑ کر وہ اپنی ناراضی کو یکسر بھول گئی تھی۔ اس کے تیور بہت نرم اور تفکر آمیز ہو گئے تھے۔
''وہ پرانا پاپی ہے۔ ایسے کھیلوں کے سارے گھر گھاٹ جانتا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ اپنے پرانے طور طریقوں پر چلتا ہے۔ میں نے اسے نئے راستے بتائے ہیں۔ جدید سہولتوں کے اس دور میں حلق سے آواز نکال کر پیغام دینے کا تصور مضحکہ خیز ہے۔''
''آپ کی پوری رات بھاگ دوڑ میں گزر جائے گی۔ آپ کا موڈ ہو تو میں روم سروس سے چائے منگوا لوں!''
''میں چائے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا ''پیالی میں چینی گھولنے کے بعد ذرا پیالی میں اپنی انگلی ڈبو دینا۔''
''کیا یہ کوئی نیا ٹوٹکا سیکھا ہے آپ نے؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔
''اپنی نکھری ہوئی رنگت کے باوجود تم اس وقت نمکین لگ رہی ہو۔ انگلی ہلا دو گی تو چائے کچھ سلونی ہو جائے گی۔''
میری فرمائش کی وہ تاویل سن کر غزالہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکی۔
میرے پاس تین ہتھیار موجود تھے۔ بیم گن، زہریلی انگوٹھیاں اور ایک عدد پستول۔ میں ایک ایسے ملک میں پھنسا ہوا تھا جہاں زبان کے مسئلے کی وجہ سے مجھے عام لوگوں میں گھلنا ملنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ ایسی صورت میں میرے لیے اپنے طور پر بنکاک کے کسی چور بازار سے ہتھیار خریدنا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔ میرے لیے بہتر یہ تھا کہ اپنے پستول کو کسی آڑے وقت کے لیے محفوظ رکھوں۔ جب تک جاؤ فان میرے ساتھ تھا، مجھے اس کے فراہم کیے ہوئے ہتھیاروں سے استفادہ کرنا چاہیے تھا۔
اس وقت کمرے کی دیوار پر لگے ہوئے خوب صورت کلاک کی سوئیاں سوا بارہ بجا رہی تھیں۔ میں نے کرشماتی بیم گن نکال کر میز پر اخبار کے نیچے رکھ دی۔ انگوٹھیاں ہر وقت میرے ہاتھ میں موجود رہتی تھیں۔ میں ذرا سی دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے بستر پر دراز ہو گیا۔ غزالہ انٹر کام پر روم سروس والوں کو چائے لانے کی ہدایت دے رہی تھی۔
غزالہ نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہوٹل کی آپریٹر نے طویل فاصلے کی کال کہہ کر بلاتوقف لائن مجھے منتقل کر دی۔
''تم اتنے دنوں سے کہاں غائب ہو...... تمہاری صورت دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں۔'' میرے کان میں جہانگیر کی آواز گونجی اور میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
''اس وقت ساڑھے بارہ بجنے والے ہیں۔ یہ فون کرنے کا کون سا وقت ہے؟'' میں نے گرمجوشی دکھانے کے بجائے سردمہری سے پوچھا۔
''اپنی گھڑی ریل کی پٹڑی پر رکھ دو۔ یہ دو گھنٹے آگے کا وقت بتا رہی ہے۔'' اسے اپنی بالادستی کے اظہار کا موقع مل گیا۔
معاً مجھے یاد آیا کہ میں نے اسے اپنی بیرون ملک روانگی سے بےخبر رکھا تھا۔ اول خان کنوئیں سے زیادہ گہرا آدمی تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے جہانگیر کو میرے بارے میں اصل بات بتائی ہو۔ میں نے چونکنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا ''اوہ...... مجھے ہوٹل کے کمرے میں اندازہ نہیں ہو رہا کہ وقت کیا ہو رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ میں کہاں ہوں۔''
وہ سوال میں نے اپنی معلومات کے لیے کیا تھا۔ بات آگے بڑھانے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا جانتا ہے۔
''اول خان نے بتایا تھا کہ تم کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لمبے پھنس گئے ہو۔ تمہارے بغیر اسٹیشن فور میں میرا دل نہیں لگ رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں گھر چلا جاؤں گا۔''
مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میں اسلام آباد میں تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ اس نے بنکاک کا نمبر کیسے ملا لیا۔ وہاں کا بین الاقوامی کوڈ دیکھتے ہی اسے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ میں اسلام آباد میں نہیں، کہیں اور تھا۔
''کیا اول خان تمہارے ساتھ موجود ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''آج کل اس سے بھی کم ملاقات ہوتی ہے۔ تھوڑی

دیر پہلے یہاں سے گیا ہے۔ غنیمت ہے کہ اسے اپنا وعدہ یاد رہا اور آپریٹر نے تم سے میری بات کرا دی۔“

معما حل ہو گیا۔ جہانگیر معصوم اور بے خبر تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چل سکا کہ اسٹیشن فور کے آپریٹر نے کہاں کا نمبر ملایا تھا۔ شاید اس نے میرے کمرے تک رسائی حاصل کرنے کے بعد لائن فوراً جہانگیر کو منتقل کی تھی۔

اول خان نے غیر ضروری طور پر وہ خطرہ مول لیا تھا۔ جہانگیر مجھ سے بات کرنے پر ایسا ہی مصر تھا تو وہ بہت آسانی سے اور بے خوف و خطر ہو کر موبائل فون پر رابطہ کر سکتا تھا۔ نہ جانے اس نے ہوٹل کے نمبر پر فون کرنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔

”دل کیوں نہیں لگ رہا......؟ تمہاری سلمیٰ بیگم کیا کر رہی ہے؟“ میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

”دن رات اسے دیکھ کر طبیعت اکتا گئی ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ اپنے ایک پیغمبر صاحب کی قوم من و سلویٰ کھاتے کھاتے کیوں گھبرا گئی تھی۔“

”جہانگیر! اس وقت تم پر لعنت بھیجنے کو دل چاہ رہا ہے......“

”یہ بتا کر تم نے لعنت بھیج دی ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے“ اس نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا۔

”تم مسلمان ہو۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ حضرت موسیٰ کی قوم تھی۔“

”معلوم ہے...... میں نے ادب اور احترام کی وجہ سے ان کا نام نہیں لیا تھا“ اس نے اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہیں روک سکا۔

”تم سے بڑا مکار اور جھوٹا میں نے آج تک نہیں دیکھا“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں جھوٹا ہوں، اس معاملے میں بھی تم کو اپنا بڑا مانتا ہوں“ اس نے برجستہ جواب دیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیشن فور میں مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کر تمہاری زبان بہت تیز ہو گئی ہے۔ آج تم الگ رنگ میں بول رہے ہو۔“

”یار! رنگ کیا، یہاں تو رنگ میں بھنگ ہو چکا ہے“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”تمہارے غائب ہوتے ہی اول خان نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ تین دنوں سے انگور کی بیٹی کی صورت نہیں دیکھی۔“

”کچھ دیر پہلے تم نے جس رکھائی سے اول خان کا اصل نام لیا تھا اس سے مجھے سب اندازہ ہو گیا تھا۔ بوتل ملتی رہے تو وہ تمہارا اول بھائی بن جاتا ہے ورنہ اول خان رہ جاتا ہے۔“

''خیر! میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ یہاں تو نرس کے نام پر بھی کرخت صورتوں والے سفید پوش مرد آتے ہیں۔ ذرا سا بیماری کا بہانہ کرنے کے بعد پتا چلا کہ ان سالوں کو میل نرس کہتے ہیں۔''

''اب اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کرو'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اپنا کون سا اسپتالوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ قسم لے لو جو مجھے میل نرس کا پتا ہو۔ یہ لفظ یہاں پہلی بار سنا ہے۔ میں تو اسپتال میں کام کرنے والے سب مردوں کو وارڈ بوائے سمجھتا تھا۔''

''یعنی میل نرس تمہارا اصل مسئلہ ہے۔ کیا کسی نے غلط جگہ انجکشن......''

''تم نے پھر مذاق شروع کر دیا'' اس نے دوبارہ میری بات اڑا دی ''یہاں عورت کے نام پر صرف اور صرف سلمٰی پائی جاتی ہے۔ مجھے یہاں کے ماحول سے وحشت ہونے لگی ہے۔''

''فلیٹ میں بھی سلمٰی ہوگی'' میں نے کہا ''وہاں حوروں کی بارش نہیں ہوتی۔''

''وہاں کچھ تو تبدیلی ہوتی ہے۔ ماسی آتی ہے، بھنگن آتی ہے...... اول خان نے تو ہر کام پر مرد ہی مرد لگائے ہوئے ہیں۔ جو اپنی صورتوں سے ہر وقت اٹینشن نظر آتے ہیں۔''

''نوبت اب ماسیوں اور بھنگنوں تک آ گئی ہے۔ جہانگیر، تم بہت بدذوق ہو گئے ہو، مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی'' میں نے اسے ملامت کی۔

''تم میری ہر بات کا غلط مفہوم لے رہے ہو۔ مجھے ان سے کیا لینا۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ وہاں صورتیں بدلتی رہتی ہیں، کمرے ایک سے زیادہ ہیں۔ آدمی لڑ کر کمرے میں اکیلا رہ سکتا ہے۔ یہاں تو لڑ کر بھی ایک ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا دیکھ لیا جائے گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

''وہاں سلمٰی تمہارے لیے دکان سے بوتلیں لے آتی ہے۔ تمہارا یہاں ٹکنا محال ہے۔ اگر تمہاری قسمت میں دشمنوں کے ہاتھوں مرنا لکھ دیا گیا ہے تو میں اسے نہیں ٹال سکتا۔ تم کو خطرات سے بچانے کے لیے یہاں لایا گیا تھا۔ تم سے میرا یا اول خان کا کوئی کام نہیں اٹکا ہوا تھا۔''

اس کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے آخری فقروں پر وہ شاید کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں نے دانستہ اسے نہیں ٹوکا۔ میں نے جو کچھ کہا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔ سوبھراج پاکستان سے فرار ہو چکا تھا لیکن جہانگیر کے لیے خطرات کسی بھی وقت دوبارہ سر اٹھا سکتے تھے کیونکہ سوبھراج ہمارا اکلوتا دشمن نہیں تھا۔

''تم کہتے ہو تو میں رک جاتا ہوں'' چند لمحوں کے بعد اس کی بوجھل آواز آئی ''تم ایک دو روز میں تو لوٹ آؤ گے نا؟''

''اپنی واپسی کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کا انحصار حالات پر ہے۔''

''اس کا مجھے اندازہ ہے'' اس کی آواز میں مایوسی اتر آئی ''تم نے وہ بڑے بڑے انعامی اشتہار بھی دیکھے ہوں گے جو امریکیوں نے تمہارے خلاف اخباروں میں چھپوائے ہیں؟''

''ان سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم سب کس گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے'' وہ میری بات پر دھیان دیے بغیر بولا ''اسے پچاس ساٹھ سے ضرب دو تو اتنے روپے بن جاتے ہیں کہ انہیں گننے کے لیے گھنٹوں درکار ہوں گے۔''

''ان کی نظروں میں وہ میری قیمت ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اتنی بڑی رقم کے لیے کوئی بھی لالچ میں آ سکتا ہے۔ تمہیں ہر طرف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے اپنی افتاد بھلا کر میرا دکھڑا شروع کر دیا۔

''کوشش کرتا ہوں، وقت پورا ہو گیا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ بعض لوگوں پر تم آنکھیں بند کر کے بھروسا کرتے ہو۔ وہ بھی انسان ہیں۔ کسی وقت لالچ ان کو اندھا کر سکتا ہے۔''

''میں چند لوگوں کے سوا کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے اس سے ہزار گنا بڑی رقم کے عوض بھی نہیں بیچیں گے'' میں نے تختی سے کہا۔

''کل اول خان بیوی بچوں کو سلمٰی سے ملانے کے لیے لایا تھا'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن کسی وجہ سے نہیں کہہ پا رہا تھا۔

''اس وقت یکایک اول خان کیوں یاد آ گیا تمہیں؟''

''ایسے ہی یاد آ گیا۔ تم اس پر شاید سب سے زیادہ بھروسا کرتے ہو...... کل مجھے اندازہ ہوا کہ اپنے رعب اور دبدبے کے باوجود وہ غریب آدمی ہے۔ میں......!''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا خون اچھل کر یک

بیک میری کنپٹیوں میں آ گیا ہو۔ میں نے جہانگیر کا بین السطور مفہوم بھانپتے ہوئے طیش کے عالم میں غرا کر کہا ''بس......'' آگے ایک لفظ نہ کہنا۔ اسے غریب کہہ کر تم نے اس کی ایمانداری اور فرض شناسی کو گالی دی ہے۔ وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے والوں میں سے ہوتا تو آج کروڑوں میں کھیل رہا ہوتا۔ اس جیسے بے لوث لوگ اپنے لہو سے دن رات اس مٹی کی آبیاری کررہے ہیں، جس پر تم شراب کے نشے میں دھت ہوکر گرتے ہو......اپنے گھٹیا مشورے اپنے پاس رکھو۔ تم اس پر شک کررہے ہو جو میرا داہنا بازو بنا ہوا ہے۔ وہ بیس لاکھ تو کیا بیس ارب ڈالر میں بھی کسی کے سامنے میرا نام نہیں لے گا......''

اپنے بازو پر غزالہ کی نرم انگلیوں کا سخت دباؤ محسوس کرکے میں اچانک خاموش ہوگیا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف دہراس کے سائے منڈلا رہے تھے۔ داہنے ہاتھ سے میرا بازو تقریباً نوچتے ہوئے وہ بائیں ہاتھ سے مضطربانہ انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی طرف زوردار اشارے کررہی تھی۔

میرے غصے کی لہر دم توڑ گئی۔ اس کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ اس وقت تک ہم ہوٹل میں ہر شک وشبے سے محفوظ تھے۔ ہوٹل کے فون پر اس قسم کی کھلی گفتگو ہمارے حق میں بہت خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔

''مم......مجھے کوئی شک نہیں ہے'' میری خاموشی سے فائدہ اٹھا کر جہانگیر نے اپنی صفائی پیش کرنا شروع کردی ''میں جانتا ہوں کہ وہ ایمان دار آدمی ہے......بب......بس میرے دماغ میں ایک شیطانی وسوسہ آیا تھا۔ تمہارے بھلے کے لیے میں نے اسے کہہ ڈالا......''

''اب کہہ دیا'' میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''آئندہ اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہاری زبان گدی سے باہر کھینچ لوں گا۔''

''میں کسی کے بارے میں بدگمانیاں نہیں پالتا۔ میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے جو کچھ کہا اس میں اول خان کی برائی سے زیادہ تمہاری خیر خواہی کا جذبہ کار فرما تھا'' میرے لہجے کی تندی محسوس کرکے وہ وضاحتوں پر اتر آیا۔

''اب اس موضوع کو ختم کردو۔ میں ہوٹل کے فون پر ایسی گفتگو پسند نہیں کرتا'' میں نے ترش لہجے میں کہا۔

ان معاملات میں وہ کج فہم نہیں تھا۔ معاملے کی نزاکت فوری طور پر اس کے ذہن میں آ گئی۔ اس نے اسی لمحے بات بدل دی ''میں تمہیں اپنے دل کی ہر بات بتا دیتا ہوں۔ بیوی کی باتیں بھی نہیں چھپاتا لیکن تم کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ تمہاری سفید پری کے کیا احوال ہیں؟ اس وقت تم ایک میان میں دو تلواریں لیے پھر رہے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو، بڑے کہہ گئے ہیں کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ بڑوں کے تجربوں سے انحراف کرنے والے ہمیشہ خسارے سے دوچار ہوتے ہیں۔''

''پتا نہیں تم اپنے کس کرتب کی وجہ سے اب تک خسارے سے بچے ہوئے ہو۔''

''کوٹا نہ ملنے کی وجہ سے تمہاری یادداشت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ وہ میرے ساتھ نہیں ہے۔ سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوئی ہے۔''

''گاؤں میں رہنے کے اپنے ہی مزے ہوتے ہیں۔ کھیت، کھلیان، مویشی خانے اور کوٹھریاں......جب جہاں جی چاہا، گھس گئے۔ کسی کو پتا نہیں چلتا ہوگا کہ کون کہاں ہے۔ تم سے کہا تھا کہ کچھ روز کے لیے مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دو لیکن تم اپنے آگے کس کی سنتے ہو!''

''تم یہ بھول گئے کہ کسی کو ان حرکتوں کی بھنک بھی مل جاتی ہے تو گردن پر سیدھی ایک تیز دھار کلہاڑی گرتی ہے اور آدمی پلک جھپکتے میں دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔''

''وہاں سفید پری کا کون والی وارث بیٹھا ہے جو کسی کی گردن مارے گا'' میری تادیب کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر دیرا کا نام نہیں لیا تھا۔ سفید پری کے نام سے اس کا ذکر کرکے ذہنی لذت کشید کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

''کلہاڑی بازی مرد کے رشتے دار بھی کرسکتے ہیں'' ذہنی دباؤ کے عالم میں اس سے آزادانہ گفتگو کرکے میں عجیب سا ہلکا پن محسوس کررہا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے وہ سلسلہ ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

''عورت اور مرد کا خربوزے اور چھری والا حساب ہوتا ہے۔ پیش دستی کوئی بھی کرے، عزت عورت کی جاتی ہے اور غیرت کے نام پر اس کے وارث حرکت میں آتے ہیں۔''

''اس خوش فہمی کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ سلطان شاہ کے گاؤں میں مرد کی عزت کو بھی برابری کا بلکہ زیادہ بڑا درجہ حاصل ہے۔''

''ہوگا، جب میں وہاں گیا ہی نہیں تو مجھے اس سے کیا لینا؟'' اس کی حسرت زدہ آواز آئی ''میں بہت غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عورت ہو تو ایسی ہو ورنہ زندگی بے کیف ہے۔''

''کیا تم اس کے علاوہ دنیا سے ہر عورت کا وجود مٹا دینا چاہتے ہو؟''

''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ!'' اس نے مصرع پڑھا اور کہا ''یہ کون چاہے گا، میں تو اپنی عورت کی بات کر رہا تھا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی دیر سے کسی ذہنی بیمار کی طرح عورتوں کا ذکر کیے جا رہے ہو اور ابھی تک سلمیٰ نے تمہاری خبر نہیں لی۔ وہ کہاں ہے؟''

''منہ پھلائے باہر کہیں بیٹھی ہوگی۔ مجھے اس کے ہیروئن فروش عظمت ماموں یاد آ گئے تھے۔ ان کے کرتوتوں کے ذکر پر وہ ہمیشہ چراغ پا ہو جاتی ہے'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ اپنی بیوی کی کمزوریوں کو اچھال کر اسے ہمیشہ کچھ تسکین سی ملتی تھی۔

''اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کے لیے دوسروں کی کمزوریوں کو اچھالنا گھٹیا پن کے زمرے میں آتا ہے۔ تمہاری یہ حرکتیں کسی دن تمہارا گھر برباد کرا دیں گی۔''

''وہ اب کون سا آباد ہے۔ دیکھ لو، وہ باہر بیٹھی تارے گن رہی ہوگی۔''

میں بے اختیار ہنس پڑا ''تمہیں کسی طرح چین نہیں ہے۔ اندر ہوتی ہے تو تمہیں ہر وقت اپنے سر پر سوار محسوس ہوتی ہے۔ باہر بیٹھی ہوئی ہے تب بھی جل بھن رہے ہو۔''

''اب میں فون پر تمہیں کیا سمجھاؤں...... آؤ گے تو کھل کر بات کروں گا'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ہم دونوں یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ بیٹا ننھیال میں پل رہا ہے۔ پتا نہیں وہ سالے اس کی صحیح دیکھ بھال بھی کر رہے ہیں یا اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اب لاہور شفٹ ہو جاؤں۔ کراچی میں تمہارے سوا اب اپنا اور کون رہ گیا ہے۔ تم اپنے چکروں میں پڑے رہتے ہو۔ لاہور میں کم از کم میں اپنے بچے کی اپنے ہاتھوں سے پرورش تو کر سکوں گا۔''

''تم نے بہت اچھی بات سوچی ہے لیکن لاہور شفٹ ہونے سے پہلے شراب چھوڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں دیکھ کر تمہارا بیٹا بچپن سے بگڑنا شروع ہو جائے'' میں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''اس کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔ اس سے چھپ کر پیا کروں گا۔''

''لعنت ہے...... پینا بہت ضروری ہے، شاید اس کے بغیر تم مر جاؤ گے'' میں نے ذرا برہمی سے کہا ''تم اس سے بوتل اور گلاس چھپا سکتے ہو، اپنی حرکتیں نہیں چھپا سکتے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ زیادہ پی لینے کے بعد تم کیسی کیسی حرکتیں کرنے لگتے ہو؟''

''وہ سب ٹھیک ہو جائے گا'' اس کی طرف سے بے پروایانہ جواب آیا ''جب بیٹا دن رات سامنے رہے گا تو مجھے کچھ تو شرم آئے گی نا۔''

''یہ تمہاری بے شرمی اور ہٹ دھرمی ہے۔ لاہور میں بھی تمہاری یہ حرکتیں جاری رہیں تو پوری سسرال میں تم بدنام ہو جاؤ گے۔''

''ارے تو وہ سالے کون سے نیک نام ہیں۔ چودھری عظمت ماموں جیل میں سڑ رہے ہیں۔ یہاں رہ کر مجھے سلمیٰ کو تھوڑے تھوڑے دنوں بعد یہ بات یاد دلانا پڑتی ہے۔ وہاں رہے گی تو سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اس کی زبان درازی کو قدرتی تالا لگ جائے گا۔ زیادہ بولے گی تو میں اپنی زبان سے کچھ کہہ کر گناہ گار بننے کے بجائے اسے ماموں عظمت سے ملانے کے لیے لاہور جیل لے جاؤں گا۔ دو چار ہفتوں کے لیے گھر میں سکون ہو جایا کرے گا۔''

''کیا بات ہے، تمہاری پارسائی کی...... کاش! تم گناہوں سے اسی قدر دور ہوتے۔''

''بس میں دھوکا کھا گیا۔ شیطان کی خالہ سے شادی نہ کی ہوتی تو کم از کم اتنا گناہ گار نہ ہوتا۔ اللہ سے میری ایک ہی دعا ہے کہ مرنے کے بعد جنت میں کسی حور کے بھیس میں یہ میرے پلے نہ پڑ جائے۔''

''اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی'' میں نے کہا ''جنتی لوگ اور ہی ہوتے ہیں۔''

''میں دنیا میں اتنی سزا کاٹ رہا ہوں، وہاں میرا نامۂ اعمال بہت ہلکا ہوگا۔''

''لاہور جانے سے پہلے سب پہلوؤں پر غور کر لو'' میں نے اسے تاکید کی ''ہو سکے تو میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہتے رہو، میں آ کر تمہارا فیصلہ کروں گا۔''

''تم سے بات کر کے میرے دل کی بھڑاس نکل گئی ہے۔ دماغ ہلکا ہو گیا ہے۔ میں رکا رہوں گا'' اس بار جہانگیر کا لہجہ سعادت مندانہ تھا۔ ''میں خود بھی تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے اسے پچکارا ''میں جلد ہی لوٹنے کی کوشش کروں گا۔''

اس کے دل کا غبار ہلکا ہو گیا تھا۔ میں بھی خود کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ ہم نے ساری گفتگو اردو میں کی تھی جسے سن کر بنکاک کا کوئی مقامی باشندہ کچھ نہیں

سمجھ سکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ اس دوران میں جہانگیر نے ایک بار بھی میرا یا ویرا کا نام نہیں لیا تھا۔

''جہانگیر نے آپ کو یہاں کیسے تلاش کرلیا؟'' فون پر بات ختم ہونے کے بعد غزالہ نے حیرت سے سوال کیا ''اسے تو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ہم دونوں پاکستان سے باہر جارہے ہیں۔''

''وہ اب بھی یہ سمجھ کر بات کررہا تھا کہ میں اسلام آباد کے کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے......؟'' میرا جواب اس کے لیے مزید حیران کن ثابت ہوا۔

وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آگئی ''اچھا ہوا کہ اس سے بات ہوگئی'' وہ نکتہ غزالہ کو سمجھانے کے بعد میں نے کہا ''وہ بالکل تنہا رہ گیا ہے۔ اس کا کوئی قریبی ساتھی نہیں رہا جس سے وہ اپنے دل کی ہر بری بھلی بات کرسکے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے شروع سے اسے اسی قدر تنہا دیکھا ہے۔ بیوی کے سوا کوئی دوست، نہ غم گسار۔ گھر میں اکیلا پڑا شراب پیتا رہتا ہے۔ یہی اس کی زندگی اور تفریح بن کر رہ گئی ہے۔ ایسا آدمی رفتہ رفتہ اپنے گردوپیش سے بالکل الگ تھلگ ہوکر رہ جاتا ہے'' غزالہ نے چند فقروں میں جہانگیر کی پوری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا۔

''ہم چار دوست ہوا کرتے تھے'' میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''سب پورے خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹا کرتے تھے۔ شی نے کسی زہریلے ناسور کی طرح ہم سب کو برباد کرکے رکھ دیا......''

''چاروں کے ساتھ خود کو شامل نہ کریں'' اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''آپ کسی بھی طرح تنہا نہیں ہیں۔ کسی عام آدمی سے زیادہ بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔''

''طارق، نادر، جہانگیر اور میں......ہم چار آدمی یہاں ہیروئن کو لانے اور پھیلانے کے ذمے دار تھے۔ طارق کو ان لوگوں نے خود مروادیا۔ نادر نے حالات کے بے پناہ دباؤ سے خوف زدہ ہوکر خودکشی کرلی۔ جہانگیر کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ میں نے اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے شی کو تہس نہس کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ شاید اسی لیے میری زندگی کچھ ڈھنگ سے گزر رہی ہے۔''

''اس سے آپ کی بہت زیادہ بے تکلفی ہے۔ میاں بیوی کو ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو کوئی اور برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ ہنس کر آپ کی ہر بات سن لیتا ہے۔''

''اب اسے گھر جانے کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہیں روکنے کی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار دن اور رُک جائے۔''

''آپ اس کے لاہور شفٹ ہونے کا ذکر بھی کررہے تھے؟'' غزالہ نے متجسس لہجے میں کہا۔

''وہ اونٹ کو پہاڑ تلے لے جانے کی کوشش کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''کس اونٹ کا ذکر کررہے ہیں آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہیں یاد ہوگا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے چکر میں سلمٰی کا ماموں ہیروئن کی اسمگلنگ کررہا تھا۔ اسے لمبی سزا ہوچکی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سلمٰی اپنے میکے سے قریب رہے گی تو اسے عظمت ماموں ہر وقت یاد رہے گا۔ وہ جہانگیر کو طعنے دینا چھوڑ دے گی۔''

''اوہ! کس قدر تخریبی دماغ ہے اس کا...... بیوی کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے وہ لاہور میں آباد ہونے کا منصوبہ بنارہا ہے۔''

''خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔ گولڈن فارمیسی تباہ ہونے کے بعد اس کی سوچ میں بہت زیادہ تخریبی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اس کے چکر چلتے رہیں گے، تم مجھے چائے پلاؤ۔''

میری گفتگو کے دوران میں روم سروس کا کوئی کارندہ چائے کی ٹرے لے آیا تھا جو غزالہ نے اس سے دروازے پر ہی لے لی تھی۔ میری اور جہانگیر کی باتوں میں دلچسپی لینے کی وجہ سے غزالہ اس ٹرے کو بھول گئی تھی۔ میری یاددہانی پر اس نے فوراً چائے بنانا شروع کردی۔

میں دو بجنے میں پانچ منٹ پر کمرے سے نکل گیا۔ ہوٹل کی پُررونق لابی سے گزر کر میں ہوٹل سے باہر نکلا ہی تھا کہ چاؤ فان کی گاڑی میرے قریب آکر رک گئی۔

''ماسٹر! میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں'' میرے سوار ہونے کے بعد اس نے اپنی گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں انتظار کرنا پڑا نہ مجھے'' میں نے کہا ''ایسے کاموں میں وقت کی پابندی سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔''

''یہاں سے ہم سیدھے ایکسپریس وے پر چڑھیں گے۔ میرے چاروں آدمی راستے میں سرخ رنگ کی گاڑی میں انتظار کررہے ہوں گے۔ وہ ہمارے پیچھے ہولیں گے۔ میں نے بہت بڑے بڑے کام کیے ہیں لیکن آج تمہارے

ساتھ لوپ پوری جاتے ہوئے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی فلم کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

میں چپ رہا۔ اس کی وہ نادر خیال انگیزی میرے کسی تجربے کی محتاج نہیں تھی۔

جب اس نے مجھے دونوں گاڑیوں میں موجود ہتھیاروں وغیرہ کی تفصیلات بتائیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ بنکاک کے چور بازاروں میں دوسرے درجے کے ہتھیاروں کا چلن نہیں تھا۔ بنکاک میں بڑا امریکی فوجی اڈا ہونے کی وجہ سے وہاں چوری کے امریکی ہتھیار مقبول تھے۔

فوج کسی اعلیٰ مقصد کے لیے منظم ہو تو وہ ایک بہت مضبوط اکائی ہوتی ہے، جس کا ہر رکن سوچے سمجھے بغیر اپنے بڑوں کے احکام بجالانے کا عادی ہوتا ہے۔ کسی بھی فوج کے سامنے سب سے بڑا مقصد اپنے ملک کی سرحدوں، فضاؤں اور ساحلوں کو دشمن کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ اس مقصد سے انحراف کیا جاتا ہے تو جوانوں اور نچلے درجے کے افسروں میں ازخود ایک خود غرضانہ رجحان پنپنے لگتا ہے جس کے زیر اثر وہ ذاتی مفادات اور تعیشات کے حصول کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نفس پروری ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتی ہے اور وہ جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر خود ساختہ اہداف پانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

مجھے تھائی لینڈ میں مامور امریکی فوجی دستے اسی رجحان کا شکار نظر آرہے تھے۔ اس سے پہلے چاؤ فان نے چھوٹا راجن کے نائٹ کلبوں وغیرہ میں دھماکے کرانے کے لیے ایسے حسّاس اور بیش قیمت ٹائم بم حاصل کیے تھے جو اس خطے میں صرف امریکی فوجیوں کے زیر استعمال تھے۔ نئی مہم میں امریکی ساخت کے ہتھیاروں کی تفصیل بتا کر اس نے میرے اس شبہے کو تقویت دی تھی کہ اپنے وطن سے ہزاروں میل کی دوری پر مامور امریکی سپاہی مایوسی اور بددلی کا شکار ہو رہے تھے۔

امریکی فوج کے مقامی اسلحہ خانوں میں چوریاں ہو رہی تھیں۔ چوری اور گمشدگی کے بہانے سپاہی اپنے ہتھیار کوڑیوں کے مول مقامی خریداروں کو بیچ رہے تھے جو چور بازار کے ذریعے ان ہتھیاروں کو بھاری منافع پر مجرموں اور دہشت گردوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

ہمارے ہوٹل میں ٹیلی وژن پر بی بی سی اور سی این این سمیت بہت سے چینل دستیاب تھے جو انگریزی میں دن رات عالمی خبریں سناتے اور دکھاتے رہتے تھے۔ ان میں اکثر تھائی لینڈ کے شمال مشرقی علاقے کا ذکر ہوتا تھا جہاں حکومت کی گرفت بہت کمزور تھی۔ اس محروم، بنجر اور افتادزدہ علاقے میں باغیوں کا کنٹرول تھا اور وہ عام طور پر امریکی ہتھیاروں سے لیس ہوتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ ان تک وہ ہتھیار کیوں اور کیسے پہنچتے تھے لیکن ہر فریق مصلحتوں کا اسیر تھا۔ امریکی اپنے اسلحہ خانوں میں ہونے والی چوریوں کا اعتراف کرتے تھے نہ چور بازاری کرنے والے اس منافع بخش کاروبار سے دست بردار ہو سکتے تھے۔ سب کچھ برسوں سے اسی طرح ہوتا چلا آرہا تھا۔

تھائی لینڈ کے بارے میں اہم خبروں کے حصول کے متعدد ذرائع ہونے کے باوجود مجھے مقامی خبروں سے بھرپور اور بروقت واقفیت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ سبب ایک ہی تھا کہ بنکاک میں نشر ہونے والے ہر تھائی چینل پر انگریزی میں خبروں کا دورانیہ بہت مختصر تھا جن پر گہری سرکاری چھاپ ہوتی تھی۔ ہر خبر کی تفصیل جاننے کے لیے اگلے دن کے اخبارات کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

''وہ رہی!'' اچانک چاؤ فان نے سامنے اشارہ کیا اور مجھے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں وہ سرخ کار نظر آگئی جو سنسان سڑک پر ایک کنارے سے کھڑی ہوئی تھی۔

''اتنی رات گئے یہ فائدہ ہوتا ہے۔'' چاؤ فان اپنی دھن میں کہہ رہا تھا ''شہر کی سڑکیں جان لیوا ٹریفک سے خالی ہو جاتی ہیں۔ شہر کی ساری رونق ان ٹھکانوں میں سمٹ جاتی ہے جہاں شہر کی سیکس مافیا کا راج ہے۔ آدمی اپنے دیے ہوئے وقت پر کہیں بھی پہنچ سکتا ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سڑکیں خالی ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ اب تک تمہاری رفتار بہت تیز رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! کیا فرق پڑتا ہے۔ ٹریفک پولیس کی چھٹی ہو چکی ہے اس وقت کون دیکھتا ہے۔''

''دیکھنا یا نہ دیکھنا الگ بات ہے تمہیں قانون کا احترام کرنا چاہیے!''

وہ زور سے ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! یہ تم کہہ رہے ہو، مجھے بتاؤ کہ چھوٹا راجن کے مہمان کے پیچھے جانا کون سے قانون کی رو سے جائز ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس گستاخ اور منہ پھٹ آدمی کے منہ نہ لگنے میں ہی عافیت تھی۔ وہ ایک بات میں سے چار باتیں نکالنے میں کمال کی مہارت رکھتا تھا۔

جیسے ہی ہماری گاڑی آگے نکلی، سرخ کار بھی تیزی سے

حرکت میں آ گئی۔ چاؤ فان نے پیچھے سے تین مرتبہ ڈپر کا اشارہ دے کر انہیں پہلے سے ہوشیار کر دیا تھا۔

میں نے چاؤ فان کو قانون کی بالادستی کا مشورہ دے کر نتیجہ دیکھ لیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اسے ایسی کوئی متنازعہ بات سمجھانے کی کوشش نہیں کروں گا جس کی زد میں میری ذات بھی آ رہی ہو۔

ایکسپریس وے پر پہنچنے تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ چاؤ فان کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ جمود نہ توڑا گیا تو وہ طویل سفر میرے لیے سوہان روح بن جائے گا۔ میں نے اس سے پوچھا ''تمہارے آدمی واکی ٹاکی اپنے ساتھ لائے ہیں۔''

''بالکل لائے ہیں۔'' اس نے مستعدی سے جواب دیا ''تم نے خوب یاد دلایا۔ ابھی اسے چیک کرتا ہوں۔''

اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا سیاہ واکی ٹاکی نکالا۔ اس کا انٹینا کھینچ کر باہر نکالا اور پھر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ اس کی بات پوری ہوئی تو دوسری طرف کی آواز سنائی دی۔

''سب ٹھیک ہے ماسٹر!'' اس نے خوش ہو کر مجھے مطلع کیا۔

''چاروں کو دیکھ لو۔'' میں نے کہا' ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر کوئی ایک جواب دے جائے۔''

اس نے باری باری بقیہ تینوں سے بھی بات کر ڈالی۔ پانچوں واکی ٹاکی صحیح کام کر رہے تھے۔ اس نے اپنی جیب سے چھٹا واکی ٹاکی نکال کر مجھے دے دیا ''یہ رکھ لو۔ شاید تمہیں بھی اس کی ضرورت پڑ جائے۔''

بنکاک سے ایک ہی ایکسپریس وے شمال کی طرف نکلتی ہے جو ہوٹلوں کے گڑھ سے ہوتی ہوئی بنکاک کے جدید ترین اور سب سے مہنگے رہائشی علاقوں سے گزر کر جنگلوں اور میدانوں میں گم ہو جاتی ہے۔ وہ چاؤ فان کے ساتھ میرا پہلا طویل سفر تھا۔ وہ مجھے گرد و پیش کے علاقوں کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ میں ہوں ہاں کر کے اس کی بیشتر باتیں سنی ان سنی کر رہا تھا۔

ایکسپریس وے کے دونوں طرف بنے ہوئے عالیشان مکانات رات کے اندھیرے میں بھی دور سے دیکھے جا رہے تھے۔ شہر کے امرا اور رؤسا سے ٹیکس وصول کرنے والوں نے فرض شناسی سے کام لیتے ہوئے اس علاقے میں بلکہ شاید پورے شہر میں اسٹریٹ لائٹس کا ایسا جال بچھایا ہوا تھا کہ اندھیری رات میں بھی بے خوف و خطر ہو کر کہیں بھی نکلا جا سکتا تھا۔

''اس پروگرام کے بارے میں تم نے ڈان کو بتایا ہے؟'' کچھ دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

''تم نے وقت ہی نہیں دیا۔'' اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا ''بھاگ دوڑ کر کے میں نے بہت مشکل سے سارا انتظام کیا ہے...... اور میں ویسے بھی بلاوجہ ڈان سے بات نہیں کرتا۔ جب سے وہ اپنے پرانے دھندے چھوڑ کر گوشہ نشین ہوا ہے، خوں خوار اور چڑچڑا ہو گیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر اسے غصہ آنے لگا ہے۔ اس نے مجھے تمہارے حوالے کیا ہے۔ تم میرے ماسٹر ہو میں تمہیں ہر بات بتا کر اپنی ذمے داری پوری کر لیتا ہوں۔''

''تم کو ڈان سے شکایتیں ہیں؟'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو!'' وہ یکایک بوکھلا گیا ''ڈان گریٹ آدمی ہے۔ اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہے سب دل و جان سے اس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ غصے میں آ کر کسی کو کچھ بھی کہہ لے سب سر جھکا کر باتیں سن لیتے ہیں' کوئی دم نہیں مارتا۔''

''یہ اہم فیصلہ تھا، اسے اس کی خبر ہونا چاہیے تھی!'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''ڈان ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ تم کیا کر رہے ہو۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی، تم آسمان میں شگاف ڈالنے چل دو تب بھی اسے کوئی پروا نہیں ہوگی۔ وہ نتیجے پر نظر رکھتا ہے۔ مہمان کو پکڑ کر تم نے راجن کو جھکنے پر مجبور کر دیا تو ڈان بہت خوش ہوگا۔''

''آج تم بہت بے فکری سے بار بار ڈان کا نام لے رہے ہو!''

''ماسٹر! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ ہم گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ یہاں کوئی تیسرا وجود نہیں ہے۔ میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ ڈان کا نام کسی اور کے کانوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔''

ایکسپریس وے کے دونوں اطراف میں گنجان آبادی کے آثار تیزی کے ساتھ معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد نو آباد علاقوں کے اِکّا دُکّا مکان بھی پیچھے رہ گئے اور ہماری گاڑی بنکاک کے مضافاتی ویرانے میں سفر طے کرنے لگی۔

اسٹریٹ لائٹس کا سلسلہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ایکسپریس وے کی کشادہ اور ہموار سڑک گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور تک چمک رہی تھی۔

گفتگو کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے لوپ بوری کا ذکر نکال لیا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے میں اس قصبے کے گردوپیش کے بارے میں کچھ جاننا ضروری محسوس کر رہا تھا۔

سڑک پر ملک کے شمالی علاقوں کی طرف مال و رسد لے جانے والی بھاری ٹرکوں، ٹینکروں اور ٹریلروں کا کافی ٹریفک رواں تھا۔ چاؤ فان گاڑی بہت تیز مگر قرینے سے چلا رہا تھا۔ ہم عجیب و غریب ناموں والی کئی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے قریب سے ہوتے ہوئے تین بجے کے قریب ایکسپریس وے سے نیچے اتر گئے۔ چاؤ فان نے روشن ڈیش بورڈ پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد مجھے بتایا کہ اس وقت تک ہم ہلٹن ہوٹل سے ایک سو تیس کلو میٹر دور آ چکے تھے۔

ایکسپریس وے کے خاتمے کے بعد بھی سڑک ہموار تھی۔ ان لوگوں نے اپنے ملک میں آنے والے سیاحوں کی سہولت کے لیے نقل و حمل کے جملہ ذرائع کی تعمیر پر کافی توجہ دی تھی یہی وجہ تھی کہ سیاحت سے ہونے والی آمدنی دن بدن بڑھ رہی تھی۔

آخر کار ہم لوپ بوری پہنچ گئے۔ قصبے کی حدود کے آغاز پر انگریزی اور مقامی زبان میں اس کے نام کی تختی آنے والوں کی رہنمائی کر رہی تھی۔

وہ کوئی بڑی آبادی نہیں تھی۔ آبادی سے ملے ہوئے کھیتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ زرعی علاقہ تھا۔ پورے شہر بلکہ قصبے پر ایک خوابناک خاموشی کا راج تھا۔ سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ میری ہدایت پر چاؤ فان نے گاڑی کا ائرکنڈیشنر بند کر دیا اور میں نے کھڑکی کا شیشہ اتار دیا۔

چاؤ فان نے ایک رائفل میری سیٹ کے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ میں نے امریکی ساخت کی وہ وزنی رائفل ہاتھ میں لے کر اس کا میگزین وغیرہ چیک کیا اور اسے دوبارہ سیٹ کے نیچے رکھ دیا۔

''ماسٹر! سب تیار ہے۔'' چاؤ فان نے تبصرہ کیا ''گھوڑا دباتے ہی آگ برسنا شروع ہو جائے گی۔''

''یہاں بہت سناٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصبے کے آوارہ کتے بھی سو گئے ہیں۔''

''پورے تھائی لینڈ میں اب آوارہ کتے بہت کم رہ گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کیا لوگوں نے سب کتوں کو پالنا شروع کر دیا ہے؟''

''نہیں ماسٹر! یہ قحط اور بربادی کی ایک المناک کہانی ہے۔''

''کتوں کے قحط کو تم المناک کہانی کہہ رہے ہو۔ یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ماسٹر! یہاں زبردست قحط پڑا تھا۔ انسانوں کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ لوگ گھاس اور تنکے تک چن چن کر کھا گئے تھے۔ پھر کتوں کی باری آ گئی۔ لوگ انہیں بھی کاٹ کر کھانے لگے۔ سنا ہے کہ بعض علاقوں میں کتے انسانوں سے ڈرنے لگے تھے، ان کے پاس نہیں پھٹکتے تھے۔ بس اسی زمانے سے پورے ملک میں کتے کم ہیں۔''

''کوریا کے بارے میں، میں نے ایسی کہانی سنی تھی تم نئی بات بتا رہے ہو۔''

''ماسٹر! قدرتی آفتیں اسی طرح آتی ہیں۔ ایک علاقہ متاثر ہوتا ہے تو دور دراز کے علاقے بھی محفوظ نہیں رہتے۔ مجھے کوریا والوں کے مصائب کا علم نہیں ہے میں نے اپنے لوگوں کے دکھوں کی بہت کہانیاں سنی ہوئی ہیں۔''

چند منٹ بعد چاؤ فان نے ایک موڑ پر گاڑی روک دی اور ونڈ شیلڈ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا ''وہ سامنے ریسٹ ہاؤس کی عمارت نظر آ رہی ہے، ہمیں اس میں گھسنا ہوگا۔''

باہر ایک کھمبے پر لگی ہوئی روشنی میں قدیم طرز کا وہ ایک منزلہ ریسٹ ہاؤس بظاہر ویران نظر آ رہا تھا۔ جوں ہی میری نظر اس کے پورچ میں کھڑی ہوئی سفید لینڈ کروزر پر پڑی، میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

آثار بتا رہے تھے کہ سوبھراج اپنے انجام سے بے خبر اسی ریسٹ ہاؤس کے کسی کمرے میں پڑا، بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری وہ لمبی دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ لینڈ کروزر کی موجودگی نے یہ نظریہ مسترد کر دیا تھا کہ سوبھراج لوپ بوری میں مختصر قیام کے بعد کہیں آگے نکل گیا ہوگا۔

''گاڑی میں ریسٹ ہاؤس کا ایک چکر نہ لگا لیا جائے۔'' میں نے پُرخیال انداز میں چاؤ فان سے کہا ''کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے محل وقوع کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔''

''چکر لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''یہ جگہ میری دیکھی ہوئی ہے، آبادی سے بالکل ہٹ کر بنائی گئی ہے۔ پیچھے کھیت پھیلے ہوئے ہیں! ادھر گاڑی نہیں جا سکتی۔''

مسئلہ الجھا ہوا تھا۔ لینڈ کروزر کی موجودگی بتا رہی تھی کہ سوبھراج ڈرائیور کے ساتھ وہیں موجود تھا۔ وہ امریکی فوجیوں کی آمد پر موتی محل سے ہنگامی انداز میں فرار ہوا تھا لیکن یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ دونوں نہتے رہے ہوں گے۔

ہم باہر سے اچانک ریسٹ ہاؤس پر حملہ آور ہوتے تو وہ دونوں اندر محصور ہو کر اپنے ہتھیاروں کے بل پر مزاحمت کا

آغاز کردیتے اور ایک ایسے مقابلے کا آغاز ہوجاتا جس کا انجام مجھے اچھا نظر نہیں آرہا تھا۔

سوبھراج اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رہا تھا اور ہم قانون کی نظروں سے چھپ کر اس کے پیچھے آئے تھے۔ ہم کسی طویل مقابلے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ چاؤ فان اس وقت تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ہم راجن کے مہمان کو اغوا کرنے کے لیے آئے ہیں جب کہ میرا منصوبہ مختلف تھا۔ میں بہت تیزی کے ساتھ اس موذی کو جہنم واصل کرکے وہاں سے واپس لوٹ جانا چاہتا تھا۔

دونوں طرف سے مقابلہ شروع ہوجاتا تو ذرا سی دیر میں قصبے کی پولیس اس طرف متوجہ ہوسکتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ایک منزلہ مکانات پر مشتمل آبادی کی کھلی فضا میں دھواں دھار فائرنگ کا شور ذرا سی دیر میں بھونچال پیدا کردیتا۔ پولیس اور مقامی آبادی کے ادھر متوجہ ہوجانے کی صورت میں ہم لوگ زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتے تھے۔ ہمیں اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر پسپائی کی راہ اختیار کرنا پڑجاتی۔

مقابلہ ختم ہونے کے بعد سوبھراج ڈاکوؤں وغیرہ کے حملے کی کوئی بھی مفروضہ کہانی سنا کر پولیس والوں سے گلوخلاصی حاصل کرسکتا تھا۔ وہ ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ اسے ہم پر ایک واضح برتری حاصل تھی۔ بعد کے معاملات راجن سنبھال لیتا اور سوبھراج صاف بچ جاتا۔

اس وقت صرف چاؤ فان میرا مشیر تھا۔ وہ اتنا احمق تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی روکتے ہی دھاوا بولنے کے موڈ میں آگیا تھا۔ میں نے اس سے ایسی کسی کارروائی کے نشیب وفراز پر گفتگو کی تو وہ بھی فکر مند ہوگیا۔ اس کے پاس مسئلے کا کوئی متبادل حل موجود نہیں تھا۔

اس دوران میں میرے ذہن میں ایک اور ترکیب نے سر ابھارا۔ وہ ریسٹ ہاؤس اپنی وسعت کے اعتبار سے بہت کشادہ اور کئی کمروں پر مشتمل نظر آرہا تھا۔ چاؤ فان کے چاروں آدمیوں کو ریسٹ ہاؤس کے گرد پھیلانے کے بعد ہم دونوں بھٹکے ہوئے سیاحوں کا روپ دھار کر ریسٹ ہاؤس میں کوئی کمرا حاصل کرنے کی کوشش کرسکتے تھے۔ اس کوشش کے نتیجے میں ہمیں وہاں پیر جمانے کا موقع مل جاتا تو اندر سے ہم سوبھراج کے خلاف زیادہ موثر کارروائی کرسکتے تھے۔ سوبھراج خطرہ بھانپ کر کسی سمت سے فرار ہونے کی کوشش کرتا تو باہر چاؤ فان کے چار مسلح ساتھی اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے۔

وہ راہ اختیار کرنے میں مجھے ایک بڑا خطرہ نظر آرہا

تھا۔ سوبھراج بنکاک سے بھاگنے کے بعد کتنا ہی مطمئن کیوں نہ ہوگیا ہو وہ خطرے کے امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ہم کمرا حاصل کرنے کے لیے ریسٹ ہاؤس کے رکھوالے سے بات کر رہے ہوتے اور باہر کی سن گن پا کر سوبھراج اپنے کمرے سے اچانک باہر نکل آتا تو لمحہ بھر میں بازی خراب ہوسکتی تھی۔

کراچی کے پارک ٹاور میں سوبھراج سے اپنی روبہ رو پہلی اور آخری ملاقات کے بعد میں نے شیو بنانا ترک کر دیا تھا کہ چہرے پر کچھ داڑھی نمودار ہو جائے۔ بال ترشوا لیے تھے ان کوششوں کا مطلب صرف یہ تھا کہ مجھے پہلی نظر میں نہ پہچانا جاسکے۔

پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں سوبھراج سے میری ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ ہفتے عشرے میں میری وہ تبدیلیاں زیادہ کارگر نہیں ہوئی تھیں۔ قامت و جسامت اپنی جگہ برقرار تھی۔ مجھے دیکھ کر سوبھراج جیسا گھاگ آدمی دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ دوسری بار اس سے سامنا ہو جاتا تو وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لیتا۔ وہ ایک ہولناک خطرہ تھا جو مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔

''ماسٹر! کس گہری سوچ میں پڑ گئے؟'' مجھے خاموش پا کر چاؤفان نے ٹوکا۔ ''ہم پیاسے ہیں کنویں پر آگئے ہیں یہ بتاؤ کہ اندر سے پانی کیسے نکالا جائے۔''

''یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔ ذرا تم بھی اپنے ذہن پر زور دو۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! تم بہت اچھا سوچتے ہو میں شروع سے تمہاری عقل مندی کا قائل ہوں تم ہی کوئی راہ نکالو۔ مجھ سے جو کہو گے کر گزروں گا۔''

یکایک میرے ذہن میں امید کی ایک کرن نمودار ہوئی اور میں نے قدرے پر جوش انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''میں ریسٹ ہاؤس کے سامنے رہتا ہوں۔ تین آدمیوں کو پیچھے، کھیتوں کی طرف بھیج دو۔ تم چوتھے آدمی کے ساتھ اپنی گاڑی میں ریسٹ ہاؤس پر چلے جاؤ اور باقی رات گزارنے کے لیے ایک کمرا حاصل کرنے کی کوشش کرو۔''

''وہ یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دو نامعلوم اجنبی اس چھت کے نیچے اس کے ساتھ رات بسر کریں۔'' وہ مایوسی سے بولا ''ویسے بھی یہاں رات کو رکنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد ریسٹ ہاؤس میں تالا پڑ جاتا ہے۔''

''لینڈ کروزر وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ وہ شب بسری کر سکتا ہے تو دو بھٹکے ہوئے سیاحوں کو جگہ کیوں نہیں مل سکتی؟''

''ہوسکتا ہے کہ چھوٹا راجن نے اس کے لیے خاص بندوبست کرا دیا ہو یا اس کے ڈرائیور نے رکھوالے کو کوئی دھونس دی ہو۔ اس کے آدمی بھی کم بدمعاش نہیں ہیں۔''

''تمہاری ابھی سے جان نکلی جارہی ہے۔ وہاں جا کر کیا کرو گے؟'' میں نے غصے سے کہا ''زیادہ سے زیادہ انکار ہو جائے گا۔ تم لوٹ آنا۔''

''تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتے؟'' اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

''میں غیر ملکی ہوں۔'' میرے ذہن میں پہلے سے جواب تیار تھا ''وہ مجھے کسی قیمت پر اندر نہیں گھسنے دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ راجن کے مہمان کو دو مقامیوں پر ترس آجائے۔''

''ماسٹر! یہ افریقا کا کوئی دور دراز صحرا نہیں ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ دوسروں کی نیند خراب کرنے کے بجائے گھنٹا بھر اور گاڑی چلا لیتے تو بنکاک میں عیش کرتے۔''

''اس کے سوالوں کا انحصار تمہاری حماقتوں پر ہوگا۔'' میں نے مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''بنکاک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم وہاں سے آئے ہو۔ لوپ بوری کے آثار دیکھ کر صبح آگے جانا چاہتے ہو۔ اپنے ذہن میں پہلے سے تیاری کر کے جاؤ گے تو زیادہ سوال جواب کی نوبت نہیں آئے گی۔ کمرا مل جائے گا یا وہ تمہیں بھگا دے گا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو! میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

''میں مقامی زبان نہیں جانتا۔ ریسٹ ہاؤس کے چوکیدار یا راجن کے ڈرائیور سے کیسے بات کروں گا؟'' میرے لیے اسے سمجھانا دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے میری کہی ہوئی بات یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ان دونوں سے میں نمٹ لوں گا۔'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کے کہا ''چھوٹا راجن کا مہمان اندر سے نکل آئے تو اسے تم سنبھال لینا۔''

آخر کار اس نے اپنے اسی بدترین اندیشے کا اظہار کر دیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح مسلسل چبھ رہا تھا۔

''ہم اسی کے چکر میں یہاں آئے ہیں۔ وہ سامنے آیا تو قصہ وہیں ختم ہو جائے گا۔ اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اس کے سینے میں گولی اتار دینا۔''

''لیکن ماسٹر! میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ میں اسے کیسے پہچانوں گا؟''

میں پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورنے

لگا۔ ایک ایک کر کے سارے سوال حیلوں بہانوں کی صورت میں اس کے ذہن میں اترتے چلے آرہے تھے۔ وہ کمزور تھا نہ بزدل، پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا بات اٹک کر رہ گئی تھی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ریسٹ ہاؤس لے جانے پر تلا ہوا تھا۔

سوئے ہوئے لوپ بوری کی اس سنسان سڑک پر روشنی ناکافی تھی۔ چاؤ فان میرے چہرے کے تاثرات پوری طرح نہیں دیکھ سکا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولا ''تمہارے لیے وہ اجنبی ہے تم بھی اسے نہیں پہچان سکو گے۔''

''تم نہ جانے کے بہانے تلاش کر رہے ہو۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا ''تم میں سے کسی کو ادھر جانے کی ضرورت نہیں۔ سیٹ چھوڑو۔ میں اکیلا وہاں جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا قیامت نازل ہوتی ہے۔''

''ماسٹر! تم ناراض ہو گئے...... میں جانے کے لیے تیار ہوں۔ ذرا تم سے سمجھ رہا ہوں کہ وہاں کیا ہو تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بس مجھے اس کی پہچان بتا دو پھر دیکھو کہ اس کے سامنے آتے ہی کیا ہوتا ہے۔ چاؤ فان کے ہاتھوں میں فولاد بھرا ہوا ہے۔ میں نے آج تک جس کے نرخرے پر ہاتھ رکھا اسے موت کی نیند سلا کر ہاتھ اٹھایا ہے۔''

''چوکیدار اور ڈرائیور......'' میں نے آہستہ آواز میں کہنا شروع کیا ''دونوں مقامی ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ راجن کا مہمان غیر ملکی ہے۔ راجن اسے اہمیت دے رہا ہے۔ وہ اپنی اکڑفوں سے الگ پہچانا جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ ذرا ذرا سی باتیں تمہاری عقل میں نہیں آرہیں۔''

''اب آ گئیں!'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر یکا یک نیچے اتر گیا۔ میں بھی رائفل اٹھا کر گاڑی سے باہر آ گیا۔ چاؤ فان کے ساتھیوں کی سرخ کار کچھ دور رکی ہوئی تھی۔ اس کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ باہر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ چاروں گاڑی میں بیٹھے چاؤ فان کی طرف سے کوئی ہدایت ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔

چاؤ فان نے نیچے اترتے ہی واکی ٹاکی پر اپنی زبان میں کچھ کہا۔ پیچھے کھڑی ہوئی سرخ کار نے چار انسانی سائے سڑک پر اگل دیے۔ وہ تیسرے درجے کے بدمعاش تھے۔ فاصلہ حائل ہونے کے باوجود میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ... سورماؤں کی طرح اپنی رائفلیں تان کر گاڑی سے اترے تھے۔

''ان گدھوں سے کہو کہ اپنی رائفلیں چھپا کر آگے آئیں۔'' میں نے بدمزگی سے کہا ''یہ فلم کی شوٹنگ نہیں ہے ہم ایک خطرناک مشن پر آئے ہوئے ہیں۔''

دعوا

جہاں آراء بیگم نے ہمدردانہ لہجے میں اپنی پڑوسن کلثوم سے پوچھا ''اے بہن! تم نے وحید سے اپنی بیٹی کی منگنی کیوں توڑ دی؟''

''کیا بتاؤں بہن! ہمارے ساتھ تو بڑا دھوکا ہوا......!'' کلثوم بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا ''لڑکے نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ گردوں، پھیپڑوں اور جگر کا اسپیشلسٹ ہے۔''

''اوہ......! یہ تو اس نے واقعی بڑا جھوٹ بولا۔'' جہاں آراء بیگم نے تاسف سے سر ہلایا ''کوئی بھی ڈاکٹر تینوں چیزوں کا ایک ساتھ تو اسپیشلسٹ نہیں ہو سکتا۔ وہ ان میں سے صرف کسی ایک چیز کا اسپیشلسٹ ہوگا؟''

''ارے بہن! ایسا ہوتا تب بھی غنیمت تھا...... ہم ہرگز منگنی نہ توڑتے۔ ہمیں تو بہت دیر میں پتا چلا کہ کم بخت مارا قصائی کی دکان پہ نوکر تھا......!'' کلثوم بیگم نے رو دینے والی آواز میں بتایا۔

چاؤ فان نے واکی ٹاکی پر غصیلے انداز میں کچھ کہا۔ چاروں رائفلیں انسانی ہیولوں میں مدغم ہو گئیں۔

وہ چاروں تیزی سے ہماری طرف آرہے تھے۔ انہوں نے اپنی گاڑی وہیں چھوڑ دی تھی۔ شاید اس نے انہیں یہی ہدایت دی تھی۔

''انہیں بتا دینا کہ جب تک تم حکم نہ دو، تمہارے آدمی براہِ راست کسی پر گولی نہیں چلائیں گے۔'' میں نے تیزی سے چاؤ فان کو سمجھانا شروع کیا ''گڑبڑ شروع ہو جائے تو دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے دھواں دھار ہوائی فائرنگ شروع کر دیں۔ ایک تمہارے ساتھ جائے گا۔ میں سامنے رہوں گا۔ بقیہ تینوں ریسٹ ہاؤس کی تینوں سمتوں میں بٹ جائیں گے۔ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم بدحواسی میں ایک دوسرے کو اپنا نشانہ نہ بنا لیں۔''

وہ چاروں آدھی آستین کی پھول دار قمیص اور پتلون پہنے ہوئے تھے۔ ان کے کپڑوں کے رنگ مختلف نہ ہوتے تو یہ محسوس ہوتا جیسے وہ یونیفارم پہن کر آئے ہوں۔

ان کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، چہرے وحشت ناک نظر آرہے تھے۔ تین متوسط قامت اور گٹھے ہوئے جسموں

کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک کے بالائی لب پر گھنی مونچھوں کا سایہ تھا' چوتھا دراز قامت اور قدرے سبک اندام تھا۔

ان چاروں پر ایک نظر ڈال کر میں پلٹا ہی تھا کہ چاؤ فان بول پڑا "ماسٹر! تم کہاں جا رہے ہو۔"

"کسی مناسب جگہ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" میں نے نرمی سے جواب دیا "تم پانچوں کی باتیں میرے لیے ناقابل فہم ہوں گی میرا یہاں رکنا بے سود ہے۔"

سڑک کی طرح ریسٹ ہاؤس کی کھڑکیاں بھی تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ سب کچھ نارمل ہونے کے باوجود ریسٹ ہاؤس کی کسی تاریک کھڑکی سے کوئی باہر جھانک رہا ہو۔ میں نے رائفل دونوں ہاتھوں پر سہار کر آگے دوڑ لگا دی۔

اس وقت اچانک میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ دور سے تماشا دیکھنے کے بجائے میں چاؤ فان کی گاڑی پہنچنے سے پہلے ریسٹ ہاؤس کے قریب کوئی اوٹ لے سکوں تو سب کچھ قریب سے دیکھ اور سن سکوں گا۔

چاؤ فان کی ہلکی مگر پُرجوش آواز میرے کانوں میں آرہی تھی۔ وہ میری ہدایات اپنے آدمیوں تک پہنچانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے باہر لگے ہوئے اکلوتے لیمپ پوسٹ کی روشنی کی زد میں آنے سے پہلے تک میں درختوں کے سائے میں سڑک پر دوڑتا رہا پھر میں نے دوڑنے کا سلسلہ ترک کر دیا۔ لحہ بھر کے لیے رک کر رائفل اپنے شانے سے لٹکا کر اسے پہلو اور بازو کے درمیان چھپایا اور دوبارہ آگے چل دیا۔

ریسٹ ہاؤس کے سامنے رک کر میں نے لینڈ کروزر اور اس کے آس پاس کی جگہ کا جائزہ لیا۔ اس وقت مجھے چاؤ فان کے تینوں آدمیوں کے ہیولے دوڑ کر سڑک پار کرتے ہوئے نظر آئے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ تینوں سڑک سے اتر کر آس پاس پھیلے ہوئے کھیتوں میں غائب ہو گئے۔

میں نے محض احتیاط کے طور پر دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔ سڑک بدستور ویران پڑی تھی۔ شاید قصبے میں شبینہ جرائم نہ ہونے کی وجہ سے رات کے گشت پر مامور سپاہی بھی اپنے گھروں یا دفتروں میں پڑے گہری نیند سو رہے تھے۔ اس وقت تک گہرے سکوت میں چاؤ فان کی گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہونے کا کوئی ارتعاش نہیں سنائی دیا تھا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں سڑک عبور کی اور پھر ریسٹ ہاؤس کے پورچ میں خودرو جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف ہو لیا جس پر کوئی پھول دار جنگلی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ جھاڑی اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ میں اس کی اوٹ میں آسانی سے چھپ گیا۔ شاخوں' پتوں اور پھولوں کی درمیانی جگہوں سے مجھے ریسٹ ہاؤس کا بیشتر حصہ صاف نظر آ رہا تھا

کچی زمین پر صحیح پوزیشن لینے کے بعد میں نے اپنے شانے سے خودکار امریکی رائفل اتاری تو میرے ذہن میں صرف ایک ہی خوف جاگزیں تھا کہ اس کچے میدان میں کہیں سے کوئی زہریلا کیڑا وغیرہ میری طرف نہ نکل آئے۔

چاؤ فان نے کچھ وقفے کے بعد اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اتنی مہلت دے دی تھی کہ وہ ریسٹ ہاؤس کے گرد مناسب جگہیں سنبھال لیں۔

کالی اکارڈ ریسٹ ہاؤس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ چند ثانیوں بعد اس کی روشنی کی تیز چادر ہر طرف پھیل گئی اور پھر اکارڈ اس خوب صورت ریسٹ ہاؤس کے سامنے لینڈ کروزر کے برابر میں رک گئی۔ سوبھراج کی لینڈ کروزر کی وجہ سے چاؤ فان اپنی گاڑی سمیت میری نظروں سے اوجھل تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے مجھے چاؤ فان کے گاڑی سے اترنے کا اندازہ ہوا پھر قدرے سکوت کے بعد ریسٹ ہاؤس کے پختہ برآمدے پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور چاؤ فان لینڈ کروزر کے عقب سے طلوع ہو کر میری نظروں کے سامنے آ گیا۔

اس نے ریسٹ ہاؤس کے بند داخلی دروازے کے سامنے رک کر محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک غراتی ہوئی' غضب آلود آواز خاموش ہواؤں کے دوش پر ابھری اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کھمبے پر لگے ہوئے اکلوتے بلب سے برآمدے میں پڑنے والی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ وہ آواز سن کر چاؤ فان سراسیمگی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

کسی بھی لمحے داخلی دروازہ کھلنے کی امید پر میں نے اپنی رائفل سیدھی کر کے اس کی نال خودرو جھاڑیوں کی ایک مضبوط ٹہنی پر ٹکا لی۔ اس کا رخ برآمدے میں کھڑے ہوئے چاؤ فان کی طرف تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔

میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔

دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تمام

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے نام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلب میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ وہاں ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میری ہدایت پہ چاؤ فان نے ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سوبھراج کی غراتی ہوئی آواز سن کر میرا دوران خون یک بہ یک تیز ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 247 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نے اس ملک میں اپنے چند روزہ قیام اور سیر و تفریح کے دوران ایک بات بہت شدت کے ساتھ محسوس کی تھی کہ تھائی لینڈ کے حکمراں بنکاک کے بے ہنگم بلکہ موذی ٹریفک پر قابو پانے میں بری طرح ناکام ہونے کے باوجود اپنے ملک کو غیر ملکی سیاحوں کی جنت میں تبدیل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

سڑکیں کشادہ اور ہموار تھیں۔ روشنی، فون اور دوسری بنیادی سہولیات کا ہر جگہ بندوبست موجود تھا۔ بڑے ہوٹلوں کو چھوڑ کر چھوٹے رہائشی ہوٹلوں اور طعام گاہوں میں ہر ذوق کے مہمانوں کی ضروریات کا پورا پورا اہتمام تھا۔ اس کے باوجود بنکاک اور اس کے مضافات میں تعمیرات وغیرہ کا سلسلہ جاری تھا۔ جیسے وہ لوگ گنجان خطوں میں سڑکوں کی تعداد اور کشادگی میں اضافہ کر کے اپنے مہمانوں کے لیے موجود سہولیات میں مزید اضافہ کرنے پر کمربستہ ہوں۔

کچھ یہی صورت لوپ بوری کی بھی نظر آئی تھی۔ سرِشام سو جانے والے اس قصبے کی جن سڑکوں سے ہماری گاڑی گزری وہ روشن اور ہموار تھیں جن سے گزرتے ہوئے فرحت اور تازگی کا ایک انوکھا احساس دلوں کو چھو رہا تھا۔

وہ ریسٹ ہاؤس آبادی سے باہر واقع تھا۔ اس کی افادیت کو بھی دن کے اوقات تک محدود رکھا گیا تھا مگر باہر لگی ہوئی اکلوتی اور تیز اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں قدیم تھائی طرز پر بنا ہوا وہ ریسٹ ہاؤس اپنے رنگ و روغن سے کسی بھی طرح زبوں حال نظر نہیں آ رہا تھا۔ باہر سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال اور مرمت و تزئین ہوتی رہتی ہے۔ تاکہ کچھ دیر کے لیے وہاں ستانے والے بھی کسی کوفت کا شکار نہ ہوں۔

دوسری طرف وہ ریسٹ ہاؤس جرائم پیشہ افراد کے لیے بھی ایک ایسی پناہ گاہ بنا ہوا تھا جہاں سوبھراج جیسا خطرناک آدمی بے خوف و خطر پناہ گزین تھا۔

اندر سے آنے والی آواز مقامی ہوتی تو ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکتا تھا۔ اس وقت کلیدی نکتہ یہ تھا کہ چاؤ فان کی دستک کے جواب میں اندر سے انگریزی میں سوال کیا گیا تھا۔ آواز نیند کے خمار سے بوجھل تھی لیکن میں اسے ہزاروں آوازوں میں الگ سے پہچان سکتا تھا۔

مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ بنکاک سے لوپ بوری تک کی ہماری دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ ہمارا شکار وہاں سانس لے کر آگے روانہ نہیں ہوا تھا بلکہ پورے اطمینان سے وہیں فروکش تھا۔

چاؤ فان اس وقت ریسٹ ہاؤس کے بند داخلی دروازے کے اور میرے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ میری رائفل

کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور میں دھڑ کتے ہوئے دل کے ساتھ اندر سے اپنے شکار کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کا دروازہ کھلتا اور وہاں کوئی نمودار ہوتا تو چاؤ فان کو لامحالہ اپنی جگہ سے ہٹنا پڑتا اور آنے والا براہِ راست میرے نشانے پر آجاتا۔

اندر سے آنے والی آواز سن کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ بنکاک کے موتی محل میں امریکی فوجیوں کے دھاوے سے بچ نکلنے کے بعد سوبھراج لوپ بوری کے اس دور افتادہ ریسٹ ہاؤس میں بے فکری کی نیند سویا ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کی کمین گاہ کے دروازے تک آپہنچوں گا۔

گولڈن ڈریگن نامی کیسینو کے ایک محافظ کی زہر سے واقع ہونے والی موت نے میرے حریف کو اس شک میں مبتلا کر دیا تھا کہ میں اس کے پیچھے پیچھے کراچی سے بنکاک آ پہنچا ہوں اور میں نے ہی راجن کے کیسینو کے محافظ کو قتل کیا ہے۔ اپنے اس شبہے کی تصدیق کرنے کے لیے اس نے مجھے فون کیا۔ موبائل فون پر انٹرنیشنل رومنگ کی سہولت دستیاب ہونے کی وجہ سے اسے یہ علم نہیں ہوسکا کہ میں کراچی میں بیٹھا ہوا تھا یا بنکاک پہنچ چکا تھا۔ میری قلا بازی بارآور ثابت ہوئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ میں نے حریف کو زہر میں بجھے ہوئے تیر کا نشانہ بنانے والا ہتھیار دے کر اپنے کسی آدمی کو بنکاک بھیجا ہوا تھا اور وہی وہاں سوبھراج اور راجن کے مفادات کے خلاف فتنہ گری کر رہا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ سوبھراج سے جاری لڑائی کا فیصلہ کن مرحلہ کسی بھی لمحے سامنے آسکتا تھا۔ اس خبیث نے مجھے بہت دوڑ لگوائی تھی۔ کراچی میں اس کا مقدر ہمیشہ اس کی یاوری کرتا رہا۔ وہ ہر موقع پر کسی نہ کسی طرح زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوتا رہا لیکن میں نے بھی دل ہی دل میں قسم کھائی ہوئی تھی کہ ملک و قوم سے کھلی غداری کرنے والے اس سیاسی غنڈے کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لوں گا۔

میں جھاڑیوں کے عقب میں دبکا اپنے دشمن کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر چاؤ فان کے لیے سوبھراج کی طرح اس کی آواز بھی اجنبی تھی۔ وہ فوری طور پر اندر سے کیے جانے والے سوال کا کوئی جواب نہیں سوچ سکا‘ اس نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

سوبھراج ایک چالاک مجرم تھا۔ اپنے سوال کا جواب نہ پاکر وہ چوکنا ہوگیا۔ ریسٹ ہاؤس کے دروازے میں کوئی جنبش ہونے کے بجائے پُرسکوت فضا میں ہلکے سے کھٹکے کی آواز ہوئی اور دروازے سے قدرے فاصلے پر ایک کھڑکی کا پٹ خفیف سا کھل گیا۔

اندر گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی مگر اس کھڑکی پر اکلوتی اسٹریٹ لائٹ کی تیز روشنی براہِ راست پڑ رہی تھی۔ کھٹکا ہوتے ہی میری نگاہیں کھڑکی کی طرف اٹھیں اور میں نے وہاں لمحہ بھر کے لیے واضح طور پر سوبھراج کا اوپری دھڑ دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مڑی ہوئی اور طوطے کی چونچ جیسی ناک اس کی واضح پہچان تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے دروازے کی طرح وہ کھڑکی بھی براہ راست میری زد میں تھی۔ میں نے پھرتی سے نال کا رخ کھڑکی کی طرف موڑا مگر اس اثنا میں سوبھراج کا وجود کسی چھلاوے کی طرح یکایک تاریکی میں معدوم ہوگیا۔

باہر سے اپنی آنکھوں پر روشنی پڑتے ہی اسے بھیانک خطرے کا ادراک ہوگیا اور وہ نہایت تیزی سے نیچے بیٹھ کر یا ایک طرف سرک کر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

یہ ممکن نہیں تھا کہ چاؤ فان نے کھڑکی کھلنے کے کھٹکے کی ہلکی مگر واضح آواز نہ سنی ہو۔ وہ ہمہ تن دروازے کی طرف متوجہ تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ وہ آواز اس کی توجہ مبذول کرانے کے لیے دانستہ پیدا کی گئی تھی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ سوبھراج ریسٹ ہاؤس کی ایک کھڑکی میں بس لمحہ بھر کے لیے نمودار ہوکر غائب ہو چکا تھا۔

سوبھراج پر اچٹتی ہوئی نگاہ پڑتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہوا لیکن پھر اعتدال پر آگیا۔ وہ فوری طور پر میرا شکار ہونے سے بچ گیا تھا مگر مجھے یہ اطمینان تھا کہ وہ ریسٹ ہاؤس میں محصور تھا اس عمارت کے گرد چاؤ فان کے چار مسلح اور خوں خوار جنگ جُو پھیلے ہوئے تھے دروازے پر چاؤ فان مستعد کھڑا ہوا تھا اور میں اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔

اس اثنا میں چاؤ فان نے مضطرب ہو کر دوبارہ دروازے پر دستک دی۔

خلافِ توقع دروازہ یکایک کھل گیا۔ وہاں دراز قامت اور صحت مند سوبھراج کے بجائے ایک متوسط قامت مقامی کھڑا ہوا نظر آیا جو خشمگیں نظروں سے چاؤ فان کو گھور رہا تھا۔

جھاڑیوں کی اوٹ میسر ہونے کی وجہ سے میں ان دونوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ روشنی میں ہونے کے سبب مجھے صاف نظر آرہے تھے۔

نئے آدمی نے تلخ اور اونچے لہجے میں چاؤ فان سے کچھ کہا۔ اس کی آواز سے بھی نیند کا خمار جھلک رہا تھا۔

اپنے صاف ستھرے کپڑوں اور انداز سے وہ ریسٹ ہاؤس کا دربان ہرگز نظر نہیں آ رہا تھا۔ چوکیدار ہوتا تو وہ اندر محوِ خواب ہونے کے بجائے مستعدی سے باہر بیٹھا ہوا ہوتا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوبھراج کو لانے والی سفید لینڈ کروزر کا ڈرائیور ہوسکتا ہے۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ پاجامے کی جیب میں ڈالے' اندر سے نمودار ہوا تھا۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔

اگر وہ راجن کا آدمی تھا تو پاجامے کی جیب میں چھپے ہوئے اس کے ہاتھ میں کسی پستول یا ریوالور کا ہونا ناگزیر تھا۔ ایک بدمعاش سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ رات گئے دستک دینے والے ایک ملاقاتی کا خالی ہاتھ سامنا کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

چاؤ فان نے اپنی ہلکی رائفل کو ایک پہلو پر بازو کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ شاید کسی عام آدمی کے لیے وہ پوشیدہ رہتی لیکن اس کے مدمقابل کی عقابی نظروں سے اس کا بچنا محال تھا۔ وہ دونوں مسلح حالت میں ایک دوسرے کے روبرو تھے اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔ کسی نے منہ نہیں موڑا تھا۔

چاؤ فان نے بھی اونچی اور تیز آواز میں جواب دیا۔ ان دونوں کے درمیان مقامی زبان میں ہونے والے مکالمے میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھے لیکن ان کے لب و لہجے سے تلخی و ترشی کا اظہار ہو رہا تھا جو میرے لیے خاصا تشویش ناک تھا۔

چاؤ فان کو اپنی خودکار رائفل شانے سے اتار کر سیدھی کرنے میں دیر لگتی جب کہ اس کا حریف پاجامے کی جیب سے ہاتھ نکالتے ہی اس پر گولی چلاسکتا تھا۔ میرے لیے اپنی جگہ سے چاؤ فان کو بچا کر نووارد کو نشانہ بنانا محال تھا کیونکہ چاؤ فان بے تابی کے عالم میں بار بار قدم بدل رہا تھا۔ جس کے سبب اس کے بدن کے زاویے لحظہ بہ لحظہ بدل رہے تھے۔

چاؤ فان کا جواب سن کر اندر سے نمودار ہونے والے نے چیخ کر مختصر سی کوئی بات کہی۔ یقیناً وہ کوئی گالی رہی ہوگی کیونکہ چاؤ فان نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنی رائفل کندھے سے اتار کر اس پر سیدھی کرلی تھی۔ حریف کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ جیب سے ہاتھ نکال کر گولی چلاتا۔

موت کو اتنے قریب پاکر نووارد دہشت زدہ ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ چاؤ فان ٹریگر دبا کر گولیوں کی باڑ اس کے سینے میں اتارتا' وہ سر جھکا کر چاؤ فان پر حملہ آور ہوگیا۔

وہ لمحات عمل اور ردِعمل کے تھے۔ دونوں کے پاس سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں رہی تھی۔ چاؤ فان نے اپنے سینے پر زوردار ٹکر پڑنے سے قبل اپنے حریف کا سر بازوؤں میں دبوچ لیا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرشور آواز میں پختہ فرش پر گر گئی تھی۔

میرے لیے وہ چاؤ فان کی جنگ جویانہ صلاحیتوں کا پہلا مظاہرہ تھا۔ اس نے اپنے بازوؤں کو اپنے حریف کی گردن پر یوں بل دیا کہ گرتے گرتے اسے اپنے نیچے دبوچ لیا پھر نہ جانے کس طرح اس کا ریوالور چاؤ فان کے ہاتھ میں آ گیا۔

ریوالور سمیت اس کا داہنا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ ہاتھ نیچے آنے پر فضا اس کے حریف کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔ چاؤ فان نے شاید اس کی کھوپڑی چٹخا دی تھی۔

ان دونوں کے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے ہی میرے لیے اپنی جگہ بیٹھ کر تماشا دیکھنا دشوار ہوگیا تھا۔ میں اپنی رائفل لے کر پنجوں کے بل ان دونوں کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

کھوپڑی پر چوٹ کھاتے ہی نووارد تھائی اپنے وجود کی پوری قوت سے تڑپ کر چاؤ فان کے نیچے سے نکل گیا۔ وہ بھاگنے کے ارادے سے لڑکھڑاتا ہوا فرش سے اٹھا تو اس کا چہرہ سر کے زخم سے بہنے والے تازہ خون سے رنگین ہو چکا تھا۔

چاؤ فان بھی اپنی رائفل لیتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ میں دوڑتے دوڑتے' لحہ بھر کے لیے ٹھٹکا اور پھر میں نے نشانہ لے کر ایک گولی حریف کی پشت میں اتار دی۔

وہ ہولناک چیخ کے ساتھ' لہراتا ہوا برآمدے کے فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

چاؤ فان اپنی لڑائی میں اتنا منہمک تھا کہ وقتی طور پر شاید مجھے بھول گیا تھا۔ میرے کیے ہوئے فائر کی آواز پر اس نے مڑ کر تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بے ساختہ چیخ اٹھا ''ماسٹر! تم پکے نشانہ باز ہو۔''

اسی وقت فضا رائفلوں کے ہولناک نغموں سے گنگنا اٹھی۔ میں نے تیزی سے چاؤ فان کی طرف بڑھتے ہوئے ان آوازوں پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ وہ فائرنگ ریسٹ ہاؤس کی پشت پر واقع کھیتوں وغیرہ کی سمت میں ہو رہی تھی۔

چند ثانیوں میں' میں چاؤ فان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ مرنے والے کے بے حس و حرکت جسم پر یوں رائفل تانے کھڑا تھا جیسے اس کے ہلتے ہی اسے چھلنی کر ڈالے گا۔

''یہ مر چکا ہے!'' میں نے اس کے قریب پہنچ کر دبی

دبی پرجوش آواز میں کہا ''گولی اس کے دل کو چیرتی ہوئی پار نکل گئی ہوگی۔''

وہ سیدھا ہوگیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی اور پرتشویش آواز میں بولا ''ماسٹر! یہ تو مرگیا مگر میرے آدمی کیوں گولیاں چلا رہے ہیں؟ یہ آوازیں میرے کانوں کے لیے نئی نہیں ہیں۔ پیچھے کوئی گڑبڑ ہوئی ہے!''

''تمہارے پاس واکی ٹاکی ہے۔'' میں نے اس کے شانے کو دبوچ کر کہا ''پتا کرو کہ کیا ہوا ہے!''

''اوہ......!'' اس نے یوں بوکھلا کر واکی ٹاکی نکالا جیسے اسے بھولا ہوا ہو۔

''پچھلی طرف سے کوئی سایہ نکل کر تاریک کھیتوں میں گھسا ہے۔'' اپنی زبان میں کسی سے رابطہ کرنے کے بعد اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''وہ کھیتوں میں گھس گیا اور تمہارے آدمی جھک مارتے رہ گئے؟'' میں نے ترشی سے کہا۔ خطرناک صورتِ احوال کے باوجود مجھے اس پر یکایک غصہ آگیا۔

''ماسٹر! وہ بلبلا رہے ہیں۔ اسے مار سکتے تھے لیکن نہیں مار سکے۔ ہوائی فائرنگ پر گزارا کرتے رہ گئے۔'' اس نے مسمسی صورت بنا کر بے چارگی سے جواب دیا۔

''تمہارے آدمی عجیب اُلّو کے چرخے ہیں۔ مار سکتے تھے تو مارا کیوں نہیں؟'' میں جھلا گیا۔

''تمہاری طرف سے میں نے حکم دیا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں وہ براہِ راست کسی پر فائر نہیں کریں گے۔ ضرورت ہو تو ہوائی فائر کریں گے۔'' اس نے سنبھل کر وضاحت کی ''اب وہ ہوا میں گولیاں چلا کر اسے کھیتوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

اس کا جواب سنتے ہی میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ مجھے یاد آگیا کہ میں نے چاؤفان کو وہ ہدایت اس خدشے کے پیشِ نظر دی تھی کہ کہیں ہم خود اپنے آدمیوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔

''اب ہم اس کے پیچھے جائیں گے۔'' چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میں نے کہا ''انہیں تاکید کردو کہ اسی طرح اسے تلاش کرتے رہیں۔ کسی کو تاک کر نشانہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ مقدر سے وہ نظر آگیا تو ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔''

یہ کہہ کر میں رائفل تانے اندر گھس گیا وہ ایک کشادہ لابی تھی جہاں مدھم روشنی والا ایک سبز بلب جل رہا تھا اس لابی میں نظر آنے والے دروازوں میں صرف کونے کا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اس کے پیچھے گہری تاریکی کا راج تھا وہ اسی سمت تھی جدھر کی کھڑکی میں مجھے سوبھراج کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔

مجھے امید تھی کہ وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا ہوگا، چاؤفان میرے پیچھے آرہا تھا۔ اس نے مختصر سی گفتگو میں میری پرانی ہدایت کا اعادہ غالباً اپنے آدمیوں تک پہنچا دیا۔ تھا مجھے تاریک کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے اپنی سرچ لائٹ روشن کردی۔

وہ سونے کا کمرا تھا۔ شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا۔ فرشی قالین پر پڑے ہوئے گدے کی چادر سے ظاہر ہورہا تھا کہ کوئی اس پر سوتا رہا تھا۔ وہ بستر ڈرائیور ہی کا ہوسکتا تھا جو برآمدے میں ابدی نیند سویا ہوا تھا۔

اس خالی کمرے سے مایوس ہوکر ہم دونوں ریسٹ ہاؤس کے عقبی برآمدے میں نکل آئے۔ اس عمارت کی ساخت قدیم وضع کی تھی۔ انگریزی کے حرف یُو کی صورت میں تین اطراف میں متعدد کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے آگے بہت کشادہ برآمدہ تھا جس میں مہمانوں کے ستانے کے لیے میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد مختصر سا کھلا صحن تھا جس کے اختتام پر پچھلی دیوار میں بنا ہوا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

بہ ظاہر پوری عمارت میں کسی متنفس کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے نگراں یا چوکیدار کو ڈیوٹی کے اختتام پر اطمینان سے رخصت کردیا گیا تھا۔ پوری عمارت بلاشرکت غیرے، سوبھراج اور اس کے ڈرائیور کے تصرف میں تھی۔

باہر ہونے والی دھواں دھار فائرنگ کا زور ابتدائی لمحات میں ہی ٹوٹ چکا تھا۔ چاؤفان کے آدمیوں کو اتنی عقل تھی کہ وہ اپنے میگزین کے بے مصرف استعمال سے گریز کررہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہوا میں چلائی جانے والی گولیاں کسی کا کچھ نہیں بگاڑسکیں گی۔ کھیتوں میں گھسنے والے دشمن کو ہراساں کرنے کے لیے اِکّادُکّا فائر بھی کافی تھے۔

''اب میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ بچھڑ گئے تو ہم قیامت میں ہی مل سکیں گے!'' میں نے ریسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے سے کھیتوں کی طرف نکلتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! تمہارا موڈ بلاوجہ خراب ہورہا ہے۔ میرے آدمیوں کا کیا قصور ہے۔ وہ وہی کررہے ہیں جو انہیں بتایا گیا ہے۔'' چاؤفان نے دبے الفاظ میں احتجاج کیا۔

''تمہارے آدمی بہت قابل اور بہادر ہیں۔ مجھے ان

سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا ''میرا موڈ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں ان کھیتوں میں بھٹک گیا تو دوبارہ ادھر لوٹنا مشکل ہو جائے گا۔''

''تم فائرنگ کی آوازیں سن رہے ہو؟'' اس نے سوندھی خوشبو والے قد آدم سے زیادہ اونچے لہلہاتے کھیتوں میں گھستے ہوئے پوچھا۔

''یہ آوازیں پیدائشی بہرے بھی سن سکتے ہیں!''

''پتا نہیں تم میری ہر بات کا الٹا جواب کیوں دے رہے ہو!'' وہ الجھ کر بولا ''راجن کے مہمان کو میں نے نہیں بھگایا۔''

''یہ ہماری بلکہ ڈان کی ساکھ کا معاملہ ہے۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہے۔ ہم نے اسے دوبارہ نہ پکڑا تو ہم سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

''ماسٹر! میں تمہاری طرح حسّاس نہیں ہوں۔'' وہ کھیتوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تنگ راستے سے شاخیں ہٹاتے ہوئے بڑبڑایا ''بدمعاشی میں کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں۔ وہ آج ہمارے چنگل سے نکل گیا ہے تو کل ضرور پھنسے گا۔ اب چھوٹا راجن سے پہلے میں اس کے مہمان کو جہنم کا ایندھن بناؤں گا۔''

''ابھی تم فائرنگ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟'' میں نے اسے یاد دلایا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ سوبھراج مجھے اس طرح کئی بار زک دے چکا تھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرے آدمی جوش میں کافی دور نکل گئے ہیں۔ وہ......!''

میں نے چونک کر اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا ''کیا ان چاروں نے ریسٹ ہاؤس اور گاڑیوں کو لاوارث چھوڑ دیا ہے؟''

''دو اس کی تلاش میں گئے ہیں۔ بقیہ دونوں اپنی پوزیشنوں پر ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ جنگل میں نہ گھس جائیں!''

''کیا یہاں جنگل بھی ہے؟'' میں نے اپنے چہرے سے ٹکرانے والی نرم شاخیں ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''ماسٹر! کھیت زیادہ بڑے رقبے پر نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم بھی جنگل کے سرے پر ہوں گے۔ ادھر بھیڑیے وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ رات کو جنگل میں گھسنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''کیا یہ بات تمہارے آدمی نہیں جانتے؟''

''پتا نہیں!'' اس نے فکرمندی سے جواب دیا ''برا وقت آ جائے تو آدمی جانی بوجھی باتیں بھی بھول جاتا ہے۔ تم سیدھے جا رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں دائیں بائیں بھی دیکھنا چاہیے۔ کھیتوں کے بیچ میں لگے ہوئے درختوں کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہو یا کسی درخت پر چڑھ گیا ہو۔''

''یہ تمہارا دیکھا بھالا علاقہ ہے تو میری رہنمائی کرو۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ اپنے آدمیوں کو جنگل میں گھسنے سے روکو۔ ہم ان کے انتظار میں زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔''

''ہاں...... آں!'' وہ پُرخیال آواز میں بولا ''کچھ دیر بعد ہی سے اجالا پھیلنا شروع ہو جائے گا۔ ''ہمیں دن نکلنے سے پہلے لوٹ جانا چاہیے۔''

وہ پگڈنڈی پر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے واکی ٹاکی پر ایک مرتبہ پھر اپنے آدمیوں سے بات کی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ چاروں واکی ٹاکی سرے سے استعمال نہیں کر رہے تھے۔ وہ لڑنے بھڑنے والے لوگ تھے۔ منظم ہو کر مضبوط کارروائی کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔

فائرنگ کا سلسلہ تھم گیا۔ جاؤ فان مجھے اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کر کے پگڈنڈی سے اترا اور کھیت میں گھس گیا۔

مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کس چیز کی فصل تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ سب پودے نیچے سے اوپر تک اتنے نرم اور لچکیلے تھے کہ انہیں کچل کر آگے بڑھنا دشوار نہیں تھا۔ نیچے زمین نرم اور دلدلی نہیں تھی۔ شاید فصل تیاری کے قریب تھی اس لیے کھیتوں کی آبیاری کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔

ہم بہت دیر تک کھیتوں میں بھٹکتے رہے۔ کئی گھنے درختوں کو دیکھ ڈالا لیکن کسی کا سراغ نہیں ملا۔ جاؤ فان جنگل کے بھیڑیوں کا ذکر کر چکا تھا۔ اس نے ادھر سے کھیتوں میں گھس کر فصلیں خراب کرنے والے جنگلی سوروں کا تذکرہ کر کے مجھے مزید فکرمند کر دیا۔ ذرا سی سرسراہٹ پر میں بھڑکنے لگا تو اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ کھیتوں میں آنے والے بڑے جانور عموماً خاموشی سے نہیں آتے..... وہ سرسراہٹیں نسل در نسل پروان چڑھنے والے چوہوں کی بھاگ دوڑ سے پیدا ہو رہی تھیں جو پودوں کی جڑوں میں بل بنا کر رہتے ہیں۔ زیادہ پانی دینے والی فصلوں میں چوہے ناپید ہو جاتے ہیں۔ نم اور خشک کھیتوں میں ان کی بن آتی ہے۔

کئی کئی منٹ کے لمبے وقفوں سے ایک آدھ ہوائی فائر ہو رہا تھا۔ دور کی وہ آوازیں رفتہ رفتہ قریب آ گئی تھیں۔ ہم

نے آپس میں باتیں کرنے کا سلسلہ بھی موقوف کر دیا۔ گہرے سناٹے میں ہماری آوازیں قریب چھپے ہوئے دشمن کو ہوشیار کر سکتی تھیں۔

کھیتوں میں خاصا وقت برباد کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ہماری وہ کوششیں بے سود تھیں۔ فصل کی اونچائی آٹھ فٹ کے لگ بھگ تھی اور وہاں بھٹکتے ہوئے ہم سر سے پیر تک تاریکی اور سبزے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے سمت کا کوئی اندازہ ہو رہا تھا نہ گرد و پیش سے باخبر ہونے کی کوئی صورت تھی۔

ہم چند قدم چلتے اور سن گن لینے کے لیے رک جاتے۔ اس وقت بصارت بالکل کام نہیں کر رہی تھی۔ ہر طرف یکساں گھور اندھیرا اور سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ صرف چھٹی حس ہماری کچھ رہنمائی کر رہی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں سوبھراج کو کوسا۔ وہ جان بچانے کے لیے ریسٹ ہاؤس سے کھیتوں میں گھسا تھا۔ اس کے سامنے سمت کی کوئی اہمیت تھی نہ راستے کی۔ وہ صرف اور صرف اپنی جان بچانے کے لیے کوشاں تھا۔ میں اس کی اندھی تقلید میں اسی راہ پر چل پڑا تھا۔

''لعنت بھیجو اس مہم پر اور ان کھیتوں سے نکلنے کی کوشش کرو!'' میں نے جھنجلا کر اونچی آواز میں چاؤ فان سے کہا۔

''ماسٹر! کیا ہوا...... تم اونچی آواز میں کیوں بول رہے ہو؟'' اندھیرے میں اس کی تحیر زدہ سرگوشی سرسرائی ''دشمن چوکنا ہو جائے گا۔''

''سبزے میں گھس کر ہماری عقلیں گھاس چر گئی ہیں۔ سنا ہے کہ رات کو درخت اور پودے آکسیجن جذب کر کے کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں......''

''ہاں...... ہاں! یہ میں نے بھی سنا ہے۔ سورج کی روشنی میں یہ عمل الٹ کر صحت افزا ہو جاتا ہے۔'' اس نے درمیان ہی میں میری تائید کی۔

''ہم تیزی سے آکسیجن کے قحط کا شکار ہو رہے ہیں۔'' میں نے اپنی حماقت کا اعتراف کرنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا ''میرا دم گھٹ رہا ہے۔ باہر نہ سہی تو کسی درخت کی طرف نکلو۔ اس کے سائے میں یہ اونچے پودے نہیں ہوں گے۔''

''قسمت ہی ادھر لے جا سکتی ہے۔'' چاؤ فان کی پژمردہ آواز سنائی دی ''مجھے تو یہاں کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا۔ بدھا کے توکل پر چل رہے ہیں۔''

''اپنے آدمیوں سے بات کرو۔ وہ ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں۔''

''ماسٹر! ایک ہی بات ہے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''ہم ان تک پہنچ سکتے ہیں، نہ وہ ہم کو تلاش کر سکتے ہیں۔ ہم نے پگڈنڈیاں چھوڑ کر بڑی غلطی کی ہے۔ یہ......''

''غلطی کی ہے تو اب اسے تم ہی بھگتو گے۔'' موقع ملتے ہی میں نے اس صورتِ حال کا سارا بوجھ بار اسی پر ڈال دیا۔

''ماسٹر! مجھے الزام نہ دو۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ کھیتوں کے قطعات زیادہ بڑے نہیں ہیں۔ دس پندرہ منٹ تک ہم ایک ہی سمت میں بڑھتے رہے تو کوئی نہ کوئی پگڈنڈی وغیرہ مل جائے گی۔''

میں نے وحشت زدہ ہو کر اپنے سر پر پھیلے ہوئے پودوں اور پتوں کو دونوں ہاتھوں سے بے تابانہ انداز میں سمیٹا تو اوپر لوپ بوری کا تاروں بھرا سیاہ آسمان پھیلا ہوا تھا۔ ارد گرد پودے ہی پودے تھے جو رات کی گھور تاریکی میں سبز کے بجائے سیاہ نظر آرہے تھے۔

چاؤ فان فوری طور پر راجن کے مہمان کو بھول کر سیدھا ہو لیا۔ وہ میری کہی ہوئی ہر بات پر دل و جان سے عمل کرنے کا قائل تھا جب کہ میں مسلسل سوبھراج کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے چاؤ فان سے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے فیصلے کی غلطی کو چھپانے کی ایک کوشش کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں وقت گزارنے کے لیے چاؤ فان سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ اس دوران میرے ذہن میں ایک واضح حکمتِ عملی مرتب ہوتی جا رہی تھی۔

آخر کار ہم ایک تناور درخت کے قریب کھیت سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

''اب یہاں سے ہمیں واپسی کا راستہ دیکھنا ہے۔'' چاؤ فان گہرا سانس لے کر بولا ''فصل اتنی اونچی ہے کہ زمین پر کھڑے ہو کر دور کا جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ میں درخت پر چڑھ کر جائزہ لیتا ہوں۔ روشنی نظر آ ہی جائے گی۔''

''درخت پر ضرور چڑھو مگر روشنی کے ساتھ کھیتوں کا بھی جائزہ لو۔'' میں نے اسے ہدایت کی ''جہاں بھی پودے یا پتے ملتے نظر آئیں، ادھر گولی داغ دو۔''

''اوہ، ماسٹر! تم واقعی گریٹ ہو۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ ''ہمیں کھیتوں میں گھسنے کے بجائے ابتدا سے اس ترکیب پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ پگڈنڈیوں کے سہارے ہم ایک سے دوسرے درخت تک پہنچ سکتے ہیں۔ دس پندرہ درختوں سے بہت بڑے علاقے کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ تم نے پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی؟''

''ایسی باتیں آکسیجن کی کمی کی صورت میں سوجھ سکتی

ہیں؟ تم درخت پر جا رہے ہو یا میں اوپر چڑھنے میں پہل کروں؟''

''میں روشنی نہیں ڈالوں گا۔ خاموشی سے دیکھ بھال کرکے اتر آؤں گا۔'' اس نے قریبی درخت کے تنے کی طرف بڑھتے ہوئے تائید طلب انداز میں کہا۔

چاؤ فان کرتبی آدمی تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اس گھنے درخت کے قریب رکا اور پھر اس کی جھکی ہوئی شاخوں میں سے ایک کا سہارا لے کر کسی بندر کی سی پھرتی سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میں خاموشی سے اس کے اترنے کا انتظار کرتا رہا۔

چند منٹ بعد وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔ تاحدِ نظر اسے کوئی مشکوک جنبش نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے دوسری خوش خبری یہ سنائی کہ اتنی دیر سے ہم ایک ہی دائرے میں بھٹکتے رہے تھے اور ریسٹ ہاؤس سے زیادہ دور نہیں نکلے تھے۔

وقت کی بربادی پر دل ہی دل میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر سوبھراج مسلسل حرکت میں رہا تھا تو یقیناً ہماری دسترس سے دور نکل چکا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ چاؤ فان کے آدمیوں کی دھواں دھار فائرنگ کے خوف سے اس نے براہِ راست فرار کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔ کچھ دور تک کھیتوں میں گھسنے کے بعد خاموشی سے اندر ہی دبک کر بیٹھ گیا ہوگا۔

اسے معلوم تھا کہ اس کی تلاش میں آنے والے اس کے خون کے پیاسے تھے اور ان کا قانون کے مقامی رکھوالوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا، اندھیرا چھٹنا شروع ہوتا تو وہ بھی میدان میں جمے نہیں رہ سکتے تھے فائرنگ اور تلاش کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد وہ کسی بھی طرف سے باہر نکل کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ ساڑھے تین بجا رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ ہمیں ریسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے سے نکل کر کھیتوں میں اترے ہوئے آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت ہوا تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم گھنٹوں سے اس مہم میں مصروف ہوں۔

چاؤ فان کے آدمیوں کی طرف سے چلائی جانے والی گولیوں کا درمیانی وقفہ مزید بڑھ چکا تھا۔ کسی بھی پختہ کار مجرم کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ فائرنگ کسی ہدف پر نہیں بلکہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے کی جا رہی تھی۔

واضح راہِ عمل طے ہو جانے کے بعد ہم نے پودوں سے گھرے ہوئے تنگ اور کچے راستوں سے دور درخت تک پہنچنے میں بہت تیزی دکھائی۔ کھلے آسمان تلے آ جانے کے بعد سمتوں کا تعین بھی سہل ہو گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہم نے بارہ درختوں پر چڑھ کر ان کے گرد و پیش کا جائزہ لے ڈالا لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آ سکی۔

تیرہواں درخت مجھے سر کرنا تھا تین درختوں کے بعد چاؤ فان کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا اور ہم نے باریاں طے کر لی تھیں اونچے تنے والے درختوں پر اس نے خود طبع آزمائی کی تھی۔

میں پتوں اور شاخوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے خاصی بلندی تک پہنچا تو مجھے ایک جانب کھیت کے پتے زور زور سے ہلتے نظر آئے میں نے قریبی شاخ پر اپنی جگہ بنا کر اس طرف نظریں جما دیں، پتوں وغیرہ کی وہ حرکت آہستگی سے آگے حرکت کرتی ہوئی نظر آئی تو ابتدا میں مجھے نظر فریبی کا اندیشہ ہوا۔

چند لمحے تک وہیں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ ان پودوں کے درمیان سے کوئی وزنی جان دار گزر رہا تھا۔

وہ کسی شک و شبے میں پڑنے کا موقع نہیں تھا میں نے درخت کی شاخ پر اپنا توازن بہتر کرتے ہوئے رائفل اٹھائی۔ میں اس وقت برسٹ کا غیر متوازن جھٹکا برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا میں نے اندازے سے اپنے ہدف کی زمینی پوزیشن کا تعین کرتے ہوئے ایک گولی چلا دی۔

فضا ایک بے ساختہ انسانی چیخ سے لرز اٹھی اور کھیت میں زلزلہ سا آ گیا چیخ کا کوئی لب و لہجہ نہیں ہوتا لیکن آواز کے بھاری پن سے مجھے یقین تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے... سوبھراج کے بدن کا کوئی حصہ چاٹا تھا، وہ آواز چاؤ فان کے کسی مقامی ساتھی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

اپنے مقدر کی اس یاوری پر میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا، بے اختیار جی چاہا کہ درخت کی اس اونچی شاخ سے چھلانگ لگا کر میں فضا میں اڑتا ہوا زخمی سوبھراج پر جا پڑوں لیکن درخت اونچا تھا فاصلہ طویل تھا۔ ایسی پر جوش مہم جوئی احمقانہ خودکشی پر منتج ہو سکتی تھی میں نے اپنے ہیجان پر قابو پا کر بہت تیزی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔

درخت سے اترتے ہوئے میں نے آخری لمحات تک پودوں کی جنبشوں پر نگاہ رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سوبھراج زخمی ہونے کے بعد اندھا دھند اس طرف بھاگا تھا جدھر، چاؤ فان کے بیان کے مطابق کھیتوں کا سلسلہ جنگل کی ابتدا پر ختم ہو جاتا تھا۔

''ماسٹر! تم نے کمال کا نشانہ لگایا ہے۔'' میرے پیچھے پہنچتے ہی چاؤ فان والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا ''ڈان اچھے نشانہ بازوں کی بہت عزت کرتا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ گولی چلنے پر اس درخت سے ایک پرندہ بھی چیختا ہوا نہیں اڑا۔''

بعض اوقات چاؤ فان کو ایسی ہی انوکھی باتیں سوجھتی تھیں' دل تو یہ چاہا کہ بے وقت کی اس راگنی پر اسے جھاڑوں مگر اس نے میرے نشانے کی تعریف کی تھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے نرمی سے کہا'' درختوں میں بسیرا کرنے والے سارے پرندے تمہارے آدمیوں کی چاند ماری نے پہلے ہی اڑا دیے ہیں۔ اب وقت خراب مت کرو ورنہ زخمی شکار نکل جائے گا۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور درخت کے سائے سے کھیت کی طرف دوڑ لگادی۔

کھیت میں چند قدم دور تک گھسنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وقتی جوش میں آ کر میں غلطی کا اعادہ کرنے جارہا تھا، کھیت میں گھس کر ہم کبھی سوبھراج تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

''باہر نکلو!'' میں نے اسی لمحے مڑتے ہوئے کہا'' ہمیں پگڈنڈیاں پکڑ کر جنگل کی طرف پہنچنا ہے اس کا رخ اس سمت میں تھا وہ سیدھا جائے گا۔''

''زخم کاری ہے تو وہ درمیان میں ہی ڈھیر ہوجائے گا۔''

''پھر دوسرے لوگ اسے زندہ یا مردہ حالت میں کھیتوں سے برآمد کریں گے ہم بھٹک کر اپنا وقت برباد نہیں کریں گے۔''.... میں نے اس کے ساتھ ایک راستے پر تیزی سے بڑھتے ہوئے کہا۔

ہمارے دونوں طرف پودوں کی اونچی اور خنک باڑ کھڑی ہوئی تھی ہم دوڑنے کی رفتار سے اس تنگ ناہموار اور کچے راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی تھی میرے کان داہنی طرف سے کھیتوں پر لگے ہوئے تھے کیونکہ میں نے سوبھراج کو اسی طرف گولی ماری تھی۔

پگڈنڈیاں سیدھی نہیں تھیں' مقامی کسانوں نے اپنی اپنی ملکیت اور سہولت کے حساب سے وہ راستے چھوڑے ہوئے تھے جو بھول بھلیاں سے کم نہیں تھے۔

''ماسٹر! میرے آدمی اب بلاوجہ اپنا میگزین برباد کررہے ہیں۔'' راستے میں چاؤ فان نے ہانپتے ہوئے کہا ''یہ آوازیں کسی سوئے ہوئے پولیس افسر کے کان میں پڑ گئیں تو وہ اسی وقت وردی پہن کر ادھر آجائے گا تم کہو تو یہ غیر ضروری فائرنگ رکوا دوں!''

''رکوا دو!'' میں نے اس کے مشورے کی افادیت بے چون و چرا قبول کرلی۔'' اگر تم شکار کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا سکو تو دونوں آدمیوں کو واپس لوٹ کر ہمارا انتظار کرنے کے لیے کہہ دو۔''

''ماسٹر! بوجھ ڈھونے کا چکر چھوڑو۔'' اس نے میرے دل کی بات کہہ دی'' وہ مل جائے تو اس کے مغز میں بھی ایک گولی اتار دو اور خاموشی سے ہلکے پھلکے لوٹ چلو' وہ چھوٹا راجن کا مہمان ہے' اس کی لاش وہی اٹھوائے گا یا پھر پولیس لے جائے گی۔''

''جو چاہو کرو۔'' میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی۔ ''کھویا ہوا شکار مل جانے کی خوشی میں اس وقت تمہیں کھلی آزادی حاصل ہے۔''

ہم دونوں کے سانس چڑھے ہوئے تھے چاؤ فان نے اپنی رفتار برقرار رکھتے ہوئے اسی حالت میں واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔

''اب تک تم نہ جانے کتنے موڑ گھوم چکے ہوں' کھیتوں کا سرا ابھی نظروں سے اوجھل ہے۔'' میں نے اپنے سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''فکر نہ کرو' آسمان نظر آتا رہے تو چاؤ فان کے اندازے قطب نما سے زیادہ سچے ثابت ہوں گے۔'' اس نے بے پروایانہ لہجے میں جواب دیا۔

اچانک اس کے واکی ٹاکی پر پہلی بار اس کے کسی آدمی کا پیغام آیا۔

بات مکمل کرکے اس نے مجھے بتایا کہ لوپ بوری کے کسی دور افتادہ حصے میں پولیس کار کے سائرن کی ہلکی سی ڈوبتی ابھرتی آواز نے اس کے دو آدمیوں کو تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

چاؤ فان نے وہ خبر سنتے ہی اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ ریسٹ ہاؤس اور اس کے قریب سے اپنی دونوں گاڑیاں کچے میں اتار لے جائیں تاکہ گشت پر آنے والوں کی ان پر نظر نہ پڑ سکے۔ اس نے ان دونوں کو بقیہ دونوں کی واپسی کے بارے میں بھی بتا دیا۔ وہ دونوں اس بارے میں ہونے والی گفتگو اپنے واکی ٹاکی پر پہلے ہی سن چکے تھے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ چاؤ فان نے اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر اپنے آدمیوں کو موزوں ہدایات دے دی تھیں۔ اپنی یک جائی کے بعد ان چاروں کو کچے میں رک کر میری اور چاؤ فان کی واپسی کا انتظار

کرنا تھا۔ انہیں ریسٹ ہاؤس کی نگرانی سے فوری طور پر ہٹا دیا گیا تھا۔ کیونکہ سوبھراج کی غیر متوقع دریافت کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

"ہماری پیش قدمی کی رفتار بہت سست ہے۔" مزید کچھ دیر تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔ "کھیتوں کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتا جا رہا ہے۔ اب تک راجن کا مہمان باہر نکل گیا ہوگا۔"

"تم دیکھ چکے ہو کہ ان ناہنجار کھیتوں سے باہر نکلنا کتنا مشکل ہے۔" اس نے مجھے دلاسا دیا "وہ نکل بھی گیا تو جنگل میں گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا' ان ہی اطراف میں بھٹکتا رہے گا۔ جس شخص کو اس علاقے سے ذرا بھی واقفیت ہوگی وہ گیدڑوں' بھیڑیوں اور سوروں کی آماجگاہ میں نہیں گھسے گا۔"

رات کے گہرے سکوت میں ہماری تھکا دینے والی پیش قدمی جاری رہی۔ چاؤ فان نے ہوا میں تبدیلی کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے خوش خبری سنائی کہ ہم جنگل کے قریب پہنچ چکے تھے۔

مجھے جنگلوں کی سیر کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے جنگلی جانوروں کی آوازیں نہ آنے کے بارے میں حیرت کا اظہار کیا تو چاؤ فان نے اپنی علمیت بگھارتے ہوئے بتایا چند شب بیدار پرندوں کے سوا رات کو انسان کی طرح ہر جان دار آرام کر رہا ہوتا ہے۔ بھوک کے ہاتھوں ستائے ہوئے وہ درندے راتوں کو شکار کی گھات میں سرگرداں رہتے ہیں جنہیں دن کی روشنی میں خوراک میسر نہیں آتی۔

لوپ بوری کے اس مضافاتی جنگل میں بسنے والے درندے شاید آسودہ شکم تھے یا پھر خاموشی سے اپنے شکار کی تلاش میں تھے۔ ان کی خاموشی کے بارے میں میری تشویش رفع ہوگئی۔

وہ سکوت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ یکایک فضا متعدد خوفناک حیوانی آوازوں سے گونج اٹھی۔ جنگل میں موجود درندوں نے اچانک اپنی موجودگی کا احساس دلانا شروع کر دیا۔ وہ بھونکنے' غرانے اور ہونکنے کی عام آوازیں نہیں تھیں۔ ان میں وحشیانہ جوش جھلک رہا تھا۔ پھر ان آوازوں میں لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی شامل ہوگئیں۔

رات کے پُرہول اندھیرے میں ابھرنے والی دردناک انسانی چیخیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ انسانی چیخوں میں بے بسی اور موت کی دہشت رچی ہوئی تھی' حیوانی آوازیں جوش اور اشتعال میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ منظر نگاہوں کے سامنے نہ ہونے کے باوجود یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ بھیڑیوں کے غول نے کسی انسان پر حملہ کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں سوبھراج کی تکبر اور نخوت میں ڈوبی ہوئی تصویر ابھر آئی۔ وہ ایک مدت سے اپنی جان بچانے کے لیے مسلسل بھاگ رہا تھا۔ اس کا وقت پورا نہیں ہوا تھا اس لیے قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے مجھے کئی جل دیے تھے اور موت سے امان پانے کے لیے کراچی سے فرار ہو کر بنکاک آ گیا تھا۔

وہاں اس نے جس انداز میں امریکی فوجیوں کو غچا دیا' اس سے میری مایوسی میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ جنگل کی طرف سے آنے والی ملی جلی انسانی چیخوں اور حیوانی غراہٹوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سوبھراج کو قدرت کی طرف سے ملی ہوئی ڈھیل ختم ہو چکی تھی۔

وہ اپنی بدقسمتی کی بنا پر میرے ہاتھوں گولی کا زخم کھا چکا تھا اور مزید مار کھانے سے بچنے کے لیے غیر ارادی طور پر کھیتوں سے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔

اس کے کچھ سانس باقی ہوتے تو وہ بھی ہماری طرح گنجان کھیتوں میں بھٹک کر کسی اور راہ پر نکل سکتا تھا لیکن فرشتہ اجل کے نادیدہ ہاتھ اسے اس کے عبرت ناک انجام کی طرف ہانک رہے تھے۔ وہ کھیتوں میں بھٹکنے کے بجائے تیر کی طرح سیدھا نکلتا چلا گیا اور ہمارے پہنچنے سے پہلے جنگل میں داخل ہوگیا۔

وہ زخمی تھا۔ اس کے بدن کے کسی حصے سے تازہ لہو بہہ رہا تھا۔ جنگل کی کھلی فضا میں خون کی اس بو نے یقینی طور پر بھوکے درندوں کے کسی غول کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور وہ یکجا ہو کر زخمی سوبھراج پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"ماسٹر! وہ تو مارا گیا۔" چاؤ فان نے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا "یہ آوازیں بتا رہی ہیں کہ جنگل کے بھوکے بھیڑیے چھوٹا راجن کے مہمان کے بدن کو نوچ اور بھنبھوڑ رہے ہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ادھر آدم خور بھیڑیے پائے جاتے ہیں!"

"بھیڑیے آدم خور نہیں ہوتے۔ وہ صرف خون کی بُو پر لپکتے ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں زخمی نہ ہوا ہوتا تو شاید بھیڑیے بھوک کے باوجود اس کے قریب نہ جاتے' ڈر کر دور بھاگ جاتے۔"

سوبھراج کی جگر خراش چیخیں تیزی سے دم توڑتی چلی گئیں۔ درندے اپنے زخمی اور دہشت زدہ شکار پر بہت

پھرتی سے غالب آئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ غیر ارادی طور پر ہم دونوں کے بھاگنے کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ سستی تکان کے باعث آئی تھی یا سوبھراج کے غیر متوقع انجام نے ہمارے اعصاب پر کوئی اثر ڈالا تھا۔

آخر کار کھیتوں کا سلسلہ اچانک ختم ہوگیا اور ہم کھلی فضا میں نکل آئے۔ ہمارے سامنے چھدرے جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

انسانی آوازیں مفقود ہو چکی تھیں۔ درندوں کی غراہٹوں میں وحشیانہ جوش کی جگہ آسودگی نے لے لی تھی۔ وہ اپنے شکار کو زیر کرنے کے بعد شاید اپنی آتش شکم بجھا رہے تھے۔

چاؤ فان نے اپنی سرچ لائٹ روشن کر لی۔ اسے مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔

سرچ لائٹ کی دور تک پھیلی ہوئی تیز روشنی میں جنگل کا سلسلہ بتدریج گھنا ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے حیوانی آوازوں اور آہٹوں کی سمت میں بڑھتے رہے۔

جنگل کا وہ سلسلہ دشوار گزار نہیں تھا۔ ہمیں زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ ہمیں زمین پر پڑی ہوئی انسانی لاش سے چمٹے ہوئے چھ سات بھیڑیے نظر آ گئے جو اپنے اپنے حصے کے اعضا کو نوچ رہے تھے۔

روشنی پڑتے ہی بھیڑیے چوکنا ہو گئے۔ شکار کو بھول کر وہ سب ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی بلّور کی طرح چمکتی ہوئی گرسنہ آنکھوں سے بھوکا تجسس جھانک رہا تھا۔ انہوں نے ہمارے پہنچنے سے پہلے اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

بھیڑیوں کی تھوتھنیوں سے زمین تک خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے بیشتر حصے بھیڑیوں کے خالی معدوں میں اتر چکے تھے۔ سینہ اور پیٹ چاک ہو چکا تھا۔ بے جان چہرہ دھڑ سے تقریباً ایک فٹ دور پڑا ہوا تھا۔ گردن الگ نہیں ہوئی تھی، بھیڑیوں نے اسے ادھیڑ ادھیڑ کر لمبا کر دیا تھا۔

چاؤ فان نے اپنے ہاتھ میں موجود سرچ لائٹ اس بے نور چہرے پر مرکوز کر دی جو لمبی اور گہری خراشوں کے سبب خون میں نہا کر ڈراؤنا ہو چکا تھا۔ وہ سوبھراج کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

''آدمی بہت جان دار تھا...... اپنے زخم کی وجہ سے مارا گیا!'' چاؤ فان بڑبڑایا۔

''رک کیوں گئے...... بڑھتے رہو۔ یہ جانور روشنی سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔''

''بھوک انسان اور جانور پر یکساں اثر کرتی ہے۔ اسے توڑ کر رکھ دیتی ہے یا بالکل بے خوف بنا دیتی ہے۔ جانور روشنی اور انسان سے ڈر کر بھاگتے ہیں مگر اس وقت یہ خطرناک ہو گئے ہیں۔ اپنے منہ کا لقمہ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے، ہم پر حملہ کر دیں گے۔''

چاؤ فان سچ کہہ رہا تھا۔ بھیڑیے اپنی جگہ جمے کھڑے تھے اور ہماری طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ان کے خون آلود دہانوں میں سوبھراج کے بدن کی مختلف چھوٹی بڑی ہڈیاں دبی ہوئی تھیں۔

''لاش اٹھائے جانے کے قابل نہیں رہی۔'' قدرے توقف کے بعد چاؤ فان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ویسے بھی یہ کام چھوٹا راجن کے کرنے کا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہاں ہڈیوں کا پنجر پڑا رہ جائے گا۔ خون کی بو پر دوسرے بھیڑیے اور گیدڑ وغیرہ بھی اس دعوت میں شامل ہو جائیں گے۔ چہرہ تک گوشت سے خالی ہو کر ناقابلِ شناخت ہو جائے گا۔ اب اسے کپڑوں کی دھجیوں اور چیتھڑوں سے ہی پہچانا جا سکے گا۔''

سوبھراج نے اپنے ملک اور قوم سے کھلی غداری کی تھی۔ اسے ہم لوگوں نے بہت ہلکان کیا تھا لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے کوئی بڑی جسمانی سزا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ سوبھراج اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ہماری گرفت سے پھسل کر نکلتا رہا مگر وقت کا بے رحم پہیا اس کے خلاف حرکت میں آ چکا تھا۔ قدرت اسے زمین پر بسنے والوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ ایسی عبرت ناک موت کا شکار ہوا تھا جو دلوں کو دہلا دینے والی تھی۔

اس کی ارتھی اٹھنے کی گنجائش رہی تھی نہ اسے کوئی سمادھی نصیب ہو سکتی تھی۔ صبح کے اجالے میں اس کی زمین پر بکھری ہوئی خستہ و شکستہ ہڈیاں چن کر تحقیق و تفتیش کی جاتی پھر ہڈیوں کے اس ڈھیر کو سوبھراج کے نام پر چتا کی آگ میں جلا دیا جاتا۔

میں لرز کر رہ گیا۔ سوبھراج کے ساتھ آخرت میں جو کچھ ہونا تھا سو ہونا تھا، قدرت نے اسے دنیا میں ہی اس کا مقام اور انجام دکھا دیا تھا۔

''ماسٹر! معلوم ہو رہا ہے کہ تم خاموش کھڑے ہو کر مرنے والے کا سوگ منا رہے ہو!'' اس بار بھی چاؤ فان نے ہی سکوت توڑا اور میں ایک جھرجھری لے کر پھیکے انداز میں ہنس پڑا۔

''سوگ نہیں منا رہا۔ مجھے قلق ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں مار سکا۔''

''مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ تم ہر وقت انکسار کے سمندر میں غوطے لگاتے رہتے ہو۔ میرے حساب سے تم ہی نے اسے اس انجام کو پہنچایا ہے۔ وہ تمہاری چلائی ہوئی گولی سے زخمی نہ ہوا ہوتا تو سو بھیڑیوں کا غول بھی اسے دیکھتے ہی ڈر کر بھاگ جاتا۔''

چاؤ فان نے سوبھراج کی موت کا سوگ منانے کا طعنہ دے کر میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ میں نے سوبھراج کی باقیات کو بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو اپنی واپسی کی اطلاع دینے کے بعد چاؤ فان نے افسردگی سے کہا ''میرے حساب سے اس کھیل میں ایک بڑی گڑ بڑ ہوئی ہے۔ چھوٹا راجن کو یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کے مہمان کو ہم لوگوں نے مارا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ اس کا مہمان جنگلی جانوروں کا شکار ہوا ہے۔''

چاؤ فان کا وہ اندیشہ بے بنیاد تھا۔ چھوٹا راجن اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے پختہ برآمدے سے اپنے ڈرائیور کی لاش برآمد ہونے کے باوجود سوبھراج کی ہلاکت کو کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ سمجھتا۔

وہ اپنی زیرِ زمین دنیا کا ایک گھاگ آدمی تھا۔ اسے یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے تھی کہ ڈرائیور کی ہلاکت کے بعد سوبھراج کو اپنے دشمنوں سے جان بچا کر ریسٹ ہاؤس سے فرار ہونا پڑا اور وہ زخمی حالت میں جنگلی درندوں کی خوراک بن گیا۔

بچی کھچی ہڈیوں کے طبی تجزیے کے نتیجے میں یہ بات آسانی سے سامنے آسکتی تھی کہ مرنے سے پہلے متوفی کے جسم پر گولی کا زخم آچکا تھا۔ گولی لگنے کے بعد سوبھراج نے جس بے ساختگی سے دردناک چیخ ماری تھی، اس کی بنا پر مجھے کامل یقین تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اس کی جلد اور گوشت کے ساتھ اس کے بدن کی کسی نہ کسی ہڈی کو بھی گہرا نقصان پہنچایا تھا۔

واپسی کے سفر میں ہم دونوں بے خوف و خطر ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ میری وہ وضاحتیں ذرا مشکل سے چاؤ فان کی عملی کھوپڑی میں سما سکیں۔ پوری بات سمجھ لینے کے بعد اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ چند روز کے قلیل عرصے میں چھوٹا راجن کو ہمارے ہاتھوں سنگین جانی اور مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

اس وقت تک اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ سوبھراج سے میری پرانی دشمنی چل رہی تھی۔ اس کا سارا دھیان صرف اور صرف راجن پر مرکوز تھا۔ وہ بدستور اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ میں راجن کے مہمان کو مار کر اسے بالواسطہ طور پر زک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہم واپس ریسٹ ہاؤس تک پہنچے تو چار بج چکے تھے۔ آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک گہری سیاہ چادر پھیلی ہوئی تھی۔ بظاہر حالات پرسکون نظر آرہے تھے۔

واپسی پر ہمیں ریسٹ ہاؤس میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم دونوں اس کے گرد گھوم کر آگے کی طرف پہنچے تو سفید لینڈ کروزر اپنے سواروں سے محروم ہو کر جوں کی توں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آس پاس کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

''یہاں سناٹا ہے۔ سائرن کی آواز والے قصے کا کیا بنا؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر کوئی نہیں آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آواز ختم ہو گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مریض کو اسپتال لے جانے کے لیے ایمبولینس سڑک پر آئی ہو۔'' چاؤ فان کا جواب اطمینان بخش تھا۔

اپنے آدمیوں سے آخری بار بات کرتے ہوئے اس نے گاڑیوں کی پوزیشن کے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ مجھے دور دور تک دونوں گاڑیوں کا نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ چاؤ فان نے اطمینان سے میرے ساتھ سڑک عبور کی اور کچے میں اتر گیا۔

گاڑیاں سڑک سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ رخ سیدھا ہوتے ہی مجھے گاڑیاں نظر آگئیں۔ وہ چاروں ان کے قریب موجود تھے۔

انہوں نے اپنے طور پر ہوشیاری دکھائی۔ سرخ کار کی ڈکی کھلی ہوئی تھی اور گاڑی کو جیک لگا کر ایک پچھلا پہیا زمین سے اوپر اٹھا دیا گیا تھا جیسے اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔

ہمارے پہنچنے پر چاؤ فان نے انہیں کام ہو جانے کی نوید سنائی۔ چاروں نے پُرجوش انداز میں اپنے مکے فضا میں لہرا کر خوشی کا اظہار کیا۔ ایک نے لپک کر جیک اتارنا شروع کر دیا۔

میں چاؤ فان کے ساتھ اس کی کالی اکارڈ میں سوار ہو گیا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور اپنے پیچھے دھول اڑاتا ہوا تیزی سے سڑک پر چڑھ گیا۔

''رات کالی ہو چکی ہے۔ ہم آرام سے چلتے رہے تب بھی دن نکلنے سے پہلے بنکاک پہنچ جائیں گے۔'' میں نے

نرمی سے اسے سمجھایا۔
''ماسٹر! ان ذراسی باتوں پر مجھے نہ ٹوکا کرو۔'' اس نے میری بات کا برا منائے بغیر خوش دلی سے کہا۔
''چھوٹے موٹے قوانین توڑنا میری ہابی ہے' بڑے قانون توڑنا میرا پیشہ ہے...... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ٹریفک سگنل کو توڑ کر یا ایکسپریس وے پر رفتار کی حد سے تجاوز کر کے کتنا مزہ آتا ہے۔ دراصل تم اس لائن کے آدمی نہیں ہو۔ چھوٹا راجن کی دشمنی تمہیں میرے اور ڈان کے قریب لے آئی ہے۔''
''میں قانون کی نہیں' اپنی جان کی حفاظت کی بات کر رہا تھا۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا'' قانون بھی تمہارا ہے اور ملک بھی...... اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرتے رہو۔ بس مجھے یہاں سے زندہ لوٹنے کا موقع ضرور دے دینا۔''
چاؤ فان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا اور بولا'' ماسٹر! تم باتیں بہت مزے کی کرتے ہو...... واہ! کیا بات ہے کہ قانون بھی ہمارا ہے اور ملک بھی۔ یہ بات پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ہر جگہ قانون کے ٹھیکے دار بنے ہوئے ہیں ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کو اپنی مرضی اور خوشی کا ہر کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیے!''
اس بدمعاش نے مجھے باتوں میں لگا کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔ اس معاملے میں اس کے ساتھ سر کھپانا بے سود تھا' میں نے گاڑی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔
''یہ دنیا کی محفوظ ترین گاڑیوں میں شمار ہوتی ہے۔'' اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلی مار کر مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا'' گردن کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے ہیڈ ریسٹ ہے' ڈیش بورڈ سے تصادم کو سیٹ بیلٹ روکتی ہے اور پھر اس میں ائر بیگ بھی ہیں۔ ڈیڑھ سو کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے آمنے سامنے کا تصادم ہو تب بھی سوار بچ جاتے ہیں۔ پسلیاں تک نہیں ٹوٹتیں......!''
''چاؤ فان خدا کا خوف کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا'' ابھی ہم لوپ بوری میں ہیں۔ ایکسپریس وے دور ہے لیکن اسپیڈو میٹر کی سوئی سو کے ہندسے سے آگے جا رہی ہے۔''
''یہی تو کمال کی بات ہے!'' وہ خوش ہو کر بولا'' اسپیڈو میٹر پر نظر نہ ڈالو تو پتا ہی نہیں چلتا کہ گاڑی کس رفتار سے اڑی جا رہی ہے۔ اس گاڑی میں پر نہیں ورنہ چھوٹا راجن کا منہ کالا کرنے کی خوشی میں گاڑی کو سڑک سے اوپر اڑانے کو جی چاہ رہا ہے۔''

اس وقت وہ بغیر پیے سرور میں آیا ہوا تھا۔ ہماری مہم کے خوشگوار انجام نے اس پر ضرورت سے زیادہ مثبت اثرات ڈالے تھے۔ میں نے چپ سادھ لی۔
ہماری وہ پوری رات جاگتے ہوئے اور بھاگ دوڑ میں گزری تھی۔ ائر کنڈیشنڈ گاڑی کی نرم اور آرام دہ سیٹ میسر آئی تو ذہن پر بے اختیار اونگھ سوار ہونے لگی۔ جب تک میں چاؤ فان سے الجھتا رہا' ذہن چونچال رہا لیکن آرام کے ساتھ خاموشی سونے پر سہاگا ثابت ہوئی اور مجھ پر باقاعدہ غنودگی نے حملہ کر دیا۔
واقعہ بہت تازہ اور چشم دید تھا۔ ذہن گرد و پیش سے جوں ہی غافل ہوا' خونی بھیڑیوں کے غول میں پھنسی ہوئی سوبھراج کی بگڑی ہوئی لاش میری چشم تصور میں آموجود ہوئی میں نے اپنی زندگی میں بہت سی لاشیں دیکھی تھیں جن میں کوئلہ بنے ہوئے سوختہ انسانی جسم بھی شامل تھے مگر جو براحشر سوبھراج کا ہوا تھا وہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
ہم وہاں پہنچے تو سوبھراج زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو چکا تھا۔ میری خیال انگیزی اس سے پہلے چلی گئی۔ میں نے سوبھراج کو زندگی کے لیے خوں خوار بھیڑیوں کی یلغار سے بچتے اور اعضا سے محروم ہوتے ہوئے دیکھا تو مجھے بے اختیار جھرجھری آ گئی اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔
''ماسٹر! سو جاؤ۔'' چاؤ فان بولا'' سفر لمبا ہے کچھ دیر کے لیے اونگھ لو گے تو تھکن کم رہ جائے گی۔ میں ڈرائیونگ سے مزہ لیتا ہوں لڑکی گود میں ہو یا میں گاڑی کی گود میں ہوں' میری پلک تک نہیں جھپکتی' تمہاری بند آنکھیں مجھ پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔''
''تمہاری فحش کلامی مجھے پسند نہیں ہے!'' میں نے ناگواری سے کہا۔
''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے احتجاج کیا'' میں تمہارے سامنے بہت مؤدب اور محتاط رہتا ہوں۔ بس زبان زیادہ چلتی ہے اس پر مجھے قابو نہیں ہے۔''
''لڑکی کو گود میں بٹھانے کے ذکر کی اس وقت کیا تک تھی!''
''اوہ! تم بات کو غلط رخ پر لے گئے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر معتاسفانہ لہجے میں بولا'' میں دو چار برس کی لڑکی کی بات کر رہا تھا تم پتا نہیں کہاں پہنچ گئے۔''
میں اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خباثت ناچ رہی تھی اور ہونٹوں پر خفیف سی فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ اس سے مختصر ملاقاتیں ہی بہتر رہتی تھیں۔ وہ سراپا ادب واحترام بنا رہتا تھا۔ اسے بے تکلفی ہونے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ میرے ساتھ وقت گزار کر وہ رفتہ رفتہ بے تکلفی کی کوئی نہ کوئی راہ ہموار کر لیتا تھا اور میں بے بس ہو کر رہ جاتا تھا۔

چاؤ فان کی تیز رفتاری اور آپس کی نوک جھوک کی وجہ سے وہ سفر بہت تیزی سے طے ہو گیا۔ ہماری گاڑی بنکاک کی شہری حدود میں داخل ہوئی تو آسمان پر دور دور تک سفیدی پھیلنے کے آثار نہیں تھے۔ اپنے پیچھے آنے والی سرخ گاڑی کو چاؤ فان نے میلوں دور چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

''اس انجام پر میرا رواں رواں کانپ اٹھا ہے!'' اس مہم کی مختصر سی روداد سن کر غزالہ بولی ''یہ خبر پاکستان پہنچے گی تو اس کے خاندان میں کہرام مچ جائے گا۔''

''پوری طرح دن نکلنے سے پہلے گوشت خور چوپائے اور پرندے اس کا ایک ایک ریشہ کھا جائیں گے اور وہ استخوانی ڈھیر کی صورت میں پڑا رہ جائے گا۔'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے جواب دیا ''اس نے اپنے قدموں سے چل کر اس موت کو گلے لگایا ہے۔''

''آپ اسے دیکھ کر آئے ہیں مگر میری طبیعت وہ سب سوچ کر مکدر ہو گئی ہے۔ انسان اپنے زعم میں مبتلا ہو کر یہ بھول جاتا ہے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے اور وہی قادر مطلق ہے جو انسان کو اس کے اعمال کی بنا پر کسی بھی انجام کی طرف ہانک سکتا ہے۔ کاش، سوبھراج کے انجام سے دوسرے غدار عبرت حاصل کر سکیں۔ ہماری آستینوں میں اب بھی سانپ پل رہے ہوں گے۔''

''کیا تم اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہی ہو؟'' میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''کیا وہ کسی ہمدردی کا مستحق تھا؟'' غزالہ نے الٹا سوال کر ڈالا۔

میں ہنس دیا۔ غزالہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سوبھراج کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے میں دو آدمیوں نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ خبر چاؤ فان لایا تھا کہ موتی محل میں امریکی فوجیوں کا آپریشن شروع ہوتے ہی راجن کی سفید لینڈ کروزر میں اس کا ڈرائیور کسی نامعلوم مسافر کو لے کر پچھلے راستے سے روانہ ہوا تھا اور آخر تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ اس مہم میں شانہ بہ شانہ شریک تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس کے باہر راجن کی وہ گاڑی موجود تھی۔

دوسری طرف اسد نے یہ باتیں معلوم ہونے سے پہلے اپنے ایک دوست کے ذریعے کار ٹریکنگ کمپنی کے ریکارڈ

پہلا قدم

لڑکی نے کافی اصرار کے بعد لڑکے کو آمادہ کیا کہ وہ اس کے باپ سے مل کر شادی کی بات کرے۔ لڑکا گویا بڑی ہمت کر کے لڑکی کے باپ سے ملنے گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا......؟ کیا ابو تمہاری بات سن کر ناراض ہو گئے؟ کیا انہوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا؟'' لڑکی نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں.... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' لڑکے نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''تو پھر تم ایسے اداس اور پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ڈیڈی نے تمہیں قبول کر لیا۔'' لڑکی بولی۔

''مجھے اس کی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہے۔ پہلے تو وہ میری بات ہی نہیں سن رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میری حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں ان کی بیٹی سے شادی کر سکوں۔'' لڑکے نے کہا۔

''تو تم انہیں بتا دیتے کہ تمہارے بینک اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے موجود ہیں۔ تم کوئی ایسے گئے گزرے نوجوان نہیں ہو۔'' لڑکی بولی۔

''جب وہ کسی اور طرح قائل نہیں ہوئے تو آخر کار میں نے یہ بات انہیں بتا ہی دی۔'' لڑکے نے کراہنے کے سے انداز میں کہا۔

''تمہارے پچاس لاکھ کے بینک اکاؤنٹ کا سن کر تو وہ مطمئن ہو گئے ہوں گے؟'' لڑکی نے دریافت کیا۔

''ہاں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

''تو پھر تم اتنے مایوس اور پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟'' لڑکی نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

''انہوں نے وہ پچاس لاکھ ادھار مانگ لیے ہیں۔'' لڑکے نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

سے پتا چلایا تھا کہ اس وقت راجن کی صرف ایک گاڑی بنکاک سے باہر تھی۔ اس کی چار گاڑیاں شہر میں موجود تھیں۔ گاڑی وہی تھی جس کے کوائف چاؤفان نے بتائے تھے اور وہ لوپ بوری میں کسی ایک مقام پر ٹھہری ہوئی تھی۔

دو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی ان معلومات کی روشنی میں، میں نے فوری طور پر لوپ بوری جانے کا فیصلہ کیا تھا جو صحیح ثابت ہوا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اسد نے وہ پوری رات جاگ کر بے چینی سے گزاری ہوگی۔ اس کی آنکھیں لگی ہوئی ہوں گی کہ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی بنا پر کیے جانے والے فیصلے کا کیا نتیجہ رہا۔

میں نے اسد کا نمبر ملایا۔ وہ انتظار میں فون لیے بیٹھا تھا۔ گھنٹی بجتے ہی اس کی طرف سے جواب آ گیا۔

''کیا رہا؟'' اضطراب اور اضطرار کے عالم میں اس نے دعا سلام کو فراموش کر کے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''تمہارا دیا ہوا سراغ اس کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوا۔ مسافر لمبے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔'' میں نے فون پر کوئی نام لیے بغیر گول مول الفاظ میں پیغام دیا۔

''ویری گڈ...... !'' اس کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب تھی ''کیا میں تمہارے پاس آ سکتا ہوں؟ مجھے وہاں پہنچنے میں چند منٹ لگیں گے۔''

میں نے ایک نظر غزالہ کی طرف دیکھا۔ شب بیداری کے باوجود سوبھراج کے انجام پر خاصی بشاش نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسد کو آنے کی دعوت دے کر فون بند کر دیا۔

''یہ خبر پھیلتے ہی ہر طرف سنسنی پھیل جائے گی۔'' غزالہ نے ہنس کر کہا۔

''اسد ہمارا شریک اور رازداں تھا۔ اسے باخبر رکھنا ہمارا اخلاقی فرض تھا۔ اس کے سوا ہم کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں کریں گے۔ بہتر ہوگا کہ یہ خبر موتی محل کے مکینوں یا سرکاری ذرائع سے بازار میں آئے۔''

غزالہ نے حسب عادت مجھ سے کوئی بحث نہیں کی۔ اثبات میں سر ہلا کر میری ہدایت تسلیم کر لی۔ مجھے اس کی وہ ادا بہت پسند تھی۔

جوشِ انتقام سے مغلوب ہو کر ہم نے موت کی اندھی وادی تک دیوانہ وار سوبھراج کا پیچھا کیا جب تک وہ زندہ و سلامت تھا، میں نے بھول کر بھی اس کے قتل کے نتائج کے بارے میں نہیں سوچا تھا' اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد میرے ذہن میں یکایک متعدد سنگین خیالات کلبلانے لگے تھے۔

وہ پاکستان کا ایک بھگوڑا مجرم تھا جو غیر قانونی طور پر پاکستان سے نکل کر چوری چھپے تھائی لینڈ آیا تھا۔ عتاب میں آنے سے پہلے وہ پاکستان کی سیاسی بساط کا ایک اہم مہرہ تھا جس کی بات ہر سطح پر سنی اور مانی جاتی تھی۔

اس کی باغیانہ بلکہ غدارانہ سرگرمیوں کے ٹھوس شواہد سامنے آنے کے بعد دنیا بھر کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ وہ ایک بڑے ملزم کی حیثیت سے پاکستانی حکومت کو مطلوب تھا۔

پاکستان یا کسی پاکستانی کی طرف سے لوپ بوری میں اس کے قتل کا انکشاف ہر ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دینے کا باعث بن سکتا تھا۔ اولین شبہ یہی کیا جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں اپنے مطلوب ملزم کا پیچھا کرتی ہوئی تھائی لینڈ پہنچیں اور موقع ملتے ہی سوبھراج کا کام تمام کر کے اس کی لاش خطرناک جنگل میں پھینک دی' جہاں بھوکے درندے سوبھراج کی ایک ایک ہڈی چاٹ گئے۔

پاکستان کے لیے اس سہل کہانی کی تردید خاصی دشوار ثابت ہو سکتی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر فوری طور پر ہمارا خاموش رہنا بہتر تھا۔

''اسد کے ساتھ چاؤفان اور اس کے چاروں آدمی اس راز سے باخبر ہیں۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''میری نگاہ میں ان پانچوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ غافل مسافر ہیں وہ سوبھراج کے نام سے بے خبر ہیں۔ انہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ راجن کا ایک مہمان مارا گیا ہے۔ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا یہ باتیں ان کے علم میں نہیں ہیں۔''

''آپ کہتے ہیں تو ہماری خاموشی مناسب رہے گی ورنہ دن چڑھنے کے ساتھ یہ خبر ہر طرف پھیل جائے گی کہ سوبھراج مارا گیا۔'' وہ بولی۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سوبھراج کی موت کے بعد پیدا ہونے والے بحران کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں اسد آ پہنچا۔ سوبھراج کی موت کی خبر پر وہ خوش ضرور تھا لیکن اس کی خوشی غیر معمولی نہیں تھی۔ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے ذہن میں بھی وہی سوال سر ابھار رہے تھے جنہوں نے مجھے فکرمند کیا ہوا تھا۔ مجھے واپسی پر ان سوالات نے پریشان کرنا شروع کیا تھا۔

"یہ دونوں حضرات کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں؟"

اسد نے ہماری روانگی کا فیصلہ ہوتے ہی ہماری کامیابی کا یقین کر کے اس سمت میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بنکاک میں آئی بی کا باضابطہ ریذیڈنٹ افسر تھا۔ سوبھراج کی غیر فطری موت کی خبر پھیلتے ہی سب سے پہلے اس کی پوزیشن مشکوک ہوتی تھی۔

وہ زیرک آدمی تھا۔ لوپ بوری کی طرف ہماری روانگی کے بعد جب اسے فکرمندی نے آن گھیرا تو اس نے بنکاک میں اپنی موجودگی کے گواہ پیدا کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

اپنے جن شناساؤں سے وہ عام حالات میں سلام دعا سے زیادہ واسطہ رکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے ان میں سے تین رنگین مزاج افراد کو رات کے بارہ بجے ہی شہر کے ایک مشہور نائٹ کلب میں مدعو کر لیا۔ پھر بیں جونک لگنے سے ان تینوں کو سخت حیرت ہوئی اور وہ خوشی سے بروقت وہاں آگئے۔ اسد نے ان کے داخلے کے ٹکٹ خریدے اور اندر انہیں اپنی گرہ سے صبح کے تین بجے تک ان کی من پسند شرابیں پلاتا رہا۔ عام طور پر وہ خود شراب نہیں پیتا تھا۔ اس رات بھی اس نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ وقت گزاری کے لیے دھیرے دھیرے جوس پیتا رہا۔

وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ کوئی ضرورت پڑنے پر وہ تینوں اس کے حق میں یہ گواہی دے سکیں کہ اسد ان کے ساتھ رات بھر بنکاک کے ایک نائٹ کلب میں موجود تھا۔ اس وقت وہ ایک لمحے کے لیے بھی شہر سے باہر نہیں گیا تھا۔

تین بجے وہ تینوں نشے میں خاصے بدمست ہو چکے تھے۔ مزید شراب نوشی کے نتیجے میں وہ اسد کے لیے جان کا عذاب بن سکتے تھے۔ اس نے انہیں رخصت کیا اور ٹیکسی پکڑ کر اپنے گھر لوٹ آیا۔

"ایک فری لانسر اور پیشہ ور آدمی میں یہ فرق ہوتا ہے۔" میں نے اس کی پوری کہانی سن کر ستائشی لہجے میں کہا "تم کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اس قسم کی کسی گواہی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"ایسے معاملات میں ہمیشہ تجربہ رہنمائی کرتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا "لوپ بوری میں سوبھراج کی موجودگی کا ثبوت مل چکا تھا۔ تم نے جس جذبے کے ساتھ

...... وہاں جانے کا فیصلہ کیا اس کے نتیجے میں پُھ نہ پچھ ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے آگے امکانی واقعات پر غور کیا تو مجھے اپنی پوزیشن سب سے زیادہ مخدوش نظر آئی' میں نے اپنی کھال بچانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیے۔ اب وہ مشق میرے کام آئے گی۔''

''تمہاری پوزیشن خطرے سے باہر ہے تم فکر مند کیوں ہو؟''

''میرا خیال ہے کہ میں نے خود کو بچا لیا ہے لیکن میں پاکستان پر آنے والے الزامات کا رخ نہیں موڑ سکتا۔ وہ گولی سے مرا ہو یا جانوروں کے حملے سے' بادی النظر میں الزام تراشی کا ہدف پاکستان بنے گا۔ سوبھراج کے بھارتی ہمدرد اس مہم میں سب سے آگے نظر آئیں گے۔''

''یہ باتیں کھلیں گی تو میری طرف سے ڈان کا ماتھا ضرور ٹھنکے گا۔'' میرا ذہن اس واقعے کی باریکیوں میں الجھنے لگا۔''اس نے غیر مشروط طور پر میری حمایت کی ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔ ایک بار سرسری طور پر مجھے اسے بتانا پڑا تھا کہ میں پاکستانی ہوں۔''

اسد کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ پُرخیال آواز میں بولا''تمہارے لیے یہ مسئلہ ضرور پیدا ہوگا۔ قانون کے محافظوں کے مقابلے میں ڈان برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ قانون کا ایک لگا بندھا طریقہ کار ہوتا ہے۔ ڈان اپنی مرضی سے فیصلہ کرے گا۔ اپنے عروج کے دنوں میں وہ زیرِ زمین دنیا کا سفاک ڈکٹیٹر سمجھا جاتا تھا۔''

''بہرحال مجھے اس کا سامنا تو کرنا ہوگا۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''تم نے یہاں اپنا مشن کامیابی سے پورا کرلیا ہے۔'' اس نے میرے چہرے پر اپنی نظریں جما کر نیچی آواز میں کہا''میری مانو تو بھابی کے ساتھ پہلی پرواز سے یہاں سے نکل جاؤ۔''

میری آنکھوں میں تذبذب کے سائے دیکھ کر اس نے لمحہ بھر بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' چاہو تو خشکی کے راستے کسی بھی طرف نکل سکتے ہو۔ ملائیشیا تمہارے لیے بہتر رہے گا۔ سرحد پار کرتے ہی تم دونوں کو آسانی سے ہفتے عشرے کا ویزا مل جائے گا۔''

''یہ بہت نازک مرحلہ ہے میں نے تمہاری دونوں تجاویز نوٹ کر لی ہیں' سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کروں گا۔'' مجھے اس کے مشوروں میں افادیت کا پہلو نظر آرہا تھا۔

سوبھراج مر گیا تھا لیکن اس کا آسیب میرے لیے مسائل پیدا کر رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ میں اسد سمیت کسی بھی اپنے فیصلے کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس پر عمل کر گزروں گا۔

اسد کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن انٹیلی جنس بیورو جیسے اہم محکمے سے اپنی طویل وابستگی کی بنا پر وہ اپنی عمر سے زیادہ پختہ کار اور جہاں دیدہ ہو چکا تھا۔ میں نئے مسائل پر دیر تک اس سے تبادلہ خیال کرتا رہا۔

بڑے ہوٹل میں قیام کا یہ فائدہ تھا کہ وہاں روم سروس چوبیس گھنٹے دستیاب تھی۔ اس دوران میں ہم نے دو مرتبہ چائے اور دیگر لوازم منگوائے جو ذرا سی دیر میں پیش کر دیے گئے۔ لوپ بوری تک دوڑ لگانے کے بعد مجھے ان چیزوں کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ بنکاک میں رات کا کھایا ہوا کھانا نہ جانے کب ہضم ہو چکا تھا۔

غزالہ ہم دونوں کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ بہ ظاہر وہ کمرے میں اِدھر اُدھر مصروف نظر آرہی تھی لیکن مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے کان ہماری باتوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔ گفتگو میں کئی متنازعہ امور بھی زیرِ بحث آئے مگر غزالہ نے کسی مرحلے پر درمیان میں دخل اندازی نہیں کی۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ اسد کی روانگی کے بعد تخلیے میں مجھ سے بات کرنے کے لیے اپنا ذہن بنا رہی تھی۔

غزالہ نے کمرے کی اکلوتی بڑی سی کھڑکی سے بھاری پردہ ہٹایا ہوا تھا۔ باریک پردے کے پیچھے لگے ہوئے شفاف شیشوں میں سے باہر کی کھلی فضا کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ اسد ہمارے پاس پہنچا تو آسمان بہ دستور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نیچے اسٹریٹ لیمپس وغیرہ کی روشنی کا انعکاس پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ رفتہ رفتہ اجالے کی چادر اس اندھیرے کو نگلتی چلی گئی۔ مشرق کی طرف سورج طلوع ہوا اور ہر طرف یکساں اجالا پھیل گیا تو غزالہ نے بھاری پردے مشینی کنٹرول کے ذریعے کھڑکی پر کھینچ دیے۔

''تمہارا بدن تھکن سے چور ہو رہا ہوگا۔ اب تم آرام کرو میں چلتا ہوں۔'' اسد نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شہر میں پھیلنے والی خبروں کی سن گن لینے کے لیے اس کا جانا ہمارے لیے زیادہ سود مند تھا۔ میں اس کے ساتھ نیچے تک جانا چاہ رہا تھا لیکن وہ میری روداد سننے کے بعد وہ مسلسل میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس نے مجھے دروازے سے ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا اور رخصت ہو گیا۔

میں کمرے میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میری آنکھوں میں یکا یک نیند اترنے لگی تھی۔

''کیا آپ اسد پر کسی قسم کا شبہ محسوس کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے بستر پر میرے قریب بیٹھ کر بہت نرمی اور اپنائیت کے ساتھ سوال کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کھل کر اس سے بات نہیں کر رہے ۔ فیصلہ کن موڑ پر آپ بار بار بات ٹال رہے تھے!'' اس نے سادگی سے سبب بتا دیا۔

وہ میری مزاج شناس ہوگئی تھی۔ اسد کو اس باریکی کا ذرا بھی ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ غزالہ نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔

''تم خطرناک ہوتی جا رہی ہو!'' میں نے ایک بھرپور سانس لے کر کہا ''غنیمت ہوا کہ تم نے ہماری باتوں میں دخل نہیں دیا۔ اسد کو تمہارے تجزیے کا علم ہوتا تو اسے بہت ملال ہوتا۔ وہ بہت ذہین اور مخلص آدمی ہے، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔''

''میں جان بوجھ کر خاموش رہی۔ آپ اس سے ایک خاص زاویے سے بات کر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ میری مداخلت گڑبڑ کر دے گی۔''

''میں نے صرف ایک بات اس سے چھپائی ہے مگر وہ تم سے نہیں چھپ سکی۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''اس کا مشورہ بہت مناسب تھا۔ یہاں میرا کام پورا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ پانی ہمارے سر سے اونچا ہو، ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''یہ بات اسے معلوم ہو جاتی تو کیا حرج تھا۔ وہ ہمارا ہمدرد اور راز داں ہے۔ آپ اسے تاکید کر دیتے تو وہ کسی کو اس بات کی ہوا نہ لگنے دیتا۔''

''زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہو جاتی ہے ۔ میں ڈان کی طرف سے بہت فکر مند ہوگیا ہوں تم کو ایسے لوگوں کے مزاج کا تجربہ نہیں ہے۔ اسے یہ علم ہوگا کہ میں نے چالاکی دکھا کر سوبھراج کے معاملے میں اسے اپنا آلۂ کار بنایا ہے تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔''

''یہاں سے نکل کر آپ کہاں جائیں گے......؟ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ سوبھراج کے پیچھے یہاں نہیں آئے تھے۔ وہ ہمارے بعد بنکاک آیا تھا۔ آپ کو پاکستان میں پیدا ہو جانے والے حالات کی وجہ سے وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی دور اندیشی پر مسکراتے ہوئے کہا ''کلیرنس کے بغیر میں پاکستان کا رخ نہیں کروں گا۔ جلال کو شاید ان حالات کا کچھ نہ کچھ ادراک تھا۔ اس کی سمجھداری کی وجہ سے ہمارے پاسپورٹوں پر امریکا اور کئی یورپی ممالک کے کارآمد ویزے لگے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ہم کہیں بھی جا سکتے ہیں۔''

''اس پروگرام پر کب تک عمل کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟''

''اس وقت جسم کے ساتھ میرا ذہن بھی تکان سے ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کی نیند لے کر تازہ دم ہو جاؤں تو آج ہی یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا۔''

میرے وہ الفاظ سن کر غزالہ حیران ہوگئی ''یہ کیسے ہو سکے گا۔ آپ کے پاس بنکاک سے کراچی واپسی کا ٹکٹ ہے۔ نئے سفر کے لیے نیا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔ آج کل جہازوں میں بھی بسوں اور ٹرینوں کی طرح رش رہنے لگا ہے۔ پتا نہیں کب کی نشستیں ملتی ہیں۔ اسد کی مدد کے بغیر یہ سب کام تیزی سے کیسے نمٹ سکیں گے؟''

''سب ہو جائے گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بے پروائی سے کہا ''میرا سر دباؤ تاکہ میں سو سکوں۔ اٹھنے کے بعد میں تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گا۔''

وہ میرے سرہانے کی طرف سرک آئی اور اپنے نرم و گداز ہاتھوں سے میرا سر دباتے ہوئے بولی ''آپ سو جائیں گے اور میں اندیشوں میں گھر کر پریشان ہوتی رہوں گی۔ آپ ڈان کی طرف سے فکر مند ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ چاؤفان سے بھی کوئی مدد نہیں لیں گے......''

''اسد سے میں بلاوجہ باتیں نہیں کر رہا تھا۔ بنکاک سے کوالالمپور کے لیے آرام دہ ٹورسٹ بسیں چلتی ہیں۔ اس نے باتوں باتوں میں سارے حل بتا دیے تھے پاسپورٹ دکھا کر ہم ٹکٹ خریدیں گے اور آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اگلے سفر کا آغاز کوالالمپور سے ہوگا۔ ڈان کے سائے سے دور نکل کر ہم بے فکری سے منصوبہ بندی کر سکیں گے۔''

''تو میں ہوٹل والوں سے بل بنانے کے لیے کہہ دوں؟'' اس نے پُرشوق لہجے میں پوچھا ''اس کام میں وہ بھی خاصا وقت لے لیں گے۔ آپ کے بیدار ہونے تک سب کچھ تیار ہوگا۔''

''میں اسی لیے خاموش تھا!'' میں نے زور دے کر کہا ''کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ زبان بند رکھو اور تم بھی کچھ دیر کے لیے آرام کرلو۔ ہمیں سب کچھ بہت

تیزی سے اور اچانک کرنا ہوگا۔''

میں نے ایک طرف سرک کر اس کے لیے جگہ بنائی اور وہ میری طرف کروٹ لے کر دہیں دراز ہوگئی اس کی انگلیاں میرے بالوں میں مسلسل چل رہی تھیں۔

''خطرات نہ ہوتے تو ہم اچانک نیویارک پہنچ کر سلطان شاہ اور ویرا کو حیران کر سکتے تھے۔'' اس نے پر اشتیاق لہجے میں سرگوشی کی۔

''خطرات ڈینی کو ہیں۔ میں علی احمد ہوں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔'' میں نے ہلکے سے سرور کے عالم میں جواب دیا۔ وہ میرے قریب لیٹی بہت محبت سے میرے بالوں کی جڑوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ میرے اوپر تیزی سے نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ میں نے آنکھیں موند لیں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے گہرے اور ہموار سانسوں کی موہوم سی آواز کے سوا کمرے کی خنک فضا میں مکمل سکوت چھا گیا تھا۔ باہر دن نکل چکا تھا' اندر دبیز پردوں کے سبب رات کا سماں بنا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

میں از خود گہری نیند سے بیدار ہوا تو غزالہ پوری طرح تیار تھی اور ہمارا مختصر سا سامان یک جا کیا جا چکا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے بستر چھوڑ کر انگڑائی لیتے ہوئے شوخی سے پوچھا۔

''اپنا کام پورا کیا ہے۔'' اس نے گردن ترچھی کر کے جواب دیا'' میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے پروگرام میں کوئی تاخیر ہو۔''

مجھے یاد آ گیا کہ سونے سے پہلے میں نے ہوٹل بلکہ بنکاک اور تھائی لینڈ چھوڑ کر ملائیشیا کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے فوری طور پر غسل خانے میں گھسنے کا ارادہ ترک کر کے فون کا ریسیور اٹھایا اور انٹر کام پر نمبر ملا کر کاؤنٹر والوں کو اپنے کمرے کا بل تیار کرنے کی ہدایت کر دی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔'' غزالہ اٹھلا کر بولی ''یہاں کے بازار بہت سستے اور پرکشش ہیں لیکن آپ کی وجہ سے ساری شاپنگ آخر کے لیے دھری رہ گئی۔ اجازت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے قریبی بازار کا ایک چکر لگا آؤں۔''

وہ غزالہ نہیں' اس کے اندر کی عورت بول رہی تھی۔ میں نے دلآویز لہجے میں کہا ''پتا نہیں آگے کیا ہونے والا ہے' کہاں کہاں جانا ہوگا۔ سامان کہاں لادے پھرو گی ہم خانہ بدوش لوگ ہیں ضرورت کی چیزیں میسر ہونی چاہئیں' آرائش اور زیبائش کے اسباب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان لوگوں کے جھمیلے ہیں جو ٹک کر ایک جگہ رہتے ہیں اور وہیں پوری عمر گزار دیتے ہیں۔''

''پھر بھی یہاں کی کوئی یادگار تو ہونی چاہیے' پتا نہیں دوبارہ ادھر آنا بھی ہوتا ہے یا نہیں۔''

''بھیڑیے زیادہ خون خوار نہ ہوتے تو میں تمہارے لیے سوبھراج کی کوئی چھوٹی سی ہڈی اٹھا لاتا۔ اس سے بہتر اور ہلکی پھلکی یادگار کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔''

غزالہ کے اصرار کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے میں تیزی سے غسل خانے میں گھس گیا۔

ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں کے نیچے غسل کرتے ہوئے میرے دل میں ایک پھانس سی چبھ رہی تھی کہ مجھے سوبھراج کے خلاف اپنے دل کی حسرتیں نکالنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس بھگوڑے نے لمبی دوڑ لگا کر خود کو اچانک خونی درندوں کے جتھے میں پہنچا دیا جہاں اس سے پوچھ کچھ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس سے سامنا ہوتا تو میں اسے نہ صرف اپنے ہاتھوں سے بری طرح ادھیڑتا بلکہ اس کے کرتوتوں اور مشیروں کے بارے میں بھی اس سے بہت کچھ اگلوا لیتا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ قوم فروشی کے گھناؤنے کاروبار میں وہ اکیلا نہیں تھا کچھ اور کالی بھیڑیں بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ سوبھراج وہ سب راز اپنے سینے میں لے کر چلا گیا تھا۔

شاور سے گرنے والے پانی کے شور میں مجھے کوئی اور آواز نہیں سنائی دی۔ جب میں غسل خانے سے نکلا تو غزالہ نے بتایا کہ میرے لیے چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ میں باہر نہ نکلوں' کمرے میں رک کر اس کی کال کا انتظار کروں۔

مجھے اسد اور چاؤ فان دونوں کی طرف سے رابطے کی توقع تھی' سوبھراج کی موت کو کافی وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت دن کے دو بجنے والے تھے' میرا خیال تھا کہ اس وقت تک لوپ بوری کے خون آشام واقعے کے بارے میں خبریں بازار میں آ گئی ہوں گی۔ وہ دونوں اپنے اپنے طور پر مجھے ان خبروں سے آگاہ کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا لیکن چاؤ فان کی کمرے میں رک کر کال کا انتظار کرنے والی بات عجیب تھی۔ ہم دونوں کے پاس موبائل فون موجود تھے وہ چاہتا تو میں غسل سے فارغ ہونے کے بعد خود اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔

پھر میں نے اس نکتے کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ

اچھی انگریزی بول لیتا تھا مگر اس کا تلفظ درست نہیں تھا۔ مقامی لب و لہجے سے مغلوب ہونے کی وجہ سے اس کی بعض باتیں ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی تھیں۔ میں اس کا عادی ہو چکا تھا۔ غزالہ سے سننے اور سمجھنے میں بھول چوک ہو سکتی تھی۔

میں نے اپنے مقامی موبائل فون پر چاؤ فان کا نمبر ملا لیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ مقامی زبان میں بول رہی تھی۔ میرے لیے الفاظ ناقابلِ فہم تھے۔ بولنے والی کا انداز تخاطب کا نہیں، بیانیہ تھا۔

میں نے اس کا جواب دینے کی حماقت نہیں کی۔ پہلا بیان مکمل ہونے کے بعد قدرے سکوت ہوا پھر اسی آواز اور انداز میں وہی مانوس الفاظ دہرائے جانے لگے تو بات میری سمجھ میں آ گئی۔ چاؤ فان کا فون بند تھا۔ اس کے نمبر پر ریکارڈنگ آ رہی تھی۔

چاؤ فان کے دماغ میں اپنی نام وری اور بڑائی کا خناس گھسا ہوا تھا۔ وہ بڑی باتوں پر بھرپور توجہ دیتا تھا لیکن چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر جاتا تھا۔ پچھلی شام موتی محل کے سامنے عین ضرورت کے وقت اس کا کارڈ ختم ہو چکا تھا۔ شاید اس وقت بیٹری وغیرہ کا کوئی مسئلہ درپیش رہا ہوگا۔ میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر فون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل والوں کو حساب بنانے کی ہدایت دے دی تھی، غزالہ روانگی کے لیے تیار تھی۔ ہمارا مختصر سا سامان سمٹ چکا تھا۔ میں نے اپنی تیاری شروع کر دی۔

اس وقت تک مجھے چاؤ فان کے فون کی اہمیت کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے اسے ایک عام کال سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

چند منٹ کے بعد دوبارہ اس کا فون آیا تو ریسیور میں نے خود اٹھایا۔

''ماسٹر! کیا حال احوال ہیں؟'' وہ میری آواز سنتے ہی چہکا ''میرا خیال ہے کہ تم نے خوب سو کر اپنی نیند کی کسر پوری کر لی ہوگی۔''

''تمہارے موبائل فون کے ساتھ کیا مصیبت ہے...... وہ کیوں بند ہے؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ ادب اور احترام کا معاملہ ہے۔ آج بڑے آدمی نے مجھے ملاقات کی عزت بخشی ہے۔ اس کے سامنے جاتے ہوئے میں نے اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا۔ اب ملاؤ گے تو نمبر مل جائے گا۔''

''تو کیا تم نے مجھے اسی کے ٹھکانے سے فون کیا تھا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''تمہیں فون کرتے ہی اس سے ملنے چلا گیا تھا!''

''اور اتنی جلدی واپس لوٹ آئے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''مختصر سی بات تھی۔ بڑا آدمی فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہے!'' چاؤ فان کی آواز میں یکایک سنجیدگی عود کر آئی۔

''کیوں...... ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' چاؤ فان کی زبان سے ڈان کا نیا حکم سن کر میں یکایک سناٹے میں آ گیا۔ اس مرحلے پر وہ حکم بہت خطرناک تھا۔

''اس سے ملو گے تو پتا چل جائے گا۔ وہ بعض سوالوں کے جواب جاننا چاہتا ہے۔ میں ان سے بے خبر ہوں شاید تم اسے مطمئن کر سکو۔ میں نے شروع سے آخر تک تمہاری ہدایات پر عمل کیا ہے۔ اب اس بارے میں مجھ سے بات نہیں ہوگی سبب تمہیں معلوم ہے۔''

اس نے ایک بار بھی ڈان کا نام نہیں لیا۔ اس بارے میں ان لوگوں کے اپنے تحفظات تھے۔ چاؤ فان کسی وقت مجھے بتا چکا تھا کہ ہمیں کسی تیسرے فرد کے سامنے ڈان کا ذکر

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے فون تیسرے فرد سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میں اسی وقت غسل خانے سے نہادھوکر باہر نکلا تھا۔ کمرے کی فضا میں خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی مگر مجھے اپنی پیشانی عرق آلود ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے اس سے کس وقت ملنا ہے؟'' میں نے بے جان آواز میں پوچھا۔

''اس نے تمہیں آرام کرنے کے لیے وقت دیا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ابھی فون کر کے وقت طے کرلو۔'' اس نے اپنی گفتگو میں ذرا سا وقفہ دیا' پھر اچانک پوچھ بیٹھا ''تم ہوٹل چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس نے جس بھرپور اعتماد سے وہ سوال کیا تھا اس کی روشنی میں اس کو چکر دینے کی کوشش الجھاوے پیدا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ میں نے زبردستی ہنس کر بے پروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی اور کہا ''پہلے تم ہی مجھے ہوٹل سے نکل کر شہر کے کسی صاف ستھرے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دے چکے تھے۔ ارادہ تھا کہ اب ہم کسی چھوٹے ہوٹل کا رخ کریں گے۔ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی؟''

''ماسٹر! ہم اپنے مہمانوں سے غافل نہیں رہتے ہیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہہ دیا تھا کہ تم میرے مہمان ہو۔ تم نے پیشگی میں جو رقم دی تھی وہ کافی ہے۔ اب پورا بل میں ادا کروں گا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تم ہوٹل کا کمرا چھوڑ رہے ہو۔ تمہارا بل تیار ہے۔''

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ وہ کاروباری منافقت کی انتہا تھی کہ میں اپنے بل کی رقم سے بے خبر تھا۔ چاؤ فان کے کان میں ہر بات پھونک دی گئی تھی۔

میں نے اس موضوع پر بھڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ منافقت کے ساتھ اس حرکت کا ایک پہلو اور بھی تھا۔ مہمانوں کے اخراجات ادا کرنا مشرقی روایات کا ایک اہم حصہ ہے اس دور میں لوگ اس ذمے داری سے عام طور پر گریز کرتے ہیں پھر بھی میں اس بات پر چاؤ فان کو ملامت نہیں کرسکتا تھا کہ اس نے میرے بل کے بارے میں ہوٹل والوں کو براہِ راست ہدایات کیوں دیں!

میں نے چاؤ فان کے پرانے مشورے کا حوالہ دے کر اپنی بات کو بگڑنے سے بچایا' اس نے بھی اسی خوب صورتی سے اپنا دامن بچالیا۔ مجھے شک ہو رہا تھا کہ بات صرف اتنی نہیں تھی۔

ڈان برنارڈ گوشہ نشین ہو چکا تھا پھر بھی بنکاک کا کوئی عام شہری نہیں تھا۔ اپنے ہاتھ پیر بچا کر زندگی گزارنے کے رنگ ڈھنگ سے خوب واقف تھا۔ مجھے کسی بھی مرحلے پر یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ میں نے اس سے رجوع کر کے خود کو اس کی تحویل میں دے دیا ہے۔ اس سے پہلی ملاقات ہونے کے بعد ہی سے میری نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ دوسری ملاقات میں ڈان کو میرے بتائے بغیر معلوم ہو چکا تھا کہ میں شہر میں کہاں اور کس کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ بعد میں میری کارکردگی سے مطمئن ہوکر ڈان نے میری کل وقتی نگرانی کی شاید ضرورت نہیں سمجھی لیکن ایسا بندوبست ضرور کر دیا کہ میں اس کے علم میں لائے بغیر خاموشی سے اپنا ٹھکانا تبدیل نہ کرسکوں۔ چاؤ فان اس کا ثبوت دے رہا تھا۔

''بل ۔۔۔ بچنے والی رقم سے اب میری بیوی خریداری کرے گی۔'' میں نے بہت تیزی سے سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کر لینے کے بعد خوش دلی سے کہا ''تم نے یہ بات اسے بھی بتادی ہوگی۔''

''وہ تم سے یہ بھی پوچھے گا کہ تم ہوٹل چھوڑ کر کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''اگر بل تم کو ادا کرنا ہے تو اب میرا ارادہ منسوخ سمجھو' میں یہیں رہوں گا۔'' فوری طور پر مجھے اس سے بہتر جواب نہیں سوجھ سکا۔

''یہ اس وقت کی بات ہے۔ تمہیں اس کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ ہاں ایک بات یاد رکھنا اس سے ملنے کے لیے جاؤ تو اپنے دونوں پاسپورٹ ضرور ساتھ لے جانا۔''

میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا۔ دوستی اور گہرے اعتماد سے شروع ہونے والا وہ تعلق کسی واضح سبب کے بغیر مجھے مخاصمت میں بدلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ڈان نے ڈھیل دے کر ڈوری کھینچنا شروع کر دی تھی۔ وہ ہم دونوں پر گرفت مضبوط کرنا چاہ رہا تھا۔

ڈان ہمارے پاسپورٹ دیکھ کر لوٹانے کے بجائے اپنے پاس رکھ لیتا تو ہم اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ عین وقت پر مجھے اپنا پورا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

چاؤ فان نے جو کچھ بتایا وہ میں نے سن لیا تھا۔ سب کچھ اتنا شفاف اور سیدھا نہیں تھا جتنا وہ بتا رہا تھا۔ گڑبڑ کی ابتدا ہوٹل والوں کی مخبری سے ہوئی تھی۔ ڈان کو یہ شبہ نہ ہوتا کہ میں

اسے اندھیرے میں رکھ کر اچانک غائب ہو جاؤں گا تو وہ ہمارے پاسپورٹوں کے بارے میں ہرگز نہ سوچتا۔

چاؤ فان نے سرسری انداز میں پاسپورٹ لے جانے کا ذکر کیا تھا۔ میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا ''مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔ ہمارے سفری کاغذات کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟''

''مجھے کچھ نہیں معلوم!'' اس کی آواز سے مکاری کی بو آرہی تھی۔'' میں پیغام رساں ہوں جو کہا گیا وہ تم سے دہرا دیا۔ اس پر عمل کرنے کی ذمے داری تمہاری ہے یہ یاد رکھنا کہ اس کی کہی ہوئی بات کو نظر انداز کیا جائے تو وہ آگ بگولا ہو جاتا ہے۔''

''تم مجھے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں ماسٹر! بھول کر بھی میرے بارے میں ایسی غلط بات نہ سوچنا۔ میں تمہارا خادم ہوں۔ تمہارے ساتھ میں اوپر والے کا بھی غلام ہوں۔ اپنے فیصلے وہ خود کرتا ہے۔ اسے میرے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے دل میں کیا ہے یہ وہی جانتا ہے۔ میں نے تمہیں وہ باتیں بتائی ہیں جو میں جانتا ہوں۔ میں تمہیں بہت قریب سے دیکھتا رہا ہوں۔ میری کیا بساط کہ تم جیسے دلیر اور تیز آدمی کو دھمکانے کی کوشش کروں۔''

میں اس کے ایک ایک لفظ کو بہت دھیان اور توجہ سے سن رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہا تھا۔ میں بلاوجہ اس کی طرف سے بدگمان ہو رہا تھا۔ اس بے چارے کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں تھی کہ وہ ڈان کے ذہن میں پرورش پانے والے نکتوں کو سمجھ سکے۔ سارا فتور ڈان کی فکر رسا کا تھا۔ اس نے چاؤ فان سے ملنے والی رپورٹوں کی روشنی میں میرے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کر لی اور چاؤ فان کو ہدایات دے کر بھگا دیا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ وقت کے تعین میں مجھ سے ذرا سی تاخیر ہو گئی میں نیند سے مغلوب ہو کر کچھ دیر ستانے کے لیے نہ لیٹا ہوتا تو ڈان کا جال گرنے سے پہلے ہوٹل سے صبح سویرے صاف نکل گیا ہوتا۔ بعد میں ڈان میری تلاش میں اپنا سر پیٹتا رہ جاتا۔

اس وقت بھی میرے لیے ایک موقع موجود تھا۔ میں فون پر ڈان سے ملاقات کا وقت طے کر کے اسے اپنی طرف سے مطمئن کر دیتا اور سیلرز بار کا رخ کرنے کے بجائے خاموشی سے سامان لے کر ملائیشیا جانے والوں بسوں کے اڈے پر پہنچ جاتا۔

خرابی یہ تھی میری وہ کوشش ناکام ہو جاتی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ڈان کے غیظ و غضب کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ مہمان داری کے نام پر جس طرح ہوٹل سے میری اچانک روانگی پر نظر رکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی اسی طرح ہوٹل کی باقاعدہ نگرانی شروع ہونے کا امکان قوی تھا۔ میرے عزائم کا علم ہو جانے کے بعد ڈان میری راہ روکنے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ ادھر ہم ہوٹل سے اپنا سامان لے کر باہر نکلیں اور اسی لمحہ چاؤ فان اچانک اپنی کمین گاہ سے نمودار ہو کر ہمارے سامنے آجائے۔ یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی صورت میں، میں اپنا کوئی دفاع نہیں کر سکتا تھا۔

چاؤ فان ہمیں سامان سمیت ڈان کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا۔ ہماری طرف سے انکار یا مزاحمت کی صورت میں بات بڑھ جاتی۔ نوبت پولیس کی مداخلت تک بھی آسکتی تھی۔ چاؤ فان میرے متعدد جرائم کا عینی گواہ تھا۔ آخری حربے کے طور پر وہ مجھے پھنسانے کے لیے میرے کسی بھی جرم کا بھانڈا پھوڑ سکتا تھا۔

میرے سامنے نجات کا کوئی محفوظ راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر چاؤ فان سے کہا ''میں تمہارے بارے میں بدگمانی نہیں کر رہا۔ ایمان داری سے خود

مفروضہ

مہرین کو دفتر میں ملازمت شروع کیے صرف ایک ہفتہ ہوا تھا۔ اپنے برابر کی میز پر اپنے ساتھی کلرک کی صورت دیکھ کر اس نے از راہ ہمدردی پوچھ لیا ''کیا بات ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں؟''

''میں دراصل یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ جب ہم دونوں ہنی مون پر جائیں گے تو پیچھے میرے اور آپ کے حصے کا کام کون سنبھالے گا؟'' ساتھی کلرک نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''ہنی مون......؟'' مہرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں'' ہمارے درمیان تو ابھی صحیح طرح بات چیت بھی شروع نہیں ہوئی ہے۔ یہ آپ نے شادی اور ہنی مون کے بارے میں کیسے سوچنا شروع کر دیا؟''

''فرض کرنے میں کیا حرج ہے؟'' ساتھی کلرک نے ذرا شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

کو میری جگہ رکھ کر سوچو شروع میں جب میری شناخت کی ضرورت نہیں تھی تو مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ اتنی اعلیٰ کارکردگی اور وفاداری کے مظاہرے کے بعد اب پاسپورٹ منگوائے جارہے ہیں۔ یہ سوچو کہ ہماری یہ سفری دستاویزات لے کر رکھ لی گئیں تو ہم کہاں ہوں گے؟ تھائی لینڈ میں قید ہو کر رہ جائیں گے۔''

''تم یہ سب سوچ کر خود کو کیوں ہلکان کررہے ہو؟'' وہ حیرت سے بولا''ماسٹر! تمہاری نیت صاف ہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تمہارے پاسپورٹ واپس مل جائیں گے۔ پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا بات ہے...... اس نے کیوں تمہارے پاسپورٹ منگوائے ہیں۔ اس سے ملے بغیر تم کو کسی سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔ تم یوں ہی پریشان ہوتے رہو گے۔''

''مجھے اس سے ملنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ میں ضرور ملوں گا مگر یہ انوکھی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' میں نے تیز لہجے میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔

چاؤ فان میرا ماتحت تھا۔ اس کے سامنے زیادہ کھل کر بات کرنا میری انا کے خلاف تھا۔

غزالہ میرے ساتھ بیٹھی تشویش زدہ انداز میں وہ گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا''سوٹ کیس کھول دو، سامان واپس رکھ دو، ہم کہیں نہیں جارہے۔''

''مگر کیوں...... اچانک کیا ہو گیا؟'' وہ تبدیلی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

''ڈان کے دماغ میں کوئی فتور پیدا ہو گیا ہے۔'' میں نے جھلا کر جواب دیا''اس نے مجھے پاسپورٹوں کے ساتھ بلوایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میرا اگلا شکار ہوگا۔''

''ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ ڈان بلا سبب ایسا مطالبہ نہیں کرسکتا۔'' اس نے مجھے سمجھایا''ہوسکتا ہے کہ آپ سے کہیں کوئی چوک ہو گئی ہو۔''

اس نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ میں سگریٹ سلگا کر ایک کرسی پر جا بیٹھا۔

''آپ نے اسد کو بے خبر رکھ کر نکلنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ راستہ بند ہو گیا۔ یہ اس کی ناقدری کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے۔'' کچھ دیر تک سامان رکھنے کے بعد غزالہ نے فضا کے بوجھل پن کو ہلکا کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا''وہ آپ کا بہت مخلص اور بے لوث ہمدرد ہے۔''

''سوبھراج کے مرتے ہی مسائل نے نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا''اسد نے صبح سے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔''

اسی وقت اسد کا فون آ گیا۔ وہ ہوٹل کی لابی سے بول رہا تھا۔

میں نے اسی لمحے اسے اوپر بلالیا۔ میں نے اس سے طویل غیر حاضری کا شکوہ کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا دن بہت مصروف گزرا۔ ہر طرف کی سن گن لے کر وہ کچھ دیر پہلے ہوٹل پہنچا تھا۔ اس نے لابی سے میرے کمرے کا نمبر ملایا تو فون مصروف تھا۔ شاید اس وقت چاؤ فان کی کال آئی ہوئی تھی۔ وہ تھکن اتارنے کے لیے ٹی شاپ کی طرف چلا گیا۔ چائے کی ایک پیالی حلق سے اتارنے کے بعد اس نے دوبارہ کوشش کی تو رابطہ ہو گیا۔

''تم چائے پی کر آئے ہو تو اب شروع ہو جاؤ۔ شہر کی کیا خبریں ہیں؟'' میں نے کہا۔

''رات ہم سے زبردست بھول ہوگئی۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں بتایا''مرنے والا سوبھراج نہیں، بھارت سے آیا ہوا نرائن پرشاد شرما تھا۔''

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ اس کے آنے سے میری کوفت میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔

''یہ راجن کا بیان ہے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا''اس کا کہنا ہے کہ نرائن اس کے ڈرائیور کے ساتھ لوپ بوری میں رات گزار کر علی الصباح کھنڈرات وغیرہ کی سیر کرنے کے ارادے سے گیا تھا پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔''

''وہ جھوٹ بولتا ہے، مرنے والا سوبھراج تھا۔'' میں نے اصرار کیا۔

''رات تاریک تھی۔'' اسد مجھے سمجھانے والے انداز میں بولا''تمہارا اس سے دوبدو مقابلہ نہیں ہوا۔ اندھیرے میں آنکھ مچولی ہوتی رہی اور وہ بے خبری میں درندوں کی خوراک بن گیا۔ ہوسکتا ہے کہ تم سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔ سوبھراج کا نام تمہارے سر پر سوار تھا، تم سمجھے کہ وہی مارا گیا ہے۔''

''راجن سفید جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے ریسٹ ہاؤس کی کھڑکی میں اسے دیکھا پھر جنگل میں اس کی لاش دیکھی۔ دھڑ سے تقریباً ایک فٹ دور پڑا ہوا سر اور چہرہ سو فی صد سوبھراج کا تھا۔ اس کی ناک کی بناوٹ لاکھوں میں ایک تھی۔ مغالطہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''پھر راجن جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جیسے ہی آپ واش روم گئیں...... آپ کے شوہر نے تیزی سے کار بھگائی اور سیٹی بجاتے ہوئے یہاں سے چلے گئے۔''

''اب تم نے قاعدے کی بات کی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس نے یہ بیان کب دیا ہے!''

اسد نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر جواب دیا'' شاید ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی بات ہے' وہ خود پولیس کمشنر کے دفتر میں آیا تھا میں اس کا بیان جاننے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔''

''کیا لوپ بوری سے یہاں تک خبر پہنچنے میں اتنی دیر لگی؟''

''ڈرائیور کی لاش اور گاڑی کی وجہ سے شناخت میں دشواری نہیں ہوئی۔ خبر صبح سویرے آگئی تھی۔ راجن سے کسی کا رابطہ نہیں ہو رہا تھا وہ اب پہنچا تھا۔''

''دونوں لاشیں کہاں ہیں؟'' میں راجن کے جھوٹ کی کڑیاں یک جا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ڈرائیور کی لاش جلدی آگئی تھی جنگل میں سوبھراج کی ہڈیوں کی تلاش کا کام اب تک جاری ہے۔ آوارہ اور جنگلی جانور اس کی ہڈیاں اندر تک اٹھا لے گئے ہیں۔ ڈرائیور کی لاش کے بعد سوبھراج کی بچی کھچی ہڈیاں یہاں لا کر سیل کر دی گئی ہیں۔''

''میری بات کہیں لکھ لو۔ راجن دانستہ روپوش تھا'' میں نے پرزور لہجے میں کہا'' سوبھراج کی لاش سامنے آنے سے پہلے وہ کوئی بیان نہیں دینا چاہتا تھا۔''

''کیا لاش کے آنے یا نہ آنے سے کون فرق پڑ سکتا تھا؟''

''فرق تمہارے سامنے آچکا ہے۔ مرنے والے کی شناخت کا کوئی امکان ہوتا تو وہ سوبھراج کی موت کا اعتراف کر لیتا۔ اسے سوبھراج کا حشر معلوم ہو چکا ہے' مرنے والے کے ورثا بھاری رقم خرچ کر کے ہڈیوں اور بچے ہوئے ریشوں کا ڈی این اے ٹیسٹ کرائے بغیر یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ مرنے والا کون تھا۔ اس وقت تک راجن کی بات سچ مانی جائے گی۔''

''نرائن پرشاد شرما کے وارث آسانی سے راجن کی بات نہیں مانیں گے!''

''راجن نے ایک فرضی نام لیا ہے' شرما کا کوئی وجود ہے نہ اس کے وارثوں کا۔'' میں نے کہا'' کچھ دنوں بعد یہ فائل بند ہو جائے گی راجن مرنے والے کی ہڈیاں جلا دے گا۔''

''سوبھراج کی موت چھپا کر وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا ہے؟'' اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔

''اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پچھلے واقعات پر

غور کرو گے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔'' میں نے بتانا شروع کیا'' کراچی میں امریکیوں کوٹپ دی گئی کہ سوبھراج بنکاک کے موتی محل میں پناہ گزیں ہے۔ انہوں نے اپنے جدید ترین یاروایتی وسائل سے اس اطلاع کی تصدیق کی اور کل اچانک اپنا ایک مسلح فوجی دستہ موتی محل کی طرف روانہ کر دیا۔ خطرہ بھانپ کر سوبھراج وہاں سے نکل گیا۔ راجن نے سوبھراج کے بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ادھر امریکیوں کی تلاش بھی ناکام ثابت ہوگئی۔ انہیں موتی محل میں سوبھراج کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔''

''میرے سوال کا جواب اب بھی نہیں ملا!'' اس نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔

''وہ سوبھراج کی موت کا اعلان کرتا تو اس کی ساکھ تباہ ہوجاتی۔ امریکیوں کو علم ہوجاتا کہ اس نے جھوٹ بول کر ان کو دغا دی ہے' سوبھراج کو اس نے خود بھگایا تھا...... !''

''اوہ خدایا...... ! تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔''

اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے کہا'' یہ بالکل سامنے کی بات ہے میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ پتا نہیں قدرت نے تمہارے دماغ میں کون سا خاص پرزہ لگایا ہے کہ تم پلک جھپکتے میں ہر بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہو۔''

''سب کے پرزے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ انہیں استعمال نہ کیا جائے تو زنگ کھا کر یہ رفتہ رفتہ بے کار ہوجاتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا'' سوبھراج کے عبرت ناک حشر نے راجن کو جھوٹ بولنے کا موقع دیا۔ تم سوچ نہیں سکتے کہ اس کا جھوٹ ہمارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔''

''مجھے سوچنے پر مجبور نہ کرو۔ تم ہی بتا دو کہ اس سفید جھوٹ سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔'' اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے میری کہی ہوئی بات کو مذاق میں لیا تھا۔

''سوبھراج اب ہمیشہ کے لیے بے نام ونشان ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ شرما کا نام لے کر راجن نے نادانستگی میں ہمارے دشمنوں کے منہ بند کر دیے ہیں۔ توپوں کے منہ بند رہیں گے' کوئی پاکستان کو ملامت کا ہدف نہیں بنا سکے گا۔ تم کو بھی بنکاک میں اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لیے شرابی گواہوں سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، یہ......''

اسد اپنی جگہ سے اٹھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا اور میری بات کاٹ کر جذباتی لہجے میں بولنے لگا'' علی بھائی! یہ سب قدرت کی طرف سے ہماری صاف نیتوں کا انعام ہے' خدا کی قسم! ہم الٹے لٹک جاتے تب بھی ایسے انوکھے حالات پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میری زندگی کا ناقابلِ یقین تجربہ ہے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ سوبھراج کا فتنہ اتنی خاموشی سے ختم ہوجائے گا اور کوئی اس کا نام تک نہیں لے گا۔''

''یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی اور اب اس جہنمی کندے کا نام نہیں لیا جائے گا۔'' میں نے نرمی سے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھ پر ایسی پابندی نہ لگاؤ' کراچی اور اسلام آباد میں بہت سے دردمند پاکستانی یہاں سے کسی اچھی خبر کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ خبر سن کر ان کے دلوں کو قرار آجائے گا۔''

''وہ وقت بھی آجائے گا۔ فی الحال خاموشی وقت کی ضرورت ہے۔ راجن نے جھوٹ بول کر میرے ذہن کا بہت بڑا بوجھ ہلکا کیا ہے۔''

''یہ سارا بوجھ تمہارا ہی تھا جو یکایک اتر گیا۔'' اس نے بے ساختہ کہا'' میں ہاتھ جوڑ کر تم سے التجا کرتا ہوں کہ اب مجھے بتا دو کہ تم کون ہو۔''

اس نے میرے سامنے واقعی ہاتھ اٹھا کر جوڑ دیے۔

میں نے دونوں ہاتھ تھام کر اس کی گود میں گرا دیے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا'' علی احمد پسند نہیں ہے تو تم میرا جو نام رکھ دو گے میں اسے مان لوں گا۔''

''یوں نہیں...... مان لو کہ تم ڈینی ہو!'' وہ بے اختیار ہو کر مچل گیا۔

''تم کہتے ہو تو شاید میں ڈینی ہی ہوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا'' کسی اور کو اپنے اس خیال کی بھنک نہ لگنے دینا۔''

''شروع دن سے تمہارے طور طریقے بتا رہے تھے کہ تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔'' وہ جذبات کی رو میں بہا جا رہا تھا۔ ''ہر کوئی ایسا جادوگر نہیں ہوسکتا کہ ذرا سی دیر میں ڈان برنارڈ جیسے سخت اخروٹ کو شیشے میں اتار لے۔ میرا سینہ فخر سے پھول گیا ہے کہ میں نے اس عہد کے ایک عظیم آدمی اور زبردست سیکرٹ ایجنٹ کے ساتھ کام کیا ہے۔ جب تک تم مجھے زبان کھولنے کی اجازت نہیں دو گے، یہ دونوں راز میرے سینے میں دفن رہیں گے' نہ سوبھراج مرا ہے، نہ تم ڈینی ہو۔''

''اتنی تعریفیں نہ کرو۔ میں شرم سے مسہری میں گڑا جا رہا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت صرف میں سوبھراج کی موت کا اکلوتا گواہ ہوں۔ اس کی لاش چاؤفان نے بھی دیکھی تھی۔ مگر وہ سوبھراج کو نہیں پہچانتا۔ مرنے کے بعد راجن کے

جھوٹ نے اسے زندہ رکھا ہے۔ ایف بی آئی والے ساری عمر اپنے اس غدار کو ڈھونڈتے رہیں گے اور میں سوبھراج کے نام پر ان سے جی بھر کے کھیل سکوں گا۔ ایک روز یہ فرض کرلیا جائے گا کہ سوبھراج نے دنیا کے کسی گمنام خطے میں روپوشی اختیار کرلی ہے۔''

''کیسا عبرت کا مقام ہے کہ ایک بڑے خاندان کا سربراہ ہونے کے باوجود آج اس کی عبرت اثر موت پر کوئی آنکھ آنسو نہیں بہائے گی۔''

''شاید راجن دنیا سے چھپ کر رو رہا ہو'' میں نے کہا ''اس نے سوبھراج کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی باقیات سے اسے اپنے دوست کے انجام کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ ہم تین آدمی سوبھراج کی موت کے رازداں ہیں۔ میں، تم اور راجن۔''

''پیچیدہ مسئلوں پر تم سے بات کر کے دل کو بہت سکون ملتا ہے'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''اب میرے سر سے ہر خوف ہٹ گیا ہے۔ اب تک میں نے مقناطیسی شخصیتوں کے بارے میں صرف سنا یا پڑھا تھا۔ تم سے مل کر پتا چل گیا کہ وہ کیسے ہوتے ہیں۔''

''سوبھراج کی وجہ سے میں بھی فکرمند تھا۔ اس کا نام کھل جاتا تو ڈان میرے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر سکتا تھا۔ اب میں آسانی سے اس کا سامنا کرسکوں گا'' میں نے بات بدل دی۔

''کیا اس سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چل رہا ہے؟'' اسد نے چونک کر پوچھا۔

''آج اس نے عجیب انداز میں بلوایا ہے، دیکھو کیا رہتا ہے؟''

''مناسب سمجھو تو مجھے بھی کچھ تفصیل بتادو!'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے اپنی اور چاؤفان کی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

''بہت عجیب بات ہے'' اس نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''نہ صرف طلبی کا انداز شک وشبے میں ڈالنے والا ہے بلکہ دوسری بات یہ بھی کھٹک رہی ہے کہ اس نے تمہیں لوپ بوری کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''سچ پوچھو تو میں ڈان کی ہدایت سن کر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ مجھے اب تک اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔ اس نے وہ ذکر سرے سے گول کردیا۔''

''رات کو وہ تمہارا شریک کار تھا۔ آج دن میں، میں نے اسے دو مرتبہ پولیس ہیڈکوارٹرز کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اندر کی خبروں کے حصول میں سرگرداں رہا تھا تو اسے تم سے بھی اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔''

چاؤفان سے تفصیلی بات کرنے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ میرے معاملے میں اس کی نیت صاف تھی۔ گڑبڑ ڈان کی طرف سے ہوئی تھی۔ اسد نے اس کی طرف لوپ بوری کے بارے میں مکمل خاموشی کا ذکر چھیڑ کر مجھے اپنی رائے پر نظرثانی کرنے پر مجبور کردیا۔ میں دوبارہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''ڈان کی طرف جانے سے پہلے چاؤفان سے پوچھو کہ رات کے واقعے کے بارے میں پولیس کس سمت میں کام کررہی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ تمہیں ڈان کے موڈ میں تبدیلی کا کوئی سراغ مل جائے'' وہ نرم لہجے میں مجھے مشورہ دے رہا تھا۔

''اب میں اس کے منہ لگنا پسند نہیں کروں گا۔ ڈان سے ملاقات کے بعد آئندہ کا کوئی لائحۂ عمل طے ہوسکے گا'' میں نے کہا۔

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ڈان کے موڈ میں تبدیلی کا رات والے واقعے سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ پہلی کڑی وہیں سے ملے گی۔''

''یہ اندازہ مجھے بھی ہے لیکن اب صورتِ حال میں تبدیلی آچکی ہے'' میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بات بگڑ گئی ہے تو اسے بھی پوری طرح اعتماد میں لے لینا چاہیے۔ غزالہ کا یہ شکوہ بھی دور ہوجائے گا کہ میں نے ہوٹل چھوڑنے کے بارے میں اسد کو نہ بتا کر اس کی ناقدری کی تھی۔

''اب کون سی نئی بات ہوگئی؟'' میرے لہجے کے بدلے ہوئے انداز نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔

''میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کرلیا تھا'' میں نے ذمے داری اسی کے سر ڈالتے ہوئے بتایا ''ہوٹل والوں نے یہ خبر چاؤفان کو پہنچادی۔ وہ ایسا چڑی کا غلام ہے کہ اس نے یہ بات ڈان کو بتادی۔''

''پھر تو معاملہ سیدھا ہے۔ اس بات پر ڈان تم سے بگڑ گیا ہوگا۔''

''یہ بعد کا واقعہ ہے۔ ڈان اس سے پہلے میری طلبی کا فیصلہ کرچکا تھا۔''

وہ بات اتنی آسانی سے اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ سوال وجواب کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے اختتام

پروہ میرا اہم نوالہ ہو چکا تھا۔
''سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ تمہیں ڈان سے ملنا پڑے گا'' وہ بولا'' مناسب یہ ہوگا کہ تم بے چون و چرا ڈان کی مرضی پر چلتے رہو۔''
''میں اس سے بھڑ جانے کا ارادہ کیے بیٹھا ہوں۔''
''تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں تم پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس سے ٹکرا کر تم خودکشی کی راہ اختیار کرو گے۔ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ایک بار وہ تمہیں عزت دے چکا ہے تو اب خود بھی اسے واپس نہیں لینا چاہے گا۔ کھلے دل سے تمہاری ہر بات سنے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دو روز میں وہ نارمل ہو جائے۔''
''مجھے خودکشی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ ڈان نے معقولیت کی حد سے تجاوز نہ کیا تو میں بھی اسے طرح دے دوں گا ورنہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''
اسد نے اس موضوع کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ بات وہیں ختم کر دی۔ میرے دل سے یہ بوجھ اتر گیا تھا کہ میں نے اس سے کوئی بات پوشیدہ رکھی تھی۔
مجھے ڈان سے ملوانے کا سہرا اسد کے سر تھا۔ حالات وواقعات کا پورا پس منظر اس کے علم میں آ چکا تھا۔ میں نے اس کی موجودگی میں ڈان کا نمبر ملا لیا۔
''میں علی بول رہا ہوں'' فون پر اس کی سرد اور سپاٹ مگر دبنگ آواز سن کر میں نے کہا۔
''تم کتنی دیر میں آسکتے ہو؟'' اس نے مجھے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔
''آدھے یا پون گھنٹے میں......'' میں نے سنبھل کر جواب دیا'' کہو تو میں اس سے پہلے بھی آنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔''
''فضول باتیں مت کرو۔ ایک گھنٹے بعد تم کو یہاں ہونا چاہیے'' وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔
فون بند ہوگیا۔ میرے لیے وہ تجربہ نیا نہیں تھا۔ میرے حریف بارہا میری آواز سن کر ایسے ردِّعمل کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ مجھے ڈان سے ایسی سرد مہری کی امید نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے فون بند کر دیا۔
''وہ بھڑکا ہوا معلوم ہوتا ہے'' اسد نے تبصرہ کیا۔
''بہت زیادہ'' میں نے اس کی تائید کی'' اس نے پاسپورٹ لانے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ یہ معاملہ گول کرنے کی گنجائش نکل آئی ہے۔''
''یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ تمہارے پاسپورٹ اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کر چکا ہے تو تم کسی طرح انہیں نہیں بچا سکتے۔ تم خود نہیں لے گئے تو تمہاری غیر موجودگی میں وہ تمہارے کمرے سے چرا لیے جائیں گے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہوٹل والوں کو وہ اپنے مقصد کے لیے کس بے رحمی سے استعمال کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔''
اسد کی بات معقول تھی۔ بہتر یہ تھا کہ بگاڑ کو بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ڈان کے دماغ میں چڑھی ہوئی گرمی کو کم کرنے کے لیے اس کی ہدایات من وعن مان لی جائیں۔
میرے ایما پر غزالہ نے اپنے وینٹی بیگ سے دونوں پاسپورٹ نکال کر میرے حوالے کر دیے۔
''اب ہوشیار رہنا'' میں نے جوتے پہنتے ہوئے غزالہ کو تاکید کی'' تم نے ہماری ساری باتیں سنی ہیں۔ ہم یہاں بدمعاشوں اور ٹھگوں کے نرغے میں آ گئے ہیں۔ ذرا سی چوک ہوئی تو ہم بھاری نقصان سے دوچار ہو سکتے ہیں۔''
''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے مسکرا کر اعتماد سے جواب دیا'' ادھر کا رخ کرنے والوں کو مایوسی ہوگی۔''
غزالہ کا جواب سن کر اسد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے میرے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا تھا مگر غزالہ سے اس کا تعارف واجبی تھا۔ سو فیصد گھریلو نظر آنے والی ایک پاکستانی خاتون کی زبان سے دنگا فساد کے بارے میں ایسا پُراعتماد جواب اس کے کانوں کے لیے اجنبی تھا۔
کمرے سے باہر نکلنے کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا'' تم نے بھابی کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال لیا ہے۔''
''وہ ڈھلی ڈھلائی میرے پلّے پڑی ہے۔ میاں بیوی ایک سانچے میں نہ ڈھل سکیں تو یہ گاڑی جھٹکے کھا کر چلتی ہے۔ غزالہ یہ بات جانتی ہے۔''
ہوٹل سے باہر آ کر اسد نے پہلی خالی ٹیکسی میں مجھے سیلرز بار کی طرف روانہ کر دیا۔ میں اپنی شکل وصورت سے ہی وہاں غیر ملکی لگتا تھا اور پھر ایک بڑے ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں سوار ہوا تھا۔ ڈرائیور نے اپنی گاڑی کو ٹریفک میں شامل کرتے ہوئے بنکاک کی جواں سال لڑکیوں کے ذکرِ شر سے اپنی گفتگو کی تمہید باندھنے کی کوشش کی اور میں نے اس ابتدائی مرحلے میں اسے سختی سے ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔
مجھے یاد تھا کہ میں ان چند دنوں میں ایسے ڈرائیوروں کے ساتھ بھی سفر کرتا رہا تھا جو گندگی اور خرافات سے نالاں ہونے کے باوجود بنکاک میں اچھی روزی کما رہے تھے۔
میری تادیب کے نتیجے میں میرا اسیلرز بار تک کا سفر خاموشی اور تیز رفتاری سے طے ہوا۔ میں نے ٹیکسی کا

کرایہ ادا کر کے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو چار بجنے میں پورے بیس منٹ باقی تھے۔

ڈان کو تاخیر پسند نہیں تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ قبل از وقت پہنچنے پر اچھے تیوروں سے میرا استقبال نہیں کرے گا۔ میں سیلرز بار کی عقبی گلی کا رخ کرنے کے بجائے مین روڈ پر ایک قطار میں بنی ہوئی دکانوں کی طرف ہولیا۔ ان کے درمیان سیلرز بار کا بند دروازہ دور سے نظر آ رہا تھا۔

بار چھ بجے کھلتا تھا۔ اسی وجہ سے ڈان نے مجھے دو گھنٹے پہلے بلایا تھا تاکہ وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر مجھ سے مذاکرات کر سکے۔

مجھے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ بیس منٹ تک سڑک کے کنارے دھوپ میں کھڑا رہتا تو بلاوجہ آنے جانے والوں کی نظروں کا مرکز بن جاتا۔ وہ وقت گزارنے کے لیے ایک چھوٹی مگر خوب صورت سی دکان میں داخل ہو گیا۔ جس کے باہر لگے ہوئے سائن بورڈ پر گفٹ شاپ کے انگریزی الفاظ بہت نمایاں تھے۔

اندر کاؤنٹر کے پیچھے ایک بنی سنوری، ادھیڑ عمر خاتون نے میری آہٹ سن کر سر اٹھایا اور وہ سراپا تبسم بن گئی۔ میں جوابی مسکراہٹ بکھیرتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔

''ویل کم...... ٹُوتورسٹ!'' اس نے استقبالیہ فقرے کے ساتھ اپنی توتلی انگریزی میں ایک سوال داغ دیا۔ وہ تتلاہٹ اس کی کمزوری نہیں بلکہ مقامی لب و لہجے کی مجبوری تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔

''ہاں، میں سیاح ہوں'' میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا ''باہر سے گزرتے ہوئے تمہاری خوب صورت دکان نظر آئی اور میرے قدم بے اختیار اس طرف اٹھ گئے۔''

میری زبان سے خوبصورتی کا ذکر سنتے ہی اس کے چہرے پر سرخی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے شرمانے کی کوشش میں کچھ بے حجاب ہو کر میری طرف دیکھا۔ اپنی پلکیں جھپکائیں پھر بولی ''یہ تمہاری عزت افزائی ہے۔ ورنہ میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے کیا خریدنا پسند کرو گے؟''

انگریزی سے واجبی واقفیت نے اس بے چاری کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے اس کی تردید ضروری نہیں سمجھی اور بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''کوئی بھی ایسی چیز جو میں اپنی پسندیدہ عورت کو پیش کر سکوں!'' میں نے سوچا کہ میں وہاں سے غزالہ کے لیے کچھ خرید ہی لوں۔

''اوہ! تم کو عورتوں سے دلچسپی ہے؟'' اس نے میری طرف جھک کر قدرے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ دکان میں اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا متنفس نہیں تھا۔ اس کے لہجے کی تبدیلی غیر ضروری تھی۔

''یہ ایک فطری تقاضا ہے'' میں نے دیکھا، موضوع بدلتے ہی اس خاتون کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

''میں صرف پانچ ڈالر فیس لے کر تمہیں چند قدم کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ کا پتا بتا سکتی ہوں جہاں تمہیں اپنی پسند کی کئی عورتیں مل جائیں گی اور تمہاری آج کی شام یادگار ہو جائے گی'' بلی یکایک تھیلے سے باہر آ گئی۔

''کیا تم سیلرز بار کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

''مین! کانوں کو ہاتھ لگاؤ۔ ڈان بہت معزز آدمی ہے۔ وہ ایسے چکروں سے کوسوں دور ہے۔ یہاں رہنے اور کاروبار کرنے والوں کو فخر ہے کہ وہ ڈان کے پڑوسی ہیں اور سکھ چین کی زندگی گزار رہے ہیں۔''

''یہ ڈان کون ہے؟'' میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

''چھ بجے سیلرز بار کھل جائے گا۔ اندر جا کر تم اس کی زیارت کر لینا'' وہ بولی ''ڈان بہت نیک نفس آدمی ہے۔ جن باتوں کو خود ناپسند کرتا ہے، اپنے پڑوسیوں کو ان سے نہیں روکتا۔ یہ ڈان کی چھوٹی سی دنیا ہے۔ اس کی وجہ سے پولیس ادھر آتی ہے۔ نہ ٹیکس لینے والے تنگ کرتے ہیں۔ بولو، تم پانچ ڈالر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

وقت گزارنے کے لیے پانچ ڈالر کی قربانی زیادہ نہیں تھی۔ تبادلے کی شرح سے وہ سیکڑوں بھات بن جاتے تھے۔ عورت کے دماغ میں شاید وہی ہندسہ چکرا رہا تھا۔

میں نے خاموشی سے بٹوا نکالا اور پانچ ڈالر کاؤنٹر پر رکھ دیے۔ اس نے وہ نوٹ اٹھا کر پھرتی سے اپنے بلاؤز میں اڑس لیے۔

اس کا بلاؤز مختصر تھا۔ قمیص کا گلا بڑا تھا۔ سب کچھ یوں ظاہر تھا کہ نوٹ چھپائے جانے کے باوجود نہیں چھپ سکے تھے، مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ اس خاتون کا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ اس کی فیس ادا کر کے میں کچھ دیر کے لیے وہاں ٹھہرنے کا جواز حاصل کر چکا تھا۔

وہ شام کے ابتدائی لمحات تھے۔ باہر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس گرمی اور سناٹے میں دکان میں کسی گاہک کے

آنے کا امکان نہیں تھا۔ میں نے عورت سے اجازت لیے بغیر سگریٹ سلگالی۔ وہ ذرا بھی معترض نہیں ہوئی اور بولی ''تم دکان سے نکل کر سیلرز بار کی طرف چلو گے تو پیلے رنگ کا نواں دروازہ تمہاری دو دستکوں کے جواب میں کھل جائے گا۔ میرا نام فینگ لی ہے۔ اسے سنتے ہی تمہیں اندر بلالیا جائے گا......''

''ایک منٹ......'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی تقریر کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا ''نواں دروازہ، دو دستکیں اور فینگ لی کا پاس ورڈ۔ یہ تین باتیں کافی ہیں۔ اس کے بعد کے مراحل ساری دنیا میں یکساں ہوتے ہیں۔ انتخاب اور مول تول کی ذمے داری میری ہوگی۔ تمہارے پانچ ڈالروں کا معاوضے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

''ویری گڈ!'' عورت تحسین آمیز لہجے میں بولی ''تم پرانے کھلاڑی معلوم ہوتے ہو۔ کھیل کے سارے اصول اور ضابطے سمجھتے ہو۔ مجھے ایسے کنگلوں سے سخت نفرت ہے جو مفت میں نظریں سینک کر میرے پاس لوٹ آتے ہیں اور کوئی بات نہ بننے کی وجہ سے اپنی دی ہوئی فیس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میں انہیں دھتکار کر بھگا دیتی ہوں۔''

وہ رفتہ رفتہ کھلتی جا رہی تھی۔ میں نے سر ہلا کر کہا ''تم اچھا کرتی ہو، اب ذرا سیلرز بار کے بارے میں بتا دو کہ وہاں کیا ہوتا ہے، میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔''

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ خاموشی سے اپنے گریبان سے پانچ ڈالر نکال کر میرے سامنے پھینکے اور تیز آواز میں بولی ''اگر تم ڈان کے خلاف چھان بین کرنے کے ارادے سے میرے پاس آئے ہو تو اپنے نوٹ اٹھاؤ اور خاموشی سے لوٹ جاؤ۔ یہاں کوئی ڈان کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔ جہاں بھی جاؤ گے، تمہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''ڈان سے مجھے کچھ نہیں لینا۔ میں نے تم سے سیلرز بار کے بارے میں پوچھا تھا'' میں نے نوٹوں کو ہاتھ لگائے بغیر اپنی صفائی پیش کی۔

''کیا تم بارز کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟'' اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

''دراصل میرا مسئلہ دوسرا ہے'' میں نے آہستگی سے کہا ''مجھے شراب سے نشہ نہیں ہوتا۔ میری جوانا نئی دنیاؤں کی سیر کرانے لگتی ہے......''

''نو......'' اس نے میری بات کاٹ دی ''ڈان کے بار میں کوئی غیر قانونی نشہ نہیں ملتا۔ وہ صاف ستھرا کاروبار کرتا ہے۔ تم غلط جگہ پر آ گئے ہو۔ تمہیں گودی کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں تمہیں حشیش، چرس اور ہیروئن، سب مل جائیں گی۔''

''بندرگاہیں عورت کوتر سے ہوئے ملاحوں کا مسکن ہوتی ہیں۔ تمہاری بتائی ہوئی کسی خوبصورت عورت کے ساتھ ادھر کا رخ کرنا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ بعض شورہ پشت ملاح عورت کے لیے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔''

اس نے نوٹ اٹھا کر حریصانہ انداز میں دوبارہ وہیں رکھ لیے جہاں وہ نیم درون نیم بیرون کے عالم میں پہلے نظر آ رہے تھے اور بولی ''یہ عورت کی بڑائی ہے کہ اس کے لیے سب لڑتے ہیں، وہ کسی کے لیے نہیں لڑتی۔ تمہیں ان جھگڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پیسے خرچ کرو گے تو اسی گھر میں ہر چیز مل جائے گی۔ وہاں ہر رنگ کے لوگ آتے ہیں۔''

اس سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں دکان میں لگے ہوئے وال کلاک کا طواف بھی کرتی رہی تھیں۔ میں نے پانچ ڈالر میں وہاں خاصا وقت گزار لیا تھا۔ بنکاک کی زندگی کا ایک نیا رخ سامنے آنے کے ساتھ ساتھ مجھے ڈان کے بارے میں کچھ نئی باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔

چار بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ وہ وقت ڈان کے ٹھکانے تک پہنچنے میں صرف ہو جاتا۔ میں نے بنکاک کی اس عظیم عورت کو ہاتھ اٹھا کر الوداع کہا جو پانچ ڈالر میں زن گزیدہ مردوں کی حاجت روائی کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔

میں سیلرز بار کے بند دروازے کے سامنے سے گزرتا ہوا اس کونے کی طرف چل دیا جو نسبتاً قریب تھا۔ ڈان سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ میری اعصابی کشیدگی میں خود بخود کمی آتی چلی گئی تھی۔ اس وقت میں خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کر رہا تھا۔

ایک گمبھیر مسئلہ سر آن پڑا تھا تو اس کے بارے میں زیادہ سوچ بچار کر کے خود کو ہلکان کرنا بے سود تھا۔ وقت پر سوجھنے والی باتیں ہی اس وقت میرے کام آ سکتی تھیں۔

سیلرز بار کی پچھلی گلی میں داخل ہوتے ہوئے میں نے بجھی ہوئی سگریٹ ایک طرف اچھال دی۔ اس وقت وہ گلی دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔

میں ٹہلنے کے انداز میں پیش قدمی کرتا ہوا سیلرز بار کے عقبی سیاہ دروازے تک پہنچا تب بھی چار بجنے میں ایک منٹ سے قدرے زیادہ وقت باقی تھا۔

میں نے اس چوبی دروازے کا جائزہ لینا شروع کر دیا

جو اپنی ساخت اور مضبوطی کی وجہ سے بظاہر فولاد کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

ٹھیک چار بجے میں نے ڈور بیل کا سوئچ دبا دیا تھا۔ اس دوران میں گلی بدستور سنسان پڑی رہی۔ کسی دروازے سے کوئی آیا نہ گیا۔ شاید اس علاقے کے سارے مکین بنکاک کی گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں میں پڑے ستا رہے تھے۔

اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ قلیل سے وقفے کے بعد دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے سیلرز بار میں کام کرنے والی وہی خوب رو اور سبک اندام لڑکی کھڑی ہوئی تھی جس نے پچھلی بار میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔

اس وقت لڑکی کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

''اندر آ جاؤ'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''آج تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟'' میں نے دروازے میں سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی۔

''ہاں..... آں..... ڈان کا موڈ خراب ہے'' دروازہ بند ہونے کے بعد نیم تاریکی میں اس کی کھوئی کھوئی سی آواز ابھری ''اوپر چلے جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

لڑکی اس تنگ راہ داری میں بار کی طرف مڑ گئی۔ میں اوپر جانے والے چوبی زینوں پر ہو لیا۔ پچھلی بار ڈان نے زینے کے اختتام پر میرا استقبال کیا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ قدم قدم پر منفی تبدیلیاں مجھے خطرے سے آگاہ کر رہی تھیں۔

میں اوپری منزل کے رہائشی ہال میں داخل ہوا تو ڈان سفید سلک کے روایتی گون اور پاجامے میں ملبوس اپنی بڑی سی مسہری پر دراز تھا۔ اس کے سرہانے اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ جس میں تیرتے ہوئے برف کے ڈلے دور سے جھلملاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ڈان کے چہرے پر خشمناک سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

میری آہٹ سن کر بھی وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ہال میں نظریں دوڑائیں۔ وہاں کسی اور کا وجود نہیں تھا۔

''ڈان! میں حاضر ہو گیا ہوں'' میں نے رک کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔

''چلے آؤ'' اس نے لیٹے لیٹے کہا۔ اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

میں نے مسہری کے قریب جا کر اپنا سر جھکاتے ہوئے اسے تعظیم دی۔ وہ بلا کا انا پرست تھا۔ میں نے اس کی انا سے کھیل کر اس کی حمایت حاصل کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس بار بھی وہی حربہ کارگر ثابت ہو سکے گا۔

''دو سوال تھے جن کی جواب دہی کے لیے میں نے تمہیں بلایا تھا'' ڈان نے کسی تمہید کے بغیر اچانک اپنی بات شروع کر دی ''اب ان سے زیادہ اہم سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے۔''

میں مسہری کے قریب کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ وہاں دو منقش اور آرام دہ چوبی کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں لیکن ڈان نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سیلرز بار میں بھنگ اور چرس بیچتا ہوں؟'' اس نے قدرے توقف کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

ڈان کی زبان سے وہ غیر متوقع سوال سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سوچی سمجھی باتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ میں نے بوکھلا کر کہا ''ڈان......! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تمہارے بارے میں مر کر بھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔''

''بکواس بند کرو'' ڈان دہاڑا اور میں اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا ''ابھی تم گفٹ شاپ والی سے میرے بارے میں کیا پوچھ گچھ کر رہے تھے؟''

گفٹ شاپ والی کا ذکر آتے ہی مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس علاقے میں ڈان کا نیٹ ورک بہت مضبوط تھا۔ اس عورت نے ذرا سی دیر میں میرے بارے میں ہر بات ڈان تک پہنچا دی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرا ڈان تک پہنچنے کا ارادہ نہ ہوتا تو اس کا کوئی نہ کوئی آدمی مجھے باہر گھیر چکا ہوتا۔ مار کٹائی کے بعد نوبت اغوا تک بھی پہنچ سکتی تھی۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے اس عورت سے ڈان اور سیلرز بار کے بارے میں بے پروائی سے جو باتیں کی تھیں، وہ ڈان کے فکر مند ہونے کے لیے کافی سے زیادہ تھیں۔

''ڈان! میں بے قصور ہوں'' میں نے گھگیا کر اپنی صفائی پیش کی ''غلطی یہ ہوئی کہ ٹریفک جام نہ ہونے کی وجہ سے میں وقت سے پہلے یہاں آ گیا تھا۔ باہر گرمی تھی۔ میں اس مکار نائکہ کی دکان میں چلا گیا۔ پانچ ڈالر دے کر اس سے باتیں کیں تو اس نے مجھے سیلرز بار میں شراب نوشی کا مشورہ دیا۔ میں نے یوں ہی اس سے کہہ دیا کہ مجھے صرف میری جوانا سے نشہ ہوتا ہے۔ اس نے اتنی سی بات کو تمہارے سامنے بتنگڑ بنا دیا......''

''بس!'' اس نے بستر پر زور سے ہاتھ مار کر کہا ''یاد رکھنا کہ اس علاقے میں نہیں، پورے بنکاک میں میرے جاں

نثار رہتے ہیں۔ تم سانس بھی لو گے تو اس کی آواز میرے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ تم کو میرے بارے میں فضول گوئی کی کیا ضرورت تھی؟''

''میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کی'' میں نے گڑگڑا کر کہا ''اس نے خود سیلر زبار کا اور تمہارا ذکر نکالا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ تمہاری وجہ سے کوئی سرکاری اہل کار ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہاں رہنے والے تمہارے سائے میں سارے غیر قانونی کام کرتے ہیں۔ میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں نے تمہاری بڑائی کے ان قصوں میں دلچسپی لی تھی۔''

میں نے اس دوغلی عورت کو ڈان کے ہاتھوں سزا دلوانے کے لیے الزام اسی کے سر ڈال دیا۔ اپنی ذہنی پراگندگی کے باوجود میں نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ اس عورت کے لیے ایک نازیبا لفظ کے استعمال پر ڈان نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ شاید اسے اس عورت کی مذموم سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا۔

''وہ بہت بولتی ہے'' ڈان نے دانت پیس کر کہا اور مسہری کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس کی ٹانگیں اسی طرح پھیلی رہیں ''تم سے مجھے پتا چل گیا کہ وہ اُلّو کی پٹھی کیا کیا بکتی رہتی ہے۔ دوسرے اس کی باتیں سن کر اپنی راہ ہو لیتے ہوں گے۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ ضرورت کے وقت بھی مشکل سے بولے گی۔''

''اسے پتا ہوتا کہ میں اصل میں تم سے ہی ملنے آیا ہوں تو وہ میری شکایت نہ کرتی۔ اس پر برا وقت آیا ہوا تھا۔ سبق ملے گا تو سیدھی ہو جائے گی۔''

''عورت کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ وہ ٹیڑھی ہے اور ٹیڑھی ہی رہے گی'' ڈان کے الفاظ میں اس کے ذاتی تجربات کی تلخی اُمڈ آئی۔

ڈان کے غصے کا رخ چغل خور عورت کی طرف مبذول کرانے کے نتیجے میں میرے ساتھ اس کا رویہ نرم پڑ گیا تھا۔ میں نے جلدی سے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''میں بھی اپنی عورت سے بہت نالاں ہوں۔ وہ میرے ہاتھوں پٹتی رہتی ہے مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ اسے اپنے اوپر گھمنڈ ہے۔ وہ اپنی ادائیں دکھانے پر آتی ہے تو میرا غصہ کافور ہو جاتا ہے۔''

ڈان نے گلاس اٹھا کر وہسکی کا ایک بڑا گھونٹ لیا پھر منہ بناتے ہوئے بولا ''عورت بنت عقرب ہے مگر اس بچھو سے ملاپ میں بھی بہت مزہ ہے۔ ہر مرد اسے برداشت کرنے پر مجبور ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہاری عورت بہت خوب صورت ہے؟''

''ڈان! میری دکھتی رگ کو نہ چھیڑو۔ وہ کتنی خوب صورت ہے، یہ میں ہی جانتا ہوں'' میں نے گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اپنے دکھ کے اظہار کے ساتھ میں نے وہ ذکر بھی ٹال دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ تم کھڑے کیوں ہو؟'' میرے اور اپنے مشترکہ درد کا علم ہوتے ہی اسے یاد آ گیا کہ میں دیر سے کھڑا ہوا تھا۔

میں سکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے خوشی تھی کہ اس وقت تک میری حکمتِ عملی کامیاب جا رہی تھی۔ اس کامیابی کے لیے میں گفٹ شاپ والی عورت کا احسان مند تھا جس نے میری کہی ہوئی باتوں کی مخبری کر کے ڈان کے دماغ میں ایک نیا مسئلہ ڈال دیا تھا۔ یوں اصل مسائل وقتی طور پر پس پشت چلے گئے تھے۔ بات چلی تو بات سے بات نکلتی چلی گئی اور مجھے غزالہ پر کچھ الزام تراشیاں کر کے ڈان کو یہ باور کرانے کا موقع مل گیا کہ اس کی طرح میں بھی عورت کا ڈسا ہوا تھا۔

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ ڈان نے آہستہ آہستہ اپنے گلاس سے وہسکی کے دو چھوٹے گھونٹ لیے۔ اس دوران میں اس کی نظریں پُرخیال انداز میں اپنے پیروں کے انگوٹھوں پر جمی رہیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ اسے وہ بدترین ساعتیں یاد آ گئی تھیں جب وہ ایک کم سن لڑکی کے ہاتھوں بھرے بازار میں جوتی سے پٹا تھا۔ وہ اس کے عروج کی انتہا اور زوال کی ابتدا تھی۔ ان لمحوں کو وہ زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

سیکنڈ منٹ میں بدلے اور وہ دورانیہ طول پکڑتا چلا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے ساتھ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔ اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں نہ دل جنبش کر رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی ارادہ کیا تھا کہ اچانک اس کی وہ محویت ختم ہو گئی۔ اس نے ذرا چونک کر میری طرف دیکھا پھر دھیمی آواز میں بولا ''تمہارے دونوں پاسپورٹ کہاں ہیں؟''

میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے دیکھے بغیر انہیں یوں ہی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔ اس نے یہ دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی' ان دونوں سبز کتابوں میں نام اور تصویریں کس کی تھیں۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سانس سینے میں اٹک کر رہ گیا ہو۔ لچھے دار باتوں کی روانی میں بہہ کر بھی ڈان اپنے

اصل ارادوں کو فراموش نہیں کر سکا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے پاسپورٹ کیوں رکھے ہیں؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''ایسی باتیں تم ہی جانتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے انہیں پھاڑ کر نہیں پھینکا۔''

''تمہیں پریشانی نہیں ہے کہ ان کے بغیر تم تھائی لینڈ سے باہر نہیں نکل سکو گے!'' میرے لہجے کی بے پروائی نے اسے متعجب کر دیا۔

''میں تمہاری امان میں ہوں۔ ان گتوں اور کاغذوں کی اہمیت ان لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو بے سہارا اور یتیم ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم جب چاہو گے' مجھے کسی کاغذ کے بغیر یہاں سے نکلوا دو گے۔''

میرا ردِّعمل اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر کی جھلکیاں تیر رہی تھیں۔ اس نے کہا'' یہ جانتے ہو کہ اب میں نہ چاہوں تو تم کبھی یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ میرے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔''

''میں نے پہلی ملاقات میں تمہاری غلامی قبول کر لی تھی۔ اس پر پاسپورٹوں کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے دل کڑا کر کے بے خوفی سے جواب دیا'' میں راجن کا سر کچلنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ جب تک یہ کام پورا نہیں ہو جاتا' یہاں سے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں مر جانے یا راجن کو مارنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اسی لیے بیوی بھی میرے ساتھ ہے۔ میں مر گیا تو وہ خودکشی کر لے گی۔''

وہ پہلی بار منہ ٹیڑھا کر کے زہریلی آواز میں ہنسا اور بولا'' کوئی کسی کے لیے خودکشی نہیں کرتا تم مارے گئے تو وہ کسی اور کے ساتھ بھاگ جائے گی۔ مرد اور عورت کو ہمیشہ ایک دوسرے کی ضرورت رہتی ہے۔ وہ اکیلے نہیں رہ سکتے۔''

میں نے محسوس کیا کہ جہاں بھی حتمی طور پر غزالہ کا ذکر آتا تھا' ڈان اصل بات کو چھوڑ کر اسی تذکرے کو پکڑ لیتا تھا۔ ایک لمبی مدت گزر جانے کے باوجود شاید وہ اپنی محبوبہ کی بدسلوکی پر اندر سے بہت زیادہ دکھی تھا اس لیے میری بیوی میں کیڑے نکال کر آسودگی محسوس کر رہا تھا۔

''ڈان! مرنے کے بعد آدمی کی لاش کو بھیڑیے نوچتے ہیں یا اسے عزت سے زمین میں دفن کیا جاتا ہے' یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ جب مجھے اپنی خبر نہیں تو میں اپنی عورت کی پروا کیوں کروں۔ اس کی مرضی...... میرے بعد وہ جو چاہے کرتی رہے۔'' میں نے ذرا جذباتی لہجے میں بات کر کے اس مرتبہ

''چائے کی کمپنی کی طرف سے خط ہے۔ لکھا ہے قرعہ اندازی میں میرا جزیرہ بالی کا ٹرپ نکلا ہے...... لیکن میں تو اپنے خرچ پر یہاں آچکا ہوں؟''

پھر وہ موضوع ختم کرنے کی کوشش کی۔

''تمہیں یہاں سے جانے کی پروا نہیں ہے تو تم نے مجھے یا چاؤ فان کو بتائے بغیر ہوٹل چھوڑنے کی کوشش کیوں کی تھی؟'' وہ دوبارہ اپنے اصل موضوع پر آگیا۔

''تم نے مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ چاؤ فان بھی مجھے رہائش بدلنے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میں نے اس پر عمل کر ڈالا یہ کوئی جرم نہیں تھا۔''

''چھوٹا راجن کے مہمان کو مارتے ہی تمہیں ہوٹل چھوڑنے کا خیال کیوں آیا؟''

''یہ ایک اتفاق تھا۔ اسے مارنے کے بعد میں نے آدھا دن ہوٹل میں گزارا تھا۔''

اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری دلیلیں اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اس نے کہا'' قانون سے لاعلمی معافی کا عذر نہیں بن سکتی۔ تم نے ہوٹل چھوڑنے کا بندوبست کر کے بڑی غلطی کی تھی' اس کی پاداش میں' میں نے تمہارے پاسپورٹ لے لیے ہیں۔''

''تمہارے پاس وہ زیادہ محفوظ رہیں گے۔ میں بھاگ دوڑ میں ان سے محروم ہو سکتا ہوں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ تمہارے سوالوں کے درست جواب دوں۔ اس کے بعد بھی تمہارا یہ فیصلہ ہے تو مجھے قبول ہے۔''

''ابھی میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ تمہیں یہ بتایا ہے کہ تمہارے پاسپورٹ کیوں لیے گئے ہیں۔ اب تمہیں دو باتوں

کا جواب دینا ہے۔ تمہیں یہ الہام کیسے ہوا کہ چھوٹا راجن کا مہمان لوپ بوری میں ہے..... نمبر دو یہ کہ اس مہمان سے تمہاری کیا دشمنی چل رہی تھی۔'' ڈان نے اپنے کارڈ میرے سامنے رکھ دیے۔

''تم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسے اس طرح جہنم واصل کیا ہے کہ میں حیران رہ گیا ہوں۔ ایسے لرزہ خیز انجام کے بارے میں سوچنا بھی میرے لیے محال تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چھوٹے راجن سے زیادہ اس کے مہمان کی جستجو تھی!''

ڈان کی پوری الجھن سمجھ لینے کے بعد میرے لیے جواب دینا آسان ہوگیا۔ میں نے کہا ''میں تمہارے دوسرے سوال سے اپنا جواب شروع کروں گا۔ لوپ بوری میں مارے جانے والے کا نام نرائن پرشاد شرما تھا اور وہ بھارت سے آیا تھا۔ یہ باتیں راجن نے بتائی ہیں وہ اسی کا مہمان تھا۔ ہم کو ان دونوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔''

''انہیں کسی نے نہیں جھٹلایا۔'' ڈان نے رسانیت سے وضاحت کی۔

''ڈان! میں نے تم کو پہلے بتا دیا تھا کہ میں پاکستانی ہوں۔ تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو کہ میں کبھی بھارت نہیں گیا۔ زندگی میں پہلی بار اپنے ملک سے باہر نکلا ہوں اور سیدھا بنکاک آیا ہوں۔ شرما سے میری دشمنی کیسے ہوسکتی ہے۔ میں نے پچھلی رات کو مرنے کے بعد پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا۔ دو آدمی جو سرے سے ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں، ان میں دوستی ہوسکتی ہے نہ دشمنی۔ سب سے پہلے چاؤفان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ راجن کا مہمان کوئی بہت اہم آدمی لگتا ہے۔ اسے پکڑ کر ہم راجن کو تمہارے قدموں میں جھکا سکتے ہیں۔ بات میری سمجھ میں آگئی اور ہم اس کے کھوج میں لگ گئے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ آنے کے بجائے بھیڑیوں کا لقمہ بن گیا۔''

ڈان نے خاموشی سے تکیے کے نیچے سے دونوں پاسپورٹ نکالے۔ ورق الٹ کر اس نے ایک واپس رکھ دیا۔ دوسرے کو تفصیل سے کئی منٹ تک ٹٹولتا رہا۔

آخر اس نے دوسرا پاسپورٹ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ تم پہلی بار پاکستان سے نکلے ہو۔ شرما کی طرح چھوٹا راجن بھی بھارتی ہے۔ تمہاری اس سے کیسے دشمنی ہوگئی؟''

''شرما اور راجن میں فرق ہے۔ راجن مشہور بدمعاش ہے۔ دنیا گھومتا ہے۔ وہ چوری چھپے پاکستان کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس نے میرے سینے پر ایسے زخم لگائے......!''

''چھ بجے سیلرز بار کھل جائے گا۔'' اس نے فضا میں داہنا ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس لمبی کہانیاں سننے کا وقت نہیں ہے۔ تمہیں یہاں آئے بہت دیر ہوچکی ہے۔ مختصر لفظوں میں بتاؤ کہ دشمنی کہاں سے شروع ہوئی۔''

''میں کبھی بھارت نہیں گیا۔ پاکستان میں راجن نے میرا گھرانا تباہ کیا۔ وہیں سے میں اس کے خون کا پیاسا ہوگیا۔'' .... میں نے دشمنی کی ابتدا کے بجائے دشمنی کی ابتدا کے مقام کا ذکر کر کے اپنی بات ختم کردی۔

''تمہارا اور اس کا جھگڑا پاکستان سے چل رہا ہے۔'' ڈان نے خود کلامی کے انداز میں وہ فقرہ کہہ کر ایک لمبے گھونٹ میں اپنا گلاس خالی کردیا۔ خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد دوبارہ اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم کہتے ہو کہ تمہاری اصل لڑائی چھوٹا راجن سے ہے، شرما سے تمہیں کوئی پرخاش نہیں تھی۔''

''کسی نے تم سے اس بارے میں کچھ اور کہا ہے تو وہ غلط ہے۔''

''علی! ہوش میں ہوں۔'' وہ بھاری مگر دھیمی آواز میں غرایا۔ ''میں کانوں کا کچا نہیں ہوں۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہوں، چاؤفان کی رپورٹ سن کر میرے دماغ میں دو سوال آئے تھے۔ میں نے تم کو بلوالیا۔ ایک بات صاف ہوگئی۔ اب دوسری پر آجاؤ۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ بات صاف ہونے کا مطلب تھا کہ ڈان نے میری وضاحتوں کو تسلیم کرلیا تھا۔

اگر راجن نے امریکیوں کے خوف سے سوبھراج کے بجائے نرائن پرشاد شرما کا فرضی نہ لیا ہوتا تو میں اس وقت کسی بھی طرح ڈان کو اپنی طرف سے مطمئن نہیں کرسکتا تھا۔ اس پر یہ راز کھل جاتا کہ میری اصل دشمنی سوبھراج سے تھی۔ میں نے اسے بےوقوف بنانے کے لیے راجن سے اپنی دشمنی کی کہانی گھڑی تھی۔ سوبھراج کو مارتے ہی میں نے خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ ترک کرلیا تھا۔

اس مرحلے پر صرف شرما کے نام نے مجھے ڈان کے عتاب سے بچالیا۔ اس کی جگہ سوبھراج کا نام سامنے آگیا ہوتا تو شاید ڈان مشتعل ہو کر اپنے ہاتھوں سے میری گردن اتار لیتا۔

میں نے راجن کی کمزوری کے نتیجے میں ڈان کے سامنے بڑی حد تک اپنی پوزیشن بچالی تھی۔ اس کے آخری اور فیصلہ کن سوال کے جواب میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنے ذہن میں واقعات کو یک جا کرتے ہوئے بھرائی آواز میں کہنا شروع کیا۔

''ڈان! تم اپنے آدمیوں کے لیے بہت مہربان اور منصف مزاج ہو۔ تم نے بہت تحمل کے ساتھ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری کہی ہوئی باتوں کو مان بھی لیا ہے میں......''

''علی!'' اس کی ترش آواز نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس وقت کم ہے، زیادہ قصیدہ خوانی کرنے کی ضرورت نہیں، صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں شرما کی لوپ بوری میں موجودگی کا علم کیسے ہوا۔''

''تم کو یاد ہوگا کہ پہلی بار میرے ساتھ ایک دوست بھی یہاں آیا تھا۔'' میرے پاس اسد کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ''یہ کارنامہ اس نے انجام دیا تھا۔ جاؤ

فان نے مجھے بتایا کہ موتی محل میں امریکیوں کے داخل ہوتے ہی پچھلے راستے سے راجن کی سفید لینڈ کروزر میں دو آدمی تیزی سے باہر نکلے تھے۔ میں نے یہ بات اپنے دوست کو بتائی۔ اس نے محنت کر کے ٹریکر کمپنی سے پتا چلا لیا کہ وہ گاڑی کہاں ہے......''

''اوہ......!'' ڈان تحیر زدہ آواز میں درمیان میں بول پڑا۔ ''میں اشتہار دیکھتا رہا ہوں، ان پر کبھی غور نہیں کیا۔ یہ ٹریکر اتنی کامیاب چیز ہے!''

''بہت کامیاب ہے۔ اس کے ریکارڈ تک کسی غیر متعلق شخص کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اس نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر میرے لیے یہ کام کر ڈالا، غیر متعلق آدمی کو سراغ ملنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے دو آدمی مارے گئے۔ یہ بات کھل گئی تو کئی آدمی اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور بے چارہ اسد مفت میں پکڑا جائے گا۔''

''مجھے یاد آرہا ہے......شاید اس کا نام اسد خان تھا۔'' ڈان کی یادداشت قابل رشک تھی۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

یکا یک ڈان کسی چاق و چوبند نوجوان کی طرح مسہری سے اچھل کر قالین پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے احترام میں

مختصر مختصر

☆''ملیحہ کی شادی ہو رہی ہے۔''

''کون ہے وہ خوش قسمت آدمی جس سے ملیحہ کی شادی ہو رہی ہے؟''

''خوش قسمت تو میں ہوں......اس نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

☆☆☆

☆''تم نے عالیہ کی کس خوبی سے متاثر ہو کر اس سے شادی کی؟''

''وہ دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔''

''وہ کس طرح؟''

''اس سے پہلے کوئی لڑکی مجھ سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔''

کرسی چھوڑ دی۔

''یہ سب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔ تمہاری وضاحت کے بعد بہت آسان معلوم ہونے لگی ہیں۔ یہ چالاکیاں میرے آدمیوں کے بس سے باہر ہیں۔'' وہ مسہری کے قریب ننگے پاؤں ٹہلتے ہوئے بولا۔ ''تم نے میرے وجود میں نئی روح پھونک دی ہے، نظر آرہا ہے کہ اب چھوٹا راجن جلد ہی ایک بھولا ہوا نام بن جائے گا۔''

''میری زندگی کا مقصد یہی رہ گیا ہے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

ڈان نے پلٹ کر یکا یک اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا، گرفت سخت تھی مگر انداز دوستانہ تھا۔

''میں چھوٹا راجن کا بھی وہی حشر دیکھنا چاہتا ہوں جو شرما کا ہوا ہے۔'' اس نے سرد اور سفّاکانہ لہجے میں کہا۔ ''وہ خوف سے بھاگتا ہوا، بے خبری میں بھیڑیوں کی بھیڑ میں جا گھسا تھا۔ چھوٹا راجن کو میں خود بے دست و پا کر کے لوپ بوری کے خونی بھیڑیوں کے سامنے پھینکنا چاہوں گا۔ کھال اور گوشت سے محروم ہو کر بچ جانے والی چند ہڈیوں کے ڈھیر کو چھوٹا راجن کا نام دیا جائے گا تو میرے دل میں ٹھنڈک پڑے گی......تم سن رہے ہونا۔ میرے لیے یہ کام تم کرو گے۔ آج سے تم میری آنکھ کا تارا ہو۔''

اس وقت میں ایک دردناک عذاب سے آزاد ہوا تھا۔

ڈان کے آخری فقرے پر میرے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، دل بے اختیار بھر آیا اور میں نے ڈان کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ میں اپنے رب کی عنایتوں کو کبھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

ڈان بڑے دل کا آدمی تھا۔ اس نے بھرپور انداز میں میری پیش قدمی کا جواب دیا اور مجھے اپنے توانا بازوؤں کے حصار میں لے لیا، کئی سیکنڈ تک ہم دونوں اسی حالت میں خاموش کھڑے رہے میرا بدن کانپ رہا تھا، جھرجھریاں لے رہا تھا اور ڈان مربیانہ انداز میں میری پیٹھ پر تھپکیاں دے رہا تھا۔

وہ دو سفاک، سنگ دل اور بے مہر انسانوں کی یک جائی تھی، کافی دیر تک جاری رہنے والی گفتگو میں ڈان نے مجھے کہیں بھی ڈھیل نہیں دی تھی۔ اس کے سوال بہت سخت اور دوررس اثرات کے حامل تھے۔ میں نے جھوٹ اور سچ کی آویزش سے اس کے اندیشوں کو باطل ثابت کیا تھا۔ ساری اہمیت راجن کے ایک جھوٹ کی تھی جس نے مجھے بچالیا تھا۔

دنیا میں کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت پر راجن کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرسکے۔ یہ صرف اور صرف قدرت کی نادیدہ قوتوں کی کارفرمائی تھی کہ اس نے سچ کو بالکل چھپالیا تھا۔ اس کا ایک سچ میرے دلائل کی پوری عمارت کو دھڑام سے نیچے لے آتا۔

میرا جذباتی ابال چند لمحوں سے زیادہ باقی نہیں رہ سکا میں ڈان سے الگ ہوگیا۔ وہ میری آنکھوں میں تیرنے والی نمی کو اپنے لیے ممنونیت کا اظہار سمجھ کر نازاں تھا جب کہ اس نمی کا ڈان کی ذات سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ اپنے رب کے حضور میں تشکر کے چند قطرے تھے جو حالات کی ناقابلِ یقین کروٹ پر از خود میرے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر آنکھوں تک آگئے۔

''کاش! بنکاک میں تم جیسے ایک دو آدمی اور مل جاتے تو یہاں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔'' ڈان کی آواز میں حسرت اور توصیف کا امتزاج تھا۔

''دو ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوتے تو سب کچھ برباد ہوجاتا۔''

''کیا اسد ہمارے ساتھ کام نہیں کرسکتا؟'' ڈان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے متجسس انداز میں سوال کیا۔

''میرے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا ہے تمہارے ساتھ اس کی گاڑی نہیں چل سکے گی۔ نہایت شریف آدمی ہے۔ جرم کے تصور سے اس کی روح کانپتی ہے۔'' ڈان سے گفتگو کسی بھی لمحے اختتام کو پہنچ سکتی تھی، میں موقع کی تلاش میں تھا کہ ڈان سے اپنے پاسپورٹ واپس مانگ لوں، مجھے امید تھی کہ اس وقت کی فضا میں مجھے وہ سفری پروانے آسانی سے مل جائیں گے۔

''اسے دیکھتے اور ٹٹولتے رہو۔ میں ہر وقت اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار رہوں گا۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے ڈان کے تکیے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ادھر کیا دیکھ رہے ہو۔ میری چیزوں کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ صفائی کرنے والی لڑکیاں ہر چیز کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیتی ہیں۔''

''سوچ رہا تھا کہ یہ واپس مل جائیں تو میں......!''

''نہیں علی!'' ڈان نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔'' چھوٹا راجن کا قصہ نمٹنے تک تمہارے پاسپورٹ میرے پاس محفوظ رہیں گے مجھے تمہاری ضرورت ہے، تمہاری تصویر مجھے یاد دلاتی رہے گی کہ ابھی چھوٹا راجن سے جنگ جاری ہے۔''

نرم الفاظ میں دیا جانے والا وہ جواب دوٹوک تھا۔ میں نے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو میرے دل کے کسی گوشے میں اس کے خلاف کینہ پل رہا تھا۔

ڈان نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے سرد مہری سے میری آمد کو قبول کیا تھا۔ واپسی پر وہ ہال کے دروازے تک مجھے چھوڑنے آیا۔ زینوں پر اترتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔

سیلرز بار کے پچھلے دروازے سے نکلتے ہوئے میرا دل بوجھل تھا۔ میں نے اپنے بارے میں ڈان کے ذہن سے سارے شکوک وشبہات زائل کردیے تھے لیکن میں اس کا کھلا قیدی بن چکا تھا۔ جب تک پاسپورٹ واپس نہ مل جاتے میرا دل ہلکا نہیں ہوسکتا تھا۔

میرے دل میں آئی کہ گلی سے نکلنے کے بعد میں دوبارہ گفٹ شاپ میں جاکر اس خاتون کو معقول نذرانہ پیش کروں جس نے میری شکایت کرکے مجھے ڈان کا موڈ بہتر بنانے کا سنہرا موقع فراہم کیا تھا مگر پھر وہ ارادہ ترک کردیا۔

عورت عامیانہ ذہنی سطح کی مالک تھی، فضول گوئی پر اس کی گوشمالی کے لیے ڈان کا کوئی ہرکارہ آتا تو اسے نئی بخشش کی

خبر بھی دے دیتی۔ بات بگڑ سکتی تھی۔

میں نے وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں میرا ذہن مسلسل پاسپورٹ کی واپسی کے سنگین مسئلے میں الجھا رہا۔ میرے لیے یہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں ڈان کی رضامندی کے بغیر بنکاک سے واپس نہیں جاسکوں گا۔

کوئی حل نظر نہ آنے کے سبب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔ اس معاملے میں ڈان نے مجھے بری طرح بے بس کرکے رکھ دیا تھا۔

ٹیکسی مضافات سے گزر کر شہری حدود میں داخل ہوئی تو اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی، وہ کال چاؤ فان کی طرف سے آئی تھی۔

میں نے کال وصول کی تو میرے کان میں اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ”ماسٹر! مبارک ہو۔ بہت زبردست کام ہوا ہے اس وقت تم کہاں ہو؟“

چاؤ فان کے وہ فقرے میری سمجھ سے باہر تھے۔ یہ بات خارج از امکان تھی کہ وہ میری اور ڈان کی ملاقات کے حوالے سے بات کررہا ہو۔ ڈان سے مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ چاؤ فان کو فون کرکے اس ملاقات کے نتائج سے آگاہ کرے۔ ڈان کا اس سے براہِ راست رابطہ بھی رہتا تھا لیکن اصولی طور پر وہ میرا ماتحت اور مجھ کو جواب دہ تھا۔ میں اپنی صوابدید پر اسے ملاقات کے بارے میں کچھ بتا دیتا تو بات دیگر ہوتی اس بارے میں ڈان کی براہِ راست لب کشائی میرے لیے سبکی کا باعث ہوتی، ڈان جیسے گھاگ آدمی سے ایسی غلطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

پھر وہ پرجوش لہجے میں کس بات کی مبارکباد دے رہا تھا؟ یہ ایک مسئلہ تھا۔

”میں واپس ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ”میں اس وقت تم سے بات نہیں کرسکتا۔ ہوٹل پہنچ کر فون کروں گا۔“

میں نے فون بند کردیا۔ ایک معاملہ پہلے سے میرے سر پر سوار تھا۔ چاؤ فان نے ایک اور پہیلی مسلط کردی۔ ہوٹل پہنچنے تک سوچ سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو غزالہ نے غیر معمولی بشاشت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

”آج خیریت تو ہے!“ میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

”راستے میں چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ وہ مبارک باد دے رہا

”یہ جاسوسی ناول مصنف نے واقعی نئے انداز میں لکھا ہے۔ اس میں قاتل آخر میں وہی نکلتا ہے جس پر آپ کو پہلے سے شک ہوتا ہے۔“

تھا۔ یہاں تم ضرورت سے زیادہ خوش نظر آرہی ہو۔“

”کیا دشمن کی بربادی پر خوش ہونا بری بات ہے؟“ غزالہ نے شوخی سے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں...... لیکن کچھ پتا تو چلے کہ قصہ کیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”چند منٹ پہلے میں ٹیلی وژن پر خبریں سن رہی تھی۔ ان میں موتی محل میں بم کے دھماکے کی خبر بھی شامل تھی۔“ غزالہ نے انکشاف کیا۔

میں حیرت سے اچھل پڑا ”یہ کیسے ہوا؟ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ہماری مدد کررہے ہیں۔“

”بہت مختصر سی خبر تھی۔ تفصیل نہیں بتائی گئی۔“

”ہو نہ ہو یہ چاؤ فان کی حرکت ہے۔ وہ مقامی آدمی ہے۔ اندر اس کے جاننے والے بھی ہیں۔ اسے میرا سہارا ملا ہے تو اس کا حوصلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس دھماکے کے لیے اس نے اندر کے کسی آدمی کو استعمال کیا ہوگا۔ وہ اپنے اس کارنامے کی بات کررہا ہوگا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے تفصیل سے بات نہیں کرسکے!“

”زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں تھا۔ میں ٹیکسی میں سفر کررہا تھا۔“ میں نے اسے بتایا ”اب فون کرکے دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔“

”اسے فون کرنے سے پہلے یہ تو بتادیں کہ ڈان سے

ملاقات کا کیا رہا۔'' فون میرے ہاتھ میں آتے ہی اس نے مطالبہ کیا۔

''اس کے ذہن میں بہت مضبوط شکوک و شبہات پروان چڑھ رہے تھے۔ یہ سمجھ لو کہ سوبھراج کا نام نہ کھلنے کی وجہ سے ہم تباہی سے بال بال بچ گئے۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے پاسپورٹ ضبط کر لیے گئے۔''

غزالہ کے ذہن میں اس بارے میں بہت سے سوالات جنم لے رہے تھے لیکن اس وقت میں نے اسے ٹال دیا۔ میں فوری طور پر چاؤفان کو ٹٹولنا چاہ رہا تھا۔

اسے فون کیا تو وہ خبیث کسی بدروح کی طرح ہوٹل کی لابی میں بیٹھا ہوا تھا۔ فون پر مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

اسے علم ہو چکا تھا کہ میں ڈان سے ملاقات کرنے کے بعد ہوٹل کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس نے بھی اسی سمت میں دوڑ لگا دی۔ وہ مجھے پیچھے سے اچک کر اپنے ساتھ ڈرائیو پر لے جانے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ بدقسمتی سے اسے ہوٹل پہنچنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ میں اس سے بچ کر اطمینان سے اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے محتاط رہتا تھا۔ میں بھی کھل کر بات نہ کرنے کی وجہ سے الجھن محسوس کرتا تھا۔ میں نے اسے ہوٹل سے باہر اپنی گاڑی میں انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور معذرت خواہانہ انداز میں غزالہ کو الوداع کہہ کر دوبارہ باہر چل دیا۔

اس وقت تک سائے دراز ہونے لگے تھے لیکن بنکاک کے افق پر کافی اجالا موجود تھا۔ میں نیچے کی رونقوں کا سرسری جائزہ لیتا ہوا ہوٹل سے نکلا تو چاؤفان کی کالی اکارڈ پورچ کے سرے پر فٹ پاتھ سے لگی ہوئی نظر آ گئی۔

میرے سوار ہوتے ہی چاؤفان نے پاور اسٹیئرنگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت کم جگہ میں سے اپنی اکارڈ قطار سے باہر نکال لی۔

''ماسٹر! جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ چوم لوں۔'' گاڑی چلتے ہی اس کی زبان بھی چل پڑی ''تم نے اس کے گھر پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ اب اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔''

میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ راجن کی رہائش گاہ پر ہونے والے دھماکے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ کام کسی تیسرے فریق کا تھا لیکن چاؤفان اس واقعے کا ذمے دار مجھے سمجھ رہا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو...... مجھے سخت شکایت ہے کہ اس معاملے میں تم نے مجھ پر بھروسا نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ دو چار دنوں میں اپنا کوئی گینگ بنا لیا ہے۔''

''یہاں میرا کوئی گینگ ہے نہ ہمدرد۔'' میں نے بہت سوچ سمجھ کر اداسی سے کہا ''تم لوگوں کے سوا صرف ایک دوست ہے جو کسی لالچ کے بغیر میرے لیے اپنی جان لڑا رہا ہے۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اسے بھی روک دوں۔ آج ڈان سے مل کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔''

''ضرور ہوا ہوگا۔'' اس نے سر ہلا کر میری ہاں میں ہاں ملائی۔ ''اس کے سوال بہت تیکھے اور ٹیڑھے تھے۔ مجھ سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔''

''سوالات سے مجھے رتی برابر پریشانی نہیں ہوئی۔ میں نے ڈان کو پوری طرح مطمئن کر دیا ہے۔''

''پھر تم کس صدمے کی بات کر رہے ہو؟''

''ڈان نے بہت بڑی بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دونوں پاسپورٹ اس نے اپنے پاس رکھ لیے ہیں۔'' میں بہت سوچ سمجھ کر ایک ایک لفظ منہ سے نکال رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چاؤفان اس گفتگو کی رپورٹ ڈان کو ضرور دے گا۔

''اوہ......! میں سمجھ رہا تھا کہ وہ پاسپورٹ دیکھ کر تم دونوں کے پورے کوائف جاننا چاہتا ہے وہ ان کا کیا کرے گا......؟ دو چار روز میں تمہیں لوٹا دے گا۔ تم اتنی سی بات کے لیے آج کی تیسری کامیابی کی خوشی سے کیوں منہ پھیر رہے ہو۔''

''تمہاری گنتی کچھ کمزور معلوم ہوتی ہے۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''اتنی گنتی آتی ہے۔ ڈرائیور کی موت، شرما کا صفایا اور موتی محل میں بم بلاسٹ۔ یہ شاید تین واقعات ہی ہوتے ہیں۔''

''لیکن بے فیض ہیں۔ انعام دور کی بات ہے، سزا دی گئی ہے۔ ڈان سمجھ رہا ہے کہ میں خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ یہ بات تم نے اس کے دماغ میں ڈالی ہوگی۔''

''میں نے اسے ہوٹل کے حساب کے بارے میں بتایا تھا۔'' اس نے اقرار کیا۔ ''وہ سب کی سن لیتا ہے فیصلے خود کرتا ہے۔ اس نے کوئی موقع دیا تو میں تمہارے جذبات اس تک پہنچا دوں گا۔ یہ تم سے میرا پُرخلوص وعدہ ہے۔''

''اسے معلوم ہے کہ میں اس کے فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔ کسی کو ناخوش کر کے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہمارے

لیے اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔ تم میرے ساتھ رہے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ہم آگ سے کھیل رہے ہیں۔ ذرا سی چوک ہوئی تو یہ آگ ہمارے دامن چاٹ جائے گی۔'' میں نے بددلی سے کہا۔

''ماسٹر! تم یقین کرو کہ اس فیصلے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے میں تمہارا ادنیٰ غلام ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ تمہاری شکایت کسی حد تک درست ہے۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں ضرور کروں گا۔ تم اپنا موڈ ٹھیک کرلو۔ میں تو آج تمہارے ساتھ موتی محل کی بربادی کا جشن منانے آیا تھا۔ تم اپنے دل کو پاسپورٹوں کا غم لگائے بیٹھے ہو۔''

''کیا بم زیادہ تباہ کن ثابت ہوا؟'' میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تفصیل نہیں مل سکی۔ ابھی صرف خبر آئی ہے یہ بات تمہیں اور تمہارے دوست کو معلوم ہوگی کہ وہاں پھٹنے والا بم کتنی جانی اور مالی تباہی پھیلا سکتا تھا۔'' اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر دوبارہ اپنی بات جاری رکھی ''اگر آج وہاں کی ایک اینٹ بھی ٹوٹی ہے تو سمجھ لو کہ پورے موتی محل کی تباہی کی بنیاد ڈال دی گئی ہے۔''

''پچھلے دھماکوں کی طرح یہ بھی ایک علامتی کوشش تھی۔ اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اب وہ اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں اس واقعے کا کریڈٹ لینے کی کوشش شروع کردی۔

چاؤ فان نے اس دھماکے کی ذمے داری قبول کرنے سے انکار کیا تو میں تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ ذرا سا غور کرنے کے بعد مجھے یقین ہو چلا کہ موتی محل میں ہونے والی تخریبی کارروائی امریکیوں کی سازش کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔

وہ لوگ موتی محل میں سوبھراج کی موجودگی کی اطلاع کی تصدیق کے بعد وہاں گئے تھے۔ ان کے فوجی دستے کو راجن کی رہائش گاہ میں سوبھراج کا کوئی سراغ نہ ملنے پر مایوسی ہوئی ہوگی۔ دوسری طرف یہ اطلاعات بھی تھیں کہ راجن نے موتی محل میں امریکیوں کے گھس آنے پر اپنی شدید برہمی کا برملا اظہار کیا تھا جو امریکیوں کو یقیناً ناگوار گزرا تھا۔

ان دنوں امریکیوں کے سر پر عالمی بالادستی کا گھمنڈ سوار ہونا شروع ہوگیا تھا۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں من مانی کارروائیاں کرنا اپنا پیدائشی حق تصور کرتے تھے اور پھر تھائی لینڈ میں ان کے دوستوں کی حکمرانی تھی۔ اپنی ضروریات کے تحت دوستوں کی درگت بنانا ہمیشہ سے ان کا محبوب مشغلہ رہا

پریشانی

ماں نے بیٹی کو نصیحت کی ''جب بھی اپنی سہیلیوں کی محفل میں بیٹھو تو جو کچھ بھی بولو، سوچ سمجھ کر بولو۔''

''لیکن امی......! اگر میں سوچنے لگوں گی۔ تو اتنی دیر میں تو موضوع ہی بدل جائے گا'' بیٹی نے پریشانی سے کہا۔

تھا۔ فوجی دستے کے کمانڈر کو وہ دونوں باتیں گراں گزری ہوں گی اور اس نے راجن کو سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا۔

غور کرنے سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ بنکاک میں ہمارے اور امریکیوں کے سوا ایسی کوئی تیسری قوت نہیں تھی جو راجن کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے۔ فوجی کمانڈر نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے موتی محل میں دھماکے کا بندوبست کرادیا۔

پچھلے واقعات کے تسلسل میں کوئی بھول کر بھی یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ تھائی حکومت کے امریکی دوستوں نے موتی محل والوں کو ہراساں کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ پچھلے چند دنوں میں گولڈن ڈریگن میں راجن کا ایک ملازم مارا جا چکا تھا۔ اسی رات کو راجن کے چار کاروباری ٹھکانوں میں ٹائم بم لگائے گئے جو اگلی صبح نمودار ہونے کے بعد اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گئے۔ موتی محل میں ہونے والے بم دھماکے کو بھی ان واقعات کی ایک کڑی قرار دے کر ساری ذمے داری راجن کے نامعلوم دشمنوں کے سر ڈال دی جاتی۔

اس دھماکے سے امریکیوں کو دہرا فائدہ حاصل ہونے کی امید رہی ہوگی۔ راجن کو یہ پیغام مل جاتا کہ وہ اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف بم پھٹنے سے موتی محل میں زبردست خوف و ہراس پھیلتا۔ وہاں کے سارے مکین دہشت زدہ ہوکر اپنے ٹھکانوں سے کھلی فضا میں نکل آتے۔ اگر سوبھراج بدستور موتی محل کے کسی خفیہ ٹھکانے میں چھپا ہوا تھا تو اضطرار کے عالم میں اسے بھی سامنے آجانا چاہیے تھا۔

موتی محل میں بم پھٹنے کی واردات اس امر کی مظہر تھی کہ بنکاک کے اس نجی قلعے میں ایسے لوگ بھی پل رہے تھے جن کی وفاداریاں اپنے آقا کے لیے نہیں تھیں۔ انہوں نے دوسری قوتوں سے اپنی خدمات کا سودا کیا ہوا تھا۔

موتی محل میں تخریبی کارروائی کرنے والوں کو بم کی محدود تباہ کاری اور دھماکے کے وقت کا پیشگی علم ہوتا۔ وہ کسی محفوظ مقام پر رہ کر موتی محل سے برآمد ہونے والے خوف زدہ افراد کی بھیڑ کا بہ خوبی جائزہ لے سکتے تھے۔ ان لوگوں

میں سوبھراج کا چہرہ نظر آتا تو افراتفری کے عالم میں کسی نامعلوم سمت سے آنے والی ایک گولی پلک جھپکتے میں اس کا کام تمام کرسکتی تھی۔ ایف بی آئی کے غدار کو سزا دینے کے لیے وہ ایک بہترین موقع ثابت ہوگا۔

وہ محرکات بہت قوی تھے۔ اس نظریے پر میں نے جتنا غور کیا۔ وہ خیال میرے ذہن میں اسی قدر راسخ ہوتا چلا گیا۔

متوقع جانی اور مالی نقصان کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ امریکی اس واقعے کی ذمے داری کسی اور کے سر ڈالتے۔ گزشتہ واقعات نے انہیں یہ موقع فراہم کردیا تھا۔ ویسے بھی وہ قانون کی عمل داری کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔ امریکی کسی صورت میں موتی محل پر نازل ہونے والی تباہی کی ذمے داری قبول نہیں کرسکتے تھے۔

امریکیوں کی ان ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے تازہ ترین دہشت گردی کی کہانی میں زبردست خلا باقی رہ گیا تھا۔ چاؤفان نے اس خلا میں میرا نام ڈال کر اپنی دانست میں کہانی مکمل کرلی تھی۔

مجھے ہاتھ پیر ہلائے بغیر ایک انتہائی اہم واقعے کا کریڈٹ مل رہا تھا۔ راجن سے اپنی پرخاش کی وجہ سے ڈان کے لیے وہ واقعہ بہت زیادہ اہم ثابت ہوتا۔ اسے یہ بتایا جاتا کہ میں نے چاؤفان یا اس کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر وہ کارنامہ سرانجام دیا تو ڈان کی نظروں میں میری قدرومنزلت میں بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا تھا۔

ایک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ شاید ڈان خوش ہوکر دونوں پاسپورٹ مجھے واپس لوٹانے پر آمادہ ہوجائے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اس دھماکے کے لیے تم نے وہ ٹائم بم استعمال کیا ہے جو تمہارے پاس فاضل پڑا ہوا تھا۔'' چاؤفان بہت زیادہ متجسس اور پرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''وہ بہت زیادہ طاقتور نہیں تھا......''

''تمہاری وہ امانت اس وقت بھی میرے کمرے میں محفوظ ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔''

''یعنی اس بار تم نے سب کچھ اپنے ذرائع سے کیا ہے؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''یہی ایک غلطی ہوگئی۔ آدمی کو ہمیشہ اپنی کھال میں رہنا چاہیے۔ جو لوگ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں، منہ کے بل گرتے ہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ حزن و ملال کو اپنے دل سے کھرچ دو۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ تمہیں موقع مل گیا تھا تو موتی محل میں زبردست بلاسٹ ہونا چاہیے تھا۔ وہاں غنڈوں اور قاتلوں کی فوج پل رہی ہے۔ دس پانچ مرتے تو راجن کے پیر اکھڑ جاتے۔''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ماسٹر! تم چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔'' وہ بے اختیار ہنس دیا ''اپنی اور ان کی برادری ایک ہی ہے لیکن چور وہ ہوتا ہے جو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ باقی سب ساہوکار رہتے ہیں۔ اس وقت ہم دونوں ساہوکار ہیں۔''

''ابھی موتی محل سے ابتدائی خبر آئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں جانی نقصان بھی ہوا ہو۔''

''میرا بس چلتا تو میں وہاں ایٹم بم کا بندوبست کرتا۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''اسی لیے تمہارا بس نہیں چلا۔ قدرت گنجے کو ناخن نہیں دیتی۔''

''یہ بات ڈان کے سامنے نہ کہہ دینا۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ پھر اپنے سر پر بایاں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ''میرے سر پر بہت بال ہیں لیکن پچھلے ڈیڑھ دو سال میں تفکرات کی وجہ سے ڈان کی چندیا صاف ہوگئی ہے۔ وہ وگ استعمال کرتا ہے۔''

''چاؤفان! تم احمق ہو۔ میں نے یہ بات محاورے کے طور پر کہی تھی۔''

وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسا ''ماسٹر! تم دیکھ رہے ہو کہ میں بہت اچھی انگریزی بول لیتا ہوں لیکن میں زیادہ محاوروں سے واقف نہیں ہوں۔ ویسے بھی یہاں سمندری خوراک کے کثرت سے استعمال کی وجہ سے گنج کا مرض ناپید ہے۔ ہماری زبان میں ایسا کوئی محاورہ نہیں ہے۔''

''راجن کے خاتمے تک تم بہت سے محاوروں سے واقف ہوجاؤ گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم نے ابھی تک اپنے گینگ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اچانک اسے اپنا ایک تشنہ سوال یاد آگیا۔ ''موتی محل میں تمہیں کس طرح رسائی مل گئی؟''

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور نام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تنہائی

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اس کے بعد ہم فوری طور پر تھائی لینڈ سے نکلنا چاہ رہے تھے مگر ڈان ہمارے اس ارادے میں حائل ہو گیا۔ اس نے ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنی تحویل میں لے لیے۔ اس دوران میں امریکیوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے چھوٹا راجن کے محل میں دھماکا کروا دیا جس کا کریڈٹ مجھے مل گیا۔ سوبھراج کی موت پر بہت سارے سوال پیدا ہو سکتے تھے مگر چھوٹا راجن نے مرنے والے کی شناخت تبدیل کر کے ہماری تشویش ختم کر دی۔

اب آپ قسط نمبر 248 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

فون کی گھنٹی کی آواز نے ذرا سی دیر کے لیے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

میرا کراچی کے نمبر والا موبائل فون اس وقت اوپر کمرے میں تھا۔ سوبھراج اور اپنے ساتھیوں سے رابطے کے لیے میں وہی فون استعمال کرتا تھا اور اسی پر میرے اہم پیغامات آتے تھے۔ اس وقت میری جیب میں وہ مقامی موبائل فون تھا جو میں نے بنکاک میں حاصل کیا تھا۔ وہ اسد، ڈان اور چاؤ فان سے رابطوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ڈان سے میں تھوڑی دیر پہلے ملاقات کر چکا تھا، چاؤ فان میرے ساتھ تھا۔ وہ کال اسد ہی کی ہو سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ڈان نے اچانک مجھے طلب کیا تھا۔ اس نے وقت کا حساب کر کے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف سے غزالہ کی آواز سنائی دی ''ابھی آپ کے موبائل پر جلال کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔''

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔ ویسے بھی اس کے لیے اردو میں کہی ہوئی بات کو سمجھنا ناممکن تھا۔

''میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ آ کر دیکھوں گا۔''

میں نے خشک لہجے میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔

''ہا...... ہا......!'' چاؤ فان نے اپنے حلق کی گہرائی سے سانس خارج کیا پھر بولا ''ماسٹر! یہ پٹاخا کون تھی...... اس کی آواز بہت جان دار ہے!''

میں نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا ''چاؤ فان! میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔ آج تم نے دوسری مرتبہ اس کے بارے میں بدتمیزی کی ہے۔ یہ میری بیوی کا فون تھا۔''

''توبہ...... توبہ توبہ...... میری توبہ!'' بھری سڑک پر چاؤ فان نے اچانک اسٹیئرنگ وہیل چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے گالوں پر لگاتار تھپڑ برسانے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو...... ایکسیڈنٹ ہو جائے گا'' میں دبی دبی، ہذیانی آواز میں غرایا ''ہوش میں رہ کر اسٹیئرنگ تھامو! تمہاری گاڑی کی رفتار سو سے اوپر ہے۔''

اس نے سر جھکا کر شکست خوردہ انداز میں دوبارہ اسٹیئرنگ تھام لیا اور پژمردہ آواز میں بولا ''ماسٹر! میں شرمندہ ہوں۔ دل میں خود کو ذلیل محسوس کر رہا ہوں۔ بدھا گواہ ہے، مجھے علم ہوتا کہ وہ تمہاری عورت ہے تو میں کچھ بھی نہ کہتا، اپنی زبان کو تالا لگا لیتا۔ سارا قصور تمہارے فون کا ہے۔ اس میں

اتنی اونچی آواز آتی ہے کہ برابر میں بیٹھا ہوا آدمی ہر بات سن سکتا ہے۔ میں تمہاری اور اس کی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ اس کی آواز سن کر ذہن میں جو خیال آیا وہ کہہ ڈالا۔ یہ میری آخری غلطی تھی۔ مجھے معاف کر دو!''

''چاؤفان! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم اول درجے کے چالاک ہو۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو آنکھیں بند کر کے کہہ جاتے ہو۔ بعد میں معافی مانگ لیتے ہو یا پھر تم عقل سے ایک دم کورے اور نرے گدھے ہو!''

''ماسٹر!'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولا ''اس وقت دوسری بات فرض کر کے میری خطا معاف کر دو۔ میں اتنا ناشائستہ آدمی نہیں ہوں۔ ہر ایک کو اس کے رتبے کے مطابق عزت دیتا ہوں۔ پتا نہیں اس وقت بے دھیانی میں میری زبان کیوں چل پڑی۔ میں تمہارے سامنے خود کو نرا گدھا تصور کر رہا ہوں۔''

''مجھے تمہاری بول چال پر ایک اور سخت اعتراض ہے۔'' میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ بھی بتا دو۔ آئندہ میں اس کا دھیان رکھوں گا۔''

''تم کو اسے میری بیوی ماننے میں کیا تامل ہے......؟ تم اسے ہمیشہ میری عورت کہتے ہو!''

''ماسٹر! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ بے بسی سے بولا ''کیا وہ ایک عورت نہیں ہے؟''

''عورت ہی ہے۔'' میں نے دانت پیس کر جواب دیا ''مگر عورت اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عورت کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ بیوی صرف ایک خاص عورت کو کہا جاتا ہے۔''

''اوکے...... اوکے! اب میں سمجھ گیا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا ''تم کو اپنی بیوی کے لیے عورت کا لفظ توہین آمیز محسوس ہوتا ہے۔''

''صرف مجھے توہین آمیز محسوس نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک گھٹیا لفظ ہے!''

''ماسٹر! لارڈ بدھا مجھے معاف کرے۔ میں تو غیر ملکی دوستوں کی بیویوں کے لیے اکثر عورت بلکہ مادہ تک کے لفظ استعمال کرتا رہا ہوں اور آج تک کسی نے برا نہیں منایا۔''

''تم تھائیوں کی انگریزی بہت ناقص ہوتی ہے۔ لوگ سن کر درگزر کر دیتے ہوں گے کہ بے چارہ چاؤفان انگریزی کے زیادہ الفاظ نہیں جانتا۔ مادہ جانوروں کی ہوتی ہے۔ تم نے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا تو اب تک میں تمہارا سر پھاڑ چکا ہوتا۔''

''عورت اور مادہ!'' وہ آموختہ یاد کرنے کے انداز میں بڑبڑایا پھر بولا ''میری انگریزی واقعی اچھی نہیں ہے۔ غلط الفاظ پر مجھے ٹوک دیا کرو۔ میں تمہارا ممنون رہوں گا۔''

''اپنے مطلب کی باتوں کے لیے تم خوب انگریزی بول لیتے ہو۔''

''ماسٹر! یہ بھی مجبوری ہے۔ انگریزی نہ آتی تو میں اشاروں سے تمہیں ہر بات سمجھا دیتا۔ جب آدمی کے سر پر پڑتی ہے تو اسے خود بخود الفاظ سوجھنے لگتے ہیں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا ''تم نے میری دو غلطیوں کا طعنہ دیا ہے۔ ایک تو وہ عورت اور مادہ والی بات تھی۔ دوسری یہ ہوئی کہ میں نے تمہاری بیوی کی آواز کی تعریف کی جو غلط بات ہے...... تمہیں مجھ سے اور کوئی شکایت تو نہیں ہے نا؟''

''تمہاری عقل بھی موٹی ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''سارا قصور تمہارے عامیانہ انداز کا ہے۔ جو باتیں شروع سے تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں، انہیں بدلنا میرے بس سے باہر ہے۔ تم جیسے کسی آدمی کو شائستگی سکھانا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہے ان باتوں کو فی الحال بھول جاؤ۔''

''ماسٹر! میں ان باتوں کو کیسے بھول جاؤں۔'' اس نے مغموم آواز میں کہا ''مجھے زندگی میں تم نے پہلی بار بول چال پر ٹوکا ہے تو اب میری تصحیح کرنا تم پر لازم ہے۔''

میں نے چند ثانیوں تک غصے اور بے بسی سے اس کی طرف دیکھا پھر غصہ ضبط کر کے سمجھانے والے انداز میں بات شروع کی ''تمہاری ساری تعریفیں منفی ہوتی ہیں۔ مجھے تعریف پر نہیں، تمہارے الفاظ پر اعتراض ہے۔ عورت کو حسین کہنا جائز ہے، جب زوردار کہتے ہو تو مفہوم بگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح آواز کو اچھا کہنے کے بجائے تم نے بے ساختہ پٹاخا قرار دے دیا۔ یہ بھی بے ہودگی ہے۔ یہ سب باتیں اچھی نہیں ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''اب تم کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری بیوی کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہ دوں، زبان بند رکھوں۔ بس مجھے ایک بات بتا دو کہ مجبوری کی حالت میں اس کا ذکر کرنا ہی پڑ جائے تو میں اسے کیا کہوں؟''

لمحے بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ وہ مردود مجھے گھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔ میرا غصہ فرو ہو گیا۔ میں نے کہا ''یہ بات ذہن میں نقش کر لو کہ جس طرح میں تمہارا ماسٹر ہوں، اسی طرح وہ میری بیوی ہے اور تم

اسے یہی کہو گے۔''

''اب تم فکر نہ کرو۔ آیندہ تمہیں اس معاملے میں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' اس نے نہایت وثوق سے مجھے یقین دہانی کرائی۔

''اس معاملے سے تمہاری کیا مراد ہے...... کیا دوسرے معاملات میں تم خود کو آزاد رکھنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ماسٹر! بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات پکڑنے لگتے ہو اور مجھے زچ کر دیتے ہو۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں محتاط تو رہتا ہی ہوں۔ اس معاملے میں زیادہ احتیاط سے کام لوں گا۔''

''آج ڈان نے پاسپورٹ لے کر میرا دل کھٹا کر دیا ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے ڈر ہے کہ ہمارے تعاون کا سلسلہ یک لخت ختم ہو جائے گا۔'' میں نے موقع کا فائدہ اٹھا کر سخت الفاظ میں اپنی بات دہرائی۔

''ڈان کی نیت پر شک نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں تمہاری تعریف اور بڑائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو۔'' اس نے خوشامدانہ لہجے میں سمجھایا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی کے ہاتھ پیر کاٹ دینے سے اسے کس طرح بڑائی مل جاتی ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''تم ہر بات میں کیڑے نکالے جا رہے ہو۔ ذرا دوسری سمت میں بھی سوچنے کی کوشش کرو۔ ڈان نے تمہاری حمایت کر کے اپنے نام اور ساکھ کو داؤ پر لگایا ہے۔ اسے نظر آ رہا ہے کہ صرف تم ہی چھوٹا راجن کو نیچا دکھا سکتے ہو۔ ذرا غور کرو کہ تم کسی بات پر ناراض ہو کر خاموشی سے یہاں سے چل دیے تو ڈان کہاں ہوگا۔ اس کی کتنی سبکی ہوگی......''

''سبکی کیسے ہوگی؟'' میں نے اس کی بات اڑا کر ترشی سے سوال کیا ''میرے' تمہارے اور ڈان کے سوا ان باتوں کا کس کو علم ہے۔ راجن کو یہ معلوم ہونے میں ہفتوں لگ جائیں گے کہ اس کے مہمان کے پیچھے کون لگا ہوا تھا۔''

''پھر تم ڈان کو نہیں سمجھے۔ ایسے لوگ دوسروں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ سب کچھ اپنی انا کی تسکین کے لیے کرتے ہیں۔ ڈان کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارے لیے اس کی حمایت کے بارے میں کتنے لوگ جانتے ہیں۔ یہ سراسر اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہاری ناکامی...... اصل ناکامی ہو یا فرار کے سبب کام ادھورا چھوڑ دینے کی ناکامی...... وہ ڈان کو تباہ کردے گی۔ وہ چھوٹا راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تم پر سو فی صد انحصار کر رہا ہے۔ تم نے بالا ہی بالا ہوٹل چھوڑنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید ڈان کا ذہن بھول کر بھی تمہارے پاسپورٹوں کی طرف نہ جاتا۔''

''تم واقعی ڈان کے پکے نمک خوار ہو۔ اتنی دیر میں ڈھونڈ کر بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔'' میں نے طنز سے کہا۔

''ماسٹر!'' وہ اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کر بولا ''ہاں' میں اس کا پرانا نمک خوار ہوں۔ میں جس کا کھاتا ہوں' اسی کا گاتا ہوں۔ میں کوچی اور وانگ فیٹ کی طرح نمک حرام نہیں ہوں۔ وہ ڈان کے جوتوں کے نیچے پلے تھے۔ چھوٹا راجن نے زور پکڑا تو وہ ڈان کو پیٹھ دکھا کر اس سے مل گئے۔''

''کیا تم نے مجھے ہلٹن چھوڑ کر کھاؤ سان روڈ کے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟'' میں نے کوچی اور وانگ فیٹ کے ناموں میں کوئی دلچسپی لیے بغیر اس سے پوچھا۔

''دیا تھا۔'' اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا ''لیکن ماسٹر! میرا مطلب تھا کہ تم رضامندی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے وہاں عمدہ بندوبست کردوں۔ میں خوشی خوشی تمہارا سامان اپنے سر پر اٹھا کر وہاں لے جاتا۔ تم نے کسی پر بھروسا نہیں کیا۔ چپکے سے اپنا کوئی پروگرام بنا کر ہوٹل سے جانے کی تیاری کرلی۔ اگر میں تمہارا میزبان نہ بنا ہوتا اور ہوٹل والے بل بناتے ہی مجھے فون نہ کرتے تو تم نکل جاتے اور ہم تمہیں ڈھونڈتے رہ جاتے!''

''ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہوٹل بدل جانے کے بعد بھی تم موبائل فون پر مجھ سے ہر وقت رابطہ کرسکتے تھے۔''

''یہ دو کوڑی کا شیطانی آلہ بہت کارآمد ہے۔ تم اسے کسی کوڑے دان میں پھینک کر جب چاہو اس سے اپنی جان چھڑا سکتے ہو۔''

''ڈان کو یہ شبہ ہوگیا تھا؟'' میں نے مصنوعی صدمے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ڈان سے میری زیادہ بات نہیں ہوتی۔ میں آج بھی اسے پرانا ڈان سمجھتا ہوں۔ اس سے بحث نہیں کرتا۔ اس نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اب بات سے بات نکل رہی ہے تو میں اپنی طرف سے تمہیں بتا رہا ہوں کہ کیا کیا ہونے کے امکان ہوسکتے تھے۔''

''چاؤ فان! تم بہت چالاکی سے اپنا دامن بچا کر ہر بات کہہ جاتے ہو اور میں خاموشی سے سن لیتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں عقل سے کورا ہوں۔ تمہاری ہر بات کی تہ

تک پہنچ جاتا ہوں۔ اس وقت تم نے میری نیت پر شبے کا اظہار کیا ہے۔''

''نہیں ماسٹر' یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میں ڈان کے حکم کے مطابق تمہارا بے دام غلام ہوں......''

''تم بار بار یہ بات دہرا کر احسان نہ جتایا کرو۔'' میں نے ہلکی سی برہمی سے اس کی بات کاٹ دی ''میں تم سے برابری کا برتاؤ کرتا ہوں۔ ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ساتھ غلاموں والی بدسلوکی نہیں کی۔''

وہ ہولے سے ہنس پڑا ''ابھی میں سچ بات کہہ دوں گا تو تمہارا پارا چڑھ جائے گا!''

''تم مسلسل خیالی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری زبان سے تھوڑا سا سچ سن کر مجھے خوشی ہوگی۔''

''ماسٹر! کل میں پیٹ پونگ میں عیش کر رہا تھا۔ وہ میرا اپنا وقت تھا۔ رات کو تنخواہ دار ملازم کی بھی چھٹی ہوتی ہے۔ تم نے حکم دیا اور میں سارے عیش و عشرت کو لات مار کر آ گیا۔''

''لات مارنے کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔'' وہ تذکرہ آتے ہی میرا غصہ کافور ہو گیا۔ چاؤ فان کی اسی بے مثال سعادت مندی نے مجھے اپنے مشن کی کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ وہ میری بات ٹال دیتا تو شاید سوبھراج کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا اتنا آسان نہ رہتا۔

میں نے اپنے لہجے میں کوئی نرمی پیدا کیے بغیر' سپاٹ آواز میں کہا ''میں نے تمہیں اپنے سر کی مالش کروانے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ راجن کے مہمان کو گھیرنے کا نظریہ تم نے پیش کیا تھا۔ میں اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''دیکھو ماسٹر! میں کسی کی برائی بھلائی نہیں کر رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ چھوٹا راجن سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ڈان سے اس کی پرانی دشمنی چل رہی ہے۔ پتا نہیں اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم ہزاروں میل دور سے اسے مارنے کے لیے آئے ہو۔ یہ تم تینوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ مہمان کو پکڑنے کا نظریہ میں نے مشورے کے طور پر پیش کیا تھا۔ تمہیں اس میں جان نظر آئی اور تم چل پڑے۔ یہ فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔''

''چلو' مان لیا!'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا ''سب کیا دھرا میرا تھا۔ یہ کہہ کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟''

''تمہیں آ گیا غصہ!'' اس کی آواز میں شوخی اتر آئی ''میں بے چارہ کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہ رہا۔ تمہاری باتوں کا جواب دے رہا ہوں۔ چھوڑ دو ماسٹر' ان باتوں کو۔ ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ بلاوجہ تلخیاں پیدا ہوں گی۔''

''گزری ہوئی باتوں کو تم کرید رہے ہو۔ مجھے صرف اس بات کی خلش ہے کہ ڈان نے ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنے پاس کیوں رکھ لیے...... اب تم نے ایک نئی بات کہی ہے کہ ڈان کو شبہ ہو گیا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑ کر چپکے سے کہیں نکل جائیں گے۔''

''ماسٹر! تم ظلم کر رہے ہو۔'' وہ اپنی ہی ران پیٹ کر احتجاجی انداز میں گویا ہوا ''میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ جب مجھے ڈان کے دماغ میں چھپی ہوئی باتوں کا علم ہی نہیں ہے تو میں یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے تو اپنی دانست میں ایک امکان ظاہر کیا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے......!'' میں نے بے پروائی سے اپنی بات جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن چاؤ فان پھیل چکا تھا۔ اس نے میری بات کاٹ دی۔

''دونوں میں فرق ہے۔ شبہ ہو جانے اور شبہ ہونے کا امکان ہونے میں بہت فرق ہے۔ پہلے یہ بات صاف کر دو۔ ڈان کو بھنک مل گئی کہ میں اس کے بارے میں تم سے بے سرو پا باتیں کرتا ہوں تو وہ میری گردن توڑ دے گا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم ڈان کو بتاؤ کہ تم نے مجھے ہوٹل سے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا اور میں پورے خلوص سے اس پر عمل کرنا چاہ رہا تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''اگر ڈان کے ذہن میں میری طرف سے کوئی شک پیدا ہو چکا ہے تو اسے دور ہونا چاہیے۔ اس کا ذہن صاف ہوگا تو مجھے پاسپورٹ واپس مل جائیں گے۔''

''پاسپورٹوں کے بغیر میں تمہیں شہر کے کسی بھی اچھے گیسٹ ہاؤس میں جگہ دلا دوں گا۔ ان کے لیے تم اتنا فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو مارنے تک یہاں رکنا چاہتے ہو۔ ڈان نے بھی تم سے یہی وعدہ کیا ہے کہ اس کا قصہ تمام ہوتے ہی وہ پاسپورٹ تمہیں لوٹا دے گا۔ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہو!''

''یہ میری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں چاؤ فان کے مفروضوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا ''جب تک یہ حل نہیں ہوگا' میں ذہنی یکسوئی کے ساتھ راجن کے خلاف کوئی منصوبہ بندی نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! اپنی اور ڈان کی انا کو لڑانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ ہر اعتبار سے تم سے بڑا ہے۔ بڑے آدمیوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ موتی محل میں دھماکے پر خوش ہو کر تمہارے پاسپورٹ تمہیں لوٹا دے۔ میں تم سے کوئی پکا وعدہ

نہیں کرتا' یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی موقع مل گیا تو تمہاری طرف سے اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ میرے اور اس کے رتبے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔''

میں نے چاؤفان کی باتوں کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''تمہارا وہ جی دار دوست کون ہے جس نے موتی محل جیسے قلعے میں دراڑ ڈال دی۔ کیا مجھے اس نر سے نہیں ملواؤ گے؟'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کی زبان پھر چل پڑی۔

''تمہارے دماغ میں نر اور مادہ کے سوا کچھ اور بھی ہے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''لو' یہ بھی غلط ہو گیا۔ وہ بہادر آدمی کون ہے؟ میں اس کے ہاتھ چومنا چاہتا ہوں۔''

''وہ ایک ملازم پیشہ اور شریف آدمی ہے۔ کسی بدمعاشی کے حوالے سے اپنی رونمائی پسند نہیں کرے گا۔'' میں نے اسے خشک لہجے میں جواب دیا۔ چاؤفان کو یہ بتانا ضروری نہیں تھا کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے کی خبر ملنے سے پہلے ڈان نے لوپ بوری میں راجن کی لینڈ کروزر کی موجودگی کا سراغ لگانے کی بنا پر اسد کو اپنے ساتھ لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''ماسٹر! تم بہت گہرے آدمی ہو!'' اس نے ایک لمبا سانس لینے کے بعد شکست خوردہ لہجے میں کہا ''تم کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ مجھے اپنے دھندوں سے روزانہ معقول آمدنی ہوتی ہے۔ مجھے کسی ٹیڑھے چکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ڈان کی وجہ سے میں تمہارا دم چھلا بنا ہوا ہوں۔ بنکاک کا کوئی شریف اور بزدل آدمی تمہارے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر موتی محل میں بم مار آیا۔ پتا نہیں تم کس سے کیا کام لے رہے ہو!''

''میرے بارے میں اتنا زیادہ نہ سوچو۔'' میں نے اسے نصیحت کی ''وقت ہر شخص کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ڈان سے کیا کہنا ہے۔''

''کیا کہنا ہے؟'' اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''کوئی جھوٹ نہیں بولنا' ایک حقیقت دہرانی ہے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے مجھے ہلٹن ہوٹل چھوڑ کر کھاؤ سان روڈ کے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا۔'' اس کی یادداشت تازہ کرنے کے لیے مجھے اپنی کہی ہوئی بات کا اعادہ کرنا پڑا۔

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تھوڑی دیر پہلے تم نے یہی ہدایت کی تھی تو بات میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ تم ہوٹل چھوڑنے کی ذمے داری میرے سر ڈالنا چاہتے ہو۔''

''تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔'' میں نے سختی سے کہا ''ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا۔ تم اس کے لیے ذمے دار کیسے ہو سکتے ہو۔ بس ڈان کو یہ علم ہو جانا چاہیے کہ میں نے اچانک ہوٹل بدلنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس بارے میں تم سے پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔''

''یہ بات میں ڈان کو بتا دوں گا۔'' اس نے سر ہلا کر کہا ''یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''کس بات کا؟'' میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''ہوٹل بدلو گے یا وہیں رہو گے۔ میں پاسپورٹوں کے بغیر تمہیں کھڑے کھڑے کہیں بھی جگہ دلوا سکتا ہوں۔'' اس نے اپنی پیشکش دہرائی۔

''فی الحال گاڑی اسی طرح چلنے دو۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''موڈ بنے گا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' میرے روکھے پھیکے جواب سے اسے مایوسی ہوئی اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''تم نے پاسپورٹ والے قصے کو اپنے دل پر لے لیا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ ڈان سے تمہاری کیا باتیں ہوئی ہیں۔ وہ لوپ بوری میں تمہاری کارکردگی سے یقیناً بہت خوش ہوا ہوگا۔ وہ اپنے دشمن کا خون پی جانے کا مزاج رکھتا ہے۔ تم نے ساری باتیں چھوڑ کر اس ایک قصے کو پکڑا ہوا ہے۔''

''اس نے مجھے اپنی آنکھ کا تارا قرار دیا ہے۔'' میں نے اس کی شکایت پر قدرے بے زاری سے کہا ''لیکن آنکھ کے تارے پر بھروسا کیا جاتا ہے، اس کی تذلیل نہیں ......''

''بس، بس!'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''قصہ ختم ہو گیا۔ تم نے اب تک اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ڈان بہت سوچ سمجھ کر اور کم بولتا ہے۔ وہ بہت مشکل سے کسی کو عزت دیتا ہے اور پھر ہمیشہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہے۔ اسے موتی محل میں دھماکے کی خبر ملے گی تو اس کی نظروں میں تمہاری توقیر اور زیادہ بڑھ جائے گی۔''

وہ اپنے موقف پر سختی سے قائم تھا اور میں اپنے پاسپورٹ چھن جانے کی وجہ سے سخت جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ میں کتنا ہی سر کھپا لیتا، اسے اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتا تھا۔

مجھے اس کے ذریعے ڈان کو جو پیغام پہنچانا تھا، وہ میں اس کے ذہن میں بخوبی ڈال چکا تھا۔ میں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے واپسی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے نہایت سعادت مندی سے بتایا کہ اس وقت وہ ہلٹن ہوٹل کی طرف واپسی کا سفر طے کر رہا تھا اور ہم چند منٹ میں وہاں پہنچنے والے تھے۔

میرے لیے وہ اطلاع اہم تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری طرح وہ بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ سارا زور بیان صرف کر دینے کے باوجود وہ مجھے ڈان کی شان اور عظمت کے ترانے گانے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔

''ماسٹر! تم بہت ضدی آدمی ہو!'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''جو بات تمہارے دماغ میں بیٹھ جائے، اسے نکالنا آسان نہیں ہے۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا۔

واپسی کے بارے میں اس کے بیان کی صداقت چند منٹ بعد سامنے آ گئی۔ راستے میرے لیے کچھ نامانوس سے تھے لیکن ہم ہوٹل کے پاس پہنچ گئے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بھی خفا ہو گئے ہو۔'' اس نے گاڑی روکتے ہوئے اداسی سے کہا۔

''خفا نہیں ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک معمولی سی بات تمہارے دماغ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے ہلکی سی ناراضی سے جواب دیا۔

''میں دعا کروں گا کہ ڈان تمہارے پاسپورٹ جلد ہی لوٹا دے۔''

''دعا کے ساتھ تمہیں ڈان سے کچھ کہنا بھی ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ میں موقع ملتے ہی اسے بتا دوں گا کہ سارا قصور میرا ہے۔ میں نے ہوٹل بدلنے کی بات تمہارے دماغ میں ڈالی تھی۔''

میں نے گھور کر اس خبیث کی طرف دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ہونٹوں پر چڑانے والی ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ میں مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔

چاؤ فان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں پہنچنے تک میرا ذہن ان معاملات میں الجھا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں جلد از جلد بنکاک کیسے چھوڑ سکوں گا۔ کمرے میں پہنچتے ہی مجھے غزالہ کی مستفسرانہ نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

''تمہاری خوشی بے جا نہیں تھی۔'' میں نے جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو کر کہا ''موتی محل میں بم دھماکا میں نے کیا تھا۔''

وہ تیزی سے میرے پیروں سے جوتے اتارنے کے لیے بڑھی تھی۔ میرا جواب سن کر تحیر زدہ انداز میں اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رک گئی۔

''کیا یہ الزام آپ کے سر ڈال دیا گیا ہے؟''

''الزام نہیں، کارنامہ کہو۔'' میں نے فکر و تشویش کو پس پشت ڈالتے ہوئے، مسکرا کر جواب دیا۔ ''میرا ابتدائی اندازہ غلط ثابت ہوا۔ چاؤ فان کا اس دھماکے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ میرا کارنامہ ہے۔''

''وری گڈ۔'' وہ خوش ہو کر بولی ''اس کا مطلب ہے کہ ستارے آپ کی یاوری کر رہے ہیں۔''

''ہاں...... کچھ ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب ڈان کی آنکھ کے تارے کی روشنی میں کچھ اضافہ ہو جائے۔''

''آپ کے اشارے کنایے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ مجھے پوری کہانی سنائیں۔ ڈان سے ملاقات میں کیا ہوا؟ ابھی آپ نے کچھ بھی نہیں بتایا۔'' وہ میرے جوتے موزے اتارتے ہوئے بولی۔

''لمبی کہانی ہے۔ میں ابھی سناتا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ جلال کیا کہہ رہا تھا۔''

''وہ بہت مضطرب تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کہیں سے کوئی سن گن ملی ہے۔'' اس نے بتایا ''پوچھ رہا تھا کہ سوبھراج کا کیا بنا۔ آپ نے میری موجودگی میں اسد کو ہدایت کی تھی کہ سوبھراج کی موت کا راز کسی اور کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں اس کے افسران بالا بھی شامل تھے۔ میں انجان بن گئی۔ اس نے کہا تھا کہ آپ پہلی فرصت میں اس سے بات کر لیں۔''

''ابھی فرصت کہاں ہے۔'' میں نے اس کی پشت پر لہراتے ہوئے ریشمیں بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا ''پہلے تمہاری بریفنگ ضروری ہے۔''

غزالہ نے پلٹ کر معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر میرے بائیں پیر سے آخری موزہ اتار کر، مسہری کے سرہانے، میرے قریب آ بیٹھی۔

میری زندگی بہت کٹھن اور دشوار حالات میں گزر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چُوک کا کوئی بھی لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوگا۔ میں تنہا اور میرے دشمن بے شمار تھے۔ زندگی کے اس تپتے ہوئے، بے رحم صحرا میں، میرے لیے غزالہ کی ذات کسی پُر بہار نخلستان کی طرح تھی۔ اس کی ذات کا حیات آفرین سایہ ملتا تھا اور میرے پورے وجود میں طمانیت اور آسودگی کی لہریں سرایت کر جاتی تھیں۔

ہم دونوں کافی دیر تک باتوں میں کھوئے رہے۔ میں نے اسے وہ ساری جستہ جستہ باتیں بتا ڈالیں جن سے وہ بے خبر تھی۔

''سوبھراج کے مارے جانے کے بعد، اب ہمارا یہاں رکنا بے سود ہے۔ میرا اندازہ ہے ڈان ہم دونوں کے پاسپورٹ آسانی سے واپس نہیں دے گا۔ ان حالات میں ہماری واپسی کی کیا صورت ہوگی؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''لوگوں کے پاسپورٹ گم بھی ہو جاتے ہیں۔'' میں نے کہا ''جلال سے بات کروں گا۔ اگر ہمارے پاسپورٹ باضابطہ تھے تو ہمارا مقامی سفارت خانہ گمشدگی کی شکایت پر ڈپلی کیٹ پاسپورٹ جاری کر سکتا ہے۔ ڈان کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔''

وہ متبادل تجویز سن کر غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا ''ایک دو دنوں میں یہ کام ہو جائے تو ہم خاموشی سے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ ڈان ہمارے پاسپورٹوں کو جا شارہ جائے گا۔ اب آپ جلال سے بات کر لیں وہ آپ کی کال کا انتظار کر رہا ہوگا...... آپ نے اپنی مرضی سے خاصا وقت گزار لیا ہے۔'' آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ بستر سے اتر گئی۔

میری ذہنی اور جسمانی تکان دور ہو چکی تھی، وجود پر عجیب سی پرسرور کسل مندی سوار تھی۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غزالہ کے مشورے کی افادیت پر غور کیا اور اپنے کراچی والے موبائل فون پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

دوسری گھنٹی پر جلال سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''کیا خبریں ہیں...... تم کہاں غائب ہو؟'' رسمی مزاج پرسی کے بعد وہ فوراً ہی مطلب کی بات پر آ گیا۔ فون پر وہ غیر ضروری باتیں کر کے وقت برباد کرنے کا عادی نہیں تھا۔

''وقت کسی نہ کسی مصروفیت میں گزر رہا ہے!'' میں نے گول مول سا جواب دیا۔

''سوبھراج کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟'' اس نے براہِ راست سوال داغ دیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں یکا یک ایک کٹھن امتحان سے دوچار ہو گیا ہوں۔ کہنے کو میں نے اسد کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت کا راز اپنی ذات تک محدود رکھے، اپنے بڑوں کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ جلال سے فون پر بات کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔

جلال سے میرا رشتہ اعتماد اور دوستی کا تھا۔ اپنی تمام تر مصلحتوں کے باوجود میں نے کبھی کھل کر اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سوبھراج کے بارے میں اس کا سوال دوٹوک تھا۔ میں اس سے کوئی جھوٹ بولتا تو وہ زیادہ دیر تک جلال سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے جھوٹ کی پول کھلنے کے بعد میرے اور اس کے باہمی اعتماد میں جو دراڑ پڑتی، اس کا تصور ہی میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا، میں اس سے سوبھراج کے انجام کے بارے میں سچ بولتا تو اسد کی پوزیشن مجروح ہوتی۔ جلال کو تاؤ آ جاتا کہ اس کے آدمی نے اتنی اہم خبر اس سے پوشیدہ رکھی۔

تذبذب اور پریشانی کے وہ لمحات میری خاموشی میں گزر گئے۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ جلال کو کیا جواب دوں۔

''کہاں کھو گئے......؟ میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں!'' جلال کو اصل صورتِ احوال کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ اس کی آواز میں شوخی اتر آئی تھی۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ زمین اس ملعون کے گندے بوجھ سے آزاد ہو چکی ہے!'' میری سوچ بچار رائیگاں گئی، اعتماد کا رشتہ ہر مصلحت پر غالب آ گیا اور سچ بے اختیار میری زبان پر آ گیا۔

''گریٹ...... یہ بہت بڑی خبر ہے، مجھے بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا'' غیر متوقع طور پر میری زبان سے وہ خبر سن کر جلال کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب ہو گئی۔

''یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر لوپ بوری نامی قصبہ ہے۔ اس کے نواحی جنگل میں بھیڑیوں نے اس کا ایک ایک ریشہ کھا لیا۔''

''اوہ......! وہ سوبھراج تھا!'' اس نے تحیرزدہ آواز میں میری بات کاٹ دی ''میں نے تھوڑی دیر پہلے تھائی لینڈ کے بارے میں ایک ویب سائٹ پر اس ہولناک واقعے کی خبر دیکھی ہے۔ اس میں مرنے والے کو نامعلوم شخص قرار دیا گیا ہے۔''

اس نے میری قطع کلامی کر کے مجھے حیران کر دیا۔ لوپ بوری اتنا معروف قصبہ نہیں تھا کہ اس کے بارے میں کوئی خبر تیزی سے عالمی شہرت حاصل کر لے۔ جب اس نے ویب سائٹ کا ذکر کیا تو میری حیرت رفع ہو گئی۔

انٹرنیٹ کی سہولتوں نے پوری دنیا کو ایک کوزے میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے کے بارے میں معلومات اور خبریں ہر وقت دستیاب رہتی ہیں۔ اخبارات سے بے شمار اداروں اور تنظیموں کی اپنی اپنی ویب سائٹس چوبیس گھنٹے ایک ہلکی سی کلک کی رسائی میں رہتی ہیں جن پر تازہ

ترین اہم اور عجیب و غریب خبریں اور تصاویر موجود ہوتی ہیں۔
لوپ بوری میں وہ ہولناک واقعہ پیش آئے ہوئے کم و بیش چودہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ سوبھراج کی ہلاکت اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا عجیب واقعہ تھا کہ خونی درندوں کے غول نے ایک انسان کی ہڈیوں کو جوڑ جوڑ سے الگ کر کے اس طرح چاٹ لیا تھا کہ مرنے والے کی شناخت کا کوئی فوری امکان باقی نہیں رہا تھا۔ یہ بات قرین قیاس تھی کہ تھائی لینڈ کی کسی خبری ویب سائٹس پر اس واقعے کو نمایاں جگہ دی گئی ہو۔
ان دنوں میں تھائی لینڈ میں تھا۔ میں نے وہ سفر جلال کے ایما پر کیا تھا۔ بعد میں میرے بدترین حریف نے عافیت کی امید میں اسی طرف کا رخ کیا جلال کو توقع تھی کہ کسی بھی مرحلے پر میرا اور اس کا خوفناک ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔ حالات کی روش سے باخبر رہنے کے لیے اگر وہ تھائی لینڈ کے بارے میں کسی ویب سائٹ پر توجہ دے رہا تھا تو اس میں کوئی حیران کن بات نہیں تھی۔ گولڈن ڈریگن کے ایک محافظ کے قتل اور راجن کے کئی اڈوں میں بموں کے دھماکوں کے بعد پیدا ہونے والے مقامی حالات کے بارے میں اس کا تجسس فطری تھا۔ اس بارے میں تازہ ترین خبریں اسے انٹرنیٹ پر کسی ویب سائٹ سے ہی مل سکتی تھیں۔
''وہ سوبھراج ہی تھا!'' اس کی حیرت دور کرنے کے لیے میں نے کہا ''تھوڑی دیر پہلے پتا چلا ہے کہ راجن نے بچی کھچی ہڈیوں کے ڈھیر کو نرائن پرشاد شرما کا نام دیا ہے۔''
''وہ کہہ رہا ہے تو اسی کی بات درست ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ مرنے والے کا اس سے کیا تعلق نکل آیا؟''
''لمبی کہانی ہے وہ تعلق سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔'' میں نے جواب دیا ''اس کا ڈرائیور ایک مہمان کو لے کر لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس میں گیا تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں ڈرائیور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا' مہمان غائب ہے۔'' اسے میں نے اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔''
''اوہ......! ویب سائٹ پر یہ ساری تفصیل نہیں تھی۔''
اس کی آواز تحیر زدہ تھی ''میرے لیے یہ سب حیرت انگیز ہے مجھے اندازہ نہیں تھا وہاں جا کر تمہاری رفتار میں زیادہ تیزی آجائے گی۔ مجھے افسوس ہے کہ اسد نے ابھی تک اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔ کیا تم نے اسے الگ تھلگ کر دیا ہے؟''
''وہ میرے لیے زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''اسی نے کھوج لگایا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی لوپ بوری میں موجود ہے اور ہم وہاں پہنچ گئے۔ وہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ سوبھراج کی موت کی رپورٹ کسی کو نہ دے۔ یہ راز فاش ہوا تو ملک کے لیے مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔''
''اور وہ تمہاری ہدایت پر عمل کر رہا ہے۔'' جلال کی آواز سے یک بیک غصے کا عنصر جھلکنے لگا ''یہ محکمہ جاتی ڈسپلن کی بدترین خلاف ورزی ہے۔ میں اسے......!''
''اتنا غصہ نہ کرو۔'' میں نے اسے آگے بولنے سے روک دیا ''یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر اور پوری نیک نیتی سے کیا گیا تھا۔ تم نے اس سے ملامت کا ایک لفظ بھی کہا تو اس کی نظروں میں میری ساکھ ختم ہو جائے گی۔''
''علی! وہ ایک حلف بردار سرکاری ملازم ہے۔'' جلال کے لہجے کی تلخی دور نہ ہو سکی۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس کے لیے فرائض منصبی سب سے پہلے اہمیت رکھتے ہیں۔ تم بہت اہم اور قابل احترام ہستی ہو لیکن ہمارے نیٹ ورک سے باہر کے آدمی ہو۔ میں حیران ہوں کہ اس جیسے سینئر اور سمجھ دار افسر نے یہ نکتہ کیسے نظرانداز کر دیا۔ اسے ہر حال میں اس واقعے کی رپورٹ فیکس کرنی چاہیے تھی۔''
''جب بات ملکی مفاد کی ہو تو دوسری چیزیں پس پشت چلی جاتی ہیں۔'' جلال کے پرزور استدلال پر میں نے بھی سختی اختیار کر لی۔
''اس میں ملکی مفاد کہاں سے آ گیا......؟'' جلال نے ترکی بہ ترکی کہا ''تم نے اسے روک دیا' اس نے تمہاری ہدایت مان کر سوبھراج کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی۔ ایک گھنٹے پہلے اس نے آج کی آخری رپورٹ فیکس کی ہے۔ اس میں سوبھراج تو درکنار' لوپ بوری کے واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اصل بات تم سے معلوم ہوئی ہے......نہیں علی' یہ قاعدے کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''
''اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا ''اگر کوئی قصور سرزد ہوا ہے تو وہ میرا ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق میں تمہارے نیٹ ورک سے باہر کا آدمی ہوں۔ میرے اوپر تم اپنے محکمے کے قاعدے اور قانون لاگو نہیں کر سکتے۔''
''تم غلط سمجھ رہے ہو۔'' یکایک اس کا لہجہ دھیما ہوا۔ ''اپنے دفتری فرائض کی بجا آوری میں' میں اپنی انا کو بالائے طاق رکھ دیتا ہوں' تم یقین کرو کہ یہ میری انا کا معاملہ نہیں' ڈسپلن کی خلاف ورزی کا بالکل صاف اور سیدھا واقعہ ہے۔

اس کے بارے میں مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تم دونوں کی اعلیٰ کارکردگی کا معترف ہوں لیکن اصول ہر حال میں اٹل ہوتے ہیں۔ ان سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔''

''تم ضد کر رہے ہو......'' میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''یہ ضد نہیں' ایک سیدھی سی بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔'' وہ بولا'' مجھے یہ بتاؤ کہ اس بات کا صیغہ راز میں رہنا اتنا ہی ضروری تھا تو تم نے اس کا ذکر کیوں کیا.....؟ کیا یہ عجیب تضاد نہیں ہے کہ تم نے جس کام سے اسد کو روک دیا' خود وہی کام کر گزر رہے ہو!''

میں لمحہ بھر کے لیے چکرا گیا۔ جلال نے مروت کی راہ چھوڑ کر بہت چبھتا ہوا سوال کر ڈالا تھا۔ وہ لمحہ گزرتے ہی میری زبان چل پڑی ''اب تم نے ڈھنگ کا سوال کیا ہے' میں نے جو کچھ کہا وہ تمہاری ذات تک محدود رہے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم کسی اور سے اس کا ذکر نہیں کرو گے' اپنے ایک اہم مخبر کی فراہم کی ہوئی اطلاع سمجھ کر پی جاؤ گے۔ یہی بات اسد کے قلم سے کاغذ پر منتقل ہوتی تو نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزرتی ہوئی تم تک پہنچتی۔ آئی بی تمہاری ذات تک محدود نہیں ہے وہ ایک منظم اور بڑا ادارہ ہے۔ مجھے اس کی تنظیم' حب الوطنی اور ساکھ پر ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ اسد کا فیکس تمہارے آپریٹر یا کسی ماتحت کے پاس آتا اور کسی نہ کسی دفتری چینل سے گزر کر تمہاری میز تک پہنچتا۔ میں اسے خطرناک سمجھ رہا تھا۔ کالی بھیڑوں کا ذکر چھوڑ دو تب بھی یہ خطرہ میرے سر پر منڈلاتا رہتا کہ سوبھراج جیسے بڑے غدار کی عبرت ناک موت کی رپورٹ پڑھ کر تمہارا کوئی بھی ماتحت جوش میں آکر اپنی زبان کھول سکتا تھا۔ زبان سے نکلی بات پرائی ہو جاتی ہے۔ میں نے ان خدشات کی وجہ سے سرکاری رپورٹ رکوانے کی کوشش کی ہے' ذاتی طور پر تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔''

''تمہاری یہ بات کسی حد تک درست ہے۔'' جلال کی آواز مضمحل ہو گئی'' او ور سینز اسٹاف براہ راست مجھ کو جواب دہ نہیں ہے۔ رپورٹ اس شعبے سے گزر کر میرے پاس آتی کیونکہ سوبھراج ہیڈ کوارٹرز کو مطلوب ہے اور یہاں میں اس کے کیس پر مامور ہوں۔''

''تمہارے بتائے بغیر مجھے اندازہ تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اداروں اور محکموں میں کام لوگوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی صوابدید کے مطابق ترجیحات مقرر کرتا ہے۔'' میں نے اسی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا'' ضروری نہیں کہ سوبھراج کے بارے میں دوسرے افسروں کی سوچ تم سے ملتی جلتی ہو۔ سب دیانت دار ہوتے ہیں۔ ایک قانون پر چلتے ہیں مگر اس کی تاویل ہر ایک کے لیے مختلف ہو سکتی ہے۔''

''تمہاری خواہش ہے کہ سوبھراج مر جانے کے باوجود زندہ رہے!'' جلال کی پُر خیال آواز ابھری۔

''میرا خیال ہے کہ اسی میں ہم سب کا مفاد پوشیدہ ہے۔''

''تمہارا فیصلہ درست تھا۔'' میری مزید کسی وضاحت کے بغیر پوری بات اس کے ذہن میں آگئی'' اس وقت پاکستانی اخبارات وغیرہ میں سوبھراج کے بارے میں غلغلہ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس وقت وہ ہمارا سب سے زیادہ مطلوب ملزم ہے۔ وہ دنیا میں کہیں مارا جاتا' الزام ہمارے سر آتا' دنیا کہتی کہ پاکستانی ایجنٹ اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ انہوں نے آخر کار اسے ٹھکانے لگا دیا۔''

''اب چاہو تو اسد کو معطل کر دو!'' میں نے ہنس کر کہا'' سوبھراج کا نام کھل جاتا تو اس کی پوزیشن سب سے زیادہ مشکوک ہو جاتی۔ ہم لوپ بوری کی طرف گئے تو وہ بے چارہ بنکاک میں اپنی موجودگی کے دو چار گواہ پیدا کرنے کے لیے لوگوں کو اپنی گرہ سے شراب پلا رہا تھا۔''

''کیا اسد تمہارے ساتھ نہیں تھا؟'' جلال نے چونک کر سوال کیا۔

''وہ تمہارے ڈسپلن پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ جس ملک میں بیٹھا ہوا ہے' اس کے قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔''

''اسے یہ نہ بتانا کہ سوبھراج کے بارے میں میری اور تمہاری بات ہو چکی ہے۔''

''تم بے فکر رہو میں ان باریکیوں کو سمجھتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے یقین دلایا۔'' تمہاری ساکھ پر حرف نہیں آنے دوں گا۔''

''دراصل تم وہاں موجود ہو' پل پل کے حالات و واقعات پر تمہاری گہری نظر ہے۔ تمہارے فیصلے درست ہیں' میں پورے پس منظر کو جانے بغیر صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہا'' راجن نے مرنے والے کا اصل نام چھپا کر ہم سب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم بہت سی دشواریوں سے بچ گئے ہیں۔ تم کو یقین ہے ناکہ وہ سوبھراج ہی تھا؟''

''بالکل اسی طرح جیسے تمہارے جلال ہونے کے بارے میں یقین ہے' تمہیں بہت دیر سے اس تائید کا خیال آیا!''

''میرے لیے یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے توقع نہیں

تھی کہ تم اتنی آسانی سے اسے زیر کرلو گے۔''

''اس نے مجھے بہت دوڑایا ہے۔ اس بار نکل جاتا تو دوبارہ اس کا پھنسنا بہت مشکل تھا۔''

''وہ زندہ ہاتھ آجاتا تو یہاں ایک طوفان کھڑا ہوجاتا۔ نہ جانے وہ اپنی سیاسی برادری کے کن کن لوگوں کو بے نقاب کرتا۔ اب اس کے پالے ہوئے لوگ اس کی واپسی کے انتظار میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ ہمیں ایک ایک کرکے انہیں ڈھونڈنا ہوگا۔''

''یہ محنت ناگزیر ہے' میرا خیال ہے کہ اس کا نام ظاہر نہ ہونے سے ایک بہت بڑا بحران ٹل گیا۔

یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس کی ٹولی کے سیاسی بدمعاش یا بدمعاش سیاست داں اسے عدالت میں پیش ہونے سے پہلے مروا دیتے۔ اقتدار کے کھیل میں سب اپنی اپنی بازی کھیلتے ہیں۔ برا وقت آجائے تو کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔ دوسروں کو روند کر خود نکل جانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ یہ ہمارے لیے غیبی تائید ثابت ہوسکتی ہے۔''

''میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں مگر یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ راجن نے سوبھراج کو مرنے کے بعد نرائن پرشاد شرما کا نام کیوں دیا۔''

''میرا خیال ہے کہ سوبھراج سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ وہ اس کے ہر راز سے واقف ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایف بی آئی کے ایک غدار کو موت سے بچارہا ہے۔ اس نے امریکیوں سے جھوٹ تو بول دیا کہ اس نے سوبھراج کو اپنے پاس پناہ نہیں دی' بعد میں اس کے لیے مزید جھوٹ بولنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ لاش کی شناخت کا امکان نہ ہونے کی بنا پر اس نے نرائن کا فرضی نام لے کر خود کو بچالیا۔ یہ بات اہم ہے کہ لاش کی ناکافی باقیات سامنے آنے تک راجن پولیس کے سامنے نہیں آیا۔''

''اسے بھی دیکھو۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ راجن بھی ایف بی آئی کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔'' جلال کی پرخیال آواز آئی

''اس نے اپنے عبرت ناک انجام سے خوف زدہ ہوکر یہ جھوٹ بولا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ امریکی ایجنٹوں کو یہ بھنک مل گئی کہ اس نے سوبھراج کو اپنے پاس پناہ دی ہوئی تھی تو وہ اسے بھی غدار قرار دے کر مار ڈالیں گے۔''

''اب تم بھی ڈان کی بولی بول رہے ہو!'' میں نے احتجاج کیا'' اسے سوبھراج کے نام کی ہوا بھی نہیں لگی اور میں نے اپنا کام مکمل کرلیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ میں راجن کو بھی اسی انجام کو پہنچادوں جو اس کے مہمان کا مقدر بنا ہے۔''

میں نے جلال کے تجزیے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ راجن نے امریکیوں سے بولے ہوئے ایک جھوٹ کی پردہ داری کے لیے دوسرا اور اہم ترین جھوٹ بولا ہے لیکن بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یقینی طور پر راجن امریکی ایجنٹ تھا۔ دنیا پر اپنی حکمرانی کا خواب دیکھنے والوں نے پاکستان میں سیاست کے نام پر سوبھراج جیسے بدکردار غنڈے کو پروان چڑھایا تھا۔ ماضی کا وہ منشیات فروش گندے دھندوں اور تاریک گلیوں سے نکل کر پراسرار اور حیرت ناک تیزی سے اپنا سیاسی قد کاٹھ نکال کر اقتدار کے ایوان میں ایک ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

شاید امریکیوں نے اسی طرز پر تھائی لینڈ میں راجن کی پرورش کی تھی۔ وہ ہر معاشرے میں کمزور مہروں کی پشت پناہی کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے۔ تاکہ طاقت و رتبہ حاصل کرنے کے بعد بھی وہ اپنے سفید فام آقاؤں سے منحرف نہ ہوسکیں۔ انہوں نے راجن کو بھارت سے درآمد کرکے بنکاک میں پالنا شروع کردیا تھا۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ ڈان برنارڈ کی گوشہ نشینی میں بھی کوئی سازش کارفرما رہی ہوگی۔ وہ راجن کے مقابلے میں آسانی سے پسپا ہونے والی اسامی نہیں تھا۔ یقینی طور پر اس کی نوخیز بیوی کو لالچ یا دباؤ کے ذریعے ورغلا کر' سرعام ڈان برنارڈ کی بے عزتی کرنے پر اکسایا گیا تھا۔

لڑکی کے ہاتھوں' سربازار جوتے کھاتے ہی ڈان گوشہ نشین ہوگیا اور راجن کو بنکاک میں اپنی زیرزمین سلطنت قائم کرنے کے لیے کھلا میدان مل گیا۔ طاقت پکڑنے کے بعد وہ اپنے آقاؤں کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

''کیا تم اسے چھوڑ دینا چاہتے ہو؟'' جلال کی تحیرزدہ آواز ابھری۔

''میں خدائی فوج دار نہیں ہوں۔ دنیا بھر میں ان جیسے ہزاروں امریکی ایجنٹ کام کررہے ہوں گے۔ میں کس کس کو دیکھوں گا۔ راجن' ڈان اور تھائی حکومت کا مسئلہ ہے۔ میں اس میں اپنی ٹانگ نہیں اڑانا چاہتا۔''

''تم نے اپنا کام پورا کرلیا ہے۔ خاموشی سے وہاں سے نکل جاؤ۔'' میرے جواب سے میرے تیوروں کا اندازہ کرکے جلال نے نرمی سے مشورہ دیا۔

''یہی تو مشکل ہے۔ ڈان نے میرا ارادہ بھانپ کر ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ راجن کا کام تمام ہونے کے بعد وہ پاسپورٹ لوٹادے گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو...... تم دونوں کے پاسپورٹ بہت قیمتی ہیں۔''

''سمجھ لو کہ وہ گم ہو گئے ہیں۔ کیا ان کے ڈپلی کیٹ مل جائیں گے؟''

''یہ کام اسد دو گھنٹے میں کرا دے گا۔'' جلال کی آواز پُر تشویش ہو گئی ''ان پاسپورٹوں پر تم صرف پاکستان واپس آسکو گے۔ تمہارے اصل پاسپورٹوں پر دنیا کے ہر قابلِ ذکر ملک کے سفر کے ویزے لگے ہوئے تھے۔''

''ڈان نے مجھے چالا کی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ میں اسے چونا لگانا چاہتا ہوں۔ اسد کی مدد سے پاسپورٹ حاصل کرتے ہی میں کراچی لوٹ آؤں گا۔''

''فی الحال یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' جلال کے جواب سے مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تم بھول رہے ہو کہ تم کو یہاں سے کسی مشن پر بنکاک نہیں بھیجا گیا تھا۔ یہاں پیدا ہو جانے والے نامساعد حالات کی وجہ سے تم کو منظر سے ہٹ جانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس دوران میں سوبھراج کا قصہ نمٹ گیا۔ تم کو مزید کچھ دن یہاں سے دور رہنا ہوگا۔''

''کھل کر بتاؤ...... کیا مجھے جلاوطن کر دیا گیا ہے؟'' میرا لہجہ یکا یک تلخ ہو گیا۔

''تم بلاوجہ بھڑک جاتے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم جب چاہو یہاں واپس آسکتے ہو۔ تم کو پورا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ تم کو معلوم ہے کہ امریکی کتنے خبیث ہوتے ہیں۔ تمہارے نام پر پکڑے جانے والے دونوں آدمیوں کو وہ پوچھ گچھ کے لیے اپنی تحویل میں لینے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔ اپنے طور پر انہوں نے کوششیں تیز کر دی ہیں۔ سننے میں آیا ہے دفاتر اور گھروں میں سیکیورٹی فراہم کرنے والی ایک امریکی کمپنی کے آلات تمہارا سراغ لگانے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔''

میرے لیے آخری خبر حیران کن تھی ''کیا اس کمپنی کا لائسنس معطل نہیں کیا جاسکتا؟''

''ثبوت کے بغیر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ وہ برائے نام ماہانہ کرایے پر لوگوں کو سیکیورٹی فراہم کر رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ دفاتر اور گھروں میں اپنے جدید ترین اور قیمتی آلات نصب کرتے ہیں جن کا مکمل کنٹرول ان کے قبضے میں ہے۔ وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ سیکیورٹی کے نام پر ہزاروں اہم اور باحیثیت پاکستانیوں کے گھروں میں گھس چکے ہیں۔''

''میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہ رہا۔'' جلال نے محتاط رہ کر جواب دیا ''میں نے تم کو حقیقت بتا دی ہے۔ اس وقت تمہارا لوٹنا مناسب نہیں ہے۔''

''پانی سر سے اونچا ہونے سے پہلے اس کمپنی کو اپنا کاروبار پھیلانے سے روک دینا چاہیے۔'' میں نے اس کے مشورے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا ''یہ لوگ اپنے گاہکوں کو دھوکا دے کر ان کے گھروں کی جاسوسی کر رہے ہیں۔ یہ لوگوں کی پرائیویسی پر ڈاکا ہے۔''

''جب تک ٹھوس شواہد موجود نہ ہوں ان کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔'' جلال کا جواب بہت دوٹوک تھا۔ ''شکوک وشبہات کی بنا پر کوئی چھیڑ چھاڑ کی گئی تو بات بہت بگڑ جائے گی۔ اس معاملے کو پاکستان میں غیرملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کا نام دے دیا جائے گا۔ میں ان سب امکانات پر غور کر چکا ہوں.... فی الحال ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔''

''میرے نام پر پکڑے گئے دونوں بدنصیبوں کا کیا بنے گا؟'' میں نے بےچینی سے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نادانستہ دو افراد کو پکڑا گیا ہے تا کہ وہ لوگ تذبذب میں مبتلا رہیں انہیں غیرانسانی سلوک سے بچائے رکھنے کی کوششیں جاری ہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ وہ دونوں بے گناہ نہیں ہیں، ان کے دامن بہت داغ دار ہیں۔''

''ان پر الزامات ہیں تو انہیں عدالت میں نے جاؤ، قربانی کا بکرا کیوں بنا رہے ہو؟''

''کبھی کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان کو سزا دلوانا پولیس کا کام ہے۔ میرا محکمہ اپنی حد سے تجاوز کر کے ایسے مقامی معاملات میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔''

''یہ تمہارے معاملات ہیں انہیں تم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو...... تمہارا کہنا ہے کہ ڈپلی کیٹ پاسپورٹ بنوا کر میں صرف پاکستان واپسی کا سفر کر سکتا ہوں جو میرے لیے مناسب نہیں ہے لہٰذا مجھے ڈان سے اپنے پاسپورٹ ملنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس دوران میں مجھے راجن کو دیکھنا چاہیے!'' میں نے قدرے خشک لہجے میں اس سے تصدیق چاہی۔

''طنز کر رہے ہو؟'' جلال کی آواز میں افسردگی نمایاں تھی۔

''طنز و تشنیع عورتوں کے مشاغل ہیں میں نے کام کی باتوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے تا کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے!''

''ہاں۔ کم و بیش میرا یہی مشورہ ہے۔ ضروری نہیں کہ تم اسے قبول کرو۔''

میرے وجود میں تلخی کی ایک لہر تیر گئی۔ مجھے حیرت ناک انداز میں اپنے کاموں میں سرخ روئی حاصل ہو رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سب مراحل خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے لیکن افراد سے تعلقات کے سلسلے میں اس دن شاید میرے ستارے میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے پہلے ڈان سے بدمزگی ہوئی، اس کے بعد جاؤ فاین سے منہ ماری کی نوبت آگئی اور اس وقت جلال کے ساتھ کچھ تلخی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک وقت میں وہ سب غلط نہیں ہو سکتے تھے۔ یقینی طور پر میری دماغی رو میں کوئی خلل واقع ہو چکا تھا جس کے زیر اثر میں ہر بات کا منفی پہلو دیکھ رہا تھا۔

میں نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے فون پر کہا۔ ''اب مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرے گنے چنے دوستوں کی فہرست میں تمہارا نام سب سے اوپر ہے، تم میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہو تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے مشوروں کو ہدایت کا درجہ دیتا ہوں۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں یہ باتیں یاد آ گئیں!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''اب سے چند لمحے پہلے مجھے تمہارا لب ولہجہ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب اسد کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو تم نے پتے کی ایک بات کہی تھی کہ اپنے محکمے میں صرف میں نہیں ہوں۔ یہ ایک منظم اور بڑا ادارہ ہے میں اس بڑی مشین کا ایک پرزہ ہوں۔ مجھے اس مشین کے ساتھ چلنا پڑتا ہے کوئی پرزہ اس چال سے ہٹ کر اپنی چال چلنے کی کوشش کرے تو ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے......''

''اب ان باتوں کو نہ دہراؤ۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے ان مجبوریوں کا اندازہ ہے، پالیسی سے انحراف کرنا تمہارے بس سے باہر ہے کبھی کبھی میرے دل میں غبار سا اٹھتا ہے اور میں اسے تمہارے اوپر نکال لیتا ہوں۔ تم میری نیت اور ارادوں کے گہرے رازداں ہو۔ نیک نیتی اور بے لوثی کے باوجود رکاوٹیں کھڑی ہونے لگیں تو تم خود اندازہ لگا سکتے ہو... کہ میرے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔''

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔'' جلال کی آواز سے درد مندی جھلک رہی تھی۔ ''میں مجبور رہ کر تمہیں کوئی ناگوار پیغام یا مشورہ دیتا ہوں۔ اس میں تمہاری بھلائی مضمر ہوتی ہے۔''

''میرے دل میں ایک پھانس چبھی رہ گئی ہے۔'' میں نے قدرے خاموشی کے بعد کہا۔ ''مجھے اس سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو یہ پھانس بھی نکل جاتی۔''

''کس پھانس کا ذکر کر رہے ہو؟'' جلال کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری بات سن کر چونک گیا تھا۔

''گرین کوبرا کا پتا نہیں چل سکا۔'' میں نے کہا۔ ''یہی راز وہ اپنے سینے میں لے گیا۔''

''مجھے یقین ہے کہ اس نے گرین کوبرا فائل کے بارے میں تم سے جھوٹ بولا تھا۔'' جلال نے شاید میری دل جوئی کے لیے کہا۔ ''پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں وہ تمہارے جال میں پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ اس جھوٹ کے سہارے وہ تمہیں چکما دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''تم نے تصدیق کی ہے کہ اس نے مکاری سے وہ فائل اپنے قبضے میں لے لی تھی۔''

''ہاں، یہ تلخ حقیقت ہے مگر مجھے امید ہے کہ وہ فائل راج محل کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی ہو گی۔ وہ افراتفری کے عالم میں وہاں سے بھاگا تھا۔ اس کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ گرین کوبرا وہاں سے اپنے ساتھ لے جا سکا ہو گا''

''آنے والا وقت بتائے گا کہ اس فائل کا کیا انجام ہوا۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ اسے بھول جاؤ۔ اب اس کی نقلیں ہی اصل ہیں اور وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ ہم انڈین پلان سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں۔''

جلال کی دلیل میں وزن تھا۔ ہمیں اس فائل کو چاٹنا نہیں تھا۔ ساری اہمیت اس کے مندرجات کی تھی وہ متعلقہ پاکستانی حکام کے پاس موجود تھے۔ اگر سوبھراج نے وہ فائل کسی کو دے دی تھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بھارتی حکام اس فائل کے خالق تھے۔ وہ سارا نقشہ ان کے ذہنوں میں محفوظ تھا، امریکی ان کے گہرے دوست تھے وہ دلچسپی لیتے تو کسی بھی وقت بھارت سے فائل کی نقل لے سکتے تھے۔

سوبھراج کی زبان سے اچانک گرین کوبرا فائل کا ذکر سن کر میں بوکھلا گیا تھا اور اضطراری ردِّعمل کے طور پر سوبھراج کو نکل جانے کا موقع دے بیٹھا وقت گزرنے کے ساتھ بلکہ جلال کے سمجھانے کے بعد مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس واقعے میں ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ ایک سیاسی شعبدے باز اپنے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھا کر سرکاری تحویل سے ایک اہم ترین فائل اڑا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس غیر ذمے داری کے مرتکب کو قرار واقعی سزا دی جا چکی تھی اس کے ساتھ فائل چرانے والا بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔

''اب یہ سب تمہارے معاملات ہیں۔'' میں نے کسی تلخی

کے بغیر کہا۔ ''پاکستان چھوڑ دینے کے بعد ان باتوں سے میرا صرف جذباتی تعلق باقی رہ گیا ہے عملی میدان میں سب کچھ تمہیں کرنا ہے۔ اچھی خبر سننے میں آتی ہے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔''

''ملک سے باہر رہ کر بھی تم ہم سے زیادہ فعال ہو۔ سوبھراج کو جہنم واصل کرنا آسان کام نہیں تھا۔ تم نے یہ معرکہ سر کر کے ایک فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔''

''کیا میرا انجام شرما جیسا نہیں ہو سکتا؟'' میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

''میں سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''راجن نے سوبھراج کی باقی ماندہ ہڈیوں کو نرائن پرشاد شرما کا نام دیا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کسی مقابلے میں مرنے والے مجرم کو میرا نام دے دیا جائے تاکہ امریکی قونصل کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کی فائل بند ہو جائے!'' میں نے کہا۔

''بالکل ہو سکتا ہے۔'' جلال نے پرزور الفاظ میں میری تائید کی۔ ''اس کی ایک ہی شرط ہے کہ آیندہ کے لیے تم گوشہ نشینی اختیار کر لو، کسی واقعے میں کہیں تمہارا نام نہ آئے۔ غلطی سے یہ بھانڈا پھوٹ گیا تو برسوں کے لیے ہمارے ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ ہماری کہی ہوئی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔''

''گوشہ نشینی ناممکن ہے۔'' میں نے بلاتوقف جواب دیا۔

''پھر صبر کے ساتھ مناسب وقت کا انتظار کرو۔ ابھی امریکیوں کے زخم تازہ ہیں۔ رفتہ رفتہ سنی ہٹ کے خونیں تصادم کی یاد دھندلا جائے گی اور تمہاری واپسی کا راستہ بھی کھل جائے گا۔''

''میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔

جلال سے ایک طویل وقفے کے بعد بات ہوئی تھی۔ اس گفتگو میں تقریباً ہر نکتے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا اس سے بات ختم ہوئی تو غزالہ میری منتظر تھی۔

''کیا آپ پاکستان لوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟'' اس نے میرے مڑتے ہی پوچھا۔

''ارادہ یہی تھا لیکن جلال بتا رہا ہے کہ وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''امریکی ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے ہیں، آپ کے خلاف ایف آئی آر درج ہونے کے بعد وارنٹ بھی نکل گئے تھے۔ میں آپ کو ہرگز واپس نہیں جانے دیتی۔ اچھا ہوا کہ اب جلال نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''تم چاہتی ہو کہ میں یہاں بیٹھ کر ڈان کی غلامی کرتا رہوں!'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''میں ہرگز یہ نہیں چاہتی مگر مجبوری ہے۔ جب تک ڈان سے ہمارے پاسپورٹ واپس نہیں مل جاتے ہم کو یہیں رہنا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

''پاسپورٹ مل جانے کے بعد ہم کدھر کا رخ کریں گے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے والے انداز میں سوال کیا۔

''امریکا چلیں گے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''دیکھیں کہ وہ دونوں وہاں کیا کھچڑی پکا رہے ہیں۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ وہ پاکستان میں میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ تم مجھے ان کے گڑھ میں جانے کا مشورہ دے رہی ہو!''

''اب آپ ڈینی نہیں، علی احمد ہیں اور میں صدف ہوں۔ میں ایسی ہر چیز اپنے قبضے میں لے لوں گی جس سے آپ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہمارا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ہم وہاں صرف تفریح کریں گے۔ وہاں جانے والے دوسرے پاکستانیوں کی طرح۔ ان کو ہم پر کبھی کوئی شبہ نہیں ہوگا، ہمیں بہت مشکل سے ایک ساتھ پاکستان سے باہر نکلنے کا موقع ملا ہے۔ ہمیں یہ وقت خوش رہ کر گزارنا چاہیے۔''

''تم کن چیزوں کو اپنے قبضے میں لوگی؟'' میں نے اس کے جوش و خروش میں دلچسپی لیتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

''بیم گن اور زہریلی انگوٹھیاں!'' اس نے بلاتوقف جواب دیا۔ ''آپ نے گولڈن ڈریگن کے محافظ کو زہر سے شکار نہ کیا ہوتا تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے جس طرح ڈان اپنے حریف کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے، اسی طرح راجن اب آپ کی تلاش میں لگا ہوا ہوگا۔ محافظ کے مرنے کے بعد سوبھراج کو شبہ ہو گیا تھا کہ آپ بنکاک میں ہیں۔ لوپ بوری میں ڈرائیور اور سوبھراج کی موت کے بعد راجن کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اب اس کا مقابلہ آپ سے ہے۔''

''مجھے راجن کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے ڈان کی کھوپڑی کب اعتدال پر آتی ہے۔'' غزالہ کو جواب دے کر میں فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پے در پے کئی کوششوں کے باوجود مجھے اسد کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے نمبر ملانے کا سلسلہ ترک کر دیا۔

کچھ دیر بعد اس نے انٹرکام پر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے فوری طور پر اسے اوپر بلا لیا۔

اس کا فون آن تھا لیکن بیٹری جواب دے چکی تھی۔ اوپر آتے ہی اس نے اپنا فون چارج پر لگا دیا میں نے اس کے سامنے ڈان سے ملاقات کا وقت لیا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوٹل سے نکلے تھے۔ وہ اپنی راہ ہولیا۔ میں ڈان کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اسے میری اور ڈان کی ملاقات کا احوال جاننے کے بارے میں بہت تجسس تھا۔ میں نے چند فقروں میں اسے پوری کتھا سنا دی۔ اس کے لیے دونوں خبریں تشویش ناک تھیں۔ ڈان کو یہ پتا چلنا کہ میں نے لوپ بوری میں راجن کی لینڈ کروزر کی موجودگی کا سراغ لگانے کے لیے اس کی مدد لی تھی، کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ ڈان کسی بھی وقت اس سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ہمارے دونوں پاسپورٹوں کی ضبطی بھی اس کے لیے پریشان کن تھی۔

اپنی کارکردگی کا احوال سنانے کے بعد میں سانس بھی نہیں لینے پایا تھا کہ اسد نے موتی محل میں دھماکے کا قصّہ چھیڑ دیا۔ وہ بنکاک کی شہری حدود میں رونما ہونے والا ایک اہم واقعہ تھا جس نے سماجی حلقوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔

اس دھماکے میں دو آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد تین تھی۔ عمارت کے ایک حصے میں دھماکے سے خاصا نقصان پہنچا تھا۔

اسد نے وہ خبر مقامی ٹیلی وژن پر سنی تھی اور تیزی سے موتی محل کی طرف چل دیا تھا۔ وہاں سنسنی اور خوف وہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ شہر والوں سے راجن کی سرگرمیاں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ ہر شخص حیران تھا کہ راجن کے رہائشی قلعے میں کس سورما نے تخریب کاری کی واردات کی تھی۔

اسد شہر کے بارے میں باخبر رہنے کا عادی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ امریکی فوجی دستہ موتی محل میں سوبھراج کی ناکام تلاش کے بعد واپس لوٹ چکا تھا۔ ڈان کے آدمیوں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ موتی محل میں گھس کر ایسی خون آشام کارروائی کرتے۔ میری مصروفیات اس کے سامنے تھیں۔ اس واقعے کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے وہ کوششیں کرتا رہا۔

آخر کار وہ یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ مرنے والوں میں سے ایک کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ وہ اندر کی خبر تھی جسے چھپایا جا رہا تھا۔

وہ نکتہ میرے اس خیال کی بھرپور تائید کر رہا تھا کہ اس واردات کے محرک امریکی تھے۔

انہوں نے راجن کو سبق سکھانے کے لیے بہت بے رحمی اور سفاکی سے اندر کے کسی آدمی کو استعمال کیا تھا۔ دھماکا یقینی طور پر ریموٹ کنٹرولڈ بم سے کیا گیا تھا۔ بم لے جانے والے کو یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ بم سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ موتی محل کے کسی حسّاس گوشے میں بم چھپا کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائے گا تو بم کو اڑا دیا جائے گا۔

غالباً بم لے جانے والے کی کڑی نگرانی کی جا رہی تھی۔ وہ تباہ کن مواد لے کر موتی محل میں داخل ہوا تو اسے اتنی مہلت نہیں دی گئی تھی کہ وہ کہیں بم نصب کر سکے۔ قدرے وقفہ دے کر بم کو اڑا دیا گیا۔ بم کے ساتھ تخریب کار کے بھی ٹکڑے اڑ گئے اور یہ امکان ختم ہوگیا کہ اس کے پکڑے جانے کی صورت میں اصل سازش بے نقاب ہو سکے۔

جب میں نے ترتیب وار واقعات و حالات اسد کے سامنے رکھے تو اسے بھی یقین ہوگیا کہ موتی محل پر نازل ہونے والی تباہی کے ذمے دار امریکی تھے۔

ڈان کنوئیں کا مینڈک تھا۔ اس کی اکلوتی خواہش یہ تھی کہ راجن کو تباہ و برباد کر کے ختم کر دیا جائے۔ اس سے آگے کچھ سوچنا یا سمجھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ امریکیوں کی کینہ پروری کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ چاؤ فان کی ذہنی سطح ڈان سے بھی کم تر تھی۔ اس نے اپنے ذہن پر زور دیے بغیر اس دھماکے کا سہرا میرے سر باندھ دیا تھا۔

''تم امریکیوں سے خاصی عداوت رکھتے ہو۔'' اسد نے وہ گتھی سلجھ جانے پر خوش دلی سے کہا ''ان کی رگ رگ کو سمجھنے لگے ہو۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کی ذمے داری نہیں لیں گے۔ ڈان اسے تمہارا کارنامہ سمجھتا رہے گا۔''

''مجھے عام امریکیوں سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ بے چارے سادہ لوح اور فراخ دل ہوتے ہیں۔ میری نفرت امریکی حکومت اور اس کے کارندوں کے لیے ہے۔ غرور، ظلم اور سفاکی پر مبنی پالیسیوں کی وجہ سے امریکی حکومت نے اپنے عام شہریوں کو بھی نفرت کا ہدف بنا دیا ہے۔''

''کچھ عرصہ پہلے دنیا بھر میں امریکیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پچھلے چند برسوں میں امریکیوں کے قومی وقار کو سخت دھچکا لگا ہے۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''اب دنیا کے بیشتر ملکوں میں وہ ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔''

''اب ان پر لعنت بھیجو۔ یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے!''

''چاہو تو میں کل ہی تمہارے ڈپلی کیٹ پاسپورٹ بنوا

دوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

''اب بات کھل ہی گئی ہے تو تم کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان لوگوں نے اپنے ایک افسر کے قتل کے سلسلے میں میرے خلاف ایف آئی آر درج کرادی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ ہے۔ وہاں میری گرفتاری کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔''

اسد کو یہ جان کر صدمہ ہوا کہ کراچی میں رونما ہونے والے واقعات نے میرے امریکی دشمنوں کو مقامی انتظامیہ کو دبانے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

''دعا کرو کہ موتی محل میں دھماکے کی خبر سن کر ڈان کی چڑھی ہوئی رگ اتر جائے اور وہ تمہارے پاسپورٹ لوٹا دے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''یہ ملین ڈالر کا مسئلہ ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بدنام مجرم محلوں میں رہنے کے شوقین کیوں ہوتے ہیں؟'' اس نے یکا یک پوچھ لیا۔

''کن مجرموں کی بات کررہے ہو؟ یہاں تو صرف راجن اور اس کا موتی محل ہے!''

''یہاں سوبھراج کے بارے میں تفصیلی خبریں چھپی تھیں۔ اس نے اپنے راج محل کو خود آگ لگائی تھی۔''

''راج محل اور موتی محل......!'' میں نے پُرخیال انداز میں دہرایا'' دونوں نچلے طبقے سے ابھر کر اوپر آئے ہیں۔ یہ ان کے احساسِ کمتری کی کرشمہ سازی ہے۔ اپنی رہائش گاہوں کو محل کا نام دے کر وہ اپنی انا کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ دوسروں کو اپنی شان وشوکت اور امارت سے مرعوب کرکے وہ اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''یہاں موتی محل کا انجام بھی راج محل جیسا ہونا چاہیے۔''

میں ہنس دیا ''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ ڈان کی بھی یہی آرزو ہے جو شاید پوری نہ ہوسکے۔ دھماکے میں موتی محل کی علامتی تباہی کافی ہے۔''

''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ تم راجن میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہو۔''

''میں یہاں پھنسا رہا تو اسے بھی دیکھنا پڑے گا۔ فی الحال مجھے موتی محل کے دھماکے پر ڈان کے ردِعمل کا انتظار ہے۔'' میں نے جواب دیا اور اسد کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

''ہم سے ایک بڑی چوک ہوگئی۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے کہا ''لوپ بوری سے واپسی پر مجھے ریسٹ ہاؤس سے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون لے لینا چاہیے تھا۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ اسے ساتھ نہ لے گیا ہو۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''وہ ہر وقت اسے اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا۔ اس کی میموری سے یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ اس کے زیرِ عتاب آنے کے بعد پاکستان میں کن لوگوں سے اس کے روابط برقرار تھے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔''

''سوچ رہا ہوں کہ کسی وقت اس نمبر پر کال کرکے دیکھوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فون اب راجن کے قبضے میں ہو اور اس سے بات ہوجائے۔'' میں نے کہا۔

''راجن سے جب چاہو بات کرسکتے ہو۔ میرے پاس اس کے موبائل سمیت، کئی فون نمبر موجود ہیں۔'' اسد نے پھرتی سے جواب دیا۔

''اس کا فون نمبر میرے پاس بھی ہے۔ مجھے اس سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے۔ وہ سیٹ لائٹ فون پر آجاتا ہے تو اس سے دوسرے ڈھنگ سے بات ہوگی۔''

''ابھی کوشش کیوں نہیں کرلیتے!'' اسد نے کہا۔

''اس وقت میرا ذہن الجھا ہوا ہے۔ ذہن صاف ہوگا تو اسے ضرور دیکھوں گا۔ دشمن کو مارنے سے پہلے ہلکان کردیا جائے تو آخری مرحلہ بہت آسان ہوجاتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

اسی وقت روم سروس کی ایک سبک اندام ویٹر ٹرالی میں چائے اور خورد ونوش کے کچھ لوازم لے آئی جن کے لیے غزالہ ہدایت دے چکی تھی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

☆☆☆

اسد نے مجھ سے جلال کے بارے میں کوئی سوال کیا نہ میں نے اسے اپنی اور جلال کی گفتگو کے بارے میں کچھ بتایا۔ وہ تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔

اسد بنکاک میں آئی بی کی سرکاری نمائندگی کررہا تھا۔ اس نے کسی مقامی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ مار دھاڑ اور خوں ریزی کے واقعات سے بالکل الگ تھلگ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے میری بہت مدد کی تھی۔ محض اسے کسی سرکاری عتاب سے بچانے کے لیے میں نے از خود جلال کو سوبھراج کی ہلاکت کے بارے میں بتادیا تھا مگر مجھے خلش تھی کہ میں نے اس بارے میں اول خان کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اس نے روزِ اول سے، ہر طرح بہت کھل کر میرا ساتھ دیا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ میری ہی وجہ سے وہ ایک مرتبہ اپنے بڑوں کی

ناراضی کا شکار ہو چکا تھا۔
مجھے امید تھی کہ جلال، میرے اور اول خان کے باہمی تعلق کا احترام کرتے ہوئے، اسے بھی سوبھراج کی موت کی خوش خبری سنا دے گا۔ وہ خبر ملتے ہی اول خان کا فون آنا ناگزیر تھا۔
وقت اپنی لگی بندھی رفتار سے گزرتا رہا۔ رات کے دس بج گئے۔ اول خان کا فون نہیں آیا تو مجھے مایوسی ہونے لگی۔
جلال میرا دوست اور راز داں تھا مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ اس سے پہلے وہ ایک پکا بیوروکریٹ تھا۔ انتظامی موشگافیاں اس کے خون میں رچی بسی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے علم میں آئی ہوئی بات کو کسی اور تک بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔
میرے لیے وہ دونوں یکساں تھے۔ ایک اپنے دفتری نظم و ضبط میں جکڑا ہوا تھا، دوسرا ہر قید و بند سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق نہایت ایمان داری اور خلوص سے اپنے فرائض انجام دینے کی کوشش کرتا تھا۔
اپنے ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لیے میں نے دس بجے اول خان کو فون کیا۔ اس وقت وہ گھر پر موجود تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہر وقت کی بھاگ دوڑ سے بڑی حد تک نجات مل گئی تھی۔
اس کو سب کچھ بتانا بے سود تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا تھا، بنکاک میں ایس ٹی ایف کا کوئی ایسا اہل کار موجود نہیں تھا جو آڑے وقت میں میری مدد کر سکے۔ میں نے اپنے مسائل کو پس پشت ڈال کر، اسے سوبھراج کے عبرت ناک انجام کی خبر سنا دی۔
اول خان کی خوشی ناقابل بیان تھی جب میں نے اسے یہ بتایا کہ سوبھراج گمنامی کی موت مارا گیا ہے اور اس کے پشت پناہ نے اس کی باقیات کو ایک فرضی نام دیا ہے تو فرط جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی۔ بنکاک میں سوبھراج کے قتل سے پیدا ہونے والے دور رس اور خطرناک نتائج اس کی نظروں میں تھے۔ مجھے اس کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ اس خبر کو خفیہ رکھنا کتنا ضروری تھا۔
میں نے پاسپورٹوں کے چھن جانے کا قصہ نہیں چھیڑا، اول خان نے اپنے طور پر وہی بات کہی جو جلال کہہ چکا تھا۔ مشن پورا ہو جانے کے باوجود میرے لیے پاکستان کا رخ کرنا مناسب نہیں تھا۔
جو بات جلال نے مجھے نہیں بتائی تھی وہ اول خان کے ذریعے میرے علم میں آ گئی۔ امریکیوں کی طرف سے بڑے اخبارات میں روز میرے اور ویرا کے خلاف اشتہار شائع ہو رہے تھے۔ ان میں میرے خاکوں کا اضافہ ہو چکا تھا جو اول خان کی رائے میں حقیقت سے بہت دور تھے۔
وہ میرے زخم خوردہ دشمنوں کی کارروائیاں تھیں ان کے بے پناہ دباؤ میں آئے ہوئے اپنوں نے بھی ان کے قدم سے قدم ملا لیا تھا۔ ٹام کے قتل کے مبینہ ملزم کے طور پر میری نشان دہی کرنے والوں کے لیے ایک لاکھ روپے انعام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔
امریکیوں کے مقرر کیے ہوئے دو ملین یعنی بیس لاکھ ڈالروں اور مراعات کے مقابلے میں ایک لاکھ پاکستانی روپے کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ کسی کے پاس کوئی سراغ ہوتا اور اس کے دل میں میرے کردار سے نفرت رچی ہوئی ہوتی تو وہ بڑے انعام کے لالچ میں پاکستانی حکام کے بجائے امریکیوں سے رجوع کرتا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ اپنوں نے میری بولی بہت کم لگائی تھی۔
اگر ان پر آنے والا دباؤ ایسا ہی ناقابل برداشت ہو چلا تھا تو انہیں میری کوئی مناسب قیمت لگانی چاہیے تھی۔ مجھے انہوں نے سوبھراج سے بھی کم تولا تھا۔ اس کو پکڑوانے کے لیے دو لاکھ روپے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ میرے اوپر صرف ایک لاکھ رکھے گئے تھے!
وہ صدمہ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہا۔ میرے دل نے خود کو بہلا وا دیا کہ میری نشان دہی پر انعام مقرر کرنے والا افسر بہت ذہین، وطن پرست اور میرا ہمدرد تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ایک قلیل رقم مقرر کی تھی تا کہ کوئی شخص میری ہلاکت، نشان دہی یا گرفتاری میں دلچسپی نہ لے۔
میری یا کسی کی سوچ کچھ بھی رہی ہو، ٹھوس زمینی حقائق دل خوش کن نہیں تھے۔ جن حالات کے سبب مجھے پاکستان سے نکل کر تھائی لینڈ کی طرف آنا پڑا تھا، وہ نا صرف اپنی جگہ برقرار تھے بلکہ ان میں زیادہ خرابی اور شدت پیدا ہو چکی تھی۔
اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان وہ اکلوتا آدمی تھا جس سے میں کھل کر بات کر سکتا تھا۔ وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اسے بھی میری تلاش میں مقامی حکام کی مدد کرنے کی ہدایت مل چکی تھی۔ اسے علم تھا کہ میں پاکستان میں نہیں تھا۔ اس کے آدمی پوری سرگرمی کے ساتھ میری تلاش میں مصروف تھے۔
اول خان سے فون پر بات ہونے کے بعد میرے اور غزالہ کے درمیان تبادلہ خیال شروع ہو گیا۔ اپنے ہمدردوں کی طرف سے ملنے والے پیغامات سے قطع نظر وہ خود بھی پاکستان

کے بعد دل کھول کر سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونے کے منصوبے بنا رہی تھی لیکن یہ خیال اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا کہ ہمارے لیے پاکستان کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا سلسلہ کھانے کے دوران بھی جاری رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنے جذبات کے اظہار میں محتاط ہونے کے باوجود، غزالہ کی باتوں سے کہیں کہیں بددلی کی بو آ رہی تھی جو کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ویرا کا فون آ گیا۔ میں جب سے بنکاک آیا تھا۔ اس سے مسائل کے بارے میں کھل کر بات نہیں ہوئی تھی۔ جب بھی رابطہ قائم ہوا، ان دونوں کی سرگرمیاں گفتگو کا موضوع بنی رہیں۔ ویرا نے کچھ کریدنے کی کوشش کی تو میں نے اسے ٹال دیا۔ مجھے یہ فکر ضرور تھی کہ سلطان شاہ نیویارک میں ایک اطالوی نژاد فقیر میں غیر معمولی دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ مسئلہ میرے علم میں آنے کے بعد سلطان شاہ سے میری بات نہیں ہو سکی تھی۔

''بنکاک میں تمہارے مزے آئے ہوئے ہیں۔ وہاں کیا کر رہے ہو؟'' رسمی مزاج پرسی کرتے ہوئے ویرا کو میری ذاتی سرگرمیوں کی فکر لاحق ہو گئی۔

''کن مزوں کی بات کر رہی ہو...... میں یہاں خوش نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ باتیں غزالہ کو سنانا۔ مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے تمہارے جمالیاتی ذوق کا خوب اندازہ ہے۔ ایسے مردوں کے لیے بنکاک سے اچھی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''میں یہاں عیاشی کرنے کے لیے نہیں آیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سفر مجبوری کے باعث اختیار کیا گیا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''وقت کی فراوانی ہو اور سامنے کوئی واضح کام نہ ہو تو ایسی جگہوں پر پارسا مرد بھی بہکنا شروع کر دیتے ہیں تم اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہو۔''

ویرا گستاخ اور منہ زور عورت تھی۔ اس وقت اس نے اچانک ہی ایک نازک موضوع چھیڑ دیا۔ میں غزالہ کی موجودگی میں اس بارے میں کھل کر کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ میری کال تھی۔ ویرا بے فکری سے لمبی گفتگو کرنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔

میں نے رسانیت سے کہا۔ ''میں یہاں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میری دیکھ بھال کے لیے غزالہ کافی ہے۔''

اس کی دبی دبی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے آس پاس منڈلا رہی ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ وہ بے پروائی کی اداکاری کر رہی ہو گی مگر اس کے کان تمہاری باتوں پر لگے ہوئے ہوں گے۔''

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے پر نیم دراز، اخبار کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

''تم سب کچھ جانتی ہو تو ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ایسا سوال کیا جس سے غزالہ کو موضوع سخن کا اندازہ نہ ہو سکے۔

''مزہ آتا ہے!'' ویرا نے بے ساختہ جواب دیا۔ ''یہ دنیا کے ہر مرد کا وتیرہ ہے۔ وہ پرائی عورتوں کے سامنے مجنوں بنے رہتے ہیں۔ اپنی بیویوں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔''

''اگر تمہارے دماغ پر یہ خرافات سوار ہیں تو میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''ار...... رر...... ایسا نہ کرنا۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب میں تمہیں فون نہیں کروں گی۔ دیکھتی ہوں کہ تمہیں کب میرا خیال آتا ہے......!''

''مجھے تم سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں بھی اسی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ وقت نکال کر تم کسی وقت اس سے خود بات کرو گے۔ اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔''

''میں نے اسی کے لیے فون کیا ہے۔'' میں نے کہا ''وہ کہاں ہے۔''

''اس سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے بات کر لو۔ وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھا میری طرف تکے جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی۔''

''اسے چابی دینے کی کوشش نہ کرو۔ ایک بار اس کا دماغ چرخی سے اتر گیا تو میں اس سے ڈھنگ کی کوئی بات نہیں کر سکوں گا۔''

''تمہارے دوست کا کیا بنا...... وہ بنکاک میں کیا کر رہا ہے؟''

اس کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ ''تم کس دوست کی بات کر رہی ہو؟''

وہ ہنسی پھر بولی۔ ''تمہارا ایک ہی قریبی دوست ہے۔ ہر بار تم اسے ڈھیل دے کر نکل جانے کا موقع دے دیتے ہو۔ میں سوبھراج کی بات کر رہی ہوں۔''

''کچھ نہ کچھ کر رہا ہو گا۔ ابھی تک اس سے سامنا ہونے

کی نوبت نہیں آئی ہے۔''
''وہ چھوٹا راجن ہی کے پاس ٹھہرا ہوا ہے؟''
''وہیں ہوگا۔ ابھی اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''
''معلوم ہو رہا ہے کہ تم وہاں چھٹیاں منانے کے موڈ میں ہو۔ اس کی طرف کم دھیان دے رہے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ وہ تمہارا موذی دشمن ہے۔ اسے پہل کرنے کا موقع مل گیا تو تم پرائے ملک میں دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔''
''اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ مجھے ان نزاکتوں کا پورا اندازہ ہے۔ تمہاری تسلی ہو گئی ہو تو اب اپنا فون اکبر کو دے دو۔''
کراچی چھوڑنے سے پہلے ہمارے درمیان یہ بات طے پا چکی تھی کہ ہم چاروں فون پر بھی ایک دوسرے کا اصل نام نہیں لیں گے۔ باہمی گفتگو ان ناموں سے ہوگی جو ہماری سفری دستاویزات میں لکھے گئے تھے ان کے مطابق سلطان شاہ، اکبر خان تھا، ویرا کو ریٹا ایف ہیریسن کا نام دیا گیا تھا۔
''لو، اپنے گرو سے بات کرو!'' ویرا نے سلطان شاہ کو فون دیتے ہوئے جو کچھ کہا، وہ میرے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔
سلطان شاہ نے فون لے کر سلام دعا کے بعد سب سے پہلے صدف یعنی غزالہ کی خیریت پوچھی۔ پھر وہ بھی سوبھراج کے مسئلے کی طرف آ گیا۔
مجھے ان دونوں کی طرف سے راز کے افشا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا لیکن اس مرحلے پر انہیں سوبھراج کے انجام سے آگاہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جذباتی طور پر وہ اس خبر پر بعد میں بھی اتنا ہی خوش ہوتے جتنا اس وقت۔ ہماری گفتگو موبائل فون پر ہو رہی تھی۔ ان دنوں یہ تصور عام تھا کہ موبائل فون دنیا کا محفوظ ترین مواصلاتی رابطہ ہے جس پر ہونے والی گفتگو کوئی غیر متعلقہ فریق نہیں سن سکتا۔
اس خوش گمانی میں ویرا نے فون پر کئی بار سوبھراج کا نام لیا تھا۔ میں اس کے انجام کا ذکر کرتا تو ان دونوں کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس بارے میں میرے ذہن میں کہیں کوئی گرہ موجود تھی۔ تھوڑی سی بے احتیاطی برتنے کے باوجود میں محتاط تھا۔ وہ پورا قصہ فون پر دہرانے میں مجھے تامل تھا۔ جب بھی ان دونوں سے روبرو ملاقات ہوتی، سوبھراج کے حسرت ناک انجام کی تفصیلات بتائی جا سکتی تھیں۔
''اب ان فضول باتوں کو چھوڑو اور بتاؤ کہ یہ البرٹو کون ہے اور تم اس کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو۔'' میں نے سلطان شاہ سے فون پر کہا۔
''اوہ..... میری شکایت تم تک پہنچ گئی!'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
''تم کو معلوم ہے کہ وہاں تمہارے مالی وسائل محدود ہیں۔''
''اچھی طرح معلوم ہے۔ میں نے یہاں ایک پیسے کی بھی فضول خرچی نہیں کی۔'' اس نے پر اعتماد لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔
''تمہیں تیس پینتیس ڈالر یومیہ کا خرچ پالنے کی کیا ضرورت ہے!''
''میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ تم کس خرچ کی بات کر رہے ہو؟''
''تم البرٹو کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر کسی سستے سے ہوٹل میں بھی لے جاؤ گے تو وہاں اس کا یومیہ خرچ اس سے کم نہیں ہوگا۔''
''میں اسے کہیں نہیں لے جا رہا۔ وہ جہاں ہے وہیں خوش اور محفوظ ہے میں نے ریٹا سے سرسری طور پر ایک بات کہی تھی کہ اس پر کچھ سرمایہ کاری کی جائے اور فٹ پاتھ سے اٹھا کر اسے کسی قرینے کی جگہ ڈال دیا جائے تو وہ ہمارے لیے سودمند ثابت ہو سکتا ہے.....''
''میں اسی مالی بوجھ کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر ٹوکا۔
''وہ سرسری بات تھی، وہیں ختم ہو گئی۔ البرٹو نے مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے گتوں کا ڈربا بنایا ہوا ہے۔ وہاں سے ہلنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اپنے تاریک اور سیلن زدہ گھر کی آزادیاں اسے بہت عزیز ہیں۔''
''یہ کون ہے اور تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو...؟''
''وہ چائنا ٹاؤن اور لٹل اٹلی کے درمیانی حصے میں رہتا ہے اور قریبی سب وے میں کچھ دیر تک ہیٹ سامنے رکھ کر بھیک مانگتا ہے۔ دس بارہ ڈالر جمع ہو جائیں تو وہ اٹھ جاتا ہے۔ لالچی بھکاریوں کی طرح وہیں بیٹھا نہیں رہتا.....''
''مجھے اس کی سوانح عمری سننے کا شوق نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی'' میں اس کی ذات میں تمہاری دلچسپی کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔''
''میں نے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے عجیب سا خوف جھلک رہا تھا۔ وہ ڈری سہمی نظروں سے آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا۔'' اس نے بتانا شروع کیا۔ ''میں نے اس کے سامنے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر ڈالا تو اس نے ایسی ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا کہ میں اندر سے کانپ اٹھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ

امریکا جیسے دولت مند ملک میں ایسے مفلس بھی رہتے ہیں جن کے لیے ایک ڈالر کی رقم نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔ میں نے اسے مزید ایک ڈالر کا نوٹ دکھا کر اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی اور وہ تیار ہوگیا۔ اس نے ہیٹ میں پڑی ہوئی ریزگاری اپنی جیب میں ڈالی اور میرے ساتھ ہولیا۔ یہ میرا اور اس کا پہلا تعارف تھا۔"

سلطان شاہ اس کے بارے میں بتاتا رہا۔ میں نے اسے زیادہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں دیا۔ بار بار اسے ٹوکتا رہا۔ اس کے بارے میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں اس کے بتائے بغیر سمجھ سکتا تھا۔ سب کڑیاں مل جانے کے بعد البرٹو کی کہانی مجھے بھی دلچسپ محسوس ہوئی۔

وہ اطالوی نژاد تھا اور دو سال پہلے میلان کی ایک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہا تھا کہ چند برے دوستوں کی صحبت کی وجہ سے ہیروئن کی لت لگ گئی۔

نشہ انسان کے باطن کے ساتھ اس کے ظاہر کو بھی نگلنا شروع کردیتا ہے، تعلیم سے البرٹو کا دل اچاٹ ہوگیا۔ یونیورسٹی چھوڑ کر اس نے اپنے گزارے کے لیے ایک ریستوران میں ویٹر کی نوکری اختیار کرلی۔ ریستوران میں اس کی ملاقات ایک امریکی سیاح سے ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ البرٹو کو فلکیات کے علم سے بھی لگاؤ رہا تھا۔ دوسری ملاقات میں امریکی دوست کو البرٹو نے اپنی کہانی سنادی۔ یہ اعتراف بھی کرلیا کہ وہ ہیروئن کا عادی ہوچکا ہے۔ اس کا دل تعلیم میں لگتا ہے نہ کام میں۔

امریکی نے اسے اپنے خرچ پر امریکا لے جانے کی پیشکش کی۔ البرٹو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے اپنی زندگی میں ایسا کوئی موقع مل سکے گا۔ وہ فوراً تیار ہوگیا۔

وہ امریکی بعد میں سی آئی اے کا ایک سینئر ایجنٹ ثابت ہوا۔ وہ البرٹو کو اپنے ساتھ ورجینیا کی فیرفیکس کاؤنٹی لے گیا جہاں لینگلے میں سی آئی اے کے مرکزی دفاتر تھے۔ وہ البرٹو کو اپنے ساتھیوں کے حوالے کرکے ایسا غائب ہوا کہ دوبارہ کہیں نظر نہیں آیا۔

البرٹو کو شہر کے ایک اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ اسے نشے سمیت ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اس کا پاسپورٹ سی آئی اے کے افسران نے ضابطے کی چند ضروری کارروائیوں کے نام پر اپنے قبضے میں لے لیا جو آخر تک اسے نہیں لوٹایا گیا۔

صرف دو دن بعد البرٹو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مقامی اخبارات میں اس کی تشہیر ایک اطالوی ماہر فلکیات کے طور پر کی گئی تھی۔ اس نے اس بارے میں اپنے میزبانوں سے دریافت کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ وہ اسے عزت اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچانے کا بندوبست کررہے ہیں۔

چند روز بعد اس سے ایک چھپے ہوئے کاغذ پر دستخط لیے گئے۔ اس پر ستاروں کی چال کے لحاظ سے آنے والے دنوں کے لیے چند حساس اور خطرناک پیش گوئیاں موجود تھیں۔

اگلے دن وہ پیش گوئیاں اخبار کی زینت بن گئیں۔ ایک ہفتے میں وہ سارے واقعات رونما ہوگئے۔ البرٹو کی شہرت ہونے لگی اور یہ سلسلہ چل پڑا۔

البرٹو شہرت اور ہیروئن کے نشے میں ڈوب کر عیش کرتا رہا۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب اس کے نام سے جاری کی جانے والی پیش گوئیوں کے مطابق پراسرار حالات میں بعض اموات واقع ہوئیں اور اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔

اس کی پیش گوئیوں میں کسی کا نام نہیں آتا تھا۔ ہر بات عمومی حوالے سے کہی جاتی تھی۔ بعد میں لوگوں کو اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے کس کے بارے میں کیا لکھا تھا۔

اس کے نام پر کسی سیاستدان کی حادثاتی موت کی پیش گوئی کی گئی اور دو دن بعد حزب مخالف کا ایک مقامی رہنما اپنی

کار کے حادثے میں جاں بحق ہوگیا۔ اس نے فائن آرٹ کے شعبے کی کسی خاتون کی ناگہانی موت کا ذکر کیا۔ تین دن بعد شکاگو میں نسلی امتیاز پر حکومت پر تنقید کرنے والی ایک مشہور گلوکارہ اپنی خواب گاہ میں گیس بھرنے سے چل بسی۔

البرٹو ڈر گیا۔ معمولی واقعات سے شروع ہونے والا سلسلہ بہت خطرناک رخ پر جا رہا تھا۔ لوگ اس کے نام سے ڈرنے لگے تھے مگر اس کی پیش گوئیاں ضرور پڑھتے تھے۔

اسے اندازہ ہوگیا کہ سی آئی اے والے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ اس کے نام کی تشہیر جاری تھی، تصویر کبھی نہیں چھاپی گئی تھی۔ اسی طرح اخبار والوں کو بہت سختی سے اس سے دور رکھا جا رہا تھا۔

البرٹو نے کئی بار اپنا پاسپورٹ واپس لینے کی کوشش کی لیکن حیلوں اور بہانوں سے اسے ٹال دیا گیا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ سی آئی اے کا قیدی ہے۔

جب اس کی پیش گوئی کے مطابق نیویارک کا ایک سیاہ فام لیڈر آبی موت مرا تو البرٹو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ رات کے سناٹے میں وہ اپنے نگہبانوں کو جل دے کر اپنے عشرت کدے سے فرار ہوا اور سیدھا نیویارک پہنچ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ سی آئی اے والے اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اس کی ہر طرف تلاش شروع ہو جائے گی۔ ان سے بچنے کے لیے وہ ایک بھکاری کے روپ میں فلائی اوور کے نیچے پناہ گزیں ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ شکاری اس تک نہیں پہنچ سکیں گے اور وہ اپنے ہم وطنوں کی مدد سے کسی بحری جہاز میں چھپ کر امریکا سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بھیک کا یومیہ ٹارگٹ پورا کرنے کے بعد وہ اپنا باقی وقت چائنا ٹاؤن اور لٹل اٹلی کے علاقوں میں گزارتا تھا لیکن اس وقت تک اسے اپنے کام کا کوئی آدمی نہیں مل سکا تھا۔

ڈر اور خوف کی وجہ سے اس کی ہیروئن نوشی بڑھ گئی تھی۔ اس مہلک زہر کے بہ کثرت استعمال اور کٹھن زندگی گزارنے کے سبب وہ اپنی شکل وصورت سے واقعی بھکاری نظر آنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس حلیے میں سی آئی اے والے پہچانے بغیر اس کے قریب سے گزر جائیں گے۔

سلطان شاہ کی صورت میں اسے ایک نرم خو اور ہمدرد شخص نظر آیا تھا جو امریکا سے نکلنے میں اس کا مددگار اور معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ سلطان شاہ کی پیشکش قبول کر کے اس کے ساتھ ٹی شاپ میں چلا آیا اور اپنی پوری کہانی اس کے سامنے رکھ دی۔

''کہانی واقعی بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم اس کی فراست سے کس قسم کا فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہو۔'' میں نے وہ سب سن لینے کے بعد کہا۔

''میری نظروں میں وہ ان کا ٹوٹا ہوا آدمی ہے۔ اسے ان کے بہت سے رازوں کا علم ہوگا۔ اس کی مدد سے اور کچھ نہ سہی تو ہم سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''مجھے شبہ ہے کہ وہ تمہارے کسی کام آسکے۔ وہ لاکھ ہیروئنچی سہی، ابھی اس کے ہوش وحواس پوری طرح کام کر رہے ہیں۔ وہ اس درجے کو نہیں پہنچا جہاں انسان کسی مردے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ وہ کسی ایسے چکر میں اپنی ٹانگ نہیں پھنسائے گا جو اس کی اچانک روانگی کی راہ میں حائل ہو۔'' میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی۔

''اگر وہ میرے جال میں پھنس جائے تو مجھے آگے بڑھنے کی اجازت ہے؟'' اس نے پرجوش لہجے میں سوال کیا۔

''تم بالکل آزاد اور خود مختار ہو۔ ہاتھ پیر بچا کر جو کچھ کر سکتے ہو، کر گزرو۔'' میں نے کہا ''لیکن میری ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ ریٹا کا مشورہ تمہارے لیے ہر وقت کارآمد ثابت ہوگا۔''

''یہ بات اسے بھی بتا دو۔ میں اس کا ہر معقول مشورہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اس نے کوئی حکم دیا تو میں اس پر کان نہیں دھروں گا۔''

''وہ حکم نہیں دیتی، اس کا انداز ایسا لگتا ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''صرف میرے ساتھ اس کا رویہ تحکمانہ ہوتا ہے۔ تم سے وہ دب کر بات کرتی ہے۔ میں ننھا سا بچہ نہیں ہوں، ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے جواب دیا ''لو وہ مجھ سے فون مانگ رہی ہے۔ اس سے بھی بات کرلو۔''

''البرٹو کی کہانی سن لی تم نے؟'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد ویرا کی آواز سنائی دی ''یہ ساری تفصیل میں نے آج پہلی بار سنی ہے۔ اس بھکاری کے نام کے سوا مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔''

''تم اپنا رویہ نرم رکھا کرو۔ تم نے سن لیا کہ وہ تمہارے جارحانہ رویے سے نالاں ہے۔ پردیس میں تم دونوں کو مل جل کر رہنے کی کوشش کرنا چاہیے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

میری وہ بات سلطان شاہ کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی اس لیے ویرا نے بردباری سے سن لی اور بولی ''مفاہمت

دوطرفہ ہوتی ہے۔ یہ میری بات سنے گا تو میں بھی اس کی بات ضرور سنوں گی۔ اسے بھی احساس ہونا چاہیے کہ ہم اپنے ملک سے باہر ہیں۔"

میں نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی لیکن تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ وہ نرمی کی زبان سمجھتا ہے۔ تم نے پیر میں موچ آجانے کا بہانہ کیا تو اس نے دل و جان سے تمہاری خدمت کی تھی۔"

"اب اس قصے کو چھوڑو۔" ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں کس رو میں وہ بات ہو گئی۔"

"اور باتیں بھی گنوائی جا سکتی ہیں۔" میں نے موقع پا کر اسے مزید شرمندہ کرنا چاہا۔ "ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں البرٹو کے نام کے سوا کچھ نہیں بتایا گیا۔ حالانکہ کئی باتیں تم نے خود مجھے بتائی تھیں کہ اکبر اس پر سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے، اسے فٹ پاتھ سے ہوٹل میں لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔"

"میں دیکھوں گی کہ اس بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے، میں تحمل سے کام لینے کی کوشش کروں گی۔" اس نے میری بات کا غیر متعلق سا جواب دیا۔ غالباً وہ سلطان شاہ کی موجودگی میں کوئی اعتراف کر کے سُبکی مول لینے سے گریز کر رہی تھی۔

"تم دونوں کے لیے ایک دوسرے کی لغزشوں کو نظر انداز کرنا ناممکن ہو جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ کچھ دنوں کے لیے دونوں ساتھ چھوڑ دو۔ الگ الگ رہو گے تو تمہیں ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔"

"تمہارا یہ مشورہ شاندار ہے۔ اس پر تفریحاً بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔" اس کی مسرت آمیز آواز آئی "تم بھی صدف کے ساتھ یہ گر آزما کر دیکھو۔"

"ہمیں ایسی احمقانہ تفریح کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان مکمل مفاہمت ہے۔" میں نے ہلکی سی ناگواری سے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

"پاسپورٹ ایک عالمی مسئلہ ہے۔" غزالہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے بغیر دیارِ غیر میں ہر شخص مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"کیا وہ دونوں بھی کسی مسئلے سے دوچار ہیں؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا۔

"ان کا یکجا ہونا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ان کے لیے وہی کافی ہے۔ وہاں سی آئی اے والوں نے البرٹو کا پاسپورٹ ضبط کیا ہوا ہے، یہاں ڈان نے ہمارے ساتھ یہی حرکت فرمائی ہے۔ وہ امریکا سے بھاگ سکتا ہے نہ ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔"

"ابھی آپ کے منگیتر کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ ان کا دورانِ خون تیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ یہ کوٹ پہن کر عیادت کے لیے جائیں۔"

"اس کے بارے میں آپ دیر تک باتیں کرتے رہے ہیں۔"

وہ غزالہ کا اشارہ تھا۔ وہ سب کچھ جان لینے پر اصرار نہیں کرتی تھی۔ میرے لیے اس کا وہ اشارہ کافی تھا۔ میں نے اسے اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

البرٹو کی ذات سے مجھے کوئی بڑی امید نہیں تھی۔ وہ ستم روزگار کا ستایا ہوا ایک غیر ملکی تھا جو نجات کی راہ تلاش کرنے کے لیے نیویارک میں بھٹک رہا تھا۔ سلطان شاہ سے ہوتی ہوئی، اس کی جو کہانی مجھ تک پہنچی تھی وہ بہت خوفناک اور سنسنی خیز تھی۔

سی آئی اے کے ستائے ہوئے بہت سے ممالک آئے دن یہ شکوہ کرتے رہتے تھے کہ سی آئی اے کے اہل کاران کے قوانین کو پامال کر کے، وہاں سیاسی اور سماجی سازشوں میں مصروف ہیں۔ دنیا بھر میں یہ تاثر عام تھا کہ سی آئی اے امریکا سے باہر امریکی مفادات کے حصول کے لیے ہر جائز اور ناجائز سرگرمی میں مصروف رہتی ہے۔

البرٹو کی کہانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدنام زمانہ امریکی ادارہ اپنے ملک میں بھی نہایت سفاکی کے ساتھ اپنے پروگرام پر عمل کر رہا تھا۔

ایک گمنام اور نشے باز غیر ملکی کو اپنے ملک میں لا کر ماہر فلکیات کی حیثیت سے اس کا قد کاٹھ بڑھانے کی اخباری مہم ہر اعتبار سے قابل ملامت تھی۔ اسے شہرت دلانے کے بعد اس کی پیش گوئیوں کی آڑ میں اپنے مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا عمل انتہائی گھناؤنا تھا۔ وہ اپنے شکار کو پراسرار انداز میں مار ڈالتے تھے اور موت کے اسباب ہمیشہ فطری یا اتفاقی قرار پاتے تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ ان کا وہ طریقہ واردات نیا نہیں تھا۔ البرٹو سے پہلے وہ کسی اور انداز میں کام کر رہے ہوں گے' البرٹو کے بعد وہ کسی اور مہرے کو آگے لے آتے۔ جو لوگ اپنے ملک میں' اپنے ہی ہم وطنوں کو اتنے اطمینان سے ٹھکانے لگا سکتے تھے' وہ دوسرے ملکوں میں جو کچھ نہ کر گزرتے کم تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ پاکستان میں اپنی بے رحمیوں کو آزادی کے ساتھ بروئے کار نہیں لا سکے تھے۔ ان کی کھل کر مزاحمت کی گئی تھی اور ان کے کئی افسر مارے گئے تھے۔

اگر باخبر حلقوں میں یہ کہا جاتا تھا کہ امریکا میں حکومت ری پبلکن یا ڈیموکریٹ پارٹی کی نہیں ہوتی' پس پردہ حکمرانی ہمیشہ سے سی آئی اے کی چلی آ رہی ہے۔ اس کا سربراہ امریکی صدر سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے تو یہ بے جا نہیں تھا۔

''ہمیں ڈان کے چنگل سے نجات مل گئی تو ہم امریکا نہیں جائیں گے۔'' رات کو بستر پر دراز ہونے کے بعد غزالہ نے اعلان کیا ''جس ملک میں سرکاری اہل کار بربریت میں مصروف ہوں' وہاں انسانی جان کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے!''

''امریکا میں سب سے زیادہ انفرادی اور اجتماعی آزادیاں حاصل ہیں اور دنیا بھر سے لوگ جوق در جوق وہاں جا رہے ہیں۔ کسی کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ سرکاری بھیڑیے صرف ان لوگوں کو اپنا شکار بناتے ہیں جن سے ان کا کوئی بڑا اور گہرا اختلاف ہو۔''

''البرٹو کی آڑ لے کر انہوں نے قلیل مدت میں کئی افراد کو ٹھکانے لگایا ہے۔''

''یہ ایک اتفاق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے برسوں کا ہدف پورا کیا ہو۔ ہر ہفتے عشرے کوئی مخالف مرنے لگا تو امریکا میں کہرام برپا ہو جائے گا۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا ''عام حالات میں ایسے واقعات کی شرح سال بھر میں ایک دو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ تم کو ایسے واقعات سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ خوف نہیں' کراہت ہے۔'' غزالہ نے جواب دیا ''میرا امریکی سیاست اور معاشرت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ صدف نامی ایک سیاح خاتون سے ان اونچے مجرموں کو کیا پرخاش ہوگی!''

''میں تمہیں یہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔'' میں نے اس کی ذہانت کو سراہتے ہوئے جواب دیا۔

''صدف اور علی احمد کے لیے امریکا میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''کیا آپ مجھے امریکا کے سفر پر اکسا رہے ہیں؟'' غزالہ نے ہنس کر پوچھا۔

''اکسانے کی کیا ضرورت ہے؟ کل تک یہ تمہاری خواہش تھی۔'' میں نے کہا ''وہاں جاؤ یا نہ جاؤ مگر اپنے ذہن کو کھلا رکھو۔ آج کل امریکا میں شیطان صفت لوگ غالب ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے' وہاں اچھے بلکہ بہت اچھے انسانوں کی ایک بڑی تعداد بستی ہے۔ ایک دن یہ اکثریت اس مکروہ اقلیت پر غالب آ جائے گی۔''

''سچ بتائیں کہ آپ کا دل کیا کہتا ہے۔'' وہ کروٹ لے کر یکا یک میرے قریب ہو گئی۔

''کس بارے میں؟'' میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں یہاں سے امریکا جانے کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔''

''کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل کر کہیں نہ کہیں تو جانا ہی ہے۔ ویسے بھی میں نے امریکا ایک بار دیکھا ہے' دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔''

''مجھے معلوم تھا کہ آپ کا جواب یہی ہوگا۔'' میرا جواب سن کر وہ ہنسنے لگی۔

''کیا تم کو دلوں کی بات جاننے کا علم آ گیا ہے؟''

''ویرا وہاں ہے' اس سے آپ کی نوک جھوک چلتی رہتی تھی۔ روزمرہ زندگی میں کچھ نہ کچھ ہلچل سی رہتی تھی۔ آپ اسے ضرور مس کرتے ہوں گے۔''

''تم نے خود اپنے سوال کا جواب دے دیا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ وہ چین سے بیٹھنے والی عورت نہیں ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے الجھتی رہتی ہے۔ کوئی اور میسر نہیں ہے تو اب اس کا سارا ازلہ سلطان شاہ پر گر رہا ہے۔ اس کی کمی تم بھی محسوس کرتی ہوگی۔''

''مجھے چھوڑ دیں۔ اس وقت میں آپ کی بات کر رہی ہوں۔''

''تم جس مفہوم میں سوال کر رہی ہو' میرا جواب نفی میں

ہے۔“

”پتا نہیں آپ کو کیا مفہوم مل گیا۔ میرا سوال سیدھا سادا تھا۔“

”سنو!“ میں نے اس کا کان کھینچ کر کہا ”آج تم میری بیوی ہو۔ میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم صرف کرنل زوار زیدی کی بیٹی ہوا کرتی تھیں۔ مجھ سے ایسی ذومعنی باتیں نہ کیا کرو۔“

”میں نے کوئی ذومعنی بات نہیں کی، میرا کان چھوڑیں زخمی ہو جائے گا۔“

اس رات ہم دیر تک جاگتے اور باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں میرے ذہن میں دو باتیں گردش کر رہی تھیں۔ سب سے میرا رابطہ ہو گیا تھا مگر میں نے جہانگیر کی کوئی خیر خبر نہیں لی تھی جو اسٹیشن فور سے اپنے گھر منتقل ہو چکا تھا۔ کراچی اور بنکاک کے وقت میں فرق کی وجہ سے میں اس وقت بھی اسے فون کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں غزالہ سے باتیں کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ بھی کبھی ایسے موڈ میں آتی تھی۔ میں اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگلے دن میں اس سے بات کروں گا۔

دوسری بات کا تعلق ڈان سے تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اسے اپنے ذرائع سے موتی محل میں ہونے والے دھماکے کی خبر نہ ملی ہو، چاؤ فان نے بھی اپنے طور پر اسے آگاہ کیا ہوگا۔ اس واقعے کو رونما ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ ڈان نے فون کیا تھا نہ اس کا کوئی پیغام آیا تھا۔ مجھے ایک خلش سی تھی۔ چاؤ فان نے وہ واقعہ میری ذات سے منسوب کر کے مجھے یہ امید دلائی تھی کہ دشمن کے گھر میں بارود پھٹنے کی خبر ڈان کا دل خوش کر دے گی، اسی خوشی میں وہ میرے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس بارے میں ڈان کی طرف سے مکمل خاموشی مجھے خلجان میں مبتلا کر رہی تھی۔

اگلی صبح دس بجے میں ناشتا کرنے کے بعد اخبار پڑھ رہا تھا کہ انٹرکام پر چاؤ فان کی کال آ گئی۔

”ماسٹر! جلدی نیچے آؤ۔“ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں تیزی سے کہہ رہا تھا ”میری گاڑی میں بڑا آدمی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

اس نے ڈان کے لیے بڑے آدمی کا استعارہ استعمال کیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ گوشہ نشین ڈان خود چل کر میرے ہوٹل کے دروازے پر آیا تھا۔ میرے لیے وہ بات ناقابلِ یقین تھی۔

ڈان اس قدر محتاط تھا کہ اس نے مجھے اور چاؤ فان کو کہیں

بھی اپنا نام لینے سے منع کیا ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجن سے محاذ آرائی کے قصے میں کہیں بھی اس کا نام آئے۔ ایک طرف اس کی وہ غیر معمولی احتیاط میرے پیش نظر تھی' دوسری طرف وہ خود چاؤ فان کی گاڑی میں سوار ہو کر میرے ہوٹل آ پہنچا تھا۔ تاخیر سے سہی مگر ڈان نے غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

چاؤ فان کا وہ پیغام سنتے ہی میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ میں نے تیار ہو کر ذرا سی دیر میں نیچے پہنچنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

مجھے ہڑبڑا کر پتلون پہنتے دیکھ کر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا ''کیا ہوا...... یہ کس کا فون تھا؟''

''چاؤ فان' ڈان کو اپنی گاڑی میں لے کر آیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''خدا خیر کرے!'' غزالہ کے منہ سے بے اختیار نکلا ''یہ پردہ نشین اپنی ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یہاں کیسے آ گیا!''

میرے پاس غزالہ کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اپنی تیاری میں لگا رہا۔

چاؤ فان کے پیغام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں چند لمحوں میں پتلون اور جوتے پہن کر کمرے سے نکل کھڑا ہوا۔ میں تیز قدموں سے ہوٹل کی لابی عبور کر کے صدر دروازے سے باہر نکلا تو پورچ میں چاؤ فان کی کالی اکارڈ کا دور تک پتا نہیں تھا۔ میں وہاں رکے بغیر آگے نکلتا چلا گیا۔

ہوٹل کے احاطے کے باہر' چاؤ فان کی گاڑی اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت ہر طرف دن کی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن چاؤ فان کی گاڑی کے شیشے اتنے گہرے سیاہ تھے کہ دور سے اندر کا کوئی منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ سیاہ شیشوں کے پیچھے نظر آنے والے موہوم دھبوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ عقبی نشست پر بھی کوئی شخص موجود تھا۔ وہاں شیشوں کی تاریکی میں دو تاریک تر دھبوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

میں مشینی انداز میں اکارڈ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں سیلرز بار اور اس کی اوپری منزل میں ڈان کا دبدبہ دیکھ چکا تھا۔ کار کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اکارڈ کا پچھلا دروازہ کھول کر ڈان کو تعظیم دوں یا اگلا دروازہ کھول کر پہلے چاؤ فان سے بات کروں۔

چاؤ فان سیاہ ونڈ اسکرین کے پیچھے سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی اس نے اپنے برابر والی نشست کا دروازہ کھول کر میری الجھن دور کر دی۔

میں نے کھلے ہوئے دروازے میں سے اپنی گردن اندر ڈال کر ڈان سے مخاطب ہونے کا ارادہ کیا تھا کہ ڈان کی دھیمی آواز گونجی ''گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔''

میں چاؤ فان کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کا بے آواز انجن چل رہا تھا' باہر کے گرم موسم کے مقابلے میں اندر بہت زیادہ ٹھنڈک تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میرے لیے اپنی گردن گھما کر پیچھے دیکھنا معیوب ہوتا۔ میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کن انکھیوں سے عقبی نشست کا اڑتا ہوا جائزہ لیا تو ڈان آدھی آستین کی قمیص اور جینز میں ملبوس کسی ہیوی ویٹ باکسر کی طرح دھنسا ہوا نظر آیا۔

''گڈ مارننگ!'' میں نے اندر بیٹھتے ہی ہلکی آواز میں کہا۔

ڈان نے جواب نہیں دیا۔ میرے سوار ہوتے ہی چاؤ فان گاڑی کو حرکت میں لا چکا تھا۔

وہ پہلا موقع تھا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ ڈان سے مل رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے ڈان بھی محتاط تھا۔ وہ چاؤ فان کو غیر ضروری اندازے لگانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

''کئی دنوں پہلے چاؤ فان نے تم کو ہوٹل چھوڑ کر کسی گیسٹ ہاؤس میں جانے کے لیے کہا تھا؟'' کار کے خنک کیبن میں ڈان کی سرد اور غراتی ہوئی آواز گونجی۔

اس کا سوال سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ چاؤ فان غیر ذمے دار نہیں تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

''ہاں ڈان!'' میں نے بے جان لہجے میں کہا ''میں پردیسی ہوں' یہاں کی اونچ نیچ کے بارے میں چاؤ فان مجھے بتاتا رہتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں وہ لوگ رہتے ہیں جو دنیا کے ہر بڑے شہر کو ایک جیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''علی! میں نے تم کو اپنی آنکھ کا تارا کہا تھا۔'' ڈان اس بات کو وہیں ختم کر کے کہہ رہا تھا ''تم نے اس بات کو پورا کر دکھایا ہے۔ موتی محل میں ہونے والے دھماکے نے میرے دل میں لگی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یہ چاؤ فان' الو کا پٹھا بزدل ہے' دو سالوں میں یہ وہاں ایک کنکر بھی نہیں مار سکا۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا...... اس عزت افزائی پر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' میں نے موتی محل والے واقعے کے بارے میں سچ اس کے کانوں میں ڈال دیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت تم میرے پاس تھے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ

بڑا کام کرنے والے کون لوگ تھے؟''

''وہ ایک آدمی ہے۔ اس کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔'' میں نے اسد کا نام لیے بغیر کہا۔

''میں تم سے خوش ہوں...... بہت خوش...... اتنا خوش کہ تم اندازہ نہیں لگا سکتے' مانگو...... انعام میں تم کیا مانگنا چاہتے ہو؟''

''بنکاک میں تمہاری حمایت اور محبت میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔'' میں نے ڈان کے لیے خوشامد کا سب سے موثر ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔

''وہ شروع سے تمہارے لیے ہے...... کچھ اور مانگو۔'' ڈان فیاضی کے مظاہرے پر تل گیا تھا۔

''میرے پاس مانگنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں مارنے یا مرجانے کے ارادے سے' اپنی کشتیاں جلا کر یہاں آیا ہوں۔ دشمن کو مار لیا تو پھر سوچوں گا کہ نئی زندگی کے لیے کیا مانگا جائے۔'' میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے تمہید باندھی' چند لمحوں کے لیے ڈرامائی خاموشی اختیار کی پھر اداس لہجے میں کہا'' ہو سکے تو دونوں پاسپورٹ مجھے لوٹا دو۔''

''میں وہ ساتھ لے کر نہیں پھر رہا۔'' اس نے دبنگ لہجے اور نیچی آواز میں جواب دیا'' ملنے آؤ گے تو لے لینا۔ وہ تمہارے ہیں' تمہارا انعام اب بھی باقی ہے۔''

''انعام دینا ہے تو اپنی مرضی سے دے دو' میں تم سے امان کے علاوہ اور کیا مانگ سکتا ہوں!''

''بہت قناعت پسند ہو!'' ڈان کے ان الفاظ کے ساتھ ہزار بھات کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی پیچھے سے میرے قدموں میں آ گری۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی'' یہ ایک لاکھ بھات تمہارے ہیں۔ انہیں خرچ کر کے تم اپنی بد دماغ بیوی کو خوش کر سکو گے۔''

''خدا تمہیں کھویا ہوا مقام عطا کرے۔'' میں نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر کسی خاندانی فقیر کی طرح ڈان کو دعا دی۔'' ہوٹل میں تمہارا مہمان ہوں۔ میرا کوئی خرچ نہیں ہے۔ یہ رقم اسی کی خوشنودی خریدنے پر خرچ ہوگی۔''

وہ میری بیوی کے ذکر کا کوئی محل نہیں تھا۔ ڈان نے انعام کی رقم دے کر بلاوجہ اس کا تذکرہ کیا تو میں نے بھی جواب میں غزالہ کی ہجو کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ میری طرف سے ڈان کے ذہن میں پرورش پانے والے سارے شکوک وشبہات زائل ہو چکے تھے اور وہ کھلے دل کے ساتھ ہمارے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

''یہ رقم حقیر ہے' اپنے کاموں پر میری خوشی کا اندازہ تم کو اس بات سے لگا لینا چاہیے کہ تمہیں اپنے پاس بلانے کے بجائے آج میں خود تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''اس عزت افزائی پر میں ساری عمر ناز کرتا رہوں گا۔'' ایک ایک کر کے میں اپنے ترکش کے تیر چلا رہا تھا'' جب تک میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں نہیں دیکھ لیا' مجھے چاؤ فان کی بات کا یقین نہیں آیا۔ کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔''

''میں جب باہر نکلتا ہوں' چاؤ فان کی اسی گاڑی میں نکلتا ہوں' کالے شیشوں کے پیچھے کون مجھے دیکھ سکتا ہے۔ میرا سایہ دیکھ لے تب بھی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ اس نے پرغرور لہجے میں کہا'' تم نے اپنے آدمی سے میرے لیے کام کرنے کے بارے میں بات کی ہے؟'' یکا یک وہ سوال کر بیٹھا۔

وہ زیرک آدمی تھا۔ میری طرح اس نے بھی چاؤ فان کی موجودگی میں اسد کا نام نہیں لیا۔

''اس نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی ہے۔ یہ زندگی اسے پسند نہیں ہے۔''

''حالانکہ وہ خود بہت سفّاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' ڈان بولا'' تم کو پتا ہے کہ وہ ریموٹ کنٹرول بم تھا۔ جو اسے موتی محل میں لے گیا تھا وہ خود بم کے ساتھ اڑ گیا۔ تمہارے دوست نے اس آدمی کی بے خبری میں ریموٹ کنٹرول استعمال کر ڈالا۔ یہ غلطی تھی یا دانستہ ایسا کیا گیا؟''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے مجرمانہ ندامت کے ساتھ کہا'' یہ اس کی مجبوری تھی۔ اسے راجن کے اثر ورسوخ کا علم ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی ثبوت چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس آدمی نے بم اندر لے جانے پر آمادہ ہو کر اپنے مالک سے غداری کی تھی۔ ایک غدار کے لیے بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہوتی ہے۔''

''خوب!'' ڈان میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا'' غداروں کے لیے یہ فلسفہ مجھے پسند آیا۔ ان سے کام لو اور انہیں اڑا دو۔ پالو گے تو وہ کل تم سے بھی غداری کریں گے۔''

میری اور ڈان کی نگاہیں چار نہیں ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں اگلی اور پچھلی نشستوں پر تھے۔ ہمارے درمیان براہِ راست سلسلہ کلام جاری تھا۔ اس دوران میں چاؤ فان کی ساری توجہ سڑک پر مرکوز رہی۔ وہ کسی بت کی طرح' تناؤ کے عالم میں سیٹ پر اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ گاڑی میں ڈان کی موجودگی اس کے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ دھیمی رفتار سے محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

''چاؤ فان!'' قدرے خاموشی کے بعد ڈان نے پہلی بار اسے مخاطب کیا۔

''یس ڈان!'' اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔
''تو سن رہا ہے ناعقل کی یہ باتیں!'' ڈان نے اس سے تصدیق چاہی۔ ان میں صدیوں کا تجربہ رچا ہوا تھا۔ تیرے ماسٹر کے جاں نثار بھی اسی کی طرح ذہین ہیں۔''
''یس ڈان۔'' چاؤ فان اقرار کر کے رہ گیا۔
''تم نے اپنے کارناموں سے مجھے حیران کر دیا ہے۔'' ڈان دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو گیا ''میری اور تمہاری پہلی ملاقات کو مشکل سے ایک ہفتہ ہوا ہوگا۔ اس ایک ہفتے میں دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی۔ ہر روز چھوٹا راجن کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ اب اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی ہم سے پہلے اسے پتا چل گیا ہوگا، موتی محل میں بم لانے والا اس کا اپنا آدمی تھا۔ ایسا ایک آدھ آدمی اور مل جائے تو چھوٹا راجن کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔''
''تم نے مجھے یہ سب کرنے کا حوصلہ دیا ورنہ میں کئی دن سے بنکاک میں بھٹک رہا تھا اور ایک پھلی بھی نہیں توڑ سکا تھا۔''
''تم بہت منکسر المزاج اور سعادت مند ہو!''
کھڑکی سے باہر مجھے کچھ مانوس چیزیں نظر آئیں اور میں چونک گیا مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ چاؤ فان کی گاڑی سیلرز بار جانے والے راستے پر سفر کر رہی تھی۔
کیا ڈان مکاری سے مجھے اغوا کر کے اپنے ٹھکانے پر لے جا رہا ہے ...... ؟ وہ خیال ذہن میں آتے ہی میرے معدے میں اچانک گرہیں سی پڑھنے لگیں۔
اس وقت میرے پاس انگلیوں میں پڑی ہوئی دو انگوٹھیوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ڈان مجھے تعریف و توصیف کے جال میں الجھا کر اپنے ٹھکانے پر لے جا رہا تھا جہاں رہنے والے چار مسٹنڈوں کو میں خود دیکھ چکا تھا۔
میں نے بوکھلا کر چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ وہ روبوٹ کی طرح سڑک پر نظریں جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔
بے اختیار خیال آیا کہ میں راستے کے بارے میں چاؤ فان سے سوال کروں لیکن میں نے اس خیال کو اسی لمحے مسترد کر دیا۔ گاڑی میں ڈان کی موجودگی میں ہم دونوں کا ایک دوسرے سے مخاطب ہونا حفظِ مراتب کے خلاف ہوتا۔ اگر ڈان کے دل میں کوئی کھوٹ آ چکا تھا تو میری اور چاؤ فان کی براہِ راست گفتگو سے مزید بگاڑ پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔
وہ میرا سرسری اور ابتدائی مشاہدہ تھا۔ میں نے غور کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ چاؤ فان کی گاڑی سیلرز بار کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

میری بے چینی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ چلتی کار کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دوں مگر میں اپنے دل پر جبر کر کے بیٹھا رہا۔
''ڈان! میری واپسی کتنی دیر میں ہوگی؟'' جب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے، پر سکون لہجے میں سوال کر ڈالا۔
''کیوں ......؟ کیا تم کو واپسی کی جلدی ہے؟'' ڈان نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔
''میرا دوست عام طور پر اسی وقت مجھ سے ملنے آتا ہے۔'' میں نے بہانہ کیا۔
''مجھے سیلرز بار کے دروازے پر اتار کر چاؤ فان تمہیں واپس لے جائے گا۔'' ڈان کا جواب سن کر میری جان میں جان آ گئی۔
اگر بات صرف اتنی ہی تھی تو یہ میرے حق میں بہتر تھی۔ سیلرز بار کے دروازے پر میں ڈان کو پاسپورٹوں کے بارے میں یاددہانی کرا سکتا تھا۔ وہ مسئلہ اسی پھیرے میں حل ہو جاتا۔
گاڑی میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ڈان نے بند گاڑی میں سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی۔ گاڑی کا ایئر کنڈیشنر چلنے کی وجہ سے اندر دھواں نہیں تھا لیکن جلتے ہوئے نفیس تمباکو کی بو تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس خاموشی کا فائدہ اٹھا کر اپنے ارادے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔
''آئندہ گفٹ شاپ میں نہ جانا۔'' اچانک ڈان کی آواز ابھری موضوع سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ہدایت میرے لیے تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''اس نے دوبارہ تمہیں دیکھ لیا تو وہ سامنا کرانے کے لیے تمہیں پکڑ کر میرے پاس لے آئے گی۔ میں ان فضولیات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔ میرے لیے وہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔''
''او کے!'' میں نے سر کو خم دے کر کہا۔
چاؤ فان نے سیلرز بار کے قریب پہنچ کر اپنی کار عقبی گلی میں لے جانے کے بجائے مین بار کے مقفل دروازے پر روک دی اور کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح نیچے اتر کر ڈان کے لیے پچھلا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔
ڈان کے احترام میں، میں بھی گاڑی سے اتر گیا۔
ڈان متکبرانہ انداز میں گاڑی سے اتر کر اپنی جینز کی ایک جیب ٹٹولتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر تک نہیں ڈالی۔ جیب سے چابی نکال کر بار کا دروازہ کھولا اور

اندر غائب ہوگیا اس کے پیچھے دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔
میرے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ ڈان نے اتنا موقع نہیں دیا کہ اس سے پاسپورٹوں کے بارے میں کوئی بات کی جاتی میں اس کے پیچھے جا کر کچھ کہتا تو وہ برہم ہوسکتا تھا کہ ایک بات طے ہوجانے کے بعد مجھے پاسپورٹ واپس لینے کی عجلت کیوں تھی۔
''چلو ماسٹر!'' چاؤ فان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اب تمہیں پہنچادوں۔''
''ڈان کے سامنے تمہاری جان کیوں نکلی ہوئی تھی؟'' وہاں سے روانہ ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔
''ابھی تم نے ڈان کی محبت دیکھی ہے، غصہ نہیں دیکھا۔ اس کی مرضی کے خلاف بات ہوتو وہ تھپڑ رسید کرتا ہے۔ ایک من کا تھپڑ آدمی کے اوسان خطا کردیتا ہے۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔'' تم یہ دیکھ لو کہ اس کے باوجود میں نے تمہاری بات ڈان تک پہنچادی۔''
''میں تمہارا شکرگزار ہوں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔
''اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ڈان تمہارے پاسپورٹ لوٹانے ...کا وعدہ کر کے گیا ہے۔'' اس نے احسان جتایا۔'' تم اس قصے کو بلاوجہ اپنے دل پر لیے بیٹھے تھے۔''
''میں سیلرز بار کے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹ آیا، ڈان چاہتا تو اسی وقت وہ مسئلہ حل کرسکتا تھا۔''
'' بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں انہیں چھوٹی باتیں یاد نہیں رہتیں۔'' وہ ہنس دیا۔
''برا نہ مانو تو میں ایک چھوٹی سی بات پوچھ لوں!''
''تم میرے ماسٹر ہو......ایک ہزار باتیں بھی پوچھو گے تو میں جواب دوں گا۔ ڈان نے تمہیں آج جو عزت دی ہے، اس سے مجھے خوف آنے لگا ہے۔ تمہاری شکایت پر وہ میری چمڑی ادھیڑ ڈالے گا۔ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ وہ مجھے زیادہ منہ نہیں لگاتا۔''
میں اس کی بسیار گوئی سے ہمیشہ پریشان ہوجاتا تھا۔ میں نے اس کی باتوں کو نظرانداز کر کے کہا۔'' میں نے سنا تھا کہ ڈان عورت پر ہاتھ اٹھانے کو بزدلی اور کمینگی سمجھتا ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی اس نے گفٹ شاپ والی کو اپنے ایک آدمی سے پٹوایا ہے۔''
''ماسٹر! تم بہت خطرناک آدمی ہو، بال کی کھال نکالتے ہو۔

ڈان نے محاورے میں آدمی کہا ہوگا۔ وہ عورتوں پر واقعی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ گفٹ شاپ والی کے پٹنے کا تماشا میں نے کل شام دیکھا تھا۔ اسے ڈان کی تگڑی باورچن نے دکان میں گھس کر مارا تھا۔ اب پتا چلا کہ وہ تمہاری شکایت کا شاخسانہ تھا۔ تم جسے چاہو، ڈان کی نظروں سے گرا سکتے ہو۔''

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے اپنا وعدہ پورا کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔ میں قول کے پکے مردوں کی قدر کرتا ہوں۔''

واپسی کا سفر چاؤفان نے اپنے اصل رنگ میں تیز رفتاری اور بے پروائی سے طے کیا۔ ہم خاصے کم وقت میں ہوٹل کے قریب پہنچ گئے۔

''ہوٹل آگیا ہے جانے سے پہلے مجھے اگلا کام بتا دو!'' چاؤفان نے التجا کی۔

''راجن ایک کل وقتی کام ہے۔ جب کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو اس کے پیچھے لگے رہو، جیسے ہی کوئی خاص بات معلوم ہو، مجھے اطلاع دے دو۔'' میں نے کہا۔

گاڑی رکتے ہی میں ایک لاکھ بھات کی گڈی اپنی جیب میں اڑس کر ہوٹل کی حدود میں داخل ہوگیا۔ چاؤفان تیزی سے آگے روانہ ہوگیا۔

میں اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو دوسری دستک پر غزالہ نے اندر سے سوال کیا۔ میرا جواب سن کر اس نے مسکراہٹ کے ساتھ دروازہ کھولا تو مجھے اس مسکراہٹ کے پیچھے فکر و تشویش کے سائے منڈلاتے ہوئے محسوس ہوئے۔

میں بے تابی سے لپک کر کمرے میں داخل ہوا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے بازو تھام کر متوحش انداز میں پوچھا۔ ''کیا بات ہے...... تم خیریت سے تو ہونا......؟ تمہارے چہرے سے پریشانی کیوں جھلک رہی ہے۔''

''اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ بتائیں کہ ڈان سے آپ کی ملاقات کیسی رہی۔'' اس نے کسمسا کر اپنے بازو میری گرفت سے چھڑا لیے۔

''ملاقات بہت اچھی رہی۔ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ یہاں کیا ہوا ہے!''

''آپ پہلے آرام سے بیٹھ کر جوتے وغیرہ اتاریں۔ کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔ آپ کے جانے کے بعد یہاں ایک لیڈی پولیس آفسر آئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔''

''یہاں پولیس کا کیا کام؟ وہ کیوں آئی تھی؟'' غزالہ سے وہ سوال کرتے ہوئے میں نے طائرانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لیا تو میز پر چائے کی دو خالی پیالیوں اور ٹرے میں رکھے ہوئے چائے کے برتنوں کے سوا وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

''وہ آپ کے جانے کے دس منٹ بعد آئی تھی۔ یہ کارڈ دے کر گئی ہے۔'' غزالہ نے پتائی کے سرے پر رکھا ہوا سفید وزیٹنگ کارڈ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔

کارڈ کی تحریر تھائی زبان میں تھی۔ ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ میں نے کارڈ کو پلٹ کر دیکھا۔ اس کی پشت سادہ تھی۔ میں نے کارڈ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''دروازے پر دستک ہوئی تو میں سمجھی کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔ دروازہ کھولنے پر اس کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھی اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔ اس کی زبان سے پولیس کا نام سن کر میرا دل دہل گیا۔ میں نے اسے اندر بلانے سے پہلے ہوٹل کی انتظامیہ کے کسی فرد کو بلانے کا ارادہ کیا مگر پھر اسے اندر بلا لیا۔''

''تمہیں کسی کو بلا لینا چاہیے تھا۔ کارڈ پر پولیس کا مونوگرام نہیں ہے۔ وہ سادہ کپڑوں میں آئی تھی۔ یہ دونوں باتیں شک و شبہے والی تھیں۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔'' جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب جلدی سے بتا ڈالو کہ اس کی آمد کا کیا مدعا تھا۔''

''وہ بہت مہذب اور شائستہ عورت تھی۔ اس کا مختصر نام سارے تھا۔ وہ ہوٹل کے مہمانوں میں خوف و ہراس پھیل جانے کے اندیشے کی وجہ سے سرکاری وردی اتار کر عام کپڑوں میں ہمارے کمرے تک آئی تھی۔'' غزالہ دھیمے اور پرسکون لہجے میں بتانے لگی۔ ''کسی نے فون پر پولیس آفس کو اطلاع دی تھی کہ ہمارے کمرے میں مقیم جوڑا یعنی ہم دونوں ہیروئن کے اسمگلر ہیں اور اپنے ساتھ لایا ہوا مال مقامی مارکیٹ میں نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فون گمنام تھا لیکن اطلاع اہم تھی پولیس ایسی فون کالز پر کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ اطلاع کی اہمیت کی وجہ سے اس افسر کو ابتدائی چھان بین کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔''

میں نہایت تجسس اور فکرمندی کے ساتھ وہ واقعہ سن رہا تھا۔ غزالہ کے خاموش ہوتے ہی میں نے اسے بے تابی سے لقمہ دیا ''جلدی سے پوری بات بتا ڈالو۔''

''مجھ سے ملنے کے بعد اسے یقین ہوگیا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ وہ میری بنکاک آمد کے مقصد اور تفریحی مقامات کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مطمئن ہو کر شکایت کو بھول چکی ہے۔ میں نے اس کے لیے چائے منگوالی۔ چائے ختم کرنے کے بعد اس نے نہایت معذرت خواہانہ انداز میں کمرے اور سامان کی سرسری اور رسمی تلاشی لینے کی اجازت چاہی۔ ہماری گفتگو اتنی دوستانہ تھی کہ میں انکار نہیں کر سکی۔''

''یعنی ایک مشتبہ عورت یہاں آئی اور تلاشی لے کر چلی گئی۔''
میں نے تعجب سے کہا۔
''اس نے واقعی بہت سرسری تلاشی لی۔ مجھے اس ٹائم بم کی طرف سے شدید خطرہ تھا جو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھا ہوا تھا سامنے نے وہ دراز بھی کھولی اور بم والے تھیلے کو چھیڑے بغیر بند کردی۔ اسے کہیں کوئی مشتبہ چیز نہیں مل سکی۔''
اس نے تمہارا سوٹ کیس بھی کھلوایا ہوگا۔'' میں نے ناامیدی کے عالم میں پوچھا۔
''اس میں چند کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے وہ بھی دکھادیا۔''
''بیم گن کہاں گئی؟'' میں نے بے صبری سے سوال کیا۔
''وہ میں کل آپ کے ایک کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال چکی تھی۔''
''تم نے رضا کارانہ طور پر اسے سب کچھ دکھادیا اور تمہیں شبہ نہیں ہوا کہ وہ کوئی فراڈ تھی۔''
''سچ پوچھیں تو جب تک وہ یہاں رہی، مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اس کی زبان سے پولیس کا نام سن کر میں خوف زدہ ہوئی اور میرا رویّہ مدافعانہ ہوگیا تھا۔ اسے آپ میرے دل کا چور یا کچھ بھی کہہ لیں، میں نروس ہوگئی تھی۔''
''وہ یہاں سے کوئی چیز اپنے ساتھ بھی لے گئی ہے؟'' میں نے غزالہ کی قابلِ فہم وضاحت کو دل ہی دل میں قبول کرتے ہوئے پوچھا۔
''ایک تنکا بھی نہیں لے گئی۔ تلاشی کے دوران میں وہ بار بار کہتی جارہی تھی کہ اسے پورا یقین ہے کہ ان لوگوں کو غلط اطلاع دی گئی ہے، کمرے میں کچھ نہیں ملے گا۔''
''تمہیں اندازہ ہوا کہ اسے یہاں کس چیز کی تلاش تھی!''
''بظاہر اسے ہیروئن کے سفوف سے بھری ہوئی تھیلیوں کی تلاش تھی۔ میں ڈر رہی تھی کہ کہیں ہمارے دشمن نے ہیروئن کے بہانے پولیس کو ہمارے پیچھے نہ لگایا ہو۔''
''اب صرف ایک دشمن ہے...... راجن! اور وہ ہمارے وجود سے بے خبر ہے۔ اصل بات تم نے خود مان لی ہے کہ تم نروس ہوگئی تھیں۔ آدمی کے اوسان قابو میں نہ رہیں تو سوچنا سمجھنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ وہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نکل گئی۔''
''اس کے جانے کے بعد مجھے بھی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔'' وہ واضح طور پر نادم نظر آرہی تھی۔ ''عورت کا رویہ پولیس والوں جیسا نہیں تھا۔ جب تک وہ میرے ساتھ رہی میں اسے اس کی نرمی سمجھ کر اطمینان کے سانس لیتی رہی۔''

سبقت

ماجد صاحب اپنے برابر کے فلیٹ میں رہنے والی بیوہ رضوانہ سے پینگیں بڑھانے کی کوشش کررہے تھے۔ ایک روز سیڑھیوں میں تنہائی میں کچھ دیر گفتگو کا موقع ملا تو ماجد صاحب نے جرات کرکے رسمی باتوں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''میں جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو میرے ذہن میں سب سے پہلا خیال آپ کا آتا ہے۔''
''یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' رضوانہ ادائے بے نیازی سے بولیں ''اوپر کے فلیٹ میں رہنے والے نیاز صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔''
''لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں نیاز صاحب سے بہت پہلے بیدار ہوتا ہوں۔'' ماجد صاحب نے متانت سے یاد دلایا۔

''اس نے تمہیں رابطہ کرنے کے لیے کوئی فون نمبر تو دیا ہوگا۔''
''کارڈ پر اس کے دو فون نمبر موجود ہیں۔'' غزالہ نے بتایا۔
''میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ فون نمبر بلکہ پورا کارڈ جعلی ہوگا آنے سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم تھائی زبان سے ناواقف ہو۔'' اسے جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی جیب میں سے وہ کارڈ نکال لیا جو ہم دونوں کے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھا۔
''مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' میرے لب و لہجے میں تندی سے غزالہ کی پشیمانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔
اس کے چہرے کی اڑی اڑی رنگت اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ اسے شرمندہ کرکے گزری ہوئی باتوں کو لوٹانا ناممکن تھا۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب جو کچھ ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔ تم اپنے ذہن کو اس بوجھ سے آزاد کرکے کوئی خاص بات یاد کرنے کی کوشش کروتا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس عورت کو بھیجنے والے کون تھے۔''
''یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئی۔ آپ یہاں ہوتے تو شاید میں اتنی ہراساں نہ ہوتی۔''
اس کی زبان سے اپنی موجودگی اور غیر موجودگی کا ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور میں نے اضطراب کے

عالم میں اپنی جگہ چھوڑ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں جب سے بنکاک آیا تھا ہوٹل سے دیر سے باہر نکلتا تھا۔ وہ کم وبیش میرا معمول تھا اس روز ڈان نے اچانک ہوٹل کے باہر آکر مجھے قبل از وقت کمرے سے روانہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کسی پروگرام کے بغیر، غیر متوقع طور پر آیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میری حوصلہ افزائی کے لیے خود میرے پاس چلا آئے گا۔

شاید چاؤفان کو بھی پہلے سے علم نہیں رہا ہوگا کہ ڈان اس کے ساتھ میری طرف آئے گا۔ ڈان نے اسے بلایا اور وہ سیلرز بار پہنچ گیا۔ ڈان کو لے کر اپنی گاڑی میں ہلٹن ہوٹل کی طرف روانہ ہونے کے بعد چاؤفان کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ انجانے میں کسی سے اس سفر کی منزل کا تذکرہ کرتا۔

چاؤفان کو صرف منزل کا علم ہوسکا۔ ڈان اسے زیادہ گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ دوران سفر، راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی ہوگی۔ ہوٹل پہنچ کر کیا کرنا تھا۔ یہ صرف اور صرف ڈان کو معلوم تھا۔

ادھر ڈان اپنے معمول سے ہٹ کر مجھے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ ادھر جعلی پولیس افسر میرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ وہ دونوں واقعات اتفاقی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ڈان میری غیر معمولی کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس نے مسلسل میرے کام کی تعریفیں کی تھیں۔ تازہ ترین ملاقات میں اس نے مجھے ایک لاکھ بھات کے نقد انعام سے نوازا تھا مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ میرے کام پر کوئی حرف گیری نہ کرنے کے باوجود میری طرف سے مطمئن نہیں تھا۔

پہلے اسے میرے فرار کا اندیشہ ہوا اور اس نے ہمارے پاسپورٹ ضبط کر لیے۔ وہ قصہ پوری طرح نمٹنے نہیں پایا تھا کہ جعلی پولیس افسر کا معاملہ سامنے آ گیا۔

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ ڈان کا پھیلایا ہوا جال تھا۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ میں نے اس کے کسی آدمی کی مدد لیے بغیر موتی محل کے ناقابلِ تسخیر حفاظتی نظام کو تہس نہس کر کے وہاں ایک خون آشام دھماکا کرا دیا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ ڈان نے اپنے تحفظات کے سلسلے میں چاؤفان کو اعتماد میں نہیں لیا ہوگا۔ بنکاک میں میرے روابط کا سراغ لگانے کے لیے اس نے میرے اقامتی کمرے کی اچانک تلاشی کا منصوبہ بنایا اور مجھے ہوٹل سے نکال کر لے گیا۔

میرے بعد غزالہ کمرے میں رہ گئی تھی۔ وہاں کے جائزے کے لیے کوئی مرد آتا تو شاید وہ اسے کسی قیمت پر اندر نہ آنے دیتی۔ ڈان کے عملے یا معتقدوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں۔

گفٹ شاپ والی کے معاملے میں چاؤفان نے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈان کی ایک وفادار نے دل کھول کر اسے اپنے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ڈان نے ایسی ہی کسی عورت کو پولیس کے نام پر میرے کمرے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا اور وہ عورت آسانی سے غزالہ کو ہراساں کر کے لوٹ گئی۔

اگر میرے وہ اندیشے درست تھے تو میں بہت خوفناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں بنکاک میں ڈان کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ وہ چالاک شخص ایک طرف مجھے پچکار رہا تھا تو دوسرے طرف میری پس پردہ سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے کہیں سے میرے اصل عزائم کا موہوم سا سراغ بھی مل جاتا تو وہ میری گردن کٹوانے میں تاخیر نہ کرتا۔

اسی اثنا میں روم سروس کی ویٹرس کمرے سے خالی برتن لے جانے کے لیے آ گئی۔

میرا ذہن ان واقعات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسی وقت چاؤفان کو فون کر کے طلب کروں اور اسے پورا قصہ سنا کر وہ وزیٹنگ کارڈ دکھاؤں تاکہ اس کے مندرجات کا علم ہو سکے۔

وہ واقعہ میرے لیے بہت سنگین تھا۔ اس پر چاؤفان کا ردِعمل سامنے آنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔

ویٹرس خالی برتن سمیٹ کر پلٹی تھی کہ غزالہ بول پڑی۔

”یہ مقامی عورت ہے۔ کارڈ کی تحریر اسے کیوں نہ دکھائی جائے!“

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ ویٹرس بہت اچھی انگریزی بولتی تھی۔ چند روز کے قیام کے دوران میں ہمارا روم سروس کے تقریباً تمام عملے سے واسطہ پڑ چکا تھا اور میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہلٹن میں میزبانی کے فرائض انجام دینے کے لیے دوسری صلاحیتوں کے ساتھ انگریزی بولنی ضروری تھی..... خدوخال کے اعتبار سے ہوٹل کا بیشتر عملہ مقامی تھا۔

”مس! کیا تم ایک کام کر سکتی ہو!“ میں نے اسے آواز دے کر کہا۔ وہ دروازے کے قریب رک کر پلٹی اور پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھنے لگی۔

وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ اس کے ہونٹوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں استفسار طلب انداز میں

میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''یہ کارڈ پڑھ دو۔ میں تھائی زبان سے واقف نہیں ہوں۔''

میں نے کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے برتنوں کی ٹرے ایک کرسی پر ٹکائی اور میرے ہاتھ سے کارڈ لے کر، اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر بولی۔'' یہ کسی کانگ کیونگ مون کمپنی کا کارڈ ہے۔ نیچے کمپنی کا پتا فون اور فیکس نمبر لکھے ہوئے ہیں۔''

میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں، ہمارے شبہے کی تصدیق ہوگئی تھی۔

''اس پر کمپنی کے کس عہدے دار کا نام لکھا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کسی کا نام نہیں سر! یہ سادہ بزنس کارڈ ہے۔''

''کیا تم اس کمپنی سے واقف ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''نو سر!'' اس نے بے بسی سے اپنے سر کو جنبش دی۔'' شہر میں ہزاروں تجارتی اور کاروباری ادارے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی مدد نہیں کرسکتی۔ یہ فرم شہر کے مشہور کاروباری مرکز میں واقع ہے یہ کارڈ دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور آپ کو صحیح پتے پر پہنچا دے گا۔''

''میرا شبہ درست ثابت ہوا۔'' ویٹرس کے چلے جانے کے بعد میں نے کہا۔'' یہ فضول کارڈ ہے جو کہیں سے اس کے ہاتھ لگا ہوگا۔ اس کا سامے کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اب کیا کیا جائے؟'' غزالہ پریشانی کے عالم میں بولی۔

''مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ عورت یہاں کیا دیکھنے کے لئے آئی تھی۔ کوئی ہمارے پیچھے لگ گیا ہے۔ اب ہم یہاں محفوظ نہیں ہیں ہمیں چاؤ فان کو اعتماد میں لے کر ہوٹل بدل لینا چاہیے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے۔ عورت ڈان کی طرف سے آئی تھی۔'' میں نے نرمی سے کہا۔'' ڈان نے عورت کا کام آسان کرنے کے لیے مجھے یہاں سے ہٹایا تھا۔ مجھے اس کو چھوڑنے کے لیے سیلرز بار جانا اور وہاں سے آنا پڑا۔ وہ چاہتا تو مجھے وہیں بلا سکتا تھا۔ اس بہانے سے اس نے اپنی بھیجی ہوئی عورت کو اتنا وقت دے دیا کہ وہ اطمینان سے اپنا کام پورا کر سکے۔''

ڈان کی ذات پر وہ سنگین الزام غزالہ آسانی سے قبول نہیں کرسکی۔ اس نے پے در پے تنقیدی سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔ میں اس بارے میں پہلے ہی خاصی مغز زنی کر چکا تھا۔ میں اسے تسلی بخش جوابات دیتا چلا گیا اور وہ رفتہ رفتہ میری ہم نوا ہوگئی۔

''آپ ہی وہ خاتون ہیں...... جنہوں نے شکایت کی تھی کہ ان کی پلیٹ میں بھنے ہوئے گوشت پر بال نظر آرہے ہیں؟''

''میں ڈان سے نہیں ملی لیکن آپ نے میرے ذہن میں اس کی جو تصویر بنائی ہے، وہ اس حرکت سے میل نہیں کھاتی۔ میرے خیال میں اسے کھرا آدمی ہونا چاہیے۔ اسے آپ پر کوئی شک ہے تو وہ آپ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتا؟''

''یہ اس کی مجبوری ہے۔ وہ میرے ہاتھ سے راجن کا خاتمہ کرانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔'' چوری چھپے میرے خلاف چھان بین کررہا ہے۔ اسے اندیشہ ہوگا کہ اس نے مجھ سے براہِ راست کوئی پوچھ گچھ کی تو میں بھڑک جاؤں گا۔''

''اب آپ کیا کریں گے؟'' اس نے الجھن آمیز انداز میں سوال کیا۔

''خاموش رہنا خطرناک ہوگا۔'' میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔'' ڈان سمجھ جائے گا کہ ہمارے دل میں کوئی چور ہے۔ میں پرزور انداز میں اس سے شکایت کروں گا۔''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہوگی کہ اس سے اسی کی شکایت کی جائے؟''

''میں اسے اپنے شبہات سے آگاہ نہیں کروں گا۔ میری شکایت کسی نامعلوم حریف کے خلاف ہوگی۔''

واقعہ تازہ تھا۔ شکایت کرنے میں تاخیر مناسب نہیں تھی۔

میں نے جاؤفان کو درمیان میں لانے کا ارادہ ترک کر کے براہِ راست ڈان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

موبائل فون پر گھنٹی بجتے ہی وہ لائن پر آ گیا۔

وہ اس کے لیے میری پہلی فون کال تھی۔ جو غیر متوقع طور پر کی جا رہی تھی۔ اس نے اکھڑ اور غراتی ہوئی آواز میں کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا تھا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے رسانیت سے کہا۔

''اوہ! بولو، کیا بات ہے؟'' اس بار ڈان نے انگریزی میں جواب دیا۔ میری آواز سن کر اس کا لب ولہجہ نرم ہو گیا تھا۔

''آج غضب ہو گیا۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ پیچھے سے ایک بدمعاش عورت، پولیس والی بن کر میرے کمرے میں گھس آئی اور میری بیوی کو دھمکا کر، سامان اور کمرے کی تلاشی لے کر چلی گئی۔'' میں ایک سانس میں کہتا چلا گیا۔

''کیا وہ تمہارے کمرے سے کوئی چیز چرا کر بھی لے گئی ہے؟'' ڈان نے پرسکون لہجے میں دریافت کیا۔ اس نے میری شکایت پر کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری بیوی کی نظریں بچا کر کچھ لے گئی ہو۔ سامان کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد پتا چل سکے گا کہ کیا کیا غائب ہے۔''

''واقعہ افسوسناک ہے لیکن تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں......''

''ڈان! میں بہت پریشان ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ کون تھی...... کس مقصد سے آئی تھی...... اسے کس نے بھیجا تھا؟ ان سوالوں نے مجھے بے چین کیا ہوا ہے۔''

''تم صرف میرے دشمن پر نگاہ رکھو۔ تمہارے ان سب مسائل کے ذمے داری مجھ پر ہے۔ میں تم کو پورا تحفظ فراہم کروں گا۔ اپنا سامان چیک کر کے مجھے بتاؤ کہ وہ کچھ لے تو نہیں گئی۔ کوئی چیز غائب ہے تو وہ تمہیں شام سے پہلے واپس مل جائے گی۔''

ڈان کا جواب واضح نہیں تھا لیکن ذومعنی تھی۔ میری کسی بھی گم شدہ چیز کے واپس دلوانے کا وعدہ کر کے اس نے میرے شبہے کو تقویت دی تھی۔

جاؤفان کا اس سے دم نکلتا تھا مگر میری بات مختلف تھی۔ وہ کتنا ہی سفاک اور خون خوار رہا ہو میں نے اس کی انا سے کھیل کر اسے اس حد تک اپنی مٹھی میں لے لیا تھا کہ وہ میری کسی دوٹوک بات کا برا نہیں مناتا تھا۔ وہ گول مول باتیں کر کے مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اس سے سچ اگلوا کر رہوں گا۔

میں نے کہا۔ ''ڈان......! یہ لاکھوں کی آبادی کا شہر ہے، تم اس بدمعاش عورت کو کہاں ڈھونڈو گے؟ مجھے اس کا سراغ بتاؤ یا اپنے شبہے سے آگاہ کرو۔ میں خود اس کی آنتیں نکال کر سیلرز بار پہنچا دوں گا، میں اپنے دشمنوں کا لہو پی جانے کا عادی ہوں۔''

''اس چھوٹے سے معاملے پر اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میرے سخت جواب پر اس نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''جب میں نے کہہ دیا ہے تو اسے میں دیکھ لوں گا۔''

''تمہارے ذہن میں کوئی خیال سر ابھار رہا ہے تو مجھے بھی اس میں شریک کرلو!''

''علی......! تم بہت ضدی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ سامے نے تمہارے سامان میں سے کوئی چیز نہیں اٹھائی ہوگی۔ وہ آئی اور چلی گئی۔ تم کو اسے بھول جانا چاہیے۔''

''اوہ......! تم اس کا نام بھی جانتے ہو!'' میں نے تحیرزدہ لہجے میں کہا۔

''میں بلاوجہ کوئی بات نہیں کہتا۔'' اس کی تحکمانہ آواز سرد ہوگئی۔ ''یہاں کس کی مجال ہے جو اس طرح تمہارے کمرے میں گھس سکے۔ سامے کو میں نے بھیجا تھا!''

ڈان کے وہ الفاظ سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ آخر کار میرا شبہ درست ثابت ہوا تھا۔

''مگر کیوں؟'' میں نے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ ''اس نے میری بیوی پر ہیروئن کی اسمگلنگ کا گھناؤنا الزام لگایا تھا...... اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''اپنی ضرورتوں کو میں تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔'' ڈان نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''تم بہت دلیر اور بے خوف جوان ہو میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے مجھ سے سامے کی شکایت کر دی۔ خاموش رہتے تو مجھے کوئی دکھ دینے والا فیصلہ کرنا پڑ جاتا۔ اب سب ٹھیک ہے۔''

فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں ڈان کو کیا جواب دوں۔ ایک طرف وہ میرا مربی اور سرپرست بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف میرے خلاف عجیب وغریب سازشیں کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے ایک لاکھ بھات کی گڈی کا انعام دے رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے سامے کو میرے کمرے میں گھسنے کے اشارے دے رہا تھا۔ اس کے دل میں کیا تھا۔ میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پر اسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تمائی

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ثام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ ہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آرہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔

اب آپ قسط نمبر 249 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''ڈان! تمہاری باتیں بہت عجیب و غریب ہیں۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں، تھکی ہوئی آواز میں کہا ''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''زیادہ سوچنے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' ڈان کی طرف سے خشک لہجے میں جواب آیا ''آدمی کو اپنی بساط سے بڑھ کر نہیں سوچنا چاہیے۔ جب میں نے تم سے کہہ دیا کہ ساسے کو میں نے تمہارے کمرے میں بھیجا تھا، وہ کسی کی جاسوسہ نہیں تھی تو تم کو وہ قصہ بھول جانا چاہیے۔''

''ڈان! میں کوئی روبوٹ نہیں ہوں۔'' میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں التجا کی ''جس وقت تم میری کارکردگی پر خوش ہو کر، چاؤفان کی گاڑی میں مجھے ایک لاکھ بھات کے نوٹوں کی گڈی انعام میں دے رہے تھے، شاید عین اسی وقت ساسے میری بیوی پر ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کا الزام لگا رہی تھی۔ یہ تضاد میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''کوئی تضاد نہیں ہے۔'' ڈان نے کسی جھجک کے بغیر، فوری طور پر جواب دیا ''تم نے اپنی کامیابیوں سے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے لیکن آج تک تم جیسے کسی اور آدمی سے ملنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہ بات مجھے الجھا رہی تھی کہ باہر سے آیا ہوا ایک بے سروسامان پردیسی، چھوٹا راجن کو کیسے ناک چنے چبوا سکتا ہے۔ چاؤفان سے جب بات کرتا ہوں، وہ تمہارے قصیدے پڑھنے لگتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے نے مجھے تمہاری طرف سے شبہے میں ڈال دیا تھا اور میں نے تمہیں آزمانے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ چالاک لوگ تمہارے ساتھی ہوتے تو ساسے ان کے ہاتھوں ماری جاتی۔ اسے میں نے چارا بنایا تھا۔ وہ تمہاری بیوی سے چھیڑ چھاڑ کر کے، صحیح سلامت لوٹ آئی۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھ سے اس واقعے کا بلاتاخیر ذکر کر دیا۔ تم خاموش رہتے تو میرا ذہن صاف نہ ہوتا۔''

''تو یوں کہو کہ تم میرا امتحان لے رہے تھے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''تم جو چاہو سمجھتے رہو، میں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔''

''یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''اب اسے ختم ہی سمجھو۔ تمہارا دامن بے داغ ہے۔ تم اکیلے رہ کر بھی وہ سب کر سکتے ہو جو چاؤفان جیسے پچاس آدمی

مل کر نہیں کر سکتے۔''

''تم اس کی تذلیل کر رہے ہو۔''

''سچ صرف سچ ہوتا ہے۔ اس سے کسی کی تذلیل ہوتی ہے نہ توہین۔ میں بتا چکا ہوں کہ وہ دل سے تمہارا گرویدہ ہو چکا ہے۔ اس موازنے کا وہ بھی برا نہیں مانے گا۔''

''تم نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے۔ مجھے اپنی رفتار دھیمی کرنا ہوگی۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا'' پھر کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگئی تو تمہیں شبہ ہوگا کہ کچھ نامعلوم آدمی میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ کوئی نیا امتحان میرا مقدر بن جائے گا۔''

''شٹ اَپ!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے بجائے محبت تھی ''بعض لوگوں کو قدرت بہت زیادہ حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ اپنی راہ میں آنے والی کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔''

''لیکن اب بھی تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔'' میں نے موقع پا کر چٹکی لی۔

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟'' ڈان نے کسی برہمی کے بغیر پوچھا۔

''تم نے ہمارے پاسپورٹ روکے ہوئے ہیں۔'' میں نے بے دھڑک ہو کر کہہ دیا ''تمہیں اندیشہ ہے کہ میں خاموشی سے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ ہلٹن ہوٹل چھوڑنے کا واقعہ بہت سیدھا سا تھا مگر وہ تمہارے دماغ میں جم کر رہ گیا ہے۔''

اس وقت میں نے پہلی مرتبہ اس موضوع پر ڈان سے کھل کر بات کی تھی۔ اس سے پہلے میں چاؤ فان سے جو کچھ کہتا رہا، وہ پوری طرح ڈان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ چاؤ فان نے اس سے اتنی وضاحت ضرور کر دی تھی کہ ہوٹل بدلنے کا ابتدائی مشورہ اسی کا تھا۔

ڈان نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر ڈان کی بھاری اور تفکر آمیز آواز سنائی دی ''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم جیسا شیر دل آدمی میدان چھوڑ کر بھاگے گا۔ تم گہری باتیں کرتے ہو، دوسروں کی کہی ہوئی باتوں کے بھی گہرے معانی نکالتے ہو۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے پسِ پردہ رہنے پر مجبور ہوں، تمہارا واسطہ چاؤ فان سے ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر ایک خرابی بھی ہے۔ وہ سطحی سوچ والا آدمی ہے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں آتا ہے، وہ بک دیتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب اس کی کہی ہوئی کوئی بات تمہیں بری لگ جائے اور تم خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔''

اس طویل وضاحت کے بعد ڈان لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''یہ لڑائی تم نے چھیڑی ہے، چھوٹا راجن کے پاؤں کسی بھی وقت اکھڑ سکتے ہیں۔ اس نے پیٹھ نہ دکھائی تو وہ جلد ہی تمہارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ یہ نوشتۂ دیوار مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ چاؤ فان کی کسی حماقت کی وجہ سے میں جیتی ہوئی یہ بازی ہار جاؤں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں رہنے دو۔''

ڈان جیسے انا پرست کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو مسترد کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ گفتگو براہِ راست ہم دونوں کے درمیان ہو رہی تھی، بیچ میں چاؤ فان یا کسی اور کا دخل نہیں تھا۔ اس لیے ڈان تقریباً خوشامد کی حد تک آ گیا تھا۔ میں نے عارضی طور پر پاسپورٹوں کو بھول جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''یہ صرف تمہاری نہیں، میری بھی جنگ ہے۔ میں چاؤ فان یا کسی اور کی کسی بے وقوفی کی وجہ سے اس سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں چھوٹا راجن کو فنا کرنے کے لیے پاکستان سے یہاں آیا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں میں تم سے ٹکرا گیا۔ تم نہ ملے ہوتے تو میں تنہا اس خبیث کو اس کے کیفرِ کردار کو پہنچاتا یا خود بھی یہیں پیوندِ زمین ہو جاتا۔''

''گڈ! میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری سمجھ گئے ہو گے۔ اب ہم دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔''

''اب تم میری زبان سے پاسپورٹوں کا ذکر نہیں سنو گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

ڈان نے فون بند کر دیا۔ میں نے بے دلی سے لائن منقطع کر کے اپنا موبائل فون مسہری کے سرہانے رکھ دیا۔

میری دانست میں وہ گفتگو رائگاں گئی تھی۔ میں ڈان سے اپنی بات منوانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ میری زبان سے سامے نامی لڑکی یا عورت کی شکایت سن کر ڈان کو میری نیت اور ارادوں پر کامل یقین آ گیا تھا۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا، وہ بس ہوتا چلا آیا تھا۔ میری کوششوں کے ساتھ کچھ غیبی عوامل بھی کارفرما تھے جن کے نتیجے میں سوبھراج جیسے فتنے سے ناقابلِ یقین انداز میں چھٹکارا حاصل ہو چکا تھا۔ میں نے ڈان اور چاؤ فان کی بے خبری کا فائدہ اٹھا کر، موتی محل میں ہونے والے دھماکے کا کریڈٹ

کسی نہ کسی طرح قبول کر ہی لیا تھا۔ اس بارے میں اصل حقیقت کا مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔ حالات کی روشنی میں، میں نے امریکیوں کے ملوث ہونے کا جو نظریہ اپنایا تھا، وہ میرے اندازے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں تگ ودو کرنا تھی تاکہ راجن کا تیسرا دشمن میری نگاہوں میں آجائے اور میں اس سے کوئی گٹھ جوڑ کر کے راجن کا کام تمام کرسکوں۔

قرائن یہ بتا رہے تھے کہ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی راجن سے پنجہ آزمائی کرنا پڑے گی۔ اس کانٹے کو راہ سے ہٹائے بغیر ڈان سے پاسپورٹوں کی بازیابی ناممکن نظر آرہی تھی۔

ان پاسپورٹوں کو بھول کر میں صرف پاکستان کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرسکتا تھا۔ وہاں سے آنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں تھیں۔

دشمن تو ایک طرف تھے، حالات کچھ اس نہج پر چل پڑے تھے کہ غیر دل لے دباؤ میں آکر اپنوں نے بھی میرا کھوج لگانا شروع کردیا تھا۔ میرے ذمے دار ہمدردوں کا کہنا تھا کہ میری تلاش کی وہ مہم رسمی تھی جو کاغذوں کا پیٹ بھرنے کے لیے جاری تھی لیکن کون کس کے ذہن کو پڑھ سکتا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ باتیں میری اشک شوئی کے لیے کہی جارہی تھیں۔

میرے اندرونِ خانہ کردار سے وہی لوگ واقف تھے جو مجھ سے بہت قریب تھے۔ عام سرکاری اہلکاروں اور لوگوں کو تصویر کا وہی رخ معلوم تھا جس کی تشہیر کی جارہی تھی۔ بے خبری کے باعث پاکستان کا کوئی بھی عام شہری میرے لیے ایک سنگین خطرہ بن سکتا تھا۔ ایسی صورت احوال میں میرے لیے اپنے ملک کا رخ کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

بنکاک سے کسی اور ملک کا رخ کرنے کے لیے پاسپورٹوں کا حصول ناگزیر تھا جن پر جلال کی پیش بینی کے سبب کئی ملکوں کے ویزے لگے ہوئے تھے۔ ڈان سے فون پر ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے نتیجے میں میری ہر خوش گمانی دور ہوچکی تھی۔ ڈان نے واضح کردیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹوں کی واپسی، راجن کے انجام سے مشروط ہوچکی تھی۔

میں بنکاک میں رک کر کسی نئے بکھیڑے میں الجھنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ جلال اور اول خان نے مجھے پاکستان کے مخدوش حالات کی بنا پر روپوشی اختیار کرنے کے لیے بنکاک بھیجا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں سوبھراج کو اپنا ہدف بنایا ہوا تھا۔ یہ اس کی بدنصیبی یا میری خوش نصیبی تھی کہ وہ ہر طرف سے ہراساں ہونے کے بعد وہیں آپہنچا اور لوپ بوری کے جنگل میں خاموشی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

وہ ہدف حاصل کرلینے کے بعد میرا بنکاک میں رکنا بے سود تھا۔

وہ میری ذاتی رائے تھی جس سے ڈان کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا۔ میں سوبھراج کے خون کا پیاسا تھا، اسے راجن سے نفرت تھی۔ اس کا تعاون حاصل کرنے کے لیے میں نے اس کی اسی نفرت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب مجھے ناچار، راجن کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا تھا تاکہ ڈان کی تسلی ہوسکے اور ہمیں بنکاک سے کہیں اور روانگی کا پروانہ مل سکے۔

اس بارے میں غزالہ کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں ڈان سے تصادم کی راہ اختیار کر کے کچھ بھی حاصل نہ کرسکوں گا۔ وہی توانائی راجن کے خلاف استعمال کر کے میں ڈان کا دل جیت سکتا تھا۔

فیصلہ ہوگیا لیکن مجھے فوری طور پر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

راجن کوئی آسان شکار نہیں تھا۔ بنکاک میں اس کی رہائش گاہ کسی قلعے سے کم نہیں تھی۔ وہاں کے حفاظتی حصار کو توڑ کر اندر گھسنا ناممکنات میں سے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر کے کسی آدمی نے موتی محل میں گھس کر دھما کا نہیں کیا ہوگا، امریکیوں نے اندر افراتفری کی صورتِ حال پیدا کرنے کے لیے اندر ہی کے کسی آدمی کو استعمال کیا ہوگا۔ ڈان کو بھی معلوم تھا کہ موتی محل کے دفاعی حصار میں دراڑ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راجن دو سال سے اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ اس نے بتدریج طاقت حاصل کر کے، زیرِ زمین دنیا میں اقتدار کا خلا پر کیا تھا۔ ڈان کی چھوڑی ہوئی جگہ پر قابض ہونے کے بعد وہ مزید مستحکم ہوگیا تھا۔

گھر میں گھس کر اسے مارنے کا خیال احمقانہ تھا۔ وہ باہر نکلتا تھا تو اس کے بھارتی نژاد، مسلح محافظ اسے اپنی گھیرے میں لیے رہتے تھے۔ مسلح لڑاکا افراد کے ایک جتھے کے بغیر، اس پر وار کرنا مشکل تھا۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر خون ریزی ناگزیر ہوتی۔ لے دے کر راجن کے کاروباری اڈے ہی رہ جاتے تھے جنہیں آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔

گولڈن ڈریگن اور دیگر ٹھکانوں کے واقعات پرانے نہیں تھے۔ ان کو بار بار نشانہ بنا کر راجن کے گھناؤنے کاروبار کو تباہ کیا جاسکتا تھا لیکن ذاتی طور پر اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچانا مشکل تھا۔ وہ باقاعدگی سے اپنے کسی ٹھکانے پر نہیں بیٹھتا تھا۔ دن میں کسی بھی وقت، اپنے مسلح چیلوں کے حصار میں وہاں آتا اور چلا جاتا تھا۔

میں ان ٹھکانوں پر بے معنی کشت و خون کے حق میں نہیں تھا۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ راجن سے لڑائی میں ڈان بھی بے گناہوں کے خون سے دامن آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ دشمن میرے سامنے تھا' میں اس پر حملہ نہیں کرسکتا تھا۔

اس ادھیڑ بن میں غزالہ کے ساتھ بحث اور تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اچانک مجھے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا خیال آیا۔

سوبھراج اسے اپنی جان کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ کئی مواقع پر اچانک فرار ہوتے ہوئے بھی اس نے سیٹ لائٹ فون کو اپنے ساتھ لے جانے کا دھیان رکھا تھا۔ اس مواصلاتی آلے کے ذریعے وہ دنیا کے ہر گوشے میں دوسروں سے رابطے میں رہ سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ موتی محل سے لوپ بوری کی طرف جاتے ہوئے وہ اسے ساتھ لے جانا نہیں بھولا ہوگا۔ ریسٹ ہاؤس سے اسے یکایک بھاگنا پڑا۔ وہاں موت اس کے سر پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ اپنا سیٹ لائٹ فون اپنے ساتھ لیتا۔ اس کی عبرت اثر لاش کے قریب ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی تھی جس سے یہ شبہ ہوتا کہ اپنی زندگی کے آخری فرار میں سیٹ لائٹ فون اس کے ساتھ تھا۔

سوبھراج کی موت کے بعد وہ اپرٹیس پولیس یا پھر راجن کی تحویل میں ہونا چاہیے تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ راجن کے گرگوں نے اپرٹیس ریسٹ ہاؤس سے اڑا لیا ہو۔ وہ مل جاتا تو پولیس کو تفتیش کے نتیجے میں یہ سراغ مل سکتا تھا کہ مرنے والا شرما نہیں' سوبھراج تھا۔

لوپ بوری کے مضافاتی جنگل سے ملنے والی لاش کے بارے میں کہیں سے یہ خبر نہیں آئی تھی کہ متوفی کی شناخت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ اسے راجن کے بیان کے مطابق شرما تسلیم کرلیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہورہا تھا کہ سیٹ لائٹ فون راجن کے قبضے میں تھا۔

میرے پاس اس کے دوسرے نمبر بھی موجود تھے جن پر اس سے رابطہ کیا جاسکتا تھا لیکن سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ بہت معنی خیز ہوتا۔ اگر وہ میری کال وصول کرلیتا تو میں اسے یہ دھمکی دے سکتا تھا کہ میں اس کے جھوٹ سے باخبر ہوں۔ اس نے امریکیوں سے جھوٹ بول کر سوبھراج کو موتی محل سے نکالا' وہ مارا گیا تو اس نے سوبھراج کو شرما قرار دے کر اپنے پہلے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کی۔

یہ نکتہ ایسا تھا کہ اس سے کوئی نئی راہ نکل سکتی تھی۔ اس بارے میں' میں نے سرسری طور پر اسد سے بات بھی کی تھی مگر میرے بڑھتے ہوئے ذہنی خلفشار کی وجہ سے وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی میرا یہی خیال تھا کہ مجھے ایک بار سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملا کر آزمانا چاہیے کہ دوسری طرف سے کون لائن پر آتا ہے۔

وہ ایک بے ضرر سی تجویز تھی جس سے کوئی نئی راہ کھلنے کی امید نظر آرہی تھی۔ اس فون پر راجن سے رابطہ قائم کرنے میں ناکامی ہوتی تو ہمیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ غزالہ کی سوچی سمجھی رائے تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اس معاملے کو دو فقروں میں سمیٹ دیا تھا۔ میں نے اسی وقت طبع آزمائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اس وقت بنکاک میں شام نہیں ڈھلی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر' فضا میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سہ پہر کو آرام کے عادی امیر زادوں اور نو دولتیوں کے لیے وہ فرصت کا وقت تھا۔ میں نے غزالہ سے مشورہ کرکے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملالیا۔

جب ابتدائی گھنٹیوں پر کوئی جواب نہیں ملا تو میرے اس یقین میں پختگی آگئی کہ وہ فون پولیس کی تحویل میں نہیں تھا۔ پولیس اس پر قابض ہوتی تو کسی نئے شکار کے پھنسنے کی امید پر' پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا جاتا۔ رابطے میں تاخیر سے ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج کے فون میں بجنے والی' بے وقت کی گھنٹیوں نے دوسرے آدمی کو پریشان کردیا تھا۔

میں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ ساتویں گھنٹی پر دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے سکوت ہوا پھر ایک دبی دبی اور تفکر آمیز' مردانہ غراہٹ سنائی دی ''کون ہے؟''

میرے کانوں کے لیے راجن کی آواز اجنبی نہیں رہی تھی۔ بولنے والے کی آواز اس سے مختلف تھی۔ میں نے نرمی سے کہا ''فون راجن کو دے دو۔''

''استاد! تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہے!'' میرے کانوں میں وہی آواز' ذرا مدھم ہوکر آئی۔ میرے غیر متوقع فون نے ان لوگوں کو اتنا بوکھلا دیا تھا کہ اس نے اپنے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر شاید راجن کو میرے پیغام سے آگاہ کیا تھا۔

''بول! کیا کام ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد راجن کی آواز آئی۔

''بدتمیزی میں' میں تمہیں بری طرح ہرا سکتا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم ڈھنگ سے بات کرو'' میں نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھی۔

''اپنے ممبئی میں سب ایسا ہی چلتا ہے۔ تُو بولتا ہے تو اپن خیال رکھے گا۔'' جواب دیتے ہوئے وہ اپنے بے ساختہ انداز پر قابو نہیں رکھ سکا ''تم کون بولتا ہے؟''

اسے اپنے سیٹ پر نمودار ہونے والے نمبر سے میرے بارے میں علم ہو چکا تھا مگر وہ انجان بن رہا تھا۔ میں نے کہا ''میں ڈینی بول رہا ہوں۔''

''میرے کو معلوم ہے۔ میں تم کو آزما رہا تھا۔ تم کدھر ہو؟'' اس بار وہ محتاط رہا۔

''میں بنکاک آ چکا ہوں۔ تم سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔'' میں نے ذو معنی لہجے میں کہا ''تم نے یہ کال سن کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے سب کچھ پہلے سے معلوم تھا۔ فون سن کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ سوبھراج' شرما کے نام سے نرگباش ہو چکا ہے اور اس کا فون اب تمہارے استعمال میں آ رہا ہے۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔ مرنے والا نرائن پرشاد شرما تھا۔ سوبھراج نے یورپ جاتے ہوئے یہ فون میرے پاس رکھوایا ہے۔''

''وہ یہاں سے اچانک یورپ کیوں چلا گیا' پیارے؟''

''اپنے معاملات وہ خود جانتا ہے۔'' اس بار راجن کی آواز میں ہلکی سی برہمی نمایاں تھی ''تمہیں معلوم ہے کہ اسے کئی لوگوں سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔''

''مجھ سے زیادہ یہ بات تم جانتے ہو کہ وہ ایف بی آئی والوں سے بری طرح خوف زدہ تھا۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا ''انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ سوبھراج کو تم نے یورپ بھیجا ہے تو وہ ہر قیمت پر تم سے اس کا یورپ کا پتا جاننا چاہیں گے۔''

''کک...... کیوں!'' میری بات سن کر وہ بوکھلا گیا ''میں اس کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جدھر منہ اٹھا' اسی طرف چل دیا۔''

''اس کے لیے تم ماضی کا صیغہ استعمال کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کے ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی۔''

''تم خود اس کی جان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اب تمہیں اس کی فکر کیوں ہو رہی ہے؟''

''اس کے بعد اب مجھے تمہاری فکر ہے' اس لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مان لو کہ اب سوبھراج زندہ نہیں ہے۔ تمہارے ڈرائیور کو مار کر میرے آدمی نے اسے لوپ بوری کے گیسٹ ہاؤس میں گھیر لیا تھا۔ وہ وہاں سے نہ بھاگا ہوتا تو اتنے برے انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ بھیڑیے کسی برے سے برے انسان سے بھی بدتر اور زیادہ خودغرض ہوتے ہیں۔''

''تم مجھے یہ سب کیوں سنا رہے ہو؟'' اس کی آواز سے ہلکا سا خوف جھلکنے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ اب تم بے لگام نہیں رہے۔ تمہارے منہ میں لگام پڑ چکی ہے جس کا دوسرا سرا میرے ہاتھ میں ہے۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کو تمہاری شامت یہاں لائی ہے۔''

''ایف بی آئی والوں کو یہ جان کر صدمہ ہوگا کہ تم نے ان کے بھیجے ہوئے فوجیوں سے سوبھراج کے بارے میں سفید جھوٹ بولا اور اسے موتی محل کے پچھلے راستے سے نکال دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ بعد میں وہ بھیڑیوں کی خوراک بن گیا۔''

''انہیں یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ اس وقت تم بنکاک میں ہو۔ تم مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے ان سے میری اَن بن کرانے کی کوئی کوشش کی تو تم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکو گے۔'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

''تم سے زیادہ انہیں کون جان سکتا ہے!'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا ''مجھے معلوم ہے کہ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے زرخرید ہو۔ اس کو پاکستان میں پالا گیا۔ تمہیں ممبئی سے لا کر بنکاک میں پالا پوسا گیا ہے۔''

''اپنی زبان بند رکھو!'' فون پر راجن کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ میرا اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے کسی دشمن نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔''

اس کی کمزوری بھانپ کر میں نے کہا ''سوبھراج تمہارا دشمن نہیں تھا۔ یہ نہ بھولو کہ اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھ سے ٹکرانے سے پہلے وہ میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ تم دونوں ایک دوسرے کے رازداں..... اور امریکیوں کے ایجنٹ تھے......''

''تم جھوٹے ہو' تمہاری ان باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔'' وہ میری بات کاٹ کر اضطراری انداز میں بول پڑا۔

''مجھے یہ باتیں کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایف بی آئی والوں کو سچ اور جھوٹ کا علم ہے۔ وہ تمہاری کہانی میری زبانی سنیں گے تو اس پر بلا عذر ایمان لے آئیں گے۔

انہیں رنج ہوگا کہ تم دونوں نے رازداری کے حلف کی خلاف ورزی کر کے مجھے ہر بات بتادی...... راجن! یہ یاد رکھو کہ وہ خونی درندے ہیں۔ وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔"

لائن پر سکوت چھا گیا۔ میری کہی ہوئی باتوں نے اسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ سوچ کر کچھ کہتا' میں نے اپنی بات دوبارہ شروع کر دی "مجھے اس کی پروا نہیں کہ تم میرے خلاف کیا کہتے ہو' میں اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہوں۔ وہ میرے صورت آشنا ہیں نہ میرے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ انہوں نے برسوں سے میرے خلاف اپنے بہت سے وسائل جھونکے ہوئے ہیں پھر بھی وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم ایک جانے بوجھے آدمی ہو جسے وہ ہر وقت اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ تم میری طرح روپوشی اختیار نہیں کر سکتے' اپنی بے اندازہ دولت اور آسائشوں کو بھول کر خانہ بدوش بن جانا بہت مشکل کام ہے۔ میرے ایک اشارے پر تمہاری زندگی عذاب بن جائے گی۔"

"تم...... تم خوفناک بلیک میلر ہو۔" اس کی آواز غصے اور خوف کے امتزاج سے کانپ گئی' وہ کہہ رہا تھا "تم نے اپنے ان ہی حربوں سے سوبھراج کی زندگی برباد کی اور اب میرے پیچھے پڑ گئے ہو' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو!"

"جہاں سے آئے ہو' خاموشی سے وہیں لوٹ جاؤ۔ یہاں سے اپنا سب کچھ سمیٹ لو۔"

"یہ ظلم ہے تم دیوانگی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"انہیں مان لو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تمہیں اپنے قاتل کا انتخاب کرنے کی آزادی ہوگی۔ امریکی اور پاکستانی دونوں تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔"

"تم بلیک میلر ہو تو مجھ سے اپنی زبان میں بات کرو۔ میں تمہیں رقم دے سکتا ہوں' عورتیں فراہم کر سکتا ہوں' جو کچھ میرے بس میں ہے کروں گا' مجھ سے ناجائز مطالبے مت کرو۔"

"راجن! کم از کم رتبے کا خیال کرو۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم نے کول کتے کا سونا گھانچی بازار دیکھا ہوگا۔ وہاں کا ایک معمولی دلال بھی عورتیں فراہم کر سکتا ہے۔ خاموشی سے اپنی دنیا' اپنے وطن میں لوٹ جاؤ یا دوسری دنیا میں جانے کی تیاری کر لو۔"

"تم اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو' باخبر ہونے کے دعوے کر رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی اپنی مرضی سے ان کی صفوں میں جاتا ہے لیکن ان کی مرضی کے بغیر واپس نہیں لوٹ سکتا۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکستہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی مرضی سے ممبئی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سوبھراج کے تجربات میرے سامنے ہیں۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ آخرکار اس نے اپنی زبان سے بالواسطہ طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے امریکی ایجنٹوں کی صف میں شامل ہوا تھا۔ ان بے ضمیر لوگوں نے اپنے اثر رسوخ کے ذریعے سوبھراج کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھایا اور راجن کو بدمعاشی کے فن میں ایسے گر سکھائے کہ وہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔

اس سے فون پر بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ ڈان کے لیے راجن کی زندگی یا موت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی خواہش صرف اتنی تھی کہ راجن اس کے لیے بنکاک کا میدان خالی کر دے تاکہ وہ اطمینان سے دوبارہ اپنا منصب حاصل کر سکے۔ ڈان نے اپنی بیوی کی بدسلوکی سے دل برداشتہ ہو کر از خود گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ اس کے اچانک منظر سے غائب ہونے سے امریکیوں کو کھلا موقع مل گیا کہ وہ راجن کو ممبئی سے وہاں لا کر بدمعاشوں کا سرغنہ بنا دیں۔ اگر راجن ممبئی واپس چلا جاتا تو ڈان کا مطلب پورا ہو سکتا تھا۔ وہ جس طرح غائب ہوا تھا اسی طرح بنکاک میں دوبارہ اپنی بادشاہی قائم کر سکتا تھا۔

ڈان کو منطقی طور پر آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے تھا' پیڑ گننے سے نہیں۔ یہ میرا اپنا طریقہ کار ہوتا کہ میں راجن کو کیسے پس منظر میں دھکیلتا ہوں۔ اگر راجن کسی مار دھاڑ اور کشت و خون کے بغیر پسپا ہونے پر آمادہ ہو جاتا تو میرا کام بہت سہل ہو جاتا۔

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں' مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" میں نے لاتعلقانہ انداز میں جواب دیا "میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔"

میری کھلی کھلی باتیں سن کر اس کا سارا دم خم رخصت ہو گیا تھا اور وہ مدافعانہ انداز پر اتر آیا تھا۔ وہ دیر تک بحث کر کے مجھے اپنی مجبوریاں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے بھی جان بوجھ کر اس بحث کو خاصا طول دیا کیونکہ اس کے نتیجے میں راجن کی متعدد چھوٹی چھوٹی کمزوریاں میرے علم میں آ رہی تھیں۔ اس کے لیے میرا آخری جواب نفی میں تھا۔

''تم بہت بڑا مطالبہ کررہے ہو۔ میں گن پوائنٹ پر اس کا جواب نہیں دے سکتا'' آخر کار اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا ''مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔''

میں نے اسے فون کیا تو میرے ذہن میں اس کی پسپائی کا کوئی موہوم ترین امکان بھی نہیں تھا۔ بات سے بات نکلی تو نکلتی چلی گئی اور وہ مجھ سے مہلت طلب کرنے پر مجبور ہوگیا۔

میرے لیے وہ مفت کی کامیابی تھی' مہلت کے معاملے پر مجھے پھر اسے رگڑنے کا موقع مل گیا۔ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر میں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دے دیا۔

راجن میرے اصرار کے باوجود وقت کے تعین پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوا۔ اس کے پاس معقول عذر موجود تھا کہ تھائی لینڈ میں اس کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا' اپنی سرمایہ کاری سمیٹنے سے پہلے اسے اپنے دوستوں کے تیوروں کا جائزہ بھی لینا تھا۔ وہ کام ایک دو روز میں مکمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا۔

اس کے پاس میرا نمبر محفوظ تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ کسی بھی فیصلے پر پہنچتے ہی وہ خود مجھ سے رابطہ کرے گا۔ اسی کے ساتھ اس نے التجا کی کہ میں سوبھراج کی موت کا راز اپنی ذات تک محدود رکھوں۔ کسی غیر متعلق آدمی کو اس کی بھنک بھی مل جاتی تو اس کے لیے سنگین مسائل پیدا ہوجاتے۔

میں نے اس پر احسان جتانے کے لیے' اس کی وہ التجا بھی قبول کرلی' باتوں کی روانی میں' میں نے اسے راز فاش کرنے کی دھمکی دے دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں خود وہ راز فاش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سوبھراج کی موت کی خبر پھیلنے کے نتیجے میں جو عالمی ردِعمل سامنے آتا' وہ کسی بھی طرح پاکستان کے لیے سودمند نہیں ہوسکتا تھا۔

راجن خالص اور پیشہ ور بدمعاش تھا جو منشیات' جوئے اور جسم فروشی جیسے گھناؤنے دھندوں سے اپنی روزی کماتا تھا اور ان ہی دھندوں کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھا' سوبھراج کے قتل کی رازداری میں مضمر باریکیوں کا اسے مطلق اندازہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ بھانڈا پھوٹ گیا تو وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے اپنے دباؤ میں رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ہماری مجبوریوں کا اندازہ نہ ہوسکے۔

اس نے گفتگو کی ابتدا بدکلامی سے کی تھی۔ اختتام پر وہ میری نرمی اور معاملہ فہمی کا گرویدہ ہوچکا تھا۔ میں نے اس کی خواہش پر اسے سوچنے کی مہلت دے دی تھی لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی طرح میری بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اپنے مقام سے یکایک مراجعت اس کے لیے ناممکن تھی۔ وہ کسی طرح رضامند ہوجاتا تو اس کے آقا اسے واپسی کی اجازت نہ دیتے۔ انہوں نے اسے کسی خاص مقصد کے لیے بنکاک میں پروان چڑھایا تھا۔ وہ تجربے کار شکاری اپنے شکار کو آسانی سے جال کرنے کا موقع نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہوکر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے ڈان سے براہِ راست سامے کی شکایت کرکے اسے مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور کسی حد تک یہ بھی جتا دیا تھا کہ سامے والے واقعے کے بعد اسے میری نیت اور ارادوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ڈان آنکھیں بند کرکے کسی پر اعتبار کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے میری بددلی کے ازالے کے لیے کچھ یقین دہانیاں کرادی تھیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کی پابندی کرتا۔

مجھے شبہ تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی میری نگرانی کررہا ہوگا تاکہ بنکاک میں میرے پوشیدہ روابط کا سراغ لگا سکے۔ وہاں اسد کے سوا کہا ہی کون تھا' میں نے ڈان کو اسد کے کردار کے بارے میں خود ہی محتاط بریفنگ دے دی تھی۔ میں نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ میں بندرگاہ کا رخ کرکے' اپنے متعاقب کو یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ میں نے راجن کے خلاف اپنا کام پورے زور و شور سے جاری رکھا ہوا ہے۔

ہوٹل سے نکل کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور کرایہ طے کرکے بندرگاہ کی طرف ہولیا۔ وہ سفر خاصا طویل ثابت ہوا۔ بندرگاہ کا راستہ ڈان کے سیلرز بار کے سامنے ہوکر گزرتا تھا۔ معمول کے مطابق اس وقت بار بند تھا' ٹیکسی تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گئی۔

پورٹ کے ٹیکسی اسٹینڈ پر میں نے خود گاڑی رکوالی اور کرایہ ادا کرکے بےفکری سے نیچے اتر گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ بندرگاہ کے حسّاس اور ممنوعہ علاقے میں میرا داخلہ ممکن نہیں ہوگا۔

اس علاقے میں سو فیصد مقامیوں کا راج تھا۔ میں نے شہر میں لوگوں کی زندگی کے دو ڈھنگ دیکھے تھے۔ عام شہری ہر قسم کی خرافات سے دور رہ کر اپنے معمولات میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ دوسرا رخ شہر کے عشرت کدوں میں

نظر آتا تھا جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کی بھیڑ میں خال خال تھائی باشندے بھی عیش ونشاط کی محفلوں سے لذتیں کشید کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ بندرگاہ کے علاقے میں رنگ ہی کچھ اور تھا' صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کے ساتھ کثرت سے جفاکش تھائی' باشندے بھی نظر آرہے تھے جن کی پسینے میں نہائی ہوئی سرمئی پیشانیاں محنت کے نور سے چمک رہی تھیں۔ ٹی شرٹس کی آستینوں میں پھنسی ہوئی' ان کے کسرتی بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیاں ظاہر کررہی تھیں کہ ان کڑیل مردوں کا خمیر صرف اور صرف محنت سے اٹھا ہے' گودی کی شب وروز کی سرگرمیاں ان کے دم سے چل رہی تھیں۔

گردوپیش سے بے پروا ہوکر گزرنے والے وہ تھائی مزدور اپنے ان ہم وطنوں کی بھاری اکثریت کی نمائندگی کررہے تھے جنہیں عیش وعشرت اور آوارگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے زور بازو سے نہ صرف اپنی روزی کماتے تھے بلکہ اتنا کچھ کماتے تھے کہ اس کے بل پر ان کے وطن کا مراعات یافتہ طبقہ عیش کی زندگی بسر کررہا تھا۔

میں ستائشی نظروں سے ان لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ میری نگاہیں کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھیں جسے اختیار کرکے میں ممنوعہ علاقوں سے گزرے بغیر ساحل تک پہنچ سکوں۔

میں اپنی دھن میں چلا جارہا تھا کہ مجھے ایک سستے سے ریستوران سے چاؤ فان نکلتا ہوا نظر آیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور فضا میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف چلا آرہا تھا۔

میں ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ چاؤ فان نے اس ریستوران سے برآمد ہونے کی اداکاری کی ہے۔ درحقیقت وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

بنکاک جیسے وسیع اور گنجان آباد شہر میں دو مخصوص افراد کا یوں یک جا ہونا' کم ازکم میرے لیے حیرت ناک تھا۔ میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ چاؤ فان میرے قریب آیا اور والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

''ماسٹر! تم اس مشینی اور بدبودار فضا میں کہاں بھٹک رہے ہو...... تم پر پہلی نظر پڑی تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں یہاں موجود ہیں......''

میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا ''تمہارے پسینے کی بو خاصی ناگوار ہے' کوئی پرفیوم استعمال کیا کرو۔''

''اوہ ماسٹر! تم مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔'' اس نے دانت نکال دیے۔

''کاش! کوئی تمہیں شرمندہ کرسکے...... تم کب سے میرا پیچھا کررہے تھے؟'' میں نے اس کی مسرت کو نظرانداز کرکے خشک لہجے میں سوال کیا۔ میں نے اپنی سمت میں آگے چلنا شروع کردیا۔ چاؤ فان بھی میرے ساتھ ہولیا۔

''پیچھا کررہا ہوں!'' اس نے حیرت سے میرے الفاظ دہرائے پھر بولا ''ماسٹر! یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ میں بھلا تمہارا پیچھا کیوں کروں گا...... تم دیکھ رہے ہو کہ میرا پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا ہے' میں پچھلے دو گھنٹوں سے یہیں بھٹک رہا ہوں' پسینے کا خسارہ پورا کرنے کے لیے ریستوران سے بیئر کا ایک مگ پی کر باہر نکلا تو اچانک تم نظر آگئے۔''

''کیا میں تمہاری اس بات کا یقین کرلوں؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنا سر جھٹک کر بولا ''تمہاری سب سے بڑی خوبی یا خامی یہ ہے کہ تم سب سے پہلے ہر بات کے منفی پہلو کے بارے میں سوچتے ہو۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنا تمہارے مخاطب کی ذمے داری ہوتی ہے۔''

''یہ جانتے ہو تو اپنی یہاں موجودگی کا کوئی معقول سبب بتاؤ۔'' میں نے اس پر ایک گہری نظر ڈال کر ناپسندیدگی سے کہا۔

''میں چھوٹا راجن کے چکر میں یہاں آیا تھا۔'' اس نے چلتے چلتے اچک کر میرے کان میں سرگوشی کی ''مجھے معلوم ہے کہ بڑا آدمی اب اس کا وجود برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''تم کن سوئیاں لیتے پھرتے ہو یا بڑے آدمی نے اس بارے میں خود کچھ بتایا ہے؟'' میں نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت ہم لوگوں کی بھیڑ میں سے گزررہے تھے اس لیے میں نے بھی چاؤ فان کی طرح ڈان کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔ مجھے تجربہ ہوچکا تھا کہ اس بارے میں کسی بھی بے احتیاطی پر چاؤ فان ایک دم تیور بدل سکتا تھا۔

''دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا ''یہ میرا اندازہ ہے' تمہارے کارناموں نے اس کی توقعات میں اضافہ کردیا ہے۔''

''تمہیں پچھلی شام کو پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے

کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟'' چند ثانیوں تک خاموشی رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''کیسا واقعہ..... کیا ہوا تھا؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔

''جب میں تمہاری گاڑی میں بڑے آدمی کے ساتھ شہر کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا تو سامے نام کی ایک عورت نے ہوٹل پہنچ کر میری بیوی کو پریشان کیا تھا۔''

''کیا اس عورت نے تمہاری عورت کو اپنا یہی نام بتایا تھا؟'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔

اس کی زبان سے غزالہ کے لیے عورت کا لفظ سن کر مجھے سخت تاؤ آیا لیکن میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں نے اس بارے میں اسے تفصیل سے سمجھایا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ میرے ایما پر اپنی گفتگو کا بے ساختہ قرینہ بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔

''وہ لیڈی پولیس افسر بن کر آئی تھی' اس کا اصل نام بڑے آدمی نے بتایا ہے۔''

''تمہاری اس سے بات ہو گئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا ''سامے اس کی خاص اور چہیتی ورکر ہے۔ وہ کسی کام سے وہاں گئی ہو گی۔''

ڈان کا ذکر آ جانے کے بعد اس نے اس قصے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی' نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ پولیس افسر کے بھیس میں وہاں کیوں آئی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

''ماسٹر! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''تم ایک طرف چلے جا رہے ہو۔ رفتہ رفتہ ہم ویرانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تم پردیسی ہو۔ یہ علاقہ تمہارے لیے نیا ہے۔ سناٹے میں ٹھگوں کی کسی ٹولی سے سامنا ہو گیا تو ہم دونوں لٹ جائیں گے۔ مزید آگے جانا مناسب نہیں ہے۔''

دن دیہاڑے ٹھگوں کے ہاتھوں لٹنے کا تصور بہت توہین آمیز تھا لیکن چاؤ فان چکنا گھڑا تھا' اس نے بہت بے فکری سے وہ امکان ظاہر کر دیا تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''میں بھی یہاں اسی مقصد سے آیا ہوں جس کا تم ذکر کر چکے ہو۔''

وہ خوش ہو گیا ''ہم دونوں ایک جیسے انداز میں سوچتے ہیں' اسی لیے بڑا آدمی ہم سے بہت خوش ہے۔ آؤ کہیں بیٹھتے ہیں۔ میں تمہیں اپنی کارگزاری سناؤں گا۔''

اس وقت تک ہم پورٹ کے پرہجوم علاقے سے دور نکل آئے تھے۔ ہمارے آس پاس سے اِکّا دُکّا آدمی گزر رہے تھے۔

چاؤ فان نے چلتے چلتے کسی اونٹ کی طرح اپنا سر گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر اچانک داہنی طرف مڑ گیا جہاں ایک چھوٹا سا اجڑا ہوا پارک نظر آ رہا تھا۔

پارک اپنی زبانِ حال سے اپنے رکھوالوں کی غیر ذمے داری کی کہانی سنا رہا تھا۔ زرد اور خشک گھاس پر چلتے ہوئے ہم ایک تناور درخت کے سائے میں نصب آہنی بنچ پر جا بیٹھے۔ وہ خستہ حال پارک تقریباً ویران تھا۔ کہیں کہیں چند آوارہ گرد مقامی' درختوں کے سائے میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے نظر آ رہے تھے جنہیں ہم سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئے!'' بنچ پر بیٹھتے ہی چاؤ فان نے سوال کیا۔

''میں وائٹ ہاک کا جائزہ لینے آیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے' رسانیت سے کہا ''راجن کے پیر اکھاڑنے کے لیے اس بوٹ پر کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔''

''ماسٹر! تم کمال کی باتیں سوچتے ہو۔ میں بھی اسی بوٹ کی خیر خبر لینے کے لیے آیا تھا۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا ''مجھے سن گن ملی ہے کہ ایک دو روز میں چھوٹا راجن کا وہ بحری کلب چند دنوں کے لیے بند ہونے والا ہے۔''

''کیوں..... اسے بند کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سنا ہے کہ اسے مرمت اور دیکھ بھال کے لیے بند کیا جا رہا ہے۔ ابھی تک ان خبروں کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ میں اس چکر میں لگا ہوا تھا کہ تم نظر آ گئے۔''

''تم نے بتایا تھا کہ وہ بہت شاندار اور نئی بوٹ ہے۔ اس میں مرمت کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔''

''میں نے کہا نا کہ ابھی مجھے ابتدائی خبریں ملی ہیں' ان کی تصدیق باقی ہے۔''

''اگر عیاشی کا وہ اڈا چند روز کے لیے بند کیا جا رہا ہے تو اس سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''ماسٹر! تم ہی نے تو کہا تھا کہ وائٹ ہاک کو اڑایا تو اس

کے ساتھ بہت سے بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ اب موقع ملنے والا ہے۔''

''اسے گاہکوں کے لیے بند کیا جائے گا' عملہ تو موجود رہے گا۔''

''ہوٹل کا دھندا بہت گندا ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے وہ کھلے رہتے ہیں۔ جب ہر جگہ چھٹی ہوتی ہے تو وہاں کاروبار چمک اٹھتا ہے۔ یہی حال وائٹ ہاک کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ عملے کو بھی چھٹی دے دی جائے گی۔ وہاں گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔''

''تمہارے یہ اندازے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ ایک نئی بوٹ پر ایسا کیا کام ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے کئی دنوں تک سارا کام ٹھپ کر دیا جائے۔''

''ماسٹر! یہ میرے اندازے نہیں' سنی سنائی باتیں ہیں۔ یہاں آکر میں نے اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ کام کی جگہوں میں جھانکتا پھرا ہوں۔''

''اگر یہ اطلاعات درست ہیں تو پھر وائٹ ہاک پر کوئی اور کھیل کھیلا جانے والا ہے۔ میں اس کی مرمت اور دیکھ بھال کے ڈھکوسلے کو نہیں مانتا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

''راجن عورتوں کی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کے اڈے عورتوں کے زور پر چلتے ہیں۔ بے بی کلب اس کی چھوٹی سی مثال ہے۔ وائٹ ہاک کی ساری کشش بھی وہاں پائی جانے والی عورتوں کی وجہ سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سمندری راستے سے عورتوں کی کوئی نئی کھیپ وائٹ ہاک پر لائی جارہی ہو......''

''ہوسکتا ہے کہ یہی ہونے والا ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پرجوش لہجے میں کہا ''آج کل پورے تھائی لینڈ میں ہر قسم کی اسمگلنگ کے خلاف زبردست مہم چل رہی ہے۔ کسٹم والوں نے فوج کی مدد سے ساری زمینی اور بحری سرحدیں سیل کی ہوئی ہیں۔ خریدی اور اغوا کی ہوئی عورتوں کو یہاں لاکر فروخت کرنا' چھوٹا راجن کا سب سے بڑا کاروبار ہے۔ وہ خود بھی عورتوں کا رسیا ہے۔ اس کے لیے یہ آسان ہوگا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی لانچ کھلے سمندر میں عورتوں کی کھیپ وائٹ ہاک پر اتار دے۔ وہاں سے ایک ایک کرکے انہیں شہر میں پہنچا دیا جائے۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم یہ معلوم کرو کہ تمہیں ملنے والی خبروں میں کتنی صداقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فوج وغیرہ کی مہم کی وجہ سے راجن اپنا پروگرام کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دے۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ اور سوچنا ہوگا۔''

''وہ اس مہم کی پروا نہیں کرے گا۔'' چاؤفان نے وثوق سے کہا ''تمہیں اس کے اثر رسوخ کا اندازہ نہیں ہے۔ کوئی بھول کر بھی وائٹ ہاک کا رخ نہیں کرے گا۔ عورتوں کی کھیپ لانے والی لانچ راستے میں پکڑی جائے تو اور بات ہے، وائٹ ہاک کے قریب کوئی اسے نہیں چھیڑے گا۔''

میں نے چاؤفان کی خیال آرائی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے راجن کی سرگرمیوں کے پیش نظر، عورتوں کی اسمگلنگ کی بات روا روی میں کہہ دی تھی جسے چاؤفان نے بہت سنجیدگی سے پکڑ لیا تھا۔

وہ ایک امکان ضرور ہوسکتا تھا لیکن لازم نہیں تھا کہ راجن کا منصوبہ وہی رہا ہو۔ وہ بنکاک میں ہر قسم کے غیر قانونی دھندوں کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ غیر ضروری طور پر وائٹ ہاک کو چند دنوں کے لیے ویران کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے اعتماد کے چند آدمیوں کی موجودگی میں وہاں کوئی غیر قانونی کام سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کام کی نوعیت کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم خاموش کیوں ہوگئے ...... کیا سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پاکر چاؤفان نے ٹوکا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اطمینان سے ایک سگریٹ سلگائی اور اس کا گہرا کش لے کر کہا۔ ''میری زبان خارش کے مرض سے قطعی محفوظ ہے۔''

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا ''ماسٹر! تم خوب چوٹ کرتے ہو۔ تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سن کر بھی طبیعت بے مزہ نہیں ہوتی۔ کیا تم نے مجھے کبھی زبان کھجاتے ہوئے دیکھا ہے؟''

''زبان کی خارش کھجانے سے نہیں، بولتے رہنے سے دور ہوتی ہے۔''

''تم بھی بولتے رہا کرو!'' اس نے مجھے مشورہ دیا۔ ''تم خاموش ہوتے ہو تو مجھے پریشانی لاحق ہوجاتی ہے کہ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''اگر میں تمہاری بات درست مان لوں تو ہم دونوں یہاں اپنے اپنے کام سے آئے ہیں۔ ہم دونوں کے کام ابھی ادھورے ہیں......''

''ماسٹر! درست ماننے کی بات نہ کرو، میں نے تمہیں بتایا ہے۔'' اس نے احتجاج کیا ''میری کارکردگی میرے

دعوے کو ثابت کرتی ہے۔''

''چلو، یوں ہی سہی!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔
''مجھے وہ راستہ بتادو جو مجھے ساحل پر پہنچادے میں اپنی آنکھوں سے وائٹ ہاک کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

''وہ لوگ ہر تھوڑے دنوں بعد لنگر اٹھا کر اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔ آج کل وہ ساحل سے نظر آرہی ہے۔ تم صحیح رخ پر جا رہے تھے۔ آگے ویران سمندری کھاڑیوں سے دور تک کا منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔ تم چاہو تو ہم گھاٹ سے کرائے کی بوٹ لے کر ادھر کا چکر لگا سکتے ہیں۔''

اس کی تجویز نے مجھے چونکا دیا۔ اس سے بہتر صورت کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ مجھ سے ٹکرا ہی گیا تھا تو مجھے اس ملاقات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ ڈان کے لیے یہ خبر کافی اطمینان بخش ہوتی کہ میں بہ نفس نفیس راجن کے بحری قید خانے کا جائزہ لے چکا ہوں۔

''ایسا کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ اس کے ننھے سے دماغ کو اونچی پرواز سے روکے رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی اچھی سے اچھی بات کو بھی زیادہ اہمیت نہ دی جائے میں ابتدا سے اس اصول پر کار بند رہا تھا۔

''اب ہمیں واپس جانا ہوگا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
''پرائیویٹ کشتیاں وغیرہ دوسری طرف کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ راستہ گودی کے برابر سے جاتا ہے۔''

ہم دونوں واپس چل دیے۔ میں نے راستے میں اسے احتیاطی تدابیر کے بارے میں یاد دلایا تو اس نے بے فکری سے بتایا کہ سمندر میں بہتیرے لوگ تفریحی چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کوئی ہم دونوں کی بوٹ پر شبہ نہیں کرے گا۔ بنکاک کا ساحل ناہموار اور گندا ہونے کی وجہ سے لوگ وہاں پیرا کی سے گریز کرتے ہیں۔ سارا زور کشتیوں اور موٹر بوٹس میں سیر کرنے پر ہوتا ہے۔ نہانے کے شوقین پتایا کے طویل اور صاف ستھرے ساحل کا رخ کرتے ہیں جو بنکاک سے زیادہ مسافت پر نہیں ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر گودی کے بیرونی علاقے سے گزرے جہاں مزدوروں اور دوسرے متعلقہ لوگوں کا ایک سیل رواں نظر آرہا تھا۔ گودی کے دیو ہیکل فولادی پھاٹک سے کافی آگے، احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک سڑک سمندر کی طرف جارہی تھی، چاؤ فان اسی پر ہولیا۔

موڑ سے وہ سڑک گودی کے احاطے سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ مسافت خاصی طویل تھی۔ تیز دھوپ میں پیدل چلنا مجھے ناگوار گزر رہا تھا لیکن چاؤ فان کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے کوئی حرفِ شکایت زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھا۔

ساحل کے ساتھ تعمیرات کا سلسلہ نظر آیا تو چاؤ فان نے بتایا کہ وہ بنکاک کے مہنگے بوٹ کلب تھے جہاں ممبروں کو کھلے سمندر میں تفریح کے لیے ساری سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ان وسیع و عریض اور شان دار عمارتوں کے درمیان سے گزر کر ہم بنکاک کے عوامی گھاٹ پر پہنچ گئے جہاں متعدد موٹر بوٹس اور بادبانی کشتیاں پانی کی متلاطم سطح پر ہچکولے کھا رہی تھیں۔

میں نے وہیں سے دیکھ لیا کہ اس وقت بھی کھلے سمندر کے سینے پر متعدد کشتیاں رواں تھیں۔ ایک طرف بندرگاہ میں کھڑے ہوئے دیوہیکل جہازوں کی قطار نظر آرہی تھی جن میں سے بعض کی چمنیوں سے دھواں خارج ہورہا تھا۔ ان جہازوں کے عرشوں پر چلتے پھرتے ہوئے ملاح اور خلاصی، دور سے کھلونوں کی طرح نظر آرہے تھے۔

ہمیں گھاٹ کی طرف آتا ہوا دیکھ کر کئی افراد ہماری طرف لپکے۔ سمندر سے اپنی روزی کمانے والے وہ ملاح ان پڑھ تھے لیکن انگریزی کے چند الفاظ سے واقف تھے۔ انہوں نے چاؤ فان کو گائیڈ سمجھ کر یکسر نظر انداز کر دیا، میری ذات ان کا ہدف تھی۔

چاؤ فان نے فضا میں ہاتھ لہرا کر تیزی سے ان سے کچھ کہا۔ وہ صلح جو لوگ تھے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی۔ چاؤن فان نے بڑھ کر ایک ادھیڑ عمر شخص سے کچھ مذاکرات کئے اور مول تول ہوجانے کے بعد ہم اس کی رہنمائی میں گھاٹ کی طرف بڑھ گئے۔

اس کی چھوٹی موٹر بوٹ پختہ گھاٹ سے خاصی دور تھی۔ ہم ہچکولے لیتی ہوئی کئی کشتیوں پر سے ہوتے ہوئے اس صاف ستھری بوٹ پر پہنچ گئے۔

چند منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہوا اور راستہ کھلنے کے بعد بوٹ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوگئی ''مجھے ابھی تک سفید لانچ کہیں نظر نہیں آئی۔'' کچھ دیر بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

''وہ ان دنوں دوسرے رخ پر لنگر انداز ہے۔ آگے بڑھیں گے تو وہ نظر آجائے گی۔''

چاؤ فان ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ملاح سے سمندر کی سیر کا سودا کیا تھا۔ وہ ہمیں گودی میں لنگر انداز جہازوں کے قریب سے گھماتا ہوا سمندر کی طرف نکلا تو کچھ دیر بعد مجھے وائٹ ہاک نظر آگئی۔ اس کے بارے میں مجھے چاؤ فان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اپنے نام کی مناسبت سے وہ نیچے سے اوپر تک بالکل سفید تھی۔

’’یہ تو ایک چھوٹا بحری جہاز معلوم ہو رہا ہے۔ تم بلا وجہ اسے لانچ کہتے ہو۔‘‘ میں نے چاؤ فان سے کہا۔

کچھ دیر تک سمندر میں لہروں کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے بعد چاؤ فان نے اپنے ملاح کو وائٹ ہاک کی طرف چلنے کے لیے کہا تو دونوں میں بحث شروع ہوگئی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ ادھر جانے سے ہچکچا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ ہم وائٹ ہاک سے قریب ہوتے گئے۔ پھر مجھے وہ مسلح گارڈ نظر آنے لگے جو راجن کی لانچ کے عرشے پر ٹہل کر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔

اس وقت ہمارے آس پاس دوسری کوئی بوٹ نہیں تھی۔ شاید ملاح عام طور پر وائٹ ہاک سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس لانچ کا نقشہ واضح ہونے لگا۔ ہماری بوٹ سمندری لہروں کے ساتھ زیر و بم سے گزر رہی تھی۔ ساحل ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہازوں اور دیوہیکل کرینوں کے اوپری حصے ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ وائٹ ہاک کے عرشے پر موجود دو محافظوں نے ٹہلنے کا عمل ترک کر دیا تھا اور وہ ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر مسلسل ہماری بوٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔

ہمارے بوٹ پائلٹ نے مڑ کر چاؤ فان سے کچھ پوچھا اس نے اسے تسلی دی اور ہماری بوٹ کا رخ قدرے تبدیل ہو گیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف جانے کے بجائے اس کے گرد گھومنے کی پوزیشن لے رہی تھی۔

اچانک ان دونوں میں سے ایک محافظ اپنے حلق کے بل چیخا۔ لہروں کے دھیمے شور میں اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ وہ یقینی طور پر ہمیں واپس لوٹنے کا حکم دے رہا تھا۔

ہمارے ملاح کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چاؤ فان سے تیزی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر وائٹ ہاک کے عرشے سے ایک فائر ہوا۔ گولی ہمارے اوپر سے گزر کر سمندر میں کہیں گم ہوگئی۔ وہ پیغام ضرورت سے زیادہ واضح تھا۔ وائٹ ہاک والے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ تاخیر کی صورت میں وہ براہِ راست ہم پر بھی گولی چلا سکتے تھے۔

فائر ہونے کے بعد مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ملاح نے اتنی تیزی کے ساتھ بوٹ کو واپسی کے لیے گھمایا کہ میں دہل کر رہ گیا۔ ملاح کی بوکھلاہٹ کے نتیجے میں ہماری بوٹ الٹ کر ڈوب سکتی تھی۔

وائٹ ہاک کے عرشے سے کسی نے چیخ کر پھر کچھ کہا۔ اس بار اس کا پیغام قدرے طویل تھا۔ میں نے مستفسرانہ انداز میں چاؤ فان کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا کہ وہ سنگین دھمکی دے رہے تھے۔ ’’دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم بوٹ غرق کر دیں گے۔‘‘

اس سخت اور جارحانہ پیغام سے صاف ظاہر تھا کہ راجن اور اس کے آدمیوں کو مقامی قانون کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ کھلے سمندر کے سینے پر بھی انہوں نے اپنی جاگیر قائم کی ہوئی تھی جہاں سے دوسرے کو گزرنے کا بھی حق نہیں تھا۔

سمندر میں تقریباً ایک گھنٹا گزار کر ہم واپس گھاٹ پر آ گئے۔ باہر خالی ٹیکسی موجود تھی میں نے چاؤ فان کو پیش کش کی کہ وہ میرے ساتھ چلے اور گودی کے دروازے پر اتر جائے لیکن اس نے خوش دلی سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ گھاٹ پر موجود ملاحوں کی بھیڑ میں گھل مل کر وہ اپنا کام بہتر انداز میں کر سکے گا۔

میں نے اسے الوداع کہا اور وہاں سے واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

میرے ذہن میں وائٹ ہاک کو نشانہ بنانے کا مبہم سا خیال موجود تھا۔ میں اسی رو میں ساحل سے اس لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اس طرف آیا تھا۔ دوسرا خیال وہی تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو تو وہ ڈان کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں راجن کے پیچھے لگ گیا تھا۔

چاؤ فان نے اپنی صفائی پیش کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ میری روانگی کے بعد اس نے پورٹ پر رک کر ثابت کرنا چاہا تھا کہ وہ واقعی کام میں مصروف تھا لیکن اس کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ میرا پیچھا کرتا ہوا گودی تک پہنچا تھا۔

اس نے اچانک میرے سامنے آ کر مجھے حیران کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ میں حیرانی سے زیادہ فکر و تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اس کی موجودگی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے وائٹ ہاک کا قریب سے جائزہ لے کر ان کے حفاظتی بندوبست کا تجربہ بھی کر لیا۔ دن کی روشنی میں ان محافظوں کی مستعدی قابلِ رشک تھی۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اجالے میں کوئی بھی ان کی مرضی کے بغیر وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔

راجن نے اس لانچ پر نائٹ کلب قائم کیا ہوا تھا۔ اپنے دھندے کے اوقات میں وہ حفاظتی انتظامات سے غافل نہیں

ہوسکتا تھا۔ سمندر کی سمت میں روشن کی جانے والی چند سرچ لائٹس رات کے گھور اندھیرے میں بھی محافظوں کی ان حدود کی پاسبانی میں مدد دینے کے لیے کافی ہوتیں۔

وائٹ ہاک سمندر کے سینے پر تیرتا ہوا ایک چھوٹا سا ...ہ تھا جہاں صرف راجن کا راج تھا۔ پانی کی سطح سے گزر ...ر اس لانچ تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اسے نقصان پہنچانے ... لیے صرف زیرآب کارروائی کامیاب ثابت ہوسکتی تھی۔

پہلے میرے دماغ میں اس لانچ کو تباہ کرنے کا خیال را...خ نہیں تھا۔ لانچ پر ہر وقت موجود رہنے والے بھاری عملے کی تباہی کے تصور نے مجھے ان خطوط پر کسی پیش رفت سے روکا ہوا تھا۔ چاؤ فان کی زبان سے وائٹ ہاک پر ہونے والی ...قع تعطیلات کا ذکر سنتے ہی میری وہ خواہش دوبارہ ابھر آئی تھی۔ وائٹ ہاک راجن کی طاقت اور بڑائی کی علامت تھی۔ ا... ...ز قاب کرکے راجن کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ اس پر رہ ...ے والے چند لوگ اگر لانچ کے ساتھ لقمۂ اجل بن جاتے تو مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ وہ یقینی طور پر وہی لوگ ہوتے جو راجن کے کالے دھندوں میں اس کے قریبی معاون تھے اور ہر پیمانے سے موت کے سزاوار تھے۔

میں ان ہی خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی نے تیز رفتاری سے طویل مسافت طے کرکے مجھے ہلٹن ہوٹل کی حدود میں پہنچادیا۔

میں ہوٹل کے صدر دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوا تو مجھے اسد ایک صوفے سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ وہ ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا جہاں سے ہوٹل میں آنے والوں پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ اس کی ہوٹل میں موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ کافی دیر سے وہاں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔

اس کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ غزالہ بھی وہیں صوفے پر براجمان تھی۔

اسد جب بھی میرے پاس آتا، ہوٹل کی لابی سے انٹر کام پر رابطہ کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لیے بغیر میرے کمرے کے دروازے پر آگیا ہو۔ میں کمرے میں نہیں تھا۔ وہ نیچے رک کر میری واپسی کا انتظار کرنے لگا، غزالہ اخلاقاً اس کے پاس آگئی۔

''خیریت ہے...... آج صبح سویرے کہاں نکل گئے تھے؟'' اس نے مجھ سے ہلکا سا معانقہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری قمیص پسینے میں تر ہورہی ہے۔''

''گودی کی طرف چلا گیا تھا...... آؤ اوپر چلتے ہیں۔ یہاں ڈھنگ سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ ہم تینوں لفٹ کی طرف ہولیے۔

''مجھے بھابی سے ڈان کے دوغلے پن کا پتا چلا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہا ہے؟'' اس نے کمرے میں پہنچتے ہی متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

''اسے میرے ذریعے اپنے خواب پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''اس مرحلے پر وہ کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہیں ہے۔ مجھے ہر طرف سے گھیر کر اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے الٹی سیدھی حرکتیں کررہا ہے۔''

''تم گودی کی طرف کیوں گئے تھے...... وہ اچھا علاقہ نہیں ہے۔''

''اس وقت تم بزرگانہ انداز میں باز پرس کررہے ہو۔'' میں نے کہا اور قدرے سکوت کے بعد ان دونوں کو اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔

''ڈان اور چاؤ فان۔ یہ دونوں جونک بن کر تمہاری جان کو لپٹ گئے ہیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا شبہ بالکل درست ہے۔ چاؤ فان نے تمہارا تعاقب کیا ہوگا۔''

''لیکن اس کے پاس وائٹ ہاک کے بارے میں کئی خبریں تھیں۔'' غزالہ نے اعتراض کیا۔ ''وہ ان کا پیچھا کررہا تھا تو اسے اتنا وقت کیسے مل گیا کہ وہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

اسد نے لاجواب ہوکر بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں اسے پہلے سے معلوم ہوں۔ موقع دیکھ کر اس نے وہ اپنی تازہ کارکردگی کے طور پر سنادی ہوں۔''

''اب تمہیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہوگا۔'' اسد بولا۔ ''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب راجن خود ہمارے جال میں آرہا ہے تم اس کا قصہ پاک کروتا کہ تم کو ڈان سے نجات ملے۔ ایک بار پاسپورٹ ہاتھ میں آجائیں تو تمہیں بلا تاخیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ راجن ہمارے جال میں آرہا ہے۔''

''ابھی تم نے زیرآب کارروائی کا ذکر کیا ہے۔''

''سوچنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا کیا اس سلسلے میں تم کوئی مدد کرسکو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''اچھا ہوا کہ میں شروع سے الگ رہا۔ میں دور رہ کر

تمہاری ہر طرح مدد کر سکتا ہوں۔ عملی طور پر تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ راجن، ڈان کا شکار ہے۔ وہ تم کو ہر قسم کے وسائل فراہم کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔''

''میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔ اتنی سی بات پر یہ خوش فہمی مناسب نہیں کہ ہم راجن کو اپنے جال میں آتا ہوا سمجھ لیں۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اس سے تمہاری ملاقات کی راہ نکال لی ہے تو تم کیا کہو گے؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھنا ہوگا کہ ملاقات کہاں اور کن حالات میں ہوتی ہے۔'' میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''کیا اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا ہے۔''

''کل رات اس کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔'' اسد کا وہ انکشاف سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''راجن کی خواہش ہے کہ میں فوری طور پر اس سے ملوں۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ اپنی حیرت ظاہر کی۔ ''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ وہ پہلے سے تم کو جانتا ہے۔''

''میری اس سے کوئی شناسائی نہیں ہے۔ وہ آدمی اچانک آیا تھا۔'' اسد نے وضاحت کی۔

''تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ تم سے کس حیثیت سے ملنا چاہتا ہے۔'' غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں بنکاک میں اپنے محکمے کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ راجن کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیے یہ باتیں معلوم کرنا مشکل نہیں تھا۔ میں حیران ہوں کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔''

''وہ تم سے میرا سراغ معلوم کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''کل شام میں نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر اس سے بات کی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنا قاصد تمہاری طرف بھیجا ہوگا۔''

''میں تمہاری اور اس کی گفتگو سے ابھی تک بے خبر ہوں اس نے دیدہ دلیری کے ساتھ مجھ سے رجوع کیا ہے تو اس کے کچھ نہ کچھ محرکات بھی رہے ہوں گے۔''

میں نے اسے راجن سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''تم نے اس سے بہت بڑا مطالبہ کیا ہے۔ وہ مر جائے گا مگر یہاں سے پسپا ہونے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس نے تم سے وقت خریدا ہے۔ مجھ سے رابطہ کر کے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب وہ ہر قیمت پر تم تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ پہل کرنے والا یہ لڑائی جیت جائے گا۔''

''تم اس سے میری ملاقات کا ذکر کر رہے تھے۔ وہ کیا قصہ تھا؟''

''میں نے اس کے آدمی سے کہہ دیا ہے کہ میں تنہا راجن سے نہیں مل سکتا۔ میرا ایک معاون ضرور میرے ساتھ ہوگا۔ یہ شرط عائد کرتے ہوئے میرے ذہن میں تمہارا نام تھا۔''

''نہیں، میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ ''ابھی تم خود کہہ رہے تھے کہ وہ بہت باخبر آدمی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوگا کہ تم یہاں اپنے محکمے کے اکلوتے نمائندے ہو۔ یہاں تمہارا ساتھی کون ہو سکتا ہے۔ اسے ذرا بھی شبہ ہو گیا تو یہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''میں نے گنجائش نکالی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم میرے ساتھ جاؤ۔'' اسد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اپنی ذات کو اس کے شک و شبہے سے بالا رکھنا تمہارا کام ہوگا۔''

''کیا تم نے یہ یقین کر لیا تھا کہ یہاں آتے ہوئے تمہارا پیچھا نہیں کیا گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میری ساری زندگی ایسے کھیلوں میں گزری ہے۔'' وہ بولا ''گھر سے قدم باہر نکالنے سے پہلے میں نے اس امکان کو ذہن میں رکھا تھا۔ باہر اس کا آدمی موجود تھا۔ آج کل میں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ مارکیٹ کے علاقے میں، میں اسے جل دینے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد میں نے تمہارے ہوٹل کا رخ کیا تھا۔''

''تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔''

''یہ جبری فیصلہ ہے جو مجھے کرنا پڑا۔ وہ یہاں کا طاقت ور آدمی ہے۔ میرے انکار کی صورت میں میرے خلاف کوئی بھی اسکینڈل بن سکتا ہے۔ وہ اخباری نامہ نگاروں سے پولیس افسران تک کسی کو بھی خریدنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

''میرا بھی یہی مشورہ ہوتا۔ اس سے ضرور ملو مگر اپنے دفتر میں' تمہارے لیے موتی محل میں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دفتر میں کتنے کمرے ہیں۔''

''ایک ہی کمرا ہے۔ اس سے ملا ہوا باتھ روم اور چھوٹا سا کچن ہے۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وہاں میرے لیے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟''

''کچن اور باتھ روم پر دو چھتی بنی ہوئی ہے۔ وہاں تم آرام سے چھپ سکتے ہو لیکن اس طرح تم کیا کرسکو گے۔''

''وہ کمینہ آدمی ہے۔ تمہارے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی کا ہونا ضروری ہے۔ بات بگڑتی ہوئی نظر آئی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر سامنے آجاؤں گا۔''

''مجھے خوف محسوس ہورہا ہے۔'' غزالہ کمزور آواز میں بولی ''اس کے ساتھ کھلا تصادم ہم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔''

''بھابی کا خیال درست ہے۔'' اسد نے اس کی تائید کی ''میرے جانے یا اس کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ آیا تو اس کے ساتھ محافظوں کا ٹولا بھی ہوگا۔ ان میں سے کسی کو دو چھتی کا خیال آگیا تو تم بے بسی سے دوچار ہوجاؤ گے۔''

اس کا اندیشہ درست تھا۔ میں جوش میں آکر یہ فراموش کرگیا تھا کہ راجن ہر وقت محافظوں کے نرغے میں رہنے کا عادی تھا۔ وہ اکیلا ہوتا تو میں اس سے نمٹ سکتا تھا۔ محافظوں کی مسلح بھیڑ سے نمٹنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

سوبھراج کی موت اور پھر موتی محل میں بم کا دھماکا ہونے کے بعد یہ توقع بے سود تھی کہ راجن اپنی کمین گاہ سے تنہا باہر نکلنے کی ہمت کرسکے گا۔

''بہتر یہی ہے کہ فی الحال مزاحمت کا خیال دل سے نکال دیا جائے۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے کہا ''ہم اس کی تجویز کے مطابق اس سے مل لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''اگر اس نے آپ کو پہچان لیا تو کیا ہوگا؟'' غزالہ نے پرتشویش انداز میں کہا۔

''یہی میری اب تک کی کامیابیوں کا راز ہے کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ میں حتی الامکان اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں قریب سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ میری دھمکی کے بعد اس میں کتنا دم خم باقی رہ گیا ہے۔''

''اتنی سی بات کے لیے تم بہت بڑا خطرہ مول لوگے!''

''ڈان نے اس سے محاذ آرائی پر مجبور کردیا ہے تو مجھے قریب سے اس کا جائزہ لینا ہی پڑے گا۔''

پچھلی شام تک سب کچھ پرسکون تھا۔ جب سے میں نے سیٹلائٹ فون پر راجن سے بات کی تھی' واقعات میں اچانک تیزی آگئی تھی۔ چاؤ فان نے اپنے طور پر بھاگ دوڑ شروع کردی تھی' راجن جوابی وار کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے آنے والے ایک دو روز اس معاملے میں فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔

''آج شام وہی آدمی مجھ سے رابطہ کرے گا۔'' اسد کہہ رہا تھا ''میں اس سے کیا کہوں؟''

''ملاقات کا وقت اور مقام طے کرکے مجھے بتادو۔ میں تیار رہوں گا۔''

فیصلہ ہوگیا۔ یہ مناسب نہیں تھا کہ اس ملاقات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے اسد میری طرف آتا۔ ہمارا واسطہ ایک چالاک مجرم سے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح راجن یا اس کے آدمیوں کو میرے ٹھکانے کا علم ہو۔ یہ طے ہوگیا کہ میں اس سے کسی طے شدہ مقام پر ملوں گا۔

ہم خاصی دیر تک اس متوقع ملاقات کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس دوران میں راجن کے امکانی سوالات کے جواب بھی زیر بحث آئے۔ ان میں.... سرفہرست میرا معاملہ تھا۔ اسد کو اس بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اسد واپس چلا گیا۔

میں نے غزالہ پر اپنی فکرمندی کا سایہ نہیں پڑنے دیا لیکن اندر سے میں مضطرب تھا۔ راجن نے اسد سے رابطہ کرکے معاملات کو بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔ اس وقت راجن اور ڈان ایک چکی کے دو پاٹ بنے ہوئے تھے جن کے درمیان ہم کسی بھی وقت بری طرح پس سکتے تھے۔

تین بجے میرے کراچی والے موبائل فون پر جلال کی کال آگئی۔

خیر خیریت کے تبادلے کے بعد اس نے پاسپورٹوں کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے ڈان کا حتمی فیصلہ سنادیا ''وہ مجھ سے بہت خوش ہے لیکن پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ راجن کے خاتمے کے بعد ملیں گے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' جلال نے سوال کیا۔

''میرے سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تمہاری خواہش پوری ہوگی اور مجھے راجن کے فتنے سے نمٹنا ہوگا۔ اس معرکے میں زندگی رہی تو ملاقات ہوگی۔''

''مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ تم اس سے بڑے معرکے سر کرچکے ہو۔ اللہ نے چاہا تو تم اس مقابلے میں بھی سرخ رو رہوگے۔''

''دعائیں اور بددعائیں اس قدر کارگر ہوتیں تو میں ابھی سے راجن کو کوسنا شروع کردیتا۔''

''یہ دلوں کا معاملہ ہے۔ ہم ہونٹ ہلاتے ہیں لیکن دل

ہماری دعاؤں کا ساتھ نہیں دیتے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہر دعا اور بد دعا اثر رکھتی ہے۔''

''مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ میرا رواں رواں راجن کی تباہی کے لیے دعا گو ہے۔''

''راجن نے سوبھراج کی شناخت نہ بدلی ہوتی تو اس وقت میں تمہارے پاس ہوتا۔ کل تک اسد بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ وہ......''

''کیوں......؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے سوال کیا ''کیا تم نے اسے معطل کر دیا ہے؟''

''نہیں۔ بنکاک میں اس کے تقرر کو دو سال پورے ہو چکے ہیں۔ اسے واپس بلایا جا رہا ہے۔ رات کو اسے آرڈر فیکس کر دیا جائے گا جو وہ صبح دیکھ لے گا۔ اس بارے میں تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''کیا اس حکم کو کچھ دنوں کے لیے ٹالا نہیں جا سکتا تھا؟''

''تقرر اور تبادلے اپنے روٹین کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔''

''میرے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اس سے میری ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ آنے والا میرے کسی کام نہیں آسکے گا۔''

''یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں' ہر آنے والے کو اپنے قدم جمانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اسے میرا مشورہ ماننے کی سزا دی جا رہی ہے۔''

''اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی۔ کسی تیسرے کو اس کی بھنک بھی نہیں ملی۔ یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''اس بے وقت تبادلے سے اسے رنج ہوگا۔ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں میرے ساتھ راجن سے ملنے والا ہے۔'' میں نے اسے اس اہم واقعے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

''اس ملاقات کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میرے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

''مجبوری ہے۔ راجن خود اس سے ملنا چاہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ اسد سے میرے بارے میں جاننے کی کوشش کرے گا۔''

''یہ کیا کہانی شروع ہو گئی۔ مجھے کچھ تفصیل سناؤ۔'' جلال کی آواز سے بے چینی مترشح تھی۔

''میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ یہ اسد کے تبادلے کا موزوں وقت نہیں ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور اختصار کے ساتھ واقعات دہرانے شروع کر دیے۔ میں نے یہ ذکر گول کر دیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ راجن کے بحری اڈے کا جائزہ لے چکا تھا۔

''ہمارے اندازے درست ثابت ہو رہے ہیں۔'' پوری کہانی سن کر جلال مضطربانہ لہجے میں بولا ''سوبھراج کی طرح وہ بھی ایف بی آئی یا سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ تم نے یکایک اس پر خطرناک دباؤ ڈالا ہے۔

''......اسے یقین ہوگا کہ ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ اسد سے ضرور ملا ہوگا۔ اس وقت اسے تمہارے سوا کسی اور کی تلاش نہیں ہو سکتی۔''

میں فون پر جلال سے بات کر رہا تھا مگر میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے نزدیک یہ بات طے تھی کہ راجن سے ہماری ملاقات ناکام ثابت ہونا تھی۔ اسد سے میرے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پر راجن کا چراغ پا ہونا قرین قیاس تھا۔ اس کے بعد وہ اسد کا دشمن ہو سکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد اسد بنکاک سے روانہ ہو جاتا تو راجن کی کسی سازش کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کی جگہ آنے والا آدمی راجن کے لیے نیا ہوتا۔ وہ اسد کا بدلہ اس سے نہیں لے سکتا تھا۔ میرے بارے میں ان خطوط پر اپنا کام جاری رکھنے کے لیے راجن کو نئے آدمی سے از سر نو رابطہ کرنا ہوتا اور بات دور نکل جاتی۔

''اس وقت یہاں کے حالات بہت نازک ہیں۔'' میں نے جلال سے کہا ''افسران بالا نے اسد کے تبادلے کے احکام جاری کر دیے ہیں تو میری ایک گزارش ہے۔ اسے پابند نہ کیا جائے کہ وہ اپنے جانشین کی آمد تک بنکاک میں رکا رہے۔ اسے اپنی صوابدید کے مطابق یہاں سے واپس لوٹنے کی خصوصی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔''

''میں ان نزاکتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ ضروری ہوا تو میں خود اس سے بات کر لوں گا۔ تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''میری طرف سے بے فکر رہو' میں اس کی سلامتی کے بارے میں فکر مند ہوں' ہو سکتا ہے اس کے تبادلے کا حکم اس کے لیے انعام بن جائے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس نے راجن کے بارے میں ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ دفتری پروسیس سے گزر رہی ہو۔ یہ کوئی عام معاملہ نہیں ہے۔ تمہیں اس پر

خصوصی توجہ دینا ہوگی۔''

جلال کی یقین دہانی کے بعد بات ختم ہوگئی۔ وہ تمام تفصیلات اس کے لیے اس قدر پریشان کن ثابت ہوئی تھیں کہ اس نے راجن سے میری ملاقات کے معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

''کیا اسد کا تبادلہ ہورہا ہے؟'' میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے سوال کیا۔

''ہاں' جلال بتارہا تھا کہ آرڈرز جاری ہوچکے ہیں۔ شاید یہ اچھا ہی ہوا۔ راجن کی مخاصمت مول لے کر یہاں رہنا خاصا دشوار ہوسکتا ہے۔''

''آپ سے زیادہ مخاصمت کس نے مول لی ہوگی۔ اسے فون کرکے آپ نے اور زیادہ مشتعل کردیا ہے۔ اسد اسی وجہ سے اس کی نگاہوں میں آیا ہے۔''

''میری اور بات ہے۔ اس کے لیے مجھ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اسد ایک شناخت کے ساتھ یہاں رہ رہا ہے' وہ جانا بوجھا آدمی ہے' راجن اس کے ساتھ کوئی بھی گھٹیا حرکت کرسکتا ہے۔''

''اسد چلا گیا تو راجن اس کے جانشین کے پیچھے پڑجائے گا۔'' وہ بولی۔

''نئے آدمی پر وہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں رکھ سکے گا۔ یہ بات وہ جانتا ہوگا کہ نئے آنے والے کو حالات و واقعات کا رخ سمجھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ تبادلے کے بہانے اسد کو جان بوجھ کر یہاں سے واپس بلایا گیا ہے تو اس کا کیا ردِعمل ہوگا؟''

''جو بھی ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ اب مجھے چاؤ فان اور اس کے آدمیوں پر انحصار کرنا ہوگا۔'' میرے موڈ کا اندازہ کرکے غزالہ نے خاموشی اختیار کرلی۔

شام تک چاؤ فان کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تو میں نے اس کا نمبر ملایا۔ اس نے مایوسی کے ساتھ بتایا کہ گودی کے علاقے میں اپنا آدھا دن برباد کرنے کے باوجود وہ وائٹ ہاک پر لمبی چھٹی کی افواہوں کی تصدیق کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

اس نے ایک اچھا کام کیا تھا کہ ڈان کو میری سرگرمیوں سے باخبر کردیا تھا اور یہ بھی بتادیا تھا کہ میں وائٹ ہاک کو کسی زیرِ آب کارروائی کے ذریعے تباہ کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے وہ بات مجھے اپنے کارنامے کے طور پر بتائی تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے ڈان کو میرا پیچھا کرنے کے بارے میں اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ان نکات کا ذکر کیا ہوگا۔ اس کی طرف سے میرا ذہن صاف نہیں تھا لیکن بنکاک میں' میں ڈان اور اس کے آدمیوں سے بنائے رکھنے پر مجبور تھا۔

رات کے آٹھ بجے اسد کا فون آگیا۔ راجن کے آدمی نے اپنے وعدے کے مطابق اس سے رابطہ کیا تھا اور اسد کو اسی رات' دس بجے موتی محل پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

''پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔

''اس نے بلایا ہے تو جانا پڑے گا۔'' اس نے کہا ''میں بالکل خالی ہاتھ جاؤں گا۔ چاہو تو تم اب بھی اپنا ارادہ بدل سکتے ہو۔''

اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ اسے اس وقت تک اپنے تبادلے کی خبر نہیں ملی تھی۔

''میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا' میرا ارادہ اٹل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے افسرانِ بالا کو اس جبری ملاقات کے پس منظر سے آگاہ کردیا ہے۔''

''میں اپنے بڑوں کو پوری طرح باخبر رکھنے کا عادی ہوں۔'' اس نے پراعتماد لہجے میں کہا ''میں نے کسی مبالغہ آرائی کے بغیر ایک نوٹ فیکس کردیا تھا۔ اس میں تمہارا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دفتری خط کتابت میں تمہارا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔''

''یہ ضروری تھا۔ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو وہ لوگ بات سنبھال لیں گے...... مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کب اور کہاں سے لوگے۔''

''ساڑھے نو بجے اپنے ہوٹل سے بائیں طرف برگر شاپ پر مل جاؤ' کوئی اسلحہ ہرگز ساتھ نہ لینا۔ میرا خیال ہے کہ تلاشی کے بغیر ہمیں اس سے ملنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ میری وجہ سے تمہیں کسی نئی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ساڑھے نو بجے وہاں مل جاؤں گا۔''

میں فون بند کرکے مڑا تو غزالہ کرسی پر گمبھیر صورت بنائے' خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ اداس لہجے میں بولی ''میں پھر کہہ رہی ہوں کہ آپ وہاں نہ جائیں۔ اسد خود اس کو سنبھال لے گا۔''

''سوگوار ہونے کی ضرورت نہیں' میں اسد سے کم نہیں ہوں۔ راجن کے درشن کرکے تھوڑی دیر میں واپس لوٹ آؤں گا۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

''اسد کی بات دوسری ہے' وہ سرکاری آدمی ہے راجن اس سے بدکلامی کرسکتا ہے' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ کے ساتھ وہ کوئی بھی بدسلوکی کرسکتا ہے۔''

''میں اب اس شہر سے اکتا گیا ہوں۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''میری خواہش ہے کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے لیے راجن کا قصہ پاک ہونا ضروری ہے۔ میں اس تک رسائی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا۔''

غزالہ نے مایوس ہوکر خاموشی اختیار کرلی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی خوف کی وجہ سے میرے ارادوں میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ پھر بھی وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ ہمیشہ مجھے خطرات سے دور رہنے کے مشورے دیتی رہتی تھی۔

اسد سے بات ہونے کے بعد میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ میں نے روم سروس کو آرڈر دے کر کمرے میں کھانا منگوالیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ غزالہ میری واپسی تک بھوکی بیٹھی رہے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں نے تیاری کی اور ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ اسد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے بیم گن اپنے ساتھ نہیں لی تھی البتہ انگلیوں میں سفاک نگینوں والی انگوٹھیاں موجود تھیں۔

میں ہوٹل کی لابی میں ٹہل کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ میرے قرب و جوار میں نگرانی کرنے والا کوئی شخص موجود نہ ہو۔ پوری طرح اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں ہوٹل کے صدر دروازے کے بجائے دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ چاؤ فان نے اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ڈان کو یہ بھی بتادیا ہوگا کہ میں اس پر اپنی نگرانی کرنے کا شبہ کررہا تھا۔ اس شکایت کے بعد ان دونوں کو محتاط ہوجانا چاہیے تھا۔ شاید ڈان نے میرے شبہات سے آگاہ ہونے کے بعد نگرانی کا سلسلہ ختم کرادیا تھا۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد بھی میں محتاط رہا۔ اس علاقے کی سڑکیں دور تک روشن تھیں۔ کسی کے لیے یہ موقع نہیں تھا کہ وہ نیم تاریکی کی آڑ لے کر کسی کا تعاقب کرسکے۔

میرے پاس برگر شاپ پہنچنے کے لیے کافی وقت تھا' میں ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ ایک جگہ رک کر میں نے سگریٹ سلگانے کے بہانے' اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور مطمئن ہوکر آگے بڑھ گیا۔ مقررہ وقت سے تین منٹ پہلے میں برگر شاپ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

میں برگر شاپ کی تیز روشنیوں سے بچ کر ایک کھمبے کی اوٹ میں رکا ہی تھا کہ کسی طرف سے گاہکوں کو تاڑنے والا ایک نوجوان تھائی لپک کر میرے قریب آگیا۔

''سر یو وانٹ گالز...... ینگ......ویری بیوٹی فل!'' اس نے میری طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ وہ اپنے لب و لہجے سے پڑھا لکھا معلوم ہورہا تھا۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور درشت لہجے میں' انگریزی میں کہا ''دفع ہوجاؤ ورنہ میں تمہارا سر توڑدوں گا۔''

اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کے نزدیک میری دماغی صحت مشکوک ہو' غنیمت یہ ہوا کہ وہ مزید کچھ کہے بغیر رخصت ہوگیا۔

اسی اثنا میں ایک ٹیکسی میرے قریب آکر رک گئی۔ پچھلی کھڑکی میں اسد کا چہرہ دیکھ کر میں پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ اسد نے اپنی چہرہ نمائی کراتے ہی سرک کر میرے لیے جگہ خالی کردی تھی۔

میرے سوار ہوتے ہی ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

''تم بروقت آگئے ورنہ عزت کو خطرات لاحق ہونے لگے تھے۔'' میں نے ہنس کر اس سے کہا ''کہیں رکنے کے لیے یہ وقت بہت نامناسب ہے۔''

''شام ہوتے ہی جسموں کے بیوپاری اس علاقے کی ساری گلیوں اور سڑکوں میں پھیل جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تمہیں بھی تاک لیا۔'' وہ بولا۔

''قدم قدم پر ملنے والے ان دلالوں نے اس شہر کی شناخت تباہ کرکے رکھ دی ہے۔ ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔''

''یہ اس علاقے میں ہونے والی طویل جنگوں کا شاخسانہ ہے جو شہر کے شرفا ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آٹھ برس انڈو چائنا وار ہوتی رہی۔ اس کے شعلے سرد ہوئے تو ویت نام وار چل پڑی۔ اس نے آس پاس کے ملکوں میں سب کچھ تباہ کردیا۔ وہ بیس اکیس برس اس خطے کے بدترین ماہ و سال تھے......''

''یہ کہانیاں میرے لیے اب نئی نہیں رہیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''شاید یہاں کا ہر باسی اپنے دفاع میں یہی کہانیاں دہراتا ہے۔''

''تمہیں بری لگتی ہوں گی مگر یہ باتیں اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔''

''اس وقت تاریخ کو چھوڑو اور اپنے جغرافیے کا خیال رکھو۔ پیچھے کوئی مشتبہ گاڑی تو نہیں چلی آرہی!''

وہ جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ میری اچانک یاددہانی پر پیچھے سر گھمائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ابھی تک تو میدان صاف ہے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''آج تم دفتر سے کس وقت لوٹے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''تین بجے آگیا تھا اس وقت بھی وہیں سے آرہا ہوں میں نے اسلام آباد کو رپورٹ بھیج دی ہے کہ میں دس بجے اس سے ملنے جارہا ہوں۔''

''ویری گڈ!'' میں سرہلا کر رہ گیا۔ وہ سوال کر کے میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تبادلے کی خبر اس تک پہنچی یا نہیں۔ وہ اس وقت تک اس معاملے سے بے خبر تھا۔ پاکستان کا وقت تھائی لینڈ سے دو گھنٹے پیچھے ہوتا ہے۔ وہاں سے رات گئے فیکس کیا جانے والا پیغام بنکاک کے وقت کے مطابق آدھی رات کے بعد ہی موصول ہونے کا امکان تھا۔ جلال کا حساب بالکل درست تھا کہ اسد کو تبادلے کی خبر صبح ملے گی۔

راستے میں ہمارے درمیان راجن یا موتی محل کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہماری ٹیکسی سبک رفتاری سے شہر کی مصروف سڑکیں طے کرتی ہوئی، دس بجے سے پہلے موتی محل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک کے سامنے رک گئی۔

ڈرائیور پھاٹک کی ہیبت سے مرعوب تھا۔ اسد کے ایما پر اس نے ہلکا سا ہارن بجایا۔ اسی وقت ایک پھاٹک کھل گیا۔ شاید کسی پوشیدہ کیمرے کی آنکھ سے ٹیکسی کو اندرونی چیک پوسٹ پر دیکھ لیا گیا تھا۔ ٹیکسی اندر داخل ہوتے ہی پھاٹک بند ہوگیا۔ گاڑی کو ایک مسلح محافظ نے روک لیا۔

''اسد!'' کسی کے سوال کرنے سے پہلے اسد نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر اپنا نام بتایا ''مجھے دس بجے یہاں بلایا گیا تھا۔'' اس نے وہ فقرے انگریزی میں ادا کیے تھے۔

''تمہیں زحمت ہوگی، ذرا نیچے آجاؤ!'' اسی محافظ نے سپاٹ لہجے میں کہا'' میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ہتھیاروں کا سراغ لگانے والا ایک برقی آلہ موجود تھا۔

ہم لاکھ راجن کے مہمان سہی لیکن وہاں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔

اس محافظ نے وہ آلہ باری باری ہم دونوں کے جسموں کے گرد اوپر سے نیچے تک گھمایا پھر سرسری انداز میں ہمارے جسموں کو ٹٹول کر مطمئن ہوگیا۔ اس دوران میں پھاٹک کے ساتھ بنے ہوئے کمرے سے ایک اور محافظ نمودار ہوکر اپنی سرچ لائٹ کی روشنی میں ٹیکسی کے اندرونی حصوں کی تلاشی لے چکا تھا۔

ہمیں ٹیکسی میں سوار ہوکر برآمدے تک جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ واقعی ایک پرشکوہ محل تھا۔ پھاٹک سے آگے اس قدر وسیع و عریض صحن تھا کہ اس میں پھولوں کے تختوں اور گھاس کے طویل قطعات کے درمیان گاڑیاں لانے اور لے جانے کے لیے دو الگ الگ پختہ راستے بنے ہوئے تھے۔ وہ راستے بھی اتنے کشادہ تھے کہ ان پر بہ یک وقت دو گاڑیاں برابر برابر چل سکتی تھیں۔

پورے صحن میں کھمبوں پر جابجا لگی ہوئی روشنیوں نے ہر طرف تیز اجالا پھیلایا ہوا تھا۔ پھاٹک سے اصل عمارت کا فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ ہماری ٹیکسی برآمدے کے سنگی زینوں کے قریب رکی تو وہاں بھی ایک مسلح اور باوردی شخص ہماری پیشوائی کے لیے تیار کھڑا ہوا تھا۔ موتی محل میں داخل ہوتے ہی میں نے خود کو بونا محسوس کرنا شروع کردیا تھا۔

بنکاک کے قلب میں واقع اس وسیع رقبے کی مالیت کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ میں ٹیکسی سے اتر کر مسحور نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں کچھ دخل تصنع کا بھی تھا۔ میں دیکھنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ اس عمارت کی وسعت اور بناوٹ نے مجھے بہت زیادہ مرعوب کیا تھا۔ اس وقت ایک عام آدمی کی حیثیت سے میرا مرعوب ہونا ہی قرین مصلحت تھا۔

اسد نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا اور ہم دونوں محافظ کے ساتھ سنگ مرمر کے چوڑے زینے طے کر کے وسیع برآمدے میں داخل ہوئے اور اونچے صدر دروازے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں بہ یک وقت ساٹھ ستر افراد کے بیٹھنے کا بندوبست موجود تھا۔

ہمیں احترام کے ساتھ ایک صوفے پر بٹھا کر وہ محافظ صدر دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے معنی خیز نظروں سے اسد کی طرف دیکھا تو وہ مجھے آنکھ مار کر بولا ''یہ واقعی شان دار محل ہے، ہر چیز سے فراغت اور خوش حالی جھلک رہی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ راجن کا گھر ایسا پرشکوہ ہوگا۔''

میں خاموش رہا۔ چند منٹ بعد ڈرائنگ روم کے دور افتادہ، اندرونی دروازے سے کرتے اور پاجامے میں ملبوس، ایک سیاہ فام شخص نمودار ہوا جس میں مردانہ حسن و وجاہت نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔

وہ متوسط قامت اور گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ اس کی گردن اتنی مختصر تھی کہ سامنے سے اس کا سر شانوں کے درمیان ٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں کان عجیب انداز میں باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے مگر اس کے چلنے کا پرغرور انداز بتا رہا تھا کہ وہی اس محل کا مالک تھا۔

اسد اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو مجھے بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

''ویلکم!'' اس نے دور سے ہاتھ لہرا کر گویا اس تعظیم کو شرف قبولیت بخشا اور کہا ''مجھے خوشی ہے کہ تم وقت پر بلکہ وقت سے ذرا پہلے آ گئے۔ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

اپنی بات مکمل کرتا ہوا وہ ہم سے کافی دور بیٹھ گیا۔ کبر و نخوت کے باعث اس نے قریب آ کر ہم سے رسماً ہاتھ ملانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''تلاشی کے سوا کوئی زحمت نہیں ہوئی۔'' اسد نے اپنی جگہ سنبھال کر کہا۔

''یہ مجبوری ہے۔'' وہ بولا ''موتی محل کا پروٹوکول ہے کہ یہاں صرف میرے آدمی مسلح رہتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے ہتھیار گیٹ پر لے لیے جاتے ہیں جو واپسی پر انہیں لوٹا دیے جاتے ہیں۔''

''میں نے سنا تھا کہ چند روز پہلے بہت سے مسلح امریکی فوجی کافی دیر تک یہاں رہے تھے۔'' اس بار میں اس کی اوقات یاد دلائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہاں...... وہ حرامی کسی قاعدے قرینے کی پروا نہیں کرتے۔ یہاں آئے تھے اور معافیاں مانگ کر واپس چلے گئے...... تمہیں یہ بات دہرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' اس نے برہمی سے کہا۔

''میں نے افسوس کے اظہار کے لیے وہ ذکر کیا ہے۔'' میں نے جلدی سے بات گھما دی ''یہ واقعی اندھیر ہے کہ وہ کسی بات کا لحاظ نہیں کرتے۔''

''تم دونوں میں اسد کون ہے؟'' اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر خفگی سے پوچھا اور میں نے اسد کی طرف اشارہ کر دیا۔

''تمہارا ساتھی بدتمیز ہے۔'' اس بار وہ اسد سے مخاطب ہو گیا ''اسے یہ نہیں معلوم کہ ہمدردی جتانے کے لیے زخموں کو کریدا نہیں جاتا...... اور پھر اسے میرے معاملات پر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میرے برابر کا آدمی نہیں ہے۔''

''بالکل!'' اسد نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ''تمہارا سماجی رتبہ بہت بلند ہے۔''

''جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' اسد نے اس کے سوال پر بے بسی سے اپنا سر ہلا دیا۔

''ڈینی...... وہ اس وقت کہاں ہوگا؟'' راجن نے صبر و تحمل کو بالائے طاق رکھ کر براہِ راست سوال کر ڈالا ''مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے مگر میں اس سے واقف نہیں ہوں۔''

''تم یہاں آئی بی کا بیورو چلاتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ڈینی کو کس کس نے پالا ہوا ہے؟''

''ڈینی پاکستان میں ہے۔ میں دو برس سے یہاں ہوں۔ اس سے پہلے مصر اور مسقط میں چار برس گزار چکا ہوں۔ ان چھ برسوں میں وہاں کیا ہوتا رہا ہے میں اس سے بہت زیادہ باخبر نہیں ہوں۔'' اس نے بے مثال صداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ پاکستان میں نہیں ہے بنکاک آیا ہوا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی پہلے سے یہاں موجود ہے یہ ممکن نہیں کہ اس نے تم سے رابطہ نہ کیا ہو۔'' وہ غصیلی آواز میں گرجنے لگا ''اسے تمہاری کئی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے وہ بدمعاش اور دہشت گرد ہے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔''

''کم از کم میری ایجنسی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اسد نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر کہا ''وہ بلیک میلر ہے اگر میرے ادارے کے کسی افسر کو بلیک میل کر رہا ہو تو دوسری بات ہے ورنہ محکمے کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں وہ پکا بلیک میلر ہے تم پتا چلاؤ کہ وہ بنکاک میں کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس کا کھوج نکالو میں تمہیں نہال کر دوں گا۔''

''میرے لیے یہی عزت افزائی کافی ہے کہ تم نے اپنی ہم نشینی کی عزت دی ہے میں اس سے زیادہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا محکمہ کہے گا تو میں ضرور اسے تلاش کروں گا۔ میں اسے چھیڑ کر اپنے لیے مشکلات پیدا نہیں کروں گا۔''

''تمہارے محکمے کے بارے میں میں نے اڑتی اڑتی خبریں سنی ہیں مگر اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس اس کی پشت پناہ ہے۔''

''میرے لیے اس فورس کا نام بھی نیا ہے۔'' اسد نے نرمی سے کہا۔

''بکومت!'' راجن غصے سے پیر پٹخ کر دہاڑا ''وہ ایک

کھلا راز ہے تم لوگ اس کے وجود سے انکار کرتے ہو مگر وہ میری اور تمہاری طرح موجود ہے۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں چھ برس سے پاکستان سے باہر ہوں......''

''مجھے بار بار یہ بات مت جتاؤ' ایجنسیوں کے آدمی دنیا میں جہاں بھی ہوں' اپنے مرکز سے ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں' باخبر رہنا ان کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے۔''

''مگر اپنے کاموں کی حد تک۔'' اسد نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا ''ہم لوگ دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری طور پر اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔''

''ڈینی نے اس شیطانی فورس کے ساتھ مل کر پاکستان میں میرے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ اب وہ یہاں ہے اور اس کی نظر مجھ پر ہے۔ تم اتنے معصوم بن رہے ہو کہ تمہیں ڈینی کی خبر ہے نہ تم ایس ٹی ایف کو جانتے ہو!'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

''راجن! میں دو برس سے یہاں ہوں' میں نے کبھی تمہارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہارے باطن میں جھانکے بغیر میں تمہارے ظاہری مقام کی عزت کرتا ہوں۔ اسی لیے میں یہاں نظر آرہا ہوں۔ مجھے دباؤ میں لانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہو تو اسلام آباد میں میرے بڑوں سے بات کرو۔ میں پاکستان اور تھائی لینڈ کے قوانین کا پابند ہوں۔ تم مجھے کسی غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میرا ڈینی وغیرہ سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے۔''

اسد نے پوری بے خوفی سے راجن کو جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بدمعاش کا اتنی پامردی سے سامنا کر سکے گا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ سب جانتے ہیں کہ ممبئی سے بنکاک تک میرا کہا ہوا ہر لفظ قانون پر بھاری ہوتا ہے۔ میں نے سب کچھ اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے۔ میں ٹکے ٹکے کے افسروں کو چیونٹیوں کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اس بار تم غلط آدمی سے ٹکرائے ہو۔ میں اپنی ارجنٹ رپورٹ میں تمہاری ان دھمکیوں کا ذکر بھی کروں گا۔ فرائض کی بجا آوری کے دوران مجھے تحفظ فراہم کرنا میری حکومت کے ساتھ تھائی حکومت کی بھی ذمے داری ہے۔'' وہ بہت خوب صورتی سے اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب کچھ کہہ گیا تھا۔ اس نے راجن کو براہِ راست مشتعل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

راجن اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر چند ثانیوں تک اسد کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر پھٹ پڑنے والے انداز میں بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں بنکاک کے پولیس کمشنر کو ہر مہینے ایک لاکھ بھات دیتا ہوں۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں تمہاری قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ڈینی میرے سائے سے بھی بھڑکے گا۔ تم اسے آسانی سے تلاش کر سکتے ہو۔ اسے ڈھونڈو' گھیرو اور مجھے بتا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

اسد کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے پرسکون لہجے میں کہا ''ڈینی پر امریکا نے دو ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے' پاکستانی حکومت نے ایک لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ کسی بکنے والے کے لیے یہ بڑے انعام ہیں۔ اس کے باوجود ڈینی آزاد ہے۔ خود سوچو کہ مجھ جیسا تنہا آدمی اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے! ایسی باتیں کر کے تم اپنی توقیر گھٹا رہے ہو۔''

''میری آمدنی بے حساب ہے۔ مجھے ان انعاموں کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا' دونوں انعام بھی تمہارے ہوں گے۔ ایسے سودے زندگی میں کبھی کبھار ملتے ہیں۔ میری بات مان لو۔ تمہاری آنے والی نسلیں عیش کریں گی۔''

''میں اپنی آیندہ نسلوں کا سودا نہیں کر سکتا۔'' اسد نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ''تم فوری طور پر میری واپسی کا بندوبست کرو۔''

''بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنا ہاتھ فضا میں جھٹک کر سختی سے کہا ''میں گھر میں بلائے ہوئے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھاتا...... میں تمہیں سولی نہیں لگاؤں گا۔ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو۔ میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا۔''

اسد نے بادل نخواستہ صوفے پر دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا ''مجھے یہ اندازہ ہوتا کہ تم میرے دام لگانے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارے آدمی سے معذرت کر لیتا' ہرگز یہاں نہ آتا۔ تم گھر بلا کر میری توہین کر رہے ہو۔''

میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسد کی طرح راجن بھی اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ اس نے پاکستان میں اپنے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد ہونے کا تذکرہ کیا لیکن بھول کر بھی سوبھراج کا نام اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔ اس نے سوبھراج کی موت کو چھپایا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کا نام درمیان میں لانے سے گریز کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ انسان کی زندگی کتنی حقیر اور بے

وقعت ہے!'' اس نے اپنی جگہ پر آگے جھک کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''سڑک پر کوئی گاڑی اسے ٹکر مار دے تو وہ ختم ہوجاتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں کوئی لٹیرا پیچھے سے آکر چاقو گھونپ سکتا ہے' ہزار طریقے ہیں۔ آدمی ایک پل میں کسی اور جہان میں پہنچ جاتا ہے۔''

''تمہیں یہ سب باتیں بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اسد نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹ کر کہا ''تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں مسلمان ہوں' میرا ایمان ہے کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں مار سکے گی' سانس پورے ہوگئے تو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ تم ان باتوں سے ڈرا کر مجھے خریدنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔''

''میں ڈرانے دھمکانے کا قائل نہیں ہوں۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولا ''تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر مول نہیں لیا جاتا۔ تم سرکاری افسر ہو میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ دعوت دے کر بلایا ہے تو عزت سے رخصت کروں گا مگر بنکاک بہت بڑا شہر ہے' یہاں سے جانے کے بعد تمہارے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔''

''میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔ میں ڈینی کو نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بنکاک آیا ہوا ہے۔ تم اس شہر کے بارسوخ اور نامور آدمی ہو۔ وہ یہاں ہے تو تم خود اسے تلاش کرلو۔''

''تم کیوں خاموش ہو؟'' وہ اچانک مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

''تم نے مجھے بدتمیز قرار دے کر خاموش کرایا ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا ''میں حکم کی تعمیل کررہا ہوں۔ اجازت ہوگی تو بولنا شروع کردوں گا۔''

میرے جواب پر وہ اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گیا۔ مجھے گھورتا رہا پھر ترش لہجے میں بولا ''تم نے سب باتیں سنی ہیں' کیا اسد سمجھداری سے کام لے رہا ہے؟''

''اسد بکنے والا آدمی نہیں ہے۔ اس کے دام لگا کر تم نے اسے بھڑکا دیا ہے۔ سیدھی بات کرتے تو یہ ڈینی کی تلاش میں تمہاری مدد کرسکتا تھا۔ یہ اسے پسند نہیں کرتا۔''

''مجھ سے غلطی ہوگئی ہے تو اب تم اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''بے سود کوشش سے کیا حاصل ہوگا...... تم نے بات بگاڑ دی ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ڈینی کو پاکستانی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے۔ وہ بدمعاش اور اول درجے کا بلیک میلر ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسے ہوئے افسر اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہیں اور اس کے گن گاتے رہتے ہیں۔ وہ کسی طرح تم سے کم نہیں ہے۔''

''کیا بکتے ہو!'' وہ بپھر کر دہاڑا۔ ''میں بدمعاش اور بلیک میلر ہوں؟''

میں نے سہم جانے کی اداکاری کی اور کہا ''دونوں باتوں کو ایک ساتھ نہ ملاؤ' مم...... میرا مطلب تھا کہ تمہاری طرح اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔''

میں نے اس کی زبان سے سن لیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ وہ بات میرے لیے حوصلہ افزا تھی۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرسکتا تھا' موتی محل سے نکلنے کے بعد جو کچھ ہوتا اسے بعد میں دیکھ لیا جاتا۔

''وہ دو ٹکے کا لفنگا ہے' چور کی طرح چھپتا پھرتا ہے' ہزاروں لوگ اس کے دشمن ہیں' میں عزت کے ساتھ کھلے بندوں رہتا ہوں۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ ہے!''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ لوگوں کو بلیک میل کرتا ہے' تم انہیں خرید لیتے ہو۔ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔''

''اسد نہیں مانتا تو کیا تم میرے لیے کام کروگے؟''

''میں اسد کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔'' میں نے اسے گول مول جواب دیا ''سچ پوچھو تو میں خود بھی اس بات سے بے خبر ہوں کہ ڈینی یہاں آیا ہوا ہے۔ یہاں ہونے والے واقعات سے اسد فکرمند تھا کہ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے......''

''تم کن واقعات کی بات کررہے ہو؟'' راجن نے میری بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''تم پھر کہو گے کہ میں تمہارے زخموں کو کرید رہا ہوں۔''

''تم میرے کاروباری ٹھکانوں پر دھماکوں کی بات کررہے ہو؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''دھماکے ہوئے' گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا پھر لوپ بوری میں تمہارا ڈرائیور قتل ہوا اور ایک مہمان کی لاش جنگل سے ملی۔ ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے کسی سے تمہاری گینگ وار چل رہی ہو۔'' میں نے موقع ملتے ہی اس کے سارے زخموں پر نمک پاشی کرڈالی۔

''کسی میں مجھ سے لڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا ''جیسے کریم لالہ اور حاجی مستان نے تربیت دی ہو

اس کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ یہاں ڈان برنارڈ کا راج ہوا کرتا تھا۔ میں آیا تو وہ چوہے کی طرح اپنے بل میں دبک گیا۔ یہ سب کسی اوچھے دشمن کی حرکتیں ہیں اور وہ ڈینی ہے۔ اسی لیے مجھے اس خبیث کی تلاش ہے۔''

شیخی بگھارنے کے چکر میں اس نے اپنے استادوں کے نام بھی کھول دیے۔ وہ ممبئی کی زیرزمین دنیا کے معروف نام تھے جن کے سامنے بھارتی پولیس اور انٹرپول بھی بے بس تھی۔

''اب سمجھ میں آیا کہ تم نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ ڈینی تمہیں دکھ دے رہا ہے اور تمہاری دسترس سے باہر ہے۔ تم چاہتے ہو کہ ہم اسے پکڑ لیں۔'' میں نے احمقانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''یہ بات اسد کو بھی سمجھ لینی چاہیے۔ چاہو تو میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں۔'' اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری زبان سے اپنی ناکامیوں کا ذکر سننے کے بعد اس کا ابتدائی دم خم رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے تاریک چہرے پر اشتعال کی جگہ فکر و تشویش نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ اپنی طرف سے وقت دینے کی پیشکش کر کے اس نے میرا دل خوش کر دیا۔ اس وقت میں خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔

راجن سے ہمارا آمنا سامنا ہو گیا' کھل کر باتیں ہو گئیں۔ اس کے بعد اسد کو پاکستان لوٹ جانا تھا۔ اس کی واپسی پر راجن اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔ اس کے لیے میری حیثیت اسد کے معاون سے زیادہ نہیں تھی' بنکاک میں سیکڑوں پر جوش پاکستانی رہ رہے تھے جو وطن سے دوری کے باعث ہر وقت اپنے ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔ راجن نے مجھے ان میں سے سمجھ لیا تھا اور میرے بارے میں زیادہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے شاید یہ فرض کر لیا تھا کہ میں اسد کا طفیلی تھا۔ وہ جب چاہتا' اسد کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔

میں نے اسد سے نظریں بچا کر راجن کو آنکھ ماری اور کہا ''بڑے فیصلے چٹکی بجاتے میں نہیں ہوتے۔ بہتر یہی ہے کہ فیصلے کو کسی بھلے وقت کے لیے ملتوی کر دو۔''

''یہی ٹھیک ہے!'' اس نے بلاتردد میری بات مان لی' میرے آنکھ مارنے سے اسے یہ خوش فہمی ہو گئی کہ مجھ پر اس کا جادو چل گیا ہے۔

''تم کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی حرکتوں سے تمہارے ملک کو بدنام کر رہا ہے۔'' راجن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''بھارتیوں کا دشمن ہے' غریب امریکیوں کو مار رہا ہے' حد تو یہ ہے کہ اس کے عزت دار ہم وطن بھی اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے میری دشمنی کو ایک طرف رکھ دو تب بھی تمہیں اس کو روکنا چاہیے۔''

''تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ ہماری پہنچ میں ہے اور ہم نے دانستہ اسے ڈھیل دی ہوئی ہے۔'' اسد نے شکوہ کیا وہ تسلسل کے ساتھ اپنے ایک ہی موقف پر قائم تھا۔

''اس کا پیچھا نہ کرنا اسے ڈھیل دینے کے برابر ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا ''میری ان باتوں پر غور کرو۔ جلد ہی ہماری دوسری ملاقات ہو گی اور ہاں اس وقت جو تلخیاں پیدا ہوئی ہیں' انہیں بھلا دینا!''

اس نے کسی کو آواز دی۔ ہمیں اندر لانے والا محافظ اسی لمحے ڈرائنگ روم میں آ گیا' راجن ہمیں اس کے حوالے کر کے اندر چل دیا۔

ہم موتی محل میں داخل ہوئے تو پورچ میں نئے ماڈل کی دو چمکتی ہوئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہماری واپسی پر ان میں اس سفید لینڈ کروزر کا اضافہ ہو چکا تھا جسے لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس کے باہر دیکھا گیا تھا۔ اس گاڑی نے سوبھراج کو موتی محل کی عافیت سے نکال کر لوپ بوری کے مقتل تک پہنچایا تھا۔

محافظ نے برآمدے کی سیڑھیوں پر ہمیں رخصت کر دیا اور ہم پیدل پھاٹک کی طرف چل دیے۔

''تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی؟'' برآمدے سے کچھ دور نکل کر آنے کے بعد اسد نے دھیمی اور متجسس آواز میں پوچھا۔

''بے چارے کو کسی نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا کرنا ضروری تھا۔ دوسری صورت میں یہ ملاقات بہت زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگلی ملاقات میں اس کی توقعات زیادہ ہوں گی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس سے اگلی ملاقات کی نوبت ہی نہ آئے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''نوبت آئے یا نہ آئے' تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔'' وہ مسکرا کے بولا ''ایک ایک کر کے اس کے سارے زخم تازہ کر دیے۔'' میرا ذو معنی تبصرہ اس کے لیے سپاٹ ثابت ہوا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اپنے کرتوتوں کی طرح بدصورت ہو گا۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ بعض

لوگوں کی صورت پیدائش کے وقت سے ہی ان کے مستقبل کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر شیطان کا تصویری خاکہ بنانے کے لیے کہا جائے تو میرے ذہن میں اسی کی صورت ابھرے گی۔''

موتی محل سے نکل کر ہم نے ٹیکسی پکڑی اور واپس روانہ ہوگئے۔ پروگرام کے مطابق اسد کو مجھے چھوڑ کر آگے نکل جانا تھا۔

راجن سے ملاقات میں یہ بات واضح ہوکر سامنے آگئی تھی کہ میری دھمکی نے اسے ہلاکر رکھ دیا تھا وہ اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرر ہا تھا تاکہ میری دی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے میرا کام تمام کر سکے۔ میرے اور اس کے درمیان شروع ہونے والی سرد جنگ بہت تیزی سے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور مقامی تھا۔ ہم دونوں بے فکری سے اردو میں باتیں کرتے رہے اور سفر جاری رہا۔

رات کے ان لمحات میں بنکاک کی سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھ جاتی ہے، سیر وسیاحت کے لیے آنے والوں کے ساتھ مقامی باشندے بھی رات کے کھانے سے فارغ ہوکر سیر وتفریح کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈرائیور اس بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے شہر کی پر پیچ گلیوں سے گزر کر ہمیں منزل تک پہنچانے کی کوشش کرر ہا تھا۔

میں راستے بھر مڑ مڑ کر پیچھے کا جائزہ لیتا رہا۔ راجن جیسے بدفطرت انسان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ ہمیں مفاہمانہ انداز میں رخصت کر کے وہ اپنے غنڈوں کو ہمارے پیچھے لگادے۔ اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈلیمپس کی روشنی کے سوا کچھ اور دیکھنا ممکن نہیں تھا پھر بھی مجھے اطمینان تھا کہ ان ٹیڑھی میڑھی اور نیم تاریک گلیوں میں کوئی مشتبہ کار ہمارے پیچھے نہیں لگی ہوئی تھی۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک کے بھی کئی چہرے ہیں۔ تفریح گاہوں، معروف سڑکوں، بازاروں اور سیاحوں کی گزرگاہوں کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی یہ علاقے رنگا رنگ روشنیوں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی ساری دولت ان ہی علاقوں میں سمٹ آئی ہے لیکن شہر کے اندرونی حصوں کا حال مختلف ہے۔

صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال کا فقدان وہاں پاکستان کی یاد دلاتا ہے۔ شہر کے کئی حصوں میں کچی آبادیاں بھی ہیں جہاں کوئی غیر ملکی نہیں جاتا۔ اس وقت ٹیکسی میں اندرون شہر کے راستوں سے گزرتے ہوئے مجھے شدت سے روشنی کی کمی کا احساس ہورہا تھا۔ ان پتلی پتلی سڑکوں پر سرے سے اسٹریٹ لیمپس نہیں تھے اور تھے تو وہ روشن نہیں تھے۔

ہماری ٹیکسی ایسی ہی پتلی سی سڑک سے گزر رہی تھی کہ پیچھے سے ایک کار تیز رفتاری سے ہمارے قریب آئی۔ اس کے ہارن پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک کنارے پر لے کر اسے آگے نکلنے کا راستہ دے دیا۔ وہ سفید رنگ کی کرولا تھی۔ ہماری ٹیکسی سے آگے نکلتے ہی اچانک کار ترچھی ہوگئی۔ اس کی رفتار بھی کم ہوگئی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس بریک لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسے بریک لگانے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو اس کی گاڑی کا اگلا فینڈر سفید کرولا میں گھس جاتا۔

ہمارا ڈرائیور اپنی زبان میں بڑبڑا رہا تھا۔ لمحہ بھر میں ٹیکسی کے آگے بڑھنے کی راہ مسدود ہوگئی اور کرولا سے چار تنومند.... مقامی پھرتی سے نیچے اتر آئے۔

ان کے تیور خراب اور ارادے خطرناک تھے۔ ان کے قریب آنے سے پہلے میں ٹیکسی سے نیچے اتر چکا تھا۔ نیچے قدم رکھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہم غلط جگہ گھر لیے گئے تھے۔ وہ شہر کا کوئی تجارتی بازار تھا جو اس وقت بند پڑا ہوا تھا۔ گلی میں پھیلی ہوئی اجناس وغیرہ کی بو تیزی سے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ میرے پاس ان جزئیات پر غور کا وقت نہیں تھا۔ کرولا سے اترنے والے دو پستہ قامت مقامی میری طرف بڑھے۔ بقیہ دو نے اسد کو ٹیکسی سے اترنے سے پہلے چھاپ لیا۔

میں نے پوری قوت سے ایک کے منہ پر مکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے تیز ہچکی جیسی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا گیا۔ دوسرے کو مجھ پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کا مکا اپنی کلائی پر روک کر اپنا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر مارا۔ وہ اوغ کی آواز کے ساتھ، اپنا پیٹ تھام کر دہرا ہوگیا۔ میں نے بڑھ کر اسے اپنے زوردار مکوں کی زد پر لے لیا۔

میرا گھونسا کھا کر الٹنے والا سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ میں اس کے ساتھی کے ساتھ گتھا ہوا تھا۔ وہ کسی جونک کی طرح میری ٹانگوں سے لپٹ کر مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ دونوں گینڈوں کی طرح سخت جان اور زورآور تھے۔ میں نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ ان چاروں کی جسمانی ساخت کم وبیش یکساں تھی۔ ان سے اپنی لڑائی لڑتے ہوئے مجھے اسد کی فکر تھی اور میرے کان ادھر سے آنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اسد بھی جم کر اپنے حریفوں کا مقابلہ کررہا تھا۔ میں نے یکسو ہوکر اپنی ساری توجہ

اپنے حریفوں پر مرکوز کردی۔
ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا۔ واضح طور پر وہ ہمیں جان سے مارنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ شاید راجن نے انہیں ہماری ٹھکائی کرنے کے لیے ہمارے پیچھے روانہ کیا تھا۔
میں نے اپنے جسم کو بل دے کر ذرا سی گنجائش پیدا کی اور اپنے سامنے والے کے چہرے پر شدید ٹکر رسید کردی۔ وہ کراہ کر لڑکھڑایا۔ اس کے بوجھ کے نیچے دبتے ہی دوسرے آدمی کی گرفت کمزور ہوگئی۔ اپنی پنڈلیوں کو ذرا سی آزادی ملتے ہی میں نے نیچے جھکے ہوئے حریف پر اندھا دھند گھٹنے کی ضرب لگائی جو میری خوش قسمتی سے اس کے چہرے پر پڑی اور مجھے ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہونے کا موقع مل گیا۔
میری ٹکر کھانے والے کی پیشانی اور ناک خون سے رنگین ہوچکی تھی۔ اس کے خون کی چپچپاہٹ میں اپنی پیشانی پر محسوس کررہا تھا۔ میں نے قدرے پیچھے سرک کر پختہ سڑک پر اپنے قدم جمائے اور ان دونوں کو بہ یک وقت اپنے مکوں کی زد میں لے لیا۔
اس دھینگا مشتی میں ہم گاڑیوں سے کچھ دور ہٹ گئے تھے۔ ہمارا ٹیکسی ڈرائیور اچانک ہونے والے تصادم سے دہشت زدہ ہوگیا تھا۔ موقع ملتے ہی اس نے ٹیکسی ریورس کی اور اپنے کرائے وغیرہ کی پروا کیے بغیر وہاں سے فرار ہوگیا۔
اس وقت تک میرے دونوں حریف مجھے کوئی ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ وہ اپنی عددی برتری اور طاقت کے گھمنڈ میں اندھا دھند حملہ آور ہوئے تھے نتیجہ ان کے خون آلود چہروں سے صاف ظاہر ہورہا تھا۔
وہ دو تھے اور چار ہاتھوں سے حملہ آور ہورہے تھے۔ مکے بازی کے اس مقابلے میں میرے جبڑے پر دو چوٹیں آئیں تو میں ہل کر رہ گیا۔ وہاں دور دور تک بیچ بچاؤ کرانے والے کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔ وہ مقابلہ طول پکڑتا جارہا تھا۔
ان میں سے ایک نے میرے دوسرے جبڑے کا نشانہ لے کر مکا چلایا۔ میں نے اپنے جسم کو پھرتی سے پیچھے سمیٹ کر اس ضرب سے بچالیا حملہ آور اپنی جھونک میں جیسے ہی آگے جھکا، میں نے اس کی بائیں کنپٹی پر اپنی پوری قوت سے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔
اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر دوسرے کے پیر اکھڑ گئے۔ وہ ایک پر ایک کا مقابلہ تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا ایک مرتبہ میں نے جوں ہی اسے جھکائی دی، وہ مجھ پر دوسرا حملہ کرنے کے بجائے، پلٹ کر پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔ اس وقت میرے دماغ پر مارنے یا مرجانے کا جنون سوار ہوچکا تھا۔
بھاگنے والے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اپنے بھاری وجود کے ساتھ وہ سبک رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور لمحہ بہ لمحہ ہمارا درمیانی فاصلہ بڑھتا جارہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اپنی پوری طاقت صرف کر کے بھی اسے نہیں پکڑ سکوں گا۔ میرے سر پر اسد کی فکر بھی سوار تھی۔ میں تیزی سے واپس ہولیا۔
میں واپس لوٹا تو میرا گھونسا کھا کر تیورانے والا غائب تھا۔ موقع غنیمت جان کر وہ خاموشی سے کہیں کھسک گیا تھا۔ دوسری طرف اسد ان دونوں سے اپنے بچاؤ کی جان توڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ میں بھگوڑوں کی فکر چھوڑ کر اسد کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان تینوں کے چہرے بری طرح سوجے ہوئے تھے اسد ان سے پٹا ضرور تھا لیکن اس نے بھی ان دونوں کو بہت بے رحمی سے ادھیڑا تھا۔
میں نے جاتے ہی، ان میں سے ایک کو کمر سے پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھایا اور بے رحمی سے نیچے پھینک دیا۔ پیچھے سے ہونے والا حملہ اس کے لیے ہمت شکن ثابت ہوا۔ وہ اپنی کمر تھام کر سڑک پر لہراتا رہ گیا۔ میں پھرتی سے چوتھے کی طرف متوجہ ہوگیا۔
طاقت کا توازن اچانک الٹ گیا تھا۔ پہلے وہ دونوں مل کر اسد کو مار رہے تھے۔ اب وہ اکیلا ہم دونوں کے رحم و کرم پر تھا۔
مجھے ان کی لڑائی میں حصہ نہیں لینا پڑا۔ میری موجودگی نے چوتھے آدمی کو اتنا حواس باختہ کردیا کہ اسد نے اس کے چہرے پر تابڑ توڑ کئی مکے رسید کر کے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کردیے اور وہ سڑک پر ڈھیر ہوگیا۔
اسد نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر، ہانپتے ہوئے کوئی سوال کیا۔ جواب میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر، گڑگڑاتے ہوئے کچھ کہا۔ ان دونوں کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑسکا۔
ہماری ٹیکسی واپس جاچکی تھی۔ وہ ویران سڑک کافی لمبی تھی۔ مار دھاڑ میں ہمارے حلیے بگڑ گئے تھے۔ مجھے واپسی کی فکر لاحق ہوگئی۔
اسد کو اپنے حریف سے باز پرس میں مصروف چھوڑ کر میں سفید کرولا کے قریب پہنچا تو ڈرائیونگ سیٹ والی کھڑکی میں سے اندر جھانکتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ اگنیشن

میں چابی موجود تھی۔
میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اونچی آواز میں کہا۔ ’’ان پر لعنت بھیجو اور یہاں سے نکلو۔ یہ کچھ نہیں بتائیں گے۔‘‘
اسد نے سڑک پر پڑے ہوئے دونوں بد معاشوں کی کھوپڑیوں پر الوداعی ٹھوکریں رسید کیں اور تیزی سے گاڑی کی طرف آگیا۔
’’کچھ نہیں اگلتا۔‘‘ اس نے میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر، ہانپتے ہوئے کہا۔ ’’الو کا پٹھا معافیاں مانگے جارہا ہے۔ یہ چاروں اسی کے بھیجے ہوئے گرگے تھے۔‘‘
گاڑی چلاتے ہوئے میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ’’یہ مقابلہ بھی عجیب تھا۔ ہاتھ پیر کھل گئے۔ تمہارے چہرے پر کافی چوٹیں آئی ہیں۔ کپڑوں پر خون کے دھبے ہیں۔‘‘
’’چوٹیں تو آنی تھیں۔‘‘ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخساروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ’’ان کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہوگا۔ میں نے انہیں بہت بے رحمی سے مارا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے رخساروں کی ہڈیاں تک چیخ گئی ہوں۔‘‘
’’ان چاروں کا حشر راجن کی آنکھیں کھول دے گا۔ یہ بتاؤ کہ میرا کیا حلیہ ہے۔ اس حالت میں ہم کہیں نہیں جاسکتے۔‘‘
’’تم بہتر ہو۔ بائیں جبڑے پر کچھ ورم ہے اور پیشانی پر خون لگا ہوا ہے۔ اسے کپڑے سے پونچھ لو اور میرے گھر چلو، وہاں سے حلیہ درست کر کے ہوٹل چلے جانا۔‘‘
’’اس گاڑی میں وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔‘‘ میں نے کہا۔
’’پروامت کرو۔ اب کھل کر ٹھن گئی ہے تو احتیاط بے کار ہے۔ اپنی حالت درست کرنے کے بعد گاڑی کو کہیں بھی چھوڑ دیں گے۔ اس حال میں گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی لینا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہی راستے میں ہمیں پکڑوا دے گا۔‘‘
اس کا مشورہ معقول تھا۔ وقت بچانے کے لیے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔
چہروں پر آئے ہوئے ورم اور نیل کے نشانات کو فوری طور پر غائب کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ اسد کے چھوٹے سے فلیٹ میں ہم دونوں امکانی حد تک اپنے حلیوں کو معمول پر لائے پھر کرولا میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔
اسد مجھے اسی کار میں ہوٹل تک پہنچانے پر مصر تھا مگر میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ راستے میں ایک مصروف بازار میں اس نے اطمینان سے گاڑی پارک کی اور چابی پائیدان پر ڈال کر ہم دونوں باہر نکل آئے۔
اسد وہاں سے واپس اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ میں ٹیکسی میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔
جب سے مجھے جلال کی زبانی یہ پتا چلا کہ اسد کو فوری طور پر پاکستان واپس بلایا جارہا ہے، میرے دل کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ وہ ان احکام سے بے خبری کے عالم میں پوری تن دہی سے اپنا فرض پورا کررہا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آئی کہ اسے اعتماد میں لے کر اس خبر سے آگاہ کردوں لیکن جلال سے کیے ہوئے وعدے نے میری زبان پر تالے ڈال دیے۔
میرے لیے یہ بات خاصی افسوسناک تھی کہ بنکاک سے جاتے جاتے اسے ایک ایسے معرکے سے دو چار ہونا پڑا تھا جس کے نتیجے میں اس کے خدوخال خاصے بگڑ گئے تھے۔ اس وقت تک میں محض ڈان کے ایما پر مجبور ہوکر راجن کے خلاف میدان میں اترا ہوا تھا لیکن اس واقعے کے بعد میرے دل میں اس مکروہ صورت شیطان کے لیے نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا کریہہ چہرہ اس حد تک بگاڑ دوں کہ اس کے لیے خود کو پہچاننا مشکل ہو جائے۔
میں ان خیالات میں غلطاں، پیچ و تاب کھاتا ہوا، ہوٹل پہنچا تو غزالہ میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہی بے چین ہوگئی۔ میں اس کی محبت آمیز تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کے لیے بستر پر دراز ہوگیا وہ میرے چہرے کے نیل سہلا رہی تھی اور میں اسے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کررہا تھا۔
اسے یہ جان کر قدرے خوشی ہوئی کہ میرا براہ راست راجن سے تصادم نہیں ہوا‘ اس نے بزدلانہ انداز میں اپنے... گرگوں کے ذریعے حملہ کیا تھا۔
وہ سب سن لینے کے بعد اس نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں چاؤ فان اور ویرا کے فون آئے تھے۔ ویرا گپ شپ کے موڈ میں تھی۔ چاؤ فان نے میرے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ میں پہلی فرصت میں بڑے آدمی سے بات کرلوں۔
’’کیا اس نے ہوٹل کے نمبر پر فون کیا تھا؟‘‘ میں نے چونک کر پوچھا۔
’’نہیں، اس نے یہاں والے موبائل نمبر پر فون کیا تھا۔ ویرا نے کراچی والے موبائل کا نمبر استعمال کیا‘ ہوٹل کے نمبر پر کسی نے رابطہ نہیں کیا۔‘‘ وہ جھجک کر خاموش ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''کہو، تم اور کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''وعدہ کریں کہ آپ چاؤ فان سے لڑائی نہیں کریں گے!''

''اب میں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''راجن سے بات بگڑ گئی ہے، اسد کسی بھی وقت واپس چلا جائے گا۔ بنکاک میں مجھے ان ہی لوگوں کا سہارا ہے...... کیا اس مردود نے تم سے کوئی بدتمیزی کی ہے۔''

''بدتمیزی تو نہیں کی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔'' کچھ عجیب سی بات کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری زبان سے آپ کی برائیاں سننا چاہتا ہو۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔'' میں نے شگفتگی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔'' اس بے چارے کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ ڈان عورت کا ستایا ہوا ہے۔ اس کے پیٹ میں گھسنے کے لیے میں نے اس کے سامنے تمہاری خاصی کردار کشی کی ہے۔ چاؤ فان کو بھی کچھ بھنک مل گئی ہو گی۔ جب میاں بیوی میں ان بن ہو تو کوئی مشترک شناسا ایسی حرکتیں کر سکتا ہے۔ وہ تم سے دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گا۔''

''آپ کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے دوبارہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو میں خود اسے سنبھال لوں گی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ نے مجھے پس منظر کے بارے میں بتا دیا۔'' اس نے میری بات ختم ہوتے ہی جلدی سے کہا۔

''کیوں نہ میں ڈان سے پہلے اس سے بات کر لوں!'' میں نے اس سے رائے مانگی۔

''یہ بات وہ بھی کہہ سکتا تھا۔ آپ بلاوجہ اسے منہ نہ لگائیں۔ ڈان سے بات کریں۔''

میں نے غزالہ کا مشورہ مان کر اسی وقت ڈان کا موبائل فون نمبر ملا لیا۔

وہ سیلرز بار میں رش کا وقت تھا۔ ڈان اپنے بار کے کیش پر خود موجود رہتا تھا تاکہ اپنے عملے کی کارکردگی کے ساتھ وہاں آنے والے ناپسندیدہ عناصر پر بھی کڑی نظر رکھ سکے۔ چاؤ فان کے کہنے کے مطابق ڈان کی گہری دلچسپی کے سبب سیلرز بار کا ماحول ہر قسم کی شرپسندی سے پاک تھا۔ وہاں آنے والے اپنی دھن میں مگن رہتے تھے۔ کوئی غیر ضروری طور پر دوسروں کی تفریحات میں مخل نہیں ہوتا تھا۔ ان خوبیوں کی بنا پر سیلرز بار پینے پلانے کے شوقینوں میں بہت مقبول تھا۔

گھنٹیاں بجتی رہیں، میں ڈان کی بڑھی ہوئی مصروفیات کے پیش نظر تحمل سے انتظار کرتا رہا۔ چوتھی گھنٹی پر ڈان کی طرف سے ہیلو کی صورت میں جواب آ گیا۔

''میں علی بول رہا ہوں۔ مجھے تمہارا پیغام ملا تھا......''

''میں دو بجے فارغ ہو کر اوپر چلا جاؤں گا۔ تم یہاں آ جاؤ۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں اپنا نادر شاہی فرمان سنا دیا۔

''رات کے دو بجے!'' میں نے حیرت سے کہا۔'' کیا یہ ملاقات کل کے لیے ملتوی نہیں ہو سکتی؟''

''بک بک مت کرو!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے ساتھ اپنائیت بھی رچی ہوئی تھی۔'' تم نے میرے دماغ میں آگ لگا دی ہے میں چاؤ فان سے کہہ دوں گا۔ وہ ناہنجار تمہیں لینے کے لیے آ جائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ دو بجے تمہیں یہاں پہنچنا ہے۔''

''تمہارا حکم ہے تو میں سر کے بل آؤں گا۔'' میں نے بے چارگی سے کہا۔'' سچ بات یہ ہے کہ میں آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ آج بنکاک کے لٹیروں سے میری جھڑپ ہو گئی تھی۔'' میں نے تمہید کے طور پر جھڑپ کا ذکر چھیڑ دیا تاکہ میرے چہرے کے نیل ڈان کے چونکنے کا سبب نہ بن سکیں میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میرا راجن کے آدمیوں سے تصادم ہوا تھا۔

وہ کہانی کچھ اور تھی جو ڈینی اور آئی بی کے ذکر کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈان ذہین اور چالاک آدمی تھا۔ اصل واقعات سن کر وہ ایسے ایسے سوال کرتا کہ میرے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ ان مسائل سے بچنے کے لیے لٹیروں کا مفروضہ سب سے موزوں تھا۔

ڈان نے لٹیروں کے ذکر کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ اسی لہجے میں کہا۔'' تم آ رہے ہو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیا۔

''رات کے دو بجے اسے آپ سے کیا کام پڑ گیا؟'' غزالہ میرے جوابات سے پوری بات سمجھ چکی تھی اور خاصی متجسس نظر آنے لگی تھی۔

''دو بجے وہ بار بند کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا۔'' کہہ رہا تھا کہ میں نے اس کے دماغ میں آگ لگا دی ہے۔''

''ایسا تو نہیں کہ اسے آپ کے کارنامے کی خبر مل گئی ہو۔ چار پیشہ ور بدمعاشوں سے مارکٹائی کے بعد صحیح سالم نکل آنا معجزے سے کم نہیں ہے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''جس وقت وہ چاروں حملہ آور ہوئے، سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ڈان کا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کررہا ہوتا تو اس نازک موقع پر الگ تھلگ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ضرور ہماری مدد کے لیے سامنے آجاتا۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔'' غزالہ نے اعتراف کیا۔ ''میں وقت کے تعین کو بھول رہی ہوں۔ آپ کے جانے کے بیس پچیس منٹ بعد چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ اس وقت تک آپ دونوں موتی محل تک بھی نہیں پہنچے ہوں گے۔ جھگڑا اس کے بہت بعد ہوا میں ہوگا۔ ڈان یا چاؤ فان کو آنے والے واقعات کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''

''یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ڈان کے لب و لہجے سے ستائش کی بو آرہی تھی۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا کہ لٹیروں سے لڑائی کی بات اس کے کان میں ڈال دی۔ اب وہ آپ کی چوٹوں کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ڈان سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔ جس وقت کوئی چوک ہوئی اس کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں آر یا پار کے سوا تیسرا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''آپ کو اس ٹیڑھے وقت میں ویرا کی کمی تو ضرور محسوس ہوتی ہوگی!'' غزالہ نے اچانک وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔ میری تادیب کے باوجود، ویرا کا نام ایک آسیب بن کر اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا۔

''مجھے کسی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔'' میں نے غزالہ کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جب تک وہ ہمارے ساتھ تھی۔ قدم قدم پر اس کی اور اس کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ وہ الگ ہوگئی ہے تو میں اپنے فیصلے خود کررہا ہوں۔ ان میں تمہارے سوا کسی کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ میں نے ابھی تک کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔''

''آپ مرد ہیں۔'' وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''ان معاملات میں مردوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ رشتوں ناتوں کو آسانی سے فراموش کردیتے ہیں۔ ویرا کے لیے آپ کو بھلانا ممکن نہیں ہے بے چاری آپ کو فون کرتی رہتی ہے۔''

میں چکرا کر رہ گیا، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے جو بات کہی تھی، غزالہ نے اس میں بھی تنقید کا پہلو تلاش کرلیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے اس کے خیال کی تائید کی ہوتی تو وہ شکایت لے بیٹھتی کہ میں ویرا کو اس سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

آخر کو وہ ایک عورت تھی اور عورت کو مرد کی اس ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا جو کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی، نرمی سے اس کی ٹیڑھ نہیں جاتی، سختی کرو تو ٹوٹ جاتی ہے۔

''وہ فون کرتی ہے تو کیا کرے۔ میں اس کے کسی فعل کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''ان دونوں کی خیر خبر رکھنا آپ کی ذمے داری ہے۔'' غزالہ کو اس وقت شاید اس تذکرے میں مزہ آرہا تھا۔ اس نے بات بڑھالی۔ ''وہ آپ کو اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں البرٹو کا چکر بھی چلا ہوا ہے، پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔''

''ویرا سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ یہ خبر گیری تم بھی کرسکتی تھیں۔''

''اسے آپ ہی گھیر سکتے ہیں۔ میرے لیے بال کی کھال نکالنا ناممکن ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ میرے لیے اس کا ساتھ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ بہترین اور مثالی بیوی تھی۔ میرے لیے اس کی خوبیوں کا شمار ممکن نہیں تھا.... اس میں بس ایک ہی خرابی تھی کہ وہ عورت تھی!

☆☆☆

ٹھیک دو بجے ہم سیلرز بار کے دروازے پر موجود تھے۔

ڈان کے معاملے میں چاؤ فان ضرورت سے زیادہ حساس اور محتاط رہا کرتا تھا۔ وہ مجھے فون کر کے ایک بجے ہوٹل کے باہر آپہنچا۔ اس وقت بنکاک میں رات گہری ہوچکی تھی۔ عام شہری دن بھر کی مشقت آمیز مصروفیات کے بعد اپنے گھروں میں گہری نیند سورہے تھے لیکن شہر کے چیدہ چیدہ تفریحی مقامات پر بنکاک کی پراسرار شبینہ سرگرمیاں اپنے جوبن پر تھیں۔

چاؤ فان اپنی گاڑی کو ان علاقوں میں گھمانے کے ساتھ رواں تبصرے بھی کرتا جارہا تھا۔ جن پر معلومات سے زیادہ خرافات کا غلبہ تھا۔

اپنا فاضل وقت ان شب بیدار گلی کوچوں میں گزارنے کے بعد اس نے سیلرز بار کا رخ اختیار کیا۔ اس وقت شہر کی سڑکیں تقریباً خالی پڑی ہوئی تھیں۔ چاؤ فان چاہتا تو ان سڑکوں پر گاڑی بھگانے کا وحشیانہ شوق پورا کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دو بجے سے پہلے منزل پر پہنچ گیا تو اسے سیلرز بار میں گھسنے کی اجازت نہیں

ملے گی۔ وہاں رک کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ رفتار دھیمی رکھ کر وقت کا فرق راستے میں پورا کر لیا جائے۔

''دروازے پر دستک دو، ڈان اوپر جانے والا ہوگا۔'' گاڑی روکتے ہی اس نے مجھے اکسایا۔

میں نے دستک دینے سے پہلے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ اندر سے بولٹ یا مقفل تھا، پھر مجھے دروازے کے شفاف شیشوں کے پیچھے ڈان آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے دستک دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ڈان نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا، اس کی متجسس نظریں میرے شانوں کے پیچھے گئیں پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''پیچھے سے آؤ۔ اسے بھی ساتھ لے آؤ!''

دروازہ بند ہو گیا۔ اس بار ڈان نے بولٹ لگانے کے ساتھ دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھمائی اور مڑ کر اندر کی کئی بتیاں گل کر دیں۔ اندر چھا جانے والی نیم تاریکی میں اس کا دیو ہیکل ہیولا واپس چل پڑا۔ بار کے اندرونی حصے میں اس وقت بھی خاصی روشنی تھی۔ وہاں کام کرنے والی لڑکیاں تیزی سے اپنا کام سمیٹ رہی تھیں۔

''تم ہمیشہ ذلیل کروانے والے کام کرتے ہو!'' میں نے پلٹ کر چاؤ فان کو آنکھیں دکھائیں۔ ''ہمیں پچھلے دروازے سے اندر جانا پڑے گا۔''

''ماسٹر! ڈان اپنا مربی ہے۔ اس کے سامنے عزت اور ذلت کی باتیں مت سوچا کرو۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ اچانک تمہاری بہت عزت کرنے لگا ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا گاڑی سے اتر آیا۔

''اس نے دروازہ کھول کر بند کیا ہے۔ وہ چاہتا تو مجھے اندر بلا سکتا تھا۔'' میں نے ترشی سے کہا۔ ''تم اس کو عزت افزائی سمجھتے ہو۔'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! بڑے لوگوں کی باتیں نرالی ہوتی ہیں۔ وہ تھپڑ مار کر بھی عزت دے سکتا ہے...... اب یہی دیکھ لو کہ تم بات بات پر مجھ سے ناراض ہوتے رہتے ہو۔ میں بالکل برا نہیں مناتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کھرے دل کے آدمی ہو اور اپنے اس خادم کی قدر کرتے ہو۔''

''چاؤ فان! یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ کبھی کبھی تم اتنا غصہ دلاتے ہو کہ تمہاری گردن دبا دینے کو دل چاہتا ہے مگر میں ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیتا ہوں۔''

''ضرور لیتے ہو گے مگر اپنی آواز نیچی رکھو!'' اس نے سر ہلاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ''کسی نے سن لیا تو سوچے گا کہ ہم چلتے چلتے لڑ رہے ہیں۔''

''میرے اتالیق بننے کی کوشش مت کرو۔ میری آواز اونچی نہیں ہے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ماسٹر! تم میری ناقدری کرتے ہو۔'' وہ اداسی سے بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میں مر گیا تو تم چار دنوں تک میرے قبر پر روتے رہو گے۔''

''یہ چار دنوں کا حساب تم نے کہاں سے نکال لیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے قبیلے میں مرنے والے کا سوگ صرف تین دنوں کا ہوتا ہے۔ چوتھے دن رونے والے، مرنے والے کے چہیتے اور قریبی عزیز ہوتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

میں نے دل ہی دل میں اس پر اور اس کے قبیلے پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔ ''تم عقل سے زیادہ اپنی زبان استعمال کرتے ہو۔ یہی توانائی ڈھنگ کی باتیں سوچنے میں استعمال کرو تو کہیں نا کہیں پہنچ سکتے ہو۔''

''میں کہیں پہنچنا نہیں چاہتا، جہاں ہوں وہیں خوش ہوں۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''تم مجھ پر ایک کرم کرنا...... ڈان کے سامنے میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو مجھے سرزنش نہ کرنا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد تمہیں آزادی ہو گی کہ اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لو۔''

''کیا ڈان تم کو عقلِ کل سمجھتا ہے؟'' میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈان کے سامنے کوئی کچھ نہیں ہے۔'' اس نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ تم مجھ پر ایک تنقید کرو گے۔ ڈان مجھے دس گالیاں سنائے گا۔ وہ ایسی خوفناک گالیاں ایجاد کرتا ہے کہ ان پر ذرا سا غور کرنے سے دل دہل جاتا ہے۔''

''تم ڈان کے پرانے آدمی ہو تمہیں ایسی ہزاروں مثالیں یاد ہوں گی۔'' میں نے عقبی گلی میں مڑتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! تم پھر چوٹ کر گئے۔'' اس نے کمزور آواز میں شکایت کی۔ ''میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ ہر وقت ڈان سے گالیاں سنتا رہوں۔ موڈ خراب ہو تو وہ کبھی کبھی بگڑ جاتا ہے ورنہ عام طور پر میری بات سن لیتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ تمہارے لیے اس نے پورے بنکاک سے صرف میرا انتخاب کیا ہے۔''

''کبھی کبھی میں بھی سوچتا ہوں کہ ڈان نے میرے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ فقرہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔ ڈان کی قیام گاہ کا

''اور سناؤ برخوردار......! کیسی گزریں چھٹیاں......؟''

عقبی دروازہ قریب آ رہا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

سیاہ چوبی دروازے کے پیچھے ایک لڑکی ہماری منتظر تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر زینوں کی طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی سے ان نیم تاریک زینوں پر چڑھتے چلے گئے۔ میں آگے تھا۔ چاؤ فان سر جھکائے میرے پیچھے آ رہا تھا۔

خلافِ توقع ڈان زینوں کے اختتام پر نظر نہیں آیا۔ میں آخری زینہ عبور کر کے اوپر پہنچا تو وہ لباس تبدیل کیے بغیر، اپنی مسہری کے قریب ایک کرسی پر نیم دراز تھا۔

''چلے آؤ!'' ڈان نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اس ہال کے دور افتادہ فرشی گدوں پر ڈان کے پالے ہوئے چاروں مسٹنڈے دنیا سے بے خبر ہو کر تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔

میں ڈان سے چند قدم دور تھا کہ چاؤ فان دورے کی سی حالت میں اچانک دوڑ کر آگے بڑھا اور ڈان کے قدموں میں تقریباً گر گیا۔ اس نے ڈان کے دونوں پیر چھونے کے بعد ادب و احترام سے اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے اور الٹے قدموں لوٹنے لگا۔

میں وہ تماشا دیکھنے کے لیے ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

ایک گوشہ نشین بدمعاش کے لیے چاؤ فان کی عقیدت میرے لیے حیرت انگیز تھی۔

ڈان نے چاؤ فان کو اپنی زبان میں کوئی ہدایت دی، چاؤ فان نے سر کو آگے خم دے کر ادھر کا رخ کر لیا جہاں چار حرام خور جواری بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ڈان کے مال پر پل رہے تھے۔ شراب نہیں پیتے تھے مگر جوئے کی لت میں بری طرح مبتلا تھے۔

''بیٹھ جاؤ......!'' ڈان نے مجھے پیشکش کی اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''مین نے تمہیں سیلرز بار میں آنے سے منع کیا تھا۔ تم اس کے دروازے پر کیوں آئے تھے؟''

''چاؤ فان نے گاڑی وہیں روکی تھی۔ دو بج رہے تھے۔ میں روانی میں سیدھا آ گیا۔'' میں نے اضطراری انداز میں ذمے داری چاؤ فان کے سر ڈال دی۔

ڈان نے برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے نرمی سے کہا۔ ''وہاں ہر رنگ کے لوگ آتے ہیں۔ اس وقت بھی میرا عملہ صفائی ستھرائی میں لگا ہوا ہے۔ پچھلا دروازہ خاص لوگ کھولتے ہیں۔ اب یہ بات گرہ میں باندھ لینا۔ چاؤ فان کو میں دوسری زبان میں سمجھاؤں گا۔''

''آئندہ تمہیں شکایت نہیں ہوگی!'' میں نے سعادت

مندی کا مظاہرہ کیا۔ ''راز داری کے لیے یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔''

ڈان نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے احترام میں، میں نے اٹھنا چاہا تو اس نے میرے شانے دبا کر مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ جینز اور مختصر آستینوں والی سیاہ ٹی شرٹ میں بہت وجیہہ اور اپنی اصل عمر سے کئی برس چھوٹا نظر آرہا تھا۔

''میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ میری کن باتوں نے تمہارے دماغ میں آگ لگائی ہوئی ہے!'' اسے خاموشی سے ٹہلتا دیکھ کر میں نے دھیرے سے کہا۔

وہ رک کر میری طرف گھوما، اس نے اپنے دونوں ہاتھ کسرتی بازوؤں پر جما کر سینے پر باندھے اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہاری چوٹوں کے بارے میں فکرمند ہوں۔ تمہارا چہرہ کس نے بگاڑا؟''

''میں نے فون پر تمہیں بتایا تھا کہ آج ایک گلی میں لٹیروں نے گھیر لیا تھا......'' میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے میری بات پوری نہیں ہونے دی اور بولا۔ ''یاد آگیا، تم نے ایسی کوئی بات بتائی تھی۔ وہ رش کا وقت تھا۔ میں بہت زیادہ مصروف تھا، بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ کوئی اور ٹوٹ پھوٹ بھی ہوئی ہوگی!''

''میری نہیں، ان کی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ میرے ہاتھوں پٹنے کے بعد وہ خالی ہاتھ بھاگ گئے۔''

''وہ شہر کے شوقین لڑکے ہوں گے۔ یہاں کے لٹیرے مسلح رہتے ہیں۔ مار پیٹ کی نوبت آنے سے پہلے گولی مار کر تمہیں ٹھنڈا کر دیتے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ایسے حادثے سے بچ گئے۔''

ڈان نے مجھے دیکھتے ہی چوٹوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی ہر ادا میں صبر و تحمل، وقار اور بردباری کا پیکر نظر آتا تھا۔ اس نے بہت قرینے سے اپنی فکرمندی ظاہر کی تھی۔

''اگر تم علاقے کے نشان دہی کردو تو چاؤ فان لڑکوں کو ڈھونڈ لے گا۔ کچھ دنوں سے شہر کے خوش حال گھرانوں کے بچے تفریح کے طور پر چھینا جھپٹی کی وارداتیں کرنے لگے ہیں۔ شہر کا ماحول ستھرا رکھنے کے لیے انہیں سزا دینا ضروری ہے۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پیشکش کی۔

ڈان اس واقعے کو اپنے انداز سے دیکھ رہا تھا جب کہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں ڈان یا اس کے آدمیوں کو کسی طرح اس واقعے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بعض علاقے پہچان سکتا ہوں لیکن بنکاک کی سڑکوں اور علاقوں کے نام اب تک مجھے یاد نہیں ہو سکے۔ شاید میں دوبارہ وہاں نہ پہنچ سکوں۔ ان لڑکوں کے لیے اتنا سبق کافی ہے کہ وہ خوب مار کھا کر بھاگے اور مجھ سے ایک بھات بھی نہیں چھین سکے۔''

ڈان مسہری کے بجائے میرے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ میں تم پر زور نہیں ڈالوں گا۔'' وہ بولا۔

''کیا تم مجھے اس ملاقات کے سبب سے آگاہ نہیں کرو گے؟'' اسے خاموش پا کر میں نے نہایت نرمی اور ادب سے کہا۔

''میں وہی سوچ رہا ہوں۔ تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ چاؤ فان سے پتا چلا ہے کہ تم آج صبح چھوٹا راجن کی لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اکیلے پورٹ ایریا میں پہنچے ہوئے تھے۔''

''جب تک اس پر ہاتھ نہیں پڑتا میں کچھ نہ کچھ کرتا رہنا چاہتا ہوں۔ اس کی وائٹ ہاک کی تباہی کی کوئی صورت بن جائے تو راجن کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''تمہاری سوچ بہت ٹھوس اور واضح ہے۔'' ڈان نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''اسے وائٹ ہاک پر بہت گھمنڈ ہے۔ لوگ سمندر میں عیاشی کے لیے کشتیاں کرائے پر لے کر جاتے رہتے تھے۔ چھوٹا راجن نے تیرتا ہوا کلب اور کیسینو کھول کر لوگوں کو نئی راہ دکھائی ہے۔ اس کی اس کامیابی سے مجھے حسد ہونے لگا ہے۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے چاؤ فان کو مفت خورے جواریوں میں بھیج کر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کے لیے ساری اہمیت میری تھی' چاؤ فان کا کوئی مقام نہیں تھا۔

ڈان ٹہلتا ہوا اپنی مسہری تک گیا اور تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ نکال لیے۔ وہ جوں کے توں وہیں رکھے ہوئے تھے جہاں اس نے انہیں پہلی بار رکھا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس نے ہمارے پاسپورٹ تلف کرنے کے لیے نکالے ہوں گے۔ وہ راجن کی موت سے پہلے انہیں لوٹانے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس نے تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ کیوں نکالے تھے۔

وہ بے نیازی سے چلتا ہوا واپس آیا اور اس نے دونوں پاسپورٹ اچانک میری گود میں ڈال دیے ''انہیں احتیاط سے رکھو' تم ان کی واپسی کے لیے بہت بے چین تھے!''

ڈان کی وہ حرکت میرے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر جما رہ گیا۔

چند ثانیوں بعد وہ سحر ٹوٹا تو بے اختیار میرا جی چاہا کہ پاسپورٹ اپنی جیب میں ڈال کر پورے خلوص سے ڈان کا شکریہ ادا کروں مگر ذہن کے کسی گوشے میں ایک للکار سی گونجی اور میں کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔

میرے ذہن نے یکایک بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ راجن سے ابتدا میں میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ مجھے اس سے صرف اتنی پرخاش تھی کہ بنکاک میں وہ سوبھراج کا میزبان ہوا کرتا تھا۔ جبکہ ڈان اس کے لہو کا پیاسا تھا۔ میں نے ڈان اور راجن کی اس دشمنی سے کھل کر فائدہ اٹھایا۔ سوبھراج کا نام لیے بغیر، میں نے بھی راجن کے دشمن کا روپ دھار لیا اور ڈان نے اس مشترک جذبے سے مغلوب ہو کر، میری آزمائش کے بعد، مجھے گلے سے لگا لیا۔

سوبھراج کو مار لینے کے بعد میرے لیے راجن کی اہمیت ختم ہو گئی۔ ڈان بہ دستور اس کا دشمن تھا۔ جس وقت ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے، میں سب کچھ بھول بھال کر تھائی لینڈ سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پچھلی رات موتی محل میں راجن سے ملاقات اور پھر اس کے بھیجے ہوئے غنڈوں سے مقابلے کے بعد وہ صورت حال یکایک تبدیل ہو گئی تھی۔ میں خود بھی راجن کو اس کے تکبر کا مزہ چکھانے پر تل گیا تھا۔ وہ صرف ڈان کا دشمن نہیں رہا تھا، میرے دل کا کانٹا بھی بن گیا تھا۔

جب مجھے راجن کے خاتمے یا زوال تک بنکاک ہی میں رکنا تھا تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ ہمارے قبضے میں رہتے ہیں یا ڈان کے پاس رہتے ہیں۔

ڈان کے دل میں میری طرف سے ایک شبہ جگہ پا چکا تھا کہ میں اسے جل دے کر تھائی لینڈ سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ڈان کے ذہن سے وہ شبہ نہیں کھرچ سکا تھا۔ جب تک ہمارے پاسپورٹ اس کے پاس رہتے، وہ مطمئن رہتا کہ میں اسے دغا دے کر ملک سے کہیں نہیں جا سکوں گا۔ اس اطمینان کے لیے اسے ہماری نگرانی کرانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ڈان جذباتی ہو کر یا کسی مصلحت کے تحت پاسپورٹ واپس کر رہا تھا تو اس کا وہ عمل میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وقتی جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کے ذہن میں شبہ دوبارہ سر ابھارتا تو میری مسلسل نگرانی کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ پاسپورٹ لوٹانے کے بعد، میرے عزائم سے باخبر رہنے

مختصر مختصر

☆ ''نہیں بیگم! ہم اس سال مری نہیں جا سکتے۔ ذرا ان تمام بلوں کے بارے میں سوچو جو ہمیں ابھی ادا کرنے ہیں۔''

''تو کیا ہم مری جا کر ان کے بارے میں نہیں سوچ سکتے؟''

☆ میری جان کی قسم کھا کر بتائیے، آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟''

''پہلے تم بتاؤ، تمہیں کتنی محبت کی ضرورت ہے؟''

☆ ''آدھی رات ہو گئی ہے...... میرے میاں ابھی تک نہیں آئے۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔''

''بہن! پریشان مت ہو...... اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں...... تو ہو سکتا ہے تمہاری پریشانی دگنی ہو جائے۔''

کے لیے ڈان کے پاس ایک ہی راہ رہ جاتی کہ چوبیس گھنٹے میری نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

وہ ایک خطرناک صورت حال ہوتی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ راجن کو مار گرانے کے لیے مجھے کن مراحل سے گزرنا پڑتا۔ تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اسی رات میں اسد کے ساتھ راجن سے مل چکا تھا لیکن ڈان اس ملاقات سے بے خبر تھا۔ اس کے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آنے کے بعد میں ان آزادیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ڈان سے پاسپورٹ واپس لینے کی قیمت مجھے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔

اسے ذرا بھی شک ہو جاتا کہ میں اسے فریب دے کر ابتدا سے ہی اس کے ساتھ کوئی دہرا کھیل کھیل رہا تھا تو بنکاک میں مجھے کہیں امان نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے چند ثانیوں میں بہت تیزی کے ساتھ وہ تجزیہ کیا اور اپنی گود سے دونوں پاسپورٹ اٹھا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''مجھے ان کی طرف سے کوئی بے چینی نہیں تھی۔'' میں نے وہ پاسپورٹ دونوں ہتھیلیوں پر رکھ کر ڈان کو پیش کر دیے ''ہوٹل کے کمرے کے مقابلے میں یہ تمہارے پاس زیادہ محفوظ ہیں۔ وہاں سے کوئی سامنے انہیں آسانی سے اڑا سکتی ہے۔''

ڈان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے'' چاؤ فان کہہ رہا تھا کہ تم

کئی بار ان کی واپسی کی بات کر چکے ہو۔ میں اس جھوٹے کا سر توڑ دوں گا۔'' اس نے پاسپورٹوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

''وہ جھوٹا نہیں ہے۔'' چاؤ فان کو ڈان کے کسی عتاب سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے اس کی صفائی پیش کی ''میرے ساتھ خاصا وقت گزارتا ہے۔ اس سے میری بے تکلفی ہو گئی ہے۔ دل بہلانے کے لیے میں اسے چھیڑتا رہتا ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ مذاق میں کہی ہوئی باتیں سنجیدگی سے تم تک پہنچا دیتا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔''

''اس اُلو کے پٹھے کی عقل موٹی ہے۔'' ڈان نے بیزاری سے کہا ''وہ بلاوجہ مجھے پریشان کرتا ہے۔ بعد میں اسے بتا دیا کرو کہ تم اس سے مذاق کر رہے تھے۔''

چاؤ فان ان باتوں سے بے خبر، اسی ہال کے ایک سرے پر جواریوں کے ساتھ تاش کے کھیل میں منہمک تھا۔ اس وقت میری جان میں جان آئی جب ڈان نے چاؤ فان کے ذکر کو کوئی طول دیے بغیر میرے ہاتھوں سے دونوں پاسپورٹ اٹھا لیے۔

''اب یہ میرے پاس تمہاری امانت ہیں۔'' اس نے کہا ''جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تمہارا یہ خوف بجا ہے کہ یہ ہوٹل کے کمرے سے چوری ہو سکتے ہیں۔''

اس نے وہیں کھڑے کھڑے، بے پروائی سے دونوں پاسپورٹ مسہری کی طرف اچھال دیے۔

ہال کے دیوار گیر کلاک میں ڈھائی بجنے والے تھے۔ جواری اپنے کھیل میں کھوئے ہوئے تھے۔ ڈان نے اس وقت تک مجھ سے اصل موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کے اطمینان اور وہاں کے ماحول سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پوری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ میں ڈان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا کہ وہ سونے کے لیے کب لیٹے گا۔

''وائٹ ہاک کی بات ہو رہی تھی۔'' یہ کہہ کر ڈان دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا ''اس کی تباہی کے بارے میں تمہارا منصوبہ مجھے پسند آیا ہے۔ میں چشم تصور سے اس لانچ کو کئی بار تباہ ہوتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اس پر بات کرنے کے لیے تمہیں بلایا تھا۔''

''میں نے کئی منصوبوں پر غور کیا ہے......

''میں صرف زیرآب کارروائی کی بات کر رہا ہوں۔''

ڈان نے مجھے درمیان میں ٹوک دیا ''سطح سمندر سے کی جانے والی کوئی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم نے دیکھ لیا کہ دن میں بھی اس کے آدمی ہوشیار رہتے ہیں۔ کسی اجنبی کو وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔

''ہماری بوٹ ان سے کافی دور تھی پھر بھی انہوں نے فائر کر کے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔''

''انہوں نے سمندر کے اس حصے میں اپنی بدمعاشی قائم کی ہوئی ہے۔'' اس نے غصے سے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''ہمارے افسر اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ چھوٹا راجن ان کی جیبیں بھر کر ہر طرف اپنی من مانیاں کرتا پھرتا ہے۔ اسے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''بہت جلد اس کے دن پورے ہونے والے ہیں!''

''تمہارا چہرہ زخمی ہے۔ مار پیٹ کی وجہ سے ہاتھ پیر بھی دکھ رہے ہوں گے۔ مجھے احساس ہے کہ اس وقت تمہیں آرام اور بستر کی ضرورت ہے مگر میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ منصوبہ بناؤ، سامان اور آدمی جمع کرو اور وائٹ ہاک کو غرق کر دو۔''

''چاؤ فان بتا رہا تھا کہ اس پر مرمت اور دیکھ بھال کے لیے چند روز کی چھٹی ہونے والی ہے۔ لانچ پر گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔ ہمارے لیے وہ بہترین وقت ہوگا۔''

''چاؤ فان نے بہت مال بنا لیا ہے لیکن وہ اب بھی گھٹیا لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مجھ سے فالتو بات نہیں کرتا، تمہیں مرعوب کرنے کے لیے چنڈو خانے کی خبریں سناتا ہے۔ لانچ بالکل نئی ہے۔ سالوں اس کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چھوٹا راجن چالاک آدمی ہے۔ باہر سے آنے والا سارا مال وائٹ ہاک پر اتارتا ہے اور چھوٹی کھیپوں میں شہر میں پہنچا دیتا ہے۔ اس مال میں ہیروئن سے لے کر عورتیں تک ہوتی ہیں۔ مجھے اس کی ایک ایک حرکت کی خبر رہتی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''ایسے وقت پر لانچ میں کم آدمی ہوں گے۔ ہم بے گناہوں کے خون سے بچ جائیں گے۔''

''چاؤ فان کی باتوں پر مت جاؤ۔'' ڈان نے ناصحانہ لہجہ اختیار کر لیا ''میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں اس کا مال کب آئے گا۔''

ڈان کے ذہن میں زیرآب کارروائی کی بات بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اس پر غور کرتے ہوئے کہا ''مجھے غوطہ خوروں کی ضرورت ہوگی۔ انہیں سمندر میں اتار کر ہم وائٹ ہاک کا پیندا اڑا سکتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' ڈان نے اپنے جوش پر قابو رکھتے ہوئے، بردباری سے کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ تم نے ایک بات زبان سے نکالی ہے تو تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ بھی ہوگا۔ میں تم کو ڈائنامائیٹ فراہم کر دوں گا۔ وہ بہت بڑی لانچ ہے۔ بہت دھیرے دھیرے سمندر میں غرق ہوگی۔ اس پر موجود لوگوں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ہمیں انتظار

کرنے کی ضرورت نہیں ہو سکے تو یہ کام کل ہی ہو جانا چاہیے۔ میں چھوٹا راجن کے گھر میں ماتم برپا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے یہاں بہت خوشیاں دیکھ لیں۔ اب میرے دن آنے والے ہیں۔"

اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے تصور سے ڈان کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نمودار ہوگئی۔ اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں تھی کہ وہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی لڑائی جیتنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ حاکمانہ انداز رکھنے والے ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے مفاد کے لیے دوسروں سے ہر قسم کا کام لینا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔

"ڈائنا مائیٹ کام نہیں کریں گے۔" میں نے آہستگی سے کہا "سمندری پانی میں بھیگ کر عام بارودی ہتھیار ناکارہ ہو جائیں گے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے لیے ہمیں واٹر پروف ریموٹ کنٹرولڈ بم درکار ہوں گے۔"

"تمہارے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے۔" ڈان نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے چڑ ہے جو مسائل پیدا کرنے میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی حل نہیں ہوتا یہاں کے چور بازار میں ہر قسم کے ہتھیار اور اسلحے کی فراوانی ہے۔ امریکی اسلحہ خانے سے چرائے ہوئے واٹر پروف بم آسانی سے مل جانے چاہئیں...... یہ بندوبست چاؤ فان کو کرنا ہوگا۔ اسے بھی بلا لینا چاہیے۔"

ڈان نے اسے آواز دی تو وہ پانچوں چونکے۔ چاؤ فان ہاتھ کے پتے پھینک کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آگیا۔

"اسے بتاؤ کہ تمہیں کیا کیا درکار ہوگا۔" ڈان نے مجھے اشارہ کیا۔ اس نے چاؤ فان کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہوا تھا۔

"دو واٹر پروف بم جو ریموٹ کنٹرولڈ ہوں اور دو ماہر غوطہ خور جو دیر تک پانی میں رہ سکیں۔" میں نے اسے اپنی ضروریات سے آگاہ کیا۔

"لانچ کی بیرونی چادر، جہازوں کی طرح موٹی اور بہت مضبوط ہوتی ہے۔" ڈان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم نے طے کیا ہے کہ سمندر پر ناچنے والی لانچ کو جلد از جلد غرق کر دیا جائے۔ دونوں بم کم از کم بیس پاؤنڈ بارودی قوت کے ہونے چاہئیں تاکہ ناکامی کا خطرہ نہ رہے۔"

"بندوبست ہو جائے گا۔" چاؤ فان نے سر جھکا کر مشینی لہجے میں جواب دیا۔ "میں دیکھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں میں کون کون غوطہ خوری کر سکتا ہے۔"

"وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماہی گیروں کی بستی میں آدمی مل جائیں گے۔" ڈان غرایا۔ "میں دس بیس ہزار بھات کی پروا نہیں کروں گا۔"

مالکن نے شرم دلانے کے انداز میں ملازمہ سے کہا "یہ پلیٹ دیکھ رہی ہو تم......؟ کتنی گندی ہے۔ تمہیں اس کو مہمانوں کے سامنے رکھتے ہوئے شرم نہیں آئی؟"

"اس میں میرے لیے شرم کی کیا بات ہے بیگم صاحبہ؟"

ملازمہ نے اطمینان سے کہا "یہ ٹھیک ہے کہ اس پر انگلیوں کے نشان میرے ہیں......لیکن سالن کی چکنائی تو اس پر میرے اس گھر میں آنے سے پہلے موجود تھی۔"

اسی طرح ایک اور مالکن نے شرم دلانے کے لیے اپنی ملازمہ سے کہا "تمہیں معلوم ہے کل ڈائننگ ٹیبل پر اتنی مٹی جمی ہوئی تھی کہ میں نے انگلی سے اس پر تمہارا نام لکھا تو وہ دور سے پڑھا جا سکتا تھا۔"

"جی ہاں...... پڑھا تو جا سکتا تھا لیکن اس کے ہجے غلط تھے۔" ملازمہ نے منہ بنا کر کہا۔

چاؤ فان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا، میں نے سر ہلا کر اسے حوصلہ دیا۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈان سے کہا۔ "بنکاک میں سب جانتے ہیں کہ وائٹ ہاک چھوٹا راجن کی لانچ ہے۔ آج کل شہر میں اس کی دھاک ہے۔ شاید باہر کا کوئی آدمی اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی میں اپنی کوشش کروں گا۔"

ڈان کی غضب ناک آنکھیں دیکھ کر اس نے جلدی سے آخری فقرہ ادا کیا۔ چاؤ فان کی بات معقول تھی لیکن ڈان ذرا سی دیر پہلے مجھ سے کہہ چکا تھا کہ وہ مسائل کے بجائے ان کے حل سننا پسند کرتا ہے۔ وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ان ڈھیلے گھٹنوں کی وجہ سے آج چھوٹا راجن یہاں راج کر رہا ہے اس کو یہاں سے نکلے بغیر الہام ہو گیا کہ شہر کے سارے لوگ اس مردود سے ڈرتے ہیں۔"

"ڈان......! یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اسے اڑانا چاہتے ہو، ہم اس کا بندوبست کر لیں گے۔ تم کو ان جزئیات میں اپنا سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہ سوچو کہ وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈبونے کے بعد ہم راجن کا سر کیسے اتار سکیں گے۔"

''اس کے پیندے میں بڑا سوراخ ہونا چاہیے تاکہ لانچ میں تیزی سے پانی بھرنا شروع ہوجائے۔'' ڈان نے اپنی برتری جتانے کے لیے بولنا شروع کردیا۔ ''لنگر کی زنجیر کی کڑیاں بہت مضبوط اور موٹی ہوں گی۔ اگر لنگر کاٹ دیا جائے تو پانی بھرنے کے ساتھ لانچ اپنی جگہ پر گھومنے لگے گی اور آہستہ آہستہ پانی میں غرق ہوجائے گی۔''

لنگر کاٹنے کا ذکر سنتے ہی میرا دھیان بیم گن کی طرف گیا اس کے نوزل سے خارج ہونے والی، نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار پلک جھپکتے میں زنجیر کی کڑیوں کو گلا سکتی تھی۔ ہمیں وہ کارروائی پانی کی سطح سے کافی نیچے رہ کر کرنا تھی تاکہ لانچ کے عرشے پر موجود، مسلح محافظ ہماری موجودگی سے باخبر نہ ہوسکیں۔ میں نے نازک مواقع پر بارہا بیم گن کے ہولناک کمالات آزمائے تھے لیکن میں اس کی زیرِ آب کارکردگی سے بے خبر تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غیر ضروری طور پر ڈان کی خواہشات کی حوصلہ افزائی کرنا مناسب نہیں تھا۔

ڈان کی بات کا کوئی نہ کوئی جواب دینا ضروری تھا۔ مجھے خاموش پاکر چاؤ فان کو ناچار اپنی زبان کھولنا پڑی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ لنگر کاٹ دینے کے بعد وہ موجوں کے زور پر کھسکنا شروع کردے گی۔ ہوسکتا ہے کہ لانچ کسی سخت چٹان سے ٹکرا جائے۔ یوں اس کے ڈوبنے کا عمل تیز ہوجائے گا۔''

ڈان نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔ چند لمحوں کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''یہ کام کب تک پورا ہونے کی امید ہے۔''

''میں کل تمہیں جواب دے سکوں گا۔ سارا انحصار غوطہ خوروں کے بندوبست پر ہے۔''

''بس، اب تم جاؤ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑنے میں تاخیر نہیں کی۔ چاؤ فان پہلے ہی کسی مجرم کی طرح اپنے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔ ڈان زینوں کی طرف چل دیا۔

آدمی شریف ہو تو عام طور پر خلیق اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تھا کہ بدمعاش اس وصف سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ جو جتنا بڑا بدمعاش ہوتا ہے، اپنی طاقت کے نشے میں اتنا ہی زیادہ مست ہوتا ہے، سوبھراج اور راجن کی طرح ڈان برنارڈ بھی بہت مغرور شخص تھا۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہر لمحے اپنی بالادستی کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا مگر میرے ساتھ، پہلے دن سے اس کا رویہ قدرے بہتر تھا جس میں وقت گزرنے کے ساتھ مزید بہتری آتی جارہی تھی۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ اس کے لیے میری کارکردگی بڑی حد تک اطمینان بخش تھی۔

اس نے رعونت کے ساتھ ہمیں رخصت نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زینوں پر ہمیں الوداع کہہ دے گا مگر وہ نیچے اترتا چلا گیا۔ میرے لیے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہم تھیں۔ ان سے اندازہ ہورہا تھا کہ میں ڈان کے دل و دماغ میں بہ تدریج اپنی جگہ بناتا جارہا تھا۔

ڈان نے ہمیں سیاہ، چوبی دروازے سے باہر نکال کر خود دروازہ بند کرلیا۔

چاؤ فان نے گلی میں آکر، کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لیے پھر دھیمی آواز میں بولا ''وہ مجھے نکما سمجھتا ہے پھر بھی زیادہ تر کام مجھ ہی سے لیتا ہے۔''

''وہ تمہیں دباؤ میں رکھنے کے لیے ایسی باتیں کرتا ہے۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا ''تم دیکھ لینا کہ ڈان کے دن پھر گئے تو تم بنکاک میں راج کروگے۔ وہ تمہیں بہت عزیز رکھتا ہے۔''

''تم خود بتاؤ کہ میں غوطہ خور کہاں سے پیدا کروں۔ میں تو تیرنا بھی نہیں جانتا۔'' وہ سخت ذہنی الجھن کا شکار نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''گھر اور سیکرز بار تک محدود رہنے کے باوجود اسے ہر بات کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگ چھوٹا راجن سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ اپنے سامنے آنے والوں کو بہت بے دردی سے مروادیتا ہے۔ نوٹوں کے لالچ میں کوئی اپنی گردن کٹوانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے چاؤ فان کی گاڑی تک پہنچ گئے۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سانس روک کر پانی میں غوطہ خوری کرنے والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ایسے لوگ چند منٹ سے زیادہ زیرِ آب نہیں رہ سکتے۔ سانس کے لیے انہیں ہر حال میں اوپر آنا ہوتا ہے۔ لانچ میں بم لگانے کا کام ان کے بس کا نہیں تھا۔ ہمیں ایسے آدمی درکار تھے جو غوطہ خوری کے مکمل لباس اور آکسیجن سلنڈر کے ساتھ دیر تک پانی میں رہ سکیں۔

اس کے نزدیک ایسے پیشہ ور لوگوں کا کسی مجرمانہ کام کے لیے تیار ہونا اور بھی مشکل تھا۔ وہ بھاری معاوضے لے کر کام کرتے اور خوش حال زندگی گزارتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا مالی لالچ بھی انہیں قانون شکنی پر نہیں اکسا سکتا تھا۔

لانچ کے پیندے میں بم لگانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ سپاٹ اور ڈھلوان فولادی دیواریں جو نیچے جاکر ایک دوسرے سے مل رہی ہوں، ایک مسئلہ بن سکتی تھیں۔ ان پر بم باندھنا تقریباً ناممکن تھا۔ کافی دیر تک تبادلۂ خیال کے بعد مجھے

انجینئرنگ کے شعبے میں استعمال ہونے والے وہ مقناطیس یاد آ گئے جو سوئچ گھمانے سے آن اور آف ہو جاتے ہیں۔ ایسے چند مقناطیس باندھ کر بموں کو لانچ کی دیواروں کے قریب چھوڑ دیا جاتا اور مقناطیس آن ہوتے تو وہ بم از خود لوہے کی طرف کھنچ کر چپک جاتے۔ چاؤ فان کے لیے وہ انوکھی بات تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ کسی بھی دکان پر ڈائل انڈی کیٹر کا بلاک دیکھے گا تو بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔

راستے بھر میں اسے یہی سب باتیں بتاتا رہا۔ اس نے ڈان کے سامنے ہر بات پر سر ہلا دیا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اسے وہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا کیونکہ ضروری سامان اور افرادی قوت کی فراہمی اس کے لیے دشوار تھی۔

اس چکر میں چاؤ فان کی ساری شوخی اور چرب زبانی رخصت ہو گئی۔ اپنی بریفنگ ختم کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا ''منصوبے پر عمل درآمد اب تمہاری ذمے داری ہے۔''

''میں تم سے یہی کہہ رہا تھا۔ میں نکما ہوں تو وہ مجھے اتنی بھاری ذمے داریاں کیوں سونپتا ہے۔ اب مجھے نو من تیل مہیا کرنا ہے تاکہ رادھا ناچ سکے۔''

''اوہ...... تم اس اردو محاورے سے واقف ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ماسٹر! اس وقت یہ محاورہ نہیں، حقیقت ہے۔ اگر یہ کوئی اردو محاورہ ہے تو میرے ایک ہندی دوست نے مجھے اس کا انگریزی ترجمہ سنایا تھا۔ وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔''

''بندوبست میں دیر ہوئی تو ڈان ہم دونوں کو سمندر میں دھکیل دے گا۔ اب اس کے لیے صبر کرنا مشکل نظر آ رہا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ماسٹر! یہ میرے لیے افسوس کی بات ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم ہنس رہے ہو۔''

''رونا بدشگونی ہے اس لیے ہنسنا ہی بہتر ہے۔ میں تیر کر اپنی جان بچالوں گا۔ تمہیں تو تیرنا بھی نہیں آتا۔ ڈان کا دماغ سنک گیا تو تم وائٹ ہاک سے پہلے ڈوب جاؤ گے۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا ''بدھا میری مدد کرے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو ایسی مشکل تجویز پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں سب بھول بھال گیا تھا۔ یہ تمہاری رپورٹ کا کرشمہ ہے جو ڈان کے دماغ میں بیٹھ گئی۔ اس نے خود لانچ کو ڈبونے کی بات چھیڑی تھی۔''

''میری مت ماری گئی ہوگی۔'' وہ واقعی بہت زیادہ پریشان تھا ''سوچنا ہر ایک کا حق ہے۔ میں نے تمہاری فرض شناسی اجاگر کرنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ تم چھوٹا راجن اور اس کی لانچ کے بارے میں کیا، کیا سوچ رہے ہو۔ مجھے پتا ہوتا کہ ڈان ان باتوں کو پکڑ کر بیٹھ جائے گا تو میں بھول کر بھی اپنی زبان نہ کھولتا۔''

''ڈان تمہارے اس پچھتاوے سے خوش نہیں ہوگا۔''

''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ بوکھلا کر بولا ''میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا ہوں۔ یہ باتیں ڈان کے کان میں نہ پھونک دینا۔''

وہ اتنا گھبرا گیا کہ لمحہ بھر کے لیے اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بھی مذاق کر رہا ہوں۔ تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ کہیں گاڑی نہ مار دینا۔''

''ماسٹر! اب ہم ایک دوسرے کے لیے نئے نہیں رہے ہیں۔ میں تمہارا مزاج سمجھ گیا ہوں، تم بھی میری طبیعت سے واقف ہو گئے ہو گے۔ ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں کبھی ڈان سے غداری کر سکتا ہوں؟''

''مسٹر چاؤ فان! تمہیں اتنی سنجیدگی سے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ اس وقت تم ڈان کی سونپی ہوئی ذمے داریوں سے زچ آئے ہوئے ہو۔ جل بھن کر اسے گالیاں بھی دیتے تو میں انہیں اہمیت نہ دیتا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو...... میں خواب میں بھی ڈان کو گالیاں دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔''

''یہ بات پرانی ہو گئی۔ میں شرط لگاتا ہوں کہ اب سوؤ گے تو خواب میں وہی نظر آتا رہے گا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا۔

''یہ بتاؤ کہ تمہارے پاسپورٹ ڈان کی مسہری پر کیوں پڑے ہوئے تھے۔ یہ سبز کتابیں میں اکثر پاکستانیوں کے پاس دیکھتا رہا ہوں۔''

اس نے یکایک موضوع بدل دیا۔ وہ بیشتر وقت جوا کھیلنے میں منہمک رہا تھا، اسے قطعی علم نہیں تھا کہ اس دوران میں میرے اور ڈان کے درمیان کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ڈان نے میرے پاسپورٹ لوٹا دیے تھے، میں نے انہیں واپس لینے سے انکار کر دیا تو وہ حیرت سے اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا۔

''انکار کر دیا!'' اس نے بے یقینی سے میری بات دہرائی پھر کہا ''تم تو ان کی واپسی کے لیے بے چین تھے۔''

''شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو آزما رہے تھے۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''ڈان نے جس طرح ہمارے

پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے، اس سے مجھے توہین کا احساس ہوا تھا ورنہ میں ان کا کیا کروں گا۔ مجھے راجن کا شکار کھیلنے کے لیے ہر حال میں یہاں رکنا ہے۔''

''ماسٹر!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ڈان کے بعد تم مجھے دوسرے آدمی ٹکرائے ہو جسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت رات کی ویرانی کا مکمل راج تھا۔ کشادہ اور روشن سڑکوں پر دور دور تک ہماری گاڑی کے سوا کسی مشینی سواری کا نام ونشان نہیں تھا۔ چاؤفان اپنے ذہنی دباؤ کی وجہ سے خاصا بجھا بجھا سا تھا۔ وہ معمول کی رفتار سے گاڑی دوڑاتا رہا۔

میں نے ہوٹل کے قریب اس کی گاڑی چھوڑی تو چار بجنے والے تھے۔

ہوٹل کی لابی سونی پڑی ہوئی تھی۔ شب بیداری کی وجہ سے عملہ تھکا ہوا نظر آرہا تھا۔ لابی میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اپنی پسند کے مشروبات پیتے ہوئے، مذاکرات میں مصروف تھے۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی تھیں۔ ان کے انداز بتارہے تھے کہ خانہ داری سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گزرتی ہوئی رات کے بقیہ لمحوں کا مول تول تھا۔

کمرے میں غزالہ بہت بے چینی سے میری منتظر تھی۔ لباس تبدیل کرنے کے دوران میں نے اسے اپنی اور ڈان کی ملاقات کا خلاصہ سنادیا۔

''تو کیا آپ وائٹ ہاک کو غرق کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہیں؟''

''ان زخموں کی کسک دور کرنے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔'' میں نے اپنے چہرے کے زخموں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا ''اب راجن سے میری لڑائی چل پڑی ہے۔''

''زخم کہاں، یہ تو ایک دو نیل ہیں۔ آپ اس کے آدمیوں سے دل کھول کر ان کا بدلہ لے چکے ہیں۔''

''میں یہ بدلہ راجن سے بھی لوں گا۔ اس کے چاروں آدمیوں کو ان کا حصہ مل گیا۔ کچھ نہ کچھ راجن کو بھی ملنا چاہیے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

میں نے بستر پر دراز ہو کر روشنی گل کی تب بھی غزالہ کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا۔ اسے فکر تھی کہ لانچ کو اچانک غرق کردیا گیا تو اس پر موجود عملے کا کیا بنے گا؟

وہ سوال خاصا مشکل تھا۔ میں نے اسے سمجھانا شروع کیا تو ایک مرتبہ پھر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ سونے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت تک جو کچھ میرے ذہن میں آسکا تھا۔ میں نے غزالہ کو سنانا شروع کردیا۔

اندھیرے کمرے کی خنکی میں بستر کی نرمی نہ جانے کب میرے حواس پر غالب آگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھ پر غنودگی کی لہر سوار ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی ہو۔

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کے چمکتے ہوئے ڈائل کی طرف گئیں اور میں حیران رہ گیا۔ وہاں سوئیاں چھ بجا رہی تھیں۔ وہ غنودگی کی مختصر سی لہر نہیں تھی، میں کم از کم ایک گھنٹے کی نیند لے چکا تھا۔

صبح کے چھ بجے مجھے کون فون کرسکتا تھا؟ وہ سوال بہت تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا جس کے جواب میں صرف چاؤفان کا نام یاد آسکا۔ اس رات میں نے اسے ضرورت سے زیادہ منہ لگالیا تھا۔ شاید وہ لاڈ میں آکر اپنے کسی مسئلے پر مجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے موبائل فون آن کرکے اپنے کان سے لگالیا۔

''علی! ابھی میری ڈور بیل بجی ہے۔'' میرے کان میں اسد کی دبی دبی، پرجوش آواز گونجی ''میں نے کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا ہے۔ باہر راجن کا وہی آدمی موجود ہے جو پہلے اس کا پیغام لایا تھا، پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے ملنے سے پہلے تمہیں بتادوں!''

میں سناٹے میں آگیا۔ میرے خوابیدہ اعصاب کے لیے وہ پیغام بہت خوفناک تھا۔ راجن میری توقع سے زیادہ کینہ پرور ثابت ہورہا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اپنے چاروں آدمیوں کے پٹنے کے بعد وہ اتنی سرعت سے کوئی جوابی قدم اٹھائے گا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور آدمی بھی آئے ہوں اور باہر چھپے ہوئے ہوں۔'' میں نے جواب دیتے ہوئے اپنے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی ''تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مایوس ہو کر لوٹ جائے گا۔''

''نہیں علی، مجھے باہر جانا ہوگا۔ وہ لوگ کسی بری نیت سے آئے ہیں تو اپنی تسلی کرنے کے لیے زبردستی میرے گھر میں گھس آئیں گے......لو، گھنٹی پھر بجی ہے، میں جارہا ہوں۔''

مجھے اپنے فون پر ڈور بیل کی تیز آواز بہت صاف سنائی دی تھی۔ اسد نے اپنی بات پوری کرکے فون بند کردیا۔ میں نے بے چین ہو کر بستر چھوڑ دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں ناولی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی راشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ وہ اسد کی بنکاک میں آخری رات تھی۔ جب اس نے فون پر مجھے بتایا کہ راجن کے گرگے اس کے گھر کے باہر موجود تھے اور ان کے ارادے نیک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اب آپ قسط نمبر 250 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

وہ بے چینی کی ایک لہر تھی جس کے تحت میں نے اضطراری طور پر اپنا بستر چھوڑ دیا تھا۔ اسد اتنی عجلت میں تھا کہ اس نے مجھے صرف اپنی بات سنائی تھی۔ ایک مشورہ دینے کے سوا، مجھے اس سے کچھ پوچھنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

راجن کا آدمی اس کے دروازے پر کھڑا گھنٹیاں بجا رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسد کو فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دھن کا پکا ہے۔ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کے بجائے ہر حال میں اپنے خطرناک ملاقاتی سے ضرور ملے گا۔ ایسے میں فون کی گھنٹی اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ گھنٹی کی طرف مبذول ہوتی اور اس کے حریف کو اس پر کوئی داؤ لگانے کا موقع مل جاتا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ میری کال کا

جواب ہی نہ دیتا۔ مقابلے کی فضا میں وہ اپنے حریف سے ٹائم آؤٹ لے کر فون نہیں سن سکتا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسد کے لیے کیا کروں۔ وہ ذہین، مخلص اور بے خوف آدمی تھا۔ ضابطوں اور طریقوں میں بندھا ہوا ہونے کے باوجود اس نے بنکاک میں میری قابلِ قدر مدد کی تھی۔ اس کے مشکل وقت میں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میری ذمے داری تھی۔

میں نے اس کا گھر ضرور دیکھا ہوا تھا لیکن میرے لیے ازخود وہاں پہنچنا ناممکن تھا۔ مجھے گلیوں اور سڑکوں کے نام معلوم تھے نہ محلے کا علم تھا۔ کوئی مجھے اس علاقے میں لے جا کر کھڑا کر دیتا تو میں ایک نظر میں اسد کا گھر پہچان لیتا۔

میں مضطربانہ انداز میں قالین پر ٹہلتا رہا۔ اسی دوران میں، میں نے بے خیالی میں سگریٹ سلگالی۔ اعصابی دباؤ کے سبب میں یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا کہ اس وقت میں کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ بستر پر غزالہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں لائٹر کا شعلہ بھڑکا تو اس کی چمک سے غزالہ ہڑبڑا کر بیدار ہوگئی۔

لائٹر جل کر بجھ گیا۔ اندھیرے میں ایک انسانی ہیولے کے موہوم سے خدوخال دیکھ کر غزالہ ڈر گئی ''کک...... کون ہے؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

''ڈرو نہیں، میں کمرے میں ٹہل رہا ہوں!'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

میری آواز سنتے ہی غزالہ نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرا روشن کر دیا ''آ...... آپ اس وقت ٹہل رہے ہیں...... وقت دیکھا ہے آپ نے!'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں ابھی گہری نیند سے اٹھا ہوں، اسد کا فون آیا تھا۔ اس وقت راجن کا ایک آدمی اس کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔''

''اوہ خدا!'' غزالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا ''یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے۔''

''کچھ نہیں معلوم۔'' میں نے ذہنی انتشار کے عالم میں جواب دیا ''اس نے اپنے دروازے پر جانے سے پہلے مجھے فون کر کے خبر دی ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہونے کی صورت میں ہمیں یہ معلوم رہے کہ اس کا آخری ملاقاتی کون تھا۔''

''پھر کیا سوچ رہے ہیں؟'' وہ پھرتی سے بستر سے اتر آئی۔ اصل صورتِ حال کا اندازہ ہوتے ہی اس کا نیند کا خمار رخصت ہوگیا۔ وہ کہہ رہی تھی ''اسد کا گھر آپ کا دیکھا ہوا ہے، ہمیں بلا تاخیر وہاں پہنچنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ بے چارہ کس مشکل سے دوچار ہے۔''

اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ میری دلی خواہش بھی وہی تھی لیکن اسے عملی جامہ پہنانا کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا تو اس کی پیشانی پر فکر مندی کی لکیریں ابھر آئیں۔

''یہ تو بہت زیادہ پریشان کن صورتِ حال ہے۔'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس پریشانی سے دوچار ہے اور ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''

میں خاموش رہا۔ میرے پاس اس موقع پر کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ اپنے دفتر کا رخ کرتا تو وہاں اسے فیکس مشین پر اپنے تبادلے کا حکم نامہ مل جاتا پھر شاید کوئی اسے فون پر یہ بھی بتا دیتا کہ اس کے لیے اپنے جانشین کا انتظار کرنا ضروری نہیں، وہ جب چاہے اپنی سہولت کے مطابق پاکستان روانہ ہو سکتا ہے۔

اسد اس بات سے قطعی بے خبر تھا۔ دوسری طرف راجن نے بھی نہایت عجلت اور بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر وہ اپنے آدمی کو اسد کے گھر بھیجنے میں چند گھنٹے کی تاخیر کرتا تو اسد کے سارے مسائل ازخود حل ہو جاتے۔ وہ اپنے حریفوں میں سے کسی کا سامنا کرنے سے پہلے بنکاک سے نکل جاتا۔

انسان لاکھ تدبیریں کر لے، ہوتا وہی ہے جو کاتبِ تقدیر نے اس کے مقسوم میں لکھ دیا ہو۔ اسد اپنے مقدر کی اسی بے رحمی کا شکار ہوا تھا۔ میں نے غزالہ سے زیادہ کھل کر بات نہیں کی لیکن میں دل ہی دل میں نہایت فکر مندی کے ساتھ دعائیں مانگ رہا تھا کہ اسد اس مرحلے سے گزر کر کم از کم اس حال میں ضرور رہے کہ فوری طور پر سفر کر سکے۔ متوقع مار دھاڑ کے نتیجے میں اگر وہ زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا تو اس کی روانگی التوا کا شکار ہو سکتی تھی۔

ذہن پر کوئی دباؤ نہ ہو تو وقت یوں چپکے سے گزر جاتا ہے کہ گھنٹوں اور پہروں کا بھی پتا نہیں چلتا۔ انتظار کیا جا رہا ہو تو ایک ایک پل یوں رینگ رینگ کر گزرتا ہے کہ اعصاب چٹخنے لگتے ہیں۔ دس منٹ بعد میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گھنٹوں بعد میرے فون میں جان پڑی ہو۔

میں نے نہایت عجلت کے عالم میں کال وصول کی۔ دوسری طرف سے اسد کی آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بکھرتے ہوئے اعصاب میں یکا یک جان پڑ گئی ہو۔ اس

وقت اہم ترین بات یہ تھی کہ اسد کی آواز میں خوف یا گھبراہٹ کا کوئی عنصر نمایاں نہیں تھا۔ اس نے نہایت پرسکون اور آسودہ آواز میں ہیلو کہا تھا۔

''کہو...... میں سن رہا ہوں!'' اس کی زبان سے وہ لفظ ادا ہوتے ہی میں نے بے تابانہ انداز میں اسے لقمہ دیا'' وہ کہاں ہے...... کیوں آیا تھا؟''

''راجن کی طرف سے دوستی کا پیغام لایا تھا۔ میں نے بہت رکھائی سے اسے اپنے دروازے سے ہی رخصت کردیا۔'' اسد کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی'' اس کے بارے میں میرے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے وہ سراپا انکسار بنا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ راجن آج رات مجھ سے دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہے۔''

''تم کو اس کے منہ پر تھوک دینا چاہیے تھا وہ......!''

''غصہ نہ کرو' صبر سے کام لو!'' اس نے میرے اشتعال کا اندازہ کرکے میری بات کاٹتے ہوئے کہا'' میں نے اسے بتادیا کہ میں راجن کی گھٹیا حرکتوں سے بے خبر نہیں ہوں' شاید وہ مجھے بہانے سے دوبارہ بلا کر پچھلی رات کا حساب بے باق کرنے کے چکر میں ہے۔''

''سو فی صد یہی چکر ہے۔'' میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی'' رات کو اس کے بھیجے ہوئے چاروں بدمعاشوں نے منہ کی کھائی ہے' اب اس ملعون کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔''

''اس نے میرے لگائے ہوئے الزام کی تردید نہیں کی۔'' اسد کی آواز میں نرمی اتر آئی'' اس نے راجن کی طرف سے پچھلی رات کے واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ راجن سے میرے بارے میں اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کی دلیری نے اسے بہت متاثر کیا ہے اب وہ ہم سے دوستانہ فضا میں ملنا چاہتا ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ اس بار ہمارے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔''

''تمہارے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کرچکے ہو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں شبہ ظاہر کیا۔

''دوستی یا دشمنی...... میرے لیے ان دو میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب ناگزیر ہوچکا ہے۔'' اس نے جواب دیا'' اس کی نظروں میں آجانے کے بعد اب غیر جانب دار رہنا ناممکن ہوچکا ہے' راجن کے قاصد سے بات کرتے ہوئے یہ نکتہ میرے ذہن میں پوری طرح واضح ہوچکا تھا پھر بھی میں نے اسے کوئی واضح جواب دیے بغیر لوٹا دیا۔''

مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اسد نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ راجن کے آدمی سے کچھ وقت لے چکا تھا تو اس کے لیے یہی کافی تھا۔ اسد کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے دفتر کی فیکس مشین پر اس کے تبادلے کا حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ دن طلوع ہونے کے بعد اس کے لیے سب کچھ تبدیل ہونے والا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے راجن کو کوئی جواب دینے کی ضرورت پیش آتی' وہ بنکاک سے کراچی یا لاہور کی طرف پرواز کرچکا ہوتا۔

''تم نے اس سے کس طرح گلوخلاصی حاصل کی؟'' سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی میں اپنے تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

میرے کان میں اسد کی ہنسی کی ہلکی سی آواز گونجی پھر وہ بولا'' زمانہ خراب ہے۔ جو دبتا ہے اسے بے رحمی سے دبادیا جاتا ہے۔ آنکھیں نکال کر سینہ زوری کرنے والے سے ہر ایک ڈرتا ہے میں نے اسی اصول پر عمل کیا اور کامیاب رہا۔ اس کا نرم اور مفاہمانہ رویہ دیکھتے ہوئے میں نے جارحانہ تیور اختیار کرلیے' میں نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ میں نے اس بات پر خاصی برہمی ظاہر کی کہ وہ نامناسب وقت پر میرے گھر کیوں آیا۔''

اسد نے مزے لے کر وہ تفصیل سنائی۔ میں پوچھا'' تمہارا آخری سوال بہت معقول تھا۔ تم کو اس کا کیا جواب ملا؟''

''اس کی وضاحت سن کر میں اپنی چوٹوں کا درد کچھ دیر کے لیے بھول گیا۔'' ایک بے ساختہ ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا'' ہمارے ہاتھوں پٹنے والوں کا حشر بہت برا ہوا۔ شاید انہوں نے موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے کہیں رک کر اپنے اوسان درست کیے ہوں گے۔ قاصد کا کہنا تھا کہ ان کی رپورٹ ملتے ہی راجن نے اسے میری طرف روانہ کردیا۔''

''کیا وہ چاروں موتی محل کے آدمی تھے؟''

''مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اس کا یہ اعتراف کافی تھا کہ راستے میں ہم پر حملہ آور ہونے والے راجن کے آدمی تھے۔ وہ کہاں سے آئے' کہاں گئے انہوں نے اپنے آقا کو کیسے رپورٹ دی' یہ سب باتیں میرے لیے غیر اہم ہیں۔''

''میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا'' میں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے لیکن وہاں پہنچنا میرے لیے ناممکن ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا

کہ میں تمہارے لیے کیا کروں۔ غنیمت ہے کہ وہ بلا ٹل گئی۔''
''اس کی پہلی جھلک دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے اور میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ چاروں آدمیوں کی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے اور دروازہ کھلتے ہی گولیوں کی باڑ میرا استقبال کرے گی۔''

اسد کے پہلے اور دوسرے فون کا درمیانی وقفہ میرے لیے بہت ہولناک اور اعصاب شکن تھا۔ خوف، تذبذب اور بے یقینی کے وہ روح فرسا لمحات کسی ڈراؤنے خواب کی طرح آکر گزر گئے تھے۔ اسد اس بارے میں زیادہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن میں اس سے باتوں میں لگا رہا۔ وہ بے خبر تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ بنکاک میں زیادہ دیر کا مہمان نہیں تھا۔ اس کی روانگی سے پہلے مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ امور کے بارے میں آگاہی حاصل کرلینی چاہیے تھی۔

اس دوران میں کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اسے اعتماد میں لے کر تبادلے کی خبر سے آگاہ کردوں لیکن جلال سے کیا ہوا، رازداری کا وعدہ ہر بار میرے ہونٹوں کا قفل بن گیا اور کچھ دیر بعد گفتگو کا وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

''آج کی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی.....'' اسد سے بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے اپنی طرف سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کم از کم تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ تم نے لمبی اور گہری نیند لی ہے۔''

''میں اپنے نہیں، آپ کے بارے میں کہہ رہی تھی۔'' اس نے خفت آمیز لہجے میں جواب دیا ''راجن کو صلح اور دوستی کا پیغام بھیجنا ہی تھا تو وہ دن نکل آنے کا انتظار نہیں کرسکتا تھا!''

''یہ اس کی بوکھلاہٹ کی کھلی علامت ہے۔'' میں نے کہا ''اپنے آدمیوں کے پٹنے کی خبر ملتے ہی اس نے اپنے قاصد کو اس کی طرف دوڑایا۔ اسد یہاں پاکستان کی سرکاری نمائندگی کررہا ہے۔ راجن کو خوف ہوگا کہ دن طلوع ہونے کے بعد اسد نے رات کے واقعے کی کوئی باضابطہ رپورٹ درج کرادی تو وہ مشکلات کا شکار ہوجائے گا۔ مفاہمت کا ہنگامی پیغام بھیج کر اس نے اپنے سر سے وہ خطرہ ٹالنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس کا یہ خوف بے بنیاد ہے، ہوسکتا ہے کہ کل اسد یہاں سے نکل جائے۔'' اس نے فکرمندانہ لہجے میں کہا ''وہ ان الجھنوں سے بچ جائے گا، آپ کو ہر لمحے ہوشیار رہنا ہوگا

ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا ''تمہارا کہنا ہے کہ تم جس لڑکی سے شادی کرنے جارہے ہو وہ کروڑوں کی دولت اور جائیداد کی مالک مگر نہایت بدصورت ہے؟''

''ہاں۔'' دوسرے دوست نے تائید کی۔

''اس کے باوجود تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ محبت کی شادی ہے؟'' پہلے دوست نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں...... مجھے دولت سے محبت ہے نا......'' دوسرے دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیونکہ اب آپ راجن کی نظروں میں آچکے ہیں۔''

''دیکھ لیا جائے گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بے پروائی سے کہا ''ابھی صبح ہونے میں دیر ہے۔ آؤ سونے کی کوشش کرتے ہیں۔''

اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ میری گرفت سے چھڑایا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اسے نظر انداز کرکے دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔

تھکن کے باعث نیند نے جلد ہی مجھ پر غلبہ پالیا۔ شاید میں اس روز دن چڑھے تک سوتا رہتا لیکن دس بجے کے قریب غزالہ نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

''کیا مصیبت ہے...... مجھے نیند پوری کرلینے دو!'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر غنودگی کے عالم میں احتجاج کیا۔

''ابھی ابھی دفتر سے اسد کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ ادھر آرہا ہے۔'' غزالہ نے اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ بہت خوش معلوم ہورہا تھا۔ شاید تبادلے کا حکم نامہ اس کے دفتر میں پہنچ گیا ہے۔''

وہ خبر ایسی تھی کہ مجھے ناچار بستر چھوڑنا پڑا۔ وال کلاک پر سرسری نظر ڈال کر میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔

ہم دونوں کمرے میں ناشتے میں مصروف تھے کہ اسد آپہنچا۔ اس نے معمول کے مطابق ہوٹل کی لابی سے فون کرکے اپنی آمد کی اطلاع دی اور اجازت پاکر اوپر آگیا۔

اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی جس نے اس کی آنکھوں کے گہرے نیل چھپالیے تھے۔ چہرے کی دوسری خراشیں زیادہ گہری نہیں تھیں۔

میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا کہ کہیں وہ کسی کو اپنے پیچھے تو نہیں لگالایا تھا۔ اس

نے ہنس کر مجھے یقین دہانی کرائی کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔
''رات کو بھی آپ دونوں کو یہی خوش فہمی تھی کہ آپ کا پیچھا نہیں کیا جارہا تھا۔'' غزالہ نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بند بازار میں ان چاروں نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ آسمان سے نہیں ٹپکے ہوں گے' شروع سے پیچھا کررہے ہوں گے۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ رات کو ٹیکسی ڈرائیور کی ہوشیاری ہمارے گلے پڑ گئی۔'' اسد نے ایک کرسی سنبھال کر کہا ''ہم دونوں میں سے کوئی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا۔ صرف عقب نما آئینوں سے پیچھے آنے والوں پر نظر رکھی جاسکتی ہے۔ ہمیں مڑ کر دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس میں چوک ہوگئی۔ وہ گدھا ٹریفک سے بچنے کے لیے شہر کی گلیوں میں گھس گیا۔ وہاں کی تاریکی نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ مجھے یقین ہے کہ اندھیرے راستے پر انہوں نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کرلیے ہوں گے۔ اس سے ہم دھوکا کھاگئے۔''
''اس وقت بھی تم ٹیکسی سے آئے ہوگے!'' غزالہ نے تصدیق چاہی۔
اسد اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولا ''دن کا اجالا میرا معاون تھا۔ ابتدائی سفر میں نے بس میں کیا اور ایک جگہ اترتے ہی ٹیکسی لے لی۔ بس میں کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا تھا تو اسے اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ دوسری ٹیکسی لے سکے۔ میرے روانہ ہونے تک سڑک پر دور تک کوئی اور خالی ٹیکسی نظر نہیں آرہی تھی۔''
''خوب!'' میں نے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ''شاید اپنی اس ہوشیاری کی وجہ سے تم شگفتہ موڈ میں نظر آرہے ہو۔''
''اس وقت میرا ذہن ہلکا ہوکر بہت بلندیوں پر پرواز کررہا ہے۔'' اس نے غزالہ کی پیشکش پر ناشتے میں شامل ہوتے ہوئے' شوخی سے جواب دیا ''بگڑتے ہوئے حالات یکا یک سازگار ہوگئے ہیں۔ اب راجن سے دوبارہ سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔''
''اوہو......! کیا وہ بنکاک سے کہیں بھاگ گیا ہے؟'' میں نے انجان بن کر حیرت سے پوچھا۔
''وہ نہیں بھاگا میرے کوچ کا فرمان آگیا ہے۔'' اس نے مسرت آمیز لہجے میں انکشاف کیا۔
''راجن سے گلو خلاصی ہونے پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔''
''اس کا مجھے قلق ہے۔'' اس نے بلاتردد میری تردید کر ڈالی۔'' میں اپنی سرکاری پوزیشن کی وجہ سے کھل کر اس سے تصادم مول نہیں لے سکا لیکن میری خواہش تھی کہ میری آڑ لے کر تم اس کا تیاپانچا کرڈالو۔ میرے ساتھی کی حیثیت سے تمہیں اس تک رسائی حاصل ہوچکی تھی۔ اکیلے رہ جانے کے بعد تم اس کے قریب نہیں جاسکو گے۔''
''لیکن تمہارے مجروح چہرے سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔'' غزالہ نے اس کی پوری بات سن لینے کے بعد کہا۔
''یہ خوشی کچھ اور ہے' تم دونوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوسکے گا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں جواب دے کر اپنا سر جھکا لیا۔
''بتاؤ گے تو اندازہ ہوجائے گا۔'' غزالہ نے اسے چھیڑا۔
''نہیں ہوسکتا۔'' اس نے زور دے کر کہا ''روزی مرد کا زیور ہوتی ہے۔ وہ جہاں بھی اور جیسے بھی ملے' اس کی قدر کرنا چاہیے۔ دیکھ لو کہ میں روزی کی خاطر اپنے گھر بار اور بال بچوں کو چھوڑ کر یہاں پڑا ہوا ہوں۔ بھابی......! یہ بہت بڑا کرب ہوتا ہے۔ لوگ بہت مجبور ہوکر اپنوں کو چھوڑتے ہیں اور ہزاروں میل دور جاکر محنت اور مزدوری کرتے ہیں۔ ان کے دکھ درد کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ بیمار ہوتے ہیں تو خاموشی سے کسی کونے میں اکیلے پڑے رہتے ہیں' کسی سے دل کی بات نہیں کرسکتے۔ کبھی کبھی تو ایسے خوفناک جذباتی لمحے آتے ہیں جب آدمی چاہتا ہے کہ پر لگا کر لمحہ بھر میں اپنوں میں پہنچ جائے' وقت گزر جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوپاتا۔ اس وقت میری خوشی یہ ہے کہ میں دو برس سے زیادہ کی دوری کے بعد اپنے بیوی بچوں میں جانے والا ہوں۔ اس خوشی نے میرے دل کے سارے داغ دھو دیے ہیں۔''
''تم بہت خوش نصیب اور باکردار آدمی ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے گھروں سے دور رہ کر خوش رہتے ہیں۔ ہر وقت ایسی نشاط گاہوں کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جہاں انہیں جاننے اور پہچاننے والا کوئی نہ ہو...... ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ اچانک کیا ہوا ہے۔''
''اچانک کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے پہلے ہی تمہیں بتادیا تھا کہ بنکاک میں میرے دو سال مکمل ہوچکے ہیں' تبادلے کا حکم کسی بھی وقت آسکتا ہے اور وہ آگیا۔ میں دفتر پہنچا تو وہاں دو فیکس آئے ہوئے تھے۔ ایک میں مجھے بنکاک کا چارج چھوڑ کر اسلام آباد ہیڈ کوارٹرز میں رپورٹ کرنے کی ہدایت

کی گئی ہے۔ دوسرا پیغام جلال کی طرف سے تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میں اپنی جگہ آنے والے کا انتظار کیے بغیر اولین فرصت میں یہاں سے چل دوں۔ آنے والا سب کچھ خود سنبھال لے گا۔'' اس نے بتایا۔

''تم چاہو تو دو چار دن یہاں رک سکتے ہو۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

''اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جلال بہت مہربان افسر ہے۔ میں اس کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ میں نے آج رات کی پرواز سے اپنی سیٹ بک کرالی ہے۔''

''اوہ...... تو یہ کہو کہ تم الوداعی ملاقات کے لیے آئے ہو۔'' اس بار میں واقعی چونک گیا۔

''سیٹ کا کنفرمیشن مل جانے کے بعد میں نے دفتر چھوڑا ہے۔ یہ چکر نہ ہوتا تو میں بہت دیر پہلے یہاں پہنچ گیا ہوتا۔''

''میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے پوچھا'' تم نے ابھی تک سوبھراج کی ہلاکت کے بارے میں کوئی رپورٹ اپنے بڑوں کو بھیجی ہے؟''

''ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ اس خبر کو دبا دیا جائے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا'' تم کو اچانک یہ سوال کیوں یاد آ گیا؟''

''تم جا رہے ہو' میں نے سوچا کہ اس اہم نکتے پر بھی بات کر لی جائے۔''

''تمہارے مشورے کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ راجن نے سوبھراج کی بچی کھچی ہڈیوں کو شرما کا نام دے کر یہاں قصہ ختم کر دیا ہے لیکن میں ایک بات لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ اصل واقعہ پاکستانی ایجنسیوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔ ہمارے آدمیوں کی کارکردگی سے شہرت یافتہ عالمی ایجنسیاں بھی خائف رہتی ہیں۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہاری رپورٹ پر اعتبار نہیں کیا جائے گا؟''

''میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ فی الحال میری رپورٹ حرفِ آخر سمجھی جائے گی پھر سوبھراج کی تلاش شروع ہو گی۔ اس کی اچانک روپوشی ہمارے ذمے داروں کے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ثابت ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ قلیل سی مدت میں ہمارے آدمی یہ معمّا حل کر لیں گے۔''

''اس وقت تمہاری پوزیشن کیا ہو گی؟'' میں کھل کر اسے کچھ بتائے بغیر' ذہنی طور پر آنے والے غیر متوقع واقعات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ جلال شاید اسے دفتری چکروں میں مبتلا نہ کرے لیکن سوبھراج کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے پر اسے ضرور رگڑے گا۔ اسد نے جو کچھ کیا میرے ایما پر کیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں اس معاملے میں حتی الامکان اس کی مدد کر سکوں۔

''میری پوزیشن پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ راجن نے مرنے والے کو نرائن پرشاد شرما قرار دے کر میرا کام بہت آسان کر دیا۔ سوبھراج میرا ہدف نہیں تھا۔ اپنی عمومی ذمے داریوں کے دائرے میں رہتے ہوئے مجھے اس کی خیر خبر رکھنا تھی۔ اس کا پیچھا کر کے میں اپنی سرکاری پوزیشن کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ جو کچھ میرے سامنے آیا' میں نے آگے رپورٹ کر دیا۔ بعد کی تفتیش سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے تو میری ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''اگر تمہارا کوئی افسر...... یا جلال ہی یہ کہے کہ تم نے دانستہ سوبھراج کے مرنے کی خبر چھپائی تھی تو تمہارا موقف کیا ہو گا؟'' میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ خیالی مفروضہ ہے۔ یہ راز ہم تینوں کے درمیان ہے ہم میں سے کسی کی مخبری کے بغیر جلال کے ذہن میں یہ خیال نہیں آ سکتا۔ اپنے محکمے میں محنت کر کے میں نے صرف اپنے گھر کا چولہا روشن رکھا ہے۔ میری عمر بھر کی کمائی صرف میری ساکھ ہے۔ جلال تو کیا اس سے اوپر والے بھی میری ساکھ پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے۔''

اس نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

''راجن تمہارے جواب کا منتظر رہے گا' تم آج رات یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد راجن کا کیا بنے گا۔''

''میرا امتحان لے رہے ہو؟'' اس نے مسکرا کر سوال کیا پھر کہا'' تم گرو ہو یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کی گردن توڑ دو گے۔ اس کے ساتھ تم کوڈان کی پراسرار قید سے بھی نجات مل جائے گی۔ افسوس اس بات کا رہے گا کہ میں ان کامیابیوں میں تمہارا شریک نہیں رہوں گا۔''

''تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہارا نام استعمال کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟'' میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ میرے لیے عزت کی بات ہو گی کہ تم جیسا عظیم آدمی میرے نام سے فائدہ اٹھانے

کے بارے میں سوچے لیکن یہ کیسے ہوگا۔ میری روانگی راجن سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ مجھے روانگی سے پہلے تھائی حکام کو آگاہ کرنا ہوگا۔ یہ کام میں نے آخری مرحلے کے لیے التوا میں ڈالا ہوا ہے۔''

''مجھے تمہاری اجازت درکار تھی۔ اب دیکھوں گا کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ میں تمہارا ساتھی بن کر راجن سے ملا تھا۔ اسی حیثیت میں اس سے کوئی رابطہ کرسکتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارا کوئی معذرتی پیغام اس تک لے جاؤں۔''

''یہ واقعی ممکن ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ''تم تیزی کے ساتھ نت نئی راہیں نکالنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔''

''زندگی اور موت کا کھیل جاری ہو تو ہر شخص کا ذہن ایسی تیزی دکھانے لگتا ہے۔''

اس کی روانگی کا پروانہ اچانک نازل ہوا تھا۔ اس کے پاس صرف چند گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس مدت میں اسے کئی کام نمٹانے تھے۔ یہ اس کی بڑائی تھی کہ وہ وقت نکال کر مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک میرے پاس نہیں ٹھہر سکا۔ میں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اسے اپنے ہوٹل کے کمرے سے رخصت کردیا۔

''یہ بھی چلا گیا۔'' اس کے جانے کے بعد غزالہ نے اداسی سے کہا ''اب ہم یہاں ڈان اور چاؤ فان کے رحم وکرم پر رہ گئے ہیں۔''

''راجن، ڈینی کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا ''دعا کرو کہ وہ اسد کے ساتھی کا خیر خواہ بن جائے۔ دشمن کی صفوں میں گھل مل کر کام کرنے کا اور ہی مزہ ہوتا ہے۔''

''تو کیا آپ اس بارے میں سنجیدہ ہیں؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''سنجیدہ نہ ہوتا تو اسد سے اس بارے میں ہرگز بات نہ کرتا۔''

''یہ بہت مشکل راستہ ہوگا۔'' غزالہ کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں ابھر آئیں ''راجن کے بارے میں اب تک جو کچھ سامنے آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فطری اعتبار سے سفاک قاتل ہے۔ اسے آپ پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ کوئی رورعایت نہیں دے گا۔''

''مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''میں اسی قسم کے جانوروں سے لڑ کر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میں غزالہ سے حوصلہ مندی کی باتیں ضرور کررہا تھا لیکن اسد کے لیے میرا دل اداس تھا۔ اس شریف النفس آدمی سے میری رفاقت بہت مختصر رہی تھی لیکن اس نے اپنا دامن بچاتے ہوئے روز اول سے مجھے ایسی بھرپور معاونت فراہم کی تھی کہ اس کا بدل ملنا مشکل تھا۔ اگر اس نے اپنے تھائی دوست کے ذریعے یہ سراغ نہ لگایا ہوتا کہ راجن کی سفید لینڈ کروزر شہر سے دور لوپ بوری میں موجود ہے تو ہمارے لیے سوبھراج ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جاتا اس کے تابوت میں آخری کیل اسد نے لگائی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد میرے بوجھ میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ سب کچھ مجھے خود ہی کرنا تھا۔ سوبھراج کا فتنہ ختم ہوگیا تھا۔ ابتدا میں مجھے راجن کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ڈان کی خوشنودی کے لیے مجھے راجن سے بدترین دشمنی کا سوانگ رچانا پڑا تھا۔ بعد میں جلال نے بھی اس کی سرکوبی کی خواہش ظاہر کی اور میں راجن کی راہ پر لگ گیا۔

ڈان کی خواہش تھی کہ بنکاک سے جلد از جلد راجن کا صفایا ہوجائے۔ وہ خود گوشہ نشین ہونے کے باوجود خاصا طاقتور آدمی تھا لیکن خود راجن کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا یا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ذمے داری مکمل طور پر میرے سر آپڑی تھی۔

اس وقت میں کم از کم تین سمتوں سے راجن کے خلاف محاذ کھولنے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔

سب سے پہلے اس کی وائٹ ہاک نامی لانچ میری نظروں میں آئی۔ اگر چاؤ فان ذرا سی بھی دل جمعی سے کام لیتا تو آنے والے چند دنوں میں راجن کی وہ پرشکوہ لانچ سمندر میں غرق ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف میں نے اپنے اصل روپ میں اس سے رابطہ کرکے اسے دھمکی دی ہوئی تھی کہ اس نے جلد ہی بنکاک کا میدان خالی نہ کیا تو میں سوبھراج کی موت کا راز فاش کرکے امریکیوں کو راجن کے لہو کا پیاسا بنادوں گا۔ میں جانتا تھا کہ میرے لیے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں تھا مگر راجن ان نزاکتوں سے بے خبر تھا۔ بوکھلاہٹ میں وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھا سکتا تھا جس کے نتیجے میں مجھے اس کے خلاف کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

اس ضمن میں اسد نے مجھے اپنے معاون کے طور پر موتی محل میں لے جا کر تیسری راہ نکالی تھی۔ مجھے وہ راہ سب سے بہتر نظر آرہی تھی۔ اگر میرا داؤ چل جاتا اور راجن اس روپ میں مجھے اپنا ہم نوا تسلیم کرلیتا تو میں اس پر بہت قریب سے ایسا کاری وار کرسکتا تھا کہ وہ جاں بر نہ ہو پاتا۔ جلال کی

خواہش پوری ہو جاتی‘ ڈان کے لیے راستہ صاف ہو جاتا اور مجھے بنکاک کی غیر رسمی قید سے آزادی مل جاتی۔

جب تک اسد بنکاک میں تھا‘ میں کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ راجن کے چنگل میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ اسے وہاں سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا تو اسے پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ بنکاک سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی کارروائی کی وجہ سے اسد کی روانگی میں کوئی موہوم سی رکاوٹ بھی پیدا ہو۔ ایک بار اس کا طیارہ تھائی زمین چھوڑ دیتا تو میں پوری بے فکری سے اپنے کام کا آغاز کرسکتا تھا۔

کچھ لوگ ایسے کاہل اور آرام طلب ہوتے ہیں کہ کام کے نام سے ان کی جان نکلتی ہے۔ وہ اپنا سارا وقت بے عملی اور عیش کوشی میں گزارنا چاہتے ہیں۔ میرا مزاج بالکل مختلف ہے۔ سامنے کوئی مصروفیت نہ ہو تو میرے لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

راجن میرا بڑا ہدف تھا مگر میں اسد کی روانگی تک خاموش رہنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اس کی پرواز رات کو روانہ ہونے والی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے وہ دن خالی رہ کر گزارنا تھا۔ ہوٹل کے بند کمرے میں مسلسل آٹھ دس گھنٹے گزارنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے غزالہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ مجھے آئینہ دیکھنے کا مشورہ دیا۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے مذاق کررہی تھی۔ میں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں سنجیدگی کے سوا کچھ نہ پایا۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

آئینے میں مجھے اپنے چہرے پر دو ہلکے نیل نظر آئے جو پچھلی رات کو ہونے والی مار دھاڑ کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئے تھے۔

’’نشان اتنے گہرے اور نمایاں نہیں ہیں۔‘‘ میں نے اپنے چہرے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے‘ دھیرے سے کہا ’’یہ بنکاک ہے یہاں تشدد آمیز تفریحی مشاغل میں ہر رات نہ جانے کتنے مردوں کے چہروں پر عورتیں ایسے یادگار نشانات چھوڑتی ہوں گی۔‘‘

’’میرا کام توجہ دلانا تھا۔ فیصلہ آپ خود کرسکتے ہیں۔‘‘ اس نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ’’آپ ہر شخص کو عقابی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ میں نے بازار میں چلتے پھرتے ہوئے یہ بات نوٹ کی ہے کہ بہت سے نوجوان غیر ملکیوں کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ایسی ہلکی پھلکی چوٹوں اور خراشوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ اب آپ نے اس کا سبب بھی بتا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تشدد شامل ہونے کے بعد کوئی بھی تفریح کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسے تو عذاب کہنا چاہیے۔‘‘

’’ایسی باتوں کا سمجھ میں نہ آنا ہی بہتر ہے۔ یہ سب بگاڑ کی نفسیاتی گرہیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کو پٹنے میں مزہ آتا ہے‘ بعض مار دھاڑ کیے بغیر آسودگی حاصل نہیں کرپاتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نشان کسی پریشانی کا سبب نہیں بنیں گے۔ بے چارے اسد کا چہرہ تو بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے پھر بھی وہ یہاں دوڑا چلا آیا۔‘‘

’’اس میں اور آپ میں فرق ہے۔ وہ آج رات اس شہر خرابات کو خیر باد کہہ رہا ہے‘ آپ کو یہاں رہنا ہے۔ آپ سے رات کو ٹکرانے والے چاروں آدمیوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔‘‘

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ’’انہیں چار چوٹ کی مار پڑی ہے۔ وہ کئی دنوں تک باہر نہیں نکل سکیں گے۔ ویسے بھی راجن کی طرف سے اسد کے لیے آنے والے مصالحتی پیغام کے بعد ان لوگوں سے کسی فوری تصادم کا خطرہ ٹل گیا ہے۔‘‘

’’آپ کہاں جانا چاہ رہے ہیں؟‘‘ غزالہ نے تجسس سے پوچھا۔

’’کمرے میں بند رہ کر وحشت ہورہی ہے۔ شہر بہت وسیع ہے‘ کہیں بھی نکل جائیں گے۔‘‘

’’میں پانچ منٹ میں تیار ہورہی ہوں۔‘‘ اس نے بلا کسی پس وپیش اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم دونوں کمرے سے نکلنے ہی والے تھے کہ میرے موبائل پر چاؤفان کی کال آگئی۔

’’ماسٹر! تمہارا خادم ہوٹل کے باہر تمہارا انتظار کررہا ہے۔‘‘ رابطہ ہونے پر چاؤفان کی خوشامدانہ آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔

’’کرتا رہے...... میں اس وقت باہر جارہا ہوں۔‘‘ میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

’’ماسٹر! یہ ملاقات ضروری ہے۔ میں فون پر سب کچھ نہیں کہہ سکتا۔‘‘

’’بعض اوقات تم خدا کے بھیجے ہوئے عذاب کی طرح میرے سر پر مسلط ہو جاتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔‘‘ میں نے مصنوعی برہمی کا مظاہرہ کیا۔

''تم یقین کرو......اس وقت مجھے کسی نے تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ میں خود تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' میری کہی ہوئی بات اس کی موٹی عقل کے اوپر سے گزر گئی۔

''رکے رہو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' میں نے بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فون بند کیا اور غزالہ کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔''لو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ چاؤفان یہاں آ پہنچا ہے۔''

''آپ اس پر غصہ ہو رہے تھے، اب خوش نظر آ رہے ہیں!'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ بہت ڈھیٹ اور منہ پھٹ ہے۔ میں اسے اس کی اوقات میں نہ رکھوں تو وہ مجھے ہدایات دینا شروع کر دے گا۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''کیا آپ اس کے ساتھ جانے کے لیے پر تول رہے ہیں؟''

''بہتر یہی ہوگا کہ ہم دونوں ایک ساتھ باہر نہ نکلیں۔ وہ نہ آتا تو ہمیں مجبوراً جانا ہی پڑتا۔ اب تم اپنی مرضی سے شہر گھوم سکتی ہو۔ میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزار لوں گا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت میں لوٹ آؤں گا۔''

غزالہ نے غور سے میری طرف دیکھا پھر سر جھکا کر بے چارگی سے بولی''جیسی آپ کی مرضی...... میں آپ کی خواہش پر باہر جانے کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ آپ نے اپنا پروگرام بدل لیا ہے تو میں یہیں رک کر وقت گزاروں گی۔''

وہ ناراض نہیں ہوئی تھی لیکن میرے فیصلے کی تبدیلی سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ اسے چاؤفان سے میری ملاقات کی اہمیت کا پورا ادراک تھا۔ اسے افسوس اس بات کا تھا کہ چاؤفان نے اچانک دخل انداز ہو کر ہم دونوں کے سیر کے پروگرام کو درہم برہم کر دیا تھا۔

چاؤفان کھلی سڑک کے کنارے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے پاس غزالہ کی ناز برداری کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے تسلی کے چند بول کہے اور چاؤفان سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس نے معمول کے مطابق پُرتپاک انداز میں چہک کر میرا استقبال کیا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

''ماسٹر! تمہارے چہرے پر پڑے ہوئے نشانات دیکھ کر مجھے دکھ ہو رہا ہے۔''

''میری طرف دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہیں سڑک پر مرکوز رکھو۔'' میں نے خشک لہجے میں اسے مشورہ دیا۔

''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی بدتمیز تم پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔''

''محبت اور جنگ میں سب کچھ چلتا ہے۔ دشمن بھاری پڑ جائے تو ڈان جیسا آدمی میدان میں اترنے سے ہچکچاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ میں تمہارے شہر کے اچکوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں، تمہارے ساتھ گھوم رہا ہوں۔''

''یہ بات ڈان بھی مانتا ہے، تم بہت نڈر ہو۔''

''کیا تم نے ان فضول باتوں کے لیے مجھے بلایا ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''تم نے مجھے بہت بڑی مشکل میں پھنسایا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی غوطہ خور کا بندوبست نہیں ہو سکا۔''

''باقی سامان بھی نہیں مل رہا ہوگا!'' میں نے طنز سے کہا۔

''میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں۔ سب بندوبست ہو گیا ہے۔ تمہارے بتائے ہوئے طوفانی مقناطیس بھی مل گئے ہیں، بوٹس میری اپنی ہیں۔ انہیں ایک ویران کھاڑی میں لگا کر سارے شناختی نشان چھپائے جا رہے ہیں تاکہ وائٹ ہاک کے محافظ اپنی دوربینوں سے بھی ہماری بوٹس کو نہ پہچان سکیں۔''

''غوطہ خور کا بندوبست نہ ہوا تو پھر یہ کام میں خود سرانجام دینے کی کوشش کروں گا۔ کاسٹیوم اور دوسرا سامان تو مل جائے گا نا!''

''سب مل جائے گا۔'' وہ چونک کر بولا''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم بھی غوطہ خوری جانتے ہو!''

''میں صرف تیرنا جانتا ہوں، زندگی میں کبھی غوطہ خوری نہیں کی۔ ذرا سی مشق کے بعد یہ بھی ہو جائے گا۔ غوطہ خور آسمان سے نہیں اتارے جاتے۔ وہ ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔''

''تم ہر فن مولا ہو، میں تو ڈھنگ سے ڈوبنا بھی نہیں جانتا۔'' اس نے بے ہنگم سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس سکوت کو چاؤفان نے ہی توڑا۔''ماسٹر! تم ڈینی نام کے کسی پاکستانی سے واقف ہو۔''

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک گیا۔ اپنی حیرت چھپاتے ہوئے میں نے سرسری انداز میں کہا''نام ہی نام سنا ہے، اس سے ٹکرانے کی آرزو ہے۔ تمہیں بیٹھے بیٹھے یہ نام کیوں یاد آ گیا؟''

''رات سے چھوٹا راجن کے آدمیوں نے شہر میں ڈینی

نام کے ایک آدمی کی تلاش شروع کر دی ہے۔'' اس نے انکشاف کیا ''انہوں نے کئی مشتبہ پاکستانیوں سے مار پیٹ بھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی چھوٹا راجن کا بڑا دشمن ہے۔''

''یہ اچھا ہے۔ راجن کی توجہ بٹ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارا کام آسان ہو جائے۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

میرے لیے وہ خبر انوکھی نہیں تھی۔ سوبھراج کے چھوڑے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر راجن سے میری بات ہونے کے بعد اسے ہر حال میں مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔ میں نے فون پر اسے بہت سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ اس نے مجبور ہو کر مجھ سے وقت مانگا جو میں نے دے دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا۔ میرا قصہ پاک کر کے وہ بہت سے مصائب سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔

''ماسٹر! آثار بتا رہے ہیں کہ ڈینی خطرناک آدمی ہے۔'' چاؤ فان نے دھیمی اور پرجوش آواز میں کہا ''کیوں نہ ہم بھی اسے تلاش کریں۔ اسے اپنے ساتھ ملا کر ہم چھوٹا راجن کو بہت جلد مار لیں گے۔''

''اس سے پہلے ڈینی تمہاری گردن مار دے گا۔'' میں نے غرا کر کہا ''وہ پاکستان کا اشتہاری مجرم ہے۔ امریکیوں نے اس پر دو ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے پھر بھی وہ آزاد ہے..... وہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا، تمہیں کیسے اپنے قریب آنے دے گا۔''

''وہ ایسا وحشی درندہ ہے تو اسے چھوڑو۔ ہوسکتا ہے کہ چھوٹا راجن اسی کے ہاتھوں مارا جائے۔ ڈان اس کی موت کا خواہش مند ہے۔ ہم اسے ماریں یا ڈینی مار دے' بات ایک ہی ہوگی۔ نتیجہ ہمارے اور ڈان کے حق میں ہوگا۔''

''کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اسے کوسنا شروع کر دو۔'' میں نے جل کر کہا ''اگر وہ طاعون یا ہیضے سے مر جائے تو کسی کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔''

''ماسٹر! مجھے ایسی جلی کٹی باتیں نہ سنایا کرو۔'' اس نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا ''دو دشمنوں کی لڑائی سے اپنا فائدہ ہو رہا ہو تو خاموشی سے تماشا دیکھنا عقل مندی ہے۔ اس میں کودنے سے فائدے کے بجائے نقصان ہوسکتا ہے۔''

''اپنے ان نادر خیالات سے ڈان کو آگاہ کر دو۔ وہ تمہیں ایسے انعام سے نوازے گا کہ تمہارا دل باغ باغ ہو جائے گا۔''

اس نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس لیا پھر بولا ''ڈان کی بات نہ کرو' ہر معاملے میں اس کی سوچ انوکھی ہوتی ہے۔ میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا۔ اگر تم بھی میرے ہم خیال نہیں ہو تو میں صبر کیے لیتا ہوں۔ بدھا نے کہا ہے کہ صبر میں روح کی شانتی ہوتی ہے۔''

''شانتی اسی وقت ہوگی جب روح جسم میں قید رہے۔ تم نے ڈینی کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تو تمہاری روح پہلی فرصت میں بدن کا ساتھ چھوڑ دے گی...... میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈینی یہاں کیا کر رہا ہے۔ اسے راجن سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔''

''اپنی لائن میں بڑے لوگوں کے چکر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہمیں ان باتوں سے کیا لینا۔ ہمیں اپنی توجہ اس کام پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ڈان نے ہمیں سونپا ہے۔'' وہ ایک جھٹکے میں راہ راست پر آ گیا۔

اس کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ایک اہم کارندہ ضرور تھا لیکن اس سے آگے وہ بے خبری کے بازار میں رہ رہا تھا۔ اسے میرے یعنی ڈینی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس معاملے میں ڈان اتنا بے خبر نہیں ہوگا۔

''یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیوں آئے ہو؟'' کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے اچانک اس سے سوال کیا۔

''میں غوطہ خور کے مسئلے پر پریشان تھا۔ تم نے ذرا سی دیر میں اس کا حل پیش کر دیا۔'' اس نے بلاتامل جواب دیا ''تمہاری پیشکش اپنی جگہ پر ہے' میری کوششیں جاری رہیں گی۔ یہ کام کسی پیشہ ور آدمی کو کرنا چاہیے۔ کوئی نہیں مل سکا تو پھر تم کو زحمت کرنا ہوگی۔ تمہارا متبادل سامنے آنے کے بعد میری پریشانی دور ہو چکی ہے۔''

''تمہاری کوششوں کا نتیجہ کب تک سامنے آ جائے گا..... ہم زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میرے اوپر تم سے زیادہ ڈان کا دباؤ ہے۔ مجھے آج شام تک کا وقت درکار ہے۔ صبح ہم فیصلہ کر لیں گے۔'' اس نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔

کچھ دیر بعد چاؤ فان نے اپنی گاڑی ایک سرسبز پارک میں سے گزرنے والی سڑک کے کنارے روک دی۔ گاڑی کا انجن اور اس کے ساتھ ایئر کنڈیشنر چل رہا تھا۔ اندر کی خنک فضا میں بیٹھ کر باہر کا منظر بہت دلفریب نظر آ رہا تھا۔ ہم دونوں گاڑی میں بیٹھے' باتیں کرتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ باہر

نکلتے ہی گرم ہوا کے تھپیڑے دو منٹ میں حواس باختہ کر دیں گے۔

چاؤ فان چاپلوسی اور چرب زبانی میں یکتا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح بنکاک کی عورتوں کا تذکرہ نکال لیا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی ڈھنگ کے موضوع پر بات کرے گا۔ اس کے تذکروں کا محور شہر کی وہ پری پیکر اور خوش خصال خواتین تھیں جو مناسب معاوضہ لے کر چاؤ فان جیسے آدمی کو بھی ہنسی خوشی برداشت کر سکتی تھیں۔

''ماسٹر! ایک بات بتاؤ...... تم اپنی عورت ...... مم ...... میرا مطلب ہے کہ اپنی بیوی سے تنگ آئے ہوئے ہو نا!'' ان باتوں کے درمیان اس نے اچانک سوال کر ڈالا۔

''کیوں؟'' میں نے آنکھیں نکال کے کہا'' کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے۔''

''میری توبہ!'' اس نے بے اختیار اپنے دونوں گالوں پر تھپڑ لگائے اور جلدی سے بولا'' میں ایسی گھٹیا بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ بیوی کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہو' مرد اسے کسی اور کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تم تو ویسے ہی غصے کے تیز ہو۔ اس بات پر کسی کا خون بھی کر سکتے ہو۔''

''پھر یہ نازیبا سوال تمہاری زبان پر کیوں آیا؟''

''ماسٹر! دماغ ٹھنڈا رکھو!'' اس نے بوکھلائے ہوئے دفاعی انداز میں کہا'' میں تمہارے لیے فائدے کی بات سوچ رہا تھا۔''

''کیا......؟ جلدی بتاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں مطالبہ کیا۔

''مم ...... میں تمہیں ایک زبردست عورت سے ملوانا چاہتا ہوں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔'' شوقین اور بہت خوبصورت ہے' انگریزی روانی سے بولتی ہے۔ تم ......''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا'' میں گندے پراٹھوں پر اپنی سوکھی روٹی کو ترجیح دیتا ہوں۔ آئندہ مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''پھر میں خود ہی اس سے ملوں گا۔'' اس نے مایوسی سے کہا'' ہو سکتا ہے کہ وہ لانچ میں آکر ہمارے کام کے لیے راضی ہو جائے۔''

''کس کام کی بات کر رہے ہو؟'' میں جھلاہٹ کے باوجود اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''غغغ ...... غوطہ خوری!'' اس نے جلدی سے کہا'' وہ تین سال تک ایک مسافر بردار لانچ پر کام کر چکی ہے' شاید وہیں سے بگڑی ہوگی۔ زبردست تیراک ہے اور غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی ہے۔ بڑی رقم کمانے کے لالچ میں وہ ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ چند روز میں آدھے بنکاک کو پتا چل جائے گا کہ وائٹ ہاک کے پیندے میں تم نے بم لگوائے تھے۔''

''زبان کھولے گی تو مجھ سے پہلے وہ ماری جائے گی۔'' چاؤ فان نے دبی دبی' سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا'' میں اسے دھوکا دے کر استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ اسے یہ نہیں بتایا جائے گا کہ ہم وائٹ ہاک میں بم لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے میں نے وائٹ ہاک کی جاسوسی کی کہانی سوچی ہوئی ہے۔ وہ سمجھے گی کہ اسے حساس آلات کا ایک بکس لانچ کے زیر آب حصے میں لگانا ہے جس کے ذریعے وائٹ ہاک کی دن رات نگرانی کی جاسکتی ہے۔ وائٹ ہاک کی بربادی کی خبر سن کر اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

میں اس مکار کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔ کسی جاننے والی عورت کو کھلا دھوکا دے کر اتنی بے رحمی سے استعمال کرنا اسی کے بس کی بات تھی۔

''ماسٹر! دل ہی دل میں تم مجھے ملامت کر رہے ہو گے۔'' اس بار وہ میرے دل کی بات پڑھ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا'' وہ بہت دل پھینک اور ہرجائی قسم کی عورت ہے۔ اس کی وجہ سے کئی گھرانے برباد ہوئے اور کم از کم ایک شریف آدمی نے خاموشی سے خودکشی کر لی۔ وہ ان بربادیوں کو اپنے کارناموں میں شمار کرتی ہے۔ تم خود بتاؤ کہ کیا ایسی عورت رحم یا ہمدردی کی حق دار ہو سکتی ہے......؟ اگر وہ میرے جال میں پھنس گئی تو یوں سمجھو کہ اپنے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے گی۔ حقیقت کھلنے کے بعد اس کا جو حال ہو سو ہو' سمندر کے سینے پر تیرنے والے بدی کے اڈے کی تباہی میں حصہ لینے سے اس کے بہتیرے گناہ دھل جائیں گے۔''

''چاؤ فان! یہ نہ بھولو کہ غیبی ہاتھ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ اس نے تمہارے گناہوں کی دھلائی شروع کر دی تو تم پر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔''

''میرا کام ڈرائی کلیننگ سے بھی چل جائے گا۔'' اس نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے کہا'' یہ بتاؤ کہ میرا پلان کیسا ہے!''

''کامیاب ہو جائے تو یہ سفاکی کا ایک شاہکار ہوگا۔''

''میں نے تمہاری بیوی کی بات چھیڑی اور تم ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب صرف اتنا تھا کہ شام کو تم بھی میرے

ساتھ مادام سے ملنے چلتے تو تمہارا وقت بہت اچھا گزرتا۔ تم وجیہ مرد ہو۔ وہ تم پر مہربان ہو سکتی تھی۔ میری کامیابی بھی یقینی ہو جاتی۔"

مجوزہ کام کے بارے میں مجھے اس عورت کا کردار دلچسپ محسوس ہوا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ چاؤ فان کے ساتھ، میں بھی اس سے ملنے کے لیے جاؤں مگر میں نے اس خیال کو وہیں کچل کر فراموش کر دیا۔

چاؤ فان پکا بدمعاش تھا۔ اس نے میری وجاہت اور مادام کی مہربانی کا ذکر کر کے ایک مرتبہ پھر مجھے بہکانے کی کوشش کی تھی میں اس کے ساتھ چلنے کے لیے رضامند ہو جاتا تو چاؤ فان یہ سمجھتا کہ آخر کار میں نادیدہ مادام کے سحر کا اسیر ہو گیا۔

"تم سہاروں کے عادی ہو گئے ہو۔ اپنا شکار خود کھیلنے کی کوشش کیا کرو تم بھی کم وجیہ نہیں ہو، بس قد سے مار کھاتے ہو۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں نے یہاں دراز قامت لوگ کم دیکھے ہیں جن میں ڈان بھی شامل ہے۔"

"ڈان کا قد اپنے باپ پر گیا ہے۔ شاید میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کا باپ امریکی سپاہی تھا جو ویت نام کا ایندھن بننے کے لیے بھیجا گیا تھا۔" اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں نے اس کے قد کا موازنہ ڈان سے کرڈالا تھا۔

"دوغلی نسل کے مقامی کشیدہ قامت ہو سکتے ہیں۔" میں نے اپنے سر کو مفاہمانہ انداز میں جنبش دیتے ہوئے اسے اخلاقی سہارا دیا۔ "اصل نسل تھائی باشندوں کے قد زیادہ لمبے نہیں ہوتے۔"

چاؤ فان کی گاڑی کا انجن بہ دستور چل رہا تھا، اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور پارک سے روانہ ہو گیا۔

"ماسٹر!" کچھ دیر تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر انداز میں اپنی زبان کھولی۔ "سب انسانوں کا تعلق ایک نسل سے ہے تو ان کے قد کاٹھ یکساں کیوں نہیں ہوتے؟"

"تم بلاوجہ اس بات کو اپنے دل پر لے گئے۔" میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "چھوٹا قد ہونے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ دنیا میں چھوٹے قد والوں کے کارنامے آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ تاریخ ان کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔"

"مگر میں تاریخ ساز نہیں ہو سکتا۔" اس نے اداسی سے کہا۔ "اپنی قوم کے لحاظ سے میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تمہارے مقابلے میں مجھے یکایک کم تری کا احساس ہونے لگا ہے۔ چہرہ خراب ہو تو آدمی رقم خرچ کر کے پلاسٹک سرجری کروا سکتا ہے۔ قد کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔"

"اونچی ایڑی کے جوتے پہنا کرو۔" میں نے وہ بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ مادام سے ملاقات کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے۔"

"مجھے اس سے ملنا پڑے گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "ڈان اس معاملے میں زیادہ تاخیر برداشت نہیں کرے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کیا خبریں ہیں۔" میں نے اسے باتوں میں مصروف رکھنے کے لیے اس انداز میں کہا جیسے میں اس کی زبان سے اپنی تعریف سننا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس بارے میں مجھے سرپیر کا کوئی پتا نہیں تھا۔ دھماکے کی خبر آئی اور ان لوگوں نے اس کا سہرا میرے سر منڈھ دیا بعد میں اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی، اس کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔

"تمہارے کام بہت پکے ہوتے ہیں۔" اس نے سڑک خالی دیکھ کر اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا "موتی محل میں دھماکا کرنے والا زندہ بچا ہوتا تو بات ضرور آگے بڑھتی۔ اس کے مارے جانے کی وجہ سے سب کچھ وہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ سب حیران ہیں کہ وہ دھماکا کیسے ہو گیا۔ سننے میں آیا ہے کہ موتی محل میں اب خوف وہراس کی فضا پائی جارہی ہے سب ایک دوسرے کو شک وشبہے کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔"

"وہ مارا ضرور گیا لیکن اس کی نشان دہی ہو چکی ہے کہ وہ کون تھا۔ اس شناخت کی مدد سے کوئی نہ کوئی پیش رفت ہوئی ہو گی۔"

"ماسٹر! کچھ نہیں ہو سکتا بڑی سازشوں کا سراغ مل جاتا ہے، ایسے واقعات کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ مرنے والا ہر راز اپنے سینے میں لے کر دفن ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں تم جانتے ہو یا تمہارا وہ آدمی جس نے بیچ کا کردار ادا کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں اس کالے شیطان کو کچھ بتانے نہیں جاؤ گے۔"

"کس کالے شیطان کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے اس کے بیان سے محظوظ ہوتے ہوئے روا روی سے سوال کیا۔

چاؤ فان نے یوں چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی عجیب سوال کیا ہو۔ لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ "ماسٹر! حیرت کی بات ہے کہ اس سے تمہاری دشمنی ہے، اس کے باوجود تم نے اسے نہیں دیکھا!"

چاؤ فان کی حیرت کا سبب سمجھ میں آتے ہی میں نے جلدی سے کہا۔ "اگر تم راجن کو یہ نام دے رہے تھے تو بہت

خوب ہے۔ وہ کالا بھی ہے اور بدصورت بھی۔ اس کے بڑے بڑے کان یوں آگے کی طرف مڑے ہوئے ہیں کہ انہیں کاٹ دینے کو دل چاہتا ہے۔''

میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر راجن کے کانوں پر بھی تبصرہ کر ڈالا تھا۔ چاؤ فان کی حیرت رفع ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتار دیا۔

راستے میں گفتگو کے دوران میں یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ مادام سے ملاقات کے بعد مجھے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرے گا۔ نتیجہ مثبت رہنے کی صورت میں ڈان سے رابطہ کر کے پروگرام طے کرنا تھا۔

میں چاؤ فان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے بتایا کہ میری عدم موجودگی میں پاکستان سے جلال اور جہانگیر کے فون آئے تھے دونوں نے اس سے خیر خیریت سے زیادہ بات نہیں کی تھی۔

غزالہ کی رائے تھی کہ جہانگیر بہت زیادہ مضطرب تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ مجھ سے کب رابطہ ہو سکے گا۔ غزالہ میرے پروگرام سے بے خبر تھی۔ وہ اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکی۔

ان دنوں میرے پاس دو موبائل فون ہوا کرتے تھے۔ ایک اول خان کا دیا ہوا سیٹ تھا جس پر اس نے بین الاقوامی رومنگ کھلوائی ہوئی تھی۔ اس فون کے بل کی ادائی ایس ٹی ایف یا اول خان کی ذمے داری تھی۔ اپنے لوگوں سے بات چیت کے لیے میں ہمیشہ وہی فون استعمال کیا کرتا تھا۔ بنکاک میں چاؤ فان اور ڈان وغیرہ سے مقامی رابطوں کے لیے میں نے اسد کے ذریعے ایک لوکل موبائل لیا ہوا تھا۔

میں نے ابتدا سے یہ احتیاط رکھی تھی کہ جب بھی مجھے چاؤ فان یا ڈان سے ملنے کے لیے جانا ہوتا تو میں اول خان کا دیا ہوا فون غزالہ کے پاس چھوڑ دیتا تھا۔ ان دونوں کو اس بات کی ہوا نہیں لگ سکی تھی کہ میرے پاس کوئی دوسرا موبائل فون بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت جہانگیر اور جلال مجھ سے براہِ راست بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

میرے لیے جلال کا فون آنا معمولات میں شامل تھا۔ بنکاک سے اسد کے فوری تبادلے کے پیش نظر' اس کی کال متوقع تھی لیکن جہانگیر کی کال نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے اس کی خیریت جاننے کے لیے شاید ایک آدھ بار اسے فون کیا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی کال نہیں آئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس نے کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

جہانگیر سے میری گفتگو طویل ہو سکتی تھی میں نے اپنے تجسس کو بالائے طاق رکھ کر پہلے جلال کا نمبر ملا لیا۔

محکمے میں اسد اس سے بہت جونیئر تھا۔ وہ اس سے زیادہ کھل کر اور بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے میری طرف رجوع کیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بنکاک میں کیا ہو رہا ہے اور اسد کے تبادلے کے احکام جاری ہونے کے بعد کی صورتِ حال کیا ہے۔

اس سے میری بات ہوتی رہی تھی۔ وہ بنکاک میں رونما ہونے والے واقعات سے بڑی حد تک باخبر تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ اسے بتایا کہ راجن سے میری اور اسد کی ملاقات ہو چکی تھی جس میں میری ذات گفتگو کا مرکز رہی تھی۔

''تمہیں یقین ہے کہ موتی محل سے واپسی پر اس کے آدمیوں نے تم دونوں پر حملہ کیا تھا؟'' اس نے میری کہانی سننے کے بعد بے چینی سے پوچھا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ آج منہ اندھیرے راجن کے آدمی نے اسد کے گھر پہنچ کر اس واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کے بعد شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔''

''ایک طرف ڈان ہے اور دوسری طرف راجن تمہارے پیچھے لگ گیا ہے۔'' اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔ ''اس موقع پر تم کو اسد کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''اسے بھول جاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے تمہارا فیکس بھی مل گیا۔ وہ آج رات کی پرواز سے بنکاک چھوڑ رہا ہے۔''

''تم اس کے تبادلے سے ناخوش ہو؟'' جلال نے نرم آواز میں پوچھا۔

''ناخوش تھا۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے نکلتی ہیں اور پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہو جاتی ہیں۔ اس بار یہی ہوا ہے۔ اسد بر وقت یہاں سے نکل رہا ہے۔ راجن اسے گھیرنے کے چکر میں ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اسد یہاں رکا رہتا تو اس کے چنگل میں پھنس کر بے بس ہو جاتا۔ راجن کو اس کی روانگی کا علم ہوگا تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گا۔''

''یوں کہو کہ اندھیرے میں خود بہ خود چلنے والا یہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔''

''ہاں، اس وقت تبادلے کا حکم اسد کے لیے نعمت ثابت ہوگا۔ میں تم کو ایک بات بتادوں کہ سوبھراج کے معاملے میں اسے موردالزام ٹھہرایا گیا تو مجھے دلی صدمہ ہوگا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اب بھی مجھ پر شبہ کررہے ہو...... تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ اس کے تبادلے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ خالص انتظامی مسئلہ ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد اسے بلایا گیا ہے۔''

''جلال! مجھے اس محکمہ جاتی باریکی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اسد کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ ضمانت صرف تم دے سکتے ہو۔''

''خاطر جمع رکھو۔ میں یہ بھول جاؤں گا کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت کے راز سے واقف ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا!''

اس کا جواب سن کر میرا دل کھل اٹھا۔ میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''میرے لیے تمہارے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اب میں یکسوئی سے اپنے کاموں پر دھیان دے سکوں گا۔''

''تمہارے سامنے اب ایک ہی کام رہ گیا ہے۔ تم کن کاموں کی بات کررہے ہو؟'' میرے جواب نے جلال کو چونکادیا۔

''کام ایک ہی ہے جو تم نے سونپا ہے یعنی راجن کا جھٹکا...... اس میں کئی بکھیڑے ہیں ابھی اس کی ایک لانچ کی تباہی کا مشن سامنے ہے۔''

''ویری گڈ! جلال کی مسرت آمیز آواز آئی۔'' یہ لڑائی کا بنیادی اصول ہے۔ جب تک دشمن کے قلب پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے، اس کے دوسرے مفادات پر ضربیں لگاتے رہنا چاہیے۔ اس طرح تم ڈان کو بھی خوش رکھ سکو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر وہ تمہارے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہوجائے۔''

''پچھلی رات یہ مرحلہ آگیا تھا مگر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ شبہ اس کے دل میں گھر کرچکا ہے۔ میں نے پاسپورٹ واپس لے لیے تو وہ نگرانی شروع کرادے گا......''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔'' تم دوررس فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری اس صلاحیت کی قدر کرتا ہوں۔''

''اول خان کی کیا خبریں ہیں؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔

''اس سے براہِ راست بات نہیں ہوسکی۔ اپنے اسٹاف سے خبریں ملتی رہتی ہیں کہ اس نے آج کل صوبہ سندھ میں ہتھیار لانے والوں کے ایک بڑے گروہ پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ ان کی اگلی کھیپ آتے ہی یہاں کوئی بڑا دھماکا ہوگا۔''

اسپیشل ٹاسک فورس لاکھ غیر آئینی سہی۔ عملی طور پر وہ سرکار ہی کے دائرہ کار میں آتی تھی۔ اول خان اور جلال، دونوں سرکاری افسر تھے، ان کی اپنی اپنی حدود متعین تھیں لیکن آپس میں خوشگوار تعلقات ہونے کے باوجود، ان کے درمیان ایک عجیب سی سرد مہری پائی جاتی تھی۔

وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملتے تھے لیکن الگ ہونے کے بعد مشکل ہی سے ایک دوسرے سے کوئی رابطہ کرتے تھے۔ میں نے کئی مواقع پر محسوس کیا کہ باہمی ربط ضبط کے لیے وہ دونوں کئی مواقع پر میری مدد لے چکے تھے۔

جلال سے پاکستان کے بارے میں کچھ عمومی باتوں کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔ اپنے عہدے کے اعتبار سے وہ بہت باخبر افسر تھا۔ وہ عام طور پر ان باتوں سے بھی باخبر رہتا تھا جو اس کے دائرہ کار میں نہیں آتی تھیں۔

فون بند کرکے میں نے سگریٹ سلگائی تو غزالہ سے نہ رہا گیا اور بول پڑی۔'' جہانگیر آپ کا جگری دوست ہے، آپ کو سب سے پہلے اس کی خبر لینی چاہیے تھی۔ ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے اب آپ کو اس کی پروانہ رہ گئی ہو۔''

''تم جیسی محتسب کی موجودگی میں کسی کو فراموش کرنا بہت مشکل کام ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔'' اس بے چارے کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اس کی بیوی ہے۔''

''وہی اس کے مسئلوں کا حل بھی ہے۔'' غزالہ نے بلا تردد کہا۔'' میں شرط لگا سکتی ہوں کہ سلمٰی کے بغیر وہ چین سے نہیں رہ سکتا۔''

''میں تمہارے مشاہدے کو چیلنج نہیں کروں گا۔ دیکھتا ہوں کہ اس نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔ ذرا یہ سگریٹ ختم کرلوں۔''

☆☆☆

جہانگیر ہمیشہ سے سحر خیز پرندہ رہا تھا۔ دیر سے سونا اور صبح سویرے بیدار ہوجانا اس کی دو فطری کمزوریاں تھیں جن پر اس کی بسیار نوشی بھی کبھی غالب نہیں آسکی تھی۔ دن میں زیادہ پی کر کچھ دیر کے لیے مدہوش ہوجانے کا قصہ اس سے الگ تھا۔

اس دن بھی وہ صبح سویرے بیدار ہوگیا۔ سلمٰی اس کے پہلو میں بہ دستور گہری نیند سورہی تھی۔ بستر چھوڑ کر وہ قالین پر اترا اور مسہری کے قریب کھڑا ہوکر غور سے سلمٰی کی طرف دیکھتا رہا جو بے حجابی کے ساتھ گہری نیند سورہی تھی۔

وہ اس وقت اتنی حسین اور معصوم نظر آرہی تھی کہ جہانگیر کے دل کے کسی گوشے سے بے ساختہ، ملامت کی ایک لہر ابھری اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی فرض شناس اور وفا شعار بیوی کو بلاوجہ ستاتا رہتا ہے۔

عین ممکن تھا کہ وہ جذبات کی رو سے مغلوب ہو کر سلمیٰ کے سرہانے جا بیٹھتا لیکن اسی لمحے بجنے والی انٹر کام کی گھنٹی نے اسے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے ملاقاتیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ پریشان ہو گیا کہ انٹر کام پر اتنے سویرے کون ہو سکتا تھا۔

گھنٹی دوبارہ بجی اور اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے عمارت کا سکیورٹی افسر اسے ہوپر نامی کسی غیر ملکی مہمان کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔

وہ نام اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ آنے والا غیر ملکی تھا۔ جہانگیر کی کھوپڑی چکرا گئی وہ چند لمحوں پہلے گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس کے شب گزیدہ ذہن میں کوئی ڈھنگ کی بات نہیں آسکی۔ اس نے غیر ارادی طور پر مہمان کو اوپر بھجوانے کی ہدایت دے دی۔

اس نے باتھ روم میں جا کر تیزی سے چند کلیاں کیں اور پھر شب خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ وہ پوری طرح اپنا حلیہ درست نہیں کر پایا تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔

جہانگیر نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے، بوکھلاہٹ کے عالم میں دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک کشیدہ قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو کھڑے پایا۔ عینک کے پیچھے اس کی نیلی اور سرد آنکھوں سے سفا کی جھلک رہی تھی۔

جہانگیر کے لیے وہ چہرہ اجنبی تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی جہانگیر کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کے اوسان ٹھکانے آگئے۔

''کیا میں تم کو جانتا ہوں؟'' اس نے رواں انگریزی میں سرد مہری سے سوال کیا۔

''یہ سوال غیر اہم ہے۔'' غیر ملکی کا لب ولہجہ اس کے امریکی ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ ''اہم تر بات یہ ہے مسٹر جہانگیر کہ میں تم کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''میں اپنی چھت کے نیچے کسی اجنبی کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتا۔'' جہانگیر اندر آنے کا راستہ روک کر اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

''پلیز! مجھے اندر آنے دو!'' پتلون کی جیب میں اجنبی کے بائیں ہاتھ نے جنبش کی اور جہانگیر کو وہاں کسی ریوالور کی نال کا ابھار بہت واضح طور پر نظر آگیا۔

''کسی مہمان کو اندر نہ بلانا بد اخلاقی کی نشانی ہے۔'' ہوپر نے اپنی بات جاری رکھی۔

جہانگیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیوں کا کوئی جلوس گھس گیا ہو۔ آنے والے کے نرمی سے محروم چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

''گڈ...... تم سمجھدار اور معاملہ فہم آدمی ہو!'' وہ بڑھ کر فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' جہانگیر نے دروازہ بند کرتے ہوئے، ترش لہجے میں سوال کیا۔

''میں ہوپر ہوں اور تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' اس نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور راہداری سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

ہوپر کا بایاں ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو وہ خالی نہیں تھا۔ اس میں چھوٹے بور کا، ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس وقت جہانگیر کے دل کی حالت غیر تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری وجہ سے وہ ایک مرتبہ پھر کسی ناگہانی صورت حال سے دوچار ہونے والا تھا۔ وہ اندر سے خوف زدہ ہونے کے باوجود تن کر ہوپر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے وجود میں سویا ہوا، شی کا پرانا گروہ بند رفتہ رفتہ بیدار ہو رہا تھا۔

''مجھ سے مل لیے اب لوٹ جاؤ۔'' جہانگیر نے سختی سے کہا ''میری بیوی آرام کر رہی ہے۔ میں صبح سویرے اس کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔''

''کھڑے کھڑے تھک جاؤ گے، سامنے بیٹھ جاؤ۔'' ہوپر نے ریوالور کو اپنے ہاتھ میں نچاتے ہوئے کہا ''تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی ماردوں گا۔ یہ خوب صورت ضرور ہے لیکن کھلونا نہیں، اصلی ہے، اس کا چیمبر بھرا ہوا ہے۔''

''تم نے ابھی تک اپنا مدعا بیان نہیں کیا۔'' جہانگیر نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

''تم ڈینی کے گہرے دوست ہو!'' ہوپر نے اس کے چہرے پر نظر جما کر تصدیق چاہی۔

''میں بہت سے لوگوں کا دوست ہوں۔'' جہانگیر کا جواب گول مول تھا۔

''ڈینی کہاں ہے؟'' ہوپر نے پلکیں جھپکائے بغیر

پوچھا۔
''وہ میرا ملازم نہیں ہے' آزاد خود مختار آدمی ہے۔ کہیں بھی ہوسکتا ہے۔''
''تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں بلاوجہ یہاں نہیں آیا۔ تم کو ہر صورت میں بتانا ہوگا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔''
''اس کی دشمنی میں تمہاری عقل مفلوج ہوگئی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ میں جھوٹ بول کر تمہیں ٹال سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر تم ڈینی کو ذرا بھی جانتے ہو تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے ٹھکانے کے سلسلے میں وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ پتا کھڑکتا ہے اور وہ اپنا ٹھکانا بدل لیتا ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں ہوگا۔''
''وہ کراچی میں ہے؟'' ہوپر نے تحمل سے اگلا سوال کیا۔
''پرسوں تک یہیں تھا۔ اس کے بعد اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔'' جہانگیر نے نہایت اعتماد سے جھوٹ بولا۔
''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' ہوپر غرایا ''وہ یہاں نہیں ہے۔''
''تمہیں معلوم ہے تو بلاوجہ میرا امتحان کیوں لے رہے ہو؟''
''جہانگیر...... سچ بولو۔ تم دو ملین ڈالر کے حق دار بن سکتے ہو۔ جا ہوگے تو تمہیں روزگار کی ضمانت کے ساتھ امریکا کی شہریت بھی مل جائے گی۔ تم یہ موقع کھو دو گے تو کوئی اور اس سے فائدہ اٹھا لے گا۔ ڈینی ایک خوفناک فتنے کا روپ دھار چکا ہے۔ اب اس کا وقت پورا ہو چکا ہے' دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔''
''میں یہ دعوے اس وقت سے سن رہا ہوں جب یہ انعام ایک ملین ڈالر ہوا کرتا تھا۔'' جہانگیر نے طنز سے کہا ''جب تک لوگ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے' تم ڈینی کی گرد بھی نہیں پاسکو گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم ڈینی کے ستائے ہوئے ہو یا اس وقت کسی ایجنسی کی نمائندگی کر رہے ہو لیکن میری یہ بات لکھ لو کہ تم ڈینی کو آسانی سے نہیں پکڑ سکو گے۔''
''تم اس کے ہمدرد اور دوست ہو اس لیے یہ ہذیان بک رہے ہو۔ یہ مت بھولو کہ ایف بی آئی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ہم تحت الثریٰ میں چھپے ہوئے دشمن کو بھی کھینچ کر نکال سکتے ہیں۔ ہم نے اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہمارے قدموں میں ہوگا۔''
اس کی زبان سے ایف بی آئی کا ذکر سن کر جہانگیر کچھ پریشان ہوگیا۔ ایک غیر ملکی' سرکاری اہلکار پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت اسے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔
چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا ''تم نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا ہوتا تو ریوالور تان کر زبردستی میرے گھر میں نہ گھستے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ ایف بی آئی کے افسر میرے شہر میں غنڈا گردی کر رہے ہیں......''
''بکومت!'' ہوپر نے جھلا کر اس کی بات کاٹ دی ''تم سب بدمعاش ہو اور سب مل کر ڈینی جیسے بدمعاش کی سرپرستی کرتے ہو۔''
''کوئی کسی کی سرپرستی نہیں کرتا' یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' جہانگیر نے سکون سے جواب دیا ''اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر مہذب شخص تم لوگوں کی متکبرانہ حرکتوں کی وجہ سے تم سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اس نفرت کی وجہ سے کوئی تمہارا ساتھ نہیں دیتا' تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے دشمنوں کے ہمدرد ہیں۔ برے آدمی کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا۔''
''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ بہتیرے لوگ بلکہ قومیں تک امریکیوں کے پیر چاٹتی ہیں۔''
''یہی تمہارا بڑبولا پن ہے جو آخر کار تمہیں لے ڈوبے گا۔'' جہانگیر نے وہیں اس کی بات پکڑ لی ''تمہارا ساتھ وہ دیتے ہیں جو تمہارے چنگل میں پھنس کر بے بس ہیں یا انہیں تم سے کوئی لالچ ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہاں کوئی بھی تمہارے دو ملین ڈالر کے انعام کے پیچھے نہیں بھاگ رہا۔''
''یہاں کی ایجنسیاں اسے پال رہی ہیں' کون اس کا پیچھا کرے گا؟''
''کروڑوں کی آبادی میں ساری ایجنسیوں کی نفری چند ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔'' موقع پا کر جہانگیر نے اسے بحث میں الجھا لیا ''پاکستان ایک غریب ملک ہے' یہاں بہت سے لوگ بھوکے سوتے ہیں' پڑھے لکھے لوگوں میں بے روزگاری عام ہے۔ یہ ماحول تحریص' ترغیب اور لالچ کے لیے بہت زرخیز ہے۔ اس کے باوجود کسی کو دو ملین ڈالر سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہارے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔''
''تمہارے ان فلسفوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ہوپر نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تم آسانی سے زبان نہیں کھولو گے' تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''
یہ کہتے ہی ہوپر نے جہانگیر پر اپنا ریوالور تان لیا۔
اس وقت تک ہوپر رعونت کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے' اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اسے صاف نظر آرہا تھا کہ ہوپر جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر

عمل کرنے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ عمارت کا حفاظتی نظام بہت سخت تھا۔ پہلے بھی وہاں وارداتیں ہوتی رہی تھیں جن کے بعد سکیورٹی سسٹم میں مزید سختی آ گئی تھی۔ ہوپر نے یقینی طور پر اس کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ سوچ لیا ہوگا۔ اس جیسا تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ آنکھیں بند کر کے کسی کے گھر میں گھسنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

جہانگیر کے پاس سوچنے اور فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ ہوپر ایک مرتبہ اپنی جگہ چھوڑ دیتا تو جہانگیر کے لیے دشواری پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ بہترین موقع تھا۔

"اگر میں تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دوں؟" جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری سے سوال کیا۔

"پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ڈینی کا ہر حمایتی کسی کیڑے سے زیادہ حقیر ہے!" اس نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر کہا۔

اس دوران میں جہانگیر اپنے قدموں کا توازن درست کر چکا تھا۔ ہوپر کا فقرہ مکمل ہوتے ہی اس کی داہنی ٹانگ بہت پھرتی سے حرکت میں آئی۔ جہانگیر کا وہ ردِعمل اس قدر تیز تھا کہ اپنے بائیں ہاتھ پر زوردار ٹھوکر پڑنے تک ہوپر کو مطلق اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کیا کرنے والا تھا۔

ہوپر کے حلق سے ایک دبی دبی اضطراری چیخ نکلی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر، صوفے کے پیچھے قالین پر جا گرا۔

جہانگیر نے ہوپر کو صوفے سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی، اچھل کر اس کے اوپر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

ہوپر کا سارا زعم اپنے ہتھیار پر تھا۔ نہتے حریف کو ہتھیار کے زور پر دھمکانا اس کا محبوب مشغلہ معلوم ہوتا تھا، نوبت ہاتھا پائی پر پہنچی تو وہ بوکھلا گیا۔

چند مکے کھانے کے بعد اس نے بھی ہاتھ پیر چلانا شروع کر دیے۔

اس اثنا میں ان دونوں کی پرشور اضطراری آوازیں سن کر سلمٰی بیدار ہو گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر بدحواسی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی۔ جہانگیر کو ایک سفید فام کے ساتھ گتھم گتھا دیکھ کر اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ جہانگیر کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں اس لمحے کو کوسا جب ان دونوں نے اسٹیشن فور کے محفوظ حصار کو چھوڑ کر اپنے گھر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہانگیر کے پرانے زخم پوری طرح مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ اس پر نئی افتاد آن پڑی تھی۔

اسے قالین پر پڑا ہوا سفید دستے والا ریوالور بھی نظر آ گیا تھا لیکن وہ آتشیں ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے شوہر کی مدد کے لیے کیا کرے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سفید فام نے جہانگیر کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا تھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم کے قالین پر وحشی درندوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

وہ کوئی آواز نکالے بغیر، پھٹی پھٹی نظروں سے وہ وحشیانہ لڑائی دیکھتی رہی پھر گھبراہٹ کے عالم میں اندر بھاگ گئی۔

گھر کے کمروں میں جہانگیر کے آتشیں کھلونوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ اس گھبراہٹ میں وہ غیرارادی طور پر باورچی خانے میں جا گھسی وہاں کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا تھا؟

باورچی خانے میں گھستے ہی اس کی نظر وزنی چوبی بیلن پر پڑی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیلن اٹھایا اور واپس ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ وہاں پہنچی تو صورتِ حال میں کوئی واضح تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ ہوپر، جہانگیر کی توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا۔

سلمٰی نے ایک طرف سے بیلن تھاما اور قریب پہنچ کر پوری قوت سے ہوپر کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دیا۔

ہوپر کے حلق سے ہچکی نما تیز آواز برآمد ہوئی اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

جہانگیر نے اس کے ڈھلکتے ہوئے وجود پر ایک مکا رسید کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ بیلن کی ضرب نے ہوپر کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

اس نے اٹھ کر سلمٰی کی طرف دیکھا، دونوں کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ قالین پر گرے ہوئے بے حس و حرکت دشمن کی پروا کیے بغیر والہانہ انداز میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

سوبھراج کے آدمیوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد وہ جہانگیر پر نازل ہونے والی دوسری مصیبت تھی جو کسی نہ کسی طرح ٹل گئی تھی۔

وہ لوگ ہر بار انداز بدل کر اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ نیچے ایس ٹی ایف کے کم از کم دو مسلح اہل کاران کی حفاظت

کے لیے موجود رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی ملاقاتی کے دوستانہ روپ میں آنے والے ہوپر پر شبہ نہیں کرسکا۔

جذبات کے لمحاتی گرداب سے نکلتے ہی جہانگیر اپنے بے ہوش حریف کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے فرشتے کوچ کر گئے۔ ہوپر بے ہوشی کے مرحلے سے بہت آگے نکل کر موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔

ان کے فلیٹ میں ایف بی آئی کے ایک افسر کی لاش کا پایا جانا بہت سنگین واقعہ ہوتا۔ جہانگیر کو اندازہ تھا کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پاکستانی قانون کی رو سے تختۂ دار تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

فلیٹ میں جو کچھ ہوا، غیر ارادی طور ہوا۔ سلمٰی کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ جنون کے عالم میں لگائی ہوئی، بیلن کی ضرب مہلک ثابت ہوگی۔ اس کے باوجود وہ قتل کی واردات تھی۔ ان کے فلیٹ میں ہوپر کا غیر قانونی داخلہ بھی انہیں اس الزام سے نہیں بچا سکتا تھا۔

ہوپر کی موت کی خبر سنتے ہی سلمٰی نے رونا شروع کردیا۔ جہانگیر کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ اول خان سے رابطہ کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اس آڑے وقت میں وہ صرف اور صرف مجھ پر اعتماد کرسکتا تھا اور میں غائب تھا۔

اس نے منت سماجت کرکے اور واقعے کے مضمرات کا خوف دلا کر سلمٰی کو بہ دقت تمام خاموش کیا اور خاموشی سے اس لاش کو گھسیٹ کر ایک قریبی کمرے میں بند کردیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ بیلن کی چوٹ سے ہوپر کی کنپٹی نہیں پھٹی جس کے سبب کہیں خون کا کوئی دھبا نہیں آیا تھا۔ کسی بے تکی اندرونی ضرب سے ہوپر کا کام تمام ہوا تھا۔

جہانگیر نے ہوپر کی لاش کا ذکر کیے بغیر، ایک اہم ضرورت کا حوالہ دے کر اول خان سے میرا فون نمبر حاصل کیا اور فوری طور پر مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ اسے یہ جان کر صدمہ ہوا کہ میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے مسئلے پر غزالہ سے کوئی بات نہیں کی اور تن بہ تقدیر ہوکر میری جوابی کال کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

میرے فون کرنے پر جب مجھے وہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو میرے دل میں مجرمانہ احساس عود کر آیا اس سے پہلے جلال کو فون کرکے میں نے زیادتی کی تھی۔ جہانگیر کے لیے ایک ایک لمحہ اہم تھا۔ اس کی روداد سنتے ہوئے میرے ذہن میں جس حل نے سر ابھارا تھا، اس کے لیے ہوپر کی لاش کا گرم رہنا ضروری تھا۔ لاش ٹھنڈی ہوکر اکڑ جاتی تو مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

''تم آرام سے بیٹھے رہو، میں ابھی اول خان سے بات کرتا ہوں، وہ آکر لاش لے جائے گا۔ وہ خود آئے یا اپنے آدمیوں کو بھیجے۔ تم اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔'' میں نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا۔

اس کی کہانی سنتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر تا رہا تھا۔ جہانگیر کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ لاش کی برآمدگی اس کے فلیٹ سے ظاہر نہ ہو۔

''اگر کسی نے کچھ پوچھ لیا؟'' جہانگیر اس واقعے سے خائف تھا۔

''جب میں کہہ رہا ہوں تو کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''حوصلہ رکھو، گھر صاف کرلو اور اپنے معمولات کو برقرار رکھو۔''

''ہمارے حلق سے پانی تک نہیں اتر رہا، بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے چھ فٹ کی لاش لے جائی جائے گی تو ہم کس کس کا منہ بند کریں گے۔''

''یہ پریشانیاں اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ابھی لاش گرم ہوگی۔ وہ اسے بوری میں ڈال کر لے جائیں گے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تمہارے گھر سے کیا گیا ہے۔''

''یار، تم گریٹ ہو!'' جہانگیر کی تشکر آمیز آواز آئی۔ ''تم نے بہت انوکھی ترکیب سوچی ہے۔ ہم دونوں یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے کہ ہمارے گھر سے لاش کیسے جائے گی۔ تم نے یہ مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل......''

''میں اول خان سے بات کرکے دوبارہ فون کرتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا کر فون بند کردیا۔

اول خان کی تلاش میں ادھر ادھر فون کرنے میں وقت کا زیاں ہوتا، میں نے اس کے موبائل نمبر پر اسے گھیر لیا۔

''فوری طور پر اپنے دو آدمی ایک بڑے بورے کے ساتھ جہانگیر کے گھر بھیج دو۔'' سلام دعا کے بعد میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ''وہاں ایک گورے کی لاش موجود ہے۔ اسے بوری میں ڈال کر وہاں سے نکلوا اور اسٹیشن فورمنگوالو۔''

''کس کی لاش ہے۔ وہاں کیا ہوا ہے، ابھی تک میرے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی۔ وہ دن رات وہاں مامور ہیں۔'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

''دشمنوں کو معلوم ہوچکا ہے کہ اس عمارت کی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ اس کا توڑ کرلیتے ہیں تم آدمی بھیجو۔ لاش اکڑ

گئی تو اسے تابوت میں لانا پڑے گا۔ اسے بوری میں نکالنا اہم ہے تم اپنے آدمیوں سے کہہ دو...... باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔''

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ اسے اپنی نادر شاہی ضروریات سے آگاہ کر دیا۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ اس وقت اسٹیشن فور پر ہی تھا کیونکہ میں نے اپنے ریسیور میں وہ سب سن لیا جو اس نے اپنے کسی آدمی سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

''یہاں سے کسی کو دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اپنے آدمی کو ہدایات دینے کے بعد اول خان مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ ''میں نے اس کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کے لیے آرڈر دے دیا ہے۔ ابھی وائرلیس پر ان سے کہہ دیا جائے گا۔ وہ بوری لے کر چند منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ جہانگیر کے گھر پر کیا ہو رہا ہے۔''

اول خان کے زبردست بندوبست کے بارے میں جان کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے اسے جواب دیا تو میری آواز سے تناؤ رخصت ہو چکا تھا۔ میں نے کہا۔ ''وہاں بیلن چلا ہے۔ زبردستی آنے والے نے اپنا نام ہوپر بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایف بی آئی کا ہی افسر ہو۔''

''میرے آدمی وہاں دن رات بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ ہوپر کیسے پہنچ گیا؟'' اول خان کو خلش تھی کہ اس کے مستعد آدمی ایک مرتبہ پھر بیٹھے رہ گئے تھے، دشمن کامیاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اول خان کو اس واردات کی تفصیلات سے آگاہ کرنا بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ پے در پے سوالات کیے جا رہا تھا۔ لاش اٹھوانے کا بندوبست ہو چکا تھا۔ مجھے وقت گزرنے کی پروا نہیں رہی تھی۔ میں سکون سے تفصیلی جوابات دیتا رہا۔

''تو یوں کہو... کہ آج سلمیٰ بھی صفِ اول میں آ گئی ہے!'' وہ سب کچھ سن کر بولا۔

''اسے ہول اٹھ رہے ہوں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وقتی جوش یا اشتعال میں آ کر آدمی ہر کام کر گزرتا ہے، ہوش آتا ہے تو وہ اپنی کارروائی پر لرز کر رہ جاتا ہے۔''

''جو کچھ ہوا، وہ ناگزیر تھا۔ سلمیٰ بیلن استعمال نہ کرتی تو وہ جہانگیر کو نکال لے جاتا یا پھر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیتا۔ تم نے لاش اٹھوانے کے لیے کہہ دیا ہے لیکن یہ معاملہ کیسے ہینڈل ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا نام غلط بتایا ہو مگر وہ کوئی نہ کوئی امریکی ایجنٹ ہی ہوگا۔ اس بار ہم بری طرح پھنستے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔''

''پھنسے ضرور ہیں لیکن اس الجھن سے نکلنے کا ایک راستہ بھی نظر آ رہا ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔ ''اگر تمہارے آدمی پوشیدہ طریقے سے لاش کو چھپا کر لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اول خان نے مجھے یقین دلایا۔ ''تمہارے منشا کے مطابق میں نے اپنے آدمیوں کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں، لاش ٹھنڈی ہو کر اکڑ گئی تب بھی وہ خوش اسلوبی سے اپنا کام کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ اس سے آگے تم کیا سوچ رہے ہو۔ آج کل میں ایک بڑے مسئلے میں پھنسا ہوا ہوں۔ تمہارے دی ہوئی خبر نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس اتفاقی حادثے کا کیا بنے گا۔''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر لو۔ ہوپر کی لاش کو حیدرآباد کے گردونواح میں کسی کچی نہر سے برآمد ہونا چاہیے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ ''یہ بھاگ دوڑ رائیگاں جائے گی، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر کی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ ہم اسے پانی میں ڈوبنے کا واقعہ قرار نہیں دے سکیں گے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اسی لیے میں نے کچی نہر کی بات کی ہے۔ آب پاشی کی ایسی نہروں کے گدلے پانی میں جا بجا پتھر اور آبی جھاڑیوں موجود ہوتی ہیں۔ پانی کے تیز بہاؤ میں آدمی کا سر کسی بھی پتھر سے ٹکرا سکتا ہے۔''

''ہاں، یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔'' اس کی... پُرخیال آواز ابھری۔ ''تیز رو نہروں میں اچھے اچھے پیراک چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ اگر وہ نہر میں نہا رہا تھا تو ہمیں لاش پر موجود لباس بھی بدلنا ہوگا......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے، کچھ بدلنے کی ضرورت نہیں یہ سمجھ لو کہ وہ اس علاقے میں موجود تھا۔ وہاں اس کا سامنا کسی خطرناک شخص سے ہو گیا۔ اپنی جان کو خطرے میں پا کر ہوپر نے کپڑوں سمیت قریبی نہر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اس شخص سے بچ گیا لیکن بدنصیبی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ نہری پانی کے تیز بہاؤ میں وہ خود کو نہیں سنبھال سکا۔ اس کا سر، جھاڑیوں میں

چھپے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرایا اور وہ مر گیا۔ پانی میں رہنے کے بعد اس کی پھولی ہوئی لاش برآمد ہوگی تو اس پر سے دوسرے نشانات غائب ہو چکے ہوں گے۔ تمہاری کہانی کو چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔''

''خوب...... تم نے ہر پہلو کے بارے میں سوچا ہوا ہے۔'' اول خان وہ تفصیل سن کر خوش ہو گیا۔ ''اس منصوبے میں ایک جھول ہے۔ اس کے بڑوں یا ساتھیوں کو علم ہوگا کہ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ لاش کہیں اور سے برآمد ہوگی تو وہ احتجاج کریں گے۔ حادثے کو قاتلانہ سازش قرار دے کر وہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔''

''ہو پر وہاں اپنی گاڑی سے آیا ہوگا۔ تلاش کر کے وہ گاڑی کینٹ ریلوے اسٹیشن پہنچا دو۔ اس کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے جہانگیر کے گھر کا نام لیا تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ وہاں کیوں گیا تھا۔ اپنی زبان کھول کر وہ اس جواب دہی میں گرفتار ہونا پسند نہیں کریں گے۔ یہ سرد جنگ ہے، ہماری طرح وہ بھی سب کچھ جانتے ہیں اور جان لیں گے لیکن انہیں کسی قانونی موشگافی کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''ان سے یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ مقامی حکام کو مطلع کیے بغیر، ہو پر حیدرآباد کیوں گیا تھا اور وہاں کیا کر رہا تھا۔'' اول خان کی تشویش رفع ہو گئی اور اس کی آواز سے نیا جوش مترشح ہونے لگا۔

''حفاظتی وجوہ کی بنا پر ان کی حکومت نے ان لوگوں کی نقل و حرکت کو محدود کیا ہوا ہے۔ ضابطوں کی خلاف ورزی پر ہمارے اہل کاران کو بری طرح رگڑ سکتے ہیں۔''

''یہ لوگ کھسیائے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''تمہارا آسیب ان کے دل و دماغ پر سوار ہے۔ وہ کوئی بھاری نقصان اٹھاتے ہیں، کچھ دنوں بعد اسے بھول کر مفروضہ کامیابی کی امید میں پھر کوئی نئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے کئی آدمی کھو چکے ہیں۔''

''یہ مومن کی خوبی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''ان لوگوں سے حق اور ایمان بہت دور ہے، یہ بار بار غلطیاں دہراتے ہیں۔''

''ان کی غلطیاں آسانی سے گرفت میں نہیں آتیں۔'' ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی۔ ''اس معاملے پر تم نے مغز زنی نہ کی ہوتی تو میں اسے اتنی آسانی سے نہیں سلجھا سکتا تھا۔ ان کا مقابلہ تم ہی کر سکتے ہو...... اپنی اس مجبوری کا اندازہ ہونے کے باوجود مجھے شکایت ہے کہ جہانگیر نے ایک شہر میں ہوتے ہوئے، مجھ سے اس معاملے کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں ہونے والے واقعے کی خبر تم ہزاروں میل دور سے دے رہے ہو۔''

''جہانگیر سے یہ شکایت نہ کر بیٹھنا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''وہ اس واقعے سے بہت پریشان ہے۔ بات مار دھاڑ تک محدود رہتی تو وہ تم ہی سے بات کرتا۔ کسی سے خون کا اعتراف کرنے کے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ وہ خوف زدہ ہے، اس کی نگاہوں میں پھانسی کا پھندا ناچ رہا ہے۔ وہ اس چکر سے بچ نکلنے پر لاکھ بار خدا کا شکر ادا کرے گا۔''

''مجھے شکایت نہیں، بس طبیعت کو ملال ہے۔ میرا خیال تھا اسٹیشن فور میں کچھ دن گزار کر اس نے مجھے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔''

شاید اول خان اپنی اس شکایت میں حق بجانب ہو، میں نے اس مسئلے پر مزید بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ واقعات اپنی رو میں ہوتے چلے گئے تھے۔ خطرات کا مداوا کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا چکی تھی۔ اس بارے میں مزید سر کھپانا لاحاصل تھا۔

''وقت ملا تو میں رات میں کسی وقت دوبارہ فون کروں گا۔'' میں نے گفتگو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ ''تم جہانگیر کی طرف سے اپنا دل برا مت کرو۔ بڑے مصائب میں گھرنے کے بعد اچھے خاصے آدمی سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔''

''تم کو وقت کہاں ملتا ہے۔ وہاں جا کر یہاں سے زیادہ مصروف ہو گئے ہو۔''

''کسی بھی وقت تم کوئی بڑی خبر سن لو گے۔'' میں نے سوبھراج کا قصہ چھیڑے بغیر کہا۔ ''یہاں میں شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔''

اس وقت تک میں نے اول خان کو سوبھراج کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میرے ذریعے وہ خبر صرف جلال تک پہنچی تھی۔ مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ اس نے اس بارے میں از خود اول خان کو اعتماد میں لیا ہو۔ اول خان کو اس کامیابی کی ذرا بھی بھنک مل گئی ہوتی تو وہ میری آواز سن کر چھوٹتے ہی اس فتح کی مبارک باد دیتا۔

وہ بے خبر تھا، میں نے بھی اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ سبب یہ نہیں تھا کہ میں اول خان سے وہ اہم ترین واقعہ چھپانا چاہتا تھا۔ وہ ذکر نکلتا تو بات بہت لمبی ہو جاتی۔ مجھے احساس تھا کہ جہانگیر سے میری تشنہ گفتگو ہوئی تھی، میں نے دوبارہ اسے فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بے چینی سے میرے

فون کا انتظار کر رہا ہوگا۔

اول خان سے بات ختم کر کے میں نے جہانگیر کو فون کیا تو اس کی آواز میں عجیب سی بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کے ہاتھوں ہوپر کی لاش کا حشر دیکھ کر وہ دہل گیا تھا۔ ان دونوں نے فلیٹ پر پہنچ کر اس سے صرف لاش کے بارے میں پوچھا تھا۔ جہانگیر انہیں لاش والے کمرے میں لے گیا۔ انہوں نے جہانگیر سے مزید کچھ کہے سنے بغیر، ہوپر کے بے جان وجود کو بے رحمی سے سمیٹ کر بوری میں ٹھونسنے کا کام انجام دیا۔ اپنے ساتھی کی مدد سے توانا شخص نے اس وزنی بوری کو اپنی پشت پر لادا، دوسرے نے اس بوری کے ابھار وغیرہ درست کیے تاکہ کسی دیکھنے والے کو اس بوری میں کسی انسانی وجود کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے۔ اس کام سے مطمئن ہو کر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

''ہم لوگ بھی ماضی میں بہت کچھ کرتے رہے لیکن میں نے ایسی سرد مزاجی اور سفاکی اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔'' وہ بے جان لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ہماری مٹی کے دشمن اس سے برے سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ اب تم بھول کر بھی اس کا ذکر اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے۔ تم نے اسے دیکھا ہے نہ وہ تمہارے فلیٹ پر آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''میری تسلی کے لیے اتنا بتا دو کہ چھ فٹ کی اس لاش کا کیا، کیا جائے گا؟''

''میں بہت دور بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ سب اول خان کے سوچنے کی باتیں ہیں۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم نے اس غلیظ زدہ لاش سے نجات حاصل کر لی۔ اب سلمٰی کو سنبھالنے کی فکر کرو۔ پہلا خون انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔''

''وہ دہشت زدہ ہے، اسے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں، اس وقت بھی وہ بے ہوش ہے۔'' جہانگیر کی مایوسانہ آواز آئی۔

''اسے دیکھتے رہو۔ کوئی خواب آور دوا دے کر اس کے اعصاب کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو دہشت سے چیخنے چلانے لگے اور تمہارا بھانڈا پھوٹ جائے۔''

جہانگیر دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ اسے شی کی ہولناک اور خون آشام سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوئے ایک مدت بیت چکی تھی لیکن سکہ بند محاذ آرائی کے سارے گر اس کے خون میں شامل تھے۔ یہ اور بات تھی کہ شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر، سلمٰی کا کھلونا بننے کے لیے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ اس وقت وہ نشے میں نہیں تھا۔ اگر رات کی مے نوشی کا کوئی خمار باقی تھا تو ہوپر نے اسے کافور کر دیا تھا۔

اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلا کر میں نے فون بند کر دیا۔

اس دوران میں غزالہ بہ دستور ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف رہی تھی مگر اس کے کان میری طرف لگے ہوئے تھے۔

''تم ہر وقت ٹیلی وژن پر کیا دیکھتی رہتی ہو؟'' اپنی مصروفیات ختم کرنے کے بعد، میں نے غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تمسخر سے پوچھا۔

''بے کار بیٹھنے سے مصروف رہنا بہتر ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر مجھے چڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

''مجھے وقت نہیں ملتا۔ کوئی کام کی بات سنی ہو تو مجھے بھی بتا دو۔''

''اندرون خانہ ہونے والی محاذ آرائی سے سب بے خبر ہیں۔ لے دے کر لوپ بوری کا واقعہ رہ گیا ہے، اس کی تفتیش راجن کی مرضی کے مطابق جا رہی ہے۔''

''تم نے اتنا بڑا نتیجہ کس بات سے اخذ کر لیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''تھوڑی دیر پہلے کی خبروں میں بتایا جا رہا تھا کہ لوپ بوری کا واقعہ ڈکیتی میں مزاحمت کی کوشش کا نتیجہ ہے!'' غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں بتایا۔

''کیا یہاں کی پولیس واقعی اتنی نکمی ہے کہ اسے آسان ترین راستے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''سب کچھ نظر آتا ہوگا مگر چشم پوشی بھی کوئی چیز ہے۔ جب بنکاک کا پولیس کمشنر ہاتھ باندھ کر راجن کے سامنے کھڑا رہتا ہے تو لوپ بوری جیسی چھوٹی جگہ کے سرکاری اہل کار کس گنتی میں ہیں۔ وہ وہی دیکھیں گے جو راجن انہیں دکھانا چاہتا ہے۔''

''وہاں سے کون سا خزانہ لٹا ہے جو اسے ڈکیتی کی واردات بنا دیا گیا؟''

''کہا جا رہا ہے کہ نرائن پرشاد شرما کے پاس ایک

چھوٹے بریف کیس میں دس لاکھ بھات کی رقم موجود تھی۔ اس بریف کیس کا کہیں سراغ نہیں ملا......"

"یہ بکواس ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "سیٹ لائٹ فون والے بریف کیس کو رقم سے بھرے ہوئے بریف کیس کا نام دے دیا گیا ہے، وہ راجن کے قبضے میں ہے۔"

"میں خبر سنتے ہی یہ بات سمجھ گئی تھی۔" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "کہانی یوں بنائی گئی ہے کہ راجن کے ڈرائیور نے ڈاکوؤں کو روکنے کی کوشش کی، انہوں نے اسے گولی ماردی۔ ڈرائیور کا یہ حشر دیکھ کر شرما خوف زدہ ہوگیا۔ ڈاکوؤں سے اپنی جان بچانے کے لیے وہ پچھلے راستے سے کھیتوں میں نکل گیا۔ ڈاکو رقم کا بریف کیس لے کر بھاگ گئے، شرما بھٹک کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں جنگلی درندوں نے اسے اپنی خوراک بنالیا۔"

"تمہارا اندازہ سو فی صد درست ہے۔ یہ کہانی راجن کی مرضی کے مطابق بنائی گئی ہے۔ کسی کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ شرما اتنی بڑی رقم کیوں ساتھ لے کر گھوم رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ راجن نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہوں۔ سوبھراج پاکستان سے خالی ہاتھ یہاں نہیں آیا ہوگا۔ ڈکیتی کی آڑ میں راجن اس کی رکھوائی ہوئی رقم پی جائے گا۔"

"وہ شرما کے نام سے مرا ہے اس لیے سوبھراج کی کسی رقم کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ دس لاکھ کی رقم زیب داستان کے لیے ڈالی گئی ہے۔"

"اس خبر کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ ٹیلی وژن دیکھتی رہا کرو تا کہ ہمیں اپنے دشمن کے رخ کا اندازہ رہے۔ ضرورت پڑنے پر راجن کو اس کہانی کی خامیاں سمجھا کر خاصا ہراساں کرسکوں گا۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

بقیہ وقت میں نے کمرے میں رہ کر گزارا۔ میری غیر حاضری میں غزالہ ہوٹل کی فارمیسی سے میرے لیے ایک کریم اور کوئی ہومیو پیتھک دوا لے آئی تھی۔ دوا کھلانے کے ساتھ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے میرے چہرے کے نیلے نشانات پر کریم لگاتی رہی جس کے نتیجے میں وہ نشان تیزی سے مندمل ہونے لگے۔

تین گھنٹے بعد اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ میری ہدایت کے مطابق ہوپر کی لاش کو حیدرآباد کے نواح میں بہنے والی ایک نہر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

کراچی میں ایس ٹی ایف کے پاس کوئی ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ کسی اور محکمے یا ادارے سے ہیلی کاپٹر حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تو اس میں وقت کے زیاں اور بات پھیلنے کا خطرہ تھا۔ وہ ایک اہم غیر ملکی کی لاش کا معاملہ نہ ہوتا تو اول خان ہر خطرہ مول لے لیتا۔ ہوپر کے معاملے میں وہ ہر احتیاط پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

اس نے ہیلی کاپٹر کے استعمال کا ارادہ ترک کردیا۔ جہانگیر کے گھر سے لاش آتے ہی، اپنے آدمیوں کو ایک جیپ سے حیدرآباد کی طرف روانہ کردیا۔ یوں وہ معاملہ پوری رازداری کے ساتھ طے پا گیا۔ اب یہ ہوپر کے نصیب کی بات تھی کہ اس کی لاش کب تک پانی میں رہتی۔ اس کی گاڑی ذرا مشکل سے تلاش کی جاسکی۔ بعد میں اسے کینٹ اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ میں لاوارث چھوڑ دیا گیا۔

اس کی بازیابی سے اول خان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پانی میں پھولنے کے بعد لاش کہیں نہ کہیں سطح آب پر ابھرتی اور کنارے کی جھاڑیوں وغیرہ میں پھنس جاتی۔ اسے دیکھ لیے جانے کے بعد علاقے کی پولیس اپنی کارروائی شروع کردیتی۔

"یہ ایک بہت بڑا سوال ہوگا کہ اس علاقے میں ہوپر کا دشمن کہاں سے پیدا ہوگیا؟" اول خان سے میری بات ختم ہونے کے بعد غزالہ نے نکتہ اٹھایا۔

"ہم نے اپنا کام کرلیا ہے، آگے کیا ہوگا......اس کا انحصار اس علاقے کی پولیس کی صوابدید پر ہوگا۔" میں نے کہا "ایسے واقعات میں دو باتیں محل نظر ہوتی ہیں۔ مرنے والے کو کسی نے ڈبویا ہے یا وہ خود پانی میں کودا ہے۔ ہوپر کے بدن پر پورا لباس موجود ہوگا جو تفریحی تیراکی کے امکان کو ختم کردے گا۔ اس کے بعد ڈوبنے اور ڈبوئے جانے کا مسئلہ باقی رہ جائے گا۔ ہوپر کی اس علاقے میں موجودگی کے اسباب اور اس کی کسی دشمن کی نشان دہی کی ذمے داری اس کے ہمدردوں اور افسروں پر ہوگی۔ پولیس پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔"

"آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔" غزالہ بولی "اصل واقعے کا کسی کو علم نہیں ہوگا۔ پولیس ایک نظریہ پیش کرسکتی ہے۔ اس کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کی ذمے داری ان لوگوں پر ہوگی۔ انہوں نے اپنی زبانیں بند رکھیں تو ہوپر کی موت کو اتفاقی حادثہ قرار دے کر فائل داخل دفتر کردی جائے گی۔ جہانگیر پر آنچ آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"جہانگیر کو پھنسوانے کے لیے انہیں اس کا نام لینا ہوگا۔ وہ مسلسل گھر میں موجود رہا ہے۔ لاش حیدرآباد کے مضافات

سے ملے گی۔ یہ معمّا ان کے کیس کو کمزور کردے گا۔ اسے پھانسنے کے چکر میں وہ خود مصیبت میں گھر جائیں گے۔''

''کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ ان کا ایک آدمی مفت میں صاف ہو چکا ہے؟''

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ''تم سطحی بات سوچ رہی ہو، میں جہانگیر کے لیے فکرمند ہوں۔ پہلے سوبھراج اس کا دشمن ہو رہا تھا، اب امریکی اس کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس نفری کی کمی نہیں ہے۔ ہوپر کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔''

''ابھی آپ خود کہہ رہے تھے کہ جہانگیر پر کوئی آنچ آنے کا خطرہ نہیں ہے۔''

''یہ قانونی پوزیشن ہوگی، حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ اپنے ہیر پھیر سے ہم انہیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ جان لیں گے کہ ہوپر کو جہانگیر یا اس کی بیوی نے مار کر لاش غائب کروائی ہے۔''

''یہ بھی بڑی بات ہوگی۔ وہ جہانگیر سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اس پر کوئی نیا وار کرنے سے پہلے دس بار سوچیں گے۔''

''اب انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس نے جہانگیر کو اپنے بارے میں ہر بات درست بتائی ہو۔''

''اس بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امریکی تھا۔''

میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ عارضی طور پر وہ قصہ نمٹ چکا تھا۔ اول خان نے اس گتھی کو سلجھانے میں بے مثال تعاون کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی جگہ جلال ہوتا تو وہ کبھی اس طرح جہانگیر کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

رات کو ہم دونوں کھانے کے لیے ہوٹل کے ایک ریستوران میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ غیر متوقع طور پر اول خان کا فون آ گیا۔

''تم کہو گے کہ اب میں نے تمہارا نمبر دیکھ لیا ہے۔'' وہ پرمزاح لہجے میں کہہ رہا تھا ''ہمارے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر اب خیر سے بدھو گھر لوٹ آئے ہیں۔''

''کس بدھو کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا ''ایک کو تو صبح تیراکی کے مشن پر روانہ کر چکے ہو۔''

''وہ بدھو نہیں، سیانا تھا۔ میں تمہارے دوست کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ دوبارہ اسٹیشن فور آ گیا ہے۔'' اول خان نے انکشاف کیا۔

''کیا تم جہانگیر کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہوپر کو مار لینے کے بعد وہ اتنی جلدی گھر سے نکل بھاگے گا۔

''ہاں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں، تم اس سے بات کر لو۔'' اول خان نے یہ کہہ کر اپنا موبائل فون جہانگیر کو دے دیا۔

''میں لوٹ آیا ہوں۔ گھر پر سلمیٰ سنگین مسائل پیدا کر سکتی تھی۔'' میرے کان میں جہانگیر کی بھرائی ہوئی اور افسردہ آواز گونجی ''ہوپر کا خون اس کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''اور تم گھبرا کر اسٹیشن فور آ گئے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''صرف یہی سبب نہیں تھا۔ میرے پاس ان خبیثوں کے فون آنا شروع ہو گئے، پہلے ہوپر کے بارے میں پوچھا گیا، میں نے لاعلمی ظاہر کی اور فون بند ہو گیا......''

''وہ کوئی غیر ملکی تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''پہلا فون کسی مقامی کا تھا۔ دوسری کال کرنے والے کا لب ولہجہ امریکن تھا۔ وہ دل کھول کر مغلظات بکتا رہا۔ اس نے دھمکیاں دیں کہ ہوپر کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔'' اس نے بتایا۔

''ایک بات صاف ہو گئی کہ اس کا نام ہوپر ہی تھا۔ تم کو ان فون کالز سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہیں۔ کرنے والے خاموشی سے اپنا کام کر گزرتے ہیں، دھمکیاں نہیں دیتے۔''

''تیسری کال نے میرے پیر اکھاڑ دیے۔ اس نے ایسی بھیانک باتیں کیں جو میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے اول خان کو فون کیا اور یہاں آ گیا۔''

''اس نے ایسی کیا باتیں کہہ دیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''گندی اور خبیثانہ باتیں تھیں۔ کہہ رہا تھا کہ وہ میری بیوی کو اٹھوا لے گا، تین چار بدمعاش اس کی بے آبروئی کریں گے پھر اسے ان کے خرچ پر چلنے والی ایک این جی او کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میری بیوی رو رو کر اپنی مظلومیت کی کہانی سنائے گی جو ملک بھر کے اخباروں میں چھپے گی اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔''

''این جی اوز والی بات درست ہے۔ یہ لوگ ان پر پانی کی طرح پیسا بہا رہے ہیں۔ یہ خاکی انڈے سماجی کام کرنے

"میں دانستہ خاموش ہوں۔ اسد کے یہاں سے نکل جانے سے پہلے میں اسے ذرا بھی چھیڑنا نہیں چاہتا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اسد کی پرواز نو بجے کی تھی۔ اب تک وہ آدھے سے زیادہ راستہ طے کرچکا ہوگا۔" غزالہ بولی "راجن کتنا ہی بارسوخ سہی، اڑ جانے والے جہاز کو واپس نہیں بلاسکتا۔"

"ہاں......آں......؟" میں نے بے خیالی میں کہا "بعض اوقات پروازوں کی روانگی میں دیر سویر بھی ہوجاتی ہے، میں کل اسے دیکھوں گا۔"

"پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوتی تو وہ آپ کو فون ضرور کرتا۔"

"سچ پوچھو تو اسے ایرپورٹ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔" میں نے ہلکے سے شکایتی لہجے میں کہا "ایجنسیوں والے شاید ایسے ہی بے مہر ہوتے ہیں۔ جب تک وہ یہاں تھا، میں اس کا معتمد خاص تھا۔ اب میرا اور اس کا کیا واسطہ!"

"بعض اوقات آپ ضرورت سے زیادہ حساس ہوجاتے ہیں۔ وہ بہت مختصر نوٹس پر یہاں سے واپس گیا ہے، گھر والوں کے لیے خریداری وغیرہ بھی کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھاگ دوڑ میں ایرپورٹ پہنچا ہو۔ اسے فون کرنے کا وقت نہ ملا ہو۔"

غزالہ کی دلیل قرین قیاس تھی۔ میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کی خطا کو درگزر کردیا۔

میں آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ غزالہ کو اسد کی روانگی کی فکر لاحق ہوگئی۔ اس نے اسد کا موبائل فون نمبر ملایا۔ اس پر فون بند ہونے کے بارے میں انگریزی اور تھائی زبانوں میں ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ اس نے اپنا اطمینان کرنے کے لیے دوبارہ کوشش کی لیکن نتیجہ وہی رہا۔

جہازوں کے حساس آلات میں خلل کے پیش نظر ان دنوں روانگی کے وقت مسافروں سے موبائل فون بند کرنے کی درخواست کی جاتی تھی۔ ویسے بھی بنکاک چھوڑ دینے کے بعد اسد کے لیے وہ فون بے مصرف ہوچکا تھا۔ ریکارڈنگ اس بات کی غماز تھی کہ وہ پروگرام کے مطابق اپنے سفر پر روانہ ہوچکا تھا۔

پھر غزالہ نے ہوٹل کے آپریٹر کے ذریعے بنکاک کی فلائٹ انکوائری کا نمبر ملوایا۔ اسے اس کی پرواز کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ اس نے نو بجے کراچی جانے والی پرواز کے بارے میں دریافت کیا اور جواب سن کر فون بند کردیا۔

''تم اس کی روانگی کی تصدیق کے لیے اتنی مضطرب کیوں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا شبہ دور کر رہی تھی۔ پرواز اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہوئی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اس سے ہماری صحت پر کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''وہ جا چکا ہے، راجن اس کے لیے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ خالی رہ کر وقت گزارنے کے بجائے راجن کو ٹٹول لیں۔''

میں خود بھی اسد کی روانگی پر راجن کا ردِعمل جاننا چاہتا تھا لیکن اس روز جہانگیر کے معاملے نے مجھے اس قدر فکرمند کر دیا کہ دوسری تمام ترجیحات میرے ذہن سے نکل گئیں۔ میں نے غزالہ سے جو کچھ کہا وہ چھیڑ چھاڑ کی حد تک تھا ورنہ راجن کے معاملے میں میری اور اس کی سوچ میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

اپنے اصل یعنی ڈینی کے روپ میں، میں راجن سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کر چکا تھا۔ اسد کے معاون کی حیثیت سے میری اس سے روبہ رو ملاقات ہو چکی تھی۔

بنکاک کے بدمعاشوں میں، میں نے ایک خاص بات مشترک دیکھی کہ وہ اپنی طاقت کے زعم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے کسی بھی ملاقاتی کے بارے میں تجسس کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ میں پہلی بار ڈان برنارڈ سے ملا تو اس نے میرے ماضی کے بارے میں سوال کیے نہ میری قومیت جاننے کی کوشش کی۔ یہی صورت حال راجن کے ساتھ پیش آئی۔ وہ اسد سے ملاقات کا خواہش مند تھا اور میں اسد کا معاون بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اس بری طرح نظر انداز کیا کہ پوری ملاقات میں میرا نام تک جاننے کی کوشش نہیں کی۔

میں بنکاک میں علی احمد کے نام سے مقیم تھا۔ میں راجن پر اپنا وہ نام ظاہر کرتا تو اس کو میرے بارے میں بہت کچھ پتا چل جاتا۔ کوئی فرضی نام بتاتا اور کسی مرحلے پر اس سے ملنے کی نوبت آ جاتی تو کھوج لگانے کے لیے میرا پیچھا کیا جا سکتا تھا، یوں ناموں کا تضاد ابھر کر راجن کے سامنے آ جاتا۔ اسے آسانی سے پتا چل سکتا تھا کہ میرے چاؤ فان سے مراسم تھے۔ شاید وہ میرے اور ڈان کے تعلقات کا سراغ بھی لگا لیتا۔ میرے لیے وہ صورتِ احوال بہت خطرناک ہو سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں راجن کا سامنا کرنے سے گریز کروں۔

''تم چاہتی ہو کہ میں اسی وقت راجن سے بات کروں؟'' میں نے غزالہ پر احسان جتاتے ہوئے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مجھے موبائل فون اسد نے دلایا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میرے لوکل موبائل فون کا نمبر صرف ڈان اور چاؤ فان کو معلوم تھا۔ میں نے اس گفتگو کے لیے ہوٹل کا فون استعمال کرنے کے بجائے موبائل کو ترجیح دی۔

غزالہ نے میرا اشارہ پا کر ٹیلی وژن کی آواز بند کر دی۔ میں نے موبائل پر موتی محل کا ایک نمبر ملا لیا جو میں نے پاکستان میں جلال سے حاصل کیا تھا۔

فون کسی لڑکی نے اٹھایا۔ اس نے تھائی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے انگریزی میں اسے بتایا کہ مقامی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں راجن سے بات کرنا چاہتا تھا۔

لڑکی نے معذرت چاہنے کے بعد انگریزی میں میرا نام دریافت کیا۔ میں نے اکبر بتا دیا۔ وہ مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کر کے غائب ہو گئی۔ میرے کانوں میں ایک مشہور بھارتی گانے کی دھن گونجنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ لڑکی معذرت خواہانہ انداز میں راجن کی مصروفیت کی نوید سنا رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں چاہوں تو راجن کے لیے پیغام چھوڑ سکتا ہوں۔

''بے بی! یہ اہم مسئلہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ میں اسد کا ساتھی ہوں۔ وہ میرے نام سے واقف نہیں ہے۔'' میں نے زور دے کر مربیانہ انداز میں کہا۔

لمحہ بھر کی خاموشی، مختصر سی موسیقی اور پھر ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ میری کال کہیں منتقل کر دی گئی۔

''تم فون کر رہے ہو...... اسد کہاں ہے؟'' میرے کانوں میں راجن کی آواز گونجی۔ مجھے اطمینان ہوا کہ اس نے مجھ سے ممبئی والی بولی میں، بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔

''ارجنٹ آرڈرز آ گئے تھے۔ وہ رات کی فلائٹ سے واپس چلا گیا'' میں نے کہا۔

''چلا گیا......!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات دہرائی پھر بولا ''میں اس کے پیغام کا انتظار کر رہا ہوں۔ آدمی بھیجا تو اس کے فلیٹ پر تالا ہے۔ وہ کب تک واپس آئے گا؟''

''استاد! شاید وہ واپس نہ آئے۔ اس کی جگہ کوئی اور آئے گا۔''

''اوہو...... یہ برا ہوا۔ اب مجھے نئے آدمی کو دیکھنا ہوگا...... وہ سالا میرے لیے کیا کرے گا؟ اسے خود کچھ خبر نہیں

ہو گی۔"

"تمہاری خدمت کے لیے میں موجود ہوں۔" میں نے پیش کش کی۔

"تم ڈینی کو جانتے ہو؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں۔ کل میں نے تمہاری باتیں غور سے سنی تھیں۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"کل باتیں ہو رہی تھیں اور اسد اچٹ رہا تھا تو تم نے مجھے آنکھ ماری تھی؟"

میں اس کی زبان سے وہ حوالہ سننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے پرسکون لہجے میں کہا "اسد تمہارے کام کا آدمی نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ چلا گیا۔ میں نے آنکھ ماری تھی کہ اسی وقت فیصلہ نہ کرو، وقت دے دو۔ تم نے میری بات مان لی۔"

"تم میرے لیے کام کرو گے؟" اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"ضرور کروں گا مگر بہت احتیاط سے۔" میں نے کہا "ہم لوگ پیسا کمانے کے لیے سب کچھ چھوڑ کر پردیس میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ مجھ سے نہیں بچ سکتا۔ اس بہانے مجھے بڑی رقم مل گئی تو میرے سارے خواب پورے ہو جائیں۔ مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں وطن واپس جا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ عیش کی زندگی گزاروں گا۔"

میری بات لمبی ہو گئی لیکن راجن نے درمیان میں لقمہ نہیں دیا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے پوچھا "میں احتیاط کا مطلب نہیں سمجھا!"

"استاد! میں عقل سے بالکل کورا نہیں ہوں۔ کل تم نے اسد کو بتا دیا تھا کہ اس نے تمہاری بات نہیں مانی تو اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے اور ہماری واپسی پر وہ ہو گیا۔ اتنی مار پڑی ہے کہ میرے جبڑے اب تک دکھ رہے ہیں۔"

"میں چاہتا تو وہ تم دونوں کو گولیاں بھی مار سکتے تھے۔ میں تم دونوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ تم کو اس واقعے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی نے اسد سے معافی مانگ لی تھی۔ وہ قصہ وہیں ختم ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں بہت بے جگری سے لڑے تھے۔ لڑنے بھڑنے والے مرد مجھے اچھے لگتے ہیں۔ تم کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"کام بن گیا تو تم کتنا مال دو گے؟" میں مطلب کی بات پر آ گیا۔

"دس لاکھ بھات!" راجن کا جواب سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اس مد میں ایک پیسا بھی نہیں دینے والا تھا۔ کام نکلوانے کے بعد وہ مجھ سے پیچھا چھڑوانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب کچھ دینے کی نیت نہ ہو تو دس ہزار اور دس لاکھ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

"اور بیس لاکھ ڈالر کا کیا بنے گا؟" میں نے انعامی رقم کے بارے میں پوچھا۔

"وہ بھی تمہارے ہوں گے۔" وہ فیاضی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔

"میرے دن پھر جائیں گے۔" میری طرف سے جوش کا مظاہرہ ضروری تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ میرا مقدر ڈینی کو یہاں کھینچ لایا ہے۔ اسے ڈھونڈنے کے لیے مجھے چھٹیاں کرنا پڑیں گی۔ بھاگ دوڑ اور خرچے کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات چاہیے ہوں گے۔"

"فون کر کے کل کسی وقت آ ؤ اور رقم لے جاؤ!" وہ بلا پس و پیش راضی ہو گیا۔

"استاد! یہ مشکل ہے۔ تم کو کوئی اور بندوبست کرنا ہو گا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"کیوں؟" اس کے لہجے میں برہمی پیدا ہو گئی "کیا یہاں آنے میں تم کو شرم آ رہی ہے، مہندی لگی ہوئی ہے تمہارے پیروں میں؟"

"تم کچھ بھی کہہ لو، میں موتی محل نہیں آ سکتا۔"

"میرے لیے کام کرنا ہے تو تم کو دس بار یہاں آنا پڑے گا۔" پیسے کے لیے میری حرص سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا "یہاں آنے میں تم کو کیا مشکل نظر آ رہی ہے۔"

"کل رات واپسی پر مار دھاڑ ہوئی تھی، کسی وقت گولیاں بھی چل سکتی ہیں۔" میں نے کسی اشتعال کے بغیر کہا۔

"اوہ...... تو تم ڈر رہے ہو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہوا تھا۔ اس کی ذمے داری اسد پر آتی ہے۔ وہ اپنی ضد پر نہ اڑا رہتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسے سبق سکھانے کے لیے مجھے ہلکا سا بندوبست کرنا پڑ گیا۔"

"اس کے ساتھ میری بھی پٹائی ہوئی ہے۔" میں نے شکوہ کیا "میں تمہیں آنکھ مار کر اپنی طرف سے پیغام دے چکا تھا۔"

"چکی کے پاٹ چلتے ہیں تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس کے کوئی آرڈرز نہیں آئے۔ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے۔ اوپر سے اصول

پرست اور ایمان دار بننے والے پہاڑ تلے آتے ہیں تو اسی طرح اپنی چوکڑی بھول جاتے ہیں۔'' وہ ترش لہجے میں بولتا چلا گیا ''تم سمجھ دار آدمی ہو' ایک ہلکے سے جھٹکے میں راستے پر آ گئے ہو' تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کل آؤ اور پیسے لے جاؤ۔''

''مجھے حاضری سے معاف کر دو۔'' میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اپنے گھر کا اکیلا کمانے والا ہوں۔ لالچ میں پڑ کر اپنی جان کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تمہارا کام پکا ہوگا۔ یہ میری گارنٹی ہے۔ میں دوبارہ موتی محل میں نہیں آؤں گا۔''

وہ بہت چالاک اور مکار آدمی تھا۔ میرے اصرار پر غصہ دکھانے کے بجائے اچانک نرم پڑ گیا ''تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ موتی محل نہیں آؤ گے تو کام کیسے چلے گا۔ ایسے کام مل جل کر کیے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور رہ کر بات نہیں بنتی۔ تم بلاوجہ میرے پاس آنے سے ڈر رہے ہو۔ میں دوستوں کا دوست ہوں۔ تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔''

یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے تک وہ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا۔ اس سے ملنے میں میرے لیے ایک ہی خطرہ تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے میری سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتا تھا۔ اس کی واقفیت میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

''استاد! مجھے مجبور نہ کرو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''تم بڑے آدمی ہو' مجھے تمہاری ہر بات پر اعتبار ہے لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں۔ میرا دل ڈر رہا ہے۔''

''ایسا بزدل آدمی میرے لیے خاک کام کرے گا۔'' تحمل اور برداشت کے باوجود اسے طرارہ آ گیا ''اسد ڈر کر یہاں سے بھاگ گیا۔ تم ہو تو تمہاری جان نکلی جا رہی ہے۔ اس وقت نہیں آؤ گے تو بعد میں کسی نہ کسی وقت آنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''پچھلی رات کے تجربے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔'' اس سے زبانی محاذ آرائی سے بچنے کے لیے میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا ''اس وقت میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اسد کی طرف سے کسی جواب کا انتظار نہ کرنا' وہ بنکاک سے چلا گیا ہے۔''

''اچھا کیا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ اس کی لمبی خاموشی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ بات اس سے کچھ آگے بڑھی ہے تو ہم کو اس کے بارے میں بھی طے کر لینا چاہیے۔''

''میرا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔ میں اپنے بارے میں سوچ کر تمہیں جواب دوں گا۔'' میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

''سوچتے ہوئے ایک بات اپنے ذہن میں ضرور رکھنا۔ تم موتی محل نہیں آئے تو خرچے کی رقم دینے کے لیے میرا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے ملے گا۔ میری نیت میں فتور ہوا تو وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ہوشیاری دکھانے کے چکر میں تم مارے جاؤ گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اعتراف کیا ''مجھے شوق بہت ہے لیکن ایسے کاموں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے اونچ نیچ پر غور کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں بعد میں جواب دوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ ایسے کاموں میں ایک دوسرے پر بھروسا کیے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔ کام ہوتا ہے یا سرے سے نہیں ہوتا۔ اس میں بیچ کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔ تم نے جلدی جواب نہیں دیا تو میں کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔'' اس نے اپنی بات ختم کرتے ہی فون بند کر دیا۔

''آپ اس سے بہت عجیب انداز میں بات کر رہے تھے۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا ''ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ نے خالی الذہنی کے عالم میں' میرے کہنے سے اس کا نمبر ملا لیا ہو۔''

''اگر اس نے بھی یہی اندازہ لگایا ہے تو میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا ''اس کے لیے میں اس وقت ڈینی نہیں' اکبر تھا...... اسد کا ایک نو آموز بلکہ نا آموز ساتھی۔ میں اناڑی بن کر ہی اسے اپنے پھندے میں لے سکتا ہوں۔''

''آپ کی باتوں میں بہت زیادہ تضاد تھا۔ ایک طرف آپ اس سے خرچ کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات مانگ رہے تھے' دوسری طرف اس سے ملنے سے گریز کر رہے تھے۔ اس سے یا اس کے کسی آدمی سے ملے بغیر آپ کو رقم کیسے ملے گی۔'' اس نے نشان دہی کی۔

''یہی بات وہ بھی کہہ رہا تھا۔ باتوں کا تضاد' خوف' ہچکچاہٹ...... یہ سب باتیں اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہیں کہ میں اس میدان میں بالکل ناتجربے کار ہوں' لالچ اور شوق میں اسد کے ساتھ اس سے ملنے کے لیے پہنچ گیا۔''

''اس سے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟''

''سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بھول کر بھی اس کا ذہن میری طرف نہیں جائے گا۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ اکبر

اور ڈینی ایک شخص کے دو نام ہیں۔''

''اب پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی ''ہوشیاری دکھانے کی صورت میں وہ بھی مکاری سے کام لے گا' بازی الٹ سکتی ہے۔ آپ بے وقوف بن کر اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''مگر چاؤ فان اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وائٹ ہاک کی تباہی کا پروگرام بن جاتا ہے تو میں راجن کو پہلے سے اس کی خبر دے دوں گا......''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں!'' اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی ''اس منصوبے پر عمل ضرور ہونا چاہیے' وائٹ ہاک تباہ ہو گئی تو راجن کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔ اب آپ اس منصوبے سے پیچھے کیوں ہٹ رہے ہیں؟''

''مشکل یہ ہے کہ تم بال کی کھال نکالتی ہو۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''اسے سب کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ میں اسے یہ خبر دوں گا کہ شہر میں اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس کے نزدیک میں یعنی اکبر احمق اور بزدل ہوں۔ وہ میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وائٹ ہاک غرق ہو گی تو اسے ہوش آئے گا۔ اسے میری کہی ہوئی بات یاد نہ رہی تو میں خود اسے یاد دلاؤں گا کہ اس کے دشمنوں کی منصوبہ بندی کامیاب رہی' وہ غافل بیٹھا رہا اور وائٹ ہاک سمندر کے گہرے پانی میں ڈبو دی گئی۔ اس کے دل میں یکایک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔''

''بہت پُر پیچ منصوبہ ہے۔'' غزالہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ذہن میں ایسی کڑیاں کس طرح یکجا ہو جاتی ہیں۔''

''اس وقت راجن کو احساس ہو گا کہ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آ جاتا ہے۔ میرے کچھ کہے بغیر اسے یقین ہو گا کہ وائٹ ہاک ڈینی کی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ اکبر کو اس تباہی کی پیشگی بھنک ملنے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اکبر اپنی بزدلی کے باوجود صحیح خطوط پر کام کر رہا ہے۔ اسے ڈینی کے حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔''

''آپ نے اتنی آسانی سے یہ سب سوچ لیا' میرا ذہن یہ تفصیل سن کر دکھ رہا ہے۔ سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا رہا تو وہ اکبر کا گرویدہ ہو جائے گا۔''

''اس وقت میں اس سے اپنی شرائط منوا سکوں گا۔ وہ سامنے آیا اور مارا گیا۔ کبھی کبھی بگلے کا شکار کھیلنے کے لیے اس کے سر پر موم بتی جلانا پڑتی ہے۔''

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی ''سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا چلا گیا تو یہی ماننا پڑے گا۔ گولی سے شکار کرنے کے بجائے انتظار کرنا ہو گا کہ کب پگھلا ہوا موم بگلے کی آنکھوں میں اتر کر اسے اندھا کرے اور وہ پکڑا جائے۔''

''فی الحال یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ پتا نہیں چاؤ فان کہاں مرا ہوا ہے۔ جب تک وائٹ ہاک کی تباہی کے انتظامات مکمل نہیں ہو جاتے' کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔''

بعض کام بہ ظاہر بہت آسان نظر آتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو ایک ایک کر کے مسائل سامنے آنے لگتے ہیں۔ چاؤ فان نے سب بندوبست کر لیا تھا' ایک ماہر غوطہ خور کی تلاش نے اسے الجھایا ہوا تھا۔

بات صرف غوطہ خور کی ہوتی تو بنکاک میں معاوضے پر سیکڑوں پیشہ ور مل جاتے۔ وہاں ضرورت ایسے آدمی کی تھی جو راجن سے خوف زدہ نہ ہو' اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو اور اس راز کا بہترین امین ثابت ہو سکے۔

مادام اس کی آخری کوشش تھی۔ میں تہیہ کر چکا تھا کہ ادھر سے ناکامی کی صورت میں وہ کام میں خود کر گزروں گا۔

ذمے داری اپنے سر لینے کا خیال آتے ہی میرا ذہن بیم گن کی طرف بھٹک گیا۔ اگر وہ نادر ہتھیار زیر آب کام کر سکتا تو میں وائٹ ہاک کے ساتھ کئی کرتب دکھا سکتا تھا۔

''ذرا بیم گن لے آؤ۔'' غزالہ کو ہدایت دے کر میں غسل خانے میں چلا گیا۔

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا صاف ستھرا باتھ روم تھا جہاں ساری سہولتیں دستیاب تھیں اور کوئی فالتو چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے ایک بالٹی کی ضرورت تھی جس میں پانی بھر کر میں اپنا تجربہ کر سکوں۔

میں نے غزالہ کو اپنے مسئلے سے آگاہ کیا تو اس کا ذہن خوب صورت کچرے دان کی طرف گیا۔ اسے دیکھا تو وہ جالی دار تھا۔ روم سروس والے بالٹی مہیا کر سکتے تھے لیکن ان سے ایسا کوئی مطالبہ کرنا سرگوشیوں کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔

میں نے باتھ ٹب کا نل کھول کر اسے بھرنا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں اس سے بہتر کوئی چیز دستیاب نہیں تھی۔

''آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟'' میری سرگرمیوں میں ساتھ دینے کے باوجود غزالہ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

جب میں نے اسے بیم گن کی زیر آب کارکردگی آزمانے کے بارے میں بتایا تو وہ مضطرب ہو کر بولی ''میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔ وہ پانی میں ناکارہ ہو گئی تو آپ ہمیشہ کے لیے ایک نادر ہتھیار سے محروم ہو جائیں گے۔''

''دوسرے آئی مین سے چھینی ہوئی ایک بیم گن ویرا کے پاس بھی ہے۔'' میں نے اس کی دلیل پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے کہا ''وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہو گی۔ بیم گن ایک مرتبہ گئی تو پھر گئی۔ یہ تجربہ مہنگا ثابت ہو سکتا ہے۔''

ٹب تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔ غزالہ سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کے باوجود جب میں نے ٹب کا نل بند نہیں کیا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

میں نے اپنی جیب سے سگریٹ جلانے والا دھاتی لائٹر نکالا اور آہستگی سے ٹب کے پانی میں ڈال دیا جس کی سطح کئی انچ بلند ہو چکی تھی۔ نل بند کرنے کے بعد میں نے غزالہ کے ہاتھ سے بیم گن لی، اس کا لاک ہٹایا اور نوزل کا رخ لائٹر کی طرف کر کے ٹریگر پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ خوفناک شعاعوں کی پتلی سی نیلگوں دھار نوزل سے خارج ہو کر پانی میں اتر گئی۔

شعاعوں کی دھار لائٹر پر پڑتے ہی ٹب میں سے ایسی آوازیں آئیں جیسے تپا ہوا سرخ لوہا یکایک پانی میں ڈبو دیا گیا ہو۔ لمحہ بھر بعد لائٹر کا نام و نشان مٹ چکا تھا اور پانی بہت تیزی سے باتھ روم میں پھیلنے لگا۔

بیم گن کے ٹریگر سے انگلی ہٹا کر میں تیزی سے باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ شعاعوں نے لائٹر کو گلانے کے ساتھ سرامک کے باتھ ٹب کے پیندے میں بھی سوراخ کر دیا تھا جس سے پانی تیزی سے بہہ نکلا تھا۔

''تجربہ کامیاب رہا۔ شعاعیں پانی میں بھی کارگر رہتی ہیں۔ سطح آب پر رہتے ہوئے زیر آب نشانے کو کامیابی سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے اس تجربے نے ہوٹل کا ٹب برباد کر دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے اس کا ہرجانہ وصول کریں گے۔'' غزالہ میری کارروائی سے خوش نہیں تھی۔

''پانی کی نکاسی کا بندوبست عمدہ ہے۔ دوسری نالیوں سے سارا پانی ذرا سی دیر میں بہہ جائے گا۔'' میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر مسہری کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ہم دونوں ٹب استعمال نہیں کرتے۔ ہمیں کیا پتا کہ یہ سوراخ کب اور کیسے ہوا۔ تم کہو تو میں ہوٹل والوں کو زچ کر سکتا ہوں۔ وہ معافی مانگ کر ہمیں دوسرا کمرا دیں گے۔''

''ضرور دیں گے۔ آپ کی سنجیدگی اور متانت دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ نے ٹب میں بچوں جیسا کوئی تجربہ کیا ہو گا۔ شعاعوں کی تپش سے ٹب کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔''

اس کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ لائٹر پر بیم گن سے لیزر فائر کرتے ہوئے میں اس نکتے کو فراموش کر گیا تھا۔ ہوٹل والوں کو یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ میں نے بیم گن کے ذریعے ان کے ٹب کو برباد کیا تھا۔ ٹب کی جگہ کوئی اور چھوٹی موٹی چیز ضائع ہوئی ہوتی تو اسے بازار سے خرید کر خاموشی سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ٹب کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس معاملے میں نجات کی ایک ہی راہ تھی کہ انجان بن کر ساری ذمے داری ہوٹل کے عملے پر ڈال دی جائے۔ مجھے قلق تھا کہ اس نقصان کے باوجود میں بیم گن کی زیر آب کارکردگی جانچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

بارہ بجے میرے لوکل موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔ وہ راجن یا چاؤفان کے سوا کسی تیسرے آدمی کا فون نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے وہ دونوں ہی اہم تھے۔ ایک کی اہمیت منفی اور دوسرے کی مثبت تھی۔ میں نے فون اٹھایا تو اس کی اسکرین پر چاؤفان کا نمبر روشن تھا۔

''اس وقت تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟'' میں نے کال وصول کرتے ہی خوش دلی سے کہا۔ اسکرین پر اس کا نمبر دیکھتے ہی مجھے کسی اچھی خبر کی آس ہوگئی تھی۔

''ماسٹر! میں قسمت کا لکھا بھگت رہا ہوں۔ آخر کار وہ تیس ہزار بھات میں تیار ہوگئی ہے۔'' اس کی آواز سے جوش اور جذبے کے بجائے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

''یہ قسمت کا نہیں، ڈان کا لکھا تھا۔'' اس کی زبان سے ایک اچھی خبر سنتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہوگیا ''یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ نمبر بڑھانے کے چکر میں تم اسے میری رپورٹ نہ دیتے تو یہ بکھیڑا نہ پھیلتا۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں اس کے سامنے جاتا ہوں تو عقیدت سے میری حالت غیر ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب کچھ اس کے سامنے اگل دوں۔''

''تم نے مادام کی رضامندی کی خبر بھی اس کے سامنے اگل دی ہوگی!''

''ماسٹر! میرا انداق مت اڑاؤ۔ میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ اسے بتا دینا کہ کل رات کا پروگرام طے ہوا ہے۔ ہم دونوں تفصیلات کل طے کرلیں گے۔'' اس کی آواز سے آزردگی مترشح ہو رہی تھی۔

''میں اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' میں نے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدگی اختیار کرلی ''اسے کوششوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' وہ ٹھوس نتائج چاہتا ہے۔ چاند چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔ لانچ ڈوبے گی تو اسے بھی دنیا دیکھے گی۔ یہ بتاؤ کہ مجھے تو غوطہ خوری کی مشق کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''مادام بہت سور ما قسم کی عورت ہے' راضی ہوگئی ہے تو اکیلی سب کچھ کر گزرے گی۔ بس تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔''

چاؤ فان صبح سے شہر میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے' میں نے بات وہیں ختم کردی۔

ابتدا میں چاؤ فان نے جس طرح مادام کا ذکر کیا اس کی بنا پر میں نے اس تھائی عورت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ کوئی خوش حال اور رنگین مزاج عورت تھی جو اس شہر خرابات میں پیشہ ازل سے وابستہ تھی۔ یہ اس کا شوق یا ہنر تھا کہ وہ غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی تھی۔

چاؤ فان کی زبان سے مادام کی آمادگی کی خبر سن کر اس

برہم چاری کسی بھی قسم کا گوشت نہیں کھاتے۔ ایک جگہ کھلے میدان میں برہم چاریوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ کہیں سے ایک بیل رسا تڑا کر وہاں آنکلا اور اس نے جلسہ گاہ میں تباہی مچادی۔ کئی حاضرین کو ٹکریں مار کر زخمی کردیا۔ کرسیاں الٹ دیں۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ سب جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے۔ کوئی کہیں چھپ گیا۔ کوئی درخت پر چڑھ گیا۔ ایک برہم چاری نے ہانپتے کانپتے ایک درخت کی آڑ میں پناہ لی۔ اس وقت بیل تباہی پھیلا کر آگے بڑھ چکا تھا۔

برہم چاریوں نے جاتے ہوئے بیل کی طرف آڑ سے دیکھا اور دھوتی سنبھالتے ہوئے دانت پیس کر خود کلامی کی ''خواہ مخواہ ہی سبزیاں کھانے میں زندگی خراب کی...... یہ صلہ ملا ہے عمر بھر گوشت سے پرہیز کرنے کا......!''

عورت کی ذات میں میری دلچسپی یکایک بڑھ گئی تھی۔ میں جاننا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون تھی اور کس ڈھب سے اپنی زندگی گزار رہی تھی۔

چاؤ فان نے اگلی رات کی مہم میں میری اور مادام کی یک جائی کا ذکر کرکے میری آتش شوق کو بھڑکا دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز چاؤ فان صبح دس بجے مجھے لینے کے لیے آگیا۔ میں اپنے ہوٹل میں اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ وہ اس ڈھنگ کا آدمی تھا کہ اسے کمرے میں بلایا جائے۔ اس کے بدنگاہی کے کئی واقعات میرے مشاہدے میں آچکے تھے۔

گاڑی میں شہر کی غیر معروف اور کشادہ سڑکوں پر گھومتے ہوئے اس نے رات کے پروگرام کے بارے میں انتظامات سے آگاہ کیا۔ اس میں اس کی دو بے نام ونشان موٹر بوٹس کو حصہ لینا تھا۔ نفری کل آٹھ نفوس پر مشتمل ہونا تھی کیونکہ دونوں میں سے کوئی کشتی چار افراد سے زیادہ کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔

اس کے منصوبے میں کئی خامیاں اور کمزوریاں تھیں۔ اس نے میرے مشورے فراخ دلی کے ساتھ قبول کرلیے۔ کم وبیش دو گھنٹوں کی مغز زنی کے بعد ہم اس مہم کی

جزئیات طے کرنے میں کامیاب ہوگئے جورات کے دو بجے شروع ہونا تھی۔
سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ ظاہری طور پر وائٹ ہاک کی غرقابی چند گھنٹوں کی بات معلوم ہو رہی تھی۔ جاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا تو میرے ذہن میں راجن کے بارے میں ایک منصوبے نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔
غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار وائٹ ہاک کی بربادی کا وقت آ پہنچا تھا لیکن اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ جاؤ فان کی موٹر بوٹس میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا۔
میں چاہتا تو اس مہم پر غزالہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ میں اشارہ کرتا تو جاؤ فان کی مجال نہیں تھی کہ وہ کوئی پس و پیش کرتا۔ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو چھوڑ کر وہ بہ خوشی غزالہ کو ساتھ لینے پر تیار ہو جاتا لیکن مسئلہ وہی تھا کہ میں خود غزالہ کو غیر ضروری طور پر اس کے سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔
شام کو چھ بجے کے بعد میں نے راجن کو فون کرنے کا ارادہ کیا تو غزالہ چونک پڑی ''کیا آپ مخبری کرنے کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں؟''
''اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ بہت اہم چال ہوگی۔'' میں نے اسے بتایا ''ہو سکتا ہے کہ چند دنوں میں اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔''
''اسے ذرا بھی سراغ مل گیا تو آج کی مہم ناکام ہو سکتی ہے۔ اس ناکامی میں بھاری جانی نقصان کا بھی اندیشہ ہوگا۔''
''میں بھی مہم میں شریک رہوں گا۔ مجھے خودکشی کرنے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا ''تم سن لو گی کہ میں اسے کس طرح بہکاتا ہوں۔''
میں نے موبائل فون پر راجن کا نمبر ملا لیا۔ اس بار مجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ اس کی آپریٹر یا سیکریٹری کی آواز مختلف تھی مگر اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی لائن راجن کو منتقل کر دی۔
''تم نے میری توقع سے پہلے فون کر لیا۔'' راجن کی بے پروایانہ آواز آئی۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے خود سے بہت کم تر تصور کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی ''ڈرپوک آدمی بہت مشکل سے کوئی فیصلہ کر پاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کہتے ہو۔''
''وہ مسئلہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ میں نے تمہیں ہوشیار کرنے کے لیے فون کیا ہے۔'' میں نے منکسرانہ انداز میں کہا۔
اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا اور کہا ''تم میری فکر مت کرو۔ میں سوتے ہوئے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ بہت سے لوگ میری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔''
''دشمن تمہیں کوئی بہت بڑا نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ مجھے یہ خبر اتفاق سے ملی تو میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں۔'' میں نے ایک ہی سانس میں بات پوری کر ڈالی۔
''میں ایسی ہوائیوں کی پروا نہیں کرتا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی جھلک رہی تھی ''تم کو یہ خبر کس نے دی ہے؟''
''ایسی خبر کون دے گا...... میں بتا رہا ہوں کہ مجھے اتفاق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم یقین نہیں کرتے تو نہ کرو۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔''
''میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے میرا اتنا خیال کیا۔'' اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی کاٹ تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے دشمن میری نظروں میں رہتے ہیں۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ صرف ایک دشمن روپوش ہے۔ اس کے لیے میں نے تم کو دعوت دی ہے۔''
وہ میری زبان سے کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر راجن سے میری زیادہ بات نہ ہو مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ میرے کہے ہوئے الفاظ کو اس بری طرح نظر انداز کرنے پر تل جائے گا۔
میں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب اسے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملے گی تو میرے الفاظ ایک دہشت ناک بازگشت کی طرح اس کے ذہن میں گونجیں گے اور وہ مجھ سے تفصیلی بات کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔
''ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن ڈینی کی تلاش شروع کر دی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم سے یا تمہارے آدمیوں سے ملے بغیر کام نہیں ہو سکے گا۔ میں کل یا پرسوں تک تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔''
''یہ نہ سمجھنا کہ تلاش کا کام میں صرف تم پر چھوڑ دوں گا۔'' اس نے وضاحت کی ''میرے آدمی شکاری کتوں کی طرح اسے تلاش کر رہے ہیں۔ تم سے میں نے صرف اس لیے بات کی ہے کہ تم اسد کے ساتھی ہو، اندر کی خاصی باتیں جانتے ہو گے۔ سب سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ تم ڈینی

کے ہم وطن ہو۔ پردیس میں آدمی اپنے ہم وطنوں سے آسانی سے ڈسا جاتا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں تمہاری کامیابی کا امکان زیادہ روشن ہے۔"

"یہ نصیب کی دوڑ ہے۔" میں نے حسرت سے کہا "بڑے انعام میرے مقدر میں لکھ دیے گئے ہیں تو تمہارا لشکر بھی ڈینی تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"جلدی فیصلہ کرو اور اپنی توجہ ڈینی پر مرکوز رکھو' فضول باتوں پر دھیان مت دو۔" یہ کہہ کر راجن نے فون بند کر دیا۔

"آپ نے بہت خوب صورتی سے اپنی بات اس تک پہنچائی ہے۔" غزالہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے آپ کی وارننگ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"اگلی صبح نمودار ہونے سے پہلے وہ اپنی اس بے نیازی پر پچھتائے گا۔ دل چاہ رہا ہے کہ اب اس سے اپنے اصل روپ میں' سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کروں تاکہ اس کے دماغ میں گھسا ہوا خناس نکل سکے۔"

"یہ ہرگز نہ کریں...... میں فون توڑ دوں گی۔" اس نے ہنس کر دھمکی دی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں غزالہ سے باتوں میں مصروف رہا لیکن اس دوران میں میرے وجود میں رفتہ رفتہ عجیب سی بے چینی سرایت کرتی جا رہی تھی۔ اس سے پہلے میں بہت بڑے بڑے معرکے سر کر چکا تھا لیکن کبھی ایسے بے نام اضطراب سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ تجربہ میرے لیے نیا اور پریشان کن تھا۔

غزالہ میری ہمدم اور رمز شناس تھی۔ اس نے وہ کشیدگی میری آنکھوں میں پڑھ لی اور مجھ سے اس بارے میں سوال کر بیٹھی۔ وہ میرے اندر کا ایک راز تھا' ایک ہلکی سی کمزوری تھی جسے میں اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا تو میں نے جھلاہٹ سی محسوس کی۔ اسے جواب دیتے ہوئے میرے اندر مزاحمت اور توانائی کی ایک لہر پیدا ہوئی اور میں تیزی کے ساتھ اس اضطراری کیفیت سے نکل گیا۔

غزالہ نے میرے ردِعمل سے میرے موڈ کا اندازہ لگا لیا اور بات کا رخ ہوپر کی لاش کی طرف گھما دیا۔ اس کی لاش کو جہانگیر کے گھر سے نکال کر ٹھکانے لگائے کم و بیش ڈیڑھ دن گزر چکا تھا۔ لاش کے دریائی اچھال کے لیے وہ مدت بہت کافی تھی لیکن پاکستان سے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ میں خود بھی اپنے چکروں میں اس طرح الجھا رہا کہ اول خان کو فون کرنے کا خیال نہیں آیا۔ میں نے دل ہی دل

منگنی کے بعد ایک روز لڑکی نے خواب ناک لہجے میں اپنے منگیتر سے کہا "میں تمہارے تمام دکھوں اور پریشانیوں میں شریک رہوں گی۔"

"لیکن مجھے تو کوئی دکھ یا پریشانی نہیں ہے۔" لڑکا بولا۔

"میں شادی کے بعد کی بات کر رہی ہوں ڈیئر!" لڑکی نے سادگی سے کہا۔

میں فیصلہ کر لیا کہ اگلی صبح اس بارے میں خود پیش رفت کر کے کچھ پتا چلانے کی کوشش کروں گا۔

دس بجے ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد خون کا دوران معدے کی طرف منتقل ہوا تو وجود پر ہلکی سی سستی سوار ہونے لگی۔ ٹیلی وژن مسلسل آن تھا' غزالہ نے اس کی آواز بھی کھول دی۔

وقت کا سفر جاری رہا۔ رات کے ایک بجے میں لباس تبدیل کر کے روانگی کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ آخر کار جاؤ فان کا فون آ گیا۔ اس کی آواز تر و تازہ تھی' تھکن اور بیزاری کے اثرات کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ اس نے ہوٹل کے قریب پہنچنے کی اطلاع دی تو مجھے فون پر ہنسی کی کھنکتی ہوئی نسوانی آواز بھی سنائی دی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ درپیش مہم کے لیے مادام کو اپنے ساتھ لے کر آ رہا تھا۔

میں نے غزالہ کو خدا حافظ کہا' اس نے کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کر کے خود کو کمرے میں مقفل کر لیا۔

مجھے انتظار کرنا پڑا نہ جاؤ فان کو میرے لیے رکنا پڑا۔ میرے باہر نکلتے ہی اس کی سیاہ اکارڈ میرے قریب رکی اور اس کے برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی گوری اور حسین خاتون کو دیکھ کر میں لمحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گیا۔

اس کے بارے میں جاؤ فان نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ واقعی بلا کی حسین تھی۔ ستواں ناک' بڑی بڑی چمک دار آنکھیں اور مسکراتے ہوئے یاقوتی لب ہر تصنع سے پاک ہونے کے باوجود کشش انگیز تھے۔ وہ ان غیر معمولی لوگوں میں سے ایک تھی جنھیں پہلی نظر میں دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے۔

گاڑی رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر ایک ادا سے نیچے اتر آئی۔ اس نے مسکراتی ہوئی شوخ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد اس کی شخصیت اور نکھر آئی

تھی۔ وہ عام تھائی عورتوں کے برعکس دراز قامت تھی۔ اس نے بغیر آستینوں والی سرمئی ٹی شرٹ اور نہایت چست جینز پہنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اسے خدوخال کے حسن کے ساتھ بے مثال جسمانی تناسب بھی عطا کیا تھا۔

شاید چاؤ فان نے اسے میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ اگلی نشست سے اتر کر وہ کندھا مارتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور مڑے بغیر پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''ماسٹر! گاڑی میں آ جاؤ!'' چاؤ فان کی مودٔبانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا تھا اور چاؤ فان کو اپنی حیثانہ فطرت کے اظہار کا موقع مل گیا تھا۔ میں پھرتی سے اس عورت کی خالی کی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔

''ماسٹر! یہ مادام ہے۔ آج رات کے لیے تم دونوں ایک دوسرے کے معاون رہو گے۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

میں نے اخلاقاً اپنا سر گھمایا اور اس خوب رو خاتون نے بے حجابی سے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے نرمی سے اس کا گداز اور ملائم ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔ میں چاؤ فان کو فقرہ بازی کا کوئی نیا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لے رہا ہوگا۔

مادام نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبا کر کہا ''چاؤ فان تم سے ڈرتا ہے۔ کل سے ماسٹر، ماسٹر کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ابھی راستے میں پتا چلا کہ تمہارا نام علی ہے۔ بہت چھوٹا اور خوب صورت نام ہے تمہارا!''

''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے کہ چاؤ فان مجھ سے ڈرتا ہے۔'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اسے اپنا دوست سمجھتا ہوں۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔'' چاؤ فان بولا۔

اس کی منمنسی آواز سن کر مادام نے زندگی سے بھرپور ایک ہلکا سا کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا، پرجوش انداز میں دوسری دفعہ میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم سے ملاقات ہوگئی۔ چاؤ فان ناموں کے معاملے میں بہت بے پروا ہے۔ تمہیں صرف مادام کہتا ہے۔ کیا یہ خطاب تمہیں ادھورا محسوس نہیں ہوتا؟''

''تعارف حاصل کرنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔'' مادام نے میری بات کو سراہا ''تم مجھے لی کہہ سکتے ہو۔ میرا پورا نام لی سیاؤ پونگ ہے۔''

''لی سیاؤ پونگ!'' میں نے اس کا پورا نام دہراتے ہوئے کہا ''خاصا خوب صورت اور رسیلا نام ہے۔ مادام لی بھی کہا جا سکتا ہے، پتا نہیں یہ تمہیں مادام کیوں کہتا ہے۔''

''میرے پاس آوارہ اور خوشامدی مرد آتے ہیں۔'' اس نے بے حجابی سے اپنی مصروفیات کی تشریح بیان کر ڈالی ''وہ سب مادام کہتے ہیں۔ میرا اصل اور پورا نام بنکاک میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔''

میں نے اپنی نشست میں ترچھا ہوتے ہوئے پوزیشن تبدیل کی تو لی کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''مادام! یہ زیادتی ہے۔ تم مجھے بھی ان مردوں میں شمار کر رہی ہو۔'' چاؤ فان نے اس سے احتجاج کیا ''میں آوارہ ہوں نہ خوشامدی۔ کبھی کبھی تم سے ملنے آتا ہوں۔''

''تم میرے اچھے دوست ہو۔ تمہارا ماسٹر بھی عمدہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کام ہو جانے کے بعد کبھی اسے اپنے ساتھ لے کر میری طرف آؤ!''

''میں ماسٹر کو ضرور لاؤں گا۔'' چاؤ فان نے پورے خلوص سے کہا ''اب ذرا کام کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔ ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہمیں تیاری کرنا ہوگی۔''

''تم اپنے حصے کے کام کے بارے میں سوچو۔'' لی نے جواب دیا ''میری بوٹ پر ایک پائلٹ اور دوسرا اس کا مددگار ہوگا۔ مجھے اس کے کیبن میں علی کی مدد سے غوطہ خوری کا لباس پہننا ہے اور میں تیار ہو جاؤں گی۔ بوٹ مجھے سفید لانچ کے قریب پہنچا دے گی تو میں سامان لے کر پانی میں اتر جاؤں گی۔ مجھے اور کون سے ہل چلانا ہیں!''

لی کا بیان سن کر مجھے اپنی کنپٹیاں چٹختی ہوئی سی محسوس ہوئیں۔ چاؤ فان سے بھی فوری طور پر لی کی بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ گاڑی کے کیبن میں سحر انگیز سکوت چھا گیا۔

چاؤ فان شہر کی کشادہ اور خالی سڑکوں پر اپنی گاڑی کو بہت برق رفتاری سے اس ویران ساحلی علاقے کی طرف دوڑا رہا تھا جہاں ایک کھاڑی میں اس کے آدمی سارے ساز و سامان کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بنیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بنیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے انشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بناء پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آگاہ کیا کہ ایک عورت وائٹ ہاک میں بم نصب کرنے پر تیار ہو گئی ہے یہ ایک بہترین خبر تھی میں چاؤ فان کے ساتھ اس عورت جس کا نام مادام لی تھا سے ملنے روانہ ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 251 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ سفر طویل تھا۔ گاڑی میں کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ رات کے گہرے سناٹے میں چاؤ فان کی سیاہ اکارڈ شہر کی سڑکوں پر تقریباً بے آواز دوڑی چلی جا رہی تھی۔ گاڑی کے چاروں شیشے چڑھے ہوئے تھے اس لیے انجن کے باہر پھیلنے والی آواز اندر نہیں سنائی دے رہی تھی۔ شاید ہر مہنگی اور بڑی گاڑی میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ اندر بیٹھنے والے سوار باہر کے شور و غل اور آلودگی سے محفوظ رہتے ہیں۔ گاڑی کا ایر کنڈیشنر شروع سے چل رہا تھا۔ باہر کی گرمی اور حبس کے

مقابلے میں اندر کا موسم بہت خوشگوار تھا۔

''ابھی میں نے غور کیا۔'' اچانک گاڑی کے کیبن میں لی کی پُر اشتیاق آواز ابھری ''میرے اور تمہارے نام میں حیرت انگیز یکسانیت ہے۔ لی اور علی' دونوں میں ذرا سا فرق ہے۔''

جو کچھ کہا گیا' وہ میرے لیے تھا۔ اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے کسی خاص دلچسپی کے بغیر کہا ''کیا تم اتنی دیر سے خاموش رہ کر اسی نکتے پر غور کر رہی تھیں۔''

اس نے ہلکا سا' زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا ''تم دراز قامت اور صحت مند ہو۔ تمہارا وجود ایک نقطے سے کہیں زیادہ ہے۔'' اس نے انگریزی لفظ پوائنٹ کے دہرے مفہوم سے فوری فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں......!'' گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں چاؤ فان کی معنی خیز آواز ابھری ''تم ماسٹر کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔''

''تم خود بتاؤ۔'' لی اس سے مخاطب ہوگئی ''کیا ایسا شان دار آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کے بارے میں سوچا جائے۔''

''ضرور سوچو لیکن ماسٹر ذرا دوسری قسم کا آدمی ہے۔'' چاؤ فان کا لہجہ ذومعنی تھا۔

''آدمی کسی بھی قسم کا ہو' عورت اس کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اسی لیے ماسٹر نے شادی کی ہوئی ہے۔'' چاؤ فان نے اپنی دانست میں لی کی امیدوں پر پانی پھیرنے کی نیت سے انکشاف کیا۔

''چاؤ فان! تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ میں لی سے یہ .... جاننا چاہوں گا کہ یہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔'' میں نے بوکھلا کر اسے ٹوک دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ جوش میں آ کر لی کو یہ نہ بتا دے کہ میری بیوی بھی بنکاک میں میرے ساتھ موجود تھی۔

چاؤ فان اتنا سمجھ دار ضرور تھا کہ میری اس ہدایت کا مدعا بھانپ گیا۔ اس نے ایسی بھرپور خاموشی اختیار کی کہ سفر کے اختتام تک از خود دوبارہ اپنی زبان نہیں کھولی۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے......؟ میں تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی؟'' پچھلی نشست سے لی کی اٹھلائی ہوئی آواز ابھری۔

''وہی جو اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر مترنم آواز میں ہنس پڑی ''تم باتوں میں بہت تیز ہو۔ ذرا مجھے پتا تو چلے کہ اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کیا سوچتے ہیں!''

''دوستی کرنے اور اسے بڑھانے کے سوا کیا سوچ سکتے ہیں!''

''دوستی تو اسی وقت ہوگئی جب ہمارا تعارف ہوا تھا۔ میں اسے بڑھانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر' کھل کر اعتراف کر لیا ''کل شام کو وقت ہو تو چائے میرے ساتھ پی لو۔ یہ صرف ہم دونوں کی ملاقات ہوگی۔ چاؤ فان تمہیں میرے گھر پہنچا کر واپس چلا جائے گا۔ کیوں چاؤ فان! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں۔ ماسٹر چاہے گا تو میں تمہاری چوکھٹ پر بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار بھی کر لوں گا۔'' چاؤ فان نے مرجھائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''اس میں اس قدر افسردہ ہونے کی کیا بات ہے؟'' لی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''دو مرد کسی عورت سے ملنے جائیں تو ان میں سے ایک کو کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا ہی ہوتا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنے ماسٹر کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے واپس لوٹ جاؤ۔ علی بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے' ہماری ملاقات طویل بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم بلاوجہ بے چارے چاؤ فان کی ٹانگ کھینچ رہی ہو!'' میں نے ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے احتجاج کیا ''ابھی مجھ سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا اور تم نے اسے واپسی کا راستہ بتانا شروع کر دیا۔''

''مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔'' لی نے ہلکی سی بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ کہا ''میں پہلی نظر میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ تم جمال پرست ہو' مجھ سے دوسری ملاقات کا موقع نہیں کھونا چاہو گے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

اس کے الفاظ میں بلا کا اعتماد رچا ہوا تھا' اس کی بے باکی کے سامنے میں خود کو کمزور پڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کار کے خنک کیبن میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں شاید میری آنکھوں کی تحریر پڑھ لی تھی۔ اس کے کہے ہوئے کو مان کر میں اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا' میں نے سنبھل کر کہا ''اچھے لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھو کہ میں سب کچھ بھول بھال کر کل تم سے ملنے کے لیے چلا آؤں گا۔ کل کی ملاقات کا انحصار آج کی

کارروائی کے نتیجے پر ہوگا۔ ہم کامیاب رہے تو کل اس کامیابی کا جشن ضرور منائیں گے کسی وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو پروگرام ملتوی ہو جائے گا۔''

''پتا نہیں تم ایسی قنوطیت کی بات کیوں سوچ رہے ہو۔ میں خوش گمان عورت ہوں، جو کچھ کرتی ہوں، اس کے ہو جانے پر پورا یقین رکھتی ہوں اور وہ ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہے۔ صبح وہ سمندر کی تہ میں ہوگی۔ وہ ڈوب جائے گی تو تم میرے ساتھ چائے پینے کے لیے ضرور آؤ گے۔''

''ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ بوٹ بنکاک کے معزز شہریوں کی ایک عمدہ تفریح گاہ ہے۔ اسے برباد کرنا ظلم ہوگا۔ میں یہ ظلم نہیں کر سکتا۔ ہم اس کے پیندے میں جاسوسی کے آلات لگا کر صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ راجن اس تیرتے ہوئے عشرت کدے کی آڑ میں کیا کیا کر رہا ہے۔''

میں نے پرسکون لہجے میں اس کی بات کا جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ بوٹ کی تباہی کے بارے میں، میں اس کے الفاظ سن کر اندر سے دہل گیا تھا، میں نے دل ہی دل میں چاؤ فان پر لعنت بھیجی۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے لی کے ساتھ تخلیے میں گزارے ہوئے خوشگوار لمحوں کے سرور میں آ کر یقیناً ایسی کوئی بات کہہ دی تھی جس کی بنا پر لی کو ہمارے اصل منصوبے کی بھنک مل چکی تھی۔

''ما......آ......سٹر!'' چاؤ فان کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی ''اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کر دی۔ مادام کو شبہ ہو رہا ہے کہ ہم وائٹ ہاک کو دھماکے سے اڑا کر سمندر میں غرق کرنا چاہتے ہیں۔''

میں نے غصے سے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔ میں نے ذرا چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''لی کے ذہن میں کوئی غلط فہمی موجود تھی تو تم کو اس کے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ اس وقت میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی ہوتی تو اس کا شک یقین میں بدل جاتا۔''

لی اپنی کھنک دار آواز میں دھیرے سے ہنس دی اور بولی ''میں عورت ضرور ہوں مگر اپنی عمر کے مردوں سے زیادہ تجربے کار ہوں۔ میرا زیادہ وقت برے لوگوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ کالے دھندوں میں کوئی ایک دوسرے کی جاسوسی کرنے کے لیے اتنے پاپڑ نہیں بیلتا۔ موقع ملتے ہی اپنے دشمن کی گردن توڑنے کی فکر کرتا ہے۔ مجھے اُلو بنانے کی کوشش مت کرو۔''

''ہمیں وائٹ ہاک سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔'' میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی ''یہ بات تم بھی جانتی ہو گی کہ راجن وائٹ ہاک پر بہت کم وقت گزارتا ہے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا، بوٹ پر کام کرنے والے بے چارے ملازم مارے جائیں گے۔ انہوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ ہم ان کی جان کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''میں ان باریکیوں میں نہیں پڑتی۔'' لی نے بے پروائی سے جواب دیا ''میری چھٹی حس شروع سے کہہ رہی ہے کہ چاؤ فان کی نیت خراب ہے۔ تم دونوں راجن کی بوٹ کو سمندر میں ڈبونا چاہتے ہو۔''

''نہیں لی، تمہارا یہ شبہ غلط ہے۔'' میں نے ذرا جذباتی لہجے میں کہا ''یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ شبہ ہونے کے باوجود تم چاؤ فان کے ساتھ آنے پر تیار ہو گئیں۔ کیا اس خیال سے تمہیں خوف نہیں آیا؟''

''تمیں ہزار بھات بہت ہوتے ہیں۔'' لی کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی ''چاؤ فان زن مرید آدمی ہے۔ اس نے میری باتوں میں راجن کے لیے چھپی ہوئی نفرت کا ذرا بھی اندازہ لگا لیا ہوتا تو تمہاری خاصی رقم بچ سکتی تھی۔ یہ مجھے کچھ بھی نہ دیتا تب بھی میں اس کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہو جاتی۔ میرے سینے میں راجن کے خلاف نفرت کا ایک الاؤ دہک رہا ہے۔ وہ آدمی نہیں، درندہ ہے۔ میں پچھلے چھ مہینوں سے اس آگ میں جل رہی ہوں۔ اسے اس کے خون میں نہایا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں لیکن بنکاک میں کوئی اس کے سامنے نہیں آتا۔ پیسوں اور جوان جسموں کی رشوتیں دے کر اس نے پورے شہر کو خرید اہوا ہے۔ کوئی اس کے خلاف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔''

لی کا وہ طویل جواب میرے لیے سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس عورت نے راجن کے خلاف اپنی زبان کھول کر میرا ذہن ماؤف کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کی کہانی پر کیسے یقین کر لوں۔

چاؤ فان بنکاک میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اس تک پہنچا تھا۔ وہ مہنگے طبقے کی ایک معروف بدکردار عورت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ چاؤ فان پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے ساتھ وہ دوسری طرف راجن یا اس کے کسی گرگے کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ایک فرضی کہانی سنا کر ہمارے دلوں کا بھید جاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ خیال آتے ہی مجھے اس رات کا مشن برباد ہوتا ہوا

نظر آنے لگا۔ وہ راجن کے آدمیوں کی ٹاؤٹ تھی تو یہ بات یقینی تھی کہ اس وقت ہمارا پیچھا ہو رہا تھا۔ بنکاک کی ویران ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہم اپنے پیچھے آنے والوں کی بربریت کا شکار ہو سکتے تھے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد چاؤ فان کے آدمی اپنی دونوں کشتیوں سمیت ان لوگوں کی نگاہوں میں آ جاتے اور سب کو بے خبری میں اچانک موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

میں نے چند لمحوں کے لیے خاموش رہ کر لی کے کہے ہوئے ایک ایک فقرے پر غور کیا، راجن کے خلاف اس کے کہے ہوئے لفظوں کو تولا پھر بہت محتاط انداز میں پوچھا ''راجن نے تمہارا کیا بگاڑا ہے...... چھ مہینے پہلے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''ایک عورت کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے!'' لی کی آواز میں تلخی بڑھ گئی ''راجن عورتوں کا شکاری ہے، وہ پکا بردہ فروش ہے۔ میرے زخموں کو نہ کریدو۔ مجھے جب بھی اپنی زندگی کی وہ کرب ناک رات یاد آتی ہے، میرے دل میں آگ بھڑک اٹھتی ہے...... تم یہ بتاؤ کہ چاؤ فان سچا ہے یا میں سچ بول رہی ہوں...... تم وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتے ہو نا!'' پُرزور لہجے میں کہا ہوا اس کا آخری فقرہ تائید طلب تھا۔

''گاڑی کی رفتار ذرا دھیمی کر لو!'' میں نے چاؤ فان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا پھر لی سے مخاطب ہو گیا ''میری بات کا برا نہ مناؤ تو میں ایک بات پوچھ لوں!''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' لی نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کس مذہب کی پیروکار ہو۔ تمہارے بارے میں مجھے چاؤ فان سے جو کچھ معلوم ہوا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی پسند کے مردوں کو جسمانی تفریح فراہم کر کے اپنی روزی کمانے کو تم برا نہیں سمجھتیں۔ اگر میرا یہ اندازہ درست ہے تو راجن کی کسی زیادتی کو ایک کھیل سمجھ کر تمہیں بھول جانا چاہیے تھا۔''

''میں جسم فروش ہوں، میری بہن ایسی نہیں تھی۔'' لی کی آواز سرد اور سپاٹ تھی ''وہ صرف پندرہ برس کی تھی، یہاں کے ایک نائٹ کلب میں ڈانسر تھی، اپنا جسم نہیں بیچتی تھی، فن بیچتی تھی۔ راجن نے اسے دیکھا اور اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اپنے کیسینو میں پُرکشش نوکری کی پیشکش کی۔ ان لوگوں کی شہرت بہت خراب ہے۔ میری بہن نے پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ انکار اسے بہت مہنگا پڑا۔ ایک رات وہ کلب سے تھک ہار کر آئی تو راجن کے غنڈے ہمارے گھر میں گھس آئے۔ وہ میری بہن کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو مجھے بھی بے ہوش کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم دونوں کو ہوش آیا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہاں پندرہ مرد شراب کے نشے میں دھت تھے اور راجن کسی کالے سانڈ کی طرح ان پر راج کر رہا تھا۔ ہمیں ہوش میں آتا دیکھ کر انہوں نے ہمارے چہروں پر ٹھنڈی شراب کے چھینٹے دیئے، دست درازیاں کیں اور جب ہم خوف زدہ ہو کر اپنے قدموں پر اٹھیں تو وہ درندوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک ایک کو گنا تھا۔ راجن سمیت وہ پندرہ تھے اور ہم دو۔ انہوں نے بہت بے رحمی کے ساتھ ہمیں عورت ہونے کی سزا دی۔ میں دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ صبح ہوش آیا تو میں رائل پارک کی جھاڑیوں میں لہولہان پڑی ہوئی تھی۔ میری پندرہ برس کی اکلوتی بہن ان کے ظلم کی تاب نہ لا کر مر چکی تھی۔ اس کی لاش میرے قریب پڑی ہوئی تھی۔ تم بتاؤ کہ ایسی تذلیل کے بعد میں اس خونی بھیڑیے کو کیسے معاف کر سکتی ہوں۔''

اس کا لب و لہجہ اور آواز کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا سر گھما کر اپنے پیچھے کی سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہ دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ کوئی ہمارے پیچھے نہیں آ رہا تھا۔

''تمہاری کہانی دردناک اور چونکانے والی ہے۔'' میں نے بوجھل آواز میں کہا ''راجن اور اس کے ساتھی انسانوں کے روپ میں بدترین حیوان ہیں۔ ان کا سرغنہ کڑی سزا کا حق دار ہے مگر فی الحال، ہمارا مشن خفیہ معلومات کے حصول تک محدود......''

''نہیں!'' لی کے حلق سے وہ آواز اس کے وجود کی ایک اندرونی چیخ کی صورت میں برآمد ہوئی ''راجن اپنی بوٹ پر ہو یا نہ ہو، اسے تباہ کر دو۔ وہ اپنی انا کا پجاری ہے۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسے اپنی وائٹ ہاک پر ناز ہے۔ بوٹ ڈوبے گی تو اس کا غرور چکنا چور ہو جائے گا۔''

وہ کوئی نیک نام اور پارسا عورت نہیں تھی لیکن راجن کے بارے میں اس کی سوچ ہمارے ارادوں سے مختلف نہیں تھی۔ شوخ اور سطحی باتوں سے شروع ہونے والی گفتگو بہت سنجیدہ مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ میری ایماندارانہ رائے تھی کہ اس وقت لی ہمارے ساتھ مکاری نہیں کر رہی تھی۔

چاؤ فان کسی بے خوف غوطہ خور کی تلاش میں، سراغ رسی کی کہانی لے کر لی کے پاس پہنچا تو اپنی دانست میں اسے گھیر رہا تھا۔ لی، راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ چاؤ فان اس حقیقت سے بے خبر تھا۔ یہ راجن کے مقدر کی ہولناک ستم ظریفی تھی کہ اس

کے چند بدترین دشمن اتفاقی طور پر یک جا ہوتے جا رہے تھے۔

میں پاکستان میں امریکیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سبب بنکاک بھیجا گیا تو میرے ذہن میں اپنی روپوشی اور سوبھراج سے ٹکراؤ کے سوا کوئی تیسری بات نہیں تھی۔ اگر اسد مجھے ڈان سے ملنے کا مشورہ نہ دیتا تو میری کہانی کچھ اور ہی ہوتی۔

ڈان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے میں نے اسے راجن سے اپنی دشمنی کی ایک فرضی کہانی سنائی اور ڈان نے میری سرپرستی کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس وقت تک میں نے راجن کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس سے ملنے کے بعد میں قائل ہوگیا تھا کہ وہ کالا بھجنگ اور کوتاہ گردن شیطان واقعی نفرت کے قابل تھا۔ اس کا کردار اس کی صورت سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور گھناؤنا تھا۔ اس وقت لی نے اپنے سارے کارڈز ہمارے سامنے رکھ دیے تھے اور وہ رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ شریک ہونے کے لیے بے چین تھی۔

آثار بتا رہے تھے کہ راجن کا وقت پورا ہو چلا تھا۔ اس کے تین مضبوط دشمنوں کا اتحاد اس کی سرکوبی کا سبب بننے والا تھا۔

''جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے مڑ کر لی کو دلاسا دیا ''تمہاری طرح ہم بھی اس کے دشمن ہیں لیکن ہم محتاط رہ کر کام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ آخرکار ہم اس کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔''

''چاؤ فان دل بہلانے کے لیے میرے پاس آتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس شہر کی ایک بری عورت ہوں۔ اسی طرح مجھے معلوم ہے کہ چاؤ فان بنکاک کا چھٹا ہوا غنڈا ہے۔'' وہ یکایک تیز اور ہیجانی لہجے میں بولنے لگی ''تم اس کے ماسٹر ہو۔ میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو اور راجن کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے ثبوت اکٹھے کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے ساتھ وہی کرو جو زیرِ زمین دنیا میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اس نے مجھے اور میری بہن کو روندا، تم اسے کچل دو۔''

''چاؤ فان! تم نے مجھے یہ سب نہیں بتایا!'' میں نے مجبور ہو جانے کی صداکاری کرتے ہوئے اس سے شکوہ کیا۔

''ماسٹر! میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ مادام نے مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔'' اس نے تحیر زدہ اور مدافعانہ لہجے میں کہا ''راجن کی بوٹ کے بارے میں سرسری بات ہوئی، پیسے طے ہوئے اور مادام رضامند ہوگئی۔ پتا نہیں تمہارے سامنے آکر اسے کیا ہوگیا ہے کہ اس نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا...... یہ کہہ رہی ہے تو ماسٹر میری سفارش ہے کہ کچھ سوچو۔ پتا نہیں وائٹ ہاک پر اب تک نہ جانے سیام کی کتنی معصوم بیٹیاں برباد کی جا چکی ہوں گی۔''

چاؤ فان گاؤدی نہیں تھا۔ اپنی پوزیشن صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے کھلنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''لی! میں تمہاری دل جوئی کے لیے ایک کوشش کروں گا۔ تمہارا اٹھایا ہوا یہ نکتہ میرے دماغ میں بیٹھ گیا ہے کہ ہمیں راجن پر کون سا مقدمہ چلانا ہے جو ہم ثبوت جمع کرتے پھریں۔ میری عدالت میں تم سلطانی گواہ ہو، راجن کو سزا ملنی چاہیے۔''

''تم بڑے دل کے مالک معلوم ہوتے ہو۔'' لی بولی ''میری مانو تو آج کا پروگرام ملتوی کردو۔ کل بم لے آؤ' میں انہیں وائٹ ہاک کے پیندے میں لگا دوں گی۔ اس کام کے لیے میں تم دونوں کو وہ بیس ہزار بھات لوٹا دوں گی' جو چاؤ فان نے مجھے پیشگی دیے ہیں۔''

لی بھی بہت حوصلے کی مالک تھی۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اپنے دشمنوں کے دشمن سے مل کر اس نے ہر لالچ کو خیرباد کہہ دیا تھا اور اپنے دشمن سے بدترین انتقام لینے پر تل گئی تھی۔

اس کی زبان سے پروگرام کے التوا کا ذکر سنتے ہی میں نے پھرتی سے قلابازی کھانے کا فیصلہ کر کے کہا ''جو کچھ طے ہو چکا ہے' وہ ضرور ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کسی التوا کے بغیر وائٹ ہاک کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟''

''کیسے......؟'' اس نے تند لہجے میں سوال کیا ''مجھے سمجھاؤ کہ جاسوسی کے آلات اس بوٹ کو کیسے تباہ کردیں گے۔''

''تمہاری بددعائیں اور ماسٹر کی چالاکی وائٹ ہاک کو لے ڈوبے گی۔'' چاؤ فان نے پوری گفتگو کے رخ کا اندازہ کرتے ہوئے لقمہ دیا۔

''میں تمہارے ماسٹر کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھ چکی ہوں۔'' لی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''یہ بہت چالاک' مکار اور سفاک آدمی ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ تمہیں بھی موت کے منہ میں جھونک سکتا ہے۔''

''یہ بیکار باتیں ہیں۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''آہنی بکسوں میں جاسوسی کے آلات کے ساتھ تباہ کن بارود

بھی موجود ہے۔ اس پر پانی اثر نہیں کرے گا۔ ہم جب بھی چاہیں اس بارود کو اڑا سکیں گے۔''

''علی! تم خطرناک آدمی ہو میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتی۔'' اس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنے دل کی بات بیان کر دی ''مجھے جاسوسی کے آلات وائٹ ہاک کے پیندے میں لگانے کے لیے لایا گیا تھا۔ اب تم نے بیٹھے بیٹھے اس میں بارود بھی پہنچا دیا۔ میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ میں بے خبری میں قربانی کا بکرا نہیں بنوں گی۔''

''مادام!'' اچانک چاؤ فان بول پڑا ''تم جنس کی غلطی کر گئی ہو۔ تمہیں قربانی کی بکری کی بات کرنی چاہیے تھی۔''

''شوخیاں دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' لی نے سخت لہجے میں کہا ''اس وقت میں اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنے جا رہی ہوں جس کا نتیجہ میری موت یا دشمن سے انتقام کی صورت میں برآمد ہوگا۔''

''تم غیر ضروری طور پر اعصابی دباؤ کا شکار ہو رہی ہو۔'' میں نے نرمی سے لی کو ہلکی سی تادیب کی ''تمہارے ساتھ کوئی کھیل ہو رہا ہے نہ تمہیں دھوکا دیا جا رہا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اسے اسی طرح ہونے دو۔ ہمارے ساتھ تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ جاسوسی کے ان آلات کے ساتھ ہم نے کچھ ریموٹ کنٹرولڈ بارودی ہتھیار بھی رکھے ہیں۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر کسی وقت راجن کے آدمی ان آلات کا سراغ لگا لیں اور متجسس ہو کر ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کریں تو آلات سے آنے والے صوتی اشاروں سے ہمیں ان کی مداخلت کا علم ہو جاتا۔ ایسی صورت میں ہم ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وہ آلات تباہ کر سکتے تھے۔''

''اوہ...... اب میں سمجھی!'' لی کے دہانے سے تحیر زدہ اور اطمینان آمیز آواز برآمد ہوئی ''تمہارے لیے رازداری کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایسا بندوبست ناگزیر تھا۔ کیا وہ بارود اتنا طاقت ور ہوگا کہ آلات کو تباہ کرنے کے ساتھ وائٹ ہاک کے فولادی پیندے میں بھی سوراخ کر دے؟''

لی ذہین عورت تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے بارودی قوت کے بارے میں سوال اٹھا کر مجھے حیران کر دیا۔

وہ مجھے کام کی عورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے ابتدا ہی سے کوشش کی تھی کہ اسے اس کے ہر سوال کا اطمینان بخش بلکہ مسکت جواب دوں تاکہ اسے یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ ہم نے اسے دھوکا دے کر اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت تک میں نے اپنا یہی موقف برقرار رکھا تھا کہ دراصل وائٹ ہاک تک جاسوسی کے آلات پہنچانے کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان دونوں بکسوں میں بارود کا ہونا ایک ضمنی واقعہ تھا جس کا تعلق ہماری احتیاطی تدابیر سے تھا۔

''شاید سوراخ ہو جائیں گے۔'' میں نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے جواب دیا ''ہم کو ہلکی قوت کے بم نہیں مل سکے۔ جو ملا وہ خرید لیا۔ ہمیں پسپا ہونے یا آج کے کام کو التوا میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے گا۔''

''پھر میرا یہ قیاس درست ہے کہ آج سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہو گی۔ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہ سمندر کی تہ میں جا چکی ہو گی۔'' میری وضاحت پر اس کی آواز میں طمانیت جھلکنے لگی۔

''تمہاری خوشنودی کے لیے میری دلی دعا ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آج تم آلات اور بارودی بموں کے بکس وائٹ ہاک کے پیندے میں لگا دو کل کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسے اڑا دیا جائے گا۔''

''کس بات کا جائزہ لو گے......؟'' اس نے مضطربانہ آواز میں کہا ''جو کرنا ہے آج کی رات کر گزرو تاکہ میں آنے والا دن خوشی کے ساتھ گزار سکوں۔ وقت کی بربادی سے ہم کوئی فیض حاصل نہیں کر سکیں گے۔''

وہ اپنی بات پر اڑ جانے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی مرضی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ''تمہارے مزاج پر عجلت سوار ہے۔ راجن کے خلاف ہمارے اور تمہارے جذبات میں یکسانیت ہے۔ اگر تم سب کچھ آج ہی کر لینا چاہتی ہو تو یہ بھی ہو جائے گا۔''

''منصوبہ بے شک تمہارا ہے لیکن اس میں کلیدی کردار میرا ہے۔ یہ میری کامیابی ہو گی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہمیں کام سے مطلب ہے۔ تم یہ سہرا اپنے سر باندھنا چاہتی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' چاؤ فان نے اپنی زبان کھولی۔

''یہ میرے اور تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ بھارت سے آیا ہوا ایک پردیسی ہمارے شہر پر راج کر رہا ہے۔ ہماری عورتوں کی عزتیں تاراج کر رہا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب اس کا وقت پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تمہارا ماسٹر بھی اپنے خدوخال سے راجن کا ہم وطن معلوم ہوتا ہے۔

اچھا ہے کہ ان کی آپس کی لڑائی میں ہمارا شہر باہر کی گند سے پاک ہو جائے گا۔''

لی نے میری قومیت کا سوال چھیڑ کر مجھے مضطرب کر دیا۔ وہ ہم سے مل گئی تھی لیکن میں اس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کی گفتگو کو وہیں ختم کرنے کے ارادے سے چاؤ فان سے کہا ''ساحل اب تک نظر نہیں آیا۔ کیا تم ہمیں ملائیشیا لے جا رہے ہو؟''

''ماسٹر! تم نے مجھے گاڑی کی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی تھی۔'' اس نے حیرت سے کہا مگر میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔

''میں منزل پر پہنچنے سے پہلے لی سے مذاکرات مکمل کرنا چاہ رہا تھا۔ کھل کر ہر بات ہو گئی ہے۔ اب رفتار بڑھا لو۔''

چاؤ فان تیز رفتاری کا شوقین تھا۔ ایک خفیف سے ہچکولے کے ساتھ اس کی گاڑی کی رفتار تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔

''علی خاصا شریف اور ملنسار آدمی نظر آتا ہے۔'' چند ثانیوں کے بعد لی کی شوخ آواز ابھری ''تم نے بلاوجہ اس کی خوفناک تصویر کھینچی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ یہ خاصا تندخو اور ترش رو آدمی ہوگا۔''

''مادام! یہ تمہاری پہلی ملاقات ہے۔'' چاؤ فان نے بجھی ہوئی آواز میں کہا ''ماسٹر کو ایک بار اس کے اصل روپ میں دیکھو گی تو بے تکلفی سے اس کا نام لینا بھول جاؤ گی۔''

''اس کے لیے ماسٹر کا لقب اچھا لگتا ہے۔ میں بھی اسے یہی کہوں گی۔'' لی از خود میرا مفروضہ نام لینے سے دست بردار ہو گئی۔

دلوں کی باتیں زبان پر آ جانے کے بعد ہمارے درمیان تناؤ ختم ہو گیا۔ فضا نہایت دوستانہ ہو گئی اور بقیہ سفر ہنستے بولتے ہوئے طے ہو گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ چاؤ فان نے لی کی موجودگی میں اپنی زبان پر قابو رکھا ہوا تھا۔ ساری باتیں سن لینے کے بعد اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مفاہمت ہو جانے کے باوجود میں نے لی پر اندھا اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

سست روی میں خاصا وقت برباد کرنے کے باوجود ہم دو بجنے سے ذرا پہلے اس ساحلی کھاڑی تک پہنچ گئے جہاں چاؤ فان کے پانچ آدمی اپنی جنگی تیاریوں کے ساتھ ہماری آمد کے منتظر تھے۔

چند پتھریلے ٹیلوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی وہ بحری کھاڑی دیکھ کر میں دل ہی دل میں چاؤ فان کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں وہ کھاڑی ہمارے لیے ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہم نے کئی کلومیٹر لمبے کچے ناہموار اور تاریک راستے پر سفر کیا تھا۔ ساحلی سڑک سے دور واقع ہونے کی وجہ سے وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

ساحل کے ساتھ سمندر کی لہروں کے ٹکرانے کا دھیما شور فضا میں گونج رہا تھا۔ کھاڑی میں آنے والی لہریں پتھروں سے ٹکرا کر دور تک ہلکی سی پھوار برسا رہی تھیں۔ لہروں کے سینے پر دو چھوٹی موٹر بوٹس ہچکولے کھا رہی تھیں۔ انہیں موٹی رسیوں کے ساتھ ایک ابھری ہوئی چٹان سے باندھ دیا گیا تھا۔

''میں تین آدمیوں کے ساتھ پہلی بوٹ میں نکلوں گا۔'' چاؤ فان نے اپنی مادری زبان میں اپنے آدمیوں سے مختصر سی گفتگو کرنے کے بعد مجھے بتایا ''یہ حصہ سمندر میں کافی آگے نکلا ہوا ہے اس لیے ہمیں بندرگاہ یا شہر کی روشنیاں نظر نہیں آ رہیں مگر وائٹ ہاک یہاں سے زیادہ دور لنگر انداز نہیں ہے۔ ہماری بوٹ گہرے سمندر میں ایک لمبا چکر کاٹ کر وائٹ ہاک کی دوسری جانب پہنچے گی۔ بوٹس میں ہتھیاروں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ ہمیں وائٹ ہاک کے قریب منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس کے محافظ پوری طرح ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں بھگانے کے لیے ہوائی فائرنگ میں پہل نہ کی تو ہم خود انہیں چھیڑیں گے تاکہ وہ اپنی ساری توجہ ہماری بوٹ پر مرکوز کر دیں۔ فائرنگ شروع ہونے کے بعد وہ اسی طرف جم جائیں گے۔ تم فائرنگ شروع ہونے کے بعد یہاں سے سیدھے نکلو گے اور وائٹ ہاک کی روشنیاں تمہارے سامنے ہوں گی۔ تم محفوظ فاصلے پر بوٹ روک کر مادام کو اس کے غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اتار دو گے۔ اس دوران میں ٹرانسمٹر پر ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔ مادام کی واپسی کے ساتھ ہم بھی فرار ہو کر اسی کھاڑی میں لوٹ آئیں گے۔''

''تمہارے دونوں آدمی صرف ملاح ہیں یا لڑنا بھڑنا بھی جانتے ہیں؟'' لی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ کھاڑی کا ماحول دیکھ کر وہ فکرمند ہو گئی تھی۔

''یہ پانچوں بنکاک کے بہترین نشانچی ہیں۔ سب ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر ہیں۔ رائفل سے اڑتی ہوئی مکھی کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔'' چاؤ فان نے فخر سے بتایا۔
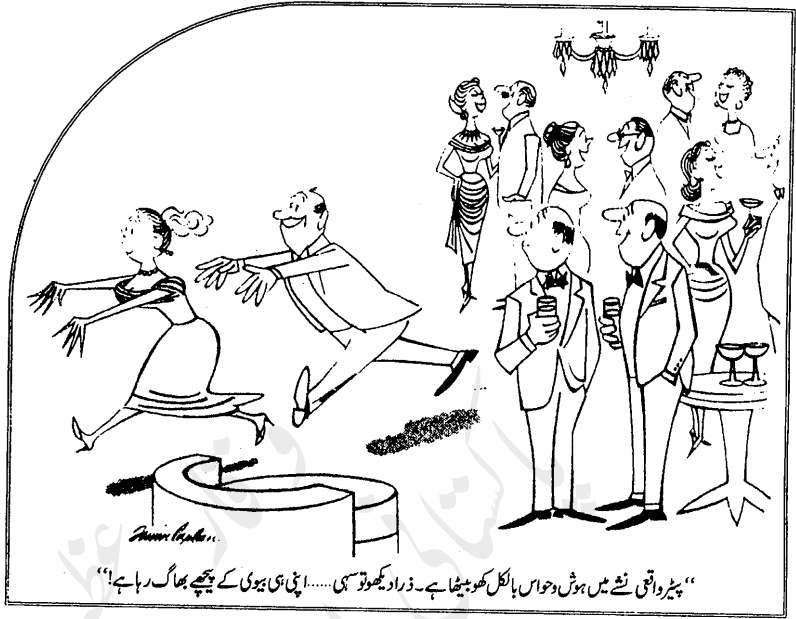
"پیٹر واقعی نشے میں ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی...... اپنی ہی بیوی کے پیچھے بھاگ رہا ہے!"

اپنے تینوں ساتھیوں کو ایک بوٹ میں بھیج کر چاؤ فان ہمارے ساتھ ہولیا۔

فائبر کی بنی ہوئی مضبوط بوٹ کو کنارے پر کھینچنے کے باوجود ہمیں اتھلے پانی میں سے گزر کر اس پر سوار ہونا پڑا۔ بوٹ واقعی چھوٹی تھی۔ اس کا کیبن برائے نام تھا۔ جسے ایک پارٹیشن کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اگلا حصہ بوٹ کے پائلٹ کے لیے تھا۔ وہ اپنے معاون کے ساتھ ادھر چلا گیا۔ چاؤ فان ہم دونوں کے ساتھ عقبی حصے میں آ گیا جہاں دھیمی روشنی میں غوطہ خوری کا ایک مکمل کاسٹیوم، آکسیجن سلنڈر سمیت نظر آ رہا تھا۔ کیبن کی آرام دہ نشستوں کے نیچے دور انفلیں اور ان کے میگزین کی وافر مقدار موجود تھی۔

چاؤ فان نے کیبن کا ایک دیوار گیر خانہ کھولا اور وہاں سے ایک وائرلیس اپریٹس نکال کر میرے حوالے کرتا ہوا بولا "اس خانے میں ریوالور اور چند ہلکے دستی بم بھی موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے ساتھ چاند ماری میں الجھ جانے کے بعد وائٹ ہاک کے محافظ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ دوسری طرف سے ان کی لانچ کے خلاف کوئی خاموش کارروائی ہو رہی ہے۔"

"تم نے خاصا محفوظ اور شیطانی منصوبہ بنایا ہے۔" لی نے توصیفی لہجے میں کہا "راجن کے آدمی بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

"یہ وہ دونوں واٹر پروف بکس ہیں جن میں بارود اور جاسوسی کے آلات موجود ہیں۔" چاؤ فان نے ایک نشست کے نیچے سے دونوں بکس نکال کر اوپر رکھ دیے۔

لی نے ایک بکس کو ہاتھ میں اٹھا کر تولا اور ایک گہرا سانس لے کر بولی "میں ان کے وزن سے ڈر رہی تھی۔ یہ تو بہت ہلکے ہیں۔ انہیں پانی میں لے جانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

چاؤ فان نے لی کو ان مقناطیسوں کے استعمال کا طریقہ سمجھایا جو واٹر پروف بموں سے بندھے ہوئے تھے۔ لی کو اپنے دام میں لانے کے لیے چاؤ فان نے جاسوسی کے آلات کی کہانی گھڑی تھی ورنہ ان دونوں بکسوں میں مہلک بارود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بعد میں مجھے چاؤ فان سے پتا چلا کہ اس نے بکس کا لفظ دانستہ استعمال کیا تھا۔ درحقیقت وہی بکس امریکی ساخت کے واٹر پروف بم تھے جنہیں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلایا جا سکتا تھا۔

ہماری کامیابی کی دعا کے ساتھ چاؤ فان ہماری بوٹ

سے اتر کر پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا اپنی بوٹ پر چلا گیا جو ہم سے ذرا دور، اتھلے پانی میں ڈول رہی تھی۔

اس کے سوار ہوتے ہی دو آدمی نیچے اترے، انہوں نے چٹان سے رسے کھول کر دونوں بوٹس پر اچھالے پھر ہماری کشتی کو کنارے سے دھکیل کر پانی میں اتار دیا۔

اس دوران میں چاؤ فان کا تیسرا ساتھی اپنی بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ ہماری بوٹ کو سمندر کے پانی میں اتارنے کے بعد بقیہ دونوں آدمی بھی دوڑ کر اپنی بوٹ پر چڑھ گئے۔ سرمئی رنگ کی اس بوٹ کی تمام دھیمی روشنیاں گل ہو گئیں، بوٹ کے انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور لمحہ بھر بعد میں وہ گھوم کر سبک رفتاری کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔

گہری تاریک رات میں، میں چاؤ فان کی بوٹ کی روانگی کا منظر دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد وہ بوٹ اونچی سمندری لہروں کی اوٹ میں اوجھل ہو گئی۔ چاؤ فان نے اپنی منصوبہ بندی میں ساری جزئیات کا پورا خیال رکھا تھا۔ اپنی دونوں بوٹس کی شناختی علامات مٹانے کے لیے اس نے ایسے رنگ کا انتخاب کیا تھا جو سمندر کے سینے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں پوری طرح مدغم ہو گیا تھا۔

''ماسٹر! آؤ میرا لباس بدلوا دو!'' لی نے میرا بازو دبا کر دھیرے سے کہا۔

وہ میرے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا، انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں دو قدم بڑھ کر بوٹ کے کیبن میں پہنچ گیا۔

اسی وقت ہماری بوٹ کا انجن بھی چلا دیا گیا۔ متلاطم لہروں میں بھٹک کر بوٹ پتھروں سے ٹکرا سکتی تھی۔ اسے کسی ناگہانی حادثے سے بچانے کے لیے انجن کے کنٹرول میں رکھنا ضروری تھا۔

''کہو، اب کیا ارادہ ہے!'' لی نے چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد اپنی بائیں آنکھ دبا کر پوچھا۔ ''میں کپڑے اتار دوں؟''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے اس سے نظریں چرا کر اس کا ڈائیونگ کا سٹیوم اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم ان کپڑوں پر بھی کاسٹیوم پہن سکتی ہو۔''

''ارادہ یہی تھا۔'' وہ ہلکی سی شوخ ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''اسی لیے میں ٹی شرٹ اور چست جینز پہن کر آئی تھی۔ اب ارادہ بدل رہا ہے۔ ہمیں چاؤ فان کے سگنل کا انتظار کرنا ہے تو کیوں نہ اس وقت کو بہتر انداز میں گزاریں۔ عورتوں کے معاملے میں تم کچھ مغرور سے نظر آتے ہو۔ مجھے دیکھو اور محسوس کرو گے تو تمہارا غرور پگھل جائے گا۔''

''لی! تم بہک رہی ہو۔'' میں نے اپنی بائیں کنپٹی مسلتے ہوئے کہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لی کی باتوں سے میرا دورانِ خون تیز ہو گیا ہو۔

''ماسٹر! تم مجھے نظر انداز کر رہے ہو!'' یکایک اس کا لہجہ شکایتی ہو گیا۔

''نظر انداز نہیں کر رہا، میں تمہارے ارادوں سے خوف زدہ ہوں۔ اس چھوٹی سی بوٹ پر صرف ہم دونوں نہیں ہیں، چند فٹ کے فاصلے پر چاؤ فان کے دو آدمی بھی موجود ہیں۔ کوئی تماشا دیکھ کر وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ ہم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں، کشت و خون کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔''

''مجھے ان دونوں کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ ان کا خون ٹھنڈا اور دماغ ماؤف ہوتے ہیں۔ انہوں نے چاؤ فان سے کچھ کہا تو وہ اس الزام میں ان کی چمڑی کرا دے گا کہ یہ اپنا کام چھوڑ کر تاک جھانک کیوں کر رہے تھے!'' اس نے بے باکی سے سرگوشی کی۔

میں نے ڈائیونگ کاسٹیوم اس کی طرف بڑھا کر اسے نرمی سے پیچھے دھکیل دیا۔ ''ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے سگنل آ جائے گا۔ اس وقت تم تیار نہ ہوئیں تو آج کا مشن برباد ہو جائے گا۔ تمہاری بہن کا لہو انتقام، انتقام پکار رہا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہی جا رہی ہو۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ہم کل بھی ملیں گے۔''

اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتارے اور غوطہ خوری کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ شاید میرا کہا ہوا کوئی لفظ یا فقرہ صحیح نشانے پر لگ گیا تھا۔

اس کے لیے وہ لباس پہننا آسان نہیں تھا۔ مجھے اس کی مدد کرنا پڑی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد وہ اس لباس میں بہ خوبی سما گئی۔ میں نے اس کی پشت پر آکسیجن کا سلنڈر کسا، اس کی نلکیاں سر اور چہرے کے ہڈ سے جوڑیں۔ زپ، بیلٹ اور ڈوریاں کسیں۔ لی نے شفاف شیلڈ کے پیچھے پلکیں جھپکا کے چند گہرے سانس لیے اور پھر ہیڈ گیئر پیچھے الٹ دیا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔ ''اب دونوں بکس میری بیلٹ کے ساتھ باندھ دو۔ یہ یاد رکھنا کہ میری کمر سے بندھی ہوئی ڈوری کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو میں اس گھور اندھیرے میں بوٹ تک واپس نہیں آ سکوں گی۔ بھٹک گئی تو وائٹ ہاک والوں کی گولیاں

مجھے چاٹ جائیں گی۔ میری لائف لائن تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔''

''تم فکر نہ کرو، ڈوری مضبوط اور بہت لمبی ہے۔ کم پڑی تو میں اس سے دوسرا اچھا جوڑلوں گا۔ تم بھٹک گئیں تو مجھے کل شام کی چائے کون پلائے گا!''

آخری فقرہ، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں سمندر میں اترنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔ اس وقت لی کا دل بڑھانا اور اس کے دل میں امید کا زندہ رکھنا ضروری تھا۔ میرے الفاظ پر اس کی نگاہیں چمک اٹھیں۔

لی کے عزائم کی راہ میں غوطہ خوری کا لباس حائل ہو چکا تھا۔ وہ اس دہرے لباس سے آسانی سے باہر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے مطمئن ہوکر دونوں ریموٹ کنٹرولڈ بم، یکے بعد دیگرے اس کی کمر کے گرد پڑی ہوئی بیلٹ سے باندھ دیے۔

چھوٹے سے کیبن کے دائیں بائیں اتنی مختصر سی راہ داری تھی کہ ایک وقت میں ایک شخص ہی وہاں سے گزر سکتا تھا۔ ہم دونوں وہاں سے نکل کر بوٹ کے پچھلے حصے میں چلے گئے جہاں سمندر سے لطف اندوز ہونے کے لیے کشادہ جگہ موجود تھی۔

بوٹ کا انجن چل رہا تھا۔ کھاڑی کے اردگرد پھیلی ہوئی چٹانوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہماری بوٹ پانی میں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔ ادھر سے آنکھیں بند کرلی جاتیں تو ہچکولوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سفر کا آغاز ہو چکا ہو۔

''ماسٹر! اس پر چراغاں ہو رہا ہے۔ ہم اپنی تمام روشنیاں گل کر کے، اندھیرے میں اپنا سفر تقریباً طے کر چکے ہیں، ہدف ہمارے اور تمہارے درمیان آچکا ہے۔ وہ اپنی انفرارئیڈ دوربینوں سے کسی بھی لمحے ہم کو دیکھ لیں گے اور فضا بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گی۔'' کچھ دیر بعد جاؤفان نے اچانک ٹرانسمٹر پر بولنا شروع کر دیا۔

''تم چہک رہے ہو۔ یہ اچھی علامت ہے!'' اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ہم تیار ہیں اگر وہاں طرب ونشاط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اور بھی اچھا ہے۔ سب اپنی دھن میں مگن ہیں۔ ہماری کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔''

''تمہاری عقل پر سمندری جھاگ جمع ہو رہے ہیں۔ گولیاں چلیں گی تو وہاں بھگدڑ مچے گی۔ بدحواس رنگیلے ہر طرف نکل کھڑے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمیں دیکھ

سکتا ہے۔ یہ تشویش ناک صورتِ حال ہے۔''
اچانک فضا ایک فائر کی آواز سے لرز اٹھی۔
''لو، پہلی گولی آگئی!'' ایریٹس پر چاؤ فان کی پُر جوش آواز ابھری۔''اب جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ تم محتاط رہنا۔''
فائر سنتے ہی لی نے چیخ کر کچھ کہا۔ ہماری بوٹ فوری طور پر حرکت میں آگئی۔ یکا یک اس کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔
پائلٹ نے دھیمی رفتار سے بوٹ کو گھما کر اس کا رخ سیدھا کیا پھر اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اسپیڈ بوٹ چھوٹی ضرور تھی لیکن اس کا انجن بہت طاقتور تھا۔ سمندری راستے سے اسمگلنگ اور دوسرے ہیر پھیر کرنے کے لیے بوٹس کا برق رفتار ہونا ضروری تھا۔ چاؤ فان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ دونوں بوٹس اس کی ملکیت تھیں۔ علامات بتا رہی تھیں کہ کالے دھندوں کے معاملے میں چاؤ فان بھی راجن سے کم نہیں تھا؟
چند منٹ بعد ہماری بوٹ ساحلی چٹانوں کی دیوار کی اوٹ سے نکلی تو ہمیں سمندر میں لنگر انداز وائٹ ہاک نظر آگئی۔ اس کے عرشے سے لے کر نچلی منزلوں کی تمام راہ داریاں روشنی میں نہائی ہوئی تھیں۔ ان سے نیچے روشن پورٹ ہول نظر آرہے تھے۔ وائٹ ہاک اپنے سفید رنگ کی وجہ سے تاریک سمندر میں بہت ممتاز نظر آرہی تھی۔
وائٹ ہاک سے بہت دور، پس منظر میں ہار بر کی ننداسی روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ وہ ہم سب سے اتنی دور تھیں کہ وہاں چلنے والی گولیوں کی آواز کا وہاں تک پہنچنا ممکنات میں سے تھا۔
فضا میں تواتر کے ساتھ فائرنگ کا شور گونج رہا تھا۔ چاؤ فان نے منصوبے کے مطابق وائٹ ہاک والوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا۔
''لہروں کے مہیب اور دھیمے شور میں گولیوں کی آوازیں میرا دل اڑا رہی ہیں۔'' لی نے میرے شانے پر جھک کر سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ فائرنگ کے تبادلے سے اس کا حوصلہ کمزور پڑ گیا تھا۔
''فکر نہ کرو، چاؤ فان نے انہیں اپنی طرف الجھا لیا ہے۔ فی الحال ہماری طرف کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چند منٹ بعد تم پانی میں اتر کر اور زیادہ محفوظ ہو جاؤ گی۔''
وائٹ ہاک کھلے سمندر میں کسی دیو پیکر، سفید عفریت کی طرح ساکت کھڑی ہوئی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر بھگدڑ مچ گئی۔ متعدد انسانی ہیولے اس لانچ کی روشن راہ داریوں میں افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے۔
اچانک ہماری بوٹ کی رفتار کم ہونے لگی۔ اس کے ساتھ اس کا رخ بھی بدل گیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف بڑھنے کے بجائے اس کے متوازی ہو گئی تھی۔
پائلٹ کیبن سے کسی نے اونچی آواز میں کچھ کہا اور لی اچانک سیدھی ہو گئی۔
''پیغام میرے لیے تھا۔'' اس نے اپنے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے بتایا۔''آگے بڑھنے کی صورت میں ہم ان کی فائرنگ رینج میں آجائیں گے۔ ناخدا مجھے پانی میں اترنے کے لیے کہہ رہا ہے...... میں جا رہی ہوں۔''
میں نے لی کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی روشنی میں مجھے اس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نظر آئی۔ اس نے اپنا ہیڈ گیئر شانوں پر گرایا، میں نے ڈوری کی چرخی پر ہاتھ رکھا، لی نے میری طرف ہاتھ لہرایا اور ایک پر شور چھپاکے کے ساتھ سمندر میں کود گئی۔
ہموار لہروں میں پیدا ہونے والا ارتعاش چند لمحوں میں، بلبلوں کی طرح غائب ہو گیا، لی سطح سمندر سے نیچے تیر رہی تھی اور چرخی سے ڈوری تیزی سے کھلتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری بوٹ تھم چکی تھی۔ وہ لہروں کے زور پر آگے پیچھے ہو رہی تھی۔ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے ہمارا بوٹ پائلٹ وقفے وقفے سے انجن سے کام لے رہا تھا۔
فائرنگ میں زبردست تسلسل آگیا۔ وائٹ ہاک سے کئی آتشیں ہتھیار استعمال کیے جا رہے تھے۔ جن کی بھیانک آوازیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔
میں نے اندھیرے میں چرخی پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس پر لپٹی ہوئی نائلون کی مضبوط ڈوری اتنی تیزی سے کھل رہی تھی کہ اس کی رگڑ سے میری ہتھیلی اور انگلیوں میں خاصی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لی پانی کی سطح سے چند انچ نیچے رہ کر بہت تیزی سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہی تھی۔
ابتدا میں اسے گہرائی میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سطح سمندر سے نیچے رہ کر تیز رفتاری سے وائٹ ہاک تک پہنچنا تھا۔ اس کے لیے بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اپنی سمت درست رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے سطح آب پر ابھر کر... پُرشکوہ وائٹ ہاک پر نظر ڈال سکتی تھی۔ اس لانچ کے قریب پہنچنے کے بعد اسے گہرائی میں اتر کر وائٹ ہاک کے پانی میں ڈوبے ہوئے پیندے تک پہنچنا تھا۔ وہاں ذرا سی دیر میں وہ اپنا کام مکمل کر سکتی تھی۔

نائلون کی ڈوری کی رگڑ سے پیدا ہونے والی گرمی ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ ہٹا کر بایاں ہاتھ وہاں رکھ دیا۔ اس وقت وہ چرخی میرے لیے لی کی نبض بنی ہوئی تھی۔ جب تک وہ وائٹ ہاک کے قریب نہ پہنچتی، ڈوری کھلتی چلی جاتی۔ اس کے منزل پر پہنچنے کے بعد وہ عمل برائے نام رہ جاتا اور مجھے اندازہ ہو جاتا کہ اس نے لانچ کے پیندے میں بم چپکانے کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریک سمندری لہروں کو دیکھتا رہا جو وائٹ ہاک سے آنے والی روشنیوں کے انعکاس میں کہیں کہیں چاندی کے پگھلے ہوئے عفریت کی طرف چمک رہی تھیں۔ ان میں لی کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ چرخی کی حرکت بتا رہی تھی کہ اس کا سفر جاری تھا۔

دوسری طرف گولیاں چل رہی تھیں۔ تاریک فضا میں روشن انگارے وائٹ ہاک کی طرف آتے اور جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ لانچ کے محافظ چاؤ فان کی بوٹ کو غرق کرنے پر تل گئے تھے اور وہ قطعی طور پر ان کی زد سے دور رہ کر ان کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ وائٹ ہاک والوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہنگامی طور پر لنگر اٹھا کر حرکت میں آ سکیں۔

تھوڑی دیر کی زبردست افراتفری اور بھاگ دوڑ کے بعد وائٹ ہاک کی نظر آنے والی روشن راہ داریاں ویران ہو چکی تھیں۔ شراب و شباب کے خمار میں بدمست لوگ گولیوں کی آوازوں سے دہشت زدہ ہو کر شاید اس سفید لانچ کے کونوں کھدروں میں جا گھسے تھے۔ وائٹ ہاک کے ان بدحواس مہمانوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہماری سمت میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بارے میں میرے اندیشے بے بنیاد ثابت ہو رہے تھے۔

اچانک وائٹ ہاک کے عرشے پر پھیلی ہوئی تیز روشنی کم ہو گئی۔ چاؤ فان کی طرف سے آنے والی ایک گولی نے عرشے کی ایک سرچ لائٹ کو نشانہ بنا لیا تھا۔

''ماسٹر! مزہ آ گیا!'' ایرپیس پر چاؤ فان کی پرجوش آواز ابھری۔ ''کاش! میری بوٹ بارود سے لدی ہوئی ہوتی اور میں اسے وائٹ ہاک سے پوری رفتار سے لڑا سکتا۔ ہماری رائفلوں کی رینج ان سے زیادہ ہے۔ ابھی ابھی ہم نے ان کی ایک قیمتی سرچ لائٹ تباہ کی ہے۔''

میرا بایاں ہاتھ چرخی کی حرکت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے ایرپیس کا بٹن دبا کر کہا۔ ''خود پر قابو رکھو۔ تم کو خودکشی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ انہیں مزید نقصان پہنچانے کی کوشش کرو، وہ کسی بھی لمحے وہاں پہنچ جائے گی۔''

چرخی کی حرکت تھم گئی۔ ڈور کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے، لی اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

''ماسٹر! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا آپریشن ہے۔'' چاؤ فان اسی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''ہم کامیاب ہو گئے تو کالے شیطان کا منہ کالا ہو جائے گا۔''

''وہ پہنچ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں کام پورا ہو جائے گا۔'' میں نے اسے مطلع کیا۔ اس بار میں اپنے جوش پر قابو رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''تمہیں کیسے پتا چل گیا؟'' اس کی بے ساختہ آواز تحیر زدہ تھی۔ اس میں واحد خرابی یہی تھی کہ وہ اپنی عقل کے استعمال میں کفایت سے کام لیتا تھا۔

اسے پوری تفصیل بتانے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''وہ چڑیل ہے اور میں جن...... ہمارے درمیان غیر مرئی رابطہ استوار ہو چکا ہے۔''

''مجھے یہ معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔'' اس خطرناک ماحول میں بھی اس نے میری کہی ہوئی بات سے کوئی اور مفہوم اخذ کر لیا۔ ''وہ قیامت کی عورت ہے۔ تم پر شروع سے اس کی نیت خراب تھی...... لو، ان کی ایک اور سرچ لائٹ گئی۔''

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس بار گولی لگتے ہی وائٹ ہاک کی ایک سرچ لائٹ تیز دھماکے سے پھٹی تھی۔ وہ دھماکا گولیوں کے شور میں نمایاں تھا۔

کامیابی کے آثار چاؤ فان کے ساتھ میرے ذہن پر بھی اثر انداز ہو رہے تھے مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ڈور والی چرخی تقریباً ساکت ہو چکی تھی۔ میں نے چشمِ تصور سے دیکھا کہ لی گہرے پانی میں اطمینان سے مقناطیس وائٹ ہاک کے آہنی پیندے سے چپکا رہی تھی۔ وہ بہت ہولناک اور جان لیوا مرحلہ تھا۔ لی کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے بیلٹ سے باندھے جانے والے دونوں آہنی بکسوں میں کچھ آلات کے ساتھ بارودی بم بھی موجود تھے۔ ریموٹ کنٹرولڈ ہونے کے باوجود وہ کسی بے احتیاطی کے نتیجے میں حادثاتی طور پر پھٹ جاتے تو سمندر میں لی کے چیتھڑوں تک کا پتا نہ چلتا۔ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود لی نے اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھا کر اپنی دلیری اور بے خوفی کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

چرخی پر آیا ہوا تناؤ یک لخت ختم ہو گیا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ شاید لی اپنا کام ختم کر کے واپس آ رہی تھی۔ میں نے اپنے اندازے کی تائید کے لیے چرخی کو ہاتھ سے الٹا

گھمایا اور ڈھیلی ڈور آسانی سے اس پر لپٹتی چلی گئی۔
میں نے کامیابی کے نشے سے سرشار ہو کر، چرخی کے سرے پر لگی ہوئی آہنی کرینک کو تیزی سے گھمانا شروع کردیا۔ ڈوری کسی رکاوٹ کے بغیر چرخی پر آنے لگی۔ چند ثانیوں میں اس کی ڈھیل ختم ہوگئی۔ کرینک کے ساتھ میرے ہاتھ کو بھی ہلکا سا جھٹکا لگا۔ دوسرے لمحے میں ڈوری پھر ڈھیلی ہوگئی۔ اس کا مطلب تھا کہ لی اتنا فاصلہ طے کرچکی تھی۔
میں نے کرینک گھمانے کی رفتار کم کردی۔ ڈھیل اور جھٹکوں کا تواتر شروع ہوگیا۔ خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم نے وہ بڑا کام اتنی آسانی سے مکمل کرلیا تھا۔
''ماسٹر! غضب ہوگیا۔'' اچانک ایرپیس پر چاؤ فان کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''انہوں نے کمک طلب کرلی ہے، ہاربر کی طرف سے کوئی اسپیڈ بوٹ ادھر آرہی ہے۔ ہم رکے رہے تو مارے جائیں گے...... میں بھاگ رہا ہوں...... ادھر کیا پوزیشن ہے؟''
''ہماری فکر چھوڑو۔'' میں نے چرخی پر لپٹی ہوئی ڈور کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی موٹائی پر نظر ڈال کر کہا۔ ''شاید کام ہوچکا ہے۔ تم اپنی جان بچاؤ اور بھاگ کر ٹھکانے پر پہنچو۔''
فائرنگ کے شور میں یکایک نمایاں کمی آگئی۔ شاید چاؤ فان اور اس کے آدمیوں نے گولیاں برسانے کا سلسلہ موقوف کرکے، بھاگ نکلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
''ماسٹر! مادام کہاں ہے؟'' اس نے بوکھلائی ہوئی اور تشویش زدہ آواز میں پوچھا۔
''ابھی تک سمندر میں ہے۔ خطرہ بڑھ گیا تو میں ڈوری کاٹ کر اسے یہیں چھوڑ دوں گا اور خود واپس چل دوں گا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔
وہ میرے الفاظ تھے، میرا ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لی نے ہمارے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ وہ اس رات کی ہیروئن تھی، میں کسی قیمت پر اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا، چاؤ فان نے میرے اس سنجیدہ مذاق پر اسی لمحے یقین کرلیا اور متاسفانہ آواز میں بولا۔
''ماسٹر! تم بہت سنگ دل اور سفاک ہو، اس کے ساتھ ایسا ظلم نہ کرنا۔ میری مانو تو ڈوری مت کاٹو، اسی طرح وہاں سے چل دو، وہ کسی زیر آب چٹان سے ٹکرا کر نہ مری تو کسی نہ کسی طرح بوٹ پر آجائے گی۔ چرخی لاک کردو اور چل پڑو۔''
چاؤ فان کے الفاظ سے اس کا دلی کرب جھلک رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ ان نازک لمحات میں اس کے دل میں میری سفاکی کی دہشت بیٹھ گئی تو وہ مجھ سے ایک پل کے لیے بھی مخلص نہیں رہ سکے گا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں مذاق کررہا تھا۔ وہ چند منٹوں میں بوٹ پر آنے والی ہے۔ اس رات کی شہزادی کو میں بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔''
''تم گریٹ ہو!'' وہ خوش ہوگیا۔ ''ہماری بوٹ جھاگ اڑاتی، پوری رفتار سے لوٹ رہی ہے۔ وہ سب اتنے خوف زدہ ہیں کہ ابھی تک گولیاں چلائے جارہے ہیں، ہاربر سے آنے والی بوٹ بہت تیز رفتار ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپ کی روشنی بھی بہت تیز ہے جو ہر لمحے قریب آتی جارہی ہے۔ اس کے باوجود وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہم نے ابھی تک اپنی ساری روشنیاں بند رکھی ہوئی ہیں۔''
موجوں پر تھرکتی ہوئی ہماری بوٹ سے کچھ فاصلے پر پانی میں ہلچل ہوئی اور لی سطح پر آگئی۔ اس نے پوری قوت سے پانی میں چند اسٹروک مارے اور بڑھ کر بوٹ کا کنارہ پکڑلیا۔ میں نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اوپر کھینچ لیا۔
سب سے پہلے میری نظر اس کی بیلٹ کی طرف گئی جہاں بارودی بکسوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہماری بوٹ کا پائلٹ اس کی واپسی کا منتظر تھا، لی نے جیسے ہی بوٹ پر قدم رکھا، انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور وہ واپس روانہ ہوگئی۔
لی کے لیے پیروں میں موجود لمبے لمبے فلیپرز کی وجہ سے اپنے قدموں پر حرکت کرنا دشوار تھا۔ اس نے اوپر آتے ہی سب سے پہلے ان سے چھٹکارا حاصل کیا پھر اپنا ہیڈ گیئر الٹ دیا۔ اس کے لباس سے اس وقت پانی کی دھاریں سی بہہ رہی تھیں۔ اس نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا، اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے اور میں نے فتح مندی کے جذبات سے مغلوب ہوکر بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
''ماسٹر! شاید میں نے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے لیا۔'' اس نے دفور جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ ''اب ہم اس لانچ کو اڑا دیں گے۔''
ہماری بوٹ کھلے سمندر میں تیزی سے گھومی اور ہمارا توازن بگڑ گیا۔ دونوں نے ہڑبڑا کر ایک دوسرے کو تھاما، سنبھلنے کے بعد لی نے ڈائیونگ کے وزنی لباس سے جان چھڑانی شروع کردی، اس کا کام پورا ہوچکا تھا۔
چاؤ فان نے اس مہم کے بارے میں اپنے آدمیوں کو پوری طرح بریف کیا ہوا تھا۔ بنکاک کے سب سے طاقت ور غنڈے کے مفادات پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے وہ منصوبہ بندی

ضروری تھی۔ وہ ہاربر کی طرف سے کسی اسپیڈ بوٹ کی آمد کی اطلاع دے چکا تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور بوٹس بھی آسکتی تھیں۔ ذرا سی دیر کی بات تھی۔ اس کے بعد راجن کے آدمی، اس کے زرخرید سرکاری اہل کاروں کے ساتھ مل کر وائٹ ہاک پر حملہ کرنے والوں کی تلاش کی بڑی مہم شروع کرسکتے تھے۔

ہماری بوٹ سے ساحل پر رسا پھینکا گیا نہ اسے کنارے لے جانے کی کوشش کی گئی۔

پائلٹ نے بوٹ روک کر اپنی زبان میں کچھ کہا اور لی میرا ہاتھ تھام کر پنڈلیوں تک اونچے پانی میں کود گئی، میں نے اس کی تقلید کی ہم دونوں اس بوٹ پر خالی ہاتھ گئے تھے اور اسی طرح نیچے اتر آئے۔

ہمیں اتار کر بوٹ پانی میں گھومی اور بہت تیزی کے ساتھ کھاڑی سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس کا کھاڑی میں رکنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

پانی سے نکل کر خشک چٹان پر چڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ کا شور دم توڑ چکا تھا۔ شاید وائٹ ہاک والوں کو ہوش آگیا تھا کہ وہ حملہ آوروں کے فرار ہوجانے کے بعد بلاوجہ اپنا میگزین برباد کررہے تھے۔

''مقناطیس زبردست تھے۔'' لی نے اپنی زیرِآب مہم کے بارے میں پہلی بار زبان کھولی۔ ''ان کو آن کرتے ہی آہنی بکس خود بہ خود لانچ کے پیندے سے چپک گئے۔ وہ بندوبست نہ کیا گیا ہوتا تو سپاٹ آہنی چادروں پر کچھ بھی نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ وہ ترکیب کس کی تھی؟''

''سب نے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ یہ ہم سب کی مشترکہ کامیابی ہے۔''

اسی اثنا میں چاؤ فان کی بوٹ ایک سیاہ دھبے کی طرح کھاڑی میں نمودار ہوئی اور واضح ہوتی چلی گئی۔ وہ بوٹ بھی کنارے تک نہیں آئی، چاؤ فان کو پانی میں اتارا اور مڑ کر بہت تیزی سے واپس کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوگئی۔

''سیدھے چلے آؤ۔ ہم انتظار کررہے ہیں!'' چاؤ فان کو ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا دیکھ کر میں نے آواز لگائی اور وہ اپنے پائنچے اوپر کرکے اطمینان سے ہماری طرف آنے لگا۔

''گاڑی میں چلو اور یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔'' اس نے چند قدم کے فاصلے سے آواز لگائی۔ ''ذرا سی دیر میں چھوٹا راجن کے آدمی ہر طرف پھیل جائیں گے۔ ان کے نمودار ہونے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

اس کی بات درست تھی۔ میں لی کا ہاتھ تھام کر، اندھیرے میں چاؤ فان کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا جو سخت چٹانوں کے پیچھے موجود تھی۔

''ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں؟'' لی نے متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ ''مجھے دو، میں یہاں سے نکلنے سے پہلے وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتی ہوں۔''

''وہ میرے پاس ہیں۔'' چاؤ فان نے اس کی بات سن کر جواب دیا ''ابھی اس پر بہت سے خوف زدہ لوگ موجود ہیں۔ وائٹ ہاک کو نقصان پہنچا تو بھگدڑ میں بہت سے آدمی مارے جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایک آدھ گھنٹے میں وہ سب نکل جائیں گے۔ وائٹ ہاک کو اڑانے کے لیے چار بجے کا وقت موزوں رہے گا۔''

''تو کیا ہم کو دوبارہ یہاں آنا ہوگا؟'' لی نے چونک کر پوچھا۔ ''تم اس پر موجود لوگوں کی فکر کیوں کررہے ہو۔ وہ سب بدمعاش، آوارہ اور راشی ہوں گے۔ تمہارا بارود اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ اس کے پھٹنے سے وائٹ ہاک ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں سوراخ ہوجائے گا۔ وہ دھیرے دھیرے ڈوبتی رہے گی، لوگ اس سے نکل کر بھاگتے رہیں گے۔''

لی ہوشیار عورت تھی۔ اس نے وہی کچھ کہا جو ہم لوگ پہلے سوچ چکے تھے لیکن اس وقت ہمارے لیے اس ویران کھاڑی کے قریب رکنا مناسب نہیں تھا۔ راجن کے آدمیوں کو اس سمندری علاقے میں ایسے ہر مشکوک اڈے کا علم ہونا چاہیے تھا جہاں سے خفیہ تخریبی کارروائیوں کا امکان ہوسکتا تھا۔ کچھ دیر کی بات تھی پھر سمندر کے راستے اس کے مسلح آدمی ہماری تلاش میں اس کٹاؤ دار پہاڑی ساحل پر پھیل جاتے۔

''ابھی یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا، یہ باتیں ہم گاڑی میں بھی کرسکتے ہیں۔''

ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور چاؤ فان نے اس بار ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر، احتیاط اور سست روی سے واپسی کا سفر شروع کردیا۔

اس کچے اور ناہموار راستے پر روشنی کے بغیر گاڑی چلانا چاؤ فان ہی کا کام تھا۔ ہم کسی گہرے گڑھے یا کھڈ میں پھنسے بغیر، شدید ہچکولے کھاتے ہوئے، کچھ دیر بعد پختہ سڑک پر جا نکلے اور چاؤ فان نے گاڑی سڑک پر چڑھاتے ہی ہیڈ لیمپس روشن کردیے۔

اس دوران میں میرا ذہن وائٹ ہاک والوں میں الجھا رہا۔ انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکا ہوگا کہ انہیں فائرنگ میں الجھا کر ان کی لانچ کی غرقابی کا بندوبست کیا جارہا ہے۔

میں اس کے اس خیال سے متفق تھا کہ ہمیں ایک بار اپنا کام پورا کر کے وہاں سے لوٹنا چاہیے۔ بموں کے استعمال کا التوا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک زبردست مہم کے بعد یک جا ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کر رہے تھے۔

''ماسٹر! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' ویران اور.... خطرناک علاقے کی حدود سے نکل آنے کے بعد چاؤفان نے مجھ سے پوچھا۔

''کسی ایسے مقام کی طرف چلو جہاں سے وائٹ ہاک کو دیکھا جا سکے۔'' میں نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں اسے ہدایت دی۔

''اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مادام کے ہم خیال ہو گئے!'' وہ افسردہ لہجے میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن لی کی موجودگی کی وجہ سے اس نے ادھوری بات ختم کر دی۔

''جو کام اس وقت ہو سکتا ہے اسے کل پر کیوں چھوڑا جائے، صرف دو بٹن دبانے رہ گئے ہیں لی کے دل کا ارمان بھی پورا ہو جائے گا۔''

''اس وقت یہاں ہلچل شروع ہونے والی ہے۔ ایک طرف چھوٹا راجن کے آدمی نکل آئیں گے۔ دوسری طرف سرکاری اہل کار اور پولیس والے بھی سرگرم ہو جائیں گے۔ فائرنگ کا جم کے تبادلہ ہوا تھا۔ وہ آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی۔'' چاؤفان نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی مشتبہ چیز موجود نہیں تھی۔ دو ننھے سے ریموٹ کنٹرول رہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ استعمال کے بعد وہ بھی ناکارہ ہو جاتے اور کسی ڈسٹ بن میں پھینک دیے جاتے۔

اتنی رات گئے پورٹ ایریا میں مٹرگشت کو مشتبہ تصور کر کے کوئی پولیس پارٹی ہمیں روک لیتی تو اسے ہمارے پاس سے کچھ نہیں مل سکتا تھا۔

چاؤفان نے پورٹ کے حساس اور ممنوعہ علاقے سے دور، ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے ہم اپنی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے وائٹ ہاک کو دیکھ سکتے تھے۔

فضا میں دھند یا کہر کا نام و نشان نہیں تھا۔ موسم بالکل صاف تھا اور پھر وائٹ ہاک پر تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ ہمیں وہ لانچ صاف نظر آ رہی تھی۔

فائرنگ کی زد میں آنے والی سرچ لائٹس کا کوئی متبادل بندوبست ہو جانے کے بعد اس لانچ کا عرشہ بہت روشن تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ کئی منزلہ بوٹ کا وسطی ڈیک کھلا ہوا تھا اور اس سے بہت سے لوگ ایک موٹر بوٹ پر اترتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مقابلہ ہونے کے بعد شاید وائٹ ہاک کے سارے پروگرام منسوخ کر دیے گئے تھے اور مطلع صاف ہوتے ہی مہمانوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

وائٹ ہاک کے آس پاس کئی چھوٹی کشتیاں بھی منڈلا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے پورے زور و شور سے حملہ آوروں کی تلاش کی مہم شروع کی ہوئی تھی۔ سب کی توجہ کھلے سمندر کی طرف اور اس سمت میں مرکوز تھی جدھر چاؤفان کی اسپیڈ بوٹ فرار ہوئی تھی۔ جہاں ہم موجود تھے، وہاں دور دور تک کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

''وائٹ ہاک خالی ہو رہی ہے، وہاں سے لوگ بھاگ رہے ہیں۔'' اس منظر کا جائزہ لینے کے بعد لی مسرت آمیز آواز میں بولی۔

''یہ یاد رکھو کہ عیاش لوگ، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔ وہاں فائرنگ کا دھواں دھار تبادلہ ہوا ہے۔ صرف پٹاخے بھی چلے ہوتے تو اس وقت بھگدڑ کا یہی سماں دیکھنے میں آتا۔'' میں نے کہا۔

''لاؤ، ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں!'' لی نے چاؤفان سے مطالبہ کیا۔

اس علاقے میں لگے ہوئے اونچے اونچے لیمپ پوسٹس کی زرد روشنی میں چاؤفان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے ریموٹ لی کے حوالے کرنے کی اجازت دے دی۔

چاؤفان نے بادل ناخواستہ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک نرم چرمی پاؤچ نکالا اور اس میں سے سیاہ پلاسٹک کی دو ڈبیاں نکال کر لی کی طرف بڑھا دیں۔ ''ذرا احتیاط سے......'' اس نے لی کو ہدایت کی ''سرخ بٹن دبتے ہی بم چل جائے گا۔ یہ دونوں بموں کے الگ الگ ریموٹ ہیں۔''

لی کے چہرے پر کسی ایسے بچے کی سی مسرت آمیز سرخی آ گئی جسے غیر متوقع طور پر اپنا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

''ایک تم چلاؤ گے!'' لی نے ایک ڈبیا میری طرف بڑھا دی۔ اپنے سائز کے اعتبار سے وہ کافی وزنی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس میں ٹھوس لوہا بھرا ہوا ہے۔

وائٹ ہاک والے اپنی بدقسمتی سے بے خبری کے عالم

میں اس بحری کیسینو پر آئے ہوئے مہمانوں کے انخلا میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض مرد اور عورتیں نشے میں اس قدر دھت تھیں کہ وسطی عرشے کے کھلے ہوئے چوبی ریمپ پر دو دو آدمی انہیں سہارا دے کر چھوٹی موٹر بوٹ پر اتار رہے تھے۔

لی نے اپنی ڈبیا داہنے ہاتھ میں تھام کر انگوٹھا اس کے سرخ بٹن پر رکھ دیا۔ میں نے اس سے ملنے والی دوسری ڈبیا خاموشی سے چاؤ فان کو تھما دی۔

''ایک ...... دو ...... تین!'' لی نے آخری ہندسہ ادا کرتے ہی بٹن دبا دیا۔

ایک خوفناک دھماکے سے فضا لرز اٹھی۔ دھماکا زیر آب ہوا تھا اس لیے آواز ذرا دب گئی تھی لیکن اس لانچ کے پیندے میں ہونے والے بارودی دھماکے کی قوت کا اندازہ اس جھٹکے سے ہوا تھا جو وائٹ ہاک کو لگا تھا۔

یوں محسوس ہوا جیسے خلیج سیام کی تہ میں چھپی ہوئی کسی سمندری بلا نے وائٹ ہاک کو اچانک اپنے دونوں ہاتھوں پر اوپر اچھال کر دوبارہ سطح سمندر پر رکھ دیا ہو۔ دھماکے سے دیو پیکر لانچ بری طرح ہل کر رہ گئی۔ کھلے ہوئے ریمپ پر اترنے والے کئی لوگ اچھل کر سمندر میں جا گرے۔ دھماکا ہوتے ہی فضا انسانی چیخ و پکار سے لرز اٹھی۔

لی کے لیے وہ صرف ایک دھماکا تھا لیکن ہم نے اس واردات کے لیے پوری منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ ڈان کی ہدایت کے عین مطابق چاؤ فان نے کافی طاقتور بموں کا بندوبست کیا تھا تاکہ وائٹ ہاک کے دہرے فولادی پیندے میں آر پار اتنا بڑا سوراخ ہو سکے کہ کسی کے لیے ہنگامی طور پر اسے بند کرنا ممکن نہ رہے۔ ایسے سوراخ کر کے ہی وائٹ ہاک اور راجن کے غرور کی غرقابی کو ممکن بنایا جا سکتا تھا۔

اچھل کر دوبارہ سطح سمندر پر ٹکنے کے بعد وائٹ ہاک ساکت نہ رہ سکی۔ بم کے دھماکے سے پھٹنے والی فولادی چادروں میں سے سمندری پانی کا ریلا اس کی تہ میں بھرنا شروع ہو گیا تھا اور نہایت غیر محسوس انداز میں' دھیرے دھیرے وائٹ ہاک کا رخ بدلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھٹنے والے بم کی کارکردگی میری توقع سے بڑھ کر رہی تھی۔

''تم کس کا انتظار کر رہے ہو!'' میں نے چاؤ فان سے کہا ''لی کی تقلید کرو۔ اب انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔''

چاؤ فان نے اپنا ہاتھ سیدھا کیا اور دوسری ڈبیا کا بٹن بھی دبا دیا۔

لانچ اس بار زیادہ بری طرح لرز کر رہ گئی۔ اس پر قیامت برپا ہو چکی تھی۔ چیخ و پکار کے درمیان کئی دہشت زدہ افراد نے وائٹ ہاک کی مختلف منزلوں سے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔

پے در پے ہونے والے دو دھماکوں نے سب کے حواس مختل کر دیے تھے۔ بیشتر لوگوں کو شاید خوف لاحق ہو گیا تھا کہ وہ دھماکوں کا کوئی نہ رکنے والا تسلسل تھا۔ قدرے وقفے کے بعد تیسرا اور چوتھا دھماکا بھی ہو سکتا تھا۔ وائٹ ہاک کے مختلف حصوں سے لوگوں کی ایک یلغار ریمپ پر آنے کے لیے دھکم پیل کر رہی تھی۔

''لرزہ خیز منظر ہے!'' چاؤ فان کی متاسفانہ آواز ابھری ''اس افراتفری میں بہت سے لوگ ناگہانی مارے جائیں گے۔ ہم کچھ دیر انتظار کر لیتے تو اس جانی نقصان سے بچا جا سکتا تھا۔''

''مرنے والوں کی موت اسی طرح لکھ دی گئی تھی۔'' میں نے وائٹ ہاک پر نظر آنے والے عبرت آمیز منظر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا ''یہ یاد رکھو کہ جس کی موت آ گئی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی' جس کی زندگی باقی ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ ایک کائناتی اصول ہے' اس سے انحراف ممکن نہیں۔''

''تمہارے لائے ہوئے بم بہت طاقت ور تھے۔'' لی نے دبی دبی آواز میں کہا ''جاسوسی کے آلات کو تباہ کرنے کے لیے ایسے تباہ کن بموں کی ضرورت نہیں تھی۔''

''کیا تم اس تباہی سے ناخوش ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''راجن کی روسیاہی کے خیال سے خوشی ہو رہی ہے مگر اس بات کا افسوس ہے کہ اس بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی کچل کر یا سمندر میں گر کر مارے جائیں گے۔'' اس نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''شراب کے نشے میں بدمست ہو کر' بھیڑیوں کی طرح پرائی عورتوں کی گھات لگانے والوں کو تم بے گناہ سمجھ رہی ہو تو میں تمہاری ذہنی حالت پر رحم کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہاں وہی سب ہو رہا تھا جو موتی محل کے کسی بند کمرے میں تمہاری بہن کے ساتھ ہوا تھا۔ فرق یہ ہے کہ وہاں صرف جبر تھا' یہاں گھناؤنے کھیل ہر فریق کی رضامندی سے کھیلے جاتے ہیں۔''

''ماسٹر! وائٹ ہاک نے گھومنا شروع کر دیا ہے۔'' چاؤ فان نے پُرجوش آواز میں کہا ''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے یہ غرق ہو چکی ہو گی۔''

''ہمارا کام ہو چکا ہے' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔'' لی بولی ''ہمیں لوٹ جانا چاہیے۔ اس بربادی کے بعد ہمارا زیادہ دیر تک یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔''

چاؤ فان نے لی کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا اور اسے پوری قوت سے سمندر کی طرف پھینک دیا۔ وزنی ڈبیا ایک چھپاکے کے ساتھ ڈوبتی چلی گئی۔ اس نے کسی توقف کے بغیر دوسری ڈبیا کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا اور ہم تینوں گاڑی کی طرف ہو لیے۔

''خس کم جہاں پاک!'' چاؤ فان بڑبڑایا ''اب دیکھتے ہیں کہ چھوٹا راجن کیا کرتا ہے۔''

جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہم تینوں چاؤ فان کی گاڑی میں سوار ہوئے۔ معمول کے مطابق وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

بندرگاہ کے علاقے سے باہر نکلنے تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ شہر جانے والے راستے پر آنے کے بعد لی نے مجھے مخاطب کر کے سکوت توڑ دیا ''میں نے تم کو راجن سے اپنی نفرت کا سبب بتا دیا لیکن تم نے ابھی تک اس سے اپنی دشمنی کی وجہ نہیں بتائی۔''

''چاؤ فان اس کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا ''اس کا خیال ہے کہ راجن یہاں بدمعاشی کر کے اس کی حق تلفی کر رہا ہے۔''

''یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ وہ بہت تیزی سے ہمارے معاشرے کو تباہ کر رہا ہے۔'' چاؤ فان نے درمیان میں لقمہ دیا۔

''اس کے آنے سے پہلے ہم کون سا پارسا تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ ہمارا ملک قحبہ گری کے ذریعے سب سے زیادہ زرِمبادلہ کماتا ہے۔'' لی کا جواب خاصا تلخ تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ برائیاں پہلے بھی تھیں۔ چھوٹا راجن نے انہیں منظم کر کے تیزی سے فروغ دیا ہے۔ اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔'' چاؤ فان بولا۔

''یہ بیکار باتیں ہیں۔ اصل بات ماسٹر نے کہی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ راجن تمہاری حق تلفی کر رہا ہے۔ بردہ فروشی اور سیکس مافیا پر تمہارا راج ہونا چاہیے۔ اس نے باہر سے آ کر تمہارے منہ کی روٹی چھین لی ہے۔''

شاید چاؤ فان کے لیے لی کی وہ الزام تراشی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ میں نے اس کی ران دبا کر اسے خاموش کر دیا اور بے پروایانہ انداز میں لی سے کہا ''یہ فطری بات ہے۔ یہاں کی اچھائیوں اور برائیوں پر مقامیوں کا حق ہے۔ کوئی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ باہر سے آنے والے لوگ آمدنی کے ذرائع پر قبضہ کر لیں۔ جائز کاروبار کے مقابلے میں کالے دھندوں میں اندھی آمدنی ہوتی ہے۔''

"بھئی میں تو اس سال بڑا خوش قسمت رہا...... میرے باغیچے میں کچھ اُگا ہی نہیں...... آرام سے دن گزر رہے ہیں۔"

لی خاموش رہی۔ ہمارا واپسی کا سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔

راجن کے خلاف ہمارا وہ منصوبہ بہت کامیاب اور بے داغ رہا تھا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راجن کے آدمی کسی بھی طرح لی سیاؤ پونگ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں گے پھر بھی میں اس کی طرف سے محتاط رہنا چاہ رہا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب سے لیا تھا۔ واپسی پر میں وہیں اترتا تو لی اندازہ لگا لیتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ میں راستے میں اترنے کی فرمائش کرتا تو چاؤ فان اس پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا بلکہ بحث شروع کر دیتا۔ بحث کے نتیجے میں یہ بات کھل جاتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں مقیم تھا۔

اس مسئلے پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے اس کا حل نکال لیا اور چاؤ فان سے کہا "اتنی رات گئے تمہارے شہر کی سیر کا مزہ کچھ اور ہے۔ پہلے لی کو اس کے گھر پر اتار دو۔ ہم کچھ دیر تک شہر میں آوارہ گردی کریں گے۔"

چاؤ فان کے لیے شہر کی کھلی اور ویران سڑکوں پر گاڑی بھگانا کسی عیاشی سے کم نہیں تھا۔ وہ میری تجویز پر خوش ہو گیا۔

"ماسٹر! آج شام تم چائے پر آ رہے ہو نا؟" وہ معاملہ طے ہو جانے پر لی نے مجھ سے پوچھا۔

"کوشش کروں گا۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں مبہم سا جواب دیا۔

"تمہیں شک تھا اور میں کامیابی کے بارے میں پُر یقین تھی۔" وہ بولی "سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ اب تمہیں اپنے وعدے کے مطابق میرے پاس آنا ہوگا۔"

"آ جاؤں گا۔" میں نے حجت سے بچنے کے لیے اقرار کر لیا۔ اس وقت میرا ذہن راجن کی طرف بھٹک گیا تھا۔ میں نے شام کو اکبر کے روپ میں اسے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ راجن نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ وائٹ ہاک کی بربادی کا علم ہوتے ہی اسے میرا خیال آئے گا اور وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔

اس مرحلے کے لیے مجھے ہر لمحے ذہنی طور پر تیار رہنا تھا۔

لی کی رہائش بنکاک کے ایک مہنگے اور صاف ستھرے رہائشی علاقے میں تھی۔ اس بڑے مکان کے پھاٹک پر پستہ قامت تھائی دربان اپنی مالکن کی واپسی کا منتظر تھا۔ باہر گاڑی کی آواز سنتے ہی اس نے خوب صورت چوبی پھاٹک کھولا لیکن لی نے گاڑی باہر ہی رکوالی۔

''شام کو میں تمہاری منتظر رہوں گی۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے ایک ادا کے ساتھ کہا ''اپنا وعدہ یاد رکھنا۔''

ہماری طرف ہاتھ لہرا کر وہ مڑی اور کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف چل دی۔

''ماسٹر! عورت بہت زور دار ہے۔'' چاؤ فان نے ندیدے انداز میں سرگوشی کی ''یہ تم پر مہربان بھی ہے' ملو گے تو زندگی کا مزہ آجائے گا۔''

''کیا تمہارے دماغ میں ہر وقت یہی گھٹیا باتیں گھسی رہتی ہیں؟'' میں نے خفا ہو کر کہا۔

''ماسٹر! میں تمہارے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیتا ہوں۔ تم اندر ہی اندر گھٹتے رہتے ہو۔'' اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شکوہ کیا ''تم جب بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے' تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی ناچ رہی تھی۔''

''پسند آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عورت کو تل کر کھالیا جائے۔'' میں نے چیخ کر جواب دیا ''اس نے ہمارے لیے بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا اس کا کام اس قابل نہیں تھا کہ اسے سراہا جائے؟ تم ہر بات کا غلط مفہوم کیوں لیتے ہو؟''

''یہ میرے مقدر کی خرابی ہے کہ میں جو بات تمہیں خوش کرنے کے لیے کہتا ہوں' تم اس پر بھی ناراض ہو جاتے ہو۔'' اس نے افسردگی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''مادام ہمارے شہر کی جان ہے۔ خدمت کے پیسے لیتی ہے پھر بھی اس کی خلوت میں پہنچ جانے والے اپنی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تم نے آج کے پروگرام کے بارے میں ڈان کو کچھ بتایا تھا؟'' میں اسے لگام نہیں دے سکتا تھا' میں نے اچانک موضوع بدل دیا۔

''تم نے ہی کہا تھا کہ اسے ہر بات کی خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ وہ کوششوں کے بجائے نتائج پر نگاہ رکھنے کا عادی ہے!''

''کہا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب نتیجہ برآمد ہو چکا ہے۔ ڈان کو وائٹ ہاک کی تباہی کا شدت سے انتظار تھا۔''

''چار بج چکے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا ''وہ سیلرز بار بند کر کے سو چکا ہوگا۔ صبح اسے اطلاع دے دوں گا۔''

''اس سے پہلے اسے کسی نہ کسی ذریعے سے خبر مل جائے گی۔ وائٹ ہاک کی تباہی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اسے نیند سے اٹھا کر بھی خبر دی جا سکتی ہے۔''

''ماسٹر! کیوں مجھے مروانے پر تلے ہوئے ہو۔ وہ مجھ سے ویسے ہی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ میں نے اسے گہری نیند سے اٹھایا تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔ یہ کام تم کرلو تو میری سات پشتیں تمہاری احسان مند رہیں گی۔''

''تمہارا دم نکل رہا ہے تو یہ کام بھی میں خود کرلوں گا۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''اب تم مجھے جلدی سے میرے ہوٹل پہنچادو۔''

''ہائیں.....تو کیا تم شہر کی سیر نہیں کرو گے؟'' اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

''وہ بہانہ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے میری قیام گاہ کا اندازہ ہو سکے۔''

''ماسٹر! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کا گھر دیکھنے کے لیے یہ چکر چلایا ہو۔'' وہ شوخی سے بولا ''میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ یہ شہر تمہارے لیے اب بھی اجنبی ہے۔ اپنے اس خادم کی مدد کے بغیر تم دوبارہ مادام کے گھر نہیں پہنچ سکو گے!''

''خاموش رہ کر گاڑی چلاؤ۔'' میں نے جھلا کر کہا ''اب کوئی فضول بات کی تو میں یہیں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا۔''

میری دھمکی کارگر رہی۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

☆☆☆

مشن بہت مشکل تھا۔ غزالہ ہماری دشواریوں سے بہ خوبی واقف تھی۔ وہ بہت زیادہ فکرمندی اور تشویش کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

میرے پاس اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسی وقت فون کر کے جلال یا اوّل خان کو اپنی زبردست کامیابی کی اطلاع دوں مگر میں نے وہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

ہم بنکاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنے کھیل میں وائٹ ہاک کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا۔ جلال یا اول خان

کو کسی بھی طرح اس لانچ کی تباہی کی اہمیت کا ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کا غبار غزالہ کے سامنے نکال لیا۔ میں لی کے کام اور کردار سے واقعی بہت متاثر ہوا تھا۔ جب میں نے مناسب الفاظ میں غزالہ کو اس کے حوصلے اور کارکردگی سے آگاہ کیا تو وہ بھی اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ معاملہ بنکاک کی ایک خوب رو عورت کا تھا۔ غزالہ نے اپنی زبان سے اس کی تعریف ضرور کی لیکن اس کی نگاہوں میں شکوک وشبہات کی خاموش پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

اسے بریفنگ دینے کے بعد میں نے اپنے مقامی موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملایا۔

تیسری گھنٹی پر ڈان کی نیند میں ڈوبی ہوئی، غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی زبان میں تیزی سے کچھ کہا جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھا مگر اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھلے الفاظ نہیں تھے۔ نیند سے اٹھائے جانے پر اس کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔ میری جگہ چاؤفان ہوتا تو اپنی زبان دانی کی وجہ سے تھائی زبان میں کہے گئے ان الفاظ کو اپنے مقدر کی خرابی کے سوا کوئی اور نام نہ دیتا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے نرمی سے اسے بتایا۔

''اوہ...... اتنے سویرے تمہیں فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' ڈان کے لہجے کی ناگواری میرا نام سنتے ہی کافور ہو گئی۔

''بڑی خبر ہے۔ وائٹ ہاک ڈھیرے ڈھیرے سمندر میں ڈوب رہی ہے۔''

''یہ خبر سنانے کے لیے تم مجھے قبر سے بھی اٹھا سکتے تھے۔'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی ''تم میرے بچے، میرے دستِ راست ہو۔ اب وہ فنا ہو جائے گا۔'' اپنے مزاج کے مطابق اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کام کیسے ہوا تھا؟

''بہت سے بھگوڑے سمندر میں گرے ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد صبح معلوم ہو سکے گی۔ لانچ میں تیزی سے پانی بھرتا جا رہا ہے، اس پر سے لوگ افراتفری میں بھاگ رہے تھے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ میں ابھی وہاں جاتا ہوں۔ ساحل سے اس کے ڈوبنے کا منظر دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہو گی۔ لوگ مرے ہیں تو مجھے ان کی پروا نہیں۔ میں بے گناہوں کا خون اپنے سر لینے سے گھبراتا ہوں۔ وہاں آنے والے سب گناہ گار ہوتے ہیں۔''

''تم کو خبر دینے کے بعد میرا کام پورا ہو گیا ہے۔ میں ابھی ابھی وہاں سے لوٹا ہوں۔ اب سونے کی تیاری کروں گا۔''

''آرام کرو۔ تم نے یہاں آ کر بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ تم نے چھوٹا راجن کا گھمنڈ خاک میں ملا دیا۔ وہ پے در پے مار کھا رہا ہے۔ اب اس کے آدمی اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح اکیلا رہ جائے گا۔ اس کا سایہ تک اس کا ساتھ چھوڑ دے گا۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ لمحے بھر بعد اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ غزالہ نے تحیر زدہ اور استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نظر ڈالی اور میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

نمبر میرے لیے اجنبی تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ کال راجن کی ہو گی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور غنودہ سی آواز میں ہیلو کہا۔

''کون بول رہا ہے؟'' میں نے راجن کی مشتعل آواز پہچان لی۔

''ابے تو کون ہے جو اتنی رات کو میری نیند خراب کر رہا ہے؟'' میں نے بھڑک کر غصیلی آواز میں کہا۔ اس نے اپنا نام نہ بتا کر مجھے بدکلامی کا سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''میں راجن بول رہا ہوں۔'' اس نے زبردست تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکشاف کیا ''مجھے اکبر سے بات کرنی ہے۔''

''او...... استاد! میں اکبر ہی بول رہا ہوں۔'' میں نے بوکھلانے کی صداکاری کرتے ہوئے جواب دیا ''معاف کرنا میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔''

''میں پچھلے پانچ منٹ سے بار بار تمہارا نمبر ملا رہا ہوں۔ تمہارا فون انگیج کیوں تھا؟'' میرا اعتراف سنتے ہی اس کی آواز تحکم آمیز ہو گئی۔

''فون خالی تھا استاد! لائنیں مصروف ہوں گی۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

اس نے موبائل فون والوں کو ایک گندی گالی دے کر کہا ''جب ضرورت ہو تو یہی گڑبڑ ہوتی ہے، میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''استاد! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تم سے میری جان نکلتی ہے۔ تمہارے آدمیوں سے ایک بار پٹنے کے بعد میں

کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ اس واقعے کو بھول جاؤ۔'' اس کی جھلائی ہوئی آواز آئی ''تمہارے ساتھ دوبارہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

''استاد! میرے جبڑے دکھ رہے ہیں۔ آنکھ سوجی ہوئی ہے، جوڑ جوڑ ہلا ہوا ہے۔ میں چار چوٹ کی اس مار کو کیسے بھول سکتا ہوں۔'' میں نے گھگیائی ہوئی خوشامدانہ آواز میں کہا۔

''موتی محل آجاؤ۔ میں تمہاری مرہم پٹی کراؤں گا، میرا بہترین ڈاکٹر تمہیں دوائیں دے گا۔ میں تمہیں خرچے کی رقم بھی دوں گا۔ اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ میرے انکار پر وہ اندر ہی اندر بل کھا رہا تھا، غصے سے پھنک رہا تھا مگر اپنی مصلحت کی وجہ سے اس کے اظہار سے قاصر تھا۔ دل ہی دل میں وہ ان لمحوں کو کوس رہا ہوگا جب اس نے اپنے آدمیوں کو میرے اور اسد کے پیچھے لگایا تھا۔ مار اس کے آدمیوں نے کھائی تھی، فریاد میں کررہا تھا۔

''ضرورت ہے تو فون پر ہی مجھے کام بتادو۔ میں تمہارا خادم ہوں، کام کردوں گا۔ مجھے اپنے پاس آنے پر مجبور نہ کرو۔ بار بار انکار کرتے ہوئے مجھے دکھ ہورہا ہے۔''

لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دل ہی دل میں مجھے مغلظات بک رہا ہوگا۔

''شام کو تم نے مجھے فون کیا تھا؟'' اس نے سرد اور تائید طلب لہجے میں کہا۔

''کیا تھا۔'' میں نے اقرار کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے جو کچھ پتا چلا تھا، وہ میں نے بتادیا تھا۔ تمہیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔''

''وہ خبر تمہیں کہاں سے ملی تھی؟'' اس نے درشت آواز میں پوچھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈینی کی کھوج میں لگا ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کے آدمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوچکا ہوں۔ کسی وقت وہ بھی میری نظروں میں آجائے گا۔ میں نے اس کے آدمیوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔''

''وہ تم سے کہاں ٹکرا گئے؟'' اس کی آواز سے غصہ اور اضطراب جھلک رہا تھا۔

''استاد! اس وقت تم نے میری خبر کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی۔'' میں نے اس کے صبر سے کھیلتے ہوئے کہا ''اب صبح کے پانچ بجنے والے ہیں۔ اس وقت تمہیں وہ قصہ کیوں یاد آرہا ہے......؟ سب خیریت تو ہے نا؟''

''خیریت نہیں رہی اسی لیے میں تمہیں بلا رہا ہوں۔'' اس کی غضب ناک غراہٹ ابھری ''ڈینی کی موت آئی ہے جو وہ میرے منہ لگ رہا ہے۔ آج اس کے کتے نے میری وائٹ ہاک پر حملہ کیا ہے۔ اب میں اسے فنا کردوں گا۔''

''یہ وائٹ ہاک کیا ہے استاد!'' میں نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔

''تم جاہل اور بے خبر آدمی ہو!'' میری لاعلمی پر اسے غصہ آگیا ''یہ میری شان دار لانچ کا نام ہے۔ اس پر تیرتا ہوا ہوٹل، کلب اور کیسینو ہے۔ باہر سے آنے والے اسے بنکاک کا عجوبہ سمجھ کر اس پر جاتے ہیں۔ ڈینی نے میرے اس شاہ کار کو تباہ کردیا۔''

''اوہ...... یہ بہت برا ہوا۔ کیا لانچ ڈوب گئی؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''تمہارے منہ میں خاک۔'' راجن بلبلا کر غرایا ''ڈینی نے ریموٹ کنٹرولڈ بموں سے وائٹ ہاک کا پیندا اڑایا ہے، اس میں پانی بھر رہا ہے مگر میرے آدمی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کررہے ہیں۔ وہ نہیں ڈوبے گی، میں اسے نہیں ڈوبنے دوں گا۔''

''ڈینی کے آدمی شاید اسی کو برباد کرنے کی بات کررہے ہوں گے۔'' میں نے افسوس کے ساتھ قیاس آرائی کی ''میں نے ان کی باتیں سنتے ہی تمہیں خبر پہنچادی تھی۔ اگر تم نے میری باتوں پر کان دھرا ہوتا تو شاید یہ بربادی نہ آتی۔''

''لانچ پر نوکروں اور مسلح آدمیوں کی فوج پل رہی ہے۔ سب حرام کی کھا رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتے تو وہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیسا اندھیر ہے کہ ڈینی کے آدمی آئے اور میری وائٹ ہاک کے نیچے دو بم لگا کر چلے گئے، کسی کو کانوں کان پتا بھی نہیں چلا۔''

''استاد! برا وقت آتا ہے تو اسی طرح سب کی آنکھوں اور عقلوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔''

''زبان بند رکھو۔'' میرے تبصرے پر وہ بھڑک گیا۔ ''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے یہاں اپنی سلطنت بنائی ہے تو میں اسے بچانا بھی جانتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کے آدمیوں کو کہاں دیکھا تھا؟''

راجن کا وہ مطالبہ بہت سنگین تھا۔ اس سوال کو میں ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کی نظروں میں

اپنا اعتماد برقرار رکھنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی ٹھکانے کی نشان دہی کرنا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ راجن کو چکما دیتے ہوئے میں نے اپنی کہانی کے اس پہلو کو نظرانداز کر دیا تھا۔ ٹھکانے کا سراغ لگا کر وہ یقینی طور پر وہاں کوئی جوابی کارروائی کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اگلے دن وہاں کا گھیراؤ کر کے ڈینی کے فرضی آدمیوں پر ہاتھ ڈالنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھا ہو۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ بنکاک میں بھارتیوں اور خاص طور پر سکھوں کی خاصی تعداد نظر آتی تھی۔ وہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے ہر کاروبار پر بڑی حد تک چھائے ہوئے تھے۔ بھارتی ہمارے خیرخواہ نہیں تھے۔ کوئی آفت آنا تھی تو اس کا رخ ان کی طرف موڑ دینے میں بہتری تھی۔

''وہ پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''ہوٹل کا نام کیا تھا؟'' اس کی آواز میں سفاکی رینگ آئی۔

''نام میں نے نہیں دیکھا، وہ کسی سردار جی کا ہوٹل تھا۔ میں ایک پیالی چائے پینے کے لیے اتفاقاً وہاں چلا گیا۔ ان لوگوں کی خطرناک باتیں میرے کان میں پڑیں تو میں وہیں ٹک گیا۔''

''وہ حرام زادے کیا باتیں کر رہے تھے؟'' وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں رک رک کر اسے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس تشنگی سے اس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

''خطرناک باتیں تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا کہ ہمارے سب کام منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا، اس کی ناؤ ڈوب جائے گی۔''

''ہاں..... انہوں نے میری ناؤ ڈوبنے کا ذکر کیا تھا.....؟ تم نے شام کو یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی۔''

''شام کو تم میری بات سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ تمہیں اپنی طاقت اور آدمیوں کی فوج پر ناز تھا۔ ویسے بھی ناؤ ڈوبنا محاورہ ہے۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کوئی قیمتی لانچ بھی ہے۔ بات آگے بڑھتی تو شاید میں ناؤ کا ذکر بھی کر دیتا۔''

''وہ سازشی کتے تھے۔ اشاروں کنایوں میں وائٹ ہاک کا ذکر کر رہے تھے۔ میں ان سب کو فنا کر دوں گا..... تم نے انہیں اچھی طرح دیکھ تو لیا ہوگا؟''

''ان چاروں کی صورتیں میرے دماغ میں نقش ہیں۔ اس وقت وہ ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی میں چلے گئے۔ اب ان میں سے کوئی بھی نظر آیا تو میں اس کا پیچھا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح میں ڈینی تک پہنچ جاؤں گا۔''

''تمہیں اندازہ نہیں کہ بے خبری میں تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ان چاروں کو تلاش کر کے گھیرنا ضروری ہے۔ تم اکیلے رہ کر یہ کام نہیں کر سکتے۔ میرے آدمیوں کے ساتھ تم چند دنوں میں کامیابی حاصل کر لو گے۔ اپنی ضد چھوڑ دو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ موتی محل آ جاؤ، یقین رکھو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو۔'' میں نے اس سے التجا کی ''میری چوٹوں کی کسک کم ہو گی تو شاید میرے دل سے تمہارا خوف دور ہو جائے۔ ابھی میں تم سے نہیں مل سکتا۔''

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا ''ٹھیک ہے، مل بیٹھنے کا فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ فی الحال تم اپنے طور پر ڈینی اور اس کے چاروں ساتھیوں کو ڈھونڈتے رہو۔ ان میں سے کوئی بھی نظر آ جائے تو فون پر مجھے فوراً خبر دے دینا۔ وہ سب بہت چالاک ہیں۔ تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے وہ ہوشیار ہو گئے تو ہم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

''یہ بات منظور ہے، تمہارے آدمی اپنے شکار کو سنبھال لیں گے۔ میں خاموشی سے الگ ہو جاؤں گا۔ اس وقت تک تمہارے بارے میں میری رائے بدل گئی تو میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دوں گا۔''

''وری گڈ! اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ایک معقول بات کہی ہے۔ میں تمہاری رائے میں تبدیلی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔''

اس نے فون بند کر دیا اور میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

''میرا چہرہ کیوں تک رہے ہو...... یہاں کیا لکھا ہوا ہے؟'' اس نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ احتجاج کیا۔

''تمہارے مستقبل پر غور کر رہا ہوں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اب واقعات میں تیزی آنے والی ہے۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو جائے تو پہلی پرواز سے پاکستان واپس لوٹ جانا۔ تمہارا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیسی گڑبڑ کا اندیشہ ہے آپ کو؟'' اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

''کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے مسکرا کے جواب

دیا ''ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے تمہارے گوش گزار کردی۔ اسے پلے سے باندھ لینا۔''

''حالات نازک ہوں تو آدمی کے ذہن میں وسوسے پلنے لگتے ہیں۔ آپ ان باتوں کو اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تک میں نے یہ دیکھا ہے کہ خطرات سے لڑ کر آپ زیادہ چاق و چوبند رہتے ہیں۔''

''گفتگو کے دوران میں اس کے چٹکیاں لینے میں مزہ آرہا تھا۔ مجھے اس کو سسکانے اور سلگانے میں عجیب لطف آرہا تھا۔''

''یہ سردار جی کے ہوٹل کا کیا قصہ چھیڑا تھا آپ نے؟''

''اس کو کچھ نہ کچھ تو بتانا تھا۔ اب پیٹ پونگ کے کسی سردار کی شامت آجائے گی۔ ابھی تک اسے وائٹ ہاک کے بچنے کی امید ہے۔ وہ غرق ہوجائے گی تو راجن غصے سے باؤلا ہوجائے گا۔''

''آپ اسے یہ سب بتا رہے تھے تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ آپ اسے فریب دے رہے ہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''جھوٹ بولنا بہت بری عادت ہے لیکن میں کیا کروں، مجبور ہوں۔ ان بدمعاشوں کی جھپیٹ سے بچنے کے لیے مجھے اکثر مصلحت آمیز جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔''

''آپ کو مجھ سے ایسی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، میں آپ کی مجبوریوں کو سمجھتی ہوں۔ آپ کی کہانی میں اس قدر تسلسل تھا کہ اب اسے ڈینی سے زیادہ ان چاروں کی فکر ہوگئی ہوگی جو سردار جی کے ہوٹل میں اس کی ناؤ ڈوبنے کی باتیں کررہے تھے۔''

''جھوٹ صرف ہچکچاہٹ سے پکڑا جاتا ہے۔ میں بولتا ہوں تو فی البدیہہ بولتا چلا جاتا ہوں۔ وہ باتیں جس طرح سوجھ رہی تھیں، میں اسی طرح کہتا چلا گیا اور ایک مربوط قصہ وجود میں آگیا۔''

''اس وقت آپ نے اسے ٹال دیا لیکن یہ معاملہ زیادہ دنوں تک اس طرح نہیں چل سکے گا۔ آپ خود بھی اس سے ٹکرانا چاہیں گے۔ اس بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' اس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچتے ہوئے پوچھا۔

''یہی سوچ کر میں نے آڑے وقت میں تمہیں پاکستان لوٹنے کا مشورہ دیا تھا۔'' میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا ''ضروری نہیں کہ ہمیشہ میرا پلا بھاری رہے۔ کسی وقت بازی الٹ گئی تو تارے نظر آجائیں گے۔''

''فی الحال تو آپ کے حریفوں کے دانت کھٹے ہورہے ہیں۔'' پردے پھیلا کر وہ بھی بستر پر آگئی اور میں نے بیڈ سوئچ سے روشنی گل کردی۔

وہ پوری رات بھاگ دوڑ میں گزر چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح کا اوّلین اجالا نمودار ہونے والا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے کھڑکیوں پر دبیز پردے کھینچ کر کوشش کی تھی کہ باہر پھیلنے والا اجالا میری نیند میں مخل نہ ہو۔

اس نے میرے پہلو میں دراز ہوکر میرے بالوں میں نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنا شروع کردیں اور میری پلکیں تیزی سے بوجھل ہوتی چلی گئیں۔

انسان لاکھ تدبیریں کرلے لیکن ہونے والی بات ہوکر رہتی ہے۔ غزالہ نے میری طویل اور گہری نیند کا پورا بندوبست کیا تھا لیکن اس روز زیادہ دیر تک سونا میرے مقدر میں نہیں تھا۔ میرے پاکستان والے موبائل فون کی تیز گھنٹی بجی

اور میں ہڑبڑا کر بیدار ہوگیا۔ اس فون پر آنے والی ہر کال میرے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

بیدار ہونے پر میرا ذہن ویرا کی طرف گیا تھا۔ کال سنی تو وہاں اوّل خان موجود تھا۔

اس نے بتایا کہ حیدر آباد کی کچی نہر کے ایک کنارے پر ہوپر کی پھولی ہوئی لاش جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کی لاش کا کچھ حصہ اس علاقے میں پائے جانے والے جنگلی بھیڑیوں نے نوچ کھایا تھا لیکن لاش کے بدن پر پھنسے ہوئے کپڑوں میں موجود کاغذات سے اس کی شناخت ہوگئی تھی۔

وہ سب روٹین کے معاملات تھے جن میں اول خان نے ذرا بھی مداخلت نہیں کی تھی۔ بس ہوشیاری سے واقعات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

وہ لاش ایک چرواہے نے دیکھی اور قریبی چوکی کے سپاہی کو اطلاع دی تھی۔ معاملہ ایک غیر ملکی کی پھولی ہوئی لاش کا تھا جس پر پورا لباس موجود تھا۔ مقامی پولیس نے لاش پر قبضہ کر کے اسے اسپتال پہنچانے سے پہلے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ اتفاقی حادثے کا شکار ہوا تھا۔

اس کا پورا نام جان ہوپر تھا اور وہ واقعی امریکی ایف بی آئی کا کارندہ تھا۔ اس کے بارے میں کراچی اور اسلام آباد میں سفارتی حکام کو اطلاع دے دی گئی تھی۔

''میں فکرمند تھا کہ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود تمہاری طرف سے لاش مل جانے کی کوئی خبر نہیں آئی۔'' میں نے وہ سب سن لینے کے بعد کہا ''حیدر آباد کی نہر سے اس کی لاش برآمد ہونے پر اس کے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہے؟''

''واقعہ بہت تازہ ہے۔ لاش صرف ایک گھنٹے پہلے، منہ اندھیرے ملی ہے۔ معاملہ ایک غیر ملکی کا نہ ہوتا تو شاید لاش ابھی تک وہیں پڑی رہتی۔ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا ہے لیکن اس کا ردِعمل ابھی سامنے نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ وہ صدمے اور سکتے کے عالم میں ہوں گے۔''

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں۔ اگر میرے حساب میں غلطی نہیں تھی تو حیدر آباد کے مقامی وقت کے مطابق ہوپر کی لاش صبح پانچ بجے ملی تھی اور اول خان چھ بجے مجھے فون کر رہا تھا۔

''وہ چکر میں ہوں گے کہ جہانگیر کے گھر جانے والا حیدر آباد کی نہر سے کیسے برآمد ہوگیا۔'' میں نے محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں فکرمند ہوں۔'' اول خان کی آواز گمبھیر تھی ''سرکاری طور پر وہ ہمارے دوست ہیں۔ اپنے بچاؤ کے لیے ہم کیسے ہی حالات کیوں نہ پیدا کرتے رہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے کئی سینئر آدمی ایک ایک کر کے مارے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے ورنہ حالات بہت نازک صورت اختیار کر جائیں گے۔''

''ہم ان کا پیچھا چھوڑ چکے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ''وہ خود اپنی مہم جوئی کا شکار ہو رہے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ ہوپر کے کیا عزائم تھے۔ اگر وہ اتفاقاً سلمٰی کے بیلن کا شکار نہ ہوگیا ہوتا تو وہ جہانگیر کو اٹھا لے جاتا یا گھر ہی میں اس کا حشر خراب کر دیتا۔''

''تمہارے چکر میں وہ بدترین دباؤ کا شکار ہیں۔ تمہاری ذات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ اندھادھند کارروائیاں کر رہے ہیں اور مار کھا رہے ہیں۔'' میرا اہم خیال ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ فکرمند تھا۔

''تم کہو تو میں واپس آ کر خود کو ان کے حوالے کر دوں؟'' میں نے کسی طنز کے بغیر کہا ''یہ ساری پیچیدگیاں آناً فاناً میں ختم ہو جائیں گی۔''

''میں مر کر بھی تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔'' میری تجویز پر اس نے تڑپ کر کہا ''تم نے یہ بات کہہ کر میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ تم کو مسائل سے آگاہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم آخری حل پر چھلانگ لگا دو۔''

''میری بات کو طنز کے پیرائے میں نہ لو۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی ''یہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ جب تک وہ مجھے اور ویرا کو پکڑ نہیں لیتے، چین سے نہیں بیٹھیں گے، کچھ نہ کچھ کرتے رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں ٹام ڈک ہیری اور ہوپر وغیرہ مارے جاتے رہیں گے۔ ہم نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہماری طرف سے کوئی پہل نہیں ہو رہی۔ اگر وہ خود چل کر جہانگیر کے فلیٹ پر نہ پہنچا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' اول خان بولا۔

''تم واقعات پر غور کرو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ ان کی موت انہیں ہماری طرف ہانکتی ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سلمٰی کبھی کسی کو مار سکے گی۔ اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے اضطراری انداز میں بیلن استعمال کیا اور ہوپر مر گیا۔ یہ بالکل ان ہونی سی بات تھی مگر ہو کر رہی۔''

''ان کا دباؤ یہی ہے کہ ان کے آدمی ایک ایک کر کے مرتے جا رہے ہیں۔ تم دونوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہوپر کے واقعے کی قانونی پوزیشن تم نے بہت صاف کر دی ہے۔

وہ حیدرآباد میں ڈوب کر مرا‘ اس کے ساتھیوں کو بتانا چاہیے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔ حقیقت کچھ اور ہے جو ہم جانتے ہیں اور ہوپر کے قریبی ساتھی بھی جانتے ہیں لیکن کوئی اس موضوع پر اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کرائی تھی۔‘‘

’’انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور تماشا دیکھتے رہو۔ جب تک جہانگیر تمہاری تحویل میں ہے‘ مجھے اس کی طرف سے بےفکری رہے گی۔ ہم سب میدان چھوڑ چکے ہیں۔ اب شہر میں سکون ہو جانا چاہیے۔‘‘

’’اس سکون سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ تمہیں گئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ مدت ہو چکی ہے۔ اس دوران میں تم نے اپنے طور پر سوبھراج کا قصہ نمٹا دیا ہے پھر بھی تم وہاں رہنے پر مجبور ہو۔ ہم تمہاری واپسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔‘‘

’’دوست! اتنا زیادہ نہ سوچا کرو۔‘‘ میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی ’’اب میں ان باتوں کا عادی ہو گیا ہوں‘ تم بھی عادت ڈال لو۔ فی الحال میں یہاں خوش اور مصروف ہوں۔ میری واپسی کی فکر چھوڑ دو!‘‘

’’سوبھراج کے بعد وہاں تمہاری کیا مصروفیت نکل آئی؟‘‘ اس نے چونک کر پوچھا۔

’’اب اس کا سرپرست میرے سامنے ہے۔ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کہ آدمی کسی نہ کسی ہدف پر کام کرتا رہے۔‘‘

واقعات اتنے پُرپیچ انداز میں پیش آرہے تھے کہ میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ ہوپر کی لاش ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں‘ میں نے اس سے فون پر بات کی تو میرا خیال تھا کہ میں نے سوبھراج کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے اس وقت بھی وہ تذکرہ گول کر دیا لیکن اول خان نے سوبھراج کے بعد کی مصروفیت کا ذکر کر کے میرا حافظہ تازہ کر دیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ سوبھراج کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میں نے خود اسے سوبھراج کے انجام سے آگاہ کر دیا تھا جس پر اس نے مسرت کے اظہار کے ساتھ مجھے مبارک باد بھی دی تھی۔

’’تم خود اپنے لیے کام پیدا کرتے ہو۔ سوبھراج کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے تم نے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ اب کافی دنوں تک آرام کر سکتے ہو۔ راجن کو چھیڑ کر تم اپنے لیے

لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے دو چھوٹے بچے تھے۔ دونوں بہت خوب صورت اور پیارے تھے۔ ایک روز وہ انہیں گلی میں ٹہلا رہی تھیں کہ وہاں سے دو بچے اور گزرے جو ذرا بڑے تھے۔ ان میں سے ایک تو اسی گلی میں رہتا تھا۔ دوسرا کسی اور شہر سے اس کے ہاں مہمان آیا ہوا تھا۔

مہمان بچے نے میزبان بچے سے پوچھا ’’یہ دونوں پیارے بچے کس کے تھے؟‘‘

’’لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے تھے......‘‘ میزبان بچے نے منہ بنا کر جواب دیا ’’اچھے اچھے بچے یہ ہمیشہ خود رکھ لیتی ہیں۔‘‘

نئے مسائل پیدا کر لو گے۔‘‘ اول خان نے ناصحانہ لہجے میں کہا ’’وہ بھارتی شہری ہے‘ تھائی لینڈ میں رہتا ہے۔ اس سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیے۔‘‘

’’اس مشورے میں ذرا تاخیر ہو گئی۔‘‘ میں نے خوش دلی سے کہا ’’وہاں پنجہ آزمائی شروع ہو گئی ہے۔ آج ہم نے اس کی ایک پُرشکوہ لانچ کو سمندر میں غرق کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ جلال کی خواہش تھی کہ راجن کو بھی دیکھ لیا جائے۔‘‘

’’ڈان بھی یہی چاہتا ہے۔‘‘ اول خان نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا ’’دوسروں کی خواہشات ضرور پوری کرو لیکن کچھ اپنا بھی خیال رکھو۔ میں نے سنا ہے کہ تھائی لینڈ میں کئی ایسے دور افتادہ ساحلی علاقے ہیں جہاں پہنچ کر انسان مسحور ہو جاتا ہے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ان اطراف میں چلا جانا چاہیے۔ ایسی تفریحات دل و دماغ کی تازگی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔‘‘

اول خان کو راجن کی لانچ کی اہمیت کا ادراک نہیں تھا۔ اس نے اس تذکرے کو اہمیت نہیں دی۔ اس وقت اس پر میری خبر گیری اور اصلاح کا سودا سوار تھا۔ اس سے کچھ دیر تک اسی کے رنگ میں باتیں کرنے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

دورانِ گفتگو میں نے سوچا کہ اسے جلال کے لیے بھی پیغام دے دوں تاکہ اسے پتا چل جائے کہ میں نے اس کی خواہش کے مطابق راجن کا ہانکا شروع کر دیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی پیشہ ورانہ سرد مہری کا

دھیان آنے پر میں نے وہ ارادہ مسترد کر دیا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خود جلال سے فون پر بات کر لیتا۔

''ہوپر کی لاش حیدر آباد کی ندی سے ضرور ملی ہے لیکن امریکی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ وہ جہانگیر سے باز پرس کے لیے اس کے گھر گیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔'' غزالہ نے اپنی رائے دی۔

''ان سے ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے۔ وہ جان ہوپر کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرا دیتے۔ تب ہی ان کو کوئی سراغ مل سکتا تھا۔ اب وہ بے بس ہیں۔''

''وہ رپورٹ درج کراتے تو انہیں مقامی پولیس کو یہ بھی بتانا پڑتا کہ ہوپر کو جہانگیر کے گھر جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ باقاعدہ سرکاری اجازت کے بغیر غیر ملکی ایجنسیوں کو یہاں کسی قسم کی تفتیش کا اختیار نہیں ہے۔''

''تم دور کی کوڑی لائی ہو۔'' میں نے مسکرا کے کہا ''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسی وجہ سے رپورٹ درج کرانے سے گریز کیا ہو۔ اس مسئلے کا حل بہت سادہ تھا۔ انہیں جہانگیر کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کہہ دیتے کہ ہوپر کلفٹن کے علاقے میں سفر کے دوران میں اپنی گاڑی سمیت غائب ہو گیا۔ بات ریکارڈ پر آ جاتی تو اس کی حیدر آباد کی نہر میں موت کا معاملہ دوسرا رخ اختیار کر لیتا۔''

''سب کے پاس آپ جیسا ذہن نہیں ہوتا۔ ان لوگوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ ان کی عقلیں ماؤف ہو گئی ہیں۔ وہ ایسی حماقتیں نہ کریں تو آپ کا کام خاصا دشوار ہو جائے گا۔''

''کبھی ہم اپنی ذہانت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی اپنے حریف کی حماقتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اس معاملے میں دوسرے کیس کا اطلاق ہوتا ہے۔''

''میرا اب تک کا تجربہ ہے کہ امریکیوں میں غیر معمولی ذہانت نہیں ہوتی۔ ان کے اہم افسروں کی ذہنی سطح بھی بس نارمل ہوتی ہے پھر بھی ان کی قوم عملی طور پر دنیا پر راج کر رہی ہے یہ معما میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ذہانت کسی کام نہیں آتی۔ یہ دور دولت اور طاقت کا ہے، امریکیوں کو یہ دونوں حاصل ہیں۔ کمزور قومیں ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ باقی قومیں ان کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر انہیں سلام کرتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بستر چھوڑ دیا۔

''آپ مشکل سے ڈیڑھ دو گھنٹے سوئے ہوں گے۔ کچھ دیر اور آرام کر لیں۔'' غزالہ نے دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا۔

''آج سونا مقدر میں نہیں ہے دوبارہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ بعض اوقات میرا ذہن الجھ جاتا ہے۔ تو باتیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ ناشتا کرنے کے بعد جلال کو بھی دیکھ لوں۔ اسے وائٹ ہاک کی کہانی سن کر خوشی ہوگی۔''

''راجن کو آپ نے اس کی خواہش پر تو نہیں گھیرا!'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں...... اس نے خود مجھے اپنے خلاف محاذ آرائی پر اکسایا ہے۔ ڈان اس کا دشمن ہے، جلال اس کی سرکوبی کا خواہاں تھا۔ اس کے باوجود میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ دونوں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ میں نے ان کی خاطر راجن سے تصادم کی راہ اختیار کی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے میں غسل خانے میں گھس گیا۔ شب بیداری اس وقت اپنا رنگ دکھا رہی تھی، تھکن سے میرا بدن ٹوٹ رہا تھا، ذہن پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے شاور میں ٹھنڈا پانی کھولا اور تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ طویل غسل کے بعد میں باہر نکلا تو تر و تازہ ہو چکا تھا۔

ہوٹل میں قیام کے دوران ہم نے اپنا بیشتر وقت کمرے میں رہ کر گزارا تھا۔ کھانے پینے کے لیے میں ریستوران وغیرہ میں جانے سے احتراز کرتا رہا۔ غیر ضروری طور پر ایسے مقامات پر جانے کی صورت میں دشواریاں پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس لیے ہم عام طور پر کھانا اور ناشتا وغیرہ اپنے کمرے میں ہی منگوا لیتے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ غزالہ نے روم سروس والوں کو ہدایت دے کر ناشتا کمرے میں طلب کر لیا۔ ناشتے کے دوران میں نے ٹیلی وژن کھول دیا۔ اس کے انگریزی چینل پر ایک مزاحیہ فلم چل رہی تھی، خبروں میں دیر تھی۔

ناشتے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی اور جلال کا فون ملا لیا۔

اس نے میری آواز سنتے ہی پُرجوش انداز میں مجھے مبارک باد دی تو میں چکرا گیا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد بات صاف ہو گئی کہ وہ مجھے وائٹ ہاک کی تباہی پر مبارک باد دے رہا تھا۔

وہ بنکاک کا تازہ ترین واقعہ تھا۔ میں نے وہی خبر دینے کے لیے اسے فون کیا تھا۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ خبر اس تک کیسے پہنچ گئی۔

میرے استفسار پر وہ چند لمحوں تک اپنے وسائل کی ڈینگیں مارتا رہا پھر اس نے بتا دیا کہ اسد کا جانشین پچھلی شام

بنکاک پہنچ چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس نے جلال کو اطلاع دی تھی کہ رات گئے وائٹ ہاک پر بموں سے حملہ کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بیش قیمت لانچ اپنی غرقابی کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی۔

راجن ممبئی سے بنکاک آنے کے بعد جس تیزی سے وہاں کی زیرزمین دنیا میں اپنا سکہ جماتا چلا گیا تھا اس کی بنا پر اسد کی توجہ اس پر مرکوز ہوگئی تھی۔ راجن بھارت کی زیرزمین دنیا کا ایک جانا پہچانا نام تھا۔ اندر کی کہانیاں جاننے والے حلقوں میں یہ خبریں گشت کرتی رہتی تھیں کہ وہ اکثر را کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔ آئی بی والے دنیا کے کسی گوشے میں را کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ اسد کی بھیجی ہوئی ابتدائی رپورٹوں کی روشنی میں جلال نے اسے راجن پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایات دے دی تھیں۔

میں نے اس بارے میں کبھی تفصیل سے جلال سے بات نہیں کی لیکن اسد نے شاید اسے بتا دیا تھا کہ راجن نے خلیج سیام کے پانیوں میں وائٹ ہاک کی صورت میں اپنی طاقت اور عظمت کا ایک شاہکار کھڑا کیا ہوا تھا۔

اسد کی بنکاک سے روانگی سے پہلے میں نے وائٹ ہاک پر حملے کی ابتدائی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اسے غرق کرکے راجن کا غرور خاک میں ملا سکوں۔ وہ خبریں شاید جلال کے کانوں میں پڑ چکی تھیں۔ جب اسے اپنے نئے آدمی سے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ میرا ہی کام ہوسکتا تھا۔

جلال نے بتایا کہ بنکاک میں اسد کی جگہ لینے والے کا نام طارق تھا۔ وہ شہر میں طارق کی قیام گاہ سے واقف نہیں تھا لیکن اس نے مجھے طارق کا موبائل فون نمبر لکھوا دیا۔ اسد کی طرح طارق کو بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا اصل نام ڈینی تھا۔ اگر میں اس سے علی احمد کے مفروضہ نام سے رجوع کرتا تو وہ بنکاک میں میرا اچھا معاون ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے لیے میرا مفروضہ نام ہی میرا پاس ورڈ تھا' کسی اضافی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ جلال نے اسے میرا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

''میں اب بھی حیران ہوں کہ تمہارے آدمی کو اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی۔'' میں نے اس سے وہ سب سن لینے کے بعد حیرت سے کہا۔

''ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ واقعہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ بعض اخباروں کے ضمیمے بازار میں آچکے ہیں۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''میں بنکاک میں رہ کر ان باتوں سے بے خبر ہوں' تم وہاں بیٹھ کر مجھ سے زیادہ باخبر ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''جس وقت ہم نے لانچ پر وار کیا' صبح کے اخبارات شاید چھپنا شروع ہوچکے ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے ضمیمے نکال کر خاصا مال کما لیا ہوگا۔''

''یہ واقعہ کس وقت پیش آیا؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''رات کے ڈھائی بجے کے قریب ہماری خفیہ کارروائی کا آغاز ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ لانچ کے پیندے میں لگائے گئے ریموٹ کنٹرولڈ بم تین اور ساڑھے تین بجے کے درمیان آپریٹ کروائے گئے' ہوسکتا ہے کہ اب تک لانچ ڈوب چکی ہو۔''

''وہ ڈوب چکی ہے۔'' جلال نے میرے قیاس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا' ''طارق ضمیمہ پڑھتے ہی گودی کی طرف گیا تھا۔ اس وقت تک لانچ غرق ہوچکی تھی۔ سنا ہے کہ اس واقعے میں کئی افراد مارے گئے ہیں۔''

''گولیوں سے کوئی نہیں مارا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ

غیرت مند معززین ڈوب کر مر گئے ہوں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا۔

''تم نے ڈان کی ایک بہت بڑی خواہش پوری کی ہے۔ اب تم جب چاہو' بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل سکتے ہو۔''

''ابھی صرف لانچ غرق ہوئی ہے۔ ڈان اپنے حریف کی موت کا خواہاں ہے۔ شاید تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی۔''

''امیدیں برآنے لگیں تو خواہشات خود بہ خود بڑھنے لگتی ہیں۔ اس کی ہلاکت راولوں کو پریشان کردے گی۔''

''دعا کرو کہ کوئی نیا داؤ لگ جائے۔ فی الحال وطن واپسی کی راہ بند ہے تو یہیں رہ کر کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ میں اسد کے معاون کے روپ میں راجن سے رابطے میں ہوں۔ دوسرے احمقوں کی طرح وہ بھی میرے ذریعے ڈینی تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''تم اپنے حریفوں سے مل بیٹھنے کے فن میں طاق ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی گردن تمہارے ہی ہاتھوں کٹے گی۔ آج کل تمہارے دشمنوں کی بدبختی آئی ہوئی ہے۔ کل حیدرآباد کی ایک نہر کے کنارے سے ایک ایف بی آئی ایجنٹ کی لاش ملی ہے۔ میری عقل حیران ہے کہ وہ وہاں کیا کررہا تھا۔''

''اول خان سے پوچھ لو' وہ بتادے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اول خان!'' اس نے حیرت سے دہرایا پھر کہا ''اس واقعے سے اسلام آباد میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''کچھ نہیں' سب کچھ معلوم ہے۔ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ طاقت کے بل پر اس سے میرے ٹھکانے کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ جہانگیر کی بیوی نے بے خبری میں اس کے سر پر بیلن دے مارا اور وہ بے چارہ وہیں گر کر مر گیا۔ جہانگیر کو قتل کے الزام سے بچانے کے لیے اس لاش کو حیدرآباد کی نہر میں ڈبونا ناگزیر ہوگیا تھا۔''

جلال کے لیے وہ تفصیل ناقابلِ یقین ثابت ہوئی اور اس نے مجھ پر پے درپے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم بنکاک میں بیٹھ کر یہاں کی ڈوریاں ہلا رہے ہو۔'' سوالات کا ذخیرہ ختم ہونے کے بعد اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''دوستوں کی مجبوریوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جہانگیر میرا جگری دوست ہے۔ میری دوستی کی وجہ سے اس نے بہت مصائب جھیلے ہیں۔''

''وہ لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ تم واقعات کو کتنا ہی توڑ مروڑ لو' کچھ لوگوں کو اصل واقعے کا علم ہوگا۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہوپر' جہانگیر کے گھر سے حیدرآباد کیسے پہنچ گیا۔''

''میں اس کا بندوبست کرچکا ہوں۔ اب وہ دشمنوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اول خان نے اسے اسٹیشن فور میں روک لیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''تم ایک مسئلے میں الجھ کر دوسرے معاملات کو نظرانداز نہیں کرتے۔ یہ معمّا حل ہونے سے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب میں اپنے طور پر یہ کیس سنبھال لوں گا۔''

''کیا یہ سیدھا سا پولیس کیس نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جان ہوپر یہاں سرکاری حیثیت میں مقیم تھا'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''جب معاملہ کسی غیرملکی سرکاری اہل کار کے قتل کا ہو تو پولیس کے ساتھ مقامی ایجنسیوں کو بھی حرکت میں آنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہوپر کو اغوا کرکے حیدرآباد لے جایا گیا ہے۔ وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر حیدرآباد نہیں جاسکتا تھا۔''

وہ امریکیوں کے موقف کے بارے میں پہلی خبر تھی جس سے اول خان واقف نہیں تھا۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ''انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اسے اغوا کرنے والے کون لوگ ہوسکتے ہیں۔''

''اس بارے میں وہ خاموش ہیں۔ ابھی تک ہم مدافعانہ پوزیشن میں تھے' تم سے حقائق معلوم ہوجانے کے بعد میں انہیں زچ کردوں گا۔ لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر میں آنے والی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ وہ چوٹ نہر کے کسی پتھر وغیرہ سے بھی آسکتی ہے۔ لاش پر پورے کپڑے موجود ہیں' ہوسکتا ہے کہ یہ خودکشی کا کیس بن جائے۔''

''کیس یہی بننا چاہیے۔'' میں نے پرزور لہجے میں کہا ''میری تلاش میں ناکامی کا بدترین ذہنی دباؤ اس کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نظریے پر کام کرتے ہوئے ان سے یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ ہوپر خودکشی سے پہلے کس کیس پر کام کررہا تھا۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں انہیں زچ کردوں گا۔ یہ

سب مجھ پر چھوڑ دو۔ تم راجن پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔''

میں نے اسے یقین دلایا کہ راجن کے بارے میں اسے جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

راجن کے خلاف کام کرنے کے لیے میرے سامنے تین محاذ تھے جن میں سے دو پر کام شروع ہو چکا تھا۔ وائٹ ہاک غرق کر دی گئی تھی، میں نے اکبر کے روپ میں بات کر کے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ تیسرا رخ یہ تھا کہ میں اپنے اصل روپ میں اس سے چھیڑ چھاڑ کروں۔

وائٹ ہاک کو میں نے تباہ کیا تھا۔ اس کارروائی کے بعد میری طرف سے راجن کی مزاج پرسی ضروری ہو گئی تھی۔

وہ ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ وہ روپوشی اختیار کر سکتا تھا مگر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ میرے مطالبے پر اپنا بستر بوریا سمیٹ کر ممبئی واپس لوٹ جائے گا۔ پھر بھی اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنا ضروری تھا۔

میرے پاس موتی محل کے نمبر موجود تھے لیکن میں نے اس سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا جس پر میں اس سے ایک بار مذاکرات کر چکا تھا۔

میں نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف یکے بعد دیگرے متعدد بار گھنٹیاں بجتی رہیں، کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے لائن منقطع کر کے دوبارہ وہی نمبر ملایا۔ اس بار بھی نتیجہ مختلف نہیں رہا۔

شاید میری یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ اس نے سیٹ لائٹ فون پر کال وصول کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ سوبھراج سے اس کا گہرا گٹھ جوڑ تھا اور سوبھراج کی عبرت ناک موت کے بعد اس کا سیٹ لائٹ فون راجن کے تصرف میں تھا۔

اس سے ایک بار غلطی ہو گئی تھی۔ وہ اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

موتی محل کے ایک نمبر سے فون کر کے اس نے مجھ سے اکبر کی حیثیت میں بات کی تھی میں نے اس کو چھوڑ کر موتی محل کا دوسرا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام سننے کے بعد مجھ سے کوئی اور سوال نہیں کیا شاید راجن نے میرے بارے میں اپنے عملے کے خاص خاص لوگوں کو بریف کیا ہوا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی فون پر راجن کی بپھری ہوئی آواز سنائی دی۔

''درندے! آہستہ بولو۔ میرے کان نازک ہیں۔''

میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا ''تم نے دیکھ لیا کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔''

چھ سالہ عاشر اسکول سے واپس آیا تو پیٹ پکڑتے ہوئے بولا ''پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''پیٹ میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ پیٹ میں کچھ ہے نہیں......'' ماں نے کہا ''پیٹ خالی ہے۔ اس میں جب کچھ ہوگا تو پھر درد نہیں ہوگا۔''

شام کو عاشر کے تایا ان لوگوں سے ملنے آئے۔ سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے تایا نے ایک لمحے کے لیے رک کر پیشانی مسلتے ہوئے کہا ''آج سر میں بڑا درد ہو رہا ہے۔''

''سر میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ آپ کے سر میں کچھ ہے نہیں......سر خالی ہے......اگر سر میں کچھ ہوتا تو پھر درد نہ ہوتا......''

قریب بیٹھے عاشر نے فوراً بزرگانہ انداز میں کہا۔

''میں ان لمبے ہاتھوں کو بہت جلد جوڑوں سے اکھاڑ دوں گا۔'' وہ غرایا۔

''وائٹ ہاک پر تمہیں ناز تھا۔ آج میں نے تمہارے اس غرور کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میدان میں رکو گے یا اپنی بساط لپیٹ رہے ہو۔''

''تم اپنی خیر مناؤ۔ میں نے تم سے وقت خریدا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں تم سر کے بل کھڑے ہو کر بھی امریکیوں کو یہ یقین نہیں دلا سکو گے کہ سوبھراج پر میرا ہاتھ تھا۔''

''تم جدید سائنس سے ناواقف ہو۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈی این اے ٹیسٹ یہ ثابت کر دے گا کہ وہ نرائن... پرشاد شرما کی نہیں سوبھراج کی ہڈیاں ہیں۔ وہ سوبھراج کے پورے خاندان کو جانتے ہیں۔ ان کے لیے رپورٹوں کا موازنہ مشکل نہیں ہوگا۔''

''اپنی کوشش کر کے دیکھ لو تم منہ کی کھاؤ گے۔ شرما کی وصیت کے نام پر میں نے ساری ہڈیاں بھاری چتا میں جلوا دی ہیں، راکھ سمندر میں بہا دی گئی۔ میں نے تمہاری بدمعاشی کے سارے راستے مسدود کر دیے ہیں۔ ٹیسٹ کرنے کے لیے اب کچھ باقی نہیں رہا۔''

میں نے سکتے کے عالم میں اس کی وہ ہرزہ سرائی سنی۔ غلطی میری اپنی تھی۔ میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح پھنس سکتا ہے۔ اس نے میری غلطی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی

اس کمزوری کا توڑ کرلیا۔ چند منٹ پہلے میں تجربہ کر چکا تھا کہ اس نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا استعمال ترک کر دیا تھا یا اسے تباہ کر دیا تھا۔ میں اپنے ایک اہم کارڈ سے محروم ہو چکا تھا۔

''تمہارا سر کچلنے کے لیے مجھے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اپنے صدمے پر قابو پا کر درشت لہجے میں کہا ''اپنی لانچ کی طرح تم بھی غرقاب کیے جا سکتے ہو۔ تمہارے سارے آدمی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اسے تہ نشین ہونے سے نہیں بچا سکے۔''

''ڈینی! میں تم سے اس نقصان کا بہت بھیانک انتقام لوں گا۔ میرے آدمی تمہاری بو پر لگ گئے ہیں۔ مجھے تمہاری کمینگی کی پیشگی خبر مل گئی تھی۔ یہ میری خوش فہمی تھی کہ میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ تم کوئی دوسرا وار کرنے سے پہلے کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

صاف ظاہر تھا کہ وہ ان باتوں کا حوالہ دے رہا تھا جو میں نے اس سے اکبر کے روپ میں کی تھیں۔ اس حوالے سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ اکبر کے کردار نے اس کے لیے یکا یک کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

''مار کھانے والے اس طرح ہذیان بکتے ہیں۔ بنکاک میں تمہاری ہوا اکھڑ چکی ہے۔ جو شخص اپنے ٹھکانوں کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دوسروں کو کیا دے گا۔ یہ میری اور تمہاری گینگ وار ہے' لوگ پٹنے والے کا ساتھ بہت تیزی سے چھوڑتے ہیں۔ یہاں والوں کو معلوم ہے کہ تم کو زیادہ مار پڑی تو تم ممبئی بھاگ جاؤ گے۔ جن کو یہیں مرنا جینا ہے وہ تمہارے ساتھ رہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کریں گے' دور کھڑے ہو کر تمہاری بربادی اور رسوائی کا تماشا دیکھیں گے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے آنے والے دنوں کا نقشہ دکھایا۔

''اب میری اور تمہاری کھلی لڑائی ہے۔'' وہ غرایا ''تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کرلو' تم میرے قہر سے نہیں بچ سکو گے!''

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھا اور اپنا اپریٹس بھی بند کر دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ راجن اپنی لانچ کی تباہی پر اعصاب زدہ ہو چکا تھا۔

اس نے میری غلطی کا فائدہ اٹھا کر سوبھراج کی موت کے بارے میں سارے ثبوت ضائع کر دیے تھے۔ اس فون کال سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھے اس پوزیشن کا علم ہو گیا۔ وہ ثبوت مٹ جانے کے بعد یہ امکان باقی نہیں رہا تھا کہ میں کسی گمنام فون کال کے ذریعے مقامی امریکی مشن کے کسی ذمے دار اہل کار کو راجن کے پیچھے لگا سکوں۔ اس کے خلاف جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔ اس مقابلے میں صرف ڈان میرا مددگار تھا۔

مجھے ذہنی ورزش کے لیے خاصا مواد مل گیا تھا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ غزالہ نے میرے موڈ کا اندازہ لگا کر ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کی اور اس کے سامنے کرسی سنبھال لی۔

مجھے غزالہ کو باہر بھیج کر وائٹ ہاک کی تباہی پر شائع ہونے والے اخباری ضمیمے منگوانے کا خیال آیا جسے میں نے ملتوی کر دیا۔ وہاں جو کچھ ہوا' ہمارے ہاتھوں اور ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ضمیموں میں کاروباری سنسنی خیزی اور حاشیہ آرائی کے سوا کوئی نئی بات نہیں مل سکتی تھی۔

ٹیلی وژن پر خبروں کا سلسلہ شروع ہوا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ واقعہ تازہ تھا اور تفصیلات دستیاب نہیں تھیں۔ خبر میں صرف اتنا بتایا گیا کہ ہاربر سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز وائٹ ہاک نامی تفریحی لانچ دھماکوں کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ اس حادثے میں پانچ افراد پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئے جن میں چار عورتیں تھیں۔ سترہ افراد زخمی ہوئے۔ انہیں لانچ کے عملے اور دوسرے مہمانوں نے ڈوبنے سے بچا لیا' تین افراد لاپتا تھے جن کی تلاش جاری تھی۔

خبر کے ساتھ وائٹ ہاک کے ڈوبنے کا آخری مرحلہ بھی دکھایا گیا جس میں اس کا پچھلا حصہ پانی میں پوری طرح غرق ہو چکا تھا۔ اگلا حصہ سیدھا کھڑا ہوا تھا اور تیزی سے پانی میں بیٹھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد پانی کے بڑے بڑے بلبلوں کے اخراج کے ساتھ اگلا حصہ بھی پانی میں غائب ہو گیا۔ اس وقت لانچ پر کوئی فرد موجود نہیں تھا۔

دو بجے جاؤ فان کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہو گیا۔ وہ ہوٹل کے باہر اپنی گاڑی میں موجود تھا اور فون کر کے مجھے بلا رہا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ سے کچھ لگاؤ ہو گیا ہے۔'' غزالہ نے اس کی آمد کی خبر سن کر کہا ''جب موقع ملتا ہے' آپ کے پاس دوڑا چلا آتا ہے۔''

''فضول باتوں سے دماغ چاٹ جاتا ہے۔'' میں نے جوتے پہنتے ہوئے بیزاری سے جواب دیا۔

''پھر بھی کام کا آدمی ہے آپ کے منصوبے کی ساری تیاری اسی کے ذمے تھی!''

''یہ سب کام وہ میرے لیے نہیں کرتا اسے ہر وقت

ڈان کی خوشنودی کی فکر رہتی ہے۔ وہ کسی پیدائشی غلام کی طرح ڈان کا خدمت گار بنا ہوا ہے۔''

''آپ کے لیے ان دونوں کا دم غنیمت ہے۔ اسد کے چلے جانے کے بعد یہاں کون رہ گیا تھا جو آپ کی ذرا بھی مدد کرتا۔''

میں نے غزالہ کے اس تبصرے کا جواب نہیں دیا۔ الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''ماسٹر! آج مزہ آگیا۔ پورے شہر میں چھوٹا راجن کی رسوائی ہو رہی ہے۔'' میرے گاڑی میں سوار ہوتے ہی اس نے خوش ہو کر کہا ''یہ دیکھو لانچ کی پراسرار تباہی پر دو اخباروں نے اپنے ضمیمے نکالے ہیں۔ وائٹ ہاک بڑی شان سے زاویے بدل بدل کر غرق ہوئی ہے۔ ان ضمیموں کی رنگین تصویریں دیکھو گے تو تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ پر پڑے ہوئے اخبار اٹھا لیے۔ وہ دونوں تھائی زبان کے اخبارات تھے۔ ان میں وائٹ ہاک کی غرقابی کی رنگین تصاویر کسی زبان کی محتاج نہیں تھیں۔ ایک اخبار نے وائٹ ہاک کی فائل فوٹو بھی لگائی تھی جس میں وہ لانچ بہت باوقار اور پرشکوہ نظر آ رہی تھی۔

تصویریں دیکھ کر میں نے وہ ضمیمے بے پروائی سے پچھلی سیٹ پر ڈال دیے۔

''کیا تم مجھے یہ تصویریں دکھانے آئے تھے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا..... میرا نہیں ڈان کا!'' میرے تیور دیکھ کر اس نے اپنی بات میں آخری فقرہ جوڑا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں یہ اخبار بھی دکھا دوں۔''

''میں ابھی ٹیلی وژن پر یہ سب دیکھ آیا ہوں۔ اس واقعے میں کتنے پاپی مرے ہیں؟''

''مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن ابھی تک تین عورتوں سمیت چار کا اعلان کیا گیا ہے، تین لاپتا ہیں۔'' اس کی معلومات ٹیلی وژن کے نشریے سے زیادہ نہیں تھیں۔

''شہر میں اس واقعے پر کیا ردِعمل پایا جا رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دہشت اور سراسیمگی کا عالم ہے۔ اس حادثے پر لوگوں کو پچھلے واقعات بھی یاد آ رہے ہیں۔ اس کے کیسینو میں قتل، کلبوں میں دھماکے اور پھر موتی محل میں دھماکا، سب قصے از سر نو تازہ ہو گئے ہیں۔ ہم امن پسند اور ڈرپوک قوم ہیں۔ میرا اندازہ ہے آج سے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری اڈے ویران ہو جائیں گے۔'' چاؤ فان نے مسرت سے بتایا۔

''وہ اپنے کاروبار کے بل پر یہاں پھل پھول رہا ہے۔ اس کے دھندے تباہ ہوں گے تو اس کے قدم خود بہ خود اکھڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! قدم اکھڑنے کی نہیں، اب اس کی قبر جمانے کی بات کرو۔ لانچ ڈوبنے کے بعد اس کا دماغ چل گیا ہے۔ ابھی صبح آٹھ بجے اس کے دو آدمیوں نے پٹرول ڈال کر پیٹ پونگ کے دو ہوٹلوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ پتا نہیں وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے.....!''

اس کی زبان سے پیٹ پونگ کے ہوٹلوں کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ ''وہ سکھوں کے ہوٹل تو نہیں تھے؟''

چاؤ فان کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں اور وہ والہانہ انداز میں بولا۔ ''ماسٹر! تم تو ولی ہو گئے ...... تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ وہ سکھوں کے ہوٹل تھے؟''

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میرے بے ساختہ سوال نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ میں نے سنبھالا لے کر جلدی سے کہا۔ ''اس طرف زیادہ تر ہوٹل سکھوں کے ہی ہیں۔''

''کمال ہے!'' چاؤ فان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ ''میں دن رات وہاں کے پھیرے لگاتا رہتا ہوں، میں نے کبھی یہ بات نوٹ نہیں کی۔ تم کو میں نے ایک دن وہاں کی سیر کروائی اور وہاں کا پورا نقشہ تمہارے ذہن میں جم گیا۔''

چاؤ فان کی غائب دماغی کی وجہ سے آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ میرا یہ اندازہ اور پختہ ہو گیا کہ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد راجن اکبر کی کہی ہوئی باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے چار افراد کی گفتگو میں اس کی ناؤ ڈوبنے کا ذکر سنا تھا اور اس نے اشتعال کے عالم میں اپنے آدمیوں سے ان دو مشتبہ ہوٹلوں کو نذرِ آتش کرا دیا جہاں اس کے دشمن کے آدمی بیٹھتے تھے۔ وہ راجن کے ذہنی اختلال اور بربریت کی ایک بدترین مثال تھی۔

''وہاں کسی نے ان لوگوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔

''ماسٹر! کیسی باتیں کرتے ہو۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ ان بھیڑیوں کو کون روکتا۔ وہ آئے اور اپنی من مانی کارروائی کر کے چلے گئے۔''

''یہ کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے آدمی تھے؟'' میرا تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

''انہیں پورا شہر جانتا ہے۔ وہ جانے بوجھے چہرے تھے۔''

''کیا انہیں آتش زنی کے الزام میں نہیں پکڑا جائے گا؟''

''کون پکڑے گا؟'' اس نے سوال کیا ''پولیس اس کی زرخرید ہے۔ اول تو کوئی ان بھیڑیوں کے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ کسی نے راجن کے آدمیوں کا نام لیا تو پولیس تفتیش کے بہانے اسی کو دھر لے گی، حوالات میں ایک رات میں وہ حق گوئی سے توبہ کرلے گا۔ ایسے دھندوں میں یہاں دھاندلی اور بے رحمی چلتی ہے۔''

''تم اتنے یقین سے یہ سب باتیں بتارہے ہو جیسے ایسا ہوچکا ہو......!''

''ماسٹر! یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ وہ دکانیں لوٹ لیتے ہیں، عورتوں کو اٹھا کرلے جاتے ہیں۔ انہوں نے شہر کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سب لوگ ان کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ تم لکھ لو کہ ان میں سے کوئی نہیں پکڑا جائے گا۔ برباد ہونے والے ہوٹلوں کے مالک چند روز تک رونے پیٹنے کے بعد بیٹھ جائیں گے۔ پتا نہیں ان بے چاروں کا کیا قصور تھا۔''

''ضروری نہیں کہ ان دونوں ہوٹل والوں کا کوئی قصور ہو۔'' میں نے اسے الجھانے کی نیت سے کہا۔ ''یہ راجن کی دہشت گردی بھی ہوسکتی ہے۔''

''نہیں ماسٹر!'' اس نے پرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ ''میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ دہشت گردی کے لیے اس نے اپنے ہم وطنوں کو کیوں نشانہ بنایا...... دونوں سکھ ہیں اور ان کے ہوٹل ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ یہ کوئی اور ہی قصہ معلوم ہوتا ہے۔''

''اس بارے میں تم اتنے فکر مند کیوں ہورہے ہو۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ان ہوٹلوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا۔''

''ہاں، تمہاری یہ بات میں مانتا ہوں۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔

''ڈان نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

''تم نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، کیا وہ نہ بلاتا؟''

''یہ مجھ سے زیادہ تمہارا کارنامہ ہے۔ سارا بندوبست تم نے کیا تھا۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''پھر تو اسے مادام کا کارنامہ کہو، بم اسی نے لگائے تھے۔''

''لیکن اس کا کھوج تم نے لگایا تھا۔ اس کام کے لیے اسے راضی کرنا بھی مشکل کام تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ بھی راجن کی ستائی ہوئی نکلی۔''

''ماسٹر! میں تمہارا خادم ہوں۔'' وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کے بولا ''حکم دو تو میں تمہارے لیے پاتال کی خبر لاسکتا ہوں۔ بس بے چاری مادام کا خیال رکھنا۔ وہ شام کی چائے پر بے چینی سے تمہارا انتظار کرے گی۔'' لی کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

''میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتادیا۔

''ایسا نہ کرنا۔'' وہ جلدی سے بولا ''اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہاں نہ جاکر تم اس کی توہین کا ارتکاب کرو گے۔ یہ نہ بھولو کہ وہ دوبارہ ہمارے کام آسکتی ہے۔''

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی کا راج تھا۔ اس کا آخری فقرہ میرے دل کو لگا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس وقت مجھے بنکاک میں اپنے دوستوں اور ہمدردوں کی ضرورت تھی۔ لی جیسی دلیر اور بے خوف عورت کو ناراض کرنا مناسب نہیں تھا۔

''اس بارے میں دیکھا جائے گا۔ پہلے ڈان سے مل لیا جائے۔'' میں نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

''ہاں! ڈان کی بات ہورہی تھی۔ آج وہ تم سے بہت خوش ہے۔ تمہارے لیے تھائی زبان کا ایسا لفظ استعمال کیا جو ہم لوگ گرل فرینڈ یا محبوبہ کے لیے استعمال کرتے ہیں...... یہ سمجھو کہ وہ تمہیں ڈارلنگ کہہ رہا تھا۔''

''تمہارے لیے یہ بات اہم ہوسکتی ہے، میرے نزدیک بے معنی ہے۔ ڈان ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا سی لغزش پر کسی کو بھی عرش سے فرش پر لے آتے ہیں۔ اس کی خوشی یا تعریف پر بغلیں بجانے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔''

''ماسٹر! تم عجیب آدمی ہو۔'' وہ اداس لہجے میں بولا ''خوش ہونے والی باتوں پر خوش نہیں ہوتے۔ ناراض کر دینے والی باتوں پر ایک دم بپھر جاتے ہو۔ ایسا تو میں نے ڈان کو بھی نہیں پایا۔ اب یہی دیکھ لو کہ وہ وائٹ ہاک کی تباہی پر کسی بچے کی طرح خوش ہورہا ہے۔''

''دنیا کے کوئی دو آدمی ایک جیسے نہیں ہوتے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مزاج کے اعتبار سے ڈان علی نہیں ہو سکتا اور میں ڈان نہیں بن سکتا۔ کہو تو میں ڈان کو تمہاری اس خواہش سے آگاہ کر دوں کہ مجھے ڈان جیسا ہونا چاہیے۔''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جب سے وہ گوشہ نشین ہوا ہے۔ بہت شکی اور وہمی ہو گیا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کی جگہ لینے کی سازش کر رہا ہوں۔''

''اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ تم جب بولنے پر آتے ہو۔ تو بے تکان بولتے چلے جاتے ہو۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔''

''ماسٹر! یہی تو زندگی کی ایک علامت ہے۔ زبان اسی وقت رکتی ہے جب سانس آدمی کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ میری اس آزادی کو مجھ سے نہ چھینو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے خوب سمجھ گئے ہو۔ میری باتوں کا وہ مفہوم بھی بھانپ لیتے ہو جو مجھے خود معلوم نہیں ہوتا۔''

اس کی وہ تاویل بسیار گوئی کی عجیب مثال تھی۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔

راجن سے فون پر پہلی بار بات ہوئی تو میں نے اس کے لیے اکبر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اس بات چیت میں میرے پاس زیادہ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ اس کے ذہن کو اپنی طرف سے شکوک وشبہات سے پاک رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اس کے ہر سوال کا فوری جواب دوں۔ وہ اول درجے کا گھاگ تھا۔ یہ بات بہ خوبی جانتا تھا کہ آدمی سچ بول رہا ہو تو اسے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی، سچ خود بہ خود زبان پر آ جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا معاملہ بہت مختلف ہوتا ہے۔ ہر بات بہت سنبھل کر کہنا پڑتی ہے۔

اس نے ڈینی کے چار مفروضہ آدمیوں کے ٹھکانے کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تو میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا جواب اس کے گوش گزار کر دیا۔ سردار جی کے ہوٹل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکی تھی کہ وہ اس ہوٹل کے خلاف دہشت گردی کی کسی کارروائی پر اتر آئے گا۔ میرا خیال تھا وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آدمیوں کو بھی اس ہوٹل کی نگرانی پر مامور کر دے گا تاکہ مشتبہ افراد ان کی نگاہوں میں آ سکیں۔

وہ جھنجلایا ہوا اور شکست خوردہ تھا۔ اس کے آدمیوں کے ہاتھوں دو ہوٹلوں کی بربادی کا ذکر سن کر مجھے قلق ہوا تھا۔ وہ ایسا ناگزیر واقعہ تھا جسے ٹالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں

سردار جی کے ہوٹل کے بجائے کسی اور مقام کا ذکر کرتا تو راجن کے آدمی وہاں بھی ویسی ہی بربادی پھیلا دیتے۔ اسے کسی نہ کسی کو اپنی جھنجلاہٹ کا نشانہ بنانا تھا۔ میں نے قبل از وقت اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اسی کے ایک ہم وطن کا ذکر کیا اور ایک کے چکر میں دو سردار راجن کی جھنجلاہٹ کا نشانہ بن گئے۔

''ماسٹر! کیا شام کی چائے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پا کر چاؤفان نے پر مزاح لہجے میں ٹوکا۔

''چاؤفان! تم باز نہیں آؤ گے۔ بار بار یہ ذکر کیوں نکال رہے ہو؟''

''تم نے ابھی تک اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کیا۔'' وہ بولا۔ ''ایک بار مثبت جواب دے دو۔ میں دوبارہ مادام کا نام لوں تو جو چور کی سزا وہ میری!''

''وقت ملا تو میں اس سے بھی مل لوں گا۔ اب اس کا ذکر نہ کرنا۔''

''ہرگز نہیں!'' وہ سر جھکا کر سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ ''اس بے چاری نے مجھے فون پر یاد دہانی نہ کرائی ہوتی تو میں تمہیں بار بار تنگ نہ کرتا۔''

''اس نے تمہیں فون کیا تھا؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''دیکھو ماسٹر، اب مجھے الزام نہ دینا۔ تم خود اس کی بات چھیڑ رہے ہو۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ وہ تمہیں دیکھ لے گی تو آسانی سے ہمارے کام کے لیے راضی ہو جائے گی۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اسے شیشے میں اتار لیا۔ اب دیکھ لو کہ رات کو اس سے تمہارے پہلی ملاقات ہوئی ہے اور وہ تمہارے گن گا رہی ہے۔ کاش ......! تمہارے اس غلام کی قسمت بھی ایسی ہوتی۔''

وہ ایک گہرا اور حسرت زدہ سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ڈان کے سیلرز بار کے پچھلے دروازے پر موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ چاؤفان نے اتنا بتایا کہ ڈان نے طلب کیا تھا۔ ڈور بیل کے جواب میں ایک خوب صورت مقامی لڑکی نے دروازہ کھولا اور ہمیں پہچان کر اندر جانے کی راہ دے دی۔

گھنٹی کی آواز ڈان نے سن لی تھی۔ ہم زینے عبور کر کے سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچے تو ڈان اپنے سفید ریشمی لبادے میں ہمارا منتظر تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ مسہری سے اتر کر میری طرف لپکا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ میں نے سانس روک کر اپنا سینہ سخت کرلیا تھا کہ ڈان کی گرم جوشی کے باعث کسی جسمانی نقصان سے محفوظ رہ سکوں۔

''تم واقعی جوان مرد ہو۔ تم نے میرا ایک خواب پورا کردیا۔'' ڈان جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آج میں نے وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبتا ہوا دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹا راجن سمندر میں ڈوب رہا ہو۔ اب میرے پرانے دن لوٹ آئیں گے۔''

مجھے اپنی گرفت سے آزاد کرکے اس نے میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ ادھیڑ عمری کے باوجود اس کے بھرے بھرے ہونٹوں میں جوانوں جیسی گرمی تھی۔ مجھ سے الگ ہوکر وہ دوبارہ اپنی شاہانہ مسہری کی طرف لوٹ گیا۔

چاؤفان مجھے رشک اور حسرت کے ملے جلے جذبوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

''یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔'' میں نے چاؤفان کا دل رکھنے کے لیے ڈان سے کہا ''اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے چاؤفان نے بہت محنت کی ہے۔''

''میرے سامنے اس حرام خور کی سفارش مت کرو۔'' ڈان غرایا ''یہ کسی قابل ہوتا تو پچھلے دو سال ایسے برے نہ گزرتے۔ تمہارا چابک چل رہا ہے تو یہ اب جی جان سے دوڑ رہا ہے۔ یہ خود سے محنت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔'' وہ اچانک چاؤفان سے مخاطب ہوگیا ''کیوں......؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ڈان! تم سچے ہو۔'' چاؤفان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنا سر جھکادیا ''ماسٹر نے میری کایا پلٹ کردی ہے۔ اب میں بہت محنت کررہا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' ڈان نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تجھے پورے بنکاک میں کوئی مرد غوطہ خور نہیں ملا۔ تو دو دنوں سے اس لمبی گھوڑی کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا جو خود کو حسینۂ عالم سمجھتی ہے۔''

ڈان کی زبان سے لمبی گھوڑی کا ذکر سنتے ہی چاؤفان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ڈان کے تیور دیکھ کر خاموش رہا۔ اس کا دہانہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈان اس کے ساتھ زیادتی کررہا تھا۔ وہ اتنی ملامت کا سزاوار نہیں تھا۔ میں نے کہا ''شہر میں کوئی راجن کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ لی نے راجن کے ہاتھوں گہرا زخم کھایا ہوا ہے۔ اس کا دکھ ہمارے کام آگیا۔''

''میں کسی وقت لی کی کہانی بھی سن لوں گا، تم دونوں بیٹھ جاؤ۔''

ڈان نے میرے سامنے چاؤفان کو پہلی مرتبہ اتنی عزت دی تھی کہ اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ ڈرے سہمے انداز میں ایک صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے اسے صوفے کے بقیہ حصے میں سوئیوں کے چھپا ہوا ہونے کا خوف ہو۔

''چاؤفان بھی میرا بچہ ہے!'' قدرے توقف کے بعد ڈان گمبھیر آواز میں بولا ''میں اسے بہت عزیز رکھتا ہوں۔ مجھے یہ سوچ سوچ کر اس پر غصہ آتا ہے کہ یہ دو سالوں سے کہاں سویا ہوا تھا۔ سب کچھ تمہارے آنے کے بعد کیوں ہورہا ہے؟''

''ڈان ......کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا ''یہ میرے اور تمہارے ستاروں کے ملنے کا کمال ہے۔ میں اکیلا تھا تو خود بھی بھٹک رہا تھا۔ راجن کو انگلی تک نہیں لگا سکتا تھا۔ اب اس کی پسپائی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔''

''وائٹ ہاک کی تباہی سے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے ہیں۔'' راجن کا ذکر آتے ہی ڈان کی ذہنی رو اس کی طرف منتقل ہوگئی ''میں نے صبح سویرے دیر تک اس لانچ کے ڈوبنے کا سہانا منظر دیکھا ہے۔ اس کے ہر بل پر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے راجن زخم کھا کر تڑپ رہا ہو۔ وہ اتنا بزدل ہے کہ اپنی لاڈلی لانچ کو دیکھنے تک نہیں آیا۔ خوف زدہ چوہے کی طرح اپنے موتی محل میں گھسا ہوا بیٹھا ہے۔ لوگ بتارہے ہیں کہ اس نے صبح سے اپنا قدم باہر نہیں نکالا۔''

''وہ کئی دنوں تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''اسے گھسیٹ کر موتی محل سے نکالو۔'' ڈان نے مطالبہ کیا ''بنکاک کی سڑکیں اور گلیاں اس کے خون کا خراج مانگ رہی ہیں، اس کام میں دیر نہ کرو۔''

وہ ڈان کی جذباتی باتیں تھیں جو میں نے خاموشی سے سن لیں۔ راجن کو براہِ راست گھیرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

''زیر زمین دنیا میں خبریں سینہ بہ سینہ بہت تیزی سے سفر کرتی ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''اب تم منادی کرادو کہ جو راجن کا ساتھ دے گا، وہ مارا جائے گا۔ حالات کا

دھارا اس کے خلاف بہہ نکلا ہے۔ اس دھمکی سے بہت سے لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ وہ اکیلا رہ جائے گا تو اسے نرغے میں لے لیا جائے گا۔"

"میں تمہاری سوچ کا پرستار ہوتا جارہا ہوں۔" ڈان نے تعریفی لہجے میں کہا "تم بہت آسانی سے گر کی باتیں سوچ لیتے ہو۔ یہ تدبیر واقعی کارآمد رہے گی۔" بات ختم کر کے اس نے اپنی استفسار طلب نگاہیں چاؤفان کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"مم...... میں آج ہی یہ خبر پھیلا دوں گا۔" چاؤفان ہکلا کر جلدی سے بولا "کمزور مہرے تیزی سے راستے سے ہٹ جائیں گے۔"

"ابھی ڈان کا نام کھلنے کا وقت نہیں آیا، یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا۔" میں نے براہ راست چاؤفان سے کہا۔

"ہاں، اسے تجسس میں رہنے دو!" ڈان نے میری تائید کی "اسے یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ کون اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، میں سن رہا ہوں کہ وہ کسی ڈینی پر شبہ کر رہا ہے۔ اس کے آدمی شہر میں ڈینی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ ہمارے حق میں بہت اچھی بات ہے۔" میں نے لقمہ دیا "اسے کسی نہ کسی کے پیچھے لگنا ہی تھا۔ وہ بھٹکتا رہے گا تو ہم اپنا کام آسانی سے پورا کرلیں گے۔"

"ڈینی اس کا کوئی بڑا دشمن ہے اور بنکاک میں آیا ہوا ہے تو اسے ہم پال لیں گے۔ اس وقت راجن کا ہر دشمن ہمارا دوست ہے۔" ڈان بولا۔

موضوعِ سخن خطرناک موڑ پر آ گیا۔ میں اس وقت سے ڈرتا رہا تھا جب راجن سے دشمنی کے حوالے سے میری ذات زیرِ بحث آئے۔ وقت اور حالات میری خواہشات کے تابع نہیں تھے۔ ڈان کو اچانک وہ بات یاد آ گئی جو ایک اٹل حقیقت تھی مگر میں نے دہرے کردار کے ذریعے اسے ایک افسانے کا رخ دیا ہوا تھا۔ میں نے سرسری انداز میں اس بات کو ٹالنے کی کوشش کی تھی لیکن ڈان نے مجھے یا ڈینی کو پالنے کا ذکر کر کے ایک سنگین پیش رفت کی تھی۔

"جیسا حکم ہو۔" چاؤفان نے رضا کارانہ انداز میں کہا "ڈان کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔"

"اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ ڈینی کو بھی تلاش کرو اور اسے میرے پاس لاؤ۔" ڈان نے متانت سے کہا "علی اسے بہترین راہ پر ڈالے گا۔"

"ڈان! برا نہ مانو تو میں کچھ عرض کروں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"کہو...... جو دل میں آتا ہے کہہ ڈالو۔ میں نے تم پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔" اس نے مربیانہ لہجے میں میری حوصلہ افزائی کی۔

"یہ نازک وقت ہے۔ ڈینی کو تلاش کرنے کی صورت میں ہمارے وسائل بٹ جائیں گے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔" میں نے بہت محتاط انداز میں الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے کہا "وہ ایک جھٹکے کا مہمان ہے۔ اسے ڈینی کے پیچھے لگا رہنے دو۔ وہ ہماری طرف سے غافل رہے گا اور ہم اسے مار لیں گے۔"

"تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا تو میری جان میں جان آئی۔

"میں ایک وقت میں ایک دشمن سے لڑنے کے اصول کا قائل ہوں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی "ڈینی دوست ہے یا ہوگا، اس لیے میں نے اس کا ذکر کیا تھا لیکن تم درست سمت میں سوچ رہے ہو۔ چھپے ہوئے دوست کو ڈھونڈنا، دشمن کی تلاش سے کم نہیں ہوگا، وسائل بٹ جائیں گے۔ فی الحال ہمیں اپنی ساری توجہ چھوٹا راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ ڈینی اس کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں۔"

میں نے اپنے پیٹ میں پڑتی ہوئی گرہیں کھلتی ہوئی محسوس کیں۔ میں نہایت خلوص کے ساتھ ڈان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"ڈینی اسے مارلے گا تب بھی ہمارا نام ہوگا۔" چاؤفان نے ادب واحترام کے ساتھ کہا۔

"بکومت!" ڈان غصے سے دہاڑا "دوسرے کا مارا ہوا شکار کھانے کے بجائے اپنا شکار کھیلنے پر دھیان دو۔ چھوٹا راجن کو میرے آدمی ماریں گے۔"

چاؤفان نے خوشامد میں ڈان کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کی تھی، ڈانٹ پڑی تو اس نے سہم کر منہ لٹکا لیا۔

ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نئے تھائی نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور میری طرف اچھال دیں "یہ ڈیڑھ لاکھ بھات ہیں۔ بڑی گڈی تمہارا انعام ہے۔ چھوٹی گڈی چاؤفان اور اس کے آدمیوں کے لیے ہے۔"

میں نے دونوں گڈیاں لپک کر پچاس ہزار بھات والی گڈی اسی لمحے چاؤفان کی طرف بڑھا دی۔ وہ کرسی سے اٹھ کر ڈان کے سامنے رکوع کی حالت میں اتنا جھک گیا کہ اس کے سر کے لمبے لمبے بال قالین کو چھو رہے تھے۔

میں نے تشکر کے اظہار کے لیے چاؤفان کی تقلید کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کھڑے کھڑے کہا۔ "ڈان! تم

قدرشناس ہو۔ اس عزت افزائی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ اپنے اخراجات کے لیے میرے پاس رقم ختم ہو رہی تھی۔ انعام کی صورت میں تم نے مجھے بہت بڑا سہارا دیا ہے۔''

میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ڈان کے دیے ہوئے انعام کو اہمیت دینے کے لیے میں نے وہ الفاظ کہہ ڈالے۔ اپنی دریادلی کا ذکر سن کر ڈان کے چہرے پر مسرت آمیز سرخی آ گئی۔

''بدھا تم کو کامیاب کرے۔ آؤ، میں تمہیں رخصت کر دوں۔'' ڈان اپنی مسہری سے نیچے اتر آیا۔ میرے قریب آ کر اس نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور مجھے اپنے ساتھ لیتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کی خوشی میں ڈان کا موڈ خوشگوار تھا۔ وہ زینے طے کر کے ہمیں عقبی دروازے تک چھوڑنے کے لیے نیچے آ گیا۔ چوبی زینوں پر ہمارے قدموں کی چاپ سن کر خدمت گارلڑکی دروازے پر آ گئی تھی۔ اس نے ڈان کی جھلک دیکھی تو سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ڈان نے دروازہ کھولا، چاؤفان اسے تعظیم دیتا ہوا یوں باہر نکلا جیسے کوئی چوہا گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد چوہےدان سے باہر آتا ہے۔

ہم دونوں گلی کے سرے تک پہنچنے تک خاموش رہے پھر چاؤفان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میدان صاف تھا، ڈان نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ چاؤفان نے اچانک میرا داہنا ہاتھ پکڑ کر عقیدت سے چوما اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''چاؤفان! تمہیں بوسہ لینے کا قرینہ بھی نہیں ہے۔'' میں نے ہلکی سی جھرجھری لے کر کہا ''تم نے میرے ہاتھ پر اپنی زبان سے تھوک لگا دیا۔''

''ماسٹر! تھائی بوسہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تک زبان کسی کالمس محسوس نہ کرے، ہونٹوں کو بوسے کی لذت کا پتا نہیں چل سکتا۔'' اس نے اپنا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہا ''میں دل و جان سے تمہارا شکرگزار ہوں کہ آج تمہاری وجہ سے ڈان نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کی عزت بخشی اور ایک بھاری انعام سے نوازا۔''

''میں نے تمہاری سفارش کرنے کی کوشش کی تھی مگر ڈان تمہیں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا ''میں اس کی ڈانٹ ڈپٹ کا برا نہیں مناتا۔ مجھے اس کی پھٹکار میں بھی عجیب اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ مجھے اپنا بچہ کہہ رہا تھا۔''

''حالانکہ تم بالغ ہو چکے ہو اور شاید عیال دار بھی ہو۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اپنی بزرگی کے اعتبار سے وہ میرے باپ جیسا ہے۔ وہ ڈانٹتا ہے تو پچکارنا بھی جانتا ہے۔ اس کی یہ ادا میرے دل کو ہمیشہ موم کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر رونا شروع کر دوں۔''

''وہسکی کے دو چار گلاس پی لینے کے بعد اچھے خاصے آدمی اسی طرح رقیق القلب ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''ماسٹر! میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں شراب پیتا ہوں مگر پی کر کبھی ڈان کے سامنے نہیں آیا۔'' اس نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

ہم گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ چاؤفان کے چہرے سے ایسی طمانیت جھلک رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت بڑا اعزاز جیت کر واپس لوٹ رہا ہو۔

''ماسٹر! ہمیں کہاں جانا ہے؟'' چند منٹ تک خاموشی سے کار چلانے کے بعد اس نے پوچھا۔

''مجھے ہوٹل چھوڑ دو۔ ہم اور کہاں جائیں گے!'' میں نے نیم دلی سے کہا۔

''چار بج رہے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کرتے ہوئے یاد دلایا۔

''تم نے پھر اس کا ذکر نکالا۔'' میں نے اسے گھور کر ترشی سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ آئی ''ماسٹر! میں نے تو کسی کا بھی ذکر نہیں نکالا تمہیں وقت بتا رہا تھا۔''

''جب تک میں اس سے نہیں ملوں گا، تم مجھے یوں ہی زچ کرتے رہو گے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ڈان اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ طنز سے اسے لمبی گھوڑی اور حسینۂ عالم کہہ رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اسے ایسی عامیانہ باتیں کہاں سے معلوم ہو جاتی ہیں۔''

''ذرا لمبی گھوڑی کی معنویت پر غور کرو۔ تم ڈان کی فکر رسا کے قائل ہو جاؤ گے۔ وہ اپنی معلومات کے حصول کے لیے صرف مجھ پر انحصار نہیں کرتا۔ شہر کے بہتیرے لوگ اس سے ملنے آتے ہیں۔ وہ کسی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا پھر بھی لوگ آتے ہیں۔''

''ان کے آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''سب دوغلے ہوتے ہیں۔ چھوٹا راجن کے آدمیوں

"آرہا ہوں بیگم! ذرا ٹھہرو..... میں حساب لگا لوں..... کون کون سا ٹکڑا کون کون سے پڑوسی کو بھجوانا ہے....."

سے چھپ کر ڈان کو یقین دلانے آتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ ڈان جانتا ہے کہ ایسے لوگ کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔ وہ بنی کے یار ہوتے ہیں۔ راجن مر جائے تو شہر ڈان کے ہاتھوں میں آجائے گا۔ ایسے وقت کے لیے وہ اپنے نمبر بنانے کے واسطے آتے ہیں۔"

"ان سے ڈان کو شہر کی خبریں ملتی ہوں گی!" میں نے تصدیق چاہی۔

"خبریں ملتی ہیں مگر میں حیران ہوں کہ مادام سے میری ملاقاتوں کی خبر کس نے پہنچائی ہوگی۔ میں اس سے بہت رازداری کے ساتھ ملتا تھا۔ یہ بات دشمنوں کے کانوں تک پہنچ گئی تو بے چاری مادام مفت میں ماری جائے گی۔"

"تمہیں اس کی فکر ہے میری کوئی پروا نہیں۔ اس کی وجہ سے میں کسی مصیبت میں پڑ سکتا ہوں۔" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

"ماسٹر! تم اصیل گھوڑے ہو!" اس نے اپنی بات سے خود محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "مصیبتیں مجھ بے چارے کی قسمت میں لکھی ہیں، تم سے دور بھاگتی ہیں۔ ڈان اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ کسی کی ذاتی دلچسپیوں میں مداخلت نہیں کرتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ مادام پر طنزیہ تبصرہ کرنے کے باوجود اس نے مجھے اس سے ملنے سے نہیں روکا۔"

"اسے میری اور لی کی ملاقات کا علم ہوگا تو وہ کیا سوچے گا!"

"کچھ بھی نہیں۔ اس کی جوانی بہت رنگین گزری ہے۔ آج وہ اپنی عورت کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔ وہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹتا ہے، تم سے کچھ نہیں کہے گا..... تو پھر میں چلوں مادام کی طرف؟"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "تمہاری کھال بہت موٹی ہے۔ جہاں چاہو لے جاؤ۔"

وہ خوش ہو گیا "میں باہر رک کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔ میری فکر نہ کرنا۔ کبھی تم عجلت میں مادام سے ہاتھ ملا کر لوٹ آؤ۔"

"تمہیں رکنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہلٹن ہوٹل کا نام لوں گا تو کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور مجھے وہاں پہنچا دے گا۔"

"وہ تمہیں ٹیکسی سے نہیں جانے دے گی۔" چاؤ فان نے وثوق سے کہا "خود چھوڑنے جائے گی اور تمہارا ہوٹل دیکھ لے گی۔ کیا تم یہ خطرہ مول لو گے؟"

"تمہیں پرکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عذاب کے فرشتے کیسے ہوتے ہوں گے۔" میں نے بھنا کر کہا "تم رکنا چاہتے ہو تو رکے رہنا، میں اپنی مرضی سے واپس آؤں گا۔"

"یس ماسٹر!" اس نے بایاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر سر

کو ختم دیا اور اپنی بات منوانے کی خوشی میں گاڑی کی رفتار اور بڑھادی۔

صبح کے اولین دھندلکے میں، میں لی کا گھر دیکھ چکا تھا۔ چاؤ فان نے فٹ پاتھ کے کنارے گاڑی روکی تو میں نے وہ جگہ پہچان لی۔

"گاڑی اس کے پھاٹک پر کیوں نہیں روکی؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مصلحت ماسٹر!" وہ بائیں آنکھ دبا کر لوفرانہ انداز میں بولا "اس ملاقات میں میری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گاڑی پھاٹک پر روکتا تو مجھے بھی اترنا پڑتا۔ وہ ہم دونوں کا نہیں، صرف تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

میں نے گاڑی سے اتر کر دروازہ بند کیا اور لی کے پھاٹک کی طرف چل دیا۔

لی کا دربان ضرورت سے زیادہ مستعد تھا۔ مجھے گھنٹی کا بٹن دبانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، وہ کسی جن کی طرح چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آ گیا۔

"علی۔ میں لی سے ملنے آیا ہوں۔" اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی میں نے شائستگی سے اسے بتایا۔

اس کے چہرے پر اچانک یتیمی طاری ہو گئی۔ اس نے باچھیں پھیلا کر کچھ کہا جو میرے سر پر سے گزر گیا۔ اس نے اپنے کیبن کی دیوار سے لٹکے ہوئے انٹر کام پر اندر کسی سے بات کی، پھر کاٹھ کے اُلو کی طرح میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر وقفے وقفے سے یوں مسکرا رہا تھا جیسے اپنے دانت چمکا کر خیر سگالی کا اظہار کر رہا ہو۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کے روبرو نہیں رہنا پڑا۔ لی اپنے بدن پر ایک ڈھیلا گون پہنے برآمدے میں نظر آئی۔ وہ پرجوش انداز میں ہاتھ لہراتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے بھی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کی اور برآمدے کے سرے پر ہم یکجا ہو گئے۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے!" اس نے نہایت گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہو گئی۔

ڈرائنگ روم چھوڑ کر وہ کشادہ راہداری میں آگے بڑھی اور بیش قیمت آرائشی اشیا سے سجی ہوئی لابی سے گزر کر ایک خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔

اس کا پورا گھر بہت حسین اور وسیع تھا جس کی سجاوٹ میں نفاست کے ساتھ اعلا ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا لیکن اس کی خواب گاہ کی سجاوٹ نے مجھے مبہوت کر دیا۔

"بہت شاندار کمرا ہے تمہارا!" میں اس کی خواب گاہ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارے آنے سے پہلے ویران تھی۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

کمرے کی فضا خنک تھی۔ کسی طرف لگا ہوا بے آواز ایئر کنڈیشنر تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو مجھے کمرے کی فضا میں رچی ہوئی الکحل کی بو کا احساس ہوا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر لی کی طرف دیکھا تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیر رہے تھے۔

میرے انداز سے وہ میرا مدعا بھانپ گئی اور مجھ پر تقریباً گرتے ہوئے بولی "تھوڑی سی شراب ایسی ملاقاتوں کو دو آتشہ بنا دیتی ہے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد میں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔"

یہ کہہ کر اس نے انگڑائی لینے والے انداز میں اپنے ہاتھ پھیلائے اور جسم پر پہنا ہوا گون اتار کر مسہری پر اچھال دیا۔ اس کے بدن پر بہت بڑے گھیر والا ایک حریری لبادہ رہ گیا جس کی تہوں سے کہیں کہیں اس کا مرمریں بدن جھانک رہا تھا۔

اس دوران میں، میں نے مے نوشی کے لوازم سے سجی ہوئی منقش تپائی دیکھ لی تھی جو ایک بڑے صوفے کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ لی اٹھلا کر اس طرف چلی۔ ایک ہوش ربا منظر میرے سامنے تھا۔ کھسکتی اور سرکتی ہوئی تہوں میں اس کے بدن کے بدلتے ہوئے زاویے نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے بدن سے گون اترتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شام کی ملاقات کے لیے لی نے کچھ زیادہ اہتمام کیا ہوا تھا۔

وہ میری میزبان تھی۔ اس کی پیشکش پر میں صوفے پر بیٹھا تو وہ مسکراتی ہوئی، میرے بدن سے تقریباً جڑ کر بیٹھ گئی۔

"کیا پینا پسند کرو گے؟" اس نے میری طرف مزید جھک کر مخمور لہجے میں پوچھا۔

"میں چائے یا کافی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔" میں نے اس سے ذرا دور سرکتے ہوئے کہا۔

"اوہ......! یہ بری بات ہے۔" اس نے ایک ادا سے کہا اور اچانک ایک ہلکی سی چیخ مار کر خوف زدہ انداز میں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے بھی بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

باہر سے آنے والی فائر کی آواز بہت واضح تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ لو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مال و وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنا ئی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے ہٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پہ بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل حلق میں آگیا۔

اب آپ قسط نمبر 252 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"یہ حرام زادہ باز نہیں آئے گا۔" لی نے لمحے بھر بعد اپنے اضطراری ردِعمل سے سنبھلنے کے بعد جھلاہٹ اور غصے کے ساتھ کہا "مجھے کسی سے اس کے ہاتھ پیر تڑوانا پڑیں گے۔"

میرے لیے لی کے وہ الفاظ حیران کن تھے۔ باہر گولی چلنے کے بعد اس کا وہ تبصرہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ اچانک فائر کرنے والے سے اچھی طرح واقف تھی۔

''تم کس کا ذکر کررہی ہو؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ پھوم فاٹ کے سوا کسی کی حرکت نہیں ہوسکتی۔'' وہ غصے سے بل کھاتے ہوئے بولی ''وہ بہت گھٹیا اور گھناؤنا آدمی ہے۔ پچھلے ایک مہینے میں آج اس نے چوتھی بار یہاں سے گزرتے ہوئے ہوائی فائر کیا ہے۔''

''پھوم فاٹ!'' میں نے معنی خیز انداز میں وہ نام دہرایا اور کہا ''تمہارا کوئی ناراض اور بگڑا ہوا عاشق معلوم ہوتا ہے۔'' فائر کے بارے میں لی کی غصیلی وضاحت سن کر میری تشویش اور پریشانی رفع ہوچکی تھی۔

''بنکاک کا ایک اوباش رئیس زادہ ہے۔ مجھے صورت ہی سے وہ مکروہ اور گھناؤنا نظر آتا ہے۔ میں اپنا جسم بیچتی ہوں مگر ہرایرے غیرے کو نہیں۔ میری خلوت میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو مجھے پسند نہ ہوں تب بھی، کم از کم گوارا ضرور ہوتے ہیں۔ پھوم فاٹ کو میں نے یہاں سے بھگا دیا تھا۔ اس کے دماغ میں اپنی دولت کا خنّاس گھسا ہوا تھا۔ اس نے مجھے منہ مانگا معاوضہ دینے کی پیشکش کی، میں نے اسے بھی ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد سے وہ بدمعاشی پر اتر آیا ہے۔ جب بھی زیادہ پی لیتا ہے تو اسے میرے وجود کی خلش ستانے لگتی ہے۔ وہ اپنے دو چار حواریوں کے ساتھ یہاں ایک آدھ ہوائی فائر کرتا ہوا گاڑی میں بھاگ جاتا ہے۔ کمینہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں ڈرکراس کے سامنے ہتھیار ڈال دوں گی۔''

وہ کہانی سناتے ہوئے لی صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرا ہاتھ تھام کراس نے مجھے بھی اپنے قریب بٹھالیا۔ اس کے حریری لباس کی تہیں ڈھلک کر نیچے چلی گئی تھیں اور میں اس کے وجود کے بعض حصوں کے لمس سے پریشان ہورہا تھا۔

''تمہیں پولیس کو ان واقعات سے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولی ''تم کس پولیس کی بات کررہے ہو۔ وہ پھوم فاٹ کے بجائے مجھے ہی... پریشان کریں گے۔ ان کے لیے وہ لفنگا یہاں کا ایک باحیثیتِ اور معزز شہری ہے اور میں ایک طوائف۔ وہ میری شکایت پر کان نہیں دھریں گے۔''

اس نے میز سے گلاس اٹھا کر تلخ لادے کا ایک گھونٹ لیا اور میں سرک کر اس سے الگ ہوگیا۔ اس کے ذہن کو اس خفیف سی تبدیلی سے ہٹانے کے لیے میں نے کہا ''تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم دکان سجاتی ہو تو یہاں ہر قسم کا گاہک آئے گا۔ کوئی دکان دار آنے والے گاہکوں پر پابندی نہیں لگا سکتا۔ اگر تم نے اپنے جسم کو روزی کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے تو پسند اور ناپسند والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتی۔ تم برج، پوکر اور رمی وغیرہ ہر ایک کے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔ اس کے لیے تم اپنی پسند اور معیار کے کھلاڑی تلاش کرتے ہو۔ میرا بھی یہی معاملہ ہے......''

میں نے اس کی بات وہیں اچک لی ''تم غلط مثال دے رہی ہو۔ تاش کے سارے کھیل تفریح کے زمرے میں آتے ہیں، تمہارا کام مختلف ہے۔''

اس نے پرزور انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''میں بھی اپنے پیشے کو تفریح کا درجہ دیتی ہوں۔ میں آلو چنے اور دلیا نہیں بیچتی، اپنے وقت کا سودا کرتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے اپنی پسند کے انتخاب کا حق ہے...... تم بلاوجہ اس چکر میں کیوں پڑ رہے ہو۔ تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ تم یقین کرو کہ تم سے مل کر میری روح تک خوش ہوگئی۔ تم جیسی مرد کی رفاقت کے لیے میں منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوجاتی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اپنا وعدہ نبھانے کے لیے آگئے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم میں پیرس کی رنگین مزاج اور مالدار عورتوں کی خوبو آگئی ہے۔''

وہ ہنس دی ''کیا وہاں واقعی ایسا ہوتا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں کبھی پیرس نہیں گیا لیکن سنا یہی ہے۔ وہاں اس قماش کی عورتیں آسودگی کی تلاش میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت لٹاتی ہیں۔''

''میں بھی کبھی پیرس نہیں گئی۔'' اس نے خوش دلی سے اپنی صفائی پیش کی ''یہ بات یہاں عام ہوجائے تو بنکاک کے سارے کنگال شہدے پیرس چل دیں گے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ پھوم فاٹ یہاں آتا ہے اور فائر کرکے چلا جاتا ہے، تمہارا چوکیدار اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا۔''

''تیزی سے گزرتی ہوئی کار کے خلاف وہ بے چارہ کیا کرسکتا ہے!'' لی نے اپنے ملازم کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''اس پر دورہ پڑنے کا کوئی وقت مقرر ہے نہ دن۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت چار بجے ہیں اور وہ یہاں سے گزرا ہے۔ اگر وہ نشے میں دھت تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دوپہر سے شراب پی رہا ہوگا۔''

''کسی کے گھر پر یوں فائر ہونا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ان کپڑوں میں تمہارا سارا بدن جھلک رہا ہے۔ گون پہنو۔ ہم باہر چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پھوم فاٹ کی حرکت نہ ہو، باہر کوئی اور واقعہ پیش آیا ہو۔''

''بیٹھے رہو!'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مخمور سی آواز میں کہا ''میں نے تمہیں کسی تفتیش کے لیے نہیں بلایا۔ یہاں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ باہر کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی تو دربان اب تک انٹرکام پر مجھے بتا چکا ہوتا۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں پہلے ہی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک محسوس کی۔ اس وقت لی کی آنکھیں اس کے دل کی زبان بولتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ چند ثانیوں بعد سٹپٹا کر اپنی نظریں جھکائیں۔

''تم نے مجھے چائے پینے کے لیے بلایا تھا۔ اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔'' وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے سر اٹھا کر کہا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم شراب پینے سے ڈرتے ہو۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے اکسانے کی کوشش کی ''چائے بھی آجائے گی۔''

وہ آخری فقرہ ادا نہ کرتی تو میں اسے خاصا سخت جواب دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چائے آنے کی اطلاع ملنے پر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

لی نے اپنی خواب گاہ میں اپنی سہولت کے لیے بہت سے بندوبست کیے ہوئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس پرتعیش صوفے کے کسی حصے میں گھنٹی کا بٹن چھپا ہوا تھا۔ لی نے مجھ سے بات کرتے ہوئے خاموشی سے وہ بٹن دبایا اور اندر گھنٹی کی ہلکی سی مترنم آواز گونجتی ہوئی سنائی دی تو مجھے شبہ تک نہ ہوسکا کہ وہ گھنٹی لی نے بجائی ہوگی۔ چند لمحوں بعد ایک خوب رو اور نازک اندام لڑکی دروازے پر دستک دینے کے چند ثانیوں بعد اندر آئی تو مجھ پر وہ عقدہ واضح ہوگیا۔

لی کے مقابلے میں لڑکی کا لباس بہت قرینے کا اور مکمل تھا۔ اس کے مودب قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لی کی ملازمہ تھی۔

لی نے مسکرا کر تھائی زبان میں اسے کچھ ہدایت دی او وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر واپس چلی گئی۔

''ملازمہ کو بلایا تھا تو تمہیں اپنے بدن پر گون ڈال چاہیے تھا۔ یہ باریک ریشمی لبادہ تمہارے جسم کو چھپانے کے لیے ناکافی ہے۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

''اسے سب معلوم ہے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''ویسے بھی یہاں کی عورتیں، عورتوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ تم بلاوجہ بھکشو بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ لڑکی بہت چائے بناتی ہے، پی کر تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

''تم بہت بے باک ہو۔ تمہارے ملازمین تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے!''

''جب تک انہیں وقت پر معقول تنخواہیں ملتی رہیں گی کچھ نہیں سوچیں گے۔ میں اپنی آمدنی کو سوچ سمجھ کر ڈھنگ سے خرچ کرتی ہوں۔ سب مجھ سے خوش ہیں۔''

اس کے بدن کی ہر جنبش سے اس کا ریشمی لبادہ اس متناسب بدن پر ادھر سے ادھر ڈھلک رہا تھا، میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کی طرف دیکھے بغیر بات کرتا رہوں۔ وہ میرے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی اس لیے مجھے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر مجھے مان لینا پڑا کہ وہ فسوں خیز وجود رکھتی ہے جس کے سحر سے کوئی بھی زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے تپائی پر رکھے ہوئے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر دوبارہ بولی ''میں نے تمہیں اپنی پوری کہانی سنادی۔ تم نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ میں نے چھوٹا راجن کی درندگی کے خلاف کارروائی کی۔''

''مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ابھی تم پھوم فاٹ کے حوالے سے بتا چکی ہو کہ یہ پولیس اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بجائے تم کو پریشان کرے گی۔ راجن، پھوم فاٹ سے بڑا اور خطرناک آدمی ہے۔ اس نے پولیس کے محکمے کے کلیدی افسروں کو خرید کر اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ ان سے راجن کے خلاف انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تمہارے سامنے صبر کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''ماسٹر! تم بہت گہرے اور ذہین آدمی ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''مجھے اپنے راستے کی رکاوٹ کا اندازہ تھا۔ میں نے خاموشی سے اپنی بہن کو سپردِ خاک کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ میں چھوٹا راجن سے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی۔ تمہاری اور جاوٗ فان کی وجہ سے میرا وہ عہد پورا ہوگیا۔ اب میں تمہاری باندی ہوں۔ مجھ سے نظریں نہ چراوٗ۔ غور سے میری طرف دیکھو۔ میں حسین ہوں' جوان ہوں' سبک اندام اور دراز قامت ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہاری دسترس میں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھ سے دور کیوں ہورہے ہو۔ اس کمرے میں آنے والوں کو میں نے اکثر دیوانہ ہوتے دیکھا ہے۔ میرا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔''

''ضرور بولتا ہوگا۔'' میں نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی ''میں بھی پتھر نہیں ہوں۔ گوشت پوست سے بنا ہوا انسان ہوں۔ تمہارے لباس سے جھلکتا ہوا سراپا دیکھ کر میرے دماغ میں بھی انگارے سے چٹخ رہے ہیں۔''

وہ فاتحانہ انداز میں دھیرے سے ہنس دی ''آدمی ایمان دار ہو' جھوٹ نہیں بولتے۔ تم چائے پی لو پھر میں دیکھوں گی کہ تم کو خود پر کتنا قابو ہے۔''

وہ اپنا گلاس لے کر ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور مست خرامی کرتی ہوئی اپنی پرتکلف مسہری پر میرے سامنے دراز ہوگئی۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے برابر میں بیٹھے رہنے کے بجائے وہ میرے سامنے آکر مجھے زیادہ موثر انداز میں رجھا سکے گی۔

اس نے نزاکت سے اپنا گلاس مسہری کے گدے پر رکھا اور اپنا چہرہ بائیں ہتھیلی پر ٹکا کر میری طرف کروٹ لے لی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ سے سرمئی دھواں لہراتا ہوا اوپر اٹھ رہا تھا۔

''لی! مجھے امتحان میں نہ ڈالو!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''اپنا گون پہن لو۔ جاوٗ فان تمہیں بتا چکا ہے کہ میں شادی شدہ ہوں......''

''ماسٹر! شاید تم کو یہ جان کر حیرت ہو کہ میرے مہمانوں میں اکثریت شادی شدہ لوگوں کی ہوتی ہے۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی ''وہ اپنی گھریلو زندگی سے اکتا کر میرے پاس آتے ہیں۔ میں ان کا دامن خوشیوں سے بھر دیتی ہوں۔''

''وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے۔ میں وفا کا......''

میری بات پھر ادھوری رہ گئی۔ اس بار لی کی سانولی سلونی اور خوش رو ملازمہ میرے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں آگئی۔

اس نے ٹرے میز پر رکھی' میرے لیے چائے بنائی اور پیالی میرے سامنے رکھ کر خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔ وہ چائے کے ساتھ دوسرے بہت سے لوازم بھی لائی تھی۔

''تم وفا کی بات کررہے تھے۔'' خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد لی نے مجھے یاد دلایا ''ماسٹر! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ جمال پرستی تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے اور جو مرد جمال پرست ہو وہ کبھی ایک عورت کا وفادار نہیں ہوتا۔ اس کی طبیعت سیمابی ہوتی ہے۔ وہ بھونرے کی طرح کلی کلی منڈلاتا رہتا ہے۔ تمہیں بھی اپنے اوپر بھروسا نہیں ہے اس لیے تم مجھے نگاہ بھر کر دیکھنے سے ڈررہے ہو۔''

''یونہی سمجھ لو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''یہ اپنے بارے میں تمہاری رائے ہوسکتی ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ تم ڈراوٗنی نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قسمت نے تمہیں زہد شکن حسن سے نوازا ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم خود کو بہت بے رحمی سے لٹا رہی ہو۔ تم نے اپنے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔''

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے' دلچسپی سے میری بات سنی پھر سگریٹ کا ایک کش لے کر بولی ''تم دردمند انسان ہو۔ کبھی کبھی میں خود بھی یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں نے اپنے لیے زندگی گزارنے کا کوئی اچھا ڈھنگ اختیار نہیں کیا لیکن اب میری واپسی کے تمام راستے بند ہوچکے ہیں۔ بدھا نے کہا ہے کہ اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں میں خوشیاں بانٹ سکے۔ میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہوں کہ میں اپنے ہر مہمان کو مسرتوں سے نہال کرکے لوٹاتی ہوں......''

''یہ تمہاری خودفریبی ہے۔'' میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر اس کی بات کاٹ دی ''جب ان اعلیٰ اصولوں کی بات ہوتی ہے تو سچائیوں کا ذکر آتا ہے' تم منفی سمت میں سوچ رہی ہو۔ اگر کسی جنونی کو انسانی خون بہا کر خوشی حاصل ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ اس کے لیے خون ریزی جائز ہوگی۔ بدی ہر حال میں بدی رہتی ہے۔ تم اسے نیکی کا درجہ دینے کی بھیانک غلطی کررہی ہو۔''

''ماسٹر! ان باتوں کو چھوڑو!'' اس نے کسل مندانہ انداز میں ایک ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''مجھے اب ان فلسفوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ تم اچھی تقریر کرلیتے ہو لیکن تمہاری یہ باتیں میرے لیے بے سود ہیں۔ میں نے اپنی دنیا

خود بنائی ہے۔ مجھے اس میں مگن رہنے دو۔ بے وقت کی اس راگنی سے میرے سرور کو خراب نہ کرو۔''

''دراصل میں بھی تم کو یہی بتانا چاہ رہا ہوں۔ میری بھی ایک دنیا ہے۔ مجھے اس میں رہنے دو۔ مجھے اپنی دنیا میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرو۔'' میری مزاحمت جاری رہی۔

''تم چائے پیو۔ یہ ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔'' اس نے اچانک بات بدل دی۔

اس سحر انگیز اور خنک خواب گاہ میں کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں باہر کی روشنی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ وہاں دھیمی اور خواب ناک روشنیاں نہ جل رہی ہوتیں تو سرِ شام ہی وہاں رات اتری ہوئی معلوم ہوتی۔ میں نے پیالی سے چائے کا پہلا گھونٹ لیا اور میں لی کی خادمہ کے ہنر کا قائل ہو گیا۔ چائے بہت لذیذ تھی۔

لی نے اس شام مجھ سے ملاقات کے لیے اپنے ذہن میں ایک نقشہ جمایا ہوا تھا۔ وہ اس کے کیف و سرور میں مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔

چائے کی پیالی خالی ہونے تک مجھے اپنا سر بھاری ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ لی دلچسپی سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔

رفتہ رفتہ میرے ذہن پر سرور کی عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی اور میں صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ طبیعت چاہ رہی تھی کہ میں وہیں لیٹ جاؤں۔

''کیا بات ہے۔ تم کچھ بے آرام نظر آ رہے ہو!'' لی نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا۔'' میں نے بوجھل ہوتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری چائے میں شاید کوئی مسکن دوا ملی ہوئی تھی۔''

شوخی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولی ''میں اس لڑکی سے عاجز ہوں۔ یہ خورد و نوش کی چیزوں میں ذائقہ پیدا کرنے کے چکر میں نت نئے تجربے کرتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری چائے میں کچھ ملا دیا ہو۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی وہ مسہری سے اتر آئی۔ قریب آ کر اس نے بہت نرمی سے میرا بازو تھاما اور میرے اوپر جھکتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''آؤ...... کچھ دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔ ذرا سی دیر میں تمہاری طبیعت سنبھل جائے گی۔''

وہ مجھ سے اتنا قریب آ گئی کہ بعض مقامات پر میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ صفر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے وجود سے آنے والی مہکار میرے مختل ہوتے ہوئے اعصاب پر کسی نہ کسی حد تک اثر انداز ہونے لگی۔

اس نے مجھے صوفے سے اٹھایا اور کشاں کشاں اپنی مسہری پر لے گئی۔ مجھے وہاں لٹانے کے بعد وہ خود بھی مسہری پر آ گئی۔ اس نے میرے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر میرا سر اپنی گود میں لے لیا اور ہولے ہولے میرا سر سہلانے لگی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں موند لیں۔

''ماسٹر!'' میرے کان میں اس کی سرگوشیانہ آواز گونجی ''میں نے تم سے اپنے انتقام کی بات کی تھی نا۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ وائٹ ہاک کو ڈبو کر ہم نے چھوٹا راجن کا غرور توڑا ہے۔ میرے دل میں اس دن ٹھنڈک پڑے گی جب میری مظلوم بہن کی طرح وہ خود بھی پیوند خاک ہوگا۔''

''لی...... تم نے یہ بات کہنے کے لیے بہت لمبا طریقہ اختیار کیا ہے۔'' میں نے اسے جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھاری پن محسوس کیا ''تم مجھے چائے پلائے بغیر بھی اپنی اس خواہش کا اظہار کر سکتی تھیں۔ اس وقت میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ دماغ ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ تم نے میری چائے میں کیا ملوایا تھا؟'' میری آنکھیں بہ دستور بند تھیں۔

''تھوڑی سی ایل ایس ڈی!'' وہ میرے اوپر جھک آئی ''ماسٹر! تمہاری آنکھیں اتنی چمکیلی اور خوفناک ہیں کہ میں تم سے نظریں ملا کر یہ بات کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، اسے جان سے مارنے کی بات کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ بنکاک میں راجن کے خون کے پیاسوں میں ایک کا اضافہ ہو چکا تھا۔ میرے حواس پر چھا جانے والی سرور کی لہر اتنی گہری ہو چلی تھی کہ میں خواہش کے باوجود لی سے کچھ نہ کہہ سکا۔

میں راجن کے لیے لی کے دل میں چھپی ہوئی بے پناہ نفرت کے بارے میں جان کر خوش تھا، لی مجھے ایل ایس ڈی کے سہارے زیر کر کے خوش تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزری تھی۔ اس بارے میں اس سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ بحث کے نتیجے میں صرف تلخی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میری مفاہمانہ خاموشی اور سپردگی نے لی کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اس نے مجھے جس میزبانی کے ارادے سے اس شام اپنے گھر بلایا تھا، وہ پورے اہتمام کے ساتھ اس کی انجام دہی کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔

میں ایک مدت تک شراب نوشی کی بری عادت کا شکار رہا۔ پیتا تھا تو بس پیتا ہی چلا جاتا تھا لیکن ایسی بلا نوشی کے

باوجود میں کبھی مدہوشی کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ ایل ایس ڈی کے استعمال کے بارے میں وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ وہ ہیروئن کی طرح متعدد طریقوں سے استعمال کی جاتی تھی۔ لی نے مجھے شکار کرنے کے لیے شاید اس کی کوئی خاص قسم چائے میں ملا کر دھوکے سے میرے دوران خون میں شامل کی تھی۔ اس کے اثرات بہت تیز اور گہرے تھے۔

اس دوران میں لی والہانہ انداز میں میرے ساتھ جو سلوک کرتی رہی، مجھے اس کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مکمل ادراک تھا لیکن اس کے ساتھ میرے ذہن میں عجیب وغریب پیکر اور اوہام بھی سر ابھارتے رہے تھے۔

جب فون کی گھنٹی بجی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی میرے وہم کا کرشمہ رہا ہو۔ میرے لیے وہاں فون آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب گھنٹی کئی بار بجی اور میں نے اپنے موبائل فون پر توجہ نہیں دی تو میرے برابر میں، بستر پر دراز لی نے نرمی سے مجھے جھنجوڑ کر دھیرے سے کہا ''ماسٹر! تمہاری کال آرہی ہے۔ فون سن لو!''

گزرے ہوئے لمحوں میں میری ذات کی طرح سب کچھ لی کے بستر پر بکھر گیا تھا۔ میں نے بوجھل پپوٹے کھولے تو میرا موبائل فون لی کے ہاتھ میں تھا۔

میں نے فون کا بٹن دبا کر کسل مندی کے ساتھ ہیلو کہا تو دوسری طرف سے چاؤ فان کی مسرت آمیز اور چہکتی ہوئی آواز آئی ''ماسٹر! تم کہاں ہو؟''

''تمہاری لی کی خواب گاہ میں سنبھلنے کی کوشش کررہا ہوں۔'' میں نے مبہم الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کی۔ غنیمت یہ تھا کہ ایل ایس ڈی نے میرے ذہن کو پوری طرح ماؤف نہیں کیا تھا۔

''وہاں بڑے بڑے لڑکھڑا جاتے ہیں!'' ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز ابھری ''میں نے تم کو بتادیا تھا کہ مادام خطرناک مگر مزے دار عورت ہے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم میری غیر حاضری میں یہاں سے نہ نکل گئے ہو۔''

مجھے یاد آگیا کہ وہ لی کے گھر کے باہر رک کر میرا انتظار کررہا تھا۔ میں نے پوچھا ''تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''مادام کو بتادو کہ آج میں نے اسے پریشان کرنے والے پھوم فاٹ کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔''

یکایک مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ میں مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''کیا باہر اسی نے گولی چلائی تھی؟''

''ہاں، ماسٹر!'' اس نے پُرجوش لہجے میں اثبات میں جواب دیا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں مادام کا پرانا معتقد ہوں۔ اس نے مجھے بتایا ہوا تھا کہ پھوم فاٹ اسے پریشان کرتا رہتا ہے۔ آج اس کی شامت آئی ہوئی تھی کہ وہ میری موجودگی میں ادھر آنکلا۔ فائر ہوتے ہی میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ لمبے تعاقب کے بعد میں نے لم پنی پارک کے قریب اسے گھیر کر ایسی مار لگائی ہے کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا......''

اس وقت چاؤ فان کی فون کال میرے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ اس کی آواز سنتے ہی میرا ذہن ایل ایس ڈی اور لی کے جسمانی سحر سے تیزی سے آزاد ہونے لگا۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''تمہیں اس سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ لی کو کوئی گزند پہنچانے پر تل جائے۔''

''میرا کیا ذکر ہے۔ کیا چاؤ فان کا فون ہے؟'' لی نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کردیا۔ چاؤ فان کہہ رہا تھا ''ماسٹر! اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میں نے دل کھول کر اس کی پٹائی کی ہے۔ آخر میں، میں نے اس کے بدن سے ایک ایک کپڑا اتروا کر اس کی گاڑی کے چاروں ٹائروں کی ہوا نکال دی۔ اب وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ وہاں ایک تماشا بنا ہوا ہوگا۔ اس کا پستول اور کپڑے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ یہ مادام کی نذر کروں گا۔''

''اب زلزلہ آجائے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ میں ذرا سی دیر میں آرہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

دوران گفتگو میں میری زبان سے اپنا نام سن کر لی مضطرب ہوگئی تھی۔ چاؤ فان سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی وہ میرے پیچھے پڑگئی۔

جب میں نے اسے پورا واقعہ سنایا تو فتح مندی کے احساس سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ مسرت سے مغلوب لہجے میں بولی ''کسی پر برا وقت آتا ہے تو حالات اسی طرح رخ بدل لیتے ہیں۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم نے چاؤ فان کو باہر روکا ہوا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا، بہت اچھا کیا۔ تم بلاوجہ اس بے چارے کو ڈانٹ رہے تھے۔ پھوم فاٹ بزدل عاشق ہے۔ اب وہ ادھر آئے گا نہ کسی کو اپنے ساتھ پیش آنے والے

واقعے کے بارے میں بتائے گا۔ پیسے والے دل پھینک مردانا پرست بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کو اس بارے میں بتاتے ہوئے وہ اپنی سبکی محسوس کرے گا۔ جو ہوا ہے' وہ بہتر ہوا ہے...... اور ہاں! یہ تو بتاؤ کہ بے چارہ چاؤ فان باہر کیوں رکا ہوا ہے؟ تم اسے اپنے ساتھ اندر کیوں نہیں لائے؟''

''تم نے صرف مجھے بلایا تھا۔ اس کے بارے میں خاص طور پر کہا تھا کہ وہ مجھے یہاں پہنچا کر واپس چلا جائے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ رک گیا۔''

''چلو' جو ہوا بہتر ہوا۔ وہ تمہارے ساتھ اندر آ جاتا یا واپس چلا جاتا تو پھوم فاٹ کے مقدر کا لکھا کیسے پورا ہوتا۔ پھوم فاٹ کی حالت کے بارے میں سوچ کر میرا رواں رواں خوش ہو رہا ہے۔ تمہارا چاؤ فان بھی بہت ستم ظریف آدمی ہے۔ اس کے کپڑے اتروانے کے ساتھ چاروں ٹائروں کی ہوا بھی نکال آیا۔ وہ وہاں سے بھاگ سکتا ہے نہ وہاں رکا رہ سکتا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ اس کی حالت دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑی جا رہی ہوگی۔''

''مجھے یقین ہے کہ لڑکی اس منظر کی تاب نہیں لا سکی ہوگی۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئی ہوگی۔''

لی نے مخمور انداز میں ہلکا سا قہقہہ لگایا اور انٹر کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کے سنورے ہوئے بال اس وقت بے ترتیبی سے پیشانی اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے' ہلکا پھلکا میک اپ معدوم ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے مسہری سے اتر کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی میں نے بوکھلا کر تولیا سنبھالا اور اپنا چہرہ رگڑنا شروع کر دیا۔ میری وہ ہیئت کذائی دیکھ کر چاؤ فان کو مجھ پر دل کھول کر ہنسنے کا موقع مل سکتا تھا۔

''میں نے چوکی دار سے کہا ہے کہ وہ چاؤ فان کو اندر بھیج دے!'' انٹر کام پر گفتگو سے فارغ ہو کر لی نے مجھے مطلع کیا۔

میں اپنا چہرہ صاف کر کے پلٹا تو لی اپنے نازک لبادے پر گون پہن چکی تھی اور اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹنے میں مصروف تھی۔

''تم بہت ضدی اور سرکش عورت ہو!'' میں ملامت آمیز لہجے میں تبصرہ کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ صاف ہو چکا تھا لیکن جسمانی طور پر میں تکان محسوس کر رہا تھا۔

لی نے مسکرا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور آئینے کے سامنے چلی گئی۔

چاؤ فان اس گھر کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس گھر میں آنے کے آداب سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس نے خواب گاہ کے دروازے پر دو بار ہلکی سی دستک دی اور لی سے اجازت ملتے ہی اندر آ گیا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک تھیلی جھول رہی تھی۔

اس نے کمرے کے وسط میں اپنے سر کو خم دے کر' ہم دونوں کو تعظیم پیش کی پھر اپنے بائیں ہاتھ میں جھولتی ہوئی تھیلی لی کی طرف بڑھا دی۔

''آج کیا لے آئے میرے لیے؟'' لی نے اس کے ہاتھ سے تھیلی لیتے ہوئے' لگاوٹ کے انداز میں سوال کیا۔

''آج کی شام کے لیے میری طرف سے تمہارے لیے ایک یادگار تحفہ!'' چاؤ فان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اس میں پھوم فاٹ کے بدن سے اتروائے ہوئے چھ کپڑوں کے ساتھ اس کا پستول بھی ہے۔''

''چھ کپڑے!'' لی نے حیرت سے کہا ''کیا وہ اس گرمی میں سوٹ پہنے پھر رہا تھا۔''

''ان میں دو زیر جامے اور دو موزے بھی شامل ہیں۔'' چاؤ فان شوخی سے بولا۔

''پھوم فاٹ شہر کا جانا پہچانا رئیس زادہ ہے۔ لم پنی پارک کے علاقے میں ہر وقت بہت سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اسے بہت سے لوگوں نے برے حال میں دیکھا ہوگا۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب میرا دل دکھانے والوں کا برا وقت آ گیا ہے۔''

''مجھے امید ہے کہ ماسٹر نے تمہارا دل نہیں دکھایا ہوگا!'' چاؤ فان نے شوخی اور معنی خیز انداز میں لی سے وضاحت چاہی۔

''اب میرے اور ماسٹر کے معاملے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ ماسٹر شان دار آدمی ہے۔ ہماری آج کی ملاقات یادگار رہی ہے۔'' لی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

''مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ ماسٹر کچھ سست ہے۔'' چاؤ فان نے غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

وہاں جو کچھ ہوا سو ہو گیا' میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ لی کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں گزرے ہوئے وقت کا احوال چاؤ فان کے سامنے زیر بحث آئے۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

لی نے ہم دونوں کو روکنا چاہا لیکن میں رکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ لی کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔ وہ لپک کر شکن آلود بستر کی طرف

گئی اور تکیے کے نیچے سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میری طرف بڑھادی۔

''یہ گڈی تمہاری جیب سے نکل گئی تھی۔'' لی نے کہا ''میں نے سنبھال کر رکھ دی!''

وہ ڈان کی دی ہوئی گڈی تھی۔ اسے اپنی جیب میں اڑستے ہوئے میری نظریں غیر ارادی طور پر چاؤ فان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی تھی اور آنکھوں میں حیثیانہ چمک رقصاں تھی۔

چاؤ فان کی وہاں موجودگی کا بھرم کھل گیا تھا اس لیے وہ اپنی گاڑی پورچ میں لے آیا تھا۔ لی نے وہاں تک آ کر ہمیں گرم جوشی سے رخصت کیا اور چاؤ فان اپنی گاڑی کھلے ہوئے چوبی پھاٹک سے باہر لیتا چلا گیا۔

''ماسٹر! کیا بات ہے۔ تمہیں کچھ چپ سی لگی ہوئی ہے!'' .... چند ثانیوں کے بعد چاؤ فان نے سنجیدہ لہجے میں زبان کھولی۔

پہلے میں نے سوچا کہ اسے ڈانٹ دوں لیکن اس طرح اس کے سوال کی اہمیت بڑھ جاتی۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے کہا ''لی بہت بولتی ہے۔ اب مجھے خاموشی میں مزہ آ رہا ہے۔''

''کہاں مادام کا موی وجود اور کہاں تمہارا یہ خادم۔ خاموش رہ کر اسی کے بارے میں سوچ رہے ہو گے!'' وہ چہک کر بولا ''ایک لاکھ بھات کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں تم اسے بھی بھول گئے تھے۔ مادام کے دل میں بے ایمانی آجاتی تو تم ڈان کے اس انعام سے محروم ہو سکتے تھے۔''

''وہ حسین اور دلیر ہونے کے ساتھ ایمان دار بھی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ''کسی ایک عورت میں اتنی خوبیاں مشکل سے یک جا ہوتی ہیں۔ میں تمہارے انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ تم نے بنکاک میں بہت کارآمد عورت تلاش کی ہے۔''

''ڈان اسے لمبی گھوڑی کہہ رہا تھا۔'' اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے شکوہ کیا۔

''ڈان اپنی مرضی کا مالک ہے۔ وہ کسی کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔''

''میں نے مادام کے سامنے ایک بات نہیں بتائی۔'' وہ چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد بولا ''پھوم فاٹ کو چھوٹا راجن نے ورغلایا ہوا تھا۔''

''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جب میں اس کے کپڑے اتروار ہا تھا تو وہ رو رو دینے والے انداز میں چھوٹا راجن کو گالیاں دے رہا تھا۔'' اس نے بتایا ''مادام کے لیے پھوم فاٹ کی تڑپ دیکھ کر چھوٹا راجن نے اسے مشورہ دیا تھا کہ مادام کو زبردستی اٹھوالو یا دور رہ کر اسے خوف زدہ کرو۔ وہ بازاری عورت ہے۔ ڈر کر پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آ گرے گی۔''

''راجن اسے کہاں مل گیا تھا؟'' میرا تجسس برقرار رہا۔

''ماسٹر! یہ سب اونچے طبقوں کے کرشمے ہیں۔ غریبوں کی بستیوں میں شریف اور رذیل کی پہچان بہت آسان ہوتی ہے۔ جیسے جیسے اوپر کے طبقوں میں جاؤ گے' یہ شناخت مشکل سے مشکل تر ہوتی جائے گی۔ اعلا طبقے میں انسان اور شیطان' سب ایک ہوتے ہیں' شرافت کی کوئی قدر کی جاتی ہے نہ کمینوں پر تھوکا جاتا ہے۔ ہر شخص کی عزت اس کے مال کے حساب سے ہوتی ہے۔ شہر کے سارے مالداروں سے چھوٹا راجن کا قریبی میل جول ہے۔ وہ انہیں آئے دن اپنی دعوتوں میں بلاتا رہتا ہے۔ پھوم فاٹ بھی اس کے دستر خوان کا کتا ہوگا۔'' میرے مختصر سے سوال کے جواب میں اس نے اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

''پھوم فاٹ تمہیں بھی پہچانتا ہوگا!'' میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

اس نے اپنے سر کو مایوسی سے نفی میں جنبش دی اور بولا۔ ''ابھی تمہارا خادم شہر میں اتنا مشہور نہیں ہوا کہ لوگ اسے چہرے سے پہچاننے لگیں۔ حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے تو جلد ہی ایسے بھلے دن بھی آجائیں گے۔''

''کیا تمہاری پوری قوم زیادہ بولنے کے مرض میں مبتلا ہے؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ بھی ایک فن ہے جس پر ہر ایک کو ملکہ حاصل نہیں ہوتا۔ ابھی تم اسی بارے میں مادام کی شکایت کر رہے تھے' اب مجھ سے شاکی ہو۔''

''ڈان زیادہ نہیں بولتا۔'' میں نے گہرے طنز سے کہا۔

''وہ دوغلا ہے نا!'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹنا شروع کر دیا ''یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ میرا دماغ خراب ہے' میں اُلّو کا پٹھا ہوں...... ماسٹر! میری اس بات کو بھول جانا۔ سمجھ لینا کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔'' اس نے آخری دو فقرے لجلجاتی ہوئی آواز میں ادا کیے تھے۔

میں بے اختیار مسکرا دیا ''فکر نہ کرو۔ یہ بات ڈان تک

نہیں پہنچے گی لیکن حقیقت یہی ہے۔ وہ دوغلا نہ ہوتا تو تمہاری طرح بسیار گو ہوتا۔ اس کا سب سے بڑا بھرم یہی ہے کہ وہ ضرورت سے بھی کم بولتا ہے۔''

اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غیر متوقع طور پر خاموش رہا۔

دور سے بلٹن ہوٹل کی عمارت کے آثار نظر آنا شروع ہوئے تو چاؤفان نے اپنا سکوت توڑ دیا ''ماسٹر! مادام سے مل کر تمہیں خوش اور چونچال ہونا چاہیے تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خاموش ہو۔''

''لی کا نشہ گہرا ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''رفتہ رفتہ اتر جائے گا۔'' میرا ذو معنی جواب اس کے سر پر سے گزر گیا۔

''ویسے بھی آج تم تھکے ہوئے ہو۔ پوری رات وائٹ ہاک کے چکر میں کالی ہوگئی۔ دوپہر کو میں پہنچ گیا۔ تمہیں ڈھنگ سے سونے کا موقع بھی نہیں مل سکا ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''آج رات کی نیند پوری کر لینے کے بعد کل چھوٹا راجن کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔ وائٹ ہاک کے بعد اب اسی کی باری ہے۔''

''تم اس کی خیر خبر رکھو۔ پتا نہیں وہ کب تک موتی محل میں اپنا منہ چھپائے بیٹھا رہے گا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اب ڈان کو اس کے بارے میں تیزی سے خبریں ملنا شروع ہو جائیں گی۔'' اس نے مضبوط اور پر امید لہجے میں جواب دیا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اب بھی شہر کے بہت سے لوگ چھوٹا راجن کے آدمیوں سے چھپ کر ڈان سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ وائٹ ہاک ڈوبنے کے بعد' آنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ نمبر بنانے کے چکر میں کچھ لوگ چھوٹا راجن کے خلاف مخبری بھی شروع کر سکتے ہیں۔''

وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ روزمرہ کی عام زندگی میں سب ہی کے یار ہوتے ہیں۔ زیرزمین دنیا کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ وہاں ہر شخص چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔ کسی بھی استاد' ماسٹر یا باس کی ساکھ کو ذرا سا نقصان پہنچے تو اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر کائی کی طرح الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر راجن کے قریبی آدمیوں میں سے ایک دو فرد بھی ٹوٹ کر ڈان سے مل جاتے یا راجن کو ڈبل کراس کرتے رہتے تو ہماری منزل بہت قریب آ سکتی تھی۔

''ڈان نے تمہیں کچھ ہدایت کی ہے۔ اس کا دھیان رکھنا۔'' میں نے اسے تاکید کی۔

''ماسٹر! تم فکر نہ کرو۔ ڈان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ میرے سینے پر نقش ہو جاتا ہے۔ تم سے الگ ہوتے ہی میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔ صبح ہونے سے پہلے یہ خبر شہر بھر میں گردش میں آ چکی ہوگی کہ جو چھوٹا راجن کا دشمن نہیں ہے وہ اس کا دوست سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو چھوٹا راجن کے ساتھ ہو رہا ہے۔''

اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا اور آگے روانہ ہو گیا۔

اپنے کمرے کا رخ کرنے سے پہلے میں نے ہوٹل کے کیفے میں بیٹھ کر گرم گرم چائے کی ایک پیالی اپنے معدے میں اتاری تاکہ میرے ذہن سے ایل ایس ڈی کے رہے سہے اثرات بھی زائل ہو جائیں۔ چائے نوشی کے بعد وہیں بیٹھ کر میں نے ایک سگریٹ ختم کی اور مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

غزالہ کے لیے یہ بات بہت زیادہ حیرت اور خوشی کا سبب بنی کہ ڈان نے میری اور چاؤفان کی کارکردگی سے خوش ہو کر ہمیں ڈیڑھ لاکھ بھات کی خطیر رقم کے نقد انعام سے نوازا تھا اور اس انعام میں میرا حصہ چاؤفان سے دگنا تھا۔

لی کے پرتعیش گھر پر جو صورت احوال رونما ہوئی' اس کے بارے میں میرے دل میں ندامت کا احساس موجود تھا۔ میں نے لی سے ملاقات کا تذکرہ سرے سے گول کر دیا۔ ویسے بھی اس وقت تک بننے والے نقشے میں اس ملاقات کی اس سے زیادہ عملی اہمیت نہیں تھی کہ اس دوران میں چاؤفان نے پھوم فاٹ کو نہایت ذلت آمیز انداز میں اس کی بزدلانہ مہم جوئی کی سزا دی تھی۔

غزالہ نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں کراچی والے موبائل فون پر میرے لیے جلال کی کال آئی تھی۔ اس نے غزالہ کی مزاج پرسی کے علاوہ کوئی بات نہیں کی لیکن یہ تاکید کی تھی کہ اس کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا جائے۔

جلال سے میری بات ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے صبح ناشتا کرتے ہوئے اس سے رابطہ کیا تو وہ بنکاک میں اپنے نئے آدمی کے ذریعے وائٹ ہاک کی تباہی سے باخبر ہو چکا تھا۔ اگر اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تو یقینی طور پر اس کا کوئی خاص سبب ہو سکتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب تک رابطوں کا انحصار عام ٹیلی فون پر تھا' کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ بعض اوقات متعدد ٹھکانوں پر فون

کرنے کے بعد بھی مطلوبہ شخص دستیاب نہیں ہوتا تھا لیکن موبائل فون نے اس کام کو بہت سہل بنا دیا۔ وہ چلتے پھرتے اور فوری رابطے کی اہم ترین کڑی بن گیا ہے۔ آدمی کہیں بھی ہو اس سے ہر وقت براہِ راست رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

جلال سے پہلی کوشش میں رابطہ ہوگیا۔ اس وقت وہ غیر متوقع طور پر حیدرآباد کے ایک آرمی ریسٹ ہاؤس میں پہنچا ہوا تھا۔

''ابھی تک تمہاری دوڑ اسلام آباد اور کراچی کے درمیان رہتی تھی۔ حیدرآباد میں تمہارا کیا کام نکل آیا؟'' میں نے اس سے حیرت سے پوچھا۔

''سب تمہارا کیا دھرا ہے۔'' اس کی طرف سے مزاحیہ لہجے میں جواب آیا ''جان ہوپر کی لاش یہاں کی نہر سے برآمد نہ ہوئی ہوتی تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

''کیا اس لاش کی تدفین تمہارے محکمے کے سپرد کر دی گئی ہے؟''

میرا سوال سن کر وہ ہنسا پھر بولا ''وہ لاوارث نہیں تھا۔ اس کی لاش آغا خان اسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔ اس کے افسران مصر ہیں کہ اسے اغوا کر کے حیدرآباد لے جایا گیا ہوگا۔ وہ اپنی مرضی سے کراچی سے باہر گیا ہوتا تو اپنے افسرانِ بالا کو ضرور اطلاع دیتا۔''

''پھر انہیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ اسے کہاں سے اغوا کیا گیا۔''

''ان کے پاس کسی سوال کا اطمینان بخش جواب نہیں ہے۔ انہوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ جان ہوپر کو اغوا اور قتل کرنے کی واردات میں تمہارا ہاتھ ہے۔''

''اس شبہے کی بنیاد کیا ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''الزام تراشی کے لیے کسی بنیاد اور جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے کہے ہوئے کو من و عن تسلیم کر لیا جائے۔''

''ان کے اس موقف کی روشنی میں شاید میری واپسی کے امکانات اور بھی موہوم ہو جائیں گے!'' میں نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

''فی الحال اپنی واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو۔'' اس نے بہت خلوص اور دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا ''یہاں تمہارے خون کے پیاسے ہر طرف تمہاری گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بہی خواہ تم کو ان سے بچانے کی کوششوں میں کمزور پڑیں گے۔ تم وہاں رہ کر بھی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر ایک زوردار گھونسا رسید کر دیا ہو۔

جلال کوئی چلتا پھرتا، عام پاکستانی نہیں تھا۔ وہ ایک کلیدی محکمے کا ذمے دار اور محنتی افسر تھا۔ اگر وہ میری واپسی کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر رہا تھا تو اندرونی حالات یقیناً سنگین سے سنگین تر ہو چکے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ان ہمدردوں نے خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔

پاکستان سے میری روانگی کے وقت جو حالات پائے جا رہے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ان میں بہتری آنے کے بجائے خطرات بڑھ رہے تھے۔

''تم کو معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے اپنی ذات کے لیے برسرِ پیکار نہیں ہوں۔'' میں نے لمحے بھر کے سکوت کے بعد کہا ''میں نے جس لمحے شی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اسی لمحے میرے ذہن میں ایک بڑا مقصد، ایک عظیم مشن موجود تھا۔ میں کسی انعام کی امید یا لالچ کے بغیر آج تک اسی مشن پر کام کر رہا ہوں......''

''تم میری ذرا سی بات پر جذباتی ہو رہے ہو۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے مضطربانہ آواز میں کہا ''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہ جب بھی تم سے مار کھاتے ہیں، تلملا کر ایسی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔''

''ان کی حرکتیں واقعی نئی نہیں ہیں لیکن یہ ایک نئی بات سامنے آرہی ہے کہ اب میں جلاوطن ہوں، میرے خیر خواہوں کے ہاتھ بندھتے جا رہے ہیں، میرے ہمدردوں کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی ہوگئی ہیں۔''

''یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ یہ عارضی مسائل ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ بہتر ہو جائے گا۔ ان باتوں پر تم کیوں آزردہ ہو رہے ہو!''

مجھے جلال کے خلوص اور نیک نیتی پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ میری تشویش کا اندازہ لگا کر وہ تڑپ اٹھتا تھا مگر میں جانتا تھا کہ جلال عقلِ کل نہیں ہے، نہ اسے سب کچھ کر گزرنے کا آزادانہ اختیار ہے۔ وہ اپنے محکمے کے سخت نظم و ضبط میں بندھا ہوا تھا، اپنے ہر قدم کے لیے اپنے اوپر والوں کو جواب دہ تھا۔ اس سے اوپر والے حکومت کی پالیسیوں کے قیدی تھے۔ ان پالیسیوں کے متعین کیے ہوئے دائروں سے باہر نکلنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

بات یکا یک جلال اور اول خان کی ہمدردیوں سے بہت آگے بڑھ گئی تھی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ کیا ہماری حکومت فردِ واحد کی آزادی کے تحفظ کے لیے دنیا کی اکلوتی سپر پاور کے سامنے حوصلہ مندانہ موقف اختیار کر سکے گی!

میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں' اس سوال کے جواب میں ایک بھیانک منفی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ملک کو میری ذات سے کہیں بڑے مسائل پیش آ چکے تھے۔ ہست و بود کی اس جان لیوا کشمکش میں' میں نے اباؤٹ ٹرن ہونے کے کئی سنگین مشاہدے کیے تھے۔ ان کے مقابلے میں میرا ہونا یا نہ ہونا رائی کے ایک دانے جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا تھا۔

جلال مجھے امید دلا رہا تھا کہ وہ عارضی مسائل تھے جو وقت کے ساتھ خود بہ خود حل ہو جاتے لیکن مجھے فضا سخت مخدوش نظر آ رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے دشمنوں کے موقف میں زیادہ سختی آنے کے نمایاں آثار نظر آ رہے تھے۔ اپنے ان خدشوں کے بارے میں جلال سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ وہی کچھ کہتا رہتا جو اس کے دل میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل آئینہ تھا۔ وہ میرے بارے میں کوئی غلط بات سوچ سکتا تھا نہ ناامید ہو سکتا تھا۔ وہ بہت خلوص کے ساتھ سچ بول رہا تھا لیکن اس کے الفاظ پر میرا اعتماد متزلزل ہو چلا تھا۔

''میں آزردہ نہیں ہو رہا۔'' میں نے اس سے بحث میں پڑنے کے بجائے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ سب چلتا رہتا ہے۔ میں زندگی کے ان بکھیڑوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں شترمرغ کی طرح ریت میں سر ڈال کر طوفان ٹل جانے کی توقع نہیں کر سکتا۔ جو کچھ سامنے ہے اور سامنے آنے والا ہے' وہ مجھے نظر آ رہا ہے۔ تم ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیسے یاد کیا تھا۔''

''یہاں بہت دلچسپ صورتِ احوال پیدا ہوگئی ہے۔'' میری یاددہانی پر اس نے کہا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہم نے زیرِ زمین دنیا سے تعلق رکھنے والے دو مہروں کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا تھا۔ ان دونوں سے امریکی ماہروں کی موجودگی میں تفتیش کی جا رہی تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہاتھ کتنا ہی ہلکا رکھا جائے' تفتیش پھر تفتیش ہوتی ہے۔ ان دونوں نے ڈینی ہونے کا اعتراف کر لیا ہے اور اس پر اڑ گئے ہیں۔ امریکی چکر میں پڑ گئے ہیں کہ ان دونوں میں سے کس کے اعتراف پر یقین کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ان کے پاس اس اعتراف کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان کے پاس تمہاری کوئی تصویر ہے نہ فنگر پرنٹس۔''

''ڈینی ہونا تو آسان بات ہے۔ روایتی تفتیشی ذرائع کے سامنے وہ یہ اعتراف بھی کر سکتے تھے کہ وہ آدمی نہیں' خارش زدہ چوہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''انہیں یہ سن گن بھی ملتی رہی ہے کہ بنکاک میں تمہاری موجودگی کے شواہد پائے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں لیزر شعاعوں کی زد میں آ کر ہلاک ہونے والے محافظ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں پاکستان میں ڈھونڈا جائے یا تلاش کی اس مہم کو بنکاک منتقل کر دیا جائے۔''

''یہ تذبذب انہیں کسی سمت میں پیش رفت نہیں کرنے دے گا۔ ان کے پاس اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ انہیں جس کسی پر ڈینی ہونے کا شبہ ہوا اسے خاموشی سے مروا دیں۔ سی آئی اے ایسے خفیہ کاموں میں خاصی شہرت رکھتی ہے۔'' میں نے جلال کی بتائی ہوئی صورتِ حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''سب کچھ کر لینے کے باوجود وہ تمہاری طرف سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔''

''غنیمت یہ ہے کہ یہاں ابھی تک ان سے میرا ٹکراؤ نہیں ہوا۔''

''ان سے ہوشیار رہنا۔'' جلال نے تاکید کی ''ان دونوں کے اعترافات کے بعد اب امریکیوں کو ایک نئی راہ سوجھی ہے۔ وہ لاہور میں تمہارے کالج کے پرانے ریکارڈ کی چھان بین کے امکان پر غور کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سے تمہاری کوئی پرانی تصویر حاصل کر کے اس پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے مجھے موجودہ حالات اور امکانات سے آگاہ کر دیا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں ازسرِنو کچھ سوچنا ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن اس کے بنیادی خدوخال بڑھاپے تک جوں کے توں رہتے ہیں۔''

''تمہاری پرانی تصویر مل گئی تو ان کے ماہرین سائنسی بنیادوں پر اس پر کام کریں گے۔ وہ تمہارا کوئی بہتر خاکہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہارے لیے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔'' مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا جیسے مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے تک جلال کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری کسی پرانی

تصویر کا امریکیوں کے ہاتھ لگنا کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا ''تم ان سے رابطے میں رہو اور مجھے تازہ ترین حالات سے باخبر کرتے رہا کرو۔''

''میری پوری کوشش ہے کہ میں اس کڑے وقت کو ٹال سکوں۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''مجھے تمہارے ساتھ ویرا کی بھی فکر لگی رہتی ہے۔ موقع ملتا ہے تو اس سے بھی بات کرلیتا ہوں۔ پتا نہیں وہ اور اس کا ساتھی کس حال میں ہے۔ دو روز سے اس کا فون بند ہے۔ جب نمبر ملاتا ہوں ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے کہ مطلوبہ نمبر سے جواب نہیں مل رہا۔''

اس نے ویرا کا ذکر ضمنی طور پر کیا تھا۔ ویرا کا فون بند ہونے کے بارے میں اس کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے اور مجھے تشویش ہونے لگی۔

دو روز سے اس سے میرا بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال آیا کہ کہیں وہ دونوں کسی پریشانی کا شکار نہ ہوگئے ہوں۔

''میں بھی ان دونوں کو دیکھتا ہوں۔ یہ خبر میرے لیے پریشان کن ہے کہ دو روز سے ان کا فون بند ہے۔ شاید تمہیں علم ہوگا کہ وہاں سلطان شاہ سی آئی اے کے ایک بھگوڑے ایجنٹ کے پیچھے لگ گیا ہے۔ وہ اس سے مسلسل رابطے میں ہے۔''

''یہ اطلاع میرے لیے انکشاف سے کم نہیں ہے!'' جلال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

''وہ البرٹو نامی ایک اطالوی ہے۔ سی آئی اے والے اس کے نام سے اخباروں میں پیش گوئیاں چھپواتے اور پھر خفیہ طور پر ان کے پورا ہونے کا بندوبست کرلیتے تھے۔ البرٹو کی پیش گوئیوں کی آڑ لے کر انہوں نے کئی اہم شخصیات کو مروادیا۔ جب نیویارک کا ایک سیاہ فام لیڈر پانی میں ڈوب کر مرا تو البرٹو اپنے ضمیر کی ملامت سے مجبور ہوکر سی آئی اے والوں کی تحویل سے بھاگ نکلا۔ اب وہ نیویارک میں مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے گتوں کے ڈبوں سے بنائے ہوئے دڑبے میں رہ رہا ہے۔'' میں نے اختصار سے اسے بتایا۔

''یہ نام اور قصہ میرا سنا ہوا ہے۔'' جلال کی آواز تشویش آمیز تھی ''سچی پیش گوئیوں کے حوالے سے اسے بہت شہرت ملی تھی۔ اندر کی کہانی تم سنا رہے ہو۔ سلطان شاہ سے کہو کہ وہ اس سے دور رہے۔ سی آئی اے والے اپنے ملک میں بھی اتنے ہی سفاک ہیں جتنے دوسرے ملکوں میں۔ وہ البرٹو کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی کسی چکر میں پھنس جائے۔ ان دونوں کو وہاں خاموشی سے اپنا وقت گزارنا چاہیے۔''

''میں تمہارا مشورہ اس تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ وہ سعادت مند نوجوان ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات مان جائے گا۔''

''ان دونوں سے رابطہ ہوجائے تو مجھے ضرور بتادینا۔ میں تمہاری دوست کے لیے فکرمند ہوں!''

میں نے جلال کو یقین دہانی کراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

''آج میں غور سے آپ کو دیکھ رہی تھی۔'' چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے کہا ''جلال سے بات کرتے ہوئے آج آپ کا موڈ شگفتہ نہیں تھا۔''

''خبریں اچھی نہ ہوں تو موڈ کیسے شگفتہ رہ سکتا ہے!'' میں نے مسہری پر دراز ہوکر کہا۔

''پہلے آپ بری خبروں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے!'' وہ بولی۔

''دشمنوں کے بارے میں ملنے والی خبروں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں۔ مقابلہ آمنے سامنے کا ہو تو یہ اونچ نیچ چلتی رہتی ہے۔ مجھے تشویش اس بات کی ہے کہ ہماری پاکستان واپسی کی راہیں اب بھی مسدود ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ امریکی اپنا دائرہ تنگ کرتے جارہے ہیں۔ حالات میں بہتری آنے کے بجائے دن بہ دن ابتری پیدا ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔''

''میں آپ سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ حکومتوں سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔ وہاں عزائم اور اہداف کا ایک تسلسل ہوتا ہے۔ ایک آدمی منظر سے ہٹتا ہے تو اس کی جگہ لینے کے لیے چار نئے چہرے سامنے آجاتے ہیں۔ اکیلا آدمی ان سے لڑتے لڑتے تھک جاتا ہے۔ وہ کبھی نہیں جیت سکتا۔''

''تم کہتی رہی ہو اور میں ان باتوں کو ہمیشہ نظرانداز کرتا چلا آیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ وقت بھی آجائے جب میں تمہاری ان باتوں پر غور کرنا شروع کردوں۔''

''آپ مجھ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ آپ کے ذہن میں کوئی ہلچل شروع ہوچکی ہے۔''

''کوئی ہلچل ہے اور نہ بے چینی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے مستقبل قریب میں وطن واپسی کا کوئی امکان نظر

نہیں آ رہا۔''

''اس بارے میں جلال کیا کر رہا ہے...... اول خان کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ دونوں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمارے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ معاملات ان کی گرفت سے باہر ہیں۔ یہ انہی کا دم ہے کہ میں آج تک اپنے حریفوں کے سامنے ڈٹا ہوا ہوں۔ وہ نہ ہوتے تو میرے دشمن اب تک مجھے پیس چکے ہوتے یا میں کسی زنداں کا قیدی بن چکا ہوتا۔''

''وہ بے بسی کا شکار ہو رہے ہیں تو آپ کو بدلے ہوئے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔'' میرے جواب سے غزالہ فکرمند ہوگئی۔

''کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا ''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ ہمیں بہتری کی امید رکھنے کے ساتھ برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ ابھی سارے دروازے بند نہیں ہوئے۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ہم خوش فہمی میں مبتلا رہنے کے بجائے حوصلے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہیں۔ جب بات ٹل جائے گی تو کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لیا جائے گا۔''

''ویرا کے بارے میں آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' ایک مسئلے کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد اسے دوسری بات یاد آ گئی۔

''جلال ان کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ وہ ویرا سے بات کرتا رہا ہے۔ اس نے جلال کو سلطان شاہ کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اسے تشویش ہے کہ دو دنوں سے ویرا کا موبائل فون بند ہے۔''

''ہم ان دونوں سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی خیر خبر لینی چاہیے۔'' اس نے قدرے فہمائشی لہجے میں کہا۔ ویرا کا ذکر آتے ہی وہ پچھلا مسئلہ بھول گئی تھی۔

مجھے امید نہیں تھی کہ ویرا کی طرف سے کوئی جواب ملے گا۔ جلال کی دی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے غزالہ کا دل رکھنے کے لیے ویرا کا نمبر ملا لیا۔ دونوں کراچی کے فون تھے جو انٹرنیشنل رومنگ پر چل رہے تھے۔ ان پر باہمی رابطے کے لیے کوئی انٹرنیشنل کوڈ ملانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ ذرا سے توقف کے بعد نسوانی آواز میں سنائی دینے والی ریکارڈنگ نے جلال کے بیان کی تائید کر دی۔ ویرا کا فون بند تھا۔

اس وقت مجھے افسوس ہوا کہ ویرا سے کئی بار گفتگو ہونے کے باوجود میں نے اس سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ نیویارک کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ان دونوں کے ہوٹل کا نام یا فون نمبر معلوم ہوتا تو ان سے رابطے کی متبادل صورت پیدا ہو سکتی تھی۔

میں اپنے مسائل کو بھول گیا۔ ذہن پر ان کی طرف سے تشویش سوار ہوگئی۔ مجھے رہ رہ کر جلال کے اس اندیشے کا خیال آنے لگا کہ البرٹو کے چکر میں سلطان شاہ سی آئی اے والوں کے کسی چکر میں پھنس سکتا تھا۔

آدمی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا مسئلہ درپیش ہو، وہ اس کے حل کے لیے سرتوڑ کوششوں میں لگا رہتا ہے اور کسی نتیجے پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ جب مسئلہ نظر آ رہا ہو اور اس کے حل کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے کی گنجایش نہ ہو تو ذہنی دباؤ، بے چارگی اور اعصابی کشیدگی کی ایک ناقابل برداشت کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ جلال سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد میں مسلسل اسی کیفیت سے دوچار رہا۔

شام ہوتے ہوتے میرا اعصابی اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے اسد کے جانشین سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

طارق بنکاک میں نو وارد تھا لیکن اس نے وہاں پہنچتے ہی بہت تیزی اور خوش اسلوبی سے اپنا کام سنبھالا تھا۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اس نے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر اتنی سرعت سے جلال کو پہنچائی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔

فون پر رابطہ ہونے پر میں نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ وہ بھی اپنے پیش رو کی طرح سنجیدہ اور بردبار آدمی تھا۔ اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور بتایا کہ وہ بنکاک پہنچنے کے بعد سے میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے ہدایت دی گئی تھی کہ بنکاک میں مجھ سے تعاون کرنا اس کی فوری اور اہم ترین ذمے داری تھی۔

میں بنکاک میں کیا کر رہا تھا، اس بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ میں وہاں را کے ایجنٹ راجن کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

فوری طور پر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، میں نے رسمی طور پر اس سے کہہ دیا کہ وہ شہر میں موتی محل کی خیر خبر رکھے اور ہو سکے تو مجھے راجن کی مصروفیات سے آگاہ کرتا رہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ ہوٹل کا فون ہماری گفتگو کے لیے محفوظ نہیں تھا۔

طارق سے گفتگو ہونے کے بعد میرے ذہن میں دوبارہ ویرا اور سلطان کا خیال سر ابھارنے لگا۔ پچھلی رات سے اس

شام تک میں نے چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ اس سے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ میں نے غزالہ کو تیار ہونے کی ہدایت دی اور اسے ساتھ لے کر شہر کی کوچہ نوردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

ہمیں بنکاک آئے کافی دن ہو چکے تھے لیکن اپنی مخصوص مصروفیات اور حالات کی بنا پر مجھے شہر کو زیادہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر بھی گولڈن ڈریگن کیسینو اور بے بی کلب شہر کے مصروف مقامات تھے۔ سیر کے دوران میں ہم ٹیکسی کے ذریعے ان دونوں مقامات تک گئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راجن کے وہ دونوں ٹھکانے کھلے ہوئے ہونے کے باوجود ویران پڑے ہوئے تھے' وائٹ ہاک کی غرقابی کے واقعے نے بنکاک کے رنگین مزاج طبقے کو راجن کی تفریح گاہوں سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہم نے پیٹ پونگ کے علاقے کے وہ دونوں ہوٹل بھی دیکھے جنہیں راجن کے آدمیوں نے آگ لگا دی تھی۔ وہ واقعہ تازہ تھا۔ وہاں تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی۔ دونوں گلیوں میں خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ الگ الگ گلیوں میں واقع دونوں ہوٹل جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان سے متصل دکانوں کو بھی آگ نے نقصان پہنچایا تھا۔ پولیس وہاں اپنی رسمی کارروائی کر کے واپس جا چکی تھی۔ ہوٹلوں وغیرہ کے مالک اور ملازمین سرد ھنتے ہوئے ملبے میں سے باقیات جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

''یہ دونوں بے چارے ناگہانی مارے گئے!'' غزالہ نے وہاں سے نکلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں تبصرہ کیا۔

''کسی نہ کسی کی شامت آنی تھی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ اس خبیث نے اپنے ہم وطنوں کو نقصان پہنچایا ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''ایسے لوگوں کے لیے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بے ضمیر ہوتے ہیں۔ اندھے ہو کر اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روند ڈالتے ہیں۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا ''اپنے مفادات کی خاطر یہ اپنے اور پرائے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔''

جب ہم ایک صاف ستھرے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو غزالہ نے اچانک لی کا ذکر نکال لیا ''وائٹ ہاک کے پیندے میں بم لگانے والی سے کام نکالنے کے بعد آپ نے اسے بالکل بھلا دیا۔ وائٹ ہاک کے ڈوبنے سے اسے جھٹکا لگا ہوگا۔''

''وہ خود بھی راجن کے خون کی پیاسی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہوا۔ لانچ کے انجام پر وہ بہت خوش تھی۔''

''خاصی دلیر اور حوصلے والی عورت ہے!'' غزالہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ڈان نے اسے لمبی گھوڑی کا لقب دیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''اچھا لقب ہے۔ گھوڑا وفادار جنگی سواری کہلاتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے لی کے بارے میں بات کرتے ہوئے میرے دل کا چور مجھے ستا رہا تھا۔ غزالہ میری بیوی تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اس بارے میں کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ کھانے کے دوران بھی جان بوجھ کر اس کا ذکر کرتی رہی اور میں ہوں ہاں کر کے اسے مختصر ترین جوابات پر ٹالتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری زبان سے کوئی اعتراف سننے کی امید میں لی کی باتیں نکال رہی ہو۔

ہم کھانے کے بل کی ادائیگی کر کے ہوٹل سے باہر نکلے تو غزالہ کے ذہن پر لی سوار تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کیا بات ہے۔ آپ اس کے بارے میں کھل کر بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں!''

''اس نے بہت بڑا کام کیا ہے جو میرے لیے مشکل اور چاؤ فان کے لیے ناممکن تھا۔ پورے منصوبے میں اس کی حیثیت اس مزدور جیسی تھی جو ایک فلک بوس عمارت کے لیے پتھریلی زمین میں بنیاد کھودتا ہے۔'' میں نے زچ ہو کر ذرا وضاحت کے ساتھ کہا ''تم عمارت کی تعمیر کا سہرا اس مزدور کے سر باندھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حالانکہ سارا کمال آرکیٹیکٹ کا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا سر کھپانا بے سود ہے۔''

''کبھی کبھی آپ ویرا کے بارے میں بھی مبہم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔'' اس نے سرسری لہجے میں ایک گہرا طنز کیا ''میں ڈر رہی تھی کہ اس عورت نے آپ سے دوستی بڑھانے کی کوشش نہ کی ہو اور آپ اسے ٹال آئے ہوں......!''

''غزالہ! کوئی اور بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لی کی باتیں کرتے کرتے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ ویرا کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ وہ ایک بازاری عورت ہے۔ چاؤ فان نے اسے ہوشیاری سے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور بات ختم ہوگئی۔ اسے اپنے کام کے لیے تین ہزار بھات ادا کیے گئے ہیں۔''

''آپ نے ساحل سے لوٹنے کے بعد لی کی ہمت اور حوصلے کی تعریف ضرور کی تھی۔ یہ سب نہیں بتایا تھا۔'' اس نے میرے تیور دیکھتے ہوئے فوری طور پر معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیا ''اگر وہ کوئی بازاری عورت ہے تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب آپ میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنیں گے۔''

اور وہ بات واقعی وہیں ختم ہو گئی۔

☆☆☆

سلطان شاہ سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں طے کر کے فٹ پاتھ پر آیا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اسے امید تھی کہ اس دن البرٹو اسے زیادہ وقت دے گا اور وہ اس سے کچھ ایسی باتیں اگلوانے میں کامیاب ہو جائے گا جو اس کے لیے کار آمد ثابت ہوں گی اور وہ ویرا کے ساتھ مل کر سی آئی اے کے مفادات کو قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس نے پہلے دن ہمدردانہ جذبات سے مغلوب ہو کر البرٹو کے اوندھے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر کا سکہ ڈالا تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ البرٹو اس کے لیے اہم اور کار آمد آدمی ثابت ہو سکے گا۔

نیویارک پہنچتے ہی ویرا کے پیر میں موچ آ گئی تھی۔ سلطان شاہ کو آخر تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ وہ ویرا کا بہانہ تھا۔ اس نے دل و جان سے ویرا کی دیکھ بھال کی۔ اس کے مڑے ہوئے پیر کی مالش اور پٹی کرنے کے ساتھ وہ دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتا رہا۔ ویرا اپنے ہوٹل سے باہر نکلنے کے قابل نہیں تھی یا وہ ایسی اداکاری کر رہی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے دن بھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہو کر بیٹھنا ناممکن تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار امریکا آیا تھا اور فرصت کے لمحات میں دل کھول کر نیویارک کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ ویرا کے کاموں سے فارغ ہو کر ہوٹل سے نکل جاتا۔

اس کے لیے نیویارک عجائبات کا شہر تھا۔ وہاں کی صاف ستھری اور سبک رفتار سب وے میں سفر کرتے ہوئے اسے بہت مزہ آتا۔ شہر کی فلک بوس عمارتیں اور چوکور بلاکوں میں شہر کو تقسیم کرتی ہوئی سیدھی سڑکیں اسے متاثر کرتی تھیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی بے کیفی یہ تھی کہ وہ اس پر ہجوم شہر میں ویرا کے پیر کی موچ کی وجہ سے تنہا اور اجنبی تھا۔

جب پورے ایک ڈالر کی خیرات ملنے پر البرٹو کی ہراساں نظروں میں اسے اپنے لیے ممنونیت نظر آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے نیویارک میں البرٹو اس کا پہلا دوست ہو۔

اس نے ہوٹل سے نکل کر روزانہ اس طرف آنے کو اپنا معمول بنا لیا۔ مین ہٹن کے علاقے کی تعمیرات اور رونقیں اسے بہت پُرکشش محسوس ہوتیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کا پہلا دوست پایا جاتا تھا۔

نیویارک پہنچنے کے بعد ویرا کے پیر کی جعلی موچ کی وجہ سے ان دونوں کے مراسم میں نہایت خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ ویرا نے بات بات پر اس کی ٹانگ کھینچنی بند کر دی۔ وہ کوئی بات کہتا تو ویرا اسے دھیان سے سنتی اور پوری سنجیدگی سے اس کا جواب دینے کی کوشش کرتی۔ سلطان شاہ کے لیے ویرا کے مزاج کی وہ تبدیلیاں حیران کن تھیں۔

ویرا کو آزمانے کے لیے وہ جان بوجھ کر بار بار ایسی غلطیاں کر گزرتا جن پر ویرا کو برہم ہو جانا چاہیے تھا لیکن ویرا اشتعال میں آئی نہ اس نے طنز و تشنیع کی راہ اختیار کی۔ سلطان شاہ نے سمجھ لیا کہ دونوں کے درمیان مفاہمت کرانے والے کرداروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے ویرا نے مصالحت کی راہ اپنالی تھی جو سلطان شاہ کے لیے ایک نیک شگون تھا۔

سلطان شاہ چند گھنٹے باہر گزارنے کے بعد دوبارہ ہوٹل میں آتا تو وہ دونوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے یا پھر آپس میں باتیں کرتے رہتے۔

پاکستان میں رہتے ہوئے ان دونوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی بات کبھی سنجیدگی سے نہیں سنیں گے مگر نیویارک کی آزاد فضاؤں میں دونوں بدل گئے تھے۔ سلطان شاہ کے نزدیک ویرا لامذہب بلکہ دہریہ تھی جسے مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ہوٹل کے پرآسائش کمرے میں مذہب پر ہونے والی باتوں کے دوران میں سلطان شاہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے پاکستان میں رہ کر اردو سمیت صرف مقامی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں' ملک کے سرکاری مذہب کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں جن میں اسلام کا بنیادی فلسفہ سب سے اہم تھا۔

ویرا نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تھا لیکن روایتی طور پر وہ خود کو کیتھولک کرسچین قرار دیتی تھی۔ اس کا ناجائز باپ جرائم پیشہ دہریہ تھا مگر اس کی ماں کٹر کیتھولک تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مذہب کے معاملے میں اس کے انتخاب کے بجائے اس اتفاق کا دخل تھا کہ اس نے کیتھولک ماں کی کوکھ سے جنم لیا۔

سلطان شاہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ویرا کو اپنے مذہب کی اچھی تعلیمات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اسے امید تھی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر ویرا دنیا داری سے اکتا کر مذہب کی طرف

راغب ہوئی تو وہ اپنی محنت سے اسے مسلمان کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ اگر وہ ویرا جیسی عورت کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید اس کے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوجائے اور اس کی عاقبت سنور جائے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کبھی کوئی ایسا موڑ نہیں آسکا جہاں سلطان شاہ ہمت کرکے اسے کلمہ پڑھنے کی دعوت دے سکے۔ سلطان شاہ نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی دانست میں وہ چند روزہ ابتدا تھی۔ آخر کار ایک نہ ایک دن اسے موقع مل جانا تھا۔ وہ اس معاملے کو سرسری انداز میں نمٹانے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایسے مرحلے پر ویرا کو دعوت دے کہ اس کے لیے فرار یا انکار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

ان دونوں کے شب و روز کا وہ احوال اس وقت میرے علم میں نہیں تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے معمولات کے مطابق' ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار ہوکر' جھڑپوں میں اپنا وقت گزار رہے ہوں گے۔ ان کے درمیان پیدا ہونے والی مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی کی یہ حیران کن تفصیلات مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئیں جن کا واقعات کے تسلسل میں یہاں سامنے آنا کچھ ناگزیر سا محسوس ہوتا ہے۔

لوئر مین ہٹن کے سب وے اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد سلطان شاہ کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ وہ اپنی انفرادی کوششوں سے امریکا کے تفریحی سفر کو ایک کامیاب مشن میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

وہ فٹ پاتھ پر رواں کالوں اور سفید فام لوگوں کے درمیان اپنی راہ بناتا ہوا' خراماں خراماں لٹل اٹلی کی حدود سے گزرتا ہوا چائنا ٹاؤن میں داخل ہوگیا جس کی ایک لاکھ نفوس سے زائد کی آبادی ہاتھی کے پاؤں کی طرح دن بدن ہر طرف پھیل رہی تھی اور قرب و جوار کی دوسری بستیوں میں گڈمڈ ہوکر ان کی شناخت نگلتی جارہی تھی۔

وہ آگے بڑھتا رہا۔ اسے نیویارک کے رنگا رنگ باسیوں کے درمیان نرمی سے شانے لڑا کر اپنی راہ بنانا بہت بھلا لگ رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنے مطلوب مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں اطالوی نژاد البرٹو اپنا ہیٹ سامنے رکھے' فٹ پاتھ کے ایک کنارے پر بیٹھا' آنے جانے والوں کو رحم طلب اور خائفانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ اس سے ملنے کے لیے وہاں آیا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ البرٹو کو دیکھ لیا۔ البرٹو جلد از جلد خیرات کا کوٹا پورا کرکے وہاں سے بھاگنے کے چکر میں رہتا تھا اس لیے اس کی ساری توجہ راہ گیروں پر مرکوز تھی۔

اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں عجیب بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں گال پچکے ہوئے تھے۔ بدن پر میلی سی ٹی شرٹ اور نیلی جینز نظر آرہی تھی جو کثرت استعمال کے باعث بیشتر مقامات پر سیاہی مائل ہوچکی تھی۔

اس کا جائزہ لے کر سلطان شاہ نے اس کے قرب و جوار میں چلتے پھرتے ہوئے لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ پہلے دن کے بعد سے اس کا معمول رہا تھا کہ البرٹو کے قریب جانے سے پہلے وہ اس کے آس پاس کا جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

البرٹو نے میلان اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا تھا۔ سی آئی اے والوں نے اسے تاک کر وہاں گھیرا اور اسے امریکا لے آئے۔ وہاں انہوں نے البرٹو کو سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ قتل و غارت گری کی گھناؤنی پیش گوئیوں میں البرٹو کے علم اور ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہورہا تھا لیکن معروف معنوں میں وہ سی آئی اے کا ایک اہم ایجنٹ بن چکا تھا۔

ان کے مہمان خانے سے فرار ہونے کے بعد وہ باغی ایجنٹ بن چکا تھا۔ جس کی سزا صرف موت تھی۔ سلطان شاہ کو احساس تھا کہ البرٹو ان خونی درندوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اس تک پہنچ جائیں گے۔ ان کے طریقۂ کار میں باغیوں کی سرکوبی کو اولین ترجیح حاصل تھی۔

البرٹو سے ملتے ہوئے سلطان کے ذہن پر یہ لاشعوری خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں وہ ایسے وقت میں البرٹو کے ساتھ نہ ہو جب سی آئی اے کا بھیجا ہوا قاتل وہاں پہنچے اور البرٹو کے ساتھ وہ بھی ناگہانی مارا جائے۔

فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم رواں دواں تھا۔ اس بھیڑ میں دور تک کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی رفتار سست کردی تھی اور پیچھے سے آنے والے مرد و زن اسے دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے آگے نکلے جارہے تھے۔ مشرقی لوگوں کی طرح امریکیوں میں سست روی یا مست خرامی نام کو نہ تھی۔ ہر شخص ایسی تیزی میں نظر آتا تھا جیسے خوفناک بلائیں اور بدروحیں اس کا پیچھا کررہی ہوں۔ وہ

لمحے بھر کے لیے بھی رکا یا سست ہوا تو وہ سب اسے بے رحمی سے اپنے جنونی دہانوں میں نگل جائیں گی۔

میدان صاف تھا۔ اس نے راہ گیروں کے دھکوں سے بچنے کے لیے اپنی رفتار بڑھا دی اور جیب سے ایک ڈالر کا سکہ نکالتا ہوا البرٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

اپنے سامنے رکی ہوئی دو ٹانگوں کو دیکھ کر البرٹو نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ سلطان شاہ نے ایک ڈالر کا سکہ اپنی چٹکی میں دبا کر اسے دکھایا اور ہیٹ میں پڑی ہوئی ریزگاری میں ڈال دیا۔

البرٹو نے جلدی سے ہیٹ میں سے ساری ریزگاری اپنی ہتھیلی پر الٹی اور جینز کی جیب میں ڈالتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے خالی ہیٹ اپنے سر پر جمالیا۔ ہیٹ پہن لینے کے بعد وہ مدقوق بلکہ قریب المرگ معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ایک ساتھ حرکت میں آئے۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارا ایک ڈالر ملنے کے بعد میرا آج کا کوٹا پورا ہو گیا ہے۔ مجھے تم سے فالتو ڈالر نہیں لینا پڑیں گے۔'' البرٹو نے سلطان شاہ کے ساتھ چلتے ہوئے ممنونیت سے لبریز آواز میں دھیرے سے کہا۔

''میں رئیس نہیں ہوں۔ ایک معمولی سیاح کی طرح میری جیبوں میں زیادہ فاضل رقم موجود نہیں ہے پھر بھی میں آج ارادہ کر کے آیا ہوں کہ تمہیں کم از کم کچھ دنوں کے لیے روز کی اس مشقت سے نجات دلا دوں۔''

البرٹو اپنی جگہ چھوڑتے ہی فٹ پاتھ سے اتر کر فلائی اوور کے نیچے چلا گیا۔ ادھر گزرنے والے لوگوں کا کوئی ہجوم نہیں تھا۔ صرف وہی گنے چنے لوگ وہاں سے آ جا رہے تھے۔ جنہیں فلائی اوور کی ایک سمت سے دوسری سمت میں پہنچنا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' البرٹو نے اداس لہجے میں جواب دیا ''میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے۔ گتوں کے سیلن زدہ اور بدبودار پنجرے میں پڑا رہتا ہوں۔ دس بارہ ڈالر جمع کرنے کے لیے میرے تین چار گھنٹے کھلی فضا میں گزر جاتے ہیں۔''

''فرق کیوں نہیں پڑے گا۔ تم اتنے دنوں کے لیے اپنے شکاریوں کی نظروں سے بچے رہو گے۔ وہ تمہیں ڈھونڈنے تک تمہاری تلاش کی مہم ترک نہیں کریں گے۔''

''میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں!'' اس کی آواز میں یکایک اضطراب امڈ آیا ''کاش! میں نے میلان کی گلیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہاں میرے جاننے والے مجھے اتنا کچھ دے دیتے تھے کہ مجھے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ یہاں تم جیسے شریف لوگ کم آتے ہیں۔ جو خالص امریکی ہیں وہ دس سینٹ کا سکہ بھی یوں دیتے ہیں جیسے میرے اوپر احسان کر رہے ہوں۔''

''وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ تکبر امریکیوں کا مزاج بن گیا ہے۔ ان کے انکسار میں بھی ہلکے سے قومی غرور کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''تمہیں یاد ہے نا کہ آج تم نے کچھ خاص باتیں کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''شش!'' البرٹو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر وحشت زدہ آنکھوں سے اسے گھورا ''خاموش رہو...... یہ ہوائیں ہماری آوازوں کو اڑا کر نہ جانے کہاں لے جائیں۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ ہم کل بات کریں گے۔''

''تم روز مجھے یونہی ٹال دیتے ہو۔'' سلطان شاہ نے اصرار کیا ''آج کے دن میں کیا خرابی ہے......؟ سب دن اچھے اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔''

''البرٹو! میں سیلانی آدمی ہوں۔ آج یہاں اور کل وہاں ہوتا ہوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ میں تمہاری وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری پوری کہانی ان لوگوں تک پہنچا دوں جو تمہیں امریکا سے نکال کر کیوبا یا جنوبی امریکا کے کسی ملک میں پہنچا سکتے ہیں۔''

البرٹو نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے تذبذب اور بے اطمینانی جھلک رہی تھی پھر اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''تم کو مسیح کا واسطہ! آج کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے' دماغ بھاری ہو رہا ہے۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ پتا نہیں آج کیا ہونے والا ہے۔''

سلطان شاہ جھلا گیا۔ البرٹو روز اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال رہا تھا۔ اس نے بھی سلطان شاہ سے کسی چھوٹی یا بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کیا کہ اسے یہ گمان ہوتا کہ وہ پیسوں کے لالچ میں اسے ٹال رہا ہے۔ اس نے بدظن ہو کر کہا ''کل تمہارے دل و دماغ نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں تمہارے نصیب کے حوالے کر کے یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ ایک دن

تمہارے دشمن آئیں گے اور تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔''
''مجھے ایسی بددعائیں نہ دو!'' اس نے ملتجیانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری زندگی میں کچھ نہیں رکھا مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر میری زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گل ہو سکتا ہے۔ اس ملک کی سرحدوں سے دور جا کر میں شاید اپنی پوری عمر گزار لوں گا۔''
''جو لوگ تمہیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکال سکتے ہیں وہ مفت میں خیراتی کام نہیں کرتے۔ وہ مال لیتے ہیں یا پھر دوسروں کی کمزوریاں خریدتے ہیں۔ وہ تمہاری کہانی آگے کسی کو بیچ کر اپنا معاوضہ پورا کر لیں گے۔ اس کے بغیر وہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔''
''بس مجھے ایک دن اور دے دو۔'' وہ گڑگڑایا ''آج میرے دل و دماغ کی حالت عجیب ہو رہی ہے۔ کل میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔''
باتیں کرتے ہوئے' وہ دونوں اس اطالوی کیفے کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں کی کالی چائے البرٹو کو بہت پسند تھی لیکن وہ اپنے خرچ پر وہاں سے چائے پینے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔
اچانک سلطان شاہ کی چھٹی حس نے خطرہ محسوس کیا۔ وہ بہت تیزی سے پلٹا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ پیچھے سے آنے والی دراز قامت اور تنومند عورت نے اپنے داہنے ہاتھ سے البرٹو کا شانہ دبوچ کر اسے روک لیا تھا۔
عورت ترش رو اور طاقت ور نظر آ رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں البرٹو دھان پان اور کمزور تھا۔ وہ اضطراری کوشش کے باوجود خود کو اس عورت کے ہاتھ کی آہنی گرفت سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔
''تم البرٹو روزیلی ہو!'' عورت نے سخت' تحکمانہ اور تائید طلب لہجے میں سوال کیا جیسے البرٹو کے انکار کی صورت میں اس کے شانے کی ہڈی توڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔
سلطان شاہ پہلے ہی بھڑک چکا تھا۔ وہ عورت نہ جانے کب اور کہاں سے ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس کے بے آواز قدموں کی وجہ سے وہ دونوں آخری لمحے تک اپنے پیچھے اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہو سکے۔
سلطان شاہ نے دیکھا کہ وہ عورت اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی پتلون کی جیب میں سے کوئی پستول یا ریوالور نکال رہی تھی جس کا سیاہ آہنی دستہ اس کی جیب سے باہر آ چکا تھا۔
سلطان شاہ کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ جب وہ پلٹا تو عورت نے اسے بھی کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔

آثار بتا رہے تھے کہ البرٹو اس کا اصل ہدف تھا لیکن وہ سلطان شاہ کو بھی معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔
وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا۔ سلطان شاہ نے یکایک اس سمت میں دوڑ لگا دی جہاں راہ گیروں کا ایک ہجوم موجود تھا۔
ایک شکار کو یوں ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھ کر عورت نے ایک گالی بک کر اسے للکارا۔ سلطان شاہ لہراتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عورت اس پر گولی چلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اس کا نشانہ خطا ہوتا تو گولی آگے موجود بھیڑ بھاڑ میں سے کسی کو بھی چاٹ سکتی تھی۔ وہ کسی راہ گیر کو ہلاک یا زخمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔
سلطان شاہ بھاگتا ہوا بھیڑ میں شامل ہوا اور پھر اپنا راستہ بنا کر تیزی سے آڑا ترچھا چلتا چلا گیا۔
چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ابھرنے والی البرٹو کی کمزور مگر نمایاں چیخ بہت دل دوز تھی۔
سلطان شاہ نے اس عورت کی وضع قطع اور تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ وہ سی آئی اے نہ سہی' کسی نہ کسی سرکاری ایجنسی کی کارپرداز تھی۔ وہ قانون کے نام پر کسی کو بھی سرعام گولی مار سکتی تھی۔ وہ اپنی شناخت ظاہر نہ کرتی تب بھی طاقت کے بل پر وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔
اسے غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ اس عورت کا تعلق سی آئی اے سے تھا۔ اس نے البرٹو کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت کا اظہار کیے بغیر' پستول یا ریوالور لہراتی ہوئی کسی بھی طرف فرار ہو جاتی تو جان جانے کے خوف سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
البرٹو کے لیے وہ دن واقعی بدترین دن ثابت ہوا تھا۔ وہ دیر سے موت کے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ آخر کار اس بدنما عورت کے روپ میں فرشتۂ اجل نے اسے آ لیا اور وہ خود کو اس کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اپنی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔
اس عورت نے اپنے اصل شکار کو گھیر کر مار لیا۔ سلطان شاہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہ سکتا تھا کہ عورت نے البرٹو کو فرار کی کسی کوشش سے باز رکھنے کے لیے اسے زخمی کرنے پر اکتفا کیا ہو گا۔ اس نے اپنے کانوں سے البرٹو کی ڈوبتی ہوئی آخری چیخ سنی تھی جس میں اجل کی سختی نمایاں تھی۔
البرٹو اس عورت کے ہاتھوں مر کر پل بھر میں ہر مسئلے سے آزاد ہو گیا لیکن سلطان شاہ اپنے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ عورت نے اسے اچھی طرح اور بہت قریب سے دیکھا

تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس نے خاموشی سے ان دونوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی کچھ باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ البرٹو کی مادری زبان اطالوی تھی، سلطان شاہ کو اردو پر دسترس حاصل تھی۔

ان دونوں کے درمیان باہمی رابطے کی واحد زبان انگریزی تھی جو وہ افہام و تفہیم کے لیے سنبھل سنبھل کر بول رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کے مکالموں کو سمجھنا کسی کے لیے دشوار نہیں تھا۔ اگر عورت نے ان کی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیا تھا تو سلطان شاہ کی عافیت اور سلامتی ایک بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔

جن لوگوں نے البرٹو جیسے روپوش شکار کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا دیا تھا وہ اپنے معاملات اور مفادات کے تحفظ کے لیے سلطان شاہ کو ہرگز معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امریکی گوروں اور کالوں کے وطن میں رنگ دار ایشیائی تھا جسے ڈھونڈنا ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔

بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا پہلے وہ سبک رفتاری سے الل ٹپ پیش قدمی کرتا رہا۔ اس کی اولین کوشش یہ تھی کہ وہ اس خوں خوار عورت کی دسترس سے اتنا دور نکل جائے کہ وہ اس کی گرد بھی نہ پا سکے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اس عورت کی پہنچ سے بہت دور نکل آیا ہے تو اس نے قریب ترین سب وے اسٹیشن تک پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔

نیویارک کی زیر زمین ٹرین میں واپسی کا سفر کرتے ہوئے وہ اپنے تحفظ کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ البرٹو کی طرح بے نام و نشاں نشے باز نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی چوہے کی طرح نیویارک کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔

اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ شاید سی آئی اے کے کہنہ مشق ایجنٹوں کے تجربے کے سامنے اس کی ساری احتیاط رائیگاں گئی ہو۔ وہ لوگ کئی دنوں سے اس کے اور البرٹو کے پیچھے لگے ہوئے ہوں اور اس کا ہوٹل ان کی نگاہوں میں آ چکا ہو۔ اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

اگر وہ کئی دنوں سے ان دونوں کا پیچھا کر رہے تھے تو البرٹو کے تنگ و تاریک دڑبے میں گھس کر اسے اتنی آسانی سے ہلاک کرتے کہ کسی کو کانوں کان بھی اس واردات کی خبر نہ ملتی۔ اس کا کام تمام کرتے ہی وہ سلطان شاہ کے ہوٹل پر شب خون مارتے اور قومی سلامتی کے نام پر اسے ویرا سمیت اٹھا لے جاتے۔ سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوتا چلا جاتا۔ ویرا بونس میں ان کے ہاتھ آ جاتی۔

دوسرا نظریہ مسترد کرتے ہی وہ بہت شدت سے ویرا سے مشورے کی ضرورت محسوس کرنے لگا۔ سب وے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی، سبک رفتاری سے اپنی منزل کی طرف اڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کو اس وقت ٹرین کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں تھا ورنہ وہ پر لگا کر پلک جھپکتے میں ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔

آخر کار اس کی منزل آ گئی۔ ویرا کے لیے نیویارک اجنبی نہیں تھا۔ اس نے برسوں اسی شہر میں گزارے تھے اور وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ اپنے تجربے کی بنا پر اس نے نیویارک میں قیام کے لیے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جو سب وے اسٹیشن سے بہت قریب تھا۔ سلطان شاہ زیر زمین اسٹیشن سے نکل کر ذرا سی دیر میں ہوٹل میں پہنچ گیا۔

ویرا نے اس کی کہانی بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی پھر بولی ''البرٹو کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ وہ مارا گیا۔ تم بچ کر نکل آئے۔ اب کس بات کی پریشانی ہے!''

''شاید اب تمہارے دماغ میں موچ آ گئی ہے۔'' سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر قدرے غصے سے کہا ''اس عورت نے مجھے دیکھا اور اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری تلاش کی مہم شروع ہو، ہم کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لینی چاہیے۔''

''موت کا ایک وقت مقرر ہے۔'' ویرا بولی ''وقت پورا ہونے سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تمہاری یہ تشویش بیکار ہے۔''

''یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن ٹرین کی پٹری پر لیٹ کر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ آنے والی ٹرین تمہیں دیکھ کر کھیتوں میں اتر جائے گی۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا۔ ویرا کا پرسکون ردعمل دیکھ کر اس کا پارا چڑھ رہا تھا۔

ویرا بے اختیار ہنس دی ''تمہاری دانست میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہمیں یہ ہوٹل اسی وقت چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں ہم غیر محفوظ ہیں۔''

''پھر کہاں جائیں؟'' ویرا کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

''فی الحال کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھکانا تلاش کرو پھر یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچو۔ البرٹو کے مارے جانے کے بعد ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''جب میں تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دے رہی تھی تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی!'' ویرا نے

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''البرٹو کی موت کے بعد پچھلی باتوں کو دہرانا بے سود ہے۔اب آگے کی سوچو۔''
''ہماری واپسی کا راستہ مسدود ہے۔'' ویرا بولی ''پاکستان میں حالات مخدوش ہونے کے بعد ہی ہمیں وہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔جلال سے دو تین مرتبہ میری بات ہوئی ہے۔میرے اور ڈینی کے لیے وہاں کے حالات بہ دستور خراب ہیں۔''
''بہرحال کچھ کرو۔'' سلطان شاہ تنگ کر بولا ''ہم اس بند کمرے میں بیٹھ کر سی آئی اے کے ایجنٹوں کی دستک کا انتظار نہیں کر سکتے۔''
''یہ سب تمہاری مہم جوئی کا نتیجہ ہے۔تم نے البرٹو کی جڑ میں گھسنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ہم اطمینان سے یہاں رہ رہے ہوتے۔''
''تم پھر ماضی کو کرید رہی ہو!'' سلطان شاہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
''یہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔میں نے آج بھی تمہیں اس کی طرف جانے سے روکا تھا۔میں احمق نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ البرٹو سے ملنے کے لیے نہیں گئی۔مجھے تمہارا کھیل شروع سے خطرناک نظر آرہا تھا۔مجھے حیرت ہے کہ ڈینی نے بھی تمہیں اس مہم جوئی سے نہیں روکا۔تم کو ماننا ہوگا کہ تم نے البرٹو میں دلچسپی لے کر غلطی کی ہے۔''
''میں مانتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے یک بیک ہتھیار ڈالتے ہوئے بے بسی سے کہا ''اب اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرو۔''
''ویری گڈ! اب تم راہ پر آئے ہو تو سنو کہ ہوٹل بدلنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔اگر تمہارے اندیشے درست ہیں تو نیویارک کا ہر ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوگا..... فی الحال ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''
''نیویارک سے!'' سلطان شاہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔
''جس طرح ہمارے لیے سب ہوٹل یکساں ہیں اسی طرح امریکا کا ہر شہر ہمارے لیے نیویارک ثابت ہوسکتا ہے۔پورے ملک میں امریکی ایجنسیوں کا نیٹ ورک بہت وسیع اور منظم ہے۔یہ ڈینی کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ یہاں ایک طوفان کھڑا کرنے کے بعد مکھن میں سے بال کی طرح نکل گیا۔وہ تمہیں ہر شہر میں تلاش کرلیں گے کیونکہ ان کی ایک ایجنٹ تمہارا چہرہ ذہن نشین کر چکی ہے۔'' اس بار ویرا نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔
''یہاں خطرہ ہے، پاکستان میں حالات ناموافق ہیں۔کیوں نہ ہم بنکاک میں ڈینی سے جاملیں۔ڈینی کے بغیر میں خود کو یتیم محسوس کرنے لگا ہوں۔'' سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے رائے دی۔
ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ ڈینی کسی یتیم خانے کا متولی بنا ہوا ہے۔میں تو واقعی یتیم ہوں۔میرا باپ وائٹ ہاؤس میں مارا گیا تھا۔یہ بات تم سب کو معلوم ہے۔''
''تم مذاق کررہی ہو، میری جان پر بنی ہوئی ہے۔آخر تم سنجیدہ کیوں نہیں ہوتیں!''
''تمہاری بدحواسی سے محظوظ ہورہی ہوں۔اس وقت تمہارے چہرے پر یوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں جیسے تم ہی البرٹو کو مار کر آئے ہو۔''
''تم یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''
''اطمینان سے سامان سمیٹ لو۔'' ویرا اچانک سنجیدہ ہوگئی ''ہوٹل بدلنے سے کوئی فرق پڑے گا نہ شہر بدلنے سے۔ابھی کافی وقت باقی ہے۔ہمارے پاسپورٹوں پر کینیڈا کے ویزے بھی موجود ہیں۔ہم بس سے نیاگرا آبشار کے نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے رات کو ٹورنٹو پہنچ جائیں گے۔وہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔''
سلطان شاہ اس خطے کے جغرافیے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ویرا کی زبان سے کینیڈا کے سفر کی تجویز سن کر اس کے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔
ان دونوں کا ذاتی اسباب بہت زیادہ نہیں تھا۔دونوں نے ذرا سی دیر میں اپنے اپنے بیگ تیار کرلیے۔کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے واجبات ادا کیے اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔
''مجھے افسوس ہے کہ تم یہاں آئے اور پورا نیویارک دیکھے بغیر واپس جارہے ہو۔'' راستے میں ویرا نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔
''پورا شہر نہ سہی پھر بھی میں نے بہت کچھ دیکھ لیا۔شاید مجھے بہت سی جگہوں اور عمارتوں کے نام معلوم نہ ہوں لیکن میں نے ہارلم سے لوئر مین ہٹن تک چھان مارا۔'' سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔
''میں یہی کہہ رہی ہوں۔تم صرف مین ہٹن میں پھنسے رہے۔نیویارک شہر اس سے کہیں بڑا ہے۔'' ویرا نے اسے بتایا ''مین ہٹن بہت پرہجوم اور بارونق ہے لیکن یہ نیویارک شہر

کا ایک دریائی جزیرہ ہے۔ جسے دریائے ہڈسن نے مین لینڈ سے الگ کیا ہوا ہے۔ بروکلین، برونکس اور کوئنز وغیرہ بھی اسی شہر کے بڑے اور گنجان آباد علاقے ہیں۔ وقت ملتا تو میں تمہیں ان علاقوں کی بھی سیر کراتی۔ وہاں کے باغات اور آبادیاں دیکھ کر تمہارا دل خوش ہو جاتا۔"

"باغ اور آبادیاں ہر بڑے شہر میں ہوتی ہیں۔ میرے لیے کنکریٹ کا جنگل زیادہ حیران کن تھا۔ اتنے کم رقبے میں فلک بوس عمارتیں شاید ہی دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔" سلطان شاہ نے اس تذکرے میں دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔ پکڑے جانے کا خوف زائل ہونے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بڑی حد تک بحال ہو گئی تھی۔

گلی کے سرے پر آ کر ویرا نے پہلی خالی ٹیکسی روکی تو اس کا ڈرائیور ایک ایشیائی تھا۔ وہ دونوں اپنے تھیلوں سمیت ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر سوار ہو گئے۔

ویرا نے اسے بس ٹرمنس کے بارے میں بتایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا نے ڈرائیور کو خالص امریکی لب و لہجے میں ہدایت دی تھی۔ ڈرائیور اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ اردو بھی جانتی ہو گی۔

ذرا سی دور جانے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے پنجابی لہجے سے مغلوب اردو میں سلطان شاہ سے کہا "بابو! لڑکی زبردست ہے مگر اس سے ہوشیار رہنا۔ یہاں کی لٹیری لڑکیاں تم جیسے سیدھے سادے لوگوں کو لوٹ کر کنگال کر دیتی ہیں۔"

"میں ان میں سے نہیں ہوں۔" ویرا نے اردو میں برجستہ جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر حیرت سے اچھل پڑا۔

ویرا کی دخل اندازی پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ اس کی دانست میں ویرا کو ڈرائیور کا وہ تبصرہ خاموشی سے نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔

ویرا کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ڈرائیور حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ملی جلی اردو اور انگریزی میں اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے ویرا سے اس امر کی تائید کا خواہاں تھا کہ نیویارک میں بعض بدکردار لڑکیاں سادہ لوح غیر ملکیوں کو رجھا کر اپنے جال میں پھانستی ہیں اور ان کی جیبیں خالی کروا کر یوں رفو چکر ہوتی ہیں کہ ان کا سراغ بھی نہیں ملتا۔

"صفائی پیش کرنے کے بجائے اپنی ڈرائیونگ پر دھیان دو۔" ویرا نے خشک لہجے میں اسے فہمائش کی "ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھاری جرمانے کا ٹکٹ مل جائے۔"

"مس! میں معافی چاہتا ہوں۔" وہ گڑگڑایا "میں تم کو امریکن سمجھا، تم اپنی ملکی نکلیں۔ میرا مطلب تمہاری بے عزتی کرنا نہیں تھا۔"

"ایسی لڑکیاں ٹیکسی ڈرائیوروں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسی گروہ کے کارندے ہو۔" ویرا نے اس پر جوابی وار کرتے ہوئے کہا "ابھی تمہاری رپورٹ کر دوں تو تمہارا لائسنس کئی سالوں کے لیے ضبط ہو جائے گا مگر میں تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟" نرمی دکھانے کے باوجود ویرا کا لب و لہجہ تلخ تھا۔

"جی میں امرتسر سے آیا ہوں۔ وہاں اچھا خاصا اکاؤنٹنٹ تھا۔ یہاں ڈگری کو مانتے ہیں نہ تجربے کو۔ ٹیکسی چلا کر گزارہ کر رہا ہوں۔" اس نے مسمسی آواز میں کہا "میں معافی دینے کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔"

ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ اس ناگہانی تجربے نے ڈرائیور کی زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہ بس ٹرمنس پہنچ گئے جہاں سے دوسرے شہروں کے لیے بڑی اور آرام دہ بسیں چلتی تھیں۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ ویرا نے از خود رہنمائی کا کام سنبھال لیا اور پاسپورٹ دکھا کر ٹورنٹو جانے والی کوچ کے دو ٹکٹ خرید لیے۔

ویرا نے اسے بریف کیا کہ امریکا اور یورپ کے بہت سے ملکوں کے شہریوں کو کینیڈا میں داخلے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نیاگرا کی امیگریشن چوکی پر اپنا پاسپورٹ دکھا کر کینیڈا میں داخل ہو سکتے تھے لیکن ایشیا اور افریقا کے بیشتر ممالک کے شہریوں کے لیے ویزے کی پابندی تھی۔ یہ ان دونوں کی خوش نصیبی تھی کہ ان کے پاس کینیڈا کے ویزے موجود تھے۔ ویرا نے پاکستان سے روانہ ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ جلال نے ان کے پاسپورٹوں پر کس کس ملک کے ویزے لگوائے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ سفر بہت خوشگوار رہا۔ راستے میں آنے والے مناظر سے زیادہ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بغیر امریکا سے باہر جا رہا تھا۔ ان کی نئی منزل کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے امید تھی کہ کینیڈا کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سی آئی اے کے خوف اور دسترس سے آزاد ہو جائیں گے۔

راستے میں امریکا اور کینیڈا کی سرحد کے قریب نیاگرا کے دل فریب حسن کا نظارہ کرنے کے لیے سیاحوں کی بھاری تعداد تصویر کشی اور دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آئی۔ رات ہو چکی تھی۔ وہاں رنگا رنگ روشنیوں کے حسین انعکاس

نے مسحور کن سماں باندھا ہوا تھا۔ ایک طرف سیاحوں کو لانے اور وہاں سے واپس لے جانے والی صاف ستھری، بڑی بڑی بسیں قطار در قطار کھڑی ہوئی تھیں لیکن ان کی بس وہاں نہیں رکی۔

ان کی بس امریکا اور کینیڈا کے اس سرحدی علاقے سے تقریباً تیس کلومیٹر پیچھے بفیلو کے بارونق شہر کے مضافات سے گزرتی ہوئی وہاں پہنچی تھی۔ انہیں اپنے بائیں طرف دریائے نیاگرا کے کنارے، امریکی سرزمین پر بنا ہوا وہ اونچا ٹاور نظر آرہا تھا جس پر چڑھ کر لوگ اس طرف گرنے والی آبشار کا نظارہ کرتے ہیں۔

ویرا امریکی نژاد تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے وہ خاموش نہیں رہ سکی۔ اس نے نیاگرا نامی دریا اور آبشار کے بارے میں سلطان شاہ کو بہت کچھ بتایا۔ وہ دریا کینیڈا سے بہتا ہوا امریکا میں داخل ہوتا ہے۔ آبشار کے تین حصے ہیں جن میں دو امریکا میں گرتے ہیں، تیسرے کا رخ کینیڈا کی طرف ہے۔ وہاں آبشار کے مشاہدے کے لیے ٹاور کے علاوہ ہیلی کاپٹر اور کشتیاں بھی دستیاب ہیں۔ گرمیوں میں پانی کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھلی راہداریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ سردیوں کے سخت موسم میں دریا سے آبشار تک سب کچھ جم جاتا ہے اور پونے دو سو فٹ اونچی چٹانوں سے برف کے نکیلے اور دھاردار پردے جیسے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سلطان شاہ کو اپنے تلخ ترین تجربے کے بعد اس سرزمین سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے ویرا کی بیشتر باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

ان کی بس نیاگرا اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی رین بو برج پر سے گزری جس کے نیچے دریا اپنی روانی میں بہہ رہا تھا۔ اس مقام پر دونوں ملکوں کی سرحدی لکیر دریا کے وسط سے گزرتی ہے۔ ایک کنارا امریکا میں ہے، دوسرا کینیڈا میں۔

پل عبور کر کے وہ کینیڈا میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں چیک پوسٹ پر امیگریشن کا مرحلہ بہت تیزی سے طے ہو گیا کیونکہ بس کے بیشتر مسافر امریکی اور کینیڈین تھے جن پر ویزے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے سوا بس میں چند ہی مسافر تھے جنہیں کینیڈا میں داخلے کے لیے باضابطہ ویزے کی ضرورت تھی اور سب کے پاس وہ اجازت نامے موجود تھے۔

نیاگرا سے ٹورنٹو تک کا سفر سلطان شاہ کے لیے بے کیف رہا۔ شہر میں بس سے اترتے ہی وہ ٹیکسی لے کر رائل ہوٹل پہنچ گئے جو ٹورنٹو میں متوسط درجے کا صاف ستھرا اور آرام دہ ہوٹل تھا۔ ویرا ماضی میں اپنی متعدد راتیں اس ہوٹل میں گزار چکی تھی۔

ہوٹل پہنچتے ہی دونوں کی بھوک چمک اٹھی۔ سلطان شاہ حرام اور حلال کے بارے میں اتنا محتاط تھا کہ شراب کے گلاس میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کراچی کے گھر میں ویرا کو اپنے مخصوص گلاس کمرے سے باہر لانے کی اجازت نہیں تھی نیز وہ روزمرہ استعمال کے گلاس اپنے کمرے میں لے جا سکتی تھی۔ دونوں اقسام کے گلاسوں کی بناوٹ مختلف تھی۔ سلطان شاہ کے مطالبے پر وہ اہتمام غزالہ نے کیا تھا تاکہ بھول چوک کا کوئی امکان نہ رہے۔

ایسے مشکل مراحل میں سلطان شاہ صرف مچھلی اور آلوں کے تلوں پر انحصار کرنے لگ تھا۔ رائل ہوٹل میں بھی اس نے انہی دو چیزوں سے اپنی آتش شکم سرد کی۔ ٹھنڈے منرل واٹر کی آدھی بوتل اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی نقل مکانی سے میرا باخبر رہنا ضروری تھا۔

اس کے ایما پر ویرا نے مجھ سے رابطے کے لیے موبائل فون کا سہارا لیا تو وہ بے جان تھا۔ بیٹری کام کر رہی تھی، اسکرین بھی روشن تھی لیکن سگنل غائب تھے۔

یہ بات کافی دیر بعد ان دونوں کی سمجھ میں آئی کہ وہ کراچی کا موبائل فون تھا جو اول خان نے از راہ عنایت ویرا کو دے دیا۔ ان کے سفر کے پیش نظر اس فون کی رومنگ امریکا کے لیے کھلوائی گئی تھی۔ کینیڈا میں داخل ہوتے ہی وہ سہولت ختم ہو چکی تھی۔ کینیڈا کے لیے وہ سہولت کراچی سے ہی بحال کرائی جا سکتی تھی۔

ویرا نے وقت کے طویل فرق کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے فون سے کراچی کے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ہوٹل کے فون پر اپنا اصل نام استعمال کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے اپنے مفروضہ نام اور ہوٹل کے فون نمبر کے ساتھ آپریٹر کو اپنا پیغام نوٹ کرا دیا کہ اول خان اولین فرصت میں اس سے رابطہ کر لے۔

☆☆☆

''میں دو دن سے ٹورنٹو میں ہوں مگر بالکل بے دست و پا تھی۔'' ویرا موبائل فون پر کہہ رہی تھی ''اول خان نے فون کیا تو ہم دونوں ہوٹل سے نکلے ہوئے تھے۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک چھوٹے سے بند کمرے میں بیٹھ کر مسلسل انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ آج اس سے بات ہوئی اور فون پر رومنگ کھلتے

ہی میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔''
''البرٹو کے قتل کے بعد نیویارک سے نکل کر تم دونوں نے بہت دانش مندی کا ثبوت دیا۔'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''اب کچھ دنوں تک خاموشی سے وہیں دبکے رہو۔''
''یہ مشکل ہے۔ سلطان شاہ کا دل اچاٹ ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سرد ملکوں کے لوگ بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ اسے یہاں کی ہر چیز روکھی پھیکی اور بے رونق نظر آ رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ کڑکتے ہوئے جاڑوں کی آمد کے انتظار میں موسم بہار میں بھی تشویش زدہ رہتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف آنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''
''ادھر آنا کیا ضروری ہے' یورپ کے کسی بھی ملک کی طرف نکل جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سلطان شاہ کا دل بھی لگ جائے گا۔'' میں خواہش کے باوجود اسے بنکاک آنے سے براہِ راست منع نہیں کر سکا۔ اس کی زبان سے بنکاک آنے کا ذکر سن کر میں متفکر ہو گیا۔
''یہ دل لگنے ہی کا معاملہ ہے جو میں خود بھی بنکاک آنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف نہ ہوتا تو میں تم کو کراچی پہنچنے کا مشورہ دے کر خود بھی اسی طرف کا رخ اختیار کرتی۔ وہاں کے بارے میں جلال سے ملنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد حالات مزید خراب ہوئے ہیں۔''
''یہ دل لگنے کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔
''آج کل سلطان شاہ نہایت خشوع و خضوع سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔
''یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ ہم سب سے الگ ہونے کے بعد شاید تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔'' میں نے ویرا کی زبان سے وہ خبر سن کر واقعی بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ میں جب بھی ویرا کے مستقبل پر غور کرتا تو میرا دل گھٹنے لگتا تھا۔ ہم سب اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرے میں گندھے ہوئے تھے۔ ہماری بھیڑ میں وہی بے چاری اکیلی تھی جو محض ہماری خاطر ساری دنیا سے اپنے ناتے توڑ کر کراچی میں پڑی ہوئی تھی۔ جلال اور راول خان عیال دار تھے' میں نے غزالہ سے مکاؤ میں جبری نکاح ہونے کے بعد اپنا گھر بسا لیا تھا' سلطان شاہ اپنے گاؤں جاتا تو اس کا بھی گھر بس جاتا۔ مجھے دور دور تک ایسا کوئی فراخ دل مرد نظر نہیں آتا تھا جو ویرا کو اس کے ماضی کی ساری خرابیوں اور موجودہ خوبیوں کے ساتھ قبول کر لے۔ اگر سلطان شاہ سنجیدگی سے ویرا کے پیچھے لگ گیا تھا تو ویرا کے لیے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ بہت سچا' دلیر اور کھرا انسان تھا۔ ویرا کے لیے اس سے بہتر جوڑ ممکن نہیں تھا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ پر بنکاک کی ڈھول جمتی جا رہی ہے۔'' ویرا کی آواز سے ناگواری مترشح تھی' ''میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے عشق جھاڑ رہا ہے۔ تم نے خشوع و خضوع کے الفاظ کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ اسے جب فرصت ملتی ہے وہ تبلیغ کرنے لگتا ہے۔ میں بھی اس سے کھیل رہی ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب اس کے سر پر مجھے مسلمان کرنے کی دھن سوار ہو گئی ہے۔ اپنی خواہش کے باوجود اسے اب تک مجھ سے دوٹوک بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکا۔''
میرے لیے وہ خبر بھی حوصلہ افزا تھی۔ اگر سلطان شاہ اسے مسلمان کرنا چاہ رہا تھا تو اس نے اس سے آگے بھی کچھ سوچ لیا ہوگا۔ امریکا کے آزاد خیال معاشرے میں جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی ایک بے دین عورت کو مسلمان کر کے وہ بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا تھا مگر اس بارے میں ویرا کی سوچ منفی اور حوصلہ شکن تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ کھیلنے کا ذکر کر کے اس نے میری امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔
''اگر تم ان معاملات میں سنجیدہ نہیں ہو تو اس بارے میں بنکاک آنے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہی ہو؟'' میں نے اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔
''تمہارا لہجہ عجیب سا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے وہاں آنے سے روکنا چاہ رہے ہو۔'' ویرا میری مزاج شناس تھی۔ اس نے پل بھر میں میرے دل کی بات پڑھ لی۔
''چلو' تم ایسا ہی سمجھ لو۔ میں تم کو......!''
اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں چیخ کر بول پڑی ''معلوم ہوتا ہے کہ بنکاک میں غزالہ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ وہاں ہنی مون منا رہے ہو تو یقین رکھو کہ میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ ہم دونوں تم سے دور الگ ہوٹل میں رہیں گے۔ دل چاہے تو ہم سے مل لینا ورنہ فون پر بات ہوتی رہے گی۔''
''تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات میں فوراً کوئی نہ کوئی منفی پہلو نکال لیتی ہو۔'' میں نے ذرا برہمی

دکھاتے ہوئے کہا ''میں یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آیا' تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی بھی چوک ہوئی اور معاملہ ختم۔ یہاں آ کر تم میرے ساتھ رہو یا کسی اور ہوٹل میں رکو' میری توجہ بٹ جائے گی۔ بات کھل گئی تو تم دونوں کی صورت میں دشمن کو نئے ہتھیار مل جائیں گے۔ وہ تم پر قابو پا کر مجھے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔''

''ہم دونوں میں سے کوئی موم کا نہیں بنا ہوا جسے وہ آسانی سے اپنے قابو میں کر لیں۔'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''میں وہاں آ گئی تو سوبھراج کو ناک چنے چبوا دوں گی۔''

''اب وہ کچھ بھی چبانے کے قابل نہیں رہا۔ دوزخ میں انگارے چبا رہا ہوگا۔'' سوبھراج کا ذکر آنے پر میں نے ویرا کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ بنکاک آ جاتی اور اسے سوبھراج کی ہلاکت کا علم ہوتا تو وہ میری طرف سے بد دل ہو سکتی تھی۔

''وہ کب مارا گیا...... تم نے تو بتایا تھا کہ اس کا قصہ چل رہا ہے۔'' ویرا نے وہ خبر سن کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ پرانی بات تھی۔ یہ خبر اتنی پرانی نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا حالانکہ میں نے اس سے سوبھراج کی ہلاکت کا قصہ چھپایا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا وہ خبر سنتے ہی فون پر سوالات کا ایک ایسا سلسلہ شروع کرے گی کہ میں اکتا جاؤں گا۔

''یہ بہت بڑی خبر تھی۔ تمہیں مجھ کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

وہ اپنے موبائل فون کے بند ہونے کی کتھا سنا چکی تھی۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''کہاں مطلع کرتا۔ تمہارا فون بند پڑا ہوا تھا۔ اس بات کا جلال بھی گواہ ہے۔ تمہارا فون بند ہونے سے وہ بے چارہ دو روز سے پریشان ہے۔''

''اس کا قصہ نمٹ گیا تو اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' اس نے پینترا بدل لیا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ وہ درخت کی شاخ پر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اس کے حمایتی موجود ہیں۔ تم راجن کا نام بھول رہی ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے کردار بھی ہیں۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔''

ضد اس کے مزاج کا ایک حصہ تھی۔ وہ روبرو موجود ہو یا فون پر' اس کے لیے اپنی اس جبلت پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ میری وضاحت سے اس کا لہجہ کچھ کمزور ضرور ہوا لیکن اس کی

بحث جاری رہی۔ کچھ دیر کی کوششوں کے بعد میں اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ بنکاک کے حالات اتنے سہل نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''بہر حال' کچھ بھی ہو' ہم بنکاک آ رہے ہیں۔'' بحث کے خاتمے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر اس کا پرنالا وہیں گر رہا تھا۔

''یہ حرکت تم اپنی ذمے داری پر کرو گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم چاروں میں سے ایک بھی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔'' میں نے اسے متنبہ کیا۔

''بنکاک لاکھوں کا شہر ہے۔ وہاں روزانہ ہزاروں سیاح آتے جاتے ہیں۔ ہمارے ماتھے پر ہمارے نام نہیں لکھے ہوئے کہ ایرپورٹ پر اترتے ہی دشمن ہمارے پیچھے لگ جائیں۔'' اس کے لب و لہجے سے اس کی فطری بے پروائی مترشح تھی۔ ''ہمارے پاسپورٹ ریٹا اور اکبر کے نام سے ہیں۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ وہاں کون آیا ہے اور ہاں' تمہارا سلطان شاہ کہہ رہا تھا کہ وہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم محسوس کر رہا ہے۔ وہ بھی یتیمی کے احساس سے بچ جائے گا۔''

''تم ضد پر اڑ گئی ہو' فون اسے دے دو۔ شاید میں اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

''وہ کسی قریبی پرواز پر نشستیں بک کرانے گیا ہے۔ واپسی کا ٹکٹ بھی تبدیل ہوگا۔ کراچی سے ہم نیویارک آئے۔ اب ٹورنٹو سے بنکاک کے راستے کراچی کا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔''

''تم دونوں نے مجھے زچ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہارے حق میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''فی الحال کراچی کو بھول جاؤ۔ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔''

''یہ بات مجھے معلوم ہے مگر ایر لائن کے اپنے ضابطے ہوتے ہیں۔ واپسی کا ٹکٹ وہیں تک کا بنے گا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ایشیائیوں کے معاملے میں یہ لوگ سخت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ پرانے ٹکٹ کی رقم پر صبر کر کے نیا یک طرفہ ٹکٹ خرید لے!''

''سب کچھ طے ہو جائے تو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دینا!'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ اب بنکاک پہنچ کر کہیں سے تمہیں فون کر لوں گی۔ تم ہمارے لیے دعا کرو' میں

تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ اکثر کہتا رہتا ہے کہ صرف ہونٹ ہلانے سے کچھ نہیں ہوتا' دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

''سلطان شاہ واپس آئے تو اسے میری رائے سے ضرور آگاہ کر دینا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی ڈھنگ کی بات سمجھا سکے۔''

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''اس سے ناجائز امیدیں مت رکھو، نیویارک میں رہ کر ہم دونوں بے ڈھنگے ہوچکے ہیں۔''

گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے ذہن میں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کا نیا پاسپورٹ اکبر خان کے نام سے بنا تھا اور میں نے بھی اسد کے ساتھ راجن سے ہونے والی ملاقات میں اپنے لیے لاشعوری طور پر اکبر کا نام استعمال کیا تھا۔ ناموں کی وہ مماثلت کسی مرحلے پر کوئی سنگین غلط فہمی پیدا کرسکتی تھی۔ ان دونوں کے بنکاک آ جانے کے بعد ایسی کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نمایاں ہو جاتا۔

''البرٹو کے معاملے میں سلطان شاہ کو سراسر چوٹ ہوئی ہے۔'' غزالہ نے اس گفتگو کا خلاصہ سننے کے بعد پُرتشویش انداز میں کہا ''کچھ معلوم ہونے کے بجائے وہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔''

''اور میں ان کی یہاں آمد کی خبر سے پریشان ہوں۔ یہاں کے معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔ ڈان کے لیے میں علی احمد ہوں، راجن مجھے اکبر کے نام سے پہچانتا ہے۔ وہ یہاں آ گئے تو میں ان سے لاتعلق نہیں رہ سکوں گا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنی سمتوں میں مصروف رہنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔'' میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''وہ آپ کے سمجھانے کے باوجود وہاں رکنے یا کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ حد سے زیادہ ضدی عورت ہے۔ پتا نہیں سلطان شاہ اس کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا ہوگا۔'' ان دونوں کے معاملے میں غزالہ کی ہمدردیاں ہمیشہ سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس نے اس موقع سے فوری فائدہ اٹھالیا۔

''کاش یہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی ہوتی اور تم نے سنی ہوتی۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نرم گوشے پیدا ہوگئے ہیں، یہ صرف ویرا کی ضد کی بات نہیں ہے، سلطان شاہ واپسی کا ٹکٹ بنوانے گیا ہوا ہے۔''

''تو کیا بنکاک آنے سے پہلے انہیں کراچی جانا ہوگا؟'' میری زبان سے ان کی واپسی کا ذکر سنتے ہی غزالہ چونک گئی۔

''قطعی نہیں۔'' میں نے کہا ''وہ کراچی سے آگے جاپان یا آسٹریلیا بھی جاسکتے ہیں۔ ان کے سفر کی آخری منزل کراچی ہی رہے گی۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ جہاں بھی جارہے ہیں، وہاں کے امیگریشن کے لوازم پورے کرتے ہوں۔''

''تو کیا ان کے پاس بنکاک کا ویزا ہوگا؟'' وہ ان دونوں کی آمد کے ہر پہلو کے بارے میں اپنا اطمینان کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں نے ان کے پاسپورٹ غور سے نہیں دیکھے۔ ان کے پاس ویزا نہ ہوتب بھی انہیں ایرپورٹ پر ویزا مل جائے گا۔ سیاحت اس ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ اپنے یہاں آنے والوں کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں، ان کے لیے مسائل پیدا نہیں کرتے۔''

''آپ ان دونوں میں مفاہمت کا ذکر کر رہے تھے۔'' اس بارے میں مطمئن ہوتے ہی غزالہ نے مجھے میری بات یاد دلائی۔

''سلطان شاہ نے اب تک براہِ راست ویرا کو دعوت نہیں دی لیکن وہ دوسرے طریقوں سے اسے اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

میری طرح غزالہ بھی وہ خبر سن کر خوش ہوگئی۔ شاید اس کے ذہن میں بھی انہی امکانات نے سر ابھارا تھا جو ابتدا میں مجھے نظر آئے تھے۔ جب میں نے اسے ویرا کے ردِعمل سے آگاہ کیا تو وہ اداس ہوگئی۔

ہم دونوں کافی دیر تک ویرا اور سلطان شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا اپنے آزاد مغربی پس منظر کی وجہ سے میرے ساتھ جو بے تکلفانہ رویہ اختیار کرتی تھی، وہ غزالہ کو ہمیشہ گراں گزرتا تھا۔ وہ اس بارے میں کئی بار مجھ سے دبے لفظوں میں شکایت کر چکی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ ویرا کی طرف سے رقابت، حسد اور کبھی کبھی رشک میں مبتلا ہوجاتی تھی۔ میں نے بارہا ویرا کو سمجھایا کہ وہ غزالہ کی موجودگی میں محتاط رہا کرے لیکن وہ اپنی عادتوں سے مجبور تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ غزالہ کو ان مسائل کا حل ویرا کی خانہ آبادی میں نظر آ رہا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کرلیں تو ویرا کی بے تکلفیوں سے میری گلوخلاصی

ہو جائے گی۔ ان نجی مسائل کے علاوہ غزالہ واقعی ویرا کی خیر خواہ تھی۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس وقت خیر خواہی کی آڑ میں اپنے ان نجی مسائل کے حل کی خواہش مند ہے۔

غزالہ کتنی ہی سمجھ دار اور روشن خیال کیوں نہ رہی ہو، آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی اور عورت جب بیوی کا روپ دھار لیتی ہے، تو وہ اپنے حقوق کے تحفّظ کے معاملے میں خاصی تنگ نظر بلکہ شاید متعصب بھی ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں اسے ٹوکنا یا سمجھانا غلط فہمیوں اور بدمزگی کو جنم دینے کا سبب بن سکتا تھا۔

اسی رات دس بجے کے قریب طارق کا فون آ گیا۔

اس نے اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے لیے بنکاک آتے ہی موبائل فون کنکشن لے لیا تھا تاکہ اسے ہر وقت رابطے کی سہولت میسر رہ سکے۔ اس وقت وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا۔ اس کی آواز کے پس منظر میں مجھے ٹیکسی کے انجن کی ہلکی سی گونج بھی سنائی دے رہی تھی۔

''میں اس وقت اس کا پیچھا کر رہا ہوں'' سلام دعا کے بعد وہ پُرسکون انداز میں بتا رہا تھا ''میں نے سنا ہے کہ وہ محافظوں کی کئی گاڑیوں کے ساتھ، کرّوفر سے باہر نکلنے کا عادی ہے لیکن اس وقت وہ صرف ایک گاڑی میں ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت تین آدمی ہیں۔''

''تم شاید راجن کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے وہ خبر سن کر اس سے تصدیق چاہی۔

''بالکل اسی کا ذکر ہے۔'' اس نے بلا توقف میری تائید کی ''تم نے کہا تھا کہ میں اس پر نظر رکھوں۔ میرے پاس فی الحال کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے اس کے گھر کی نگرانی شروع کر دی۔ وہ یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ ڈرائیور میری زبان سے اس کا نام سن کر چونک جاتا۔ اردو میں کہی ہوئی دوسری باتیں اس کے پلے نہیں پڑ سکتیں، میں اس وقت ذرا محتاط ہوں۔''

''ویری گڈ! یہ بہت اہم اور اچھی خبر ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ تمہاری ٹیکسی اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ تم اس کا نام لینے سے گریز کر رہے ہو۔ کیا ڈرائیور کو یہ علم نہیں کہ وہ کس کا پیچھا کر رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ راجن کو چہرے سے نہیں جانتا۔ اسے یہ تو معلوم ہے کہ میں نے اسے سفید گاڑی کے پیچھے لگایا ہوا ہے لیکن اس نے اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے اسے ہدایت کی اور وہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا۔''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ کوئی چون و چرا کیے بغیر شہر کے ایک نامور بدمعاش کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہو گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں اس کی جرح کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔'' اس نے وضاحت کی ''اس کی خاموشی سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسے کام اس کے لیے نئے نہیں ہیں۔ میں خالی ہاتھ اور اکیلا ہوں۔ اسے کوئی شبہ نہیں ہوا ہوگا۔ وہ خاموش طبع پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔ دھیان سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کی ٹیکسی میں میٹر نہیں ہے۔ میں عجلت میں کرایہ طے کیے بغیر اس کے ساتھ روانہ ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر میں مجھ سے انعام یا بھاری کرایہ وصول کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہو۔ تم اس کے بارے میں فکر نہ کرو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ویسے بھی ڈرائیور تھائی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کی انگریزی چند الفاظ کے بعد جواب دے جائے گی۔ اس سے کسی لمبے مذاکرے کا امکان نہیں ہے۔ سب کچھ نوٹوں کی جھلک دکھا کر طے ہو جائے گا۔''

طارق کے ایک ایک لفظ سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے بنکاک آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر ماحول میں اپنا کام کرنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس معاملے کو اس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے پوچھا ''تمہیں یقین ہے کہ اگلی گاڑی میں راجن موجود ہے؟''

''اپنی سیاہ رنگت اور آگے مڑے ہوئے کانوں کی وجہ سے وہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھا ہوا ہے۔'' طارق نے بتایا ''اس کی جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابھی میں شہر کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم جنوب کی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔'' لمحے بھر کے تذبذب کے بعد اس کا جواب آیا۔

اس کا سفر جاری تھا۔ اس کی فراہم کی ہوئی خبر میرے لیے بہت اہم اور سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی ابتدائی گفتگو کو ذرا طول دیا تھا تاکہ وہ راستے وغیرہ دیکھ کر راجن کی منزل کا اندازہ لگا سکے لیکن میری وہ تدبیر کارگر

ثابت نہیں ہو سکی۔ شہر سے اجنبیت طارق کے لیے سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ تھی۔

''جوں ہی تمہیں کوئی اندازہ ہوتا ہے، مجھے اطلاع دینا، میں منتظر رہوں گا۔'' میں نے متجسس لہجے میں کہا ''شاید تمہیں اندازہ ہوگا کہ میرے لیے وہ کتنا اہم ہے؟''

''مجھے اس کے بارے میں بریف کر دیا گیا تھا۔ تم کو ضرور علم ہوگا مگر میں پھر بھی واضح کر دوں کہ میں تمہیں صرف معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ اگر تم اس کے خلاف کسی مہم جوئی کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو اس میں میرا کوئی کردار نہیں ہوگا۔''

وہ پاکستان کے ایک اہم مرکزی ادارے کا ذمے دار اہل کار تھا۔ اسے دیارِ غیر میں اپنی حدودِ کار کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس نے ایک مخلص اور پیشہ ور مخبر کی طرح صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ راجن کے خلاف کسی جرم کے ارتکاب میں فریق نہیں بنے گا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ''یہ باتیں میرے لیے نئی نہیں ہیں۔ تمہارا پیش رو بھی ان حدود میں رہ کر میرے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔''

طارق سے غیر متوقع طور پر ملنے والی وہ خبر میرے لیے بہت اہم تھی۔ ڈان برنارڈ اور چاؤ فان کے ذرائع سے مجھے جو خبریں ملتی رہی تھیں، ان کے مطابق راجن جب بھی موتی محل سے باہر نکلتا تھا، بھاری اسلحے سے لیس محافظوں کی بھاری نفری اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے کہیں بھی للکار کر روکنا اس کے حریفوں کے لیے مہنگا سودا ثابت ہو سکتا تھا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد سے وہ مسلسل موتی محل میں گھسا ہوا تھا۔ اپنے بحری اڈے کی تباہی پر بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان نے شہر میں نامعلوم ذرائع سے یہ افواہیں پھیلا دی تھیں کہ راجن کے ہر دوست کو بے رحمی سے کاٹ دیا جائے گا۔ ان افواہوں کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ نچلے درجے کے بہت سے لوگوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ان واقعات میں بہ ظاہر ڈان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا سیلرز بار چلا رہا تھا۔ اپنا بقیہ وقت وہ بار کی اوپری منزل پر گزار رہا تھا۔ پچھلے چند دنوں میں اس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی زیرِ زمین دنیا کے بہت سے بچھڑے ہوئے لوگوں نے اپنے عہدِ وفا کی تجدید کے لیے اس کے ٹھکانے کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہر میں راجن کی ہوا اکھڑی تو اس کی جگہ لینے کے لیے ڈان کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

پچھلی رات ڈان کے پاس آنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں کو اپنے روبہ رو پا کر ڈان اندر سے بہت خوش تھا لیکن ظاہری طور پر انہیں دھتکارتا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ گوشہ نشین رہ کر سکھ کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ڈان کی وہ سوچی سمجھی حکمتِ عملی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس بھیڑ میں مل کر راجن کے مخبر بھی اس کے دروازے تک آئیں گے۔ جب ان کے ذریعے راجن کو یہ خبر ملتی کہ ڈان اپنے پاس آنے والوں کو منہ نہیں لگا رہا تو اسے اطمینان ہو جاتا کہ اسے ڈان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں نے اکبر کے روپ میں کام کر کے اس کے شبہات کا رخ اپنی یعنی ڈینی کی ذات کی طرف موڑ دیا تھا۔

وائٹ ہاک کی بربادی کے بعد رونما ہونے والے وہ حالات و واقعات راجن کے لیے بہت مایوس کن تھے۔ موتی محل میں منہ چھپا کر اس نے اپنی پوزیشن اور خراب کر لی تھی۔

اس پس منظر میں طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اگر راجن اپنے معمولات سے ہٹ کر محض تین آدمیوں کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلا تھا تو یقینی طور پر اس کے پیشِ نظر کوئی اہم کام تھا۔ میرے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ اگر کسی طرح ان چاروں کو گھیر لیا جاتا تو راجن کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا تھا۔ اس سے نہ صرف میرا انتقام پورا ہو جاتا بلکہ اس کے انجام پر جلال بھی خوش ہو جاتا۔ رہا ڈان تو اس کی زندگی کا مقصد ہی راجن کو جہنم واصل کرنا رہ گیا تھا۔ راجن کی موت پر اس کی خوشی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

میں نے غزالہ کو اس نئے موڑ سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور پھر فوری طور پر چاؤ فان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''چاؤ فان! تم اس وقت کہاں ہو؟'' نمبر ملتے ہی میں نے اس سے سوال کیا۔

''ماسٹر! میں اس وقت مادام کے قدموں میں بیٹھا ہوا اسے منا رہا ہوں۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبے چالیس گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے لیکن مجھے اس کی کامیابی کا جشن منانے کا موقع نہیں ملا۔ مادام نے تم سے مل کر اپنا جی خوش کر لیا مگر میں بے چارہ ابھی تک ہر خوشی سے محروم ہوں۔''

''تمہیں ہر وقت شراب اور عورتوں میں گھسے رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟'' میں نے خفگی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ ان کے بارے میں سوال جواب نہ کیا کرو۔ یہ دیکھو کہ کام کے وقت میں تمہیں ہمیشہ مستعد اور تیار ملتا ہوں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مادام سے الگ ہوسکو؟'' میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

''فی الحال الگ ہی ہوں......'' اس نے موج میں آ کر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ شاید لی نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھین لیا تھا۔

''ڈارلنگ! تم اس وقت کہاں ہو؟'' میرے کان میں لی کی رسیلی آواز گونجی۔ ''کل شام سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی پتا ہی نہیں ہے۔ ایک چاؤفان ہے کہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اتنی خوشامد مردانہ شان کے خلاف ہوتی ہے۔''

''دروازے پر کوئی ضدی سوالی آ جائے تو اسے کچھ دے دلا کر جان چھڑائی جاتی ہے۔'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی ''تم بھی اسی فارمولے پر عمل کرو۔ فون اسے دے دو۔ اس وقت بہت اہم معاملہ درپیش ہے۔''

میرا مشورہ سن کر وہ ذومعنی انداز میں ہنسی، پھر بولی ''کیا چھوٹا راجن کی گردن تمہارے ہاتھ میں آ گئی؟''

وائٹ ہاک کی غرقابی کے قصے میں ہماری شریکِ کار بن کر لی راجن کی حد تک ہماری رازداں بن گئی تھی۔ وہ کوئی شریف اور آبرومند خاتون نہیں تھی، پھر بھی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ راجن کے ہاتھوں اپنی اور اپنی بہن کی پامالی پر واقعی اس کے خون کی پیاسی ہوگئی تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کر کے اس نکتے پر سوچا پھر کہا ''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ فون اسے دے دو، دیر نہ کرو۔ میرے پاس ایک اور کال آنے والی ہے۔''

''تم بہادر اور شیر دل مرد ہو۔'' لی کی آواز میں عجیب سی اپنائیت امڈ آئی ''میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ تم اس کمینے کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے ہو، لو اپنے چہیتے سے بات کرلو۔''

''ماسٹر! اس وقت میرے دل پر تیر لگا ہے۔'' اس مرتبہ چاؤفان کی مغموم آواز سنائی دی ''مادام نے تم کو کتنے پیار سے ڈارلنگ کہا ہے۔ یہ مجھے اس محبت کا عشرِ عشیر بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ میں تم سے اپنے دل میں حسد اور رقابت محسوس کر رہا ہوں، تم اندازہ نہیں......''

''چاؤفان! بک بک مت کرو۔ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ہم ہمیشہ پچھتاتے رہیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا ''اس وقت راجن موتی محل سے صرف ایک گاڑی میں نکلا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت کل تین آدمی ہیں۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔''

''ماسٹر! یہ بہت بڑی خبر ہے۔'' اس نے جواب دیا ''میں دوڑ کر مادام سے دور آ گیا ہوں۔ اب تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔''

''اس سے یہ نہ چھپانا کہ میں نے راجن کے بارے میں بات کرنے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔'' اس کے لی سے دور آنے کا ذکر سن کر میں نے وضاحت کی تاکہ اسے لی کے سامنے کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے ''ابھی مجھے خیال آیا کہ راجن کے معاملے میں وہ ہماری رازداں اور ہم خیال ہے۔ اگر میں اسے اپنی کال کا مقصد نہ بتاتا تو وہ اب تک میرا دماغ چاٹ رہی ہوتی۔''

''مجھے اپنی اور اس کی باتیں نہ سنایا کرو، دل پر چھریاں چل جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ راجن کا کیا قصہ ہے، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اس کے ابتدائی جواب پر میرا خون کھول اٹھا۔ ایک طرف وہ مجھے اپنا ماسٹر اور آقا تسلیم کرتا تھا اور دوسری طرف بازاری انداز میں میرا اور اپنا موازنہ کر رہا تھا مگر میں نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''فوراً وہاں سے نکلو اور اپنی اکارڈ لے کر میرے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤ۔ ہمیں ہر حال میں اس کو گھیرنا ہے۔''

''ماسٹر! اکارڈ بننے کے لیے گئی ہوئی ہے۔'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی ''پھوم فاٹ کو روکنے کے چکر میں وہ پیچھے سے لگ گئی تھی۔ کل تک......''

میں نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ''تو کیا لی سے عشق لڑانے کے لیے پیدل چل کر اس کے گھر پہنچے ہو؟''

''اس وقت میرے پاس چوری کی ایک جیپ ہے۔'' اس کی آواز یکا یک دھیمی ہوگئی۔ شاید وہ اپنے اعتراف کو اپنی خودساختہ محبوبہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ اور بھی اچھا ہے۔ جیپ دیکھ لی گئی تو راجن یا اس کے آدمیوں کو پتا نہیں چل سکے گا کہ ان سے ٹکرانے والے کون تھے۔ تمہاری جیپ میں کچھ ہتھیار بھی ہیں؟''

''ماسٹر! تمہارا خادم ہتھیار اور کپڑوں کے بغیر گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا۔'' کسی بات کی تصدیق یا تردید کرنے کا وہ

طریقہ عاجزانہ ہونے کے باوجود اتنا بے ہودہ تھا کہ مجھے اس سے چڑ ہونے لگی تھی مگر میں اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

''ہتھیاروں کے ساتھ دو نقاب بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

مجھے ڈینی کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچانتا تھا مگر میں اسد کے ساتھ اکبر بن کر راجن سے مل چکا تھا۔ اگر متوقع ٹکراؤ میں اس سے میرا روبہ رو سامنا ہو جاتا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ اس کا ہمدرد بننے والا اکبر اس کے مقابل مَوجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی حیرت کے ساتھ جہنم واصل کر دیا جاتا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ تین افراد بھی تھے۔ میں اسد کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر موتی محل میں گیا تھا۔ وہاں بہت سے لوگوں نے مجھے اور اسد کو دیکھا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ راجن کے تینوں ساتھی بھی ان لوگوں میں شامل رہے ہوں۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اکبر والی کہانی ہر طرف پھیل سکتی تھی۔ اکبر ڈینی کی طرح بے نام ونشان نہیں تھا، اس کا ایک منفرد چہرہ تھا۔ راجن کے رہے سہے حمایتی شہر میں اکبر کی تلاش شروع کر دیتے تو میں مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

''جیپ میں نقاب بھی مل جائیں گے۔'' اس بار چاؤفان کی آواز خفت آمیز تھی۔ ''یہ جیپ دو مہینوں سے میرے آدمیوں کے استعمال میں ہے۔ رنگ کے علاوہ اس کی نمبر پلیٹیں بھی بدلی ہوئی ہیں۔ اس میں نقب زنی کے آلات سے لے کر قتل کرنے والے ہتھیاروں تک، سب کچھ موجود رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پیش آ جائے۔''

''چاؤفان! تمہارے آدمی چوری اور نقب زنی بھی کرتے ہیں؟'' میں اس موقع کی سنگینی کے باوجود اپنی بے ساختہ حیرت کے اظہار پر قابو نہیں پا سکا۔

''ماسٹر! زندہ رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی آواز میں بے چارگی تھی ''کوئی کروڑ پتی اپنی تجوری کھول کر اپنا مال کسی اور کو نہیں دیتا۔ ہمیں مجبور ہو کر یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنی گاڑی چلانے اور زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہے۔ جہاں سے بھی ممکن ہوتا ہے، ہم اپنی یہ ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ڈان کی دی ہوئی، انعام کی بھاری رقم نے سر ابھارا۔ اس نے مجھے اور چاؤفان کو بہ یک جنبشِ ابرو ڈیڑھ لاکھ بھات دے دیے تھے۔ وہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ یہ یقینی بات تھی کہ ڈان کو سیکرز بار سے اتنی آمدنی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ وسائل کچھ اور ہی تھے جن پر چاؤفان کسی حد تک روشنی ڈال رہا تھا۔

چاؤفان جھاڑ کا کانٹا تھا۔ اس سے ایک بات کہی جاتی تو وہ دس باتیں شروع کر دیتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اسے زیادہ نہ کریدا جائے۔ اس کی وضاحتوں کے لیے دن کے چوبیس گھنٹے کم پڑ سکتے تھے۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''میں انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی جگہ پر پہنچ کر مجھے کال کرو۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' اس کی آواز پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ بات ختم کرتے کرتے اچانک وہ بولا ''مادام دور سے کچھ اشارے کر رہی ہے۔ شاید یہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے سختی سے کہا ''بھول کر بھی اسے اپنے ساتھ نہ لینا۔ وہ عورت ذات ہے۔ پہچان لی گئی تو راجن کے حواری اسے بھی اس کی بہن کے پاس پہنچا دیں گے۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گفتگو جاری رہی تو کہیں لی دوبارہ چاؤفان سے فون نہ لے لے۔

''کیا آپ کے اور چاؤفان کے درمیان کوئی اور بھی آ گیا تھا؟'' غزالہ نے مڑ کر پوچھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ بہ ظاہر مصروف ہو جانے کے باوجود اس کے کان میری گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

''لی بات کر رہی تھی۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''چاؤفان اسی کے گھر پر بیٹھا ہوا ہے۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا لیکن اس نے زبان سے اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ یکایک بات بدل کر پوچھا ''اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''طارق سے کوئی خیر خبر ملے اور چاؤفان جیپ لے کر آ جائے تو مجھے راجن کے پیچھے جانا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''کیا اس مہم میں میری شرکت کی کوئی گنجائش ہے؟'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی فون پر چاؤفان کہہ رہا تھا کہ لی بھی اس کے ساتھ آنا چاہتی ہے۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ تمہاری پوزیشن بھی وہی ہے۔ میں کسی قابلِ شناخت عورت کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں آپ کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی ''فالتو ٹائم بم دیکھ رہی تھی۔ آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

اس کی زبان سے ٹائم بم کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ ابتدا میں چاؤفان نے گولڈن ڈریگن کی تباہی کے لیے مجھے دو ٹائم بم دیے تھے۔ جن میں سے کوئی بھی گولڈن ڈریگن میں استعمال نہیں ہو سکا۔ ایک کا فیوز آن تھا۔ اسے دریا کی نذر کر دیا گیا۔ دوسرا ہمارے ہوٹل کے کمرے میں محفوظ تھا۔ کسی مہم کے لیے وہ ٹائم بم ایک اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کا ہمارے کمرے میں موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔

تازہ ترین مہم میں راجن اور اس کے آدمیوں کا براہِ راست تصادم ہونے کی توقع تھی۔ اس میں کسی ٹائم بم کے استعمال کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے غزالہ سے کہا' وہ بم باہر نکال دے۔ چاؤفان کی وہ امانت اسے لوٹا کر میں اپنا بار ہلکا کر سکتا تھا۔ وہ بم چاؤفان کے زیرِ استعمال مسروقہ جیپ میں پڑا رہتا تو کہیں نہ کہیں کام آ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد طارق کا فون آ گیا ''تعاقب جاری ہے۔ سڑکوں کے پیچ و خم کی وجہ سے سمتیں بدل رہی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی ہم جنوب کی طرف شہر سے تقریباً باہر آ چکے ہیں۔ فضا میں پھیلی ہوئی ہلکی سی سمندری بساند سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ اگلی گاڑی بندرگاہ کی طرف جا رہی ہے۔'' وہ دھیمی اور پُرسکون آواز میں رپورٹ دیتا چلا گیا۔

''وہ اپنی لانچ کے آبی مزار کی طرف جا رہا ہوگا۔'' میں نے کہا ''اس لانچ کی غرقابی کے بعد وہ پہلی بار موتی محل کی چار دیواری سے باہر آیا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ بساند میرے نتھنوں کو شناسا محسوس ہو رہی ہے۔ خبر ملنے کے بعد میں نے خود ساحل سے سمندر کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت تک لانچ زیرِ آب آ چکی تھی۔'' طارق نے کہا ''حیرت ہے کہ یہ راستے میری شناخت میں نہیں آ رہے۔''

وہ کوئی انوکھی یا پریشان کن بات نہیں تھی۔ طارق نے پہلی مرتبہ دن کے اجالے میں ادھر کا چکر لگایا تھا۔ دن کے مقابلے میں رات کو ہر علاقے میں اندھیروں اور اجالوں کی وجہ سے ایسی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ امکان بھی تھا کہ راجن کے ڈرائیور نے بندرگاہ تک پہنچنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو۔

دونوں صورتوں میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس بار طارق کی رپورٹ سن کر مجھے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ راجن کی منزل بنکاک کے ساحل کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

''تمہارے ڈرائیور کا کیا حال ہے؟'' اس بارے میں مطمئن ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔

''اس نے مجھے تصویروں کے تین واہیات البم دیے تھے جو میں نے اسے لوٹا دیے۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا ''اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ پیسوں کا لالچی ہے۔ تصویریں واپس لیتے ہی اس نے کرائے کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس سے پانچ سو بھات میں معاملہ طے ہوا ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ کوئی مار پیٹ وغیرہ نہیں ہوگی۔ پانچ سو بھات میں وہ مجھے شہر واپس پہنچائے گا۔''

''تعاقب کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔'' میں نے وہ تفصیل سن کر کہا ''اس کی منزل کا علم ہو جانے کے بعد اب تمہارا آگے تک جانا بے سود ہے۔ اگر وہ ہمارے وہاں پہنچنے تک رکا رہا تو خاصا خوں ریز تصادم ہونے کا امکان ہے۔ تم موقع دیکھ کر یہیں کہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔''

''اس اجازت کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میرے لیے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آخر تک موجود رہنا خطرناک ثابت نہ ہو۔'' اس کی آواز واقعی تشکر آمیز تھی ''مجھے ایک لمبے عرصے تک اس شہر میں رہنا اور پبلک ٹرانسپورٹ پر انحصار کرنا ہے۔ کیا پتا یہ ڈرائیور دوبارہ کہاں ٹکرا جائے؟''

مجھے لی کے گھر سے ہوٹل تک کے فاصلے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وقت کے حساب سے چاؤفان کو کسی بھی لمحے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں نے شاپنگ بیگ میں لپٹا ہوا ٹائم بم اٹھایا اور غزالہ کو خدا حافظ کہہ کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ بیم گن میں نے اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی تھی۔ انگوٹھیاں انگلیوں میں موجود تھیں۔

میں نیچے اتر کر ہوٹل کی لابی سے گزر رہا تھا کہ چاؤفان کی کال آ گئی۔ وہ ہوٹل کے باہر موجود تھا اور مجھ سے اپنی پھرتی پر داد طلب تھا۔

طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن سفید گاڑی میں سفر کر رہا تھا، چاؤفان کے پاس موجود جیپ کا رنگ بھی سفید تھا۔ اس کی پوری باڈی آہنی چادروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے جیپ کا ذکر سن کر میرے ذہن میں کھلی ہوئی گاڑی کا تصور ابھرا تھا، جو غلط ثابت ہوا۔

وہاں سے روانہ ہوتے ہی میں نے ٹائم بم کا تھیلا اس کے حوالے کر دیا۔ ''تمہاری امانت میں تمہیں لوٹا رہا ہوں۔ اسے کہیں اور آزما لینا۔''

''یہ بہت مہنگا بم ہے۔'' اس نے وہ تھیلی احتیاط سے پچھلے پائیدان پر رکھتے ہوئے کہا ''ڈھونڈنے جاؤ گے تو دس

ہزار بھات میں بھی نہیں ملے گا۔''
''تم نے تو اسے امریکی فوجی کیمپ سے چرایا ہوگا؟'' میں نے طنز سے تبصرہ کیا۔
''ماسٹر! خدا کا خوف کرو۔ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔
''تھوڑی دیر پہلے تم خود نقب زنی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ نقب زنی اور چوری میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ڈکیتی البتہ مختلف چیز ہوتی ہے۔''
''میں کھلے دل سے تم کو ہر بات بتا دیتا ہوں۔ تم طعنہ دے رہے ہو!'' اس نے شکایت کی ''نقب زنی اور چوری میں بم وغیرہ ہاتھ نہیں آتے، نقد مال ملتا ہے۔ اس سے دنیا کی ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو...... میں نے لی کو تیس ہزار بھات اپنی جیب سے دیے ہوں گے!''
''چوری کا مال اسی طرح جاتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی رعایت نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔
''رعایت!'' اس نے استہزائی انداز میں دہرایا ''وہ تمہارے سامنے سخاوت کی باتیں کرتی ہے، اندر سے لالچی ہے۔ تیس ہزار کے علاوہ انعام بھی مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے اس کی بہن کے انتقام کا معاملہ یاد دلایا تو وہ چپ ہوگئی۔''
''یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے اچانک بریک لگا کر سڑک کے بیچ میں گاڑی روک دی اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔
''تمہارے یا ڈان کے سامنے آتا ہوں تو میری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ تم سے کچھ پوچھے بغیر مادام کے گھر کے راستے پر چل پڑا ہوں۔''
پیچھے آنے والی کئی گاڑیوں کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ لوگوں نے غصے میں لمبے لمبے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ ان سب کے احتجاج سے بے پروا ڈھٹائی سے میرا چہرہ تک رہا تھا۔
رکنے والی گاڑیاں اس کے دائیں بائیں سے نکلنے لگیں۔ کئی افراد اپنی زبان میں چلاتے ہوئے گزرے۔ یقینی طور پر انہوں نے چاؤ فان کو کلماتِ خیر سے یاد نہیں کیا ہوگا۔ وہ ان کی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوا۔ سپاٹ لہجے میں بولا ''بتاؤ...... کدھر چلنا ہے۔''
''سمندر کی طرف چلو۔ وہ اپنی لانچ کی باقیات کو سطحِ سمندر پر تیرتا ہوا دیکھنے کے لیے گیا ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔
چاؤ فان نے وہیں سے جیپ واپس گھمائی اور... بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا ہوا کہ تمہیں بروقت بات یاد آگئی۔ ہم مخالف سمت میں جا رہے تھے۔''
''جب مرد کے سر پر عورتیں ہی عورتیں سوار ہوں تو اس کا دماغ اسی طرح مفلوج ہو جاتا ہے۔'' میں نے پُرسکون انداز میں کہا ''لی کی ہوس تمہیں لے ڈوبے گی۔''
''میں کام پر آگیا ہوں، اب مادام پر لعنت بھیجو۔ وہ سب میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ کام کے وقت میں ان کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔''
چاؤ فان نے وہ بات کسی اور موقع پر کہی ہوتی تو میں خاصی بے رحمی سے اس کا مضحکہ اڑاتا۔ اس وقت اس کا دعویٰ بے چون و چرا سن لیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ کام کے دوران میں ذرا کم ہی بھٹکتا تھا۔ وائٹ ہاک کی تباہی کی مہم میں لی نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزارا مگر چاؤ فان نے ایک بار بھی اس سے عشق جھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔
گاڑی میں کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر چاؤ فان نے ہی وہ سکوت توڑنے میں پہل کرتے ہوئے پوچھا ''ماسٹر! تم نے سفر کی سمت کا تعین کر لیا، یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ملے گا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ بنکاک کا ساحل بہت طویل اور کٹا پھٹا ہے۔ ہم ان چاروں کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔''
''وہ سمندر کی سیر کے لیے نہیں گیا۔ اسے لانچ کے ڈوبنے کی جگہ کے آس پاس موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوگا۔''
''پھر تو وہ وہیں ملے گا جہاں رک کر ہم نے بموں کے ریموٹ کنٹرول استعمال کیے تھے۔ پورے ساحل پر اسے اپنے مقصد کے لیے اس سے صاف اور بہتر جگہ نہیں ملے گی۔'' اس نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔
''ہتھیاروں کی کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''جہاں ہاتھ ڈالو گے، کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔'' اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے لہک کر جواب دیا ''میں اسے قاتل جیپ کہتا ہوں۔ پہلے اپنی سیٹ کے نیچے دیکھ لو۔ نقاب ڈیش بورڈ کے خانے میں ملیں گے۔'' اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہی مجھے اس کے بیان کی صداقت کا یقین آگیا۔ ایک ہلکی اور خودکار رائفل کا آہنی دستہ میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔
میری سیٹ کے نیچے اس رائفل کے ساتھ دو پستول اور فاضل میگزین کا ایک پیکٹ بھی موجود تھا۔ میں نے لمبی مسافت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راستے میں ہی تینوں ہتھیاروں کا جائزہ لیا۔ رائفل کا میگزین پورا تھا۔ دونوں

پستول خالی اور غالباً بالکل نئے تھے۔ میں نے پیکٹ پھاڑ کر ان دونوں پستولوں کو بھی تیار کر لیا۔

کچھ دیر بعد ہم اسی مقام کے نزدیک پہنچ گئے جہاں رک کر ہم نے وائٹ ہاک کی تباہی کا آغاز کیا تھا۔ تارکول کی لمبی اور سیاہ سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی مگر جوں ہی ہماری جیپ ٹیلوں کی اوٹ سے آگے نکلی، مجھے داہنی طرف وہ سفید کار نظر آ گئی جو سڑک سے اتار کر کچے میں پارک کی گئی تھی۔

''ماسٹر! گاڑی تو اسی کی معلوم ہو رہی ہے'اب کیا ارادہ ہے؟'' چاؤ فان نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

چاؤ فان کا تردد قابلِ فہم تھا۔ وہاں صرف سفید کار نہیں تھی۔ اس سے ٹیک لگائے ہوئے دو انسانی ہیولے بھی رات کی تاریکی میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے کندھوں سے چھوٹی نال والی خودکار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

''جیپ اسی طرف لے چلو!'' میں نے ان دونوں پر نظریں جما کر کہا۔ تاریکی میں ہیڈ لیمپس کا دور تک پھیلتا ہوا انعکاس ناکافی تھا۔ رائفلوں سمیت ان کے ہیولے نظر آ رہے تھے مگر ان کے چہروں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا ''یہ دونوں محافظ مقامی معلوم ہوتے ہیں' ان سے تم ہی کو نمٹنا ہوگا۔ میرے لیے ان کی بولی اجنبی ہوگی۔''

''ان کے قد کاٹھ پر نہ جاؤ۔'' چاؤ فان نے جیپ سڑک سے اتارتے ہوئے جلدی سے کہا ''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ وہ سارے کام مقامیوں سے لیتا ہے لیکن اپنی حفاظت کے معاملے میں ان پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے ذاتی گارڈز بھارتی ہوتے ہیں۔''

جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی اور غراتی ہوئی بہ تدریج ان دونوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے ایک پستول سنبھال لیا تھا' چاؤ فان بھی میری تقلید میں کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

ان کی سفید گاڑی سڑک سے کافی دور کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان نے جس رخ سے جیپ نیچے اتاری ادھر راستہ صاف نہیں تھا' درمیان میں کئی ٹیلے حائل تھے۔ اس وقت تک میں نقابوں کو بھولا ہوا تھا۔ تصادم کا مرحلہ ہر لمحے قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور ٹٹول کر مصنوعی ریشے کے لچک دار نرم کپڑے کے بنے ہوئے غلاف نما نقاب نکال لیے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ میں نے ایک پھرتی سے اپنے سر پر چڑھا کر گردن تک منڈھ لیا' دوسرا ڈیش بورڈ کے خانے میں واپس ڈالا اور تیسرا چاؤ فان کی طرف بڑھا دیا۔

آنکھوں کے سوراخوں کو ان کی صحیح جگہ لانے کی کوشش میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن کپڑا لچک دار ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ دیر نہیں لگی' چاؤ فان نے بھی جیسے تیسے اپنا نقاب چہرے پر پہن لیا۔ مجھے اپنے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا لیکن چاؤ فان اس حلیے میں خاصا خوفناک نظر آنے لگا تھا۔

جونہی وہ دونوں ہمارے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آئے تو میں نے دیکھا کہ جیپ کے انجن کی آواز سن کر وہ پہلے سے چوکنا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی رائفلیں شانے سے اتار کر سیدھی کر لی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ہماری گاڑی دیکھتے ہی غرا کر کچھ کہا۔

وہ بس ایک لمحہ تھا۔ میں نے دیکھ لیا کہ چاؤ فان کے اندازے کے مطابق ان دونوں کے خدوخال ان کے بھارتی نژاد ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔ دونوں ایک ایک ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے لا کر ہماری جیپ کی تیز روشنی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے جس نے عملاً انہیں اندھا کر دیا تھا۔ ان کے دوسرے ہاتھوں میں ان کی رائفلیں دبی ہوتی تھیں۔

''ماسٹر! سالا تھائی بول رہا ہے' ہمیں رکنے اور بتیاں بجھانے کے لیے کہہ رہا ہے!'' اسی لمحے چاؤ فان دھیمی آواز میں منمنایا۔

''جو کہہ رہے ہیں وہی کرو' میں نیچے جا رہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

چاؤ فان نے کچی اور ناہموار زمین پر رینگتی ہوئی جیپ کو جونہی بریک لگائے' میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر بھربھری ریت پر کودا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے جیپ کے نیچے رینگ گیا۔

ہم لمبا فاصلہ طے کر کے وہاں تک پہنچے تھے' جیپ کا انجن بہ دستور چل رہا تھا' اس کے نچلے حصے سے آگ سی نکل رہی تھی۔ چاؤ فان نے جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی گل کر دیے۔

میں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ چار جوتے بہت تیزی سے جیپ کی طرف بڑھے پھر وہ دو دو کی جوڑیوں میں بٹ گئے۔ ان دونوں نے بہ یک وقت جیپ پر دونوں سمتوں سے چھاپا مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ صرف دو تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ راجن چو تھے آدمی کے ساتھ ساحل کی طرف گیا ہوا تھا۔ ہمارا اصل ہدف وہی تھا۔ اگر ان دونوں پر کوئی آتشیں ہتھیار استعمال کیا جاتا تو

فائر کی آواز سنتے ہی راجن کو خطرے کا ادراک ہوجاتا۔ ہوشیار ہوجانے کے بعد اسے زیر کرنا بہت دشوار ہوجاتا۔

اس بارے میں مجھے چاؤ فان سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا مگر مجھے توقع تھی کہ وہ نکتہ اس کے بھی پیشِ نظر ہوگا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے صرف ایک بار زہریلی انگوٹھی استعمال کی تھی۔ گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں زہریلی سوئی سے محافظ کی موت کو ڈان یا چاؤ فان نے کسی شبہے کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ میں اپنے شکار کو بے ہوش کرکے باتھ روم میں رکھے ہوئے ایک بڑے گملے پر ڈال کر آیا تھا جہاں وہ اپنی بدقسمتی سے کسی زہریلے کیڑے کے مہلک ڈنک کا نشانہ بن گیا۔ ڈان میرا حمایتی تھا' اس نے میری کہانی پر یقین کرلیا لیکن اس واردات پر سوبھراج کے کان کھڑے ہوگئے۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں بنکاک پہنچ چکا تھا۔ اس نے یقینی طور پر راجن کو بھی بتادیا ہوگا کہ میں پاکستان میں اپنے کئی حریفوں کو ایسے زہر سے شکار کرچکا تھا۔

میرے لیے پھر وہی امتحان درپیش تھا۔ راجن کے دو مسلح غنڈے ہماری جیپ کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ ان سے کسی نرمی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ان پر گولی چلانا راجن کو کھودینے کے مترادف ہوتا۔ ان کے لیے صرف اور صرف زہریلی انگوٹھی موثر ثابت ہوسکتی تھی۔ جس کے سریع الاثر زہر کے اثرات ان میں سے کم از کم ایک کو پل بھر میں موت کی اندھی اور سرد وادیوں میں دھکیل سکتے تھے۔ ایک کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے کے بارے میں کچھ سوچا جاسکتا تھا۔

زندگی اور موت' کامیابی اور ناکامی کے درمیان لمحہ بہ لمحہ فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا اور میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میری پتلون کی داہنی جیب میں بیم گن بھی موجود تھی۔ وہ یاد آتے ہی مجھے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول پتھر کی طرح بھاری اور بے سود محسوس ہونے لگا۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں رہا تھا۔ میں نے پستول نیچے زمین پر ڈالا اور جیپ کے نیچے اپنی ٹانگ پھیلا کر جیب میں سے بیم گن نکالی۔ اس سے پہلے میں اضطراری طور پر زہرفشاں نگینے والی انگوٹھی کا رخ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما چکا تھا۔

چاؤ فان' آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھا' میرے پاس دو بے آواز ہتھیار بالکل تیار تھے۔ جوں ہی میری طرف جوتے اور پتلون کے دو پائنچے نظر آئے' میں نے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھا کر پتلون سرکائے بغیر' اس شخص کی ایک پنڈلی سخت گرفت میں لے لی۔

میرا شکار بہت شدت سے تڑپا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری گرفت سے اپنی پنڈلی چھڑانے میں کامیاب ہوجا۔ مگر وہ اس کا محض ابتدائی ردِعمل تھا۔ اپنی پنڈلی پر ایک دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بھڑکا تھا۔ اسی اثنا کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے زہر اس کی ؟ میں سرایت کرچکا تھا۔ اس کی جدوجہد اسی لمحے دم توڑ گئی۔

اس دوران میں چاؤ فان کی سمت میں تھا کی زبان مذاکرے کا آغاز ہوچکا تھا۔ دونوں تیز اور ترش لہجے میں ! رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ راجن کے آدمی نے چاؤ ؟ کے چہرے پر نقاب دیکھتے ہی گولی کیوں نہیں ماری' وہ امید پر اس سے بات کررہا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو' وہ میرے لیے مہلت تھی۔ میرا ؟ بس لمحہ بھر کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر اس کے گر ہوئے وجود کے جھٹکے سے اس کی پنڈلی میرے ہاتھ سے ؟ گئی۔

بھربھری ریت پر اس کے گرنے کی دھمک بہت ز ؟ پُرشور نہیں تھی اور شاید جیپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہموار ؟ میں دب گئی تھی کیونکہ اس دھمک پر کہیں سے کوئی ردِعمل سا۔ نہیں آیا۔ میں نے اس کی پنڈلی ہاتھ سے نکلتے ہی ریت رینگ کر اپنی پوزیشن تبدیل کی اور دوسری سمت میں سر شروع کردیا۔

آثار بتارہے تھے کہ چاؤ فان اور اس کے حریف زبانی تصادم زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکے گا۔ دونوں ؟ سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگا اور بات ہتھیاروں ؟ استعمال تک پہنچ جائے گی۔

یکایک میں نے محسوس کیا کہ چاؤ فان نے جیپ گیئ میں ڈالی ہے۔ میری روح فنا ہوگئی۔ اس کی گاڑی کے ؟ روند کر مارے جانے کا تصور میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔

آہستگی سے جیپ نے آگے حرکت کی اور میں زمین لوٹ لگا کر دوسری طرف باہر نکل گیا۔ راجن کا آدمی جیپ ؟ ڈرائیونگ سیٹ پر تنی رائفل تانے کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ اسی شخص پر مرکوز تھی' چاؤ فان کی طرف دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ جیپ ذرا آگے نکل جاتی تو رائفل بردار اپنے دوسرے ساتھی کے انجام کا علم ہوجاتا اور ٹکراؤ شروع ہوجاتا۔

میں اس کی پشت پر تھا کیونکہ وہ بڑھتی ہوئی جیپ کے ساتھ قدرے ترچھا ہو گیا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے بیم گن سے اس کی پشت کا نشانہ لیا اور بائیں بازو کے قریب دل کے مقام پر گن فائر کردی۔ طاقت ور اور مہلک لیزر شعاعوں کی بہت پتلی اور تیز چمکیلی دھار بیم گن کی نوزل سے نکل کر اس کے جسم سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں تیزی سے جلد اور گوشت جلنے کی چراند پھیل گئی۔ وہ کھڑے کھڑے لمحہ بھر کے لیے پتھر کی کسی مورت کی طرح ساکت ہوا اور پھر منہ کے بل دھب سے ریت پر گر گیا۔

چاؤ فان میں اپنی زندگی میں کسی کو اتنی آسانی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی جیپ آگے ضرور لے جا رہا تھا لیکن اس کی توجہ اپنے حریف پر مرکوز تھی۔ دشمن کو ڈھیر ہوتا ہوا دیکھ کر اس نے جیپ کا انجن بند کیا اور رائفل تانے نیچے اتر آیا۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔

''ماسٹر! یہ کیا ہوا...... یہ کھڑے کھڑے کیسے مر گیا؟'' چاؤ فان نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ دونوں شکاروں کے جہنم واصل ہوتے ہی میں نے بیم گن دوبارہ اپنی جیب میں اڑس لی تھی تاکہ چاؤ فان میرے اس نادر ہتھیار سے متعارف نہ ہو سکے۔

''دل کا دورہ پڑا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''گوشت جلنے کی بو آرہی ہے۔'' اس نے اپنے نتھنے چڑھا کر دو تین گہرے سانس لینے کے بعد کہا۔

''تمہارا وہم ہے، مجھے کوئی بو نہیں آرہی۔'' میں نے اسے جھٹلا دیا۔ وہ لمحاتی بو تھی جسے سمندری ہواؤں کے ساتھ زائل ہو جانا تھا۔

''تمہارا نقاب کہاں گیا؟'' اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں نے سوال داغ دیا۔

''پائیدان میں پڑی ہوگی۔ میں نے آخری لمحے پر اسے نوچ کر اتار دیا۔ وہ میرے چہرے پر نقاب دیکھ لیتا تو مجھے گولی مارنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا۔'' وہ اس وقت بوکھلایا ہوا اور اعصاب زدہ نظر آرہا تھا کیونکہ جیپ آگے بڑھ جانے کی وجہ سے زمین پر پڑا ہوا دوسرا شکار بھی اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔

''اس سے پہلے تم نے اسے گولی کیوں نہیں مار دی؟'' میں نے پوچھا۔

مودی صاحب کے گھر میں نئی ملازمہ آئی تو اس نے دیکھا، صاحب اوپر کی منزل پر ایک الگ تھلگ کمرے میں میز پر سر جھکائے بیٹھے یا کچھ لکھتے رہتے ہیں یا نہایت پرانی، بوسیدہ اور خستہ حال کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہتے ہیں۔

کئی روز تک ملازمہ اوپر نیچے آتے جاتے ان کے معمولات کا جائزہ لیتی رہی پھر ایک روز نجمہ مودی صاحبہ کے پاس جا کر بولی

''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے تیرہ سو روپے مہینہ پر ملازم رکھا تھا نا؟''

''ہاں بھئی...... اس سے زیادہ ہم نہیں دے سکتے۔'' نجمہ مودی نے جلدی سے کہا۔ انہیں اندیشہ محسوس ہوا تھا کہ ملازمہ ابھی سے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرے گی۔

''میں زیادہ کی بات کب کر رہی ہوں بیگم صاحبہ!'' ملازمہ ترحم آمیز لہجے میں بولی ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک صاحب کو کوئی نوکری نہیں مل جاتی، تب تک آپ مجھے تیرہ سو کے بجائے ہزار روپے مہینہ دے دیا کریں......''

''میں تذبذب میں تھا۔ فائر کی آواز سن کر چھوٹا راجن ہوشیار ہو جاتا۔ یہ دونوں تو اس کے طفیلی ہیں، ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔'' اس نے وہی جواب دیا جو ابتدا سے میرے ذہن میں موجود تھا۔

''مگر ماسٹر! ان دونوں کو کیا ہوا...... یہ اتنی خاموشی سے کیسے مر گئے؟'' میرے سوال کا جواب دینے کے بعد بھی اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''یہ تو پوسٹ مارٹم سے ہی پتا چل سکے گا۔ ان دونوں کے ہتھیار سمیٹ کر اپنی جیپ میں ڈال لو۔ مفت کا یہ سامان کسی وقت تمہارے کام آئے گا۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے پاس لوڈ کی ہوئی رائفلوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ رائفلوں پر قبضہ کرتے ہوئے چاؤ فان نے دونوں لاشوں کو الٹ پلٹ کر کوئی زخم تلاش کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ اس نے میگزین نکال کر دونوں رائفلیں اپنی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیں۔ اس نے ریت پر پڑا ہوا پستول بھی مالِ غنیمت کی طرح اٹھایا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا تو اس نے منہ بنا کر وہ

پستول میرے حوالے کر دیا۔
''اب وقت خراب مت کرو۔ چہرے پر نقاب پہن لو۔ ہمیں راجن کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہراساں دیکھ کر نرمی سے کہا۔ میں مسلسل نقاب پہنے ہوئے تھا۔
''ماسٹر! یہ مذاق نہیں ہے' اس وقت مجھے تم سے واقعی خوف آ رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا بلا ہو۔ جب تک ان دونوں کی موت کا معما حل نہیں ہوگا' میں یک سوئی سے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ اگر تمہارے پاس کوئی خفیہ ہتھیار ہے تو مجھے اس کے بارے میں بتا دو۔ میں کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ڈان کو بھی نہیں بتاؤں گا۔'' الجھن کے آثار اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھے۔
اپنا مطالبہ پیش کر کے اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جیپ کے پائیدان سے نقاب اٹھالیا اور جھاڑ کر اپنے چہرے پر چڑھالیا۔
وہ اپنی جگہ پریشان تھا۔ اس کے سوالوں نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میں نے اپنے دونوں خفیہ ہتھیار ناگزیر ضرورت کے تحت استعمال کیے تھے۔ میرا دوسرا شکار مجھ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ میں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو میرے رینگنے کی سرسراہٹ یا قدموں کی خفیف سی آہٹ سن کر وہ چونک جاتا۔ اس لق و دق ویرانے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کے دھیمے اور یکساں شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچے بغیر اس کو انگوٹھی کے زہر سے شکار نہیں کر سکتا تھا اور اس تک پہنچنے میں یہ خطرہ مضمر تھا کہ وہ ہوشیار ہوتے ہی مجھے اپنی رائفل کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر اسے بیم گن سے شکار کیا تھا۔
چاؤ فان اس امر کا چشم دید گواہ تھا کہ وہاں ہم چاروں کے سوا کوئی پانچواں متنفس موجود نہیں تھا۔ دو مر چکے تھے' تیسرا وہ خود تھا۔ اسے دونوں حریفوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان تھا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔
ان دونوں کی موت مختلف طریقوں سے واقع ہوئی تھی۔ وہ دونوں طریقے صرف میرے نام سے منسلک تھے۔ یہ بات امریکی کیمپ کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے اور شاید راجن بھی اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔
اس تصادم کا پہلا مرحلہ ہم نے آسانی سے جیت لیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں مجھے اپنے سر پر مشکلات کا ایک پہاڑ آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فوری طور پر مجھے چاؤ فان کو کوئی تسلی بخش جواب دینا تھا۔ اس سے کڑا مرحلہ اس وقت سامنے آتا جب ان دونوں لاشوں کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتیں اور یہ بات مشتہر کی جاتی کہ ایسی اموات ڈینی نامی پاکستانی کی دہشت گردیوں کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔ اس تشہیر کے بعد ڈان کو مطمئن کرنا آسان نہ ہوتا۔
''پہلے ہمیں راجن کو دیکھ لینا چاہیے۔'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''اس نے یہاں سے واپسی کا ارادہ کر لیا تو ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ اس کا قصہ نمٹانے کے بعد میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔''
وہ اپنے چہرے پر نقاب چڑھا چکا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرے جواب پر اس کا کیا ردِ عمل تھا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ آگے چل دیا۔
راجن کی سفید کار کے قریب رک کر ہم نے اس کا جائزہ لیا تو کار مقفل نہیں تھی۔ اس وقت کار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی تلاشی واپسی میں بھی لی جا سکتی تھی۔ کار کا سرسری جائزہ لے کر ہم نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ ہمارے اور ساحلی پٹی کے درمیان چند اونچے نیچے ٹیلے باقی رہ گئے تھے۔ جن پر چڑھنے اور اترنے کے دوران میں احتیاط ضروری تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹیلوں کی کس درمیانی گھاٹی میں راجن سے سامنا ہو جائے۔
ہم دونوں اپنی رائفلیں سیدھی کیے' محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔
مجھے احساس تھا کہ راجن ہم سے بہت پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ ساحل پر اس کے دیکھنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی پسندیدہ لانچ دھاکوں کے چند گھنٹوں بعد سمندر کی تہ میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ حسرت بھری نظروں سے صرف اس مقام کا مشاہدہ کر سکتا تھا جہاں وائٹ ہاک اپنی غرقابی سے پہلے لنگر انداز تھی۔ عین ممکن تھا کہ جن لمحات میں ہم اس کی تلاش میں ساحلی ویرانے کی طرف بڑھ رہے تھے' وہ اپنا دردناک مشاہدہ مکمل کر کے ساحل سے لوٹ رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس سے راستے میں آمنا سامنا ہو سکتا تھا۔
ہمارے راستے میں حائل ٹیلوں نے ہمارا کام مشکل بنا دیا تھا۔ جب ہم لی کے ساتھ ٹائم بم چلانے کے لیے اس ساحل پر گئے تو چاؤ فان نے بہت ستھرا اور نسبتاً ہموار راستہ اختیار کیا تھا۔ جس پر رات کے آخری پہر میں بھی چلنا دشوار نہیں تھا۔ راجن اپنی لانچ پر آمد و رفت کے لیے کسی پُر تعیش گھاٹ سے چھوٹی موٹر بوٹس میں سفر کرتا رہا ہوگا۔ اس لیے وہ

ان غیر روایتی راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اپنی آمد کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے اس نے کسی باقاعدہ گھاٹ کا رخ کرنے کے بجائے ویرانے کا رخ کیا اور گندے راستے پر آ گیا۔

ان ٹیلوں کی ریت زرخیز تھی۔ ان پر جا بجا سخت ڈنٹھلوں والی خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہم رات کے اندھیرے میں ان رکاوٹوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے رہے۔ ہر بلندی پر پہنچنے کے بعد میں نیچے اترنے سے پہلے ذرا رک کر آگے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نشیب میں ہوئے اور راجن نے بلندی سے ہمیں دیکھ لیا تو ہمارے لیے اپنا بچاؤ دشوار ہو جائے گا۔

چلتے چلتے اچانک چاؤ فان نے اضطراری انداز میں زور سے میرا بازو دبایا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم ریت میں گڑ کر رہ گئے۔

چاؤ فان اپنا نقاب میں چھپا ہوا سر اٹھا کر دائنی طرف سے کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں بھی اس کی اس کوشش میں شامل ہو گیا لیکن میرے کانوں میں ہوا کی دھیمی سرسراہٹ اور لہروں کے دم توڑتے ہوئے شور کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔

”ماسٹر! میں نے کسی کے بولنے کی آواز سنی تھی۔“ چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد چاؤ فان نے پھنسی پھنسی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے سر ہلا کر اسے تسلی دی کہ میں اس کے شبہے کو نظر انداز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہم دونوں اسی مقام پر جمے کھڑے رہے۔ کسی آواز کی تلاش میں دونوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔

اچانک تاریک فضا میں کسی ٹارچ کی تیز روشنی چمکی اور پھر معدوم ہو گئی۔ میری بے چین نظروں نے عقابی انداز اس روشنی کا پیچھا کیا اور مجھے چاؤ فان کے شبہے پر یقین آ گیا۔

وہاں ہر طرف ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے اس سلسلے کے ایک حصے سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہم سے دائنی طرف راجن واپس آ رہا تھا۔ ٹیلوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم محتاط تھے اس لیے راجن کو ہماری موجودگی کی کوئی سن گن نہیں مل سکی تھی۔ وہ بے فکری سے واپس لوٹ رہا تھا اس لیے چاؤ فان نے اس کی یا اس کے ساتھی کی آواز سن لی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ جلا کر، اس کی روشنی میں راستہ طے کر رہے

”لگتا ہے باس نے آج پھر ڈانٹ پلائی ہے،
جو باکسنگ کے اس تھیلے پر پریکٹس کرنے لگے ہو؟“

تھے۔ شاید کسی گڑھے وغیرہ میں پیر پڑنے کی وجہ سے لمحے بھر کے لیے ٹارچ کا رخ بدل گیا اور مجھے اس کی روشنی تاریک فضا میں تیرتی ہوئی نظر آ گئی۔ میں نے روشنی غائب ہونے کا مقام دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ دونوں ہم سے چند سو گز دور، دائنی طرف سے آ رہے تھے اور ہم سے پیچھے تھے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ہم اپنا رخ بدل کر ان کی طرف چل دیں اور انہیں راستے ہی میں گھیرنے کی کوشش کریں۔ وہ ٹارچ استعمال کر رہے تھے۔ اس کے سہارے ان تک پہنچنا آسان تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ان تک پہنچ کر ان پر پہلا برسٹ فائر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارا پہلا برسٹ ان دونوں کو چاٹ لیتا۔ ہماری رائفلوں کے میگزین زیادہ بھاری نہیں تھے، وہ ایک برسٹ میں خالی ہو جاتے۔ اگر وہ دونوں ہمارے پہلے وار سے بچ کر یا زخمی ہو کر تاریکی میں کہیں اپنا مورچا جما لیتے تو اندھیری رات، ٹیلوں اور خودرو جھاڑیوں سے گزر کر انہیں تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا۔ ان دنوں راجن کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا۔ وہ جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا اور اس میں کامیاب ہو جاتا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہاں سے بھاگنے کے لیے وہ اپنی سفید کار کا رخ کرتا۔ مقابلے کا آغاز ہوتے ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ جاتی کہ اس کے نامعلوم دشمنوں نے اس کے دونوں آدمیوں کو زیر کرنے کے بعد اس کا رخ کیا ہوگا، ایسی صورت میں گاڑی کا لالچ اس کے لیے پھندا بن جائے گا۔ وہ گاڑی پر لعنت بھیج کر کسی بھی سمت میں بھاگتا اور ٹیکسی وغیرہ لے کر شہر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

اس سے بہتر اور متبادل حکمتِ عملی یہ تھی کہ ہم راستے میں اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ وہ ساحل سے چل پڑا تھا تو اسے اطمینان سے واپس آنے دیں اور خود اس کی گاڑی کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ اس کی گاڑی ریت کے ٹیلوں سے دور، ہموار زمین پر موجود تھی۔ وہاں ان دونوں کے چھپنے یا فرار ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ رینج میں آتے ہی ہم انہیں اپنی باڑ پر لے کر بھون سکتے تھے۔

اس طریقۂ کار میں صرف دو خرابیاں تھیں۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی لاشیں اور چاؤ فان کی جیپ۔ ان دونوں میں کسی ایک پر نظر پڑتے ہی راجن کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتیں۔ ہماری کامیابی کے لیے اس کا غافل اور بے خبر رہنا ضروری تھا۔

میں نے کھڑے کھڑے چند لمحوں میں وہ ذہنی تجزیہ کیا اور پوری رفتار سے گاڑیوں کی طرف واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ ہوا کا رخ ہماری طرف تھا۔ اس کے دوش پر ان دونوں کی آوازیں ہماری طرف سفر کر سکتی تھیں۔ ہماری کوئی آواز ان تک پہنچنے کا امکان نہیں تھا۔

''واپسی کی دوڑ لگاؤ!'' میں نے نیچی آواز میں چاؤ فان سے کہا اور گاڑیوں کی طرف لوٹنے لگا۔

اپنی محتاط روی کے باعث ہم گاڑیوں سے زیادہ دور نہیں گئے تھے پھر بھی ریتیلے ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے میں چاؤ فان ذرا سی دیر میں ہانپنے لگا۔

''ماسٹر! ذرا آہستہ چلو۔ اس رفتار سے میرا سینہ پھٹ جائے گا۔'' اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان رک رک کر فریاد کی۔ اس نے گھبرا کر اپنے چہرے سے نقاب اتار لی تھی۔

میں نے اس کی بات مان لی پھر بھی ہم بہت جلد گاڑیوں تک پہنچ گئے۔

''ایک ایک کر کے دونوں لاشیں میرے کندھے پر لدواؤ۔ انہیں راجن کی گاڑی میں ڈال دیں گے۔'' میں نے اس کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے وہ ذمّے داری خود قبول کر لی۔

''وہ گاڑی دور ہے، انہیں جیپ میں ڈال دو نا!'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''دوسری لاش اٹھواتے ہی تم جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جاؤ۔'' میں نے تیزی سے کہا ''راجن کے آنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہو جانا چاہیے ورنہ وہ دور سے اپنا راستہ بدل لے گا۔''

چاؤ فان بھی جنگ جو تھا۔ ایک بات سے پورا منصوبہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تم تنہا ان کا مقابلہ کرو گے!''

''مقابلے کا امکان ذرا کم ہے۔ دعا کرو کہ اس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ نشانے پر آتے ہی میں ان دونوں کو مار لوں گا۔''

واقعات جس رفتار سے رونما ہو رہے تھے، میرا ذہن اسی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پہلی لاش اپنے کندھے سے راجن کی کار کی عقبی سیٹ پر ڈالتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اچھوتی تجویز جنم لے چکی تھی۔ وہ کار راجن کی تھی، مرنے والے دونوں آدمی بھی اسی کے نمک خوار تھے اور گاڑی کی ٹنکی میں وافر مقدار میں پیٹرول کا ہونا یقینی تھا۔ راجن اور اس کے ساتھی کا قصہ نمٹاتے ہی اگر میں اس گاڑی کو آگ لگا دیتا تو گاڑی کے ساتھ دونوں لاشیں بھی جل کر کوئلہ ہو جاتیں۔ لاشیں باقی نہ رہتیں تو ان کے پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیٹرول کی ہولناک آگ ان دونوں کی موت کے اسباب کو بھی چاٹ جاتی اور میں ہر خطرے سے آزاد ہو جاتا۔

بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کے استعمال کے شواہد مٹ جانے کے بعد میں چاؤ فان کو کوئی بھی کہانی سنا کر مطمئن کر سکتا تھا۔ میری کہانی کی تردید کے لیے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔

چاؤ فان کو جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جانا تھا۔ اسے زندگی بھر یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ راجن کی گاڑی کو میں نے آگ لگائی تھی۔

الجھے ہوئے حالات یکا یک ناقابلِ یقین حد تک سلجھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں اپنے کندھے پر دوسری لاش لاد کر راجن کی گاڑی کی طرف چلا اور چاؤ فان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔

میں اپنے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا تو جیپ مڑ کر کافی دور جا چکی تھی۔

میں تھکن کے ہلکے سے احساس کے ساتھ راجن کی گاڑی سے ٹیک لگا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ رائفل اپنی گود میں رکھ کر میں نے انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ میری نگاہیں اس سمت میں جمی ہوئی تھیں جدھر سے میرے دونوں شکاروں کی آمد متوقع تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

اب آپ قسط نمبر 253 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نرم اور ٹھنڈی ریت پر راجن کی گاڑی سے ٹیک لگائے، سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا مگر میری نظریں مسلسل اسی سمت میں مرکوز تھیں جہاں سے راجن اور اس کے ساتھی کے نمودار ہونے کی امید تھی۔

چاؤ فان میری توقع کے برعکس اپنی جیپ لے کر بہت آسانی کے ساتھ وہاں سے ٹل چکا تھا۔ اس میں چاؤ فان کی سعادت مندی سے زیادہ سچویشن کا دخل تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آگئی کہ راجن کی گاڑی کے پاس اس کی جیپ موجود ہوئی تو دور ہی سے راجن کو کسی گڑبڑ کا اندازہ ہو جائے گا اور وہ بے پروائی سے اپنی گاڑی تک آنے کے بجائے دور رک کر صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس نے میری ہدایت مان لی۔

اس کے جانے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ مطمئن اور آزاد محسوس کر رہا تھا، جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا، اس میں راجن کے بقیہ دو آدمیوں کی اچانک اور خاموش موت کی پردہ پوشی کا بندوبست بھی شامل تھا۔

راجن کا انجام مجھے سامنے نظر آ رہا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ طارق نے مجھے اس کی نقل و حرکت سے بروقت باخبر کر کے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

ذرا سی دیر کی بات تھی۔ وہ اپنی پُرشکوہ لانچ کے غرقاب ہونے کی جگہ کا مشاہدہ کر کے ساحل کی طرف سے اس ویرانے میں میری زد میں آتا اور میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں آن واحد میں اس کا سینہ چھلنی کر دیتیں۔ دو سوختہ ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ ممبئی اور بنکاک کا وہ نامور بدمعاش وہاں بے گور و کفن پڑا رہ جاتا۔

راجن کی موت ڈان برنارڈ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اس نے میری کارکردگی سے خوش ہو کر خیرسگالی کے اظہار کے طور پر میرا اور غزالہ کا پاسپورٹ لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی تھی مگر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں راجن کو جہنم واصل ہوتا دیکھنا چاہتا تھا۔ ڈان نے وہ باتیں بہت نرم اور دوستانہ انداز میں کہی تھیں مگر مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ راجن کو ہلاک کیے بغیر مجھے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل جانے کی اجازت نہیں مل سکے گی۔

راجن کی موت کا مرحلہ قریب آ جانے پر مجھے ایک اور فکر ستانے لگی۔ میں بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کے معاملات میں کافی زیادہ ملوث ہو گیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ مجھے موقع ملے اور میں وہاں سے کہیں اور روانہ ہو جاؤں۔ لیکن اس مرحلے پر ویرا اور سلطان شاہ امریکا میں ایک گہری چوٹ کھانے کے بعد بنکاک آ رہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان کے آتے ہی وہاں سے کیسے روانہ ہو سکوں گا۔

وہ دونوں ریٹا ایف ہیریسن اور اکبر خان کے ناموں سے سفر کر رہے تھے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ جلال نے بنوائے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ جعلی رہے ہوں گے۔ اگر وہ جعلی تھے تب بھی اصل سے اتنے قریب رہے ہوں گے کہ ان کو پکڑنا ناممکن ہوتا۔ میں نے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میں ان دونوں کی وجہ سے اپنی روانگی کا پروگرام التوا میں نہیں ڈالوں گا۔ راجن کا قصہ نمٹاتے ہی پہلی فرصت میں وہاں سے نکل جاؤں گا۔

ڈان اپنی دانست میں مجھے بہت زیادہ عزت اور اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں بنکاک میں رکا رہا تو ڈان کی وہ عزت افزائی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ڈان کے تیور بتا رہے تھے کہ بنکاک کے بدمعاشوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گروہ میں کوئی اہم ترین درجہ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ایک بار ان چکروں میں الجھ جاتا تو میرے وہاں سے نکلنے کے امکانات ایک لمبی مدت کے لیے معدوم ہو جاتے۔

رہا ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تو وہ دونوں بہ ظاہر سیاحت کے لیے بنکاک آ رہے تھے۔ یہ نکتہ ویرا خود بیان کر چکی تھی کہ روزانہ ہزاروں سیاح بنکاک کا حسن دیکھنے اور برتنے کے لیے وہاں آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں ان دونوں کی آمد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کسی کی خون آشام مخبری کے بغیر ہمارے دشمنوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں اچانک بنکاک پہنچ چکے ہیں۔

وہ اپنی مرضی سے وہاں رہتے اور دل بھر جانے کے بعد کسی نئی منزل کا رخ کر سکتے تھے۔ جب تک پاکستان میں امریکی اہلکاروں کی پیدا کی ہوئی معاندانہ فضا سازگار نہ ہوتی، ہم چاروں میں سے کوئی ادھر کا رخ کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمیں ان ملکوں میں گھومتے رہنا تھا جن کے ویزا ہمارے پاس موجود تھے۔

میں تاریکی میں تنہا بیٹھا اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔ میری سگریٹ پوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ریت کے ٹیلوں کے درمیان کسی ٹارچ کی روشنی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی اور میں نے ادھ جلی سگریٹ ریت میں مسل کر بجھا دی۔

راجن کی چھوڑی ہوئی گاڑی سفید تھی، میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو اس کے پس منظر میں دور سے میرا ہیولا دیکھا جا سکتا تھا۔ میں ریت پر بیٹھے ہی بیٹھے اس گاڑی کے عقب

میں چلا گیا۔ وہ گاڑی مجھے نہ صرف راجن کی نگاہوں سے بچا سکتی تھی بلکہ براہِ راست تصادم کی صورت میں مجھے بہترین آہنی ڈھال بھی مہیا کر سکتی تھی۔

گاڑی کی اوٹ میں اپنی پوزیشن بنا کر میں نے اپنی نظریں دوبارہ اس روشنی پر جما دیں جو ریتیلے ٹیلوں کے درمیان لحہ بہ لحہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔

روشنی کا رخ میری طرف تھا' آنے والے اس کے پیچھے چل رہے تھے' میں فوری طور پر انہیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کئی ثانیوں تک اسی سمت میں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد آخر کار میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ آنے والے تعداد میں دو تھے۔

ان کو دو ہی ہونا چاہیے تھا' میں نے آخری مرتبہ اپنی رائفل چیک کر کے یہ یقین کر لیا کہ وہ ایک ایک گولی اگلنے کے بجائے برسٹ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھی۔

میں اس تاریک ویرانے میں نشانہ لے کر ایک ایک گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں کو ایک بلکہ پہلے وار میں مار گرانا تھا۔ میرا وہ وار کارگر نہ رہتا تو وہ تاریکی میں کہیں بھی گم ہو جاتے۔ وہ مجھے اپنا نشانہ بنا لیتے یا پھر میں اندھیرے میں انہیں ڈھونڈتا رہ جاتا۔ دونوں صورتوں میں مجھے اپنے ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا' اس وقت میں کسی بھی طرح وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

طارق نے مجھے راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ طارق کی اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ وہ اس سے زیادہ میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزرا تھا۔ اس سے آگے میری عملداری شروع ہو جاتی تھی۔

میری نظریں ٹارچ کی روشنی کے پیچھے حرکت کرنے والے دونوں ہیولوں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کر لی اور راجن کی گاڑی کی اوٹ میں اس طرح دبک گیا کہ میں ان دونوں کو دیکھتا رہوں' وہ اچانک مجھے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اگر ٹارچ کی روشنی قریب آجاتی تو میں آسانی سے پیچھے سرک کر محفوظ تر پوزیشن میں جا سکتا تھا۔

وہ روشنی ایک اونچے ٹیلے سے ڈھلان کا سفر کر رہی تھی۔ غالباً وہ ان کے راستے میں حائل ہونے والا آخری ٹیلا تھا کیونکہ ٹارچ کی روشنی سیدھی نیچے تک آ رہی تھی۔

پھر میرے کانوں میں وقفے وقفے سے ان کی اضطراری آوازیں آنے لگیں۔ اندھیرے میں اس کچے اور ناہموار راستے پر پیدل چلنا آسان کام نہیں تھا۔ میں ہوا کے دوش پر تیرنے والی ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ الفاظ اور مفہوم میرے پلّے نہیں پڑ رہے تھے۔

میرے لیے انتظار کی وہ گھڑیاں صبر آزما تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی آوازیں واضح ہو گئیں۔ وہ ٹیلے سے اتر کر نسبتاً مسطح میدان میں اتر آئے تھے۔

''یہ راجو سالا کہاں مر گیا!'' اس بار میں نے ایک ایک لفظ صاف سنا۔ وہ تحکمانہ آواز یقینی طور پر راجن کی تھی۔

''باس! یہیں کہیں ہوگا...... ہو سکتا ہے کہ کہیں پیشاب کرنے چلا گیا ہو۔'' دوسری آواز بھی خاصی کرخت تھی لیکن اس وقت سہمی ہوئی اور مدافعانہ محسوس ہوئی۔

''چارلی بھی غائب ہے۔'' ایک غلیظ گالی کے بعد راجن نے طیش سے کہا'' کیا دونوں سالوں کو ایک ساتھ پیشاب خطا ہونے کی بیماری لگی ہے!''

دوسرا کچھ نہ بولا۔ چلتے چلتے وہ دونوں اچانک رک گئے۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں اور اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ میرے لیے وہ کچھ اچھا شگون نہیں تھا کہ پیش قدمی کے اس مرحلے پر راجن کو اپنے دونوں آدمی یاد آ گئے تھے۔

راجن عقل سے کورا نہیں تھا۔ کار کے پاس اپنے کسی آدمی کو موجود نہ پا کر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر یکا یک فضا راجن کی اونچی آواز سے گونج اٹھی' اس نے راجو کو پکارا تھا۔

راجو اور چارلی اپنے آقا کو جواب دہی کے جھمیلے سے یکسر آزاد ہو کر اپنی گاڑی میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ راجن کو اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اس ویرانے میں کوئی جواب نہیں مل سکا۔

''کچھ گڑ بڑ ہے۔'' راجن کی تشویش زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

یکا یک ٹارچ بجھا دی گئی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیل گیا لیکن میری آنکھیں تاریکی میں ان دونوں کے تاریک تر ہیولوں کو بہ خوبی دیکھ رہی تھیں۔

میں نے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ شاید میری رائفل سے نکلنے والی گولیاں ان تک پہنچ جاتیں لیکن ان کا زور ٹوٹ جاتا۔ میں اس وقت فائر کر کے انہیں کوئی کاری زخم نہیں لگا سکتا تھا۔

''نورا تو جا کر دیکھ کہ وہ دونوں کہاں مرے ہوئے ہیں۔'' راجن کی بات جاری تھی'' تو سگنل دے گا تو میں آگے

بڑھوں گا۔ آنکھیں بند کر کے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔''
''باس!'' نورا کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری ''گاڑی کی اوٹ میں کوئی موجود ہوا تو مجھے بھون ڈالے گا۔ یہیں رک کر تھوڑی دیر دیکھتے ہیں کہ......''
راجن نے بات کاٹ کر اسے گالی دی اور کہا ''ابے جاتا ہے یا میں تجھے بھون ڈالوں...... تیرے ہاتھ میں بھی گن ہے پھر تیری ماں کیوں مر رہی ہے؟''
''مم...... میں جاتا ہوں۔'' نورا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔
میں منتظر رہا لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ دونوں اسی جگہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ راجن نے زبان سے اسے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اشارے سے شاید روک لیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو چکر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔
یکایک ان ہیولوں کے قریب شعلے چمکے۔ ٹھک ٹھک کی دبی دبی آوازوں کے ساتھ دو گولیاں ادھر سے تیرتی ہوئی آئیں اور گاڑی کے اوپر سے گزر گئیں۔
میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ راجن نے یقینی طور پر بڑے بور کے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے وہ دو فائر کیے تھے۔ اگر اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولیاں میری کمین گاہ کے اوپر سے گزر سکتی تھیں تو میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں ان دونوں کو ادھیڑ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میری رائفل ہر پستول سے زیادہ طاقتور تھی۔ فاصلے کے بارے میں میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ راجن نے فائرنگ میں پہل کر کے میری وہ مشکل آسان کر دی تھی۔
پھر رات کے گہرے سناٹے میں راجن نے راجو اور چارلی کو نام لے کر پوری آواز سے پکارا اور ان دونوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کی اشتعال میں ڈوبی ہوئی آوازوں کی بازگشت دور تک پھیل رہی تھی۔
اس نے اپنے رویے سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے دونوں گمشدہ آدمیوں میں سے کسی کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملے بغیر مزید ایک قدم بھی آگے نہیں آئے گا۔ اس نے دو بے آواز فائر کر کے اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو کسی جوابی کارروائی پر اکسانے کی کوشش کی تھی تاکہ اسے تاریکی میں مضمر خطرات کا صحیح ادراک ہو سکے۔
وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں تھا' میں دوڑ کر اس کی طرف جانے اور اسے دبوچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔
میں نے اپنی رائفل کی نال کا رخ درست کیا' ریت پر اکڑوں بیٹھ کر اپنی داہنی کہنی کو ران کا سہارا دیا اور پھر نال کو دائیں سے بائیں طرف جنبش دیتے ہوئے ایک برسٹ فائر کر دیا۔ تڑاتڑ کی ہولناک آوازوں کے ساتھ متعدد گولیاں اس طرف تیر گئیں۔
فضا میں ایک دبی دبی اور اذیت ناک چیخ گونجی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ راجن کی تھی۔ میری چلائی ہوئی کسی گولی نے اس کے جسم کا کوئی حصہ چاٹ لیا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی کہ اس کا نورا نامی ساتھی میری فائرنگ سے بچ گیا تھا کیونکہ فضا میں دوسری چیخ نہیں سنائی دی تھی۔
میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا لیکن مجھے ان دونوں کے ہیولے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے دوبارہ ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر تھا جو ضائع ہو گیا۔ میں نے رائفل تان کر اس طرف دوڑ لگا دی جہاں آخری بار وہ دونوں کھڑے ہوئے نظر آئے تھے۔
دوڑتے ہوئے میں نے رائفل کا کھٹکا سرکا کر اسے برسٹ سے سنگل فائر پر منتقل کر دیا۔ میں اپنے اندازے کے مطابق ان کی چھوڑی ہوئی پوزیشن کے قریب پہنچا تو مجھے تاروں کی چھاؤں میں وہاں ریت پر ایک انسانی وجود بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔
میں نے بے خوفی سے اس کی آستینیں پکڑ کر سیدھا کیا اور میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ میری گولی اس کے بھیجے کو اڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دہانے سے کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں مر گیا تھا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ وہ آدھی کھوپڑی والا' بگڑا ہوا چہرہ راجن کا نہیں تھا۔ اس کا رنگ راجن کے مقابلے میں بہت صاف تھا۔
طارق کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن اپنے تین آدمیوں کے ساتھ ان اطراف میں آیا تھا اور وہ تینوں ہی ذرا سی دیر میں میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ یہ راجن کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔
میرے لیے اطمینان کی ایک ہی بات تھی کہ پہلا برسٹ فائر کرتے ہی میں نے واضح طور پر راجن کی چیخ سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔
میں نے مرنے والے کی لاش کے قریب زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر آگے دوڑ لگا دی۔
میرے لیے یہ خیال سنسنی خیز تھا کہ تیسرے ساتھی کی خاموش موت کے بعد راجن نہ صرف اکیلا رہ گیا تھا بلکہ زخمی

بھی ہو چکا تھا۔ میں اپنے اس خطرناک حریف کو نیست و نابود کر دینے کے جوش میں کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اس دوران میں، میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے چند اندھا دھند فائر بھی کیے جن کا کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آسکا۔

اندھیرے میں جہاں تک میری نظر کام کر رہی تھی، ہر چیز ساکن نظر آرہی تھی، میرے سوا وہاں نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بے مقصد بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ ہموار ریتیلے میدان میں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ راجن کے لیے بہترین راہ یہ تھی کہ وہ دوبارہ ٹیلوں میں گھس جاتا اور اس نے شاید ایسا ہی کیا تھا۔

مجھے اس کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ وہ مر کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کا مقابلہ صرف مجھ سے تھا۔ اس کے ذہن پر خوف سوار ہوگا کہ دشمن کے ایک دو آدمی اس کی کار کے پاس اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ ادھر کا رخ کرے گا اور مارا جائے گا۔

اچانک ٹیلوں کی طرف سے ایک بے آواز گولی میری طرف آئی اور قریب سے گزر گئی۔ ٹریگر کی ٹھک کی آواز گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی۔ فضا میں میری طرف تیرتا ہوا شعلہ اس سے زیادہ نمایاں تھا، میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی کہ راجن کسی ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کا رخ اس کی کمین گاہ کی طرف گھمایا اور دو گولیاں داغ دیں۔ وہ صرف اس کے فائر کا جواب تھا، مجھے کسی نتیجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلندی پر تھا۔ اگر وہاں ذرا بھی اجالا ہوتا تو اس کے لیے مجھے مار گرانا بہت آسان ہوتا۔ میرے لیے اسے اپنی زد پر لینا تقریباً ناممکن تھا۔

''ڈینی! میں تجھے فنا کر دوں گا'' بلندی سے راجن کی غصیلی آواز گونجی۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ بھاگتے رہنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''کالے شیطان! ہمت ہے تو میدان میں آکر مقابلہ کر!'' میں نے ہوشیار رہ کر اسے للکارا۔

وہ گالیاں ایجاد کرنے اور بکنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کے دہانے سے بلند آواز میں مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھر ایک فائر کیا۔ اس بار اس کی چلائی ہوئی گولی مجھ سے بہت دور تھی۔

میں خاموشی سے اس کے اگلے وار کا انتظار کرتا رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ جب وہ وقفہ بہت طویل ہوگیا تو میں نے مضطرب ہو کر اسے للکارا اور اندازے سے بلندی کی طرف ایک فائر کر دیا۔

جواب میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ مزید کچھ انتظار کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے چکما دے کر خاموشی سے کسی طرف نکل گیا تھا۔ ریت کے ساحلی ٹیلوں کے درمیان صحیح سمت میں پیش قدمی کر کے وہ بندرگاہ کے اس علاقے میں پہنچ سکتا تھا جہاں سے اسے شہر کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل جاتی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنے تینوں ساتھیوں اور گاڑی کو فراموش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

راجن کی وہ حکمتِ عملی میرے لیے قابلِ فہم تھی۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی کوئی مہلک خطرہ مول لینے کے بجائے پسپائی کی راہ اختیار کرتا۔

میں بوجھل قدموں سے راجن کی گاڑی کی طرف چل دیا جو اس تاریکی میں بھی خاصی واضح نظر آرہی تھی۔

واپسی میں، میں نے راجن کے تیسرے ساتھی کی لاش کو نظر انداز کر دیا۔ وہ گولی سے بھیجا اڑ جانے کی وجہ سے مرا تھا۔ اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

راجن کی گاڑی بہ دستور لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان سڑک پر اپنی جیپ لیے سخت اضطراب سے گزر رہا ہوگا۔ میں نے گاڑی پر ایک نظر ڈالی اور قدرے پیچھے ہٹ کر اس کی پیٹرول کی ٹنکی کے مقام پر فائر کر دیا۔

فائر کے دھماکے کے ساتھ بھق کی زوردار گونج پیدا ہوئی اور گاڑی سے ہولناک شعلوں کا ایک لہراتا ہوا مینار فضا میں بلند ہوگیا۔ وہ منظر بس ایک لمحے کے لیے نظر آیا پھر کار کے نیچے ہر طرف آگ ہی آگ پھیلتی چلی گئی۔

میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور آسودہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔

یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف چاؤ فان تھا۔

''ماسٹر......! کیا ہو رہا ہے...... یہ آگ کہاں لگی ہے...... تم خیریت سے تو ہو نا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اس کی فکر مندی سے میں دل ہی دل میں محظوظ ہوا پھر کہا ''یہ آگ میرے دل میں لگی ہے، راجن مجھے غچا دے کر ٹیلوں میں نکل گیا۔ اس کی ایک بھٹکی ہوئی گولی نے گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی میں آگ لگا دی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ لاشوں کو کیسے باہر نکالوں!''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا، تم بھی جل جاؤ گے۔'' میرا

آخری فقرہ سن کر وہ بوکھلا گیا۔ "میری مانو تو تم بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ میں ادھر آرہا ہوں۔"

میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

راجن کی پوری گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کے ساتھ فضا میں کثیف دھوئیں کا بادل بھی اڈ رہا تھا۔ وہ تاریک ویرانہ دور تک روشنی میں نہا گیا تھا لیکن راجن کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس الاؤ سے دور ہوتا رہا۔

ذرا سی دیر میں چاؤ فان کی جیپ ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی آ گئی۔ جیپ رکتے ہی میں دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور چاؤ فان نے جیپ تیزی سے واپس گھما لی۔

"یہ آگ دور تک دیکھی جائے گی۔" چاؤ فان بڑبڑایا "ذرا سی دیر میں پولیس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔"

"ان کے آنے تک کچھ بھی نہیں بچے گا۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا "پیٹرول کی آگ بہت موذی ہوتی ہے۔ لاشوں سمیت ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے گی۔"

"جلنے دو...... سب کچھ جل جانے دو، ہمارا کیا بگڑے گا۔" چاؤ فان اضطراری لہجے میں بولا "یہ ملبہ راجن کی ایک اور شکست کی گواہی دے گا۔ ایک کار اور دو جلی ہوئی لاشیں اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گی۔"

"دو نہیں، تین لاشیں!" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "راجن کا تیسرا ساتھی میری رائفل کا نشانہ بن گیا۔ اس کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے۔"

"میں نے ایک چیخ سنی تھی!" چاؤ فان نے جلدی سے لقمہ دیا۔ میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ بھی خاموشی سے مرا تھا، فضا میں گونجنے والی چیخ راجن کی تھی۔

"مجھے صرف تمہاری رائفل کا فائر سنائی دے رہا تھا۔" چاؤ فان کی بات جاری رہی "کیا وہ بے آواز ہتھیار استعمال کر رہے تھے؟"

"شاید راجن کے پاس سائلنسر لگا ہوا پستول تھا۔ اس کے آدمی کے کندھے پر پڑی ہوئی رائفل پر مجھے سائلنسر نظر نہیں آیا۔" میں نے بتایا۔

"یہ برا ہوا کہ وہ بچ کر نکل گیا۔" چاؤ فان متاسفانہ لہجے میں بولا "اس کے تینوں ساتھی نکل جاتے اور وہ مارا جاتا تو مزہ آجاتا۔"

"سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہونے لگے تو ہر طرف آفت آجائے' یہ قدرت اور اس کی غیبی قوتیں ہیں جو ہر کام اور شے میں توازن برقرار رکھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی راجن کے مقدر میں اور زیادہ ذلت لکھی ہوئی ہو۔"

"ماسٹر! کبھی کبھی تم فلسفہ بولنے لگتے ہو۔ وہ اپنی مادام بھی ایسی ہی ہے۔ ہنستے بولتے ہوئے اچانک ایسی باتیں شروع کر دیتی ہے جو میرے سر پر سے گزرنے لگتی ہیں۔"

"تم انکسار سے کام لے رہے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ عام باتیں بھی تمہارے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔" میں نے شگفتہ انداز میں کہا۔

وہ مہم بیٹھے بٹھائے سامنے آئی تھی۔ طارق مجھے یہ خبر نہ دیتا کہ راجن موتی محل سے باہر نکلا ہے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری راتوں کی طرح وہ رات بھی گزر جاتی' میں چاؤ فان کے ساتھ نکلا اور ہم نے بہت آسانی کے ساتھ راجن کے تین آدمی مار لیے۔ وہ یقینی طور پر اس کے بہت اہم اور قریبی ساتھی رہے ہوں گے۔ ان کی عبرت ناک ہلاکت کے ساتھ میں نے راجن کو بھی زخمی کر دیا تھا' چند گھنٹوں کی جدوجہد کے وہ نتائج بہت حوصلہ افزا تھے۔ میں ذہنی طور پر خود کو بشاش اور ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

"تم کبھی کبھی میرے ساتھ زیادتی کر جاتے ہو۔" اس نے پژمردہ لہجے میں شکایت کی "میں اتنا کند ذہن نہیں ہوں۔ اہم مواقع پر تمہارے ہر اشارے کو سمجھ لیتا ہوں۔"

اسی وقت سڑک کے اگلے موڑ سے جلتی بجھتی ہوئی تیز روشنیوں اور سائرن کی خوف آور آواز کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں مڑ کر ہماری طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے پیچھے پولیس والوں کی دو گاڑیاں بھی تھیں۔

درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہوتا چلا گیا پھر وہ چاروں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر کر اس سمت میں چلی گئیں جہاں راجن کی گاڑی جل رہی تھی۔ روح کو لرزا دینے والے اس شور شرابے کی وجہ سے میں چاؤ فان کے شکوے کا جواب دینے سے بچ گیا۔

"حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ہماری طرف دھیان نہیں دیا۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ان کی گاڑیاں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ آگ سڑک سے کافی دور بھڑک رہی ہے۔ ہم سڑک پر تھے۔ انہیں یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ ہم ادھر سے آرہے ہیں۔" چاؤ فان نے خود ہی ان کی عدم توجہی کی تاویل پیش کر دی۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر میرے ذہن میں ایک پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔ مجھے بنکاک کی پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ ہم جائے واردات کی طرف سے آ رہے تھے' اس آتش زنی سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوتا تب بھی اصولی طور پر ہمیں وہاں رک کر آتش زدگی کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ ہم لاتعلقانہ انداز میں وہاں سے گزرے اور پولیس والوں نے ہمارے اس غیر معمولی رویے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ہمیں یکسر نظرانداز کر کے آگے نکلتے چلے گئے۔
مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ غیرارادی طور پر اس غفلت کے مرتکب ہوئے تھے۔ دور سے پیٹرول کی خوفناک آگ دیکھ کر ان کے افسر کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ فائر انجنوں کے ساتھ جلد از جلد جائے واردات پر پہنچ جائے۔ اس بدحواسی میں اس نے ہماری گاڑی پر دھیان نہیں دیا۔
شعلوں میں گھری ہوئی سفید کار کے پاس پہنچ کر جب اسے اندازہ ہوتا کہ وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا تو عین ممکن تھا کہ اسے چاؤ فان کی گزرتی ہوئی جیپ یاد آ جاتی اور وہ ہماری تلاش میں وہاں سے واپس دوڑ لگا دیتا۔
''یہاں سے شہر جانے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پرسکون انداز میں چاؤ فان سے پوچھا۔
''ماسٹر! میں چھوٹے اور سیدھے راستے سے یہاں آیا تھا' دوسرا راستہ لمبا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ''تم کو یہ خیال کیوں آ گیا؟''
''گاڑی اسی لمبے راستے پر لے لو!'' میں نے اسے ہدایت دی۔
''کیوں؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔
''تمہاری جیپ میں مزہ آ رہا ہے' گھومتے پھرتے ہوئے ہوٹل چلیں گے۔'' میں نے اسے اپنے اندیشوں سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔
وہ خوش ہو گیا ''میں چوری کے مال پر دل کھول کر رقم صرف کرتا ہوں۔ رنگ اور نمبر پلیٹوں کو بدلوانا مجبوری کا سودا تھا۔ میں نے اس کے پورے سس پنشن پر کام کرایا ہے' گڑھوں میں بھی بے تکے جھٹکے نہیں لگتے۔''
چند ثانیوں بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ چاؤ فان نے جیپ نئے راستے پر ڈال دی تھی۔
''ماسٹر! ایک بات میرے ذہن میں بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔'' کچھ دیر تک خاموشی سے جیپ چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر لہجے میں سکون توڑتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں تم سے ٹکرانے والا گارڈ خاموشی سے کتے کی موت مرا اور تم نے کسی سانپ وانپ کی کہانی سنائی تو میں نے تمہاری بات پر یقین کر لیا مگر آج میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا بات ہے کہ تمہارے سامنے آنے والا ہر دشمن کھڑے کھڑے اچانک خاموشی سے مر جاتا ہے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی بے آواز موت نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔''
''چاؤ فان' میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں' پہلا گارڈ کیسے مرا' یہ مجھے نہیں معلوم اس وقت وہ میرے نہیں' تمہارے سامنے تھا۔ میں تو جیپ کے پیچھے دبکا ہوا اپنی خیر منا رہا تھا۔'' میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی اختیار کر لی ''ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہو اور دہشت سے مر گیا ہو۔ دوسرے کے بارے میں میرا پکا اندازہ ہے کہ اسے اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گرتے ہی مر گیا یا شاید مر کر گر گیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں اس سے کافی دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔
''ماسٹر! مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ان دونوں کے ساتھ کچھ کیا ہو' میں اسے تمہاری کارستانی سمجھ رہا ہوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند سیکنڈ کے وقفے سے ان دونوں کے ہارٹ فیل ہو گئے ہوں۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔
اس کے مدافعانہ انداز سے مجھے یکایک ایک نیا حربہ سوجھ گیا اور میں نے جارحانہ لہجہ اختیار کر لیا ''تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر مجھے یقین ہے کہ ان کے ہارٹ فیل نہیں ہوئے تو تم نے اپنے کسی خفیہ ہتھیار سے انہیں مارا ہے۔ تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ' پوری تفصیل سننے کے بعد ڈان ہر قیمت پر تم سے سچ اگلوا لے گا۔''
اس نے گھبرا کر گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا ''ماسٹر! تم کیسی باتیں کر رہے ہو...... میں نے انہیں مارا ہوتا تو مجھے تم کو کریڈٹ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں مارا ہے' تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو......''
وہ دھونس میں آتا ہوا نظر آ رہا تھا میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے غرا کر کہا ''یہ الزام ہے؟ میں تمہاری جگہ ہوتا تو خاموشی سے اپنا کارنامہ تسلیم کر لیتا۔ وہاں صرف دو آدمی تھے۔ میں اور تم...... اگر ہم دونوں نے انہیں نہیں مارا تو پھر شاید آسمان سے فرشتے ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہوں گے یا نادیدہ بدروحوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہوگا!''

''تم بلاوجہ خفا ہو رہے ہو۔ ان دونوں کا مرجانا ہمارے لیے فائدہ مند تھا۔ وہ نہ مرتے تو ہم دونوں مارے جاتے۔ میرا سوال تو بس اتنا سا تھا کہ وہ دونوں پراسرار انداز میں کیسے مر گئے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معما ڈان خود حل کر لے گا۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور تم ڈان سے یہ کہو گے کہ میں نے انہیں کسی خفیہ ہتھیار سے مارا ہے!'' اس نے تقریباً رو دینے والے انداز میں مجھ سے تصدیق چاہی۔

''میں نے جو محسوس کیا ہے وہی کہوں گا۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم اپنی رائے پیش کر دینا۔ وہ دبنگ اور منہ پھٹ آدمی ہے۔ ذرا سی دیر میں سچ جان لے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے مروا دو گے۔'' وہ دہرے قتل کی گتھی سلجھانے کے بجائے اپنے بچاؤ کی فکر میں مبتلا ہو گیا ''تمہارے سامنے وہ میری کوئی بات نہیں سنے گا۔ تم میری جامہ تلاشی لے لو' میرے پاس کوئی خفیہ ہتھیار نہیں ہے۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار مانگے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گا...... تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کا ادب کرتا ہوں۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا۔''

''اگر تم نے ان دونوں کو مارنے کے بعد اپنا خفیہ ہتھیار رو ہیں کہیں پھینک دیا ہے تو ڈان کو سچ بتا دینا' وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے مکارانہ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''تم وہی ایک بات کہے جا رہے ہو۔'' وہ زچ ہو کر بولا ''تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے کہ میں نے انہیں نہیں مارا!''

''اور یہی بات میں بھی تم سے کہہ رہا ہوں' ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ کارنامہ یقیناً فرشتوں نے سرانجام دیا ہوگا۔'' میں نے طنز سے کہا ''ڈان کو علم ہونا چاہیے کہ اب فرشتے بھی اس کی مدد کے لیے آنے لگے ہیں!''

''ماسٹر! تم یہ تو مانو گے کہ ان دونوں کی موت حیرت ناک تھی۔ اب ہم دونوں یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کیسے مرے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''ڈان کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ آسیبی انداز میں اچانک مر گئے۔ کہہ دیں گے کہ ایک کو تم نے مارا' دوسرے کو میں نے ڈھیر کر دیا' بات وہیں ختم ہو جائے گی تیسرا تو خیر تمہارا ہی شکار تھا۔''

''نہیں چاؤ فان!'' میں ڈان کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر لاشوں کے پوسٹ مارٹم میں کوئی نئی بات سامنے آگئی تو میں ہمیشہ کے لیے ڈان کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت اور ساکھ بہت عزیز ہے' میں اسے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ جھنجلا کر بولا' پوسٹ مارٹم لاشوں کا ہوتا ہے۔ تم نے ان دونوں کو چھوٹا راجن کی گاڑی میں ڈال دیا تھا' گاڑی کو بری طرح آگ لگی ہوئی ہے' فائر انجن بھی ان لاشوں کو کوئلہ بننے سے نہیں بچا سکیں گے۔ کوئلہ بنی ہوئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کون کرے گا۔ ان کی کہانی ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکی ہے۔''

درحقیقت ابتدا سے میرا وہی منصوبہ تھا کہ دونوں لاشوں کو جلا کر رکھ کر دیا جائے مگر میں نے اس بارے میں چاؤ فان سے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ میری حکمت عملی کی کامیابی تھی کہ میری سوچی ہوئی باتیں وہ دہرا رہا تھا۔

میں نے تذبذب کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم نے طے کر لیا ہے کہ ڈان سے جھوٹ بولا جائے!''

''میرے پاس اس کے سوا کیا چارہ ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میں شروع سے ان دونوں کی حیران کن موت کے مسئلے پر پریشان تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے ان پر اپنا کوئی کرتب دکھایا ہے' معاملہ نمٹے گا تو تم خود مجھے ہر بات بتا دو گے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ تم نے دل کے دورے کا امکان ظاہر کر کے بات ٹال دی۔ تم نے خود کہا تھا کہ چھوٹا راجن کا قصہ نمٹانے کے بعد مجھے ہر بات سمجھا دو گے لیکن اب تم نے آنکھیں بدل کر ساری ذمے داری میرے سر پر ڈال دی ہے۔'' اس نے پریشان لہجے میں ایک لمبی وضاحت پیش کرنی شروع کر دی ''اگر تم واقعی مجھ پر شبہ کر رہے ہو تو میں بے بس ہوں۔ آج کل تمہارے ستارے عروج پر ہیں ڈان تمہاری بات مان لے گا۔''

''تمہاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔'' میں نے مصالحانہ انداز میں کہا ''اس وقت میری ساری توجہ دشمنوں پر مرکوز تھی' وہ مر گئے تو مجھے خوشی ہوئی۔ مجھے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیسے مرے اس وقت میں ان کی موت کے اسباب دریافت کرنے میں الجھ جاتا تو ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اگر ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ان اطراف میں پائی جانے والی کسی زہریلی خودرو جھاڑی کے کانٹے یا کسی خوفناک کیڑے مکوڑے کا نشانہ بن گئے۔ اب ان کی لاشیں جل کر کوئلہ بن

چکی ہوں گی۔ میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ ان کی موت کے اسباب کا تعین کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔ تم چاہتے ہو تو میں ایک قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لوں گا۔"

"چاہو تو تم زہریلی جھاڑیوں والا نظریہ پیش کر کے ڈان کے سامنے دروغ گوئی سے بچ سکتے ہو۔" اسے فوری طور پر متبادل مشورہ سوجھ گیا" میں نے جھوٹ بولنے کا مشورہ مجبور ہو کر دیا تھا۔ تم مجھ پر شبہ کر رہے تھے اور پھر خفیہ ہتھیار...... خدا کی پناہ...... وہ میں کہاں سے پیدا کرتا۔"

میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا" ڈان عملی دنیا کا آدمی ہے اس کے سامنے ہم نے کوئی نظریہ پیش کیا تو وہ بال کی کھال نکالے گا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مگر ہم اسے یہ یقین نہیں دلا سکیں گے کہ وہ دونوں اپنی بدنصیبی کا نشانہ بن گئے۔ یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہم دونوں نے ایک ایک حریف کا کام تمام کر دیا۔"

"مجھے ایک عمر گزر گئی مگر میں ابھی تک ڈان کو سمجھ رہا ہوں۔" وہ حسرت زدہ آواز میں بولا" تم نے مختصر سی مدت میں اس کے مزاج کو پا لیا۔ وہ دو اور دو چار والا آدمی ہے۔ اس سے سیدھی اور دوٹوک باتیں ہی مناسب رہیں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ محض ہلکی سی بدمزگی کے بعد اس سنگین معاملے کو مفاہمانہ انداز میں نمٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے میرے سامنے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ویسے بھی وہ ڈان کے سامنے جھوٹ بولنے کے بعد خود بھی میرا شریک بن جاتا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ بعد میں ڈان کو سچ بتا کر اس کے قہر کا نشانہ بننے کا خطرہ مول لینے کی جرات کر سکے گا۔

بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں میری پہچان کی واضح ترین نشانیاں تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقع پر اپنے ان دونوں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے باوجود میں ہر نشانی مٹانے اور چاؤ فان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسرا آدمی میری رائفل کی گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش پولیس کے ہاتھ لگتی تو اس سے میرا کوئی راز افشا نہیں ہو سکتا تھا۔ جلنے والی ایک لاش کے ڈھانچے میں پائے جانے والے بیم گن کے سوراخ کو بھی رائفل وغیرہ کی گولی کا کارنامہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا۔

میرے اور راجن کے درمیان ہونے والے مکالمے سے اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا ٹکراؤ مجھ سے ہوا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ پولیس کو میرے نام سے آگاہ کرے گا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی کہیں اور موجودگی کے عذر کے ساتھ یہ بتائے گا کہ اس کے تین آدمی اچانک غائب ہو گئے۔ وہ کب اور کہاں گئے۔ اس بارے میں وہ اپنی مکمل بےخبری ظاہر کرے گا۔

یہ بڑے مجرموں کا خاص وطیرہ ہوتا ہے کہ کسی تصادم میں سرخ رو ہوتے ہیں تو سینہ ٹھونک کر اپنی مردانگی کے دعوے کرتے ہیں، ہزیمت اٹھانا پڑے تو کوشش کرتے ہیں کہ مقابلے میں اپنی موجودگی کا ذکر سرے سے حذف کر دیں۔

"چاؤ فان! تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد میں نے اسے چھیڑا، میرے دل میں چور تھا اس لیے میں باتیں کر کے اسے ٹٹولنا چاہ رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت تو نہیں تھی۔

"ماسٹر! آج ہم نے ایک بڑی لڑائی جیتی ہے مگر قلق اس بات کا ہے کہ چھوٹا راجن بچ کر نکل گیا۔" اس کی مغموم آواز ابھری۔

"وہ بہت ذلت کے ساتھ بھاگا ہے۔" میں نے زور دے کر کہا" اس کی گاڑی جل کر تباہ ہو گئی، وہ خود زخمی ہے۔ ذرا تصور کرو کہ وہ موتی محل سے اپنی گاڑی میں تین محافظوں کے ساتھ نکلا تھا۔ اب زخمی حالت میں ٹک ٹک یا ٹیکسی کے ذریعے زخمی حالت میں وہاں واپس لوٹے گا تو اپنے ملازموں کے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا سکے گا۔"

"اوہ......! تو تم نے اسے زخمی بھی کر ڈالا!" چاؤ فان نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

"تم نے فائرنگ کے ساتھ جو چیخ سنی وہ راجن ہی کی تھی۔" میں نے اسے بتایا۔

"مم...... مگر میں تو اسے مرنے والے تیسرے آدمی کی چیخ سمجھا تھا۔ تم نے بھی میری غلط فہمی دور نہیں کی۔"

"مائی ڈارلنگ! آج خاموشیوں کی رات ہے۔ ان دونوں کی طرح تیسرا بھی کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔"

"اوہ! تو کیا تم ان دونوں کے اتنے قریب پہنچ گئے تھے؟"

"قریب پہنچ جاتا تو آج راجن نکلنے نہ پاتا۔ میری رائفل کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی، اس کا آدھے سے زیادہ سر غائب تھا۔"

"خاموش موتوں کی ہیٹ ٹرک ہو گئی۔ چھوٹا راجن کو

کہاں زخم آیا؟''

''میں نے برسٹ فائر کیا تھا۔ اس کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی ہو کر چیخ اٹھا۔ زخم کہیں بھی آیا ہو، یہ بات طے ہے کہ وہ بھاگنے کے قابل تھا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم حیران کر دینے والی صلاحیتوں کے مالک ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم دشمن کے خلاف میدان میں اترتے ہو تو کچھ نادیدہ قوتیں خاموشی سے تمہارا ساتھ دیتی رہتی ہیں۔''

''کہیں تمہارا ذہن جنوں اور بھوتوں کی طرف تو نہیں بھٹک رہا!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''جو نظر نہ آئیں وہ وہی ہو سکتے ہیں۔'' اس نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا ''ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اسے اتفاق سمجھ کر درگزر کیا جا سکتا تھا۔ آج رات تم نے تین جیتے جاگتے انسان مارے ہیں اور تینوں نہایت خاموشی سے مر گئے۔ اسے کوئی باؤلا آدمی بھی اتفاق قرار نہیں دے گا۔ اس کے پیچھے یقیناً کچھ اور قوتیں کارفرما ہیں۔''

''تم نے پھر تین آدمیوں کو مارنے کا الزام میرے سر پر تھوپ دیا!'' میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے طے کر چکا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کو میں نے اور دوسرے کو تم نے مارا تھا۔ تیسرا میرا اشکار تھا۔''

''ماسٹر! تم کو تمہارے خدا کی قسم ہے، مجھے ابھی اور اس وقت واٹ فرا کیو لے چلو'' وہ یکایک مچل گیا ''وہاں زمرد میں تراشی ہوئی بدھا کی مورتی ہمارے لیے سب سے مقدس ارضی شے ہے۔ میں اس کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ آج میں نے کسی کو نہیں مارا۔ تم نے مجھے ایسا چکر دیا ہے کہ میں ڈان کی جرح سے بچنے کے لیے ایک کا خون اپنے سر لینے پر آمادہ ہو گیا ہوں۔ وہ ڈان کے سامنے سنائی جانے والی کہانی ہوگی۔ ہمیں آپس میں کھل کر بات کرنے کی آزادی ہے۔ مجھ سے میری یہ آزادی نہ چھینو۔''

''تم گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو، طے شدہ بات کو چھیڑو گے تو بحث لمبی ہو جائے گی۔'' میں نے خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا مگر میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''ماسٹر! میں یہی بات کہہ رہا تھا، تم نے میرے الفاظ پکڑ لیے۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بے بسی سے بولا ''انہیں میں نے نہیں مارا، تم نے نہیں مارا، نادیدہ قوتوں نے مارا ہے۔ وہ تمہارا ساتھ دیتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی موت کا سبب تم ہو۔''

''چلو، تمہارا دل رکھنے کے لیے میں یہ بات مان لیتا ہوں۔'' میرا لہجہ نیم دلانہ تھا۔ ''اب دوبارہ ان مرے ہوئے مردودوں کا ذکر نہ نکالنا۔ انہیں بالکل بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں!'' وہ استہزائی انداز میں ہنسا ''شاید میں سب کچھ بھول جاؤں مگر مرتے دم تک ان دونوں کو نہیں بھول سکوں گا۔ میں نے سیکڑوں آدمیوں کو مرتے دیکھا ہے، دسیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، ان میں سے کوئی یوں چپکے سے نہیں مرا جیسے وہ مر گئے ہیں۔ ہم نے ان کی لاشیں گاڑی میں نہ ڈالی ہوتیں تو وہ جلنے سے بچ جاتیں اور ان کے پوسٹ مارٹم سے کچھ نہ کچھ پتا چل جاتا، اب ایسا کوئی امکان نہیں رہا۔''

''اب یہ کہہ دو کہ میں نے جان بوجھ کر دونوں لاشیں... راجن کی گاڑی میں ڈالیں اور پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کار کو آگ لگا دی۔'' میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی ترشی سے کہا ''میں نے سارے ثبوت مٹانے کا بندوبست کر دیا!''

حقیقت وہی تھی جو میں نے بیان کی لیکن میرا پینترا کچھ ایسا تھا کہ چاؤ فان بری طرح کھسیائے ہوئے انداز میں بولا ''ماسٹر! تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ میرا دماغ خراب ہوا ہے جو میں تم پر ایسا بے سروپا الزام لگاؤں۔ سب کچھ ضرورت کے تحت کیا گیا تھا۔ چھوٹا راجن کو پھانسنے کے لیے میدان صاف کرنا ضروری تھا۔ اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ گاڑی کو آگ لگ جائے گی۔''

''بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھ سے ہوتا ہوا دیکھنے کے باوجود ان کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ناصحانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''آج کی رات ہم نے جو کچھ دیکھا وہ شاید اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان کی موت کو حکم خداوندی سمجھ کر بھولنے کی کوشش کرو۔ ان کا مسئلہ تمہارے سر پر مسلط رہا تو تم ڈان کے سامنے گھبرا کر کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بیٹھو گے۔ وہ کائیاں آدمی ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر تم سے سب اگلوا لے گا اور تمہاری وجہ سے میں اس کے سامنے جھوٹا پڑ جاؤں گا۔''

''میں تو اس بارے میں ڈان سے بات ہی نہیں کروں گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں پسپائی اختیار کرتے ہوئے کہا ''تمہارے آنے کے بعد سے وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں

کرتا۔ تم خود اسے یہ قصہ سنا دینا۔ میں تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ غور سے سنوں گا۔ ڈان نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں تمہاری کہانی کی تائید کروں گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''ہم ڈان کے وفادار ہیں، اسے دغا نہیں دے رہے۔ اس کی نظروں میں ہماری عزت اور ساکھ کا برقرار رہنا ضروری ہے۔''

''تم نے ڈان کو رام کر لیا ہے۔ تمہاری ساکھ پر آنچ نہیں آسکتی۔ مجھے اپنی فکر تھی، اب وہ بھی دور ہو گئی۔ ہم یک زبان رہے تو ڈان کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہو گی کہ وہ دونوں کیسے مرے...... ویسے میں حیران ہوں کہ تمہیں راجن کے باہر نکلنے کی صحیح خبر کہاں سے مل گئی!''

بے اختیار میرا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا مار کر چاؤ فان کی کھوپڑی پچکا دوں جس میں وہ پریشان کن سوالات جنم لے رہے تھے۔ وہ واقعی ایک اہم سوال تھا۔ میں فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے جان بوجھ کر میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا یا وہ سوال معصومانہ انداز میں اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ وہ سوال سامنے آ ہی گیا تھا تو اس کا مسکت جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے اضطراری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا ''تم ڈان کی صحبت میں رہ کر مراق کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہو۔ پہلے یہ فکر تھی کہ مجھے راجن کی گاڑی کی لوپ پوری میں موجودگی کا کیسے علم ہوا، اب یہ غم ستا رہا ہے کہ موتی محل سے راجن کے نکلنے کی خبر مجھے کیسے مل گئی۔ تم میرے اس دلیر ساتھی کو بار بار بھول جاتے ہو جو میرے ساتھ ڈان سے مل چکا ہے۔ وہ اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے موتی محل کی طرف سے گزرتے ہوئے راجن کی گاڑی کو سڑک پر آتے دیکھا اور ذرا سی دیر میں یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ ساحل کی طرف جائے گا۔ اس نے مجھے اطلاع دی اور میں نے تم سے رابطہ کر لیا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''

''لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا؟'' چاؤ فان نے سادگی سے کہا۔

''وہ ملازمت پیشہ آدمی ہے۔ میں اسے ان جھگڑوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔'' میں نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا ''راجن کے سفر کی سمت کا اندازہ ہو جانے کے بعد میں نے اسے وہیں سے واپس لوٹ جانے کی ہدایت دے دی تھی۔''

''ماسٹر! میں بار بار یہ کہتا ہوں اور تم بار بار یہ بات ثابت کرتے رہتے ہو کہ تم کمال کے آدمی ہو اور تمہارا ساتھ دینے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ میں اور میرے آدمی یہاں کے مقامی ہوتے ہوئے بھی اہم واقعات سے بے خبر رہتے ہیں، تم کو ہر بات کی بروقت خبر مل جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ واقعی تحیرزدہ تھا۔

''یہ سامنے کی بات ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا ''اسے سمجھنے کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے سر پر پیٹ پونگ کی لڑکیاں اور لی جیسی بازاری عورتیں سوار رہتی ہیں، میرا آدمی ان خرافات سے دور بھاگتا ہے۔''

''ہائے ماسٹر' یہ کیا کہہ دیا تم نے!'' اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کے بے تابانہ انداز میں کہا ''وہ بازاری ہوتی تو تمہارا یہ خادم اسے دس بار خرید چکا ہوتا۔ تم سے بے مول دوستی کر بیٹھی میرے لیے ایک کڑا امتحان بنی ہوئی ہے۔''

''تمہیں ایسی گھٹیا باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! یہ زندگی کی بنیادی حقیقتیں ہیں!'' اس نے حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ہر مرد ان سے دوچار رہتا ہے۔ بیشتر گھنے ہوتے ہیں۔ اپنے من کی بات کبھی زبان پر نہیں لاتے، موقع مل جائے تو خلوت میں اپنا شرافت کا خول اتار کر وحشی بن جاتے ہیں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں اپنا سمجھ کر تم سے اپنے دل کی ہر بات بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔''

''ایسے مواقع پر تم مجھے غیر سمجھ لیا کرو تو میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔'' اس کا جواب سن کر میرا لہجہ تلخ ہو گیا ''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی اپنائیت کبھی کبھی میرے لیے سوہان روح بن کر رہ جاتی ہے۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''تم مجھے چڑانے کے لیے مذاق کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے بہت عزیز رکھتے ہو!''

میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر یہ بتا دوں کہ زندگی میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب انسان اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کر دیتا ہے، وہ جیتے جی اپنی ڈھٹائی سے وہ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گاڑی میں چند ثانیوں کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔ اس وقت چاؤ فان کی جیپ ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک

کے دونوں اطراف میں تاریک اور چٹیل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ اس مضافاتی حصے میں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔

''ماسٹر! مادام سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟'' کچھ دیر کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر سوال کر بیٹھا۔

''وہ پھر تمہارے دماغ میں کابلا رہی ہے!'' میں نے ترشی سے کہا۔

''اوہ......!'' اس کے دہانے سے ایک بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ بولا۔

''اچھا، مادام کو چھوڑو، یہ بتا دو کہ میرے ہاتھوں پھوم فات کی درگت کب بنی تھی؟''

''اگر تمہاری یادداشت اتنی خراب ہوگئی ہے تو کسی معالج سے رجوع کرو' یہ بک بک کر کے تم کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا راجن کے نکل جانے پر تمہارا موڈ سخت خراب ہے۔'' وہ سرہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا ''حریف مضبوط ہو تو ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تم نے اسے زخمی کر دیا۔ آج وہ زخمی ہوا ہے تو کل تمہارے ہاتھوں مارا بھی جائے گا۔ اتنی سی بات کو دل پر لینے کی کیا ضرورت ہے!''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر اس کا نام چاؤفان تھا زیادہ دیر تک خاموش رہنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ قدرے طویل خاموشی کے بعد اس نے کھنکار کر کہا ''میں دراصل تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ مادام دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ شاید اس نے تم سے چھوٹا راجن کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔ وہ اس بارے میں مزید گفتگو کرنا چاہتی ہے۔''

میں اس سے لی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ لی کا تذکرہ چھیڑنے کے چکر میں اس نے راجن کے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کو یکایک فراموش کر دیا تھا۔ وہ میرے لیے ایک اچھا شگون تھا میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ لی نے میری خود فراموشی کے دوران میں کھل کر اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ راجن کو مردہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی باتوں کا جواب دینا شروع کر دیا تاکہ وہ ڈان کے سامنے اصل واقعات کو بالکل بھول کر وہی کچھ یاد رکھے جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیا کیا......!'' میرے کان میں ڈان کی تحیر زدہ آواز گونجی ''تم نے اسے زخمی کر دیا!''

''ہاں ڈان!'' میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا ''مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی موت کی خوش خبری نہیں سنا سکا۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔'' ڈان کی تشفی آمیز آواز ابھری۔ ''موجودہ حالات میں یہ بھی بڑی خبر ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کہاں اور کب ہوا۔ بار میں رش ہے، شور و غل میں بات نہیں ہو سکتی، میں دو منٹ میں اوپر جا کر تمہیں فون کرتا ہوں۔''

لائن بے جان ہوگئی، غزالہ بولی ''آپ کا لہجہ اس قدر معذرت خواہانہ کیوں تھا؟ آپ نے اس کے تین آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''

''تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' میں نے اسے آنکھ مار کے کہا ''خبر سن کر وہ بے چین ہو گیا۔ اب اپنی رہائشی منزل سے فون کرے گا۔ مزہ اسی میں ہے کہ میں انکسار سے کام لیتا رہوں اور وہ میرے کام پر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتا رہے۔''

''میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خود پسند اور ناشکرا آدمی ہے۔'' غزالہ بولی ''وہ آپ کے کاموں کی تعریف اس لیے کرتا ہے کہ وہ کام اس کے کھاتے میں جا رہے ہیں، ان میں دور دور تک آپ کا کوئی ذکر نہیں آتا اور چاؤفان بے چارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہے۔''

غزالہ خاموش طبع ضرور تھی لیکن اس کے تجزیے بڑی حد تک درست تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب راجن نے میرے ہاتھوں وائٹ ہاک کی تباہی پر اپنے دشمن کے طور پر ڈینی کا نام لیا تو ڈان تلملا اٹھا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر کہا تھا کہ اس بات کی فوری تردید ہونی چاہیے۔

میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کی رائے سے سو فی صد اتفاق کرتے ہوئے سمجھایا کہ ڈان کی اس خوش فہمی میں ہماری نجات مضمر تھی۔ میں کسی صورت میں کھل کر سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ ہم فرضی ناموں اور جعلی سفری دستاویزات پر بنکاک میں مقیم تھے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ راجن مجھے اپنے بھاری جانی اور مالی نقصان کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

دو منٹ سے بھی قلیل وقفے کے بعد ڈان کا فون آ گیا۔ راجن کے زخمی ہونے کی خبر اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ سیلرز بار کے دھندے کو اپنے ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ

کر مجھ سے بات کرنے کے لیے اوپر آ گیا تھا۔
جب میں نے ڈان کو یہ بتایا کہ ہم نے راجن کو زخمی کرنے کے ساتھ اس کے تین آدمی بھی بنکاک کے ساحل پر موت کی نیند سلا دیے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے اس واقعے کی پوری تفصیل سننے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔
اس تفصیل میں سب کچھ سچ تھا۔ میں نے بس زہریلی انگوٹھی اور بیم گن کے استعمال کا ذکر حذف کر کے ان دونوں مسلح محافظوں میں سے ایک کے قتل کا سہرا چاؤ فان کے سر باندھ دیا۔
ایک محافظ کے فرضی قتل کے سوا اس معرکے میں چاؤ فان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اسے میں نے دانستہ سڑک کی طرف ہانک دیا تھا۔ ڈان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ بقیہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے اور راجن کو بھی میری چلائی ہوئی گولی نے چاٹا تھا۔
''علی! مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرا دوالا نکالنے کا ارادہ کر کے بنکاک آئے ہو!'' پوری کہانی سننے کے بعد ڈان نے گمبھیر آواز میں وہ فقرے ادا کر کے مجھے پریشان کر دیا۔
''ڈان......! میں تمہارا برا چاہنے والوں کے خون کا پیاسا ہوں۔ میرے بارے میں تم ایسی منفی بات کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
ڈان اچانک خوفناک آواز میں ہنس پڑا، اس کی ہنسی سے بھی درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارے کام انوکھے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے قدموں میں اپنی تجوری خالی کر دوں۔ تم میری عزت اور ساکھ کے سچے محافظ ہو۔''
''تم نے یہ کہہ کر میرا دل بڑھا دیا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''پرسوں ہی تم مجھے ایک لاکھ بھات کا بڑا انعام دے چکے ہو۔ وہ رقم کافی دنوں تک میرا ساتھ دے گی۔ میری جیب خالی ہوگی تو میں خود تم سے کچھ مانگ لوں گا۔''
''تم عیبوں سے بچے ہوئے ہو اس لیے وہ رقم باقی ہے۔ شراب نہیں پیتے، میرا اندازہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہو گے نہ جوا کھیلتے ہو گے۔ میں نے چاؤ فان کے لیے بھی پچاس ہزار دیے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے وہ رقم جوئے میں ہار دی ہو گی یا عورتوں پر لٹا دی ہو گی۔'' ڈان کا لہجہ کسی حد تک تجسس آمیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ براہِ راست سوال کیے بغیر میری زبان سے چاؤ فان کی ذاتی مصروفیات کا ذکر سننا چاہ رہا تھا۔
''تم جہاں دیدہ آدمی ہو، اپنے آدمیوں کو خوب پہچانتے ہو۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔ ''میرا اور اس کا کام کی حد تک ساتھ رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہر میں کیا کرتا پھرتا ہے، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''
''تم بات کرنے کے فن میں بھی یکتا ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا ''خود اَن جان بن گئے اور میری مردم شناسی کا حوالہ دے کر میرے اندازے کی تائید بھی کر ڈالی۔ چاؤ فان خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔''
مجھے ڈان کی تعریف و توصیف سے کوئی غرض نہیں تھی پھر بھی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں ابتدا سے صرف اس امر کے لیے کوشاں تھا کہ ڈان کو میری اصلیت پر کوئی شبہ نہ ہو، وہ مجھے علی احمد سمجھتا رہے اور میں اسے جو کچھ بتاؤں وہ اس پر اعتبار کر لے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر گزار تھا کہ اس وقت تک میری وہ کوششیں میری توقع سے زیادہ کامیاب تھیں۔
راجن کے زخمی ہو جانے کی ہم دونوں کو خوشی تھی لیکن دلوں میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اس فتنے کا جلد از جلد خاتمہ ہو۔ امید افزا فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہماری وہ گفتگو ختم ہو گئی۔
''آپ کو طارق سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔'' کچھ دیر بعد غزالہ نے پُرخیال انداز میں مشورہ دیا۔ ''اس نے آپ کو راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر یہ سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔''
اس کی بات درست تھی۔ بنکاک میں ڈان اور چاؤ فان کے ساتھ میرے مراسم بہت نازک تھے۔ میں نے حیلوں، بہانوں اور فرضی کہانیوں کے سہارے ان کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ مکر و فریب کے سہارے قائم کیا ہوا وہ رشتہ میری کسی بھی غلطی کے نتیجے میں چشم زدن میں ختم ہو سکتا تھا۔ بے یقینی کی اس فضا میں مجھے ہر لمحے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑ رہا تھا۔
اس ماحول میں پہلے اسد میرا حقیقی ہمدرد اور مددگار تھا۔ اس کے ساتھ بہت تیزی کے ساتھ میری ذہنی ہم آہنگی ہوتی چلی گئی تھی۔ جلال کی یقین دہانی کے باوجود مجھے شبہ تھا کہ اسد کو محض روٹین کے طور پر پاکستان نہیں بلایا گیا بلکہ اسے اس بنا پر بنکاک سے واپس بلایا گیا تھا کہ اس نے میری ہدایات کے زیرِ اثر، سوبھراج کی ہلاکت کی اہم ترین خبر اپنے محکمے کے بڑے افسران سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس

مرحلے پر اسد کی بنکاک سے واپسی اس کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ مجھ تک رسائی کے لیے راجن نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کردی تھی۔ اس کی طرف سے متوقع تعاون نہ ملنے کی صورت میں وہ اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسد کے چلے جانے کے بعد طارق نے اس کی جگہ لی تھی۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھتے ہی اپنی ہوش مندی اور فرض شناسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت سرعت کے ساتھ وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر پہنچائی اور اسی طرح مجھے بروقت راجن کے محوِسفر ہونے کی اطلاع دی۔ بنکاک کی غیر یقینی اور خون آشام فضا میں وہ میرا اکلوتا سہارا تھا۔ اس کی مناسب حوصلہ افزائی کرکے میں اس سے زیادہ بہتر تعاون حاصل کرسکتا تھا۔

میں نے فون پر رابطہ کرکے تشکر کا اظہار کیا تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ تازہ ترین صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھا۔

مجھے راجن کی پوزیشن کی اطلاع دینے کے بعد اس نے میری ہدایت کے مطابق اس کے تعاقب کا سلسلہ موقوف کردیا تھا لیکن مڑ کر گھر کی راہ بھی نہیں لی تھی۔ وہ واپس موتی محل کے علاقے میں جا پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ بندرگاہ کے علاقے میں جو کچھ ہونا ہے وہ بہت سرعت کے ساتھ رونما ہوگا۔ کسی نتیجے کا انتظار کرنے کے لیے اسے اپنی پوری رات برباد نہیں کرنا ہوگی۔

اس نے راجن کو اپنے تین مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ساحلی علاقے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان چاروں کے مقابلے میں وہ مجھے تنہا تصور کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تصادم کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو، اس کی خبر بہت تیزی سے موتی محل پہنچے گی۔

طارق کی وہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ وہ موتی محل کے داخلی پھاٹک کے قرب و جوار میں منڈلا رہا تھا کہ رات بارہ بجے کے قریب ایک ٹیکسی بہت برق رفتاری کے ساتھ سڑک پر نمودار ہوئی اور موتی محل کے بند پھاٹک کے سامنے جا رکی۔ ٹیکسی کی رفتار دیکھتے ہی طارق چوکنا ہوگیا۔ پھاٹک کھلوانے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور نے لگاتار ہارن شروع کردیا تھا۔ پھاٹک کھلنے کی نوبت آنے سے پہلے طارق نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر راجن کی جھلک دیکھ لی۔

میں اسد کے ساتھ موتی محل میں جانے کے موقع پر یہ مشاہدہ کرچکا تھا کہ راجن نے اپنی کمین گاہ کی حفاظت کے لیے مسلح نفری کے ساتھ جدید آلات کا بھی سہارا لیا ہوا تھا۔ پھاٹک پر مامور محافظ خفیہ کیمروں کی مدد سے ہر لمحے باہر کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کلوزڈ سرکٹ کیمروں کی کارکردگی بڑھانے کے لیے رات کے اندھیرے میں بھی پھاٹک کے ستونوں پر ایسی لائٹس روشن رہتی تھیں جن کی تیز روشنی میں پھاٹک پر رکنے والی ہر گاڑی کی تمام تر جزئیات کیمروں کی آنکھوں میں منتقل ہوجاتی تھیں۔

راجن نے موتی محل کے داخلی راستے پر وہ بندوبست دوسروں کے لیے کیا تھا لیکن اس وقت وہ خود ان روشنیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ وہاں اندھیرے کا راج ہوتا تو طارق کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ٹیکسی میں کون وہاں آیا تھا۔

مانیٹرنگ اسکرین پر کیمروں سے آنے والی تصاویر دیکھتے ہوئے موتی محل کا پھاٹک کھول دیا گیا اور وہ ٹیکسی بہت تیزی سے اندر داخل ہوگئی۔

راجن کو ٹیکسی سے افراتفری کے عالم میں واپس ہوتا ہوا دیکھ کر طارق نے بہت کچھ اندازہ لگالیا لیکن وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکا کہ راجن اپنے تین آدمیوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوکر پسپائی پر مجبور ہوا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میری طرف سے حملہ ہوتے ہی راجن اپنے آدمیوں کو گاڑی سمیت چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلا ہوگا۔

اسے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ اس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر میں نے سرعت سے کارروائی کرکے راجن کے تین اہم ساتھیوں کو جہنم واصل کردیا تھا۔

میں نے یہ بات اسے پہلے ہی بتادی تھی کہ اسلام آباد میں اس کے بڑے بھی راجن کی فتنے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اپنی حدودِ کار اور بین الاقوامی ذمے داریوں کے پیشِ نظر کوئی عملی کارروائی کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے تھے۔

میں نے طارق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا اور مجھے اس سے راجن کی واپسی کا احوال بھی معلوم ہوگیا۔ وہ راجن کو لانے والی ٹیکسی کی واپسی تک موتی محل کے باہر منڈلاتا رہا۔ وہ حوصلہ مند اور بے خوف آدمی تھا۔ چند منٹ بعد ٹیکسی راجن کے بوجھ سے آزاد ہوکر باہر نکلی تو طارق نے اشارہ کرکے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور سے راجن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن ڈرائیور اسے دیکھتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ شاید اسے موتی محل میں توقع سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا اس لیے وہ فوری طور پر کوئی نیا مسافر اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

اسد کی طرح طارق بھی ذہین اور محنتی اہل کار تھا۔ اپنے افسروں کی طرف سے ملی ہوئی ہدایات میں مضمر پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی ان یقین دہانیوں پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا کہ وہ اسی طرح اپنا دامن بچا کر میرے ساتھ تعاون کرتا رہے گا تاکہ میں اپنے اہداف حاصل کرسکوں۔

ٹیلی وژن کے مقامی چینلوں پر انگریزی میں خبریں آنے کا وقت گزر چکا تھا۔ دن میں وقفوں سے شروع ہونے والا وہ سلسلہ آدھی رات کو ختم ہوجاتا تھا لیکن غزالہ ٹیلی وژن سے چپکی رہی۔ دو بجے اس نے مقامی زبان کے ایک پروگرام میں جلی ہوئی گاڑی اور لاشوں کی تصاویر دیکھ کر مجھے متوجہ کیا تو میں نے راجن کی تباہ حال گاڑی کا ڈھانچا پہچان لیا۔

گاڑی میں پڑی ہوئی دونوں لاشیں بھیانک شعلوں کی زد میں آکر کوئلہ بن چکی تھیں۔ تیسری لاش صحیح سالم تھی۔

تھائی زبان میں رواں تبصرہ ہم دونوں کے لیے ناقابلِ فہم تھا لیکن اسکرین پر دکھائی جانے والی تازہ تصاویر اور ان کے ویران پس منظر کی بنا پر یہ بات ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر تھی کہ پیٹرول کی آگ کے اوپر کی طرف بھڑکتے ہوئے تیز شعلوں اور دھویں کے بادل نے پہلے امدادی اداروں کو اور پھر خبر رسانوں کو اس واقعے کی طرف متوجہ کردیا تھا۔

خبر پھیل گئی تھی مگر ہمیں یہ علم نہیں ہوسکا کہ اس واقعے کے بارے میں شہر میں کیا آرا پائی جارہی تھیں اور موتی محل والوں نے کیا موقف اختیار کیا تھا۔

میں نے سوچا کہ چاؤ فان سے اس بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کردیا۔ وہ عیش و عشرت کا دل دادہ تھا۔ آسان اور ناجائز کمائی نے اسے کاہل بھی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے حساب کے مطابق ان دنوں میرے ساتھ بہت زیادہ محنت کررہا تھا۔ مجھ سے جان چھوٹتے ہی وہ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب جاتا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے شرافت سے اپنے گھر لوٹ کر ٹیلی وژن وغیرہ پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔

غزالہ نے اندازہ لگالیا کہ وہ مسائل میرے سر پر سوار ہوچکے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کرکے سونے کی تیاری کی اور بستر پر دراز ہوکر مجھے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اگلی صبح غزالہ کو مجھے جھنجوڑ کر جگانا پڑا۔ گہری نیند سے بیدار ہونے پر میری سمجھ میں کچھ نہیں آسکا کہ اس پر کیا افتاد آپڑی تھی۔ اس کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی میرا نیند کا خمار یک لخت کافور ہوگیا اور اس کی بات بھی میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں میرا کراچی والا موبائل فون لیے، میرے سر پر سوار تھی۔

میں نے فون اپنے ہاتھ میں لے کر ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''دس بج رہے ہیں یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟''

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کی طرف گئیں۔ اس کی سوئیاں واقعی دس بجا رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے کہا ''ٹورنٹو میں بیٹھ کر تمھیں یہاں کے وقت کا بالکل صحیح اندازہ ہے!''

''تمہارے حواس ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئے۔ میں بنکاک پہنچ چکی ہوں۔'' ویرا کی آواز میں ہلکا سا طنز عود کر آیا۔ ''ہماری آخری گفتگو کم و بیش اٹھارہ گھنٹے پہلے ہوئی تھی اور میں نے تمھیں بتا دیا تھا کہ میں یہاں آنے کے لیے تیار ہوں۔ ٹکٹ اور سیٹ کا مسئلہ حل ہوتے ہی ہم چل دے۔ اب میں یہاں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو گیارہ میں ہوں۔''

اس کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سلطان شاہ ٹورنٹو سے بنکاک تک سفر کے لیے اتنی جلد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور وہ مغرب کی طرف سے ایک طویل مسافت طے کرکے اتنی تیزی سے بنکاک پہنچ جائیں گے۔

میں نے اس سے فون کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ سفر کا پروگرام طے ہوتے ہی اس نے اول خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا جس کے نتیجے میں بنکاک پہنچنے پر اس کے فون کی رومنگ کھل گئی تھی۔

''یہاں آگئی ہو تو اب الگ تھلگ رہو' میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ جب بھی وقت ملا، میں خود تم سے ملنے کے لیے آجاؤں گا۔''

''تم الجھے ہوئے ہو، دن کے دس بجے تک بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ پچھلی رات تم کسی خون ریز محاذ آرائی میں مصروف رہے ہو!'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تمھیں کسی خوں ریز محاذ آرائی کا خیال کیسے آگیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نئے شہر یا ملک میں پہنچ کر میں وہاں کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے سب سے پہلے مقامی اخبارات دیکھتی

ہوں۔ آج کے اخبار بنکاک کی ویران ساحلی پٹی کے قریب تین آدمیوں کی پُراسرار ہلاکت کی خبروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں!'' اس نے بتایا۔

وہ بنکاک آہی گئی تھی تو اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ بعد میں اسے حقائق کا علم ہوتا تو ہمارے درمیان پائی جانے والی مفاہمت کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے، رات میں وہیں مصروف تھا۔ اس بارے میں فون پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''تم نے ملنے کے لیے وقت نہ نکالا تو میں بار بار فون کرکے تمہیں عاجز کردوں گی۔'' اس نے دھمکی دینے والے مگر شگفتہ انداز میں کہا۔

''مجھے مجبور نہ کرو۔ میں وعدہ کررہا ہوں کہ جلد ملوں گا...... اکبر کہاں ہے؟'' میں نے اسے یقین دہانی کراتے ہوئے اچانک موضوع بدل دیا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ نیویارک میں مجھے اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کررہا تھا۔ اس دوران میں اسے خیال آگیا کہ مرد کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں رہنا چاہیے، ان دونوں کے درمیان شیطان بہت آسانی سے غالب آجاتا ہے۔ اسی دن سے وہ الگ کمرے میں رہتا ہے۔ کہو تو اسے برابر والے کمرے سے بلادوں۔''

''بلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوش مند آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے شیطان کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کے کام تم خوش اسلوبی سے پورے کرلیتی ہو۔''

''میں نے اس کی تبلیغ سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کی ہوئی ہے۔ دیکھتی ہوں کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ مجھے افسوس ہوا کہ وہ اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوسکی تھی۔

ویرا کو احساس تھا کہ اس نے مجھے گہری نیند سے جگایا تھا۔ اس نے اپنی عادت کے برعکس گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی، مجھ سے غزالہ کی خیریت معلوم کرکے فون بند کردیا۔

ویرا کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر میرا سارا خمار کافور ہوچکا تھا۔ اس کی زبان سے بنکاک کے مقامی اخبارات کا ذکر سن کر میرا تجسس بیدار ہوگیا۔ فون سے فارغ ہوتے ہی میں نے تپائی کی طرف چھلانگ لگائی اور اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک میں بھی جرائم کی روزانہ شرح بہت بلند ہے لیکن ان جرائم میں قتل وخوں ریزی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔ ساحلی علاقے سے دو جلی ہوئی لاشوں کے ساتھ ملنے والی تیسری لاش کی کہانی اخبار کی شہ سرخی میں موجود تھی۔

راجن کی جلی ہوئی گاڑی کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ جائے واردات پر دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا جو اس پراسرار حادثے پر روشنی ڈالتا اس لیے امدادی عملے نے آگ پر قابو پانے بلکہ اس کے سرد ہوجانے کے بعد کار کے تپتے ہوئے ڈھانچے کو پانی کی تیز دھاروں سے ٹھنڈا کیا اور وہاں پہنچنے والی پولیس پارٹی نے وہیں سے کار کا رجسٹریشن نمبر وغیرہ اپنے ہیڈ آفس کو دے کر لاسکی رابطے پر یہ معلوم کرلیا کہ جلنے والی گاڑی راجن کی ملکیت تھی۔

وہ سرا ہاتھ آنے کے بعد پولیس والوں کا کام آسان ہوگیا۔ موتی محل سے فون پر رابطہ کیا گیا تو راجن دستیاب نہیں تھا۔ زخمی حالت میں وہ سامنے آنے کی حماقت کرتا تو شاید اس کے زرخرید افسر اسے پولیس کی باز پرس سے بچا لیتے لیکن میڈیا کے بے رحم نمائندوں کے لیے راجن کا زخم ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا۔ راجن نے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموشی اور روپوشی اختیار کرلی۔

راجن نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد موتی محل میں واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے مقامی تھانے میں یہ رپورٹ درج کرادی کہ اس کے تین آدمی اس کی گاڑی لے کر سرِ شام خریداری کے لیے نکلے تھے اور اس وقت تک وہ واپس لوٹے نہ ان کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔

پولیس کی طرف سے جلی ہوئی کار اور تین لاشوں کی دریافت کی خبر ملنے پر راجن کے دو آدمی تیزی سے جائے واردات پر پہنچے اور انہوں نے سب کچھ پہچان کر وہاں موجود عملے کو بتایا کہ وہ وہی گاڑی تھی جسے لے کر تین افراد شام سے غائب تھے۔ دو لاشوں کی شناخت نہیں ہوسکی مگر انہوں نے تیسرے کو اپنے ساتھی کی حیثیت سے پہچان لیا۔ ایک لاش کی شناخت کے بعد غالب امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ کوئلہ بنی ہوئی لاشیں اس کے ساتھیوں کی ہوں گی۔

راجن نے اپنی چالاکی سے اپنے آدمیوں کو ہر قسم کی جواب دہی سے بچالیا۔ گاڑی سمیت تین آدمیوں کی گمشدگی

کی رپورٹ ان کی تلاش میں ناکامی کے بعد کافی تاخیر سے درج کرائی گئی تھی۔ مگر بہرحال ریکارڈ پر موجود تھی۔
اس واقعے کی تفتیش اور سفاک مجرموں کی نشان دہی کی ساری ذمے داری پولیس والوں کے سر پر آگئی۔ ان کا ابتدائی اندازہ تھا کہ وہ واردات کسی پرانی دشمنی کا نتیجہ تھی اور ان تینوں کو اس ویرانے میں گھیر کر مارا گیا تھا۔ اس نظریے کی روشنی میں کار کے نذرِ آتش ہونے کو اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا گیا۔
ایک سینئر پولیس افسر کا خیال تھا کہ دونوں لاشوں کو کار میں ڈال کر دانستہ آگ لگائی گئی تھی تاکہ ان اموات کو عبرت ناک بنایا جاسکے۔ اس حرکت کے ذریعے نامعلوم دشمنوں نے موتی محل والوں کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی تھی۔
میرے اندازے کے عین مطابق راجن نے اس واقعے سے مکمل لاتعلقی اختیار کرلی تھی جیسے وہ سرے سے وہاں موجود نہ رہا ہو۔ اسی طرح خبروں میں کہیں بھی میرے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ راجن نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے ان دونوں نکات پر مکارانہ رویہ اپنایا تھا۔
ڈینی کی حیثیت سے میرا ذکر نہ ہونے سے مجھے یہ فائدہ نظر آرہا تھا کہ اس بارے میں ڈان کے ذہن میں کوئی خلش جنم نہیں لے سکے گی۔ وہ مطمئن رہے گا کہ آخر کار سارا کریڈٹ اسی کو ملے گا اور وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔
میں پوری تن دہی کے ساتھ بنکاک میں درپیش حالات کا مقابلہ کررہا تھا لیکن جلال سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد میرے ذہن میں اپنے مستقبل کے حوالے سے جو بھیانک سوال پیدا ہوا تھا وہ مجھے مسلسل پریشان کررہا تھا۔
منشیات فروشوں اور ملک دشمنوں کے خلاف اپنی جاں گسل مہم جوئی کے دوران میں یہ سوال بارہا میرے سامنے آتا رہا کہ حکومتوں اور ان کے قائم کیے ہوئے اداروں کے خلاف صف آرا ہوکر ایک فرد کب تک خود کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے مگر میں نے اس سوال کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ میری نظروں میں ملک اور قوم کا مفاد ایسے ہر سوال سے ماورا تھا۔
ماضی میں میری اس بے پروائی کا سبب شاید یہ تھا کہ میں را، سی آئی اے اور ایف بی آئی کے خلاف لڑ رہا تھا۔ جہاں مجھے ایس ٹی ایف اور دوسرے ملکی اداروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ آڑے وقت میں وطن کے وہ بے خوف سپاہی خاموشی سے میری بھرپور مدد کرتے رہتے تھے مگر جلال کے پُر امید ہونے کے باوجود مجھے محسوس ہورہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ تمام معاملات میرے ہمدردوں کی گرفت سے نکلتے جارہے تھے۔
میرے دوستوں کی گرفت کمزور ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے یا وہ میری سرگرمیوں سے بددل ہوتے جارہے تھے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ عالمی حالات اور واقعات کے نتیجے میں امریکا کو بہ تدریج اس قدر اثر ونفوذ حاصل ہوچکا تھا کہ وہ اپنی ہر جائز اور ناجائز بات منوانے کے لیے افراد تو کیا، حکومتوں تک کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔
سی آئی اے اور ایف بی آئی امریکا کے قومی ادارے تھے۔ وہ پاکستان کے دشمنوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے اور ہر آن ان کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے، انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے ساتھیوں کی سازشوں کا کوئی انفرادی یا اجتماعی مقابلہ کیا جائے۔
انہوں نے زبردست مارے اور رونے نہ دے والی پوزیشن اختیار کرلی تھی۔ اپنی دھاندلیوں اور جرائم کی بیخ کنی کو سنگین جرم قرار دینے پر تل گئے تھے۔ حالات کے اس زبردست دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے دوست ہم چاروں کو پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ دینے پر مجبور ہوگئے۔
پاکستان چھوڑتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ عارضی مشکلات تھیں جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ دور ہوجانا تھا مگر میرے تازہ رابطے یہ ظاہر کررہے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں بہتری آنے کے بجائے سنگینی پیدا ہورہی تھی۔
امریکی میرے گناہوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ویرا انکی نظروں میں اس لیے معتوب تھی کہ اس نے وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے کے بجائے ڈٹ کر میرا ساتھ دیا تھا۔ ہماری خاموشی یا پاکستان سے غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے گرد اپنا گھیرا تنگ اور مضبوط کررہے تھے۔
امید کی کرنیں روز بہ روز موہوم اور پھر معدوم ہوتی نظر آرہی تھیں۔ اس شکنجے میں پھنس جانے کے بعد میرا مستقبل کیا ہوتا، اس کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا تھا۔
ویرا کو حالات کے اس بگاڑ کا پورا ادراک نہیں تھا۔ وہ اپنی دھن میں سلطان شاہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ غزالہ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی۔ میں اس

بارے میں دل کھول کر اس سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔
حالات کے تناظر میں ابھرنے والی ڈراؤنی صورتِ احوال سے خوف زدہ ہو کر وہ اپنا وہی پرانا مشورہ دہراتی جو پہلے بھی کئی بار دے چکی تھی اور میں نے ہر بار اسے مذاق میں اڑا دیا تھا۔

''آپ اخبار پڑھ رہے ہیں یا سوچوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں؟'' غزالہ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس کا سوال بجا تھا۔ میں کافی دیر سے اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے کھولے بیٹھا تھا مگر میرا ذہن اور میری نگاہیں اپنے مستقبل کے ویرانوں میں بھٹک رہی تھیں۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا اور بولا ''میرے خیالات کی رو موتی محل کی طرف بھٹک گئی تھی۔ اس وقت وہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔''

''انہیں سوگ کے بجائے جشن منانا چاہیے کہ راجن آپ کی چلائی ہوئی گولی سے بچ کر زندہ واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد یہ دوسرا بڑا دھچکا ہے۔ تین آدمیوں کا زیاں معمولی نہیں ہوتا۔ اخباروں میں کچھ بھی آتا رہے، موتی محل میں کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ راجن ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ مارے گئے، راجن زخمی ہو کر لوٹا۔''

''اس واقعے میں راجن کے دوسرے ساتھیوں کو اپنا انجام نظر آرہا ہوگا۔''

''موت سے زیادہ موت کی دہشت خوف ناک ہوتی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کتنے آدمی راجن کا ساتھ چھوڑتے ہیں!''

وہ دن دھیرے دھیرے گزرتا رہا میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ میں بہت الجھا ہوا اور مصروف تھا اس لیے فوری طور پر اس سے نہیں مل سکوں گا۔ میں نے اس دوران میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ میرے سامنے کوئی فوری مصروفیت نہیں تھی۔ وقت گزارنے کے لیے ویرا اور سلطان شاہ سے ملاقات کی جا سکتی تھی۔

غزالہ کو میرے ارادے کا علم ہوا تو وہ بھی میرے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی۔ اسے ویرا سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ چند دنوں کی بھرپور رفاقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے یا ویرا بے رحمانہ انداز میں سلطان شاہ کے جذبات سے کھیل کر اسے مذہبی مباحث میں الجھا رہی ہے۔

میری خواہش تھی کہ غزالہ اس ملاقات میں شریک نہ ہو ہم چاروں کا یک جا ہونا حفاظتی نکتۂ نظر سے مناسب نہیں تھا۔

ہمارے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ میرے مقامی موبائل فون پر ڈان کی کال آگئی۔

''تم نے چھوٹا راجن کی جڑیں ہلا دی ہیں۔'' ڈان نے میری آواز سنتے ہی بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کردی۔ ''مقامیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، موتی محل میں گنے چنے آدمی رہ گئے ہیں جن میں اکثریت چھوٹا راجن کے بھارتی محافظوں کی ہے۔''

''یہ سب تمہارے دعاؤں کا کرشمہ ہے۔'' میں نے ڈان کی ذہنیت کے پیشِ نظر وہ کریڈٹ اسی کے سر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم نے میرے سر پر اپنا دستِ شفقت نہ رکھا ہوتا تو میں کسی ہوم ورک کے بغیر اس سے ٹکرا کر فنا ہو چکا ہوتا۔''

''اب معاملہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔'' ڈان نے اپنی تعریف سننے کے بعد قدرے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ ''آج شام کی دو الگ الگ پروازوں سے ممبئی کی زیرِ زمین دنیا کے دو بڑے نام یہاں پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک دہلی کا نخشب ہے، دوسرا ابو سالم ہے جو دبئی سے یہاں آیا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہو سکتا۔''

وہ دونوں نام میرے لیے نئے نہیں تھے۔ دہلی میں را کے ریکارڈ سے گرین کو برا نامی اہم ترین فائل اڑانے کے مشن کے دوران میں، میں نخشب سے صرف فون پر بات کر کے اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا چکا تھا۔ دہلی میں اس کی دھاک اس ڈان کی وجہ سے تھی جس کی وہ نمایندگی کرتا تھا اور شاید وہ اپنے اسی ڈان کے ایما پر دہلی سے بنکاک پہنچا تھا۔ ابو سالم خود ایک اہم آدمی تھا جس نے بھارت کے سارے خفیہ اداروں کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا تھا۔ وہ خود دبئی میں رہتا تھا لیکن ممبئی میں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

اگر وہ دونوں نامی گرامی بدمعاش واقعی بنکاک پہنچ گئے تھے تو دال میں ضرور کچھ کالا تھا۔

''وہ کہاں ٹھہرے ہیں؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت ڈان سے سوال کیا۔

''وہ دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں مقیم ہیں۔ نخشب سیام انٹر کانٹی نینٹل میں ہے، ابو سالم کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔'' ڈان نے بتایا۔

سیام انٹر کانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ ویرا اور سلطان شاہ اسی ہوٹل میں مقیم تھے اور میں غزالہ کے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے وہاں جانے کا پروگرام بنارہا تھا۔ ''تم ان دونوں کی آمد سے کیا خطرہ محسوس کررہے ہو؟'' میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے، پرسکون انداز میں ڈان سے اگلا سوال کیا۔

''کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہورہی کہ کل رات تم نے چھوٹا راجن کو زخمی کیا اور آج نامور بھارتی... بدمعاش یہاں پہنچنا شروع ہوگئے؟'' ڈان نے الٹا مجھ ہی سے سوال کرڈالا۔

''اگر وہ ایر پورٹ سے موتی محل گئے ہوتے تو میں ضرور فکرمند ہوجاتا۔ ہمیں ان کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں البتہ ان کی سرگرمیوں کی نگرانی ضروری ہے۔'' میں نے پوری ایمان داری سے اپنی رائے ڈان کے گوش گزار کردی۔

''نگرانی ہورہی ہے، دونوں ہوٹلوں کے ٹیلی فون آپریٹر خرید لیے گئے ہیں لیکن ان سے مدد ملنے کی امید کم ہے۔ یہ لوگ اہم گفتگو کے لیے ہوٹل کی فون لائن ہرگز استعمال نہیں کریں گے۔ موبائل فون کی نابکار ایجاد نے ایسے لوگوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کردی ہیں۔''

میں نے ڈان کے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے درمیان اسی نابکار ایجاد کے ذریعے گفتگو ہورہی تھی۔

''میں بھی انہیں دیکھتا ہوں۔'' میں نے ویرا سے اپنی ملاقات کے امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ دونوں راجن کی دعوت پر یہاں آئے ہیں تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ صبح ہونے سے پہلے بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔''

ڈان برنارڈ دلیر اور بے خوف آدمی تھا مگر نخشب اور... ابوسالم کی اچانک آمد نے اسے پریشان کردیا تھا۔

اس کے گرد ایسے لوگ جمع تھے جو اس کے مال پر موج اڑا رہے تھے یا اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ ان میں کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ڈان کی رائے سے اختلاف کرکے اسے دلاسا دے سکے۔

میں کچھ دیر ڈان سے اس کے خدشات کے جھول کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ جب ہماری بات چیت کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈان کی تشویش بڑی حد تک رفع ہوچکی تھی۔

میں نے اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے ڈان کی پریشانی عارضی طور پر دور کردی تھی مگر مجھے اس خبر سے خلجان سا ہورہا تھا کہ نخشب نے اپنے قیام کے لیے ویرا والے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ نخشب کے وہاں آجانے کے بعد غزالہ کو میں اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے غزالہ کو اس نئی مجبوری سے آگاہ کیا تو وہ برا سا منہ بنا کررہ گئی۔ اس نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

میں چاہتا تو فون کرکے ان دونوں کو سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل سے ملحق سیام اسکوائر کے سبزہ زار میں ملاقات کے لیے بلا سکتا تھا لیکن شہر کے کسی کھلے مقام پر ہمارا اس طرح یک جا ہونا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں ملاقات کرکے انہیں شہر کے حساس حالات سے آگاہ کردیا جائے۔

مجھے خوشی تھی کہ ڈان کا فون بروقت آگیا اور مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ نخشب کے قیام کی وجہ سے ڈان کے آدمی سیام انٹر نیشنل ہوٹل کی نگرانی کررہے تھے۔

میرے لیے ڈان یا چاؤ فان کے آدمیوں کے چہرے یاد رکھنا مشکل تھا۔ مجھے بیشتر مقامی باشندے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ میں نے پے در پے کئی معرکوں میں متعدد آدمیوں کے ساتھ کام کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ حاصل کردہ نتائج کی اہمیت کی وجہ سے میرے خدوخال ان سب کے ذہنوں پر نقش ہوکر رہ گئے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے دوبارہ دیکھتا تو مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میں بے خبری کے عالم میں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر جوں ہی اس ہوٹل میں قدم رکھتا، یہ سنسنی خیز خبر ڈان تک پہنچ جاتی اور اس کے ذہن میں میری طرف سے ہزار بدگمانیاں پیدا ہوجاتیں جنہیں دور کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجاتا۔

وہاں کی صورتِ احوال جان لینے کے بعد میں بےفکری سے اکیلا سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں جاسکتا تھا۔ ایک مرتبہ ہوٹل میں گھسنے کے بعد میں کہاں جاتا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ میں ڈان کو یہ کہہ کر پوری طرح مطمئن کرسکتا تھا کہ میں نخشب کے عزائم کا اندازہ لگانے کے لیے ادھر گیا لیکن اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بات وہیں ختم ہوجاتی۔

غزالہ کو پُرجوش انداز میں الوداع کہہ کر میں بلاتاخیر ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ وہ دونوں میری مرضی کے خلاف بنکاک آگئے تھے تو میں انہیں نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

بنکاک میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مجھے اپنے ہوٹل

کے قرب و جوار کے راستوں کی خاصی شد بد ہوگئی تھی۔ سیام اسکوائر کا خوب صورت پارک میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہلٹن ہوٹل سے اس کی پیدل مسافت زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس پارک کے ایک سرے پر سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل واقع تھا۔

میں نے اپنے ہوٹل سے باہر نکل کر سگریٹ سلگائی اور پیدل اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

چند منٹوں کی مست خرامی کے بعد میں ویرا کے ہوٹل کے سامنے تھا۔ وہاں لوگوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ وہ شہر کا بارونق تفریحی علاقہ تھا۔ مجھے کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی نہ کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا جس پر ڈان کا آدمی ہونے کا گمان ہوتا۔

میں ہوٹل میں داخل ہوا تو وہاں بھانت بھانت کے مختصر کپڑوں میں ملبوس سفید فام خواتین اور لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد ہنسنے بولنے میں مصروف تھی کہ وہاں کسی فیشن پریڈ کے انعقاد کا گمان ہورہا تھا۔

وہ جاؤ فان کی دلچسپی کے رنگین مناظر تھے۔ میرے لیے ان دعوت انگیز نظاروں میں کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ لباس کے فاقے میں مبتلا جسموں کو ہر رنگ اور نسل کے مرد بہت رغبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ میں بے پروا خواتین اور ندیدے مردوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا سیدھا ٹیلی فون کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

بغیر ڈائل والے ایک فون کا ریسیور اٹھا کر میں نے آپریٹر کو ویرا کے کمرے کا نمبر بتایا اور اسی لمحے مجھے لائن مل گئی۔ ویرا کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اپنی مصروفیات اور الجھنوں کے باوجود ان دونوں سے ملنے کے لیے ہوٹل کی لابی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ میرے استقبال کے لیے نیچے آنے پر آمادہ تھی مگر میں نے اسے روک دیا اور فون بند کر کے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

چھٹی منزل کی راہ داری میں بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے میری نگاہیں.... بے چینی سے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے بند دروازوں کا طواف کررہی تھیں ہوٹل کی مختلف رہائشی منزلوں میں سے کسی ایک کے کمرے میں نخشب بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ بند دروازوں پر نگاہ ڈال کر اس کے کمرے کا سراغ لگانا... ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میں اپنی اس غیر ارادی حرکت پر قابو نہیں رکھ سکا۔

میں نے کمرا نمبر چھ سو گیارہ کے بند دروازے پر رک کر دستک دینے کے ارادے سے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور ویرا کا مسرت سے تمتمایا ہوا خوب صورت چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آگیا۔

اس نے بے تکلفی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر کھینچتے ہوئے کہا ”میرا وجدان کام کررہا ہے۔ مجھے علم ہوگیا تھا کہ تم دروازے پر آگئے ہو۔“

”اب یہ نہ کہہ دینا کہ تم کو اسی طرح ہر واقعے کا پہلے سے علم ہوجاتا ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ”ہر شخص کے بدن سے ایک مخصوص بو پھوٹتی ہے جسے لوگ عام طور پر محسوس نہیں کرتے۔ یہ تمہاری ناک کا کمال ہے کہ اس نے میرے وجود کی مہک پہچان لی۔“

”اپنی یہ منطق اپنے پاس رکھو، میں نے آج تک تمہیں سونگھنے کی کوشش نہیں کی۔“ اس نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

اچانک اندر سے سلطان شاہ اچھل کر نمودار ہوا اور ویرا کو ایک طرف دھکیل کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

”اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم پھر یک جا ہورہے ہیں۔“ وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔“

”بے چارہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم تصور کرنے لگا تھا۔“ ویرا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں فقرہ لگایا۔ ”اب اسے اپنی آغوشِ پدری سے الگ نہ ہونے دینا۔“

”مجھے چھوڑ دو اور اپنا حال بتاؤ۔ تم اتنی حسرت سے ان دونوں کا ذکر کیا کرتی تھیں جیسے تمہیں ان سے ہمیشہ کے لیے الگ کر کے عالمِ بالا میں بھیج دیا گیا ہو۔“ سلطان شاہ تنک کر بولا اور آہستگی سے مجھ سے الگ ہوگیا۔

”میں حیران ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے نامحرم ہوتے ہوئے بھی اس ایک کمرے میں مقیم ہو!“ میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جب سے یہ جعلی ملا بنا ہے، ایسی ہی نت نئی باتیں نکالتا رہتا ہے۔ اس کی منطق کی وجہ سے ہم مسلسل دو کمروں کا کرایہ ادا کرتے آرہے ہیں۔“ ویرا چیخ کر بولی۔ ”میں نے تمہاری آمد کی وجہ سے اسے اس کے کمرے سے بلایا ہے......“

”میں تم دونوں کا مذاکرہ سننے کے لیے نہیں آیا۔“ میں نے ویرا کی قطع کلامی کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے دیکھتے ہی تم دونوں یوں پھیلنا شروع کردو گے۔ میرا خیال تھا کہ ساتھ رہ کر تم ایک دوسرے کو

برداشت کرنے کے عادی ہوگئے ہوگے۔ لیکن تمہارے حالات مایوس کن نظر آرہے ہیں۔ یہاں تم دونوں محتاط اور سنجیدہ نہ رہے تو مشکلات سے دوچار ہوجاؤ گے۔''

''تم آرام سے بیٹھو......!'' ویرا نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔ ''تمہیں سامنے پاکر اتنے دنوں سے دبی ہوئی چنگاریاں اچانک بھڑک اٹھیں اور دل کا کچھ غبار نکل گیا ورنہ اب تک ہم دونوں پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت گزارہ کرتے رہے ہیں۔ تم کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہاں کے حالات نازک موڑ پر آگئے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔ ''تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں۔ وہ تینوں میرا نشانہ بنے تھے۔ ان کے گرو گھنٹال کا نام راجن ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ رات کو بچ کر نکل گیا۔ اس سے میری زبردست ٹھنی ہوئی ہے......''

''لیکن اخبارات میں راجن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''کیا وہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟ میں نے کراچی میں اس کا ذکر سنا تھا۔''

''تم بھول رہی ہو۔ موتی محل کے مالک کا ذکر آیا ہے۔ راجن موتی محل کا مالک ہے اور مرنے والے تینوں آدمی اس کے ملازم تھے، گاڑی بھی اسی کی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ممبئی کا ایک مشہور بدمعاش ہے۔ وہاں اپنی دھاک بٹھانے کے بعد اس نے یہاں اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ وہ سوبھراج کی طرح ''را'' اور ''سی آئی اے'' کے لیے کام کررہا ہے۔''

''اب سب کچھ یاد آگیا۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا ''بنکاک میں وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط حمایتی اور مددگار سمجھا جارہا تھا۔''

''یہ اسی کا ذکر ہے۔ سوبھراج کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اب میں اس پر کام کررہا ہوں۔''

''تم نے سوبھراج کو ٹھکانے لگا دیا۔ راجن سے لڑ رہے ہو اور مجھے ان باتوں کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ الگ ہوتے ہی تم ہمیں اس بری طرح نظرانداز کرو گے۔'' ویرا نے یکایک شکایات کا پٹارا کھول لیا۔

''تم اپنے پیر کی موچ اور دوسرے مسائل میں الجھی ہوئی تھیں۔'' میں نے سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چٹکی لی۔ ''وقت میں آدھے دن کا فرق تھا۔ ہم بیدار ہوتے تھے اور تمہارا سونے کا وقت شروع ہوجاتا تھا۔ تمہارے فون کے مسائل تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تم نیویارک میں رہ کر یہاں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھیں۔''

''سب کچھ درست ہے لیکن تمہاری کامیابی کی خبروں سے ہمیں خوشی ہوتی۔ تمہارے لیے ہم بہت فکرمند رہتے تھے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''اب یہ باتیں بے سود ہیں۔ وہ وقت کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تم نے سوبھراج جیسے موذی کو کیسے زیر کیا۔ جلال سے کئی مرتبہ رابطہ ہوا لیکن اس نے بھی سوبھراج کے بارے میں مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔'' ویرا نے کہا۔

''تم دونوں یہاں آگئے ہو تو تمہارا ہر نشیب و فراز سے واقف ہونا ضروری ہے۔'' میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے بغیر تمہارا محفوظ رہنا دشوار ہوگا، کسی وقت تم میرے لیے بھی مشکلات پیدا کردو گے۔''

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات کا خلاصہ سنانا شروع کردیا۔

کم و بیش دو ہفتوں تک الگ رہ کر ویرا کے مزاج میں اتنا ٹھہراؤ آگیا تھا کہ اس نے درمیان میں ایک بار بھی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اسد کی معرفت ڈان برنارڈ سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر نخشب اور ... ابوسالم کی آمد کی تازہ ترین اطلاع تک، سب کچھ انہیں بتا دیا۔

''تم نے آتے ہی یہاں ہلچل مچا دی ہے۔'' میری روداد سن کر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں ان بھارتیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ را کے افسر ہوں یا ممبئی کے بدمعاش، ان کا رویہ ایک ہوتا ہے۔ بنکاک اس خطے کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ راجن کے ذریعے انہوں نے یہاں قبضہ کیا ہوا ہے۔ تم ان کے لیے خطرہ بن گئے ہو تو اب وہ سب سر جوڑ کر تمہارے خلاف محاذ بنالیں گے۔ ابھی دو بھارتی بدمعاش آئے ہیں، اگر تمہارے خلاف کچھ ہورہا ہے تو تم میری بات لکھ لو کہ صبح شام میں اور بھی آئیں گے تاکہ راجن کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوئی حکمتِ عملی وضع کرسکیں۔''

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ اس سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے پُرخیال انداز میں

زبان کھولی۔ ''ابھی صرف نخشب یہاں ٹھہرا ہے یہ یہاں کا مقبول ترین ہوٹل ہے ہوسکتا ہے کہ دوسرے بھارتی بھی یہیں قیام کرنا پسند کریں۔ ایسا ہوا تو یہ ہوٹل را اور سی آئی اے والوں کا گڑھ بھی بن جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم ہوٹل تبدیل کرلو۔ اس نازک مرحلے پر تم کسی کی نظروں میں آگئیں تو ہم سب پریشانیوں سے دوچار ہوجائیں گے۔''

''اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہو تو میں رہائش کے لیے بہترین ٹھکانوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ ابھی تم مجھے کمرے میں دیکھ رہے ہو، باہر دیکھو گے تو شاید پہلی نظر میں مجھے پہچان ہی نہیں سکو۔ اپنے تحفظ کے بارے میں، میں خود ضرورت سے زیادہ محتاط ہوگئی ہوں، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہاں ٹھہرنے والے نخشب کا جغرافیہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔''

''وہ تمہارا محسن اور بھارت کے سب سے بڑے ڈان کا نمائندہ ہے۔ دہلی میں جب ایک رنگین مزاج پولیس افسر تمہاری عزت کے درپے تھا تو میں نے نخشب سے رابطہ کیا تھا۔ اس کے ایک فون پر اس افسر کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ تمہیں اسی وقت رہا کرنے پر مجبور ہوگیا۔'' میں نے بتایا۔

''یاد آگیا!'' وہ ہنستے ہوئے بولی ''بعد میں وہ افسر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب ابوسالم کے بارے میں تمہاری باتوں کا تضاد وضاحت طلب ہے۔ بھارتی ایجنسیاں اس کی دشمن ہیں جب کہ راجن را کا آدمی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ابوسالم را کے ایک ایجنٹ کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔''

''راجن بہ ظاہر بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ را سے اس کا تعلق اندر کی کہانی ہے۔ ابوسالم اس کہانی سے بے خبر ہوگا۔ وہ اپنی دانست میں یہاں اپنی برادری کے ایک اہم فرد کی مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ ''میرا تجربہ ہے کہ پولیس اور ایجنسیوں کے مقابلے میں بڑے مجرم زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اگر ابوسالم بے خبری میں راجن کے عزائم کا آلۂ کار بن رہا ہے تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''بہ ظاہر یہی نظر آرہا ہے۔ اصل صورتِ حال جلد ہی واضح ہوجائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابوسالم تفریحی دوروں پر اتفاقاً ایک ہی وقت میں بنکاک آگئے ہوں اور راجن کے چکروں سے ان دونوں کا کوئی تعلق نہ ہو۔''

''پھر تم ان کے بارے میں فکرمند کیوں ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ تشویش ڈان کی ہے۔ ہم اسے نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ہمیں ہر صورت میں محتاط رہنا ہوگا۔''

''ایسے لوگ اجنبی ٹھکانوں پر زیادہ دیر تک نہیں ٹکتے۔'' وہ بولی ''انہیں اپنے خوشامدیوں کے نرغے میں رہ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ دوسری جگہوں پر عنقا ہوتی ہے۔ ایک دو دنوں میں سب کچھ واضح ہوکر سامنے آجائے گا۔''

''اس مہم میں سوبھراج کے انجام کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے پھریریاں آرہی ہیں۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے لب کشائی کی۔ ''وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ اس کی عبرت ناک موت ایسی ہی بے نام ونشان ہوگی ہے۔''

''انسان زندگی بھر اپنی ساری تدبیریں کرتا رہتا ہے مگر قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''میں نے دیکھا ہے کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔''

''میں یہی تو کہتا ہوں کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم لامذہب اور بے دین بنی ہوئی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس موقع سے بلاتوقف فائدہ اٹھالیا۔

''کون کہتا ہے میں بے دین ہوں۔ میں نے اپنی کیتھولک ماں کی گود میں آنکھ کھولی اور میں آج بھی کیتھولک چرچ کا احترام کرتی ہوں۔'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

''احترام سے کچھ نہیں بنتا۔ تمہارا عمل ہر مذہب سے بہت دور ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم نے دیکھ لیا!'' ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''آج کل اس پر کثرت سے ایسے دورے پڑنے لگے ہیں۔''

''میں تم دونوں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ تم سے بے خبری میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ان کی بحث میں فریق بننے سے انکار کردیا۔

''تم ادھر آئے تھے تو غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے آئے...... اس کا کیا حال ہے؟'' ویرا کو اچانک غزالہ کا خیال آگیا۔

''وہ مزے میں ہے۔ میرے ساتھ آرہی تھی لیکن اسی وقت تخشب کی یہاں موجودگی کی خبر ملی اور میں نے اسے اپنے ساتھ لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔'' میں نے اسے بتایا۔

میری وہاں آمد کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد اٹھنا چاہا لیکن ان دونوں نے مجھے زبردستی روک لیا۔ وہ کوئی تواضع کیے بغیر مجھے رخصت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ میں نے وقت بچانے کے لیے کافی پینے کی خواہش ظاہر کی۔ کافی آئی اور پی لی گئی۔ اس دوران میں ہم تینوں گزرے ہوئے اہم واقعات اور تازہ ترین حالات پر مختلف پہلوؤں سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ جب میں آخر کار ان کے کمرے سے رخصت ہوا تو کئی نئی باتیں میرے ذہن میں سما چکی تھیں۔

ویرا نے مجھ سے کراچی کے حالات کے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا کہ ہمارے نکل آنے کے بعد وہاں کی صورتِ حال مزید پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مستقبل قریب میں ہماری واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

حالات کی وہ تصویر ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مایوس کن تھی۔ مجھے ان کے چہروں پر فکر و تشویش کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہم سب کے اختیار سے باہر تھا۔ ہماری کوئی تجویز یا تدبیر حالات میں کوئی سدھار پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

ان دونوں کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس پریشان کن صورتِ حال کے بارے میں ان کے اپنے اپنے تحفظات تھے جن کے بارے میں وہ اس وقت مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

سیام انٹر کانٹی نینٹل سے اپنے ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے میں ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ میں اپنی مرضی سے بارہا لمبے عرصے کے لیے پاکستان سے باہر رہا تھا اور مجھے کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ میری واپسی کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہوتا تھا۔ اس بار جلال اور اول خان کے مشترکہ مشوروں پر مجھے بنکاک آئے ہوئے چند ہی ہفتے ہوئے تھے اور فکر و تشویش نے میرے ذہن میں ڈیرے ڈالنے شروع کر دیے تھے۔

سبب صرف ایک تھا کہ میں اپنی مرضی سے واپسی کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہماری ٹولی میں سب سے زیادہ نازک معاملہ ویرا کا تھا۔ اس نے پاکستان کی خاطر اپنی تمام کشتیاں جلا دیں، اپنے وطن پر لعنت بھیجی اور اپنے ہم وطنوں کی بدترین دشمنی مول لی۔ یہ سب اس نے صرف اس امید پر کیا کہ اسے پاکستان میں مکمل آزادی کے ساتھ رہنے اور بسنے کا یقین تھا۔ اگر اس کے وہ سپنے کسی مرحلے پر سراب ثابت ہوتے تو اس کا مستقبل کیا ہوتا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے میں اپنی ذات سے شرمسار ہو رہا تھا۔

مجھے ویرا کی کہی ہوئی باتوں کا خیال آیا۔ شاید اس کی چھٹی حس کام کر رہی تھی اور وقت اس کی زبان سے زندگی کی تلخ حقیقتیں کہلوا رہا تھا۔

سوبھراج کے عبرت ناک انجام پر اس نے کہا تھا کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ شاید وہ ہم سب کے ماضی کے گناہوں کا خمیازہ تھا جو وسوسوں کی صورت میں ہمیں اپنے سامنے نظر آرہا تھا۔ ہم نے حب الوطنی کے لازوال جذبے سے سرشار ہو کر بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیے، غداروں اور سازشیوں کا ان کی قبروں تک پیچھا کیا لیکن اس سے پہلے ہمارے دامن داغ داغ تھے۔ وہ بات میرے ذہن میں آئی تھی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کسی آڑے وقت میں ویرا کو اس کا بتایا ہوا وہ کلیہ یاد دلانے کی کوشش کرتا۔ ویرا نے اس بات کے تسلسل میں خود انسانی فطرت کی ایک اور بڑی کمزوری بیان کر دی تھی کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال میں ویرا کو ہرگز یہ یاد نہیں آسکتا تھا کہ لڑکپن سے جوانی تک وہ شی کی بلیک کوئن بن کر کیا کچھ کرتی رہی تھی۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔ مجھے لاشعوری طور پر ڈان کی کال کا انتظار تھا اگر سیام انٹر کانٹی نینٹل کی نگرانی پر مامور، اس کے کسی آدمی نے مجھے پہچان کر ڈان کو میری وہاں موجودگی کی خبر دی ہوتی تو ڈان مجھ سے یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ میرے اس دورے کے نتائج کیا رہے۔

رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی چلی گئی لیکن ڈان کا فون نہیں آیا۔ ہم دونوں اپنے معمول کے مطابق کمرے میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہے تھے۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔

میں نے فون کی روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ فون کی اسکرین پر نظر

آنے والا نمبر راجن کا تھا۔

میں نے فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو راجن کی سپاٹ اور چبھتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی۔ ''اکبر، تم کہاں ہو؟''

''استاد، میں یہیں بنکاک میں ہوں۔'' میں نے اکبر والا انداز اور لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے مؤدب آواز میں کہا۔

''کئی دن گزر چکے ہیں۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' اس کی آواز گمبھیر ہوگئی۔

''تم کس بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن گیا۔

''تمہارا حافظہ کمزور ہے'' اس کی آواز میں ہلکی سی درشتی آگئی۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''استاد، میں نے تمہیں اپنے خوف کے بارے میں بتا دیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میرے بعض جوڑوں میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ میں تمہارے آدمیوں کی مار کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہیں میری زبان اور وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں۔''

''مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔''

''میں صبح دس بجے تم سے اپنے محل میں ملنا چاہتا ہوں!'' اس کی آواز فیصلہ کن اور تکبر آمیز ہوگئی۔

''استاد، مجھے کام بتا دو، میں کر دوں گا۔ مجھے اپنے پاس نہ بلاؤ۔ ابھی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اکبر کے روپ میں، میں اس سے دشمنی مول لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ عاجزی سے اسے ٹال دوں۔

''تم گدھے ہو'' یکایک اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت تک میں اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ میں اس کی تلخ کلامی سے خوف زدہ ہو کر اچٹ جاتا تو وہ ایک اہم کارندے کے تعاون سے محروم ہو سکتا تھا۔ اس کے لہجے میں تبدیلی اس امر کی غماز تھی کہ وہ وقت پڑنے پر گدھے کو اپنا باپ بنانے کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے میری ناز برداری پر آمادہ تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ ''تم یقین رکھو کہ میری ذات سے تمہیں بال برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح تمہارا آنا بہت ضروری ہے۔ نہ آئے تو مجھے اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ یقینی طور پر ابو سالم اور نخشب کی بات کر رہا تھا۔ وہی اس کے مہمان ہو سکتے تھے۔ اگر راجن مجھے ان سے ملوانا چاہ رہا تھا تو وہ میرے لیے ان کے عزائم کو جاننے کا بہترین موقع ہو سکتا تھا۔ میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔

''استاد، تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ اگر یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے تو مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے مہمانوں کو مجھ جیسے غریب مزدور کی ذات میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ سب تمہاری طرح امیر کبیر اور بڑے آدمی ہوں گے......!''

''وہ اتنے بڑے ہیں کہ تم ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ صبح آجاؤ، تمہارے بیس ہزار بھات پکے ہیں۔'' اس نے مجھے چارا ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم وعدہ کر رہے ہو کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا!'' میں نے اس سے ضمانت طلب کی۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس نے اپنے دل ہی دل میں مجھے کوئی ثقیل سی گالی دی ہوگی مگر وہ بولا تو اس کی آواز بہت نرم تھی۔'' میں شروع سے یہ وعدہ کرتا چلا آ رہا ہوں، اب تمہیں میرے وعدے پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ میری بات مانو گے تو زندگی بھر کے لیے محنت مزدوری سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ تم نے ڈینی کا سراغ لگا لیا تو اتنا مال ملے گا کہ تمہاری اولادیں تک عیش کریں گی۔''

''مجھے مال و دولت سے زیادہ تمہاری عزت پیاری ہے۔'' میں نے حریصانہ انداز میں ہتھیار ڈال دیے۔'' میں دس بجے موتی محل کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔''

''ویری گڈ!'' میری آمادگی پر وہ کھل اٹھا'' تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ میں نے تمہیں اسد کے ساتھ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم میرے کام کے آدمی ہو۔ اب صبح آ ہی جانا، ایسا نہ ہو کہ رات بھر میں تمہارا ارادہ کسی نئے خوف سے ڈانوا ڈول ہو جائے۔ چاہو تو مجھے اپنا پتا بتا دو، میرا ڈرائیور شان دار بیوک لے کر صبح تمہارے دروازے پر پہنچ جائے گا۔''

وہ مکاری سے کام لے کر میرا ٹھکانا معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں میں نے انتہائی مرعوب ہو جانے والے خوشامدانہ لہجے میں جلدی سے کہا۔'' استاد! تم بے فکر رہو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں کسی کو

بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں بسوں میں دھکے کھانے والا آدمی ہوں مال ملنے سے پہلے اپنی عادتیں نہیں بگاڑنا چاہتا۔''

''بس' اب صبح ملاقات ہوگی۔'' اپنا وار خالی جانے پر راجن نے بات وہیں ختم کردی۔

''آپ موتی محل کیوں جارہے ہیں؟'' غزالہ نے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھیں کسی ان جانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''وہاں اس کے مہمان جمع ہوں گے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں!'' میں نے اسے بتایا۔

''کیوں...... آخر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہیں گے؟''

''بات میری سمجھ سے باہر ہے، صبح ان سے مل کر ہی پتا چلے گا کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''مہمانوں کو کیا معلوم کہ بنکاک میں اکبر نامی کوئی آدمی راجن کے رابطے میں ہے۔ یہ سامنے کی بات ہے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ راجن کا کوئی چکر ہے۔ وہ ہر قیمت پر آپ کو پھانسنا چاہتا ہے۔ آپ ایک بار وہاں چلے گئے تو اس کے آدمی سایوں کی طرح آپ کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آپ کا کوئی راز ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔''

''اگر وہ مجھے اپنے مہمانوں سے ملوانے کا ارادہ ظاہر نہ کرتا تو میں ہرگز موتی محل جانے پر آمادہ نہ ہوتا۔'' اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

''یہ اس کی چال ہے۔ اس نے جان بوجھ کر مہمانوں کا شوشا چھوڑا ہے تاکہ آپ کسی پس و پیش کے بغیر وہاں جانے پر آمادہ ہو جائیں۔''

غزالہ کی اس نرالی منطق پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ ''غیر ضروری تجویز نے اس وقت تمہاری عقل ماؤف کی ہوئی ہے۔ اسے کیا پتا کہ مجھے باہر سے اس کے مہمانوں کی آمد کی خبر مل چکی ہے۔ ابھی تو یہ بات صیغہ راز میں ہے کہ اس کے مہمان کون ہیں ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابو سالم کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں بلاوجہ یہاں نہیں آئے۔ راجن نے مشوروں اور مدد کے لیے انہیں یہاں بلایا ہے۔ اب وہ ان کی آڑ میں آپ کو گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنائے گا تاکہ آپ سے ڈینی کے بارے میں ہر بات اگلوا سکے۔''

''یہی میرا سب سے مضبوط نکتہ ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ابھی تک میرے پاس ڈینی کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں ہیں۔ میں نے پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں چار آدمیوں کو راجن کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ میں ان کی تلاش میں مصروف ہوں۔ اس موڑ پر وہ مجھ سے کیا اگلوا لے گا۔ وہ مجھے اتنا وقت دینے پر مجبور ہے کہ میں ان چاروں میں سے کم از کم کسی ایک کا سراغ ضرور لگا لوں۔ اس کے بعد ہی وہ اپنے طور پر کچھ کر سکے گا۔''

غزالہ خوف سے آنکھیں پھیلائے میری بات سنتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس پر اڑ جاتے ہیں' پھر آپ کو دلیلوں سے قائل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ میں کسی حجت میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ موتی محل نہ جائیں۔''

میں نے اٹھ کر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ضدمت کرو، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اس کی نیت خراب ہوئی تو میں وہاں تباہی پھیلا دوں گا۔''

''تلاشی لیے بغیر وہ آپ کو اندر نہیں جانے دیں گے۔ دشمنوں کی بھیڑ میں آپ خالی ہاتھ ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ دس پانچ مکے اور لاتیں کھانے کے بعد وہ آپ پر غالب آجائیں گے۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ان انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں اتنا زہر باقی ہے کہ میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ میں پہلے بھی سب مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔ وہ ان انگوٹھیوں پر کوئی شبہ نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ وہاں جانے پر تل گئے ہیں تو میں آپ کے حق میں صرف دعا کر سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جائیں گے۔''

لی اور اس کی مظلوم بہن کی دردناک کہانی اچانک میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں نے تڑپ کر کہا۔ ''دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، بھول کر بھی وہاں کا رخ نہ کرنا۔ تم جیسی حسین اور معصوم عورتوں کے لیے وہ درندے ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ان کی غلیظ نگاہیں تمہارے چہرے پر پڑیں۔''

''اگر ان لوگوں نے وہاں آپ سے کوئی محاذ آرائی نہ کی تو راجن کے آدمی آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک

آ جائیں گے۔ مجھ سمیت کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' غزالہ نے ایک مرتبہ پھر اپنا ابتدائی خدشہ دہراتے ہوئے کہا۔

''یہ مسئلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ان کو چکما دینے کے لیے مجھے شب و روز بنکاک کی سڑکوں پر بھٹکنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ ہوٹل کا رخ اسی وقت کروں گا جب مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ ان کا کوئی آدمی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں اسے یقین دلایا۔

غزالہ ہر حال میں خوش رہنے والی ایک خانہ دار خاتون تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر، غزالی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا سر میرے جسم سے ٹکا دیا۔

وہ غزالہ کی سپردگی اور رضا مندی کا ایک انداز تھا۔ اپنا فرض پورا کر کے اس نے آخرکار میری رضا کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

ہم بستر پر دراز ہو چکے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ڈان کا فون آ گیا۔

''علی! ہوشیار ہو جاؤ۔'' وہ اپنی دبنگ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اب ہر غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو چھوٹا راجن نے بنکاک بلایا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ میں نے ایر پورٹ پر اپنے آدمی پھیلائے ہوئے ہیں جو پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ اب تک دو اور آدمی آ چکے ہیں۔ ان کے نام لالہ کریم اور حاجی مستان ہیں۔ اب یہاں آنے والوں کی تعداد چار ہو چکی ہے۔''

وہ نام میں راجن کی زبان سے سن چکا تھا۔ اس نے فخر کے ساتھ انہیں اپنا استاد تسلیم کیا تھا۔ اس وقت ان ناموں سے زیادہ اہم سوال میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی گوشہ نشینی ختم کر کے میدان میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اس میں ابھی کچھ دیر ہے۔ تم کو اچانک یہ خیال کیسے آ گیا؟'' ڈان نے بھاری اور تحکم آمیز آواز میں سوال کیا۔

''تم نے اپنے آدمیوں کو ایر پورٹ پر پھیلانے کا ذکر کر کے مجھے چونکا دیا ہے۔''

''تم سب میرے ہی آدمی ہو۔ تمہاری اور جاؤ فان کی طرح کچھ اور لوگ بھی دل و جان سے میرے وفادار ہیں۔ ایر پورٹ پر موجود نفری کی کمان وہی کر رہے ہیں۔ مجھے ان سے خبریں مل رہی ہیں۔''

''لیکن ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑے لوگ راجن کی دعوت پر آ رہے ہیں؟''

''اس کا ثبوت سامنے آ گیا ہے، حاجی مستان کو لینے کے لیے چھوٹا راجن کا پورا موٹر کیڈ ایر پورٹ پہنچا ہوا تھا۔ اس میں وہ خود نہیں تھا۔ اس کے آدمی حاجی مستان کو موتی محل میں لے گئے ہیں۔ اب میں بنکاک کی فضاؤں میں انسانی خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔''

ڈان کے ان الفاظ پر مجھے پھریری سی آ گئی۔ راجن کے خطرناک مہمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور میں صبح دس بجے ان سفاک سرغنوں کا سامنا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

''ڈان! وہ پورے بھارت کے نامی گرامی سورماؤں کو جمع کر لے تب بھی اپنی گرتی ہوئی دیوار کو نہیں بچا سکے گا۔ کم از کم میں ان کی آمد سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ یہ بھڑکتے ہوئے چراغ کی آخری لو ہے پھر وہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''تم شیر دل ہو!'' ڈان نے بے ساختہ کہا ''تمہارے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہ بدحواس ہو چکا تھا۔ دوسروں سے مدد لینے میں اس کی سُبکی ہے لیکن اب اسے شاید کسی چیز کی پروا نہیں رہی۔ کاش میرے پاس تم جیسے ایک دو آدمی اور ہوتے تو اب تک یہاں کا نقشہ پلٹ چکا ہوتا۔''

میں اپنی شدید خواہش کے باوجود ڈان کو یہ نہیں بتا سکا کہ بنکاک میں جمع ہونے والے بھارتی اگلی صبح موتی محل میں سر جوڑ کر بیٹھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

''نقشہ اب بدل کر رہے گا۔ آنے والے زیادہ دنوں تک راجن کو اپنے حصار میں لے کر نہیں بیٹھیں گے۔ وہ جس طرح آئے ہیں اسی طرح جلدی واپس چلے جائیں گے۔''

''میں انہیں یوں نہیں جانے دوں گا۔ میں نے انہیں سبق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' ڈان کی گمبھیر آواز ابھری۔ ''یہ جہاں بھی جمع ہوں گے، میرے آدمی وہاں ایک خوف ناک بارودی حملہ کریں گے، ہر طرف آگ اور بارود کی برسات ہوگی۔ میں اب یہاں ان کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔''

''ڈان! کیا تم میرے بغیر یہ منصوبہ بنا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ڈان کے اس منصوبے کے بارے میں سن کر میں پریشان ہو گیا کیونکہ مجھے ان کے اجتماع کے سامنے پیش ہونا تھا۔ میں موتی محل کے اندر موجود ہوتا اور وہاں ڈان کے آدمیوں کا حملہ شروع ہو جاتا تو میں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔ وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔

''ہاں!'' ڈان کا جواب سن کر میری کھوپڑی بھق سے اڑ گئی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے لیے تم بہت اہم اور قیمتی ہو۔ میں تمہیں اس اندھی لڑائی کا ایندھن نہیں بنا سکتا۔ وہ جہاں بھی ہوں گے' میرے آدمی چاروں طرف سے بھرپور حملہ کریں گے اور فرار ہو جائیں گے' ان میں سے کئی مارے جا سکتے ہیں' میرے آدمی زخمی بھی ہوں گے۔ چھوٹا راجن مشکل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے بہت سے آدمی بھاگ چکے ہیں۔ آج اس کے دو نائٹ کلب کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہاں وزنی تالے جھول رہے ہیں پھر بھی وہ ان لوگوں کی حفاظت سے غافل نہیں رہے گا۔ دونوں طرف سے اندھا دھند اسلحہ استعمال ہوگا۔ یہ تمہارا میدان نہیں ہے۔ تمہارا کام اس کے بعد شروع ہوگا۔''

ڈان کے منصوبے کی وہ تفصیل کسی حد تک تسلی بخش تھی۔ اس کے آدمیوں کو مارنا اور بھاگ نکلنا تھا۔ ان کی اچانک کارروائی سے سارا خطرہ موتی محل کے محافظوں اور ملازموں کو ہوتا جو پھاٹک اور احاطے کی دیواروں کے آس پاس موجود ہوتے۔ راجن کا طلب کیا ہوا اجلاس موتی محل کے کسی اندرونی اور محفوظ کمرے میں ہوتا جہاں افراتفری پھیل سکتی تھی' براہِ راست کسی جانی یا مالی نقصان کا خطرہ نہیں تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے بارے میں ایسی ہمدردانہ سوچ رکھتے ہو۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا ''کیا یہ ذمے داری چاؤفان کو سونپی جائے گی۔''

''مجھے وہ بھی عزیز ہے۔ یہ کام میں ان چاروں حرام خور جواریوں کو سونپوں گا جو دن رات یہاں پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔'' ڈان بھی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے منصوبے کا خاکہ تیار تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ ان کے امتحان کا وقت ہے۔ انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ابھی ناکارہ نہیں ہوئے۔''

''اگر حاجی مستان کو موتی محل میں لے جایا گیا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ ان لوگوں کا اجتماع وہیں ہوگا۔'' ڈان سے اس کے منصوبے کی پوری تفصیل سن لینے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ قیاس آرائی کے سہارے اس کی توجہ موتی محل کی طرف مبذول کرادوں۔ بعد میں جب وہ سب لوگ وہیں جمع ہوتے تو ڈان میرے اندازوں کی قابلِ رشک درستی کا قائل ہو جاتا۔

جب تک میرا اور اس کا ساتھ چل رہا تھا' میرے لیے اس کی خوشنودی بہت اہم تھی۔ میں نے ابتدا سے اس کے ساتھ سعادت مندانہ مگر باوقار رویہ اختیار کر کے یہ کوشش کی تھی کہ میرے اور اس کے درمیان باہمی احترام کا تعلق قائم ہو جائے۔ یہ اللہ کا کرم تھا کہ اسے اپنا آلۂ کار بنانے کے باوجود میں اس وقت تک اپنی کوششوں میں کامیاب تھا۔

''یہ برا ہوگا۔'' ڈان نے میری زبان سے موتی محل کا نام سنتے ہی اپنی رائے دے دی ''وہ بہت وسیع و عریض محل ہے۔ اس کے اندر تک گھس کر چھوٹا راجن اور اس کے حلیفوں کو نقصان پہنچانا ناممکن ہوگا۔ وہ کسی ہوٹل میں جمع ہوتو ان میں سے ایک آدھ مارا جا سکتا ہے۔''

''یہ میرا اندازہ ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ثابت ہو۔''

''تم نے بہت کام کیا ہے' اب تھوڑا سا آرام کر لو تا کہ فیصلہ کن ٹکراؤ میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے سکو۔'' اس نے وہ نادر مشورہ دے کر فون بند کر دیا۔

مجھے نئے آنے والوں کے بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی' اصل فکر ڈان کے منصوبے کی طرف سے لاحق ہوئی تھی جو ہٹ اینڈ رن کا پلان سننے کے بعد کافی حد تک کم ہو چکی تھی لیکن غزالہ کے چہرے پر تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔

وہ میری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں نہ سننے کے باوجود اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے بلا کم و کاست اسے نئی صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا کہ ڈان کے یکا یک جوش میں آ جانے سے میرے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

غزالہ لاکھ دلیر اور معاملہ فہم سہی لیکن پھر بھی ایک عورت تھی۔ اس کے ذہن میں نئے خطرات سر ابھارنے لگے۔ میں بہ مشکل اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ مجھے خود بھی موت کے منہ میں چھلانگ لگانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس مہم میں زیادہ خطرات نظر آئے تو میں موتی محل کے پھاٹک سے واپس لوٹ آؤں گا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں موتی محل کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ چاؤفان کا فون آ گیا۔

''ماسٹر! مبارک ہو' تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' وہ فون پر چہک رہا تھا۔ ''وہ پانچوں ایک ایک کر کے موتی محل میں پہنچ چکے ہیں۔''

مجھے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اسے وہ

خبر کہاں سے ملی۔ ڈان برنارڈ سے برا بھلا سننے کے باوجود وہ اس کا منظورِ نظر تھا۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے اس کا باخبر رہنا میرے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔

''یہ پانچواں کہاں سے آ گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''منتھار ہے...... وہ رات دو بجے کی پرواز سے بنکاک پہنچا ہے۔'' اس نے بتایا ''اس وقت وہ پانچوں موتی محل میں ہیں تم کو معلوم ہی ہے کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔''

''رات کو ڈان کا فون آیا تھا۔'' میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''اس وقت تک منتھار کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کیا تماشا دیکھنے کے لیے ادھر جانے کا ارادہ ہے؟''

''ماسٹر! بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ چاروں موٹوں نے رات بھر زبردست تیاری کی ہے۔ بات فائرنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ وہاں بم چلیں گے۔ ڈان نے اپنے تمام آدمیوں کو موتی محل کے آس پاس سے ہٹا دیا ہے۔ اس طرف وہی لوگ جائیں گے جو اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''کیا تم نے مجھے یہ سب بتانے کے لیے فون کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ضمنی باتیں ہیں۔ اصل بات کی مبارکباد میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ ڈان کو حیرت ہے کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟''

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اس وقت صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے' مجھے ڈیڑھ گھنٹے بعد موتی محل میں پہنچنا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان موتی محل پر حملے کی تیاریوں کی خبر سنا رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈان کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے اور موتی محل میں اتنی ابتری پھیل چکی ہو گی کہ مجھے ان لوگوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

چاؤ فان کا فون آ ہی گیا تھا تو میں نے اس سے معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تیاریاں مکمل ہیں تو بس دس پندرہ منٹ بعد وہاں تباہی پھیل جائے گی۔''

وہ اس وقت موج میں آیا ہوا تھا۔ دھیرے سے ہنس کر بولا ''ماسٹر! تم ہر ایک کو اپنے جیسا پھرتیلا سمجھتے ہو۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پانچوں اتنے سویرے چھوٹا راجن سے مل بیٹھیں گے۔ ابھی ان کے جمع ہونے کی خبریں ملی ہیں۔ تیاریاں ضرور مکمل ہیں لیکن آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے کام ہو جائے گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا نشانہ بننے کے انتظار میں دن بھر موتی محل میں نہیں بیٹھے رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

وہ میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ڈان زیرک آدمی ہے۔ یہ بات جانتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو تیزی سے ہانک دے گا۔ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے مگر مجھے ساری باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ڈان کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر رہا ہوں۔''

''یہ کھویا ہوا نہیں' نیا مقام ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔''

''تم میرے ماسٹر ہو' جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں برا نہیں مناؤں گا۔'' وہ ایسی باتوں کو نہایت ڈھٹائی سے' ہنس کر جھیل جاتا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس وقت جاگے ہوئے ہو۔ شراب نوشی کرنے والوں کا سورج ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے۔'' میں نے اس پر طنز کیا۔

''تم دیکھ چکے ہو کہ کام سامنے ہو تو میں شراب اور شباب کو بھول بھال کر ساری رات بیدار رہ سکتا ہوں۔ آج کا کام ہو جائے تو میں شام کو جشن منانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ موڈ ہو تو تم بھی آ جانا۔ میں نے مادام کو دعوت دی ہوئی ہے۔ وہ مان گئی تو مزہ آ جائے گا۔''

''آج کل تم ہر بات میں کسی نہ کسی طرح اس کا ذکر ضرور نکال لیتے ہو!'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے' اس کا نام لیے بغیر کہا۔

''کیا کروں' میں مجبور ہوں۔ عورت جب تک فتح نہ کر لی جائے اسی طرح دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''تمہارے چاہنے سے پہلے عورتیں تمہاری طرف لپکتی ہوں گی۔ تم اس کرب کو نہیں سمجھ سکتے۔''

عورتوں کے بارے میں اس کا نظریہ توہین آمیز بلکہ شرمناک تھا۔ میرے جی میں آئی کہ اسے عورت کے مقام اور مرتبے کے بارے میں بتاؤں' اسے سمجھاؤں کہ عورت کسی کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی جسے فتح کیا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے لطیف جذبوں میں گندھی ہوئی ایک جیتی جاگتی ہستی ہوتی ہے جسے پیار و محبت سے اپنایا جا سکتا ہے مگر غزالہ

کی موجودگی کے سبب میں چاؤ فان کی گرفت نہ کر سکا۔ غزالہ کو ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ اس وقت میرے اور چاؤ فان کے درمیان لی کی ذات زیر بحث تھی تو وہ آزردہ ہو جاتی۔

''تمہارا جشن تم کو مبارک ہو۔ میں اپنا وقت ایسی خرافات میں برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے اسے کورا سا جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی۔

چاؤ فان سے ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں میری ایک پریشانی دور ہو گئی تھی۔ اس کی زبانی مجھے یہ علم ہو گیا کہ موتی محل کے قرب و جوار سے ڈان نے اپنے آدمی ہٹا لیے تھے۔ میرے لیے یہ خدشہ باقی نہیں رہا تھا کہ ان میں سے کوئی مجھے موتی محل میں جاتا ہوا دیکھ کر ڈان کو خبر کر دے گا۔

اس اطمینان کے ساتھ مجھے ایک نئی تشویش لاحق ہو گئی۔ ڈان کے کیمپ میں موتی محل پر حملے کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ کارروائی کسی بھی وقت ہو سکتی تھی۔ اس کے صحیح وقت کا تعین کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے یا بعد میں وہ حملہ ہوتا تو مجھے کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ میرے داخلے کے وقت موتی محل پر اچانک دھاوا بول دیتے تو ان کے ہاتھوں میری ہلاکت کا امکان بہت قوی نظر آ رہا تھا۔

فکر و تشویش کے باوجود میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ میں نے بالوں کے اسٹائل وغیرہ میں یہ احتیاط رکھی کہ سب کچھ میرے معمولات سے اتنا مختلف ہو کہ مجھے ایک نظر میں نہ پہچانا جا سکے۔

میں نے تیار ہو کر روانگی کا ارادہ کیا تو غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ دس بجے کی ملاقات کے لیے میں نو بجے سے پہلے روانہ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ مجھے ڈان کے آدمیوں کے حملے کی زد میں آنے کا خطرہ تھا' میں ان کی کسی کارروائی سے پہلے موتی محل میں داخل ہو کر محفوظ ہو جانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی کی تلاش میں مجھے ہوٹل سے باہر نہیں جانا پڑا۔ پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی کی عقبی نشست میں' میں اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے مجھے پوری طرح نہ دیکھا جا سکے۔

موتی محل شہر کا ایک معروف نام تھا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کے سامنے وہ نام لیتا تو مجھے اس کے دروازے پر اتار دیتا مگر میں احتیاط کے پیش نظر اس نام سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ معمولی سی بات تھی لیکن اس وقت اہمیت اختیار کر گئی۔ مجھے اس علاقے کا کوئی متبادل حوالہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے اضطراری طور پر پیٹ پونگ کا نام لیا اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔

اس وقت موتی محل کا نام لینے سے گریز کرنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو یہ علم نہ ہو سکے کہ اس نے ہلٹن ہوٹل سے کسی کو موتی محل پہنچایا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں اپنے خون آشام دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

پیٹ پونگ صرف عیاشی کا گڑھ نہیں ہے۔ دن کے اوقات میں وہاں تجارتی اور کاروباری سرگرمیاں پورے زور و شور سے جاری رہتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر میں دوسری ٹیکسی میں سوار ہوا۔ اس بار میں نے بے دھڑک ہو کر ڈرائیور کو موتی محل کا نام بتا دیا۔

نو بج کر بیس منٹ پر میں موتی محل کے پھاٹک سے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس وقت وہاں مطلع صاف تھا لیکن اندر عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔ چند لمحوں میں اس کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ پہلے کے مقابلے میں وہاں ملازموں اور محافظوں کی بہت کم تعداد نظر آ رہی تھی۔ راجن کے آدمیوں کے چلے جانے کے بارے میں ڈان کی معلومات بے بنیاد نہیں تھیں۔

اکبر کے نام سے میرا تعارف ہوتے ہی موتی محل کے محافظ مؤدب نظر آنے لگے۔ انہیں میری آمد کے بارے میں پیشگی ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ سرسری جامہ تلاشی کے بعد ایک محافظ مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر چل دیا۔ اس نے راستے میں مجھے بتایا کہ میری آمد کے لیے دس بجے کا وقت طے تھا اس لیے مجھے اندر بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔

راجن کا آراستہ اور پرشکوہ ڈرائنگ روم میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اسد کے ساتھ وہاں راجن سے ایک ملاقات کر چکا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر محافظ باہر چلا گیا۔

وہاں بیٹھتے ہی میں نے اپنے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر جما دیے۔ میرے لیے یہ خیال بہت سنسنی خیز تھا کہ اسی عمارت میں کہیں چھ نامی گرامی بھارتی شہری میرے خلاف سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

اندر سے کچھ ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ بس آوازیں ہی تھیں' ان کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ اسی دوران میں ڈرائنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور ایک جواں سال بھارتی ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔

ٹرالی میں واڈکا اور جن کی شفاف بوتلوں کے ساتھ ٹی

کوزی سے ڈھکی ہوئی کیتلی بھی موجود تھی۔ ملازمہ نے میرے لیے کوئی مشروب تیار کرنے کی پیشکش کی، میں نے چائے کی فرمائش کی اور وہ میرے لیے چائے کی پیالی بنا کر اندر لوٹ گئی۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کھلنے کے بعد اندر سے آنے والی آوازیں قدرے واضح ہوئیں جو دوبارہ معدوم ہو گئیں۔

میرے لیے وہ صبر آزما اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میں اپنے بدترین دشمن کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اندر میرے خلاف جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ باہر سے کسی بھی لمحے خوفناک حملہ ہونے والا تھا اور گھڑی کی سوئیاں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

میرے معدے نے آدھی پیالی سے زیادہ چائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چائے چھوڑ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور اضطراری انداز میں ایک بڑی دیوار گیر پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں اس تصویر پر مرکوز تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

اس دوران میں، میں ایک بار ٹہلتا ہوا نکاس کے دروازے کی طرف گیا تو مجھے وہاں تک لانے والا محافظ برآمدے میں مستعد کھڑا ہوا تھا۔ جیسے جیسے انتظار کے لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے، میرے اعصابی دباؤ میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا تو میری یہ خواہش تھی کہ میں جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤں تاکہ ڈان کے آدمیوں کے ناگہانی حملے کی زد میں آنے سے بچ سکوں۔ راجن کے ڈرائنگ روم میں انتظار کے کٹھن لمحات سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میں نے وقت سے پہلے وہاں آ کر سخت غلطی کی، اس سے بہتر تھا کہ میں کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر مقررہ وقت پر آتا اور ہر قسم کے اعصابی تناؤ سے آزاد رہ کر راجن اور اس کے مہمانوں کا سامنا کرتا۔

پونے دس بجے اندرونی دروازہ کھلا اور وہاں سے کرتے پاجامے میں ملبوس راجن برآمد ہوا تو میں نے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ یہ دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی کہ کرتے کی آستین میں اس کا بایاں بازو بہت پھولا ہوا تھا اور بے جان انداز میں پہلو میں جھول رہا تھا۔

''تم وقت سے بہت پہلے آ گئے!'' راجن نے دبنگ آواز میں شکایت کی۔

''میں ڈر رہا تھا کہ مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس چکر میں وقت سے پہلے آ گیا۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں وضاحت کی پھر پوچھا۔ ''استاد! تمہارا بایاں ہاتھ لٹکا ہوا ہے...... خیریت تو ہے نا؟''

''گر گیا تھا۔ معمولی چوٹ آئی ہے!''

''استاد! آنبہ ہلدی، چوٹ سجی اور چونے کا لیپ لگاؤ، چند گھنٹوں میں سارا درد دور ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی اپنا نادر مشورہ پیش کر دیا۔ اسے اپنے روبہ رو پا کر میرا سارا ذہنی اور اعصابی انتشار یک بہ یک کافور ہو گیا۔

''شٹ اَپ!'' اس نے کسی اشتعال کے بغیر منہ بنا کر کہا ''مجھے ان گھٹیا مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ، اندر کوئی فالتو بات نہ کرنا۔ جو پوچھا جائے صرف وہی بتاؤ گے۔''

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اس کا لٹکا ہوا ہاتھ دیکھ کر میں یہ سمجھ چکا تھا کہ میری چلائی ہوئی ناقص گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ بازو کا زخم اتنا گہرا ضرور تھا کہ وہ موٹی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور راجن وہ ہاتھ ہلانے سے معذور تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر اس امتحان سے گزر رہا تھا کہ وہ میری نیت سے بالکل بے خبر تھا، میں چاہتا تو پیچھے سے لپک کر آہستگی سے اس کی گردن دبوچتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ اس کا قصہ پاک ہو جاتا مگر میری خیر نہ ہوتی، نکاس کے دروازے کے باہر راجن کا مسلح محافظ براجمان تھا، اندر کہیں پانچ خطرناک افراد سر جوڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے لیے کسی طرف سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میری جان اتنی ارزاں نہیں تھی کہ اسے ایک راجن کے نام پر داؤ پر لگا دیا جاتا۔

دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر اور آراستہ لابی سے ہوتا ہوا ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دروازہ کھلتے ہی جلتے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بُو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسی کے ساتھ ایک بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا۔

اندر زور و شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کمرا یقینی طور پر ساؤنڈ پروف تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس کمرے کا دروازہ کھلنے سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دیتا۔

اس وقت وہ کمرا میرے لیے مقتل سے کم نہیں تھا۔ میں چھٹے ہوئے گھاگ بدمعاشوں کے سامنے جانے والا تھا جن کی عقابی نظروں سے کچھ چھپانا آسان نہیں تھا۔ دروازہ

کھلتے ہی قہقہے کے ساتھ دوسری آوازیں یکایک معدوم ہوگئیں۔

دروازے سے گزرتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کمرے میں نرم دبیز اور بڑے بڑے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک صرف ایک فرد کے لیے تھا۔ ان میں سے پانچ پر خوفناک اور رعب دار چہروں والے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ جرائم کی خبروں کے حوالے سے گاہے گاہے ان کی تصاویر اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں۔ چہرے شناسا تھے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس کا نام کیا ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آرہا تھا۔

راجن اپنے بائیں ہاتھ کو سنبھالتا ہوا احتیاط سے ایک صوفے میں دھنس گیا۔

وہ کمرا بہت وسیع اور آراستہ تھا۔ ہر طرف منقش اور دمکتی ہوئی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر سفید شرابوں کے ساتھ ٹانک واٹر اور سوڈے وغیرہ کی کئی خالی بوتلیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ ان پانچوں کے سامنے رکھی ہوئی تپائیوں پر گلاسوں کے ساتھ پنیر اور ڈرائی فروٹ کی نقرئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ دن دیہاڑے مے نوشی میں مصروف تھے۔

وہاں مزید کئی صوفے خالی تھے لیکن کسی نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی۔ اپنے ابتدائی جائزے کے بعد میں کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ ان سب کی تیز نگاہیں مجھے اپنے جسم سے آر پار ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تو یہ تمہارا ٹاؤٹ ہے!'' روح میں اتر جانے والے گہرے سکوت میں بڑی بڑی مونچھوں والے ایک خوں خوار شخص کی درشت آواز ابھری۔

''ہاں منٹھار!'' راجن نے جواب دیا ''اس نے مجھے بروقت ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے اسے منہ نہیں لگایا۔ اس کی بات سن لی ہوتی تو شاید اس وقت ہم وائٹ ہاک کے کسی کیبن میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔''

''مجھے یہ صورت سے مکار اور چھٹا ہوا بدمعاش معلوم ہو رہا ہے۔'' منٹھار کے الفاظ اور لہجے میں میرے لیے تحقیر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ''ایسے آدمی کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا...... کیوں حاجی، تو کیا کہتا ہے۔''

راجن کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے ایک کاجو منہ میں ڈالا اور اسے دانتوں سے کچلتے ہوئے بولا ''دنیا آگے جارہی ہے۔ آج کل کوئی مکار نہ ہو تو اسے بےوقوف سمجھا جاتا ہے۔'' پوچھے گئے سوال کا جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''کیوں بے! تو نے کیا سنا اور دیکھا تھا۔''

''میں استاد کو بتا چکا ہوں!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر بتا!'' وہ گرج کر بولا ''ہم سب تیرے استاد ہیں۔''

میں نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بےبسی سے راجن کی طرف دیکھا، اس نے اپنے سر کو جنبش دے کر مجھے بولنے کا اشارہ کیا۔

اس ماحول میں ان لوگوں کو دیکھ کر میں خاصا مرعوب ہوچکا تھا۔ راجن کے علاوہ وہ سب پولیس کو مطلوب تھے مگر آزادی کے ساتھ دنیا بھر میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ممبئی میں ہوتے ہوئے بھی بھارتی پولیس اور ایجنسیوں کے لیے آسیب بنے رہتے تھے جو اپنے معمول کو ہلکان کرتا ہے لیکن اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ راجن ان پانچوں سے کم تر تھا۔ اس کی فریاد پر وہ بزرگانہ انداز میں اس کی سرپرستی کی رسم نبھانے کے لیے بنکاک آئے ہوں گے۔

میں نے دانستہ رک رک کر پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں سنی ہوئی وہ مفروضہ کہانی سنانی شروع کردی جو میں راجن کو سنا چکا تھا۔

''اس میں ڈینی کا نام تو نے کہاں سے سن لیا؟'' میرے خاموش ہونے پر خشخشی داڑھی والے گورے شخص نے مخمور آواز میں سوال کیا۔

''مم...... مجھے ہر بات لفظ بہ لفظ یاد نہیں ہے۔ انہوں نے کئی بار ڈینی کا نام لیا تھا۔''

''ڈرو نہیں!'' راجن نے مجھے دلاسا دیا ''بےخوف ہو کر بات کرو۔ یہ سب میرے مربّی اور دوست ہیں۔ ان کو ناؤ والی بات بتاؤ۔''

میں ان لوگوں کے سامنے اداکاری اور صداکاری کر رہا تھا مگر میرا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے گنتی کے سوالوں سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ پانچوں بنکاک میں ڈینی کی موجودگی تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ راجن نے اپنی اس دہشت کی تائید کے لیے مجھے ایک گواہ کے طور پر ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

اس وقت میں ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے حوالے سے کوئی حاشیہ آرائی کرگزرتا تو راجن مجھے ہرگز نہ ٹوکتا۔ میرے بلائے جانے کا مقصد ایک ہی تھا کہ میں شہر میں ڈینی

کی موجودگی کی تصدیق کردوں۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ سب کام جاری منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا' ڈینی اس کی ناؤ ڈبو دے گا۔''

میں نے اس بیان میں ڈینی کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے راجن کے سیاہی مائل چہرے کا رنگ متغیر ہوا مگر وہ اسی لمحے سنبھل گیا۔

حاجی مستان شاید راجن کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے راجن کے چہرے کی اضطراری تبدیلی پڑھ لی۔ ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس زور سے تپائی پر پٹخا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''نخشب! سالے کے دو تین کرارے ہاتھ لگا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

خشخشی داڑھی والے نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف لپکتا' راجن نے بے چین ہو کر غیر ارادی طور پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا۔ راجن کے چہرے پر کرب و اذیت کی ایک لہر سی تیر گئی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ بایاں ہاتھ ہلانے کی کوشش نے اس کی جان نکال دی تھی۔

وہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولا ''نخشب' تو بیٹھ جا۔'' یہ کہہ کر وہ مستان کی طرف متوجہ ہو گیا ''مستان بھائی! تم میرے بڑے ہو۔ مجھے دس ہاتھ مارلو' میں اُف بھی نہیں کروں گا۔ اکبر ڈرپوک آدمی ہے۔ اسے میں نے مشکل سے یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اسے مار پڑی تو یہ بھاگ جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس پر کیا شبہ ہے!''

''راجن! مستان بھائی کے بیچ میں مت بول۔'' چوتھے آدمی نے روکھے لہجے میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔ ''ہم سب تیرے بھائی بند ہیں' تیری مدد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تو یہاں راج کر کے ہم سب کا نام اونچا کر رہا ہے۔ ڈینی سالا یہاں ہے تو ہم اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔ اکبر پر مجھے بھی بھروسا نہیں ہو رہا۔ سالے کی آنکھیں دیکھ' کیسی چڑھی چڑھی اور بے وفا لگ رہی ہیں۔''

اس کے آخری فقروں پر کمرے میں ان سب کے بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ راجن کا چہرہ ستا ہوا نظر آنے لگا۔

پانچواں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے درشت آواز میں بولا ''راجن! تو دو گھنٹوں کے لیے مجھے اکبر کے ساتھ ایک کمرے میں چھوڑ دے۔ اس کی ایک ہڈی سچ نہ بولنے لگی تو میں تجھ سے اپنے منہ پر تھکوا لوں گا۔''

راجن کے سوا ان سب کے تیور یکایک بگڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اس تالاب میں پہلا پتھر مستان نے پھینکا تھا۔ وہ عمر' تجربے اور مرتبے میں ان سب سے بڑا نظر آرہا تھا۔ ان میں آپس کی کیسی بھی پیشہ ورانہ رقابتیں رہی ہوں' اس وقت وہ سب اس کے ہم خیال ہو گئے تھے۔

''یہ سچ بول رہا ہے' میں نے چھان بین کر لی ہے......!'' راجن نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا تھا کہ مستان نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''سب کچھ تجھے کرنا تھا تو ہمیں کیوں بلایا ہے!'' وہ غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنا معاملہ ہمیں سونپ کر تماشا دیکھ یا پھر ہم چلتے ہیں' تو ڈینی سے خود نمٹتا رہ۔ ابھی تیرے ایک ہاتھ میں گولی لگی ہے۔ کل دل میں اتر جائے گی۔''

مستان کی تائید طلب نظریں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں اور کمرا ان کی تیز و تند آوازوں سے گونج اٹھا۔ وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''تم اتنی سی بات کو بلاوجہ بڑھا رہے ہو!'' راجن نے بے جان آواز میں کہا ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس سے اچھی طرح پوچھ گچھ کر لو مگر اس سے مار پیٹ نہ کرو۔''

''راجن! تو پاگل ہو گیا ہے!'' منٹھار اپنی مونچھ کے ایک سرے کو تاؤ دیتا ہوا بولا ''اس کی صورت ذرا غور سے دیکھ۔ سالا پکا پاپی لگتا ہے۔ تو نے سنا ہے نا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ یہ اسی ذات کا ہے' جب تک اسے چار چوٹ کی مار نہیں پڑے گی یہ کچھ نہیں اگلے گا۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ تجھے ڈبل کراس کر رہا ہے۔ میں جب تک اس کا پورا شجرہ نہیں کھود لوں گا۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں آئے گا۔ یہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' اس کے بال بچے یا ماں باپ کہاں ہیں' وہ کیا کرتے ہیں' آئی بی والے سے اس کی دوستی کیسے ہوئی۔ ہزار سوال ہیں' جب تک ان کے جواب نہیں ملتے' میں اس کی کوئی بات نہیں مان سکتا۔''

بات بہت تیزی سے بگڑتی چلی گئی تھی۔ راجن نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے میری حمایت کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ میرے اور اس کے خلاف چلی گئی تھی۔ راجن کے چہرے پر نمودار ہونے والے بے بسی کے آثار دیکھ کر مجھے اپنی عاقبت خراب ہوتی نظر آرہی تھی۔

موتی محل میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ مجھے سارا خطرہ راجن کی

بد نیتی سے تھا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ راجن میرا حامی بنا ہوا تھا اور اس کے پانچوں مہمان میرے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ وہ راجن پر اس بری طرح حاوی نظر آرہے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک ان سے اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے لیے وہ لمحات فیصلہ کن تھے۔ یہ بات تسلی بخش تھی کہ وہ سب غیر مسلح تھے۔ میں ان پر ٹوٹ پڑتا تو پہلے ہی وار میں ایک دو کو آسانی سے جہنم واصل کر سکتا تھا۔ بقیہ حریف شاید دہشت زدہ ہو کر خود مجھے راہ دے دیتے۔ میں اس کمرے سے نکل سکتا تھا۔ اس سے آگے کا مرحلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔ راجن کے پاس نفری کی شدید قلت ہو چکی تھی مگر میں نے اندر آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ باہر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔

اصل عمارت سے نکل کر پھاٹک یا احاطے کی دیوار تک پہنچنا میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس دوڑ میں موت کے غالب آنے کے امکانات زیادہ تھے۔

''اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ راجن نے بے بسی سے کہا ''میں اتنا بتا دوں کہ میں اپنی سبکی محسوس کر رہا ہوں' ایسا لگ رہا ہے جیسے اکبر کے بارے میں میری کہی ہوئی باتوں پر تم سب کو یقین نہ ہو۔''

منتھار اور مستان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر مستان نے کہا ''تیری سبکی تو اس وقت ہوئی جب تو نے ہم سب کو فون کیا۔ یہ سب کہنے سننے کی باتیں ہیں' اپنوں میں کسی کی سبکی نہیں ہوتی۔ اب بات تیری نہیں رہی۔ یہ اکبر کا معاملہ ہے۔ تو اسے اپنی ذات سے کیوں ملا رہا ہے۔ سبکی و بکی کے چکر میں پڑنے کے بجائے یہ سمجھ کہ اکبر تجھے بھی دھوکا دے رہا ہے۔ ہماری وجہ سے تیری آستین میں پلنے والا سانپ مرجائے تو سوچ کہ کس کا فائدہ ہے...... ہمارا یا تیرا؟''

مستان کی عقابی آنکھیں راجن کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے بات ایسے سوال پر ختم کی تھی جس کا جواب دینا لازم تھا۔ راجن نے اپنی جگہ کسمسا کر کہا ''تم میرے فائدے کی بات سوچو گے۔ اب اکبر تمہارے حوالے ہے۔ اسے اچھی طرح کھنگال لو۔ میں ایک لفظ......''

راجن کا جواب ادھورا رہ گیا۔ ایک پرزور دھماکے کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ اس کمرے کے در و دیوار ہل کر رہ گئے اور وہ سب بھڑک کر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے مرجھائے ہوئے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کر گئی ہو۔ ان خبیثوں کے جارحانہ چنگل میں پھنس کر میری عقل اس بری طرح ماؤف ہوئی تھی کہ میں موتی محل پر ڈان کے آدمیوں کے متوقع حملے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

راجن کا وہ کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔ ڈرائنگ روم میں انتظار کے دوران کمرے کی وہ خصوصیت میرے تجربے میں آچکی تھی۔ وہاں سے اندر کی آوازیں باہر جا سکتی تھیں نہ باہر کی معمول کی آوازیں اندر سنائی دے سکتی تھیں۔ بم کے دھماکے کی بات دیگر تھی۔ اس نے کمرے کے ساتھ وہاں موجود لوگوں کو بھی بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ حملہ بہت بروقت شروع ہوا تھا۔ ڈان کے آدمیوں کا جم کر مقابلہ کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ انہیں بم اور گولیاں برسا کر بھاگ جانا تھا۔ خوف و ہراس کی اس طوفانی لہر سے فائدہ اٹھا کر مجھے بھی سرعت سے فرار کی راہ تلاش کرنا تھی۔ وہاں جو کچھ ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ میرے لیے وہاں رکنا ایک عذاب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

دھماکا ہوتے ہی وہ بس لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہوں پر بھونچکا سے کھڑے رہے' نخشب دروازے کے قریب تھا۔ اس نے لپک کر دروازہ کھولا اور یکایک فائرنگ کا ہولناک شور سنائی دیا۔ وہ سب بدحواس ہو کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ بم کے پہلے دھماکے کی گونج معدوم ہوتے ہی دوسرا اور پھر تیسرا دھماکا ہوا۔ اس دوران میں دھواں دھار فائرنگ کا شور مسلسل گونجتا رہا۔

ان میں کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ ساؤنڈ پروف کمرے سے نکل کر وہ سب اندر کی طرف بھاگے' میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوا باہر نکلا اور چشم زدن میں ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

بموں کے تین پے در پے دھماکوں اور فائرنگ کے شور سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مسلح دشمنوں کا کوئی غول موتی محل میں گھس آیا ہو۔ اندر والے اندر ہی پناہ گاہیں ڈھونڈنے میں لگ گئے تھے میں پہلا اور تنہا شخص تھا جو اندر سے باہر نکلا۔

پھاٹک سے مجھے ڈرائنگ روم تک لانے والا گارڈ سینے کے بل برآمدے کے فرش پر اپنی رائفل تانے پڑا ہوا تھا۔ احاطے میں دھول ہی دھول اڑ رہی تھی مجھے ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ کم از کم دو بم سامنے کے حصے میں گرے تھے۔

''لیٹ جاؤ' گولیاں چل رہی ہیں...... مارے جاؤ

گے!'' مجھے دیکھتے ہی گارڈ پھنسی پھنسی آواز میں چیخا۔ ''یہاں بم باری بھی ہو رہی ہے۔''

موتی محل کے مکین بے خبری میں اس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے اس لیے دہشت زدہ ہو کر پناہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ مجھے علم تھا کہ میرے اور ڈان کے آدمیوں کے درمیان احاطے کی فصیل نما دیوار حائل تھی۔ ان کا اندر گھسنے کا کوئی پلان نہیں تھا اس لیے ان کی فائرنگ سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

موتی محل کے مسلح محافظوں کی فائرنگ کا رخ باہر کی طرف تھا۔ میں ان کی گولیوں سے بھی محفوظ تھا میں نے گارڈ کی ہدایت سنی اَن سنی کر کے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں فضا میں اڑتے ہوئے گرد و غبار کے بادل میں گزر رہا تھا کہ اچانک فائرنگ کا زور ٹوٹ گیا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ ڈان کے آدمی اپنا مشن پورا کر کے بھاگ نکلے ہیں۔ رہی سہی گولیاں موتی محل کے اعصاب زدہ محافظ چلا رہے تھے۔

میں پھاٹک تک پہنچا تو مجھے کہیں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ راجن کے تمام آدمی کسی نہ کسی آڑ میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی کمین گاہوں سے ہوا میں فائرنگ کر رہے تھے۔

اس قیامت خیز ماحول میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا' سب کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں پھاٹک تک پہنچا تو وہ بند تھا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس وقت مجھے پھاٹک کے برابر میں دراڑ نما چھوٹا سا راستہ نظر آ گیا۔ جو شاید ملازمین کی پیدل آمد و رفت کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امید کی وہ کرن نظر آتے ہی میری رفتار خود بہ خود تیز ہو گئی۔

''رک جاؤ!'' پھاٹک کی چیک پوسٹ سے کوئی چیخا۔ ''باہر مسلح دشمنوں کا راج ہے۔''

وہ جو کوئی بھی تھا مجھے اپنوں میں سے سمجھ کر ہمدردی دکھا رہا تھا مگر میرے لیے وہ موت کی پکار تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور چشم زدن میں کھلے ہوئے راستے سے باہر نکل گیا۔

موتی محل پر مسلح افراد کی لشکر کشی کا واقعہ بنکاک کے شہریوں کے لیے معمولی نہیں تھا۔ وہ بارونق اور پُرہجوم علاقہ اس وقت تک ویران ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولیوں کی پہلی باڑ کے ساتھ تمام دفاتر اور دکانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں۔ جہاں چلنے کے لیے مشکل سے راہ ملتی تھی وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

موتی محل سے باہر آ کر میں نے سڑک عبور کرنے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ دوڑ لگا دی سڑک پار کرنے کی صورت میں' میں موتی محل کی طرف سے آنے والی کسی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔

موتی محل کے احاطے کی دیوار ختم ہونے کے بعد بھی میں نے اپنی رفتار کم نہیں کی۔

آگے خوف زدہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا جس میں متاثرہ علاقے سے بھاگنے والے بھی شامل تھے۔ لوگوں نے مجھے دیکھا لیکن کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں موتی محل کے زنداں سے بھاگا ہوا کوئی قیدی ہوں۔ بھیڑ میں شامل ہو کر میں نے اپنی رفتار چہل قدمی کی حد تک دھیمی کر لی۔

وہاں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ سب تجسس کے ساتھ ایک دوسرے سے بول رہے تھے لیکن ہر چہرے پر سوال ہی سوال مجسم تھے۔ اس بڑے ہجوم کے پیچھے ٹریفک رکا ہوا تھا۔ متعدد گاڑیاں متبادل راستے اختیار کر رہی تھیں۔

پہلی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں پھرتی سے اس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیور نے میری ہدایت پر اپنی گاڑی ہلٹن ہوٹل کی طرف جانے والی راہ پر ڈال دی۔

میں معجزانہ طور پر کسی خراش کے بغیر موتی محل سے نکل آیا لیکن اپنی زندگی کے اس بھیانک تجربے نے میرا دل و دماغ سن کر کے رکھ دیا۔

میں چند لمحوں کے فرق سے ایک اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اگر میں ان لوگوں کی باتوں سے مایوس ہو کر ان سے الجھ گیا ہوتا تو میری آزادی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتیں۔ یہ درست تھا کہ راجن اور اس کے حامیوں کے نرغے میں پھنس کر میں موتی محل پر ہونے والے حملے کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا مگر میں نے تحمل سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کی۔ میری وہی کوشش آخر کار بار آور ہوئی اور ڈان کے آدمیوں نے موتی محل میں بھگدڑ مچا دی۔

ڈان بہت گھاگ آدمی تھا۔ اس نے ابتدا سے بیشتر کام میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے اور ان کے بہتر نتائج پر دل کھول کر میری حوصلہ افزائی کرتا رہا تھا لیکن اس نتیجہ خیز موڑ پر اس نے خود ایک دلیرانہ فیصلہ کر کے راجن کو جیتے جی مار ڈالا تھا۔

جب ڈان نے مجھ سے اپنے منصوبے کا ذکر کیا تو مجھے

اس کی منصوبہ بندی اوچھی اور بچگانہ محسوس ہوئی۔ وہ ڈان کی تجویز نہیں تھی کہ میں اس پر کوئی رائے دیتا۔ ڈان نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ یقینی طور پر وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خوب واقف تھا جو میری نگاہ میں نہیں آسکے۔

ڈان نے باہر بیٹھ کر منصوبہ بنایا' میں نے اندران لوگوں کے درمیان رہ کر مشاہدہ کیا کہ ان کے درمیان ظاہری رفاقت کے باوجود خلوص اور باہمی اعتماد کا فقدان تھا۔ ان کی ٹکڑی میں راجن سب سے کمزور حلیف تھا۔ بھارتی انڈر ورلڈ کے چھ بڑوں کی موجودگی میں موتی محل پر بموں اور گولیوں کی برسات انہیں یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ راجن بنکاک میں اپنا اثر و رسوخ اس حد تک کھو چکا ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔

راجن نے بھی انہیں اس زعم میں بلایا ہوگا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ ان یقین دہانیوں کے پس منظر میں وہ حملہ بہت سنگین ثابت ہونا چاہیے تھا۔ راجن کے پانچوں مہمان منہ پھٹ اور اس پر حاوی تھے۔ ان کی برہمی کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ راجن ان کی حفاظت کے بندوبست میں بری طرح ناکام رہا۔ اس نے انہیں بنکاک بلا کر بے موت مروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ حملہ آور موتی محل میں گھسنے میں کامیاب ہو جاتے یا ان کا پھینکا ہوا کوئی بم صحیح نشانے پر گرا ہوتا تو وہ سب چشم زدن میں جہنم واصل ہو جاتے۔

زخمی راجن کے لیے اس بگاڑ کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پانچوں ہمیشہ کے لیے راجن سے متنفر ہو جائیں گے۔

سب کچھ ہو رہا تھا' راجن کو مات پر مات ہو رہی تھی لیکن وہ پھر بھی زندہ تھا۔

ٹیکسی متاثرہ علاقے سے دور' شہر کی بارونق سڑکوں سے گزر رہی تھی اور میرا ذہن دھیرے دھیرے گزرے ہوئے واقعات کا احاطہ کرنے کے قابل ہوتا جا رہا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ میں راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا سنہرا موقع ضائع کر کے اپنے ہوٹل کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

بم دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوتے ہی راجن کے پرتعیش کمرے میں جو افراتفری پھیلی میں اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ کمرے سے نکل کر وہ سب موتی محل کے اندرونی حصوں کی طرف بھاگے۔ راجن زخمی ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ کمرا چھوڑا۔

اس وقت راجن میرے آگے بھاگ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت لپک کر زہریلے نگینے کی سوئی اس کے بدن کے کسی حصے میں اتار دیتا تو وہ وہیں گر کر ہلاک ہو جاتا۔ وہاں سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ راجن ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اسے ڈھیر کرنے کے بعد میرے فرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں اسی طرح اپنی راہ بناتا ہوا باہر نکل آتا۔

بعد میں اس کی لاش دریافت ہوتی اور اس کی موت کا سبب سامنے آتا تو ان پر یہ سنسنی خیز حقیقت منکشف ہوتی کہ اکبر کے روپ میں ڈینی ان کے درمیان موجود تھا۔ جو ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر اپنا کام دکھانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس واردات کے نتیجے میں اکبر اور ڈینی کے نام سامنے آتے۔ ڈان کے لیے میرے وہ دونوں روپ اجنبی ہوتے وہ مجھے صرف علی احمد کے روپ میں جانتا تھا۔ اسے میرے اوپر کوئی شک نہ ہوتا۔ اسے یہ خلش ضرور ہوتی کہ ایک لمبی لڑائی لڑنے کے باوجود وہ اپنے آدمیوں سے راجن کو مروانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ کام ڈینی نے کر ڈالا۔

راجن کا وقت پورا نہیں ہوا تھا' قدرت اس کی رسّی دراز کر رہی تھی اس لیے وقت پر وہ نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا۔

وقت گزرنے کے بعد اس بارے میں سوچنا بے سود تھا۔ موتی محل میں جو کچھ ہونا تھا وہ یکے بعد دیگرے اپنی رفتار سے ہوتا چلا گیا۔ اس پر دماغ کھپانا خود کو مایوس اور ہلکان کرنے کے مترادف تھا۔

وہ خیال ہی کیا جو انسان کے ارادے کا پابند ہو۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنی کوتاہی کا احساس ذہن سے کھرچ کر مٹا دوں لیکن میں اپنی سی پوری کوشش کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں ذہن کو کسی اور سمت میں مرکوز کرتا اور چند لمحوں میں وہی خلش دوبارہ پریشان کرنے لگی۔

میں ان ہی خیالات کی رو میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے میں ہوٹل میں داخل ہوا اور لابی سے گزر کر لفٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ماسٹر!'' پیچھے سے ہلکی سی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میں تیزی سے پلٹا تو چاؤفان میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

''تم کس رو میں کھوئے ہوئے ہو؟'' میرے ٹھٹکنے سے وہ پل بھر میں میرے قریب پہنچ گیا اور حیرت سے بولا ''میں لابی کے سرے سے تمہارے پیچھے چلا آ رہا ہوں لیکن تم کو مڑ کر دیکھنے کا خیال تک نہیں آیا۔''

''تم یہاں کیا کررہے ہو؟'' میں نے کوئی وضاحت کرنے کے بجائے اسے گھور کر سوال کیا۔

''تمہارا انتظار کررہا تھا۔'' اس نے میرے غصے کو نظر انداز کرکے معصومیت سے کہا۔

''میں نے تمہیں ہوٹل میں آنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' میں نے آنے جانے والوں کے لیے گزرگاہ چھوڑ کر دیوار کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

''ضرور کیا ہوا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکا کے اپنے سر کو تھوڑا سا خم دیتے ہوئے اعتراف کیا ''اگر تم میرے ساتھ باہر تک زحمت کرو تو میں تمہارا دل خوش کردوں گا۔''

''آؤ!'' میں نے غرا کر کہا اور واپس اسی راستے پر چل دیا جدھر سے آرہا تھا۔

''ماسٹر! تم بہت جلدی تاؤ میں آجاتے ہو۔'' ہوٹل کے پورچ سے گزرنے کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی۔ ''آج کا دن شاندار رہا۔ موتی محل میں تین بم پھینکے گئے' دھواں دھار گولیاں چلیں اور ہمارے سارے آدمی خیریت کے ساتھ واپس آگئے۔ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔''

وہ تفصیل بتاتے ہوئے چاؤ فان کا سینہ فخر سے یوں پھولا ہوا تھا جیسے وہ خود سب کارنامے انجام دے کر آیا ہو۔ اسے مطلق اندازہ نہیں تھا کہ میں اس کامیاب حملے کا عینی شاہد تھا۔ اس نے جو خبر سنائی' اس پر میری طرف سے مسرت کا اظہار بہت ضروری تھا۔

''کمال کی بات ہے!'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''یہ ڈان کی منصوبہ بندی تھی۔ سارا کریڈٹ اسی کو جاتا ہے۔ موتی محل میں تو کافی تباہی پھیلی ہوگی۔''

وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول سے گاڑی کے تالے کھولے اور بولا۔ ''پہلے دھماکے کے بعد اندر سے کئی دل دوز چیخیں سنائی دی تھیں۔ میں وہاں کا سماں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آؤ' ادھر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''

''ہوٹل میں بھٹکنے کے بجائے تم سیدھے اس طرف کیوں نہیں نکل گئے؟'' میں نے اس کی گاڑی کے قریب رک کر پوچھا۔

''مزہ نہیں آتا۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''تمہارا موبائل فون بند ہے' انٹرکام پر تمہاری عو......ع......میرا مطلب ہے بیوی نے بتایا کہ تم نیچے اترے ہوئے ہو' میں نے سوچا کہ انتظار کرلوں۔ دشمن کی بربادی دیکھ کر تمہارا دل بھی خوش ہوجائے گا۔''

اپنی روانی میں غزالہ کے لیے عورت کا لفظ اس نے بروقت اپنی زبان پر روک لیا تھا۔ غنیمت تھا کہ اسے میری ہدایت یاد تھی۔ میں نے اس کی لغزش کو درگزر کردیا۔

اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔

''آج ڈان نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔'' وہ موج میں آکر کہہ رہا تھا۔ ''مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے اندازہ ہورہا ہے کہ آج موتی محل میں کئی آدمی مارے گئے ہوں گے۔''

میں نے وہاں سے فرار کی راہ اختیار کی تو میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں کسی طرح جلد از جلد موتی محل سے باہر نکل جاؤں۔ اس کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو مرتے یا زخمی ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن وہاں پھیلے ہوئے بربادی کے آثار بتارہے تھے کہ بموں کے دھماکے یقیناً مہلک رہے ہوں گے۔

دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوا تو میں ساؤنڈ پروف کمرے میں راجن کے مہمانوں کے سامنے اپنی پیشی بھگت رہا تھا۔ دھماکے کے اثرات محسوس کرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھولا گیا تھا۔ اس سے پہلے ابھرنے والی چیخیں میرے کانوں تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''کاش! راجن کا کوئی اہم مہمان بھی مارا گیا ہو۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔'' چاؤ فان نے حسرت سے کہا ''بڑے لوگ محفوظ اور بند کمروں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا ہوگا۔ زخم کھانے اور مرنے والے چھوٹا راجن کے ملازم ہی ہوں گے۔''

''اب ان موٹے جواریوں کی دمیں بھی اونچی ہوجائیں گی!''

چاؤ فان کچھ سوچ کر ہنس دیا اور بولا ''وہ دُموں کے بغیر بھی برفانی ریچھ معلوم ہوتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے شہ زور اور لڑاکا تھے۔ مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کے بے ڈول ہوگئے ہیں۔''

کچھ دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد چاؤ فان کو رک جانا پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر موتی محل کے آثار نظر آرہے تھے لیکن پولیس والوں نے ادھر جانے کا راستہ رکاوٹیں کھڑی کرکے بند کردیا تھا۔ رکاوٹوں سے آگے ہر طرف پولیس کی

وردیاں اور گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے موتی محل پر حملے کی خبر سن کر پورے شہر کی پولیس فورس وہاں اُمڈ آئی ہو۔

رکاوٹوں کے پاس سے اپنی گاڑی کو واپس موڑتے ہوئے چاؤ فان ایک سپاہی کے پاس رک گیا اور اپنی طرف کی کھڑکی کا خودکار شیشہ اتار کر اس سے اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگا۔

سپاہی نے تیزی سے کچھ کہنا شروع کیا جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا لیکن اس کے دونوں ہاتھوں کے پرزور اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بات یا کام سے انکار کر رہا تھا۔

چاؤ فان نے چڑانے والے انداز میں اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں لہرائیں اور ہنستے ہوئے اپنا شیشہ چڑھا لیا۔

''تم اس کو کیا بتانے کی کوشش کر رہے تھے؟'' میں نے تجسس انداز میں پوچھا۔

''آگے جانے کے لیے سوبھات دے رہا تھا' وہ نہیں مانا۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہاں اس طرح کھلی رشوت چلتی ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''بالکل!'' اس نے پرزور انداز میں جواب دیا ''سوبھات پر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ میرے اوپر ناراض ہو رہا تھا کہ آس پاس اس کے افسر منڈلا رہے ہیں اور میں اونچی آواز میں بول رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا ہی کام ہے۔ رشوت لینے سے زیادہ دینے کے لیے ہمت چاہیے۔ میں مر کر بھی کسی وردی والے کو یوں رشوت کی کھلی پیش کش نہیں کر سکتا۔''

''اسی لیے تم علی ہو۔ تم میں یہ خامی نہ ہوتی تو تم بھی ڈان ہوتے۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''رشوت کا لین دین قانون شکنی کا سب سے پہلا سبق ہوتا ہے' جسے یہ نہیں آتا وہ کبھی بڑا نام پیدا نہیں کر سکتا۔''

''تم نے کون سے بڑے تیر مارے ہیں!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ماسٹر! میں اتنا نکما نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔'' میرا جلا کٹا تبصرہ اس نے اپنے دل پر لے لیا اور سنجیدہ ہو کر بولا ''ڈان بلاوجہ میری عزت نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

''تم ہر وقت ڈان کی سختی اور بدکلامی کا رونا روتے رہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ اب تم اس سلوک کو اپنی عزت افزائی قرار دے رہے ہو۔''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس کی زبان پر نہیں جاتا' مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا ہوتا ہے۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' اسے میرے اوپر چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا حال دیکھ کر تم کیا محسوس کر رہے ہو!''

اس نے موضوع بدل دیا۔ میں نے بھی ڈان کا ذکر وہیں ختم کر دیا۔

چاؤ فان دور کا ایک تماشائی تھا۔ اسے موتی محل کے اطراف میں خوف و ہراس کے سائے دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں موتی محل میں جن حالات سے گزر چکا تھا اس کا عشر عشیر بھی چاؤ فان کے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے مجھے ڈان کی طرف لے جانا چاہا لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ڈان کی ہدایت تھی کہ میں اشد ضرورت کے بغیر کبھی سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ اپنی مرضی سے وہ جب چاہتا' مجھے وہاں طلب کر سکتا تھا۔

چاؤ فان کی گاڑی دیر تک شہر کی سڑکوں پر بھٹکتی رہی اور ہلٹن ہوٹل کے آثار نظر نہیں آئے تو میں نے اسے ٹوکا۔ اس کے جواب سے اندازہ ہوا کہ وہ موج میں آ کر آوارہ گردی کر رہا تھا۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ راجن کے معاملے میں وہ میرے یا ڈان کے سوا کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ڈان سے اس کے مراسم نیازمندانہ تھے' میرے ساتھ وہ کافی بے تکلف ہو چکا تھا۔ شہر کی جہاں نوردی کے دوران وہ مجھ سے راجن اور موتی محل کے بارے میں دنیا جہان کی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

وہ مجھے ہوٹل سے کھینچ کر بنکاک کی سڑکوں پر لایا تھا۔ میں اس کے ساتھ آنے سے انکار کرتا تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ میں اتنے اہم واقعے میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہا۔ میرے اس غیر فطری ردِعمل کی خبر ڈان کے کانوں تک پہنچتی تو وہ بھی میرے بارے میں کوئی منفی بات سوچ سکتا تھا۔ اپنے دہرے کردار کی وجہ سے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔

اس کے ساتھ آتے ہوئے بھی میرا دھیان غزالہ کی طرف تھا۔ اس نے بہت تشویش کے عالم میں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح یہ بات چاؤ فان کے دماغ میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت درپیش نازک حالات میں ہمارا شہر کی

سڑکوں پر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے ہوٹل پہنچا کر اسے بھی اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے۔

وہ اپنے گھر اور گھر والی سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ اس نے اچانک لی کی طرف جا کر وقت گزارنے کا فیصلہ کیا اور مجھے ہوٹل کے قریب اتارنے پر آمادہ ہوگیا۔

لی بہت بڑی فن کارہ تھی۔ وہ چاؤ فان جیسے رنگین مزاج مردوں کو رجھانے اور تڑپانے کے ہنر میں طاق تھی۔ چاؤ فان خود تسلیم کر چکا تھا کہ وہ اپنی مادم کو فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ لی اس کے دل و دماغ سے اس بری طرح چمٹی ہوئی تھی کہ وہ اپنی مردانگی کو بالائے طاق رکھ کر لی کی خوشامد اور حاشیہ برداری میں پورا دن بھی گزار سکتا تھا۔

اسے اپنی دل بستگی کی ایک راہ سوجھ گئی تھی۔ اس نے چند منٹ میں مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے بند دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی تو ذرا سے توقف کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے پیچھے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے تمتماتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اپنے دوپٹے کو اسکارف کی صورت میں سر اور چہرے کے گرد کچھ اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ اس کے بشرے کی سادگی معصومیت کی حد تک نکھر آئی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے لوٹ آئے۔ میں مسلسل آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔''

اس کے پیچھے مجھے قالین پر بچھا ہوا تولیا نظر آرہا تھا جسے وہ شاید جانماز کے طور پر استعمال کررہی تھی۔ زندگی سبک روی سے گزرتی رہے، خوف اور حادثوں کے اندیشے نہ ہوں تو بیشتر انسان اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ کڑا وقت سر پر آجائے تو ایسے میں ہر شخص کو اللہ یاد آتا ہے۔ غزالہ مذہب اور عبادات سے بیگانہ نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی کیفیت دیکھ کر میرے دل پر بھی عجیب سی رقت طاری ہونے لگی۔ یہ میری ہوشیاری اور چالاکی نہیں تھی جس کے سہارے میں موتی محل کے بھیانک زنداں سے زندہ و سلامت نکل آیا تھا۔ یقینی طور پر غزالہ کی دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو مقبولیت کا درجہ ملا تھا۔

غزالہ نے میری واپسی کے لیے نفل مانے ہوئے تھے۔ اس نے تولیے کی جانماز سے اٹھ کر میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔ مجھے خوش آمدید کہہ کر وہ دوبارہ اسی مصلے پر چلی گئی۔

شکرانے کے نفل پڑھ کر وہ فارغ ہوئی تو تولیا سمیٹ کر میرے پاس آبیٹھی۔ اس کی دانست میں، میں موت کے منہ میں جا کر واپس لوٹا تھا۔ شاید اس کا وہ اندازہ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے جلد از جلد سب کچھ سن لینا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کردی۔

غزالہ کے چہرے کے تاثرات پل پل بدلتے رہے۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد جب میں نے اس بات پر قلق ظاہر کیا کہ میں بھگدڑ میں راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کرسکا تو وہ بے ساختہ بولی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ آپ کو یہ بات یاد نہیں آئی۔ آپ اسے مار دیتے تو بڑی مشکلات پیدا ہوجاتیں۔ یہاں سے کراچی تک، سب کچھ بکھر جاتا۔''

''تم کن مشکلات کا ذکر کررہی ہو؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ آپ کے ہاتھوں مارا جاتا تو جلد یا بدیر یہ ثابت ہوجاتا کہ آپ بنکاک میں موجود ہیں اور دشمنوں کے خلاف اپنے ہتھیار استعمال کررہے ہیں۔'' اس نے پرجوش لہجے میں وضاحت کی۔ ''جلال کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ اس کی محنت سے آپ کے دشمنوں کی ساری توجہ ان دونوں قیدیوں پر مرکوز ہے جو ڈینی ہونے کا اعتراف کررہے ہیں۔ وہ لوگ انہیں چھوڑ کر بنکاک کا رخ کرلیتے۔''

میں چند ثانیوں کے لیے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ غزالہ نے برجستگی سے ایک سنگین حقیقت کی نشان دہی کی تھی۔ راجن کی دشمنی اور موتی محل میں پیش آنے والے حالات و واقعات نے شاید میری عقل بری طرح ماؤف کرکے رکھ دی تھی!

میں ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہوسکتا تھا۔ ایک وقت میں بنکاک اور کراچی میں میری موجودگی ناممکن تھی۔ اس وقت تک میں صرف راجن سے برسرِ پیکار تھا۔ اس کی موت کے ذریعے امریکیوں کو بنکاک میں میری موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت مل جاتا تو وہ کراچی کو بھول کر اپنے سارے وسائل کے ساتھ بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے جہاں کا مضبوط فوجی اڈا ایک مدت سے فعال تھا۔

جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی ہوا تھا۔ اس میں میرے ارادوں سے زیادہ حالات کے دھارے کا دخل تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔

میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ بر لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آ نزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آ نزک نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام نیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بناء پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلب میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچا گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔

میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامائی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔

بنکاک میں چاؤفان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤفان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکار سی آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ اسے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے جاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ علاقے کے چھٹا ہوا بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ یہ نازک لمحات تھے تاہم جاؤ فان کی فائرنگ اور بمباری کے باعث میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا۔

اب آپ قسط نمبر 254 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

غزالہ نے اپنی رائے کا اظہار کر کے میرے ذہن کی دھند یکسر صاف کر دی۔ موتی محل سے واپسی پر راستے بھر مجھے یہ سوچ کر قلق ہوتا رہا تھا کہ میں نے وہاں بموں کے دھماکوں اور دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر راجن کو اپنی زہریلی انگوٹھی کے سہارے موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتارا۔

اس وقت میرا ذہن صرف اسی سمت میں کام کر رہا تھا اور مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ میں راجن کو جہنم واصل کر کے بحفاظت موتی محل سے باہر آ سکتا تھا مگر بات اتنی سیدھی نہیں تھی۔

زہر کے ذریعے دشمنوں کی جان لینے کا انداز میری ذات سے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں، میں نے جب ایک محافظ کو اس انگوٹھی سے شکار کر کے اپنی جان بچائی تو سوبھراج نے فوری طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔ یہ میری چرب زبانی کا نتیجہ تھا کہ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو وہ مہلک ہتھیار دے کر کراچی سے بنکاک بھیجا تھا اور گولڈن ڈریگن کیسینو میں مارا جانے والا گارڈ اسی کا نشانہ بنا تھا۔

وہ بنکاک میں میری جانب سے اس انگوٹھی کا پہلا استعمال تھا۔ پچھلی رات میں نے بنکاک کے ساحلی علاقے میں راجن کے دو آدمیوں کو اسی انگوٹھی کے سہارے موت کی نیند سلایا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ میں اپنے منصوبے کے مطابق ان دونوں لاشوں کو راجن کی گاڑی سمیت نذر آتش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یوں ان دونوں کی سوختہ لاشوں سے موت کے اسباب جاننے کا ہر امکان معدوم ہو گیا۔

اگر میں راجن کو بھی اس انگوٹھی کا نشانہ بنا لیتا تو وہ ضرور ہلاک ہو جاتا مگر میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ میرے دشمنوں کو سو فیصد یقین ہو جاتا کہ میں بنکاک میں موجود ہوں۔ راجن کی حمایت اور مدد کے لیے آئے ہوئے پانچوں بھارتی سرغنوں کو علم ہو جاتا کہ اکبر کے بارے میں ان کے شکوک و شبہات درست تھے، ڈینی نے اکبر کا روپ دھار کر راجن کو اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا اور اس کے گھر کا بھیدی بن کر اسے موت کے چنگل میں پھانسنے کی تیاری کر رہا تھا۔

میرے اس قدم سے جلال کی کوششوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ اس نے پورے خلوص کے ساتھ امریکی خفیہ محکموں کے افسران کی توجہ پاکستانی ایجنسیوں کے پکڑے ہوئے دو بدنصیب مجرموں پر مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ اس کی جانب سے امریکیوں کو یہ باور کرایا جا رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ڈینی تھا۔ میرا نام امریکیوں کے اعصاب پر اس بری طرح سوار تھا کہ وہ جلال کے اس جھانسے میں آ گئے۔ وہ براہ راست ان دونوں سے ہونے والی تفتیش کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہیں یہ خبر ملتی کہ میں نے بنکاک میں راجن کو اپنے خفیہ ہتھیار سے موت کی نیند سلا دیا ہے تو وہ جلال سے بدظن ہو جاتے۔ ان کے لیے یہ احساس بہت شرمناک اور توہین آمیز ہوتا کہ ایک پاکستانی افسر نے ان کی ساری تربیت اور تجربے کو مات دے کر انہیں ایک بے ثمر مشق میں الجھایا ہوا تھا۔ وہ کراچی میں اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے۔ اسی کے ساتھ انہیں اپنے اس الزام کی تائید کا اکلوتا اور نہایت مضبوط ثبوت مل جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں ڈینی کی پشت پناہی کر رہی ہیں، ڈینی بنکاک میں اپنے حریفوں سے کشت و خون میں مصروف ہے اور پاکستانی ایجنسیاں اسے کراچی میں زیر حراست ظاہر کر رہی ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا واقعہ جلال کی ساکھ کی تباہی کا سبب بن جاتا۔

راجن کو موتی محل میں زندہ سلامت چھوڑ کر نکل آنا میری حماقت نہیں، درحقیقت کوئی غیبی رہنمائی تھی۔ صحیح وقت پر وہ خیال میرے ذہن میں آ جاتا تو شاید میں ایک لمحے کے لیے بھی ان منفی امکانات پر غور نہ کرتا۔ فرار کی کھلی راہ سامنے پا کر میں چشم زدن میں راجن کا کام تمام کرتا ہوا بھاگ نکلتا۔

غزالہ نے میری بات سنتے ہی چند فقروں میں وہ سارے خدشات بیان کر دیے۔ میں موتی محل میں حالات

کے بدترین بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔ جو شخص برے حالات سے دوچار ہوتا ہے وہ اکثر اوقات سامنے کی اور سیدھی باتوں کو نظرانداز کردیتا ہے۔ جو لوگ جذباتی یا عملی طور پر ان حالات سے نہ گزرے ہوں، وہ پوری روداد سنتے ہی پل بھر میں بالکل صحیح نتائج اخذ کرکے ان کوتاہیوں کی نشاندہی کردیتے ہیں جن کے سرزد نہ ہونے سے سب کچھ بدلنا ممکن ہوجاتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں ایک سنگین غلطی کے ارتکاب سے بال بال بچ گیا تھا۔

''تم خانہ نشین ہوچکی ہو لیکن تمہارے دماغ میں جنگ جو عورت چھپی ہوئی ہے۔'' میں نے ہنس کر اس کی تعریف کی ''تم ذرا سے اشارے سے پوری بات سمجھ لیتی ہو۔''

''میرا زندگی بھر ایسے معاملات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آپ کی ویرا میرے پیچھے نہ لگی ہوتی تو میں آج بھی ان پیچیدگیوں سے نابلد ہوتی!'' وہ شوخی سے بولی۔

''میری ویرا کیوں......؟'' میں نے چونک کر ہلکا سا احتجاج کیا ''وہ مجھ سے زیادہ تمہاری گہری دوست ہے۔''

''شاید آج کے لیے آپ کی بات درست ہو، ایک زمانے میں وہ میری جان کی دشمن تھی۔ میری اور اس کی دشمنی کا سبب آپ تھے'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے آدمی مجھے زبردستی انگلینڈ نہ لے گئے ہوتے تو میں آج بھی سیدھی سادی ہوتی۔''

اس کی بات درست تھی۔ جو لوگ مصائب سے دور رہ کر زندگی گزارتے ہیں، ان کی سوچ اور ردعمل میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے حالات کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، ان کی جبلی قوتیں جلا پاکر اتنی توانا ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وہ پلک جھپکتے میں حالات کا صحیح تجزیہ کرکے بہترین فیصلے کرنے کے قابل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دوپہر کو ٹیلی وژن سے نشر ہونے والی انگریزی خبروں میں موتی محل پر ہونے والے حملے کا ذکر موجود تھا۔ نامعلوم افراد کے ایک جتھے نے دستی بموں اور آتشیں ہتھیاروں سے موتی محل پر حملہ کیا تھا۔ احاطے کی اونچی دیواروں کی وجہ سے فائرنگ نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا لیکن اندر پھینکے جانے والے تین بموں سے پانچ افراد ہلاک اور چار زخمی ہوئے تھے۔

ٹیلی وژن دیکھتے ہوئے میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اس خبر کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی۔ وہ بنکاک کی شہری زندگی کا ایک اہم اور خونیں واقعہ تھا۔ راجن کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا مگر وہ خبر آخر میں اور سرسری انداز میں ٹیلی کاسٹ کی گئی تھی۔ خبر میں جائے واردات کی کوئی تصویری تفصیل شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں اس کا سبب بھی سامنے آگیا۔ واردات پر کسی قسم کی رائے زنی کے لیے راجن سے رابطہ نہیں ہوسکا۔ پے در پے مار کھانے کے بعد وہ کہیں روپوش ہوچکا تھا۔ وہاں پہنچنے والوں کے لیے موتی محل کا پھاٹک بند تھا۔ فون کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔ ان کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ موتی محل کے جو مکین موت اور ہلاکت سے بچ گئے تھے، انہیں سانپ سونگھ گیا تھا، وہ کسی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''راجن بدترین خسارے سے دوچار ہوا ہے۔ ان خبروں سے ڈان کو بہت خوشی ہوگی'' خبریں ختم ہونے پر میں نے ٹیلی وژن بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اصل میں اسی کی لڑائی ہے۔ راجن کے بعد کوئی ڈان کی راہ نہیں روک سکے گا'' غزالہ نے پرخیال انداز میں تبصرہ کیا۔

''تم بھول رہی ہو کہ جلال بھی راجن کی موت کا خواہاں ہے'' میں نے اسے یاد دلایا ''میں اسی کی خواہش پر راجن کی راہ پر لگا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ڈان میری طرف سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اس کے لیے دل و جان سے کام کررہا ہوں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''راجن کی موت کا فوری فائدہ ڈان کو حاصل ہوگا۔ اسے خوش کرنا ہے تو آپ کو اسے فون کرلینا چاہیے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ وہ خود خوشی سے بے قابو ہوکر مجھے فون کرے گا۔''

''وہ آپ کی ہر کامیابی پر فون کرکے آپ کو مبارک باد دیتا رہا ہے'' غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی۔ ''آج کے حملے کا منصوبہ اس کا تھا۔ آپ پہل کریں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا، وہ خوش ہوجائے گا۔''

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے اسی لمحے ڈان کے موبائل فون کا نمبر ملالیا۔

''ڈان! مبارک ہو، آج تمہارے آدمیوں نے موتی محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی'' سلسلہ ملتے ہی میں نے پرجوش لہجے میں کہا ''تمہارا بنایا ہوا منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار رہا ہے۔ اب آنے والے دن تمہارے ہیں۔''

''یہ میرے ساتھ تمہاری بھی کامیابی ہے'' ڈان کی تحکم

میز آواز میں بردباری سمٹ آئی ''تمہارے آجانے سے
ہمارے سب آدمیوں کو حوصلہ ملا ہے۔ اس وار نے چھوٹا
راجن کی ہوا اکھاڑ دی ہے۔ اس کے حمایتی یہاں اپنے
جھنڈے گاڑنے کے لیے آئے تھے مگر اب بدحواس ہو چکے
ہیں۔ ابوسالم ایک پرواز سے ممبئی یا دبئی کی طرف نکل چکا
ہے۔ بقیہ چاروں بھی جلد از جلد یہاں سے بھاگ نکلیں گے۔
ہمارا دشمن بے یار و مددگار رہ جائے گا۔''

مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ موتی محل پر حملے کے صرف
دو تین گھنٹوں بعد ابوسالم بنکاک سے نکل جانے میں کامیاب
ہو گیا۔

''کیا وہ اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کروا کے آیا تھا؟''
میں نے تحیر زدہ لہجے میں بے ساختہ سوال کیا ''اتنی جلدی وہ
کیسے جا سکتا ہے!''

''اس کا نام اتنا بڑا نہیں ہے لیکن وہ ان سب سے زیادہ
چالاک ہے'' ڈان کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی۔ ''اس نے
بھانپ لیا ہوگا کہ وہ یہاں رکا رہا تو بنکاک میں اس کی قبر بن
سکتی ہے۔ یہ لوگ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ یقین
کر لیتے ہیں کہ ان کی واپسی کے دس راستے کھلے ہوئے
ہیں۔ اس کے لیے سیٹ لینا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم کام کرنے
کے ساتھ ساتھ گرد و پیش کے حالات سے باخبر بھی رہتے ہو''
میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ آج ہونے والی خوں ریزی نے
چھوٹا راجن کے ساتھیوں کے دل دہلا دیے ہیں۔'' میری
تعریف کے جواب میں ڈان کے لیے اپنی باخبری کا مزید
اظہار لازم ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''خبریں ہیں کہ سب لوگوں
نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ موتی محل میں اپنے بھارتی
غلاموں کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔''

''وہ کب تک چھپا رہے گا...... سامنے آیا اور مارا جائے
گا۔''

''یہ تمہارا کام ہے۔ اس میں چاؤفان پوری طرح
تمہاری مدد کرے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں
ہے؟'' بات کرتے کرتے ڈان نے مجھ سے اچانک ایک بے
تکا سوال کر دیا۔

''حملے کے بعد وہ میرے پاس آیا تھا۔ ہم دونوں نے
موتی محل کی طرف جانے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے
راستے بند کیے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ہوٹل پر اتار کر واپس
چلا گیا'' میں نے جلدی جلدی بتایا۔ یہ بات سرے سے گول
کر دی کہ مجھ سے رخصت ہو کر وہ کہاں جانے کا ارادہ
ظاہر کر رہا تھا۔

''وہ خوش ہو یا مغموم' دونوں حالتوں میں یکساں حرکتیں
کرتا ہے۔ شراب پی کر عورتوں میں گھسنا اس کا سب سے بڑا
شوق ہے۔ وہ اس وقت لمبی گھوڑی کی طرف گیا ہوگا۔ آج
کل وہ وہاں کے چکر لگا رہا ہے۔'' ڈان نے تلخی سے کہا۔

''وہ کہیں بھی ہو' مجھے اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو
اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے میرے پاس چلا آتا ہے''
میں نے ایمان داری سے حقیقت بیان کر دی۔

''اسے قابو میں رکھو' میں اس کی طرف سے فکرمند
ہوں۔ چھوٹا راجن کا قصہ ختم ہونے کے بعد اسے آزادی ملے
گی تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔''

راجن زندہ تھا لیکن ڈان کو آنے والے وقت کی فکر لاحق
ہونے لگی تھی۔ زیرزمین دنیا کا اقتدار اس کے پاس آ جاتا تو
اسے لازمی طور پر ان ہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا جو گوشہ نشینی
کے دنوں میں اس پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے
رہے تھے۔ ایسے لوگوں میں چاؤفان کا نام سرفہرست تھا۔

''تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ
ذمے داری کا بوجھ پڑے گا تو وہ خود ہی سدھرنے کی کوشش
کرے گا۔''

''علی! مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں۔ وقت گزرنے
کے ساتھ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے
گوشہ نشینی کے بہت دن گزار لیے۔ اب اچھے دنوں کا جلد
آغاز ہونا چاہیے۔'' دوسری طرف سے مختصر سے سکوت کے
بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''وہ اپنی کمین گاہ میں
چھپا ہوا ہے تو تم کسی طرح اسے باہر نکالو۔ اس کا قصہ اب ختم
ہونا چاہیے۔''

''تم نے مجھے حوصلہ افزا خبریں سنائی ہیں۔ اس کے
حمایتی ایک ایک کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں تو میں
کوئی راہ نکالتا ہوں'' میں نے سعادت مندانہ انداز میں
جواب دیا۔

''میں تمہارے اندازوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ کل تم نے
کہا تھا کہ شاید وہ سب موتی محل میں جمع ہوں اور آج وہ وہیں
تھے۔ وہ کہیں اور اکٹھا ہوتے تو شاید چھوٹا راجن کا منہ اتنا کالا
نہ ہوتا'' ڈان کو اچانک میری قیاس آرائی یاد آ گئی اور اس کی
زبان چل پڑی ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس کے اہم مہمان
اس کے گھر آئے ہوئے تھے اور وہ میرے آدمیوں کا حملہ نہیں
روک سکا۔ جو آدمی اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا' وہ

مہمانوں کی کیا حفاظت کرے گا؟''

ڈان نے بالکل وہی بات کہہ ڈالی جو ابتدا سے میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ ڈان نے صرف اندازہ لگایا تھا' میں موتی محل میں اپنی آنکھوں سے راجن کے مددگاروں کے تیور دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے کسی نے راجن کو اپنے برابر کی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص اس سے مربیانہ انداز میں پیش آ رہا تھا۔ تباہ کن حملے کے بعد ان کے تیور بگڑنے لازمی تھے۔

میں نے غزالہ کے ایما پر مخصوص مقصد کے لیے ڈان کو فون کیا تھا۔ میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

موتی محل میں میری حاضری کا اہم ترین کام صبح سویرے نمٹ گیا تھا۔ اس وقت مشکل سے دوپہر ہوئی تھی۔ آگے پہاڑ جیسا آدھا دن پڑا تھا۔ میں نے شہر کی کوچہ نوردی کے لیے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کیا تو غزالہ بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دوران میں' میں غزالہ کے ساتھ باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہا۔ ہم دونوں کی شناخت بدلی ہوئی تھی پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ باہر جاتے۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے ہم عینکوں وغیرہ کے استعمال سے اپنے حلیوں میں اتنی تبدیلی ضرور کر لیتے کہ کوئی ہمیں پہلی نظر میں نہ پہچان سکے۔

ویسے بھی غزالہ ہوٹل سے بہت کم باہر نکلتی تھی۔ میرے ساتھ کسی مہم میں اس کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر جاؤفان میرے ساتھ ہوتا۔ میں اس کی فطری خباثتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عورتوں کے لیے عزت نام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ وہ ہر خوب رو عورت اور لڑکی کو ایک تفریحی کھلونا سمجھنے کا عادی تھا۔ اگر وہ اپنی بسیار گوئی کی روانی میں کسی وقت غزالہ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کر گزرتا تو میرے لیے برداشت کرنا ناممکن ہوتا۔ ایسی کسی تلخی سے بچنے کے لیے میں نے کبھی اس کو غزالہ کے سامنے لانے کی کوشش نہیں کی۔

میری مجبوری یہ تھی کہ وہ بنکاک میں میرا واحد عملی مددگار تھا۔ میں اس کے ساتھ اپنے مراسم بگاڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

ڈان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس نے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا جبکہ میں نہایت انکسار اور عاجزی سے کام لے کر اسے اس حد تک استعمال کر رہا تھا کہ جاؤفان میرے اشاروں کا غلام بنا ہوا تھا۔ مجھے ڈان کے ذریعے جاؤفان کا سہارا نہ ملا ہوتا تو سوبھراج پر قابو پانا ناممکن ہو گیا ہوتا۔

ان لوگوں کی مدد سے میں نے نہایت رازداری کے ساتھ سوبھراج کو جہنم واصل کیا۔ وہ کام ایسی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کہ نہ سوبھراج کا نام سامنے آ سکا نہ ڈان کو میرے اصل مقصد کی ہوا لگ سکی۔ وہ بدستور میرے گن گا رہا تھا۔

ہوٹل کے بند کمرے میں رہتے رہتے غزالہ کا اکتا جانا فطری تھا۔ اس وقت میرے سامنے کوئی مشن نہیں تھا' میں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادگی ظاہر کی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور اس نے ویرا سے ملنے کی فرمائش کر ڈالی۔

میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ہم چاروں ایک شہر میں موجود تھے لیکن غزالہ کو ان دونوں سے ملاقات کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی کہ اسے ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اس ملاقات کے لیے ہمارا ہوٹل محفوظ تھا نہ ویرا کا۔ اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم مخشب بنکاک چھوڑ چکا تھا لیکن بقیہ لوگوں کی رہائش کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ادھر کا رخ نہ کیا جائے۔

معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کے ہوٹل کی پشت پر سیام اسکوائر کا وسیع و عریض پارک موجود ہے۔ جہاں ہر وقت سیاحوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ آنے جانے والوں کو ایک دوسرے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس علاقے میں سیاحوں کی توجہ کے کئی اور مراکز بھی موجود تھے۔ ہم چاروں کی محفوظ ملاقات کے لیے سیام اسکوائر بہترین مقام تھا۔

میں نے اسی وقت فون ملایا۔ کال سلطان شاہ نے وصول کی۔ شاید مجھے اس کے کمرے کا نمبر یاد رہا تھا۔ میں نے اسے ویرا کے ساتھ سیام اسکوائر کے پارک میں پہنچنے کی ہدایت کی اور مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کے ہوٹل اور سیام اسکوائر کے محل وقوع کا علم نہیں تھا لیکن وہ کوئی سوال کیے بغیر میری ہدایت کا مدعا سمجھ گئی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی فرمائش پوری کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

ہم دونوں ہلٹن ہوٹل کے احاطے سے نکل کر بائیں طرف مڑ گئے جہاں نکڑ کی عمارت میں برطانوی سفارت خانہ

قائم تھا۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ اسے میرے ساتھ بنکاک کی سڑکوں پر مٹرگشت کرنے کا ایک اور موقع مل گیا تھا۔ سفارت خانے سے ہم راماؤن روڈ پر دائیں طرف گھوم کر قدیم وضع کی عمارات اور یادگاروں کے قریب سے ہوتے ہوئے سیام اسکوائر کے پارک میں داخل ہوئے تو غزالہ حیران رہ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں نے اپنے لیے اتنے قریبی ہوٹل کا انتخاب کیا ہوگا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ پارک میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی وہاں خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ نے میری ہدایت پر بہت تیزی سے عمل کیا۔ وہ ویرا کے ہمراہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے دور سے ہمیں دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرایا اور ہم دونوں تیزی سے اس کی طرف ہو لیے۔

ہم چاروں کی ملاقات خاصی پرجوش رہی۔ ویرا یوں غزالہ سے ملی جیسے برسوں بچھڑے رہنے کے بعد ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی ہو۔ میں ان سے پہلے ہی مل چکا تھا اس لیے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے عورتوں کے روایتی انداز میں کچھ گلے شکوے کیے، سلطان شاہ اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ ویرا کی مزاج پرسی سے فارغ ہو کر غزالہ نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی جگمگا اٹھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ امریکا میں رہ کر ایسی بے لوث اپنائیت کو ترس گیا تھا۔

اس وقت ہم پارک کی ایک پختہ روش پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ عام گزرگاہ تھی۔ میں انہیں نرمی سے اشارہ کر کے گھاس کے ایک قطعے پر اتر گیا۔

چند منٹ بعد ہم تھکے ہارے سیاحوں کی طرح ستانے والے انداز میں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''آج تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میرے دل کو اطمینان ہوا ہے'' سلطان شاہ، غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''ایک دوسرے کے بغیر تم ادھورے لگتے ہو۔''

''اور میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''تمہاری ذات سے مجھے کوئی سکھ ملنے کی امید ہوتی تو میں نے اپنے رہنے کے لیے الگ کمرا کرائے پر نہ لیا ہوتا'' اس نے برجستگی سے جواب دیا۔

''ان دونوں کو دیکھ کر اب اپنی اصلیت جتا رہے ہو...... یہ کیوں نہیں کہتے کہ برسوں ایک چھت کے نیچے میرے ساتھ رہنے کے بعد اچانک تم کو خیال آیا ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میں یکجا نہیں رہنا چاہیے'' ویرا بولی۔

''ابھی بھی چھت ایک ہی ہے، بس بیچ میں دیواریں آ گئی ہیں'' سلطان شاہ نے کہا ''ویسے بھی تم جن برسوں کا حوالہ دے رہی ہو، ان میں، میں بھی تمہارے کمرے میں نہیں رہا، ایک گھر کے الگ الگ کمروں میں رہنے کو تم ساتھ رہنا نہیں کہہ سکتیں!''

''تمہاری بات سو فیصد درست ہے'' میں نے سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن یہ بات تمہیں کب اور کیسے یاد آ گئی؟''

''میں نیویارک میں جہاز کی لینڈنگ سے پہلے الگ کمرے میں رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اسے دوران پرواز ویرا کا اپنے شانے سے سر ٹکا کر سونا ناگوار گزرا تھا۔ ویرا کی اس بے تکلفی نے اسے ایک ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک کمرے میں شب و روز ساتھ گزارے جاتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ ویرا مجھے فون پر اس واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی۔ ویرا کے بے پروائی سے سو جانے پر وہ اتنا برہم ہوا تھا کہ اس کے مزاج کو اعتدال پر لانے کے لیے ویرا کو اپنے پیر میں موچ آنے کا ڈراما کرنا پڑا تھا۔

غزالہ اس قصے کو کرید نے کی فکر میں تھی مگر میں نے بات آگے نہیں بڑھنے دی اور جلدی سے بولا ''تم دونوں ایک کمرے میں رہو یا الگ الگ، مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہارے مراسم خوشگوار ہیں۔''

''یہ میری برداشت کا کمال ہے کہ تمہیں ہمارے تعلقات خوشگوار نظر آ رہے ہیں ورنہ اس خاتون نے معاملات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!''

''یہ سفید جھوٹ ہے'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اکبر کی بات ماننے سے انکار کرتی چلی آ رہی ہوں۔''

ویرا کا الزام سن کر غزالہ چونک گئی۔ میرے بھی کان کھڑے ہو گئے مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ گفتگو میں قدرے تیزی آ جانے کے باوجود ویرا نے سلطان شاہ کا فرضی نام لیا تھا۔

''اکبر کیا کہتا ہے تم سے؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں پیدائشی کرسچین ہوں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنا

مذہب تبدیل کرلوں۔ جب موقع ملتا ہے اس بارے میں مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔'' ویرا کا جواب سن کر غزالہ کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات یکا یک ڈھیلے پڑ گئے۔

''تم منہ در منہ جھوٹ بول رہی ہو'' اس بار سلطان شاہ تلملا کر بولا ''میں نے ایک بار بھی تم سے مذہب کی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا' تم کو مسلمان ہو جانے کے فائدے گنواتا رہا ہوں۔''

''میرے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے'' ویرا بے پروائی سے بولی ''ایک کیتھولک کرسچین کو اپنے وعظ سنا کر تم کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''اوہ خدا!'' غزالہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہنے والے انداز میں بولی ''ہم چاروں ایک مدت کے بعد یکجا ہوئے ہیں اور تم دونوں نے پھر اپنی پرانی......''

''انہیں بولنے دو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''یہ ان کے دلوں میں دبا ہوا غبار ہے جو نکل رہا ہے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا۔ جب کوئی نہیں بولا تو میں نے سلطان شاہ سے پوچھا ''ریٹا نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟''

''تت...... تبلیغ میں ایسا ہی کرتے ہیں'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا ''غیر مسلم اسی طرح ہمارے مذہب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔''

''یہی بات میں کہہ رہی ہوں تو تم مجھے جھوٹا قرار دے رہے ہو'' ویرا نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا ''یہ تمہاری نہیں' میری برداشت ہے کہ آج بھی گاڑی چل رہی ہے۔ تم مسلسل مجھے میرے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے اور میں چپ رہی۔ میں جانتی تھی کہ میں تمہیں قائل نہیں کر سکوں گی۔ ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا جو تمہیں کوئی معقول بات سمجھاتا۔ اب علی خود فیصلہ کر دے گا کہ کون غلطی پر ہے۔''

''تم ریٹا کو مسلمان کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے اپنی نظریں سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز کر کے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

''کوشش کر رہا تھا'' اس نے مجھ سے نظریں چرا کر کمزور لہجے میں جواب دیا ''وہاں ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا' میں نے سوچا کہ بیکار رہنے کے بجائے ایک نیک کوشش کرتا رہوں۔ شاید میری باتیں ریٹا کے دل میں اتر جائیں۔''

''میں کرسچین ہوں لیکن کبھی چرچ نہیں جاتی۔ مسلمان ہو گئی تو تمہاری مسجدوں میں نہیں جاؤں گی'' ویرا جارحانہ انداز میں بولی ''یہ بتاؤ کہ میں مسلمان ہو گئی تو میرا مستقبل کیا ہو گا؟ مجھے کون قبول کرے گا...... تمہارے معاشرے میں ایک بے وطن اور نو مسلم عورت کا کیا بنے گا؟''

یکایک سلطان شاہ کے چہرے سے یتیمی برسنے لگی اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ ہنسی مذاق میں بات بہت دور نکل گئی تھی۔ غزالہ نے اس موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا ''تم نے ایک نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اپنے اندر تھوڑی سی ہمت بھی پیدا کرو۔ ریٹا کا سوال بہت جائز ہے۔ اسے اپنے مذہب کے دائرے میں لانا چاہتے ہو تو اسے حوصلہ دو کہ تم اسے قبول کرلو گے۔''

سلطان شاہ کے دیدے حیرت سے پھیل گئے' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر کچھ کہے بغیر دونوں ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جما لیے۔ اسے غزالہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ یکایک اسے ایسے امتحان میں ڈال دے گی۔

''صدف کی بات درست ہے'' میں نے لقمہ دیا ''خود میں اتنی ہمت پاتے ہو تو اس کا مشورہ قبول کرلو ورنہ انکار کر دو۔ یہ زبردستی کا معاملہ نہیں ہے۔''

میں کن انکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس مرحلے پر ویرا نے متانت آمیز خاموشی اختیار کر لی تھی اور اس کی عقابی نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اس مشکل ترین صورت حال میں پھنس جانے کے سبب سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اپنی نظریں جھکا کر دھیمی اور ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا ''میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔''

''یہ حال ہے تمہارا؟'' ویرا نے زہریلی آواز میں اس پر الفاظ کا کوڑا لگایا ''مجھے اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہو اور اپنے آپ میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ دوٹوک الفاظ میں میری ذمے داری قبول کرنے کا اقرار یا انکار کر سکو!''

''ریٹا! برہم ہونے کی ضرورت نہیں'' غزالہ نے نرمی سے ویرا کو سمجھایا ''یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو بہت آسانی سے بڑے بڑے مشورے دے ڈالتا ہے' اس کی اپنی باری آتی ہے تو وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اکبر کو بھی سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں ہم کسی بھلے وقت میں دوبارہ

بات کریں گے۔''

''ابھی تک تم دونوں نے اکبر سے بات کی ہے'' ویرا نے تیکھے تیوروں کے ساتھ کہا ''مجھ سے میری رائے نہیں پوچھی۔ اب اکبر کا فیصلہ آ جانے دو، میں اپنی رائے آخر میں دوں گی۔''

ویرا کے آخری فقرے پر سلطان شاہ کی گردن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ویرا کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ ویرا نے ایک بے وطن اور نومسلم عورت کے مستقبل کا سوال کر کے اس کے سر پر بہت بڑا بوجھ ڈال دیا تھا۔

''کیا ہم لوگ یہ الجھن پیدا کرنے کے لیے یہاں آئے تھے؟'' چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اچانک ویرا نے ایک مختصر اور جاندار قہقہہ لگایا اور میں بھونچکارہ گیا۔ اس کا رویہ ہمیشہ غیر یقینی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کبھی کوئی درست پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی، وہ کسی بھی وقت اپنے قول و فعل کا کوئی انوکھا کرتب دکھانے پر قادر تھی۔

میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بے نیازی کے ساتھ کہہ رہی تھی ''دیکھو، اب کیسا بجر بٹو بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میں آسان شکار نہیں ہوں۔ ہمیشہ فیصلہ کن کھیل کھیلتی ہوں۔ جیت جاتی ہوں یا پھر ہار مان لیتی ہوں۔ اس کی طرح مہلت کی طلب گار نہیں ہوتی۔''

''کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

''دوسری بلکہ اہم ترین بات ابھی باقی ہے۔'' ویرا بولی ''پتا نہیں، یہ مذہبی قصہ کیسے شروع ہو گیا۔''

''وہ بھی کہہ ڈالو۔ غیر ضروری تجسس سے مجھے الجھن ہوتی ہے'' میں نے کہا۔

''جلال سے میری بات ہوئی ہے'' ویرا اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ میرے اعتراض کے جواب میں اس نے فوری طور پر غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کی شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔

''تم نے اسے کب فون کیا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''وہ کئی دنوں سے مجھ سے رابطہ کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ آج کامیاب ہوا تو اس سے خاصی تفصیل سے بات ہوئی۔ وہ میری یہاں آمد سے خوش نہیں ہے۔''

''اس کی ناخوشی میرے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''تم نے بھی مجھے یہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تاخیر ہو چکی تھی۔ ہمیں ہر حال میں جلد از جلد کینیڈا سے نکلنا تھا اس لیے اسی طرف چل پڑے۔ اس کی التجا بلکہ ہدایت ہے کہ اب کسی بھی قیمت پر یہ راز فاش نہیں ہونا چاہیے کہ ہم چاروں میں سے کوئی بنکاک میں موجود ہے۔'' اس نے اطمینان سے بتایا۔

اچانک میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں اور مجھے یاد آیا کہ میں نے موتی محل میں ہونے والی بھگدڑ میں صبح کے وقت راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کر لیا ہوتا تو جلال کی ہدایت دھری کی دھری رہ جاتی۔ راجن کی لاش دستیاب ہوتے ہی بنکاک میں یہ خبر گردش میں آ جاتی کہ اسے ڈینی نے اپنے مخصوص زہریلے ہتھیار کا نشانہ بنایا ہے۔

''جلال نے اس ہدایت کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پاکستان میں بہ یک وقت دو قیدی ڈینی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ جلال نے امریکی کیمپ کی ساری توجہ ان دونوں پر مرکوز کروا دی ہے۔ اب یہاں سے کوئی خبر لیک ہوتی ہے تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جلال کی پوزیشن کیا ہوگی؟'' ویرا نے بتایا ''اس وقت اولین اہمیت رازداری کی ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے سب کچھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ معاملہ اتنا اہم ہے تو اسے براہ راست مجھ سے رجوع کرنا چاہیے تھا'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ ''یہ پیغام تمہارے ذریعے کیوں پہنچایا گیا ہے؟''

''الجھنے کی ضرورت نہیں، وہ تم سے ہی بات کرے گا۔ وہ تمہاری مصروفیات سے بڑی حد تک باخبر ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم بری طرح الجھے ہوئے ہو۔'' ویرا نے کہنا شروع کیا ''میرے فون کے چکروں کی وجہ سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم دونوں اکبر کی البرٹو میں دلچسپی کی وجہ سے کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہوں۔ وہ مخلص اور ہمدرد آدمی ہے۔ مسلسل اپنی کوششوں میں لگا رہا اور آج اس سے میری بات ہو گئی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے بریف کیا ہے تاکہ اس کی رائے تمہارے کانوں میں پڑ جائے۔ تفصیل وہ خود بتائے گا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ پاکستان میں واقعات ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔''

''یہ احساس مجھے بھی ہو چکا ہے'' میں نے پرتشویش لہجے

میں کہا ''اسی لیے میں تمہیں بنکاک آنے سے منع کر رہا تھا۔ نفری بڑھ جانے سے نئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں آ ہی گئی ہو تو تم نے خود اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہاں کے حالات کیا ہیں......؟''

''تھوڑی دیر پہلے خبروں میں راجن اور موتی محل کا ذکر آیا تھا'' اس نے یکایک میری بات کاٹ کر متجسس لہجے میں کہا ''کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ کیا یہ تمہاری شرارت تھی؟''

''یہ شرارت نہیں، خوفناک لڑائی ہے'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا ''میں تنہا اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس منظم کارروائی میں دوسرے لوگ شریک تھے مگر حالات کی بنا پر میں بھی اس واقعے میں ملوث ہو گیا۔''

گفتگو کا رخ تیزی سے بدل رہا تھا۔ رابطے کے فقدان کی وجہ سے ویرا کے ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے اور وہ جلد از جلد ان کے جواب سننے کی خواہاں تھی۔

میں نے اسے موتی محل میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ فکرمندانہ انداز میں بولی ''معاملات اس حد تک الجھ رہے ہیں تو تم یہاں کیوں ٹکے ہوئے ہو......؟ ڈان تم دونوں کے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہے، وہ واپس لو اور ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔''

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' میں نے کہا ''جلال راجن کی موت کا خواہش مند ہے۔ اب یہ میری انا کا سوال بھی بن چکا ہے۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے مار نہیں لوں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔ اس کام میں مجھے تم لوگوں کی کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم دونوں خاموشی کے ساتھ یہاں سے لوٹ جاؤ بلکہ صدف کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ تم تینوں کے نکل جانے کے بعد میں زیادہ بے فکری سے اپنا کام کر سکوں گا۔ یہاں سے نمٹتے ہی میں تم تینوں سے آ ملوں گا۔ اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

''تم نے بتایا تھا کہ تم ڈان کی خواہش پر راجن کے پیچھے لگے تھے۔ اب تم اس بارے میں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟'' ویرا کی روایتی جرح شروع ہو گئی۔

''وہ پرانی بات تھی۔ اب میری اور راجن کی لڑائی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈان کا مدعا پورا ہوتا ہے تو وہ ایک ضمنی بات ہے۔ مجھے اس سے زیادہ سروکار نہیں رہا۔ جب تک یہاں میری اصلیت راز میں ہے، مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ سچ پوچھو تو میں یہاں مل جانے والے دوستوں کی وجہ سے خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کرنے لگا ہوں۔''

''آپ ڈان اور چاؤفان کی بات کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''یہاں وہی لوگ میرے خیرخواہ ہیں۔ تمہیں ان کی ذہنی سطح کا اندازہ ہے۔ میں جب تک چاہوں، انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہوں۔''

''اگر تم یہاں مطمئن اور آسودہ ہو تو ہم میں سے کسی کو یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا ''حالات اور قسمت نے ہمیں یہاں یکجا کر دیا ہے تو اب ہمارا مرنا اور جینا ایک ساتھ ہوگا......تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' آخری سوال اس نے سلطان شاہ سے کیا تھا۔

وہ ندامت اور شرمندگی کے عالم میں اپنا سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے براہ راست مخاطب کر کے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا تو وہ نرم آواز میں بولا ''میں تمہاری رائے سے متفق ہوں۔ ہم یہاں ایک ساتھ ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ محتاط رہیں تو ہمیں ایک دوسرے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔''

''ڈان ان کا گرویدہ ہو چکا ہے'' غزالہ نے خوش مزاجی کے ساتھ ویرا کو بتایا ''اپنے اقتدار کی بحالی کے ساتھ وہ انہیں اپنا دست راست بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

''اوہ!'' ویرا ہلکے سے استہزائی انداز میں بولی ''یہ کہو کہ اب تم بنکاک کے بدمعاشوں کا سرغنہ بننے کی تیاری کر رہے ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو'' میں نے ناگواری سے کہا ''شی سے بغاوت کرنے کے بعد میں قانون شکنی سے تائب ہو چکا ہوں۔''

''یہ میرے لیے نئی خبر ہے'' ویرا نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ''تم اس وقت سے اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو، وہ دنیا کے کون سے قانون کی رو سے جائز ہے؟''

''میں نے جو کچھ کیا، وہ قانون کی بالادستی اور اپنے ملک کے مفادات کو بچانے کے لیے کیا'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا ''میری دانست میں قانون شکنی وہ ہوتی ہے جو ناجائز ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔''

''خوب! اب پتا چلا کہ تم نے مفہوم اور معانی کے لیے اپنی لغت بنائی ہوئی ہے'' ویرا نے اسی موڈ میں کہا ''دنیا کا ہر مجرم اپنی حرکتوں کے جواز میں ایسی ہی لنگڑی لولی تاویلیں پیش کرتا ہے۔''

''مجھے پروا نہیں کہ تم کیا سمجھتی ہو'' میں نے برہمی سے کہا

''میں جو کچھ کرتا رہا ہوں' اس کے بارے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میرے بارے میں ڈان جو کچھ بھی سوچ رہا ہو' مجھے بنکاک کی زیر زمین دنیا کی سرگرمیوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اپنا کام ختم کر کے میں پاکستان لوٹ جاؤں گا۔''

''وہاں تمہارے لیے جال تیار ہو رہے ہیں۔ جاؤ گے اور دھر لیے جاؤ گے۔'' ویرا اپنی عادت کے مطابق بحث پر تلی ہوئی تھی ''تم پل پل میں بات بدل رہے ہو۔ ابھی ذرا دیر پہلے یہاں بن جانے والے دوستوں کی وجہ سے اطمینان ظاہر کر رہے تھے' اب یہاں سے واپس جانے کی بات کر رہے ہو۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تمہارے دماغ میں کیا ہے۔''

''میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جاؤں۔ اگر ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلا وطن رہنا پڑا تو پھر میں بنکاک میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔ کسی نئے ملک یا شہر میں جا کر قدم جمانے سے بہتر ہے کہ میں یہیں رکا رہوں۔''

''یہی مسئلہ میرا بھی ہے' تم اپنے دوستوں کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری ذات سے سہارا ملتا رہے گا۔ قصہ ختم اور پیسا ہضم!'' وہ بات پوری کر کے ہنس دی۔

میں نے کھل کر ان لوگوں کے سامنے اپنے دل کی بات بیان کر دی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جلا وطنی کے امکان کا ذکر کر دیا لیکن ان تینوں میں سے کسی نے میری بات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اندیشے ان کے ذہنوں میں بھی چکرا رہے تھے لیکن کسی کو معاملے کی نزاکت کا پورا ادراک نہیں تھا۔

ہم چاروں بے فکری سے اس پارک میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ویرا اور سلطان شاہ کے یکجا ہونے کی بابت کھل کر اپنی خواہش ظاہر کر دی تھی۔ اس پر ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے کوئی منفی ردعمل سامنے نہیں آیا' دونوں طرف تذبذب نمایاں نظر آیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک مدت سے مراسم کی جو غیر سنجیدہ نوعیت چلی آ رہی تھی' اس کے پیش نظر ایک سنجیدہ ترین رشتے کی تجویز پر ان دونوں کی ہچکچاہٹ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اس بارے میں الگ الگ ہم سے مشورہ ضرور کریں گے اور آخر کار کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کچھ دیر بعد ویرا اور غزالہ سرک کر ہم دونوں سے دور ہو گئیں اور ان کے درمیان سرگوشیوں میں باتیں کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ عورتوں کی کچھ فطرت ہوتی ہے کہ وہ جہاں ملتی ہیں' کانا پھوسی کے بغیر ان کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی۔ میں نے انہیں دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کی غیر موجودگی میں اس سے بہت سی شکایات رہتیں۔ اس بارے میں وہ مجھ سے بارہا بات کر چکی تھی لیکن اس وقت وہ ویرا سے یوں جڑی ہوئی بیٹھی تھی' جیسے روئے زمین پر وہی اس کی عزیز ترین ہستی ہو۔

''غزالہ نے اچانک کیا بات چھیڑ دی؟'' سلطان شاہ نے اس کھلے تخلیے سے فائدہ اٹھا کر نیچی آواز میں سوال کیا تو میں چونک گیا۔

''اس نے صحیح بات کہی ہے۔ غور کرو گے تو تم اس کے خلوص کے قائل ہو جاؤ گے'' میں نے اسی لمحے اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو' وہ بے بسی سے بولا ''اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے بجر بٹو کہہ رہی تھی۔''

سلطان شاہ کی اس معصومانہ شکایت پر میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بہت مشکل سے ضبط کیا اور کہا ''دوست اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مردوں کو یہ عام شکایت ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے شادی کر لیتے ہیں تو وہ بدل جاتی ہے۔ تم یک سو ہو کر فیصلہ کر لو۔ تمہارے بندھن میں آتے ہی وہ خود کو تمہاری مرضی کے مطابق ڈھال لے گی۔''

''مجھے فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اسی کی بھلائی سوچ رہا تھا۔ مسلمان ہو جائے گی تو اس کے ماضی کے سارے پاپ دھل جائیں گے۔ اگر وہ اسی حال میں مرنا چاہتی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ غزالہ بلا وجہ مجھے الجھا رہی تھی۔''

''کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس کے مستقبل کا سہارا بن کر تم یہ سعادت حاصل کر سکتے ہو۔''

''کیا میں ہی رہ گیا ہوں۔ ہزاروں مرد اس کا سہارا بننے پر تیار ہو جائیں گے۔ وہ بلا وجہ جذباتی باتیں کر کے بہانہ بازی کر رہی تھی۔''

''اسے دوسرے مردوں سے کچھ نہیں لینا۔ تم نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی ہے اس لیے اس نے تم سے سوال کیا ہے۔ رہا اس کا ماضی تو اب وہ بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی میں ایک لمبی مدت گزارنے کے بعد اب تمہارا اپنے گاؤں کی کسی لڑکی کے

ساتھ نباہ نہیں ہو سکے گا۔ کوئی شخص زندگی بھر تن تنہا نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تم کو بہت شدت سے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک ساتھ رہ کر تم دونوں ایک دوسرے کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگے ہو۔ شادی کے بعد تم دونوں کا لاابالی پن ختم ہو جائے گا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے بجائے تم دونوں باہمی احترام اور رواداری کے قائل ہو جاؤ گے۔ ویرا بہت بڑے دل کی مالک ہے۔ وہ تمہیں اپنے سر کا تاج بنا لے گی۔''

''تم مجھ سے زیادہ اس کی حمایت کر رہے ہو۔ تم نے سنا نہیں کہ اس نے آخر میں کیا کہا تھا۔ میرے بعد وہ اپنی رائے دے گی۔ میرے اقرار کے بعد وہ لامحالہ انکار کر دے گی اور میں زندگی بھر اپنی اس شکست کی آگ میں جھلستا رہوں گا۔''

وہ آمادگی کا ابتدائی اور بالواسطہ اظہار تھا۔ ویرا الفاظ کی بہترین کھلاڑی تھی۔ اس نے سلطان شاہ کو متذبذب پا کر اندر کے ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے بدستور نیچی آواز میں کہا ''ضروری نہیں کہ تم اسی وقت کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ اسے دیکھو، پرکھو، اس سے بات کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم نے کھلے ذہن کے ساتھ اپنی مشق جاری رکھی تو تم میرے مشورے سے متفق ہو جاؤ گے۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں ایک غیر مسلم عورت کو اپنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''اصل نکتہ یہی ہے'' میں نے زور دے کر کہا ''میں اس کی باتیں سن کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اسے باعزت مستقبل کی ضمانت دو تو وہ مسلمان ہو جائے گی۔''

''غزالہ نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، اب تم مجھے بچکولے دے رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔''

''فی الحال کچھ نہ کرو'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''دھیرے دھیرے میری باتیں تمہارے ذہن میں خود جگہ بنا لیں گی۔ ابھی تک میں نے تمہیں دنیاوی فائدے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تصور کرو کہ تم نے اسے مسلمان کر لیا تو تمہارا کیا درجہ ہوگا۔''

''اگر تم دونوں کے راز و نیاز ختم ہو گئے ہوں تو ادھر ہی آ جاؤ'' اچانک ویرا نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

''خود راز و نیاز کے لیے ہم سے دور سرک کی ہو اور اب باتیں بنا رہی ہو'' میں نے کہا۔ مجھے ویرا کی آنکھوں میں عجیب سی شوخ چمک نظر آ رہی تھی۔

ہمیں پارک میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر نمایاں تھا۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو مجھے راجن کی پژمردہ سی آواز سنائی دی۔

قرب و جوار میں لوگوں کی آمد و رفت اور اونچی نیچی آوازوں کے سبب اس وقت راجن سے یکسو ہو کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنے تمام تر تجسس کے باوجود میں نے اسے ٹالنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا ''استاد! میں اس وقت بازار میں ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد فون کر لینا۔''

لائن پر سکوت چھا گیا۔ راجن کے کانوں تک پہنچنے والی ملی جلی آوازیں میرے عذر کی کھلی تائید کر رہی تھیں۔ راجن نے بے چون و چرا فون بند کر دیا۔

''تمہارا کون سا استاد پیدا ہو گیا؟'' ویرا نے میرے قریب ہو کر حیرت سے پوچھا ''میں تو تمہیں اب تک استادوں کا استاد سمجھتی رہی ہوں۔''

''راجن تھا'' میں نے اسے بتایا ''اکبر کے روپ میں، میں اسے استاد کہتا ہوں تو میرے ذہن میں ناچنے والیوں کے کوٹھے پر طبلہ بجانے والے استادوں کا تصور ہوتا ہے مگر وہ اس خطاب سے خوش ہوتا ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''کہنے سننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کی آواز پر پھٹکار برس رہی تھی۔ تم نے میرا جواب سن لیا ہوگا۔ آدھے گھنٹے بعد دیکھوں گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''یہ تمہارے لیے بہترین موقع ہے۔ وہ مار کھایا ہوا اور ہمدردی کو ترسا ہوا ہے۔ بہانے سے اسے کہیں بلاؤ اور اس کا کام تمام کر دو'' ویرا نے پرجوش لہجے میں مشورہ دیا۔

''بھڑ کا ہوا دشمن اتنی آسانی سے بہکاوے میں نہیں آتا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''رفتہ رفتہ بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اب وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ صبح کی خفت کے بعد وہ کن تیوروں کے ساتھ بات کرتا ہے۔''

میں نے راجن کو وقت دے دیا تھا۔ ان دونوں نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پارک سے ہم چاروں ایک

ساتھ باہر نکلے پھر ہماری سمتیں مختلف ہو گئیں۔
''تم ویرا کے ساتھ کیا باتیں کر رہی تھیں؟'' کچھ دور تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے غزالہ سے سرسری لہجے میں سوال کیا۔
''کک...... کچھ بھی نہیں'' اس نے بوکھلا کر عجلت میں کہا ''اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔''
''فضول باتوں کے لیے ہم دونوں سے دور کھسکنے کی ضرورت پیش نہیں آتی'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''سچ سچ بتاؤ کہ کیا ہو رہا تھا؟''
''میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلطان شاہ کا جوڑ اس کے لیے بہت مناسب رہے گا۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔
اس کے لہجے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی بات مجھ سے چھپا رہی تھی مگر میں نے غیر ضروری بحث میں پڑنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے یقین تھا کہ ان دونوں کی خفیہ باتیں کسی کے خلاف نہیں ہو سکتی تھیں۔ شاید غزالہ نے اسے سلطان شاہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش بھی کی ہو لیکن اصل بات کچھ اور ہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے نجی معاملات تھے۔ مجھے ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
راستے میں ہمارے درمیان دوبارہ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو موضوعِ سخن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ سلطان شاہ اس قدر زبان دراز اور اکھڑ تھا کہ شوہر کی حیثیت سے اسے قبول کرنے کا تصور ہی اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ میری وجہ سے اس کا ماضی سلطان شاہ کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ اسے صرف مسلمان کرنے پر تلا ہوا تھا' اس سے آگے ویرا کی کوئی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔
اس بارے میں ویرا اتنی پُر یقین تھی کہ اس نے غزالہ کو اپنے اعتماد میں لے کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر سلطان شاہ اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر تیار ہو جائے تو وہ اسی لمحے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے گی۔
وہ جذبات کی رو میں کہی ہوئی ایک بات تھی جس پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ مشروط وعدہ کرتے ہوئے ویرا کو کامل یقین تھا کہ سلطان شاہ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو گا نہ اسے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونا پڑے گا۔

غزالہ کی طرف سے وہ تجویز ایکا ایکی ان دونوں کے سامنے آئی تھی۔ وہ اس سوال کا براہِ راست سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے جذبات کی رو میں بہتے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے مجھ سے اپنے جن تحفظات کا اظہار کیا اور ویرا نے غزالہ سے جو کچھ کہا، ان سب کو یک جا کرنے کے بعد مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں بلاوجہ ایک دوسرے سے خائف تھے۔ دونوں فریق ٹھنڈے دل سے اپنا اپنا جائزہ لیتے تو وہ بیل منڈھے چڑھ سکتی تھی۔
ہم دونوں کے لیے وہ موضوع اتنا اہم اور سنسنی خیز تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی ہمارے درمیان اسی پر گفتگو ہوتی رہی۔
مجھے اس تجویز کے بار آور ہونے کے نتیجے میں نئے امکانات ابھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سمجھوتا ہو جانے کی صورت میں ہمیں ویرا کی فکر سے نجات مل جاتی، ذمے داریاں واضح طور پر تقسیم ہو جاتیں۔ دونوں جوڑے اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی اگلی زندگی کا لائحہ عمل طے کر سکتے تھے۔ بے یقینی کی حالت میں ایک مدت سے چلا آنے والا ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ دو الگ الگ راستوں میں تبدیل ہو جاتا۔
اسی دوران میں راجن کا دوسرا فون آ گیا۔ اس کی دونوں کالز کے درمیان پورے تیس منٹ کا وقفہ تھا جس کی تائید فون کلاک کر رہا تھا۔
''استاد! میں آنے سے انکار کر رہا تھا مگر تم نہیں مانے۔ آج تم نے مجھے مروا دیا تھا۔'' میں نے اس بار راجن کی آواز سنتے ہی روہانسی آواز میں اپنی شکایت کا دفتر کھول دیا۔
''تم اناڑی اور بدھو ہو۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم گھبراہٹ میں موتی محل کے کسی کونے کھانچے میں نہ مارے گئے ہو۔ تم کہاں ہو، موتی محل سے کیسے نکل گئے؟'' اس نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔
''اندر تمہارے مہمان میری ہڈیاں توڑنے پر تلے ہوئے تھے، باہر آگ برس رہی تھی۔ میرے لیے دونوں طرف صرف موت تھی۔ میں گولیوں سے بچ سکتا تھا، تمہارے خوں خوار مہمانوں کی مار سے بچنا میرے لیے ناممکن تھا۔ بس میں نے اللہ کا نام لے کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی اور تمہارے آدمیوں کے روکنے کے باوجود باہر بھاگتا چلا گیا۔''
''میں خوش ہوں کہ تم زندہ ہو۔ موتی محل پر میرے دشمنوں کی لشکر کشی تمہارے لیے انعام ثابت ہوئی اور تم

مار کھانے سے بچ گئے۔ میرے مہمان نمک حرام نکلے۔ وہ سب جا چکے ہیں۔ کیا تم میرے پاس آ سکتے ہو؟'' اس کی آواز میں تحکم برقرار تھا۔ رسی جل رہی تھی لیکن اس کے بل باقی تھے۔

''استاد! میں کان پکڑتا ہوں، اب خواب میں بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' میں نے خوف زدہ ہونے کی بے ساختہ صداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم سے دونوں ملاقاتیں مجھے بہت مہنگی پڑی ہیں۔ اب میں تیسری غلطی نہیں کروں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری ''تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کی ناراضی کی پروا کیے بغیر آخر تک تم کو بچانے کی کوشش کی تھی!''

''میں مانتا ہوں لیکن تم ان پانچوں کے سامنے کمزور یا چھوٹے تھے۔ انہوں نے تمہاری سفارش ماننے سے جس طرح انکار کیا وہ بھی میرے سامنے کی بات ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ دباتے ہوئے کہا۔

''انہیں اور ان کی باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس کی آواز یکا یک غضب ناک ہوگئی ''میں نے انہیں شیر سمجھ کر بلایا تھا لیکن وہ پانچوں چوہوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ وہ ڈر کر بھاگ چکے ہیں۔ لوٹ کر یہاں نہیں آئیں گے۔ تمہاری ملاقات صرف مجھ سے ہوگی۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں تمہارا قدردان ہوں۔ میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے حملے میں ڈینی اور اس کے ساتھیوں نے میرے پانچ آدمی مارے ہیں۔ وہ حرامی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس خوں ریزی سے دہشت زدہ ہو کر میرے سارے مقامی نوکر بھاگ گئے ہیں۔ کچھ بھارتی بھی ان کے ساتھ ہتھیاروں سمیت نکل گئے۔ اس وقت یہاں میرے سوا صرف چار جان نثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ غصے کی زیادتی میں بولتا چلا گیا۔ میں نے دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے بلانا چاہ رہا تھا اور میں اس کے پاس جانے سے جھجک رہا تھا مگر اس کی زبان سے صرف چار آدمی رہ جانے کا ذکر سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ خبر مجھے ڈان سے بھی مل چکی تھی کہ بیشتر آدمیوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے زیادہ تفصیل سے اس خبر کی وضاحت کر دی کہ اپنی جانوں کے خوف سے صرف مقامی نہیں بلکہ اس کے کافی بھارتی ملازم بھی موتی محل چھوڑ گئے تھے۔

اگر راجن کی اس وسیع و عریض رہائش گاہ میں اس سمیت صرف پانچ نفوس رہ گئے تھے تو وہ میرے لیے سنہر موقع تھا۔ میں بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کی مدد سے ان پانچوں کو جہنم واصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ کچھ ہی دیر پہلے مجھے ویرا کی معرفت جلال کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ میں بنکاک میں اپنی یعنی ڈینی کی موجودگی کا راز فاش نہ ہونے دوں۔ بیم گن اور مہلک انگوٹھی استعمال کرنے کی صورت میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ مجھے اپنے روایتی ہتھیاروں کو بھول کر ان پانچوں کے مقابلے میں اپنے زور بازو پر انحصار کرنا تھا۔

عددی اعتبار سے انہیں مجھ پر خوف ناک برتری حاصل تھی، ان کے پاس اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار موجود تھے، وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حوصلہ شکن حقائق کا توڑ کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہتھیار تھا کہ مجھے راجن کا اعتماد حاصل تھا۔ موتی محل میں گھستے ہی میرا اور ان کا دوبدو مقابلہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے ہوشیاری اور مکاری سے کام لے کر اپنے پانچوں حریفوں کو مغلوب کرنا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر کے فون پر کہا ''سب باتیں ہو چکی ہیں۔ اب تم مجھے کیوں بلا رہے ہو؟''

''میں نے دوسروں پر انحصار کر کے خود کو بہت کمزور کر لیا ہے۔'' اس کی بپھری ہوئی آواز آئی ''اب میں ڈینی اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں خود باہر نکلنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں پہچانو گے، میں انہیں اٹھا لاؤں گا۔''

''مم...... مگر استاد، تمہارا ایک بازو زخمی ہے'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں اسے اس کا ایک اور زخم یاد دلایا۔

''بحث مت کرو!'' وہ غرایا ''مجھے دوٹوک جواب دو۔ آ رہے ہو یا میں کوئی دوسرا بندوبست کروں؟''

وہ کھلی دھمکی تھی۔ دوسرے بندوبست سے اس کی مراد یہی تھی کہ وہ مجھے بھی زبردستی اٹھوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کام آسان ثابت نہ ہوتا اگرچہ وہ اور اس کے آدمی مجھے پہچانتے تھے مگر ان میں سے کسی کو میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ میں دانستہ اسے سکا سکا کر مشتعل کر رہا تھا۔ میرا بات بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ڈینی سے حد درجہ خوف زدہ تھا اور اکبر کو کمزور سمجھ کر ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو اپنی کمین گاہ میں آنے کی

دعوت دے رہا تھا۔

''تم مجبور کر رہے ہو تو میں آ جاتا ہوں'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا ''خوف سے میرا دل دھڑک رہا ہے۔ دیکھو، میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''رونے کی ضرورت نہیں'' اس نے درشت آواز میں کہا ''میں گھر پر ہی ہوں۔ جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤ'' اس نے اپنی بات پوری کرتے ہی فون بند کر دیا۔

''اب آپ پھر موتی محل جائیں گے؟'' غزالہ نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ میری یک طرفہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

''اس کے سارے مقامی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ بھارتیوں میں سے بھی صرف چار باقی رہ گئے'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے بتایا ''ان سے فوری طور پر مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میں موقع محل دیکھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔''

''آپ بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ ان کے استعمال سے بات کھل جائے گی۔''

''مجھے جلال کی ہدایت یاد ہے۔ میں بھی انہیں استعمال نہیں کرنا چاہوں گا پھر بھی انہیں ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ میں دشمن کے ٹھکانے پر جا رہا ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہاں کیا صورتِ احوال رونما ہوتی ہے۔ جان پر بن گئی تو میں راز داری کو بھول بھال کر کچھ بھی کر گزروں گا۔''

''انگوٹھی بچ سکتی ہے، جامہ تلاشی میں بیم گن پکڑ لی جائے گی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے زیر جامے میں لے جاؤں گا'' میں نے ہنس کر کہا ''اس وقت وہاں ویرانی اور سوگ کا سماں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ تلاشی کی نوبت ہی نہ آئے۔''

راجن سے وعدہ کرنے کے بعد میں موتی محل پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا مگر ادھر کا رخ کرنے سے پہلے کچھ اہم کام نمٹانے ضروری تھے۔

میں نے ایک کرسی سنبھال کر طارق کو فون کیا۔ اس سے میں موتی محل کے گرد و نواح کے حالات کے بارے میں رپورٹ لینا چاہ رہا تھا۔ اس روز اس سے سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔

اس نے بتایا کہ وہ موتی محل پر ہونے والے حملے کی خبر سن کر وہاں پہنچا تو بنکاک کا پولیس کمشنر موتی محل کے احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو اس دیدہ دلیرانہ واردات کے بارے میں بریفنگ دے رہا تھا۔ راجن ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ وہ لوگ بموں سے ہونے والی تباہی کی تصاویر بنا کر لوٹ گئے۔ پولیس والوں نے بھی ضابطے کی کارروائیاں تیزی سے نمٹائیں اور لاشوں کا جلوس لے کر وہاں سے چلے گئے۔

سہ پہر تک موتی محل کے گرد و نواح میں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ ٹریفک بحال ہو گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی لیکن موتی محل کا پھاٹک بند رہا۔

اس علاقے میں پولیس کی گاڑیوں نے گشت لگانا شروع کر دیا تھا لیکن طارق کے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آ سکی جس سے یہ شبہ ہو کہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس عمارت کی نگرانی کی جا رہی تھی۔

اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے اس حملے کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ مجھے اس سے مل بیٹھنے اور دوستی استوار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے حملے کے بارے میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اس سے بات کرتے ہوئے میرے دل میں آئی کہ اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں۔ میں نے سوچا کہ وہ باہر رہ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ زیادہ دیر تک ان اطراف میں منڈلانے کی وجہ سے وہ بنکاک کی گشتی پولیس کی نظروں میں آ جاتا تو اس کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

اسد نے میرے قریب رہ کر مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے میں نے بھی اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے سینے میں راز لے کر پیوند خاک ہو جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ طارق کے لیے میں صرف علی احمد تھا، ایک عام سا پاکستانی جو بنکاک میں اس کے بڑوں کے لیے کوئی خاص کام سرانجام دے رہا تھا۔

اسے بنکاک میں اسد کی جگہ سنبھالتے ہی وائٹ ہاک کی غرقابی کی خبر ملی اور وہیں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میری سرگرمیاں مقامی قوانین کی حدود سے متجاوز تھیں۔ وہ بنکاک میں اپنے محکمے کی سرکاری نمایندگی کر رہا تھا۔ اس نے بھی مجھ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

جب میں نے اپنے سوالات ختم کر لیے تو اس نے نرمی سے کہا ''میں نے آج صبح کے واقعے کے بارے میں اپنی ابتدائی رپورٹ اسلام آباد فیکس کر دی ہے۔ کیا اس میں تمہارا کوئی حوالہ دینے کی ضرورت ہے؟''

اس نے مہذب پیرائے میں یہ پوچھ ہی لیا کہ اس واقعے میں میرا کیا کردار تھا۔

''قطعی نہیں...... وہ کسی اور پارٹی کا کام تھا۔ اس سے مجھے تقویت ضرور ملی ہے۔ اب میں کچھ دیر بعد موتی محل میں جانے والا ہوں'' میں نے دوٹوک الفاظ میں اس پر سب کچھ واضح کر دیا۔

اس نے خود وہ بات نہ چھیڑی ہوتی تو میں اسے اپنے پروگرام سے ہرگز آگاہ نہ کرتا۔ موقع ملا تو میں نے یہ سوچ کر اپنے جانے کا ذکر کر دیا کہ شہر میں کم از کم کسی ایک فعال آدمی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ میں کہاں تھا۔ اگر کسی وجہ سے میری بازی الٹ جاتی اور راجن مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو طارق موتی محل سے میری تلاش کا آغاز کر سکتا تھا۔

اس مہم میں میرا کردار اکبر کا تھا جس سے ڈان اور اس کے آدمی قطعی بے خبر تھے۔ اس بارے میں، میں بھول کر بھی ان پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ ان سب کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ اس روپ میں ان پر بے دھڑک ہو کر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

''اگر تم کسی مہم جوئی کے ارادے سے وہاں جا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ وہاں جانے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں۔ باہر آنے کا راستہ صرف راجن کی مرضی سے کھلے گا'' طارق کی آواز سرد اور گمبھیر ہو گئی۔ ''میں نے چند دنوں میں اس کے بارے میں جو معلومات جمع کی ہیں ان کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ یہاں کا سب سے زیادہ بارسوخ اور معزز بدمعاش ہے۔ اس کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اثاثوں کو نقصان پہنچانا اور بات ہے اس کا سامنا کرنے سے پہلے تم کو ہر امکانی پہلو پر دس بار غور کر لینا چاہیے۔ تم بہت بڑا قدم اٹھانے جا رہے ہو۔''

''میں اس مشورے کے لیے تمہارا ممنون ہوں'' میں نے برا منائے بغیر کہا ''میں نے بھرپور ہوم ورک کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آج کی رات ڈھلنے سے پہلے تم کوئی بڑی خبر اپنے بڑوں کو فیکس کر سکو۔ بس میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔''

''میں دعا گو رہوں گا'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''ایک طرح سے تم بھی میری برادری کے رکن ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ پرائے دیس میں ایسے کام کرنے والوں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ وہاں سے تمہاری کامیابی کی خبر نہ آئی تو میں تمہاری مغفرت کے لیے دعا کروں گا۔ ملک اور قوم کے لیے ایسے کاموں میں اپنی جان قربان کرنے والے شہید کہلاتے ہیں...... گڈ لک دوست!''

وہ سرد، سپاٹ اور روکھے لہجے میں بات کرتے کرتے یکایک اتنا جذباتی ہو گیا کہ مجھے بے اختیار پھریری آ گئی۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر کے غلطی کی تھی۔ موتی محل میں جا کر میرا ہر حال میں کامیاب ہونا ضروری تھا۔ میری ناکامی کی صورت میں میری واپسی اسی شرط پر ہو سکتی تھی کہ راجن کو میری نیت پر شبہ نہ ہو۔ اسے میرے اوپر رائی برابر بھی شک ہو جاتا تو میرا وہاں سے زندہ لوٹنا ناممکن تھا۔ اس انجام کے بعد طارق تو کیا، کوئی لشکر بھی موتی محل میں میرا سراغ نہیں پا سکتا تھا۔

طارق نے فون بند کر دیا۔ میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر میں نے اسی وقت جلال سے بھی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ریٹا کے ذریعے ملنے والے پیغام کے پس پشت جلال کی کیا مصلحت کارفرما تھی۔

لوکل موبائل فون تپائی پر ڈال کر میں نے اول خان کا دیا ہوا موبائل سنبھالا اور جلال کا نمبر ملا لیا۔

''تم کہاں ہو...... میں تم سے بات کرنے کو ترس گیا ہوں۔'' تیسری گھنٹی کے بعد اس کی پرجوش اور دردمندانہ آواز ابھری۔ وہ اپنی اسکرین پر میرا فون نمبر دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ وہ کال میری تھی۔

''ریٹا سے تمہاری بات ہوئی ہے، میرے پاس تمہاری کوئی کال نہیں آئی۔''

''میں نے آج صبح دوبار کوشش کی لیکن تمہارا فون بند تھا۔''

''اوہو...... شاید بیٹری کمزور ہو گئی ہو گی۔ میں نے ابھی ابھی اپریٹس چارجر سے نکالا ہے'' میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''ریٹا سے ملنے والا پیغام میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اسے پتھر کی لکیر سمجھ لو'' جلال کی آواز سخت ہو گئی ''بنکاک سے اب تمہارا نام یا کوئی کام سامنے نہیں آنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کس کھیل کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ وہ دونوں قیدیوں میں سے کسی ایک کو ڈینی مان لیں۔ اب ان کے ارادے خطرناک ہیں۔ کالج کے ریکارڈ سے ملنے والی تمہاری تصویر پر ان کی پوری ٹیم نے کام کیا ہے۔ اس میں مصوروں کے ساتھ فزیالوجی کے ماہرین بھی شامل تھے جو کسی بھی شخص کی ارتقائی تبدیلیوں کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔ اس تصویر اور علمی معلومات کی روشنی میں انہوں نے جو تین خاکے بنوائے ہیں، ان میں سے ایک، سونہیں تو نوّے فی صد تم سے مشابہ ہے'' وہ

پُرتشویش لہجے میں بتاتا چلا گیا۔
''دو اقبالی مجرم سامنے ہونے کے باوجود وہ اس منصوبے پر کام کر رہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
''وہ ہر قیمت پر تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں'' جلال ایک گہرا سانس لے کر بولا ''انہوں نے آنے والے ایک دو دنوں میں وہ تینوں خاکے اخباروں میں مشتہر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ اب اشتہار بازی بے سود ہے۔ جب دو آدمی ہاتھ آ گئے ہیں تو ان ہی پر محنت کرنا چاہیے۔''
''کیا وہ خاکے ان دونوں سے بھی کچھ مماثلت رکھتے ہیں؟'' میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔
''بالکل نہیں۔ اسی وجہ سے فزیالوجی کے ماہروں کو شبہ ہو رہا ہے کہ وہ دونوں تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹا اعتراف کر رہے ہیں۔''
''کیا انہیں اپنے علم پر اتنا ناز ہے؟'' میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔
''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ غنیمت ہے کہ انہیں پہلے یہ خیال نہیں آیا ورنہ تمہارا اب تک آزاد رہنا ممکن نہ ہوتا۔''
''تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ میرا درست خاکہ بنوانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔ اس کی باتوں نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔
''میں نے خود تینوں خاکے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک پر نظر پڑتے ہی میں اندر سے کانپ گیا۔ وہ ہو بہو تمہاری موجودہ شکل ہے۔ وہ ان تینوں سے کمپیوٹر پر درجنوں خاکے بنا رہے ہیں۔ ہر خاکے کے ساتھ داڑھی اور مختلف انداز کے بالوں وغیرہ کا اضافہ کر کے وہ دائرہ تنگ کر دیں گے۔ میں نے کسی کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی۔ انہیں خود بھی یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے......تم پوری بات سمجھ رہے ہو نا...... اس وقت تمہاری بنکاک میں موجودگی کا ذرا بھی اشارہ ملا تو وہ ادھر کا رخ کر لیں گے۔ ان کے بنوائے ہوئے خاکے تمہارے لیے موت کا جال بن جائیں گے۔''
''لیکن راجن نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ ڈینی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا ''امریکیوں کے لیے اس کا دعویٰ دلچسپی کا سبب بن جائے گا۔''
''وہ خوف زدہ ہے۔ تم نے اسے دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ میں وہاں کی پل پل کی خبریں لے رہا ہوں۔ پولیس سمیت سب کا خیال ہے کہ اس کے دماغ پر ڈینی کا آسیب سوار ہے، وہ کسی گینگ وار میں الجھ گیا ہے، جس کا دوسرا فریق ابھی تک سامنے نہیں آ سکا۔'' جلال نے وضاحت کی ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آج جس وقت موتی محل پر حملہ ہوا، وہاں بھارت کی انڈر ورلڈ کے پانچ نامی گرامی ڈان راجن کی مدد کے لیے سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ حملے کے بعد وہ سب تیزی سے وہاں سے نکل گئے اور اب سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی رپورٹ کے مطابق وہ پانچوں ایک ایک کر کے بنکاک سے واپس جا چکے ہیں۔''
میں دخل اندازی کیے بغیر گہری دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا ''یہ خبریں تمہیں کس ذریعے سے ملی ہیں؟''
''وہاں میرا ایک ہی ذریعہ ہے۔ طارق بہت محنت سے کام کر رہا ہے۔''
''تم سے پہلے میں اسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ باتیں نہیں بتائیں'' میں نے آزردگی کے ساتھ شکوہ کیا۔
''جب تک وہ اپنے طور پر تمہارے کام کے اسکوپ کا اندازہ نہیں لگا لیتا، وہ تمہیں اپنی خفیہ رپورٹوں سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس کی دانست میں علی احمد کے لیے یہ باتیں غیر متعلقہ ہیں'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ''اسے تمہاری اصلیت کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں سب کچھ بتانا شروع کر دے گا۔ اس وقت ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔''
جلال میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔ اس کی الجھنیں میری سمجھ میں آنے لگیں۔ اپنی معلومات کی بنا پر وہ مجھے حکمتِ عملی کے بارے میں صحیح مشورہ دے رہا تھا۔ میں نے رسان سے کہا ''اب تم کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ راجن نے مجھے ان پانچوں کے سامنے یہ گواہی دلوانے کے لیے پیش کیا تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے!''
''تت......تم وہاں کیا کر رہے ہو...... کیا ہو رہا ہے وہاں؟'' فرطِ حیرت سے اس کی زبان میں لکنت سی آ گئی۔
''حملہ نہ ہو جاتا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی میری گواہی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ راجن کے ساتھ بری طرح پیش آ رہے تھے......''
''اللہ تم کو سلامت رکھے، تم خوف ناک حرکتیں کر رہے ہو۔'' اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں کہا ''تم اس مردود کے گواہ کیسے بن گئے؟''

میں نے اسد کے ساتھ راجن سے ملاقات ہونے کے بعد سے رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ اسے سناڈالا۔

''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ بے خوفی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔'' اس نے مشفقانہ لہجے میں ملامت کی۔ ''تمہاری وجہ سے خواہ مخواہ دو بے گناہ سکھوں کے ہوٹل نذر آتش ہوئے۔ تم نے خود اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی ہے کہ ڈینی وہاں ہے۔''

''مگر ان پانچوں کو اس کہانی پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ مار پیٹ کر مجھ سے سچ اگلوانا چاہتے تھے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ اس کے ہذیان پر کسی کو اعتبار نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ اپنی ان محاذ آرائیوں کے باوجود تم نے خود کو برنارڈ اور راجن سے کیسے بچایا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم اس چکر میں نہ پڑو۔'' میں نے ہلکے سے تمسخر سے کہا ''معدہ برباد ہوجائے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں اور میں الگ الگ ان دونوں کا رازداں بنا ہوا ہوں۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ راجن کسی بھی لمحے تمہیں بھون سکتا ہے۔''

''دراصل میں اسی سے ملنے جارہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔''

''کیا واقعی تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ موتی محل پر حملے کا واقعہ تازہ ہے' ان پانچوں کی سرد مہری اور بے وفائی پر وہ جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اس وقت اس کی دماغی کیفیت ایسی نہیں ہوگی کہ تم اس کے قریب جانے کا خطرہ مول لو۔''

''میں تمہاری اس فکرمندی پر شکر گزار ہوں۔'' میں نے احترام سے کہا ''مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے نہیں' اس کے بلاوے پر وہاں جارہا ہوں۔''

''صبح تم پٹنے سے بال بال بچے ہو' تمہیں انکار کردینا چاہیے تھا۔'' وہ مجھے روکنے کے لیے بے چین ہوا جارہا تھا۔ ''اب گول ہوجاؤ۔ بعد میں اس سے کوئی بہانہ کردینا۔''

''میں سب جتن کرچکا ہوں۔ وہ نہیں مانا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے لیے میں اکبر بنا ہوا ہوں۔ میرا لالچ مجھے اس سے مفاہمت کی راہ پر لے گیا ہے۔ وہ......''

''اسے تمہاری کیا ضرورت پیش آگئی؟'' جلال نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

''میں وہی بتانے جارہا تھا۔ ہم دونوں ڈینی کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلیں گے۔ مجھے ان کو شناخت کرنا ہے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔'' میں نے بتایا۔

''اس کھیل میں تم ناگہانی چند بے گناہوں کو مروا دوگے!''

''کسی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں ایک ہوٹل میں دیکھا پھر وہ غائب ہوگئے۔ ضروری نہیں کہ ان میں سے کوئی دوبارہ نظر آجائے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اس بار وہ میری دسترس میں ہوگا۔ موقع ملتے ہی تمہاری خواہش پوری ہوجائے گی؟''

''لیکن تم کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اس پر ایسا کوئی طریقہ نہ آزمانا جس سے تمہارا نام سامنے آنے کا موہوم ترین امکان بھی ہو۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو یہاں سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ جائے گا۔''

''میری کامیابی کے امکانات روشن ہیں پھر بھی محض حفظ ماتقدم کے طور پر بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ انتہائی بدترین حالت میں' میں ان پر انحصار کروں گا ورنہ پورا کام ہاتھ پیروں یا کسی روایتی ہتھیار سے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اپنے سارے کارڈز اس کے سامنے کھول دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''حالات کا فیصلہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کروگے۔ یہ یاد رکھنا کہ ایسے بدترین حالات مجھے تحت الثریٰ میں دھکیل سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

''تم کو امریکیوں کے چنگل سے بچانے کے لیے میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔''

''تم بے فکر رہو میں معاملات کی نزاکت اور ساری پیچیدگیاں سمجھ چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو ہم دونوں کو سرخ روئی حاصل ہوگی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خالی ہاتھ وہاں جاکر خودکشی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔ لڑائی میں جیبیں بھاری ہوں تو حوصلہ بلند رہتا ہے۔ آدمی کھلے دل کے ساتھ اپنے حریفوں کا مقابلہ کرتا ہے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''میرے لیے بدترین حالات وہ ہوں گے جب زندہ بچنے کی کوئی امید نہ رہے۔ ایسے وقت میں ساری ضروریات اور ترجیحات یکا یک اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں۔''

جلال کو اندازہ ہوگیا کہ میں راجن کو ٹھکانے لگانے کا وہ موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ خود اپنی موت کو دعوت دے رہا تھا تو مجھے پیش قدمی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''مجھے تمہاری ذہانت اور فیصلوں پر پورا بھروسا ہے۔'' اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم سے دور رہ کر بعض

اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن بعد میں سامنے آنے والے نتائج یہ ثابت کرتے رہے ہیں کہ تمہارے فیصلے درست اور جرأت مندانہ ہوتے ہیں۔ اگر میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا یا کرتا ہوں اس میں میری نیک نیتی کارفرما ہوتی ہے۔ میں پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اور خود کو ہر برے وقت سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں نے تم سے جن بدترین حالات کا ذکر کیا ہے ان کی نوبت نہیں آنے پائے گی لیکن مجھے اس انتہا کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔ مجھے اب راجن کی بساط الٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ یہ چراغِ سحری بھڑک کر کسی بھی لمحے گل ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے لیے یہاں کوئی کام باقی نہیں رہے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب ہماری واپسی کا کیا نقشہ بن رہا ہے!''

''مجھے ڈر ہے کہ حالات سازگار ہونے کے بجائے روز بہ روز خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔'' اس کی آواز سے جھجک کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''خاکے بن جانے کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ میں ان کے اشتہاری اجرا کو اسی وقت تک رکوا سکتا ہوں جب تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آتا اور وہ دونوں قیدیوں میں الجھے رہتے ہیں۔''

''وہ ان میں کیسے الجھے رہ سکتے ہیں؟'' میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ ''ابھی تم نے بتایا تھا کہ ان کے علم الابدان کے ماہروں نے ان دونوں کے خدوخال کو مجھ سے یا میری پرانی تصویر سے مشابہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی تھیوری ہے۔ کسی واضح ثبوت کی غیر موجودگی میں انہیں اس ٹھوس حقیقت میں الجھایا جا سکتا ہے کہ دو اقبالی مجرموں کی موجودگی میں ایک خیالی نظریہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں تمہیں بار بار تاکید کر رہا ہوں کہ اب کہیں سے بھی تمہارے نام یا کام کی کوئی بھنک نہیں ملنا چاہیے۔ ایسا ہوا تو ان کی تھیوری میں جان پڑ جائے گی۔ میری دلیلیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور وہ ہاتھ دھو کر ازسرِنو تمہاری تلاش میں جت جائیں گے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے بنوائے ہوئے خاکوں کی تشہیر کے بعد تم کبھی منظرِ عام پر نہیں آ سکو گے۔''

''تم بہت بھیانک منظر کشی کر رہے ہو!'' میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اپنی مرضی سے برسوں وطن سے دور رہنے کی اور بات ہے لیکن ایسی جبری جلاوطنی کا ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوگا۔ یہ عذاب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔''

''اللہ مالک ہے!'' اس نے جواب دیا ''میں اپنی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

''تمہارا کیا پلان ہے؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں اس بارے میں تمہیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔''

''ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ ہدف موجود ہے یعنی تم کو مصائب و مشکلات سے بچانا مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہدف کیسے حاصل ہوگا۔ ابھی میں ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ جوں ہی کوئی موزوں راہ سجھائی دے گی میں تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔''

جلال ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر تھا۔ اس کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ حقائق کی دنیا میں رہنے والا آدمی تھا، مبالغے سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اگر وہ میری اور میرے ساتھیوں کی واپسی میں مضمر خطرات کے بارے میں اتنا فکر مند تھا تو اصل حالات اس سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

''میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں، تم اپنا محاذ دیکھتے رہو۔ ہماری نیتیں صاف ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کامیابی سے نہیں روک سکتی۔''

''بھارتیوں سے ہماری کھلی لاگ ڈانٹ چلتی ہے۔ ان کے معاملے میں ہم کہیں بھی مجبور یا بے بس نہیں ہوتے۔ ذرا سا شبہ ہوتا ہے اور ہم ان کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''امریکیوں کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ بزعم خود ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں ہم سے گہری اور اٹوٹ دوستی کے دعوے دار ہیں، ان سے ذرا سا بھی اختلاف کیا جائے تو آنکھیں دکھانے لگتے ہیں، ہمیں ہمارا برا بھلا سمجھانے لگتے ہیں جیسے ہم کوئی نومولود قوم ہوں اور ہمیں اپنے مفادات کا پتا نہ ہو۔''

''تم نے سو کی ایک بات کہہ دی۔'' میں اپنی پریشانی کے باوجود اس کے تبصرے سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''وہ زبردستی ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں۔ تم نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی کہ سگ باش، برادر خرد مباش۔ ہم ان کا چھوٹا بھائی بنے رہنے پر مجبور ہیں۔''

''ان پر لعنت بھیجو۔ دنیا میں ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب ایک سادہ لوح اور فراخ دل قوم اپنے

اقتدار کی باگ ڈور مکار حکمرانوں کو سونپ دیتی ہے تو یہی سب ہوتا ہے۔ ہم نے ان پر اپنا خاصا وقت برباد کرلیا۔ تمہیں اپنے دشمن سے بھی ملنے کے لیے جانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ریٹا اور اس کے ساتھی کا کیا حال ہے۔ فون پر بات ہوئی تو وہ بہت خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھی۔''

''دونوں خوش ہیں۔ دعا کرو کہ وہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا ہوجائیں۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے راجن سے بات کیے کم و بیش بیس منٹ ہوچکے تھے۔

''کیا تم ان کی شادی کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہو!'' اس نے چونکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ان دونوں کا گھر آباد ہوجائے تو میرا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔'' میں نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''پل پل بدلتے ہوئے خطرناک حالات کی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بہت فکرمند رہنے لگا ہوں۔''

''وہ پٹھان لڑکا ہے۔ ریٹا جیسی آزاد خیال اور بے دین لڑکی کو قبول نہیں کرے گا۔'' جلال نے بے ساختہ اپنی رائے کا اظہار کردیا۔ ''ریٹا بھی اس رشتے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ وہ بے رحمی سے اسے رگڑتی رہتی ہے۔''

''ابھی کوششوں کا آغاز ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے!''

''کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چوطرفہ ذمے داریوں کے احساس نے تمہیں کچل کر رکھ دیا ہے۔ مسائل سے منہ پھیرنے کے بجائے تم بلاتامل انہیں اپنے سر پر سوار کرلیتے ہو۔'' اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا۔ مسائل سے الجھنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ زندگی میں یہ اونچ نیچ نہ ہو تو زندہ رہنے کا سارا لطف پھیکا پڑجاتا ہے۔ حرکت اور ہنگاموں سے زندگی کو تعبیر ملتی ہے۔''

ہم دونوں نے اپنی اپنی باتوں سے ایک دوسرے کے ذہنوں کو بوجھل اور پریشان کردیا تھا۔ آنے والے وقت میں بہتری کی امیدوں کے اظہار کے ساتھ ہمارا وہ رابطہ ختم ہوگیا۔

''آپ بہت وقت لے چکے ہیں، راجن آپ کے انتظار میں بے تاب ہورہا ہوگا۔'' غزالہ نے مجھے ٹوکا اور کہا ''آپ کی بعض باتوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ جلال کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ میری یک طرفہ گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ اس نے اپنے طور پر کچھ درست اندازے بھی لگا لیے تھے۔ رہی سہی باتیں میری زبانی معلوم ہوئیں تو وہ قائل ہوگئی کہ موتی محل کی طرف جانے سے پہلے جلال سے وہ گفتگو ضروری تھی۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتِ احوال واضح ہوگئی تھی۔

میں نے روانگی کی تیاری کرتے ہوئے بیم گن کو اپنے کوٹ کے نیچے، پتلون کی بیلٹ میں چھپایا تو غزالہ بولی۔ ''انگوٹھی تک ٹھیک ہے۔ آپ بیم گن نہ لے جائیں تو بہتر رہے گا۔ کسی مرحلے پر آپ اضطراری طور پر اسے استعمال کر بیٹھے تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ یہ......''

میں نے نرمی سے اس کا رخسار تھپتھپا کے کہا۔ ''کچھ نہیں ہوگا۔ میں وہاں خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا۔ پستول وغیرہ کے مقابلے میں بیم گن بہتر رہے گی۔''

غزالہ سے رخصت ہوکر میں لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو میری نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا طواف کررہی تھیں۔

میں لفٹ سے نکل کر مشکل سے دو قدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک میری نظریں ہوٹل کے صدر دروازے سے آتے ہوئے چاؤفان پر پڑیں۔ اس کا کسی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہونا مجھے بہت گراں گزرتا تھا۔ اس وقت میں ویسے بھی موتی محل پہنچنے کی عجلت میں تھا۔ میں نے چاہا کہ پھرتی سے اپنا رخ پلٹ کر اپنی پیٹھ اس کی طرف پھیرلوں اور انجان بن کر ہوٹل کے کسی اور راستے سے باہر نکل جاؤں مگر مجھے لمحہ بھر کی تاخیر ہوگئی۔ اس خبیث نے میری دراز قامت کی وجہ سے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

''ماسٹر! تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں تم سے ملنے کے لیے آرہا ہوں؟'' اس نے میرے قریب آکر مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''میں تمہارے استقبال کے لیے نیچے نہیں اترا۔'' میں نے خفا ہوکر کہا ''ایک ضروری کام سے کہیں جارہا ہوں۔ تم بلائے بے درماں کی طرح یہاں کیوں آئے ہو؟''

''ماسٹر! کیوں مجھ بے چارے پر ناراض ہورہے ہو۔''

وہ نرمی سے میرا بازو تھام کر مجھے راہداری کے ایک دیو ہیکل ستون کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے بتاؤ، میں تمہارا ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پیو، میں تمہارا کام کرکے لوٹ آؤں گا۔'' اس کا لہجہ اس قدر عاجزانہ تھا کہ میں بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔

''مجھے بھوک لگی ہوئی ہوتو میرے بجائے تم کھانا نہیں کھا سکتے۔'' میں نے ذرا سختی سے کہا ''اپنی بھوک مٹانے کے لیے مجھے خود کھانا کھانا پڑے گا۔ اس کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

اس وقت تک ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اس گول اور آراستہ ستون تک پہنچ چکے تھے جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم بہت مبارک آدمی ہو۔'' وہ دھیمے اور عقیدت مندانہ لہجے میں بولا ''صبح تم سے رخصت ہوکر میں مادام کی طرف گیا تھا اور اب سیدھا وہیں سے آرہا ہوں۔ وہ بہت اچھے اور کھلنڈرے موڈ میں تھی۔ آج میں نے اسے فتح کرلیا۔''

''اسی لیے تمہارا رواں رواں الکحل کی تیز بو سے مہک رہا ہے۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''تم کو اس حالت میں یہاں آتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی۔''

میری لتاڑ سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا اور وہ مغموم آواز میں بولا ''میرا خیال تھا کہ تم میری کامیابی کی خبر سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تمہاری بے شرمی پر اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ آدمی اپنی ایسی حرکتوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے' ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا۔ تم نے اپنا پیٹ ہلکا کرلیا۔ اب یہاں کیوں رکے ہوئے ہو۔ جاؤ تاکہ میں اپنا کام کرسکوں۔''

''تم بگڑ جاؤ تو تمہیں منانا مشکل ہوجاتا ہے۔'' وہ سر جھکا کر مغموم لہجے میں بولا ''میں نے یہاں آنے سے پہلے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کے ساتھ خوب پیاز کھالی تھی تاکہ تمہیں کوئی بو نہ آئے مگر تم سے کوئی بات چھپانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ تم سب کچھ سونگھ لیتے ہو۔ یقین کرو کہ میں نشے میں نہیں ہوں۔ املی اور آلو بخارے کے تیز شربت نے ذہن بالکل صاف کردیا ہے۔''

اس کی زبان سے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کا ذکر سن کر مجھے کراہت سے متلی ہونے لگی۔ ان لوگوں کی خوراک ان سے زیادہ عجیب تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ الابلا کھا کر زندہ کیسے رہتے ہیں!

''چاؤفان! میں تم سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔'' میں نے اندر ہی اندر پیچ وتاب کھاتے ہوئے' الفاظ چبا چبا کر کہا ''تم بلاوجہ مجھے منانے کی کوشش نہ کرو......''

''میں جارہا ہوں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے درمیان میں بولا۔ ''تم دوسری خبر بھی سن لو۔ چھوٹا راجن کے پانچوں حمایتی یہاں سے واپس جاچکے ہیں۔''

''تم لی کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے تو تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی۔'' میرے متحیر ہونے کے باوجود میرے لہجے پر ترشی غالب رہی۔

میری حیرت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کرتے ہی وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا ''ماسٹر! عورت اپنی پسند کی ہوتو اس کے بدن کا رواں رواں بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ بات مجھے مادام نے نہیں میرے ایک آدمی نے موبائل فون پر بتائی تھی۔ سب سے آخر میں لالہ کریم اور حاجی مستان ایک ساتھ ہانگ کانگ گئے ہیں۔''

وہ لی کے خمار سے نکل کر کام کی باتوں کی طرف آگیا تھا۔ میں نے اس پر اپنی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔ ''اس کے آدمیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ موتی محل میں تنہا رہ گیا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلا کر پریقین لہجے میں کہا۔ ''بڑی ہڈی ہاتھ لگ جائے تو بعض کتے اسے آخر تک چچوڑتے رہتے ہیں۔ مقامیوں نے اس سے بغاوت کردی ہے۔ اس کے کچھ ہم وطن اب بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔''

''کیا یہ موقع بہترین نہیں ہے۔ اس وقت موتی محل پر دھاوا بول کر اسے مارا جاسکتا ہے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ موتی محل ایک بھول بھلیاں ہے۔ وہاں سے نکلنے کے کئی پوشیدہ راستے ہوں گے۔ وہ کہیں سے بھی نکل جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس قدر چالاک اور مکار ہے۔ کھلے آسمان کے نیچے تمہیں جُل دے کر صاف نکل گیا تھا۔''

''پھر ڈان کیا کہتا ہے؟'' میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''اسے جو کچھ کرنا تھا' وہ موٹوں کے ذریعے کرچکا۔ اب چھوٹا راجن تمہارا شکار ہے۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تم کو کرنا ہے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔'' اس نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔ اپنی نام نہاد فتح کے سحر سے آزاد ہوکر وہ معقولیت کی راہ پر آچکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا' میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے جیب سے اپریٹس نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر موجود تھا۔ چاؤفان نے اچک کر وہ نمبر

دیکھنا چاہا لیکن میں نے اسی وقت فون اپنے کان سے لگالیا۔ میں چاؤ فان کی موجودگی میں بھی بے خوف ہوکر راجن سے بات کرسکتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان گفتگو اردو میں ہوتی تھی۔ چاؤ فان ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کی ساری زبان دانی مقامی بولیوں اور لنگڑی لولی انگریزی تک محدود تھی۔

''تم کہاں ہو...... میں بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' میرے کان میں گونجنے والی راجن کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کررہا تھا۔

''دوپہر کے کھانے میں ایک تھائی ریستوران والے نے نہ جانے کیا کھلا دیا کہ میرا معدہ چوپٹ ہوکررہ گیا۔'' میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''جیسے ہی باتھ روم کی پریڈ سے فرصت ملتی ہے' میں آتا ہوں۔''

''کیا تمہارے باتھ روم میں اور لوگ بھی موجود ہیں۔ کافی ملی جلی آوازیں آرہی ہیں!'' اس کی آواز کاٹ دار اور طنزیہ ہوگئی۔

میں بوکھلا گیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ میں اس وقت ہوٹل کی لابی کے ایک حصے میں کھڑا تھا اور ہمارے آس پاس سے بہت سے لوگ ہنستے بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔

''اس وقت میں دوا لینے کے لیے بازار میں نکلا ہوا ہوں۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''کہو تو گھر پہنچ کر تم سے بات کرلوں۔'' میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کردیا۔

''کسی بات چیت کی ضرورت نہیں' بس جلدی پہنچو۔ موتی محل میں بیسیوں باتھ روم ہیں۔ تمہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کھانے کی گڑبڑ نہیں ہے۔ یہاں آنے کے خوف سے تمہارا ہاضمہ بگڑ گیا ہے۔ آؤ گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''میں آتا ہوں۔'' اسے دلاسا دے کر میں نے فون بند کردیا۔

فون پر میری گفتگو کے دوران میں چاؤ فان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر خاموشی سے میرا چہرہ تکتا رہا تھا۔ بات ختم ہونے کے بعد اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''کون تھا؟''

''میرا ایک دوست تھا۔'' اسے ٹالنے کے لیے میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''وہی تو نہیں جو تمہارے لیے جاسوسی کرتا رہتا ہے؟'' چاؤ فان کی چرب زبانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''وہ نہیں تھا!'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟''

''دورانِ گفتگو تم نے ایک مرتبہ تھائی ریستوران کے الفاظ استعمال کیے تھے۔'' اس نے مسکینی صورت بنا کے کہا۔ ''میں نے سوچا کہ ڈنر کا پروگرام بن رہا ہو تو میں تمہاری مدد کردوں۔ شاگان یہاں کا ایک چھوٹا لیکن بہت عمدہ ریستوران ہے۔ سانپ کے تلے ہوئے قتلوں سے مگرمچھ کے سالن تک' سب ڈشیں بہت لذیذ ہوتی ہیں۔''

بھنے ہوئے چوہوں کے بعد وہ حد سے تجاوز کررہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری آمد اور معلومات کی فراہمی کا شکریہ۔ میں دعا کروں گا کہ لی تمہیں ہمیشہ اپنے تلوے چاٹنے کا موقع فراہم کرتی رہے...... اب میں چلتا ہوں۔''

''ماسٹر! تم اتنی مزے دار باتیں کرتے ہو کہ تم سے مل کر میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔'' اس نے پُرجوش انداز میں میرے ہاتھ کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت جانے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن خیر' تمہاری مجبوری ہے۔ اب میں فون کرکے آؤں گا۔''

میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ مڑا اور صدر دروازے کی طرف ہولیا۔ میں چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مڑ کر ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں سے ایک راستہ ہوٹل کی دوسری سمت میں نکلتا تھا۔

بنکاک میں ٹک ٹک اور ٹیکسیوں کی بہتات ہے۔ عام طور پر قدم قدم پر سواری مل جاتی ہے۔ میں نے کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور براہِ راست موتی محل کے لیے روانہ ہوگیا۔

ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھنے کے بعد مجھے بیم گن کی فکر لاحق ہوگئی۔ پتلون کی بیلٹ میں وہ غیر محفوظ تھی۔ پلاسٹک کا وہ جدید ہتھیار وزنی ہونے کے باوجود کسی پستول وغیرہ سے کافی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ اسے چھپانے کے لیے وہی جگہ زیادہ محفوظ تھی جس کا ذکر میں نے غزالہ سے کیا تھا۔

ٹیکسی کا ڈرائیور ادھیڑ عمر اور سست الوجود سا تھا پھر بھی میں نے بیم گن کو بہت احتیاط سے کوٹ کے دامن کی آڑ میں چھپا کر اپنی نشست سے نکالا اور قمیص کے نچلے بٹنوں کے درمیان سے گزار کر انڈرویئر کے اوپری حصے میں پیٹ سے

چپکالیا۔
یوں تو بھرپور جامہ تلاشی میں بدن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن کسی سرسری کوشش میں وہ مقام بچا رہنے کی امید تھی۔ میں اسد کے ساتھ پہلی بار موتی محل پہنچا تو وہاں ہماری مکمل اور بھرپور جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ صبح میں، راجن کے مہمانوں کے سامنے گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تو میری تلاشی کا انداز سرسری تھا۔ توقع تھی کہ موتی محل پر راج کرنے والے سناٹے میں تیسری بار مجھے زیادہ کڑی تلاشی سے نہیں گزرنا پڑے گا اور بیم گن بچ جائے گی۔
شام ہو چلی تھی اور شہر میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ میں نے موتی محل کے آثار نظر آنے پر ایک دمکتے ہوئے بل بورڈ کے سائے میں ٹیکسی رکوالی تاکہ اس عمارت کے پھاٹک پر لگے ہوئے کیمروں کی گرفت سے دور رہ کر بیم گن کی پوزیشن کا صحیح اندازہ کرسکوں۔
ٹیکسی سے اترنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اچھے زیر جامے مہنگے ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی افادیت ہمہ جہت ہوتی ہے۔ بیم گن میرے جسم سے یوں چپکی ہوئی تھی جیسے ذرا سی دیر میں جزو بدن ہوگئی ہو۔ میں ڈرائیور کو فارغ کر کے اطمینان سے موتی محل کی طرف چل دیا۔
شام کے دھندلکے میں اس عمارت میں بہت سی روشنیاں چمک رہی تھیں لیکن چراغاں کا وہ منظر مفقود تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ موتی محل کے رہے سہے مکینوں کے لیے ایک شامِ غم تھی۔ وہاں گھور اندھیرے کا راج ہوتا تو وہ بھی کم تھا۔
پُرشکوہ اور دیوہیکل فولادی دروازے کے سامنے رک کر میں نے کسی مظلوم فریادی کی طرح دستک دی۔ مجھے کیمرے کی مدد سے اندر دیکھ لیا گیا تھا۔ پھاٹک کے برابر میں دیوار میں بنے ہوئے پتلے سے راستے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا جو میری سمجھ سے بالا تھا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مقامی نہیں تھا۔
راجن کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ صرف چار بھارتی رہ گئے تھے۔ باقی آدمی ہتھیاروں سمیت فرار ہو چکے تھے۔
''میرا نام اکبر ہے۔ میں......'' میں نے آنے والے کی طرف متوجہ ہوکر بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے عجلت میں میری بات کاٹ دی۔
''ادھر سے اندر آجاؤ۔'' اس تنگ راستے میں مجھے جگہ دینے کے لیے وہ اندر سرک گیا۔
وہ راستہ میں صبح کے جاں گسل فرار میں دریافت کر چکا تھا۔ وہاں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔
موتی محل کی حدود میں قدم رکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ وہاں اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ جو لوگ رہ گئے تھے انہوں نے احاطے کی ساری بتیاں روشن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی یا پھر صبح احاطے میں گرنے والے بموں نے بجلی کی ترسیل کے زیرِ زمین نظام کو تباہ کر دیا تھا۔
مجھے اندازہ تھا کہ موتی محل میں قدم رکھنے کے بعد مجھے اپنی مرضی سے وقت کے استعمال کی آزادی نہیں رہے گی اس لیے میں تیزی سے ہر طرف کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔
مسلح محافظ کی معیت میں، میں گارڈ روم کے سامنے پہنچا تو اس نے میرے بازوؤں اور پہلوؤں پر ہاتھ پھیر کر جامہ تلاشی لی، پھر جھک کر میری دونوں پنڈلیوں پر اوپر تک ہاتھ پھیرے اور مطمئن ہوکر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میرا پیٹ اس کی توجہ سے یکسر محروم رہا۔
''باس بہت دیر سے تیرا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے بدمعاشوں جیسے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''جلدی سے دوڑ کر اندر جا، برآمدے سے کوئی اندر لے جائے گا۔''
میں کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سامنے پھینکے جانے والے بموں نے احاطے کے بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا۔
مجھے دور ہی سے نظر آرہا تھا کہ برآمدے میں ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص نمودار ہو چکا تھا۔ میرا اگلا راہنما وہی ہوسکتا تھا۔
میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دور رہ کر مجھے اپنا مشن جتنا آسان نظر آرہا تھا، موتی محل میں آنے کے بعد اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ وہ گنتی کے کل پانچ نفوس تھے لیکن مختلف جگہوں پر پھیل کر انہوں نے اپنی طاقت میں کافی اضافہ کرلیا تھا۔ میرے لیے راجن کو موت کے گھاٹ اتارنا شاید زیادہ مشکل نہ ہوتا لیکن بعد میں موتی محل سے نکلنے میں واضح دشواریاں نظر آنے لگی تھیں۔
جلال کی ہدایت میرے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کا یہ حق تھا کہ انہیں آخری سانس لینے سے پہلے اپنے قاتل کا نام معلوم ہو جائے لیکن ان کے سوا کسی کو میری اصلیت کی سن گن نہیں ملنی چاہیے تھی۔ بیم گن کا استعمال بھی نام کے اظہار کے زمرے میں آتا تھا مگر بدترین

لمحات میں وہی میرا آخری ہتھیار ثابت ہوتی۔
جب تک میں باہر تھا مجھے بیم گن اندر لانے کی فکر لاحق تھی۔ اس چکر میں، میں نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا تھا جہاں وہ موتی محل کے دربان سے محفوظ رہی۔ اسی کے ساتھ وہ میری دسترس سے بھی دور ہوچکی تھی۔ کوئی ناگہانی ضرورت پیش آتی تو اسے زیر جامے سے نکالنا محال ہوجاتا۔ تلاشی کا مرحلہ گزر چکا تھا۔ دوسری تلاشی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ بیم گن کو میری جیب میں آجانا چاہیے تھا جہاں وہ بوقتِ ضرورت آسانی سے ہاتھ آجاتی۔
''ابے دوڑ لگا۔'' برآمدے والا اپنی جگہ سے غرایا ''باس تیرا انتظار کررہا ہے۔''
ان لوگوں میں شائستگی نام کو نہیں تھی۔ ان کی تو تڑاق سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ دنگا فساد کرنے والے تیسرے درجے کے بدمعاش تھے جو راجن کی جان سے چمٹے رہ گئے تھے۔
اس کی مزید کسی بدتمیزی سے بچنے کے لیے میں نے دھیمی رفتار سے دوڑنا شروع کردیا۔ ''استاد، پہلے مجھے باتھ روم کا راستہ بتادو، میرا پیٹ گڑبڑ ہے۔'' میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے تھام کر عاجزی سے کہا۔
''باس کے پاس جانے سے پہلے پیٹ خراب ہوگیا۔ اس سے ملے گا تو سالا پتلون گندی کرلے گا۔'' تضحیک آمیز انداز میں تبصرہ کرکے اس نے فلمی انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا ''میرے پیچھے آجا۔''
اس بار ہم ڈرائنگ روم کے بجائے ایک راہ داری میں داخل ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ ساؤنڈ پروف کمرا کدھر واقع تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک کمرے کا بند دروازہ کھول دیا۔
''اندر جا اور باتھ روم سے فارغ ہوکر برابر والے کمرے میں آجا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کمرے کی نشاندہی کردی جہاں مجھے جانا تھا۔
وہ کوئی صاف ستھری خواب گاہ تھی۔ صاف ستھرا اور بے شکن بستر ظاہر کررہا تھا کہ وہ کمرا شاید کسی کے استعمال میں نہیں۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھسا اور دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا۔ اس محفوظ چار دیواری میں اپنا کام کرنے سے پہلے میں نے ہر طرف نظریں دوڑائیں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں کوئی کیمرا نہ چھپا ہوا ہو۔ چھت اور دیواریں سپاٹ تھیں۔ جب کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی تو میں نے اطمینان سے بیم گن اپنے کوٹ کی اندر کی جیب میں منتقل کرلی۔
میں وہاں ایک بہانہ کرکے آیا تھا اس لیے کچھ دیر اندر رکا رہا۔ پانی بہایا، فلش ٹینک چلایا اور ہاتھ گیلے کرکے باہر نکلا تو کمرا بہ دستور خالی تھا۔ کمرے کے باہر بھی سناٹا تھا۔ اس وسیع وعریض مکان میں چھائی ہوئی ویرانی میری روح میں اتری جارہی تھی۔ رونق کنکریٹ اور مرمر سے نہیں، انسانوں سے ہوتی ہے، موتی محل اچانک مکینوں کے قحط سے دوچار ہوگیا تھا۔
دراز قامت زبان دراز کے بتائے ہوئے بند دروازے پر پہنچ کر میں نے ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے راجن کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔
''بہت دیر کردی تم نے۔'' وہ اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے بولا۔ ''آتے ہی پھر باتھ روم میں گھس گئے!''
''مجبوری تھی استاد!'' میں نے گھگیا کر کہا۔
کمرے میں راجن کے ساتھ وہی دراز قامت بیٹھا ہوا تھا جو مجھے اندر لایا تھا۔ اس کے بقیہ دو آدمی کہیں نظر نہیں آئے۔ راجن نے اپنے سامنے رکھی ہوئی تپائی سے گلاس اٹھا کر کسی شراب کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور مجھے ایک الگ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سکڑے سہمے انداز میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ راجن کا بایاں بازو بہ دستور سوجا ہوا اور حرکت سے معذور تھا۔
''تم نے ڈینی کے آدمیوں کی باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں؟'' چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔
''بالکل استاد، کیا تم کو اس بات پر شبہ ہے؟'' میں نے دلیری سے کہا۔ میں ڈینی کے روپ میں باتیں کرکے اسے دھمکاتا رہا تھا۔ ویران ساحل پر ہونے والے تصادم میں میرے اور اس کے درمیان براہِ راست مکالمے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت میں اکبر کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ڈینی نے بنکاک میں صرف 'سی' سے بات کی تھی۔ اس کے بیان کی تائید کرنے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہا تھا۔
''مجھے رتی برابر شبہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے صوفے میں احتیاط سے پہلو بدل کر کہا۔ ''ڈینی اسی شہر میں منڈلا رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دوسروں کو اس بات پر یقین نہیں آرہا۔ یہ بہت بڑا کھیل چل رہا ہے۔ تم برنارڈ کو جانتے ہو؟''

''نہیں استاد! یہ کون ہے؟'' میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

''زخم کھایا ہوا ایک سانپ، جو پھر سر اٹھا رہا ہے۔'' اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں کہا 'اس کے خوشامدی اسے آج بھی ڈان کہتے ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں ڈینی کے چکر میں پڑ کر برنارڈ کو بھولا رہا اور ان دونوں نے خاموشی سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب مجھے ان دونوں کو سنبھالنا ہوگا۔''

''باس! تم اس چوزے کو یہ سب کیوں بتا رہے ہو۔'' دراز قامت نے دخل اندازی کی ''اس سے اس کی اوقات کا کام لو اور چلتا کرو۔''

''جوزی!'' راجن اس پر حلق کے بل دہاڑا۔ ''کیا بکواس کر رہا ہے تو۔ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تو چلا جا یہاں سے۔ اسے میری آنکھ سے دیکھ۔ یہ چوزہ نہیں نیولا ہے جو سانپ کا سر چبا سکتا ہے۔''

''باس! غلطی ہوگئی۔'' جوزی نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا ''میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے ڈینی کے آدمیوں کی شناخت کے لیے بلایا ہے۔''

''اسی لیے بلایا تھا۔'' راجن کی آواز اعتدال پر آ گئی۔ ''مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہ خبر تو نے سنائی تھی کہ آج برنارڈ نے سیلرز بار میں آتے ہی سب کو مفت شراب پلانا شروع کر دی ہے۔ کسی کو پتا ہو یا نہ ہو' میں جانتا ہوں کہ اس طرح وہ اپنی واپسی کا جشن منا رہا ہے۔ موتی محل کے بھگوڑے اس کے پاس پہنچے ہوئے ہیں اور اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے ہیں۔ جو میرے نہیں ہو سکے وہ کسی کے نہیں ہو سکیں گے۔ شہر میں یہ دھمکی بھی اسی نے پھیلائی ہوگی کہ میرے دوست اس کے دشمن ہوں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ میں حیران تھا کہ ایسی خبریں کون پھیلا رہا ہے۔ اب بات صاف ہو چکی ہے۔''

''باس! مجھے یہ سب کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟'' جوزی نے عاجزی سے کہا۔ ''تم نے جب سے سیلرز بار میں مفت شراب بٹنے کی خبر سنی ہے' تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔ تم خاموشی سے پیے جا رہے ہو۔ یہ آیا ہے تو تم نے زبان کھولی ہے۔''

''برنارڈ کی سازش کا بروقت پتا چل گیا ہوتا تو وائٹ ہاک ڈوبتی نہ آج موتی محل ویران ہوتا۔'' راجن نے دکھ بھری آواز میں جوزی سے کہا۔ ''ہمارے پاس آدمی تھے' طاقت تھی۔ چند گھنٹوں میں برنارڈ کو اس کے بار سمیت پھونک کر رکھ دیا جاتا۔ وقت نکل گیا' آدمی بھاگ گئے۔ اب ہمیں جیتنے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں آدمیوں کی ضرارت ہے۔ اکبر بھی ہمارے کام آئے گا۔''

''میں تیار ہوں استاد!'' میں نے اپنا مفروضہ نام سنتے ہی کہا ''تمہاری اور جوزی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''تم یہ تو سمجھ گئے نا کہ میرے دو دشمن ہیں...... ڈینی اور برنارڈ!'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اور وہ دونوں تمہارے خلاف مل گئے ہیں۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ڈینی آسیب بنا ہوا ہے۔ اسے ڈھونڈنا پڑے گا۔ برنارڈ ہمارے سامنے ہے۔ وہ شام کو چھ بجے سے رات بارہ بجے تک اپنے سیلرز بار میں ہوتا ہے۔ ہم لوگ ادھر گئے تو پہچان لیے جائیں گے۔ تم ان کے لیے اجنبی ہو۔ جاؤ اور وہاں ٹائم بم چھوڑ کر لوٹ آؤ۔ اس کام کے لیے میں تمہیں پچیس ہزار بھات دے سکتا ہوں...... بولو' کیا کہتے ہو؟''

میں جو کچھ سوچ کر وہاں پہنچا تھا وہ دھرا رہ گیا۔ ڈان کی ذرا سی بے احتیاطی سے ساری کہانی یکسر بدل کر رہ گئی۔ وہ ابتدا سے بہت کامیابی کے ساتھ اپنا نام چھپاتا چلا آ رہا تھا۔ سیلرز بار میں مفت شراب کا میلہ لگا کر اس نے ساری کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس وقت میرے سامنے راجن کی تجویز سے اتفاق کرنے کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ ڈان اپنے اقتدار سے ایک مدت سے ترسا ہوا تھا۔ اس نے موتی محل پر ایک کامیاب حملہ کروانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ وہ پوری طرح بازی جیت چکا ہے۔ وہ ذرا سے صبر سے کام لیتا تو سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سمیٹا جا سکتا تھا۔

''تم پچیس ہزار بھات نہ دو تب بھی میں تمہارا یہ کام کر دوں گا۔'' میں نے بلاوجہ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''سارا مسئلہ یہ ہے کہ سیلرز بار کا نام میرے لیے نیا ہے۔ پہلے مجھے وہاں کچھ وقت گزار کر موقع محل کا جائزہ لینا ہوگا۔''

''ان چکروں میں الجھانے کی کوشش مت کر!'' راجن سے پہلے جوزی بول پڑا۔ ''یہاں آنے کے نام سے تیرا پیٹ خراب ہو گیا' اب کام سن کر حیلے بہانے کر رہا ہے۔''

راجن نے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ مجبور ہو کر مجھے بولنا پڑا۔ ''ایسی جگہوں پر نیا آدمی فوراً نگاہوں میں آ جاتا ہے۔ میں......''

''ابے! نئے آدمی کو وہاں کرنا ہی کیا ہے۔ ایک چھوٹی

سی تھیلی لے کر جا' بیٹھ کر ایک دو پیگ لگا اور واپسی پر تھیلی باتھ روم میں چھوڑ کر آ جا۔ کام سے ڈر رہا ہے تو کھل کر بتا دے۔ ہمیں یہ جائزوں وائزوں کے چکر مت دے!'' جوزی نے بے اعتنائی سے کہا۔

''شک ہے تو پھر یہ کام تم اپنے کسی آدمی سے لے لو' مجھے کوئی اور کام بتا دو۔'' موقع ملتے ہی میں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔'' راجن نے وہ بحث سننے کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''تمہاری ایک ادا میرے دل کو بھا گئی۔ صبح بات ہو رہی تھی تو تم نے موقع کی نزاکت سمجھ کر اپنی طرف سے ڈینی کے نام کا اضافہ کر دیا حالانکہ جب تم نے مجھ سے ڈینی کے آدمیوں کا ذکر کیا تو ان کی باتوں میں ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔ بات میرے فائدے کی تھی' میں ان پانچوں کے سامنے چپ رہا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ انہوں نے پھر بھی تمہاری بات نہیں مانی۔ ایسے ذہین آدمی مجھے پسند ہیں... جو حالات کی روشنی میں خود بھی فیصلہ کر سکیں۔''

''یہ سب میرے سر آنکھوں پر۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''مگر تم نے جوزی کی باتیں بھی سن لیں۔ کام میں کوئی گڑبڑ ... ہوگئی تو یہ ساری ذمے داری میرے اوپر ڈال دے گا۔ تم یہ کام کسی اور سے لے لو تو اچھا رہے گا۔''

''اب مجھے کھل کر کچھ بتانا ہوگا۔'' راجن اپنا گلاس خالی کر کے بولا۔ ''آج میری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ موتی محل سے چار کے سوا سارے محافظ اور ملازم لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ بنکاک میں آج میرے سارے کلب اور کیسینو بند پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ ڈر کر اپنے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں یا انہوں نے نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ دو چار دن میں صورتِ حال کچھ واضح ہوگی۔ میرا بازو زخمی ہے۔ اس اہم کام کے لیے میں آنکھیں بند کر کے کسی نئے آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔''

مجھے ابتدا سے یہی تجسس تھا کہ وہاں راجن کے سوا صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ بقیہ دو کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اچانک کہیں سے نمودار ہو کر میری کسی کارروائی کا پانسا پلٹ سکتے تھے۔ راجن نے وہ تفصیل بتا کر مجھے سوال کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''مجھے دربان اور جوزی کے سوا اب تک کوئی اور نظر نہیں آیا۔''

راجن نے چونک کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں معصومانہ انداز میں سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن راجن کی تیکھی نظروں کے سامنے میرے معدے میں واقعی گرہیں سی پڑنا شروع ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی ہیں۔'' راجن نے سرسری اور مبہم جواب دے کر میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔ بقیہ دونوں کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس نے اپنی طرف سے سرسری جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی مگر میں جانتا تھا مجھے دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''پھاٹک پر دربان کا ہونا ضروری ہے تاکہ کوئی اجنبی اندر نہ گھس سکے۔ تمہارا بازو زخمی ہے۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کا موجود رہنا ضروری ہے۔ یہ کام جوزی کر رہا ہے۔ اگر وہ دونوں فارغ ہیں تو مجھے ان کے ساتھ سیلرز بار کی طرف بھیج دو۔ برنارڈ کا قصہ آج ہی نمٹ جائے گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟'' راجن نے دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

''مجھے تلاش میں بھٹکنا پڑے گا۔ ان کے لیے وہ جگہ دیکھی بھالی ہوگی۔ وہ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔ میں اندر چلا جاؤں گا' وہ باہر رکے رہیں گے۔'' میں نے منظر کشی شروع کر دی۔ ''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ آسانی سے میری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔''

''اس بھول میں نہ رہنا۔'' راجن بولا ''برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں اس کا طوطی بولتا تھا۔ اسے تم پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ اندر ہی سے تم کو کہیں غائب کرا دے گا۔ بعد میں کہیں سے تمہاری لاش مل جائے گی۔ وہاں کسی کمک یا مدد کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ بریفنگ ہے۔ کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم کو ہر اونچ نیچ کا علم ہونا چاہیے۔''

''یہ اتنا خطرناک کام ہے تو مجھے اس سے معاف کر دو۔'' میں نے راجن کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ ہے اس کی اصل اوقات!'' جوزی زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ناکارہ اور بودا آدمی ہے۔''

بات بڑھتی جا رہی تھی اور کسی بھی لمحے بگڑ سکتی تھی۔ میں ان دونوں سے دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوری کی وجہ سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کیا جا سکتا

تھا۔ وہ جس کمرے میں موجود تھے۔ اس کی تزئین و آرائش ایک پرتعیش خواب گاہ جیسی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہتا۔ اس وقت میرے لیے نادر موقع تھا کہ میں اچانک انہیں بیم گن کی زد پر لے لوں۔ وہ کمرا عمارت کے اندرونی حصے میں واقع تھا۔ پھاٹک سے عمارت کا فاصلہ بھی کافی تھا۔ وہاں ہونے والی ہڑبونگ کی آوازیں دربان تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر راجن کے بقیہ دو آدمی کہیں سے آنکلتے تو میں پلک جھپکتے میں انہیں بیم گن سے شکار کرسکتا تھا۔

وہ راجن اور اس کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے یا انہیں بھول جانے کا مرحلہ تھا۔ وہ موقع کھو دینے کے بعد میں کبھی ان کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت میری جیت صرف اور صرف بیم گن کے زور پر ممکن تھی اور جلال نے مجھے اس کے استعمال سے منع کیا ہوا تھا۔

بیم گن کو فراموش کرکے میں اپنے مستقبل کو بہت سے خطرات سے بچا سکتا تھا لیکن پھر راجن کا فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میرے ذہن میں شدید کشمکش ہورہی تھی اور میری پوری توجہ راجن پر مرکوز تھی۔ میرے کان اس کی زبان سے جوزی کے زہریلے تبصرے کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

''کیا مجھ سے واقعی فیصلے کی غلطی ہوئی ہے؟'' راجن نے بھویں چڑھا کر عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''ہاں!'' یہ کہتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر جوزی کی طرف سیدھی کی' نہایت پھرتی کے ساتھ انگوٹھا استعمال کرکے اس کا سیفٹی لاک سرکایا اور شہادت کی انگلی سے ٹریگر دبا دیا۔

جوزی کو سنبھلنے یا اپنی کرسی سے اٹھنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی بے آواز دھار فضا میں تیرتی ہوئی اس کے رخسار سے گزر کر دماغ تک اتر گئی۔ اس کے بدن نے ایک جھٹکا لیا اور وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ میں نے بیم گن کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔

''تم سے فیصلے کی سنگین غلطی ہوئی ہے۔'' میں نے اپنی اصل آواز میں ادھورا فقرہ مکمل کیا۔ ''تم خود اقرار کرچکے ہو کہ آج تمہاری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ اجل کا فرشتہ تمہاری زبان سے یہ بات کہلوا رہا تھا...... خبردار! ہلنا نہیں ورنہ کچھ جانے بغیر مارے جاؤ گے!''

جوزی کا انجام دیکھ کر راجن کا سیاہ چہرہ تاریک تر ہوگیا تھا۔ میری اصل آواز سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تت...... تم ڈینی ہو...... تم نے مجھے مارا تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔''

''اسی خوف سے میں نے تمہیں دوبار زندہ چھوڑ دیا۔ موت تمہارے قریب سے دبے پاؤں گزر گئی۔ تیسری بار میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ میری نازک سی گن آدمی کو کس قرینے سے مارتی ہے۔''

''اس بار یہ غلطی ہی ہوگئی۔'' اس نے سنبھالا لینے کی کوشش کی مگر اس کے لہجے پر کمزوری غالب رہی۔ ''اب میں سمجھا کہ تمہیں میرے دو آدمیوں کی فکر کیوں ہورہی تھی۔ وہ یہیں' اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہیں...... نہیں' ابھی ٹھہرو!''

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ میرے شانوں کے پیچھے اچانک کسی سے مخاطب ہوکر زور سے بولا۔ غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم گئی۔ مجھے شک ہوا کہ اس کے چھپے ہوئے آدمی میری پشت پر نمودار ہوگئے ہیں اور وہی میری فاش غلطی تھی۔

اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ اپنی چال بازی سے اس نے چند لمحوں کے لیے میری توجہ دوسری طرف مبذول کرادی تھی۔ اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر اس نے اچانک اپنی کرسی سے جست لگائی اور کسی وزنی لنگور کی طرح میرے اوپر آگرا۔

دو وزنی جسموں کا تصادم اتنا شدید تھا کہ بیم گن میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ کرسی وہ جھٹکا نہ سہ سکی اور پیچھے الٹ گئی۔ میں پشت کے بل قالین پر تھا اور راجن کا گٹھا ہوا وجود میرے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داہنے ہاتھ سے میرا نرخرا دبوچ لیا۔

اس کے گٹھے ہوئے توانا جسم کو دیکھ کر مجھے اس کی طاقت کا اندازہ تھا لیکن جب اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے میرا گلا دبانا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کے بدن میں کسی وحشی سانڈ سے زیادہ طاقت تھی۔ شاید موت کو اپنے سامنے پاکر اس کے جسم کی ساری توانائی اس کے داہنے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی۔

میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے گرانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے دونوں پیر پھیلا کر سارا بوجھ میرے پیٹ اور سینے پر ڈالا ہوا تھا۔ میں نے گھٹنوں سے اس کی پشت پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی ناکام ہوئی۔ وہ سیدھا بیٹھنے کے بجائے اس طرح جھکا ہوا تھا کہ میرے گھٹنے اس کی پشت کو نشانہ نہیں بنا سکے۔

وہ ابتدائی چند لمحے تھے جو گھبراہٹ اور سنسنی کے عالم میں گزرے پھر میں نے بائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کیا۔ اس کا ایک بازو زخمی تھا' دوسرا ہاتھ میرے گلے پر جما ہوا تھا۔ صرف سر کی جنبش سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ اس ضرب کی شدت میں نے اپنے مکے پر محسوس کی' رخسار کی ہڈی چٹخنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ راجن کا توازن بگڑا' میرے گلے پر اس کی گرفت کمزور ہوئی اور اسی لمحے میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے نیچے پھینک دیا۔

جب تک راجن ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹنے کی وحشیانہ کوشش کر رہا تھا' اس کی زبان بند تھی۔ وہ زور ٹوٹتے ہی اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی طرح میرے لیے بھی وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ میری ذرا سی غفلت مجھے دوسرے جہان میں پہنچا سکتی تھی۔

جب میں نے راجن اور جوزی پر بیم گن استعمال کر کے ان کا قصہ وہیں نمٹانے کا فیصلہ کیا تو جلال کی یہ ہدایت میرے ذہن میں تازہ تھی کہ میرے ہاتھوں کہیں بھی کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں میرا نام سامنے آ سکے۔ بیم گن میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے استعمال کرنے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس شام موتی محل میں میرے سب حریف بیم گن کا نشانہ بنیں گے۔ ایک ایک کر کے انہیں مار لینے کے بعد اس عمارت میں میرا راج ہوتا۔ راجن سے پچھلے تصادم کا تجربہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے اس کے دو آدمیوں کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کیا اور پھر ان کی لاشیں راجن کی کار سمیت نذر آتش کر دیں۔

اس وقت تک دیرا یا جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لاشیں میں نے صرف اس لیے جلائیں کہ ڈان اور جاؤ فان کو ان کی موت کے اسباب کا علم نہ ہو سکے۔ اس وقت وہ میری احتیاط تھی جو موتی محل میں ایک ضرورت بن چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں راجن کو بہت آسانی سے بیم گن سے مار لوں گا لیکن اس نے مجھے جھانسا دے کر اپنی مہلت میں اضافہ کر لیا تھا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے میں دیر نہیں کی۔ مجھے فنا کر دینے کا دعویٰ کرتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بیم گن کچھ دور قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ راجن کو زیر کیے بغیر اس تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت اس سے دو بہ دو مقابلہ ہو رہا تھا۔ بیم گن ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود میں پل بھر میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ حریف کے بدن میں مہلک زہر اگلنے والی انگوٹھی کا استعمال ایک موزوں مکے کے ساتھ راجن کو ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ جوزی پر بیم گن استعمال ہونے کے بعد میں اپنا دوسرا ہتھیار استعمال نہ کروں۔ ویسے بھی راجن نے مجھے خاصا پریشان کیا تھا۔ وہ آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔ میں نے اسے مارنے سے پہلے اس سے کھیلنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو وہ جوزی سے پہلے' ایک پل میں مارا جا سکتا تھا۔

میں نے اکھاڑے میں اترے ہوئے کسی پہلوان کی طرح اپنے قدموں پر حرکت کرتے ہوئے دونوں انگوٹھیوں کے نگینے گھما کر ان کے رخ اندر کی جانب کر لیے تاکہ داہنے ہاتھ سے مکا مارنے کی صورت میں نگینوں کا زہر راجن کے جسم میں نہ اتر سکے۔

اس وقت راجن کی حالت بہت عجیب تھی۔ اس کا مکروہ چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ اس سیاہی میں اس کی آنکھوں کے پھیلے ہوئے ڈھیلے خاصے بھیانک لگ رہے تھے' آگے کی طرف مڑے ہوئے کان مجھے کچھ زیادہ مڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مجموعی طور پر یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے شیطان کا کوئی چیلا میرے مقابلے پر اترا ہوا ہو۔

اس کا زخمی بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہی میں بازو کی شدید تکلیف کا بھی کچھ نہ کچھ دخل تھا۔

ہم دونوں موقع کی تلاش میں ایک دوسرے کے سامنے پینترے بدل کر قالین پر حرکت کرتے رہے وہ مجھے دھمکیوں اور گالیوں سے نواز رہا تھا' میں خاموش تھا۔ اچانک اس نے اپنے پیر سے میری گری ہوئی کرسی میری طرف اچھالنے کی کوشش کی۔ وہ ہلکی ضرور تھی بہر حال کرسی تھی۔ اچھلنے کے بجائے وہ ایک طرف لڑھک گئی۔

کرسی کی طرف متوجہ ہونے سے لحہ بھر کے لیے اس کی توجہ کے ارتکاز میں فرق آیا۔ یہ وہی غلطی تھی جو میں نے اس کی مکاری پر گردن گھما کر کی تھی۔ میں لپک کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے زبردست مکوں کی زد پر لے لیا۔ بایاں بازو ناکارہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے زبان بند کر کے اپنے دانت بھینچ لیے اور ناکام اور مدافعانہ کوششوں کے درمیان پٹتا رہا۔ اس نے کئی بار اپنے داہنے ہاتھ سے میرے کپڑے پکڑ کر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس سے قدرے دور رہ کر ہی میں اس کی خاطر خواہ مرمت کر سکتا تھا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ نیل' ورم

اور پھٹی ہوئی جلد سے گاڑھے خون کے رساؤ کے سبب اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا۔ وہ ایک ہاتھ سے خود کو بچانے کی ناکام کوششوں میں لگا رہا۔ یکایک اس نے میری ٹانگوں کے درمیان زوردار لات رسید کرنے کی کوشش کی اور میں نے خود کو بچاتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

وہ لڑکھڑایا اور گالیاں دیتا ہوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس بار میں نے لپک کر بیم گن پر قبضہ کیا اور پھر راجن کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

مار کھا کر چیخنا اور کراہنا ہر ذی روح کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ راجن کے حلق سے بھی ملی جلی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن ان میں غیر ضروری شدت نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عمارت میں اس کے آدمی ہوتے تو وہ ضرورت سے زیادہ چیخ پکار کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ شاید موتی محل سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ پھاٹک پر بیٹھا ہوا محافظ اس کمرے سے بہت دور تھا۔ راجن جانتا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخے تب بھی اس کی آوازیں اس محافظ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

چند لمحوں میں، میں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔

''بب...... بس...... اب بس کرو۔'' وہ اچانک دردناک آواز میں کراہا ''میری ہڈیوں میں مار کھانے کا دم نہیں رہا...... تم بہت سنگ دل ہو!''

میں نے اس کی پسلیوں میں ایک زوردار اختتامی ٹھوکر لگائی اور ایک خالی صوفے پر دراز ہوگیا۔ میں خود بھی اسے مارتے مارتے تھک گیا تھا۔ میں نے بیم گن اپنی گود میں ڈالی اور اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اطمینان سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

راجن ایک نامی گرامی بدمعاش تھا۔ آتشیں ہتھیار اس کے پسندیدہ کھلونے تھے لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ اس وقت وہ بالکل غیر مسلح تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنی محفوظ کمین گاہ میں دبکا ہوا تھا، جہاں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مارسکتا تھا۔ میں بھی اس کی اجازت سے بلکہ دعوت پر وہاں آیا تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ اس نے دوستی کے فریب میں آکر اپنے بدترین دشمن کو اصرار کر کے گھر بلایا تھا۔

اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش فہمی کے سبب اسے اپنے گھر میں ہتھیار بند رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ لڑائی کے دوران میں اسے نکالنے کی کوشش ضرور کرتا۔ میں نے اس کی جامہ تلاشی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک وہ قالین پر بے سدھ پڑا رہا۔ اس کے تیز سانسوں کے ساتھ اندر سے ایسی کریہہ آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی بھی بے قابو سانس کے ساتھ اس کے اعضائے رئیسہ باہر آنے والے ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ حرکت کرنے اور بیٹھنے کے قابل ہوگیا۔ اس کے خون میں نہائے ہوئے چہرے پر چمکتی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔

''تت...... تم کیا چاہتے ہو؟'' آخر اس نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بہت پہلے بتا چکا تھا۔ وہ باتیں تمہاری یادداشت میں محفوظ ہونا چاہئیں!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا ''تم چاہتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں۔''

وہ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک مکار شخص سے زبردست نفسیاتی جنگ تھی۔ میں نے زبان کے بجائے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''اس وقت بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اب پتا چلا کہ تم برنارڈ کے لیے مجھ سے میدان خالی کرانا چاہتے تھے۔ برنارڈ چوہے کا بچہ ہے۔ اسے ایک چھوکری نے بنکاک کے بھرے بازار میں جوتیاں لگائی تھیں۔ تمہارا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس بزدل کے لیے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

ہر برے آدمی کی طرح وہ بھی اپنے آخری وقت پر زندہ رہنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ ایسے لوگوں کو موت سامنے نظر آتی ہے تو انہیں زندگی یکایک حسین نظر آنے لگتی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید راجن کا دماغ اسی ڈھب پر کام کر رہا تھا۔

''کچھ عرصے پہلے ڈان برنارڈ بھی میرے لیے تمہاری طرح اجنبی تھا۔ وہ میرے وقت اور محنت کا معاوضہ دے رہا ہے۔ میں اس کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

''میں تمہیں اس سے دگنا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں...... تین گنا...... چار گنا بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے یہاں سے بہت مال کمایا ہے۔ میرے سب کام جمے جمائے ہیں۔ تم نے مجھے مار دیا تب بھی برنارڈ کو اس مقام تک پہنچنے میں برسوں لگیں گے...... ہوسکتا ہے کہ اس کی رہی سہی عمر اسی خواب میں بیت جائے۔ تھکے ہوئے گھوڑے پر بازی لگانے

کے بجائے مجھ پر رحم کرو، میرا ساتھ دو۔ میں تم کو نہال کر دوں گا۔''

''دولت ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میری اس کمزوری سے کھیلنے کی کوشش مت کرو۔ اس وقت تم اپنی ساری دولت مجھے دینے کا وعدہ بھی کر سکتے ہو۔ تمہاری موت کی یہ گھڑی ٹل جائے گی تو تم اپنے وعدوں سے پھر کر میرے خون کے پیاسے ہو جاؤ گے۔''

''ڈینی! مجھ پر اعتبار کرو!'' وہ تڑپ کر بولا ''میں نے سنا تھا کہ تم کرائے پر پاکستانی ایجنسیوں اور دوسروں کے لیے کام کرتے ہو۔ میں تمہیں اتنا کچھ دے سکتا ہوں کہ تمہیں زندگی بھر خود کو بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ذرا سی راہ ملتے ہی اس نے مجھ پر حاوی ہونے اور مجھے لبھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مجھے خود کو بیچنے کا حوالہ دے کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ بری طرح مار کھانے سے اس کے عضلات ضرور متاثر ہوئے تھے لیکن اس کا ذہن اور اعصابی نظام پوری طرح کام کر رہا تھا۔ شاید یہ موت کی دہشت تھی جس نے اس کی ساری فطری اور جبلی صلاحیتوں کو بیدار کیا تھا۔

''راجن! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو!'' میں نے اس کی گرفت کرتے ہوئے غرا کر کہا ''میں بکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کاموں کے سودے کرتا ہوں۔ کام پورا کرتا ہوں اور دام کھرے لیتا ہوں۔ میں کس کس کے لیے کام کرتا رہا ہوں، یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ تمہاری کسی بے ہودگی پر میرا دماغ سنک گیا تو تم بھی جوزی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

''مجھے معاف کر دو۔'' وہ داہنے ہاتھ سے اپنا کان تھام کے گڑگڑایا۔ ''میرے اوسان قابو میں نہیں ہیں۔ زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو درگزر کر دینا۔ اس حالت میں، میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ڈان برنارڈ سے میری کیا ڈیل ہے، یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔'' میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اس کا بقیہ حصہ وہیں قالین پر مسل دیا۔ ''تم اپنی آفر دو، وعدہ پورا کرنے کی ضمانت دو۔ میں اس پر غور کروں گا۔ اس سے پہلے مجھے اپنے کچھ سوالوں کے جواب درکار ہوں گے۔ تم کو یہ شرائط منظور ہیں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے ورنہ......!''

میں نے دانستہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر بیم گن اٹھا کر اس کا نوزل راجن کی طرف لہرایا۔

''اسے رکھ لو!'' وہ بوکھلا کر بولا۔ ''میں تم کو اسی وقت ایک کروڑ بھات دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔''

''تم جیسی اسامی کی زندگی کے یہ دام کم ہیں۔ اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' میں نے بیم گن کے نوزل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں نے ابھی بتایا ہے کہ پہلے مجھے کچھ سوالوں کے بالکل درست جواب درکار ہیں۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ ہراساں انداز میں بولا ''زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے آدمی سے انتخاب کا حق چھن جاتا ہے۔ زور اس کا چلتا ہے جس کا ہاتھ لبلبی پر ہوتا ہے۔ برنارڈ عمر رسیدہ ہے، میں جوان ہوں۔ ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، پوچھتے جاؤ، میں جواب دوں گا۔''

''تمہیں ممبئی سے یہاں کون لایا تھا؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پہلا سوال کیا۔

''کوئی نہیں، میدان خالی ہونے سے پہلے میں یہاں آیا ہوا تھا۔'' اس نے کہا ''میرا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ممبئی میں پولیس زیادہ تنگ کرتی تھی تو میں کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاتا تھا پھر واپس ممبئی لوٹ جاتا۔''

''پہلے ممبئی تمہارا ٹھکانا ہوا کرتا تھا۔ اب تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ تمہارا مستقل ٹھکانا یہاں ہے۔ یہ تبدیلی کب، کیوں اور کیسے ہوئی؟'' اس بار میں نے اس کے ذہن کی دھند صاف کرنے کے لیے زیادہ وضاحت سے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ مشورہ میرے ایک دوست کا تھا۔ ممبئی میں انڈر ورلڈ پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے وہاں کے مقابلے میں بنکاک میں زیادہ مال ہے۔ برنارڈ منہ چھپا کر گھر بیٹھا تو مجھے تیزی سے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔'' اس نے رک رک کر بتایا۔

''وہ دوست کون تھا؟'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''اب میرے سوالوں کا انتظار مت کرو۔ یہاں اپنے جمنے کی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔''

''اس کا نام انل تھا......انل بسواس۔'' راجن کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ انل بسواس دہلی میں را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ گرین کوبرا فائل کے حصول کے چکر میں، میں نے اسے اس کے گھر میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

''وہ کسی سرکاری ایجنسی میں کام کرتا تھا۔'' راجن کہہ رہا

تھا۔ ''کبھی کبھی میں اس کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بنکاک میں پیر جمانے کا مشورہ دیا تھا۔ بہت نیک اور بے لوث آدمی تھا۔ اسے کسی نے اس کے گھر میں مار ڈالا۔ آج تک اس کے قاتل کا پتا نہیں چلا۔''

''سوبھراج سے اسی نے ملوایا تھا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاں!'' سر کی جنبش کے ساتھ اس نے جواب دیا۔ ''اس نے مجھے بہت سے لوگوں سے ملوایا۔ ان میں سوبھراج بھی شامل تھا۔ وہ میرا آئیڈیل تھا۔ میں اسی کی طرح سیاست میں اپنا نام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاکستانی تھا مگر انل کے لیے کام کر کے بڑی رقمیں کماتا تھا۔ کئی بار میں نے ممبئی اور بنکاک سے اس کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنہیں وہ اچھا معاوضہ دے کر لوٹاتا تھا۔''

اچانک مجھے راجن کے دو روپوش آدمی یاد آ گئے۔ راجن پر غالب آنے کے بعد میں نے انہیں بھلا دیا تھا۔ وہ کہیں سے اچانک نمودار ہو کر مجھے مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں راجن سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے کاروباری ٹھکانوں کی تجوریوں سے رقمیں سمیٹنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ راجن کے ہر کلب اور کیسینو کی بھاری آمدنی رات گئے حساب کتاب کے بعد تجوریوں میں محفوظ کر دی جاتی جسے اگلے روز آنے والا عملہ راجن کی ہدایات کے مطابق بینک یا موتی محل میں پہنچا دیتا۔

اس روز سارے ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے' عملہ غائب تھا۔ راجن نے اپنے پاس سے ڈپلی کیٹ چابیاں دے کر ان دونوں کو ادھر روانہ کر دیا تھا تاکہ باغی عملے کو اس کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ کچھ دیر پہلے گئے تھے۔ انہیں باری باری شہر میں پھیلے ہوئے چھ ٹھکانوں پر جانا تھا۔ آدھی رات سے پہلے ان کی واپسی کا امکان نہیں تھا۔

''اب پھر اصل موضوع کی طرف آ جاؤ۔'' ان دونوں کے بارے میں جان لینے کے بعد میں نے راجن سے کہا۔ ''انل نے تمہیں کن لوگوں سے ملوایا اور کون کون تمہاری سرپرستی کرتا تھا۔''

''مجھ سے یہ سب نہ پوچھو!'' یکا یک وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ''ان باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرا کچا چٹھا اگلوانے کے بعد تم مجھے مار دو گے!''

''ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ زندگی اور موت کے اس دوراہے پر تم سے انتخاب کا حق چھن چکا ہے اور لبلبی پر میری انگلی ہے۔ پھر بھی تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جیسا شکار روز ہاتھ نہیں آتا۔ میرا کام ایسا ہے کہ تمہاری بتائی ہوئی باتیں برسوں میرے کام آتی رہیں گی۔ میں نے یہ موقع کھو دیا تو بعد میں' میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں جان سکوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم مجھے نہیں مارو گے!'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ اب تمہیں نہیں ماروں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اسے لاتوں اور مکوں سے نہ مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں اتنی مار کھا چکا تھا کہ اس پر مزید ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں تھا۔

''انل نے مجھے صرف کرنل گیری سے ملایا تھا۔ وہ یہاں امریکی سفارت خانے کا انفارمیشن افسر تھا۔'' راجن نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''اس کے کہنے پر میں نے ایک بڑی دعوت کی۔ شراب کی کثرت اور عورتوں کی بھیڑ سے سفارت کار اور بڑے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا اور میرا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔''

''وہ کس ایجنسی کا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ وہ مجھ سے بہت سے کام نکلوا‌تا ہے۔ میرا گہرا دوست ہے۔ انل یہاں آتا تھا تو اکثر ہم تینوں مل کر بیٹھتے تھے۔ ان دونوں کی زیادہ تر باتیں پاکستان اور سوبھراج کے بارے میں ہوتی تھیں۔ وہ اسے اور اونچا لے جانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ تم نے وہ سب مٹی میں ملا دیا۔ اسے سوبھراج کے انجام کا علم نہیں ہے۔ کئی بار مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔''

''یہ مجھے معلوم تھا۔'' وثوق سے کچھ نہ معلوم ہونے کے باوجود میں نے محض اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کہا۔ ''میں جب چاہتا امریکیوں کو یہ ٹپ دے سکتا تھا کہ تم نے پہلے سوبھراج کو پناہ دی اور پھر اسے خاموشی سے مروا دیا۔ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے عتاب میں آ جاتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس ایک بات سے تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں تمہاری موت کا خواہاں نہیں ہوں۔''

''مجھ پر تم نے بہت بڑا احسان کیا۔'' اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''مجھے اب سے بہت پہلے تم سے مل لینا چاہیے تھا۔ میں گیری کی باتوں میں آ کر تمہیں ہمیشہ اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ میری یہاں سے واپسی کا مطالبہ کر کے تم نے میرا

اس غلط فہمی میں اور اضافہ کر دیا۔''
''میرا یہ مطالبہ اب بھی برقرار ہے۔'' میں نے کہا۔
''اس سے دستبرداری کے لیے میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی ہے۔''
''یہ سودا طے نہیں ہوا۔ ابھی میرے سوالات جاری ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
وہ چند فقرے اس کے لیے پُر فریب ثابت ہوئے۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ میں اسے مارنا نہیں چاہتا۔ وہ بہت کھل کر میرے سوالات کے جواب دینے لگا۔
سوبھراج کی زندگی کی پوری کہانی میرے سامنے تھی۔ غیر ملکی قوتوں نے اسے پس ماندہ علاقے اور مفلوک الحالی سے اٹھا کر اپنے مقاصد کے لیے اوپر تک پہنچایا تھا اور اس سے ہمیشہ کام لیتے رہے۔ جب اس سے ویرا کے بارے میں ایک لغزش ہوئی تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک طرف میں اس کا پیچھا کر رہا تھا، دوسری طرف ایف بی آئی اس کی بو پر لگی ہوئی تھی۔ امریکیوں کا ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکا، میں نے اسے گھیر لیا اور وہ کسمپرسی کے عالم میں لوپ بوری کے بھیڑیوں کی خوراک بن کر ایک قصۂ پارینہ بن گیا۔
راجن کی کہانی بھی کچھ ملتی جلتی سی تھی۔ اسے ممبئی سے بنکاک لا کر پروان چڑھایا گیا۔ اس کا سب سے بڑا مربی انل بسواس تھا۔ جو میرے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرا سرپرست کرنل گیری تھا جو چھ سال سے مسلسل بنکاک میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس سے سوبھراج کے معاملے میں ناقابلِ معافی خطا ہو چکی تھی۔ دوستی کی بنا پر اس نے ان کے باغی، سوبھراج کو پناہ دی تھی۔ وہ ان کی سزا سے یوں بچا رہا کہ امریکی سوبھراج کے معاملے میں اس کے کردار سے بے خبر تھے اور میں نے بھی دانستہ خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سوبھراج کی ہلاکت کی پردہ پوشی میں پاکستان کا مفاد پوشیدہ تھا۔
انل بسواس جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن را کا ایک اور افسر اس کی جگہ لے چکا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیش رو کی طرح راجن سے گہرے مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ بنکاک میں اپنے اثر ورسوخ اور کالے دھندوں سے دولت بٹورنے کے لیے راجن بالکل آزاد تھا۔ اسے کہیں مشکل پیش آتی تو اس کے سرپرست ہر دشواری کی کلید ثابت ہوتے لیکن بھارتی اور امریکی مفادات کا سوال سامنے آتا تو راجن کرنل گیری اور را کے ساگر کا غلام بن کے رہ جاتا۔ میں اس کی زبان سے یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ان دنوں ممبئی اور بنکاک سے راجن کے آدمیوں کی دو ٹولیاں پاکستان گئی ہوئی تھیں۔ دونوں کو بہت خطرناک ذمے داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک پارٹی کو گوادر کے قرب و جوار میں بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعے اگلے دو ماہ تک امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کرنا تھا۔ دوسری پارٹی کو ساہیوال جیل میں تین سال سے پڑے ہوئے را کے دو ایجنٹوں کو عدالت میں پیشی کے موقع پر عدالت سے فرار کرانا تھا۔
مجھے راجن سے گفتگو کرتے ہوئے محسوس ہوا کہ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد پاکستانی محاذ کی کمان نئی دہلی اور بنکاک منتقل ہو گئی تھی۔ ساگر دہلی میں بیٹھ کر تخریبی فیصلے کر رہا تھا اور راجن کے غنڈے انہیں عملی جامہ پہنا رہے تھے۔
کرنل گیری نے راجن سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو پاکستان کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ امریکی ایجنسیوں کے گرگے پاکستان میں اپنے مورچے جما کر براہِ راست کام کر رہے تھے۔ گیری کی ساری دلچسپیاں تھائی حکومت کے اندرونی معاملات سے تھیں۔ راجن کو اپنی پُرتعیش دعوتوں میں مستقل بنیادوں پر آنے والے مقامی مہمانوں سے اس سلسلے میں مطلوبہ معلومات اور کاغذات کی نقلیں آسانی سے مل جاتی تھیں جو وہ پوری سعادت مندی سے کرنل گیری تک پہنچا دیتا۔
میں نے راجن کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس وقت بھی میں اپنے ملک کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ ساری گفتگو کی نوعیت عمومی رہی۔ اس دوران میں وہ قالین سے اٹھ کر بہ دقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور میں نے اسے سگریٹ پینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔
ایسے مفاہمانہ ماحول میں اس سے ان آدمیوں کے کوائف نہیں پوچھے جا سکتے تھے جو اس کی ہدایت پر گوادر اور ساہیوال پہنچے ہوئے تھے۔ میری دانست میں جلال اور اول خان کے لیے ممکنہ واقعات کی نشاندہی کافی تھی۔ وہ اپنے ذرائع سے مشکوک مجرموں کی گردنیں دبوچ سکتے تھے۔
''تمہارے سوالات کا سلسلہ بہت دراز ہو گیا۔'' اس مرحلے پر راجن نے شکوہ کیا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ اجازت ہو تو اسکاچ کا ایک گلاس لے لوں۔ اس سے بدن میں جان پڑ جاتی ہے۔''
بوتل کا اس کے ہاتھ میں پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں کا برابر کا مقابلہ تھا۔ کسی کا کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ میں اس سے کھیل رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اسے مجھ پر

غالب آنے کا کوئی بھی موقع ملا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

شیشے کی وزنی بوتل اپنے طلائی سیال سمیت اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے دیسی حساب سے آدھا گلاس بھر کر سوڈے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ راجن نے مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ نیٹ اسکاچ کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

اسے گلاس تھماتے ہوئے میں ہوشیار تھا کہ کہیں وہ گلاس ہی میرے منہ پر نہ پھینک مارے۔ اس کا بایاں بازو میری گولی سے زخمی ہوا تھا' رہی سہی کسر تھوڑی دیر پہلے پوری ہوگئی۔ اس کی جسمانی حالت اتنی ابتر ہوچکی تھی کہ وہ مجھ سے ایسے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جس میں نتیجے کا سارا دارومدار دونوں کی جسمانی توانائی پر ہو۔

اس سے باز پرس کرتے ہوئے میں اپنی رسٹ واچ پر بھی نظر ڈالتا رہا تھا۔ مجھے موتی محل میں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی واپسی میں بہت دیر باقی تھی۔ میں اطمینان سے اپنے باقی کام نمٹا سکتا تھا۔

راجن نے ندیدے پن کے ساتھ' میرے دیے ہوئے گلاس سے نیٹ اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ لے کر برا سا منہ بنایا۔ اس کا خون کی پپڑیوں سے ڈھکا ہوا' متورم چہرہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اس نے وہ گھونٹ اپنے دہانے میں گھما گھما کر حلق سے اتارا تو میں زیرِلب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دشمن کی چھت کے نیچے' اس کے مقابل ہونے کے باوجود میں خود کو اندر سے بہت مطمئن محسوس کر رہا تھا۔

''اس کا کیا کیا جائے؟'' راجن نے جوزی کی لاش کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں۔ اس کا کریا کرم تم ہی کو کرنا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''برا ہوا کہ یہ مارا گیا۔'' اس کی آواز سے اس کا دلی قلق جھلک رہا تھا۔ ''میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا کہ اس کی زبان ایک دن اسے مروا دے گی اور آج وہی ہوا۔''

''اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے بدکلامی پر تاؤ آتا تو اس وقت تم بھی زندہ نہ ہوتے۔ تم نے مجھے بہت گالیاں دی ہیں۔ میں نے اسے نمونے کے طور پر مارا تھا تاکہ تمہیں میری ننھی سی گن کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہوسکے پھر بھی تم باز نہیں آئے!''

''اب ان باتوں کا تذکرہ چھوڑ دو۔ تمہارے سوال ختم ہوگئے ہوں تو اب دوسری بات بھی طے ہوجائے۔'' اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''تم جو بات چاہو کرسکتے ہو۔'' میں نے کھلے دل سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت کم قیمت ہے۔ زندگی اور بنکاک کی بادشاہی۔ یہ دونوں کا سودا ہے۔''

''پھر تم خود بتادو' میں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

''تین کروڑ!'' میں نے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں فضا میں لہرائیں۔

''منظور ہے۔'' وہ رقم سنتے ہی بولا۔ ''ایک کروڑ میں ابھی نقد دے دیتا ہوں۔ باقی رقم کل تم کو مل جائے گی۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔''

''ادھار نہیں چلے گا...... بات نقد کی ہوئی تھی۔'' میں نے اصرار کیا۔

ٹی سے منہ موڑنے کے بعد میں نے گن بوٹ کے سودے کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں مارا تھا۔ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد میرے ذاتی اخراجات نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ہم چاروں کی گزر بسر اسی خطیر رقم سے ہو رہی تھی جس کا بڑا حصہ اس وقت بھی جہانگیر کی بیوی کے پاس محفوظ تھا۔ ضروریات کے پیشِ نظر میں اس سے چھوٹی چھوٹی رقمیں لیتا رہتا تھا۔ آمدنی کے بغیر اخراجات کا سلسلہ جاری رہے تو ایک وقت قارون کا خزانہ بھی جواب دے جاتا ہے۔ راجن قابو میں آگیا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس کی حرام کی کمائی میں سے اپنا قابلِ لحاظ حصہ وصول کرلوں۔ میں نے اس سے پانچ کہتے کہتے تین کروڑ کہہ ڈالے تھے اور وہ اسی پر جواب دے گیا تھا۔ میں نے سخت رویہ اپنانے کا ارادہ کرلیا۔

''ادھار کی بات نہیں ہے۔'' وہ لجاجت سے بولا۔ ''میں گھر پر زیادہ رقم نہیں رکھتا۔ تجوری میں ایک کروڑ کی مہر والی گڈیاں موجود ہیں۔ شاید دس پانچ لاکھ اِدھر اُدھر بھی پڑے ہوئے ہوں۔ صبح تمہیں باقی رقم کا ایک ایک پیسا مل جائے گا۔''

''میں صبح کا انتظار نہیں کرسکتا۔ تمہارے آدمی بھی کیش سمیٹ کر لانے والے ہیں۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ شروع کردیا۔

''وہ کیش ضرور لائیں گے۔ چاہو تو تم ان کی واپسی کا

انتظار کرلو۔ وہ بیس پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔ میں یہ بھی زیادہ سے زیادہ بتا رہا ہوں۔ اس سے تمہارا حساب پورا نہیں ہوگا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ صبح باقی رقم مل جائے گی۔''

''نہیں راجن ...... اس وقت تم میری گن کی زد پر ہو' ہر بات مان لو گے۔ صبح یہ صورتِ حال بدل چکی ہوگی۔ خود کو میری جگہ رکھو پھر سوچو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں ایسا احمقانہ سودا نہیں کرسکتا جس کا انجام غیر یقینی ہو۔''

''تم دشمنی کے نکتۂ نگاہ سے سوچ رہے ہو۔ ہمارے درمیان مفاہمت ہوچکی ہے۔ میں نے تمہارے پچھلے احسانات کو مان لیا ہے۔ اس فضا میں تم کو مجھ پر اعتماد کرلینا چاہیے۔ میں وعدہ خلافی کروں تو تم کرنل گیری کو سوبھراج کا پورا قصہ بتا کر ہر وقت میرا مستقبل تاریک کرسکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ تمہیں دغا کیسے دوں گا!''

''بے کار باتیں ہیں۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کرنل گیری کے ایجنٹ تمہارے پیچھے لگ کر تمہیں مار دیں گے۔ وہ غداروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ تمہاری بے فیض موت سے مجھے کیا حاصل ہوگا...... میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کس سے مانگوں گا؟''

راجن گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی خون آلود پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا جو خون میں گھل کر لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا ''میں تمہارا یرغمالی بننے کے لیے تیار ہوں۔ میرے آدمی رقم پوری کرکے مجھے لے جائیں گے ورنہ تمہارے ہاتھ کھلے ہوں گے۔''

''ایک کروڑ کہاں ہیں؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''یہیں' اسی کمرے میں ہیں۔ کہو تو پانچ منٹ میں نکال دوں!'' یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں ایک دم جان پڑ گئی ہو۔

''رقم نکالو!'' میں نے کسی یقین دہانی کے بغیر اسے ہدایت کی اور اس نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ تاخیر کی صورت میں' میں اپنا ارادہ بدل دوں گا۔

اس نے اس خواب گاہ کے ایک دور افتادہ گوشے میں قالین کا کونا الٹ کر چابیاں نکالیں اور ایک دیوار گیر تصویر کی طرف بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھتا رہا۔ کوئی کل دباتے ہی وہ تصویر اوپر سرکتی چلی گئی۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری نظر آ رہی تھی۔ راجن نے اپنے زخمی بازو کے سبب مجھے اپنی مدد کے لیے بلانا چاہا مگر میں نے انکار کردیا۔ تصویر کے سرکنے کا نظام دیکھ لینے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ تجوری میں کوئی شعبدہ پوشیدہ نہ ہو۔ اسے کچھ دیر لگی لیکن اس نے تجوری کھول کر نئے اور پرانے نوٹوں کی گڈیاں مسہری پر ڈھیر کرنا شروع کردیں۔

''پورے ایک کروڑ ہیں' چاہو تو گڈیاں گن لو!'' راجن نے اپنا کام پورا کرکے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ ملے جلے' نئے اور پرانے نوٹ ہیں۔ سب بینکوں سے اسی طرح آئے ہیں۔''

''رقم کسی بریف کیس میں ڈالو!'' میں نے اسے اگلی ہدایت دی۔

رقم بڑی تھی اور کسی چھوٹے بریف کیس میں نہیں سما سکتی تھی۔ راجن نے مناسب سائز کا ایک بریف کیس کھول کر اس کا سارا سامان بستر پر الٹ دیا۔ وہ میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کررہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گڈیاں جما کر بریف کیس بند کیا اور اسے لاکر میرے قریب رکھ دیا۔

''تمہارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ تم پیدل پھاٹک پر آئے تھے۔'' اس نے دربان سے ملنے والی معلومات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''ہم یہاں سے کوئی گاڑی نکال لیں گے۔ صبح میں ادائیگی پوری ہونے کے بعد اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں ٹیکسی سے نکل جاؤں گا۔'' بیم گن ہاتھ میں لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے...... تم نے میری زبان پر بھروسا کرلیا ہے؟'' اس نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''نہیں راجن! میں نے کہا نا کہ میں ادھار سودے نہیں کرتا۔ اب سن لو کہ میں مردوں کو کبھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ لاشیں مل جاتی ہیں تو لواحقین کو صبر آ جاتا ہے۔''

خوف اور دہشت سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ اس کا داہنا ہاتھ فضا میں اچھلا اور میں نے اسی لمحے اس کی پیشانی پر بیم گن فائر کردی۔ وہ کھڑے کھڑے کسی تناور درخت کی طرح لہرا کر قالین پر آ رہا۔

گمنامی سے زندگی شروع کرنے والا راجن بنکاک میں شہرت و امارت کی زندگی گزارنے کے بعد اچانک خاموش ہوچکا تھا۔ وہ سوبھراج کے بدمعاش قبیلے کا آدمی تھا اور آخر کار اسی کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔

میرے لیے وہ لرزہ خیز عبرت کا مقام تھا۔ ایکڑوں پر محیط موتی محل میں اس وقت صرف میں تھا یا دربان۔ اس پُر شکوہ مکان کا اصل مالک اور مکین اپنی ساری جمع پونجی کو لاوارث چھوڑ کر مر چکا تھا۔ دجل و فریب سے حاصل کی ہوئی بے اندازہ دولت اسے بے بسی کی موت سے نہیں بچا سکی تھی۔ میں نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے بالکل نہیں مارا' بس مار دیا تھا!

اس خواب گاہ کی تلاشی لے کر میں نے چند لمحوں میں ایک بھرا ہوا پستول حاصل کر لیا جو مسہری کے سرہانے' تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ پستول کا میگزین چیک کر کے میں نے اسے جیب میں ڈالا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف چل دیا۔ راجن کا قصہ تمام ہو جانے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ واپسی میں تاخیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

دربان نے میری بات حیرت سے سنی۔ وہ پریشان تھا کہ راجن نے اسے بلانے کے لیے مجھے کیوں بھیجا۔ وہ انٹرکام پر ہدایت دے سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ انٹرکام خراب تھا۔ وہ جسیم اور تندخو آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی پرچھائیاں دیکھ کر میں نے واپس جا کر راجن کو اس کے تردد سے آگاہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بڑبڑاتا ہوا میرے ساتھ ہو لیا۔ اسے فکر تھی کہ گیٹ لاوارث رہ جائے گا۔

راجن کی قتل گاہ سے باہر آتے ہوئے میں نے راستہ ذہن نشین کر لیا تھا۔ بند دروازے پر رک کر میں نے دربان کو اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گھسا تو میں اس کے پیچھے تیار کھڑا ہوا تھا۔

جوزی بہ ظاہر کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا جب کہ راجن قالین پر پہلو کے بل غیر فطری حالت میں ساکت پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر دربان کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی' میں نے راجن کے اس چیلے کی کھوپڑی پر گولی چلا دی اور اس کی وہی چیخ موت کی بھیانک پکار میں بدل گئی۔ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے ہاتھ مارتا ہوا منہ کے بل گر گیا۔

میری چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی چہرے سے نکل گئی تھی۔

موتی محل میں میری آمد کے تین گواہ تھے اور تینوں موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔

وہاں تک سب کام خوش اسلوبی سے ہو چکا تھا لیکن میں جلال کی مخلصانہ ہدایت کا پاس نہیں رکھ سکا تھا۔ دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میرے لیے اپنا تحفظ بھی ضروری تھا۔ موتی محل سے بیم گن سے مارے ہوئے دشمنوں کی لاشیں برآمد ہوتیں تو میرے خلاف ایک اور بھیانک محاذ آرائی شروع ہو جاتی۔

میرے ذہن میں بنکاک کے ویران ساحل کا تجربہ تازہ تھا۔ وہاں آگ نے دو لاشوں کو چاٹا تھا' یہاں بھی اصل حق دار وہ تھے جو بیم گن کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ دربان کی موت یوں ضروری تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ راجن کی ٹولی کا وہ عام سا بھارتی کارندہ بھی پاپی مجرم رہا ہوگا۔ وہ گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی مگر کھوپڑی سے ہو کر باہر نکلنے والی گولی نے اس کے چہرے کا ایسا بھرتا بنایا تھا کہ مجھے اس کی طرف دیکھنا ہی گوارا نہیں تھا۔ لاش کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا تو دور کی بات تھی۔

میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ بدن میں اترنے والے زہر کی علامات کو آگ چاٹ سکتی تھی۔ کاسۂ سر میں بیم گن کی دھار کا بنایا ہوا سوراخ سوختہ ہڈیوں میں بھی آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ ان دونوں پر بھی چند گولیاں ضائع کر دی جائیں۔

میں نے چند قدم دور ہٹ کر جوزی کی لاش کی پیشانی پر فائر کیا۔ میرے اندازے کے مطابق گولی اس کے سر کے پار نکل گئی۔ راہ میں آنے والی ہڈیاں پاش پاش ہونے کے نتیجے میں بیم گن کے استعمال کا ہر سراغ یقیناً مٹ گیا تھا۔

راجن کی لاش قالین پر سکڑی ہوئی بے طرح پڑی ہوئی تھی مگر گرم تھی۔ میں نے ٹھوکر سے اسے سیدھا کیا اور ایک گولی اس کی پیشانی سے بھی گزار دی۔ وہ لاشیں یوں ہی چھوڑ دی جاتیں تو انہیں دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ تینوں کا قاتل انسانی کھوپڑیوں کو چکنا چور کرنے کا شوقین تھا۔

بظاہر بیم گن کے استعمال کے ثبوت مٹ چکے تھے۔ مگر میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ سائنس بہت ترقی کر چکی ہے قتل کی تفتیش کے شعبے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کوئی ایسا نکتہ ظاہر کر سکتی تھی جو میری نظروں میں آنے سے رہ گیا ہو۔ جوزی اور راجن کے سروں کی ہڈیاں ضرور چلی گئی تھیں لیکن ضروری نہیں تھا کہ بیم گن سے نکلنے والی لیزر شعاعوں اور گولیوں کے سفر کی سمت یکساں رہی ہو۔ فائر کے زاویے میں ذرا سے فرق کی وجہ سے لیزر شعاعوں کا کوئی نشان باقی رہ سکتا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ لاشیں اپنی اصل حالت میں پائی جاتیں۔

شعلوں کی خوراک بننے کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

صرف فائرنگ کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وہاں آتش زنی بھی ناگزیر تھی۔

میں نے تیزی سے لاشوں پر اس کمرے کے سامان کا ایک انبار لگایا' ان تینوں کی مشترکہ چتا بنائی' اس پر مسہری کا وزنی گدا ڈالا اور پھر ایک چادر کے سرے کو دیا سلائی سے آگ دکھادی۔ آگ تیز ہونے تک میں وہاں رکنا چاہ رہا تھا۔ دھیمی لو کو شعلوں میں بدلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہونا چاہیے تھا۔ یہ راجن کے گناہوں کا ثمر تھا کہ آگ بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ بند کمرے میں اتنا دھواں بھر رہا تھا کہ میرے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

میں نے آگ سے دور رکھا ہوا وزنی بریف کیس اٹھالیا۔ وہ مجھے منوں وزنی محسوس ہو رہا تھا۔ جلتی ہوئی چیزوں کا کثیف دھواں سانس کے ساتھ میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر زمین نے گویا میرے قدم پکڑ لیے تھے۔

دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش چل پڑی تھی۔ ایک طرف ایک کروڑ بھات کی خطیر رقم کا لالچ تھا تو دوسری طرف ضمیر کی ملامت۔ وہ رقم راجن کی حلال کی کمائی تھی نہ میں نے محنت کر کے حاصل کی تھی۔ راجن نے تھائی لڑکیوں کی آبرو ریزی سمیت ہزاروں گھناؤنے دھندوں سے وہ رقم جمع کی تھی۔ میں نے اسے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ میرے لیے اس کا استعمال روا نہیں تھا۔ یکا یک میرے وجود میں اس رقم اور بریف کیس سے نفرت کی ایسی شدید لہر ابھری کہ میں نے بریف کیس کھول کر سلگتے ہوئے انبار پر الٹ دیا۔ ساتھ ہی بریف کیس وہیں پھینک دیا۔

نوٹوں کی خوراک ملتے ہی شعلوں میں مزید تیزی آ گئی۔ شعلے زیادہ بلند نہیں تھے لیکن آگ کمرے میں تیزی سے ہر طرف پھیل رہی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ موتی محل لاوارث ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا جو کھڑکیوں اور دروازوں سے نکلتا ہوا دھواں دیکھ کر پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہوتا۔ جب تک آگ اور دھوئیں کے مرغولے بلندی پر پہنچ کر باہر والوں کی نظروں میں آتے۔ تینوں لاشیں جل بھن کر کوئلہ یا شاید راکھ ہو چکی ہوتیں۔

میں خالی ہاتھ موتی محل میں آیا تھا اور اسی طرح وہاں سے واپس چل دیا۔

میرا دل بوجھل اور افسردہ تھا۔ ان تینوں کے خون کا مجھے ذرا بھی ملال نہیں تھا۔ ان میں سے کوئی درندہ زندہ رہنے کا حق دار نہیں تھا۔ ملال اس بات کا تھا کہ مجھے اپنی ناگزیر مجبوریوں کے سبب ایک مرتبہ پھر تین لاشوں کو جلانا پڑا تھا۔

موتی محل کے پھاٹک پر اس رات کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے ایک مدت سے جس آگ سے کھیل رہے تھے اس نے ان کے دامنوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں ویران گارڈ روم کے آگے سے ہوتا ہوا، پھاٹک کے برابر والے پتلے سے راستے سے باہر نکل گیا۔

میں راستے بھر زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی بے پروائیوں میں الجھا رہا۔ انسان زندہ ہوتا ہے تو اپنے مختلف مقاصد اور منصوبوں کے لیے جائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کے چکروں میں دن رات لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کا اندر جانے والا سانس باہر آئے گا یا وہیں رہ جائے گا مگر وہ برسوں اور عشروں کے حساب کتاب میں الجھا رہتا ہے۔ جب اس کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے یہ سارا حساب کتاب اس کے کسی کام نہیں آتا۔ بعض صورتوں میں بعد والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ میرے پیچھے دروازہ بند کرتے ہی والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میری بانہوں میں اس کے جھٹکے لیتے ہوئے بدن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسے انجام کا علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ میں ایک انتہائی خطرناک مشن سے گھر واپس آیا تھا۔ شاید میری مہم کے بارے میں اس کے دماغ میں اندیشے اور وسوسے پلتے رہے تھے۔ اس نے مجھے صحیح وسلامت اپنے روبہ رو دیکھا تو ضبط کے سارے بندھن بے اختیار ٹوٹ گئے۔

میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹے وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر تک سسکنے کے بعد اس کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ خود کسمسا کر مجھ سے الگ ہو گئی۔

''اب آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آئندہ اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر اپنائیت بھرے لہجے میں مطالبہ کیا۔ اس وقت اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی مسرت آمیز شوخی چمک رہی تھی اور آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔

''نہیں جاؤں گا۔'' میں نے اس کی تھوڑی اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا ''وہ ایسی جگہ جا چکا ہے جہاں جانے سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے۔''

غزالہ نے کسی بچے کی طرح جس بے پایاں خوشی کا

اظہار کیا، اس کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس نے راجن کو نہیں دیکھا تھا، نہ وہ مکروہ صورت بدمعاش ٹیلی وژن پر آنا پسند کرتا تھا۔ اس کی کھلی مکاریوں کے قصے سن سن کر غزالہ نے اپنے ذہن میں اس کی جو تصویر بنالی تھی وہ ناقابلِ شکست تھی۔ ایسے دشمن کے مارے جانے کی خبر اس کے لیے بڑی خوش خبری تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک مدت سے جاری، ہولناک معرکہ آرائی آخر کار اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ اس مکار عفریت سے دوبارہ ٹکراؤ ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

غزالہ نے جس پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا اس سے میری ساری کلفت دور ہوگئی۔ موتی محل میں پیش آنے والے واقعات کے بعد طبیعت پر طاری ہونے والا بوجھل پن کافور ہوتے ہی مجھے ڈان کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ واقعہ بہت بڑا تھا۔ میں آخری لمحات پر مشکل سے چاؤفان سے اپنا پیچھا چھڑا کر راجن کی طرف گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میرے ارادے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں اپنی اس کامیابی کا جائز کریڈٹ کیسے لے سکوں گا۔

غزالہ کو تفصیلی واقعات جاننے کا تجسس تھا۔ وہ تحمل اور مستقل مزاجی سے میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر کے اس کی حق تلفی نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے موتی محل میں رونما ہونے والے واقعات بتائے تو آخر میں اس نے میرے اس اقدام کو دل کھول کر سراہا کہ میں نے راجن کی تجوری سے نکلوائے ہوئے ایک کروڑ بھات اپنے ہاتھوں سے وہیں نذرِ آتش کردیے تھے۔ وہ رقم ہمارے پاس آتی تو اپنے ساتھ نہ جانے کتنی نحوستیں اور مصائب لے کر آتی۔

ان باتوں کے دوران میں ہم دونوں نے کافی پی اور ٹیلی وژن بھی دیکھتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد موتی محل سے اونچے شعلے اٹھنے شروع ہوجائیں گے اور وہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے بنکاک میں پھیل جائے گی۔ خبر کسی بھی وقت ٹیلی وژن پر آسکتی تھی۔

غزالہ نے اس بار بھی میری خیریت سے واپسی کے نفل مانے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلی وژن کی آواز بند کر کے ایک کرسی کی اوٹ میں نفل پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئی تو میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر سنتے ہی ڈان مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے سے پہلے میرے پاس کوئی مربوط کہانی ہونی ضروری تھی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میری نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں ایک بڑا معرکہ سر کر کے آیا تھا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا۔ کہیں سے اس کی خبر نہ آنے پر مجھے رہ رہ کر جھنجلاہٹ ہورہی تھی۔ میں بستر پر لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا کہ شاید میرے آنے کے بعد آگ پھیلنے کی رفتار دھیمی ہوگئی ہو۔ اگر وہاں لگی ہوئی آگ باہر والوں کی نظروں میں نہ آتی تو راجن کے باقی ماندہ دو وفاداروں کی واپسی کے بعد وہاں یقیناً ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ راجن کی زندگی کے آخری اندازے کے مطابق وہ صورت آدھی رات سے پہلے رونما ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

غزالہ نے منت کے نفل پورے کرنے کے بعد شاید عشا کی نماز بھی ختم کرلی۔ اس نے کھانا منگوایا اور کھایا گیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ٹیلی وژن پر معمول کے مطابق رقص وموسیقی کے تفریحی پروگرام چل رہے تھے۔ دس بجے میرے موبائل کی گھنٹی بجی اور میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔

وہ چاؤفان کی کال تھی۔ وہ ہیجان زدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”ماسٹر! موتی محل میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ پوری عمارت دھڑا دھڑ جل رہی ہے۔ پورے شہر کی گاڑیاں وہاں آگ پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہیں مگر اب تک ناکام ہیں۔“

چاؤفان کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میری بے چینی کو قرار آگیا میں نے سرسری لہجے میں کہا ”مجھے اندازہ تھا کہ وہ آگ تیزی سے پھیلے گی۔“

”ہائیں!“ اس کی تحیر زدہ آواز آئی ”ماسٹر......! تو کیا یہ کام تمہارا ہے؟“

”چاؤفان! احتیاط سے کام لو“ میرا لہجہ سرد ہوگیا ”اس وقت تم کہاں ہو؟“

”شعلے شہر میں دور دور تک نظر آرہے ہیں۔ آگ دیکھ کر میں ادھر آیا تھا۔ یہاں ہزاروں کی بھیڑ جمع ہے۔ میں ایک بند

دکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوا ہوں۔''
''ڈان کو اس واقعے کا علم ہے؟'' میں نے سوال کیا۔
''وہ شہر سے دور ہے۔ میں اسی کو فون کرنے کے ارادے سے ادھر سناٹے میں آیا تھا۔ سوچا کہ پہلے تم سے بات کرلوں۔ یہ کب اور کیسے ہوا۔ چند گھنٹے پہلے تو تم میرے ساتھ تھے!'' وہ جوش اور سنسنی کے عالم میں اپنے معمول سے زیادہ تیزی سے بول رہا تھا۔
''تم لی کو فتح کررہے تھے، میں اس کام کا منصوبہ بنارہا تھا۔ تم سے اپنی جان چھڑا کر میں اسی طرف گیا تھا۔ یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔'' میں نے کہا ''سنا ہے کہ آج ڈان نے سیلرز بار میں آنے والوں کو مفت شراب پلائی ہے!''
''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا ''میں مادام کے گھر سے تمہاری طرف آیا پھر اپنے گھر چلا گیا۔ تم نے ظلم کیا کہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لیا...... تمہیں سیلرز بار کی خبر کس نے دی ہے؟''
''راجن کہہ رہا تھا۔'' میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔
''وہ کہاں ملا تم سے؟'' چاؤ فان کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔
''میں موتی محل میں اسی سے ملنے گیا تھا۔'' میرے ذہن میں ڈان کے لیے ایک اچھوتی کہانی کا نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔
''وہ کالا شیطان کہیں نظر نہیں آیا۔ تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟''
''بس، اب فون بند کردو۔ بنکاک کے سارے فون ناکارہ ہیں۔ ان پر سے میرا بھروسا اٹھ چکا ہے۔'' میں نے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر سلسلہ موقوف کردیا۔
غزالہ میرے قریب کھڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی ''بات کرتے کرتے آپ نے اچانک لائن کیوں کاٹ دی...... کیا ہوگیا فون کو؟''
''یہ سارا فتور فون کا ہے۔ بس دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے!'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔ ذہن میں ایک دریچہ کھلتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہوچکا تھا۔
''میں وہی پوچھ رہی تھی۔ فون اچھا خاصا تھا، اس میں اچانک کیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔'' وہ میرا اشارہ نہیں سمجھ سکی۔
''راجن اور اس کے ساتھیوں کو میں نے کس طرح مارلیا۔ یہ ڈان کے لیے سب سے بڑا سوال ہوگا۔ اس کے جواب میں مجھے کوئی نہ کوئی مضبوط جواز پیش کرنا ہوگا، ورنہ کامیابی کے باوجود میں ڈان کی نظروں میں اپنا اعتماد کھودوں گا۔'' میں نے اسے بتایا۔
''یہ بات مجھے بھی پریشان کررہی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا ''وہ آپ کے دہرے کردار سے ناواقف ہے۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا سوال یہ آئے گا کہ آپ کو موتی محل میں رسائی کیسے حاصل ہوگئی۔ صبح کے خون ریز حملے کے بعد راجن اتنا خوف زدہ ہوگا کہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہوگا۔ اس نے ایک اجنبی کو اندر کیسے گھسنے دیا۔ یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ ان باتوں کا بنکاک کے ٹیلی فون کے نظام کی خرابی سے کیا تعلق ہے؟''
''کراس ٹاک۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''راجن سے سنی ہوئی باتیں اس حوالے سے بے خوف و خطر دہرائی جاسکتی ہیں۔ ان معلومات کی روشنی میں، میں وہاں پہنچ گیا۔''
''اصل مسئلہ پھر بھی برقرار رہے گا۔'' اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے الجھن سے کہا۔ ''آپ کو اتفاق سے اندر کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ وہ جاننا چاہے گا کہ آپ اندر کیسے پہنچے!''
''آج شام سے ڈان اپنے بار میں لوگوں کو مفت شراب پلا رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ یہ خبر راجن تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سخت مشتعل تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ موتی محل پر صبح کا حملہ ڈان کے آدمیوں نے کیا تھا اور ڈان اس کامیابی کی خوشی میں لوگوں میں مفت شراب بانٹ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سیلرز بار میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی کرکے ڈان کو اس جسارت کی سزا دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے آدمی سیلرز بار کا رخ کرتے تو پہچان لیے جاتے۔ ڈان انہیں اپنے علاقے سے زندہ نہ لوٹنے دیتا۔ اسے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی جو ایک تباہ کن ٹائم بم وہاں پہنچا سکے۔ میں اس کام کا امیدوار تھا۔''
''یہ آپ کے معاملات ہیں، میں ان میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتی۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ تھا، وہ میں نے بتادیا۔ اس کا حل آپ ہی کو تلاش کرنا ہے۔ میں......''
فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے اس کی بات پوری نہیں ہوسکی۔
میں نے اپریٹس اٹھایا تو اسکرین پر ڈان کا موبائل نمبر آیا ہوا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شیشی کے سربراہ جمی الانیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شیشی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی الانیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایجنسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی الانیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ تو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آرتھر نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شیشی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی الانیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آرتھر نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا۔ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا۔ اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا۔ ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے پاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک جنکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلب میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عمل درآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مشکوک الحال جنکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں پاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ایک مقامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز معاندانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پر اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں پاؤفان اپنی مہم پر لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے پاؤفان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری سی آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ اسے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے پاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی

طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا، وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا، وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیشِ نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آنے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا، وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چیتا کے حوالے کرکے میں واپس لوٹ آیا۔ اب مجھے ڈان برنارڈ کے پنجے سے گلوخلاصی حاصل کرنی تھی۔

اب آپ صفحہ نمبر 255 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' لائن ملتے ہی میرے کان میں ڈان کی بھاری اور مخمور مگر تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کا سوال بہت سیدھا سا تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ایسی کوئی غیر معمولی بات تھی کہ اچانک میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ میں نے اپنے کارنامے پر کسی فخر یا گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا ''کیا تمہیں موتی محل کی خبر مل گئی ہے؟''

''ہاں.....!'' ڈان کی آواز میں جوش و خروش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے ابھی چاؤ فان نے بتایا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ سور کا بچہ تم سے میری شکایت کررہا تھا کہ میں اپنے بار میں مفت شراب بانٹ رہا ہوں!''

اس کی آواز تائید طلب تھی۔ میں نے جواب میں کہا ''وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ چاؤ فان کو یہ بات میں نے ہی بتائی تھی۔''

مجھے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ڈان نے اچانک غضب ناک لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا ''اس کی یہ مجال کہ اب وہ میرے کاموں پر تنقید کرنے لگا ہے' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اس کی ہڈیاں تک کچل ڈالوں گا۔ ابھی تک میں پردے کے پیچھے رہ کر خاموشی سے تمہارا کھیل دیکھ رہا تھا۔ اب میں خود میدان میں اتر کر دیکھوں گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ تم اسی وقت میرے پاس آجاؤ۔''

میں نے چاؤ فان کو دانستہ یہ نہیں بتایا تھا کہ میں راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ ڈان کو اسی نے معلومات فراہم کی تھیں جو اس بارے میں ادھوری تھیں۔ اس وقت ڈان کے بگڑے ہوئے موڈ کے پیشِ نظر میں نے کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ جب تک میری اور راجن کی کشمکش جاری رہی' وہ گوشہ نشین ہوکر میری بھرپور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ راجن کی شکست کے واضح آثار نظر آتے ہی اس نے خود میدان میں اترنے کا عندیہ دے کر یہ ثابت کردیا کہ ہر بڑے بدمعاش کی طرح وہ بھی بہت چھوٹے دل کا آدمی تھا اور آخری کامیابی کا سہرا اپنے سر سجانے کا خواہش مند تھا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' میں نے اس کے عزائم پر کوئی تبصرہ کیے بغیر نہایت سعادت مندی سے جواب دیا۔

''وہ تم سے کہاں اور کیسے مل گیا؟'' اشتعال کے باوجود ڈان اپنے فطری تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور میرا جواب سن کر بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''عقل! کیا تم ہوش میں ہو؟ میں اسی جہنمی راجن کی بات کررہا تھا!'' وہ غرایا۔

''اوہ.....! وہ لمبی کہانی ہے۔ میں اس سے موتی محل میں ملا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے پروائی سے کہا۔

''میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ چاؤ فان اپنی گاڑی لیے تمہارے ہوٹل کے باہر موجود ہے۔ اس کے ساتھ فوراً یہاں پہنچو!''

ڈان نے اپنی آخری ہدایت دے کر فون بند کردیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ راجن کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگائے گا۔'' میں نے داہنی آنکھ دبا کر تمسخر سے جواب دیا۔

''آپ کو اسے بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ اسے مار چکے ہیں۔'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''بعد میں اسے پتا چلے گا کہ وہ مرے ہوئے دشمن کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتا رہا ہے تو وہ جھنجلا کر آپ پر برس پڑے گا۔''

''تم اس کی پروا نہ کرو۔ ڈان کی نکیل اب میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے پوری روئداد سناتا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ویسے بھی ابھی میری کہانی مکمل نہیں ہے۔ اس میں کئی جھول ہیں جن پر میں غور کررہا ہوں۔ ڈان کے سامنے زبان کھولنے سے پہلے میرے پاس اس کے ہر سوال کا برجستہ جواب موجود ہونا

چاہیے۔“

ہوٹل کے باہر چاؤ فان اور سیلرز بار میں ڈان میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے جوتے پہنے، آئینے کے سامنے جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے سے چل دیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤ فان اپنی سیاہ اکارڈ کے دروازے سے ٹیک لگائے بے تابی سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی گاڑی ہر طرف سے بے داغ نظر آ رہی تھی۔ پھوم فاٹ کے تعاقب میں گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کی مہارت سے مرمت کی گئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے اَدھ جلی سگریٹ سڑک پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور لپک کر میرے قریب آ گیا ”ماسٹر! فون کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟“ میرے قریب آتے ہی اس نے تشویش زدہ اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا ”کیا ہوٹل کی آپریٹر تمہاری باتیں سننے کی کوشش کرتی ہے؟ کہو تو میں سالی کو اٹھوا کر اس کا وہ حشر کردوں کہ وہ کئی ہفتوں تک اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہ ہو سکے۔“

”ان گھٹیا حرکتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔“ میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے کہا ”ہو سکے تو ٹیلی فون کے محکمے کے سربراہ کو اٹھوا لو۔ وہ مرد اور سن رسیدہ ہوگا۔ اس کے ساتھ تمہاری بدسلوکی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”کچھ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے!“ اس نے میرے شانہ بشانہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اصرار کیا ”بس، فون کو برا بھلا کہے جا رہے ہو!“

میں دروازہ کھول کر اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے پھرتی سے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

”ماسٹر! میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔“ میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مضطرب ہو کر اس نے مجھے ٹوکا۔

”یہ سب باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ”تم لی اور دوسری حسیناؤں کے تصور میں ڈوبے رہو۔ اس سے تمہیں خاصا افاقہ ہوتا ہے۔“

”ہائے، تم نے پھر اس کا نام لے لیا۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ”ماسٹر! تم یقین کرو کہ وہ بہت انوکھی عورت ہے۔ مادام کے دیوانے بلاوجہ اسے کے در کے چکر نہیں لگاتے۔ وہ پوری جادوگر ہے.... مرد کو ایسا مسحور کرتی ہے کہ وہ آن جانی دنیاؤں میں......“

”چاؤ فان! پلیز شٹ اپ۔“ میں نے سختی سے کہا ”مجھے اس حرافہ کے قصیدوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ کہانیاں ڈان کو سنا دینا۔“

”وہ پہلے ہی اسے لمبی گھوڑی کا نام دے چکا ہے۔ میں لمبا نہیں ہوں لیکن وہ جادوگرنی ایک چھوٹے گھوڑے پر بھی مہربان ہو چکی ہے۔ وہ تمہاری مداح ہے۔ پتا نہیں تم اس کے نام سے کیوں چڑنے لگے ہو۔ میں جب اس سے ملتا ہوں، وہ زیادہ دیر تک تمہاری باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے جس پر اسے ناز ہے...... ارے! یہ کیا؟ تم تو سو رہے ہو!“

مجھ پر نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا۔ میں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن رہا تھا مگر اسے اس کی گفتگو کی فضولیت کا احساس دلانے کے لیے میں نے دانستہ اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ میں نے اس کے تخاطب کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”ماسٹر! مجھے پریشان مت کرو۔“ کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی خوشامدانہ آواز ابھری ”اب میں مادام کی کوئی بات نہیں کروں گا۔ مجھے فون کے بارے میں کچھ بتا دو۔“

”میں تھک گیا ہوں۔“ میں نے اپنی آنکھیں کھولے بغیر آلکس سے کہا ”جب ڈان سے ملاقات ہوگی تو سب کچھ سن لینا۔“

چاؤ فان بسیار گو اور منہ پھٹ ضرور تھا لیکن اپنے دل کی گہرائی سے میرا احترام کیا کرتا تھا۔ میری غنودگی کا احساس کرتے ہی اس نے سختی سے خاموشی اختیار کر کے اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

میری غنودگی اداکاری کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اس وقت میری ساری حسیں پوری طرح بیدار تھیں اور میں اپنے ذہن میں نئی کہانی کے تانے بانے بننے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے راجن سے جاری جنگ میں فتح حاصل کر لی تھی لیکن وہ قصہ وہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک میں اپنی اصلیت کا راز چھپا کر ڈان کو مطمئن نہ کرتا، میرا بنکاک سے نکلنا محال تھا۔

ماضی میں ڈان میری ہر کامیابی پر پورے جوش و خروش سے مجھے مبارک باد دیتا رہا تھا۔ وہ ہر بار میری تعریفوں کے پل باندھ دیا کرتا لیکن موتی محل میں آتش زنی کی واردات کے بعد اس نے فون پر انتہائی سرد بلکہ منفی رویہ اختیار کر کے مجھے بدترین ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اس کی خشک اور مختصر گفتگو سے کچھ ایسا ظاہر ہوا جیسے میری طرف سے اس کے ذہن میں شکوک و شبہات جنم لے چکے ہوں۔ انہیں دور کرنے

کے لیے یہ ضروری تھا کہ میرے پاس ڈان کے ہر کاٹ دار سوال کا ایسا مثبت جواب موجود ہو جو اسے مطمئن کر سکے۔

اس وقت تک میں نے ڈان یا چاؤ فان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ موتی محل میں آگ لگائے جانے سے پہلے راجن اور اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ وہ میرے لیے ترپ کا پتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے ڈان میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو پاتا تو راجن کی موت کی خبر سن کر وہ یقیناً سب کچھ فراموش کر دیتا۔

موتی محل پر اپنے آدمیوں کے کامیاب حملے کی خوشی میں ہر ایرے غیرے کو شراب پلانے والے شخص کے لیے اپنے سب سے بڑے حریف کی موت کی خبر بہت اہم ہونی چاہیے تھی۔

اس آخری واقعے سے پہلے ڈان میری وفاداری، دلیری اور کارکردگی سے بہت متاثر تھا۔ اس خوشی میں اس نے ایک مرحلے پر ہمارے پاسپورٹ بھی لوٹانے چاہے لیکن میں نے اپنے چند خدشوں کی بنا پر وہ سفری دستاویزات اسی کی تحویل میں رہنے دیں۔ وہ فیصلہ میں نے اپنی مرضی سے کیا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ڈان کی مرضی کے بغیر اس سے اپنے پاسپورٹ حاصل نہیں کر سکوں گا۔

چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزار کر مجھے یہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے۔ دوستی میں انہوں نے مجھے اپنے سر پر بٹھایا ہوا تھا تو دشمنی میں وہ میرے خلاف ہر گھٹیا اور ناقابلِ تصور ہتھکنڈا استعمال کر سکتے تھے۔

راستے میں ٹریفک کے اشاروں کے مطابق گاڑی رکتی اور چلتی رہی۔ جب آخری بار گاڑی رکنے کے بعد انجن بند ہوا تو میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ.....! ماسٹر ذرا دیکھو کہ پینے والوں نے یہاں کیا حال کیا ہے!'' انجن بند کرتے ہی چاؤ فان نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ ذخیرہ ختم ہو جانے پر آج سیلرز بار وقت سے پہلے بند کر دیا گیا۔''

میں اس کے کہنے سے پہلے دیکھ رہا تھا کہ سیلرز بار کے سامنے کافی دور تک شراب کی بھانت بھانت کی خالی بوتلیں، بیئر کے خالی ڈبے اور ٹوٹے ہوئے گلاس وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیلرز بار کے دروازے اور تمام روشنیاں بند تھیں۔ بار کے باہر پھیلی ہوئی ابتری سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بار بند ہونے سے پہلے وہاں جمع ہونے والے مفت خور شرابیوں نے دل کھول کر ہڑبونگ اور لوٹ مار مچائی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس شام بار میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔ شراب کے ساتھ سیلرز بار کی نفیس اور بیش قیمت کراکری بھی باہر لا کر چکنا چور کر دی گئی تھی۔

اس علاقے میں ڈان کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی موجودگی میں نشے میں دھت شرابی بھی اونچی آواز میں ہنسنے بولنے سے پرہیز کرتے تھے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ سیلرز بار سے شراب کی مفت تقسیم کے اعلان کے ساتھ ڈان کا سارا رعب و دبدبہ عارضی طور پر رخصت ہو گیا۔ وہ آنے والوں پر سختی کرتا تو شاید وہاں ایسی تباہی نہ پھیلتی۔ وہ اپنی فتح کے نشے میں سرشار تھا۔ اسی سرمستی کے عالم میں اس نے غیر معمولی ڈھیل سے کام لیا اور وہاں آنے والوں کو اپنے دل کی ساری بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''شاید آج سیلرز بار کو باقاعدہ لوٹ کر تاراج کیا گیا ہے۔'' میں نے ونڈ شیلڈ سے سامنے نظر آنے والے مناظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اب ایسا سناٹا ہے جیسے بدمست بلوائی ہر ایک کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے ہوں۔ حیرت ہے کہ ڈان نے پولیس طلب نہیں کی!''

''شش......!'' چاؤ فان نے بے ساختہ دہانے سے آواز نکالی ''ماسٹر! آواز نیچی رکھو۔ پولیس سے مدد لینا ڈان کے لیے گالی سے کم نہ ہوتا اور اس علاقے میں کوئی پولیس والا ڈان کی اجازت کے بغیر نہیں پھٹک سکتا۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میں نے تمہاری کہی ہوئی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ چھوٹا راجن نے تم سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج ڈان نے پورا بار لٹا دیا ہے۔''

''مفت مل رہی ہو تو لوگ نالیوں میں سے بھی پینے لگتے ہیں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''آج اس علاقے کے لوگوں کے لیے کرسمس ہو گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہاں دور تک کوئی بہکا ہوا شرابی نظر نہیں آ رہا۔''

''یہ اس علاقے میں ڈان کا نافذ کیا ہوا ڈسپلن ہے۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے جواب دیا ''شراب پی کر سرِعام غل غپاڑا مچانے والوں کو وہ بہت کڑی اور انوکھی سزائیں دیتا ہے۔ مفت کی پینے والے بدمست ہونے سے پہلے اپنی بیویوں یا محبوباؤں کی طرف نکل لیے ہوں گے۔ ان کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔''

''کچھ لوگ ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''انہیں جہنم میں ڈالو۔'' اس نے اپنی ترنگ میں ہنس کر

کہا ''محبوبہ نعمت ہوتی ہے' بیوی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اکثر شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں اور ان کی بد دماغیوں کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ جن کی بیوی نہ ہو ان کو شراب نوشی کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے اس نے مجھے صدی کا بہترین لطیفہ سنایا ہو۔

''بنکاک کے ہر مرد کو اپنے جیسا بدنصیب مت سمجھو۔'' میں نے قدرے درشتی سے کہا ''آج کل میں بھی یہیں رہ رہا ہوں' شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلانا چاہتا۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ماسٹر! تم ہر بات اپنے اوپر لے جاتے ہو۔'' وہ کراہنے والے انداز میں بولا ''تم عام آدمی نہیں ہو یا شاید آدمی سے بڑی کوئی شے ہو۔ میں تو اپنے جیسے عام اور مظلوم آدمیوں کی بات کر رہا تھا جن کی بیویاں ان کے لیے ڈراؤنا خواب بنی رہتی ہیں۔''

میں نے مزید اس کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

ہم دونوں عقبی گلی طے کر کے سیلرز بار کے پچھلے سیاہ دروازے پر پہنچے۔ ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھولا گیا تو اس کے عقب میں مجھے ایک شناسا سا نسوانی چہرہ نظر آیا۔ لڑکی نے ہمیں پہچان کر اندر آنے کے لیے راہ دیتے ہوئے چوبی زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے تنگ سی راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کے نو بھی نہیں بجے تھے لیکن بار میں گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ شاید اس کی صفائی ستھرائی اور تزئین نو کا کام اگلے دن پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

چاؤ فان میرے پیچھے تھا۔ اس نے لڑکی کے قریب سے گزرتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں' اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لڑکی کی آواز میرے کانوں تک نہیں آئی۔ شاید اس نے چاؤ فان کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیویوں سے بیزار رہتے ہیں لیکن ہر پرائی عورت پر بری نظر ڈالنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس ذیل میں بلاضرورت بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کوئی من پسند جواب مل جائے تو نہال ہو جاتے ہیں۔ فریق ثانی کے تیور خراب ہو جائیں تو سبکی کے کسی احساس کے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں اس سے یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ڈان کی کسی ملازمہ سے کوئی بے ہودہ بات کہے گا۔ وہ بات برائے بات کا قائل تھا۔ اس میں کسی مقصد یا ورری کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ شاید اس کی تسکین کے لیے یہی کافی تھا کہ اس کی بات خاموشی سے سن لی گئی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی میری طبیعت پر عجیب سا خلجان طاری ہونے لگا۔ اس عمارت میں ڈان کی موجودگی میں ہمیشہ خاموشی چھائی رہتی تھی مگر اس وقت مجھے وہ خاموشی گمبھیر سی محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں موتی محل جیسی محفوظ اور ناقابل شکست عمارت میں آگ لگا کر آیا تھا اور ڈان نے میری پیشوائی کے لیے زینوں کے اوپری سرے تک آنا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے موڈ کی خرابی کا واضح اظہار تھا۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچا تو ڈان اپنے روایتی گاؤن کے بجائے ٹی شرٹ اور چست جینز میں ملبوس اپنی مسہری پر دراز نظر آیا۔

''چلے آؤ! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر اونچی آواز اور سپاٹ لہجے میں ہانک لگائی۔

اس کی مسہری کے قریب جا کر میں نے اپنے روایتی انداز میں سر کو ہلکا سا خم دے کر اسے تعظیم دی۔ چاؤ فان جو اس لمحے تک میرے پیچھے چلا آرہا تھا' اس مرحلے پر لپک کر مجھ سے ایک قدم آگے نکلا اور ڈان کے سامنے رکوع سے بھی زیادہ جھکتا چلا گیا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی پشت پر اتنے زور سے گھٹنا رسید کروں کہ وہ اچھل کر ڈان پر جا گرے لیکن وہ ایسی کسی بے تکلفی کے اظہار کا موقع نہیں تھا۔

''دونوں بیٹھ جاؤ!'' ڈان نے لیٹے لیٹے فرمان جاری کیا۔

میں نے اطمینان سے نشست سنبھال لی۔ چاؤ فان صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے کسی بھی لمحے وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''تو وہ بھارتی کتا تم سے شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے موتی محل پر حملہ کرانے کی خوشی میں مفت شراب بانٹنا شروع کر دی ہے!'' ڈان غرایا۔

''وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا' ایسی ہی بات سوچ سکتا تھا۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''جاؤ اور اسے بتا دو کہ میں اس کے خون کا پیاسا ضرور ہوں لیکن وہ میرے لیے اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کی کسی رسوائی

کی خوشی میں، میں اپنا کاروبار تباہ کرلوں۔ میری فیاضی کا سبب کچھ اور تھا۔ آج میں بہت خوش تھا لیکن جاذفان کی رپورٹ نے میری طبیعت بے مزہ کردی۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ آج سیلرز بار میں شراب کی ایک بوند نہیں ہے۔ تہ خانے میں پڑے ہوئے لکڑی کے بیرل تک مفت لٹائے جا چکے ہیں۔''

''میں تمہاری فیاضی کا حال دیکھ چکا ہوں۔ بار کا خاصا سامان باہر بکھرا ہوا ہے۔ آج تم نے ہر آنے والے کو کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔''

''جانتے ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟'' ڈان اچانک اپنے بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

''اپنے راز تم ہی جانتے ہو...... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''چھوٹا راجن ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس کی غلط فہمی دور ہونا چاہیے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا'' یہ بات میں صرف تم دونوں کو بتا رہا ہوں کہ آج وہ عورت ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی جس نے بنکاک کے بھرے بازار میں میری بے عزتی کی تھی۔ وہ عورت تھی اس لیے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا لیکن میرے دل سے نکلی ہوئی بد دعائیں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ میں نے اس کی موت کی خوشی میں سیلرز بار کے دروازے ہر ایک کے لیے کھولے تھے۔ اب میں سر اٹھا کر چل سکتا ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اپنی خوشی کے لیے شراب بانٹی۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم سن رہے ہونا!''

ڈان بولتے بولتے خاصا جذباتی ہوگیا۔ میں نے جلدی سے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس کی زبان سے شراب کی مفت تقسیم کا سبب سن کر مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سنی سنائی کہانیوں کے مطابق ڈان نے ایک کم سن لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس شوخ لڑکی نے کسی بات پر برہم ہو کر ڈان کو بازار میں اپنی جوتی سے مارا اور پھر اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ ڈان نے شرم سے گوشہ نشینی اختیار کر کے بدمعاشوں کی دنیا میں اپنی بادشاہی چھوڑ دی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ڈان اتنا کینہ پرور تھا۔ وہ کم و بیش دو برسوں سے اپنی روح کے اس زخم کو پال رہا تھا۔ طاقت اور وسائل ہونے کے باوجود اس نے اپنی بھگوڑی بیوی کا پیچھا کیا نہ اسے مروانے کی کوئی کوشش کی۔ اندر ہی اندر وہ انتظار کی دھیمی آنچ میں سلگتا رہا۔ جب اسے اس عورت کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے ایک نرالا ڈھنگ اختیار کرلیا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اسی صبح اس کے آدمیوں نے موتی محل پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ ڈان کے لب کشا ہونے سے پہلے میں خود بھی اس سنگین غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ڈان نے راجن کی ہوا خیزی کی خوشی میں شراب کی مفت تقسیم شروع کی تھی۔

ڈان کہہ رہا تھا کہ اس نے اصل سبب صرف ہم دونوں کو بتایا تھا جب کہ اس کے پالے ہوئے چار مسٹنڈے ہر وقت سیلرز بار کے اس فلور پر موجود رہتے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے اس گوشے کی طرف دیکھا جہاں عام طور پر ان کی چوکڑی جمی رہتی تھی۔ اس وقت وہ بستر خالی پڑے ہوئے تھے۔

ڈان پرلے درجے کا کائیاں شخص تھا۔ میری نگاہوں کی جنبش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے تیز آواز میں کہا ''اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ آج ان چاروں کو بھی دل کھول کر پینے کی آزادی تھی۔ وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہاں آتے۔ پی کر کہیں دفعان ہوگئے۔ اس وقت اس فلور پر ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے یہ بات کسی چوتھی زبان سے سنی تو تم دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔ میں خود بھی کسی کو بتانا چاہ رہا تھا کہ آج میں کتنا خوش ہوں اور میں نے اپنا پورا بار کیوں لٹایا ہے۔ میرے منہ لگنے والوں کی تقدیر بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اپنی سرکش عورت کو میں نے کوئی سزا نہیں دی مگر تقدیر اسے بہت بے رحمی سے نگل گئی۔''

''یہ بات میرے سینے میں دفن رہے گی۔'' میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی'' یہ ایک اتفاق تھا کہ تم نے آج اپنی ذاتی خوشی کے لیے اپنے بار پر مفت شراب تقسیم کی اور اسی کی وجہ سے راجن جہنم کی آغوش میں پہنچ گیا۔''

ڈان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا۔ جاذفان میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا مگر میں اپنی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی کیفیت بھی ڈان سے مختلف نہیں تھی۔

''وہ...... وہ کیسے مرگیا؟'' ڈان نے بے ساختہ سوال کیا۔

''تمہارے اس خادم کی ایک گولی نے اس کا سر اڑا دیا۔'' میں نے انکسار سے جواب دیا'' اس کے دو ساتھیوں کا بھی یہی انجام ہوا ہے۔''

''تم نے اب تک یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اب اچانک یہ ذکر لے بیٹھے ہو۔ شراب کی تقسیم سے ان کی موت کا کیا تعلق نکل آیا؟'' ڈان کے لہجے سے بے یقینی مترشح تھی۔

''میں کیسے بتاتا۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''فون پر تم نے مختصر بات کی' ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔ یہاں آتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی۔ اب موقع ملا تو میں نے پہلی فرصت میں تمہیں یہ خبر سنا دی۔''

''علی! مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کا لہجہ تادیبی ہو گیا۔ ''مجھ سے پہلے تم نے چاؤ فان سے بات کی تھی۔ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر مجھے اسی نے دی۔ تم نے اسے راجن کی موت کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو وہ مجھ سے اس بڑی خبر کا ذکر بھی کرتا۔ تم اب تک یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے رہے؟''

''چاؤ فان نے موتی محل کی آگ دیکھ کر مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے بہت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''فون پر میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بنکاک کے فون کے نظام پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ فون پر کوئی اور یہ سن لیتا کہ میں نے موتی محل میں راجن اور اس کے دو وفاداروں کو مارا ہے تو میرا یہ اقبالِ جرم مجھے کسی بدترین انجام سے دوچار کر سکتا تھا.....''

''بات تمہاری اور چاؤ فان کی ہو رہی تھی۔ کوئی اور تمہاری باتیں کیسے سن سکتا تھا؟'' ڈان نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بے اعتباری سے پوچھا۔

''یہاں کا نظام ناکارہ ہو گیا ہے۔ فون پر لائنیں مل جاتی ہیں۔ ہمارے درمیان اچانک کوئی تیسرا بھی آ سکتا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔ اس بار بھی ڈان نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔

''یہ بے کار باتیں ہیں۔ میرے ساتھ آج تک ایسا نہیں ہوا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یہ ماننے میں عار نہیں کہ جب سے تم میرے ساتھ ملے ہو' تمہاری کامیابیاں بے مثال رہی ہیں۔ تم جو ارادہ کر لیتے ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ تم نے چھوٹا راجن کو پے در پے گہرے گھاؤ لگائے ہیں اور اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔ میں تمہاری ان کامیابیوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ تمہیں اندر کی ایسی خبریں مل جاتی ہیں جن کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ تم نے یکا یک کہا کہ چھوٹا راجن کا اہم مہمان لوپ بوری میں ہے اور وہ واقعی وہاں چھپا ہوا تھا۔ تم کو خبر ملی کہ چھوٹا راجن اپنی وہائٹ ہاک کا حشر دیکھنے کے لیے سمندر کی طرف گیا ہے اور وہ ان ہی اطراف میں تھا۔ تم ان خبروں کے حاصل ہونے کے بارے میں جواز دیتے رہے ہو مگر یہ سب مجھے ناقابلِ یقین نظر آتا ہے۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی بڑی کامیابیاں کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ نتائج میرے سامنے نہ ہوتے تو میں تمہاری ان باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ تمہاری پے در پے کامیابیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ تم کو بروقت صحیح خبریں ملتی رہیں۔ تم نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور میدان مارتے رہے۔ میرے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہاں تمہارا کوئی متوازی گروہ نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ آئے ہو۔ کسی اکیلے آدمی کی یہ کارکردگی میرے لیے حیرت کے ساتھ پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے...... تم خاموش کیوں ہو...... بولتے کیوں نہیں؟'' اس کی آواز میں شبہات اور اضطراب کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

''تم قطع کلامی کر لیتے ہو۔ میں تمہاری بات کاٹ کر بیچ میں نہیں بول سکتا۔'' میں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے ذہن میں آنے والے سوال فطری ہیں لیکن تم نے اپنے ذرائع سے ملنے والی معلومات کا حوالہ دے کر ان سوالوں کے جواب خود دے دیے ہیں۔ اس کے بعد میرے کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود اگر تم کو میری ذات پر کسی قسم کا شبہ ہے تو چاؤ فان کو حکم دو کہ یہ اپنے پستول کی گولی میرے دل میں اتار دے۔ میں کسی احتجاج کے بغیر خوشی سے یہ موت قبول کر لوں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' وہ بے تابانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر غرایا اور اپنی سلامتی کے بارے میں میری ٹوٹتی ہوئی آس دوبارہ بندھ گئی۔ اس بار ڈان کی غراہٹ میں مجھے وہی پرانی مربیانہ اپنایت محسوس ہوئی تھی جو ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔

''بات کو حد سے آگے لے جانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کی تادیب جاری رہی ''میں نے تمہیں مرنے مارنے کے لیے نہیں بلایا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ ہر بات سچ سچ بتا دو۔ تم ایسے فائدے میں رہو گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہوگا۔''

چھوٹا راجن کی موت کا واقعہ پسِ پشت چلا گیا۔ میری سوچی سمجھی کہانی دھری کی دھری رہ گئی۔ ڈان کا سارا زور میری ذات پر آ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے سامنے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ تم کو میری کسی بات پر شبہ ہے تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مطمئن کر سکوں۔'' ڈان کی بزرگانہ فہمائش سے میرے وجود میں مچلتی ہوئی بے چینی کی لہر کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا۔

ڈان اپنے بائیں ہاتھ کی چٹکی سے اپنے کان کی لو مسلنے

لگا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی کشمکش چل رہی ہے۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے بوجھل اور ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ڈان نے غیر متوقع طور پر ایک خطرناک اور براہِ راست سوال کر ڈالا تھا۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''عجیب سوال پوچھا ہے تم نے ..... میرا نام علی احمد ہے۔''

''یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو۔'' ڈان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میں تم سے تمہارا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔''

''علی احمد میرا اصلی نام ہی ہے۔ تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں تحمل اور نرم خوئی سے کام لیتے ہوئے ڈان سے کسی ممکنہ تصادم کا خطرہ ٹال سکوں۔

ڈان اضطراری انداز میں مسہری سے اتر کر فرشی قالین پر کھڑا ہو گیا اور داہنے ہاتھ کا مکا اپنی بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا۔ ''چھوٹا راجن سے میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ دور دور تک کسی تیسرے فریق کا نام و نشان نہیں تھا پھر وہ بار بار ڈینی کا نام کیوں لے رہا تھا؟''

''اس کا جواب وہی دے سکتا تھا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''اپنی بدقسمتی سے اب وہ دوسرے جہاں میں پہنچ چکا ہے۔''

ڈان نے جھٹکوں دار چھوٹے چھوٹے قدموں سے قالین پر ننگے پاؤں ٹہلنا شروع کر دیا اور خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ ''چھوٹا راجن پاگل نہیں تھا۔ وہ کسی وجہ سے ڈینی سے خوفزدہ تھا۔ میں نے اس کی طرف سے یہ نام پہلی بار سنا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے ذرائع سے اچھی طرح چھان بین کی۔ تمہاری طرح وہ بھی پاکستانی ہے مگر چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کا نام سب جانتے ہیں۔ اس کی ذات سے بہت سے بڑے واقعات منسوب ہیں۔ امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ نت نئے طریقوں سے اپنے دشمنوں کو مارتا ہے لیکن کسی نے اس کو نہیں دیکھا نہ کہیں اس کی کوئی صاف تصویر دستیاب ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اچانک میری طرف گھوما اور پُرجوش لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''تمہاری کامیابیوں میں مجھے ڈینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ تم تنہا وہ سب کرتے پھر رہے ہو جو میرے آدمی آج تک مل کر نہیں کر سکے۔ تمہارے سامنے آنے والے پُراسرار انداز میں مارے جاتے ہیں۔ کسی کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ کسی کی لاش آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اب تم نئی کہانی لے کر آئے ہو کہ چھوٹا راجن تم سے ملا۔ اس نے تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر تم سے میری شکایت کی پھر تم نے اسے مار دیا۔ موتی محل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کی لاش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی، اس کی موت کے اسباب کا کوئی سراغ باقی نہیں رہے گا۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ کسی عام آدمی کے بس کے روگ ہیں؟''

میں خاموشی سے اس کی طویل تقریر سنتا رہا۔ ڈان اپنے مسائل اور معاملات کی طرف سے اتنا بے پروا نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ راز مجھ پر پہلی بار منکشف ہوا کہ وہ میرے اصلی روپ یعنی ڈینی کے بارے میں بالا ہی بالا معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ نے مجھے اندر سے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے اپنی لمبی تقریر سوالیہ انداز میں ختم کی تھی۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ''ڈان! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری کارکردگی تمہارے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے۔ میں ایک عام آدمی ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔ چاؤفان اس بات کی گواہی دے گا کہ میں موتی محل کی طرف جانے سے پہلے اکیلا اس کے ساتھ تھا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میں نے موتی محل میں مارے جانے والوں کی تینوں لاشوں کو آگ لگا دی مگر اس میں میری کسی سازش کا دخل نہیں تھا۔ میں نے انتقام کے جوش میں وہاں آگ لگائی تھی۔ رہی ساحل پر گاڑی میں جلنے والی لاشوں کی بات تو اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں رہا۔ راجن کی طرف سے آنے والی کوئی گولی پیٹرول کی ٹنکی میں لگی اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ہمارے پاس لاشوں کو چھپانے کے لیے راجن کی کار سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ چاؤفان اس واقعے میں شروع سے آخر تک میرے ساتھ شامل تھا۔''

''بار بار چاؤفان کا حوالہ نہ دو۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔ ''میں نے اس سے پل پل کی رپورٹ لی تھی۔ جب گاڑی میں آگ لگی تو تم وہاں اکیلے تھے۔ چاؤفان کو تم نے جیپ میں سڑک کی طرف بھیج دیا تھا تاکہ میدان صاف رہے اور چھوٹا راجن بے خبری میں آگے بڑھتا چلا آئے۔ اس بارے میں چاؤفان وہی کہے گا جو تم نے اسے بتایا تھا۔''

میں سانس روک کے ڈان کی بات سنتا رہا۔ چاؤفان نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کا راز فاش نہیں کیا تھا۔ ان میں

سے ایک زہریلی انگوٹھی کا اور دوسرا بیم گن کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے چاؤ فان کو کچھ ایسا چکر دیا تھا کہ اس نے ایک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ چاؤ فان اس بارے میں زبان کھولتا تو وہ دروغ گوئی کے الزام میں ڈان کے عتاب کا نشانہ بن سکتا تھا۔

''ڈان! یہ اعتبار کی بات ہے۔'' میں نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ ''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے چاؤ فان سے کوئی غلط بیانی کی تھی تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تم پھر بات بڑھا رہے ہو۔'' ڈان چیخ کر بولا۔ ''اس وقت مسئلہ اعتبار کا نہیں' چاؤ فان کی گواہی کا تھا۔ اسے سرے سے کچھ پتا نہیں تھا تو وہ تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔''

''اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو تمہارے ذہن میں میری طرف سے شکوک و شبہات کیوں پل رہے ہیں۔'' طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد مجھے ڈان کی دکھتی رگ دبانے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا۔ ''تم مان کیوں نہیں لیتے کہ میں علی احمد ہوں۔''

''مجھے اپنی کامیابیوں کا گر بتاؤ۔'' ڈان بیر لیکا کر اپنی مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ چکی تھی۔

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' میں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔ ''ذہانت اور قسمت ڈینی کی میراث نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس سے زیادہ تیز طرار ہوں گے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہو سکتا ہوں اور ہاں' میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دوں۔ میں کوئی تیس مار خان نہیں ہوں مگر اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں۔ ڈینی پر امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کئی افسروں سے میری بات ہوئی اور ان سب کا خیال ہے کہ ڈینی نام کے کسی آدمی کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کا تراشا ہوا ایک افسانوی کردار ہے۔ بھارتیوں نے بھی اس نام کو بہت ہوا دی ہے۔ وہ لوگ اپنی ہر بڑی ناکامی اور بربادی کی ذمے داری ڈینی پر ڈال کر اپنی جان بچاتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اپنے خلائی کیمروں سے صحرا میں گری ہوئی سوئی کی واضح تصویر لے لیتے ہیں' ان کے پاس ڈینی کا کوئی سراغ نہ ہو۔ وہ کوئی حقیقی وجود ہوتا تو اس کی تصویر یا فنگر پرنٹس بھی ہوتے۔ فرضی نام کے بارے میں کچھ نہیں مل سکتا۔''

''تمہیں بہکایا گیا ہے۔'' ڈان میری بات سن کر بولا۔ دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس کی بے چینی کو قرار سا آتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ ٹارزن کی طرح کا کوئی فرضی کردار نہیں ہے۔ اس کی موجودگی کی علامتیں اور سراغ ملتے رہتے ہیں لیکن وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ آج تک کسی کی گرفت میں نہیں آیا۔ کسی نے اسے دیکھ لیا تو ڈینی نے اسے زندہ نہیں چھوڑا۔ یہ بحث بے سود ہے۔ آج میں جتنا غور کر رہا تھا' مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تم ہی ڈینی ہو اور نام بدل کر مجھے دھوکا دے رہے ہو مگر اب میں نے دیکھ لیا کہ تم میں کئی بڑی کمزوریاں ہیں۔ ڈینی مکار اور دبنگ آدمی ہے۔ تم چالاک ضرور ہو' مکار نہیں ہو۔ مجھ سے ڈرتے ہو اس لیے دبتے چلے جا رہے ہو۔ تمہاری رگوں میں ڈینی جیسا خون ہوتا تو تم مدافعانہ دلیلیں دینے کے بجائے اب تک تن کر میرے مدمقابل کھڑے ہو چکے ہوتے۔''

اس نے خاموش ہو کر اپنے سینے سے طویل اور گہرا سانس خارج کیا۔

''میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھ پر شبہ کیا اور خود ہی اسے دور بھی کر لیا۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ڈان مجھے میرے خون کا حوالہ دے کر میری تضحیک کر رہا تھا اور میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ زیرک ہونے کے باوجود ہمیشہ کی طرح میری باتوں کے جال میں پھنس کر میری گلوخلاصی کر چکا تھا۔ وہ اپنے موقف پر اڑا رہتا تو بات سنگین رخ اختیار کر جاتی۔

''تمہاری طرف سے میرے دل میں ایک پھانس تھی جو نکل گئی۔ اب بتاؤ کہ چھوٹا راجن یکایک تمہارا رفیق کیسے ہو گیا۔'' ڈان اپنے پیر اوپر سمیٹ کر مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے ہر قول و فعل سے مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

''یہ بڑی حیرت ناک کہانی ہے جو میں نے ابھی تک چاؤ فان کو بھی نہیں سنائی۔ اس کی بنیاد تم نے ڈالی۔ اگر تم سیلرز بار میں مفت شراب نہ بانٹتے تو راجن آج بھی ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہوتا۔'' مجھے پہلی ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈان انا پرست شخص ہے۔ ایسے افراد بہ ظاہر صاف گوئی کے سرپرست بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ دل و جان سے خوشامد پسند ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی کہانی کی تمہید میں ڈان کی تعریف کر کے اس کے شوق کو بھڑکا دیا۔

''میری مفت کی شراب سے چھوٹا راجن کو کیا تکلیف ہوئی؟'' اس نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ چند لمحوں میں وہ

اپنے لب و لہجے سے ایک بدلا ہوا آدمی محسوس ہو رہا تھا۔
''تم اپنی دغا باز عورت کی عبرت ناک موت کی خوشی میں شراب بانٹ رہے تھے۔'' میں نے بیوی کے بجائے ڈان کے مرغوب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔
''یہ ایک اتفاق تھا کہ صبح تمہارے آدمیوں نے موتی محل پر بموں اور رائفلوں سے حملہ کیا تھا۔ راجن کی شراب کی مفت تقسیم کی خبر ملی تو اس نے اندازہ لگایا کہ وہ حملہ تمہاری طرف سے ہوا تھا اور تم اس کامیابی کی خوشی میں مفت شراب بانٹ رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی سنک گئی اور وہیں سے اس کی تباہی کا آغاز ہو گیا۔''
''بولتے رہو!'' میرے توقف پر ڈان نے بے تابی سے مجھے ٹوکا۔ ''خاموشی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا اس سے کیسے رابطہ ہوا۔''
''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں ڈان کے اضطراب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اسی وقت تم سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب دوسرا اتفاق رونما ہوا۔ میں نے صبح کے واقعے پر راجن کا ردعمل جاننے کے لیے ہوٹل کی لابی میں لگے ہوئے پبلک بوتھ سے موتی محل فون کیا تو مجھے راجن کی آواز سنائی دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں باہر کے کسی اخبار کا رپورٹر بن کر اس سے بات کرتا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں نے اپنا سانس روک لیا اور پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ وہ کسی کرنل گیری کو اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ اسے غصہ تھا کہ تم نے باہر سے آئے ہوئے اس کے پانچ نامی گرامی مہمانوں کی موجودگی میں موتی محل پر حملہ کرایا اور اس کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا۔ تم اس کامیابی کی خوشی میں اپنے بار پر ہر کس و ناکس کو مفت شراب پلا رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بھیڑ بھاڑ میں تمہارے بار میں بم کا دھماکا کر دیا جائے۔ بار کی تباہی اور بہت سے شرابیوں کی ہلاکت سے تمہاری زبردست بدنامی ہوگی۔ اسے توقع تھی کہ شاید وہ دھماکا تمہارے لیے بھی جان لیوا ثابت ہو اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے......''
''کرنل گیری یہ سب سن رہا تھا۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر حیرت اور غصے سے کہا۔
''نہ صرف سن رہا تھا بلکہ اسے نادر مشورے بھی دے رہا تھا۔'' میں نے ڈان کو اکسایا۔
''یہ حرام کے جنے امریکی کسی کے نہیں ہوتے۔'' ڈان باقاعدہ طیش میں آ گیا۔ ''برے وقت پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ گیری پچھلے چھ برسوں سے یہاں جما بیٹھا ہے۔ میرے گوشہ نشین ہونے سے پہلے وہ مجھ سے یاری کا دم بھرتا تھا' اب چھوٹا راجن کا مشیر بنا ہوا تھا۔ مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے فون پر ان دونوں کی کیا کیا باتیں سنیں۔''
ڈان پر میرا داؤ چل گیا۔ میں ایک تیر سے یہ یک وقت دو شکار کر رہا تھا۔ ایک طرف مفروضہ کراس ٹاک کی آڑ لے کر اپنی پوزیشن صاف کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے امریکی سفارت خانے کے سازشی انفارمیشن افسر کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔
''راجن تمہارے بارے میں فوری طور پر بم کا دھماکا کرانے پر اڑا ہوا تھا۔'' ڈان کے مطالبے پر میں نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ ''اس کام کے لیے اسے کوئی نیا آدمی درکار تھا۔ کرنل گیری کا کہنا تھا کہ راجن یہ معمولی سا کام اپنے کسی آدمی سے لے سکتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے بیگ میں کوئی طاقتور ریموٹ کنٹرول بم تمہارے بار میں چھوڑ کر لوٹ آتا تو بھیڑ بھاڑ میں کسی کو اس کارروائی کا علم نہیں ہونے پاتا۔ اپنے آدمی کی بہ حفاظت واپسی کے بعد راجن جب چاہتا' ایک بٹن دبا کر تمہارے بار کی پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیتا۔ گیری بم فراہم کرنے پر آمادہ تھا مگر راجن کا کہنا تھا کہ اس کا آدمی سیلرز بار میں پہچان لیا گیا تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ وہ مار ڈالا جائے گا' منصوبہ ناکام ہوگا اور تم پوری طاقت سے دوبارہ موتی محل پر چڑھائی کر دو گے۔''
''ہوں!'' ڈان اپنا سر ہلاتے ہوئے غرایا۔ ''یہ خوفناک سازش ہو رہی تھی میرے خلاف۔ چھوٹا راجن میرے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ اب میں گیری خنزیر کو بھی دیکھ لوں گا۔ پھر تم نے کیا کیا؟''
''ڈان! اس وقت میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''بس اپنا دم سادھے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا رہا۔ راجن اسے اپنی مشکلات بتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس شام ہے۔ اس کے سارے آدمی اس کو پیٹھ دکھا گئے ہیں۔ بہت سے غدار موتی محل میں لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ کچھ بزدل گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حد یہ ہے کہ آج اس کے سارے کاروباری ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ موتی محل میں صرف چار جاں نثار اس کے ساتھ رہ گئے ہیں جن میں سے دو کو اس نے ڈپلیکیٹ چابیاں دے کر کلبوں اور جوئے خانوں کے تالے کھول کر تجوریوں سے پچھلی رات کی کمائی سمیٹنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد راجن کی کسمپرسی پر کرنل گیری کا دل پسیج گیا اور اس نے اپنا

ایک آدمی موتی محل کی طرف روانہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ پھر فون بند ہو گیا۔''

اچانک جاؤ فان نے پھنسی پھنسی اور بے ہنگم آواز میں کھانسنا شروع کر دیا۔

''تجھ پر کیا آفت آ گئی؟'' ڈان نے برہمی سے اسے پکارا۔ روانی میں وہ انگریزی ہی بول رہا تھا۔ ''تیرے معدے میں کوئی طوفان اٹھ رہا ہے تو جا کر گلی میں قے کر دے۔ یہاں کا ماحول پراگندہ کیا تو میں تیرا سر توڑ دوں گا۔''

''ڈان! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ گھگیایا۔ ''تمہاری اجازت سے میں اس مرحلے پر کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ماسٹر نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے۔''

''بول' میں سن رہا ہوں۔'' ڈان نے ترشی سے کہا۔

''میں نے صبح سے اپنے آدمی چھوٹا راجن کے کاروباری ٹھکانوں کی نگرانی پر لگا دیے تھے......'' جاؤ فان نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے درمیان میں دخل انداز ہو کر اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

''تاکہ رات کے اندھیرے میں وہ ان ٹھکانوں کو لوٹ سکیں۔'' ڈان نے طنزیہ انداز میں گویا جاؤ فان کی بات مکمل کی۔

''ہاں!'' جاؤ فان نے خوشامدانہ انداز میں اپنا سر ہلا کر کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ غلام ایسے مواقع پر نہیں چوکتا۔ بے بی کلب سے چھوٹا راجن کو سب سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اب سے تین گھنٹے پہلے دو آدمی وہاں پہنچے۔ شاید وہ وہی تھے جن کا ذکر ماسٹر نے فون پر سنا تھا۔ وہ تالے کھول ہی رہے تھے کہ میرے آدمیوں نے ان دونوں کو بے خبری میں چھاپ لیا۔ وہ ان دونوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تالے کھول کر وہ انہیں اندر لے گئے اور مارنا شروع کر دیا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے وہی باتیں اگل دیں جو ابھی ماسٹر نے بتائی ہیں۔ میرے آدمیوں نے ان سے تالوں اور تجوریوں کی سب چابیاں چھین کر انہیں مار ڈالا۔ لاشیں وہیں چھوڑ کر انہوں نے بے بی کلب کی تجوری صاف کی پھر ایک گھنٹے میں ایک ایک کر کے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری ٹھکانوں سے بھی رقمیں سمیٹ لائے۔''

''جاؤ فان! تو بہت کمینہ ہے۔ ابھی علی ان دونوں کا قصہ نہ سناتا تو' تو ساری رقم خود پی جاتا۔'' ڈان کے لہجے سے جاؤ فان کے لیے شفقت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''تیرے سب آدمی چور ہیں۔ انہوں نے بیچ میں گھپلا ضرور کیا ہو گا۔ تجھے کتنی رقم لا کر دی گئی؟''

''پچیس لاکھ سے اوپر ہاتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ جوئے خانوں سے سونے کے زیور' قیمتی گھڑیاں اور دوسری چیزیں بھی ملی ہیں۔'' جاؤ فان نے حریصانہ انداز میں بتایا۔

''گڈ!'' وہ تفصیل سن کر ڈان خوش ہو گیا۔ ''آج مقدر میری یاوری کر رہا ہے۔ دو برس کے صبر اور انتظار کے بعد آج زمین کو میری بے وفا عورت کے بوجھ سے چھٹکارا مل گیا۔ میں نے نیک نیتی سے شراب لنڈھائی تو اس کی قیمت سے کئی گنا زیادہ رقم تیرے ہاتھ آ گئی۔ چھوٹا راجن ایک مدت سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ تیرا ماسٹر اس کی موت کی خبر لے کر آیا ہے۔ موتی محل چھوٹا راجن کا قلعہ تھا۔ وہ صبح ہونے تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن چکا ہو گا۔''

میں خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔ جاؤ فان کسی گیدڑ سے زیادہ مکار ثابت ہو رہا تھا۔ چھوٹا راجن کی زندگی میں وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتا رہا۔ اس پر برا وقت آتے ہی وہ اس کے اثاثوں پر قبضہ جمانے کی گھات میں لگ گیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے بچ جانے والے راجن کے دونوں ساتھی جاؤ فان کے پھیلائے ہوئے گیدڑوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ شہر میں راجن کا ایک بھی نام لیوا باقی نہیں رہا تھا۔ وہ غلط راستوں پر چلنے والوں کے عروج و زوال کی ایک لرزہ خیز اور چشم کشا مثال تھی۔ اس سے پہلے سوبھراج بھی اسی طرح شہرت و ثروت کی بلندیوں سے اچانک ذلت و گمنامی کی موت مر چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کی بنا پر دونوں ایک جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ان کی بے اندازہ دولت ان کے کسی کام آ سکی نہ ان کا بے پناہ اثر رسوخ انہیں بھیانک انجام سے بچا سکا!

''اچھا ہوا کہ سب قصے آج ہی صاف ہو گئے۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے ڈان سے کہا۔ ''تمہارے لیے آج کا دن مبارک ہے' مگر میں اس دن کی سیاہی کو شاید زندگی بھر بھلانے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔''

''کیوں......؟ تمہارے ساتھ کیا ہوا......تم چھوٹا راجن کو مار کر بھی اتنے ناخوش کیوں ہو؟'' ڈان نے چونک کر تعجب آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ناخوشی میری ساری خوشیاں پی گئی۔'' میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ''آج تم نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مجھ کو ڈبی سمجھ کر تم نے میری روح کو زخمی کر دیا ہے۔''

ڈان کسی چیتے کی طرح اچھل کر مسہری سے نیچے آیا اور اضطراری انداز میں مجھ سے لگ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''تم اتنی سی بات اپنے دل پر لے بیٹھے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ جو دل میں آتا ہے، کہہ ڈالتا ہوں۔ تم نے میرا شک دور کر دیا اور میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ میرا دل آئینہ ہے آئینہ۔ تم کو افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاؤ فان کو دیکھو۔ میں غصے میں اسے گالیاں بھی دے لیتا ہوں اور یہ سر جھکا کر سن لیتا ہے۔ کبھی میری تلخ کلامی کا برا نہیں مناتا۔''

میرا دل چاہا کہ ڈان کو بتاؤں کہ ہر آدمی چاؤ فان کی طرح ڈھیٹ اور بے شرم نہیں ہو سکتا۔ میرا خمیر اس سے بہت مختلف تھا مگر اس تلخ نوائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ اس صدمے کو فراموش کر دوں۔''

''دل گرفتہ ہونے کے بجائے مرد بنو۔'' ڈان میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے اپنی مردانگی سے میرا دل جیتا ہے۔ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو دماغ میں جگہ مت دو۔ یہ بتاؤ کہ گیری اور چھوٹا راجن کی باتیں ختم ہونے کے بعد تم موتی محل میں کیسے پہنچے؟''

''اصل کمال بنکاک کے فون سسٹم کی خرابی کا تھا۔ مجھے ان دونوں کی کمزوریوں اور پلان کا علم ہو چکا تھا.....'' میں نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے پھر میری بات کاٹ دی۔

''ایک منٹ رکو!'' وہ یہ کہتا ہوا صوفے سے اٹھ کر دوبارہ اپنی مسہری پر چلا گیا۔ ''تم بار بار یہاں کے فون سسٹم کی خرابی کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ سسٹم کی نہیں، موتی محل کے اندر کی خرابی تھی۔ تم نے بتایا کہ تم نے پبلک بوتھ سے موتی محل کا کوئی نمبر ملایا تھا اور لائن چھوٹا راجن سے مل گئی۔ یہ شاید اس لیے ہوا کہ صبح کے حملے سے وہاں کے فون کی لائنیں ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے سے مل گئی ہوں گی۔ سسٹم میں نقص ہوتا تو تمہاری لائن کہیں بھی مل سکتی تھی، چھوٹا راجن کے فون سے نہ ملتی۔ یہاں برسوں سے امریکا کا فوجی اڈا قائم ہے۔ مواصلاتی نظام ان کی نگرانی میں ازسرِنو بنا ہے۔ اس کی ایسی خامیاں ان کی رازداری کو تباہ کر دیتیں۔ یہ مان لو کہ یہاں کا سسٹم بے عیب ہے۔''

''مجھے پورے بنکاک یا موتی محل کی بحث سے غرض نہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں اصل واقعات بتا رہا ہوں۔ وہی کچھ دہرا رہا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔''

میں نے سوچ سمجھ کر ڈان کے لیے جو کہانی تیار کی تھی وہ حیرت ناک طور پر مربوط اور مضبوط ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے راجن سے ہونے والی کم و بیش ساری باتیں فون کی خرابی کے بہانے سنا دی تھیں۔ وہ دونوں قدم قدم پر اس کہانی کے نکات کی تائید کر رہے تھے۔ ڈان فون کی لائنوں میں گڑبڑ کا سہرا اپنے حملہ آور جتھے کے سر پر سجا رہا تھا۔ چاؤ فان نے اپنی زبردست لوٹ مار کے ساتھ ان دو آدمیوں کی ہلاکت کی تصدیق کی تھی جنہیں راجن نے مال سمیٹنے کے لیے بھیجا تھا۔

''ان کی باتیں ختم ہوتے ہی میں نے تیزی سے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں کرنل گیری کے آدمی سے پہلے اس کے روپ میں موتی محل میں گھسنا چاہتا تھا۔''

''اوہ!'' ڈان کے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ ''تم نے بہت خطرناک مگر دلیرانہ فیصلہ کیا۔ یوں موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ تمہاری موجودگی میں اصل آدمی بھی وہاں پہنچ جاتا تو موتی محل تمہارا مدفن بن سکتا تھا۔''

''خطرات سے کھیلے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ میرا اور تمہارا دشمن تھا۔ میرا رواں رواں اس سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں اوپر گیا اور کمرے سے کپڑے بدل کر عجلت میں نیچے آیا تو اچانک یہ چاؤ فان وہاں پہنچ گیا۔'' میں نے اس سچویشن کو یاد کرتے ہوئے کپڑے بدل کر نیچے آنے کا ذکر شامل کر دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس مرحلے پر اس نے مجھے لفٹ سے نمودار ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہو۔

''مجھے وہاں دیکھ کر ماسٹر کے دماغ کو گرمی چڑھ گئی۔'' چاؤ فان نے کہا۔ ''یہ جلد از جلد مجھ سے جان چھڑا کر کسی کام پر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے دھکے دے کر مجھے وہاں سے رخصت کیا تھا۔ مجھے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ ماسٹر کا ارادہ موتی محل میں گھسنے کا ہے تو میں ہر قیمت پر اس کے ساتھ اس مہم میں شریک رہتا۔'' اس نے ڈان کی نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور خاموش ہو گیا۔

''بک بک مت کر!'' ڈان نے اسے فہمائش کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تو کتنا سورما ہے۔ اتنا بے جگر ہوتا تو چھوٹا راجن کو اتنا اونچا اڑنے کی مہلت نہ ملتی۔'' چاؤ فان کو لگام دے کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میرے بدن میں تجسس سے اینٹھن ہو رہی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔''

''میں اسے دیکھ کر واقعی جھلا گیا۔'' میں چاؤ فان کے یکا یک بولنے اور آنکھ مارنے کا مقصد بھانپ گیا تھا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میں کہیں ڈان کے سامنے یہ نہ کہہ دوں کہ چاؤ

فان اس وقت لی کو فتح کر کے سیخ پر بھنے ہوئے چوزے کھانے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی نجی مصروفیات سے پہلوتہی کرتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''یہ چمٹ رہا تھا اور میں اسے بھگانا چاہ رہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے نہیں بتایا کہ میرا کیا پروگرام تھا۔ اسے رخصت کر کے میں موتی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے کرنل گیری کا حوالہ دیا اور دربان نے مجھے اندر بلالیا۔ شاید راجن اسے گیری کے آدمی کی آمد کے بارے میں ہدایت دے چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت پورے موتی محل میں کل تین نفوس تھے۔ راجن جیسے مزاج کا آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ایک اس کے ساتھ ہوگا۔ تیسرا دربان تھا جو میرے ارادوں سے بے خبر اور غافل تھا۔ وہ انٹرکام پر اندر خبر دینے کے لیے مڑا اور میں نے پیچھے سے اسے دبوچ کر اس کے پستول پر قبضہ کرلیا۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد میں نے اسی پستول سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس سے آگے کا کام بہت مشکل اور روح فرسا ثابت ہوا۔ پُرپیچ راہداریوں اور کمروں میں بھٹکنے کے بعد مجھے ایک بند دروازے کے پیچھے سے راجن کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ وہ جوزی نام کے کسی آدمی سے باتیں کررہا تھا۔ میرے دماغ پر خون سوار ہونے لگا۔ ذرا سی سن گن لینے کے بعد میں نے لات مار کر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر ہکابکا رہ گئے۔ وہ دو تھے' میں اکیلا۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر جوزی کی پیشانی میں گولی اتاری پھر راجن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ وہ سسکا سسکا کر مارے جانے کے قابل تھا۔ اس کی اتنی آسان موت پر میرے دل کی بھڑاس نہیں نکل سکی۔ میں نے ان دونوں کی لاشوں پر سامان کا ڈھیر لگانا شروع کردیا۔ اس دوران میں مجھے دربان کی لاش یاد آئی۔ میں اسے کندھے پر لاد کر اسی کمرے میں لے آیا۔ ان تینوں لاشوں کی چتا کو آگ لگا کر میں تماشا دیکھتا رہا۔ جب کمرے میں بھرنے والے دھوئیں کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا دشوار ہونے لگا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ تینوں لاشوں کو سامان کے ساتھ آگ لگا کر میرا دل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں موتی محل کی فصیل سے باہر نکلا تو اس وقت تک گیری کا اصل آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میں اطمینان سے لوٹ آیا۔ میرا دل ہلکا ہو چکا ہے۔ میں نے بنکاک میں اپنے دشمن سے انتقام لے لیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا۔ اب میں تمہاری اجازت سے یہاں سے لوٹنا چاہوں گا۔''

''شاندار...... بہت شاندار!'' ڈان جذباتی لہجے میں بولا۔ ''مردوں کے فیصلے اور کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے ایک مدت سے جاری آویزش کو ذرا سی دیر میں تن تنہا ختم کردیا۔ تم ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہو۔ ابھی تک تم دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ مجھے احساس ہے کہ اس دوران میں تمہیں عیاشیوں کے اس گڑھ میں سکھ چین کا ایک پل بھی نصیب نہیں ہوا۔ تم مشین کی طرح دن رات کام میں لگے رہے۔ ابھی جانے کا نام نہ لو' کچھ دن یہاں آرام کرو اور دیکھو کہ بنکاک کا ڈان کس طرح تمہاری مہمان داری کرتا ہے۔''

میری نگاہیں ڈان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہاں جوش اور بے پایاں مسرت کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن اس کے آخری فقرے میرے دل میں کھٹکنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان جذباتی لمحات میں وہ اوّل درجے کی مکاری سے کام لے کر مجھے واپسی سے روک رہا تھا۔ آرام اور مہمان داری اس کے بہانے تھے۔ ذرا سی دیر پہلے وہ میرا اور ڈینی کا موازنہ کرتے ہوئے مکاری کی افادیت پر روشنی ڈال چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ اس وقت اسی ہنر سے کام لے رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے لیے اتنی اپنائیت سے سوچ رہے ہو۔ تم نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے راجن سے انتقام لینا مشکل ہوجاتا۔ یہ کام پورا کرلینے کے بعد میں اب جلد از جلد اپنے ملک لوٹ جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے کنبے اور برادری کے لوگوں کو فخر سے بتا سکوں کہ میں نے آخرکار اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

ڈان سے ملک لوٹنے کی بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر جلال کی باتیں ابھر آئیں۔ میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ کر رہ گئی۔ میں نے ڈان سے اپنی واپسی کا ذکر کرلیا مگر میں جانتا تھا کہ کرنل گیری کے ہم وطنوں نے پاکستان میں میرے خلاف بھرپور محاذ تیار کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں کسی بھی حالت میں پاکستان واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ڈان کی طلبی پر سیلرز بار کی طرف آنے تک میرے ذہن پر سب سے بڑی یہ الجھن سوار تھی کہ میں ڈان کو اپنی راجن تک مفاہمانہ رسائی کے بارے میں کیسے مطمئن کرسکوں گا۔ وہ کیسے مان لے گا کہ خطرات میں گھرے ہوئے ایک عیار دشمن نے ایک اجنبی کو بلا کسی روک ٹوک اپنے گھر میں بلالیا۔ ڈان کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ راجن کے ساتھ میں ڈینی اور اکبر کا دہرا کردار ادا کررہا تھا۔ وہ شہر میں کسی علی احمد کے وجود

سے بے خبر تھا۔ ڈینی کے روپ میں، میں راجن کا حریف تھا۔
اکبر کی حیثیت سے وہ مجھے اپنے ہاتھوں کا ایک بزدل کھلونا
تصور کر رہا تھا۔ سب کچھ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ میرے
حال پر قدرت کی بہت بڑی عنایت تھی کہ میں ہر محاذ پر اپنے
طے شدہ کرداروں کا دفاع کرنے میں پوری طرح کامیاب
رہا تھا۔

ڈان ایک جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے میرے
بشرے سے شاید میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور ٹھہرے ہوئے
لہجے میں بولا۔ ''ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ دلوں سے
کدورتیں دھل گئیں۔ اب تمہیں کسی فکر یا تشویش میں پڑنے
کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھ میرے تعلقات میں کئی
نشیب و فراز آئے ہیں۔ مجھے تم سے بہت زیادہ امیدیں
وابستہ نہیں تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم کام ادھورا چھوڑ کر یہاں
سے بھاگنے کی تیاری کر رہے ہو۔ میں نے پاسپورٹ ضبط
کر کے تمہیں یہاں باندھ لیا۔ پھر تمہارے کام کا جادو سر چڑھ
کر بولنے لگا۔ تم نے خود کو منوا لیا۔ میں نے نادم ہو کر تمہارے
پاسپورٹ لوٹانا چاہے مگر تم نے لینے سے انکار کر دیا۔ تمہاری
وہ امانت اب بھی میرے پاس محفوظ ہے، تم جب چاہو واپس
لے سکتے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کر کے میرے سر کا
تاج بن گئے ہو۔ تم کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے مگر اب تم
کو میرا دوست اور مہمان بن کر کچھ دن یہاں ضرور رہنا ہوگا۔
ڈان اپنے دشمنوں کے لیے آسمانی قہر ہے مگر دوستوں کے
لیے سر سے پیر تک تواضع، انکسار اور رواداری کا پیکر ہے۔
میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے طعنے دیں کہ میں نے علی جیسے جی
دار آدمی سے اپنا کام نکال کر آنکھیں پھیر لیں۔''

ڈان کم گو تھا لیکن جب بولتا تھا تو زورِ کلام میں انتہا کو پہنچ
جاتا تھا۔ اس سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ جو کچھ تجویز کر رہا
تھا اسے مان لینے میں میری عافیت مضمر تھی۔ میں نے خوشی کا
اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس عزت افزائی پر تمہارا
ممنون ہوں۔ مناسب سمجھو تو پاسپورٹ مجھے دے دو۔ میں
فرصت میں جائزہ لے لوں کہ وہ کب تک اور کہاں کہاں کے
سفر کے لیے کارآمد ہیں۔ میں پاکستان سے یہ سوچ کر نکلا تھا
کہ مجھے راجن کو پکڑنے کے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی
خاک چھاننا ہوگی۔ یہ قصہ یہیں نمٹ گیا۔''

''یہ لو!'' ڈان نے بلاتوقف بستر پر نیم دراز ہو کر اپنا
ہاتھ تکیے کی طرف بڑھایا اور اس کے نیچے سے ہمارے دونوں
پاسپورٹ نکال کر سیدھا ہو گیا۔ میں حیران تھا کہ اس نے
شروع سے ہمارے پاسپورٹ بے پروائی سے ایک ہی جگہ
رکھے ہوئے تھے۔

''میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ تم دونوں نے اتنے زیادہ
ملکوں کے ویزے کیوں لیے ہوئے ہیں۔'' اس نے
پاسپورٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر اچانک اپنا
ہاتھ کھینچ لیا۔ ڈان اپنی حرکات و سکنات سے ڈراما پیدا کرنے
میں ماہر تھا۔ اس کی نئی حرکت سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز
ہو گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ نکالنے
والا تھا۔

''تمہیں ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔''
ڈان بے پروایانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''آج جاؤفان نے
بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔ اب یہ عیاشی اور حرام خوری کرتا رہے
گا۔ یہ سب چیزیں یہی دیکھ لے گا۔ اپنے ٹکٹ بھی اسے دے
دینا۔ چند روز بعد جب چاہو گے، یہ بکنگ کرا دے گا۔''

مسکرانے کی کوشش میں جاؤفان کا دہانہ کسی مینڈک
کے منہ کی طرح پھیل گیا۔ وہ اپنی مضحکہ خیز حرکتوں سے ڈان
کی چاپلوسی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

''اسے اس کی دنیا میں مگن رہنے دو۔ میرے یہ ذاتی
کام بہت احتیاط اور توجہ چاہتے ہیں۔ انہیں میں خود سرانجام
دوں گا۔ جاؤفان ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں
ڈال کر بھول گیا تو میں پریشان ہو جاؤں گا۔''

میری زبان سے لمبی گھوڑی کے الفاظ ادا ہوتے ہی
جاؤفان کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ بوکھلا کر فریادی نظروں سے
میری طرف دیکھنے لگا۔

ڈان نے پاسپورٹ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس
آوارہ عورت پر اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ
اس لمبی گھوڑی کا ایک گدھے سے میل نہیں ہو سکتا۔''

ڈان کے توہین آمیز تبصرے پر جاؤفان کے بشرے پر
لمحہ بھر کے لیے زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے
ہونٹوں کے گوشے کانپ کر رہ گئے مگر وہ اپنی دلی خواہش کے
باوجود مادام لی کے بارے میں اپنی فاتحانہ کارگزاری کا اظہار
نہ کر سکا۔

پاسپورٹ واپس ملتے ہی میری جان میں جان آئی۔
میں نے ڈان کی کسی نئی ذہنی اختراع سے پہلے وہ اپنی جیب
میں رکھ لیے۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' میں نے چند ثانیوں
کے توقف کے بعد پوچھا۔

''جاؤ اور عیش کرو!'' ڈان مسہری سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔
''دشمن کی تباہی کے جشن کے بارے میں، میں خود تمہیں اطلاع

دوں گا۔‘‘

اس نے بڑھ کر گرم جوشی سے مجھے اپنے سینے سے لگایا‘ دو تین بار مجھے زور سے بھینچا اور الگ ہوگیا۔ چاؤفان کو اس نے نظرانداز کردیا تھا۔

میں وہاں پہنچا تو ڈان نے سرد مہری کی فضا میں ملاقات کی تھی۔ واپسی پر وہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے نیچے تک آیا اور میں اسے الوداعی تعظیم دے کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔

’’ماسٹر! تم نے ڈان کے سامنے مادام کا حوالہ دے کر میری جان نکال دی تھی۔‘‘ ڈان کی قیام گاہ سے کچھ دور نکل آنے کے بعد چاؤفان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

’’خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہوٹل میں میری راہ کا روڑا بننے سے پہلے تم کہاں مصروف تھے۔‘‘ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

’’یہ میں مانتا ہوں۔‘‘ اس نے بلاتردد کہا۔ ’’رفتہ رفتہ تمہیں بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ بعض باتوں کا ڈان سے پوشیدہ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اس سے ہماری وفاداری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایک دوسرے سے دل کھول کر بات کرنے میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔‘‘

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا‘ قدرے ٹھٹک کر اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

گاڑی میں واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے مجھے نئی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ مجھے یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ ڈان کے ذہن میں میری طرف سے شبہات موجود رہے تھے اور وہ خفیہ طور پر ان کی چھان پھٹک میں مصروف رہا تھا۔ کڑوی کسیلی باتوں کے بعد اس نے مجھے ہر شک و شبہے سے بالاتر قرار دے دیا تھا مگر میں مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

راجن کا فتنہ ختم ہو جانے کے بعد ڈان کو میدان میں اترنے کا کھلا موقع مل چکا تھا۔ اسے پسِ پردہ رہ کر اپنا کام چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ راجن کے خلاف اس کی طاقت کا بے رحمانہ مظاہرہ منظر پر آنے کے بعد بنکاک میں کسی میں اتنا دم خم نہیں رہا تھا کہ وہ ڈان کے خلاف سر اٹھاتا۔ زیرِ زمین دنیا کے ہر قابلِ ذکر فرد کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑتی۔ انفرادی وسائل میں ہونے والے اس اچانک اضافے کے نتیجے میں ڈان کے ہاتھ بہت لمبے ہو جاتے۔ وہ چاہتا تو زیادہ تسلسل اور باریکی سے میری نگرانی کا بندوبست کر سکتا تھا۔

پاکستان سے جلال کا پیغام میرے لیے حوصلہ شکن تھا۔ بنکاک میں ڈان پہلے بھڑک جانے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنا اصل نام استعمال کرنے سے قاصر ہو چکا تھا۔ یہ حالات کی کرم فرمائی تھی کہ میں نے جلال کی ہدایات سے تجاوز کرتے ہوئے موتی محل میں اپنے اصل نام سے راجن کا سامنا کیا اور اسے جوزی سمیت بیم گن کی دھار پر اڑا دیا۔ مجھے شہرت کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ میرے چنگل میں آنے والے حریف کو پوری طرح یہ علم تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔

میں نے اپنی دلی آرزو کے مطابق راجن کو مار لیا تھا۔

اس واردات کے سلسلے میں میرا اصلی نام سامنے آنے کی امید تھی نہ بیم گن کے استعمال کا کوئی سراغ ملنے کا امکان باقی رہا تھا مگر میری چھٹی حس مستقبل کے بارے میں مجھے بدگمان کر رہی تھی۔ میری ذرا سی لغزش یا بے احتیاطی ڈان کے ساتھ میرے تصادم پر منتج ہو سکتی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو کچھ دور تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ روایت کے مطابق چاؤفان نے ہی سکوت کا سلسلہ توڑا اور بولا ’’ماسٹر! آج میں نے جان لیا کہ تمہارا دماغ جتنا گرم ہے، خون اسی قدر ٹھنڈا ہے۔‘‘

’’اگر تمہیں سردی لگ رہی ہے تو گاڑی کا ایرکنڈیشنڈ ذرا دھیما کرلو۔‘‘ میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

’’میری بات مذاق میں مت ٹالو۔‘‘ اس کی سنجیدگی برقرار رہی ’’تم ذرا سی دیر میں موتی محل میں تین آدمی مار آئے اور ڈان سے اتنے اطمینان سے باتیں کررہے تھے جیسے تم نے آدمی نہیں مچھر مارے ہوں۔ ایسا سکون عام آدمی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ انسان کا خون بہانا بڑے دل جگر کی بات ہے۔ ایک قتل کا بوجھ سہنے کے لیے بھی فولادی اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے، تم نے ایک ساتھ تین یار ڈالے۔ پھر بھی تمہارے اوپر کوئی وحشت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔‘‘

’’تم جس خون کی بات کررہے ہو۔ وہ معصوم آدمی کا خون ہوتا ہے۔ راجن اور اس کے دونوں ساتھی پرانے پاپی تھے۔ انہیں مار کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔‘‘

’’تم کچھ بھی کہہ لو، مجھے تم کسی عام آدمی سے ہمیشہ مختلف نظر آئے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خوں ریزی تمہاری گھٹی میں شامل رہی ہو۔‘‘ اس نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

’’خدا خدا کر کے ڈان سے جان چھوٹی تو اب تم نے وہی خرافات دہرانا شروع کر دیں۔‘‘ میں نے برہمی سے کہا ’’میں کس کس کو اور کیسے سمجھاؤں کہ میں ایک عام آدمی

ہوں۔''

''ماسٹر! مجھے غلط نہ سمجھو!'' اس نے جلدی سے وضاحت کی ''میری اور ڈان کی کہی ہوئی باتوں میں بہت فرق ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں، میں تمہاری خوبی یا خرابی بتا رہا تھا۔''

''دنیا میں کوئی دو آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ تم مجھے کسی بھی زمرے میں شمار کر سکتے ہو۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنی معمول کی زندگی میں مصروف ہو جاؤں گا جو تمہارے تصور سے زیادہ سیدھی اور آسان ہے۔''

''تم نے میری اور مادام کی آج کی ملاقات کا ڈان سے ذکر نہ کر کے مجھ پر احسان کیا۔ میں نے اس سے پہلے اس کا بدلہ چکا دیا تھا۔'' چند منٹ تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد جاؤفان نے پھر ایک شگوفہ چھوڑ دیا۔

''میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہوں۔ تمہاری طرح شہر کی ہر عورت کے پیچھے مارا مارا نہیں پھرتا۔ تم نے مجھ پر کون سا احسان کیا تھا؟'' میں نے قدرے تنک کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ نہ بھولو کہ جب وہ تمہیں ڈیڈی بنانے پر تلا ہوا تھا تو اس نے تمہارے حریفوں کی پُراسرار اموات کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''میں اب بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا ہوں کہ چھوٹا راجن کے دو ساتھی ہماری جیپ کے پاس کھڑے کھڑے اچانک کیسے مر گئے۔''

''تم نے پھر یہ ذکر نکال لیا'' میں نے اسے آنکھیں دکھائیں ''تمہیں یاد نہیں کہ ان میں ایک کو تم نے اور دوسرے کو میں نے مارا تھا۔''

''یہ کہانی چھوڑ دو۔ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میں نے ڈان سے کہہ دیا'' وہ مکارانہ لہجے میں بولا ''میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں تم نے مارا۔ ذرا غیر جانب دار ہو کر سوچو۔ کیا ان کی اموات عجیب نہیں تھیں......؟ بعد میں وہاں صرف تم رہ گئے تھے اور وہ لاشیں گاڑی میں جل گئیں۔ آج تم نے خود اقرار کیا ہے کہ موتی محل میں تم نے تینوں لاشوں کو جلا دیا۔''

''تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے غرا کر جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

''ناقابلِ یقین...... پُراسرار!'' اس نے زور دے کر کہا ''ڈان کئی باتوں سے بے خبر ہے مگر اس نے اپنے تجربے کی بنا پر وہی کہا جو میں سوچے جا رہا ہوں۔ آخر تمہارے دشمن تمہارے روبرو آتے ہی اتنی آسانی سے کیوں مر جاتے ہیں۔''

''سوچتے رہو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کر دینا۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔

ہمارا بقیہ سفر غیر اہم باتوں میں گزر گیا۔ جاؤفان نے اپنی فطری ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے میرا موڈ بحال کر دیا تھا۔ شہر پہنچنے کے بعد وہ مجھے ہلٹن ہوٹل کے باہر اتار کر چلا گیا۔

غزالہ بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ راجن اور پھر ڈان کے پاس ہونے والی میری پے در پے پیشیوں نے اسے اعصاب زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میری اور ڈان کی ملاقات کا ماحول بہت خوشگوار رہا تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی سنسنی خیز تلخیوں کا تذکرہ میں نے دانستہ گول کر دیا تاکہ وہ ہراساں نہ ہو۔

اس نے بتایا کہ موتی محل میں آتش زدگی کی خبر ٹیلی وژن تک پہنچ چکی تھی۔ موتی محل ویران ہو جانے کے سبب آگ اندر ہی اندر پھیل کر راجن کے بیش قیمت اثاثوں کو چاٹتی رہی۔ قرب و جوار کے لوگوں کو اندر آتش زدگی کا علم ہوا تو آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ طویل جدوجہد کے بعد اس وسیع و عریض عمارت کے بیرونی حصوں کے شعلوں پر قابو پا لیا گیا تھا لیکن وہاں سلگتے ہوئے ملبے کا اتنا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا کہ عمارت کے اندرونی حصوں تک رسائی ناممکن تھی۔ عمارت کے وسط سے بدستور دھوئیں اور خوفناک شعلوں کے بادل اُمڈ رہے تھے جن پر قابو پانے کے لیے ہیلی کاپٹر سے آگ بجھانے والے کیمیائی مادوں کے چھڑکاؤ کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

اس وقت خبروں میں صرف آگ ہی کا تذکرہ تھا۔ شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ آگ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کی چتا بنی ہوئی تھی۔ ملبہ ہٹائے بغیر ان لاشوں کا دریافت ہونا ناممکن تھا۔ ٹیلی وژن مبصر نے اس آگ کو موتی محل پر صبح ہونے والے حملے کا تسلسل قرار دیا تھا۔

''سوبھراج کے بعد راجن بھی جہنم واصل ہوا۔'' غزالہ مجھ سے کہہ رہی تھی'' جلال نے آپ کو فی الحال پاکستان جانے سے روکا ہوا ہے۔ ہم یہاں ٹھہرے رہے تو ڈان آپ کو چین نہیں لینے دے گا۔ وہ آپ کی کارگزاریوں سے خاصا خوش ہے۔''

''پاسپورٹ مل گئے لیکن چند روز تک ہم یہیں رہیں گے۔'' میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے ''ڈان کی کامیابی کے جشن کے بعد میں خود بھی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ اب کدھر کا

رخ کیا جائے۔''

''آپ جب سے یہاں آئے ہیں، مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ کسی اور ملک میں پڑاؤ ہوگا تو آپ سے ذرا تفصیل سے بات ہوگی۔'' غزالہ نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے بشاشت سے کہا۔ اس کی یاقوتی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیلا ہوا تھا۔

''میں مسائل کا عادی ہوں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اپنی زبان بند رکھوگی تو بلاوجہ ذہنی خلفشار میں مبتلا رہوگی۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی۔

''ابھی نہیں!'' وہ اٹھلا کر ایک ادا کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور قریب آ کر محبت سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ غزالہ کا خاص حربہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے وجود کا خواب آگیں لمس محسوس کر کے میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

دس بجے ہم اپنے کمرے میں کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ راجن کی موت اور ڈان سے تازہ ترین ملاقات کے بعد اس وقت کسے میری تلاش ہوسکتی تھی۔

فون اٹھایا تو اسکرین پر طارق کا نمبر موجود تھا۔

''علی! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سلسلہ ملتے ہی بلا کسی تمہید سوال کیا۔

''غالباً فون ہو رہا ہے اور کال تمہاری ہے!'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا ''موتی محل مسلسل عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ وہاں بھیانک آگ لگی ہوئی ہے۔ شہر کا ہر افسر اور رپورٹر راجن کی تلاش میں لگا ہوا ہے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔''

''نہیں ملے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے بتایا ''وہ بھی اندر ہی ہے، بلنے جلنے سے معذور۔ اسے اب ایک بھولا ہوا خواب سمجھ لو۔''

''تمہاری رفتار بہت تیز نہیں ہے؟'' اس نے محتاط آواز میں پوچھا۔

''حالات کے ریلے میں بہہ رہا ہوں۔ یہ جانتے ہو نا کہ ریلے میں جو اپنی رفتار دھیمی کرنے کی حماقت کرتا ہے، دوسرے اسے روندتے اور پیٹتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

''میرے لیے کوئی نیا کام؟'' وہ مختصر گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے میری دی ہوئی خبر پر مزید تبصرہ نہیں کیا۔

''آرام کرو، ضرورت ہوئی تو میں خود رابطہ کرلوں گا۔'' مجھے اس کا روکھا انداز پسند نہیں آیا۔

''اللہ حافظ اور گڈ لک!'' اس نے فون بند کر دیا۔

طارق بنکاک میں اپنے محکمے کا باضابطہ نمائندہ تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے بڑوں نے مجھ سے تعاون کے سلسلے میں اسے جو زبانی ہدایات دی تھیں وہ اس کے سرکاری دائرۂ کار سے متجاوز تھیں۔ وسیع تر ملکی مفاد میں ان ہدایات پر عمل کرنا اس کی مجبوری تھا لیکن وہ کشت و خون کے معاملات سے بہت دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے اسد کی جگہ لینے کے لیے بنکاک آئے چند ہی روز گزرے تھے۔ وہ وہاں کے حالات کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے واقف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری مدد کرنے کے چکر میں اگر وہ کہیں پھنس گیا تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اپنی قانونی حدود سے تجاوز کرنے کے الزام میں اسے ناپسندیدہ قرار دے کر بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکال دیا جائے گا۔

طارق کی ان مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے میں اس کے روکھے پھیکے رویے کو نظر انداز کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اس کے لیے سرمنڈاتے ہی اولے پڑنا شروع ہوگئے تھے۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھا تو راجن کی وائٹ ہاک کی عبرت ناک تباہی کی تازہ ترین خبر شہر بھر میں گردش میں آئی ہوئی تھی۔ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی سے پہلے اسے سمندر کی طرف دوڑ لگانا پڑی۔ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کا مشاہدہ کرتے ہی اس نے وہ خبر تیزی سے اپنے بڑوں تک پہنچا کر مجھے حیران کر دیا۔

اپنے خشک رویے سے قطع نظر وہ ایک مستند اور فرض شناس افسر تھا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ وہ راجن کی ہلاکت کی خبر بلا تاخیر اسلام آباد والوں کو پہنچا دے گا اور رات میں کسی بھی وقت میرے پاس جلال کا فون آ جائے گا۔ میں اس روز صبح سے اتنا زیادہ مصروف رہا تھا کہ مجھے جلال یا اول خان میں سے کسی سے بات کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ بہتر یہی تھا کہ جلال اپنے آدمی سے مصدقہ خبر ملنے کے بعد مجھ سے رابطہ کرتا۔

میں دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکا ہوا تھا۔ غزالہ بھی دن بھر صبر آزما انتظار سے گزرتی رہی تھی۔ ہم دونوں کپڑے

تبدیل کرکے بستر پر دراز ہوگئے۔ میری نگاہیں ٹیلی وژن اسکرین پر تھیں، کان ٹیلی فون کی گھنٹی پر لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ بستر پر کروٹیں بدلنے کے باوجود نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بنکاک کا وقت کراچی اور اسلام آباد سے دو گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنے معمولات سے نمٹ کر فون کرے گا تو ہماری آدھی رات بیت چکی ہوگی۔ اس سے بات ہونے سے پہلے میری آنکھوں میں نیند کا اترنا محال تھا۔

بارہ بجے کے قریب میرے کراچی والے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا ذہن جلال کی طرف گیا۔ میں نے اسکرین پر نمبر دیکھے بغیر کال سنی تو دوسرے سرے سے ویرا کی سنجیدہ آواز سن کر میں پریشان ہوگیا۔

''علی! کیا تم اس وقت ہماری طرف آسکتے ہو؟'' ویرا نے تفکر آمیز انداز میں وہ سوال کر کے مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔

''نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔ اس سے یہ طے ہو چکا تھا کہ بنکاک میں ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ ڈان سے آخری ملاقات میں ہونے والی پُرپیچ گفتگو کے نتیجے میں وہ احتیاط اور زیادہ ضروری ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس سے پوچھا ''اس وقت تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''معاملہ سنگین اور نازک ہے، کیا میں کھل کر بات کر سکتی ہوں؟''

بنکاک کے فون سسٹم کی خوبیوں کے بارے میں ڈان خاصے وثوق سے مجھے کئی مثبت باتیں بتا چکا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے اس کال کے لیے لینڈ لائن استعمال نہیں کی تھی۔ میری دانست میں موبائل فون خاصا محفوظ تھا۔ جلال، اسد اور طارق وغیرہ سے اہم گفتگو کے لیے میں اسے استعمال کرتا رہا تھا اور کسی مرحلے پر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہماری ساری گفتگو اردو میں ہونا تھی جو کسی اور کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''موبائل فون پر بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں..... اس وقت تم کچھ خائف معلوم ہو رہی ہو!''

''آج ہماری غیر موجودگی میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے بارے میں وہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے بے یقینی سے کہا ''ممکن ہے کہ کمرے کی صفائی کرنے والے عملے نے کچھ چیزیں اِدھر اُدھر کر دی ہوں!''

''میں نے پورا اطمینان کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ بولی ''آج شام ہم دونوں شہر گھومنے کے لیے نکل گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے واپس آئے ہیں۔ کمرے میں سلطان شاہ کا ایک چھوٹا دستی بیگ غائب ہے جس میں اس نے نیویارک اور ٹورنٹو کی بہت سی چھوٹی چھوٹی یادگاری اشیا جمع کی ہوئی تھیں۔''

''وہ عقل سے بالکل کورا ہے۔ اسے یہ سب ساتھ لے کر پھرنے کی کیا ضرورت تھی!'' دستی بیگ میں موجود اشیا کے بارے میں سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔

''مجھے بھی اس بارے میں اب پتا چلا ہے۔'' ویرا کی آواز نرم تھی۔ شاید سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ میں پریشان ہوں کہ یہاں کون ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کے کیا عزائم ہیں۔''

''وہ جو بھی ہے تمہارا دوست نہیں ہوسکتا۔ اپنے دشمنوں کے ارادوں سے تم اچھی طرح باخبر ہو۔''

میں نے کہا ''اس بارے میں کسی غلط فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔''

''میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی اور میرے کمرے کو نہیں چھیڑا گیا۔'' ویرا بولی۔

''کسی دشمن کا تعین کرنے کے لیے اس بات کا واضح ہونا ضروری ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اپنے فلور کے عملے سے چھان بین کرو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے تمہارے کمرے کی تلاشی کی نوبت نہ آسکی ہو۔ مجھے تمہارے ہم وطنوں پر شک ہو رہا ہے۔''

''ہم مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ انہیں ہماری بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے اپنی سوچ کے مطابق اہم سوال اٹھایا۔

ویرا پرانے دور کے مطابق سوچ رہی تھی جب امیگریشن وغیرہ کے معاملات سو فی صد انسانی صوابدید اور دفتری ریکارڈ پر منحصر ہوتے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ چند عشروں میں کمپیوٹر کے بھرپور استعمال نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ ویسے تو پورے مغرب میں اور مشرق کے ترقی یافتہ ملکوں میں کمپیوٹر نے زندگی کے ہر شعبے میں دخل حاصل کر لیا تھا لیکن امریکا اور کینیڈا اس ذیل میں سب سے آگے تھے۔ کینیڈا کو

امریکا کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس اعتبار سے ان کے بہت سے مفادات، خاص طور پر سرحدی مسائل مشترک تھے اور وہ ان کے حل کے لیے ایک مدت سے مل جل کر کام کررہے تھے۔

اخبارات وغیرہ میں ایسی خبریں میری نظروں سے گزرتی رہتی تھیں جن کے مطابق امریکا میں سارے امیگریشن کاؤنٹر ایک مضبوط نیٹ ورک کے ذریعے آپس میں منسلک تھے۔ نیویارک سے امریکا میں داخل ہونے والا کوئی بھی شخص اگر لاس اینجلس سے روانہ ہوتا تھا تو وہاں کا امیگریشن افسر اس کے کوائف اپنے کمپیوٹر میں ڈالتے ہی چند لمحوں میں یہ جان لیتا تھا کہ وہ شخص کب اور کہاں سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔

وہ دونوں البرٹو کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اپنی دانست میں امریکی ایجنٹوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیویارک سے فرار ہوئے تھے اور ٹورنٹو سے ہوتے ہوئے بنکاک آگئے مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ نیاگرا چیک پوسٹ پر ان کے کوائف کے اندراجات سے سی آئی اے یا ایف بی آئی والوں کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ امریکا سے نکل کر کہاں گئے تھے۔

ٹورنٹو میں ہوٹلوں کے ریکارڈ میں گھسے بغیر انہیں امیگریشن کے مرکزی کمپیوٹر ریکارڈ سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ ان کے مطلوبہ افراد کینیڈا سے نکل کر کدھر گئے ہیں۔ یہ سراغ مل جانے کے بعد ان کے لیے بنکاک کے ہوٹل تک رسائی حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم رازداری کے ساتھ یہاں آئی ہو۔'' میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ ''یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ نام اور پاسپورٹ نمبر ڈالتے ہی کمپیوٹر سب کچھ اگل دیتا ہے۔

قانونی طریقوں سے سفر کرنے والوں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔''

''تم ایک دم انتہائی نتائج پر چھلانگ لگا کر دم نکال دیتے ہو۔ یہ حرکت کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر تبصرہ کیا۔

''تم کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتی ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ اس واقعے میں کون لوگ ملوث ہیں۔ وہ اکبر کے کمرے سے ایسے ثبوت نکال لے گئے جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم دونوں کہاں کہاں رکے تھے۔ یہ بھی سوچو کہ تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزرا ہے۔ تم مشکل سے یہاں کسی سے ملی ہوگی۔ یہاں تمہارا کوئی دوست ہے نہ دشمن۔''

''کیا وہ کوئی چوراچکا نہیں ہوسکتا؟'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی۔

''تم کسی مسافر خانے میں نہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو۔ ان کی ہوم سکیورٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ خفیہ طور پر ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھتے ہیں۔ وہاں چوراچکوں کا گزر نہیں ہوسکتا۔ یہ حرکت کسی ایسی شخصیت کی ہے جو شکل صورت اور اپنے لباس سے معزز یا کم از کم قرینے کی نظر آرہی ہو۔ چور آتے ہیں تو بے وقعت چیزیں نہیں لے جاتے۔ نقدی اور قیمتی اشیا ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ خود فریبی اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''اکبر کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں۔ نقدی اور پاسپورٹ ہم ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں...... لیکن نہیں۔ وہ بتا رہا ہے کہ اس کی گھڑی کمرے میں تھی، اسے نہیں چھوا گیا۔''

''تم دونوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بج گئی ہے۔ میں تمہیں یہاں آنے سے روک رہا تھا مگر تم نہیں مانیں۔ اب ہم سب کو مسائل کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

''ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ساری گڑبڑ البرٹو کی ذات سے ہوئی۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہم ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں ٹک سکتے تھے۔ اگر ریکارڈ وغیرہ کے بارے میں تمہارے اندازے درست ہیں تو ہم جہاں بھی جاتے وہاں ہمارے لیے یہی مسائل کھڑے ہوجاتے۔ اب ہماری گلوخلاصی کے بارے میں سوچو۔''

''کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔'' میں نے تشویش سے کہا ''خطرے کی بات یہ ہے کہ یہ ہوٹل ان کی نظروں میں آچکا ہے۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ وہاں آسکتے ہیں۔ تم کو فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح تم کو کچھ وقت مل جائے گا۔''

''کیا ہم یہ رات کھلے آسمان کے نیچے گزاریں گے؟''

''بنکاک بہت مہمان نواز شہر ہے۔ بڑے ہوٹلوں کے لگے بندھے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ ان کا عملہ اپنے اصولوں سے ہٹ کر کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ شہر میں بہت سے چھوٹے ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس ہیں۔ رقم کے لالچ میں ان کے مالکان کوئی پوچھ گچھ نہیں کرتے۔ عارضی طور پر ایسے کسی ٹھکانے میں ڈیرا ڈال لو۔ کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو اور

کہاں سے آئی ہو۔''

وہ میری تجویز سے اسی لمحے متفق ہوگئی۔ بنکاک اس کے لیے نیا شہر نہیں تھا۔ ماضی میں وہ بارہا وہاں آتی رہی تھی۔ نئے ٹھکانے پر نام بدل کروہ دونوں آسانی کے ساتھ اپنے نامعلوم دشمنوں کی نگاہوں سے روپوش ہوسکتے تھے۔

میں نے اسے تاکید کی کہ وہ نئے ٹھکانے پر قدم جماتے ہی مجھے باخبر کردے۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اندیشہ سر ابھار رہا تھا مگر میں نے اس کا ذکر کرکے اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ کسی آڑے وقت میں وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔

راجن اور موتی محل کے انجام کے بارے میں وہ بے خبر تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆

''کیا طے ہوا؟'' مجھ سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

''ڈیبی کہہ رہا ہے کہ ہم دونوں کو شادی کرکے فوری طور پر ہنی مون منانے کے لیے روانہ ہوجانا چاہیے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر بے زاری سے کہا ''تمہارے سر پر ہر وقت ایسی خرافات سوار رہتی ہیں۔ کیا تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے کمرے کی تلاشی کا واقعہ بہت سنگین ہے۔ ہمارے سروں پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔''

''واقعہ سنگین ضرور ہے لیکن ہم کو صبر وتحمل کے ساتھ اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔'' ویرا نے اپنے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''ڈیبی کی رائے میں ہمیں فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے مگر میں یہاں سے جانے سے پہلے کچھ چھان بین کرنا چاہتی ہوں۔''

''ڈیبی کا مشورہ مناسب ہے مگر یہ سوچ لو کہ کوئی یہاں تک آ پہنچا تو اب ہمیں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ ہماری نگرانی کی جارہی ہو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات کہہ دی جس کا ذکر میں نے دانستہ گول کردیا تھا۔

ویرا سوچ میں پڑ گئی۔ سفر میں درپیش مراحل کی وجہ سے وہ دونوں ابتدا سے غیر مسلح رہے تھے۔ صرف ویرا کے پاس بیم گن موجود تھی۔ جسے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سامان میں چھپا کر ساتھ لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

میری اور اس کی ملاقات اس اعتبار سے سودمند رہی کہ اسے بنکاک کے تازہ ترین حالات کے بارے میں علم ہوگیا۔ وہ جانتی تھی کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلال نے میرے لیے بیم گن کے استعمال پر پابندی لگادی تھی۔ وہ ہتھیار میری ذات سے منسوب ہوکر رہ گیا تھا۔ وہ کسی ناگزیر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرتی تو ہر طرف یہی گمان کیا جاتا کہ بیم گن میں نے استعمال کی ہے اور میں یقینی طور پر بنکاک میں موجود ہوں۔

اس اعتبار سے اس کے پاس بیم گن کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔ ایسا ہتھیار جسے ضرورت پڑنے پر استعمال نہ کیا جاسکے، اس کے لیے بے سود تھا۔

باہمی مشورے سے انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے حساب چیک کیا تو ان کی کچھ رقم فاضل تھی۔ خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے ویرا نے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے حساب بے باق کرنے کی ہدایت کردی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں جاکر انٹرکام پر روم سروس کی ایک ویٹریس کو بلایا۔ وہ نوجوان مقامی دوشیزہ تھی اور مقامی لب ولہجے کی فطری تتلاہٹ سے قطع نظر روانی سے انگلش بول رہی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ اسے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لیے باری باری فلور کی ہر ویٹریس سے بات کرنا پڑے گی لیکن خوش قسمتی سے اس کی پہلی کوشش بارآور ثابت ہوئی۔

ویرا نے اسے کمرے میں بٹھا کر ذاتی نوعیت کے چند سوالات کیے پھر خاموشی سے سوبھات کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا جو گائن دیت وائی نامی لڑکی نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا۔

گائن نے ویرا کے استفسار پر بتایا کہ نو بجے کے لگ بھگ وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے کمروں میں کھانا پہنچانے میں مصروف تھی تو برابر والے کمرے سے ایک لمبا سا امریکی برآمد ہوکر ویرا کے کمرے کے دروازے پر آیا۔ گائن کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور دروازے پر چند دستکیں دینے کے بعد دوبارہ برابر والے کمرے میں گھس گیا۔

اپنے بالوں کی تراش اور چال ڈھال سے وہ کوئی فوجی معلوم ہورہا تھا لیکن اس وقت قمیص اور پتلون میں ملبوس تھا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام فلور پر کئی مہمانوں نے کمروں میں کھانا طلب کیا تھا۔ گائن کا اپنی سروس ٹرالی سے کمروں تک پھیرے لگانے میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ اس دوران میں کم و بیش پندرہ منٹ کے وقفے سے وہی امریکی دوبارہ کوریڈور میں نکل آیا۔ غیر متوقع طور پر گائن کو وہیں موجود پاکر اس نے مزاحیہ انداز میں اسے آنکھ ماری اور ویرا کے کمرے کے دروازے پر جا رکا۔

کمروں کی حفاظت اور دیکھ بھال فلور اسٹاف کی ذمے داریوں میں شامل تھی۔ گائن رک کر اس کا جائزہ لیتی رہی۔ اس بار امریکی سولجر نے دروازے پر صرف ایک بار دستک دی اور برابر والے کمرے میں جانے کے بجائے لفٹ کی طرف ہولیا۔

ہوٹل کے ہر فلور پر اس کثرت سے مہمان بدلتے رہتے تھے کہ گائن کے لیے یہ یاد رکھنا دشوار تھا کہ کون کس کمرے میں مقیم ہے۔ وہ سمجھی کہ برابر والا کمرا اسی امریکی کا ہے حالانکہ وہ سلطان شاہ کا کمرا تھا۔ ویرا کو اس لڑکی سے مطلوبہ کڑیاں مل گئی تھیں۔ اس نے مزید سو بھات دے کر اسے رخصت کر دیا۔

بات واضح ہوگئی۔ نامعلوم امریکی نے سلطان شاہ کے کمرے میں خاصا وقت گزارنے کے ساتھ ویرا کے دروازے پر بھی اپنا مقدر آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن گائن کی موجودگی کے سبب اسے تالے میں طبع آزمائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ویرا کے ذہن میں رہی سہی موہوم سی خوش فہمی بھی رفع ہوگئی۔ معاملہ واضح ہو گیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح امریکیوں کو اس کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ البرٹو ان کا غدار تھا۔ وہ اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور آخرکار ان کی ایک مرد مار ایجنٹ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ البرٹو کو اس کی نظروں میں آئے کتنا عرصہ ہوا تھا۔

جب اس ایجنٹ نے برسرِعام البرٹو پر ہاتھ ڈالا تو سلطان شاہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بھاگ کر اپنی جان بچالی لیکن سی آئی اے اس کی بو پر لگ چکی تھی۔ وہ لوگ ایسے آدمی کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے تھے جو ان کے باغی کا ہمدرد اور ساتھی رہا ہو۔

وہ معاملہ سراسر البرٹو کی ذات سے وابستہ تھا اس لیے پہلے اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی۔ ویرا کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اکبر یا سلطان شاہ کی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے اسے ویرا لائیڈ کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا تھا۔

اگر وہ اسے پہچان لیتے تو بات کمرے کی تلاشی تک محدود نہ رہتی۔ وہ ہوٹل میں پہنچتے ہی اسے پکڑنے کے لیے ایسا جال پھیلاتے کہ مجھ سے رابطہ کرنے سے پہلے اسے قید کر لیا جاتا۔

اس کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی۔ خطرہ سامنے آ گیا تھا لیکن اس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ ویرا لائیڈ کو وہ پوری قوت کے ساتھ زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنے کی کوشش کرتے جب کہ اکبر کی ساتھی ریٹا کو وہ باز پرس کے لیے پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ زندہ ہاتھ آنے کے بعد ہی اکبر اور البرٹو کے مشتبہ مراسم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کر سکتی تھی۔

وہ ویرا کا اپنا تجزیہ تھا۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے وہ اہم ترین نکتہ میرے ذہن میں نہیں آ سکا تھا۔ میرے ذہن پر صرف ایک خوف سوار تھا کہ آخرکار امریکی ایجنٹ ویرا کی راہ پر لگ گئے تھے۔

ویرا نے دنیا میں اپنی عمر سے زیادہ نشیب و فراز دیکھے ہوئے تھے۔ شی میں بلیک کوئین کے روپ میں اس نے منشیات فروشوں کے ایک بڑے گروہ کی کامیاب قیادت کی تھی۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل سے روانگی کی حکمتِ عملی طے کر لی۔

ہوٹل کے حساب کتاب سے فارغ ہو کر ان دونوں نے اپنا سامان سمیٹا جو دونوں کے الگ الگ سفری بیگوں میں سما گیا۔

آپس میں آخری مشاورت کے بعد وہ ویرا کے کمرے سے نکلے۔ سلطان شاہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا، ویرا نے زینوں کی راہ لی۔

ویرا زینے طے کر کے ہوٹل کی لابی میں پہنچی تو سلطان شاہ اپنا مختصر سا بیگ اپنے کندھے پر لٹکائے ہوٹل کے صدر دروازے کے قریب پہنچ رہا تھا۔

رات گہری ہو جانے کے باوجود ہوٹل میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان میں ہر قوم اور رنگ کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ ویرا بہت دھیان دینے کے باوجود سلطان شاہ کے پیچھے جانے والوں میں کسی ایسے فرد کی نشان دہی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی جسے وہ اپنے حریفوں کا ہرکارہ تصور کرتی۔

وہ بھی اطمینان سے اسی سمت میں چل دی لیکن اس کے

دل ودماغ میں ہلچل کا ایک طوفان سا برپا تھا۔
وہ شہر کا مرکزی اور نہایت بارونق علاقہ تھا۔ اندھیری رات ہونے کے باوجود فٹ پاتھ اور سڑکیں اسٹریٹ لیمپس اور اشتہاری روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ ہوٹل سے نکلتے ہی اسے بائیں طرف کے فٹ پاتھ پر سلطان شاہ نظر آ گیا جو بہ ظاہر اپنے گردوپیش سے بے پروا، سیدھا چلا جا رہا تھا۔
ہوٹل سے پیدل روانگی ویرا کے پروگرام کا بنیادی حصہ تھی۔ وہ دونوں الگ الگ سواری لیتے تو شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں ان کے ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے قوی امکانات ہوتے۔ شہر کے اس حصے میں آدھی رات کے بعد بھی سیاحوں اور شہر کے من چلوں کی خاصی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ پیدل سفر کرنے کی صورت میں ویرا آسانی سے سلطان شاہ پر نظر رکھ سکتی تھی۔
سلطان شاہ کو اس نے دانستہ آگے رکھا تھا۔ اگر تلاشی لینے والے کے بارے میں اس کا نظریہ درست تھا تو سلطان شاہ کو اس کا خاص ہدف ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں پیچھا کرنے والا سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان آ جاتا۔
سلطان شاہ فٹ پاتھ پر سیدھا چلتا رہا۔ اچانک وہ ایک جگہ فٹ پاتھ سے اتر گیا۔ اس کا ارادہ سڑک پار کرنے کا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا کی عقابی نظریں اس دراز قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہوگئیں جو سلطان شاہ سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ سلطان شاہ کے سڑک پر اترتے ہی وہ بھی لپک کر زیبرا کراسنگ پر چلا گیا۔
وہ ویرا کی پیش بینی اور منصوبہ بندی کی زبردست کامیابی تھی۔
اس کی نظروں میں آنے والا سفید فام اپنے خدوخال سے امریکی نظر آ رہا تھا لیکن اس کے بال لمبے تھے۔ اس کے بدن پر ٹی شرٹ اور گھٹنوں تک آیا ہوا نیکر نظر آ رہا تھا۔
سلطان شاہ چاہتا تو شہر کی روایت کے مطابق بھاگ دوڑ کر گاڑیوں کے درمیان سے سڑک کے پار نکل جاتا۔ بریک چیختے، کوئی ہارن بجاتا، کوئی اسے برا بھلا کہتا لیکن اسے راستہ مل جاتا۔ کوئی ڈرائیور اسے ٹکر مار کر گرانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
سلطان شاہ سڑک پر اتر کر یکایک تھم گیا تھا۔ نیکر پوش امریکی تیزی سے سڑک پر آ گیا تھا۔ وہ کچھ آگے نکل گیا۔ رینگتے ہوئے ٹریفک کے درمیان اپنی راہ بناتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کا شکار اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑا۔
ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں کہیں بھی ڈیڑھ دو منٹ کے لیے تذبذب کے عالم میں رکنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اپنے پیچھے آنے والے امریکی سے بے خبر تھا۔ اس نے وہیں سڑک پر رک کر اپنا وقت پورا کیا اور دوبارہ فٹ پاتھ پر چڑھ کر راہ گیروں کی بھیڑ میں شامل ہوگیا۔ امریکی دوبارہ اس کے پیچھے تھا۔
ویرا نے فیصلہ کن انداز میں اپنی رفتار تیز کی اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتی ہوئی دراز قامت امریکی نوجوان کے قریب پہنچ گئی۔
اگلے لمحے میں ویرا نے اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے دانستہ اسے کندھا مار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ بلامبالغہ حسین، پرکشش اور سبک اندام تھی۔ نوجوان نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور ویرا نے اسے آنکھ مار دی۔
وہ ہائے بے بی کہہ کر جوں ہی مسکراتا ہوا ویرا کی طرف بڑھا، ویرا کا داہنا ہاتھ پوری قوت سے اس کے رخسار پر پڑا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔
ہاتھ کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل پڑی تھی۔ وہ اسے گالیاں دے کر اکیلی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا الزام دے رہی تھی۔
راہ گیروں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ حیرت زدہ تماشائیوں نے ویرا اور شرم سار امریکی کے گرد بڑا سا دائرہ بنا لیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر سلطان شاہ بھی پھرتی سے پلٹ آیا۔
''تمہیں غلط فہمی......'' امریکی نوجوان نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باقاعدہ اشتعال میں آ چکی تھی۔ اس نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔
وہ مارشل آرٹس کے کئی شعبوں میں اعلیٰ مہارت رکھتی تھی۔ ہاتھوں اور لاتوں کی مدد سے چند لمحوں میں اپنے حریف کو خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی لیکن ہاتھوں کے ساتھ اس کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ پیروں کی کوئی غیر معمولی پھرتی دکھاتی تو محض اس کرتب کی بنا پر اسے ویرا کی حیثیت سے پہچانا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ رسمی انداز میں اپنے شکار کو مار پیٹ کر وہاں سے نکل جائے۔
اس کے پیچھے جاتے ہوئے وہ دو چیزیں نوٹ کر چکی تھی۔ اس کے نیکر کی پچھلی جیب میں پرس اڑسا ہوا تھا اور جیب میں کوئی وزنی چیز مسلسل ہل رہی تھی۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی پستول وغیرہ ہی ہو سکتا تھا۔

''سب منہ کیا دیکھ رہے ہو، مارو اس باسٹرڈ کو۔'' ویرا مجمع سے مخاطب ہو کر فریادی لہجے میں گویا ہوئی۔

سب سے پہلے سلطان شاہ نے لپک کر اس امریکی کی پشت پر ایک لات رسید کی، وہ لڑکھڑاتا ہوا ویرا کی طرف آیا تو وہ کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اس کے پرس پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھی۔

ہجوم کی طرف سے سلطان شاہ کی شمولیت بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی۔ معاملہ ایک غیر ملکی لڑکی کی ناموس کے تحفظ کا تھا۔ قرب و جوار میں عشرت کدوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں تلے کئی تھائی نوجوانوں کی غیرت یکایک جاگ اٹھی اور وہ بھی اپنی زبان میں کچھ غضب ناک کلمات کہتے ہوئے اکھاڑے میں کود پڑے۔

وہاں یکایک ایسی گرما گرمی ہوگئی کہ سلطان شاہ کو ایک کے بعد دوسری لات رسید کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔ تھائی لڑکوں نے ویرا سے گتھے ہوئے امریکی کو اپنے نرغے میں گھسیٹ لیا۔

اس وقت ویرا اپنے کسی کرتب سے اس کا بایاں رخسار کھول چکی تھی۔ جہاں بہتی ہوئی خون کی لکیر لحہ بہ لحہ دراز ہورہی تھی۔

''حرام زادے امریکی!'' ویرا اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی ''پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں...... انہیں یہاں آکر ہر عورت بازاری نظر آتی ہے۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی بھیڑ میں گھسی اور تیزی سے دوسری طرف نکلتی چلی گئی۔ اسے توقع تھی کہ تھائی لڑکے آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

تھائی لینڈ کے بارے میں یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ سرکاری طور پر وہ امریکا کا گہرا دوست اور حلیف ہے لیکن ملک میں مقیم امریکی فوجیوں کی تحکمانہ بدمعاشیوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کے خلاف دبی دبی نفرت پائی جاتی تھی۔ اس وقت تھائی لڑکے ویرا کو چھیڑنے والے امریکی کو کوٹ کر اسی نفرت کا اظہار کررہے تھے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ویرا نے سلطان شاہ کو جو ہدایات دیں ان سے اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ ویرا کسی امکانی تعاقب کا سدِباب کرنے کے لیے وہ جتن کررہی تھی۔ یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ معاملہ جُل دینے سے تجاوز کرکے مار پیٹ تک پہنچ جائے گا۔

بھیڑ سے نکل کر ویرا بہت تیزی سے ایک طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس کا سفری بیگ بہ دستور اس کے شانے سے جھول رہا تھا۔ ہاتھا پائی میں بھی وہ اپنی جگہ پر موجود رہا تھا۔ سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر اس کے برابر میں پہنچنے میں کامیاب ہوسکا۔

''یہ کیا کردیا تم نے...... مار دھاڑ کا ارادہ تھا تو پہلے سے کچھ بتایا ہوتا۔'' اس نے ویرا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شکایتی لہجے میں سرگوشی کی۔

''میرا پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وقت پر جو سوجھا وہ کر گزری۔'' وہ چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولی ''اب یہاں سے تیزی سے نکلو، معاملہ امریکی کا ہے۔ پولیس تک بات ضرور جائے گی۔''

''پیچھا کرنے والے سے پیچھا چھوٹ گیا۔ کوئی سواری کیوں نہیں لے لیتیں؟'' سلطان شاہ نے ویرا کے ساتھ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہی کرنا ہے لیکن ذرا دور نکل جائیں۔''

''آج تم نے دل خوش کردیا۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ واقعی بدتمیزی کی تھی؟''

''میری آنکھ میں تنکا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھا میں نے اسے آنکھ ماری ہے، بس لپکا میری طرف اور میں نے تھپڑ رسید کردیا۔'' ذہن سے بوجھ ہٹ جانے پر ویرا پہلی بار ہنسی۔

''ہوا بالکل بند ہے، تنکا کہاں سے آگیا...... ضرور تم نے اس کے ساتھ شرارت کی ہوگی!''

''بعض اوقات تم احمقانہ سوال کرتے ہو اور مذاق کا سارا لطف غارت ہوجاتا ہے۔ میں اسے آنکھ نہ مارتی تو یہ سب کیسے ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے اسے میری طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجمع میں سے کوئی اس کی حمایت پر نہیں آیا۔''

''اگر وہ کوئی ہتھیار نکال لیتا!'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں سب کچھ اچانک آیا تھا۔ اس نازک معاملے میں وہ پستول نکالتا تو لوگ اسے وہیں دبوچ کر ادھیڑ ڈالتے۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اس کی جیبوں سے اس کا پرس اور پستول اڑالائی ہوں۔''

''تم واقعی شیطان کی خالہ ہو۔ وہ بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔''

''خالہ نہیں، کزن کہو۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی ''ابھی میں خالاؤں والی عمر تک نہیں پہنچی۔''

ویرا کی خوش دلی سے سلطان شاہ کا ذہن بھی بوجھل پن سے آزاد ہو رہا تھا۔ انہوں نے بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہوٹل کو خیرباد کہا تھا۔ ویرا کے حوصلہ مندانہ فیصلوں نے ذرا سی دیر میں انہیں ہر فوری فکر اور تشویش سے آزاد کر دیا تھا۔

تصادم کے مقام سے کافی دور آ کر انہوں نے ایک خالی ٹیکسی لی اور نیو بیچ بری روڈ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں تفریحی مقامات کے ساتھ گیسٹ ہاؤسز کی بہتات تھی۔

ٹیکسی لیتے ہوئے ویرا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا ڈرائیور تھائی باشندہ ہے۔ کسی بھارتی یا پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ اردو یا انگریزی میں بےفکری سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے ان دونوں کے سوا ہر بڑی زبان اجنبی ہوتی۔

''یہ بھول جاؤ کہ تم اکبر اور میں ریٹا ہوں۔'' ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد ویرا نے کہا ''ناموں اور سفری دستاویزات کی وجہ سے وہ یہاں ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ نام بدل لینے سے یہ تسلسل ٹوٹ جائے گا۔''

''لیکن ہمارے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ ان ہی ناموں پر ہیں۔''

''سب کو بھول جاؤ، اپنے ذہن سے کھرچ کر مٹا دو۔'' ویرا جھلا کر بولی ''یہ سیلانیوں کا شہر ہے۔ یہاں کوئی ہمیں روک کر ہماری شناخت نہیں پوچھے گا۔''

''ذرا اس کا پرس نکال کر دیکھو۔ شاید کچھ پتا چل سکے کہ وہ کون تھا؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

''سب دیکھ لیا جائے گا، ابھی اس کا نکالنا مناسب نہیں۔''

نیو بیچ بری کے بارونق علاقے میں پہنچ کر ڈرائیور نے ان کی منزل کے بارے میں جاننا چاہا۔ ویرا نے ٹیکسی ایک ریستوران کے سامنے رکوالی۔ اسے روانہ کر کے وہ اس سڑک کی ایک ذیلی گلی میں گھس گئی۔

ذرا سی دیر میں وہ بازار کے عقب میں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں متعدد مکانات پر ہوٹلوں اور ریسٹ ہاؤسز کے نمایاں بورڈ نظر آ رہے تھے۔

باہر کی آرائش سے وہ سب صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ ویرا وہاں پلنے والی گندگیوں سے بےخبر نہیں تھی۔ اس نے محض اندازے سے ایک دور افتادہ گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا۔ وہاں انہیں کسی شناخت کے بغیر جیکب اور روزی کے نام سے دو الگ الگ کمرے مل گئے۔

گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن نے ایک جوان جوڑے کے لیے دو الگ الگ کمروں کے حصول پر حیرت ظاہر کی تو ویرا نے یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا کہ وہ رات کو جیکب کے خراٹوں کی وجہ سے اس کے کمرے میں گہری نیند سے محروم رہ جاتی ہے۔ جواز معقول تھا، عورت مطمئن ہو گئی۔

انہیں کمرے الگ الگ ملے مگر سلطان شاہ دراز قامت امریکی کے پرس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔ وہیں ویرا کے کمرے میں ہی بیٹھ گیا۔

ویرا نے اپنا سفری بیگ دہرے بیڈ پر ڈالنے کے بعد سب سے پہلے کمرے کی کھڑکی دیکھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ وہاں سے کسی کے اندر کودنے کا امکان نہیں تھا۔

ویرا خود بھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ اس کے ہاتھوں مار کھانے والا کون تھا۔ اس نے پھولا ہوا پرس مسہری پر الٹ کر خالی کر دیا۔ بستر پر پھیلی ہوئی اشیا اس کی نظروں میں غیر اہم تھیں۔ ان میں کچھ تھائی کرنسی، چند ڈالر اور کریڈٹ کارڈز کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے پرس کے مالک کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔

ویرا نے پرس کھول کر اس کا جائزہ لیا تو اس کی ایک جیب میں چند وزیٹنگ کارڈ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ سب یکساں تھے اور ان پر سارجنٹ ٹی ایچ پال کا نام چھپا ہوا تھا۔ کارڈ پر کوئی پتا یا فون نمبر نہیں تھا۔

''یہ اسی کے کارڈ معلوم ہوتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے ایک کارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کا نام پال کے بجائے کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ یہ پتا نہیں چل رہا کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔'' ویرا الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

''تمہارے ذہن پر صرف ایف بی آئی سوار ہے۔ اس کے ایجنٹ گلے میں تختی ڈال کر نہیں گھومتے۔ کیا سارجنٹ کے عہدے سے تم کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ اپنے بڑے بالوں کے باوجود وہ امریکی فوج سے تعلق رکھتا ہے۔''

''واقعی یہ سامنے کی بات ہے۔'' ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''امریکی ایجنسیوں کے آدمی فوج سے انتظامیہ تک بہت سے شعبوں میں گھس کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''امکان کی بات نہ کرو۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ ایک عام فوجی کو ہم دونوں سے کیا دلچسپی

ہوسکتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی کے حکم پر میرا پیچھا کر رہا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

ایف بی آئی والوں کے لیے البرٹو کا مفرور دوست کتنا ہی اہم کیوں نہ رہا ہو، ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ساری معلومات یکجا کر کے اتنے مختصر وقت میں امریکا سے اپنے کسی افسر کو بنکاک بھیج دیتے۔ ان کے لیے بہتر اور موثر طریقہ یہ تھا کہ ان دونوں کے بارے میں جملہ معلومات فیکس وغیرہ کے ذریعے بنکاک میں اپنے آدمیوں کو بھیج دیتے۔ وہاں ان کے فوجی اڈے کے قیام کی وجہ سے خفیہ ایجنسیوں کے مضبوط نیٹ ورک کا ہونا یقینی تھا۔

ہوٹل میں گائڈ نے کمرے کی تلاشی لینے والے کا جو حلیہ بیان کیا اس میں فوجی تراش کے بال سب سے زیادہ اہم اور نمایاں تھے۔ سلطان شاہ کا تعاقب کرنے والے کے بال لمبے تھے۔ لیکن اس کے پرس سے برآمد ہونے والے کارڈ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس کا تعلق بھی امریکی فوج کے کسی شعبے سے تھا۔

بات ویرا کی سمجھ میں آ گئی۔ بنکاک میں متعین فوجیوں کا کوئی گروپ وہاں ایف بی آئی کے لیے کام کر رہا تھا۔ کمرے کی تلاشی لینے والا اور پھر سلطان شاہ کا پیچھا کرنے والا، دونوں اس گروپ کے عام کارندے تھے۔ ان کی باگ ڈور کسی سینئر فوجی افسر کے ہاتھ میں رہی ہوگی۔

اسے میری ہدایت یاد تھی کہ کسی نئے ٹھکانے پر پہنچتے ہی اسے مجھ کو فون پر اس پتے سے آگاہ کرنا تھا تاکہ میں دور سے ان دونوں کی دیکھ بھال کر سکوں۔ امریکی فوج کے سارجنٹ سے سڑک پر کھلی محاذ آرائی کے بعد وہ مجھ سے فوری طور پر رابطے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

میں ویرا سے بات کر کے فارغ ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد جلال کی کال آ گئی۔ میری توقع کے مطابق طارق نے اپنی ذمے داری پوری کرتے ہوئے اپنے افسر کو بنکاک میں راجن کے عبرت ناک انجام کی خبر دے دی تھی۔ وہ افسر دفتری اوقات ختم ہو جانے کے باوجود قومی سلامتی سے متعلق ایک اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس ختم ہوتے ہی اس نے بنکاک سے ملنے والی خبر جلال کو پہنچا دی۔ اسے علم تھا کہ راجن کے معاملات جلال کے ذمے تھے۔ اسے اس بات کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر جلال نے ہمیں پاکستان سے تھائی لینڈ روانہ کر دیا تھا۔

''تم نے بہت بڑی اور ناقابلِ یقین کامیابی حاصل کی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔ ''میں اب تمہیں بتا رہا ہوں کہ راجن کی سرکوبی کے لیے پچھلے چند مہینوں میں یہاں سے دو اسپیشل مشن بنکاک روانہ کیے گئے تھے مگر وہ بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس تک کیسے رسائی حاصل کی ہوگی۔ اس کے گرد ہر وقت مسلح محافظوں کی ایک دیوار چلتی تھی جسے عبور کرنا ناممکن تھا۔''

''آتے ہی اس تک پہنچنا ناممکن تھا۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ''حالات اور واقعات کی رفتار کچھ ایسی بنی کہ رفتہ رفتہ اس کی ساکھ برباد ہوگئی، اس کے آدمی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ آج انتہا یہ تھی کہ موتی محل کی ویرانی میں وہ کل دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ انہی کے ساتھ ملک عدم روانہ ہوگیا۔''

''اس کی موت سے عارضی طور پر بھارتیوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''میری دانست میں وہ ایک اونچے درجے کا بدمعاش تھا۔ پتا نہیں تم شروع سے اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو!'' مجھے راجن کے بارے میں جلال کا انداز پسند نہیں آیا۔

''را والوں نے اسے یہ نقاب فراہم کیا ہوا تھا۔ وہ بنکاک میں بیٹھ کر دنیا بھر سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہونے والے مواد اور ممنوعہ آلات بھارت میں اسمگل کر رہا تھا۔ بھارت کے توسیع پسندانہ جوہری عزائم کی پرورش کے لیے وہ ریڑھ کی ہڈی کا کام کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے میں ابتدا سے اس کی سرکوبی پر اصرار کر رہا تھا۔'' جلال نے راجن کی مصروفیات کے اس پہلو کے بارے میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''آج سے پہلے تم نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں دیا!'' میں نے شکوہ کیا۔

''وہ میری مجبوری تھی۔'' اس کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔ ''راجن کی یہ سرگرمیاں انتہائی حساس نوعیت کی تھیں۔ ہم اپنی معلومات کو خفیہ رکھ رہے تھے۔ میں تمہارے سامنے زبان کھول کر اپنے منصب کے حلف سے روگردانی نہیں کر سکتا تھا۔

''کیا اب یہ سب بتا کر تم اپنا حلف نہیں توڑ رہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی موت کے بعد اب وہ قصہ پارینہ ہوگیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسے مار سکو گے۔ یہ بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد تم بھی اس راز میں شامل ہو گئے ہو۔ یہ معلوم ہونا تمہارا حق ہے کہ اسے مار کر تم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا

ہے۔''

''اس کی موت سے بھارت کی جوہری ہتھیاروں کی تیاریاں ٹھپ نہیں ہو جائیں گی۔'' میں نے اسے جتایا۔

''ریاستی سطح پر چلنے والے معاملات کسی کے مرنے جینے سے نہیں رکتے۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ان میں رخنہ ضرور آ جاتا ہے۔ راجن کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ اب وہ بکھر گیا۔ انہیں از سر نو متبادل انتظام کرنا ہوگا' نیا نیٹ ورک بنانا ہوگا۔ اس میں کافی وقت لگے گا۔ ہم اور ہمارے ماہرین اس وقت سے زبردست فائدہ اٹھائیں گے۔''

میرے لیے اس کی مجبوریاں شروع سے قابلِ فہم رہی تھیں۔ میں نے بات بڑھانے کے بجائے ہنس کر کہا۔ ''جب سے تم نے کراچی میں راجن کا ذکر کیا تھا میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ بنکاک میں بیٹھے ہوئے ایک بھارتی بدمعاش سے تمہیں کیا پرخاش ہے۔ ممبئی سے دبئی اور ہانگ کانگ تک نہ جانے کتنے بھارتی سورما پلے رہے ہیں۔ تمہیں اس ایک کی فکر کیوں تھی۔ اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ تم نے دہرے مقصد کے تحت ہمیں بنکاک کی طرف روانہ کیا ہو۔''

''اصل اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ تمہارا کراچی بلکہ پاکستان میں رکنا مخدوش ہو چکا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے اس کا لہجہ کچھ کمزور پڑ گیا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں جانا ہی ہے تو کیوں نہ بنکاک کی طرف جاؤ۔ اس طرح ایک وقت میں دو نہیں بلکہ تین اہداف حاصل ہو سکتے ہیں۔ تم کو یہاں درپیش خطرات سے چھٹکارا مل جاتا' سوبھراج کا بھرپور ہانکا ہو رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کوئی جائے پناہ نہ پا کر وہ بنکاک میں اپنے چہیتے راجن کا رخ کرے گا اور وہاں تم اسے دیکھ لو گے' تیسرا اور ثانوی مقصد یہ بھی تھا کہ اگر تمہاری کوئی حکمتِ عملی کارگر رہی تو تم راجن کو راستے سے ہٹا کر بھارت کے جوہری ہتھیاروں کے توسیعی پروگرام کو بڑا نقصان پہنچا سکو گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری کراچی سے روانگی سے پہلے آخری ملاقات میں' میں نے تم کو راجن کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی تھی۔''

''سب یاد ہے۔ اس وقت تم نے وہ تذکرہ اتنے سرسری انداز میں کیا تھا کہ میں نے اسے بھارتیوں کے خلاف حسد سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم پاکستانیوں کے لیے کسی بھی میدان میں بھارت کی بالادستی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ شعبہ کھیل کا ہو' جوہری ہتھیاروں کا یا بدمعاشی کا' ہم ہر جگہ انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔''

جلال کی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ''تم نے پاکستانیوں اور بھارتیوں کی ساری نفسیات ایک جملے میں سمیٹ کر رکھ دی۔ وہ کرکٹ میں ہم سے جیت جائیں تو ہمیں ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے ہمارا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہو' کبھی ہم ان کو ہرا کر ہم اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے ہم نے دنیا فتح کر لی ہو لیکن میری گزارش ایسے جذبات سے ماورا تھی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ وضاحت کر دی۔ اب بھی کچھ نہ بتاتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتا۔ اب تک مجھے یہ سوچ سوچ کر اپنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا کہ میں محض ڈان کی خوشنودی کے لیے راجن کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ اب یہ خلش دور ہو گئی۔''

''یہ نہ کہو۔ اس نے تمہارے اور اسد کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی اس کے بعد تم نے بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔''

''تمہارے تینوں ہدف پورے ہو گئے۔ یہ بتاؤ کہ ہم پاکستان کب آ سکتے ہیں۔ ڈان سے آج میری خاصی تُو تُو' میں میں ہوئی ہے۔ اسے شک ہو گیا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''اوہ......!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی۔ ''یہ بہت برا ہوا۔ وہ بنکاک میں تمہارا زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔ اب وہ تمہارے کھوج میں لگ جائے گا۔''

''وقتی طور پر میں نے بات سنبھال لی ہے مگر مجھے بھی یہی شبہ ہے۔ مجھے اس کی طرف سے ہر دم چوکس رہنا ہوگا۔''

''لیکن اسے شک کیسے ہوا...... کیا تم نے راجن کے قضیے میں پھر اپنا کوئی خفیہ ہتھیار استعمال کر ڈالا؟'' اس کی آواز یکایک تفکر آمیز ہو گئی۔

''ہاں ...... بم گن استعمال ہوئی تھی مگر......!''

''اوہ ڈیئر! یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب سب کچھ تلپٹ ہو جائے گا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے خاکوں پر ان کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ دباؤ شدید ہے۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں محدود ہو چکی ہیں۔ اول خان کو یہاں سے ہٹا کر گوادر بھیج دیا گیا ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے تحمل سے کہا ''تم میری بات اچک کر درمیان میں برس پڑے' اگر تم نے اپنی بات پوری کر لی ہو تو میں کچھ کہوں!''

میرے لہجے سے جلال کو اندازہ ہو گیا کہ اس سے بے صبری میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ''کہو' میں سن رہا ہوں۔

میرے لیے تمہاری سلامتی ہر ہدف سے زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے راجن کو دس بار ڈھیل دی جاسکتی تھی۔''

''راجن کو ڈھیل دی جاسکتی تھی نہ میں اپنی جان خطرے میں ڈال سکتا تھا۔'' میں نے کہا ''موتی محل میں گھسنے کے بعد میں بیم گن استعمال کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میں یہ فیصلہ نہ کرتا تو شاید راجن کے ہاتھوں مارا جاتا۔ تم کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ناگزیر فیصلہ کرتے ہوئے مجھے تمہاری ہدایت یاد تھی۔ میں نے بیم گن کے زخموں پر پستول سے فائر کرکے ہر سراغ مٹادیا تھا پھر بھی میں نے وہاں آگ لگادی۔ خاکستر لاشوں سے کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ کیسے مارے گئے۔ ہر رپورٹ گولی سے موت کی کہانی سنائے گی۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تم نے ہر خطرے کا تدارک کرلیا ورنہ اس وقت میرے لیے معاملے کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اب لاک اَپ سے باہر کی دنیا میں تمہارے دشمنوں کو تمہارے سائے کا بھی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ تشکر کے جذبات سے واقعی مغلوب تھا۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی اشتعال آمیز کیفیت پانی کے جھاگ کی طرح کافور ہوگئی تھی۔

''میرے خاکوں کا قصہ تو چل رہا تھا۔ تم نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے بارے میں کیا خبر سنادی؟'' میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

''صورتِ احوال افسوس ناک ہے مگر ٹھوس زمینی حقائق یہی ہیں۔''

''کیا گوادر میں بھی ایس ٹی ایف کا کوئی سیٹ اپ موجود ہے؟''

''ماضی میں میری معلومات کے مطابق وہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے۔ اگر ضرورت کے تحت اب وہاں کام ہورہا ہوتو میں باخبر نہیں ہوں۔ ان کا کوئی یونٹ وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لوگ اپنے افسروں کو خاص مشن دے کر بھی اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں۔''

''راجن نے مرنے سے قبل انکشاف کیا ہے کہ اس کے آدمیوں کی دو ٹولیاں ممبئی اور بنکاک سے پاکستان گئی ہوئی ہیں۔ ایک اگلی دو مہینوں تک بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی دہشت گردی سے امن وامان کے مسائل پیدا کرنے پر مامور ہے۔ دوسری پارٹی ساہیوال جیل میں موجود را کے دو ایجنٹوں کو فرار کرانے کی کوشش کرے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ میں تمہاری شاندار کارکردگی کی تعریف کروں۔ یہ دونوں خبریں بہت اہم ہیں۔ را کے ایجنٹوں سے صدف مینشن میں تمہاری ملاقات ہوچکی تھی۔ دونوں پاکستانی غیر مسلم ہیں اور اقبالِ جرم کرچکے ہیں۔ اگلی پیشی پر عدالت انہیں عمر قید کی سزا سنانے والی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میری نگاہ میں دہشت گردی کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔ پرسوں ہائی پاور ٹرانس مشن لائن کا ایک ٹاور اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک بڑا علاقہ بجلی کے تعطل کا شکار ہوگیا۔ اس سلسلے میں کچھ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں۔ تمہاری نشان دہی کے بعد ان سے نئے زاویے سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ طویل مدت کے سکون کے بعد یہ بلوچستان میں پہلی بڑی تخریبی کارروائی ہے۔ یہ بہت اہم خبر ہے کہ سندھ کے بعد اب را کی توجہ بلوچستان کے حسّاس علاقے پر مرکوز ہے۔''

''اگر راجن کے آدمی آزاد رہے تو یہ سلسلہ طول پکڑے گا۔'' میں نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''انہیں دو ماہ کی مدت دی گئی ہے۔ وہ تیزی سے کام کریں گے۔''

''یہ راجن کو را کی طرف سے ملا ہوا پروگرام معلوم ہوتا ہے۔ دو مہینوں تک وہ بجلی، پانی اور گیس کی لائنوں کے ساتھ پلوں وغیرہ کو اپنا ہدف بنا کر افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو بعض سرکش اور کوتاہ اندیش مقامی عناصر ایسی حرکتیں شروع کرسکتے ہیں۔ ان پر فوری طور پر قابو پانا ہوگا۔''

وہ ملکی سلامتی سے متعلق ایک اہم معاملہ تھا جس میں صوبے کے بعض صنعتی منصوبوں کی تعمیر اور توسیع پر مامور غیر ملکی ماہرین کے تحفظ کا مسئلہ سرفہرست تھا۔

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے جلال کو ڈان یاد آگیا۔ اس کے شکوک وشبہات کے سلسلے میں بیم گن کے استعمال کا تذکرہ آتے ہی گفتگو کا رخ یکا یک تبدیل ہوگیا تھا اور ڈان کا قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔

میں نے اسے تفصیل سے پوری صورت حال سمجھادی۔ اس کی رائے مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وقتی طور پر بات دب گئی تھی لیکن ڈان کے ذہن میں میرے بارے میں ڈبل ہونے کا خیال پیدا ہونا خطرناک تھا۔ جو میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''فی الحال تم اس کی مہمان نوازی کا رنگ ڈھنگ

دیکھو۔ تمہارا واپس یہاں آنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ڈان کے ذہنی فتور کے سبب اب تمہارا وہاں نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ میں سوچتا ہوں کہ اب تمہارے لیے کون سا ملک بہتر رہے گا۔'' کافی مغز زنی کے بعد اس نے کہا۔

''میں ملائیشیا کی طرف نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''ڈان اب تیزی سے طاقت پکڑے گا۔ میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خرد ماغ آدمی ہے۔ تمہاری طرف سے اس کے دماغ میں دوبارہ کوئی فتور آیا تو تم اس کی دسترس میں ہوگے۔ وہ چند گھنٹوں میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر بنکاک لے آئے گا۔ یہ نہ بھولو کہ اب تم اکیلے نہیں ہو۔ نیویارک والی جوڑی بھی بنکاک پہنچ چکی ہے۔ جہاں جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اکیلا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کرسکتا ہے جہاں بہ یک وقت چار آدمی اکٹھا ہوں وہاں ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔'' وہ ایک وقت میں زیر نظر معاملے کے ہر رخ پر نظر رکھنے کا عادی تھا۔

''میں تمہارے مشورے کا منتظر رہوں گا۔ اب تم نے نیویارک کی جوڑی کی بات چھیڑی ہے تو ان کا ایک مسئلہ بھی سن لو۔ آج ان کی غیر حاضری میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔''

جلال چونک گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے بنکاک پہنچنے کے بعد اس کا ویرا سے براہِ راست رابطہ ہو چکا تھا مگر وہ تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ ''ان کے یہاں آتے ہی چکر چلنا شروع ہوگیا!'' اس کی آواز تحیر زدہ سی تھی۔

میں نے اسے ویرا سے سنی ہوئی تفصیل سنا دی۔

''یہ بہت برا ہوا۔ یہاں کون ان دونوں کے پیچھے لگ سکتا ہے؟'' میرے کان میں اس کی تفکر آمیز آواز آئی۔ ''بنکاک میں روز ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ ان میں ان دونوں کی نشاندہی کیسے ہوگئی؟''

میں نے اسے اپنے نظریے سے آگاہ کردیا۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ وہ معاملہ ویرا اور سلطان شاہ کا نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ ریٹا اور اکبر کی شخصیات ہوسکتی تھیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ انہیں نام بدل کر کسی اور ٹھکانے پر منتقل ہونے کا مشورہ دے دیا۔ فوری طور پر یہی ہوسکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنی پرانی شناخت کو بھول جانا چاہیے!'' میں نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے' پاسپورٹ ان کی پول کھول دیں گے۔'' وہ بولا ''یہ نہ بھولو کہ بنکاک سیٹو کا ہیڈکوارٹر ہے۔ اس کی آڑ میں وہاں ایک مدت سے امریکی فوج کی خاصی تعداد مقیم ہے۔ ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ہر سرکاری معاملہ ان کے علم میں رہتا ہے۔ وہاں امریکی ایجنسیاں بھی بہت فعال ہیں۔ ان سب کو فریب دے کر بنکاک سے کہیں اور کے لیے نکلنا ناممکن ہوگا۔''

''میں نے اسی وجہ سے یہ ذکر چھیڑا ہے۔ یہاں ہم لوگ کچھ نہیں کرسکتے۔ تم چاہو تو یہ مسئلہ ذرا سی دیر میں حل ہوسکتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جلال نے پوچھا۔

''طارق کے ذریعے ان دونوں کے نئے پاسپورٹ بھجوا دو۔ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کرکے ہر جھنجٹ سے آزاد ہوجائیں گے۔''

''ویری گڈ! تم جب بھی کوئی مسئلہ بیان کرتے ہو تو اس کا حل پہلے سے تمہارے ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ ایک دو روز میں طارق دونوں پاسپورٹ تمہارے حوالے کر دے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''صرف پاسپورٹ سے کام نہیں چلے گا۔ ویزا بھی درکار ہوں گے۔''

''فکر مت کرو۔ کام مکمل ہوگا۔ تم سب کی تصاویر میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ تمہیں یاد ہے نا کہ میرے پاس اپنی تصویر کی موجودگی پر تم کس طرح بھڑک گئے تھے!''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔ بڑے سرکاری افسر ہو۔ کیا پتا کب دوستی کو بالائے طاق رکھ کر افسری جتانے پر تل جاؤ۔'' شگفتہ موڈ میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''میں کہوں گا کہ تم اب تک مجھے نہیں سمجھ سکے۔'' وہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم سے میری دوستی ان سرحدوں سے آگے نکل گئی ہے جہاں اس پر ہزار افسریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔''

''یہ تمہاری مہربانی ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' میں نے بات مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا ''اب میں ان دونوں سے کہہ دوں کہ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کر دیں۔''

''بالکل کہہ دو۔'' اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''میں خود بھی کوشش کرتا ہوں کہ ریٹا سے بات ہو جائے۔ اگر وہ دونوں تمہاری تجویز پر عمل کر چکے ہیں تو مجھے ان کے موجودہ نام معلوم ہونے چاہئیں تاکہ پاسپورٹ سے ان ہی ناموں کی تصدیق ہو سکے۔''

''یہ مجھے بھی علم نہیں، کسی بھی لمحے اس کا فون آ سکتا ہے۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے سوال کیا۔ ''ان دونوں کے تھائی لینڈ میں داخلے کا قانونی ثبوت کیا ہوگا؟''

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ باریکیاں میری نگاہ میں ہیں۔ ان پر بنکاک ایئرپورٹ کی باقاعدہ امیگریشن مہر موجود ہوگی۔ کاغذات کی کسی خامی کی بنا پر انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہ کام کر ہی رہے ہو تو میرے اور صدف کے نئے پاسپورٹ بھی بھجوا دو۔'' میں نے محتاط لہجے میں فرمائش کی۔

''اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس کا وہ سوال فطری تھا۔

''میں ڈان سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم خود بھی اس کے کسی نئے ذہنی فتور کا ذکر کر چکے ہو۔ پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تو بہتر رہے گا۔''

''یہ سوچ لو کہ ایک وقت میں دو مختلف ناموں سے پاسپورٹ حاصل کرنا اور رکھنا ہر ملک کے قانون کے تحت سنگین جرم ہے۔ تمہیں موجودہ پاسپورٹ ضائع کرنا ہوں گے۔''

''تم اپنا کام کر ڈالو، یہ میری ذمے داری ہوگی۔'' میں نے اصرار کیا اور اس نے ہامی بھر لی۔

ہمارے درمیان ہونے والی طویل گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ مجھے راجن کا خیال آیا۔ اس کے بارے میں جلال نے طارق کی رپورٹ سننے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ بھارت کے خفیہ ایٹمی نیٹ ورک کا ایک بنیادی ستون گرا دیا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے مجھے کریدنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ معذرت خواہانہ انداز میں مجھے راجن کی ذات سے وابستہ وہ باتیں بتاتا رہا جو مجھ سے پوشیدہ تھیں جب کہ میرے پاس بھی اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

''راجن کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے شاید وہ تمہارے کام آ سکے!'' میں نے کہا۔

''ضرور، ضرور۔'' اس نے پرزور لہجے میں جواب دیا۔ ''دشمن کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات ہوں وہ کم ہوتی ہیں۔ اگر تم نے اسے زندگی کی آس دلا کر زبان کھولنے پر آمادہ کر لیا تھا تو اس کے انکشافات بہت اہم رہے ہوں گے۔''

''تمہیں انل یاد ہے نا؟'' میں نے سوال کیا۔

''را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم انل بسواس کی بات کر رہے ہو!'' اس نے اپنی بھرپور معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی جو دہلی میں اپنے گھر میں تمہارے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔''

''وہی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''اس نے راجن کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ ممبئی کی انڈر ورلڈ پر مسلمانوں کا راج ہے، اسے بنکاک میں قدم جمانے چاہئیں۔ شاید وہ بھانپ چکا تھا کہ راجن بنکاک میں رہ کر ممنوعہ جوہری ساز و سامان کے حصول کے لیے آزادی سے کام کر سکے گا اور وہ

کامیاب رہا تو بنکاک کی انڈر ورلڈ پر اس کا راج بھی ہوجائے گا۔‘‘

’’بالکل یہی بات ہے۔‘‘ جلال بول اٹھا ’’اب ہر چیز واضح ہورہی ہے۔ گرین کوبرا فائل میں را کے ایجنٹ ایکس کا ذکر ہے جو مشرق بعید کے کسی ملک میں بیٹھ کر اہم منصوبوں کے لیے کام کررہا تھا۔ فائل میں اس کے کام اور منصوبوں کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں تھی۔ وہ تذکرہ پڑھ کر میں پہلی بار راجن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ یہ سوبھراج کے بے نقاب ہونے سے پہلے کا قصہ ہے لیکن میں پوری کوشش کے باوجود یہ جاننے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ بنکاک میں اسے ابھرنے کا موقع کیسے ملا' اس کا پشت پناہ کون تھا۔‘‘

’’امریکی سفارت خانے میں پچھلے چھ برسوں سے ......‘‘

’’تم کرنل گیری کا ذکر تو نہیں کررہے!‘‘ میری بات مکمل ہونے سے پہلے جلال نے مضطربانہ لہجے میں سوال کر ڈالا۔

’’اسی کا ذکر ہے' تمہارا ذہن اس کی طرف کیسے چلا گیا؟‘‘

’’اول درجے کا شاطر اور بدمعاش ہے۔ وہ اپنے سفارت خانے کا واحد افسر ہے جو چھ برسوں سے وہاں ٹکا ہوا ہے اور مصدقہ طور پر سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔‘‘

’’راجن کو ابتدائی سہارے اسی نے فراہم کیے۔ کرنل گیری اور انل میں گہری دوستی تھی۔ انل کی موت کے بعد ساگر نے اس کی جگہ لے لی۔ اس وقت گیری اور راجن کے مراسم بہت گہرے ہوچکے تھے۔ وہ گیری کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔‘‘

’’تم نے راجن سے بہت کچھ اگلوالیا۔ اگر تمہیں جوہری آلات کے شعبے میں اس کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کرسکتے تھے۔‘‘ جلال کی آواز متاسفانہ ہوگئی۔

’’جب تک ڈان میدان میں رہا' راجن کا چراغ نہیں جل سکا۔ ڈان کے گوشہ نشین ہوتے ہی وہ تیزی سے ابھر کر پورے بنکاک پر چھاتا چلا گیا۔ وجہ صرف ایک تھی کہ گیری کی حمایت اور مشوروں کی وجہ سے اسے بنکاک کے اعلیٰ سرکاری افسروں اور بارسوخ امرا میں مقبولیت حاصل ہوچکی تھی۔‘‘

’’میں حیران ہوں کہ ان دونوں نے اپنے باہمی روابط کو کتنی سختی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔‘‘ جلال کہہ رہا تھا۔

مالکن نے گھر کی نوجوان ملازمہ سے کہا ’’میں دیکھ رہی ہوں کہ پڑوس کی مالی نے اکثر نظر بچا کر تم سے ملنے کے لیے آنا شروع کردیا ہے۔ میں تمہارے بھلے کے لیے پوچھ رہی ہوں...... وہ یونہی دل لگی کے لیے آتا ہے یا تم سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہوتا ہے؟‘‘

’’میرے خیال میں تو سنجیدہ ہی ہے بی بی جی!‘‘ ملازمہ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا ’’اس نے تو میرے پکائے ہوئے کھانوں میں نقص نکالنے بھی شروع کردیے ہیں۔‘‘

’’ہمارے آدمی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے مراسم کا سراغ نہیں لگاسکے۔ میں تم سے یہ ذکر پہلی بار سن رہا ہوں۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لینے والے کا کسی نہ کسی طرح گیری سے تعلق ضرور نکلے گا۔‘‘

’’تعلق نکلے یا نہ نکلے' میں نے اس کی طرف سے اچھی طرح ڈان کے کان بھردیے ہیں۔ اگر وہ اپنے قول کا پکا اور سچا ہے تو اس کا گیری سے ٹکراؤ ہوکر رہے گا۔‘‘

’’یہ کیسے ہوا؟‘‘ جلال نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے اسے بتادیا کہ میں نے موتی محل میں اپنے داخلے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کس طرح کرنل گیری کی ذات کا سہارا لے کر اسے ڈان کی نظروں میں گندا کردیا۔

راجن کی موت کے بعد بنکاک میں بہ ظاہر اس کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اس کے شروع کیے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال براہِ راست نئی دہلی سے کی جاتی۔ ان میں پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی پھیلانے کے مشن پر نکلی ہوئی دو ٹولیوں سے رابطے کا معاملہ بھی شامل تھا۔ کرنل گیری را والوں کا حلیف ہوسکتا تھا لیکن وہ کسی طرح راجن کے خلا کو پُر نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی جلال نے طارق کو اس کے پیچھے لگانے کا ارادہ ظاہر کرکے فون بند کردیا۔

میرے لیے ہوٹل کے کمرے سے فون پر کسی سے بات کرنے میں ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ غزالہ میری یک طرفہ گفتگو سن کر تجسس میں مبتلا ہوجاتی اور اس کی طرف سے سوالات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتی' میں نے اسے خود ہی اپنی اور جلال کی گفتگو کے اہم نکات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

اس بریفنگ سے نمٹتے ہی میں نے ویرا کا نمبر ملایا تو وہ

مصروف تھا۔ تین کوششوں کے بعد میں نے تھک کر اپنا موبائل فون رکھ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال نے مجھ سے بات ختم کرتے ہی ویرا کا نمبر ملا لیا ہوگا۔

وہ نوجوان اور خوش ذوق افسر تھا۔ میں کئی بار یہ بات نوٹ کرچکا تھا کہ وہ غیر ضروری طور پر ویرا سے خوش گپیاں نہیں کرتا تھا لیکن کام کے حوالے سے اس سے بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

جلال کے اس رویے کی بنا پر ابتدا میں، میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا لیکن گہرے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جلال کو ویرا کی ذات میں کوئی خصوصی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے دل و دماغ میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ویرا نے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنوں کو چھوڑ کر ہمارا ساتھ اختیار کرلیا تھا۔ اس ناتے سے ویرا کی خبر گیری اس کی ذمے داری بنتی تھی کیوں کہ وہ واحد پاکستانی افسر تھا جو اپنی تمام تر ہمدردیوں کے ساتھ ہم سے مسلسل رابطے میں رہتا تھا۔ شاید وہ یہ سوچتا ہو کہ ویرا کی خدمات کے کسی سرکاری اعتراف کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے غیر سرکاری طور پر خیر سگالی کا اظہار اس کا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

میری چوتھی کوشش سے پہلے ویرا کی کال آگئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جلال سے گفتگو کررہی تھی۔ اس سے پہلے وہ بار بار مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتی رہی تھی مگر اسے میرا فون ہر بار مصروف ملا تھا۔

اس نے یہ بتا کر میرا دل خوش کردیا کہ اس نے پہلی فرصت میں میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور ایک صاف ستھرے ریسٹ ہاؤس میں منتقل ہوگئی تھی۔

اس اچھی خبر کے بعد اس نے ٹی ایچ پال کا واقعہ سنا کر مجھے پریشان کردیا۔

''تمہیں اس بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا ''بس یہ سمجھ لو کہ وہ تعاقب کی ابتدا میں ہی مارا گیا۔ تھائی لڑکوں نے دل کھول کر اس کی ٹھکائی کی ہوگی۔ اب وہ کسی کے تعاقب کے نام سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے گا، جیکب اور روزی کے نام سے یہاں آجانے کے بعد میں بے فکر ہوگئی ہوں۔ اب ان لوگوں کا ہم تک پہنچنا ممکن ہوگیا ہے۔ دو چار روز میں جلال نئے ناموں سے ہمارے پاسپورٹ بھیج دے گا تو ہر مسئلہ حل ہوجائے گا۔''

''اس بارے میں جلال سے تمہاری تفصیلی بات ہوگئی ہے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''ہاں ......! یہ بات ہوگئی لیکن اس کی زبان سے راجن کا قصہ سن کر مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں اتنا اہم اور بڑا واقعہ رونما ہوچکا ہے لیکن تم نے مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' اس نے بجا طور پر شکوہ کیا۔

''تم کمرے کی تلاشی کے معاملے میں پریشان تھیں میں نے وہ ذکر چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح کے اخبارات سے سب کچھ تمہارے سامنے آجاتا۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''میں پریشان تھی تو تم وہ خوش خبری سنا کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کرسکتے تھے۔ تم نے مجھے سب کچھ بتایا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ تمہارے راستے کا آخری کانٹا ہے۔ وہ ہٹ گیا تو تم ہر فکر سے آزاد ہوجاؤ گے۔''

''بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ ڈان کے لیے بہت بڑا نام اور شکار تھا۔ وہ سوچے بیٹھا تھا کہ زبردست محاذ آرائی اور خون ریز تصادم کے بغیر اس کا قصہ ختم نہیں ہوسکے گا۔ میں نے اس کے گھر میں گھس کر چپ چپاتے اسے لمبے سفر پر روانہ کردیا تو ڈان کو میری طرف سے تشویش ہوگئی، اسے شبہ ہوگیا کہ میں علی نہیں ہوں، وہی ہوں جو میں ہوں۔ تم بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''اوہ!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''جلال نے یہ نہیں بتایا، یہ تو بہت سنگین خطرہ ہے۔ اس فکر نے تمہارا کامیابی کا سارا نشہ ہرن کردیا ہوگا۔''

''اب تم کو میری پوزیشن کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔ تم کو ادھوری بات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بعض اوقات خوش فہمیاں تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔''

''مجھے شبہ ہورہا ہے کہ ہم چوہے دان میں پھنس رہے ہیں۔'' وہ اپنا شکوہ بھول گئی ''پال اور اس کے ساتھی ہمارے پیچھے لگ گئے، ڈان تم پر شبہ کررہا ہے، ان حالات میں ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''بہ ظاہر یہی معلوم ہورہا ہے لیکن میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ تم نے نام اور ٹھکانا بدل کر خود کو بچالیا ہے، میں نے وقتی طور پر ڈان کو مطمئن کردیا۔ جلال کے پاس سے تم دونوں کی نئی سفری دستاویزات آجائیں تو کوئی فیصلہ کیا جاسکے گا۔''

''موقع ملتا ہے تو تم نکل جاؤ۔ ہماری پروانہ کرو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ جلال کے آدمی کے لیے تم

دونوں اجنبی ہو۔ ویسے بھی مجھے دور رہ کر تم دونوں کا دھیان رکھنا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ راجن کی پشت پر امریکی سفارت خانے کے کرنل گیری کا ہاتھ کارفرما تھا۔ ہوسکتا ہے کہ نیویارک والوں کے ایما پر اسی نے پال اور دوسرے آدمی کو تمہارے پیچھے لگایا ہو۔''

''کرنل گیری!'' ویرا نے پرخیال آواز میں دہرایا۔''یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ وہ سفارت خانے میں کیا کام کرتا ہے۔''

''سنا ہے کہ انفارمیشن افسر ہے اور چھ سال سے یہاں کام کررہا ہے۔''

''یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ امریکا میں بیوروکریسی بہت بڑی ہے۔ وہ اتنی لمبی مدت سے یہیں ہے تو یقیناً کسی اہم مشن پر کام کررہا ہوگا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے ساتھ ملا ہوا تھا؟''

''ان باتوں کو چھوڑ دو۔ کریدوگی تو سوال سے سوال پیدا ہوتے جائیں گے اور ہم اصل موضوع سے بھٹک جائیں گے۔ میں ہوا میں تیر نہیں چلا رہا۔ یہ بات راجن نے خود قبول کی تھی۔ جب ملیں گے تو یہ باتیں ہو جائیں گی.... فی الحال اپنی توجہ موجودہ مسائل پر مرکوز رکھو۔''

''ملنے کی بات دور نظر آرہی ہے۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔ ہم ایک ساتھ حریفوں کی نظروں میں آگئے تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔''

''یہ صورتِ حال بدل بھی سکتی ہے۔ ریٹا اور اکبر خطرناک نام تھے۔ محتاط رہ کر جیکب اور روزی سے ملاقات کی جاسکتی ہے۔''

''کب آرہے ہو؟'' ویرا نے اسی لمحے سوال داغ دیا۔''یہ معاملات فون پر طے نہیں ہو سکتے۔ کچھ دیر کے لیے رو بہ رو بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی وعدہ نہیں کرسکتا، کوشش کروں گا۔ نئی جگہ پر تمہارے کمرے کیسے ہیں؟''

''کسی گھر کو معمولی ردوبدل سے گیسٹ ہاؤس بنادیا گیا ہے۔ یہاں پرائیویسی کا احساس مفقود ہے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی لابی میں کھلتی ہے۔ آوازیں سننا تو درکنار، کوئی آنے جانے والا چاہے تو اندر جھانک بھی سکتا ہے۔ میں نے وہ کھڑکی بند کردی ہے۔''

''میں کل کوشش کروں گا کہ ہم کہیں یکجا ہوسکیں۔'' میں نے کہا۔''تمہارا ٹھکانا موزوں نہیں ہے۔''

''کوشش نہیں، بس آجاؤ۔'' اس نے اصرار کیا۔''گیری، پال اور تیسرے آدمی کے خیال سے مجھے ہول آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے سے پہلے ہم ان سے الجھ جائیں۔''

''میں دامن بچانے کی پوری کوشش کررہا ہوں۔ آگے اللہ کی مرضی!''

''جلال شکایت کررہا تھا کہ تم نے اس کی سخت ہدایت کے باوجود بیم گن کو بے دریغ استعمال کیا ہے۔'' ویرا بات سے بات نکالتی جارہی تھی۔''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''کرسی پر بیٹھ کر ہدایات جاری کرنے اور جان لیوا سچویشن میں فیصلے کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' میں نے ذرا ترشی سے کہا۔''تمہیں بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ میں جان بوجھ کر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا تھا تو اس کا تدارک بھی سوچ لیا تھا۔ شاید جلال نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا!'' میں نے ذرا ترشی سے کہا۔

''بتا دیا تھا۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔''آگ زبردست تھی۔ وہ دعا کررہا تھا کہ اس نے تمہاری توقعات

کے مطابق سارے ثبوت چاٹ لیے ہوں۔''

''تمہیں تفصیل معلوم ہے تو پھر یہ بات چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی ..... کیا تم مجھے چڑانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ آمنے سامنے بات ہو رہی ہوتی تو تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میرے چہرے پر تمہیں نیک نیتی اور تشویش صاف نظر آجاتی۔''

''جیکب کام بگاڑ کر کہاں چھپا ہوا ہے؟'' میں نے بات بدل کر سلطان شان کے نئے نام سے اس کے بارے میں سوال کیا۔''اس سے کہنا کہ وہ بھی کسی وقت مجھ سے بات کر لے۔''

''تمہارا بجر بٹو سامنے بیٹھا ہوا مجھے دیکھے جا رہا ہے۔ چاہو تو اس سے بات کر لو!'' ویرا نے یہ کہہ کر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون اسے دے دیا۔

''مبارک ہو!'' میرے کان میں سلطان شاہ کی دھیمی اور سنجیدہ آواز گونجی۔''تم نے یہاں آکر اپنا ہر کام پورا کرالیا ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری ایک غلطی نے اب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تم کو بلا وجہ پریشان ہونا پڑے گا۔''

مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک ساتھ رہنے سہنے کے سبب ان کے درمیان جس نوعیت کی کشا کش چل رہی تھی اس کا مجھے بہ خوبی اندازہ تھا۔ ویرا نے اپنے ناقدانہ رویے سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھائی ہوگی کہ اس کی ذات نئی پریشانیوں کا منبع بنی ہوئی تھی وہ مجرمانہ احساس سلطان شاہ کی دلیرانہ صلاحیتوں کے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

''کام کیا جاتا ہے تو پریشانیاں لامحالہ سامنے آتی ہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے کہا۔''مجھے خوشی ہے کہ تم نے وہاں کے ننگے بھوکے اور بے گھر لوگوں میں جس شخص پر توجہ دی وہ واقعی ایک اہم آدمی تھا۔ اب تمہاری نگاہوں میں خاصی پختگی آ گئی ہے۔ تم اپنے طور پر درست فیصلے کرنے لگے ہو۔''

''شاید تم میری دل جوئی کرنے کی کوشش کر رہے ہو!'' اس کی آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ روزی ہر وقت مجھے لعن طعن کرتی رہتی ہے۔''

''یہ تمہارے اور اس کے ذاتی معاملات ہیں۔ کسی بڑے فیصلے سے پہلے دونوں فریقوں میں ایسی زور آزمائی ہوتی رہتی ہے۔ شادی سے پہلے وہ تم پر حاوی ہونے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے تاکہ تم زندگی بھر اس کے مطیع بنے رہو۔''

ہم چاروں بہت سنگین صورت احوال سے گزر رہے تھے، ذہن پر عجیب سی پراگندگی کی لہر سوار تھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آگے ہمیں کس صورت حال سے نبرد آزما ہونا پڑے گا لیکن ذہن میں ویرا اور سلطان شاہ کی یک جائی کا خیال آتے ہی تازگی کا احساس یک بہ یک جاگ اٹھا۔ قنوطیت کی لہر یکا یک کافور ہو گئی۔

''تم کو کیا ہو گیا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں ہلکا سا غصہ جھلکنے لگا''ایک مسلمان کسی کافرہ سے کسی حال میں ایسا رشتہ نہیں جوڑ سکتا.....''

''بیٹے! وہ کافرہ نہیں، اہل کتاب ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اس کی تصحیح کی۔''تم کو بتا چکی ہے کہ وہ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''رکھتی ہوگی .....'' سلطان شاہ نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔''وہ کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑی ہوئی ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ اس کے کان میری باتوں کی طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ میں نے کھری بات کہہ دی تو ابھی فساد کھڑا ہو جائے گا۔''

''دماغ میں آئی ہوئی بات اپنے دل میں نہ رکھو۔ اسی دبی ہوئی آواز میں کہہ ڈالو۔ کچھ پتا تو چلے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے!''

''صرف عیسائی ماں اور وہ بھی بغیر بیاہی ماں کے گھر میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دل سے عیسائی ہے۔ وہ خود اعتراف کر چکی ہے کہ زندگی میں کبھی گرجا نہیں گئی۔ وہ بے دین ہے، اپنی قوم، اپنے مذہب تک کا مذاق اڑاتی ہے۔''

''کان کھول کر پہلی بات یہ سن لو کہ اس کو کبھی بھول کر بھی اس کی ماں کے گناہ کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے سختی سے کہا''اس میں روزی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک ناکردہ گناہ کا طعنہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔''

''اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات وہ بارہا ہم سب کے سامنے کہہ چکی ہے اور اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ شاید اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سب کیا دھرا اس کی ماں کا ہے، وہ کیوں احساسِ جرم میں مبتلا رہے۔''

''اس کی یہ سوچ درست ہے۔ اور اب دوسری بات سن۔ اس کے گرجا نہ جانے پر تم لعن طعن کر رہے ہو، یہ بتاؤ

کہ تم کب مسجد جاتے ہو!''
''یہ نہ کہو، میں نے نیو یارک میں بھی جمعے کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی جمعہ نہ چھوڑوں۔''
''حالانکہ تمہیں دن میں پانچ بار وہاں جانا چاہیے۔ ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ مذہب کے حوالے سے اس پر تنقید کرو گے تو وہ بھی تمہارے بخیے ادھیڑنا شروع کر دے گی۔ آدمی اپنے مذہب سے ذاتی طور پر کتنا ہی دور کیوں نہ ہو، اس پر کسی دوسرے کی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ تم کو محتاط رہنا چاہیے۔''
''آیندہ میں محتاط رہوں گا لیکن تم کو اتنا ضرور بتا دوں کہ میں موقع محل سے یہ سب باتیں اس کے سامنے کہہ چکا ہوں اور وہ کبھی چراغ پا نہیں ہوئی۔
''یہ اس کی فراخ دلی ہے کہ وہ حقائق کو خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے۔''
''تمہاری اس سے گاڑھی چھنتی رہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں اس کی ذاتی رائے کیا ہے!'' اس بار سلطان شاہ کی آواز نارمل تھی۔
''تمہارا دھیما لہجہ بلند ہو گیا۔ کیا وہ کہیں چلی گئی ہے؟'' میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔
''تمہارا مشاہدہ واقعی بے مثال ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''تم چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کر کے بڑے اندازے لگا لیتے ہو۔ وہ ابھی سگریٹ سلگاتی ہوئی باہر نکلی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لابی میں نیچی آواز میں ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گئی ہو۔''
''اس میں ایک بہت اچھی عادت ہے۔ وہ جہاں بھی گئی اس نے وہاں کے مذہب اور رسوم و رواج کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ وہ اسلام کو سب سے بہتر مذہب تسلیم کرتی ہے۔ اس کے پیروکاروں کے بارے میں اس کی رائے اچھی نہیں ہے۔''
''اس کا مطلب ہے کہ اس پر میری محنت کامیاب ہو سکتی ہے!'' اس نے پُر امید لہجے میں کہا۔ ''میں نے بھی اس کی طبیعت کا جھکاؤ دیکھ کر اپنا سلسلہ شروع کیا تھا۔''

''وہ مسلمان ہو گئی تو تم اس سے شادی کر لو گے؟'' موقع پا کر میں نے اس سے وہ اہم سوال کر ہی ڈالا۔
''تم میری شادی کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟''
''لوگوں کو لڑکیوں کی فکر ہوتی ہے، مجھے تمہاری فکر ہے۔ تمہیں بہر حال شادی کرنی ہے۔ وہ بھی ساری عمر تنہا نہیں رہ سکتی۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرو تو ایک دوسرے کا سہارا بن سکتے ہو۔''
''تمہیں معلوم ہے کہ میرا تعلق سرحد کے ایک گاؤں سے ہے۔ میں اسے اپنی بیوی بنا کر وہاں لے گیا تو گاؤں والے میرے سر پر ایک بال نہیں چھوڑیں گے۔''
''تمہاری منطق نرالی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا ''کبھی آمادہ نظر آنے لگتے ہو۔ میں نے سوال کیا تو اب نئی قلابازی کھا رہے ہو۔''
''یہ قلابازی نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ گاؤں کے لوگ ان معاملات میں کتنے سید ھے اور سخت ہوتے ہیں۔''
''پھر اس کا شبہ درست ہے۔ مسلمان کر کے تم اسے بے سہارا چھوڑ دو گے۔''
''تم بھی تو اس کی مدد کر سکتے ہو۔ ذہنی طور پر وہ تم سے بہت قریب ہے۔'' سلطان شاہ کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔
''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے سکتے کے بعد میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔
''تم کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ تم ہر وقت دوسری کر سکتے ہو۔''
سلطان شاہ میرے سوال کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس رخ پر آیا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے سامنے اچانک آئینہ رکھ دیا ہو۔
میں نے اپنے وجود میں دوڑنے والی سنسنی پر قابو پاتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔ ''تم شروع سے میرے ساتھی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ روزی کی یہی خواہش تھی لیکن جب میں

صدف کے ساتھ رشتے کے بندھن میں بندھ گیا تو روزی نے رفتہ رفتہ اس حقیقت سے سمجھوتا کرلیا۔ وہ مغرب کی پلی ہوئی ہے۔ اس کے مذہب اور معاشرت میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی میں تمہارے اس مشورے کے بارے میں صدف سے بات کروں ......''

اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''صدف سے بھول کر بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ہمیشہ کے لیے گرہ پڑ جائے گی۔''

''تمہاری نیت صاف ہے تو تمہیں صدف یا کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آمادہ ہوگئی تو مجھے ایک نو مسلم خاتون کا سہارا بن کر خوشی ہوگی۔'' میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ میں جان بوجھ کر درمیان میں غزالہ کا ذکر لایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا خیال آتے وہ پسپائی اختیار کرلے گا۔

''نہیں ...... نہیں تم اس سے بات نہیں کرو گے۔'' اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی۔ ''وہ سوچے گی کہ میں اس کا منہ بولا بھائی بن کر اس کا گھر برباد کرانا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔ اس سے مشورہ کرکے اور اس کی رضا مندی کے بغیر میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتا۔''

''مت کرو۔ سمجھ لو کہ میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اس وقت تمہاری باتیں تو نہیں سن رہی؟'' سلطان شاہ بوکھلایا ہوا تھا۔

''اپنی رسٹ واچ دیکھو۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ بہت دیر سے گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت بڑی خفت سے بچ گیا۔ میں نے روا روی میں اپنی بات کہہ ڈالی۔ میرے ذہن میں صدف کا خیال آجاتا تو میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ دیکھو، اس سے اس بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔ عورتیں چھوٹے دل کی ہوتی ہیں۔ وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہوجائے گی۔ میں نے یہ بات تمہیں چڑانے کے لیے کہی تھی، تم بلاوجہ سنجیدہ ہوگئے۔''

''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے کہے ہوئے ہر لفظ کو اہمیت دیتا ہوں۔'' میں نے اسے مزید رگڑنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے درمیان اس موضوع پر قسطوں میں بات ہورہی ہے۔ اپنے گھر اور گاؤں والوں کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو، اپنے حوصلے کا اندازہ لگا لو پھر مجھے جواب دو۔ تمہاری طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے بعد میں روزی سے بات کروں گا۔ وہ مادہ پرستی کے ڈھکوسلوں سے اکتائی ہوئی ہے۔ اسے سکھ کی تلاش ہے جو کہیں نہیں مل سکا۔ وہ اپنے ذہنی سکون اور سکھ کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کر گزرے گی۔''

''میں نے پہلے بھی وقت لیا تھا۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں، موجودہ جھمیلوں سے نکلنے کے بعد میں سکون سے کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔''

میں نے بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے لیے وقفوں سے ہونے والی ایسی گفتگو زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی تھی۔ پتھر پر گرنے والا بوند بوند پانی آخرکار اس میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ وہ ترغیبی نکتے کبھی نہ کبھی بارآور ہونے والے تھے۔

''آپ ذرا سی دیر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ ہر طرف مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پتا نہیں آپ کے خلاف اب سازشوں کا کون سا نیا جال بنا جارہا ہے۔ ان حالات میں آپ اس سے یوں باتیں کررہے تھے جیسے ہم کراچی میں بے فکر بیٹھے ہوں اور آپ کل ہی ان دونوں کا گھر بسانے کا ارادہ کرچکے ہوں۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا۔

''خطرات ٹل چکے ہیں، راجن کی موت کے بعد ہر طرف ٹھہراؤ آگیا ہے۔'' میں نے بستر پر دراز ہوکر کہا۔ ''اہم ترین بات یہ ہے کہ اب ہمیں یہاں کچھ نہیں کرنا۔ ڈان کی کامیابی کا جشن منعقد ہونے تک ہمیں آرام کرنا ہے پھر ہم یہاں سے چل دیں گے۔''

''وہ دونوں اب کہاں ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے ویرا اور سلطان شاہ کی منتقلی کا قصہ سنا دیا جس میں ٹی ایچ پال کی بدنصیبی کا ذکر نمایاں تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں کہ خطرات ٹل گئے۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ پال کی مرمت کے بعد وہ زیادہ شدومد کے ساتھ ریٹا اور اکبر کو تلاش کریں گے۔''

''وہ دونوں غائب ہوگئے۔ ان کے نئے نام روزی اور جیکب ہیں۔ اگر وہ شکل وصورت سے نہ پہچانے جائیں تو ساری امریکن آرمی مل کر بھی بنکاک میں ان کا کھوج نہیں لگا سکتی۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''ویرا زیادہ دیر تک ٹک کر بیٹھنے والی نہیں ہے۔'' غزالہ نے مایوسی سے کہا۔ ''وہ گھومنے پھرنے کا خطرہ مول

لے گی اور مشکل میں پڑ جائے گی۔''
''اس خدشے کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ پال سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اگر یہ تمہاری بددعا ہے تو بات دیگر ہے۔''
''اس نے کون سی میری جاگیر ماری ہے جو میں اسے بددعا دوں!''
''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ جب میں نے تمہیں آنکھ ماری تھی، اس وقت سلطان شاہ سے میری کیا بات ہو رہی تھی۔''
''ضرورت نہیں سمجھی!'' اس نے مسکرا کے کہا ''شاید اس نے آپ کے سوالوں سے جان چھڑانے کے لیے کوئی جوابی وار کر دیا تھا۔ ذرا سی دیر کے لیے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کیا اس نے آپ کو دیرا سے دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا؟''
غزالہ کے صحیح ترین اندازے پر میں ششدر رہ گیا اور مجھے کسی دوست کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی کہ شوہروں کی کمزوریوں کا سراغ لگانے کے لیے بیویوں میں ایک ایسی خصوصی حس بیدار ہو جاتی ہے جو چھٹی حس سے بدرجہا تیز ہوتی ہے۔ غزالہ نے بہت زیادہ معصومیت کے ساتھ موضوعِ سخن کے بارے میں درست اندازہ لگایا تھا۔
ہمارے درمیان اس بارے میں نوک جھوک شروع ہو گئی اور اس دوران میں کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔
میرا وہ دن بہت مصروف گزرا۔ صبح سے رات گئے تک جسمانی اور اعصابی تکان سے میرا برا حال ہو چکا تھا۔ نیند کی دیوی مہربان ہوئی تو میں اس کی گہری آغوش میں چلا گیا۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے میرے فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں بج رہی ہو۔ ابتدا میں وہ خواب کا سا موہوم تصور تھا لیکن خواب بہت برق رفتار ہوتے ہیں۔ زمان و مکاں کی ہر قید سے آزاد ہو کر لمحوں میں صدیوں کا احاطہ کر لیتے ہیں لیکن وہ اگر خواب تھا تو بس ایک ہی جگہ رک کر رہ گیا تھا۔
میں نے کسل مندانہ انداز میں آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ایئرکنڈیشنر کی فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی اور وہ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا تو سوئیاں صبح کے چار بجا رہی تھیں۔
میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی رہ رہ کر بجے جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس رات بھرپور نیند میرے مقدر میں نہیں تھی۔

باپ نے کمسن بیٹے سے کہا ''کیا تم اس بات پر حیران نہیں ہوتے کہ انڈوں میں سے چوزے کیسے نکل آتے ہیں؟''
''ڈیڈی! اس سے زیادہ تو میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ چوزے، انڈوں کے اندر جاتے کیسے ہیں؟'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نگاہ اپنے پیچھے ڈالی۔ غزالہ کروٹ لیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا تو چاؤ فان کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا دماغ سنک گیا۔
''ماسٹر! تم سو تو نہیں رہے تھے؟'' اس کا سوال نہایت احمقانہ تھا۔
''چاؤ فان! یہ شریف انسانوں کی گہری نیند کا وقت ہے۔ تم کیوں میری جان کا عذاب بننے پر تلے رہتے ہو...... تم نے مجھے نیند سے اٹھایا ہے......''
''مجھے افسوس ہے ماسٹر لیکن میں مجبور تھا۔ کیا تم اس وقت اپنے کمرے سے نکلنے کے موڈ میں ہو؟'' معذرت کے ساتھ ایک عجیب سوال کر کے اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔
''آج ڈان نے تمہارے سامنے میری مہمان داری کا ذکر کیا تھا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اگر یہ اس مہمان داری کی ابتدا ہے تو میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آرام کرنے دو ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''
''مجھے تمہاری تھکن اور آرام کا پورا احساس ہے۔ میں دوسری طرح اپنی تھکن اتار رہا تھا۔ اس وقت میامی کلب میں چھوٹا راجن کی بربادی کا خفیہ جشن منایا جا رہا ہے۔ ماسٹر، تم یقین کرو کہ یہاں پورا پرستان اترا ہوا ہے۔ بےخودی اور سپردگی کی ایسی فضا ہے کہ فرشتے بھی یہاں سے ہلنا نہیں چاہیں گے مگر میں مجبور ہوں۔ ابھی ڈان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ سنجیدہ اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہتا چلا گیا۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔
''میں چند گھنٹے پہلے اس سے ملا تھا۔ اس کا اصل حریف اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔ ایسی کیا ایمرجنسی پیش آ گئی کہ سورج طلوع ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے دوبارہ طلب کر رہا ہے۔''
میں نے غصے اور بےبسی سے کہا۔ میرا نیند کا خمار غائب

ہو چکا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بس حکم دیتا ہے۔''

''صبح کے چار بجے میں وہاں کیسے جاؤں گا؟'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ہوٹل سے ریڈیو ٹیکسی مل سکتی ہے مگر وہ مناسب نہیں رہے گی۔'' اس نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا'' اس نے مجھے حکم دیا ہے۔ تمہیں وہاں پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ حکم دو کہ یہ خادم کتنی دیر میں پہنچ جائے!''

''اگر میں اس وقت نہ جا سکوں؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''مجھے صدمہ ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم ہمت کر ہی لو گے۔ ایک انکار سے تمہاری ساری محنت اور کارکردگی اکارت جائے گی۔ وہ خوبیاں بھول جاتا ہے، خرابیاں یاد رکھتا ہے۔'' چاؤ فان نے بہت تہذیب اور شائستگی سے مجھے انکار کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سلسلے میں چاؤ فان کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ اس وقت چابی دیے ہوئے کھلونے کی طرح ڈان کی طرف داری میں بول رہا تھا۔ وہ اپنے طور پر کوئی متبادل فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا یہ کہنا صحیح تھا کہ میرا انکار میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ڈان کے پاس جانا میری مجبوری تھی۔

''پندرہ منٹ بعد پہنچ جاؤ!'' میں نے جلے کٹے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

غزالہ اس وقت بھی بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس کی نیند میں مخل ہوئے بغیر، خاموشی سے تیار ہو کر ڈان کی طرف نکل جاؤں لیکن میں نے وہ ارادہ فوراً مسترد کر دیا۔ ڈان کا نیا نادر شاہی حکم مجھے اپنے لیے خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے سیلرز بار میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور کب تک میری واپسی عمل میں آ سکے گی۔ غزالہ میری غیر حاضری میں نیند سے بیدار ہو کر سخت پریشانی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں ڈان اور چاؤ فان کو برا بھلا کہتے ہوئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں غسل خانے سے نہا کر باہر نکلا تو غزالہ از خود بیدار ہو چکی تھی۔ اس کی خمار آلود نگاہوں سے تشویش جھلک رہی تھی۔

میں نے اپنی تیاری جاری رکھتے ہوئے اسے ڈان کے تازہ ترین فرمان سے آگاہ کیا تو اس کی تشویش خوف میں بدل گئی۔ میری طرح اسے بھی یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ محض چند گھنٹوں کے بعد ڈان کو یکایک میری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔

میری طرف سے اندیشے کے اظہار پر غزالہ نے متانت سے یہ بتا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میری طلبی کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو، اس میں ڈان کی برہمی کا عنصر نہیں تھا۔ کسی بھی وجہ سے ڈان میری طرف سے بھڑکا ہوا ہوتا تو مجھے چاؤ فان کے ذریعے بلوانے کے بجائے ہوٹل سے زبردستی اٹھوا سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمارے مراسم میں ایسی کوئی سنگین خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ ڈان کو علی الصباح میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ میری واپسی میں تاخیر کسی اور گڑبڑ کی صورت میں وہ فوری طور پر طارق اور جلال سے براہ راست رابطہ کر کے پوری صورت احوال بتا دے۔ ڈان کے نظریں پھیر لینے کے بعد بنکاک میں صرف طارق ہی ہمارا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا اپنے مسئلے میں پھنس کر رہ گئی تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی بری خبر سن کر اضطراری طور پر اپنی نئی کمین گاہ سے باہر نکلے اور اپنے پیچھے لگے ہوئے امریکی بھیڑیوں کے ہاتھوں دھر لی جائے۔

ضروری بریفنگ کے بعد میں جوتے پہن رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار طارق لائن پر موجود تھا۔

اسکرین پر اس کا فون نمبر دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کی طرف سے اس وقت فون آنا حیران کن تھا۔

''مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی۔'' میری طرف سے جواب ملتے ہی طارق نے بولنا شروع کر دیا'' مجھے اس کی کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع فوری طور پر تم کو دینا تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے گھر سے اکیلا نکلا تھا۔ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا بندرگاہ کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا ہوں۔ وہ ابھی سیلرز بار نامی ایک پب میں داخل ہوا ہے جہاں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔''

طارق کی دی ہوئی خبر سنتے ہی میرا دماغ گھوم گیا۔ کرنل گیری کے ساتھ میری سیلرز بار میں طلبی میری سلامتی کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن نور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے بہترین ورید معاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ ہم اس واقعے کے نتائج و عواقب میں الجھے ہوئے تھے کہ ڈان نے مجھے طلب کیا اس وقت آئی ایس آئی کے مقامی نمائندے نے اطلاع دی کہ کرنل گیری بھی ڈان کے بلاوے پر سیلرز بار پہنچا ہوا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 256 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''شاید یہ خبر سن کر تم کو ذہنی دھچکا لگا ہے اور تم میری پوری بات نہیں سمجھ پائے۔'' اس کی آواز میں طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک سائے کی طرح اس کا پیچھا کرنا ہے۔ میں سیلرز بار کے سامنے والی سڑک کے پار اندھیرے میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ وہ نکلے گا تو اس کے پیچھے چل دوں گا۔''

''ذرا ہوشیار رہنا۔ وہ ڈان کا علاقہ ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر رہتا ہے۔ اس کے کسی گرگے کو تم پر شبہ ہو گیا تو تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔'' اپنی پریشانی کے باوجود میں نے اسے خطرے سے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔

''تم ڈان برنارڈ کی بات تو نہیں کر رہے؟'' اس کی تائید طلب آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اپنے فطری تجسس کی وجہ سے اس کو شہر میں ڈان جیسے بھرپور کردار کی موجودگی کی سن گن ملنا میرے لیے کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ''سیلرز بار اسی کی ملکیت ہے۔''

''گیری اس جرائم پیشہ شخص سے ملنے کے لیے اتنے نامناسب وقت پر کیوں دوڑا چلا آیا ہے!'' اس کا لہجہ سوالیہ سے زیادہ خود کلامی کا سا تھا۔

''یہ بات میرے لیے بھی پریشان کن ہے۔ ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کو مقامی مجرموں سے کیا سروکار ہو سکتا ہے!'' ہم دونوں فکرمند تھے اور کسی کے پاس ایک دوسرے کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

پاکستان میں میرا رابطہ جلال سے تھا۔ اپنے محکمے میں صرف اسے ان خطرات کا مکمل ادراک تھا جو مجھے درپیش تھے۔ یہ یقینی طور پر اس کی ہدایت ہو سکتی تھی کہ طارق اگلے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ طارق براہ راست جلال کو جواب دہ نہیں تھا۔ جلال نے وہ ہدایت اس کے بڑے افسر کے ذریعے بہت تیزی سے اس تک پہنچائی تھی۔

میں نے جلال کو بنکاک میں درپیش حالات سے پوری طرح آگاہ کر کے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ مجھے یا اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ راجن کے عبرت ناک زوال کے بعد گیری صبح صادق سے بھی پہلے ڈان سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نگرانی کی ضرورت شاید ویرا اور سلطان شاہ کے تحفظ کے لیے محسوس کی گئی تھی لیکن اس کا نتیجہ نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ڈان نے گیری کے پہنچنے کے بعد مجھے طلب کیا تھا یا وہ پہلے ہی مجھے بلانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''گیری کو وہاں پہنچے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''وہ ابھی اندر گیا ہے۔ اس کے اندر جاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔'' طارق نے بتایا۔

''تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ سیلرز بار والے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے؟''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے اس کے باوجود بار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گیری کی گاڑی رکتے ہی اندر دھیمی روشنی ہوئی اور ایک آدمی نے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور وہ دونوں اندر

چلے گئے۔ یہاں کا سماں عجیب سا ہے۔ بار کے باہر ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور کاٹھ کباڑ پھیلا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے رات گئے یہاں شرابیوں میں مار کٹائی ہوئی ہو......''

''استقبال کرنے والا جسیم اور دراز قامت تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں، کوئی موٹا سا، پستہ قامت مقامی معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ڈان برنارڈ کا پالا ہوا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ چاروں موٹے شراب کے نشے میں دُھت ہو جانے کی وجہ سے شام کو ڈان کے ٹھکانے سے غائب تھے۔ نشہ اتر جانے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چپکے سے لوٹ آئے ہوں گے۔ شاید ڈان نے ان ہی میں سے کسی کو گیری کے استقبال پر مامور کر دیا تھا۔

لمحہ بھر کی خاموشی میں، میں نے اپنے ذہن میں پورا نقشہ جمایا۔ ڈان نے سواری کی دقت کی وجہ سے براہ راست مجھے ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ ذمے داری اس نے چاؤ فان کو سونپی جو میامی کلب میں راجن کی موت پر برپا ہونے والے طرب و نشاط کے ایک جشن میں شریک تھا۔

اس نے بہکے ہوئے اس مخلوط اجتماع میں اپنے حواس کو یکجا کرنے کے بعد مجھے فون کیا۔ اس کال کو آئے خاصی دیر ہو چکی تھی جب کہ طارق کے بیان کے مطابق گیری اسی وقت سیلرز بار میں پہنچا تھا۔

اس ترتیب وار موازنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے مجھے بلانے کا فیصلہ گیری کے پہنچنے سے پہلے کیا تھا۔ اگر اس نے اس سے پہلے گیری کو فون کر دیا ہو تو وہ معاملہ مختلف ہو جاتا۔

ایک بات بہرحال طے تھی کہ میری طلبی کا فیصلہ ڈان کا تھا۔ اس میں گیری کی رائے یا مشورے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے تک میں گیری کے پیچھے لگا رہوں گا۔ ابھی صرف چار پانچ گھنٹے گزرے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جب تک وہ سیلرز بار میں رکا ہوا ہے، میں بھی یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔ میں نے اس کی یہاں آمد کے بارے میں تم کو اطلاع دے کر اپنا فرض پورا کر دیا۔''

''شاید تمہارے لیے یہ اطلاع دلچسپ ہو کہ تھوڑی دیر میں، میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے الفاظ پر چونک گیا تھا۔ ''کیا تم گیری سے تصادم کے ارادے سے آ رہے ہو؟''

''یہ میرا ارادہ نہیں ہے، ڈان نے مجھے وہاں طلب کیا ہے۔''

''ڈان سے تمہارا کیا واسطہ؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔ وہ اندر کی بہت سی باتوں سے یکسر بے خبر تھا۔ ان میں میرے اور ڈان کے نازک مراسم بھی شامل تھے۔

''لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ڈان اپنی دانست میں مجھے استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

''خطرناک معاملہ ہے۔'' وہ میرے ایک فقرے سے پوری بات سمجھ گیا۔ ''آخری جیت سے پتا چل سکے گا کہ کون کس کو استعمال کر رہا تھا۔ میں ایک بار پھر تمہیں بتا دوں کہ سیلرز بار پر تمہارا ڈان یا گیری سے کوئی ٹکراؤ ہوا تو میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ میری حیثیت ایک بے بس تماشائی سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ''تمہارے لیے اپنا دامن بچائے رکھنا سب سے مُقدم ہے۔ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے مجھے گیری کی آمد کی اطلاع دے دی۔ میں راستے میں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ ذہنی تیاری کر سکوں گا۔''

''اگر تم مجھ پر طنز کر رہے ہو تو شاید تمہیں میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے پہلی بار شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔ تم میری پوزیشن سے بے خبر ہو۔ میں یہاں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی لغزش مجھے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔''

''بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تم یہاں اپنی من مانیاں کر رہے ہو۔ موتی محل کے واقعے نے شہر بھر میں خوف و ہراس اور سنسنی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ اپنی مجبوریوں کے باوجود میری ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ الگ تھلگ رہ کر میں جو کچھ کر سکا، کر گزروں گا۔''

میرے لیے اس کی وہ یقین دہانی کافی تھی۔ میں نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

گیری...... گیری...... گیری۔ اس وقت میرے ذہن میں وہی ایک نام گونج رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ صبح کے چار بجے سیلرز بار کیوں پہنچا تھا۔

چاؤ فان کو دیا ہوا وقت قریب آ رہا تھا۔ میں غزالہ سے

رخصت ہو کر کمرے سے نکل آیا۔ میرا ذہن مسلسل گیری کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ طارق نے اس کے سیلرز بار پہنچنے کی خبر دے کر میرے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ خبر یقیناً بہت اہم تھی۔ میں بے خبری کے عالم میں ڈان کے پاس پہنچتا تو میرے لیے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

ڈان سیلرز بار میں صرف کاروبار کرنے کے اصول پر کاربند تھا۔ میرے تجربے کے مطابق وہ وہاں اپنے کسی ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ملنے والوں کو وہ عقبی دروازے سے بار کی اوپری منزل پر بلایا کرتا تھا۔ اس نے گیری کو بلایا ہوتا تو وہ اسی راستے سے اوپر جاتا۔ طارق نے مجھے بتایا کہ گیری کو سیلرز بار کے دروازے سے اندر لے جایا گیا تھا۔ اس باریک نکتے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید ڈان نے اسے نہ بلایا ہو۔ وہ سازشی ذہن کا مالک تھا۔ عام جرائم پیشہ لوگوں سے روابط رکھنے کے بجائے ان کے سرغنوں سے قریبی مراسم استوار کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس نے موتی محل میں زبردست آتشزدگی سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگالیا ہو اور ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے منہ اندھیرے وہاں دوڑا چلا آیا ہو۔ دن کے اجالے میں اس کی وہاں آمد کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے ڈان سے ملنے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب پورا شہر اور شہر کی خبریں سونگھتے پھرنے والے رپورٹرز گہری نیند سو رہے ہوں۔

گیری خود وہاں پہنچا ہو یا ڈان نے اسے بلایا ہو میرے لیے دونوں صورتیں تشویش ناک تھیں۔ میں نے گیری کے نام کی آڑ لے کر ڈان کو جو فرضی کہانی سنائی تھی وہ ان دونوں کے درمیان زیرِ بحث آتی تو میرا کچا چٹھا کھل جاتا۔ ڈان کے دل و دماغ میں میری طرف سے پہلے ہی وسوسے پروان چڑھ رہے تھے۔ گیری کی وضاحتوں کے بعد اس کا یہ شک یقین میں بدل جاتا کہ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اسے فریب دے کر بنکاک میں اپنا کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ میرے لیے وہ بہت مہیب اور گمبھیر مرحلہ تھا۔ میں ڈان کے پاس جانے سے انکار کر دیتا تو وہ اپنی توہین کے احساس سے ویسے ہی میرے خون کا پیاسا ہو جاتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں فتح کے نشے میں سرشار اس سرکردہ بدمعاش کی انا کو ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچاؤں سعادت مندی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس سے مل کر اپنے لیے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کروں۔

چاؤ فان اپنے وعدے کے مطابق میرا منتظر تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھا تو یخ بستہ بند کیبن میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی تھی جو چاؤ فان کے سانسوں کے ساتھ فضا میں شامل ہو رہی تھی۔

''تم نشے میں ہو گاڑی چلالو گے؟'' میں نے کسی برہمی کا اظہار کیے بغیر نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہاں تک میں خود ڈرائیو کر کے آیا ہوں تو سیلرز بار بھی پہنچ جاؤں گا۔ جب سے تم ملے ہو میری ساری تفریحات کا لطف غارت ہو گیا۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''کہو تو ذرا سی دیر کے لیے تمہیں بھی میامی کلب لے چلوں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ رات بھر کی مے نوشی کے بعد وہاں خلوص و محبت کا کیسا سماں بندھا ہوا ہے سب ایک دوسرے پر فدا ہونے پر تُلے ہوئے ہیں۔ ہر مرد و زن کو اپنی پسند کے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ پریاں شراب پیتی ہیں تو شراب ان کا سارا غرور اور گھمنڈ پی جاتی ہے وہ ڈالی پر لگے ہوئے پکے پھل کی طرح نرم خُو اور صلح جُو ہو جاتی ہیں۔ بات صرف پسند اور ہمت کی رہ جاتی ہے۔ جو بڑھ کر چھو لے اس کی جھولی میں آ گرتی ہیں۔''

''نشے کی جھونک میں شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ ہمیں ڈان کے پاس پہنچنا ہے۔'' میں نے طنز سے کہا۔ ''ہم میامی کلب گئے تو تاخیر ہو جائے گی۔''

وہ بے نیازی سے ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! میں الکحل میں نہالوں تب بھی مجھے نشہ نہیں ہوتا مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈان کے پاس کوئی بن بلایا مہمان پہنچا ہوا ہے۔ راستے میں ڈان کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ میں اس کی طرف سے گرین سگنل ملنے تک سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے سے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اتنی دیر کے لیے میامی کلب کے ہال میں جا بیٹھیں جہاں زندگی کی ساری رعنائیاں اور رنگینیاں اپنے شباب پر آئی ہوئی ہیں۔ تم کو ایسی محفلیں شاذونادر ہی مل سکیں گی۔''

وہ میامی کلب میں خلوص و محبت اور آزادی کی جس فضا کا تذکرہ کر رہا تھا اس کا تصور ہی میرے لیے کراہت انگیز تھا۔ اس خفیہ جشن کے شرکا خمار میں ڈوب کر انسانیت کے مرتبے سے بہت نیچے گر کر حیوانیت کے درجے پر آئے ہوئے تھے۔ جہاں نفس اور شکم کی بھوک مٹانے کے سوا کوئی تیسری ضرورت باقی نہیں رہتی ساری اقدار ایسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ مجھے انسانی روپ میں بہکتے اور لڑکھڑاتے ہوئے ان ہوس زدہ حیوانوں کے اجتماع میں شریک ہونے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے دوٹوک الفاظ میں وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

اس نے اپنی دانست میں میامی کلب جانے کا جواز بیان کیا تھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا کہ ڈان نے اپنے کسی بن بلائے مہمان کی آمد کی وجہ سے چاؤ فان کو اپنا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے کی ہدایت کی تھی۔

چاؤ فان کی بسیار گوئی کی عادت کی وجہ سے میری بہت بڑی الجھن دور ہوگئی۔ کرنل گیری کو ڈان نے طلب نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں میرا دوسرا نظریہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ ڈان سے اپنے پرانے مراسم کی تجدید کے لیے رات کے آخری لمحات میں خاموشی سے اس کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

مجھے بس یہ فکر رہ گئی کہ ڈان اور گیری کی اس غیر متوقع ملاقات میں میری وہ کہانی زیرِ بحث نہ آئے جو میں نے فون کے نظام میں خلل کے حوالے سے ڈان کو سنائی تھی۔

''ماسٹر! تم برا نہ مانو تو میں کہہ دوں کہ تمہاری جمالیاتی حس نہ جانے کہاں سوئی ہوئی ہے۔ پتا نہیں تم اتنے خشک اور کورے کیوں ہو۔'' میرے انکار پر اس نے مایوسی سے کہا۔

''میرے برا ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم جو بات کہنا چاہتے ہو' بے دھڑک ہو کر کہہ جاتے ہو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں!''

''تم مکا مار کر میرا چہرہ بگاڑ سکتے ہو۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے کیونکہ تم ماسٹر کے ساتھ میرے دوست بھی ہو۔ ڈان سے شکایت کر کے میرا مستقبل تباہ کر سکتے ہو اور یہ بھی پسند نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے خیرخواہ ہو۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میامی کلب میں ہمارا وقت بہت اچھا گزر جاتا۔ پتا نہیں ڈان کا گرین سگنل کب آتا ہے۔ اس کے انتظار میں ہمیں شہر کی سنسان اور بے رونق سڑکوں کی خاک چھاننا ہوگی۔ کہو تو ہم کسی ہوٹل ہی میں جا بیٹھیں۔''

وہ خالی الذہن تھا اس لیے فضول باتیں سوچ رہا تھا۔ میں نے مفت میں ہاتھ آئی ہوئی اس مہلت کو کام میں ڈھالنے کے لیے اس کی ذہنی رو موڑنے کا ارادہ کر لیا اور کہا۔

''اس وقت ڈان کے پاس کون آ سکتا ہے؟''

''کوئی بے خوف اور بڑا آدمی ہوگا۔'' اس نے اپنی رائے ظاہر کی ''ڈان نا وقت آنے والوں کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ وہ کوئی ایسا مہمان معلوم ہوتا ہے جس سے ڈان کو بادل ناخواستہ ملنا پڑ رہا ہوگا۔''

''کیا شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں؟'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''دو' سوا دو سال سے ڈان سب سے کٹا ہوا تھا۔ اب چھوٹا راجن کا ستارہ غروب ہوا ہے تو سب چھوٹے بڑے سرکاری افسر ڈان کی طرف دوڑ لگا ئیں گے۔'' وہ بولا ''ان میں پولیس والے سب سے آگے ہوں گے۔ ہم لوگوں کی سب سے زیادہ دوستیاں اور دشمنیاں ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں کا پولیس کمشنر سب سے زیادہ بوکھلایا ہوا ہوگا۔ وہ ہر وقت چھوٹا راجن کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے مال بنا رہا تھا۔''

میرے لیے وہ سامنے کی باتیں تھیں۔ انہیں جاننے کے لیے چاؤ فان سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان مقامیوں کے ساتھ میں اس کی زبان سے گیری کا نام بھی سننا چاہ رہا تھا۔ چاؤ فان کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا۔

''تم نے راجن کا ستارہ غروب ہونے کی بات کی ہے۔ یہ سب اس کی موت کی خبر منظر عام پر آنے کے بعد ہوگا۔ ابھی شہر میں صرف آگ کی خبر گردش کر رہی ہے۔ ہم تین آدمیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ اس آگ میں راجن کی چتا بھی چل رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! یہ بات پرانی ہوگئی۔'' اس نے گاڑی کو ایک سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب سے کچھ دیر پہلے بلکہ کئی گھنٹوں پہلے فائر مین جلی ہوئی لاشوں تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی شناخت بھی ہوگئی تھی۔ یہ ڈیڑھ دو بجے کا واقعہ ہے۔ وہ خبر سامنے آنے کے بعد ہی ہم لوگوں نے میامی کلب میں جشن منانا شروع کیا تھا۔ اس خبر کے سامنے آنے سے پہلے خوشی کا اظہار کیسے کیا جا سکتا تھا؟''

نشے میں ہونے کے باوجود اس کا ذہن صحیح سمت میں کام کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں بہکنے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے بات اسی پر رکھتے ہوئے کہا ''ابھی کچھ دیر پہلے تم گیری کا ذکر کرتے کرتے چپ ہوگئے تھے' کیا بات تھی وہ؟''

''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا۔'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

''زیادہ پی لینے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر خفگی سے کہا۔ ''اب تم کہہ دو گے کہ تم نے پولیس کمشنر کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

''وہ یاد ہے لیکن گیری!'' اس نے خاموش ہو کر اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی پیشانی کو ٹھوکا پھر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا ''میں نے گیری کا نام کیوں لیا تھا؟''

''ایسے غائب دماغ لوگوں سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' میں نے مزید بے زاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔
''کچھ پتا نہیں کہ تھوڑی دیر بعد تمہیں کیا یاد رہے گا اور کیا بھول جاؤ گے۔ اب میں تمہاری یادداشت بحال ہونے تک یہ سوچتا رہوں گا کہ تم نے گیری کے بارے میں کیا بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔''
''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''گیری کے بارے میں بس ایک معمولی سی بات رہ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یاد آ گئی ہو۔''
''تو وہی بک دو تا کہ میری خلش دور ہو۔'' میں نے جھلانے کی صداکاری کی۔
''سیلرز بار سے ہم لوگوں کے چلے آنے کے بعد ڈان نے گیری کو فون کر کے لعن طعن کی تھی۔ اس سے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ تک کہہ دیا کہ وہ چھوٹا راجن سے مل کر جو سازشیں کرتا رہا ہے' ڈان ان سے پوری طرح باخبر ہے۔''
''ڈان کی الزام تراشی پر اس کا کیا ردِعمل تھا؟''
''وہ ٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت تک چھوٹا راجن کے مرنے کی خبر نہیں آئی تھی۔ لیکن ہوا کا رخ بدل چکا تھا' وہ اپنی صفائیاں پیش کرتا رہا۔''
''یہ باتیں ہمارے چلے آنے کے بعد ہوئی تھیں تو تمہیں ان کا علم کیسے ہوگیا۔''
''ڈان نے بتایا تھا۔ فون پر وہ رابطہ کرلیتا ہے۔ وہ ہم جیسا آدمی ہے۔ جب تک کسی کو اپنی بڑائی اور کامیابی کے قصے نہ سنالے اسے چین نہیں آتا۔'' چاؤ فان نے خود پسندی کے انداز میں دھیرے سے ہنستے ہوئے بتایا۔ ''میرا اندازہ ہے کہ ڈان نے اسے ان باتوں کے اشارے بھی دیے ہوں گے جو تم نے فون پر سن کر ڈان کو بتائی تھیں۔''
''ہوسکتا ہے کہ اس وقت گیری ہی سیلرز بار پہنچا ہوا ہو!'' میں نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔
''اس وقت سب کچھ ممکن ہے۔'' وہ بولا ''اس وقت گیری نے ڈان کی شکایت پر نرم اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ وہ زور دے کر کہتا رہا کہ وہ کبھی ڈان کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں گے۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر پھیلتے ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈان کی شکایت پر اپنی زبانی معذرت کو ناکافی سمجھ کر وہ ذاتی طور پر ڈان کے دروازے پر پہنچ گیا ہو۔ ڈان اسے نہیں دھتکار سکتا تھا۔''

چاؤ فان نے بہت سرسری انداز میں اپنے قیاس کا اظہار کیا تھا۔ وہ حقیقت سے بے خبر تھا اور محض ایک مفروضے پر بات کر رہا تھا مگر اس کا تجزیہ میرے اندازوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ ڈان چاہتا تو گیری کو ذلیل کرنے کے لیے میرا اور اس کا سامنا کروا سکتا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کے اور راجن کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی لیکن اس نے دوراندیشی سے کام لے کر ہمیں گیری کی موجودگی میں سیلرز بار آنے سے روک دیا۔
ڈان جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر نیست و نابود کرنے کے بعد وہ نئی دشمنیاں مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجن کی زندگی میں اس کے پسینے پر اپنا خون بہانے والے جاں نثار بھی اپنے آقا کی موت کی خبر سنتے ہی آنکھیں پھیرلیں گے۔ موت اتنی بے رحم اور سفاک ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی سارے زمینی رشتے یک لخت ٹوٹ جاتے ہیں۔ دیکھنے والا باقی نہ رہے تو دکھانے والے اپنی وفاداری اور خیرخواہی کے اظہار کو غیرضروری سمجھ کر خاموشی سے گوشہ نشین ہوجاتے ہیں اور وقت کی بساط پر ابھرنے والی نئی قوت کے ساتھ اپنے رشتے جوڑنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔
راجن کی موت کے بعد بے یارومددگار رہ جانے والوں کو ایک ایک کر کے آخرکار ڈان ہی سے رجوع کرنا تھا۔ ان میں گیری بھی شامل تھا۔ اپنی پرانی وفاداریوں کے بارے میں حیلے بہانے تراشنا اور اپنی صفائیاں پیش کرنا ان کی ناگزیر مجبوری ہوتی جسے ڈان مسترد نہیں کرسکتا تھا۔
ڈان نے چاؤ فان کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا لیکن اس کے مزاج میں ذرا سی بھی تلخی نہیں تھی۔ وہ ڈان کی طرف سے نازل ہونے والی ایسی ناگہانی آفات کا عادی ہوچکا تھا۔ بس وہ رہ رہ کر اپنی بدنصیبی پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میامی کلب کے فسوں خیز ماحول میں شکار کی ساری تیاریاں مکمل ہوتے ہی ڈان نے کمند ڈال کر اسے شکارگاہ سے باہر گھسیٹ لیا تھا۔
گاڑی کبھی روشن اور کشادہ سڑکوں پر سفر کرتی رہی' کبھی تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتی رہی۔ پُرپیچ راستوں پر کئی بار مجھے گمان ہوا کہ شاید چاؤ فان اپنی رو میں ڈوب کر راستہ کھو چکا ہے لیکن ہر بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوتا رہا۔
تقریباً بیس منٹ بعد اچانک میری جیب میں پڑے ہوئے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
''ماسٹر! جلدی دیکھو' اس وقت ڈان کا فون ہوگا۔'' چاؤ

فان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس وحشت میں اس نے غیر ارادی طور پر گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

میں نے موبائل فون نکالتے ہی اسکرین پر طارق کا نمبر دیکھ لیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر فون اپنے بائیں کان سے لگا لیا تا کہ اس کی موہوم سی آواز بھی چاؤ فان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

''وہ ابھی ابھی وہاں سے واپس روانہ ہوا ہے' میں اس کے پیچھے ہوں۔'' میرے کان میں طارق کی آواز گونجی۔

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ مجھ سے اس کال کے بارے میں ضرور گہرے سوال کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والی پہلی تجویز پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ''ڈارلنگ! فکر مت کرو' میں جلد ہی آ جاؤں گا۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے طارق فون بند کر چکا تھا۔ میری زبان سے اپنے لیے ڈارلنگ کا پہلا لفظ سنتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں کسی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔

''اتنے سویرے تمہاری کس ڈارلنگ کا فون آ گیا؟'' چاؤ فان نے پوچھا۔ میں نے جواب اردو میں دیا تھا اس لیے ڈارلنگ کے سوا کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میری بیوی کا فون تھا۔ اپنی رفتار کم کرو اور ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے کچھ کہے بغیر میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

چند ثانیوں بعد اس کے پاس ڈان کی کال آ گئی۔ میں چاؤ فان کی زبان سے گھوم' گھاٹ' پھاٹ جیسے نامانوس الفاظ سنتا رہا۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوا تو اس نے بتایا کہ ڈان نے گرین سگنل دے دیا تھا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہم دونوں وقت کی پروا کیے بغیر کاٹھ کے الوؤں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کے لیے نکلے ہوئے تھے۔

چاؤ فان نے یہ ہوشیاری دکھائی کہ شہر میں بھٹکتے رہنے کے بجائے متبادل راستوں سے سیلرز بار کے عقبی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس وقت سیلرز بار کا داخلی دروازہ مقفل تھا اور وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاؤ فان کے لیے وہ بات غیر اہم تھی۔ گلی کے سرے پر گاڑی بند کر کے ہم پچھلے راستے سے سیلرز بار کی اوپری منزل پر چلے گئے۔ دروازہ ایک سہمی ہوئی' باوردی لڑکی نے کھولا۔ اوپر ڈان اپنے ریشمی لبادے میں ملبوس' ہمارا منتظر تھا۔

''تم اپنے ٹھکانوں سے چل ہی پڑے تھے تو میں نے تمہیں بلا لیا ورنہ اب تمہارے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔'' ڈان نے ٹھہری ہوئی تحکمانہ آواز میں وہ اعلان کر کے میری کھوپڑی میں انگارے سے بھر دیے۔ وہ ہماری بے توقیری کی انتہا تھی۔

''اجازت ہو تو اب لوٹ جائیں۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ ''گہری نیند کی طلب سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔''

''آ گئے ہو تو اب کچھ دیر بیٹھو۔ کیا یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟'' اس بار ڈان براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

''بتا دو گے تو تمہارا احسان ہوگا۔'' چاؤ فان جھٹ بول اٹھا۔ وہ ڈان کی خوشامد کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

''میں نے فون پر کرنل گیری کو لتاڑا تھا۔'' ڈان بولا اور چاؤ فان نے کسی سدھائے ہوئے بندر کی طرح تائیدی انداز میں اپنا سر ہلانا شروع کر دیا۔

''میں اس کی وضاحتوں اور یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہو سکا۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے دل میں بل تھا کہ اس نے مجھ سے مل کر صلح صفائی کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اس کا پالتو زندہ ہوگا۔ تمہیں بلا کر میں ایک اہم کام لینا چاہ رہا تھا۔ وہ چھاؤنی سے باہر ایک مہنگے گھر میں رہتا ہے۔ تم اس کے گھر پر دو بم پھینک کر نکل جاتے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے۔ امریکی ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں' معاملہ ہاتھ پیروں کا ہو تو ان سے بڑا بزدل ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ دوسری احتیاطیں کرنے کے ساتھ میری طرف بھی آ تا لیکن اب وہ قصہ ختم ہو گیا۔''

ڈان نے کچھ توقف کیا پھر بولا ''موتی محل کے جلتے ہوئے ملبے سے چھوٹا راجن کی لاش ملنے کی خبر سنتے ہی اس کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے۔ مجھے فون کر کے وہ یہاں آ پہنچا۔ اسے معلوم ہے کہ اب شہر کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہوگی' وہ مجھ سے تعاون اور دوستی کا طلب گار ہے۔ اس کی موجودگی میں' میں نے تم دونوں کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے فون کر کے روک دیا۔''

''تمہاری خواہش تھی کہ وہ تمہارے بلاوے کے بغیر اپنی مرضی سے یہاں آئے۔ اس کے آ جانے کے بعد اب اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی!'' میں نے ڈان

کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔
''یہ معمولی سی بات تھی لیکن میں گربہ کشتن روزِ اوّل کا قائل ہوں۔ بنکاک کی سب سے مضبوط تکون میں امریکی بھی شامل ہیں۔ اصل کام ہم لوگ کرتے ہیں لیکن ہمیں پولیس کی درپردہ حمایت حاصل ہوتی ہے۔ امریکی بہت بددماغ اور مغرور ہوتے ہیں۔ وردی اور اختیارات مل جائیں تو یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتے۔ اب ان سے نئے رابطے کی ابتدا ہوئی ہے۔ میں اس سے رجوع کرتا تو وہ ہمیشہ کے لیے بالادست ہو جاتا۔ اب میں ان لوگوں کو دبا کر رکھنے کی پوزیشن میں ہوں۔ میں نے اسے بہت کچھ کہنا ہے۔ وہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے چھوٹا راجن سے مل کر میرے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی۔'' ڈان بولتا چلا گیا۔
''وہ یہی کہے گا۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''تم مجھے اس کے سامنے کھڑا کر دیتے تب بھی وہ اقرار نہ کرتا کہ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے سیلرز بار میں ٹائم بم لگوانے کی سازش تیار کی تھی۔''
''میں جانتا ہوں۔'' ڈان سر ہلا کر مربیانہ انداز میں بولا۔ ''وہ مر کر بھی اقبالِ جرم نہ کرتا۔''
''ابھی تم نے تکون کی بات کی ہے۔ امریکی، پولیس اور انڈر ورلڈ...... تم انہی تین قوتوں کی بات کر رہے تھے نا؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔
''ایک مدت سے یہی سسٹم چلا آ رہا ہے۔'' ڈان نے بے پروائی سے کہا۔
''کیا مقامی انڈر ورلڈ سے غیر ملکی سفارت کاروں کے مراسم جرم کے زمرے میں نہیں آتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''کون جرم قرار دے گا؟'' ڈان نے تضحیک آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ''یہاں کا پولیس کمشنر چھوٹا راجن کا تنخواہ دار تھا۔ چند دنوں میں وہ میرے دسترخوان پر نظر آنے لگے گا...... دراصل اس تکون کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس علاقے میں انڈوچائنا وار ہوئی جو آٹھ برس جاری رہی۔ اس دوران ہمارا ملک کمیونسٹوں کے خلاف تیار ہونے والی مہمات کا گڑھ تھا۔ پھر 54 میں ویت نام وار چل پڑی جو اکیس سال جاری رہی۔ اس دوران یہاں ہر دوسرا شخص سفارتی ایجنٹ ہوا کرتا تھا۔ سیاست، سفارت اور جاسوسی کے نظام چلانے کے لیے ہر فریق انڈر ورلڈ میں گھسنے کی کوشش کرتا تھا۔ امریکیوں نے خزانے کے منہ کھولے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ڈالروں کی بہتات تھی۔ انہوں نے پوری انڈر ورلڈ کو خرید لیا۔ یہاں کے چور، ڈاکو، قاتل اور لٹیرے ٹولیاں بنا کر ویت نامی گوریلوں کا صفایا کرتے تھے۔ اگلے دن وہ کارنامے بہادر امریکی فوجیوں سے منسوب کر کے سنائے جاتے تھے۔ یہ ریت اسی وقت سے چلی آ رہی ہے کہ تکون کو ہر حالت میں مضبوط رکھا جائے۔ آج گیری اسی پالیسی کے تحت یہاں آیا تھا۔''
''راجن کو گیری نے پال پوس کر قدآور بنایا، اس کی اطاعت سمجھ میں آتی ہے۔ تم اس کو پسند نہیں کرتے پھر بھی اس کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے مجبور ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''میرے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' اس نے قدرے ترشی سے کہا۔ ''گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن ہر تھائی باشندہ امریکیوں سے کسی نہ کسی حد تک نفرت کرتا ہے۔ وہی نفرت میرے خون میں شامل ہے۔ اگر مجھے سسٹم کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو مجھے ان کو برداشت کرنا ہوگا۔ امریکیوں سے نفرت الگ چیز ہے، سسٹم میں رہنا ایک بالکل مختلف بات ہے۔ سسٹم کے باغیوں کو تینوں فریق زیادہ دن نہیں جینے دیتے۔ سسٹم کو چلانے والے اسے زندہ رکھنا جانتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں اپنی مرضی سے اچانک گوشہ نشین ہوا، دو سال تک میدان سے دور رہا۔ کوئی میرے پاس نہیں آیا مگر سسٹم اسی طرح چلتا رہا۔ وہ میری جگہ چھوٹا راجن کو لے آئے۔ اب میں نے اسے ہٹا کر اپنی جگہ دوبارہ بنالی ہے تو کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔ انہوں نے اپنے مہرے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ نہیں بچ سکا تو اب ان کی طرف سے جہنم میں جائے، وہ سامنے آنے والی نئی قوت سے سمجھوتا کر لیں گے امریکیوں کے کام ہوتے رہیں گے۔ پولیس والوں کو بھاری نذرانے ملتے رہیں گے۔ امن و امان کے ساتھ مجھے اپنے کاموں کی آزادی ہوگی۔''
''یہ فلسفہ بہت عجیب ہے۔ تمہاری باتیں بھی الجھی ہوئی ہیں۔'' میں نے نیک نیتی سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ''اگر میری عقل صحیح کام کر رہی ہے تو اب تم امریکیوں سے اپنی فطری نفرت کے باوجود ان کے مفاد کے لیے کام کرتے رہو گے۔''
''صرف ان کے مفاد کے لیے نہیں، میں باہمی بلکہ سسٹم کے مفاد کے لیے کام کروں گا۔'' ڈان نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم لوگوں نے امریکیوں سے نفرت کے باوجود پچھلی نصف صدی ان کے ساتھ بہت صبر اور سکون سے گزاری ہے۔''

میرے ذہن سے گیری سے سامنا ہونے کا خوف مٹ چکا تھا۔ ڈان کی باتوں سے واضح ہوچکا تھا کہ میری طرف سے اس وقت تک اس کی نیت میں کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے خوف ہوکر کہا ''سسٹم کا مفاد یہ ہوگا کہ امریکی تمہیں تمہارے کام کا بھرپور معاوضہ دیتے رہیں تاکہ تم پولیس والوں کو بھاری نذرانے پہنچاتے رہو۔''

''علی! ہوش میں رہو۔'' ڈان نے مجھے سخت لہجے میں ڈانٹا۔ ''یہ مویشیوں کی منڈی جیسی کھلی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سی نزاکتیں اور معاملہ فہمیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے' افہام و تفہیم سے ہوتا ہے اور ہر فریق طے شدہ نکتوں کا پورا احترام کرتا ہے۔''

یکایک میرے ذہن سے دھند چھٹ گئی۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں ڈینی نہیں تھا۔ ڈان کے سامنے علی احمد بنا ہوا تھا جسے امریکیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ راجن سے بدلہ لینے کے لیے بنکاک آیا اور اپنا مقاصد حاصل کر چکا تھا۔

''ڈان! میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے سنبھل کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''شاید میں نے اپنے مدعا کے اظہار کے لیے بھونڈے الفاظ استعمال کر ڈالے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ گیری کی طرف سے اب میرے دل میں کوئی کدورت نہیں رہی۔ میرے آدمی اس کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں گے۔''

''ڈان! جب میں تمہیں موتی محل والے واقعات سنا رہا تھا تو تم نے گیری اور امریکیوں کے لیے بہت سخت کلمات استعمال کیے تھے۔'' کوشش کے باوجود میں اپنے اس شکوے کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

''میں اب بھی کہتا ہوں کہ امریکی برا وقت آنے پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ ان پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔'' ڈان نے اپنی کہی ہوئی بات الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ دہراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ان کے بغیر گزارہ بھی مشکل ہے۔ میں ان سے معاملات طے کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہتا ہوں۔ جب تک گیری ہمارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرتا ہمارا سلوک اچھا رہے گا۔''

''کیا تمہارے سسٹم میں صرف گیری پورے امریکا کی نمائندگی کرتا ہے؟''

''کم و بیش ایسا ہی ہے۔'' ڈان بولا ''آنے جانے والے اسی کی معرفت آتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں امریکا کی تمام ایجنسیوں اور محکموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہر کام اس کے ذریعے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چھ برس سے یہاں ٹکا ہوا ہے۔''

ڈان کے دم خم کو دیکھتے ہوئے میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر امریکیوں کے لیے بدترین حریف ثابت ہوگا۔ گیری سے ایک ملاقات کے بعد اس نے جو قلابازی کھائی تھی' اس سے مجھے ذہنی صدمہ ہوا تھا۔ اس نے گیری کے لیے عزت اور احترام کا مطالبہ کر کے میری خوش فہمی دور کر دی تھی۔

مجھے شک ہو رہا تھا کہ گیری وہاں خالی ہاتھ نہیں آیا۔ وہ لوگ اپنی دولت کے بل پر دنیا کی ہر شے کو خریدنے کے فن میں طاق تھے۔ ڈان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گیری نے اپنی طرف سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر کوئی بڑی رقم تحفے کے طور پر ڈان کے حوالے کی تھی۔ راجن کا زوال ہوتے ہی ڈان کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس کے کاروباری ٹھکانوں سے چاؤ فان کے آدمیوں نے پچیس لاکھ بھات کے ساتھ نادر و قیمتی اشیا لوٹ لی تھیں۔ گیری نے از خود ڈان کو اس کا پہلا بھتا پہنچا دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آنے والے دنوں میں ڈان کو ہاتھ پیر ہلائے بغیر بھاری رقمیں ملنا شروع ہو جائیں گی۔

میری نظروں میں ڈان کی جو عزت اور ساکھ بنی تھی وہ ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جب تک ہم راجن کے خلاف صف آرا تھے ڈان کا رویہ بہت پُروقار اور دلیرانہ تھا لیکن کرنل گیری کے سامنے آتے ہی ڈان مجھے رعایتی سیل میں رکھا ہوا ایک کھلونا نظر آنے لگا جسے ارزاں قیمت پر کوئی بھی خرید سکتا تھا۔

ہم جب تک راجن کے خلاف برسرپیکار تھے' ساری توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرے اور ڈان کے مقصد میں مکمل ہم آہنگی تھی لیکن راجن کی زندگی کا چراغ گل ہوتے ہی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا جب کہ ڈان کا نیا کھیل شروع ہوگیا۔ راجن کے ساتھ اس کی آویزش کسی اعلیٰ اصول کی خاطر نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف دولت و اقتدار کی لڑائی تھی۔ ڈان اپنی اختیاری گوشہ نشینی دو سال سے زیادہ نہیں سہہ سکا۔ اس کے منہ کو مفت کی آمدنی کا خون لگا ہوا تھا۔ اپنی جگہ راجن کو تیزی سے پھلتا پھولتا ہوا دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ راجن کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اسے بھی وہی سب کرنا تھا جو راجن کر رہا تھا۔ ڈان کے لیے وہ نئے کام نہیں تھے۔ اپنی نوخیز بیوی کی جوتے بازی سے پہلے بھی ڈان وہ سب کرتا رہا تھا۔ نام اور کام' سب پرانے تھے۔ اسے ان کی تجدید کرنا تھی۔

یہ ڈان کی خوش نصیبی تھی کہ راجن کے ساتھ اسے اپنی

دست دراز بیوی سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔ اس عورت کے ایک ٹرک کے نیچے کچلے جانے سے ڈان کی پیچیدہ نفسیاتی گرہ کھل گئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص زندہ نہیں رہا تھا جو اس پر ہاتھ اٹھا چکا ہو۔ اس نے نئی امنگ اور ولولے کے ساتھ بنکاک کی انڈر ورلڈ کی عنان سنبھالنے کی تیاری کی تو اس کا پہلا ملاقاتی کرنل گیری تھا جو اسے اپنی اہمیت کا احساس دلا کر لوٹ چکا تھا۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری اور ڈان کی مفاہمت صرف راجن کے خاتمے تک محدود تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے مقاصد کے لیے اس کی بیخ کنی کرنے کے خواہاں تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہماری راہیں جدا بلکہ متضاد ہو گئی تھیں۔ ڈان امریکی کیمپ کا سانپ بنا ہوا تھا جب کہ میری ان سے پرانی ٹھنی ہوئی تھی۔ ماضی میں ہونے والی خوں ریز محاذ آرائیوں کے پس منظر میں میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ بنکاک میں امریکی ایجنٹ ویرا اور سلطان شاہ کی تلاش میں مصروف تھے۔ ان دونوں نے اپنے نام اور ٹھکانا بدل کر اپنے دشمنوں سے عارضی طور پر گلو خلاصی حاصل کر لی تھی لیکن جب تک وہ بنکاک میں رکے رہنے پر مجبور تھے اس وقت تک انہیں امریکی ایجنٹوں کی طرف سے سنگین خطرات لاحق تھے۔

''تم نے اپنی قومی نفرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے۔ یہ شاید میری بدقسمتی ہے کہ میری نفرت میں ان سے مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے ہر آڑے وقت میں میری قوم کو دغا دے کر اس نفرت کو ہوا دی ہے۔'' گفتگو کے رخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈان کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کر دیا۔

''تجربہ عمر سے آتا ہے۔'' ڈان نے اپنی کنپٹی کے سفید بالوں کو چٹکی میں پکڑ کر کہا ''تم مصلحت سے نا آشنا ہو۔ طاقت ور دشمن سے لڑ کر تم کبھی نہیں جیت سکتے۔'' اس سے منافقانہ دوستی سودمند رہتی ہے۔ امید رہتی ہے کہ کبھی اس کی پشت میں خنجر بھونکنے کا موقع مل جائے گا۔''

''ڈان! میں اپنی صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہاری باتیں کچھ متضاد سی ہیں۔''

''یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بات سیدھی سی ہے کہ میں سانپ پال رہا ہوں' اسے دودھ ضرور پلاؤں گا لیکن ہر وقت ہوشیار رہوں گا۔ ہمیں ان کو عزت دینا ہوگی تاکہ انہیں ہمارے دلوں کے عناد کا علم نہ ہو سکے۔ ویسے بھی تم یہاں چند روز کے مہمان ہو' چلے جاؤ گے۔ تمہارا گیری یا کسی اور امریکی سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ وہ صرف مجھ سے رابطہ رکھے گا۔''

''میں یہی چاہتا ہوں۔ ان سیاہ باطن گوروں کے سامنے سر جھکانے میں' میں ذلت محسوس کرتا ہوں۔''

''میرے آدمی بھی انہیں سجدے نہیں کریں گے۔'' ڈان کے چٹخنے سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک بار پھر سخت بات کہہ دی تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔'' آنے والے کو عزت دینا تھائی روایات اور معاشرت کا ایک لازمی جز ہے۔ ہم اس کی پاس داری کریں گے اور بس!''

میں نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کر لی۔

''تم میں دو بڑی کمزوریاں ہیں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ڈان بولا۔ ''تم جلد باز اور جذباتی ہو۔ ان خامیوں پر قابو پالو تو تم بہت اوپر جا سکتے ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب ایک کام کی بات بھی ہو جائے!'' ان الفاظ پر میں نے ڈان کی طرف دیکھا تو وہ چاؤ فان کی طرف متوجہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔

''شہر میں دو آدمیوں کا کھوج لگانا ہے۔'' ڈان کہہ رہا تھا۔ ''ایک گوری اور خوب صورت عورت ہے' ریٹا الیف ہیریسن اور دوسرا اکبر خان۔ پچھلی شام تک یہ دونوں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم تھے۔ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ دونوں کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہیں۔''

ڈان کی زبان سے ویرا اور سلطان شاہ کے مفروضہ نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈان نے کسی سیاق و سباق کے بغیر اس کام کا ذکر کیا تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ان دونوں کی تلاش کی فرمائش کرنل گیری کی طرف سے آئی ہو گی۔ اس کے آقاؤں نے نیویارک سے ٹورنٹو اور پھر بنکاک تک ان دونوں کا بہت کامیابی سے سراغ لگایا لیکن اس کے آدمی اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور بے احتیاطی کی وجہ سے انہیں کھو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ٹی ایچ پال نامی ایک سارجنٹ کو زبردست مار پیٹ کی صورت میں اپنے اناڑی پن کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

وہ صورتِ احوال بہت خطرناک تھی۔ گیری نے ایک ہی ملاقات میں ڈان کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ ڈان کو ان دونوں کی تلاش کا کام سونپنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ ہر قیمت پر جلد از جلد اکبر اور ریٹا کو پکڑنے کا عزم کر چکے تھے۔

ڈان کو امریکی اہل کاروں کے بارے میں میری معاندانہ سوچ کا بخوبی علم ہو چکا تھا' اس لیے اس نے ریٹا اور

اکبر کے قصے میں سے گیری کا ذکر گول کر دیا۔ چاؤ فان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس بارے میں ڈان سے کوئی سوال جواب کرتا۔

''یہ تمہارا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں'' میں نے نرمی سے ڈان سے کہا۔ ''کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ تمہیں ان کی تلاش کیوں ہے؟''

''کیا تم ان دونوں سے واقف ہو؟'' ڈان نے چونک کر پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے فوری طور پر سنبھالا لیتے ہوئے کہا ''دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں۔ میری دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ میرے ہم وطن ہیں۔''

ڈان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''یہاں ہزاروں پاکستانی رہتے ہیں۔ تم کس کس کی فکر کرو گے۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

میری توقع کے مطابق ڈان نے میرے سوال کا جواب ٹال دیا۔

ہم سیلرز بار سے روانہ ہوئے تو آسمان کے مشرقی گوشوں میں سفیدی پھیل چلی تھی۔ کہیں دور سے ابھرنے والے سورج کی کرنوں کا انعکاس گھور اندھیرے کی چادر کو تیزی سے نگل رہا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دیر سے اپنی زبان کو قابو میں رکھا ہوا ہے مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ میری خاموشی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی'' چاؤ فان نے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد تمہید باندھتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ آج تم ڈان کے سامنے کچھ زیادہ بول لے ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم کیوں خاموش رہے'' میں نے جواب دیا ''تم خود غور کرو کہ ڈان نے گیری کے گھر پر بم پھینکنے کے ارادے سے ناوقت ہمیں بلایا تھا۔ گیری نے سیلرز بار آ کر نہ جانے ڈان کے کان میں کیا پھونکا کہ وہ اس کے گن گانے لگا۔''

''ماسٹر! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ آدمی دودھ دینے والی گائے کی دولاتیں بھی برداشت کر لیتا ہے۔ گیری سے دوستی میں ڈان کا فائدہ ہے۔ گرانٹ کے علاوہ کاموں کے بھاری معاوضے بھی ملتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ کسی سچے تھائی کو ان سے محبت نہیں ہو سکتی اور ڈان پکا تھائی ہے۔ وہ اسے جھکانا چاہتا تھا۔ گیری خود جھک گیا تو محاذ آرائی کی کیا ضرورت ہے۔ گھر بیٹھے لاکھ، دو لاکھ ڈالر ہر مہینے ملتے رہیں تو آدمی کو بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔''

''میں یہی سمجھ رہا ہوں۔ گیری نے سب کو خرید لیا ہے۔ اب وہ من مانیاں کرتا رہے گا۔ تم اسے نہیں روکو گے بلکہ غلط کاموں میں اس کا ساتھ دو گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی کہ وہ تم لوگوں کی بہبود کے لیے چندہ نہیں دے گا، تمہارے ذریعے اپنے ناپاک عزائم پورے کرے گا۔''

''تم ڈان کے فیصلے نہیں بدل سکتے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آئندہ تم خاموش رہو'' اس نے بحث میں پڑنے کے بجائے اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

''یہ ماننے والی بات ہے۔ میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں'' میں نے بھی محتاط رویہ اپناتے ہوئے بات وہیں ختم کر دی۔ چاؤ فان مجھ سے ہمدردی ضرور جتا رہا تھا لیکن وہ تھالی کے بینگن سے زیادہ خطرناک تھا۔ ڈان اسے ذرا بھی پچکارتا تو وہ جوش عقیدت سے مغلوب ہو کر، میری کہی ہوئی ہر ہلکی بھاری بات اس کے سامنے دہرا دیتا۔

وہ مجھے ہوٹل کے باہر اتار کر اپنی راہ ہو لیا اور میں بوجھل قدموں سے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ڈان اور گیری کا گٹھ جوڑ ہو جانے کے بعد مجھے بنکاک میں قیام کی مدت بھاری پڑتی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کی نیند ڈان نے برباد کر دی۔ میں دیر سے بیدار ہوا تو ناشتے کی فراہمی کا وقت گزر چکا تھا۔ لنچ کا وقت قریب تھا۔

میں نے تازہ دم ہو کر روم سروس کو کھانے کا آرڈر دیا اور دوبارہ بستر پر نیم دراز ہوا تو غزالہ نے بنکاک پوسٹ نامی انگریزی اخبار کی تازہ کاپی مجھے تھما دی۔

وہ مقامی روزنامہ تھا۔ اس کی جلی سرخی ڈان راجن کی لاش کے بارے میں تھی۔ جب تک راجن زندہ رہا، سب اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے لیکن اسے بنکاک کے ڈان کا خطاب نہیں مل سکا۔ اس کے مرتے ہی اخبار نے اسے یہ اعزاز عطا کر دیا۔

خبر خاصی طویل تھی۔ اس میں صحافیانہ سنسنی خیزی سے کام لیتے ہوئے حقائق کو خاصے ڈرامائی انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ میرے لیے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ موتی محل کے جلتے اور سلگتے ہوئے ملبے سے وہ تین لاشیں رات کے ساڑھے بارہ بجے برآمد کی جا سکی تھیں۔ آگ کے بھیانک شعلوں میں جل کر تینوں لاشیں کوئلہ ہو گئی تھیں پھر بھی ان کی باقیات کو شناخت کر لیا گیا تھا۔ موت کے اسباب کے بارے میں

گولیوں کی کہانی بیان کی گئی تھی۔
وہ ہر اعتبار سے ایک سفاکانہ انتقامی کارروائی تھی۔ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں آگ لگائی گئی تھی۔ اخبار میں کسی پر شبہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ بنکاک کے پولیس کمشنر اور امن داماں سے متعلق دوسرے اداروں کے سرکردہ افسروں کے روایتی بیانات بھی پہلے صفحے کی زینت بنائے گئے تھے، جن میں قاتلوں کی گرفتاری اور عبرت ناک سزایابی کے عزائم کا اظہار کیا گیا تھا۔
میں نے وہ خبریں شروع سے آخر تک پڑھ ڈالیں۔ ان میں کہیں بھی ڈان برنارڈ کے نام کا شائبہ نہیں تھا۔ پچھلے واقعات اور بنکاک میں بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کے اجتماع کے حوالے سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ ڈان راجن کی موت کسی بڑی گینگ وار کا شاخسانہ معلوم ہوتی تھی۔
اس کے بعد جس ذیلی خبر نے میری توجہ حاصل کی وہ میرے لیے راجن کی موت سے زیادہ اہم تھی۔ اس مختصر سی ایک کالمی خبر کے مطابق سیام اسکوائر کے مصروف اور بارونق علاقے میں مشتعل نوجوانوں کے ایک ہجوم نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر امریکی فوج کے ایک افسر کو گھیر کر بری طرح زدوکوب کیا۔ پولیس کے پہنچتے ہی ہجوم منتشر ہوگیا۔ خون میں نہائے ہوئے سارجنٹ پال کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اسے شدید اندرونی ضربات آئی تھیں، جسم سے کافی خون ضائع ہو چکا تھا، دونوں گردے پھٹ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ رات کے ایک بجے اس نے آپریشن کی میز پر دم توڑ دیا۔
پوری جدوجہد کے باوجود اس المناک واقعے کا کوئی عینی شاہد سامنے نہیں آیا۔ پولیس یہ جاننے سے قاصر تھی کہ سارجنٹ پال کو کس وجہ سے ایسے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔
وہ خبر پڑھتے ہی میرے ذہن میں گیری کی بھاگ دوڑ کا مقصد واضح ہوگیا۔
سارجنٹ پال اندرونی ضربات کی تاب نہ لا کر چل بسا تھا۔ ریٹا اور اکبر ہوٹل چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکے تھے۔ پال کو ان دونوں کی نگرانی پر مامور کرنے والوں کے لیے دونوں واقعات کے باہمی تعلق کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد ان کے لیے گمشدہ جوڑے کو پکڑنا ناگزیر ہوگیا۔ انہوں نے فوری طور پر سارے دستیاب وسائل استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
گیری مصالحت و مفاہمت کے پیغام کے ساتھ وہ کام بھی لے کر ڈان برنارڈ کے پاس پہنچ گیا۔ ڈان کی زبان سے ریٹا اور اکبر کی تلاش کی ہدایات سنتے ہوئے بھی مجھے اس معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اخباری اطلاع نے وہ معما حل کردیا۔ گیری کو مشتبہ جوڑے کی نہیں بلکہ سارجنٹ پال کے قاتلوں کی تلاش تھی، جو اسے مشتعل ہجوم کے حوالے کر کے کہیں نکل گئے تھے۔
میں نے بے چین ہو کر اسی وقت موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملالیا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہاری صبح دیر سے ہوئی ہے؟''
میری آواز سنتے ہی وہ فون پر چہکی ''میرا اندازہ تھا کہ تم اخبار دیکھتے ہی فون کرو گے۔''
''میری رات بری طرح برباد ہوئی۔ صبح چھ بجے کے بعد بستر نصیب ہو سکا۔ ابھی سو کر اٹھا ہوں۔''
''سب کچھ نمٹ گیا تھا، پھر تمہاری رات کیوں کالی ہوئی؟''
''ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں؟''
''آج کل سب سے پہلا کام یہی کرتی ہوں۔ برابر کی چوٹ ہے۔ تمہارے ساتھ میرے کام کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہاں کے لوگ میری توقع سے زیادہ جذباتی نکلے۔ انہوں نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔''
''تم دونوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر طرف تلاش شروع ہوگئی ہے۔''
''یہ ہونا تھا، آنکھ میں تنکا پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔''
''کس تنکے کی بات کر رہی ہو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔
''تنکا پڑنے کے بعد ہی میری بائیں آنکھ پھڑکی تھی اور وہیں سے فتور پیدا ہوتا چلا گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی زوجہ کو چھوڑ کر رات کہاں گزاری؟''
''بڑے آدمی نے بلا لیا تھا۔ کان کھول کر سن لو کہ وہ تمہارے ہم وطنوں سے مل گیا ہے۔ اب ہمارا یہاں سے جلد از جلد نکلنا ضروری ہوگیا ہے۔'' فون پر بات کرتے ہوئے ہم دونوں محتاط تھے۔ کھل کر کسی کا نام لینے کے بجائے اشاروں کنایوں میں اپنا مدعا بیان کر رہے تھے۔
میری تسلی کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ شہر میں پائی جانے والی صورتِ احوال سے بے خبر نہیں تھی۔ حالات نے ان دونوں کو دھکیل کر بنکاک پہنچا دیا تھا تو وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔
''بڑا آدمی رفتہ رفتہ تمہاری جان کا روگ بنتا جا رہا ہے۔

اب اس سے اپنا پیچھا چھڑاؤ ورنہ وہ تمہیں یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ وہ غلطی سے تمہیں کام کا آدمی سمجھنے لگا ہے۔''

''کوشش یہی ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' میں نے اس کے آخری فقرے کو نظر انداز کر دیا۔

''اب سارا انحصار جلال پر ہے۔ پتا نہیں وہ کاغذات کب بھیجے گا؟''

''خدا کا خوف کرو۔ ابھی بات طے کیے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم نے شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ ایسے کام آسانی سے نہیں ہوا کرتے۔''

اس سے گفتگو ختم ہوئی تو لنچ آ گیا۔ وہاں رہتے رہتے مجھے اتنا تجربہ ہو گیا تھا کہ شکم پری کے لیے کچھ گوارا ڈشوں کا انتخاب کر سکوں۔

کھانے کے دوران میں غزالہ نے اوّل خان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس سے رابطہ ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ جلال سے ملنے والی اطلاع کے مطابق اس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ یہ اندازہ تھا کہ اس بار بھی اسے دباؤ کے تحت کراچی سے دور بھیجا گیا ہو گا۔ میں نے مجرمانہ احساس کے ساتھ اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مجھے شبہ تھا کہ اول خان کو سزا کے طور پر کراچی سے بھیجا گیا ہو گا تو اس سے موبائل فون بھی واپس لے لیا گیا ہو گا تاکہ اس کے رابطے محدود ہو جائیں۔ نمبر ملانے کے بعد جب پہلی گھنٹی پر اس کی تر و تازہ آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔

''تم کہاں غائب ہو...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے علیک سلیک کے بعد گرم جوشی سے پوچھا۔

''اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں اور جنوں کو کام کرتا ہوا دیکھ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''کن جنوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہی جو گوادر پورٹ کے لیے کام کر رہے ہیں'' اس کے لہجے میں اطمینان اور آسودگی کی جھلک نمایاں تھی ''یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ یہ کیسی زبردست بندرگاہ بن سکتی ہے۔ سمندر میں دور تک ابھری ہوئی زمین کے دونوں طرف وسیع کھاڑیاں ہیں۔ آج کل یہ ماہی گیروں اور لانچوں وغیرہ کے استعمال میں ہیں۔ چینی اس پس ماندہ ساحل پر نئی اور جدید بندرگاہ کے خدوخال تیار کر رہے ہیں۔ منہ اندھیرے اٹھ کر باجماعت ورزش پھر ناشتا کرتے ہیں اور پاگلوں کی طرح کام سے لگ جاتے ہیں۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے یہ اپنے کیمپ کا رخ نہیں کرتے۔ ایسے کارگزار انسان میں نے پہلی بار دیکھے ہیں۔''

آج گوادر پورٹ ایک حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ وہ اس منصوبے کا ابتدائی دور تھا۔ میں نے کہا ''ابھی وہاں کچھ بھی نہیں ہے، سہولتوں کا فقدان ہے۔ اس پس ماندہ علاقے میں تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''سازشیں چل پڑی ہیں۔ مجھے جلال کی معرفت تمہاری ٹپ بھی مل گئی ہے'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کچھ عالمی قوتوں کو اس خطے میں چین کی موجودگی پسند نہیں آ رہی۔ پاکستان اور چین باہمی تعاون پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبریں ملی ہیں کہ چینی دوستوں کے خلاف دہشت گردی کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ چند بڑے واقعات کے بعد چینی ورکر شاید کام کرنے سے انکار کر دیں۔''

''اوہ......!'' میرے لیے اول خان کا وہ انکشاف تحیر خیز تھا ''راجن نے یہاں سے ایک پارٹی کو شاید اسی لیے بلوچستان بھیجا ہوا ہے۔''

''بلوچستان نہیں، خاص گوادر کہو۔ چند روز پہلے کوہک کے قریب ٹرانسمیشن ٹاور اڑانے کے شبہے میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں انہوں نے جیوانی سے داخل ہونے والے کچھ غیر ملکیوں کی نشاندہی کی ہے۔ تم نے بروقت خبر دی تھی۔ اس پر بہت سرعت سے کام ہوا اور اب ان غیر ملکی تخریب کاروں کی تلاش جاری ہے۔ راجن کے گرگے بہت جلد اس کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔''

میری اور جلال کی اس گفتگو کو پورا ایک دن بھی نہیں گزرا تھا لیکن معاملے کی نزاکت کی وجہ سے وہ اطلاع نہ صرف اول خان تک پہنچ چکی تھی بلکہ اس پر کام بھی شروع ہو گیا تھا۔

''تم بہت اہم کام کر رہے ہو'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو دباؤ کی وجہ سے نہ بھیجا گیا ہو۔''

اول خان کی ہلکی سی ہنسی میں درویشانہ بے نیازی تھی۔ وہ بولا ''دباؤ کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ کام سامنے آیا تو باس نے ادھر روانہ کر دیا۔ اس مرتبہ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ دشمن سمجھ رہے ہوں گے کہ میرا تبادلہ ان کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی کراچی میں اب سکون ہے۔ مار کھانے کے بعد سفید دشمن سستا رہے ہیں۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوادر میں چین کی موجودگی سے بھارتیوں کو کیا پرخاش ہے؟'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''سب سے زیادہ تکلیف امریکا کو ہے'' اس نے

وضاحت کی ''روس کے خاتمے کے بعد وہ چین کو اپنا اگلا حریف سمجھتا ہے۔ چین پر دباؤ رکھنے کے لیے وہ بھارتیوں کی ناز برداری کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کے مفادات مشترک ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ بہت حساس اور غیور ہیں۔ امریکی ایجنٹ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انہیں اچھوتوں کی طرح الگ تھلگ رہنا پڑے گا۔ بھارتی ہم جیسے ہیں۔ وہ مقامیوں میں گھل مل کر کام کر سکتے ہیں۔''

''پھر یہ صرف راجن کا کام نہیں ہو سکتا۔ وہ گیری اور ساگر کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''ان کے ایما پر آدمی پاکستان بھیجے گئے ہیں۔''

''کیا تم را کے پاکستان ونگ کے نئے سربراہ کا ذکر کر رہے ہو؟'' اول خان نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں...... انل بسواس کے بعد اب وہی سربراہ ہے۔''

''کیا راجن کے اس سے بھی رابطے تھے؟'' اول خان بہت سی باتوں سے بے خبر تھا۔

''ساگر اور گیری اس کے اَن داتا تھے، وہ بنکاک میں بیٹھ کر ساگر کی ہدایات پر دنیا بھر سے ایٹمی آلات اور مواد بھارت اسمگل کر رہا تھا۔ یہ تفصیلات تمہیں جلال سے مل سکتی ہیں'' میں نے اسے بہت اختصار سے جواب دیا۔

''اب را کے آدمی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے'' اول خان کی پُرعزم آواز ابھری ''راجن کو راستے سے ہٹا کر تم نے ثواب کا کام کیا ہے۔ ان کے جوہری منصوبوں میں خلل پڑے گا، دوسری سازشیں بھی عارضی طور پر متاثر ہوں گی، یہاں آنے والوں کے رابطے تو سرے سے ختم ہو جائیں گے۔ ان کے پاس راجن کے سوا کوئی اور نام نہیں ہوگا۔''

''میں حیران ہوں کہ یہ لوگ کتنی سفاکی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا قضیہ سامنے آ جاتا ہے۔ کچھ عرصے سے ہمارے دشمنوں کی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج کی قلعی کھلنے کے بعد ان کی کارروائیاں دھیمی ہو جانا چاہیے تھیں لیکن ان کا دوسرا چینل حرکت میں آ گیا۔ اب راجن گیا ہے تو کوئی اور مہرہ آگے آ جائے گا۔ خرابی یہ ہے کہ زبان سے یہ لوگ دوستی کے دعوے کرتے ہیں، پس پشت ہمیں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ کھلی دشمنی اور آمنے سامنے کا مقابلہ ہو تو ساری راہیں مسدود کی جا سکتی تھیں، دوغلے پن کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے آدمی ان کی سرحدوں میں کام کر رہے ہوں۔ وہ تنگ آ کر یہ جوابی وار کر رہے ہوں؟''

''ہو سکتا ہے بلکہ بھارت کی حد تک ایسا ہی ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پہل کون کرتا ہے اور جواب کون دے رہا ہے۔ اس پہلو پر جلال روشنی ڈال سکے گا'' اس نے بلاتوقف جواب دیا ''فساد کی اصل جڑ امریکا بنا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں ہمارا کوئی آدمی سرگرم نہیں ہوگا۔ نہ جانے وہ ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟''

''انہیں گھمنڈ ہے کہ اب وہ اکلوتی سپر پاور ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں ان کی مرضی کا نظام چلنا چاہیے۔ ان حرکتوں سے وہ حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

''حکومتیں جھک سکتی ہیں، عوام نہیں جھک سکتے'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا ''امریکی حکمراں یہ بھول رہے ہیں کہ اپنی ان حرکتوں سے وہ نفرتیں خرید رہے ہیں۔ تم وہاں دیکھ رہے ہو گے کہ تھائی حکمراں امریکا کے قریبی حلیف ہیں، عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔''

''آج میں نے ایک نیا جملہ سنا ہے۔ تھائی اپنی فطرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ مل کر رہنا سیکھ گئے ہیں'' میں نے ذہن میں آنے والے، ڈان کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ''وہ پوری دنیا کو یہی قرینہ سکھانا چاہتے ہیں۔ نفرت کرو یا محبت مگر ہم کو برداشت کرو۔''

''تم نے وہاں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ جلال کو توقع نہیں تھی کہ تم اتنی بڑی فتح حاصل کرو گے۔ اب تمہیں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔''

''میں پابہ رکاب ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کدھر جاؤں؟ پاکستان لوٹنے کے راستے بند ہیں......'' میں نے اس ذکر کے ساتھ اپنے سینے میں درد کی ایک لہر سی ابھرتی محسوس کی۔

''یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ تمہارے حقیقی خاکے بن چکے ہیں۔ پتا نہیں جلال نے کیسے جتن کر کے ان کا اجرا رُکا ہوا ہے۔ وقفوں وقفوں سے پرانے انعامی اشتہار اخبارات میں آ رہے ہیں۔ جس دن ان میں صحیح خاکہ شامل ہو گیا، تمہیں پہچاننے کے دسیوں دعوے دار سامنے آ جائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر دردمندی سے کہا۔

''ہمارے لیے دعا کرتے رہو'' میں نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا ''یہ غنیمت ہے کہ انہیں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان کے بنوائے ہوئے متعدد خاکوں میں

سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے۔''
''ہم ایک دوسرے کے لیے اور کچھ نہیں تو دعائیں ضرور کر سکتے ہیں۔ صرف زبان ہلانے سے کچھ نہیں بنتا، دل سے نکلی ہوئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

وہ اول خان نہیں، اس کا مضبوط ایمان بول رہا تھا۔ آج کا مسلمان جب اپنی سب کوششیں کر کے تھک جاتا ہے تو آخر میں سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے تہِ دل سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور ایسی دعائیں اکثر شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہیں۔

اول خان سے ہونے والی وہ گفتگو ہر اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔ پہلے را کے ایجنٹ پاکستان کی قومی تنصیبات اور شہری آبادیوں کو اپنی دہشت گردیوں کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ یہ نئی خبر تھی کہ انہوں نے پاکستان میں کام کرنے والے غیر ملکیوں کو اپنا ہدف بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں غزالہ کے ساتھ دیر تک اسی موضوع پر سر کھپاتا رہا۔ میرے دل و دماغ پر عجیب سی بے بسی طاری ہو چلی تھی۔ دور رہ کر میں ان سازشوں کے سدباب میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔ واپسی پُرخطر تھی۔ ہر سمت سے ایک ہی آواز چلی آ رہی تھی کہ اس وقت میرا پاکستان جانا میرے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

جلال کے بیان کے مطابق میں نے بنکاک آمد کے تین مقاصد حاصل کر لیے تھے مگر میں سوبھراج اور راجن جیسے خوفناک مجرموں کو مار لینے کے باوجود خود کو تہی دست محسوس کر رہا تھا۔ وطن سے ملنے والی نئی اطلاعات نے ان کامیابیوں کو ماند کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں اپنے خاکوں کے بارے میں بھی تشویش پل رہی تھی۔ اس بارے میں ایک بات امید افزا تھی کہ امریکی اپنے کام کو خود مشکل بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

انہوں نے اپنے ماہرین کی مدد سے جو خاکے بنوائے تھے۔ وہ خود ان کی افادیت سے بے خبر تھے۔ خاکوں کی اہمیت کا ادراک وہی کر سکتا تھا جس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہو۔ ایسا آدمی جلال کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کار آمد خاکے کی نشاندہی کیے بغیر یہ موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں دو افراد حراست میں زیرِ تفتیش ہیں۔ ان میں سے ایک یقیناً ڈینی ہے۔ ایسی صورت میں خاکوں کا بکھیڑا پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جلال کی چال کی وجہ سے ان کی رفتار سست ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اپنا کام ترک نہیں کیا تھا۔ ان کی نظروں میں وہ سارے خاکے اہم تھے۔ ان خاکوں میں کمپیوٹر کی مدد سے داڑھی، مونچھوں اور بالوں وغیرہ کے ردوبدل سے وہ شناخت کا امکان بڑھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ یوں اصل خاکوں کی تعداد دس بیس گنا بڑھ جاتی۔ تعداد جتنی زیادہ ہوتی، اصل خاکے کے انتخاب کا امکان اسی قدر کم ہو جاتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لیے وہ بیک وقت سیکڑوں خاکوں کی تشہیر کر کے مذاق کا نشانہ بنتے۔ انہیں آخر کار دو چار خاکے منتخب کرنے ہوتے۔ مجھے توقع تھی کہ بنیادی خاکوں پر کمپیوٹر کی مشق ستم کے بعد وہ اصل خاکے کو نظر انداز کر دیں گے اور جلال کے مشورے کو نظر انداز کر کے انہوں نے کسی نئی تشہیری مہم کا ارادہ کیا تو وہ تصویر یا خاکے کی حد تک میرے لیے بے ضرر ہو گی۔

وہ میری توقعات تھیں جن کے پورا ہونے کا دارومدار میرے مقدر اور اتفاقات پر تھا۔ اس بارے میں قبل از وقت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

شام ڈھلے غزالہ روزمرہ ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے گئی تو مجھے طارق کا دھیان آ گیا۔ اپنے بڑے کی ہدایت پر وہ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے گیری کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں ایک اہم ترین خبر دینے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا۔

اس کی بارہ گھنٹوں سے زیادہ عرصے پر محیط خاموشی کا سبب جاننے کے لیے میں نے اسے فون کیا تو اس کی آواز سے تکان اور بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ سیلرز بار سے واپسی پر کرنل گیری اپنے گھر کے بجائے سیٹو کے ہیڈ کوارٹرز میں چلا گیا۔ وہ خالص فوجی اور ممنوع علاقہ تھا۔ اندر کی سن گن لینا ناممکن تھا۔ گیری مسلسل وہیں گھسا ہوا تھا۔ طارق اس کے نمودار ہونے کے انتظار میں قرب و جوار میں منڈلاتا پھر رہا تھا۔

میں نے اسے حوصلہ دینے کے لیے گفتگو کو ذرا طول دیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے بنیادی فریضے کے طور پر مقامی اخبار ضرور پڑھتا ہے۔ اس اعصاب شکن ڈیوٹی میں بھی اس نے اخبار دیکھ ڈالا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ سیٹو ہیڈ کوارٹرز ہی میں ملٹری اسپتال اور امریکی فوجی چھاؤنی قائم تھی۔ شاید گیری وہاں رک کر سارجنٹ پال کی لاش امریکا روانہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اول خان نے کام کے دیوانے چینیوں کے لیے جنوں کا خطاب استعمال کیا تھا۔ میری نظروں میں طارق بھی کسی جن

سے کم نہیں تھا۔ اسے بستر سے پیٹھ ٹکائے چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے، نگرانی کے چکر میں اسے ڈھنگ سے کچھ کھانے پینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکن سے بے نیاز ہو کر اپنے کام کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنے محکمے کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ میں خود بھی اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ گیری کی نقل و حرکت کے بارے میں طارق سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ اسے اسلام آباد سے جو ہدایات ملی تھیں، وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے چند بھرپور توصیفی کلمات کے ساتھ گفتگو ختم کر دی۔

میں کچھ دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر پڑا غزالہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے ہمیں ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہو جاتی تھی لیکن دستخطوں کے لیے آنے والے چند ابتدائی بلوں میں معمولی اشیا کے دام دیکھ کر غزالہ حیران رہ گئی۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا تو ان کے دام بھی ویسے ہی تھے۔ اس نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ فروٹ، مشروبات اور دوسری ضروری اشیا بازار سے سستے داموں خرید کر لاتی اور کمرے میں رکھے ہوئے چھوٹے ریفریجریٹر میں بھر لیتی۔ اس فریج میں ہوٹل والوں کی طرف سے چند ہلکے مشروبات کے ساتھ عمدہ اور قیمتی شرابوں کی چھوٹی بوتلیں منی بار کے نام پر گاہکوں کو مہیا کی جاتی تھیں جو ہمارے کمرے میں جوں کی توں رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہمیں داموں کا علم نہیں ہو سکا مگر مجھے اندازہ تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں ان کی قیمت کئی گنا زیادہ طلب کی جاتی ہوگی۔

ہم بنکاک میں بہت آسودہ حال تھے۔ اپنی رقم کے علاوہ جلال کے دیے ہوئے لفافوں کی رقم موجود تھی پھر ڈان کے انعامات نے ہماری خوش حالی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس بے فکری کے باوجود غزالہ بے جا اصراف کی مخالف تھی، وہ جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی واپس آتی تھی۔ انتظار طویل ہو گیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔

اس وقت میرے ذہن پر اکتاہٹ اور بے زاری سوار ہو رہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خیال تھا کہ رات کی تکان اور بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں دوبارہ سو جاؤں گا۔ اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے ساتھ لیتی گئی تھی تاکہ خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آ سکے۔

چابی میری تحویل میں ہوتی تو شاید میں کمرے میں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تاکہ اسے مقفل کمرے کی چابی حاصل کرنے کے لیے کاؤنٹر تک واپس نہ جانا پڑے۔ اس کی دور اندیشی نے مجھے اس فکر سے آزاد کر دیا تھا۔ اپنی تیاری مکمل کرتے ہی میں نے کمرا چھوڑ دیا۔

وہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا جہاں رات گئے تک رونق اور چہل پہل رہتی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا ہوٹل کے احاطے سے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت میں بہت شدت کے ساتھ ماحول میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ کھلی فضا میں آتے ہی مجھے تازگی کا احساس ہونے لگا۔

مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ڈان سے میری تلخ و ترش باتیں ضرور ہوئی تھیں لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس خرانٹ کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت نہیں تھی۔ میرا اور اس کا اختلاف صرف گیری کی ذات تک محدود تھا۔ میری نظروں میں وہ خودغرض اور سازشی امریکی افسر منہ لگانے کے قابل نہیں تھا جبکہ ڈان اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اس کے لیے سراپا لطف و کرم بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فطری تجسس سے مجبور تھا۔ کمرے کی تنہائی سے ہوٹل کے بھرے پرے فلور پر آتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے ڈالا تھا اور مطمئن ہو کر ہوٹل کی حدود سے قدم باہر نکالا تھا۔

ہوٹل سے باہر آ کر میں نے بائیں طرف جاتے ہوئے ٹھٹک کر سگریٹ سلگائی تو یکایک میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میں تیزی سے پلٹا اور آتے جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے دو کریہہ صورت مقامی خود بہ خود میری نظروں میں آ گئے۔

وہ بہت غیر فطری انداز میں اپنے گرد و پیش سے گزرتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے تھے۔ ان کا رخ بتا رہا تھا کہ رکنے سے پہلے وہ میرے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ میں ان دونوں پر سرسری نظر ڈال کر یوں ان کے پیچھے دیکھنے لگا جیسے دور کسی کو تلاش کر رہا ہوں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

وہ اپنی صورتوں سے تیسرے درجے کے لفنگے نظر آ رہے تھے۔ مجھے ہلکا سا شک ہوا کہ وہ میرا پیچھا کر رہے تھے لیکن یہ مساوی امکان بھی موجود تھا کہ ان کا میری طرف دھیان نہ ہو، وہ کسی اور وجہ سے چلتے چلتے رک گئے ہوں۔

ان دونوں کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کو آزمانا ضروری تھا۔ اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں اپنی سمت بدل لوں۔

میں نے براہِ راست ان پر نظریں جمائے بغیر کن انکھیوں

سے جائزہ لیا تو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے آپس میں مذاکرات شروع کر دیے تھے۔ میں کسی واضح پروگرام کے بغیر شہر میں کوچہ نوردی کرنے والے لاابالی سیاح کی طرح مڑا اور چند لمحوں بعد ان کے قریب سے گزرتا ہوا اُنہی سمت میں ہولیا۔

میں ایک مرتبہ پلٹ کر ان کا جائزہ لے چکا تھا۔ ذرا سی دیر میں میرا دوبارہ مڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں بظاہر مجھ سے بھڑنے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن ان کی وضع قطع کو دیکھتے ہوئے براہ راست تصادم کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس وقت شدت سے میرے ذہن میں یہ احمقانہ خیال آیا کہ انسان کی کھوپڑی کے پیچھے تیسری آنکھ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ تیسری آنکھ ہوتی تو مجھے کسی زحمت کے بغیر یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دونوں میرے پیچھے آرہے تھے یا لاتعلقانہ انداز میں مخالف سمت میں جاچکے تھے؟

تذبذب اور بے یقینی کی اس کیفیت کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت سوار ہونے لگی۔ پیچھے سے آنے والی ہر آہٹ پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ شبہ ہوتا کہ پیچھے سے اچانک کوئی میرے اوپر حملہ کردے گا۔ آنے والے کے آگے گزرنے سے ذرا اطمینان ہوتا تو کوئی اور جلد باز مجھے اس اعصاب شکن امتحان میں ڈال دیتا۔ علاقہ مصروف تھا اس لیے وہ تسلسل کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آرہا تھا۔

اس دباؤ کے سبب غیر ارادی طور پر میری چال تیز ہوگئی۔ لمحہ بہ لمحہ یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا جارہا تھا کہ

ہم بنکاک میں بہت آ. سو سے سامنا ہوا تو نوبت یکا یک
جلال کے دیے ہوئے لفافوں ہں اس مرحلے پر ہرا الجھاؤ سے
انعامات نے ہماری خوش حالی ٹ
بے فکری کے باوجود غزالہ بے جلد مجھے شہر کے عرض میں پھیلی
جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی دہر کے آثار نظر آنے لگے۔
ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تڑڈپر پہنچ جاتا جس کے پیچھے
اس وقت میرے ذہن پر اس میں مقیم تھے۔
ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خدان دونوں کی طرف جانے کا
بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے ے نکل کر مخالف سمت میں چلا
اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل اندا ے مجھے یک بہ یک اپنی سمت
وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنہ کرلیا تھا کہ پیچھا کرنے
خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آ سکلاتے ہے دور نکل جاؤں
چابی میری تحویل میں ہوتی تو ؛
کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تاکہ ا بارے تک کر کھڑا ہوگیا۔

انداز ایسا تھا جیسے میں نہر کے نظارے سے محظوظ ہورہا ہوں لیکن اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

پھر مجھے وہ دونوں نظر آگئے۔ وہ بھی میری طرح نہر کے نظارے میں محو نظر آرہے تھے۔ ان کی ڈھٹائی اور بے خوفی میرے لیے تشویش ناک تھی۔ بظاہر انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ میری نظروں میں آچکے تھے۔ ان کا مقصد صرف پیچھا کرنا ہوتا تو وہ مجھ سے دور رہ کر خود کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ وہ جس انداز میں میرے سر پر مسلط تھے، اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ انہیں جہاں بھی میدان صاف نظر آتا، وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ اچانک میرے مقابل آجاتے اور میرے لیے انہیں سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔

میں ہوٹل سے آوارہ گردی کا ارادہ کر کے نکلا تھا۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انگلیوں میں جادوئی انگوٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آثار یہ بتارہے تھے کہ ان زہرافشاں انگوٹھیوں کے استعمال کے بغیر میں اپنے متوقع حریفوں سے چھٹکارا نہیں پاسکوں گا۔ بیم گن کے ساتھ زہر کا استعمال بھی میری ذات سے منسوب ہوچکا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرلی جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔

وہ سب جلال کے منصوبے کے برعکس ہوتا۔ وہ میرے نام سے دو قیدی لیے بیٹھا تھا۔ اس کی خفت اور بوکھلاہٹ سے قطع نظر میری جان سخت خطرے میں پڑ جاتی۔ ڈان کو پہلے ہی مجھ پر شبہ ہوچکا تھا جسے میں نے اپنی اداکاری اور چرب زبانی سے زائل کردیا تھا۔ گیری اپنے پورے لشکر کے ساتھ میری تلاش کی مہم میں جت جاتا۔

میرے لیے وہ سب ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔ آزاد اور زندہ رہنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر وہ انگوٹھیاں استعمال نہ کروں۔ میں نے اضطراری یا مجبوری کی حالت میں ان کے استعمال سے بچنے کے لیے وہیں کھڑے کھڑے دونوں انگوٹھیاں اپنی انگلیوں سے اتاریں اور احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیں۔

اس وقت میں دیدہ و دانستہ کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بات ہاتھ پیروں کے استعمال تک محدود رہتی تو دیر ضرور لگتی مگر میں انہیں تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ انہوں نے میرا پلّا بھاری ہوتا دیکھ کر آتشیں ہتھیار نکال

لیے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔
میں کچھ دیر تک اسی پُل کے کنارے پر رکا رہا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر انہیں نہیں گھور سکتا تھا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا کہ ان کے چہروں کی رہی سہی نرمی جاتی رہی تھی۔ اپنے بشروں سے وہ فکرمند اور سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ کسی کا تعاقب کرنے کے معاملے میں وہ اناڑی نظر آرہے تھے۔
میرے اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ میرا پیچھا کررہے تھے۔ میں تن بہ تقدیر ہوکر ایک بار پھر پلٹ گیا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ ان کے کمزور ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں نے باقاعدہ انہیں گھورنا شروع کردیا۔
راستہ تنگ تھا۔ وہ دونوں مجھے راہ دینے کے لیے سرک کر دیوار سے لگ گئے۔ میں نے یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ ان میں سے کسی کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا تھا۔
میں نے ان سے نہ الجھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ پہل کرتے تو میں جی جان سے ان کا مقابلہ کرتا۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے وجود میں غصے کی ایک شدید لہر ابھری اور میں کسی ارادے کے بغیر اچانک ان کے سامنے رک گیا۔
''کیا چاہتے ہو تم لوگ...... میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟'' میں نے زہرآلود لہجے میں ان سے سوال کیا۔ تھائی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں نے انگریزی کا سہارا لیا تھا۔
میرے رکتے ہی ان کے چہروں پر یتیمی سی برسنے لگی۔ دبلے شخص نے اپنے قدرے فربہ ساتھی سے اپنی زبان میں کچھ کہا اور اس کی زبان چل پڑی ''یوتو رست...... سنگل...... وانت گال۔ ویری بیوٹی فل'' وہ میری طرف جھک کر خستہ وشکستہ انگریزی میں جملوں کے بجائے الفاظ بولتا چلا گیا۔ اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی کہانی شروع کردی تھی۔ اس کے نپے تلے الفاظ اتنے بھرپور تھے کہ اسے اپنا مفہوم سمجھانے کے لیے فقروں کی کوئی حاجت نہیں تھی۔
اس کی زبان سے وہ خرافات سنتے ہی میرا اعصابی تناؤ دور ہوگیا۔ وہ بنکاک کے گشتی دلالوں کی بولی بول رہا تھا مگر میرے ذہن نے اس کی تاویل کو قبول نہیں کیا۔
آج کا بنکاک ان غلاظتوں سے کافی حد تک پاک ہوچکا ہے لیکن ان دنوں بھی میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ جنس فروش کارندے کسی بھی غیر ملکی کو زبردستی نہیں پھانستے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی بات شروع کرتے اور حوصلہ افزا جواب نہ ملے تو اس موضوع کو یوں بھول جاتے تھے جیسے اس بارے میں سرے سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ دونوں کافی دیر سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اتنی دیر میں وہ چاہتے تو دس بیس افراد سے ملاقات کرکے اپنے مطلب کے کئی گاہک تلاش کرسکتے تھے۔
''البم نکالو!'' میں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سختی سے مطالبہ کیا۔ اگر وہ وہی تھے جو خود کو ظاہر کررہے تھے تو ان کے پاس دو چار تصویری البم ہونے ضروری تھے۔
''نو البم!......'' فربہ شخص کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوگئے ''یو کم...... سی گالز...... ویری گڈ!''
انہیں چھیڑ کر مجھے اپنی وحشت ناک ذہنی پریشانی سے نجات مل گئی تھی لیکن میں عجیب مخمصے سے دوچار ہوگیا تھا۔ بات کھل چکی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ دونوں صورت حرام ہونے کے باوجود جارحانہ موڈ میں نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟
سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بلکہ ان میں سے صرف ایک اپنے مطلب کی محدود انگریزی سے واقف تھا۔ اس گزرگاہ پر رک کر ان دونوں سے بازپرس کی کوشش کی جاتی تو میں خود وہاں تماشا بن جاتا۔ میں کھیت کی کہتا تو وہ کھلیان کی سمجھتے۔
میں نے طیش اور جھلاہٹ کے عالم میں ہاتھ گھما دیا۔ ایک آدھ تھپڑ رسید کیے بغیر انہیں درگزر کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں میری طرف سے کسی زیادتی کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں ایک ساتھ مجھے جھکائی دے گئے اور میرا ہاتھ فضا میں گھوم کر رہ گیا۔
اگلے ہی لمحے ان دونوں نے پوری قوت سے ایک طرف دوڑ لگادی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔
آس پاس سے گزرنے والوں نے حیرت اور مسرت سے ملی جلی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ بعض لوگ سمجھے کہ وہاں کوئی مذاق ہورہا تھا۔ ایک دو سیٹیاں بجیں، چند آوازے کسے گئے اور میں سخت خفت کے عالم میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ میں اپنی سبکی کا منظر دیکھنے والوں کی نظروں سے جلد از جلد دور نکل جاؤں۔
وہ دونوں بھی نہر پار کرنے کے بجائے اسی طرف بھاگے تھے جدھر میں جارہا تھا لیکن انہوں نے اتنی سرعت سے دوڑ لگائی تھی کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔
اس واقعے سے میرا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں خبیثوں کو کس خانے میں فٹ کروں؟ وہ دوست ہوتے تو چوروں کی طرح چھپ کر میرا تعاقب نہ کرتے، دشمن ہوتے تو خطرناک تیور دکھائے بغیر اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ جب تک وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، میں تشویش اور سنسنی میں مبتلا تھا۔ بھاگنے کے بعد وہ اپنے پیچھے کئی الجھاوے چھوڑ گئے تھے جن کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں اس ذہنی تکدر کے عالم میں ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا۔ نئی پریشانی میں غزالہ کو شامل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس بے سروپا واقعے کے بارے میں کوئی رائے تو کیا دیتی، مجھ سے زیادہ پریشان ہو جاتی۔

میں نے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہونے کے بجائے سیدھی راہ اختیار کرلی۔ میرے ذہن میں یہ خدشہ بھی سر ابھار رہا تھا کہ میرے باہر رہنے کی صورت میں اس جیسا حیران کن واقعہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔

میں ہوٹل سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ میں نے ناگواری سے پلٹ کر دیکھا تو چاؤفان کی کالی اکارڈ فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا انجن چل رہا تھا، وہ اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا، کسی بندر کی طرح شوخی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے برابر والی نشست پر لی بہت بنی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی چاؤفان نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا اور دروازہ کھول کر اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کا ایک پیر سڑک پر اور دوسرا پائے دان پر تھا۔

میں جوں ہی گاڑی کی طرف بڑھا، لی بھی اپنے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ سجائے گاڑی سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ گزرے ہوئے واقعے پر بات کرنے کے لیے چاؤفان نہایت موزوں تھا۔ لی نے وائٹ ہاک کی تباہی پر کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ راجن کے خلاف جس انداز میں باتیں ہوتی رہی تھیں ان کی بنا پر وہ بڑی حد تک ہماری راز داں بن چکی تھی۔ اس کی موجودگی میرے اور چاؤفان کے مذاکرات میں رکاوٹ نہیں تھی۔

''ہائے ماسٹر!'' میرے قریب پہنچنے پر لی نے والہانہ انداز میں کہا ''اس سہانی شام میں اکیلے ہی گھوم رہے ہو۔ میں نے دور سے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا ورنہ چاؤفان تیزی سے یہاں سے نکلا جا رہا تھا۔ یہ گاڑی یوں دوڑاتا ہے جیسے کہیں ڈاکا ڈال کر بھاگ رہا ہو۔''

''چاؤفان بڑا ڈکیت ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''خوب صورت عورتوں کو لوٹنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، اس سے ہوشیار رہنا'' غیر متوقع طور پر ان دونوں سے ملاقات ہوتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

وہ دونوں ہنس دیے۔ لی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی خالی کی ہوئی جگہ سنبھال لی۔

''ماسٹر! کیا بات ہے...... تم اس وقت اکیلے نظر آ رہے ہو؟'' چند ثانیوں بعد چاؤفان نے فکرمند لہجے میں سوال کیا۔

''کیا میرے ساتھ جلوس ہونا چاہیے تھا؟'' میں نے استہزائی انداز میں پوچھا۔

''تمہارے ساتھ عورتوں کا جلوس ہو تو وہ بھی کم ہوگا'' لی شوخی سے بولی ''تم انہیں خوش کرنے کا فن جانتے ہو۔''

''میں نے دو آدمی تمہاری حفاظت پر مامور کیے تھے'' چاؤفان اس کے تبصرے کو نظر انداز کر کے پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا ''وہ دور دور تک نظر نہیں آ رہے؟''

اس کا وہ انکشاف سن کر میرا دل چاہا کہ اس کا گلا دبوچ لوں۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا ''وہ میرے حفاظت کر رہے تھے یا نگرانی پر لگائے گئے تھے؟''

''کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟'' اس نے بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔

''صرف دیکھا نہیں بلکہ بھگتا بھی ہے'' میں نے غصے سے تقریباً پھٹتے ہوئے جواب دیا ''وہ اس قدر بھونڈے انداز میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ مجھے ان سے الجھنا پڑ گیا۔ وہ اتنے بزدل تھے کہ مجھ سے سامنا ہوتے ہی بھاگ گئے۔''

''اوہ...... یہ برا ہوا'' وہ بے ساختہ بولا ''غلطی میری تھی۔ مجھے تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تمہاری حفاظت پر دو آدمی مامور کیے گئے ہیں۔''

''تم دونوں کن آدمیوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' لی نے اٹھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''مجھے تمہاری ان باتوں سے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

''ڈارلنگ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں'' چاؤفان نے فوری طور پر فدویانہ لہجے میں اسے تسلی دی ''یہ معاملات ہم تمہیں گھر چھوڑنے کے بعد طے کرلیں گے۔ اب ان پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

بظاہر چاؤفان نے لی کو مخاطب کیا تھا لیکن وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا کہ لی کی موجودگی میں اس موضوع کو طول نہ دیا جائے۔ میں نے ناگواری سے خاموشی اختیار کرلی۔

اس نے میرے قرب و جوار میں اپنے آدمیوں کو موجود

نہ پاکر اپنی فطری بے چینی کا اظہار کیا اور لمحہ بھر میں یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دونوں چاؤفان کے کارندے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یقینی طور پر اس نے ڈان کے ایما پر اپنے آدمی میرے پیچھے لگائے تھے۔

بات نبھانے کے لیے اس نے میری حفاظت کا ذکر کیا تھا لیکن میں اس وضاحت سے مطمئن نہیں تھا۔ جب راجن زندہ تھا اور مجھے واقعی تحفظ درکار تھا تو ان لوگوں نے مجھے میدان میں تنہا چھوڑا ہوا تھا۔ سنگین خطرہ ٹل جانے کے بعد جب سب کچھ نارمل نظر آرہا تھا تو خاموشی سے دو آدمی میرے پیچھے لگا دیے گئے۔

میرے لیے وہ صورتِ احوال تشویش ناک تھی۔ چاؤفان کے اعتراف سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے میرے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بہت کامیابی سے چھپالیا تھا۔ وہ گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے مجھ پر یہ ظاہر کیا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہوگیا تھا مگر اس نے فوری طور پر میری نگرانی کا بندوبست کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں میرے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

''ماسٹر! تم دوبارہ مجھ سے ملنے نہیں آئے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لی نے لگاوٹ کے انداز میں وہ سوال کر کے میرے خیالات کی رو توڑ دی۔

''میں دوستوں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ چاؤفان تمہاری دوستی کا پہلا حق دار ہے۔ میں اس کی کوششوں کو بار آور ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔''

''پوچھ لو...... اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی'' لی اپنے مراسم کے اظہار کے بارے میں میری توقع سے زیادہ بے باک تھی۔ ''میں بھی دوستوں کی قدر کرتی ہوں۔ اسے ستانے میں مجھے لطف آرہا تھا لیکن وائٹ ہاک والے واقعے کے بعد میں نے اس کی ساری شکایتیں دور کر دیں۔''

''تم واقعی بہت اچھی ہو۔ میں تمہاری دوستی پر فخر محسوس کرنے لگا ہوں'' چاؤفان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے میری زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھیر دیے ہیں۔''

''ماسٹر! تم نے سن لیا۔ میں کسی کا دل نہیں توڑتی۔ چاؤفان مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے مگر مجھے یقین ہے کہ چھوٹا راجن کو تم لوگوں نے ہی جیتے جی جہنم کی آگ میں جلایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ بری موت کا مستحق تھا اور کچھ نہیں تو اس کی موت کی خوشی منانے کے لیے کسی شام میرے گھر آجاؤ۔ دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والی ایک عورت کو کیا تم اتنی خوشی بھی نہیں دے سکتے؟''

''تم فکر نہ کرو'' مجھ سے پہلے چاؤفان بول اٹھا ''میں ماسٹر کو تمہارے پاس لاؤں گا۔ فی الحال میں پارٹی کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ اس سے نمٹنے کے بعد مجھے اور ماسٹر کو فرصت ہی فرصت ہوگی۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔''

''پارٹی میں، میں ڈان کو پہلی مرتبہ قریب سے دیکھوں گی۔ سنا ہے کہ وہ بھی بہت شاندار آدمی ہے مگر عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا؟'' لی بولی۔

''مادام! یہ کیا کہہ رہی ہو'' چاؤفان نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر کہا ''ڈان سے زیادہ کون عورت کی عزت کرے گا۔ سارے شہر کو معلوم ہے کہ اپنی بیوی سے سر بازار پٹنے کے باوجود اس نے اپنی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ مری ہے تو اب ڈان نے گوشہ نشینی ترک کی ہے۔''

''ان باتوں کو رہنے دو۔ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن اپنی زہریلی زبان سے اس کے چیتھڑے اڑا دیتا ہے۔ وہ الفاظ کو کوڑوں کی طرح استعمال کرتا ہے۔''

لی سنی سنائی باتیں دہرا رہی تھی لیکن وہ حقیقت پر مبنی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہونے کے نتیجے میں لی کے مطالبے سے میری جان چھوٹ گئی۔

انہوں نے دوران گفتگو پارٹی کا ذکر کر کے میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ قرائن بتا رہے تھے کہ وہ ڈان کی واپسی کے جشن کا تذکرہ تھا۔ ڈان نے اسی کے انتظار میں مجھے روکا ہوا تھا۔ پارٹی کے انعقاد کے بعد ڈان کے لیے مجھے بنکاک میں روکنے کا کوئی جواز نہ رہتا۔ مجھے توقع تھی کہ اس اثنا میں جلال کی طرف سے ہم چاروں کے نئے پاسپورٹ بھی آجائیں گے اور ہم نئے ناموں کے ساتھ تھائی لینڈ کو الوداع کہہ سکیں گے۔

باتوں باتوں میں لی کا گھر آگیا۔ اسے پورچ میں اتار کر چاؤفان واپس ہولیا۔

''تم اس لفنگی کے ساتھ کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے؟'' میں نے لی کے گھر سے نکلتے ہی چاؤفان سے سوال کیا۔

''شان دار سوال ہے'' چاؤفان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''ماسٹر! قصہ یہ ہے کہ مادام کے شہر کی ساری معزز لفنگیوں سے گہرے مراسم ہیں۔ ان میں ماڈلز سے اداکارائیں تک شامل ہیں۔ ڈان نے جشن کے لیے پرسوں کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ میں مادام کے ساتھ چیدہ چیدہ ہستیوں کو دعوت دینے کے مشن پر نکلا ہوا تھا۔''

''راجن کی موت پر یوں کھلا جشن منا کر کہیں ڈان خطرہ مول نہ لے رہا ہو۔ سب جان لیں گے کہ اسی نے راجن کو مروایا ہے۔'' میں نے کہا۔
''یہ بات صرف چند قریبی لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ دراصل ڈان کی گوشہ نشینی ختم ہونے کی پارٹی ہوگی۔ ڈان کے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ خبر بہت تیزی سے گردش میں آچکی ہے کہ ڈان پر ہاتھ اٹھانے والی عورت تھونگ ری میں ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی اور ڈان نے اس قدرتی انتقام کی خوشی میں اپنی گوشہ نشینی ختم کردی ہے۔''
''پارٹی کے بعد میں یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہوں گا'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''ڈان کی مہمان داری کا انوکھا انداز مجھے راس نہیں آئے گا۔''
''تم کس بات پر آزردہ ہو رہے ہو؟'' اس نے انجان بن کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
''چاؤفان! میرے سامنے تمہاری یہ مکاری نہیں چلے گی۔'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں نے لی کی موجودگی کی وجہ سے اپنی زبان بند کرلی ورنہ آج کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو کہ وہ دو آدمی میری حفاظت کررہے تھے۔''
''ماسٹر! تمہارا غصہ بجا ہے۔ ساری غلطی میری ہے۔ مجھے تم کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ اب ہر وقت دو آدمی تمہاری حفاظت کریں گے۔'' اس نے ندامت سے جواب دیا۔
''غلطی نہیں، یہ میرے خلاف کھلی سازش ہے۔ وہ میری نظروں میں نہ آتے تو اس وقت بھی میرا پیچھا کررہے ہوتے۔ وہ اتنے بزدل ہیں کہ انہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمی درکار ہیں۔ وہ میری کیا حفاظت کرتے، مجھے کس سے خطرہ ہے......؟ میں ڈان سے پوچھوں گا کہ کیا وہ اسی طرح لوگوں کو اپنا مہمان بنا کر ذلیل کرتا ہے؟''
''تم مجھے جوتے مار لو لیکن خدا کے لیے ڈان سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا'' وہ بوکھلا کر گڑگڑایا ''ڈان کا خیال تھا کہ گارڈ ہوں گے تو تم آزادی اور بے فکری کے ساتھ شہر میں گھوم سکو گے۔''
''اگر میں تمہارا یہ جھوٹ مان لوں تب بھی میرا باخبر ہونا ضروری تھا۔ جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ دو اُلّو کے پٹھے میری حفاظت کررہے ہیں، میں کیسے بے فکر ہوسکتا تھا؟''
''بس مجھ سے یہی چوک ہوگئی۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر مادام کی طرف نکل گیا۔ پرسوں ویک اینڈ ہے، لڑکیوں کی پہلے سے بکنگ ہو جاتی ہے۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔''
''تم فی البدیہہ جھوٹ بولے جارہے ہو'' میرا پارا چڑھنے لگا ''تمہارے بتانے کی سرے سے ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔''
''میری مت ماری گئی تھی۔ یہ آسان طریقہ میرے ذہن میں نہیں آیا۔'' وہ حجت کرنے کے بجائے ہر بات اپنے اوپر لیے جارہا تھا۔
''کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے آج ہی یہ ملک چھوڑنے کی اجازت مل جائے؟'' میں نے دانت پیس کر پوچھا۔
''تم اپنی مرضی کے مالک ہو، تمہیں کون روکے گا۔ سب کچھ تمہارے اور ڈان کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسے بتا دو تو میں خود تمہیں رخصت کروں گا۔'' اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ معاملہ میرے اور ڈان کے سر ڈال دیا۔
''میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔'' میں نے چراغ پا ہو کر اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔
''ارے......ارے......ماسٹر! یہ کیا کررہے ہو؟'' اس نے گھبرا کر بریک لگائے اور اسٹیئرنگ کاٹ کر گاڑی اچانک سڑک کے کنارے روک دی ''ڈان تم سے اس اچانک فیصلے کی وجہ جاننا چاہے گا، تم غصے میں ہو، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہہ دیا تو وہ مجھے کچا چبا جائے گا، دماغ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس سے ضرور بات کرلینا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''
اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسی روانی میں تیزی سے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے غزالہ بول رہی تھی۔ بازار سے واپسی پر مجھے کمرے میں موجود نہ پاکر وہ فکرمند ہوگئی تھی۔ میں نے اس سے بہت مختصر بات کی۔ خیریت کا اطمینان دلا کر کچھ دیر میں واپسی کا وعدہ کیا اور فون بند کردیا۔ اس دوران میں گاڑی دوبارہ حرکت میں آچکی تھی۔
''تم اپنی زبان میں بات کررہے تھے، تمہاری عو......عع......بیوی کا فون ہوگا'' اس نے اپنی عادت کے مطابق عورت کہتے کہتے اپنی تصحیح کرتے ہوئے رائے ظاہر کی۔
''چاؤفان! تم ڈان کے حکم کے بندے ہو۔ میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرکے گہری سنجیدگی سے کہا ''مجھے یہاں رہنا ہے نہ میں ڈان کے اقتدار کے لیے کوئی خطرہ بن سکتا ہوں۔ اسے مجھ سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہوچکا ہے۔ اپنی مکاریوں کو چھوڑ کر مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ میں اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں بتاؤں گا۔''

غزالہ کی بے محل فون کال کی وجہ سے میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سنجیدگی کے ساتھ چاؤفان کو ٹٹول کر میں ڈان کی سوچ تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ جب سے تم آئے ہو، اس نے مجھ سے بات کرنا کم کردیا ہے۔ جب بھی تمہارا ذکر آتا ہے، وہ تمہاری تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے'' چاؤفان نے پُرخیال انداز میں کہنا شروع کیا ''سچ بات یہ ہے کہ وہ تمہاری کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر مجھے اکسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے شکایت ہے کہ میں دل لگا کر اس کے لیے کام نہیں کرتا، ہر وقت شراب، جوے اور عورتوں کی لت میں مبتلا رہتا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ سچ بتاؤ کہ کیا یہ درست ہے؟''

''وہ تمہارے ساتھ اکثر زیادتی کر جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔'' اس وقت میری ہمدردی اسے سچ بولنے پر آمادہ کرسکتی تھی۔

''تمہاری طرف سے ڈان کے ذہن میں کوئی نئی بات آ گئی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے شبہات اس کے ذہن سے دھل کر صاف ہوگئے تھے'' اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

''تم اس کے کن شبہات کی بات کر رہے ہو؟''

''پرانی باتیں ہیں جو تمہارے سامنے آ چکی ہیں، پہلے اسے شک تھا کہ یہاں کچھ لوگ تمہارے لیے کام کر رہے ہیں۔ ساری بھاگ دوڑ وہ کرتے ہیں، آخر میں تم اپنا کام کرگزرتے ہو۔ پھر اسے تمہاری بڑھتی ہوئی کارگزاری سے شبہ ہوا کہ تم ڈینی ہو اور نام بدل کر اسے فریب دے رہے ہو۔ تم نے اس کا یہ وہم خود دور کردیا۔''

''میری طرف سے اس کا ذہن صاف ہے تو اسے میرے پیچھے آدمی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

اس بار چاؤفان کچھ نہیں بولا۔ اس نے میرے تحفظ کی جو رٹ لگائی ہوئی تھی، وہ ختم ہو چکی تھی۔ خاموشی اختیار کرکے اس نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ وہ نگرانی کا معاملہ تھا۔

''اس معاملے میں تم سے ایک بھول ہوئی ہے'' کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تم نے ڈان سے اپنے دونوں پاسپورٹ لے کر غلطی کی۔ جب تک پاسپورٹ ڈان کے پاس تھے، اسے یہ تسلی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر تم کہیں نہیں جاسکو گے، اب معاملہ مختلف ہے۔''

اس نے اتنے طویل عرصے میں پہلی بار ڈان کے مقابلے میں میری ہمدردی میں زبان کھولی تھی۔ میں نے دھیمی مگر پُرجوش آواز میں شکوہ کیا ''پاسپورٹ میں نے نہیں مانگے۔ راجن کی موت کی خبر سننے کے بعد اس نے خود لوٹائے تھے۔''

''اس نے پہلے بھی لوٹائے تھے اور تم نے لینے سے انکار کردیا تھا'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''کیا ڈان نے مجھے یہاں اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے؟''

''اسے تم جیسے شیر دل آدمی کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ بار وہ تمہیں اپنا دست راست بنانے کا ذکر کرچکا ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر میں یہاں نہیں رک سکتا۔ میرا گھربار ہے، دوسری ذمے داریاں ہیں۔ میں ہر حال میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں'' میں نے احتجاج کیا۔

''ڈان شاید یہ نہیں چاہتا۔ سارا اختلاف بس یہی ہے'' چاؤفان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''یہ تمہارا حق ہے۔ میں نے اس کے لیے چند روز کام کیا ہے، تم دو برسوں سے بلکہ ایک لمبی مدت سے اس کے ساتھ اپنی وفاداری نبھا رہے ہو۔ اگر وہ مجھے تمہارے سروں پر مسلط کرنا چاہ رہا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ اس کے خلاف، اندر ہی اندر شورش پروان چڑھے گی اور ایک دن اچانک کوئی ڈان کا گلا کاٹ کر اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ میں اس کے ساتھ لگا رہا تو میں بھی بے موت مارا جاؤں گا۔ دونوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ماسٹر...... خاموش رہو!'' وہ گھٹی گھٹی، خوف زدہ آواز میں بولا ''اسے تمہاری ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔''

میں چاؤفان پر تابڑ توڑ وار کر رہا تھا۔ اس کے ہر ردِعمل پر میری گہری نظریں تھیں۔ میری زہرفشانی پر اس نے اعتراض نہیں کیا تھا، اس کا سارا زور رازداری پر تھا کہ میری ان باتوں کی بھنک ڈان کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

''یہاں کون ہے جو ہماری باتیں ڈان کے کانوں میں پھونکے گا۔'' میں نے اس کے رویے سے حوصلہ پاکر بات آگے بڑھائی ''تم یا میں......؟ ہم میں سے کوئی خودکشی کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ہم نے ڈان کا دیا ہوا مشن پورا کردیا۔ اب اندر ہی اندر گھٹنے کی ضرورت نہیں۔ یہ موقع ہاتھ آیا ہے تو ہمیں کھل کر بات کرلینا چاہیے۔ اس کے پاس میری کارکردگی کا صلہ یہ ہے کہ وہ مجھ پر شک کیے جا رہا ہے۔ تمہاری وفاداریوں کا انعام یہ ہے کہ وہ مجھے تمہارے اوپر مسلط کرنے

کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

چاؤفان گاڑی کی آرام دہ سیٹ پر بیٹھا، سکون سے ڈرائیونگ کررہا تھا لیکن اس کے تنفس کی رفتار یوں تیز ہوگئی جیسے وہ دور سے دوڑتا چلا آرہا ہو۔ اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بے بسی سے کہا ''ماسٹر! تمہاری باتیں درست لیکن خوفناک ہیں۔ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھو۔ تم ڈان کو نہیں جانتے۔ وہ اپنے آدمیوں کی سوچ بھی پڑھ لیتا ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں جو ڈان کے سامنے زبان کھولے گا، وہ مارا جائے گا۔''

''ڈان کے سامنے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح راجن اطمینان سے مارڈالا گیا، اسی طرح سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ بات ذرا سے حوصلے کی ہے۔ تم ہمت کرو تو سارے معاملات ایک رات میں سدھر جائیں گے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

''نہیں ماسٹر!...... میں ڈان سے بغاوت نہیں کرسکتا'' اس کی جان نکلی جارہی تھی۔

''ڈان سے بغاوت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اسے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کسی خون خرابے کے بغیر سب کچھ سدھر سکتا ہے۔ مجھے صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہوگی'' میں نے اسے شیشے میں اتارنے کی کوششیں شروع کردیں۔ اتنا کچھ کہہ جانے کے بعد میرے لیے پیش قدمی کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔

''بغاوت اور خون خرابا نہیں ہوگا تو تبدیلی کیسے آئے گی؟'' اس نے کسی تنویم زدہ معمول کی طرح کمزور آواز میں کہا۔

''تم تعاون کا وعدہ کرو، میں سب کچھ سمجھادوں گا'' میں اسے آمادہ کرنے کے لیے بے چین ہوا جارہا تھا۔

''میں ڈان کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

''میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور سب کچھ ہوجائے گا...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتا جارہا تھا۔

''سارا فتور میری ذات کا ہے۔ میں یہاں سے نکل گیا تو ڈان کے سامنے صرف تم رہ جاؤ گے۔ وہ تمہیں اپنا دست راست بنالے گا'' میں نے اسے نیم آمادہ پاکر کہا ''میں یہاں رکنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ میں بحفاظت تمہارے ملک کی سرحد پار کرگیا تو ڈان کو ذرا سی جھنجلاہٹ کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہوجائے گی۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں سرحد پار پہنچادوں؟''

''میں خود فرار ہوجاؤں گا۔ تم پرسوں تک میری نگرانی کرتے رہو'' غیر ارادی طور پر میری آواز دھیمی ہوگئی ''ابھی تم بتارہے تھے کہ پرسوں ڈان کا جشن برپا ہونے والا ہے۔ وہاں مجھے بھی بلایا جائے گا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے وہاں افراتفری پیدا کردو تو میں نکل جاؤں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''یہ پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی'' اس نے بتایا ''وہاں کسی قسم کی افراتفری پھیلانا ممکن نہیں ہوگا۔''

''مجھے تفصیل بتاؤ، میں تمہیں کوئی نہ کوئی طریقہ بتادوں گا۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے بہتر مستقبل کے لیے میرا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔''

''تمہاری سب باتیں درست ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ تم نے کوئی احسان نہیں جتایا۔ تم جانا چاہتے ہو، میں اور آنا چاہتا ہوں۔ تمہارا منصوبہ بھی قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ایک اندیشہ ہے کہ فرار ہوتے ہوئے تم کہیں راستہ نہ بھٹک جاؤ۔''

''تم اس کی پروا مت کرو۔ یہ میرا دردِ سر ہوگا۔ میں ناکام رہا تب بھی تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کروں گا۔ ڈان مجھے فوراً مروا دے گا۔ تم مجھے پارٹی کے بارے میں بتاؤ!'' میں نے مضطرب ہوکر کہا۔

چاؤفان نے مجھے ڈان کی مجوزہ پارٹی کے بارے میں خاص خاص باتیں بتانا شروع کردیں۔

☆☆☆

حالات نے ایک مرتبہ پھر تیزی سے پلٹا کھایا تھا اور بات یہاں تل گئی تھی کہ میں نے فوری طور پر تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد نہ کہا تو ڈان ایک لمبی مدت کے لیے مجھے اپنا قیدی بنالے گا۔ میں اس کی رضامندی کے بغیر ملک سے نہیں نکل سکوں گا۔

ڈان مجھ سے کام لینا چاہ رہا تھا۔ بات یہیں تک رہتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ میرے لیے یہ بات تشویش انگیز تھی کہ ڈان نے کرنل گیری سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ گیری بنکاک میں ایف بی آئی اور سی آئی اے سمیت بہت

سے امریکی وفاقی اداروں کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کی ذات سے مجھے سنگین خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ میں ان دونوں کے گٹھ جوڑ کے باوجود گیری کی نظروں میں آنے سے بچا رہوں۔ میں سعادت مندی سے ڈان کے احکام کی تعمیل کرتا رہتا تو یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے امریکی دوست سے میری خوبیوں کا ذکر کرتا اور گیری میری طرف متوجہ ہو جاتا۔

میں بنکاک میں غزالہ کے ساتھ مقیم تھا۔ گیری مجھے اس کے حوالے سے شناخت کر لیتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے امریکیوں کے بھیانک چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔

بیم گن میرے اسباب میں پوشیدہ تھی، زہر اگلنے والی انگوٹھیاں ہر دم میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں بدترین اندیشوں کے باوجود اپنے ان اہم ترین ہتھیاروں کے اتلاف کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ امریکی ایک بار میری طرف متوجہ ہو جاتے تو ذرا سی محنت سے ان ہتھیاروں کی موجودگی کا سراغ لگا لیتے جو مجھے ڈینی ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ وہ میرے ساتھ جلال کی بھی بدترین ناکامی ہوتی۔ میرے نام پر پاکستان میں پکڑے ہوئے دو قیدیوں کا فریب کھل جانے کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ ان گمبھیر حالات سے بچنے کے لیے ہمارا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ مجھے جلال کی طرف سے کسی بھی وقت چاروں نئے پاسپورٹ مل جائیں گے اور ہم ان کی مدد سے بنکاک سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر بھی میں نے چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کا متبادل منصوبہ بنا لیا تھا۔

اس متبادل منصوبے سے مجھے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ چاؤفان کی ہمدردیاں جیت کر میں نے ڈان کے جاں نثاروں کی ناقابلِ شکست صف میں زبردست دراڑ ڈال دی تھی۔ چاؤفان نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی ترقی کے لیے میرا نکل جانا ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرا بدیہی فائدہ یہ تھا کہ جلال کی طرف سے پاسپورٹوں کی فراہمی میں کسی ناگزیر تاخیر کی صورت میں بھی ہمیں بنکاک میں دو دن سے زیادہ نہ رکنا پڑتا۔

غزالہ کی دانست میں چاؤفان کی رضامندی میری زبردست کامیابی تھی۔ وہ ڈان کا پرانا اور منہ چڑھا ساتھی تھا جو سوچے سمجھے بغیر ڈان کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے ڈان کی ضرورت کو فراموش کر کے اپنے مفاد کے بارے میں سوچا تھا تو یہ بڑی بات تھی۔

''اگر ڈان آپ کی طرف سے اتنا فکر مند ہے تو آپ کو پاسپورٹ اس کے حوالے کر دینا چاہئیں'' غزالہ نے میری روداد کی روشنی میں مشورہ دیا ''کم از کم رات دن کی نگرانی سے تو آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہمارے پاس کوئی شناخت باقی نہیں رہے گی'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس ہوٹل میں ضرورت تھی تو ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی ضرورت پیش نہیں آئی، اب کیا آئے گی۔''

وہ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے رہی تھی لیکن وہ فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہمارے نئے پاسپورٹ نہ آتے تو فرار کی صورت میں کسی اور ملک میں داخل ہونے کے لیے ہمیں ان دستاویزات کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اس بارے میں چاؤفان سے بات کیے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسے تھائی لینڈ کے سرحدی حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ بتانا تھا کہ ہمارے لیے کون سی سمت بہتر رہے گی۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''آج کا دن گزر گیا۔ اس بارے میں کل سوچ کر فیصلہ کروں گا۔''

''ڈان دوست کے روپ میں رفتہ رفتہ خطرہ بنتا جا رہا ہے'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''وہ دونوں مقابلے پر جم جاتے تو آپ مشکل میں پڑ جاتے۔''

''مجھے غصہ بھی موقع محل دیکھ کر آتا ہے۔ ان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ انہوں نے مجھ سے اڑنے کی کوشش کی تو انہیں پل کی دیوار سے نہر میں اچھال دوں گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''ڈان بھی اپنی قسم کا اکلوتا انسان ہے۔ دراصل جو لوگ خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں، وہ ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں......''

''آپ کی طرف سے اس کی بدگمانی بے بنیاد نہیں ہے'' وہ میری بات کاٹ کر بولی ''یہ دیگر بات ہے کہ آپ اس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''اب مجھے بے چینی سے پرسوں رات کا انتظار ہے۔ یہ قصہ طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں ڈان سے بری طرح اکتا گیا ہوں۔''

''سلطان شاہ اور ویرا کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟'' وہ ان دونوں کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہتی تھی۔

''اب انہیں یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پال کی ہلاکت

کے بعد ان کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ نکلیں گے۔"

"ان کو پہلے سے بریف کرنا ہوگا" اس نے زور دے کر کہا۔

"کچھ طے ہوجائے تو ضرور بریف کروں گا۔"

"آپ نے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر نہیں دیکھی۔ سارجنٹ پال کی ہلاکت کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس کو ریٹا اور اکبر کی تلاش ہے۔"

"خبر نامکمل ہے" میں نے جواب دیا "پولیس کے علاوہ بہت سے لوگ انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ان دونوں کو ان حقائق کا علم ہے۔"

ہمارے درمیان دیر تک تازہ حالات اور مسائل کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ غزالہ کو میں نے ابتدا سے عملی میدان سے الگ تھلگ رکھا تھا لیکن ہمارے درمیان کھل کر ہونے والے تبادلۂ خیال کی وجہ سے وہ حالات کا گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اس کے مشورے ہمیشہ اہم اور دور رس اثرات کے حامل ہوتے تھے۔

جلال ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہمارے حالات کی نزاکت کا شاید ہم سے زیادہ احساس تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ کام پورا ہونے کے بعد ہمارے نئے پاسپورٹ روانہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا پھر بھی میں نے غزالہ کے ایما پر تازہ ترین پوزیشن جاننے کے لیے اسے فون کرلیا۔

لائن ملی تو پتا چلا کہ وہ پاکستان کے بجائے دبئی میں بیٹھا ہوا تھا جہاں اسے انسانی اسمگلنگ کے موضوع پر ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنا تھی کیونکہ پہلے سے نامزد کیا ہوا افسر اچانک صاحب فراش ہوگیا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا کام ایک قابل اعتماد آدمی کے سپرد کرکے آیا ہوں۔ تمہیں جلد ہی سب کچھ مل جائے گا" تمہیدی گفتگو کے بعد اس نے اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"انتظار کا وقت گزر گیا۔ ہمارے پاس صرف کل کا بلکہ پرسوں شام تک کا وقت ہے۔ اس کے بعد سب بے کار ہوجائے گا" میں نے اسے بتایا۔

"کیوں...... پرسوں کیا ہو رہا ہے؟" میرے جواب نے اسے چونکا دیا۔

"ڈان گھٹیا حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہاری طرف سے کچھ نہ ہوا تو میں دوسری راہ اختیار کروں گا۔"

"میں خود بھی اپنی جگہ پر موجود ہوتا تو یہ کام اتنی جلدی نہیں ہوسکتا تھا۔ ویزا کے معاملات ذرا پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ کئی ملکوں کا معاملہ ہے۔ پھر بھی میں تاکید کیے دیتا ہوں۔ تم دوسری کس راہ کا ذکر کررہے ہو؟"

"کوئی غیر قانونی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ وہی جس کے تدارک کے لیے دبئی میں کانفرنس ہورہی ہے یا پھر پرانے کاغذ استعمال کرنا ہوں گے۔"

"تم دونوں ایسا کرسکتے ہو۔ اکبر اور ریٹا کو اس خطرے میں نہ ڈالنا۔ ان کے لیے انتظار ہی بہتر رہے گا" اس کا ذہن ہر طرف کام کررہا تھا۔

"وہ ویسے ہی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پال زخموں کی تاب نہ لاکر مرچکا ہے اور پوری سرگرمی سے ان دونوں کی تلاش شروع ہوچکی ہے۔ چاروں پر ایک ساتھ مسائل حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والی افسوس ناک پوزیشن آگئی ہے۔"

"میں حیران ہوں۔ کل تک کامیابیاں تمہارے قدم چوم رہی تھیں۔ حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ یکا یک کہاں گڑبڑ ہوگئی!"

"یکا یک کچھ نہیں ہوا۔ پہلے سے کھچڑی پک رہی تھی، بھید اب کھلا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ میں یہاں سے تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں!" اس کی آواز سے شدید اضطراب کا اظہار ہورہا تھا۔

"بس دعا کرتے رہو، اگر پرسوں شام تک کاغذات مل سکیں تو یہ سب سے بڑا کام ہوگا۔"

"میں جھوٹی امید نہیں دلا سکتا۔ بہ ظاہر ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آرہا۔ تین چار دن کوریر سروس والے لے لیتے ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہاری ضروریات کا اندازہ ہے۔ کام بن گیا تو اسلام آباد سے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا جائے گا تاکہ وقت بچ سکے۔ اس وقت تم نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا متبادل منصوبہ کیا ہے۔"

"ابھی سب چوکنا ہیں۔ ڈان کے آدمی میرا پیچھا کرتے ہیں۔ پرسوں رات وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہا ہے۔ رات بھر سب اسی میں لگے رہیں گے۔ ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر نکل جائیں گے۔" میں نے اختصار سے بتایا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہارے ذہن میں بھی مکمل خاکہ نہیں بن سکا۔" اس نے میرے ادھورے جواب سے صحیح

انداز ہ لگالیا۔

''تم صحیح سمجھ رہے ہو۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ راہ ابھی کچھ دیر پہلے سمجھائی دی ہے۔ منصوبے کے خدوخال میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔''

''وہ خطہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم کہیں آسمان سے گر کر کھجور میں نہ اٹک جاؤ۔''

اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ''بہتر یہی ہوتا کہ تم بدلے ہوئے درست کاغذات پر وہاں سے خاموشی سے روانہ ہوتے......''

''اب بھی میری پہلی ترجیح یہی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا ''مگر میں تمہاری مجبوریاں سمجھ رہا ہوں۔ دوسرے طریقے کو میں بہ حالت مجبوری بروئے کار لاؤں گا۔''

''بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت مجھے بریف کردیا۔ تم کدھر کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے، ہم جدھر بھی گئے، تمہیں اطلاع مل جائے گی۔''

''سب کچھ غیر یقینی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اپنے گمبھیر مسائل پر کیسے قابو پاؤ گے۔ تم چند روز صبر کرلیتے تو یہ سب سہل ہوجاتا۔''

''میں خود بھی یہ بات سمجھ رہا ہوں۔ اب یہاں چند روز تو کیا چند گھنٹے گزارنا بھی خطرناک ہوگیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔''

اس نے میری کامیابی کی دردمندانہ دعاؤں اور پاسپورٹوں کے معاملے پر تیز ترین کارروائی کے وعدوں کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

جاؤ فان سے مفاہمت اور تعاون کی فضا پیدا ہوگئی تھی، جلال کو بریف کردیا گیا تھا۔ اب ویرا اور سلطان شاہ کو آگاہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔

وہ دونوں ہوٹل سے نیو بیچ بری کے علاقے میں منتقل ہوچکے تھے۔ ملاقات کے لیے میرا ان کے گیسٹ ہاؤس کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو کہیں بلالیا جائے۔

اس سے پہلے سیام پارک کے ایک گوشے میں ہم چاروں یک جا ہوچکے تھے۔ وہ جگہ سب کی دیکھی بھالی تھی۔ میں نے فون کیا تو خلاف توقع سلطان شاہ سے بات ہوئی، اس نے بتایا کہ ویرا گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن سے لابی میں گپ شپ کے دوران اس اخباری اطلاع کے بارے میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کررہی تھی جس کے مطابق پولیس کو پال کی ہلاکت کے سلسلے میں ایک پاکستانی جوڑے کی تلاش تھی۔

اس خطرناک موضوع پر کسی مقامی سے بات چیت کرنا مخدوش تھا مگر ویرا ہوشیار تھی۔ میں پس منظر جانے بغیر اس کے فیصلے کی تنقیص نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو آدھے گھنٹے میں سیام پارک کی پرانی جگہ پر پہنچنے کے لیے کہا تو سلطان شاہ نے اس بارے میں کوئی بھی سوال کیے بغیر رضا کارانہ طور پر بتایا کہ وہ ویرا کو وہاں بھیج دے گا۔ میرے لب و لہجے سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ کوئی اہم بات مجوزہ ملاقات کی محرک بنی تھی۔

ان دونوں کے درمیان ذاتی معاملات پر کشیدگی ہونے کے باوجود کام کے معاملے میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ سلطان شاہ کھل کر ویرا کی ذہانت کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا رہتا تھا کہ وہ ویرا کی صلاحیتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ خود آنے کے بجائے ویرا کا نام تجویز کرکے اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی معقولیت ثابت کردی تھی۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ جاؤ فان کی کال آگئی۔

''ماسٹر......! اپنے پاسپورٹ لے کر آجاؤ' میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' اس کی آواز میں سدابہار شوخی مفقود تھی۔ ڈان کی مرضی کے خلاف مجھ سے گٹھ جوڑ کرتے ہی وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔ اپنا پیغام دیتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

جاؤ فان کی وہ ہدایت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس سے یہ ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ میری سازش میں شامل ہوتے ہی اس نے تیزی سے کام شروع کردیا تھا۔

میں نے غزالہ سے کہا کہ وہ ویرا یا سلطان شاہ کو فون کرکے یہ بتادے کہ مجھے سیام پارک پہنچنے میں تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کیا جائے۔ میں نے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ سنبھالا اور جاؤ فان سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔

جاؤ فان اپنی گاڑی میں بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ میں نے لفافہ اپنی جیب سے نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

''تمہیں ان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ تمہارے لیے بے کار ہوچکے ہیں۔'' اس نے

ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ڈان نے اپنے پرانے اثر رسوخ کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ امیگریشن کے ڈائریکٹر جنرل سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ اس کے آدمی ڈان کی کلیرنس کے بغیر تمہیں یہاں سے نہیں نکلنے دیں گے۔ کسی نہ کسی بہانے سے تمہیں آف لوڈ کرا دیا جائے گا۔''

''اب تمہیں اندازہ ہوا کہ ڈان کے بارے میں میری سوچ غلط نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھے پہلے سے ان باتوں کا اندازہ تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تم ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تو ڈان کے ساتھ تمہارے لیے بھی سنگین خطرات پیدا ہو جاتے۔ کوئی دل جلا تمہارے پیچھے لگ سکتا تھا۔''

''تمہیں ان پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے اپنا ابتدائی سوال دہرایا۔

''میں ڈان سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے پارٹی کے بعد اپنی سیٹ کی بکنگ کروانے کے لیے اپنے پاسپورٹ مجھے دے دیے ہیں۔'' وہ بولا'' یہ سننے کے بعد ڈان نے مجھے امیگریشن والی بات بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں پاسپورٹ ایک طرف ڈال کر بھول جاؤں۔ چند روز بعد تمہیں بتا دیا جائے گا کہ پاسپورٹ کہیں گم ہو گئے۔ یہ الزام میرے سر آئے گا۔''

''ڈان نے پہلے ہی طنز کیا تھا کہ تم ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں بھول آؤ گے۔''

''ماسٹر! میں اتنا بھولا اور بے وقوف نہیں ہوں جتنا نظر آتا ہوں۔'' اس نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا'' ڈان عمر اور تجربے میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ اس نے مجھے پروان چڑھایا ہے اس لیے میں اس کی ہر بات ہنس کر سہہ لیتا ہوں۔ میرے سامنے دوسروں کا دم نکلتا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ تمہاری روانگی کے سارے راستے بند کر دینے کے بعد ڈان نے تمہیں آزادی دے دی ہے۔ پاسپورٹ میرے قبضے میں آ جانے کے بعد تمہاری نگرانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ میرے لیے وہ بڑی خوش خبری تھی۔ مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ میں سیام پارک میں ویرا سے ملنے گیا تو سب سے پہلے مجھے اپنا تعاقب کرنے والے کو پہچان کر جل دینا ہوگا ورنہ ویرا بھی اس کی نظروں میں آ جائے گی۔

''اچھا ہے!'' میں نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا'' لیکن کاغذات بلکہ پاسپورٹوں کے بغیر میں کیا کروں گا۔ کسی اور سرحد میں قدم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہوگی۔''

''ماسٹر......! یہ تمہارے ساتھ میرے لیے بھی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' اس کی پوری شخصیت اس وقت بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ متانت اور تفکر کے ساتھ کہہ رہا تھا'' تم نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ تم سے الگ ہونے کے بعد میں اس بارے میں مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ یہاں سے کمبوڈیا کی سرحد سب سے قریب ہے۔ تم تین چار گھنٹوں میں وہاں پہنچ سکتے ہو۔ وہ غریب اور پس ماندہ ملک ہے۔ سرحدی اہل کار ڈھیلے ڈھالے اور رشوت خور ہیں۔ تمہاری جیب میں ڈالر ہوں تو تمہیں سرحد پار کرنے کے لیے کسی کاغذ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ڈان سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ہمارے فرار کے بعد ہمارا سراغ لگانے کے لیے زیادہ ہاتھ پیر مارے گا۔ پرانے پاسپورٹ استعمال کرنے کی صورت میں یہ قوی اندیشہ... بہر حال موجود تھا کہ دیر سویر سے گیری کے آدمی ریٹا اور اکبر کی اگلی منزل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں مسلسل غیر قانونی فرار کی تجویز گردش کر رہی تھی۔ اس پر کس طرح عمل ہو سکے گا...... میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

میں نے جلال سے بھی اس مبہم تجویز کا ذکر کر دیا تھا۔ میں موقع نکال کر جاؤفان سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کمبوڈیا میں گھسنے کی تجویز پیش کر کے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ اپنے تابناک مستقبل کے لیے وہ دل و جان سے میرے فرار میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور اس کے عملی ثبوت فراہم کر رہا تھا۔

''تمہارا مشورہ معقول ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا'' سوال ماسٹر پلان کا ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکے گا؟'' میں نے بوجھ اس پر ڈال دیا۔

''سب ہو جائے گا۔ پنڈال کے باہر چوری کی گاڑی تمہیں تیار ملے گی۔ ہلکے ہتھیار سے خورونوش کی چند چیزوں سمیت تمہیں سب کچھ اس میں ملے گا۔ سیٹ پر راستے کا نشان زدہ نقشہ موجود ہوگا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی ہوگی۔ تم خاموشی سے وہاں سے نکلو گے اور سرخ روٹ پر سفر کرتے ہوئے، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کمبوڈیا کی حدود میں داخل ہو جاؤ گے۔ پارٹی میں سب اپنی دھن میں مگن ہوں گے۔ کسی

کو تمہارا دھیان نہیں آئے گا، وہاں کوئی افراتفری پھیلائے بغیر تم خاموشی سے نکل جاؤ گے۔''

اس نے ایک ہی سانس میں ایسا جامع منصوبہ پیش کر ڈالا کہ اس کی طرف سے میرے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ مجھے ڈبل کراس نہ کر رہا ہو۔ ابتدا سے میرے ساتھ اس کا رویہ تابع دارانہ رہا میں جو کچھ کہتا' وہ اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کی اپنی صلاحیتیں کبھی بھی ابھر کر سامنے نہیں آسکیں۔

لوپ بوری میں اس کے آدمیوں کے ساتھ سوبھراج کا محاصرہ کرنے کے دوران میں یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کے پاس لڑنے مرنے والی نفری کی کمی نہیں تھی لیکن وہ سب غیر تربیت یافتہ تھے۔ کسی منظم مقابلے میں ڈٹ کر لڑنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ان کی اس خامی سے جاؤ فان کی اپنی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔

اس کی بات مکمل ہونے پر مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ ایک طرف مجھے فرار کی آسان راہ دکھا رہا ہو اور دوسری طرف ڈان کو اعتماد میں لے چکا ہو تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کشتیاں جلا کر اس پر بھروسا کیا تھا۔ اسے یہ بات بھی میں نے سمجھائی تھی کہ میں اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہ ڈان کا اکلوتا منظور نظر بن جاتا۔

اسے وہ سب بتاتے ہوئے میرا ذہن صرف ایک رخ پر کام کر رہا تھا کہ وہ مجھے تھائی لینڈ سے نکلنے میں مدد فراہم کرے گا۔ دل میں اس کی طرف سے شک پیدا ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا کہ جاؤ فان کی ترقی کا راستہ صاف ہونے کے لیے میرا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری نہیں تھا۔ وہ مجھے ڈان کی نظروں میں گندا کر کے بھی اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

چوری کی کار میں فرار ہوتے ہوئے اگر ڈان کے آدمی مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ میں ڈان کے ہولناک عتاب کا نشانہ بن جاتا، جاؤ فان اپنی مخبری کی بنا پر ڈان کے لیے عزیز تر ہو جاتا اور یوں وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتا۔ اس کے دل میں یہ خلش بھی پیدا نہ ہوتی کہ اس نے ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔

میرے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں تھا جس کی مدد سے میں جاؤ فان کی نیت کا صحیح اندازہ لگا سکوں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس منصوبے میں کتنے آدمی تمہارے راز داں ہوں گے؟''

''ماسٹر! اس بارے میں تو میں اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کروں گا۔'' اس کے بے ساختہ جواب نے میرے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا ''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی تک ڈان کو نہیں سمجھ سکے، وہ دل کی باتیں پڑھ لیتا ہے۔ تمہارے ارادوں کو سمجھ رہا ہے لیکن جان بوجھ کر تم سے کھیل رہا ہے۔ میں نے کسی کو اعتماد میں لیا تو وہ ڈان کے سامنے میرا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ ابھی میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

ذہن سے بوجھ ہلکا ہوتے ہی میں ہنس دیا۔ ''چوری کی کار کہاں سے آئے گی...... اس میں سب سامان کون فراہم کرے گا۔''

''ابھی تمہیں میری صلاحیتوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے برا مان جانے والے انداز میں کہا ''میرے آدمی شہر میں وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے کوئی گاڑی روک لوں گا۔ کوئی مجھ سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ گاڑی کو تیار کر کے میں خود وہاں پہنچاؤں گا۔''

''مسروقہ گاڑی کمبوڈیا میں پائی جائے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں اس ملاقات میں جاؤ فان سے ہر منفی پہلو پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے بعد مجھے اس سے تفصیلی بات چیت کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اسے میرے فرار کی تیاری کے ساتھ ڈان کی پارٹی کے لیے جنگل میں منگل منانے کا بندوبست کرنا تھا۔

''اسے بھول جاؤ۔ تم اس خطے سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ سب سوچ رہے ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے نکتہ اٹھا لیا۔ سرحد پر تمہارا ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہوگا۔ تم زبردست باتیں کرتے ہو۔ اگر تم کورو کنے والے انگریزی سے واقف ہوئے تو تم انہیں آسانی سے گاڑی کے لالچ میں پھانس لو گے، ڈالروں کے بجائے نئی گاڑی ان کے لیے بڑا انعام ہوگی۔ سرحد سے نوم پنہہ تک چوروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ گھنٹا بھر میں پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہ گاڑی کہاں گئی۔ انجن اور پرزے کھل کر بازار میں پھیل جائیں گے۔ چیسز گیس سے کاٹ کر کسی کباڑی بازار میں بیچ دیا جائے گا۔''

''کسی وردی والے کو رشوت کی پیش کش کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ ''ان میں سے کوئی ایمان دار ٹکرا گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! آج میں پہلی بار تمہیں نروس دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ایسے لین دین طے کرنے میں دونوں فریقوں کی صلاحیتوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ کوئی نخرے دکھاتا ہے تو وہ اپنی بولی بڑھوانے کی خواہش

رکھتا ہے۔''

اس وقت چاؤ فان بہت ٹھوس اور کارآمد باتیں کررہا تھا۔ اس کی گفتگو میں حماقت یا فضول گوئی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ ان تبدیلیوں کا سبب ایک ہی ہوسکتا تھا کہ وہ ڈان کی غلامی کی زنجیر توڑ کر اپنا فیصلہ خود کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل و دماغ میں جنم لینے والے خدشات کمزور پڑنے لگے۔ وہ اتنا مکّار نہیں تھا کہ مجھے دھوکا دے کر میرے سامنے اپنے دل کا چور چھپا سکے۔

''میں ذرا بھی نروس نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پارٹی سے نکلنے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔ میں صرف تمہارے تجربات کا نچوڑ جاننے کی کوشش کررہا ہوں۔''

''میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی بات سیکھی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنے کے بجائے اپنی منزل پر نگاہ رکھو۔ کوئی راستے میں آتا ہے تو اسے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔''

''مجھے حیرت ہے۔ آج تم فلسفہ بول رہے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ اس وقت تم میرے اوپر بھی اپنے اس سبق کا اطلاق کررہے ہو؟'' موقع میسر آتے ہی میں نے تمسخرانہ انداز میں اس سے وہ اہم سوال کرڈالا۔

''میرے دل میں تمہارے لیے عزت اور محبت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے میں تم کو دغا نہیں دوں گا۔''

''عزت کہہ لو۔ تمہاری محبت لی کے نام ہے جو آج بھی تمہارے ساتھ گھوم رہی تھی۔'' میں نے گفتگو کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ماسٹر! اس کا ذکر نہ کرو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''عورت بھی عجیب شے ہے۔ جب تک وہ مزاحمت کرتی رہتی ہے۔ مرد اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے۔ اسے پالینے کے بعد ساری امنگ ختم ہوجاتی ہے اور نیا دور شروع ہوجاتا ہے جس میں عورت اسے ڈھونڈتی پھرتی ہے۔''

چاؤ فان نے اپنی طبیعت کے ہرجائی پن کو ایک کلیے کے طور پر بیان کرڈالا۔ عورتوں کے بارے میں اس کی سوچ بہت سطحی اور عامیانہ تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اس سے اس موضوع پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پارٹی سے نکلنے کے لیے کون سا وقت موزوں رہے گا؟'' وقت کا تعین ہونا ضروری تھا تاکہ میں ویرا کو اسی کے مطابق وقت دے سکوں۔

''پارٹی کے لیے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ ہلکی پھلکی شرابوں کا دور چلے گا۔ دس بجے تک کھانا شروع ہوجائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا ''پھر رقص و سرود کی محفل شروع ہوگی۔ آدھی رات تک سب اپنی اپنی ذات میں گم ہوجائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے لیے ایک بجے کا وقت مناسب ہوگا۔ صبح کے پانچ چھ بجے تک تم کمبوڈیا میں ہوگے۔''

''میں صحیح سلامت وہاں پہنچ گیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔''

''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ پتا نہیں اس وقت میں کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ڈان کا رات بھر کا پروگرام ہے۔ شراب اور شباب کا خمار سب کو بے حال کردے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تم نڈر آدمی ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم صاف نکل جاؤ گے۔''

''نگرانی ختم ہوچکی ہے یا ہونے والی ہے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''میں نے بتایا ناکہ اب میدان صاف ہے، تمہیں اپنا کوئی بندوبست کرنا ہے تو ابھی سے تیاری شروع کرلو...... بتاؤ میں تمہیں کہاں اتاروں!''

''مجھے کسی تیاری کی ضرورت نہیں، مجھے ہوٹل پر ہی چھوڑ دو!''

اس منصوبے کی تیاری کے سلسلے میں چاؤ فان کے ساتھ میرے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے بے مصرف باتوں کا سلسلہ موقوف کردیا تھا۔ جواب میں، میں نے بھی بالادستی کا اظہار ترک کردیا تھا۔ واپسی میں وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سفر کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ وہ کمبوڈیا کے راستے پر کئی بار سفر کرچکا تھا۔ مسروقہ گاڑیوں کے لین دین میں کوئی تنازع ہونے کی صورت میں اسے خود وہاں جانا پڑتا تھا۔

میرے لیے یہ انکشاف تسلی بخش تھا کہ وہ مجھے سنے سنائے مشورے دینے کے بجائے اپنے ذاتی تجربات سے آگاہ کررہا تھا۔ اسے سرحد پار آنے جانے میں کبھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سو ڈالر کا نوٹ ہمیشہ اس کے لیے پروانہ راہ داری ثابت ہوتا رہا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا کہ چاؤ فان کے حساب سے ہم چاروں کے لیے چار پانچ سو ڈالر کا نذرانہ پیش کرنا کافی ہوتا۔ اس کے عوض ہزاروں ڈالر مالیت کی گاڑی کی پیش کش ہمیں مشکوک بنا سکتی تھی۔

میں نے اس بارے میں چاؤ فان کو مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اپنی عقل کے مطابق مجھے مشورے دے چکا تھا۔

سرحد پر پیش آنے والے حالات کے مطابق ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار میری مرضی پر تھا۔

وہ مجھے ہوٹل کے قریب اتار کر رخصت ہو گیا۔

میں اپنی جگہ کھڑا اس کی گاڑی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتا رہا پھر میں بھی اس سمت میں آگے بڑھ گیا۔

ہلٹن ہوٹل سے سیام پارک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں چاؤ فان کی یقین دہانی کے باوجود پیدل چل کر اپنا یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔

میں اس بارے میں مطمئن ہو کر سیام پارک میں بنی ہوئی چھوٹی سی مصنوعی جھیل کے قریب پہنچا تو ویرا تیز روشنی سے بچ کر بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' مجھے دیکھتے ہی اس نے میرا شانہ جھنجوڑ ڈالا ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا زیادہ دیر تک باہر رہنا کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اب اخباروں میں بھی خبر لگ چکی ہے۔''

''پارک میں سیکڑوں عورتیں ہیں۔ جب تک تمہارے پیشانی پر تمہارا نام نہ لکھا ہوا ہو' کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو گا۔ میں تمہارے کام سے چاؤ فان کے ساتھ نکلا ہوا تھا۔''میں نے اپنا شانہ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے گیسٹ ہاؤس کی مالکن کیا کہتی ہے۔''

''وہ انگریزی بولنے کی شوقین ہے۔ اخبار کی پرنٹ لائن تک پڑھ کر نمودار ہوتی ہے اور پھر وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑتی پھرتی ہے......''

''مجھے اس پر ریسرچ نہیں کرنا، جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خبر کا مذاق اڑا رہی تھی۔ پال کو مقامی لڑکوں نے زدو کوب کیا اور پولیس خفیہ پاکستانی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا تب بھی پولیس کو خبر نہیں دے گا۔ بنکاک میں لوگ عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کرتے۔ معاملہ ایک امریکی کی ہلاکت کا ہے اس لیے کوئی اس میں دلچسپی نہیں لے گا۔''

''تمہیں اپنے ہم وطنوں کی اس بے توقیری پر دکھ ہوا ہو گا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی میرے مزاج کی حس جاگ اٹھی تھی۔

''میں بے وطن ہوں۔'' اس نے فوراً اپنا دامن بچا لیا ''امریکی حکمرانوں کے تکبر اور آمرانہ رویے نے اس قوم کو دنیا میں اتنا رسوا کر دیا ہے کہ اب میں اس ملک میں پیدا ہونے پر شرم محسوس کرنے لگی ہوں۔''

''حالانکہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو تم ہوانا میں پیدا ہو سکتی تھیں۔''

ویرا نے نیم اندھیرے میں مجھے گھور کر دیکھا اور بولی ''ان دبی ہوئی چنگاریوں کو نہ کریدو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''آرام سے بیٹھو!'' میں نے پھولوں کے ایک کنج کے قریب نصب چوبی بنچ پر براجمان ہوتے ہوئے کہا ''میں نے تم میں سے کسی ایک کو بلا لیا تھا۔ یہ اکبر کی غلطی ہے کہ اس نے اپنے بجائے تمہیں بھیج دیا۔''

''ہوٹل سے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہوتے ہی اس پر قنوطیت کا عجیب دورہ پڑا ہے۔ ہر وقت سر جھکائے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، مجھ سے الجھنا بھی کم کر دیا ہے جو کچھ کہتی ہوں، بلا حیل و حجت مان لیتا ہے۔'' وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے دنوں کی مشق کر رہا ہے!''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میری سنجیدگی دیکھ کر وہ فکر مند ہو گئی۔

''شادی کے بعد اکثر یہی ہوتا ہے۔ عورت حاوی ہو جائے تو مرد بلاوجہ قنوطی اور فلسفی نظر آنے لگتا ہے۔ بھوک اڑ جاتی ہے۔ صحت گرنے لگتی ہے سر پر تانبہ نمودار ہونے لگتا ہے۔''

آج کل تم لوگوں کے سر پر یہی بھوت سوار ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی ''جب ملاقات ہوتی ہے، یہی ذکر لے بیٹھتے ہو۔ یہ بھول جاتے ہو کہ ہمیں اس وقت اس سے زیادہ اہم مسائل در پیش ہیں۔''

''تم کوئی فیصلہ کر لو تو مسائل آدھے رہ جائیں گے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں الگ الگ سوچنا پڑتا ہے۔ تمہاری شادی کے بعد مجھے ان تفکرات سے نجات مل جائے گی، میری خواہش ہے کہ ہم کمبوڈیا میں قدم رکھتے ہی یہ نیک کام کر ڈالیں۔''

''کمبوڈیا......!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا ''اس کا ذکر کیسے نکل آیا۔''

''وقت کم رہ گیا ہے۔ پرسوں رات ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ تجسس سے مغلوب ہو کر میرے قریب سرک آئی۔ ''جب تک ہمارے نئے پاسپورٹ نہیں آ جاتے ہم کہیں نہیں جا سکتے۔''

''پاسپورٹ تیار ہونے میں وقت لگ رہا ہے۔ جلال دبئی میں ہے۔ میری اس سے بات ہوچکی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد پولیس گیسٹ ہاؤسز کا رخ بھی کرسکتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ گیسٹ ہاؤسز والے کسی چھان بین کے بغیر ہر ایک کو جگہ دے دیتے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے اقرار کیا ''میں نے اسی خدشے کی وجہ سے اپنی گیسٹ ہاؤس کی مالک کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی سخت گیری کا مظاہرہ کرتی تو میں اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل لیتی۔ یہاں گزرتا ہوا ہر لحہ مجھے بہت بھاری نظر آرہا ہے۔ پال کے لیے مرمت کی سزا کافی تھی۔ اس کی ناگہانی موت سے صورت حال بہت نازک ہوگئی ہے۔''

''پرسوں روانہ ہونا ہے یا پاسپورٹوں کا انتظار کروگی؟''

''پاسپورٹوں کے انتظار میں اپنی گردن نہیں کٹوائی جاسکتی۔'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''تم نے کوئی ڈھنگ کی بات سوچی ہے تو تفصیل بتاؤ۔ ممکن ہو تو میں اسی وقت اس ملک سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

میں نے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

وہ بہت شوق اور جوش کے ساتھ پورا پلان سنتی رہی میں نے بات ختم کی تو وہ مضطربانہ انداز میں بولی ''یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے کہ تم نے ڈان کے ایک قریبی آدمی کو تاڑ لیا۔ وہ راضی ہے تو ہمیں یہاں دو راتیں برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آج ہی نکل سکتے ہیں۔''

''چند گھنٹوں میں سارا بندوبست ہونا ناممکن ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤفان سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ پھر ہمیں بھی فرار کے بعد وقت کی ضرورت ہوگی۔ پرسوں رات سب جشن میں مصروف رہیں گے۔ کسی کو ہمارا ہوش نہیں ہوگا۔ رات بھر کی بے اعتدالیوں کے بعد ڈان اتوار کا دن سو کر گزارے گا۔ اتوار کی شب یا پیر کی صبح سے پہلے اسے میرا خیال نہیں آسکے گا۔''

''اگر تم نے پورا ہوم ورک کرلیا ہے تو بحث بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ چوری کی کار کا کیا بنے گا۔ وہ جہاں بھی چھوڑی جائے گی، ہمارے لیے عذاب بنی رہے گی۔'' اس نے سب کچھ پوری طرح ذہن نشین کرلیا تھا۔ میں نے کمبوڈیا میں داخلے کے لیے اسے ہزار، پانچ سو ڈالر رشوت کی بات بتائی تھی۔ اس صورت میں مسروقہ کار کا مسئلہ واقعی برقرار رہتا۔

''چاؤفان کی تجویز تھی کہ معمولی رشوت کے عوض قیمتی کار سرحدی پولیس کو دے دی جائے۔ وہ خود اس کا تیاپانچا کردیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اتنی غیر معمولی پیش کش پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سرحدی پٹی چوری کی گاڑیاں خریدنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم خود اس کا سودا کرلیں گے۔ چند گھنٹوں میں پوری کار کھل کر پرزوں کی صورت میں مارکیٹ میں بکھر جائے گی۔ بنکاک میں کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔''

''یہ دیکھ لینا کہ چاؤفان ہمیں کہیں مروانہ دے!''

''میں نے اچھی طرح سے کھنگال لیا۔ میں مطمئن ہوں۔ اس سے آگے مقدر کی کوئی خرابی آڑے آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پرسوں رات کو ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہوگا؟''

''پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں منعقد کی جائے گی۔ میں وہاں سے ایک بجے نکلوں گا۔ مجھے خود ڈرائیونگ کرنا ہوگی۔ شہر کے بہت سے راستے میرے لیے انجانے ہیں۔ بھولنے یا بھٹکنے کی وجہ سے مجھے دیر ہوسکتی ہے لیکن تم دونوں کو پوری تیاری کے ساتھ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر موجود ہونا چاہیے۔''

مسئلہ مقررہ مقام کا تھا، رات کے ڈیڑھ دو بجے وہ زیادہ دیر تک کسی ویران مقام پر کھڑے رہتے تو پولیس والوں کی کسی گشتی پارٹی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ ان دونوں کے لیے بنکاک کی پولیس ملک الموت ثابت ہوسکتی تھی۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ وہ پچ بری کے علاقے میں کاؤبوائے کلب کے قریب میرا انتظار کریں۔

پچ بری روڈ کے اس حصے کا شمار ان علاقوں میں کیا جاسکتا ہے جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں بیدار رہتی ہیں۔ وہاں رات بھر شب بیدار رند اور مست ایک بہکے بہکے میلے کا سماں پیدا کیے رہتے تھے ان کی بھیڑ میں وہ دونوں آسانی سے مدغم ہوجاتے۔

''یہ سب طے ہوگیا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آتے ہی ٹیڑھی بات کیوں کی تھی!'' بنکاک سے گلا خلاصی کی راہ نظر آنے کے بعد ویرا اپنی اصل جون میں واپس آنے لگی۔

''میں نے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی۔ مجھ سے بلاوجہ الجھنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ نہ بھولو کہ جب تک ہم سرحد پار نہیں نکل جاتے۔ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہے گی۔''

''زندگی تلواروں کے سائے میں بھی اپنے رنگ بکھیرتی ہے۔تم جانتے ہو کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو موت آنے سے پہلے مردوں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم بہت زندہ دل ہو۔ اب میری جان چھوڑ دو۔ غزالہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔'' میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں مٹی کا کھلونا نہیں ہوں جس کے بارے میں تم لوگ من مانے فیصلے کر لو۔ تم نے کمبوڈیا میں شادی کا کیا ذکر کیا تھا؟''

''وہ ایک مخلصانہ تجویز اور خواہش تھی، فیصلہ نہیں تھا۔ فیصلے کا پورا اختیار تم کو حاصل ہے، میں تم کو صرف سمجھا سکتا ہوں۔''

''کیا تم اس بارے میں واقعی سنجیدہ ہو؟'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''ایسے معاملات میں مذاق نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ میرے اور تمہارے مراسم کا عینی شاہد ہے!''

''وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈان مرسیانو نے تمہیں کس فن کی تربیت دی تھی۔'' میں نے گمبھیر سنجیدگی اختیار کر کے موضوع سخن اپنی ذات سے اس کی طرف منتقل کر دیا۔

''اس کے باوجود وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ یہ میری اور غزالہ کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ تم دونوں کو اب ایک ہو جانا چاہیے۔''

''تم کچھ نہیں جانتے تو مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ مجھے قبول کر لے گا؟'' آخری الفاظ پر ویرا کی آواز فرط جذبات سے لرز گئی میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''تم میں کیا کمی ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''یہ سب ہے جس کی ایک مرد خواہش کر سکتا ہے۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ وہ بہت دور رہ گیا ہے۔''

''ماضی کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ کوئی بھول جائے تو دوسرے اسے یاد دلا دیتے ہیں ابھی...... ابھی تت...... تم نے مجھے ڈان مرسیانو کا طعنہ دیا تھا۔'' اس نے دبی دبی ہچکیوں کے درمیان کہا۔ اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔

رقت طاری ہونے کے سبب اس کے لیے الفاظ کی ادائیگی مشکل ہو رہی تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دو۔'' میں نے ندامت سے کہا ''وہ طعنہ نہیں تھا، ایک سادہ سا بیان تھا...... یہ بتانے کے لیے کہ سلطان شاہ کو تمہارے بارے میں ہر بات معلوم ہے۔ وہ آمادہ ہو گیا تو تمہیں تمہارے ماضی کے ساتھ قبول کرے گا۔''

''میں نے تمہارے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔'' وہ سنبھل گئی لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''تمہارے یہاں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں اسے پاکیزگی کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی، وہاں ایسا تصور ناپید ہے۔ عورت ایک کھلونا اور اس کی عزت کھیل ہوتی ہے۔ مغرب نے سر بازار عورت کو ننگا کیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی اپنی حرکتوں میں عار محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کرتی رہی جو میرے گرد و پیش میں ہو رہا تھا تمہارے ساتھ رہ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں اپنے فطری مقام سے کتنا نیچے چلی گئی تھی۔ شکم پری اور نفس پروری حیوانی جبلتیں ہیں۔ دوسروں کی طرح میں ان سے مغلوب رہی۔ مجھے اپنے ماضی سے نفرت اور کراہت محسوس ہونے لگی ہے۔ تمہارا سلطان شاہ عظیم آدمی ہے، سادہ لوح اور بے داغ کردار کا مالک ہے۔ میں اب تک تمہاری اور غزالہ کی باتوں کو مذاق میں اڑاتی رہی۔ میں ڈرتی ہوں کہ میں نے رضامندی ظاہر کی اور اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاؤں گی، اس طرح بکھر جاؤں گی پھر شاید میں اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر لوں۔''

''تم کیوں خوف زدہ ہو...... وہ کیوں انکار کرے گا؟'' میں اس کی دل جوئی کی کوشش میں اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

''میرا ماضی مجھے ڈستا رہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے لیے گالی سمجھے گا۔''

''میں اس کی ذہنی گرہوں کو سمجھتا ہوں۔ وہ تم پر بلاوجہ محنت نہیں کر رہا۔ اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم سچے دل سے مسلمان ہونے کا اقرار کر لو تو وہ تمہیں تمہارے ماضی سمیت قبول کر لے گا۔ شرط یہ ہو گی کہ پھر تم مڑ کر پیچھے نہیں دیکھو گی۔''

''میرے مسلمان ہونے سے اسے کیا مل جائے گا......؟ اس کے لیے میں وہی ویرا رہوں گی۔ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد۔ ایک خود سر اور رنگین مزاج عورت!''

''بار باران بے ہودہ باتوں کو نہ دہراؤ۔ اپنی ولدیت پر تمہارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اپنی پرانی روش سے تم تائب ہو چکی ہو۔ اس کی کوششوں سے تم مسلمان ہو جاؤ گی تو اس کی عاقبت سنور جائے گی۔ تم نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہب میں دوسروں کو راہِ راست پر لانے والوں کا کیا مقام اور درجہ ہوتا ہے وہ تمہارے لیے قابل فخر سہارا بن جائے گا۔''

''میں خود بھی خواب دیکھتی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہو، میرا محبت کرنے والا شوہر ہو، میں بھی کسی کی جائز ماں بن سکوں، میرا کوئی محافظ' کوئی کمانے والا ہو جو میری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لینے کا حوصلہ رکھتا ہو......''

''یہ سب ممکن ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے!''

''جتنا میں نے پڑھا اور دیکھا ہے، یہ دنیا کا سب سے بہترین اور فطری مذہب ہے۔ اس کے ہر درس میں حکمت ہے۔ تمہاری نمازوں پر مغرب میں ریسرچ کی گئی ہے۔ یہ طہارت، نفاست اور صحت کی کلید ہے۔ روزوں کے سائنسی فوائد پر مقالے لکھے جاچکے ہیں۔ حج کو ساری دنیا انسانیت کا بے مثال اجتماع تسلیم کرتی ہے، زکوٰۃ مفلسوں اور ناداروں کی حاجت روائی کا بہترین انفرادی ذریعہ ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ مجھے پڑھا رہا ہے۔ یہ سب میرا پڑھا اور سمجھا ہوا ہے۔ میں تمہارے مذہب کی عظمت کو سات سلام کرتی ہوں، بس مجھ سے اس کے پیروکاروں کے بارے میں کچھ نہ پوچھنا۔''

''تم سچی پیروکار بن کر ایک مثال قائم کر سکتی ہو۔''

یکا یک ویرا نے کلمہ توحید روانی سے پڑھ ڈالا اور جذباتی لہجے میں بولی ''جب نیو یارک میں مذہب اور شادی کے معاملے میں میری اور سلطان شاہ کی پہلی جھڑپ ہوئی تو میں نے اسی دن اس سے چھپ کر کلمہ پڑھ لیا تھا۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں نے اسے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اس سے شادی کے لالچ میں اس کا مذہب قبول کیا ہے۔ یہ میرا آزادانہ فیصلہ ہے۔ جو میری آخری سانس تک برقرار رہے گا۔''

وہ ہماری گفتگو کا ایسا غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ تھا کہ یکا یک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''ویرا! میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں۔ تم نے ہم سب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ تمہاری سوچ بہت سیدھی اور سچی ہے۔ اللہ تمہارے ایمان کو مضبوطی عطا کرے۔ اب میں سینہ ٹھونک کر سلطان شاہ سے بات کروں گا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا۔''

''ڈینی! آج ہمارے پرانے رشتے ٹوٹ گئے۔'' ویرا کی آنکھیں ایک بار پھر ڈبڈبا گئیں۔ ''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ آج سے تم میرے ولی ہو۔ تمہیں اختیار ہے کہ میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو۔ میں سر جھکا کر اسے قبول کر لوں گی۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔

وہ سیام پارک کا ایک نیم تاریک اور خالی گوشہ تھا۔ ہمارے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ جگہ بھیڑ اور پختہ روشوں سے دور تھی۔ ہم دونوں اردو میں بے فکری سے باتیں کرتے رہے تھے لیکن میں نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا۔ ہمیں گفتگو کی آزادی ضرور میسر تھی لیکن کوئی غیر معمولی عملی صورت حال لوگوں کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور میں دونوں ہاتھ اپنی پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا رہا۔ ویرا کے ساتھ میں بھی یکا یک جذباتی ابال میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ویرا حیران کن صلاحیتوں کی مالک تھی۔ اس نے بار ہا اپنے اچانک فیصلوں سے ہمیں متحیر کیا تھا۔ اپنے آبائی مذہب سے رسمی تعلق ختم کر کے مسلمان ہو جانے کے معاملے میں بھی اس نے اپنی وہ روایت برقرار رکھی تھی۔

''اٹھو اور اب واپس جا کر تیاری کرو۔ پرسوں رات' ڈیڑھ بجے کاؤبوائے کلب کے پاس پہنچنا نہ بھولنا۔'' اسے وہ ہدایت دیتے ہوئے مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا اب درمیان میں ہماری ملاقات نہیں ہو گی؟'' اس نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''اب ملنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر طرف سے دشمنوں میں گھرتے جارہے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''کمبوڈیا پہنچنے تک ہمیں ہر طرف سے بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔''

''اب مجھے پروا نہیں کہ میں کمبوڈیا پہنچوں یا اسی شہر میں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں پیوند خاک ہو جاؤں۔'' اس نے بنچ سے اٹھ کر پرعزم لہجے میں کہا' ''میں نے اپنے دل اور روح کا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔''

اس نے مجھے الوداع کہتے ہوئے فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا تو اس کے خوبصورت ہونٹوں پر ایک آسودہ اور خفیف مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ وہ مڑی اور تیزی کے ساتھ ایک طرف چل دی۔

چند ثانیوں بعد میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھے یوں محسوس

ہوا جیسے میں بنکاک کی زمین پر چلنے کے بجائے ہوا میں تیر رہا ہوں۔ ویرا نے مجھے اپنا ولی مقرر کر کے میرے کندھوں پر بہت بھاری ذمے داری ڈال دی تھی۔

مجھے اس بات کی بے اندازہ خوشی تھی کہ ویرا کے مذہب کی تبدیلی میں، میں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اس وقت میری اور ویرا کی بھرپور گفتگو نہ ہوئی ہوتی تو اس کے مسلمان ہونے کا راز نہ جانے کب تک اس کے سینے ہی میں دفن رہتا۔ میں مسرت اور کچھ عجیب سے خالی پن کے احساسات سے مغلوب اپنے ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔

ہوٹل کے کمرے میں غزالہ سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔ اسے میری دونوں ملاقاتوں کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا اور وہ ان کے نتائج جاننے کے لیے بے چین تھی۔

''اسے ہمارے پاسپورٹوں کی کیا ضرورت تھی؟'' میرے بیٹھتے ہی غزالہ نے سوال کر ڈالا۔ میری خاموشی اس سے برداشت نہیں ہوسکی۔

''سازش میں شامل ہونے کے بعد اس نے ہمارے مفاد میں کام کرنا شروع کردیا ہے۔ پاسپورٹ وہ اپنے ساتھ لے گیا، میری نگرانی ختم ہوچکی ہے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ اپنے پاسپورٹ ڈان کو دے دیں تاکہ نگرانی سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔'' اس نے خوش ہوکر کہا۔

''اس وقت میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کمبوڈیا میں داخلے کے وقت ان کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اب ہر بات طے ہوگئی ہے۔ ہم پاسپورٹوں کے بغیر کمبوڈیا میں داخل ہوں گے۔''

''اگر پرسوں تک جلال کے آدمی نے نئے پاسپورٹ بھیج دیے تو یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلانا چاہا۔

''وہ آگئے تو رکھے رہیں گے۔ انہیں کہیں اور استعمال کیا جائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''میں نے چاؤفان کے ساتھ ہر بات کرلی ہے۔ یہ تفصیل بعد میں بتادوں گا۔ تم یہ بوجھو کہ آج ویرا سے میری کیا گفتگو ہوئی ہوگی؟''

''آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ آپ دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔ آپ دونوں کو دل کھول کر بے تکلفی سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہوگا۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں وہ بات کہہ دی جو سنجیدگی سے نہیں کہی جاسکتی تھی۔

''تم یہ ثابت کرنے پر کیوں تلی رہتی ہو کہ تم ایک عام سی اور روایتی بیوی ہو۔ میں تمہاری ذہنی سطح اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں۔''

''وہ ہر وقت آپ سے بے تکلف ہونے کے چکر میں لگی رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی یہ حرکتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا ہوگا۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ آج میرے اور اس کے درمیان بے تکلفی کا خاتمہ ہوگیا؟''

''میں سمجھوں گی کہ آپ مجھ سے مذاق کررہے ہیں۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھر اس نے آپ کو اپنا منہ بولا بھائی بنالیا ہوگا۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔ منہ بولے بھائی بہن کے رشتے کی کوئی قانونی، اخلاقی یا مذہبی حیثیت نہیں ہوتی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر اور نامحرم رہتے ہیں۔'' وہ ہنس ہنس کر اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

''تم اس کے خلاف اپنے تعصب کے حصار سے باہر نہیں نکل پارہی ہو۔ چلو، میں تمہیں اشارہ دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں مذہب کے حوالے سے سوچو!'' میں نے اسے دعوت دی۔

''آپ تو یوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں جیسے وہ مسلمان ہوگئی ہو۔'' غزالہ نے منہ بنا کر طنز سے کہا۔

''یہی ہوا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''یہ کیسے ہوگیا؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی ''آپ تو اس کو روانگی کا پروگرام بتانے کے لیے گئے تھے۔ اسے اتنی آسانی سے مسلمان کیسے کرلیا آپ نے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نیویارک چھوڑنے سے پہلے وہ خاموشی سے ایمان لا چکی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

میں نے ویرا سے سنی ہوئی باتیں تسلسل کے ساتھ اس کو سنانا شروع کردیں۔

وہ سلطان شاہ سے قریب تھی اور میری دانست میں اس سے اپنی بات منوا سکتی تھی۔ ویرا نے ازخود ایک بڑا فیصلہ کر کے ساری ذمے داری ہمارے سر ڈال دی تھی۔ اسے حسن و خوبی کے ساتھ نباہنا ہماری ذمے داری تھی۔ جب تک غزالہ اس واقعے کے پس منظر اور جزئیات سے واقف نہ ہوتی، سلطان شاہ کو موثر انداز میں قائل نہیں کرسکتی تھی۔

''آپ نے سب کچھ بتا دیا لیکن میرا ذہن اب بھی ان باتوں کو قبول نہیں کر رہا۔'' میرے خاموش ہونے پر غزالہ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا ''اس کے بڑے فیصلے عام طور پر غیر متوقع اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ بے چارہ سلطان شاہ اپنی تبلیغی کوششوں میں لگا ہوا ہے اور وہ پہلے سے مسلمان ہوئی بیٹھی ہے۔''

''اب سلطان شاہ کو شادی پر آمادہ کرنا تمہارا کام ہے۔ وہ اس موضوع پر میرے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسے آمادہ ہونا پڑے گا...... ویرا نے پہل کر کے اس کا ہر تذبذب دور کردیا ہے۔ وہ مذہبی رجحان کا مالک ہے۔ اپنے سارے تحفظات کے باوجود ایک نومسلمہ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے ویرا کو تو منع کردیا ہوگا کہ وہ اس بارے میں ابھی سلطان شاہ کو کچھ نہ بتائے۔ میں اس سے اپنے طور پر بات کروں گی۔''

''میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت ماحول ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔''

''وہ اتنے دنوں سے اپنا راز دل میں چھپائے بیٹھی ہے تو اب بھی زبان نہیں کھولے گی۔'' اس نے پرامید لہجے میں کہا ''آپ ویرا کے دلی ہیں۔ اس کی طرف سے رضامندی ظاہر کرچکے۔ اب میرا کام شروع ہوگا۔ میں ازخود لڑکے کی والی بن گئی ہوں۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال، اول خان، چاؤفان اور ویرا سے میری تفصیلی گفتگو ہوچکی تھی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔ شاید وہ پاسپورٹ واپس لے لینے کے بعد کوئی نیا شوشا چھوڑنے والا تھا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مقامی لب و لہجے میں ایک نئی مردانہ آواز سن کر میں چونک گیا۔

وہ انٹرکام پر ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر کی کال تھی۔

''مسٹر علی احمد!'' اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''یس!'' میں نے فکرمندی کے ساتھ اقرار کیا۔

''سر! میں زحمت دینے کے لیے تہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کا لہجہ واقعی ندامت آمیز تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''روم سروس کا ایک آدمی آپ کے کمرے کے باہر موجود ہے۔ اگر آپ اپنی مسز کے ساتھ اپنے پاسپورٹ لے کر ذرا سی دیر کے لیے میرے دفتر میں آسکیں تو میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔ باہر کھڑا ہوا آدمی آپ کو میزنائن فلور پر میرے دفتر تک لے آئے گا۔''

وہ مطالبہ سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟''

''سر! دو باوردی افسران آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ آپ کے دروازے پر دستک دیں اس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''

مجھے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ میں نے چاؤفان پر اندھا اعتماد کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجھے پاسپورٹوں سے محروم کرتے ہی غالباً پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ بندوبست اتنا مکمل تھا کہ ہمارے لیے بھاگنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر روم سروس کے ملازم کے روپ میں پولیس کا کوئی تجربے کار کمانڈر کھڑا ہوگا جو ہدایت سے انحراف کی صورت میں ہمیں سختی سے روک لے گا۔

چاؤفان نے اپنا وار کردیا تھا۔ کمبوڈیا کی طرف فرار ہونے کا منصوبہ مجھے خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔
میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو پہنچا دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔
میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مخاصمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔
بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے ایجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آ گیا اور میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 257 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

تھائی لینڈ جیسے اجنبی ملک میں دو باوردی افسران کی طلبی پر نہ جانے کی کوئی گنجایش ہی نہیں تھی۔ مجھے جانا تھا اور سر کے بل جانا تھا۔ ان افسروں نے مجھے اپنے روبہ رو بلانے کے لیے ایسا فول پروف بندوبست کیا تھا کہ فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر نے ہمارے دروازے کے باہر موجود جس شخص کو روم سروس کا آدمی قرار دیا تھا' وہ میری دانست میں پولیس یا ایسے ہی کسی ادارے کا کوئی تجربے کار کمانڈو تھا جسے زیر کیے بغیر میں وہاں سے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

ریسیور میرے کان سے لگا ہوا تھا اور ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے فوری طور پر فیصلہ کر کے ہوٹل کے افسر سے فون پر بات آگے بڑھانی تھی۔

''میں ابھی آتا ہوں!'' اس ذہنی تجزیے کے دوران میں الفاظ میری زبان سے گویا پھسل گئے۔ شاید میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ احساس پوری شدت سے بیدار ہو چکا تھا کہ میں انکار کر کے اپنے لیے خطرات مول لوں گا۔

''میں زحمت دینے کے لیے ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں۔'' وہ فون پر بچھا جا رہا تھا ''آپ دونوں اپنے پاسپورٹ ساتھ لانا نہ بھولیں۔''

جب جانا ہی تھا تو اس کے سامنے جا کر بغلیں جھانکنے سے بہتر تھا کہ میں فون پر پوری بات کر لوں۔ میں نے کہا ''پاسپورٹ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ نشستوں کی بکنگ کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کو دیے ہوئے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ اسے وہ جواب دیتے ہوئے' ایرکنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا تھا۔

''سر! ذرا ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے جلدی سے کہا اور لائن پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ شاید وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر وردی والوں سے میرے بیان کیے ہوئے مسئلے پر مشورہ کر رہا تھا۔

''او کے سر!'' چند لمحوں بعد اس کی تروتازہ آواز سنائی دی ''آپ دونوں میرے دفتر میں تشریف لے آئیں۔ ضرورت ہوئی تو پاسپورٹ بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔''

میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔ اس دوران میں غزالہ ہمہ تن میری طرف متوجہ تھی اور میرے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے اندازہ لگا چکی تھی کہ اچانک کوئی گڑبڑ رونما ہو چکی ہے۔

''کہاں جا رہے ہیں...... اچانک پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''میرے ساتھ تم کو بھی چلنا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے چند فقروں میں پوری صورت احوال سے آگاہ کر دیا۔

''چاؤفان بہت کمینہ نکلا!'' غزالہ کا بے ساختہ ردِعمل میری سوچ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا۔ ''ہمارے پاسپورٹ تھیاتے ہی اس نے اپنا کھیل شروع کر دیا۔ مجھے آپ کا ابتدائی شبہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

''کس شبہے کی بات کرتی ہو؟'' میں نے دروازے کی

طرف جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''وہ ہمیں کمبوڈیا کا چکر دے رہا ہے۔'' وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی ''اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ ڈان کو اتنا بڑا جھانسا دے سکے۔ یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی ہے کہ آپ اس کی راہ کا روڑا ہیں۔ وہ آپ کو کسی چکر میں پھنسوا کر ڈان کی نظروں سے گرا دے گا۔ بہت آسانی سے اس کا راستہ صاف ہو جائے گا۔''

''اس نے مجھے ڈبونے کی کوشش کی تو میں اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبوں گا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اب جلدی آؤ...... ان لوگوں کا بھیجا ہوا فرشتہ ہمارے دروازے پر موجود ہے۔''

غزالہ کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ کیا مجھے خود بھی اپنا سارا منصوبہ برباد ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ چاؤفان نے کمبوڈیا کی آزاد فضاؤں کا سراب دکھا کر ہمیں بنکاک ہی میں دبوچ لینے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو روم سروس کے روایتی لباس میں گٹھے ہوئے جسم والا ایک درشت رو مقامی راہ داری میں کھڑا نظر آیا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ خوش خلقی سے مسکرایا لیکن اس کی کینہ توز نگاہیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں یا کم از کم مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

میرے پیچھے غزالہ کمرے سے برآمد ہوئی تو نووارد کے سکڑتے ہوئے ہونٹ دوبارہ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔ اس بار اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر غزالہ کو تعظیم بھی پیش کی۔ اس وقت وہ مجھے پکا بدمعاش اور منافق نظر آرہا تھا مگر میں اس پر اپنی برہمی ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔ وہاں سے دفتر تک پہنچنے کے دوران میں مجھے صرف اسی سے اصل معاملے کا کچھ سراغ مل سکتا تھا۔

وہ مقامی تھا لیکن بنکاک کے ایک بڑے ہوٹل میں ملازمت کر رہا تھا جہاں دن رات سیکڑوں غیر ملکیوں کی آمدورفت رہتی تھی اس لیے اپنے بگڑے ہوئے تلفظ سے قطع نظر صاف اور اچھی انگریزی بول رہا تھا۔ اس نے اخلاق سے ہمیں اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور راہ داری میں لفٹ کی طرف ہو لیا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور شکایتی لہجے میں بولا ''یہ انوکھی بات ہے کہ تمہارا منیجر ہمیں اپنے دفتر میں بلا رہا ہے۔ یہ حرکت مہمان داری کے اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہ میری زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔''

''سر! میں آپ کی کوفت کا اندازہ کر رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلا کر مؤدب لہجے میں کہا ''اسے بھی کوئی مجبوری درپیش ہو گی۔ اس کے کمرے میں ایک بڑا پولیس افسر آیا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پولیس کہیں کی بھی ہو ہوٹل والوں کو ان سے دبنا پڑتا ہے۔''

انگریزی میں آپ کا کوئی صیغہ نہیں ہوتا لیکن اس کے طرز تکلم سے عزت افزائی کے اس قرینے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''وہ دو پولیس والے بتا رہا تھا۔'' میں نے کسی باریکی کا لحاظ کیے بغیر اس کی تردید کی۔

''پولیس والا تو ایک ہی ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ ایک امریکی فوجی لڑکا بھی ہے جو وردی میں ہے۔ شاید منیجر نے جلدی میں اسے بھی پولیس والا کہہ دیا ہو گا۔''

اس نے کسی پس و پیش کے بغیر مجھے اصل بات بتا دی۔ اس کے خلاف میرے ذہن میں ابھرنے والے شبہات دھندلانے لگے۔ اگر اس کا تعلق پولیس کے محکمے سے ہوتا تو وہ بھول کر بھی ہوٹل والوں پر پولیس کے ناروا دباؤ کا ذکر نہ کرتا۔

اس نے ہمارے لیے لفٹ کا دروازہ کھولا اور آخر میں اندر آ کر میز نائن فلور کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے نیچے روانہ ہو گئی۔

''ہم نے اس ہوٹل میں قیام کر کے کوئی جرم نہیں کیا' پولیس کو ہم سے کیا لینا ہے؟'' میں نے اپنا شکوہ جاری رکھا۔

''سر! میں کیا کہہ سکتا ہوں' ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا ''معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ انٹر کام کے بجائے مجھے نیچے بلا کر آپ لوگوں کے بارے میں بتایا گیا تھا۔''

لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے سے رک گئی۔

لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے راہ داری میں نظر آنے والے تیسرے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سر! اس دفتر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔''

اس دروازے کے اوپری نصف حصے میں لگے ہوئے شفاف شیشے سے روشنی چھن کر باہر آرہی تھی۔ ہماری منزل اتنے قریب تھی کہ ہمیں لانے والے سے مزید گفتگو کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے اپنی بدگمانی پر دل ہی دل میں نادم تھا۔ میں نے مسکرا کر الوداعی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اس کے بتائے ہوئے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

شیشے کے سامنے پہنچتے ہی اندر کا منظر میرے سامنے تھا۔ وہاں کل تین نفوس تھے جن میں سے ایک اپنے سیاہ سوٹ کی وجہ سے ہوٹل کا کوئی بڑا ملازم نظر آ رہا تھا۔

میرے دل پر اضطراب اور بے یقینی کی کیفیت طاری تھی مگر میں نے اس موقع پر اپنی برہمی بلکہ بدتمیزی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔ دستک دیے بغیر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ غزالہ میرے پیچھے تھی۔

تینوں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر امریکی نژاد نوجوان فوجی اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں ہلانے لگا۔ تھائی پولیس افسر نے ہمیں دیکھ کر گورے فوجی کی طرف دیکھا اور اس کے مایوسانہ ردِعمل کو دیکھ کر اپنی زبان میں سیاہ سوٹ والے سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

اس دوران میں سیاہ سوٹ والا ہمارے استقبال کے لیے اپنی کرسی چھوڑ کر اپنی جگہ سے کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

''تیسرے درجے کی کسی سرائے میں بھی مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں ہوتا۔'' میں اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے پھٹ پڑا ''یہ میری زندگی کا بدترین تجربہ ہے۔ ہمیں مجرموں کی طرح کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

وہ خفت آمیز انداز میں اپنا داہنا ہاتھ بالوں پر پھیرتے ہوئے بولا ''میں آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔ میں پھر کہوں گا کہ میں نے ان دونوں باوردی افسران کے ساتھ آپ کے دروازے پر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلاوجہ پورے فلور پر چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تشریف رکھیں اور حکم کریں کہ آپ کے لیے کیا منگوایا جائے؟''

''میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں رکنا پسند نہیں کروں گا۔'' میں نے اپنا جارحانہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے کہا ''مجھے جس کام کے لیے بلایا گیا ہے وہ بلاتاخیر ختم کیا جائے۔''

پولیس افسر نے کرسی چھوڑ دی۔ امریکی فوجی نے بھی اس کی تقلید کی۔ پولیس والے نے اپنی زبان میں کچھ کہہ کر سوٹ والے سے ہاتھ ملایا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا ''مسٹر اور مسز علی! میں بھی تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تھام پوٹ نے میرے ایما پر تم دونوں کو بلایا تھا۔ دراصل ہمیں ایک مشتبہ پاکستانی جوڑے کی تلاش ہے۔ ہم اپنے مہمانوں کی عزت کرتے ہیں لیکن کبھی مجبوریاں پیش آ جاتی ہیں۔ ہم شہر کے سارے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے مل رہے ہیں۔ یہ میرا اور کپتان اولڈ کا پانچواں ہوٹل ہے۔ ابھی ہمیں مزید جوڑوں سے ملنا ہے۔''

''......اور اب آپ شیئرز کے بھاؤ سنیے......امریکن اسٹیل، دو ڈالرز زیادہ......عرب ریفائنری، ڈیڑھ درہم کم......''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی خلیقانہ مسکراہٹ سے مجبور ہو کر میں نے نیم دلی سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد کپتان اولڈ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ وہی مردود تھا جو سلطان شاہ کے کمرے میں گھس کر اس کا ایک بیگ اٹھا لے گیا تھا۔

ویرا نے اپنے ہوٹل میں گائن نامی ویٹریس سے سن کر نامعلوم امریکی کا جو حلیہ بتایا تھا، وہ کیپٹن اولڈ پر سو فی صد صادق آ رہا تھا۔

وہ دونوں تیزی کے ساتھ دفتر سے نکل گئے اور تھام پوٹ ہماری خوشامدوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ ہمیں ہر قیمت پر کچھ دیر کے لیے اپنے دفتر میں بٹھانا چاہ رہا تھا۔

ہمیں کچھ باتیں تھائی پولیس افسر نے بتا دی تھیں۔ رہی سہی کسر کپتان اولڈ کی شناخت نے پوری کر دی۔ میرے لیے صورت احوال بالکل صاف ہو چکی تھی، جس میں تھام پوٹ بالکل بے قصور نظر آ رہا تھا۔ پولیس والے کے دباؤ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے ہوٹل میں یقینی طور پر کیپٹن اولڈ ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کاغذی ریکارڈ سے قطع نظر، وہ ان

دونوں کو بہ چشم خود دیکھ چکا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر گائن کے متوجہ ہوجانے کی وجہ سے ویرا کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

وہ چلا گیا' اس کی جگہ سارجنٹ پال ان دونوں کی گھات میں لگا۔ وہ ہوٹل کا حساب بے باق کر کے نکلے تو پال ان کے پیچھے لگ گیا۔ ویرا کی ذہانت اور چالاکی کے نتیجے میں پال مقامیوں سے بری طرح مار کھا کر جہنم واصل ہوگیا۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ فرشتۂ اجل کا دیدار ہونے سے پہلے اس پر کیا کچھ گزری تھی۔

پال ان دونوں کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوچکے تھے۔ شہر میں بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کردی گئی۔ اولڈ ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ اس لیے وہ تھائی پولیس افسر کو اپنے ساتھ لیے بنکاک کے ہر بڑے ہوٹل میں پاکستانی جوڑوں کو تنگ کرتا پھر رہا تھا۔ اس امریکی گدھے کو اس کام پر لگانے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ ریٹا اور اکبر سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں الگ الگ کمروں میں مقیم تھے۔ اپنا ٹھکانا بدلنے کے بعد بھی وہ الگ الگ رہتے۔ ان تک پہنچنے کے لیے جوڑوں کو کھنگالنا بے سود تھا۔

اس وقت شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ان دونوں کی تلاش کی مہم جاری تھی' جس کی ناکامی یقینی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس معاملے میں امریکی اعصاب زدہ ہو کر فیصلے کر رہے تھے۔ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد اگر کیپٹن اولڈ شہر میں بکھرے ہوئے گیسٹ ہاؤسز وغیرہ کا رخ کر لیتا تو ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان دونوں نے روزی اور جیکب کے نام ضرور اختیار کر لیے تھے تاہم ان کے چہرے وہی تھے۔ اولڈ انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ ایک طرف وہ جال پھیلا دیا گیا تھا' دوسری طرف ڈان اور چاؤ فان کے آدمی انہیں ڈھونڈنے میں لگے ہوئے تھے۔

میں بہ وقت تمام تھام پوٹ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوسکا کہ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ پولیس والے اور امریکی فوجی کے دباؤ پر وہ ہوٹل میں مقیم سارے مہمانوں کو بھی کسی میدان میں جمع کرنے پر مجبور ہوجاتا۔

اس نے لفٹ کے دروازے تک آ کر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملالیا۔ اس وقت خلاف توقع سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔

''ریٹا کہاں ہے؟'' میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''ابھی فون مجھے دے کر اپنے کمرے میں گئی ہے۔ کیا بات ہے' تم آواز سے کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو۔'' میرے لب و لہجے نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔

''کان کھول کر سن لو اور اسے بھی بتا دینا۔ بڑے ہوٹلوں میں مشتبہ جوڑے کی سرکاری اور غیر سرکاری طور پر تلاش شروع ہوگئی ہے۔ ادھر سے ناکامی کے بعد وہ چھوٹے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کا بھی رخ کر سکتے ہیں۔'' میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ''ابھی دشمن بولائے ہوئے ہیں۔ اوسان ٹھکانے آتے ہی قرینے سے جال پھیلا کر تم تک پہنچ سکتے ہیں۔ دونوں کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''یہ خبر پرانی ہے اور اس پر ریٹا سے شاید تمہاری بات بھی ہوچکی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب اس میں نیا وزن پیدا ہوگیا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''میں ابھی صدف کے ساتھ ایک خطرناک پیش بھگت کر آ رہا ہوں۔ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والا' ایک تھائی پولیس افسر کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے ملتا......''

میری بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں نے اضطراری طور پر فون بند کردیا۔ یکایک عجیب وغریب باتیں ظہور میں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ پتا نہیں اس وقت کون ہمارے دروازے پر آ پہنچا تھا۔

میں پھرتی سے فون جیب میں ڈال کر یوں کرسی پر بیٹھ گیا جیسے دیر سے میرے پاس کوئی کام نہ ہو۔ میرے اشارے پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں تھام پوٹ کی لجلجائی ہوئی آواز آئی ''مسز علی! یہ میری اور ہوٹل کی انتظامیہ کی طرف سے خیر سگالی کا تحفہ ہے...... آج آپ کو ڈسٹرب کیا گیا ہے۔ آج کا کرایہ آپ کے بل میں سے منہا کر دیا جائے گا۔''

''شکریہ!'' غزالہ کی سنجیدہ آواز آئی ''پھلوں کی ٹوکری دے دیں۔ شیمپین کی بوتلیں ہمارے لیے بے کار ہیں۔ ہم کوئی شراب نہیں پیتے۔''

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' غزالہ نے اسے دروازے سے ہی ٹال دیا۔ وہ پلٹی تو اس کے ہاتھ میں تنکوں سے بنی ہوئی ایک خوبصورت ٹوکری جھول رہی تھی جس میں پھلوں کے ساتھ چاکلیٹ کے پیکٹ بھی نظر آ رہے تھے۔

''میں گھبرا گئی تھی کہ اب نہ جانے کون سی مصیبت نازل ہوگئی۔'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے وہ لدی پھندی ٹوکری لکھنے کی میز پر رکھ دی ''وہ بے چارہ اپنے ناکردہ گناہ کا کفارہ ادا کرنے آیا تھا۔''

''اس کی گرہ سے کچھ نہیں گیا لیکن یہ اچھی اور کامیاب انتظامی پالیسی کا اظہار ہے۔ آج کی رات مفت میں گزرے گی۔ ہم ان پھلوں پر ہی گزارا کرتے رہیں تو یہ ٹوکری ہماری روانگی تک خالی نہیں ہوگی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ سوار ہوگیا۔

میں نے چاؤفان پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرلیا تھا۔ اسے عمر بھر تھائی لینڈ میں ڈان کے ساتھ رہنا بسنا تھا۔ میں اس کے لیے ایک غیر ملکی شناسا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر اس کی ذہنی رو صحیح سمت میں چل پڑتی تو وہ پوری بے خوفی سے ہمارے ساتھ وہ سب کرسکتا تھا جو میں کچھ دیر پہلے تک سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا تھا۔

اس کے بارے میں صرف ایک بات اچھی تھی کہ وہ ذہین نہیں تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی سمت میں سوچنے کا عادی تھا اور اپنی پوری صلاحیتیں اسی سمت میں صرف کردیتا تھا۔ اگر ہمیں ڈان کی پارٹی سے فرار کرانے کی سازش اس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی تو اسے یہ دھیان آنا محال تھا کہ وہ کسی اور طرح بھی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکتا تھا۔

فکروتشویش کے سائے میں وہ رات آئی اور کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔ میرے اعصاب پر کمبوڈیا کا پُرخطر سفر سوار ہوچکا تھا۔ سونے سے پہلے میں دیر تک اس امکان پر غور کرتا رہا کہ ہمیں ڈان کو دھوکا دے کر بنکاک سے بھاگنا تھا تو اس کے لیے اگلے دو دن انتظار کی کوفت میں گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم فوری طور پر اپنا مختصر سا اسباب سمیٹ کر اس شہر خرابات سے کوچ کرسکتے تھے لیکن چاؤفان کے تعاون کے بغیر ہمارا فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ ڈان سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتا تھا۔ دوسری طرف وہ پارٹی کے انتظامات میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر بے خوفی سے ہماری روانگی کا بندوبست کردے گا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے ڈان کی پارٹی میں ہمیں قابلِ اعتماد گاڑی اور سفر کے لوازم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ اس دوران میں چاؤفان کی ذہنی رو نہ بھٹکے اور وہ ڈان کے عفریت سے ہماری گلو خلاصی کرادے۔

اگلی صبح کے اخبار میں مشتبہ پاکستانی جوڑے کی زوروشور سے تلاشی کے بارے میں خبر موجود تھی۔ خبر پہلے بھی آچکی تھی۔ اس بار زوروشور کا اضافہ ہوگیا تھا۔ موتی محل میں لگنے والی آگ اور راجن کی موت کے بارے میں خبریں موجود تھیں لیکن ان کے تیور بدل گئے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھا' اسے معزز اور شریف شہری قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے مرتے ہی اخبار والوں نے اس کا ماضی اچھالنا شروع کردیا تھا۔ یکایک ان کی بینائی تیز ہوگئی تھی اور انہیں ماضی قریب میں ہونے والے بہت سے منظم اور بڑے جرائم میں راجن کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا۔

دھونس' دھاندلی' طاقت اور سازشوں کے بل پر بھرپور زندگی گزارنے والے دونوں ساتھی یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ سوبھراج کی موت ریکارڈ پر نہیں آئی تھی مگر اس کے کرتوت ہر ایک کے سامنے آنا شروع ہوگئے تھے۔ راجن کی موت کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی جارہی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجے غیر متوقع طور پر ڈان کا فون آگیا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے نہایت پُرتپاک لہجے میں میری مزاج پرسی کی پھر بولا ''تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ گے؟''

''ہاں...... میری کچھ ذاتی مجبوریاں ہیں۔ مجھے جانا ہوگا مگر میرا وعدہ ہے کہ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔ تمہارے پاس سال چھ مہینے رہ کر میں اتنا کماسکتا ہوں جو پاکستان میں رہ کر عمر بھر حاصل نہیں ہوسکے گا۔''

فون پر ڈان کے بے ساختہ قہقہے کی آواز گونجی۔ میرے کانوں نے پہلی بار اس کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے فرصت میں اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں کے لیے یہاں رکو۔ اگلی بار آؤ تو اپنی عورت کو ساتھ نہ لانا۔ عورت کا ساتھ انسان کو بہت کمزور کردیتا ہے۔''

''تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''اگلی بار میں اکیلا آنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔''

''تم نے اپنی واپسی کا معاملہ چاؤفان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں بار بار تمہیں نہیں بتاسکتا کہ بے پروائی اس کے خمیر میں شامل ہے۔'' ڈان نے اپنی سازش کی داغ بیل ڈال دی ''اب اس کے پیچھے لگ کر اپنے ٹکٹ اور پاسپورٹ جلد لے لینا۔ نشے میں اس نے یہ

چیزیں کہیں چھوڑ دیں تو اسے مر کر بھی یاد نہیں آئے گا کہ اس نے تمہاری چیزیں کہاں چھوڑی ہوں گی۔ تم لٹک کر رہ جاؤ گے۔''

''ڈان! مجھے ایسی بددعا نہ دو۔ وہ اتنا غیر ذمے دار بھی نہیں ہے۔''

''میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس وقت میں نے تمہیں دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔ کل رات چاؤفان تمہیں لے آئے گا۔ اپنی عورت کو ضرور ساتھ لانا۔''

وہ غزالہ کو بار بار عورت کہہ رہا تھا۔ چاؤفان کو میں اس تحقیر آمیز انداز پر جھاڑ چکا تھا۔ ڈان کو کچھ کہنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے اوپری دل سے کہا ''ہم ضرور آئیں گے۔''

''ہو سکے تو ایک کام بھی کر ڈالو۔'' ڈان نے سرسری لہجے میں کہا۔

''حکم دو۔ میں جب تک یہاں ہوں' ہر کام کے لیے حاضر ہوں۔''

''پاکستانی جوڑا...... جوڑا نہیں بلکہ ایک مرد اور ایک عورت...... ان کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ بنکاک میں ہزاروں ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بکھرے ہوئے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں چل رہا کہ وہ سیام کانٹی نینٹل سے نکل کر کہاں غائب ہو گئے۔ تم بھی اپنے طور پر کوشش کرو' تم نے ان کو ڈھونڈ لیا تو میں تمہیں ایک بڑا انعام دوں گا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں!'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

''تمہیں ان کے کوائف یاد ہیں ناں...... اکبر خان اور ریٹا ایف ہیریسن...... وہ......!''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا ''تم نے میرے سامنے چاؤفان کو ان کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔''

''وری گڈ!'' ڈان کی ستائشی آواز آئی ''یہ کام ہو جائے تو کل کے جشن کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ مرد کو عورتیں گھیر لیں گی' عورت مردوں کے نرغے میں ہو گی۔ ہمارے پس ماندہ قبائلی اسے طاغوتی رقص کہتے ہیں۔ یہ دشمن کے گردنا چا جاتا ہے......''

میں اس سے زیادہ تفصیل سننا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر نرمی سے اس کی بات کاٹ دی ''ڈان! آج تم سنسنی خیز باتیں کر رہے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ تم عورتوں کی بہت عزت کرتے ہو' اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا تم نے!''

''میں نے عورت کو حقیر' کم تر اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ معاف کیا ہے۔'' اس کی آواز تکبر آمیز ہو گئی ''اس پر رحم کیا جا سکتا ہے' اس کی عزت نہیں کی جا سکتی۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔''

''مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ میرا اندازہ تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اچھا ہوا کہ تم نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ کمزور سمجھ کر رحم کھانے اور عزت کرنے میں بہت فرق ہے۔''

''عزت بڑوں یا برابر والوں کی' کی جاتی ہے۔'' اس وقت ڈان چبا چبا کر بول رہا تھا۔ اقتدار کا نشہ اس کے لب و لہجے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے میرے جواب میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

''تمہاری ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔'' میں نے کوئی نئی تلخی پیدا کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں عافیت جانی۔ میں وہ سنبھالا لینے کے بجائے کوئی کڑوی بات کہہ دیتا تو ڈان کا مزاج برہم ہو سکتا تھا ''اپنے سے کم رتبے والوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔'' میں نے اپنی بات پوری کی۔

''کل تم تماشا دیکھ لینا۔'' وہ بولا ''وہاں بہت بڑی بھیڑ نہیں ہو گی' چیدہ چیدہ لوگ آئیں گے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں میں نے جان بوجھ کر نہیں بلایا مگر وہ آئیں گے تاکہ مجھے اپنی قربت اور وفاداری کا یقین دلا سکیں۔''

''ایسے لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔'' میں نے رسمی لہجے میں کہا۔

''میں یہ سب کھیل جانتا ہوں۔ دنیا کو نچانے والے اب میری انگلیوں کے اشاروں پر ناچیں گے۔ اس تماشے کی جھلک کل رات کو نظر آ جائے گی۔''

شاید ڈان نے واقعی مجھے مدعو کرنے کے ارادے سے فون کیا ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری غلطی کی نشان دہی کرنے کے لیے فون کیا ہو۔ چاؤفان مجھے ڈان کے ارادے سے باخبر کر چکا تھا۔ چاؤفان کی غیر ذمے داری پر زور دے کر ڈان نے گویا اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ چند روز بعد وہ مجھے دونوں پاسپورٹ گم ہونے کی خبر دیتا تو ساتھ ہی یہ ٹیپ کا بند بھی دہرا دیتا کہ چاؤفان کے بارے میں وہ پہلے ہی اپنے اندیشے کا اظہار کر چکا تھا۔ میں ڈان کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر لانے کے قابل نہ رہتا۔

چند ثانیوں تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈان نے فون بند کر دیا۔

''ڈان اپنا کام نکال لینے کے بعد شرارت پر تلا ہوا ہے تو آپ اس بارے میں کیوں فکرمند ہو رہے ہیں؟'' غزالہ نے پوری روداد سن کر قدرے حیرت کے ساتھ کہا ''اس کی پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہم تھائی لینڈ کی سرحد عبور کر کے کمبوڈیا میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ڈان جو چاہے کرتا پھرے، اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا؟''

''اب وہ پرانا ڈان نہیں رہا'' میں نے دھیرے سے کہا ''وہ موذی ہو گیا ہے۔ اگر کہیں بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی اور ڈان کو ہمارا سراغ مل گیا تو وہ ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔''

''یہ خطرہ پہلے بھی تھا، اب بھی ہے۔ ڈان سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس میں کون سا نیا اضافہ ہوا ہے جو آپ پریشان ہو رہے ہیں؟''

''تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے ذرا جھنجلا کر کہا ''پہلے بات کھلی نہیں تھی۔ ڈان سے لحاظ و مروت کی امید کی جا سکتی تھی۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس نے چاؤفان کی غیر ذمے داری کا ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاسپورٹوں کی خورد برد کے بارے میں چاؤفان نے مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔ وہ پاسپورٹ غائب کر کے مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے۔ اسے ہمارے فرار کی ذرا بھی سن گن مل گئی تو کم از کم مجھے کچل دینے کی بھرپور کوشش ضرور کرے گا۔ یوں سمجھو کہ اب اس کے ساتھ میری سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔''

''یہ کافی ہے کہ یہ سرد جنگ زیادہ لمبی نہیں ہو گی۔ کل رات اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد آپ اس کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''تم یہ سوچ سکتی ہو، میرے لیے یہ فرض کرنا مشکل ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں اس لیے تم خوش گمانی میں مبتلا ہو۔''

''آپ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہیں'' غزالہ نے متانت سے کہا ''چھوٹی اور بڑی ہر اہم بات مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو بہتر مشورہ دے سکوں۔ یہ ہم سب کے لیے بہت خطرناک مرحلہ ہے۔ ذرا سی چوک ہوئی تو سب مارے جائیں گے۔''

''ڈان کے سارے روابط بہت تیزی سے استوار ہو رہے ہیں'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ''چاؤفان بتا رہا تھا کہ امیگریشن کے محکمے کا سر ڈان کا پرانا دوست ہے۔ ڈان میرے بارے میں اسے ہدایت دے چکا تھا۔ اگر میں خاموشی سے بنکاک سے روانہ ہونے کی کوشش کرتا تو امیگریشن والے کسی بھی بہانے مجھے سفر کرنے سے روک دیتے۔''

''آپ نے پاسپورٹ لوٹا دیے ہیں۔ اب ایسا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔''

میں نے خاموشی سے غزالہ کی آنکھوں میں جھانکا پھر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو لیکن اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ڈان کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے۔ وہ کمبوڈیا میں بھی ہمیں تلاش کر سکتا ہے۔ تھائی لینڈ کے قرب و جوار کے ملکوں میں ہم زیادہ دیر تک اس سے نہیں بچ سکیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی گمبھیر ہے۔ سفری دستاویزات کے بغیر ہم وہاں سے کیسے نکل سکیں گے...... اس بار ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری میں جلال کو کیا مشکل پیش آ رہی ہے؟''

''پاسپورٹ بن چکے ہیں۔ ان کا کوئی مسئلہ نہیں، ساری دشواری ویزا کے حصول میں پیش آ رہی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''ہمارے لیے متعدد ملکوں کا ویزا ضروری ہے۔ بعض ممالک نے ویزا کے اجرا کا طریقہ پیچیدہ بنا دیا ہے جس کے باعث دیر ہو رہی ہے۔''

''اب پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''پاسپورٹ بنوانا جلال کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ساری دشواری ویزا کی ہے، اب کیا ہو گا؟''

''وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''اس سے ایک بار پھر بات کرنی پڑے گی۔ ہماری یہاں سے روانگی اٹل ہے۔ ہمارے پاسپورٹ تاخیر سے آتے ہیں تو طارق کو کمبوڈیا تک دوڑ لگانی ہو گی۔ جب تک ہم تھائی لینڈ کی سرحدوں سے دس پانچ ہزار میل دور نہیں نکل جاتے، ڈان کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔''

وہ نکتہ میرے ذہن میں اتنا واضح نہیں تھا۔ غزالہ سے ہونے والے سوال و جواب میں بات سے بات نکلتی رہی اور وہ نتیجہ سامنے آ گیا۔

کمبوڈیا اس علاقے کا ایک افلاس زدہ ملک تھا۔ چاؤفان نے اس ملک کے سرحدی پاسبانوں کی بدعنوانیوں اور رشوت خوری کی جو تصویر پیش کی تھی اس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ کمبوڈیا میں رقم خرچ کر کے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن ایسے لین دین اور سہولتوں کے حصول کے لیے

زبان سے واقفیت ضروری تھی۔

تھائی لینڈ میں دنیا بھر سے انگریزی بولنے والے لاکھوں سیاح آتے ہیں لیکن بنکاک میں انگریزی جاننے والے عام مقامیوں کی تعداد قابل رحم حد تک کم تھی۔ کمبوڈیا میں مجھے اس سے بدتر حال نظر آنے کی توقع تھی۔ جب زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم والا معاملہ ہو تو روزمرہ گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ملک میں کسی سے غیر قانونی سفر کے بارے میں معاملات طے کرنا مشکل ہی نہیں، خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ ہم جیسے تیسے تھائی لینڈ سے نکل جاتے اور کمبوڈیا میں کہیں ٹک کر جلال کے بھیجے جانے والے نئے پاسپورٹوں کا انتظار کرتے۔ ان پر بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان پر ہمارے کمبوڈیا میں داخل ہونے کا اندراج ہوتا تو ہم ان پاسپورٹوں پر نئے ناموں کے ساتھ نہایت اطمینان سے کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو سکتے تھے۔ ڈان یا گیری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم بنکاک سے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

اس موضوع پر مسلسل سوچتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند باریکیاں میرے ذہن میں واضح ہو گئیں جو بدلے ہوئے حالات میں کلیدی اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔

نئے ناموں سے ہمارے لیے پاسپورٹ اور ویزا کے حصول کے لیے جلال کی ہدایات پر جو کچھ ہو رہا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بنکاک سے کسی بین الاقوامی پرواز کے ذریعے کسی دور دراز مقام کے لیے روانہ ہو سکیں۔ اس پلان میں کمبوڈیا جیسے غیر معروف ملک کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔

جلال سے آخری بار میری گفتگو ہوئی تو میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں ہر قیمت پر بنکاک سے نکل بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے میری اگلی منزل کے بارے میں جاننا چاہا تو میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکا کیونکہ اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ چاؤفان مجھے کدھر کا رخ کرنے کا مشورہ دے گا۔

جلال کو یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہمیں تھائی لینڈ کے ویزا کی ضرورت رہی تھی نہ بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت تھی۔ ان لوازم کی تکمیل کمبوڈیا کے حوالے سے ہونی تھی۔ جب تک ہمارے پاس کمبوڈیا میں داخل ہونے کا جائزہ اور قانونی ثبوت نہ ہوتا ہم وہاں سے آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ وہ مسئلہ اتنی شدت کے ساتھ میرے ذہن پر سوار ہوتا چلا گیا کہ میں نے بے چین ہو کر جلال کا فون نمبر ملا لیا۔

وہ اس وقت دبئی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر تھا۔

''ایئر پورٹ پر تم کیا کر رہے ہو؟'' جلال کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''ایک گھنٹے بعد میں کراچی روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کس سلسلے میں فون کیا ہے؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کراچی!'' میں نے چونک کر دہرایا ''کیا تمہاری کانفرنس ختم ہو گئی؟''

''کل کانفرنس کا آخری دن ہے۔ میں اپنے معاون کو یہاں چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ میرے لیے تم چاروں کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اس میں گڑبڑ ہوئی تو ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' اس کی آواز سے بے چینی مترشح ہو رہی تھی۔

''میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے معاملات کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ یہاں کے حالات پل پل رنگ بدل رہے ہیں، ہم دونوں اپنے پاسپورٹوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح کل رات یہاں سے نکل جائیں گے......''

اس نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی ''کسی طرح دو دن اور گزار لو۔ میں تم لوگوں کے مکمل پاسپورٹ وغیرہ لے کر خود بنکاک آؤں گا۔ اس کے بعد میں تمہیں ایک پل بھی نہیں روکوں گا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم بہت برے پھنسے ہوئے ہو۔ عجلت میں تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''میں نے نپا تلا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں کامیابی کا نوے فی صد سے زیادہ امکان ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارے مقدر کی خرابی کے سبب ہوگی۔ مقدر کو ٹالنا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔''

''اب تک تم نے یہ تو طے کر لیا ہوگا کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''کمبوڈیا! ہم رشوت دے کر زمینی راستے سے وہاں پہنچیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اب بنکاک اور تھائی لینڈ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہمارے پاسپورٹوں کے مندرجات

کچھ ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم کمبوڈیا سے بلاروک ٹوک نکل سکیں۔''

''بہت مناسب فیصلہ ہے۔'' اس نے بے ساختہ لہجے میں میری تائید کی'' بنکاک تمہارے بدترین دشمنوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ کمبوڈیا میں تمہیں ان سب سے نجات مل جائے گی...... ہوسکے تو مجھے اپنے منصوبے کے کچھ خدوخال بتادو۔''

آخری فقرے پر اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔ میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آئی بی کا ایک ذمے دار اور باخبر افسر تھا۔ اگر وہ فون پر کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کررہا تھا تو اسے اس خواہش کے مضمرات کا بھی اندازہ ہونا چاہیے تھا۔ فون پر میری کہی ہوئی باتیں کسی اور کے کانوں میں پڑجاتیں تو میں بہت مخدوش حالات کا شکار ہوسکتا تھا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ جب میں نے اپنے موتی محل کے داخلے کے سلسلے میں فون پر کراس ٹاک سننے کا افسانہ تراشتے ہوئے بنکاک کے فون سسٹم پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا تو ڈان نے پورے اعتماد سے اس سسٹم کی وکالت کی تھی۔ ویسے بھی میں نے بنکاک آنے کے بعد کسی اہم بات کے لیے لینڈ لائن استعمال کی تھی اور نہ سی ایس ڈی سامان سے نکالنے کی نوبت آئی تھی۔ سارے اہم اور خفیہ رابطوں کے لیے دو موبائل فون میرے استعمال میں رہتے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ محتاط رہنے کے باوجود مجھے ان پر بہت کچھ کہنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود میرے قیام کے دوران میں اس حوالے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب تک خاص طور پر کوشش نہ کی جاتی' میرے موبائل فونز پر ہونے والی گفتگو کوئی غیر متعلق آدمی نہیں سن سکتا تھا۔

دوسرا اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ڈان اور چاؤفان کو میرے اس فون کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا جو مجھے اول خان نے دیا تھا۔ میرے سارے بیرون ملک رابطے اسی فون پر ہوتے تھے۔ ان دونوں کو صرف اس مقامی موبائل فون کا علم تھا جو میں نے بنکاک میں لیا تھا۔ ڈان میری سرگرمیوں سے باخبر رہنے کے لیے کسی کو میرے پیچھے لگاتا تو اس کی ساری توجہ اسی فون نمبر پر مرکوز رہتی جس پر میں ڈان اور چاؤفان سے بات کرتا تھا۔

میری چند لمحوں کی خاموشی سے جلال نے میری الجھن بھانپ لی اور میرے لب کشا ہونے سے پہلے مضطربانہ لہجے میں بولا'' فکر نہ کرو...... موبائل فون محفوظ ہے' ہماری گفتگو کوئی نہیں سن سکے گا' کسی نے سن بھی لی تو اردو اس کے پلے نہیں پڑے گی۔''

اس کا تبصرہ سنتے ہی میں نے اسے اشاروں کنایوں میں اپنے پورے منصوبے سے آگاہ کردیا۔ میں نے چاؤفان کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری زبان سے ایسے کلمات سنتے ہی وہ مصر ہوجاتا کہ میں کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اس کی طرف سے آنے والے پیکٹ کا انتظار کرلوں۔ مجھے اس کے خلوص کے بارے میں کبھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ اس نے ہماری پریشانی کا ادراک کرتے ہوئے دبئی کی کانفرنس سے قبل از وقت واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور بذات خود ہمارے پاسپورٹ بنکاک لانے پر تل گیا تھا۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکا کہ کسی وقت تمہیں کمبوڈیا جانا پڑے گا۔'' اس نے میری روداد سن کر پرتشویش آواز میں کہا'' تمہارے پرانے پاسپورٹ پر کمبوڈیا کا اندراج تھا نہ اب یہ ملک شامل ہے۔ میں کراچی پہنچتے ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ آثار بتارہے ہیں کہ اب مجھے بنکاک کے بجائے کمبوڈیا میں تم سے ملنا ہوگا۔''

''ابھی مجھے خود اندازہ نہیں کہ ہم کس شہر میں نکلیں گے۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا'' اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے نکل کر کمبوڈیا میں داخل ہونا ہے۔ یہ مرحلہ طے ہوتے ہی میں تم کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کروں گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ شہر بڑا ہو اور وہاں سے بین الاقوامی پروازیں روانہ ہوتی ہوں۔'' اس نے پرخلوص لہجے میں مشورہ دیا۔

''مجھے تمہاری مجبوریوں اور ذمے داریوں کا اندازہ ہے۔'' میں نے کہا'' پاسپورٹوں کے اندراجات درست ہوں تو تمہیں کمبوڈیا آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کسی بھی قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ ہمارا پیکٹ بھیج سکتے ہو......''

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی'' تم ان تفکرات کو اپنے ذہن سے جھٹک دو' میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنالیا ہے۔ دعا کرو کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب رہوں۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ اب اپنا نام منظر عام پر نہ آنے دینا۔''

''مجھے تمہاری ہدایت اچھی طرح یاد ہے۔ راجن سے آخری مقابلے میں' میں نے بم گن ضرور استعمال کی مگر اس کی نشانیاں اس طرح مٹائیں کہ اب تک کہیں سے اس کا ذکر

سننے میں نہیں آیا۔'' میں نے اس کی مکرر تاکید کا برا منائے بغیر جواب دیا ''میری کوشش ہوگی کہ آئندہ ایسی کوئی نوبت بھی نہ آنے پائے مگر مجبوری انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔''

''میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے ذہن میں جاگزیں ہے۔ تم نے سرسری انداز میں اسے فراموش نہیں کیا۔''

''میں اب یہاں سے کسی سے رابطہ نہیں کروں گا۔ تم سے بات کرنی ضروری تھی۔ یہ تو بتاؤ کہ اول خان کا کیا حال ہے' وہ کیا کر رہا ہے؟''

''محنتی آدمی کہیں بھی ہو' اپنا وجود منوا لیتا ہے۔'' جلال کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میرا اندازہ ہے کہ امریکی کیمپ کا دباؤ ختم کرنے کے لیے اسے کراچی سے گوادر بھیجا گیا تھا۔ اس نے وہاں اپنے لیے کام تلاش کر لیا۔ باقی کسر تمہاری ٹپ نے پوری کر دی۔ میری تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس نے تین آدمی دھر لیے ہیں۔ ان میں ایک مقامی اور دو بھارتی ہیں۔''

''کیا یہ غیر معمولی پیش رفت نہیں ہے؟'' میں نے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ اس کی انتہائی غیر معمولی کامیابی ہے۔'' اس سے زیادہ حیران کن حقیقت یہ ہے کہ زندہ بچنے والے بھارتی نے بہت تیزی سے سب کچھ اگل دیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوا...... ؟ کیا ان میں سے کوئی مارا بھی گیا ہے؟'' میری حیرت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تینوں کچھ مزاحمت کے بعد زندہ پکڑے گئے تھے۔ تمہارا اول خان ملک کے دشمنوں کے لیے بہت سفاک آدمی ہے۔ روٹین کی باز پرس میں ناکامی کے بعد اس نے دو کے سامنے ایک بھارتی ایجنٹ کو گندھک کے تیزاب سے نہلا دیا۔ رنگ سازوں کے برش سے اس کے پورے بدن پر دھیرے دھیرے تیزاب پھیرا گیا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی کرب ناک موت دیکھ کر دونوں نے ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ تمہاری دی ہوئی خبر سو فی صد درست تھی۔ بنکاک سے تین کی ٹولی وہاں پہنچی تھی۔ ان کے سرغنہ کو راجن ممبئی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ شاید وہی را کا اصل ایجنٹ تھا جس کی تلاش جاری ہے۔ بقیہ دونوں بدمعاش اس کے مددگار تھے۔ ایک مر گیا' دوسرا اول خان کا قیدی ہے۔''

وہ تفصیل سن کر میرے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان سا اٹھا۔ میری دانست میں وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس بارے میں مکمل معلومات اول خان ہی فراہم کر سکتا تھا۔ وہ جلال سے زیادہ جرح کرنے کا محل نہیں تھا۔ میں نے کہا ''اس نے پنجاب جانے والی دوسری پارٹی کے بارے میں بھی کچھ بتایا ہوگا۔''

''ہاں' ابھی اتنی خبر ملی ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ ان کے لیے چوہے دان تیار کیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے جوں ہی نمودار ہوں گے' بھاری سادہ پوش نفری انہیں گھیر لے گی۔''

''مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے یہاں بیٹھ کر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہا ہوں۔ کاش' میں جلد از جلد وہاں آ سکوں۔''

جلال کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے بے ساختہ کلمات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ لحہ بھر کے نہایت واضح سکوت کے بعد اس کی ٹھہری ہوئی اور دھیمی آواز ابھری ''فکر نہ کرو' میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ تم کو جلاوطن شہزادہ نہ بننا پڑے' تم جلد از جلد ہمارے درمیان لوٹ آؤ۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے اور بہت سے دردمند پاکستانیوں کے دلوں میں تمہارے لیے کتنی عزت ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے تم نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ تم کچھ بھی نہ کرتے تو ہم راجن کے خاتمے پر ہمیشہ تمہارے احسان مند رہتے۔ تم نے را کے بڑے بڑے ستون گرائے ہیں۔ ان کا ایک زخم بھرنے نہیں پاتا کہ تم انہیں دوسرا گھاؤ لگا دیتے ہو۔''

''یہ ہماری خوش فہمیاں ہیں۔ دہلی میں نریش شرما اور انل بسواس مارے گئے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اب را کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان کے خلاف ان کی کارروائیاں ایک لمبے عرصے کے لیے ماند پڑ جائیں گی لیکن وہ آج بھی اسی طرح سرِگرم عمل ہیں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''دراصل فرد اور ادارے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرد ختم ہوتا ہے تو اس کا بنایا ہوا پورا شیش محل اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ اداروں میں افراد کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انل دہلی سے ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ ساگر نے بنکاک میں راجن کا سہارا لے لیا۔ پاکستان کے خلاف ان کی سازشیں اور سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں۔''

''ان کی نوعیت دوسری ہے جو نیٹ ورک تم نے توڑا تھا' اس کا متبادل اب تک تیار نہیں کیا جا سکا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس راجن کے بارے میں حساس اور خفیہ معلومات موجود تھیں جو میں تم کو بھی نہیں دے سکتا تھا۔ راجن ایک الگ اور بڑا مسئلہ تھا۔ وہ خود گیا' گوادر میں اس کے بھیجے

لوٹنے کا موقع ملا‘ یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم بنکاک میں رکتے ہوئے جائیں گے تاکہ تم دل کھول کر اپنی خریداری کرسکو۔‘‘

’’آنے والا وقت کس نے دیکھا ہے۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور میں نے آپ سے کہہ دی۔ یہاں اور کون ہے جس سے دل کی بات کی جائے۔‘‘ اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کے کہا ’’ایک دوسرے سے کچھ کہہ سن لیا جائے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔‘‘

’’فکر نہ کرو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے پھر تمہارے چھیتے تم سے آملیں گے۔ ویرا کی بعض عادتوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اس سے تمہاری گاڑھی چھنتی ہے۔ سیام پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات میں تم اس کے ساتھ الگ بیٹھ کر یوں راز و نیاز کر رہی تھیں جیسے وہ تمہاری اکلوتی سہیلی ہو۔‘‘

’’اوہ......! آپ نے یہ بھی نوٹ کرلیا۔‘‘ اس نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لے کر کہا ’’عورتوں کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپس میں کی جاتی ہیں۔ میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی تھی۔‘‘

اس کے لہجے کی شوخی نے وہ بات وہیں ختم کر دی مگر میں نے دل ہی دل میں طے کرلیا تھا کہ پہلی فرصت میسر آنے پر اس کی خریداری کی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ضرور دوں گا۔

چار بجے چاؤفان کی کال آگئی۔ اس کی آواز اور لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت بری طرح الجھا ہوا اور بدحواس ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ یاددہانی کرانے کے لیے فون کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ٹھیک ساڑھے چھ بجے ہوٹل پہنچ جائے گا۔

اس نے زیادہ بات کی نہ میں نے چھیڑ چھاڑ کی کوئی کوشش کی۔ میری رضامندی پاتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

ہوٹل کا حساب کچھ اس طرح چل رہا تھا کہ ہر وقت ہمارا ایک دن کا کرایہ وغیرہ پیشگی جمع رہتا تھا۔ ہم کسی اطلاع کے بغیر رخصت ہو جاتے تو ہوٹل والوں کو کم از کم واجبات کی حد تک کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ میں نے پیشگی جمع کرائی ہوئی آخری رسید کا جائزہ لے کر اسے تلف کر دیا۔ غزالہ نے پورے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔

اسے مصروف چھوڑ کر میں غسل خانے میں گھس گیا تاکہ بنکاک میں آخری پرتعیش غسل سے لطف اندوز ہو سکوں۔

چھ بجے ہم دونوں پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ ویرا کی طرح غزالہ بھی میک اپ کی عادی نہیں تھی۔ ڈان کی تقریب میں شرکت کے لیے اس نے سیاہ دھاریوں والا سوٹ زیب تن کیا تھا‘ جس میں اس کا نکھرا نکھرا سراپا بہت زیادہ دلکش لگ رہا تھا۔ میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا بھرپور جائزہ لیا لیکن کوئی نکتہ تلاش نہ کرسکا جس کے سہارے غزالہ کی شخصیت کو دبایا جاسکے۔

وہ شرابیوں اور زن پرستوں کا جشن تھا جہاں ذہنی کج روی کو مہمیز دینے کے سارے اسباب جمع کیے جانے تھے۔ مجھے فکر تھی کہ غزالہ وہاں آنے والوں کی بدنگاہی سے محفوظ رہ سکے۔ ڈان کے مہمانوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو میرے لیے اپنی کھوپڑی پر قابو پانا دشوار ہو جاتا اور فرار کا منصوبہ پسِ پشت چلا جاتا۔

غزالہ میری تیز نگاہوں کا مدعا بھانپ کر مسکراتے ہوئے بولی ’’مجھے یوں گھور گھور کر نہ دیکھیں۔ میں نے دانستہ یہ سیاہ دھاریوں والا لباس پہنا ہے۔ رنگ اور ڈیزائن کے لحاظ سے یہی سب سے ہلکا تھا۔ میں وہاں خود کو سنبھال لوں گی۔ بس آپ اپنے غصے پر قابو رکھیے گا۔‘‘

غزالہ نے ہمارا ضروری اسباب ایک تھیلے میں سمیٹ لیا تھا۔ جو شولڈر بیگ کی صورت میں آسانی سے اس کے شانے کی زینت بن سکتا تھا۔ کپڑے وغیرہ وہیں چھوڑ دیے گئے کیونکہ ہم کوئی بڑا تھیلا لے کر ڈان کی پارٹی میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ چاؤفان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہمارے اسباب کا تھیلا خاموشی سے مسروقہ کار میں منتقل کر دے۔ ہمیں بالکل نارمل انداز میں پارٹی میں شریک ہونا تھا تاکہ ڈان کو ہمارے عزائم پر کوئی شبہ نہ ہوسکے۔

سوا چھ بجے ہم نے اپنے کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر اسے خیرباد کہہ دیا۔

اپنے فلور سے ہوٹل کے دروازے تک مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے ہر آنے جانے والا ہمیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سنسنی خیز معرکے سر کیے تھے لیکن کسی ملک سے ایک منظم سازش کے ذریعے فرار ہونے کا وہ پہلا تجربہ تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں اور آنے والے مراحل کے بارے میں ذہن میں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔

ہم اپنے خوف اور وسوسوں کو اپنے دلوں میں چھپائے‘ خراماں خراماں ہوٹل سے باہر نکلے تو دور ہی سے چاؤفان کی سیاہ اکارڈ نظر آگئی۔ وہ اپنے معمول کے مطابق مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی آپہنچا تھا۔

ہمارے کار تک پہنچنے سے چند لمحے پہلے اس نے نیچے اتر کر غزالہ کے لیے ادب سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی یا پرائی کسی بھی عورت کی عزت نہیں کرتے‘ صنفِ نازک کو ہر حال میں

یک پُرتعیش کھلونا تصور کرتے ہیں۔

دروازہ بند کرکے اس نے کسی مستعد ڈرائیور کی طرح اپنی جگہ سنبھالی اور گاڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

''ماسٹر! تمہارا سامان کہاں ہے؟'' اس نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''سب ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ ڈان سے آزادی کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا' میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم پارٹی میں تھیلا کہاں لیے پھرو گے۔''

''کیا تم اسے ہماری گاڑی میں نہیں ڈال سکتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ماسٹر! توبہ کرو...... اب میں بھول کر بھی اس گاڑی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ وہ شان دار بجیرو ہے اور وہاں پہنچائی جا چکی ہے۔' بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''اس میں سب کچھ موجود ہے' ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ فاضل کین بھی تیل سے بھرا ہوا ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی پھر بھی میں نے احتیاط سے کام لیا ہے...... آج میں خود کو معزز سمجھ رہا ہوں۔ اپنی مادام کو پہلی بار میری گاڑی میں بٹھا کر تم نے میری عزت افزائی کی ہے۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو رہوں گا۔''

''چاؤ فان! یہ مادام نہیں میری بیوی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ماسٹر! تمہیں عورت کہنے پر اعتراض تھا' مادام تو عزت کا لفظ ہے۔ کیا تم اسے بھی برا سمجھتے ہو؟'' اس نے معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

''یقیناً عزت کا لفظ ہے لیکن تم نے اسے لی کے لیے استعمال کرکے مشکوک بنا دیا ہے۔''

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا اور پیچھے مڑے بغیر بولا ''مدف! تمہارا شوہر بہت دلچسپ اور دلیر آدمی ہے۔ ہر وقت حاضر دماغ رہتا ہے۔''

''بجیرو میں گاڑی کے کاغذات موجود ہیں؟'' میں نے غزالہ کے کچھ بولنے سے پہلے بات کا رخ یکایک تبدیل کر دیا۔

''رنگ اور نمبر پلیٹ بدلی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق کاغذات کی جعلی نوٹو کاپیاں بھی رکھ دی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ تم کو ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تھائی پولیس قیمتی اور نئی گاڑیوں کو کہیں نہیں روکتی۔ میں نے یہی سوچ کر نئی بجیرو کا بندوبست کیا ہے۔ گاڑی کی سج دھج کمزور ہوتی تو راستے میں تم کہیں بھی مشکل میں پڑ سکتے تھے۔''

مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تھائی پولیس کی ذہنی سطح ہماری پولیس سے بلند نہیں تھی۔ جاہ و حشمت اور ثروت و امارت سے وہ بھی فی الفور مرعوب ہو جانے کے عادی تھے۔ خوش پوش مجرم واردات کا ارتکاب کرکے بیش قیمت گاڑی میں آسانی سے فرار ہو سکتے تھے۔ خستہ حال گاڑیوں میں سفر کرنے والے بلاتکلف کہیں بھی روکے جا سکتے تھے اور ضرورت پیش آنے پر مشتبہ قرار دے کر بند کیے جا سکتے تھے۔

وہ ضمنی خوشی تھی۔ اہم تر بات یہ تھی کہ چاؤ فان نے ہمارے فرار کے منصوبے پر خاصی باریکی کے ساتھ کام کیا تھا۔ بجیرو کا بندوبست دیگ کے ایک چاول کی طرح اس کی نیک نیتی کی غمازی کر رہا تھا۔ میں نے سارے منفی خیالات اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیے۔ چاؤ فان کے بارے میں اندیشے دور ہوتے ہی مجھے تقویت اور توانائی کا احساس ہونے لگا۔

''چاؤ فان! میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا ''میں زندگی بھر تمہارے اس تعاون کو فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ تمہارے بھاگ جانے میں تمہارے ساتھ میرا بھی فائدہ ہے۔ تم نے مجھے یہ رخ نہ سمجھایا ہوتا تو میں مر کر بھی ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتا۔''

...... آخری سفر میں صاف گوئی سے کام لے کر اس نے مجھ سے زیادہ غزالہ کو حیران کر دیا۔

''اس کے باوجود تم ہمارے محسن ہو۔'' غزالہ بولی ''تمہارے تعاون کے بغیر ہم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

''اب بھی یہ مرحلہ آسان نہیں ہے۔' چاؤ فان متانت سے بولا ''گاڑی میں اس علاقے کا ایک بڑا نقشہ رکھا ہوا ہے۔ میں نے سرخ قلم سے تمہارے راستے کی نشان دہی کر دی ہے۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد راستہ کچا پکا اور خراب ہے۔ تم بھٹک گئے تو پھر اللہ ہی تمہارا محافظ ہوگا۔''

''تم نے اپنی سی ہر کوشش کر لی ہے۔ اب کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارا مقدر ہوگا۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''بنکاک سے نکلنے کے بعد تم قدم قدم پر یاد آتے رہو گے۔''

''تمہارا سفر درست سمت میں جاری رہا تو تم سورج نکلنے سے پہلے کمبوڈیا میں سیسوپھون کے سرحدی قصبے میں داخل ہو جاؤ گے۔'' وہ پُرخیال آواز میں بولا۔

''وہاں تمہاری کمی بری طرح محسوس ہوگی۔'' میں نے

سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کا رخ بدلا ''کمبوڈیا کی زبان سے ناواقفیت ہمارے لیے عذاب بن سکتی ہے۔''

''وہ پس ماندہ ملک ہے' غربت اور جہالت عام ہے۔ وہاں نوم پنہہ سے باہر انگریزی جاننے والے بہت کم ملیں گے۔ کوئی بھی مشکل درپیش ہو تو بے دریغ ڈالر یا مقامی کرنسی استعمال کرنا۔ غربت کی وجہ سے لوگ خاصے لالچی ہیں۔'' چاؤفان نے اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔

''تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہمیں کسی کارآمد آدمی کا پتا وغیرہ دے دو۔ ہم اس کو منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔''

''ماسٹر! کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولا ''یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی کہ میں نے دو غیر ملکیوں کو وہاں کسی کے پاس بھیجا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے ڈان کے اعتماد کو دھوکا دے رہا ہوں لیکن اس کے غیظ و غضب کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اس علاقے میں میرے دسیوں شناسا ہیں مگر میں تم کو کسی کے پاس نہیں بھیج سکتا۔''

''تم نہ بھیجو' مجھے صرف نام' پتا اور فون نمبر دے دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''میں تمہارا نام لیے بغیر اس سے رابطہ کروں گا۔ اسے رقم ملے گی تو وہ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ماسٹر! تم کیوں اس طرح بات کر رہے ہو' میں زمین میں گڑا جا رہا ہوں۔''

''اس وقت تم زمین پر نہیں' اپنی کار میں ہو۔ تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے تو تھوڑی سی ہمت اور کر ڈالو۔ یقین رکھو کہ تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا ''تم ان علاقوں کے رواج سے ناواقف ہو۔ وہاں حوالے کے بغیر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ جو بھی ملے گا' سب سے پہلے یہ جاننا چاہے گا کہ تمہیں کس نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ نام شناسا ہوا تو وہ تمہارا خادم ثابت ہوگا ورنہ وہ رکھائی سے تمہاری ساری جمع پونجی لوٹنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو جائے گا۔''

''یہ اور بھی آسان ہے۔'' میرے ذہن میں برمحل ایک تجویز آ گئی ''تم اپنے کسی حریف کا نام بتا دو جو اس علاقے میں پہچانا جاتا ہو۔ بات کھلے گی تو تمہارے بجائے وہ ڈان کے عتاب میں آ جائے گا۔ تم کو اپنے ایک دشمن سے نجات مل جائے گی۔''

''ماسٹر! تم نے نہایت اعلیٰ درجے کا حرام مغز پایا ہے۔''

اس نے بے ساختہ کہا اور میں بھونچکا رہ گیا۔

''میرے حرام مغز کا کیا ذکر نکل آیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے لڑکپن میں اپنے گاؤں کے حکیم سے سنا تھا کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں چھپا ہوا حرام مغز ساری ذہنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ تم اتنی پھرتی سے ہر مشکل کا حل پیش کر دیتے ہو کہ مجھے تمہارے حرام مغز پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اب کبھی اپنے گاؤں کی طرف جانا ہو تو اس حکیم کو گولی مار دینا۔ حرام مغز دماغ کا حاکم نہیں' تابع مہمل ہوتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ایسے نیم حکیم اپنے الو کھے فتووں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میرے ذہن میں پھوم فاٹ کا نام آ رہا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہی' لی کا مال دار عاشق جو تمہارے ہاتھوں پٹا تھا؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''وہ چھوٹا راجن کا حاشیہ بردار تھا۔ ابھی اس کے کس بل باقی ہیں۔ نشے میں ڈوب جاتا ہے تو مادام کو بار بار فون پر تنگ کرتا ہے۔'' میں نے محسوس کیا کہ گاڑی میں غزالہ کی موجودگی کی وجہ سے چاؤفان نے سنبھل سنبھل کر وہ وضاحت پیش کی تھی۔

''پرسوں تم لی سے بیزار تھے کیونکہ اب وہ تمہارے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اب کیوں اس سے ہمدردی کر رہے ہو۔ وہ خود پھوم فاٹ سے نمٹ لے گی۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! تمہاری بیوی کی وجہ سے میری زبان بند ہے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کمینہ کیسا بلیک میلر ہے۔ دھمکیاں دیتا ہے کہ مادام کے قابلِ اعتراض پوسٹر شہر کی ساری دیواروں پر لگوا دے گا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ اب کبھی کبھی کاٹ لیتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے' محاورے غلط ثابت ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا۔

''اب تمہارا وقت آ گیا ہے' کسی بھی وقت اسے گھیر لو۔''

''اب وہ چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے بتایا نا کہ مادام کے گھر کے چکر لگانے کے بجائے وہ فون کرنے لگا ہے۔ میں اسے کہاں پکڑوں ...... بس تمہاری تجویز درست ہے۔ اس کا

نام استعمال کر ڈالو۔ میری شکایت پر ڈان کان نہیں دھرے گا۔ تمہارے چکر میں اس کا نام سامنے آئے گا تو ڈان غضب ناک ہو کر اس کا خون پی جائے گا۔" چاؤفان نے میری مرضی کا فیصلہ سنا دیا "یہ عجیب بات ہو رہی ہے کہ میرے فائدے میں تمہارا فائدہ ہو رہا ہے۔ تم کو کمبوڈیا میں مددگار مل جائے گا۔ پھوم فاٹ سے مادام کی جان چھوٹ جائے گی۔ چند دنوں میں اس خبیث نے مادام کو زچ کر دیا ہے۔"

"تم مجھے بیسو پھون والے آدمی کا نام پتا دے دو۔ میں پھوم فاٹ کے کریا کرم کا پورا بندوبست کر دوں گا۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

گاڑی شہر کی حدود سے باہر آ کر کشادہ سڑک پر بہت تیزی سے رواں تھی۔ بنکاک میں وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کہیں راز و نیاز کی باتیں کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ چاؤفان نے رفتہ رفتہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

گاڑی کی کیبن لائٹ جلا کر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک مڑی تڑی جیبی ڈائری نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسی میں سے ایک صفحہ پھاڑ کر اس پر انگریزی میں اپنے کمبوڈین شناسا کا نام اور فون نمبر لکھ کر وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

"اسے احتیاط سے رکھ لو۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتا ہے۔ دھیمی اور آسان زبان میں بات کرو گے تو وہ سب سمجھ جائے گا ورنہ مشکل ہوگی۔"

"بےفکر رہو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" میں نے اس کا دیا ہوا کاغذ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے تعاون سے میرے مسائل ایک ایک کر کے حل ہوتے نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہوا میں مخصوص سمندری بو کے گہرے رچاؤ سے اندازہ ہوا کہ ہم ساحلی علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے بندرگاہ کی تیز روشنیاں اور اس روشنی میں حرکت کرتے ہوئے، کرینوں کے بلند فولادی ڈھانچے کہیں نظر نہیں آئے۔

"ماسٹر! اندھیرے میں کسے تلاش کر رہے ہو؟" چاؤفان نے میری بےچینی بھانپ کر پوچھا۔

"شاید ہم سمندر کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن بندرگاہ کہیں نظر نہیں آ رہی۔"

"میں نے دوسرا راستہ لیا ہے۔ بندرگاہ پیچھے رہ گئی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ڈان کی پارٹی ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی، ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔"

"کھلے ساحل پر کسی پُرتکلف ضیافت کا بندوبست بہت مشکل ثابت ہوا ہوگا۔"

"ماسٹر! تمہارا خادم ناممکن کو ممکن بنانے میں ماہر ہے۔" اس نے شیخی بگھاری "سارا بندوبست مثالی ہے۔ ذرا سی دیر میں تم کو جنگل میں منگل ہوتا ہوا نظر آئے گا۔"

ہماری گاڑی غالباً ساحل کے متوازی دوڑتی رہی۔ پہاڑیوں اور ٹیلوں کی وجہ سے سمندر ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن فضا سمندر سے قرب کی چغلی کھا رہی تھی۔ چند منٹ کے بعد ہمیں تاریک فضا میں اوپر تک روشن غبار سا پھیلا ہوا نظر آنے لگا جو تیزی سے واضح ہوتا جا رہا تھا۔

"ماسٹر! یہ آسمان تک چمکتی ہوئی روشنی دیکھ رہے ہو نا۔ آج کی پارٹی لوگوں کو مدتوں یاد رہے گی۔ دو دیوہیکل موبائل جنریٹروں نے اس وقت ساحلی پٹی کو بقعۂ نور بنایا ہوا ہوگا۔ کھانے پینے کا سارا تیار سامان ریفریجریٹیڈ ٹرکوں میں منگوایا گیا ہے۔ شرابیں یخ بستہ اور کھانے بھاپ اڑاتے ہوئے سرو کیے جائیں گے، جیسے ابھی چولھوں اور تندوروں سے اتارے گئے ہوں۔ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کی خدمت کے لیے اکیاسی لڑکیاں بلائی گئی ہیں۔ ریت پر جما ہوا پنڈال پرستان کا سماں پیش کر رہا ہوگا۔"

اس دوران میں تقریب گاہ کا نقشہ واضح ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری داہنی سمت میں سمندر کی سر پٹکتی ہوئی موجوں سے کچھ دور خیمے نما بڑا سا پنڈال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس سے کچھ پیچھے، سڑک کے کنارے کئی بند ٹرک جیسے کارواں ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر بہت خواب ناک نظر آ رہا تھا۔

چاؤفان پنڈال کے قریب سے تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ پنڈال کے بعد ہی ریت کو ہموار کر کے گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ بنائی گئی تھی جہاں ہم سے پہلے متعدد گاڑیاں موجود تھیں۔

"پہلی قطار میں چوتھی گاڑی غور سے دیکھ لو۔" چاؤفان نے پارکنگ کے لیے گاڑی گھماتے ہوئے کہا "تم کو اسی بکھیڑ میں نکلنا ہے۔"

"کیا ابھی سے اتنے مہمان آ گئے ہیں؟" میں نے وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد دیکھ کر حیرت سے سوال کیا "بکھیڑ ہر طرف سے گاڑیوں میں گھری ہوئی ہے۔"

"اسے میں نے دانستہ ایسی جگہ پارک کیا ہے جہاں روشنی کم ہے تاکہ گاڑی غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں نہ

آ سکے۔'' اس نے اپنی گاڑی ایک جگہ روک کر کہا'' یہ گاڑیاں یہاں کے کام کرنے والوں اور ہمارے آدمیوں کی ہیں۔ کچھ لڑکیاں بھی اپنی گاڑیوں میں آئی ہوئی ہیں۔ سارے میز بانوں کو مہمانوں کی آمد سے پہلے یہاں جمع ہونا ہے۔''

''ڈان کب آئے گا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ ٹھیک نو بجے پہنچے گا......کوئی بات رہ گئی ہے تو پوچھ لو۔ تم کو اندر پہنچانے کے بعد میں مصروف ہو جاؤں گا۔ تمہاری طرف آنا ہوا تو کوئی خاص بات نہیں ہو سکے گی۔''

پارٹی شروع ہونے میں دیر تھی لیکن فضا میں مترنم قہقہے گونج رہے تھے۔ ریتیلے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے چاؤفان دانستہ سیاہ پجیرو کے قریب سے گزرا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ پارکنگ میں کسی بے ترتیبی کے باوجود پجیرو دوسری سمت سے بہ آسانی نکالی جاسکے گی۔

وسیع پنڈال سڑک اور دونوں پہلوؤں سے پوری طرح بند تھا۔ اس کا طول وعرض دیکھ کر میں حیران تھا کہ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کے لیے اتنے رقبے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

چاؤفان جوں ہی سڑک پر آیا' مختلف سمتوں سے مرد اور عورتیں نمودار ہو کر اسے تعظیم دینے لگیں۔ بعض کا انداز بہت زیادہ بے تکلفانہ تھا مگر ان کی بے تکلفی میں بھی چاؤفان کی بالا دستی کا اعتراف جھلک رہا تھا۔ وہ ان سب سے ہنستا بولتا' کسی کسی کے ساتھ دست درازی کرتا' ہمارے ساتھ بڑھتا رہا۔

کھانے کی دو گاڑیاں سڑک پر' پنڈال کے عقبی حصے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں جنریٹر کچھ فاصلے پر کھڑے کیے گئے تھے تاکہ ان کا شور محفل کے شرکا کی سماعت پر بوجھ نہ بنے۔ ایک جنریٹر چل رہا تھا۔ چاؤفان نے بتایا کہ اس کی کسی غیر متوقع خرابی کے اندیشے سے دوسرا جنریٹر تیار کیا گیا تھا تاکہ محفل میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اس ویران ساحلی علاقے میں نظر آنے والی لڑکیوں کے لباس اشتعال انگیز حد تک مختصر تھے اور وہ چلتے پھرتے ہوئے شوخی سے اپنے جسمانی خدوخال کو مزید واضح کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ جن لڑکیوں نے پورا لباس پہنا ہوا تھا انہوں نے بہ طور خاص یہ اہتمام کیا تھا کہ لباس ان کے بدن کے کسی زاویے کو شکنوں میں معدوم نہ کرنے پائے۔

ہم دونوں چاؤفان کی معیت میں پنڈال کے سرے پر پہنچ کر سڑک سے اترے تو قدموں میں ریت کی جگہ دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ قالینوں کی اس روش سے ہم سامنے پہنچے تو وسیع وعریض پنڈال کا وہ حصہ پورا کھلا ہوا تھا یعنی اس پارٹی کے شرکا اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے کھلے سمندر کا بھرپور نظارہ کر سکتے تھے۔

ریت میں گڑے ہوئے اونچے پائپوں پر سرچ لائٹوں کی پوری قطار لگی ہوئی تھی جس کا رخ سمندر کی جانب تھا۔ ان روشنیوں میں جھاگ اڑاتی اور پھر دم توڑتی ہوئی سمندری لہریں سفید و سیاہ رنگوں میں ہولناک شبیہیں بنا رہی تھیں۔

اس سمت میں پنڈال کے باہر تک قالین بچھے ہوئے تھے۔ اندر کا فرش بھی ان قالینوں سے مرصع تھا۔ پنڈال میں کوئی اسٹیج نہیں تھا۔ قناتوں کے ساتھ نیم دائرے کی صورت میں سجی سجائی میزیں اور آرام دہ کرسیاں بہت قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ درمیانی جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس خالی جگہ کی تین سمتوں میں میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ چوتھی سمت میں نہ جانے کیا کچھ جوڑ کر ایک بار کھڑا کر دیا گیا تھا جہاں مختصر لباسوں والی کئی لڑکیاں گلاس اور پیالوں کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

چاؤفان ہمیں فخریہ انداز میں وہ سب دکھاتا اور بتاتا ہوا پنڈال میں لے گیا جہاں جوان' خوب رو اور بے باک تھائی لڑکیوں کا ایک پورا غول بے مقصد کاموں میں مصروف تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ ہم وہاں پہنچنے والے پہلے مہمان تھے۔

ڈان کو روایتی طور پر اس نیم دائرے کی وسطی میز پر بیٹھنا تھا۔ چاؤفان نے ہمیں اس کی قریبی میز پر بٹھانا چاہا لیکن میں نے دور کی ایک میز منتخب کر لی۔ ڈان کی نظروں سے دور رہ کر میں آسانی سے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔

''تمہارا بندوبست بے مثال ہے۔'' میں نے اس کا دل بڑھانے کے لیے کہا'' کوئی من چلا پاکستانی یہ منظر دیکھ لے تو کراچی کا ساحل روز اسی طرح آباد ہونے لگے۔''

''سمندر کو آلودگی سے بچانے کے لیے یہاں ایسی پارٹیوں پر پابندی ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا'' یہ ڈان کا معاملہ ہے۔ اس لیے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ میں نے دل کھول کر ساری حسرتیں نکالی ہیں۔''

''خرچ بھی تم کو اٹھانا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اس کی پروا نہیں۔'' وہ بائیں آنکھ دبا کر مکاری سے بولا'' ماسٹر! یہ سرمایہ کاری ہے۔ چند دنوں میں ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک لوٹ آئیں گے۔ چھوٹا راجن اپنے باپ کا خزانہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ یہیں سے کما کر کروڑ پتی بنا تھا۔''

بات ختم کرتے ہی وہ چونک کر پلٹا۔ بار پر کوئی اسے بلا رہا تھا۔ وہ ہم سے مزید کچھ کہے بغیر ادھر ہولیا۔

اس کے جاتے ہی ایک طرح دار لڑکی ہماری میز پر آ گئی۔ لباس کی مفلسی اس کے پورے وجود سے عیاں تھی۔ اس نے جھک کر بڑی ادا سے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے فریش لائم کی فرمائش کی تو اس نے حیرت سے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی ناشائستہ بات کہہ دی ہو۔ وہ گئی اور چند لمحوں میں میرے مطلوبہ مشروب کے دو ٹھنڈے گلاس میز پر لے آئی۔

”یہ تقریب سمندر کی کھلی فضا میں نہ ہوتی تو میرے لیے یہاں بیٹھنا دشوار ہو جاتا۔“ غزالہ نے اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ”لڑکیاں ابھی سے بے لگام ہو رہی ہیں۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ آپ کے سوا یہاں کوئی بھی اپنی بیوی کے ساتھ نہیں آئے گا۔“

”یہ تھائی شرفا کی معاشرت کا ایک رخ ہے۔ ان کا میزبان ایک ڈان ہے۔ وہ سب یہاں آ کر فخر محسوس کریں گے۔ عورت اور شراب کی کشش بے پناہ ہوتی ہے۔ اس گُر کو آزما کر اس قوم نے سیاحوں سے اربوں ڈالر بٹورے ہیں۔ ان کی اشرافیہ بھی اس لت میں مبتلا ہے۔“

تقریب گاہ کا بندوبست اس ڈھب سے کیا گیا تھا کہ پروگرام واضح تھا۔ بار اور میزوں کے درمیان چھوڑی ہوئی خالی جگہ یقینی طور پر رقاص جوڑوں کے لیے چھوڑی گئی تھی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے فریش لائم کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ اس اثنا میں ایک شوخ و چنچل لڑکی مسکراتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ اس نے توتلی انگریزی میں اپنا تعارف کراتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہماری دیکھ بھال اس کے سپرد کی گئی تھی۔ مجھ سے اجازت لے کر وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی شرارت سے چمکتی ہوئی روشن آنکھیں بار بار میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

اس کے براجمان ہوتے ہی اکیاسی لڑکیوں کا مصرف میری سمجھ میں آ گیا۔ ہر میز کے لیے ان میں سے ایک لڑکی مخصوص تھی۔ جو رہ جاتیں وہ اوپر کی بھاگ دوڑ میں لگی رہتیں۔ آنے والے باذوق مہمان بعد میں ان کا بھی کوئی نہ کوئی مصرف تلاش کر لیتے۔

ہمارے لیے فریش لائم لانے والی لڑکی انگریزی سے نابلد نظر آتی تھی۔ یہ چاؤفان کی مہربانی تھی کہ اسے انگریزی جاننے والی مختصر پوش سے بدل دیا گیا تھا۔

لڑکی باتیں کرنے کا فن جانتی تھی۔ وہ اپنی ادا دکھا کر بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔ غزالہ نے اس سے جب یہ کہا کہ اس لمبی تقریب میں صرف واش رومز کی کمی تھی لڑکی نے ہنستے ہوئے بتایا کہ مے نوش مہمانوں کی اس ضرورت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ سڑک پر جنریٹروں سے پہلے چار کارواں کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر کارواں میں جملہ سہولیات سے آراستہ تین تین واش روم بنے ہوئے تھے۔ میں نے چاؤفان کے ساتھ ادھر آتے ہوئے کارواں دیکھے تھے۔ لڑکی نے ان کا مصرف بھی واضح کر دیا۔

پنڈال میں لگے ہوئے طاقت ور اسپیکرز پر اچانک دھیمی مغربی موسیقی گونجنی شروع ہو گئی۔ موسیقی کی لے پر لڑکی کے ہاتھ پیر تھرکنے لگے۔

میز کے نیچے یکایک اس لڑکی کے گھٹنے میرے گھٹنوں سے ٹکرائے۔ میں نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پُرشوق انداز میں میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میرے اضطراری ردِعمل سے غزالہ کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے اشتباہ آمیز نظروں سے لڑکی کو گھورا پھر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”تم بہت اچھی اور خوبصورت لڑکی ہو۔“ غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا ”بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی ضروریات کے معاملے میں ہم دونوں خود کفیل ہیں۔ ہمارے درمیان کسی اور کی شمولیت کا امکان نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم خالی بیٹھنے کے بجائے گھومتی پھرتی رہو تا کہ ہم تخلیے میں یہاں کے رومان انگیز ماحول سے کچھ فیض حاصل کر سکیں۔ جب بھی ضرورت ہوئی، ہم تمہیں بلالیں گے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔“ لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کرسی چھوڑ دی ”یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری میزبان ہوں۔“

وہ ہوش ربا انداز میں لچکتی اور مٹکتی ہوئی بار کی طرف چل دی۔

”تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔“ میں نے غزالہ سے کہا ”وہ عذاب کی طرح ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی تھی۔ اب اس کو بھی ذہن میں رکھنا پڑے گا۔“

وہ ہنستے ہوئے بولی ”میں نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اس لیے وہ جھٹ سے چل دی۔ میں نے آپ دونوں کے درمیان اپنے پیر پھیلائے ہوئے تھے۔“

”بیوی ہر حال میں بیوی ہوتی ہے۔ شوہر کے معاملے میں اس کا ریڈار بہت مستعدی سے کام کرتا ہے۔“ میں نے

سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اسی طرح ہمارے سروں پر مسلط رہی تو ایک بجے کیا ہوگا۔ مجھے یہ میزبانی سے زیادہ نگرانی نظر آرہی ہے۔''

''وہ شوقین اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ اسے اکسا کر اتنی پلا دیں کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ اس صورت میں ہم خاموشی سے نکل سکیں گے۔'' اس نے میرے ذہن میں کلبلانے والی تجویز کو بلاتوقف الفاظ کا جامہ پہنادیا ''مجھے اس مسئلے کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں اس کی چوری پکڑنے کے بجائے اس کی حرکتوں کو نظرانداز کر دیتی، اب آپ کو اسے بہلانا ہوگا۔''

وہاں کھلا بار لگا ہوا تھا۔ کئی لڑکے لڑکیاں اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو کچھ پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ شاید انہیں صرف اپنے مہمانوں کے ساتھ پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ احتیاط نہ کی گئی ہوتی تو مدعوئین کی آمد سے پہلے چاؤفان کا سارا عملہ کیف وسرور کی اجنبی دنیاؤں کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا۔

آٹھ بجے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے دو سفید فام مرد آئے جو اپنے اطوار سے امریکی معلوم ہو رہے تھے۔ چاؤفان باہر سے انہیں اپنے ساتھ پنڈال میں لایا۔ وہ ان دونوں کے سامنے جس انداز سے بچھا جارہا تھا، اس سے مجھے گمان ہوا کہ ان میں سے ایک کرنل گیری ہوگا۔ میرے شبہے کو اس بات سے بھی تقویت ملی کہ چاؤفان نے انہیں مرکزی میز کے قریب بٹھایا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھنے سے پہلے دو لڑکیاں لپک کر اس میز پر پہنچ گئیں۔ چاؤفان نے ان کی طرف اشارے کر کے کچھ کلمات ادا کیے اور امریکیوں نے بڑی ڈھٹائی سے ان لڑکیوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا۔

چاؤفان دوبارہ باہر چلا گیا۔ اس نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔

میں کن انکھیوں سے امریکیوں کی میز کا جائزہ لیتا رہا۔ لڑکیوں کے اشارے پر ایک تیسری لڑکی نے بار سے مےنوشی کے لوازم ایک ٹرے میں سمیٹ کر ان کی میز پر سجادیے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ چاروں اپنے پیمانے ایک دوسرے سے ٹکرا کر مےنوشی کا آغاز کر چکے تھے۔

اگلی کھیپ میں کئی مہمان ایک ساتھ پنڈال میں آئے۔ اس بار چاؤفان ان کے ساتھ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے بعد اس کا سبب بھی سامنے آگیا۔ مہمان تیزی سے آرہے تھے۔ ان کے استقبال کے لیے چاؤفان باہر رکا ہوا تھا۔ مہمانوں کو ان کی نشستوں تک پہنچانے کی ذمے داری لڑکیوں نے سنبھال لی تھی۔

اس وقت تک غزالہ کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی تھی۔ آنے والوں میں کسی خاتون کا وجود نہیں تھا۔

ہماری میزبان اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی ہمارے قریب آئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''اجازت ہو تو میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں؟''

میں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔ ہم مہمانوں کے ناموں اور مراتب سے بے خبر تھے۔ وہ دور سے ہمیں ان کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی آزردگی سے بتایا کہ رفتہ رفتہ سب لڑکیاں آنے والوں کے ساتھ مصروف ہوتی جارہی تھیں۔ اسے ہمارے رویے کی وجہ سے اپنی ہم جولیوں میں سبکی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چاؤفان نے اسے ہماری خدمت پر مامور کیا تھا اس لیے وہ کسی اور مہمان کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پنڈال میں بھٹکتے ہوئے اسے دوسری لڑکیوں کے طنز اور آوازوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

میں نے اسے اپنی میز پر شراب نوشی کی اجازت دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی کی ٹرے سے اسکاچ کا لارج پیگ اٹھالیا۔

''یہاں بیٹھ کر جو چاہو کرتی رہو لیکن میز پوش کی آڑ میں اپنی ٹانگوں پر ذرا قابو رکھنا۔'' غزالہ نے وضاحت کی ''گڑبڑ کی تو میں دوبارہ اٹھادوں گی۔''

وہ غزالہ کی براہِ راست الزام تراشی کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ بوکھلاہٹ میں اس نے تیز اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق سے اتارلیا۔

''ہمیں یہاں آنے والوں کے بارے میں بتاتی رہو۔ ہم تمہارے شہر میں نئے وارد ہوئے ہیں۔'' میں نے اس لڑکی کو خفت سے بچاتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کردیا۔

اس وقت تک دس بارہ افراد وہاں آچکے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایک دوسرے سے یوں گھلے ملے ہوئے تھے جیسے ان میں پرانی شناسائی رہی ہو۔

کومی نامی وہ لڑکی ان سب لوگوں سے واقف نہیں تھی۔ جنہیں جانتی تھی، ان کے بارے میں دھیرے دھیرے ہمیں بتانا شروع کر دیا۔

سفید فاموں کے بارے میں اس نے میرے اندازے کی تائید کردی۔ پختہ عمر والا امریکی کرنل گیری تھا۔ اس کا

نو جوان ساتھی کیپٹن کک تھا۔ وہ دونوں شہر کی رنگین مزاج خواتین میں بے حد مقبول تھے۔ عورت اور شراب کی کسی بھی ضیافت سے انکار ان کے مسلک میں شامل نہیں تھا۔

مقامیوں میں سب ہی معروف چہرے تھے۔ تجارت، صنعت، بنکاری، وزارت اور دیگر سرکاری شعبوں کے کلیدی عہدے دار اور شہری وہاں چلے آرہے تھے۔ ان میں بنکاک کا پولیس کمشنر بھی شامل تھا جو پہلے راجن کا نمک خوار ہوا کرتا تھا۔

کچھ لوگ ڈان کے لیے پھول اور تحائف لے کر آئے تھے جو مرکزی میز کے قریب قرینے سے قالین پر سجا دیے گئے تھے۔

پونے نو بجے آنے والوں میں تھائی لینڈ کے دو امیر ترین افراد نمایاں تھے۔ ان کی آمد پر موسیقی روک کر تھائی زبان میں کچھ اعلان کیا گیا۔ اعلان ختم ہوتے ہی تالیوں کی زبردست گونج میں موسیقی کا سلسلہ دوبارہ چل پڑا۔

کومی نے بتایا کہ ان میں سے ایک نے ڈان کے لیے مرسیڈیز سکس ہنڈریڈ کی چابی پیش کی تھی، دوسرے نے ڈان کے رفاہی کاموں کے لیے دس لاکھ بھات کا چیک دیا تھا۔

ان غیر معمولی نذرانوں کا ذکر سن کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ دنیا جانتی تھی کہ ڈان کا رفاہی کاموں سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے حاشیہ برداروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا اور وہ سب شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف سے اپنے کاروبار اور جان و مال کے تحفظ کے لیے پیشگی ادا کیا جانے والا تاوان تھا جسے تحفے کا نام دے دیا گیا۔ ان دونوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے پورے اجتماع کے سامنے تحائف پیش کر کے سب کو بتا دیا تھا کہ وہ ڈان کو اس کا حصہ دے رہے ہیں، اس کے بعد ڈان یا اس کے آدمیوں کو ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کا حق نہیں تھا۔

میں پڑھتا اور فلموں میں دیکھتا رہا تھا کہ ڈان گلے تک جرم و گناہ کی دلدل میں غرق ہونے کے باوجود کس طرح سوسائٹی میں معصوم اور معزز بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ستم کا شکار ہونے والے کس طرح ان ہی کے پاس اپنی فریاد لے کر آتے ہیں۔ اس اجتماع میں، میں وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے بے اختیار چاؤفان کے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے ڈان کی دعوتِ عیش و طرب کو سرمایہ کاری کا نام دے کر یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک مل سکتے ہیں۔ اس کی توقع پوری ہو رہی تھی۔ اسے کچھ دینا یا نہ دینا ڈان کی صوابدید پر منحصر تھا۔

پنڈال کی تقریباً ساری میزیں آباد ہو چکی تھیں۔ ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا۔ زندگی کی رونقیں اور رعنائیاں اپنے جوبن پر آتی جا رہی تھیں۔ جام ڈبو لیے ہوئے لڑکیاں پھرکیوں کی طرح پورے پنڈال میں چکرائی پھر رہی تھیں۔ مترنم اور رسیلے قہقہے، ملی جلی آوازیں اور کبھی کبھی کہیں سے ابھرنے والی تحیر زدہ سریلی چیخ خلیج سیام کے اس ساحلی گوشے کو خوابناک آرزوؤں کے ایک جوالا مکھی میں تبدیل کرتی جا رہی تھیں۔

نو بجے یکایک موسیقی تھم گئی۔ ساؤنڈ سسٹم پر ڈان کی آمد کا اعلان ہوا اور پنڈال میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ سب کی نگاہیں ساحل کی طرف تھیں جدھر سے گھوم کر ڈان کو پنڈال میں آنا تھا۔

ڈان کے نمودار ہوتے ہی سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پنڈال تالیوں کے شور سے گونجنے لگا۔ ڈان نفیس تراش کے سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیص میں بہت وجیہہ اور باوقار نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاروں موٹے بھی تھے جو دن رات سیلرز بار کی اوپری منزل پر مفت کی کھا کر پَل رہے تھے۔ وہ بھی سوٹ پہنے ہوئے تھے مگر ان کے شانوں سے خودکار رائفلیں اور ان کے میگزین جھول رہے تھے۔ وہ چاروں ڈان کے دائیں بائیں تھے، اس کے پیچھے چاؤفان کسی روبوٹ کی طرح اکڑ کر چل رہا تھا۔

پنڈال کے سرے پر رک کر ڈان نے مہمانوں کی طرف ہاتھ لہرا کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تالیوں کی گونج دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ چند لمحوں میں سب مہمان اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے مگر ان کی نگاہیں ڈان کی مسحور کن شخصیت پر مرکوز تھیں۔

ڈان نے ہاتھ ہلا کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ پانچوں وہاں سے واپس ہو لیے۔ ڈان بائیں طرف پہلی میز پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ ڈان کی وہ حرکت سب کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس میز کے گرد بیٹھے ہوئے چھ نفوس گھبرا کر اٹھے۔ وہ تین مرد اور تین میزبان لڑکیاں تھیں۔ ڈان نے وہاں رک کر سب سے باری باری ہاتھ ملایا، کچھ باتیں کیں اور دوسری میز کی طرف ہو لیا۔

''اوہ...... ڈان یہاں بھی آئے گا...... میں کیا کروں؟'' کومی بوکھلا کر بولی۔

''سکون سے بیٹھی رہو، وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا۔'' میں

نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ایک گھونٹ میں اپنا بقیہ گلاس خالی کر ڈالا۔

ہر میز پر لوگوں سے فرداً فرداً ملنے کے بعد وہ ہماری میز پر آیا تو پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا ''علی! تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو؟''

''ڈان! میری عورت ذرا شرمیلی ہے۔'' میں نے اسے خوش کرنے کے لیے غزالہ کے لیے دانستہ عورت کا لفظ استعمال کیا ''بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے۔ تمہاری میز کے قریب بہت سے لوگ ہوں گے......''

''خوب صورت عورتیں شرمیلی ہوتی ہیں۔'' ڈان نے مربیانہ ہنسی کے ساتھ غزالہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بہت نرمی سے مصافحہ کر کے چھوڑ دیا۔

''علی خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسی حسین بیوی ملی ہے۔'' ڈان کے ان الفاظ پر غزالہ کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی غیر مرد کی زبان سے اپنی اتنی بے باکانہ تعریف سنی تھی۔ ڈان اس کے ردِعمل سے بے پروا ہو کر کہتا رہا ''عورت اچھی نہ ملے تو مرد کی زندگی جہنم ہو جاتی ہے۔ تم دونوں میرے پیارے ہو' تمہارا مستقبل بہت تابناک ہوگا۔''

ڈان کے الفاظ میں طنز یا تضحیک کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ غزالہ نے سر جھکا کر خاموشی سے ڈان کی باتیں سن لیں' زبان سے کچھ نہ بولی۔

''میرے قریب بیٹھتے تو میں تمہیں بہت کام کے لوگوں سے ملواتا۔'' ڈان میری طرف متوجہ ہو گیا ''یہ موقع بار بار نہیں آئے گا۔ میں سب سے مل لوں تو میرے پاس آنا۔ میں تمہیں کرنل گیری سے ملواؤں گا۔ وہ اتنا برا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔''

ڈان کے مزاج میں عجیب شاہانہ بے نیازی تھی۔ اپنی بات کہہ کر اس نے میرا جواب سننے کی ضرورت نہیں سمجھی' گومی سے رسمی انداز میں ہاتھ ملا کر اگلی میز کی طرف چلا گیا۔

جب تک ڈان اپنے مہمانوں سے ان کی میزوں پر ملتا رہا' سروس معطل رہی۔ ساری لڑکیاں سمٹ کر بار کے قریب جمع ہو گئیں۔ جوں ہی ڈان اپنی وسطی میز پر پہنچا' ساغر و مینا ایک مرتبہ پھر گردش میں آ گئے۔ اس بار سروس بہت تیز اور مستعد نظر آ رہی تھی۔ شاید لوگوں کی مے نوشی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بنکاک میں ہمارے قیام کے آخری چند گھنٹے تھے۔ اس وقت ڈان سے کوئی بگاڑ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا۔ میں نے غزالہ اور گومی کو ہر حال میں اسی جگہ بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود ڈان کی طرف چل دیا۔

ڈان کی میز بڑی تھی۔ اس کے گرد کئی خوشامدی جمع تھے جن میں پولیس کمشنر پیش پیش تھا۔ گیری' ڈان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈان نے پُرتپاک انداز میں گیری سے کہا ''لو' میں ابھی ذکر کر رہا تھا' علی آ گیا۔ بہت شیر دل سورما ہے یہ میرا۔''

گیری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ایک لڑکی نے اسی لمحے میرے لیے جگہ خالی کر دی۔ ڈان کے اشارے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

''ابھی ڈان تمہاری دلیری اور تمہاری بیوی کے حسن کی تعریف کر رہا تھا۔'' گیری ہنستے ہوئے بولا۔

''میں اپنی بیوی کو یوں موضوعِ سخن بنانا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے گیری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''جہاں تک میری دلیری کا تعلق ہے تو میں صرف ڈان کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ ڈوریاں ڈان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا ڈان کی خوبی ہے۔''

ڈان نے پسندیدگی کے اظہار میں اپنا سر ہلایا اور بولا ''دلیری اور وفاداری...... یہ دو خوبیاں بہت کم لوگوں میں یکجا ہو پاتی ہیں۔ علی ان کا مرقع ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ڈان نے دوسروں کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ اسی لمحے میز خالی ہو گئی۔ وہاں صرف تین نفوس رہ گئے۔ گیری' ڈان اور میں۔

''علی پاکستانی ہے۔'' اس بار ڈان نے ذرا دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''یہ واپس جانا چاہتا ہے مگر میں نے اسے روکا ہوا ہے۔ تم اس سے کیا پوچھنا چاہ رہے تھے؟''

''پاکستان کے حوالے سے آج کل ہمارے ذہنوں میں صرف ایک نام آتا ہے...... کیا تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' گیری نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''صرف نام سنا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''راجن ذہین آدمی تھا!'' گیری نے یکایک ڈان کی طرف متوجہ ہو کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

''الّو کا پٹھا تھا۔'' ڈان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا ''ذہین ہوتا تو یوں کتے کی موت نہ مارا جاتا۔''

گیری نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا ''اس کا اصرار تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے بھارتی انڈرورلڈ کے پانچ بڑوں کو یہاں بلایا تھا۔ کل منٹھار سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ راجن نے اکبر نامی

کسی گواہ کو ان پانچوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سے باز پرس کی نوبت آنے سے پہلے موتی محل پر باہر سے خوفناک حملہ ہو گیا اور سب کو بھاگنا پڑا......"

"سب بکواس ہے۔" ڈان نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی "پتا نہیں تم لوگ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو۔ وہ ڈینی فوبیا میں مبتلا تھا۔ میں نے خود چھان بین کی ہے۔ کراچی میں دو آدمی پکڑے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈینی ہے۔ چھوٹا راجن کو ہر جگہ وہ نظر آ رہا تھا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ موتی محل پر وہ حملہ میرے آدمیوں نے کیا تھا۔"

میری جان میں جان آئی کہ ڈان نے برہم ہو کر مجھے ایک کڑی آزمائش سے بچالیا۔

"یہ سب مجھے معلوم ہے۔" گیری بولا "ان پانچ بڑوں کی یہ رائے ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ ڈینی یہاں نہیں آیا۔ راجن کے اعصاب پر اس کی دہشت سوار تھی۔"

"پھر اس خبیث کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟"

"میں علی کو صورتِ حال سمجھا رہا تھا تا کہ یہ بھی اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرے کہ ایک آدمی بہ یک وقت دو دور دراز شہروں میں کیسے ہو سکتا ہے؟"

"گیری! یوں وقت برباد کرنا ہے تو یہ معما بھی حل کرو کہ پانی میں آگ کیسے لگ سکتی ہے؟ بھینس انڈے کیسے دے گی......ناممکنات کے بارے میں سوچنا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔" ڈان کا موڈ بہ دستور خراب تھا۔ اسی لہجے میں وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "تم اپنی میز پر جاؤ۔ جوڑے فلور پر آ رہے ہیں۔ لوگ تمہاری بیوی کے ساتھ بھی رقص کرنا چاہیں گے، تمہاری موجودگی میں کوئی اس میز کا رخ نہیں کرے گا۔"

وہ ڈان کی نہایت ہمدردانہ ہدایت تھی۔ میں پلٹا تو موسیقی کی دُھن پر متعدد جوڑے پنڈال کی خالی جگہ پر تھرک رہے تھے۔ ہر مرد نے اپنی شریکِ رقص کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

میں اپنی میز کی طرف چلا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ غزالہ کے بشرے کی ترشی مجھے دور سے نظر آ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ شخص ساقی گری کرنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقاصوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔

میری عدم موجودگی میں تین افراد غزالہ کے پاس آ چکے تھے۔ اس نے اردو میں کہا کہ وہ انہیں ایسا نچاتی کی چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا لیکن مصلحت سے کام لے کر وہ معذرت پر اکتفا کرتی رہی۔

پتا نہیں پہل کس نے کی تھی، رفتہ رفتہ ساری میزیں خالی ہو گئیں۔ ہر مرد کسی نہ کسی لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹے قالین پر موجود تھا۔ ڈان بھی اٹھ کر اس بھیڑ میں شامل ہو چکا تھا۔ سرد کرنے والی لڑکیاں کسی نہ کسی کے ساتھ ناچ میں شامل ہو گئی تھیں۔

میں غزالہ کو ساتھ لے کر ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ گومی اپنے گلاس سمیت ہمارے ساتھ تھی۔

وہ کوئی باقاعدہ رقص نہیں تھا۔ سب اندھے سیدھے پیر چلا رہے تھے۔ جوڑوں کی حرکات و سکنات میں کوئی تسلسل تھا نہ ہم آہنگی۔ سب اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق ہل جل رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بے ہنگم رقص صرف صنفِ نازک سے قرب کا ایک بہانہ تھا۔

لوگ رقص کے دوران میں بھی مے نوشی میں مصروف تھے۔ کئی جوڑے قالین پر ہلکورے لیتے ہوئے خاموشی سے ریتیلے ساحل کی طرف نکل گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ چاؤفان نے میزبان لڑکیوں کی تعداد کم بتائی تھی۔

اس وقت مجھے گیری کا ساتھی نظر آیا۔ وہ ایک میز پر کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا جام دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھاما ہوا تھا اور میز پر آگے جھک کر کچھ بول رہا تھا۔ جب میں ڈان سے ملنے کے لیے گیا تب بھی وہ وہیں نظر آیا تھا۔ دور سے محسوس ہو رہا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے وہ خاصے نشے میں تھا۔ گیری کی جگہ خالی تھی۔

وہ محفل پونے گیارہ بجے تک یوں ہی چلتی رہی۔ جوڑے تھک کر میزوں پر آئے اور دوبارہ رقص میں شریک ہوتے رہے۔ آخر کار ساؤنڈ سسٹم پر دھیمی موسیقی کے دوران میں کھانے کا اعلان ہوا اور رفتہ رفتہ ویران میزیں ایک مرتبہ پھر آباد ہونے لگیں۔

ٹھیک گیارہ بجے پنڈال اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ بھانت بھانت کے گرم کھانوں کی قابیں اٹھائے لڑکیاں میزوں کے درمیان چکراتی پھر رہی تھیں۔ مجھے ہوٹل میں قیام کے دوران میں تجربہ ہو چکا تھا کہ یہ تھائی باشندے سمندری پیداوار میں گھاس سے مگر مچھ تک نہیں چھوڑتے۔ یہی حال خشکی پر پائے جانے والے جانوروں کا تھا۔ ان میں سبزی خور وقت کے ساتھ عنقا ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے گومی کو واضح طور پر بتا دیا کہ ہم مچھلی اور مرغی کے سوا کچھ استعمال نہیں کریں گے۔ اس کی ہدایت پر ہمارے لیے پسندیدہ ڈشیں فراہم کر دی گئیں۔ گومی نے اپنے لیے عجیب و غریب سوپ

کے بعد سانپ کا سالن منگوایا تھا۔
جب تک میزوں پر کھانا فراہم کیا جاتا رہا' پنڈال میں ہلچل رہی۔ میدان صاف ہوتے ہی سامنے سے رقاص لڑکیوں کی ایک قطار اندر آئی اور انہوں نے پیشہ ورانہ انداز میں خوب صورت رقص پیش کرنا شروع کر دیا۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ ان لڑکیوں نے جو کچھ زیب تن کیا ہوا تھا' اس پر لباس کا نام ایک تہمت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کچھ آرایشی چیتھڑے ضرور کہے جا سکتے تھے جن پر بلا سبب نگاہیں مرکوز ہو رہی تھیں۔
کھانے کا دور توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں گیری کہیں سے بھٹکتا ہوا ہماری میز کی طرف آ نکلا۔ اس نے اپنی بھری ہوئی پلیٹ ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔
اس نے اپنی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈالا اور جھک کر میرے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا ''یہاں بات نہیں ہو سکی' میں ایک بجے نکل جاؤں گا۔ ایک دو روز میں وقت نکال کر مجھے فون ضرور کرنا' تم سے اہم باتیں کرنی ہیں۔''
اس کے دہانے سے آنے والی الکحل اور کھانوں کی ملی جلی بو بہت ناگوار لگ رہی تھی مگر اس کے سنسنی خیز پیغام نے مجھے وہ بدبو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔
مجھے کب بنکاک میں رکنا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ آگے چل دیا۔
اس نے ایک بجے اپنی روانگی کا پروگرام بتا کر مجھے پریشان کر دیا۔ وہی ہماری روانگی کا طے شدہ وقت تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ مدہوشوں کی اس محفل میں ایک بجے تک کسی کو دوسروں کی سدھ بدھ نہیں رہے گی۔ لیکن روانگی کے وقت پارکنگ لاٹ میں گیری سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ ہمیں ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان ویرا اور سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ لینا تھا۔ وہ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کرتے۔ ہماری طرف سے زیادہ تاخیر کے نتیجے میں وہ دونوں کسی سنگین مسئلے سے دوچار ہو سکتے تھے۔
کھانے کے بعد رنگِ محفل بدل گیا۔ تکلفات کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔ بنے سنورے لباس جسموں پر ڈھلکے ہوئے نظر آنے لگے۔ ناچنے والی پیشہ ور لڑکیاں دھیمے اور خوبصورت رقص سے ہیجان انگیز ناچ پر مائل ہو گئیں۔ مرد انہیں دیکھ کر بے پروایانہ انداز میں فقرے چست کر رہے تھے۔ ایک آدھ اٹھ کر ان کے درمیان پہنچا ہوا تھا۔

بنکاک کے نام نہاد شرفا کا وہ اجتماع ماحول اور رویوں کے لحاظ سے بازاری لفنگوں کے اجتماع کا منظر پیش کرنے لگا۔
غزالہ کے لیے وہ بہت تکلیف دہ تجربہ تھا۔ اس نے کبھی مردوں کے اتنے بڑے غول کو خود فراموشی میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی زبان پر کوئی حرفِ شکایت لائے بغیر' خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ ذہنی کوفت کے اس مرحلے کے بعد ہمیں ڈان کی غیر علانیہ قید سے آخر کار رہائی ملنے والی تھی۔
چاؤفان گاہے گاہے پنڈال میں نظر آ رہا تھا۔ جب سے ڈان وہاں پہنچا تھا' وہ زیادہ تر اسی کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ بھول کر بھی اس نے ہمارا رخ نہیں کیا۔
گومی کھانے کے بعد بھی ندیدے پن سے پیتی رہی۔ نشے کے باعث اس کی زبان پر لکنت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہتھیلیوں میں سر تھام کر کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ وہ ہمارے لیے بے ضرر ہو چکی تھی۔ اسے دنیا و مافیہا کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ہم اٹھ کر چلے جاتے تو اسے کانوں کان علم نہ ہوتا کہ وہ میز پر اکیلی رہ گئی ہے۔
میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں گومی کو کسی اور لڑکی کے حوالے کر دوں مگر اس خوف سے خاموش بیٹھا رہا کہ کہیں اس کی جگہ کوئی ہوش مند لڑکی ہمارے سروں پر مسلط نہ ہو جائے۔
میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بارہ بجے کے بعد میری گھڑی کی رفتار سست ہو گئی ہو۔
''گیری کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' غزالہ نے گومی پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔
''ہم دس منٹ کی تاخیر سے نکلیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''پنڈال سے نکل کر پہلے ہم واش روم جائیں گے۔ وہاں سے سڑک پر ٹہلتے ہوئے پارکنگ میں جا نکلیں گے۔ امید ہے کہ اس وقت تک وہ یہاں سے روانہ ہو چکا ہوگا۔''
میری نظریں گیری کی تلاش میں بار بار بھٹکتی رہیں۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے مجھے بھیڑ میں اس کی صورت نظر آئی پھر وہ غائب ہو گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ پنڈال میں بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ کھانا وغیرہ سرو کیا جا چکا تھا۔ مہمانوں اور میزبانوں کو صرف پینے اور ناچ گانے سے غرض رہ گئی تھی۔ ان کے وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر بیرونی کاموں پر مامور عملہ بھی دھیرے دھیرے اندر گھس آیا تھا اور

تماش بینی کے ساتھ شرابوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔
وہ ساحلی ویرانہ اتنا دورافتادہ تھا اور باہر موجود ساز و سامان اتنا محفوظ تھا کہ کسی کو چوری چکاری کا ڈر نہیں تھا۔ سب بے فکر ہو کر اس محفل کے مزے لوٹ رہے تھے۔
ایک بجے میں نے قریب سے گزرنے والی ایک لڑکی کی توجہ گومی کی طرف مبذول کرائی جو میز پر اپنا سر ٹکائے فرصت سے اونگھ رہی تھی۔
اس لڑکی نے فوری طور پر اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور وہ دونوں گومی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر زبردستی چلاتے ہوئے لے گئے۔ وہ حال صرف گومی کا نہیں، ناچ گانے کے شور شرابے میں اور بھی کئی مہمان اور میزبان اسی طرح بے سدھ نظر آ رہے تھے۔ انہیں کوئی نہیں چھیڑ رہا تھا۔ جو جس حال میں تھا، مست اور خوش تھا۔
ایک بج کر دس منٹ پر میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نے سرسری انداز میں کرسیاں چھوڑ دیں۔ میں نے عقابی نظروں سے پنڈال کا جائزہ لیا تو ڈان مہمانوں کی بھیڑ میں گھرا ہوا تھا۔ کئی رقاص لڑکیاں اس کی میز کے سامنے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر عجیب انداز میں ناچ رہی تھیں۔ اس ہجوم میں گیری کا پتا تھا نہ جاؤفان کہیں نظر آ رہا تھا۔
ہم پنڈال کی بغل میں بچھے ہوئے قالینوں پر سے گزرتے ہوئے روشن سڑک پر آ گئے جہاں دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کیٹرنگ کا عملہ بھی اپنی گاڑیوں کو مقفل کر کے شاید اندر پہنچا ہوا تھا۔
آگے لمبا سفر درپیش تھا۔ میں مثانے کا دباؤ ہلکا کرنے کے لیے ایک کارواں میں داخل ہوا تو مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔
کاروان کی تپلی سی راہ داری میں ایک قطار سے سات واش روم بنے ہوئے تھے جن میں سے بیشتر آباد تھے۔ اندر کی محدود فضا میں گونجنے والی دھیمی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ اس بندوبست کو خلوت کدے کے طور پر مصرف میں لا رہے تھے۔
میں ایک خالی باتھ روم میں گھسا تو اس کی عمدہ بناوٹ کسی طیارے کے باتھ روم سے مشابہ نظر آئی۔ وہاں غسل کے سوا تمام حوائجِ ضروریہ کا اہتمام موجود تھا۔ غزالہ کاروان کے باہر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی، میں عجلت میں باہر آ گیا۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا کہ غزالہ نے میرے ساتھ کارواں میں داخل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔
ہم ویران سڑک پر چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ فضا ملے جلے انسانی شور اور موسیقی سے گونج رہی تھی۔ اس ساحلی ویرانے میں رات گہری ہونے کے ساتھ محفل پر رنگ آتا جا رہا تھا۔ ہمیں پارکنگ لاٹ تک کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔
ہم قناتوں کے ساتھ پارکنگ لاٹ کے اس حصے میں اتر گئے جو نسبتاً اندھیرے میں تھا۔
وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا پھر بھی ہم بہت محتاط انداز میں بڑھتے ہوئے سیاہ پجیرو تک پہنچے۔ اگلے چند ثانیوں میں ہم گاڑی میں موجود تھے۔
انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ مجھے توقع تھی کہ انجن چلنے کی آواز ساؤنڈ سسٹم سے ابلنے والے شور میں دب جائے گی۔ یہی ہوا، ہم گاڑی میں سست روی سے سڑک پر نکل آئے۔ میں نے اس وقت تک ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے۔
گاڑی کا انجن طاقت ور اور کم آواز تھا۔ ہم سبک رفتاری کے ساتھ پنڈال کی عقبی سڑک سے گزرتے چلے گئے۔ دور تک پھیلی ہوئی روشنی میں دوسرے کارواں کے قریب ہمیں ایک نفس گزیدہ جوڑا نظر آیا جو اپنی دُھن میں مگن تھا۔ میں نے پجیرو کی رفتار بڑھانے کے ساتھ ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔
''اللہ کا شکر ہے کہ اس حیوانی جنگل سے صحیح سلامت نکل آئے۔'' غزالہ نے فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''اب آگے ہمارا مقدر ہوگا۔''
''جلدی سے گاڑی میں موجود سامان کا جائزہ لے ڈالو۔ نقشہ ملنا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
اگلے پائیدانوں میں کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کسی بندر کی سی پھرتی سے پیچھے کود گئی اور وہاں اسے پائیدان میں رکھا ہوا بیگ مل گیا۔ جو ایک بڑی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔
تھیلے میں نقشے کے ساتھ سفری ضروریات کا سامان اور فاضل میگزین کے ساتھ ایک چھوٹی خودکار رائفل بھی موجود تھی۔
میں غزالہ سے وہ تفصیل سن رہا تھا کہ مجھے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے وسط میں ایک شخص اچھلتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر ہمیں رکنے کے بے تابانہ اشارے کر رہا تھا۔
ہمارا درمیانی فاصلہ بہت تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی کی تیز روشنی میں، میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بلاشبہ کرنل گیری تھا۔ اس کی گاڑی سڑک کے کنارے

جیک پر ایک طرف سے اٹھی ہوئی نظر آرہی تھی۔

''یہ یہاں کیا کر رہا ہے.....'' میں نے تشویش زدہ آواز میں کہا۔

''وہ راستے سے نہ ہٹے تو اسے کچلتے ہوئے آگے نکل جائیں۔'' غزالہ خوف زدہ بلکہ ہذیانی سی آواز میں بولی۔ وہ بیگ سنبھالے عقبی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے تبصرے سے پہلے وہ سڑک پر آئے ہوئے گیری کو دیکھ چکی تھی۔ اپنا جملہ پورا کرتے ہی وہ دوبارہ آگے آ گئی۔

میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے چند سیکنڈ سے بھی کم وقت تھا۔ میں نے گیری کو نظرانداز کرنے کی ہرممکن کوشش کی تھی لیکن اس کا برا وقت آ گیا تھا۔ اس کی موت نے گاڑی میں کسی خرابی کی صورت میں اسے بری طرح گھیر لیا تھا۔

میں چاہتا تو کسی طرح اسے بچا کر تیزی سے آگے نکل سکتا تھا۔ اس تدبیر میں یہ خرابی تھی کہ وہ ہماری ایک جھلک دیکھ کر ہمیں پہچانتا یا نہ پہچانتا' اس امر کا گواہ ضرور بن جاتا کہ تقریب گاہ کی طرف سے سیاہ چیرو واپس گئی تھی۔ اس کی گاڑی میں یقیناً کوئی ایسی خرابی رونما ہوئی تھی جو فوری طور پر دور ہونے والی نہیں تھی۔ وہ تقریب گاہ سے کئی میل دور لق ودق ویرانے میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ لامحالہ وہیں رک کر تقریب سے لوٹنے والی کسی اور گاڑی کا انتظار کرتا۔ وہ پہلی ملاقات میں ڈان کا چہیتا بن چکا تھا۔ ڈان کو اس کی پریشانی کا علم ہوتا تو وہ اس سے رابطہ کرتا اور سیاہ چیرو کے بددماغ مالک کا ذکر سامنے آ جاتا۔ یوں ہمارے کمبوڈیا پہنچنے سے پہلے پورے زوروشور سے اس گاڑی کی تلاش شروع ہو جاتی۔ معاملہ ایک اہم امریکی سفارت کار سے بداخلاقی کا ہوتا اس لیے شبہ یہ تھا کہ ملک گیر پیمانے پر کالی چیرو کی تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔

غزالہ کے مشورے کو روبہ کار لانے میں کئی پیچیدگیاں تھیں۔ دھیمی ٹکر سے گراں ڈیل گیری کو جہنم واصل کرنا ناممکن تھا۔ تیز رفتاری سے گاڑی ٹکرانے میں خدشہ تھا کہ گاڑی کے کسی حساس حصے کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ہمیں لمبا سفر درپیش تھا۔ میں ایسا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

سڑک پر ہاتھ لہراتے ہوئے کرنل گیری کی طرف گاڑی دوڑاتے ہوئے شاید میرے اندیشوں نے بدترین صورت اختیار کر لی تھی مگر اس وقت کی حقیقت یہ تھی کہ میرے ذہن نے پلک جھپکنے میں وہ تجزیہ کر کے گاڑی روکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے بریک لگا کر گیری سے چند میٹر کے فاصلے پر گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر سڑک پر اتر گیا۔

''اوہ گاڈ! شکر ہے کہ تم آ گئے۔ میرا ہر حال میں اپنے دفتر پہنچنا ضروری ہے۔ دو بجے واشنگٹن سے میرے لیے ایک اہم ترین کال آنے والی ہے۔'' وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''یکایک پچھلے بریک جام ہو گئے۔ سڑک پر تیزی سے رگڑنے سے ایک ٹائر پھٹ چکا ہے۔ گاڑی جہنم میں جائے' تم مجھے شہر پہنچا دو...... میں نے آج ہی تم سے تخلیے میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی' اتفاق دیکھو کہ کن حالات میں یہ تخلیہ میسر آیا ہے۔''

وہ چیرو کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے آ گئی۔ ''تم یہاں بیٹھ جاؤ' میں پیچھے چلی جاتی ہوں۔''

غزالہ کی اس پیش کش میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے اس بیگ کی فکر لاحق ہو گئی تھی جو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔

گیری کو اس وقت غزالہ کے حسن کی ستائش کا دھیان نہیں آیا۔ اس نے بہت شائستگی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔

''تم اکیلے ہو؟ کیپٹن کک کہاں رہ گیا؟'' میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈان کی پارٹی زبردست ہے۔ کام نہ ہوتا تو میں بھی وہاں رکتا۔ یہ جوان افسر ذرا رنگین مزاج ہوتے ہیں۔ کک وہیں رک گیا۔ پارٹی ختم ہو گی تو کسی سے لفٹ لے کر لوٹ آئے گا۔''

جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ کے ساتھ ہماری اہم اشیا بھی اس وقت غزالہ کے پاس تھیں۔ ان میں ایک بھرا ہوا پستول بھی شامل تھا۔ اس لمحے مجھے افسوس ہوا کہ گیری تک پہنچنے سے پہلے میں نے غزالہ کو کوئی ہدایت کیوں نہ دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے کون سا ہتھیار استعمال کرنا ہوگا۔

بیم گن کے بارے میں جلال کی واضح تاکید غزالہ کے علم میں تھی لیکن اس وقت وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اضطرار کے عالم میں غلطی بھی کر سکتی تھی۔

''مارنا ہے۔'' میں نے اردو میں کہا۔

''کیا کہا تم نے؟'' گیری نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

''گک کے لیے اپنی مادری زبان میں شاندار متبادل لفظ استعمال کیا تھا۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا ''تم کو ڈینی کے بارے میں تجسس تھا۔ قدرت کے کھیل بہت ہی نرالے ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس وقت تم ڈینی کے ہم سفر ہو۔''

میرے آخری فقرے پر وہ ایک گالی بک کر بری طرح سیٹ میں اچھلا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری ڈرائیونگ میں حارج ہوتا' غزالہ نے اس کی کنپٹی پر پستول سے فائر کر دیا۔

قریب کے فائر کے باوجود گولی اس کے دماغ میں پیوست ہو کر رہ گئی۔ اس کے جسم نے روح کو لرزا دینے والا ایک شدید جھٹکا لیا اور اس نے بیٹھے بیٹھے اسی لمحے دم توڑ دیا۔

وہ گیری سے قدرت کا انصاف تھا۔ میں اس سے کسی تصادم سے بچنے کی بھرپور کوششوں کے باوجود اسے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''تم نے پستول استعمال کر کے زبردست عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' میں نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کے کہا۔

''جلال نے بیم گن کو شجرِ ممنوعہ قرار نہ دے دیا ہوتا تو میں اسی کو آزماتی۔ اب اس لاش کو یہیں چلتی گاڑی سے لڑھکا دیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم نے بھی ایک ملک دشمن کو ٹھکانے لگا دیا۔ پارٹی سے لوٹنے والے سڑک پر اس کی لاش دیکھیں گے تو شہر میں ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہیں ہوگا......''

''گاڑی کو فوراً ہیل میں ڈال کر سڑک سے اتار دیں۔ ٹیلوں کے درمیان کسی کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر متبادل تجویز پیش کر دی۔

''ہمارے پیچھے پارٹی سے کوئی اور بھی لوٹ سکتا ہے۔ اس نے ہماری گاڑی کو کچے میں جاتے یا وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ گیری کی لاش کو چند روز تک غائب رہنا چاہیے تاکہ ہم کمبوڈیا میں سکون سے کوئی ٹھکانا تلاش کر سکیں۔ تم کو اندازہ نہیں ہے' گیری کا قتل ہر طرف ایک آگ سی لگا دے گا۔''

''ان ویران ٹیلوں کے پیچھے کون جائے گا۔ لاش وہیں گلتی سڑتی رہے گی۔'' وہ اپنی تجویز پر مصر رہی۔

''مردار خور پرندوں پر شاید کوئی توجہ نہ دے لیکن معاملہ امریکی افسر کا ہوگا۔ اس کی گاڑی سڑک پر ملے گی۔ وہ پورے علاقے کا فضائی جائزہ ضرور لیں گے اور لاش دریافت کر لیں گے۔''

''کیا آپ اسے اپنے ساتھ کمبوڈیا لے جانا چاہ رہے ہیں؟''

''چڑنے کی ضرورت نہیں۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد اسے کسی نالے یا کنوئیں میں پھینک دیں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ابھی لاش گرم ہے' جوڑ نرم ہوں گے۔ اسے مار دیا ہے تو اتنی مہربانی اور کرو کہ اسے سیٹ سے پائیدان میں دھکیل دو۔''

''میں پہاڑ جیسا یہ بوجھ نہیں دھکیل سکوں گی۔'' وہ عجیب سے انداز میں منمنائی۔

''میں نے یہ کام کرنے کے لیے گاڑی روکی اور پیچھے سے کوئی سر پر پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ذرا سی ہمت سے کام لو' یہ اتنا بھاری نہیں ہے' جتنا نظر آ رہا ہے۔''

''آپ بات ہی نہیں سمجھتے۔'' وہ جھنجلا گئی ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اب تم بہانہ کر رہی ہو۔ اچانک تمہاری طبیعت کو کیا ہو گیا؟'' میں نے ذرا ترشی سے سوال کیا۔ اس کے ٹھنکنے پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔

''میں آپ کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ آپ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ ناراض ہو رہے ہیں تو سن لیں کہ میں آپ کی ہونے والی اولاد کے تحفظ کے لیے یہ احتیاط کر رہی ہوں۔''

غزالہ کے وہ الفاظ میرے لیے اس قدر خوشی کا سبب بنے کہ فرطِ مسرت سے چند لمحوں کے لیے میری زبان گنگ ہو گئی۔ دل چاہا کہ گاڑی روک کر والہانہ انداز میں غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں۔ اس خبر کا مجھے ایک مدت سے انتظار تھا۔ اس تاخیر میں ہمارے کسی ارادے یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس بارے میں دیرا اور سلمٰی نے کئی بار ٹوکا لیکن میں نے ہمیشہ کوئی دوٹوک جواب دینے کے بجائے ایسا مبہم رویہ اختیار کیا کہ تمسخر و استہزا کرنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہم دونوں جان بوجھ کر اس التوا کا سبب بن رہے ہیں۔

غزالہ نے وہ خبر اچانک اور مجبور ہو کر جس انداز میں سنائی' وہ میرے لیے بہت عجیب بلکہ خیال انگیز تھا۔ غزالہ خوب جانتی تھی کہ اسے ماں کے روپ میں دیکھنا میرا پرانا خواب تھا۔ اس بارے میں ہمارے درمیان دیر تک باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس ذکر پر غزالہ کے

حسین چہرے پر آزردگی کے سائے تیرتے نظر آنے لگے تو میں نے اس ذکر سے کنارہ کرلیا۔ میں نے رضا کارانہ طور پر اپنی زبان ضرور بند کرلی لیکن وہ خواہش میرے لاشعور سے یوں چپکی ہوئی تھی کہ ہر ماہ وسال مجھے غزالہ کی طرف سے کسی خبر کا انتظار رہتا تھا۔

وہ مبارک گھڑی آئی تو ایسے وقت میں آئی جب میں غریب الوطن ہوکر اپنے الجھاووں میں پھنسا ہوا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس نے مجھے اپنے راز میں شریک کیا تو میری توجہ بٹ جائے گی' ذہن اپنے مسائل کے ساتھ اس کی فکر میں بھی الجھ جائے گا لیکن گیری کے ناگہانی ظہور اور پھر اس کی موت نے وہ گرہ دور کردی۔

مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا وجود ہلکا' بہت ہلکا ہوکر فضاؤں میں تیر رہا ہو۔ صرف وہ ماں نہیں بننے والی تھی' میں بھی باپ کے درجے پر فائز ہونے والا تھا۔ وہ پُرگداز احساس ایسا انوکھا تھا جسے میں صرف محسوس کررہا تھا' اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں تھا۔

یہ بہت مبارک شگون تھا کہ وہ خبر میرے ایک حریف کی موت کے موقع پر سامنے آئی تھی۔ حریف بھی ایسا جس سے میرا کوئی مقابلہ ہوا نہ مجادلہ۔ وہ اپنی سازشی حرکتوں میں مصروف تھا۔ اس کی فتنہ انگیزیوں کی کہانیاں ثبوتوں کے ساتھ میرے علم میں آچکی تھیں لیکن میرے پاس اس سے الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا تو میری شہ رگ کے گرد ڈان کا پھندا تنگ ہوتا چلا جاتا۔ میں نے اس سے کنی کاٹ کر نکل جانا چاہا لیکن قدرت نے مکافاتِ عمل کے آفاقی اصول کے تحت اسے دھکیل کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ شاید انسانی مقدر پر حکمرانی کرنے والی غیبی طاقت نے ہی غزالہ کے دماغ میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اپنے وجود میں پنپنے والے ایک نئے وجود کے بارے میں اپنی زبان بند رکھے تاکہ ایک خاص موقع پر مجھے وہ نوید سنا سکے۔

میرا دل اپنے رب کے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات سے یوں لبریز ہوا کہ غزالہ سے کوئی مکالمہ ہوئے بغیر میرے وجود کی گہرائیوں میں رقت کا ایک طوفان امڈ پڑا اور میری بصارت ایک آبی پردے سے دھندلانے لگی۔

ان چند لمحوں کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ میں سب کچھ فراموش کرچکا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میرے برابر والی نشست پر ایک تازہ لاش رکھی ہوئی ہے۔ میں اس وقت چونکا جب گاڑی کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں نے غیر ارادی طور پر ایک ہاتھ سے پاور اسٹیئرنگ کاٹ کر' بجیرد کو سنبھالا' دوسرے ہاتھ کی آستین سے آنکھوں کی نمی صاف کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری گاڑی اس لمحے ایک خطرناک کھڈ میں اترتے اترتے بچی تھی۔

غزالہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی میرے اس جذباتی ابال کو محسوس کررہی تھی۔ اس نے نرمی سے میری پشت سہلائی' کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹوں سے چند بے معنی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اس کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

گاڑی کے جھٹکے سے گیری کا بدن پشت گاہ سے لڑھک کر بند دروازے سے ٹک گیا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دور تک پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مطمئن ہوکر گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور ایک ہاتھ سے زور لگا کر گیری کے بھاری وجود کو کسی نہ کسی طرح گاڑی کے کشادہ پائیدان میں گرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ناگہانی جھٹکے نے اس کام کو خاصا آسان بنادیا تھا۔

غزالہ اسی لمحے اگلی نشست پر آگئی۔ گیری کی لاش اس کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

ہم دونوں کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے جیسے دونوں کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ اس تاریک ویرانے سے نیم روشن سڑک پر آنے کے بعد میں نے غزالہ کو چلتی گاڑی میں باربار نشستوں کی تبدیلی کے حوالے سے چھیڑا تو اس نے بتایا کہ ڈاکٹر نے اسے وزن اٹھانے سے منع کیا ہوا تھا۔ ہلکی پھلکی اچھل کود اس کے لیے بےضرر تھی۔

ڈاکٹر کے ذکر نے مجھے پھر چونکادیا۔ بنکاک میں اس کے شب وروز میرے سامنے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا موقع کب مل گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خریداری کے بہانے دوبار ایک تھائی گائناکولوجسٹ سے ملی تھی۔

جمود ٹوٹ گیا' باتیں چل نکلیں تو پتا چلا کہ ویرا اس کی ہمراز بنی ہوئی تھی۔ سیام پارک میں غزالہ نے اسے تخلیے میں لے جاکر اپنے دل کی بات بتادی تھی۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہم کب تک بنکاک میں رکے رہیں گے۔ ویرا خود کبھی ماں بننے کے تجربے سے نہیں گزری تھی لیکن اس نے غزالہ کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ ان ابتدائی ایام میں محتاط رہنے کے ساتھ باقاعدگی سے اپنی معالجہ سے رجوع کرتی رہے۔

مجھے یاد آرہا تھا کہ غزالہ ایک سے زائد بار سیام پارک کے گوشے میں ویرا سے ہونے والی باتوں کے بارے میں کچھ بتاتے بتاتے خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ویرا کے ساتھ مل کر

بہت کامیابی سے اپنی راز داری برقرار رکھی تھی۔
ویرا بے لگام منہ پھٹ اور موڈی خاتون تھی۔ اسے اس کی مرضی کے خلاف بولنے یا خاموش رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزالہ کے معاملے میں وہ بہت کچی نکلی۔ مجھ سے غیر معمولی بے تکلفی ہونے کے باوجود اس نے مجھے اس امر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ غزالہ تبدیلی کے کسی نازک دور سے گزر رہی تھی۔
''یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ ان میں پڑ کر آپ یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ میرے قدموں میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔'' غزالہ نے شوخی سے کہا۔
''آنے والے نے گیری کی بھینٹ لی ہے۔ فی الحال اس کے لیے وہی جگہ بہتر ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔'' میں نے سرور کے عالم میں جواب میں دیا ''ان دونوں کو لینے کے بعد اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''
''میں مشورہ دوں گی کہ پہلی فرصت میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں کوئی نالا یا کنواں تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔''
''وہ میری ابتدائی تجویز تھی۔ کہیں نرم زمین مل گئی تو رک کر اسے دفن بھی کیا جا سکتا ہے۔''
''آپ اس کے لیے ان بکھیڑوں میں کیوں پڑنا چاہ رہے ہیں؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا ''اس چکر میں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''
''اس کی لاش کا چند روز تک غائب رہنا ہمارے مفاد میں ہوگا۔'' میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا ''لاش دستیاب ہوتے ہی اس کے اعلیٰ افسران ایک قیامت کھڑی کر دیں گے۔''
''لاش چھپا کر آپ اس قیامت کو نہیں ٹال سکتے۔''
''اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ لاش ملنے کے بعد اس کے قتل کا الزام ہمارے سر آئے گا کیونکہ کسی کو ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ اگر یہ بچیر دکسی کی نظروں میں نہیں آئی تو وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم گیری کو اغوا کر کے کہیں چھپ گئے ہیں۔ وہ یہ اندازہ لگائیں گے کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں جا سکے ہوں گے۔ وہ اپنا کافی وقت ان اطراف میں برباد کریں گے۔ ناکامی کے بعد ان کی ساری توجہ بنکاک کو کھنگالنے پر مرکوز رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کمبوڈیا سے بھی نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہمارے لیے وقت بہت اہم ہے۔ لاش چھپا کر ہم یہ وقت خرید سکتے ہیں۔ کئی دن برباد کرنے کے بعد شاید وہ گیری کے قتل کے امکان پر غور کر سکیں گے۔''
''ہم اس ملعون کی وجہ سے بہت گمبھیر صورتِ حال سے دوچار ہو گئے ہیں۔''
''سامنے آ جانے کے بعد اسے مارنا ناگزیر تھا۔ مارنے کے بعد لاش کو چھپانا ہماری ضرورت بن گیا ہے۔ وہ جتنی دیر تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہیں گے، ہم ان کی دسترس سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔'' اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں آنے والے وقت کا ایک واضح خاکہ بنتا جا رہا تھا۔
''ہر دو صورتوں میں ہم دونوں ہی ان کے شکوک وشبہات کا مرکز رہیں گے۔''
''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے لیے واشنگٹن سے آج ہی فون آنا تھا۔''
''رات کے دو بجے کس کا فون آتا...... وہ بہانے بازی کر رہا تھا، کسی اور چکر میں رہا ہوگا۔''
''تم وقت کے فرق کو فراموش کر رہی ہو۔ بنکاک اور واشنگٹن کے وقت میں کم وبیش آدھے دن کا فرق ہے۔ وہاں اس وقت دوپہر ہوگی۔ چہرے مہرے سے یہ بھی اوباش اور تفریحات کا رسیا نظر آتا تھا۔ سرکاری کام نہ ہوتا تو یہ بھی روشنیاں گل ہونے کے انتظار میں وہاں رکا رہتا۔''
''کیا وہ پارٹی سورج طلوع ہونے تک چلتی رہے گی؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔
میں دھیرے سے ہنس دیا ''کبھی کبھی تم احمقانہ بات کہہ جاتی ہو۔ چاؤفان نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا خمار گہرا ہونے کے بعد صرف ساحل کی طرف جلنے والی سرچ لائٹس روشن رہیں گی۔ باقی تمام روشنیاں ڈان کے ایک اشارے پر بجھا دی جائیں گی۔''
''لعنت ہو ڈان اور اس کے مہمانوں پر۔'' وہ تیزی سے بولی ''کاش، سمندر کی کوئی اونچی لہر ان سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے۔ ان سیاہ کرتوتوں کی پردہ داری کے لیے اس دور افتادہ ویرانے کا انتخاب کیا گیا ہوگا ورنہ یہ تقریب کہیں اور بھی ہو سکتی تھی۔''
''ڈان کے دماغ میں راجن کی وائٹ ہاک گھسی ہوئی ہے۔''
وہ میرے لیے بنکاک میں ڈرائیونگ کا پہلا تجربہ تھا۔ ہم گھور اندھیرے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میرے سامنے شہر کے روشن اور کشادہ راستے پھیلے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں لوگوں کی دل بستگی کے لیے شبینہ تفریحات کے ٹھکانے نہیں

پائے جاتے تھے اس لیے ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا گہرا راج تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کے روشن قمقمے بھی تھکے تھکے اور خوابیدہ سے نظر آرہے تھے۔ مجھے وہ سب بالکل نیا نظر آرہا تھا۔ کہیں بھی کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آرہی تھی کہ جس کے سہارے میں صحیح راستے کا تعین کرسکوں۔

بس سمت کا ادراک ذہن میں موجود تھا۔ اس کے سہارے میں رکے بغیر بڑھتا جارہا تھا۔ بہ ظاہر میں غزالہ سے باتوں میں مصروف تھا مگر مجھے راستے کی فکر دامن گیر تھی۔ چاؤفان سے سب کچھ طے ہوگیا تھا۔ بس وہی ایک مسئلہ میں نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا۔

ہمارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میرے ایما پر غزالہ نے چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ میں سے تہ کیا ہوا نقشہ نکال کر اپنی گود میں پھیلا لیا۔

کیبن لائٹ کی روشنی میں مجھے محسوس ہوا کہ چاؤفان اپنے قول کے مطابق واقعی اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا مجھے نظر آتا تھا۔ اس نے ہمیں کوئی لمبا چوڑا نقشہ دینے کے بجائے ایک بڑے نقشے سے صرف وہ حصہ کاٹ لیا تھا جس پر سفر کرکے ہمیں کمبوڈیا کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔ بڑے اسکیل پر چھپے ہوئے اس نقشے میں چاؤفان کی لگائی ہوئی سرخ لکیر بہت نمایاں تھی۔ اس راستے کے قرب وجوار میں چھوٹی بڑی سڑکیں اور آبادیاں بھی بہت واضح تھیں۔

مجھے پہلے سے اس راستے کا علم نہیں تھا لیکن غزالہ سے یہ سن کر کہ ہمیں پچ بری روڈ سے ہی شمال کی طرف ایکسپریس وے پر جانا تھا' خوشی ہوئی کہ میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو صحیح مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے جانی پہچانی عمارات نظر آنے لگیں۔ میں بنکاک کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا مگر چاؤفان کے ساتھ شہر کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے میں نے ہر ممتاز عمارت اور نمایاں مقامات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی جو اس آڑے وقت میں میرے کام آئی۔

ہم شہر کے مرکزی حصے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ رات کے پونے دو بجا رہی تھی۔ پارٹی سے قدرے تاخیر سے روانگی اور کرنل گیری سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود ہمارا وقت خراب نہیں ہوا تھا۔ اس رات ہمارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ گیری جیسا چالاک اور خطرناک آدمی حالات کی بے بسی کا شکار ہوکر غزالہ کے ہاتھوں کسی میمنے کی طرح مارا گیا۔ راستوں کا علم نہ ہونے کے باوجود میں اپنی چھٹی حس کے سہارے صحیح سمت میں گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ مجھے توقع تھی

کہ وہ خوش نصیبی اس سفر میں آگے بھی ہمارا ساتھ دے گی اور ہم عافیت کے ساتھ ڈان اور تھائی قانون کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔

چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے میرے ذہن پر صرف اور صرف ڈان کی بدنیتی کا خوف سوار تھا۔ وہ اپنے مکارانہ حربوں سے مجھے بنکاک میں روک کر مجھ سے کام لینا اور میرے بارے میں مزید چھان بین کرنا چاہ رہا تھا۔ بنکاک میں قانون کی بہت سی سنگین خلاف ورزیاں کرنے کے باوجود مجھے قانون کے محافظوں کی طرف سے کوئی تشویش لاحق نہیں تھی کیونکہ وہ میری درپردہ کارروائیوں سے بے خبر تھے۔ گیری کی ہلاکت نے وہ صورتِ حال یکایک بدل دی تھی۔ اس کی گمشدگی کے بارے میں ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود مقامی پولیس واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ہماری تلاش شروع کردیتی۔

پیٹ پونگ سے پچ بری تک' شہر کے قلب میں شب بیدار رندوں کی مشتبہ سرگرمیاں پورے زوروشور سے جاری تھیں۔ ان میں ہر ملک اور ہر قوم کے مردوزن نظر آرہے تھے۔ سب کھوئے کھوئے اور خواب زدہ انداز میں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رواں دواں تھے۔ ان کے لیے رات اترنے کے بعد دن طلوع ہوتا تھا۔

گاڑی میں ایک اہم امریکی سفارت کار کی تازہ لاش لے کر بنکاک کے اس شب بیدار علاقے سے گزرنا آسان کام نہیں' میرا دورانِ خون تیز ہوچکا تھا' دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں محسوس ہورہی تھیں اور نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں کاؤبوائے کلب کے قریب کسی آوارہ گرد جوڑے کی طرح بے پروائی سے ایک دیوار سے ٹکے ہوئے تھے۔ کاؤبوائے کلب میں رات اپنے ہنگامہ خیز شباب پر تھی' فٹ پاتھ پر بھی کافی لوگ موجود تھے لیکن کوئی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

انہیں یہ علم نہیں تھا کہ میں کس گاڑی میں انہیں لینے کے لیے آؤں گا۔ جوں ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر روکی' انہوں نے ہماری ایک جھلک دیکھی اور تیر کی طرح ہماری طرف چلے آئے۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں کے شانوں پر ہلکے پھلکے سفری تھیلے جھول رہے تھے جو قلاش سیاح عام طور پر اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ہی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہوگئے اور میں نے گاڑی آگے

بڑھا دی۔

''فرار کے لیے اس سے بہتر گاڑی ملنی مشکل تھی۔'' ویرا نے بیٹھتے ہی ستائشی لہجے میں تبصرہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ جاڈفان کو اُلو کا گوشت کھلا کر تم نے اپنا مطیع بنالیا ہے۔''

''تم لوگوں کا بقیہ سامان کہاں ہے......؟ کراچی میں تو تم دونوں نے سفر کے لیے اچھے خاصے سوٹ کیس تیار کیے تھے۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے مجسس لہجے میں پوچھا۔

''یوں سمجھ لو کہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے' کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔'' خطرناک مہم درپیش ہونے کے باوجود ویرا شگفتہ موڈ میں تھی۔ اس کی بات جاری رہی ''کچھ نیویارک میں رہ گیا' چند جوڑے ٹورنٹو میں پھینک دیے' ایک تھیلا راستے میں کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے آئے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہیں' جن کے بغیر گزارہ مشکل تھا۔''

یکایک اس نے چند گہرے سانس لیے پھر تشویش زدہ انداز میں بولی ''گاڑی میں جلے ہوئے بارود کی بو کیوں آرہی ہے؟''

میں دل ہی دل میں ویرا کے تیز مشاہدے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ گاڑی میں میلوں پیچھے فائر کیا گیا تھا۔ ساری بو تیز ہوائیں اڑا لے گئی تھیں مگر اس کی حساس ناک نے گیری کے دماغ میں گھسی ہوئی گولی کی بارودی بو سونگھ لی تھی۔

''جس طرح دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے اسی طرح بارود انسانی خون میں نہا کر اپنی افادیت ثابت کرتا ہے۔'' میں نے پُرمزاح لہجے میں جواب دیا ''غزالہ کی چلائی ہوئی گولی ایک دشمن کی کھوپڑی میں پیوست ہے اور وہ اگلے پائیدان میں موجود ہے۔''

''نہیں!'' ان دونوں کے دہانوں سے گھٹی گھٹی تحیر زدہ آوازیں آئیں اور وہ ایک ساتھ اگلی نشستوں کے درمیان آگے جھک آئے۔

گاڑی میں اندھیرا تھا لیکن ایکسپریس وے کی تیز روشنیوں کا انعکاس اتنا کافی تھا کہ دونوں نے ہی غزالہ کے قدموں میں پڑی ہوئی گٹھڑی نما لاش دیکھ لی۔

''یہ کون ہے......تم اسے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟'' سلطان شاہ کے ہونٹوں سے دبی دبی مگر تیز سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ امریکیوں کا گیری دی گریٹ ہے۔ تم دونوں کی تلاش میں لگا ہوا دشمن نمبر ایک۔'' میں نے کہا ''یوں سمجھ لو کہ یہ صرف مرنے کے لیے دست بستہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔''

''تم اب بھی ان دنگلوں میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ غزالہ آج کل کس حال سے گزر رہی ہے؟'' ویرا نے بے ساختگی سے ترش لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

''گیری کے آنجہانی ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے...... تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ نے صرف پستول کا ٹریگر دبایا ہے۔ محنت کا کام میں نے خود کیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''مجھے سخت شکایت ہے کہ تم دونوں نے اپنی زبانیں بند رکھ کر میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''کیا ہوا......غزالہ کو کیا ہوگیا؟'' سلطان شاہ کی آواز کی پریشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

''غزالہ تمہاری منہ بولی بہن ہے۔ یوں سمجھ لو کہ سات آٹھ مہینوں کے بعد تم کسی کے منہ بولے ماموں بننے والے ہو۔ آئی بات سمجھ میں!'' ویرا نے منہ توڑ انداز میں جواب دیا۔

میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ ویرا کے ذہن سے میری پچھلی ملاقات کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ اس میں ذرا بھی دھیما پن نہیں آیا تھا۔

''بہت خوشی کی بات ہے کہ آج یہ خبر مل رہی ہے۔ یہ واقعہ تو آج سے بہت پہلے رونما ہو جانا چاہیے تھا۔'' سلطان شاہ کی آواز سے بے پناہ مسرت جھلک رہی تھی ''مبارک ہو......میری طرف سے تم سب کو مبارک ہو۔ اب ہم اپنی گود میں ڈینی کے بچے کو کھلائیں گے۔''

''ڈینی کا بچہ کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' ویرا کھلکھلا کر ہنس دی ''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بچی بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم لوگوں نے کیا خرافات شروع کر دیں۔'' غزالہ جھنجلائی ہوئی آواز میں بولی ''کیا ہم اس لاش کو یوں ہی اپنے سینے سے لگائے پھرتے رہیں گے؟''

''ہاں' اس کی کہانی سناؤ۔'' ویرا بولی ''اس جیسا مکّار اور موذی شخص کسی دھوم دھڑکے کے بغیر اتنی آسانی سے تمہارے چنگل میں کیسے آ پھنسا؟''

وہ بہت مختصر سا واقعہ تھا۔ میں نے پوری جزئیات کے ساتھ ان دونوں کے سامنے دہرا دیا۔ ساتھ ہی انہیں اپنے تحفظات اور اندیشوں سے بھی آگاہ کر دیا۔

''فی الوقت تمہارا اندیشہ بے بنیاد ہے۔'' ویرا نے پوری بات سن کر فیصلہ کن انداز میں اپنی رائے دی۔ ''اس ویران سڑک پر گیری کی خراب گاڑی دریافت ہوگی اور اس کا کہیں پتا

نہیں چلے گا تو ہر طرف بھونچال ضرور آئے گا لیکن کسی کو بھول کر بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔ تم بتا رہے ہو کہ پارٹی میں ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ڈان سمیت سب لوگ نشے کے خمار میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ گیری کی گاڑی دریافت ہونے تک سب ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکے ہوں گے۔ ہر شخص گیری سے ہمدردی ظاہر کرتا ہوا اپنے گھر جا کر سو جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کا راز اس وقت کھلے گا جب ڈان ہوش و حواس میں آنے کے بعد کسی ضرورت کے تحت تم سے رابطہ کرنا چاہے گا اور تم کہیں دستیاب نہ ہو گے۔ دونوں الگ الگ واقعات تصور کیے جائیں گے۔ ڈان تمہیں تلاش کرے گا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ گیری تم دونوں کو اغوا کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ گاڑی خراب ہونے پر اس نے کوئی متبادل تلاش کر لیا ہوگا۔ تمہاری ذات میں گیری کی دلچسپی ڈان کے علم میں آ چکی تھی۔ منفی سمت میں مت سوچو۔ ڈان کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کئی دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مہلت غنیمت ثابت ہوگی۔ اصل نکتہ وہی ہے جو تمہارے ذہن میں جما ہوا ہے۔ کسی کو گیری کی لاش کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ لاش سامنے آنے سے پورا کھیل بگڑ جائے گا۔''

تعداد میں دو سے چار ہوتے ہی صورتِ حال حوصلہ افزا نظر آنے لگی۔ سب کچھ جوں کا توں تھا لیکن میرے ذہن سے دباؤ دور ہو گیا۔ ہم چاروں ایک مدت کے بعد بے تکلفانہ فضا میں یکجا ہوئے تھے۔ ماحول میں عجیب جوش اور گرم جوشی پائی جا رہی تھی۔

پیچ بری سے ایکسپریس وے سیدھی جا رہی تھی۔ اس پر لاش کو کسی محفوظ مقام پر ٹھکانے لگانے کا موقع ملنا محال تھا۔ بنکاک کے مضافاتی رہائشی علاقے میں سڑک کے کنارے تھائی اور انگریزی زبانوں میں لگے ہوئے بورڈ سے علم ہوا کہ وہاں سے آگے اس سپر ہائی وے کا نام شاہ راہِ دوستی ہو گیا تھا۔ وہ علامات دیکھتے ہی ویرا نے غزالہ سے نقشہ لے لیا اور پورے انہماک سے ہمارے سفر کے مجوزہ راستے کے مطالعے میں جٹ گئی۔

سلطان شاہ نے غزالہ سے باتیں شروع کر دیں۔ ہم سب چار جان ایک قالب تھے۔ ہمارے درمیان کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی تھی۔ غزالہ اسے جلال کی کمبوڈیا میں متوقع آمد اور اس کے دیے ہوئے نئے ناموں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ویرا بہ ظاہر اپنے کام میں لگی ہوئی تھی لیکن درمیان میں لقمے دیتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر کی دماغ سوزی کے بعد ویرا نے بتایا کہ اس وقت ہم لوپ بوری کی سمت میں جا رہے تھے۔ جہاں سوبھراج کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوا تھا۔ لوپ بوری سے کافی پہلے پھرانا خون (PHIRA NAKHON) نامی قصبے سے ہمیں سپر ہائی وے سے اتر جانا تھا۔ اس نئی سڑک کا نام شاہ راہ دوستی تھا جو متعدد شہروں اور قصبوں سے ہوتی ہوئی کمبوڈیا میں داخل ہو جاتی تھی۔

سپر ہائی وے پر لگے ہوئے سائن بورڈ کے بارے میں غلط فہمی دور ہونے سے مجھے اطمینان ہوا کہ پھرانا خون کے بعد ہم گیری کے ناپسندیدہ بوجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نکال سکیں گے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی آرام دہ اور تیز رفتار مسافت کے بعد ہمیں پھرانا خون کے نشانات نظر آنے شروع ہو گئے۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں باری باری گیری کی لاش کا دیدار کر لیا تھا۔

اس کی کنپٹی پر چھوٹے سے زخم کے گرد خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اس کی موت واقع ہونے کی وجہ سے زخم سے خون بہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے مرے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے لاش کے جوڑ بہ دستور نرم تھے۔

سپر ہائی وے پر رات گہری ہو جانے کے باوجود مال بردار ٹرکوں اور ٹریلروں کی خاصی آمد و رفت جاری تھی۔ اس دوران میں ہمیں گنتی کی چند گاڑیاں آتی جاتی نظر آئیں۔ ان میں لوگ شاید کسی ہنگامی ضرورت کے تحت سفر پر نکلے تھے۔

پھرانا خون کی آبادی خاصی وسیع تھی۔ ہائی وے کی بلندی سے شہر کی خواب ناک روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم سپر ہائی وے سے بائیں طرف شاہ راہ دوستی پر اترے تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ ہمارے سفر کا ایک مرحلہ خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

ہم آبادی کے بیرونی سرے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ وہ سڑک بھی کشادہ اور ہموار تھی۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ سپر ہائی وے کے مقابلے میں اس روٹ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

پھرانا خون کی آبادی سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ میری نگاہیں کوئی مناسب مقام تلاش کر رہی تھیں جہاں گیری کی لاش کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔

''تمہیں اپنے چاؤ چان پر پورا بھروسا ہے؟'' اچانک ویرا سوال کر بیٹھی۔ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اس کا نام چاؤ چان نہیں چاؤفان ہے۔ ابھی تک وہ اپنے قول کا دھنی ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈان کا ایک پرانا نمک خوار یکایک تمہارا ہمدرد کیوں بن گیا؟''

وہ بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔ جب میں نے اسے سمجھایا کہ بنکاک میں میری موجودگی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ میری مدد کر کے اس نے وہ رکاوٹ دور کرنے کی ایک بے ضرر کوشش کی تھی تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی ورنہ وہ کمبوڈیا جانے کے بجائے کہیں اور روپوش ہو جانے کی تجویز لیے بیٹھی تھی تاکہ چاؤفان کو بھی ہماری اگلی منزل کا سراغ نہ مل سکے۔

پھر انا خون سے کافی دور آنے کے بعد مجھے سڑک کے دونوں طرف چھدرے درختوں سے گھرا ہوا ویرانہ نظر آیا۔ اس وقت ہمارے آگے پیچھے' دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے ان تینوں کو ہوشیار کیا اور گاڑی دھیمی کر کے سڑک سے نیچے اتار دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کے شامل ہونے کے بعد مجھے جو اطمینان حاصل ہوا تھا' وہ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ دوبارہ اعصابی دباؤ میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ راستے اجنبی تھے۔ آگے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ہمیں کہاں موقع میسر آ سکے گا۔ بہتر یہی تھا کہ پہلی فرصت میں گیری کی لاش سے نجات حاصل کر لی جائے۔

''اس ویران جنگل میں اتر تو رہے ہو' ذرا واپسی کا خیال بھی رکھنا۔'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں مجھے ٹوکا ''ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر واپس لوٹ جائیں۔''

''یہ تمہاری بھی برابر کی ذمے داری ہے' ذرا سمتوں کا خیال رکھنا۔''

''اس جنگل میں کیا گیری کی لاش کو کسی پیڑ پر لٹکانے کا ارادہ ہے؟''

''اور کچھ نہ ہو سکا تو یہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ابھی لمبا سفر باقی ہے۔ کہیں نہ کہیں بہتر موقع مل جاتا۔ غزالہ کا پیر بھاری ہو چکا ہے۔ گیری نکل کر کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ یہاں دور تک سپاٹ میدان نظر آ رہا ہے۔ گاڑی یہیں سے سڑک کی طرف موڑ لو۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں رائے زنی کی۔

''اس چکر میں ہم سرحد تک پہنچ جائیں گے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

کچھ زمین ناہموار تھی' بے ترتیبی سے اگے ہوئے درختوں کے درمیان راستہ بنانے کے لیے تھوڑی سی دشواری ہو رہی تھی۔ گاڑی ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی۔

''روکو...... گاڑی روک دو!'' یکایک سلطان شاہ چلایا اور میں نے گھبرا کر بریک لگا دیے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور سسپنشن پر جھول کر رہ گئی۔

''کیا تمہیں اپنے گاؤں کی کوئی بدروح نظر آ گئی؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''میرے گاؤں کی نہیں' امریکی ہے۔'' اس نے بے رخی سے جواب دیا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میری ساری توجہ گاڑی کے راستے پر مرکوز تھی۔ سلطان شاہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دونوں اطراف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ زمین میں ایک تازہ گڑھا دیکھ کر اس نے گاڑی رکوائی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کیا۔ ہیڈ لیمپس روشن رہنے دیے اور سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ ویرا بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

میں نے دور ہی سے وہ گڑھا دیکھ لیا جس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی رکوائی تھی۔ وہ کوئی لمبا سا گڑھا تھا جس کے کناروں پر مٹی کا خاصا ڈھیر جمع تھا۔ میں نے بے اختیار سلطان شاہ کو شاباش دی اور لپک کر گڑھے کے کنارے پہنچ گیا۔

وہ زمین پر نیم گولائی میں خاصا بڑا گڑھا تھا جو کسی قدرے بڑے چوپائے نے اپنے آرام کے لیے زمین میں کھودا تھا۔ مٹی کے ڈھیر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک دو دن سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔

''یہ تو گیری کی بنی بنائی قبر ہے۔'' وہ جگہ دیکھتے ہی ویرا بے ساختہ بولی ''ذرا سی محنت سے اسے گہرا اور چورس کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سما جائے گا۔''

ہمارے پاس زمین کھودنے کا کوئی اوزار نہیں تھا مگر میں وہ موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے گاڑی وہیں گھمالی۔ ہیڈ لیمپس کا جلتے رہنا خطرناک تھا۔ وہ مشکوک روشنی سڑک سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بعد تاروں کی روشنی ناکافی محسوس ہوئی۔ چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا گیا تو اس میں جیبی ٹارچ کے ساتھ ایک طاقتور سرچ لائٹ اور مضبوط رسی بھی موجود تھی۔

ہم نے گیری کی نرم لاش پائیدان سے وہیں گرا کر سیدھی کی۔ رات کے پُرہول اندھیرے میں اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں خوف آور انداز میں ہماری طرف نگراں تھیں۔ ویرانے پھریری لے کر اس کے بےنور چہرے پر اپنا اسکارف ڈال دیا۔

ہاتھوں کی مدد سے اس گڑھے کو لمبا اور ہموار کرنے کے کا کام شروع کیا گیا تو غزالہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ویرانے سختی سے اسے روک دیا۔ اس کا کام صرف روشنی دکھانا تھا۔

سطح ٹوٹ جانے کے سبب اندر کی زمین قدرے نرم تھی مگر اتنی بھی نرم نہیں تھی کہ ہم کسی جنگلی درندے کی طرح اسے تیزی سے کھرچ لیتے۔ سلطان شاہ ابتدا میں ٹرانسپورٹ لائن سے وابستہ رہا تھا۔ وہاں اس کا پرانا تجربہ کام آیا۔ وہ پجیرو کے ٹول بکس میں سے جیک راڈ اور پیچ کس نکال لایا۔ ان اوزاروں کی مدد سے کام کی رفتار تیز ہوگئی۔

ویرا کی سفاکانہ تجویز تھی کہ گڑھے کو لمبا کرنے کے بجائے لاش کی ٹانگیں کاٹ کر اسے گڑھے میں ٹھونس دیا جائے۔ ہم میں سے کوئی اس کام پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تک گیری زندہ تھا' میرا ناپسندیدہ شخص تھا لیکن ہلاکت کے بعد اس کی لاش کی بےحرمتی کرنا مناسب نہ ہوتا۔

سرسری طور پر وہ کام جتنا آسان نظر آرہا تھا' عملی طور پر اس سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ تقریباً پون گھنٹے کی کڑی محنت کے بعد جب ہم تینوں تھک کر پسینوں میں نہا گئے تب وہ گڑھا اس قابل ہوا کہ اس میں لاش اتاری جاسکے۔

انسان جب تک زندہ رہتا ہے' اپنی ذات کے فسوں میں ایسا گرفتار رہتا ہے کہ دنیا کی کسی شے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مال وزر اور آرام وآسائش کے حصول کی دوڑ میں جائز وناجائز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی راہ میں آنے والوں کو کچل کر آگے بڑھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اس زندگی کا آخری انجام ہمارے سامنے تھا۔ گیری کا رسوخ اس کے کام آیا تھا نہ شہ زوری اسے بےبسی کی موت سے بچا سکی تھی۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کمایا تھا' وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس منزل پر اتنا تہی دست اور تہی دامن تھا کہ اسے ڈھنگ کی تدفین بھی نصیب نہیں ہوسکی تھی۔

لاش کو گڑھے میں ڈال کر میں نے ویرا کے اسکارف کا غور سے معائنہ کیا۔ اس پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو اس کا سراغ ثابت ہوسکے۔ لاش گڑھے میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ اسے ہلانا جلانا مشکل تھا۔ اسے پہلو کے بل لٹانے کے لیے گڑھے کو مزید کئی انچ گہرا کرنا پڑتا جو ہم تینوں کے بس سے باہر تھا۔ میں نے اسی حالت میں گیری کے چہرے پر پڑا کا اسکارف ڈالا اور اس پر مٹی گرانی شروع کردی۔

مٹی ڈالتے ہوئے ہم محتاط تھے کہ ہمارے چہرے اور کپڑے زیادہ گردآلود نہ ہوں۔ ساری مٹی پھیلانے کی کوشش میں اس مقام پر ایک نمایاں ابھار پیدا ہوچکا تھا۔ اس وقت ویرانہ جانے کس رو میں تھی کہ اس نے پجیرو کے ٹائروں سے اس مقام کو ہموار کرنے کا مشورہ پیش کردیا۔ اس بربریت کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ ہر ایک کی بس اتنی سی خواہش تھی کہ جنگلی درندے دو تین روز تک اس نرم زمین کو ادھیڑ کر گیری کی لاش باہر نہ کھینچیں۔

گاڑی میں موجود کولر کے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھونے میں غزالہ نے ہماری مدد کی۔ وہاں سے تازہ دم ہوکر ہم گاڑی میں سوار ہوئے تو ویرانے واپسی کے راستے کا مسئلہ کھڑا کردیا۔ لاش کی جبری تدفین کے کام میں الجھ کر کسی کو ہوش نہیں رہا تھا کہ ہم کدھر سے آئے تھے۔

اس مرحلے پر غزالہ نے گاڑی سے اتر کر ٹائروں کے نشانات دیکھے اور ان کے سہارے ہمارا قافلہ سڑک کی طرف روانہ ہوگیا۔ چند منٹ میں ہم دوبارہ سڑک پر محوِسفر تھے۔

راستے میں چھوٹی موٹی آبادیاں آتی اور گزرتی رہیں۔ ہر جگہ خواب ناک سناٹا نظر آیا۔ راستے میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں رک کر ستایا جاسکے۔ کچے پکے مکانات' جھونپڑیوں اور ٹمٹماتی ہوئی روشنیوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اصل تھائی لینڈ وہی ہے۔ بنکاک اور دوسرے مشہور تفریحی مقامات کا سجا سجایا چہرہ سیاحوں کی دل بستگی کے لیے تیار کیا گیا تھا' جس کی اس ملک کی حقیقی معاشرت اور معیشت سے دور کی بھی نسبت نہیں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان تفریحی مقامات کے لیے زندہ خام مال ان قریبی آبادیوں سے ہی فراہم کیا جاتا تھا۔

بسکٹوں کے پیکٹ کھول کر تھرموس سے گرم گرم چائے پیتے ہوئے ہم سب کے دلوں سے چاؤفان کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں جس نے اس اکتا دینے والے سفر کے لیے ہماری ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔

چائے نوشی کے بعد میں نے سگریٹ سلگالی۔ میں نوٹ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے بعد ویرا ایک بار بھی سگریٹ نہیں سلگائی تھی جبکہ اپنی عادت کے مطابق اسے اتنی دیر میں چار پانچ سگریٹیں پھونک دینی چاہیے تھیں۔ مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کو سگریٹ پیتی ہوئی عورتیں زہر لگتی تھیں۔ وہ انہیں مرد مار بلکہ مردخور تصور کرتا تھا۔ مجھے

ہور ہا تھا کہ اس کی سخت ناپسندیدگی کی وجہ سے شاید ویرا نے اپنی وہ عادت ترک کردی تھی۔ وہ مسئلہ اتنا نازک تھا کہ اسے مذاق کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں شدید خواہش ہونے کے باوجود اس بارے میں ویرا سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

سفر کی ابتدا سے ہی میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔ سکون میسر آیا تو مجھے یاد آیا کہ ویرا مسلمان ہو چکی تھی اور اس نے مجھے اپنا سرپرست تسلیم کرلیا تھا۔ سلطان شاہ ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ ویرا کی موجودگی میں سلطان شاہ سے اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں تھی۔ وہ کوئی تلخ بات کہہ جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ویرا کی طرح اس سے بھی علیحدگی میں بات کی جاتی۔ اس کے لیے ہمارا سفر ختم ہونے کا انتظار ضروری تھا۔

ویرا نے ہمارا سفری نقشہ غزالہ سے لیا تو لوٹانے کے بجائے اس پر قبضہ کرکے بیٹھ گئی۔ وہ وقفے وقفے سے اس کا جائزہ لے کر اعلان کررہی تھی کہ ہمارا سفر صحیح سمت میں جاری تھا۔ ہم جن نشانات یا آبادیوں سے آگے نکل آئے تھے' وہ انہیں نقشے پر کاٹتی جارہی تھی تاکہ ایک نظر میں بقیہ مسافت کا اندازہ ہو سکے۔

نقشے کے مطابق آخری منزل میں ہمیں مشرق کی طرف بڑھتے چلے جانا تھا۔ رفتہ رفتہ سامنے پوپھٹنے کے آثار نظر آنے لگے۔ صبح ہونے والی تھی اور ہم بہ دستور تھائی لینڈ کی حدود میں تھے۔ اس وقت ویرا کو اچانک موبائل فون کا خیال آیا۔ میں نے بٹن دبا کر اس کی اسکرین روشن کی تو سگنل کا اشارہ غائب تھا۔

بنکاک میں دنیا کی ہر سہولت اور آسائش میسر تھی لیکن تھائی لینڈ کا وہ دور افتادہ سرحدی علاقہ اس وقت بھی موبائل فون جیسی سہولت سے محروم تھا۔ اس وقت ڈان یا جاذفان کا نمبر ملانے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی' لے دے کر طارق ہی ایسا شخص تھا جس کی نیند میں خلل ڈال کر ذرا سی معذرت کرلی جاتی تو کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہوتا۔

میں نے طارق کا نمبر ملایا لیکن لائن پر سکوت چھایا رہا۔ وہاں آنے کے بعد ہمارا مقامی موبائل فون ناکارہ ہو چکا تھا۔ اوّل خان کے دیے ہوئے فون کے بارے میں مجھے امید تھی کہ تھائی لینڈ کے لیے رومنگ موجود ہونے کی وجہ سے وہ شاید کمبوڈیا میں بھی کارآمد رہے۔

سات بجے سورج کی تیز روشنی میں ہم ساکیو نامی آخری قصبے کے قریب سے گزرے تو اندازہ ہوا کہ ہم گیری کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی افتاد میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے تو ہمارا سفر سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد ہمیں لکڑی کے ٹیڑھے میڑھے کھمبوں سے لگی ہوئی خاردار تاروں کی باڑ نظر آنے لگی جہاں تھائی لینڈ کی سرحد ختم ہو رہی تھی۔ اس باڑ کے درمیان ایک رسمی سی عارضی رکاوٹ موجود تھی۔ اس سرحدی شان وشوکت کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا جو واہگہ پر سرحد کے دونوں طرف نظر آتی ہے۔

سرحدی باڑ سے کچھ پہلے ٹین کی چھت والا ایک پختہ کمرا بنا ہوا تھا جس پر تھائی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ آویزاں تھا۔ دور سے وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈھیلی ڈھالی وردی میں ملبوس ایک مدقوق سا آدمی باہر نکل آیا۔

غزالہ نے اسے دیکھتے ہی سوسو ڈالر کے چند نوٹ مجھے تھما دیے۔

صورت سے نظر آرہا تھا کہ سرحدی ویرانے میں دنیا سے کٹ کر ڈیوٹی سرانجام دینے والا وہ شخص اپنی زندگی سے بے زار تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔ میں اس سے پہلے رفتار کم کر چکا تھا۔

اس کے پاس گاڑی روک کر میں نے ادب سے اپنے سر کو ذرا سا خم دیا اور تین نوٹ مٹھی میں دبا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نوٹوں کی مالیت پر ایک نظر ڈالی اور گننے کی زحمت کیے بغیر انہیں اپنی جیب میں اڑس لیا۔ ہمارے چہروں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تھائی زبان میں کہا جانے والا ہر کلام نرم ونازک ہم پر بے اثر رہے گا۔ وہ زبان ہلائے بغیر مست خرامی سے رکاوٹ کی طرف چل دیا۔ میں گاڑی روکے اس کی ہدایت کا انتظار کرتا رہا۔

اس نے رسی سے بندھا ہوا بانس کا سرا کھولا تو وہ دوسرے سرے پر بندھے ہوئے بھاری پتھر کے بوجھ سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ بانس کو دوبارہ نیچے لانے کے لیے اس نے رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی کے انجن کی آواز کے باوجود اس نام نہاد امیگریشن چیک پوسٹ سے کوئی اور شخص باہر نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تھائی لینڈ کے حکمرانوں نے اس اکلوتے شخص کو جملہ اختیارات سونپے ہوئے تھے۔

اس نے اشارہ کیا اور اگلے لمحے میں ہم تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ تین سو ڈالر میں وہ سودا برا نہیں تھا۔

مجھے خیال تھا کہ رکاوٹ سے گزر کر ہم اس غیر جانب دار سرحدی پٹی سے گزریں گے جس پر دونوں میں سے کسی ملک کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

جب آگے بنے ہوئے زیادہ خستہ حال کمرے کی اوٹ سے ایک شخص کچھ چباتا ہوا نمودار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہاں نومینز لینڈ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ رسی سے بندھے ہوئے بانس نے اس خطۂ زمین کو دو الگ الگ ملکوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

میں نے اس کے قریب گاڑی روکی تو اس نے کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال کر پھرتی سے انجن بند کیا اور چابی اپنی تحویل میں لے لی۔ میں نے پچھلے تجربے کے مطابق سو ڈالر کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنے منہ میں موجود خوراک کو نگلتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا لیکن اس نے نوٹوں کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور دماغ پر یہ دہشت سوار ہوگئی کہ شاید ہمارا واسطہ کسی ایماندار کمبوڈین اہلکار سے پڑ گیا تھا۔

وہ کوشش کے باوجود اپنا دہانہ پوری طرح خالی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ میری بے چارگی کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے ہاؤ مچ کہا تو میری جان میں جان آئی۔

میں نے اسے تین سو ڈالر بتائے تو اس کا منہ بن گیا۔ انگریزی کے معاملے میں وہ بے چارہ بالکل یتیم تھا۔ اسے لین دین میں استعمال ہونے والے گنے چنے الفاظ اور گنتی کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں جملہ الفاظ اور متعدد ہندسوں کو یکجا کرکے تے کرنے کے انداز میں ایک مختصر سی تقریر کرڈالی جس کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

میں اس سے اپنی کم علمی بلکہ جہالت کا اعتراف کرنے والا تھا کہ پیچھے سے ویرا بول پڑی۔ اس نے جلدی جلدی بتایا کہ وہ ایک ہزار ڈالر فی کس کے حساب سے مبلغ چار ہزار ڈالر کا طلب گار تھا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ میں مطلوبہ رقم دے کر اس کا منہ کالا کروں۔ ڈالر کم ہوں تو اس سے لے لوں۔ وہ مول تول سے چڑ کر قانونی موشگافیوں پر اتر آیا تو ہم لبِ سرحد ہی درگور ہو جائیں گے۔

چاؤ فان نے مجھے کمبوڈیا میں داخلے کی رشوت کی شرح سو ڈالر فی کس بتائی تھی۔ وہ شاید دونوں طرف کے مقامیوں کے لیے رعایتی شرح تھی۔ ہم چاروں واضح طور پر بیرونی مخلوق نظر آرہے تھے۔ دکان دار سے سرکاری اہلکار تک باہر سے آنے والوں کی کھال ادھیڑنا اور اپنا حق طلب کرنا اپنا اخلاقی اور قومی فرض تصور کرتے ہوں گے۔ ہمارے لیے وہ شرح یکا یک دس گنا بڑھا دی گئی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ہم کسی خستہ حال گاڑی کے بجائے شاندار پجیرو میں سفر کررہے تھے۔

ویرا نے مشورہ دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ڈالر گننا شروع کردیے تھے۔ کمبوڈین اہلکار کی حریصانہ نظریں میرے چہرے سے ہٹ کر ویرا کے ڈالروں پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

اس نے گنتی کرنے کے بعد نوٹ میری طرف بڑھائے۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے کمبوڈین نے وہ گڈی جھپٹ لی۔ ساتھ ہی اس نے میری چٹکی سے تین سو ڈالر بھی اچک لیے اور چابی میرے حوالے کرکے ہمیں اپنے ملک کے طول و عرض میں گھومنے پھرنے کی اجازت عطا کردی۔

تھائی اہل کار کی طرح اس نے بھی نوٹ گنے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ تاروں کی ایک معمولی باڑ کے آرپار نرخوں میں ایسا زمین آسمان کا فرق تھا۔ ترقی یافتہ شہروں کے مقابلے میں دور دراز اور پس ماندہ سرحدی علاقوں کے وہ طور طریقے میرے لیے حیران کن تھے۔

''تیزی سے نکل چلو۔'' ویرا نے میری پشت پر ٹہوکا دیتے ہوئے کہا ''میں نے اس مردود کو صرف ہزار ڈالر دیے ہیں۔ اس نے گن لیے تو تمہیں روک لے گا۔''

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

سرحد پار کرنے کے چکر میں ہم مجموعی طور پر ایک ہزار چھ سو ڈالر کے خسارے سے دوچار ہوچکے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بڑی رقم تھی۔ ہم حالات کے چنگل میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا تو ہم وہ بھی ادا کرنے پر مجبور ہوجاتے۔

یہ بڑی بات تھی کہ اس رشوت کے عوض ہم سے ہمارے کاغذات کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا نہ مسروقہ گاڑی کی ملکیت کا ثبوت طلب کیا گیا۔ ہم اپنے ساتھ چوری کی ایک بیش قیمت گاڑی کمبوڈیا میں لے آئے تھے جسے سرحدی چور بازار میں بیچ کر ہم آسانی سے اپنا نقصان پورا کرسکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا قیمتی سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز معاندانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے جاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت جاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے ایجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے جاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آکر میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ جب تک میں بنکاک میں موجود ہوں ڈان اسے اپنا دست راست نہیں بنائے گا جبکہ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد ڈان مجبور ہوگا کہ اسے آگے لائے اور اپنا نمبر دو بنا ڈالے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ ڈان کے خلاف میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ سے کمبوڈیا جانے کا تھا۔ دوسری طرف ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت پروان چڑھ چکی تھی پھر اچانک ویرا نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے مجھے ششدر کر ڈالا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ سلطان شاہ سے شادی پر آمادہ ہے۔ یہ حقیقی خوشی تھی جو ان ناگفتہ حالات میں مجھے ملی تھی۔ ہمارے فرار کا منصوبہ تیار تھا۔ ڈان کے اپنی حیثیت کی بحالی کی خوشی میں پارٹی کا بندوبست کیا تھا۔ مجھے وہیں سے اسے جل دے کر نکلنا تھا۔ پارٹی زوردار تھی اور اس میں کرنل گیری بھی موجود تھا۔ میرا اس سے تعارف ہوا وہ مجھ سے ڈیلی کے حوالے سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہم وہاں سے نکلے تو راستے میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی اس کی موت اسے ہمارے راستے میں لے آئی تھی۔ اسے واصل جہنم کر کے ہم نے سلطان شاہ اور ویرا کو ساتھ لیا اور کمبوڈیا کی طرف روانہ ہو گئے۔

آخری قسط کے واقعات

مشرق بعید کے اس حصے میں ترقی اور خوش حالی کے سارے مظاہر سیکڑوں میل پیچھے رہ گئے تھے۔ جو چمک دمک بنکاک میں نظر آتی تھی۔ وہ شہر سے نکلنے کے بعد عنقا ہو گئی تھی۔ ہر طرف کچے پکے مکانات دیہاتوں کی صورت میں بکھرے ہوئے نظر آئے جن کے درمیان کہیں کوئی پرشکوہ عمارت یا یادگار نمایاں نہیں تھی۔ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے اس علاقے کی پس ماندگی کا احساس اور بھی نمایاں ہو رہا تھا کیونکہ تاریک آبادیوں میں کہیں کہیں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ وہاں بیشتر علاقوں میں بجلی تک دستیاب نہیں تھی۔ ہم بنکاک سے جوں جوں دور ہوتے چلے گئے، تھائی لینڈ کی ترقی کا تصور دھندلاتا چلا گیا۔ اس ملک میں اگر کوئی تعلیمی یا معاشی ترقی ہو رہی تھی تو اس کے ثمرات صرف اس اشرافیہ تک محدود تھے جس کے نمائندوں کو ہم ڈان کی محفل طرب ونشاط میں ہوش وخرد سے بے گانہ ہو کر حیوانی جبلتوں کی تسکین میں مبتلا چھوڑ آئے تھے۔ دور افتادہ مقامات پر رہنے بسنے والے عام لوگ ترقی کے فیوض سے ناآشنا تھے۔ دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح تھائی لینڈ میں بھی گنے چنے امرا اور سرکاری اہل کار پھل پھول رہے تھے۔ کرپٹ اہل...

کاروں اور حریص اشرافیہ کی بدمعاشی سے حاصل ہونے والی معاشی ترقی کو بھی شماریاتی گورکھ دھندوں میں الجھا کر پورے ملک کے باشندوں کی ترقی کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا۔

سرحد پار کرنے کے بعد ترقی کا رہا سہا تاثر بھی جاتا رہا۔ طویل مدت تک خانہ جنگیوں اور جنگی آزمائشوں میں مبتلا رہنے والے کمبوڈیا کا دور افتادہ سرحدی علاقہ غربت اور پس ماندگی کی عبرت اثر تصویر پیش کر رہا تھا۔ دھان پان جسموں اور بوسیدہ لباسوں والے کمبوڈین دہقان اپنی زبانِ حال سے وہ سب بتا رہے تھے جو کسی خبر یا رپورٹ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتا تھا۔

زمین پر بانس کی رکاوٹ کی صورت میں بنی ہوئی سرحدی لکیر سے ہمارا فاصلہ بڑھتا رہا۔ کچھ دیر تک ویران علاقے میں سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

ویرا نے بنکاک سے سفر کی ابتدا میں غزالہ سے نقشہ لے کر اس پر یوں قبضہ جمایا تھا کہ کسی اور کو اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ راستے بھر اس سفری نقشے کا جائزہ لے کر گاہے گاہے مشورے دیتی رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ

کرتے ہوئے اندازہ لگایا کہ چاؤ فان نے ہماری رہنمائی کے لیے نقشے پر سرخ لکیر نہ لگائی ہوتی تب بھی راستہ بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا، پھرانا خون سے آگے صرف ایک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سڑک سرحد تک چلی آئی تھی جس سے راستے میں جا بہ جا بہت سے کچے راستے ملے ہوئے تھے۔ اس اکلوتی سڑک پر بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آبادی کے موہوم سے آثار نظر آتے ہی ویرا نے نعرہ لگایا کہ ہم سیسو پھون پہنچنے والے تھے۔

''اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے۔ سفر کرتے ہوئے دیر سویر ... اس قصبے کو آنا ہی تھا۔'' سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''اس طرح سپاٹ انداز میں سوچو گے تو زندگی اور موت کی بھی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ ویرا نے چیخنے کے بجائے متانت سے جواب دیا'' زندگی ایک مخصوص عمل کے نتیجے میں جنم لیتی ہے اور ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ ایک دن مرنا ہوتا ہے۔ تمہاری سوچ کے مطابق کسی کے پیدا ہونے یا مرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔''

''یہی اس زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے جسے ہم زندگی بھر بھولے رہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ ''آخری وقت سامنے آتا ہے تو ہم یکا یک صدمے اور دہشت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔''

''یہ معاملات اتنے سہل اور سیدھے نہیں ہیں جتنا تم بیان کر رہے ہو۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے تبصرہ کیا'' تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ راجن اور گیری کے مرنے پر مجھے کیسی خوشی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی ڈینی کے دل سے پوچھو کہ اسے باپ بننے کی خبر سن کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

ویرا شاید دلوں کے بھید جان لیتی تھی۔ اس نے وہ بات کہہ ڈالی جو میں سوچنے کے باوجود اپنی زبان پر نہیں لا سکا۔ زندگی اور موت کا فلسفہ اتنا غیر اہم نہیں تھا جتنا سلطان شاہ نے بتایا تھا۔ مجھے غزالہ کی کوکھ میں پنپنے والی نئی زندگی کی اس سے کہیں زیادہ خوشی تھی جتنی اپنے مضبوط حریفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے حاصل ہوئی تھی۔

ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی، میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ اگر دشمنوں سے جاں گسل معرکہ آرائی کے دوران ہمارے گھر کوئی نو مولود آ گیا تو اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا بہت صبر آزما حالات میں کی تھی۔ باپ کے سائے سے محرومی کے بعد سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے ستم جھیلے، گھر سے در بدر ہوا اور ان ہی حالات میں اپنی سگی ماں کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ میری زندگی کا سیاہ ترین دور تھا جب آسمان مجھے اپنا دشمن نظر آ رہا تھا اور زمین مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔

اپنا آبائی شہر لاہور میرے لیے اجنبی ہو گیا جہاں دور دور تک مجھے ایسی کوئی سایہ دار ہستی نظر نہیں آتی تھی جس کی محبت اور شفقت کے سائے میں، میں زندگی کی کٹھن راہیں حوصلہ مندی سے طے کر سکوں۔

ماں اور باپ کو کھو دینے کے بعد انسان دنیا میں کس طرح خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ مجھے اس کا خوب تجربہ تھا۔ اس ہولناک اور اندر سے توڑ پھوڑ دینے والے تجربے کے بعد میں تہی دست کراچی آیا اور اس شہر نے مجھے قبول کر لیا۔

شی میں میری شمولیت مجھے ایک تازہ خواب کی طرح یاد تھی۔ ہیروئن کس طرح بازار میں متعارف ہوئی اور گھر گھر پھیلتی چلی گئی، میں اس عمل کا عینی شاہد بلکہ اہم کارگزار تھا۔ میرے سامنے انتخاب کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میری مفلسی اور مجبوریوں کی بھاری قیمت تھی جو میں نے آسان جان کر خوشی سے ادا کی پھر میں شی کی مقامی تنظیم میں ایک اہم رتبے تک پہنچ گیا۔

شاید میں عمر بھر اسی رو میں بہہ کر ایک خطرناک منشیات فروش کے طور پر اپنی زندگی کا سفر گزار کر کسی بھیانک انجام سے دوچار ہوتا مگر میرا ضمیر زندہ تھا، دل و دماغ کے نہاں خانوں کے کسی گوشے میں خیر و شر کی تمیز موجود تھی جسے میں نے اپنی مجبوریوں کے تحت تھپک تھپک کر سلا دیا تھا مگر وہ میرے وجود میں اندر ہی اندر جان پکڑتی رہی۔

جب اوپر والوں نے میرے جگری دوستوں اور شی کے بااثر کارندوں کو نگلنا شروع کیا تو میرے وجود پر شر کی گرفت کمزور ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گناہ فروشوں سے میری کھل کر ٹھن گئی۔ وہ میرے ملک میں میرے ہم وطنوں سے موت کی سوداگری کر رہے تھے۔ بھاری مول لے کر انہیں وہ زہر بیچ رہے تھے جو انسان کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیتا ہے اور ایک روز ہیروئن کا عادی کسی کوڑا گھر میں، گندے نالے کے کنارے یا فٹ پاتھ پر خاموشی سے مر جاتا ہے۔ بدنامی کے خوف سے ان کے گھر والے ان خستہ حال لاشوں کے قریب نہیں آتے۔ عبدالستار

ایدھی کے رضا کار اُن لاوارث لاشوں کو خاموشی سے کفن دے کر کسی گورستان میں دفن کر دیتے ہیں۔

موت کے سوداگروں سے میری لڑائی قدم قدم پر جاری رہی۔ میں نے دور دراز سفر کر کے جگہ جگہ ان کے بڑے مفادات کو اس طرح تباہ کیا کہ شی کو پالنے والا امریکی صدر وائٹ ہاؤس کی چار دیواری میں شی کے بانی جمی لائیڈ کو سفاکانہ انداز میں مروانے پر مجبور ہو گیا۔

جمی لائیڈ کی پُراسرار ہلاکت شی کی بربادی کی ابتدا تھی۔ اس کے جانشین ایک ایک کر کے میرے ہاتھوں مارے جاتے رہے پھر شی کا ذکر رفتہ رفتہ ناپید ہو گیا۔

وہ میرے ماضی کے گناہوں کا کفّارہ تھا جو میں پورے خلوص سے ادا کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں یہ بھید کھلے کہ منشیات فروشی سے حاصل ہونے والی بھاری رقمیں امریکی ایجنسیوں کے ذریعے متعدد ملکوں کے خلاف استعمال ہو رہی تھیں جن میں پاکستان سرفہرست تھا۔

امریکی حکمراں پاکستان کو سرکاری طور پر اپنا دوست کہتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ اسے اہم اتحادی اور حلیف کا درجہ دے کر پاکستانی خواص کو خوش کرتے لیکن چوری چھپے ان کی ایجنسیاں پاکستان میں افراتفری اور انتشار پھیلانے کی سازشوں پر کار بند تھیں۔ انہیں ساری ہدایات وائٹ ہاؤس کے اس شیطانی گڑھ سے ملتی تھیں جہاں سے گہری دوستی اور قریبی مراسم کے اعلامیے جاری ہوتے تھے۔

میں دل و جان سے وہ لڑائی لڑ رہا تھا لیکن غزالہ کی زبان سے خوش خبری سنتے ہی میرے دماغ میں بہت سے سوال ابھرنے لگے تھے۔

ان سوالوں پر ایک حقیقت سب سے زیادہ بھاری تھی۔ میرے ساتھی ہمیشہ کہتے رہے تھے کہ کسی ریاست سے لڑ کر کوئی فرد نہیں جیت سکتا۔ فرد اپنی ذات میں اکیلا ہوتا ہے۔ ریاست کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہاتھ پیر ہوتے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے، وہ گرتا ہے تو تیسرا سامنے آجاتا ہے۔ مجھے یکا یک محسوس ہو رہا تھا کہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی ایک جنگ میں مصروف تھا۔ اس کا خاتمہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا کہ میرے دشمن مجھے مار دیں۔

مجھے مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا ایمان تھا کہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے جسے ٹالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ریل کی پٹری پر لیٹ کر کاتب تقدیر کے کرشموں کا انتظار کرنے والے پلک جھپکتے میں اپنی زندگی ہار جاتے ہیں کوئی ریل ان کو زندگی کے چند سانس عطا کرنے کے لیے پٹری چھوڑ کر کھیتوں اور میدانوں میں نہیں اترتی، وہ ان کے وجود کو کچل کر دندناتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرنے والے کی موت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اس کے عقل پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو ریل اس کے گھر کی خواب گاہ میں گھس کر اس کی زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتی تھی۔

میں کرشموں کا قائل نہیں تھا۔ تقدیر کے فلسفے پر میرا یقین بہت مضبوط تھا مگر میں تدبیر سے ٹالے جانے والے مصائب کو بے عملی سے جھیلنے کو حماقت سمجھتا تھا۔ اپنے دشمنوں سے بچنا اور انہیں خاک و خون میں نہلانا میرا حق تھا جسے میں پوری طرح استعمال کر رہا تھا لیکن فرد اور ریاست کی طاقت اور رسائی کا ادراک مجھے پہلی بار ہو رہا تھا۔

میں تنہا ان سے برسرِ پیکار تھا۔ میرے ہمدرد معذرت خواہانہ انداز میں چھپ چھپا کر میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میں اپنے دشمنوں کی سازشوں کے طفیل اپنے وطن میں اشتہاری مجرم بنا ہوا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی سلامتی کے لیے مجھے جلال اور اول خان کے مشوروں پر جلا وطنی قبول کرنی پڑی تھی۔ میں نے راجن اور پھر گیری کو جہنم واصل کر کے اپنے اہداف سے زیادہ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے باوجود میرے لیے وطن میں داخلے کی ہر راہ مسدود تھی۔

میں کہاں جاؤں...... میری اولاد کی جائے پیدائش کیا ہوگی...... اسے دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اپنے باپ کا سایہ نصیب ہو سکے گا یا اس کی پیشانی پر پیدائشی یتیم کا داغ لگا ہوا ہوگا...... وہ سب لرزا دینے والے سوال تھے۔

زمین پر خیر و شر کی لڑائی ازل سے جاری تھی اور اسے ابد تک جاری رہنا تھا۔ اس میں کسی ڈینی کے شامل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ لڑائی اس وقت بھی جاری تھی جب میرا کہیں وجود نہیں تھا۔ میرے بعد بھی اسے ختم نہیں ہونا تھا۔ میری ذات محض ایک درمیانی کڑی تھی جس کے طفیل لڑائی میں ذرا تیزی آئی ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جگہ لینے والے اسے اور تیز کر دیتے۔

’’تم کہاں کھو گئے!‘‘ دیرا نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ مار کر میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ’’میں نے تمہارے بارے میں ابھی کچھ کہا تھا۔‘‘

’’وہ تمہاری اور سلطان شاہ کی بات تھی۔ میرا کچھ کہنا ضروری نہیں تھا۔‘‘ میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارے دل میں گدگدیاں ہو رہی ہوں گی مگر ہم سے اپنے جذبات چھپا رہے ہو۔'' ویرا بولی ''ذرا تم سلطان شاہ کو بتاؤ کہ پہلی اولاد کی خوشی کیا ہوتی ہے۔''

''یہ جاننے کے لیے سلطان شاہ کی آڑ کیوں لے رہی ہو؟'' یکایک غزالہ بولی ''سننا ہے تو مجھ سے براہِ راست سنو کہ کسی بھی عورت کے لیے پہلی بار ماں بننے کا تجربہ بہت انوکھا، پرگداز اور باوقار ہوتا ہے ماں بن کر ہی ایک عورت کی ذات کی بھرپور تکمیل ہوتی ہے ورنہ وہ زندگی بھر بہت خاموشی سے اس محرومی اور اس سے پیدا ہونے والی بے شمار تشنگیوں کو جھیلتی رہتی ہے۔ میری خواہش بلکہ دلی دعا ہے کہ تم بھی مستقبل قریب میں اس باعزت تجربے سے گزر سکو۔''

غزالہ نے موقع پاتے ہی ویرا پر بہت زبردست وار کیا تھا۔ اس کے فقرے اس قدر نپے تلے اور بھرپور تھے کہ ویرا سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا اور چند لمحوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ مجھے غزالہ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میں خود بھی لمحہ بھر کے لیے سناٹے میں آ گیا۔

سب سے پہلے میں نے سنبھالا لیا اور غزالہ کی بات کا سہارا لے کر ویرا سے کہا۔ ''یہ چھپانے والی باتیں نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں ہر لمحے کئی بچے جنم لیتے ہیں لیکن پہلی بار کسی نئے انسانی وجود کی پرورش کا تجربہ واقعی انوکھا ہوتا ہوگا۔ میں خود بھی اس خبر سے بہت خوش ہوں اولاد مرد اور عورت کے رشتے کو مضبوط کرنے کے ساتھ ان کی زندگیوں میں بے شمار چھوٹی چھوٹی مسرتیں لاتی ہیں۔ شادی ان خوشیوں کا پہلا سنگِ میل ہوتی......''

''یہ مجھے کیا سنا رہے ہو!'' ویرا نے اچانک میری بات کاٹ دی ''معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خوشی میں کھو کر تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔''

ویرا کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی۔ مجھے یاد آ گیا کہ اس بارے میں اس سے بات کرنی بے سود تھی۔ وہ پہلے ہی مجھے اپنا سرپرست قبول کر کے فیصلے کا اختیار مجھے دے چکی تھی۔

میں نے پچھلا دن بہت مصروفیت میں گزارا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور ذہنی تکان کے بعد شام کو ہم ڈان کی پارٹی میں چلے گئے جہاں اس نے راجن کی غرق ہونے والی وائٹ ہاک کی ٹکر پر اپنے مہمانوں کے لیے طرب و نشاط کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں سے رات گئے ہمارے سفر کا آغاز ہوا جو اس وقت بھی جاری تھا۔

کم و بیش چوبیس گھنٹوں کی اس تھکن میں صرف ایک خیال نے ہم چاروں کو پوری طرح فعال اور متحرک رکھا ہوا تھا کہ ہمیں جلد از جلد ڈان کی دست رس سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہمارے فرار کی راہ میں کوئی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں میرا جسم پوری طرح چاق و چوبند تھا لیکن ذہن پر شاید کچھ تھکن طاری ہو چلی تھی جس کے نتیجے میں سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

''تم سن رہے ہو کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے......!'' اس بار میرا تخاطب سلطان شاہ سے تھا جو بجیرو کی پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''سب سن رہا ہوں۔'' سلطان شاہ نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں۔ مجھے ان سے کیا لینا!''

''یہ ایک اصولی گفتگو ہے۔'' غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اُس میں تم کو بھی دلچسپی لینی چاہیے کیونکہ شادی ان گنت خوشیوں کا پہلا سنگ میل ہوتی ہے اور اس سے نسلِ انسانی کو فروغ ملتا ہے۔''

''میں حیران ہوں کہ رات بھر کے تھکا دینے والے سفر کے باوجود تم لوگوں کو ایسی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس بار بھی سلطان شاہ کا انداز لاتعلقانہ تھا۔

''تھکن اور کوفت کے عالم میں ایسی باتیں دل کو خوش کرتی ہیں، ان سے جینے اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔'' میں نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم جلد از جلد سیسو پھون پہنچ جائیں اور مجھے ایک آرام دہ بستر مل جائے تاکہ میں چند گھنٹوں کی نیند لے کر اپنی تھکن اتار سکوں۔'' سلطان شاہ نے کسی بھی طرح گرفت میں نہ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

''تمہاری نیند ادھوری ہوگی۔'' غزالہ نے بات سے بات نکال لی۔ ''تھکے ہارے مرد کے لیے خدمت گزار بیوی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ وہ سنگلاخ زمین کو بھی پھولوں کی سیج میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کیا چاہ رہے ہو۔'' وہ الجھے ہوئے اور ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ابھی ڈینی نے ویرا کو شادی کی افادیت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اب تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ تمہاری کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔''

غزالہ بے ساختہ ہنس دی اور بولی ''رات سے ہم تمہارے ہم سفر ہیں۔ سازش کیسے کرتے؟ یہ وقت بہت مناسب ہے۔ ہماری شادی مکاؤ میں ایک چینی مولوی کے

ذریعے ہوئی تھی۔ تم جاہو گئے تو ہم سیسو پھون میں کسی کمبوڈین قاضی کا بندوبست کرلیں گے۔"

"تم لوگ بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے۔"

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تمہاری منطق کے مطابق ایک کافرہ سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔ ویرا پہلے بھی کافر نہیں تھی۔ اہلِ کتاب تھی۔ اب وہ مسلمان ہوچکی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سگریٹ نوشی میں بھی کمی آچکی ہے۔ اس قصے کو اب طے ہوجانا چاہیے۔ تم دونوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا بہت وقت برباد کرلیا ہے۔"

"شاید تم نے گاڑی کی رفتار اسی لیے کم کی ہے کہ تمہیں اس بارے میں بات کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔" سلطان شاہ نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اپنی زبان کھولی "یہ سن لو کہ اتنے اہم فیصلے یوں راہ چلتے نہیں کیے جاسکتے۔ ان کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔"

"تم ہمیشہ یہی بہانہ لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ آخر تمہیں کتنا وقت درکار ہے؟" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنے گاؤں سے کسی بڑے کے خط کا انتظار ہے...... تم خود کافی بڑے ہوچکے ہو، تمہیں مردانگی کے ساتھ اپنا فیصلہ خود کرلینا چاہیے۔"

"تم کیسی احمقانہ باتیں کررہی ہو......" سلطان شاہ چڑ کے بولا "ہمارا کوئی گھر در ہے نہ ٹھکانا، پل پل میں ہم جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔ کیا ایسے حالات میں کسی سے خط کتابت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔ جب کہیں سے مشورے کی امید بلکہ ضرورت نہیں تو اپنا فیصلہ خود کیوں نہیں کرلیتے!" غزالہ اسے گھیرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم لوگوں کی اجازت ہو تو میں ذرا ہنس لوں......!" ویرا اجازت طلب انداز میں سنجیدگی سے بولی۔

اچانک انجن کے ہموار شور میں سلطان شاہ کی ایک دبی دبی سی بے ساختہ سسکی ابھری۔ مشینی انداز میں میری نگاہیں عقب نما آئینے پر گئیں تو وہ برا سا منہ بناتا ہوا، اچھل کر ویرا سے دور ہورہا تھا میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ ان دونوں کے درمیان ہلکے پھلکے تشدد آمیز رومانس کا آغاز حوصلہ افزا تھا میرا اندازہ تھا کہ ویرا نے اسے چٹکی لی تھی۔

سلطان شاہ کی وہ آواز غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اس نے شوخ اور دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

سلطان شاہ نے ویرا کی کوئی شکایت کی نہ ہم دونوں نے اس کی بے ساختہ آواز کے بارے میں کوئی سوال کیا۔

"تمہیں ہنسنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"تم پتھر کو جونک لگانے کی کوشش کررہے ہو۔" ویرا نے نے جواب دیا" میں نے اکیلے پن میں اتنی زندگی گزاری ہے، بقیہ بھی گزار لوں گی۔ رہا سلطان شاہ کا مسئلہ تو اسے بھی بھول جاؤ میں اس کی ذہنی گرہ کو شاید سمجھ رہی ہوں۔ کڑی پابندیوں میں بچپن گزارنے والے بہت سے مرد دنیا کی ہر عورت کو صرف ماں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، خلوت میں عورت کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں......"

"یہ بکواس ہے۔" سلطان شاہ غصیلی آواز میں غرایا۔ "اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اوہ! تم کیوں بھڑک رہے ہو......" ویرا نے استہزائی انداز میں اسے پچکارا" میں تمہارا نہیں، مردوں کی ایک قسم کا عمومی تذکرہ کررہی تھی۔"

"اگر تمہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں تو فیصلہ کیوں نہیں کرلیتے۔ ایک بار اقرار کردو یا انکار کردو تاکہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے!" میں نے کہا۔

"فیصلہ بھی ہوجائے گا۔" سلطان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسے کسی کی کوئی بات بری لگ گئی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھے نشانہ بنانے سے پہلے اپنی بی جمالو سے بھی پوچھ لو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔ ابھی کان دبائے تمہاری باتوں کے مزے لے رہی ہے، میں نے مشرق کہا تو یہ مغرب کو چل دے گی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ صرف مجھے دبانے سے تم دونوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوسکے گا۔ یہ محنت رائیگاں جائے گی۔"

"اس پر مجھے پورا بھروسا ہے کہ وہ میرے حکم کو نظر انداز نہیں کرے گی۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میں نے کچھ کہا تو بے چون وچرا اسے مان لے گی۔"

"میں نے اپنی کشتیاں جلا کر تم لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔" ویرا بولی" میں اپنے وطن گئی تو میری بقیہ عمر کسی جیل میں گزرے گی۔ میرے ہم وطن میری آزادی بلکہ جان کے دشمن ہوچکے ہیں۔ میرے پاس تمہاری بات ماننے کے سوال کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"اب بولو!" غزالہ نے قدرے نرم لہجے میں سلطان شاہ کو للکارا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ کمبوڈیا میں جلال ہم سے ملنے کے

لیے آئے گا۔'' سلطان شاہ نے راستے میں ہونے والی گفتگو کے حوالے سے یکایک ایک عجیب سوال داغ دیا۔

''میں نے صرف امکان ظاہر کیا تھا۔'' میں نے وضاحت کی''میں نے اسے آنے سے منع کیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی ہمارے نئے پاسپورٹ لے آئے۔''

''کاش! وہ خود آجائے میں اس سے مشورہ کر کے تمہیں اپنا فیصلہ سنادوں گا۔'' سلطان شاہ نے ایک بار پھر بات ٹال دی۔

''کسی کو اپنے اوپر بھروسا نہ ہو تو وہ اسی طرح لنگڑے لولے سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

''جو بے چاری اس کے پلّے بندھے گی، نہ جانے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔''

''یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہی زیرِ غور ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا''تمہاری یہ جلی کٹی باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔''

''جلنے والے کو جلانا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ میری یہی بات کہیں لکھ لو کہ تم زندگی بھر غور کرتے کرتے سلطان شاہ غوری بن جاؤ گے، اپنا فیصلہ نہیں کر سکو گے۔ جلال آگیا تو تم کوئی نیا عذر تلاش کر لو گے۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اسی وقت انکار کردوں'' سلطان شاہ نے اسے ڈرایا۔

''وہ بھی ایک فیصلہ ہوگا جو تمہارے بس سے باہر ہے۔''

بات کھل جانے کے بعد ویرا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر تل گئی تھی۔

''تم جو چاہو بکتی رہو، میں نے تمہاری طرف سے اپنے کان بند کر لیے ہیں۔'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔ اقرار نہ کر کے وہ انکار بھی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

ویرا سے براہِ راست گفتگو کے اس مرحلے پر انکار نہ کر کے اس نے میرا دل خوش کر دیا مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ ویرا اس کے لیے گلے کی ہڈی بن گئی تھی جسے اگلنا یا نگلنا اس وقت اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا کی بہت سی عادات وصفات کو نا پسند کرنے کے باوجود وہ دل و جان سے اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مثالی بیوی قسمت کی خوبی سے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتی ہے، بقیہ جوڑوں کو سمجھوتوں کے تحت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ اگر سمجھوتا کرنا ہی تھا تو ویرا اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوسکتی تھی۔

گھاس پھوس اور گارے سے بنے ہوئے پہلے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہمیں چند ننگ دھڑنگ بچے مٹی میں کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان سے کسی رہنمائی کی توقع عبث تھی۔ میری نگاہیں کسی مرد کی تلاش میں بھٹکتی رہیں اور ہماری پجیرو رینگتی ہوئی اس بے نام ونشان قصبے میں داخل ہوگئی جو ویرا کے پاس موجود نقشے کے مطابق صرف سیسو پھون ہوسکتا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ہماری شان دار گاڑی بچوں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بڑی اور نئی گاڑیاں سیسو پھون کے باسیوں کے لیے نئی چیز نہیں تھیں۔ وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جن علاقوں میں اسمگلنگ اور دوسرے غیر قانونی دھندوں کی بھرمار ہوتی ہے وہاں رہنے والے غربت کی سطح سے قدرے اوپر زندگی گزارنے کے باوجود سامان تعیش دیکھنے کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ کچھ بھی انہیں اجنبی یا حیران کن نظر نہیں آتا۔ سب کچھ ان کے ہاتھوں یا نگاہوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔

اس اکلوتے مکان سے آگے بستی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، پختہ لیکن خستہ حال سڑک کے دونوں اطراف سے مکانات وغیرہ بنے ہوئے تھے جہاں زندگی کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ سڑک سے ان کچی تعمیرات کا فاصلہ اتنا تھا کہ سڑک چھوڑے بغیر کسی مکان یا دکان تک رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔

بستی کے سارے مکان پتھروں یا گارے کے بنے ہوئے تھے۔ چھتیں گھاس پھوس اور چٹائیوں سے ڈالی گئی تھیں، کہیں کہیں ٹین کی نالی دار چادروں کی چھتیں بھی نظر آرہی تھیں۔

''چلتے ہی جارہے ہو'' ویرا نے مجھے ٹوکا''کہیں رک کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہاں کوئی از خود تمہاری رہنمائی کے لیے نہیں آئے گا۔''

''سب جاہل مقامی دہقان نظر آرہے ہیں۔'' میں نے کہا''کوئی ڈھنگ کا آدمی نظر آئے جو انگریزی کے دو چار الفاظ سمجھ سکے تو میں گاڑی روکوں!''

''انگریزی سے واقفیت کا اندازہ چہرے پڑھ کر نہیں لگایا جاسکتا۔'' وہ بولی''تم سڑک سے اتار کر گاڑی روکو گے تو بھیڑ جمع ہونا شروع ہو جائے گی۔ ان ہی میں کوئی انگریزی داں بھی نکل آئے گا۔''

''وہ کوئی ڈھنگ کی دکان نظر آرہی ہے۔ ہمیں وہاں رکنا چاہیے!'' غزالہ نے آگے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان سے دکان کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آیا کہ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ بنکاک میں خریداری کرنے کے

لیے بے چین تھی۔ اس وقت مجھے اس کی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی بے چینی کو ایک عورت کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے ہونے والے بچے کے لیے کچھ اہم خریداری کرنا چاہتی تھی۔

اس کی نشان دہی پر میں نے داہنی جانب دیکھا تو ایک بڑی سی دیوار پر رنگا رنگ تصویروں کے ساتھ نامانوس رسم الخط میں بہت کچھ لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ہم آگے بڑھے تو اس ساٹھ ستر فٹ لمبی دکان کا بڑا سا دروازہ بھی نظر آ گیا۔ گھروں کی طرح اس کے در و دیوار بھی مٹی، گارے اور پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے تھے لیکن ہر رخ سے وہاں ایک قرینہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، اندر سے آنے والوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ موجود تھا۔

اس دور افتادہ کمبوڈین قصبے میں شوقیہ خریداری کی کوئی گنجایش نہیں تھی، مقامی باشندے کسی نہ کسی ضرورت کے تحت دکان کا رخ کرتے ہوں گے۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن نہ صرف دکان کھلی ہوئی تھی بلکہ وہاں خریداری بھی جاری تھی۔

میں نے گاڑی سڑک سے اتار کر اس دکان کے دروازے سے ذرا پہلے روک لی اور انجن بند کر کے گاڑی سے اتر گیا۔

باہر کے رنگ روغن کے مقابلے میں اندر کا سماں مایوس کن تھا۔ سامان سجانے کے بجائے زمین اور چوبی میزوں پر ڈھیر کیا ہوا تھا۔ اندر سے وہ مجموعی طور پر کوئی گودام نظر آ رہا تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہاں خریداروں کی بھیڑ میں دکان دار کون تھا۔

مجھے دکان میں گھس کر جائزہ لیتے ہوئے چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ پشت سے کسی نے سختی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک ادھیڑ عمر مقامی مجھے تیز عقابی نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس کی ہیئت دوسروں سے بہت مختلف اور عجیب تھی۔ اس نے نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ کثرت استعمال سے اس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑا ہوا تھا۔ اوپری دھڑ پر آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ پھنسی ہوئی تھی جس میں اس کا کسرتی جسم جھلک رہا تھا۔ دکان یا گودام میں دھوپ کا براہِ راست گزر نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ روشنی نہیں تھی لیکن اس نے اپنے سر پر بڑے چھجے والا نکوں کا ہیٹ جمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سروں پر پڑی ہوئی گہری جھریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے ماہ و سال مسائل اور مصائب سے لڑ کر گزارے ہوں گے۔

اس نے نگاہیں چار ہوتے ہی مستفسرانہ لہجے میں اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتایا کہ میں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات کرنے سے قاصر تھا۔

”کہاں سے آئے ہو...... کسی کی تلاش ہے تمہیں......؟“ اس نے مقامی لہجے میں صاف انگریزی بول کر مجھے حیران کر دیا۔

”بنکاک سے آئے ہیں، ہمیں سیسوپھون میں نان فینگ سے ملنا تھا۔ یہ کون سی جگہ ہے؟“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ”لڑکیاں خریدنے آئے ہو......؟“

میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ”مسافر ہیں، نوم پنہ تک رہنمائی چاہتے ہیں۔“

”کاغذات کے بغیر سرحد پار کی ہے؟“ اس نے پھر سوال کیا اور مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ کچھ بتانے کے بجائے اس نے ہماری انکوائری شروع کر دی تھی۔

”کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو ورنہ ہم کسی اور کو تلاش کرتے ہیں۔“ میں نے بے رخی سے کہا۔

”مجھے مطمئن کیے بغیر اب تم کہیں نہیں جا سکو گے۔“ اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ میرے ساتھ باہر آؤ۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی آئے ہیں......؟“

”ہم چار ہیں...... دو مرد اور دو عورتیں!“ اس مرحلے پر کسی تصادم سے بچنے کے لیے میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے تیوروں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ میں بے خبری میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تھا۔

”اوہ......! شان دار گاڑی میں آئے ہو۔ یہ تمہاری اپنی ہے؟“ دروازے سے ہماری گاڑی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے ساختہ کہا۔

”دوست!“ میں نے خون کا گھونٹ پی کر جواب دیا۔ ”فی الحال یہ ہماری اپنی ہے۔ ہم لمبے سفر سے آئے ہیں اور تھکے ماندے ہیں، ہمارا وقت برباد نہ کرو۔ ہمیں نان فینگ کا پتا بتا دو۔ ہمیں اس کے ایک گہرے دوست نے بھیجا ہے۔ تم نے ہمیں تنگ کیا تو ہم اس سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

”تمہیں کس نے بھیجا ہے؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

''تمہارے لیے وہ اجنبی ہوگا۔ اس کا نام پھوم فاٹ ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اوہو...... پھر تو تم میرے مہمان ہو!'' اس نے میرے دونوں شانے تھام کر مجھے تقریباً جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''تم صحیح جگہ پر پہنچے ہو۔ میرا نام نان فینگ ہے۔ میں ہرایرے غیرے کو منہ نہیں لگاتا۔ اس راستے پر اکثر... خطرناک لوگ سفر کرتے ہیں۔ میں ان سے اپنا دامن بچاتا ہوں۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ کہیں تم کو مجھے پھانسنے کے لیے نہ بھیجا گیا ہو...... اب یہ شک دور ہوگیا۔ بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی حریصانہ نظریں بار بار پجیرو کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''ہمیں کچھ دیر کے لیے ایک کمرا اور باتھ روم فراہم کردو۔ تازہ دم ہونے کے بعد ہم جلد از جلد نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔'' میں نے پجیرو میں اس کی دلچسپی بھانپتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''یہ مشکوک گاڑی ہے۔ جانے سے پہلے ہم اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ ستایشی انداز میں بولا ''مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ گاڑی کا کوئی چکر ہوگا۔ میری دکان کے پچھلے احاطے سے یہ کھل کر تین چار گھنٹوں میں اس طرح غائب ہوگی کہ فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگاسکیں گے۔''

مجھے اس کی باتوں سے کچھ اشارے مل چکے تھے۔ تعارف بھی ہوگیا تھا۔ میں نے بے خوفی اور پورے اعتماد سے کہا ''پھوم فاٹ نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ تم ہر کام میں ہمارے مددگار ثابت ہوگے۔ ہمیں اس گاڑی کا کیا مل جائے گا؟''

''کئی سال پرانا ماڈل ہے۔ چار پانچ ہزار ڈالر مل جائیں گے۔'' اس نے پجیرو پر ایک بھرپور نظر ڈال کر بے پروائی سے کہا۔

''سرحد پر ہمیں زیادہ رقم مل رہی تھی!'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تمہیں میرے دوست نے کچھ سمجھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں تم سے زیادہ مول تول نہیں کروں گا۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ اڑس کر کہا۔ ''تمہیں اپنی گاڑی میں نوم پنہہ بھی لے جانا ہوگا۔ اس کی بھاری فیس ہوتی ہے۔ یوں کرتے ہیں کہ تم نقد چار ہزار لے لو۔ گاڑی میری ہوگئی۔ تمہیں حفاظت سے منزل تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ نان فینگ اس سودے میں چال بازی سے کام لے رہا تھا پھر بھی وہ میرے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ ہم نے سرحد پار کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کیا تھا اس سے زیادہ ہاتھ آرہا تھا۔ میں نے کسی تکرار کے بغیر آمادگی ظاہر کردی۔

اس وقت تک کہیں بیٹھنے یا ٹکنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ نان فینگ سے سارے مذاکرات کھڑے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے ایما پر میں گاڑی اسٹارٹ کرکے اس کی دکان کی پچھلی گلی میں لے گیا جہاں وہ ایک بھونڈا سا چوبی پھاٹک کھولے میرا منتظر تھا۔

گاڑی اندر جاتے ہی اس نے پھاٹک بند کردیا۔ وہ کچا صحن اتنا کشادہ تھا کہ بہ یک وقت وہاں دو تین گاڑیاں سماسکتی تھیں۔ وہاں پکی دیواروں کے ساتھ کچھ کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سیاہ تیل اور گریس کے بڑے بڑے، گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوگیا کہ نان فینگ نے پجیرو کو چند گھنٹوں میں غائب کرنے کا ذکر کرکے مبالغہ آرائی نہیں کی تھی۔

وہ کچا مکان قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ اگلے حصے میں نان فینگ کی دکان تھی۔ اس کی پچھلی دیوار کے ساتھ تین کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے دھوپ سے بچاؤ کے لیے پھوس اور بانسوں کا بنا ہوا مختصر سا برآمدہ تھا جس کے آگے صحن یا کھلا ہوا گیراج واقع تھا۔

ہم سب اپنا مختصر اسباب لے کر گاڑی سے اترے تو نان فینگ نے پرتپاک انداز میں سب سے ہاتھ ملایا۔ اس وقت تک اس نے ہم میں سے کسی کا نام جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف یہ حوالہ کافی تھا کہ ہمیں بنکاک سے پھوم فاٹ نے اس کے پاس بھیجا تھا۔

وہ ہمیں وسطی دروازے سے ایک کمرے میں لے گیا تو اس کی دیواروں پر چپکی ہوئی موٹی موٹی چھپکلیاں دیکھ کر ویرا اور غزالہ پھریریاں لیتی ہوئی باہر آگئیں۔ ویرا نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھے گی۔

نان فینگ ان دونوں کے کراہت آمیز خوف سے خاصا محظوظ ہوا۔ اس نے بتایا کہ جنگلی چھپکلیاں کھانے سے اکثر زہرخورانی کا خطرہ رہتا تھا۔ اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے اس کمرے میں چھپکلیوں کی نرسری بنائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں سرخ چیونٹے، شہد کی مکھیاں اور کئی چیدہ چیدہ حشرات الارض کھلا کر پالتا تھا اور حسب خواہش انہیں اپنی خوراک میں استعمال کرتا رہتا تھا۔ وہ سب بے ضرر اور انسان دوست تھیں۔

چاؤ فان چوہے کھانے کا شوقین تھا، نان فینگ چھپکلیوں

کار سیا لکلا۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اگر دنیا کی ساری آبادی چوپایوں کا گوشت کھانے کی شوقین ہوتی تو تیز ترین افزائش نسل کے باوجود شاید دنیا سے صدیوں پہلے چوپایوں کی نسلیں فنا ہو چکی ہوتیں۔ ہر قوم اور خطے کی غذائی عادتیں جداگانہ تھیں جن کے سبب طلب اور رسد کا توازن برقرار چلا آرہا تھا۔

نان فینگ کی وضاحت چھپکلیوں کے مشاہدے سے زیادہ گھناؤنی اور کراہت انگیز تھی۔ وہ تقریر سن کر سلطان شاہ کا بھی منہ بن گیا۔ نان فینگ نے ہماری ناپسندیدگی کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں دوسرا کمرا دے دیا جس کی دیواریں صاف تھیں۔ پھوس کے چھپروں کے استعمال کے باوجود اس کی بنائی ہوئی چھپکلیوں کی نرسری اتنی محفوظ تھی کہ متصل کمرا اس مخلوق کے تصرف سے محفوظ تھا۔

وہاں نل کے پانی کا سرے سے رواج نہیں تھا۔ سیسو پھون کی غریب عورتیں قلیل معاوضہ لے کر قریبی ندی یا کسی کنویں سے ضرورت کا پانی گھر گھر پہنچا دیتی تھیں۔ وہ نان فینگ کا گھر نہیں، محض کاروباری اڈا تھا۔ اس کے آدمی دکان چلاتے تھے۔ وہ فاضل وقت میں عقبی کمروں میں اپنے حواریوں اور لین دین کے لیے آنے والوں کے ساتھ محفلیں جماتا تھا۔ اس کے بیوی بچے قصبے کے کسی اندرونی علاقے میں رہتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ رات گزار کر صبح سویرے دکان پر آجاتا جسے وہ سیسو پھون کا اکلوتا سپر اسٹور قرار دے رہا تھا۔

غزالہ نے بیٹھنے سے پہلے اس کمرے کے ہر کونے کھدرے کا جائزہ لے کر یہ اطمینان کرلیا کہ وہاں کوئی چھپکلی موجود نہیں تھی۔ کمرے میں فرش کو اس مہارت سے لیپا گیا تھا کہ وہاں گرد کا نام ونشان نہیں تھا۔ فرش پر ایک بڑا قالین بچھا ہوا تھا۔ دو دیواروں کے ساتھ بان سے بنی ہوئی چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ باہر بنے ہوئے غسل خانے کے باہر ایک بڑے ڈرم میں پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب ڈونگا اور بالٹی بھی موجود تھی جس میں ضرورت کے مطابق پانی لیا جاسکتا تھا۔

نان فینگ ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا اور ہم نے اردو میں تبادلۂ خیال شروع کردیا۔ ہمیں یہ اطمینان تھا کہ نان فینگ یا اس کا کوئی آدمی ہماری آوازیں سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ پائے گا۔

ہم بنکاک سے نکل آئے تھے لیکن ڈان کی طرف سے میں مطمئن نہیں تھا۔ سیسو پھون جیسے قصبے میں اس کے آدمی بہت آسانی سے ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ کمبوڈیا کا کوئی بڑا شہر ہمارے لیے محفوظ ثابت ہوتا جہاں رہنے اور بسنے والے انسانوں کے سمندر میں کسی کا سراغ لگانا آسان نہ ہوتا۔

ان تینوں کا ڈان برنارڈ سے براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے انہیں خطرات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ سب نان فینگ کے ٹھکانے پر رک کر رات بھر کے سفر کی تھکن اتارنے کے موڈ میں تھے جبکہ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

وہ تینوں میرے فیصلے سے واقف ہونے کے بعد کسل مندانہ انداز میں اِدھر اُدھر لیٹ گئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو حیرت میری منتظر تھی۔ پانچ مقامی لڑکوں کی ایک ٹولی نہایت تیزی سے ہماری پجیرو کو ادھیڑنے میں مصروف تھی۔ ٹائر، دروازے اور بونٹ سمیت بہت سے بڑے بڑے حصے اتارے جاچکے تھے۔ جن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ پجیرو کے قریب ایک ٹھیلا کھڑا ہوا تھا جس پر انجن سے الگ کیے جانے والے پرزے جمع کیے جارہے تھے۔ لڑکوں کی پھرتی بتارہی تھی کہ کچھ دیر میں گاڑی کا انجن بھی باہر آجائے گا۔

آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی تمام نشستیں بھی نکالی جاچکی تھیں۔ ان پیشہ ور لڑکوں کو آسانی سے نکالے جانے والے ہر حصے سے پوری واقفیت تھی۔ نٹ، بولٹ اور پنوں سے جڑے ہوئے ہر حصے کو انہوں نے مہارت سے اتارلیا تھا۔ سامان کا ڈھیر لگانے کے بجائے ساتھ ساتھ کہیں اور پہنچایا جارہا تھا۔ ساری دیر انجن اور گیئر بکس وغیرہ اترنے کی تھی۔ اس کے بعد وہاں پجیرو کے کھوکھلے آہنی ڈھانچے اور چیسز کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

تیسرا کمرا کسی دروازے کے ذریعے دکان سے ملا ہوا تھا۔ میں غسل خانے سے لوٹ رہا تھا تو مجھے نان فینگ اس کمرے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو مقامی بڑے بڑے تھال اٹھائے چلے آرہے تھے۔ قریب جانے پر مجھے وہ تھال خورونوش کی اشیا سے بھرے ہوئے نظر آئے۔

نان فینگ نے ہماری مدارات کے لیے ناشتے اور کھانے کے جملہ لوازم یک جا کردیے تھے۔ ہمارے انکار پر اس کا اصرار غالب آیا۔ وہ دونوں تھال قالین پر ہمارے سامنے سجادیے گئے۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہم شکم پری کے بعد فوری طور پر نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں تو وہ خاصا حیران ہوا۔ وہ کم از کم ایک رات کے لیے ہمیں سیسو پھون میں روکنا چاہ رہا تھا۔ مگر میں اس بارے میں اپنی ترجیحات کو خوب سمجھ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہوگیا کہ ہم روانگی کے لیے پابہ رکاب ہیں تو وہ سفر کی تیاری کرنے کے

ارادے سے رخصت ہوگیا۔
اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں کھانوں وغیرہ کا جائزہ لیا اور اسے جس ڈش میں کوئی لمبی شے نظر آئی' اسے الگ کردیا۔ اس چھان بین کی زد میں گوشت آنا ہی تھا۔ اس نے سبزیوں کے لمبے قتلوں کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ چند گنی چنی اشیا ہمارے سامنے رہ گئیں جن میں دال، روٹی، چاول اور چائے شامل تھی۔
بارہ بجے نان فینگ تروتازہ ہوکر لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے چار ہزار ڈالروں کا بند لفافہ نکال کر میرے حوالے کردیا۔
اس وقت تک سب کچھ بہت آسانی سے ہوتا چلا جارہا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں نان فینگ سے نوم پنہہ کے ہوٹلوں کے بارے میں بات چھیڑی تو اس نے بتایا کہ وہاں صرف کوئین ہوٹل ہی اس قابل تھا کہ وہاں کے سنجیدہ ماحول میں خواتین کے ساتھ قیام کیا جاسکے۔ بقیہ صرف نام کے فائیو اسٹار ہوٹل تھے وہاں بے فکری سے نہیں رہا جاسکتا تھا۔
ہم بنکاک سے بہ خیر و خوبی نکل آئے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ اسی طرح ہم سیسو پھون بلکہ کمبوڈیا سے بھی جلد از جلد نکل جائیں تاکہ ڈان کی طرف سے کسی بے جارحانہ اندازی کا خوف سرے سے دور ہوجائے۔ اس کا انحصار ہمارے نئے پاسپورٹوں کی آمد پر تھا۔ جو جلال یا اس کے کسی آدمی کو لے کر آنا تھا۔
نان فینگ سے نوم پنہہ کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں نے ارادہ کرلیا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہم نان فینگ کو دھوکا دینے کے لیے عارضی طور پر کسی بھی ہوٹل میں پڑاؤ ڈالیں گے اور اس سے گلوخلاصی ہوتے ہی پہلی فرصت میں کوئین ہوٹل منتقل ہوجائیں گے۔
وقت کے زیاں سے بچنے کے لیے میں نے اسی وقت جلال کو اپنے پروگرام سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ تھائی لینڈ کے سرحدی علاقے میں آتے آتے ہمارے موبائل فون بے جان اور ناکارہ ہوچکے تھے۔ بیٹریاں چارج ہونے کے باوجود سگنلز غائب تھے۔ میں نے نان فینگ سے کسی انٹرنیشنل فون کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے تیسرے کمرے سے گزار کر اپنے نام نہاد سپر اسٹور میں لے گیا جہاں ایک گوشے میں چوبی تخت پر گرد آلود دری کی صورت میں اس کی مسند لگی ہوئی تھی اور وہیں فون بھی نظر آرہا تھا۔
مجھے خوشی ہوئی کہ سیسو پھون میں پانی کی سہولت نہ ہونے کے باوجود بین الاقوامی فون دستیاب تھا۔
پاکستان کا وقت ہم سے دو تین گھنٹے پیچھے تھا۔ میں نے جلال کے موبائل فون نمبر پر رابطہ کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہم تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوچکے تھے۔
''میں اب بھی تمہاری طرف سے فکرمند ہوں۔'' ابتدائی گفتگو کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ ''تھائی لینڈ سے نکلنے کے لیے تم نے بہت پُرخطر راستہ اختیار کیا۔ تم سے بات ہونے کے بعد میں نے انٹرنیٹ کی بہت خاک چھانی ہے۔ اس راستے پر ٹھگوں اور لٹیروں کا راج ہے۔ لوٹ مار پر غیرملکی ذرا سی بھی مزاحمت کریں تو یہ بے دردی سے انہیں ہلاک یا زخمی کردیتے ہیں۔''
''ہم خطرناک راستہ طے کرچکے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا' ''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا کسی بدمعاش سے پالا نہیں پڑا۔ اب سیسو پھون کا سب سے بڑا دادا گیر ہمارا گائیڈ ہوگا رج ڈھلنے سے پہلے ہم نوم پنہہ پہنچ جائیں گے۔''
''کیا تم رکے بغیر سفر جاری رکھوگے؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔
''مجبوری ہے۔ ڈان کو ہوش آنے سے پہلے ہم بہت دور نکل جانا چاہتے ہیں۔ راستے میں ایک حادثہ یہ ہوا کہ کرنل گیری اچانک ہمارے سامنے آگیا۔ اسے زندہ چھوڑتے تو وہ ہمارے فرار کا بھانڈا پھوڑ دیتا۔ ناچار' اسے جہنم واصل کرنا پڑگیا۔ یہ......''
''کیا تم نے اسے مار دیا؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر اضطراری لہجے میں کہا۔ ''تم کیا کرتے پھر رہے ہو...... میں نے تم سے کہا تھا کہ اب اپنا نام سامنے نہ آنے دینا۔ اس کی لاش ملتے ہی ہر طرف ایک کہرام برپا ہوجائے گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ان کا بہت مضبوط مہرہ تھا۔ اس کے قاتل تک پہنچنے کے لیے وہ زمین اور آسمان ایک کردیں گے!''
''تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہورہے ہو۔ ہم اس کی لاش ایک ویرانے میں دبا آئے ہیں۔ درندوں نے اسے نکال کر کھانا شروع نہ کیا تو کئی دنوں تک کسی کو اس کے انجام کا پتا نہیں چلے گا۔ لاش مل گئی تو میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ حالات بد سے بدتر ہوئے تو شبہ علی احمد پر ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''اسے کس طرح مارا گیا؟'' وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکا۔
''گولی سے!'' میں نے کن انکھیوں سے قرب و جوار کا

جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے پستول کا لفظ دانستہ استعمال نہیں کیا۔ وہ لفظ دنیا کے ہر خطے میں سمجھا جا سکتا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ اب میں پوری طرح محتاط ہوں۔ بیم گن اور انگوٹھیوں کا استعمال ترک کیا جا چکا ہے۔ اسے غزالہ نے روایتی ہتھیار کا نشانہ نہ بنایا تھا۔''

''اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''میں نے تمہارے لیے جو پلان بنایا ہوا ہے اس کا سارا دارومدار تم پر ہے کہیں بھی تمہارا نام سامنے آیا تو میرا کھیل ختم ہو جائے گا۔''

''میں تمہاری نازک پوزیشن سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے تفہیمی لہجے میں کہا۔ ''ایسی کوئی بات ہوئی تو کراچی کے دو قیدیوں کے بارے میں تمہارا موقف تباہ ہو جائے گا۔''

''بات اس سے بھی آگے کی ہے۔ ابھی میں قبل از وقت کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہاں سے نمٹ کر کسی طرح آج رات کو ہی نوم پنہہ پہنچ جاؤں۔''

''اب میں تم پر رکنے کے لیے مزید دباؤ نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے رسان سے کہا۔ ''یہ یاد رکھنا کہ وہاں ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں گے۔ میرا نام دلاور ہوگا۔ تم آسانی سے مجھ سے رابطہ کر لو گے۔''

''گائیڈ پر تمہیں پورا بھروسا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ ''وہ تمہیں دھوکا تو نہیں دے گا؟''

''ہمیں یہاں پہنچے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہمیں دغا نہیں دے گا۔''

''تمہارے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تم سے کیا کہوں۔ تم یہاں سے بچنے کے لیے نکلے تھے لیکن تم نے ایک ایک کر کے تین پہاڑ گرا دیے۔ سوبھراج، راجن اور اب تم نے گیری کی خبر دی ہے۔ یہ تمہاری افسانوی کامیابیاں ہیں۔''

''میں نے کبھی یہ سب نہیں سوچا۔ ہدف سامنے آتا ہے اور میں سنبھل کر وار کر دیتا ہوں۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے کہ کامیابی میرا مقدر بن جاتی ہے۔ شاید تمہیں یہ جان کر خوشی ہو کہ غزالہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔''

''مبارک ہو!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی۔ ''میں نے اس بارے میں تم سے کبھی بات نہیں کی مگر یہ سوچتا ضرور تھا کہ تم اب تک لاولد کیوں ہو...... یہ کب کی خبر ہے؟''

وہ میرا ہمدرد دوست اور بہی خواہ تھا۔ میں نے اس کی بھرپور خوشی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کچھ پرانی ہے جو دونوں عورتوں تک محدود تھی۔ مجھے گیری کی موت کے بعد مجبوراً یہ بات بتائی گئی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ پیدائش کے لیے اپنے وطن کا سایہ نصیب ہوتا ہے یا وہ پیدائشی جلاوطن ہو گا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو!'' جلال کی آواز میں عجیب سی تڑپ سمٹ آئی۔ ''مایوسی کفر ہے، میں اپنی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تم جلد واپس آؤ گے۔''

''ذرا ایک اور معاملے کے لیے تیار رہنا۔ ویرا مسلمان ہو گئی ہے۔ سلطان شاہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔'' میں نے اس سے وہ آخری بات بھی کہہ ڈالی۔ ''اس نے سارا بوجھ بار تمہارے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ وہ تمہارے مشورے سے اپنا فیصلہ بتائے گا۔''

''یہ دوسری بڑی خوش خبری ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ کیا سلطان شاہ کو قبول کر لے گی؟''

''اسے میں راضی کر لوں گا۔'' میں نے اس پر ویرا کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے کہا۔ ''وہ مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر چکی ہے۔''

''اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو اس سے تمہاری گہری دوستی ہوا کرتی تھی۔''

''وہ سب ماضی کی بھولی ہوئی کہانیاں ہیں۔ ہر فریق انہیں فراموش کر دینے پر آمادہ ہے۔'' میں نے ہلکی سی خفت کے ساتھ وضاحت کی۔

''تم مجھ سے سلطان شاہ کو کیا مشورہ دلوانا چاہتے ہو؟''

''وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت خوشگوار گزرے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس کارِ خیر میں شریک ہو جاؤ۔''

''سلطان شاہ سے کبھی میری زیادہ بے تکلفی نہیں رہی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنے بڑے فیصلے کی ذمے داری میرے اوپر کیوں ڈال دی؟''

''سب موجود تھے، تم نہیں تھے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے تمہارا نام لے دیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ وہ ایک ڈھلان پر اٹکا ہوا بڑا سا پتھر ہے، تم ذرا سا اشارہ کرو گے اور وہ نیچے لڑھکتا چلا جائے گا۔ بے یقینی کے حصار سے باہر آنے کے لیے اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میرا بس چلا تو میں وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھوا دوں گا۔ دعا کرو کہ میں آج رات تک نوم پنہہ پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''یہ یاد رکھنا کہ پاسپورٹ ملنے کے بعد ہم وہاں نہیں

رکیں گے۔ پہلی پرواز سے کہیں بھی نکل جائیں گے۔ ڈان نے راجن کے خاتمے کے بعد بہت تیزی سے طاقت پکڑی ہے۔ میں اس کے حرکت میں آنے سے پہلے اس علاقے کو خیر باد کہہ دینا چاہتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم محسن کش نہیں ہو۔ بنکاک میں ڈان نے تمہیں بہت سہارے فراہم کیے ہیں۔ اس سے ٹکراؤ کی نوبت آ گئی تو تم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکو گے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔'' میں نے خوش دلی سے اس کی دلیل مان لی۔ ''ورنہ ڈان کا قرب حاصل کرنے کے بعد اس پر کسی بھی وقت بے خبری میں وار کیا جا سکتا تھا۔''

''یہ شیر دل مردوں کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ وہ دشمن کو بخشتے ہیں نہ اپنے محسن کو ڈستے ہیں۔ تم نے بھی ڈان کی بہت مدد کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کوئی موقع ملا تو شاید وہ تمہارے ساتھ ایسی کشادہ دلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''

''میں اسی بات سے ڈر رہا ہوں اسی لیے جلد از جلد اس علاقے سے باہر نکل جانا چاہ رہا ہوں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

جلال نے ایک مرتبہ پھر نوم پنہہ میں ملنے کا وعدہ کیا اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔

نان فینگ اس اعتبار سے مجھے شریف النفس آدمی نظر آیا کہ مجھے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے اس نے اکیلا چھوڑ دیا تھا اور زمین میں گڑے ہوئے ایک شہتیر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس کی خالی خالی نگاہیں گودام نما دکان میں ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں ایک مرتبہ پھر بیٹھک نما کمرے سے گزر کر عقبی احاطے میں جا نکلے۔

بجیر و سے نکالے گئے سامان کی کھیپ لے کر ٹھیلا غائب ہو چکا تھا۔ دولڑ کے انجن نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک شخص کہیں سے ٹرالی پر لدے ہوئے سلنڈر لے آیا تھا اور گیس کٹر کے ذریعے بجیر و کی باڈی کاٹنے میں مصروف تھا۔

''تمہارے آدمی اپنے کام میں بہت ماہر ہیں۔'' میں نے تعریف کی۔

''یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے پھرتی اور صفائی سے کام نہ کیا تو میں ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ لوں گا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں بے روزگاری ایک عذاب ہے۔ اس علاقے میں کوئی صنعت ہے نہ تجارت۔ نوکریاں بہت مشکل سے ملتی ہیں۔ زراعت اور گلہ بانی سے سب کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ سیاحوں کی آمد و رفت بڑھے تو یہاں کے مسائل حل ہوں۔ اس وقت تک سرحد پار سے آنے والے مال پر گزر بسر ہوتی رہے گی۔ اپنا کاروبار چلتا ہے، ان کی روزی بھی لگی رہتی ہے۔''

وہ سفر کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کے ایما پر ہم نے اپنا قلیل سا سفری سامان سمیٹا اور اس کی دکان سے ہوتے ہوئے ہم سڑک کی سمت میں باہر نکل آئے جہاں اسٹور کی دیوار کے سائے میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ نان فینگ کے پاس ملازموں کی کمی نہیں تھی۔ وہ گاڑی خوب چمک رہی تھی۔ وہاں نظر آنے والے مرد و زن ہم سے بالکل بے گانہ نظر آ رہے تھے۔ کسی کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ ہماری بجیر و کہاں گئی یا ہم نان فینگ کی گاڑی کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

''تم لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے؟'' نان فینگ نے اپنی کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔ ''حفاظت کے خیال سے ایک پستول لیتے آئے تھے۔''

''میں دیکھے بغیر اس کے پچاس ڈالر دے سکتا ہوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

''کیا یہاں کوئی مقامی کرنسی نہیں ہوتی؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم ڈالروں میں لین دین کے بہت زیادہ عادی معلوم ہوتے ہو۔''

''ڈالر اعتبار والی اور بڑی کرنسی ہے۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں رئیل چلتا ہے۔ وہ ایک ڈالر میں تقریباً چار ہزار ہوتے ہیں۔ ذرا سی چیز لاکھوں کی ہو جاتی ہے۔ مزہ نہیں آتا۔ یہاں ڈالر رئیل سے زیادہ مقبول ہیں۔ دونوں کرنسیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔''

بات بدل گئی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ چند ثانیوں بعد اس نے مجھے ٹوکا کہ میں نے پستول کے بارے میں اس کی پیش کش کا جواب نہیں دیا۔

''فی الحال اسے ہمارے پاس رہنے دو۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ تمہیں مفت میں مل جائے گا۔ ہماری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔'' میں نے ہنس کر ایسا جواب دیا کہ وہ دورانِ سفر ہمیں نہتا کرنے کے بارے میں دوبارہ نہ سوچ سکے گا۔ اس راستے کے بارے میں جلال کی وارننگ نے مجھے نان فینگ کی طرف سے چوکنا کر دیا تھا۔ ڈالروں کے معاملے میں وہ بہت حریص نظر آ رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے دیے ہوئے کم از کم

چار ہزار ڈالر ہماری تحویل میں موجود تھے۔ اس خطیر رقم پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے وہ راستے میں بھی کوئی گھٹیا حرکت کرسکتا تھا۔

گاڑی اپنے پیچھے دھول اڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور سڑک پر چڑھ گئی۔

سیسو پھون زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے آبادی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے سامنے شاندار سڑک پھیلی ہوئی تھی۔ قصبے میں بیٹھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس سے ذرا آگے ایک عمدہ شاہراہ ہوگی۔

دورانِ سفر ہم نے درختوں کے تنوں سے اوپر تک لدے ہوئے کئی بھاری بھرکم ٹرکوں کو اوور ٹیک کیا۔ نان فینگ نے بتایا کہ جنگلات کی لکڑی کمبوڈیا کی اہم قدرتی پیداوار میں شامل ہے۔ مرطوب موسم اور زرخیز زمین کے سبب ملک میں جنگلات کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

راستے میں دائیں بائیں بہت سے یکساں بورڈ دیکھ کر میں نے اس سے استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ بارودی سرنگوں کے بارے میں وارننگ دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ ویت نام کی طویل جنگ اور کمبوڈیا کی خانہ جنگی کے دوران اس ملک کے جنگلات اور گزرگاہوں میں دونوں فریقوں کی طرف سے بے شمار بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں جنہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے کا کام کئی عشروں سے جاری تھا۔ ہدایت کو نظر انداز کرنے والے آئے دن ان سرنگوں کی زد میں آکر ہلاک ہوتے رہتے تھے۔

ان سرنگوں کو پھیلانے پر آنے والی لاگت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے پر سو سے ہزار گنا تک لاگت آتی ہے۔ جدید وسائل دستیاب ہونے کے باوجود ان کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں تلاش کرنے والے بھی ان کی زد میں آکر مارے جاتے ہیں۔

چاؤ فان کے مقابلے میں نان فینگ کم گو تھا مگر اسے بھی تیز رفتاری کا شوق تھا۔ اسٹیئرنگ پر اسے مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ ہم میں سے کوئی اس کی تیز رفتاری پر معترض نہیں ہوا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم دن کے اجالے میں اپنا سفر مکمل کر لیتے۔ میں نے اس دوران میں ان تینوں کو اپنی اور جلال کی تازہ ترین گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ راستے میں چھوٹی بڑی بستیاں آتی اور تیزی سے گزرتی رہیں۔ نان فینگ نے چائے نوشی وغیرہ کے لیے کہیں رکنے کے بارے میں پوچھا تو ہم چاروں نے یک زبان ہو کر انکار کر دیا۔ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمارا جلد از جلد نوم پنہہ پہنچنا ضروری تھا۔ میرے ذہن میں یہ نکتہ بھی موجود تھا کہ سفر کے تسلسل میں نان فینگ ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کرسکتا تھا۔ راستے میں رکنے کی صورت میں اسے آسانی سے کوئی شرارت کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس نے مجھ سے ابتدا میں لڑکیوں کی خریداری کے بارے میں سوال کر کے اپنی ساکھ بگاڑ لی تھی۔ بردہ فروشی جیسا گھناؤنا کام کرنے والا بے ضمیر شخص دو چار ہزار ڈالروں کے لیے کسی کی بھی جان کو خطرہ بن سکتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے ایک ویران جنگل کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار دھیمی کی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے اپنی طویل خاموشی میں ہم سے ڈالر ہتھیانے کی کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ میں چوکنا ہوگیا۔

''کیا بات ہے...... گاڑی کیوں روک رہے ہو؟''

گاڑی سڑک سے اترتے ہی میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''دو منٹ میں پیشاب کر کے آتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس فطری عذر پر کوئی اعتراض بے سود تھا۔ اس نے گاڑی کنارے سے روک کر انجن بند کیا اور اتر کر جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

میں اگلی سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا جس پر مجھے بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

''تم کہاں چلے آرہے ہو...... میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا!'' مجھے اپنے پیچھے آتا ہوا دیکھ کر اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

''میری اور تمہاری حاجات مشترک ہیں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

وہ جھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر جھٹک کر قریبی جھاڑیوں کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت میں نے اس کی ٹی شرٹ کے نیچے ایک واضح ابھار دیکھا۔ اس نے اپنی پشت پر پتلون کی بیلٹ میں کوئی خودکار ہتھیار اڑسا ہوا تھا جس کا دستہ ٹی شرٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

جھاڑیوں کے پاس رک کر اس نے پہلو بدلا۔ میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں جوں ہی اس نے چھپا ہوا ہتھیار نکالنے کے لیے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے ہاتھ ڈالا میں نے نہایت سرعت سے جست لگا کر اسے وہیں دبوچ لیا۔

وہ میری طرف سے کسی کارروائی کے لیے بڑی حد تک

تیار تھا لیکن اسے میری بے خوف پیش قدمی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں نے اس کی پشت سے چھوٹے بور کا خودکار پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے...... میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' وہ میری مضبوط گرفت سے نکلنے کے لیے مچلتے ہوئے بھنّا کر غرایا۔ وہ منظر دیکھ کر تینوں پھرتی سے گاڑی سے نیچے آ گئے۔

نان فینگ کو غیر مسلح کرتے ہی میں نے چھوڑ دیا اور کہا۔ ''یہ کھلونا خوبصورت ہے نوم پنہہ پہنچ کر تمہیں اپنے پستول کے ساتھ لوٹا دوں گا۔''

''مجھے ایسا مذاق پسند نہیں، یہ مجھے لوٹا دو!'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے یہ نہ چھینا ہوتا تو اب تک تم ہمیں اس کی زد پر لے چکے ہوتے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔ ''اب یہ میرے پاس رہے گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں نے اسے ٹٹول کر اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور تم مجھ سے لپٹ پڑے...... میری نیت خراب ہوتی تو میں تمہیں سیسو پھون میں ایک ڈالر بھی نہ دیتا۔ گاڑی چھین کر تمہیں سرحدی پولیس کے حوالے کر دیتا۔''

''میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ تم خود اپنے ذہن کا زہر اگل رہے ہو۔'' میں نے زہرخند لہجے کے ساتھ کہا۔ ''تم ضرور ایسا کرتے لیکن تمہیں اندیشہ تھا کہ سرحدی پولیس تم سے بھاری حصہ طلب کرے گی اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمان ہو رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے توقف میں وہ سنبھالا لے کر تحمل سے بولا۔ ''میری نیت خراب نہیں ہے۔ میں ہمیشہ مسلح ہو کر سفر کرنے کا عادی ہوں......''

''اب تمہارے بجائے ہم مسلح ہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''شرافت سے واپس چلو اور گاڑی چلاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار کر یہیں پھینک دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سڑک سیدھی نوم پنہہ جاتی ہے۔ تمہاری طرح ہم بھی سیدھے لوگ نہیں ہیں۔ مار دھاڑ کی نوبت آ گئی تو تم ہم سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔''

اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر میری دھمکیوں کے وزن کا اندازہ کیا پھر سر جھٹک کر گاڑی کی طرف واپس ہو لیا۔

اس ہنگامے میں وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس نے پیشاب آنے کا بہانہ کر کے گاڑی روکی تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی طنز کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس بار گاڑی میں چھائی ہوئی خاموشی میں کشیدگی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ میں نے بروقت مداخلت کر کے نان فینگ کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اسے کھل کر ہمارے سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے شک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وضاحتوں کی آڑ لے لی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار یوں سر جھٹک رہا تھا جیسے دل ہی دل میں کچھ بول رہا ہو۔

مجھے ڈر تھا کہ اس ہلکے سے تصادم کے نتیجے میں اس کے دماغ پر بغض سوار ہو گیا تو وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر دے گا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ ہم چوری کی کار میں، کسی قسم کی سفری دستاویزات کے بغیر تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوئے تھے۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ ہم سے بدلہ لینے کے لیے وہ باتیں کسی پولیس افسر تک پہنچا دیتا تو ہم کمبوڈیا میں غیر قانونی داخلے اور قیام کے جرائم میں سیدھے حوالات میں پہنچائے جا سکتے تھے۔

میں نے اس کی طمع کا فائدہ اٹھا کر اسے رام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تم خود سے کیا باتیں کیے جا رہے ہو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''تمہارا دل صاف ہے تو آنکھ ملا کر مجھ سے بات کرو۔''

''تم سے آنکھ ملائی تو گاڑی بل دار سڑک سے کہیں بھی اتر جائے گی۔'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔ ''میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے سنگین غلطی کی ہے۔''

''پھوم فاٹ کو یہ جان کر صدمہ ہو گا کہ تم نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے جس بہانے سے گاڑی روکی تھی اسے پورا نہیں کیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہارا مثانہ پھٹنے کے قریب ہے۔'' میں نے تلخی کے بجائے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''دیکھو نان فینگ! ہمارے لیے ڈالر ہاتھ کا میل ہیں۔ زندگی بھر کماتے اور اڑاتے رہے ہیں۔ تم مجھ سے مانگ لیتے تو میں پورے چار ہزار ڈالر تمہیں لوٹا دیتا۔''

''تم ایسے ہی سخی ہو!'' وہ جل کر بولا۔ ڈالروں کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے میری سخاوت کو ہدف بنا لیا۔

''مانگ کر دیکھو، تمہیں میری سخاوت کا علم ہو جائے

گا۔''

''لاؤ کیا دے رہے ہو؟'' اس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔ جیسے اسے مجھ سے ایک کوڑی بھی ملنے کی امید نہ ہو۔

میں نے اس کا دیا ہوا لفافہ اپنی جیب سے نکال کر خاموشی سے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''کیا تم یہ رقم واقعی مجھے دے رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔ ''یہ سب میری ہے۔''

''یہ میری طرف سے خیر سگالی کا اظہار ہے۔ دو ہزار تم لے لو، دو ہزار مجھے لوٹا دو۔ میں سمجھ لوں گا کہ بجیرو کا سودا دو ہزار ڈالر میں ہوا تھا۔ دو پستول تمہیں نوم پنہہ میں مل جائیں گے۔''

''پھوم فاٹ کبھی نہیں مانے گا کہ میں نے تمہاری لائی ہوئی گاڑی اتنے کم داموں میں خریدی ہو گی۔'' اس نے ڈالروں کا لفافہ اپنی گود میں رکھ لیا مگر اسے شک تھا کہ مفت کی وہ رقم اسے ہضم نہیں ہو سکے گی۔'' وہ اس علاقے میں بجیرو کی مارکیٹ سے واقف ہے۔''

''گاڑی اس کی تھی نہ پیسا اس کو پہنچے گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی میں نکال کر لایا۔ یہ سودا یہیں ختم سمجھو۔ قسمت نے ساتھ دیا تو پھر بہت کمالوں گا۔ اس کے بعد تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو یاد رکھنا کہ تم پاتال میں بھی مجھ سے نہیں بچ سکو گے۔''

اس نے رقم کا لفافہ اپنی گود سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میں گاڑی چلا رہا ہوں۔ تم اسے دو جگہ بانٹ لو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے پہلے کوئی گڑبڑ کی تھی نہ اب کروں گا۔''

دو ہزار ڈالر مفت میں ہاتھ آتے ہی اس کا موڈ بحال ہو گیا۔ بقیہ سفر کے دوران میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نوم پنہہ میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔

سورج ڈھلنے سے کافی پہلے ہم نوم پنہہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ راستے میں آنے والی کمبوڈین آبادیوں اور بستیوں کے برعکس اس شہر کی رونق اور شادابی بہت نمایاں تھی۔ وہاں آسمان کو چھو لینے والی عمارتیں نہیں تھیں لیکن شہر کے مضافات میں قدیم اور جدید طرز کے امتزاج سے بنی ہوئی ایک اور دو منزلہ عمارتوں سے مکینوں کی ثروت اور سلیقے کا اظہار ہو رہا تھا۔

نوم پنہہ پہنچنے کے بعد بھی نان فینگ اصرار کرتا رہا کہ ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں لیکن میں نے صاف الفاظ میں اسے بتا دیا کہ ہم اوسط درجے کے کسی ہوٹل میں عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہتے تھے تاکہ کسی کی خصوصی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔

شہر کے مرکزی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک بارونق بازار میں گاڑی روک دی۔ وہاں ایک قطار میں کئی ہوٹل نظر آرہے تھے جن کے سائن بورڈ پر مقامی زبان کے ساتھ انگریزی بھی نظر آرہی تھی۔

نان فینگ ہمیں ہوٹل تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے بمشکل تمام وہیں سے رخصت کر دیا۔ بدلے ہوئے حالات میں، میں ایک لمحے کے لیے بھی ایسے کسی ہوٹل میں رکنا نہیں چاہ رہا تھا جہاں تک نان فینگ کی رسائی ممکن ہو۔

ہم ٹہلنے والے انداز میں فٹ پاتھ کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔

کمبوڈیا کا شمار مشرق بعید کے پس ماندہ اور غریب ملکوں میں ہوتا ہے مگر وہاں ہر سال غیر ملکی سیاح قدرتی مناظر اور مقامی معاشرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ اس وقت بھی پستہ قامت اور دبلے پتلے مقامیوں میں لمبے تڑنگے اور جسیم امریکیوں کے ساتھ یورپ کے مختلف خطوں کے مرد و زن بھی موجود تھے۔ امریکیوں کے لیے دو عشروں پر محیط ویت نام کی جنگ کے حوالے سے اس پورے خطے کے چپے چپے پر یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس جنگ سے زندہ لوٹنے والے ہزاروں امریکی سپاہی اپنے جوان بچوں کو وہ جگہیں دکھانے لاتے ہیں جہاں انہوں نے اپنی جوانی میں امریکا کے وقار کو بچانے کے لیے ایک بہت لمبی جنگ لڑی اور آخر کار شکست کا داغ لے کر رخصت ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس بھیڑ کے ساتھ خراماں خراماں بڑھتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ نان فینگ اس علاقے سے رخصت ہو گیا تو میں ٹیکسی لینے کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے آ گیا۔

بنکاک کے خالص مشینی ٹریفک کے مقابلے میں نوم پنہہ کا ٹریفک ملا جلا تھا۔ وہاں سائیکل رکشا کی کثرت تھی جنہیں نحیف و ناتواں جسم پوری مشقت سے کھینچتے ہیں۔ خال خال دو پہیوں والے ہاتھ رکشا بھی نظر آرہے تھے جنہیں آدمی دونوں بازوؤں سے کھینچ کر دوڑتے ہیں۔

مجھے زیادہ دیر تک ان مظاہر کا مشاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سے اشارے پر ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ رکی۔ میں کوئین ہوٹل کا نام لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں پیچھے سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے میٹر گرایا اور ٹیکسی چل دی۔

''میرے اوپر کیوں سوار ہو رہے ہو، ذرا الگ بیٹھو!''
ویرا کا وہ شکوہ سن کر میں نے پیچھے دیکھا تو صورت حال دلچسپ تھی۔ ویرا دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔
''بگڑ کیوں رہی ہو...... یہاں جگہ ہی تنگ ہے۔''
سلطان شاہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جسامت کے لحاظ سے نشستیں بنوائی ہیں۔ ملنے جلنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔''
''پھنس کر بیٹھ گئے ہو تو ذرا اپنے ہاتھ پیروں پر قابو رکھنا۔'' ویرا نے ناگواری سے کہا۔ ''مجھے کہنی لگی تو دروازہ کھول کر تمہیں نیچے اتار دوں گی یا خود اتر جاؤں گی۔''
''دماغ ٹھنڈا رکھو!'' میں نے ویرا سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی ہوا تمہیں راس نہیں آئی۔ نان فینگ کی گاڑی میں بھی تم تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت تمہیں کسی سے شکایت نہیں ہوئی۔ صبر سے کام لو، سفر چند منٹ میں ختم ہو جائے گا۔''
میری مداخلت پر ان دونوں کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔
ٹیکسی کافی دیر تک شہر کی بھری پری سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اس دوران میں، میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار جا بہ جا مسافروں کو ان کی منزل تک لے جا رہے تھے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اس علاقے کے بعض بڑے شہروں میں موٹر سائیکل ٹیکسی کا سسٹم رائج تھا۔ اکیلے مسافروں کے لیے وہ سواری تیز اور باکفایت ثابت ہوتی تھی۔
کافی دیر بعد ٹیکسی رک گئی۔ میں نے میٹر دیکھ کر رئیل کو چار ہزار سے تقسیم کیا اور پانچ ڈالر کا ایک نوٹ ڈرائیور کے حوالے کر دیا۔ وہ ہمیں اتارتے ہی تیزی سے رفو چکر ہو گیا۔ میں نے فٹ پاتھ پر آ کر گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو میری کھوپڑی ناچ اٹھی۔ چند سو گز کے فاصلے پر ہمیں ہوٹلوں کی وہ قطار نظر آ رہی تھی جس کے قریب نان فینگ نے ہمیں اتارا تھا۔
ٹیکسی ڈرائیور نے ہماری لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بلاوجہ سڑکوں پر گھمایا اور کرایے کی رقم کے ساتھ ٹپ کی رقم بھی لے اڑا۔ وہ سیر و سیاحت کا ایک حصہ تھا۔ اجنبی شہروں کا سفر کرنے والوں کو عام طور پر اپنی بے خبری کا بھاری خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر اپنا خون جلانا بے سود تھا۔
کوئین ہوٹل واقعی صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ عمارت کل چار منزلوں پر محیط تھی۔ اندر گھستے ہی ہم سب کی طبیعت خوش ہو گئی۔
کاؤنٹر پر ہم نے برابر کے دو ڈبل روم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری کر دی گئی۔ خوش شکل لڑکی نے اندراج کے لیے فارم آگے کھسکائے تو میں نے مسٹر اور مسز دلاور لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ ویرا نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور الٹے سیدھے دستخط کر کے فارم دوبارہ میری طرف سرکا دیا۔ وہ سمجھے بوجھے بغیر خود کو کوئی نام نہیں دینا چاہتی تھی۔
میں نے ان کے فارم پر مسٹر اینڈ مسز شا کا اندراج کر کے فارم لوٹائے تو لڑکی نے دیگر کوائف کے لیے ہمارے پاسپورٹ طلب کیے۔ میں اس نازک مرحلے کے لیے تیار تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اسے بتایا کہ ہمارے پاسپورٹ وغیرہ ہمارے پانچویں ساتھی کے پاس تھے جو ایک دو روز میں نوم پنہ پہنچنے والا تھا۔
میں نے اس سوچے سمجھے جواب کے ذریعے لڑکی کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی تھی کہ ہم سب اس کے ہوٹل میں کئی دنوں کے قیام کے ارادے سے آئے تھے اس لیے وہ ہم سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کرے جو وہاں سے ہماری واپسی کا سبب بن جائے۔
لڑکی ذہین اور اپنے کام میں ہوشیار تھی۔ اس نے ایک ادا سے مسکرا کر نیور مائنڈ کہا پھر گزارش کی کہ ہم اپنے پانچویں ساتھی کے آتے ہی اپنے اندراجات ضرور مکمل کرا لیں۔
اس نے پورٹر کو چابیاں دیں اور ہم لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر اپنے کمروں میں پہنچ گئے جہاں ہر شے سے نفاست اور آرام کے قرینوں کا اظہار ہو رہا تھا۔
پورٹر کے جاتے ہی سلطان شاہ ہمارے کمرے میں گھس آیا۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔
''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ آتے ہی برہمی کے لہجے میں بولا۔ ''میں روزی کے ساتھ ایک کمرے میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ میں فٹ پاتھ پر یا کسی پارک میں رات گزار لوں گا......''
''روزی نہیں، اب اس نام کو بھول جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''پچھلے نام ہم بنکاک میں چھوڑ آئے ہیں۔''
''ہاں، اب میرے اور تمہارے نام مسٹر اور مسز شاہ ہیں!'' ویرا نے شاہ کے صحیح مخرج پر زور دیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ''یہ نام دلاور نے دیے ہیں۔''
''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا...... میں ابھی نیچے جا کر نام بدلواتا

ہوں۔“
”بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہم مشتبہ ہو جائیں گے۔“ میں نے سختی سے سمجھایا۔ ”خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں پاسپورٹوں کے بغیر اس ہوٹل میں جگہ مل گئی۔“
”تم نے اسے میری مسز کیوں لکھوایا؟“ وہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ ”میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔“
”تم گھامڑ ہو!“ مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ ”وہ شاہ نہیں انگریزی والا شا ہے، ایس ایچ اے ڈبلیو..... کچھ آیا تمہاری سمجھ میں! فارم میں لکھنے سے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ عملاً تم دونوں اب بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو۔ اس پر اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟“
میرا لہجہ بلند ہوا تو سلطان شاہ دھیما پڑ گیا۔ ”مان لیا کہ فرضی ناموں سے کچھ نہیں ہوتا لیکن تم کو میرے لیے الگ کمرا لینا چاہیے تھا۔ تین کے بجائے دو کمرے لینے کی کیا تک تھی؟“
”ضرورت ہوتی تو میں چار کمرے بھی لے لیتا۔ تمہیں ویرا کے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے تو غزالہ وہاں چلی جائے گی، تم میرے کمرے میں سو لینا!“
”ابھی تم مسٹر شا کو میرا پچھلا نام لینے پر تادیب کر رہے تھے اب خود سب کے اصل نام لے رہے ہو۔ یہ کون سی منطق ہے؟“ ویرا نے سوال کیا۔ وہ اس وقت سلطان شاہ کو اشتعال دلانے پر تلی ہوئی تھی۔
”اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ!“ میں نے اسے گھور کے کہا۔ ”وہ غصے میں نام لے رہا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر بات واضح کرنے کے لیے نام لیے ہیں۔ ہوش و حواس میں رہ کر ہم آپس میں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپے سے باہر ہو کر ہم نے غلط موقع پر کوئی غلط بات کہہ دی تو مصیبت آ جائے گی۔“
”مسٹر شا! سن لیا تم نے؟“ ویرا نے چڑانے والے انداز میں سلطان شاہ سے کہا۔ ”یہ فرمانِ امروز ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔“
”یہ نہ بھولو کہ تمہاری یہ باتیں میرے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!“ سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو دھمکی دی۔
”اب تو فیصلہ جلال ہی کرے گا۔ تم اپنی بے بضاعتی تسلیم کر چکے ہو۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔
”مجھے بتایا جائے کہ کون سا کمرا میرا ہے۔“ وہ منہ پھیر کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”میں اس ماحول میں زیادہ دیر رکا رہا تو میرا سر پھٹ جائے گا۔“
”آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔“ ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ لے کر دروازے کی طرف چل دی۔
”وہ جب چاہتی ہے بہت آسانی سے تمہارا خون کھولا دیتی ہے۔“ تخلیہ ہونے پر میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ”تم اسے نظر انداز کیوں نہیں کر دیتے۔“
”اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”اس نے پورٹر کے جاتے ہی اول فول بکنا شروع کر دیا اور میں گھبرا گیا۔ میں اس کے ساتھ کچھ دیر اور رکا رہتا تو وہ دباؤ ڈال کر مجھ سے نہ جانے کیا کہلوا لیتی۔“
سلطان شاہ جیسے ذہین اور ہوشیار آدمی کی زبان سے وہ احمقانہ جواب سن کر میں بہ مشکل اپنی بے ساختہ ہنسی روک سکا۔ ویرا کا کمال یہی تھا کہ وہ کسی زیرک ترین آدمی کو بھی ذرا سی دیر میں ذہنی فتور میں مبتلا کر سکتی تھی۔
سلطان شاہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شرمیلا تھا۔ ویرا جارح مزاج کی مالک تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجوزہ ازدواجی رشتے کی براہِ راست بات چھیڑ کر سلطان شاہ کو امتحان میں ڈالا ہوگا۔
ہم نے سیسوپھون میں مختصر سے قیام سے قطع نظر، بنکاک سے نوم پنہہ تک کا طویل سفر مسلسل طے کیا تھا۔ تھکن سے سب چور تھے۔ نان فینگ کے مہمان خانے میں کسی نے ڈونگے اور بالٹی کے ذریعے غسل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے پہلے سلطان شاہ کو موقع دیا پھر خود باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کے تیز شاور کے نیچے نہانے کے بعد میں باہر آیا تو نیند آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔
سلطان شاہ نے انٹر کام پر غزالہ سے بات کر کے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ویرا سو چکی تھی اور خود سونے کی تیاری کر رہی تھی۔
کمرے کے منی بار میں متعدد شرابیں موجود تھیں جن میں انگ کار اور اے بی سی نامی مقامی بیئر کی تعداد اور مقدار غالب تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس چھوٹے ریفریجریٹر میں منرل واٹر کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں نے ٹھنڈے پانی کی پوری چھوٹی بوتل اپنے معدے میں اتاری اور بستر پر گر گیا۔

☆☆☆

میں ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ نیند کے عالم میں مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے جن کا تعلق مجھ سے درپیش مسائل سے تھا۔ میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہتا مگر فون کی مسلسل گھنٹیوں نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔
وال کلاک کی سوئیاں اس وقت دو بجا رہی تھیں۔ ہم سر

شام سوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ میں نے غنودہ ذہن کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی آپریٹر مجھے معذرت خواہانہ انداز میں جلال کی کال کی خبر دے رہی تھی۔

وہ اس روز کی اہم ترین اطلاع تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی یا اسلام آباد سے نوم پنہہ کے لیے کوئی براہِ راست پرواز نہ ہونے کی وجہ سے جلال اپنے وعدے کے مطابق بروقت نوم پنہہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی فون کال میرے یقین کی نفی کر رہی تھی۔

اس نے زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بتایا کہ وہ اسی وقت کمبوڈین کسٹم سے فارغ ہو کر ایئرپورٹ آیا تھا اور اپنے سرکاری استحقاق کے مطابق کسی فور اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپریٹر کی زبان اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن سے نیند کا گہرا خمار کافور ہو چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا۔ اس وقت تک حالات سازگار تھے۔ کہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ میں نے اسے کوئین ہوٹل آنے کا مشورہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔

میری نیند اڑ چکی تھی۔ میں اپنی تھکن سے نڈھال تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلال نے ہم سے زیادہ مصروف اور تھکا دینے والا دن گزارا تھا۔ اپنی دفتری مصروفیات سے نمٹ کر اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا جس میں کہیں نہ کہیں پرواز کی تبدیلی بھی شامل رہی ہوگی۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرانے سوال پھر ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں نے بہت دور تک اپنی لڑائی لڑ لی تھی۔ آنے والے دنوں میں غزالہ اور نئے مہمان کو میری توجہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ میں اپنی سرگرمیوں سے ریٹائر ہو جاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں دوسروں کو اپنے اس فیصلے سے کیسے آگاہ کر سکوں گا!

سوچتے سوچتے بھوک کا احساس جاگ اٹھا۔ کمرے میں چاکلیٹس کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔ زیادہ کپڑے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے میں قمیص پتلون میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ غسل خانے کے آئینے میں، میں نے لباس کا جائزہ لیا۔ کسی شب بیدار سیاح کے لیے وہ لباس موزوں تھا۔ منہ دھو کر میں نے بال درست کیے اور غسل خانے سے نکل کر روشنی گل کر دی۔

سلطان شاہ بستر پر پیٹ کے بل لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ فون کی تیز گھنٹیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔ میں چابی لے کر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ مجھے توقع تھی کہ باہر کے بازار میں مجھے اپنی شکم پری کے لیے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

لفٹ سے نچلی منزل پر پہنچنے کے بعد میں نے چابی کاؤنٹر پر دیتے ہوئے یہ بتا دیا کہ میرا ایک ساتھی کمرے میں سو رہا تھا۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے اسی لمحے ایک کارڈ بنا کر میرے حوالے کر دیا۔ کارڈ دکھا کر میں آسانی سے اپنے کمرے کی چابی حاصل کر سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا ہوٹل کے صدر دروازے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا تو میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔ پورچ میں جلال ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اول خان بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔

وہ دونوں میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کو دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کی طرف جا رہا تھا کہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے جلال نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور ہوٹل آنے کے لیے مڑا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر جلال ہکا بکا رہ گیا۔ اول خان نے بریف کیس سمیت اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور میری طرف دوڑ پڑا۔

ہم سب ایک اجنبی سرزمین پر تھے جہاں کوئی ہمیں نہیں پہچانتا تھا۔ اجنبیوں کی حیرت یا ہنسی کی پروا کیے بغیر تینوں نے اپنے بے لگام جذبوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اول خان کو دوڑتا دیکھ کر جلال نے بھی اپنے افسرانہ وقار کو بالائے طاق رکھ کر دوڑ لگا دی۔ ہم پورچ کے تقریباً وسط میں والہانہ انداز میں آپس میں لپٹ گئے۔ اول خان نے اپنے گداز ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔

وہ منظر دیکھ کر کسی من چلے نے ہارن بجایا۔ تینوں میں سے کسی نے پروا نہیں کی۔ پورچ میں داخل ہونے والی گاڑی کی روشنیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں جھولتے ہوئے ایک ایک بریف کیس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے نہایت عجلت میں وہ سفر کیا تھا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اول خان کو بھی اپنے ساتھ

لائے ہو!'' برآمدے میں رک کر میں نے جلال سے شکوہ کیا۔ میری زبان پر شکایت تھی لیکن اندر ہی اندر خوشی کے گلاب کھلے جارہے تھے۔ ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری راہ میں حائل ساری رکاوٹیں یک بہ یک دور ہوگئی ہوں۔ ذہن میں کوئی مسئلہ باقی رہا تھا نہ پریشانی۔

''یہ تمہارے لیے سرپرائز تھا!'' جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر کھڑے ہو کر ہمارا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ کیا تم نے ہر احتیاط کو خیرباد کہہ دیا ہے؟''

''اب تک نہیں کہا، اب کہہ دوں گا۔ یہ اتفاق ہے کہ ہمارا آمنا سامنا ہوگیا۔ ہم صبح دس بجے کھانا یا ناشتا کرکے چلے تھے۔ اس کے بعد کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی۔ تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو تینوں کی طرح میں بھی اس وقت بے خبر سو رہا ہوتا۔''

''یوں کہو کہ شکم پری کے لیے نکلے تھے!'' جلال خوشی سے کھلا جارہا تھا۔

''جاؤ، یہ کارِ خیر ضروری ہے۔'' جلال نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہمارے لیے بھی کچھ لیتے آنا۔ اول خان کے مراق کی وجہ سے جہاز پر ہم دونوں نے صرف کافی پینے پر اکتفا کیا...... اپنے کمرے کا نمبر بتا دو ہم چیک ان کرتے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد میں تمہیں رنگ کرلوں گا۔''

''میں اتنا بھوکا نہیں ہوں۔ چند منٹ زندہ رہ سکتا ہوں۔'' میں ان کے ساتھ اندر چل دیا۔

میں ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھ چکا تھا کہ ڈیوٹی تبدیل ہونے کی وجہ سے فرنٹ ڈیسک پر نئی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے ہمارے پاسپورٹوں کے مسئلے یا پانچویں ساتھی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس لڑکی نے بورڈ پر سے میرے کمرے کی چابی اتاری۔ میں نے مسکرا کے اسے چابی لوٹانے سے روک دیا۔

ان دونوں کو بھی چوتھی منزل پر الگ الگ کمرے مل گئے۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم سب ایک فلور پر جمع ہو رہے تھے۔ ان کے کمروں کے نمبر معلوم ہوتے ہی میں اپنے مشن پر روانہ ہوگیا۔

نوم پنہہ میں بازار جزوی طور پر کھلا ہوا تھا۔ سڑکوں وغیرہ پر کچھ نہ کچھ چہل پہل بھی ہو رہی تھی۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر زیادہ رونق تھی لیکن ان تمام سرگرمیوں میں وہ تیزی اور رنگ آمیزی نہیں تھی جو بنکاک میں نظر آتی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ اتنی رات گئے میں سڑک پر اکیلا نہیں تھا۔

ہوٹل کے برآمدے سے کاؤنٹر تک جاتے ہوئے جلال نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایمرجنسی میں کراچی سے ہانگ کانگ اور وہاں سے واپس کمبوڈیا آئے تھے۔ دوسری پرواز پر ایئرہوسٹس نے مسافروں میں ان کی پسند کے مطابق خنزیر، بکری اور مرغی کے گوشت کے سینڈوچز پیش کیے۔ وہ ہر قسم کے سینڈوچ ایک ہی چمٹے سے اٹھا رہی تھی۔ اول خان کو شک تھا کہ اس عمل میں ہر قسم کے گوشت کے ریشے مسافروں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ خنزیر کا گوشت چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نشان دہی پر جلال نے بھی اس پرواز پر کچھ کھانے سے گریز کیا اور دونوں صرف کافی پی کر نوم پنہہ پہنچ گئے۔

وہ اول خان کا مراق نہیں مناسب احتیاط تھی۔ سامان خورد و نوش کی خریداری میں مجھے بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھنا تھا۔

بازار میں کھانے پینے کی متعدد دکانیں کھلی ہوئی تھیں جہاں مے نوشوں کی شکم پری کے لیے بہت کچھ تلا اور بھونا جا رہا تھا۔ فضا بھانت بھانت کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں سبزیوں کی ڈشیں بیچنے والی ایک چھوٹی سی دکان تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جسے ایک مقامی لڑکی اپنے باپ یا عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ چلا رہی تھی۔

اس دکان سے کچھ منتخب خریداری کرکے میں واپس ہوٹل کی طرف ہولیا۔

چوتھی منزل پر لفٹ سے اتر کر میں راہ داری میں نکلا تو سامنے والے دروازے پر وہ نمبر نظر آیا جو اول خان کے حصے میں آیا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں لوٹنے کا ارادہ ملتوی کرکے وہاں دستک دی۔ اول خان نے دروازہ کھول کر مجھے اندر بلا لیا۔

مجھ سے مل کر وہ اس قدر خوش اور پُرجوش تھا کہ میرے ہاتھ سے تھیلیاں لے کر میز پر رکھتے ہی دوبارہ بغل گیر ہوگیا۔ اس کی محبت کے اس بے پایاں اظہار نے مجھے عجیب جذباتی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں سکون سے بیٹھے تو میں نے اول خان سے اس کی غیر متوقع آمد کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

جلال کراچی اور اسلام آباد کے چکر میں پھنسا رہتا تھا۔ اول خان تربت میں تھا۔ میرے لیے یہ معمّا ناقابلِ فہم تھا کہ آپس میں بہت زیادہ بے تکلف نہ ہونے کے باوجود وہ دونوں اس سفر میں کیسے یک جا ہوگئے۔

''مجھے اوپر سے حکم ملا تھا کہ فوری طور پر کراچی پہنچ کر جلال سے ملوں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''کراچی آیا تو جلال نشستوں کے حصول کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔''

''جلال تمہارے باس سے رجوع کرنے کے بجائے براہ راست تم کو یہاں آنے کی دعوت دے سکتا تھا۔'' میں نے اپنے تحفظ کا اظہار کیا۔

''جلال نے کوئی سمری اوپر بھجوائی تھی جو راجن کے انجام کے بارے میں تھی۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اسے اندازہ تھا کہ تم بنکاک میں بری طرح پھنس گئے ہو۔ وہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں فوری طور پر نئے پاسپورٹوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ اسے دبئی جانا پڑا۔ وہ ایک الگ قصہ ہے۔ وہ دبئی سے واپس آیا تو ایک ارجنٹ حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جلال کی سمری پر اعلیٰ ترین سطح سے حکم جاری ہوا تھا کہ فوری طور پر ایک دونفری وفد تم لوگوں کو پورے احترام کے ساتھ بنکاک سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔ اس وقت تک اوپر والوں کو تمہاری نوم پنہہ آمد کا علم نہیں تھا مگر جلال کو پل پل کی خبر تھی ہم دونوں بنکاک جانے کے بجائے ادھر آگئے۔''

''دونفری وفد میں تم کیسے شامل ہوگئے؟'' میرا تجسس برقرار تھا۔

''میں نے راجن کے بھیجے ہوئے دہشت گرد پکڑ لیے۔ سب کو علم تھا کہ یہ کارروائی تمہاری ٹپ کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ویسے بھی مقتدر حلقوں میں سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف سے تمہارا بہت قریبی رابطہ رہا ہے اسی طرح تمہارے اور جلال کے مراسم خفیہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ حکم نامے میں ہم دونوں کو اس وفد کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت تسکین ہوئی کہ خفیہ طور پر سہی لیکن پہلی بار اعلیٰ ترین سطح پر تمہاری بے مثال خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف والے کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہیں۔ آئین اور قانون کی دستاویزات میں ہمارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے سب کام زبانی ہوتے ہیں۔ اس بارے میں پوری تفصیل جلال کے علم میں ہوگی۔ ہماری فورس کی طرح تم بھی ہمیشہ پس پردہ رہے ہو۔ نیچے سے اوپر تک، ہر شخص تمہاری خدمات سے باخبر ہے لیکن تمہیں گلے سے نہیں لگا سکتا کیونکہ ہمارے طرح تمہاری کام کرنے کے طریقے بھی ہر قانون سے ماورا رہے ہیں۔ ہم سب نے اپنے ضمیر کی نوکری کی ہے۔ جسے ملک اور قوم کے مفادات کا دشمن جانا، اس کا خون پی گئے۔ بدخواہ جرم کا درجہ دیتے ہیں، ہم سب کو مجرم گردانتے ہیں۔ ہمارے خیر خواہ بلکہ ہمیں وجود میں لانے والے بھی ہمارے حق میں کچھ نہیں بول پاتے کیونکہ ریکارڈ کے مطابق ہمارا کوئی وجود نہیں ہے۔''

مجھے اپنا سینہ کچھ پھولتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے لیے یہ واقعی عزت و افتخار کی بات تھی کہ اپنے دشمنوں کی طرف سے بدترین اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے باوجود میں اپنوں کی نظر میں آخر کار عزت و احترام کا حقدار گردانا گیا تھا۔ وہ خفیہ سرکاری اعتراف میری برسوں کی جاں سوز اور زہرہ گداز جدوجہد کا ثمر تھا۔ اندر کی تڑپ اور محرومی کے پرخلش احساس سے مجھے یک بہ یک نجات مل گئی۔ وہ دونوں میرے جگری دوستوں کی حیثیت سے نہیں، ایک خفیہ سرکاری وفد کی صورت میں میری معاونت کے لیے آئے تھے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اس کٹھن موڑ پر میرے ملک کے بڑوں کو میری دست گیری کا خیال آگیا تھا۔ مجھے بس ایک خلش رہ گئی تھی۔ وہ دونفری وفد مجھے حالات کے بھنور سے نکالنے کے لیے آیا تھا مگر میری اپنے وطن واپسی کا دروازہ پھر بھی بند تھا۔ اس بارے میں اول خان کی طویل تقریر نے بھی کسی اور محفوظ مقام پر منتقلی کی خبر سنائی تھی منزل کے طور پر پاکستان کا نام کہیں نہیں آیا تھا۔

ایس ٹی ایف پاکستان میں پنپ رہی تھی۔ اس کی حیثیت وہ تھی جو ہر چند کہیں کہ ہے مگر نہیں ہے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کا کام سامنے آتا تھا، ریکارڈ پر اس کا وجود نہیں ملتا تھا۔ امریکیوں کو اپنے خفیہ ذرائع سے سب کچھ معلوم تھا۔ ایس ٹی ایف پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی مگر اپنی گوناگوں سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے وہ سرکاری سطح پر اس کا اظہار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنے دشمنوں کے لیے ایک ٹھوس وجود تھا۔ جسے وہ پیس کر ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے تھے۔ میرے لگائے ہوئے زخم ان کے دلوں، جسموں اور فائلوں میں رستے رہتے تھے، وہ میرے خون کے پیاسے تھے، ان کے خون آشام ایجنٹ ہر طرف میری بو سونگھتے پھرتے تھے۔ ان حالات میں پاکستان میں میرا وجود نہیں پنپ سکتا تھا۔ افق تاریک تھا۔ مجھے اپنے اس کرب کا کوئی درماں نظر نہیں آرہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی میں مجھے یاد آیا کہ اول خان نے سب کی خیریت معلوم کرنے کے باوجود غزالہ کے حوالے سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ میں نے بھی کوئی ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اب کسی نہ کسی طرح میرے کام کو مانا گیا ہے۔ دوسری خوشی یہ

ہے کہ تم اور جلال یکجا نظر آ رہے ہو۔ تم دونوں کے درمیان ہمیشہ کچھ فاصلہ رہا ہے۔ کبھی ایک دوسرے سے کھل مل نہیں سکے۔''

''وہ نک چڑھا افسر مشہور ہے۔ بڑوں کی بے جا ناز برداری میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں خود ہی محتاط رہا۔ اس سفر میں مجھے اس کے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ وہ بہت کھلے دل اور دماغ کا مالک ہے۔ طبیعت کا کھرا اور صاف گو ہے۔ اس لیے دور سے کچھ اکھڑ سا نظر آتا ہے۔''

''غنیمت ہے کہ اس سفر کے طفیل تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی۔ تم دونوں کے مراسم کی سرد مہری میرے لیے بھی کبھی پریشانی کا سبب بنتی رہی ہے۔ شاید اب یہ رفع ہو جائے۔''

''اوہ...... تمہارا لایا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جلال بھوکا ہے، اسے بلا لینا چاہیے۔'' اول خان کو اچانک یاد آ گیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر ہم کھانے کو بھول گئے تھے۔

جلال فوری طور پر آ گیا۔ میں کسی کی نیند میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر مجھے اپنے تینوں ساتھیوں کی فکر تھی۔ میری طرح وہ بھی بھوکے تھے۔ انٹرکام کی گھنٹی نیند میں خلل ڈالتی میں ان دونوں سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ چابی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ تینوں متوحش انداز میں وہیں جمع تھے۔

''تم خاموشی سے کہاں غائب ہو گئے تھے...... تم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا!''

''آپ کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی میرے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی!''

''میں تمہارے ساتھ تھا، کہیں جانا تھا تو کم از کم مجھے تو بتا دیتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔ اتنی رات کو کہاں نکل گئے تھے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی شکایتیں سنیں۔ ان کا بارود ختم ہونے کے بعد میں نے رسان سے کہا۔ ''میں کوئی شیر خوار نہیں ہوں......''

''وہ بھی آ جائے گا۔'' ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔ چار سو پندرہ نمبر کمرے میں حیرتیں تمہاری منتظر ہیں!'' یہ کہہ کر میں دوبارہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''حیرتیں کیا ہوں گی۔ زیادہ سے زیادہ جلال آ گیا ہوگا!'' مجھے اپنے عقب میں ویرا کی اونچی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ بدحواس ہونے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

''اس کے آ جانے کا مطلب ہے کہ کل ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔'' اول خان نے ویرا کے تبصرے کے جواب میں رائے زنی کی۔

''کل بہت دور ہے۔ آج کی بات کرو۔ رات کے بارہ بجے نیا دن شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں!'' غزالہ نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔

میں نے اس مختصر سے جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی تو اول خان نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی تینوں اپنی بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں پر قابو نہ رکھ سکے۔

کمرے میں پہنچے تو کھانے کا سامان میز پر لگا ہوا تھا مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ سب بہت تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ خیرسگالی کا بھرپور اظہار ہوا پھر اول خان پر سوالات کا حملہ شروع ہو گیا۔ تینوں کے لیے جلال کی آمد متوقع تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اول خان اچانک نوم پنہہ کیسے پہنچ گیا۔

''کھانا کھاؤ!'' جلال نے لقمہ لینے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ''سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ یہ باتیں کھانے کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔''

نیند اور بھوک پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بھوک کی نقاہت ہر چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ سب جلال کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں اول خان نے اختصار کے ساتھ ان تینوں کو اپنی اچانک آمد کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''سارا مسئلہ نئے پاسپورٹوں کا تھا۔'' ویرا لقمہ چباتے ہوئے بولی۔ ''وہ مل جائے تو ہم لوگ خاموشی کے ساتھ نہیں بھی نکل جاتے۔ تم دونوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''ہمارا آنا ناگزیر تھا کہ بعض معاملات طے ہو سکیں۔'' جلال نے کہا۔ ''ویسے بھی تم اسے خیرسگالی کا سرکاری اظہار سمجھ سکتی ہو۔ تم لوگوں کی بے لوث خدمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔''

''شاید راجن کی موت اہم ترین موڑ ثابت ہوئی ہے۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''سوبھراج ملک کے لیے اہم ترین مسئلہ تھا۔ بات وہیں سے چلی تھی۔ اسے عدالت میں لایا جاتا تو نہ جانے کن کن پردہ نشینوں کے نام سامنے آتے۔ پورا ملک ایک خوفناک سیاسی بحران کی لپیٹ میں آ جاتا۔ کئی دنوں تک اسلام آباد

میں کسی کو یقین نہیں آسکا کہ سوبھراج اتنی راز داری سے مارا گیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

"اس میں میرے ارادے سے زیادہ راجن کی مجبوری کا دخل تھا۔ امریکی فوجیوں سے بولے ہوئے جھوٹ کو نبھانے کے لیے اس نے سوبھراج کے باقیات کو نرائن پرشاد کی ہڈیاں قرار دے دیا۔ وہ شور مچا دیتا تو سوبھراج کو مروانے کا الزام تم لوگوں کے سر آجاتا۔" میں نے کہا۔

"اسباب کچھ بھی رہے ہوں، اس کے خاتمے میں تمہارا کردار بہت اہم تھا۔ وہاں سے اسلام آباد کی سوچ میں تبدیلی آئی اور ہم سے تمہارے بارے میں سارا ریکارڈ طلب کرلیا گیا۔ وہ قصہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک راجن کی موت کی خبر نے وہاں ایک دھماکا کردیا۔ وہ مدت سے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔"

"کچھ بھی ہو، یہ بڑی بات ہے کہ آج تم دونوں سرکاری حیثیت میں ہم سب کے پاس آئے ہو۔" ویرا نے پوری بات سمجھنے کے بعد اعتراف کیا۔

کھانے کا دور مختصر رہا۔ میں اپنے حساب سے خاصا سامان لایا تھا لیکن میز پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ سب کو اتنا سہارا ضرور مل گیا تھا کہ سکون سے صبح کے ناشتے کا انتظار کیا جاسکے۔

کھانے کے بعد باتوں کا دور شروع ہوگیا۔ گزرے ہوئے واقعات دہرائے جارہے تھے یا مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال ان باتوں میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے پراسراری خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ساتھ نہیں تھا' کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اس کی تفکر آمیز خاموشی میرے لیے پریشان کن تھی۔

"اب ایک سنجیدہ مسئلے پر تمہاری رائے درکار ہے۔" ایک مرحلے پر میں نے موقع پاکر جلال سے کہا۔" سلطان شاہ کی نظروں میں تمہاری ذات مشورے کے لیے....."

سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی۔"وہ میرا مسئلہ ہے، میں تخلیے میں خود بات کرلوں گا۔"

"میں ضرور وقت دوں گا۔" جلال نے گمبھیر لہجے میں اسے یقین دہانی کرائی۔"فی الحال ذہنی سے میں تخلیے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ فیصلہ کن امور پر کچھ طے ہوجانا چاہیے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی عجیب سی بات تھی۔ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس کا اشارہ بہت واضح تھا۔ چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے اول خان کو وہیں روک لیا۔ تینوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

جلال نے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لیا مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ تلاش کررہا تھا۔ میری اور اول خان کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ایک مدت کے بعد یہ مرحلہ آیا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔" اس نے دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔"تم نے اپنی ذمے داریوں سے زیادہ کام پورے کرلیے ہیں۔ تمہارے سامنے کوئی حریف باقی نہیں رہا۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم موڑ ہے....."

"تم بھول رہے ہو کہ امریکی بھیڑیے آج بھی میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔" میں نے قطع کلامی کرکے اس کی تصحیح کی۔

"میں اسی طرف آرہا تھا۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تحمل سے کہا۔"یہ تمہاری زندگی کا اہم بلکہ اہم ترین موڑ ہے۔ کچھ دنوں میں تم صاحب اولاد ہوجاؤ گے۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم سکون اور عافیت کی زندگی گزار کر اپنے گھربار پر توجہ دینا چاہتے ہو یا عمر بھر یوں ہی اپنے دشمنوں سے لڑتے اور بھاگتے رہو گے۔ یہ یاد رکھو کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ قانون کبھی تمہارا مددگار نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں نے تمہارے خلاف اتنی لمبی فرد جرم تیار کی ہوئی ہے کہ دنیا کے کسی ملک کا قانون تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ اس میں گیری کے قتل کا اضافہ بھی ہوجائے گا۔ تم کو اپنی لڑائی خود لڑنا ہوگی۔"

اس نے وہ سب کہہ ڈالا جو میرے ذہن میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے یہ واضح کردیا کہ امریکیوں کے سوا میں نے اس وقت تک سب سے اپنا حساب بے باق کرلیا تھا۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور میں نے بے ساختہ کہا۔"جلال میں تھک گیا ہوں۔ تمہاری اور اول خان کی طرح مجھے قانون یا کسی فورس کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اپنے جیسوں کو میں نے لڑ کر گرادیا۔ بڑھتے ہوئے امریکی عزائم کی بیخ کنی مجھے اپنے بس سے باہر کی بات نظر آتی ہے۔ میں اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں۔ مجھے پاکستان کی خاک عزیز ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا انجام اسی مٹی میں ہو۔ غریب الوطنی کی موت کے تصور سے میرا رواں رواں کانپ

اٹھتا ہے۔ کسی طرح مجھے پاکستان جانے کا پروانہ دلا دو۔''
اول خان خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے جلال کی زبان سے میرے صاحب اولاد ہونے کے تذکرے کو ایک دعائیہ فقرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔
''میں اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ وطن واپسی کی ایک شرط بہت کڑی ہے۔ تم کو اپنا نام ترک کرنا ہوگا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''جلال! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے تڑپ کر احتجاج کیا۔ ''تم مجھ سے میری شناخت چھین لینا چاہتے ہو...... اس سے بہتر ہے کہ تم مجھے مار کر اپنے ہاتھوں سے کہیں دفن کر دو۔ نام ہی میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ میرا ماضی میرے نام سے وابستہ ہے۔ نام کھو کر میں کس چیز پر فخر کروں گا، غزالہ کی کوکھ میں پرورش پانے والے بچے کو میں چند برسوں بعد کیا بتاؤں گا کہ اس کا باپ کون ہے اور ماضی میں کیا کرتا رہا ہے...... جلال! یہ بہت بڑی قیمت ہے۔ مجھے بالکل مفلس اور بے نام نہ کرو، وہ مانگو جو میں دے سکتا ہوں۔ تمہاری مانگی ہوئی قیمت ادا کرنا میری بساط سے باہر ہے۔''
وہ ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا اور خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ میرے چپ ہو جانے کے بعد لمحہ بھر کے لیے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جس میں مجھے اپنے دل کی تیز دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں پھر جلال نے کمزور لہجے میں زبان کھولی۔ ''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ ٹھنڈے دل سے میری تجویز پر غور کرو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھیننا چاہتا۔ سب جوں کا توں رہے گا۔ اپنے لہو کے پیاسوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈینی یا تنویر علی کے بجائے تم قمر علی بن جاؤ گے۔ بیم گن اور زہر بھری انگوٹھیاں ایک بھولا ہوا خواب بن جائیں گی اس ذرا سے سمجھوتے کے عوض تم پاکستان میں سکھ چین کی آزادانہ زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے نئے نام پر وزارت خارجہ اور ہوم ڈپارٹمنٹ نے اپنے اپنے سیکرٹ فنڈز سے پانچ پانچ لاکھ روپے کے دو الگ الگ انعامی ڈرافٹ دیے ہیں۔ تم کو آرام اور آسایش کی زندگی گزارنے کے لیے پاکستان کے ہر حصے میں بھرپور تعاون فراہم کیا جائے گا۔ تم اچھی طرح سوچ لو۔ یہ کوئی بڑی قیمت نہیں ہے۔ کسی مراعت کے بغیر چھپ کر زندہ رہنے کے لیے حکمراں اپنے نام بدلتے رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ اب یا کبھی نہیں والا مرحلہ درپیش ہے۔ میرے ہاتھ میں آخری کارڈ رہ گیا ہے۔ تمہارے جواب کے بعد میں اسے کھیلوں گا۔''
''تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ میں نام بدل لوں گا مگر میرے خون آشام دشمن میری تلاش میں لگے رہیں گے۔ ہم ان سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ وہ ہمارے خفیہ راز جان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں کی تصاویر ان کے پاس موجود ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ یہ بھی جان لیں گے کہ قمر علی کے روپ میں ڈینی کو نوازا جا رہا ہے۔''
''اچھا ہوا کہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو۔ یہ سب نہیں ہوگا۔ تم نے قمر علی بننے کا فیصلہ کر لیا تو کراچی میں ڈینی کی خودکشی کی تصدیق ہو جائے گی۔ تمہارے انکار کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ مرنے والے کی اصلیت بے نقاب کر دے گا۔ تمہارے لیے میں نے سب گھر گھاٹ دیکھ کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ میری بار بار کی تاکید بے سبب نہیں تھی۔ تم نے بنکاک میں اپنے نام اور بیم گن کا استعمال چھپا کر میرے مشن کو بہت مضبوط کر دیا۔ اب اسے یوں نہ ٹالو!''
اس کی باتیں بہت الجھی ہوئی تھیں۔ میرے پے در پے سوالوں کے جواب میں جو کچھ سامنے آیا وہ یوں تھا کہ اس نے کراچی میں ڈینی ہونے کے شبہے میں جو دو آدمی پکڑے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے حوالات میں خودکشی کر لی تھی۔
میرے اصرار کے باوجود جلال نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس قیدی کو سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ قانون کی بالادستی اور سربلندی کا علم بردار رہا تھا۔ اپنی حدود میں رہ کر کام کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔ اعتراف کر کے وہ اپنی پیشانی پر یہ داغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو بچانے کے لیے ایک قیدی کو ماورائے عدالت قتل کرا دیا تھا۔
بنکاک سے کسی کو میری موجودگی کی بھنک نہیں مل رہی تھی۔ گیری کے قتل میں ایک عام پستول استعمال ہوا تھا۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اسے ڈینی نے مارا ہے۔ میرا نام بہ دستور پس منظر میں تھا۔
قیدی کی لاش امریکیوں کی نگرانی میں تھی۔ انہوں نے لاش سے چند سالمے نکال کر ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے فوری طور پر امریکا بھجوا دیے تھے۔ موازنے کے لیے انہیں ڈینی کے کسی قریبی عزیز خون کے رشتے دار کے جسم کا نمونہ درکار تھا۔ میں قمر علی بننے پر آمادہ ہو جاتا تو جلال یہ بندوبست کر کے آیا تھا کہ مرنے والے قیدی کے کسی عزیز کے بدن سے نمونہ حاصل کر کے مکمل راز داری کے ساتھ یہ کہہ کر امریکی حکام کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ میرے رشتے دار کا نمونہ تھا۔ ڈی این اے ٹیسٹ دونوں نمونوں کے یکساں ہونے کی تصدیق کر دیتا۔ وہ سند بن جاتی کہ ڈینی نے اپنے انجام سے

مایوس ہو کر حوالات میں خودکشی کر لی۔ امریکی اطمینان کا سانس لیتے، فائلیں بند ہو جاتیں اور میری تلاش کی دیوانہ وار کوششیں دم توڑ جاتیں۔ میں قمر علی کے نام سے اپنی بقیہ زندگی بے فکر ہو کر گزار سکتا تھا۔

جلال کی تجویز بہت بھرپور تھی۔ اس کا آخری کارڈ ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے دوسرے نمونے کی فراہمی کا تھا۔ اس کے آدمیوں نے سرتوڑ کوششوں کے بعد مرنے والے قیدی کے ایک بھتیجے کا سراغ لگا لیا تھا جو ادکاڑہ میں گداگری کر رہا تھا اور اپنے چچا کے عبرت ناک انجام سے بے خبر تھا۔

اس سے گفتگو کے دوران میرا ذہن اس تجویز پر مسلسل کام کرتا رہا۔ اسے قبول کرنے کے بعد میرے لیے ضروری ہوتا کہ میں زندگی بھر کوئی ایسا کام نہ کروں جس کی وجہ سے ڈینی کا نام دوبارہ زندہ ہو۔

میں غزالہ کے ساتھ سکھ چین کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتا تھا مگر ویرا کا کیا بنتا۔ میری طرح وہ بھی امریکیوں کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

سیسو پھون میں پچھلی صبح مجھ سے گفتگو ہونے کے بعد جلال نے ویرا کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اور سلطان شاہ کے ازدواجی رشتے میں ویرا کی عافیت مضمر تھی۔ اسے علم تھا کہ سلطان شاہ معاشی مسائل اور بے روزگاری سے تنگ آ کر کراچی آیا تھا۔ وہاں اس نے ٹرکوں کے مستری کی حیثیت سے نوکری کا آغاز کیا پھر وہ یوں میری نظروں میں آیا کہ میرے گھر کا ایک فرد بن کر رہ گیا۔

ویرا مسلمان ہو چکی تھی۔ رسمی طور پر اس کے نام کی تبدیلی ناگزیر ہو گئی تھی۔ جلال نے کوثر خان کے نام سے اس کا نیا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو مناسب مالی مدد فراہم کر دی جاتی تو وہ شادی کے بعد ویرا کو اپنے ساتھ لے کر آسانی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں کوئی موزوں کام شروع کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں عورتوں کے کھلتے ہوئے رنگ روپ کے سبب ویرا آسانی سے مقامی معاشرے کا ایک حصہ بن جاتی۔ اس کے ہم وطن سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جیسی طرار اور آزاد خیال لڑکی کسی پاکستانی سے شادی کر کے ایک گاؤں میں زندگی بسر کر رہی ہوگی۔ ویسے بھی اس علاقے میں غیر ملکی تو درکنار کسی بھی اجنبی کا داخلہ ناممکن تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے متضاد معاشرتی قرینوں کی وجہ سے اول خان کے کچھ تحفظات تھے۔ اس نے ان دونوں کے رویوں کا کبھی غور سے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے نکتہ نظر سے اس تجویز کی مخالفت میں ہم دونوں سے خاصی بحث کی اور آخرکار ہم اسے اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہماری گفتگو کے دوران اول خان پر بار بار حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ اس نے کراچی سے نوم پنہہ تک جلال کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلال کی خوش خلقی اور ملنساری کا اعتراف کر چکا تھا مگر جلال نے سرپرائز دینے کے چکر میں اس سے کافی باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔

غزالہ کی ماں بننے کی اطلاع اور ویرا کے مسلمان ہونے کی خبر اس کے لیے نہایت مسرت افزا ثابت ہوئی۔ گرما گرم گفتگو کی جذباتی فضا میں اول خان نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی لیکن فضا خوشگوار ہوتے ہی اس نے دل کھول کر مجھے مبارکباد دی۔ اس کی دانست میں ویرا کے قبولِ اسلام میں میرا کافی دخل تھا۔

''ساری باتیں ہو گئیں، تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔'' جلال نے سخت ذہنی دباؤ کے عالم میں تیسری سگریٹ ختم کر کے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات خاموشی ہی رضامندی ہوتی ہے۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔ میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر میرے لیے ایسی پر پیچ راہ نکالی ہے۔'' میں نے سر جھکا کے اس کے سوال کا جواب دیا۔ ''رضامند ہونے کے بعد ہی میں نے ویرا کے مستقبل کا سوال اٹھایا تھا مجھے اپنی ذات سے زیادہ ان لوگوں کے تحفظ کی فکر ہے جو میرے ایک اشارے پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے میرا ساتھ دیتے چلے آ رہے ہیں۔''

''تم نے دل میں فیصلہ کیا ہوگا۔ مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' جلال کے ہونٹوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''اب میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ تمہاری طرح میں بھی سب کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہوں۔ کل صبح تم نے ویرا اور سلطان کی شادی کا مسئلہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج میں خود یہی تجویز پیش کرتا۔ میری نظروں میں ویرا کا رتبہ کسی جلاوطن شہزادی سے کم نہیں ہے۔ اس نے تم لوگوں کے لیے سب کچھ بلکہ حد یہ ہے کہ اپنا آبائی مذہب تک چھوڑ دیا۔''

اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک پتلا سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، میں نے لفافے میں سے قمر علی کے نام پر بنے ہوئے پانچ پانچ لاکھ کے دو سرکاری ڈرافٹ نکال لیے۔

''ان میں سے ایک ویرا کے نام پر ہونا چاہیے تھا۔'' میں

نے بوجھل دل سے کہا۔
''یہ تمہارے ہیں۔ اسے اور سلطان کو پاکستان پہنچنے پر بہت کچھ مل جائے گا۔''
وہ بس لمحوں کی بات تھی۔ جلال سے گفتگو ہونے تک میں جلاوطنی کے عذاب میں مبتلا تھا۔ مستقبل کے ان جانے خوف اور وسوسوں نے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نوم پنہہ سے نکل کر کہاں جاؤں گا، کون میرا مددگار رہے گا۔ اس سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہوگئے تھے۔ اس نے اچھا کیا کہ ان تینوں کو رخصت کردیا۔ ان کی موجودگی میں یک سوئی سے مذاکرات نہیں ہوسکتے تھے بات بات پر سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے اور اصل مسائل کھٹائی میں پڑ جاتے۔ میں نے جم کر اس سے ہر پہلو پر بات کرلی تھی۔ آنے والے دنوں کے بارے میں میرا ذہن صاف ہوچکا تھا۔
''تم کو گیری کے بارے میں کوئی خیر خبر ہے!'' میں نے جلال سے پوچھا۔
''بنکاک سے طارق نے رپورٹ دی تھی۔ فی الحال اس کی تلاش جاری ہے۔ سوچا جارہا ہے کہ وہ اپنی گاڑی خراب ہونے کے بعد کسی سے لفٹ لے کر کہیں بھٹک گیا ہوگا۔'' اس نے بتایا ''اس کے انجام کے بارے میں سب بے خبر ہیں۔''
''ڈان کے کیمپ کی کیا خبریں ہیں......؟'' اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہونے کا بعد میرا ذہن بنکاک کی طرف بھٹک گیا۔
''طارق کے لیے وہ غیر متعلق فریق ہے۔ خاص معاملات پر وہ خود نگاہ رکھتا ہے۔ کوئی غیر معمولی خبر ہوتی تو وہ ضرور اپنے افسر کو اطلاع دیتا۔''
''ہوسکے تو کسی طرح اسے پیغام دے دو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری گم شدگی کی خبر ملنے پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ اسے میں شاید عمر بھر فراموش نہیں کرسکوں گا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
''وقت بہت سفّاک ہوتا ہے۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا۔ ''دھیرے دھیرے سب کو بھلا دیتا ہے، حد یہ ہے کہ لوگ اپنے پیاروں کو مٹی دے کر کچھ دنوں بعد بھول جاتے ہیں۔ ان کی قبروں کو گیدڑ اور کتے کھود ڈالتے ہیں۔ پھر وہ قبریں بیٹھ جاتی ہیں۔ انہیں نئے آنے والوں کے لیے تیار کرلیا جاتا ہے......''
''اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔'' جلال نے متانت کے ساتھ مجھے مشورہ دیا۔ ''کسی وقت تم اپنے تابناک ماضی کے سحر میں گرفتار ہوگئے تو ساری مشق رائگاں جائے گی۔''
''ماضی کچی ڈور سے بندھا ہوا رشتہ نہیں ہوتا جو ذرا سے اشارے سے ٹوٹ جائے۔'' میں نے جواب دیا ''یہ تعلق رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگا۔ ابھی ماضی کی کئی یادیں تشنہ ہیں۔ جیسے جیسے خیال آتا رہے گا۔ وہ باتیں بھی زبان پر آتی رہیں گی۔''
''گیری کو مار کر تم نے ہر قصہ سمیٹ دیا۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟'' جلال نے پوچھا۔
''گوادر جانے والوں کے انجام کے بارے میں اول خان نے بتادیا۔ ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں ملی جنہیں راجن نے ساہیوال کی طرف بھیجا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان کے گرد مضبوط جال پھیلا دیا گیا ہے۔ دہشت گردوں کی عدالت میں پیشی کے موقع پر وہ اپنی کارروائی کریں گے اور پکڑے جائیں گے۔'' جلال نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میرا ایک مشورہ ہے، مانو تو پیش کروں!''
''میں نے آج تک تمہاری کوئی معقول بات نہیں ٹالی۔''
جلال دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نامعقول باتیں بھی کرتا رہا ہوں۔''
''ضروری نہیں کہ یہی دو مطلب ہوں۔ کم معقول باتوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے......تم یہ بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔''
''تم نے بہت بھرپور اور دلچسپ زندگی گزاری ہے۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیاسی مفادات کے لیے بڑی طاقت کس طرح موت کی سوداگری کررہی ہے۔ دوسروں کے استفادے کے لیے تم کو اپنی سرگزشت قلم بند کرنی چاہیے۔'' جلال نے کہا۔
''زبردست مشورہ ہے۔ تمہاری کہانی اتنی پُرپیچ ہے کہ ہزاروں صفحات پر پھیل جائے گی۔'' اول خان نے اس کی پُرزور تائید کی۔
''یہ میری فطرت اور مزاج کے خلاف ہوگا کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر دن رات اپنی کہانی لکھتا رہوں۔ کسی اچھے رسالے کے اچھے مدیر سے ملاقات ہوگئی تو شاید کوئی قسط وار سلسلہ شروع کردوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
''اس کے لیے بھی تمہاری شرائط ہوں گی!'' اول خان نے حیرت سے پوچھا۔
''یہ عام سی باتیں ہیں، ادارت ہو یا زندگی کا کوئی اور

شعبہ، آدمی کی فطرت میں خباثت موجود ہو تو دوسروں کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہے۔ طویل رشتے درمیان میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ دونوں طرف نیک نیتی کارفرما ہو تو ہر کام سکھ چین سے برسوں چلتا رہتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی'' میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کر سکوں۔''

یہ ان دونوں سے کیا ہوا وعدہ تھا یا میرے دل میں بھرا ہوا غبار کہ میں نے پوری دل سوزی سے سب کچھ کاغذ پر منتقل کر دیا اور کسی نہ کسی صورت میں دوسروں تک پہنچا دیا۔

وہ دونوں آرام کے موڈ میں تھے۔ مشاورت مکمل ہو چکی تھی۔ اس کی روشنی میں فیصلے کیے جا چکے تھے جنہیں غزالہ بے چون وچرا تسلیم کر لیتی۔ اصل مرحلہ ویرا اور سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ وہ اسے بعد کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہے تھے۔

ان دونوں سے نوم پنہہ میں وہ میری پہلی ملاقات تھی۔ جلال نے تخلیے کی خواہش ظاہر کر کے ان تینوں کو متجسس کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی ایک کمرے میں سر جوڑے اپنی طلبی یا میری واپسی کا شدت سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ میرے لوٹتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور میرے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہو جاتا۔ ان کے لیے میری بات میں زیادہ وزن نہ ہوتا۔ انہیں علم ہو چکا تھا کہ اول خان اور جلال اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ اوپر کے حکم پر ایک سرکاری وفد بن کر نوم پنہہ آئے ہیں۔ ان دونوں میں جلال سینئر تھا۔ اس کی زبان سے جاری ہونے والی ہدایات پر بحث کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اور معاملہ سکون سے نمٹ جاتا۔

اس وقت اہم ترین مسئلہ سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ میں نے جلال سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے گھبرا کر مجھے روک دیا۔ اس بارے میں جلال مکمل طور پر میرا ہم خیال تھا۔ میری دانست میں بہتر یہی تھا کہ وہ اپنا معاملہ براہِ راست جلال کے ساتھ طے کر لے۔

ان دونوں نے میرا نکتہ نظر مان لیا۔ ویرا کے کمرے میں انٹر کام کی کئی گھنٹیاں بجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا تو میں نے اپنے کمرے کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر ویرا کی آواز آئی۔ میں نے اسے غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ جلال کے کمرے میں پہنچنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھ دیا۔

'' تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی ہے۔'' میں نے جلال کو بتایا۔'' اس کیفیت میں تم بہت نرم خو اور خلیق جو نظر آتے ہو۔ تمہارا گمبھیر چہرہ ان دونوں کو فضول گوئی سے روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، اپنی کرسی میں پہلو بدلا اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ اس لمحے وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔

'' معاملات بہت خطرناک رخ پر آ گئے ہیں۔'' ان کے بیٹھ جانے کے بعد جلال نے خشک لہجے میں کہنا شروع کیا۔ '' جب تک میں بے بس نہیں ہوا تھا۔ سب کو اپنے اپنے انداز میں ملک وقوم کی خدمت کرنے کی پوری آزادی تھی لیکن ڈینی اور ویرا کے گرد دشمن کا گھیرا دن بہ دن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم دونوں کا موجودہ حالات میں دشمنوں سے بچنا محال نظر آ رہا ہے۔ طے یہ ہوا ہے کہ اب ویرا اور ڈینی متروک نام ہوں گے جنہیں بھول کر بھی زبان پر نہیں لایا جائے گا۔ ڈینی کے نام پر کراچی کے لاک اپ میں ایک قیدی نے خودکشی کر لی ہے، ویرا لاپتا ہو چکی ہے۔ تمہارا نام قمر علی، کوثر خان، صمد خان اور رعنا خاتون ہوں گے۔ تمہارے نئے پاسپورٹ ان ناموں سے بنے ہیں۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس میں سے پاسپورٹوں کا بھاری لفافہ نکالا اور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

ڈینی کو قمر علی بن کر رہنا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور میں بھی پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا کیونکہ اس نے طے شدہ امور میں ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا تھا جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آ سکی تھیں۔

'' یہ مجبوری ہے کیونکہ قمر علی کا نام ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ بقیہ تینوں افراد کو آزادی ہوگی کہ وہ پاکستان پہنچنے کے بعد اپنی پسند کے نام اختیار کر لیں۔ میرا محکمہ ان پسندیدہ ناموں سے شناختی کارڈ اور دوسرے لوازم فراہم کرنے کا ذمے دار ہوگا تاکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں شناخت کے حوالے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کاغذ پر لکھا ہوا کوئی فرمان پڑھ رہا ہو۔ اس کی بات جاری رہی۔ '' بیم گن یا کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہیں ہوگا۔ جو ڈینی کی ذات سے منسوب رہ چکا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا مسلمان ہو چکی ہے۔ نام بدلنا اس کی ضرورت بن گیا ہے۔ صمد خان یعنی سلطان شاہ کو اب اپنے والدین کے پاس گاؤں لوٹنا ہوگا۔ وہاں نئے سرے سے کاروبار شروع کرنے کے وسائل فراہم کرنا میرے ذمے ہوگا۔''

اس نے خاموش ہو کر استفہامیہ نظروں سے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے ان کے دلوں کے احوال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

'' تم کو یہ سب قبول ہے؟'' ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

''مجبوری ہے!'' میں نے بے پروائی سے کہا'' اس کے علاوہ وطن لوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسری صورت میں ہم عمر بھر بھاگتے رہیں گے۔ امریکیوں کو جہاں ہماری بو ملے گی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر وہیں پہنچ جائیں گے۔ ہم ان کے آدمیوں کو ماریں گے تو دوسرے ان کی جگہ لیتے رہیں گے۔ ہم مارے گئے تو ہماری جگہ لینے والا کوئی ہو گا نہ کوئی ہماری لاشوں کو اٹھانے کے لیے آگے آنے کی ہمت کر سکے گا۔''

''آپس کی باتیں بعد میں کر لینا۔'' جلال نے میری بات مکمل ہونے پر ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔'' اس وقت مجھ سے بات کرو۔ کچھ دیر تک ستانے کے بعد مجھے باہر نکلنا ہے تاکہ ہم سب آج ہی یہاں سے واپس روانہ ہو سکیں۔''

''میں کوثر خان بن گئی!'' ویرا نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گئی۔'' یہ تم تینوں کے فیصلے ہیں تو کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔''

''یہ ہمارے فیصلے نہیں ہیں۔ اعلیٰ ترین سطح پر اس ضرورت کا احساس کیا گیا ہے کہ تم سب کو وطن واپس لا کر پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔''

''تم کس وطن کی بات کر رہے ہو......؟'' میں تو شاید ہمیشہ کے لیے بے وطن ہو چکی ہوں...... مرتے دم تک امریکا نہیں جا سکوں گی۔''

''تمہاری قربانیوں کا سب کو بھرپور اندازہ ہے۔ تمہیں پاکستان کی مکمل شہریت دی جائے گی مگر نئے نام سے۔ اپنے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر کے تم نے مجھے جھنجوڑ دیا ہے۔ یہ ہم لوگوں اور ہماری زمین سے گہری محبت کا آخری ثبوت تھا جو تم نے فراہم کر دیا۔''

''تم اعلیٰ ترین سطح کی بات کر رہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تمہیں پاکستان کے صدر نے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی یا وزیراعظم نے ایسا کہا تھا۔ اشاروں کنایوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''دونوں کو علم ہے کہ تم چاروں بنکاک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔''

''تم پھر گول مول سفارتی زبان استعمال کر رہے ہو۔'' ویرا نے اپنی جھونک میں جلال کی سنجیدگی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔'' میرے سوال کا صاف جواب کیوں نہیں دیتے؟''

''ایس ٹی ایف صدر کی تخلیق ہے۔ اس کا سربراہ صرف اسی کو جواب دہ ہے۔ اول خان کی میرے ساتھ موجودگی سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ پس پردہ ہدایات کون دے رہا ہے۔'' جلال نے قدرے توقف کے بعد کہا اور ویرا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ آئی۔

''کچھ نہ بتا کر بھی تم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تمہاری حکومت مجھے مکمل شہریت دے دے گی۔ پاکستان میں شہری حقوق کی بے رحمانہ پامالی کے واقعات میں اخبارات میں پڑھتی اور ٹیلی ویژن پر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ ایسے معاشرے مجھ جیسی اکیلی عورت کا کیا مستقبل ہو گا۔ قمر اور رعنا کے لیے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ یہ اپنی نئی دنیا میں مگن ہو جائیں گے میں کہاں جاؤں گی۔''

ویرا کے سوال نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے بہت ہوش مندی سے میری سرپرستی قبول کر کے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا تھا مگر وہ اپنے بارے میں سلطان شاہ کے تذبذب کی عینی شاہد تھی۔ اسے کسی بہلاوے میں الجھانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہمارے سامنے کی بات تھی کہ سلطان شاہ نے اپنا معاملہ جلال کی آمد تک ملتوی کیا تھا۔ وہ آ چکا تھا۔ ویرا کے لیے مزید انتظار ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس صبر آزما انتظار میں اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔ اس نے جلال کو براہ راست اپنی زد پر لے لیا۔

ہم میں سے کسی کے پاس ویرا کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سب کی نظریں یکایک سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

اس نے میری تیز سوالیہ نگاہوں سے بوکھلا کر باری باری دوسروں کی طرف دیکھا۔ سب کسی امید کے سہارے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تم سب میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔'' میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''میری طرف دیکھو!'' جلال کی دھیمی مگر بارعب آواز گونجی۔'' جانتے ہو کہ زمین پر مرد اور عورت کی تخلیق کیوں کی گئی؟''

سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح اس کا چہرہ تکتا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اسے امید نہیں تھی کہ جلال براہ راست اسے مخاطب کر بیٹھے گا۔

''صرف اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت

ہیں۔'' جلال نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا۔
''ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے رہتے ہیں۔ تم جوان اور ہوش مند ہو۔ تم نے اپنے زور بازو سے اپنے اور ڈینی کے دشمنوں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ تم کو اپنی عورت کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف تمہاری ہو......''

اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے کی پل پل بدلتی ہوئی رنگت سے اس کے دل کا حال بھانپ رہا تھا۔ لوہا گرم دیکھ کر اس نے پھر چوٹ لگائی۔ ''ہماری طرف دیکھو، میں، جلال، قمر...... سب شادی شدہ ہیں۔ میں بھیرہ کے چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ دیہاتی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارے بڑوں نے کسی لڑکی کے بڑوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ تمہارے گاؤں کی کوئی لڑکی آس لگائے تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کر رہی تو تم اسی وقت ہماری صف میں شامل ہو جاؤ......''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بہ دقت تمام بولا ''صرف میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ دوسرے فریق کی رضا مندی بھی ضروری ہے۔ میں اس بارے میں بارہا سوچ چکا ہوں۔ سوچتا ہوں اور میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اس کی نظروں میں سب کچھ ہیچ ہے۔ یہ شادی سے زندگی تک کو مذاق سمجھتی ہے۔ یہ صرف میرا اقرار سننا چاہتی ہے تاکہ انکار کر کے خوش ہو سکے۔ میں ایک عورت کے سامنے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی سے پوچھو۔ میرا کیا ہے۔ مجھ سے تم سب جو بھی کہو گے، مان لوں گا۔''

ہم سب کی تیز نگاہوں کی زد میں آ کر سلطان شاہ اپنے دل کی بات پہلی بار زبان پر لے آیا۔ اس کی ہچکچاہٹ بے سبب نہیں تھی۔ ویرا کے مزاج کے تلون نے اسے اندر سے خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ بات تل گئی تو وہ حقیقت اگلنے پر مجبور ہو گیا۔

ابتدا سے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی سنجیدہ تعلق استوار نہیں ہو سکا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک کر کے وقت گزارتے رہے۔ انہیں ہر وقت ایک دوسرے کی طرف سے اپنی ٹانگ کھینچے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں باہمی اعتماد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ویرا پھر بھی کھلے دل کی مالک تھی۔ اس نے بنکاک کے سیام پارک میرے سامنے اپنے دل کا سارا غبار اگل کر خود کو اندر سے پھول کی طرح ہلکا کر لیا لیکن سلطان شاہ نے بھول کر بھی کسی سے اپنے دل کی بات نہیں کی۔ اس کی آخری باتیں سن کر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہم سب کے نرغے میں نہ آیا ہوتا تو اس وقت بھی اپنے من کی بات زبان پر نہ لاتا۔ جلال سے وہ ویسے ہی مرعوب رہتا تھا۔ اس سے بے تکلفانہ گفتگو خارج از امکان تھی۔

''دونوں طرف ایک حال ہے۔'' میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا ''دونوں راضی ہیں مگر ایک دوسرے کے انکار سے خوف زدہ تھے۔''

''شاباش!'' جلال نے اٹھ کر مربیانہ انداز میں سلطان شاہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''تم نے ایک مردانہ فیصلہ کر کے ہم سب کے دل جیت لیے۔...... مجھے تم سے یہی توقع تھی۔''

''میں نے قمر سے کہہ دیا تھا کہ یہ فیصلہ تمہارے آنے پر ہوگا اور ہو گیا۔'' سلطان شاہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔

جلال کی بانہوں سے آزاد ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ سے لپٹ گیا۔ ادھر غزالہ ویرا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے کھڑی تھی اور اول خان بزرگانہ انداز میں ویرا کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا وہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ ایسے فیصلے کچھ جلالی سے ہوتے ہیں۔ رشتوں کے بندھن کی بات آتے ہی جذبات اتنے منہ زور ہو جاتے ہیں کہ فریقین کے دل موم ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں نمی ابھر آتی ہے۔ الفاظ سینوں میں گھٹنے لگتے ہیں بس چہروں کی بشاشت اور رونق خوشی کی مظہر ہوتی ہے۔

''میاں بیوی راضی ہیں، قاضی کہاں ہے؟'' میں نے آواز لگائی۔

''نوم پنہہ میں اس وقت ڈھونڈنے سے کوئی قاضی نہیں ملے گا۔'' جلال نے فتوا صادر کیا۔ ''بات طے ہو گئی ہے۔ یہ کام کسی بھی وقت ہو جائے گا۔''

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مقدس فریضہ میں انجام دوں گا'' اول خان نے مسرت کے ساتھ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

ویرا سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ کسی بیر بہوٹی کی طرح گلنار ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس میں یکا یک کیا تبدیلی آ گئی۔ اس کی مشرقی ادا میں تصنع کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ غزالہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا دی۔

''اسے کہاں لے جا رہی ہو...... نکاح ابھی ہوگا۔'' ہما نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ لڑکے کے ساتھ وہیں آ جائیں۔'' غزالہ شوخی سے جواب دے کر کمرے سے نکل گئی۔

چار مردوں میں ایک دلہا تھا دوسرا قاضی۔ دلہن خود رضامند تھی۔ اس کے لیے کسی وکیل کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نکاح کی گواہی کے لیے میں جلال کے ساتھ موجود تھا۔ شرعی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ البتہ شرکا کی ضیافت کے لیے کچھ میسر نہیں تھا۔ دالوں اور سبزیوں کا کچھ دیر پہلے صفایا ہو چکا تھا۔

فوری طور پر روم سروس سے رابطہ کیا گیا۔ اس وقت ٹھنڈے اور گرم مشروبات کے ساتھ صرف بیکری کی اشیا دستیاب تھیں۔ اول خان نے ایک کیک اور کچھ پیسٹریوں کے ساتھ کافی لانے کا آرڈر دے دیا۔

ویٹرس کو بتا دیا گیا کہ وہ پندرہ منٹ بعد غزالہ کے کمرے میں سامان پہنچا دے۔

ہم چاروں غزالہ کے کمرے پر پہنچے تو دستک کے جواب میں ویرا نے دروازہ کھولا اور تیزی سے پلٹ کر کرسی پر جا بیٹھی۔ غزالہ غائب تھی۔

''رعنا کہاں گئی۔'' میں نے متجسس نظروں سے کمرے اور باتھ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی آنے کا کہہ کر کہیں چلی گئی!'' ویرا نے ہولے سے کہا۔ اس کی ساری شوخی اور طراری رخصت ہو چکی تھی۔

ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یوں بیٹھے بٹھائے بات ان کے نکاح تک پہنچ جائے گی۔ اس وقت ایک اصولی فیصلہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا گیا۔ میں نے محض اس خیال سے فوری نکاح کی حمایت کی کہ کسی تکرار کے نتیجے میں ان میں سے کسی کا ارادہ ڈانواڈول نہ ہو جائے۔

ویرا کے لیے وہ پیش رفت حیرت کا سبب رہی ہوگی۔ شاید اس نے محسوس کیا ہو کہ ہم نے ان تینوں کو اسی ارادے سے جلال کے کمرے میں بلایا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا لیکن غزالہ واپس نہیں آئی۔ اس کی طرف سے سب کی تشویش ہو رہی تھی۔ جب ویٹرس کافی نوشی کے لوازم سے لدی ہوئی ٹرالی لے آئی تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ غزالہ آ گئی۔

اس کے چہرے پر خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ جھول رہے تھے۔ اس کے وجود کے ساتھ آنے والی مہک سے اندازہ ہو گیا کہ وہ پھول لے کر آئی ہے۔

اس نے کمرے میں آتے ہی ایک تھیلے میں سے بڑا سا ہار نکال کر سلطان شاہ کے گلے میں ڈالا۔ وہ اس کا منہ بولا بھائی تھا۔ کامران کی موت کے بعد وہ اس رشتے کو ترس کر رہ گئی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطان شاہ کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔

دلہا کی بلائیں لینے کے بعد اس نے گلاب اور موتیا کے پھولوں سے بنے ہوئے چھوٹے ہار ہم تینوں کو بھی پہنا دیے۔ ایک تھیلا خالی ہو گیا۔ دوسرا تھیلا لے کر وہ ویرا کے ساتھ مسہری پر چڑھ گئی۔

ہم چاروں لمبی اور گہری نیند لے چکے تھے مگر جلال اور اول خان نیند کو ترسے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس مختصر سی تقریب کی تیاریوں میں الجھ کر وہ اپنی تھکن اور نیند کو فراموش کر چکے تھے۔

غزالہ نے کچھ پھول ہوٹل کی فلاور شاپ سے خریدے تھے۔ بقیہ کمی اس نے بازار سے پوری کی۔ وہ کمرا ذرا سی دیر میں خوشبوؤں میں بس گیا۔

وہاں کوئی ناز نخرے نہیں تھے۔ غزالہ خوشی کے اس موقع پر ویرا کو پھولوں سے لاد دینا چاہتی تھی۔ اس نے بہت پھرتی سے اپنا کام مکمل کر لیا۔ پھولوں کے ہالے میں ویرا ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

اول خان نے سب کی اجازت سے اپنا اہم کام شروع کر دیا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ فریقین کے ایجاب و قبول کے بعد اس نے نکاح کا خطبہ شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ وہ خوش الحان بھی تھا۔

مبارک، سلامت کی دعاؤں کے ساتھ کافی نوشی کا دور شروع ہوا۔'' خیال آنے پر سلطان شاہ اور ویرا نے مل کر کیک کاٹا۔ دوسرے کمروں میں مقیم مہمانوں کے خیال سے دھیمی تالیاں بجائی گئیں اور وہ چھوٹی سی تقریب اختتام کو پہنچنے لگی۔

ہم سب مسافر تھے، نوم پنہ میں پڑاؤ صرف ایک رات کا تھا۔ رخصتی یا کمرے کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے شوق نے اسی کمرے کو خوشبوؤں میں نہلا کر حجلۂ عروسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہم چاروں ویرا اور سلطان شاہ کو الوداعی دعائیں دے کر ان کے کمرے سے نکل آئے۔

ویرا نے کسی ہوٹل میں سلطان شاہ کے ساتھ ایک چھت

کے نیچے رات گزارنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس تجویز پر وہ ہمیشہ بھڑکتی رہی لیکن اس رات وہ نکاح کی بندھن کی اسیر ہو چکی تھی۔ اس کے پاس انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

وہ کوئی احتجاج کیے بغیر، سر جھکائے مسہری پر بیٹھی رہی تھی۔

راہ داری میں جلال اور اول خان ہم سے رخصت ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے خواب ناک اور پراسرار سناٹے میں، میں غزالہ کو لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میری اور غزالہ کی شادی مکاؤ میں ڈان کوانگ فو کے محل میں ہوئی اور وہ دونوں نوم پنہہ میں شادی کے بندھن میں جکڑے گئے۔ ہم نے اپنی شب زفاف ڈان کے شیش محل میں منائی۔ وہ کوئین ہوٹل کے ایک کمرے میں خلوت گزین تھے، مشرق بعید نے ہم چاروں کی ازدواجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

مقدرات کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔ وہ دونوں امریکا جیسے ملک میں شروشکر ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے نہ ہو سکے۔ نوم پنہہ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ سب کھنچ کر وہاں جمع ہوئے اور ذرا سی دیر میں نوشتہ تقدیر ایک حقیقت بن گیا۔

ہم ڈان کوانگ فو کے شیش محل میں نہیں تھے لیکن ایک نو بیاہتا جوڑے کا پڑوس میسر تھا۔ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شب زفاف کی کچھ یادیں تازہ کیں پھر غزالہ تھک ہار کر سو گئی۔ شاید وہ دیرا کے ساتھ رہ کر گہری نیند نہیں لے سکی تھی۔

میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ ذہن میں خیالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ ان میں یہ فکر بھی شامل تھی کہ سلطان شاہ اور دیرا اپنی بگڑی ہوئی عادتوں کو ازدواجی ضابطوں میں کیسے ڈھال سکیں گے۔ اس سوال کا جواب ان سے اگلی ملاقات پر ہی مل سکتا تھا۔

میرے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ کسی اور کو اپنی بے خوابی میں شریک کرنا مناسب نہیں تھا۔ واپسی کے انتظام اور سفر کے لیے جلال اور اول خان کا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

مجھے یکا یک چاؤفان کا خیال آ گیا۔ اس سے ڈان کے بارے میں خیر خبر مل سکتی تھی۔

میرا موبائل فون بہ دستور بے جان تھا۔ میں نے ڈائرکٹری میں بنکاک کا کوڈ تلاش کر کے ہوٹل کی لینڈ لائن سے چاؤفان کا موبائل فون نمبر ملایا تو صبح کے سات بج رہے تھے۔

تیسری گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی چاؤفان تحیرزدہ آواز میں بولا ”ماسٹر! کیا تم ابھی تک نوم پنہہ میں رکے ہوئے ہو؟“

مجھے شک ہوا کہ ہمارے فرار کی خبر پھیل گئی تھی۔ میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا ”تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں نوم پنہہ میں ہوں!“

”یہاں یہی تھا اور میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نمبر دیکھ کر تمہاری کال سنی ہے، نمبروں کے بارے میں میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ابتدائی کوڈ کمبوڈیا اور نوم پنہہ کے تھے، کہو تو میں دیکھ کر تمہارا فون نمبر بھی بتا دوں۔“

”بس رہنے دو......“ میں نے ہنس کے وہ بات ٹال دی۔ ”وہاں کی کیا خبریں ہیں؟“

”ماسٹر! مجھے سچ سچ بتا دو، گیری کہاں ہے؟“ اس نے یکا یک سوال کر دیا۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ وہ وہیں ڈان کی پارٹی میں تھا۔ کیا وہ کہیں کھو گیا۔“ میں نے کسی قدر بے رخی سے کہا۔ اس کے غیر متوقع مطالبے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

”وہ غائب ہے۔ اس کے سارے ساتھی پریشان ہیں۔ اس کی تلاش کے لیے آج شام ڈان کو تمہاری ضرورت پیش آئی تو تم بھی غائب تھے۔ اب تمہارا خادم کسی بے مغز دیوانے کی طرح شہر اور اس کے مضافات میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔“

”کیا تمہیں گیری کی تلاش نہیں ہے؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”دونوں میں سے ایک بھی مل جائے تو ڈان کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ پاگل ہو رہا ہے۔ اسے صدمہ ہے کہ اس نے تمہارے پاسپورٹوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی تم نکل گئے۔ اس نے غصے میں دونوں پاسپورٹ آتش دان میں پھینک دیے۔“

اس طرف میرا دھیان بھی نہیں تھا۔ اس کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ پاسپورٹ کے ذریعے ڈان کے ہاتھ لگنے والی میری اکلوتی تصویر ضائع ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح میں ایک مرتبہ پھر ایک نام بن کر رہ گیا تھا۔ میری کوئی تصویر بڑے دشمن تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

”میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ تمہیں جلد ترقی مل جائے۔“

”ماسٹر! ترقی کی بات مت کرو۔ آج وہ بڑی بڑی

آنکھیں نکال کر مجھ پر یوں غرا رہا تھا کہ میرا دم نکل رہا تھا۔ ترقی تو دور کی بات ہے۔ فی الحال اس کا غصہ اترنا چاہیے۔ اسے ذرا بھی شک ہو گیا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے تو وہ لاتیں مار مار کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔''

''تم فکر نہ کرو......'' میں نے اسے دلاسا دیا۔'' ہمارا منصوبہ بے داغ تھا۔ سیسو پھون کی طرف آنے جانے والوں کے ذریعے صبح شام میں یہ خبر بنکاک میں گردش کرنے لگے گی کہ نان فینگ نے پھوم فاٹ کے بھیجے ہوئے چار غیر ملکیوں کو نوم پنہہ پہنچایا ہے۔ ڈان کا سارا غصہ پھوم فاٹ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ تم صاف بچے رہو گے ہو سکتا ہے کہ پھوم فاٹ کے فتنے سے ہمیشہ کے لیے تمہاری اور لی کی جان چھوٹ جائے۔''

''شکریہ کہ تم نے مجھے یہ بات یاد دلا دی۔'' اس کی آواز ممنونیت سے لبریز ہو گئی۔'' یہ چھپنے والی خبر نہیں ہے، ضرور پھیلے گی۔ ڈان نے میرے اوسان اس طرح خطا کیے کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ میری مانو تو تم بھی نوم پنہہ سے فوراً نکل جاؤ۔ خبر ملتے ہی ڈان نان فینگ کو اٹھوا لے گا وہ کچا آدمی ہے۔ ذرا سی مار پڑی تو ڈان کو تمہارے ہوٹل تک لے آئے گا، تم پکڑے گئے تو مجھے بدھا بھی نہیں بچا سکے گا۔''

اس کے خوف پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا، میں نے محض اسی اندیشے کے سدباب کے لیے نان فینگ کے بتائے ہوئے کسی ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ کوئین ہوٹل میں قیام کی تجویز بھی اسی احتیاط کی وجہ سے مسترد کی تھی۔ ویسے بھی ہمیں نوم پنہہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا تھا۔ کوئی گڑبڑ ہونے سے پہلے ہم وہاں سے ہزاروں میل دور نکل گئے ہوتے۔

چاؤفان سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہو گئیں۔ اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ہمیں نوم پنہہ میں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ لیکن کسی بھی وقت خرابی کا آغاز ہو سکتا تھا۔

چاؤفان سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ دو سگریٹ پھونک کر بھی چین نہ آیا تو میں نے آواز بند کر کے ٹیلی ویژن کھول دیا تا کہ رنگین اور متحرک تصویروں سے ہی دل بہلاتا رہوں۔

غزالہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ پچھلی شام لمبی نیند لے لینے کے باوجود اس کی وہ مدہوشی ظاہر کر رہی تھی کہ بنکاک سے نوم پنہہ تک کے طویل سفر نے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔

بستر پر لیٹ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے میں غسل خانے میں جا گھسا۔ ارادہ یہ تھا کہ پوری طرح تیار ہو کر ناشتا کرنے کے لیے نیچے جاؤں گا اور واپسی پر دیکھوں گا کہ بقیہ لوگوں میں سے کون کون بیدار ہو چکا تھا۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ اول خان کی کال آ گئی۔ میں نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا تو اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔'' اوہ...... تم جاگ رہے ہو!''

''میں کوثر اور صمد خان کے نکاح کے بعد ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا...... یہ......''

میری وضاحت پوری ہونے سے پہلے اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خوش مزاجی سے میری بات اچک لی۔'' یہ ان دونوں کے جاگنے کی رات تھی۔ تم کیوں نہیں سو سکے!''

''سچ پوچھو تو میں اب بھی ان کے لیے فکر مند ہوں۔ دونوں تنک مزاج اور منہ پھٹ ہیں۔'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔'' ان کے درمیان کسی بات پر ٹھن گئی تو یہ زبردستی کی شادی کراچی پہنچتے پہنچتے خطرات سے دوچار ہو جائے گی۔''

''ایسی پریشان کن باتیں نہ سوچو......'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔'' ویرا بہت سمجھدار لڑکی ہے، وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد...... تم نے مجھے کن باتوں میں الجھا لیا۔ میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ جلال کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔''

''تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا، اس نے کھلے دل سے اجازت دے دی اور میں اس کے کمرے کی طرف ہو لیا۔

راستے میں میں نے جلال کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور ذرا سی دیر تک جواب کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف پھیلی ہوئی مکمل خاموشی نے اول خان کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کر دی، وہاں سے فون کا جواب مل رہا تھا نہ دستک کا۔

میری طرح اول خان بھی تیار تھا۔ وہ ہمیشہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ مجھے بارہا تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر لوٹنے کے باوجود اپنے وقت پر بستر چھوڑ دیتا تھا۔ یہی حال جلال کا بھی تھا۔ وہ ان حرام خور سرکاری افسروں میں سے نہیں تھا جو قوم کے سرمائے سے بھاری تنخواہیں لینے کے باوجود دن چڑھے اپنے دفتروں کا رخ کرتے ہیں اور برائے نام کچھ فائلیں ادھر ادھر کر کے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے خوش گپیاں کرتے ہیں پھر قبل از وقت اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جلال کو حالات کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ پاکستان

میں اپنے کام ادھورے چھوڑ کر ہمارے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ طے ہو جانے کے بعد اس کے دماغ پر واپسی کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کی شادی میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی۔ وہ ایسے وقت ظہور میں آ گئی جب ہم سب ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے۔ میری دانست میں وہ جلال کی شخصیت کا کمال تھا کہ وہ دونوں کوئی پس و پیش کیے بغیر یکا یک ایک دوسرے سے زیادہ رضامند نظر آنے لگے اور اول خان نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں نکاح کے مقدس رشتے میں باندھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ہر طرف سے آسودہ اور مطمئن ہونے کے بعد جلال خاموشی سے نشتوں کے حصول کے لیے نکل گیا ہوگا۔

میری رائے سن کر اول خان کی تشویش رفع ہو گئی۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ پکا سپاہی تھا۔ معمول سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات سامنے آتے ہی اس کی جنگی جبلت بیدار ہو جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اس کے ذہن میں منفی امکانات کا نزول شروع ہو جاتا۔ وہ ایک سے زائد مواقع پر مجھ سے اعتراف کر چکا تھا کہ دلیری اور ہوشیاری بلکہ مکاری کے ساتھ دشمن سے لڑنا اور یکا یک اور ڈھیر کر دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ باتوں کے داؤ پیچ وغیرہ سے وہ بہت دور تھا۔ اس داؤ پیچ میں حالات کا تجزیہ کر کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ امکانات پر سر کھپانا بھی شامل تھا!

ہم دونوں کوئین ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ناشتے کے لیے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ سارے لوازم دو میزوں پر خوب صورتی سے ڈھیر تھے مگر مہمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کام سے آئے ہوئے مہمان جلال کی طرح اپنے دھندوں پر نکل چکے تھے۔ چھٹی پر آنے والے شاید اپنے کمروں میں پڑے دیر تک سونے کا مزے لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں نے بڑی میزوں پر سے پلیٹیں اٹھائی ہی تھیں کہ اول خان نے زور سے مجھے کہنی ماری۔ میں نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا اور میری گردن غیر ارادی طور پر اس طرف گھوم گئی جدھر وہ دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے وہ منظر بہت روح پرور اور سکون بخش تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا ہم سے پہلے ایک میز پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بہت لاڈ سے چمچے کے ذریعے گلاب جامن نما کوئی مٹھائی ویرا کو کھلا رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کی تازگی اور بشاشت قابل دید تھی۔ وہ دونوں لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کی ذات میں یوں کھوئے ہوئے تھے جیسے ان کے سوا وہاں کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔

''زیادہ غور سے نہ دیکھو، انہیں نظر نہ لگ جائے'' اول خان نے دھیرے سے کہا ''اب ان کے مرادوں کے دن آئے ہیں۔ اللہ انہیں سدا یوں ہی ایک جان، دو قالب رکھے۔''

ہم اپنی پلیٹوں میں اپنی پسند کی اشیا لے کر دانستہ ایک دور افتادہ میز پر چلے گئے تا کہ ہماری موجودگی ان کے چونچلوں میں حارج نہ ہو۔ انہیں مفاہمت، رواداری اور ایک دوسرے کے لطیف جذبوں کو سمجھنے کے لیے نئی زندگی کی ابتدائی مرحلے میں خلوت کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنے گرد و پیش میں بیٹھے ہوئے اجنبیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سب چند لمحوں کے ساتھی تھے۔ وہاں سے اٹھتے تو شاید زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے سامنا نہ ہوتا۔ ہمیں دیکھ کر وہ فوری طور پر محتاط ہو جاتے۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس وقت کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم جلد ہی وہاں سے نکل گئے۔ ان دونوں کو پتا بھی نہیں چلا کہ ہم وہیں موجود تھے۔ وہ دونوں میز کے گرد یوں جم کر بیٹھے ہوئے تھے جیسے رات کا کھانا بھی اسی میز پر کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ انہیں یوں منہمک اور خوش دیکھ کر میرا دل آسودہ ہو گیا۔

ہمیں ناشتے میں مشکل سے نصف گھنٹا لگا ہوگا۔ نمٹ کر اوپر گئے تو وہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جلال لوٹ آیا تھا۔ اس نے انٹرکام کا استعمال کر کے غزالہ کو اٹھا دیا تھا۔

''سب کہاں غائب تھے۔'' ہمیں دیکھتے ہی وہ بولائے ہوئے انداز میں بولا ''صمد اور کوثر ایسے بے سدھ سو رہے ہیں کہ میں فون کر کر کے زچ آ چکا ہوں......''

''سکون سے کام لو!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟''

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے گھورا پھر الفاظ چبا چبا کر بولا ''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم ایک بجے کی پرواز سے یہاں سے نہ نکلے تو کل تک یہیں پڑے رہیں گے۔''

''کیا نوم پنہہ بین الاقوامی پروازوں کے سلسلے میں اتنا یتیم ہے؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا ''یومیہ صرف ایک پرواز ہے۔''

''یہاں سے براہِ راست کراچی کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں ہے۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا ''بنکاک کی دس پروازیں ہیں۔ تمہاری وجہ سے ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو چکا ہے۔ ڈان کے کسی گرگے نے دیکھ لیا تو آفت آ جائے گی۔ ہانگ کانگ کے لیے صبح سویرے تین پروازیں نکل چکی

ہیں۔ ایک چھوٹی ایرلائن کی آخری پرواز ایک بجے روانہ ہوگی۔ میں اس کے ٹکٹ لے آیا ہوں۔''

اس کی بات نہایت معقول تھی۔ میں نے غزالہ کو اسی لمحے ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ ہنسوں کے جوڑے کو وہاں سے بلا لائے۔

''ہمیں صرف دو گھنٹے کے لیے ہانگ کانگ میں ٹرانزٹ کرنا ہوگا۔ وہاں سے کیتھی پیسفک کی پرواز پر کراچی کے لیے نشستیں کنفرم ہو چکی ہیں۔'' کچھ وقفے کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔ ''ہم شام سے پہلے کراچی پہنچ سکتے ہیں۔''

سلطان شاہ اور ویرا کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر سن کر وہ قدرے پرسکون ہو چکا تھا۔ وہ اوپر آتے ہی اپنے تھیلے اٹھا کر روانہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت ہم تینوں جلال کے کمرے میں موجود تھے۔ چند منٹ میں بقیہ نفری بھی آ گئی۔ سلطان شاہ حیران تھا کہ ہمیں اس کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر کیسے ملی؟ وہ کسی وضاحت یا مذاق کا وقت نہیں تھا۔ ان دونوں کو صورتِ حال کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے کمرے میں جا گھسے۔ میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں ویرا کی زبان کی تیزی اور طراری کو قرار آ چکا تھا۔ وہ کوئی حجت کیے بغیر سلطان شاہ کے اشاروں پر عمل کر رہی تھی۔

میں نے پچھلی شام ہوٹل کے کاؤنٹر پر پانچویں ساتھی کی آمد کا عذر پیش کر کے اپنے کوائف ادھورے چھوڑ دیے تھے۔ فارم پر ذہن میں آنے والے نام الل ٹپ لکھ دیے تھے جو ہمارے لیے آنے والے پاسپورٹوں سے مختلف تھے۔ ہوٹل چھوڑتے ہوئے وہ قصہ اٹھنا ناگزیر تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہم دو دو کی ٹولیوں میں وہاں سے نکلیں۔

ٹولیاں قدرتی طور پر وجود میں آ چکی تھیں۔ پہلے جلال اور اول خان نے لفٹ کا رخ کیا۔ ان کو اپنا حساب بے باق کر کے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنا تھا۔ ان کے بعد نئے جوڑے کی باری آئی۔ انہیں اپنی چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے نکل جانا تھا۔ ان سے کوئی نہ پوچھتا کہ وہ واپس آئیں گے یا ہمیشہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

چند منٹ کا وقفہ دے کر میں غزالہ کے ساتھ نیچے اترا تو سلطان شاہ اور ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جلال اور اول خان کاؤنٹر پر کھڑے بے چینی سے اپنے حساب کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہماری طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ میں نے چابی دی تو کلرک نے مجھے پہچان کر پاسپورٹوں کے بارے میں سوال کیا۔

''ہمارا پانچواں ساتھی پھنس گیا ہے۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''ہم کو اسے چھڑانے کے لیے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔''

اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ''کیا اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب کے پاسپورٹ غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے۔ وہ سیسوپھون سے اگلی سرحدی چوکی پر ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا ہے۔ جب تک ہم وہاں جا کر سرحدی پولیس کو یقین نہیں دلائیں گے کہ وہ پاسپورٹ ہمارے ہیں جو غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے، اس کی جان نہیں چھوٹے گی۔''

''اوہو...... یہ بہت برا ہوا۔ اب میرے ریکارڈ کا کیا ہوگا!'' اس کے چہرے پر تشویش کی علامات ابھر آئیں ''میں نے بھروسا کر کے تمہیں کمرے دے دیے تھے۔ مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا کہ میں نے تمہارے پورے کوائف لیے بغیر کمرے کیوں دیے؟''

''کچھ کرلو۔'' میں نے اسے آنکھ مار کر کہا ''مشکل یہ ہے کہ ہم چاروں کا چوکی پر جانا ضروری ہے ورنہ صرف ایک آدمی چلا جاتا۔ ذرا سی بے پروائی سے وقت کے ساتھ پیسا بھی برباد ہوگا۔''

''دیکھنا پڑے گا۔'' اس نے ہمارے روم کارڈز پر نظر دوڑاتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ ''ان معاملات میں حساب نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں رقم چھوڑنی ہوگی۔ واپس لوٹ کر پاسپورٹ دکھاؤ گے تو فائنل بل بنا دیا جائے گا۔ پیسے بھی واپس مل جائیں گے۔''

میرے حساب سے ہمارے تین چار سو ڈالر فاضل جمع تھے۔ سودا برا نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ جلال اور اول خان حساب کر کے باہر جا چکے تھے۔

''گڈ لک!'' میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا ''واپسی پر تم سے ملاقات ہوگی۔''

ہم دونوں باہر نکلے اور نکلتے چلے گئے۔ ہوٹل کے پورچ میں ان چاروں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ احاطے سے باہر جانے پر وہ کچھ دور کھڑے ہوئے نظر آ گئے۔ سب کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی تھیں۔

ان لوگوں نے وقت برباد نہیں کیا تھا۔ دو خالی ٹیکسیاں ان کے قریب رکی ہوئی تھیں۔

جلال ہمارے ساتھ آ گیا۔ اول خان دوسری ٹیکسی میں

سلطان شاہ اور ویرا کے ساتھ سوار ہوگیا۔ دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے نوم پنہہ انٹرنیشنل ایرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

''ہوٹل میں پاسپورٹ کا کیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا؟'' راستے میں جلال نے پوچھا۔

ہوٹل سے الگ الگ ٹکڑیوں میں روانہ ہونے کی تجویز کو اس نے میری احتیاط پر محمول کیا تھا۔ وہ پورے قصے سے بے خبر تھا۔ میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ دیر تک ہنستا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے اپنے پانچویں ساتھی کے پکڑے جانے کی کہانی کیسے گھڑ لی۔ وہ کہانی بے داغ تھی۔ ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنا ہمیشہ سے جرم ہے۔ جرم کی تردید کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ بقیہ پاسپورٹ غلطی سے رہ گئے تھے۔ ثبوت کے طور پر ہر فاضل پاسپورٹ کے حامل متعلقہ حکام کے پاس پیش ہونا ضروری تھا۔

''ایسی باتیں آرام دہ بستر میں سکون سے لیٹ کر سوچی جاسکتی ہیں۔ بگڑے ہوئے حالات میں ان کا کسی عام ذہن میں آنا محال ہے'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''الجھن یا پریشانی کی صورت میں انسان کی رہی سہی عقل بھی ماؤف ہوجاتی ہے۔''

''سرحدی تجربات تازہ تھے۔ میں نے ان سے فائدہ اٹھالیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں شروع سے دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ دیکھی اور سنی ہوئی ہر بات تمہارے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو یہ سب تمہیں بر وقت یاد آجاتا ہے۔''

''اس میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں ہوتا۔ سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب ہمارا مراجعت کا سفر شروع ہوگیا ہے۔ ان باتوں کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ اب ڈی این اے کی تصدیق کا مرحلہ کب سر ہوگا؟ تم ہدایات کب دو گے؟''

''ہوٹل سے نکلتے ہی وہ پہلا کام تھا جو میں نے کر ڈالا۔ فون پر ہدایات دے دی ہیں۔ اوکاڑہ میں میرے آدمی تیار تھے۔ وہ آج ہی گداگر کے جسم سے سیمپل لے کر کراچی روانہ کردیں گے۔ یہ سمجھ لو کہ تمہاری خودکشی کا ڈراما میرے کیریر کا سب سے بڑا جوا ہے۔ میں اس کے لیے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ صرف تمہاری رضامندی ضروری تھی۔''

''میں کبھی وہاں نہیں گیا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''مگر میرا اندازہ ہے کہ اوکاڑہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں جدید طبی سہولتیں عنقا ہوں گی۔''

''وہ ایسی ہی جگہ ہے۔'' اس نے میری تائید کی ''اس شہر کی اہمیت اس چھاؤنی کی وجہ سے ہے جو آبادی سے بارہ کلومیٹر پرے ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ چھاؤنی کے کمبائنڈ ملٹری اسپتال کے کمانڈنگ آفیسر سے میں بات کر کے آیا تھا۔ میرے آدمی جس وقت بھی مطلوبہ شخص کو لے کر اوکاڑہ کینٹ کے سی ایم ایچ پہنچیں گے۔ ذرا سی دیر میں سیمپل لے کر محفوظ کرلیا جائے گا۔ یہ سارے پہلو میری نظروں میں تھے۔''

''امریکا سے رپورٹ آنے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔ اس وقت تک میری پوزیشن کیا ہوگی؟ ڈسنے والے اندیشے ایک مرتبہ پھر میرے دماغ میں سر ابھار رہے تھے۔

''تم فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تم ڈینی نہیں قمر علی ہو، ایک نیا نام، ایک نئی شخصیت!''

''یہ سوچ کر دل اداس ہوجاتا ہے کہ اب نام بھی میرا اپنا نہیں رہے گا۔ بس ایک تڑپ یہ زخم سہنے کی ہمت دے رہی ہے کہ اب میں اپنے وطن، اپنے گھر لوٹ جاؤں گا۔''

''نہ، نہ...... یہ نہ سوچنا۔'' اس نے تیزی سے کہا ''تم اپنے وطن ضرور لوٹ رہے ہو مگر بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کرو گے۔ وہ ڈینی کا گھر ہے جو خودکشی کر چکا ہے۔ اسے سرکاری تحویل میں لے کر نیلام کردیا جائے گا۔ رقم کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ جائے گی۔ یہ مہینوں بلکہ سالوں کی کہانی ہوگی۔ اب تم ایک نئے گھر میں بہت سکون سے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کرو گے، جہاں کوئی ہاتھ تمہاری طرف نہیں اٹھ سکے گا۔''

مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مجھے جہانگیر یاد آ گیا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا ''میں جہانگیر اور سلمٰی سے تو مل سکوں گا نا؟''

''نہیں!'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ ہوگئی ''بہ ظاہر نام بدل لینا بہت آسان معلوم ہوتا ہے لیکن تم نے ایک بہت مشکل مگر اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے حق میں وہ بیم گن سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اس پر نگاہیں لگی رہیں گی۔ تم کو ہر ایسی چیز اور فرد سے دور رہنا ہوگا جس کے ذریعے تمہاری شناخت ہوسکے۔ تم خوش اخلاق اور ملنسار ہو۔ بہت جلد اپنے نئے دوست بنالو گے۔''

''تو کیا تم بھی میرے لیے شجر ممنوعہ بن جاؤ گے...... اول خان کا کیا ہوگا؟ یہ تنہائیاں تو مجھے کھا جائیں گی، یہ سب میرے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا۔''

''دیکھو، تم پھر جذباتی ہو رہے ہو۔ ہماری بات دوسری ہے۔ ہمارے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں، ہم سیکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ ہم ڈینی کی شناخت نہیں ہیں۔ تم سے

ملتے جلتے رہیں گے۔ جہانگیر کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ تمہارا جگری دوست ہے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہے۔ تمہارے دوست اور دشمن، سب جانتے ہیں کہ صرف تم اس سے ملتے ہو۔ تم نے ادھر کا رخ بھی کیا تو مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔''

''کڑی پابندیاں ہیں نام بدلنے کی۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''امریکی کتوں نے مجھے اپنی مٹی پر اجنبی بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے چوروں کی طرح اپنے ماضی سے بالکل کٹ کر نئی زندگی گزارنی ہوگی۔ کاش! میری دعا قبول ہو، میں ایک بیٹے کا باپ بن جاؤں پھر میں بیس برس بھی انتظار کرلوں گا۔ میں نے قانون سے ماورا جنگ لڑی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو قانون کے رکھوالوں میں شامل کروں گا۔ میرے خون کو قانون کی طاقت اور پشت پناہی حاصل ہوگی تو وہ ان کتوں سے میری ساری محرومیوں کا حساب چکا لے گا۔''

''میری دلی دعا ہے کہ اللہ تمہیں نرینہ اولاد عطا کرے۔'' وہ بولا۔

ٹیکسی میں کچھ دیر کے لیے روح کو کاٹنے والا سکوت چھا گیا۔ شاید کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ آخر میں نے ہی وہ سکوت توڑا۔ سوال میرے ذہن میں بگولوں کی طرح چکرانے لگے تھے۔ ''میرا گھر نہیں ہے تو میں کراچی پہنچ کر کہاں جاؤں گا؟''

''میرے محکمے کا آرام دہ ریسٹ ہاؤس تمہاری واپسی کا منتظر ہے۔ جب چاہو، تم اپنی پسند کا کوئی مکان خرید لینا۔'' اس کی آواز پست ہوگئی۔

''مکان خرید لینا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں اس کے کہے ہوئے آخری الفاظ دہرائے پھر کہا ''شاید تم کو علم نہیں کہ میری ساری پونجی جہانگیر کی بیوی کے پاس امانت ہے۔ مجھے ان سے ملنے کی ممانعت ہے۔ ان کے لیے میں خودکشی کر چکا ہوں......''

''تم اپنے ذہن پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال رہے ہو۔ یہ تمہارے مسائل نہیں ہیں۔ تم بھول گئے کہ ہم اوپر کی ہدایت پر سرکاری حیثیت میں آئے ہیں تاکہ تمہیں باور کرا سکیں کہ اب تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرنا ریاست کے ذمے ہوگا۔ تم امریکیوں سے نالاں ہو، ٹھیک ہے۔ ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچو کہ تمہارا ملک تمہاری خدمات کا کیسا کھلا اعتراف کر رہا ہے۔''

جلال کے حساب کتاب میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ اپنا پورا ہوم ورک کر کے کراچی سے روانہ ہوا تھا۔ وہ خود وقت اور حالات کے دھارے پر بہہ رہا تھا۔ سامنے آنے والی ٹھوس زمینی حقیقتوں کو لوٹانا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس سے جو کچھ ممکن تھا، وہ کر رہا تھا۔ اس کی ذات سے ان ہونی باتوں کی توقع عبث تھی۔

ٹیکسی آہستگی سے رک گئی۔ میں جلال سے باتوں میں اس طرح الجھا رہا کہ مجھے یہ پتا ہی نہیں چلا کہ کب ہم ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہوئے اور کب دونوں ٹیکسیاں لاؤنج کے سامنے پہنچ گئیں۔

ٹیکسی سے اترنے تک میرے دل ودماغ کا ابال کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ جب میں نے سلطان شاہ کو بہت محبت کے ساتھ ویرا کا بازو تھام کر گاڑی سے اتارتے ہوئے دیکھا تو میرا دل خوشی سے لبریز ہوگیا۔ دل سے رہی سہی کلفت بھی زائل ہوگئی۔

دوسری ٹیکسی میں آنے والوں کو میرے اور جلال کے مذاکرات کا کوئی علم نہیں تھا۔ سب پاکستان واپسی کے خیال سے نہال تھے۔ سلطان شاہ اور ویرا کی خوشی دہری تھی۔ انہوں نے پوری دنیا کا چکر لگانے کے بعد آخر کار ایک دوسرے کی صورت میں اپنی زندگی کے ہم سفر پا لیے تھے۔

ٹریفک کے ہجوم اور فاصلے کی وجہ سے اس سفر میں کافی وقت ضائع ہوگیا تھا۔ پھر بھی ہم متعلقہ کاؤنٹر کھلنے سے چند منٹ پہلے ہال میں پہنچ گئے۔

ہم میں سے کسی کے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ جلال ہمیں چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف گیا تو میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر دوسروں سے الگ ہوگیا۔

''تم پاکستان سے آئے ہو، ابھی تک جہانگیر کی کوئی خیر خبر نہیں سنائی۔'' میں نے علیحدگی میں اس سے شکوہ کیا۔

اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بولا ''میں دانستہ اس کا ذکر کرنے سے کترا رہا تھا۔ تمہاری خودکشی کی خبر پر اس کا حال بہت ابتر ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا ...... میری خودکشی کا واقعہ کتنا پرانا ہے؟''

''جلال نے سب کچھ بہت تیزی سے ایک ساتھ کر ڈالا۔'' وہ بتانے لگا ''اس قیدی کی خودکشی کا واقعہ پرانا نہیں ہے۔ یہ پرسوں شام کی خبر ہے۔ میں کل اپنے باس کے حکم پر گوادر سے کراچی پہنچا تو اخبارات کے پہلے صفحے پر وہ سنسنی خیز خبر نمایاں تھی۔ میں جلال کے کھیل سے واقف تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم صدف مینشن کے قیدی بنو۔ تمہارے شعبے میں دو

آدمیوں کی گرفتاری اور بازپرس کی خبریں کئی روز سے آرہی تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم بنکاک میں ہو۔ مجھ پر نئی خبر کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر مجھے جہانگیر کی فکر تھی۔ پہلے میں جلال سے ملا۔ اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں مجھے پوری بریفنگ دے ڈالی۔ ہماری روانگی میں وقت باقی تھا۔ میں نے دلاسا دینے کے لیے جہانگیر کوفون کیا تو وہ پھٹ پڑا۔ میری آواز سنتے ہی ایسا پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ میرا دل پانی ہوگیا۔ وہ تمہیں اپنا دوست، مربی، باپ اور نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بین سے میرا دل پھٹ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے جانے سے وہ یتیم ہوگیا۔ شدید خواہش کے باوجود میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کرسکا کہ تم زندہ ہو۔ تمہاری خودکشی ایک سوچا سمجھا ڈراما ہے۔''

''وہ واقعی مجھے یاد کر کے برسوں روئے گا۔'' میں نے اداسی سے کہا ''اس کی شراب نوشی بڑھ جائے گی۔ اسے کوئی نہیں سمجھا سکے گا۔ وہ میری دوستی پر بہت ناز کرتا ہے۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔ وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا'' اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا ''ظلم وتکبر کا یہ دور بھی نہ کبھی ختم ہوگا اور تم اپنے دوستوں میں پہنچ جاؤ گے۔''

''امید......'' میں نے زہرخند کے ساتھ کہا ''یہ امید ہی انسان کو زندہ رکھتی ہے ورنہ اور کیا رکھا ہے زندگی میں۔ تم نے جلال کو جہانگیر کے بارے میں بتادیا تھا؟''

''ایک ایک لفظ بتادیا تھا۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں کہا'' جہانگیر کا حال سن کر وہ بھی آزردہ ہوگیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تمہاری دوستی اور دشمنی، دونوں میں شدت کی انتہا ہوتی ہے۔ دوست تمہارے لیے روتے ہیں، دشمن تمہارا خون پی جانا چاہتے ہیں۔''

''وہ بہت گہرا اور گھنا ہے'' میں نے پُرخیال آواز میں کہا ''راستے میں اس سے جہانگیر کے بارے میں کافی باتیں ہوئی ہیں لیکن وہ جہانگیر کے صدمے کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لایا۔''

''وہ ذہین ہے، جانتا تھا کہ وہ سب سن کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔''

اسی لمحے جلال لپکتا ہوا ہماری طرف آ گیا۔ کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ وہ جلدازجلد کارروائیوں سے گزر کر بورڈنگ لاؤنج میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

کاؤنٹر پر اس وقت تک صرف ہم لوگ تھے۔ شاید وہاں سے جانے والے سامان سے لدے پھندے ہوتے ہوں گے۔ لڑکی کو حیرت ہوئی کہ چھ کا گروپ ہونے کے باوجود ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

جلال کی پھیلائی ہوئی ہڑبونگ میں غزالہ کا ناشتارہ گیا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ میں سب کو لے کر بورڈنگ لاؤنج کے کیفے میں پہنچ گیا۔ جہاں ہم بورڈنگ کا اعلان ہونے تک سکون سے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

سب کے کان پیجنگ سسٹم پر وقفے وقفے سے ابھرنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ کمبوڈین لہجے میں بولی جانے والی انگریزی کو ہلکی سی گونج نے دوآتشہ کردیا تھا جس سے ہمارے کان مانوس نہیں تھے پھر بھی پرواز کا نمبر سمجھ میں آرہا تھا۔

ہر اعلان کے بعد لاؤنج میں بھرے ہوئے مسافروں کی ایک بڑی کھیپ اٹھ کر کسی دروازے کے سامنے صف آرا ہوتی اور دروازے کے پار غائب ہوجاتی۔ نئے آنے والے ان کی جگہ لے لیتے۔ مسافروں کی تعداد سے اندازہ ہورہا تھا کہ نوم پنہہ کا بین الاقوامی ہوائی اڈا خاصا مصروف رہتا تھا۔

آخرکار ہماری بورڈنگ کی ہدایت بھی آ گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی اول خان افسردہ لہجے میں بولا'' بگل بج گیا......کوچ ہونے والا ہے، یہاں ڈیٹی کا باب بند ہوگیا۔''

جلال نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ اس وقت ہر قسم کی جذباتی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہ رہا تھا۔ میں ان دونوں کونظرانداز کر کے اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارے طیارے نے رینگتے رینگتے یکایک پوری قوت سے دوڑ لگا کر زمین چھوڑ دی۔

مسکراہٹوں کی سرزمین سے ہمارا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ڈان، چاؤفان، پھوم فاٹ، ماداملی سیاؤنینگ اور اس کی فتنہ انگیز ادائیں، گوگی...... سب کچھ پیچھے، بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ہم بلندی پر ہانگ کانگ کی طرف اڑے جارہے تھے جہاں سے ہمیں اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہ وہی منزل تھی جس کے لیے پچھلی رات تک میرا دل بار بار تڑپ رہا تھا۔

جلاوطنی ختم ہوگئی تھی۔ پورا کارواں وطن واپس جارہا تھا۔

☆☆☆

مین ریلوے لائن پر ساہیوال اور اوکاڑہ کے درمیان گیمبر کا چھوٹا سا اسٹیشن آتا ہے جس کے مختصر پلیٹ فارم پر ہروقت دھول اڑتی رہتی ہے۔ مخصوص مال گاڑیوں کے علاوہ کوئی میل یا ایکسپریس ٹرین یہاں نہیں رکتی، تیز وسل بجاتی ہوئی، پٹریوں کے ساتھ بنی ہوئی جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کے قریب سے گزرتی چلی جاتی ہے۔

اسٹیشن کے ایک طرف گرانڈ ٹرنک روڈ ہے جس کے

ساتھ دور تک اوکاڑہ چھاؤنی کا فوجی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ ریلوے لائن کے پار بسی ہوئی بستی کا نام گیمبر ہے جہاں عیسائی اقلیت کی کچھ تعداد بھی ایک قبیلے کی صورت میں رہتی ہے۔ وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ لیکن حسن سلوک کے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ گیمبر میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

آبادی سے آگے کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان میں نے اپنی نئی دنیا بسائی ہوئی ہے۔ میرے پاس گاڑی بھی ہے اور زرعی زمین بھی جہاں گیمبر اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے ہاری کام کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں غزالہ کی محبت کی اسیر ہیں۔ روز ہی دو چار ہمارے گھر چلی آتی ہیں اور غزالہ کو پلکی بھی نہیں چھوڑنے دیتیں۔ گھر کے سارے کام کاج کرنے کے ساتھ میرے دو سالہ بیٹے شمشیر علی کو کسی نازک پھول کی طرح ہاتھوں ہاتھ رکھتی ہیں۔

کبھی کبھی میں غزالہ اور شمشیر کو گاڑی میں اپنے ساتھ لے کر اوکاڑہ کی طرف نکل جاتا ہوں جہاں وہ خستہ تن اور بدحال گداگر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیے رہتا ہے جس کے استخوانی بدن سے چرائے ہوئے چند ریشوں نے ہمیشہ کے لیے ڈینی کا نام امریکیوں کے ریکارڈ سے خارج کر دیا۔ میرے خلاف کھلی ہوئی فائلیں بند ہو چکی ہیں اور میں اس زرعی ویرانے میں قمر علی کے نام سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب شمشیر ہوش سنبھالے گا اور میں اسے اپنی زندگی کے کھوئے ہوئے باب سنا سکوں گا۔

جب جاتا ہوں، اس گداگر کو اتنا کچھ دے آتا ہوں کہ وہ چند دن بے فکری سے گزار سکے لیکن دوبارہ جاتا ہوں تو اسے پھر اسی حال میں پاتا ہوں...... ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ نہ جانے وہ میرے دیے ہوئے پیسوں اور کپڑوں کا کیا کرتا ہے۔

میرے لیے کراچی میں اچھوت بن کر رہنا ناممکن تھا۔ وہ کرب میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے جلال کے محکمے کے ریسٹ ہاؤس میں رہتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی بقیہ زندگی کسی دور افتادہ اور گم نام مقام پر گزاروں گا۔ غزالہ کو وہیں چھوڑ کر میں نکلا اور پشاور کا ٹکٹ خرید کر خیبر میل میں سوار ہو گیا۔ میل کے نام پر سسک سسک کر سفر طے کرتی ہوئی گاڑی مجھے بہت پسند آئی کیونکہ اس کے ذریعے مجھے راستے کے چپے چپے کو غور سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

گیمبر پر میری نظر ٹھہر گئی۔ ٹرین وہاں نہیں ٹھہری۔ اوکاڑہ اتر کر میں نے دو دن ان اطراف میں لگائے اور جلال کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اگلے ایک ہفتے میں میرے لیے اس گھر کا بندوبست ہو گیا۔

ویرا کے تیور نکاح ہوتے ہی بدلے بدلے سے نظر آنے لگے تھے۔ وہ ایسی شوہر پرست نکلی کہ کراچی پہنچنے کے دوسرے روز سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گاؤں روانہ ہو گئی۔ ان دونوں کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ جلد از جلد کراچی سے دور چلے جائیں۔ وہ کئی بار میرے پاس آ چکے ہیں۔ کئی کئی دنوں تک ہم چاروں ایک کمرے میں بند ہو کر ماضی کی اچھی اور بری یادوں کے سحر میں کھوئے رہتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں لوٹ جاتے ہیں تو میں پھر ڈینی سے قمر علی بن جاتا ہوں، جس کے بینک اکاؤنٹ میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو نہ جانے کہاں سے بیس ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں جو ہم تینوں کے مختصر خاندانوں کے لیے کافی سے زیادہ ہوتے ہیں۔ فصلوں کی آمدنی جمع ہوتی رہتی ہے جو اللہ نے چاہا تو شمشیر کی تعلیم وتربیت کے اخراجات پورے کرنے کے کام آئے گی۔

کراچی سے گیمبر آ کر ایک بڑا سکھ ملا ہے۔ جلال اور اول خان بے خوف ہو کر ہمارے پاس چلے آتے ہیں۔ کراچی کی طرح یہاں دیواروں کے کان نہیں ہوتے۔ ان کے لیے میں پرانا ڈینی ہوتا ہوں۔ ان ملاقاتوں میں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی ہو۔

مجھے بس ایک قلق ہے کہ میں اب تک جہانگیر سے ملنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ مجھے اس دن کا انتظار ہے جب میرا بیٹا کچھ بڑا ہو کر بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو سکے۔ اس وقت میں اسے اور غزالہ کو ساتھ لے کر جہانگیر کے گھر ضرور جاؤں گا تاکہ شمشیر بچپن ہی سے یہ جان سکے کہ اس کا باپ کن لوگوں کی عزت کیا کرتا تھا۔ وہ باتیں اسے ذہن نشین کرا دی گئیں تو وہ بڑا ہو کر بھی اپنے ان بزرگوں کا احترام کرے گا جنھوں نے اس دھرتی کی آن کے لیے اپنا بہت کچھ قربان کر دیا۔

میری طرح جہانگیر بھی ایک بیٹے کا باپ تھا۔ اس کا لختِ جگر شیر خواری کے دنوں میں دشمنوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد لاہور میں اپنے ننھیال میں پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ شمشیر سے کئی سال بڑا اور ہوشیار تھا۔ ان دونوں بچوں کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ان کے بڑوں نے اپنی مٹی کا قرض کیسے چکایا ہے۔ یہ کام ہم مل جل کر ہی کر سکتے تھے۔

میں آج بھی گیمبر میں رہ رہا ہوں۔ اس دن کے انتظار میں جب میرا بیٹا بچپن کی بھول بھلیاں سے نکل کر ہوش مندی کی دنیا میں قدم رکھے گا۔ یہ زخم دھیرے دھیرے میرے سینے کا ناسور بن رہا ہے کہ اب میں ڈینی نہیں، قمر علی ہوں!

(ختم شد)